جمالین
فی شرح
جلالین

جلد اول

لِلشیخ عبد الرحمٰن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی م ۹۱۱ھ

شارح

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری

اُستاذ دار العلوم دیوبند

زمزم پبلشرز

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام ——— جمالین فی شرح جلالین جلد اول

تاریخ اشاعت ——— فروری ۲۰۱۱ء

باہتمام ——— احباب زمزم پبلشرز

ناشر ——— زمزم پبلشرز کراچی

صفحات ——— ۶۴۸

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-32729089

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509
- مکتبہ دار الھدیٰ، اردو بازار کراچی۔ فون: 32711814
- دار الاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

Madrasah Arabia Islamia
1 Azaad Avenue P.O Box 9786,
Azaadville 1750 South Africa
Tel : 00(27)114132786

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone 020-8911-9797

Islamic Book Centre
119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE
U.K
Tel/Fax 01204-389080

Al Farooq International
68 Asfordby Street Leicester LE5-3QG
Tel 0044-116-2537640

الشیخ محمد جمال القاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند (الہند)

MAULANA MOHD. JAMAL QASMI
(PROF.)

DARUL ULOOM DEOBAND
DISTT. SAHARANPUR (U.P) INDIA
PIN 247554 PHONE. 01338-224147
Mob. 9412848280

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمالین شرح اردو جلالین کے حقوق اشاعت وطباعت باہمی ایک معاہدہ کے تحت پاکستان میں مولانا محمد رفیق بن عبد المجید مالک زمزم پبلشر کراچی کو دیدیئے گئے ہیں لہٰذا پاکستان میں کوئی شخص یا ادارہ جمالین کے کل یا جزء کی اشاعت وطباعت کا مجاز نہ ہوگا بصورت دیگر ادارہ زمزم کو قانونی چارہ جوئی کا اختیار ہوگا

محمد جمال غفرلہ

استاذ دارالعلوم دیوبند الہند

۱۸ دسمبر سنہ ۲۰۰۴ء ۔ ۱۱ر [illegible] ۱۴۲۵ھ

عرضِ ناشر

الحمد اللّٰہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔۔۔

امابعد! اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو پیدا فرما کر اس کی تمام ضروریات کی کفالت فرمائی اور بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے انسانیت کے نام اپنا پیغام مختلف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ بھیجا تاکہ انسان اس کی رہنمائی میں چل کر دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کو حاصل کر سکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام سے پہلی امتوں سے کتاب ہدایت کی حفاظت نہ ہوسکی جس کے نتیجہ میں وہ نسخۂ اصلی سے محروم ہوگئے اور سیدھی راہ بتانے والا ہدایت نامہ جب نہ رہا تو اندھیروں میں بھٹکتے ہی چلے گئے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کی امت کو دی جانے والی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود خالق السمٰوٰت والارض نے اٹھائی اور کھلے عام اعلان کردیا ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ اس کتابِ زندہ کی حفاظت اللہ پاک نے ہر طرح اور ہر طبقہ کے ذریعہ کرائی، قرآن مجید کی جملہ تفاسیر اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

زیرنظر "تفسیر جمالین اردو" جلالین شریف عربی کی اردو شرح ہے، یوں تو تفسیر جلالین کی بہت سی شروحات عربی اور اردو میں لکھی گئی ہیں، لیکن "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" حضرت مولانا محمد جمال بلندشہری صاحب دامت برکاتہم العالیہ استاذ دارالعلوم دیوبند نے نہایت عمدہ اور آسان سلیس زبان میں ہر ہر مقام پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اللہ پاک امت مسلمہ کی طرف سے حضرت مصنف صاحب کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین

زمزم پبلشرز نے پوری تفسیر کو نئی آب و تاب کے ساتھ زیورِ طباعت سے آراستہ کیا جو کہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، زمزم پبلشرز نے اس تفسیر میں مندرجہ ذیل قابل قدر کام کیے:

1 ملک کے معروف خطاط "حافظ عبدالرؤف صاحب" زید مجدہ سے قرآن کریم کتابت کروایا۔
2 پروف ریڈنگ پر زرِ کثیر اور محنت شاقہ خرچ کی۔
3 عمدہ کاغذ پر ۶ جلدوں میں چھاپا۔
4 قرآن کریم کی آیات اور جلالین کی عبارت کو ممتاز کیا تاکہ پڑھنے میں سہولت ہو۔

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

سُوْرَةُ آلِ عِمْرَانَ

فہرست مضامین

سُوْرَةُ النِّسَاءِ

فہرست مضامین

فہرست نقشہ مضامین

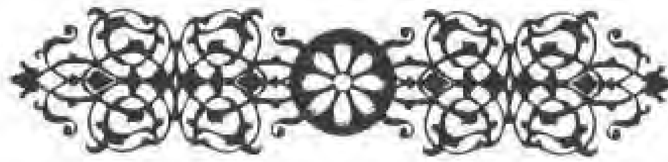

بحمد اللہ تم

فہرست مضامین جلد دوم

فہرست مضامین

فہرست مضامین

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ

فہرست مضامین

فہرست مضامین

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ

فہرست مضامین

فہرست مضامین

سورة الانفال

فہرست مضامین

فہرست نقشہ مضامین

تمت

فہرست مضامین جلد سوم

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

سُوْرَةُ الرَّعْد

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست نقشہ جات

تمت

فہرست مضامین جلد پنجم

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

بحمد اللہ تم

فہرست مضامین جلد ششم

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست نقشہ جات

کلمات بابرکت

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الحمد للّٰه رب العٰلمين والصّلوٰة والسّلام علٰى رسوله محمّد وعلٰى اٰله وصحبه اجمعين.

امابعد!!

قرآن کریم دنیا کی وہ واحد آسمانی کتاب ہے جو زمانہ نزول سے آج تک اپنی اصلی شکل وصورت میں انسان کے پاس محفوظ ہے اور قرآن کے اعلان و انا لهٗ لحافظون کے مطابق ان شاءاللہ مستقبل میں بھی ہر طرح کے تغییر وتحریف سے محفوظ رہے گی۔ اس کتاب مبین کے صفحات میں خداوند ذوالجلال نے انسانوں کو خود مخاطب بنایا ہے اور اس نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ زندگی کے سفر میں اس کے اپنے بندوں سے کیا مطالبات ہیں جن کو پورا کر کے انسان آخرت میں فوز وفلاح سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

اس کتاب میں خدا نے انسان کو عربی زبان میں مخاطب کیا ہے اور قرآن ہی میں خدا نے رسول پاک ﷺ کو اس کی شرح وبیان کا ذمہ دار بنایا ہے، ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○

(سورۃ النحل آیت ٤٤)

تَرجمہ: اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے ان باتوں کو کھول کر بیان کر دیں جو ان کے لئے نازل کی گئی ہیں اور وہ بھی اس پر غور وفکر کریں۔

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے مضامین کو کھول کر بیان کر دینا رسول پاک ﷺ کا فرض منصبی ہے اور اہل علم کو بھی اس پر

غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے، ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

(سورۂ ص آیت ۲۹)

تَرْجَمَہ: قرآن وہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا ہے، برکت والی ہے تا کہ انسان اس کی آیات پر غور وفکر کریں اور تا کہ اہل عقل نصیحت حاصل کریں۔

چنانچہ اہل بصیرت ارباب علم نے قرآن کریم کی آیات پر غور وتدبر کا حق ادا کیا، الفاظ کی تصحیح وتجوید کے طریقے مدون کئے، معانی کی تنقیح اور مسائل کی تخریج واستنباط کے قواعد وقوانین مقرر کئے، اس سلسلے میں جو باتیں حضور ﷺ سے منقول تھیں ان کی حفاظت کی، پھر عربی زبان کے قواعد اور مسلمات شرعیہ کو رہنما بنا کر الفاظ ومعانی کی وہ بیش قیمت خدمات انجام دیں جن کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کے علمی خزانے عاجز ہیں۔

اور اس طرح قرن اول سے آج تک قرآن کریم کی بے شمار مختصر اور مفصل تفاسیر وجود میں آ گئیں، انہی معتبر تفاسیر میں تفسیر جلالین ہے جو اوساط علمیہ میں قبول عام کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے کہ عہد تصنیف سے آج تک تسلسل کے ساتھ نصاب تعلیم کا جز ہے۔

اس تفسیر کے دونوں مفسرین علامہ جلال الدین محلی اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ نے نہایت مختصر الفاظ میں دقیق اشارات سے کام لیا ہے، اردو زبان میں ان دقیق اشارات کی شرح کی ضرورت تھی، نہایت مسرت کی بات ہے کہ دار العلوم دیوبند کے قدیم اور باذوق مدرس برادر محترم حضرت مولانا محمد جمال صاحب زید مجدہم نے ادھر توجہ کی اور اب ان کا اشہب قلم اس ضرورت کی تکمیل میں مصروف ہے، موصوف دس سال سے جلالین کا درس دے رہے ہیں، انہوں نے اپنے تدریسی تجربات اور قرآن فہمی کے معتبر ذوق کی مدد سے یہ خدمت اس طرح انجام دی کہ:

(الف) عام طور پر مشکل مفردات کی لغوی اور صرفی تحقیق کا اہتمام کیا، یعنی صیغہ بھی بتایا اور معانی بھی بیان کئے۔

(ب) مشکل جملوں کی ترکیب نحوی پر زور دیا اور اختلاف کے موقع پر راجح صورت کو مقدم کیا۔

(ج) اور سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ جلالین کے مختصر الفاظ میں جو فوائد ملحوظ ہو سکتے ہیں ان کی طرف پوری توجہ مبذول کی کہ مفسر کے پیش نظر کہاں لغوی ترجمہ ہے، کہاں ابہام کی وضاحت ہے، کہاں اجمال کی تفصیل ہے، کہاں معنی مرادی کی تعیین ہے، کہاں اختلاف کی طرف اشارہ ہے، کہاں ترکیب نحوی کا بیان ہے، کہاں اختلاف میں ترجیح کی جانب اشارہ ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

موصوف نے جلالین کی ترتیب تصنیف کے مطابق جلد دوم سے اپنی خدمت کا آغاز کیا ہے، دعا ہے کہ پروردگار عالم اپنے فضل وکرم سے ان کی خدمت کو طلبہ اور اہل علم کے درمیان قبول عام کی دولت سے سرفراز فرمائے اور بارگاہ خداوندی میں شرف قبول حاصل کرے، آمین۔

والحمدللّٰہ اولاً وآخراً

ریاست علی بجنوری غفرلہٗ
خادم تدریس دارالعلوم دیوبند
۱۲/ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ

آغازِ سخن وکلماتِ تشکر

الحمدللہ کہ جمالین شرح اردو جلالین نصف ثانی کی چھٹی اور آخری جلد جو کہ سورۂ احقاف سے سورۂ ناس تک مع سورۂ فاتحہ پانچ پاروں پر مشتمل ہے، منظر عام پر آرہی ہے، مولائے کریم کا یہ محض کرم وفضل ہی ہے کہ چھ ماہ کی قلیل مدت میں تقریباً سوا سات سوصفحات پر مشتمل چھٹی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، نصف ثانی کی دوجلدیں چہارم وپنجم شائع ہوکر علمی حلقوں میں قبول عام حاصل کرچکی ہیں۔

جلالین کی تشریح کرتے وقت اس بات کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جلالین کا کوئی مقام تشنہ کام نہ رہ جائے، مشکل اور پیچیدہ ترکیبوں کو بطور خاص حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لغات کو مستند اور معتبر کتابوں کی مدد سے حل کیا گیا ہے، جابجا قرآنی تاریخ کے رنگین اور سادہ نقشے دیئے گئے ہیں تاکہ معلوم ذہنی اور موجود خارجی میں مطابقت کے ذریعہ علی وجہ البصیرت استفادہ کیا جاسکے، جلد چہارم کا پہلا ایڈیشن تقریباً ختم ہورہا ہے، تصحیح واصلاح کے بعد اس کو دوبارہ شائع کیا جارہا ہے، چوتھی جلد میں بھی حسب موقع قرآنی تاریخی رنگین اور سادہ نقشوں کا اضافہ کردیا گیا ہے؛ تاکہ یکسانیت باقی رہ سکے۔

انشاء اللہ العزیز جلالین کے نصف اول کی پانچ پاروں پر مشتمل پہلی جلد چھ ماہ میں امید ہے کہ منظر عام پر آجائے گی، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس کارِ عظیم کے انجام دینے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ (آمین)

فقط والسلام

احقر محمد جمال سیفی
استاذ دارالعلوم دیوبند
فون: 01338-224147

کچھ کتاب کے بارے میں

تفسیر جلالین جس کے تفسیری کلمات تقریباً قرآنی کلمات کے برابر ہیں، اگر اس تفسیر کو قرآن کا عربی ترجمہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو تقریباً دس سال سے جلالین نصف ثانی کا درس احقر سے متعلق ہے، اس دس سالہ تدریسی تجربہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ مفسر جلالین نصف ثانی علامہ محلی اور ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علامہ سیوطی کے مختصر مگر جامع تفسیری الفاظ میں جو فوائد پیش نظر ہیں ان کی تشریح و توضیح ہی جلالین کی اصل روح ہے، جلالین کے سوالات کے پرچوں میں بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ دیگر باتوں کے علاوہ تفسیری کلمات کے فوائد کی وضاحت بھی مطلوب ہوتی ہے، اس کے پیش نظر اساتذۂ دارالعلوم دیوبند کا یہ طریقہ رہا ہے کہ تفسیری کلمات کی وضاحت فرماتے ہیں، تفسیری کلمات کے فوائد اگرچہ جلالین کی شروح و حواشی میں جابجا ضمنی اور منتشر طور پر ملتے ہیں، مگر اس کو عنوان اور موضوع بنا کر جس توجہ کی ضرورت تھی اس کی ضرورت اور اہمیت کے مطابق اس پر توجہ نہیں دی جا سکی۔

تفسیری کلمات اور ان کے فوائد

شارح کے فرائض میں جہاں متکلم کے کلام کی گرہ کشائی اور وضاحت ہوتی ہے وہاں مندرجہ ذیل امور بھی توجہ طلب ہوتے ہیں چنانچہ علامہ سیوطی اور علامہ محلی نے ان باتوں کی طرف اکثر اجمال و اشارات سے کام لیا ہے ان ہی اشاروں کی توضیح اور اجمال کی تفصیل جلالین کو درس میں داخل کرنے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔

شارح کا مقصد کہیں تو معنی لغوی کی وضاحت ہوتی ہے، اور کہیں مقصد تعیین معنی ہوتا ہے، اور کہیں متضمن معنی بیان کرکے صلہ کی تصحیح مقصد ہوتی ہے تو کہیں اضافہ کا مقصد کسی شبہ کا ازالہ اور اعتراض کا دفعیہ ہوتا ہے، اور کہیں بیان مذہب کی طرف اشارہ ہوتا ہے، تو کہیں ترکیب نحوی کا حل، اور کہیں صیغہ کی تعیین و تعلیل پیش نظر ہوتی ہے، تو کہیں کسی واقعہ کی طرف اشارہ کرنا مقصد ہوتا ہے، اور کہیں اختلاف قراءت کو بیان کرنا مدنظر ہوتا ہے، تو کہیں شان نزول کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔

پیش نظر شرح میں کوشش کی گئی ہے کہ مذکورہ امور پیش نظر رہیں تاکہ اب تک کی اردو شروحات میں جو کمی محسوس ہوتی رہی ہے اس کا کسی حد تک تدارک ہو سکے۔

آج ۱۲ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ ہے، ٹھیک آج سے دو سال قبل ۱۲ ذی الحجہ ہی کو جب میں نے جلد چہارم کا مقدمہ لکھا تھا تو وعدہ کیا تھا کہ ان شاء اللہ یہ مقدمہ کچھ جزوی حذف و اضافہ کے ساتھ جلد اول میں شامل کر دیا جائے گا اللہ کے فضل و کرم سے آج وہ دن آ گیا کہ جلد اول طباعت کے مراحل طے کر رہی ہے، سورۂ کہف سے آخر تک جلالین کی شرح جمالین کا نصف ثانی تین جلدوں

میں مکمل ہوکر آپ حضرات کی نذر ہو چکا ہے، اب نصف اوّل کی پہلی جلد پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، حسب وعدہ مقدمہ جزوی حذف واضافہ کے بعد جلد اول میں شامل کیا جا رہا ہے۔

چونکہ جلالین کی تصنیف کا آغاز نصف ثانی سورۂ کہف سے ہوا تھا شرح میں اسی ترتیب کو احقر نے بھی ملحوظ رکھا ہے یہ جلد جو آپ کے ہاتھوں میں ہے چوتھی جلد ہے، پانچویں جلد جو کتابت کے مرحلہ میں ہے مراحل طبع سے آراستہ ہوکر انشاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آجائے گی، پروگرام مسلسل جاری ہے، پوری شرح چھ جلدوں پر مشتمل ہوگی۔ (انشاء اللہ)

چوتھی جلد چونکہ پہلے شائع ہو رہی ہے اس لئے مقدمہ اسی کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے، انشاء اللہ جب اول جلد شائع ہوگی تو اس وقت اس مقدمہ کو کچھ مزید اضافوں کے ساتھ اول جلد کے شروع میں شامل کر دیا جائے گا، احقر کی کوشش کس حد تک کامیاب ہے یہ فیصلہ تو ناظرین ہی کر سکتے ہیں، آخر میں ناظرین سے درخواست ہے کہ اگر کوئی کمی یا غلطی محسوس فرمائیں تو احقر کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر لی جائے، ممنون ہوں گا، نیز ساتھ ہی یہ بھی گذارش ہے کہ اس ناکارہ کو دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں اور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ احقر کی اس حقیری کوشش کو ذخیرۂ آخرت فرمائے، آمین۔

محمد جمال بلند شہری،

متوطن میرٹھ استاذ

دارالعلوم دیوبند ۱۲/۱۲/۱۴۲۴ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

آغاز کلام

ایک کے مافی الضمیر کی تشریح دوسرے کی زبان سے کتنا مشکل کام ہے!! جب انسانی قول کی تشریح میں اتنا اشکال ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کی تشریح اس کے بندوں کی زبان وقلم سے جتنا مشکل ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے کہ قرآن پاک کی کوئی تفسیر کبھی مکمل نہیں ہوسکتی، کیونکہ شارح کے لئے ضروری ہے کہ وہ ماتن سے زیادہ علم رکھتا ہو، ورنہ کم از کم اس کے برابر تو ہو، اور اس کا تصور بھی کسی بندہ میں قرآن اور صاحب قرآن کی نسبت سے نہیں کیا جاسکتا۔

شارح اور مفسر کا کام یہ ہے کہ ماتن کے اختصار کی تفصیل اور اجمال کی توضیح کرے اور اس کے کلام بے دلیل کو بادلیل کرے، اس کی بات پر کوئی شبہ یا اعتراض ہو تو اس کو دفع کرے، اس کے لفظوں کی گرہ کھولے، ترکیبوں کی پیچیدگی صاف اور مطلب کی دشواریوں کو حل کرے، اور اگر کہیں تضاد نظر آئے تو اس کو تطبیق دے، اور اس کے ایک قول سے دوسرے قول کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

یہ اور اسی قسم کے اور طریقے ہیں کہ جن سے انسانوں کے کلام کو سمجھتے اور ان کی دشواریوں کو حل کرتے ہیں، لیکن قرآن پاک کی تفسیر میں ان طریقوں کے علاوہ کچھ طریقے اور بھی ہیں، جو قرآن ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

قرآن خدا کا کلام ہے جو ۲۳ برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے عرب کی فصیح وبلیغ زبان میں خدا کے ایک برگزیدہ بندہ پر نازل ہوا، اس میں نظریئے بھی ہیں اور عملی تعلیمات بھی، اس نے ان نظریوں کو خدا کے بندوں کو سمجھایا، اور ان عملی تعلیمات پر عمل کر کے اپنے آس پاس والوں کو دکھایا اور بتایا اور اس لئے کہ وہ کلام کا پہلا مخاطب تھا، اور اسی کے ذریعہ اس کلام کا مطلب دوسروں کو سمجھانا تھا، اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ وہی اس کلام کے مطالب کو سب سے بہتر سمجھ سکتا تھا، اور اسی لئے وہ اس کلام کا جو مطلب سمجھا اور اپنی تعلیم وعمل سے دوسروں کو سمجھایا وہی اس کا صحیح اور بے خطا مطلب اور مفہوم ہے، اس لئے قرآن کو سمجھنے کے لئے حامل قرآن محمد رسول اللہ ﷺ کی قولی، عملی تفسیر سے بہتر قرآن کی تفسیر کا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا، رسول کی قولی وعملی تفسیر سنت ہے، اور قرآن کتاب اللہ ہے، کتاب وسنت اسلام کے وہ بنیادی پتھر ہیں جن پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔

حامل قرآن علیہ السلام کے بعد قرآن کی فہم میں ان سے تربیت اور فیض پائے ہوئے اشخاص کا مرتبہ ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے ان آیتوں کو سنا، آیتوں کے ماحول کو جانا اور جو اس فضا سے آشنا تھے، اور جو آیتوں کے نزول کے وقت موطن وحی میں جلوہ گر تھے، اس کے بعد تابعین کا گروہ ہے جنہوں نے صحابہ کرام سے اس فیض کو حاصل کیا اور خاص طور

سے قرآن کی تعلیم کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرایا، دن رات وہ اس کے ایک ایک لفظ کی تحقیق اور اس کی صرفی ونحوی ترکیبوں کا حل اور کلام عرب سے ہر قرآنی محاورہ کی تطبیق کرتے تھے۔

کچھ عرصہ سے بعض عقلیت پسندوں کا میلان ادھر ہے کہ وہ اس طریقۂ تفسیر کو روایتی سمجھ کر اس کی تحقیر کریں، حالانکہ دوسری حیثیتوں کو چھوڑ کر اگر صرف زبان کو، ماہر اور واقف کار ہی کی حیثیت سے ان مفسرین بالروایت کو دیکھا جائے تو بھی ان کا مرتبہ ہم اور آپ سے بمراتب اونچا ہوگا، یہ کوئی قدامت پرستی کی بات نہیں بلکہ واقعہ کا حقیقی پہلو ہے۔

قرآن پاک کی تفسیر کا پہلا دور اسی طریقہ سے شروع ہوا، لیکن افسوس کہ غیر ضروری تشریح وتوضیح کے لئے مسلمانوں نے ان مضامین میں جو قرآن پاک اور پہلے آسمانی صحیفوں میں اشتراک رکھتے تھے، نومسلم اہل کتاب کی طرف رجوع کیا اور ان سے سن سن کر اسرائیلی روایات کا بہت بڑا حصہ قرآن پاک کی تفسیروں میں بھر دیا، محدثین نے ان اسرائیلیات سے بے اعتنائی کا ہمیشہ اظہار کیا ہے، اور اسی لئے وہ حصہ ہماری تفسیروں کا نہ صرف یہ کہ مفید نہیں بلکہ بہت حد تک مضر اور قرآن کے صحیح مطلب سمجھنے میں عائق ہے۔

کسی کتاب کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے سب سے اہم چیز اس کتاب کی زبان اور اس زبان کے قواعد کی پیروی ہے یہ کسی طرح درست نہ ہوگا کہ ہم عقلیت کے جوش میں اس کتاب کے کسی فقرہ کی تشریح کے لیے اس زبان کی لغت اور قواعد میں ایسا تصرف کریں، جو ہر حیثیت سے ناجائز ہو، اور ہمارے اس تصرف کا اصل منشا صرف اتنا ہو کہ ہم اپنے استبعاد عقلی کی تسکین کر سکیں، حالانکہ استبعاد عقلی کوئی یکساں چیز نہیں اور نہ وہ خلاف عقل کے معنی میں ہے، استبعادات عقلی کی فہرست ہر زمانہ میں گھٹتی اور بڑھتی رہی ہے، اس لئے قرآن پاک کی تفسیر کا یہ معیار نہیں بنایا جا سکتا، تاہم اس میں شک نہیں کہ ہر زمانہ کا ماحول دوسرے زمانہ سے الگ ہوتا ہے عقلی مسلمات اور زمانہ کے غیر محسوس عقائد ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، اس لئے ہر کتاب کے مفہوم ومعنی کے سمجھنے میں اس زمانہ کے مؤثرات سے قطع نظر کرنا کسی طرح ممکن ہی نہیں، ہر زمانہ کے لوگ اپنے ہی زمانہ کے مؤثرات کے مطابق کسی کلام کو سمجھنا چاہتے ہیں، فانی انسان کے فانی کلام اور جزئی علم رکھنے والوں کے جزئی علم، اگر ایک زمانہ میں صحیح اور دوسرے زمانہ میں غلط ہو جائیں تو ایسا ہونا بہت حد تک قرین قیاس ہے، مگر خدائے پاک کے کلام میں جس کا علم ازل سے ابد تک محیط ہے اس قسم کا تصور بھی ذہن میں نہیں لایا جا سکتا، اس لئے کہ اگر مخلص اہل علم اور نیک نیت علماء اس کلام کی مزید تشریح اپنے زمانہ کے مؤثرات کے مطابق اس طرح کر سکیں کہ وہ متکلم کے اصول متواترہ مخاطب اول ﷺ کی تفہیم اور زبان کے لغت وقواعد کے خلاف نہ ہو تو یہ سعی مشکور ہوگی، الفوز الکبیر، مطبوعہ مکتبہ حجاز دیوبند کے صفحہ ۴۱ پر مندرجہ ذیل عبارت موجود ہے جس سے مذکورہ نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔

والتفسير بالرأي: هو التفسير بالهوى والتفسير من عند نفسه، بحيث يوجبُ تغييرًا لمسئلة اجماعية قطعية او تبديلًا في عقيدة السلف المجمع عليها وأما التفسير بالدليل والقرينة فهو تفسير صحيح معتبرٌ في الشرع ومن يطالع كتب التفسير يجدها مشحونة بمثل هٰذه التفاسير فلا ضير فيها.

اسی بناء پر اس زمانہ سے جب سے مسلمانوں میں عقلیات کا رواج ہوا، اس نظریہ سے بھی قرآن پاک کی تفسیریں لکھی گئیں، معتزلہ میں ابومسلم اصفہانی کی تفسیر اور قاضی عبدالجبار معتزلی کی تنزیہہ القرآن اور اہل سنت میں ابومنصور ماتریدی کی تاویلات اور امام ابن فورک کی مشکلات القرآن اور امام محمد غزالی کی جواہر القرآن اور سب سے آخر میں امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر اپنے اپنے زمانہ کے مؤثرات کی بہترین ترجمان ہیں، سرسید احمد خان نے ہندوستان میں اور مفتی محمد عبدہ نے مصر میں ادھر توجہ کی اور قرآن مجید کی آیات کی اپنے زمانہ کے خیالات کے مطابق تفسیر کی کوشش کی، اگر بالفرض سرسید کی نیت خیر بھی ہو، مگر افسوس کہ ان کے حسن نیت کے مطابق انکے علم کا پایہ نہ تھا، اور نہ ان کو عربی زبان کے لغت وادب پر عبور تھا، اس لئے ان کی غلطیاں ان کی صحت سے زیادہ ہوئیں، اور خصوصاً فطرت اور قوانین فطرت کا جو تخیل ان کے زمانہ میں چھایا ہوا تھا ان کی غلط پیروی نے ان کو جادۂ حق سے ہٹا دیا۔

اس کے بعد مصر میں سید رشید رضا اور ہندوستان میں مولانا عبدالحمید فراہی کا دور شروع ہوا، یہ دونوں گو اصول میں مختلف تھے مگر نتیجہ میں بہت حد تک متفق تھے، رشید مرحوم آیات وروایات کی چھان بین کر کے آیات کو روح عصری کے مطابق کرتے تھے، اور فراہی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی خود قرآن پاک کے نظم ونسق اور قرآن پاک کی دوسری آیتوں کی تطبیق اور کلام عرب کی تصدیق سے مطالب کو حل کرتے تھے۔

اسی زمانہ میں مصر میں دو اور تفسیروں کی تالیف شروع ہوئی، ایک نئے تعلیم یافتہ فاضل فرید وجدی کے قلم سے، دوسرے ایک ایسے فاضل کے قلم سے جو یورپ کے علوم وفنون اور ترقیات سے پوری طرح واقف اور اپنے گھر کی قدیم دولت سے بھی آشنا تھے یعنی حضرت شیخ طنطاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی جوہری جو جامعہ مصریہ اور مدرسہ دار العلوم میں ایک زمانہ تک علوم وفنون کے مدرس رہ چکے تھے، شیخ طنطاوی جوہری کی تفسیر کی اصل غایت مسلمانوں کو نئے علوم وفنون کی طرف متوجہ کرانا اور مسلمانوں کو یہ باور کرانا ہے کہ ان کا یہ تنزل اس وقت تک دور نہ ہوگا جب تک وہ جدید سائنس اور دوسرے نئے علوم اور یورپ کے جدید آلات اور علمی ومادی قوتوں سے مسلح نہ ہوں گے۔

سید صاحب کے بعد اسی خیال نے تذکرہ کی صورت اختیار کر لی تھی مگر افسوس کہ جو غلطی سرسید سے ان کے زمانہ میں ہوئی وہی صاحب تذکرہ سے اپنے زمانہ میں ہوئی، مسلمانوں کو یورپ کے علوم وفنون اور مادی قوتوں کی تحصیل کی طرف متوجہ کرنا بالکل صحیح ہے مگر اس کے لئے یہ بالکل ضروری نہیں کہ ہم اپنے چودہ سو برس کے سرمایہ کو نذر آتش یا دریا برد کر دیں اور پہلے کے سارے مفسرین، اہل لغت، اہل قواعد اور اہل علم کو ایک سرے سے جاہل، دشمن اسلام اور احمق کہنا شروع کر دیں ورنہ آئندہ جب زمانہ ورق پلٹے گا، مؤثرات اور ماحول میں تغیر ہوگا تو ان خوش فہموں کی تفسیریں اور تاویلیں بھی ایسی ہی غلط اور دور از کار نظر آئیں گی جیسی آج ان کی نظر میں امام ماتریدی اور امام غزالی، اور امام رازی کی تفسیریں معلوم ہوتی ہیں۔

خدا کا کلام بحر ناپیدا کنار ہے بھلا اس کی موجوں کی گنتی کون کر سکتا ہے؟ بس جس کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ اس کی تشریح کرے لیکن جو کچھ اگلوں کو نظر آیا اس کو نادانی اور جہالت نہ کہے اور جو آئندہ نظر آئے گا

اس کا انکار نہ کریں اور صرف اپنی ہی نظر کی وسعت کو جو زمان و مکان کی قیود و حدود میں گھری ہے تحقیق کی انتہا اور صحت کا معیار قرار نہ دے لیں۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اس پر اجماع ہے کہ حدیث قرآن کریم کے بعد دین کا دوسرا اہم مأخذ ہے، لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں جب مسلمانوں پر مغربی اقوام کا سیاسی، نظریاتی تسلط بڑھا تو کم علم مسلمانوں کا ایسا طبقہ وجود میں آیا جو مغربی افکار سے بیحد مرعوب تھا، وہ یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں ترقی تقلید مغرب کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی لیکن اسلام کے بہت سے احکام اس کے راستہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے مغربی افکار سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اسلامی احکام میں تحریف کا سلسلہ شروع کیا اس طبقہ کو اہل تجدد کہا جاتا ہے، ہندوستان میں سر سید احمد خاں، مصر میں طٰہٰ حسین اور ترکی میں ضیا گوک الپ اس طبقہ کے رہنما ہیں، ان حضرات نے مغربی افکار سے متاثر بلکہ مرعوب ہو کر حجیت حدیث کا انکار کیا اور تفسیر کے متفق علیہ اصولوں کو خیرباد کہہ کر اپنے خیالات کے مطابق تفسیریں بھی کیں۔

قرآن کریم کی تفسیر کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے جس کے لئے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے، افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی زبان پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لئے کافی سمجھ رکھا ہے، چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی پڑھ لیتا ہے یا از خود مطالعہ کر لیتا ہے وہ قرآن کریم میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شد، بد رکھنے والے لوگ نہ صرف من مانے طریقہ پر قرآن کریم کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں، بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ستم ظریف صرف ترجمہ کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ انتہائی خطرناک طرز عمل ہے جو دین کے معاملہ میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، دنیوی علوم و فنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کرلے تو دنیا کا کوئی صاحب عقل اسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کر سکتا اور نہ اپنی جان اس کے حوالہ کر سکتا ہے جب تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم و تربیت حاصل نہ کی ہو اس لئے کہ ڈاکٹر بننے کے لئے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں، اسی طرح انجینئرنگ کی کتابوں کے مطالعہ سے انجینئر نہیں بن سکتا، جب ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے لئے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن وحدیث کے معاملہ میں صرف عربی سیکھ لینا کیسے کافی ہو سکتا ہے؟ آخر قرآن و سنت ہی اتنے لاوارث کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان کی تشریح و تفسیر کے لئے کسی علم و فن کو حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو؟ اور اس کے معاملہ میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کرے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ کا صحیح مطلب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے خود ارشاد فرمایا ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا ہے اور جب قرآن کریم آسان کتاب ہے تو اس کی تشریح کے لئے کسی لمبے چوڑے علم وفن کی ضرورت نہیں، لیکن یہ استدلال ایک شدید مغالطہ ہے جو خود کم فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک وہ جن میں عام نصیحت کی باتیں اور سبق آموز واقعات اور عبرت وموعظت کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، اس قسم کی آیات بلاشبہ آسان ہیں، اور جو شخص بھی عربی سے واقف ہو وہ انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کرسکتا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کی تعلیمات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کردیا ہے، چنانچہ خود اس آیت میں لفظ لِلذِّكْرِ اسی پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے برخلاف دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جو احکام وقوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیات کا کماحقہ سمجھنا اور ان سے احکام مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں، جب تک کہ اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی، لیکن وہ آنحضرت ﷺ سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں صرف کرتے تھے، علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے امام ابوعبدالرحمٰن سلمی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے نقل کیا ہے کہ جن حضرات صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے قرآن کریم کی تعلیم باقاعدہ حاصل کی ہے، مثلاً حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وغیرہ، انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آنحضرت ﷺ سے دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک کہ ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا احاطہ نہ کرلیں، وہ فرماتے ہیں کہ تَعَلَّمْنَا الْقُرْاٰنَ وَالْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِيْعًا ہم نے قرآن اور علم وعمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔ (اتقان ۱۷۶/۲) چنانچہ مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے صرف سورۂ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کئے، اور مسند احمد میں حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لیتا ہماری نظر میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہوجاتا۔ (ایضاً)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جن کی مادری زبان عربی تھی جو عربی کے شعر وادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے ازبر ہوجاتے تھے، انہیں قرآن کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لئے اتنی طویل مدت کی کیا ضرورت تھی، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن کریم اور اس کے علوم سیکھنے کے لئے صرف عربی زبان

کی مہارت کافی نہیں تھی بلکہ اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا، اب ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو عربی زبان کی مہارت اور نزول وحی کا براہ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود (عالم قرآن) بننے کے لئے باقاعدہ حضور ﷺ سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی، تو نزول قرآن کے سینکڑوں ہزاروں سال بعد عربی کی معمولی شدبد پیدا کر کے یا صرف ترجمہ دیکھ کر مفسر قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم دین کے ساتھ کیسا افسوس ناک مذاق ہے؟ ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔

مَنْ تَكَلَّمَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ جو شخص قرآن کے معاملہ میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں وہ کوئی صحیح بات بھی کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔ (ابوداؤد، نسائی، از اتقان ۲/۱۷۹)

محمد جمال بلند شہری

متوطن شہر میرٹھ

استاذ دار العلوم دیوبند ۱۴۲۲/۱۲/۲۲ھ

مُقَدِّمَہ

وحی کی ضرورت

آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند سورج، آسمان زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے کہ جس کے ذریعہ انسانوں کو ان کے مقصد زندگی سے متعلق ہدایات دی جاسکیں، اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا ہے، بلکہ ان کی رہنمائی کے لئے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے، پس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی رسالت ہے، اس سے صاف واضح ہے کہ وحی ایک دینی عقیدہ ہی نہیں ایک عقلی ضرورت بھی ہے، جس کا انکار درحقیقت اللہ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے۔

ہر مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ انسان کو اس دنیا میں امتحان و آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے، اور اس کے ذمہ کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں بالواسطہ یا بلاواسطہ لگا دیا ہے۔

لہٰذا انسان کے دنیا میں آنے کے بعد دو کام ناگزیر ہیں، ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے جو اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے ٹھیک ٹھیک کام لے، اور دوسرے یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے وقت احکام خداوندی کو مدنظر رکھے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو۔

ان دونوں کاموں کے لئے انسان کو علم کی ضرورت ہے، اس لئے کہ علم کے بغیر کائنات سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانا ممکن نہیں، نیز جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ خدا کی مرضی کیا ہے، اور کن کاموں کو وہ پسند اور کن کو ناپسند کرتا ہے، اس وقت تک اس کے لئے اللہ کی مرضی پر کاربند ہونا ممکن نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعہ اسے مذکورہ چیزوں کا علم ہوتا ہے، ایک انسان کے حواس خمسہ ظاہرہ سے، جو کہ آنکھ، کان، ناک، زبان اور لمس ہیں جو پورے جسم میں قدرت نے ودیعت فرما دیئے ہیں، قوت باصرہ آنکھ میں، قوت سامعہ کان میں، قوت شامہ ناک میں، قوت ذائقہ زبان میں، اور قوت لامسہ پورے جسم میں، یہ قوت پورے جسم کے اعتبار سے ہاتھوں میں اور ہاتھوں میں بھی انگلیوں میں اور انگلیوں میں سے انگشت شہادت میں سب سے زیادہ ہے، دوسری چیز عقل ہے اور تیسری وحی، چنانچہ انسان کو بہت سی چیزوں کا علم حواس

خمسہ ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے اور بہت سی چیزوں کا علم عقل سے حاصل ہوتا ہے اور جو باتیں ان دونوں کے ذریعہ معلوم نہیں ہوسکتیں ان کا علم وحی کے ذریعہ عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان مذکورہ تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرہ کار ہے، جس سے آگے وہ کام نہیں دیتا، چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس خمسہ ظاہرہ سے معلوم ہوتی ہیں، ان کا علم محض عقل سے نہیں ہوسکتا، مثلاً آپ کے سامنے ایک شخص بیٹھا ہوا ہے، آپ کو اپنی آنکھ کے ذریعہ یہ معلوم ہوگیا کہ یہ انسان ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس کا رنگ گورا یا کالا ہے، لیکن اگر یہی باتیں آپ اپنے حواس کو معطل کرکے محض عقل سے معلوم کرنا چاہیں، تو یہ ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعہ ہوتا ہے وہ محض حواس ظاہرہ سے معلوم نہیں ہوسکتیں، مثلاً اسی شخص کے بارے میں آپ کو یہ معلوم ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی ماں ضرور ہے، نیز آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کو کسی نے پیدا کیا ہے اگرچہ آپ کے سامنے اس کی ماں موجود نہیں ہے، اور نہ آپ اس کے پیدا کرنے والے کو دیکھ سکتے ہیں، مگر آپ کی عقل یہ بتا رہی ہے کہ یہ شخص خود بخود پیدا نہیں ہوسکتا، اب اگر آپ اس علم کو اپنی عقل کے بجائے اپنی آنکھ سے یا کان سے یا ناک سے حاصل کرنا چاہیں تو یہ ممکن نہیں ہے۔

غرض یہ کہ جہاں تک حواس خمسہ کا تعلق ہے وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرسکتی، اور جہاں حواس خمسہ جواب دیدیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے، لیکن عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے یہ بھی ایک حد پر جاکر رک جاتی ہے، اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان کا علم نہ حواس سے حاصل ہوسکتا ہے اور نہ عقل سے مثلاً عقل نے یہ تو بتادیا کہ اسے ضرور کسی نے پیدا کیا ہے، لیکن اس شخص کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس کے ذمہ پیدا کرنے والے کے کیا فرائض ہیں؟ اور اس کا کونسا کام اللہ کو پسند اور کونسا ناپسند ہے؟ یہ سوالات ایسے ہیں کہ ان کا جواب عقل وحواس دونوں مل کر بھی نہیں دے سکتے، ان سوالات کا جواب دینے کے لئے اللہ نے جو ذریعہ متعین کیا ہے اسی کا نام وحی ہے۔ (علوم القرآن)

اس سے واضح ہوگیا کہ وحی انسان کے لئے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق ان سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل وحواس کے ذریعہ حل نہیں ہوتے، حالانکہ ان سوالوں کا جواب حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے، اور مذکورہ تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس کی ہدایت کے لئے وحی الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو ہی جائے، جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں بلکہ حواس کا کام ہے، اسی طرح بہت سے دینی معتقدات کا علم دینا عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے اور ان کے ادراک کے لئے محض عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں، نہ صرف یہ کہ محض حواس ظاہرہ اور عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں، بلکہ یہ دونوں ذریعہ علم بعض اوقات نہ صرف یہ کہ رہنمائی نہیں کرتے بلکہ غلط رہنمائی بھی کرتے ہیں، مثلاً اس شخص کو جس کے جسم میں خلط صفراء غالب ہوگئی ہر چیز پیلی نظر آتی ہے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہوتا، یا مثلاً احول کو ایک کے دو

نظر آتے ہیں، اسی طرح بعض اوقات میٹھی چیز کڑوی اور کڑوی میٹھی معلوم ہوتی ہے، اور اگر قوت سامعہ میں خلل واقع ہوجائے تو مختلف قسم کی آوازیں آنے لگتی ہیں حالانکہ خارج میں ان کا وجود نہیں ہوتا۔

عقل اگرچہ معلومات کا اہم ذریعہ ہے مگر یہ کوئی ضروری نہیں کہ عقل ہمیشہ درست نتیجے ہی پر پہنچے، اگر عقل ہمیشہ درست نتیجے پر پہنچا کرتی تو عقلاء کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف نہ ہوتا حالانکہ ایک ہی مسئلہ ایک عاقل اس کو درست کہتا ہے اور دوسرا اس کی ضد کو درست کہتا ہے، اس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک ہی شخص ایک وقت میں ایک بات کو درست کہتا ہے اور دوسرے وقت میں اس کی ضد کو درست کہتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عقل کوئی آخری معیار نہیں بلکہ عقل کا ایک محدود دائرۂ کار ہے۔

آخری معیار وحی ہے

حواس خمسہ ظاہرہ و باطنہ کی پرواز کی ایک حد ہے، ہر ایک کا ایک دائرۂ عمل ہے، ان میں سے کوئی بھی اپنی حد سے آگے کام نہیں کرسکتا، مثلاً آنکھ سے دیکھ کر، آپ یہ تو بتا سکتے ہیں کہ دارالعلوم کی مسجد رشید سفید پتھر کی بنی ہوئی نہایت خوبصورت مسجد ہے، اس کے فلک بوس دو منارے ہیں، مگر یہی کام آپ کان سے لینا چاہیں یا آنکھ کے بجائے کان سے آپ مسجد رشید کی خوبصورتی اور رنگ معلوم کرنا چاہیں تو آپ کو مایوسی ہوگی، اسی طرح آپ آنکھ یا کان یا ناک سے یہ معلوم کرنا چاہیں کہ یہ مسجد رشید خود بخود وجود میں آگئی ہے، یا اس کا کوئی بنانے والا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ کان یا آنکھ یا ناک اس کا جواب نہیں دے سکتے، اس لئے کہ یہ بات ان کے دائرۂ کار سے باہر کی چیز ہے، یہ کام عقل کا ہے، عقل بتا سکتی ہے، یہ مسجد رشید خود بخود وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کا بنانے والا نہایت ہوشیار اور اپنے فن کا ماہر شخص ہے، اسی طرح عقل کا بھی اپنا ایک دائرۂ کار ہے جہاں حواس خمسہ ظاہرہ کی حد ختم ہوجاتی ہے، وہاں سے عقل کی پرواز شروع ہوتی ہے، مگر اس کی پرواز بھی ایک حد پر پہنچ کر رک جاتی ہے، مذکورہ ذرائع معلومات کے علاوہ ایک ذریعہ اور بھی ہے جس کو وحی کہا جاتا ہے، اس کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہوجاتی ہے، وحی کی اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ وحی الٰہی رہنمائی ہی وہاں کرتی ہے جہاں عقل ہتھیار ڈال دیتی ہے، جو لوگ وحی الٰہی کو تسلیم نہیں کرتے وہ غلط اور صحیح کا تمام تر دارو مدار عقل ہی پر رکھتے ہیں، حالانکہ نہ تو عقل آخری معیار ہے اور نہ اس کا لگا بندھا کوئی ضابطہ ہے نیز اس کی پرواز بھی محدود ہے، اگر آپ عقل سے اس کے دائرۂ کار سے باہر کی بات معلوم کریں گے تو نہ صرف یہ کہ وہ صحیح جواب نہیں دے گی بلکہ وہ خود بھی شکست و ریخت کا شکار ہوجائے گی، جس طرح کہ اگر کوئی شخص سونا تولنے کے کانٹے سے گیہوں کا بھرا ہوا بورا تولنے لگے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بورا تلنے کے بجائے وہ کانٹا خود ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوجائے گا اور لوگ تولنے والے کو بھی بے وقوف اور احمق بتائیں گے۔

تاریخ انسانی میں عقل نے بے شمار مرتبہ دھوکے کھائے ہیں، اگر عقل کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو انسان کہاں سے کہاں تک پہنچ

جاتا ہے، تاریخ میں آپ کو ہزاروں مثالیں ایسی مل جائیں گی کہ عقل کے نزدیک وہ بالکل درست ہیں، ان میں کوئی قباحت نہیں ہے، بلکہ اگر اس کے خلاف ہوتا تو خلاف عقل ہوتا۔

کیا حقیقی بہن سے نکاح کرنا عقل کے عین مطابق ہے؟

آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے مسلمانوں میں ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جو باطنی فرقہ کے نام سے مشہور تھا، اور اس کو قرامطہ بھی کہتے تھے، اس فرقہ کا ایک مشہور پیشوا گذرا ہے جس کا نام عبید اللہ بن حسن قیروانی ہے، اس نے اپنے پیروکاروں کے نام ایک خط لکھا جس میں اس نے اپنے پیروکاروں کو زندگی گذارنے کے لئے ہدایات دی ہیں، اس میں وہ لکھتا ہے:

''میری سمجھ میں یہ بے عقلی کی بات نہیں آتی کہ لوگوں کے پاس اپنے گھر میں بڑی خوبصورت سلیقہ شعار لڑکی، بہن کی شکل میں موجود ہے، اور بہن کے مزاج کو بھی سمجھتی ہے، اس کی نفسیات سے بھی بخوبی واقف ہے لیکن یہ بے عقل انسان اس بہن کا ہاتھ ایک اجنبی شخص کو پکڑا دیتا ہے، جس کے بارے میں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ اس کا نبھاؤ ہو سکے گا یا نہیں؟ وہ مزاج سے واقف ہے یا نہیں؟ اور خود اپنے لئے بعض اوقات ایسی لڑکی لے آتا ہے کہ جو حسن و جمال کے اعتبار سے بھی اور سلیقہ شعاری کے اعتبار سے بھی اور مزاج شناسی کے اعتبار سے بھی اس کے ہم پلہ نہیں ہوتی۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس بے عقلی کا کیا جواز ہے کہ اپنے گھر کی دولت تو دوسرے کے ہاتھ میں دیدے اور اپنے لئے ایک ایسی چیز لے آئے کہ جو اس کو پوری راحت بھی نہ دے سکے، یہ تو عقل کے بالکل خلاف ہے، لہٰذا میں اپنے پیروؤں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس بے عقلی سے اجتناب کریں اور اپنے گھر کی دولت کو گھر میں ہی رکھیں''۔

(الفرق بین الفرق للبغدادی: ص ۸۱)

عقلی جواب ناممکن

آپ اخلاقی طور پر اس کے نظریہ پر جتنی بھی چاہیں لعنت بھیجیں، لیکن کیا خالص عقل کی بنیاد پر جو وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہو، جس کو وحی الٰہی کی روشنی میسر نہ ہو اس کے استدلال کا جواب خالص عقل کی بنیاد پر قیامت تک دیا جا سکتا ہے؟

عقل کو وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر آخری معیار سمجھنے کا بھیانک نتیجہ

گیارہویں صدی عیسوی کے کلیسا سے جب وہ دینی امور کا ذمہ دار تھا، ایک بھیانک غلطی ہوئی کہ اس نے اپنی مقدس کتابوں میں ان تاریخی، جغرافیائی اور طبقاتی نظریات اور مشہورات کو داخل کر دیا جو اس زمانہ کی تحقیقات اور مسلمات سمجھے جاتے تھے، انسانی علم و عقل کی رسائی اس زمانہ میں اسی حد تک ہوئی تھی، لیکن وہ درحقیقت انسانی علوم و عقل کی آخری حد نہ تھی، مگر اس کو آخری

سمجھ لیا گیا تھا، انسانی عقل کا سفر چونکہ بتدریج جاری ہے اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آنے والا نظریہ گذشتہ نظریہ کی تردید کردیتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل کی ہر منزل عارضی ہوتی ہے، اس پر کوئی پائیدار عمارت قائم نہیں کی جاسکتی، ورنہ ریت کی دیوار کی طرح کھسک کر منہدم ہوجائے گی۔

ارباب کلیسا نے غالباً نیک نیتی سے ایسا کیا تھا، ان کا مقصد غالباً یہ تھا کہ اس سے ان آسمانی کتابوں کی عظمت شان اور مقبولیت میں اضافہ ہوگا، لیکن آگے چل کی یہی چیز ان کے لئے وبال جان اور مذہب وعقلیت کے اس نامبارک معرکہ کا سبب بن گئی جس میں مذہب نے شکست فاش کھائی، چونکہ کلیسا نے مذہب میں عقلی علوم کی آمیزش کرلی تھی اس لئے اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں اہل مذہب کا ایسا زوال ہوا کہ جس کے بعد اس کا عروج نہ ہوسکا، اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہوئی کہ یورپ لادینی ہوگیا۔

عقلیت پسندوں پر کلیسا کے مظالم

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ یورپ میں عقلیت پسندی کا کوہ آتش فشاں پھٹ چکا تھا، علماء طبعیات اور محققین تقلید کی زنجیریں توڑ چکے تھے، انہوں نے ان بے اصل نظریات کی تردید کی جن کو کلیسا اور اہل مذہب نے اپنی مقدس کتابوں میں داخل کرلیا تھا اور ان پر سخت تنقید کرتے ہوئے ان پر بے سمجھے ایمان لانے سے انکار کردیا تھا جس کی وجہ سے مذہبی حلقوں میں قیامت برپا ہوگئی تھی، ارباب کلیسا نے جن کے ہاتھوں میں اس وقت زمام اقتدار تھی ان محققین اور ماہرین طبعیات علماء کی تکفیر کی اور انکو ملاحدہ اور مرتدین کی صفوں میں شامل کرکے دین مسیحی کی حفاظت کے لئے ان کا خون بہانے کی اجازت دیدی، ایمرجنسی اور فوری عدالتیں قائم کی گئیں، ان عدالتوں میں ایک اندازہ کے مطابق تین لاکھ لوگوں کو سزائے موت دی گئی جن میں تیس ہزار افراد کو زندہ جلایا گیا، انہیں زندہ جلائے جانے والوں میں ہیئت اور طبعیات کے مشہور عالم برونو (Brunoe) بھی شامل ہے، جس کا سب سے بڑا جرم کلیسا کے نزدیک یہ تھا کہ وہ اس کرۂ ارض کے علاوہ اور دوسری دنیاؤں اور آبادیوں کا بھی قائل تھا، اسی طرح مشہور ماہر طبعیات وفلکیات گلیلیو (Galilio) کو اس بناء پر موت کی سزا دی گئی کہ وہ آفتاب کے گرد زمین کی گردش کا قائل تھا، موجودہ تمام حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ عقل انسانی وحی الٰہی کی روشنی کے بغیر آخری معیار نہیں ہے، جن لوگوں نے عقل کو ہر معاملہ میں آخری معیار سمجھا ہے انہوں نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔

تاریخ حفاظت قرآن

قرآن کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا اس لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اسے کتابی شکل دیکر محفوظ کرلیا جائے، چنانچہ ابتداء اسلام میں قرآن کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا، مگر چونکہ محض حفظ کی صورت

میں نسیان کا امکان رہتا ہے اس لئے حفظ کے ساتھ ساتھ کتابت کا بھی اہتمام کیا گیا۔

جمع وترتیب کا کام بھی آپ ﷺ کی ہدایت اور نگرانی میں ہو رہا تھا، ایسا نہیں تھا کہ صحابہ کرام کیف ما اتفق جہاں چاہا لکھ دیا، مثلاً جب غیر اولی الضرر کے الفاظ نازل ہوئے تو آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ فوراً قلمبند کرنے کا حکم فرمایا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اس کو فلاں آیت کے بعد لکھو، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد سلسلہ وحی بند ہوا لیکن اس وقت آپ ﷺ کی موجودگی میں سلسلہ وحی جاری رہنے کی وجہ سے درمیانی اضافوں کی گنجائش تھی اس لئے کتابی شکل میں نہ تھا۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں وقد کان القرآن مکتوباً فی عهده صلی الله علیه وسلم لکن غیر مجموعة فی موضع واحد یعنی قرآن آپ ﷺ کے عہد میں مکمل طور پر لکھا جا چکا تھا البتہ یکجا تمام سورتوں کی شیرازہ بندی نہیں تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں تاریخ حفاظت قرآن

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں یمامہ کے مقام پر مدعی نبوت مسیلمۃ الکذاب سے ایک خوں ریز جنگ ہوئی جس میں تقریباً بارہ سو مسلمان شہید ہوئے ان میں سات سو حفاظ اور قراء بھی شہید ہوئے، حفاظ قرآن کی اس کثیر تعداد کے شہید ہو جانے سے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شدید اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ جنگوں میں باقی حفاظ بھی شہید ہو جائیں، اور اس دولت سے امت محروم ہو جائے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق کو اس طرف توجہ دلائی، ابتداءً تو ابوبکر صدیق تیار نہ ہوئے مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلسل اصرار اور خود غور وفکر کرنے کے نتیجہ کی وجہ سے آخر کار حضرت ابوبکر صدیق کو بھی اس مسئلہ میں شرح صدر ہو گیا اور آپ تیار ہو گئے، چنانچہ آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا آپ ایک صالح نوجوان ہیں اور آپ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی یہ خدمت انجام دیتے رہے ہیں نیز ہمیں آپ کے اوپر پورا اعتماد ہے آپ اس کام کو انجام دیں، چنانچہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھانے پر مامور ہوئے، غرضیکہ ان حضرات نے یہ کام بحسن وخوبی انجام دیا، اور کتابی شکل میں ایک مکمل نسخہ تیار ہو گیا، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کی وفات تک رہا، آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تا حیات رہا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہا، اور اس کی تصدیق شدہ نقلیں ملک کے اطراف وجوانب میں بھیج دی گئیں۔

حفاظت قرآن وعہد عثمانی

جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا اور بکثرت اہل عجم حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے جن کی مادری زبان عربی نہ ہونے کی وجہ سے ان میں عربی حروف کا صحیح تلفظ اور ادائیگی عموماً نہیں پائی جاتی تھی، اس کے علاوہ عرب کے مختلف قبائل میں لب

ولہجہ کا اختلاف بکثرت موجود تھا، ابن قتیبہ ان اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی ہذیل (حتی حین) کو عتّی عین پڑھتے ہیں، اور بنو اسد تعلمون کسرۂ تا کے ساتھ تِعلمون پڑھتے ہیں اور تمیمی اَن کے بجائے عَن اور سین کی جگہ تا پڑھتے ہیں، چنانچہ سورۂ ناس کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں، رب النات ملك النات اله النات چنانچہ عہد عثمانی میں آرمینیہ اور آذربائیجان کی فتح کے وقت شام وعراق کی فوجیں ایک جگہ جمع ہوئیں تو ان کی قراءت میں تشویشناک حد تک اختلاف پایا گیا ہر ایک اپنی قراءت کو دوسرے سے اصح قرار دیتا تھا، حضرت حذیفہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعَنْہُ نے جب یہ منظر دیکھا تو حضرت عثمان رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعَنْہُ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا اور اس کی طرف توجہ مبذول فرمانے کے لئے کہا، حضرت عثمان رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعَنْہُ نے حضرت حذیفہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعَنْہُ کی رائے کو پسند فرمایا، اور حضرت حفصہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعَنْہَا کے پاس سے قرآن مجید منگوا کر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن زبیر حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعَنْہُم کو اس کام پر مقرر فرمایا۔

اس کام کی تکمیل کے بعد مشہور قول کے مطابق اس کے پانچ نسخے لکھے گئے یہ نسخے مکہ، مدینہ، شام، بصرہ اور کوفہ روانہ کئے گئے، ایک نسخہ خود حضرت عثمان رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعَنْہُ نے اپنے پاس رکھا اس نسخہ کو مصحف امام کہا جاتا ہے، اس طرح نسخوں کی تعداد چھ ہو جاتی ہے، بعض حضرات نے نسخوں کی تعداد آٹھ بتائی ہے، ساتواں بحرین اور آٹھواں یمن روانہ کیا گیا، مذکورہ نسخوں کے علاوہ تمام دیگر نسخے معدوم کر دیئے گئے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ موجودہ قرآن حضرت عثمان غنی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعَنْہُ کا جمع کردہ ہے، حضرت عثمان غنی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعَنْہُ کی خدمت بجائے خود ایک عظیم خدمت ہے، مگر جمع قرآن کی نہیں تھی بلکہ اس کی نوعیت اور صورت یہ تھی کہ آپ نے لوگوں کو کتابت کی حد تک ایک رسم الخط پر جمع کر دیا تھا اصل جامع اور مرتب حضرت ابوبکر صدیق رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعَنْہُ ہیں اور حضرت عثمان رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعَنْہُ نے مختلف قراءات کو ایک رسم الخط پر جمع کیا اور اس کے متعدد نسخے مختلف شہروں میں پھیلا دیئے۔ (علوم القرآن، ملخصاً)

وحی کی اقسام

❶ وحی قلبی

اس قسم میں باری تعالیٰ براہ راست نبی کے قلب کو مسخر فرما کر اس میں کوئی بات ڈال دیتا ہے، اس قسم میں نہ فرشتہ کا واسطہ ہوتا ہے اور نہ نبی کی قوت سامعہ کا اور نہ دیگر حواس کا، لہٰذا اس میں کوئی آواز نبی کو نہیں سنائی دیتی، بلکہ کوئی بات قلب میں

جاگزیں ہوجاتی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ بات اللہ کی طرف سے آئی ہے، یہ کیفیت بیداری میں بھی ہوسکتی ہے اور خواب میں بھی، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے بیٹے اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کو ذبح کرنے کا حکم اسی طرح دیا گیا تھا۔

② کلام باری

اس دوسری قسم میں باری تعالیٰ براہ راست رسول کو اپنی ہمکلامی کا شرف عطا فرماتا ہے اس میں بھی کسی فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا مگر اس میں نبی کو آواز سنائی دیتی ہے، یہ آواز مخلوقات کی آواز سے بالکل مختلف ایک عجیب وغریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے، جس کا ادراک عقل کے ذریعہ ممکن نہیں، جو انبیاء اس کو سنتے ہیں وہی اس کی کیفیت اور اس کے سرور کو پہچان سکتے ہیں، یہ قسم وحی کی تمام قسموں میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہے، اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم کا ارشاد ہے وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا (النساء) اور اللہ نے موسیٰ سے خوب باتیں کیں۔

③ وحی ملکی

اس تیسری قسم میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغام کسی فرشتے کے ذریعہ نبی تک پہنچا دیتا ہے بعض اوقات یہ فرشتہ نظر نہیں آتا، صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے، اور بعض مرتبہ کسی انسانی شکل میں سامنے آکر پیغام پہنچا دیتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرشتہ نبی کو اپنی اصل صورت میں نظر آجائے مگر ایسا شاذ ونادر ہی ہوتا ہے، قرآن کریم نے وحی کی انہی تین قسموں کی طرف آیت ذیل میں اشارہ فرمایا ہے مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (الشوریٰ) ''کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے (روبرو) بات کرے مگر دل میں بات ڈال کر یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغامبر (فرشتے) کو بھیج کر جو اللہ کی اجازت سے جو اللہ چاہتا ہے وحی نازل کرتا ہے''۔

اس آیت میں وحیًا (دل میں بات ڈالنے) سے پہلی قسم یعنی وحی قلبی مراد ہے، اور پردے کے پیچھے سے مراد دوسری قسم یعنی کلام الٰہی اور پیغامبر بھیجنے سے مراد تیسری قسم یعنی وحی ملکی ہے۔

وحی اور ایحاء میں فرق

وحی اور ایحاء، لغت میں ان کے معنی ہیں جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا خواہ وہ اشارہ کسی بھی طریقہ سے ہو، چنانچہ اسی معنی میں حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہے فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ظاہر ہے کہ اشارہ کا مقصد مخاطب کے دل میں کسی بات کا ڈالنا ہوتا ہے، اس لئے وحی اور

ایحاء دل میں کوئی بات ڈالنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا ہے، چنانچہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہی معنی مراد ہیں، مثلاً وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اور وَاِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَآئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ اور وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِیْهِ مذکورہ تمام آیات میں ایحاء لغوی معنی میں ہے۔

وحی کے اصطلاحی معنی

وحی کی اصطلاحی تعریف یہ ہے كَلَامُ اللّٰهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰی نَبِيٍّ مِّنْ اَنْبِیَآئِهٖ، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وحی اپنے اصطلاحی معنی میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ اس کا استعمال پیغمبر کے سوا کسی اور کیلئے درست نہیں، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ وحی اور ایحاء دونوں الگ الگ لفظ ہیں اور دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، ایحاء کا مفہوم عام ہے، انبیاء پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے، لہٰذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کے برخلاف وحی صرف اس الہام کو کہتے ہیں جو انبیاء پر نازل ہو یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ایحاء کا استعمال انبیاء اور غیر انبیاء دونوں کے لئے کیا ہے لیکن لفظ وحی سوائے انبیاء کے کسی اور کے لئے استعمال نہیں فرمایا۔ (علوم القرآن)

مکی اور مدنی آیات

آپ نے قرآن کریم کی سورتوں کے عنوان میں دیکھا ہوگا کہ کسی سورت کے ساتھ مکی اور کسی کے ساتھ مدنی لکھا ہوتا ہے، اکثر مفسرین کی اصطلاح میں مکی آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بغرض ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے پہلے نازل ہوئی، بعض لوگ مکی و مدنی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جو مکہ میں نازل ہوئی وہ مکی اور جو مدینہ میں نازل ہوئی وہ مدنی، مگر مفسرین کی اصطلاح کے مطابق یہ مطلب درست نہیں ہے، اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہر مکہ میں نازل نہیں ہوئیں، لیکن چونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہو چکیں تھیں اس لئے انہیں مکی کہا جاتا ہے چنانچہ منیٰ و عرفات وغیرہ اور سفر معراج کے دوران نازل ہونے والی آیات ایسی ہی ہیں، حتی کہ سفر ہجرت کے دوران مدینہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں جو آیات نازل ہوئیں وہ بھی مکی کہلاتی ہیں، اسی طرح بہت سی وہ آیات جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہیں، اگرچہ مکہ یا مکہ کے اطراف میں نازل ہوئی ہیں مگر ان کو مدنی ہی کہا جاتا ہے۔

علماء تفسیر نے مکی اور مدنی سورتوں کا استقراء کر کے ان کی بعض ایسی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جن سے بادی النظر میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، اس سلسلہ میں بعض قواعد کلی ہیں اور بعض اکثری، قواعد کلیہ یہ ہیں۔

مکی مدنی آیتوں کی خصوصیات

❶ ہر وہ سورت جس میں کَلَّا آیا ہے وہ مکی ہے، یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور یہ ساری آیتیں قرآن کریم کے نصف آخر میں ہیں۔

❷ ہر وہ سورت کہ جس میں کوئی سجدہ کی آیت آئی ہے مکی ہے (یہ اصول حنفیہ کے مسلک پر ہے) کیونکہ ان کے نزدیک سورۂ حج میں سجدہ نہیں ہے، شوافع کے نزدیک سورۂ حج میں سجدہ ہے اور وہ مدنی ہے، لہٰذا وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہوگئی۔

❸ سورۂ بقرہ کے سوا ہر وہ سورت کہ جس میں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام وابلیس کا واقعہ آیا ہے مکی ہے۔

❹ ہر وہ سورت کہ جس میں جہاد کی اجازت یا اس کے احکام مذکور ہیں مدنی ہے۔

❺ ہر وہ سورت کہ جس میں منافقین کا ذکر ہے مدنی ہے، بعض حضرات نے اس قاعدہ سے سورۂ عنکبوت کو مستثنیٰ کیا ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ سورۂ عنکبوت بحیثیت مجموعی مکی ہے، مگر جن آیات میں منافقین کا ذکر ہے وہ مدنی ہیں۔

مندرجہ ذیل خصوصیات اکثری ہیں کلی نہیں

❶ مکی سورتوں میں عموماً یَآ یُّھَا النَّاسُ کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے اور مدنی سورتوں میں یَآ یُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کے الفاظ سے۔

❷ مکی آیات عموماً چھوٹی چھوٹی اور مختصر ہیں۔

❸ مکی آیات زیادہ تر توحید، رسالت، آخرت کے اثبات اور حشر و نشر کی منظر کشی، آنحضرت ﷺ کو صبر و تسلی کی تلقین اور پچھلی امتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں، اور ان میں احکام کم بیان ہوئے ہیں بخلاف مدنی سورتوں کے۔

❹ مکی سورتوں میں زیادہ تر مقابلہ بت پرستوں سے ہے اور مدنی سورتوں میں اہل کتاب اور منافقین سے۔

❺ مکی سورتوں کا اسلوب زیادہ پرشکوہ ہے۔

قرآن کریم کے متعلق مفید اعداد و شمار

سورتیں	۱۱۴	زبر	۵۳۲۴۲
رکوعات	۵۴۰	زیر	۳۹۵۸۲
آیات مدنی	۶۲۱۴	پیش	۸۸۰۴
آیات مکی	۶۲۲۱	مدات	۱۷۷۱
آیات بصری	۶۲۲۵	تشدیدات	۱۲۵۲
آیات شامی	۶۲۲۶	نقطے	۱۵۶۸۴
کلمات	۷۷۴۳۹	حروف	۳۶۴۲۱۹

تاریخ نزول قرآن

قرآن کریم کلام الٰہی ہے جو کہ ازل ہی سے لوح محفوظ میں موجود ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ بلکہ یہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں موجود ہے، قرآن مجید کا نزول لوح محفوظ سے دو مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ یہ پورے کا پورا آسمان دنیا کے بیت العزت میں نازل کردیا گیا تھا، (بیت العزت کو بیت المعمور بھی کہتے ہیں) اور یہ کعبۃ اللہ کے محاذات میں آسمان پر فرشتوں کی عبادت گاہ ہے، یہ نزول لیلۃ القدر میں ہوا تھا، پھر دوسری مرتبہ آنحضرت ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کرکے حسب ضرورت نازل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ ۲۳ سال میں اس کی تکمیل ہوئی، اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا دوسرا تدریجی نزول اس وقت شروع ہوا جب کہ آنحضرت ﷺ کی عمر شریف چالیس سال تھی، اس نزول کا آغاز بھی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر ہی میں ہوا ہے، لیکن اس رات میں رمضان المبارک کی کونسی تاریخ تھی اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، بعض روایات سے رمضان کی سترہ اور بعض سے انیس اور بعض سے ستائیس شب معلوم ہوتی ہے۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت

صحیح قول یہ ہے کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں آپ ﷺ پر نازل ہوئیں، وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں تھیں جو غار حراء میں نازل ہوئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ پر نزول وحی کی ابتداء تو سچے

خوابوں سے ہوئی تھی، اس کے بعد آپ ﷺ کو خلوت میں عبادت کا شوق پیدا ہوا، اور اس دوران آپ ﷺ غار حراء میں کئی کئی راتیں گذارتے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز اسی غار میں آپ ﷺ کے پاس اللہ کی جانب سے فرشتہ آیا اور اس نے پہلی بات یہ کہی اِقْــرَأْ یعنی پڑھو، حضور ﷺ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس کے بعد فرشتے نے آپ ﷺ کو اس زور سے دبایا کہ مشقت کی انتہا ہوگئی، غرضیکہ اسی طرح آپ ﷺ کے ساتھ تین مرتبہ فرشتے نے عمل کیا، تیسری مرتبہ کے بعد سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں نازل فرمائیں، آپ ﷺ اس واقعہ سے بہت خوف زدہ ہوگئے تھے اور خوف کی وجہ سے آپ ﷺ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، جب آپ ﷺ گھر پہنچے تو حضرت خدیجہ سے فرمایا زَمِّلُوْنِی، زَمِّلُوْنِی مجھے کمبل اڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ، آپ ﷺ پر نازل ہونے والی یہ سب سے پہلی آیتیں تھیں، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا، اس زمانہ کو فترت وحی کا زمانہ کہتے ہیں، تین سال کے بعد پھر وہی فرشتہ جو غار حراء میں آیا تھا آپ ﷺ کو آسمان و زمین کے درمیان نظر آیا اور اس نے سورۂ مدثر کی آیات آپ ﷺ کو سنائیں۔

التفسير لغةً و اصطلاحًا

تفسیر لغةً، الكشف و الإبانة. تفسير اصطلاحًا، علمٌ يُبْحثُ فيه عن احوال القرآن المجيد من حيث دلالته على مراد الله تعالى بحسب طاقة البشرية پہلی قید سے علم قراءت خارج ہوگیا اس لئے کہ علم القراءت میں ضبط الفاظ اور کیفیت اداء سے بحث ہوتی ہے، اور بحسب طاقة البشريہ کی قید کا اضافہ اس بات کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ متشابہات اور اللہ تعالیٰ کی واقعی اور نفس الامری مراد کے عدم علم سے علم تفسیر میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔

تفسیر و تاویل میں فرق

تفسیر کا علم و ادراک صرف نقل ہی سے ہوسکتا ہے، جب کہ اسباب نزول، اور تاویل کا علم و ادراک قواعد عربیہ سے بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا علم تاویل، ان علوم میں سے ہے جن کا تعلق درایت سے ہے، نیز تاویل چند محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو، احتمال خطاء کے ساتھ ترجیح دینا ہے، اور تفسیر حتمی اور قطعی طور پر یہ بیان کرنا ہے کہ اس لفظ سے اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے۔ (جمل، ملخصًا)

موضوع: القرآن من حيثُ دلالته على مراد الله تعالى.

غرض: اَلإهتِداء بِهداية الله تعالى و التَّمسُّك بالعروةِ الوثقى و الوصول الى السعادة الآبدية.

ترجمة الإمامَين الهمامين الجليلين

الشیخ محمد بن احمد جلال الدین المحلی، والشیخ عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی رحمهما الله تعالیٰ.

بلاشبہ ان دونوں حضرات کی ذات گرامی اپنے زمانہ میں یگانہ روزگار تھی، ایسی عبقری شخصیتیں بہت کم پیدا ہوتی ہیں:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے	بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سالہا در کعبہ وبت خانہ می نالد حیات	تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

یوں تو اس عالم ہست وبود وجہانِ رنگ وبو میں بے شمار قابل فخر سپوت جنم لیتے ہیں، لیکن ان میں سے چند ہی ایسے ہوتے ہیں کہ جو سینۂ گیتی پر نقش دوام چھوڑ کر جاتے ہیں، ان ہی خوش نصیب اور قابل مبارک باد افراد میں سے دونوں صاحب جلالین بھی ہیں۔

اگرچہ ان حضرات کے تذکرہ وتعارف کی چنداں ضرورت نہیں اسلئے کہ عیاں را چہ بیاں، بلکہ یہ تو سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے مگر چونکہ ترجمہ نویسی کا طریقہ اسلاف واکابر سے چلا آرہا ہے، اسی کے پیش نظر احقر بھی انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

ابتداء صاحب جلالین نصف ثانی سے کرتا ہوں اس لئے کہ موصوف کو تقدم زمانی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب نصف اول علامہ سیوطی کے استاذ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔

صاحب جلالین نصف ثانی

نام ونسب

آپ کا نام محمد اور والد محترم کا نام احمد ہے اور جلال الدین لقب ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن احمد بن ہاشم بن شہاب بن کمال الانصاری محلی، مصر کے ایک شہر محلۃ الکبریٰ کی طرف منسوب ہیں۔

سن پیدائش ووفات

آپ ماہ شوال ۷۹۱ھ میں مصر کے دار السلطنت قاہرہ میں پیدا ہوئے اور ۸۶۴ھ میں ۱۵؍ رمضان المبارک بروز شنبہ بوقت صبح رحلت فرمائی، آپ نے ۷۳ سال عمر پائی، باب النصر میں اپنے آباء واجداد کے قریب مدفون ہوئے۔

تحصیل علوم

قرآن کریم کے حفظ سے فراغت کے بعد آپ نے چند ابتدائی کتابیں مقامی اساتذہ سے پڑھیں اور فقہ علامہ بیجوری، جلال بلقینی، ولی عراقی سے پڑھی، اور نحو شہاب عجیمی اور شمس شطعونی سے اور فرائض وحساب ناصر الدین بن انس مصری حنفی سے اور منطق، جدل، معانی، بیان، عروض، بدر محمود اقصرائی سے اور اصول دین وتفسیر علامہ شمس بساطی وغیرہ سے حاصل کئے، ان حضرات کے علاوہ دیگر اساطین علم کے حلقہ درس میں حاضر ہو کر استفادہ کیا، اولاً آپ نے کپڑے کی تجارت اختیار کی، ایک مدت تک کپڑے کی تجارت کرتے رہے، اس کے بعد ایک شخص کو قائم مقام بنا کر خود درس وتدریس میں مشغول ہو گئے اور ایک خلق کثیر نے آپ سے تحصیل علم کیا، آپ پر عہدۂ قضا بھی پیش کیا گیا مگر آپ نے انکار فرما دیا۔

آپ کی تصانیف

آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں جمع الجوامع، جلالین نصف ثانی بڑی اہمیت کی حامل ہیں، آپ نے تفسیر کی ابتداء سورۂ کہف سے فرمائی۔ نصف ثانی مکمل کرنے کے بعد نصف اول سے صرف سورۂ فاتحہ ہی کی تفسیر کر پائے تھے کہ عمر نے وفا نہ کی اور اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) بقیہ نصف اول کی تکمیل آپ کے شاگرد رشید علامہ سیوطی عبد الرحمٰن بن ابی بکر نے کی۔

صاحب جلالین نصف اول

نام ونسب

نام عبد الرحمٰن بن ابی بکر محمد کمال الدین، لقب جلال الدین، کنیت ابو الفضل ہے، پورا نسب اس طرح ہے، عبد الرحمٰن بن ابی بکر محمد کمال الدین، بن سابق الدین، بن عثمان فخر الدین بن ناظر الدین الاسیوطی، سیوط کی طرف منسوب ہیں، جس کو اسیوط بھی کہتے ہیں، سیوط دریائے نیل کے مغربی جانب ایک شہر ہے، یہی محلہ خضریہ ہے جو سوق خضر کے نام سے مشہور ہے، یکم رجب ۸۴۹ھ بعد مغرب تولد ہوئے، اپنے عہد کے نہایت باکمال ائمہ فن میں سے تھے۔

تحصیل علوم

آپ صغرسنی یعنی پانچ سال سات ماہ کی عمر میں ہی سایۂ پدری سے محروم ہوگئے تھے، حسب وصیت والد ماجد، چند بزرگوں کی سرپرستی میں رہے، جن میں شیخ کمال ابن الہمام حنفی بھی تھے، موصوف نے آپ کی طرف پوری توجہ فرمائی، چنانچہ آٹھ سال سے کم عمر میں قرآن کریم کے حفظ سے فراغت حاصل کرلی، اس کے بعد آپ نے منہاج الاصول، الفیہ ابن مالک وغیرہ کتابیں حفظ کیں، شیخ شمس سراجی اور شیخ شمس مرزبانی حنفی سے بہت سی درسی اور غیر درسی کتابیں پڑھیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے اساتذۂ علم وفن کے حلقۂ درس میں شرکت فرمائی۔

ایک غلطی کا ازالہ

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ علامہ سیوطی حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد ہیں، مگر یہ تاریخ کی رو سے درست نہیں ہے اس لئے کہ اصحاب تاریخ کی یہ صراحت موجود ہے کہ حافظ ابن حجر کی وفات ۸۵۲ھ میں ہوئی ہے، اور علامہ سیوطی کی پیدائش ۸۴۹ھ میں ہے، اس حساب سے حافظ ابن حجر کی وفات کے وقت علامہ سیوطی کی عمر صرف تین سال ہے، ظاہر ہے کہ اس عمر میں تلمذ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

درس وتدریس اور افتاء

تحصیل علوم وتکمیل فنون کے بعد ۸۷۰ھ میں افتاء کا کام شروع کیا اور ۸۷۲ھ سے املا میں مشغول ہوگئے، آپ نے حسن المحاضرہ میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے سات علوم تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان، بدیع میں تبحر عطا فرمایا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے حج کے موقع پر آب زمزم پیا اور یہ دعا کی کہ فقہ میں شیخ سراج الدین بلقینی کے رتبہ کو اور حدیث میں حافظ ابن حجر کے مرتبہ کو پہنچ جاؤں۔

آپ اپنے زمانہ میں حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے، آپ نے خود فرمایا کہ مجھے دو لاکھ حدیثیں یاد ہیں، اور اگر مجھے اس سے بھی زیادہ ملتیں تو ان کو بھی یاد کرتا، چالیس سال کی عمر میں قضاء وافتاء وغیرہ سے سبکدوش ہوکر گوشہ نشینی اختیار کرلی، اور ریاضت وعبادت، رشد وہدایت میں مشغول ہوگئے، آپ کے زہد وقناعت کا یہ عالم تھا کہ امراء اور اغنیاء آپ کی خدمت میں آتے اور قیمتی قیمتی ہدایا وتحائف پیش کرتے مگر آپ قبول نہ فرماتے، سلطان غوری نے ایک خصی غلام اور ایک ہزار اشرفیاں آپ کی خدمت میں بھیجیں، آپ نے اشرفیاں واپس کردیں، اور غلام آزاد کرکے آپ ﷺ کے حجرۂ مبارکہ کا خادم بنادیا۔

آپ صاحب کشف وکرامات بزرگوں میں سے تھے، طی الارض کی کرامت آپ کی بہت مشہور ہے، بقول آپ کے آپ نے نبی کریم ﷺ کی ستر مرتبہ خواب میں زیارت فرمائی۔

علمی خدمات:

بقول داؤد مالکی آپ کی تصانیف کی تعداد پانصد سے بھی متجاوز ہے، آپ کی تصانیف میں سب سے پہلی تصنیف شرح استعاذہ وبسملہ ہے، علوم القرآن پر آپ کی تالیف ''الاتقان فی علوم القرآن'' نہایت اہم اور مشہور کتاب ہے۔

وفات

آپ نے وفات ہاتھ کے ورم میں مبتلا ہوکر جمعہ کی آخری شب ۱۹/ جمادی الاولی ۹۱۱ھ میں پائی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

تفسیر جلالین

فن تفسیر کی ایک مختصر مگر جامع تفسیر ہے اگر اس کو قرآن پاک کا عربی ترجمہ کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا، قرآنی اور تفسیری الفاظ سورۂ مدثر تک تقریباً برابر ہیں اس کے بعد قرآنی کلمات سے تفسیری کلمات زیادہ ہیں، جس کی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ تفسیر جلالین کو بے وضو چھونا جائز ہے، یہ تفسیر چونکہ دو بزرگوں کی ہے اور ان دونوں ہی کا لقب جلال الدین ہے اس لئے اس کتاب کا نام جلالین رکھا گیا، بعض اوقات نصف اول وثانی کے مفسر کی تعیین میں اشتباہ ہو جاتا ہے، اس کے یاد رکھنے کی آسان شکل یہ ہے کہ سیوطی کے شروع میں سین ہے اور محلی کے شروع میں میم ہے اور سین حروف تہجی کی ترتیب کے اعتبار سے مقدم ہے اور میم مؤخر، لہٰذا جس کے شروع میں سین ہے اس کا حصہ مقدم ہے اور جس میں میم ہے اس کا مؤخر۔

جلالین کے مآخذ

شیخ موفق الدین احمد بن حسن بن رافع کواشی نے دو تفسیریں لکھی ہیں، ایک کبیر جس کو تبصرہ کہتے ہیں اور دوسری صغیر جس کو تلخیص کہتے ہیں، شیخ جلال الدین محلی کا اعتماد اسی تفسیر صغیر پر ہے، علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے، مگر اس کے ساتھ تفسیر وجیز اور تفسیر بیضاوی اور ابن کثیر بھی پیش نظر رہی ہیں۔

جلالین کے شروح وحواشی

❶ جمالین، ملانور الدین علی بن سلطان محمد الہروی المشہور بملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ کا بہت عمدہ حاشیہ ہے۔

❷ قبس النیرین یہ ۹۵۲ھ کی تالیف ہے۔

❸ مجمع البحرین ومطلع البدرین، جلال الدین محمد بن محمد کرخی کی کئی جلدوں میں ہے۔

❹ کمالین شیخ سلام اللہ بن شیخ الاسلام بن عبد الصمد المتوفی ۱۲۲۹ھ کی ہے یہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے احفاد میں سے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی حواشی وشروح ہیں چونکہ استیعاب مقصود نہیں اس لئے ان ہی چند کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے۔

محمد جمال بلندشہری متوطن میرٹھ
استاذ دار العلوم دیوبند
۱۲رذی الحجہ ۱۴۲۲ھ مطابق
۲۵رفروری ۲۰۰۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الحمد لله حمدًا مُوافيًا لِنِعَمِه مُكافيا لمزيده.

والصَّلوةُ والسَّلامُ على سيّدنا محمد وآله وصحبه وجنوده.

اما بعد! فهٰذا ما اشتدت اليه حاجة الراغبين فى تَكمِلَةِ تفسيرِ القراٰنِ الكريمِ الذى الّفه الامامُ العلامةُ المحققُ المدققُ **جلالُ الدّين** محمد بن احمد المحلّى الشافعى رحمة الله عليه وتَتْمِيْمِ مافاتَه وهو من اول سُورة البقرة الى اٰخر سورة الاسراءِ بتَتِمّةٍ على نَمَطِه مِن ذِكرِ ما يُفْهَمُ به كلام اللّٰه تعالىٰ والاعتمادِ على ارجحِ الاقوال واعرابِ ما يحتاج اليه وتنبيهٍ على القراٰت المختلفةِ المشهورةِ على وجهٍ لطيفٍ وتعبيرٍ وجيزٍ وتركِ التطويل بذكر اقوالٍ غير مرضية واعاريبَ مَحلُّها كتب العربية واللّٰهَ اسألُ النفعَ به فى الدنيا واحسنَ الجزاء عليه فى العقبىٰ بِمَنّه وكرمه.

ترجمه خطبۂ جلالین نصف اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اس کی (بالفعل) موجود نعمتوں پر اور (آئندہ حاصل ہونے والی) روز افزوں نعمتوں پر، اور درود وسلام ہو ہمارے آقا محمد ﷺ اور آپ کے آل واصحاب پر اور آپ کے مددگاروں پر۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد پس (عرض) یہ ہے وہ (معہودِ ذہنی) جس کے بارے میں خواہشمندوں کی حاجت شدید تر ہوگئی، وہ قرآن کریم کی اس تفسیر کی تکمیل کے بارے میں ہے کہ جس کو امام علامہ محقق جلال الدین محمد بن احمد المحلی الشافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے تالیف فرمایا، اور خواہشمندوں کی حاجت اس (حصہ) کی تکمیل میں شدید تر ہوگئی جس کو (علامہ محلی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی) پایہ تکمیل کو نہ پہنچا سکے، یعنی سورۂ بقرہ سے سورۂ اسراء کے آخر تک، ایسے تتمہ کے ذریعہ تکمیل میں جو (علامہ محلی) ہی کے طرز پر ہو اور وہ (طرز)

اس چیز کا ذکر کرنا ہے جس سے فہم کلام اللہ نصیب ہو، اور قول راجح پر اعتماد کرنا ہے، اور (صرف) معروف مختلف قراءتوں پر لطیف پیرایہ اور مختصر انداز میں تنبیہ کرنا ہے غیر مقبول اقوال کو ذکر نہ کر کے، اور غیر ضروری اعراب کو نظر انداز کر کے تطویل کو ترک کرنا ہے، اس لئے کہ اس کے مواقع عربی (مثلاً نحو، معانی وغیرہ) کی کتابیں ہیں، اور میں اس عمل (تکمیل) کے ذریعہ دنیا میں نفع کا طالب اور آخرت میں اس کے احسان و کرم کے طفیل میں بہتر جزاء کا امیدوار ہوں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سَوال: علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حمد کے بقیہ طریقوں کو چھوڑ کر الحمد للّٰہ حمدًا الخ سے کیوں حمد فرمائی؟

جَواب: وجہ اس کی یہ ہے کہ حمد کے اس فقرہ کو حدیث شریف میں افضل حمد کہا گیا ہے، گویا کہ یہ فقرہ اس حدیث شریف کا اقتباس ہے، الحمدللّٰہ حمدًا یُوَافِی نِعَمَہٗ ویُکافی مَزِیدَہٗ.

سَوال: مفسر علام نے حدیث کے الفاظ میں تصرف کیا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

جَواب: یہ حدیث نہیں؛ بلکہ حدیث کا اقتباس ہے، اور اقتباسات میں ضرورت کے پیش نظر تصرف جائز ہے۔ (صاوی)

قَولہٗ: مُوَافِیًا لِنِعَمِہٖ ای مطابقًا لِنِعَمِہٖ یعنی حمد اللہ کی نعمتوں کے مطابق ہو بایں طور کہ موجودہ نعمتوں میں سے کوئی نعمت بلا حمد نہ رہ جائے، اور آئندہ (عطا ہونے والی) نعمتوں کے مساوی و مماثل ہو، مقصد یہ کہ لفظ الحمدللّٰہ تمام نعمتوں کے عوض میں ہو جائے، اسی مطابقت اور مماثلت کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے:

شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو ... عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

خُلاصَہ: خلاصہ یہ کہ حمد ایسی ہو کہ جو موجودہ نعمتوں اور آئندہ حاصل ہونے والی نعمتوں کے لئے کافی ہو۔

تَنبیہ: بعض نسخوں میں ''سیدنا'' کا لفظ نہیں ہے، پیش نظر نسخہ میں سیدنا کا لفظ موجود ہے جن نسخوں میں سیدنا کا لفظ ہے اس کے مطابق و آلہ اور اس کے مابعد کا عطف سیدنا پر ہوگا نہ کہ محمد پر، ورنہ تمام معطوفات کا سیدنا ہونا لازم آئے گا، حالانکہ حقیقتاً اور اصالۃً سیدنا آپ ﷺ ہیں نہ کہ دیگر حضرات۔

قَولہٗ: وَجُنُوْدِہٖ، جُنُوْدٌ، جُنْدٌ کی جمع ہے بمعنی لشکر، جُنْد مددگار کو بھی کہتے ہیں، جُنْدٌ ایسا اسم جنس ہے کہ جس کے واحد اور جمع میں یاء کے ذریعہ فرق کیا جاتا ہے، مثلاً جُنْدٌ لشکر اور جندی ایک لشکری جس طرح یہود اور یہودی ہے، یہود، قوم یہود، یہودی یہود کا ایک فرد۔

بعض نسخوں میں اَمّا بعدُ نہیں ہے، لہٰذا ھذا اس کے قائم مقام ہوگا، اور جن نسخوں میں اَمّا بعدُ ہے جیسا کہ پیش نظر نسخہ میں ہے، اس صورت میں اَمّا حرف شرط اور فھذا اس کی جزاء، مفسر علام نے ھذا اسم اشارہ قریب کا لا کر اشارہ کر دیا کہ ھذا

کا مشار الیہ معہود فی الذہن ہے جو کہ نہایت قریب ہے، اور وہ سورۂ بقرہ سے سورۂ اسراء کے آخر تک ہے، مَا اشْتَدَّتْ میں ما سے مراد بھی معہود ذہنی ہے۔

قَوْلُہٗ: راغبین سے محبین اور طالبین مراد ہیں، مطلب یہ کہ طالبین اور خواہشمندوں کی حاجت علامہ محلی کی تفسیر کی تکمیل کی طرف شدید ہوگئی۔

علامہ محلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا مختصر تعارف

قَوْلُہٗ: جلال الدین الخ جلال الدین آپ کا لقب ہے اور اسم گرامی محمد بن احمد ہے، المحلّہ بفتح اللام، مصر کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے، جس کا پورا نام محلّۃ الکبریٰ ہے، اسی شہر کی طرف نسبت کرکے آپ کو محلی کہتے ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے کہ قاہرہ کا ہی دوسرا نام المحلۃ الکبریٰ ہے، ۷۹۰ھ میں آپ پیدا ہوئے، اور ۸۶۴ھ میں آپ نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی، اس حساب سے آپ ۷۳ سال بقید حیات رہے، آپ کی قبر مبارک مصر میں باب النصر کے سامنے ہے۔

قَوْلُہٗ: وتَتْمِیْمُ تتمیم پر رفع اور جر دونوں درست ہیں، رفع کی صورت میں عطف مَا اشْتَدَّتْ میں ما پر ہوگا، اور جر کی صورت میں تکملۃ پر عطف ہوگا، اور فی کے تحت ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگا۔

مَلْحوظۃ: - مفسر علام کے قول وتتمیم مافاتہ المحلی میں تسامح معلوم ہوتا ہے، علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ ما فاتہ المحلی، کی تکمیل فرمانے والے ہیں، حالانکہ تکمیل ما فاتَ المحلی کی نہیں بلکہ ما اَتَا بہٖ المحلی کی فرمارہے ہیں، یعنی علامہ محلی نے جو کچھ کیا اس کی تکمیل فرمارہے ہیں نہ کہ جو کچھ نہیں کیا اس کی تکمیل، اس لئے کہ تتمہ، مالہ تتمہ کا جز ہوا کرتا ہے، اور علامہ سیوطی کا تتمہ (یعنی نصف اول) ما فاتَ المحلی کا جز نہیں ہے بلکہ مَا اَتی بہٖ یعنی نصف ثانی کا جزء ہے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: بِتَتِمَّۃٍ یہ تتمیم کے متعلق ہے اور باء بمعنی مع ہے۔

قَوْلُہٗ: علی نمطہٖ یہ تتمیم سے حال ہے، یعنی تکمیل اس حالت میں ہو کہ وہ علامہ محلی کے طرز پر ہو۔

قَوْلُہٗ: مِن ذکر ما یُفْھَمُ بہٖ کلام اللّٰہ یہ نمطہٖ کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: والاعتماد کا عطف ذِکرِ مَا یُفْھَمُ پر ہے، مِن کے تحت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور وَاِعْرابِ مَا یَحْتَاجُ اِلَیْہِ اور تَنْبِیْہٍ علی القراء اتِ المختلفۃ المشھورۃِ کا عطف بھی ذکرِ پر ہے، خیال رہے کہ یہاں مشہور سے مراد اصطلاحی معنی نہیں؛ بلکہ لغوی معنی مراد ہیں، اس لئے کہ مصحف میں مکتوب سب کی سب قراءات متواترہ ہیں۔

قَوْلُہٗ: وتَرْکِ التطویل بذکر اقوالٍ غیر مرضیۃٍ اور وَاَعَارِیْبَ کا عطف وجہٍ لطیف پر ہے، اور یہ عطف تفسیری کے طور پر ہے، اور اس لئے کہ جو بات معطوف علیہ یعنی علی وجہٍ لطیفٍ، وتعبیر وجیز میں اجمال اور اشارہ کے طور پر کہی

گئی ہے وہی بات معطوف یعنی وترکِ التطویل الخ میں تفصیل وصراحت سے کہی گئی ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خطبہ کا خلاصہ

علامہ سیوطی نے اولاً مختصر مگر جامع الفاظ میں خالق کائنات کی حمد فرمائی اس کے بعد سید مخلوقات اور آپ کے آل واصحاب نیز معاونین کو ہدیہ درود وسلام پیش کیا، اس کے بعد نصف اول کی تفسیر کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس اہم کام کی ذمہ داری قبول کرنے کا سبب شائقین اور طالبین کا مسلسل اور شدید اصرار ہوا اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ نصف ثانی کے نہج پر نصف اول میں بھی ایجاز واختصار کا لحاظ رکھا گیا ہے، نیز قول راجح اور ضروری اعراب نیز قراءت مختلفہ مشہورہ کی نشاندہی کی گئی ہے اور اقوال نامرضیہ اور اعراب غیر ضروریہ کو ترک کر کے تطویل سے احتراز کیا گیا ہے، آخر میں اس کارِ خیر کے وسیلہ سے دنیا وآخرت میں اپنے لئے خیر طلب کی گئی ہے۔

نوٹ: تفسیر اور اس سے متعلقات کی مکمل معلومات کے لئے مقدمہ کی جانب رجوع فرمائیں، مقدمہ میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

سُوْرَةُ الفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ الفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ، سَبْعُ اٰيَاتٍ.

سورۂ فاتحہ مکی ہے، مع بسم اللہ کے سات آیتیں ہیں۔

بِالبَسْمَلَةِ اِنْ كَانَتْ مِنْهَا وَالسَّابِعَةُ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اِلٰى اٰخِرِهَا وَاِنْ لَمْ تَكُنْ مِنْهَا فَالسَّابِعَةُ غَيْرِ المَغْضُوْبِ، اِلٰى اٰخِرِهَا، يُقَدَّرُ فِي اَوَّلِهَا قُوْلُوْا لِيَكُوْنَ مَا قَبْلَ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" مُنَاسِبًا لَهٗ بِكَوْنِهٖ مِنْ مَقُوْلِ العِبَادِ.

اگر بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز ہو، تو ساتویں آیت "صراط الذین" سے آخر تک ہے اور اگر بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز نہ ہو، تو ساتویں آیت غیر المغضوب سے آخر تک ہے اور سورۂ فاتحہ کے شروع میں "قُوْلُوْا" مقدر مانا جائے گا؛ تاکہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ کا ماقبل، بندوں کا مقولہ ہونے میں اس کے مناسب ہو جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ جُمْلَةٌ خَبَرِيَّةٌ قُصِدَ بِهَا الثَّنَاءُ عَلَى اللّٰهِ بِمَضْمُوْنِهَا مِنْ اَنَّهٗ تَعَالٰى مَالِكٌ لِجَمِيْعِ الحَمْدِ مِنَ الخَلْقِ اَوْ مُسْتَحِقٌّ لِاَنْ يَّحْمَدُوْهُ وَاللّٰهُ عَلَمٌ عَلَى المَعْبُوْدِ بِحَقٍّ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ اَيْ مَالِكِ جَمِيْعِ الخَلْقِ مِنَ الاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلَائِكَةِ وَالدَّوَابِّ وَغَيْرِهِمْ، وَكُلٌّ مِنْهُمْ يُطْلَقُ عَلَيْهِ عَالَمٌ يُقَالُ عَالَمُ الاِنْسِ وَعَالَمُ الْجِنِّ اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ وَ غُلِّبَ فِي جَمْعِهٖ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ اُوْلُوا الْعِلْمِ عَلٰى غَيْرِهِمْ وَهُوَ مِنَ الْعَلَامَةِ لِاَنَّهٗ عَلَامَةٌ عَلٰى مُوْجِدِهٖ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾ اَيْ ذِي الرَّحْمَةِ وَهِيَ اِرَادَةُ الْخَيْرِ لِاَهْلِهٖ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴﴾ اَيِ الْجَزَاءِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَ خُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهٗ لَا مُلْكَ ظَاهِرًا فِيْهِ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلّٰهِ تَعَالٰى بِدَلِيْلِ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ وَمَنْ قَرَأَ مَالِكِ فَمَعْنَاهُ مَالِكُ الْاَمْرِ كُلِّهٖ فِيْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَيْ هُوَ مَوْصُوْفٌ بِذٰلِكَ دَائِمًا كَغَافِرِ الذَّنْبِ فَصَحَّ وُقُوْعُهٗ صِفَةً لِلْمَعْرِفَةِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۵﴾ اَيْ نَخُصُّكَ بِالْعِبَادَةِ مِنْ تَوْحِيْدٍ وَغَيْرِهٖ وَنَطْلُبُ

مِنكَ المَعُونَةَ عَلَى العِبَادَةِ وغيرِ هَا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ اى اَرْشِدْنَا اِلَيهِ ويُبْدَلُ منه صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ بالهِدَايَةِ ويُبْدَلُ مِنَ الَّذِيْنَ بِصِلَتِهٖ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وهم اليهود وَلَا وَغَيْرِ الضَّآلِّيْنَ ۧ وهُمُ النَّصارى ونُكْتَةُ البَدَلِ اِفَادَةُ ان المُهْتَدِينَ لَيْسُوا يَهُودًا وَلا نَصارى واللّٰه اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ واِلَيهِ المَرْجِعُ وَالمَآبُ وَصَلَّى اللّٰهُ على سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعلى اٰلِهٖ واَصْحَابِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ صَلوةً وسَلَامًا دائِمَينِ مُتَلَازِمَينِ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ والحمد للّٰهِ رَبِّ العٰلَمِينَ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، ہر تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے، یہ جملہ خبر یہ ہے، اس جملہ سے اس کے مضمون کے ذریعہ خدا کی تعریف کا قصد کیا گیا ہے، بایں طور کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی تعریف کا مالک ہے یا اس کا مستحق ہے کہ اس کی حمد بیان کی جائے، اور اللہ معبود حقیقی کا علم ہے جو تمام عالموں کا رب ہے یعنی وہ تمام مخلوق کا مالک ہے، خواہ انس ہوں یا جن اور ملائکہ اور حیوانات وغیرہ اور ان میں سے ہر ایک پر عالم کا اطلاق کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے، عالَم الاِنسِ، عالَم الجن و علی هذا القیاس (عالم) کی ی اور ن کے ساتھ جمع لانے میں، ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دیا گیا ہے اور (عَالَمْ) علامة سے مشتق ہے، اس لئے کہ (عَالَمْ) اپنے ایجاد کرنے والے پر علامت ہے، بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے یعنی رحمت والا ہے اور "رحمت" مستحق خیر کے ساتھ خیر کے ارادے کا نام ہے، یوم جزاء کا مالک ہے، اور وہ (یوم جزاء) قیامت کا دن ہے اور یوم جزاء کو خاص کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اس دن بظاہر اللہ کے سوا کسی کی ملک نہیں ہوگی، لِمَنِ الْمُلْكُ الیوم؟ لِلّٰه! کی دلیل سے اور جن لوگوں نے مالكِ یوم الدین پڑھا ہے تو اس کے معنی ہیں، قیامت کے دن وہ تمام امور کا مالک ہے یعنی وہ مالکیت کی صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے جیسا کہ غافِرِ الذنب میں، لہٰذا اس کا معرفہ کی صفت واقع ہونا صحیح ہے، ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہم تجھ ہی کو عبادت کے لئے خاص کرتے ہیں جو کہ وہ توحید وغیرہ ہے اور عبادت وغیرہ پر تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہمیں سیدھی راہ دکھا، یعنی راہ مستقیم کی طرف رہنمائی فرما، اور صراط الذین، الصراط المستقیم سے بدل ہے، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے ہدایت کے ذریعہ انعام فرمایا اور الذین سے مع اس کے صلہ کے غَیْرِ المغضوبِ عَلَیْهِمْ بدل ہے، ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور وہ یہود ہیں اور نہ گمراہوں کی اور وہ نصاریٰ ہیں اور نکتہ بدل قرار دینے میں اس بات کا فائدہ پہنچانا ہے کہ یہود ہدایت یافتہ نہیں ہیں اور نہ نصاریٰ ہیں، واللّٰه اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب وصَلَّى اللّٰه عَلٰی سیدنا محمد وعلی آلِهٖ واَصحابه الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ صلوةً وسلامًا دائمَیْن مُتَلَازِمَیْن اِلٰی یَوْمِ الدِّیْن والحمد لله رب العالمین. اور حقیقتِ حال سے اللہ ہی واقف ہے اور وہی مرجع اور ٹھکانہ ہے، اللہ کی رحمت ہو ہمارے سردار محمد ﷺ پر، اور آپ کی پاکیزہ اور ستھری آل اصحاب پر ہمیشہ باہم پیوستہ تا قیام قیامت درود وسلام ہو اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: سبعُ آیاتٍ بِالْبَسْمَلَةِ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے یہاں چونکہ بسم اللّٰہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے، اس وجہ سے ساتویں آیت، صراط الذین سے آخر تک ہے، اور احناف کے نزدیک بسم اللّٰہ سورۂ فاتحہ کا چونکہ جز نہیں ہے، اس لئے ساتویں آیت غیر المغضوب علیھم سے آخر تک ہے۔

قولہ: یُقَدَّرُ فی اولِهَا ، قُوْلُوْا ، سورۂ فاتحہ کے شروع میں لفظ قُولوا مقدر مانا جائے گا؛ اگر بسم اللّٰہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے تو قُولُوْا بسم اللّٰہ سے پہلے مقدر مانا جائیگا، اور اگر بسم اللّٰہ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں ہے تو بسم اللہ کے بعد مقدر مانا جائے گا، قولوا کو مقدر ماننے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ کا ماقبل، مقولۂ عباد ہونے میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے مناسب ہوجائے یعنی پوری سورۂ فاتحہ مقولۂ عباد ہوجائے۔ بِکَوْنِھا میں باء بمعنی فی ہے، یعنی فی کون الفاتحۃ ایک نسخہ میں بِکَوْنِھا کے بجائے بِکَونِہٖ ہے یہ زیادہ واضح ہے، ضمیر، ماقبل ایاك کی طرف راجع ہوگی اور اگر قُولُوْا کی تقدیر کو ترک کردیا جائے تو احتمال یہ ہوگا کہ سورۂ فاتحہ بتمامها یہ اللہ کی خود اپنی تعریف ہے۔

قولہ: الحمد لِلّٰہ خَبْرِیَة ، خَبرِیَة کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ''الحمد للہ'' لفظاً جملہ خبریہ ہے، اس کی تقدیر الحمد ثابت للّٰہ ہے اور قُصِدَ بِها الثناء الخ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مذکورہ جملہ معناً انشائیہ ہے، جس کے مضمون سے اللہ کی حمد بیان کرنے کا قصد کیا گیا ہے۔

قولہ: مِنْ انه تعالیٰ مالك لجمیع الحمد من الخلق اس جملہ کے اضافہ کا مقصد مضمون جملہ کی تعیین کرنا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی تمام ستائشوں کا مالک ہے، اس صورت میں للہ کا لام ملک کے لئے ہوگا۔

قولہ: او مستحق اس اضافہ سے مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ للہ میں لام استحقاق کا ہے یعنی اللہ اپنی مخلوق کی تمام ستائشوں کا مستحق ہے۔

قولہ: قُصِدَ بِهَا الثناء مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے ایک مشہور سوال کا جواب دینا ہے۔

سوال: خبر سے مخبر کا مقصد مخاطب کو یا تو خبر کا فائدہ پہنچانا ہوتا ہے، اس کو اصطلاحی زبان میں فائدۃ الخبر کہتے ہیں مثلاً ایک شخص کہتا ہے زید قائم اگر مخاطب قیامِ زید سے واقف نہیں ہے تو وہ اس خبر کے بعد قیامِ زید سے واقف ہوجائے گا، اور اگر مخاطب خبر سے واقف ہے اس صورت میں مخبر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ میں اس خبر سے واقف ہوں اسے لازمِ فائدۃ الخبر کہتے ہیں، مثلاً مخبر کہتا ہے ''حَفِظْتَ القرآن'' تونے قرآن حفظ کرلیا، مخبر کا مقصد مخاطب کو یہ بتانا ہے کہ میں اس بات سے واقف ہوں کہ تونے قرآن حفظ کرلیا ہے، ظاہر ہے کہ جس نے قرآن حفظ کیا ہے اسے یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ تونے قرآن حفظ کرلیا ہے، بلکہ اسے اپنے باخبر ہونے کی خبر دینا ہے، جسے علم معانی کی زبان میں لازم فائدۃ الخبر کہتے ہیں۔ مذکورہ تفصیل کے بعد آپ غور کریں کہ ''الحمد للہ'' جملہ خبریہ ہے؛ مگر دونوں مذکورہ فائدوں سے خالی ہے، نہ تو اس

سے فائدۃ الخبر حاصل ہو رہا ہے اور نہ لازم فائدۃ الخبر ،اس لئے کہ یہ بات کہ جمیع محامد کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے، سب کو معلوم ہے، لہٰذا ''الحمد للہ'' کا مقصد اخبار بفائدۃ الخبر نہ ہوگا، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ متکلم کا مقصد یہ بھی نہیں کہ وہ مخاطب کو یہ بتائے کہ میں اس بات سے واقف ہوں کہ جمیع محامد کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے، تو معلوم ہوا کہ ''الحمد للہ'' جو کہ جملہ خبریہ ہے، دونوں قسم (فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر) سے خالی ہے اور جو جملہ خبریہ دونوں قسم کے فائدوں سے خالی ہو، وہ لغو ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے منزہ ہے، لہٰذا اس جملہ کو انشائیہ ہونا چاہئے جیسا کہ قاضی مبارک شاہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے شرح تہذیب کے حاشیہ میرزادہ میں اختیار کیا ہے، **حَیْثُ قال الحمد للّٰہ یحتمل الانشاء والاخبار والاول اَوْفَقُ بالحدیث وَهُوَ قوله علیه السلام ''کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَال''.** (الحدیث)

جَوَابٌ: حاصل جواب یہ ہے کہ جملہ خبریہ سے مذکورہ دونوں فائدوں میں سے کسی ایک فائدہ کا حاصل ہونا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب کہ مخبر کا مقصد اعلام (اخبار) ہو، اور یہاں مقصد انشاء ثناء ہے نہ کہ اخبار، اور جملہ خبریہ بسا اوقات فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر کے علاوہ دیگر مقاصد کے لئے بھی لایا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ''رَبِّ اِنِّی وَضَعْتُهَا اُنْثٰی'' یہ جملہ خبر یہ ہے مگر مقصد اظہار حسرت ہے نہ کہ فائدۃ الخبر اور نہ لازم فائدۃ الخبر۔

قَوْلُہٗ: بمضمونها اس جملہ کا مقصد بھی ایک سوال کا جواب ہے، سوال کے سمجھنے سے پہلے بطور تمہید اس بات کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ تسمیہ اور سورۂ فاتحہ کے نزول کا مقصد کیفیت تسمیہ و تحمید سکھانا ہے یعنی یہ بتانا ہے کہ کس طرح تسمیہ اور تحمید کی جائے، جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو اب سمجھنا چاہئے کہ ''الحمد للہ'' دو حال سے خالی نہیں؛ کیوں کہ حمد یا تو بطریق انشاء ہوگی یا بطریق خبر، اگر بطریق انشاء ہو اس پر وہی اعتراضات ہوں گے جو سابق میں بیان کیے گئے ہیں اور اگر بطریق خبر ہو تو جو شخص بھی یہ جملہ یعنی ''الحمد للہ'' کہے گا تو وہ غیر کی جانب سے حمد کا مخبر ہوگا نہ کہ حامد بنفسہ؛ لہٰذا یہ شخص نماز میں حمد کرنے والا نہیں ہوگا؛ حالانکہ انشاء حمد اس پر نماز میں واجب ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے جواب میں کہے کہ اخبار بالحمد بھی حمد ہے، لہٰذا الحمد للہ کہنے والا منجملہ حامدین سے ہوگا تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ ہمیں یہ مسلم نہیں اس لئے کہ حمد وصف بالجمیل کا نام ہے نہ کہ اخبار الوصف بالجمیل کا، لہٰذا یہ حمد نہ ہوگی؟

خلاصۃ الکلام:

قَوْلُہٗ: خَبَرِیَّة الخ، اس اضافہ کا مقصد ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ ''الحمد للّٰہ'' جملہ انشائیہ ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ''الحمد للہ'' جملہ فعلیہ سے معدول ہے جیسا کہ سلامٌ عَلَیْکُمْ جملہ فعلیہ سے معدول ہے کہ اصل میں سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَیْكَ تھا؛ لہٰذا جب معدول عنہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہے، تو معدول بھی جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگا، اسی طرح ''الحمد للّٰہ'' اصل میں حَمِدْتُ حَمْدًا تھا، استمرار و دوام کے لئے جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف معدول کر لیا گیا، لہٰذا جملہ ''الحمد للہ'' بھی انشائیہ ہی ہوگا۔

رد کی پہلی دلیل:

رد کی پہلی دلیل یہ ہے کہ جملہ انشائیہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا مضمون زمانۂ استقبال سے متعلق ہے؛ لہٰذا الحمد لله کا مفہوم، **ایجاد الحمد فی زمان المستقبل** ہوگا اور یہ تعمیم زمان کے منافی ہے جو کہ **"الحمد لله"** میں معتبر ہے، اس لئے کہ جملہ فعلیہ سے معدول کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ دوام واستمرار پر دلالت کرے نہ کہ حدوث وتجدد پر۔

دوسری دلیل:

دوسری دلیل یہ ہے کہ جملہ انشائیہ خواہ اسمیہ ہو جیسے **سلام علیکم** یا فعلیہ ہو جیسا کہ **نعم الرجل زید**، وہ بہر حال قائل کی جانب سے حدوث مضمون پر دلالت کرتے ہیں، نہ کہ غیر قائل کی جانب سے؛ لہٰذا "**سَلَامٌ عَلَيْكُمْ**" کے معنی ہوں گے "**سلام من قبلی** اور **نعم الرجل زید**" کے معنی ہوں گے **احداثُ المدح مِنَ المتکلم دون غیرہ** اور یہ حامد کی حمد کے منافی ہے جو کہ "**الحمد لله**" میں حذف فاعل سے مفہوم ہے، لہٰذا علامہ جلال الدین محلی نے **الخبریۃُ** کہہ کر مذکورہ دونوں اعتراضوں کو دفع کر دیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قَوْلُهُ: **مِن انّهٗ تعالیٰ مالك لجمیع الحمد مِنَ الخلق اَوْ مُسْتَحِقٌّ لِاَنْ یَحْمَدُوْهُ** اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: تمام محامد کا اختصاص اللہ تعالیٰ کے لئے "الحمد" کے الف لام سے مستفاد ہے خواہ الف لام استغراق کا ہو یا جنس کا جس کی تفصیلی تقریر یوں ہے:

اعتراض کی تقریر:

لفظ "حمد" مصدر ہے، یا تو یہ مصدر معروف ہوگا یا مجہول، یعنی کسی کا حامد ہونا یا محمود ہونا، اور ان دونوں صورتوں میں حمد کا اختصاص باری تعالیٰ کے ساتھ صحیح نہیں ہے، اول صورت میں تو اس لئے کہ حمد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا اہل سنت والجماعت کے نزدیک کسبًا اور معتزلہ کے نزدیک خلقًا درست ہے، یعنی غیر اللہ کو کہا جا سکتا ہے کہ "**انہ حامدٌ علی سبیل الکسب**" لہٰذا حصر باقی نہیں رہا، اور اگر ثانی صورت مراد ہو کہ الحمد کو مصدر مجہول مانا جائے، تو اس صورت میں حصر اس لئے درست نہیں ہوگا کہ اس صورت میں حمد کا تعلق غیر اللہ سے ہوتا ہے، مثلاً غیر اللہ کے لئے کہا جاتا ہے "**انہ محمودٌ**" **یا فُلَان عَالِمٌ یا فُلَانٌ شجاع**، وغیرہ، تو فلاں محمود ہوگا، خلاصہ یہ کہ الحمد للہ میں حمد کسی صورت میں بھی اللہ کے ساتھ محصور نہیں، حالانکہ الحمد میں حصر ہی مقصود ہے؟ اسی اعتراض کا جلال الملت والدّین نے اول شق کو اختیار کر کے اپنے قول "**مِنْ انہ مالك الخ**" سے جواب دیا ہے اور شق ثانی کو اختیار کر کے اس کا جواب اپنے قول "**او مستحق لِاَنْ یَحْمَدُوْهُ**" سے دیا ہے۔

پہلی شق کو اختیار کر کے جواب کی تقریر:

جواب یہ ہے کہ حمد کے تمام افراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں باعتبار ملک اور خلق کے، بایں طور کہ ہر حمد خواہ وہ خالق سے صادر ہو یا مخلوق سے وہ اللہ ہی کی مخلوق اور مملوک ہے، اس لئے کہ اہل حق کے نزدیک اللہ کی ذات اور اس کی صفات کے سوا ہر شئ کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور غیر اللہ حقیقۃً نہ کسی شئ کا خالق ہوسکتا ہے اور نہ مالک؛ لہٰذا جمیع محامد کا اختصاص باعتبار خلق اور ملک کے اللہ ہی کے ساتھ ہوگا، نہ کہ باعتبار نسبت کے؛ لہٰذا یہ اختصاص حقیقت کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ ظاہر اور نسبت کے اعتبار سے۔

دوسری شق کو اختیار کرنے کی صورت میں جواب:

دوسری شق یہ ہے کہ حمد کے تمام افراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، محمود ہونے کے اعتبار سے اور یہ اختصاص نفس الامری وقوع کے اعتبار سے نہیں ہے، (یعنی فی الواقع ایسا ہو یہ بات نہیں ہے) بلکہ استحقاق کے اعتبار سے ہے، یعنی تمام محامد کا استحقاق اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے، اللہ کے علاوہ کوئی بھی، حمد کے کسی فرد کا مستحق نہیں، اس لئے کہ حمد کا استحقاق خیر کی وجہ سے ہوتا ہے اور خیر اللہ ہی کی طرف سے ہے، خواہ انسان کے کسب کے اعتبار سے ہو، بایں معنی کہ اس کے کسب میں بندے کے اختیار کو دخل ہو، یا بلا واسطہ ہو کہ اس میں بندے کے کسب و اختیار کو بالکل دخل نہ ہو (جیسے پیدائشی نعمتیں) جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اختصاص بطریق استحقاق ہے، تو یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ حمد کے بعض افراد غیر اللہ کے لئے ثابت ہوں؛ لہٰذا اگر کچھ لوگ بتوں کی یا کوکب یا دیگر مظاہر کی بندگی اور ان کی حمد وثناء کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے لئے تمام افراد حمد کے استحقاقی طور پر اختصاص کے منافی نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاللّٰه عَلَمٌ علی المعبود بحق، یعنی اللہ معبود برحق کا عَلَمْ (نام) ہے، مفسر علام جلال الملۃ والدین نے لفظ اللہ کی تشریح عَلَمٌ علی المعبود بحق سے کر کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

اعتراض: اس مقام (یعنی الحمد للّٰه) میں لفظ اللہ کو دیگر صفاتی ناموں (مثلاً خالق، رازق وغیرہ) کے مقابلہ میں کیوں اختیار کیا؟ باوجودیکہ صفاتی نام ذات مع الصفات پر دلالت کرتے ہیں؟

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اَللّٰه ایک معبود مشخص کا نام ہے، جو تمام صفات کمال کو جامع ہو، اللہ کے علاوہ دیگر تمام نام صفاتی ہیں اگر اللہ کے بجائے کسی صفاتی نام کو اختیار کرتے تو کسی کو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ اللہ اسی صفت کی وجہ سے مستحق حمد ہے نہ کہ اپنی ذات کے اعتبار سے، اس لئے کہ کسی حکم کا کسی وصف سے متعلق ہونا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وصف ہی اس حکم کی علت ہے، اور یہ باطل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی صفات کے اعتبار سے مستحق حمد ہے اسی طرح وہ اپنی مجرد ذات کے اعتبار سے بھی یکساں طور پر مستحق حمد ہے۔

قَوْلُہٗ: رَبِّ الْعٰلَمِين، ای مَالِكِ، رَبّ مصدر ہے بمعنی تربیۃ، رَبّ کو اللہ کی صفت بطور مبالغہ لایا گیا ہے، رب کے متعد

معانی آتے ہیں، سید، مالک، معبود، مصلح وغیرہ، مناسب مقام کی وجہ سے مفسر علام نے مالک کے معنی کو اختیار کیا ہے، لہٰذا رب کے اللہ پر حمل کے عدم جواز کا اعتراض نہیں ہوسکتا۔

سَوَال: عالم مفرد ہونے کے باوجود کائنات کے ہر فرد کو شامل ہے، اس لئے کہ عالم اسم جنس ہے تو اس کی جمع لانے کی کیا ضرورت تھی؟

جَوَاب: جمع کا صیغہ اس لئے لایا گیا تاکہ اپنے ماتحت اجناس مختلفہ کو صراحۃً شامل ہوجائے۔

سَوَال: عالمین کی جمع یا، ن کے ساتھ کیوں لائے ہیں، جب کہ عالم میں غیر ذوی العقول کی تعداد زیادہ ہے اور ذوی العقول کی کم؟

جَوَاب: ذوی العقول کی شرافت کی وجہ سے غیر ذوی العقول پر غلبہ دینے کی وجہ سے اس کی جمع یاء، ن کے ساتھ لائی گئی ہے۔

قَوْلُهُ: هُوَ اِرادة الخير، لاَهْلِهٖ مفسر علام کا اس اضافہ سے مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: رحمٰن اور رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں اور رحمۃ سے مشتق ہیں، رحمۃ کے معنی ہیں رقت قلب اور یہ صفت باری تعالیٰ میں ممتنع ہے۔ اس لئے کہ رقت قلب کے لئے قلب کی ضرورت ہوگی اور قلب کے لئے جسم کی ضرورت ہوگی، اور جس کا جسم ہوتا ہے وہ مجسم ہوتا ہے؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیات سے منزہ اور پاک ہے؟

جَوَاب: اللہ تعالیٰ کے لئے رحمت کا اطلاق غایت اور انجام کے اعتبار سے ہے یعنی رقت قلبی کا انجام اور نتیجہ خیر پر آمادہ کرنا ہوتا ہے؛ لہٰذا رحمت بول کر انجام رحمت مراد ہے۔

قَوْلُهُ: مَلِكِ يوم الدين، مَلِكِ میں دو قراءتیں ہیں، ایک الف کے ساتھ یعنی مَالِكِ يوم الدين اور دوسری حذف الف کے ساتھ، یعنی مَلِكِ يَوْمِ الدين، دوسری قراءت میں کوئی اشکال نہیں، یعنی وہ روز جزاء کا بادشاہ ہے، پہلی قراءت یعنی مَالِكِ یوم الدین میں اشکال ہے۔

اِشْكَال: مَالِكِ اسم فاعل ہے اس کی اضافت اضافت لفظیہ ہوتی ہے، جو کہ مفید تعریف نہیں ہوتی؛ لہٰذا اس کا اللہ کی صفت بننا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ معرفہ ہے اور مالكِ يوم الدين نکرہ، اور نکرہ معرفہ کی صفت واقع نہیں ہوسکتا؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اسم فاعل سے جب حال یا استقبال کا قصد کیا جائے تو اضافت لفظیہ ہوتی ہے اور اگر ماضی یا دوام واستمرار کا ارادہ کیا جائے تو یہ اضافت حقیقیہ ہوتی ہے جو کہ مفید تعریف ہوتی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں استمرار اور دوام ہی مراد ہوتا ہے؛ لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں۔

قَوْلُهُ: وخُصَّ بالذكر الخ اس عبارت سے بھی ایک سوال کا جواب مقصود ہے۔

سَوَال: مالك يومِ الدين میں یوم جزاء کی تخصیص کیوں کی گئی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تمام زمان ومکان کا مالک ہے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یوم جزاء کے علاوہ دنیا میں انسانوں کی بھی ملکیت ہوتی ہے، اگرچہ مجازی اور عارضی ہی سہی اور یوم جزاء میں کسی کی ملکیت عارضی اور مجازی بھی نہ ہوگی، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سوال فرمائیں گے لِمَنِ الْمُلْكُ اليوم؟

اور اللہ تعالیٰ خود ہی اس کا جواب بھی عنایت فرمائیں گے ''لِلّٰہِ الواحد القهّار''، مفسر علام نے اپنے قول: لا ملك ظاهرًا فيه لِاَحَدٍ اِلَّا لَهٗ تعالٰی سے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلَہٗ: نـخـصُّـكَ بالعِبَادةِ الخ اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ایاك مفعول کی تقدیم، تخصیص پر دلالت کرنے لئے ہے، اصل میں نَعْبُدك تھا۔

قَوْلَہٗ: ای ارشدنا الیه ای اثبتنا علیه، ارشاد بمعنی اثبات ہے اس لئے کہ ہدایت تو حاصل ہو چکی ہے، للہذا اب اس پر دوام عطا فرما۔

قَوْلَہٗ: وَیُبْدَلُ منه (صراط الذین انعمت علیهم) یہ بدل الکل من الکل ہے، اس کو الصراط المستقیم کی مدح و تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلَہٗ: یُبْدَلُ مِن الذّین بِصلته الخ یعنی الذین مع اپنے صلہ کے مبدل منہ ہے اور غیر المغضوب علیهم اس سے بدل ہے، اس میں مبدل منہ معرفہ اور بدل نکرہ ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

سَوَال: غیـــــر جب دو متضاد چیزوں کے درمیان واقع ہو، تو وہ معرفہ ہو جاتا ہے جیسا کہ یہاں واقع ہے اس لئے کہ انعمت علیهم اور مغضوب علیهم دونوں آپس میں متضاد ہیں، اور بعض حضرات نے غیر المغضوب کو الذین انعمت کی صفت قرار دیا ہے؛ مگر اس صورت میں یہ اشکال ہوگا کہ معرفہ کی صفت نکرہ درست نہیں ہے؟

جَوَاب: موصول، ابہام میں مشابہ بالنکرات ہے؛ للہذا اس کے ساتھ نکرہ جیسا معاملہ کیا گیا ہے۔

دُوسرا جَوَاب: یہ ہے کہ غَیْرِ جب بین الضدین واقع ہوتا ہے تو اس کی نکارت ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ یہاں مابین الضدین واقع ہے، للہذا اب کوئی اشکال نہیں۔

تَفسِیر وتَشریح

سورة الفاتحة مكية سبع آياتٍ بالبسملة.

سورۂ فاتحہ مکی ہے، مع بسم اللہ سات آیتیں ہیں۔

قرآنی سورتوں کو سورت کہنے کی وجہ تسمیہ:

سورۃ کے لفظی معنی بلندی یا بلند منزل کے ہیں، السُّوْرَةُ: الرفیعة (لسان) السورة المنزلة الرفیعة (راغب) گویا ہر سورت بلند مرتبہ کا نام ہے، سورۃ کے ایک معنی فصیل (شہر پناہ) کے ہیں، سورة المدینة، حَائطُهَا (راغب) قرآنی

سورتوں کو سورت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مضامین کا اسی طرح احاطہ کئے رہتی ہیں جس طرح فصیل شہر کا احاطہ کئے رہتی ہے۔

الفاتحة:

فاتحة کے لفظی معنی ہیں ابتداء کرنے والی، قرآن مجید کی اس پہلی سورت کو بھی فاتحہ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے، گویا کہ یہ دیباچۂ قرآن ہے، قرآنی سورتوں کے نام بھی توقیفی ہیں اور ایک ایک سورت کے کئی کئی نام بھی ہیں، (وقد ثَبَتَتْ جميعُ اسماءِ السُّوَرِ بِالتَّوْقِيْفِ مِنَ الْاَحَادِيْثِ وَالْآثَارِ). (اتقان)

سورۃ الفاتحہ کے متعدد نام احادیث میں آئے ہیں، بعض حضرات نے ان کی تعداد بیس تک پہنچائی ہے، ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں۔

① سورة الشفاء، ② سورة الوافية، ③ ام القرآن، ④ سورة الكنز، ⑤ الكافيه، ⑥ السبع المثانى.

سورۂ فاتحہ کے فضائل وخصوصیات:

سورۂ فاتحہ قرآن کی سب سے پہلی سورت ہے، اور مکمل سورت کی حیثیت سے نزول کے اعتبار سے بھی پہلی سورت ہے، غالبًا اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ فاتحہ رکھا گیا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سورت ایک حیثیت سے پورے قرآن کا متن ہے اور پورا قرآن اس کی شرح؛ یہ سورت اپنے مضمون کے اعتبار سے ایک دعاء ہے، ایک طالب حق کو چاہئے کہ حق کی تلاش وجستجو کرتے وقت یہ دعاء بھی کرے کہ اسے صراط مستقیم کی ہدایت عطا ہو، دراصل یہ ایک دعاء ہے، جو ہر اس شخص کو سکھائی گئی ہے جو حق کا متلاشی ہو، اس بات کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن اور سورۂ فاتحہ کے درمیان صرف کتاب اور اس کے مقدمہ کا سا ہی تعلق نہیں؛ بلکہ دعاء اور جواب دعاء کا سا بھی ہے، سورۂ فاتحہ بندے کی جانب سے ایک دعاء ہے، اور قرآن اس کا جواب ہے۔ خدا کی جناب میں، بندہ دعاء کرتا ہے کہ اے پروردگار! تو میری رہنمائی کر، جواب میں اللہ تعالیٰ پورا قرآن اس کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ ہے وہ ہدایت اور رہنمائی جس کی درخواست تو نے مجھ سے کی ہے۔

ایک تنبیہ:

اس سورت کی ابتداء، الحمد لله رب العالمين سے کر کے اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ دعاء جب مانگو، تو مہذب طریقہ سے مانگو یہ کوئی تہذیب نہیں، کہ منہ کھولتے ہی جھٹ اپنا مطلب پیش کر دیا، تہذیب کا تقاضہ یہ ہے کہ

جس سے دعاء کر رہے ہو پہلے اس کی خوبیوں کا، اس کے احسانات اور اس کے مرتبے کا اعتراف کرو پھر جو کچھ مانگنا ہو شوق سے مانگو۔

بسم اللہ سے متعلق مباحث:

بسم اللہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر سورت کی مستقل آیت ہے یا ہر سورت کی آیت کا حصہ ہے یا صرف سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے، یا کسی بھی سورت کی مستقل آیت نہیں ہے بلکہ ایک سورت کو دوسری سورت سے ممتاز کرنے کے لئے ہر سورت کے آغاز میں لکھی جاتی ہے؟ قراء مکہ وکوفہ نے اسے ہر سورت کی آیت قرار دیا ہے، جب کہ قراء مدینہ بصرہ وشام نے اسے کسی بھی سورت کی آیت تسلیم نہیں کیا سوائے سورۂ نمل کی آیت ۳۰/ کے کہ اس میں بالاتفاق بسم اللہ سورت کا جز ہے، اسی طرح جہری نمازوں میں اس کے اونچی آواز سے پڑھنے میں بھی اختلاف ہے بعض اونچی آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض سری آواز سے، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اور اکثر علماء سری آواز سے پڑھنے کو راجح قرار دیتے ہیں۔

سورۃ فاتحہ کے مضامین:

سورۂ فاتحہ سات آیتوں پر مشتمل ہے جن میں سے پہلی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے اور آخری تین آیتوں میں انسان کی طرف سے دعاء ودرخواست کا مضمون ہے جو اللہ رب العزت نے اپنی رحمت سے خود ہی انسان کو سکھایا ہے اور درمیانی آیت دونوں چیزوں میں مشترک ہے، اس میں کچھ حمد کا پہلو ہے اور کچھ دعاء ودرخواست کا۔

اھدنا الصراط المسقیم یہ ایک بڑی اور جامع دعاء ہے جس چیز کی اس میں دعاء کی گئی ہے اس سے کوئی فرد بے نیاز نہیں، اور وہ ہے "**صراط مستقیم**" صراط مستقیم کی ہر کام میں ضرورت ہوتی ہے خواہ دین کا ہو یا دنیا کا، اب رہی یہ بات کہ وہ صراط مستقیم ہے کیا؟ اس کی نشاندہی اگلی آیت میں کی گئی ہے۔

صراط الذین انعمت علیھم یعنی ان لوگوں کا راستہ کہ جن میں افراط وتفریط نہ ہو، اور وہ، وہ لوگ ہیں جن پر تو نے انعام فرمایا، اور ان **منعم علیھم** کو ایک دوسری آیت "**اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ**" (الآیۃ) میں بیان کیا گیا ہے یعنی وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ مقبولین بارگاہ کے یہ چار درجات ہیں جن میں سب سے اعلیٰ انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام ہیں۔

اس آیت میں پہلے مثبت اور ایجابی طریق سے صراط مستقیم کو متعین کیا گیا ہے کہ ان چار طبقوں کے لوگ جس راستہ پر چلیں وہ

صراط مستقیم ہے، اس کے بعد آخری آیت میں سلبی طریقہ پر اس کی تعیین کی گئی ہے؛ چنانچہ ارشاد فرمایا:

غیر المغضوب علیھم ولا الضالین یعنی نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب نازل ہوا، اور نہ ان لوگوں کا جو راستہ سے بھٹک گئے، مغضوب علیھم سے وہ لوگ مراد ہیں جو دین کے احکام کو جاننے پہچاننے کے باوجود شرارت یا نفسانی اغراض کی وجہ سے ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں، جیسا کہ عام طور پر یہود کا یہی حال تھا کہ دنیا کے ذلیل مفاد کی خاطر دین کو قربان کرتے اور انبیاء علیہم السلام کی توہین کرتے تھے۔ اور ضالین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ناواقفیت اور جہالت کے سبب دین کے معاملہ میں غلط راستہ پر پڑ گئے ہیں، جیسا کہ نصاری کا عام طور پر یہی حال تھا کہ نبی کی تعظیم میں اتنے بڑھے کہ انہیں خدا بنالیا، اور دوسری طرف یہ ظلم کہ اللہ کے نبیوں کی بات نہ مانی؛ بلکہ انہیں قتل کرنے تک سے گریز نہ کیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ

سُوۡرَةُ البَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ مائتان وسِتٌّ اَوۡ سَبۡعٌ وّثمانُونَ اٰيَةً.

سورۂ بقرہ مدنی ہے، ۲۸۶ یا ۲۸۷ آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○ **الٓمّٓ** ① اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **ذٰلِكَ** اى هذا **الۡكِتٰبُ** الَّذِى يَقۡرَؤُهٗ محمدٌ صلى الله عليه وسلم **لَا رَيۡبَ ۛۚ** شكَّ **فِيۡهِ ۛۚ** انّه مِنۡ عِندِ اللّٰهِ وجملةُ النفى خبرٌ مبتدأهُ ذٰلك والاشارةُ به للتَّعظيم **هُدًى** خبرٌ ثانٍ اى هادٍ **لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۙ** ② الصّائرِينَ الى التَّقوى بامتِثالِ الاَوامِرِ واجتِنابِ النَّواهى لِاتّقائهم بذٰلك النّار **الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ** يُصَدِّقُونَ **بِالۡغَيۡبِ** بِمَا غابَ عَنۡهُمۡ مِنَ البَعۡثِ وَالجَنَّةِ وَالنّار **وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ** اى يأتونَ بها بِحُقُوقِها **وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ** اَعۡطَيۡناهم **يُنۡفِقُوۡنَ ۙ** ③ فى طاعةِ اللّٰهِ **وَالَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ** اى

القرآن ﴿وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اى التورٰة والانجيل وغيرهما ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ ﴿٤﴾ يعلمون ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ الموصوفون بما ذكر ﴿عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ﴿٥﴾ الفائزون بالجنة الناجون من النار ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ كابي جهل وابي لهب ونحوهما ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ﴾ بتحقيق الهمزتين وابدال الثانية الفا وتسهيلها وادخال الف بين المسهلة والاخرى وتركه ﴿اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ﴿٦﴾ لعلم الله منهم ذلك فلا تطمع في ايمانهم والانذار اعلام مع تخويف ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ طبع عليها واستوثق فلا يدخلها خير ﴿وَعَلٰى سَمْعِهِمْ﴾ اى مواضعه فلا ينتفعون بما يسمعونه من الحق ﴿وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ غطاء فلا يبصرون الحق ﴿وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ﴿٧﴾ قوى دائم.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، الٓمّٓ اللہ ہی اس سے اپنی مراد کو بہتر جانتا ہے، یہ کتاب ہے جس کو محمد ﷺ پڑھتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ منجانب اللہ ہے اور جملہ (یعنی لَا رَیْبَ فِیْهِ) خبر ہے جس کا مبتداء ذٰلِكَ ہے اور اسم اشارہ بعید کا استعمال بیان تعظیم کے لئے ہے، ھُدًی خبر ثانی ہے اور معنی میں ھَادٍ کے ہے، متقیوں کے لئے رہنما ہے (یعنی) امتثال اوامر اور اجتناب نواہی کے ذریعہ تقوی کی رغبت رکھنے والے ہیں، (اس امتثال واجتناب) ہی کی بدولت نار جہنم سے بچنے کی وجہ سے ان کو متقی کہا گیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو مغیبات پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی ان چیزوں کی جو ان سے مخفی ہیں مثلاً بعث بعد الموت، جنت اور نار کی تصدیق کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں یعنی اس کے ارکان وشرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے، اس میں سے اللہ کی طاعت میں خرچ کرتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں، جو اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، یعنی تورات انجیل وغیرہ، اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں، یعنی اس کا پختہ علم رکھتے ہیں، یہی لوگ جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں، اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور یہی ہیں جو پوری طرح کامیاب ہیں، (یعنی) جنت کے (حصول کے) ذریعہ کامیاب اور نار جہنم سے نجات پانے والے ہیں، بلاشبہ وہ لوگ جو منکر ہوئے جیسا کہ ابوجہل اور ابولہب وغیرہ، آپ کا ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے، (ءَاَنْذَرْتَھُمْ) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے تبدیل کر کے اور دوسرے میں ترک تسہیل کر کے اور مُسَہَّلہ اور محققہ کے درمیان الف داخل کر کے (اور ثانی میں) ترک تسہیل کر کے وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ بات ان کے بارے میں اللہ کے علم میں ہے، لہٰذا آپ ان کے ایمان کی امید نہ رکھیں اور انذار، خوف کے ساتھ ڈرانے کو کہتے ہیں، اللہ نے ان کے قلوب پر مہر لگا دی ہے اور ان کو سیل (Seel) کر دیا ہے، لہٰذا اب ان میں خیر داخل نہیں ہو سکتی اور ان کی (قوت) سماعت یعنی کانوں پر (معنوی) مہر لگا دی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ حق بات سن کر مستفید نہیں ہوتے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، جس کی وجہ سے حق بات نہیں دیکھ سکتے اور ان کے لئے قوی اور دائمی عذاب ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قرآنی سورتوں کا ''سورۃ'' نام رکھنے کی وجہ تسمیہ:

سُوْرَةُ البَقَرة: سورۃ لغت میں بلندی یا بلند منزل کو کہتے ہیں، (لسان، راغب) یعنی ہر سورت بلند مرتبہ ہے، سورت کے ایک معنی فصیل (شہر پناہ) کے بھی ہیں، شہر کے چاروں طرف کی دیوار کو سور المدینہ کہتے ہیں قرآنی سورتوں کو سورت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے مضامین کو اسی طرح احاطہ کئے رہتی ہے، جس طرح فصیل شہر کا احاطہ کئے رہتی ہے۔

ذٰلك: اسم اشارہ بعید کے لئے ہے، جس کا مشار الیہ محسوسات میں سے ہو، یعنی حواس خمسہ ظاہرہ سے جن کا ادراک کیا جاسکتا ہو، رَیْبَ شک وشبہ، هو التردد بین النقیضین لا ترجیح لاحدهما علی الآخر عند الشاك، هُدًى، ہدایت سے ماخوذ ہے بمعنی رہنمائی غَیْب ہر وہ شئ جو انسان کے حواس خمسہ سے غائب ہو، یُقِیْمُوْنَ اقامت سے ماخوذ ہے، جس کے معنی سیدھا کرنے کے ہیں اور نماز کا سیدھا کرنا اس کو آداب وشرائط کی رعایت کرتے ہوئے خشوع خضوع کے ساتھ ادا کرنا ہے، رزق زندگی گذارنے کا سامان یُنْفِقُوْنَ یہ انفاق سے ماخوذ ہے، بمعنی خرچ کرنا اٰخِرَة مؤخر اور بعد میں آنے والی چیز، یہاں عالم دنیا کے مقابلہ میں عالم آخرت مراد ہے، یُوْقِنُوْنَ، ایقان سے ماخوذ ہے، جمع مذکر غائب، مُفْلِحُوْنَ، الفلاح سے ماخوذ ہے، فلاح پوری کامیابی کو کہتے ہیں، سَوَآءٌ یہ اسم ہے قائم مقام مصدر کے یہی وجہ ہے کہ اس کا تثنیہ اور جمع نہیں آتا کہا جاتا ہے، هما سواء، هم سَوَآءٌ اور جب اس کا تثنیہ لانا ہوتا ہے، تو کہا جاتا ہے، هما سِیَّان، غِشَاوَةٌ، بروزن فعالة یہ وزن کسی چیز پر مشتمل ہونے کے معنی کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے: عِصابه اور عِمامه، غشوة، کے غین پر تینوں حرکت درست ہیں، اس کے معنی سرپوش کے ہیں، یہ مصدر بھی ہے، مگر اس جگہ ڈھانکنے والی چیز مراد ہے۔

قَوْلُهُ: هذا.

سَوَالٌ: ذٰلِكَ کی تفسیر هذا سے کیوں کی؟

جَوَابٌ: ذلك، بمعنی هذا ہے، اس لئے کہ ذٰلِكَ کا مشار الیہ، الٓمٓ، یا قرآن کریم ہے اور دونوں ہی نہایت قریب ہیں۔

سَوَالٌ: تو پھر ذٰلِكَ کے بجائے، هذا ہی کیوں استعمال نہیں کیا؟

جَوَابٌ: بیان تعظیم کے لئے اسم اشارہ بعید کا استعمال کیا۔

قَوْلُهُ: اَلَّذِیْ یَقرؤه محمد ﷺ اس سے دیگر کتب سماویہ سے احتراز ہوگیا۔

قَوْلُهُ: اَنَّهٗ مِنْ عند اللّٰه کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: (الکتاب) مفرد ہے، اور مفرد میں شک کا کوئی مطلب نہیں ہوتا اس لئے کہ شک اور ظن اور علم کا تعلق

قضیہ سے ہوتا ہے۔

جَوَاب: اَلکتاب مفرد نہیں ہے بلکہ قضیہ ہے، اس کی تقدیر عبارت یہ ہے ذالك الكتابُ أنَّهُ مِن عند الله.

قَوْلُهٗ: الصائرين الى التقوى.

سُوَال: لِلْمُتَّقِیْنَ، کی تفسیر اَلصَّائِرِیْنَ اِلَی التَّقْوٰی سے کرنے میں کیا نکتہ ہے؟

جَوَاب: اس تفسیر سے ایک سوال مقدر کا جواب مقصود ہے۔

سُوَال: سوال یہ ہے کہ ھُدًی لِلْمتقین میں تحصیل حاصل ہے، یعنی یہ کتاب متقیوں کو ہدایت دینے والی ہے، متقیوں کو ہدایت دینے سے کیا مراد ہے، جب کہ متقی تو خود ہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ متقین سے مراد راغبین الی التقوی ہے۔

قَوْلُهٗ: لِاتقائِهم بذلك النار کے اضافہ کا مقصد متقی کو متقی کہنے کی وجہ کو بیان کرنا ہے متقی کو اس کے اعمال صالحہ کے ذریعہ چونکہ جہنم سے بچایا جائے گا اس لئے اس کو متقی کہتے ہیں۔

قَوْلُهٗ: کابی جهل و ابی لهب وغیرهما، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ، اس آیت میں عموم کے ساتھ کہا گیا ہے کہ آپ کا ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے ان میں سے کوئی بھی ایمان لانے والا نہیں ہے، حالانکہ ان ہی حضرات میں سے بہت سے افراد مشرف باسلام ہوئے۔

جَوَاب: مفسر علام نے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا، کی تفسیر کابی جهلٍ وابی لهبٍ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ عموم سے بعض افراد مراد ہیں، جن کا ایمان نہ لانا اللہ کے علم میں متعین تھا جیسا کہ ابوجہل اور ابولہب۔

قَوْلُهٗ: ءَاَنْذَرْتَهُمْ، اس میں پانچ قراءتیں ہیں، دونوں ہمزوں کی تحقیق کی صورت میں دو قراءتیں ہیں، (۱) دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کر کے، (۲) ترک ادخال کر کے، دوسرے ہمزہ کی تسہیل کی صورت میں بھی دو قراءتیں ہیں، (۳) ادخال الف، (۴) ترک ادخال الف اور (۵) پانچویں قراءت دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر، وادخال الف میں واو بمعنی مع ہے، ای مع ادخال الف. مذکورہ پانچوں قراءتیں صاحب جلالین نے مندرجہ ذیل ترتیب سے بیان کی ہیں: (۱) تحقیق ہمزتین (یعنی تحقیق محض بلا ادخال) (۲) ابدال ثانیہ بالالف مع المد (۳) تسہیل محض (بلا ادخال الف) (۴) تسہیل بلا ادخال (۵) ادخال مع تحقیق ثانیہ۔

الٓمّٓ: مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، هذا الٓمّٓ، ذٰلك، اسم اشارہ مبتداء اور محلاً مرفوع الكتابُ، ذلك مبتداء کی خبر اول، لَا رَيْبَ فِيْهِ، خبر ثانی، تقدیر عبات یہ ہے کہ لَا رَيْبَ كائنٌ فيْهِ، لا نفی جنس رَيْبَ اس کا اسم فيه، كائن کے متعلق ہو کر جملہ ہو کر ذلك کی خبر ثانی، هدًى للمتقين خبر ثالث۔

قَوْلُهٗ: ءَاَنْذَرْتَهُمْ، پہلا ہمزہ استفہامیہ تسویہ کے لئے ہے، ءَاَنْذَرْتَهُمْ، بتاویل مصدر ہو کر مبتداء ہے اور سَوَاءٌ عليهم

خبر مقدم ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سَوَاءٌ جاری مجریٰ مصدر اور ءَاَنْذَرْتَهُمْ کا فاعل جملہ ہو کر انّ کی خبر۔

سَوَال: انذار اور اخبار بالعذاب میں کیا فرق ہے۔

جَوَاب: انذار ایسے وقت میں ڈرانے کو کہتے ہیں کہ امر خوف منہ سے احتراز ممکن ہو، ورنہ تو اخبار بالعذاب کہیں گے (ای فی وقت یَسَعُ التحرز من الامر المخوف والّا فَیُسَمّٰی اِخبار بالعذاب). (صاوی)

خَتَمَ اللّٰهُ علی قلوبِهِمْ: یہ اور اس کا مابعد ماقبل کی علت ہے یعنی یہ لوگ ایمان اس لئے نہیں لائیں گے کہ ان کے قلوب پر مہر لگادی گئی ہے۔

سَوَال: مہر لگانے سے کیا مراد ہے؟ حالانکہ یہ امر مشاہدہ ہے کہ آج تک کسی بھی کافر کے قلب پر مہر لگی ہوئی نظر نہیں آئی حالانکہ آپریشن کے ذریعہ بہت سے قلوب کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

جَوَاب: قلب سے مراد عقل ہے جو کہ ایک لطیفۂ ربانیہ ہے، جو کہ قلب صنوبری کے ساتھ قائم ہوتا ہے جیسا کہ عرض کا قیام جوہر کے ساتھ اور حرارت کا قیام نار کے ساتھ ہوتا ہے اس اتصال کی کیفیت خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

قَوْلُهُ: ای مَوَاضِعَهُ: ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: مضاف کس فائدہ کے لئے محذوف مانا گیا ہے؟

جَوَاب: یہ ہے کہ سمع، ایک معنوی شئ ہے، اس کی جانب ختم کی نسبت درست نہیں ہے اس لئے مضاف محذوف مان لیا اور بتادیا کہ سمع سے مراد مواضع السمع ہیں، جن پر مہر لگ سکتی ہے۔

سَوَال: سمعٌ کو مفرد لانے میں کیا حکمت ہے، جب کہ قلوب اور ابصار کو جمع لایا گیا ہے۔

جَوَاب: یا تو اس لئے کہ سمعٌ مصدر ہے اور مصدر کا تثنیہ و جمع نہیں لایا جاتا، یا اس لئے کہ مسموع واحد ہے، وعلی سَمْعِهِمْ میں وقف تام ہو گیا، علی ابصارهم خبر مقدم ہے اور غشاوة مبتداء مؤخر اور جملہ مستانفہ ہے۔

قَوْلُهُ: قَوِیٌّ دَائِمٌ: عَظِیْمٌ کی تفسیر قوی دائمٌ سے کرنے کا مقصد اس شبہ کا جواب دینا ہے کہ عظیمٌ اجسام کی صفت واقع ہوتی ہے جیسا کہ: "لَهَا عرش عظیم" اور عذاب از قبیل معنی ہے لہٰذا عظیمٌ، عذاب کی صفت لانا درست نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عظیم، قوی دائمٌ کے معنی میں ہے جو کہ معنی کی صفت واقع ہوتا ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ.

❶ وُضِعَ المصدر، هدًی موضع الوصف المشتق الَّذِیْ هو هادٍ، وذٰلِكَ اَوْغَلُ فی المبالغة فی التعبیر عن دَیْمُوْمَتِهٖ واستمرارهٖ، کزید عدل.

❷ فی قوله تعالی: عَلٰی هُدًی، استعارة تصريحية تبعية، تشبُّهًا لحال المتقين بحال من اعتلى صهوة جواده، فحذف المشبَّه، واستعيرت كلمة عَلٰی الدالة على الإسْتِعلاء والتفوق على ما بعدها حقيقة، نحو: زيد على السطح او حكمًا نحو عليه دينٌ.

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (الآية)

فی اسناد الختم الى القلوب استعارةً تمثيليةً، فقد شُبِهَتْ قلوب الكفار فی نبوّها عن الحق وعدم الاصغاء اليه بحال قلوبٍ ختم الله عَلَيها، وهی قلوب البهائم وهو تشبيه معقول بمحسوس.

تفسیر و تشریح

سورۂ بقرہ کے فضائل:

حدیث شریف میں سورۂ بقرہ کی ایک خاص فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ سورت جس گھر میں پڑھی جائے اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لاتجعلوا بُيُوْتَكم قبورًا فَاِنَّ الْبَيْتَ الَّذِی تُقْرَأُ فيه سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ لَايَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ" (مسلم، باب استحباب صلوة النافلةِ فی بيته) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ: لكل شیء سنام وسنام القرآن سورة البقرة، ہر چیز کا کوہان ہوتا ہے اور قرآن کا کوہان سورۂ بقرہ ہے، ایک روایت میں ہے کہ قرآنی آیتوں کی سردار آیت الکرسی ہے جو کہ سورۂ بقرہ میں ہے۔

زمانۂ نزول:

نزول کے اعتبار سے یہ مدنی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے، البتہ اس کی بعض آیتیں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئیں، جو مضمون کی مناسبت سے اس کے آخر میں شامل کر دی گئیں ہیں، سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں، مگر راجح اور صحیح قول یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی تمام سورتیں مکی ہیں، خواہ وہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں یا مکہ سے باہر اور ہجرت کے بعد نازل ہونے والی سورتیں مدنی ہیں، خواہ مکہ ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں، ۸۳ سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں اور ۳۱ سورتیں مدینہ میں یہ کل ۱۱۴ سورتیں ہوئیں۔

ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سورۂ بقرہ میں ایک ہزار اوامر اور ایک ہزار نواہی اور ایک ہزار اخبار ہیں، اور ۱۵،۱ امثلہ ہیں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سورت کو حاصل کرنے میں آٹھ سال لگائے۔ (روح المعانی)

سورۂ بقرہ کی وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کا نام ''بقرہ'' اس لئے ہے کہ اس میں ایک جگہ بقرہ کا ذکر آیا ہے، یہ اسم الکل باسم الجز کے قبیل سے ہے، قرآن مجید کی ہر سورت میں اس قدر وسیع مضامین بیان ہوئے ہیں کہ ان کے لئے مضمون کے لحاظ سے جامع عنوانات تجویز نہیں کیے جاسکتے، عربی زبان اپنی لغت کے اعتبار سے اگرچہ نہایت مالدار ہے، مشہور ہے کہ اگر تین حرفوں کو جمع کر دیا جائے، تو ضرور کوئی بامعنی لفظ بن جائے گا، اس کے باوجود بہر حال ہے تو انسانی زبان ہی انسان جو زبانیں بھی بولتا ہے، وہ اس قدر تنگ اور محدود ہیں کہ وہ ایسے الفاظ یا فقرے فراہم نہیں کرسکتیں کہ جو ان وسیع مضامین کے لئے جامع عنوان بن سکتے ہوں، اس لئے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے قرآن کی بیشتر سورتوں کے لئے عنوانات کے بجائے نام تجویز فرمائے ہیں، جو محض علامت کا کام دیتے ہیں، اس سورۃ کو سورۂ بقرہ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں گائے کے مسئلہ سے بحث کی گئی ہے اور اس کی ماہیت اور خاصیت اور فوائد بیان کئے گئے ہیں، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ سورت جس میں گائے کا ذکر آیا ہے۔

حروف مقطعات کی بحث:

الٓـمّٓ، ۲۹ سورتوں کے شروع میں ۱۴ حروف مقطعات کا استعمال ہوا ہے جو کہ حروف ہجا کے نصف ہیں ان حروف کو مقطعات اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کو الگ الگ پڑھا جاتا ہے، اگرچہ یہ مرکب لکھے ہوئے ہیں۔ بعض سورتوں کے شروع میں صرف ایک حرف ہے جیسے، قٓ، اس کو احادی کہتے ہیں اور بعض کے شروع میں دو حروف ہیں جیسے: حٰـمٓ، اس کو ثنائی کہتے ہیں اور بعض کے شروع میں تین حروف ہیں جیسے: الٓمّٓ، اس کو ثلاثی کہتے ہیں، علی هذا القياس، رباعی اور خماسی، اس سے زیادہ نہیں ہیں، اس لئے کہ کلام عرب میں پانچ حرفی سے زیادہ کوئی کلمہ نہیں ہے، حروف مقطعات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، ان میں احوط قول یہ ہے کہ حروف مقطعات قرآن میں سِرٌّ من اسرار الله، یعنی حروف مقطعات قرآنی رازوں میں سے ایک راز ہیں کما قال الشعبی وسفیان الثوری وجماعة من المحدثین، حروف مقطعات کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے، اور فرمایا لانحبُّ ان نتکلم فیها ولکن نؤمن بها، یعنی ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ان میں بحث و گفتگو کریں اور یہی قول حضرت ابوبکر اور علی بن ابی طالب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا ہے بعض حضرات نے حروف مقطعات کے معانی بیان کرنے کی کوشش کی ہے حضرت ابن عباس اور حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ حروف مقطعات اسم اعظم ہیں، مگر ہم ان حروف سے تالیف کو نہیں جانتے قطرب اور فراء وغیرہ نے کہا ہے کہ حروف مقطعات سے حروف ہجا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قرآن جو اپنا مثل لانے کے لئے تحدی اور چیلنج کر رہا ہے یہ کوئی انوکھے حروف سے مرکب نہیں ہے بلکہ یہ ان ہی حروف و کلمات سے مرکب ہے جن کو تم رات دن بولتے ہو، پھر کیا وجہ ہے کہ تم قرآن کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت لانے سے بھی عاجز ہو، معلوم ہوا کہ یہ بشری کلام نہیں ہے۔

ابن کثیر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے بھی قرطبی وغیرہ سے نقل کر کے شعبی وسفیان ثوری رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالیٰ وغیرہ کے قول کو ترجیح دی ہے، جن بعض اکابر سے ان حروف کے معنی منقول ہیں اس سے صرف تمثیل وتنبیہ وتسہیل مقصود ہے، اللہ تعالیٰ کی مراد کی تعیین نہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس دور میں قرآن کریم کا نزول ہوا اس دور کے اسالیبِ بیان میں اس طرح کے حروف مقطعات کا استعمال عام تھا، خطیب اور شعراء اس اسلوب سے کام لیتے تھے، چنانچہ اب بھی کلام جاہلیت کے جو نمونے محفوظ ہیں، ان میں اس کی مثالیں ملتی ہیں، نیز مفرد حروف کا استعمال بھی کلام عرب میں موجود ہے۔

مثال کے طور پر۔

قال شاعر: قُلتُ لَهَا قفی فقالت ق، ای وقفت.

اور حدیث شریف میں ہے مَنْ اَعَانَ علی قتل مسلم بشطر کلمة، مثلاً کسی شخص نے کسی کے قتل کے بارے میں اقتل کہنے کے بجائے، اُق کہا یہ بھی قتل پر معاونت ہے اس سے معلوم ہوا کہ حروف مقطعات کوئی پہیلی یا چیستان نہیں کہ بولنے والے کے سوا کوئی نہ سمجھتا ہو، بلکہ سامعین بالعموم جانتے تھے کہ ان سے کیا مراد ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کے خلاف نبی ﷺ کے ہم عصر مخالفین میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض کبھی نہیں کیا کہ یہ بے معنی حروف کیسے ہیں، جو تم بعض سورتوں کے شروع میں بولتے ہو اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمْ سے بھی کوئی روایت منقول نہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے ان کے معانی پوچھے ہوں، اور نہ آپ ﷺ ہی سے ان کی کوئی تفسیر منقول ہے، بعد میں یہ اسلوب عربی زبان میں بھی متروک ہوتا چلا گیا، اس بناء پر مفسرین کے لئے ان کے معنی متعین کرنا مشکل ہوگیا، لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ ان حروف کا مفہوم سمجھنے پر قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا انحصار نہیں ہے، لہٰذا ایک عام ناظر کے لئے یہ قطعاً ضروری نہیں کہ وہ ان کی تحقیق میں سرگرداں ہو۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ: یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، یہ موقع بظاہر اشارۂ بعید کا نہیں تھا اس لئے کہ اسی قرآن کی طرف اشارہ مقصود ہے جو لوگوں کے سامنے بلکہ دل میں موجود ہے، مگر بعید کا اشارہ اگر قرآن کی عظمت شان کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ اس کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے، کہ سورۂ فاتحہ میں جس صراط مستقیم کی درخواست کی گئی تھی یہ سارا قرآن اس درخواست اور دعاء کا جواب ہے اور صراط مستقیم کی تشریح اور تفصیل ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے دعاء سن لی اور تمہاری رہنمائی کے لئے قرآن بھیج دیا جو آفتاب ہدایت ہے، جو شخص ہدایت چاہتا ہے وہ اس کو پڑھے اور سمجھے اور اس کے مقتضی پر عمل کرے۔ (معارف القرآن)

پھر قرآن کے متعلق ارشاد ہے کہ (لاریب فیه) اس میں کوئی شک نہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کی حقانیت میں شک وشبہ کرنیوالے تو ہزاروں لاکھوں موجود ہیں، پھر یہ کہنا کہ یہ قرآن شک وشبہ سے بالاتر ہے اسکا کیا مطلب ہے؟

پہلا جواب: اس کا سیدھا سادا ایک جواب تو یہ ہے کہ دلائل وبراہین کی روشنی میں عقل سلیم کے لئے اس کے کتاب الٰہی ہونے میں شک کی گنجائش نہیں اور نہ اس میں کوئی شک کی بات۔

دوسرا جواب: شک وشبہ کی دوصورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ خود کلام میں غلطی ہو، تو وہ کلام محل شک وشبہ ہو جاتا ہے، اور اگر کسی کو کج فہمی یا کم فہمی کی وجہ سے کسی طرح کا شبہ ہو جائے جس کا ذکر خود قرآن کریم میں چند آیتوں کے بعد ''اِنْ کُنْتُمْ فِی رَیْبٍ'' میں آ رہا ہے، اس لئے ہزاروں کم فہم یا کج فہموں کے شبہات واعتراضات کے باوجود یہ بات کہنی صحیح ہے کہ اس کتاب میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ: یہ کتاب پرہیزگاروں کے لئے رہنما ہے، یہاں هدًى بمعنی هادٍ ہے، تاکہ مصدر کا حمل ذات پر ہونے کا اعتراض نہ ہو، اور یہ بھی درست ہے کہ هُدًى مصدر کو مصدر ہی کے معنی میں رکھا جائے، اس صورت میں مبالغہ کے طور حمل درست ہوگا، اور یہ حمل، زیدٌ عدلٌ کے قبیل سے ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ یہ کتاب ہے تو سراسر ہدایت ورہنمائی، اور تمام انسانوں بلکہ پوری کائنات کی ہدایت ورہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہے لیکن اس چشمۂ فیض سے سیراب صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو آب حیات کے متلاشی اور خوف الٰہی سے سرشار ہوں گے اس چشمۂ ہدایت سے فیضیاب ہونے کے لئے جن چھ صفات وشرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ان کو ان دو آیتوں میں بیان کیا گیا ہے ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی متقی و پرہیزگار ہو، بھلائی اور برائی میں تمیز کرتا ہو، برائی سے بچنا چاہتا ہو، بھلائی کا طالب ہو اور اس پر عمل کرنے کا خواہشمند ہو، رہے وہ لوگ جو دنیا میں جانوروں کی طرح جیتے ہیں جنہیں کبھی یہ فکر لاحق نہ ہوئی کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ صحیح بھی ہے یا نہیں، بس جدھر دنیا چل رہی ہو، یا جدھر خواہش نفس دھکیل دے اسی طرف چل پڑتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے قرآن میں کوئی رہنمائی نہیں ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ: قرآن سے مستفید ہونے کی یہ دوسری شرط ہے اس آیت میں متقین کی تین صفات بیان کی گئی ہیں ① ایمان بالغیب ② اقامت صلوٰۃ ③ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

پہلی صفت۔ ایمان اور اس کی تعریف:

ایمان کی تعریف کو قرآن کریم نے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے صرف دو لفظوں میں پوری طرح بیان کر دیا ہے، اگر ایمان اور غیب کے معنی سمجھ لئے جائیں تو ایمان کی پوری حقیقت اور تعریف سمجھ میں آ جاتی ہے۔

قرآن سے فائدہ اٹھانے کی یہ دوسری شرط ہے، غیب سے مراد وہ حقیقتیں ہیں، جو انسان کے حواس سے پوشیدہ ہوں ان کا ادراک نہ عقل سے ہو سکتا ہو اور نہ حواس خمسہ ظاہرہ سے، مثلاً خدا کی ذات وصفات، ملائکہ، وحی، جنت ودوزخ وغیرہ ان حقیقتوں کو بغیر دیکھے ماننا اور اس اعتماد پر ماننا کہ نبی اس کی خبر دے رہا ہے، ایمان بالغیب ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان غیر محسوس حقیقتوں کو ماننے کے لئے تیار ہو تو صرف وہی قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، رہا وہ شخص جو ماننے کے لئے، دیکھنے اور چکھنے اور سونگھنے کی شرط لگائے اور کہے کہ میں کسی ایسی چیز کو نہیں مان سکتا کہ جو عقل یا حواس خمسہ کی ترازو میں تولی نہ جا سکتی ہو، تو وہ اس کتاب سے ہدایت نہیں پا سکتا۔

محسوسات اور مشاہدات میں کسی کے قول کی تصدیق کا نام ایمان نہیں:

عرف میں کسی کی بات کو کسی کے اعتماد پر یقینی طور پر مان لینے کا نام ایمان ہے اسی لئے محسوسات و مشاہدات میں کسی کے قول کے تصدیق کرنے کو ایمان نہیں کہتے مثلاً کوئی شخص سفید چیز کو سفید اور سیاہ کو سیاہ کہہ رہا ہے، اور دوسرا شخص اس کی تصدیق کر رہا ہے، اس کو تصدیق کرنا تو کہیں گے، ایمان لانا نہیں کہیں گے، اس لئے کہ اس تصدیق میں قائل کے اعتماد کو کوئی دخل نہیں، بلکہ یہ تصدیق مشاہدہ کی بناء پر ہے اور اصطلاح شرع میں خبر رسول کو بغیر مشاہدہ کے محض رسولوں کے اعتماد پر یقینی طور پر مان لینے کا نام ایمان ہے، اس تعریف میں ماننے کا نام ایمان بتلایا گیا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محض جاننے کو ایمان نہیں کہتے، جہاں تک جاننے کا تعلق ہے، وہ تو ابلیس اور بہت سے کفار کو بھی حاصل ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ کے صدق کا یقین تھا، مگر اس کو مانا نہیں اس لئے وہ مؤمن نہیں۔

دوسری صفت: وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صرف جان کر یا مان کر بیٹھ جانے والے ہوں، وہ قرآن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اقامت صلوٰۃ سے مراد پابندی سے سنت نبوی کے مطابق نماز کا اہتمام کرنا ہے، جس میں نماز کے تمام فرائض، واجبات، مستحبات اور پھر ان پر دوام والتزام یہ سب اقامت کے مفہوم میں داخل ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ اس جگہ نماز سے کوئی خاص نماز مراد نہیں بلکہ فرائض، واجبات اور نفلی نمازوں کو یہ لفظ شامل ہے۔

تیسری صفت: وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ: تیسری صفت انفاق فی سبیل اللہ ہے، انفاق کا لفظ عام ہے جو صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہے، اہل ایمان حسب استطاعت دونوں میں کوتاہی نہیں کرتے والدین اور اہل و عیال پر صرف کرنا بھی اس میں داخل ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔ قرآن سے فائدہ اٹھانے کی یہ چوتھی شرط ہے کہ آدمی مال کا حریص اور زر پرست نہ ہو اس کے مال میں اللہ اور بندوں کے جو حقوق مقرر کئے جائیں انہیں ادا کرنے کے لئے تیار ہو جن چیزوں پر ایمان لایا ہے ان کی خاطر مالی قربانی دینے میں دریغ نہ کرے، مطلقاً انفاق محمود نہیں، فی طاعة الله کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ **مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ**: رزق کا لفظ عربی میں بڑے وسیع معنی رکھتا ہے، اس لئے کہ اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں شامل ہیں، خواہ ظاہری ہوں جیسے: مال، اولاد، صحت وغیرہ، یا معنوی و روحانی مثلاً علم و حکمت، فہم و فراست اور عقل سلیم وغیرہ۔

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ: میں رزق کی نسبت اپنی طرف کر کے بتا دیا کہ جو نعمت بھی انسان کو ملتی ہے وہ سب اللہ ہی کے فیض و عطا کا ثمرہ ہوتی ہے۔

اس مختصر جملہ میں غور کیجئے، تو جہاں یہ لفظ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ایک قوی داعیہ انسان کے دل میں پیدا کرتا ہے، کہ جو مال ہمارے پاس ہے، سب خدا ہی کا عطا کیا ہوا ہے اور اسی کی امانت ہے، اگر ہم تمام کو بھی اللہ کی راہ میں اس کی رضا کی خاطر خرچ کر دیں تو حق اور بجا ہے نیز خالص نفع کا سودا ہے، وہیں مِمَّا، کے لفظ سے اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ

ہمارے عطا کردہ مال کو پورا خرچ کرنا نہیں بلکہ اس کا کچھ حصہ خرچ کرنا ہے۔

سِوَال: ایمان بالغیب کو بیان کرنے کے بعد اعمال کو بیان کرتے ہوئے صرف نماز اور انفاق کو بیان فرمایا حالانکہ اعمال کی فہرست طویل ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: بنیادی طور پر اعمال کی دو ہی قسمیں ہیں، بدنی اور مالی دونوں میں سے ایک ایک جو اہم ہیں ان کو بیان کردیا، اس کے علاوہ خود بخود اس میں شامل ہو گئے۔

مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ : مِمَّا ، میں مِنْ تبعیضیہ ہے، نون کو حذف کر کے میم کو ما، موصولہ میں ادغام کردیا، ما موصولہ، رَزَقْنٰھُمْ ، جملہ ہو کر صلہ ہے رَزَقْنَا کا۔ ھُمْ مفعول اول اور مفعول ثانی اِیَّاہ محذوف ہے: اَیْ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ اِیَّاہُ یُنْفِقُوْنَ.

ایمان اور اسلام میں فرق:

لغت میں ایمان کسی چیز کی دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے اور اسلام اطاعت اور فرمانبرداری کا نام ہے، ایمان کا محل قلب ہے اور اسلام کا تعلق قلب اور اعضاء و جوارح سے ہے، لیکن شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محض دل میں تصدیق کرلینا اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ زبان سے اس تصدیق کا اظہار اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار نہ کرے، اسی طرح زبان سے تصدیق کا اقرار اور اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے ایمان اور اسلام الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں اور قرآن و حدیث میں اسی لغوی مفہوم کی بناء پر ایمان اور اسلام میں فرق کا ذکر بھی ہے مگر شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں۔

اسلام اور ایمان میں فرق صرف ابتداء اور انتہا کا ہے:

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس مضمون کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ایمان اور اسلام کی مسافت ایک ہے، فرق صرف ابتداء اور انتہاء کا ہے یعنی ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے اور ظاہر عمل پر پہنچ کر مکمل ہوتا ہے اور اسلام ظاہر عمل سے شروع ہوتا ہے اور قلب پر پہنچ کر مکمل سمجھا جاتا ہے اگر تصدیق قلبی اقرار باللسان تک نہ پہنچے تو وہ تصدیق ایمان معتبر نہیں، اسی طرح اگر ظاہری اطاعت و اقرار، تصدیق قلبی تک نہ پہنچے تو وہ اسلام معتبر نہیں۔ (معارف)

امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور امام سبکی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی بھی یہی تحقیق ہے اور امام ابن ہمام رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مسامرہ میں اسی تحقیق پر اہل حق کا اتفاق ذکر کیا ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ (الآیۃ) یہ پانچویں شرط ہے کہ آدمی ان تمام کتابوں کو برحق تسلیم کرے، جو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے پہلے کے انبیاء پر مختلف زبانوں اور ملکوں میں نازل کیں، اس شرط کی بناء پر قرآنی ہدایت کا

دروازہ ان سب لوگوں پر بند ہے، جو سرے سے اس ضرورت ہی کے قائل نہ ہوں کہ انسان کو خدا کی طرف سے ہدایت ملنی چاہئے، یا اس ضرورت کے تو قائل ہوں مگر اس کے لئے وحی ورسالت کی طرف رجوع کرنا غیر ضروری سمجھتے ہوں، اور خود کچھ نظریات قائم کر کے انہی کو خدائی ہدایت قرار دیں، یا آسمانی کتابوں کے بھی قائل ہوں، مگر صرف اس کتاب پر ایمان لائیں جنہیں ان کے باپ دادا مانتے چلے آئے ہیں، رہیں اسی چشمے سے نکلی ہوئی دوسری ہدایات تو وہ ان کو قبول کرنے سے انکار کردیں، ایسے سب لوگوں کو الگ کر کے قرآن اپنا چشمہ فیض صرف ان لوگوں کے لئے کھولتا ہے، جو اپنے آپ کو خدائی ہدایات کا محتاج بھی مانتے ہوں اور یہ بھی مانتے ہوں کہ یہ خدائی ہدایت ہر انسان کے پاس الگ الگ نہیں آتی بلکہ انبیاء اور کتب آسمانی کے ذریعہ ہی سے خلق تک پہنچتی ہے، اور پھر وہ کسی نسلی وقومی تعصب میں بھی مبتلا نہ ہوں بلکہ خالص حق کے پرستار ہوں اس لئے حق جہاں اور جس شکل میں بھی آیا ہے اس کے آگے سر جھکا دیں۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ: آیت کے الفاظ سے یہ مسئلہ صاف ہوجاتا ہے کہ تین چیزیں الگ الگ ہیں، (۱) کلام کا نازل کرنے والا، (۲) وہ جس پر کلام نازل کیا گیا ہو، یعنی رسول، (۳) خود کلام، اس عبارت سے بُروز، تمثل وحلول اور وحدۃ الوجود (اپنے عوامی مفہوم میں) ان مشرکانہ اور نیم مشرکانہ عقائد کی جڑ کٹ جاتی ہے نہ کلام متمثل ہوا ہے اور نہ رسول (نعوذ باللہ) اللہ کے اوتار یعنی انسانی قالب میں خدا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ عہد رسالت میں مومنین متقین دو طرح کے تھے، ایک وہ جو پہلے مشرک تھے، بعد میں مشرف باسلام ہوئے اور دوسرے وہ کہ جو پہلے اہل کتاب یہودی یا نصرانی تھے، بعد میں مسلمان ہوگئے اس سے پہلے اول طبقہ کا ذکر تھا، اور اس آیت میں دوسرے طبقے کا ذکر ہے اسی لئے اس آیت میں قرآن پر ایمان لانے کے ساتھ پچھلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کی بھی تصریح فرمائی گئی کہ یہ حضرات دوہرے ثواب کے مستحق ہیں سابقہ کتابوں پر عمل کرنے کا ثواب اور قرآن پر ایمان لانے اور عمل کرنے کا ثواب، پچھلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا آج بھی ہر مسلمان کے لئے لازم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ آج ان کتابوں پر صرف اجمالی ایمان اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں جو کچھ نازل فرمایا تھا، وہ سب حق ہے اور اس زمانہ کے لئے وہی واجب العمل تھا، مگر قرآن نازل ہونے کے بعد چونکہ یہ پچھلی کتابیں اور شریعتیں سب منسوخ ہوگئیں اب عمل صرف قرآن پر ہوگا۔ (معارف)

ایک اہم نکتہ: آیت کے طرز بیان سے ایک اہم نکتہ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آپ ﷺ آخری نبی اور آپ کی وحی آخری وحی ہے، اس لئے کہ اگر قرآن کے بعد کوئی اور کتاب یا وحی نازل ہونے والی ہوتی تو جس طرح اس آیت میں پچھلی کتابوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے اسی طرح آئندہ نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہوتا مگر ایسا نہیں ہے قرآن نے جہاں آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی کتاب پر ایمان لانے کا ذکر کیا ہے، وہیں سابقہ کتابوں پر بھی ایمان لانے کا ذکر فرمایا ہے، مگر کسی آیت میں اس کا اشارہ تک نہیں کہ آئندہ بھی کوئی وحی آنے والی ہے، جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ، اَلْاٰخِرَةُ یہ اَلْاٰخِر کی تانیث ہے اور آخر اول کی نقیض ہے اور دار کی صفت ہے جیسا کہ اللہ

کے قول. تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ میں ہے قرآن سے فائدہ اٹھانے کی یہ چھٹی اور آخری شرط ہے آخرۃ ایک انقلابی عقیدہ اور ایک جامع لفظ ہے، جس کا اطلاق بہت سے عقائد کے مجموعے پر ہوتا ہے اس میں حسب ذیل عقائد شامل ہیں:

❶ یہ کہ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

❷ یہ کہ دنیا کا موجودہ نظام ابدی نہیں بلکہ ایک وقت پر جسے صرف خدا ہی جانتا ہے اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

❸ یہ کہ اس عالم کے خاتمے کے بعد خدا ایک دوسرا عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوع انسانی کو جو ابتداء آفرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی، بیک وقت دوبارہ پیدا کریگا اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لے گا، اور ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا بدلہ دے گا۔

❹ یہ کہ خدا کے اس فیصلے کی رو سے جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ کامیاب قرار دیئے جائیں گے اور جنت میں جائیں گے اور جو لوگ بد قرار دیئے جائیں گے وہ دوزخ میں جائیں گے۔

❺ یہ کہ کامیابی اور ناکامی کا اصل معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی اور بدحالی نہیں ہے بلکہ درحقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو خدا کے آخری فیصلے میں کامیاب ٹھہرے اور ناکام وہ ہے، جو اس فیصلے میں ناکام ٹھہرے۔

عقائد کے اس مجموعے پر جن لوگوں کو یقین نہ ہو وہ قرآن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے کیونکہ ان باتوں کا انکار تو درکنار، اگر کسی کے دل میں ان کی طرف سے شک ہو، تو وہ اس راستہ پر نہیں چل سکتا جو انسانی زندگی کے لئے قرآن نے تجویز کیا ہے۔

ایمان بالآخرت اگرچہ ایمان بالغیب میں داخل ہے، مگر اس کو دوبارہ صراحۃً اس لئے ذکر کیا گیا کہ یہ اجزاء ایمانی میں اس حیثیت سے سب سے زیادہ اہم جزء ہے، کہ مقتضائے ایمان پر عمل کا جذبہ پیدا کرنا اسی کا اثر ہے۔

اور اسلامی عقائد میں وہ انقلابی عقیدہ ہے جس نے دنیا کی کایا پلٹ دی اور جس نے آسمانی تعلیم پر عمل کرنے والوں کو پہلے اخلاق و اعمال میں اور پھر دنیا کی سیاست میں تمام اقوام عالم کے مقابلہ میں ایک امتیازی مقام عطا فرمایا اور جو عقیدۂ توحید و رسالت کی طرح تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام شرائع میں مشترک اور متحقق چلا آتا ہے۔

وجہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے پیش نظر صرف دنیا کی زندگی اور اس کا عیش و عشرت ہے اور دنیا ہی کی تکلیف کو تکلیف سمجھتے ہیں، آخرت کی زندگی اور اعمال کے حساب و کتاب کا کوئی تصور ان کے یہاں نہیں ہے اگر ایسے لوگ جھوٹ اور سچ اور حلال اور حرام کی تفریق کو اپنی عیش و عشرت میں خلل انداز ہوتے دیکھیں تو ان کو جرائم سے باز رکھنے والی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

حکومت کے تعزیری قوانین قطعاً انسداد جرائم اور اصلاح اخلاق کے لئے کافی نہیں، عادی مجرم تو ان سزاؤں کے عادی ہو ہی جاتے ہیں، کوئی شریف انسان اگر تعزیری سزا کے خوف سے اپنی خواہشات کو ترک کر بھی دے تو اس حد تک کہ اس کو حکومت کی دار و گیر کا خطرہ ہو، خلوتوں اور راز دارانہ طریقوں پر جہاں حکومت اور اس کے قوانین کی رسائی نہیں انہیں کون مجبور کر سکتا ہے کہ اپنی عیش و عشرت اور خواہش کو چھوڑ کر پابندیوں کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیں؟

ہاں وہ صرف عقیدۂ آخرت اور خوف خدا ہی ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کی ظاہری اور باطنی حالت، جلوت وخلوت میں یکساں ہوسکتی ہے وہ یقین رکھتا ہے، کہ مکان کے بند دروازوں اور رات کی تاریکیوں میں بھی کوئی دیکھنے والا مجھے دیکھ رہا ہے اور کوئی لکھنے والا میرے اعمال لکھ رہا ہے۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ: یہ ان اہل ایمان کا انجام بیان کیا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ وعمل اور عقیدۂ صحیحہ کا اہتمام کرتے ہیں، محض زبان سے اظہار ایمان کو کافی نہیں سمجھتے، کامیابی دار آخرت میں رضائے الٰہی اور اس کی رحمت ومعرفت کا حصول ہے اگر اس کے ساتھ دنیا میں بھی خوشحالی اور کامرانی مل جائے، تو سبحان اللہ ورنہ اصل کامیابی آخرت کی ہی کامیابی ہے۔

فلاح: عربی میں بڑے وسیع معنی میں آتا ہے، دنیا وآخرت کی ساری خوبیوں کو جامع ہے اس لئے مُفْلِحُوْنَ کا پورا مفہوم کامیاب، بامراد، وغیرہ کسی اردو لفظ سے ادا ہونا دشوار ہے، امام لغت زبیدی کا قول ہے کہ ائمہ لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ کلام عرب میں جامعیتِ خیر کے لئے فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں: "ليس فی كلام العرب كلمة اجمع من لفظة الفلاح لخيری الدنيا والآخرة كما قال ائمة اللسان". (تاج)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ: کی ترکیب نے معنی میں حصر وتاکید پیدا کردی اور ھم ضمیر فصل تاکید وتخصیص نسبت کے لئے ہے۔ (بحر)

اہم نکتہ: مفسر تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے یہ بات خوب لکھی ہے کہ حصر کا تعلق فلاح کامل سے ہے نہ کہ فلاح مطلق سے اور المفلحون سے مراد الكاملون فی الفلاح ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ بے شک جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں ان کے حق میں یکساں ہے کہ آپ ﷺ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔

نبی ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ سب لوگ مسلمان ہوجائیں اور اسی حساب سے آپ ﷺ کوشش فرماتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان ان کے نصیب میں ہے ہی نہیں، مراد ان سے چند مخصوص لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی (جیسے ابوجہل، ابولہب وغیرہ) ورنہ آپ ﷺ کی دعوت وتبلیغ سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے حتی کہ پورا جزیرۃ العرب اسلام کے سایۂ عاطفت میں آگیا۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ: یہ ان کے ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ بیان کی گئی ہے چونکہ کفر ومعصیت کے مسلسل ارتکاب کی وجہ سے ان کے دلوں کی قبول حق کی استعداد ختم ہوچکی ہے ان کے کان حق بات سننے کے لئے آمادہ نہیں اور ان کی نگاہیں کائنات میں پھیلی ہوئی رب کی نشانیاں دیکھنے سے محروم ہیں، تو اب وہ ایمان کس طرح لاسکتے ہیں؟ ایمان تو انہیں لوگوں کے حصے میں آتا ہے جو اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔

قبول حق کی صلاحیت سے محروم کفر پر مرتے ہیں:

ایسے لوگ جو قیام دلائل کے باوجود کفر پر اڑے رہتے ہیں، آخر کار علم الٰہی میں کفر ہی پر مرنے والے ہیں، جو لوگ دلائل حق میں غور نہیں کرتے اور باطل پر جمے رہتے ہیں، ان کے قبول حق کی صلاحیت جو ہر انسان میں فطری طور پر ودیعت کی جاتی ہے روز بروز کمزور ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ بالکل مردہ ہو جاتی ہے، آیت میں اشارہ خاص طور پر یہود مدینہ کی جانب ہے گو اس میں دیگر کافر و مشرک بھی داخل ہو سکتے ہیں یہود مدینہ کا کفر جحود کی قسم کا تھا، یعنی یہ نبی آخر الزمان کی بابت پیشین گوئیوں اور آپ کی علامات سے بخوبی واقف تھے، اس کے باوجود دانستہ اغماض اور اخفاء کرتے تھے، تاکہ اپنی دینی ریاست اور دنیوی سیادت میں فرق نہ آئے۔

"وَاَمَّا معنی الکفر فَاِنَّه الجحود وذلك انّ الاحبار مِن یهود المدینة جحدوا نبوة محمد ﷺ وستروه عن الناس وکتموا امرهٗ". (ابن جریر)

عدم قبول کے یقینی ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی دعوت وتبلیغ برابر جاری رہنی چاہئے اس لئے کہ آپ کو اس کا اجر مسلسل ملتا رہے گا خواہ وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں ایسا نہ ہونا چاہئے کہ آپ ﷺ ان کے ایمان سے مایوس ہو کر ان کو دعوت وتبلیغ کا کام چھوڑ دیں۔

آج معمولی مبلغ بھی اپنی دھن کے پکے ہوتے ہیں، آپ ﷺ تو مبلغ اعظم تھے، دین الٰہی کی اشاعت کے لئے آپ کی تڑپ کا کیا کہنا! آپ کی تو خواہش یہی تھی کہ کافر سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں ان بدبختوں کے حق میں آپ کی خواہش کے بارآور نہ ہونے کی صورت میں آپ کے رنج وغم کو کم کرنے کے لئے آپ کو یہاں یہ بات بتلادی گئی ہے کہ یہ بدبخت اپنی صلاحیت حق شناسی ضائع کر چکے ہیں آپ کچھ بھی کر لیں یہ حق کو قبول کرنے والے نہیں ہیں، لیکن آپ کا اجر تبلیغ بہر حال ثابت ہے:

"فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ. فمن استجابَ لَكَ فله الحظ الاوفر وَمَنْ تولّٰی فَلَا تحزن عَلَيْهِمْ". (ابن کثیر)

سُوَال: جب اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ان کا ایمان نہ لانا متعین ہے جس کے مطابق حق تعالیٰ نے: "لَا يُؤْمِنُوْنَ" کہہ کر خبر بھی دیدی، تو یہ لوگ ایمان لا بھی کیسے سکتے ہیں؟ اس لئے کہ علم خداوندی کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

جَوَاب: لَا يُؤْمِنُوْنَ، ایک خبر ہے جو خبیر مطلق اپنے بندے کو دے رہا ہے، ایک اطلاع ہے، جو علیم کل اپنے رسول کو پہنچا رہا ہے، خدا کی مرضی کا اس سے کوئی تعلق نہیں، علم اور مرضی کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے بعض لوگ ان میں فرق وامتیاز نہ

کرنے کی وجہ سے خلجان میں پڑ جاتے ہیں، طبیب حاذق اپنے علم کی روشنی میں مدتوں پہلے خبر دیدیتا ہے کہ فلاں بد پرہیز خود رائے مریض اچھا نہ ہوگا، کیا اس پیش خبری میں اس شفیق طبیب کی خواہش و مرضی کو بھی کچھ دخل ہوتا ہے؟

یہ امر واقعہ ہے کہ خبر واقعہ کے مطابق ہوتی ہے نہ کہ واقعہ خبر کے مطابق دارالعلوم کی مسجد رشید کی خوبصورتی کی خبر اس کے خوبصورت ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ مخبر کی خبر کی وجہ سے مسجد کی خوبصورتی، حضرت تھانوی رَحِمَٹُاللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: اس کافر کا نا قابلِ ایمان ہونا اللہ کے اس خبر دینے کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا اس کافر کے نا قابلِ ایمان ہونے کی وجہ سے واقع ہوا ہے اور نا قابلِ ایمان ہونے کی صفت خود اس کی شرارت وعناد ومخالفت حق کے سبب سے پیدا ہوئی ہے، اللہ نے ہر شخص میں اس کی پیدائش کے وقت قبول حق کی استعداد رکھی ہے، جیسا کہ حدیث ”کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ“ میں فرمایا گیا، مگر یہ شخص خود اپنی ہوائے نفسانی اور قوت ارادی سے غلط کام لے کر حق کی مخالفت کرتا ہے یہاں تک کہ ایک روز قبولیتِ حق کی صلاحیت فنا ہو جاتی ہے۔ (حذف واضافہ کے ساتھ تفسیر ماجدی)

فائدہ عظیمہ:

مذکورہ آیات نے تمام اقوام عالم بلکہ نوع انسانی کو ہدایت کے قبول یا انکار کے معیار سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک ہدایت یافتہ جن کو مومنین اور متقین کہا جاتا ہے، دوسرے ہدایت سے انحراف اور انکار کرنے والے جن کو کافر یا منافق کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم کی اس تعلیم سے ایک اصولی مسئلہ بھی نکل آیا کہ اقوام عالم کے حصوں یا گروہوں میں ایسی تقسیم جو اصول پر اثر انداز ہو سکے، وہ صرف اصول اور نظریات ہی کے اعتبار سے ہو سکتی ہے نسب، وطن، زبان، رنگ اور جغرافیائی حالات ایسی چیزیں نہیں کہ جن کے اختلاف سے قوموں کے ٹکڑے کئے جا سکیں واضح فیصلہ ہے: ”خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ“ یعنی اللہ نے تم سب کو پیدا کیا پھر کچھ لوگ تم میں مومن اور کچھ کافر ہو گئے۔

اس بات کی نامقبولیت کسی زیادہ غور وفکر کی محتاج نہیں کہ ایک ماں باپ کی اولاد محض رنگ کے مختلف ہو جانے، یا الگ الگ خطوں میں بس جانے یا مختلف زبانیں بولنے کی وجہ سے الگ قومیں کیسے ہو سکتی ہیں؟ بعض اوقات ایک ہی والدین کی اولاد میں بین تفاوت ہوتا ہے کوئی کالا ہوتا ہے کوئی گورا ہوتا ہے کوئی خوبصورت تو کوئی خوبصورتی سے محروم ہوتا ہے کوئی ذہین ہوتا ہے تو کوئی غبی ہوتا ہے، ان اوصاف کے اختلاف کی وجہ سے کیا وہ آپس میں بھائی نہیں رہتے؟ آج انسانیت کی ہمدردی کے ٹھیکے داروں نے خدا کی مخلوق اور آدم کی اولاد کو مختلف عنوانوں کے تحت مختلف گروہوں اور طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے، جب کہ تقسیم صرف نیکی اور بدی کی بنیاد پر ہونی چاہئے۔

وَنَزَلَ فِی الْمُنَافِقِیْنَ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** اَیْ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لِاَنَّهٗ اٰخِرُ الْاَیَّامِ **وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ** ⑧ رُوْعِیَ فِیْهِ مَعْنٰی مَنْ وَفِیْ ضَمِیْرِ یَقُوْلُ لَفْظُهَا **يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** بِاِظْهَارِ خِلَافِ

وقف لازم

ما ابطنوه من الكفر ليدفعوا عنهم احكامه الدنيوية **وَمَا يَخْدَعُوْنَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ** لان خداعهم راجع اليهم فيفتضحون في الدنيا باطلاع الله نبيه على ما ابطنوه ويعاقبون في الاخرة **وَمَا يَشْعُرُوْنَ** ﴿۹﴾ يعلمون ان خداعهم لانفسهم والمخادعة هنا من واحد كعاقبت اللص وذكر الله فيها تحسين وفي قراءة وما يخدعون **فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** شك ونفاق فهو يمرض قلوبهم اى يضعفها **فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا** بما انزله من القرآن لكفرهم به **وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ** مؤلم **بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ** ﴿۱۰﴾ بالتشديد اى نبي الله وبالتخفيف اى في قولهم آمنا.

ترجمہ: (آئندہ آیت) منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں، یعنی قیامت کے دن پر اس لئے کہ وہ آخر الایام ہے حالانکہ وہ (بالکل ہی) ایمان لانے والے نہیں ہیں، (ھم، ضمیر جمع لانے میں) مَنْ کے معنی کی رعایت کی گئی ہے، اور یقول کی ضمیر (واحد لانے میں) مَن کے لفظ کی رعایت کی گئی ہے (بلکہ) وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کررہے ہیں، اپنے اس کفر کے خلاف ظاہر کرکے جس کو وہ چھپائے ہوئے ہیں تاکہ وہ اپنے اوپر سے کفر کے دنیوی احکام کو دفع کرسکیں، حالانکہ (فی الواقع) وہ دھوکا کسی کو نہیں دے رہے بجز اپنی ذات کے اس لئے کہ ان کی دھوکہ دھڑی کا وبال خود ان پر پلٹنے والا ہے، چنانچہ وہ دنیا ہی میں ذلیل ہوں گے اللہ کے اپنے نبی کو اس (نفاق) پر مطلع کرنے کی وجہ سے جس کو انہوں نے چھپا رکھا ہے اور آخرت میں ان کو سزا دی جائے گی، اور ان کو اس کا احساس بھی نہیں ہے یعنی اس بات کا علم نہیں رکھتے کہ ان کی دھوکہ بازی (کا ضرر) خود ان کے لئے ہے اور مُخادعة (مفاعلة) یہاں جانب واحد سے ہے، جیسا کہ عاقبت اللص میں اور اللہ کا ذکر تحسین کے لئے ہے اور ایک قراءت میں وَمَا يُخْدِعُوْنَ ہے اور ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے، جو ان کے دلوں کو مریض یعنی ضعیف کررہی ہے، سو اللہ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا بسبب اس کے کہ اللہ نے قرآن نازل کیا اور وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے، (یکذّبون) کی تشدید کے ساتھ یعنی اللہ کے نبی کی تکذیب کرتے ہیں اور (ذال کی) تخفیف کے ساتھ یعنی اپنے قول آمنّا میں جھوٹے ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: وَمِنَ النَّاسِ: من تبعیضیہ ہے، النَّاس اصل میں اُنَاسٌ تھا، ہمزہ تخفیفاً حذف کردیا گیا سورۂ اسراء میں یہ اصل استعمال ہوئی ہے: ''يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ'' سیبویہ اور فراء کے نزدیک اناس کا مادہ ہمزہ، نون، سین ہے اور کسائی کے نزدیک اس کا مادہ نون، واؤ، سین ہے، یہ النّوس سے مشتق ہے، اس کے معنی حرکت کرنے کے ہیں، نَاسَ يَنُوْسُ نَوْسًا حرکت کرنا، ابونواس شاعر کو جس کا اصل نام حسن بن ہانی تھا، ابونواس اس لئے کہتے تھے کہ اس کے

بالوں کی دو لٹیں ہوا سے حرکت کرتی رہتی تھیں۔ (لغات القرآن للدرویش)

واؤ استینافیہ یا عاطفہ مِنَ النَّاسِ خبر مقدم مَنْ یَقُوْلُ اٰمَنَّا مبتداء مؤخر (دوسری ترکیب) مِنَ النَّاسِ، فَرِیْقٌ، یا نَاسٌ موصوف محذوف کی صفت ہے، موصوف باصفت مبتداء اور مَنْ یَقُوْلُ الخ جملہ ہو کر خبر۔

قَوْلُہٗ: وَبِالْیَوْمِ الْآخِرِ: باء حرف جر کا اعادہ اپنے دعوائے ایمان کی تاکید کے لئے کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوائے ایمان کو اپنے قول: "وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ" سے ابلغ اور زیادہ موکد طریقہ سے رد فرمایا ہے بایں طور کہ جملہ اسمیہ استعمال فرمایا جو کہ دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے یعنی وہ کسی زمانہ میں بھی متصف بالایمان نہیں رہے، نہ ماضی میں تھے، اور نہ حال میں اور نہ آئندہ مومن ہوں گے اور خبر پر حرف جر کا اضافہ تاکید کے لئے فرمایا۔

قَوْلُہٗ: وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ: واؤ حالیہ ہے مَا، مشابہ بلیس، هُمْ اس کا اسم بِمُؤْمِنِیْنَ اس کی خبر با زائدہ تاکید کیلئے۔

قَوْلُہٗ: ای یَوْمِ الْقِیَامَةِ: اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: شبہ یہ ہے کہ آخرالایام پر ایمان لانا موجبات دین میں سے نہیں ہے تو اس کے منکر کو کافر کیوں کہا جاتا ہے؟

جَوَابٌ: یوم الآخرة: سے مراد یوم القیامة ہے یعنی حساب وکتاب اور جزائے اعمال کا دن ہے، اور یہ موجبات دین میں سے ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاَنَّهٗ آخر الایّام: اس عبارت سے یومِ الآخر کی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلُہٗ: یُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا: یُخَادِعُوْنَ: جمع مذکر غائب کا صیغہ باب ہے (مفاعلة) وہ باہم فریب دیتے ہیں، اَلْخِدَاعُ لغت میں فساد اور اِخفاء کو کہتے ہیں اور مُخْدَعٌ، میم مثلث کے ساتھ بڑے کمرے میں چھوٹے کمرے یعنی کوٹھری کو کہتے ہیں، جس میں مال اور اسباب چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی) یُخَادِعُوْنَ: جملہ استینافیہ بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں ایک سوال مقدر کا جواب ہوگا۔

سُوَال: یہ ہوگا کہ باطن کے خلاف یہ منافقین ایمان کا اظہار کیوں کرتے ہیں؟

جَوَابٌ: اللہ کو دھوکا دینے کے لئے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: "یُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ" یقول کی ضمیر سے حال ہو، ای مُخَادِعِین اللّٰه الخ (اعراب القرآن) اور یَقُوْلُ آمَنَّا بِاللّٰهِ سے بدل الاشتمال بھی ہوسکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: "مِنَ الْکُفْرِ یہ مَا اَبْطَنُوْا" کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: لِیَدْفَعُوْا یہ اظہار ایمان کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: اَحْکَامَهٗ: ای احکام الکفر، اور احکام کفر سے دنیوی احکام مراد ہیں یعنی منافقین باطن کے خلاف ایمان کا اظہار گرفت سے بچنے کے لئے کرتے ہیں مثلاً اظہار ایمان کی وجہ سے قتل وقید، جزیہ و رسوائی سے محفوظ رہتے ہیں اور مراعات اسلامی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (صاوی)

قَوْلُهُ: يَعْلَمُوْنَ کو يشعرون سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ذریعۂ علم مشاعر خمسہ ہی ہیں خواہ ظاہرہ ہوں یا باطنہ۔

قَوْلُهُ: اَلْمُخَادَعَةُ هُنَا مِنْ وَّاحِدٍ اس عبارت کے اضافہ کا فائدہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: باب مفاعلہ طرفین سے شرکت کا تقاضہ کرتا ہے منافقین کی طرف سے تو مکر و خداع سمجھ میں آتا ہے مگر اللہ کی طرف اس کی نسبت سمجھ میں نہیں آتی اس لئے کہ مکر و فریب خصائل رذیلہ میں سے ہے، جن سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔

جَوَابٌ: باب مفاعلہ اگرچہ طرفین کی شرکت کا تقاضہ کرتا ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی ایک خاصیت موافقت مجرد بھی ہے جیسے: عاقبت اللص وسافرَ بمعنی سفرَ، لہٰذا خادَعَ بمعنی خدَعَ ہے۔

اعتراض: يُخَادِعُوْنَ اللهَ وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں، کیا اللہ دھوکا کھا سکتا ہے، وہ تو علیم بذات الصدور ہے، اس سے کسی کا کوئی راز مخفی نہیں دھوکا تو وہ کھاتا ہے جو خادع کے خدع اور ماکر کے مکر سے بے خبر ہو۔

جَوَابٌ: لفظ اللہ تحسین کلام کے لئے ہے، معنی مقصود نہیں، تقدیر عبارت اس طرح ہے: "يُخَادِعُوْنَ رسول اللّٰه وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا" یا مقصد تحسین معنوی ہے، اس طور پر کہ یہ استعارہ تمثیلیہ ہے، مشبہ بہ کو مشبہ کے لئے مستعار لیا گیا ہے، یعنی اللہ کے ساتھ منافقین کے معاملہ کو اس شخص کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے صاحب کے ساتھ دھوکا دہی کا معاملہ کرتا ہے، یا مجاز عقلی کے طور پر اللہ کی طرف نسبت کر دی گئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول: "فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى" میں اسناد مجازی ہے، یا مشاکلت کے طور پر خداع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی گئی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول: "وَجَزٰؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ" میں۔

قَوْلُهُ: فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مرض، طبیعت کے حد اعتدال سے نکل جانے کو کہتے ہیں، جس کی وجہ سے افعال و افکار میں خلل واقع ہو جاتا ہے یہاں مرض سے روحانی مرض مراد ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جسمانی مرض مراد ہو، جب یہ دونوں امراض اپنی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں تو روحانی اور جسمانی موت کا باعث ہو جاتے ہیں۔

روحانی امراض:

مثلاً کفر، شرک، شک، نفاق، جہل، بخل، وغیرہ، علامہ سیوطی رَحِمَنُاللّٰهُ تَعَالیٰ نے اپنے قول شک و نفاق سے، روحانی مرض کی جانب اور يُمَرِّضُ قلوبَهُمْ سے جسمانی مرض کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُهُ: مُؤْلَمٌ، لام کے فتحہ کے ساتھ اس لئے کہ فعیل بمعنی مفعول مستعمل نہیں ہے (ترویح الارواح) عذابٌ مُؤْلَمٌ، ایسا شدید عذاب کہ شدت کی وجہ سے خود عذاب بھی اذیت محسوس کرنے لگے یہ بطور مبالغہ ہے، اس لئے کہ: اَلِيْمٌ، مُعَذَّب کی صفت ہے، نہ کہ عذاب کی بعض حضرات نے مولِمٌ لام کے کسرہ کے ساتھ بھی کہا ہے، اس صورت میں عذاب کی طرف اَلِيْمٌ کی نسبت حقیقی ہوگی۔

اللغة والبلاغة

المشاكلةُ فی قولِهم، "یخدِعون اللّٰہ" لأن المفاعَلة تقتضی المشارکة فی المعنی وقد اطلق علیه تعالٰی مقابلا لما ذکرہُ من خداع المنافقین کمقابلة المکر بمکرهم، ومِن امثلةِ هذا الفن فی الشعر قول بعضهم۔

قالوا: التمس شیئًا نجدلك طبخة قلت: اطبخوا لی جُبَّةً وقمیصا

تفسیر وتشریح

مذکورہ بالا آیات میں پہلی دو آیتوں میں منافقین کے متعلق فرمایا کہ لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر حالانکہ وہ بالکل ایمان لانے والے نہیں، بلکہ وہ اللہ سے اور مومنین سے فریب کرتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ وہ کسی کے ساتھ فریب نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اور اس کا ان کو احساس بھی نہیں۔

ان آیتوں میں منافقین کے دعوائے ایمان کو فریب محض بلکہ خود فریبی قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ اللہ کو کوئی فریب نہیں دے سکتا جو سمجھتا ہے کہ میں اللہ کو فریب دے رہا ہوں، وہ خود اپنی ذات کو فریب دے رہا ہے، البتہ اللہ کے رسول اور مومنین کے ساتھ ان کی چالبازی کو ایک حیثیت سے اللہ کے ساتھ چالبازی فرمایا گیا ہے۔

مدینہ میں نفاق کی ابتداء:

نفاق کی تاریخ اگرچہ بڑی قدیم ہے، مگر اسلام میں نفاق کی ابتداء آپ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ہوئی مگر شباب ۲ھ میں غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کے بعد آیا۔

اسلام میں نفاق کے اسباب:

آپ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے، تو آپ نے پہلا اور اہم کام یہ انجام دیا کہ مدینہ اور اطراف مدینہ میں رہنے والے یہود اور غیر یہود سے معاہدۂ امن فرمایا تاکہ امن اور اطمینان کی فضا میں لوگوں کو اسلام کو سمجھنے کا موقع ملے، جس کے نتیجے میں مدینہ میں مسلمان ایک بڑی طاقت سمجھے جانے لگے، مگر ایک طبقہ کو جس کا سردار عبد اللہ بن ابی ابن سلول تھا، یہ صورت حال ناپسند اور ناگوار تھی، ابھی قوموں اور قبیلوں سے معاہدہ کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ مسلمانوں کے خلاف اندرونی خفیہ سازشوں اور بیرونی کھلی عداوتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، مدینہ میں ایک شخص جس کا نام عبد اللہ بن ابی ابن سلول تھا، بہت عقلمند ہوشیار، چالاک اور تجربہ کار شخص تھا، اوس وخزرج کے تمام قبائل پر اس کا کافی اثر ورسوخ تھا، لوگ اس کی سرداری کو متفقہ طور پر تسلیم کرتے تھے، اوس اور خزرج چند روز قبل ہی جنگ بعاث میں آپس میں صف آرا ہوکر اور اپنے اپنے بہادروں کو قتل کرا کر کمزور ہو چکے تھے، عبد اللہ بن ابی

نے اس حالت سے فائدہ اٹھانے اور دونوں قبیلوں میں اپنی مقبولیت بڑھانے میں کوئی کوتاہی اور غفلت نہیں کی، اہل مدینہ یہ طے کر چکے تھے کہ: عبداللہ بن ابی کو مدینہ کا افسر اعلیٰ اور بادشاہ بنالیں اور ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کر کے اس کا باقاعدہ اعلان کردیں، عبداللہ بن ابی کی تاجپوشی کے لئے ایک قیمتی تاج بھی بنوالیا گیا تھا، اب صرف اعلان کرنا ہی باقی تھا، اسی دوران مدینہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام داخل ہوگئے۔

آپ ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد لوگوں کا رخ آپ ﷺ کی جانب ہوگیا اور آپ مسلّم قائد اور رہبر تسلیم کر لئے گئے، جب عبداللہ نے یہ صورت حال دیکھی اور اپنی تمناؤں کا خون ہوتے اور امیدوں پر پانی پھرتے دیکھا تو اس کے دل میں رقابت کی آگ بھڑکنے لگی، اور بادشاہت اور سرداری خاک میں ملتی نظر آنے لگی، چونکہ عبداللہ بڑا چالاک اور ہوشیار شخص تھا، آنحضرت ﷺ کو اگرچہ اپنا رقیب اور حریف سمجھتا تھا، لیکن اس دشمنی کے اظہار کو غیر مفید سمجھ کر اپنے دل میں چھپائے رہا، اوس وخزرج کے وہ لوگ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ سب عبداللہ کے زیر اثر تھے، جب مکہ کے مشرکوں کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور ان کے رفقاء مدینہ میں پہنچ کر اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے ہیں اور مذہب اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہورہا ہے، تو انہوں نے عبداللہ بن ابی اور مدینہ کے دیگر مشرکوں سے رابطہ قائم کر کے سازباز شروع کردی، غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی نے منافقین اور مشرکین مکہ کی دشمنی کی جلتی آگ پر تیل کا کام دیا۔

وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ: یعنی ان کے نفاق کا نقصان کسی اور کا نہیں، خود انہیں کا ہوتا ہے اور ہوگا اور وہ ہے آخرت میں عذاب اور دنیا میں رسوائی اور منافقت کی پردہ دری۔ ''ضَرَرُھَا یَلْحَقُھُمْ وَمَکْرُھَا یَحِیْقُ بِھِمْ''. (کشاف) ''یَفْتَضِحُوْنَ فِی الدنیا وَیَسْتَوْجِبُوْنَ العِقَابَ فِی الْعُقْبٰی''. (معالم، بحوالہ ماجدی)

اس منافقت کا وبال خود ان ہی پر پڑ کر رہے گا: ''لا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ وَبَالَ خداعِھِمْ یَعُوْدُ عَلَیْھِمْ'' (معالم) یَعْلَمُوْنَ کے بجائے، یَشْعُرُوْنَ وارد ہوا ہے، شعور عربی میں علم حسی کو کہتے ہیں اور اسی کو اردو میں احساس کہتے ہیں اور مشاعر، انسان کے آلات حواس کو کہتے ہیں، خواہ ظاہرہ ہوں یا باطنہ۔

یَعْلَمُوْن کے بجائے یَشْعُرُوْنَ لانے میں نکتۂ بلاغت یہ ہے کہ منافقوں کو اس مکروفریب سے جو نقصان پہنچ رہا ہے وہ مادی ہونے کی طرح بالکل صاف اور صریح ہے، لیکن یہ احمق فرط غفلت سے اس کا بھی احساس نہیں رکھتے۔ (کشاف، ماجدی)

فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ: مرض روحانی اور جسمانی دونوں ہوسکتے ہیں روحانی امراض مثلاً، کفر، شرک، نفاق، شک وغیرہ، جو انہوں نے خود پیدا کر لئے تھے، ان کے مرض کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ جوں جوں مسلمانوں کو ترقیاں اور کامیابیاں ہوتی جاتی تھیں، ان کے رشک وحسد میں بھی ترقی ہوتی جاتی تھی، اسی کو اللہ تعالیٰ نے فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا، فرمایا:

منافقین کے مرض میں ترقی اور اضافہ کا دوسرا سبب قرآن کا وقتاً فوقتاً نزول تھا، حتی کہ ہر ہر آیت کے نزول سے ان کے غیظ وغضب اور نفاق وحسد میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔

كُلَّمَا اَنْزَلَ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْوَحْيَ كَفَرُوْا بِهِ فَازْدَادُوْا كُفْرًا اِلٰى كُفْرِهِمْ. (کشاف)

فَزَادَهُمْ میں فاء، بہت ہی معنی خیز مفہوم کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے فاء لاکر گویا اس بات کا اعلان ہے کہ آگے جو ان کے مرض میں اضافہ کا ذکر آرہا ہے، وہ محض ثمرہ اور نتیجہ ہے جو ان ہی کے افعال پر مرتب ہوا ہے حق تعالیٰ کی جانب اس قسم کے افعال کا انتساب صرف مجازی حیثیت رکھتا ہے یعنی یہ بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ افعال بلاسبب خواہ مخواہ پیدا فرمادیئے بلکہ اس نے تو وہ حالات اور اسباب پیدا فرمائے، جن سے ان بدنصیبوں نے اپنے مرض کو بڑھانے کا کام لیا، اگر یہ لوگ اپنی عقل وارادہ کا صحیح استعمال کرتے تو انہیں اسباب وحالات سے ہدایت بھی پاسکتے تھے۔

كَانَ اِسْنَادُ الزِّيَادَةِ اِلَى اللّٰهِ مِنْ حَيْثُ اَنَّهُ مُسَبِّبٌ مِنْ فِعْلِهِ. (بیضاوی)

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: آیت ۷ میں کافروں کے لئے جس عذاب کی خبر دی جاچکی ہے، اس کی صفت عظیم آئی ہے اور یہاں منافقوں کے لئے جس عذاب کی وعید ہے اس کی صفت اَلِيْم ہے اور اَلِيْم کے معنی ہیں دردناک، تکلیف دہ گویا کہ تکلیف اور اذیت کا پہلو اس میں زیادہ ہے، اس لئے کہ جو منافق تھے، وہ کافر تو تھے ہی لیکن کافر کے علاوہ کچھ اور بھی تھے، یعنی خادع وکاذب، تو عذاب عظیم کے مستحق تو وہ اپنے کفر کی بناپر ہی ہوچکے تھے، منافقت کا یہ عذاب ان پر مستزاد ہے، گویا منافقوں پر دونوں عذابوں کا مجموعہ ہے۔

قَدْ حَصَلَ لِلْمُنَافِقِيْنَ مَجْمُوْعُ الْعَذَابَيْنِ فَصَارَ الْمُنَافِقُوْنَ اَشَدَّ عَذَابًا مِنْ غَيْرِهِمْ مِنَ الْكُفَّارِ (بحر) بِمَا، میں، با سببیہ، اور مَا، مصدریہ ہے اَلْبَاءُ لِلسَّبَبِيَّةِ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ. (ابوسعود)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اي لِهٰؤُلَاءِ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بِالْكُفْرِ وَالتَّعْوِيْقِ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ وَلَيْسَ مَا نَحْنُ عَلَيْهِ بِفَسَادٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى رَدًّا عَلَيْهِمْ اَلَآ لِلتَّنْبِيْهِ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫ بِذٰلِكَ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ الْجُهَّالُ اي لَا نَفْعَلُ كَفِعْلِهِمْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى رَدًّا عَلَيْهِمْ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬ ذٰلِكَ وَاِذَا لَقُوْا اَصْلُهُ لَقِيُوْا حُذِفَتِ الضَّمَّةُ لِلْاِسْتِثْقَالِ ثُمَّ الْيَاءُ لِالْتِقَائِهَا سَاكِنَةً مَعَ الْوَاوِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا مِنْهُمْ وَرَجَعُوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ رُؤَسَائِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ فِي الدِّيْنِ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭ بِهِمْ بِاِظْهَارِ الْاِيْمَانِ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ يُجَازِيْهِمْ بِاسْتِهْزَائِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ يُمْهِلُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ تَجَاوُزِهِمُ الْحَدَّ بِالْكُفْرِ يَعْمَهُوْنَ ⑮ يَتَرَدَّدُوْنَ تَحَيُّرًا حَالٌ.

ترجمہ: جب ان سے کہا جاتا ہے کہ: کفر کے ذریعہ اور ایمان میں رکاوٹ ڈال کر زمین میں فساد برپا نہ کرو، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں، اور وہ جس طریقہ پر ہیں فساد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید

کرتے ہوئے فرمایا، خبردار درحقیقت یہی لوگ مفسد ہیں اَلَا تنبیہ کے لئے ہے مگر انہیں اس کا شعور نہیں ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ: لوگوں (یعنی) صحابۂ نبی ﷺ کی طرح تم بھی ایمان لے آؤ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم بے وقوفوں (یعنی) جاہلوں کی طرح ایمان لے آئیں؟ یعنی ہم ایسا نہ کریں گے، خبردار حقیقت میں تو یہ خود بے وقوف ہیں، لیکن اس کو وہ سمجھتے نہیں ہیں اور جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں (اِذَا لَقُوْا) اس کی اصل، لَقِیُوْا، تھی، ضمہ کو یا پر ثقیل سمجھتے ہوئے حذف کردیا، پھر یـــاء، واؤ کے ساتھ التقاء ساکنین کی وجہ سے ساقط ہوگئی، تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیاطین سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں دین میں ہم تمہارے ساتھ ہیں اظہار ایمان کرکے، ہم تو صرف ان سے مذاق کرتے ہیں، اللہ ان سے مذاق کررہا ہے (یعنی) ان کے ساتھ استہزاء کا معاملہ کررہا ہے اور وہ ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دے رہا ہے، ان کے حد سے تجاوز کرنے کی بنا پر کفر کی وجہ سے حال یہ ہے کہ وہ حیرانی میں بھٹک رہے ہیں، (یَعْمَهُوْنَ) کی ضمیر سے حال ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بِالْکُفْرِ: باء سببیہ ہے، اَلْکُفر، معطوف علیہ اَلتَّعوِیْق، اپنے متعلق عن الایمان سے مل کر معطوف، تَعْوِیْق، (تفعیل) روکنا، بازرکھنا، کسی کام میں روڑے اٹکانا، ای تعویق الغیر عن الایمان.

قَوْلُہٗ: اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ: یہ جملہ حصر مبتدا فی الخبر کے قبیل سے ہے، یعنی ہم اصلاح ہی کرتے ہیں اصلاح کے علاوہ ہمارا دوسرا کوئی کام نہیں ہے منافقین نے اپنے اس قول کو، اِنّما، کلمہ حصر کے ذریعہ اور جملہ اسمیہ کے ذریعہ جو کہ مفید دوام و استمرار ہے، مؤکد کیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا جواب ایسے جملے سے دیا ہے، جو چار تاکیدوں سے مؤکد ہے اور وہ اَلا اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ، ① اَلا، حرف تنبیہ، ② اِنَّ، ③ ضمیر فصل، ④ تعریف خبر بالالف واللام (ای المفسدون).

قَوْلُہٗ: اصحابُ النبی، اَلنَّاسُ کی تفسیر اصحاب النبی سے کرکے اشارہ کردیا کہ: الناس میں الف لام عہد کا ہے۔

قَوْلُہٗ: لَقُوْا مفسر علام نے اس کی پوری تعلیل نہیں فرمائی، پوری تعلیل اس طرح ہے، لَقُوْا اصل میں لَقِیُوْا تھا، ضمہ یاء پر دشوار سمجھ کر تخفیفاً گرادیا اب یاء اور واؤ میں التقاء ساکنین ہوا، یاء اور واؤ میں سے، یاء ساقط ہوگئی، واؤ کی مناسبت سے قاف کے کسرہ کو ضمہ سے بدل دیا، لَقُوْا ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: خَلَوْا مِنْھُمْ، مفسر علام نے مِنْھُمْ مقدر مان کر اس طرف اشارہ کردیا کہ خَلَوْا، کا متعلق محذوف ہے، اور خَلَوا، کی تفسیر رَجَعُوْا سے کرکے اشارہ کردیا کہ خَلَوا، رَجَعُوْا کے معنی کو متضمن ہے، تاکہ اس کا صلہ اِلیٰ لانا صحیح ہوجائے، خَلَوا، اصل میں خَلَوُوْا تھا، اول واؤ، لام کلمہ ہے اور ثانی علامت اعراب ہے پہلا واؤ متحرک اس کا ماقبل مفتوح لہٰذا واؤ الف سے بدل گیا، التقاء ساکنین ہوا، الف اور واؤ ثانیہ میں، الف گر گیا، اور حذفِ الف کی علامت کے طور پر فتحہ باقی رہ گیا، خَلَوْا، ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: یَعْمَھُوْنَ مضارع مذکر غائب (ف،س) وہ سرگرداں پھرتے ہیں، وہ متحیر پھرتے ہیں، یَعْمَھُوْنَ، یا تو یَمُدُّھُمْ کی ضمیر ھم یا طُغْیانِھِمْ کی ضمیر ھم، سے حال ہے، اس کا مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ یَعْمَھُوْن مذکورہ ضمیر کی صفت نہیں ہے، اس لئے کہ ضمیر موصوف واقع نہیں ہوتی۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الطُّغیان، مصدر طَغٰی، طُغْیانًا، بضم الطاء و کسرھا، ولام طغی قیل یاء وقیل: واؤ، ومعناھا، مجاوزة الحدِّ.

المخالفة بین جملة مستھزؤن وجملة یَسْتَھزِئی، لأنَّ ھزء اللّٰہ تعالٰی بِھِمْ متجددٌ وقتاً بعد وقتٍ وحالاً بعد حالٍ بوقعِھِم فی مناھات الحیرة والارتباكِ زیادة فی التنکیل بھِمْ

المشاکلة...... اللّٰہ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ...... فقد ثَبت اَنَّ الْاِسْتِھزاءَ ضرب من اللعب واللھو وھما لا یلیقان باللّٰہ تعالٰی وَھُوَ مُنَزَّہٌ عَنْھُمَا، ولکنہ سُمِّیَ جزاءُ الا ستھزاء استھزاءً، فھِیَ مشاکلة لفظیة لا اَقَلَّ ولا اکثر.

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ: (الآیة) فساد کا لفظ اردو کی بہ نسبت عربی زبان میں کہیں زیادہ وسعت رکھتا ہے اور ہر قسم کی برائیوں اور بدعنوانیوں کو حاوی ہے۔

اَلْفَسَادُ خروج الشیئ عَنِ الاعتدال وَیُضَادَّہُ الصلاح. (راغب)

کفر و معصیت سے زمین میں فساد بدامنی اور بے اطمینانی پھیلتی ہے اور اطاعت الٰہی سے امن و اطمینان اور سکون ملتا ہے، ہر دور کے دین بیزار اور منافقوں کا یہی کردار رہا ہے کہ: پھیلاتے تو ہیں فساد اور دعویٰ کرتے ہیں ترقی اور اصلاح کا، اشاعت تو کرتے ہیں منکرات کی اور اظہار کرتے ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا، حدود الٰہی کو پامال کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں دین الٰہی کی پاسبانی کا، گویا کہ شراب کی بوتل پر شربت کا لیبل لگاتے ہیں۔

مدینہ کے منافقوں کا بھی یہی حال تھا، جب کوئی ان سے یہ کہتا کہ اپنے نفاق کے ذریعہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ بڑے زوردار انداز میں کہتے ہیں: "اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ" یعنی فساد سے ہمارا دور کا بھی واسطہ نہیں ہمارا کام تو صرف اصلاح کرنا ہے قرآن ان کے دعوے کی بڑے بلیغ انداز میں بڑی تاکید کے ساتھ تردید کرتے ہوئے کہتا ہے: "اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ" سنو! یہ مفسد ہی ہیں، مگر ان کو اپنے مفسد ہونے کا احساس تک نہیں ہے، ان کی عقلیں اس حد تک مسخ ہوگئی ہیں کہ فساد کو اصلاح سمجھے ہوئے ہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ کچھ چیزیں تو ایسی ہیں کہ جن کو ہر شخص سمجھتا ہے کہ یہ فتنہ و فساد ہیں جیسے قتل، غارتگری، چوری، رہزنی، ظلم و زیادتی، اغواء اور فریب کاری وغیرہ ہر سمجھدار آدمی ان کو شر و فساد سمجھتا ہے اور ہر شریف آدمی ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

اور کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنی ظاہری سطح کے اعتبار سے کوئی فتنہ وفساد نہیں ہوتیں مگران کی وجہ سے انسان کے اخلاق برباد ہوجاتے ہیں اور انسان کی اخلاقی گراوٹ ہر قسم کے فتنہ وفساد کے دروازے کھول دیتی ہے، ان منافقین کا بھی یہی حال تھا، کہ چوری ڈاکا زنی، بدکاری وغیرہ سے بچتے اور ان کو معیوب سمجھتے تھے اسی لئے بڑی تاکید کے ساتھ اپنے مفسد ہونے کا انکار کرتے تھے۔

جب انسان اخلاقی گراوٹ کا شکار ہوجاتا ہے اور اپنی انسانیت کھو بیٹھتا ہے، تو پھر اس فساد کا علاج نہ حکومت اور محکموں سے ہوسکتا ہے اور نہ قانون سے اس لئے انسانیت کے محسن اعظم نبی کریم ﷺ نے اپنی تمام تر توجہ اس پر مرکوز فرمائی کہ انسان کو صحیح معنی میں انسان بنادیں، تو پھر عالم کا فساد اور بگاڑ خود بخود ختم ہوجائے گا، نہ حفاظتی عملے کی زیادہ ضرورت رہے گی اور نہ عدالت کے اس پھیلاؤ کی اور جب تک دنیا کے جس حصہ میں آپ کی تعلیمات پر عمل ہوتا رہا، دنیا نے وہ امن سکون دیکھا کہ جس کی نظیر نہ کبھی پہلے دیکھی گئی اور نہ ان تعلیمات کو چھوڑنے کے بعد اس کی توقع۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی روح اللہ تعالیٰ کا خوف اور روز قیامت کے حساب وکتاب کی فکر ہے، اس کے بغیر نہ کوئی قانون اور نہ کوئی دستور جرائم سے باز رکھتا ہے اور نہ کوئی مدرسہ اور نہ محکمہ، آج کی دنیا میں جن لوگوں کے ہاتھ میں اختیار کی باگ ڈور ہے، وہ جرائم کے انسداد کے لئے نئے سے نئے قانون اور انتظام تو سوچتے ہیں، مگر قانون اور انتظام کی روح یعنی خوف خدا سے نہ صرف غفلت برتتے ہیں، بلکہ ان کو فنا کرنے کے اسباب مہیا کرتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہی سامنے آتا ہے۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کھلے طور پر علی الاعلان فساد برپا کرنے والے چوروں اور غارتگروں کا علاج سہل ہے، مگر انسانیت فراموشوں بلکہ انسانیت فروشوں کا علاج نہایت مشکل ہے، اس لئے کہ ان کا فساد ہمیشہ برنگ اصلاح ہوتا ہے، یہ لوگ کوئی دل چسپ اور دلفریب اسکیم بھی سامنے رکھ لیتے ہیں، اور بعض اغراض فاسدہ کو اصلاح کا رنگ دیکر ''اِنّما نحنُ مصلحون'' کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں، جیسا کہ موجودہ دور میں انسداد دہشت گردی کا خوبصورت، اور دلفریب اور دل نشین نعرہ لگا کر پوری دنیا کو آتشکدہ بنادیا ہے۔

منافقوں اور ریا کاروں سے انجیل کا طرز خطاب:

تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری قبروں کے مانند ہو، جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں، مگر اندر مُردوں کی ہڈیاں اور ہر طرح کی نجاست بھری ہے۔ (متی ۲۳:۲۷) (ماجدی)

جو منافقت برتتا ہے، وہ غضب (خداوندی) دنیا میں لاتا ہے، اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور جو بچے ابھی رحم مادر میں ہیں وہ تک ان پر لعنت کرتے ہیں اور اس کی جگہ جہنم ہے۔ (ایوی مُتبس تالمود، ص: ۱۰۷، ماجدی)

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قانون شریعت کے علاوہ کسی دین جاہلی پر قائم رہنا، اس کے طور طریقوں کی اشاعت کرنا

فساد فی الارض کے مترادف ہے امن عالم اور نظام اقوام جب ہی قائم رہ سکتا ہے جب عمل قانون شریعت پر رہے، اس راہ سے انحراف بلکہ سرِ مو تجاوز کرنا بھی دنیا کو بدنظمی، ابتری، بے حیائی، قتل و غارتگری، کشت و خون، ظلم و تشدد، خیانت و بدعہدی اور ہر قسم کی طبقاتی کشمکش کو دعوت دینا ہے، چنانچہ دنیا عملاً اس کا بار بار تجربہ کر چکی ہے اور اس وقت بھی کر رہی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ: جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر صدق و اخلاص کے ساتھ ایمان لے آؤ، جیسا کہ اصحاب رسول ایمان لائے بعض روایتوں میں، النّاس سے مراد عبداللہ بن سلام وغیرہ حق شناس یہود کے نام آئے ہیں۔

جنہوں نے اسلام کی صداقت کو قبول کر لیا تھا، اس کے جواب میں منافقین نے صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو بے وقوف کہا، گویا کہ یہ طنز ہے، اس وقت کے پکے اور سچے مسلمانوں یعنی صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ پر جنہوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال کی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا، منافق اپنے نزدیک ان صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو بے وقوف سمجھتے تھے، ان کی رائے میں یہ سراسر احمقانہ فعل تھا کہ محض حق و راستی کی خاطر تمام ملک سے دشمنی مول لے لی جائے، ان کے خیال میں عقلمندی یہ تھی کہ آدمی حق و باطل کی بحث میں نہ پڑے بلکہ ہر معاملہ میں صرف اپنے مفاد کو دیکھے۔

یہی طریقہ آج تک چلا آرہا ہے، بزعم خود ترقی پسندوں، روشن خیالوں کے دربار سے آج بھی جمود پسند، رجعت پسند، قدامت پسند، تاریک خیال، بنیاد پرست، دقیانوس اور نہ معلوم کیسے کیسے خطابات سے مخلص اہل ایمان کو نوازا جاتا ہے، کیا ٹھکانا ہے منافقوں کے حمق کا؟ پہلے افساد کو اصلاح کہہ رہے تھے، اب حمق بالائے حمق یہ ہے کہ عقلمندی، دور اندیشی اور حکمت کو بے عقلی اور بے وقوفی ٹھہرا رہے ہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ (الآیة) یہ ان کی عقلمندی کے زعم باطل کا جواب ہے، چار تاکیدوں کے ساتھ منافقوں کی سفاہت اور حماقت پر زور دے کر بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ اس درجہ بے وقوف ہیں کہ اپنے نفع و نقصان میں بھی تمیز نہیں کرتے۔

صحابہ معیارِ حق ہیں:

آیت نمبر ۱۳ " اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ " میں صحیح ایمان کا ایک معیار رکھا گیا ہے یعنی صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جیسا ایمان لاؤ، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کا ایمان ایک معیار ہے صحیح اور غلط ایمان کو پرکھنے کی کسوٹی ہے آج کے منافق یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ دولتِ ایمان سے محروم تھے، جیسا کہ اہل تشیع کا یہی خیال ہے اللہ تعالیٰ نے جدید و قدیم منافقوں کی تردید فرمائی..... فرمایا کہ کسی اعلیٰ ترین مقصد کے لئے دنیاوی مفادات کو قربان کر دینا بے وقوفی نہیں، عین عقلمندی اور سعادت ہے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے اس سعادت مندی کا ثبوت مہیا فرما دیا، اس لئے وہ صرف پکے مومن ہی نہیں بلکہ ایمان کے لئے ایک معیار اور کسوٹی ہیں اب ایمان انہی کا معتبر ہوگا، جو صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ ہی کی طرح ایمان

لائیں گے، دوسری آیت میں فرمایا: "فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا". (البقرہ، ۱۳۷)

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ (الآية) شیطان کا مادہ، شَطْنٌ ہے، معنی ہیں حق اور خیر سے بعید ہونا، شیطان عربی زبان میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے ہر سرکش اور بھڑکانے والے کو شیطان کہتے ہیں انسان جنات حتی کہ حیوانات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، گو اسم وصفی کے طور پر ابلیس کے ساتھ خاص ہے: "كُلُّ عَاتٍ متمرِّدٍ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالدَّوَابِّ شَيْطَانٌ". (صحاح)

حدیث شریف میں شیطان اور وسیع مفہوم میں آیا ہے چنانچہ تنہا سفر کرنے والے کو شیطان کہا گیا ہے، یہاں شیطان سے مراد رؤساء یہود و مشرکین و منافقین ہیں، جنکے ایماء پر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ: استہزاء کے معنی تمسخر کرنے، مذاق اڑانے کے ہیں، مطلب یہ کہ عوام منافقین جب تنہائی میں اپنے سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ: ہم دل و جان سے آپ ہی کے ساتھ ہیں باقی مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کے لئے ان کی سی کہہ دیتے ہیں۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ: اللہ بھی انسان سے مذاق کرتا ہے، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ: وہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ استہزاء اور استخفاف کا معاملہ کرتے ہیں، اللہ بھی ان سے ایسا معاملہ کرتا ہے انہیں ذلت و ادبار میں مبتلا کرتا ہے، اسی کو مشاکلت کے طور پر استہزاء سے تعبیر کر دیا گیا ہے یہ زبان کا ایک اسلوب ہے، حقیقۃً استہزاء نہیں بلکہ ان کے فعل استہزاء کی سزا ہے، جس کو استہزاء سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسے: "وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا" (الشوریٰ آیت ۴۰) میں برائی کے بدلہ کو برائی سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ وہ برائی نہیں ہے ایک جائز عمل ہے۔

ذات باری کی طرف تمسخر کا انتساب قدیم صحیفوں میں:

قدیم صحیفوں میں ذات باری کی جانب ہنسی اور تمسخر کا انتساب برابر موجود ہے، تو ایک خداوند ان پر ہنسے گا، تو ساری قوموں کو مسخرہ بنا دے گا۔ (زبور ۷۹، ۸)

میں تمہاری پریشانیوں پر ہنسوں گا، اور جب تم پر دہشت غالب ہوگی، تو ٹھٹھے ماروں گا۔ (امثال، ۱: ۲۶)

وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ، اَلْمَدُّ، الزِّيادة، یونس بن حبیب نے کہا ہے کہ مَدٌّ کا استعمال شر میں اور اَمَدَّ کا استعمال خیر میں ہوتا ہے جیسے: "وَاَمْدَدْنَاكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ. وَاَمْدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ" اللہ تعالیٰ کا قول وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ، خود "اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ" کی تفسیر ہے، یعنی ان کی افتاد طبع کے مطابق اللہ ان کو مزید مہلت اور ڈھیل دیتا ہے، تاکہ سرکشی اور طغیان مکمل ہو کر مکمل سزا کے مستحق ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون تکوینی کے مطابق مخلوق کو جو آزادی دی ہے، اس میں وہ خواہ مخواہ دست اندازی نہیں کرتا، سانپ کو

کاٹنے کی، زہر کو ہلاک کرنے کی، آگ کو جلانے کی آزادی اور اجازت اسی قانون تکوینی کے مطابق ہے۔

یَعْمَهُوْنَ، عَمَهٌ، اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ سجھائی نہ دے اور وہ اندھوں کے مانند ادھر اُدھر ٹٹولتا پھرے۔
اَلْعَمَه التردد فِي الضلال و التحير فى منازعة (تاج) العمىٰ فى العين وَالعَمه فى القلب (قرطبی)

ایک شبہ کا ازالہ:

حدیث وفقہ کا یہ مشہور مقولہ کہ ''اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا جاسکتا'' اس کا مطلب آیت مذکورہ ''آمِنُوا كما آمَنَ النَّاس'' کی روشنی میں یہ متعین ہوگیا کہ اہل قبلہ سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین میں سے کسی کے منکر نہیں ورنہ منافقین بھی تو مسلمانوں کی طرح اہل قبلہ تھے، مگر ان کا اہل قبلہ ہونا اس بناء پر کافی نہ ہوا کہ ان کا ایمان صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی طرح تمام ضروریات دین پر نہیں تھا، نیز قادیانی کا اہل قبلہ ہونا اس بناء پر کافی نہ ہوا کہ ان کا ایمان صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی طرح تمام ضروریاتِ دین پر نہیں تھا حتی کہ بعض ہنود بھی اہل قبلہ ہیں تو کیا یہ سب جماعتیں مسلمین مخلصین میں شامل ہیں؟

(معارف مخلصًا و تصرفًا)

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى استبدلوها به **فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ** اى ما ربحوا فيها بل خسروا لمصيرهم الى النار المؤبدة عليهم **وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ**﴿۱۶﴾ فيما فعلوا **مَثَلُهُمْ** صفتهم فى نفاقهم **كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا** فى ظُلمة **فَلَمَّآ اَضَآءَتْ** انارت **مَا حَوْلَهٗ** فابصر واستدفأ وامِنَ مما يَخافُه **ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ** اطفأه وجُمِع الضميرُ مراعاةً لمعنى الذى **وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ**﴿۱۷﴾ ما حَولَهم متحيّرين عن الطّريق خائفين فكذلك هؤلاء امنوا باظهار كلمة الايمان فاذا ماتوا جاء هم الخوف والعذاب هم **صُمٌّۢ** عن الحق فلا يسمعونه سماع قبول **بُكْمٌ** خرسٌ عن الخير فلا يقولونه **عُمْىٌ** عن طريقِ الهدى فلا يرونه **فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ**﴿۱۸﴾ عن الضلالة **اَوْ** مثلهم **كَصَيِّبٍ** اى كاصحاب مطر واصله صَيْوِبٌ من صَابَ يَصُوبُ اى ينزل **مِّنَ السَّمَآءِ** اى السحاب **فِيْهِ** اى السّحابِ **ظُلُمٰتٌ** متكاثفةٌ **وَّرَعْدٌ** هو الملك الموكّل به وقيل صوته **وَّبَرْقٌ** لمعان سوطه الذى يَزْجُرُهُ به **يَجْعَلُوْنَ** اى اصحابُ الصَّيِّب **اَصَابِعَهُمْ** اى انامِلها **فِىْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ** اجلِ **الصَّوَاعِقِ** شدّة صوت الرّعد لئلّا يَسمعوها **حَذَرَ** خوفَ **الْمَوْتِ** من سماعها كذلك هؤلاء اذا نزل القران وفيه ذكرُ الكُفر المُشبَّه بالظُّلماتِ والوَعيدُ عليه المُشبَّه بالبرق يَسُدُّونَ اٰذانهم لئلّا يسمعوه فيميلوا الى الايمان وترك دينهم وهو عندهم موتٌ **وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ**﴿۱۹﴾ علما وقدرةً فلا يفوتونه **يَكَادُ** يَقرُبُ **الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ** ياخذها بسُرعة **كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ** اى فى ضوئه **وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا** وقفوا

تمثیلٌ لانزعاج ما فی القراٰن من الحجج قلوبَهم وتصدیقهم بما سمعوا فیه مما یُحبّون ووقوفهم عما یکرهُون **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ** بمعنی اسماعهم **وَاَبْصَارِهِمْ** الظاہرة کما ذهب بالباطنة **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ** شاءه **قَدِیْرٌ﴿۲۰﴾** ومنه اذهابُ ما ذکر۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کرلی (یعنی) گمراہی کو ہدایت سے بدل لیا مگر یہ سودا ان کے لئے نفع بخش نہیں ہے، یعنی ان کو اس سودے میں نفع نہیں ہوا بلکہ خسارا ہوا ان کے دائمی آگ کی طرف پلٹنے کی وجہ سے اور یہ اپنے طریقہ کار میں ہرگز صحیح طریقہ پر نہیں ہیں اور ان کی کیفیت ان کے نفاق میں اس شخص کی کیفیت جیسی ہے جس نے تاریکی میں آگ جلائی سو جب آگ نے اطراف وجوانب کو روشن کردیا، تو اس کو سجھائی دینے لگا اور سردی کی تکلیف دور ہوگئی اور خوف کی چیزوں سے مامون ہوگیا تو اللہ نے ان کا نور بصارت سلب کرلیا (یعنی) اس کو بجھا دیا اور (ھم) ضمیر کو جمع لانا، الَّذِی، کے معنی کی رعایت کے اعتبار سے ہے اور انہیں تاریکیوں میں اس حال میں چھوڑ دیا کہ انہیں اپنے آس پاس کا کچھ نظر نہیں آتا حال یہ کہ وہ راستہ کے بارے میں متحیر ہیں اور خوف زدہ ہیں یہی کیفیت ان لوگوں کی ہے کہ جو کلمہ ایمان کا اظہار کرکے مامون ہوگئے اور جب مرجائیں گے تو ان پر خوف اور عذاب مسلط ہوجائے گا، یہ سماع حق سے بہرے ہیں، جس کی وجہ سے اسے قبول کرنے کے ارادہ سے نہیں سنتے (کلمہ) خیر کہنے سے گونگے ہیں کہ اس کو زبان سے نہیں نکالتے، راہِ ہدایت سے اندھے ہیں کہ اس کو نہیں دیکھتے سو یہ لوگ گمراہی سے باز آنے والے نہیں، یا ان کی مثال ان لوگوں جیسی ہے کہ آسمان (بادل) سے زور کی بارش ہو رہی ہو (صَیِّبٌ) کی اصل صَیْوِبٌ تھی، صَابَ یَصُوْبُ سے بمعنی یَنْزِلُ، اور اس بادل میں گھٹاٹوپ اندھیریاں ہوں اور گرج ہو اور وہ فرشتہ ہے جو اس پر مامور ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ اس فرشتے کی آواز ہے اور بجلی اس کے اس کوڑے کی چمک ہے جس سے وہ بادلوں کو ڈانتا ہے، یہ بارش والے (بجلی) کے کڑاکے سن کر موت کے خوف سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں، یعنی کڑاکے کی آواز کی شدت کی وجہ سے تاکہ اس کو نہ سنیں، یہی کیفیت ان لوگوں کی ہے کہ جب قرآن نازل ہوتا ہے اور اس میں کفر کا ذکر ہے، جو ظلمتوں کے مشابہ ہے اور (کفر) پر وعید ہے جو رعد کے مشابہ ہے اور دلیلیں ہیں جو برق کے مشابہ ہیں، اپنے کانوں کو بند کرلیتے ہیں تاکہ اس کو نہ سنیں، کہیں (ایسا نہ ہو) کہ اپنے دین کو ترک کرکے ایمان کی طرف مائل ہوجائیں اور یہ ان کے نزدیک موت ہے، اللہ تعالیٰ ان منکرین حق کو (اپنے) علم وقدرت کے احاطہ میں لئے ہوئے ہے، سو یہ اس سے بچ کر نہیں جاسکتے، برق کی حالت یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی بصارت ابھی اچک لے گی جہاں ذرا کچھ روشنی چمکی تو اس کی روشنی میں کچھ چل لیتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو ٹھہر جاتے ہیں یہ اس تحریک کی تمثیل ہے جو قرآنی دلائل کی وجہ سے ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے اور ان کی اس پسندیدہ چیز کی تصدیق کی تمثیل ہے جس کو وہ قرآن میں سنتے ہیں اور اس کی تمثیل ہے، جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں اس سے رک جاتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو

ان کے کانوں کو اور ان کی ظاہری بصارت کو بالکلیہ سلب کر لیتا جیسا کہ ان کی باطنی بصیرت سلب کر لی یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اس پر قدرت رکھتا ہے اور اسی (قدرت) میں مذکورہ سلب کرنا بھی داخل ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اِشْتَـرَوا، اِشْتِـرَاءٌ سے ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے خریدا، انہوں نے اختیار کیا، زجاج نے واؤ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے واو جمع اور واو اصلیہ کے درمیان فرق کرنے کے لئے، اور یحییٰ بن یعمر نے واؤ کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے التقاء ساکنین کے قاعدہ کے مطابق اور ابوالسماک عدوی نے واؤ کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اخف الحرکات ہونے کی وجہ سے اور کسائی نے واؤ کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

قَوْلُہٗ: اُولٰٓـئِكَ الَّذِيْنَ (الآية) اُولٰئك، مبتداء، الَّذِيْن اسم موصول اِشْتَرَوا اپنے مفعول الـضلالة اور متعلق سے مل کر جملہ ہو کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر جملہ ہو کر اولئك مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: اِسْتَبْدَلُوْهَا بِه: اس جملہ کے اضافہ کا فائدہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: شِـرىٰ: ثمن کے عوض کسی چیز کے حاصل کرنے کو کہتے ہیں، اس لئے کہ بـاء ثمن پر داخل ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے اِشْتَرِيْتُ القلم بالدرهم یعنی درہم دے کر قلم خریدا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہدایت دے کر گمراہی لی حالانکہ ہدایت سرے سے ان کے پاس تھی ہی نہیں لہٰذا ہدایت دے کر ضلالت لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جَوَاب: شـراء سے مراد استبدال ہے جو کہ شـراء کے لئے لازم ہے گویا کہ ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے اور استبدال سے مراد اختیار کرنا اور ترجیح دینا، یعنی ہدایت اور ضلالت کے دونوں راستے ان کے سامنے موجود تھے، مگر انہوں نے اپنی مرضی و اختیار سے گمراہی کو اختیار کر لیا۔

قَوْلُہٗ: فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ:

سُوَال: ... فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ: میں ربح کی نسبت تجارت کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ نفع و نقصان اٹھانا صاحب تجارت کی صفت ہے نہ کہ تجارت کی۔

جَوَاب: یہ اسناد، مجاز عقلی کے طور پر ہے جیسے: "اَنْبَتَ الـربيعُ البَقْلَ" میں ہے یہ اسناد فعل الی ملابس الفاعل کے قبیل سے ہے، عرب کہا کرتے ہیں: "رَبِحَ بَيْعُكَ وَخَسِرَتْ صَفْقَتُكَ"۔

قَوْلُہٗ: لِمَصِيْرِهِمْ الى النار: یہ عدم ربح کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَا كَـانُوْا مُهْتَدِيْنَ: فِيـمَا فعلُوا یعنی تجارت کا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا اس میں سراسر نقصان و خسران ہی ہے، یعنی نفع اور اصلی سرمایہ دونوں ضائع ہو گئے۔

قَوْلُہٗ: صفتُھُمْ فی نفاقِھِمْ۔ مَثَلُھُمْ کی تفسیر صفتھم سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں مَثَل سے مرادِ مثل سائر نہیں ہے بلکہ ان کی کیفیت اور حالت مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوْقَدَ، استَوْقد کی تفسیر اَوْقَدَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ مزید بمعنی مجرد ہے اِسْتَوْقَدَ میں سین و تاء طلب کے لئے نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنَارَتْ، اَضاءت کی تفسیر اَنَارَتْ سے کرکے اشارہ کردیا، کہ اَضَاءت فعل متعدی ہے، اس کے اندر ضمیر مستتر اس کا فاعل اور مَا حَوْلَہٗ جملہ ہوکر مفعول بہ ہے اور ما، بمعنی مکان ہے، ای اَضَاءَتْ، مکان الّذِی مَا حَوْلَہٗ.

قَوْلُہٗ: صُمٌّ: یہ مبتدا محذوف کی خبر اور جملہ مستانفہ ہے اور بُکْمٌ خبر ثانی ہے اور عُمْیٌ خبر ثالث ہے، مذکورہ تینوں خبریں اگرچہ لفظوں میں متبائن ہیں، مگر معنی اور مدلول میں متحد ہیں اور وہ عدم قبول حق ہے، بمعنی بہرا صُمٌّ. اَصَمٌّ کی جمع ہے، بُکْمٌ، گونگا، یہ اَبْکَمُ، کی جمع ہے عُمْیٌ، اندھا، اعمیٰ کی جمع ہے۔

قَوْلُہٗ: کصیب ای کاصحاب مطرٍ اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اور صَیِّب بمعنی بارش، صَیِّبٌ اصل میں صَیْوِبٌ بروزن فَیْعِلٌ تھا واؤ اور یاء دونوں ایک کلمہ میں جمع ہوئے واؤ کو یا کردیا اور یا کو یا میں ادغام کردیا اَوْ تردید کے لئے ہے شک کے لئے نہیں ہے یا اَوْ بمعنی واؤ ہے۔

قَوْلُہٗ: فیہ ای فی السحاب ظاہر نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ فیہ کی ضمیر صَیِّبٌ کی طرف راجع ہے جیسا کہ دیگر مفسرین نے صَیِّبٌ کی طرف ضمیر راجع کی ہے معالم التنزیل میں ہے فیہ ای فی الصیبِ اور مفسر علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے السحاب کی طرف راجع کی ہے جو کہ السماء کا مدلول ہے، مگر یہ ظاہر نظم آیت کے خلاف ہے فیہ میں فی بمعنی مع ہے بعض مفسرین حضرات نے سماء کی طرف فیہ کی ضمیر کو راجع کیا ہے اور سماء سے مراد بادل لیا ہے یہی وجہ ہے کہ فیہ کی ضمیر کو مذکر لایا گیا ہے حالانکہ سماء کا استعمال مؤنث کے اعتبار سے اکثر ہے۔

قَوْلُہٗ: ای اَنامِلَھا: اصابع کی تفسیر انامل سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ مجاز معنوی کے قبیل سے ہے یعنی کل بول کر جز مراد لیا ہے، نکتہ اس میں عدم سماع میں مبالغہ کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: حَذَرَ الْمَوْتِ: یہ یجعلون کا مفعول لہٗ ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاللّٰہُ مُحِیْطٌ بِالْکَافِرِیْنَ: یہ قصہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: مُحِیْطٌ، اصل میں مُحْوِط تھا واؤ متحرک ماقبل حرف صحیح ساکن واؤ کا کسرہ ماقبل کو دے کر واؤ کو یاء سے بدل دیا، مُحیطٌ ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: شاءَہٗ. شئ کی تفسیر شاءہ سے کرکے ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے۔

سَوَال: شَیٔ اس چیز کو کہتے ہیں جو موجود ہو اللہ تعالیٰ بھی مع اپنی ذات وصفات کے موجود ہے، لہٰذا سوال یہ ہے کہ: اللہ اشیاء

میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اللہ کا لاشئ ہونا لازم آتا ہے، جو ظاہر البطلان ہے اس لئے کہ وہ موجود ہے اور اگر داخل ہے تو پھر کل شئ ھَالِكٌ کی رو سے لازم آتا ہے کہ: وہ بھی ھالك ہو۔

جَوَابٌ: شئ سے مراد وہ شئ ہے جو اللہ کی مشیت اور ارادہ کے تحت داخل ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات مشیت کے تحت داخل نہیں ہے اس لئے کہ جو شئ مشیت اور ارادہ کے تحت داخل ہوگی وہ حادث ہوگی اور اللہ تعالیٰ قدیم ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

التشبيه التمثيلي: في قوله تعالىٰ: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا. (الآية)

حقيقة التشبيه التمثيلي (اى التشبيه المركب) ان يكون وجه الشبه فيه صورةً منتزعةً من متعدد اى: اَنّ حال المنافقين في نفاقهم واظهارهم خلاف ما يسترونه من الكفر كحال الذى استوقد ناراً يستضيئُ بها ثم انطَفأت فلم يعد يبصر شيئاً يقال لتشبيه التمثيلي، التشبيه المركب ايضًا، ومن امثلته في الشعر قول بشار.

كأنّ مثار النقع فوق رُؤوسنا وَاَسْيافِنا ليلٌ تَهاوى كواكبُهُ

فقد شبّه ثوران النقع المتعقد فوق الرؤوس والسيوف المتلاحمة فيه اثناء الحرب بالليل الاسود البيهم تتهاوى فيه الكواكب وتتساقط الشهب.

صَيِّبٌ، هو مطر الذى يَصوبُ، اى ينزل، واصله صَيْوِبٌ، اجتمعت الياء والواؤ، وسبقت احداهما بالسكون فقلبتِ الواؤ ياء وادغمت الياء في الياء.

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى (الآية) یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی یعنی بدبختی کی انتہاء ہے کہ انہوں نے ایمان اور ہدایت جیسی بیش بہا دولت دے کر خریدی بھی تو کیسی ناکارہ نکمی اور بے حقیقت شئ یعنی کفر و ضلالت۔ یہاں خریدنے سے مراد ہدایت چھوڑ کر گمراہی کو اختیار کرنا ہے جو سراسر گھاٹے اور نقصان و خسران کا سودا ہے لیکن یہ نقصان و خسران آخرت کا ہے ضروری نہیں ہے کہ دنیا میں بھی انہیں اس نقصان کا علم ہو جائے، بلکہ دنیا میں تو انہیں اس نقصان سے فوری فائدے حاصل ہوتے تھے، اس پر وہ بڑے خوش تھے، اس کی بنیاد پر خود کو بہت دانا اور ہوشمند اور مسلمانوں کو عقل و فہم سے عاری سمجھتے تھے۔

منافقین کے ایک گروہ کی مثال:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے مطابق اس مثال کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کی دعوت وتبلیغ کی وجہ سے کفر وظلمت کی تاریکیاں چھٹنے لگیں اور صحیح کو غلط سے اور راہِ راست کو گمراہی سے بالکل الگ کر دیا گیا، تو دیدۂ بینا رکھنے والوں پر ساری حقیقتیں روشن ہو گئیں، مگر منافق نفس پرستی میں اندھے ہو رہے تھے، ان کو اس روشنی میں کچھ نظر نہ آیا، ان ہی میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو مسلمان ہو گئے، لیکن جلدی ہی مرتد و منافق ہو گئے، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیرے میں تھا اس نے آگ جلائی جس سے اس کا ماحول روشن ہو گیا اور مفید و مضر چیزیں اس پر واضح ہو گئیں پھر دفعۃً وہ روشنی بجھ گئی اور وہ حسب سابق تاریکیوں میں گھر گیا، یہی حال ان منافقین کا تھا کہ پہلے وہ شرک کی تاریکیوں میں تھے، جب مسلمان ہوئے تو روشنی میں آ گئے، حلال وحرام، خیر وشر کو پہچان گئے، پھر کفر ونفاق کی طرف پلٹ گئے تو ساری روشنی جاتی رہی۔ (فتح القدیر ملخصًا)

منافقین کے دوسرے گروہ کی مثال:

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ (الآیة) یہ منافقین کے دوسرے گروہ کی مثال ہے یہ وہ طبقہ تھا کہ جو یکسر منکر تو نہ تھا بلکہ آج کل کے انتہائی روشن خیالوں کی طرح ریب وتذبذب کا شکار تھا اسلام کی ظاہری قوت وشوکت اور مادی اقتدار وفتح مندی کو دیکھ کر کبھی چند قدم آگے بڑھتا اور جب مسلسل یہ کامیابی نہ پاتا تو پھر پیچھے ہٹ جاتا منافقوں کے اس طبقہ کی حالت اس بارش کی طرح ہے جو تاریکیوں میں برس رہی ہو جس کی گرج چمک سے ان کے دل ڈر جاتے ہوں کہ خوف ودہشت کے مارے اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں، مگر ان کا یہ خوف اور ان کی تدبیر بھی اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکے گی کیونکہ وہ اللہ کے گھیرے سے نہیں نکل سکتے، جب کبھی ان پر حق کی کرنیں پڑتی ہیں، تو حق کی طرف جھک جاتے ہیں لیکن جب اسلام یا مسلمانوں پر کوئی مشکل وقت آتا ہے تو پھر حیران وسرگرداں ہو کر تذبذب اور گومگو کا شکار ہو جاتے ہیں اور قبول حق سے محروم رہتے ہیں۔ (ابن کثیر ملخصًا)

نکتہ: آیت میں نور کو واحد کے صیغہ کے ساتھ اور ظلمات کو جمع کے صیغہ کے ساتھ لانے میں نکتہ یہ ہے کہ: راہ حق وہدایت خط مستقیم کی طرح صرف ایک ہی راہ ہے اور گمراہی مختلف اور منحنی خطوط کی طرح بے شمار ہیں، (فَاِنَّ الحقَّ واحدٌ وهو الصراط المستقيم بخلاف طريق الباطل فانّها متعددة منشعبة). (ابن قیم)

يَاَيُّهَا النَّاسُ ای اہل مکۃ اُعْبُدُوْا وحِّدوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ انشأكم ولم تكونوا شيئًا وَ خلق

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ بعبادته عقابه ولعلّ في الاصل للترجي وفي كلامه تعالى للتحقيق
الَّذِي جَعَلَ خلق لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا حالٌ بساطاً يفترش لا غاية لها في الصلابة او الليونة فلا يمكن
الاستقرار عليها وَالسَّمَاءَ بِنَاءً سقفًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ انواع الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ تاكلونه
وتعلفونه به دوابّكم فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا شركاء في العبادة وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ انه الخالق ولا يخلقون ولا
يكون الها الّا من يخلق وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ شكٍّ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا محمد من القرآن انه من عند الله
فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ اى المنزّل ومن للبيان اى هي مثله في البلاغة وحسن النظم والاخبار عن
الغيب، والسورة قطعة لها اوّلٌ واخرٌ واقلّها ثلث ايات وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ الهتكم التي تعبدونها
مِنْ دُونِ اللَّهِ اى غيره لتعينكم إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾ في ان محمدًا قاله من عند نفسه فافعلوا ذلك فانكم
عربيّون فصحاء مثله ولمّا عجزوا عن ذلك قال تعالى فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا ما ذكر لعجزكم وَلَنْ تَفْعَلُوا ذلك
ابدًا لظهور اعجازه اعتراضٌ فَاتَّقُوا بالايمان بالله وانّه ليس من كلام البشر النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ
الكفار وَالْحِجَارَةُ كاصنامهم منها يعني انها مفرطة الحرارة تتقد بما ذكر لا كنار الدنيا تتقد بالحطب
ونحوه أُعِدَّتْ هيئت لِلْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾ يعذبون بها جملة مستانفة او حال لازمة

ترجمہ: اے لوگو (یعنی) اے مکے کے رہنے والو، اپنے اس رب کی بندگی کرو یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو جس نے تم کو پیدا کیا، حال یہ کہ تم کوئی (قابل ذکر) شئ نہ تھے اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم اس کی عبادت کے ذریعہ اس کے عذاب سے محفوظ رہو اور لَعَلَّ دراصل ترجی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحقیق کے لئے ہے، جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا، (فِراشًا) حال ہے (یعنی) ایسا بچھونا جس کو بچھایا جائے، جو نہ نہایت سخت ہے اور نہ نہایت نرم کہ اس پر قرار ہی ممکن نہ ہو اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا، جس کے ذریعہ تمہاری غذا کے لئے مختلف قسم کے پھل پیدا کئے، جن کو تم کھاتے ہو اور جن کو تم اپنے جانوروں کو (چارے کے طور پر) کھلاتے ہو سو تم عبادت میں اللہ کا کسی کو ہمسر (یعنی) شریک نہ ٹھہراؤ حال یہ ہے کہ تم جانتے ہو کہ خالق وہی ہے اور وہ شرکا تخلیق نہیں کر سکتے اور معبود وہی ہو سکتا ہے جو تخلیق کر سکے، ہم نے اپنے بندے محمد ﷺ پر جو (قرآن) نازل کیا ہے اگر تم اس کے منجانب اللہ ہونے میں شک میں ہو، تو اس مُنَزَّل جیسی ایک سورت لے آؤ اور مِن بیانیہ ہے کہ وہ سورت بلاغت میں اور حسنِ نظم میں اور اخبار بالغیب میں اس جیسی ہو، سورت ایسے حصہ کو کہتے ہیں کہ جس کی ابتداء اور انتہا ہو، اور اس میں کم از کم تین آیتیں ہوں اور اپنے ان معبودوں کو بھی بلالو جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہو تاکہ وہ تمہاری مدد کریں، اگر تم اس بات میں کہ محمد ﷺ نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے سچے ہو لہٰذا تم بھی یہ کام کر دکھاؤ اس لئے کہ تم بھی اس کے جیسے فصیح عرب ہو، اور جب وہ اس سے عاجز ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس اگر تم نے

اپنے عجز کی وجہ سے مذکورہ کام نہ کیا اور تم اس کو ہرگز کبھی نہ کرسکو گے اس کے اعجاز کے ظاہر ہونے کی وجہ سے (شرط اور جزاء کے درمیان) یہ جملہ معترضہ ہے، لہٰذا تم اللہ پر ایمان لاکر اور اس بات کی تصدیق کرکے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے، تو اس آگ سے بچو کہ جس کا ایندھن کافر انسان اور پتھر ہوں گے مثلاً پتھر سے بنے ہوئے ان کے بت، یعنی وہ آگ شدید حرارت والی ہوگی، مذکورہ چیزوں سے دہکائی جائے گی، نہ کہ دنیوی آگ کے مانند کہ لکڑی وغیرہ سے دہکائی جاتی ہے (وہ آگ) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے، اس میں ان کو عذاب دیا جائے گا (یہ) جملہ معترضہ ہے یا حال لازمہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہُ: یَآیُّھَا النَّاسُ ای اَھْلُ مَکۃَ: یا حرف ندا متوسط کے لئے ہے قرآن میں ندا کے لئے صرف یا، کا استعمال ہوا ہے، دوسرے کسی حرفِ ندا کا استعمال نہیں ہوا، ندا خواہ خالق کی جانب سے ہو، یا مخلوق کی جانب سے، اَیُّ، منادی لفظاً مبنی برضمہ ہے اور محل میں نصب کے ہے، ھا، برائے تنبیہ ہے، اَلنَّاس لفظوں کے اعتبار سے اَیُّ، کی صفت یا بدل ہے۔

قِوْلَہُ: ای اَھلُ مکۃَ، یہ اَلناس کی تفسیر ہے۔

سَوْال: قاعدہ یہ ہے کہ قرآن میں اہل مکہ کو خطاب یَآیُّھَا النَّاس سے اور اہل مدینہ کو یٰٓاَیُّھا الّذین آمنوا، سے ہوتا ہے یہ سورت مدنی ہے اور خطاب اہل مدینہ سے یَآیُّھَا الّذین آمنوا سے ہے ایسا کیوں؟

جَوْاب: یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں۔

لفظ اَھْلُ پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں، نصب اس اعتبار سے کہ یہ باعتبار محل کے الناس کی تفسیر ہے اور رفع اس اعتبار سے کہ یہ باعتبار لفظ کے الناس کی تفسیر ہے۔

قِوْلَہُ: وَحِّدُوْا اُعْبُدُوْا کی تفسیر وَحِّدوا سے حضرت ابن عباس رَضِحَاللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی اتباع میں ہے، حضرت ابن عباس رَضِحَاللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ اُعْبُدُوْا، قرآن میں جہاں کہیں بھی آیا ہے، اس سے مراد توحید سر فہرست ہے اس لئے کہ توحید کے بغیر کوئی عبادت مقبول نہیں، اسی طرح الناس کی تفسیر اھل مکہ سے یہ بھی حضرت ابن عباس رَضِحَاللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی اتباع میں ہے ورنہ دیگر مفسرین نے الناس کو مطلق رکھا ہے، جس میں مکہ وغیر مکہ کے سب لوگ شامل ہیں۔

قِوْلَہُ: لَعَلَّ فی الاصل للترجی:

سَوْال: لَعَلَّ کا اصل استعمال طمع فی المحبوب کے لئے ہے، عوام اس کو توقع سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ جہل کی متقاضی ہے، حق تعالیٰ کے لئے اس معنی کے لئے استعمال محال ہے۔

جَوْاب: مفسر علام نے اپنے قول "وفی کلامہٖ تعالٰی لِلتحقیق" سے اسی سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی کلام ربانی میں لَعَلَّ کا استعمال تحقیق وقوع کے لئے ہوتا ہے، اس لئے کہ کریم اسی کی توقع دلاتا ہے، جو اسے یقینی طور پر کرنا ہو۔

قولہ: فِرَاشًا، اَلْاَرْضَ: سے حال ہے، مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ: جَعَلَ، بمعنی خَلَقَ متعدی بیک مفعول ہو، جیسا کہ مفسر علام نے جَعَلَ کی تفسیر خَلَقَ سے کر کے اشارہ کر دیا ہے اور جن حضرات نے جَعَلَ بمعنی صَیَّرَ متعدی بدو مفعول لیا ہے، ان کے نزدیک اَلْاَرْضَ مفعول اول اور فِرَاشًا، مفعول ثانی ہوگا۔

قولہ: من السماء السماء سے لغوی معنی مراد ہیں یعنی فوق، مَاعلاكَ وَاَظلك فهو سماءٌ، سماءٌ مونث ہے کبھی مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور بارش بھی چونکہ اوپر سے اترتی ہے، لہٰذا یہ شبہ ختم ہوگیا کہ: بارش بادلوں سے برستی ہے نہ کہ آسمان سے، دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ سماء سے سحاب مراد ہے۔

قولہ: تَعلفونَ به دَوَابَّكُمْ: سے اشارہ کر دیا کہ ثمرات سے زمین کی ہر قسم کی پیداوار مراد ہے اور عَلَف، جانوروں کے چارے کو کہتے ہیں۔

قولہ: فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا: اس کا تعلق ماقبل میں مذکور اُعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِی، سے ہے۔

قولہ: اَنداد: یہ نِدٌّ: کی جمع ہے، بمعنی برابر، مقابل، شریک نِدٌّ ذات میں شریک اور مثل ہر قسم کے شریک کو کہتے ہیں۔

قولہ: وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: مبتدا، خبر سے مل کر جملہ ہوکر فَلَا تَجْعَلُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔

قولہ: اَنَّهُ الخالق: معطوف علیہ اور ولا یخلقون جملہ ہوکر معطوف جملہ معطوفہ ہوکر یہ تَعْلَمُوْنَ، کا مفعول بہ ہے۔

قولہ: فَافعلوا ذلك یہ اِنْ كُنْتُمْ صادِقین کی جزاء ہے۔

قولہ: وَقُوْدُهَا، واؤ کے فتحہ کے ساتھ بمعنی مَا تُوقَدُ به، یعنی ایندھن اور واؤ کے ضمہ کے ساتھ مصدر ہے، اس وزن پر آنے والے تمام صیغوں میں یہی دو صورتیں ہیں، مثلاً: وَضُوْءٌ، سَحُوْرٌ، طَهُوْرٌ، قاعدہ یہ ہے کہ فَعُوْلٌ کے وزن پر آنے والے ہر صیغہ میں اگر فاء کلمہ کے فتحہ کے ساتھ ہو تو بمعنی آلہ، اور اگر ضمہ کے ساتھ ہو تو مصدر۔ بعض نے کہا ہے ایک دوسرے کی جگہ بھی مستعمل ہیں۔

قولہ: منها: یہ اَصْنامهم سے حال ہے ای حال كونها من الحِجارةِ، مقصد آیت میں مذکور وقودُهَا الناسُ وَالحجارة کی مطابقت ہے حِجارَة حَجَرٌ کی جمع جیسے: جِمَالَةٌ، جَمَلٌ کی جمع ہے۔

قولہ: اُعِدَّتْ جملہ مستانفہ ہے اور جملہ مستانفہ ہمیشہ کسی سوال مقدر کا جواب ہوا کرتا ہے، یہاں کس سوال کا جواب ہے؟

سوال: یہ ہے: لِمَنْ اُعِدَّتْ هٰذِهِ النارُ التِی وَقودُهَا الناسُ وَالحِجارَةُ؟

جواب: اُعِدَّتْ لِلْكافِرِيْنَ.

قولہ: اَوْ حالٌ، یعنی "اُعِدَّتْ للكافرين" لفظ "النار" سے حال ہے، وَقُودُهَا کی ضمیر سے حال واقع ہونا صحیح نہیں

ہے، جس کی دو وجہ ہیں ① اس لئے کہ ھَا ضمیر مضاف الیہ ہے، اور مضاف الیہ مقصود نہیں ہوتا، ② اس لئے کہ مضاف جو کہ یہاں وَقُوْدُ بمعنی حطب عین ہے اور یہ جامد ہے اور اسم جامد عامل نہیں ہوتا۔

قَوْلُہٗ: لَازِمَۃٌ: اس اضافہ کا مقصد اس شبہ کو زائل کرنا ہے جو: اُعِدَّتْ للکافرین سے معلوم ہوتا ہے کہ: نار جہنم کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے لہٰذا مسلمانوں کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے خواہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہوں بشرطیکہ مومن ہو۔

جَوَابٌ: حال لازمہ بمنزلہ صفت ہوتا ہے، ذوالحال کے لئے اور ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا جیسا کہ ابوك عطوفًا میں کہ باپ کی شفقت بیٹے کے لئے لازم ہے، مگر خاص نہیں ہے کہ بیٹے کے علاوہ کسی اور پر باپ کی شفقت ممنوع ہو اسی طرح نار جہنم کافروں کے لئے لازم تو ہے مگر خاص نہیں، یعنی اصالۃً و دواماً تو نارِ جہنم کافروں ہی کے لئے تیار کی گئی ہے، لہٰذا مسلمین کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے خواہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہوں بشرطیکہ مومن ہو، مگر عارضی طور پر تادیب کے لئے اہل فسق وعصیان بھی اس میں داخل کردیئے جائیں تو یہ اس کے منافی نہیں (ماجدی ملخصا) "وكون الإعداد للكافرين لاينافي دخول غيرهم فيه على جهة التطفل". (روح)

دُوسرا جَوَابٌ: اُعِدَّتْ للکافرین میں، کافر سے مراد کافر عام ہو جو اصطلاحی کافر اور لغوی کافر دونوں کو شامل ہو، تو اس صورت میں کوئی اعتراض نہیں، اصطلاحی کافر کا دخول دائمی ہوگا اور لغوی کافر یعنی ناشکرے اور عاصی و نافرمان کا دخول تطہیر کے لئے عارضی ہوگا۔

تَفْسِیر وتَشریح

قرآن مجید کا مخاطب سارا عالم ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا (الآیۃ) اس آیت میں مخاطب صرف قریش یا اہل مکہ ہی نہیں بلکہ عرب اور عجم سارا عالم ہے اور نہ کوئی مخصوص نسل، گروہ، یا جماعت ہے بخلاف سابقہ آسمانی کتابوں کے کہ ان کے مخاطب خاص قوم، یا خطے یا نسل کے لوگ تھے، عام مفسرین اسی کے قائل ہیں، بعض مفسرین نے مذکورہ آیت کے مخاطب اہل مکہ کو قرار دیا ہے ان ہی حضرات میں علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بھی ہیں غالباً یہ تخصیص مخاطب اول ہونے کے اعتبار سے ہے۔

پہلے دو رکوعوں میں موجودات انسانی کی سہ گانہ تقسیم یعنی مومن، کافر اور منافق عقائد کے اعتبار سے تھی، سورۂ بقرہ کی ابتدائی بیس آیتوں میں ہدایت کے قبول کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسانوں کی گروہی اور قومی تقسیم رنگ و نسل یا وطن اور زبان کی بنیادوں پر معقول نہیں بلکہ صحیح تقسیم عقیدے کی بنیاد پر ہے کہ اللہ اور اس کی ہدایت کے ماننے والے ایک قوم ہیں اور نہ ماننے والے دوسری، اسی حقیقت کو سورۂ حشر میں "حزب اللہ" اور "حزب الشیطان" کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

قرآن کا اصل پیغام:

یَاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا (الآیة) سے قرآن کے اصل اور بنیادی پیغام کا گویا آغاز ہے۔ عقیدۂ توحید جو اسلام کا سب سے پہلا اور بنیادی عقیدہ ہے یہ صرف ایک عقیدہ اور نظریہ ہی نہیں بلکہ انسان کو انسان بنانے کا واحد اور صحیح طریقہ بھی ہے جو انسان کے تمام مشکلات کا حل اور ہر حالت میں اس کی پناہ گاہ ہے اور ہر فکر و غم کا مداوا، اس لئے کہ عقیدۂ توحید کا حاصل یہ ہے کہ کائنات کے تمام کون و فساد اور عناصر کے سارے تغیرات ایک ہی ہستی کی مشیت کے تابع اور اسی کی حکمت کے مظاہر ہیں جب یہ عقیدہ قلب و دماغ میں راسخ اور فکر و خیال پر چھا جائے تو ہر شر و فساد کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے گی اس لئے کہ اس کے سامنے ہمہ وقت یہ مستحضر رہے گا۔

از خدا داں خلافِ دشمن و دوست کہ دل ہر دو در تصرف اوست

اس عقیدہ کا مالک پوری دنیا سے بے نیاز ہر خوف و ہراس سے بے خطر زندگی گذارتا ہے کلمۂ توحید یعنی: لَآ اِلٰــهَ اِلَّا اللّٰهُ مـحـمـد رسول اللّٰه، کا یہی مفہوم ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ توحید کا محض زبانی اقرار کافی نہیں، بلکہ سچے دل سے اس کا یقین اور یقین کے ساتھ استحضار ضروری ہے۔

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ: تاکہ تم اپنے پروردگار کے عذاب سے بچ جاؤ لَعَلَّ کا استعمال امید و آرزو اور اظہار وقوع اور شک و تردد کے لئے ہے، مگر قرآن میں جہاں حق تعالیٰ کی طرف سے ادا ہوا ہے وہاں امید و آرزو کے بجائے وقوع و یقین کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے اردو میں لَعَلَّ کا ترجمہ ''تاکہ'' سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا: اس سے پہلی آیت میں ان انعامات کا ذکر تھا، جو انسانی ذات سے متعلق ہیں اور اس آیت میں ان انعامات کا ذکر ہے جو انسان کے گردوپیش کی چیزوں سے متعلق ہیں اس طرح اَنفُس اور آفاقی نعمتوں کا احاطہ فرمایا، ان آفاقی نعمتوں میں اول زمین کا ذکر فرمایا کہ ہم نے زمین کو انسان کے لئے فرش بنایا جو نہ لوہے کی مانند نہایت سخت ہے کہ ہم اسے اپنی ضرورت کے مطابق آسانی سے استعمال نہ کرسکیں اور نہ پانی کی طرح نرم کہ جس پر قرار ہی ممکن نہ ہو، بلکہ سختی اور نرمی کے درمیان ایسا بنایا گیا کہ جو عام انسانی ضروریات زندگی میں کام دے سکے۔

اس آیت میں زمین کو فرش کہا گیا ہے، فرش کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین گول نہ ہو کیونکہ زمین کا یہ عظیم کرہ گول ہونے کے باوجود دیکھنے میں مسطح نظر آتا ہے اور قرآن کا عام طرز یہ ہے کہ ہر چیز کی وہ کیفیت بیان کرتا ہے جس کو ہر دیکھنے والا عالم ہو یا جاہل، دیہاتی ہو یا شہری سمجھ سکے۔

زمین کی وسعت:

زمین کی وسعت کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل اعداد سے لگا سکتے ہیں، زمین کا قطر استوائی (عمقی) ۷۹۲۲ میل ہے اور قطر قطبی ۷۹۰۰ میل ہے اور زمین کا محیط ۲۴۸۶۰ میل ہے زمین کی سطح ۱۹۷۰۰۰۰۰۰ یعنی تقریباً بیس کروڑ مربع میل ہے۔

(فلکیات جدیدہ)

جس کرہ کی سطح اتنی وسیع ہو وہ گول ہونے کے باوجود مسطح ہی معلوم ہوگا، لہٰذا اس اعتبار سے زمین کو گول بھی کہا جا سکتا ہے اور مسطح بھی۔

فَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً: مقصود اس حقیقت کی تعلیم ہے کہ زمین و آسمان، کون و مکان، حیوان و انسان سب خدائے واحد کی مخلوق ہیں ان کی تخلیق میں نہ کسی دیوی دیوتا کا دخل ہے اور نہ کسی پیر و پیغمبر کا، جب یہ بات ثابت اور مسلم ہے جس کا خود تم کو بھی اقرار ہے تو پھر تمہاری بندگی اور عبادت اسی کے لئے خاص ہونی چاہئے دوسرا کون اس کا حقدار ہو سکتا ہے؟ کہ تم اس کی بندگی کرو اور دوسروں کو اللہ کا شریک یا مد مقابل ٹھہراؤ۔

خلیفۃ اللہ فی الارض جب کبھی اپنے مقام و مرتبہ کو بھول کر قعر مذلت میں گرا ہے تو پستی کی تمام حدود کو پار کر گیا ہے اس نے اپنا مسجود ملائکہ کو بنایا تو کبھی شمس و قمر کو، کبھی دریاؤں کو تو کبھی ارض و سماء کو، کبھی نباتات کو تو کبھی حیوانات و جمادات کو، کبھی ناگ کو تو کبھی آگ کو غرض کہ نہ ندیوں کو چھوڑا نہ نالوں کو، نہ نجاست کو چھوڑا نہ شرمگاہوں کو، قرآن اسی حماقت اور سخافت پر اسے تنبیہ کر رہا ہے۔

ربط آیات:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا: (الآیۃ) سابقہ دو آیتوں میں توحید کا اثبات تھا، ان دو آیتوں میں رسالت محمد ﷺ کا اثبات ہے، قرآن جو ہدایت لے کر آیا ہے اس کے دو ستون ہیں، توحید اور رسالت، اس آیت میں بڑی قوت اور شدت کے ساتھ پوری دنیا کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر یہ کلام محمد ﷺ پر نازل کردہ خدائی کلام نہیں ہے، تو ایک فرد نہیں پوری جماعت مل کر ایک چھوٹی سی سورت اس کے مثل لے آؤ، یہ چیلنج مکی زندگی میں بھی بارہا کیا جا چکا تھا اور اب مدینہ پہنچ کر بھی اس کا اعادہ کیا جا رہا ہے، یعنی اگر تم اس کو انسانی تصنیف سمجھتے ہو تو تم بھی تو انسان ہو اس جیسی چند آیات ہی پیش کر دو۔

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: اس آیت میں ایک بڑا زوردار اور دائمی چیلنج منکرین کو دیا جا رہا ہے اور یہ چیلنج اپنی پوری قوت اور شدت کے ساتھ آج بھی موجود ہے کہ اگر تم میں سے تنہا کسی فرد سے یہ کام نہ ہو سکے تو اپنے حمایتیوں کی مدد سے یہ کام کر دکھاؤ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے اور یقین ہے کہ ہرگز نہ کر سکو گے تو تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ واقعی یہ انسانی کلام نہیں ہے، قرآن کی صداقت کی یہ واضح دلیل ہے کہ یہ چیلنج یَاَیُّھَا النَّاس

کے عمومی خطاب کے ذریعہ پوری دنیا کو دیا گیا تھا اور آج بھی باقی ہے لیکن منکرین آج تک اس چیلنج کو قبول کرنے سے قاصر رہے ہیں اور قیامت تک قاصر رہیں گے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ: اللہ اکبر، کس زور کی تحدی (چیلنج) ہے وہ بھی ایک امی کی زبان سے۔ اپنی عقل وحکمت، فصاحت وبلاغت اپنی زبان وادب اپنے علوم وفنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا کیسا، اس وقت جوش آیا ہوگا اور آج بھی آرہا ہے مگر مجبوری!

لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی۔

آیت میں مذکورہ پتھر سے بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما گندھک کے پتھر مراد ہیں اور بعض دیگر حضرات کے نزدیک پتھر سے ان کے وہ اصنام مراد ہیں جن کی وہ پرستش کیا کرتے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے: "اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ".

اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جہنم اصالۃً کافروں اور مشرکوں کے لئے تیار کی گئی ہے گو مسلمین میں سے بعض فساق وفجار بھی عارضی طور پر جہنم میں داخل ہوں گے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جنت اور دوزخ فی الحال موجود ہیں بہت سی آیات اور روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ جمہور امت کا بھی یہی عقیدہ ہے یہ تمثیل نہیں جیسا کہ بعض متجددین اور منکرین باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ واقعاتی اور حقیقی چیزیں ہیں۔

وَبَشِّرِ اخبر **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** صدّقوا باللّٰه **وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** مِنَ الفُروض والنّوافل **اَنَّ** ای بانّ **لَهُمْ جَنّٰتٍ** حدائق ذات شجر ومساكن **تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا** ای تحت اشجارها وقُصورها **الْاَنْهٰرُ** ای المياهُ فيها والنهر: الموضعُ الذي يجري فيه الماءُ لانّ الماء يَنْهره ای يَحفِرُه واسناد الجری اليه مَجاز **كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا** اُطعِموا من تلك الجنّات **مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ** ای مثل ما **رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ** ای قبله في الجنّة لتشابُه ثمارها بقرينة **وَاُتُوْا بِهٖ** جِيئُوا بالرزق **مُتَشَابِهًا** يُشبِهُ بعضُه بعضًا لونا ويختلفُ طُعما **وَلَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ** من الحور وغيرها **مُّطَهَّرَةٌ** من الحيض وكُلِّ قذر **وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** (۲۵) ماكثون ابدا لا يَفنَون ولا يخرُجُون ونزل ردًّا لقول اليهود لَمّا ضرب اللّٰه المثل بالذُّباب في قوله تعالى وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا، والعنكبوت في قوله تعالى كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ: ماذا اراد اللّٰه بذكر هذه الاشياء الخسيسة **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ** يجعل **مَثَلًا** مفعولٌ اوّلُ **مَّا** نكرةٌ موصوفةٌ بما بعدها مفعولٌ ثانٍ ای ایَّ مثلٍ كان او زائدةٌ لتاكيد الخِسّة، فما بعدها المفعولُ الثاني **بَعُوْضَةً** مُفردُ البَعُوض وهو صغارُ البَقِّ **فَمَا فَوْقَهَا** ای اكبر منها ای لا

يَتْرُكُ بَيَانَهُ لِمَا فِيهِ مِنَ الحِكَمِ **فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ** اى المَثَلُ **الْحَقُّ** الثَّابِتُ الوَاقِعُ مَوْقِعَهُ **مِن رَّبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ** تَمييزٌ اى بهٰذَا المَثَلِ ومَا استفهامُ انكارٍ مُبْتَدأٌ وذَا بِمَعْنَى الَّذِي بصلتِه خَبَرُهُ اى اَيّ فَائِدَةٍ فِيهِ قال تعالى في جوابهم **يُضِلُّ بِهِ** اى بهٰذَا المَثَلِ **كَثِيرًا** عَنِ الحَقِّ لِكُفرِهم به **وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ** مِنَ المُؤمنِينَ لِتَصدِيقِهم به **وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾** الخَارِجِينَ عَن طَاعَتِهِ **الَّذِينَ** نعتٌ **يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ** مَا عَهِدَهُ اليهم في الكُتُبِ من الايمانِ بمحمدٍ صلى الله عليه وسلم **مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ** تَوكيدِهِ عليهم **وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ** مِنَ الايمانِ بالنبي صلى الله عليه وسلم وَالرَّحِمِ وغيرِ ذٰلك وان بدلٌ من ضَميرِ به **وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ** بالمعاصي والتعويقِ عنِ الايمانِ **أُولَٰئِكَ** الموصوفونَ بما ذُكِرَ **هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾** لِمَصِيرِهم الى النَّارِ المُؤبَّدَةِ عليهم.

تَرجَمہ: اور (اے نبی) خوشخبری دیدیجئے خبر دیدیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے (یعنی) اللہ کی (توحید) کی تصدیق کی، اور نیک اعمال کئے کہ وہ فرائض اور نوافل ہیں، ان کے لئے درختوں والے اور محلوں والے باغات ہیں کہ ان باغوں اور محلوں کے نیچے نہریں جاری ہیں یعنی ان نہروں میں پانی جاری ہے اور نہر وہ جگہ ہے کہ جس میں پانی جاری ہوتا ہے (نہر کو نہر اس لئے کہتے ہیں) کہ پانی اس نہر کو کھود دیتا ہے اور جریان کی اسناد نہر کی جانب اسناد مجازی ہے جب ان باغوں میں سے کوئی پھل ان کو کھانے کے لئے بطور غذا دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو ای جیسا ہے جو ہم کو اس سے پہلے کھانے کے لئے دیا گیا، یعنی جو اس سے پہلے جنت میں دیا گیا (یہ اس وجہ سے ہوگا) کہ جنت کے پھل ہم شکل ہوں گے (اس قول کا) قرینہ وَاُتُوا بِهٖ مُتَشَابِهًا ہے اور ملیں گے بھی ان کو ہم شکل پھل، کہ رنگ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے مگر ذائقہ میں مختلف ہوں گے اور ان کے لئے جنت میں بیویاں ہوں گی یعنی حور وغیرہ، پاک ہوں گی حیض اور ہر گندگی سے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یعنی دائمی قیام ہوگا نہ اس میں فنا ہوں گے اور نہ (اس سے) نکلیں گے، آیت: "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا" یہود کے اعتراض "مَا ذَا اَرَادَ اللّٰهُ بذكرِ هذه الاشياءِ الخسيسةِ" یعنی ان حقیر چیزوں کے ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصد ہے؟ کو رد کرنے کے لئے نازل ہوئی، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول: "وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا" میں مکھی کی اور اپنے قول "كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ" میں مکڑی کی مثال بیان فرمائی، یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو یا اس سے اعلیٰ کی: (مَثَلًا) ضَرَبَ" بمعنی جَعَلَ کا مفعول اول ہے، مَا نکرہ موصوفہ اپنے مابعد صفت سے مل کر ضَرَبَ کا مفعول ثانی (یعنی) مَثَلًا مَّا، معنی میں اَیُّ مِثَالٍ كَانَ کے ہے یا مَا زائدہ ہے، حقارت کی تاکید کے لئے اور اس کا مابعد مفعول ثانی ہے، بَعُوْضَةً، بعوض کا مفرد ہے (یعنی) چھوٹا مچھر، یعنی اس کے بیان کو ترک نہیں کرتا، اس لئے کہ اس کے بیان کرنے میں حکمتیں ہیں اہل ایمان تو اس مثال کو اپنے رب کی طرف سے صحیح سمجھتے ہیں، (یعنی) برمحل بیان ہوئی ہے اور کفار

کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کو ایسی (حقیر) مثالوں سے کیا سروکار؟ مَثَلًا تمیز ہے (بھذا مَثَلًا) ای بِھٰذَا المثل (کے معنی میں ہے) اور مَـا استفہام انکاری مبتداء اور ذا بمعنی الذی اپنے صلہ سے مل کر مبتداء کی خبر، یعنی اس مثال میں کیا فائدہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان (معترضین) کے جواب میں فرمایا کہ وہ اس مثال سے بہت سوں کو حق سے ان کے اس مثال کا انکار کرنے کی وجہ سے گمراہ کرتا ہے اور بہت سے مومنین کی ان کے اس مثال کی تصدیق کرنے کی وجہ سے رہنمائی کرتا ہے اور اس سے ان فاسقوں کو بھی گمراہ کرتا ہے جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے باوجود توڑ دیتے ہیں، یعنی اس کی اطاعت سے خروج کرنے والوں کو (گمراہ کرتا ہے) یعنی اس عہد کو جس کو اللہ نے ان سے کتابوں میں محمد ﷺ پر ایمان لانے کے بارے میں لیا تھا، (اَلَّذِیْنَ) فَاسِقِیْنَ کی صفت ہے اور اللہ نے جس کو جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو توڑتے ہیں اور وہ نبی ﷺ پر ایمان لانا اور صلہ رحمی وغیرہ کرنا ہے اور اَنْ یُّوْصَلَ، بِہٖ کی ضمیر سے بدل ہے اور معاصی کے ذریعہ اور (لوگوں کو) ایمان سے روکنے کے ذریعہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں حقیقت میں یہی لوگ ہیں جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں نقصان اٹھانے والے ہیں، دائمی عذاب (میں) ان کا ٹھکانہ ہونے کی وجہ سے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ آمَنُوْا: اس کا عطف، عطف قصہ علی القصہ کے طور پر فان لَمْ تَفْعَلُوْا کے مضمون پر ہے۔

قَوْلُہٗ: بَشِّرْ، امر واحد مذکر حاضر بمعنی تو خوش کن خبر سنا، بَشِّـر، البشارۃ سے مشتق ہے، بشارت اس پہلی خبر کو کہتے ہیں جو خوش کن ہو، پہلی خوش کن خبر کو بشارت اس لئے کہتے ہیں کہ: اس کا اثر (بشرہ) چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے، (اَلْبَشَارَۃُ: الخبر الاَوَّلُ السَّارُ الَّذِیْ یَظْھَرُ بِہٖ اَثَرُ السُّرُوْرِ فِی الْبُشْرَۃِ). (اعراب القرآن)

قَوْلُہٗ: اَخْبِرْ، بَشِّرْ کی تفسیر اَخْبِرْ سے کرکے اشارہ کر دیا کہ بشارت اگرچہ خوشخبری کو کہتے ہیں مگر یہاں یہ مطلق خبر کے معنی میں ہے اور بشارت کی ضد انذار ہے۔

سَوَالٌ: وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، الصّٰلحٰت، ایسا وصف ہے جو کیا نہیں جا سکتا اس لئے کہ وصف از قبیل اعراض ہے اور عرض موجود فی الخارج نہیں ہوتا جب تک کہ کسی جوہر (موصوف) کے ساتھ متصل نہ ہو، لہٰذا: "وَعَمِلُوا الصّٰلحٰتِ" کہنا درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: الصّٰلحٰت، اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے وصف ہے مگر اس پر اسمیت غالب ہونے کی وجہ سے اسم کے قائم مقام ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُہٗ: بِاَنَّ، بِاَنَّ، پر باء کو ظاہر کرکے بتا دیا کہ اَنَّ اصل میں بِاَنَّ تھا، باء کو جوازاً حذف کر دیا گیا اَنَّ مع اپنے مدخول کے بَشِّرْ، کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ (ابو البقاء)

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وَبَشِّرْ کا عطف فَاتَّقُوا، پر ہے مگر اس صورت میں تغایر مخاطبین کا اعتراض ہوگا، صاحب روح المعانی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ تغایر مخاطبین عطف کے لئے مضر نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول: "یوسف اعرض عن هذا واستغفری" یہاں معطوف علیہ اور معطوف کے مخاطب الگ الگ ہیں مگر پھر بھی عطف کیا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: اَلَّذِیْنَ: موصول اپنے صلہ سے مل کر بَشِّرْ کا مفعول بہ ہے۔

قِوْلَہٗ: "اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ" مشابہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تجری من تحتها الانهار، جنّٰتٌ کی صفت اول اور کُلَّمَا رُزِقُوا صفت ثانی اور لَهُمْ فیها صفت ثالث اور هم فیه خٰلِدُوْنَ صفت رابع ہے۔

قِوْلَہٗ: بِهٰذَا مَثَلًا تمییز لفظ تمیز کے اضافہ کا مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ مَثَلًا تمیز ہے حال نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات نے مَثَلًا کو حال قرار دیا، حالانکہ حال قرار دینا ضعیف ہے، ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اسم جامد کے حال واقع ہونے میں اختلاف ہے لہٰذا مَثَلًا کا حال واقع ہونا مختلف فیہ ہے اور اسم جامد کے تمیز واقع ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لہٰذا مَثَلًا کا تمیز قرار دینا راجح ہے۔

قِوْلَہٗ: بِهٰذَا مَثَلًا، مفسر علام نے بِهٰذا مَثَلًا کی تفسیر بهذا المثل سے کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ تمیز میں اصل یہ ہے کہ نسبت سے واقع ہو اور هذا مثلًا میں نسبت نہیں ہے لہٰذا مثلًا کا تمیز واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: هٰذا مَثَلًا، هذا المثل کے معنی میں ہے، جس کے اندر نسبت موجود ہے لہٰذا مثلًا کا تمیز واقع ہونا درست ہے۔

قِوْلَہٗ: مَا، استفهام انکارٍ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا، میں مثال بیان کرنے کی حکمت معلوم کی گئی ہے اور کسی قول و فعل کی حکمت معلوم کرنا مذموم نہیں، حالانکہ یہاں مذموم قرار دیا گیا ہے۔

جَوَاب: یہ استفہام حکمت معلوم کرنے کے لئے نہیں تھا بلکہ انکار اور نفی کے طور پر تھا، اسی وجہ سے اس کی مذمت کی گئی ہے۔

قِوْلَہٗ: مبتداء اس کا مقصد سیبویہ کے مذہب کو راجح قرار دینا ہے اور وہ یہ ہے کہ مَا، مبتداء ہے اور ذا، موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتداء کی خبر، نہ یہ کہ ذا، مبتداء مؤخر اور ما، خبر مقدم، وجہ ترجیح یہ ہے کہ سیبویہ کی ترکیب قاعدہ معروفہ کے مطابق ہے اور وہ یہ کہ مبتداء مقدم اور خبر مؤخر ہوا کرتی ہے۔

قِوْلَہٗ: اَلْخَارِجِیْنَ عَنْ طَاعَتِهٖ: یہ اَلْفٰسِقِیْنَ کی تفسیر ہے، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں فاسق سے فاسق کامل مراد ہے اور وہ مشرک اور کافر ہے نہ کہ مومن فاسق مطلب یہ کہ یہاں فسق کے لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی

اور شرعی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول: "اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ" میں منافق کو فاسق کہا گیا ہے حالانکہ منافق کلیۃً اسلام سے خارج ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: توکیدہٖ عَلَیْهِمْ: یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: "یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ" اس آیت میں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں عہد اور میثاق، اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، اس کا ترجمہ ہوگا، وہ اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں اس کے عہد کے بعد، اور اس کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

جَوَاب: میثاق: بمعنی تاکید اور پختگی ہے، یعنی وہ اللہ کے عہد کو اس کے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور یہ معنی درست ہیں۔

قَوْلُہٗ: من الایمان بالنبی ﷺ، یہ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ، میں مَا، کا بیان ہے، یعنی وہ لوگ اس کو قطع کرتے ہیں جس کو متصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ایمان بالرسول اور صلہ رحمی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاَنْ یُوْصَلَ بدل مِنْ ضمیر بِهٖ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ: اَنْ یُوْصَلَ بِهٖ کی ضمیر سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے نہ کہ مَا، سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

❶ المجاز المرسل فی قوله تعالیٰ: "تجری من تحتها الاَنْهَارُ" والعلاقة المحلية، هذا اذا كان النهر مجری الماء.

❷ التشبيه البليغ فی قوله، "هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ" سمّی بليغًا لانّ اداةَ التشبيه فيه محذوفة، فتساوی طرفا التشبيه فی المرتبة.

❸ الاستعارة المكنية: وذلك فی قوله تعالیٰ "یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ" فقدشبّه العهد بالحبل المبرم، ثم حذف المشبه به ورَمَزَ اليه بشیٔ من خصائصه اولوازمِهٖ، وهو النقض، لأنّه احدیٰ حالتی الحبل وهما النقض والابرام.

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

رَبطِ آیات:

سابقہ آیت میں منکرین اور ان کے عذاب کا ذکر تھا، اس آیت میں ماننے والوں کے لئے خوشخبری مذکور ہے جنت اور حوران جنت وغیرہ کی بشارت ہے۔

ایمان وعمل کا چولی دامن کا ساتھ ہے:

یہاں مومنین کی بشارت کے لئے ایمان کے ساتھ عمل صالح کی قید بھی لگائی ہے کہ ایمان بغیر عمل صالح کے انسان کو اس بشارت کا مستحق قرار نہیں دیتا، اگرچہ صرف ایمان بھی جہنم میں خلود ودوام سے بچانے کا سبب ہے اور مومن خواہ کتنا بھی گنہگار ہو کسی نہ کسی وقت جہنم سے نکالا جائے گا، اور داخل جنت کیا جائے گا، مگر عذاب جہنم سے کلیۃً اور ابتداءً نجات کا مستحق بغیر عمل صالح کے نہیں ہوگا۔

قرآن کریم نے ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا تذکرہ فرما کر اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے، عمل صالح ایمان کے بغیر ثمر آور نہیں اور ایمان کے بغیر عمل صالح کی عنداللہ کوئی اہمیت نہیں، مگر عمل صالح عنداللہ وہی معتبر ہے جو سنت کی مطابق ہو اور خالص رضائے الٰہی کی نیت سے کیا جائے، جو عمل خلاف سنت ہو یا نمود ونمائش کے لئے کیا ہو وہ عنداللہ مردود ہے۔

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا : مشابہت کا مطلب یا تو جنت کے تمام پھلوں کا آپس میں باہم ہمشکل ہونا ہے یا مشابہت سے مراد دنیا کے پھلوں سے مشابہت مراد ہے، مگر یہ مشابہت صرف شکل اور نام کی حد تک ہی ہوگی، ورنہ جنت کے پھلوں کے مزے اور ذائقے سے دنیا کے پھلوں اور میووں کی کوئی نسبت ہی نہیں ہے، جنت کی نعمتوں کی بابت حدیث شریف میں ہے: "مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سمعت ولا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ" (صحیح بخاری تفسیر الم السجدۃ) نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے ان کی بابت سنا، اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گذرا۔

دنیوی پھلوں سے ظاہری مشابہت کی مصلحت:

دنیوی پھلوں سے ظاہری مشاکلت صرف اس لئے ہوگی کہ وہ جنتی پھلوں سے نامانوس نہ ہوں اور اجنبیت محسوس نہ کریں البتہ لذت میں وہ ان سے بدر جہا بڑھے ہوئے ہوں گے، دیکھنے میں مثلاً آم، انار، سیب، سنترے ہی ہوں گے اہل جنت دیکھ کر ہی پہچان لیں گے کہ یہ آم ہے اور یہ انار ہے اور یہ سنترا ہے، مگر مزے میں دنیا کے پھلوں سے کوئی نسبت نہ ہوگی۔

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ : ازواج، زَوْج کی جمع ہے، زوج کے معنی جوڑے کے ہیں اور اس لفظ کا استعمال بیوی اور شوہر دونوں کے لئے ہوتا ہے بیوی شوہر کے لئے اور شوہر بیوی کے لئے زوج ہے۔ بیوی اور شوہر روحانی اخلاقی اور جسمانی ہر قسم کی گندگیوں اور آلائشوں اور آلودگیوں سے صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوں گے۔

مُطَهَّرَة مِنَ القذرِ وَالاَذیٰ (ابن جریر عن ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا) قِيلَ مُطَهَّرَةٌ عَن مساوى الاخلاق.

(معالم)

فالمراد طَهَارَةُ اَبدانِهِنَّ، وَطَهارة اَزْوَاجِهِنَّ مِن جميع الخصائل الذميمة (کبیر) اِنَّ التطهير يُستعملُ

فی الاَجْسَام وَالأخلاق وَالاَفْعَال (بیضاوی) ومن کل اذیً یکونُ من نِساءِ الدنیا فَطَهُرَ مع ذٰلِکَ باطِنُهَا مِنَ الاَخْلاقِ السَّیئة وَالصِفاتِ المذمومة. (ابن قیم) (تفسیر ماجدی)

نام نہاد روشن خیال اور جنت کی نعمتیں:

بعض روشن خیالوں کو پاکیزہ بیویوں کے نام سے خدا معلوم کیوں اتنی شرم آئی کہ انہوں نے اس معنی ہی سے انکار کر دیا اور اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کی تفسیر عجیب توڑ مروڑ کر کی ہے، گویا کہ بہشت میں رضائے الٰہی کے مقام میں ہر قسم کی انتہائی لذت، مسرت وراحت کے موقع پر بیویوں اور پھر پاکیزہ بیویوں کا ملنا بڑے ہی شرم وندامت کی بات ہے، اگر نفس جنت کے وجود ہی سے انکار ہے، تب تو بات ہی اور ہے ایسے مخاطب کے سامنے پہلے جنت کا اثبات کیا جائے گا، لیکن اگر جنت کا اقرار ہے، تو وہاں کی کسی لذت، کسی نعمت، کسی راحت سے انکار کے کوئی معنی نہ نقل کے اعتبار سے صحیح ہیں اور نہ عقل کے اعتبار سے جنت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ مادی اور روحانی ہر قسم کی لذتوں، مسرتوں، راحتوں کا گھر ہے، یا پھر یہ ہے کہ بیوی کے نعمت اور اعلیٰ نعمت ہونے ہی سے انکار ہے، اگر ایسا ہے تو اس عقیدہ کا رشتہ اسلام سے نہیں بلکہ یہ رہبانیت اور مسیحیت سے وابستہ ہے اور مسیحیت اور رہبانیت بھی وہ نہیں جو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی ہے، بلکہ وہ جو پولوس کی پھیلائی ہوئی ہے، اس قسم کا عقیدہ اور نظریہ پولوسی مسیحیت سے دماغی مرعوبیت کا نتیجہ ہے اور جنت میں عمل زوجیت کا مقصد بقائے نوع یا افزائش نسل نہ ہوگا، بلکہ غذا کی طرح نفس لذت مقصود ہوگی۔

وَهُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ: یہ جنت کی انتہائی عظیم نعمت کا ذکر ہے، خلود کے معنی ہمیشگی اور ایسی حالت میں رہنے کے ہیں کہ جن میں کبھی تغیر اور خرابی پیدا نہ ہو اور جب اس کا ذکر دوزخ و جنت کے سیاق وسباق میں آئے گا تو اس کا مطلب ہوگا کہ اہل جنت ہمیشہ ہمیش جنت میں رہیں گے، اور اہل دوزخ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہیں گے، حدیث شریف میں ہے کہ جنت اور جہنم میں جانے کے بعد ایک فرشتہ اعلان کرے گا، اے جہنمیو! اب موت نہیں ہے اور اے جنتیو! اب موت نہیں ہے جو فریق جس حالت میں ہے اسی میں ہمیشہ ہمیش رہے گا۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق، صحیح مسلم کتاب الجنة)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِیْ: (الآية) ممکن ہے کہ یہ لفظ خود معترضین نے استعمال کیا ہو کہ یہ کیسا محمد ﷺ کا خدا ہے کہ جو ایسی حقیر چیزوں کی مثال پیش کرتے بھی نہیں شرماتا اور قرآن مجید نے مشاکلت کی رعایت سے اس لفظ کو دہرایا ہو۔

یجوز اَنْ تَقَعَ هذه العبارة فی کلام الکفرة فقالوا أما یستحیی رب محمد ﷺ ان یَضْرِبَ مثلاً بالذبابِ وَالعَنکَبُوْتِ فجاءت علی سبیل المقابلة واطباقِ الجواب علی السوال. (کشاف، ماجدی)

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اعتراض کے دفعیہ کے طور پر خدا ہی کا کلام ہو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر توضیح مدعا کے لئے بڑی اور عظیم مخلوق کا تذکرہ آیا ہے اور چھوٹی اور حقیر شئ کا بھی، قرآن مجید میں، جہاں ایک طرف ارض وسماء، اور شمس وقمر کا

تذکرہ ہے تو دوسری طرف مکھی، مچھر اور چیونٹی اور مکڑی کا ذکر ہے اس تمثیلی تذکرہ پر بعض کم فہموں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ کیسا خدائی کلام ہے؟ دعویٰ تو خدائی کا اور تذکرہ حقیر چیزوں کا حالانکہ، كلام الملوك ملوك الكلام کے قاعدہ سے اس میں حقیر اور ذلیل چیزوں کا تذکرہ ہونا ہی نہیں چاہئے۔

تمثیل کا مقصد:

تمثیل کا مقصد اور غرض و غایت ممثل لہٗ کی وضاحت اور اس کو ذہن نشین کرانا ہوتا ہے لہٰذا یہ مقصد جس مثال سے پورا ہو سکے اسی کو بہتر کہا جائے گا مثال میں پیش کی جانے والی چیز خواہ کیسی ہی حقیر کیوں نہ ہو، مچھر بظاہر ایک بہت ہی حقیر اور بے وقعت سی مخلوق ہے اب جہاں کسی شئی کی بے وقعتی بیان کرنی ہے وہاں ظاہر ہے کہ مناسب اور موزوں مثال مچھر ہی کی ہوگی، اس پر اعتراض سفاہت وحماقت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

فَمَا فَوْقَهَا: یعنی مچھر سے بڑھ کر خواہ جسم و جثہ میں یا صغر وحقارت میں (دونوں معنوں کی گنجائش ہے) اللہ کی بیان کردہ مثالوں سے اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ اور اہل کفر کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ سب اللہ کے قانون قدرت ومشیئت کے تحت ہی ہوتا ہے۔

''فسق'' اطاعت الٰہی سے خروج کو کہتے ہیں، جس کا ارتکاب عارضی اور وقتی طور پر ایک مومن سے بھی ہو سکتا ہے، لیکن اس آیت میں فسق سے مراد اطاعت سے کلی خروج ہے یعنی کفر، جیسا کہ آئندہ آیت سے واضح ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ: (الآیۃ) مفسرین نے عہد کے مختلف مفہوم بیان کئے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی وہ وصیت جو اس نے اپنے اوامر بجالانے اور نواہی سے باز رکھنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ مخلوق کو کی ہے، دوسرا وہ عہد جو اہل کتاب سے تورات میں لیا گیا کہ نبی آخر الزمان کے آجانے کے بعد تمہارے لئے ان کی تصدیق کرنا اور ان کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوگا، تیسرے وہ عہد الست جو صلب آدم سے نکالنے کے بعد تمام ذریت آدم سے لیا گیا، جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے: ''وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ'' نقض عہد کا مطلب عہد کی پرواہ نہ کرنا ہے۔ (ابن کثیر)

بادشاہ اپنے ملازموں اور رعایا کے نام جو فرامین جاری کرتا ہے، اسے عربی کے محاورے میں عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کی تعمیل رعایا پر واجب ہوتی ہیں یہاں عہد کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، اللہ کے عہد سے مراد اس کا وہ مستقل فرمان ہے، جس کی رو سے تمام نوع انسانی صرف اسی کی بندگی کرنے پر مامور ہے (مِن بعد میثاقه) (یعنی مضبوط عہد باندھ لینے کے باوجود) سے اشارہ اس طرف ہے کہ: آدم کی تخلیق کے وقت تمام نوع انسانی سے اس فرمان کی پابندی کا اقرار لے لیا گیا تھا۔

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ: یعنی جن روابط کے قیام اور استحکام پر انسان کی اجتماع وانفرادی فلاح کا انحصار ہے اور جنہیں درست رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان پر لوگ تیشہ چلاتے ہیں اس مختصر سے جملہ میں اس قدر وسعت ہے کہ انسانی تمدن واخلاق کی پوری دنیا پر جو دو آدمیوں کے تعلق سے لے کر عالمگیر بین الاقوامی تعلقات تک پھیلی ہوئی ہے صرف یہی ایک جملہ حاوی ہو جاتا

ہے روابط کو کاٹنے سے مراد محض تعلقات انسانی کا انقطاع نہیں ہے بلکہ تعلقات کی صحیح اور جائز صورتوں کے سوا جو صورتیں بھی اختیار کی جائیں گی وہ سب اسی ذیل میں آجائیں گی، کیونکہ ناجائز اور غلط روابط کا انجام وہی ہے جو انقطاع روابط کا ہے یعنی بین الانسانی تعلقات کی خرابی اور نظام اخلاق وتمدن کی بربادی۔

آیت کے وسعتِ مفہوم میں سارے حقوق اللہ اور حقوق العباد داخل ہیں یعنی وہ تمام فرائض جو ہر انسان پر خالق اور مخلوق دونوں سے متعلق عائد رہتے ہیں۔ (ابن جریر عن ابن عباس)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ: اس نقصان میں دنیا کا خسارہ اور آخرت کا خسارہ دونوں داخل ہیں، دنیا میں تو اس لئے کہ عدم ایمان سے دلوں سے سکون واطمینان رخصت ہوجاتا ہے اور آخرت میں اس لئے کہ آخرت میں ہر نعمت سے محروم رہے گا۔ **مَغْبُونونَ بذهاب الدنيا والآخرة.** (ابن عباس)

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ يا اَہلَ مكّة **بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا** نُطَفًا فِي الاصلابِ **فَاَحْيَاكُمْ** فِي الارحامِ والدُّنيا بنفخِ الرُّوحِ فِيكُمْ والاستفهام للتَّعجُّبِ مِن كُفرِہم مَعَ قيامِ البُرہانِ والتَّوبيخ **ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ** عند انتہاءِ اٰجالكم **ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ** بالبَعثِ **ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** ﴿۲۸﴾ تُرَدُّونَ بَعدَ البَعثِ فيُجازيكُمْ باعمالِكم وقال تعالٰى دَليلاً على البَعثِ لَمّا انكروه **هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ** اي الارضَ وما فِيها **جَمِيْعًا** لِتَنتَفِعُوا به وتعتبروا **ثُمَّ اسْتَوٰٓى** بعد خلق الارض اي قصد **اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ** الضميرُ يرجعُ الى السّماء لانّها في معنى الجمع الآئلة اليه اي صَيَّرہا كما في اٰية اخرى فقضٰہنّ **سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۲۹﴾ مُجملاً ومفصلاً افلا تعتبرونَ انّ القادرَ علٰى خلقِ ذٰلك ابتداءً وہو اَعظمُ مِنكُم قادرٌ علٰى اِعادتكم.

ترجمہ: اے مکہ والو! تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیوں اختیار کرتے ہو؟ حالانکہ تم پشتوں میں بے جان نطفے تھے، اس نے ماؤں کے رحموں میں اور دنیا میں تمہارے اندر روح پھونک کر تم کو زندگی بخشی، اور استفہام ان کے کفر پر اظہار تعجب کے لئے ہے اور توبیخ کے لئے ہے، قیام دلیل کے باوجود پھر وہ تم کو موت دے گا، تمہاری مدت حیات ختم ہونے کے وقت پھر تم کو وہی مرنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کرے گا، پھر زندہ ہونے کے بعد اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، سو وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزاء دے گا، چنانچہ جب انہوں نے بعث بعد الموت کا انکار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر دلیل کے طور پر فرمایا، وہی تو ہے، جس نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا فرمائیں یعنی زمین اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ تم اس سے استفادہ کرو اور عبرت حاصل کرو پھر (یعنی) زمین پیدا کرنے کے بعد وہ آسمان کی جانب متوجہ ہوا اور سات آسمان استوار کئے، ھُنَّ، کی ضمیر اَلسَّمَاء کی طرف راجع ہے اس لئے کہ: اَلسَّمَاء مَاٰیُول کے اعتبار سے جمع کے معنی میں ہے (سَوّٰهُنَّ) معنی میں صَیَّرَهَا، کے ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ہے اور وہ ہر چیز کا اجمالی اور تفصیلی علم رکھنے والا

ہے کیا تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ جو ذات ان (مذکورہ) چیزوں کے ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے جو تم سے عظیم تر ہے تمہارے دوبارہ پیدا کرنے پر (بطریق اولی) قادر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ يا أهل مكة، كَيْفَ، حرف استفہام ہے حالت سے سوال کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر قرآن میں زیادہ تر انکار اور جرأت پر اظہار تعجب کے لئے مستعمل ہے۔

قَوْلُهُ: وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا: واوٴ حالیہ ہے اور كنتم اَمواتًا، تكفرون کی ضمیر سے حال ہے مفسر علام نے قَدْ کا اضافہ کرکے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔

سَوَال: ماضی کا بغیر قد کے حال واقع ہونا صحیح نہیں ہے۔

جَوَاب: قد کا لفظوں میں ہونا ضروری نہیں ہے اگر قد مقدر ہو، تب بھی ماضی حال واقع ہو سکتی ہے، یہاں قد مقدر ہے جیسا کہ مفسر علام نے قد مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے۔

دُوسرا جَوَاب: بغیر قد کی تقدیر کے بھی حال بننا درست ہے اس لئے کہ حال محض كنتم امواتًا ہی نہیں ہے بلکہ مابعد، ترجعون، تک جملہ ہو کر حال ہے، کما جزم صاحب الکشاف، گویا کہ یوں کہا: كيف تكفرون؟ وقصتكم هذه.

(فتح القدير)

قَوْلُهُ: نُطَفًا فِي الْاَصْلَابِ، اى اصلاب الرجالِ، نُطَفٌ نُطْفَةٌ، کی جمع ہے صاف پانی، تھوڑا پانی، ٹپکنے والی چیز یہاں مرد کا نطفہ منی مراد ہے۔

قَوْلُهُ: فَاَحْيَاكُمْ، یہ محذوف پر مرتب ہے تقدیری عبارت ہے: "وَكُنْتُمْ عَلَقَةً فمضغةً فَاَحْيَاكم" اس تقدیر کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ نطفہ کے فوراً بعد حیات عطا نہیں ہوتی، بلکہ رحم مادر میں ۱۲۰، ایام میں مختلف مراحل سے گذرنے کے بعد حیات عطا ہوتی ہے۔

قَوْلُهُ: فِى الأرحام، وفى الدنيا بنفخ الروح، ظرفیت کا تعلق صرف ارحام سے ہے، بنفخ الروح میں باءِ سببیہ ہے یعنی اعطاءِ حیات رحم مادر میں نفخ روح کے سبب سے ہوتی ہے غالبًا دنیا کا ذکر حیات رحم اور حیات دنیا میں فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ دونوں زندگیوں میں نوعیت کا فرق ہے۔ (ترويح الارواح)

قَوْلُهُ: وَالاستفهام للتعجب من كفرهم: یعنی اتنے سارے انعامات کے باوجود کفر و انکار پر جرأت کرنا باعثِ حیرت و تعجب ہے، یا پھر استفہام توبیخ کے لئے ہے جیسا کہ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اشارہ کیا ہے کہ معروف معنی میں تعجب مراد نہیں ہے، اس لئے کہ معروف معنی میں تعجب اسباب کے مخفی ہونے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے اور یہ معنی خدا تعالیٰ کے لئے متصور نہیں ہیں، اس

لئے کہ باری تعالیٰ سے کسی بھی شئی کے اسباب مخفی نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: لِاَنَّھَا فی معنی الجمع اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ، میں ھُنَّ کی ضمیر اَلسَّماء کی طرف راجع ہے اور السّماء مفرد ہے اور ضمیر جمع ہے، لہٰذا مرجع اور ضمیر میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَاب: السَّمَاء مایؤل کے اعتبار سے جمع ہے اس لئے کہ استویٰ کے بعد سات آسمان ہونے والے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دَحْوِ ارض کے بعد سات آسمان بنائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَقَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ'' یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ السّماء میں الف لام جنس کا ہے لہٰذا جمع پر اطلاق درست ہے۔

تَفسِیر وتَشرِیح

ربط آیات:

گذشتہ آیات میں خدا کے وجود، توحید و رسالت کے دلائل واضحہ اور منکرین و مخالفین کے خیالات باطلہ کا رد مذکور تھا، ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات اور انعامات کا ذکر کرکے اس بات پر اظہار تعجب کیا ہے کہ اتنے احسانات کے ہوتے ہوئے یہ بظاہر کیسے کفر و انکار کی جرأت کرتا ہے؟ نیز اس بات پر بھی تنبیہ ہے کہ اگر دلائل میں غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا تو کم از کم محسن کا احسان ماننا اس کی تعظیم اور اطاعت کرنا تو ہر شریف انسان کا طبعی اور فطری تقاضہ ہے حتی کہ ایک بے عقل جانور بھی اپنے محسن کا، احسان مند اور مشکور ہوتا ہے، مگر یہ انسان عقل و فہم کا مدعی ہونے کے باوجود اپنے محسن حقیقی کی احسان فراموشی کی جرأت کیسے کرتا ہے!

تخلیقِ انسان کی سرگذشت کے ادوار:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا (الآیۃ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسان کی سرگذشت بیان فرمائی ہے، اور فرمایا کہ ابتداء میں انسان عدم محض تھا، پھر موجود ہوا پھر معدوم ہوگا، پھر مکرر زندہ ہو کر خدا کے سامنے جوابدہی کرے گا، یہ ہے انسان کی پیدائش کی سرگذشت اور مبداء و منتہٰی۔

مذکورہ آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ ہے، پہلی موت سے مراد عدم مطلق ہے اور پہلی زندگی بطن مادر سے نکلنے کے بعد موت سے ہم کنار ہونے کے وقت تک ہے دنیوی مدت حیات پوری ہونے کے بعد پھر موت آئے گی، اس کے بعد آخرت کی زندگی کا آغاز ہوگا، جس زندگی کا منکرین قیامت انکار کرتے ہیں وہ یہی ہے، شوکانی نے بعض علماء کی رائے ذکر کی ہے

کہ قبر کی زندگی دنیوی زندگی ہی کا حصہ ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ برزخی زندگی حیاتِ آخرت کا مقدمہ اور دنیوی زندگی کا تتمہ ہے، یعنی دونوں زندگیوں کے درمیان ایک واسطہ ہے، گو اس کا تعلق عالم آخرت کے مقابلہ میں عالم دنیا سے زیادہ ہے۔

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ: یعنی جس ذات نے پہلی مرتبہ تمہارے بے جان ذرات کو حیات بخشی وہ اس عالم میں تمہاری عمر کا وقت پورا ہونے کے بعد تمہاری اس حیاتِ مستعار کو سلب کرلے گا، پھر ایک عرصہ کے بعد قیامت میں اسی طرح تمہارے جسم بے جان اور منتشر ذرات کو جمع کرکے تمہیں زندہ کرے گا اسی طرح ایک مدت یعنی حالت عدم ابتداء میں تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو حیات بخشی یعنی تم عدم سے وجود میں آئے، دوسری موت دنیوی زندگی پوری ہونے کے بعد تمہارے اوپر طاری ہوتی ہے، اور پھر دوسری زندگی قیامت کے روز عطا ہوگی۔ (معارف ملخصًا)

پہلی موت اور زندگی کے درمیان چونکہ کوئی فاصلہ نہیں تھا، اس لئے اس میں حرف فاء استعمال کیا گیا یعنی فَاَحْيَاكُمْ، اور چونکہ دنیا کی موت وحیات کے درمیان اور اسی طرح اس موت اور بروز قیامت زندگی کے درمیان فاصلہ ہے، اس لئے لفظ ثم اختیار کیا گیا، یعنی ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ، اس لئے کہ لفظ ثُمَّ بعد مدت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

سَوال: اس آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے مگر عالم برزخ (عالم قبر) کی زندگی کا ذکر نہیں ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ برزخی زندگی نہ تو اس دنیوی زندگی کی طرح مستقل زندگی ہے اور نہ آخرت کی زندگی کے مانند مستقل زندگی ہے، بلکہ مثل خواب، موت وحیات کے مانند ایک درمیانی کیفیت ہے، اس کو دنیوی زندگی کا تکملہ اور آخرت کی زندگی کا مقدمہ بھی کہا جاسکتا ہے یہ چونکہ کوئی مستقل زندگی نہیں کہ اس کا مستقل ذکر کیا جائے اسی وجہ سے اس آیت میں برزخی زندگی کا مستقل ذکر نہیں ہے۔

عالم برزخ:

لغت میں برزخ کے معنی ہیں دو چیزوں کے درمیان کی حد، روک، سورۂ الرحمٰن، آیت: ۱۲۰، اور سورۃ الفرقان آیت ۵۲، میں شیریں اور شور دریاؤں کے درمیان کے حجاب کو برزخ کہا گیا ہے اور اصطلاح شریعت میں موت سے حشر تک کی مدت کا نام ہے سورۃ المؤمنون آیت ۱۰۰ میں برزخ کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

عالم برزخ کو عالم قبر اور قبر کی زندگی بھی کہتے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں قبر صرف مٹی کے گڑھے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک عالم ہے، مرنے کے بعد ہر شخص اس عالم میں پہنچ جاتا ہے مرنے کے بعد اس عالم میں پہنچنا ہر شخص کے لئے ضروری ہے، خواہ مرنے کے بعد قبر میں دفن کیا جائے، یا نہ کیا جائے، اس لئے کہ مرکر انسان ختم نہیں ہوجاتا بلکہ وہ انتقال مکانی کرتا ہے یعنی اس دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہوجاتا ہے اور یہ انتقال مکانی روحانی طور پر ہوتا ہے جسم تو اسی دنیا میں گل سڑ کر ختم ہوجاتا ہے یا جل کر راکھ ہوجاتا ہے۔

عالم برزخ میں مجازات:

عالم برزخ کو اگر تمثیلاً گہری نیند سے تعبیر کر دیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا، نیند کو اخوالموت کہا جاتا ہے، جس طرح نیند، موت اور زندگی کے درمیان ایک واسطہ ہے، اسی طرح عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان عالم برزخ بھی ایک واسطہ ہے۔
عالم دنیا اور عالم آخرت تو حقیقۃً موجود فی الخارج ہے اور ان کی جزاء وسزا بھی حقیقی اور خارجی ہے، بخلاف عالم برزخ کے کہ وہ مثالی عالم ہے، جو موجود فی الخارج نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی جزاء وسزا بھی موجود فی الخارج نہیں ہوتی، بلکہ تمثیلی ہوتی ہے جیسا کہ سونے والا شخص خواب میں تکلیف دہ اور راحت رساں خیالی واقعات دیکھتا ہے اور ان واقعات سے رنج وراحت محسوس بھی کرتا ہے اور خواب میں پیش آنے والے واقعات کو واقعی اور حقیقی سمجھتا ہے، حالانکہ وہ واقعات نہ حقیقی ہوتے ہیں اور نہ واقعی اور نہ موجود فی الخارج خواب دیکھنے والا جب بیدار ہوتا ہے، تب اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو خواب تھا ورنہ تو وہ ان واقعات کو واقعی سمجھتا ہے۔

برزخی زندگی اور خواب میں فرق:

خواب اور برزخی زندگی میں فرق یہ ہے کہ خوابیدہ شخص جب بیدار ہو جاتا ہے، تو خواب میں پیش آنے والے واقعات سے رنج وراحت کا خیالی تصور جس کو وہ حقیقت اور موجود فی الخارج سمجھے ہوئے تھا، ختم ہو جاتا ہے، مگر عالم برزخ میں جن مثالی اور خیالی تکلیف دہ یا راحت رساں حالات میں مبتلا ہوگا وہ تا قیامت ختم نہ ہوں گے، اس لئے کہ برزخ میں کوئی شخص نفخۂ ثانیہ سے پہلے بیدار ہونے والا نہیں ہے، نفخۂ ثانیہ کے وقت مجرم: "مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا" (سورۂ یٰسین) (ہم کو ہماری خوابگاہ سے کس نے اٹھایا؟) کہتا ہوا اٹھے گا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں برزخیوں کی کیفیت مدت دراز تک (تا قیامت) سونیوالوں کی سی ہوگی، سونیوالے کے خواب میں پیش آنے والے واقعات سے رنج وراحت کا تعلق سونیوالے کی روح سے ہوتا ہے نہ کہ جسد خاکی سے، یہی وجہ ہے کہ سونے والے کو خواب میں جو رنج وراحت کے واقعات پیش آتے ہیں ان کا اثر عام طور پر جسم پر ظاہر نہیں ہوتا اور نہ پاس میں موجود لوگوں کو سونے والے کے رنج وراحت کا احساس ہوتا ہے۔

حالت نوم میں روح کا تعلق جسم سے پوری طرح منقطع نہیں ہوتا:

حالت نوم میں روح کا تعلق جسم سے منقطع ہونے کے باوجود کسی نہ کسی درجہ میں باقی رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات خواب میں پیش آنے والے واقعات کا اثر سونے والے کے جسم پر بھی ظاہر ہو جاتا ہے اگر کوئی شخص خواب میں کسی خوفناک چیز کو دیکھتا ہے تو ڈر کر چیخ مار کر بیدار ہو جاتا ہے اور گھبرایا ہوا ہوتا ہے، اس کے برخلاف اگر کوئی مسرور کن واقعہ خواب میں دیکھتا ہے تو اس کے چہرے پر ہنسی اور مسکراہٹ کے آثار نمایاں نظر آتے ہیں، دیکھا گیا ہے کہ چھوٹا بچہ سونے کی حالت میں ہنستا اور کبھی روتا

محسوس ہوتا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بچہ ڈرانے یا ہنسانے والے خواب دیکھ رہا ہے۔

اسی طرح مرنے کے بعد روح حیوانی (نسمہ) کا تدبیری تعلق بدن سے منقطع ہو جاتا ہے، مگر وہمی یعنی خیالی تعلق باقی رہتا ہے، جیسے ایک ٹیلیفون کا بے شمار ٹیلیفونوں سے بیک وقت تعلق قائم رہتا ہے، مگر جب کسی نمبر کو ڈائل کرتے ہیں، تو اس نمبر سے حقیقی رابطہ قائم ہو جاتا ہے، اس محسوس مثال سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آ گئی کہ اگر جسم و روح کے درمیان حقیقی رابطہ منقطع ہو گیا ہے، تو یہ ضروری نہیں کہ خیالی رابطہ بھی منقطع ہو جائے۔ (رحمة الله الواسعه ملخصًا)

عالم برزخ میں روح کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا اثر جسم پر بعض اوقات ظاہر ہو جاتا ہے

اسی طرح عالم برزخ میں جب مردہ کی روح کے ساتھ اچھا یا برا معاملہ ہوتا ہے، تو بعض اوقات ان واقعات کا اثر مردہ کے جسد خاکی پر ظاہر ہو جاتا ہے، بعض روایات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، ایک روایت میں یہ مضمون وارد ہے کہ آپ ﷺ نے ایک قبر میں مردے کو عذاب ہونے کی اطلاع دی اور آپ نے ہری ٹہنی اس قبر پر گاڑ دی جس سے مردے کے عذاب میں تخفیف ہو گئی، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ روح کا تعلق جسم سے بالکلیہ منقطع نہیں ہوتا۔

عالم برزخ میں مجازات:

عالم برزخ میں عذاب و ثواب کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ انسان دنیوی زندگی میں جو اچھے یا برے اعمال کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ان اعمال ہی کو تکلیف دہ یا راحت رساں چیزوں کی مثالی شکل میں متشکل کر دیتا ہے، جیسا کہ اچھے برے اعمال کا اچھی بری شکلوں میں متشکل ہونا روایات سے ثابت ہے چنانچہ ایک درندہ صفت ظالم شخص عالم برزخ میں دیکھتا ہے کہ اسے کوئی درندہ نوچ رہا ہے، اور بخیل آدمی جس نے مالی حقوق واجبہ ادا کرنے میں کوتاہی کی ہوگی تو وہ اپنے مال کو سانپ، بچھو کی شکل میں اپنے اوپر مسلط دیکھتا ہے۔

عالم برزخ میں پوری جزاء یا سزا نہیں ہوگی:

عالم برزخ چونکہ عبوری اور عارضی وقفہ ہے ابھی مقدمہ عدالت خداوندی میں فیصل نہیں ہوا، اس کو باقاعدہ مجرم، یا جرم سے بری قرار نہیں دیا گیا اس لئے سزا یا جزاء کا معاملہ ابھی نہیں کیا جاتا دنیاوی قانون کی اصطلاح میں اس کو حوالات کا زمانہ کہا جاتا ہے، مگر ابتدائی انٹرویو سے مقدمہ کا رخ متعین ہو جاتا ہے، یہ انٹرویو (قبر) عالم برزخ میں منکر نکیر لیتے ہیں جس

میں مختصر طور پر تین سوال ہوتے ہیں، ① مَنْ رَّبُّكَ؟ ② مَادِيْنُكَ؟ ③ مَنْ هٰذَا الرَّجُلُ؟ اگر مردہ ان سوالات کا جواب صحیح صحیح دیدیتا ہے، تو اس سے کہا جاتا ہے: "نَمْ كَنَوْمَةِ العُروس" تو دُلہن کی طرح آرام سے سوجا اور اس کی طرف جنت کے دریچوں میں سے ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے، جس کے ذریعہ جنت کی خوشبوئیں، ٹھنڈی ہوائیں اس تک پہنچتی رہتی ہیں، گویا کہ یہ اشارہ ہوتا ہے اس کی کامیابی کی طرف، اور اگر منکر ونکیر کے سوالوں کا جواب صحیح نہ دے گا بلکہ گھبراہٹ کے عالم میں اس کی زبان سے: "هَـاء هَـاء لاادری" نکلا تو اس کی طرف جہنم کے دریچوں میں سے ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے، پوری سزا مقدمہ فیصل ہونے کے بعد ہوگی۔

فائدہ: عالم برزخ میں منکر ونکیر کے سوالوں اور مردے کے جوابوں اور اس کے نتیجے سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

اوّل: یہ کہ برزخی زندگی سونے والے کی حالت کے مانند ہے، اس لئے کہ فرشتے انٹرویو میں کامیاب ہونے والے شخص سے کہیں گے: "نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ" تو دُلہن کے مانند سوجا یعنی اب تجھ کو قیامت تک کوئی اٹھانے والا نہیں، اس حدیث میں برزخی زندگی کو نائم کی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کی تائید روز قیامت اٹھائے جانے والے مجرم کے مقولہ: "مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا" سے ہوتی ہے۔

دوم: دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عالم برزخ کامل مجازات کی جگہ نہیں ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں جنت کی یا دوزخ کی جانب سے دریچہ کھولنے کا ذکر ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عالم برزخ کا آخرت سے بہت خفیف اور معمولی تعلق ہے، اس لئے کہ عالم برزخ کوئی مستقل عالم نہیں ہے بلکہ دو عالم کے درمیان حد فاصل ہے، جس طرح کہ دھوپ اور چھاؤں دو مستقل چیزیں ہیں اور جہاں دھوپ اور چھاؤں کا التقاء ہوتا ہے، وہ جگہ دونوں کے درمیان حد فاصل ہوتی ہے دونوں کے اثرات وہاں ظاہر ہوتے ہیں، مگر چونکہ عالم برزخ عالم دنیا کا تتمہ اور ضمیمہ ہے، اس لئے یہ عالم، عالم دنیا سے قریب ہوتا ہے اور برزخ میں عالم آخرت کے اثرات بہت خفیف ظاہر ہوتے ہیں، اسی کو حدیث شریف میں کھڑکی کھولنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغہ جلد اول از حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند)۔

نوٹ: بنیادی فکر حجۃ اللہ البالغہ سے ماخوذ ہے، الفاظ اور تعبیر مع اضافہ احقر کی طرف سے ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا: سابقہ آیات میں انسان کی ذات سے متعلق انعامات واحسانات ذکر کرنے کے بعد اس آیت میں جو انسان کی بقا اور اس کے آرام وراحت کے لئے ضروری ہے، یعنی تم کو پیدا کیا، جو کہ تمام نعمتوں کی اصل ہے، پھر تمہاری بقاء اور انتفاع کے لئے زمین میں ہر طرح کی چیزیں بکثرت پیدا فرمائیں، اس کے بعد متعدد آسمان بنائے، جن میں تمہارے لئے طرح طرح کے منافع ہیں۔

اس آیت میں زمین کی پیدائش پہلے اور آسمانوں کی پیدائش بعد میں ہونا، ثُمَّ، کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے اور یہی صحیح ہے اور سورۃ النازعات میں جو یہ ارشاد ہیں: "وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحَاهَا" یعنی زمین کو آسمان کے پیدا کرنے کے بعد بچھایا،

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین کی پیدائش آسمانوں کے بعد ہوئی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی درستی اور اس سے پیداوار نکالنے کے تفصیلی کام آسمانوں کی پیدائش کے بعد ہوئے اگرچہ اصل زمین کے مادہ کی تخلیق آسمانوں سے پہلے ہو چکی تھی۔

(بحر محیط)

آسمانوں کے سات ہونے پر کلام:

عام انسانوں کو تو آسمان ایک ہی نظر آتا ہے، قرآن کریم میں سات کا ذکر ہے جیسا کہ مذکورہ آیت میں سبع سموٰت صراحت کے ساتھ موجود ہے، اور فلاسفہ نو آسمان ثابت کرتے ہیں علماء اسلام کے قدیم فلاسفہ نے آسمانوں کو سات کہا اور باقی دو عرش و کرسی سے ثابت کئے، سات آسمان بالکل حق ہیں اور طبقہ بطبقہ ہیں قرآن کوئی سائنس یا فلکیات کی کتاب نہیں کہ اس میں خواہ مخواہ سائنس کے جدید یا قدیم نظریات سے مطابقت کی کوشش کی جائے، قرآن کے نزول کا مقصد سائنسی علوم کی تعلیم نہیں بلکہ انسانیت اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے طریقوں کی تعلیم دینا ہے، سائنسی نظریات میں قرار نہیں ہے، جو چیز کل تک مسلم اور صد فی صد درست تسلیم کی جاتی تھی، وہ آج صد فی صد غلط اور غیر مسلم مانی جاتی ہے، ہزارہا سال سے یہی طریقہ رہا ہے، بعد کا نظریہ ہر سابقہ مسلم نظریہ کی تردید کرتا ہے، لہٰذا اس کی کیا ضمانت ہے کہ موجودہ سائنسی نظریہ کی آئندہ تردید نہیں کی جائے گی، قرون ماضیہ میں جن مذہبی لوگوں نے آسمانی کتابوں کو اس دور کے سائنسی نظریات کو مسلم سمجھ کر ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی غالباً ان کا مقصد یہ رہا ہوگا کہ اس دور کے سائنسی مسلمات سے آسمانی کتابوں کو ہم آہنگ کرنے سے آسمانی کتابوں کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوگا مگر جب تحقیق جدید نے ان سائنسی نظریات کو غلط ثابت کر دیا جس کی وجہ سے مذہب اور سائنس میں معرکہ برپا ہو گیا، ابتداء میں مذہبی طبقہ غالب رہا جس کی وجہ سے بڑے بڑے سائنس دانوں کو نذر آتش کر دیا گیا، لیکن جب سائنس جدید کو فروغ حاصل ہوا اور ان ہی نظریات کو مسلم سمجھا جانے لگا، تو مذہب کو سائنس جدید کے مقابلہ میں پس پا ہونا پڑا اور اس معرکہ آرائی میں مذہب کو شکستِ فاش ہوئی جس کی وجہ سے یورپ لامذہب (دہریہ) ہو گیا۔

علیم و خبیر خالق کائنات کا علم قطعی اور بے ریب ہے اور مخلوق کا علم ظن و تخمین پر مبنی ہے جو ہر زمانہ میں بدلتا رہتا ہے اور آئندہ بھی یہی ہوتا رہے گا، قرآن سائنسی نظریات کے تابع نہیں ہے اگر سائنس کا کوئی نظریہ قرآن کے نظریہ کے مطابق ہو جائے، تو ہو جائے، مطابق کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس پر خوش ہونے کی ضرورت ہے۔

(تفسیر الجواهر، طنطاوی، حذف و اضافه کے ساتھ)

وَ اذْكُرْ يا محمد ﴿إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ يَخْلُفُنِي في تنفيذ احكامي فيها وهُوَ آدمُ ﴿قَالُوٓا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا﴾ بالمعاصي ﴿وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾ يُرِيقُها بالقتلِ كما فَعَلَ بنُو الجانِ و كانُوا فيها فلمّا افسدُوا أَرْسَلَ اللهُ اليهم الملئكةَ فطَردُوهُم الى الجزائرِ والجبالِ ﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ﴾ مُتلبِّسين ﴿بِحَمْدِكَ﴾ اى

تقول سبحان الله وبحمده وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ ننزهك عما لا يليق بك فاللام زائدة والجملة حال اى فنحن احق
بالاستخلاف قَالَ تعالى إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ من المصلحة في استخلاف آدم وان ذريته فيهم المطيع
والعاصي فيظهر العدل بينهم فقالوا لن يخلق ربنا خلقا اكرم عليه منا ولا اعلم لسبقنا له ورؤيتنا ما لم
يره فخلق تعالى آدم من اديم الارض اى وجهها بان قبض منها قبضة من جميع الوانها وعجنت بالمياه
المختلفة وسواه ونفخ فيه الروح فصار حيوانا حساسا بعد ان كان جمادا وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ اى اسماء
المسميات كُلَّهَا حتى القصعة والقصيعة والفسوة والفسية والمغرفة بان القى في قلبه علمها ثُمَّ عَرَضَهُمْ
اى المسميات وفيه تغليب العقلاء عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ لهم تبكيتا أَنْبِئُونِي اخبروني بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ المسميات
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣١﴾ في اني لا اخلق اعلم منكم او انكم احق بالخلافة وجواب الشرط دل عليه ما قبله
قَالُوا سُبْحَانَكَ تنزيها لك عن الاعتراض عليك لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اياه إِنَّكَ أَنْتَ تاكيد للكاف
الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾ الذي لا يخرج شيء عن علمه وحكمته قَالَ تعالى يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ اى الملائكة بِأَسْمَائِهِمْ ۖ اى
المسميات فسمى كل شيء باسمه وذكر حكمته التي خلق لها فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ تعالى لهم
موبخا أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ما غاب فيهما وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ تظهرون من قولكم اتجعل
فيها الخ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٣٣﴾ تسرون من قولكم لن يخلق ربنا خلقا اكرم عليه منا ولا اعلم.

ترجمہ: اے محمد ﷺ! اس وقت کو یاد کرو، جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں زمین میں ایک
نائب بناؤں گا، جو زمین میں میرے احکام نافذ کرنے میں میری نیابت کرے گا اور وہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہے، تو فرشتوں نے عرض
کیا، کیا آپ زمین میں ایسے شخص کو مقرر فرمائیں گے جو زمین میں معاصی کے ذریعہ خون خرابہ کرے گا؟ یعنی قتل کے ذریعہ خون
ریزی کرے گا، جیسا کہ جنات نے کیا اور وہ زمین میں پہلے سے (مقیم) تھے، چنانچہ جب انہوں نے فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے
ان کی طرف فرشتوں کو بھیجا تو فرشتوں نے ان کو جزیروں اور پہاڑوں کی طرف دھکیل دیا، اور ہم آپ کی حمد و ثنا تو کر ہی رہے
ہیں، یعنی سبحان اللہ، الحمد للہ کہہ رہے ہیں اور ان چیزوں سے جو تیری شایان شان نہیں ہیں تیری پاکی بیان کر رہے
ہیں (لَكَ) میں لام زائد ہے اور جملہ حال ہے اور خلافت کے ہم زیادہ مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے نائب
بنانے میں جو مصلحت ہے، میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، (اور وہ یہ) کہ اس کی اولاد میں فرمانبردار بھی ہوں گے اور نافرمان
بھی، تو ان میں عدل کا ظہور ہوگا، تو فرشتوں نے عرض کیا ہمارا رب ہرگز کوئی ایسی مخلوق پیدا نہ کرے گا، جو اس کے نزدیک ہم سے
افضل ہو اور نہ ایسی کہ جو ہم سے اعلم (زیادہ جاننے والی) ہو، اس وجہ سے کہ ہم کو حق سبقت حاصل ہے اور اس وجہ سے کہ جو ہم نے
دیکھا ہے وہ کسی نے نہیں دیکھا، چنانچہ حق تعالیٰ شانہ نے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو زمین کی مٹی سے پیدا فرمایا، یعنی سطح زمین (کی مٹی)

سے اس طریقہ سے کہ زمین سے ہر رنگ کی ایک مٹھی مٹی لی اور اس کو مختلف پانیوں سے گوندھا اور اس میں روح پھونک دی تو وہ ایک حساس (شی) بن گیا، بعد اس کے کہ وہ جماد (بے جان) تھا، اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، حتی کہ پیالہ، پیالی، اور پاد اور پھسکی اور ڈوئی بایں طور کہ آدم کے قلب پر ان کا علم القاء فرمایا، پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے روبرو پیش فرمایا، ھم جمع مذکر کی ضمیر لانے کی وجہ، ذوی العقول کو غلبہ دینا ہے اور فرمایا کہ تم مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ، اگر تم اس (مشورہ) میں سچے ہو کہ میں تم سے زیادہ جاننے والے کو پیدا نہ کرونگا، یا تم اس دعوے پر حق پر ہو کہ نیابت کے تم زیادہ حق دار ہو (تو تم مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ) اور جواب شرط پر اس کا ماقبل دلالت کر رہا ہے، فرشتوں نے عرض کیا آپ تو پاک ہیں، (یعنی) آپ تو اعتراض (نقص) سے پاک ہیں ہمیں کچھ علم نہیں، مگر اتنا ہی جتنا آپ نے ہمیں سکھلایا، بے شک آپ ہی (انت ضمیر) کاف خطاب کی تاکید کے لئے ہے، علم وحکمت والے ہیں کہ آپ کے علم وحکمت سے کوئی شی خارج نہیں، حق تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تو بتادے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام، چنانچہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو ہر چیز کا نام بتادیا اور ان کی حکمت اور خواص بیان کر دیئے، جس کے لئے وہ چیزیں پیدا کی گئی تھیں جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو چیزوں کے نام بتادیئے، تو حق تعالیٰ نے توبیخاً فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جو ان میں فرشتوں سے مخفی ہیں اور اس کو بھی جانتا ہوں جو تم اپنے قول اَتَجْعَلُ فیھا من یفسد الخ سے ظاہر کرتے ہو، اور جو بات تم چھپاتے ہو، یعنی اپنے قول "لن یخلق ربنا خلقا اکرم علیه منا ولا اعلم" کو۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ، واؤ، استینافیہ ہے، اِذْ، اُذْکُرْ، فعل محذوف کا مفعول بہ ہے، قرآن میں مذکور قصوں کے شروع میں یہی ترکیب اغلب ہے، زمخشری اور ابن عطیہ کا یہی قول مختار ہے اور ابوحیان نے کہا ہے کہ: اِذْ قَالُوْا اَتَجْعَلُ، کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: لِلْمَلَائِکَۃِ: یہ مَلَكٌ کی جمع ہے، یہ اصل مَاْلَكٌ بروزن مَفْعَلٌ تھا ہمزہ کو تخفیفاً حذف کردیا گیا، مَلَكٌ یہ اُلُوكة سے مشتق ہے، اُلُوكة کے معنی ہیں پیغام بری، رسالت، فرشتے بھی خدا کا پیغام مخلوق تک پہنچانے کا کام کرتے ہیں اور خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں اس لئے ان کو ملائکہ کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: مُتَلَبِّسِیْنَ، اس میں اشارہ ہے کہ: بِحَمْدِكَ، نسبح کی ضمیر سے حال اور باء، ملابست کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: نُقَدِّسُ لَكَ، میں لام زائدہ برائے تاکید ہے، اس لئے کہ نقدس متعدی بنفسہٖ ہے۔

قَوْلُہٗ: والجملة حال یعنی وَنَحْنُ نُسَبِّحُ، اتجعلُ کی ضمیر سے حال ہے اور نقدس کا عطف نُسَبِّحُ پر ہے معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر، نحن، مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: والجملة حالٌ، کو ایک اعتراض کا جواب بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

سَوَال: وَنُسَبِّحُ، کا اَتَجْعَلُ پر عطف درست نہیں ہے، اس لئے کہ: اَتَجْعَلُ جملہ انشائیہ ہے اور نُسَبِّحُ جملہ فعلیہ۔

جَوَاب: وَنُسَبِّحُ کا عطف اَتَجْعَلُ پر نہیں ہے، بلکہ واوٗ حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: نُنَزِّهُكَ عَمَّا لَا يَلِيقُ بِكَ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: نُسَبِّحُ اور نُقَدِّسُ، دونوں ہم معنی ہیں لہٰذا یہ تکرار بے فائدہ ہے۔

جَوَاب: دونوں کے معنی مختلف ہیں تسبیح کے معنی ہیں زبان سے تسبیح بیان کرنا اور تـقـدیـس کے معنی ہیں پاکی کا دل سے اعتقاد رکھنا۔

قَوْلُہٗ: وجواب الشرط دَلَّ عليه ما قبله، یعنی اِنْ کنتم صٰدقین کا جواب شرط محذوف ہے اور دال علی الحذف، ماقبل یعنی انبؤنی ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی، اِنْ کنتم صٰدقین انبؤنی، اور سیبویہ کے نزدیک چونکہ جواب شرط کی تقدیم جائز ہے لہٰذا جواب شرط محذوف ماننے کی ضرورت نہ ہوگی، بلکہ ماقبل میں مذکور، أنبؤنی، ہی جواب شرط ہوگا۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ (الآية) اذ ظرف زمان ہے کسی گذشتہ واقعہ کی یاد دلانے کے موقع پر استعمال ہوتا ہے جس طرح کہ اِذا کسی واقعۂ مستقبل پر دلالت کرنے کے لئے آتا ہے۔　(ابو سعود)

فرشتے اللہ کی نوری مخلوق ہیں جن کا مسکن آسمان ہے جو اوامر الٰہی کے بجالانے اور اس کی تقدیس وتحمید میں مصروف رہتے ہیں اور اس کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرتے اپنا وجود خارجی رکھتے ہیں محض صفات الٰہی یا قوائے طبعی کے مرادف نہیں ہیں عادۃ انسان کے لئے غیر مرئی رہتے ہیں حسب ضرورت مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں، گذشتہ رکوع میں رب کی بندگی کی دعوت اس بنیاد پر دی گئی تھی کہ وہ تمہارا خالق و پروردگار ہے اسی کے قبضۂ قدرت میں تمہاری زندگی اور موت ہے اور جس کائنات میں تم رہتے ہو اس کا مالک اور مدبر بھی وہی ہے، لہٰذا اس کی بندگی کے سوا تمہارے لئے کوئی دوسرا طریقہ صحیح نہیں ہو سکتا۔

اب اس رکوع میں وہی دعوت اس بنیاد پر دی جا رہی ہے، کہ اس دنیا میں تم کو خدا نے اپنا خلیفہ بنایا ہے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تمہارا فرض صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ صرف اس کی بندگی کرو، بلکہ یہ بھی ہے کہ اس کی بھیجی ہوئی ہدایت کے مطابق کام کرو، اگر تم نے ایسا نہ کیا اور اپنے ازلی دشمن کے اشارہ پر چلے تو بدترین بغاوت کے مجرم ہوگے، اور بدترین انجام دیکھو گے۔

تاریخ آفرینش آدم علیہ الصلاۃ والسلام اور اس کا منصب:

اس سلسلے میں انسان کی حقیقت اور کائنات میں اس کی حیثیت ٹھیک ٹھیک بیان کردی گئی ہے اور نوع انسانی کی تاریخ کا وہ باب پیش کیا گیا ہے، جس کے معلوم ہونے کا دوسرا کوئی ذریعہ انسان کو میسر نہیں ہے اس باب سے ہم کو جو معلومات حاصل ہوتی ہیں، یا جو ہم کو نتائج حاصل ہوتے ہیں، وہ ان نتائج سے بہت زیادہ قیمتی ہیں جو زمین کی تہوں سے متفرق ہڈیاں نکال کر اور انہیں قیاس وتخمین سے ربط دے کر نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حتی کہ نسل انسانی کا جد اعلی بندر کو قرار دے کر انسان کی توہین وتذلیل سے بھی نہیں چوکتے۔

خلیفہ:

خلیفہ کہتے ہیں اس کو جو کسی کی نیابت کرے خواہ اس لئے کہ وہ موجود نہیں یا اس لئے کہ وہ فوت ہو چکا ہے یا اس لئے کہ وہ معذور ہے اور خواہ اس لئے کہ اس سے مستخلف کی تعظیم ظاہر ہو۔

''الخلافة، النیابة مِنَ الغیر امّا لغیبة المنوب عنه وامّا لموته وَاما لعجزه وَامّا لِتشریف المستخلف''. (راغب، تفسیر ماجدی)

واضح رہے کہ دنیا کے کسی مذہب نے بھی انسان کو اس بلند مرتبہ یعنی خلافت ونیابت الٰہی پر نہیں رکھا ہے جاہلی مذاہب کا تو ذکر ہی کیا؟ خود یہودیت اور اس کا مسخ شدہ ضمیمہ مسیحیت بھی اس باب میں اسلام سے کہیں پیچھے ہے، بائبل میں اس موقع پر صرف اس قدر ذکر ہے۔

بائبل میں تخلیق آدم کا ذکر:

''خداوند نے زمین پر پانی برسایا تھا، اور آدم نہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے اور زمین سے بخار اٹھتا تھا، اور تمام روئے زمین کو سیراب کرتا تھا اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا سو آدم جیتی جان ہوا''۔
(پیدائش ۲، ۵، ۷، ماجدی)

گویا جس طرح دیگر حیوانات پیدا ہو رہے تھے، ایک جاندار، آدم بھی پیدا ہو گیا، اس کا کام زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ زمین پر کھیتی کرے، کہاں یہ اتنا طویل لیکن بے مغز، انسان کو کاشتکاری تک محدود رکھنے والا بیان اور کہاں قرآن مجید کا باوجود نہایت اختصار کے انسان کے مرتبۂ خلافت الٰہی پر پہنچا دینے والا بلند اور جامع اعلان۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا (الآیة) فرشتوں کا یہ قول بطور اعتراض یا گستاخی کے نہ تھا جیسا کہ بعض حضرات کا

خیال ہے، فرشتے تو گستاخی کر ہی نہیں سکتے، باغی فرشتوں کا تخیل تمام تر مسیحی ہے اور عجب نہیں کہ مسیحیوں کے ساتھ تعلقات قائم ہو جانے سے یہ خیال مسلمان علماء میں داخل ہو گیا ہو، فرشتوں کا یہ قول تمام تر وفور نیاز مندی، اقرار وفاداری اور جوش جاں نثاری کا نتیجہ تھا جیسا کہ بعض محققین نے لکھا ہے۔

''وقول الملائکة هذا لَيْسَ على وجه الاعتراض على الله ولا عَلى وجه الحسد لبنى آدم كما قد يتوهمه بعض المفسرين''. (ابن کثیر)

اس موقع پر بہترین تقریر حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی ہے آپ فرماتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم تو سب کے سب آپ کے فرمانبردار ہیں اور ان میں کوئی کوئی مفسد وسفاک بھی ہوگا، سو اگر یہ کام ہمارے سپرد کیا جائے، تو ہم سب لگ لپٹ کر اس کو انجام دیں گے اور وہ لوگ سب اس کام کے نہ ہوں گے البتہ جو مطیع ہوں گے وہ تو جان ودل سے اس میں لگ جائیں گے، مگر جو مفسد اور ظالم ہوں گے ان سے کیا امید کہ وہ اس کام کو انجام دیں گے، خلاصہ یہ ہے کہ جب کام کرنے والوں کا ایک گروہ موجود ہے، تو ایک نئی مخلوق کو جن میں کوئی کام کا ہوگا کوئی نہ ہوگا، اس خدمت کے لئے تجویز فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بطور اعتراض کے نہیں کہا نہ اپنا استحقاق جتلایا بلکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی حاکم نیا کام تجویز کر کے اس کے لئے ایک مستقل عملہ بڑھانا چاہے اور اپنے قدیم عملے سے اس کا اظہار کرے وہ لوگ اپنی جاں نثاری کی وجہ سے عرض کریں کہ حضور جو لوگ اس کام کے لئے تجویز ہوئے ہیں ہم کو کسی طرح معلوم ہوا ہے کہ بعض بعض تو اس کو بخوبی انجام دیں گے اور بعض بالکل ہی کام بگاڑ دیں گے، جن سے حضور کا مزاج ناخوش ہوگا، آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں، ہر وقت حضور پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں کیسا ہی کام کیوں نہ ہو حضور کے اقبال سے اس کو انجام دے نکلتے ہیں، کبھی کسی خدمت میں ہم غلاموں نے عذر نہیں کیا اور اگر وہ نئی خدمت بھی ہم کو عنایت ہوگی تو ہم کو کوئی عذر وانکار نہ ہوگا، فرشتوں کی عرض معروض بھی اسی طرح نیاز مندی کے واسطے تھی۔ (تفسیر ماجدی ملخصًا)

فرشتوں کی یہ ساری عرض ومعروض ان کی کسی غیب دانی کی بنا پر نہیں بلکہ نیابت الٰہی وخلافت ربانی کا نام سن کر خود ہی انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا قوائے بشری کی ترکیب کا بھی اور زمینی مخلوق کی ضرورتوں اور طبعی تقاضوں کا بھی، اور اس سے یہ نتیجہ خود بخود ان کے سامنے آ گیا تھا کہ زمین پر فساد بھی ہوگا اور انسانوں میں سے باغی ونافرمان بھی پیدا ہوں گے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسانی آبادی سے قبل روئے زمین پر جنات آباد تھے، ان کی سرشت وفطرت پر قیاس کر کے فرشتے انسانوں کے حق میں بھی یہی سمجھے، مفسر علام سیوطی نے اپنے قول ''يُرِيقها بالقتل كما فَعَلَ بنو الجان'' سے اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے اور معالم میں ہے: ''كما فَعَلَ بنو الجان فقاسوا الشاهد على الغائب''. (معالم)

وَاَنَّهُمْ قَاسُوْهُمْ عَلٰى مَنْ سَبَقَ (ابن کثیر) اور ہو سکتا ہے کہ فرشتوں نے روح پھونکے جانے سے پہلے ملکوتی نظر سے آدم کے جسد خاکی کو دیکھا ہو جو عناصر اربعہ متضادہ سے مرکب تھا اور اسی سے اندازہ کر لیا ہو کہ نئی مخلوق بھی زمین میں شر وفساد بر

پا کرے گی، اور اس کو غیب نہیں کہتے یہ ایک شئی کا دوسری شئی پر قیاس اور نتیجہ کا اخذ ہے۔ (روح المعانی، ملخصًا)

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ، دنیا میں دیوتا پرستی کی بیماری فرشتوں ہی کے فرائض کی غلط تشخیص سے پیدا ہوئی ہے، آگ کے فرشتوں کو جاہلی قوموں نے اگنی دیوتا بارش کے فرشتوں کو اندر دیوتا اور رزق رساں فرشتوں کو ان دیوتا علی ہذا القیاس قرار دیدیا، قرآن نے نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ الخ فرشتوں کی زبانی کہلوا کر ان کی عبدیت محض پر انہیں کی زبان سے مہر لگادی، فرشتے یہاں صاف صاف عرض کررہے ہیں کہ ہم خدام تو اپنی سرشت کے لحاظ سے بجز حضور والا کی تحمید وتقدیس کے اور کچھ کرہی نہیں سکتے۔

فرشتہ اور دیوتا میں فرق:

دونوں کے تصور میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فرشتہ مکمل مخلوق اور عبد ہوتا ہے اللہ کے حکم سے موجودات کے کسی خاص شعبہ پر مامور ہوتا ہے، اس سے کسی غلط، لغزش یا خیانت کا احتمال نہیں ہوتا، اس کے برعکس دیوتا خود ایک مستقل بالذات وخود مختار وجود ہوتا ہے اور عبد نہیں بلکہ معبود ہوتا ہے۔ (ماجدی، ملخصًا)

قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ: فرشتوں کو جب یہ خلجان ہوا کہ ایسی مخلوق جس میں مفسد اور خون ریز تک ہوں گے، ہم ایسے مطیع اور فرمانبردار کے ہوتے ہوئے ان کو خلیفہ بنانا اس کی وجہ کیا ہوگی، تو بطور استفادہ یہ سوال کیا، اعتراض ہرگز نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو اجمالی جواب:

فرشتوں کو سرِ دست بالاجمال یہ جواب دیا گیا کہ ہم خوب جانتے ہیں اس کے پیدا کرنے میں جو حکمتیں ہیں تم کو ابھی تک وہ حکمتیں معلوم نہیں ورنہ اس کی خلافت اور افضلیت پر شبہ نہ کرتے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا، یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر ایک چیز کا نام مع اس کی حقیقت وخاصیت اور نفع ونقصان کے تعلیم فرمایا اور یہ علم بلا واسطہ القاء فرمایا، اس لئے کہ کمال علمی کے بغیر خلافت اور دنیا پر حکومت ممکن نہیں ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا، اَسْمَاء سے مراد اشخاص ومسمیات کے نام اور ان کے خواص وفوائد کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے القاء والہام کے ذریعہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سکھلایا تھا، اسم کے ساتھ اگر مسمّٰی کا علم نہ ہو تو اسم محض ایک آواز رہے گی، ذہن میں اس کا کوئی مفہوم ظاہر نہ ہوگا، علامہ راغب نے اسی مفہوم کو اس طرح بیان فرمایا ہیں: "اِنَّ معرفة الاسماء لا تحصل اِلَّا بمعرفة المسمّٰی وحصول صورته فی الضمیر" کہ اسم کی معرفت بغیر مسمّٰی کی معرفت کے اور ذہن میں اس تصویر کے ہو نہیں سکتی، پھر جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا گیا کہ ان کے نام بتاؤ تو انہوں نے فوراً سب کچھ بیان کردیا، جو فرشتے بیان نہ کرسکے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک تو فرشتوں پر حکمت تخلیق آدم واضح کردی، دوسرے دنیا کا نظام چلانے کے لئے علم کی اہمیت

وفضیلت بیان فرمادی، جب یہ حکمت اور اہمیت علم فرشتوں پر واضح ہوگئی، تو انہوں نے اپنے قصور علم وفہم کا اعتراف کرلیا۔

وَ اذْكُرْ **اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ** سُجُودَ تَحِيَّةٍ بِالْاِنْحِنَاءِ **فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ** ہُوَ اَبُو الْجِنِّ كَانَ بَيْنَ الْمَلٰئِكَةِ **اَبٰى** اِمْتَنَعَ مِنَ السُّجُوْدِ **وَاسْتَكْبَرَ** تَكَبَّرَ عَنْهُ وَقَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ **وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۳۴﴾ فِي عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى **وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ** تَاكِيْدٌ لِلضَّمِيْرِ الْمُسْتَتِرِ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ **وَزَوْجُكَ** حَوَّآءُ بِالْمَدِّ وَكَانَ خَلَقَهَا مِنْ ضِلْعِهِ الْاَيْسَرِ **الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا** اَكْلًا **رَغَدًا** وَاسِعًا لَا حَجْرَ فِيْهِ **حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ** بِالْاَكْلِ مِنْهَا وَهِيَ الْحِنْطَةُ اَوِ الْكَرْمُ اَوْ غَيْرُهُمَا **فَتَكُوْنَا** فَتَصِيْرَا **مِنَ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۳۵﴾ الْعَاصِيْنَ **فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ** اِبْلِيْسُ اَذْهَبَهُمَا وَفِي قِرَاءَةٍ فَاَزَالَهُمَا نَحَّاهُمَا **عَنْهَا** اَيِ الْجَنَّةِ بِاَنْ قَالَ لَهُمَا هَلْ اَدُلُّكُمَا عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَقَاسَمَهُمَا بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَهُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ فَاَكَلَا مِنْهَا **فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ** مِنَ النَّعِيْمِ **وَقُلْنَا اهْبِطُوْا** اِلَى الْاَرْضِ اَيْ اَنْتُمَا بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمَا **بَعْضُكُمْ** بَعْضُ الذُّرِّيَّةِ **لِبَعْضٍ عَدُوٌّ** مِنْ ظُلْمِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا **وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ** مَوْضِعُ قَرَارٍ **وَّمَتَاعٌ** مَا تَتَمَتَّعُوْنَ بِهٖ مِنْ نَبَاتِهَا **اِلٰى حِيْنٍ** ﴿۳۶﴾ وَقْتِ انْقِضَاءِ اٰجَالِكُمْ **فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ** اَلْهَمَهٗ اِيَّاهَا وَفِي قِرَاءَةٍ بِنَصْبِ اٰدَمَ وَرَفْعِ كَلِمَاتٍ اَيْ جَاءَتْهُ وَهِيَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الْاٰيَةَ فَدَعَا بِهَا **فَتَابَ عَلَيْهِ** قَبِلَ تَوْبَتَهٗ **اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ** عَلٰى عِبَادِهٖ **الرَّحِيْمُ** ﴿۳۷﴾ بِهِمْ **قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا** مِنَ الْجَنَّةِ **جَمِيْعًا** كَرَّرَهٗ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ **فَاِمَّا** فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الْمَزِيْدَةِ **يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى** كِتَابٌ وَرَسُوْلٌ **فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ** فَاٰمَنَ بِيْ وَعَمِلَ بِطَاعَتِيْ **فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴿۳۸﴾ فِي الْاٰخِرَةِ بِاَنْ يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ** كُتُبِنَا **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ﴿۳۹﴾ مَاكِثُوْنَ اَبَدًا لَا يَفْنَوْنَ وَلَا يَخْرُجُوْنَ۔

تَرجَمہ: اور یاد کرو، جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے تعظیم کے طور پر جھک جاؤ سب جھک گئے، مگر ابلیس نہ جھکا وہ جنوں کا جد اعلیٰ ہے، یعنی سجدہ کرنے سے باز رہا، وہ فرشتوں کے درمیان رہا کرتا تھا، اور سجدہ کرنے سے تکبر کیا اور کہا میں اس سے افضل ہوں اور وہ اللہ کے علم میں منکرین میں سے تھا اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم تم (انت) ضمیر مستتر کی تاکید کے لئے ہے، تاکہ اس پر عطف کیا جاسکے اور تمہاری بیوی، حوآء، مد کے ساتھ اور اس کی تخلیق آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بائیں پسلی سے تھی، جنت میں رہو، اور تم دونوں جو چاہو جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ، یہاں کوئی پابندی نہیں، لیکن کھانے کے ارادہ سے تم دونوں اس درخت کے نزدیک (بھی) مت جانا، وہ گندم کا درخت تھا، یا انگور وغیرہ کا، ورنہ تو نافرمانوں میں شمار ہوگے، لیکن شیطان ابلیس نے اس درخت کی وجہ سے دونوں کو لغزش دیدی اور ایک قراءت میں فَاَزَالَهُمَا ہے یعنی ان دونوں کو جنت سے برطرف کرادیا، اس طریقہ سے کہ ابلیس نے ان دونوں سے کہا کیا میں تم کو (شجرة الخلد) یعنی ہمیشگی کا درخت

بتادوں؟ اور اللہ کی قسم کھا کر ان سے کہا کہ وہ ان دونوں کا خیر خواہ ہے چنانچہ دونوں نے اس درخت سے کچھ کھالیا، سونکال دیا دونوں کو اس عیش سے جس میں وہ تھے اور ہم نے ان سے کہہ دیا تم نیچے زمین پر اتر جاؤ یعنی تم دونوں مع اس ذریت کے جو تمہارے اندر موجود ہے، تمہاری ذریت بعض بعض کی دشمن ہوگی بعض کے بعض پر ظلم کرنے کی وجہ سے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور اس کی پیداوار سے ایک وقت تک نفع اٹھانا ہے یعنی تمہاری مدت عمر ختم ہونے تک آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے، جو اس نے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو الہام فرمائے اور ایک قراءت میں آدم کے نصب اور کلمات کے رفع کے ساتھ ہے یعنی وہ کلمات آدم کو حاصل ہوئے اور وہ کلمات: "رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا" (الآیة) ہیں چنانچہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کلمات کے ذریعہ دعاء فرمائی اور اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی بے شک وہ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے اور ہم نے ان سے کہا تم جنت سے چلے جاؤ، اس جملہ کو مکرر ذکر فرمایا تاکہ اس پر عطف کیا جا سکے، جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت کتاب اور رسول پہنچے، اِمَّا، میں ان شرطیہ کے نون کا، ما زائدہ میں ادغام ہے، تو جس نے میری ہدایت کی تابعداری کی کہ مجھ پر ایمان لایا اور میری طاعت پر عمل کیا، تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ آخرت میں رنجیدہ ہوں گے اس لئے کہ وہ جنت میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں، کتابوں کی تکذیب کی وہ جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے نہ فنا ہوں گے اور نہ (اس سے) نکلیں گے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اُذکر، مفسر علام نے حسب عادت، اُذکر، فعل مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ، اِذْ قُلْنَا الخ، فعل محذوف کا ظرف ہے۔

قَوْلُہٗ: بالاِنحِنَاءِ، سجدہ کی تفسیر انحناء سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں سجدہ کے لغوی معنی مراد ہیں، اور وہ جھکنا ہے قال ابو عمرو سجد اذا طأطأ راسہ، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے واقعہ میں سجدہ سے لغوی معنی مراد ہیں، جھک کر تعظیم کرنا امم سابقہ میں جائز تھا اس امت میں جائز نہیں ہے، اور اگر سجدہ کے معنی وضع الجبهة علی الارض مراد ہوں تو لِآدَمَ، میں لام بمعنی اِلٰی ہوگا یعنی سجدہ تو اللہ ہی کو مراد ہے، مگر رخ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف کرکے جیسا کہ بیت اللہ کی طرف رخ کرکے اللہ کو سجدہ کیا جاتا ہے، مگر یہ قول ضعیف ہے۔

قَوْلُہٗ: تَحِیَّة، یہ حَیِیَ یَحیٰ (س) کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں حَیَّاكَ اللّٰہُ کہنا، سلام کرنا۔

قَوْلُہٗ: ابلیس، اس کے مشتق اور غیر مشتق ہونے میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے اور عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور اگر ابلاس بمعنی مایوسی سے مشتق ہوتا تو منصرف ہوتا۔

قَوْلُہٗ: ھو ابو الجن، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ ہے، کہ اِلَّا ابلیس مستثنیٰ منقطع ہے یعنی

ابلیس فرشتوں کی جنس سے نہیں تھا، بلکہ صرف ان کے درمیان بود و باش رکھتا تھا، تغلیبا فرشتوں میں شامل کرلیا گیا، مفسر علام نے "وَ كَانَ بَيْنَ الملائكةِ" سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: تکبّرَ، استکبر کی تفسیر تکبَّرَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ سین زائدہ مبالغہ کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاسْتَكْبَرَ کا عطف اَبٰی پر، عطفِ علت علی المعلول کے قبیل سے ہے یعنی استکبر علت ہے اور ابی معلول۔

سَوَال: علت معلول پر مقدم ہوا کرتی ہے نہ عکس۔

جَوَاب: معلول چونکہ ظاہر اور محسوس ہے اور علت یعنی تکبر، معنوی اور غیر محسوس شئ ہے، اس لئے محسوس کو غیر محسوس پر مقدم کردیا۔

سَوَال: کان من الکافرین، سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ: ابلیس پہلے ہی کافر تھا، تو پھر وہ جنت میں کس طرح داخل ہوا؟

اس کے دو جواب ہیں۔ اول جواب یہ کہ اس وقت کافر نہیں تھا۔ مگر اللہ کے علم ازلی کے اعتبار سے کافر تھا، دوسرا جواب کان بمعنی صار ہے، یعنی کافر ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: بالاکلِ، مفسر علام نے اس کلمہ کے اضافہ سے اشارہ کردیا کہ لا تقربا میں قرب مکانی سے نہی مقصود نہیں ہے بلکہ نہ کھانے کی تاکید میں مبالغہ مقصود ہے، جیسے: اللہ تعالیٰ کا قول: "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا" الخ میں۔

قَوْلُہٗ: اَذْهَبَهُمَا و اَزَالَهُمَا، ان دونوں کلموں کے اضافہ کا مقصد اَزَلَّهُمَا، کے دو معنی کا بیان ہے، ایک معنی لغزش دینا اور دوسرے معنی نکلوا دینا، برطرف کرا دینا۔

قَوْلُہٗ: كَرَّرَهُ لِيُعْطَفَ عليه، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال کی تمہید، قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا، کو مکرر ذکر کیا گیا ہے اس تکرار میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اول اِھباط اس بات پر دلالت کرنے کیلئے ہے کہ یہ ہبوط دار المحن (دنیا) کی طرف ہے، جس میں معیشت کے لئے تگ و دو و کد و کاوش کرنی ہوگی، اور آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے اور یہ ہبوط ایک محدود وقت تک کے لئے ہوگا اور دوسرے ہبوط میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس عارضی قیام کے دوران وہ تکالیف شرعیہ کے بھی مکلف ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ دو مرتبہ ہبوط کہنے کا مقصد الگ الگ ہے۔

سَوَال: دونوں مقصدوں کو ایک ہی ہبوط سے متعلق کیوں نہیں کیا؟

جَوَاب: ایسا کرسکتے تھے، مگر درمیان میں "فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ" جملہ معترضہ آگیا، اس لئے ہبوط کو مکرر لائے تاکہ ثانی مقصد ثانی کے ساتھ اور اول مقصد اول کے ساتھ متصل ہوجائے، اس مقصد کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مفسر علام نے "لِيُعْطَفَ عليه" کا اضافہ فرمایا یہاں عطف سے مراد اصطلاحی عطف نہیں ہے بلکہ اتصال مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: فَاِمَّا، فاءترتیب مابعد علی ماقبل کے لئے ہے، فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ، اِمَّا اصل میں اِنْ مَا تھا،اِن شرطیہ اور ما زائدہ ہے، فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ، جملہ شرطیہ جزائیہ ہوکر اِن شرطیہ کا جواب واقع ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

ربط آیات:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ، گذشتہ آیات میں علمی حیثیت سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت فرشتوں اور جنوں پر ثابت ہو چکی، اب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ عملی طور پر بھی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے فرشتوں اور جنوں سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خاص قسم کی تعظیم کرائی جائے، جس سے یہ ثابت ہو کہ آدم دونوں حیثیت سے کامل و مکمل ہے، اس کے لئے جو عمل تعظیمی تجویز کیا گیا اس کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا: "اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ" یعنی ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سر تسلیم خم کرو، سر تسلیم خم کرنے کو سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے، سب فرشتوں نے حضرت آدم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، مگر ابلیس نے انکار کر دیا اس کا یہ انکار کسی غلط فہمی یا اشتباہ کی بناء پر نہیں تھا، بلکہ خالص غرور و نخوت اور پندار و تفوق کی بنا پر تھا۔

کیا سجدہ کا حکم جنات کو بھی تھا؟ آیت میں اگر چہ فرشتوں کو حکم کی صراحت ہے مگر آگے استثناء سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم جنات کو بھی تھا، فرشتوں کے ذکر پر اس لئے اکتفاء کیا گیا ہے کہ فرشتے سب سے افضل و اشرف تھے، جب افضل کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو مفضول اس میں بطریق اولیٰ شامل ہوں گے۔

سجدۂ تعظیمی پہلی امتوں میں:

امام جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم اور تحیہ کے لئے سجدہ مباح تھا، شریعت محمدیہ ﷺ میں منسوخ ہو گیا اور بڑوں کی تعظیم کے لئے صرف سلام، مصافحہ کی اجازت دی گئی۔

توضیح:

توضیح اس کی یہ ہے کہ اصل کفر و شرک اور غیر اللہ کی عبادت تو اصول ایمان کے خلاف ہے وہ کبھی کسی شریعت میں جائز نہیں ہو سکتی، لیکن کچھ اعمال و افعال ایسے ہیں جو اپنی ذات میں شرک و کفر نہیں، مگر لوگوں کی جہالت اور غفلت سے وہ افعال ذریعۂ کفر و شرک بن سکتے ہیں ایسے افعال کو انبیاء سابقین کی شریعت میں مطلقاً منع نہیں کیا گیا بلکہ ان کو ذریعۂ شرک بنانے سے روکا گیا جیسے:

جانداروں کی تصویر بنانا گو اپنی ذات میں کفر و شرک نہیں اس لئے گذشتہ شریعتوں میں جائز تھا، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں مذکور ہے: "یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ" یعنی جنات ان کے لئے بڑی محرابیں اور تصویریں بنایا کرتے تھے، اسی طرح سجدۂ تعظیمی گذشتہ شریعتوں میں جائز تھا، لیکن آخر کار لوگوں کی جہالت سے یہی چیزیں کفر و شرک اور بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں۔

اہم بات:

سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ فرشتوں کے آدم کو سجدہ کرنے کا معاملہ عالم ارواح کا ہے نہ کہ عالم ناسوت کا اور تکلیفات شریعت کا تعلق عالم ناسوت سے ہے، عالم ارواح میں امتثال امر ہی عبادت ہے۔

سجدۂ تعظیمی کی ممانعت:

شریعتِ محمدیہ میں سجدۂ تعظیمی کی ممانعت احادیث متواترہ سے ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں غیر اللہ کے لئے سجدۂ تعظیمی جائز قرار دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کیا کرے۔

یہ حدیث بیس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت سے ثابت ہے اصول حدیث کی معروف کتاب تدریب الراوی میں ہے کہ جس روایت کے دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم راوی ہوں تو وہ حدیث متواتر ہو جاتی ہے جو قرآن کی طرح قطعی ہے، یہاں تو یہ حدیث بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے۔ (معارف)

ابلیس کا کفر محض عملی نافرمانی کا نتیجہ نہیں، کیونکہ کسی فرض کا عملاً ترک کر دینا اصول شریعت میں فسق و گناہ ہے کفر نہیں ابلیس کے کفر کا اصل سبب حکم ربانی سے معارضہ اور مقابلہ ہے، کہ آپ نے جس کو سجدہ کرنے کا مجھے حکم دیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ میں اس کو سجدہ کروں یہ معارضہ بلاشبہ کفر ہے۔

وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِیْنَ: اِسْتَكْبَرَ، باب استفعال سے ہے جس سے بعض حضرات نے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ ابلیس میں یہ کبر فطری اور خلقی نہیں تھا، بلکہ اس نے خود پیدا کیا، وَكَانَ السین والتاء لِلْاشعار بِاَنْ الکِبر لیسَ مِنْ طبعه ولکنّه مستعد لَهٗ. (المنار)

كَانَ مِنَ الْكَافِرِیْنَ، یعنی اس نافرمانی نے اسے کافروں میں داخل کر دیا، یہ معنی نہیں کہ وہ پہلے سے کافروں میں تھا، کان، بمعنی صــــار بکثرت مستعمل ہے، جیسا کہ صاحب تفسیر مدارک، بیضاوی، معالم، روح المعانی، نے کان بمعنی صار لیا ہے، اور جن حضرات نے كَانَ بمعنی كَانَ ہی لیا ہے، انہوں نے فی علم اللہ، کو محذوف مانا ہے۔

اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ، لفظ انت کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب اصلی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، حضرت حواء کی حیثیت تابع کی تھی، مذکورہ آیت میں حضرت آدم و حواء علیہما السلام دونوں کے لئے جنت کو مسکن بنانے کا ارشاد ہے جس کو مختصر لفظوں

میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے، "اُسْکُنَا الجنۃ" یعنی دونوں جنت میں رہو جیسا کہ وَکُلَا، اور لَا تَقْرَبَا، میں دونوں کو ایک صیغہ میں جمع کیا گیا ہے مگر یہاں اس کے خلاف اَنْتَ وَزَوْجُكَ، کے الفاظ اختیار کرنے میں مخاطب صرف حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرار دیا ہے اور انہی سے فرمایا کہ تمہاری زوجہ بھی جنت میں رہیں اس میں دو مسئلوں کی طرف اشارہ ہے۔

❶ اول یہ کہ بیوی کے لئے رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے دوسرے یہ کہ سکونت میں بیوی شوہر کے تابع ہے، جس مکان میں شوہر رہے اسی میں رہنا چاہئے۔

❷ اُسْکُنْ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس وقت ان دونوں حضرات کے لئے جنت کا قیام محض عارضی تھا بطور ملکیت نہ تھا، کیونکہ اُسْکُنْ، کے معنی ہیں اس مکان میں رہا کرو، یہ نہیں فرمایا کہ یہ مکان تمہارا ہے یا تمہیں دیدیا گیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ آئندہ ایسے حالات پیش آنے والے ہیں کہ آدم وحواء علیہما السلام کو یہ مکان چھوڑنا پڑے گا، اس لئے کہ جنت کا دائمی استحقاق تو قیامت کے بعد ایمان وعمل کے صلہ میں ہوگا۔

غذا وخوراک میں بیوی شوہر کے تابع نہیں:

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا، یعنی تم دونوں جنت میں بافراغت کھاؤ، اس میں خطاب صرف آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں ہے بلکہ دونوں کو ایک ہی لفظ میں شریک کر کے تثنیہ کا صیغہ استعمال فرمایا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غذا اور خوراک میں بیوی شوہر کے تابع نہیں وہ اپنی ضرورت اور خواہش کے مطابق استعمال کر سکتی ہیں۔ (معارف)

مسئلہ عصمت انبیاء:

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک خاص قسم کے درخت سے کھانے بلکہ پاس جانے سے بھی منع کر دیا گیا تھا اور ساتھ ہی متنبہ کر دیا گیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اس سے ہوشیار رہنا، اس کے باوجود حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس درخت سے کھالیا، جو بظاہر گناہ ہے حالانکہ انبیاء علیہم السلام گناہ سے معصوم ہوتے ہیں، قرآن کریم میں متعدد انبیاء علیہم السلام کے متعلق ایسے واقعات مذکور ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہوا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب بھی ہوا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ واقعہ بھی اسی میں داخل ہے۔

ایسے واقعات کا حاصل باتفاق امت یہ ہے کہ کسی غلط فہمی یا خطاء ونسیان کی وجہ سے ان کا صدور ہو جاتا ہے کوئی پیغمبر جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے خلاف عمل نہیں کرتا خطاء اجتہادی ہوتی ہے، یہ خطاء ونسیان کے سبب قابل معافی ہوتی ہے، جس کو اصطلاح میں گناہ نہیں کہا جا سکتا، اور یہ سہو ونسیان کی غلطی ان سے ایسے کاموں میں نہیں ہو سکتی جن کا تعلق تبلیغ وتعلیم وتشریع سے ہو، بلکہ ذاتی افعال واعمال میں ایسا سہو ونسیان ہو سکتا ہے۔ (بحر محیط معارف)

آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی خطاء کی توجیہ:

اوّل: یہ کہ جس وقت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو منع کیا گیا تھا تو ایک خاص درخت کی طرف اشارہ کر کے منع کیا گیا تھا اور مراد وہی خاص درخت نہیں تھا، بلکہ اس کی جنس کے سارے درخت مراد تھے، ہوسکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے اسی مخصوص درخت کی ممانعت سمجھی ہو اور شیطان نے بھی اسی خیال کو وسوسہ کے ذریعہ مستحکم کر دیا ہو، اور قسم کھا کر باور کرایا ہو کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو جس وقت شیطان نے اس درخت کے کھانے کے منافع بتلائے ہوں کہ اس درخت کے کھانے سے ہمیشہ ہمیش کے لئے جنت میں رہنے کا اطمینان ہو جائے گا اور اس وقت حضرت آدم کو ممانعت یاد نہ رہی ہو، قرآن مجید کی آیت: ''فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا'' سے اس احتمال کی تائید ہوتی ہے۔

بہر حال اس طرح کے متعدد احتمالات ہو سکتے ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ جان بوجھ کر نافرمانی کا صدور نہیں ہوا، مگر آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی شان نبوت اور قرب خداوندی کے مقام کے اعتبار سے یہ لغزش بڑی سمجھی گئی اور قرآن میں اس کو لفظ معصیت سے تعبیر کیا گیا، اور آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ واستغفار کے بعد معافی کا ذکر فرمایا۔

فَائِدَۃ: عام طور پر یہ مشہور ہے کہ حضرت حواء کی پیدائش حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی بائیں پسلی سے ہوئی ہے یہ روایت تورات کی ہے۔

اور خداوند نے کہا:

اچھا نہیں آدم اکیلا رہے، میں اس کے لئے ایک ساتھی اس کے مانند بناؤں گا اور خداوند خدا نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے گوشت بھر دیا، اور خداوند خدا نے اس کی پسلی سے جو اس نے آدم سے نکالی تھی، ایک عورت بنا کے آدم کے پاس لایا اور آدم نے کہا اب یہ میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اس وجہ سے وہ ناری کہلائے گی کہ وہ نر سے نکالی گئی۔ (پیدائش، ۲: و ۲۴، ماجدی)

حدیث کی بعض روایتیں جو اس مضمون کی مروی ہوئی ہیں ان میں سے کوئی ایسی نہیں کہ جسے قطعی صحت کا درجہ حاصل ہو۔ (ماجدی)

شجر ممنوعہ کیا تھا؟

ظاہر ہے کہ یہ درخت جنت کے درختوں میں سے کوئی معروف و متعین درخت تھا، حضرت آدم بھی اس سے واقف تھے، لہٰذا اس کی تعیین کے درپے ہونے سے کوئی فائدہ نہیں، جس کو اللہ نے مبہم رکھا، اس کو مبہم ہی رکھنا بہتر ہے محقق امام ابن جزری کا

موقف بھی خاموشی اور سکوت کا ہے ہماری بعض تفسیروں میں مادی درختوں میں سے گندم، خرما، کافور، انجیر، حنظل وغیرہ، سے لے کر شجرۂ محبت اور شجرۂ علم وغیرہ معنوی درختوں تک بہت نام شمار کرائے گئے ہیں۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا، زَلَّتْ لغت میں لغزش کو کہتے ہیں، اِزْلَال، کے معنی ہیں لغزش دینا، مطلب یہ ہوا کہ شیطان نے آدم وحواء علیہما السلام کو لغزش دیدی، قرآن کریم کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت آدم وحواء علیہما السلام کی یہ خلاف ورزی اس طرح کی نہ تھی، جو عام گناہ گاروں کی طرف سے ہوا کرتی ہے، بلکہ شیطان کی تلبیس سے کسی دھوکہ فریب میں مبتلا ہو کر ایسے اقدام کی نوبت آگئی کہ جس درخت کو ممنوع قرار دیا تھا اس کا پھل وغیرہ کھا بیٹھے، عَنْهَا میں، عَنْ بمعنی سبب ہے یعنی اس درخت کے سبب اور ذریعہ سے شیطان نے آدم وحواء علیہما السلام کو لغزش میں مبتلا کر دیا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب شیطان کو سجدہ سے انکار کے نتیجہ میں پہلے ہی مردود کر کے جنت سے نکالا جا چکا تھا، تو پھر یہ آدم وحواء علیہما السلام کو بہکانے کے لئے جنت میں کیسے پہنچا؟

جَوَابٌ: اگرچہ اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ شیطان نے جنت میں داخل ہو کر روبرو بہکایا، یا وسوسہ اندازی کے ذریعہ، مگر بہکانے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بغیر ملاقات کے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا ہو اور ہو سکتا ہے کہ اپنی قوت جنیہ کے ذریعہ مسمریزم کی صورت میں سے حضرت آدم وحواء علیہما السلام کے ذہن کو متاثر کیا ہو اس لئے کہ جنات کو اس کی قوت اور قدرت حاصل ہے جیسا کہ ایک انسان دوسرے انسان کے ذہن کو قوت خیالیہ کے ذریعہ متاثر کر سکتا ہے جنات کی قوت خیالیہ انسان کے مقابلہ میں قوی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان اپنی شکل وصورت بدل کر جنت میں داخل ہو گیا ہو اور روبرو بہکایا ہو اور حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا اس طرف ذہن نہ گیا ہو، وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ، سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے صرف وسوسہ سے کام نہیں لیا، بلکہ آدم وحواء علیہما السلام سے زبانی گفتگو کر کے اور قسمیں کھا کر متاثر کیا۔

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ، آپسی دشمنی کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے، کہ شیطان اور بنی آدم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن رہیں گے اور یہ بھی کہ بنی آدم آپس میں عداوت اور دشمنی رکھیں گے۔

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (الآیۃ) حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام جب ندامت وپشیمانی میں ڈوبے ہوئے دنیا میں تشریف لائے، تو توبہ واستغفار میں مصروف ہو گئے، اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی اور وہ کلمات معافی سکھلا دیئے جو سورۂ اعراف میں بیان کئے گئے ہیں: "رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ"۔

قبولیت دعاء کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ جنت میں آباد کرنے کے بجائے دنیا ہی میں رہ کر جنت کے حصول کی تلقین فرمائی اور حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے واسطے سے تمام بنی آدم کو جنت کے حصول کا یہ راستہ بتلایا جا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ میری ہدایت تم تک پہنچے گی جو اس کو قبول کرے گا وہ جنت کا مستحق ہو گا اور بصورت دیگر عذاب الٰہی کا سزاوار ہو گا۔

بندہ نوازی کا کمال:

فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ، خطاوار کو توبہ واستغفار کے الفاظ اپنی طرف سے تلقین کردینا یہ خود اپنی جگہ پر انتہا درجہ کی بندہ نوازی ہے اللہ رب العالمین نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معافی کے کلمات القاء فرمائے کہ اس طرح معافی مانگو میں معاف کردوں گا اور پھر اس سے بڑھ کر بندہ نوازی کا کمال یہ ہے کہ اس تعلیم وتلقین کی نسبت تک اپنی جانب نہیں فرمائی، بلکہ اسے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب منسوب کردیا گیا کہ انہوں نے یہ الفاظ سیکھ لئے، کیا حد ہے شفقت اور بندہ پروری کی!! یہ الفاظ اور کلمات کیا تھے؟ روایتیں مختلف ہیں لیکن خود قرآن مجید میں جو الفاظ حضرت آدم وحواء علیہما السلام کی زبان سے نکلے ہوئے ہیں وہ یہ ہیں: "رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا الخ".

سُؤال: خطاوار تو دو تھے، مگر تلقی کلمات کی نسبت صرف آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی گئی ہے۔

جَواب: عورت مرد کے تابع ہے اور متبوع کے ذکر میں تابع کا ذکر خود بخود آجاتا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا، جنت سے نیچے اترنے کا حکم حضرت آدم وحواء علیہما السلام کے ساتھ ساتھ صلب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود ذریت کو بھی ہے اس لئے اِهْبِطُوا جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

یہ حکم بطور سزا نہیں تھا:

جنت سے نکلنے کا حکم بطور سزا وعتاب نہیں تھا، اس لئے کہ خطا تو معاف ہوچکی ہے، بلکہ یہ محض نتیجہ طبعی کا ظہور ہے، شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھا لینے سے جو طبعی اثرات مرتب ہورہے تھے، ان کے لحاظ سے اب جنت میں قیام کی گنجائش نہ تھی، روح کے داغ دھل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جسم و مادہ سے بھی غلط کاری کے نقش مٹ جائیں، اگر کوئی شخص خودکشی کے ارادہ سے زہر کھالے اور معاً اسے اپنے عصیان کا اسی پر تنبہ ہوجائے، اور وہ روئے گڑگڑائے دل سے توبہ کرے عجب نہیں کہ اس کا گناہ معاف کردیا جائے لیکن زہر کے طبعی اثرات جو نظام جسم پر مرتب ہوتے ہیں، وہ تو بہرحال ہوکر رہیں گے۔ (تفسیر ماجدی)

مَهْبَطِ آدم وحواء علیہما السلام:

حضرت آدم وحواء علیہما السلام زمین کے کس خطہ میں اتارے گئے؟ اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں زیادہ تر روایتیں ارض ہند کے بارے میں ہیں ابن ابی حاتم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صفا اور حواء کو مروہ پر اُتارا گیا، اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور حاکم سے مروی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے ابن عباس نے کہا ہے حضرت آدم کا ہبوط اولی ارض ہند میں ہوا۔ (فتح القدیر شوکانی)

اور ایک روایت میں جو کہ ابن ابی حاتم سے منقول ہے کہا گیا ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان آپ کا نزول ہوا اور ابن جریر

رحمہ اللہ تعالیٰ اور حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت جس کو انہوں نے صحیح کہا ہے یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت آدم کا ہبوط ارض ہند میں ہوا۔ (ملخصاً)

اور ابن ابی سعد رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ارض ہند میں اور حواء جدہ میں اترے، حضرت آدم حواء کی تلاش میں جدہ آئے اور خازن میں ہے کہ آدم سرزمین ہند سرندیپ میں اور حضرت حواء جدہ میں اترے اور ابلیس بصرہ میں ایلہ کے مقام پر اترا۔ (تفسیر خازن، ص: ۵)

مذکورہ روایات کے علاوہ اور بھی روایات ہیں، جو آپس میں مختلف ہیں مگر ان میں تطبیق ممکن ہے ظاہر ہے کہ ہبوط حقیقی تو ایک ہی جگہ ہوا ہو مگر انتقال مکانی کو مجازاً ہبوط سے تعبیر کر دیا گیا ہو۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَولاد یَعْقُوبَ **اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ** ای علی ابائکم من الانجاءِ مِن فِرْعَونَ وفَلْقِ البَحرِ وتَظْلِيلِ الغَمامِ وغَيرِ ذٰلكَ بان تَشكُرُوها بِطَاعتِي **وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ** الَّذِی عَهِدتُهُ اِلیکم مِن الایمان بمحمدٍ صلی اللّٰه علیه وسلم **اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ** الذی عَهِدتُهُ الیکُم مِن الثَّوابِ عَلَیهِ بِدُخُولِ الجنة **وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ** ﴿۴۰﴾ خافُونِ فِی ترکِ الوفاءِ بِه دُونَ غیری **وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ** مِنَ القُراٰنِ **مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ** مِنَ التَّوراةِ بِمُوافَقَتِهٖ لهُ فِی التَّوحِیدِ والنُّبُوَّةِ **وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ** مِنْ اَہلِ الکِتٰبِ لِاَنَّ خلفَکم تَبَعٌ لکُم فاِثمُہم علَیکُم **وَلَا تَشْتَرُوْا** تَستَبدِلُوا **بِاٰيٰتِيْ** الَّتی فِی کِتابِکُم مِن نَعتِ محمدٍ صلی اللّٰه علیه وسلم **ثَمَنًا قَلِيْلًا** عِوَضًا یسیرًا مِنَ الدُّنیا ای لَا تَکْتُمُوہا خَوفَ فَواتِ ما تَاخُذُونَهٗ مِن سَفِلَتِکُم **وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ** ﴿۴۱﴾ خافُونِ فِی ذٰلِکَ دونَ غیری **وَلَا تَلْبِسُوا** تَخلِطُوا **الْحَقَّ** الَّذی اَنزَلتُ عَلَیکُم **بِالْبَاطِلِ** الَّذی تَفتَرُونَهٗ **وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ** نَعتَ محمدٍ صلی اللّٰه علیه وسلم **وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۴۲﴾ اَنَّهٗ حقٌّ.

ترجمہ: اے بنی اسرائیل اولاد یعقوب میری ان نعمتوں کو یاد کرو، جو میں نے تم کو عطا کیں، یعنی تمہارے آباء واجداد کو مثلاً فرعون سے نجات دینا اور دریا کو پھاڑ دینا اور بادل کو سایہ فگن بنانا، وغیرہ وغیرہ بایں طور کہ میری اطاعت کر کے میری نعمتوں کا شکریہ ادا کرو، اور تم میرے عہد کو پورا کرو، جو میں نے تم سے لیا اور وہ محمد ﷺ پر ایمان لانے کے متعلق ہے میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا، جو میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے یعنی ایمان لانے پر جنت میں داخل کر کے ثواب عطا کروں گا، اور مجھ ہی سے ڈرو، یعنی عہد شکنی کرنے میں مجھ سے ڈرو نہ کہ میرے علاوہ کسی اور سے اور اس قرآن پر ایمان لاؤ جو تمہاری کتابوں کی یعنی تورات کی تصدیق کے لئے میں نے نازل کیا ہے، توحید اور نبوت میں اس (قرآن) کے اس (تورات) کے موافق ہونے کی وجہ سے اور تم اہل کتاب میں سے اول منکر نہ بنو، اس لئے کہ تمہارے بعد آنے والے تمہاری اتباع کریں گے تو

ان کا گناہ بھی تمہارے اوپر ہوگا اور میری ان آیتوں کو جو تمہاری کتاب میں ہیں مثلاً محمد ﷺ کی صفات کو حقیر قیمت کے عوض فروخت نہ کرو، یعنی دنیوی معمولی بضاعت سے تبدیلی نہ کرو، یعنی ان صفات کو اس حقیر معاوضہ کے فوت ہونے کے خوف سے مت چھپاؤ، جس کو تم اپنے کمزور طبقوں سے وصول کرتے ہو، اور مجھ ہی سے ڈرو، یعنی اس معاملہ میں مجھ ہی سے ڈرو، نہ کہ میرے علاوہ کسی اور سے اور حق کو جو میں نے تمہاری طرف نازل کیا ہے، باطل کے ساتھ جس کو تم گھڑتے ہو خلط ملط مت کرو، اور نہ حق کو چھپاؤ، یعنی محمد ﷺ کی صفت کو کہ تمہیں تو خود اس کا علم ہے کہ وہ (رسول) برحق ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ، یعنی اولاد یعقوب، اسرائیل عربی لفظ ہے یا عجمی اس میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ عجمی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عُجمه اور عَلم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے، اسرائیل مرکب اضافی ہے، اِسرا بمعنی عبد، اِیل بمعنی اللہ، یعنی عبد اللّٰه یاصفوة اللّٰه (اللہ کا برگزیدہ) اور اسرائیل حضرت یعقوب بن اسحٰق علیہما السلام کا لقب ہے۔

قَوْلُهُ: بأن تشكروها، بطاعتی اس کا تعلق اُذْكُرُوْا سے ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُذكروا نعمتی، سے مراد صرف ذکر و شمار ہی نہیں ہے، بلکہ ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا ہے ورنہ ذکر و شمار تو ہر شخص کرتا ہے حتی کہ کافر و مشرک بھی کرتا ہے۔

قَوْلُهُ: على آبائكم، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: اَنْعَمْتُ عليكم، کے مخاطب آپ ﷺ کے زمانہ کے یہود ہیں اور اَنْعَمْتُ عليكم کی تفسیر میں جن انعامات کو شمار کرایا گیا ہے، ان میں سے ایک بھی آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود یہودیوں پر نہیں ہوا، پھر آپ ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کو مخاطب کر کے انعمت علیکم کہنا کیسے درست ہے؟

جَوَاب: عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے ای انعمتُ على آبائكم، لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں رہا۔

قَوْلُهُ: اَوْفُوا، تم پورا کرو، یہ ایفاء (افعال) سے جمع مذکر امر حاضر ہے۔

قَوْلُهُ: اُوْفِ، میں پورا کروں گا، ایفاء سے مضارع واحد متکلم ہے۔

قَوْلُهُ: اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ، تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔

سَوَال: اس آیت میں بنی اسرائیل سے اس عہد کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، جو بنی اسرائیل نے نہیں کیا، بلکہ اَوْفُوا بِعَهْدِي، سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، بنی اسرائیل سے ایفاء عہد کا مطالبہ کرنا، یہ تو غیر فاعل سے ایفاء کا مطالبہ کرنا ہے جو درست نہیں ہے۔

جَوَاب: جو عہد مُعاہِد، (فاعل) کے فعل پر معلق ہو، تو مفعول یعنی (فریق ثانی) کی جانب سے معلق علیہ کو پورا کرنا وفاء عہد

کہلائے گا اور فاعل معاہد (اللہ) کا عہد جنت میں داخل کرنا ہے، جو معلق ہے، بنی اسرائیل کے ایمان لانے پر اور بنی اسرائیل کا ایمان معلق علیہ (شرط) ہے لہٰذا معلق پورا کرنے کے لئے معلق علیہ کے وفاء کا مطالبہ کرنا صحیح ہے: "اِنّ العَھْدَ الْمعلقَ علی فعلِ المعاھدِ یکونُ الوفاءُ مِنَ المفعول بالْاِتیان بالمعلق علیہ وَمِنَ الفاعلِ بالاتیان بالمعلق فالمراد بعَھْدِ اللّٰہِ اِیّاھم بالایمان والعمل الصالح، فیصح طلب الوفاء منھم بالاتیان". (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: اَلَّذِیْ عَھِدتُّہٗ اِلَیْکُمْ، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دونوں جگہ عہد مصدر مضاف الی الفاعل ہے اور ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں اول مضاف الی الفاعل ہے اور ثانی مضاف الی المفعول ہے اور اس رد کی وجہ یہ ہے کہ: اضافت الی الفاعل اکثر واقع ہے اور راجح ہے، لہٰذا جب تک کوئی صارف موجود نہ ہو، ترک نہیں کیا جائے گا اور یہاں کوئی موجود نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: دونَ غیری، یہ اس حصر کی جانب اشارہ ہے جو اِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ میں تقدیم مفعول سے مستفاد ہے۔

قَوْلُہٗ: من اھل الکتاب، اس اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت مکہ میں ہوئی اور سب سے پہلے نبوت کا دعویٰ بھی آپ نے مکہ میں کیا، جس کا کفار مکہ نے انکار کر دیا، تو اس اعتبار سے اول منکرین کفار مکہ ہیں نہ کہ مدینہ کے یہود۔

جَوَاب: یہاں اول منکرین سے مراد اہل کتاب ہیں۔

قَوْلُہٗ: تستبدلوا، تَشْتَرُوا، کی تفسیر، تَسْتَبْدِلُوْا سے کرنے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہاں اشتراء کے حقیقی معنی ممکن نہیں ہیں اس لئے کہ یہ باثمن پر داخل ہوئی ہے یہاں آیاتی پر داخل ہے، لہٰذا آیاتی ثمن ہوگا اور ثمنا مبیع ہوگی، یعنی آیات دیکر ثمن مت خریدو، اور یہ حقیقۃً متعذر ہے لہٰذا اشتراء سے مجازاً استبدال مراد ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

بنی اسرائیل سے خطاب:

مشہور و نامور پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام عراقی ثم شامی ثم حجازی، ۲۱۶۰ یا ۱۹۸۵ ق م، سے دو نسلیں چلیں ایک بی بی ہاجرہ مصری کے بطن کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام سے، یہ نسل بنی اسماعیل کہلائی اور آگے چل کر قریش اسی کی ایک شاخ پیدا ہوئی، ان کا وطن عرب رہا، دوسری نسل بی بی سارہ عراقی کے بطن کے فرزند حضرت اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام کے بیٹے حضرت یعقوب عرف اسرائیل سے چلی، یہ نسل بنی اسرائیل کہلائی اس کا وطن ملک شام رہا ایک تیسری بیوی حضرت قطورہ سے چلی، وہ بنی قطورہ کہلائی، لیکن اسے تاریخ میں اس درجہ کی اہمیت حاصل نہیں۔

بنی اسرائیل کا عروج صدیوں تک رہا مدتوں تک یہی قوم توحید کی علمبردار رہی غرضیکہ ایک زمانہ تک قوم بنی اسرائیل دینی اور دنیوی اعتبار سے سکہ رائج الوقت رہی ان میں بڑے بڑے صاحب اقتدار بادشاہ ہوئے اور فوجی جرنیل بھی اور اولوالعزم پیغمبر وصلحاء واولیاء بھی مگر نزول قرآن سے مدتوں پہلے ان کا اقتدار رخصت ہو چکا تھا، ان کا شیرازہ بکھر کر دنیا میں منتشر ہو چکا تھا، ان کے بعض قبیلے حجاز اور اطراف حجاز خصوصاً یثرب (مدینہ) اور حوالی یثرب میں آباد ہو چکے تھے۔

بنی اسرائیل تو ایک نسلی نام ہے مذہبی حیثیت سے یہ لوگ یہود تھے توریت محرف، مسخ شدہ بہرحال جیسی بھی تھی، ان کے پاس موجود تھی، دینی سیادت ابھی تک ان کے پاس تھی، دنیوی اعتبار سے مالدار تھے، تجارت کے بڑے ماہر تھے، حجاز کی آبادی میں اس دینی و دنیوی تفوق کی بناء پر ان کو اچھی خاصی اہمیت حاصل تھی، ساتھ ہی ساتھ سفلی عملیات سحر و کہانت میں بڑے ماہر تھے، ملک کی عام آبادی مشرکوں اور بت پرستوں کی تھی، وہ لوگ ایک طرف تو یہود کے علم و فضل کے قائل تھے، اور ان کی دینی واقفیت سے مرعوب تھے اور دوسری طرف اکثر ان کے قرض دار بھی رہا کرتے تھے، اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ منظم اور غالب قوموں کے تمدن سے، کمزور اور غیر منظم قومیں مرعوب و متاثر ہو جاتی ہیں، مشرکین عرب بھی اسرائیلی اخلاق، اسرائیلی روایات بلکہ اسرائیلی عقائد سے بہت کچھ متاثر ہو چکے تھے، ان سب چیزوں کے علاوہ یہود کے مذہبی نوشتوں اور اسرائیلیوں کی مقدس زبانی روایتوں میں ایک آنے والے نبی کی بشارت موجود تھی، اور یہ لوگ اس نبی موعود کے منتظر رہتے تھے، ان اسباب کی بناء پر یہ امر بالکل قدرتی تھا، کہ قرآن مجید میں تخاطب اس قوم کے ساتھ ہو اور خوب تفصیل سے ہو چنانچہ چودھویں رکوع تک بڑی تفصیل کے ساتھ ان سے خطاب کیا گیا ہے۔

قرآن کے مخاطبین:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر قرآن مجید کی ترتیب بیان پر کر لی جائے، قرآن مجید کا اصل تخاطب نوع انسانی سے ہے، اسی مناسبت سے اول رکوع میں اس کا بیان ہوا کہ نوع انسانی کی حقیقی دو قسمیں ہیں ایک اچھے یا مومن دوسرے برے یا کافر، مومن یا نیک وہ ہیں جو قرآن مجید کے دستور حیات کو تسلیم کرتے ہیں، کافر یا بد وہ ہیں جو اس سے انکار کرتے ہیں، دوسرے رکوع میں کافروں ہی کی ایک خاص قسم کا بیان ہے، جن کو منافق کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ: یہ لوگ بھی ایمان اور نجات سے محروم ہی رہیں گے، تیسرے رکوع میں ساری نسل انسانی کو مخاطب کیا گیا ہے اور قرآن مجید کا اصل پیغام یعنی توحید و رسالت بیان کیا گیا ہے، چوتھا رکوع تاریخ انسانی سے متعلق ہے، اس میں بیان ہوا ہے کہ انسان کی آفرینش سے اصل غرض دنیا میں قانون الٰہی کی تنفیذ ہے اور حاکمیت الٰہی کی نیابت ہے ذرا سی غفلت کی وجہ سے نسل انسانی کا دیرینہ دشمن شیطان اس کو پچھاڑ سکتا ہے اور حق سے باطل کی جانب اور نور سے ظلمت کی طرف موڑ سکتا ہے، لیکن اگر انسان ذرا بھی ہمت اور ہوشمندی سے کام لے اور انبیاء کی بتائی ہوئی صراط مستقیم پر قائم رہے، تو وہی غالب و منصور رہے گا، اب پانچویں رکوع سے بڑی تفصیل سے اس کا بیان شروع ہوتا ہے کہ مدت دراز ہوئی ایک بڑے مقبول برگزیدہ بندے کی اولاد میں ایک

خاص نسل کو توحید کی خاص نعمت سے سرفراز کیا گیا تھا، مگر وہ قوم اس کی نااہل ثابت ہوئی موقع اسے بار بار دیا گیا، اس کے ساتھ رعایت بار بار کی گئی، لیکن ہر بار اس نے اس نعمت کو اپنے ہاتھوں ضائع کیا، یہاں تک کہ اپنی نسل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ کی مخالفت میں تو حد ہی کر دی، طویل اور مسلسل مراعات کے بعد اب حکومت الٰہیہ کا دستور ایک نیا ضابطہ اختیار کرتا ہے، اس ناشکر گذار، نافرمان، عصیان پیشہ قوم کو اس منصب سیادت سے معزول کیا جاتا ہے، اور یہ نعمت ان سے چھین کر ایک اسماعیلی پیغمبر کے واسطہ سے دنیا کی تمام قوموں اور نسلوں کے لئے عام کی جارہی ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ، بہٖ کی ضمیر قرآن یا محمد ﷺ کی طرف راجع ہے اور دونوں طرح صحیح ہے اس لئے کہ دونوں لازم و ملزوم ہیں، اس لئے کہ ایک کا کفر دوسرے کے کفر کو مستلزم ہے اول کافر نہ بننے کا مطلب یہ ہے کہ یہود میں تم اول کافر نہ بنو ورنہ تو تمام یہودیوں کے کفر کا وبال تم پر پڑے گا، ہجرت سے پہلے مکہ میں بہت لوگ آپ کی دعوت کا انکار کر چکے تھے، اول منکرین کے مصداق اہل مکہ ہیں۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا، تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ: اگر زیادہ معاوضہ مل جائے، تو احکام الٰہی کا سودا کر لو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی کے مقابلہ میں دنیاوی مفادات کو اہمیت نہ دو، احکام الٰہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال و متاع بھی ان کے مقابلہ میں ہیچ اور ثمن قلیل ہے، آیت میں اصل مخاطب اگرچہ بنی اسرائیل ہیں لیکن یہ حکم قیامت تک آنے والوں کے لئے عام ہے، جو بھی ابطال حق یا اثبات باطل یا کتمان علم کا ارتکاب اور احقاق حق سے محض طلب دنیا کے لئے گریز کرے گا، وہ اس وعید میں شامل ہوگا۔

یہود کی حق فروشی:

یہود کی حق فروشی کے کاروبار کا ذکر عہد نامہ جدید میں بھی ہے مثلاً یہ لوگ ناجائز نفع کی خاطر ناشائستہ باتیں سکھا کر گھر کے گھر تباہ کر دیتے ہیں۔ (طیطس، ۱:۱۱)

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: اس آیت کو سمجھنے سے پہلے تمہید کے طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہئے، کہ اہل عرب بالعموم ناخواندہ تھے، ان کے مقابلہ میں یہود تعلیم یافتہ تھے، اس وجہ سے عربوں پر یہودیوں کا علمی رعب بہت زیادہ تھا، اس کے علاوہ ان کے علماء اور مشائخ نے اپنے مذہبی درباروں کی ظاہری شان جما کر اور اپنی جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کا کاروبار چلا کر اس رعب کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیا تھا، ان حالات میں جب نبی ﷺ نے اپنے آپ کو نبی کی حیثیت سے پیش کیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینی شروع کی، تو قدرتی بات تھی کہ ان پڑھ عرب اہل کتاب یہودیوں سے جا کر پوچھتے کہ آپ لوگ بھی ایک نبی کے پیرو ہیں اور ایک کتاب کو مانتے ہیں، آپ ہمیں بتائیں کہ یہ صاحب ہمارے اندر نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں ان کے متعلق، ان کی تعلیم کے متعلق آپ حضرات کی کیا رائے ہے، مگر علماء یہود نے کبھی لوگوں کو صحیح بات نہ بتائی

حالانکہ ان کے مذہبی نوشتوں میں ایک نبی آخر الزمان کی آمد کی صراحت کے ساتھ پیشین گوئی موجود تھی اور آنے والے نبی کے اوصاف کا بھی ذکر تھا سیدھی اور صاف بات بتانے کے بجائے، انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر سائل کے دل میں نبی ﷺ کے خلاف، آپ کی جماعت کے خلاف اور آپ کے مشن کے خلاف کوئی نہ کوئی وسوسہ ڈال دیتے تھے، غرض کہ وہ حق کو چھپانے اور اس پر پردہ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے کبھی کوئی ایسا شوشہ چھوڑ دیتے تھے کہ جس سے لوگ شکوک وشبہات میں پڑ جائیں اور کبھی لوگوں کو الجھن میں ڈالنے والے سوالات سکھا دیتے تا کہ لوگ خود ہی تذبذب کا شکار ہو جائیں، یہود کے اسی رویے کی بنا پر فرمایا جا رہا ہے کہ حق پر باطل کا پردہ نہ ڈالو، حق و باطل کو خلط ملط کر کے دنیا کو دھوکا نہ دو۔

فَائِدَہ: بعض مفسرین نے تعلق بالبعید کے طور پر یہاں اجرت علی تعلیم القرآن وغیرہ کی بحث چھیڑی ہے، قرطبی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ نے اس بحث کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے شائقین رجوع کر سکتے ہیں۔

تعلیم قرآن پر اجرت کا مسئلہ:

اجرۃ علی تعلیم القرآن کا مسئلہ سلف سے مختلف فیہ رہا ہے، مگر اس آیت سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں ہے، امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالَىٰ جائز قرار دیتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ اور بعض دیگر ائمہ منع فرماتے ہیں، لیکن متاخرین حنفیہ نے بھی جب ان حالات کا مشاہدہ کیا کہ قرآن مجید کے معلمین کو اسلامی بیت المال سے گذارہ ملا کرتا تھا، اب ہر جگہ اسلامی نظام میں فتور کے سبب ان معلمین کو عموماً کچھ نہیں ملتا، یہ اگر اپنی معاش کے لئے کسی محنت مزدوری یا تجارت وغیرہ میں لگ جائیں، تو بچوں کے تعلیم قرآن کا سلسلہ یکسر بند ہو جائے گا، اس لئے تعلیم قرآن پر معاوضہ لینے کو بضرورت جائز قرار دیا، صاحب ہدایہ کے بعد آنے والے دوسرے فقہاء نے بعض ایسے ہی دوسرے وظائف جن پر تعلیم قرآن کی طرح دین کی بقاء موقوف ہے، مثلاً امامت واذان اور تعلیم حدیث وفقہ وغیرہ کو تعلیم قرآن کے ساتھ ملحق کر کے ان کی اجازت دی ہے۔ (در مختار، شامی)

ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی پر اجرت لینا جائز نہیں:

علامہ شامی نے درمختار کی شرح میں اور اپنے رسالہ شفاء العلیل میں بڑی تفصیل اور قوی دلائل کے ساتھ یہ بات واضح کر دی ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کی جن متاخرین نے اجازت دی ہے اس کی علت ایک ایسی دینی ضرورت ہے جس میں خلل آنے سے دین کا پورا نظام مختل ہو جاتا ہے، اس لئے اس کو ایسی ہی ضرورت کے موقع میں محدود رکھنا ضروری ہے، اس لئے مردوں کو ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن کرانا یا کوئی دوسرا وظیفہ پڑھوانا اجرت کے ساتھ حرام ہے۔ (معارف)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴿۴۳﴾ صلُّوا مع المُصَلِّينَ محمّدٍ وَاصحابِهِ صلى الله عليه وسلم ونزل في عُلَمائِهِم وقد كانُوا يقولُونَ لاقربائِهِم المُسْلِمِينَ اُثْبُتُوا على دِينِ محمّدٍ فانّهُ حقٌّ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ بالايمانِ بُمحمّدٍ صلى الله عليه وسلم وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ تَتْرُكُونَها فلا تَامُرُونَها به وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ التوراة وفِيها الوَعِيدُ على مُخالَفةِ القولِ العملَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۴۴﴾ سُوءَ فِعْلِكُم فترجِعُونَ فجُملة النِّسيان محلّ الاستفهامِ الانكاريّ وَاسْتَعِيْنُوْا اُطْلُبُوا المعُونةَ على اُمُورِكم بِالصَّبْرِ الحَبْسِ لِلنّفسِ على ما تكرهُ وَالصَّلٰوةِ اَفرَدَها بالذِّكر تعظيمًا لِشانِها وفي الحديث كان اِذا حَزَبَهُ اَمرٌ بادر الى الصّلوةِ وقيل الخطابُ لليهود لما عاقَهُمْ عن الايمانِ الشَّرهُ وحُبُّ الرِّياسةِ فأُمِرُوا بالصّبرِ وهُوَ الصّومُ لانّهُ يُكسِرُ الشّهوة والصّلوة لانّها تُورِثُ الخُشُوعَ وتَنفِي الكِبرَ وَاِنَّهَا اي الصّلوةَ لَكَبِيْرَةٌ ثقيلةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴿۴۵﴾ السّاكِنِينَ الى الطّاعة اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ يُوقِنُونَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ بالبعثِ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴿۴۶﴾ في الاخرةِ فيُجازِيهم۔

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو، نماز پڑھنے والوں (یعنی) محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھو، اور (آئندہ) آیت ان علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے رشتہ داروں سے کہا کرتے تھے، کہ دین محمد پر قائم رہو اس لئے کہ وہ حق ہے، کیا تم لوگوں کو نیکی (یعنی) محمد ﷺ پر ایمان کا حکم کرتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو، کہ خود کو ایمان کا حکم نہیں کرتے باوجود یکہ تم کتاب تورات پڑھتے ہو اور اس میں قول و فعل کی مخالفت پر وعید ہے، کیا تم اپنی اس غلط روش کو سمجھتے نہیں ہو؟ کہ (اس قول و فعل کے تضاد سے) باز آجاؤ جملہ نسیان (یعنی تنسون الخ) استفہام انکاری کا محل ہے، اور اپنے معاملات میں صبر و صلوۃ سے مدد طلب کرو، نفس جس کو ناپسند کرے، اس کے کرنے پر نفس کو مجبور کرنے کو صبر کہتے ہیں، صرف نماز کا ذکر اس کی عظمت شان کی وجہ سے ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے، کہ جب آپ کو کوئی پریشان کن امر پیش آتا تو نماز کی طرف سبقت فرماتے اور کہا گیا ہے کہ خطاب یہود کو ہے جب ان کو حرص اور حب جاہ نے ایمان لانے سے روک دیا تو ان کو صبر کا کہ وہ روزہ ہے حکم دیا گیا کہ وہ شہوت کو توڑ دیتا ہے اور نماز کا، اس لئے کہ نماز خشوع پیدا کرتی ہے اور تکبر کو ختم کرتی ہے اور نماز بلاشبہ گراں ہے، مگر خشوع اختیار کرنے والوں پر (گراں نہیں ہے) یعنی اطاعت کی طرف مائل ہونے والوں پر جو کہ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور ان کو آخرت میں رب کے پاس جانا ہے، تو وہ ان کو جزا دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: صَلّوا مع المصلین، وارکعوا مع الراکعین، کی تفسیر صلّوا مع المصلین سے کرکے اشارہ کردیا کہ جزء بول کر کل مراد ہے، اور رکوع کی تخصیص اس لئے کہ امم سابقہ کی نمازوں میں رکوع نہیں تھا، مطلب یہ ہے کہ تم وہ نماز پڑھو جس میں رکوع بھی ہو اور مع الراکعین سے اشارہ کردیا کہ جماعت سے نماز پڑھو، خطاب چونکہ یہود کو ہے اس لئے ان سے کہا جارہا ہے، کہ تم ایسی نماز پڑھو، جس میں رکوع بھی ہو اور با جماعت بھی ہو چونکہ یہود کی نماز میں سجدہ تو تھا، مگر رکوع نہیں تھا، اس لئے رکوع والی نماز محمد ﷺ کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ تم محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ اور ان کے جیسی نماز پڑھو۔

قَوْلُہٗ: فجملة النسیان محل الاستفهام الانکاری، مطلب یہ ہے کہ انکار کا تعلق تنسَوْن انفسکم سے ہے، نہ کہ تامرون الناس سے اس لئے کہ امر بالبر تو امر مندوب و مطلوب ہے۔

قَوْلُہٗ: اَفرَدَھَا بالذکر، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ صرف نماز ہی کو کیوں ذکر کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اس کی عظمت شان کی وجہ سے اس کو خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

تفسیر و تشریح

صبر اور نماز ہر اللہ والے کے دو بڑے ہتھیار ہیں نماز کے ذریعہ ایک مومن کا رابطہ اور تعلق اللہ سے استوار ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے، صبر کے ذریعہ کردار کی پختگی اور دین میں استقامت حاصل ہوتی ہے حدیث میں آتا ہے: "اِذَا حَزَبَهٗ امرٌ فزِعَ اِلَی الصَّلٰوةِ" (احمد، وابوداؤد) یعنی جب بھی آپ ﷺ کو کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ فوراً نماز کا اہتمام فرماتے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں نیکی کے راستے پر چلنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے، تو اس دشواری کا علاج صبر اور نماز ہے ان دو چیزوں سے تمہیں وہ طاقت ملے گی جس سے یہ راہ آسان ہوجائے گی، صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں اور اس سے مراد ارادہ کی وہ مضبوطی، عزم کی وہ پختگی اور خواہشاتِ نفس کا وہ انضباط ہے، جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلہ میں اپنے قلب و ضمیر کے پسند کئے ہوئے راستہ پر لگاتار بڑھتا چلا جاتا ہے۔

اور جو شخص خدا کا فرمانبردار نہ ہو اور آخرت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو اس کے لئے نماز کی پابندی ایک ایسی مصیبت ہے جسے وہ کبھی گوارا نہیں کرسکتا مگر جو شخص برضا و رغبت خدا کے آگے سرِ اطاعت خم کرچکا ہو اور جسے یہ خیال ہو کہ کبھی مر کر اپنے خدا کے سامنے جانا ہے، اس کے لئے نماز ادا کرنا گراں نہیں، بلکہ نماز چھوڑنا مشکل ہے۔

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ بِالشُّكْرِ عَلَيْهَا بِطَاعَتِى **وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ** اى اٰبَاءَ كُمْ **عَلَى الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۴۷﴾ عَالَمِى زَمَانِهِمْ **وَاتَّقُوْا** خَافُوْا **يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ** فِيْهِ **نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا** هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **وَّلَا يُقْبَلُ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **مِنْهَا شَفَاعَةٌ** اى لَيْسَ لَهَا شَفَاعَةٌ فَتُقْبَلُ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ **وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ** فِدَاءٌ **وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ** ﴿۴۸﴾ يُمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوْا **اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ** اى اٰبَاءَ كُمْ وَالْخِطَابُ بِهٖ بِمَا بَعْدَهُ الْمَوْجُوْدِيْنَ فِى زَمَنِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُخْبِرُوْا بِمَا اَنْعَمَ عَلٰى اٰبَائِهِمْ تَذْكِيْرًا لَهُمْ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ لِيُؤْمِنُوْا **مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ** يُذِيْقُوْنَكُمْ **سُوْٓءَ الْعَذَابِ** اَشَدَّهُ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ نَجَّيْنٰكُمْ **يُذَبِّحُوْنَ** بَيَانٌ لِمَا قَبْلَهُ **اَبْنَآءَكُمْ** الْمَوْلُوْدِيْنَ **وَيَسْتَحْيُوْنَ** يَسْتَبْقُوْنَ **نِسَآءَكُمْ** لِقَوْلِ بَعْضِ الْكَهَنَةِ لَهُ اَنَّ مَوْلُوْدًا يُوْلَدُ فِى بَنِى اِسْرَائِيْلَ يَكُوْنُ سَبَبًا لِذَهَابِ مُلْكِكَ **وَفِىْ ذٰلِكُمْ** الْعَذَابِ اَوِ الْاِنْجَاءِ **بَلَآءٌ** ابْتِلَاءٌ وَاِنْعَامٌ **مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ** ﴿۴۹﴾ وَ اذْكُرُوْا **اِذْ فَرَقْنَا** فَلَقْنَا **بِكُمُ** بِسَبَبِكُمُ **الْبَحْرَ** حَتّٰى دَخَلْتُمُوْهُ هَارِبِيْنَ مِنْ عَدُوِّكُمْ **فَاَنْجَيْنٰكُمْ** مِنَ الْغَرَقِ **وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ** قَوْمَهُ مَعَهُ **وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ** ﴿۵۰﴾ اِلَى انْطِبَاقِ الْبَحْرِ عَلَيْهِمْ **وَاِذْ وٰعَدْنَا** بِاَلِفٍ وَدُوْنِهَا **مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً** نُعْطِيْهِ عِنْدَ انْقِضَائِهَا التَّوْرَاةَ لِتَعْمَلُوْا بِهَا **ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ** الَّذِىْ صَاغَهُ لَكُمُ السَّامِرِىُّ اِلٰهًا **مِنْۢ بَعْدِهٖ** اى بَعْدَ ذَهَابِهٖ اِلٰى مِيْعَادِنَا **وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ** ﴿۵۱﴾ بِاتِّخَاذِهٖ لِوَضْعِكُمُ الْعِبَادَةَ فِى غَيْرِ مَحَلِّهَا **ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ﴿۵۲﴾ نِعْمَتَنَا عَلَيْكُمْ **وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ** التَّوْرَاةَ **وَالْفُرْقَانَ** عَطْفُ تَفْسِيْرٍ اى الْفَارِقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ **لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ** ﴿۵۳﴾ بِهٖ مِنَ الضَّلَالِ **وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ** الَّذِيْنَ عَبَدُوا الْعِجْلَ **يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ** اِلٰهًا **فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ** خَالِقِكُمْ مِنْ عِبَادَتِهٖ **فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** اى لِيَقْتُلِ الْبَرِىْءُ مِنْكُمُ الْمُجْرِمَ **ذٰلِكُمْ** الْقَتْلُ **خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ** فَوَفَّقَكُمْ لِفِعْلِ ذٰلِكَ وَاَرْسَلَ عَلَيْكُمْ سَحَابَةً سَوْدَاءَ لِئَلَّا يُبْصِرَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَيَرْحَمَهُ حَتّٰى قُتِلَ مِنْكُمْ نَحْوُ سَبْعِيْنَ اَلْفًا **فَتَابَ عَلَيْكُمْ** قَبِلَ تَوْبَتَكُمْ **اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ** ﴿۵۴﴾

ترجمہ: اے اولادِ یعقوب میری اس نعمت کو یاد کرو، جس سے میں نے تم کو نوازا تھا، یعنی ان نعمتوں پر شکر گذاری کے ذریعہ اطاعت کر کے اور میں نے تم کو یعنی تمہارے آباء کو عالم والوں پر (یعنی) اس زمانہ کے عالم والوں پر فضیلت عطاء کی تھی اور اس دن سے ڈرتے رہو، جس دن کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا، اور وہ قیامت کا دن ہے، اور نہ کسی کی طرف سے سفارش قبول کی جائے گی، (یُقْبَلُ) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، یعنی اس کے لئے سفارش ہی نہیں ہوگی، کہ قبول کی جائے، جیسا کہ فما لنا من شافعین سے معلوم ہوتا ہے اور نہ کسی کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچا لئے جائیں اور وہ وقت یاد کرو، جب کہ ہم نے تم کو یعنی تمہارے آباء کو اور خطاب اس کے اور مابعد کے ذریعہ ان (یہودیوں)

کو ہے، جو آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے، ان انعامات کی ان کو خبر دی جارہی ہے جو ان کے آباء کو عطا کئے گئے تھے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلانے کے لئے تاکہ ایمان لے آئیں۔ آل فرعون کی (غلامی) سے نجات دی، تم کو بدترین عذاب چکھار ہے تھے، یعنی شدید ترین عذاب اور جملہ، نَجَّیْنٰکُمْ کی ضمیر سے حال ہے، تمہارے (نو) مولود لڑکوں کو ذبح کر رہے تھے، یُذَبِّحُوْنَ ماقبل سے بدل ہے، اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ رہے تھے، بعض کاہنوں کے فرعون سے یہ کہنے کی وجہ سے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا، جو تیری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا، اور اس عذاب یا نجات دینے میں تمہارے رب کی جانب سے بڑی آزمائش یا انعام ہے اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے تمہارے لئے دریا پھاڑ دیا تھا، یہاں تک کہ تم اپنے دشمن سے بھاگ کر اس میں داخل ہوگئے اور تم کو غرق سے نجات دی اور آل فرعون اور اس کی قوم کو مع فرعون کے ہم نے غرق کر دیا اور تم دریا کا ان پر ملنا دیکھ رہے تھے، اور جب ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا (وَاعَدْنَا) میں الف اور بغیر الف دونوں قراءتیں ہیں کہ ہم اس مدت کے پورا ہونے پر تورات عطا کریں گے، تاکہ تم اس پر عمل کرو، پھر تم نے اس بچھڑے کو معبود بنالیا، جس کو تمہارے لئے سامری نے ڈھالا تھا، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمارے مقام وعد پر جانے کے بعد اور تم اس کے معبود بنانے کی وجہ سے ظالم بن گئے، عبادت کو غیر محل میں رکھنے کی وجہ سے پھر ہم نے تم کو معاف کر دیا، یعنی تمہارے گناہوں کو معاف کر دیا، بچھڑے کو معبود بنانے کے بعد تاکہ تم اپنے اوپر ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرو، اور جب ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کتاب تورات اور فرقان عطا کی یہ عطف تفسیری ہے، یعنی حق و باطل اور حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے والی تاکہ تم اس کے ذریعہ گمراہی سے ہدایت حاصل کرو، اور جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے جنہوں نے گائے کی پرستش کی تھی، فرمایا اے میری قوم تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے لہٰذا تم اپنے خالق سے اس کی عبادت سے توبہ کرو، لہٰذا تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو، یعنی تم میں بری، مجرم کو قتل کرے یہ قتل تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے پیدا کرنیوالے کے نزدیک تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسکی توفیق دی اور تمہارے اوپر سیاہ بادل بھیج دیا۔ تاکہ تم میں سے بعض بعض کو نہ دیکھ سکے کہ اس پر ترس کھائے۔ یہاں تک کے تم میں قتل کئے گئے ستر ہزار کے لگ بھگ پس اللہ نے تمہاری توبہ قبول کی بے شک وہ توبہ کو قبول کرنیوالا اور رحم کرنیوالا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: عَالَمِیْ زَمَانِھِمْ، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: عَالَمْ ماسوی اللہ کو کہتے ہیں، بنی اسرائیل کی ماسوی اللہ پر فضیلت سے لازم آتا ہے کہ امتِ محمدیہ ﷺ پر بھی فضیلت حاصل ہو حالانکہ امتِ محمدیہ ﷺ تمام امتوں میں افضل ترین امت ہے۔

جَوَابٌ: عالم سے اس زمانہ کے موجودین مراد ہیں، نہ کہ مطلق موجودین۔

قِوْلُهُ: عَدْلٌ، بمعنی عوض، بدلہ، معاوضہ، انصاف، فدیہ، عِدل کسرۂ عین کے ساتھ بمعنی مثل، ابوعمر نے کہا ہے کہ فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہم معنی ہیں۔

قِوْلُهُ: وَلَاهُمْ يُنْصَرُوْنَ. یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: هُمْ ضمیر جمع مذکر کی ہے، نفس کی طرف راجع ہے حالانکہ نفس مفرد ہے۔

جَوَابٌ: نفس، نکرہ کے تحت النفی داخل ہونے کی وجہ سے عموم پر دلالت کرتا ہے، جس کی وجہ سے نفس میں جمعیت کے معنی پیدا ہو گئے ہیں۔

سَوَالٌ: هُمْ، ضمیر مذکر ہے، جب کہ اس کا مرجع نفس مؤنث ہے۔

جَوَابٌ: نَفْسٌ، عِبَادٌ، کی تاویل ہے۔

قِوْلُهُ: يَسُوْمُوْنَكُمْ، یہ سَوْمٌ (ن) سے مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے، وہ تم کو تکلیف دیتے ہیں، مجبور کرتے ہیں۔

قِوْلُهُ: بَيَانٌ لِّمَا قَبْلَه، یعنی يُذَبِّحُوْنَ، بعض ماقبل یعنی یسومونکم کا بیان ہے، اس لئے کہ متعدد اور مختلف قسم کی تکالیف میں سے یہاں صرف ذبح کا ذکر ہے۔

قِوْلُهُ: يَسْتَحْيُوْنَ، اِسْتَحياء (استفعال) سے جمع مذکر غائب مضارع وہ زندہ چھوڑ دیتے ہیں، يَسْتَحْيُوْنَ اصل میں يَسْتَحْيِيُوْنَ دو یاؤں کے ساتھ تھا، پہلی یاء عین کلمہ اور دوسری لام کلمہ پہلی یاء پر کسرہ دشوار ہونے کی وجہ سے کسرہ حذف ہو گیا، اس کے بعد یاء اور حاء کے درمیان التقاء ساکنین ہوا، جس کی وجہ سے یاء حذف ہو گئی، اور کہا گیا ہے کہ تخفیفاً یاء ثانیہ کو حذف کر دیا گیا اور پہلی یاء کو واؤ کی مناسبت سے ضمہ دیدیا گیا ہے، لڑکیوں کو مایؤل کے اعتبار سے نساء سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

قِوْلُهُ: وفی ذلکم، خبر مقدم ہے، بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ، مبتداء مؤخر ہے۔

قِوْلُهُ: اَلسَّامِرِيّ، سامری کا اصل نام موسیٰ ہے یہ شخص ولد الزنا تھا، نسلاً اسرائیلی تھا، اس کی والدہ نے شرم اور بدنامی کے خوف سے اس کو ایک پہاڑ کی غار میں جنا تھا اور بدنامی کے خوف سے غار ہی میں چھوڑ دیا تھا، حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی پرورش فرمائی تھی۔

فَمُوسَى الَّذِي رَبَّاهُ جبرئيل كَافِرٌ وَمُوسَى الَّذِي رَبَّاهُ فرعون مُرسَلٌ

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

عَدْلٌ بفتحة العين وهو الفداء لِاَنَّهٗ معادلٌ للمفدىّ قيمة وقدرًا اِن لم يكن من جنسه، وبكسر العين هو المساوى فى الجنس والجرم ويقال عِدل وعَدِيْل الى بالجمله معطوفة التى هى "وَلَاهُم

يُنْصرون'' اسمية مع اَنّ الجمل التى قبلها فعلية للمبالغة والدلالة على الثباتِ والديمومة، اى اَنّهُمْ غيرُ منصورين دائمًا، ولا عبرة بما يصادفونَهُ مِن نجاحٍ موقتٍ ''موسٰى علمٌ اعجميٌ لا ينصرف هو فى الاصل مركب، هو فى الاصل موشى بالشين المعجمة، لأنّ الماءَ بالعِبْرِيَّةِ يقال لهُ مُوء والشجر يقال لهُ، شا، فعربت العربُ وقالوا: موسٰى.

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

يٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ، یہاں سے دوبارہ بنی اسرائیل کو وہ انعامات یاد دلائے جارہے ہیں جوان پر کئے گئے اوران کو قیامت کے دن سے ڈرایا جارہا ہے، جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا نہ کسی کی سفارش قبول ہوگی اور نہ معاوضہ دے کر چھٹکارا پاسکے گا۔

دراصل یہ اس دور کی طرف اشارہ ہے جب تمام دنیا کی قوموں میں ایک بنی اسرائیل کی قوم ہی ایسی تھی جس کے پاس اللہ کا دیا ہوا علم حق موجود تھا، اور جس کو اقوام عالم کا امام ورہنما بنادیا گیا تھا تاکہ وہ بندگی رب کے راستہ پر سب قوموں کو بلائے اور چلائے۔

بنی اسرائیل کے بگاڑ کی ایک بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ آخرت کے متعلق ان کے عقیدے میں خرابی آگئی تھی، وہ اس قسم کے خیال خام میں مبتلا ہوگئے تھے کہ ہم جلیل القدر انبیاء کی اولاد ہیں بڑے بڑے اولیاء صلحاء اور زہاد سے نسبت رکھتے ہیں ہماری بخشش تو ان بزرگوں کے صدقہ میں ہو ہی جائیگی، ان کے دامن سے وابستہ ہونے کے بعد بھلا کوئی سزا کس طرح پاسکتا ہے، اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات اور احسانات کو شمار کرانے کے مابعد فرمایا: ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ''۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا، اس دن سے مراد ظاہر ہے کہ قیامت کا دن ہے، قیامت کی یاد بروقت اور بڑے حکیمانہ انداز سے دلائی گئی ہے حشر ونشر، جزاء وسزا کا عقیدہ جو انسان کے دل میں مسئولیت اور ذمہ داری کی روح ہے اسرائیلیوں کے دلوں ہی سے نہیں، بلکہ ان کی مقدس کتابوں اور دینی نوشتوں تک سے مٹ چکا تھا، آگے جو روزِ قیامت کے اوصاف بیان ہورہے ہیں، ہر ایک میں مقصود کسی نہ کسی اسرائیلی عقیدے ہی کا رد ہے۔

لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ، اس کا مقصد اس اسرائیلی عقیدے کی تردید ہے، جس میں آج تک اسرائیلی قوم مبتلا ہے، یعنی جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کی نسل سے ہونے کی وجہ سے بخشش کا زعم باطل جیوش انسائیکلوپیڈیا، میں لکھا ہے۔

بہت سے لوگ اپنے اسلام کے اور بہت سے لوگ اپنے اسلاف کے اعمال حسنہ کی بناپر بخش دیئے جائیں گے۔

(جلد، ٦، ص: ٦١)

یہود کو یہ بھی دھوکا تھا کہ ہم اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں، اس لئے مؤاخذۂ آخرت سے محفوظ رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ وہاں اللہ کے نافرمانوں کو کوئی سہارا نہیں دے سکے گا:

"وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ".

بنی اسرائیل پر ایک انعام یہ بھی ذکر فرمایا گیا کہ ان کو تمام جہانوں پر فضیلت دی گئی یعنی امت محمد یہ سے پہلے افضل العالمین ہونے کی یہ فضیلت بنواسرائیل کو حاصل تھی، جو انہوں نے معصیت الٰہی کا ارتکاب کر کے گنوادی اور ان کی جگہ امت محمد یہ کو خیر امت بنادیا گیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انعامات الٰہی کسی خاص نسل کے ساتھ وابستہ نہیں، بلکہ یہ ایمان اور عمل کی بنیاد پر ملتے ہیں اور ایمان وعمل سے محرومی پر سلب کر لئے جاتے ہیں۔

وَاذکروا اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ، سابقہ آیات میں بنی اسرائیل پر جن انعامات واحسانات کا اجمالاً ذکر تھا، (اب یہاں سے مسلسل کئی رکوعوں تک) ان کی قدرے تفصیل بیان کی جارہی ہے، اس تاریخی بیان میں دراصل یہ دکھانا مقصود ہے کہ ایک طرف یہ احسانات وانعامات ہیں جو خدا نے تم پر کئے اور دوسری طرف تمہارے یہ کرتوت ہیں جو ان احسانات کے جواب میں تم کرتے رہے ہو۔

مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ، ال یہ اہل کا مرادف ہے اور مراد اس سے فرعون کی قبطی قوم ہے آل اور اہل میں فرق صرف اس قدر ہے کہ اہل کا استعمال عام ہے اور آل صرف خصوصیت اور اہمیت رکھنے والوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

فرعون کسی متعین بادشاہ کا ذاتی نام یا علم نہیں ہے قدیم شاہانِ مصر کا لقب تھا، جیسا کہ فارس کے بادشاہ کو کسریٰ اور روم کے بادشاہ کو قیصر اور حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے، جیسا کہ زمانہ قریب میں روس کے بادشاہ کو زار اور ترکی کے فرمانروا کو سلطان اور والی مصر کو خدیو اور والی حیدرآباد دکن کو نظام کہتے تھے، مؤرخین کا خیال ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہمعصر کوئی ایک بادشاہ نہیں ہے بلکہ یکے بعد دیگرے دو بادشاہ ہیں۔

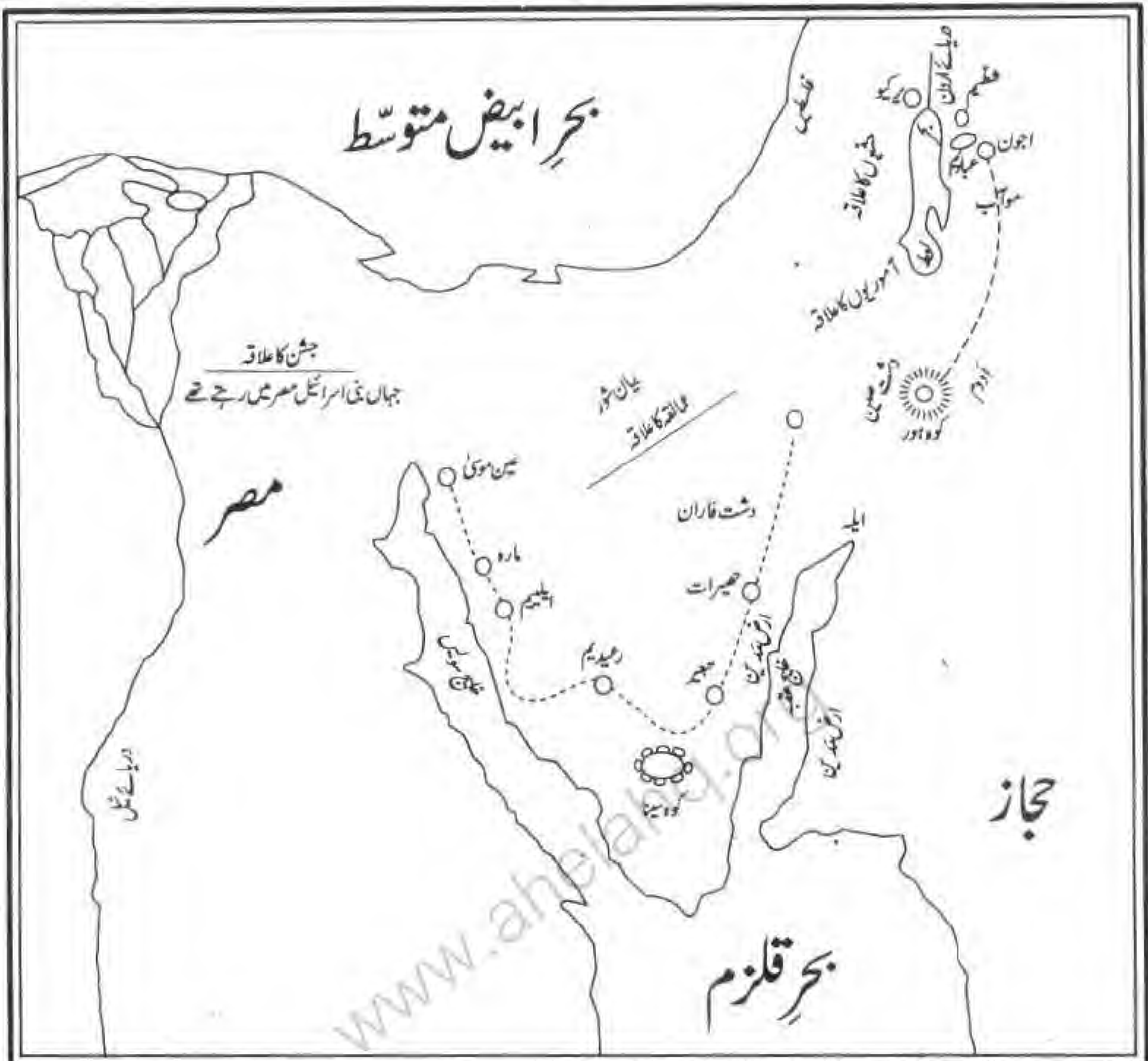

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر جزیرہ نمائے سینا میں مارہ، ایلیم اور عیدیم کے راستے کوہ سینا کی طرف آئے اور ایک سال سے کچھ زائد مدت تک اس مقام پر ٹھہرے رہے، یہیں تورات کے بیشتر احکام آپ پر نازل ہوئے، پھر آپ کو حکم ہوا، کہ بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین کی طرف جاؤ اور اسے فتح کر لو کہ وہ تمہاری میراث میں دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کو لئے ہوئے تبعر اور حصیرات کے راستے دشت فاران میں تشریف لائے اور یہاں سے آپ نے ایک وفد فلسطین کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے روانہ کیا، قادس کے مقام پر اس وفد نے آکر اپنی رپورٹ پیش کی، حضرت یوشع اور کالب کے سوا پورے وفد کی رپورٹ نہایت حوصلہ شکن تھی، جسے سن کر بنی اسرائیل چیخ اٹھے اور انہوں نے فلسطین کی مہم پر جانے سے انکار کر دیا، تب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب یہ چالیس برس تک اس علاقے میں بھٹکتے رہیں گے اور ان کی موجودہ نسل، یوشع اور کالب کے سوا فلسطین کی شکل دیکھنے نہ پائے گی، اس کے بعد بنی اسرائیل دشت فاران و بیابان شور اور دشت صین کے درمیان مارے مارے پھرتے رہے اور عمالقہ، اموریوں، ادومیوں مدیانوں اور موآب کے لوگوں سے لڑتے بھڑتے رہے، جب چالیس سال گزرنے کے قریب آئے تو ادوم کی سرحد کے قریب کوہ ہور پر حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفات پائی، پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کو لئے ہوئے موآب کے علاقے میں داخل ہوئے، اور اس پورے علاقے کو فتح کرتے ہوئے حسبون اور شطیم تک پہنچ گئے، یہاں کوہ عباریم پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہوا، اور ان کے بعد ان کے خلیفہ اول حضرت یوشع نے مشرق کی جانب سے دریائے اردن کو پار کر کے شہر یریکو (اریکا) کو فتح کیا، یہ فلسطین کا پہلا شہر تھا جو بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا پھر ایک مدت ہی میں پورا فلسطین فتح ہو گیا، اس نقشہ میں ایلہ (قدیم نام ایلات اور موجودہ نام عقبہ) وہ مقام ہے جہاں غالباً اصحاب السبت کا وہ مشہور واقعہ پیش آیا تھا جس کا ذکر سورۂ بقرہ رکوع ۸، اور سورۂ اعراف رکوع ۲۱ میں آیا ہے۔

فرعون موسیٰ کا نام:

اہل کتاب کے قول کے مطابق فرعونِ موسیٰ کا نام قابوس ہے اور وہب نے کہا ہے کہ اس کا نام ولید بن مصعب بن ریّان ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ ''فرعون'' شاہانِ مصر کا لقب ہے کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں ہے، تین ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہو کر عہد سکندر تک فراعنہ کے اکتیس خاندان مصر پر حکمران رہے ہیں۔

عام مؤرخین عرب اور مفسرین، فرعون موسیٰ کا تعلق خاندان عمالقہ سے قرار دیتے ہیں، کوئی اس کا نام ولید بن مصعب بن ریّان بتاتا ہے اور کوئی مصعب بن ریّان، مگر ارباب تحقیق کی رائے یہ ہے کہ اس کا نام ریّان تھا، ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس کی کنیت ابومرّہ تھی، یہ سب اقوال قدیم مورخین کی تحقیقی روایات پر مبنی تھے، مگر اب جدید مصری اثری تحقیقات اور حجری کتبات کے پیش نظر اس سلسلہ میں دوسری رائے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ کا فرعون رَعمسیس ثانی کا بیٹا منفتاح ہے، جس کا دور حکومت ۱۲۹۲ قبل مسیح سے شروع ہو کر ۱۲۲۵ قبل مسیح پر ختم ہوتا ہے۔ (قصص القرآن مولانا حفظ الرحمن ملخصًا)

مصری عجائب خانہ میں یہ نعش آج بھی محفوظ ہے اور قرآن عزیز کے اس کلام بلاغت نظام کی تصدیق کر رہا ہے۔

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ آیَةً، آج کے دن ہم تیرے جسم کو (دریا سے) نجات دیں گے، تاکہ وہ تیرے بعد آنے والوں کے لئے (خدا کا) نشان رہے۔ محمد احمد عدوی اپنی کتاب ''دعوة الرسل الی اللّٰه'' میں لکھتے ہیں کہ اس نعش کی ناک کے سامنے کا حصہ ندارد ہے اس کی تصدیق اس تصویر کے دیکھنے سے بھی ہوتی ہے جو زمانہ قریب میں سی ڈی میں محفوظ کی گئی ہے۔

فرعون کا خواب:

تورات اور مورخین کا بیان ہے کہ فرعون کو بنی اسرائیل کے ساتھ اس لئے عداوت ہوگئی تھی کہ فرعون نے ایک بھیانک خواب دیکھا تھا وہ یہ کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی ہے، یہاں تک کہ: اس نے مصر پہنچ کر مصر کے تمام گھروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور قبطیوں کو جلا ڈالا اور اسرائیلیوں کو چھوڑ دیا، اس خواب سے فرعون کو بہت تشویش لاحق ہوئی اس کی تعبیر کے لئے کاہنوں، نجومیوں اور قیافوں کو جمع کیا، ان لوگوں نے بتایا کہ تیری حکومت کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھوں ہوگا، اس واقعہ کے بعد فرعون کو اسرائیلیوں سے عداوت ہوگئی اور نو مولود لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ مفسرین نے بھی انہی روایات کو کتب تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔

موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کا نسب:

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا نسب چند واسطوں سے یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام تک پہنچتا ہے ان کے والد کا نام عمران اور والدہ کا نام یوکابد تھا، سلسلہ نسب یہ ہے موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب (علیہ الصلاۃ والسلام) بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہ الصلاۃ والسلام) موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی ولادت ایسے زمانہ میں ہوئی جب کہ فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کر چکا تھا۔

بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات:

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ، نَجَّيْنَا، باب تفعیل سے ہے، اس باب کی ایک خاصیت فعل کی تدریج ظاہر کرنا بھی ہے، بعض مورخین کا خیال ہے کہ تمام اسرائیلی مصر سے ایک ساتھ نہیں نکلے تھے، بلکہ بتدریج مختلف جماعتوں کی شکل میں نکلے تھے، اور ان کا سب سے بڑا اور آخری دستہ وہ تھا، جو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی قیادت میں روانہ ہوا اور راہ بھٹک کر سمندر پار ہوا۔ (تفسیر ماجدی)

فرعون اور مصری سرکار کے مظالم سالہا سال تک برداشت کرنے کے بعد بالآخر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی قیادت میں ساری قوم اسرائیل نے مصر کی سکونت ترک کر کے اپنے آبائی وطن شام و فلسطین کو چلا جانا طے کر لیا، سفر مصری حکومت سے خفیہ طور پر رات کے وقت شروع کیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ راستہ میں روشنی کا انتظام تو دور کی بات ہے، آج کل کی طرح باقاعدہ سڑکیں بھی نہ تھیں، رات کی تاریکی میں اسرائیلی راستہ بھول گئے اور بجائے اس کے کہ شمال کی طرف کچھ آگے بڑھ کر اپنی دائیں طرف مشرق کی جانب مڑتے پہلے ہی ادھر مڑ گئے، ادھر فرعون کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی، فرعون اپنے لشکر کی کمان خود کرتا ہوا تیزی سے تعاقب میں آپہنچا، اب اسرائیلیوں کے سامنے یعنی مشرق کی جانب بحر قلزم کا شمالی سرا تھا اور دائیں بائیں یعنی شمال و جنوب میں پہاڑیاں تھیں، اور پشت یعنی مغرب کی جانب مصری لشکر تھا، قرآن مجید میں اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ، بحر سے مراد یہاں دریائے نیل نہیں جیسا کہ بعض ثقات کو دھوکا ہوا ہے، بلکہ بحر قلزم (بحر احمر) مراد ہے اسرائیلی اپنے کو ہر طرف سے محصور پا کر قدرۃً سخت پریشان ہوئے لیکن رہنمائی اللہ کے ایک پیغمبر کر رہے تھے، آپ نے وحی الٰہی کے اشارہ پر فرمایا کہ بلاتوقف سمندر میں داخل ہو جاؤ، سمندر کا پانی سمٹ کر دونوں طرف پہاڑ جیسی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا، درمیان میں خشک راستہ پیدا ہو گیا اسرائیلیوں کا قافلہ عبور کر گیا، اس دوران فرعونی بھی لب ساحل پہنچ گئے، اور یہ منظر دیکھ کر وہ بھی پیدل اور سوار خشک سمندر میں داخل ہو گئے، لیکن ابھی درمیان ہی میں تھے کہ پانی کی وہ کھڑی دیواریں آپس میں مل گئیں، اور سمندر کا پانی حسب سابق رواں ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے فرعون مع اپنے لاؤ لشکر کے غرق ہو کر رہ گیا۔

معجزہ کی حقیقت:

انسان کے محدود نقطۂ نظر اور ناقص علم کے اعتبار سے جو مستبعد خلاف معمول اور حیرت انگیز واقعہ کسی نبی کی تائید میں ظاہری مادی اسباب سے بے تعلق ظہور میں آئے اسے اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں، ''ایسے کسی واقعہ کو جس کا ثبوت رؤیت یا روایت یعنی مشاہدہ یا نقل صحیح سے مل جائے'' خلاف عقل کہہ کر اس کے امکان سے انکار کر بیٹھنا یا اس کی تاویل کی کوشش کرنا جیسا کہ سرسید احمد خاں نے کی ہے خود ایک انتہائی نادانی اور بے عقلی ہے، عجائبات سے آخر تاریخ بھری پڑی ہے، اور خوارق، نوادر، اور حوادثِ عجیبہ سے دنیا کا کونسا گوشہ، زمانہ کا کونسا دور خالی رہا ہے، زیادہ سے زیادہ ایسے واقعات کو خلاف معمول خلاف عادت عامہ کہا جاسکتا ہے اور ان کے روایتی ثبوت کا مطالبہ یقیناً کیا جاسکتا ہے اور راویوں پر جرح بھی خوب کرلینی چاہئے لیکن اس سے تجاوز کرکے ان کے نفس امکان میں شک کرنا یا انہیں خلافِ عقل یا محال قرار دینا اپنی کم عقلی کا اظہار ہے۔

استبعاد جو کچھ بھی ہے وہ تو صرف انسانی معیار سے ہے، انسان کے بہت ہی محدود و مختصر رقبہ علم و تجربہ کے اعتبار سے ہے ورنہ جو قادر مطلق ہے اس کے لئے تو حسب معمول اور خلاف معمول سب ایک ہے۔

وقوع اور امکان میں فرق:

وقوع اور امکان دو بالکل الگ الگ چیزیں ہیں اور ان ہی کے خلط مبحث نے معجزہ کے مسئلہ میں اتنی الجھن پیدا کردی ہے امکان تو ہر چیز کا ہے قادر مطلق کے دائرۂ قدرت کے اندر ہر بڑی سے بڑی چیز ہے ناممکن اور محال اس کے لئے کوئی چیز نہیں، لیکن وقوع پر یقین کرنے کے لئے شاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے، یہ تو معجزات پر اصولی گفتگو تھی، باقی یہاں جس فرقِ بحر کا ذکر ہے تو یہ سمندر کا پھٹ جانا اور درمیان میں خشکی کی راہ بن جانا، کچھ ایسا زیادہ خارق عادت ہے بھی نہیں کہ اس کی نظیر کہیں نہ ملتی ہو، بحری زلزلے کے وقت ایسی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں، جنوری ۱۹۳۴ء رمضان ۱۳۵۲ھ میں جو عظیم زلزلہ بہار اور اطراف بہار میں آیا اس موقع پر صوبۂ بہار کے صدر مقام پٹنہ میں دوپہر ڈھائی بجے کے قریب ایک مجمع کثیر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گنگا جیسے وسیع و عریض دریا کا پانی چشم زدن میں غائب ہوگیا، اور اتنے چوڑے پاٹ میں بجائے دریا کے دھارے کے خشک زمین نکل آئی اور یہ حیرت انگیز اور دہشت ناک منظر چند سکنڈ نہیں چار پانچ منٹ تک قائم رہا یہاں تک کہ دریا اسی برق رفتاری کے ساتھ یک بیک زمین سے ابل کر پھر جاری ہوگیا واقعہ کی مفصل روئداد وقائع نگار کے قلم سے انگریزی روزنامہ ''پانیر'' (لکھنؤ) ۲۰ جنوری ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں درج ہے۔ (تفسیر ماجدی)

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً، بنی اسرائیل فرعونیوں سے نجات پانے کے بعد دریا عبور کرکے جب جزیرہ نما صحراء سینا میں پہنچ گئے، تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے چالیس روز کے لئے کوہ طور پر طلب فرمایا، تاکہ وہاں اس قوم کے لئے جو اب آزاد ہوچکی ہے، قوانین شریعت اور عملی زندگی کی ہدایات عطا کی جائیں حضرت موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بن عمران سلسلۂ اسرائیلی

کے سب سے زیادہ مشہور اور جلیل القدر پیغمبر ہیں تورات میں ہے کہ ان کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی۔ (ماجدی)

آپ کا زمانہ مؤرخین اور اثریین کے تخمینہ کے مطابق پندرہویں اور سولہویں صدی قبل مسیح کا تھا، سال ولادت غالباً ۱۵۲۰ قبل مسیح (علیہ الصلاۃ والسلام)، سال وفات غالباً ۱۴۰۰ قبل مسیح (علیہ الصلاۃ والسلام) ہے۔ (ماجدی)

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام حکم خداوندی سے چالیس روز کے لئے نوشتۂ شریعت لینے کے لئے کوہ طور پر تشریف لے گئے تھے، موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی غیر موجودگی میں اسرائیلیوں نے سامری اسرائیلی منافق کے پیچھے لگ کر ایک سونے چاندی کے بنے ہوئے بچھڑے کی پوجا شروع کردی۔

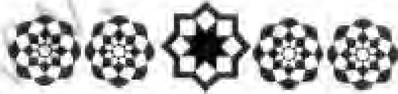

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے نبی ہیں جن کو اللہ نے عالمگیر دعوت پھیلانے کے لئے مقرر کیا تھا، انہوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے ریگستان عرب کے مختلف گوشوں تک برسوں گشت لگا کر اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف لوگوں کو دعوت دی پھر اپنے اس مشن کی اشاعت کے لئے مختلف علاقوں میں اپنے نائب مقرر کئے، شرق اردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، شام و فلسطین میں اپنے بیٹے اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، اور اندرون عرب اپنے بڑے بیٹے اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مامور کیا، پھر اللہ کے حکم سے مکہ میں وہ گھر تعمیر کیا جس کا نام کعبہ ہے، اور اللہ ہی کے حکم سے وہ ہی اس مشن کا مرکز قرار پایا۔

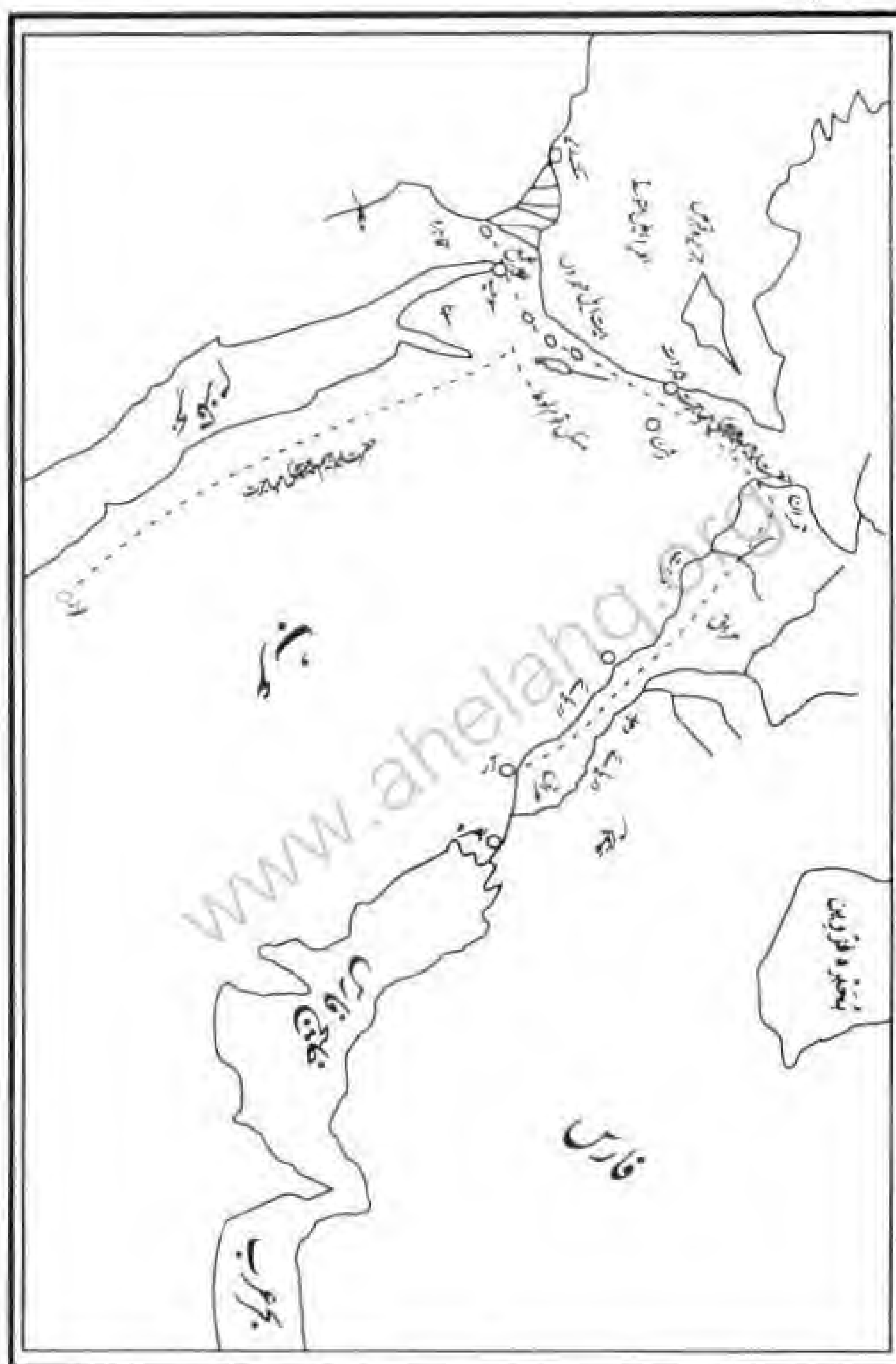

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام عراق میں اُر کے مقام پر پیدا ہوئے، آگ کے الاؤ سے بچ نکلنے کے بعد آپ وطن چھوڑ کر پہلے حران (یا حاران) تشریف لے گئے پھر وہاں سے فلسطین کی طرف منتقل ہوئے اور بیت ایل، حسبرون اور بیر شبع میں اپنی دعوت کے مراکز قائم کئے، پھر بحر لوط کے مشرق میں اپنے بھتیجے حضرت لوط کو مامور کیا، وہاں سے آپ مصر تشریف لے گئے جو اُس زمانہ میں عراق کے بعد تہذیب و تمدن کا دوسرا عظیم الشان گہوارہ تھا، مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مصر میں بھی آپ کا کوئی تبلیغی مشن قائم ہوا یا نہیں، اس کے بعد آپ نے حجاز کا رخ کیا اور مکہ میں بیت اللہ تعمیر کر کے اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی خدمت سپرد کی، پھر فلسطین میں حسبرون کو اپنا مستقل مرکز بنایا، اور یہیں آپ کا انتقال ہوا، آپ کے بعد آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مرکز میں آپ کے جانشین ہوئے، اور اُن سے یہ میراث حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرک پر متنبہ فرمایا، تو پھر انہیں توبہ کا احساس ہوا، توبہ کا طریقہ قتل تجویز ہوا (فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ) آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو، اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جن لوگوں نے گاؤ پرستی میں حصہ لیا تھا، وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں، دوسری تفسیر یہ ہے کہ شرک کا ارتکاب نہ کرنے والے شرک کے ارتکاب کرنے والوں کو قتل کریں، مقتولین کی تعداد ستر ہزار بیان کی گئی ہے۔ (ابن کثیر)

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ستر ہمراہیوں کے ہلاک ہونے کے بعد زندہ ہونے کا واقعہ:

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ستر (۷۰) آدمیوں کو کوہ طور پر تورات لینے کے لئے اپنے ساتھ لے گئے، جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس آنے لگے، تو انہوں نے کہا جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں ہم تیری بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، جس پر بطور عتاب بجلی گری اور ہلاک ہو گئے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سخت پریشان ہوئے اور ان کی زندگی کی دعاء کی جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا۔

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ مصر و شام کے درمیان میدان تیہ کا واقعہ ہے، جب انہوں نے بحکم الٰہی عمالقہ کی بستی میں داخل ہونے سے انکار کر دیا، اور بطور سزا بنو اسرائیل چالیس سال تک تیہ کے میدان میں پڑے رہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ وَقَدْ خَرَجْتُمْ مَعَ مُوسىٰ لِتَعْتَذِرُوا اِلَى اللّٰهِ مِن عِبَادَةِ العِجلِ وَسَمِعتُم كَلامَه **يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً** عِيَانًا **فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ** الصَّيحَةُ فَمُتُّم **وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ**۝ ما حَلَّ بِكُم **ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ** اَحيَينَاكُم **مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ**۝ نِعمَتَنَا بِذٰلِكَ **وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ** سَتَّرنٰكُم بِالسَّحَابِ الرَّقِيقِ مِن حَرِّ الشَّمسِ فِي التِّيهِ **وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ** فِيهِ **الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى** هُمَا التَّرَنجَبِينُ وَالطَّيرُ السُّمَانِي بِتَخفِيفِ المِيمِ وَالقَصرِ وَقُلنَا **كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ** وَلَا تَدَّخِرُوا فَكَفَرُوا النِّعمَةَ وَ ادَّخَرُوا فَقُطِعَ عَنهُم **وَمَا ظَلَمُوْنَا** بِذٰلِكَ **وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ**۝ لِاَنَّ وَبَالَهُ عَلَيهِم **وَاِذْ قُلْنَا** لَهُم بَعدَ خُرُوجِهِم مِنَ التِّيهِ **ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ** بَيتَ المَقدِسِ اَو اَرِيحَا **فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا** وَاسِعًا لَا حَجرَ فِيهِ **وَّادْخُلُوا الْبَابَ** اَي بَابَهَا **سُجَّدًا** مُنحَنِينَ **وَّقُوْلُوْا** مَسأَلَتُنَا **حِطَّةٌ** اَي اَن تَحُطَّ عَنَّا خَطَايَانَا **نَّغْفِرْ** وَفِي قِرَاءَةٍ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مَبنِيًّا لِلمَفعُولِ فِيهِمَا **لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ**۝ بِالطَّاعَةِ ثَوَابًا **فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** مِنهُم **قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ** فَقَالُوا حَبَّةٌ فِي شَعرَةٍ وَدَخَلُوا يَزحَفُونَ عَلَى اَستَاهِهِم **فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** فِيهِ وَضعُ الظَّاهِرِ مَوضِعَ المُضمَرِ مُبَالَغَةً فِي تَقبِيحِ شَانِهِم **رِجْزًا** عَذَابًا طَاعُونًا **مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ**۝ بِسَبَبِ فِسقِهِم اَي خُرُوجِهِم عَنِ الطَّاعَةِ فَهَلَكَ مِنهُم فِي سَاعَةٍ سَبعُونَ اَلفًا اَو اَقَلَّ.

ترجمہ: (یاد کرو) جب تم نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا تھا، (جب کہ) تم موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ گاؤ پرستی کی عذر خواہی کے لئے اللہ کی طرف نکلے تھے، اور تم نے اس کا کلام سنا تھا، اے موسیٰ ہم ہرگز آپ کی بات کا یقین نہ کریں گے جب تک کہ ہم اپنی آنکھوں سے علانیہ اللہ کو نہ دیکھ لیں، سو تم کو بجلی کی کڑک نے آلیا، جس کی وجہ سے تم مر گئے اور جو کچھ تم پر گذرا، تم دیکھ رہے تھے، پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد تم کو زندہ کر دیا، تاکہ تم اس احسان کی شکر گذاری کرو، اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا یعنی مقام تیہ میں رقیق (ہلکے) بادل کے ذریعہ سورج کی گرمی سے حفاظت کی اور اس مقام تیہ میں مَنّ وسلویٰ تمہارے لئے فراہم کیا اور وہ ترنجبین اور بٹیر تھیں میم کی تخفیف اور الف مقصورہ کے ساتھ اور ہم نے تم سے کہا جو پاک چیزیں ہم نے تم کو بخشی ہیں، انہیں کھاؤ اور ذخیرہ نہ کرو، مگر انہوں نے نعمت کی ناشکری کی اور ذخیرہ اندوزی شروع کر دی، جس کی وجہ سے وہ چیزیں موقوف ہو گئیں، اور (تمہارے اسلاف نے) اس ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا، بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اس لئے کہ اس کا وبال خود ان پر پڑنے والا ہے، اور جب ہم نے ان سے مقام تیہ سے نکلنے کے بعد کہا تھا، کہ اس بستی بیت المقدس یا اریحا میں داخل ہو جاؤ، اور اس میں جو چاہو اور جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ، اس میں کوئی پابندی نہیں، مگر اس بستی کے دروازے میں (عاجزی کے ساتھ) جھکے جھکے داخل ہونا، اور کہتے جانا ہماری درخواستِ معافی ہے، یعنی ہمارے خطاؤں کو معاف کر دے، ہم تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے اور ایک قراءت میں یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور دونوں صیغۂ مجہول کے ساتھ ہم نیکوکاروں کو مزید نوازیں گے طاعت کے سبب ثواب سے، مگر جو بات ان کو بتائی گئی تھی، ظالموں نے اس کو دوسری بات سے بدل ڈالا اور حَبَّةٌ فی شعرةٍ کہا، یعنی خوشہ دانہ سمیت اور اپنے سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے، آخر کار ہم نے ظلم کرنے والوں پر اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے، ان کی تقبیح شان میں مبالغہ کرنے کے لئے آسمان سے طاعون کا عذاب نازل کر دیا، ان کے فسق کی وجہ سے یعنی ان کے اطاعت سے انحراف کرنے کی وجہ سے، چنانچہ اسی وقت ان میں سے ۷۰ ہزار یا (کچھ) کم ہلاک ہو گئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ.

سوال: مؤمن بہ کیا ہے؟

جواب: صاحب کشاف نے کہا ہے کہ مومن بہ یہ ہے کہ: اللہ ہی آپ سے ہمکلام ہے اور یہ کہ اللہ ہی نے آپ کو تورات دی ہے؟ اور محی السنہ نے کہا ہے کہ مومن بہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام اللہ کے نبی ہیں؟

سوال: نُؤْمِنُ، متعدی بنفسہ ہے، لہٰذا اس کے صلہ میں لام کیسا ہے؟

جَوَابْ: لام بمعنی اجل ہے: اَیْ لَا نُؤْمِنُ لِاَجلكَ، یعنی محض آپ کے کہنے کی وجہ سے ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔

قَوْلُہٗ: عیانا، جَهْرَةً کی تفسیر عیانًا سے کرنے سے ایک سوال مقدر کا جواب مقصود ہے۔

سَوَالْ: جَهْـرَةً، جَهَرْتُ بالقراءة کا مصدر ہے، جس کا تعلق صوت سے ہے، جَهْرَةً کو رؤیةً کے معنی میں استعمال کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابْ: جَهْر، رؤیة کے معنی میں مجاز ہے، مناسبت دونوں میں ظہور تام ہے۔

قَوْلُہٗ: صَاعِقَة، بجلی کی کڑک، کڑکڑاہٹ۔

قَوْلُہٗ: فَمُتُّمْ، فَمُتُّمْ، کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ کا عطف مقدر پر ہے لہٰذا اب یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ بعث تو بعد الموت ہوتا ہے اور اخذ صاعقہ کے لئے موت لازم نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ صاعقہ سے ان کی موت واقع ہوگئی۔

قَوْلُہٗ: مـاحَـلَّ بِـكُـمْ، اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تـنـظـرون کا مفعول محذوف ہے کہ: اَخَذتكم الصاعقة.

قَوْلُہٗ: اَلغمام، السَّحابُ الرقیق الابیض.

قَوْلُہٗ: تیه، شام اور مصر کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، جس کی وسعت نو فرسخ ہے۔

قَوْلُہٗ: مَنّ، ایک قسم کی شبنمی شریں گوند کی شکل کی چیز تھی، جو رات کو پتوں پر جم جاتی تھی، مفسر علام نے اس کو ترنجبین سے تعبیر کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: سَلْوٰی، ایک قسم کا پرندہ ہے، جو کبوتر سے چھوٹا اور چڑیا سے بڑا ہوتا ہے، اردو میں اس کو بٹیر کہتے ہیں، اس کو لَوَیٰ اور فارسی میں بودنہ کہتے ہیں، قاموس میں ہے کہ: اس کا واحد سَلواةً ہے، اخفش سے منقول ہے کہ اس کا واحد نہیں سنا گیا۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: سُمانی، سین کے ضمہ اور الف مقصورہ کے ساتھ اس کی جمع سمانات آتی ہے۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: منحنینَ، اس میں اشارہ ہے کہ سُجَّدًا حال ہے ای متواضعین.

قَوْلُہٗ: مسـالتـنـا حِطَّةٌ، اس میں اشارہ ہے کہ حِطَّةٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور حِطَّةٌ کلمۂ استغفار ہے، اور اس میں حذف کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

سَوَالْ: حِطَّةٌ کو قولوا کا مقولہ کیوں قرار نہیں دیا، حالانکہ یہی ظاہر ہے۔

جَوَابْ: اس لئے کہ قول کا مقولہ جملہ ہوتا ہے اور حِطَّةٌ مفرد ہے اسی اعتراض سے بچنے کے لئے مَسْألتنا، مبتداء محذوف کی حِطَّةٌ کو خبر قرار دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: يَزْحَفُوْنَ على استاهم، ای يمشون على اَدْبارهم، یعنی سرین کے بل گھسٹتے ہوئے، اَستاهٌ، جمع سَتّه، سرین۔

قَوْلُہٗ: بسبب فسقهم، اس میں اشارہ ہے کہ: بما، میں باء سببیہ اور ما، مصدریہ ہے۔

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ (الآیۃ) خطاب اگرچہ آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود یہودیوں کو ہے مگر مراد ان کی قوم کے وہ ستر نمائندے ہیں، جن کو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اپنے ہمراہ کوہ طور پر لے گئے تھے: "والقائلون هُم السَّبْعُوْنَ الَّذِيْنَ اخْتَارَهُمْ موسٰى علیہ الصلاۃ والسلام لِلْمِيْقَات. (بیضاوی) لَنْ نؤمنَ لَكَ ای لا جلك (بیضاوی) یعنی محض آپ کے کہنے سے یقین نہ کریں گے جب تک کہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ تاریخ بنی اسرائیل کے اہم ترین واقعات دہرائے جارہے ہیں اور اسرائیلیوں پر حجت ان کی قومی تاریخ سے قائم کی جارہی ہے یہ اس وقت کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جزیرہ نمائے سینا میں ستر بزرگانِ قوم کو ہمراہ لے کر لشکر گاہ سے کوہِ طور پر گئے تھے، دامن کوہ میں انہیں چھوڑ کر خود آگے بڑھ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی سے مشرف ہونے کے بعد اس کی اطلاع اور خوشخبری ان بزرگان قوم کو پہنچائی تھی۔

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ، یعنی صاعقہ گرنے کے بعد ابتدائی حالات کو دیکھ رہے تھے، جس کے بعد موت واقع ہوئی، بعض مفسرین نے: "فَاَخذتکم الصاعقة" سے بے ہوش ہوجانا بھی مراد لیا ہے اور "وَخَرَّ موسٰى صَعِقًا. فَلَمَّا اَفَاقَ" سے استدلال کیا ہے، اور انتم تنظرون کو اس کا قرینہ قرار دیا ہے، اس لئے کہ افاقہ غشی سے ہوتا ہے، نہ کہ موت سے امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی یہی رائے ہے۔ (ماجدی)

مفسر علام نے "اَخذ صاعقة" سے موت مراد لی ہے، اور اس کا قرینہ بعد میں آنے والے جملہ "ثم بعثنا كم من بعد موتكم" کو قرار دیا ہے، یہی قول راجح ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ، یعنی پھر ہم نے (موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاء) سے تم کو زندہ کر اٹھایا تمہارے مرجانے کے بعد اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے۔

فَائِدَہ: "موت" کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ بجلی سے مر گئے تھے، اس مرنے کا قصہ اور سبب یہ ہوا کہ: جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے کوہ طور سے تورات لاکر پیش کی اور اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی کی خوشخبری سنائی تو بعض گستاخ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے کہہ دے کہ یہ ہماری کتاب ہے، تو بے شک ہم کو یقین آجائے گا، بنی اسرائیل نے اس کام کے لئے ستر آدمی منتخب کر کے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ہمراہ کوہ طور پر روانہ کئے، وہاں پہنچ کر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تو اس وقت کہنے لگے، ہمیں اس بات کا یقین نہیں ہے کہ پس پردہ اللہ بول رہا ہے، نہ معلوم کون بول رہا ہوگا، اگر ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو مان لیں گے، چونکہ دنیا میں کوئی شخص اللہ کو دیکھنے کی قوت نہیں رکھتا، اس لئے اس گستاخی پر ان پر بجلی آن پڑی، اور سب ہلاک ہوگئے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ سے عرض کیا کہ بنی اسرائیل یوں ہی بدگمان رہتے ہیں اب وہ یہ سمجھیں گے کہ میں نے ان کو لے جا کر کہیں ہلاک کر دیا ہوگا، مجھ کو اس تہمت سے محفوظ رکھئے اس دعاء کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا۔

(معارف ملخصًا)

رؤیت باری کا مسئلہ:

معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ رؤیت باری ممکن نہیں ہے، اگر رؤیت باری ممکن اور جائز ہوتی تو اس سوال پر سرداران بنی اسرائیل کو اتنی سخت سزا نہ ملتی، لیکن اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ رویت باری جنت میں تو مومنین کو ہوگی ہی دنیا میں بھی مخصوص افراد کو بطور فضل خاص ممکن ہے، البتہ ہر جہت جسم اور مادی کم و کیف سے پاک۔

(بیضاوی، قرطبی، بحوالہ ماجدی)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ، (الآية) یہ دونوں قصے وادی تیہ میں پیش آئے، وادی تیہ کی حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام ہے، یہ لوگ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں مصر آئے تھے، اور یہاں کے باشندے ہو گئے اور ملک شام پر پھر عمالقہ نامی ایک قوم کا تسلط ہو گیا، فرعون جب غرق ہو گیا اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ عمالقہ سے جہاد کرو اور اپنے وطن کو ان سے آزاد کراؤ بنی اسرائیل اسی ارادہ سے مصر سے روانہ ہوئے، ان کی حدود میں پہنچ کر جب عمالقہ کے زور و قوت کا حال معلوم ہوا تو ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا، فاذهب انت وربك الخ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس انکار کی سزا یہ دی کہ چالیس برس تک میدان تیہ میں سرگرداں اور پریشان پھرتے رہے یہ جزیرہ نمائے سینا جہاں دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں تھی اور نہ وہاں نباتاتی غذا کی کوئی صورت، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء سے دھوپ سے بچاؤ کا یہ انتظام فرمایا کہ بادل کو ان پر سایہ فگن رہنے کا حکم دیدیا، یہاں یہ بات بھی خیال رکھنے کی ہے کہ یہ اسرائیلیوں کی کوئی معمولی تعداد نہیں تھی، ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی، صحراء سینا میں مکانات کا تو ذکر ہی کیا سر چھپانے کے لئے ان کے پاس خیمے تک نہ تھے، اس زمانہ میں اگر خدا آسمان کو ابر آلود نہ رکھتا تو یہ قوم دھوپ سے ہلاک ہو جاتی۔

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے غذا کا یہ انتظام فرمایا کہ ان پر مَن و سلویٰ نازل فرما دیا، مَن، شبنمی شریں گوند کی طرح ایک چیز تھی، جو درختوں کے پتوں پر بکثرت جم جاتی جس کو یہ لوگ جمع کر لیتے، دوسری چیز بٹیر تھی، جو کثرت سے آتیں جن کو یہ لوگ پکڑ لیتے اور خوشگوار غذا کے طور پر استعمال کرتے۔

اور جب پانی کی ضرورت پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک پتھر پر اپنا عصا مارنے کا حکم دیا، اس کے نتیجے میں اس پتھر سے بارہ چشمے رواں ہو گئے، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کی بنیادی ضرورت کا انتظام فرما دیا۔

بنی اسرائیل کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ بقدر ضرورت لے لیا کریں آئندہ کے لئے جمع نہ کریں، مگر یہ لوگ ذخیرہ اندوزی سے باز نہ

آئے، معلوم ہوا کہ ذخیرہ اندوزی بنی اسرائیل کی قدیم عادت ہے آخر اس ذخیرہ اندوزی کی سزا میں گوشت سڑنا شروع ہوگیا۔ (معارف) اسی کے لئے فرمایا گیا ہیں: " وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ".

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ ، یہ بستی کونسی تھی، بعض مفسرین نے بیت المقدس بتایا ہے اور ممکن ہے کہ فلسطین کا مشہور شہر اریحا ہو، جو موجودہ نقشوں میں (Jericho) کے نام سے ملے گا، یہ بحر مردار کے شمال سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اسے اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں فتح کیا تھا، اس کے علاوہ بھی متعدد شہروں اور مقامات کے نام لئے گئے ہیں، بعض شہروں کے نام اب بدل گئے ہیں مثلاً ایلیہ کہ اب اسے عقبہ کہتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ مراد شہر سطیم ہو، یہ علاقہ مواب میں واقع ہے، جو بحر مردار کے مشرق میں ہے، اس زمانہ میں یہ شہر بہت شاداب اور آباد تھا، بنی اسرائیل کے اپنے وطن شام سے نکلنے کے بعد شام پر قوم عمالقہ قابض ہوگئی تھی، جب فرعون غرق ہوگیا اور بنی اسرائیل کو سکون اور اطمینان حاصل ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم عمالقہ سے جہاد کرو اور اپنا وطن واپس لے لو اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا تھا کہ جابر و ظالم فاتحوں کی طرح اکڑتے ہوئے داخل نہ ہونا، بلکہ خداترسوں کی طرح منکسرانہ شان سے داخل ہونا، اس لئے کہ شانِ عبودیت یہی ہے اور مومنین مخلصین کے لئے یہی مناسب اور زیبا ہے، جیسا کہ حضرت محمد ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں نہایت عاجزانہ انداز سے سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے تھے۔

وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ، "باب" سے مراد شہر کا پھاٹک ہے، قدیم زمانہ میں شہر کے چاروں طرف بلند فصیل بنائی جاتی تھی، جو شہر پناہ کے نام سے مشہور ہوتی تھی، شہر میں داخل ہوتے وقت ایسی فصیل کے پھاٹک سے گذرنا ہوتا تھا، سُجَّدًا، سجدہ سے مراد مشہور و معروف سجدہ نہیں ہے بلکہ عاجزی اور فروتنی مراد ہے، (راغب، ابن جریر، ابن عباس، مجاہد)

قَوْلُهٗ: حِطَّةٌ، مراد یہ نہیں ہے کہ بعینہ لفظ، حِطَّة کہتے جانا اس لئے کہ یہ تو عربی زبان کا لفظ ہے اور اسرائیلیوں کی زبان عبری یا عبرانی تھی، حطة کے معنی توبہ و استغفار کے ہیں، مطلب یہ تھا، کہ قلبی خشوع خضوع کے ساتھ زبان سے بھی توبہ و استغفار کرتے جانا، اور بعض حضرات نے بعینہ اسی لفظ کے کہنے کا حکم بھی مراد لیا ہے، اگرچہ اس کا بھی احتمال ہے مگر اقرب الی المقصود اول ہے۔ (کبیر، روح)

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ، (الآية) یعنی جو الفاظ ان کو تلقین کئے گئے تھے، ان کو چھوڑ کر دوسرے ہزل و تمسخر کے کلمے زبان پر لانے لگے، ہزل و تمسخر کے کلمے کیا تھے؟ اس میں روایات مختلف ہیں مگر ماحصل سب کا ایک ہی ہے کہ بجائے توبہ و انابت کے تمسخر اور استہزاء کا کلمہ کہہ رہے تھے۔

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ، رجز عام ہے ہر عذاب کے لئے استعمال ہوتا ہے، خواہ وہ کسی صورت میں ہو۔

مِنَ السَّمَآءِ، کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ عذاب برف یا بارش کی شکل میں آسمان سے نازل ہوا تھا، مطلب یہ ہے کہ وہ عذاب اسباب طبعی سے پیدا نہیں ہوا تھا، بلکہ وہ عذاب آسمانی حاکم کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ ای مقدرٌ من السماء۔

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا، کی تکرار ظالموں کے ظلم کو نمایاں کرنے کے لئے ہے۔

اسرائیلیوں پر نازل ہونے والا عذاب کیا تھا؟

ہمارے یہاں طاعون کی روایتیں نقل ہوئی ہیں کہا جاتا ہے کہ اس طاعونی عذاب میں ستر ہزار سے زائد اسرائیلی ہلاک ہوئے۔ بما کانوا یفسقونَ، باء، سببیہ ہے، ای بسببِ فسقِهِمْ المستمر۔ (ابو سعود)

کانوا کا صیغہ دوام واستمرار پر دلالت کرنے کے لئے ہے، بما کانوا یفسقون سے یہ بات صاف ظاہر ہوگئی کہ طاعون کا اصل سبب طبی یا طبعی نہیں تھا، بلکہ روحانی اور اخلاقی بد پرہیزیاں اور نافرمانیاں تھیں۔ (ماجدی ملخصًا)

وَ اذکُرْ اِذِاسْتَسْقٰى مُوْسٰى ای طَلَبَ السقیا لِقَوْمِهٖ وقد عطِشُوا فِی التِّیه فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ وہُوَ الَّذِی فَرَّ بثوبه خفیفٌ مُرَبَّعٌ کرأس رجلٍ رُخَامٌ او کَدانٌ فضربَهٗ فَانْفَجَرَتْ اِنْشَقَّتْ وسَالَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا بعددِ الاسبَاطِ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ سِبْطٍ مِنْهُمْ مَّشْرَبَهُمْ موضعَ شُربِهم فلا يُشْرِكُهُمْ فِيهِ غيرُهم وقُلْنَا لَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۝ حالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِعَامِلِهَا مِنْ عَثِیَ بِکسرِ المُثَلَّثَةِ اَفْسَدُوا وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ ای نوعٍ منهُ وَّاحِدٍ وہُوَ المَنُّ وَالسَّلْوٰى فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا شیئًا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ لِلبیانِ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا حِنطتِها وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ لهم موسٰی اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى اخسُّ بِالَّذِیْ هُوَ خَيْرٌ اشرفُ ای تاخُذُونَهٗ بدَلَهٗ والہمزةُ لِلانکارِ فابَوا ان یَرجعُوا فدعَا اللّٰهَ فقالَ تعالٰی اِهْبِطُوْا انزِلُوا مِصْرًا من الامصَارِ فَاِنَّ لَكُمْ فیه مَّا سَاَلْتُمْ مِنَ النَّبَاتِ وَضُرِبَتْ جُعِلَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ الذُّلُّ والہوَانُ وَالْمَسْكَنَةُ ای اَثَرُ الفقرِ مِنَ السُّکونِ والخِزْیِ فهِیَ لازمَةٌ لَهُمْ وَاِنْ کانُوا اَغنِیَاءَ لُزُومَ الدِّرہمِ المَضرُوبِ لِسِکَّتِه وَبَآءُوْ رجعُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ ای الضَّربُ والغضبُ بِاَنَّهُمْ ای بسبَبِ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ کزکریّا ویحیٰی بِغَيْرِ الْحَقِّ ای ظُلمًا ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۝ یَتَجاوزُونَ الحَدَّ فِی المَعَاصِی وکَرَّرَهٗ لِلتاکیدِ۔

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو، جب موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعاء مانگی، دراں حال کہ وہ مقام تیہ میں پیاسے ہوئے، تو ہم نے (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی (فلاں) پتھر پر مارو، اور یہ وہی پتھر تھا کہ جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑے لے کر فرار ہو گیا تھا، (اور) وہ پتھر ہلکا چوکور آدمی کے سر کے مشابہ سفید رنگ کا نرم تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر لاٹھی ماری تو وہ شق ہو گیا، (اور) قبیلوں کی تعداد کے مطابق اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور

ان کے ہر قبیلے نے اپنا چشمہ جان لیا، (یعنی) اپنے پانی کی جگہ پہچان لی تاکہ اس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو اور ہم نے ان سے کہہ دیا کہ اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو، اور ملک میں فساد کرتے مت پھرو، (مفسدین) اپنے عامل سے حال موکدہ ہے عَثِیَ ثاء مثلثہ مکسورہ سے ماخوذ ہے بمعنی اَفْسَدَ ہے، اور اس وقت کو یاد کرو، جب تم نے (موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے) کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ایک قسم کے کھانے پر ہرگز اکتفاء نہ کریں گے اور وہ مَن اور سلویٰ ہے، لہٰذا آپ اپنے رب سے دعاء فرمائیں کہ ہمارے لئے زمین سے اگنے والی چیزوں میں سے کوئی چیز پیدا فرمائے مِمَّا میں مِن بیانیہ ہے (مثلاً) ساگ، سبزی، اور ککڑی، اور گندم، اور مسور اور پیاز تو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے فرمایا کیا تم ادنیٰ درجہ کی چیز کو اعلیٰ درجہ کی چیز کے بجائے، لینا چاہتے ہو، یعنی ادنیٰ کو اعلیٰ سے تبدیل کرنا چاہتے ہو، یعنی اعلیٰ کے بدلے میں ادنیٰ لینا چاہتے ہو، اور ہمزہ انکار کے لئے ہے مگر انہوں نے (اپنے مطالبہ سے) باز آنے سے انکار کر دیا، چنانچہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمادی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اچھا تو) شہروں میں سے کسی شہر میں جا رہو، ساگ وغیرہ جو کچھ تم مانگتے ہو وہاں مل جائے گا، (حتی کہ) ان پر ذلت وخواری اور محتاجی یعنی محتاجی کا (قلبی) اثر فقر اور ذلت مسلط کر دی گئی، جس کی وجہ سے (قلبی) محتاجی ان کا لازمہ بن گئی، اگرچہ وہ دولت مند ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ ٹکسالی سکہ کے لئے ٹھپہ لازم ہوتا ہے اور اللہ کا غضب لے کر واپس ہوئے اور ذلت کا مسلط ہونا اور اللہ کا غضب لے کر لوٹنا، یہ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے، اور نبیوں کو ناحق ظلماً قتل کرتے تھے، جیسا کہ زکریا (علیہ الصلاۃ والسلام) اور یحییٰ (علیہ الصلاۃ والسلام) کو، یہ اس لئے ہوا کہ ان لوگوں نے نافرمانی کی اور معاصی میں حد سے تجاوز کرتے تھے۔ (اسم اشارہ) کو تاکید کے لئے مکرر لائے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اِسْتَسْقٰی، طَلَبُ السُّقیا، (استفعال) ماضی واحد مذکر غائب، پانی مانگا، پانی کے لئے دعاء کی، اِضْرِب بعصاكَ الحجر، ضربٌ کے عام اور معروف معنی مارنے اور ضرب لگانے کے ہیں، ضَرَبَ کے معنی چلنے کے اس وقت آتے ہیں جب اس کا صلہ فِی آتا ہے، لہٰذا جن حضرات نے پہاڑ پر چلے جانے کا ترجمہ کیا ہے (جیسا کہ سرسید احمد خاں نے کیا ہے) یہ ترجمہ جس طرح لغت اور قواعد زبان کے خلاف ہے، اسی طرح تاریخ کے بھی بالکل مخالف ہے۔

قَوْلُهُ: اَلْحَجَرَ، ہوسکتا ہے کہ مخصوص پتھر مراد ہو جیسا کہ مفسر علام کی بھی یہی رائے ہے، تو اس صورت میں الف لام عہد کا ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی معین پتھر مراد نہ ہو، اس صورت میں الف لام جنس کا ہوگا، معجزہ کے لئے یہ زیادہ مناسب ہے۔

قَوْلُهُ: فَضَرَبَهُ، اس کے مقدر ماننے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فانفجرت میں فاء فصیحہ ہے اور انفجرت محذوف پر مرتب ہے، اِنْفَجَرَتْ، اِنفجار، سے مشتق ہے، اس کے معنی شق ہونے اور بہنے کے ہیں۔

قَوْلُهُ: كُلُّ اُنَاسٍ، کل سے کل افرادی مراد ہے بالنسبة الی الاسباط نہ کہ کل مجموعی۔

قولہ: تَعْثَوْا، یہ عَثَا یَعْثوا، (ن) اور عثی یَعثی، (س) سے نہی جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے، یعنی تم فساد نہ پھیلاؤ۔

قولہ: حالٌ مؤکدة لعامِلِهَا. یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: حال ذوالحال میں معنی زائد پر دلالت کیا کرتا ہے جو یہاں مفقود ہیں، اس لئے کہ جو معنی عَثیٌ کے ہیں وہی معنی مفسدین کے ہیں۔

جواب: معنی کی زیادتی حال منتقلہ میں ضروری ہوتی ہے، نہ کہ مؤکدہ میں اور یہ حال مؤکدہ ہے۔

قولہ: موضع شرب، مَشْرَبٌ، کی تفسیر موضع شرب سے کر کے اشارہ کر دیا کہ، اَلمشرب ظرف ہے نہ کہ مصدرِ میمی اس لئے کہ مصدر کی صورت میں معنی صحیح نہیں ہیں، کما لایخفیٰ.

قولہ: نوعٌ منه، اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک اشکال کا جواب ہے۔

اشکال: بنی اسرائیل کے کھانے دو تھے، مَنّ اور سلویٰ تو اللہ تعالیٰ نے "علیٰ طعام واحدٍ" کیوں فرمایا؟

جواب: وحدت سے مراد وحدت نوعی ہے، نہ کہ فردی اور یہ تعدد کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ عرف میں بولا جاتا ہے کہ کھانا بڑا لذیذ تھا، اگرچہ مختلف قسم کے کھانے ہوتے ہیں۔

قولہ: شیئًا، مقدر ماننے میں اشارہ ہے کہ مِنْ تبعیضیہ ہے، نہ کہ بیانیہ اور بعد والا مِنْ بیانیہ ہے شیئًا، جو کہ یُخرِجْ کا مفعول بہ ہے، مقدر مان کر ایک اشکال کا جواب دیا ہے۔

اشکال: دو حرف جر کا جو کہ ہم معنی ہوں بغیر عطف ایک فعل سے متعلق کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ مِمَّا تنبتُ، اور من بَقْلِهَا، میں دونوں یُخرِجْ لنا، سے متعلق ہیں۔

جواب: دونوں مِنْ، ایک معنی میں نہیں ہیں، پہلا تبعیضیہ ہے اور دوسرا بیانیہ۔

قولہ: بقلها، یہ مَا سے حرف جر کے اعادہ کے ساتھ بدل ہے، بَقْلٌ، اس کی جمع بقول ہے، ہر اس نبات کو کہتے ہیں، جس میں تنا نہ ہو، قِثَّاءٌ، ککڑی واحد قِثَّاءة.

قولہ: فومٌ، گندم لہسن، ہر وہ غلہ جس کی روٹی بنائی جا سکے، عدس، مسور، بَصَلٌ، پیاز۔

قولہ: باءُ و، بَوْءٌ سے ماضی جمع مذکر غائب، وہ لوٹے اور اسی سے ہے، باءَ المباۃ، ای رَجَعَ الی المنزل.

قولہ: من الامصار، اَیَّ بلدٍ کان من الشام، یہاں مصر سے مراد کوئی مخصوص شہر نہیں ہے اور نہ معروف شہر مصر ہے مطلب یہ ہے کہ ملک شام کی کسی بھی بستی میں چلے جاؤ مِصْرًا کی تنوین تنکیر بھی اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

قولہ: جُعِلَتْ، ضُرِبَتْ، کی تفسیر جُعِلَتْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اس میں استعارہ تبعیہ بمعنی لزوم ہے اور یہ ان کے ذلیل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ: المسکنه، محتاجی۔

قولہ: اثر الفقر، اثر مضاف محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ نفس فقر مراد نہیں ہے، بلکہ لازمہ فقر جو کہ ذلت ہے مراد ہے،

ورنہ تو ان میں بہت سے لوگ غنی بھی تھے، اور آج بھی ہیں مگر غنا کا تعلق مال و دولت سے نہیں ہے، بلکہ قلب سے ہے اگر غنا قلبی حاصل نہ ہو، تو اس مصرعہ کے مصداق ہوں گے۔

آنا　نکہ　غنی　ترند　محتاج　ترند

قِوْلَہٗ: ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا، ذلك کا مشارٌ الیہ ضرب ذلت اور غضب ہے، سوال پیدا ہوا ہے کہ مشارٌ الیہ دو ہیں اور اسم اشارہ مفرد ہے۔

جَوَابٌ: مشارٌ الیہ مذکور کے معنی میں ہے لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

تفسیر و تشریح

وَاِذِ اسْتَسْقٰی، یہ واقعہ بعض کے نزدیک مقام تیہ کا اور بعض کے نزدیک صحراء سیناء کا ہے جب پانی کی طلب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا اپنی لاٹھی پتھر پر مارو چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پتھر پر اپنی لاٹھی ماری، تو اس میں سے بارہ چشمے جاری ہوگئے، ہر قبیلہ نے اپنے لئے ایک ایک چشمہ متعین کرلیا، یہ بھی ایک معجزہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔

قاضی بیضاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے خوارق (اور معجزات) کا انکار بہت بڑی غلطی ہے، جب بعض پتھروں (مقناطیس) میں اللہ تعالیٰ نے بعید از قیاس اور خلافِ عقل یہ تاثیر رکھی ہے کہ لوہے کو جذب کرتا ہے تو اگر اس پتھر میں ایسی تاثیر پیدا کردی ہو کہ جو پانی کے اجزاء کو زمین سے جذب کرلے اور اس سے پانی نکلنے لگے تو کیا محال ہے؟

وہ پتھر (چٹان) جس سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ضرب عصا کی وجہ سے پانی جاری ہوگیا تھا، وہ اب تک جزیرہ نمائے سینا میں موجود ہے سیاح جا کر اسے دیکھتے ہیں اور چشموں کے شگاف اس میں اب بھی موجود ہیں۔

مشہور ماہر اثریات (آثار قدیمہ) سر فلنڈرز پٹری (Petire) تیس آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ ۵-۱۹۰۴ء سیناء کی تحقیقی مہم پر روانہ ہوئے ان کے مشاہدات کا خلاصہ ایک دوسرے ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن کی زبانی سنئے۔

> یہ وسیع بیابانی علاقہ سیاہ اور سرخ رنگ کے پہاڑوں سے لبریز ہے جس میں کہیں کہیں سبزہ زار بھی ہیں اور گہری گہری وادیاں بھی اور شگاف، جا بجا نخلستان، ایسی وادی میں پینے کے پانی کی فراہمی کی مشکلات جو اسرائیلیوں کو اپنی صحرانوردی کے زمانہ میں پیش آئی تھیں، آج بھی ان کا تجربہ ہو رہا ہے۔　(ماجدی)

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی، یہ قصہ بھی اسی میدان تیہ کا ہے، مصر سے یہاں ملکِ مصر مراد نہیں بلکہ کوئی بھی شہر مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو مطلوبہ چیزیں درکار ہیں تو کسی بستی میں چلے جاؤ اور وہاں کھیتی باڑی کرو، اپنی پسند کی سبزیاں دالیں اگاؤ اور کھاؤ، یہ مطالبہ چونکہ کفرانِ نعمت اور استکبار پر مبنی تھا، اس لئے زجر و توبیخ کے انداز میں ان سے کہا گیا کہ تمہاری مطلوبہ چیزیں وہاں ملیں گی

کھیتی باڑی کرو اور کھاؤ، تم کو مَن وسلوی جیسی عمدہ اور لذیذ بے مشقت حاصل ہونے والی غذا کی قدر نہیں ہے۔

اس زجر وتوبیخ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جس بڑے مقصد یعنی اپنے ملک کی آزادی کے لئے یہ صحرا نوردی تم سے کرائی جارہی ہے، اس کے مقابلہ میں کیا تم کو کام ودہن کی لذت اتنی مرغوب ہے کہ اس مقصد کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو، مگر ان چیزوں سے محرومی کچھ مدت کے لئے برداشت نہیں کر سکتے؟

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ استسقاء کی اصل دعاء ہی ہے امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کا ارشاد ہے کہ استسقاء کی اصل پانی کے لئے دعاء کرنا ہے اور یہ دعا کبھی مخصوص نماز کی صورت میں کی گئی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آپ ﷺ کا نماز استسقاء کے لئے عیدگاہ کے میدان میں تشریف لے جانا اور نماز اور خطبہ اور دعاء کرنا منقول ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ بغیر نماز کے صرف دعاء پر اکتفاء فرمایا، جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کی روایت ہے کہ خطبۂ جمعہ ہی میں آپ نے دعاء فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی۔

یہودیوں پر ابدی ذلت کا اور اسرائیل کی موجودہ حکومت سے شبہ اور اس کا جواب:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ، (الآية) آیات مذکورہ میں یہود کی نافرمانیوں کی سزا دنیا میں دائمی ذلت ومسکنت بیان کی گئی ہے، اس دائمی ذلت، ومسکنت کا مفہوم جو ائمہ تفسیر اور صحابہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمْ وتابعین رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالیٰ سے منقول ہے، اس کا خلاصہ ابن کثیر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کے الفاظ میں یہ ہے۔

"لَایَزَالُوْنَ مستذلین من وجدھم استذلھم وضرب علیھم الصغار"

یعنی وہ کتنے ہی مالدار کیوں نہ ہو جائیں، ہمیشہ تمام اقوام عالم کی نظروں میں ذلیل وحقیر سمجھے جائیں گے جس کے ہاتھ لگیں گے ان کو ذلیل کرے گا اور ان پر غلامی کی علامتیں لگا دے گا۔ (معارف ملخصًا)

امام تفسیر ضحاک ابن مزاحم نے حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا سے ان کی ذلت ومسکنت کا یہ مفہوم نقل کیا ہے: "ھم اھل القبالات یعنی الجزیة" مطلب یہ کہ یہودی ہمیشہ دوسروں کی غلامی میں رہیں گے ان کو ٹیکس وغیرہ ادا کرتے رہیں گے، ان کی قوت واقتدار دوسروں کے بل بوتہ پر ہوگا، اس مضمون کی ایک آیت سورۂ آل عمران میں ایک زیادتی کے ساتھ اس طرح آئی ہے۔

"ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَمَا ثُقِفُوْآ إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ" مسلط کردی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں جائیں گے مگر ہاں ایک ایسے ذریعہ سے جو اللہ کی طرف سے ہو اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے ذریعہ کا مطلب تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے قانون میں امن دیدیا ہو، جیسے نابالغ بچے، عورتیں، یا ایسے عبادت گذار جو مسلمانوں سے لڑتے نہیں پھرتے، وہ محفوظ اور مامون رہیں گے، اور آدمیوں کے ذریعہ

سے مراد معاہدۂ صلح ہے، جس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ یا جزیہ دے کر ان کے ملک میں رہنے کا معاہدہ ہو جائے، مگر الفاظ قرآنی میں: ''مِنَ النَّاسِ'' فرمایا: ''مِنَ الْمُسلمین'' نہیں فرمایا، اس لئے یہ صورت بھی محتمل ہے کہ دوسرے غیر مسلموں سے معاہدۂ صلح کر کے ان کی پشت پناہی میں آجائیں، تو مامون رہ سکتے ہیں، آیت کی اس تفسیر سے وہ تمام شبہات دور ہو گئے، جو آج کل فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم ہونے کی بناء پر بہت سے مسلمانوں کو پیش آتے ہیں، کہ قرآن کے قطعی ارشادات سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہودیوں کی حکومت کبھی قائم نہ ہوگی اور واقعہ یہ ہے کہ فلسطین میں ان کی حکومت قائم ہو گئی، جواب واضح ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کی موجودہ حکومت کی حقیقت سے جو باخبر ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ حکومت دراصل اسرائیلیوں کی نہیں، بلکہ امریکہ اور برطانیہ کی ایک چھاؤنی سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں، یہ اپنی ذاتی طاقت سے ایک مہینہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے، یورپین ممالک نے اسلامی بلاک کو کمزور کرنے کے لئے ان کے بیچ میں اسرائیل کا نام دے کر ایک چھاؤنی بنائی ہے اور اسرائیل ان کی نظروں میں بھی ان کے فرمانبردار غلام سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا قرآن کریم کے ارشاد: ''بِحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ'' کے سہارے ان کا اپنا وجود قائم ہے، وہ بھی ذلت کے ساتھ اس لئے موجودہ اسرائیلی حکومت سے قرآن کریم کے کسی ارشاد پر ادنی شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

بنی اسرائیل پر دائمی ذلت بحیثیت قوم و نسل ہے نہ کہ بحیثیت عقیدہ:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ، اول اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ہیں کون لوگ جن پر ذلت و مسکنت مسلط کردی گئی ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ضروری ہے کہ هُمْ ضمیر کا مرجع متعین کریں، ضمیر کا مرجع الیهود یا اَلَّذِیْنَ هَادُوْا نہیں بلکہ بنی اسرائیل ہیں، یعنی اس وعید کے مصداق فلاں عقیدہ یا فلاں مسلک والے نہیں، بلکہ اسرائیلی نامی ایک متعین قوم و نسل ہے، سبحان اللہ ایک ذرا سا لفظ جان بلاغت ہے، اس نے اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا کہ ذلت و نکبت افلاس و مقہوریت کی حامل ایک مخصوص نسل و قوم ہے، نہ کہ کسی مخصوص مذہب و ملت کے پیرو، خود لفظ Arti-Semitsm بتا رہا ہے، کہ یہود سے جو مستقل عداوت نازی جرمنی کو خصوصاً، اور اٹلی ہنگری رومانیہ وغیرہ کو رہ چکی ہے، اس کی بنا نسلی یا قومی تھی، نہ کہ دینی یا اعتقادی۔ (ماجدی)

مفلسی محتاجی، تنگدستی کے انتساب پر عجب نہیں کہ ناظرین کو حیرت ہو اور سوال دل میں پیدا ہو کہ تموّل تو یہود کا ضرب المثل ہے پھر اس قوم کو محتاج و تنگدست کیسے قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن یہ محض دھوکا اور مغالطہ ہے، دولت و ثروت جتنی بھی ہے وہ قوم یہود کے صرف اکابر و مشاہیر تک محدود ہے، ورنہ عوام یہود کا شمار دنیا کی مفلس ترین قوموں میں ہوتا ہے، یہ بیان خود محققین یہود کا ہے، جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے۔

گو یہود کا تمول ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے، لیکن اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس ملک میں بھی آباد ہیں وہاں کی آبادی میں ان ہی کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے۔ (ماجدی)

وَبَاءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ، اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے، ای استحقوا غضبًا. (بحر، کبیر)
نسل اسرائیل پر اس غضب الٰہی کا ظہور مسلسل انسانوں کے ہاتھوں ہوتا چلا آ رہا ہے زمانہ قدیم میں بخت نصر کے علاوہ زمانہ قریب میں ہٹلر جیسی چنگیزی فرمانروائی، یہود دشمنی اور یہود بیزاری کسی بھی تاریخ سے واقف شخص سے پوشیدہ نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بالانبياء مِن قبلُ **وَالَّذِيْنَ هَادُوْا** هُم اليهودُ **وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ** طائفةٌ مِنَ اليهودِ او النصارى **مَنْ اٰمَنَ** منهُم **بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** في زمَنِ نبيِّنا **وَعَمِلَ صَالِحًا** بشريعتِهِ **فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ** اي ثوابُ اعمالِهِم **عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ**﴿۶۲﴾ رُوعِيَ في ضميرِ اٰمَنَ وعَمِلَ لَفظُ مَن وفيما بَعدَهُ معنَاها **وَ** اذكُروا **اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ** عهدَكُم بالعملِ بما في التَّوراةِ **وَ** قد **رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ** الجبلَ اقتَلعناهُ مِن اَصلِهِ عليكم لَمّا اَبَيتُم قَبولَها وقُلنا **خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ** بجِدٍ واجتِهادٍ **وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ** بالعَمَلِ بهِ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ**﴿۶۳﴾ النَّارَ او المَعاصي **ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ** اعرَضتُم **مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ** الميثاقِ عن الطّاعة **فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ** لكم بالتَّوبةِ او تاخيرِ العذابِ **لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ**﴿۶۴﴾ الهالكينَ **وَلَقَدْ** لامُ قسمٍ **عَلِمْتُمُ** عرَفتُم **الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا** تجاوَزُوا الحدَّ **مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ** بصيدِ السَّمَكِ وقد نَهَينَاكُم عنهُ وهُم اهلُ اِيلَةَ **فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ**﴿۶۵﴾ مُبعَدينَ فكانُوها وهلَكُوا بعدَ ثلثةِ اَيامٍ **فَجَعَلْنٰهَا** اي تلكَ العُقوبةَ **نَكَالًا** عِبرةً مانِعةً مِن ارتكابِ مِثلِ ما عمِلُوا **لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا** اي للاُمَمِ الّتي في زمانِها وبَعدَها **وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ**﴿۶۶﴾ اللّٰهَ وخُصُّوا بالذِّكرِ لِاَنَّهُم المُنتَفِعُونَ بِها بخلافِ غيرِهِم.

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو انبیاء سابقین پر ایمان لائے، (یعنی مسلمان) اور یہود اور نصاریٰ اور صابی (اور صابی) یہود و نصاریٰ ہی کا ایک فرقہ ہے، ان میں سے جو بھی اللہ اور روز آخرت پر نبی کے زمانہ میں ایمان لائے گا، اور آپ کی شریعت کے مطابق نیک عمل کرے گا، تو ان کا اجر یعنی ان کے اعمال کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے، اور ان کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم، آمَنَ اور عَمِلَ کی ضمیر میں مَنْ کے لفظ کی رعایت ہے اور اس کے مابعد میں مَنْ، کے معنی کی رعایت ہے اور وہ وقت یاد کرو، جب ہم نے تم سے تورات کے احکام پر عمل کرنے کا عہد لیا تھا، درانحالیکہ ہم نے تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا (یعنی) اس کو جڑ سے اکھاڑ کر تمہارے اوپر معلق کر دیا، جب تم نے تورات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور ہم نے کہا تھا کہ جو (کتاب) ہم نے تم کو دی ہے، اس کو مضبوطی سے تھامنا، یعنی کوشش اور محنت سے

اور جو احکام اس میں درج ہیں، ان پر عمل کے ذریعہ ان کو یاد رکھنا تاکہ تم نار (جہنم) یا معاصی سے بچ سکو، (مگر) پھر تم اس (عہد) کے باوجود طاعت سے پھر گئے، پھر بھی اگر تم پر توبہ اور تاخیر عذاب کے ذریعہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو تم زیاں کاروں (یعنی) ہلاک ہونے والوں میں ہو جاتے اور یقیناً تم ان لوگوں کے بارے میں جانتے ہو، جنہوں نے تم میں سے یوم السبت، (ہفتہ) کے بارے میں مچھلی کا شکار کر کے حد سے تجاوز کیا، حالانکہ ہم نے ان کو اس سے منع کیا تھا، اور وہ ایلہ کے باشندے تھے، تو ہم نے ان کے لئے حکم دیدیا کہ ذلیل دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ، چنانچہ وہ بندر بن گئے، اور تین روز بعد ہلاک ہو گئے، تو ہم نے اس سزا کو موجودہ اور آئندہ آنے والوں یعنی ان کے اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے (سامانِ) عبرت یعنی ان کے جیسا عمل کرنے سے روکنے والا بنا دیا، اور خوف (خدا) رکھنے والوں کے لئے نصیحت بنا دیا اور متقین کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہی لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں، بخلاف ان کے علاوہ کے۔

تَحقِیق وَ تَرکِیب وَ تَسہِیل وَ تَفسِیری فَوائد

قِوْلَہُ: هَادُوْا، ای دَخَلُوْا فی الیَهُوْدِیَّةِ، هَادُوْا، ماضی جمع مذکر غائب معروف، یہودی مذہب اختیار کیا، (ن) هُوْدًا، توبہ کرنا یہودی ہونا، گوسالہ پرستی سے توبہ کرنے کی وجہ سے یہودی کہلائے، هُوْدٌ یہودیوں کی جماعت، الیهود اگر عربی ہے، تو هَادَ، سے ماخوذ ہے، بمعنی تاب، چونکہ ان لوگوں نے قتل نفس کے ذریعہ بچھڑے کی پرستش سے توبہ کی تھی، اسی لئے یہ لوگ یہود کہلائے اور اگر عجمی ہے، تو اس صورت میں حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے صاحبزادے ''یہودا'' کی جانب نسبت ہوگی تعریب کے وقت ذال کو دال سے بدل دیا جو کہ معربین کی عام عادت ہے۔

قِوْلَہُ: النصاریٰ، یہ نَصْران، کی جمع ہے، اس میں یاء نسبتی ضرور استعمال ہوتی ہے کہا جاتا ہے رَوْکنے نصرانی، اِمرأة نصرانية، نصاری کی وجہ تسمیہ یا تو یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا: ''نحن انصار اللّٰه'' یانَصْران نامی یا ناصرہ نامی بستی کی طرف نسبت کر کے نصرانی کہلانے لگے۔ (اعراب القرآن، لغات القرآن)

قِوْلَہُ: اَلصَّابِئِیْنَ، یہ صابی کی جمع ہے اور صَبَأَ فلانٌ، سے ماخوذ ہے جب کہ دین سے خارج ہو جائے، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ صابی ستارہ پرست کو کہتے ہیں، ابو اسحاق صابی کاتب شاعر کا تعلق اسی قوم سے تھا، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ان لوگوں نے ہر دین وعقیدے سے کچھ کچھ لے لیا تھا، اس لئے یہ بین بین ہو گئے، مفسر علام نے طائفة من الیهود و النصاریٰ کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

قِوْلَہُ: فی زَمَنِ نبینا، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اشکال کا جواب ہے۔

اِشْکَال: اوپر فرمایا: ''اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا'' اور پھر فرمایا: ''آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ'' دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، تو اس

تخصیص بعد التعمیم کی کیا ضرورت ہے؟

جَوَابٌ: دونوں کا مصداق الگ الگ ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا" کا مصداق وہ لوگ ہیں، جو زمانہ فترت (وقفہ) میں ایمان لائے، جیسے کہ ورقہ بن نوفل، بحیرا راہب، سلمان فارسی وغیرہ، ان میں سے بعض نے آپ ﷺ کا زمانہ بھی پایا، اور بعض آپ کی بعثت سے پہلے انتقال کر گئے، اسی طرف اشارہ کرنے کے لئے علامہ سیوطی نے "بالانبیاء من قبل" فرمایا، اور "مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ" سے وہ لوگ مراد ہیں، جو آپ کے زمانہ میں آپ ﷺ پر ایمان لائے، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کے مصداق میں مغایرت ہے لہٰذا تکرار کا اشکال ختم ہوگیا، اسی مغایرت کے بیان کے لئے دوسری آیت کی تشریح میں "فی زمَنِ نبینا" فرمایا۔

سَوَالٌ: مَنْ آمَنَ اور مَنْ عَمِلَ، میں ضمیر مفرد کا مرجع مَنْ ہے، اور فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ کی هم ضمیر جمع کا مرجع بھی من ہے، جو کہ درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: مفسر علام نے رُوْعِیَ فی ضمیر الخ کا اضافہ کر کے اسی سوال کا جواب دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اول میں مَن کے لفظ کی رعایت ہے اور دوسرے میں مَنْ کے معنی کی رعایت ہے یہ بات یاد رہے کہ مَنْ، لفظ کے اعتبار سے مفرد اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔

قَوْلُہٗ: وَقَدْ رَفَعْنَا، قَدْ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ واؤ حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ اور رَفَعْنَا، قَدْ کی تقدیر کے ساتھ اَخَذْنٰهُمْ، سے حال ہے، نہ کہ معطوف، اس لئے کہ امام شافعی کے نزدیک معطوف علیہ اور معطوف میں ترتیب ضروری ہے حالانکہ رفع طور مقدم ہے اور اخذ میثاق مؤخر۔

قَوْلُہٗ: بالعمل، بالعمل، کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ ذکر لسانی کافی نہیں بلکہ مقصد عمل ہے مطلب یہ ہے کہ نعمتوں کو شمار کرنا اور گننا مقصد نہیں ہے عمل مقصد ہے۔

قَوْلُہٗ: النار والمعاصی، اس میں اشارہ ہے کہ تَتَّقُوْنَ کا مفعول النار یا المعاصی محذوف ہے یہ تنزیل المتعدی بمنزلة اللازم کے قبیل سے نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: نکال، جمع انکال، بیڑی کو کہتے ہیں، لازم منع کے طور پر عذاب اور مَنَعَ میں استعمال ہوتا ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

وَالصَّابِئِینَ: جمع صَابِئ، من صَبَأَ فلان اِذا خَرَجَ مِنَ الدین، والصابئة قومٌ کانوا یعبدون النجوم ومنهم ابواسحٰق الصابئ الکاتب الشاعر المشهور.

الطور من جبال فلسطین، ویطلق علی کل جبل کما فی القاموس.

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

ماقبل میں بنی اسرائیل کی شرارتوں اور ان کی ضد و عناد کا ذکر تھا، اس سے ناظرین کو یا خود یہود کو یہ خیال گذر سکتا تھا کہ ان حالات میں اگر عذر معذرت کر کے ایمان لانا بھی چاہیں تو غالباً اللہ کے نزدیک قبول نہ ہو اس خیال کو دفع کرنے کے لئے اس قرینہ میں ایک قانون اور ایک ضابطہ ذکر فرمایا: کہ مسلمان ہوں یا یہودی، نصرانی، یا صابی، خواہ کوئی بھی ہو، اگر وہ خدا کی ذات وصفات پر ایمان رکھتا ہو اور دیگر ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہو، نیز قانون شریعت کے مطابق عمل پیرا ہو، تو ایسے لوگوں کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ کر نہ مغموم ہوں گے اور نہ ان کو کسی بات کا خوف ہوگا۔

مطلب:

مطلب یہ ہے کہ ہمارے دربار میں کسی کی تخصیص نہیں جو شخص عقائد و اعمال میں پوری اطاعت کرے گا خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو وہ ہمارے یہاں مقبول اور اس کی خدمت مشکور ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ نزول قرآن کے بعد پوری اطاعت دین محمدی میں منحصر ہے، مطلب یہ ہے کہ ان شرارتوں کے بعد بھی اگر مسلمان ہو جائے گا، تو اس کے لئے راہ نجات کھلی ہوئی ہے، ہم ان کی سب شرارتوں کو معاف کر دیں گے۔ (معارف ملخصًا)

وَالَّذِيْنَ هَادُوْا، اب تک بنی اسرائیل کے نام سے ایک خاص نسل اور قوم کا ذکر تھا، اور ان کی تاریخ کے اہم ترین واقعات اور مناظر سامنے لائے جا رہے تھے، اب یہاں اسی قوم کا ذکر بحیثیت مسلک اور عقیدہ کے شروع ہو رہا ہے، یہاں پہلی بار ''اَلَّذِيْنَ هَادُوْا'' کہہ کر ان کے مذہبی عقیدے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل اور یہود میں فرق:

بنی اسرائیل ایک نسلی اور خاندانی نام ہے جسے اپنی عالی نسبی پر فخر تھا، اپنے آباء واجداد کی مقبولیت پر ناز تھا، تاریخ کو دہرانے کے لئے ضروری تھا کہ ان کا نسلی نام لیا جائے، چنانچہ اب تک ان کا اسی نسلی نام سے ذکر کیا گیا، اب یہاں سے ایک دینی مسلک اعتقادی نظام کا بیان شروع ہو رہا ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ اب ایسا نام لیا جائے کہ جو نسبت اور نسل اور خاندان کے بجائے، مسلک وعقیدہ کی طرف رہنمائی کرے: ''وَالَّذِيْنَ هَادُوْا'' اسی ضرورت کے لئے بولا گیا ہے۔

یہودی مذہب نسلی مذہب ہے، تبلیغی نہیں؟

کسی غیر اسرائیلی کو یہودی بنانے کا طریقہ ان کے یہاں نہیں، برناباس حواری غیر اسرائیلی کو یہودی مذہب میں داخل کرنے کے مخالف تھے، اس کے برخلاف پولوس رسول اس کے حامی تھے جو غیر اسرائیلی یہودی مذہب اختیار کرتے تھے، ان کو خارجی کہا جاتا تھا، غیر اسرائیلیوں کے یہودی مذہب اختیار کرنے میں بڑی رکاوٹ ایک یہ تھی کہ وہ یہودی شرعی احکام کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، خاص طور پر احکام عشر کو اور ان میں بھی ختنہ کو تسلیم نہیں کرتے تھے، پولوس رسول نے ایک کانفرس میں بعض احکام کو منسوخ کر دیا، جن میں ختنہ کا حکم بھی شامل تھا، اس ترمیم کی وجہ سے غیر اسرائیلیوں کا یہودی مذہب میں داخل ہونا آسان ہو گیا اور یہیں سے برناباس حواری کی مخالفت کا آغاز ہوا۔ (بائبل سے قرآن تک ملخصًا)

عرب میں متعدد قبیلے ایسے آباد تھے، جو نہ پیدائشی یہودی تھے، اور نہ نسلاً اسرائیلی، بلکہ عرب یا بنی اسماعیل تھے، لیکن یہود کی صحبت سے متاثر و مرعوب ہو کر انہوں نے یہود کے طور طریقہ اور پھر عقیدے اختیار کر لئے اور رفتہ رفتہ ان کا شمار بھی یہودی آبادی میں ہونے لگا۔

اسرائیل کی قومی حکومت کا خاتمہ:

اسرائیل کی قومی حکومت کا خاتمہ تو ظہور اسلام سے مدتوں پہلے مشرک رومیوں کے ہاتھوں بیت المقدس کی بربادی کے بعد ہی ہو گیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کے معاصرین یہود کی حیثیت صرف ایک مذہبی اور دینی فرقے کی رہ گئی تھی، مدینہ اور جوار مدینہ بلکہ یمن میں بھی جو یہود موجود تھے، وہ نسلاً بنی اسرائیل نہ تھے، بنی اسماعیل تھے، لیکن اسرائیلیوں کی صحبت میں رہ کر تمدن معاشرت یہاں تک کہ عقیدے بھی انہیں کے اختیار کر لئے تھے: ''وَالَّذِیْنَ هَادُوْا'' میں کھلا اشارہ اسی حقیقت کی طرف ہے۔

بنی اسرائیل کی مختصر تاریخ:

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کا لقب ہے، آپ کے بارہ صاحبزادے تھے، حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد ہی کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے عہد قدیم میں اللہ تعالیٰ نے اسی خانوادے کو منصب نبوت کے لئے منتخب فرمایا تھا اور ان میں بے شمار پیغمبر مبعوث فرمائے، بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین کے علاقے تھے، لیکن عمالقہ نے اس علاقہ پر غاصبانہ قبضہ کر کے اسرائیلیوں کو فراعنۂ مصر کی غلامی پر مجبور کر دیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں اس غلامی سے نجات حاصل ہوئی، لیکن اب بھی وہ فلسطین کو دوبارہ حاصل نہ کر سکے تھے، ادھر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام وفات پا گئے، آپ کے بعد حضرت

یوشع اوران کے بعد کالب علیہما السلام پیغمبر ہوئے حضرت یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے زمانہ میں عمالقہ سے جہاد کر کے فلسطین کا ایک بڑا علاقہ فتح کرلیا، لیکن ان دونوں حضرات کے بعد بنی اسرائیل کو چاروں طرف سے مختلف یورشوں کا سامنا کرنا پڑا اس زمانہ تک بنی اسرائیل عربوں کی طرح نیم خانہ بدوش تھے، اوران کی زندگی تمدن سے زیادہ قبائلی انداز کی تھی، تاہم جو شخص ان کے قبائلی قوانین کی بنا پر بین القبائلی جھگڑوں کو خوبصورتی سے رفع کردیتا تھا، اسے بنی اسرائیل تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے، اوراگر اس میں کچھ عسکری صلاحیتیں بھی پاتے، تو بیرونی حملوں کے مقابلہ کے لئے اسی کواپنا سپہ سالار بھی بنالیا جاتا، اس قسم کے قائدین کو بنی اسرائیل قاضی کہا کرتے تھے۔

قاضیوں کے زمانہ میں جہاں اسرائیلیوں نے بیرونی حملوں کا کامیاب دفاع کیا، وہاں گیارہویں صدی قبل مسیح میں وہ کنعانیوں کے ہاتھ مغلوب ہوگئے اور فلسطین کے بڑے علاقہ پر کنعانیوں کی حکومت قائم ہوگئی جو حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد تک قائم رہی۔

بالآخر حضرت شموئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے، تو بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ اب ہم خانہ بدوشی کی زندگی سے تنگ آگئے ہیں آپ اللہ سے دعاء فرمائیں کہ وہ ہمارے اوپر ایک بادشاہ مقرر فرمادے، جس کے تابع ہوکر ہم فلسطین پر قابضوں کا مقابلہ کریں، چنانچہ حضرت شموئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء سے ان ہی میں سے ایک شخص کو جس کا نام قرآن کریم کے بیان کے مطابق طالوت تھا، مقرر کردیا گیا، اور بائبل کی روایت کے مطابق ساؤل تھا، طالوت نے فلسطینیوں کا مقابلہ کیا، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت نوجوان تھے، اور طالوت کے لشکر میں اتفاقاً شامل ہوگئے تھے، فلسطینیوں کے لشکر سے ایک پہلوان جالوت نے مبارزہ طلب کیا تو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے مقابلے کے لئے نکلے اوراسے قتل کردیا، اس واقعہ نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بنی اسرائیل میں اتنی ہردلعزیزی عطا کردی کہ ساؤل (طالوت) کے بعد وہ بادشاہ بنے، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں فلسطین پر بنی اسرائیل کا قبضہ تقریباً مکمل ہوگیا، ان کے بعد ۹۷۴ قبل مسیح میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سلطنت کواور مستحکم کرکے اقبال کے بام عروج تک پہنچادیا، ان کے ہی حکم سے بیت المقدس کی تعمیر ہوئی، سلطنت کا نام اپنے جد امجد کے نام پر یہودا رکھا۔ لیکن ۹۳۷ قبل مسیح میں حضرت سلیمان کے بعدان کا بیٹا رحبعام تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس نے اپنی نااہلی سے نہ صرف یہ کہ سلطنت کی دینی فضاء کو ختم کردیا بلکہ اس کے سیاسی استحکام کو بھی سخت نقصان پہنچایا، اسی کے زمانہ میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک سابق خادم بریعام نے بغاوت کرکے ایک الگ سلطنت اسرائیل کے نام سے قائم کرلی، اب بنی اسرائیل دوملکوں میں تقسیم ہوگئے، شمال میں اسرائیلی سلطنت تھی جس کا پایہ تخت سامرہ تھا اور جنوب میں یہودیہ کی سلطنت تھی جس کا مرکز یروشلم تھا ان دونوں ملکوں میں باہم سیاسی اور مذہبی اختلاف کا ایک طویل سلسلہ قائم ہوگیا، جو بخت نصر کے حملے تک جاری رہا، دونوں ملکوں میں آہستہ آہستہ بت پرستی کا رواج بڑھنے لگا، اس کے سد باب کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے، جب بنی اسرائیل کی بداعمالیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں، تو اللہ نے ان پر شاہ بابل کو مسلط کردیا، اس نے ۵۸۶ قبل مسیح میں یروشلم پر

زبردست حملے کئے اور آخری حملے میں یروشلم کو بالکل تباہ کر ڈالا، اور اس کے بادشاہ صدقیاہ کو قید کر کے لے گیا اور بقیہ السیف یہودی گرفتار ہو کر بابل چلے گئے، عرصۂ دراز تک غلامی کی زندگی گذارتے رہے۔

بالآخر جب ۵۳۶ قبل مسیح میں ایران کے بادشاہ خسرو نے بابل فتح کیا، تو اس نے یہودیوں کو دوبارہ یروشلم پہنچ کر اپنا بیت المقدس تعمیر کرنے کی اجازت دیدی چنانچہ ۵۱۵ قبل مسیح میں بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا اور یہودی ایک بار پھر یروشلم میں آباد ہو گئے، اسرائیلی سلطنت یہودا سے پہلے ہی اسوریوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکی تھی، اب اگرچہ دونوں فرقوں کے مذہبی اختلافات کافی حد تک کم ہو چکے تھے، لیکن انہیں کوئی سلطنت نصیب نہ ہو سکی، ۴۰۰ ق م، میں ان پر سکندر اعظم کا تسلط ہو گیا اور اسی زمانہ میں انہوں نے تورات کا ترجمہ کیا، ۱۶۵ ق م، میں سوریا کے بادشاہ انتیوکس نے ان کا بری طرح قتل عام کیا اور تورات کے تمام نسخ جلا دیئے، اسی دوران یہودا مکابی نے جو بنی اسرائیل کا ایک صاحب ہمت شخص تھا، ایک جماعت بنائی، اور اس کے ذریعہ فلسطین کے ایک بڑے علاقہ پر قبضہ کر کے اسوری حکمرانوں کو مار بھگایا، مکابیوں کی یہ سلطنت ۷۰ ق م تک قائم رہی۔

(بائبل سے قرآن تک)

وَالنَّصٰرٰی، نصاریٰ نصرانی کے جمع ہے، ملک شام (موجودہ فلسطین) میں ایک قصبہ ہے، ناصرہ (Nazareth) علاقہ گلیلی میں بیت المقدس سے ستر میل دور شمال میں اور بحر روم سے مشرق میں بیس میل کے فاصلہ پر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آبائی وطن یہی قصبہ ہے اور آپ یسوع ناصری اسی مناسبت سے کہلاتے ہیں، ناصرہ ہی کو عربی تلفظ میں نَصْرَان بھی کہتے ہیں، یہی قول قتادہ، ابن جریج تابعین کا ہے۔

وهو قول ابن عباس وقتادة (ابن جريج) (كبير) قيل سمّوا بذلك قرية تسمّى ناصره. (قرطبی)

مسیحی اور نصرانی میں فرق:

مسیحی اناجیل اربعہ پر ایمان رکھتے ہیں، مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا نبی نہیں خدا کا بیٹا مانتے ہیں، یا یہ مانتے ہیں کہ خدا ان کے قالب میں حلول کر آیا تھا، آخرت میں نجات دہندہ خدا کو نہیں مسیح (ابن اللہ) کو مانتے ہیں اور خدائی کو تین اقنوم میں تقسیم کر کے ایک ناقابل فہم فلسفہ بیان کرتے ہیں، ان کے نزدیک ہر اقنوم بجائے خود ایک مستقل خدا ہے اور تینوں اقنوم بھی مل کر ایک مستقل خدا ہے! اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

تثلیث کے قائل نے خالق کو کہا ایک تھی سوئی تین پر حیرت سے بجا ایک

یہاں مقصود بیان نصاریٰ کا ہے، نہ کہ مشرک مسیحیوں کا، نصرانی حضرت مسیح کے سچے پیرو اور آپ کو نبی مانتے تھے، نہ خدا نہ اس کا بیٹا، توحید کے قائل تھے، اناجیل اربعہ کے بجائے، انجیل متی کو مانتے تھے، موجودہ مسیحیت سرتاپا پولوسیت ہے اور تمام تر پولوس

طرسوسی کی تعلیمات پر مبنی ہے یہ فرقہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ مدت بعد وجود میں آ گیا تھا، نصرانی اس کے بالکل منکر تھے۔

(ماجدی)

وَالصَّابِئِيْنَ، صابی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے، جو اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں شامل ہو جائے، خود رسول اللہ ﷺ کو شروع میں صابی اس لئے کہا گیا کہ آپ نے دین قریش کو چھوڑ کر دین اسلام اختیار فرمایا، و کانت العرب تسمّی بالنبی ﷺ الصابی لانہ خرج من دین قریش الی دین الاسلام. (نہایہ، تاج)

اصطلاح میں صابیوں کے نام کا ایک مذہبی فرقہ جو عرب کے شمال مشرق میں شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا، یہ لوگ دین توحید اور عقیدۂ رسالت کے قائل تھے، اصلاً اہل کتاب تھے، ان ہی کو نصاریٰ یحیٰی بھی کہا جاتا تھا، یہ حضرت یحیٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نسبت رکھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مبصر دور بین اور دوررس خلیفہ راشد اور حضرت عبد اللہ بن عباس جیسے محقق صحابی نے صابیوں کا شمار اہل کتاب میں کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال قرار دیا ہے۔

قال عمر بن الخطاب و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ھم قوم من اھل الکتاب و قال عمر تحل ذبائحھم مثل ذبائح اھل الکتاب. (معالم، ماجدی)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ، (الآیۃ) جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوہ طور پر توریت عطا ہوئی اور آپ نے واپس تشریف لا کر قوم کو تورات دکھائی اور سنائی تو چونکہ تورات میں احکام کچھ سخت تھے، مگر ان لوگوں کی حالت ایسے ہی احکام کے مطابق تھی، اول تو انہوں نے یہ کہا کہ جب ہم سے اللہ خود کہہ دیں گے کہ یہ میری کتاب ہے، تب مانیں گے (تفصیل اوپر گذر چکی ہے) غرض جو ستر آدمی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے تھے واپس آ کر انہوں نے گواہی دی مگر اس شہادت میں (اپنی طرف سے) اتنی آمیزش بھی کر دی کہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں یہ فرمایا تھا، کہ تم سے جس قدر عمل ہو سکے کرنا جو نہ ہو سکے معاف ہے، اس آمیزش سے ان کو حیلہ بہانہ مل گیا، غرض صاف کہہ دیا کہ ہم سے اس تورات پر عمل نہیں ہو سکتا، تو حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ کوہ طور کا ایک حصہ اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر دو کہ یا تو قبول کرو ورنہ پہاڑ کا یہ ٹکڑا ابھی گرا دیا جائے گا، مجبوراً بنی اسرائیل نے قبول کر لیا۔

ایک شبہ کا جواب:

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ دین میں تو اکراہ نہیں ہے، یہاں کیوں اکراہ کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اکراہ ایمان لانے پر نہیں، بلکہ اول اپنی خوشی سے ایمان اور اسلام قبول کر لینے اور اس کے بعد اس کے خلاف بغاوت کرنے کی وجہ سے یہ سزا دی گئی جبکہ باغیوں کی سزا تمام حکومتوں میں بھی عام مخالف اور دشمن قوموں سے الگ ہوتی ہے ان کے لئے ہر حکومت میں دو ہی راستے ہوتے ہیں، یا اطاعت قبول کریں یا قتل کئے جائیں، اسی وجہ سے اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اور کفر کی سزا قتل نہیں۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ، آیت کے اس آخری جز کے مخاطب آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے یہود معلوم ہوتے ہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ پر ایمان نہ لانا بھی عہد شکنی میں داخل ہے، اس لئے ان کو بھی عہد شکنوں میں شامل کر کے بطور امتنان فرمایا کہ اس پر بھی ہم نے تم پر دنیا میں کوئی عذاب ایسا نازل نہیں کیا جیسا کہ پہلے عہد شکنوں پر ہوتا رہا، یہ محض خدا کی رحمت ہے۔

اور اب چونکہ از روئے احادیث ایسے عذابوں کا نہ آنا حضور ﷺ کی برکت ہے، اس لئے بعض مفسرین نے فضل ورحمت کی تفسیر بعثت محمدیہ سے کی ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ ، (الآية) اور تم ان لوگوں کا حال تو اچھی طرح جانتے ہی ہو جنہوں نے روز شنبہ کے بارے میں حد شرع سے تجاوز کیا تھا۔

فَائِدَة: مچھلی پکڑنے کا واقعہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں پیش آیا تھا، ہفتہ (شنبہ) کا دن بنی اسرائیل کے لئے عبادت کے واسطے مقرر تھا، اس روز مچھلی کا شکار ممنوع تھا، یہ لوگ سمندر کے کنارے آباد تھے، مچھلی کے شوقین تھے، ان لوگوں نے حکم کو نہ مانا اور شکار کیا اس پر اللہ نے ان پر مسخ صورت کا عذاب نازل فرمایا، یہ مسخ شدہ لوگ تین دن میں مر گئے۔

دینی معاملات میں حیلے کی حقیقت:

اس آیت میں یہودیوں کے جس اعتداء کا ذکر ہے جس کی وجہ سے ان پر مسخ صورت کا عذاب نازل ہوا تھا، روایات سے ثابت ہے کہ وہ صاف طور پر حکم شرعی کی خلاف ورزی نہ تھی، بلکہ ایسے حیلے تھے، جن سے حکم شرعی کا ابطال لازم آتا تھا، مثلاً ہفتہ کے دن مچھلی کی دم میں ڈور باندھ کر سمندر میں چھوڑ دینا اور ڈور کو کنارہ پر باندھ دینا اور دوسرے روز شکار کر لینا یا کنارہ پر گڑھا کھود دینا تاکہ ممنوعہ دن میں اس میں مچھلیاں داخل ہو جائیں اور دوسرے روز اس کا شکار کر لیا جائے، یہ اس قسم کے حیلے ہیں کہ جس میں حکم شرعی کے ابطال بلکہ ایک قسم کا استہزاء ہے، اس لئے ایسے حیلے کرنے والوں کو بڑا سرکش نافرمان قرار دے کر ان پر عذاب نازل فرمایا۔

فقہی حیلے:

مگر اس سے فقہی حیلوں کی حرمت ثابت نہیں ہوتی جن میں سے بعض خود رسول اللہ ﷺ نے بتلائے ہیں مثلاً ایک سیر عمدہ کھجور کے بدلے دو سیر ردی کھجور خریدنا سود میں داخل ہے، مگر اس سے بچنے کے لئے ایک حیلہ خود رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ جنس کا تبادلہ جنس سے نہ کرو، قیمت کے ذریعہ خرید وفروخت کرو مثلاً دو سیر ردی کھجوریں دو درہم میں فروخت کر دیں پھر ان دو درہموں سے ایک سیر عمدہ کھجور خرید لیں تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ یہاں حکم شرعی کی تعمیل مقصود ہے، ابطال حکم مقصود نہیں ہے۔

واقعۂ مسخ کی تفصیل:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ، علم کا لفظ خود تحقیق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، پھر اس پر لام اور قد کے اضافہ سے اس کے معنی میں مزید شدت اور تاکید پیدا ہوگئی گویا قرآن بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کا کوئی واقعہ ان کے لئے خوب اچھی طرح جانا بوجھا ہوا یاد دلا رہا ہے اور ان سے کہہ رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل! جس واقعہ کا ذکر آگے آرہا ہے، وہ تمہاری تاریخ کا ایک مسلم اور متعارف واقعہ ہے، جس سے تم بلاشبہ بخوبی واقفیت رکھتے ہو۔

فِي السَّبْتِ، احکام سبت کے بارے میں، سبت، ہفتہ (سنیچر) کے دن کو کہتے ہیں یہود کی شریعت میں یہ ایک مقدس دن تھا، جس طرح مسیحیوں کے نزدیک اتوار کا دن مقدس ہے، یہ دن یاد خدا کے لئے مخصوص تھا، اس روز تجارت زراعت وغیرہ ہر قسم کے دنیاوی کام ممنوع تھے، اور ممانعت بھی بڑی شدت کے ساتھ تھی، کہ جو اس حکم کی خلاف ورزی کرے، اسے قتل کردیا جائے، توریت کے الفاظ یہ ہیں۔

پس سبت کو مانو اس لئے کہ وہ تمہارے لئے مقدس ہے جو کوئی اس کو پاک نہ جانے، وہ ضرور مارڈالا جائے۔

(خروج، ۳۱: ۱۴، و ۱۵) (ماجدی)

روایات میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہود کی ایک بڑی آبادی مقام ایلہ میں رہتی تھی، مچھلی کا مذکورہ واقعہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے یہود کا ہے، حضرت داؤد کا زمانہ ۱۰۱۳ ق م تا ۹۷۳ ق م کا ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ یہود نے اول اول تو اس طرح کے حیلے کرکے مچھلیاں پکڑیں پھر ہوتے ہوتے عام طور پر شکار کھیلنے لگے، تو ان میں دو جماعتیں ہوگئیں، ایک جماعت ان دینداروں کی تھی جنہوں نے ایسا کرنے سے روکا مگر وہ باز نہ آئے، تو ان سے تعلقات منقطع کرکے الگ ہوگئے، اور بستی کے دو حصے کرلئے ایک میں یہ نافرمان لوگ رہ گئے، اور دوسرے میں دیندار اور صالح لوگ، ایک روز دینداروں کو یہ محسوس ہوا کہ جس حصہ میں نافرمان رہ رہے ہیں ادھر بالکل سناٹا ہے، تو وہاں جاکر دیکھا، تو سب کے سب بندروں کی صورت میں مسخ ہوگئے ہیں اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ان کے جوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر کی صورت میں مسخ کردیا گیا یہ مسخ شدہ لوگ اپنے رشتہ داروں اور شناساں لوگوں کو پہچانتے تھے اور ان کے قریب جاکر روتے تھے۔

ممسوخ قوم کی نسل نہیں چلی:

اس بارے میں صحیح بات وہ ہے جو خود رسول اللہ ﷺ سے بروایت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ صحیح مسلم میں منقول ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے زمانہ کے بندروں اور خنزیروں کے بارے میں آپ سے دریافت کیا کہ کیا یہ وہی مسخ شدہ یہودی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم میں مسخ صورت کا عذاب نازل کرتے ہیں، تو ان کی نسل نہیں چلتی اور پھر فرمایا کہ

بندر اور خنزیر دنیا میں پہلے سے بھی موجود تھے اور آج بھی ہیں مگر مسخ شدہ بندروں اور خنزیروں سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

وَ اذكُرْ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ وقد قُتِلَ لهم قتيلٌ لا يُدرى قاتِلُه وسألُوه أن يَدعُوَ اللّٰهَ ان يُبَيِّنَهُ لهم فدعاهُ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ مَهْزُوًّا بنا حيث تُجيبنا بمثلِ ذلك قَالَ اَعُوْذُ اَمْتَنِعُ بِاللّٰهِ مِن اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ المستهزئين فلمّا علموا أنّه عزمٌ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِیَ ؕ اى ماسِنُّها قَالَ مُوسى اِنَّهٗ اى اللّٰه يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ مُسِنَّةٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ صغيرةٌ عَوَانٌۢ نصف بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ المذكور من السِّنِّين فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ به من ذبحها قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا شديدُ الصفرةِ تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ اليها بحسنها اى تُعجبهم قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِیَ ۙ اسائمةٌ ام عاملةٌ اِنَّ الْبَقَرَ اى جنسه المنعوت بما ذُكر تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ بكثرته فلم نهتدِ الى المقصودة وَ اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ اليها في الحديث لو لم يَسْتَثْنُوا لما بُيِّنت لهم آخِرَ الابد قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ غيرُ مُذَلَّلةٍ بالعمل تُثِيْرُ الْاَرْضَ تقلبها للزراعة والجملة صفةُ ذلول داخلةٌ في النفي وَلَا تَسْقِی الْحَرْثَ ۚ الارض المُهَيَّأة للزرع مُسَلَّمَةٌ من العيوب وآثار العمل لَّا شِيَةَ لون فِيْهَا ؕ غيرَ لونها قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ نطقتَ بالبيان التام فطلبوها فوجدوها عند الفتى البارِّ بامّه فاشتروها بملء مَسْكِها ذهبًا فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ لغلاء ثمنها وفي الحديث لو ذبحوا اىّ بقرة كانت لاجزأتهم ولكن شدّدوا على انفسهم فشدّد اللّٰه عليهم.

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو، جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے فرمایا اور ان کا کوئی شخص مقتول ہو گیا تھا اور اس کے قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا، اور ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی کہ آپ اللہ سے دعاء فرمائیں کہ وہ قاتل کو ظاہر کر دے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعاء فرمائی (اور کہا) کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو وہ کہنے لگے کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہو، یعنی ہمارا مذاق بناتے ہو، جو اس قسم کا جواب دیتے ہو؟ (حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) کہا کہ میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ جاہلوں کی سی باتیں کروں (یعنی) استہزاء کرنے والوں میں شمار ہوں، چنانچہ جب وہ سمجھ گئے، کہ آپ حقیقت کہہ رہے ہیں، (مذاق نہیں کر رہے) تو کہنے لگے آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا فرمائیں کہ وہ ہمیں اس (گائے) کے بارے میں کچھ (تفصیل) بتائے کہ اس کی کیا عمر ہو؟ (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) فرمایا اللہ فرماتا ہے، وہ ایسی گائے ہو کہ جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا (بلکہ) اوسط عمر کی ہو لہٰذا (ذبح کا) جو حکم تم کو دیا جا رہا ہے وہ کرو، پھر کہنے لگے اپنے رب سے یہ اور پوچھ لو کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) فرمایا وہ فرماتا ہے کہ وہ نہایت شوخ رنگ کی زرد گائے ہو، دیکھنے والوں کو اس کی خوبی کی وجہ سے یعنی (ناظرین) کو تعجب میں ڈال دے، وہ پھر بولے کہ اپنے رب سے صاف

صاف پوچھ کر بتاؤ کہ کیسی (گائے) مطلوب ہے؟ جنگل میں چرنے والی ہو یا پالتو (گھریلو) بلاشبہ مذکورہ صفات کی گائے کی تعیین میں ہمیں اشتباہ ہوگیا ہے اس صفت (جنس) کی گائے بکثرت ہونے کی وجہ سے جس کی وجہ سے مقصد تک ہماری رسائی نہیں ہوسکی، اللہ نے چاہا تو ہم اس کا پتہ پالیں گے، حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی ان کو اس کا پتہ نہ لگ پاتا، (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جس سے خدمت نہ لی گئی ہو، کام میں استعمال نہ کی گئی ہو نہ زمین جوتنے میں استعمال ہوئی ہو کہ زمین کو زراعت کے لئے الٹ پلٹ کرتی ہو (جوتتی ہو) اور جملہ (تثیر الارض ، ذلولٌ) کی صفت ہے جو نفی کے تحت داخل ہے، اور نہ کھیتی کو سینچتی ہو، یعنی اس زمین کو جس کو کھیتی کے لئے تیار کیا ہو، عیوب اور کام کے نشانات سے صحیح سالم ہو اور اس میں اس کے (اصلی) رنگ کے علاوہ کوئی داغ نہ ہو، تو کہنے لگے اب آپ نے ٹھیک پتہ بتادیا یعنی پوری وضاحت کردی، چنانچہ انہوں نے اس کی تلاش کی تو اس کو ایک نوجوان کے پاس پایا جو کہ اپنی والدہ کا فرمانبردار تھا، تو ان لوگوں نے اس گائے کو اس کا چمڑا بھر سونے کے عوض خرید لیا پھر انہوں نے اسے ذبح کیا ورنہ وہ اس کے بیش قیمت ہونے کی وجہ سے ایسا کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے، حدیث شریف میں ہے اگر وہ کسی بھی گائے کو ذبح کردیتے تو ان کے لئے کافی ہوجاتی لیکن انہوں نے خود اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔

تَحقیق و تَرکیب و تَسهِیل و تَفسِیری فَوائد

قَوْلُہٗ: بَقَرَۃٌ، بَقَرَۃ، کا اطلاق اگرچہ نر و مادہ دونوں پر ہوتا ہے، مگر یہاں مادہ مراد ہے، بَقَرَۃٌ، بَقْرٌ، سے مشتق ہے جس کے معنی پھاڑنے کے ہیں چونکہ یہ زمین کو جوتتی ہے، اسی لئے اس کو بقرۃ کہا جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: مَهْزُوًّا، هُزُوًا، کی تفسیر مَهْزُوًّا، سے کرکے اشارہ کردیا کہ هُزُوًا، مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: ما سِنُّهَا ، ما هِیَ کی تفسیر ماسِنُّهَا سے کرکے اشارہ کردیا کہ مَا، اگرچہ ماہیت سے سوال کرنے کے لئے آتا ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ اکثریہ ہے۔

قَوْلُہٗ: فَارِضٌ، بوڑھی۔

سَوْال: فارض، بقرۃ کی صفت ہے، لہٰذا فارِضة، ہونی چاہئے۔

جَوْاب: مفسر علام نے فارض کی تفسیر مسنة سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ مسنة کا نام ہے نہ کہ بقرہ کی صفت فارض، فَرْضٌ، سے اسم فاعل ہے، اس کے معنی چیرنے پھاڑنے اور وسیع کرنے کے ہیں، یہاں فارض سے وہ گائے یا بیل مراد ہے کہ جو اپنی جوانی کاٹ کر بڑھاپے کو پہنچ گیا ہو یا جس کے سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے دانت اکھڑ گئے ہوں۔

قَوْلُہٗ: عَوَانٌ، متوسط، درمیانی عمر کا، جمع عُوْنٌ، تخفیفاً واؤ کے ضمہ کو حذف کردیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَاقِعٌ، تیز زرد تاکید کے طور پر تیز زرد کے لئے لایا جاتا ہے اَصفر فَاقِعٌ اور تیز سیاہ کے لئے بولا جاتا ہے اَسْوَدُ

حالكٌ، اور تیز سفید کے لئے بطور تاکید لایا جاتا ہے، ابیض :یقٌ اور سرخ کے لئے بطور تاکید بولا جاتا ہے، احمر قانٍ اور سبز کے لئے اخضر ناضِرٌ. (لغات القرآن درویش)

قَوْلُہٗ: لَاذَلولٌ، ای لَاتُذَلّل لِلْحراثةِ، یعنی جس کو کھیتی باڑی کے کام کاج میں استعمال نہ کیا گیا ہو۔

قَوْلُہٗ: غَیر مُذَلّلَةٍ، بالعمل اس اضافہ سے مفسر علام کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: لَا ذَلُوْلٌ ، بَقَرَة، کی صفت ہے حالانکہ حرف نہ صفت واقع ہوسکتا ہے اور نہ صفت کا جزء لہٰذا لَاذَلُولٌ ، کا صفت واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: لَا بمعنی غَیر، لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں ہے۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: الجملة صفة ذلولٍ، یعنی (تثیر الارضَ) ذَلُولٌ کی صفت ہے اور لا کے تحت داخل ہے ای لاتثیر الارضَ.

قَوْلُہٗ: شیة، داغ دھبہ، نشان ایک رنگ کے جانور میں دوسرے رنگ کا دھبہ، شِیَة اصل میں وشیة تھا واؤ حذف ہوگیا جیسا کہ عِدَةٌ اور زِنَةٌ میں اور حذف شدہ واؤ کے عوض آخر میں ھا لاحق کردی گئی جمع شِیَاتٌ.

قَوْلُہٗ: مَسْكها، مسكٌ جلد، جمع مُسُوكٌ.

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

"وَاِذْ قَالَ مُوْسیٰ لِقَوْمِهٖ اِنَّ اللّٰه یَأمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً".

بنی اسرائیل میں ایک مالدار لاولد آدمی تھا، جس کا وارث صرف ایک بھتیجا تھا، ایک رات اس بھتیجے نے مال کی لالچ میں اپنے چچا کو قتل کرکے لاش کسی آدمی کے دروازے پر ڈال دی، صبح کو قاتل کی تلاش شروع ہوئی، مگر قاتل کا کچھ پتہ نہ چلا، آخر کار آپس میں ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈالنے لگے، یہاں تک کہ ہتھیار نکل آئے، اور ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے لگے۔

قَدْ اَخْرَجَ عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والبیهقی فی سننهٖ عن عبیدة السلمانی قال: رجلٌ مِنْ بنی اسرائیل عقیمًا لا یولَدُلهٗ وکانَ لَهٗ مالٌ کثیرٌ وکان ابن اخیه وَارثه فقتلهٗ ثم احتملهٗ لَیْلًا فوضَعَهٗ عَلیٰ باب رجلٍ منهم ثم اَصْبَحَ یدعیه علیهم حتّٰی تسلحوا ورکب بعضهم الی بعضٍ: فقال ذو الرأی منهم: عَلَامَ یَقْتُلُ بعضکم بَعْضا وهذا رسول اللّٰه فیکم؟ فَأتَوْا موسیٰ فذکَرُوا ذلك لهٗ فقال (اِنَّ اللّٰهَ یَأمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً). (فتح القدیر شوکانی)

مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے معارف القرآن میں مرقات شرح مشکوۃ کے حوالہ سے قتل کا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص کی لڑکی سے شادی کی درخواست کی تھی، مگر اس نے انکار کردیا، جس کی وجہ سے درخواست

کنندہ نے اس کو قتل کر دیا تھا، قاتل لاپتہ تھا، اس کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا، ایک دوسرے پر الزام تراشی ہو رہی تھی، قوم کے کچھ سمجھدار لوگوں نے کہا اس میں لڑنے جھگڑنے کی کوئی بات نہیں ہے اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام موجود ہیں ان سے معلوم کر لیا جائے، چنانچہ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قتل کا پورا واقعہ بیان کیا، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے بحکم الٰہی ایک گائے ذبح کرنے اور اس کا ایک حصہ مردے سے لگانے کے لئے فرمایا، بہت امین میخ اور آنا کانی کرنے کے بعد گائے ذبح کر دی اور اس کا ایک ٹکڑا مردے سے لگا دیا وہ مردہ باذن الٰہی کچھ دیر کے لئے زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کا نام جو کہ خود اس کا بھتیجا تھا، بتا دیا اور پھر فوراً ہی اس کا انتقال ہو گیا، ادھر اس قاتل کو جس نے مال کی حرص میں اپنے چچا کو قتل کر دیا تھا، وراثت سے محروم کر دیا گیا۔

گائے ذبح کرنے کی مصلحت:

جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے بحکم خداوندی گائے ذبح کرنے کے لئے فرمایا تو ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں آیا، اول تو اس وجہ سے کہ قاتل کا پتہ لگانے اور گائے ذبح کرنے میں بظاہر کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ گائے ماتا ان کی دیوی تھی، جس کے ذبح کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی لئے ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا شاید آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں۔

گائے ذبح کرانے میں مصلحت یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو صدیوں تک مصر میں گائے پرستوں کے درمیان رہنے کی وجہ سے گائے کی عظمت اور تقدیس کے مرض کی چھوت لگ گئی تھی، اس لئے ان کو حکم دیا گیا کہ گائے ذبح کریں، ان کے ایمان کا امتحان اسی طرح ہو سکتا تھا، کہ اگر وہ واقعی رب خدا کے سوا کوئی معبود نہیں سمجھتے تو جس بت کو اب تک پوجتے رہے ہیں، اسے اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں، چونکہ دلوں میں پوری طرح ایمان اترا ہوا نہیں تھا، اس لئے انہوں نے ٹالنے کی کوشش کی اور گائے کی تفصیلات معلوم کرنے لگے، اور جس قدر تفصیلات معلوم کرتے گئے، اسی قدر گھرتے چلے گئے، یہاں تک کہ آخر کار اسی خاص قسم کی سنہری گائے پر جسے اس زمانہ میں پرستش کے لئے مختص کیا جاتا تھا، گویا انگلی رکھ کر بتا دیا گیا کہ اسے ذبح کرو، بائبل میں بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

تورات میں ذبح گائے کا حکم:

بنی اسرائیل سے کہو کہ ایک لال گائے جو بے داغ اور بے عیب ہو اور جس پر کبھی جوا نہ رکھا گیا ہو، تجھ پاس لائیں، تم اسے الیعزر کاہن کو دو کہ وہ اسے خیمے سے باہر لے جائے، اور وہ اس کے حضور ذبح کی جائے۔ (گنتی، ۱۹: ۲، ماجدی)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ اِدغام التاء في الأصلِ في الدَّالِ اي تخاصَمْتُمْ وتدافعتم فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مُظهِرٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ مِن امرِهَا وهذا اعتراضٌ وهُوَ اوّلُ القِصّة فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ اي القتيلَ بِبَعْضِهَا فضُرِبَ بلِسانِهَا او عَجْبِ ذَنَبِها فحَيَّ وقال قتلني فُلانٌ وفُلانٌ لابنَيْ عمّهِ وماتَ فحُرِمَا الميراثَ وقُتِلا قال تعالى كَذٰلِكَ الإحياءِ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ دلائلَ قُدرتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ تَتَدبَّرون فتعلمون انّ القادرَ على إحياءِ نفسٍ واحدةٍ قادرٌ على إحياءِ نفوسٍ كثيرةٍ فتؤمنون ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ايّها اليهودُ صَلُبَتْ عن قبولِ الحقِّ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ المذكورِ من إحياءِ القتيلِ وما قبلَهُ من الآياتِ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ في القسوةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ منها وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فيهِ ادغامُ التاءِ في الأصلِ في الشّين فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ يَنزِلُ من عُلْوٍ الى سُفلٍ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وقلوبُكم لا تتأثّرُ ولا تلينُ ولا تخشعُ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ وانّما يُؤخِّرُكم لوقتِكم وفي قراءةٍ بالتّحتانيّةِ وفيهِ التفاتٌ عن الخطابِ اَفَتَطْمَعُوْنَ ايّها المؤمنونَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا اي اليهودُ لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ طائفةٌ مِّنْهُمْ احبارُهم يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ في التوراةِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ يُغيّرُونَهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ فهِموهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ انّهم مفترونَ والهمزةُ للإنكارِ اي لا تطمَعُوا فلَهُم سابقةٌ في الكفرِ وَاِذَا لَقُوا اي مُنافقو اليهودِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ بأنّ محمّدًا نبيٌّ وهُوَ المُبشَّرُ به في كتابِنا وَاِذَا خَلَا رجعَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اي رُؤساؤُهم الّذين لم يُنافِقوا لِمَن نافقَ اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ اي المؤمنينَ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ اي عَرَّفكم في التوراةِ من نعتِ محمّدٍ صلى الله عليه وسلم لِيُحَاۗجُّوْكُمْ ليُخاصِموكُمْ واللامُ للصّيرورةِ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ في الآخرةِ ويُقيموا عليكُمُ الحجّةَ في تركِ اتّباعِهِ معَ علمِكم بصدقِهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ انّهم يُحاجّونكم اذا حدّثتُموهم فتنتهوا قال تعالى اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ الاستفهامُ للتّقريرِ والواوُ الداخلةُ عليها للعطفِ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ ما يُخفونَ وما يُظهِرونَ من ذلكَ وغيرِهِ فيرعَوُوا عن ذلكَ.

ترجمہ: اور اس واقعہ کو یاد کرو، جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، پھر تم اس (معاملہ) میں لڑنے جھگڑنے لگے تھے، (اِدّارَئْتُمْ) اصل (یعنی تَدَارَئْتم) میں تاء، کا دال میں ادغام ہے، یعنی جھگڑ رہے تھے، اور ایک دوسرے پر الزام ڈال رہے تھے، اور جس بات کو تم چھپانا چاہتے تھے، اللہ اس کو ظاہر کرنے والا تھا، یہ جملہ معترضہ ہے، یہ قصہ کا ابتدائی حصہ ہے۔ (اگرچہ تلاوت میں مؤخر ہے) تو ہم نے حکم دیا کہ اس مقتول سے (مذبوحہ) گائے کا کوئی حصہ لگاؤ، چنانچہ گائے کی زبان، یا دم کی جڑ مقتول سے لگائی گئی تو وہ (مقتول) زندہ ہو اٹھا اور بتادیا کہ میرے چچا زاد بھائیوں میں سے فلاں اور فلاں نے قتل کیا ہے اور (اتنا بتا کر فوراً) مرگیا، چنانچہ دونوں میراث سے محروم کر دیئے گئے اور قتل کر دیئے گئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس

(کو زندہ کرنے) کے مانند اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اور تم کو اپنی قدرت کے نمونے دکھائے گا تاکہ تم سمجھو غور و فکر کرو، اور اس بات کو سمجھ لو کہ جو ذات ایک شخص کے زندہ کرنے پر قادر ہے وہ بہت سے اشخاص کے زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، سوتم ایمان لے آؤ، پھر اس مذکور یعنی مقتول کے زندہ کرنے اور اس سے پہلے مذکور معجزے دیکھنے کے بعد اے یہودیو! حق قبول کرنے سے تمہارے دل سخت ہو گئے، تو وہ سنگ دلی میں پتھر کے مانند ہیں، یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں اور بلاشبہ پتھروں میں تو بعض ایسے بھی ہیں کہ جن سے چشمے بھی نکلتے ہیں اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں، (یَشَّقَّقُ) میں دراصل تاء کا ادغام ہے، شین میں کہ ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بعض ان میں ایسے ہیں کہ اللہ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک جاتے ہیں (مگر) تمہارے دل نہ تو متاثر ہوتے ہیں اور نہ نرم پڑتے ہیں اور نہ خوف کھاتے ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے اور بلاشبہ وہ تم کو ایک وقت تک کے لئے مہلت دیتا ہے اور ایک قراءت میں (یعملون) یاء تحتانیہ کے ساتھ ہے اور اس میں حاضر سے (غائب کی جانب) التفات ہے، اے مسلمانو! کیا اب بھی تم توقع رکھتے ہو، کہ یہود تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں ایک فریق کہ وہ ان کے علماء کا ہے، تورات میں اللہ کے کلام کو سنتا ہے اور سمجھنے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ افتراء کر رہے ہیں، (اَفَتَطمعونَ) میں ہمزہ انکار کا ہے یعنی تم توقع مت رکھو، اس لئے کہ کفر ان کی خصلت سابقہ ہے اور منافق یہودی جب مسلمانوں سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ: ہم اس بات پر کہ محمد ﷺ (اللہ کے) نبی ہیں، ایمان لا چکے ہیں اور ہماری کتاب میں ان کی بشارت دی گئی ہے اور جب آپس میں تنہائی میں ملتے ہیں، تو ان کے سردار جو منافق نہیں ہیں منافقوں سے کہتے ہیں کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں بتا دیتے ہو، جو اللہ نے تمہارے اوپر منکشف فرمائی ہیں، یعنی محمد ﷺ کی وہ صفات جو تم کو تورات میں بتائی گئی ہیں تاکہ تم پر اس کے ذریعہ آخرت میں تمہارے رب کے روبرو حجت قائم کریں یعنی تمہارے ساتھ مخاصمت کریں اور لام صیرورت کے لئے ہے اور اس (محمد) کی ترک اتباع پر اس کو سچا (نبی) جاننے کے باوجود حجت قائم کریں کیا یہ لوگ نہیں جانتے، استفہام تقریر کے لئے اور اس پر جو واؤ داخل ہے وہ عطف کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس بات کو جانتا ہے، جس کو یہ چھپاتے ہیں، اور ظاہر کرتے ہیں، ان باتوں میں سے اور ان کے علاوہ سے اس لئے اس اخفاء سے باز آجائیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اِدَّارَءْتُمْ، بروزن اِفَّاعَلْتُمْ، مادہ، دَرْءٌ ہے بمعنی جھگڑنا اور دفع کرنا، اِدَّا رَءْتُمْ، تَدَارَاءْتُمْ، (تفاعل) سے ماضی جمع مذکر حاضر، تم نے ایک دوسرے پر الزام ڈالا، اِدَّا رَءْتُمْ، اصل میں تَدَارَءْتُمْ، بروزن تَفَاعَلْتُمْ تھا، تاء اور دال کے قریب المخرج ہونے کی وجہ سے تاء کو دال سے بدل دیا پھر دال کو دال میں ادغام کر دیا جس کی وجہ سے ابتداء بالسکون لازم آگیا اس دشواری کو دور کرنے کے لئے ہمزہ وصل شروع میں لے آئے، اِدَّارَءْتُمْ، ہو گیا۔

قَوْلَہٗ: فِیْھَا، ای فی واقعۃِ قتلِ النفس.

قَوْلَہٗ: ھذا، اعتراض، یعنی: وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ، معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلَہٗ: مِن اَمْرِھَا، اس میں اشارہ ہے کہ: تَکْتُمُوْنَ کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلَہٗ: مَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ، میں مَا، موصولہ ہے اور تَکْتُمُوْن جملہ ہو کر صلہ ہے عائد محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَلّذی تکتمونہٗ من امرا لقتل.

قَوْلَہٗ: ھو اول القصۃ، یعنی اِدَّارَئْتُمْ، سے اول قصہ کا بیان ہے، اور سابق رکوع میں جو بیان ہوا وہ اس کے بعد کا حصہ ہے گو تلاوت میں مقدم ہے اس تقدیم و تاخیر کا مقصد یہود کی قبائح کو یکجا بیان کرنا ہے۔

قَوْلَہٗ: کَذَالِكَ یُحْیِ اللّٰہُ الْمَوْتٰی، یہ جملہ بھی کلام مسلسل کے درمیان معترضہ ہے اور اس کے مخاطب غیر یہود ہیں اس لئے کہ یہ یہود منکرین بعث نہیں تھے۔

قَوْلَہٗ: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ.

سَوَال: ثُمَّ تراخی زمان پر دلالت کرتا ہے اور یہاں تراخی فی الزمان نہیں ہے اس لئے کہ یہود کی شقاوت قلبی اسی وقت موجود تھی، نہ یہ کہ بعد میں پیدا ہوئی، لہٰذا ثُمَّ کا استعمال برمحل معلوم نہیں ہوتا۔

جَوَاب: یہاں ثُمَّ کا استعمال مجازاً استبعاد کے معنی میں ہے یعنی اتنے سارے دلائل دیکھنے، سننے کے بعد ایک عاقل بالغ سے شقاوت قلبی بعید ہے۔

قَوْلَہٗ: مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ، یہ استبعاد کی مزید تاکید ہے یعنی جو مفہوم ثُمَّ کا ہے وہی مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ کا ہے۔

قَوْلَہٗ: اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً، اَوْ، بمعنی بَلْ ہے، مگر ابوحیان نے اَوْ، کو توزیع کے لئے لیا ہے، یعنی قلوب کی اقسام کو بیان کرنے کے لئے۔

قَوْلَہٗ: اَفَتَطْمَعُوْنَ، یہ طَمَعٌ، سے مضارع جمع مذکر حاضر ہے، ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مانیں گے؟ یعنی تم کو توقع نہیں رکھنی چاہئے، اَفَتَطْمَعُوْنَ، اصل میں فَاَتَطْمَعُوْنَ، فاء کی تقدیم کے ساتھ تھا، ہمزہ استفہام چونکہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لئے ہمزہ کو فاء پر مقدم کر دیا، اَفَتَطْمَعُوْنَ ہو گیا، یہ جمہور کا مذہب ہے، زمخشری نے کہا ہے کہ ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فاء عاطفہ ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے: اَتَسْمَعُوْنَ کلَامَھُمْ و تعرفون اَحْوَالَھُمْ فَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یؤمنوا لکم.

فَائِدَہ: ہمزہ استفہام، حروف عطف میں سے صرف تین پر داخل ہوتا ہے، واؤ، فاء، ثم.

قَوْلَہٗ: اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ.

سَوَال: یؤمنوا، کا صلہ لام نہیں آتا بلکہ باء آتا ہے اور یہاں لام استعمال ہوا ہے۔

جَوَاب: یؤمنوا، یَنْقادُوْا کے معنی کو مشتمل ہے لہٰذا لام صلہ لانا درست ہے، یعنی کیا تم کو توقع ہے کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے۔

قَوْلُہٗ: فلهم سابقة بالكفر، یعنی ان کو کفر و انکار کی پرانی عادت ہے، اس لئے کہ یہود تورات میں تحریف کا ارتکاب کر کے محمد ﷺ کا انکار کرنے سے پہلے ہی کفر کر چکے ہیں گویا کہ کفر و انکار ان کی عادت قدیمہ ہے لہٰذا ان کا ایمان لانا مستبعد ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذَا خلا رَجَعَ، خلا، کی تفسیر رَجَعَ، سے کر کے اس اعتراض کا جواب دیدیا کہ: خلا، کا صلہ اِلیٰ نہیں آتا حالانکہ اِذا خلا بَعْضُهُمْ الی بَعْضٍ میں خلا کا صلہ اِلیٰ استعمال ہوا ہے۔

جَوَابٌ: خلا، رَجَعَ، کے معنی کو متضمن ہے، اس کی وجہ سے اس کا صلہ الیٰ لانا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: واللام للصيرورة، لِيُحَاجُّوكم، میں لام تعلیل کا نہیں ہے بلکہ صیرورت یا عاقبت کا ہے، اس لئے کہ احتجاج ان کی غرض اور مقصد نہیں ہے، يُحَاجُّوكم، مضارع جمع مذکر غائب ہے، یعنی انجام کار وہ تمہارے ساتھ حجت بازی کریں، لِيُحَاجّوكم، أن مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے، اس لئے کہ لام صیرورت کے بعد اَن جوازاً مقدر ہوتا ہے لِيُحَاجّوكم، تحدثونهم، سے متعلق ہے، نہ کہ فتح الله سے۔

اَللُّغَةُ وَالبَلَاغَةُ

سُوَالٌ: ماقبل میں رؤساء یہود کا کلام ہے، جو کہ معطوف علیہ ہے اور اَوَلَا يَعْلَمُونَ معطوف ہے لیکن معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان کوئی معنوی ربط نہیں ہے۔

جَوَابٌ: مفسر علام نے قال الله تعالىٰ کا اضافہ کر کے اسی اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے مطلب یہ کہ یہ یہود کے کلام کا تتمہ نہیں ہے کہ اس میں جوڑ اور ربط تلاش کرنے کی ضرورت ہو یہ کلام مستانف ہے اور باری تعالیٰ کا کلام ہے۔

قَوْلُہٗ: الواؤ الداخلة للعطف، اَلداخلةُ، الواؤ کی صفت ہے اور الدَّاخلةُ کا فاعل محذوف ہے اور وہ ہمزۂ استفہام ہے، یعنی وہ واو کہ جس پر ہمزۂ استفہام داخل ہے، اگر مفسر علام اَلدَّاخلةُ کے فاعل کو ظاہر کر دیتے تو بات زیادہ واضح ہو جاتی، تقدیر عبارت یہ ہے "الواؤ الداخل عليها استفهام للعطف" یعنی وہ واؤ کہ جس پر ہمزۂ استفہام داخل ہے، عطف کے لئے ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے، "أَيَلُومُونَهُمْ على التحديث مخافة الحاجة وَلَا يَعْلمونَ اَنَّ اللّٰه يَعلمُ مَا يُسِرونَ ومَا يُعلنُونَ" یہ مذہب زمخشری کا ہے۔

جمہور کا مذہب:

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ: واؤ ہمزۂ استفہام پر داخل ہے اور تقدیر عبارت "وَاَيَعْلَمُونَ" ہے، مگر چونکہ ہمزہ صدارت کلام کو چاہتا ہے، اس لئے ہمزہ کو واؤ پر مقدم کر دیا، "اَوَ لَا يَعْلمونَ" ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: مِن ذلكَ وغيره، سے اشارہ اخفاء اور تحریف وغیرہ کی طرف ہے۔

قِوْلَهُ: فَيَرْعَوُوا عن ذٰلك، یہ اِرْعِوَاءٌ سے ماخوذ ہے، اس کے معنی باز رہنے اور رجوع کرنے کے ہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قلوبكم مِنْ بعد ذٰلك فهِيَ كالحجارة اَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً في الآية المذكورة، التشبيه المرسل، فقد شبّه قلوبَهُمْ في نبوّها عن الحقِّ، وتجا فيها مع احكامه بالحجارة القاسية، ثم ترقى التشبيه، فَجَعَلَ الحجارة اكثر لينا مِن قلوبهم.

المجاز العقلي في اسناد الخشية الى الحجارة وهو كثيرٌ في اَلْسِنَةِ العرب.

تفسیر و تشریح

ذبح بقر کے واقعہ کی قدرے تفصیل:

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ، یہ قتل کا وہی واقعہ ہے جس کی بنا پر بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، جس کی قدرے تفصیل سابق میں گذر چکی ہے، اِذْقَتَلْتُمْ، میں خطاب اگرچہ آپ ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کو ہے، مگر مراد ان کے آباء واجداد ہیں موجودہ بنی اسرائیل کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ تمہارے اگلے بزرگوں نے ایک شخص کو جس کا نام عامیل تھا اور نہایت مالدار ہونے کے ساتھ لاولد بھی تھا قتل کر دیا تھا، اور اس کے قاتل خود اس کے بھتیجے ہی تھے، بھتیجوں نے جب دیکھا کہ یہ بڈھا تو مرنے کا نام ہی نہیں لیتا اور وہ کافی عمر دراز ہو گیا تھا، مگر بظاہر اس کے مرنے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے، بھتیجوں نے میراث کی لالچ میں اندھیری رات میں قتل کر کے کسی دوسرے شخص کے دروازے پر ڈال دیا اور خود ہی خون کے دعویدار بن گئے اور قتل کا الزام ایک دوسرے پر ڈالنے لگے قریب تھا کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے، جب اختلاف شدید ہو گیا تو معاملہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش ہوا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سوچ کر کہ اگر قاتل کا پتہ نہ چلا، تو قوم میں اختلاف شدید رونما ہو جائے گا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کا ایک حصہ مقتول کے جسم سے لگائیں وہ بحکم خداوندی زندہ ہو کر اپنے قاتل کو بتا دے گا، مگر بنی اسرائیل نے اپنی پرانی جبلت کی وجہ سے کٹ حجتی شروع کر دی اور گائے ذبح کرنے کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے گائے کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنی شروع کر دیں اور جس قدر سوالات کرتے گئے، اسی قدر اور زیادہ گھرتے چلے گئے، آخر کار ایک خاص قسم کی سنہری گائے پر جسے اس زمانہ میں پرستش کے لئے مخصوص کیا جاتا تھا، بات ٹھہر گئی، آخر کار ان صفات کی حامل گائے ایک شخص کے پاس مل گئی جو اپنی والدہ کا بڑا فرمانبردار تھا، اور اس گائے کے چمڑے بھر سونے کے عوض اس کو خریدا اور ذبح کر کے اس کا ایک حصہ جس کے بارے میں روایات مختلف ہیں، ایک روایت میں ہے کہ گائے کی زبان لگائی اور دوسری روایت میں ہے کہ دم کی جڑ لگائی، بہرحال وہ مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے

قاتلوں کے نام بتائے اوران دونوں قاتلوں کو میراث سے محروم کرنے کے علاوہ قصاصاً قتل بھی کر دیا گیا۔

گائے ذبح کرانے کی مصلحت:

اس موقع پر یہ سوال ذہن میں آ سکتا ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ براہِ راست مردہ کو زندہ کر سکتا ہے، ذبح بقر کو وسیلہ اور ذریعہ بنانے میں کیا مصلحت اور حکمت ہے؟ تو حقیقت یہ ہے کہ خدا کی حکمتوں اور مصلحتوں تک پہنچنا انسانی مقدرت سے باہر ہے، تاہم عقل وشعور کی جو روشنی اس نے انسان کو بخشی ہے، وہ اس طرف رہنمائی کرتی ہے کہ بنی اسرائیل کی صدہا سال تک مصریوں کی غلامی اوران کے ساتھ بود وباش نیز مصریوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول نے ان کے اندر بت پرستی کے جراثیم پیدا کر دیئے تھے اور گائے کی عظمت اور تقدیس کا جذبہ بہت زیادہ نمایاں کر دیا تھا، پس خدا کی مصلحت نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کی اس گمراہی کو کسی ایسے عملی طریقہ سے دور کرے کہ جس کا مشاہدہ خود ان کی آنکھیں کر رہی ہوں، چنانچہ عملی طور پر گائے ذبح کرا کران کو یہ مشاہدہ کرایا گیا کہ جس گائے کی تقدیس تمہارے دلوں میں پیوست ہوگئی ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ تم نے خود اس کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر کے فنا کے گھاٹ اتار دیا، وہ تمہارا بال بیکا بھی نہ کر سکی۔

حقیقت حال یہ ہے کہ موت وحیات کا معاملہ صرف خدا کے ہاتھ میں ہے اور جس گو سالہ کی محبت تمہارے دلوں میں رچ گئی ہے وہ تم سے بھی ادنیٰ ایک حیوان ہے جو صرف تمہاری خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ تمہارا دیوتا اور دیوی ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ، (الآیة) یعنی گذشتہ معجزات اور یہ تازہ واقعہ کہ مقتول دوبارہ زندہ ہوگیا دیکھ کر بھی تمہارے دل متاثر نہیں ہوتے کہ اِنابت الی اللّٰہ کا داعیہ اور توبہ واستغفار کا جذبہ پیدا ہو بلکہ اس کے برعکس تمہارے قلوب پتھر کی طرح سخت بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوگئے، اس لئے کہ بعض پتھر اپنی سنگینی کے باوجود ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ خوفِ خدا سے لرز کر گر بھی پڑتے ہیں، مگر تمہارے قلوب ان مذکورہ قسم کے پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کہ ایسے عجیب وغریب معجزات اور حیرت زدہ واقعات دیکھ کر بھی اثر پذیر نہیں ہوتے، بلکہ اس کے برعکس تمرد وسرکشی پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں یاد رکھو! وہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا، (الآیة) مومنین کو خطاب کر کے بنی اسرائیل کی بابت کہا جا رہا ہے کہ کیا تمہیں ان کے ایمان لانے کی امید ہے؟ حالانکہ ان کے پچھلے بزرگوں میں ایک فریق ایسا بھی تھا کہ جو کلام الٰہی (تورات) میں دیدہ ودانستہ تحریف کرتا تھا، یہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسے لوگوں کے ایمان لانے کی قطعاً امید نہیں، فریق سے مراد وہ ستر اکابر بنی اسرائیل بھی ہو سکتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کوہ طور پر کلام الٰہی سننے کے لئے گئے تھے اور واپس آ کر شہادت دیتے وقت یہ بھی اضافہ کر کے کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ جتنا ہو سکے عمل کرنا اور نہ ہو سکے تو معاف ہے۔ (فوائد عثمانی ملخصاً)

اور بعض مفسرین حضرات نے تحریف سے مراد یہ لیا ہے کہ توریت کی آیات میں تحریف لفظی اور معنوی کرتے تھے، مثلاً

تورات میں جو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی ظاہری اور معنوی نشانیاں مذکور تھیں مثلاً یہ کہ آپ کا حلیہ مذکور تھا، اسی طرح آیت رجم کو بدل ڈالا غرضیکہ وہ کلام الٰہی میں ہر قسم کی تحریف کرتے تھے، اب آپ خود ہی اندازہ لگالیں کہ ایسے لوگ جو دنیوی حقیر اور قلیل مفادات کی خاطر کلام الٰہی میں تحریف کرنے سے بھی نہ چوکتے ہوں ان سے اور ان کی ذریت سے ایمان کی توقع رکھنا سادہ لوحی ہی ہوسکتی ہے، ورنہ جب پتھر دلوں سے تمہاری دعوت حق ٹکرا کر واپس آئے گی تو تم دل شکستہ ہو جاؤ گے یہ لوگ آج کے نہیں صدیوں کے بگڑے ہوئے پاپی ہیں، ان سے توقع رکھنا فضول ہے کہ حق کی آواز بلند ہوتے ہی یہ ہر طرف سے دوڑے چلے آئیں گے۔

شانِ نزول:

"وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ". (الآية)

یہود میں سے جو لوگ منافق تھے، وہ بطور خوش آمد اپنی کتاب تورات کی کچھ باتیں مسلمانوں سے بیان کر دیتے تھے، مطلب یہ کہ وہ آپس میں کہتے تھے کہ: تورات اور دیگر آسمانی کتابوں میں جو پیش گوئیاں اس نبی سے متعلق موجود ہیں، یا جو آیات اور تعلیمات ہماری مقدس کتابوں میں ایسی ملتی ہیں جن سے ہماری موجودہ روش پر گرفت ہوسکتی ہے، انہیں مسلمانوں کے سامنے بیان نہ کرو ورنہ یہ تمہارے رب کے سامنے ان کو تمہارے خلاف حجت کے طور پیش کریں گے گویا وہ اپنے دل میں یہ سمجھتے تھے کہ اگر دنیا میں وہ اپنی تحریفات اور حق پوشی کو چھپا لے گئے تو آخرت میں ان پر مقدمہ نہ چل سکے گا، اس لئے بعد میں جملہ معترضہ میں ان پر تنبیہ کی گئی ہے کہ تم اللہ کو بے خبر سمجھتے ہو؟

اَخْرَجَ ابن اسحق وابن جرير عن ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ في قوله (وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَالُوْٓا آمَنَّا اى بصَاحِبكم رسول الله ﷺ ولكنه اِليكم خاصة، (وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ) قالوا لا تُحدثوا العربَ بهذا فقد كنتم تستفتحون به عَلَيْهِم، وكان مِنهم لِيُحَاجّوكم به عِنْدَ رَبكم". (فتح القدير شوكانی)

وَروى ابن ابى حاتم عن عكرمة انّ السبب في نزول الآية: أنّ امراة من اليهود اَصَابَتِ الفاحِشَةَ فجاؤا الى النبى ﷺ يبتغونَ منه الحكم رجاء الرخصة، فَدَعا رسول الله ﷺ عَالِمَهم وَهُوَ ابن صوريا فقال له: احكم، فقال فَحُبُّوْهُ، والتحبية: يحملونه على حمارٍ ويجعلون وَجْهَهُ اِلى ذنب الحمار فقال رسول الله ﷺ: اَبِحُكم الله حكمت؟ قال: لا ولكنّا نِسَاء نا كنّ حسانا فاسرع فِيْهِنّ رِجَالنا فغيّرنا الحكم. (فتح القدير شوكانی)

ابن ابی حاتم نے عکرمہ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ سے روایت کیا ہے کہ آیت کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ ایک یہودن زنا کی مرتکب ہوئی، تو کچھ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رخصت کی امید پر آپ ﷺ سے فیصلہ طلب کیا آپ ﷺ نے ان کے ایک عالم کو بلایا، جس کا نام ابن صوریا تھا، اور اس سے فرمایا تم فیصلہ کرو، تو اس نے فیصلہ کیا کہ اس کو گدھے پر الٹا بٹھاؤ (یعنی

التا بٹھا کر گھماؤ) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے یہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے تو اس نے کہا نہیں، مگر بات یہ ہے کہ ہماری عورتیں زیادہ حسین ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ہمارے مردان کی طرف سبقت کرتے ہیں اسی وجہ سے ہم نے حکم بدل دیا ہے۔

وَمِنْهُمْ اي اليهود **أُمِّيُّوْنَ** عوامٌ **لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ** التورةَ **إِلَّآ** لٰكِنْ **أَمَانِيَّ** أكاذيب تلقّوها من رؤسائهم فاعتمدوها **وَإِنْ** ما **هُمْ** في جَحْدِ نبوّةِ النبيّ صلى الله عليه وسلم وغيرِه مما يختلقونه **إِلَّا يَظُنُّوْنَ** ﴿۷۸﴾ ظنًّا ولا علمَ لهم **فَوَيْلٌ** شدّةُ عذابٍ **لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيْهِمْ** اي مُختلقًا من عندهم **ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا** من الدنيا وهم اليهودُ وغيّروا صفةَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم في التورةِ وآيةَ الرَّجمِ وغيرَها وكتبوها على خلافِ ما أُنزِل **فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ** من المُختلق **أَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ** ﴿۷۹﴾ من الرُّشى **وَقَالُوْا** لمّا وعدهُم النبيُّ النّارَ **لَنْ تَمَسَّنَا** تُصيبنا **النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً** قليلةً اربعين يومًا مدّةَ عبادةِ آبائهم العِجلَ ثم تزول **قُلْ** لهم يا محمّدُ **أَتَّخَذْتُمْ** حُذِف منه همزةُ الوصلِ استغناءً بهمزةِ الاستفهام **عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا** ميثاقًا منه بذلك **فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ** به لا **أَمْ** بل **تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۸۰﴾ **بَلٰى** تمسُّكم وتخلُدون فيها **مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً** شِركًا **وَّأَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ** بالافرادِ والجمعِ اي استولت عليه وأحدقت به من كلِّ جانبٍ بأن مات مشركًا **فَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ﴿۸۱﴾ روعي فيه معنى من **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ﴿۸۲﴾

ترجمہ: اور ان یہود میں بعض ناخواندہ بھی ہیں جو کتاب یعنی تورات کا علم نہیں رکھتے، مگر دل خوش کن باتوں کا جو انہوں نے اپنے سرداروں سے سنی ہیں، ان ہی پر اعتماد کر لیا اور وہ آپ کی نبوت سے انکار کے بارے میں جن کو وہ گھڑ لیتے ہیں، محض وہم و گمان پر قائم ہیں اور ان کے پاس (اس کی) کوئی سند نہیں، لہٰذا ان کے لئے ہلاکت، شدید عذاب ہے، (اس لئے) کہ وہ اپنی طرف سے تصنیف کرتے ہیں (یعنی) از خود ایجاد کر لیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ (نوشتہ) اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے، تاکہ اس کے معاوضہ میں (دنیا کا) قلیل فائدہ حاصل کریں اور یہ یہود ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی تورات میں مذکور صفات کو بدل ڈالا اور آیتِ رجم وغیرہ کو (بھی) اور نازل کردہ کے برعکس لکھ دیا تو ایسے لوگوں کے لئے بربادی ہے خود نوشتہ کی وجہ سے جو انہوں نے گھڑ لیا ہے اور ان کی رشوت کی یہ کمائی بھی موجب ہلاکت ہوگی اور وہ جب ان کو نبی ﷺ جہنم کی آگ سے ڈراتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم کو آگ ہرگز نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن یعنی چالیس دن جو ان کے آباء (واجداد) کے بچھڑے کو پوجنے کی مدت ہے، پھر ختم ہو جائے گی، اے محمد (ﷺ) آپ

(ﷺ) ان سے پوچھو، کیا تم نے اللہ سے اس کا کوئی عہد لے لیا ہے؟ (اَتَّخَذْتُمْ) ہمزۂ استفہام کی وجہ سے ہمزۂ وصل سے مستغنی ہو گیا، جس کی وجہ سے ہمزۂ وصل کو حذف کر دیا گیا، جس کی وہ خلاف ورزی نہیں کر سکتا، (ایسا ہرگز نہیں)، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ پر ایسی بات کا بہتان لگاتے ہو جس کے متعلق خود تم کو علم نہیں ہے، آخر تمہیں دوزخ کی آگ کیوں نہ چھوئے گی؟ (ضرور) چھوئے گی اور اس میں ہمیشہ رہو گے، جو بھی بدی شرک کمائے گا اور اس کو اس کی خطا کاری گھیرے ہو (خَطِيْئَةٌ) افراد اور جمع کے ساتھ ہے یعنی (بدی) اس پر غالب آگئی اور اس کو ہر جانب سے گھیر لیا بایں طور کہ وہ حالت شرک میں مر گیا، تو وہ دوزخی ہے اور دوزخ ہی میں ہمیشہ رہے گا (اولئك اور هم اور خلدون وغیرہ میں) مَنْ کے معنی کی رعایت کی گئی ہے اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں وہی جنتی ہیں اور وہ (جنت) میں ہمیشہ رہیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: عَوَام، اُمِّيُّون، کی تفسیر عوام سے کر کے ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا۔

سُوْالُ: عرب میں اُمِّیُّونَ بولا جاتا ہے، تو قوم عرب کی طرف ذہن سبقت کرتا ہے، نیز اُمَّةُ الْأُمية، عرب ہی کے بارے میں بولا جاتا ہے۔

جَوَابُ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں اُمِّیونَ سے عوام یہود مراد ہیں جو احبار یہود کے بالمقابل ہیں جن کو عوام کہا جاتا ہے نیز اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ مِنهم سے مراد یہود ہیں اور اُمِّیون سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب ہیں جب امیون کی تفسیر عوام سے کر دی تو یہ تضاد بھی ختم ہو گیا۔

قِوْلَهُ: اَلْاَمَانِی، اَمَانِی، اُمْنِيَّةٌ، کی جمع ہے، بمعنی آرزو، بے اصل خیالات، یہ مَنٰى يمنى، مَنْيًا، بمعنی مقدر کرنا سے ماخوذ ہے۔

قِوْلَهُ: بِاَيْدِيهِمْ، یہ يكتبون کی تاکید ہے، اس لئے کہ کتابت ہاتھ ہی سے ہوتی ہے جیسا "ولاطائرٍ يَطِيرُ بجناحَيهِ" میں يطيرُ بجناحَيهِ طائرٌ، کی تاکید ہے۔

قِوْلَهُ: فَوَيْلٌ لَهُمْ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوْالُ: وَيْلٌ مبتداء اور لَهُمْ اس کی خبر ہے حالانکہ وَيْلٌ نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَابُ: وَيْلٌ، دراصل کلمۂ بددعاء ہے، یہ اصل میں هَلَكْتَ وَيْلًا تھا، جیسا کہ سَلَّمْتُ سَلَامًا فعل کو حذف کر کے نصب سے رفع کی جانب عدول کیا تا کہ دوام و ثبات پر دلالت کرے۔

تفسیر وتشریح

اس سے پہلی آیت میں رؤسائے یہود کی جانب سے اس بات پر ملامت کا ذکر تھا کہ وہ مسلمانوں کو وہ باتیں بتا دیتے ہیں کہ جو کل بروز قیامت خدا کے روبرو خود اپنے ہی خلاف ہتھیار اور حجت کا کام دیں گی مثلاً آپ ﷺ کی صفات اور علامات اور آپ کا حلیہ مبارک وغیرہ جو تورات وغیرہ میں مذکور تھا۔

اَوَ لَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ، (الآیة) اس آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ بے مغز یہود اتنا بھی نہیں جانتے کہ جن باتوں کو مسلمانوں سے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کی خبر وہ وحی کے ذریعہ مسلمانوں کو دے سکتا ہے، مثلاً آیت رجم کو انہوں نے چھپایا مگر اللہ نے اس کو ظاہر کرکے ان کو رسوا کر دیا، یہ تو ان کے علماء کا حال ہوا کہ جو عقلمندی اور کتاب دانی کے مدعی تھے، اب اگلی آیت میں جاہل اور ناخواندہ لوگوں کا ذکر ہے کہ وہ اس بات سے قطعاً بے خبر اور غافل ہیں کہ تورات میں کیا لکھا ہے؟ سوائے چند آرزوں اور خوش کن باتوں کے جو انہوں نے اپنے عالموں سے سن رکھی ہیں، مثلاً جنت میں یہودیوں کے علاوہ کوئی نہیں جائے گا اور یہ کہ ہمارے آباء واجداد ہم کو ضرور بخشوا لیں گے اور اگر بالفرض دوزخ میں جانا بھی ہوا تو وہ مدت چند (چالیس) دنوں سے زائد نہ ہوگی، ان کے یہ خیالات محض بے اصل اور بے بنیاد ہیں اس کی کوئی دلیل نہ ان کے پاس ہے اور نہ ان سے پہلوں کے پاس تھی۔

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْھِمْ، (الآیة) اس آیت میں یہود کے علماء اور احبار اور اکابر کا ذکر ہے یہود کے علماء اور احبار نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ کلام الٰہی کے معانی کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلا ہو، بلکہ یہ بھی کیا کہ بائبل میں اپنی تفسیروں کو اپنی قومی تاریخ کو، اپنے اوہام اور قیاسات کو اور اپنے خیالی فلسفوں کو کلام الٰہی کے ساتھ خلط ملط کر دیا اور یہ ساری چیزیں لوگوں کے سامنے اس حیثیت سے پیش کیں کہ گویا یہ سب چیزیں اللہ ہی کی طرف سے آئی ہوئی ہیں۔

توریت کی تحریف اب کوئی اختلافی یا نزاعی مسئلہ نہیں ہے دوست ودشمن سب کو ہی تسلیم ہے کہ موجودہ توریت کلام الٰہی نہیں دوست زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا رسیدہ انسانوں کی تصنیف ہے، کسی کٹر سے کٹر اور جامد سے جامد یہودی میں بھی اب یہ ہمت نہیں کہ توریت کو قرآن مجید کی طرح تنزیل لفظی قرار دے سکے، کاش سید احمد خاں آج زندہ ہوتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ یہود ونصاریٰ کی طرف سے، جس الزام کی صفائی خواہ مخواہ انہوں نے اپنے سر لے رکھی تھی اس جرم کا اقرار واقبال اب کھلے لفظوں میں خود وہی لوگ کس کثرت سے کر رہے ہیں۔

عرب کے امی محمد ﷺ کے لائے ہوئے کلام کا اعجاز ہے کہ اس نے چودہ صدی پہلے ہی اہل کتاب کی کتاب (بائبل) کو تمام تر محرف اور ناقابل اعتماد ہونا قرار دیا تھا، یورپ کی تحقیق تو اب ایک صدی سے سامنے آئی ہے۔ (تفسیر ماجدی ملخصًا)

ثَمَنًا قَلِیْلًا، ثمن سے مراد صرف نقد یا زر قیمت ہی نہیں بلکہ جو چیز بھی کسی چیز کے معاوضہ میں حاصل ہو وہ اس کا ثمن ہے (کل مایحصل عوضًا بشیئٍ فھو ثمنہٗ) (راغب) کلام ربانی کی تصحیف وتحریف جیسے شدید وعظیم جرم سے جو بھی مادی نفع حاصل ہوگا خواہ کتنا بھی کثیر وعظیم کیوں نہ ہو حقیر اور قلیل ہی ہوگا۔

قرآن کی خرید وفروخت کا مسئلہ:

بعض اہل ظاہر نے آیت کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر یہ فتویٰ دیا ہے کہ قرآن مجید کی خرید وفروخت اور اس کی کتابت وطباعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، لیکن مذہب صحیح کی رو سے مذکورہ چیزیں بالکل جائز اور درست ہیں، اس لئے کہ یہاں جو بیع وشرا ہوتی ہے وہ کاغذ وکتابت وغیرہ کی ہوتی ہے نہ کہ آیات اللہ کی، اگر آیت سے کوئی وعید لازم آتی ہے تو وہ جھوٹے اور غلط مسئلے بتا کر اور موضوع حدیثیں بیان کر کے دنیوی فائدہ حاصل کرنے والوں کے حق میں ہے۔

ہر تحریف وتصحیف موجب لعنت ہے:

قرآنی اور اسلامی معیار صداقت ودیانت کے اعتبار سے ہر تحریف اور تصحیف موجب لعنت اور حد سے بڑھی ہوئی جسارت ہے لیکن دوسری قومیں اس معیار ہی سے ناآشنا ہیں بلکہ بعض اہل کتاب کے یہاں تو بھلائی کے لئے ہر برائی درست اور جائز ہے اور خدا کی سچائی اور خداوند کے جلال کے اظہار کے لئے ہر جھوٹ روا ہے جس طرح آج دہشت گردی کے خاتمہ کے نام پر پوری دنیا میں جو ننگا ناچ ناچا جا رہا ہے، اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی، جس میں انسانی اور اخلاقی تمام قدروں کو نہ صرف یہ کہ بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے بلکہ پیروں تلے بری طرح روندا جا رہا ہے اور یہ برائیاں سچائی کے نام پر ہو رہی ہیں۔

مذہب تثلیث کے بانی پولس (Paulas) اسرائیلی کا مقولہ آج تک انجیل میں لکھا ہوا ہے، اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے؟ اور ہم کیوں نہ برائی کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو۔ (رومیون، ۳: ۷، ماجدی ملخصًا)

مِمَّا یَکْسِبُوْنَ، مِمَّا یکسِبُوْنَ سے مراد وہ دنیاوی مالی اور جاہی منافع ہیں جو وہ اپنی غرض مندانہ تحریف اور (بقول خود) دروغ مصلحت آمیز سے حاصل کرتے ہیں۔

یہود کی غلط فہمی:

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَعْدُوْدَةً، یہ یہود کی غلط فہمی کا بیان ہے، جس میں ان کے عامی اور عالم سب مبتلا تھے، وہ سمجھتے تھے کہ ہم خواہ کچھ بھی کریں بہر حال چونکہ ہم یہود ہیں لہٰذا جہنم کی آگ ہم پر حرام ہے اور بالفرض اگر ہم کو سزا دی بھی گئی تو بس چند روز جہنم میں بھیجے جائیں گے اور بعد ازاں سیدھے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے، جیسا کہ پادری راڈول نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے حاشیے میں اکابر یہود کے حوالہ سے لکھا ہے، کہ جہنم میں داخلے کی مدت چالیس روز ہوگی جن میں بنی اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا رہے تھے اور بعض دیگر مفسرین یہود نے یہ مدت گیارہ مہینے اور کسی نے

سات دن بیان کی ہے، بلکہ بعض یہودی ماخذوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ یہودی خود کو آتش دوزخ سے بالکل آزاد سمجھتے تھے، چنانچہ (جیوش انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ)۔

آتش دوزخ گنہگاران قوم یہود کو چھوئے گی بھی نہیں اس لئے کہ وہ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں گے اور خدا کے پاس واپس آجائیں گے۔ (جلد ۵، ص: ۵۸۳، ماجدی)

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا، (الآیة) یہود سے بطور حجت الزامی سوال ہو رہا ہے کہ یہ جو تم اپنی قوم کی محبوبیت اور نار جہنم سے محفوظیت اور عدم مسئولیت کا عقیدہ اپنے دلوں میں جمائے بیٹھے ہو، آخر اس کی تمہارے پاس کیا سند اور کیا دلیل ہے؟ کیا تم اس کی سند اپنے مقدس نوشتوں میں دکھا سکتے ہو؟ جب تمہارے پاس اس عقیدے کی کوئی سند اور دلیل نہیں ہے تو پھر اللہ پر بہتان اور افتراء پردازی کے سوا اور کیا ہے؟

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ، قَالَ کا صلہ جب علیٰ آتا ہے، تو افتراء پردازی اور بہتان تراشی کے معنی ہوتے ہیں، قَالَ عَلَیْهِ، اِفْتَرٰی عَلَیْهِ. (تاج)

نجات اور عدم نجات کا قانون:

"بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ". (الآیة)

نجات یا عدم نجات کا نسل وقوم سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا مدار ایمان اور عدم ایمان پر ہے، اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْئَتُهٗ، تمام اکابر اہل سنت کے نزدیک یہاں کفر ہی مراد ہے، گناہ کے احاطہ کرنے کا مطلب ہے کہ گناہ اس پر ایسا غلبہ کرلے کہ کوئی جانب ایسی نہ ہو کہ گناہ کا غلبہ نہ ہو حتی کہ دل میں ایمان وتصدیق بھی باقی نہ رہے، اس لئے کہ اگر دل میں ایمان وتصدیق باقی ہوگی تو بھی احاطہ مذکورہ محقق نہ ہوگا لہٰذا کافر پر ہی یہ صورت صادق آتی ہے، مومن کتنا ہی بدعمل ہو بہر حال اس آیت کا مصداق نہ ہوگا۔

بعض اہل باطل نے اس آیت سے جو مومن عاصی کی عدم مغفرت پر استدلال کرنا چاہا ہے وہ صریحاً باطل ہے اول تو خود سَیِّئَة، کے معنی ہی شرک کے ہیں، اَلسَّیِّئَةُ الشرك، (قرطبی) مومن اس آیت کا مصداق اس لئے نہیں ہوسکتا کہ کم ازکم زبان سے اقرار اور تصدیق قلبی کا درجہ اسے بہر حال حاصل ہوتا ہے۔

هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ، خلود اگرچہ مدت طویل کے معنی میں بھی مستعمل ہے، لیکن اہل دوزخ اور اہل جنت کے سلسلہ میں جہاں جہاں بھی اس لفظ کا استعمال قرآن میں ہوا ہے، اہل سنت کا اجماع ہے کہ اس سے مراد دوام ہی ہے اور اس کی تائید وتاکید کے لئے قرآن مجید میں خالدین کے ساتھ جا بجا اَبَدًا بھی آیا ہے، وَالمراد بالخلود الدَّوَامُ (روح) وَمَنَ النَّاسِ مَنْ

حَمَلَ الخلود علی اصل الوضع وھو اللبث الطویل لَیْسَ بشیٔ لِاَنّ فیه تَھوِیْنَ الخَطْب فی مقام التھویل مع عدم ملائمتہٖ حمل الخلود فی الجنة علی الدوام. (روح)

وَ اذکُر اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی التَّورٰۃِ وقُلنا لَا تَعْبُدُوْنَ بالتّاء والیَاء، اِلَّا اللّٰهَ خبرٌ بمَعنی النَّھیِ وقُرِئَ لَا تَعبُدُوا وَ اَحسِنُوا بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا بِرًّا وَّذِی الْقُرْبٰی القَرَابَۃِ عَطفٌ عَلی الوَالِدَینِ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ قولاً حُسْنًا مِنَ الاَمرِ بالمَعرُوفِ والنَّھیِ عن المُنکرِ والصِّدقِ فی شان محمدٍ صلی اللّٰه علیه وسلم والرِّفقِ بِهم وفی قراءۃٍ بضَمِّ الحَاءِ وسُکُون السین مصدرٌ وُصِفَ به مبالغةً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَقبلتُم ذٰلك ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اعرَضتُم عن الوَفَاءِ به فیه التفاتٌ عن الغَیبَۃِ والمُرادُ اٰبَاؤھم اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ عنه کآبائِکم وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وقُلنا لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَآءَکُمْ تُرِیقُونَھا بقتلِ بعضِکم بعضا وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ لایُخرِج بعضُکم بعضا من دارہٖ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ قبلتُم ذٰلِكَ المیثاقَ وَاَنْتُمْ تَشْھَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ علی انفسِکم.

ترجمہ: اور یاد کرو (اس وقت کو) جب ہم نے تورات میں بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا، اور کہا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرنا (تعبدون) میں یاء اور تاء دونوں ہیں اور (لا تَعْبُدُوْنَ) خبر بمعنی نہی ہے، اور لَاتَعْبُدُوا، بھی پڑھا گیا ہے اور والدین کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ القربیٰ بمعنی قرابت ہے اور ذی القربیٰ کا عطف وَالِدَیْن پر ہے اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور لوگوں سے بھلی بات کہنا، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (کرنا) اور محمد ﷺ کی شان میں (بیان صفات کے بارے میں) سچ بولنا اور لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا اور ایک قراءت میں (حُسْنًا) حاء کے ضمہ اور سین کے سکون کے ساتھ ہے جو کہ مصدر ہے بطور مبالغہ وصفت لایا گیا ہے، اور نماز کی پابندی رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا تم نے یہ بات قبول کر لی تھی، مگر پھر بھی تم وفاء عہد سے پھر گئے، اس میں غیبت سے (خطاب) کی طرف التفات ہے اور مراد ان کے آباء (واجداد) ہیں، مگر تم میں سے بہت تھوڑے (عہد پر قائم رہے) اور تم اس عہد سے اپنے آباء کے مانند پھرے ہوئے ہو اور (پھر ذرا یاد کرو) کہ جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے کہا تھا کہ آپس میں قتل کر کے خون خرابہ نہ کرنا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا یعنی کوئی کسی کو اس کے گھر سے نہ نکالے اور تم نے اس عہد کا اقرار کیا تھا اور تم خود اپنے اوپر گواہ ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: میثاق، عہد و پیمان، (جمع) مَوَاثِق وَمَوَاثیق، وَمَیَاثِق، بعض مفسرین نے اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ، کے معنی اَمَرْنَا بِذٰلِكَ، (یعنی حکم دینے کے) لئے ہیں، (ابن قتیبہ) یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا، مِیْثَاق، اَخَذْنَا، کا مفعول بہ ہے۔

قَوْلُہٗ: بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ، بَنِیْ دراصل بَنِیْنَ، تھا، یہ ملحق جمع مذکر سالم ہے، مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جری میں یاءنون کے ساتھ ہےنون اضافت کی وجہ سے ساقط ہوگیا اسرائیل عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اس کا فتحہ نیابۃً عن الکسرہ ہے۔

سُوَال: مفسر علام کالفظ ''قُلْنَا'' اضافہ کرنے سے کیا مقصد ہے؟

جَوَاب: کلام، کو ماقبل یعنی، واِذاَخَذْنَا، سے مربوط کرنا ہے بایں طور کہ دونوں جگہ جمع متکلم کے صیغہ ہو جائیں ورنہ تو کلام واحد میں مخاطب واحد کے لئے غائب اور حاضر کے صیغہ کا استعمال لازم آئے گا، اس لئے کہ بنی اسرائیل اسم ظاہر ہے اور اسم ظاہر غائب کے حکم میں ہوتا ہے، اس کے بعد لا تَعْبُدُوْنَ، ہے، اس کے مخاطب بھی بنی اسرائیل ہیں اور یہ حاضر کا صیغہ ہے، اس طرح کلام واحد میں شئ واحد کے لئے خطاب بالغائب اور خطاب بالحاضر لازم آتا ہے، اس سے بچنے کے لئے مفسر علام نے ''قُلْنَا'' کا اضافہ کیا تا کہ اَخَذْنَا، اور قلنا، میں مطابقت ہو جائے۔

فَائِدَہ: یہ التفات من الغیبۃ الی الخطاب، قلنا محذوف نہ ماننے کی صورت میں لازم آئے گا اور اگر قلنا محذوف مان لیا جائے، جیسا کہ مفسر علام نے مانا ہے، تو اس صورت میں التفات من الغیبۃ الی الخطاب نہ ہوگا، اس لئے کہ قُلنا سے جملہ مستانفہ ہو جائے گا۔

قَوْلُہٗ: خبرٌ بمعنی النھی، یعنی، لَاتَعْبُدُوْنَ، مضارع منفی جمع مذکر حاضر ہونے کی وجہ سے جملہ خبریہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کا نون اعرابی ساقط نہیں ہوا، مگر معنی کے اعتبار سے جملہ انشائیہ ہے اور معنی میں لا تَعْبُدُوْا کے ہے۔

سُوَال: نہی کو مضارع منفی کی صورت میں ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: صراحۃً نہی سے کنایۃً نہی اولیٰ ہے، اس لئے کہ نہی بصورت مضارع منفی سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ گویا حکم کی تعمیل ہو چکی ہے اس کی خبر دی جا رہی ہے۔

وھو اَبلغ من صریح الامر والنھی کانَّہٗ سورع الی الامتثال، (کشاف) حضرت اُبی اور عبداللہ بن مسعود رَضِحَالِلّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی قراءت، لا تعبُدُوا، بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ مضارع منفی بمعنی نہی ہے، نیز وَقُوْلُوا، واَقِیموا، واٰتوا، کا، لَا تَعْبُدُوْنَ، پر عطف بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ: لَا تَعْبُدُوْنَ، لَاتَعْبُدُوْا، کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاَحْسِنُوْا.

سُوَال: احسنوا مقدر ماننے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: اس تقدیر کا مقصد اس اعتراض کا جواب دینا ہے کہ بالوالدین جو کہ جار مجرور ہے، کا عطف، لَا تَعْبُدُوْنَ، پر ہے جو کہ جار مجرور کا غیر جار مجرور پر عطف ہے، جو درست نہیں ہے، جب اَحْسِنُوْا، محذوف مان لیا تو یہ اعتراض ختم ہوگیا، مفسر علام نے اَحْسِنُوْا، امر کا صیغہ مقدر مان کر اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ عطف، لَاتَعْبُدُوْنَ، کے معنی پر ہے، نہ کہ لفظ پر۔

قَوْلُہٗ: فَقَبِلْتُمْ، قَبِلْتُمْ، کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ، تَوَلَّیْتُمْ، کا عطف، مقدر پر ہے نہ کہ اَقِیْمُوْا پر جیسا کہ متبادر ہے، لہٰذا عطف الخبر علی الانشاء کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: بِرًّا، اِحْسَانًا، کی تفسیر بِرًّا سے کرکے اشارہ کردیا کہ احسان سے مطلق حسن سلوک مراد ہے خواہ قولاً ہو یا فعلاً یا عملاً، نہ کہ صرف مالی جیسا کہ احساناً سے معلوم ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: ذی القربیٰ، قربیٰ، کی تفسیر القرابة سے کرکے اشارہ کردیا کہ قربی رُجعٰی، کے مانند مصدر ہے نہ کہ جمع۔

قَوْلُہٗ: الیَتَامیٰ، یہ الیتیم، کی جمع معرف باللام ہے انسانوں میں باپ کے مرنے سے اور حیوانوں میں ماں کے مرنے سے بچہ یتیم کہلاتا ہے۔ (صاوی)

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

❶ لا تَعْبُدُوْنَ، جملة خبرية معناه النهى، وهو ابلغ مِنَ التصريح.

❷ فى قوله تعالىٰ "لا تعبدونَ" التفات من الغيبة الى الخطاب.

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ، یہ آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود یہودیوں کے آسلاف کی بدعنوانیوں کا سلسلہ وار ذکر ہے یہود کے اسلاف کی بدعنوانیوں کو بیان کرنے اور شمار کرنے کا منشا یہ ہے کہ موجودہ یہود کج فطرت اس لئے ہیں کہ یہ تخم بد کے شجر خبیث کے برگ و بار ہیں ان سے خیر کی توقع رکھنا شیطان سے خیر کی توقع رکھنا ہے اس لئے کہ سانپ سے سانپ ہی پیدا ہوتا ہے، لاتَلِدُ الحيّةُ اِلّا الحية، آپ ان کے اسلاف کے کرتوتوں کو ذرا یاد کریں کہ جب ہم نے ان سے پختہ عہد لیا تھا یعنی ان کو احکام شرع پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا، مگر انہوں نے تمام احکام کو پس پشت ڈال دیا، جس کے نتیجے میں ہم نے ان کے اوپر طور کو معلق کردیا جب پہاڑ کو نیچے آتا دیکھتے تو احکام کو قبول کرلیتے اور جب واپس جاتا دیکھتے تو پھر منکر ہوجاتے، چند لوگ مثلاً عبد اللہ بن سلام اور ان کے اصحاب توریت کے پابند رہے اور توریت کے منسوخ ہونے کے بعد شریعت محمدیہ کے متبع رہے۔

توحید کا اقرار، والدین اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور تمام انسانوں کے ساتھ نرم خوئی اور خوش خلقی سے پیش آنا اور نماز و زکوٰة کی پابندی کرنا سابقہ امتوں میں بھی لازمی اور ضروری تھی۔

توریت اثبات توحید اور ممانعت شرک سے بھری پڑی ہے نمونہ کے طور پر چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

❶ میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہوئے، تو اپنے لئے تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی پر زمین کے نیچے ہے، مت بنا تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر۔ (خروج ۲۰:۲، ۵) (ماجدی)

❷ سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔ (استثناء، ٦: ٤)

توریت اور والدین کا احترام:

تو اپنے ماں باپ کو عزت دے (خروج، ۲۰: ۱۲) اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے جیسا خداوند تیرے خدا نے فرمایا۔ (استثناء ٥: ١٦)

توریت میں ضرورت مند کا ذکر:

اور اپنے مفلس بھائی کی طرف سے اپنے ہاتھ مت بند کرو، بلکہ تو اس پر اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو، اور کسی کام میں جو وہ چاہے، بقدر اس کی احتیاج کے ضرور اس کو قرض دیجیو۔ (استثناء ١٤. ٢٩)

مسکین زمین پر سے کبھی ختم نہ ہوں گے اس لئے یہ کہہ کے میں تجھے حکم کرتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کے واسطے اور اپنے مسکین کے لئے اور اپنے محتاج کے واسطے جو تیری زمین پر ہے اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو۔ (استثناء، ١٥: ١١)

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا، مالی تعاون چونکہ تمام انسانوں کے ساتھ ممکن نہیں ہے، اس لئے عوام الناس کے ساتھ خوش گفتاری، نرم خوئی، خندہ پیشانی اور شیریں کلامی کا حکم دیا جا رہا ہے اور یہ کام نہایت آسان اور سہل ترین ہے، اس میں نہ کچھ خرچ ہوتا ہے اور نہ کوئی زحمت ہوتی ہے یہ ادنیٰ ترین فریضۂ انسانیت ہے اس لئے یہ حکم عام ہے، عزیز واقارب یا کسی مخصوص طبقہ کے ساتھ خاص نہیں ہے خوش خلقی سے سب کے ساتھ پیش آتے رہنا خواہ وہ نیک ہو یا بد، فاسق ہو یا صالح، ہاں البتہ احتیاط اتنی ضرور رہے کہ اس خوش خلقی وخندہ روئی سے کہیں مخاطب کی بدعت یا بے دینی کی تائید نہ پیدا ہو جائے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے جب موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو یہ ہدایت دی تھی، "فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا" ظاہر ہے کہ آج کلام کرنے والا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے افضل نہیں اور مخاطب خواہ کتنا ہی برا ہو مگر فرعون سے زیادہ برا نہیں۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ، (الآیة) یہ قرآن کے معاصرین یہود کو خطاب ہے کہ تم تمام قول وقرار سے پھر گئے اور تم میں سے صرف چند (عبداللہ بن سلام وغیرہ) دین حق پر قائم رہے۔ (قرطبی)

وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ، یہ بھی قرآن کے معاصرین یہود کو خطاب ہے اور مراد تمام موجودہ اور گذشتہ بنی اسرائیل ہیں خود اس مضمون کی شہادتیں مروجہ تورات میں موجود ہیں، ملاحظہ ہوں۔

اور وہ اس راہ سے جو میں نے انہیں فرمائی جلد پھر گئے۔ (خروج ٣٢: ٨)

میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ ایک گردن کش قوم ہے۔ (خروج ٢٢: ٩)

بنی اسرائیل کو کہہ دو کہ تم گردن کش لوگ ہو۔ (خروج ٣٣: ٥)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ، (الآیۃ) یعنی کنایۃً نہیں بلکہ صراحۃً تم سے یہ عہد لیا گیا کہ نہ اپنی قوم کو قتل کرو گے اور نہ اس کو جلاوطن کرو گے۔

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ، یعنی ان احکام کی اطاعت کا اقرار تم نے صاف صاف کیا جو آج تک تمہارے نوشتوں میں لکھا ہوا ہے اور تمہیں اس سے مجال انکار نہیں، توریت میں ہے ''وہ بولے کہ سب کچھ جو خداوند نے فرمایا ہے ہم کریں گے''۔

(خروج، ۲٤:۷)

ثُمَّ اَنْتُمْ يَا هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ يقتُلُ بعضُكم بعضًا وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ فيه ادغامُ التاءِ في الاصلِ في الظاءِ وفي قراءة بالتخفيف على حَذْفِها تَتعاوَنُونَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ المعْصِيةِ وَالْعُدْوَانِ الظُلمِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى وفي قراءة اَسرى تُفٰدُوْهُمْ وفي قراءة تَفْدُوهُمْ تُنْقِذُوهُم مِنَ الاَسرِ بالمَالِ اَو غيرِهِ وهُوَ مِمَّا عُهِدَ اليهم وَهُوَ اى الشانُ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ متَّصلٌ بقولِه وتُخرِجونَ والجملة بَيْنَهما اِعْتِراضٌ اى كما حُرِّمَ تركُ الفِداءِ وكانت قريظة حَالَفُوا الاوسَ والنَّضيرُ الخَزرجَ فكانَ كُلُّ فريقٍ يُقاتِلُ مع حُلفائه ويُخرّب ديارَهم ويُخرِجُهم فاذا اسروا فدوهم وكانوا اذا سُئِلُوا لِمَ تُقاتِلونهم وتفدونهم قالُوا اُمِرنا بالفِداء فيُقَالُ فلِمَ تُقاتِلُونَهم فيَقُولُونَ حياء ان يَسْتَذِلَّ حُلَفاؤنا قال تعالى اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وهُوَ الفِداءُ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ وهُوَ تركُ القتلِ والاخراجِ والمظاهرة فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ هَوانٌ وذُلٌّ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وقد خُزُوا بقتل قريظة ونفي النَّضيرِ الى الشامِ وضربِ الجزيةِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ بالياءِ والتاءِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ بان آثروها عليها فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ يُمنَعون منه.

ترجمہ: پھر جیسے تم ہو، سامنے ہو، کہ اپنے ہی بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو یعنی آپس ہی میں خون خرابہ کرتے ہو اور اپنے ہی میں سے ایک فریق کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو اور ان کے خلاف (غیروں) کی ظلم و زیادتی کے ساتھ مدد کرتے ہو (تَظَاهَرُوْنَ) میں تاء کا ظاء میں اصل میں ادغام ہے اور ایک قراءت میں تخفیف کے ساتھ ہے تاء کو حذف کرکے (تَظَاهَرُوْن) معنی میں تَتَعَاوَنُوْنَ کے ہے اور اگر وہ گروہ گرفتار ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں اور ایک قراءت میں اسرٰی ہے تو تم ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو اور ایک قراءت میں، تُفْدُوْهُمْ، ہے یعنی تم ان کو قید سے مال وغیرہ دے کر رہائی دلاتے ہو، (یعنی قیدی کا قیدی سے تبادلہ کرکے) یہ بھی ان احکام میں سے ہے، جن کا ان سے عہد لیا گیا، حالانکہ بات یہ ہے کہ ان کا اخراج ہی سرے سے تمہارے اوپر حرام ہے (هُوَ مُحَرَّمٌ) کا تعلق تخرجون سے ہے اور (وَاِنْ يَاتوكم الخ) متعلق اور متعلق کے

درمیان جملہ معترضہ ہے، یعنی جس طرح ترک فدیہ حرام ہے، (اسی طرح قتل واخراج بھی حرام ہے) اور (بنو) قریظہ اوس کے حلیف تھے، اور (بنو) نضیر خزرج کے اور ہر فریق اپنے حلیف کے ساتھ مل کر قتال کرتا تھا اور (فریق مخالف کے) گھروں کو ویران کرتا تھا، اور ان کو ان کے گھروں سے نکالتا تھا اور جب وہ قیدی ہو جاتے تھے، تو فدیہ دے کر ان کو چھڑا لیتے تھے، اور جب ان سے سوال کیا جاتا تھا، کہ تم ان سے قتال کیوں کرتے ہو، اور پھر ان کو فدیہ دے کر رہائی دلاتے ہو، تو وہ جواب دیتے تھے، کہ اس بات سے شرم محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے حلیف ذلیل سمجھے جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو اور وہ فدیہ کا حکم ہے اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو اور وہ قتل واخراج اور (غیروں کے) تعاون کو ترک کرنا ہے، تو تم میں سے جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں؟ چنانچہ (بنو) قریظہ قتل سے اور (بنو) نضیر جلاوطنی سے اور جزیہ عائد کرنے سے ذلیل ہوئے اور آخرت میں شدیدترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے، اللہ ان کی حرکتوں سے بے خبر نہیں ہے، (تعملون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت بیچ کر دنیا خرید لی بایں طور کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی، لہٰذا ان کی سزا میں کوئی تخفیف نہ ہوگی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی یعنی وہ عذاب سے نہ بچائے جائیں گے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہُ: ثُمَّ اَنْتُمْ، یا هٰؤُلَاءِ، ثُمَّ، حرف عطف تراخی کے لئے ہے، اَنْتُمْ مبتداء تَقْتُلُوْنَ الخ جملہ ہو کر مبتداء کی خبر ہے هٰؤُلَاءِ، اسم اشارہ منادیٰ محلاً منصوب، یا، حرف ندا محذوف کما ذهب اليه المفسر، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: هٰؤُلَاءِ، محلاً منصوب علی الذم یعنی فعل محذوف اذم کی وجہ سے۔

قِوْلَہُ: تَظٰهَرُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر، جملہ ہو کر محلاً حال ہونے کی وجہ سے منصوب بمعنی متعاونين عَلَيْهِمْ.

قِوْلَہُ: فی الاصل، ای بعد قَلْبِهَا، ظاءً، تاء ثانیہ کو حذف کر کے۔

قِوْلَہُ: مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ، محرّمٌ، اپنے متعلق علیکم سے مل کر خبر مقدم، اِخْرَاجُهُمْ، بترکیب اضافی مبتداء مؤخر، مبتداء باخبر جملہ ہو کر خبر ہوئی هُوَ مبتداء کی هُوَ کا ماقبل میں چونکہ مرجع مذکور نہیں ہے، اس لئے اس کو ضمیر شان قرار دیا ہے۔

قِوْلَہُ: متصل بقوله: وَتُخْرِجُوْنَ، اس اتصال سے مراد تعلق الحال مع ذوالحال ہے، اور حال وذوالحال کے درمیان وَاِنْ يّاتوكم اُسٰرٰى تفادوهم، جملہ معترضہ ہے اور ایک قراءت میں اَسْرٰى ہے جو کہ اَسِیْر کی جمع ہے جیسا کہ: جَرْحٰی، جَرِيْح کی جمع ہے اور اُسَارٰی، اَسْرٰى کی جمع ہے جیسا کہ سُکَارٰی جمع سَکْرٰی، اس اعتبار سے اُسارٰی جمع الجمع ہے، نہ کہ اَسیر مفرد کی جمع، لہٰذا یہ شبہ ختم ہوگیا کہ فَعِيْلٌ کی جمع فُعَالٰی کے وزن پر نہیں آتی۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الِاستعارة المکنیة: فی قوله تعالیٰ: اولٰئِكَ الّذِین اشتروا الحیٰوة الدنیا بالْاٰخرةِ استعارة مکنیة تبعیّة فی شراء الحیٰوة الدنیا۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ، نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مشرکین کے دو مشہور قبیلے مدینہ میں آباد تھے، اوس اور خزرج یہی بعد میں انصار کہلائے ان کی آئے دن آپس میں لڑائی رہتی تھی، اسی طرح یہود کے تین قبیلے اطراف مدینہ میں آباد تھے، قینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ، یہ بھی آپس میں لڑتے رہتے تھے، بنوقریظہ اوس کے حلیف تھے، اور بنوقینقاع اور بنونضیر خزرج کے حلیف تھے، جنگ میں یہ قبیلے اپنے اپنے حلیفوں کی مدد کرتے اور اپنے ہی ہم مذہب یہودیوں کو قتل کرتے اور ان کے گھروں کو لوٹتے اور انہیں جلاوطن کر دیتے، حالانکہ تورات میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا تھا، لیکن پھر ان یہودیوں کو جب وہ مغلوب ہونے کی وجہ سے قیدی ہو جاتے تو فدیہ دے کر چھڑاتے اور کہتے کہ ہمیں تورات میں یہی حکم دیا گیا ہے ان آیات میں یہودیوں کے اسی کردار کو بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے شریعت کو موم کی ناک سمجھ رکھا ہے کہ جدھر چاہا موڑ دیا چنانچہ یہ یہود بعض چیزوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کو ترک کر دیتے ہیں قتل، اخراج اور ایک دوسرے کے خلاف مدد کرنا ان کی شریعت میں بھی حرام ہے، مگر ان باتوں کا تو انہوں نے ذرہ برابر لحاظ نہ کیا، اور فدیہ دے کر چھڑا لینے کا جو حکم تھا اس پر عمل کر لیا اس طرز عمل سے صاف ظاہر تھا کہ وہ بعض احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پر ایمان لانا تو درکنار، تم تو تورات کے بھی تمام احکام کے پابند نہیں ہو تمہارے اسلاف کے طرز عمل سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ تورات کو بھی واجب العمل نہیں سمجھتے اس کے بعض احکام پر عمل کرتے ہو اور بعض کو پس پشت ڈال دیتے ہو:

"فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا"۔

ذلت و رسوائی کی پیش گوئی چند ہی روز بعد حرف بحرف پوری ہوئی حجاز میں یہودیوں کے تین قبیلے رہتے تھے، بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع جو ہنر و دولت مندی میں معروف و مشہور تھے، تینوں قبیلے چند سال کی مدت میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک ہی میں ذلت و رسوائی کے ساتھ یا تو قتل کر دیئے گئے یا پھر ارض حجاز سے جلاوطن کر دیئے گئے۔

اسرائیلیوں کے لئے جہنم کی وصیت ایک اسرائیلی نبی کی زبانی:

اسرائیلی سلسلے کے ایک آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے اسرائیلیوں کے لئے جہنم کی وعید منقول ہے "تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ ہم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں غرض اپنے باپ دادا کا پیمانہ بھر دو اے سانپو، اے افعی کے

بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے'' (متی ۲۳:۲۴) اس آیت میں یہودیوں کے خفیہ طریقہ کار اور سازش اور کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں کی طرف اشارہ موجود ہے۔

جنگ بعاث:

جنگ بعاث دراصل اوس اور خزرج کی جنگ تھی، یہود اس میں فریقین کی جانب سے شریک ہو گئے اور نمایاں حصہ لیا بنونضیر اور بنوقریظہ نے اوس کا ساتھ دیا اور بنوقینقاع خزرج کی حمایت میں نکل پڑے جنگ نے طول کھینچا گھمسان کا رن پڑا بالآخر شکست خزرج کے فریق کو ہوئی۔

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ، یہ شریعت کے بعض احکام کو ماننے اور بعض کو نہ ماننے کی سزا کا بیان ہے کہ اس کی سزا دنیا میں عزت و سرفرازی کی جگہ ذلت و رسوائی اور آخرت میں ابدی نعمتوں کے بجائے، سخت عذاب ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے یہاں وہ اطاعت مقبول ہے جو مکمل ہو، بعض باتوں کو ماننا اور بعض کو نظر انداز کرنا اللہ کے یہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں، یہ آیت مسلمانوں کو بھی دعوت غور و فکر دے رہی ہے کہ کہیں مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کی وجہ بھی مسلمانوں کے وہی کردار تو نہیں جو مذکورہ آیات میں یہود کے بیان کیے گئے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّورٰةَ **وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ** اَيْ اَتْبَعْنَاهُمْ رَسُوْلًا فِي اِثْرِ رَسُوْلٍ **وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ** الْمُعْجِزَاتِ كَاِحْيَاءِ الْمَوْتٰى وَاِبْرَاءِ الْاَكْمَهِ وَالْاَبْرَصِ **وَاَيَّدْنٰهُ** قَوَّيْنَاهُ **بِرُوْحِ الْقُدُسِ** مِنْ اِضَافَةِ الْمَوْصُوْفِ اِلَى الصِّفَةِ اَيِ الرُّوْحِ الْمُقَدَّسَةِ جِبْرَئِيْلَ لِطَهَارَتِهٖ يَسِيْرُ مَعَهٗ حَيْثُ سَارَ فَلَمْ تَسْتَقِيْمُوْا **اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰى** تُحِبُّ **اَنْفُسُكُمُ** مِنَ الْحَقِّ **اسْتَكْبَرْتُمْ** تَكَبَّرْتُمْ عَنِ اتِّبَاعِهٖ جَوَابُ كُلَّمَا، وَهُوَ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ وَالْمُرَادُ بِهِ التَّوْبِيْخُ **فَفَرِيْقًا** مِنْهُمْ **كَذَّبْتُمْ** كَعِيْسٰى **وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ**۝۸۷ الْمُضَارِعُ لِحِكَايَةِ الْحَالِ الْمَاضِيَةِ اَيْ قَتَلْتُمْ كَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى **وَقَالُوْا** لِلنَّبِيِّ اسْتِهْزَاءً **قُلُوْبُنَا غُلْفٌ** جَمْعُ اَغْلَفَ اَيْ مُغَشَّاةٌ بِاَغْطِيَةٍ فَلَا تَعِيْ مَا تَقُوْلُ قَالَ تَعَالٰى **بَلْ** لِلْاِضْرَابِ **لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ** اَبْعَدَهُمْ عَنْ رَحْمَتِهٖ وَخَذَلَهُمْ عَنِ الْقَبُوْلِ **بِكُفْرِهِمْ** وَلَيْسَ عَدَمُ قَبُوْلِهِمْ لِخَلَلٍ فِيْ قُلُوْبِهِمْ **فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ**۝۸۸ مَا زَائِدَةٌ لِتَاكِيْدِ الْقِلَّةِ اَيْ اِيْمَانُهُمْ قَلِيْلٌ جِدًّا **وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ** مِنَ التَّوْرٰةِ هُوَ الْقُرْاٰنُ **وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ** قَبْلَ مَجِيْئِهٖ **يَسْتَفْتِحُوْنَ** يَسْتَنْصِرُوْنَ **عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** يَقُوْلُوْنَ اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ اٰخِرَ الزَّمَانِ **فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا** مِنَ الْحَقِّ وَهُوَ بِعْثَةُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم **كَفَرُوْا بِهٖ** حَسَدًا وَخَوْفًا عَلَى الرِّيَاسَةِ وَجَوَابُ لَمَّا الْاُوْلٰى دَلَّ عَلَيْهِ جَوَابُ الثَّانِيَةِ **فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ**۝۸۹ **بِئْسَمَا اشْتَرَوْا** بَاعُوْا

بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اى حَظَّهَا مِنَ الثَّوابِ وما نكرةٌ بمعنى شيئًا تمييزٌ لفاعلِ بِئْسَ والمَخْصُوصُ بالذَّمِّ اَنْ يَّكْفُرُوْا اى كُفرُهم بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ القُرْاٰنِ بَغْيًا مفعولٌ لَهُ ليَكْفُرُوا اى حَسَدًا على اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ بالتخفيفِ والتَّشديدِ مِنْ فَضْلِهٖ الوَحى عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ للرِّسالةِ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ رجعوا بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ بكُفرِهم بما اَنْزَلَ والتَّنكيرُ للتَّعظيمِ عَلٰى غَضَبٍ ۭ اسْتَحقُّوهُ مِن قبلُ بتَضْيِيعِ التَّوراةِ والكفر بعيسى وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ذو اِهانَةٍ.

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات عطا کی اور ان کے بعد پے در پے یکے بعد دیگرے رسول بھیجے اور عیسیٰ بن مریم علیہ الصلاۃ والسلام کو واضح معجزات عطا کئے مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا اور مادر زاد اندھوں کو بینا کرنا اور مبروص (کوڑھی) کو اچھا کرنا اور پاکیزہ روح (یعنی جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام) کے ذریعہ ہم نے ان کی تائید کی (روح القدس) میں اضافتِ موصوف الی الصفت ہے، ای الروح المقدسة (قدس کہا) ان کے (نافرمانی سے) پاک ہونے کی وجہ سے (ان کی تائید بایں طور کی) کہ جہاں وہ جاتے تو حضرت جبرائیل بھی ساتھ رہتے، پھر بھی یہ لوگ راہ راست پر نہیں آئے، (لیکن) کیا یہ بات نہیں کہ جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول وہ چیز (یعنی حق) لے کر آیا جو تم کو ناپسند ہوتی تو تم نے اس کی اتباع سے تکبر کیا (اِسْتَكْبَرْتُمْ) كُلَّمَا کا جواب ہے اور یہی محل استفہام ہے اور (استفہام) کا مقصد توبیخ ہے تو ان میں سے بعض کی تم نے تکذیب کی جیسا کہ (حضرت) عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور بعض کو قتل کر ڈالا، جیسا کہ (حضرت) زکریا علیہ الصلاۃ والسلام اور یحییٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور (ماضی کے بجائے) مضارع حکایت حال ماضیہ کے لئے ہے یعنی تم نے قتل کر دیا اور نبی سے تمسخراً کہا کہ ہمارے قلوب پر پردے ہیں غُلْفٌ، اَغْلَفُ کی جمع ہے، یعنی پردوں میں مستور ہیں لہٰذا جو آپ کہتے ہیں اس کو محفوظ نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نہیں بات ایسی نہیں بلکہ (دراصل بات یہ ہے) کہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور قبول حق سے محروم کر دیا ہے، بَلْ، اضراب کے لئے ہے اور ان کا (حق) کو قبول نہ کرنا کسی قلبی (دماغی) خلل کی وجہ سے نہیں تھا، سو وہ بہت کم باتوں پر یقین رکھتے ہیں، مَا، تاکید قلت کے لئے زائدہ ہے یعنی ان کا ایمان بہت ہی کم باتوں پر ہے اور اب جب کہ ان کے پاس اللہ کی کتاب (قرآن) جو اس کتاب کی جو ان کے پاس موجود ہے (یعنی) تورات کی تصدیق کرتی ہے، آئی حالانکہ اس کے آنے سے پہلے (اس کے ذریعہ) کافروں پر فتح و نصرت کی دعاء کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے، کہ اے اللہ! تو ہم کو کافروں پر نبی آخر الزمان کے طفیل میں غلبہ عطا فرما، چنانچہ جب جب اس حق کا جس کو وہ پہچانتے تھے، اور وہ نبی ﷺ کی بعثت ہے ان کے پاس آیا تو حسد اور زوال ریاست کے خوف سے انکار کر بیٹھے اور پہلے لَمَّا، کے جواب پر دوسرے لَمَّا کا جواب دلالت کر رہا ہے، اللہ کی پھٹکار ہو کافروں پر نہایت بری ہے وہ شئ جس کے عوض انہوں نے اپنے آپ کو یعنی اپنے حصہ کے اجر

(وثواب) کو بیچ ڈالا، اور مَا، نکرہ بمعنی شیئًا بئس کے فاعل سے تمیز ہے اور مخصوص بالذم، اَنْ یَکْفُرُوْا، ہے یعنی سرکشی کی وجہ سے اس قرآن کا انکار ہے، جس کو اللہ نے نازل فرمایا، بَغْیًا، لِیَکْفُرُوْا، کا مفعول لہ ہے یعنی محض اس حسد کی وجہ سے کہ اللہ نے اپنا فضل (یعنی) وحی اپنے بندوں میں سے اس پر جس کو رسالت کے لئے پسند فرمایا نازل فرمایا (یُنَزِّل) میں (زاء) کی تخفیف اور تشدید دونوں قراءتیں ہیں، تو وہ نازل کردہ کے انکار کی وجہ سے اللہ کا غضب بالائے غضب لے کر لوٹے، (بِغَضَبٍ) کی تنکیر شدت کو بیان کرنے کے لئے ہے، (یعنی) غضب کے تو وہ تورات کو ضائع کرنے اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے پہلے ہی مستحق ہو چکے تھے، اور کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے، یعنی رسوا کن عذاب۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: قَفَّیْنَا، ماضی جمع متکلم (تفعیل) تَقْفِیَةً، پیچھے بھیجنا، قَفّٰی، دو مفعول چاہتا ہے، عام طور پر اس کے مفعولوں پر حرف جر داخل نہیں ہوتا، جیسے: "قَفَّیْتُ زیدًا عمرًا" میں نے زید کو عمر کے پیچھے بھیجا اور کبھی دوسرے مفعول پر، ب، داخل ہوتی ہے، قرآن مجید میں اس کا استعمال ہے، جیسا کہ اسی آیت میں ہے "وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ" ہم نے ان کے بعد پیہم رسول بھیجے۔

قَوْلُهُ: مَرْیَمَ، یہ سُریانی لفظ ہے اس کے معنی ہیں خادمہ، انگریزی میں اس کا تلفظ مَیری (Mery).

حضرت مریم اور ان کا نسب:

حضرت مریم کی والدہ کا نام حَنّہ اور والد کا نام عمران تھا، نسب اس طرح ہے مریم بنت عمران بن ماتان۔ حضرت مریم کا نبی ہونا مختلف فیہ ہے اہل سنت کا عقیدہ ہے، کہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی، لیکن بچپن ہی سے آپ کے صاحب کرامت ولیہ ہونے میں شبہ نہیں، بچپن میں ہی اللہ کی طرف سے بے موسم پھل آپ کو بھیجے جاتے تھے، (لغات القرآن) سال وفات مسیحی روایتوں کے مطابق ۴۸ ق م ہے۔

تاریخی اختلاف کے باوجود صحیح فیصلہ یہ ہے کہ: آپ نے کبھی نکاح نہیں کیا اسی لئے آپ کو مریم عذراء کہا جاتا ہے (دوشیزہ) آپ کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے کہا جاتا ہے کہ یوسف نجار سے آپ کی نسبت ہوگئی تھی نکاح اور رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ (لغات القرآن)

عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سلسلۂ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں:

عیسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) عجمی لفظ ہے سریانی میں یسوع کہتے ہیں جس کے معنی مبارک کے ہیں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سلسلۂ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں، سنہ عیسوی آپ ہی کے نام سے جاری ہے، آپ کے بعد صرف نبوت محمدی ہوئی ہے، ملک شام کے علاقہ ارض گلیل میں ایک قصبہ ناصرہ نامی ہے آپ کا وہی مادری وطن ہے ولادت بیت المقدس کے ایک گوشہ میں ہوئی ۳۳ سال کی عمر میں آپ جمہور امت کے عقیدہ کے مطابق اور مسیحی عقیدہ کے مطابق تین دن کے لئے وفات پا کر آسمان پر اٹھالئے گئے، آپ کے رفع آسمانی سے انکار صرف بعض جدید فرقوں نے کیا ہے۔ (ماجدی، ملخصًا)

قَوْلُہٗ: رُوْحُ الْقُدُسِ، یہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشہور لقب ہے۔ مسیحی اصطلاح میں اقانیم ثلثہ میں سے اقنوم ثالث ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا، واؤ حرف عطف ہے، لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے، قد حرف تحقیق ہے۔

قَوْلُہٗ: بطَهَارَتِهٖ، یہ القدس (طاہر) ہونے کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: یَسِیْرُ معه، حیث سارَ، اَیَّدْنَاہ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: فلم تَسْتَقِیْمُوْا، یہ جملہ ہی مقصود کلام ہے، یعنی مذکورہ سب کچھ ہونے کے بعد بھی وہ راہ راست پر نہیں آئے، نیز اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ، اَفَکُلَّمَا، کا مقدر پر عطف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، فَلَمْ تَسْتَقِیْمُوْا فَاسْتَکْبَرْتُمْ اَفَکُلَّمَا جاءَ کم رسول الخ، معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان ہمزہ استفہام توبیخ کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: تَهْوٰی، مضارع واحد مؤنث غائب وہ خواہش کرتی ہے، (س) هَوًی خواہش کی طرف نفس کا مائل ہونا۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: مِنَ الْحَقِّ، یہ مَا کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: تَکَبَّرْتُمْ، اِسْتَکْبَرْتُمْ، کی تفسیر تکبّرتُمْ، سے کر کے اشارہ کر دیا کہ (سین، تاء) زائدہ ہیں، نہ کہ طلب کے لئے۔

قَوْلُہٗ: جَوَابُ کُلَّمَا، کُلَّمَا متضمن بمعنی شرط ہے اور اِسْتَکْبَرْتُمْ، اس کا جواب ہے اور محل استفہام یہی جواب ہے اور یہ استفہام توبیخی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے استفہام برائے سوال ممکن نہیں ہے، یعنی جب جب بھی تمہارے پاس رسول آئے تب تب تم نے تکبر کیا۔

قَوْلُہٗ: فَفَرِیْقًا، کَذَّبْتُمْ فریقًا کذّبتُمْ کا مفعول مقدم ہے، اور کَذَّبْتُمْ کا عطف اِسْتَکْبَرْتُمْ پر ہے اسی طرح فَرِیْقًا تقتلون ہے۔

قَوْلُهُ: المضارع لحكاية الحال الماضية اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ، میں مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو زمانہ حال پر دلالت کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود اس آیت کے نزول کے وقت بھی انبیاء کو قتل کر رہے تھے، حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے۔

جَوَاب: گذشتہ واقعہ کی منظر کشی کے طور پر مضارع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے گویا کہ قتل انبیاء کا واقعہ فی الحال نظروں کے سامنے ہو رہا ہے، اسی کو حکایت حال ماضیہ کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: غُلْفٌ، یہ اَغْلَفُ کی جمع ہے، غیر مختون کو کہتے ہیں، اى لا يَعِيْ وَلَا يَفْهَمُ، مفسر علام نے بھی معنی مرادی لئے ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے کہ غُــلْفٌ غِلافٌ کی جمع ہے، معنی یہ ہوں گے کہ ہمارے قلوب گنجینۂ علوم ہیں، معارف موسوی سے لبریز ہیں ہمیں کسی نئی تعلیم کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ هِيَ جمع غِلافٍ اى هِيَ اَوْعِيَةُ العلم. (راغب)

قَوْلُهُ: فَقَلِيْلًا، یہ اِيْمَانًا موصوف محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُهُ: قَبْلَ مَجِيْئِهِ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قَبْلُ مضاف الیہ محذوف منوی ہونے کی وجہ سے مبنی برضم ہے۔

قَوْلُهُ: بـاعُوا، اِشْتَرَوا کی تفسیر بـاعُوا سے کرکے اشارہ کردیا کہ اِشْتَرىٰ اضداد میں سے ہے اس کے معنی بیع اور شری دونوں آتے ہیں۔

قَوْلُهُ: مِنَ الحَقِ، مَا، کا بیان ہے، مِن الحق سے، ما کی تفسیر کرکے ایک اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کردیا۔

اعتراض: جس کو یہود نبی آخر الزمان کے طور پر پہچانتے تھے، وہ آپ ﷺ کی ذات مبارک تھی، جیسا کہ ارشاد باری ہے: "يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ" پھر یہاں آپ ﷺ کو لفظ ،مَا، سے کیوں تعبیر کیا؟

جَوَاب: مراد اس سے حق ہے، نہ کہ آپ ﷺ کی مخصوص ذات اور آپ کا رسول برحق ہونا معجزات اور تورات میں مذکور علامات سے ظاہر تھا۔

قَوْلُهُ: حَسَــدًا، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کفر جہل کی وجہ سے ہوا کرتا ہے جب وہ آپ کو اور آپ کی نبوت کو بخوبی جانتے تھے، تو پھر کفر کیونکر ہوا۔

جَوَاب: یہ کفر وانکار جہل اور عدم معرفت کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ حسد اور قومی تعصب کی وجہ سے ہوا۔

قَوْلُهُ: دَلَّ عَلَيْهِ جَوابُ الثَّانِيَةِ، وَهُوَ قوله كفروا به، مطلب یہ ہے کہ: كفروا به، لَمَّا ثانیہ کا جواب ہے اور اسی کی دلالت کی وجہ سے لَمَّا، اولیٰ کا جواب محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، وَلَـمَّـا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ كَفَرُوْا بِهٖ، اس سے مبرد کا رد بھی مقصود ہے مبرد کا کہنا ہے کہ: كَفَرُوْا بِهٖ، لَمَّا، اولیٰ کا جواب ہے اور ثانی لَمَّا طول کلام کی وجہ سے تکرار کے طور پر لایا گیا ہے لہٰذا اس کو جواب کی ضرورت نہیں ہے، وجہ رد یہ ہے کہ اگر لَـمَّـا، کو مکرر مانا جائے تو وہ محض تاکید کے لئے ہوگا اور تاکید سے تاسیس اولیٰ ہے، اور وكانوا مِن قبلُ الخ تقدیر قَدْ، کے ساتھ جملہ حالیہ ہے۔

قَوْلُهٗ: بِئْسَمَا، میں مَا، بِئْس کے اندر ضمیر مستتر ھُوَ، سے تمیز ہے تقدیر عبارت یہ ہے: بئس الشئُ شیئًا اور اشتروا، مَا، کی صفت ہے اور اَنْ یکفرو المخصوص بالذم ہے۔

قَوْلُهٗ: ذُوْ اِهَانَةٍ، اس میں اشارہ ہے کہ اہانت کی اسناد عذاب کی جانب مجازاً ہے، اس لئے کہ عذاب ذلیل نہیں ہوا کرتا بلکہ صاحب عذاب (معذّب) ذلیل ہوا کرتا ہے لہٰذا عذاب، مہین نہ ہوگا بلکہ صاحب عذاب (معذّب) مہین ہوگا۔

قَوْلُهٗ: مُهِيْنٌ، مُهِيْنٌ، اصل میں مُهْوِنٌ، واؤ کا کسرہ نقل کر کے ہاء، کو دیدیا واؤ ساکن ماقبل مکسور ''یاء'' سے بدل گیا، مُهِيْنٌ، ہوگیا۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ، ان آیات کی ضروری تفسیر، تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے، ملاحظہ کر لی جائے، باقی یہاں تحریر کی جاتی ہے، یہ بنی اسرائیل کی بعض جنایات کا بیان ہے کلام کو جملہ قسمیہ سے شروع کرنے میں کمال توجہ کی طرف اشارہ ہے۔

الکتٰب، سے مراد تورات ہے، بنی اسرائیل کو ایک مستقل دستور شریعت انعام خصوصی کے طور پر عطا ہوا تھا، بنو اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی انبیاء کا متواتر اور مسلسل آتے رہنا تاریخ کا ایک مسلم و مشہور واقعہ ہے، یہاں تک کہ اسی سلسلہ کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے گویا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سلسلۂ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ توریت ایک ہی مرتبہ میں یکمشت نازل کی گئی تھی، جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کے اٹھانے کا حکم دیا تو آپ نہ اٹھا سکے، تو اللہ نے تورات کے جملہ حروف کی تعداد کے برابر فرشتے نازل فرمائے پھر بھی نہ اٹھا سکے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تخفیف فرما کر سہولت فرمائی جس کی وجہ سے آپ اٹھا سکے۔ (روح المعانی)

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ، (الآیة) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل یہود بڑی بے چینی اور شدت سے اس نبی آخر الزمان کے منتظر تھے، جس کی بعثت کی پیش گوئیاں ان کے انبیاء نے کی تھیں اور ان کے واسطے دعائیں مانگا کرتے تھے، کہ جلدی سے وہ آئے تو کفار کا غلبہ ختم ہو اور ہمارے عروج کا دور شروع ہو، خود اہل مدینہ اس بات کے شاہد تھے کہ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی ان کے ہمسایہ یہودی آنے والے نبی کی امید پر جیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ تم جتنا چاہو ہم کو ستالو عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے ہم اس کے ساتھ ہو کر ظالموں سے سب حساب چکالیں گے، مدینہ کے مشرک یہ باتیں سن چکے تھے، اسی لئے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا، دیکھنا کہیں یہ یہودی ہم سے بازی نہ لے جائیں، چلو پہلے ہم ہی اس نبی پر ایمان لے آئیں، مگر یہ عجیب بات تھی کہ یہودی جس

نبی کی آمد کی امید پر جی رہے تھے اور انتظار کی گھڑیاں گن رہے تھے، اس کے آنے کے بعد سب سے بڑھ کر اس کے مخالف اور دشمن ہو گئے حالانکہ وہ اسے بخوبی پہچان بھی گئے تھے۔

پہچان جانے کے متعدد ثبوت اسی زمانہ میں مل گئے تھے، سب سے زیادہ معتبر اور اہم شہادت ام المومنین حضرت صفیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهَا کی ہے جو خود ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور دوسرے یہودی عالم کی بھتیجی تھیں، وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ تشریف لائے، میرے والد اور چچا آپ سے ملنے گئے بڑی دیر تک آپ سے گفتگو ہی پھر جب گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کی گفتگو سنی۔

چچا:......کیا واقعی یہ وہی نبی ہے، جس کی خبریں ہمیں کتابوں میں دی گئیں ہیں؟

والد:......خدا کی قسم ہاں۔

چچا:......کیا تم کو اس کا یقین ہے۔

والد:......ہاں۔

چچا:......جب تک جان میں جان ہے اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات چلنے نہ دوں گا۔

يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، الذين كفروا، سے یہاں مشرکین عرب مراد ہیں، ایک نومسلم انصاری صحابی سے روایت ہے کہ جب ہم قبل الاسلام یہود کو شکست دیتے تھے، تو وہ کہا کرتے تھے کہ ذرا ٹھہر جاؤ عنقریب ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے، ہم اس کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کر کے رکھ دیں گے۔ (سیرت ابن هشام)

یہود نے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو تو مسیح ماننے سے انکار کر دیا تھا لیکن اس کے بعد سے برابر ایک مسیح (نجات دہندہ) کے ظہور کے منتظر رہا کرتے تھے، اور اس کا ذکر اکثر مشرکین مکہ سے کیا کرتے تھے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ القراٰن وغيره **قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا** اى التّورة قال تعالى **وَيَكْفُرُوْنَ** الواو للحال **بِمَا وَرَآءَهٗ** سواهُ وبعدَهُ من القُران **وَهُوَ الْحَقُّ** حالٌ **مُصَدِّقًا** حالٌ ثانيةٌ مؤكِّدةٌ **لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ** لهم **فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ** اى قتلتم **اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ﴿۹۱﴾ بالتّورة وقد نُهيتم فيها عَنْ قَتْلِهِمْ والخطابُ لِلموجودين فى زمن نبيّنا صلى الله عليه وسلم بما فَعَلَ اٰباؤُهم لِرضاهم به **وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ** اى المُعجزاتِ كالعصا واليدِ وفلقِ البحر **ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ** اِلٰهًا **مِنْ بَعْدِهٖ** اى بَعْدَ ذهابِه اِلَى الميقاتِ **وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ** ﴿۹۲﴾ باتّخاذِه **وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ** على العمل بما فى التّورةِ **وَ** قد **رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ** الجبلَ حينَ امتنعتُم مِن قبولِها لِيَسْقُطَ عليكم وقلنا **خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ** بجدٍّ واجتهادٍ **وَّاسْمَعُوْا ؕ** ما تُؤمَرون به سماعَ قبولٍ **قَالُوْا سَمِعْنَا** قولك **وَعَصَيْنَا ۗ** امرك **وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ** اى خالطَ حُبُّهُ قلوبَهم كما يُخالطُ الشّرابُ

بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ لهم بِئْسَمَا شيئًا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ بالتورة عبادة العجل إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۹۳﴾ بها كما زعمتم المعنى لستم بمؤمنين لأن الايمان لا يأمر بعبادة العجل والمراد اٰباؤهم اى فكذلك انتم لستم بمؤمنين بالتورة وقد كذبتم محمدًا صلى الله عليه وسلم والايمان بها لا يأمر بتكذيبه قُلْ لهم إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ اى الجنة عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً خاصة مِنْ دُونِ النَّاسِ كما زعمتم فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۴﴾ تعلق بتمنيه الشرطان على ان الاول قيد فى الثانى اى ان صدقتم فى زعمكم ومن كانت له يؤثرها والموصل اليها الموت فتمنوه وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ من كفرهم بالنبى صلى الله عليه وسلم المستلزم لكذبهم وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۹۵﴾ الكافرين فيجازيهم وَلَتَجِدَنَّهُمْ لام قسم أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ وَ احرص مِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ المنكرين للبعث عليها لعلمهم بان مصيرهم الى النار دون المشركين لانكارهم له يَوَدُّ يتمنى أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ لو مصدرية بمعنى أن وهى بصلتها فى تاويل مصدر مفعول يود وَمَا هُوَ اى احدهم بِمُزَحْزِحِهِ مبعده مِنَ الْعَذَابِ النار أَنْ يُعَمَّرَ فاعل مزحزحه اى تعميره وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾ بالياء والتاء فيجازيهم

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو قرآن وغیرہ (انجیل) اللہ نے نازل کیا ہے، اس پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں کہ جو ہم پر نازل کیا گیا ہے، یعنی تورات پر ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور واؤ حالیہ ہے جتنی اس کے علاوہ ہے اس کے بعد ہے (اور وہ) قرآن ہے ان کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ حق بھی ہے، (جملہ) حالیہ ہے، اور اس (تورات) کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے، (مصدقا) حال ثانی ہے تاکید کے لئے آپ ان سے دریافت کیجئے کہ اگر تمہارا تورات پر ایمان ہے تو انبیاء سابقین کو تم نے کیوں قتل کیا؟ حالانکہ تم کو تورات میں ان کے قتل سے منع کیا گیا ہے، خطاب ان (یہود) کو ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے، اس وجہ سے کہ ان کے آباء (واجداد) نے جو کچھ کیا یہ اس سے راضی ہیں، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے پاس کھلے معجزات لائے جیسا کہ عصا، ید بیضاء اور دریا کا دولخت ہو جانا، پھر بھی تم نے اس کے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے میقات (طور) پر چلے جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا، اور تم بچھڑے کو (معبود) بنانے کی وجہ سے ظالم ہوئے اور جب ہم نے تم سے تورات کے احکام پر عمل کرنے کا وعدہ لیا اور ہم نے تم پر جبل طور کو مسلط کیا، تاکہ تم پر گرادیں، جب تم تورات کو قبول کرنے سے باز رہے، اور ہم نے کہا، ہماری دی ہوئی چیز (تورات) کو مضبوطی اور کوشش سے تھامو اور جس بات کا تم کو حکم دیا جا رہا ہے اسے قبولیت کی نیت سے سنو، تو انہوں نے کہا ہم نے آپ کی بات سنی اور ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے اور ان کے دلوں میں ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑا

بسا دیا گیا تھا، یعنی بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں ایسی سرایت کرگئی تھی جیسا کہ شراب (جسم میں) سرایت کر جاتی ہے، آپ ان سے کہئے تمہارا توریت پر ایمان جس گاؤ پرستی کا تم کو حکم دیتا ہے، وہ نہایت بری چیز ہے اگر تم تورات پر ایمان رکھتے ہو، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے مطلب یہ کہ تمہارا توریت پر بھی ایمان نہیں ہے اس لئے کہ تورات پر ایمان گاؤ پرستی کا حکم نہیں دیتا، اور (کُـنْـتُمْ) کے مخاطب ان کے آباء (واجداد) ہیں یعنی اسی طرح تمہارا بھی تورات پر ایمان نہیں ہے اور تم محمد ﷺ کی تکذیب کر چکے ہو، اور تورات پر ایمان آپ ﷺ کی تکذیب کی اجازت نہیں دیتا آپ ﷺ ان سے کہئے اگر دارِ آخرت یعنی جنت عند اللہ صرف تمہارے لئے ہے خاص طور پر اور لوگوں کے علاوہ جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو (ذرا) موت کی تمنا کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، تمنائے موت کے ساتھ دو شرطیں متعلق ہیں، اس طریقہ پر کہ اول دوسری کے لئے قید ہے، یعنی اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ دار آخرت (جنت) صرف تمہارے لئے ہے اور جس کے لئے دارِ آخرت ہو تو وہ اس کو ترجیح دیتا ہے اور اس تک رسائی کا ذریعہ موت ہے، لہٰذا تم اس کی تمنا کرو، مگر وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کہ وہ آپ ﷺ کا انکار ہے اور موت کی تمنا نہ کرنا ان کی تکذیب کو مستلزم ہے، ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کافروں کو خوب جانتا ہے لہٰذا ان کو سزا دے گا بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص آپ ان کو پائیں گے کہ (یہ لوگ زندگی کی حرص میں) مشرکوں منکرین بعث سے بھی زیادہ بڑھے ہوئے ہیں، (لَتَجِدَنَّهُمْ) میں لام قسمیہ ہے، اس لئے کہ انہیں (یہود کو) یہ بات معلوم ہے کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، بخلاف مشرکوں کے کہ وہ بعث بعد الموت کے قائل ہی نہیں ہیں ان میں کا ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر ہزار سال ہو، لَوْ، مصدریہ ہے، اَنْ، کے معنی میں ہے اور لَوْ، اپنے صلہ کے ساتھ مصدر کی تاویل میں ہو کر یَوَدُّ کا مفعول ہے، یہ درازیٔ عمر بھی ان کو عذاب سے نہیں بچا سکتی، اَنْ یُّعَمَّرَ، مُزَحْزِحِهٖ، کا فاعل ہے (یعنی اَنْ یُّعَمَّرَ) تعمیر کے معنی میں ہے، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھتا ہے، یعملون، یاء اور تاء کے ساتھ ہے، یعنی ان کو جزاء دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: وَرَآءَ، یہ ظرف مکان ہے، یہ خَلف کے معنی میں زیادہ اور اَمام کے معنی میں کم استعمال ہوتا ہے یہ اضداد میں سے ہے اور سِوٰی، اور بَعْدُ، کے معنی میں بھی مستعمل ہے، مفسر علام نے بعد کے معنی مراد لئے ہیں۔

قَوْلُهٗ: وَهُوَ الْحَقُّ، یہ مَا سے حال ہے۔

قَوْلُهٗ: مُصَدِّقًا حالٌ ثانیة مؤکِدَةٌ، یہ ماقبل کے مضمون جملہ کی تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ حق صادق ہی ہوتا ہے جیسا کہ زیدٌ اَبوكَ، عَطُوفًا، میں عطوفًا، ماقبل کی تاکید کے لئے ہے حال ثانیہ کا مطلب یہ ہے کہ تاکید کے اعتبار سے حال ثانی ہے ورنہ تو یہ حال ثالث ہے اس لئے کہ اول، ویکفرون، ہے۔

قَوْلُہٗ: قَتَلْتُمْ، مضارع کی تفسیر ماضی سے کرنے میں اشارہ ہے کہ انبیاء کا قتل نزول آیت کے زمانہ کے اعتبار سے زمانہ ماضی میں واقع ہوا ہے اور قرینہ اس پر (مِنْ قَبْلُ) ہے۔

قَوْلُہٗ: بِمَا فَعَلَ اٰبَاءُ هم، اس میں اشارہ ہے کہ: تَقْتلون، میں اسناد مجازی ہے، اس لئے کہ انبیاء کے قاتل ان کے آباء و اجداد تھے نہ کہ وہ۔

قَوْلُہٗ: رضاهم یہ مجاز کے علاقہ کا بیان ہے اور وہ ملابست ہے، چونکہ موجودہ یہودی اپنے آباء کے قتل سے راضی تھے اسی لئے قتل کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی ہے۔

قَوْلُہٗ: بالمعجزات، بَیِّنَات کی تفسیر معجزات سے کر کے ان لوگوں پر رد مقصود ہے، جو بینات سے تورات مراد لیتے ہیں، اس لئے کہ تورات واحد ہے اور بینات جمع ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلٰهًا، اس تقدیر میں اشارہ ہے کہ اِتَّخَذَ، کا مفعول ثانی محذوف ہے اور یہ اِتخذتُ سَيفًا ای صنعته سے ماخوذ نہیں ہے جو ایک مفعول کو چاہتا ہے اس لئے کہ اتخاذ عجل، سامری سے صادر ہوا تھا نہ کہ بنی اسرائیل سے اسی مضمون کو سوال و جواب کی صورت میں بھی بیان کر سکتے ہیں۔

سَوَال: اِلٰهًا، محذوف ماننے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جَوَاب: اتخاذ، ابتداء صنعت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے: اِتخذتُ سيفا، ای صَنَعْتُهٗ، مفعول ثانی ذکر نہ کرنے سے اس معنی کی طرف ذہن منتقل ہو سکتا تھا، اس صورت میں مطلب ہوتا، صَنَعتم یا بنی اسرائیل عجلاً، حالانکہ عجل سازی کا عمل سامری سے صادر ہوا تھا، نہ کہ بنی اسرائیل سے۔

قَوْلُہٗ: بعد ذِهَابِهٖ، اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اس صورت میں مِنْ بعده کا تعلق مضاف محذوف سے ہوگا، نہ کہ اِتخاذ سے یہ ان حضرات پر رد بھی ہے جن حضرات نے بعد ذهابه کے بجائے مجيئه محذوف مانا ہے، ورنہ تو لازم آئے گا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں عجل سازی ہوئی جو کہ غلط ہے۔

قَوْلُہٗ: عَلَى العَمَلِ بِمَا فِي التَّوْرَاةِ، اس میں اشارہ ہے کہ: اخذ میثاق سے وہ عمومی میثاق مراد نہیں ہے جو ازل میں تمام اولاد آدم سے الست بربکم کی صورت میں لیا گیا تھا۔

قَوْلُہٗ: وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ، قد، مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ ماضی کا حال بننا صحیح ہے اگر قد مقدر مان لیا جائے، ماضی کے حال بننے کے لئے قَد کا ہونا ضروری ہے، خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً۔

قَوْلُہٗ: حُبُّهُ قلوبهم، اس میں اشارہ ہے کہ العجل سے پہلے حب مضاف محذوف ہے اس لئے کہ بچھڑا دل میں نہیں سما سکتا، مضاف کو حذف کر کے مبالغۃً مضاف الیہ کو اس کے قائم کر دیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: عِبَادَةُ العجل، یہ مخصوص بالذم مقدر ہے۔

قَوْلُہٗ: كذلك انتم لَسْتُمْ بمؤمنين، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: آباء کی جنایت کی وجہ سے ابناء سے مؤاخذہ نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا آپ ﷺ کے زمانہ میں موجودین کو ان کے آباء کے فعل پر مذمت کس وجہ سے ہے؟

جواب: ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ کے یہود اپنے اسلاف کے فعل پر راضی اور اس سے متفق تھے، نہ کہ نادم و شرمندہ اس لئے کہ برائی پر راضی اور اس سے متفق ہونا بھی برائی ہے۔

قولہ: ای الجنة، دار آخرت کی تفسیر جنت سے کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دار آخرت عام ہے، جس میں دوزخ اور جنت شامل ہے اور یہ لوگ صرف خود کو جنت کا مستحق سمجھتے تھے۔

قولہ: کما زعمتم، ای بقولکم، "لَنْ یَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ کَانَ هُوْدًا".

قولہ: تَعَلَّقَ بِتَمَنِّیْهِ الشرطانِ الخ، اظہر یہ ہے کہ تعلق تمنیه بالشرطین کہا جائے، اس میں قلب ہے، یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ جزاء واحد کا تعلق دو شرطوں سے عطف کے بغیر جائز نہیں ہے اور یہاں یہی لازم آ رہا ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ جزاء واحد کا تعلق دو شرطوں سے نہیں ہے بلکہ ایک ہی شرط سے ہے اس لئے کہ اول شرط، ثانی کے لئے قید ہے مستقل شرط نہیں ہے۔

قاعدہ: قاعدہ یہ ہے کہ جب دو شرطیں جمع ہو جائیں اور ان کا جواب درمیان میں ہو تو اول شرط ثانی کے لئے قید ہوگی، بایں طور کہ اول ثانی کے معنی کے لئے متمم ہوگی اور جواب ثانی کا ہوگا تقدیر آیت یہ ہوگی: "اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ فِیْ زَعْمِکُمْ اَنَّ الدَّارَ الآخِرَةَ لکم خاصَّةً فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: فتمنوا الموت، ثانی کا جواب ہے اور اول کا جواب محذوف ہے جس پر اول کا جواب دلالت کر رہا ہے۔

قولہ: المستلزم لِکَذِبِهِمْ، یہ شکل اول کا نتیجہ ہے، اِنْ کَانَتْ لکم الدَّارُ الآخرةُ، مقدم ہے فَتَمَنَّوُا الموتَ، تالی ہے اور لَن یتمنوہ ابدًا نقیضِ تالی ہے، نقیض تالی کا عدم مقدم کے عدم کو مستلزم ہوتا ہے اور مقدم دار آخرت کو اپنے لئے خاص کرنا ہے، لہٰذا دار آخرت کی تخصیص کا دعویٰ معدوم ہو گیا اور یہ نقیض تالی کے عدم کی وجہ سے لازم آیا المستلزم لکذبهم، کا یہی مطلب ہے، یعنی یہود کا موت کی تمنا نہ کرنا، اپنے لئے دار آخرت کی تخصیص کے دعوے کے کذب کو مستلزم ہے۔

قولہ: لامُ قسمٍ، اس میں اشارہ ہے کہ: وَلتجدنهم، کا عطف لَنْ یَتَمَنَّوْهُ، پر ہے اور یہ عدم تمنائے موت کی تاکید ہے نہ کہ جملہ معترضہ جیسا کہ کہا گیا ہے اس لئے کہ اس صورت میں لام تاکید کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

قولہ: یتمنیٰ، یَوَدُّ، کی تفسیر یتمنیٰ، سے کر کے اس سوال کا جواب دینا مقصد ہے کہ: وِدَاد، موجود اشیاء میں ہوا کرتا ہے نہ کہ معدوم میں، اور درازیٔ عمر کی تمنا معدومات میں سے ہے۔

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ وِدَاد تمنا کے معنی میں ہے اور تمنا معدوم اور موجود دونوں کی کی جا سکتی ہے۔

قولہ: مُزَحْزِحِهٖ، اسم فاعل واحد مذکر، دور کرنے والا، مصدر زَحْزَحَةٌ، بروزن فَعْلَلَةٌ، دور کرنا ثلاثی مجرد زَحَّ، زَحًّا، (ن) دور کرنا۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

❶ وَرَآءَ، وهو مِن ظروف مكانٍ، والمشهور انّه بمعنى خلفٍ وقد تكون بمعنى اَمامٍ فهو من الاضداد.

❷ اِذَا سَبَقَ مَا الاستفهامية حرف جر حذفت الفها، وَنَزلت الكلمتان منزلة الكلمة الواحدة، فتقول: الامَ، حتامَ، لِمَ، بِمَ، عَمَّ.

❸ زُحْزِحَ، يستعمل متعدّيا ولا زمًا، وتكرار الحروف بمثابة تكرارِ العمل.

❹ الكناية الف سنة وهى كناية عن الكثرة فليس المراد خصوص الف.

تَفسِیر وَتَشرِیح

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ آمِنُوْا، (الآية) یہ بنی اسرائیل کا ذکر چل رہا ہے اور یہ بات ان ہی سے کہی جا رہی ہے کہ: آخری کتاب الٰہی، قرآن پر ایمان لاؤ، یہود چونکہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور ان پر نازل کردہ کتاب انجیل پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے، اس لئے اس دعوت ایمان میں انجیل اور قرآن دونوں شامل ہیں: "بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" کے عموم سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے، اس کے جواب میں بنی اسرائیل کہا کرتے تھے، کہ ہماری قوم کے لئے جو کتاب نازل کی گئی ہے، وہ ہمارے لئے کافی ہے کسی دوسری کتاب ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔

وَيَكْفُرُوْنَ بِمَآ وَرَآءَهٗ، یہود کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ یہ لوگ اپنے اسرائیلی سلسلہ سے باہر کسی اور نبی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، ایک عرصہ تک الطاف الٰہی اور انعاماتِ خداوندی کے مورد خاص بنے رہے اور اسی نسل کے اندر مسلسل انبیاء کے مبعوث ہونے کی وجہ سے ان کے دل میں یہ بات جم گئی ہے کہ: نبوت خاندان اسرائیل سے باہر نہیں جا سکتی۔

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ، یہ یہود کے اس دعوے کی تردید ہے کہ ہم تورات پر ایمان رکھتے ہیں ہمیں کسی اور کتاب پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے، یعنی آپ ان سے کہئے کہ: تمہارا تورات پر ایمان کا دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے، اگر تمہارا دعویٰ صحیح ہوتا تو تم انبیاء سابقین کو قتل نہ کرتے، اس لئے کہ تورات میں انبیاء کے قتل سے تم کو صراحۃً منع کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی تمہارا انکار محض حسد اور عناد پر مبنی ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ، (الآية) یہ ان کے انکار و عناد کی دلیل کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام واضح معجزات اور دلائل قاطعہ اس بات پر لے کر آئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، اور یہ کہ معبود صرف اللہ ہی ہے، لیکن اس کے باوجود تم نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو بھی تنگ کیا اور الٰہ واحد کو چھوڑ کر بچھڑے کو معبود بنا لیا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ، (الآية) یہ یہود کے کفر و انکار کی انتہاء کا بیان ہے چونکہ پہاڑ سروں پر معلق تھا جان کے خوف

سے زبان سے تو اقرار کرلیا کہ سن لیا یعنی اطاعت کریں گے اور دل میں یہ نیت تھی کہ ہم کو عمل کرنا نہیں ہے یا بعد میں کہہ دیا نہ مانیں گے۔

وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْعِجْلَ یہاں سے ان کے کفر و انکار کی وجہ بیان کی جارہی ہے، وجہ اس کی یہ تھی کہ مدتوں مصر میں غلامانہ زندگی گزارنے کی وجہ سے صورت پرستی ان کے دلوں میں بھی راسخ ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے ان کے قلوب زنگ آلود ہوکر قبولیت حق کی صلاحیت کھو چکے تھے، اس لئے کہ اول تو محبت خود ایسی چیز ہوتی ہے کہ انسان کو اندھا اور بہرا بنادیتی ہے، دوسرے بچھڑے کی محبت کو اُشْرِبُوْا سے تعبیر کیا گیا کیونکہ پانی انسان کے رگ وریشہ میں خوب سرایت کرتا ہے بہ نسبت کھانے کے، اس عصیان اور گاؤ پرستی کی وجہ ان کا وہ کفر تھا جو ان کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔

دعوتِ مباہلہ:

قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ عِنْدَاللّٰہِ خَالِصَۃً، (الآیۃ) حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا نے اس کی تفسیر دعوت مباھلہ سے کی ہے یعنی یہودیوں سے کہا گیا کہ اگر تم نبوت محمد یہ کے انکار اور اللہ سے دعوائے محبت میں سچے ہو تو مباہلہ کرلو، یعنی اللہ کی بارگاہ میں مسلمان اور یہودی دونوں مل کر یہ عرض کریں کہ: یا اللہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے اسے موت سے ہمکنار کردے یہی دعوت انہیں سورۂ جمعہ میں بھی دی گئی ہے، نجران کے عیسائیوں کو بھی دعوت مباہلہ دی گئی تھی، جیسا کہ آل عمران میں ہے، لیکن چونکہ یہود بھی عیسائیوں کی طرح جھوٹے تھے، اس لئے عیسائیوں کی طرح یہودیوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہرگز موت کی آرزو نہ کریں گے حافظ ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَتَجِدَنَّھُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ، اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ موت کی تمنا تو کجا؟ یہ دنیوی زندگی کے تمام لوگوں سے حتی کہ مشرکین سے بھی زیادہ حریص ہیں لیکن عمر کی یہ درازی ان کو عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکے گی۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود اپنے دعووں میں یکسر جھوٹے تھے، کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں یا جنت کے مستحق صرف وہی ہیں اور دوسرے سب جہنمی ہیں کیونکہ اگر فی الواقع ایسا ہوتا تو یقیناً وہ موت کی تمنا کرنے پر آمادہ ہوجاتے، تاکہ ان کی سچائی واضح اور مسلمانوں کی غلطی آشکارا ہوجاتی موت کی تمنا سے اعراض اور گریز۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ زبان سے اپنے بارے میں خوش کن باتیں کرلیتے ہیں، لیکن وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ: اللہ کی بارگاہ میں جانے کے بعد ان کا حشر وہی ہوگا، جو اللہ نے اپنے نافرمانوں کے لئے طے رکھا ہے۔

وَسَأَلَ ابْنُ صُورِیَا النَّبِیَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أو عُمَرَ رضی اللّٰہ عنہ عَمَّنْ یَأْتِی بِالْوَحْیِ مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ فَقَالَ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ ہُوَ عَدُوُّنَا یَأْتِی بِالْعَذَابِ وَلَوْ کَانَ مِیکَائِیلَ لَاٰمَنَّا لِاَنَّہٗ یَأْتِی بِالْخَصْبِ وَالسِّلْمِ فَنَزَلَ قُلْ لَھُمْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَلْیَمُتْ غَیْظًا فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ ای القُرْاٰنَ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ بِاَمْرِ اللّٰہِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ

قبلَهُ مِنَ الكُتُبِ **وَهُدًى** مِنَ الضَّلالةِ **وَّبُشْرٰى** بالجنَّة **لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ** بكسرِ الجيم وفتحِهَا بلا همزةٍ وبه وبياءٍ ودُونَهَا **وَمِيْكٰلَ** عطفٌ على الملٰئكةِ من عطفِ الخاص على العام وفي قراءةٍ ميكائيلَ بهمزٍ وياءٍ وفي أُخرى بلا ياءٍ **فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴿۹۸﴾** اَوقعَهُ موقعَ لهم بيانًا لحالِهم **وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ** يا محمدُ **اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ** واضحاتٍ حالٌ ردٌّ لقولِ ابنِ صُوريَا للنَّبيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم ما جئتَنا بشيءٍ **وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ﴿۹۹﴾** كفرُوا بها **اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا** اللّٰه **عَهْدًا** على الإيمانِ بالنَّبيِّ إن خرجَ او النَّبيِّ أن لا يُعاوِنُوا عليه المُشركينَ **نَّبَذَهٗ** طرحَهُ **فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ** بنقضِه جوابُ كُلَّما وهُو محلُّ الاستفهامِ الانكاريِّ **بَلْ** للانتقالِ **اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ** محمدٌ صلى اللّٰه عليه وسلم **مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ** اي التورٰة **وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ** اي لم يَعملُوا بما فيها من الإيمانِ بالرَّسُولِ وغيرِه **كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۱۰۱﴾** ما فيها من أنَّهُ نبيٌّ حقٌّ او انَّها كتابُ اللّٰهِ.

ترجمہ: ابن صوریا نے نبی ﷺ سے یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کونسا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ جواب دیا جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام، تو اس نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے، اس لئے کہ وہ عذاب لے کر آتا ہے اگر (وحی لانے والا) فرشتہ میکائیل ہوتا تو ہم ایمان لے آتے، اس لئے کہ وہ خوشحالی اور سلامتی لے کر آتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی، آپ ان سے کہہ دیجئے، جو جبرئیل کا دشمن ہو، تو اس کو چاہئے کہ غصہ میں مر جائے، بے شک اس (جبرئیل) نے ہی تو قرآن اللہ کے حکم سے آپ کے قلب پر اتارا ہے جو (قرآن) سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور مومنوں کو راہ ہدایت دکھانے والا اور جنت کی خوشخبری سنانے والا ہے اور جو بھی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل کا، جبرئیل، جیم کے کسرہ اور اس کے فتحہ کے ساتھ ہے، بغیر ہمزہ کے اور مع ہمزہ کے اور یاء کے اور بغیر، یاء کے ہے اور میکائل کا دشمن ہو اس کا عطف ملائکہ پر عطف خاص علی العام کے طور پر ہے اور ایک قراءت میں میکائیل ہمزہ اور یاء کے ساتھ ہے اور دوسری میں بغیر یاء کے پس ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے، (لفظ کافِرِیْنَ) کو، لَهُمْ، ضمیر کی جگہ ان کی (حالت کفر) کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے اور اے محمد ﷺ! یقیناً ہم نے آپ پر روشن دلیلیں نازل کی ہیں، (بَیِّنٰت) ایٰتٍ، سے حال ہے یہ ابن صوریا کی اس بات کا جواب ہے کہ آپ ہمارے پاس کوئی شئ لے کر نہیں آئے، جن کا انکار فاسقوں کے سوا کوئی نہیں کرتا، (صرف) فاسق ہی اس کا انکار کرتے ہیں ان لوگوں نے نبی پر ایمان لانے کے بارے میں اگر وہ ظاہر ہو جب بھی اللہ سے کوئی عہد کیا یا نبی سے عہد کہ اس کے خلاف مشرکوں کی مدد نہ کریں گے تو ان میں سے ایک فریق نے اس عہد کو توڑ کر پس پشت ڈال دیا (نَبَذَهٗ) کُلَّمَا کا جواب ہے اور یہی استفہام انکاری کا محل

ہے، بلکہ بَـــلْ انتقال (اضراب) کے لئے ہے۔ان میں سے اکثر ایمان ہی نہیں رکھتے ،اور جب ان کے پاس ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا رسول (محمد ﷺ) اللہ کی طرف سے آیا، تو ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے اللہ کی کتاب تورات کو پس پشت ڈال دیا، یعنی اس میں رسول پر ایمان لانے وغیرہ کے جو احکام تھے، ان پر عمل نہ کیا، گویا کہ وہ یہ بات کہ یہ نبی برحق ہے یا یہ کہ یہ اللہ کی کتاب ہے جانتے ہی نہیں۔

تَحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ابن صوریا، عبداللہ بن صوریا، فدک کے باشندہ ایک یہودی عالم کا نام ہے۔ (روح البیان، جمل)

قَوْلُہٗ: جبرئیل، جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے ایک مقرب فرشتے کا نام ہے، جبرئیل کے تلفظ میں تیرہ لغات ہیں مگر ان میں بیشتر شاذ ہیں:

❶ جِبْرِیْل، جیم کے زیر کے ساتھ،
❷ جَبْرِیْل، جیم کے زبر کے ساتھ،
❸ جَبْرَئِیل، بروزن خَنْدَرِیْس،
❹ جَبْرَئِل، ہمزہ کے بعد یاء نہیں،
❺ جَبْرَئِلّ لام مشدد،
❻ جبْرائِل،
❼ جَبْرَال،
❽ جَبْرَیِلُ،
❾ جِبْرَیِیْل، دو یاء پہلی مفتوح،
❿ جَبْرِین،
⓫ جِبْرِیْلَ،
⓬ جبرائین.

(لغات القرآن)

جِبْــرِیْــل، بمعنی عبداللہ، بندۂ خدا، جبر، بندہ، ایــل، اللہ، یہ عجمی لفظ ہے، عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور میکائیل بمعنی عبیداللہ ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلْیَمُتْ غَیْظًا، اس جملہ کو محذوف ماننے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مَنْ کان میں، مَنْ شرطیہ ہے، فَلْیَمُتْ، اس کی جزاء محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ، یہ علتِ جزاء ہے نہ کہ جزاء اس لئے کہ جزاء جب جملہ ہو، تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے جو موجود نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: ای القرآن، نَزَّلَہٗ کی ضمیر کے بارے میں چونکہ احتمال تھا کہ جبرئیل کی طرف راجع ہو، مگر یہ معنی کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، اس لئے اَلْقرآن کہہ کر مرجع متعین کر دیا اگرچہ ماقبل میں قرآن مذکور نہیں ہے، مگر المشہور کالمذکور کے قاعدہ سے اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا۔

قَوْلُہٗ: اَوْقَعَهٗ مَوْقِعَ لَهُمْ، بَيَانًا لِحَالِهِمْ، یعنی عَدُوٌّ للكافرين، کہنے کے بجائے، عَدُوٌّ لَّهُمْ کہنا کافی تھا، اس لئے کہ ان کا ذکر سابق میں گذر چکا ہے، مگر چونکہ ان کی عادت شنیعہ اور خصلت قبیحہ کو بیان کرنا مقصود تھا کہ عداوت ملائکہ کی وجہ سے یہ کافر ہو گئے، اس لئے ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لائے۔

قَوْلُہٗ: رَدٌّ لِقَوْلِ ابن صوريا الخ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد معطوف علیہ جو کہ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيْلَ ہے اور معطوف جو کہ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفَاسِقُوْنَ، ہے کے درمیان جملہ معترضہ کو لانے کے نکتے کو بیان کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوِ النَّبِي، اس کا عطف، اللہ پر ہے اور اس کا مقصد دوسری تفسیر کی طرف اشارہ کرنا ہے، یعنی یہود نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ جب نبی آخر الزمان کا ظہور ہوگا تو ہم اس پر ایمان لائیں گے یا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے عہد کیا تھا کہ آپ کے خلاف مشرکین کا تعاون نہ کریں گے۔

قَوْلُہٗ: اَوَ كُلَّمَا، ہمزہ استفہام انکاری ہے واؤ عاطفہ ہے، معطوف علیہ محذوف ہے، اس کی تقدیر یہ ہے، اَكَفروا بايات الله البينات، كُلَّما، ظرف زمان متضمن بمعنی شرط۔

قَوْلُہٗ: نَبَذَ فَرِيْقٌ، جملہ ہو کر جواب شرط، كتابَ الله، نَبَذَ، کا مفعول اول اور وَرَاءَ ظهورهِمْ، مفعول ثانی ہے اس لئے کہ نَبَذَ، جَعَلَ کے معنی کو متضمن ہے، اور استفہام انکاری کا محل بھی یہی ہے، یعنی ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو پس پشت ڈالنا نہیں چاہئے تھا۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيْلَ، (الآية) اس بات پر اتفاق ہے کہ: یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے: "قال ابن جرير الطبرى اجمع اهل التاويل جميعًا أنّ هذه الآية، نزلت جوابًا على اليهود اِذَا زَعَمُوْا أن جبريل عدو لهم وَان ميكال ولى لَهُمْ"۔

سبب نزول کے واقعہ کے بارے میں روایات مختلف ہیں بعض حضرات نے کہا ہے کہ: اس آیت کے نزول کا سبب وہ گفتگو ہوئی جو نبی کریم ﷺ اور یہود کے درمیان ہوئی۔ احمد اور عبد بن حمید وغیرہما نے ابن عباس رَضِحَاللہُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا سے روایت کیا ہے کہ یہود کی ایک جماعت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے ابو القاسم ہمارے چند سوالوں کا جواب دیجئے، جن کا جواب سوائے نبی کے کوئی نہیں دے سکتا، آپ ﷺ نے فرمایا آپ کو جو مرضی ہو سوال کرو، چنانچہ جو چاہا سوال کیا اور آپ ﷺ نے جواب دیا پھر آخر میں ان لوگوں نے کہا: "مَنْ وَلِيُّكَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ" آپ ﷺ

نے جواب دیا: وَلِيِّ جِبْرِيْلُ میرے دوست جبرئیل ہیں، اور جبرئیل ہر نبی کے دوست رہے ہیں۔
تو یہود کی جماعت نے کہا ہم آپ کی بات نہیں مانتے اگر جبریل کے علاوہ اور کوئی فرشتہ آپ کا ولی ہوتا تو ہم آپ پر ایمان لاتے، آپ ﷺ نے فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ جماعت نے جواب دیا جبرائیل تو دشمن ہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(فتح القدیر شوکانی)

اسی قسم کی ایک روایت ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں عمر بن الخطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کی ہے، ابن ابی شیبہ اور احمد وغیرہ نے حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن سلام نے جب آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر سنی حال یہ کہ وہ ایک باغ میں تھے، تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں آپ سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں جن کا جواب نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا، ① قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ ② اور جنتیوں کو سب سے پہلے کیا کھانا ملے گا؟ ③ اور بچہ اپنے والد یا اپنی والدہ کے کس وجہ سے مشابہ ہوتا ہے؟
آپ ﷺ نے فرمایا، جبرائیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ابھی ابھی تشریف لائے تھے، تو انہوں نے مجھے بتایا، عبداللہ بن سلام نے کہا، جبرئیل نے! آپ ﷺ نے فرمایا ہاں عبداللہ بن سلام نے کہا وہ تو یہود کا دشمن ہے، تو آپ ﷺ نے یہ آیت: "مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ" تلاوت فرمائی۔

مذکورہ تینوں سوالوں کے جوابات:

① قیامت کی شرط (نشانی) آگ کا مشرق کی جانب سے نکلنا ہے جو لوگوں کو مغرب کی جانب جمع کر دے گی۔ ② جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کے جگر کے کباب ہوں۔ ③ مرد اور عورت میں سے جس کا مادہ سبقت کر جاتا ہے بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے، تو عبداللہ بن سلام نے کہا: "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ"۔

فَائِدَہ: جبرئیل اسلامی اصطلاح میں ایک عظیم و باوقار فرشتے کا نام ہے انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ تک وحی پہنچانے کی خدمت ان ہی کے سپرد ہے انسان خواہ کتنا ہی مقبول و برگزیدہ ہو بشر ہی ہوتا ہے جسم خاکی رکھتا ہے، اس کے محدود اور کثیف خاکی قویٰ علی العموم اتنا تحمل نہیں رکھتے کہ براہِ راست تجلیات لاہوتی کی شعاعوں کو قبول کر سکیں، اس غرض کے لئے عموماً لطیف الجسم نور سے بنے ہوئے فرشتوں سے سفارت و توسط کا کام لیا جاتا ہے، یہود بھی وجود ملائکہ کے قائل تھے، حضرت جبرئیل کے متعلق ان کا خیال خام یہ تھا کہ وہ فرشتۂ عذاب ہے ان کا کام وحی نہیں بلکہ عذاب لانا ہے وحی لانا حضرت میکائیل کا کام ہے اپنے ان ہی مفروضہ مقدمات کی وجہ سے آپ ﷺ پر معترض تھے کہ یہ نئے نبی اپنی نبوت کے سلسلہ میں حضرت جبرئیل کا نام کیوں لیتے ہیں؟ یہاں ان کی اسی غلط اندیشی سے تعرض کیا جا رہا ہے، آج بھی یہود جبرئیل کو میکائیل کا ہمسر نہیں مانتے۔ (ماجدی ملخصًا)
"مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ" (الآیۃ) اللہ تعالیٰ یہود کے جواب میں فرماتے ہیں، یہ سب میرے مقبول بندے

ہیں، جوان کا یا ان میں سے کسی ایک کا دشمن ہے، وہ اللہ کا بھی دشمن ہے، حدیث شریف میں ہے: "مَنْ عَادَی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ بَادَرَنِیْ بِالْحَرْبِ". (صحیح بخاری، کتاب الرقاق)

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ، یعنی ان کی پرانی عادت ہے کہ: جب اللہ یا رسول یا کسی شخص سے کوئی عہد معاہدہ یا قول وقرار کرتے ہیں، تو ان میں کی ایک جماعت اس عہد کو پس پشت ڈال دیتی ہے، بلکہ بہت سے یہودی ایسے بھی ہیں جو تورات پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔

وَاتَّبَعُوْا عطفٌ علی نبذَ **مَا تَتْلُوا** ای تَلَت **الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى** عهد **مُلْكِ سُلَيْمٰنَ** مِنَ السِّحرِ وكَانت دفنَتْهُ تحتَ كُرسيه لمَا نزَعَ مُلكهُ او كانَت تَسْتَرِقُ السَّمعَ وتَضُمُّ اليه اَكَاذِيبَ وتُلقِيهِ الى الكَهَنةِ فَيُدَوِّنُونَهُ وفَشَا ذلكَ وشَاعَ اَنَّ الجِنَّ تَعلَمُ الغَيبَ فجَمَعَ سُلَيمٰن الكُتبَ ودفنها فلمّا مَات دَلَّتِ الشَّياطِين عَلَيهَا النَّاسَ فاستَخرَجُوهَا فوجَدُوْا فِيهَا السِّحر فقالُوْا اِنّمَا مَلَكَكُم بِهٰذَا فتَعَلَّمُوه ورَفَضُوا كُتُبَ انبيائِهِم قَال تعالى تَبرِئَةً لِسُلَيمٰن ورَدًّا عَلَى اليهودِ فِي قولهم انظُرُوا الى محمد يَذْكُرُ سُلَيمٰنَ فِي الانبيَاءِ ومَا كَانَ اِلَّا سَاحِرًا **وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ** اى لَم يَعمَلِ السِّحرَ لِاَنَّهُ كُفرٌ **وَلٰكِنَّ** بالتَّشديدِ والتخفيفِ **الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ** الجملةُ حالٌ مِن ضميرِ كَفَرُوا ويُعَلِّمُونَهم **وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ** اى اُلهِمَاهُ مِنَ السِّحرِ وقُرِئَ بكَسرِ اللامِ الكَائِنَينِ **بِبَابِلَ** بَلَدٌ فِي سَوَادِ العِرَاقِ **هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ** بدلٌ او عطفُ بيانٍ لِلمَلَكَينِ قال ابنُ عبَّاسٍ هُمَا سَاحِرَان كَانَا يُعَلِّمَان السِّحرَ وقِيلَ مَلَكَانِ اُنزِلَا لِتَعلِيمِهِ ابتِلاءً مِنَ اللّٰهِ للنَّاسِ **وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ** زائدةٌ **اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ** لَهُ نُصْحًا **اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ** بَلِيَّةٌ مِنَ اللّٰهِ لِلنَّاسِ لِيَمتَحِنَهُم بتَعلِيمِه فمَنْ تَعَلَّمَهُ كَفَر ومَنْ تَركَهُ فهو مُؤمِنٌ **فَلَا تَكْفُرْ** بتَعَلُّمِهِ فاِن ابى اِلَّا التَّعلمَ عَلَّمَاه **فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ** بان يُبغِضَ كُلًّا الى الاٰخر **وَمَا هُمْ** اى السَّحرَةُ **بِضَآرِّيْنَ بِهٖ** بالسِّحر **مِنْ** زائدةٌ **اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** بِارادَتِه **وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ** فِي الاٰخرةِ **وَلَا يَنْفَعُهُمْ** وهو السِّحرُ **وَلَقَدْ** لامُ قسمٍ **عَلِمُوْا** اى اليهودُ **لَمَنِ** لامُ ابتداءٍ مُعَلِّقَةٌ لِمَا قَبلَهَا مِن العَمَلِ ومَن موصولةٌ **اشْتَرٰىهُ** اختَارَهُ او استَبدَلَهُ بِكِتَابِ اللّٰهِ **مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ** نَصِيبٍ فِي الجنةِ **وَلَبِئْسَ مَا** شيئًا **شَرَوْا** بَاعُوا **بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ** اى الشَّارِينَ اى حَظَّهَا مِنَ الاٰخرةِ اِن تَعَلَّمُوهُ حيثُ اَوجَبَ لَهُمُ النَّارَ **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۰۲﴾ حقيقةَ مَا يَصِيرُون اليه مِنَ العذابِ مَا تعلَّمُوه **وَلَوْ اَنَّهُمْ** اى اليهودَ **اٰمَنُوْا** بالنبي والقراٰن **وَاتَّقَوْا** عِقَابَ اللّٰهِ بتَركِ مَعَاصِيهِ كَالسِّحرِ وجَوابُ لو محذوفٌ اى لَاُثِيبُوا دَلَّ عَلَيهِ **لَمَثُوْبَةٌ** ثوابٌ وهو مبتدأٌ واللامُ فيه للقسم

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ خبره بِمَا شَرَوْا به انفُسَهم لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ أَنَّهُ خيرٌ لَمَا آثَرُوهُ عليه.

ترجمہ: اور پیچھے لگ گئے (یہود) (اِتَّبَعُوْا) کا عطف نَبَذَ، پر ہے اس (سحر) کے کہ جس کو شیاطین سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد سلطنت میں پڑھا کرتے تھے، جب سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکومت ختم ہوگئی تو سحر (کی کتابوں) کو شیاطین نے سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا تھا، یا اس کے پیچھے پڑ گئے جس کو شیاطین چوری سے سن لیا کرتے تھے اور اس میں (اپنی طرف سے) جھوٹ ملا کر کاہنوں کو بتا دیا کرتے تھے اور وہ اس کو مُدَوَّن کر لیا کرتے تھے، اور اس بات کی شہرت ہوگئی، نیز مشہور ہوگیا کہ جنات غیب جانتے ہیں تو سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (جادو کی) کتابوں کو جمع کر کے دفن کر دیا، چنانچہ جب سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہوگیا تو شیاطین نے لوگوں کو اس کی نشاندہی کر دی، چنانچہ لوگوں نے اس کو نکال لیا، تو اس میں جادو پایا، تو کہنے لگے (سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے تمہارے اوپر اسی (جادو) کے بدولت حکمرانی کی، تو ان لوگوں نے اس جادو کو سیکھا اور اپنے انبیاء کی کتابوں کو بالائے طاق رکھ دیا، اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی براءت کرتے ہوئے اور یہود کی اس بات کو رد کرتے ہوئے: کہ محمد کو دیکھو سلیمان کو نبیوں میں شمار کرتے ہیں حالانکہ وہ محض جادوگر تھے فرمایا اور سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفر نہیں کیا، یعنی عمل سحر نہیں کیا اس لئے کہ (عمل سحر) کفر ہے، لٰكِنَّ تشدید اور تخفیف کے ساتھ لیکن شیاطین نے کفر کیا، کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، جملہ (يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ) كَفَرُوْا، کی ضمیر سے حال ہے اور (شیاطین) ان کو وہ علم سحر بھی سکھاتے تھے، اور جو ان دو فرشتوں پر نازل کیا گیا جو (شہر) بابل میں رہتے تھے، اور مَلِكَيْنِ کو لام کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، بابل وسط عراق میں ایک شہر ہے (ان فرشتوں کا نام) ہاروت اور ماروت تھا، یہ مَلَكَيْنِ، سے بدل یا عطف بیان ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا وہ دونوں جادوگر تھے، خود جادو سکھایا کرتے تھے، اور کہا گیا ہے کہ دو فرشتے تھے، جو جادو کی تعلیم کے لئے اللہ کی جانب سے لوگوں کی آزمائش کے طور پر اتارے گئے تھے اور وہ دونوں (جادو) کسی کو نہیں سکھاتے تھے، مِنْ زائدہ ہے، مگر نصیحۃً یہ کہہ دیتے تھے، کہ: ہم اللہ کی جانب سے (لوگوں کی) آزمائش ہیں، تاکہ جادو سکھا کر اس کی آزمائش کریں لہٰذا جس نے جادو سیکھا اس نے کفر کیا اور جو سیکھنے سے باز رہا وہ مومن ہے، لہٰذا اس کو سیکھ کر کفر نہ کرو، پھر بھی اگر وہ سیکھنے پر مصر رہتا تو اسے سکھا دیتے، پھر لوگ ان سے وہ علم سیکھتے جس کے ذریعہ بیوی اور اس کے شوہر کے درمیان جدائی کرا دیں بایں طور کہ آپس میں بغض رکھنے لگیں اور یہ جادو کرنے والے اس (جادو) کے ذریعہ کسی کو اللہ کے حکم (اور) ارادہ کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے اور یہ لوگ وہ چیز سیکھتے ہیں، جو ان کو آخرت میں نقصان پہنچائے، نفع نہ پہنچائے، اور وہ جادو ہے اور یقیناً یہ یہود لَقَدْ میں لام قسمیہ ہے، بخوبی جانتے ہیں کہ جس نے اس (جادو) کو اختیار کیا یا کتاب اللہ سے بدلا، اس کا آخرت میں جنت سے کچھ حصہ نہیں ہے، لَمَنْ، میں لام ابتدائیہ ہے جو اپنے ماقبل کو عمل سے مانع ہے اور مَنْ موصولہ ہے، اور یقیناً جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کیا وہ چیز نہایت بری ہے، یعنی بیچنے والے ہیں اپنے (نفسوں) یعنی اس کے آخرت کے حصہ کو (برا ہے) اس کا

سیکھنا، اس لئے کہ اس سیکھنے نے ان کے لئے جہنم کو واجب کر دیا اگر یہ لوگ اس عذاب کی حقیقت کو جان لیتے، جس کی طرف یہ جا رہے ہیں تو اس کو نہ سیکھتے، اور اگر یہ یہود نبی اور قرآن پر ایمان لے آتے اور ترک معصیت کر کے اللہ سے ڈرتے مثلاً (ترک) جادو کر کے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو بہترین ثواب ملتا، لَوْ، کا جواب محذوف ہے اور وہ لَاُثِیْبُوْا ہے جس پر لَـمَثُوْبَةٌ (بمعنی ثواب) دلالت کر رہا ہے اور وہ مبتداء ہے اور اس میں لام قسمیہ ہے، اس سے جو انہوں نے اپنے لئے خریدا اگر وہ اس بات کو جان لیتے کہ یہ بہتر ہے، تو جادو کو اجر و ثواب پر ترجیح نہ دیتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَاتَّبَعُوْا، واؤ عاطفہ ہے، اِتَّبَعُوْا، (اِتِّبَاعٌ) (افتعال) سے ماضی جمع مذکر غائب ہے انہوں نے اتباع کی وہ پیچھے پڑ گئے، اس کا عطف نَبَذَ، پر ہے، اِتَّبَعُوْا، کے اندر ضمیر جو فریق کی طرف راجع ہے وہ اس کا فاعل ہے، مَا موصولہ اِتَّبَعُوْا کا مفعول ہے، تتلوا الشیطین فعل فاعل سے مل کر جملہ ہو کر صلہ۔

سَوَالْ: تَتْلُوْا، مضارع کا صیغہ ہے جو کہ حال پر دلالت کرتا ہے حالانکہ نزول آیت کے وقت شیاطین تلاوت نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد شیاطین کے آسمانوں پر جانے پر پابندی لگ گئی تھی۔

جَوَابْ: مضارع کا صیغہ حکایت حال ماضیہ کے طور پر استعمال ہوا ہے گویا وہ معاملہ اس وقت نظروں کے سامنے ہو رہا ہے، اسی جواب کی طرف علامہ سیوطی نے تتلوا، کی تفسیر تَلَتْ سے کر کے اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوْ کَانَتْ تَسْتَرِقُ السَّمْعَ الخ، اَوْ تنویع کے لئے ہے، اس کا عطف معنوی طور پر مِن السحر پر ہے، اور تَتْلُوْا کے تحت ہے اور یہ اختلاف کی طرف اشارہ ہے یعنی شیاطین لوگوں کو سحر پڑھ کر سنایا کرتے تھے، یا جن باتوں کو شیاطین آسمان پر جا کر چوری سے سن آیا کرتے تھے، ان کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔

قَوْلُہٗ: عَلٰی عَهْدِ سلیمان، ای فی عهد سلیمان، علٰی بمعنی فی اور یہ بھی احتمال ہے کہ تتلوا، بمعنی تَتَقَوَّلُ (افتراء کرنا) ہو تو پھر علٰی اپنے حال پر رہے گا اس لئے کہ تَقَوَّلَ کا صلہ علٰی آتا ہے اس صورت میں متعلق محذوف ہوگا، اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی "وَاتَّبَعُوا ما تَتَقَوَّلُهُ الشیطینُ علی اللّٰه زَمَنَ ملكِ سلیمانَ" اور مِنَ السحر، ما کا بیان ہے عائد محذوف ہوگا تقدیر یہ ہوگی تَتْلُوْهُ۔

قَوْلُہٗ: لَمْ یَعْمَلِ السِّحْرَ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ محض تعلیم سحر کفر نہیں ہے بلکہ عمل بالسحر، کفر ہے۔

قَوْلُہٗ: وَیُعَلِّمُوْنَهُمْ مَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ، یُعَلِّمُوْنَ، محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ مَا موصولہ ہے اس کا عطف اَلسِّحْرَ، پر ہے اور یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، لہٰذا عطف الشئ علی نفسه کا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: ای اُلْهِمَاهُ، یہ اُنْزِلَ کی تفسیر ہے، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُنْزِلَ سے وحی کے انزال کا طریقہ مراد نہیں ہے،

جس سے عظمت معلوم ہو بلکہ مطلقاً سکھانا مراد ہے۔

قِوْلَہٗ: بِبَابِلَ، باء بمعنی فی ہے، بابل، ایک عظیم الشان شہر کا نام ہے جو قدیم زمانہ میں دریائے فرات کی دونوں جانب واقع تھا فرات اس کے درمیان سے گذرتا تھا، آج بھی اس کے کھنڈرات موجود ہیں اس کا عرض البلد شمالی ۳۲ درجہ ۳۰ دقیقہ ۴۱ ثانیہ اور طول البلد شرقی ۴۴ درجہ ۲۳ دقیقہ ۴۰ ثانیہ ہے یہ طویل مدت تک سلطنت عراق کا پایہ تخت رہا ہے اور بخت نصر کے زمانہ تک بڑی شان و شوکت کا شہر تھا، ۵۳۸ قبل مسیح کے بعد سے اس پر ایسی تباہی آئی کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ ہو گیا بابل سحر و ساحری میں بہت مشہور ہے یہ عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اخفش نے کہا ہے کہ تانیث اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ (لغات القرآن)

قِوْلَہٗ: هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ، یہ دو فرشتوں کے نام ہیں علمیت اور عجمہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہیں۔ بعض مفسرین نے دوسری قراءت کی بنا پر ان کو انسان کہا ہے مگر راجح اول ہے۔

قِوْلَہٗ: لَامُ ابتداءٍ مُعَلِّقَةٌ لِمَا قَبْلَهَا مِنَ العمل، لَمَن، میں لام ابتدائیہ ہے، یہ مبتداء پر داخل ہوتا ہے یا مضارع پر داخل ہوتا ہے لیکن جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو، قد، لفظاً یا معناً ضروری ہوتا ہے، البتہ جو لام ابتداء کو لام قسم قرار دیتے ہیں ان کے یہاں لام ابتداء کا تصور نہیں ہے۔ (روح المعانی) لَمَن، میں لام ابتداء نے اپنے ماقبل عَلِمُوا، کو عمل سے روک دیا ہے، اس لئے کہ عمل کی صورت میں لام ابتداء کی صدارت باطل ہو جائے گی۔

قِوْلَہٗ: حَظَّهَا، اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے حَظَّهُمْ ای حَظَّ اَنْفُسِهِمْ.

قِوْلَہٗ: اَنْ تَعَلَّمُوْهُ، مفسر علام نے یہ جملہ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مخصوص بالذم بتاویل مصدر ہو کر محذوف ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ، ما بمعنی شیئاً ہونے کی وجہ سے نکرہ ہے، جس کی وجہ سے مخصوص بالذم واقع نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ مخصوص کا معرفہ ہونا ضروری ہوتا ہے، اس کا جواب دیدیا، کہ، ما، شیئًا کے معنی میں ہو کر بئس کے اندر مستتر، هُوَ، ضمیر فاعل کی تمیز ہے اور مخصوص بالذم، اَنْ تَعَلَّمُوا، محذوف ہے۔

قِوْلَہٗ: حَقِيقَةَ مَا يَصِيرُوْنَ اِلَيْهِ الخ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: سابق میں، وَلَقَد عَلِمُوا، سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو علم ہے اور لو کانوا یعلمون سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو علم نہیں ہے، دونوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔

جَوَابٌ: یعنی اللہ کے عذاب کو جانتے ہیں، مگر حقیقت عذاب اور اس کی شدت کو نہیں جانتے، لہٰذا اب کوئی تنافی نہیں ہے اسی سوال کے جواب کے لئے مفسر علام نے حقیقة ما یصیرون کا اضافہ فرمایا۔

قِوْلَہٗ: مَا تَعَلَّمُوْهُ، یہ لو کانوا یَعْلمون کا جواب محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: جَوَابُ لَوْ محذوف، یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: لَوْ کے جواب کا فعل ماضی ہونا ضروری ہے اور یہاں لَمَثُوْبَۃٌ جملہ اسمیہ جواب واقع ہو رہا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

جَوَاب: لَوْ، کا جواب لمثوبۃ نہیں ہے بلکہ جواب محذوف ہے اور وہ لَاُثِیْبُوْا ہے اور اس حذف پر لَمَثُوْبَۃٌ دلالت کر رہا ہے۔

قَوْلُہٗ: لَمَا آثَرُوْہُ، یہ لو کانوا یَعْلَمُوْنَ کا جواب محذوف ہے۔　(واللہ اعلم بالصواب)

اَللُّغَۃُ وَالْبَلَاغَۃُ

ھٰـرُوْتَ ومٰـرُوْتَ "علمان اعجمیان بدلیل منع الصرف، ولو کانا من الھرت والمرت ای الکسر، کما زعم بعضھم لا نصرفا، وقد نُسِجَتْ حولھا اساطیر طریفۃ یُرجع الیھا فی المطوّلات.

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

بنی اسرائیل کی شیطان کی پیروی:

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ، ذکر چل رہا ہے بنی اسرائیل کی قباحتوں کا، یہ بھی ان کے فرد جرم کی فہرست میں ایک اور فرد جرم کا اضافہ ہے یعنی یہود نے اللہ کی کتاب اور اس کے عہد کی تو کوئی پرواہ نہیں کی البتہ شیطانی علم کے پیچھے لگ گئے، نہ صرف یہ کہ خود جادو ٹونے میں لگ گئے، بلکہ یہ دعویٰ بھی کرنے لگے کہ سلیمان (نعوذ باللہ) اللہ کے پیغمبر نہیں تھے بلکہ ایک جادوگر تھے اور جادو کے زور سے حکومت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی براءت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام عمل سحر نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ عمل سحر کفر ہے، کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جادوگری کا سلسلہ بہت عام تھا، چاروں طرف اسی کا چرچا تھا، کہ بنی اسرئیل بھی اللہ کی کتاب تورات کو پس پشت ڈال کر جادو ٹونے اور تعویذ گنڈوں میں لگ گئے تھے، جس کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جادو کی کتابیں جمع کرکے اپنے تخت کے نیچے دفن کردیں، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال کے بعد ان شیاطین اور جادوگروں نے ان کتابوں کو نکال کر نہ صرف لوگوں کو دکھایا بلکہ لوگوں کو یہ باور کرایا کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوت اور اقتدار کا راز یہی عمل سحر تھا اور اسی وجہ سے ان ظالموں نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلسلۂ انبیاء سے نکال کر جادوگر اور کافر قرار دیا اس آیت میں اللہ نے اسی کی تردید فرمائی ہے۔

(ابن کثیر)

فن سحر میں یہود کی مہارت:

فن سحر وکہانت میں یہود کی مہارت ایک تاریخی حقیقت ہے ان کے اکابر اور مشاہیر اس کا فخر کے ساتھ برابر ذکر کرتے آئے ہیں، یہود کو ساحری کا شوق ان کی قدیم تاریخ سے قطع نظر کرتے ہوئے خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی نہ صرف یہ کہ باقی تھا بلکہ معمول بہ بھی تھا، چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے مشرکوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور ایک مشہور ساحر لبید بن عاصم یہودی سے ملا اور کہا کہ ہم نے محمد ﷺ پر جادو کرنے کی بہت کوشش کرلی مگر ہمیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ جادو میں مہارت تامہ رکھتے ہیں لہٰذا آپ ہمارا یہ کام کردیں اور جو چاہیں اجرت لیں چنانچہ لبید بن عاصم یا اس کی لڑکیوں نے آپ ﷺ پر جادو کردیا، جس کی تفصیل حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کا یہودی النسل پروفیسر مارگولیس جس کی اسلام دشمنی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، اپنی انگریزی کی کتاب سیرت رسول میں معاصر یہود عرب کے سلسلہ میں لکھتا ہے۔ یہ لوگ فن سحر کے ماہر تھے اور بجائے میدان جنگ میں آنے کے سفلی عملیات کو ترجیح دیتے تھے۔

(ص: ۱۸۹، تفسیر ماجدی)

یہود میں سحر دو طرف سے پھیلا:

خلاصہ یہ ہے کہ یہود اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ کر علم سحر سیکھنے کے پیچھے پڑ گئے اور سحر لوگوں میں دو طرف سے پھیلا، ایک تو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں چونکہ جنات اور انسان ملے جلے رہتے تھے، تو انسانوں نے جنات سے علم سیکھا اور نسبت حضرت سلیمان کی طرف کردی کہ ہم کو سحر ان ہی سے پہنچا ہے اور سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکومت اسی سحر کی بدولت تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: "مَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ" یہ کام کفر ہے اور سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفر نہیں کیا۔

دوسرے ہاروت و ماروت کی طرف سے پھیلا، یہ دونوں فرشتے تھے جو شہر بابل میں بصورت انسان رہتے تھے، وہ علم سحر سے واقف تھے، جو کوئی سحر سیکھنے کا طالب ان کے پاس جاتا اول تو وہ اس کو منع کرتے کہ اس میں ایمان جانے کا خطرہ ہے اس پر بھی اگر وہ باز نہ آتا تو اس کو سکھا دیتے اللہ تعالیٰ کو ان کے ذریعہ بندوں کی آزمائش منظور تھی جیسا کہ خوبصورت انسانی شکل میں فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو آزمایا تھا۔

ہاروت و ماروت کے واقعہ کی تفصیل:

احمد بن حنبل اور محمد بن حُمَید نے اپنی اپنی مسانید میں ذکر کیا ہے، کہ جب حق سبحانہ وتعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیفہ مقرر فرمایا، تو فرشتوں نے عرض کیا کہ ہم تیری تقدیس کرتے ہیں، اور آدم خاکی سے سوائے فساد اور خونریزی کے کچھ نہ ہوگا بارگاہ الٰہی

سے حکم ہوا کہ دو فرشتے زمین پر جا کر بنی آدم کے اعمال کی نگرانی کریں۔

اور بیہقی نے بیان کیا ہے کہ جب ملائکہ نے دیکھا کہ آدمی گناہ کرتے ہیں تو تعجب سے کہا کہ کیسے جاہل اور نافہم ہیں؟ پروردگار نے جواب دیا، اگر تم ان کی جگہ ہوتے اور ان کے جیسی خواہشیں تم میں ہوتیں، تو تم کو معلوم ہو جاتا، فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار بندہ کس طرح اپنے پروردگار کی نافرمانی کر سکتا ہے؟ اور ہم تو تیری تقدیس و تحمید کرتے ہیں ارشاد ہوا، اس کا امتحان ہونا چاہئے بحکم خداوندی تین فرشتے جو کہ عابد و زاہد اور نہایت متقی و پرہیزگار سمجھے جاتے تھے، منتخب کئے گئے، ان میں ایک کا نام ہاروت اور دوسرے کا نام ماروت تیسرے کا نام عزبائیل تھا، ان تینوں کو انسان جیسی خواہشیں اور ضرورتیں عطا کی گئیں، عزبائیل یہ صورت حال دیکھ کر پروردگار کے حضور میں عرض کرنے لگے کہ مجھے آپ آسمان پر بلا لیں میں اس امتحان کے لائق نہیں ہوں اور چالیس برس سجدہ میں پڑے رہے اور مارے حیا و شرم کے پھر کبھی سر نہ اٹھایا، مگر ہاروت و ماروت دونوں زمین پر آ کر رہے، ان کو شرک و قتل اور شراب نوشی سے ممانعت کر دی گئی، یہ دونوں فرشتے مقدموں کا تصفیہ کیا کرتے تھے، اور رات کو اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چلے جایا کرتے تھے، ایک روز ایک نہایت ہی حسین و جمیل نوجوان دوشیزہ نے جس کا نام زہرہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ فارس کی شہزادی تھی ان کے پاس آ کر اپنے شوہر کا جھگڑا پیش کیا، ان مذکورہ دونوں فرشتوں کے دل میں خواہش بشری بھڑک اٹھی جس کی وجہ سے دامن تقویٰ و پرہیزگاری ہاتھ سے جاتا رہا، ایک نے دوسرے سے پوچھا کیا تیرے دل کا بھی وہی حال ہے جو میرے دل کا ہے، اس نے کہا ہاں میرا بھی یہی حال ہے، ایک نے کہا کیا ہم فیصلہ اس کے شوہر کے خلاف کر دیں تاکہ زہرہ راضی ہو جائے؟ تو دوسرے نے جواب دیا اللہ کا عذاب شدید ہے اس نے کہا وہ غفور و رحیم بھی تو ہے، چنانچہ انہوں نے زہرہ سے تعلقات استوار کرنے شروع کر دیئے، زہرہ نے کہا یہ جب ممکن ہے جب تم میرے شوہر کو قتل کر دو، تو ایک نے کہا اللہ کا عذاب سخت ہے دوسرے نے کہا اس کی رحمت بڑی وسیع ہے، غرضیکہ ان دونوں نے اس کے شوہر کو قتل کر دیا تاکہ اپنے جذبات کو تسکین دیں زہرہ نے کہا میرا ایک بت ہے تم اس کو سجدہ کرو تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہو۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ زہرہ نے کہا تم مجھے وہ دعاء (اسم اعظم) سکھا دو جسے پڑھ کر تم آسمان پر جاتے ہو زہرہ وہ دعاء سیکھ کر آسمان پر چلی گئی اور مسخ ہو گئی کہ یہ زہرہ وہی ہے جسے زہرہ ستارہ کہتے ہیں، مگر یہ قول ضعیف ہے ایک روایت میں یہ ہے کہ ہاروت اور ماروت نے پہلے شراب پی اور زہرہ سے ہم صحبت ہوئے، ایک شخص نے ان کی اس حرکت کو دیکھ لیا، انہیں غیرت آئی، اس بیچارہ کو قتل کر ڈالا جب ہوش آیا اور اپنی خطا پر شرمندگی و ندامت ہوئی تو حضرت ادریس علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائیں، حضرت ادریس علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاء اور سفارش سے یہ حکم ہوا کہ سزا تو ضرور ملے گی مگر اس بات میں اختیار ہے کہ سزا دنیا کی قبول کریں یا آخرت کی، عذاب دنیا کو فانی اور کمتر سمجھ کر سر جھکا دیا اور عرض کیا جو حکم ہو حاضر ہیں، مگر خاتمہ بالخیر ہو، ان کے عذاب میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کے بالوں سے لٹکا دیئے گئے، اور بعض کہتے ہیں کہ الٹے لٹکا دیئے گئے اور لو ہے کہ گرزوں سے مارے جاتے ہیں۔

(خلاصة التفاسير، تائب لكهنوى، ملخصًا)

سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام اور بنی اسرائیل:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا ، سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کا زمانہ ۹۹۰ق م، تا ۹۳۰ق م ہے، سلیمان بن داؤد علیہما السلام اسرائیلی سلسلہ کے ایک نامور پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ نامور حدّ ادبھی ہوئے ہیں، شام اور فلسطین کے علاوہ آپ کی حدود حکومت جانب مشرق میں عراق میں دریائے فرات کے ساحل تک اور مغرب میں مصر تک وسیع تھیں، حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی سلطنت کی عظمت وشوکت کے دوست ودشمن سب ہی معترف ہیں۔

بنی اسرائیل نے نہ صرف یہ کہ سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی رداءِ عصمت کو تار تار اور دامن بے داغ کو کفر وشرک کی گندگی سے داغدار کیا، بلکہ سلسلۂ نبوت سے خارج کرکے ان کو ساحر وکاہن قرار دیا اور محمد ﷺ کی تصدیق کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا: دیکھو تو سہی یہ تو سلیمان کو سلسلۂ نبوت میں شمار کرتے ہیں۔

اسلام نے اس کے برخلاف نہ صرف یہ کہ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کو معصوم اور پاکیزہ کردار قرار دیا؛ بلکہ ان کی طرف سے صفائی پیش کرکے ان کے دامن پر بنی اسرائیل کے لگائے ہوئے داغ دھبوں کو دھو کر ان کی پاکیزہ سیرت اور بے داغ کردار کی شہادت بھی دی۔

یہودی قصص وحکایات اور مسیحی آثار وروایات کو چھوڑیئے خاص بائبل یعنی عہد عتیق کے صحائف جن پر یہود ونصاریٰ کا ایمان ہے، اس مجموعہ میں آج تک صراحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے:

جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبود کی طرف مائل کیا اور اس کا دل اپنے خدا کی طرف کامل نہ تھا۔

(سلاطین ۱۱: ٤، ٦، ١٠)

یعنی محض غفلت یا بے توجہی کی بنا پر عمل کوتاہی یا عصیان کے مرتکب نہیں ہوئے؛ بلکہ صریح بدعقیدگی اور توحید کی طرف سے بے یقینی تھی، اور آگے ملاحظہ ہو:

سو از بس کہ ان کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے برگشتہ ہوا اس لئے خداوند آسمان پر غضبناک ہوا کہ اس نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ ان اجنبی معبودوں کی پیروی نہ کرے، مگر اس نے خداوند کے حکم کو یاد نہ رکھا۔ (سلاطین ۱۱: ۹، ۱۰)

(معاذ اللہ) دیکھا آپ نے! خدا کا پیغمبر اور بقول بنی اسرائیل شرک وکفر میں مبتلا!!!

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

دنیا ہزاروں سالوں تک ان ہی یہودیانہ تحریفات اور افتراءات کا شکار ہو کر اس موحد اعظم کو کافر ومشرک سمجھتی رہی، جب قرآن جو ہر زمانہ کے سچے پیغمبروں کی عزت وناموس کا محافظ ہے، آیا اور آکر بانگ دہل اعلان کیا کہ: سلیمان

علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (معاذ اللہ) کافر کہتے ہو، وہ تو کفر کے قریب بھی نہیں تھے، اس وقت قرآن کی صدا ئے حق صدائے صحراء ہو کر رہ گئی، جن کے کان تھے، انہوں نے گوشِ ہوش سے سنا اور باقی دنیا خواب غفلت میں پڑی رہی، اسی طرح صدیاں گذر گئیں۔

قرآن کا اعجاز:

جب تیرہ ساڑھے تیرہ صدیاں گذر گئیں، تو قدرت حق کا کرشمہ اور قرآن کا اعجاز دیکھئے کہ بائبل کے پرستاروں کے قلم سے محققانہ اور فاضلانہ کتابیں اور مضامین شائع ہوتے ہیں وہ بائبل کے الزاموں کی تائید وتصدیق نہیں کرتیں بلکہ قرآن کے جواب صفائی کی تصدیق وتائید کر رہی ہیں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جو برطانوی کاوش وتحقیق کا لب لباب ہوتا ہے اسکے سب سے آخری ایڈیشن میں مقالہ زیر عنوان ،سلیمان، نکال کر دیکھئے، آپ کو صاف لکھا ہوا ملے گا۔

سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے۔ (جلد دوم، ص۹۵۲، طبع چہارم) (ماجدی) انسائیکلو پیڈیا بلیکا، جو خاص مسیحی فضلا کی تحقیق وتدقیق کا ثمرہ ہے، میں لکھا ہے: بائبل کی وہ آیتیں جن میں سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کفر وشرک کی نسبت کی گئی ہے، وہ الحاقی ہیں۔ (بعد میں اضافہ شدہ ہیں)۔

مفسر ابن جریر طبری نے آج سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے اپنی تفسیر میں ابن اسحٰق کے حوالہ سے یہ روایت درج کی ہے کہ آیت بالا وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ یہود کے گندے عقائد اور افتراء کے رد میں نازل ہوئی ہے، جو آپس میں کہتے تھے۔

قال بعض احبارِ الیهود الا تعجبون من محمد ﷺ یزعم ابن داؤد کان نبیاً واللّٰه ما کان اِلّا ساحرًا فانزلَ اللّٰه ذٰلك من قولهم ومَا كَفَرَ سليمان الخ. (تفسیر ماجدی ملخصًا)

اس نئے مدعی نبوت کی نادانی تو دیکھو کہ ابن داؤد کو نبی اللہ کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

امام جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ حوالہ کے علاوہ ابن عباس اور سعید بن جبیر اور قتادہ تابعی کا بھی حوالہ دیا ہے۔

یاد رہے کہ بنی اسرائیل کی فرد جرم کے بیان کرنے کا سلسلہ مسلسل چل رہا ہے، خود کفر کرنا اور نسبت حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب کرنا یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

مذکورہ آیات میں بنی اسرائیل (یہود) کی مذمت بیان کی ہے، اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الزام کی صفائی پیش کی گئی ہے، قرآن کریم نے کس کس طرح دوسری امتوں کے انبیاء کی طرف سے صفائی پیش کی ہے، انہیں کے امتیوں کے لگائے ہوئے داغ دھبے ان کی پاک سیرتوں سے دور کئے ہیں، یہی ناشکر گزار اور احسان فراموش قومیں قرآن اور صاحب قرآن کی دشمنی پر تلی ہوئی ہیں۔

سحر کی حقیقت:

سحر کی حقیقت و ماہیت اور اقسام پر بعض قدیم مفسرین نے بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے، خصوصاً ابوبکر جصاص رازی، اور امام فخر الدین اور ابن کثیر نے، اور زمانہ قریب کے مفسرین میں سے طنطاوی نے، یہاں مختصراً اتنا جان لینا کافی ہے کہ سحر نام ہے اسباب خفیہ کا مثلاً تاثیر کواکب، استعانت شیاطین الجن وغیرہ سے کام لے کر تصرفات عجیبہ کرنے کا، خاص خاص مشقوں اور ریاضتوں سے یہ فن حاصل ہو جاتا ہے، مشرک اور جاہل قوموں میں اس کا رواج پہلے ہی سے بہت تھا۔ سحر و کہانت تاریخ بنی اسرائیل کی ایک مسلّم اور ناقابل انکار چیز ہے، خود عہد عتیق کے صحیفوں میں اس کی شہادت موجود ہے۔

انھوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گذارا اور فال گری اور جادوگری کی،
اِن باعثوں سے خداوند بنی اسرائیل سے غصہ ہوا اور اپنی نظر سے انھیں گرا کر دور کر دیا''۔

(۲/ سلاطین ۱۷: ۱۷، ۲۱)

تاریخ قدیم کے جاننے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ عہد رسالت اور طلوع اسلام سے صدیوں قبل قوم بنی اسرائیل دو مستقل حصوں میں بٹ چکی تھی، ایک حصہ وہ تھا جس نے بخت نصر کے ہاتھوں جلاوطنی یا جبری ہجرت کے بعد کلدانیہ یا بابل (موجودہ عراق) میں بود و باش اختیار کر لی تھی، دوسرا حصہ وہ جو ایک مدت دراز کے بعد بابل سے واپس آ کر فلسطین میں مقیم ہو گیا تھا، آیت اس بات کی طرف واضح اشارہ کر رہی ہے کہ عہد رسالت کے معاصر، یہود عرب فلسطین اور بابلی دونوں قسموں کے رذائل و خبائث کے جامع ہیں، تاریخ قدیم کے یہ وہ نازک اور دقیق حقائق ہیں، جو عام طور سے اچھے اچھے اہل علم کے علم میں بھی نہیں، یہ دقیق حقائق تاریخ کے کسی مؤرخ اعظم کی زبان سے نہیں بلکہ (فداہ ابی و امّی) عرب کے ایک امی کی زبان سے ادا کرائے جا رہے ہیں۔

وَمَآ اُنْزِلَ یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ انزال و تنزیل کا اطلاق صرف احکام تشریعی ہی کے بارے میں نہیں ہوتا، امور تکوینی میں بھی ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ تکوینیات کے سلسلہ میں جتنے بھی کام ہوتے ہیں خواہ اچھے ہوں یا برے، ان کے لئے واسطہ اور ذریعہ فرشتے ہی ہوتے ہیں اور یہ بات ان کی معصومیت کے ذرا بھی منافی نہیں۔

مَآ اُنْزِلَ میں ما موصولہ الذی کے معنی میں ہے، بعض مفسرین نے ما کو نافیہ قرار دیکر مَا کَفَرَ سُلَیْمَانُ پر عطف کیا ہے، لیکن محققین نے اس کو قبول نہیں کیا ہے، اللہ کی طرف سے صرف کتاب حکمت، وحی و الہام ہی نازل نہیں ہوتے، قحط، بیماری، یا موت کا نزول بحیثیت مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے، قرآنی محاورہ میں انزال کا لفظ رزق، پانی، لباس، لوہا، انعام کے سلسلہ میں صراحت کے ساتھ آیا ہے حتی کہ رجز (عذاب) کے لئے بھی یہی لفظ صراحۃً مستعمل ہے، اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰی اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ. (عنکبوت)

لہٰذا انزالِ سحر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا اس کی قدوسیت کے منافی نہیں ہے، جن لوگوں نے ایسا سمجھا ہے وہ ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہوئے ہیں، ایک سحر ہی پر کیا موقوف ہے کائنات میں جو کچھ بھی اچھا برا، طاعت و معصیت وجود پذیر ہوتا ہے، سب کا وجود تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہی کے نازل کرنے سے ہوتا ہے، اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ سے یہ غلط فہمی بھی نہیں ہونی چاہئے کہ ہاروت و ماروت کی جانب نزول کی نسبت کرنے سے ان کا اکرام یا تعظیم مقصود ہے، اس لئے کہ اس انزال ونزول سے انبیاء ورسل والا نزول وانزال مراد نہیں ہے، جس میں عظمت واکرام مقصود ہوتا ہے، اسی شبہ کو دور کرنے کے لئے مفسر علام نے وَاُلْهِمَاهُ کے لفظ کا اضافہ فرمایا ہے، ایک دوسری قراءت میں مَلِکَیْن لام کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ قراءت بھی صحابہ وتابعین ہی کے زمانہ سے چلی آرہی ہے، ابن عباس، ضحاک، حسن بصری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کی روایت ہے۔

چنانچہ اسی دوسری قراءت کی بناء پر بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ ہاروت و ماروت اصلاً فرشتے نہ تھے، بشر تھے، مراد بادشاہ یا شہزادے، ان ہی کو دوسری روایتوں میں مجازاً املک (فرشتہ) کہا گیا ہے، اس لئے کہ وہ صفات ملکوتی کے حامل تھے (قیل رجلان سُمّیا مَلَکَیْنِ باعتبارِ صَلاحِهِمَا) (بیضاوی) لیکن جمہور کا قول فرشتہ ہونے ہی کا ہے۔

نظامِ تکوینی اور نزولِ سحر:

نظام تکوینی میں فرشتوں کے اوپر حقیقت سحر کا نزول ان کی نزاہت اور معصومیت کے منافی نہیں ہے، خصوصاً جبکہ نزول کا مقصد اصلاح خلق ہو یعنی لوگوں کو سحر وکہانت سے بچانا اور ان کی حقیقت سے واقف کرانا نہ کہ اس پر آمادہ کرنا۔

مجرموں کو پکڑنے یا جرائم کے طریقوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے دیکھا گیا ہے کہ انسپکٹر اور خفیہ پولیس کے افراد جرائم کی عملی واقفیت حاصل کرنے کے لئے وہ سب طریقے استعمال کرتے ہیں جو ایک مجرم اختیار کرسکتا ہے، مثلاً رشوت خور افسر کو پکڑنے کے لئے نشان زدہ سکے یا نوٹ رشوت میں افسر کو دیتے ہیں تاکہ رشوت خور کو رنگے ہاتھوں پکڑا جائے، چور کو پکڑنے کے لئے چوروں کے گروہ میں شامل ہوجاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کا مقصد خود جرم کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اپنی مکمل واقفیت سے مجرموں کو جرم سے باز رکھنا ہوتا ہے، نہ کہ رشوت لینے کے راستے اور طریقے بتانا۔

هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ: یہ بابل میں مقیم دو فرشتوں کے نام ہیں، جو اپنی اصلیت کے اعتبار سے فرشتے ہی تھے، لیکن جب ایک خاص مقصد اور غرض کے لئے انسانوں کے درمیان رہنے بسنے کے لئے بھیجے گئے، تو ظاہر ہے کہ ان کی شکل وشباہت رنگ وروپ، جسم وقالب انسانوں کا سا ہوگا، اور ان کی عادتیں اور جذبات بھی بالکل انسانوں ہی جیسے ہوں گے، بعض اہل تفسیر نے یہاں ایک اسرائیلی قصہ عراق کی مشہور رقاصہ زہرہ کا بیان کیا، جس کی تفصیل گذر چکی ہے، اول تو آیت کی تفسیر اس قصہ پر موقوف نہیں، دوسرے خود محدثین ومحققین مفسرین نے اس کی صحت سے بالکل انکار کیا ہے، اور صاف لکھ

دیا ہے کہ یہ قصہ گھڑا ہوا، لغو اور مردود ہے، اس گروہ میں قاضی عیاض مالکی، امام رازی، شہاب الدین عراقی، وغیرہ شامل ہیں، اور ابن کثیر نے تو بڑی لمبی بحث کے بعد یہ کہہ دیا ہے کہ اگرچہ یہ قصہ بڑے بڑے تابعین نے نقل کیا ہے لیکن اس کی سند حدیث صحیح سے ذرا بھی نہیں ملتی، بلکہ اسرائیلیات پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر بالفرض صحیح ہو بھی تو جب کسی خاص حکمت و مصلحت سے کسی فرشتے کو پیکر انسانی اور جذبات بشری دیئے گئے ہوں تو اگر کسی وقت وہ ملکوتی الاصل بشری جذبات سے مغلوب بھی ہو جائے تو اس میں نہ تو شرعی استحالہ ہے اور نہ عقلی۔

یُعَلِّمَانِ تعلیم کے متعارف مفہوم کی بناء پر اس لفظ سے یہ شبہ نہ ہو کہ ملائکہ سحر کا درس دیا کرتے تھے، اس لئے کہ تعلیم کے معنی سکھانے اور درس دینے کے علاوہ اعلام یعنی جتلانے اور بتلانے، آگاہ کرنے کے بھی آتے ہیں۔

وَالتعلیم رُبَّما یُسْتعمل فِی معنی الِاعلام. (راغب)

چنانچہ ماہرین قرآن کی ایک جماعت نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ (والتعلیم بمعنی اِعلام) (معالم) وقالت طائفة هو معنا بمعنی یُعْلِمَان بالتخفیف فهو من باب الِاعلام (بحر) اور ایک قراءت بھی مصدر اعلام کے ساتھ منقول ہے (وَقرأ طلحة بن مصرف یُعلِمانِ بالتخفیف مِنَ الِاعلام. (روح)

سحر اور معجزے میں فرق:

جس طرح انبیاء علیہم السلام کے معجزات یا اولیاء اللہ کی کرامات سے ایسے واقعات مشاہدے میں آتے ہیں جو عادۃً نہیں ہو سکتے، اسی لئے ان کو خرق عادت کہا جاتا ہے، بظاہر سحر اور جادو سے بھی ایسے ہی آثار مشاہدے میں آتے ہیں، اس لئے بعض ناواقف کاروں کو ان دونوں میں التباس بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جہلاء معجزہ اور جادو میں فرق نہیں کر پاتے تھے اور دونوں کو ایک سمجھنے کی وجہ سے ساحروں اور جادوگروں کی بھی ویسی عزت و توقیر کرتے تھے جیسی کہ انبیاء علیہم السلام کی، معجزے اور جادو کے فرق کو ہی واضح کرنے کے لئے ہاروت و ماروت کو بابل میں بھیجا گیا تھا۔

یہ فرق ایک تو حقیقت کے اعتبار سے ہے اور ایک ظاہری آثار کے اعتبار سے، حقیقت کا فرق تو یہ ہے کہ جادو سے جو چیزیں مشاہدے میں آتی ہیں وہ دائرۂ اسباب سے خارج نہیں ہوتیں، فرق صرف اسباب کے ظہور و خفا کا ہے، جہاں اسباب ظاہر ہوتے ہیں وہ آثار ان اسباب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور کوئی تعجب کی چیز نہیں سمجھی جاتی لیکن جہاں اسباب مخفی ہوں تو وہ تعجب خیز چیز ہوتی ہے اور عوام اسباب کو نہ جاننے کی وجہ سے اس کو خرق عادت سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ وہ درحقیقت دیگر تمام عادی امور کی طرح کسی جن یا شیطان یا کسی مخفی سبب کے اثر سے ہوتے ہیں، اگر ایک خط مشرق بعید سے آج ہی کا لکھا ہوا اچانک سامنے آگرے تو دیکھنے والے اس کو خرقِ عادت کہیں گے، حالانکہ جنات و شیاطین کو ایسے اعمال و افعال کی قوت دی گئی ہے، اگر ان کا ذریعہ معلوم ہو تو پھر خرقِ عادت نہیں رہے گا، ریڈیو، ٹیلی ویژن، فیکس کے اگر اسباب معلوم نہ ہوں تو یہ خرقِ عادت ہوں گے، اور

جب ان کے اسباب کا پتہ چل گیا تو اب کوئی حیرت وتعجب کی بات معلوم نہیں ہوتی، دواؤں کی حیرت انگیز تاثیر، عمل تنویم، مقناطیسی کشش، مسمریزم، تاثیر کواکب اگر ان کے اسباب معلوم نہ ہوں تو یہی چیزیں خرق عادت معلوم ہوں گی، اور جب ان کے اسباب معلوم ہو جائیں تو یہ چیزیں خرق عادت نہ رہیں گی۔

معجزہ:

بخلاف معجزہ کے کہ وہ بلا واسطہ حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے آتش نمرود کو حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ٹھنڈی ہو جا، مگر ٹھنڈی اتنی کہ ٹھنڈک سے تکلیف نہ ہو۔

آج بھی بعض لوگ بدن پر دوائیں استعمال کر کے آگ پر چل کر کرشمہ دکھاتے ہیں وہ معجزہ نہیں بلکہ دواؤں کا اثر ہوتا ہے، اور دواؤں کے مخفی ہونے کی وجہ سے لوگوں کو خرق عادت کا دھوکہ ہوتا ہے، یہ بات کہ معجزہ کا براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق ہوتا ہے خود قرآن عزیز کی صراحت سے ثابت ہے، ارشاد فرمایا: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (کنکریوں کی مٹھی جو آپ نے پھینکی درحقیقت آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی) معجزہ اور سحر کی حقیقت کا مذکورہ فرق کہ معجزہ بلا واسطہ اسباب طبعیہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور جادو اسباب طبعیہ خفیہ کا اثر ہوتا ہے، حقیقت سمجھنے کے لئے تو کافی ہے مگر عوام الناس کی نظر میں نتیجہ اور انجام کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ عوام کی شناخت کے لئے بھی حق تعالیٰ نے کئی فرق ظاہر فرمائے ہیں۔

سحر کی وجہ سے انقلاب ماہیت ہوتا ہے یا نہیں؟

امام راغب، ابوبکر جصاص انکار کرتے ہیں، معتزلہ کا بھی یہی خیال ہے مگر جمہور علماء کی تحقیق یہ ہے کہ انقلاب اعیان میں نہ عقلی امتناع ہے اور نہ شرعی مثلاً جسم حیوانی پتھر بن جائے، یا ایک نوع سے دوسری نوع تبدیل ہو جائے، قرآن میں فرعونی ساحروں کے سحر کو جو تخییل قرار دیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر سحر تخییل ہے اور بعض حضرات نے سحر کے ذریعہ انقلاب حقیقت کے جواز پر حضرت کعب احبار کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، جو مؤطا امام مالک میں بروایت قعقعہ منقول ہے، لولا کلمات، اقولهن لجعلني اليهود حمارًا (اگر یہ چند کلمات نہ ہوتے جن کو میں پابندی سے پڑھتا ہوں تو یہودی مجھے گدھا بنا دیتے) گدھا بے وقوف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے مگر بلا ضرورت حقیقت کو چھوڑ کر مجاز مراد لینا صحیح نہیں ہے، وہ کلمات یہ ہیں: اعوذ بالله العظيم الذى ليس شئ اعظم منه وبكلمات الله التامات التى لا يجاوزهنّ برٌّ ولا فاجر وبا سماء الله الحسنى كلها ما علمتُ منها وما لم اَعْلم من شر ما خلق وبرء وذرء. اخرجه فى الموطأ

بــاب التعـوذ عـنـد النوم اول یہ کہ معجزہ یا کرامت ایسے حضرات سے ظاہر ہوتی ہے جن کا تقویٰ، طہارت، پاکیزگی اخلاق واعمال کا سب مشاہدہ کرتے ہیں، اس کے برعکس جادو کا اثر صرف ایسے لوگوں سے ظہور پذیر ہوتا ہے جو گندے ناپاک اور اللہ اور اس کی عبادت سے دور رہتے ہیں، یہ چیزیں ہر انسان آنکھوں سے دیکھ کر معجزہ اور سحر میں فرق کو پہچان سکتا ہے۔

کیا سحر کا اثر انبیاء علیہم السلام پر ہوسکتا ہے؟

سحر کا اثر انبیاء پر بھی ہوسکتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ سحر دراصل اسباب طبعیہ ہی کا اثر ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام اسباب طبعیہ کے اثر سے متاثر ہوتے ہیں، یہ تاثر شانِ نبوت کے خلاف نہیں، جیسے ان کا بھوک پیاس سے متاثر ہونا، بیماری میں مبتلا ہونا اور شفا پانا ظاہری اسباب سے سب جانتے ہیں، اسی طرح جادو کے باطنی اسباب سے بھی انبیاء علیہم السلام متاثر ہوسکتے ہیں اور متاثر ہونا نبوت کے منافی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ پر یہودی لبید بن عاصم یا اس کی لڑکیوں کا سحر کرنا اور آپ ﷺ کا اس سے متاثر ہونا اور بذریعہ وحی اس جادو کا پتہ لگنا اور ازالہ کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سحر سے متاثر ہونا خود قرآن میں مذکور ہے، آیات يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى اور فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر خوف طاری ہونا اسی جادو ہی کا اثر تھا۔ (معارف القرآن ملخصًا)

سحر کے احکام:

قرآن وسنت میں جس سحر کو کفر کہا گیا ہے وہ کفر اعتقادی یا کم از کم کفر عملی سے خالی نہیں ہوتا، اگر شیاطین کو راضی کرنے کے لئے کچھ اقوال یا اعمال کفر وشرک کے اختیار کئے تو کفر حقیقی اعتقادی ہوگا اور اگر کفر وشرک کے اقوال وافعال سے بچ بھی گیا مگر دوسرے گناہوں کا ارتکاب کیا تو کفر عملی سے خالی نہ رہا، قرآن عزیز کی آیات مذکورہ میں جو سحر کو کفر کہا گیا ہے وہ اسی اعتبار سے ہے کہ یہ سحر کفر حقیقی اعتقادی یا کفر عملی سے خالی نہیں ہوتا۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ سحر کفر اعتقادی یا عملی سے خالی نہیں ہوتا تو اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہوا، اس پر عمل کرنا بھی حرام ہوا، البتہ مسلمانوں سے دفع ضرر کے لئے بقدر ضرورت سیکھا جائے تو بعض فقہاء نے اجازت دی ہے۔
(شامی، عالمگیری)

تعویذ گنڈے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں ان میں بھی اگر جنات وشیاطین سے استمداد ہو تو حرام ہے، اور اگر الفاظ مشتبہ ہوں معنی معلوم نہ ہوں اور شیاطین اور بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

اگر محض مباح اور جائز امور سے کام لیا جائے تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کو کسی ناجائز مقصد کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

اگر قرآن وحدیث کے کلمات ہی سے کام لیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لئے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں، مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لئے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے، اگر چہ وظیفہ اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ ہی کا ہو حرام ہے۔ (معارف)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا لِلنَّبِيِّ اَمْرٌ مِنَ الْمُرَاعَاةِ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ لَهٗ ذٰلِكَ وَهِيَ بِلُغَةِ الْيَهُوْدِ سَبٌّ مِنَ الرَّعُوْنَةِ فَسُرُّوْا بِذٰلِكَ وَخَاطَبُوْا بِهَا النَّبِيَّ فَنُهِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ عَنْهَا **وَقُوْلُوْا** بَدَلَهَا **انْظُرْنَا** اَيْ اُنْظُرْ اِلَيْنَا **وَاسْمَعُوْا ۭ** مَا تُؤْمَرُوْنَ بِهٖ سَمَاعَ قَبُوْلٍ **وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ؀** مُؤْلِمٌ هُوَ النَّارُ **مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ** مِنَ الْعَرَبِ عَطْفٌ عَلٰى اَهْلِ الْكِتٰبِ وَمِنْ لِلْبَيَانِ **اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ** زَائِدَةٌ **خَيْرٍ** وَحْيٍ **مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ** حَسَدًا لَكُمْ **وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ** نُبُوَّتِهٖ **مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ؀** وَلَمَّا طَعَنَ الْكُفَّارُ فِي النَّسْخِ وَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا يَاْمُرُ اَصْحَابَهُ الْيَوْمَ بِاَمْرٍ وَيَنْهٰى عَنْهُ غَدًا نَزَلَ **مَا** شَرْطِيَّةٌ **نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ** اَيْ نُزِلْ حُكْمَهَا اِمَّا مَعَ لَفْظِهَا اَوْلَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ النُّوْنِ مِنْ اَنْسَخَ اَيْ نَاْمُرُكَ اَوْ جِبْرَئِيْلَ بِنَسْخِهَا **اَوْ نُنْسِهَا** نُؤَخِّرْهَا فَلَا نُزِلْ حُكْمَهَا وَنَرْفَعُ تِلَاوَتَهَا اَوْ نُؤَخِّرْهَا فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِلَا هَمْزٍ مِنَ النِّسْيَانِ اَيْ نُنْسِكَهَا وَنَمْحُهَا مِنْ قَلْبِكَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ **نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ** اَنْفَعَ لِلْعِبَادِ فِي السُّهُوْلَةِ اَوْ كَثْرَةِ الْاَجْرِ **اَوْ مِثْلِهَا ۭ** فِي التَّكْلِيْفِ وَالثَّوَابِ **اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؀** وَمِنْهُ النَّسْخُ وَالتَّبْدِيْلُ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ **اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ** يَفْعَلُ فِيْهِمَا مَا يَشَاءُ **وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَيْ غَيْرِهِ **مِنْ** زَائِدَةٌ **وَّلِيٍّ** يَحْفَظُكُمْ **وَّلَا نَصِيْرٍ ؀** يَمْنَعُ عَذَابَهُ عَنْكُمْ اِنْ اَتَاكُمْ وَنَزَلَ لَمَّا سَاَلَهُ اَهْلُ مَكَّةَ اَنْ يُوَسِّعَهَا وَيَجْعَلَ الصَّفَا ذَهَبًا **اَمْ** بَلْ **تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔـلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى** اَيْ سَاَلَهُ قَوْمُهُ **مِنْ قَبْلُ ۭ** مِنْ قَوْلِهِمْ اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَمَنْ يَّتَـبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ** اَيْ يَاْخُذُهُ بَدَلَهُ بِتَرْكِ النَّظَرِ فِي الْاٰيَاتِ الْبَيِّنَاتِ وَاقْتِرَاحِ غَيْرِهَا **فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ؀** اَخْطَاَ طَرِيْقَ الْحَقِّ وَالسَّوَاءُ فِي الْاَصْلِ الْوَسَطُ.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم نبی کو راعنا نہ کہا کرو (رَاعِنَا) مُرَاعَاۃٌ سے امر کا صیغہ ہے (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ لفظ کہا کرتے تھے، اور یہ (لفظ) یہود کی زبان میں گالی ہے، رَعونَة سے مشتق ہے، یہود اس سے خوش ہوتے تھے، اور خود بھی اس کلمے سے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو) خطاب کرتے تھے، مومنوں کو اس (کلمے کے کہنے) سے منع کر دیا گیا، اور اس کے بجائے انظرنا کہا کرو، یعنی ہمارا خیال رکھئے، اور توجہ سے سنا کرو جس بات کا حکم دیا جائے عمل کی نیت سے اور کافروں

کے لئے دردناک عذاب ہے، تکلیف دہ اور وہ آگ ہے، یہ لوگ جنھوں نے حسد کی وجہ سے (دعوت حق قبول کرنے سے) انکار کردیا، اہل کتاب ہوں یا مشرکین عرب اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تمھارے لئے تمھارے رب کی طرف سے کوئی خیر (مثلاً) وحی نازل ہو، (ولا المشرکین کاعطف) اھل الکتاب پر ہے، اور مِن بیانیہ ہے۔ (مِن خیرٍ) میں مِن زائدہ ہے، اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت (یعنی) نبوت کے لئے خاص کرلیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے، اور جب کفار نے نسخ میں طعن کیا اور کہا کہ محمد اپنے اصحاب کو آج ایک بات کا حکم دیتے ہیں تو دوسرے دن اس سے منع کردیتے ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی، ہم جس آیت کو منسوخ کردیں یعنی اس کے حکم کو زائل کردیں مـا شرطیہ ہے، یا تو مع لفظ کے (یعنی تلاوت اور حکم دونوں کو) یا بغیر لفظ کے (صرف حکم کو) اور ایک قراءت میں نُنْسِخُ ، اَنْسَخَ سے نون کے ضمہ کے ساتھ ہے، یعنی تم کو یا جبرئیل کو اس نسخ کا حکم دیتے ہیں، یا اس کو مؤخر کردیں تو ہم اس کے حکم کو زائل (منسوخ) نہیں کرتے، اور اس کی تلاوت اٹھالیتے ہیں یا اس کو لوحِ محفوظ میں مؤخر (موقوف) کردیتے ہیں، اور ایک قراءت میں بغیر ہمزہ کے ہے (نُنْسِھَا) نسیان سے مشتق ہے، اور اس کو ہم آپ کے قلب سے مٹادیتے ہیں، اور جواب شرط، نَـأتِ بـخـیـر مِنْھَـا ہے تو ہم اُس سے بہتر لاتے ہیں، (یعنی) جو بندوں کے لئے (عملاً) سہولت کے اعتبار سے یا کثرتِ اجر کے اعتبار سے زیادہ نافع ہو یا تکلیف واجر میں اسی کے برابر ہو، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اسی میں سے نسخ وتبدیل بھی ہے، اور استفہام تقریر کے لئے ہے کیا تم نہیں جانتے کہ زمین وآسمان کی فرمانروائی اللہ ہی کے لئے ہے ان میں جو (تصرف) چاہتا کرتا ہے، اور اللہ کے سوا تمھارا نہ کوئی مولا ہے جو تمھاری حفاظت کرے اور نہ مددگار، جو تم سے عذاب کو روک سکے اگر تمھارے اوپر آئے (مِـن غیـرہٖ) میں مـن زائدہ ہے، اور جب اہل مکہ نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیا کہ (پہاڑوں کو ہٹاکر) مکہ میں وسعت کردو، اور (کوہ) صفا کو سونے کا بنادو، تو یہ آیت نازل ہوئی تو کیا تم اپنے رسول سے ایسے ہی سوال کرنا چاہتے ہو جیسے ماسبق میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کئے جاچکے ہیں یعنی اُن کی قوم نے ان سے سوال کئے، مثلاً ان کا یہ سوال کہ ہم کو اللہ کا بچشم سر دیدار کرادو وغیرہ (سنو) سو جس نے ایمان کو کفر سے بدلا یعنی ایمان چھوڑ کر کفر اختیار کیا، واضح آیتوں میں غور وفکر کو ترک کرکے، اور ان آیات کے علاوہ کی جستجو میں لگا، تو وہ راہ راست سے بھٹک گیا، یعنی راہ حق سے خطا کرگیا، اور سَوَاء دراصل وسطِ شئ کو کہتے ہیں۔

تَحقِیق وَترکیب وَتسہِیل وَتفسِیری فوائد

قَوْلُہٗ: لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا، راعِ، مُراعاۃٌ (مفاعلۃ) سے امر واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے، نا ضمیر مفعول ہے، ہمارا خیال رکھئے، ہماری رعایت کیجئے، عبرانی زبان میں راعن بے وقوف کو کہتے ہیں، یہ رعونت سے مشتق ہے جس کے معنی حمق کے ہیں، الف ندا کا ہے، اے بے وقوف، رائی چرواہے کو بھی کہتے ہیں، یہود تحقیر واستہزاء کے طور پر زبان دبا کر جب رَاعِـنـا

بولتے تھے تو رَاعِيْنَا ہوجاتا تھا، جس کے معنی ہیں ہمارا چرواہا۔

قَوْلُہٗ: اُنْظُرْ اِلَيْنَا مفسر علام نے اُنظرنا کی تفسیر اُنظر اِلَينَا سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا ہے کہ کلام حذف کے ساتھ ہے اس سے اس اعتراض کا جواب بھی ہوگیا کہ اُنظر لازم ہے اور یہاں متعدی استعمال ہوا ہے، اس لئے کہ نَا اس کا مفعول ذکر کیا گیا ہے، اور ان لوگوں پر بھی رد ہوگیا جو اُنظرنا کو انتظرنا کے معنی میں لیتے ہیں۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: مَا تُؤْمَرُوْنَ بِهٖ یہ حذف مفعول کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا يَوَدُّ، مَا نافیہ ہے، يَوَدُّ، مَوَدَّةٌ سے جمع مذکر غائب مجزوم، آرزو کریں گے، خواہش کریں گے۔

قَوْلُہٗ: من العرب من العرب کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: اہل الکتاب بھی مشرک تھے اس پر ولا المشركين کا عطف کیا، یہ عطف الشئ علی نفسہ ہے۔

جَوَابٌ: مشرکین سے غیر اہل کتاب مشرکین مراد ہیں جو کہ عرب ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَنْ يُنَزَّلَ یہ يَوَدُّ کا مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا شرطیہ مَا نَنْسَخْ کا مفعول مقدم ہے اور شرطیہ ہے نہ کہ موصولہ کہ اس کے صلہ میں ضمیر کی ضرورت ہو۔

قَوْلُہٗ: نُزِلَ حُكْمُهَا یہ مِنْ آيَةٍ کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: اِمَّا مَعَ لَفْظِهَا اَوْ لَا یعنی کبھی صرف حکم منسوخ ہوتا ہے مگر تلاوت باقی رہتی ہے اور کبھی حکم اور تلاوت دونوں منسوخ کردی جاتی ہیں۔

قَوْلُہٗ: او جبرئيل جبرئیل کا عطف نَأْمُرُكَ کے کاف پر ہے، یعنی ہم نسخ کا حکم آپ ﷺ کو یا جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کرتے ہیں۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ، نَنْسَخْ جمع متکلم مضارع مجزوم (ف) نَسْخًا مٹانا، زائل کرنا۔

قَوْلُہٗ: وفی قراءةٍ، نُنْسِخْ باب (افعال) سے مضارع جمع متکلم، اس صورت میں نُنْسِخُ متعدی ہوگا یعنی ہم مٹانے کا یا زائل کرنے کا حکم کرتے ہیں، مفسر علام نے نَأْمُرُكَ او جبرئيل مقدر مان کر، اسی قراءت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: نُنْسِهَا یہ اِنساءٌ (افعال) سے جمع متکلم مضارع هَا مفعول بہ، اصل میں نُنْسِيهَا ہم اس کو فراموش کرا دیتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: وفی قراءة بلا همزٍ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسر علام کے سامنے قرآن کریم کا جو نسخہ ہے وہ نَنْسَأْهَا، مع الهمزة والا ہے، اسی وجہ سے فرمایا بلا همز، ہمارے سامنے جو نسخہ ہے اور یہاں ہمارے اطراف میں یہی نسخہ رائج ہے، وہ بلا ہمزہ والا ہی ہے، نَنْسَأْهَا یہ نَسْاءٌ سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں مؤخر کرنا، بولا جاتا ہے نَسَأَ اللّٰهُ فِیْ اَجَلِهٖ اللہ نے اس کی عمر مؤخر کردی، یعنی عمر بڑھادی، یہ ہمزہ والی قراءت کی تفسیر ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: او نُنْسِكَهَا اگر نُنْسِهَا نسیان سے ہو تو متعدی بیک مفعول ہوگا، یعنی ہم اس کو بھول جاتے ہیں اور اگر اِنساءٌ سے ماخوذ ہو تو متعدی بدو مفعول ہوگا، اس لئے کہ اِنساء متعدی بدو مفعول ہے، ایک مفعول، نُنْسِكَهَا میں ضمیر خطاب کاف ہے،

اور دوسرا مفعول ہا ضمیر ہے جو آیت کی طرف راجع ہے، ہم تم کو وہ آیت بھلا دیتے ہیں، مفسر علام نے وَنَمْحُھَا مِنْ قَلْبِكَ کا اضافہ کرکے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فَائِدَہ: اگر مفسر علام فی قراءةٍ بلاھمزٍ کے بجائے وفی قراءة بضمّ النون والسّین کہتے تو مراد زیادہ واضح ہوتی، اس لئے کہ مفسر علام کی عبارت میں ایک دوسری قراءت کا بھی احتمال ہے جو فاسد ہے، اور وہ نَنْسَھَا بفتح النون والسین ہے، یہ صورت لفظاً اور معنی دونوں طرح فاسد ہے، لفظاً تو اس لئے کہ یہ قراءت منقول نہیں، معناً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے صدور نسیان کا مقتضی ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنَ النِّسْیَانِ بہتر ہوتا کہ من الانساء کہتے، اس لئے کہ رباعی کا مصدر جو کہ زیر بحث ہے اِنْسَاءٌ ہے نہ کہ نسیان۔ (حمل)

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

شانِ نزول:

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا اے ایمان والو! تم رَاعِنَا نہ کہا کرو بلکہ اُنظرنا کہا کرو، رَاعِنَا کے معنی ہیں ہمارا خیال رکھئے، جب متکلم کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو سامع اس لفظ کے ذریعہ متکلم کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، لیکن یہودی اپنے بغض وعناد کی وجہ سے اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ کر بولتے جس کی وجہ سے اس کے معنی تبدیل ہو جاتے تھے، اس سے وہ اپنے جذبۂ عناد کی تسکین کرتے، مثلاً راعِنَا کو ذرا کھینچ کر بولتے تو رَاعِینَا ہو جاتا، جس کے معنی ہیں ہمارا چرواہا، یا رَاعِنٌ حماقت اور بے وقوفی کو بھی کہتے ہیں، یہ رعونة سے مشتق ہے اور الف اس میں اشباع کا ہے، اس کے علاوہ یہود کی زبان میں راعِنَا گالی کا کلمہ بھی تھا، جیسا کہ یہود السلام علیکم کی بجائے السام علیکم (تم پر موت ہو) کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مسلمانو! تم یہ کلمہ نہ کہا کرو، بلکہ ابتداء ہی سے بغور سنتے رہا کرو تاکہ اس کلمہ کے کہنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

مذکورہ واقعہ بعض روایتوں میں کچھ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ منقول ہوا ہے، وَاَخْرَجَ ابو نُعَیم فی الدلائل عن ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قال: ابونعیم نے ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رَاعِنَا یہود کی زبان میں قبیح قسم کی گالی تھی، اور یہود اس لفظ کا استعمال آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی شان میں کیا کرتے تھے، جب صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے یہ لفظ سنا تو وہ بھی کلمۂ تعظیم سمجھ کر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی شان میں اس کلمہ کا استعمال کرنے لگے، اب تک تو یہود اس کلمہ کا استعمال خفیہ طور پر کرتے تھے مگر جب یہود نے دیکھا کہ مسلمان بھی اس کلمہ کو استعمال کرتے ہیں تو یہود نے اس کا استعمال آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی شان میں اعلانیہ کرنا شروع کر دیا، اور اس کلمہ کو استعمال کرکے آپس میں خوب ہنستے، سعد بن معاذ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ چونکہ یہود کی

زبان سمجھتے تھے جب سعد بن معاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ کلمہ یہودیوں سے آپ ﷺ کی شان میں سنا تو کہا اگر آئندہ میں نے کسی سے یہ کلمہ سن لیا تو اس کی گردن ماردوں گا۔ (مظہری و فتح القدیر شوکانی) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا (الآیة) ما شرطیہ جازمہ ہے ''نسخ'' لغت میں زائل کرنے اور نقل کرنے کو کہتے ہیں، بولا جاتا ہے نَسَخَتِ الشمس الظلَّ سورج نے سایہ زائل کردیا، ونسختُ الكتابَ میں نے کتاب نقل کرلی، اور اصطلاح میں انتہاء حکم کو بیان کرنے کو کہتے ہیں، نسخ کی تین صورتیں ہیں: ① تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں، مثلاً عَشَرَ رَضعات مَعْلُوْمَاتٍ يحرُمْنَ ② تلاوت منسوخ، حکم باقی، مثلاً الشيخ والشيخةُ اِذا زَنَيَا فارجموهما البتة ③ حکم منسوخ، تلاوت باقی، جیسا کہ كُتِبَ عليكم اِذا حضَرَ اَحَدَكم الموتُ اِنْ تَرَكَ خيرَ اِلْوَصية لِلْوَالِدَيْنِ یہ آیت، آیت مواریث (يوصيكم الله في اولادكم، سورۂ نساء) اور آپ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ کے قول لَا وصِيَةَ لِوَارِثٍ سے منسوخ ہے۔

قَوْلُهُ: نامُرُكَ او جبرئيلَ دونوں میں تلازم ہے، جبرئیل کو نسخ حکم دینا آپ ﷺ کو حکم دینا ہے، اور آپ ﷺ کو حکم دینا جبرئیل کو حکم دینا ہے۔ (صاوی)

شانِ نزول:

یہودی تورات کو ناقابل تنسیخ سمجھتے تھے، اور قرآن پر بھی انھوں نے بعض احکام کے منسوخ ہونے پر اعتراض کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی، اور فرمایا: زمین و آسمان کی بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جو مناسب سمجھتا ہے کرتا ہے، جس وقت جو حکم اس کی مصلحت و حکمت کے مطابق ہوتا ہے اسے نافذ کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے منسوخ کرتا ہے، یہ اس کی قدرت ہی کا ایک مظاہرہ ہے، بعض قدیم گمراہوں (مثلاً ابومسلم اصفہانی معتزلی) اور آج کے بھی بعض متجددین نے یہود کی طرح قرآن میں نسخ ماننے سے انکار کیا ہے، مذکورہ آیت میں اسی نظریہ کی تردید کی گئی ہے۔

احکامِ الٰہیہ کے نسخ کی حقیقت:

دنیا کی حکومتوں میں کسی حکم کو منسوخ کرکے دوسرا حکم جاری کردینا مشہور و معروف ہے، لیکن انسانوں کے احکام میں کبھی نسخ اس لئے ہوتا ہے کہ مثلاً پہلے کسی غلط فہمی کی وجہ سے ایک حکم جاری کردیا گیا بعد میں حقیقت معلوم ہوئی اور وہ حکم مناسب حال نہ رہا تو اس حکم کو بدل دیا، اور کبھی اس وجہ سے ہوتا ہے کہ جس وقت یہ حکم جاری کیا گیا تھا اس وقت کے حالات کے مناسب تھا اور آئندہ آنے والے حالات کا اندازہ نہیں تھا، جب حالات بدلے تو حکم بھی بدلنا پڑا، یہ دونوں صورتیں احکام خداوندی میں نہیں ہوسکتیں۔

ایک تیسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ حکم دینے والے کو اول ہی سے یہ معلوم تھا کہ حالات بدلیں گے، اور اس وقت یہ حکم مناسب نہ ہوگا دوسرا حکم دینا ہوگا، یہ جانتے ہوئے بھی آج ایک حکم دیدیا اور جب اپنے علم کے مطابق حالات بدلے تو اپنی قرار داد سابق کے مطابق حکم بھی بدل دیا اس کی مثال ایسی ہے کہ مریض کے موجودہ حالات کو دیکھ کر طبیب دوا تجویز کرتا ہے اور جانتا ہے کہ دو روز اس دوا کے استعمال کرنے کے بعد مریض کا حال بدلے گا، اس وقت مجھے دوسری دوا تجویز کرنی ہوگی۔

ماہر طبیب یہ بھی کر سکتا ہے کہ پہلے ہی دن پورے علاج کا نظام لکھ کر دیدے اور ہدایت کردے کہ دو روز تک یہ دوا استعمال کرنا اور پھر تین روز تک فلاں دوا استعمال کرنا اور پھر ایک ہفتہ بعد فلاں دوا، لیکن یہ مریض کی طبیعت پر بلا وجہ ایک بار ڈالنا ہے، اس میں غلط فہمی کی وجہ سے خلل کا بھی اندیشہ ہے اس لئے طبیب پہلے ہی سے پوری تفصیل نہیں بتاتا۔

اللہ تعالیٰ شانہ کے احکام میں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں میں صرف یہی آخری صورت نسخ کی ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے، بعد میں نازل ہونے والی ہر کتاب نے سابقہ نبوت و شریعت کے بہت سے احکام کو منسوخ کر کے نئے احکام جاری کئے اور اسی طرح ایک ہی نبوت اور شریعت میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے، کہ کچھ عرصہ تک ایک حکم جاری رہا پھر بتقاضائے حکمت خداوندی اس کو بدل کر دوسرا حکم نافذ کر دیا گیا، صحیح مسلم کی حدیث میں ہے: لَمْ تکن نبوۃ قط الا تناسخت (مسلم) یعنی کوئی نبوت نہیں آئی جس نے احکام میں نسخ اور ردوبدل نہ کیا ہو۔ (قرطبی، معارف)

نسخ کی تعریف میں متقدمین اور متاخرین کے درمیان فرق:

چونکہ نسخ کے اصطلاحی معنی تبدیلی حکم کے ہیں اور یہ تبدیلی جس طرح ایک حکم کو بالکلیہ منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم لانے میں ہے جیسے بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنا دینا، اسی طرح کسی مطلق یا عام حکم میں کسی قید و شرط کو بڑھا دینا بھی ایک قسم کی تبدیلی ہے، متقدمین نے نسخ کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے، جس میں کسی حکم کی پوری تبدیلی بھی داخل ہے اور جزوی تبدیلی بھی مثلاً قید و شرط یا استثناء وغیرہ اس میں شامل ہے، اسی لئے متقدمین کے نزدیک قرآن میں آیات منسوخہ کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی۔

حضرات متاخرین نے صرف اس تبدیلی کو نسخ کہا جس کی پہلے حکم کے ساتھ کسی طرح تطبیق نہ ہو سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علامہ سیوطی نے صرف بیس آیتوں کو منسوخ قرار دیا اور ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ان میں بھی تطبیق کی صورت پیدا کر کے صرف پانچ آیتوں کو منسوخ قرار دیا، جن میں کوئی تطبیق تاویل بعید کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی۔

نسخ کے بارے میں جمہور کا مسلک:

جمہور کا مذہب وقوع نسخ کا ہے، گو ایک طبقہ عدم نسخ کا بھی قائل رہا ہے (ویروی عن بعض المسلمین انکار النسخ واحتج الجمہور من المسلمین علی جواز النسخ ووقوعہ (کبیر) والمسلمون کلہم متفقون علی جواز

النسخ فی احکام اللّٰہ تعالٰی لما لہ فی ذلک مِنَ الحکمۃِ البالغۃِ و کلھم قالوا بوقوعہ. (ابن کثیر)

اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا (الآیۃ) اس آیت میں مسلمانوں (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم یہود کے مانند اپنے پیغمبر سے از راہِ سرکشی غیر ضروری سوالات مت کیا کرو اس میں اندیشۂ کفر ہے، صورت یہ تھی کہ یہودی موشگافیاں کرکر کے طرح طرح کے سوالات مسلمانوں کے سامنے پیش کیا کرتے تھے، اور انھیں اکسایا کرتے تھے کہ اپنے نبی سے یہ سوال کرو یہ پوچھو یہ معلوم کرو اس پر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو متنبہ فرما رہا ہے کہ اس معاملہ میں یہودیوں کی روش اختیار کرنے سے بچو۔

بعض مفسرین نے مذکورہ آیت کا مخاطب یہود کو قرار دیا ہے نَزَلَتْ فی الیھود. (معالم)

اس آیت کے بارے میں تین قول نقل ہوئے ہیں: ① مخاطب مسلمان ہیں ② مخاطب اہل مکہ ہیں ③ مخاطب یہود ہیں، اِختلفوا فی المخاطب بہ علی وجوہ احدھا انّھم المسلمون و القول الثانی انہ خطاب لاھل مکۃ والقول الثالث المراد الیھود وھٰذا القول اصح (کبیر) ورجّح انّھم الیھود. (بحر)

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ مَصدریّۃ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مفعولٌ لہٗ کائنًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ای حَمَلَتْہُم علیہِ اَنفُسُہُم الخبیثۃُ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ فی التَّوراۃِ الْحَقُّ ۚ فی شانِ النَّبیِّ فَاعْفُوْا عَنہم ای اُترُکُوہُم وَاصْفَحُوْا اَعرِضُوا فَلَا تُجازُوہُم حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ فیہم مِنَ القِتالِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰۹ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ طاعۃٍ کصلوٰۃٍ وصدقۃٍ تَجِدُوْهُ ای ثوابَہٗ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱۰ فیُجازیکُم بہ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا جَمْعُ ہائدٍ اَوْ نَصٰرٰى ۭ قالَ ذٰلکَ یہودُ المدینۃِ ونصاریٰ نجرانَ لَمَّا تناظَرُوا بینَ یَدَیِ النَّبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم ای قالَ الیہودُ لَن یَدخُلَہا اِلَّا الیہودُ وقالَ النَّصٰرٰی لَن یَدخُلَہا اِلَّا النَّصاریٰ تِلْكَ المقولۃُ اَمَانِيُّهُمْ ۭ شَہَواتُہُم الباطلۃُ قُلْ لہم هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ حُجَّتَکم علی ذٰلک اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۱۱ فیہ بَلٰى ۚ یَدخُلُ الجنَّۃَ غیرُہُم مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ ای انقادَ لِاَمرِہٖ وخَصَّ الوجہَ لِاَنَّہٗ اَشرَفُ الاَعضاءِ فغیرُہٗ اَولٰی وَهُوَ مُحْسِنٌ مُوَحِّدٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ ای ثوابُ عَمَلِہِ الجنّۃُ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۱۲ فی الآخرۃ.

تَرْجَمَہ: اور اہل کتاب میں سے اکثر یہ چاہتے ہیں لَو مصدریہ ہے کہ کسی طرح تمھیں ایمان سے کفر کی طرف پھیر دیں، اس حسد کی وجہ سے جو خود ان کی طرف سے ہے، حَسَدًا مفعول لہٗ ہے (یعنی بلاوجہ) حسد پر ان کو ان کے خبیث نفس نے آمادہ کیا ہے، اس کے باوجود کہ تورات میں نبی کی بابت ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے (اس کے باوجود) تم

عفو و درگذر سے کام لو، اور نظر انداز کرو اور ان سے بدلہ نہ لو، تا آں کہ ان سے قتال کے بارے میں خود اللہ کا حکم آجائے، بلاشبہ وہ ہر شئ پر قادر ہے، نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے لئے جو بھلائی مثلاً نماز، صدقہ، تم آگے بھیجو گے تو تم اس کو یعنی اس کے اجر کو اللہ کے پاس پاؤ گے، جو کچھ تم کرتے ہو وہ اللہ کی نظر میں ہے وہ اس کا تم کو اجر دے گا، ان کا کہنا ہے کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے علاوہ کوئی نہ جائے گا، هُود، هائد کی جمع ہے، یہ بات مدینہ کے یہودیوں اور نجران کے نصاریٰ نے اس وقت کہی جب ان دونوں فریقوں نے آپ ﷺ کے سامنے مناظرہ کیا، یہود نے کہا: یہود کے سوا جنت میں کوئی نہ جائے گا، اور نصاریٰ نے کہا: نصاریٰ کے علاوہ کوئی جنت میں نہ جائے گا، یہ باتیں ان کی تمنائیں ہیں (یعنی باطل خواہشیں ہیں) آپ ان سے کہئے کہ اس بات پر اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم اس دعوے میں سچے ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَدَّ ماضی واحد مذکر غائب (س) مصدر وَدٌّ، مَوَدَّةٌ چاہنا، آرزو کرنا۔

قَوْلُہٗ: لَوْ مَصْدَرِيَّة لو حرفِ مصدری ہے جب فعل کے بعد واقع ہوتا ہے تو تمنی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَدَّ كثيرٌ رَدَّكم الخ رَدَّ چونکہ صَيَّرَ کے معنی میں ہے، دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے، مفعول اول کُمْ ہے، اور ثانی كُفَّارًا ہے۔

قَوْلُہٗ: كائنًا مِن عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مفسر علام نے كائنًا مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ كائنًا محذوف کے متعلق ہو کر حَسَدًا کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ، مِن بعدِ، وَدَّ کے متعلق ہے، اور مَا مصدریہ ہے ای بَعْدَ تَبْيِينِ الحقِّ لَهُمْ

قَوْلُہٗ: هُوْدٌ جمع هَائِدٍ، هَائد بمعنی تائب ابتداءً اس شخص کو هائد کہتے تھے جس نے گوسالہ پرستی سے توبہ کر لی تھی، بعد میں پوری قوم کے لئے علم کے طور پر استعمال ہونے لگا، اس میں ایک اعتراض کے جواب کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اعتراض: مَن كانَ هودًا. كَانَ کے اندر ضمیر مفرد كان کا اسم اور هُوْدًا كان کی خبر ہے، جو کہ جمع ہے حالانکہ اسم و خبر میں مطابقت ضروری ہے۔

جوابٴ: كان کے اسم کے مفرد لانے میں لفظ مَن کی رعایت کی گئی ہے، اور هودًا کے جمع لانے میں مَن کے معنی کی رعایت کی گئی ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

عمار بن یاسر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حذیفۃ بن الیمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ غزوۂ احد سے جب لوٹ رہے تھے تو یہود کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی، یہود نے کہا: کیا ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ یہودی مذہب حق ہے؟ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب باطل ہے اگر محمد کا دین حق ہوتا تو ان کے اصحاب قتل نہ کئے جاتے، حالانکہ محمد ﷺ کا دعویٰ ہے کہ جب وہ قتال کرتے ہیں تو اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، تو عمار بن یاسر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا کہ عہد شکنی کا تمھارے یہاں کیا حکم ہے، یہود نے جواب دیا: نہایت بری ہے، تو حضرت عمار رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ میں محمد ﷺ سے ان کی اتباع پر تا موت عہد کر چکا ہوں، یہود نے کہا: عمار بے دین ہو گیا، اور حضرت حذیفہ نے جواب دیا: رَضِیتُ بِاللّٰہِ رَبًّا، وبالإسلام دِینًا، والکعبة قبلةً، والقرآن امامًا، والمؤمنینَ اِخوانًا چنانچہ یہ حضرات واپس پہنچے اور اس واقعہ کی خبر آنحضرت ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَصَبْتُما الخیرَ وَاَفْلَحْتُمَا (تم خیر کو پہنچے اور کامیاب ہوئے) اس کے بعد وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ نازل ہوئی۔ (صاوی)

اے **مسلمانو!** تم کو واپس کفر کی طرف لیجانے کی یہود کی خواہش اور تمنا کسی خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبہ کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں سے عناد اور حسد کی وجہ سے ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ان پر اسلام کا حق ہونا اور محمد ﷺ کا نبی برحق ہونا واضح ہو گیا ہے، اس کے باوجود ایمان نہیں لائے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ صبر اور عفو ودرگذر سے کام لیتے رہیں، ان کے حسد وعناد کو دیکھ کر مشتعل نہ ہوں، ان سے بحث ومباحثہ کرنے میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں، اور صبر کے ساتھ دیکھتے رہیں کہ اللہ ان کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

عموماً مفسرین نے شانِ نزول کے مخصوص واقعہ کی وجہ سے یہاں اہل کتاب سے یہود یا احبار یہود مراد لئے ہیں، لیکن وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ کے قرآنی الفاظ عام ہیں، اس عموم میں یہود ونصاریٰ دونوں داخل ہیں، مسیحیوں کی طرف سے جو کھلا ہوا زبردست اور منظم اور علماء یہود کی طرف سے نسبۃً ہلکا اور مخفی پروپیگنڈہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف، سیاسی، معاشرتی، تاریخی غرضیکہ ہر قسم کا جاری رہتا ہے، وہ سب اسی حقیقت کے مظاہر ہیں، ان تمام سرگرمیوں اور کوششوں کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ مسلمان اگر مسیحیت اور یہودیت کو قبول نہ بھی کریں تو کم از کم اپنے دین کی طرف سے ضرور برگشتہ اور بدگمان ہو جائیں۔

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ (الآیة) یعنی دراصل ان کی یہ باتیں ہیں تو محض ان کے دلوں کی خواہشیں اور آرزوئیں مگر وہ انھیں بیان اس طرح کر رہے ہیں کہ گویا فی الواقع اسی طرح ہونے والا ہے۔

اللہ کے یہاں قوم ونسل کی قیمت نہیں ایمان اور عمل صالح کی قیمت ہے:

کوئی بھی شخص محض قومیت کے زعم میں خود کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھ لے تو یہ صرف اس کی خود فریبی ہے، جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بھی قوم، نسل یا علاقہ اور وطن کی بنیاد پر مقبول ومقرب نہیں بن سکتی جب تک اس میں ایمان وعمل صالح کی روح موجود نہ ہو۔

پھر اصولِ ایمان تو ہر رسول کے زمانہ میں مشترک اور یکساں رہے ہیں، البتہ عمل صالح کی شکلیں اُدلتی بدلتی رہتی ہیں، تورات کے زمانہ میں عمل صالح وہ سمجھا گیا جو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور تورات کی تعلیم کے مطابق تھا، انجیل کے دور میں یقیناً عمل صالح وہی عمل تھا جو حضرت عیسیٰ اور انجیل کی تعلیم سے مطابقت رکھتا تھا، اور قرآن کے زمانہ میں وہی عمل صالح کہے جانے کا مستحق ہے جو نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور اللہ کی کتاب قرآن کی ہدایت کے مطابق ہوگا۔

مطلب یہ کہ یہود ونصاریٰ کے اس اختلاف کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں قومیں جہالت کی باتیں کررہی ہیں، دونوں میں سے کوئی بھی جنت کا ٹھیکیدار نہیں اور نہ ہی دونوں کے مذہب بے بنیاد اور بے اصل ہیں، بلکہ دونوں مذہبوں کی صحیح بنیاد موجود ہے۔

غلط فہمی کا سبب:

غلط فہمی کا اصلی سبب یہ ہے کہ انھوں نے مذہب وملت کی اصل روح یعنی عقائد واعمال ونظریات کو چھوڑ کر نسلی یا وطنی بنیاد پر کسی قوم کو یہود ٹھہرایا اور کسی کو نصرانی سمجھا، جو یہودی نسل سے تعلق رکھتا ہو یا یہود کے شہر میں بستا ہو یا مردم شماری میں خود کو یہود شمار کراتا ہو اس کو یہود سمجھ لیا گیا، اسی طرح نصرانیوں کی تشخیص وتعیین کی گئی، حالانکہ اصول ایمان کو توڑ کر اور اعمال صالحہ سے منہ موڑ کر نہ کوئی یہودی، یہودی رہتا ہے اور نہ نصرانی، نصرانی۔

قرآن کریم میں اس اختلاف اور اس فیصلہ کا ذکر مسلمانوں کو سنانے اور متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ کہیں وہ بھی اس قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوجائیں کہ ہم تو پشتی مسلمان ہیں ہر دفتر اور رجسٹر میں ہمارا نام مسلمان کے خانہ میں درج ہے اور زبان سے بھی خود کو مسلمان کہتے ہیں، اس لئے جنت کے نیز ان تمام انعامی وعدوں کے وہی مستحق ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں سے کئے گئے۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ کوئی شخص نہ محض دعوے سے حقیقی مسلمان بنتا ہے نہ مسلمان نام درج کرانے سے یا مسلمان کی صلب یا ان کے کسی شہر میں پیدا ہونے سے بلکہ مسلمان ہونے کے لئے اول اسلام ضروری ہے، اور اسلام کے معنی ہیں اپنے آپ کو سپرد کردینا دوسرے احسان، یعنی عمل سنت کے مطابق کرنا۔

لیکن قرآن کی اس تنبیہ کے باوجود بہت سے مسلمان اسی یہودی اور نصرانی غلطی کا شکار ہو گئے کہ خدا ورسول اور آخرت وقیامت سے بالکل غافل رہ کر اپنا نسلی مسلمان ہونا مسلمان ہونے کے لئے کافی سمجھنے لگے اور قرآن وحدیث میں فلاحِ دین وآخرت کے جو وعدے مسلمانوں سے کئے گئے ہیں خود کو ان کا مستحق سمجھ کر ان کے پورے ہونے کا انتظار کرنے لگے، اور جب وہ پورے ہوتے نظر نہیں آتے تو قرآن وحدیث کے وعدوں میں شک کرنے لگے، اس کو نہیں دیکھتے کہ قرآن نے محض نسلی مسلمانوں سے کوئی وعدہ نہیں کیا، جب تک وہ اپنے تمام ارادوں کو اللہ اور اس کے رسول کے تابع نہ کر دیں، یہی خلاصہ ہے آیت مذکورہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کا۔

آج کل پوری دنیا کے مسلمان مصائب کا شکار کیوں؟

آج کل پوری دنیا کے مسلمان طرح طرح کے مصائب ومشکلات کا شکار ہیں، اس کو دیکھ کر بہت سے ناواقف لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید ان آفات ومصائب کا سبب اسلام ہے، لیکن مذکورہ تحریر سے واضح ہو گیا کہ ان کا اصل سبب ہمارا اسلام نہیں بلکہ ترکِ اسلام ہے کہ ہم نے اسلام کا صرف نام باقی رکھا ہے، نہ اسلام کے عقائد ہمارے اندر نہ اخلاق نہ اعمال، پھر ہمیں کیا حق ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے وعدوں اور انعاموں کا ہم انتظار کریں۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

یہاں ایک (شبہ) سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کچھ بھی سہی کم از کم نام تو اسلام کا لیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کے نام لیوا تو ہیں اور جو کفار کھلے طور پر اللہ ورسول کی مخالفت کرتے ہیں، اسلام کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے وہ تو آج دنیا میں ہر طرح کی ترقی کر رہے ہیں، بڑی بڑی حکومتوں کے مالک ہیں، دنیا کی صنعتوں اور تجارتوں کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں؛ لیکن اگر ذرا غور سے کام لیا جائے، تو یہ شبہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔

اول تو اس لئے کہ دوست اور دشمن کے ساتھ معاملہ یکساں نہیں ہوا کرتا، دوست کو قدم قدم پر اور بات بات پر ٹوکا جاتا ہے، اور اولاد اور شاگرد کو ذرا ذرا سی بات پر تنبیہ کی جاتی ہے؛ لیکن دشمن کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوتا، اس کو ڈھیل دی جاتی ہے اور وقت آنے پر دفعۃً پکڑ لیا جاتا ہے۔

مسلمان جب تک ایمان واسلام کا نام لیتا ہے اور اللہ کی عظمت ومحبت کا دم بھرتا ہے وہ دوستوں کی فہرست میں داخل ہے، اس کے برے اعمال کی سزا عموماً دنیا ہی میں دیدی جاتی ہے تاکہ آخرت کا بار ہلکا ہو جائے، بخلاف کافر کے کہ اس پر باغیوں کا قانون جاری ہے، دنیا کی ہلکی ہلکی سزاؤں سے اس کا بارِ عذاب ہلکا نہیں کیا جاتا، ان کو یکلخت عذاب میں پکڑا جائے گا، رسول اللہ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کا یہی مطلب ہے ''کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے''۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَیْءٍ مُعْتَدٍّ بِهٖ وَكَفَرَتْ بِعِيْسٰى وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَیْءٍ مُعْتَدٍّ بِهٖ وَكَفَرَتْ بِمُوْسٰى وَّهُمْ اى الفَرِيقَانِ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ المُنَزَّلَ عَلَيْهِم وفِى كِتَابِ اليَهُوْدِ تَصْدِيقُ عِيسٰى وفِى كِتَابِ النَّصَارٰى تَصْدِيقُ مُوسٰى والجُملَةُ حَالٌ كَذٰلِكَ كَمَا قَالَ هٰؤُلاءِ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اى المُشْرِكُونَ مِنَ العَرَبِ وغَيرِهِم مِثْلَ قَوْلِهِمْ بَيَانٌ لِمَعْنٰى ذٰلِكَ اى قَالُوا لِكُلِّ ذِى دِينٍ لَيْسُوا عَلٰى شَیْءٍ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ مِنْ اَمْرِ الدِّينِ فَيُدْخِلُ المُحِقَّ الجَنَّةَ والمُبْطِلَ النَّارَ وَمَنْ اَظْلَمُ اى لَا اَحَدَ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالتَّسْبِيحِ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا بِالهَدْمِ او التَّعْطِيلِ نَزَلَتْ اِخْبَارًا عَنِ الرُّومِ الَّذِينَ خَرَّبُوا بَيْتَ المَقْدِسِ او فِى المُشْرِكِينَ لَمَّا صَدُّوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم عَامَ الحُدَيْبِيَّةِ عَنِ البَيْتِ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ خَبَرٌ بِمَعْنَى الاَمْرِ اى اَخِيفُوهُم بِالجِهَادِ فَلَا يَدْخُلُهَا اَحَدٌ اٰمِنًا لَهُمْ فِی الدُّنْيَا خِزْیٌ هَوَانٌ بِالقَتْلِ والسَّبْيِ والجِزْيَةِ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ هُوَ النَّارُ ونَزَلَ لَمَّا طَعَنَ اليَهُودُ فِى نَسْخِ القِبْلَةِ او فِى الصَّلٰوةِ النَّافِلَةِ عَلَى الرَّاحِلَةِ فِى سَفَرٍ حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اى الاَرْضُ كُلُّهَا لِاَنَّهُمَا نَاحِيَتَاهَا فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا وُجُوهَكُم فِى الصَّلٰوةِ بِاَمْرِهٖ فَثَمَّ هُنَاكَ وَجْهُ اللّٰهِ قِبْلَتُهُ الَّتِى رَضِيَهَا اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ يَسَعُ فَضْلُهُ كُلَّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ بِتَدْبِيرِ خَلْقِهٖ وَقَالُوا بِوَاوٍ وَدُوْنَهَا اى اليَهُودُ والنَّصَارٰى وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ المَلٰئِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا قَالَ تَعَالٰى سُبْحٰنَهٗ تَنْزِيهًا لَهُ عَنْهُ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِلْكًا وخَلْقًا وعَبِيدًا وَالمِلْكِيَّةُ تُنَافِى الوِلَادَةَ وعَبَّرَ بِمَا تَغْلِيبًا لِمَا لَا يَعْقِلُ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مُطِيعُونَ كُلٌّ بِمَا يُرَادُ مِنْهُ وفِيهِ تَغْلِيبُ العَاقِلِ.

ترجمہ: یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے پاس کچھ نہیں یعنی کوئی معتد بہ چیز نہیں، اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (نبوت) کے منکر ہیں، اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کے پاس کچھ نہیں یعنی کوئی معتد بہ چیز نہیں، اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (نبوت) کے منکر ہیں، حالانکہ یہ دونوں فریق کتاب پڑھتے ہیں، اور یہود کی کتاب (تورات) میں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (نبوت کی) تصدیق موجود ہے، اور نصاریٰ کی کتاب (انجیل) میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (نبوت کی) تصدیق موجود ہے، اور جملہ (وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ) حال ہے، اور جیسی بات یہ (دونوں فریق) کرتے ہیں، اسی طرح کی بات بے علم لوگ بھی کرتے ہیں، یعنی مشرکین عرب وغیرہ (مِثْلَ قَوْلِهِمْ) ذٰلك کے معنی کا بیان ہے، یعنی ان (مشرکوں) نے (آسمانی) دین والوں میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا کہ ان کے پاس کچھ نہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دین کے معاملہ میں ان کے اختلاف کا فیصلہ کر دے گا، بایں طور کہ اہل حق کو

جنت میں اور اہل باطل کو دوزخ میں داخل کرے گا، اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟ یعنی اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ کی مسجدوں (معبدوں) میں اللہ کے نام کی نماز و تسبیح پڑھنے سے روکے، اور ہدم و تعطیل کے ذریعہ ان کی ویرانی کے درپے ہو، (یہ آیت) ان رومیوں کی خبر دینے کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بیت المقدس ویران کیا، یا مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جب آپ ﷺ کو (صلح) حدیبیہ کے سال بیت اللہ سے روکا، ان کو تو چاہئے کہ اس میں قدم بھی نہ رکھیں، مگر ڈرتے ہوئے، خبر بمعنی امر ہے یعنی ان کو جہاد کے ذریعہ (ایسا) خوف زدہ کردو کہ کوئی اس میں بے خوف داخل نہ ہو، ان لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے، قتل و قید اور جزیہ کے ذریعہ اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے، (اور) وہ آگ ہے، اور (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے تحویل قبلہ کے بارے میں، یا سفر میں سواری پر جدھر سواری کا رخ ہو نفل نماز پڑھنے کے بارے میں طعن کیا، مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے ہیں، یعنی پوری زمین، اس لئے کہ دونوں (مشرق و مغرب) زمین ہی کے دو کنارے ہیں، تم اس کے حکم سے نماز میں جدھر بھی رخ کرو اسی طرف اللہ کا رخ ہے یعنی اس کا قبلہ ہے جو اس کا پسندیدہ ہے، بلاشبہ اللہ بڑی وسعت والا ہے، کہ اس کا فضل ہر شئ کو حاوی ہے، اور اپنی مخلوق کی تدبیر سے واقف ہے (وقالوا میں) واؤ اور بغیر واؤ دونوں صورتیں ہیں، اور یہود و نصاریٰ اور ان لوگوں کا جو اللہ کے لئے بیٹیاں ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں کہنا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے، اللہ تعالیٰ نے اولاد سے اپنی پاکی بیان کرتے ہوئے فرمایا، وہ پاک ہے (اولاد سے) بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کا ہے یعنی اسی کی ملک ہے اور اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی مملوک ہے، اور ولادت ملکیت کے منافی ہے، اور غیر ذوی العقول کو غلبہ دیتے ہوئے ما سے تعبیر فرمایا، سب کے سب اس کے فرمانبردار ہیں یعنی ہر شئ اس مقصد کے لئے اس کے تابع فرمان ہے، جو اس سے مطلوب ہے اور اس میں ذوی العقول کو غلبہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ، كذٰلكَ ای مثلَ ذٰلكَ الَّذی سَمِعْتَ بِهٖ کاف محل میں نصب کے ہے، یا تو اس لئے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے جس کو افادۂ حصر کے لئے مقدم کر دیا گیا ہے، ای قولاً مثلَ ذٰلكَ القول بعينِهٖ لا قولًا مغايرًا لَهٗ.

قَوْلُہٗ: وغيرُهم، غيرُهم رفع کے ساتھ اس کا عطف مشرکون پر ہے نہ کہ عرب پر یعنی مشرکین کے علاوہ دیگر کفار کا بھی یہی کہنا تھا۔

قَوْلُہٗ: بَيَانٌ لمعنی ذٰلِكَ یعنی مثلَ قولهم، كذٰلكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ کا بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: لَيَسُوا، لَيَسُوا کی جمع کی ضمیر کل کی طرف باعتبار معنی کے راجع ہے۔

قَوْلُهُ: وَمَنْ اَظْلَمُ. مَنْ مبتدا محلاً مرفوع ہے، اَظْلَمُ اسم تفضیل اس کی خبر ہے، استفہام انکاری ہے، ای لا احدٌ اظلمَ منه.

سَوْال: یہاں قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ فَمَنْ اَظْلَمُ کا کلمہ قرآن کے اندر بار بار آیا ہے، مثلاً وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ، وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهٖ، فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ، وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ ان میں سے ہر ایک کا تقاضا حصر کا ہے کہ اس میں مذکور سے بڑا ظالم کوئی نہیں، تو پھر دوسرا فریق اس سے بڑا ظالم کیسے ہوسکتا ہے؟ یعنی اظلمیت کے ساتھ جب ایک فریق کو متصف کر دیا تو اب دوسرے فریق کو اظلمیت کی صفت کے ساتھ متصف کرنا کیسے درست ہے؟

جَوَاب: ہر ایک اپنے صلہ کے معنی کے اعتبار سے خاص ہے، مثلاً کَاَنَّهٗ قَالَ لَا اَحَدٌ مِنَ الْمَانِعِيْنَ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ، وَلَا احدٌ مِنَ المفسدين اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ، وَلَا احدٌ مِنَ الكذّابِينَ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ على اللّٰه على هذا القياس. (جمل)

قَوْلُهُ: مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ، مَسَاجِدَ، مَنَعَ کا مفعول اول ہے اور اَنْ يُذْكَرَ بتاویل مصدر ہو کر مفعول ثانی ہے، مَسَاجِد مسجدٌ کی جمع ہے، سجدہ کرنے کی جگہ، قاعدہ کے مطابق، مَفْعَلٌ کے وزن پر مَسْجَدٌ ہونا چاہئے، اس لئے کہ جس کا مضارع مرفوع العین ہوتا ہے اس کا ظرف مکان مَفْعَلٌ کے وزن پر آتا ہے یہاں خلافِ قیاس جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

سَوْال: مَسَاجِدَ کو جمع کیوں لایا گیا ہے؟ جبکہ مراد بیت المقدس ہے، اس لئے کہ بیت المقدس کو رومی بادشاہ بخت نصر مجوسی نے منہدم کر دیا تھا، یا مراد مسجد حرام ہے جبکہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو صلح حدیبیہ کے سال عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔

جَوَاب: مذکورہ دونوں مسجدیں چونکہ سب سے زیادہ اہم اور بابرکت ہیں ان سے روکنا یا ان کو ویران کرنا گویا کہ تمام مساجد کو ویران کرنا ہے۔

سَوْال: مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ میں مَنَعَ کی نسبت مساجد کی طرف کی گئی ہے حالانکہ حقیقت میں ممنوع لوگ ہیں۔

جَوَاب: مانعین کا فعل چونکہ مسجد سے متعلق تھا مثلاً مساجد میں گندگی وغیرہ ڈالنا یا ان کو منہدم کرنا اس لئے مَنَعَ کی نسبت مساجد کی طرف کی گئی ہے۔

قَوْلُهُ: اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ اس میں اعراب کے اعتبار سے چار صورتیں ممکن ہیں، ① مَنَعَ کا مفعول ثانی ہے كما تقول مَنَعْتُهٗ كذا ② مَنَعَ کا مفعول لہٗ ہے، اى مَنَعَ كَرَاهَةَ اَنْ يُذْكَرَ يا مَنَعَ دخولَ مساجد اللّٰه ③ مَسَاجِدَ اللّٰه سے بدل الاشتمال ہے، اى مَنَعَ ذِكْرَ اسمِهٖ فِيْهَا ④ حذف حرف جر کی وجہ سے منصوب ہے، اى مَنَعَ مَسَاجِدَ مِنْ اَنْ يُذْكَرَ.

قَوْلُهُ: بالهَدْمِ اَوِ التعطيل، هدم سے بیت المقدس کی طرف اشارہ ہے، اس لئے اس کو بخت نصر مجوسی نے منہدم کر دیا تھا، اور تعطیل سے مسجد حرام کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو روک کر گویا کہ مسجد حرام کو معطل اور ویران

کردیا تھا، اَوْ تنویع کے لئے ہے نہ کہ تردید کے لئے۔

قَوْلُہٗ: فِیْ خَرَابِهَا ابوالبقاء نے کہا ہے کہ خَرَاب اسم مصدر بمعنی تخریب ہے، اپنے مفعول کی جانب مضاف ہے، جیسا کہ سَلَام بمعنی تسلیم، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ خَرِبَ کا مصدر ہے، جو خَرِبَ بالمکان سے مشتق ہے، یعنی اس کو بغیر نگہداشت کے چھوڑ دیا تا کہ وہ خود بخود ویران اور برباد ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: خبر بمعنی الامر یعنی یہ جملہ لفظاً خبر یہ اور معنی انشائیہ ہے، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: لَا یَدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِیْنَ میں خبر دی گئی ہے، کہ تخریب کار بیت المقدس میں ڈرتے ہوئے داخل ہوئے، حالانکہ وہ تو نہایت بے خوف ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے، ایک سال سے بھی زیادہ قابض رہے، ہاں البتہ مسلمان بیت المقدس میں اللہ سے ڈرتے ہوئے سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں داخل ہوئے۔

جَوَاب: جواب یہ ہے کہ خبر بمعنی امر ہے، معنی ان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ بیت المقدس میں خوف خدا کے ساتھ داخل ہوں۔ (جمل) مگر یہ جواب پسندیدہ نہیں ہے اس لئے کہ اس میں تعبیر کَانَ کے ساتھ ہے، بیضاوی نے کہا ہے کہ اس آیت کا مقصد مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے منع کرنا ہے۔ (معناه النهی عن تمکینهم من الدخول فی المسجد). (جمل)

قَوْلُہٗ: اخیفوهم بالجهاد یعنی ہم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مسجد حرام اور بیت المقدس میں داخل ہونے کو بذریعہ جہاد روکیں۔ (صاوی) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظاً اور معنیً جملہ خبریہ ہو اور مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور حضرت عمر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے زمانہ میں پیش آنے والے حالات کی خبر دی ہو۔ (هو اقرب) (صاوی)

قَوْلُہٗ: مُطِیْعُوْنَ کُلٌّ بِمَا یُرَادُ مِنْهُ یعنی مخلوق کا ہر فرد اس مقصود کے تابع ہے جو اس سے مطلوب ہے، بِمَا میں باء بمعنی لام ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصَارٰی عَلٰی شَیْءٍ یہود تورات پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کی زبان سے حضرت عیسیٰ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کی تصدیق موجود ہے، لیکن اس کے باوجود یہودی حضرت عیسیٰ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کی تکفیر کرتے ہیں، عیسائیوں کے پاس انجیل موجود ہے جس میں حضرت موسیٰ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اور تورات کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق ہے اس کے باوجود یہ یہودیوں کی تکفیر کرتے ہیں، ان کا یہ طریقہ اہل کتاب کے دونوں فریقوں کے کفر و عناد اور اپنے اپنے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہونے کو ظاہر کر رہا ہے۔

اہل کتاب کے مقابلہ میں عرب کے مشرکین اَن پڑھ (اُمی) تھے اس لئے انھیں بے علم کہا گیا ہے، لیکن وہ بھی امی ہونے کے باوجود یہود و نصاریٰ کی طرح اس زعم باطل میں مبتلا تھے، کہ وہی حق پر ہیں، اسی لئے وہ محمد ﷺ کو صابی یعنی

بے دین کہا کرتے تھے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ (الآیة) جن لوگوں نے مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکا یہ کون ہیں؟ ان کے بارے میں مفسرین کی رائے مختلف ہے، ایک رائے یہ ہے کہ ان سے مراد عیسائی ہیں، جنھوں نے بادشاہِ روم کے ساتھ مل کر بیت المقدس میں یہودیوں کو نماز پڑھنے سے روکا، اس کی تخریب میں حصہ لیا، ابن جریر نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے، لیکن حافظ ابن کثیر نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس کا مصداق مشرکین مکہ کو قرار دیا ہے، جنھوں نے ایک تو نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا اس طرح مسلمانوں کو خانہ کعبہ میں عبادت کرنے سے روکا، پھر صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی یہی کردار ادا کیا، حالانکہ خانہ کعبہ میں عبادت سے کسی کو روکنے کی اجازت نہیں تھی۔

تخریب اور بربادی صرف یہی نہیں ہے کہ اسے ڈھا دیا جائے اور عمارت کو نقصان پہنچایا جائے بلکہ ان میں اللہ کی عبادت اور ذکر سے روکنا یہی تخریب ہے۔

مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ یہ الفاظ خبر کے ہیں یعنی لفظوں کے اعتبار سے جملہ خبریہ ہے، لیکن مراد اس سے یہ خواہش ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمھیں تمکن وغلبہ عطا کرے تو ان مشرکوں کو اس میں صلح اور جزیہ کے بغیر رہنے کی اجازت نہ دینا، چنانچہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا، تو نبی ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ آئندہ سال کسی مشرک کو کعبۃ اللہ کا حج کرنے اور ننگا طواف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بجائے اس کے کہ عبادت گاہیں اس قسم کے ظالموں کے ہاتھوں میں ہوں اور یہ ان کے متولی اور پاسبان ہوں، خدا پرست اور خدا ترس لوگوں کے ہاتھوں میں اقتدار ہونا چاہئے، تاکہ یہ شریر لوگ اگر وہاں جائیں بھی تو انھیں خوف ہو کہ اگر شرارت کریں گے تو سزا پائیں گے۔

شانِ نزول:

مذکورہ دو آیتوں میں دو اہم مسئلوں کا بیان ہے پہلی آیت ایک واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ زمانہ اسلام سے پہلے جب یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کر دیا تو روم کے نصاریٰ نے ان سے انتقام لینے کی خاطر عراق کے ایک مجوسی بادشاہ طیطوس کے ساتھ مل کر شام کے بنی اسرائیل پر حملہ کر کے ان کو قتل کر ڈالا، تورات کے نسخے جلا دیئے، بیت المقدس میں نجاست اور خنزیر ڈال دیئے، اس کی عمارت کو منہدم کر دیا، آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک تک بیت المقدس اسی طرح ویران ومنہدم پڑا تھا۔

نوٹ: بعض حضرات مفسرین نے اس مجوسی بادشاہ کا نام بخت نصر بتلایا ہے، اس سے معروف بخت نصر مراد نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ اس کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت پہلے ہے، یہ ممکن ہے کہ بعد میں کسی بادشاہ کو بخت نصر ثانی کہنے لگے ہوں۔ (معارف)

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب عراق وشام فتح ہوئے تو آپ کے حکم سے بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر

کرائی گئی مدت دراز تک پورا ملک شام اور بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں رہا، پھر ایک عرصہ کے بعد بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا اور تقریباً سو سال یورپ کے عیسائیوں کا اس پر قبضہ رہا یہاں تک کہ چھٹی صدی ہجری میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے پھر اس کو فتح کیا۔

رومی نصاریٰ کی اس گستاخانہ حرکت پر کہ تورات کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب و برباد کرکے اس کی بے حرمتی کی تو یہ آیت نازل ہوئی، یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا ہے۔

اور حضرت ابن زید وغیرہ دوسرے مفسرین نے آیت کا شانِ نزول یہ بتلایا ہے کہ جب مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو واقعہ حدیبیہ کے موقع پر مسجد حرام میں داخل ہونے اور طواف کرنے سے روک دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز و حرام ہیں مثلاً ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی کو مسجد میں جانے اور وہاں تلاوت و ذکر سے روکا جائے، یا مسجد میں شور و شغب کرکے یا قرب و جوار میں باجے وغیرہ بجا کر ذکر و نماز میں خلل ڈالے یہ بھی اللہ کے ذکر سے روکنے میں داخل ہے، اسی طرح جبکہ لوگ نماز و تسبیحات میں مشغول ہوں، کوئی شخص بلند آواز سے تلاوت یا ذکر بالجہر کرنے لگے یہ بھی نمازیوں کی نماز و تسبیح میں خلل ڈالنے اور ذکر اللہ سے روکنے کے مترادف ہے۔ (معارف ملخصًا)

دوسری آیت وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (الآیة) میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو مکہ سے ہجرت کرنے اور بیت اللہ کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا لیکن اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے نہ آپ کے غمگین ہونے کی کوئی وجہ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی خاص سمت میں محدود نہیں وہ ہر جگہ ہے اس کے لئے مشرق و مغرب یکساں ہیں کعبۃ اللہ کو قبلہ بنائیں یا بیت المقدس کو دونوں میں کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ امر الٰہی کی تعمیل ہی دونوں جگہ سبب فضیلت ہے اسی لئے جب کعبۃ اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم تھا اس میں فضیلت تھی اور جب سولہ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم ہو گیا تو اب اس میں فضیلت ہے لہٰذا آپ دل گیر نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی توجہ دونوں حالتوں میں یکساں ہے۔

الغرض آیت مذکورہ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ نے استقبال قبلہ کی پوری حقیقت واضح کر دی کہ اس کا منشا بیت المقدس یا بیت اللہ کی معاذ اللہ پرستش نہیں اور نہ ان دونوں مکانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات مخصوص ہے بلکہ اس کی ذات سارے عالم پر محیط ہے اور ہر سمت میں اس کی توجہ یکساں ہے۔

آیت مذکورہ کے اس مضمون کو واضح کرنے ہی کے لئے غالباً آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو ہجرت کے اوائل میں سولہ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرنے کا حکم دے کر عملی طور پر یہ بتلا دیا گیا کہ ہماری توجہ ہر طرف ہے، اور نوافل میں اس حکم کو ہمیشہ کے لئے جاری رکھا کہ سفر میں کوئی شخص سواری مثلاً اونٹ گھوڑے وغیرہ پر سوار ہو تو اس کو اجازت ہے کہ سواری پر بیٹھے ہوئے اشارہ سے نفلی نماز پڑھ لے اس کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا

بھی ضروری نہیں جس طرف اس کی سواری چل رہی ہو اسی طرف رخ کر لینا کافی ہے۔

مذکورہ حکم ان سواریوں کا ہے جن پر سوار ہو کر چلتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا دشوار ہو اور جن سواریوں پر سوار ہو کر قبلہ کی طرف رخ کرنا دشوار نہیں ہے، جیسے ریل، ہوائی جہاز، بحری جہاز، ان کا وہی حکم ہے جو حالت حضر کا ہے، اگر ان میں نفل نماز بھی پڑھنی ہو تو قبلہ رخ ہو کر پڑھی جائے، البتہ نماز کی حالت میں ریل کا یا جہاز کا رخ مڑ جائے اور نمازی کے لئے گنجائش نہ ہو کہ وہ بھی قبلہ رخ پھر جائے تو اسی حالت میں نماز پوری کر لے۔

اسی طرح جہاں نمازی کو سمت قبلہ معلوم نہ ہو یا رات کی تاریکی میں اندازہ نہ ہو سکے اور نہ کوئی بتلانے والا ہو اور نہ کوئی ایسی علامت ہو کہ جس سے سمت قبلہ کا تعین ہو سکے تو اندازہ اور تخمینہ سے سمت قبلہ متعین کر کے نماز ادا کر لے، اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ نماز غلط رخ پر پڑھی گئی تو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں وہی نماز کافی ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ، اِتَّخَذَ وَلَدًا کا ترجمہ ہے، لے رکھا ہے ایک بیٹا، بنا رکھا ہے ایک بیٹا، یہاں مسیحیوں کا یہ قول نہیں نقل کیا جا رہا ہے کہ خدا کے ایک بیٹا ہے بلکہ کہا جا رہا ہے خدا نے ایک بیٹا بنا لیا ہے، مطلب یہ کہ خدا نے کسی کو متبنٰی بنا رکھا ہے۔

فرقۂ اتخاذی:

ایک فرقہ اتخاذیوں (ADOPTIONISTS) کے نام سے گذرا ہے ان کے مرکزی عقیدہ کے لئے اصطلاحی لفظ تبنیت یا اتخاذیت (ADOPTIONISM) ہے، اس عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام خلیفہ خدا نہیں، وہ خدا پیدا نہیں ہوئے، وہ شروع سے خود بخود بنے بنائے خدا نہیں ہیں؛ بلکہ اصلاً وخلقۃً وہ انسان ہی تھے، البتہ اقنوم ثالث یعنی روح القدس کا فیضان ان پر شروع ہی سے ہونے لگا تھا، اس لئے وہ قدوسیت کے ایسے اوج کمال پر پہنچ گئے کہ روح الٰہی ان کے اندر ایسی حلول کر گئی کہ اقنوم اول یعنی خدائے برتر واعظم نے انھیں اپنا بیٹا قرار دے کر اپنا متبنٰی بنا کر شریک الوہیت کر لیا، اور اب وہ ربوبیت، مالکیت وغیرہ جملہ صفات الٰہی میں شریک وسہیم ہے، اس عقیدہ کا وجود ۷۸۵ء میں ملتا ہے آٹھویں صدی عیسوی میں پاپائے روم نے اس عقیدہ کو الحاد اور زندقہ قرار دیا، بارہویں صدی میں اس عقیدہ نے پھر زور پکڑا، پھر یہ لوگ زندیق قرار پائے۔
(تفسیر ماجدی ملخصًا)

اللہ کے لئے ولد عقلاً ونقلاً ممکن نہیں:

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے، سبحان اللہ! (کیا مہمل بات ہے) بعض یہودی حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، اور مشرکین عرب ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں حق تعالیٰ اس قول کی قباحت اور بطلان کو بیان فرما رہے ہیں۔

دلیل بطلان:

اگر اللہ کی اولاد مانی جائے تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو اولاد غیر جنس ہوگی اور یا ہمجنس ہوگی، اگر غیر جنس ہو تو اولاد کا ناجنس ہونا عیب ہے، اور حق تعالیٰ عیب سے پاک ہے، اور اگر ہم جنس ہو تو اس لئے باطل ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی ہم جنس نہیں کیونکہ جو صفات کمال لوازم ذات واجبہ سے ہیں وہ اللہ کے ساتھ مخصوص اور غیر اللہ میں معدوم ہیں اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی کو مستلزم ہے، لہٰذا ہم جنس ہونا بھی باطل ہوا۔

بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مخلوق کا رشتہ اپنے خالق کے ساتھ صرف ملکیت اور مملوکیت مطلقہ کا ہے نہ کہ فرزندی اور دلبندی کا، مطلب یہ کہ کائنات کی ہر شئ اللہ کی مملوک ہے کوئی ہستی اس سے خارج نہیں اور مملوکیت و ابنیت میں تضاد و تنافی ہے، جو مملوک ہے وہ ابن نہیں اور جو ابن ہے وہ مملوک نہیں ہوسکتا، غرضیکہ وہ بشریت کی ہر قسم کی رشتہ داریوں سے پاک و منزہ ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مُوجِدُہُمَا لاَ عَلٰی مِثَالٍ سَبَقَ وَاِذَا قَضٰٓى اَرَادَ اَمْرًا ای اِیجَادَہٗ فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ ای فَہُوَ یکونُ وفی قراءۃٍ بالنَّصبِ جوابًا لِلاَمرِ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ای کفارُ مَکَّۃَ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لَوْلَا ہَلاَّ يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَنَّكَ رسولُہٗ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ط مِمَّا اقترحناہ علی صِدقِكَ كَذٰلِكَ كَمَا قَالَ ہٰؤُلاَءِ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِن کُفَّارِ الاُمَمِ المَاضِیَۃِ لِاَنبیائِہِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ط مِنَ التَّعَنُّتِ وطَلَبِ الاٰیاتِ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ط فِی الکُفرِ والعِنَادِ، فیہ تَسلِیَۃٌ لِلنَّبی صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ یعلَمُونَ اَنَّہَا اٰیاتٌ فیُؤمِنُونَ بِہا فاقتِراحُ اٰیۃٍ مَعَہَا تَعَنُّتٌ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ یا محمدُ بِالْحَقِّ بالہُدٰی بَشِيْرًا مَن اَجَابَ اِلَیہِ بالجنَّۃِ وَّنَذِيْرًا مَن لَم یُجِبْ اِلَیہِ بالنَّارِ وَّلَا تُسْــَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ النار ای الکُفَّارِ مَالَہُم لَم یُؤمِنُوا اِنَّمَا عَلَیكَ البَلٰغُ وفی قراءۃٍ بِجزمِ تسئَلْ نَہْیًا وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ط دِینَہُم قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ الاسلامَ هُوَ الْهُدٰى ط وَمَا عَدَاہُ ضَلاَلٌ وَلَئِنْ لامُ قَسَمٍ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ التی یَدعُونَكَ اِلَیہَا فَرْضًا بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ الوَحیِ مِنَ اللہِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ یَحفَظُكَ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ یَمنَعُكَ مِنہُ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مُبتدأٌ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ط ای یَقرَءُونَہٗ کَمَا اُنزِلَ والجُملۃُ حالٌ وحقَّ نُصِبَ علی المَصدرِ، والخبرُ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ط نَزَلَتْ فی جَمَاعَۃٍ قَدِمُوا مِنَ الحَبشَۃِ واَسلَمُوا وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ ای بالکتابِ المُؤتٰی بِاَن یُحَرِّفَہٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ لِمَصِیرِہِم اِلَی النَّارِ المُؤَبَّدَۃِ عَلَیہِم.

ترجمہ: وہ آسمانوں اور زمین کا بغیر سابقہ نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے، اور جب کسی شئ کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو بس اس کے لئے یہ حکم دیتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے اور ایک قراءت میں (یکونَ) جواب امر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، نادان (اَن پڑھ) یعنی کفار مکہ نبی ﷺ سے کہتے ہیں کہ اللہ خود ہم سے کیوں نہیں کہتا کہ آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، یا آپ (ﷺ) کی صداقت پر جو نشانی ہم تجویز کریں ہمارے پاس کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح یعنی جیسا کہ یہ کہتے ہیں ان سے پہلے امم سابقہ کے کافروں نے بھی اپنے نبیوں سے ان کے جیسی بات کہی یعنی سرکشی اور طلب معجزات کی، کفر وعناد میں ان کے قلوب یکساں ہیں، اس میں نبی ﷺ کو تسلی ہے، یقین لانے والوں کے لئے تو ہم صاف صاف نشانیاں ظاہر کر چکے ہیں، جو جانتے ہیں، کہ یہ معجزات ہیں تو ان پر ایمان لے آتے ہیں، پھر ان نشانیوں کے ساتھ مزید معجزے کا مطالبہ کرنا سرکشی ہے، بلاشبہ اے محمد (ﷺ) ہم نے آپ کو ہدایت کے ساتھ جنت کی خوش خبری سنانے والا بنا کر بھیجا، اس کو جس نے آپ کی دعوت قبول کی، اور اس شخص کو دوزخ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا جس نے آپ کی دعوت قبول نہ کی، جہنمیوں یعنی کفار کے بارے میں آپ سے پرسش نہیں ہوگی کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے؟ آپ کی ذمہ داری تو صرف پہنچا دینا ہے اور ایک قراءت میں تُسْئَلْ جزم کے ساتھ ہے نہی ہونے کی وجہ سے، اور یہود ونصاریٰ ہرگز آپ سے راضی نہ ہوں گے، جب تک آپ ان کے دین کی پیروی نہ کرنے لگیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت یعنی اسلام ہی (صحیح) راستہ ہے اور اس کے علاوہ سب گمراہی ہیں، اور قسم ہے لام قسمیہ ہے، آپ کے پاس وحی کا علم آجانے کے بعد اگر بالفرض آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی جس کی طرف وہ آپ کو دعوت دیتے ہیں، تو اللہ کے پاس آپ کا نہ کوئی ولی ہوگا جو آپ کی حفاظت کر سکے اور نہ کوئی مددگار ہوگا جو آپ کو اس سے بچا سکے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی (الذین اٰتینٰھم الکتاب) مبتداء ہے، (اور) وہ اس کو اس کے حق کے ساتھ تلاوت کے یعنی جس طرح نازل کی گئی ہے اسی طرح پڑھتے ہیں یہ جملہ حال ہے اور حقَّ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور خبر (اُولٰئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ہے) یہی ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان رکھتے ہیں (یہ آیت) اس جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جو حبشہ سے آئی تھی اور اسلام قبول کیا، اور جو اس عطا کردہ کتاب کا منکر ہے بایں طور کہ اس میں تحریف کرتا ہے تو یہی زیاں کار ہیں، ان کے دائمی آگ کی طرف لوٹنے کی وجہ سے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، بَدِيْعٌ بروزن فَعِيْلٌ بمعنی مُبْدِعٌ بغیر کسی سابق نمونہ اور مادہ کے پیدا کرنے والا، بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ والارض ای هُوَ بدیع السمٰوٰتِ "بَدِیْع" اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

قولہ: وَاِذَا قَضٰی، اَرَادَ مفسر علام نے قضٰی کی تفسیر اَرَادَ سے کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

سَوْال: قَضٰی کے معنی اتمام شئ کے ہیں خواہ قولاً ہو، جیسے وَقَضٰی رَبُّكَ یا فعلاً جیسے فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ اور اتمام شئ کے بعد اس کے لئے کن کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، بلکہ درست بھی نہیں ہے اس لئے کہ اس سے تحصیل حاصل لازم آتا ہے، جو کہ ممنوع ہے اور مکوَّن واحد کے لئے دو کون یا کہئے کہ موجود واحد کے لئے دو وجودوں کا ہونا لازم آتا ہے، اس لئے کہ مخاطب بننے کے لئے موجود ہونا ضروری ہے ورنہ تو معدوم کو خطاب لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے اور دوسرا کن کہنے کے بعد موجود ہوگا ورنہ تو امر بے کار ہوگا۔

جَوَابْ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ قضٰی بمعنی اَرَادَ ہے مجازاً۔

سَوْال: فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی معدوم کو وجود میں لانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس سے کن کہہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ معدوم موجود ہوجاتا ہے، اس سے معدوم کو مخاطب کرنا لازم آتا ہے۔

جَوَابْ: اللہ تعالیٰ کے ارادہ ہی سے وہ معدوم موجود کے حکم میں ہوجاتا ہے، لہٰذا خطاب کرنا درست ہے، نیز كُن فیکونُ سے مقصد سرعت ہے نہ کہ ایجاد۔

قَوْلُهٗ: فهو یکونُ اس جملہ کے اضافہ کا فائدہ ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سَوْال: مضارع جب فاء کے بعد واقع ہو اور اس کے ماقبل امر یا نہی ہو تو اس پر نصب واجب ہے حالانکہ یہاں فیکونُ پر رفع ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابْ: حذف مبتداء کی وجہ سے یہ جملہ اسمیہ ہے تقدیر عبارت فَهُوَ یَكُوْنُ ہے، جملہ اسمیہ ہو کر جواب امر ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ فیکونُ جملہ مستانفہ ہے اور ھو مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور ایک قراءت میں فیکونَ نصب کے ساتھ بھی ہے اس صورت میں فاء سببیہ کے بعد اَن مقدر ماننا ہوگا۔

قَوْلُهٗ: ای کفار مکة.

سَوْال: اَلَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ کی تفسیر کفار مکہ سے درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ سورت مدنی ہے۔

جَوَابْ: بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ پوری سورت مدنی ہے مگر یہ آیت مکی ہے، مگر یہ جواب بعید ہے۔

دُوسرا جَوَابْ: یہ ہوسکتا ہے کہ مذکورہ سوال کفار مکہ نے یہود مدینہ کی معرفت آپ ﷺ سے کیا ہو۔

قَوْلُهٗ: فی قراءة بجزم تَسْئَل نهیًا یعنی ایک قراءت میں لا تُسْئَلُ کے بجائے لَا تَسْئَلْ ہے یعنی آپ جہنمیوں کے بارے میں کچھ نہ پوچھئے ان کا بہت بُرا حال ہوگا۔

قَوْلُهٗ: وَحَقَّ نُصِبَ عَلَی المصدریة حَقَّ، تلاوتِهٖ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت اس طرح ہے یتلونهٗ تلاوَةً حقًّا صفت کو مقدم کرکے موصوف کی طرف اضافت کردی گئی ہے۔

تفسیر وتشریح

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ وہی ذات ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کی مالک ہے، ہر چیز اس کی فرمانبردار ہے، بلکہ آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی مادہ اور نمونے کے بنانے والا بھی وہی ہے، علاوہ ازیں اس کو جو کام کرنا ہوتا ہے اس کے لئے کُنْ کہہ دیتا ہے وہ چیز فوراً موجود ہو جاتی ہے، ایسی ذات کو بھلا اولاد کی کیا ضرورت؟

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا یُکَلِّمُنَا اللہُ (الآیة) الذین لا یعلمون سے مراد مشرکین عرب ہیں جنہوں نے یہودیوں کی طرح مطالبہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہ راست گفتگو کیوں نہیں کرتا؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ خدا یا تو خود ہمارے سامنے آکر کہے کہ یہ میری کتاب ہے تم لوگ اس کی پیروی کرو یا پھر ہمیں کوئی ایسی نشانی دکھائی جائے جس سے ہمیں یقین آجائے کہ محمد ﷺ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہے۔

کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی آج کے گمراہوں نے کوئی اعتراض اور کوئی مطالبہ ایسا پیش نہیں کیا جو ان سے پہلے گمراہ پیش نہ کر چکے ہوں، قدیم زمانہ سے آج تک گمراہی کا ایک ہی مزاج رہا ہے اور وہ بار بار ایک ہی قسم کے شبہات اور اعتراض اور سوالات دہراتی رہتی ہے یعنی مشرکین عرب کے دل کفر و عناد اور انکار و سرکشی میں اپنے ماقبل کے لوگوں کے دلوں کے مشابہ ہیں۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ (الآیة) یہ اس بات پر وعید ہے کہ علم آجانے کے بعد بھی اگر محض ان برخود غلط لوگوں کو خوش کرنے کے لئے ان کی پیروی کی تو تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا، یہ دراصل امت محمدیہ کو تعلیم دی جارہی ہے کہ اہل بدعت اور گمراہوں کی خوشنودی کے لئے وہ بھی ایسا کام نہ کریں نہ دین میں مداہنت اور نہ بے جا تاویل کا ارتکاب کریں۔

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی: الخ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کی خواہ کتنی بھی رعایت کریں مگر یہ آپ ﷺ سے راضی ہونے والے نہیں ہیں اس لئے کہ ان کی ناراضگی کی وجہ عناد اور حسد ہے جس کا کوئی علاج نہیں، آپ ﷺ نے ان کی رعایت بیت المقدس کی طرف نماز میں رخ کرنے میں موافقت کر کے دیکھ لی آخر حسد و عناد میں اضافہ کے سوا کیا نتیجہ نکلا؟ ان لوگوں کی ناراضگی کا سبب یہ تو ہے نہیں کہ وہ سچے طالب حق ہیں اور آپ ﷺ نے ان کے سامنے حق کو واضح کرنے میں کچھ کمی کی ہے، بلکہ ان کی خواہش اور تمنا تو یہ ہے کہ آپ بھی ان کی طرح گندم نمائی اور جو فروشی کیوں نہیں کرتے؟ جو خود ان کا شیوہ ہے یہ لوگ تو صرف ایک ہی صورت سے راضی ہو سکتے ہیں کہ آپ ان ہی کے رنگ میں رنگ جائیں اور خدا پرستی کے پردے میں نفس پرستی اختیار کرلیں، اور اگر خدانخواستہ ان کو راضی کرنے کے لئے آپ نے خلافِ شرع کوئی بھی قدم اٹھایا تو پھر نہ آپ کا کوئی حامی ہوگا اور نہ مددگار۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ (الآیة) اہل کتاب کے ناخلف لوگوں کی ضروری تفصیل کے بعد اس آیت میں اہل کتاب کے ان صالح عنصر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ دیانت اور راستی کے ساتھ خدا کی کتاب پڑھتے ہیں، جیسے عبداللہ بن سلام، اس لئے

جو حق ہوتا ہے اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (۱۲۲) تقدم مثله وَاتَّقُوْا خافوا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ تغني نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ فيه شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ فداء وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (۱۲۳) يمنعون من عذاب الله وَ اذكر اِذِ ابْتَلٰٓى اختبر اِبْرٰهٖمَ وفي قراءة ابراهام رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ بأوامر ونواهٍ كلّفه بها قيل هي مناسك الحج وقيل المضمضة والاستنشاق والسواك وقص الشارب وفرق الرأس وقلم الأظفار ونتف الإبط وحلق العانة والختان والاستنجاء فَاَتَمَّهُنَّ اداهن تامات قَالَ تعالى له اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قدوة في الدين قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ اولادي اجعل ائمة قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي بالامامة الظّٰلِمِيْنَ (۱۲۴) الكافرين منهم دل على انه ينال غير الظالم وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ الكعبة مَثَابَةً لِّلنَّاسِ مرجعًا يثوبون اليه من كل جانب وَاَمْنًا مأمنًا لهم من الظلم والاغارات الواقعة في غيره كان الرجل يلقى قاتل أبيه فيه فلا يهيجه وَاتَّخِذُوْا أيها الناس مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ هو الحجر الذي قام عليه عند بناء البيت مُصَلًّى مكان صلوة بأن تصلوا ركعتي الطواف وفي قراءة بفتح الخاء خبر وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ أمرناهما اَنْ اي بأن طَهِّرَا بَيْتِيَ من الاوثان لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ المقيمين فيه وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (۱۲۵) جمع راكع وساجد المصلين وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا المكان بَلَدًا اٰمِنًا ذا امن وقد أجاب الله دعاءه فجعله حرمًا لا يسفك فيه دم انسان ولا يظلم فيه أحد ولا يصاد صيده ولا يختلى خلاه وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ وقد فعل بنقل الطائف من الشام وكان اقفر لا زرع به ولا ماء مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ بدل من اهله وخصهم بالدعاء لهم موافقة لقوله لا ينال عهدي الظّٰلمين قَالَ تعالى وَ أرزق مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ بالتشديد والتخفيف في الدنيا بالرزق قَلِيْلًا مدة حياته ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ الجئه في الآخرة اِلٰى عَذَابِ النَّارِ فلا يجد عنها محيصًا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (۱۲۶) المرجع هي.

ترجمہ: اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جس سے میں نے تم کو نوازا تھا اور میں نے تم کو اقوام عالم پر فضیلت عطا کی تھی، اس جیسی آیت سابق میں گذر چکی ہے اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، اور نہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائیگا، اور نہ کوئی سفارش ہی کسی کو فائدہ دے گی اور نہ (مجرموں) کو کہیں سے مدد ہی پہنچ سکے گی، کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچا سکیں اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو اس کے رب نے چند باتوں سے آزمایا اور ایک قراءت میں ابراہام ہے (اور وہ باتیں) جن کا اس کو مکلف بنایا اوامر و نواہی تھیں، کہا گیا ہے کہ وہ مناسک حج تھے، اور کہا گیا ہے کہ وہ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، اور مسواک کرنا اور مونچھوں کو کاٹنا اور سر کے بالوں میں مانگ نکالنا، اور ناخن تراشنا، اور بغل کے بال اکھاڑنا، اور

زیرناف کے بال لینا، اور ختنہ کرانا، اور پانی سے استنجاء کرنا تھیں، چنانچہ (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) ان باتوں کو مکمل طور پر ادا کیا (تو) اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو دین میں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا: میری اولاد میں سے بھی پیشوا بنائیے، اللہ نے جواب دیا: پیشوائی کا میرا وعدہ ان میں سے ظالموں کافروں سے نہیں ہے اس سے معلوم ہوا جو ظالم نہیں ہیں ان سے وعدہ ہے اور یہ کہ ہم نے اس گھر کو کعبہ کو لوگوں کے لئے مرجع (مرکز) بنایا، ہر جانب سے لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور ظلم سے اور دوسری جگہ ہونے والی غارت گری سے امن کی جگہ بنائی آدمی بیت اللہ میں اپنے باپ کے قاتل سے ملتا تھا مگر (باپ کا قتل) اس کو (قاتل کے قتل پر) برانگیختہ نہیں کرتا تھا، اور اے لوگو! تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو اور وہ وہی پتھر ہے جس پر تعمیر بیت اللہ کے وقت (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کھڑے ہوتے تھے، مصلّٰی بمعنی جائے نماز، بایں طور کہ اس کے پیچھے طواف کی دو رکعت نماز پڑھو، اور ایک قراءت میں اِتَّخَذُوا خاء کے فتح کے ساتھ ہے اور ہم نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے بتوں سے پاک رکھو، یعنی اس میں قیام کرنے والوں کے لئے، اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لئے (یعنی) نماز پڑھنے والوں کے لئے، رُکّع راکع کی اور السجود ساجد کی جمع ہے اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا اے میرے پروردگار تو اس جگہ کو امن والی بنا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دعاء قبول فرمائی چنانچہ اس کو محترم بنادیا کہ نہ اس میں انسان کا خون بہایا جاتا ہے اور نہ اس میں کسی پر ظلم کیا جاتا ہے اور نہ اس میں شکار کیا جاتا ہے اور نہ اس کا کانٹا اکھاڑا جاتا ہے اور اس کے باشندوں کو پھلوں کی روزی عطا کر چنانچہ طائف کے خطہ کو ملک شام سے منتقل کرکے ایسا ہی کردیا حالانکہ وہ بنجر بے آب و گیاہ زمین تھی ان کے لئے جو ان میں سے اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر مَنْ آمَنَ، اهله سے بدل ہے اور ان کو دعاء کے لئے خاص کرنا اس وجہ سے ہے کہ یہ **لا ينال عهدی الظٰلمين** کے موافق ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو لوگ کفر کریں گے ان کو بھی قدرے یعنی ان کی حیات کی مقدار نفع پہنچاؤں گا، پھر آخرت میں ان کو جبراً دوزخ کی طرف لیجاؤں گا کہ وہ اس سے رہائی نہ پاسکیں گے اور وہ (دوزخ) بدترین ٹھکانہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: يَوْمًا لَّاتَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ ، فِيْهِ ، لَا تَجْزِی نَفْسٌ عن نفسٍ جملہ ہو کر يَوْمًا کی صفت ہے، اور صفت جب جملہ ہو تو عائد ضروری ہوتا ہے فِيْهِ کا اضافہ عائد کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ ہے وَاذكر اِذِ ابتلٰى ابراهيم میں ایک قراءت ابراهام بھی ہے، ابراہیم سریانی زبان میں أَبٌ رحيمٌ کو کہتے ہیں، یعنی مشفق و مہربان باپ، یہاں اُذکر محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ اِذْ، اذكر فعل محذوف کا معمول ہے نہ کہ ابتلٰى کا، یہ ان لوگوں پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ اِذْ، اِبتلٰى کا معمول ہے، اس لئے کہ اس میں معمول کا عامل پر مقدم ہونا لازم آتا ہے۔

قَوْلُہٗ: قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا یہ جملہ مستانفہ ہے، اور ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔

سُوال: یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام اوامر ونواہی کو بحسن وخوبی انجام دیدیا تو کیا ہوا؟

جواب: میں فرمایا میں تجھ کو لوگوں کا دینی پیشوا بناؤں گا۔

قولہ: قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ کا عطف بتاویل بعض جاعِلُكَ کے کاف پر ہے، جیسا کہ مِن تبعیضیہ دلالت کر رہا ہے۔

سُوال: ضمیر متصل پر بغیر اعادۂ ضمیر یا فصل کے عطف صحیح نہیں ہے، لہٰذا مِن ذُرِّيَّتِيْ کا عطف کاف ضمیر پر کیسے درست ہے؟

جواب: جَاعِلُكَ میں جاعِل کی کاف کی طرف اضافت لفظیہ ہے اور انفصال کے درجہ میں ہے، لہٰذا عطف درست ہو گیا۔

سُوال: اس عطف میں ایک کے مقولہ کا دوسرے کے مقولہ پر عطف لازم آرہا ہے، اس لئے کہ اِنِّي جَاعِلُكَ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے، اور وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقولہ ہے۔

جواب: ایک کے مقولہ کا دوسرے کے مقولہ پر عطف جائز ہے جیسا کہ تیرا وَزَيْدًا اس کے جواب میں کہنا جو تجھ سے کہے سَأُكْرِمُكَ تو کہے وَزَيْدًا یعنی زید کا بھی اکرام کر، اس کو عطف تلقین کہتے ہیں، جیسا کہ سلام کے جواب میں وعلیکم السلام کہنا، یہ بھی ایک کے مقولہ کا دوسرے کے مقولہ پر عطف کے قبیل سے ہے، جس میں کوئی قباحت نہیں ہے، حاصل یہ کہ خبر بمعنی طلب ہے۔ (ترویح الارواح)

قولہ: الکعبة، اَلْبَيْت کی تفسیر الکعبۃ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ البیت میں الف لام عہد کا ہے، اور یہ اسماء مغالبہ میں سے جیسے الثریا مطلق ستارہ کو کہتے ہیں، اب ایک مخصوص ستارہ کا نام ہو گیا ہے، اسی طرح البیت جب مطلق بولا جاتا ہے تو بیت اللہ ہی مراد ہوتا ہے۔

قولہ: مَثَابَةً، ثَابَ يَثُوبُ سے ظرف مکان ہے، لوٹنے کی جگہ، مرجع، مرکز، ثَوْبًا کے معنی ہیں، اصلی حالت کی طرف لوٹنا، ھاء اس میں مبالغہ کے لئے ہے جیسا کہ علامة ونسّابة میں ہے۔

قولہ: مَأْمَنًا لَّهُمْ یہ مصدر میمی بمعنی ظرف مکان ہے، موضع امن، اَمْنًا کو مَأْمَنًا کے معنی میں لینے کی وجہ سے اَمْنًا کا اَلْبَيْت پر حمل بھی درست ہو گیا ورنہ مصدر کا حمل ذات پر لازم آرہا تھا۔

قولہ: وَكَانَ الرجل يَلْقَى الخ یہ اغارات وغیرہ سے امن کے معنی کا بیان ہے۔

قولہ: وَاتَّخِذُوْا اس کا عطف جَعلنا پر ہے، اور یہ قول محذوف کا مقولہ ہے ای قلنا لهم اتخذوا مِن مقام ابراهيمَ مصلّى.

قولہ: بفتح الخاء خبرٌ اس کا عطف بھی جَعَلْنَا پر ہے، یہ بیان حال کے لئے ہے، یعنی لوگوں نے اس کو اپنا مصلّی بنالیا۔

قولہ: اَمَرْنَاهُمَا، عَهِدْنَا کی تفسیر اَمَرْنَا سے کر کے ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سُوال: عَهِدَ کا صلہ جب الی آتا ہے تو اس کے معنی توصیة کے ہوتے ہیں جو ذات باری کے مناسب نہیں ہیں۔

جواب: عَهِدْنَا بمعنی اَمَرْنَا ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قِوْلُہٗ: بِاَنْ اس میں اشارہ ہے کہ اَنْ مصدریہ ہے نہ کہ تفسیریہ، فعل امر پر بیان مامور بہ کے لئے داخل ہے۔

تفسیر وتشریح

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ سابق میں یہ بات گذر چکی ہے کہ بنی اسرائیل اولاد یعقوب کو کہا جاتا ہے، ماقبل میں بنی اسرائیل کی ایک طویل فرد جرم شمار کرانے اور ان کی موجودہ حالت جو نزول قرآن کے وقت تھی بے کم وکاست بیان کرنے کے بعد ان کو بتایا جارہا ہے کہ تم ہماری ان نعمتوں کی انتہائی ناقدری کرچکے ہو جو ہم نے تم کو عطا کی تھیں، تم نے صرف یہی نہیں کیا کہ منصب امامت کا حق ادا نہیں کیا بلکہ خود بھی حق وراستی سے پھر گئے، اور اب ایک نہایت قلیل عنصر صالح کے سوا تمہاری پوری امت میں کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی۔

اور اب یہ بتایا جارہا ہے کہ امامت اور پیشوائی کسی نسل یا قوم کی میراث نہیں ہے بلکہ یہ اس سچی اطاعت وفرماں برداری کا پھل ہے جس میں ہمارے اس بندے (ابراہیم) نے اپنی ہستی کو گم کردیا تھا، اور اس کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو ابراہیم کے طریقہ پر خود چلیں اور دنیا کو اس پر چلانے کی خدمت انجام دیں، چونکہ اے بنی اسرائیل! تم اس طریقہ سے ہٹ گئے ہو اور اس خدمت کی اہلیت پوری طرح کھو چکے ہو، لہٰذا تمہیں امامت کے منصب سے معزول کیا جاتا ہے۔ اسی کے بعد یہ بات ارشاد فرمائی کہ اب ہم نے نسل ابراہیم کی دوسری شاخ بنی اسماعیل میں وہ رسول پیدا کیا کہ جس کے لئے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے دعا کی تھی، لہٰذا اب امامت کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں، جو اس رسول کی پیروی کریں گے۔

تبدیلی امامت کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی قدرتی طور پر تحویل قبلہ کا اعلان بھی ضروری تھا، جب تک بنی اسرائیل کی امامت کا دور تھا، بیت المقدس مرکز دعوت رہا اور وہی قبلۂ اہل حق بھی رہا، مگر جب بنی اسرائیل اس منصب سے باضابطہ معزول کردیئے گئے تو بیت المقدس کی مرکزیت خود بخود ختم ہوگئی، لہٰذا اعلان کیا گیا کہ اب وہ مقام دین الٰہی کا مرکز ہے جہاں سے اس رسول کی دعوت کا ظہور ہوا ہے اور چونکہ ابتداء میں ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی دعوت کا مرکز بھی یہی مقام تھا، اس لئے اہل کتاب اور مشرکین کسی کے لئے بھی یہ تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ قبلہ ہونے کا زیادہ حق کعبے ہی کو پہنچتا ہے، ہٹ دھرمی کی بات دوسری ہے کہ وہ حق کو حق جانتے ہوئے بھی اعراض کئے چلے جارہے ہیں۔

امت محمد ﷺ کی امامت اور کعبے کی مرکزیت کا اعلان کرنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے انیسویں رکوع سے آخر سورت تک مسلسل اس امت کو ہدایات دی ہیں جن پر انہیں عمل پیرا ہونا چاہئے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی آزمائش:

وَاِذِابْتَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ (الآیۃ) قرآن میں مختلف مقامات پر ان تمام آزمائشوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے، جن سے گذر کر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کیا تھا کہ انہیں بنی نوع انسان کا امام بنادیا

جائے، جس وقت سے حق ان پر منکشف ہوا اس وقت سے لے کر دم واپسیں تک ان کی پوری زندگی سراسر قربانی ہی قربانی تھی، دنیا میں جتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان محبت کرتا ہے ان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حق کی خاطر قربان نہ کیا ہو اور دنیا میں جتنے خطرات ایسے ہیں جن سے آدمی ڈرتا ہے ان میں سے کوئی خطرہ ایسا نہ تھا جسے انہوں نے حق کی راہ میں نہ جھیلا ہو۔

حسن نے کہا: حضرت ابراہیم کو سات چیزوں کے ذریعہ آزمایا گیا ① کواکب ② قمر ③ شمس ④ ہجرت ⑤ ذبح ولد ⑥ ختنہ ⑦ نمرود کی آگ، اور بعض حضرات نے تیس کی تعداد شمار کرائی ہے۔ (مظہری) یہ وہ تمام آزمائشیں ہیں جن سے حضرت ابراہیم گزارے گئے اور آپ ہر آزمائش میں کامیاب و کامران رہے، جس کے صلہ میں امام الناس کے منصب پر فائز کئے گئے، چنانچہ مسلمان ہی نہیں یہودی اور عیسائی حتی کہ مشرکین عرب سب ہی میں انکی شخصیت محترم اور پیشوا مانی جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اعلانِ امامت:

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جن آزمائشوں سے گزارے گئے اور آپ ہر آزمائش میں کامیاب و کامران رہے جس کے صلہ میں امام الناس کے منصب پر فائز کیے گئے، ارشاد ہوا اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواہش ظاہر کرتے ہوئے فرمایا: وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ یعنی میری ذریت میں بھی یہ منصب عطا ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خواہش کو قبول فرمایا، جس کا ذکر سورۂ عنکبوت آیت ۲۷، میں اس طرح فرمایا: وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ ہم نے نبوت اور کتاب ان کی اولاد میں رکھ دی، اس کے ساتھ ہی خبردار کر دیا کہ میرا یہ وعدہ ظالموں سے نہیں ہے، اس سے اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتنی اونچی شان اور عند اللہ اتنی قدر و منزلت کے باوجود، اولادِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سے جو ناخلف اور ظالم و مشرک ہوں گے ان سے میرا کوئی وعدہ نہیں ہے، اور یہ بتا دیا کہ اگر ایمان اور عمل صالح نہیں ہے تو پیغمبرزادگی اور پیرزادگی اور صاحبزادگی کی بارگاہِ الٰہی میں کوئی حیثیت نہیں، نبی ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ بَطَأَ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ (صحیح مسلم) جس کو اس کے عمل نے پیچھے چھوڑ دیا اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعارف:

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ صرف مسلمانوں کے نزدیک بزرگ اور قابل صد احترام ہیں بلکہ یہود اور نصاریٰ حتی کہ مشرکین عرب کے نزدیک بھی جلیل القدر ہیں، تورات میں آپ کا نام ابراہام اور ابراہیم آیا ہے، سریانی زبان میں ابراہیم کے معنی مہربان باپ کے ہیں جسے عربی میں ابٌ رحیمٌ کہا جاتا ہے، تورات کی روایت کے مطابق آپ اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان دس پشتوں کا فاصلہ ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گیارہویں پشت میں تھے، لیکن خود تورات کے

شارحین کا خیال بعض قوی قرائن کی بناء پر یہ ہے کہ توارت میں نسب نامہ کی کچھ پشتیں چھوٹ گئی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا سن ولادت:

آپ کا سن ولادت سر چارلس مارٹن محقق اثریات کی جدید تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ ق م ہے، اور عمر شریف تورات کے بیان کے مطابق ۱۷۵ رسال ہے اس حساب سے آپ کا سال وفات ۱۹۸۵ ق م ٹھہرتا ہے، والد کا نام تارخ تھا، عربی زبان میں اس کا تلفظ آزر ہے، قرآن میں بھی آزر استعمال ہوا ہے، قدیم زبانوں میں نام کا تلفظ چونکہ مختلف طریقہ سے ہوتا تھا اس لئے نام میں اختلاف ہے، مسلمانوں کے لئے قرآنی نام آزر کافی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا وطن:

آپ کا آبائی وطن بابل یا کلدانیہ ہے (انگریزی تلفظ کالڈیا ہے) جدید جغرافیہ میں اسی کو عراق کہتے ہیں، جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام تورات میں اُر (UR) آیا ہے، مدتوں سے یہ شہر نقشہ سے غائب تھا اب کھدائی کے بعد از سر نو نمودار ہوا ہے، کھدائی کے کام کی داغ بیل ۱۸۹۴ء ہی میں پڑ گئی تھی ۱۹۹۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرین اثریات کی ایک مشترکہ تحقیق مہم برٹش میوزیم اور پنسلو ینیا یونیورسٹی کے زیر اہتمام عراق روانہ ہوئی اور کھدائی کا کام پورے سات سال جاری رہا، رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہو گیا اور عراق سرکار کے محکمہ آثار قدیمہ نے عجائب خانہ کے حکم میں شامل کر کے ان کھنڈرات کو محفوظ کر دیا ہے، یہ شہر خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایہ تخت بغداد کے تقریباً درمیانی مسافت پر ہے۔ (تفسیر ماجدی ملخصًا)

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی نسبت سے جو بیت اللہ کے بانی اول ہیں، بیت اللہ کی دو خصوصیتیں اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمائی ہیں، ایک مَثَابَةً لِّلنَّاسِ لوگوں کے لئے ثواب کی جگہ اور دوسرے معنی ہیں بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ (یعنی) مرکز، دوسری خصوصیت امن کی جگہ یعنی یہاں کسی دشمن کا خوف نہیں رہتا، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی حدود حرم میں کسی دشمنِ جان سے بھی انتقام نہیں لیتے تھے، اسلام نے ان کے اس احترام کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھا بلکہ اس کی مزید تاکید اور توسیع کر دی حتی کہ حرم میں خودرَو گھاس وغیرہ بھی اکھاڑ نا ممنوع قرار دیدیا۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام تعمیر کعبہ کرتے تھے، اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے قدموں کے نشانات ہیں، اب اس پتھر کو شیشے میں محفوظ کر دیا گیا ہے، اس مقام پر طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں یہ نماز واجب ہے اور شافعیہ کے یہاں سنت۔

اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام و اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے گھر کو پاک رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس

پاکی سے کیا مراد ہے؟ ابن جریر کہتے ہیں (هو تطهيرهٗ مِنَ الاصْنَامِ وعبَادَةِ الاَوثَان فيه ومن الشرك بالله) یعنی تطہیر سے مراد بتوں اور بت پرستی سے پاک کرنا ہے، حقیقت میں تو معنوی اعتقادی نجاست سے پاکی کا حکم ہے، ضمناً ظاہری طہارت کا حکم بھی اس میں داخل ہے، طَهِّرَا بَيْتِيَ میں بیت سے اگرچہ بیت اللہ (کعبہ) مراد ہے مگر اس سے ہر مسجد کو پاک وصاف رکھنے کا حکم مفہوم ہوتا ہے۔

دَخَلَ فيه بالمعنى جميع بيوته تعالى (قرطبی) اَنْ طَهِّرَا میں اَنْ تفسیریہ ہے یعنی بمعنی اے۔

وَ اذكر اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ الأُسسَ أوالجُدُرَ مِنَ الْبَيْتِ يَبْنِيْهِ مُتعَلِّقٌ بيَرفَعُ وَاِسْمٰعِيْلُ عَطفٌ على اِبْرَاہِیْمُ يَقُولَانِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا بناءَ نا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ لِلقولِ الْعَلِيْمُ ﴿١٢٧﴾ بالفعلِ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ مُنقادَينِ لَكَ وَ اجْعَلْ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اولادِنا اُمَّةً جماعةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ومِنْ للتَّبعيضِ واَتٰى به لتَقدُّمِ قولِهٖ لا ينال عهدى الظّٰلمين وَاَرِنَا عَلِّمنَا مَنَاسِكَنَا شرائعَ عبادتِنَا او حَجِّنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٨﴾ سألاهُ التَّوبةَ معَ عِصْمَتِهما تواضُعًا وتعليمًا لذُرِّيَّتِهما رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ اى اہلِ البيتِ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ مِن انفُسِهم وقد اَجابَ اللّٰهُ دُعائَهُ بمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسلَّمَ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ القراٰنَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ القراٰنَ وَالْحِكْمَةَ ما فيه مِنَ الاحكام وَيُزَكِّيْهِمْ يُطَهِّرُهم مِنَ الشِركِ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الغالبُ الْحَكِيْمُ ﴿١٢٩﴾ فی صُنعِهٖ.

ترجمہ: اور یاد کرو جب ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور اسماعیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس گھر کی بنیادیں یا دیواریں اٹھا رہے تھے یعنی اس کی تعمیر کر رہے تھے مِنَ الْبَيْت، يَرْفَعُ کے متعلق ہے، اور اِسْمَاعِيْلُ کا عطف اِبْرَاهِيْمُ پر ہے، دونوں دعاء کرتے جاتے تھے، اے ہمارے پروردگار! تو ہماری طرف سے اس تعمیر کو قبول فرما تو باتوں کا سننے والا اور کاموں کا جاننے والا ہے، اے ہمارے پروردگار! تو ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی امت اٹھا کہ جو تیری فرمانبردار ہو، اور مِنْ تبعیضیہ ہے، اور سابق میں لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ آجانے کی وجہ سے مِنْ تبعیضیہ لائے ہیں، اور تو ہم کو ہماری عبادت کے طریقے سکھا، یعنی ہماری عبادت کے احکام، یا ہمیں ہمارے حج کا طریقہ سکھا اور ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرما، بے شک تو بڑا معاف کرنے والا ہے، دونوں کے معصوم ہونے کے باوجود توبہ کا سوال کرنا تواضعاً اور اپنی ذریت کی تعلیم کے لئے تھا، اے ہمارے پروردگار! ان میں یعنی اہل بیت میں ایک ایسا رسول مبعوث فرما، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی شکل میں ان کی دعا قبول فرمائی، جو انہیں تیری آیات قرآنی سکھائے اور انہیں کتاب قرآن وحکمت جس میں احکام ہوں سکھائے اور انہیں شرک سے پاک کرے یقیناً تو غلبہ والا حکمت والا ہے، اپنی صنعت میں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: عطف علی ابراهیم یہ عبارت اس شبہ کا دفعیہ ہے کہ واسمٰعیل جملہ مستانفہ ہے، اس لئے کہ اگر اسمٰعیل کا ابراہیم پر عطف ہوتا تو اسمٰعیلُ کو اَلقَواعِدَ مفعول سے مقدم کرتے۔

جواب: اسمٰعیل کو اس لئے مؤخر کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام حقیقت میں بانی نہیں ہیں بلکہ معاون ہیں، بانی تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، لیکن چونکہ تعمیر اور بناء میں حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی حصہ تھا اس لئے اصل بانی پر معاون کا عطف کر دیا۔

قولہ: یَقُولَان، یقولان کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِبْرَاهِیمَ و اسمٰعِیلَ سے حال واقع ہے، حالانکہ حال واقع ہونا درست نہیں ہے، اس لئے کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا دعا ہونے کی وجہ سے جملہ انشائیہ ہے، اور جملہ انشائیہ حال واقع نہیں ہوسکتا۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس سے پہلے یقولان محذوف ہے جس کی وجہ سے یہ جملہ خبریہ ہوگیا، لہٰذا حال واقع ہونا صحیح ہوگیا، یَقُولَان مقدر ماننے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یَقُولَان مقدر نہ مانیں تو خطاب واحد میں شئ واحد کا بغیر عطف کے غائب ومتکلم ہونا لازم آتا ہے، اس لئے کہ یَرْفَعُ ابراهیمُ القواعدَ الخ غائب ہے، اور رَبَّنَا تَقَبَّلْ الخ متکلم ہے، اور جب یَقُولَان مقدر مان لیا تو دونوں جملے غائب ہوگئے۔

قولہ: ومِنْ للتبعیض، وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا میں مِنْ کو تبعیضیہ قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اوپر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا لَایَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِینَ اس کا مطلب یہ ہے کہ وعدۂ امامت پوری ذریت سے نہیں بلکہ صرف ان سے ہے جو مومن اور صالح ہوں گے، اگر مِن کو تبعیضیہ نہ مانا جائے تو لاینالُ عَهْدِی الظّٰلِمِینَ اور وَمِن ذریتنا میں تعارض ہوگا، اس لئے کہ مِنْ ذرِّیتنا کا مطلب ہے بغیر استثناء پوری ذریت کے لئے امامت کی دعاء فرمائی۔

سوال: مِنْ ذُرِّیتنا میں من تبعیضیہ لینے کی صورت میں دعاء میں بخل لازم آتا ہے، یعنی سب کے لئے دعا نہیں کی بلکہ بعض کے لئے دعا کی۔

جواب: مِن کو ابتدائیہ لینا چونکہ ماقبل میں مذکور لَایَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِینَ کے معارض ومنافی ہے، اس لئے مِن کو تبعیضیہ لیا ہے۔

سوال: اَرِنَا یہ رَأیٰ سے ماخوذ ہے، جو متعدی بدو مفعول ہے اور جب باب افعال سے لایا گیا تو متعدی بسہ مفعول ہوگیا حالانکہ یہاں صرف دو مفعول ہی مذکور ہیں، ایک نا اور دوسرا مَنَاسِكَ.

جواب: اَرَیٰ بمعنی عَلِمَ وَ اَبْصَرَ ہے، جو متعدی بیک مفعول ہے، باب افعال میں آنے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہوگیا۔

قولہ: سألاه التوبةَ الخ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا توبہ قبول کرنے کی درخواست کرنا یہ ان کی معصومیت کے خلاف ہے، حالانکہ نبی معصوم ہوتا ہے۔

جواب: تواضعاً اور تعلیماً لِلامّةِ توبہ کی درخواست کی۔

قولہ: اهلُ البیت اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ وابعَثْ فِیهِمْ میں هم ضمیر ذریةً کی طرف راجع ہے، حالانکہ ذریةً مؤنث ہے، لہٰذا فِیهَا ہونا چاہئے۔

جواب: ذریةً سے مراد اهل البیت ہیں جو کہ ذریةً سے مفہوم ہیں، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

تفسیر وتشریح

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ یعنی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے، اے ہمارے پروردگار! تو ہماری یہ تعمیری خدمت قبول فرما، تو سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے، اور اے ہمارے پروردگار! تو ہم دونوں کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم (جماعت) اٹھا جو تیری فرمانبردار ہو، اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے سکھا اور ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے، اور خود اسی قوم میں سے ایسا رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات سنائے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوار دے تو بڑا قادر وحکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی یہ آخری دعا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی، اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا میں اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں۔ (فتح الربانی)

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت سے مراد یہ قول ہے مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ اور والدہ کے خواب سے وہ خواب مراد ہے جو آپ کی والدہ ماجدہ نے حالت حمل میں دیکھا تھا کہ میرے بطن سے ایک نور نکلا جس نے ملک شام کے محلات کو جگمگا دیا۔

البیت العتیق:

عبادت خانوں میں قدیم ترین بلکہ سب سے قدیم کعبۃ اللہ ہے، اس کا دوسرا نام البیت العتیق بھی ہے، جب اَلْبَیْت مطلق بولا جاتا ہے تو خانہ کعبہ ہی مراد ہوتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جس طرح الکتاب سے قرآن اور النبی سے محمد ﷺ مراد ہوتے ہیں۔

قابل غور بات:

یہاں یَرْفَعُ کا لفظ استعمال کیا گیا یُؤَسِّسُ کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا، اس کا مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے خانہ کعبہ کی بنیاد نہیں رکھی بلکہ سابقہ رکھی ہوئی بنیاد کو اٹھایا، بنیاد تو غالباً حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہی نے اپنے زمانہ میں رکھی تھی، مسیحیوں کو قدامت کعبہ سے جو ضد اور کد ہے وہ ظاہر ہے، خانہ کعبہ کی قدامت کے خلاف زبان وقلم سے ہر امکانی کوشش کر چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہے۔

بعض حق گو محققین کی شہادت:

ضد اور تعصب کی تاریکیوں میں بعض اوقات راست گوئی اور حق پسندی کی روشنی نمودار ہو کر ضد وتعصب کی ظلمت کے دامن کو تار تار کر کے مینارۂ نور کھڑا کر دیتی ہے، مخالفوں اور دشمنوں کی شہادت زیادہ وزنی ہوا کرتی ہے، سنئے! جارج سیل (SALE) مترجم قرآن اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

''مکہ جسے بَکّہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں اور ان کے معنی مقام اجتماع عظیم کے ہیں، یقیناً دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے، اور بعض کی رائے میں توریت کے (شہر) میسا سے یہی مراد ہے''

پھر وہی آگے لکھتا ہے:

''مکہ کا معبد اہل عرب کے درمیان مقدس اور ایک عبادت گاہ کی حیثیت سے بہت ہی قدیم زمانہ سے اور محمد ﷺ سے بہت سی صدیوں قبل سے چلا آتا ہے''

باسورتھ اسمتھ اپنے لکچرز ان محمد اینڈ محمڈن ازم میں لکھتا ہے:

''بناء کعبہ کا سلسلہ حسب روایات اسماعیل اور ابراہیم تک پہنچتا ہے بلکہ شیث وآدم علیہما السلام تک، اور اس کا نام بیت ایل خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسے ابتدائی شکل میں کسی ایسے ہی بزرگ نے تعمیر کیا ہے۔ (ماجدی)

سب سے بڑھ کر قابل لحاظ شہادت سر ولیم میور کے قلم سے ہے:

''مکہ کے مذہب کی تاریخ بہت ہی قدیم ماننی پڑتی ہے، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ ایک نامعلوم زمانہ سے عرب کا مرکز چلا آتا ہے، جس مقام کا تقدس اتنے وسیع رقبہ میں مسلم ہو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کی بنیاد قدیم ترین زمانہ سے چلی آتی ہے۔ (ماجدی)

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ دعاء ابراہیمی واسماعیلی ابھی چل رہی ہے، جس میں عرض کیا جارہا کہ اے پروردگار! تو ہم دونوں کی نسل سے ایک امت مسلمہ پیدا فرما، اس کے معاً بعد مِنْهُمْ کا لفظ لاتے ہیں، اس سے کھلا اشارہ نسل اسماعیلی کی طرف ہے۔

رَسُوْلًا ایک تو صیغہ واحد کا، دوسرے تنوین، گویا کہ یہ اشارہ قریب بصراحت پہنچ گیا کہ وہ رسول ایک ہی ہوگا، متعدد نہ ہوں گے، چنانچہ حضرت اسماعیل کی نسل میں ایک ہی گوہر یتیم محمد ﷺ کی شکل میں مبعوث ہوا۔

یہود کا دعویٰ ہے اور نصاریٰ بھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں، کہ نبوت ورسالت تو بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی یہ نیا پیغمبر بنی اسماعیل میں کیسے پیدا ہوگیا؟ لیکن ان ہی کی تورات باوجود ان کی تمام تحریفات کے اب تک شہادت ان کے دعوے کے خلاف دے رہی ہے، ایک جگہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی بات کی طرف کان دھرو۔ (استثناء: ۱۸: ۱۵)

قطع نظر اس سے کہ بنی اسرائیل میں ایک نہیں نہ معلوم کتنے انبیاء حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پیدا ہوتے رہے، جب کہ دعاء ایک نبی برپا کرنے کی فرمائی، اس کے علاوہ خود ''تیرے ہی بھائیوں میں'' سے اس کی تصریح بتارہی ہے کہ مراد بنی اسرائیل نہیں بلکہ ان کے ہم جد بھائی بنی اسماعیل ہیں، اگر اسرائیلی نبی کی خبر دینی مقصود ہوتی تو بجائے تیرے بھائیوں میں سے کے، عبارت ''تجھ ہی میں سے'' ہوتی، اب رہے تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں وغیرہ کے الفاظ تو یہ محض جذبہ انس اور موانست پیدا کرنے کے لئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اے میرے ہم قومو! جب وہ نبی آئے تو اس کی اطاعت کرنا وہ بھی تمہارا غیر نہیں، تمہارے ہی بھائیوں میں سے ہوگا۔

اس کے دو ہی آیت بعد تورات میں بعینہ یہی مضمون براہِ راست حق تعالیٰ کی جانب سے ادا کیا گیا ہے، خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا، میں ان کے لئے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ (استثناء: ۱۸، ۱۸)

آپ ذرا غور کیجئے کہ اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، یعنی لفظی کلام الٰہی ہونے کا مصداق بجز قرآن کے تمام آسمانی کتابوں میں اور کون ہے؟ دوسری کسی آسمانی کتاب کا کلام لفظی ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں اور نہ کوئی قائل، اس کے بعد لفظ ''تجھ سا'' پر غور کیجئے یعنی موسیٰ کے مانند ہونے کا مصداق تاریخ کی دنیا میں بجز ذات محمدی کے اور کون ہے؟

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ رسول کا پہلا کام اپنی امت کے سامنے تلاوت آیات ہوتا ہے یعنی اللہ کا کلام پہنچانا، گویا رسول کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہوتی ہے۔

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ رسول کا کام محض تبلیغ اور پیغام رسانی پر ختم نہیں ہوجاتا بلکہ تبلیغ کے بعد تعلیم کا بھی ہے اس تعلیم میں کتاب کی شرح وترجمانی، تعمیم میں تخصیص اور تخصیص میں تعمیم سب داخل ہے اور یہیں سے ان کج فہموں کی بھی تردید ہوگئی جو رسول کا منصب محض ڈاکیہ یا قاصد کا سمجھتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ رسول کی دوسری حیثیت معلم اعظم کی ہے۔

وَالْحِكْمَةَ پھر رسول کا منصب صرف تعلیم کتاب ہی نہیں ہے بلکہ حکمت اور دانائی کی تلقین بھی منصب رسالت کے فرائض میں داخل ہے، احکام و مسائل دین کے قواعد اور آداب عوام و خواص سب کو سکھانا، یہی رسول کی ذمہ داری ہے، اور خواص کی رہنمائی اسرار و رموز میں بھی کریں گے، گویا رسول کی تیسری حیثیت مرشد اعظم کی ہے۔

يُزَكِّيهِمْ تزکیہ سے مراد دِلوں کی صفائی ہے، رسول کا کام محض الفاظ اور احکام ظاہری کی تشریح تک محدود نہیں ہے بلکہ اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کے اخلاص کے فرائض انجام دینا بھی ہے، گویا رسول کی یہ چوتھی حیثیت مصلح اعظم کی ہے۔

وَمَنْ اى لا **يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ** فيترکها **اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ** جهل انها مخلوقة لِلّٰهِ يجب عليها عِبادته اواستخف بها وامتهنها **وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ** اخترناه **فِي الدُّنْيَا** بالرسالة والخُلة **وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ** ﴿۱۳۰﴾ الذين لهم الدرجات العلى واذكر **اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ** انقد لِلّٰهِ واخلص له دينك **قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۱۳۱﴾ **وَوَصّٰى** وفى قراءة اوصى **بِهَا** بالملة **اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ** بنيه قال **يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ** دين الاسلام **فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ** ﴿۱۳۲﴾ نهى عن ترك الاسلام وامر بالثبات عليه الى مُصادفة الموت ولمّا قال اليهود للنبى ألست تعلم ان يعقوب يوم مات اوصى بنيه باليهودية نزل **اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ** حضورًا **اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ** بدل من اذ قبله **قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ** بعد موتى **قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ** عدّ اسمٰعيل من الآباء تغليب ولان العم بمنزلة الاب **اِلٰهًا وَّاحِدًا** بدل من الٰهك **وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ** ﴿۱۳۳﴾ وام بمعنى همزة الانكار اى لم تحضروه وقت موته فكيف تنسبون اليه ما لا يليق به **تِلْكَ** مبتدأ والاشارة الى ابراهيم وبنيها وأنث لتانيث خبره **اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ** سلفت **لَهَا مَا كَسَبَتْ** من العمل اى جزاؤه استيناف **وَلَكُمْ** الخطاب لليهود **مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۳۴﴾ كما لا يُسئلون عن عملكم والجملة تاكيد لما قبلها **وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا** او للتفصيل وقائل الاول يهود المدينة والثانى نصارى نجران **قُلْ** لهم **بَلْ** نتبع **مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا** حال من ابراهيم مائلا عن الاديان كلها الى الدين القيم **وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** ﴿۱۳۵﴾ **قُوْلُوْٓا** خطاب للمؤمنين **اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا** من القرآن **وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ** من الصحف العشر **وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ** اولاده **وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى** من التوراة **وَعِيْسٰى** من الانجيل **وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ** من الكتب والآيات **لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ** فنؤمن ببعض ونكفر ببعض كاليهود والنصارى **وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ** ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: اور کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں جو بے رغبتی کرے ملت ابراہیمی سے کہ اس کو ترک کر دے مگر وہی جس نے اپنے آپ کو بے وقوف بنالیا (یعنی بیوقوف محض ہو) (اور) اس بات سے ناواقف ہو کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے، اور یہ کہ اس پر اللہ کی عبادت واجب ہے، یا یہ معنی ہیں کہ اس نے اپنے نفس کی تحقیر کی ہے، اور اس کو ذلیل کر رکھا ہے، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی رسالت اور دوستی کے لئے منتخب کرلیا ہے، اور بلاشبہ وہ آخرت میں بھی ان صالحین میں ہوگا جن کے لئے مراتب عالیہ ہیں اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب اس سے اس کے رب نے کہا سر تسلیم خم کر دے یعنی اللہ کا فرمانبردار ہو جا اور اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر، تو اس نے فوراً ہی کہا میں نے رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، اور اسی طریقے پر چلنے کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو ہدایت کی اور ایک قراءت میں اَوْصیٰ ہے، اور یعقوب نے (بھی) اپنے بیٹوں کو اسی کی وصیت کی، کہا: اے میرے بچو! اللہ نے تمہاری لئے یہی دین اسلام پسند کیا ہے، لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا ترکِ اسلام سے منع فرمایا اور مرتے دم تک اس پر ثابت قدم رہنے کا حکم فرمایا، اور جب یہود نے نبی ﷺ سے کہا: کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے انتقال کے روز اپنی اولاد کو یہودیت کی وصیت کی تھی (تو یہ آیت) نازل ہوئی، کیا تم اس وقت موجود تھے کہ جب یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام (اس دنیا سے) رخصت ہو رہے تھے، یہ اِذْ، سابقہ اِذْ سے بدل ہے، اس (یعقوب) نے (انتقال کے وقت) اپنے بچوں سے پوچھا تم میرے بعد یعنی میرے انتقال کے بعد کس کی بندگی کرو گے؟ جواب دیا: ہم اسی ایک خدا کی بندگی کریں گے، جو آپ کے آباء ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق کا معبود ہے، اور اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کو آباء میں شمار کرنا تغلیباً ہے، اور اس لئے بھی کہ چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے، اِلٰھًا واحدًا، اِلٰھکَ سے بدل ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں، اور اَمْ بمعنی ہمزہ انکاری ہے، یعنی تم (یعقوب) کی موت کے وقت حاضر نہیں تھے، تو تم اس کی طرف ایسی بات کی نسبت کیوں کرتے ہو جو اس کی شایانِ شان نہیں ہے؟ وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی تِلْکَ مبتداء اور اشارہ ابراہیم اور یعقوب اور ان کے بیٹوں کی طرف ہے، اور (تلک) کو خبر کے مؤنث ہونے کی وجہ سے مؤنث لائے ہیں، جو اعمال انہوں نے کئے ان کے لئے ہیں، یعنی اس کی جزاء ان کے لئے ہے یہ (جملہ) مستانفہ ہے اور جو تم کرو گے اس کی جزا تم کو ملے گی، خطاب یہودیوں کو ہے ان کے اعمال کے بارے میں تم سے سوال نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ ان سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا، جملہ ماقبل کی تاکید ہے، یہود کہتے ہیں یہودی ہو جاؤ، ہدایت پا جاؤ گے اور نصاریٰ کہتے ہیں نصرانی ہو جاؤ ہدایت پاؤ گے، اَوْ تفصیل کے لئے ہے، اول (قول) کے قائل مدینہ کے یہود ہیں اور ثانی (قول) کے قائل نجران کے نصاریٰ ہیں، آپ ان سے کہہ دیجئے ہم تو ملت ابراہیم کی اتباع کریں گے، جس میں کجی کا نام نہیں (حنیفا) ابراہیم سے حال ہے، حال یہ کہ وہ تمام ادیان (باطلہ) سے دین مستقیم کی جانب مائل ہونے والے ہیں، اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھے، کہو! یہ مومنین کو خطاب ہے

ہم تو اللہ پر ایمان لائے اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے، قرآن (اس پر ایمان لائے) اور ان دس صحیفوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہوئے اور اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام پر اور اسحٰق پر اور یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام پر اور اس کی اولاد پر نازل ہوئے اور جو عطا کیا گیا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو یعنی تورات اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو یعنی انجیل اور جو کتابیں اور آیتیں ان کو عطا کی گئیں ان کے رب کی جانب سے (ایمان رکھتے ہیں) بایں طور کہ ہم ان میں سے کسی میں بھی تفریق نہیں کرتے یہود ونصاریٰ کے مانند کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کریں، ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَمَنْ ای لا یَرْغَبُ. مَنْ استفہام انکاری مبتداء ہے، یَرْغَبُ خبر، اس کے اندر ضمیر ہے جو مَنْ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُهُ: دین الاسلام اس میں اشارہ ہے کہ الدِّین میں الف لام عہد کا ہے اور دلیل فَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ہے۔

قَوْلُهُ: نهی عَن ترکِ الاِسلامِ اس سے ایک سوال کا جواب مقصود ہے۔

سُوَال: فَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ میں بظاہر موت سے نہی معلوم ہوتی ہے جو کہ بندہ کے اختیار میں نہیں۔

جَوَاب: موت سے نہی نہیں ہے بلکہ ترکِ اسلام سے نہی ہے اس لئے کہ جب مقید پر نفی داخل ہوتی ہے تو قید کی نفی ہوتی ہے، اس لئے اگرچہ نہی موت پر داخل ہے اور مدخولِ نہی ہی مقصود عن النهی ہوتا ہے مگر چونکہ مدخول نہی اختیاری نہیں ہے اس لئے قید کی نہی مراد ہے۔

قَوْلُهُ: اَمَرَ بالثباتِ علیه اس عبارت سے یہ فائدہ ہے کہ نفس ایمان تو ان کو حاصل تھا، لہٰذا اس کے حاصل کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے، بلکہ اسلام پر دوام مراد ہے۔

قَوْلُهُ: بمنزلة الاب، اَلعَمُّ صنوُ اَبیهِ. (الحدیث)

قَوْلُهُ: والجملة تاکید لما قبله یہ تکرار کے فائدہ کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ: کُوْنُوْا هُوْدًا اَوْنَصَارٰی، اَوْ تنویع مقال کے لئے ہے نہ کہ تخییر کے لئے، اس لئے کہ ہر فریق ایک دوسرے کی تکفیر کرتا ہے۔

قَوْلُهُ: قائل الاول الیهود اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: کونوا هودًا او نصاری میں تناقض ہے، اللہ تعالیٰ کے قول لیست الیهود علی شئ الخ سے۔

جَوَاب: کا ماحصل یہ ہے کہ دونوں کے قائل مختلف ہیں لہٰذا کوئی تناقض نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: حال من ابراھیم یعنی حنیفاً ابراہیم سے حال ہے، حالانکہ مضاف الیہ سے حال واقع ہونا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اصل مضاف کی جگہ رکھنا درست ہو تو مضاف الیہ سے بھی حال واقع ہونا درست ہوتا ہے، یہاں ایسا ہی ہے اس لئے کہ ابراہیم کو ملة کی جگہ رکھنے کے بعد بھی مطلب صحیح رہتا ہے۔

تَفسِیر وتَشرِیح

شانِ نزول:

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاھِیْمَ (س) رَغْبًا توقع کرنا، صلہ جب عَنْ ہو تو اعراض و بے رخی کرنا جیسا کہ یہاں مستعمل ہے، اور اگر صلہ الٰی یا فی ہو تو مائل ہونا، رغبت کرنا۔

روایت کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن سلام نے اپنے بھتیجوں سلمہ اور مہاجر کو اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ تم بخوبی جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا ہے کہ میں اولادِ اسماعیل میں ایک نبی مبعوث کرنے والا ہوں جس کا نام احمد ہوگا، جو اس پر ایمان لائے گا وہ ہدایت یافتہ ہوگا اور جو ایمان نہ لائے گا وہ ملعون ہوگا، چنانچہ سلمہ ایمان لے آئے مگر مہاجر نے انکار کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (روح البیان)

یہاں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ عظمت و فضیلت بیان فرما رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائی ہے، اور یہ بھی وضاحت فرما دی کہ ملت ابراہیم سے اعراض و بے رخی بے وقوفوں ہی کا کام ہے، کسی عقلمند سے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

وَوَصّٰی بِھَآ اِبْرَاھِیْمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کو اس دین کی وصیت فرمائی جو یہودیت نہیں اسلام ہے، جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت موجود ہے، اور دیگر مقامات پر بھی اس کی تفصیل آئی ہے، مثلاً اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران) اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

اَمْ کُنْتُمْ شُھَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ یہود کو زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی، تو کیا تم وصیت کے وقت موجود تھے؟ اگر وہ یہ کہیں کہ ہم موجود تھے تو کذب و زور ہے، اور اگر یہ کہیں کہ حاضر نہیں تھے تو ان کا مذکورہ دعویٰ غلط ہوا، اس لئے کہ ان حضرات نے جو وصیت فرمائی وہ تو اسلام کی تھی نہ کہ یہودیت یا عیسائیت یا وثنیت کی، تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا، اگرچہ شریعت اور طریقۂ کار میں کچھ اختلاف تھا، اسی کو نبی ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا: **اَلْاَنْبِیَاءُ اولادُ علّات اُمَّھَاتُھُمْ شَتّٰی ودینُھم واحد** (صحیح بخاری کتاب الانبیاء) انبیاء کی جماعت اولاد علات ہیں، ان کی مائیں مختلف (اور باپ ایک) ہے اور دین ایک ہے۔

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وصیت:

تلمود میں حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو وصیت درج ہے وہ قرآن کے بیان سے مشابہ ہے، حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصیت کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

خداوند! اپنے خدا کی بندگی کرتے رہنا، وہ تمہیں اسی طرح تمام آفات سے بچائے گا، جس طرح تمہارے آباء واجداد کو بچاتا رہا ہے، اپنے بچوں کو خدا سے محبت کرنے اور اس کے احکام بجالانے کی تعلیم دینا تاکہ ان کی مہلت زندگی دراز ہو، کیونکہ خدا ان لوگوں کی حفاظت کرتا ہے جو حق کے ساتھ کام کرتے ہیں، اور اس کی راہوں پر ٹھیک ٹھیک چلتے ہیں، جواب میں ان کے لڑکوں نے کہا: جو کچھ آپ نے ہدایت فرمائی ہم اس کے مطابق عمل کریں گے، خدا ہمارے ساتھ ہو، تب یعقوب نے کہا: اگر تم خدا کی سیدھی راہ سے دائیں یا بائیں نہ مڑو گے تو خدا ضرور تمہارے ساتھ رہے گا۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ یعنی تم اگرچہ ان کی اولاد ہی مگر حقیقت میں تمہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں، ان کا نام لینے کا تمہیں کیا حق ہے جب تم ان کے راستہ سے پھر گئے؟ اللہ کے یہاں تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے باپ دادا کیا کرتے تھے؟ بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ تم خود کیا کرتے تھے، تمہیں اپنے انبیاء صالحین کی طرف نسبت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، انہوں نے جو کچھ کیا اس کا صلہ ان ہی کو ملے گا تمہیں نہیں، تمہیں تو وہی ملے گا جو کچھ تم کماؤ گے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف کی نیکیوں پر اعتماد اور سہارا غلط ہے، اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى یہود مسلمانوں کو یہودیت کی اور عیسائی عیسائیت کی دعوت دیتے اور کہتے کہ ہدایت اسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان سے کہو ہدایت ملت ابراہیمی کی پیروی میں ہے، جو حنیف تھا یعنی اللہ تعالیٰ کا پرستار اور سب سے کٹ کر اس کی عبادت کرنے والا، اور وہ مشرک نہیں تھا جب کہ یہودیت اور عیسائیت میں شرک کی آمیزش موجود ہے۔

قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ (الآیة) یہ عام مسلمانوں کو خطاب ہے یعنی کہ ہمیں تو نسلی یا قومی تعصب کسی سے بھی نہیں ہے، ہمارا رشتہ اسماعیلی، اسرائیلی، ہر شریعت الٰہی سے بس اعتقادی وانقیادی ہے یعنی ایمان تو یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ کی طرف سے جو کچھ ملا یا نازل ہوا سب پر ایمان لایا جائے کسی بھی کتاب یا رسول کا انکار نہ کیا جائے، بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا یہ انبیاء کے درمیان تفریق ہے جس کو اسلام جائز نہیں رکھتا، البتہ عمل اب صرف قرآن پر ہوگا۔

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کا تاریخی تعارف:

سابق میں مذکور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی بھی چونکہ آیا ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا کچھ تاریخی تعارف بھی ہو جائے، عیسیٰ ابن مریم بجائے والد کے والدہ کی طرف منسوب ہیں، بنی اسرائیل کے آخری اور مشہور نبی ہوئے ہیں آپ پر اسرائیلی رسالت ونبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

ولادت شام کے صوبہ (یہودیہ) کے قصبہ بیت اللحم یا بیت المقدس میں شام کے حاکم ہیرود کے زمانہ میں ہوئی شام اس وقت روم کی شہنشاہی کا ایک نیم آزاد علاقہ تھا، سالِ ولادت اغلباً ۴ ق م ہے، یہ بات سننے میں بظاہر بڑی عجیب معلوم ہوگی لیکن اس پر حیرت نہ کیجئے اس لئے کہ سن عیسوی جو اس وقت رائج ہے خود اسی تقویم کے قائم کرنے میں شروع ہی سے غلطی رہ گئی ہے اور اس کا پتہ بعد میں چلا چنانچہ سن عیسوی کا پہلا سال آپ کی ولادت کا سال نہیں بلکہ آپ کی ولادت کے چوتھے سال سے یہ سن شروع ہوا، آپ کی عمر جب غالباً تینتیس (۳۳) سال تھی تو سن عیسوی ۳۰ء تھا، کہ اسرائیلیوں نے آپ کی تعلیم وتبلیغ سے نہایت آزردہ ہو کر آپ پر مقدمہ پہلے تو اپنی آزاد اور خود مختار مذہبی عدالت میں چلایا اور سرکاری قانون کا بھی مجرم بنا کر رومیوں کی ملکی عدالت میں پیش کیا وہاں سے سزائے موت کا (بذریعہ صلیب) حکم صادر ہوا۔ (تفسیر ماجدی)

فَإِنْ آمَنُوا اى اليهود والنصارى **بِمِثْلِ** مثل زائدة **مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا** عن الايمان به **فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ** خلافٍ معكم **فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ** يا محمد شقاقهم **وَهُوَ السَّمِيعُ** لاقوالهم **الْعَلِيمُ** (۱۳۷) باحوالهم وقد كفاهُ اللهُ اياهم بقتلِ قُريظة ونفيِ النضير وضربِ الجزية عليهم **صِبْغَةَ اللَّهِ** مصدرٌ مؤكِّدٌ لآمنا ونصبُهُ بفعلٍ مُقدّرٍ اى صَبَغَنا اللهُ والمُرادُ بها دينُهُ الذي فطرَ النّاس عليه لظُهور اثره على صاحبه كالصّبغ في الثّوب **وَمَنْ** اى لا احد **أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً** تمييزٌ **وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ** (۱۳۸) قال اليهود للمُسلمِينَ نحنُ اهلُ الكتاب الاوّلِ وقِبلتُنا اقدمُ ولم يكنِ الانبياءُ من العربِ ولو كانَ محمد نبيًا لكانَ مِنّا فنزلَ **قُلْ** لهم **أَتُحَاجُّونَنَا** تُخاصِمُونَنا **فِي اللَّهِ** ان اصطفى نبيًا من العرب **وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ** فلهُ ان يَصطفي مِن عِبادِهِ مَنْ يَشاءُ **وَلَنَا أَعْمَالُنَا** نُجازى **وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ** تُجازَوْن بها فلا يَبعُدُ أنْ يَكُونَ فِي اَعْمَالِنَا مَا نَسْتَحِقُّ به الاكرامَ **وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ** (۱۳۹) الدينَ والعمل دُونكُم فنحنُ أولى بالاصطفاءِ والهمزةُ للانكار والجُمَلُ الثّلثُ احوالٌ **أَمْ** بل **تَقُولُونَ** بالياء والتاء **إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ قُلْ** لهم **أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ** اى اللهُ اعلمُ وقد برّأ منهما ابرٰهيمَ بقوله ما كانَ ابراهيمُ يهوديًا ولانصرانيًا والمذكورُونَ معَهُ تبعٌ لهُم **وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ** اخفى من النّاسِ **شَهَادَةً عِنْدَهُ** كائنةً **مِنَ اللَّهِ** اى لا احدَ اظلمُ منهُ وهُم اليهُودُ كتمُوا شهادةَ اللّهِ في التّوراةِ لابراهيمَ بالحنيفيّةِ **وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ** (۱۴۰) تهديدٌ لهم **تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ** (۱۴۱) تقدّمَ مثلهُ.

ترجمہ: سو اگر وہ یعنی یہود ونصاریٰ اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو ہدایت یافتہ ہوں گے

(لفظ) مثل زائدہ ہے اور اگر وہ اس پر ایمان لانے سے روگردانی کریں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں یعنی تمہاری مخالفت میں، لہٰذا اطمینان رکھو، اے محمد ﷺ! ان کی دشمنی میں اللہ عنقریب آپ کی کفایت کرے گا، وہ ان کی باتوں کو خوب سننے والا اور ان کے حالات کو جاننے والا ہے، اور اللہ ان کے لئے کافی ہوگیا، بنی قریظہ کو قتل کرکے اور بنی نضیر کو جلاوطن کرکے اور ان پر جزیہ عائد کرکے اللہ کا رنگ اختیار کرو (صِبْغَةَ اللّٰهِ) مصدر ہے آمَنَّا کی تاکید کے لئے اور اس کا نصب فعل مقدر کی وجہ سے ہے، ای صَبَغَنَا اللّٰهُ صبغةً اور مراد اس سے اللہ کا وہ دین ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا فرمایا، دین کے اثر کے دیندار پر ظاہر ہونے کی وجہ سے جیسا کہ رنگ (کا اثر) کپڑے پر ظاہر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے کس کا رنگ زیادہ اچھا ہوگا؟ صیغۂ تمیز ہے، ہم تو اس کی بندگی کرنے والے ہیں (جب) یہود نے مسلمانوں سے کہا کہ ہم اول اہل کتاب ہیں اور ہمارا قبلہ سب سے اول قبلہ ہے اور عرب میں انبیاء نہیں ہوئے، اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو ہم میں سے ہوتے، تو آئندہ آیت نازل ہوئی، آپ ان سے کہئے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو، اس وجہ سے کہ اس نے عرب میں سے نبی منتخب کرلیا، حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، لہٰذا اس کو اختیار ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے منتخب کرے ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں جن کی ہمیں جزا دیجائے گی اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں جن کی جزا تم کو دی جائے گی، لہٰذا یہ بعید نہیں کہ ہمارے اعمال میں ایسی چیز ہو جس کی وجہ سے ہم اکرام کے مستحق ہوں، ہم تو اسی کے لئے دین وعمل کو خالص کرچکے ہیں، نہ کہ تم، لہٰذا انتخاب کے لئے ہم زیادہ اولیٰ ہیں، اور (اَتُحَاجّونَنَا) میں ہمزۂ استفہام انکاری ہے، اور تینوں جملے حال ہیں کیا تم کہتے ہو (یقولون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد یہود و نصاریٰ تھے، ان سے کہو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ یعنی اللہ زیادہ جاننے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی یہودیت اور نصرانیت دونوں سے براءت ظاہر فرمادی، اپنے قول مَا کَانَ ابراھیمُ یھودیًّا وَلَا نصرانِیًّا سے اور ان کے ساتھ جو حضرات مذکور ہیں وہ تو (ابراہیم) کے تابع ہیں، اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ جس نے اللہ کے نزدیک ثابت شدہ شہادت کو لوگوں سے چھپایا یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں، اور وہ یہود ہیں کہ انہوں نے تورات میں ابراہیم کے حنیفی ہونے کی شہادت کو چھپایا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے، یہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی، جو انہوں نے کیا ان کے لئے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لئے ہے، تم سے ان کے اعمال کے متعلق سوال نہ ہوگا، ایسی ہی آیت اوپر گذر چکی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: مِثْل زائدہ اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مسلمان اللہ پر ایمان لائے، اب یہود و نصاریٰ سے کہا جارہا ہے ''اگر وہ اس کے مثل پر ایمان لائیں جس پر مسلمان ایمان لائے ہیں'' تو اس سے تو اللہ کا مثل ہونا لازم آتا ہے، حالانکہ اللہ کا کوئی مثل نہیں ہے۔

جَوَابٌ: لفظ مثل زائد ہے، اس جواب کی شہادت وہ قراءت بھی دے رہی ہے جس میں بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ کے بجائے بِمَا آمَنْتُمْ بِهٖ ہے۔ (ترویح)

قَوْلُہٗ: مؤکّد لِاٰمَنَّا، صِبْغَةً فعل مقدر کا مصدر ہے اور آمَنَّا باللّٰہِ وما اُنزِلَ الخ کے مضمون کی تاکید کے لئے ہے، اس لئے کہ مذکورہ جملہ میں دوسرے مضمون کا احتمال ہی نہیں ہے اسی وجہ سے اس کے عامل کو حذف کر دیا گیا ہے، صبغة اللّٰه اصل میں صَبَغَنَا اللّٰه صِبْغَةً، تھا صِبْغَةَ اللّٰهِ میں حرف عطف کو ترک کر کے اشارہ کر دیا کہ صَبَغَنَا اللّٰه اور اٰمَنَّا کا مدلول ایک ہی ہے جس سے تاکید کا مفہوم ظاہر ہے۔

قَوْلُہٗ: دونکم میں اشارہ ہے کہ نحن لهٗ مخلصونَ میں مسند الیہ کی تقدیم حصر کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: والھمزة للانکار یعنی اَتُحَاجُّوْنَ، میں ہمزہ انکار کے لئے ہے، اس سے اس کا جواب ہو گیا کہ استفہام اللہ کی شان کے مناسب نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: والجُمَلُ الثَّلٰثُ احوال اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: واؤ میں اصل عطف ہے لہٰذا مذکورہ تینوں جملوں میں واؤ عاطفہ ہوگا، اور معطوف علیہ اَتُحَاجُّوْنَ ہے جو کہ جملہ انشائیہ ہے اور یہ تینوں جملے خبریہ ہیں، لہٰذا جملہ خبریہ کا عطف انشائیہ پر لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: واؤ عطف کے لئے وہاں اصل ہوتا ہے جہاں عطف سے کوئی مانع نہ ہو اور یہاں مانع موجود ہے اور وہ جملہ خبریہ کا جملہ انشائیہ پر عطف کا لازم آنا ہے، لہٰذا یہاں واؤ عاطفہ نہیں بلکہ حالیہ ہے۔

تَفْسِیر وتَشْرِیح

فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ آپ ﷺ کو اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ یہود و نصاریٰ تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو یقیناً وہ بھی ہدایت یافتہ ہو جائیں گے، اور اگر وہ ضد اور عناد میں منہ موڑ لیں گے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی سازشیں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی کفایت وحمایت کرنے والا ہے، چنانچہ چند ہی سالوں میں یہ وعدہ پورا ہوا اور بنوقینقاع اور بنونضیر کو جلاوطن کر دیا گیا اور بنوقریظہ قتل کر دیئے گئے۔

واقعہ:

تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے وقت جو مصحف ان کی گود میں تھا جس کی وہ تلاوت فرما رہے تھے آپ کے خونِ ناحق کے دھبے جس آیت پر گرے وہ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ مصحف آج تک ترکی میں محفوظ ہے۔

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ میں آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ اپنے مخالفوں کی زیادہ فکر نہ کریں، ہم خود ان سے

نمٹ لیں گے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسری آیت وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ فرمادیا، کہ آپ مخالفین کی پرواہ نہ کریں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی حفاظت کرے گا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ اس سے پہلی آیت میں دین اسلام کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کر کے کہا گیا تھا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا اس جگہ دین کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے بتلا دیا کہ دین درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہے، کسی پیغمبر کی طرف اس کی نسبت مجازاً کردی جاتی ہے اور اس جگہ ملت کو صبغۃ کے لفظ سے تعبیر کر کے دو باتوں کی طرف اشارہ کر دیا اول تو نصاریٰ کی تردید ہوگئی نصاریٰ کے یہاں ایک ضروری رسم یہ تھی کہ بچہ کو پیدائش کے ساتویں روز ایک زرد رنگ کے پانی میں نہلاتے تھے اور ختنہ کے بجائے اسی نہلانے کو بچہ کی طہارت اور دین نصرانیت کا پختہ رنگ سمجھتے تھے، نصرانیوں کی اصطلاح میں اس رسم کو ''بپتسمہ'' کہتے ہیں، اس آیت نے بتلا دیا کہ یہ پانی کا رنگ دھل کر ختم ہو جاتا ہے اس کا بعد میں کوئی اثر نہیں رہتا، اصل رنگ تو دین اور ایمان کا ہے جو ظاہری اور باطنی پاکیزگی کی ضمانت ہے، اور پائیدار بھی، دوسرے دین کو رنگ فرما کر اس کی طرف اشارہ ہو گیا کہ جس طرح رنگ آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے مومن کے ایمان کی علامت اس کے چہرہ بشرہ اور تمام حرکات و سکنات و معاملات سے ظاہر ہونی چاہئے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں اول یہ کہ ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا، دوسرا یہ کہ اللہ کا رنگ اختیار کرو۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً الخ یہ خطاب دراصل ان علماء یہود کو ہے جو خود بھی اس حقیقت سے ناواقف نہیں تھے کہ یہودیت اور عیسائیت اپنی موجودہ خصوصیات کے ساتھ بہت بعد میں پیدا ہوئی مگر اس کے باوجود وہ حق کو اپنے ہی فرقوں میں محدود سمجھتے تھے، نزول قرآن کے وقت یہود میں بڑے بڑے عالم فاضل موجود تھے ان سب کو چیلنج دیکر ایک امی کی زبان سے کہلایا جا رہا ہے کہ تم واقعات کو توڑ مروڑ کر صداقتوں کا گلا گھونٹ کر کچھ بھی کہے جاؤ، واقعہ اور حقیقت اثریات جو کچھ ان حضرات کے دین کی بابت کہہ رہے ہیں جس کی تفصیل گذر چکی ہے وہ اسی قرآنی متن کی شرح اور اسی امی کے لائے ہوئے کلام کے اجمال کی تفصیل ہے۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ الخ یہ آیت ابھی گذر چکی ہے اس کو مکرر لانے کی وجہ یہود کے ایک زعم باطل کی نفی کرنی ہے کہ ہمارے اعمال و عقائد خواہ کتنے ہی برے ہوں مگر ہماری پیغمبر زادگی اور ان سے ربط و تعلق کی وجہ سے ہمارے آباء و اجداد ہم کو ضرور بخشوا لیں گے، اسی بیہودہ خیال کی تردید کے لئے اس آیت کو دوبارہ لایا گیا ہے۔

بحمد اللہ تم

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ الجُهّالُ **مِنَ النَّاسِ** اى اليهودِ والمشركينَ **مَا وَلّٰهُمْ** اىُّ شيءٍ صَرَفَ النَّبيَّ والمؤمنينَ **عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا** على استقبالِها فِي الصَّلوةِ وهي بَيْتُ المَقْدِسِ والاِتيانُ بالسِّينِ الدّالَّةِ على الاِستقبالِ مِنَ الاِخبارِ بالغَيبِ **قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ** اى الجِهاتُ كُلُّها فيامُرُ بالتَّوجُّهِ الى اىِّ جِهَةٍ شاءَ لا اعتراضَ عليهِ **يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ** بِهدايتهٖ **إِلَىٰ صِرَاطٍ** طريقٍ **مُسْتَقِيمٍ** (۱۴۲) دِينِ الاسلامِ اى ومنهم انتم دلَّ على هذا **وَكَذٰلِكَ** كما هدَيناكُم اليهِ **جَعَلْنٰكُمْ** يا اُمّةَ محمدٍ **اُمَّةً وَّسَطًا** خِيارًا عُدولاً **لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ** يومَ القيمةِ انّ رُسُلَهم بلَّغَتْهُم **وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا** انَّهُ بلَّغَكُم **وَمَا جَعَلْنَا** صَيَّرْنا **الْقِبْلَةَ** لكَ الآنَ الجهةَ **الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا** اوّلاً وهِيَ الكَعْبَةُ وكانَ صلَّى اللّٰهُ عليهِ وسلَّمَ يُصَلِّي اِلَيْها فلمّا هاجَرَ اُمِرَ باستقبالِ بيتِ المَقدِسِ تألُّفًا لليهودِ فصَلّٰى اليهِ سِتّةَ اوسَبعَةَ عَشَرَ شهرًا ثمّ حُوِّلَ **اِلَّا لِنَعْلَمَ** عِلْمَ ظُهُورٍ **مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُولَ** فيُصَدِّقُهُ **مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ** اى يرجِعُ الى الكُفرِ شكًّا في الدِّينِ وظنًّا انّ النَّبيَّ في حَيرةٍ مِن أمرِهٖ وقد ارتَدَّ لذلكَ جماعةٌ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقيلةِ واسمُها محذوفٌ اى وانَّها **كَانَتْ** اى التَّولِيَةُ اليها **لَكَبِيرَةً** شاقَّةً على النّاسِ **اِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ** منهُم **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيْمَانَكُمْ** اى صَلاتَكُم الى بيتِ المَقدِسِ بل يُثيبُكُم عليهِ لانّ سَبَبَ نُزولِها السُّؤالُ عمَّن ماتَ قبلَ التَّحويلِ **اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ** المؤمنينَ **لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ** (۱۴۳) في عدمِ اضاعةِ اعمالِهم والرّأفةُ شِدّةُ الرحمةِ وقدَّمَ الابلغَ للفاصلةِ.

ترجمہ: نادان جاہل لوگ یعنی یہود و مشرکین عنقریب کہیں گے کہ کس چیز نے پھیر دیا ان کو؟ یعنی نبی اور مومنین کو اس قبلہ سے جس پر وہ تھے یعنی نماز میں اب تک جس قبلہ کی طرف رخ کرتے تھے اور وہ بیت المقدس ہے اور سین استقبالیہ کو لانا اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے، اور کہہ دیجئے کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہی ہے، یعنی تمام جہات اسی کی ملک ہیں، لہٰذا اس کو حق ہے کہ جس جہت کی جانب چاہے رخ کرنے کا حکم دے، اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں، وہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کو سیدھی (یعنی) دین اسلام کی راہ دکھا دیتا ہے اور ان میں (اے مومنو!) تم بھی ہو جن کو راہ مستقیم دکھائی، اور ہم نے اسی طرح جس طرح تم کو راہ مستقیم دکھائی، اے امت محمد ﷺ! تم کو خیر امت یعنی معتدل امت (بھی) بنایا تاکہ تم لوگوں کے لئے قیامت کے دن گواہ ہو، اس بات پر کہ ان کے رسولوں نے ان کو پیغام پہنچا دیا اور رسول تمہارے لئے گواہ ہوں کہ اس نے تم کو پیغام پہنچا دیا، جس سمت قبلہ پر تم پہلے تھے اور آپ ﷺ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، مگر جب آپ نے ہجرت فرمائی تو یہود کی دل جوئی کے لئے بیت المقدس کی جانب رخ کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے اس کی طرف رخ کر کے سولہ یا سترہ مہینہ نماز پڑھی پھر (یہ حکم) تبدیل کر دیا گیا، اس کو ہم

نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا تاکہ ہم علم ظہور کے طور پر ظاہر کردیں کہ رسول کی کون اتباع کرتا ہے؟ (یعنی) اس کی تصدیق کرتا ہے، اور کون ہے، جو الٹا پھر جاتا ہے؟ یعنی دین میں شک کرتے ہوئے، اور یہ گمان کرتے ہوئے کہ نبی قبلہ کے معاملہ میں مذبذب ہے، اور اسی وجہ سے ایک جماعت مرتد ہوگئی، گو تبدیل قبلہ کا یہ کام مشکل ہے یعنی لوگوں پر شاق ہے اِنْ مخففة عن المثقلة ہے، اور اس کا اسم محذوف ہے، (دراصل) وَاِنَّهَا تھا، مگر ان میں سے جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے (ان کیلئے کوئی مشکل نہیں ہے) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہ کرے گا یعنی بیت المقدس کی جانب پڑھی ہوئی نماز کو (ضائع نہ کرے گا) بلکہ اس پر تم کو اجر دے گا، اس لئے کہ اس کا سبب نزول، ان لوگوں کے بارے میں سوال تھا جو تحویل قبلہ سے پہلے مر گئے، اللہ لوگوں مومنوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے، ان کے اعمال کو ضائع نہ کرے گا، اور رأفة شدتِ رحمت کو کہتے ہیں ابلغ (یعنی رؤف) کو فاصلہ کی رعایت کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: سُفَهَاءُ (واحد) سَفِيْهٌ بیوقوف، نادان، احمق، جاہل، (س)۔

قَوْلُهُ: مَاوَلّٰهُمْ، مَا استفہامیہ مبتداء وَلّٰهُمْ خبر، وَلّٰی تَوْلِيَةً (تفعیل) پیٹھ پھیرنا، منہ موڑنا۔

قَوْلُهُ: مِنَ النَّاسِ، سُفَهَاء سے حال ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے عامل سيقول ہے، یہ حال مبینہ ہے، یعنی دوسروں سے ممتاز اور جدا کرنے کے لئے اس لئے کہ سفاہت کے ساتھ جس طرح انسان متصف ہوتا ہے، غیر انسان بھی متصف ہوتا ہے حتی کہ غیر حیوان بھی متصف ہوتا ہے، گدھے کی بے وقوفی تو زبان زد عام و خاص ہے جماد کی جانب بھی سفہ کی نسبت کی جاتی ہے، بَقَلَةُ الحمقاء بے وقوف دانہ، خرفہ کو کہتے ہیں، خرفہ ایک دانہ ہے دوا کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، اس کو بے وقوف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ پانی پر بہتے ہوئے بھی اُگ آتا ہے جب کہ سیلاب میں بہنے کے وقت بے اطمینانی کی کیفیت ہوتی ہے، ایسی حالت میں اس کا برگ و بار نکالنا بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی مسافر حالت سفر میں اپنا مکان بنانا شروع کردے، اور خرف (س، ک) خرفًا بڑھاپے کی وجہ سے عقل کا فاسد ہوجانا۔

قَوْلُهُ: قِبلة بروزن جلسة بیان حالت کے لئے ہے، جیسے جلستُ جِلسةَ القاری، میں قاری کی طرح بیٹھا قِبْلَةً استقبال کی حالت کو کہتے ہیں عرف شرع میں نماز میں قبلہ کی جانب رخ کو کہتے ہیں، قبلة، جعلنا کا مفعول اول ہے اور التی کنت عَلَيهَا تقدیر موصوف کے ساتھ مفعول ثانی ہے، تقدیر یہ ہے الجهة التی کنت علیها۔

قَوْلُهُ: علی عقِبَيهِ اس کا واحد عقبٌ ایڑھی کو کہتے ہیں، مراد انقلاب علی عقبیہ سے حق سے باطل کی طرف پلٹ جانا، مرتد ہوجانا۔

قَوْلُهُ: لِاَنَّ سبب نُزُولِهَا السوال الخ اس عبارت کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوال: ایمان کی تفسیر صلوٰۃ سے کیوں کی؟
جواب: یہود کی جانب سے چونکہ سوال نماز ہی کے بارے میں تھا اس لئے ایمان کی تفسیر صلوٰۃ سے کی ہے۔
قولہ: وقدّم الا بلغ للفاصلة یہ ایک سوال کا جواب ہے۔
سُوال: عام طور پر ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ ہوتی ہے نہ کہ بالعکس، جیسے کہتے ہیں عالم نحریرٌ، نحریرٌ عالم نہیں کہتے، اسی قاعدے کے مطابق یہاں رحیمٌ رؤفٌ کہنا چاہئے تھا۔
جواب: فواصل کی رعایت کے لئے پورے قرآن میں ایسا کیا گیا ہے، اگرچہ رحیم کے مقابلہ میں رؤف میں شدت رحمت ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

شانِ نزول:

جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے تو یہ ممکن تھا کہ بیک وقت کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کی جانب رخ ہو جائے اس لئے کہ مدینہ منورہ اور بیت المقدس مکہ سے ٹھیک جانب شمال میں واقع ہیں، مگر جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ صورت ممکن نہ رہی اس لئے کہ بیت المقدس مدینہ سے ٹھیک جانب شمال میں واقع ہے، اور بیت اللہ جانب جنوب میں بدرجہ مجبوری یہود کی دلجوئی کے لئے بحکم خداوندی آپ ﷺ نے بیت المقدس کو قبلہ بنالیا جو یہود کا بھی قبلہ تھا، سولہ یا سترہ مہینہ آپ ﷺ نے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھی مگر آپ کی دلی خواہش اور تمنا تھی کہ قبلہ بیت اللہ ہی ہو جائے اس لئے کہ دعوت اسماعیلی کا وہی مرکز تھا اور آپ ﷺ وحی کے انتظار میں بار بار نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے تھے، آخر کار آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق تحویل قبلہ کا حکم فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ کے ذریعہ نازل ہو گیا۔

جب تحویل قبلہ ہوا تو یہود اور مشرکین نے اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ مسلمانوں کے قبلہ کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں، کبھی بیت المقدس ہوتا ہے تو کبھی بیت اللہ، تو اس کے جواب میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ دراصل یہ نادانوں کے اعتراض کا پہلا جواب ہے، یہ لوگ سمت و مقام کے پرستار بندے بنے ہوئے تھے، ان کا خیال تھا کہ خدا کسی خاص سمت میں مقید ہے اس لئے ان کے جاہلانہ اعتراض کے جواب میں فرمایا گیا، مشرق و مغرب اللہ کے ہیں، کسی سمت کو قبلہ بنانے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ اسی طرف ہے، لہٰذا یہ کوئی نہ بحث کی بات ہے اور نہ جھگڑنے کی کہ پہلے تم اس طرف عبادت کرتے تھے اب اس طرف کیوں کرنے لگے؟

امت محمدیہ امت وسط ہے:

وسط سین کے فتحہ کے ساتھ ہے اور معتدل کے معنی میں ہے اور افضل اشیاء کو وسط کہا جاتا ہے، ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں وسط کی تفسیر عدل مروی ہے جو بہترین کے معنی میں ہے جس کے نتیجہ میں امت محمدیہ کو میدان حشر میں یہ امتیاز حاصل ہوگا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں جب اپنے انبیاء علیہم السلام کی ہدایت و تبلیغ سے انکار کر دیں گی اس وقت امت محمدیہ انبیاء علیہم السلام کی جانب سے گواہی میں پیش ہوگی، اور یہ شہادت دے گی کہ انبیاء علیہم السلام نے ہر زمانہ میں اللہ کا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچادیا، مدعی علیہم امتیں امت محمدیہ پر یہ جرح کریں گی کہ امت محمدیہ ﷺ کا تو ہمارے زمانہ میں وجود ہی نہیں تھا لہٰذا یہ ہمارے معاملہ میں گواہی کس طرح دے سکتی ہیں؟

امت محمدیہ اس جرح کا جواب دے گی کہ بے شک ہم اس وقت موجود نہیں تھے مگر ان کے واقعات و حالات کی خبریں ہمیں صادق المصدوق محمد ﷺ نے جو ہمارے نزدیک ہمارے عینی مشاہدہ سے بھی زیادہ وقیع اور قابل اعتماد ہیں، دی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کا تزکیہ:

اس وقت رسول اللہ ﷺ پیش ہوں گے اور امت محمدیہ کا تزکیہ و توثیق کریں گے، بیشک انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے۔

واقعۂ تحویل قبلہ کی تاریخ و تفصیل:

تحویل قبلہ کا یہ حکم رجب یا شعبان ۲ھ میں نازل ہوا، ابن سعد کی روایت ہے کہ نبی ﷺ بشر بن براء بن معرور کے یہاں دعوت پر گئے ہوئے تھے، وہاں ظہر کی نماز کا وقت آگیا آپ ﷺ لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہوئے دو رکعتیں پڑھا چکے تھے، تیسری رکعت میں یکایک وحی کے ذریعہ مذکورہ آیت نازل ہوئی اور اسی وقت آپ ﷺ کی اقتداء میں تمام لوگ بیت المقدس سے کعبے کی طرف پھر گئے، اس کے بعد مدینہ اور اطراف مدینہ میں عام منادی کرادی گئی، براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک جگہ منادی کی آواز اس حالت میں پہنچی کہ لوگ رکوع کی حالت میں تھے، حکم سنتے ہی سب کے سب اسی حالت میں کعبے کی طرف پھر گئے، انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ بنی سلمہ میں یہ اطلاع دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت پہنچی، لوگ ایک رکعت پڑھ چکے تھے کہ ان کے کانوں میں آواز آئی، خبردار رہو! قبلہ بدل کر کعبے کی طرف کر دیا گیا ہے، سنتے ہی پوری جماعت نے اپنا رخ بدل دیا۔

اس بات کا خیال رہے کہ بیت المقدس مدینہ منورہ سے عین شمال میں ہے اور کعبہ بالکل جنوب میں، نماز باجماعت پڑھتے

ہوئے قبلہ تبدیل کرنے میں لامحالہ امام کو چل کر مقتدیوں کے پیچھے آنا پڑا ہوگا بلکہ مقتدیوں کو بھی کچھ نہ کچھ چل کر صفیں وغیرہ درست کرنی پڑی ہوں گی، تفصیل روایات میں موجود ہے۔

قَدْ للتحقيق نَرٰى تَقَلُّبَ تصرُّف وَجْهِكَ فِي جهة السَّمَآءِ مُتَطَلِّعًا الى الوَحْيِ ومُتَشَوِّقًا للأمرِ باستقبالِ الكعبةِ وكان يَوَدُّ ذلك لانها قبلة ابرٰهيم ولانه ادعٰى الى اسلام العرب فَلَنُوَلِّيَنَّكَ نُحَوِّلَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا تُحِبُّهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ استقبل في الصلوة شَطْرَ نحو الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اى الكعبة وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ خطابٌ للأمة فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ في الصلوة شَطْرَهٗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ اى التولّي الى الكعبة الْحَقُّ الثابتُ مِنْ رَّبِّهِمْ لِمَا في كُتُبِهِم مِن نعتِ النبيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم مِن انه يَتَحَوَّلُ اليها وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ بالتاء ايها المؤمنون من امتثالِ امره وبالياء اى اليهود من انكار امر القبلة وَلَئِنْ لامُ قسمٍ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ على صدقك في امر القبلة مَّا تَبِعُوْا اى لا يتبعون قِبْلَتَكَ عِنادًا وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ قطعٌ لطمعه في اسلامهم وطمعهم في عوده اليها وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ اى اليهود قبلة النصارى وبالعكس وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ التي يدعونك اليها مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ الوحي اِنَّكَ اِذًا ان اتبعتهم فرضًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ اى محمدًا كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ بنعته في كتابهم قال ابن سلام لقد عرفته حين رأيته كما اعرف ابني ومعرفتي لمحمدٍ اشد، رواه البخاري، وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ نعته وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ هذا الذي انت عليه اَلْحَقُّ كائنًا مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ الشاكين فيه اى من هذا النوع فهو ابلغ من لا تمتر.

ترجمہ: قد تحقیق کے لئے ہے، ہم آپ کے چہرے کو آسمان کی طرف وحی کی طلب اور استقبال کعبہ کے شوق میں بار بار اٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں، اور آپ (کعبہ) کو اس لئے پسند فرماتے تھے کہ (کعبہ) ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبلہ تھا، اور اس لئے بھی کہ کعبہ کو قبلہ قرار دینا عربوں کو اسلام کی طرف بلانے میں زیادہ موثر (اپیل کرنے والا) تھا، سو ہم آپ کو اسی قبلہ کی جانب پھیر دیتے ہیں جس کو آپ پسند کرتے ہیں آپ اپنا رخ نماز میں مسجد حرام یعنی کعبہ کی جانب پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو یہ امت کو خطاب ہے، اپنے چہرے کا (رخ) نماز میں اسی طرف کیا کریں اہل کتاب کو قطعی علم ہے کہ کعبہ کی طرف رخ کرنا ان کے رب کی جانب سے قطعی حق ہے اس لئے کہ ان کی کتابوں میں محمد ﷺ کی صفات کے بارے میں یہ موجود ہے کہ وہ (نماز میں) رخ کعبہ کی طرف کریں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں یاء اور تاء کے ساتھ، اے مومنو! امتثال امر وغیرہ جو تم کرتے ہو اور یہود قبلہ کے

حکم کا جو انکار کرتے ہیں (اللہ اس سے غافل نہیں ہے) اور اگر چہ آپ ﷺ لَئِنْ میں لام قسمیہ ہے، قبلہ کے معاملہ میں اپنی صداقت پر تمام دلیلیں پیش کر دیں تب بھی وہ دشمنی کی وجہ سے آپ کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں، یہ ان کے اسلام کے بارے میں آپ ﷺ کی امید کو منقطع کرنا ہے اور آپ ﷺ کے بارے میں ان کے قبلہ کی طرف لوٹنے کی امید کو منقطع کرنا ہے، اور نہ یہ یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کی اتباع کرنے والے ہیں، یعنی نہ یہود نصاریٰ کے قبلہ کی اور برعکس اور اگر آپ ﷺ، آپ کے پاس علم آجانے کے باوجود ان کی ان خواہشوں کے پیچھے لگ جائیں جن کی طرف وہ دعوت دے رہے ہیں (یعنی) بالفرض اگر آپ ان کی اتباع کریں تب تو آپ یقیناً ظالموں میں سے ہوں گے، جنہیں ہم نے کتاب دی ہے، وہ تو محمد ﷺ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کوئی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے ان کی کتابوں میں آپ کی صفات کے موجود ہونے کی وجہ سے، عبداللہ بن سلام نے کہا: جب میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو میں آپ کو اس طرح پہچان گیا، جیسے اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں، بلکہ محمد ﷺ کی شناخت اس سے بھی زیادہ ہے۔ (رواہ البخاری) بلاشبہ ان میں ایک جماعت آپ کی صفات کو چھپاتی ہے باوجودیکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ (طریقہ) جس پر آپ ﷺ ہیں حق ہے جو آپ کے رب کی جانب سے ہے، سنو! آپ شک کرنے والوں میں نہ ہوجانا یعنی شک کرنے والوں کی قسم سے نہ ہوجانا، فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (طرز خطاب) میں لا تَمْتَرْ سے زیادہ بلیغ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: قَدْ تحقیق کے لئے ہے کما صرح المفسر العلام، اور بعض کے نزدیک تکثیر کے لئے ہے اور یہ کثرت آپ ﷺ کی نسبت سے ہے، یعنی ہم آپ کی نظر کو بکثرت آسمان کی طرف اٹھتا ہوا دیکھتے ہیں، یہاں قَدْ تقلیل کا اس لئے نہیں ہوسکتا کہ تقلب اس کی نفی کرتا ہے اس لئے کہ تقلب کثرت کا تقاضہ کرتا ہے۔

قَوْلُهٗ: نُوَلِّيَنَّكَ مضارع جمع متکلم بانون تاکید ثقیلہ، مصدر تَوْلِيَةٌ کاف ضمیر مفعول ہے ہم آپ کو ضرور پھیر دیں گے، مراد اس سے تحویل قبلہ ہے جو غزوۂ بدر سے دو ماہ قبل ماہ رجب میں بروایت براء بن عازب رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ زوال آفتاب کے بعد عصر کی نماز میں ہوئی، مجاہد کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ ﷺ صحابہ کو بنی سلمہ کی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے۔

قَوْلُهٗ: اَيُّهَا المؤمنون الخ یہ تعلمون کی صورت میں ہے۔

قَوْلُهٗ: قَطْعٌ لطمعِهٖ فی اِسلامِهِمْ وطَمعِهِمْ فی عودِهَا اِلَيْهَا ان میں لف و نشر مرتب ہے۔

قَوْلُهٗ: اليهود قبلةَ النصارىٰ وبالعكس یہود کا قبلہ صخرۃ البیت المقدس تھا اور نصاریٰ کا صخرہ کی مشرق کی جانب۔

قَوْلُهٗ: فرضًا فرضًا کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: لَئِنْ اَتَیْتَ میں اِن استعمال ہوا ہے جو کہ غیر یقینی چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے حالانکہ آپ ﷺ کا ان کے قبلہ کی اتباع نہ کرنا اور ان کا آپ ﷺ کے قبلہ کی اتباع نہ کرنا یقینی تھا۔

جَواب: علی سبیل الفرض تسلیم کرتے ہوئے، اِنْ کا استعمال کیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: ھٰذا الذی انتَ علیه الحقُّ ھٰذا اسم اشارہ، الذی انت علیه موصول صلہ سے مل کر مشار الیہ جملہ ہو کر مبتداء الحقُّ اس کی خبر۔

قَوْلُہٗ: الممترین، اِمتِرَاءٌ (افتعال) سے اسم فاعل جمع مذکر، اس کا واحد اَلْمُمْتَرِی شک میں پڑنے والا، شک کرنے والا۔

قَوْلُہٗ: مِن ھٰذا النوع یعنی آپ شکیوں میں سے نہ ہوں، اس لئے کہ بعض اوقات انسان شک نہیں کرتا مگر شکی ہوتا ہے مگر ایسا نہیں ہوتا کہ شک کرے اور شکی نہ ہو یعنی شکی کے لئے شک لازم نہیں مگر شک کے لئے شکی ہونا لازم ہے (واللہ اعلم بالصواب)۔

قَوْلُہٗ: ابلغ مِن لَاتَمْتَرْ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اور اعتراض یہ ہے کہ ایجاز کا قاعدہ اس بات کا مقتضی ہے کہ لَاتمتَرْ کہا جائے، اختصار کو ترک کرکے اطناب کیوں اختیار کیا گیا۔

جَواب: یہاں اطناب بے فائدہ نہیں ہے اسی لئے اطناب اختصار سے ابلغ ہے، اس لئے کہ فَلَا تَمْتَرْ زمانِ مستقبل میں حدوث امتراء سے منع ہے، اس لئے کہ یہ فعل مضارع ہے اور مُمترین حدوث اِمتراء اور بقاء امتراء دونوں سے مانع ہے، اس کے اسم ہونے کی وجہ سے۔

تفسیر وتشریح

وحی خفی سے ثابت شدہ حکم کا کتاب اللہ سے نسخ:

جصاص رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ قرآن کریم میں کہیں اس کی تصریح نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قبل از ہجرت یا بعد از ہجرت بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا تھا، البتہ اس کا ثبوت صرف سنت نبوی سے ہے تو جو حکم سنت نبوی سے ثابت ہوا تھا اس کو آیت قرآنی سے منسوخ کرکے آپ کا قبلہ بیت اللہ کو قرار دیدیا گیا۔

اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حدیث رسول بھی ایک حیثیت سے قرآن ہی ہے اور یہ کہ کچھ احکام وہ بھی ہیں جو قرآن میں مذکور نہیں صرف حدیث سے ثابت ہیں اور قرآن ان کی شرعی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے کیونکہ اسی آیت کے آخر میں یہ بھی مذکور ہے کہ جو نمازیں بامر رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف پڑھی گئیں وہ عنداللہ معتبر ہیں بخاری و مسلم اور تمام معتبر کتب حدیث میں

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے عصر کی نماز جانب بیت اللہ پڑھی اور بعض روایات میں اس جگہ عصر کے بجائے ظہر کی نماز مذکور ہے (ابن کثیر) بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر باہر گئے اور دیکھا کہ قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ اپنی مسجد میں حسب سابق بیت المقدس کی جانب نماز پڑھ رہے ہیں تو انہوں نے آواز دے کر کہا کہ اب قبلہ بیت اللہ کی طرف ہو گیا ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھ کر آئے ہیں ان لوگوں نے درمیان نماز ہی میں اپنا رخ بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف پھیر لیا، نویلہ بنت مسلم کی روایت میں ہے کہ جو عورتیں پچھلی صفوں میں تھیں وہ اگلی صفوں میں اور مرد جو اگلی صفوں میں تھے وہ پچھلی صفوں میں ہو گئے اس کے بعد صفوں کی ترتیب درست ہوئی۔

بنوسلمہ کے لوگوں نے تحویل قبلہ پر عصر ہی کی نماز میں عمل کیا، مگر قباء میں یہ خبر اگلے روز صبح کی نماز میں پہنچی جیسا کہ بخاری و مسلم میں بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکور ہے، اہل قباء نے بھی اپنا رخ نماز ہی میں بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف پھیر لیا۔ (ابن کثیر، وحصاص)

لاؤڈ اسپیکر پر نماز کا مسئلہ:

مائک (لاؤڈ اسپیکر) پر نماز جائز ہے یہ بات ظاہر ہے کہ اتباع لاؤڈ اسپیکر کا نہیں ہوتا، بلکہ اتباع تو رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب امام رکوع کرے رکوع کرو اور جب سجدہ کرے سجدہ کرو، لاؤڈ اسپیکر تو محض امام کی آواز کو بلند کرنے کا واسطہ ہے نہ کہ مقتدی، اس لئے کہ مائک کی آواز بعینہ امام کی آواز ہوتی ہے نہ کہ حکایت و نقل لہٰذا مائک پر نماز کے جواز میں کوئی اشکال نہیں۔ (معارف ملخصًا)

قَدْ نَرىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ اس آیت سے متعلق ضروری مضمون سابق تشریح کے ضمن میں گذر چکا ہے۔

مسئلہ استقبالِ قبلہ:

اگرچہ تمام جہتیں اللہ ہی کی ہیں وہ کسی خاص جہت میں محدود نہیں ہے، لیکن مصالح امت کے لئے بتقاضائے حکمت کسی ایک جہت کا تمام دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے لئے قبلہ بنا کر سب میں ایک دینی وحدت کا عملی مظاہرہ مقصود تھا، وہ جہت بیت المقدس بھی ہو سکتی تھی، مگر رسول اللہ ﷺ کی تمنا و خواہش کے مطابق بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا گیا، اسی کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے قرآن مجید میں جہت قبلہ کے لئے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اللہ تعالیٰ نے فَوَلِّ وَجْهَكَ اِلَى الْكَعْبَةِ کی مختصر تعبیر کو چھوڑ کر شطر المسجدِ الحرام کی طویل تعبیر اختیار فرمائی، اس تعبیر سے استقبال قبلہ کے کئی مسائل واضح ہو گئے۔

❶ اول یہ کہ اگر چہ اصل قبلہ بیت اللہ ہے، جس کو کعبۃ اللہ کہا جاتا ہے جو کہ ایک چھوٹی سی مربع عمارت ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ عین بیت اللہ کا استقبال اس جگہ تک تو ممکن ہے جہاں تک بیت اللہ نظر آتا ہے، لیکن وہ لوگ جو بیت اللہ سے دور ہیں جن کو بیت اللہ نظر نہیں آتا ان پر یہ پابندی عائد کرنا کہ عین بیت اللہ کی طرف رخ ضروری ہے تو اس میں بہت دشواری ہوگی، خاص آلات اور حساب کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے جو نہ ہر شخص کو دستیاب اور نہ ان کے استعمال پر قادر شریعت محمدیہ ﷺ کا مدار چونکہ سہولت پر ہے اس لئے بجائے بیت اللہ یا کعبہ کے مسجد حرام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کہ بیت اللہ کے مقابلہ میں کافی وسیع ہے اس کی طرف رخ کرنا دور دراز کے لوگوں کے لئے آسان ہے۔

❷ دوسری سہولت لفظ شطر اختیار کر کے دیدی گئی ورنہ اس سے مختصر لفظ الی المسجد الحرام تھا، شطر کے دو معنی ہیں ایک نصف اور دوسرے سمت باتفاق مفسرین یہاں سمت کے معنی مراد ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ بلادِ بعیدہ میں یہ ضروری نہیں کہ خاص مسجد حرام ہی کی طرف ہر ایک کا رخ ضروری ہے بلکہ سمت مسجد حرام کافی ہے۔ (بحر محیط، معارف)

مثلاً مشرقی ممالک ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ کے لئے جانب مغرب مسجد حرام کی سمت ہے اور چونکہ موسم سرما و گرما میں سمت مغرب میں اختلاف ہوتا رہتا ہے اس لئے فقہاء رحمہم اللہ نے اس سمت کو سمت مغرب و قبلہ قرار دیا ہے جو دونوں موسموں کے درمیان ہے۔

قواعد ریاضی کے اعتبار سے سمت قبلہ:

قواعد ریاضی کے حساب سے صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ مغرب صیف اور مغرب شتا کے درمیان ۴۸ ڈگری تک سمت قبلہ قرار دی جائے گی، یعنی ۲۴ ڈگری تک بھی اگر انحراف ہو جائے تب بھی سمت قبلہ فوت نہیں ہوگی۔ (شرح چغمینی معارف)

رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ والمَغْرِبِ قبلة (ترمذی) آپ کا یہ ارشاد مدینہ طیبہ والوں کے لئے تھا اس لئے کہ ان کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان جانب جنوب واقع تھا، اس حدیث سے گویا کہ لفظ شطر کی تشریح ہوگئی۔

وَلِكُلٍّ مِن الأُمَمِ وِّجْهَةٌ قِبْلَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا وَجْهَهُ فِي صَلَاتِهِ وفي قراءةٍ مُوَلَّاهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ بادِرُوا الى الطَّاعَاتِ وقَبُولِهَا أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا يَجْمَعُكُم يومَ القيمةِ فيُجازِيكُم بأعمالِكُم إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ لِسَفَرٍ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾ بالتاءِ والياءِ تَقَدَّمَ مِثْلُهُ وكَرَّرَهُ لِبيانِ تَساوِي حُكْمِ السَّفَرِ وغيرِه وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ كَرَّرَهُ لِلتَّاكِيدِ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ اليَهُوْدِ او المُشْرِكِيْنَ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اى مُجَادَلَةٌ فِى التَّوَلِّى الى غيرِها اى لِتَنْتَفِىَ مُجَادَلَتُهُمْ لَكُمْ مِن قولِ اليَهُوْدِ يَجْحَدُ دِيْنَنَا وَيَتَّبِعُ قِبْلَتَنَا وقولِ المُشْرِكِيْنَ يَدَّعِى مِلَّةَ اِبراهِيمَ ويُخَالِفُ قِبلَتَهُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ بالعِنَادِ فَاِنَّهُم يَقُولُوْنَ ما تَحَوَّلَ اِلَيْهَا اِلَّا مَيْلًا الى دِيْنِ آبائِهِ والاستثناءُ مُتَّصِلٌ والمعنى لَا يَكُوْنُ لِاَحَدٍ عَلَيْكُمْ كَلَامٌ اِلَّا كَلَامُ هٰؤُلاءِ فَلَا تَخْشَوْهُمْ تَخَافُوا جِدَالَهُم فِى التَّوَلِّى اِلَيْهَا وَاخْشَوْنِىْ بِامْتِثَالِ اَمْرِى وَلِأُتِمَّ عَطْفٌ على لِئَلَّا يَكُوْنَ نِعْمَتِىْ عَلَيْكُمْ بالهِدَايَةِ اِلَى مَعَالِمِ دِيْنِكُم وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ الى الحَقِّ كَمَا اَرْسَلْنَا مُتَعَلِّقٌ بِاُتِمَّ اى اِتْمَامًا كَاِتْمَامِهَا بِاِرْسَالِنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا القرانَ وَيُزَكِّيْكُمْ يُطَهِّرُكُمْ مِنَ الشِّرْكِ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ القرانَ وَالْحِكْمَةَ مَا فِيْهِ مِنَ الاَحْكَامِ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِىْ بالصَّلوٰةِ والتَّسْبِيْحِ ونحوِهِ اَذْكُرْكُمْ قيلَ مَعْنَاهُ اُجَازِيْكُم وفى الحديثِ عَنِ اللّٰهِ مَنْ ذَكَرَنِىْ فِىْ نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِىْ نَفْسِىْ وَمَنْ ذَكَرَنِىْ فِىْ مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِىْ مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْ مَلَئِهِ وَاشْكُرُوْا لِىْ نِعْمَتِىْ بالطَّاعَةِ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ بالمَعْصِيَةِ.

ترجمہ: ہر امت کا ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ اپنی عبادت میں رخ کرتی ہے اور ایک قراءت میں مُوَلَّاهَا ہے (جس کی طرف پھیرا گیا ہے) نیکیوں کی طرف سبقت کرو یعنی طاعتوں اور اس کے قبول کی جانب جلدی کرو، تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم کو جمع کرلائے گا (یعنی) روز قیامت تم کو جمع کرے گا، اور تمہارے اعمال کی جزا دے گا، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (اے محمد ﷺ!) آپ جہاں سے بھی سفر شروع کریں (نماز میں) رخ مسجد حرام کی جانب کریں، یہی آپ کے رب کا فیصلہ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے تاء اور یاء کے ساتھ، اسی جیسی آیت گذر چکی ہے، سفر و حضر میں حکم کی یکسانیت کو بیان کرنے کے لئے (آیت) مکرر ذکر کی ہے، اور (اے مسلمانو! تم بھی) جس جگہ سے سفر شروع کرو اپنا رخ مسجد حرام کی جانب کرو تاکید کے لئے مکرر ذکر کیا ہے، تاکہ لوگوں (یعنی) یہود یا مشرکین کو، تمہارے ساتھ کوئی نزاع نہ رہے (ان کے) قبلہ کی مخالف جانب رخ کرنے کی وجہ سے، یعنی تاکہ تمہارے ساتھ ان کی حجت بازی ختم ہو جائے، اس بات میں کہ یہود کہتے ہیں کہ (محمد) ہمارے دین کا (تو) انکار کرتے ہیں مگر ہمارے قبلہ (بیت المقدس) کی اتباع کرتے ہیں، اور مشرکوں کا کہنا یہ ہے، کہ محمد ملت ابراہیمی کا تو دعویٰ کرتے ہیں مگر اس کے قبلہ کی مخالفت کرتے ہیں، سوائے ان لوگوں کے کہ جنہوں نے ان میں سے بوجہ عناد کے ظلم کیا، ان کا کہنا ہے کہ کعبہ کی جانب رخ محض اپنے آباء کے دین کی طرف میلان کی وجہ سے کیا ہے اور (لِلنَّاسِ) استثناء متصل ہے، اور معنی یہ ہیں کہ تم پر کسی کا کوئی اعتراض نہ رہے گا، مگر (ظالم) لوگوں کا لہٰذا تم کعبہ کی جانب رخ کرنے میں ان کے

جھگڑنے سے نہ ڈرو، میرا حکم بجالا کر مجھ سے ڈرتے رہو اور تاکہ میں تم کو تمہارے دین کے احکام کی طرف رہنمائی کر کے تمہارے اوپر اپنی نعمت کی تکمیل کر دوں، اور اس لئے تاکہ تم حق کی طرف ہدایت پاؤ جس طرح ہم نے تمہارے لئے تم ہی میں سے ایک رسول (محمد ﷺ) بھیجا (کَمَا اَرْسَلْنَا) اُتِمَّ سے متعلق ہے، یعنی اس طرح نعمت کی تکمیل کر کے جس طرح ہم نے تم ہی میں سے رسول بھیج کر نعمت کی تکمیل کی، جو تم کو ہماری قرآنی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تم کو شرک سے پاک کرتا ہے، اور تم کو کتاب یعنی قرآن اور حکمت سکھاتا ہے جس کے اندر احکام ہیں اور تمہیں وہ چیزیں سکھاتا ہے، جس سے تم ناواقف تھے، لہٰذا تم نماز و تسبیح کے ذریعہ میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد کروں گا، کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں میں تم کو جزاء دوں گا، اور حدیث قدسی میں ہے کہ جو شخص مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس کے مجمع سے بہتر مجمع میں اس کو یاد کرتا ہوں اور میری نعمتوں کا طاعت کے ذریعہ شکر ادا کرو اور معصیت کے ذریعہ ناشکری نہ کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ مفسر علام نے مِنَ الْاُمَمِ محذوف مان کر حذف مضاف الیہ کی طرف اشارہ کیا ہے حذف مضاف کی طرح حذف مضاف الیہ کی مثالیں بھی عام ہے، لِكُلٍّ ای لکُلِّ اُمَّةٍ یعنی ہر دین و دھرم والوں کے لئے خواہ دین حق ہو یا باطل ایک مرکزی رخ ہوتا ہے جس کو ان کا قبلہ کہا جا سکتا ہے۔

قَوْلُهُ: هُوَ مُوَلِّيهَا، هو سے فریق مراد ہے، جو اُمَمٌ سے مفہوم ہے، کُلٌّ کی مناسبت سے هو لایا گیا ہے، اگر مفسر علام امم کے بجائے فریق سے تعبیر کرتے تو زیادہ واضح ہوتا۔ (صاوی)

قَوْلُهُ: مُوَلِّيهَا. مُوَلِّی اسم فاعل ہے، هَا مفعول اول ہے وَجْهَهٗ مفعول ثانی ہے، جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے، وفی قراءةٍ مُوَلَّاهَا بصیغہ اسم مفعول اس کا نائب فاعل مفعول اول ہے۔

قَوْلُهُ: قِبْلَةٌ مفسر علام نے وِجْهَةٌ کی تفسیر قِبْلَةٌ سے کر کے دو اعتراضوں کا جواب دیا ہے:

❶ وِجْهَةٌ مصدر ہے بمعنی توجہ، اس صورت میں معنی درست نہیں ہیں اس لئے کہ مقصود یہ نہیں ہے کہ ہر امت کے لئے توجہ ہے بلکہ مراد متوجہ الیہ ہے، یعنی جس کی جانب توجہ کی جائے، قِبْلَة کا اضافہ کر کے جواب دیدیا، کہ معنی مصدری مراد نہیں ہیں، مراد ظرف مکان ہے جس کو قبلہ کہا جاتا ہے۔

❷ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جِهَةٌ ہو اس لئے کہ تاء واؤ کے عوض میں ہے جیسا کہ عِدَةٌ میں کہ اصل وِعْدٌ تھا، واؤ حذف کر کے آخر میں تاء کا اضافہ کر دیا جِهَةٌ ہو گیا، وِجْهَةٌ میں عوض اور معوض دونوں کا جمع ہونا لازم آتا ہے۔

جَوَابٌ: وِجْهَةٌ اگرچہ اصل میں مصدر ہے لیکن متوجہ الیہ کا نام ہوگیا ہے اور وہ قبلہ ہے اس میں واؤ کو باقی رکھنا شاذ نہیں ہے۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: الیھود او المشرکین اس میں اشارہ ہے کہ للناس میں لام عہد کا ہے۔

قَوْلُہٗ: ای مُجَادَلَة، حُجَّةٌ کی تفسیر مجادلة سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں حجۃ سے دلیل و برہان مراد نہیں ہے اس لئے کہ ان کے پاس کوئی حجۃ و برہان نہیں تھی بلکہ منازعت اور مجادلۃ بالباطل مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: من قول الیھود الخ یہ مجادلة کا بیان ہے یعنی یہود یہ کہہ کر مجادلہ کرتے ہیں اور مشرکین یہ کہہ کر مجادلہ کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: الی غَیْرِہٖ، غیرہٖ کی ضمیر تولی کیطرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! ہم نے تم کو سمت کعبہ کی طرف رخ کرنے کا اس لئے حکم دیا ہے کہ رخ کرنے میں نزاع ہی ختم ہوجائے۔

قَوْلُہٗ: الاستثناء متصل اس لئے ہے کہ مستثنیٰ منہ بھی ظالمین ہی ہے۔

تفسیر و تشریح

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ ہر قوم راست راہ دینے وقبلہ کا ہے۔

یعنی ہر قوم، ہر امت اپنی نماز و عبادت حتی کہ پوجا پاٹ کے لئے بھی کوئی نہ کوئی مرکزی رخ رکھتی ہے۔

سوامت اسلامیہ کے لئے بھی ایک متعین قبلہ ناگزیر ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر قوم وامت کے لئے مختلف قبلہ ہوتے چلے آئے ہیں خواہ منجانب اللہ ہو یا خودساختہ، بہرحال یہ امر واقعہ ہے کہ ہر قوم وملت کا کوئی نہ کوئی قبلہ ہوتا ہے کوئی کسی کے قبلہ کو قبلہ تسلیم نہیں کرتا، اس لئے اپنے قبلہ کے حق ہونے پر ان لوگوں سے بحث ومباحثہ فضول ہے، لہٰذا اس فضول بحث کو چھوڑ کر اپنے اصل کام میں لگ جانا چاہئے، اور وہ اصل کام ہے نیک کاموں میں دوڑ دھوپ مسابقت میں لگ جانا، فضول بحثوں میں الجھنے سے وقت ضائع ہوتا ہے اور مسابقت الی الخیرات میں سستی اور آخرت سے غفلت ہوتی ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ الخ قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم تین مرتبہ دہرایا گیا ہے، یا تو اس کی تاکید اور اہمیت ظاہر کرنے کے لئے، یا چونکہ یہ نسخ حکم کا پہلا تجربہ تھا اس لئے ذہنی خلجان دور کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اسے بار بار دہرا کر دلوں میں راسخ کردیا جائے، یا تعدد علت کی وجہ سے ایسا کیا گیا، ایک علت نبی ﷺ کی مرضی اور خواہش تھی ایک جگہ اسے بیان کیا گیا، دوسری علت ہر اہل ملت اور صاحب دعوت کے لئے ایک مستقل مرکز کا وجود درکار ہے، تیسری علت مخالفین کے اعتراضات کا ازالہ ہے لہٰذا تیسری مرتبہ دہرایا گیا۔ (فتح القدیر شوکانی)

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ یعنی اہل کتاب یہ نہ کہہ سکیں کہ ہماری کتابوں میں تو ان کا قبلہ ''خانہ کعبہ'' لکھا ہوا

ہے اور بیت المقدس کی جانب نماز پڑھتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا یہاں ظلموا سے معاندین مراد ہیں یعنی اہل کتاب میں سے جو معاندین ہیں وہ یہ جاننے کے باوجود کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا قبلہ خانہ کعبہ ہی ہوگا، وہ بطور حسد وعناد کہیں گے کہ بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ بنا کر یہ پیغمبر بالآخر اپنے آبائی دین ہی کی طرف مائل ہوگیا، اور بعض کے نزدیک اس سے مشرکین مراد ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا على الاخرة بِالصَّبْرِ على الطاعة والبلاء وَالصَّلٰوةِ خصّها بالذكر لتكرّرها وعظمها اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ بالعون وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ هم اَمْوَاتٌ بَلْ هم اَحْيَآءٌ ارواحهم في حواصل طيور خضر تسرح في الجنة حيث شاءت لحديث بذلك وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ تعلمون ماهم فيه وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ العدو وَالْجُوْعِ القحط وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ بالهلاك وَالْاَنْفُسِ بالقتل والامراض والموت وَالثَّمَرٰتِ بالجوائح اى لنختبرنّكم فننظر أتصبرون ام لا وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ على البلاء بالجنة هم الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بلاء قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ ملكًا وعبيدًا يفعل بنا مايشاء وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ في الاخرة فيجازينا في الحديث من استرجع عند المصيبة اجره الله فيها واخلف عليه خيرًا وفيه أنّ مصباح النبي صلى الله عليه وسلم طفئ فاسترجع فقالت عائشة رضي الله تعالى عنها انما هذا مصباح فقال كلّ ما ساء المؤمن فهو مصيبة رواه ابوداؤد في مراسيله اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مغفرة مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ نعمة وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ الى الصواب اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ جبلان بمكة مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اعلام دينه جمع شعيرة فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ اى تلبّس بالحج او العمرة واصلهما القصد والزيارة فَلَا جُنَاحَ اثم عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ فيه ادغام التاء في الاصل في الطاء بِهِمَا بان يسعى بينهما سبعًا نزلت لما كره المسلمون ذلك لان اهل الجاهلية كانوا يطوفون بهما وعليهما صنمان يمسحونهما وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما انّ السعي غير فرض لما افاده رفع الاثم من التخيير وقال الشافعي وغيره ركن وبيّن صلى الله عليه وسلم وجوبه بقوله ان الله كتب عليكم السعي رواه البيهقي وغيره وقال ابدءوا بما بدأ الله به يعني الصفا رواه مسلم وَمَنْ تَطَوَّعَ وفي قراءة بالتحتانية وتشديد الطاء مجزومًا وفيه ادغام التاء فيها خَيْرًا اى بخير اى فعل مالم يجب عليه من طواف وغيره فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ لعمله بالاثابة عليه عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ به.

ترجمہ: اے ایمان والو! طاعت اور مصیبت پر صبر اور نماز سے آخرت کے لئے مدد چاہو نماز کو اس کے بار بار آنے اور اس کی عظمت شان کی وجہ سے خاص طور پر مکرر ذکر کیا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا مدد کے ذریعہ ساتھ دیتا ہے

اور راہِ خدا کے شہیدوں کو مردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں جنت میں جہاں چاہیں گھومتی ہیں، اس مضمون کی حدیث کی وجہ سے، لیکن جس کیفیت میں وہ ہیں تم نہیں سمجھ سکتے اور ہم تم کو دشمن کے خوف اور قحط کی فاقہ کشی اور مال کے ضیاع کے ذریعہ نقصان نیز جانوں میں قتل اور امراض اور موت کے ذریعہ ضرور آزمائیں گے، اور پھلوں میں روگ سے نقصان کے ذریعہ تمہاری ضرور آزمائش کریں گے، تاکہ ہم دیکھ لیں آیا تم صبر کرتے ہو یا نہیں اور مصیبت پر صبر کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری دیدو یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ملکیت اور عبدیت کے اعتبار سے اللہ کے ہیں اس کو اختیار ہے وہ ہمارے ساتھ جو چاہے کرے اور ہم آخرت میں اسی کی طرف پلٹنے والے ہیں تو وہ ہم کو جزاء دے گا، حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کا چراغ گل ہو گیا تو آپ ﷺ نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھی، حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا (یا رسول اللہ) یہ چراغ ہی تو ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ چیز جو مومن کو تکلیف پہنچائے وہ مصیبت ہے، اس کو ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں ذکر کیا ہے۔

یہی ہیں وہ لوگ جن پر ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور نوازشیں ہوں گی اور ایسے ہی لوگ راستی کی طرف ہدایت یافتہ ہیں، یقیناً صفا اور مروہ مکہ کے دو پہاڑ اللہ کی نشانیاں ہیں یعنی اس کے دین کی نشانیاں ہیں، شَعَائِرْ، شَعِیْرَۃ کی جمع ہے، سو جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا یعنی حج و عمرہ کا احرام باندھا، اور حج کے اصلی معنی قصد و زیارت کے ہیں، تو اس کے لئے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، یَطَّوَّفَ میں اصل میں تاء کا طاء میں ادغام ہے، اس طریقہ پر کہ صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں نے (سعی بیان الصفا والمروۃ) ناپسند سمجھا، اس لئے کہ اہل جاہلیت ان کا طواف کیا کرتے تھے اور ان پر دو بت تھے، اور ان کو مس کرتے تھے، اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ سعی فرض نہیں ہے، اس لئے کہ رفع اثم سے تخییر مستفاد ہوتی ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وغیرہ نے فرمایا کہ (سعی) رکن ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ عَلَیْکُمُ السَّعْیَ سے اس کا وجوب بیان فرمایا، (رواہ بیہقی وغیرہ) اور فرمایا جس سے اللہ نے ابتداء فرمائی تم بھی اسی سے ابتداء کرو، یعنی صفا سے (رواہ مسلم) اور جو شخص اختیاری طور پر (کوئی) کارِ خیر کرے، یعنی طواف وغیرہ یعنی کوئی ایسا کارِ خیر کرے جو اس پر واجب نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر عطا فرما کر اس کے عمل کا قدردان ہے، اس سے باخبر ہے، تَطَوَّعَ میں ایک قراءت یاء تحتانیہ کے اور طاء کی تشدید کے ساتھ مجزوم ہے، اور اس میں تاء کا طاء میں ادغام ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بِالعَوْن، بِالعَوْن کہہ کر اشارہ کر دیا کہ عَوْن سے نصرتِ خاصہ مراد ہے، اس لئے کہ عمومی معیت تو اللہ تعالیٰ کی ہر شئ کے ساتھ ہے، لہٰذا اس میں صابرین کے لئے کوئی فضیلت نہیں ہے، مفسر علام نے بِالعَوْن کہہ کر اسی شبہ کو دفع کیا

ہے، اس دفع کا حاصل یہ ہے کہ معیت دو قسم کی ہوتی ہے اور ان میں سے یہ معیت متقین و محسنین وصابرین کے ساتھ خاص ہے، اس میں صبر و صلوٰۃ کے ذریعہ امر بالاستعانت کی علت بھی ہے، صلوٰۃ صبر سے اولیٰ ہے، لہٰذا مصلین کے ساتھ معیت خاصہ بطریق اولیٰ ہوگی۔

قَوْلُہُ: فی الحواصل، حَوَاصِلُ، حَوصِلَةٌ کی جمع ہے، فارسی میں سنگدان مرغ کو کہتے ہیں، اور اردو میں اس کا ترجمہ ہے پوٹا۔

قَوْلُہُ: لحديث بذلك. (المسلم والمشكوة)

قَوْلُہُ: بالجوائح یہ جائحةٌ کی جمع ہے، پھلوں کے روگ کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہُ: هُمْ اَمْوَات، هُمْ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اَمْوَاتٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اس لئے کہ اَموات مقولہ ہے اور مقولہ جملہ ہوا کرتا ہے۔

قَوْلُہُ: بَلْ هُمْ اَحْيَاءٌ مفسر علام نے هُمْ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ اَحْيَاءٌ کا عطف اَمْوَات پر عطف مفرد علی المفرد نہیں ہے کہ لا تَقُولُوا کے تحت میں ہو، اور معنی ہوں بل قولوا اَحْيَاءٌ اور نہ هم اموات پر عطف ہے کہ عطف جملہ علی الجملہ ہو اس لئے کہ یہ قول کے تحت نہیں ہے بلکہ یہ جملہ تقولوا پر معطوف ہے، اس جملہ کے ذریعہ نہی سے اِخبار کی جانب اِضراب ہے، اس لئے کہ مقصد، ان کے لئے اثبات حیات ہے نہ یہ کہ ان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم ان کی شان میں اَنّهم اَحْيَاءٌ کہو۔

قَوْلُہُ: مَاهُمْ فيه، تَشْعُرُوْنَ بمعنی تعلمون کا مفعول بہ ہے۔

قَوْلُہُ: مُصِيْبَةٌ یہ اِصَابَةٌ (افعال) سے اسم فاعل مؤنث ہے، تکلیف پہنچانے والی، مُصيبَة دراصل صفت کا صیغہ ہے اور کثرت استعمال کی وجہ سے اس کا موصوف محذوف ہے، مثلاً رَمْيَة مُصيبة نشانہ پر لگنے والی تیراندازی، جیسا کہ کثرت استعمال کی وجہ سے مویز منقیٰ بیج نکالا ہوا مویز۔ منقیٰ کے معنی ہیں، بیج صاف کیا ہوا، مویز دواؤں میں چونکہ بیج نکال کر ہی استعمال ہوتا ہے گویا کہ بیج نکالنا لازم ہے، لہٰذا موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا، اور صرف منقیٰ کہا جانے لگا۔

قَوْلُہُ: نِعمَة، رحمَة کی تفسیر، نعمة سے کر کے اشارہ کر دیا کہ رحمة کے لازم معنی مراد ہیں اور وہ ہیں نعمت، اس لئے کہ رحمة کے اصلی معنی رقت قلبی کے ہیں جو ذات باری تعالیٰ کے لئے متصور نہیں ہیں۔

قَوْلُہُ: مجزومًا یعنی یاء کی صورت میں يَطَّوَعْ جزم عین کے ساتھ ہوگا، مجزومًا کے اضافہ کا مقصد ایک وہم کو دور کرنا ہے، وہم یہ ہے کہ جس طرح تَطَوَّعَ کی صورت میں عین کے فتحہ کے ساتھ ہے لہٰذا یاء کی صورت میں بھی عین کے فتحہ کے ساتھ ہوگا، حالانکہ یاء کی صورت میں مضارع ہوگا، اور مضارع بغیر ناصب کے منصوب نہیں ہو سکتا، بخلاف تاء کی صورت کے کہ ماضی کا صیغہ ہے، اور مجزوم ہونے کی وجہ جزاء ہونا ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

امت کو منصب امامت پر فائز کرنے کے بعد، اب کچھ ضروری ہدایات دی جارہی ہیں، سب سے پہلے جس بات پر متنبہ کیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ منصب امامت کوئی پھولوں کی سیج نہیں ہے جس پر آپ حضرات لٹائے جارہے ہیں، یہ تو ایک عظیم الشان اور پرخطر خدمت ہے جس کی ذمہ داری اٹھانے کے ساتھ تم پر ہر قسم کے مصائب کی بارش ہوگی، سخت آزمائشوں میں ڈالے جاؤ گے، طرح طرح کے نقصانات اٹھانے پڑیں گے اور جب صبر وثبات اور عزم واستقلال کے ساتھ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے راہ خدا میں بڑھتے چلے جاؤ گے تب تم پر عنایات کی بارشیں ہوں گی۔

طاقت کا سرچشمہ:

اس بھاری خدمت کے بوجھ کو اٹھانے کے لئے توانائی کہاں سے حاصل ہوگی؟ اس کا سرچشمہ کہاں ہے؟ اسی قوت کی نشان دہی اور اسی سوال کا جواب یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ سے دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ یہ توانائی تم کو دو چیزوں سے حاصل ہوگی، ایک صبر اور دوسرے نماز، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں کلید کامیابی ہیں، جس کے بغیر کوئی شخص کسی مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا، صبر ایک سلبی کیفیت کا نام ہے اور صلوٰۃ ایک ایجابی عمل ہے، ان دونوں کلیدی لفظوں سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح دونوں کا راز صرف ان دو چیزوں میں ہے ایک معاصی سے حفظ واجتناب اور دوسرے اوامر کا امتثال واتباع۔

صبر کے معنی:

صبر کے لفظی معنی ہیں تنگی اور ناخوشگواری کی حالت میں اپنے آپ پر قابو رکھنا اَلصَّبْرُ اَلْاِمْسَاكُ فِی ضِیقٍ (راغب) اصطلاح شرع میں اس کے معنی ہیں نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے اور قدم دائرۂ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے، اَلصَّبْرُ حَبْسُ النفسِ علی مَایَقْتَضِیْهِ العقلُ والشرعُ (راغب) صبر کے یہ معنی نہیں کہ جوامور طبعی اور بشری ہیں، ان کے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے، بھوک کے وقت مضمحل اور نڈھال ہونا، درد کی تکلیف سے کراہنا، اور رنج کے وقت آہ سرد بھرنا، عزیز وقریب کی موت پر دل گیر اور رنجیدہ ہونا، ان میں سے کوئی شی بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں، قرآنی فرمان کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ہجوم مشکلات کے وقت گھبرا نہ جاؤ، ثابت قدم رہو، دل کو بس میں رکھو، خود دل کے بس میں نہ آجاؤ۔

صبر کے تین شعبے:

صبر کے معنی تو نفس کو قابو میں رکھنے کے ہیں، مگر قرآن وسنت کی اصطلاح میں صبر کے تین شعبے ہیں، (۱) اول اپنے نفس کو حرام اور ناجائز چیزوں سے روکنا (۲) دوسرے طاعات اور عبادات کی پابندی پر نفس کو مجبور کرنا (۳) تیسرے مصائب وآفات پر صبر کرنا، اس کے باوجود اگر تکلیف و پریشانی کے وقت کوئی کلمہ اظہار پریشانی کا منہ سے نکل جائے تو یہ صبر کے منافی نہیں۔ (ابن کثیر عن سعید بن جبیر)

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں صابرین انہیں لوگوں کا لقب ہے جو تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم ہوں بعض روایات حدیث میں ہے کہ محشر میں ندا کی جائے گی کہ صابرین کہاں ہیں؟ تو وہ لوگ جو تینوں طرح کے صبر پر قائم رہ کر زندگی سے گذرے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں گے، اور ان کو بلاحساب جنت میں داخلہ کی اجازت دیدی جائے گی۔

اس نسخہ کامیابی کا دوسرا جز نماز ہے، اگرچہ صبر کی تفسیر سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ نماز اور دیگر عبادات صبر ہی کی جزئیات ہیں، مگر نماز کو جداگانہ بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمام عبادات میں نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جو صبر کا مکمل نمونہ ہے، کیونکہ نماز کی حالت میں نفس کو عبادت وطاعت پر محبوس کیا جاتا ہے اور تمام معاصی ومکروہات سے بلکہ تمام مباحات سے بھی نفس کو بحالت نماز روکا جاتا ہے، اس لئے نماز صبر کی ایک مکمل تمثیل ہے۔

نماز کی تاثیر یقینی ہے:

اس کے علاوہ نماز کو انسان کی تمام حاجات کے پورا کرنے میں ایک خاص تاثیر بھی ہے گو اس کی وجہ اور سبب معلوم نہ ہو، جیسے دواؤں میں بہت سی ادویہ مؤثر بالخاصہ ہوتی ہیں مگر اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی، جیسے درد گردہ کے لئے فرنگی دانہ ہاتھ یا منہ میں رکھنا بالخاصہ مفید ہے مگر اس کی وجہ کسی کو معلوم نہیں، یا مثلاً مرگی کے لئے عود صلیب گلے میں ڈالنا مفید ہے مگر سبب معلوم نہیں ہے مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچنے میں مؤثر بالخاص ہے مگر آج تک اس کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی اور جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ صرف تخمین وظن ہے، اسی طرح نماز تمام انسانی ضروریات کی کفالت اور تمام مصائب سے نجات دلانے میں مؤثر بالخاص ہے بشرطیکہ نماز کو نماز کی طرح آداب وخشوع کے ساتھ پڑھا جائے، ہماری نمازیں جو غیر مؤثر نظر آتی ہیں اس کا سبب ہمارا قصور ہے نہ کہ نماز کا، کہ نماز کے آداب اور خضوع میں کوتاہی ہوتی ہے ورنہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی مہم پیش آتی تو نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے، اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مہم کو پورا فرما دیتے تھے۔ (معارف)

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ، بالعَوْن معیت کی مختلف قسمیں ہیں عامہ، خاصہ، زمانی، مکانی، معنوی، یہاں معیت سے معیت بالنصرۃ مراد ہے، قَالُوْا المعِیَّۃُ ھُنَا مَعِیَّۃُ المعونَۃ. (المنار)

اللہ تعالیٰ کی معیت عامہ تو کافر، مؤمن، فاسق، صالح، اپنے ہر بندے کے ساتھ ہے، وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ

یہاں یہ معیت عامہ مراد نہیں ہے بلکہ خصوصی معیت مراد ہے اسی معیت خاصہ کی طرف مفسر علام نے بالعون کہہ کر اشارہ کیا ہے، معیت خاصہ کے آثار، حفاظت، اعانت، اور توجہ خاص ہیں، یہ اسی معیت الٰہی کا احساس واستحضار تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو بے پناہ قوت وجرأت، بے خوفی کا مالک بنا دیا تھا، اور حق یہ ہے کہ یقین معیت خاصہ سے بڑھ کر نہ کوئی روح کے لئے لذیذ غذا ہے اور نہ جراحت قلب کے لئے کوئی مرہم تسکین، یہی وہ تصور ہے کہ جو ہر ناگوار کو خوشگوار، اور ہر تلخ کو شیریں اور ہر زہر کو قند اور ہر مشکل کو آسان بنا دینے کے لئے کافی ہے۔

شانِ نزول:

وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ غزوۂ بدر میں جب چند صحابہ شہید ہو گئے جن کی تعداد چودہ تھی چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے تو نافہم منافقوں اور کافروں نے کہنا شروع کر دیا کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنی زندگی گنوادی، اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے، انہیں جواب دیا جا رہا ہے کہ تم جس معنی میں انہیں مردہ سمجھ رہے ہو اس معنی کے اعتبار سے وہ سرے سے مردہ ہی نہیں بلکہ زندوں سے کہیں زیادہ لذت سے لذت یاب ہو رہے ہیں، اصطلاح میں ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں، برزخی زندگی اپنے عام معنی میں تو سب ہی کے لئے ہے لیکن شہیدوں کو اس عالم میں ایک خصوصی اور امتیازی زندگی نصیب ہوتی ہے جو آثار حیات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قوی ہوتی ہے، بقول حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ شہید کی اس حیات کی قوت کا اثر اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچتا ہے کہ اس کا جسد باوجود گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور جسد زندہ کے مانند صحیح وسالم رہتا ہے، جیسا کہ احادیث اور مشاہدات ہیں اور یہی حیات ہے جس میں انبیاء کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُم شہیدوں سے بھی زیادہ قوت وامتیاز رکھتے ہیں۔

ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ حیات روحانی ہوتی ہے لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ جسمانی اور روحانی دونوں ہوتی ہے، رہی شہداء کو مردہ نہ کہنے کی تلقین تو یہ ان کے اعزاز وتکریم کے لئے ہے، یہ زندگی برزخی زندگی ہے جس کے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں یہ زندگی علی قدر المراتب انبیاء، شہداء، مومنین حتی کہ کفار کو بھی حاصل ہے، شہیدوں کی روح اور بعض روایات میں مومن کی روح بھی ایک پرندے کے جوف (سینہ) میں جنت میں جہاں چاہتی ہے پھرتی ہے۔ (ابن کثیر، آل عمران)

شہداء کو اگرچہ دیگر مردوں کی طرح مردہ کہنے کی ممانعت کی گئی ہے مگر بعض احکام مثلاً غسل وغیرہ کے علاوہ میں وہ عام مردوں کی طرح ہیں، ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے، ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کر سکتی ہیں اور یہی حیات ہے کہ جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ ممتاز اور قوی ہوتے ہیں، یہاں تک کہ سلامت جسم کے علاوہ اس حیات برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں، مثلاً انبیاء کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ان کی ازواج سے دوسرے نکاح نہیں کر سکتے۔

شبہ کا دفع:

اور اگر کسی شخص نے کسی شہید کی لاش کو خاک خوردہ پایا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ ممکن ہے کہ اس کی نیت خالص نہ ہو جس پر شہادت کا مدار ہے، اور بالفرض اگر ایسا شہید خاک خوردہ پایا جائے جس کا قتل فی سبیل اللہ اور اس کا جامع شرائط شہادت ہونا دلیل تواتر وغیرہ سے ثابت ہو تو اس کی وجہ میں یہ کہا جائے گا کہ حدیث میں جو تصریح ہے وہ زمین کے اجسام شہداء کو خراب نہ کرنے کی ہے، مگر زمین میں اجزاء ارضیہ کے علاوہ دیگر عناصر بھی موجود ہیں، مثلاً پارہ، گندھک، تیزاب، ان کے علاوہ دیگر اکالہ اجزاء موجود ہیں، ممکن ہے ان اجزاء نے جسم کو خراب کر دیا ہو، یہ صورت حدیث کے منافی نہیں ہے، یا زمانہ دراز تک صحیح وسالم محفوظ رہنا مراد ہے، یہ بھی عام جسموں کے اعتبار سے فضیلت اور کرامت کی بات ہے، لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ اجزاء ارضیہ کے علاوہ اگر دیگر اجزاء سے اجسام شہداء متاثر ہو جائیں تو ان سے ان احادیث پر اشکال نہیں ہوتا جس میں حرمت اجساد علی الارض وارد ہے۔ (معارف ملخصًا)

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، حج کا ایک رکن ہے لیکن قرآن کے الفاظ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا سے بعض صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ ضروری نہیں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے علم میں جب یہ بات آئی تو انہوں نے فرمایا: اگر اس کا یہ مطلب ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ ان لايطَّوَّف بهمَا اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں، پھر حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے اس آیت کا شانِ نزول بیان فرمایا کہ انصار قبول اسلام سے پہلے مناۃ طاغیہ (بت) کے نام کا تلبیہ پکارتے تھے جس کی وہ مشلل پہاڑی کے اوپر عبادت کرتے تھے، اور پھر مکہ پہنچ کر ایسے لوگ صفا ومروہ کے درمیان سعی کو گناہ سمجھتے تھے، مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے معلوم کیا تو یہ آیت نازل ہوئی، جس میں کہا گیا ہے کہ صفا ومروہ کے درمیان سعی گناہ نہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الحج)

بعض حضرات نے اس کا پس منظر اس طرح بیان کیا ہے کہ جاہلیت میں مشرکوں نے صفا پہاڑی پر ایک بت جس کا نام اساف اور مروہ پر ایک دوسرا بت جس کا نام نائلہ تھا، رکھ لئے تھے، جنہیں وہ سعی کے دوران چھوتے اور بوسہ دیتے تھے جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو ان کے ذہن میں آیا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی تو شاید گناہ ہو کیونکہ اسلام سے قبل دو بتوں کی وجہ سے سعی کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس وہم اور خلش کو دور فرما دیا، اب یہ سعی ضروری ہے جس کا آغاز صفا سے اور خاتمہ مروہ پر ہوتا ہے۔ (ایسر التفاسیر)

ایک فقہی مسئلہ:

سعی بین الصفا والمروہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سنت، مستحب ہے اور امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرض ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب اس کے ترک سے ایک بکری ذبح کرنا لازم ہے۔

ونَزَلَ فِي اليهود **اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ** الناسَ **مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى** كَآيَةِ الرَّجْمِ ونَعْتِ محمد **مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ** التوراةِ **اُولٰۤئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ** يُبْعِدُهُم مِن رَّحْمَتِه **وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴿۱۵۹﴾** الملائكة والمؤمنون او كُلُّ شيءٍ بالدُّعاءِ عليهم باللَّعْنَةِ **اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا** رَجَعُوا عن ذلك **وَاَصْلَحُوْا** عَمَلَهم **وَبَيَّنُوْا** مَا كَتَمُوه **فَاُولٰۤئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ** اَقْبَلُ تَوبَتَهم **وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴿۱۶۰﴾** بالمؤمنين **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ** حالٌ **اُولٰۤئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰۤئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴿۱۶۱﴾** اى هُم مُستَحِقُّوا ذلِكَ فِى الدُّنيا والآخرةِ والنَّاسُ قيل عام وقيل المؤمنون **خٰلِدِيْنَ فِيْهَا** اى اللَّعْنَةِ او النَّارِ المدلول بها عليها **لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ** طرفة عين **وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴿۱۶۲﴾** يُمهَلونَ لِتَوبةٍ ومعذِرةٍ ونَزَلَ لَمَّا قالُوا صِفْ لنا رَبَّكَ **وَاِلٰهُكُمْ** اى المستحِقُّ للعبادة مِنكُم **اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** لانظيرَ له فِى ذاتِه ولافِى صِفاتِه **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** هو **الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴿۱۶۳﴾**.

ترجمہ: اور یہود کے بارے میں اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ (الآية) نازل ہوئی، بلاشبہ وہ لوگ جو ہماری نازل کی ہوئی دلیلوں اور ہدایت مثلاً آیتِ رجم اور محمد ﷺ کی صفات کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے ان لوگوں کے لئے کتاب تورات میں بیان کر دیا ہے یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ لعنت کرتا ہے یعنی اپنی رحمت سے دور رکھتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں (اور وہ) فرشتے اور مومنین ہیں یا ہر شئ جو ان کے لئے لعنت کی بددعاء کرتی ہے، مگر وہ لوگ کہ جنہوں نے توبہ کر لی یعنی اس حرکت سے باز آ گئے اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لی اور جو انہوں نے چھپایا تھا اس کو ظاہر کر دیا، یہ وہ لوگ ہیں کہ میں جن کی توبہ کو قبول کرتا ہوں اور میں بڑا درگذر کرنے والا ہوں اور مومنوں پر رحم کرنے والا ہوں، بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور حالت کفر ہی میں مر گئے، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی، فرشتوں کی، اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، یعنی یہ لوگ دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق ہیں، اَلنَّاس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ عام لوگ مراد ہیں اور کہا گیا ہے کہ مومنین مراد ہیں، لعنت میں یا آگ میں جو کہ لعنت کا مدلول ہے ہمیشہ رہیں گے، (لہٰذا اضمار قبل الذکر لازم نہیں آئے گا) اور نہ ان کے عذاب میں پلک جھپکنے کی مقدار تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو توبہ اور معذرت کی مہلت ہی دی جائے گی، اور جب (مشرکین) نے کہا تم ہمارے لئے رب کا

وصف بیان کرو، تو یہ آیت نازل ہوئی وَاِلٰـهُـكُـمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ تمہارا خدا جو کہ تمہاری عبادت کا مستحق ہے ایک ہی خدا ہے ذات وصفات میں اس کا کوئی ہمسر نہیں اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں وہی رحمٰن و رحیم ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَنَزَلَ فی الیھودِ اس میں اشارہ ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ میں موصول عہد کے لئے ہے، (کما قال صاحب الکشاف) اور مِنَ البیّنٰتِ میں الف لام بھی عہد کا ہے اس لئے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور فی الکتاب اس کا قرینہ ہے اس لئے کہ کتاب سے تورات مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: الناس یہ یَکْتُمُوْنَ کا مفعول ثانی ہے اور البیّنٰت سے احکام مراد ہیں جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے یعنی رجم وغیرہ اور ھُدٰی سے مراد آپ ﷺ کی صفات ہیں، جو آپ ﷺ کی اتباع کی جانب رہنمائی کرنے والی ہیں، لہٰذا ھدٰی بمعنی ھادٍ ہے، مبالغہ کے طور پر ھادٍ کو ھُدًی سے تعبیر کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَللّٰعِنُوْنَ واؤ اور نون کے ساتھ جمع لانے میں اشارہ ہے کہ لعنت کرنے والوں سے ذوی العقول مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَو کلُّ شئٍ اس میں اشارہ ہے کہ اَللّٰعِنُون میں الف لام استغراق کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: ای اَللَّعنَۃُ او النار اس عبارت کا مقصد فیھَا کے مرجع میں احتمال کو بیان کرنا ہے یعنی ہمیشہ رہیں گے لعنت میں یا آگ میں۔

قَوْلُہٗ: المدلول بِها علَیْهَا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: فیھَا کا مرجع النار نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ماقبل میں اس کا ذکر نہیں ہے لہٰذا اضمار قبل الذکر لازم آئیگا؟

جَوَاب: النار اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں ہے مگر ضمناً مذکور ہے اس لئے کہ النار، اللّعنۃ کا مدلول ہے یعنی جو شخص دائمی لعنت کا مستحق ہوگا اس کے لئے نار لازم ہے۔

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ (الآیۃ) یہ آیت علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، علماء یہود نے کتاب اللہ یعنی تورات کی اشاعت کرنے کے بجائے اس کو ربّیُون اور مذہبی پیشواؤں اور مذہبی پیشہ وروں کے ایک محدود طبقہ میں مقید کر دیا، عام خلائق تو درکنار خود یہودی عوام تک کو اس کی ہوا نہ لگنے دیتے تھے اور عوام اور کمزور طبقے سے مال وصول کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے جو باتیں اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہیں انہیں چھپانا اتنا بڑا ظلم اور جرم ہے کہ اللہ کے علاوہ دیگر مخلوق بھی اس پر لعنت کرتے ہیں۔

مسئلہ: آیاتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص مال کے لالچ سے حکم شرعی کو بدل دے، وہ جو مال کھاتا ہے گویا اپنے پیٹ میں انگارے بھر رہا ہے اس لئے کہ اس عمل کا انجام یہی ہے، اور بعض محقق علماء نے فرمایا کہ مال حرام درحقیقت جہنم کی آگ ہی ہے، اگرچہ اس کا آگ ہونا دنیا میں محسوس نہیں ہوتا مگر مرنے کے بعد اس کا یہ عمل آگ کی شکل میں سامنے آجائے گا۔

(معارف)

وطلبوا اٰيةً على ذلك فنزل **إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ** ومافيهما من العجائب **وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** بالذهاب والمجئ والزيادة والنقصان **وَالْفُلْكِ** السُّفن **الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ** ولا ترسب مُوقرة **بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ** من التجارات والحمل **وَمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ** مطر **فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ** بالنبات **بَعْدَ مَوْتِهَا** يُبسها **وَبَثَّ** فرّق ونشر به **فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ** لانهم ينمُون بالخصب الكائن عنه **وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ** تقليبها جُنوبًا وشمالاً حارّةً وباردةً **وَالسَّحَابِ** الغيم **الْمُسَخَّرِ** المُذلّل بامر الله يسيرُ الى حيثُ شاء الله **بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ** بلا علاقةٍ **لَاٰيٰتٍ** دالاّتٍ على وحدانيته تعالى **لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ** ﴿۱۶۴﴾ يتدبّرون **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غيره **أَنْدَادًا** اصنامًا **يُّحِبُّوْنَهُمْ** بالتعظيم والخضوع **كَحُبِّ اللّٰهِ** اى كحُبّهم له **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ** من حُبّهم للانداد لانّهم لا يعدلُون عنهُ بحال مّا والكُفّارُ يعدلُون في الشدّةِ الى الله **وَلَوْ يَرَى** تبصر يا محمد **الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا** باتخاذ الانداد **إِذْ يَرَوْنَ** بالبناء للفاعل والمفعول يبصرون **الْعَذَابَ** لرأيتَ امرًا عظيمًا واذ بمعنى اذا **أَنَّ** اى لانّ **الْقُوَّةَ** القدرة والغلبة **لِلّٰهِ جَمِيْعًا** حالٌ **وَّأَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ** ﴿۱۶۵﴾ وفي قراءةٍ يرى بالتحتانية والفاعل فيه قيل ضميرُ السامع وقيل الّذين ظلمُوا فهي بمعنى يعلم وانّ وما بعدها سدّت مسدّ المفعولين وجوابُ لو محذوفٌ والمعنى لو علمُوا في الدُّنيا شدّةَ عذابِ الله وانّ القُدرة لله وحدهُ وقت معاينتهم له وهو يوم القيمة لما اتّخذُوا من دونه اندادًا **إِذْ** بدلٌ من اذ قبلهُ **تَبَرَّأَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا** اى الرُّؤساءُ **مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا** اى انكرُوا اضلالهم **وَ** قد **رَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ** عطفٌ على تبرّأ **بِهِمُ** عنهم **الْأَسْبَابُ** ﴿۱۶۶﴾ الوُصَلُ التي كانت بينهم في الدُّنيا من الارحام والمودّة **وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً** رجعةً الى الدُّنيا **فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ** اى المتبُوعين **كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا** اليوم ولو للتمنّي ونتبرأ جوابُهُ **كَذٰلِكَ** كما اراهم شدّة عذابه وتبرّي بعضهم من بعض **يُرِيْهِمُ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ** السّيئة **حَسَرٰتٍ** حالٌ ندامات **عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ** ﴿۱۶۷﴾ بعد دُخولها.

ترجمہ: اور مشرکین نے جب اس پر دلیل کا مطالبہ کیا تو یہ آیت ان فی خلق السماوات الخ اتری بلاشبہ

آسمانوں اور زمین کی ساخت میں اور ان کے عجائبات میں اور رات و دن کی آمد و رفت اور بڑھنے گھٹنے کے ذریعہ تغیر میں اور ان کشتیوں میں جو دریاؤں میں لوگوں کے لئے نفع بخش سامانِ تجارت اور بوجھ لے کر چلتی ہیں، اور بوجھل ہونے کے باوجود ڈوبتی نہیں ہیں اور اس پانی میں جسے آسمان سے بارش کی شکل میں اللہ نے برسایا ہے پھر اس پانی سے نباتات کے ذریعہ مردہ یعنی خشک زمین کو زندہ کیا اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلایا اس لئے کہ ان کا نشو و نما اس سبزے سے ہوتا ہے جو پانی سے پیدا ہوتا ہے اور ہواؤں کو جنوباً و شمالاً اور گرم و سرد بدلنے میں اور ان بادلوں میں جو اللہ کے حکم کے تابع ہیں (اور) زمین و آسمان کے درمیان بغیر کسی بندھن کے معلق ہیں (اور) جدھر اللہ چاہتا ہے اُدھر چلتے ہیں ان میں عقلمندوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں اللہ کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ (یعنی) بتوں کو (اللہ کا) ہمسر ٹھہراتے ہیں، تعظیم اور عاجزی کے ذریعہ ان سے ایسی گرویدگی کا معاملہ کرتے ہیں جیسا کہ اللہ کے ساتھ اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں، ان کے شرکاء کی محبت کے مقابلہ میں، اس لئے کہ وہ کسی حال میں بھی اللہ سے نہیں پھرتے اور کفار مصیبت کے وقت (اپنے شریک کردہ شرکاء کو چھوڑ کر) اللہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، اور اے محمد ﷺ! اگر آپ ان لوگوں کو دیکھیں جنہوں نے شریک ٹھہرا کر ظلم کیا ہے جب کہ وہ عذاب کو دیکھیں گے (یَــرَوْنَ) معروف و مجہول دونوں ہیں، تو آپ ایک امر عظیم (ہولناک منظر) دیکھیں گے اور اِذْ بمعنی اذا ہے، اس لئے کہ پوری قدرت اور غلبہ اللہ ہی کے لئے ہے۔ (جــمیعًــا) کــائنةً (مقدر) سے حال ہے، اور اللہ سخت عذاب والا ہے، اور ایک قراءت میں یَریٰ تحتانیہ کے ساتھ ہے اور کہا گیا ہے کہ یریٰ کا فاعل مخاطب کی ضمیر ہے اور کہا گیا ہے کہ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ہے اور یَرَیٰ بمعنی یعلم ہے، اور أنَّ اور اس کا مابعد دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور لَوْ کا جواب محذوف ہے، اور معنی یہ ہیں کہ اگر یہ لوگ دنیا میں جان لیں، قیامت کے دن ان کے عذاب کو دیکھنے کے وقت اللہ وحدہ کی قدرت اور شدت عذاب کو تو اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اِذْ، سابقہ اِذْ سے بدل ہے، جبکہ پیشوا یعنی سردار اپنے ماتحتوں سے اظہار لاتعلقی کریں گے، یعنی ان کو گمراہ کرنے کے الزام سے انکار کر دیں گے حالانکہ عذاب کو (بچشم خود) دیکھ لیں گے، اور تمام رشتے ناتے منقطع ہو جائیں گے یعنی وہ تعلقات جو ان کے درمیان قرابت اور دوستی کے دنیا میں تھے (ختم ہو جائیں گے) تَـقَطَّعَتْ کا عطف تَبَرَّأ پر ہے، اور ماتحت لوگ کہیں گے کاش ہم کو دنیا میں واپسی کا موقع مل جائے تو ہم بھی ان متبوعین سے اسی طرح اظہار لاتعلقی کریں گے جس طرح آج انہوں نے ہم سے اظہار لاتعلقی کیا ہے، اور لَــوْ تمنی کے لئے ہے فَـنَتَبَرَّأ جواب تمنی ہے، اسی طرح جیسا کہ دکھلائی ان کو اپنے عذاب کی شدت اور بعض کی بعض سے اظہار بیزاری دکھلائے گا اللہ ان کو ان کے برے اعمال حال یہ کہ ان کے اوپر ندامت طاری ہوگی اور وہ داخل ہونے کے بعد آگ سے نکلنے والے نہیں ہیں، حَسَراتٍ بمعنی ندامات، هُمْ ضمیر سے حال ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَطَلَبُوا آیةً علی ذٰلك مشرکین کی جانب سے صفاتِ باری کے مطالبہ کے جواب میں جب اللہ تعالیٰ نے وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الخ فرمایا، تو مشرکین نے قرآن کے اس دعوے پر دلیل کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے دلیل کے طور پر اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیة) نازل فرمائی، اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل ناصب ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ کائِنَةً کے متعلق ہوکر اِنَّ کی خبر مقدم ہے اور لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ اس کا اسم مؤخر ہے۔

قَوْلُہٗ: فُلْكِ الَّتی تجری. فُلْكٌ جب مفرد ہو تو مذکر ہے اور اگر جمع ہو تو جمع مکسر ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے یہاں فُلْكِ مؤنث ہے اور قرینہ الَّتی تجری اس کی صفت ہے۔

سُؤَالٌ: جمع مکسر مفرد میں تغیر کر کے بنائی جاتی ہے، جیسے رَجُلٌ سے رِجَالٌ مگر یہاں مفرد اور جمع دونوں ایک ہی وزن پر ہیں جمع میں کوئی تغیر نہیں ہوا، تو پھر یہ جمع مکسر کیسے ہوئی؟

جَوَابٌ: اس میں تغیر معنوی ہوا ہے اس لیے کہ جب فُلك قُفْلٌ کے وزن پر ہو تو مفرد ہوگا اور جب اُسُدٌ کے وزن پر ہو تو جمع ہوگا۔

قَوْلُہٗ: من التجارات اس میں اشارہ ہے کہ بِمَا یَنْفَعُ میں ما موصولہ ہے ای تجری فی البحر بالذی ینفعُ الناس اور بعض نے مَا کو مصدریہ بھی کہا ہے، ای تجری فی البَحرِ بِنَفْعِ الناس.

قَوْلُہٗ: بِلاَ عِلَاقة عین کے کسرہ کے ساتھ محسوس رابطہ جیسے تلوار کا پٹکا اور عین کے فتحہ کے ساتھ معنوی یعنی غیر محسوس رابطہ جیسے عشق و محبت کا رابطہ یا حسد و عداوت کا تعلق۔

قَوْلُہٗ: تَبْصُرُ مفسر علام نے یَرَیٰ کی تفسیر تَبْصُرُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یَرَیٰ سے رویت بصری مراد ہے نہ کہ قلبی اس لئے کہ رویت قلبی کے لئے دو مفعولوں کی ضرورت ہوگی جو کہ موجود نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: اِذْ بمعنی اِذَا یہ دو سوالوں کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: ❶: لَو اور اِذْ ماضی پر داخل ہوتے ہیں نہ کہ مضارع پر یہاں مضارع پر داخل ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابٌ: اِذْ یَرَوْنَ العذابَ میں رویت کا وقوع چونکہ یقینی ہے لہٰذا مضارع پر اِذْ داخل کر دیا تا کہ بتاویل ماضی ہوکر یقینی الوقوع ہونے پر دلالت کرے۔

سُؤَالٌ: ❷: تو پھر مضارع کے بجائے ماضی کا صیغہ لانا چاہئے تھا تا کہ حقیقةً یقینی الوقوع پر دلالت کرتا۔

جَوَابٌ: چونکہ رویت درحقیقت مستقبل یعنی روز قیامت میں ہوگی اس کی طرف مضارع کا صیغہ لا کر اشارہ کر دیا۔

قَوْلُہٗ: لِاَنَّ یہ جواب شرط محذوف کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: فَھِیَ بمعنی یَعْلَمُ. یرٰی کو یَعلَم کے معنی میں اس لئے لیا ہے کہ ظالموں کا اللہ کے عذاب کی شدت کو دنیا میں بچشم سر دیکھنا ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ عذاب کا تحقق آخرت میں ہوگا، لہٰذا رویت سے رویت قلبی مراد ہے یعنی یَرٰی. یَعْلَمُ کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: وفق مُعَاینَتِھِمْ یہ اَنَّ اللّٰہ شدید العذاب کا ظرف ہے۔

قَوْلُہٗ: وقَدْ، قد کو محذوف ماننے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ واؤ حالیہ ہے، اور قد رأوا العذابَ، الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا اور الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا دونوں کی ضمیر سے حال ہے ای رَائین جیسے لَقِیْتُ زیدًا رَاکِبَیْنِ اور چونکہ ماضی بغیر قد کے حال واقع نہیں ہوسکتی قَد خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً، لہٰذا یہاں قَدْ کو مقدر مانا ہے۔

قَوْلُہٗ: لَو للتَّمَنّی، لَوْ تمنی کے لئے ہے اور فَنَتَبَرَّأ اس کا جواب ہے، یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

سَوَالٌ: ❶ لَو کا جواب لام کے ساتھ ہوتا ہے، نہ کہ فاء کے ساتھ، حالانکہ یہاں فَنَتَبَرَّأ، فا کے ساتھ ہے۔

سَوَالٌ: ❷ فَنَتَبَرَّأَ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ ناصب نہ لفظاً ہے اور نہ تقدیراً۔

جَوَابٌ: مفسر علام نے لو للتمنی کہہ کر ان دونوں اعتراضوں کا جواب دیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ دونوں باتیں لَو شرطیہ کے لئے ضروری ہیں اور یہ لَو تمنیہ ہے، لَو تمنیہ کے بعد اِن مقدر ہونے کی وجہ سے جواب تمنی منصوب ہوتا ہے۔ (کما لا یخفٰی علٰی مَن له درایة فی علم النحو).

تَفسِیر وتَشریح

شانِ نزول:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے عمدہ سند متصل کے ساتھ حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا سے نقل کیا ہے کہ قریش نے نبی کریم ﷺ سے کہا: خدا سے دعا کرو کہ وہ صفا کو ہمارے لئے سونے کا بنا دے تاکہ اس کی وجہ سے ہم کو دشمن پر قوت حاصل ہو، تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ فرمایا: میں ایسا کرسکتا ہوں لیکن اگر اس کے بعد بھی کفر کیا تو میں ان کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو نہ دیا ہوگا، تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میری قوم کو اسی حالت پر چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی کہ یہ لوگ کوہ صفا کو سونے کا بنانے کا مطالبہ کس طرح کر رہے ہیں حالانکہ وہ میری قدرت کی نشانیوں میں سے اس سے کہیں زیادہ عظیم و عجیب نشانیاں کائناتِ عالم میں دیکھ رہے ہیں۔

مشرکین کی جانب سے صفاتِ رب کے مطالبہ کے جواب میں جب اللہ تعالیٰ نے وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ نازل فرمائی تو مشرکین نے دعوائے وحدت والوہیۃ پر دلیل کا مطالبہ کیا تو اللہ نے اس کے جواب میں اِنَّ

فِی خلقِ السَّموٰاتِ والارضِ (الآیۃ) نازل فرمائی، یہ آیت اس معنی کے اعتبار سے بڑی اہم اور عظیم ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت والوہیت وقدرت پر یکجا دس نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔

یعنی تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے اس رحمان ورحیم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے، اس حقیقت کو پہچاننے کے لئے اگر کوئی نشانی وعلامت درکار ہے، تو جولوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لئے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے مسلسل ادلنے بدلنے میں نیز ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ تعالیٰ آسمانوں سے نازل کرتا ہے پھر اس کے ذریعہ زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش اور ان کے رخ بدلنے میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بیشمار نشانیاں ہیں۔

یعنی اگر انسان کائنات کے اس کارخانہ کو جو شب وروز اس کی آنکھوں کے سامنے چل رہا ہے، محض جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ عقل وخرد سے کام لے کر اس نظام پر غور کرے، اور ضد یا تعصب سے آزاد ہو کر سوچے تو یہ آثار جو اس کے مشاہدے میں آرہے ہیں، اس نتیجے پر پہنچانے کے لئے بالکل کافی ہیں کہ یہ عظیم الشان نظام ایک ہی قادرِ مطلق، حکیم کے زیر فرمان ہے، تمام اقتدار واختیار بالکل اسی کے ہاتھ میں ہے کسی دوسرے کا اس میں قطعاً دخل نہیں۔

ربط آیات:

اوپر کی آیات میں توحید کا اثبات تھا، آگے مشرکین کے شرک اور اس پر وعید کا بیان ہے، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا مذکورہ دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کے باوجود ایسے لوگ ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کی صفات میں شریک بنالیتے ہیں، اور ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہئے انسانوں میں مظاہر پرستی اور نافع وضار چیزوں کو معبود ومسجود بنانے کا رجحان زمانِ قدیم سے ہے اور موجودہ زمانہ میں بھی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان نے خود اپنی ہی بنائی ہوئی چیزوں اور خود تراشیدہ بتوں کی بندگی اور پوجا پاٹ شروع کردی۔

ہندوستان میں جب شروع شروع میں ریل نکلی تو دیہاتیوں نے اس کی بھی پوجا شروع کردی اور ریل کے انجن کے سامنے ناچتے گاتے ہوئے جانور کی بلی چڑھائی، اس طرح اپنے ہزاروں دیوتاؤں میں ایک انجن دیوتا کا اور اضافہ کرلیا۔

(ماجدی، ملخصاً واضافۃ)

یُحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ (الآیۃ) یعنی ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان کے لئے اللہ کی رضا ہر دوسرے کی رضا پر مقدم ہو اور کسی چیز کی عقلی محبت انسان کے دل میں یہ مرتبہ ومقام حاصل نہ کرے کہ وہ اللہ کی محبت پر اسے قربان نہ کرسکتا ہو وَلَوْ تَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اور کیا خوب ہوگا اگر یہ ظالم مشرکین جب دنیا میں کسی مصیبت کو دیکھتے تو اس کے وقوع میں غور کرکے یہ سمجھ لیا

کرتے کہ سب قوت اللہ تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے اور دوسرے سب عاجز اور بے بس ہیں نہ اس مصیبت کو کوئی ٹال سکتا ہے اور نہ روک سکتا ہے، ایسے وقت میں صرف اللہ ہی یاد آتا ہے، اور اس مصیبت کی شدت میں غور کر کے یہ سمجھ لیا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آخرت میں کہ وہ دار الجزاء ہے سخت ہوگا، تو اس طرح غور کرنے سے تراشیدہ بتوں کا عجز اور حق تعالیٰ کی عظمت وقدرت منکشف ہوکر توحید وایمان اختیار کر لیتے۔

ربط آیات:

اوپر عذاب کی شدت کا بیان تھا یہاں شدت کی کیفیت کا بیان ہے، اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا یہاں اس منظر کا نقشہ پیش کیا گیا ہے، جب قیامت میں مشرکین کے خواص علماء اور امراء اپنے عوام اور اپنے متبعین اور رعایا سے لا تعلقی کا اعلان کریں گے اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی پیروی کرتے تھے کہیں گے کاش ہم کو ایک موقع دنیا میں واپسی کا دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں ہم بھی دنیا میں ان سے بیزار ہوکر اور ٹکا سا جواب دے کر دکھا دیتے۔

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ اہل باطل کے جتنے بھی باہمی تعلقات اور رابطے ہیں استاذی شاگردی یا ہم نسبتی اور قرابت کے یا ہم وطنی اور دوستی کے یہ سب اس دنیا تک محدود ہیں، آخرت میں جو حقائق کے مشاہدہ اور معائنہ کا وقت ہوگا سب ایک دوسرے سے بے تعلق بلکہ مخالف نظر آئیں گے اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ.

(سورۃ الزخرف)

ونزل فیمن حرّم السوائب ونحوها يَآاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا حال طَيِّبًا صفة مؤكدة او مستلذًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ طرق الشَّيْطٰنِ اى تزيينه اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ بيّن العداوة اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ الاثم وَالْفَحْشَآءِ القبيح شرعًا وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ من تحريم مالم يُحرّم وغيره وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اى الكفار اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ من التوحيد وتحليل الطيبات قَالُوْا لا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا وجدنا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا من عبادة الاصنام وتحريم السوائب والبحائر قال تعالى آ يتّبعونهم وَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا من امر الدين وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ الى الحق والهمزة للانكار وَمَثَلُ صفة الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ومن يدعوهم الى الهدى كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ يصوت بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً اى صوتا لا يفهم معناه اى هم في سماع الموعظة وعدم تدبرها كالبهائم تسمع صوت راعيها ولا تفهمه هم صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ الموعظة يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ حلالات مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ على ما احل لكم اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ای اکلھا اِذِ الکلامُ فیہِ وکذا ما بعدَہا وہی مالم تُذکّ شرعا واُلحِقَ بہا بالسُّنّۃِ ما اُبِینَ مِن حیّ وخُصّ مِنہا السمکُ والجرادُ **وَالدَّمَ** ای المسفوحَ کما فِی الانعامِ **وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ** خُصّ اللحم لانّہُ معظَم المقصُود وغیرہ تَبع لہٗ **وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** ای ذُبِحَ علی اسم غیرہٖ تعالٰی والاہلال رفعُ الصّوتِ وکانوا یرفعُونہ عندَ الذّبحِ لِاٰلِہتِہِمْ **فَمَنِ اضْطُرَّ** ای الجأتہ الضرورۃُ الٰی اکل شیئ مما ذکر فاکلہٗ **غَيْرَ بَاغٍ** خَارج علی المُسْلِمِیْنَ **وَّلَا عَادٍ** مُتعدٍ عَلَیہِمْ بقطع الطریقِ **فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ** فِی اکلِہٖ **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لِاَوْلیائِہٖ **رَّحِيْمٌ** ﴿۱۷۳﴾ بِاَہلِ طاعتِہٖ حیثُ وسَّعَ لہُم فی ذٰلک وخرَجَ الباغِی والعَادِی ویُلحقُ بِہِمَا کُلُّ عاصٍ بسفرہٖ کالاٰبق والمکّاس فَلَا یحلُّ لہُم اکل شیئ مِن ذٰلک مَالَمْ یتُوبُوا وَعَلَیہِ الشّافِعیُّ.

ترجمہ: اور (یہ آیت) ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے سَوائب وغیرہ (بتوں کے نام پر آزاد کئے ہوئے جانور) کو حرام کرلیا تھا، لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ (پیو) **طَیِّبًا**، **حَلٰلًا** کی صفت مؤکدہ ہے، یا بمعنی **مُتَلَذَّذاً** ہے، (یعنی مرغوب و پسندیدہ) اور شیطان کے نقش قدم پر (یعنی طریقہ) پر نہ چلو یعنی اس کے آراستہ راستہ پر، وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے یعنی اس کی عداوت بالکل واضح ہے وہ تمہیں صرف گناہ اور فحش یعنی شرعاً قبیح بات کا حکم کرتا ہے اور اس بات کا حکم کرتا ہے کہ تم اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہو جن کو تم نہیں جانتے یعنی جو چیزیں حرام نہیں کی گئیں ان کو حرام کرنا وغیرہ، اور جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو توحید اور پاکیزہ چیزوں کی حلت نازل کی ہے اس کی اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں نہیں بلکہ ہم تو اس کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء (واجداد) کو پایا ہے اور بتوں کی بندگی ہے اور وہ سوائب و بحائر کو حرام کرنا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا یہ ان کی اتباع کریں گے؟ اگرچہ ان کے آباء (واجداد) دین کے معاملہ میں کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ حق کی طرف راہ یافتہ ہوں، اور ہمزہ انکار کے لئے ہے، اور کافروں کی مثال اور ان لوگوں کی جو ان کو ہدایت کی طرف بلاتے ہیں اس شخص کے جیسی ہے جو اس کو آواز دیتا ہو جو ہانک پکار کے سوا کچھ نہ سنتا ہو یعنی آواز کو کہ جس کے معنی نہ سمجھتا ہو، مطلب یہ کہ (یہ کافر) نصیحت سننے اور اس پر غور کرنے میں جانوروں کے مانند ہیں جو اپنے چرواہے کی آواز تو سنتے ہیں مگر اس کو سمجھتے نہیں ہیں، وہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں جو نصیحت کو نہیں سمجھتے، اے ایمان والو! جو حلال چیزیں ہم نے تم کو دے رکھی ہیں ان میں سے کھاؤ پیو، اور جو چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں ان پر اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو، اور جو چیزیں تمہارے لئے حرام کی گئی ہیں (ان میں ایک) مردار ہے یعنی اس کا کھانا حرام ہے، اس لئے کہ گفتگو کھانے ہی کے بارے میں ہے، اور اسی طرح اس کے بعد مذکور (چیزوں کا کھانا بھی حرام ہے) اور مردار وہ ہے جو شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو، اور بحکم حدیث مردار میں گوشت کا وہ ٹکڑا بھی شامل کرلیا گیا ہے جو زندہ جانور سے کاٹ لیا گیا ہو، اور مردار سے مچھلی اور ٹڈی کو مستثنیٰ

کردیا گیا ہے اور بہتا خون ہے جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے، اور خنزیر کا گوشت (حرام کیا گیا ہے) اور) (حرمت کے لئے) گوشت کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ (کھانے) میں وہی مقصود اعظم ہے دوسری چیزیں (مثلاً رگ، پٹھے وغیرہ) اس کے تابع ہیں، اور وہ جانور (بھی حرام ہے) جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو (اھلال) آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں، اور مشرکین ذبح کے وقت اپنے معبودوں کے نام بآواز بلند پکارتے تھے، سو اگر کوئی مجبور ہو جائے یعنی ضرورت نے اس کو مذکورہ چیزوں میں سے کھانے پر مجبور کر دیا ہو درانحالیکہ وہ باغی نہ ہو یعنی مسلمانوں کیخلاف بغاوت کرنے والا نہ ہو اور نہ رہزنی وغیرہ کے ذریعہ مسلمانوں پر ظلم کرنے والا ہو، تو ایسے شخص کے لئے ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں ہے، بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے اپنے دوستوں پر مہربان ہے اپنے اطاعت گذاروں پر کہ ان کو اس معاملہ میں وسعت (سہولت) دیدی اور باغی اور ظالم اس حکم سے خارج ہو گئے اور (باغی اور ظالم) کے ساتھ ہر وہ شخص شامل ہے جو سفر معصیت کر رہا ہو، جیسے بھاگا ہوا غلام، اور ظالمانہ طور پر مال وصول کرنے والا۔ ایسے لوگوں کے لئے مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کا کھانا حلال نہیں ہے، جب تک کہ توبہ نہ کرلیں، اور امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا یہی مذہب ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا اس آیت کے مخاطب مکہ کے مشرکین ہیں، سورۃ کے مدنی ہونے کی وجہ سے اور سورت کا نزول اگرچہ مدنی ہے لیکن نزول مدنی ہو اور خطاب اہل مکہ کو ہو اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: حالٌ یعنی حلالاً، مِمَّا فی الاَرْضِ سے حال ہے، کلُوا کا مفعول بہ نہیں ہے، جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے اس لئے کہ اس صورت میں مِمَّا فِى الارضِ، حلالاً سے صفت یا حال ہوگا اور صفت کی تقدیم موصوف پر اور حال کی تقدیم ذوالحال پر خلاف ظاہر ہے، گو بعض حضرات نے حَلٰلًا کو كُلُوا کا مفعول بہ بھی قرار دیا ہے، اور مِمَّا فى الارضِ کو حلالاً سے حال مقدم قرار دیا ہے، ذوالحال کے نکرہ ہونے کیوجہ سے حال مقدم کر دیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: السَّوائب یہ سائبَةٌ کی جمع ہے، اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کو کسی بت وغیرہ کے نام پر چھوڑ دیا جائے اور تعظیماً اس سے کسی قسم کا استفادہ نہ کیا جائے۔

قَوْلُهُ: ونحوها نحو سے بَحَائر وغیرہ مراد ہیں، بحیرہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کو غیر اللہ کے نام پر آزاد کر دیا ہو اور علامت کے طور پر اس کے کان چیر دیئے گئے ہوں۔

قَوْلُهُ: طيِّبًا. صفة مؤكدة اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: جب حلالاً سے شرعاً پاکیزہ چیز مراد ہے تو پھر اس کے بعد طيِّبًا کو ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ اس لئے کہ جو چیز شرعاً حلال ہوتی ہے وہ پاک ہی ہوتی ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ طیبًا صفت مؤکدہ ہے نہ کہ احترازیہ۔

قَوْلُہٗ: او مُسْتَلَذًّا مفعول کے صیغہ کے ساتھ یعنی جو چیز مرغوب اور پسندیدہ ہو، اس صورت میں طیبًا صفت مقیدہ ہوگی، جس سے ناپسندیدہ مثلاً کڑوی اور بدمزہ اشیاء خارج ہو جائیں گی، مُسْتَلَذًّا صفت مخصصہ اس صورت میں ہوگی جب کہ او کے ساتھ ہو اور بعض نسخوں میں ومُستلذًّا واؤ کے ساتھ ہے، اس صورت میں طیبا صفت مؤکدہ ہوگی یعنی نفس مومن کو مرغوب شئ۔

قَوْلُہٗ: ای تَزیینَهٗ اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے، اور تزئین سے شیطانی وسوسے مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ: یا مر کم بالسُّوء یہ اِنَّهٗ لکم عدوٌّ مُبین کے لئے علت کے مانند ہے، یعنی وہ تمہارا دشمن اس لئے ہے کہ وہ تم کو بری اور فحش باتوں کا حکم کرتا ہے، السُّــــوء ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس سے خدا ناراض ہو خواہ وہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا، اور اَلْــفَـحْـشَــاء سے مراد کبیرہ گناہ ہیں، گویا یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، مگر مفسر علام کے کلام سے دونوں میں تساوی مستفاد ہو رہی ہے۔

قَوْلُہٗ: مِن تحریم مَالَمْ یُحرَّمْ الخ یہ مالاتعلمُونَ میں ما کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: اَیَتَّبِعُوْنَھُمْ اس میں اشارہ ہے کہ ہمزہ فعل مقدر پر داخل ہے اور وَلَوْ کَانَ فعل مقدر کے معمول سے حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَیَتَّبِعُونَھم فی حالِ فرضھم غیر عاقلین ولا مھتَدِین ہمزہ انکار تعجب کے لئے ہے، مفسر علام نے اَیَتَّبعونَھم میں ہمزہ کے بعد فعل مقدر مان کر ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سُوَالٌ: اَوَلَوْ کَانَ میں لَو شرطیہ ہے، لہٰذا اس کے لئے جوابِ شرط کا ہونا ضروری ہے حالانکہ یہاں جوابِ شرط موجود نہیں ہے۔

جَوَابٌ: لَو پر جو واؤ داخل ہے وہ حالیہ ہے لہٰذا لَوْ کو اس صورت میں جواب کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ شرط تب ہی حال واقع ہوتی ہے جب اس سے شرطیت کے معنی سلب کر لئے جاتے ہیں، اس لئے کہ جملہ مقدمہ محذوفہ کی صورت میں لَــوْ میں معنی شرطیت باقی نہیں رہتے، لہٰذا اس کو جواب کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: صفة یعنی مثل بمعنی صفت ہے نہ کہ بمعنی مشابہ، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ میں کافِ تشبیہ کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ مثل کے ذکر کے بعد کافِ تشبیہ بلا وجہ تکرار ہے۔

جَوَابٌ: پہلے مثل کے معنی تشبیہ کے نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی صفت کے ہیں، لہٰذا اب کوئی تکرار نہیں۔

قَوْلُہٗ: النعق والنعیق، صوت الراعی بالغنم. چرواہے کی بکریوں کو ہانک۔

قَوْلُہٗ: وَمَنْ یَدْعُوھم اِلَی الھُدٰی اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: آیت میں کفار کو ناعق (چرواہے) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اس لئے کہ آیت کا ترجمہ یہ ہے، اور کافروں کی مثال اس ناعق (چرواہے) کی ہے جو بہائم کو پکارتا ہے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ ناعق داعی (ہدایت کی

طرف بلانے والے رسول یا مسلمان ہیں) اور کفار منعوق، مدعو (مثل بہائم) ہیں۔

جَوَابِ: یہاں معطوف محذوف ہے اور وہ مَنْ یَدْعُوهُمْ اِلَی الْهُدٰی ہے، لہٰذا کفار اور ان کے داعی کو، چرواہے اور بہائم کے ساتھ تشبیہ دی گی ہے، یعنی کفار اور ان کے داعی مشبہ ہیں اور بہائم اور ان کا چرواہا مشبہ بہ ہیں، گویا کہ یہ تشبیہ مرکب بالمرکب ہے، جس میں ایک مجموعہ کو دوسرے مجموعے کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے، لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں۔

سَوَال: اگر اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے پہلے مضاف محذوف مان لیا جائے جیسا کہ قاضی وغیرہ نے مضاف محذوف مانا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، مَثَلُ دَاعِی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ اب مطلب یہ ہوگا، کہ داعی کی مثال ناعق (چرواہے) جیسی ہے یعنی داعی کو ناعق سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جَوَابِ: مطلب تو صحیح ہو جاتا ہے مگر اس صورت میں تشبیہ داعی (مسلمان یا رسول) کی حالت کو بیان کرنے کے لئے ہوگی نہ کہ مدعو کی حالت کو بیان کرنے کے لئے حالانکہ مقصود دونوں کی حالت کو بیان کرنا ہے اور اہم مدعو (کفار) کی حالت کو بیان کرنا ہے، جیسا کہ خود مفسر علام نے اس بات کی طرف اپنے قول هم فی سماع الموعظة الخ سے اشارہ کیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے تفسیر مظہری جلد اول، ص ۱۶۷ کی طرف رجوع کریں)۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

شانِ نزول:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ یہ آیت ثقیف اور خزاعہ اور عامر ابن صعصعہ اور بنی مدلج کے بارے میں نازل ہوئی تھی، کہ ان لوگوں نے اپنے اوپر حرث، انعام، البحیرہ، اور سائبہ اور الحام اور وصیلہ کو حرام کر لیا تھا۔ (مظہری)

ونزلت فی قوم حرموا علی انفسهم رفیع الاطعمة والملابس یعنی مذکورہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ جنہوں نے اپنے اوپر عمدہ کھانا اور اچھا لباس حرام کر لیا تھا، (روح البیان) سبب نزول اگرچہ خاص بھی ہو لیکن اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ شیطان کے دام فریب میں آکر اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام نہ کرو جس طرح مشرکین کہ بتوں کے نام وقف کردہ جانوروں کو حرام کر لیتے تھے، لَاتَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ میں اتباع شیطان سے منع کیا جا رہا ہے کہ خواہش اور نفس شیطانی کے اغواء سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ سمجھو، اور زمین (دنیا) میں حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں استعمال کرو اور اغواء شیطانی کے شکار نہ ہو کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے لگو اس لئے کہ شیطان انسانوں کا کھلا دشمن ہے وہ ہمیشہ بدی اور فحش کا ہی حکم کرتا ہے۔

اِنّما یأمرُکُم الخ شیطان کے حکم سے مراد وسوسہ ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ آدم کے بیٹے کے قلب میں ایک شیطانی الہام واثر ہوتا ہے اور دوسرا فرشتہ کی طرف سے، شیطانی وسوسہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ برے کام کے فوائد اور مصالح سامنے آتے ہیں اور فرشتہ کے الہام کا اثر یہ ہوتا ہے کہ خیر اور نیکی پر انعام وفلاح کا وعدہ اور حق کی تصدیق پر قلب مطمئن ہوتا ہے۔

مَسْئَلَہ: سانڈ وغیرہ جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں یا اور کوئی جانور مثلاً مرغا، بکرا وغیرہ کسی بزرگ یا کسی پیر پیغمبر کے نام نامزد کر دیا جاتا ہے اس کی حرمت کا بیان بھی عنقریب وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تفسیر میں انشاء اللہ آنے والا ہے، اس آیت یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا الخ میں ایسے جانوروں کے حرام ہونے کی نفی کرنا مقصود نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے بلکہ اس فعل کی حرمت وممانعت مقصود ہے کہ غیر اللہ کے تقرب کے لئے جانوروں کو آزاد چھوڑ دینا اور اس عمل کو موجب برکت وتقرب سمجھنا اور ان جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا عہد کر لینا یہ تمام افعال ناجائز اور گناہ ہیں۔

مَسْئَلَہ: اگر کسی شخص نے جہالت یا غفلت سے کسی جانور کو کسی غیر اللہ کے لئے نامزد کر کے آزاد کر دیا تو اس کی توبہ یہی ہے کہ اپنے اس حرمت کے خیال سے رجوع کرے اور اس فعل سے توبہ کرے، تو پھر اس کا گوشت حلال ہو جائے گا۔ (معارف)

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا (الآیۃ) اس آیت سے جس طرح باپ دادوں کی اندھی تقلید واتباع کی مذمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح جائز تقلید واتباع کے شرائط اور ایک ضابطہ بھی معلوم ہو گیا جس کی طرف دو لفظوں سے اشارہ فرمایا: لَا یَعْقِلُوْنَ اور لَا یَھْتَدُوْنَ کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ ان آباء واجداد کی تقلید واتباع کو اس لئے منع کیا گیا ہے کہ انہیں نہ عقل تھی نہ ہدایت، ہدایت سے مراد احکام ہیں جو اللہ کی طرف سے صریح طور پر نازل کئے گئے ہیں، اور عقل سے مراد وہ احکام ہیں جو بذریعہ اجتہاد نصوص شرعیہ سے استنباط کئے گئے ہوں۔

آباء واجداد کے اتباع وتقلید کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ نہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام ہیں اور نہ اس کی صلاحیت کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان یعنی نصوصِ قطعیہ سے احکام کا استنباط کر سکیں، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ جس عالم کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ اس کے پاس قرآن وسنت کا علم ہے اور اس کو درجہ اجتہاد بھی حاصل ہے کہ جو احکام صراحۃً قرآن وسنت میں نہ ہوں ان کو نصوصِ قرآن وسنت سے بذریعہ قیاس نکال سکتا ہے تو ایسے عالم کی تقلید واتباع جائز ہے، اس لئے نہیں کہ یہ اس کا حکم ماننا اور اس کی اتباع کرنی ہے بلکہ اس لئے کہ حکم اللہ کا ماننا اور اسی کا اتباع کرنا ہے مگر چونکہ ہم براہِ راست اللہ کے حکم سے واقف نہیں ہو سکتے اس لئے کسی عالم مجتہد کا اتباع کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل ہو سکے۔

جاہلانہ تقلید اور ائمہ مجتہدین کی تقلید میں فرق:

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مطلق تقلید ائمہ مجتہدین کے خلاف اس طرح کی آیت پڑھ دیتے ہیں وہ خود ان آیات کے صحیح مدلول سے واقف نہیں۔ امام قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت میں تقلید آبائی کے ممنوع ہونے کا جو ذکر ہے اس

سے مراد باطل عقائد واعمال میں آباء واجداد کی تقلید کرنا ہے، عقائد صحیحہ واعمال صالحہ میں تقلید اس میں داخل نہیں ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں ان دونوں چیزوں کی وضاحت سورۂ یوسف میں اس طرح آئی ہے: اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ کٰفِرُوْنَ، وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآئِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ.

''میں نے ان لوگوں کی ملت اور مذہب کو چھوڑ دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو آخرت کے منکر ہیں اور میں نے اتباع کیا اپنے آباء ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کا''۔ اس میں پوری وضاحت سے ثابت ہوگیا کہ آباء کی تقلید باطل میں حرام ہے حق میں جائز بلکہ مستحسن ہے۔

امام قرطبی نے اسی آیت کے ذیل میں ائمہ مجتہدین کی تقلید سے متعلق بھی مسائل واحکام بیان کئے ہیں، فرمایا:

تعلق قوم بهذه الآية في ذم التقليد (الى) وهذا في الباطل صحيح امّا التقليد في الحق فاصل من اصول الدين وعَصمة من عصم المسلمين يلجاءُ الَيْهَا الجاهل المقصر عن درك النظر.

(قرطبی: ص۱۹٤، ج۲۔ معارف)

''کچھ لوگوں نے اس آیت کو تقلید کی مذمت میں پیش کیا ہے، اور یہ باطل کے معاملہ میں تو صحیح ہے لیکن حق کے معاملہ میں تقلید سے اس کا کوئی تعلق نہیں، حق میں تقلید کرنا تو دین کے اصول میں سے ایک مستقل بنیاد ہے، اور مسلمانوں کے دین کی حفاظت کا بہت بڑا ذریعہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ دین کے معاملہ میں تقلید ہی پر اعتماد کرتا ہے''۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ (الآیۃ) اوپر اکل طیبات کے معاملہ میں مشرکین کو غلطی پر تنبیہ اور اصلاح مقصود تھی، اس آیت میں اہل ایمان کو اس بات پر متنبہ کیا جارہا ہے کہ وہ اس غلطی میں مشرکین کی موافقت نہ کریں، اس کے ضمن میں اہل ایمان پر اپنے انعامات کا بھی ذکر ہے، اور اس پر ادائے شکر کی تعلیم بھی ہے۔

ربط آیات:

اوپر تو اس کا بیان تھا کہ حلال کو حرام مت کرو آگے اس کا ذکر ہے کہ حرام کو حلال مت سمجھو مثلاً مردار جانور اور ایسے جانور جن کو غیر اللہ کے نام ذبح کیا گیا ہو، اس میں اشارہ ہے کہ نیک عمل کی توفیق اور دعا قبول ہونے میں اکل حلال کو بڑا دخل ہے، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے، اور مومنین کو وہی حکم کرتا ہے جو مرسلین کو کرتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو طویل سفر طے کرتا ہے اور اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے یا ربِّ یا ربِّ اشعثَ اَغبرَ، مَطْعَمُهٗ حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغُذی بالحرام فانّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلك (رواہ مسلم) بہت سے لوگ طویل سفر پریشان حال اللہ کے سامنے دعاء کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یارب یارب پکارتے ہیں، مگر کھانا ان کا حرام، پینا ان کا حرام، لباس ان کا حرام، غذا ان کی حرام،

ان حالات میں ان کی دعاء کہاں قبول ہوسکتی ہے؟

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ابوجعفر نے اَلْمَيِّتَةُ یاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

سَوَال: اِنَّما کلمہ حصر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہی چار چیزیں جو مذکور ہیں حرام ہیں، حالانکہ ان کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں جو دیگر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے معلوم ہوتی ہیں۔

جَوَاب: حنفیہ کے نزدیک اِنَّما کے بارے میں نحاۃ کوفہ کا قول معتبر ہے جس میں انہوں نے کہا اِنَّ کلمة اِنَّما لَيْسَتْ للقصر بل هِىَ مركبة من اِنَّ للتحقيق و مَا الكافة اور اگر اِنّما کا کلمہ حصر ہونا تسلیم کرلیا جائے تو حصر اضافی ہوگا، اور یہ حصران چیزوں کے اعتبار سے ہوا جن کو کفار نے حرام کرلیا تھا، بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ۔

المیتة مردار اور یہ اس جانور کو کہتے ہیں کہ جس کا ذبح کرنا ضروری ہو، اور اس کو ذبح نہ کیا گیا ہو، لہٰذا مچھلی اور ٹڈی اس میں داخل نہیں ہیں، یا ان دونوں کو حدیث کی وجہ سے مستثنیٰ کردیا گیا ہے، (قال رسول الله ﷺ اُحل لنا ميتتان ودَمَان السَّمك والجرَاد والكبدو الطحال) (اخرجه ابن ماجه والحاكم من حديث ابن عمر) اور ان ہی کے ساتھ گوشت کے اس ٹکڑے کو بھی شامل کرلیا گیا ہے جو زندہ جانور سے کاٹ لیا گیا ہو، عن ابى واقد الليثى قال قال رسول الله ﷺ: مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وهِىَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ. (اخرجه ابو داؤد والترمذى)

آگے اس آیت میں جن چیزوں کی حرمت کا ذکر کیا گیا ہے وہ چار چیزیں ہیں: مردار، خون، لحم خنزیر، اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

مردار: اس سے مراد وہ جانور ہے جس کے حلال ہونے کے لئے ازروئے شرع ذبح کرنا ضروری ہے مگر وہ بغیر ذبح کے خود بخود مرجائے یا گلا گھونٹ کر یا کسی دوسری طرح چوٹ وغیرہ مار کر مار دیا جائے، تو وہ مردار اور حرام ہے، مگر خود قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائی جانوروں کا ذبح کرنا ضروری نہیں ہے اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ اسی بناء پر حدیث میں بھی مچھلی اور ٹڈی کو میتة سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، البتہ وہ مچھلی جو خود بخود مر کر پانی کے اوپر آجائے وہ حرام ہے۔ (حصاص)

مَسْئَلَہ: اسی طرح وہ شکاری جانور جو قابو میں نہیں کہ ذبح کرلیا جائے تو اس کو بھی بسم اللہ پڑھ کر تیر وغیرہ دھاری دار چیز سے زخم لگادیا جائے اور قابو میں آنے سے پہلے مرجائے تو بغیر ذبح کے حلال ہوجاتا ہے، مگر زخمی دھاری دار آلہ سے ہونا چاہئے، لہٰذا پھاڑنے والے یا جلانے والے آلہ مثلاً گولی سے زخمی شدہ بغیر ذبح کے حلال نہ ہوگا۔

مَسْئَلَہ: اگر بندوق کی گولی سے کوئی جانور زخمی ہوکر قبل الذبح مرجائے تو وہ حلال نہ ہوگا، اگر مرنے سے پہلے اسے ذبح کرلیا جائے تو حلال ہوجائے گا۔

مَسْئَلَہ: اگر بندوق کی گولی نوکدار ہو جیسا کہ آج کل ایسی گولی بنائی گئی ہے تو بعض علماء کا خیال ہے کہ ایسی گولی تیر کے حکم میں ہے، مگر جمہور علماء کے نزدیک ایسی گولی بھی جارحہ نہیں بلکہ خارقہ ہے اس لئے ایسی گولی کا شکار بھی بغیر ذبح حلال نہیں۔

مَسْئَلَہ: مردار جانور کے تمام اجزاء حرام ہیں، مگر جانور کے وہ اجزاء جو کھانے کی چیز نہیں، مثلاً بال، سینگ، کھر، ہڈی وغیرہ یہ پاک ہیں، ان کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ ان پر نجاست نہ لگی ہو۔

مَسْئَلَہ: مردار جانور کی چربی اور اس سے بنائی ہوئی چیزیں بھی حرام ہیں نہ ان کا استعمال جائز اور نہ خرید وفروخت۔

مَسْئَلَہ: یورپ وغیرہ سے آئی ہوئی چیزیں مثلاً صابون، کریم، لپ اسٹک وغیرہ جن میں چربی ہوتی ہے ان سے پرہیز کرنا احتیاط ہے، مگر مردار یا حرام جانور کی چربی کا یقینی علم نہ ہونے کی وجہ سے گنجائش ہے، نیز اس وجہ سے بھی کہ بعض صحابہ کرام مثلاً ابن عمر، ابوسعید خدری، ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے مردار کی چربی کا صرف کھانے میں استعمال حرام قرار دیا ہے، خارجی استعمال کی اجازت ہے، اُس لئے اس کی خرید وفروخت کو بھی جائز رکھا گیا ہے۔ (جصاص، معارف)

مَسْئَلَہ: دودھ کا پنیر بنانے میں ایک چیز استعمال ہوتی ہے جس کو عربی میں اِنْفحة کہا جاتا ہے، یہ جانور کے پیٹ سے نکالی ہوئی ایک چیز ہوتی ہے اس کو دودھ میں شامل کرنے سے دودھ جم جاتا ہے، اگر انفحة شرعی طریقہ سے مذبوحہ جانور کا ہے تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن غیر مذبوح کے پیٹ سے حاصل کیا ہوا انفحہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام اعظم، امام مالک اس کو پاک کہتے ہیں اور امام ابو یوسف امام محمد اور سفیان ثوری اس کو ناپاک کہتے ہیں۔ (قرطبی، معارف)

خون: دوسری چیز جو آیت مذکورہ میں حرام قرار دی گئی ہے وہ خون ہے، اس آیت میں اگر چہ مطلق ہے مگر سورۂ انعام کی آیت میں مسفوح کی قید بھی ہے یعنی بہنے والا خون، لہٰذا جو خون منجمد ہو جیسے کلیجی، تلی، گردہ، پھیپھڑا وغیرہ یہ حلال اور پاک ہیں۔

مَسْئَلَہ: ذبح کے بعد جو خون گوشت میں لگا رہ جاتا ہے وہ پاک ہے، اسی طرح مچھر، مکھی، کھٹمل وغیرہ کا خون ناپاک نہیں ہے، اگر زیادہ ہو تو اس کو بھی دھونا چاہئے۔

مَسْئَلَہ: جس طرح خون کا کھانا حرام ہے اسی طرح اس کا خارجی استعمال بھی حرام ہے اور اس کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں۔

مَسْئَلَہ: مریض کو دوسرے کا خون دینے کا مسئلہ، تحقیق اس کی یہ ہے کہ انسانی خون انسان کا جز ہے اور جب بدن سے نکال لیا جائے تو وہ بھی نجس ہے، اس کا اصل تقاضہ تو یہی ہے، لہٰذا قاعدہ اور ضابطہ کی رو سے دوسرے کا خون چڑھانا جائز نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن اضطراری اور مجبوری کی صورت میں شریعت اسلام کی دی ہوئی سہولتوں میں غور کرنے سے امور ذیل ثابت ہوئے:

خون اگر چہ انسانی جز ہے مگر اس کو کسی دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کے لئے اعضاء انسانی میں کاٹ چھانٹ اور آپریشن کی ضرورت پیش نہیں آتی، انجکشن کے ذریعہ خون نکالا اور داخل کیا جاتا ہے، اس لئے اس کی مثال دودھ کی سی ہوگئی جو بدن انسانی سے بغیر کاٹ چھانٹ کے نکلتا ہے اور دوسرے انسان کا جز بنتا ہے، شریعت اسلام نے بچہ کی ضرورت کے پیش نظر انسانی دودھ کو بچے کی غذا قرار دیا ہے، اور علاج کے طور پر بڑوں کے لئے بھی اجازت ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

ولا بأس بان يسعط الرجل بلبن المرأة ويشربهٔ للدواء. (عالمگیری: ص ٤، معارف)

''اس میں مضائقہ نہیں کہ دوا کے لئے کسی شخص کی ناک میں عورت کا دودھ ڈالا جائے، یا پینے میں استعمال کیا جائے''۔

مسئلہ: اگر خون کو دودھ پر قیاس کیا جائے تو بعید از قیاس نہیں، کیونکہ دودھ بھی خون کی بدلی ہوئی صورت ہے اور جزء انسانی ہونے میں مشترک ہے، صرف فرق یہ ہے کہ دودھ پاک ہے اور خون ناپاک ہے، لہٰذا جزء انسانی ہونا تو یہاں وجہ ممانعت نہ رہی اس لئے کہ دودھ جزء انسانی ہونے کے باوجود دوسرے انسان کے بدن کا جزء بنتا ہے، اب صرف نجاست کا معاملہ رہ گیا، علاج اور دوا کے معاملہ میں بعض فقہاء نے خون کے استعمال کی بھی اجازت دی ہے۔

اس لئے ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں منتقل کرنے کا شرعی حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو جائز نہیں، مگر علاج اور دوا کے طور پر اضطراری حالت میں بلاشبہ جائز ہے، اضطراری حالت سے مراد یہ ہے کہ مریض کی جان خطرہ میں ہو اور کوئی دوسرا طریقہ مؤثر نہ ہو یا موجود نہ ہو، اور خون دینے سے مریض کی جان بچنے کا گمان غالب ہو ان شرطوں کے ساتھ خون دینا اس نص قرآنی کی رو سے جائز ہے جس میں مضطر کے لئے مردار جانور کھا کر جان بچانے کی اجازت صراحۃ مذکور ہے۔

خنزیر کی حرمت:

تیسری چیز جس کی حرمت اس آیت مذکورہ میں ہے وہ لحم خنزیر ہے اس کے نجس العین ہونے پر اتفاق ہے، قرآن میں خنزیر کے ساتھ لحم کی قید یا تو اس لئے ہے کہ اعظم مقصود گوشت ہی ہے بقیہ چیزیں اس کے تابع ہیں اور لحم کی قید سے اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ خنزیر دیگر حرام جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ ذبح کے بعد اگرچہ کھانے کے لئے حرام ہی رہتے ہیں مگر وہ پاک ہو جاتے ہیں، البتہ خنزیر ذبح کرنے کے بعد بھی پاک نہیں ہوتا، صرف چمڑا سینے کے لئے اس کے بال کا استعمال حدیث میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ (جصاص، قرطبی)

ائمہ کا مسلک:

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اور امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ خنزیر کے بالوں کا استعمال ضرورت کے پیش نظر صرف چمڑا سینے کے لئے جائز ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ ممنوع قرار دیتے ہیں، اور امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے مکروہ قرار دیا ہے اگر خنزیر کا بال پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

لحم خنزیر کی مضرت:

فقہی احکام اور شرعی حرمت سے قطع نظر فطرتِ سلیم اسے گندہ سمجھتی ہے نظافت طبعی اس کی طرف رغبت کرنے سے کراہت کرتی ہے، خنزیر کا گوشت بکثرت استعمال سے اخلاقی خرابیاں اور بے حیائی کا پیدا ہونا ایک مسلم حقیقت ہے جن قوموں میں اس کو

کثرت سے کھانے کا رواج ہے ان کی بے حیائی کسی سے پوشیدہ نہیں، اس کے گوشت کے جو طبی نقصانات ہیں وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہیں، خصوصاً امراض غدودی میں یہ جس طرح معین و مددگار ہوتا ہے اس پر تو آج کل کے ڈاکٹر بہت کچھ لکھ چکے ہیں، سور کی گندگی اور ناپاکی اتنی روشن اور عیاں ہے کہ بعض قدیم قومیں مثلاً اہل مصر بھی اسے نجس سمجھتی رہی ہیں، بلکہ خود یہودیوں کے یہاں بھی خنزیر حرام تھا، آج مسیحی قومیں جس ذوق و شوق سے یہ گندہ گوشت کھاتی ہیں اور اس کی چربی سے جو طرح طرح کے کام لیتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کراہت کیسی؟ عجب نہیں کہ کچھ فضائل مسیحیت میں اس جانور کے وارد ہوئے ہوں، حالانکہ اس کی حرمت اور نجاست دونوں صراحت کے ساتھ بائبل میں موجود ہیں۔

بائبل میں سور کی حرمت اور نجاست:

اور سور کہ اس کا کھر دو حصہ (چرا ہوا) ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرا ہے، پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے۔ (احبار ۱۱:۷)

اور سور کہ کھر اس کے چرے ہوئے ہیں، یہ جگالی نہیں کرتا، بھی تمہارے لئے ناپاک ہے، تم اس کا گوشت نہ کھائیو نہ اس کی لاش کو ہاتھ لگائیو۔ (استثناء ۱۲:۸)

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ:

یہ چوتھی چیز ہے جس کو آیت میں حرام قرار دیا گیا ہے، یہ وہ جانور ہے جس کو غیر اللہ کے لئے وقف کیا گیا ہو، اس کی تین صورتیں متعارف ہیں: اوّل یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح غیر اللہ ہی کا نام لیا جائے، یہ صورت باجماع امت حرام ہے اور یہ جانور مردار ہے اس کے کسی جزء سے انتفاع جائز نہیں، اس لئے کہ یہ صورت آیت مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی مدلول صریح ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے لیکن بوقت ذبح اس پر نام اللہ کا لیا جائے، جیسا کہ بہت سے ناواقف مسلمان پیروں اور بزرگوں کے نام پر ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بکرے مرغے وغیرہ ذبح کرتے ہیں، جیسے ربیع الثانی کے مہینہ میں گیارہویں شریف کے موقع پر (بقول جہلاء) غوث پاک کا خصی، ماہ محرم میں سیدنا حسن وحسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے نام کا مرغا، اور شیخ سدو کے نام کا بکرا یہ صورت بھی باتفاق فقہاء حرام اور مذبوحہ مردار ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کے کان کاٹ کر یا کوئی دوسری علامت لگا کر تقرب الی غیر اللہ اور تعظیم لغیر اللہ کے طور پر چھوڑا جائے نہ اس سے کام لینے اور نہ اس کو ذبح کرنے کا قصد ہو بلکہ اس کے ذبح کو حرام جانیں یہ جانور مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ

اور مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ دونوں میں داخل نہیں؛ بلکہ اس قسم کے جانور کو بحیرہ یا سائبہ کہا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ یہ فعل تو بنص قرآنی حرام ہے، جیسا کہ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَائِبَةٍ سے معلوم ہوتا ہے۔

مگر ان کے اس حرام عمل سے اور اس جانور کو حرام سمجھنے سے یہ جانور حرام نہیں ہوجاتا، اس لئے یہ جانور عام جانوروں کی طرح حلال ہے، مگر شرعی اصول کے مطابق یہ جانور اپنے مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوا، اگرچہ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میری مِلک سے خارج ہوکر غیر اللہ کے لئے وقف ہوگیا، اس کا یہ عقیدہ باطل ہے وہ جانور بدستور اس کی مِلک میں ہے، اب اگر وہ شخص اس جانور کو کسی کے ہاتھ فروخت کردے یا ہبہ کردے تو اس کے لئے یہ جانور حلال ہے جیسا کہ ہندو بکثرت اپنے دیوی دیوتاؤں کے نام بکرا، گائے وغیرہ چھوڑ دیتے ہیں، اور مندر کے پجاری کو اختیار دیدیتے ہیں، کہ جو چاہیں کریں، مندر کے پجاری ان کو فروخت کردیتے ہیں، اسی طرح بعض ناواقف مسلمان بھی بعض مزارات پر ایسا ہی عمل کرتے ہیں کہ بکرا مرغا وغیرہ چھوڑ دیتے ہیں اور مجاوروں کو اختیار دیدیتے ہیں جن کو وہ فروخت کردیتے ہیں ان مجاوروں سے ان جانوروں کا خریدنا اور ذبح کرکے کھانا وغیرہ سب حلال ہے۔

نذر لغیر اللہ کا مسئلہ:

یہاں ایک چوتھی شکل اور ہے جس کا تعلق حیوانات کے علاوہ دوسری چیزوں مثلاً مٹھائی، کھانا وغیرہ، جن کو غیر اللہ کے نام پر منت کے طور پر ہندو بتوں پر اور جاہل مسلمان بزرگوں کے مزارات پر چڑھاتے ہیں، حضرات فقہاء نے اس کو بھی اشتراکِ علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے حکم میں قرار دے کر حرام قرار دیا ہے، کتب فقہ مثلاً بحر الرائق وغیرہ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

اضطرار اور مجبوری کے احکام:

آیت مذکورہ میں چار چیزوں کو حرام قرار دینے کے بعد ایک حکم استثنائی مذکور ہے، فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس استثنائی حکم میں اتنی سہولت کردی گئی ہے کہ جو شخص بھوک سے بیتاب ہوجائے بشرطیکہ نہ تو کھانے میں طالب لذت ہو اور نہ قانون شکنی کا داعیہ اور نہ قدر ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو تو اس حالت میں ان حرام چیزوں کو کھالینے سے بھی اس شخص کو کوئی گناہ نہیں، بلکہ نہ کھانے میں گناہ ہے اگر نہ کھا کر مرگیا تو گناہ گار کی موت مرے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے غفور رحیم ہیں۔

اس میں مضطر کے لئے جان بچانے کے واسطے دو شرطوں کے ساتھ ان حرام چیزوں کو کھانے کی اجازت دی گئی ہے، ایک

شرط مضطر ومجبور ہونا، مضطر شرعی اصطلاح میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی جان خطرہ میں ہو مثلاً کوئی شخص بھوک اور پیاس کی وجہ سے ایسی حالت میں پہنچ گیا ہو کہ اگر نہ کھائے پیے تو اس کی جان جاتی رہے، اس لئے حرام چیز کو استعمال کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے، ایک شرط یہ ہے کہ مقصود جان بچانا ہو لذت اندوزی یا قانون شکنی نہ ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ صرف اتنی مقدار کھائے جو جان بچانے کے لئے کافی ہو، پیٹ بھر کر کھانا یا ضرورت سے زیادہ کھانا اس وقت بھی حرام ہے۔

فَائِدَہ: اضطرار اور مجبوری جس طرح داخلی ہوتی ہے خارجی بھی ہو سکتی ہے، مثلاً کوئی شخص حرام چیز کھانے یا پینے پر مجبور کرے کہ اگر نہ کھاؤ گے نہ پیو گے تو تم کو قتل کر دیں گے یا کوئی عضو ضائع کر دیں گے تب بھی یہی حکم ہے، معمولی زد و کوب کا یہ حکم نہیں ہے۔

غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کی تفسیر:

غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کی دو تفسیریں منقول ہیں ایک تو وہ ہے جس کو صاحب جلالین علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اختیار کیا ہے، وہ یہ کہ باغ کا مطلب ہے امام عادل کے خلاف بغاوت کرنے والا اور عادٍ کے معنی رہزنی کرنے والا، یا فساد فی الارض برپا کرنے والا، یعنی جو شخص امام عادل کے خلاف بغاوت کرنے والا اور رہزنی کرنے والا ہو اور وہ حالت اضطرار میں آجائے تو اُسے اس حالت اضطرار کی سہولت حاصل نہیں ہوگی۔

بیضاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا ہے کہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے، بغوی نے کہا ہے کہ ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا بھی یہی قول ہے، نیز مجاہد اور سعید بن جبیر بھی اسی کے قائل ہیں، ان حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ مسافرِ معصیت کو مضطر کی سہولیات حاصل نہ ہوں گی، بخلاف امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے، مگر زیادہ مفسرین کا رجحان اس طرف ہے کہ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کا تعلق، اکل سے ہے، یعنی مضطر کا مقصد لذت اندوزی یا قانون شکنی نہ ہو، اور نہ بقدر سد رمق سے تجاوز کرے، البتہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہے، امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا بھی یہی قول ہے اور ایک روایت امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی بھی ایسی ہی ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا راجح مذہب یہ ہے کہ اگر قریبی زمانہ میں حلال کھانا ملنے کی توقع ہو تو سد رمق سے زیادہ کھانا جائز نہیں، اور اگر امید نہ ہو تو پیٹ بھر کر کھانا جائز ہے بلکہ بطور توشہ ساتھ بھی لے سکتا ہے۔ (مظہری ملخصًا)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ المشتمل علی نعت محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وہم الیہود **وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا** من الدنیا یاخذونہ بدلہ من سفلتہم فلا یظہرونہ خوف فوتہ علیہم **اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ** لانہا مآلہم **وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ** غضبًا علیہم **وَلَا یُزَکِّیْہِمْ** یطہرہم

مِن دَنَسِ الذُّنُوبِ **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ**⁽¹⁷⁴⁾ مُؤلِمٌ ہُو النارُ **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى** اَخَذُوہا بدلَہٗ فی الدنیا **وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ** المُعدَّةِ لَہُمْ فی الآخرۃِ لو لَمْ یَکتُمُوا **فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ**⁽¹⁷⁵⁾ ای ما اَشَدَّ صَبْرَہُمْ وہو تَعجِیبٌ للمؤمنین مِن ارتکابِہم مُوجِباتِہا مِن غیرِ مُبالاۃٍ وَاِلَّا فَاَیُّ صبرٍ لَہُمْ **ذٰلِكَ** الذی ذُکِرَ مِن اَکلِہِمُ النارَ وما بعدَہٗ **بِاَنَّ** بسببِ اَنَّ **اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ** متعلق بنَزَّلَ فاختلفُوا فیہ حیثُ اٰمَنُوا ببعضِہٖ وکَفَرُوا ببعضِہٖ بکَتمِہٖ **وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ** بذٰلِکَ وہُم الیہودُ وقیل المشرکونَ فی القراٰنِ حیثُ قالَ بعضُہُمْ شِعرٌ وبعضُہم سِحرٌ وبعضُہم کَہانَۃٌ **لَفِىْ شِقَاقٍ** خِلافٍ **بَعِيْدٍ**⁽¹⁷⁶⁾ عن الحقِّ.

ع ۵ ۲۱

ترجمہ: بلاشبہ وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس کتاب (تورات) کو جو اللہ نے نازل کی ہے جو محمد ﷺ کی صفات پر مشتمل ہے (اور چھپانے والے) یہود ہیں اور اس کے عوض دنیوی قلیل قیمت لیتے ہیں اور چھپانے کے بدلے اپنے عوام سے قلیل ثمن وصول کرتے ہیں، اور اس ثمن قلیل کے فوت ہونے کے اندیشہ سے حضور ﷺ کی صفات کو ظاہر نہیں کرتے، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں، اس لئے کہ دوزخ انکا انجام ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان پر غضبناکی کی وجہ سے ان سے کلام نہ کرے گا، اور نہ ان کو گناہوں کی گندگی سے پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور وہ آگ ہے اَلِیْمٌ بمعنی مُؤلِمٌ ہے، یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ہے یعنی دنیا میں ہدایت کے بجائے گمراہی لے لی ہے، اور عذاب کو مغفرت کے عوض لیا ہے (یعنی) وہ مغفرت جو ان کے لئے تیار کی گئی تھی اگر وہ کتمان نہ کرتے، تو یہ لوگ کس قدر آگ پر صبر کرنے والے ہیں (یعنی) کس قدر سخت ہے ان کا صبر، اور لاپرواہی سے ان کے موجباتِ نارِ جہنم کے ارتکاب کرنے پر مسلمانوں کو تعجب دلانا ہے ورنہ انھیں صبر کیسا؟ اور یہ آگ کا کھانا اور اس کا مابعد اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب (تورات) کو حق کے ساتھ نازل کیا (بالحق) نَزَّلَ کے متعلق ہے، تو اس میں انھوں نے اختلاف کیا، اس طریقہ پر کہ کچھ حصہ پر ایمان لائے اور کچھ کا انکار کر دیا اس کو چھپا کر اور جن لوگوں نے کتاب میں مذکورہ طریقہ پر اختلاف کیا بلاشبہ وہ یہود ہیں، اور کہا گیا ہے کہ قرآن میں اختلاف کرنے والے مشرکین ہیں، اس طریقہ پر کہ ان میں سے بعض نے کہا (قرآن) شعر ہے اور بعض نے کہا جادو ہے، اور بعض نے کہا کہانت ہے، بلاشبہ یہ لوگ اختلاف میں (حق سے) بہت دور ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: مِنَ الْکِتَاب یہ ضمیر محذوف سے حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مَا اَنزَلَہُ اللّٰہ کائناً مِنَ الکِتَاب.

قَوْلُہٗ: مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ، فِی بُطُونِہِمْ کے اضافہ کا مقصد احتمال مجاز کو دفع کرنا ہے، اس لئے کہ

اکل مجازاً غصب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے، اَکَلَ فُلانٌ اَرضی فلاں شخص میری زمین کھا گیا، یعنی غصب کرلی، جیسا کہ طَآئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ میں بھی یَطِیرُ بجَنَاحَیهِ کا اضافہ احتمال مجاز کو دفع کرنے کے لئے ہے، اگر اکل نار سے جہنم میں اکل نار مراد ہے تو نار کے حقیقی معنی مراد ہوں گے یعنی درحقیقت آگ کھائیں گے اور اگر دنیا میں اکل نار مراد ہو مجازاً نار مراد ہوگی یعنی سبب نار مراد ہوگا، اس لئے کہ رشوت کا مال نارِ جہنم کا سبب ہوگا، اور اگر نار سے بالقوہ نار مراد ہو تو دنیا میں بھی نار کے حقیقی معنی مراد ہو سکتے ہیں جیسا کہ ماچس بالقوہ آگ ہوتی ہے، مفسر علام نے لِاَنَّهَا مَآلُهُم کا اضافہ کرکے معنی مجازی کی جانب اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُهٗ: فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَی النَّارِ یہ صیغۂ تعجب ہے ای مَا اَصْبَرَهم علی اعْمَال اهلِ النارِ اور تعجب سے مراد تعجیب یعنی تعجب میں ڈالنا ہے، اور تعجب بندوں کی نسبت سے ہے اس لئے کہ تعجب کا منشا سبب سے ناواقفیت ہے، تعجب کہتے ہیں انفعال النفس مما خفِیَ سببُهٗ تعجب نام ہے نفس کا ایسی چیز سے منفعل ہونے کا جس کا سبب مخفی ہو اور یہ شان باری کے لئے محال ہے اور بعض حضرات نے مَآ اَصْبَرَهُمْ میں مَا کو استفہامیہ برائے توبیخ کہا ہے: ای اَیُّ شیءٍ اَصْبَرَهم علی عملِ النارِ۔ (فتح القدیر ملخصًا)

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتٰبِ یہ آیت ان علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو احکام تورات کو اور خاص طور پر آپ ﷺ کی صفات کو عوام سے چھپاتے تھے بلکہ ان صفات کے خلاف ظاہر کرتے تھے اور عوام سے ہدیئے تحفے وصول کرتے تھے، علماء یہود کا خیال تھا کہ آخری نبی ان ہی میں سے ہوگا، مگر جب بنی اسماعیل میں آگیا تو حسد اور بقاء ریاست اور ہدایا و تحائف کے لالچ کی وجہ سے آپ ﷺ کی ان صفات کو جو تورات میں مذکور تھیں چھپالیا۔

وَقَدْ اَخْرَجَ ابن جریر عن عکرمة فی قوله (اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ) قَالَ: نَزَلَتْ فِی یهود وَاَخْرَجَ ابن جریر عن السدّی قال: کَتَمُوا اسم محمد ﷺ، وَاَخَذُوْا علیه طَمْعًا قلیلاً فهو الثمن القلیل.

فی لباب النقول اَخْرَجَ الثعلبی من طریق الثعلبی عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، قال: نَزَلَتْ هذه الآیة فی رؤساء الیهود وعلمائهم کانوا یصیبونَ من سفلتهم الهدایا والفضل وکانوا یرْجُونَ اَن یکونَ النبی المبعوث منهم فَلَمَّا بعثَ اللّٰهُ محمدًا ﷺ مِن غیرهم خافوا ذِهابَ ما کَلتهم وزَوال ریاستهم فعَمَدُوا الی صفة ﷺ فغیّروها ثم اَخْرَجُوها اِلیهم وقالوا هذه نعت النبی

الذی یخرج فی آخر الزمان لا یشبہ نعت ھذا النبی ، فانزل اللہ اِنّ الذِینَ یکتُمُونَ مَا انزل اللہ من الکتاب. (حاشیہ بیان القرآن)

آیت مذکورہ کا شانِ نزول اگرچہ خاص واقعہ ہے مگر اعتبار عموم الفاظ کا ہوگا، مطلب یہ ہے کہ اگر آج بھی کوئی شخص کتمانِ حق کرے گا اور دین فروشی کرے گا تو وہ بھی اسی وعید کا مستحق ہوگا، خلاصہ یہ کہ عوام میں جتنے غلط توہمات اور رسم و رواج جنم لیتے ہیں، ان کی ذمہ داری ان علماء پر ہے جنکے پاس کتابِ الٰہی کا علم ہے مگر وہ عوام تک اس علم کو نہیں پہنچاتے اور جب لوگوں میں جہالت کی وجہ سے غلط رسم و رواج پھیلنے لگتے ہیں تو یہ علماءِ سوء اس وقت بھی گونگے کا گڑ کھائے ہوئے خاموش بیٹھے رہتے ہیں بلکہ ان میں سے بہت سے اپنا فائدہ اسی میں سمجھتے ہیں کہ صحیح احکام پر پردہ ہی پڑا رہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ فی الصلوٰۃ **قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ** نَزَلَ ردًّا علی الیھودِ والنصاری حیثُ زَعَمُوا ذلک **وَلٰكِنَّ الْبِرَّ** ای ذا البرِّ وقُرِئَ البارُّ **مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ** ای الکتبِ **وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى** مع **حُبِّهٖ** لہ **ذَوِي الْقُرْبٰى** القرابۃ **وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ** المسافرِ **وَالسَّآئِلِيْنَ** الطالبینَ **وَفِي** فکِّ **الرِّقَابِ** المکاتَبینَ والاسرٰی **وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ** المفروضۃَ وما قبلہٗ فِی التَّطَوُّعِ **وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا** اللہَ او الناسَ **وَالصّٰبِرِيْنَ** نصبٌ علی المدحِ **فِي الْبَاْسَآءِ** شدّۃِ الفقرِ **وَالضَّرَّآءِ** المرضِ **وَحِيْنَ الْبَاْسِ** وقتَ شدّۃِ القتالِ فی سبیلِ اللہِ **اُولٰٓئِكَ** الموصُوفُونَ بما ذُکر **الَّذِيْنَ صَدَقُوْا** فی ایمانِہِم او ادّعاءِ البرِّ **وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ** (۱۷۷) اللہَ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ** فُرِضَ **عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ** المُماثَلۃُ **فِي الْقَتْلٰى** وصفًا وفِعلاً **اَلْحُرُّ** یُقتلُ **بِالْحُرِّ** ولا یُقتلُ بالعبدِ **وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى** وبَیَّنَتِ السُّنَّۃُ اَنّ الذَّکَرَ یُقتلُ بِھا واَنَّہٗ تُعتَبَرُ المماثلۃُ فِی الدِّینِ فلا یُقتلُ مُسلمٌ ولو عبدًا بکافرٍ ولو حُرًّا **فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ** مِنَ القاتِلِینَ **مِنْ** دمِ **اَخِيْهِ** المقتولِ **شَيْءٌ** بان تُرِکَ القِصاصُ منہ وتنکیرُ شیءٍ یُفیدُ سقوطَ القِصاصِ بالعَفوِ عن بعضِہٖ ومِن بعضِ الورثۃِ وفی ذِکرِ اخیہ تَعَطُّفٌ داعٍ الی العفوِ وایذانٌ بانّ القتلَ لایَقطَعُ اُخُوَّۃَ الایمانِ ومَن مُبتدأٌ شرطیّۃٌ او موصولۃٌ والخبرُ **فَاتِّبَاعٌ** ای فعلی العافی اتِّباعُ القاتلِ **بِالْمَعْرُوْفِ** بانْ یُطالِبَہٗ بالدِّیَۃِ بلا عنفٍ وترتیبُ الاتِّباعِ علی العفوِ یفیدُ اَنّ الواجبَ احدُھُما وھو احدُ قولَیِ الشافعیِ رحمۃ اللہ علیہ والثانی الواجبُ القِصاصُ والدِّیَۃُ بَدَلٌ عنہ فلو عفا ولم یُسَمِّھا فلا شیءَ ورُجِّحَ **وَ** علی القاتلِ **اَدَآءٌ** للدِّیَۃِ **اِلَيْهِ** الی العافی وھو الوارثُ **بِاِحْسَانٍ** بلا مَطْلٍ ولا بَخسٍ **ذٰلِكَ** الحکمُ المذکورُ مِن جوازِ القِصاصِ والعفوِ عنہُ علی الدِّیَۃِ **تَخْفِيْفٌ** تسھیلٌ **مِّنْ رَّبِّكُمْ** علیکم **وَرَحْمَةٌ** بکُم حیثُ وَسَّعَ فِی ذلک ولم یحتِمْ واحدًا منھما کما حَتَمَ علی الیھودِ القِصاصَ وعلی النّصاری الدیۃ

فَمَنِ اعْتَدٰی ظلم القاتل بان قتلہٗ **بَعْدَ ذٰلِكَ** ای العفو **فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** (۱۷۸) مؤلم فی الآخرۃ بالنار او الدنیا بالقتل **وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ** ای بقاء عظیم **يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ** ذوی العقول لان القاتل اذا علم انہ یُقتل ارتدع فاخیی نفسہٗ ومن اراد قتلہٗ فشرع لکم **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** (۱۷۹) القتل مخافۃ القود.

ترجمہ: تمام تر اچھائی نماز میں مشرق ومغرب کی طرف رخ کرنے ہی میں نہیں یہ آیت یہود ونصاریٰ کے رد میں نازل ہوئی ہے اس لئے کہ وہ اس قسم کا اعتقاد رکھتے تھے، بلکہ اچھا یعنی نیک وہ شخص ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (آسمانی) کتابوں پر ایمان رکھنے والا ہو، اور البِرّ کے بجائے البَار بھی پڑھا گیا ہے، اور جو مال سے محبت رکھنے کے باوجود قرابت داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوالیوں کو دے اور مکاتبوں کو اور قیدیوں کو آزاد کرانے میں خرچ کرے اور نماز کی پابندی کرے اور فرض زکوٰۃ ادا کرے ماقبل (میں مذکور زکوٰۃ) سے نفلی صدقہ مراد ہے (اور نیک وہ لوگ ہیں) کہ جو اللہ سے یا لوگوں سے عہد کرتے ہیں تو پورا کرتے ہیں اور الصّابرین منصوب بالمدح ہے اور تنگی (یعنی) شدید حاجت اور تکلیف میں یعنی مرض میں اور راہ خدا میں شدت قتال کے وقت صبر کرنے والے ہیں، یہ لوگ یعنی مذکورہ صفات کے حاملین اپنے ایمان میں اور نیکی کا دعویٰ کرنے میں سچے ہیں، اور یہی لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہیں اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کے بارے میں وصفاً اور فعلاً مماثلت (برابری) فرض کی گئی ہے آزاد آزاد کے بدلے قتل کیا جائے، اور غلام کے عوض (آزاد) قتل نہ کیا جائے، اور غلام، غلام کے عوض اور عورت عورت کے عوض (قتل کی جائے) اور سنت نے بیان کیا کہ مردوں کو عورتوں کے عوض قتل کیا جائے گا، اور یہ کہ دین میں مماثلت کا اعتبار کیا جائے گا، لہٰذا مسلمان اگرچہ غلام ہو کافر کے عوض اگرچہ آزاد ہو قتل نہیں کیا جائے گا، ہاں! قاتلین میں سے کسی کو اپنے مقتول بھائی کے خون کی کچھ معافی دیدی جائے، اس طریقہ سے کہ اس سے قصاص معاف کردیا جائے، اور شئ کی تنکیر بعض ورثاء کی طرف سے قصاص کا مطالبہ اور بعض کی طرف سے قصاص کی معافی کی صورت میں قصاص کے ساقط ہونے کا فائدہ دیتی ہے، اور بھائی کا ذکر کرنے میں معافی کی داعی شفقت ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ قتل اخوۃ ایمانی کو قطع نہیں کرتا، اور مَن مبتداء ہے شرطیہ ہے یا موصولہ اور فاتباع خبر ہے، تو معاف کرنے والے کا قاتل کا معروف طریقہ پر تعاقب (مطالبہ) کرنا ہے، اس طریقہ پر کہ سختی کے بغیر (نرمی سے) مطالبہ کرے، اور معافی پر اتباع کو مرتب کرنا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ واجب ان دونوں میں سے ایک ہے، اور یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے دو قولوں میں سے ایک ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ واجب قصاص ہے، اور دیت اس کا بدل ہے چنانچہ اگر مقتول کے وارث نے معاف کردیا اور دیت کا تذکرہ نہ کیا تو مقتول کے ورثاء کے لئے کچھ نہیں ہے، اور یہی قول راجح قرار دیا گیا ہے، اور قاتل پر معاف کرنے والے یعنی وارث کے پاس دیت کو خوبی کے ساتھ پہنچا دینا ہے بایں طور کہ بغیر ٹال مٹول اور کمی کے پہنچادے یہ حکم (یعنی) جواز

قصاص اور دیت کے عوض قصاص سے معافی تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے سہولت اور رحمت ہے اس لئے کہ اس میں وسعت کردی ہے، اور (متعین طور پر) ان دونوں میں سے ایک واجب نہیں کیا جیسا کہ یہود پر (صرف) قصاص واجب کیا تھا، اور نصاریٰ پر (صرف) دیت واجب تھی پھر جس نے قاتل پر زیادتی کی بایں طور کہ معاف کرنے کے بعد اس کو قتل کردیا تو اس کے لئے آخرت میں آگ کا دردناک عذاب ہے یا دنیا میں قتل ہے، اے عقلمندو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے یعنی بقاء عظیم ہے اس لئے کہ قاتل کو جب یہ علم ہوگا کہ وہ بھی قتل کیا جائے گا تو وہ (قتل) سے باز رہے گا، تو اس نے خود اپنی جان بچائی اور جس کے قتل کا ارادہ کیا تھا اس کی بھی، لہٰذا تمہارے لئے قانون قصاص مشروع کیا گیا ہے تاکہ تم قصاص کے خوف سے قتل سے بچو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: لَیْسَ الْبِرَّ لَیْسَ ماضی جامد فعل ناقص ہے اس کا مضارع مستعمل نہیں ہے اس لئے کہ لَیْسَ اگرچہ صیغہ ماضی کا ہے مگر اس کے معنی نفی للحال کے ہیں، لَیْسَ اصل میں لَیِسَ بروزن فَعِلَ تھا، اگر لَیْسَ کے لئے یاء ساکنہ لَیْتَ کے مانند لازم نہ ہوتی تو لَیْسَ میں یاء ساکن ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے یاء الف سے بدل جاتی تو لاسَ ہوجاتا۔

قَوْلُهُ: البرَّ بالنصب، البرَّ لَیْسَ کی خبر مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اَنْ تُوَلُّوْا بتاویل مصدر ہوکر لَیْسَ کا اسم مؤخر ہے، اور بعض قراء نے البرُّ کو اسم لیس قرار دے کر مرفوع بھی پڑھا ہے۔

قَوْلُهُ: اَنْ تُوَلُّوْا تم رخ کرو تَوْلِیَةً سے مضارع جمع مذکر حاضر، نونِ اعرابی عامل ناصب اَنْ کی وجہ سے گر گیا، یہ اضداد میں سے ہے اس کے معنی رخ کرنے اور منہ پھیرنے، دونوں کے آتے ہیں۔

فَائِدَة: لَیْسَ البرَّ پر سورۂ بقرہ نصف ہوگئی، نصف اول اصول دین اور بنی اسرائیل کے بیان پر مشتمل ہے اور نصف ثانی کا غالب حصہ احکام فرعیہ تفصیلیہ سے متعلق ہے۔

قَوْلُهُ: فی الصلوٰة، فی الصلوٰة کے ساتھ مقید کرنے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ خارج صلوٰة کدھر بھی رخ کرنا کسی کے یہاں مطلوب و محمود نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: ردًّا علی الیهود والنصاریٰ.

تَنْبِیْه: یہ تردید نصاریٰ کے بارے میں تو درست ہے اس لئے کہ وہ عبادت میں مشرق کی جانب رخ کرتے ہیں مگر یہود کے بارے میں درست نہیں ہے اس لئے کہ یہود عبادت میں بیت المقدس کی جانب رخ کرتے ہیں، نہ کہ مغرب کی طرف، اور بیت المقدس مدینہ سے جانب شمال میں ہے نہ کہ جانب مغرب میں (فیہ ما فیہ) لہٰذا اگر یہود و نصاریٰ کی تخصیص نہ کرتے ہوئے مطلق

جہت مراد لی جائے بایں طور کہ عبادت میں کوئی جہت مقصود و مطلوب نہیں ہے، اصل مطلوب امتثالِ امر ہے، متعدد بار تحویل قبلہ کر کے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: ذَا البِرِّ وقُرِیٰ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ میں مصدر کا حمل ذات پر ہو رہا ہے جو درست نہیں ہے اس لئے کہ اس کا ترجمہ ہے ''نیکی وہ ہے جو اللہ پر ایمان لایا'' حالانکہ یہ درست نہیں ہے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

پہلا جواب: یہ کہ مصدر کے ماقبل ذو محذوف مانا جائے ای ذَا البِـــــرِّ اس طرح مصدر اسم فاعل بن جائے گا اور ترجمہ یہ ہو جائے گا، نیکی والا (یعنی) نیک وہ ہے جو اللہ پر ایمان لایا۔

دوسرا جواب: یہ دیا ہے کہ بِرٌّ مصدر بَـارٌّ اسم فاعل کے معنی میں ہے اس صورت میں حمل مصدر علی الذات کا اعتراض ختم ہو جائے گا، بعض حضرات نے ایک تیسرا جواب دیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے مصدر جانب خبر میں محذوف مانا جائے، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی: لکِنَّ البِرَّ بِرٌّ مَن اٰمَنَ اس صورت میں بھی کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

قَوْلُہٗ: وَآتَی الْمَالَ عَلٰی مع حُبِّہٖ لَہٗ، علٰی بمعنی مع ہے، اس لئے کہ یہاں استعلاء کے معنی درست نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: حُبِّہٖ لہٗ، لہٗ کی ضمیر میں تین احتمال ہیں: ① مال کی طرف راجع ہو یعنی مال کی حاجت و ضرورت کے باوجود اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرتے ہیں، ② اللہ کی طرف راجع ہو یعنی اللہ کی محبت کی وجہ سے راہِ خدا میں مال صرف کرتے ہیں، ③ آتی سے جو اِتیان مفہوم ہے اس کی طرف راجع ہو یعنی راہِ خدا میں دینے کو محبوب سمجھتے ہوئے حاجت مندوں کو دیتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: عَلٰی حُبِّہٖ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ذوالحال آتیٰ کی ضمیر ہے (ای آتی المال حال محبتہٖ لہٗ).

قَوْلُہٗ: القربیٰ مصدر ہے، نہ تو قریبٌ کی جمع ہے اور نہ اَقْرَبُ کی مؤنث ہے، اور قرینہ اس کا ذوی کی اضافت ہے اگر قربیٰ قریب کی جمع یا اقربُ کی مؤنث ہو تو ذوی کی اضافت درست نہ ہوگی۔

قَوْلُہٗ: والموفون بعھدھم اس کا عطف مَن آمَنَ پر ہے۔

قَوْلُہٗ: نَصبٌ علی المدح اس عبارت کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: والصّابِرُونَ رفع کے ساتھ ہونا چاہئے، اس لئے کہ یہ الموفون پر عطف ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ الموفون پر عطف کا تقاضہ اگرچہ یہ ہے کہ الصّابرونَ رفع کے ساتھ ہو لیکن نصب دیا گیا تاکہ مقصد بدرجۂ اتم مکمل ہو، لہٰذا اَمدَحُ مقدر کی وجہ سے الـصـابـریـنَ منصوب ہے، اختصار کو چھوڑ کر اطناب کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مقام، مقام مدح ہے اور جب مقام مدح میں صفات کثیرہ ذکر کی جاتی ہیں تو احسن طریقہ یہ ہے کہ ان کا اعراب مختلف ہو اس لئے کہ اعراب کا اختلاف انواعِ متعددہ پر دلالت کرتا ہے اور اتحاد فی الاعراب نوعِ واحد پر دلالت کرتا ہے لہٰذا جب اعراب میں اختلاف ہوگا تو مقصد حمد و مدح بطریق اکمل پورا ہوگا، گویا کہ والـصـابرون صفت

مقطوع عن الموصوف ہے اور موصوف المـوفـون ہے، اور صفت کا قطع موصوف سے جائز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَامْرَأَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ میں ہے۔

قِوْلَہٗ: اُولٰٓئِكَ مبتداء الَّذِينَ صدقوا جملہ ہوکر مبتداء کی خبر اول، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ جملہ ہوکر خبر ثانی، یہ جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے۔

قِوْلَہٗ: اَلْقَتْلٰی قتیل کی جمع ہے بمعنی مقتول۔

قِوْلَہٗ: وَصْفًا و فعلًا مماثلت فی الوصف کا مطلب یہ ہے کہ حر وعبد کا تفاوت نہ ہو، اور مماثلت فی الفعل کا مطلب یہ ہے کہ جس طریقہ اور جس آلہ سے مقتول کو قتل کیا گیا ہے قاتل کو بھی اسی طرح قصاصاً قتل کیا جائے، اگر جلا کر قتل کیا ہے تو قاتل کو بھی جلا کر قتل کیا جائے، اور غرق کر کے قتل کیا ہے تو قاتل بھی غرق کر کے قتل کیا جائے، علیٰ ھٰذا القیاس۔

قِوْلَہٗ: المماثلة اس لفظ سے اس شبہ کو دور کر دیا کہ قصاص کا صلہ فی نہیں آتا، مگر یہاں صلہ فی استعمال ہوا ہے۔

جَوَابِ: قصاص، مماثلت کے معنی کو متضمن ہے اس لئے فی صلہ لانا درست ہے۔

قِوْلَہٗ: تنكير شيءٍ يُفيدُ سقوطَ القصاص الخ یعنی شیٔ میں فاعل کے معنی ہونے کی وجہ سے اصل تعریف ہے مگر نکرہ لا کر اشارہ کر دیا کہ اگر کسی وارث نے معاف کر دیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔

قِوْلَہٗ: فی ذکر اخيهِ الخ لفظ اخ سے اشارہ کر دیا کہ قاتل نے اگر چہ قتل کر کے بڑا ظلم کیا ہے اور مقتول کے ورثاء کو بہت تکلیف پہنچائی ہے مگر ہے تو پھر بھی تمہارا بھائی لہٰذا اس پر رحم کرو۔

قِوْلَہٗ: وايذان بان القتل لا يقطعُ اخوةَ الايمان اس سے معتزلہ پر رد مقصود ہے، قتل ناحق چونکہ گناہ کبیرہ ہے جو انسان کو معتزلہ کے نزدیک اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اور کافر اور مسلمان میں کوئی اخوۃ نہیں ہوتی، مگر مِنْ دمِ اخيهِ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ قتل ناحق اگر چہ گناہ کبیرہ ہے مگر اسلام سے خارج نہیں کرتا ورنہ تو اس کو اخ نہ کہا جاتا۔

قِوْلَہٗ: وَمَنْ مبتداء ہے خواہ شرطیہ ہو یا موصولہ اور فَاتِّبَاعٌ بالمعروفِ اس کی خبر ہے، جواب شرط ہونے کی وجہ سے فا داخل ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء نے قاتل سے قصاص معاف کر دیا اور دیت پر رضامند ہو گئے تو قاتل کو یہ ہدایت ہے کہ دیت بحسن وخوبی ادا کر دے بلاوجہ ٹال مٹول نہ کرے، ادھر معاف کرنے والے ورثاء کو یہ ہدایت ہے کہ دیت وصول کرنے کے لئے قاتل کے پیچھے نہ پڑ جائیں بلکہ نرمی اور سہولت سے تقاضا کریں یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے قصاص معاف کر دیا ہے تو قاتل پر بڑا احسان کر دیا، اس لئے کہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

قِوْلَہٗ: فَعَلَى العَافي مفسر علام نے مذکورہ عبارت محذوف مان کر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

اعتراض: مَن شرطیہ ہو یا موصولہ، جوابِ شرط کا پہلی صورت میں اور صلہ کا دوسری صورت میں جملہ ہونا ضروری ہے اس لئے کہ صلہ حکم میں جزاء کے ہوتا ہے۔

جَوَابٌ: کا حاصل یہ ہے کہ فاتباع بھی جملہ ہے اس لئے کہ اتباع مبتداء ہے اور اس کی خبر **عَلَى العَافِي** خبر مقدم ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: **فَعَلَى العَافِي اِتباع بالمعروف**.

قَوْلَهُ: **وترتيب الاتباع على العفو** الخ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ دیت قصاص کا بدل یا تابع نہیں ہے بلکہ مستقل واجب ہے کہ قرآن کریم میں اتباع یعنی مطالبہ دیت کو عفو قصاص پر مرتب کیا ہے یعنی اول درجہ قصاص کا ہے اگر قصاص کسی وجہ سے ساقط ہو جائے تو دیت خود بخود واجب ہو جائے گی، اس سے معلوم ہوا کہ دیت قصاص کا بدل نہیں ہے کہ اگر قصاص معاف ہو جائے تو دیت بھی خود بخود معاف ہو جائے، بلکہ ان دونوں میں سے ایک واجب ہے اور مقدم قصاص ہے، امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا یہ قول اول ہے، اگر فقط قصاص واجب ہوتا اور دیت اس کا بدل ہوتا جیسا کہ امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا قول ثانی ہے، تو بلا عوض یا مطلقاً قصاص معاف کرنے سے دیت بلا ذکر واجب نہ ہوتی حالانکہ دیت بلا ذکر واجب ہوتی ہے۔

قَوْلَهُ: **والثانى الواجب القصاص والدية بدل عنه** یہ امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے قول ثانی کا بیان ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ واجب قصاص ہے اور دیت اس کا بدل ہے اگر مقتول کے ورثاء نے قصاص معاف کر دیا اور دیت کا کوئی ذکر نہ کیا تو دیت بھی خود بخود معاف ہو جائے گی اور یہی قول راجح ہے اس لئے کہ تعیین کے ساتھ قصاص کے وجوب پر نصوص موجود ہیں۔

قَوْلَهُ: **وعلى القاتل** اس عبارت کو محذوف ماننے کا مقصد سابق اعتراض کا دفعیہ ہے **وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ باحسان** کا عطف چونکہ **فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ** پر ہے لہٰذا جو اعتراض وہاں ہوتا ہے وہی یہاں ہوتا ہے، اعتراض و جواب کی تقریر سابق میں گذر چکی ہے، ملاحظہ کر لی جائے۔

قَوْلَهُ: **الحكم المذكور** اس عبارت کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: **ذلك** اسم اشارہ واحد ہے حالانکہ اس کے مشار الیہ تین ہیں: (۱) جواز قصاص (۲) العفو عنہ (۳) دیت۔

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ **ذلك** کا مرجع **الحكم المذكور** ہے، جس میں یہ تینوں احکام آ جاتے ہیں۔

قَوْلَهُ: **عذابٌ اليمٌ مؤلَم**، **مؤلِمٌ** میں لام کا فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں فتحہ میں مبالغہ زیادہ ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ مشرق و مغرب کا ذکر تو محض تمثیل کے طور پر کیا گیا ہے ورنہ اصل مقصد سمت پرستی کی تردید ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین کرانا ہے کہ مذہب کی چند ظاہری رسموں کو ادا کر دینا اور صرف ضابطہ کی خانہ پری کر دینا ہی سب کچھ نہیں ہے، بلکہ اصل نیکی وہ ہے جس کو **لٰكِنَّ البِرَّ مَنْ آمَنَ** سے بیان فرمایا ہے، بعض مفسرین کو مشرق و مغرب کے لفظ سے دھوکا ہوا ہے جیسا کہ خود صاحب جلالین علامہ سیوطی کو مغالطہ ہوا ہے کہ مشرق سے مراد نصاریٰ کا قبلہ اور مغرب سے مراد یہود کا قبلہ لیا ہے، اس لئے کہ مغرب کی سمت یہود کا قبلہ نہیں ہے ان کا قبلہ بیت المقدس ہے جو

مدینہ سے شمال کی جانب ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ظہورِ اسلام سے پہلے بے شمار گمراہیوں میں سے ایک گمراہی سمت پرستی بھی تھی یعنی بے جان دیوتاؤں، مورتیوں، پتھروں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں کے علاوہ خود سمتوں کی بھی پرستش ہوتی تھی، اور مختلف جاہل قوموں نے یہ اعتقاد جمالیا تھا کہ فلاں سمت مثلاً مشرق کی سمت بھی مقدس ہے یا مثلاً مغرب کی سمت قابل پرستش ہے قرآن کریم یہاں شرک کی اسی مخصوص قسم کی تردید کر رہا ہے، فرماتا ہے کہ کوئی سمت وجہت، سمت وجہت ہونے کے اعتبار سے ہرگز قابل تقدیس نہیں اور نہ طاعت وبر سے اس کا کوئی تعلق، بعض مفسرین کو اس آیت میں جو اشکال ہوا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے، انھوں نے جہت مشرق ومغرب سے مخصوص سمت سمجھ لی حالانکہ مطلقاً سمت پرستی کی تردید مقصود ہے۔

اسلام نے بھی کسی سمت کو بحیثیت سمت ہرگز متعین نہیں کیا، اسلام نے صرف ایک متعین مکان یعنی خانہ کعبہ کو ایک مرکزی حیثیت دی ہے خواہ کسی سمت میں پڑ جائے جیسا کہ مشاہدہ ہے، کعبہ مصر وطرابلس اور حبشہ سے مشرق میں پڑتا ہے اور ہندوستان پاکستان چین وافغانستان وغیرہ سے مغرب میں، شام وفلسطین ومدینہ سے جنوب میں اور یمن اور بحر قلزم کے جنوبی ساحلوں سے شمال میں، اگر یہ حقیقت پیش نظر رہے تو تمام اشکالات خود بخود رفع ہوجاتے ہیں، اور نہ کسی تاویل کی ضرورت باقی رہتی ہے۔

(ماجدی)

مشرق یعنی سورج دیوتا، دنیائے شرک کا معبودِ اعظم رہا ہے، سورج چونکہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اس لئے عموماً جاہلی قوموں نے سمت مشرق کو بھی مقدس سمجھ لیا اور عبادت کے لئے مشرق رخی کو متعین کرلیا۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ (الآية) مشرکانہ ذہنیت پر کاری ضرب لگانے کے بعد قرآن نے اصلاح عقیدہ کی طرف توجہ فرمائی جو کہ ایک اہم اور بنیادی ضرورت ہے، عقیدہ کی صحت کے بغیر نہ کوئی عمل معتبر ہے اور نہ عبادت مقبول، عقائد میں سب سے پہلی چیز ایمان باللہ ہے، اس کا ذکر مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ میں آگیا، ایمان کے بقیہ اجزاء کا ذکر وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ میں آگیا، اس کے بعد عبادات کا درجہ ہے جن کا ذکر وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ الخ میں کیا گیا، اس کے بعد تیسرا درجہ معاملات کا ہے جس کا ذکر وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ الخ سے فرمادیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ (الآية) قصاص کے لفظی معنی مماثلت کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جتنا ظلم کسی نے کسی پر کیا ہو اتنا ہی بدلہ لینا دوسرے کے لئے جائز ہے اس پر زیادتی جائز نہیں۔

شانِ نزول:

زمانہ جاہلیت میں کوئی نظم وقانون تو تھا نہیں اس لئے زور آور قبیلے کمزور قبیلوں پر جس طرح چاہتے ظلم کرتے، ظلم کی ایک شکل یہ تھی کہ کسی طاقتور قبیلے کا کوئی مرد قتل ہوجاتا تو وہ صرف قاتل کو قتل کرنے کے بجائے قاتل کے قبیلے کے کئی مردوں کو بلکہ بعض اوقات پورے قبیلے ہی کو ختم کرنے کی کوشش کرتا اور عورت کے بدلے مرد کو اور غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرتا۔

ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کی سند سے نقل کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے کچھ پہلے دو عرب قبیلوں میں جنگ ہوگئی طرفین کے بہت

سے آدمی آزاد و غلام اور مرد و عورت قتل ہوئے، ابھی ان کے معاملہ کا تصفیہ ہونے نہیں پایا تھا کہ زمانہ اسلام شروع ہو گیا اور یہ دونوں قبیلے اسلام میں داخل ہو گئے اسلام لانے کے بعد اپنے اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کی گفتگو شروع ہوئی تو ایک قبیلہ جو کہ زیادہ قوت و شوکت والا تھا، اس نے کہا ہم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک ہمارے غلام کے بدلے تمہارا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے مرد قتل نہ کیا جائے۔

ان کے اس جاہلانہ اور ظالمانہ مطالبہ کی تردید کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی: اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ (الآیۃ) جس کا حاصل ان کے اس مطالبہ کی تردید کرنا تھا، چنانچہ اس ظالمانہ مطالبہ کو رد کرتے ہوئے اسلام نے اپنا عادلانہ قانون یہ نافذ کیا کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے گا، اگر عورت قاتل ہے تو کسی بے گناہ مرد کو اس کے بدلہ میں قتل کرنا، اسی طرح قاتل اگر غلام ہے تو اس کے بدلے میں کسی بے گناہ آزاد کو قتل کرنا ظلم عظیم ہے جو اسلام میں قطعاً برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر عورت کو کوئی مرد قتل کردے یا غلام کو کوئی آزاد قتل کردے تو اس سے قصاص نہ لیا جائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ قصاص میں مساوات رہے گی اور خون سب کا برابر سمجھا جائے گا ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ اونچے شخص کی جان کو معمولی شخص کی جان سے زیادہ قیمتی سمجھا جائے جیسا کہ عرب جاہلیت کے دور اور یہود عرب کا دستور یہ تھا کہ اعلیٰ قبیلے کے مقتول کے عوض ادنیٰ قبیلے کے دو شخصوں سے قصاص لیا جاتا تھا، اور یہ حالت کچھ قدیم جاہلیت ہی میں نہ تھی موجودہ زمانہ میں جن قوموں کو انتہائی مہذب سمجھا جاتا ہے ان کے باقاعدہ سرکاری اعلانات تک میں بسا اوقات یہ بات بغیر کسی شرم کے دنیا کو سنائی جاتی ہے کہ ہمارا ایک آدمی مارا جائے گا تو ہم قاتل قوم کے پچاس آدمیوں کو قتل کریں گے، امریکہ تو آج تک بھی ایک گورے کا خون، کالے کے خون سے کہیں زیادہ قیمتی سمجھتا ہے۔

اسلام نے اسی ظالمانہ دستور کو مٹا کر اعلان کر دیا کہ زندگی ہر مومن کی اور امت کے ہر فرد کی یکساں قابل احترام ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: مقتول اگر کافر ذمی ہے تو اس کا بھی قصاص قاتل ہی سے لیا جائے گا اگر چہ قاتل مسلم ہو، البتہ کافر اگر حربی ہو تو چونکہ وہ کھلا ہوا باغی اور دشمن ہوتا ہے اس کے قتل میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔

مَسْئَلَۃٌ: قتل عمد میں آزاد کے عوض آزاد تو قتل کیا ہی جائے گا غلام کے عوض میں بھی قتل کیا جائے گا، اسی طرح عورت کے عوض عورت تو قتل کی ہی جائے گی لیکن مرد بھی قتل کیا جائے گا۔

مَسْئَلَۃٌ: اگر قتل عمد میں مقتول کے ورثاء نے قاتل کو پوری معافی دیدی، مثلاً مقتول کے وارث صرف دو بیٹے تھے اور ان دونوں نے اپنا حق معاف کر دیا تو قاتل پر کوئی مطالبہ نہیں رہا، اور اگر پوری معافی نہ ہو مثلاً صورت مذکورہ میں دو بیٹوں میں سے ایک نے معاف کر دیا مگر دوسرے نے معاف نہیں کیا تو قاتل سزائے قصاص سے تو بری ہو گیا لیکن معاف نہ کرنے والے کو نصف دیت دلائی جائے گی، دیت کی مقدار شریعت میں سو اونٹ یا ہزار دینار، یا دس ہزار درہم ہیں، اور درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے اس حساب سے پوری دیت دو ہزار نو سو سولہ تولے آٹھ ماشے چاندی ہوگی۔

مَسْئَلَۃٌ: جس طرح ناتمام معافی سے مال واجب ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کسی قدر مال پر مصالحت ہو جائے تب بھی قصاص

ساقط ہوکر مال واجب ہو جاتا ہے مگر کچھ شرطوں کے ساتھ جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ (معارف)

مَسْئَلَہ: مقتول کے جتنے شرعی وارث ہیں وہی قصاص ودیت کے مالک بقدر اپنے حصۂ میراث کے ہوں گے اور اگر قصاص کا فیصلہ ہوا تو قصاص کا حق بھی سب میں مشترک ہوگا مگر چونکہ قصاص نا قابل تقسیم ہے اس لئے اگر کوئی حصہ دار بھی اپنا حق قصاص معاف کردے گا تو دوسرے وارثوں کا حق قصاص بھی معاف ہو جائے گا، البتہ ان کو دیت (خون بہا) کی رقم سے حسب استحقاق وراثت حصہ ملے گا۔

مَسْئَلَہ: قصاص لینے کا حق اگرچہ اولیاء مقتول کا ہے مگر باجماع امت ان کو یہ حق خود وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے کہ خود ہی قاتل کو قتل کردیں، بلکہ اس حق کو حاصل کرنے کیلئے حکم سلطان مسلم یا اس کے کسی نائب کا ہونا ضروری ہے۔

فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ بھائی کا لفظ فرما کر نہایت لطیف طریقہ سے نرمی کی سفارش بھی کردی ہے، مطلب یہ ہے کہ تمہارے اور قاتل کے درمیان جانی دشمنی ہی سہی مگر ہے تو وہ تمہارا انسانی بھائی، لہٰذا اگر اپنے ایک خطا کار بھائی کے مقابلہ میں انتقام کے غصہ کو پی جاؤ تو یہ تمہاری انسانیت کے زیادہ شایان شان ہے اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اسلامی قانون تعزیرات میں قتل تک کا معاملہ قابل راضی نامہ ہے مقتول کے وارثوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ قاتل کو معاف کردیں، اور اس صورت میں عدالت کے لئے جائز نہیں کہ قاتل کی جان ہی لینے پر اصرار کرے، البتہ جیسا کہ بعد کی آیت میں ارشاد ہوا معافی کی صورت میں قاتل کو خون بہا ادا کرنا ہوگا۔

ایک طرف قصاص کی یہ سختی اور دوسری طرف دیت اور عفو کی نرمی یہ حسن امتزاج اور اعتدال وتوازن یہ اسی قانون کا حصہ ہوسکتا ہے جو بشری دماغ سے نہیں حکمت مطلق سے نکلا ہو۔

فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ مطلب یہ ہے کہ جب قصاص معاف ہوکر دیت پر بات طے ہوگئی تو اب دونوں فریقوں کو چاہئے کہ کسی طرح کی زیادتی نہ کریں، مثلاً یہ کہ مقتول کے وارث خون بہا وصول کر لینے کے بعد پھر انتقام کی کوشش کریں، یا قاتل خون بہا کی رقم ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے اور مقتول کے ورثاء نے جو اس کے ساتھ احسان کیا ہے اس کا بدلہ احسان فراموشی سے دے "فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ" کا یہی مطلب ہے۔

وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یہ ایک دوسری رسم جاہلیت کی تردید ہے جو پہلے بھی بہت سے دماغوں میں موجود تھی اور آج بھی بکثرت پائی جاتی ہے جس طرح اہل جاہلیت کا ایک گروہ انتقام کے معاملہ میں افراط کی طرف چلا گیا تھا اسی طرح دوسرا گروہ عفو کے معاملہ میں تفریط کی طرف گیا ہے اور اس نے سزائے موت کے خلاف اس قدر شور مچایا ہے کہ بہت سے لوگ اس کو ایک نفرت انگیز چیز سمجھنے لگے ہیں اور دنیا کے بہت سے ملکوں نے سزائے موت کو منسوخ بھی کردیا ہے، قرآن اسی پر اہل عقل وخرد کو مخاطب کرکے تنبیہ کرتا ہے کہ قصاص میں سوسائٹی معاشرہ کی زندگی ہے جو سوسائٹی انسانی جان کا احترام نہ کرنے والوں کی جان کو محترم ٹھہراتی ہے وہ دراصل اپنی آستین میں سانپ پالتی ہے، اور ایک قاتل کی جان بچا کر

بہت سے بے گناہ انسانوں کی جانیں خطرے میں ڈالتی ہے، قصاص عین عدل ومساوات کا قانون ہے اس قانون کو یکسر منسوخ کرادینے کی تبلیغ وتحریک سرتا سرنا معقول اور خلافِ حکمت ہے۔

كُتِبَ فُرِضَ **عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ** اى اسبابُهُ **إِنْ تَرَكَ خَيْرًا** مالاً **الْوَصِيَّةُ** مرفوعٌ بكُتِبَ ومتعلقٌ بإذا إن كانت ظرفيةً ودالٌّ على جوابها إن كانت شرطيةً وجوابُ إن محذوفٌ اى فَلْيُوصِ **لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ** بالعَدلِ بأن لا يزيدَ على الثُلُثِ ولا يُفَضِّلَ الغنيَّ **حَقًّا** مصدرٌ مؤكّدٌ لمضمونِ الجملة قبلَهُ **عَلَى الْمُتَّقِينَ** اللّهَ وهذا منسوخٌ بآيةِ الميراثِ وبحديثِ لا وصيّةَ لِوَارِثٍ رواهُ الترمذى **فَمَنْ بَدَّلَهُ** اى الايصاءَ مِن شاهدٍ ووصيٍّ **بَعْدَمَا سَمِعَهُ** عَلِمَهُ **فَإِنَّمَا إِثْمُهُ** اى الايصاءِ المُبَدَّلِ **عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ** فيه إقامةُ الظاهرِ مقامَ المُضمَرِ **إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ** لِقولِ المُوصِي **عَلِيمٌ** بفعلِ الوَصِيِّ فمُجازٍ عليه **فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ** مخفّفًا ومُثقّلاً **جَنَفًا** مَيلاً عن الحق خطأً **أَوْ إِثْمًا** بأن تعمّدَ ذلك بالزيادةِ على الثلث او تخصيصِ غنيٍّ مثلاً **فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ** بينَ المُوصِي والمُوصَى له بالأمرِ بالعَدلِ **فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ** في ذلك **إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ**

ترجمہ: تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے یعنی موت کی علامات ظاہر ہوں اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرے (الوصیۃ) کُتِبَ کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اِذَا سے متعلق ہے اگر اِذَا ظرفیہ ہے، اور دال علی الجزاء ہے اگر (اذا) شرطیہ ہے، اور اِن کا جواب محذوف ہے، اور وہ فَلْيُوصِ ہے، انصاف کے ساتھ اس طریقہ پر کہ ایک ثلث سے زیادہ کی وصیت نہ کرے، اور مالدار کو ترجیح نہ دے، یہ حق ہے خوف خدا رکھنے والوں پر (حقًّا) اپنے سابقہ جملہ کے مضمون کے لئے مصدر مؤکد ہے، اور یہ (وصیت کا حکم) آیت میراث اور لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ سے منسوخ ہے (رواہ الترمذی) لہٰذا جس شخص نے اس کو (یعنی) ایصاء کو بدل دیا علم ہونے کے بعد گواہ ہو یا خود وصی، تو وصیت کی تبدیلی کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جو اس میں تبدیلی کریں گے اس میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والے کی بات (وصیت) کو سننے والا اور وصی کے فعل سے باخبر ہے تو وہ اس پر جزاء دینے والا ہے، سو اگر وصیت کرنے والے کی طرف سے حق سے نادانستہ یا دانستہ طور پر پھر جانے کا اندیشہ ہو (مُوْصٍ) مخفف اور مشدد دونوں ہیں، بایں طور کہ ثلث سے زیادہ کی (وصیت) کا ارادہ کرے یا مثلاً مالدار کی تخصیص کرے، تو انصاف کا حکم دے کر ان کے یعنی موصی اور موصی لہ کے درمیان (کوئی شخص) صلح کرادے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: کُتِبَ ای فُرِضَ، کتابت کے اصل معنی لکھنے کے ہیں، مگر علیٰ کے قرینہ سے جو کہ التزام پر دلالت کرتا ہے فرض کے معنی لئے گئے ہیں جیسا کہ کُتِبَ علیکم القصاص میں کہا ہے۔

قولہ: ای اسبابُهٗ مفسر علام نے مضاف محذوف مان کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے:

سوال: آیت میں کہا گیا ہے کہ جب کسی شخص کی موت حاضر ہو جائے تو اس پر وصیت کرنا فرض ہے حالانکہ یہ ممکن نہیں ہے اس لئے کہ حضور موت کے وقت انسان مر جاتا ہے۔

جواب: موت سے علامات موت مراد ہیں، یا مجازاً قرب کو حضور سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

قولہ: اَحَدَکُمْ اس سے فرض عین کی طرف اشارہ ہے یعنی قانون میراث نازل ہونے سے پہلے وصیت کرنی فرض تھی۔

قولہ: مرفوعٌ بکُتِبَ یہ ان لوگوں کے قول کے رد کی جانب اشارہ ہے جنہوں نے کہا ہے کہ الوَصِیَّةُ مبتداء ہے اور للوالدین اس کی خبر ہے، اس قول کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ اگر الوَصِیَّةُ، کُتِبَ کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو تو کُتِبَ کو کُتِبَتْ مؤنث ہونا چاہئے۔

جواب: فعل اور فاعل کے درمیان اگر فاصلہ واقع ہو تو فعل اور فاعل میں مطابقت ضروری نہیں رہتی۔

قولہ: اِنْ تَرَكَ، اِنْ حرفِ شرط کے جواب کے بارے میں اختلاف ہے، کہ کیا ہے؟ اخفش نے اس کی دو صورتیں بیان کی ہیں، جواب شرط الوَصِیَّةُ ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنْ تَرَكَ خیرًا فَالوَصیةُ واجبَةٌ مگر اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ جزاء جب جملہ اسمیہ ہوتی ہے تو اس پر فاء لانا ضروری ہوتا ہے حالانکہ یہاں فاء نہیں ہے اور حذف بلاضرورت جائز نہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ شرط سے پہلے جواب شرط محذوف مانا جائے، تقدیر عبارت یہ ہوگی ای کُتِبَ الوَصِیَّةُ للوَالِدَینِ والاَقربینَ اِنْ تَرَكَ خیرًا لہٰذا بہتر یہی ہے کہ الوصیة کو کُتِبَ کا نائب فاعل مانا جائے، اور دونوں شرطوں کے لئے جزاء محذوف مان لی جائے جیسا کہ مفسر علام نے کہا ہے، اور عدم مطابقت کا بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ الوَصِیَّةُ بمعنی ایصاءٌ ہے اور بعض دیگر حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ جب فاعل مؤنث مجازی ہو تو فعل کو مذکر اور مؤنث دونوں لانا جائز ہے، اگر اِذا ظرفیت محض کے لئے ہو تو الوَصِیَّةُ کا ظرف ہوگا، اور اگر متضمن بمعنی شرط ہو تو دال علیٰ جواب الشرط ہوگا، اور دونوں شرطوں کا جواب محذوف ہوگا۔ (کما صرَّحَ المفسر علیه الرحمة).

قولہ: ومتعلق باِذَا اس اضافہ سے ان حضرات کے قول کی تضعیف مقصود ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اِذَا، کُتِبَ سے

متعلق ہے نہ کہ الوصیّۃُ سے ان قائلین حضرات کی دلیل یہ ہے کہ الوصیّۃُ اسم ہونے کی وجہ سے عامل ضعیف ہے، لہٰذا اپنے معمول مقدم میں عمل نہیں کرسکتا، وجہ ضعف یہ ہے کہ اِذَا ماضی کو مستقبل کے معنی میں کردیتا ہے، اور کُتِبَ فعل ماضی ہے جو کہ زمانہ گذشتہ پر دلالت کرتا ہے اور زمانہ مستقبل ماضی کا ظرف نہیں ہوسکتا، اور بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ الوَصیّۃُ اسم عامل ضعیف ہونے کی وجہ سے اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرسکتا، اس کا جواب یہ ہے کہ الوَصیّۃُ اسم مصدر ہے نہ کہ اسم جامد اور تحقیق یہ ہے کہ اسم مصدر ظرف مقدم میں عمل کرسکتا ہے اس لئے کہ ظرف میں عمل کرنے کے لئے فعل کی بو کافی ہے اور اسم مصدر میں فعل کی بو ہوتی ہے۔

قِوْلَہٗ: وَدَالٌ علیٰ جوابِھَا اِن کانت شرطیۃً.

سَوَال: مفسر علام نے دال علی الجزاء کہا ہے یہ کیوں نہیں کہا کہ الوصیۃ جزاء ہے؟

جَوَاب: یہ ہے کہ جزاء کے لئے جملہ ہونا شرط ہے اور الوَصیَّۃ جملہ نہیں ہے اس لئے خود اَلوَصیَّۃ جزاء نہیں بن سکتا۔

قِوْلَہٗ: وَجَواب اِن محذوف، محذوف، جواب کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ الوَصیَّۃُ، اِذَا کے جوابِ محذوف پر دال ہے اگر اِذَا، شرطیہ ہو اور اِنْ کے جواب محذوف پر بھی دال ہے، اور وہ فلیُوْصِ ہے۔

قِوْلَہٗ: حقًّا مصدرٌ مؤکِّدٌ لمضمون الجملۃ قبلہٗ، حقًّا سابق جملہ کے مضمون کی تاکید ہے، سابق جملہ سے مراد کُتِبَ عَلَیْکُمْ ہے، اور کُتِبَ علیکم کا مضمون ہے حُقَّ علیکم لہٰذا حقًّا اس کی تاکید ہے اور تقدیر عبارت ہے حُقَّ علیکم حقًّا جس طرح مفعول بغیر لفظہ سابق مضمون جملہ کی تاکید کرتا ہے اسی طرح حقًّا بھی مضمون جملہ کی تاکید کر رہا ہے، اور سابق جملہ میں حقَّ علیکم کے علاوہ کا احتمال نہیں ہے۔

قِوْلَہٗ: بآیۃ المیراثِ آیت میراث سے مراد اللہ تعالیٰ کا قول یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ہے، یعنی آیت وصیت کا حکم منسوخ ہے تلاوت باقی ہے۔

قِوْلَہٗ: ای الایصاء اس عبارت کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے:

اعتراض: بَدَّلَہٗ کی ضمیر الوَصِیَّۃ کی طرف راجع ہے جو کہ مؤنث ہے، لہٰذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَاب: الوصیَّۃ سے جو ایصاء مفہوم ہے اس کی طرف ضمیر راجع ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قِوْلَہٗ: اِقامَۃَ الظّاھِرِ مقام المضمر یعنی فَاِنَّمَا اِثْمُہٗ علَیْھِم کہنا کافی تھا، مگر ضمیر کے بجائے اسم لانے میں علتِ اثم کی جانب اشارہ ہے یعنی گنہگار ہونے کی وجہ شاہد یا وصی کا وصیت میں تبدیلی کرنا ہے۔

قِوْلَہٗ: مَیلًا عن الحق خطأً، جَنَفٌ لغت میں مطلقاً جھکنے اور مائل ہونے کو کہتے ہیں، یہاں حق سے بلا ارادہ پھر جانا مراد ہے اس لئے کہ اس کے بالمقابل بالاِثم آیا ہے، اثم کہتے ہیں بالقصد و بالارادہ حق سے پھر جانے کو۔

تفسیر وتشریح

قَوْلُہٗ: اَلْوَصِیَّۃُ وصیت لغت میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم دیا جائے خواہ زندگی میں یا مرنے کے بعد، لیکن عرف میں اس کام کو کہا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد جس کے کرنے کا حکم ہو، خیر کے بہت سے معانی آتے ہیں ان میں سے ایک معنی مال کے بھی ہیں یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

ابتداء اسلام میں جب تک میراث کے حصے شریعت کی جانب سے مقرر نہیں ہوئے تھے یہ حکم تھا کہ ترکہ کے ایک ثلث میں مرنے والا اپنے والدین اور دیگر رشتہ داروں کے لئے جتنا جتنا مناسب سمجھے وصیت کردے باقی جو کچھ رہ جاتا وہ سب اولاد کا حق تھا اس آیت میں یہی حکم مذکور ہے۔ (معارف)

وصیت کا مذکورہ حکم آیت مواریث کے نزول سے پہلے دیا گیا تھا، اب یہ منسوخ ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے اِنَّ اللّٰہَ قد اعطی کلَّ ذِی حقٍّ حقَّہٗ فلَا وصِیَّۃَ لِوارثٍ (ابن کثیر، اخرجہ السنن) اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیدیا، لہٰذا اب کسی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں، البتہ ایسے رشتہ داروں کے لئے وصیت کی جاسکتی ہے جو وارث نہ ہوں، یا راہ خیر میں خرچ کرنے کی کی جاسکتی ہے مگر اس کی زیادہ سے زیادہ حد ایک تہائی ہے۔

غیر وارث رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا لازم اور فرض نہیں ہے صرف مستحب یا مباح ہے لہٰذا فرضیت ان کے حق میں بھی منسوخ ہے، فرضیت کی ناسخ وہ حدیث متواتر ہے جس کا اعلان آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے مجمع کے سامنے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ اعطی لکل ذی حق حقَّہٗ فلَا وصیَّۃَ لِوارثٍ، اخرجہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔

اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کا حق خود دیدیا اس لئے اب کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی ایک روایت میں اِلَّا أن تجیزہ الورثۃُ کے الفاظ بھی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ورثاء اجازت دیں تو وصیت جائز ہے۔

مَسْئَلَۃ: اگر کسی شخص کے ذمہ دوسرے لوگوں کے حقوق واجبہ ہوں یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو اس پر ان تمام چیزوں کی ادائیگی کے لئے وصیت واجب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ فُرِضَ **عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ** مِنَ الْاُمَمِ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** المعاصی فَاِنَّہٗ یکسرُ الشَّھوۃَ التی ھی مبدؤُھا **اَيَّامًا** نُصِبَ بالصیام او یصُومُوا مُقدَّرًا **مَّعْدُوْدٰتٍ** ای قلائل ای مُوقَّتاتٍ بعدۃٍ معلومۃٍ وھی رمضانُ کما سیاتی وقلّلہٗ تسھیلاً علی المُکلَّفین **فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ**

حِينَ شُهُودِهِ **مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ** اى مُسافِرًا سفرَ القصرِ واَجهدَهُ الصَّومُ فِى الحالَين فَافطَرَ **فَعِدَّةٌ** فعليهِ عددُ ما افطرَ **مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ** يصُومُها بدلَهُ **وَعَلَى الَّذِيْنَ** لا **يُطِيْقُوْنَهٗ** لِكبرٍ او مرضٍ لا يُرجى بُرؤه **فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ** اى قدرُ ما يَاكُلُهُ فِى يومٍ وہو مُدٌّ مِن غالِبِ قُوتِ البَلدِ لِكُلِّ يومٍ وفى قراءةٍ باضافةِ فديةٍ وہِىَ لِلبيان وقيلَ لا غَيرُ مقدَّرة وكانُوا مُخَيَّرِينَ فى صَدرِ الاسلامِ بينَ الصَّومِ والفِديةِ ثم نُسِخَ بِتَعْيِينِ الصَّومِ بِقوله فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهرَ فَلْيَصُمْهُ قال ابنُ عباسٍ اِلَّا الحامِلَ والمُرضِعَ اِذا اَفطَرَتَا خوفًا على الولدِ فانَّها باقيةٌ بلا نسخٍ فِى حقهما **فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا** بالزيادةِ على القَدرِ المذكورِ فِى الفديةِ **فَهُوَ** اى التَّطوُّعُ **خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا** مبتدأٌ خبرُهُ **خَيْرٌ لَّكُمْ** مِن الافطارِ والفديةِ **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۸۴﴾ انَّهُ خيرٌ لكم فافعلُوه تلك الايام **شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ** مِن اللَّوحِ المحفوظِ الى السماءِ الدنيا فى لَيلةِ القدرِ **هُدًى** حالٌ بادِيًا مِن الضلالةِ **لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ** اياتٍ واضِحاتٍ **مِّنَ الْهُدٰى** مِمَّا يَہدِى الى الحقِّ مِنَ الاحكامِ **وَ** مِن **الْفُرْقَانِ** مِمَّا يُفرِّقُ بينَ الحقِّ والباطلِ **فَمَنْ شَهِدَ** حضَرَ **مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ** تقدَّمَ مِثلُهُ وكرَّرَهُ لِئلا يُتوہَّمَ نَسخُهُ بِتعميمِ مَن شَہِدَ **يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ** ولِذا اباحَ لكم الفطرَ فِى المَرضِ والسَّفرِ ولِكَون ذلك فى معنى العِلَّةِ ايضًا لِلامرِ بالصَّومِ عُطِفَ عليهِ **وَلِتُكْمِلُوا** بالتخفيفِ والتشديدِ **الْعِدَّةَ** اى عِدَّةَ صومِ رمضانَ **وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ** عِندَ اِكمالِها **عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ** ارشدَكُم لِمعالِمِ دِينِه **وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ﴿۱۸۵﴾ اللّٰهَ على ذلك وسَألَ جماعةُ النبىِّ صلى الله عليه وسلم اَقريبٌ رَبُّنا فَنُناجِيهِ ام بعيدٌ فَنُنادِيهِ فنزلَ **وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ** مِنہم بِعِلمِى فاخبِرہم بذلك **اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ** بِانالَتِه ما سَأل **فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ** دُعائِى بالطاعةِ **وَلْيُؤْمِنُوْا** يُدِيمُوا على الايمانِ **بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ** ﴿۱۸۶﴾ يَہتدُونَ.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم معاصی سے بچو بلاشبہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے جو کہ معصیت کا سرچشمہ ہے (اَیَّامًا) صِیَامًا کی وجہ سے یا یَصُوْمُوْا مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، جو معدودے چند روزے ہیں جن کی تعداد معلوم ہے اور وہ رمضان کے روزے ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا، ماہِ رمضان کے روزوں کو مکلفین پر سہولت کے لئے قلیل قرار دیا ہے، پس تم میں سے جو ماہ رمضان کی آمد کے وقت مریض یا مسافر ہو یعنی سفر قصر کی مسافت کا مسافر ہو اور دونوں صورتوں میں اس کو روزے سے مشقت ہو تو وہ افطار کر سکتا ہے، اس پر چھوڑے ہوئے روزوں کی تعداد کے مساوی دوسرے دنوں میں تعداد کو پورا کرنا لازم ہے، کہ ان کے بدلے روزے رکھے، اور جو لوگ کبر سنی کی وجہ سے یا ایسے مرض کی وجہ سے جس سے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو روزہ نہ رکھ سکیں تو ان پر فدیہ

واجب ہے (اور) وہ ایک مسکین کی خوراک ہے یعنی اتنی مقدار کہ جو ایک روز کی خوراک ہو اور وہ بقدر ایک مُد ہے، روزمرہ شہر کی عام خوراک سے، اور ایک قراءت میں فدیہ کی اضافت کے ساتھ ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے اور کہا گیا ہے کہ لاَ مقدر نہیں ہے، اور ابتداء اسلام میں روزہ اور فدیہ میں اختیار تھا، پھر اللہ کے قول فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کے ذریعہ اختیار منسوخ کر دیا گیا، ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا نے فرمایا، حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) کا اختیار منسوخ نہیں ہوا، جب کہ اپنے بچے کے بارے میں (نقصان) کا اندیشہ ہو جس کی وجہ سے فدیہ ان دونوں کے حق میں بلا نسخ باقی ہے، پھر جو شخص فدیہ کی مقدار مذکور میں بخوشی اضافہ کرے تو یہ بخوشی اضافہ اس کے لئے بہتر ہے، اور تمہارا روزہ رکھنا افطار اور فدیہ سے تمہارے لئے بہتر ہے أَنْ تَصُوْمُوا مبتداء اور خيرٌ لكم اس کی خبر ہے، اگر تم سمجھو، کہ روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے تو تم ان دِنوں کے روزے رکھو ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف لیلۃ القدر میں قرآن نازل کیا گیا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے لئے گمراہی سے ہدایت کرنے والا ہے اور ہدایت کی واضح نشانیاں ہیں جو حق یعنی احکام کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتا ہے لہٰذا تم میں سے جو شخص بھی ماہِ رمضان کو پائے تو اس کو روزہ رکھنا چاہئے اور جو شخص مریض یا مسافر ہو تو وہ دوسرے دِنوں میں تعداد پوری کرے اس جیسا حکم سابق میں بھی گذر چکا ہے اور اس حکم کو مکرر لایا گیا ہے تاکہ فَمَنْ شَهِدَ کے عموم سے (حکم قضا کے) منسوخ ہونے کا وہم نہ ہو، اللہ تمہارے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے سختی کا نہیں اسی لئے تمہارے لئے حالت مرض و سفر میں افطار کو مباح قرار دیا، اور يُرِيدُ اللّٰهُ الخ کے بھی امر بالصوم (یعنی فَلْيَصُمْهُ) کی علت کے معنی میں ہونے کی وجہ سے وَلِتُكْمِلُوا الخ کا يُرِيدُ اللّٰهُ الخ پر عطف کیا گیا ہے، (وَلِتُكْمِلُوا) تخفیف و تشدید کے ساتھ، اور تاکہ تم رمضان کے روزوں کے عدد کو پورا کرو اور روزوں کو پورا کرنے کے بعد اس بات پر کہ اس نے تم کو ہدایت دی (یعنی) اپنے دین کے احکام کی طرف رہنمائی فرمائی، اللہ کی بڑائی بیان کرو اور تاکہ تم اس ہدایت پر اللہ کا شکر ادا کرو اور کچھ لوگوں نے اللہ کے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ ہمارا پروردگار آیا قریب ہے کہ اس سے سرگوشی کریں یا بعید ہے کہ اس کو زور سے پکاریں، تو آیت نازل ہوئی، اور جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں (تو واقعہ یہ ہے) کہ میں ان سے باعتبار میرے علم کے بلاشبہ قریب ہوں آپ ان کو یہ بات بتا دو ہر دعا کرنے والے کی دعا اس کا مطلوب عطا کر کے قبول کرتا ہوں اس لئے لوگوں کو بھی چاہئے کہ اطاعت کر کے میری بات مان لیا کریں، اور مجھ پر ایمان رکھیں (یعنی) ایمان پر دائم و قائم رہیں تاکہ وہ راہِ راست پائیں۔

تَحقِيق وَتَركِيب وَتَسهِيل وَتَفسِيرِي فَوَائِد

قَوْلُهُ: الصِّيَام (ن) صَوْمًا وصِيَامًا لغت میں مطلقاً رکنا، اصطلاحِ شرع میں کھانے پینے اور جماع سے روزہ کی نیت کے ساتھ صبح صادق سے غروبِ شمس تک رکنا۔

قَوْلُہٗ: مِنَ الْاُمَمِ کا اضافہ اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ کے عموم کو ظاہر کرنے کے لئے اور ان لوگوں کی تردید ہے جو اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ سے نصاریٰ مراد لیتے ہیں، الصیام مصدر ہے بمعنی روزہ رکھنا۔

قَوْلُہٗ: المعاصی کے اضافہ سے اشارہ کردیا کہ تتقون سے لغوی معنی مراد ہیں اور المعاصی اس کا مفعول بہ ہے۔

قَوْلُہٗ: نُصِبَ بِالصِّیَامِ او بِصُوْمُوْا مُقَدَّرًا، کی تقدیر سے اَیَّامًا کے منصوب ہونے کی دو صورتوں کی طرف اشارہ ہے، ایک تو یہ ہے کہ اَیَّامًا، الصِّیام مذکور کی وجہ سے منصوب ہے، مگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ عامل اور معمول کے درمیان کَمَا کُتِبَ عَلَی الذین من قبلکم کا فصل بالاجنبی ہے، لہٰذا الصِّیام عامل نہیں ہوسکتا، جواب اس کا یہ ہے کہ رضی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کہا ہے کہ اگر معمول ظرف ہو تو فصل بالاجنبی کے باوجود عمل درست ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ صُوْمُوْا مقدر مان لیا جائے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں۔

قَوْلُہٗ: ای قلائل، معدُودَاتٍ کی تفسیر قلائل سے کرکے اشارہ کردیا کہ معدودات سے مراد قلیل مقدار ہے اس لئے کہ عرب قلیل کو جو کہ چالیس سے کم ہو ''معدود'' سے اور کثیر کو ''موزون'' سے تعبیر کرتے ہیں، قلیل مال کو کہتے ہیں یُعَدُّ عدًّا اور کثیر کو یُصَبُّ صَبًّا بولتے ہیں، ای یُوزَنُ وَزْنًا۔

قَوْلُہٗ: ای موقتاتٍ بعددٍ ای محدوداتٍ بعدد یہ قلائل کی تفسیر ہے معنی ہیں معدودے چند۔

قَوْلُہٗ: قَلَّلَہٗ تسہیلًا علی المکلفین ماہ رمضان کے روزے اگرچہ بنفسہٖ کثیر ہیں مگر نفسیاتی طور پر متاثر کرنے کے لئے تشجیع کے طور پر قلت سے تعبیر کردیا ہے تاکہ مکلفین کے لئے اداء صوم میں سہولت اور آسانی ہو۔

قَوْلُہٗ: حین شہودہٖ یعنی رمضان کی آمد کے وقت مریض ہو یا مسافر اس میں احتراز ہے اس صورت سے جب کہ حالت سفر یا حالت مرض میں روزہ شروع ہوجائے۔

قَوْلُہٗ: ای مسافرًا سفر القصر اس میں سفر شرعی کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: اَجْھَدَہُ الصومُ فی الحالین فَاَفْطَرَ ای فی حالۃ المرض والسفر دونوں صورتوں میں افطار کی اجازت کے لئے مشقت کی شرط امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے قول کے مطابق ہے احناف کے نزدیک سفر میں مشقت کی شرط نہیں ہے سفر اگر آرام دہ بھی ہو تب بھی افطار کی اجازت ہے، مرض میں افطار کے لئے جہد و مشقت کی شرط ہے، اس لئے کہ بعض امراض میں روزہ مفید ہوتا ہے نہ کہ مضر، بخلاف سفر کے کہ سفر ہی کو قائم مقام مشقت مان لیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: ھُدًی حال ہے بمعنی ھادِیًا، نہ کہ القرآن کی صفت اس لئے کہ ھدًی نکرہ اور القرآن معرفہ ہے۔

قَوْلُہٗ: وَکَرَّرَہٗ لِئَلَّا یُتَوَھَّمَ نسخہ بتعمیم مَن شہِدَ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: مذکورہ آیت کو مکرر لانے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: اللہ تعالیٰ کے قول فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہ رمضان کے روزے سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے، مریض ہو یا مسافر، مرضعہ ہو یا حامل، حالانکہ اول دو کے علاوہ سب مستثنیٰ ہیں خواہ مقیم ہو یا تندرست، اس لئے کہ فَمَنْ

شهد عموم پر دلالت کرتا ہے، اسی وہم کو دفع کرنے کے لئے اس آیت کو مکرر لایا گیا ہے۔

قَوْلَهُ: ولکون ذلك فی معنی العلة ایضا للامر بالصوم عُطِفَ علیه ولتکملوا اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے:

اعتراض: اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ الخ. فعدة من ایام اخر جملہ فعلیہ ہے اور اس پر ولتکملوا العدّة کا عطف ہے، اور یہ جملہ انشائیہ ہے اور جملہ انشائیہ کا جملہ خبریہ پر عطف درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ معطوف علیہ یعنی یُرِیدُ اللّٰه بکم الیسر الخ علت کے معنی میں ہے اور ولتکملوا بھی علت کے معنی میں ہے لہٰذا علت کا علت پر عطف درست ہے۔

قَوْلَهُ: وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ علی ما هدٰکم امر بالقضاء کی علت ثالثہ ہے۔

تفسیر و تشریح

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ، صِیام روزہ رکھنا، باب نصر کا مصدر ہے، صوم کے لغوی معنی مطلقاً رکنا، اور اصطلاح شرع میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے، پینے، جماع سے روزہ کی نیت کے ساتھ رکنا، روزہ کسی نہ کسی شکل وصورت میں دنیا کے تقریباً ہر مذہب وقوم میں پایا جاتا ہے قرآن چونکہ مشرکانہ مذاہب سے بحث نہیں کرتا اس لئے اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ سے اہل کتاب ہی مراد ہیں، کَمَا کُتِبَ یہ تشبیہ دوسری ملتوں کے ساتھ فرضیت صیام میں ہے نہ کہ تعداد اور شرائط وکیفیات صوم میں، فهُوَ تشبیه فی الفرضیةِ ولا تدخلُ فِیْهِ الکیفیةُ والکمیّةُ. (المنار)

روزہ کا جسمانی وروحانی فائدہ:

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ اس جملہ سے روزہ کی اصل غرض وغایت کی طرف اشارہ ہے، روزہ کا مقصد تقویٰ کی عادت ڈالنا اور امت کے افراد کو متقی بنانا ہے، تقویٰ نفس کی ایک مستقل کیفیت کا نام ہے، جس سے عالم آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کی صلاحیت واستعداد انسان میں پوری طرح پیدا ہو جاتی ہے روزہ سے جہاں بہت سی جسمانی بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے وہیں بہت سی روحانی بیماریوں کا بھی کارگر اور مجرب علاج ہے، جدید وقدیم سب طبیب اس پر متفق ہیں کہ روزہ جسمانی بیماریوں کے دور کرنے کا بہترین علاج ہے اس کے علاوہ اس سے سپاہیانہ ہمت اور ضبط نفس کی عادت پیدا ہوتی ہے، روزہ رکھنے سے بھوک خوب کھل کر لگتی ہے خون صالح پیدا ہوتا ہے۔

مریض کا روزہ:

فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا مریض سے مراد وہ مریض ہے جس کو روزہ رکھنے سے ناقابل برداشت تکلیف پہنچے، یا مرض میں اضافہ یا صحت میں تاخیر کا اندیشہ ہو، وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ کا یہی مطلب ہے۔

مسافر کا روزہ:

اَوْ عَلٰی سَفَرٍ یہ امر غور طلب ہے کہ مختصر لفظ مسافر کے بجائے علٰی سفر کا لفظ اختیار فرما کر کئی اہم مسائل کی طرف اشارہ فرما دیا، اول یہ کہ مطلقاً لغوی سفر یعنی گھر یا بستی سے باہر نکلنے کا نام سفر نہیں بلکہ سفر کچھ طویل ہونا چاہئے اس لئے کہ لفظ علٰی سفرٍ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ سفر پر سوار ہو جس سے یہ بات خود بخود معلوم ہوتی ہے کہ گھر سے دس پانچ میل چلے جانا مراد نہیں، مگر یہ تحدید کہ سفر کتنا طویل ہو قرآنی الفاظ میں مذکور نہیں، رسول اللہ ﷺ کے بیان اور صحابہ کرام کے تعامل سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور بہت سے فقہاء نے اس کی مقدار تین منزل یعنی وہ مسافت جس کو پیادہ سفر کرنے والا بآسانی تین روز میں طے کر سکے قرار دی ہے اور بعد کے فقہاء نے میل کے حساب سے اڑتالیس (۴۸) میل بتائے ہیں، جس کی مقدار کلو میٹر کے حساب سے ۷/۲۴۸۳۶ کلو میٹر یعنی سوا ستتر کلو میٹر ہوتی ہے، عَلٰی سَفَرٍ کے لفظ سے ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ وطن سے نکل جانے والا مسافر اسی وقت تک رخصت سفر کا مستحق ہے جب تک اس کے سفر کا سلسلہ جاری رہے، اور یہ ظاہر ہے کہ آرام یا کسی کام کے لئے ٹھہر جانا، مطلقاً اس کے سلسلۂ سفر کو ختم نہیں کر دیتا، جب تک کہ کوئی معتد بہ مقدار قیام نہ ہو اور اسی معتد بہ قیام کی مدت نبی ﷺ کے بیان سے ثابت ہوئی کہ پندرہ دن ہیں، جو شخص کسی ایک مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ عَلٰی سفرٍ نہیں کہلاتا، اسی لئے وہ رخصت سفر کا بھی مستحق نہیں رہتا۔

مَسْئَلَۃٌ: اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص پندرہ دن کے قیام کی نیت ایک جگہ نہیں بلکہ متفرق مقامات پر ٹھہرنے کی کرے تو وہ بدستور مسافر کے حکم میں رہ کر رخصت کا مستحق رہے گا، کیونکہ وہ علٰی سفرٍ کی حالت میں ہے۔

روزہ کی قضاء:

فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ یعنی مریض و مسافر کو اپنے فوت شدہ روزوں کی گنتی کے مطابق دوسرے دنوں میں روزے رکھنا واجب ہے فَعَلیہِ القضاء کے مختصر جملہ کے بجائے مِنْ اَیّامٍ اُخَر کا طویل جملہ اختیار کرکے یہ بتانا مقصود ہے کہ فوت شدہ روزوں کی قضاء صرف اس صورت میں واجب ہوگی جب کہ مریض صحت کے بعد اور مسافر مقیم ہونے کے بعد اُتنے دنوں کی مہلت پائے جن میں قضا کر سکے اگر کوئی شخص اتنے دن سے پہلے انتقال کر گیا تو اس پر قضا یا وصیت فدیہ لازم نہیں ہوگی۔

مَسْئَلَۃٌ: عِدَّۃٌ مِن اَیّامٍ اُخَر میں چونکہ کوئی قید نہیں ہے اس لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ مسلسل اور ترتیب سے رکھے یا غیر مسلسل اور غیر مرتب طریقہ پر رکھے، روزہ رکھنے والے کو اختیار ہے جس طرح چاہے رکھے۔

وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ اس کے بے تکلف معنی یہ ہیں کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت تو رکھتے ہیں مگر کسی وجہ سے دل نہیں چاہتا تو ان کے لئے بھی یہ گنجائش ہے کہ روزہ کے بجائے روزے کا فدیہ بصورت صدقہ ادا کریں وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھو۔

یہ حکم شروع اسلام میں تھا جب لوگوں کو روزہ رکھنے کی عادت نہیں تھی اور لوگوں کو روزہ کا خوگر بنانا مقصود تھا، اس کے بعد والی آیت یعنی فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ جب نازل ہوئی تو اس حکم کو عام لوگوں کے حق میں منسوخ کر دیا گیا، صرف ایسے لوگوں کے حق میں اب بھی باجماع امت باقی رہ گیا جو بہت بوڑھے ہوں (جصاص) یا ایسے بیمار ہوں کہ اب صحت کی امید ہی نہ رہی ہو، جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ (جصاص، مظہری)

صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد، نسائی، ترمذی وغیرہ میں تمام ائمہ حدیث نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ نازل ہوئی تو ہمیں اختیار دیدیا گیا تھا کہ جس کا جی چاہے روزے کا فدیہ دے پھر جب دوسری آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی تو یہ اختیار ختم ہو کر طاقت والوں پر روزہ ہی رکھنا لازم ہو گیا۔

مسند احمد میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ نماز کے معاملات میں بھی ابتداء اسلام میں تین تغیرات ہوئے اور روزہ کے معاملہ میں بھی تین تبدیلیاں ہوئیں، روزہ کی تین تبدیلیاں یہ ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ہر مہینہ میں تین روزے اور ایک روزہ یوم عاشورہ یعنی دسویں محرم کا رکھتے تھے، پھر رمضان کی فرضیت کے بارے میں كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ آیت نازل ہوئی، تو حکم یہ تھا کہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ روزہ رکھ لے یا فدیہ دیدے، اور روزہ رکھنا بہتر اور افضل ہے پھر اللہ تعالیٰ نے روزہ ہی کے بارے میں ایک دوسری آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ نازل فرمائی اس آیت نے تندرست قوی کے لئے یہ اختیار ختم کر کے صرف روزہ رکھنا لازم کر دیا، مگر بہت بوڑھے آدمی کے لئے یہ حکم باقی رہا کہ وہ چاہے تو روزہ کے عوض فدیہ ادا کر دے۔

تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ شروع میں افطار کے بعد کھانے پینے اور اپنی خواہش پوری کرنے کی اجازت صرف اس وقت تک تھی جب تک آدمی سوئے نہیں، جب سو گیا تو دوسرا روزہ شروع ہو گیا، کھانا پینا وغیرہ ممنوع ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے آیت اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ نازل فرما کر یہ آسانی فرما دی کہ اگلے دن کی صبح صادق تک کھانا پینا وغیرہ سب جائز فرما دیا۔ (ابن کثیر، معارف)

فدیہ کی مقدار:

ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع گندم یا اس کی قیمت ہے مروجہ وزن کے اعتبار سے نصف صاع ایک کلو، ۵۷۵ گرام، اور ۱۴۰ ملی گرام، یعنی نصف صاع ایک کلو پانچ سو پچھتر گرام اور ایک سو چالیس ملی گرام کے مساوی ہوتا ہے۔ (امداد الاوزان) اس کی بازاری قیمت معلوم کر کے کسی مستحق کو مالکانہ طور پر دیدینا ایک روزہ کا فدیہ ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: ایک روزہ کے فدیہ کو دو آدمیوں میں تقسیم کرنا یا چند روزوں کے فدیہ کو ایک ہی شخص کو ایک تاریخ میں دینا درست نہیں، جیسا کہ شامی نے بحوالہ بحر قنیہ سے نقل کیا ہے، امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ اس پر نقل کیا ہے کہ مذکورہ دونوں صورتیں جائز ہیں، شامی نے بھی فتویٰ اسی پر نقل کیا ہے، البتہ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ کئی روزوں کا

فدیہ ایک تاریخ میں ایک ہی شخص کو نہ دے، لیکن دینے کی گنجائش بھی ہے۔

مَسْئَلَۃ: اگر کسی کو فدیہ دینے کی بھی وسعت نہ ہو تو وہ استغفار کرے اور دل میں ادا کرنے کی نیت رکھے۔ (معارف)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ رمضان میں نزولِ قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ مکمل قرآن کسی ایک رمضان میں نازل کیا گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ رمضان کی شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر نازل کیا گیا، اور وہاں بیت العزۃ میں رکھ دیا گیا، وہاں سے حسب ضرورت ۲۳ سالوں میں اترتا رہا۔ (ابن کثیر)

قرآن کے رمضان میں نازل ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ قرآن کے نزول کی ابتداء ماہِ رمضان میں ہوئی اور سب سے پہلی قرآنی وحی سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں غارِ حراء میں اسی ماہِ رمضان میں یکم سن نبوی ۶۰۹ عیسوی میں نازل ہوئی۔

سفر کی حالت میں روزہ رکھنا یا نہ رکھنا آدمی کے اختیارِ تمیزی پر چھوڑ دیا گیا ہے نبی ﷺ کے ساتھ جو صحابہ سفر میں جایا کرتے تھے ان میں سے کوئی روزہ رکھتا تھا اور کوئی نہ رکھتا تھا، اور دونوں گروہوں میں سے کوئی دوسرے پر اعتراض نہ کرتا تھا، خود آنحضرت ﷺ نے بھی کبھی سفر میں روزہ رکھا ہے اور کبھی نہیں رکھا، ایک سفر کے موقع پر ایک شخص بدحال ہو کر گر گیا اور اس کے گرد لوگ جمع ہو گئے، نبی ﷺ نے یہ حال دیکھ کر دریافت فرمایا: کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا گیا روزہ سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ نیکی نہیں ہے، جنگ کے موقع پر تو آپ ﷺ حکماً روزہ سے روک دیا کرتے تھے تاکہ دشمن سے لڑنے میں کمزوری لاحق نہ ہو، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ دو مرتبہ رمضان میں جنگ پر گئے، پہلی مرتبہ جنگ بدر میں اور دوسری مرتبہ فتح مکہ کے موقع پر اور دونوں مرتبہ ہم نے روزے نہیں رکھے۔

حالت سفر میں روزہ افضل ہے یا افطار:

حدیث نبوی سے ترجیح حالتِ سفر میں افطار کو معلوم ہوتی ہے، بلکہ بعض صورتوں میں تو ایسے لگتا ہے جیسے روزہ رکھنا مسافر کے لئے ایک جرم ہے حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ:

''فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ ماہِ رمضان میں مکہ کی طرف چلے اور روزہ رکھا، یہاں تک کہ مقام کراع الغمیم پہنچ گئے، لوگ روزہ سے تھے تو آپ نے پانی کا پیالہ منگایا اور اس کو اوپر اٹھایا یہاں تک کہ لوگوں نے اسے دیکھ لیا اس کے بعد آپ ﷺ نے پانی نوش فرمایا پھر آپ کو اطلاع ملی کہ بعض لوگ اب بھی روزہ سے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ گنہگار ہیں گنہگار ہیں''۔ (مسلم و ترمذی)

اس سے ملتی جلتی ایک حدیث بخاری و مسلم اور مؤطا وغیرہ میں ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت میں تو یہاں تک ہے کہ:

قال رسول اللّٰہ ﷺ: صائم رمضان فی السفر کالمفطر فی الحضر. (ابن ماجہ)

''سفر میں روزہ رکھنے والا ایسا ہی ہے جیسے کوئی گھر میں بیٹھنے والا روزہ نہ رکھے''۔

بحیثیت مجموعی مسافر کے لئے بھی مریض کی طرح حکم شریعت یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر بلا زحمت معتد بہ ممکن ہو تو روزہ رکھ ہی لیا جائے، اگر زحمت اور تعب معتد بہ ہو تو قضا کر دینا جائز ہے، اور اگر نوبت ہلاکت کی آ جائے تو ترکِ صوم واجب ہو جائے گا۔ (ماجدی)

باقی اختلافِ مذاق و مسلک اس باب میں شروع سے چلا آ رہا ہے، صوم و افطار دونوں کے مسافر کے لئے جواز کے تو سب قائل ہیں، اختلاف جو کچھ ہے وہ اس میں ہے کہ افضل کونسا پہلو ہے؟ سو بعض صحابہ اور اکثر ائمہ فقہ افضلیت صوم کے قائل ہیں، اس کے مقابلہ میں بعض اجلہ صحابہ اور متعدد تابعین و فقہاء افضلیت افطار کی طرف گئے ہیں۔

وَاختلفوا فی الافضل فَذَهَبَ ابو حنيفةَ واصحابهُ ومالكٌ والشافعی رحمهم الله تعالیٰ فی بعض ما رُوِیَ عَنْهُمَا اِلی اَنَ الصَّومَ افضل وبه قال من الصحابة عثمان بن ابی العاص الثقفی وانس بن مالكٍ رضی الله تعالیٰ عنهم. (بحر)

وَذَهَبَ الاَوزاعی واحمد واسحق رحمهم الله تعالیٰ الی اَنَّ الفِطر افضلُ وبه قالَ مِنَ الصَّحابة ابن عمر وابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهم ومِنَ التابعین ابن المسیّب والشعبی وعمر بن عبدالعزیز ومجاهدٌ وقتادة رحمهم الله تعالیٰ (بحر) نَقَلَ ذٰلك ابن عطية عن عُمَر وابنه عبد الله وعن ابن عباس انّ الفطر فی السفر عزيمةٌ. (بحر)

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ بمعنَی الافضاءِ **اِلٰى نِسَآئِكُمْ** بالجماعِ نزلَ نسخًا لِما كانَ فی صدرِ الاسلامِ مِن تحریمه وتحریم الاكلِ والشُّربِ بعدَ العِشاءِ **هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ** كنايةٌ عن تعانُقِهما او احتياجِ كلٍّ منهما الی صاحبه **عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ** تخُونونَ **اَنْفُسَكُمْ** بالجماعِ ليلةَ الصيامِ وقعَ ذلك لِعُمَرَ وغيرِه رضی الله تعالیٰ عنه واعتذَرُوا الی النبیِّ صلی الله علیه وسلم **فَتَابَ عَلَيْكُمْ** قبلَ توبتِكم **وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ** إذا اُحِلَّ لكم **بَاشِرُوْهُنَّ** جامِعُوهُنّ **وَابْتَغُوْا** اُطلُبوا **مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ** ای اباحَهُ مِن الجماعِ او قدَّرَهُ مِنَ الولَدِ **وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا** الليلَ كُلَّهُ **حَتّٰى يَتَبَيَّنَ** يظهرَ **لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ** ای الصَّادقِ بيانٌ لِلخَيطِ الابيضِ وبَيانُ الاسوَدِ محذوفٌ ای مِنَ الليلِ شُبِّهَ مَا يَبْدُوا مِنَ البياضِ ومَا يَمتَدُّ مَعَهُ مِنَ الغَبَشِ بخَيطَينِ ابيَضَ واسودَ فی الامتِدادِ **ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ** من الفجرِ **اِلَى الَّيْلِ** ای الی دُخوله بغُروبِ الشمسِ **وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ** ای نسائَكم **وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ** مُقيمونَ بنيّةِ الاعتكافِ **فِی الْمَسٰجِدِ** متعلقٌ بعاكِفونَ نَهْیٌ لِمَنْ كانَ يَخرُجُ وهو مُعتكِفٌ فيُجامِعُ امرأتَه ويَعُودُ **تِلْكَ** الاحكامُ المذكورةُ **حُدُوْدُ اللّٰهِ** حدَّها لِعبادِهِ لِيقِفُوا عندَها **فَلَا تَقْرَبُوْهَا** ابلغُ مِن لا تعتدُوها المُعبَّرِ به فی آيةٍ اُخرٰی **كَذٰلِكَ** كما بيَّنَ لكُم ما ذُكِرَ

يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ محارمہ **وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ** ای لا یاکل بعضکم مال بعض **بِالْبَاطِلِ** الحرام شرعًا کالسرقۃ والغصب **وَتُدْلُوْا** تلقوا **بِهَآ** ای بحکومتہا او بالاموال رشوۃ **اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا** بالتحاکم **فَرِيْقًا** طائفۃ **مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ** متلبسین **بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۸۸﴾ انکم مبطلون۔

ترجمہ: اور حلال کردیا گیا تمہارے لئے روزہ کی رات میں تمہاری عورتوں سے جماع کے طور پر بے حجاب ہونا یہ حکم ابتداء اسلام میں عورتوں سے جماع اور عشاء کے بعد کھانے پینے کی حرمت کو منسوخ کرنے کے لئے نازل ہوا، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو، یہ کنایہ ہے باہمی معانقہ سے یا ایک دوسرے کا حاجتمند ہونے سے، اللہ کو معلوم ہے کہ تم روزہ کی رات جماع کرکے اپنے ہی ساتھ خیانت کررہے ہو، یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کو پیش آیا تھا، اور ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت چاہی، تو اس نے تمہاری توبہ قبول کرلی اور تم سے درگذر کیا پس اب جب کہ تمہارے لئے حلال کردیا گیا ہے تو ان سے مباشرت کرسکتے ہو یا اس (اولاد) کو طلب کرسکتے ہو جو تمہارے لئے اللہ نے مقدر کردی ہے یعنی جماع جائز کردیا یا ولد مقدر کو طلب کرنا جائز کردیا اور رات کے ہر حصہ میں کھاپی سکتے ہو تا ایں کہ فجر یعنی صبح صادق کا سفید دھاگا کالے دھاگے سے ممتاز ہوجائے (مِنَ الفجر) الخیط الابیض کا بیان ہے اور الاسود کا بیان محذوف ہے، (اور وہ من اللیل ہے) ظاہر ہونے والی سفیدی کو اور اس تاریکی کو جو اس کے ساتھ ممتد ہوتی ہے سفید اور سیاہ دو دھاگوں کے ساتھ درازی میں تشبیہ دی گئی ہے پھر صبح صادق سے رات تک روزہ پورا کرو، یعنی غروب شمس کے ساتھ رات داخل ہونے تک، اور اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرو جب کہ تم اعتکاف کی نیت سے مسجدوں میں مقیم ہو فی المساجد، عاکفون کے متعلق ہے، یہ ممانعت اس شخص کے لئے ہے جو (مسجد میں) معتکف ہونے کی وجہ سے مسجد سے نکل گیا ہو، اور اپنی بیوی سے مجامعت کرکے واپس آیا ہو، یہ مذکورہ احکام اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے، لہٰذا ان کے قریب بھی نہ جانا یہ تعبیر لا تعتدوھا سے بلیغ تر ہے، جس کو دوسری آیت میں تعبیر کیا گیا ہے، اسی طرح جس طرح تمہارے لئے مذکورہ (احکام) بیان کئے گئے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے تاکہ حرام کردہ چیزوں سے بچیں اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقہ سے کھاؤ یعنی باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ، یعنی اس طریقہ پر جو شرعاً حرام ہے مثلاً چوری، غصب (وغیرہ) اور نہ پہنچاؤ مال کو یعنی مالی خصومت کو حکام کے پاس یعنی مالی نزاع کو حاکموں کے پاس یا مال کو بطور رشوت حکام کے پاس نہ پہنچاؤ تاکہ کھاجاؤ تم مرافعہ الی الحکام کرکے لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ آلودہ کرکے جب کہ تم جانتے ہو کہ تم ناحق پر ہو۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ، اَلرَّفَثُ وہ گفتگو جو مرد اور عورت کے درمیان جماع کے وقت ہوتی ہے اور دوسرے وقت ناپسند کی جاتی ہے، رَفث اور جماع کے درمیان عموماً لزوم ہونے کی وجہ سے رفث بول کر جماع مراد لیا گیا ہے۔ (اعراب القرآن) رَفَثَ یَرْفُثُ (ن) رَفثًا، فحش باتیں کرنا۔

سَوَال: رفث کا صلہ فی یا باء آتا ہے، یہاں الی استعمال ہوا ہے؟

جَوَاب: رفث چونکہ اِفضاء کے معنی کو مشتمل ہے لہٰذا صلہ الی لانا صحیح ہے، جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کردیا ہے۔

قَوْلُہٗ: لَیْلَۃَ الصِّیَامِ ظاہر تو یہی ہے کہ لَیْلَۃَ، اُحِلّ کی وجہ سے منصوب ہے جیسا کہ بہت سے مفسرین نے یہی کہا ہے، مگر اس صورت میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ حلت تو اس وقت سے پہلے ہی ثابت تھی، اس ترکیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلت اسی وقت ہوئی۔

سَوَال: الرفثُ جو کہ بعد میں مذکور ہے وہ لَیْلَۃَ کا ناصب ہوسکتا ہے؟

جَوَاب: الرفث چونکہ مصدر عامل ضعیف ہے جو اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرسکتا، اس لئے وہ عامل نہیں ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ لَیْلَۃَ کا عامل محذوف مان لیا جائے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَنْ تَرْفُثوا لَیْلَۃَ الصِّیَامِ۔

قَوْلُہٗ: تخونون. تختانون کی تفسیر تخونون سے کرکے ایک اشکال کا جواب دیا ہے۔

اشکال: تختانون باب افتعال سے ہے جو کہ لازم ہوتا ہے حالانکہ یہاں انفسکم کی جانب متعدی ہے۔

جَوَاب: مفسر علام نے تختانون کی تفسیر تخونون سے کرکے اسی اشکال کا جواب دیا ہے، جواب کا ماحصل یہ ہے کہ افتعال مجرد کے معنی میں ہے اور باب افتعال کثرت خیانت کو ظاہر کرنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا اس کا عطف باشِرُوْھُنَّ پر ہے۔

قَوْلُہٗ: الغَبَش غین اور باء کے فتحہ کے ساتھ بمعنی غلس بقیۃ اللیل یا آخر شب کی ظلمت۔

قَوْلُہٗ: الی دخولہ بغروب الشمس اس میں اشارہ ہے کہ غایت مغیا میں داخل نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: شُبِّہَ مَا یَبْدُوا مِنَ البَیَاضِ وَمَا یمتدُّ مَعَہٗ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اشکال جواب ہے۔

اشکال: یہ ہے کہ صبح صادق کو خیط ابیض سے تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ یہ تشبیہ صبح کاذب سے زیادہ مشابہ ہے اس لئے کہ وہ دھاگے کی شکل میں عموداً ممتد ہوتی ہے نہ کہ صبح صادق۔ صبح صادق تو عرضاً پھیلی ہوئی ہوتی ہے، مذکورہ عبارت سے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے۔

جَوَاب: کا خلاصہ یہ ہے کہ صبح صادق جب ابتداءً نمودار ہوتی ہے تو اس کا بالائی کنارہ خیط ابیض کے مشابہ ہوتا ہے، معلوم ہوا تشبیہ ابتداءً نمودار ہونے والے کنارہ کے ساتھ ہے نہ کہ درمیان یا آخر کے ساتھ۔ فافھم۔

قَوْلُہٗ: فلا تقربُوھا اَبْلَغُ مِنْ لَا تَعْتَدُوْھَا، ھُوَ اَبْلَغُ الخ سے دو اشکالوں کا جواب دینا مقصود ہے:

❶ پہلا اشکال:

جن احکام کے قریب نہ جانے کا حکم کیا جارہا ہے ان میں سے بعض واجب ہیں اور بعض مباح اور بعض حرام تو ان سب کے لئے یہ کہنا کہ ان کے قریب بھی مت جانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

❷ دوسرا اشکال:

دوسری آیت میں وارد ہوا ہے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کی حدود واحکام ہیں ان سے آگے نہ بڑھنا (تجاوز نہ کرنا) اِن دونوں آیتوں کے مفہوم میں تضاد ہے، لہٰذا جمع وتوفیق کی کیا صورت ہوگی؟

❶ پہلے اشکال کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے احکام کو ان حدود کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو حق و باطل کے درمیان حاجز ہیں جو اِن احکام پر عمل پیرا ہوگا وہ حق کا ادا کرنے والا ہوگا اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ باطل میں واقع ہوگا، لہٰذا ان کے قریب جانے سے منع فرمادیا تاکہ باطل کے قریب نہ جائے گویا کہ قربان حدود سے نہی، قرب باطل سے نہی ہے۔

❷ دوسرے اشکال کا جواب:

فلا تقربُوهَا اور لَا تَعْتَدُوهَا دونوں کا مقصد باطل کے قریب جانے سے منع کرنا ہے، لا تعتدُوهَا میں صراحت کے ساتھ منع کیا گیا ہے اور فلا تقربوها میں بطور کنایہ منع کیا گیا ہے، اور قاعدہ مشہور ہے کہ الکنایة ابلغ من التصریح.

قِوْلَہٗ: ای لا یاکل بعضکم مال بعض اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنا مال باطل طریقہ سے نہ کھائے حالانکہ اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔

جَوَابٌ: یہ تقسیم جمع علی الجمع کے قبیل سے نہیں ہے جیسا کہ اِرکَبُوا دَوابکم یعنی تم میں سے ہر ایک اپنے گھوڑے پر سوار ہوجائے، بلکہ یہ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کے قبیل سے ہے، یعنی آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ، جیسا کہ بینکم کے لفظ سے بھی اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔

قِوْلَہٗ: وَلَا تُدْلُوْا بِهَا، لا کو مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اس کا عطف لا تاکلوا پر ہے، لہٰذا جس طرح لا تاکلوا مجزوم بالجازم ہے اسی طرح تُدلوا بِهَا بھی مجزوم بالجازم ہے، فرق یہ ہے کہ یہاں جازم مقدر ہے اور وہاں ظاہر تُدلوا، اِدلاءٌ سے ماخوذ ہے، اِدلا کے معنی رسی کے ذریعہ کنوئیں میں ڈول لٹکانا، اب وسیلہ اور ذریعہ کے معنی کے لئے مستعار لے لیا گیا ہے، یعنی

حکام کے پاس مالی خصومات کو لیجا کر نا جائز طریقہ سے دوسروں کا مال کھانے کا ذریعہ بناؤ اَو بالاموال رشوۃ، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مال سے مالی رشوت مراد ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

اُحِلَّ لَکُمْ، اُحِلَّ لَکُمْ کے لفظ سے معلوم ہوا کہ جو چیز اس آیت کے ذریعہ حلال کی گئی ہے وہ اس سے پہلے حرام تھی، بخاری وغیرہ میں بروایت براء بن عازب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مذکور ہے کہ ابتداء میں جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو افطار کے بعد کھانے پینے اور بیویوں سے اختلاط کی صرف اس وقت تک اجازت تھی جب تک سو نہ جائے، سو جانے کے بعد یہ سب چیزیں حرام ہو جاتی تھیں بعض صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو اس میں مشکلات پیش آئیں۔

قیس بن صرمہ انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ دن بھر مزدوری کر کے گھر پہنچے تو گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا، بیوی نے کہا میں کہیں سے کچھ انتظام کر کے لاتی ہوں، جب وہ واپس آئیں تو دن بھر کی تکان کی وجہ سے قیس بن صرمہ کی آنکھ لگ گئی جب بیدار ہوئے تو کھانا حرام ہو چکا تھا اسی حالت میں اگلے روز کا روزہ رکھ لیا دوپہر کی وقت ضعف کی وجہ سے بیہوش ہو گئے۔　(ابن کثیر)

اسی طرح بعض صحابہ سونے کے بعد اپنی بیویوں کے ساتھ اختلاط میں مبتلا ہو کر پریشان ہو گئے اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا بھی روایات میں مذکور ہے، ایک مرتبہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ رات دیر گئے آنحضرت ﷺ کے پاس سے گھر پہنچے تو اپنی بیوی سے ہم بستری کا ارادہ کیا، بیوی نے کہا میں سو چکی ہوں حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا تم سو چکی ہو میں تو نہیں سویا، اور یہ کہہ کر ہم بستری کی، حضرت کعب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا بھی اسی طرح کا واقعہ ہوا، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آنحضرت ﷺ سے اس کی معذرت چاہی تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ، خیط ابیض سے صبح صادق کا ابتداء نمودار ہونے والا کنارہ اور خیط الاسود سے ظلمت شب بطور استعارہ مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ جب صبح صادق نمودار ہو جائے تو کھانا پینا بند کر دو۔

امام بخاری وغیرہ نے سہل بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ جب "وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود" نازل ہوئی، تو بعض لوگوں کا یہ طریقہ کار تھا کہ وہ اپنے پیر میں سفید دھاگا اور کالا دھاگا باندھ لیتے تھے اور اس وقت تک کھاتے پیتے رہتے تھے جب تک کہ دونوں دھاگوں میں امتیاز نہ ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے "مِنَ الفجر" نازل فرمائی قرآن میں نازل ہونے والی یہ سب سے چھوٹی آیت ہے۔

صحیحین میں عدی بن حاتم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ وہ اپنے تکیہ کے نیچے دو دھاگے رکھ لیا کرتے تھے ایک سفید اور دوسرا

کالا اوران دھاگوں کو دیکھتے رہتے اور کھاتے رہتے اس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''اِنَّ وِسَادَكَ لعریضٌ انما ذلك بیاض النهار وسواد اللیل'' اور بخاری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اِنَّكَ لعریض القَفَا اِنّما ذلكَ بَیاض النهار من سواد اللیل یعنی تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا ہے کہ اس میں بیاض نہار اور سواد لیل سما جاتی ہے ،دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم عریض القفا ہو۔ عریض القفا بیوقوف اور ناسمجھ کو کہا جاتا ہے، عام طور پر مشہور ہے کہ جس کی گدی عریض ہوتی ہے وہ بیوقوف ہوتا ہے۔

مَسْئَلَہْ: اگر کوئی شخص صبح صادق کے ہونے نہ ہونے میں شک اور تذبذب کا شکار ہو تو اصل تو یہی ہے کہ کچھ کھانے پینے کا اقدام نہ کرے، مشکوک حالت میں صبح صادق کا یقین ہونے سے پہلے کسی نے کچھ کھا لیا تو گنہگار نہیں ہوگا لیکن بعد میں تحقیق سے یہ ثابت ہو کہ اس وقت صبح صادق ہو چکی تھی تو قضاء لازم ہوگی، امام جصاص کے بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس شخص کی آنکھ دیر میں کھلی اور صبح صادق یقینی طور پر ہو چکی تھی ایسی صورت میں اگر کچھ کھائے گا تو گنہگار بھی ہوگا اور قضا بھی لازم ہوگی اور اگر مشکوک حالت میں کھائے گا تو گنہگار تو نہیں ہوگا مگر قضا واجب ہوگی۔

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ، اعتکاف کے لغوی معنی کسی جگہ ٹھہرنے کے ہیں اور قرآن وسنت کی اصطلاح میں خاص شرطوں کے ساتھ مسجد میں قیام کرنے کا نام اعتکاف ہے لفظ المساجد کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہی ہوسکتا ہے فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اعتکاف ایسی مسجد میں درست ہوگا جس میں پنجوقتہ نماز باجماعت ہوتی ہو۔

حالت اعتکاف میں رات کو بھی وطی جائز نہیں ہے، ایک دن کے اعتکاف میں سابق رات بھی شامل رہے گی احناف کے یہاں ایک شب وروز سے کم کا اعتکاف نہیں اور اس میں بھی روزہ شرط ہے۔

مَسْئَلَہْ: اعتکاف کیلئے روزہ شرط ہے اور یہ کہ بلاضرورت شرعی یا بشری مسجد سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (الآیة) تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقہ سے مت کھاؤ اس آیت میں مال حرام سے اجتناب کی تاکید فرمائی گئی ہے اس سے پہلی آیت میں رزق حلال کھانے کی تاکید فرمائی تھی آیت شریفہ میں اکل کے معروف معنی، خوردن، ہی مراد نہیں ہیں بلکہ مطلقاً قبضہ کرنا اور استعمال کرنا مراد ہے۔

شانِ نزول:

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ قیس بن عابس کی بیوی اور عبدان بن اشوع الحضرمی کے درمیان ایک زمین کے بارے میں جھگڑا تھا امرء القیس نے ارادہ کیا کہ قسم کھا کر معاملہ اپنی طرف کرالے تو اس وقت وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ (الآیة) نازل ہوئی، مذکورہ آیت کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں، ایک مفہوم تو یہ ہے کہ حاکموں کو رشوت دے کر ناجائز فائدے اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تم خود جانتے ہو کہ مال دوسرے شخص کا ہے تو محض اس لئے کہ اس کے پاس اپنی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے یا اس بناء پر کہ تم اس کو کسی ایچ پیچ یا چرب زبانی سے کھا سکتے ہو، اس کا مقدمہ عدالت میں نہ لے جاؤ، ہوسکتا ہے کہ حاکم عدالت روداد مقدمہ کے لحاظ سے وہ مال تم کو دلا دے مگر حاکم کا ایسا فیصلہ دراصل غلط بیانی اور غلط بنائی ہوئی روداد سے دھوکا کھانے کا نتیجہ ہوگا اس لئے عدالت سے اس کی ملکیت کا حق حاصل کر لینے کے باوجود حقیقت میں تم اس کے جائز مالک نہ بن جاؤ گے، عنداللہ وہ مال تمہارے لئے حرام ہی رہے گا، مفسر علام نے مذکورہ دونوں معانی کی طرف اشارہ کر دیا۔

حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو اس میں یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے معاملہ کو زیادہ رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کرے اور میں اس سے مطمئن ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں اگر فی الواقع وہ اس کا حق دار نہیں ہے تو اس کو لینا نہیں چاہئے کیونکہ اس صورت میں جو کچھ میں اس کو دوں گا وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہوگا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ يا محمد **عَنِ الْاَهِلَّةِ** جمعُ ہلالٍ لِمَ تَبْدُوا دَقِيقَةً ثم تزيدُ حَتّٰى تَمْتَلِئَ نُورًا ثُمَّ تعودُ كما بَدَتْ ولا تكونُ على حالةٍ واحدةٍ كالشَّمسِ **قُلْ** لهم **هِيَ مَوَاقِيْتُ** جمعُ ميقاتٍ **لِلنَّاسِ** يعلَمُونَ بها اوقاتَ زرعِهم ومَتَاجِرِہم وعِدد نسائِهم وصيامِهم وافطارِہم **وَالْحَجِّ** عطفٌ على النَّاسِ اى يُعلَم بها وقتُهُ فلو استمَرَّتْ على حالةٍ واحدةٍ لم يُعرفْ ذلك **وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا** فِي الاِحرامِ بأن تَنْقُبُوا فِيهَا نَقْبًا تَدخُلُونَ منهُ وتخرُجُونَ وتترُكوا البابَ وكانوا يفعلونَ ذلك ويزعُمونهُ بِرًّا **وَلٰكِنَّ الْبِرَّ** اى ذَا البِرِّ **مَنِ اتَّقٰى** اللّٰهَ بتركِ مُخالَفتِه **وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا** فى الاِحرامِ كغيرِه **وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ﴿۱۸۹﴾ تفوزُونَ ولمَّا صُدَّ صلى اللّٰه عليه وسلم عنِ البيتِ عامَ الحُدَيبيةِ وصالحَ الكفارُ على أن يعودَ العامَ القابلَ ويخلوا لهُ مكةَ ثلثةَ ايامٍ وتجهَّزَ لِعُمْرةِ القضاءِ وخافُوا أن لا تفِيَ قُرَيشٌ ويُقاتِلُوہم وكرِهَ المسلمونَ قِتالَهم فى الحَرَمِ والاِحرامِ والشهرِ الحرامِ نزلَ **وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اى لِاِعلاءِ دينِه **الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ** من الكفارِ **وَلَا تَعْتَدُوْا** عليهم بالابتداءِ بالقتالِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ** ﴿۱۹۰﴾ المُتجاوزينَ ما حُدَّ لهم وہذا منسوخٌ بآيةِ براءةٍ او بقولِه **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ** وجدتُمُوہم **وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ** اى من مكةَ وقد فُعِلَ بهم ذلك عامَ الفتحِ **وَالْفِتْنَةُ** الشركُ منهم **اَشَدُّ** اعظمُ **مِنَ الْقَتْلِ** لهم فى الحَرَمِ والاِحرامِ الذى استعظمتُمُوه **وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** اى فى الحَرَمِ **حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ** فيه **فَاقْتُلُوْهُمْ** فيه وفى قراءةٍ بلا اَلِفٍ فى الافعالِ الثلثةِ **كَذٰلِكَ** القتلُ والاخراجُ **جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۱۹۱﴾ **فَاِنِ انْتَهَوْا**

عن الکفر واسلموا **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۱۹۲﴾ بہم **وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ** توجد **فِتْنَةٌ** شرك **وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ** العبادۃ **لِلّٰهِ** وحدہ لا یُعبد سواہ **فَاِنِ انْتَهَوْا** عن الشرك فلا تعتدوا علیهم دل علی ہذا **فَلَا عُدْوَانَ** اعتداء بقتلٍ او غیرہ **اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۱۹۳﴾ ومن انتہی فلیس بظالم فلا عدوان علیه **اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ** المحرم مقابل **بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ** فکما قاتلوکم فیه فاقتلوہم فی مثله رد لاستعظام المسلمین ذلك **وَالْحُرُمٰتُ** جمع حُرمۃ ما یجب احترامه **قِصَاصٌ** ای یُقتص بمثلها اذا انتهکت **فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ** بالقتال فی الحرم او الاحرام والشهر الحرام **فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ** سُمّی مقابلته اعتداءً لشبهها بالمقابل به فی الصورۃ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** فی الانتصار وترك الاعتداء **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ** ﴿۱۹۴﴾ بالعون والنصر۔

ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ سے چاند کی حالتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ باریک کیوں نمودار ہوتا ہے؟ (یعنی جب نمودار ہوتا ہے تو باریک ہوتا ہے) پھر بڑھتا ہے، یہاں تک کہ پُر نور ہو جاتا ہے، پھر (اپنی سابقہ حالت کی طرف) عود کرتا ہے (یعنی گھٹنا شروع ہو جاتا ہے) اور ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا نمودار ہوا تھا، اور سورج کے مانند ایک حالت پر نہیں رہتا، آپ ان سے کہئے یہ لوگوں کے لئے اوقات معلوم کرنے کا ذریعہ ہے مواقیت میقات کی جمع ہے، یعنی لوگ ان کے ذریعہ اپنی کھیتی اور تجارت کے اوقات معلوم کرتے ہیں، اور اپنی عورتوں کی عدت اور اپنے روزوں (رمضان) اور افطار (شوال) کے اوقات معلوم کرتے ہیں اور حج کے لئے (شناختِ وقت کا آلہ ہے) اس کا عطف اَلنَّاس پر ہے یعنی چاند کے ذریعہ حج کا وقت معلوم کرتے ہیں اگر (چاند) ایک ہی حالت پر رہتا تو یہ باتیں معلوم نہ ہو سکتیں، اور حالت احرام میں گھروں کے پیچھے سے آنا کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں (کی دیواروں) میں نقب لگاؤ، تاکہ تم اس نقب سے داخل ہو اور نکلو، اور دروازہ (سے نکلنا) چھوڑ دو (مشرکین عرب) ایسا کرتے تھے، اور اس کو نیکی سمجھتے تھے بلکہ نیکی یعنی نیک وہ ہے جو اللہ کی مخالفت کو ترک کر کے اللہ سے ڈرا، حالت احرام میں بھی بغیر حالتِ احرام کے مانند گھروں کے دروازوں سے آیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ اور جب رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ کے سال بیت اللہ سے روک دیا گیا اور کفار نے اس بات پر صلح کی کہ (آپ ﷺ) آئندہ سال آئیں گے، اور وہ (مشرکین) ان کے لئے تین دن کے لئے مکہ خالی کر دیں گے اور آپ ﷺ نے عمرۃ القضاء کے لئے تیاری فرمائی، اور مسلمانوں کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ (کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش اپنے عہد) کی پابندی نہ کریں اور مسلمانوں سے جنگ کریں اور مسلمان انسے حرم میں اور (حالت) احرام میں اور شہر حرام میں قتال کرنا ناپسند کریں، اور قتال کرو اللہ کی راہ میں ان کافروں سے جو تم سے قتال کریں، اس کے دین کے بلند کرنے کے لئے اور لڑائی کی ابتداء کر کے ان پر ظلم نہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ مقررہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور یہ حکم سورۂ براءت کی آیت یا اللہ کے قول "واقتلوھم

حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ" سے منسوخ ہے یعنی جہاں تم ان کو پاؤ وہیں قتل کرو اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا یعنی مکہ سے، اور فتح مکہ کے سال ان کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا، اور فتنہ یعنی ان کا شرک قتل سے زیادہ شدید ہے ان کو حرم میں حالت احرام میں قتل کرنے سے جس کو تم عظیم سمجھتے ہو، اور مسجد حرام کے پاس یعنی حرم میں ان سے قتال نہ کرو تا آں کہ وہ خود تم سے اس میں قتال نہ کریں پس اگر وہ حرم میں تم سے قتال کریں تو تم بھی حرم میں ان سے قتال کرو اور ایک قراءت میں تینوں افعال بغیر الف کے ہیں، یہی قتل اور جلاوطنی ایسے کافروں کی سزا ہے، پس اگر وہ کفر سے باز آجائیں اور اسلام قبول کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرنے والا ہے تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ شرک باقی نہ رہے اور عبادت اللہ وحدہ کی ہونے لگے اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہ ہو، پس اگر وہ شرک سے باز آجائیں تو ان پر تم زیادتی نہ کرو، اس حذف جزاء پر فَلَا عُدْوَانَ، دلالت کر رہا ہے تو قتل وغیرہ کے ذریعہ زیادتی ظالموں کے علاوہ پر جائز نہیں اور جو باز آ گیا وہ ظالم نہیں، لہٰذا اس پر زیادتی بھی نہیں ہونی چاہئے، ماہ محترم عوض ہے ماہ محترم کا لہٰذا جس طرح انہوں نے اس میں تم سے قتال کیا تو تم بھی اس جیسے مہینہ میں قتال کرو اور یہ مسلمانوں کے اس مہینہ کو باعظمت سمجھنے کا رد ہے، اور احترام میں برابری ہے، حُرُمَاتٌ حرمة کی جمع ہے، جس کا احترام واجب ہو اور احترام کا لحاظ برابری کے ساتھ ہوگا، یعنی اگر بے حرمتی کی جائے تو اس کے مثل بدلہ لیا جائے گا لہٰذا حرم میں یا احرام میں یا ماہ محرم میں قتال کے ذریعہ جو شخص تمہارے اوپر ظلم کرے تو تم بھی اس پر اتنا ہی ظلم کرسکتے ہو جتنا اس نے تم پر کیا ہے ظلم کی جزاء کو ظلم مقابلہ کے طور پر کہا گیا ہے، صورۃً اس زیادتی کے اپنے مقابل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور اللہ سے ڈرتے رہو بدلہ لینے میں اور ترکِ زیادتی میں، اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ مدد اور نصرت کے ذریعہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: جَمْعُ هِلَالٍ. اَهِلَّة، هِلَالٌ کی جمع ہے هلال تیسری رات تک کے چاند کو کہتے ہیں، هِلَال کو هِلَال، اس لئے کہا جاتا ہے کہ هِــلَال کے معنی آواز بلند کرنے اور شور مچانے کے ہیں نئے چاند کو دیکھ کر لوگ شور مچاتے ہیں جیسا کہ ہمارے یہاں عید بقرا عید کا چاند دیکھ کر بچے بڑے شور مچاتے ہیں، اسی لئے اس کو هِلَال کہا جاتا ہے۔

سُوَال: هلال تو ایک ہی ہوتا ہے پھر اس کی جمع کیوں لائی گئی ہے؟

جَوَاب: یا تو اس لئے کہ روزانہ کا چاند اپنے ماقبل کے دن کے چاند سے مختلف ہوتا ہے تو گویا وہ سابق چاند کا غیر ہے اس لئے متعدد چاند ہوگئے جس پر جمع کا اطلاق کرنا درست ہے، یا ہر ماہ کا چاند الگ ہوتا ہے، اس اعتبار سے بھی متعدد چاند ہوگئے لہٰذا جمع کا اطلاق درست ہے۔

سُوَال: يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ میں چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے مگر جواب میں اس کی حکمت اور فائدہ بیان کیا گیا ہے۔

جَوَابِ: جواب میں چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت بیان کر کے اس بات کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے کہ سائل کو چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حقیقت یا علت معلوم کرنے کے بجائے اس کی حکمتوں اور فائدوں کے بارے میں سوال کرنا چاہئے جو کہ ان کے کام کی اور فائدہ کی بات ہے۔ (کما فی المختصر المعانی)

قَوْلُہٗ: لِمَ تبدوا دقیقۃً یہ دوسرے جواب کی طرف اشارہ ہے اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت کے بارے میں ہی تھا سوال میں مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ یَسْئَلُونَكَ عن حکمۃ الأھلّۃِ اس صورت میں جواب سوال کے مطابق ہوگا، فلا اعتراض، اس جواب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن جریر نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے قَالُوْا یا رسولَ اللّٰہ، لِمَ خُلِقَتِ الْاَھِلَّۃُ، فنزلَتْ یَسْئَلونكَ عن الْاَھِلَّۃِ، یہ روایت چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت کے سوال کرنے کے بارے میں صریح ہے۔

قَوْلُہٗ: جمعُ میقات، مَوَاقیت میقات اسم آلہ کی جمع ہے وقت پہچاننے کا آلہ۔

قَوْلُہٗ: مَتَاجِرِھِمْ یہ مَتْجَر کی جمع ہے مصدر ہے نہ کہ ظرف زمان۔

قَوْلُہٗ: عِدَدَ نِسَآئِھِمْ عِدَد، عِدَّۃ کی جمع ہے۔

قَوْلُہٗ: عَطْفٌ علی الناس، مفسر علام کا اس اضافہ سے مقصد بعض لوگوں کے اس شبہ کو دور کرنا ہے کہ وَالحج کا عطف مَوَاقِیْتُ، پر ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ مَوَاقیتُ کا حمل اَھِلَّۃ کی ضمیر ھِی پر ہے ای الْاَھِلَّۃُ ھِیَ المواقیتُ اگر الحج کا عطف مواقیت پر کر دیا جائے تو اس کا حمل بھی ھِیَ ضمیر پر ہوگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی الْاَھِلَّۃُ ھِیَ الحج، حالانکہ یہ معنی درست نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: فی الِاحرام.

سَوَالْ: فی الاحرام، کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے

جَوَابِ: دراصل فی الاحرام کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالْ: لَیْسَ البرُّ بِاَن تاتوا الْبُیُوْتَ مِن ظھورِھَا، اور ماسبق لِلنَّاسِ میں بظاہر کوئی جوڑ اور ربط نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جوڑ اور ربط ہے اور وہ یہ کہ مواقیت اوقات حج ہیں اور حالت احرام میں گھر کے پیچھے سے گھر میں داخل ہونا ان کے نزدیک افعال حج میں سے ہے لہٰذا ربط و تعلق ظاہر ہے۔

قَوْلُہٗ: ای ذَالبرَّ اس کے بارے میں سوال و جواب سابق میں گذر چکا ہے ملاحظہ فرما لیا جائے۔

قَوْلُہٗ: بآیۃِ البراءۃ وَھِیَ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ. (الآیۃ)

قَوْلُہٗ: ای فی الحرم. عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی تفسیر ای فی الحرم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ جزء بول کر کل۔ یعنی مسجد حرام بول کر پورا حرم مراد ہے اس لئے کہ قتال صرف مسجد حرام ہی میں ممنوع نہیں ہے بلکہ پورے حرم میں ممنوع ہے۔

قَوْلُہٗ: بلا الف فی الافعال الثلث وہ تین افعال یہ ہیں، لا تَقْتُلوھم، یَقْتُلو کم، فان قتلو کم۔

قَوْلُہٗ: توجَدُ، تکون کی تفسیر توجَدُ سے کرکے اشارہ کردیا کہ کان تامہ ہے۔

قَوْلُہٗ: سُمِّیَ مقابلتہ الخ سے ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: یہ ہے کہ ظالم سے اگر ظلم کا بدلہ لیا جائے تو اس کو ظلم نہیں کہا جاتا وہ تو اس کا حق ہے حالانکہ یہاں بدلہ لینے کو اعتداء سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جَوَابْ: صورۃً یکساں ہونے کی وجہ سے جزاءِ اعتداء کو اعتداء سے تعبیر کردیا گیا ہے یہ جزاء السیئۃ سیئۃ، کے قبیل سے ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيح

شانِ نزول:

اَخْرَجَ ابن ابی حاتم عن ابی العالیہ قال: بَلَغنا اَنَّھم قالوا یا رسول اللّٰہ لِمَا خُلِقَتِ الْاَھِلَّۃُ فَاَنْزَلَ اللّٰہ تعالیٰ، یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ، لوگوں نے آپ ﷺ سے معلوم کیا کہ چاند کا گھٹنا بڑھنا کس غرض سے ہے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کا سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت کے بارے میں تھا، لہٰذا اس کا جواب بھی قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ للناس کے ذریعہ بیان حکمت سے دیا گیا لہٰذا، الجواب علی اسلوب الحکیم کے تکلف کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اب رہی وہ روایت جو معاذ بن جبل رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سے مروی ہے: "مَا بَالُ الھِلَال یَبْدُوا دَقِیْقًا ثمّ یَزِیدُ" الخ تو اس کی سند ضعیف ہے، کما فی روح المعانی نیز اس کا بھی سوال عن الحکمت پر محمول کرنا ممکن ہے۔

قمری تاریخوں کا حکم اور اہمیت:

سورج اپنے تشکّل کے اعتبار سے ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا ہے، گو مطالع اور مغارب اس کے بھی روزانہ بدلتے ہیں مگر اس کی شناخت ایک امر دقیق اور پیچیدہ ہے شمسی تاریخیں معلوم کرنے کے لئے تقویم (کیلنڈر) کے علاوہ کوئی صورت نہیں، اگر کوئی شخص شمسی تاریخ بھول جائے اور کسی ایسی جگہ ہو کہ جہاں (تقویم) کیلنڈر وغیرہ دستیاب نہ ہو اس کے لئے شمسی تاریخ معلوم کر لینا آسان نہ ہوگا، بخلاف چاند کے کہ روزانہ اس کے تشکلات بدلتے رہتے ہیں اس کے علاوہ ہر ماہ ایک ہی ضابطہ کے مطابق بدلتے ہیں اور اختلاف ایسا واضح ہوتا ہے کہ ہر کہ ومہ خواندہ و ناخواندہ دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے اسی وجہ سے شریعت نے اصالۃً احکام وعبادات کا دار و مدار قمری تاریخوں پر رکھا ہے، بعض احکام میں تو قمری حساب کو لازم کردیا کہ ان میں دوسرے حساب پر مدار جائز

ہی نہیں جیسے حج، روزۂ رمضان، عیدین، زکوٰۃ وعدت طلاق وغیرہ، ان کے علاوہ معاملات میں اختیار ہے چاہے جس حساب سے معاملہ کریں شریعت نے مجبور نہیں کیا کہ قمری تاریخوں ہی سے حساب رکھیں۔

احکام شرعیہ کے علاوہ میں گو قمری حساب کے علاوہ کی اجازت ہے مگر چونکہ بوجہ خلاف ہونے وضع صحابہ وصالحین کے خلاف اولیٰ ضرور ہے، اور چونکہ بہت سے احکام شرعیہ کا مدار قمری حساب پر ہے اس لئے قمری تاریخوں کو محفوظ رکھنا یقیناً فرض علی الکفایہ ہے اور انضباط کا آسان طریقہ یہی ہے کہ اپنے روزمرہ کے معاملات میں قمری تاریخوں کا استعمال رکھا جائے۔

بدعت کی اصل بنیاد:

لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا، زمانہ جاہلیت میں جہاں اور بہت سے رسم ورواج رائج تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ احرام باندھنے کے بعد اگر کسی ضرورت سے گھر آنا ہوتا تو دروازہ سے داخل ہونے کے بجائے گھر کی پشت کی جانب سے دیوار میں نقب لگا کر یا دیوار پھاند کر داخل ہوتے اور اس کو کارِ ثواب سمجھتے اس آیت میں اسی بدعت کی تردید کی گئی ہے، اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس چیز کو شریعت اسلام ضروری یا عبادت نہ سمجھتی ہو اس کو اپنی طرف سے ضروری یا عبادت سمجھ لینا جائز نہیں، اسی طرح جو چیز شرعاً جائز ہو اس کو گناہ سمجھنا بھی گناہ ہے، بدعات کے ناجائز ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ غیر ضروری چیز کو فرض اور واجب کی طرح سمجھ لیا جاتا ہے یا بعض جائز چیزوں کو حرام وناجائز قرار دیا جاتا ہے اس آیت میں نہ صرف یہ کہ بے اصل اور بے بنیاد رسم کی تردید کی گئی ہے بلکہ تمام اوہام پر یہ کہہ کر ضرب لگائی گئی ہے کہ نیکی دراصل اللہ سے ڈرنے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنے کا نام ہے ان بے معنی رسموں کو نیکی سے کوئی واسطہ نہیں جو محض رسماً زمانہ قدیم سے آباء واجداد کی تقلید میں چلی آرہی ہیں اور جن کا انسان کی سعادت وشقاوت، نحوست وسعادت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ ذی القعدہ ۶ھ میں آپ ﷺ ادائے عمرہ کے قصد سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے اس وقت تک مکہ مشرکین کے قبضہ میں تھا، ان لوگوں نے آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے سے حدیبیہ کے مقام پر روک دیا، آخر کار بڑی گفتگو کے بعد یہ معاہدہ قرار پایا کہ آئندہ سال آکر عمرہ کریں چنانچہ ذی قعدہ ۷ھ میں قضائے عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے لیکن آپ کے اصحاب کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں مشرکین مکہ عہد شکنی کر کے حملہ آور نہ ہوں تو ایسی حالت میں نہ سکوت مصلحت ہے اور اگر مقابلہ کیا جائے تو ماہ محترم میں قتال لازم آتا ہے اس لئے کہ ذی القعدہ چار محترم مہینوں میں سے ایک ہے وہ چار محترم مہینے یہ ہیں۔ ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب، مسلمان، اس گومگو کی صورت حال سے پریشان تھے، تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں، کہ ان معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ معاہدہ کی رو سے تم اپنی جانب سے لڑائی کی ابتداء نہ کرو، لیکن اگر وہ لوگ عہد شکنی کریں اور تم سے لڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو اس وقت تم کسی قسم کا اندیشہ نہ کرو اور بے تکلف تم بھی ان سے لڑو۔

اس آیت میں حکم یہ ہے کہ قتال صرف ان کافروں سے کریں جو مسلمانوں سے آمادۂ قتال ہوں مطلب یہ ہے کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، مذہبی پیشواؤں جو دنیا سے یکسو ہو کر مذہبی شغل میں لگے ہوں مثلاً راہب پادری اسی طرح اپاہج ومعذور یا وہ لوگ جو کافروں کے یہاں محنت مزدوری کا کام کرتے ہوں جو کافروں کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے ایسے لوگوں کو جہاد میں قتل کرنا جائز نہیں، اس لئے آیت میں جہاد کا حکم ان لوگوں سے ہے جو مسلمانوں سے قتال کریں، اگر مذکورہ لوگوں میں سے کوئی شخص جنگ میں کافروں کی کسی طرح کی بھی مدد کریں تو ان کا قتل جائز ہے اس لئے کہ یہ لوگ ''اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ'' میں داخل ہیں۔ (مظہری، جصاص، معارف)

اسلام صرف ان ہی افراد کے مقابلہ میں قتال کا حکم دیتا ہے جو واقعی جنگ میں شریک ہوں غیر متاتلین یا عام رعایا سے جنگ کا کوئی تعلق نہیں ہے آج کل عوام کے سروں پر بم برسا دینے پُر امن شہریوں پر ہوائی تاخت کرنے اور ان پر زہریلی گیس چھوڑنے بلکہ آگ لگانیوالے نیپام بم گرانے کے مہذب ترین آئین سے اسلام کا حربی قانون بالکل نا آشنا ہے سینکڑوں کو نہیں بلکہ ہزاروں بے گناہوں کو چشم زدن میں موت کی نیند سلادینے کے بعد صرف (سوری Sorry) کہہ دینا آج کل کی مہذب دنیا کو ہی زیب دیتا ہے اسلام کو نہیں۔

جہاد کا مقصد خون بہانا نہیں:

وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ (الآیۃ) آیت کا منشا یہ ہے کہ بلاشبہ انسانی خون بہانا بہت برا فعل ہے لیکن جب کوئی جماعت یا گروہ زبردستی اپنا فکری استبداد دوسروں پر مسلط کرے اور لوگوں کو قبول حق سے بجبر روکے اور اصلاح وتغیر کی جائز اور معقول کوششوں کا مقابلہ دلائل سے کرنے کے بجائے حیوانی طاقت سے کرنے لگے تو وہ قتل کی بہ نسبت زیادہ سخت برائی کا ارتکاب کرتا ہے ایسے گروہ کو بزور شمشیر راہ سے ہٹا دینا بالکل جائز ہے۔

مکی زندگی میں کافروں کے ذریعہ انتہائی اذیتیں برداشت کرنے کے باوجود مسلمانوں کو حکم تھا کہ عفو ودرگذر سے کام لیں مکی زندگی میں کوئی دن ایسا نہیں آتا تھا کہ سورج اپنے طلوع کیساتھ مسلمانوں کے لئے کوئی نئی مصیبت لے کر نہ آتا ہو مگر مسلمانوں کو تاکید تھی کہ عفو ودرگذر سے کام لیں، آیت کے عموم سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کفار جہاں کہیں ہوں ان کو قتل کرنا جائز ہے اول تو یہ حکم حالت جنگ کا ہے دوسرے یہ کہ یہ آیت اپنے عموم پر نہیں ہے اس لئے کہ ایک تخصیص تو اگلے جملہ میں آرہی ہے ''وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقَاتِلُوْکُمْ فِیْهِ''۔

مَسْئَلَۃٌ: حرم میں انسان کیا کسی شکاری جانور کو بھی قتل کرنا جائز نہیں، مگر اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حرم میں کوئی شخص دوسرے کو قتل کرنے لگے تو اس کو بھی مدافعت میں قتل کرنا جائز ہے۔ (معارف)

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، یعنی تم جس خدا پر ایمان رکھتے ہو اس کی صفت یہ ہے کہ بدتر سے بدتر مجرم اور گنہگار کو

بھی معاف کر دیتا ہے جب کہ وہ اپنی باغیانہ روش سے باز آ جائے یہی صفت تم اپنے اندر بھی پیدا کرو، تمہاری لڑائی انتقام کی پیاس بجھانے کے لئے نہ ہو بلکہ خدا کے دین کا راستہ صاف کرنے کے لئے ہو تمہاری لڑائی کسی گروہ یا جماعت سے اسی وقت تک ہونی چاہئے جب تک وہ راہ خدا میں مزاحم ہو اور جب وہ اپنا رویہ چھوڑ دے تو تمہارا ہاتھ بھی اس پر نہ اٹھنا چاہئے۔

سابقہ آیت وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ میں جو مظلوم مسلمانوں کو قتال کی اجازت دی جا رہی ہے وہ اچانک اور بلا سبب نہیں بلکہ دو چار مہینہ نہیں پورے تیرہ سال مکہ میں ہر طرح کے شدائد بلکہ شقاوت، سفاکی، بہیمیت پر صبر کے امتحان میں پورے اترنے کے بعد دفاع کی اجازت مل رہی ہے، ابھی وطن سے بے وطن ہو کر مدینہ میں چین سے بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے، کہ جنگ بدر پیش آئی اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور مدینہ آنے کے بعد بھی مسلمانوں نے جو کچھ کیا صرف اپنے دفاع میں کیا، دنیا خواہ کچھ بھی کہے مگر حقیقت یہی ہے، خدا تربت ٹھنڈی کرے نو مسلم لارڈ ہیڈلے کی کہ جس نے بات پتے کی کہی ہے، کہ تین ابتدائی اسلامی غزوات کے جغرافیائی محل وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کر و کہ لڑائی کی ابتداء کس نے کی؟ اور حملہ آور کون تھا؟ اور حفاظتِ خود اختیاری میں کون لڑ رہا تھا مکہ کے جنگ جو، اہل فساد، یا مدینہ کے صابر و شاکر مومنین؟

1. غزوۂ بدر، بدر مدینہ سے ۳۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔
2. غزوۂ احد، احد مدینہ سے کل ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔
3. جنگِ احزاب، اسمیں تو محاصرہ خود مدینہ ہی کا ہوا۔

غرضیکہ مذکورہ غزوات میں ہر مرتبہ قریش مکہ یا ان کے حلیف مدینہ پر چڑھ کر آئے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ طاعتِہ الجہادِ وغیرہ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ ای اَنفُسِکم والباءُ زائدۃٌ اِلَی التَّهْلُکَةِ الهلاکِ بالاِمساکِ عنِ النَّفقۃِ فِی الجہادِ او ترکِہ لانہ یقوّی العَدُوَّ علیکم وَاَحْسِنُوْا بالنَّفقۃِ وغیرِہا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾ ای یُثیبُہم وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ادُّوہما بحُقوقِہما فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ مُنِعتُم عن اِتمامِہا بعدُوٍّ او نحوِہ فَمَا اسْتَیْسَرَ تیسّر مِنَ الْهَدْیِ علیکم وہو شاۃٌ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَکُمْ ای لا تتحلّلوا حَتّٰی یَبْلُغَ الْهَدْیُ المذکور مَحِلَّهٗ حیثُ یحلُّ ذبحُہ وہو مکانُ الاحصار عندَ الشافعیِّ فیُذبحُ فیہ بنیّۃِ التحلّلِ ویُفرّقُ علی مساکینِہ ویُحلقُ وبہ یحصُلُ التحلُّلُ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًی مِّنْ رَّاْسِهٖ کقَمْلٍ وصُداعٍ فحلقَ فِی الاحرام فَفِدْیَةٌ علیہ مِّنْ صِیَامٍ لثلثۃِ ایامٍ اَوْ صَدَقَةٍ لثلثۃِ اٰصُعٍ مِن غالبِ قُوتِ البلدِ علی ستّۃِ مساکینَ اَوْ نُسُکٍ ای ذبحِ شاۃٍ وَاَو للتخییرِ واُلحِقَ بہ مَن حلقَ بغیرِ عُذرٍ لانّہ اَولی بالکفّارۃِ وکذا مَن استمتعَ بغیرِ الحلقِ کالطِّیبِ واللُّبسِ والدّہنِ لعُذرٍ او غیرِہ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ العدوَّ بان ذہبَ او لم یکن فَمَنْ تَمَتَّعَ استمتعَ بِالْعُمْرَةِ ای بسببِ فراغِہ منہا والتحلُّلِ عنہا بمحظوراتِ الاحرامِ اِلَی الْحَجِّ ای الاحرامِ بہ بان یکونَ احرمَ بہا فی اشہرِہ فَمَا اسْتَیْسَرَ تیسّرَ مِنَ الْهَدْیِ علیہ وہو شاۃٌ یذبحُہا بعد

الاحرام بہ والافضلُ یومُ النحر **فَمَن لَّمْ يَجِدْ** الھدیٰ لفقدہ او فقد ثمنہ **فَصِيَامُ** ای فعلیہ صیامُ **ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ** ای فی حالِ احرامہ فیجبُ حینئذٍ اَنْ یُحرِمَ قبلَ السابعِ من ذی الحجۃ والافضلُ قبلَ السادس لکراہۃ صوم یومِ عرفۃ للحاجّ ولایجوزُ صومُھا ایام التشریقِ علی اصح قولی الشافعیّ **وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ** الی وطنکم مکۃ او غیرِہا وقیل اذا فرغتُم من اعمال الحجّ وفیہ التفات عن الغیبۃ **تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ** جملۃٌ تاکیدٌ لما قبلَھا **ذٰلِكَ** الحکمُ المذکورُ من وُجُوب الھدی او الصیام علی من تمتّع **لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** بان لم یکونوا علی مرحلتین من الحرم عند الشافعی فان کان فلا دمَ علیہ ولا صیامَ وان تمتّعَ وفی ذکر الاھلِ اشعارٌ باشتراطِ الاستیطانِ فلو اقامَ قبلَ اشھرِ الحجّ ولم یستوطن وتمتّعَ فعلیہ ذلک وھو احدُ الوجھین عندنا والثانی لا والاھلُ کنایۃٌ عن النفسِ والحق بالمتمتع فیما ذُکر بالسُّنَّۃ القارنُ وھو من یُحرِمُ بالعمرۃ والحج معًا او یُدخِلُ الحجّ علیھا قبل الطّواف **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** فیما یامُرکم بہ وینھٰکم عنہُ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** ﴿۱۹۶﴾ لمن خالفہٗ۔

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو (یعنی) اس کی طاعت میں کہ وہ جہاد وغیرہ ہے اور تم جہاد میں خرچ کرنے سے بخل کر کے اور جہاد ترک کر کے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اس لئے کہ یہ (بخل و ترک) دشمن کو تم پر جری کر دے گا (بِاَیْدِی) میں باء زائدہ ہے (راہ خدا میں) خرچ وغیرہ کے ذریعہ نیکیاں کرو، اللہ تعالیٰ نیکیاں کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے یعنی ان کو اجر عطا کرتا ہے اور حج وعمرہ اللہ کے لئے پورے کرو، یعنی دونوں کو ان کے حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرو، پس اگر حج وعمرہ سے (یعنی) ان کے پورا کرنے سے دشمن یا اسی جیسی کسی اور چیز کے ذریعہ تم کو روک دیا جائے تو جو ہدی (قربانی کا جانور) تم کو میسر ہو اور وہ بکری ہے اور اپنے سروں کا حلق نہ کراؤ یعنی حلال نہ ہو تاوقتیکہ ہدی مذکور اپنی جگہ نہ پہنچ جائے جہاں اس کا ذبح کرنا جائز ہے اور وہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک احصار کی جگہ ہے، لہٰذا حلال ہونے کی نیت سے اسی جگہ (ہدی) ذبح کردی جائے اور اس مقام کے مساکین پر (گوشت) تقسیم کر دیا جائے، اور حلق کرالیا جائے، اس سے حلّت حاصل ہو جائے گی، مگر جو شخص تم میں کا مریض ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو مثلاً جوں یا سر کا درد تو وہ حالت احرام میں حلق کرا سکتا ہے، تو اس پر فدیہ واجب ہے اور وہ تین دن کے روزے ہیں یا تین صاع کو مقامی عمومی خوراک سے چھ مسکینوں پر صدقہ کرنا ہے یا قربانی کرنا ہے یعنی بکری ذبح کرنا، اور او تخییر کے لئے ہے اور اسی حکم میں وہ شخص بھی شامل ہوگا جس نے بغیر کسی عذر کے حلق کرالیا ہو اس لئے کہ کفارہ کے وجوب کے لئے یہ زیادہ لائق ہے یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس نے حلق کے علاوہ کچھ اور استفادہ کیا مثلاً خوشبو لگائی یا تیل لگایا عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر عذر کے، پھر جب تم دشمن سے مامون ہو جاؤ بایں طور کہ دشمن چلا گیا یا تھا ہی نہیں، تو جس شخص نے تم میں سے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر احرام کی ممنوعات سے حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھ کر فائدہ اٹھایا اس کے عمرہ

سے فارغ ہونے اور اس سے حلال ہونے کی وجہ سے تو اس پر جو میسر آئے قربانی واجب ہے اور وہ ایک بکری ہے کہ حج کا احرام باندھنے کے بعد ذبح کرے، اور افضل یوم نحر ہے تو جس کو ہدی میسر نہ ہو، ہدی کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے یا اس کی قیمت نہ ہونے کی وجہ سے تو اس پر تین روزے ہیں ایام حج میں یعنی حج کے احرام کی حالت میں، تو ضروری ہے کہ ساتویں ذی الحجہ سے پہلے (حج) کا احرام باندھے اور افضل چھٹی ذی الحجہ سے پہلے ہے یوم نحر میں حاجی کے لئے روزہ مکروہ ہے اور ایام تشریق میں امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ کے صحیح ترین قول کے مطابق روزہ جائز نہیں ہے اور سات روزے اس وقت جب کہ اپنے وطن واپس ہو وطن مکہ ہو یا غیر مکہ، اور کہا گیا ہے کہ جب تم ارکان حج سے فارغ ہو جاؤ اس میں غائب سے حاضر کی طرف التفات ہے یہ دس روزے پورے ہیں یہ جملہ اپنے ماقبل کی تاکید ہے قربانی یا روزوں کے وجوب کا مذکورہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو حج تمتع کرے یا یہ رعایت ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر بار مسجد کے قریب نہ ہوں اس طرح کہ حرم سے دو مرحلوں سے کم نہ ہو، یہ امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ کے نزدیک ہے اور اگر دو مرحلوں سے کم ہے تو اس پر نہ دم ہے نہ روزہ اگرچہ حج تمتع کرے اور اھل کے ذکر کرنے میں وطن بنانے کی شرط کی طرف اشارہ ہے اور تمتع کی نیت کی، تو اس پر مذکورہ چیز (یعنی قربانی) واجب ہے اور یہ ہمارے (یعنی شوافع) کے نزدیک ہے اور تمتع کے ساتھ مذکورہ احکام میں حدیث کی وجہ سے قارن کو بھی ملا لیا گیا ہے اور قارن وہ ہے جو حج وعمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھے، یا حج کو عمرہ پر داخل کر دے طواف عمرہ کرنے سے پہلے (یعنی عمرہ کا طواف شروع کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھ لے) اور ان چیزوں میں اللہ سے ڈرتے رہو جن کا تم کو حکم دیتے ہیں اور جن سے منع کرتے ہیں اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس کا خلاف کرنے والے کو سخت سزا دینے والا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ، لا تُلْقُوْا، اِلْقَاءٌ (افعال) سے صیغہ نہی جمع مذکر حاضر، تم نہ ڈالو۔

سُوَال: اِلْقَاءٌ متعدی بنفسہ ہے حالانکہ یہاں اِلٰی کے ساتھ تعدیہ کیا گیا ہے۔

جَوَاب: اِلْقَاء انتہاء کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا تعدیہ بالی جائز ہے۔

قَوْلُهُ: تَهْلُكَة، (ض) یہ خلاف قیاس نادر مصادر میں سے ہے، ہلاکت میں ڈالنا، قاموس میں لام مثلث کے ساتھ لکھا ہے اَلتَّهْلُكَةُ چونکہ مصادر نادرہ میں سے ہے، اس لئے اَلْهَلَاك، مصدر مشہور ہے اس کی وضاحت کردی۔

قَوْلُهُ: بِالنَّفَقَةِ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے، اَحْسِنُوْا، تفضلوا کے معنی میں ہے جو کہ متعدی بالباء ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: بالنفقة، کو ماسبق سے مربوط کرنے کے لئے لایا گیا ہے اس لئے تَهْلُكَة، کی تفسیر امساك عن النفقة سے کی ہے

تو یہاں احسان کی تفسیر انفاق فی سبیل اللہ سے کرنا ہی مناسب ہے تاکہ دونوں میں ربط پیدا ہو جائے۔

قولہ: ای یُثِیْبُھُمْ، یُحِبّ کی تفسیر یثیبُ سے تفسیر باللازم ہے اس لئے کہ حبٌ کے معنی میلان القلب کے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں متصور نہیں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ رحمت کی تفسیر احسان سے کرتے ہیں ورنہ تو رحمت کے معنی رقۃ القلب کے ہیں جو ذاتِ باری میں متصور نہیں ہے۔

قولہ: اَدُّوْھُمَا، اس سے حج وعمرہ دونوں کے وجوب کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک دونوں واجب ہیں اور اگر لفظ اتِمُّوْا، کو ظاہری معنی پر ہی رکھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ شروع کرنے کے بعد ان کو پورا کرنا واجب ہے اس لئے کہ احناف کے نزدیک نفلی عبادت شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے۔

قولہ: بِعَدُوٍّ یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے قول کے مطابق ہے اس لئے کہ ان حضرات کے یہاں احصار دشمن ہی کے ذریعہ صحیح ہے بخلاف احناف کے کہ دشمن کے علاوہ مرض وغیرہ سے بھی احصار درست ہے۔

قولہ: عَلَیْکُمْ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ، جواب شرط ہے حالانکہ یہ جملہ تامہ نہیں ہے اور جواب شرط کے لئے جملہ ہونا شرط ہے۔

جواب: عَلَیْکُمْ، محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ مَا مبتداء کی خبر محذوف ہے تاکہ مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر شرط کی جزاء واقع ہو سکے تقدیر عبارت یہ ہے فَعَلَیْکُمْ مَا اسْتَیْسَرْتُمْ.

قولہ: فَفِدْیَۃٌ، فِدْیَۃ، مبتداء ہے اور عَلَیْهِ اس کی خبر محذوف ہے۔

قولہ: مِنْ صِیَامٍ یہ محذوف سے متعلق ہو کر فدیۃ کی صفت ہے ای فِدْیَۃٌ کائنۃٌ من صیام.

قولہ: بِاَنْ ذَھَبَ اَوْلَمْ یکن اس عبارت کے اضافہ کا مقصد، اَمِنْتُمْ کے دونوں معنی کی طرف اشارہ کرنا ہے اَمِنْتُمْ، یا تو اَمَنَۃٌ سے مشتق ہے اس کے معنی زوال خوف کے ہیں یا اَمْنٌ سے مشتق ہے اس کے معنی اَمْن یعنی ضد الخوف کے ہیں اگر اَمِنْتُمْ کو الْاَمَنَۃ، سے مشتق مانا جائے تو معنی ہوں گے فَاِذَا زَالَ عَنْکُمْ خوف العدوّ، تو اس صورت میں اس شخص کا حکم کہ جس کا احصار زائل ہو گیا ہو عبارۃ النص کے طور پر ثابت ہوگا اور اسی سے اس شخص کا حکم جو پہلے ہی سے مامون ہو دلالت النص کے طور سے مفہوم ہوگا، اور اگر اَمِنْتُمْ، الْاَمْن سے مشتق ہو تو اس کے معنی ہوں گے کہ جب تم امن واطمینان میں ہو۔

(ترویح الارواح)

قولہ: نُسُكٍ یہ نَسِیْكٌ کی جمع ہے بمعنی قربانی، اور نُسُكٍ، مصدر بھی ہے قربانی کرنا۔

قولہ: فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ، فاء رابطہ ہے جواب شرط کے لئے مَا، اسم موصولہ مبتداء اس کی خبر محذوف، ای فعلیه مَا اسْتَیْسَرَ، اِسْتَیْسَرَ صلہ، جملہ ہو کر جواب شرط۔

قولہ: بِاَنْ لَمْ یکونوا علی مرحلَتَیْنِ مِنَ الحرم عند الشافعی (رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی) اس عبارت کا مقصد متمتع پر

وجوب قربانی اور عدم وجوب قربانی کی دونوں صورتوں کو بیان کرنا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ متمتع اگر آفاقی ہو تو اس پر دم تمتع واجب ہے اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نزدیک آفاقی وہ ہے جو حرم سے کم از کم دو مرحلوں کی مسافت کا باشندہ ہو اور جو اس سے کم مسافت کا باشندہ ہو وہ ان کے نزدیک حضری ہے تو اس پر دم تمتع واجب نہیں ہے اور جب دم واجب نہیں تو اس کا نائب یعنی روزہ بھی واجب نہیں۔

قَوْلُہٗ: فی ذکر الأهل الخ اس عبارت کا مقصد لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی تشریح ہے مطلب یہ ہے کہ دم تمتع ساقط ہونے کیلئے مقیم شرعی ہونا ضروری ہے اگر کسی شخص نے **قبل اشہر الحرم** مکہ میں قیام تو کیا ہے مگر وطن نہیں بنایا یعنی پندرہ دن قیام کا ارادہ نہیں کیا تو اس شخص سے دم تمتع ساقط نہیں ہوگا، اس لئے کہ اقامت شرعی کی نیت کے بغیر وہ آفاقی ہی شمار ہوگا اور آفاقی پر دم تمتع واجب ہوتا ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

مالی ہنگامی ضرورت:

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، اس آیت سے فقہاء نے یہ حکم اخذ کیا ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی بعض حقوق مالیہ فرض ہیں مگر وہ ہنگامی (ایمرجنسی) اور وقتی ضرورت کے لئے ہیں دائمی نہیں نہ ان کے لیے کوئی مقدار متعین ہے بلکہ جتنی ضرورت ہو اس کا انتظام کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہے اور جب ضرورت نہ ہو تو کچھ فرض نہیں، جہاد کا خرچ اسی ہنگامی ضرورت میں شامل ہے۔

ترک جہاد قومی ہلاکت ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ، لفظی معنی تو ظاہر ہیں، کہ اپنے اختیار سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اب رہی یہ بات کہ ہلاکت میں نہ ڈالنے سے یہاں کیا مراد ہے اس میں حضرات مفسرین کے اقوال مختلف ہیں امام جصاص رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا ان میں کوئی تضاد نہیں سب ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابوایوب انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا: کہ یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے ہم اس کی تفسیر بخوبی جانتے ہیں، بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ اور قوت عطا فرما دی تو ہم میں یہ گفتگو ہوئی کہ اب جہاد کی کیا ضرورت ہے؟ ہم اپنے وطن میں ٹھہر کر اپنے مال اور جائیداد کی خبر گیری کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی؟ جس نے یہ بتلا دیا کہ ہلاکت سے مراد اس جگہ ترک جہاد ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ ترک جہاد مسلمانوں کی قومی ہلاکت و بربادی کا سبب ہے اس لئے حضرت ابوایوب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ انصاری نے اپنی پوری عمر جہاد میں صرف کر دی، یہاں تک کہ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جہاد کرتے ہوئے ۵۲ھ میں شہادت حاصل کی موصوف کی قبر آج بھی قسطنطنیہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے آپ کی قبر کے پاس ایک مسجد بھی تعمیر کر دی گئی ہے۔

حضرت براء بن عازب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا: کہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت و مغفرت سے مایوس ہو جانا اپنے آپ کو

ہلاکت میں ڈالنا ہے، اس لئے مغفرت سے مایوس ہونا حرام ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا کہ بیوی بچوں کے حقوق ضائع ہو جائیں یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے ایسا اسراف جائز نہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا: ایسی صورت میں قتال کے لئے اقدام کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جب کہ یہ اندازہ ہو کہ ہم دشمن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، خود ہلاک ہو جائیں گے ایسی صورت میں اقدام قتال اس آیت کی بناء پر منع ہے۔

وَاَحْسِنُوْآ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ، اس جملہ میں ہر کام کو اچھا کرنے کی ترغیب ہے اور کام کو اچھا کرنا جس کو قرآن میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے دو طرح ہے ایک عبادت میں اور دوسرے معاملات و معاشرت میں، عبادت میں احسان کی تفسیر حدیث جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام میں خود رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمائی ہے کہ اس طرح عبادت کرو جیسے تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ اعتقاد تو لازم ہی ہے کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اور معاملات و معاشرت میں احسان کی تفسیر مسند احمد میں بروایت حضرت معاذ حضرت رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمائی ہے کہ تم سب لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور جس چیز کو تم اپنے لئے ناپسند کرو دوسروں کے لئے بھی ناپسند کرو۔ (معارف)

حج کی فرضیت:

جمہور کے قول کے مطابق حج کی فرضیت ہجرت کے تیسرے سال یعنی غزوۂ احد کے سال سورۂ آل عمران کی اس آیت سے ہوئی وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ الخ.

باتفاق مفسرین یہ آیت واقعہ حدیبیہ ۶ھ میں نازل ہوئی اس آیت کا مقصد حج کی فرضیت کو بتلانا نہیں اس لئے کہ حج تو پہلے ہی فرض ہو چکا ہے اس آیت کا مقصد حج کے کچھ احکام بیان کرنا ہے۔

اَتِمُّوا الحج والعمرة للّٰہ، یعنی اگر راستہ میں کوئی ایسا سبب پیش آ جائے جس کی وجہ سے آگے جانا ممکن نہ رہے اور مجبوراً رک جانا پڑے تو اونٹ، گائے، بکری، میں سے جو جانور بھی میسر ہو اللہ کے لئے قربانی کر دو اس امر میں اختلاف ہے کہ قربانی کے اپنی جگہ پہنچ جانے سے کیا مراد ہے؟ فقہاء حنفیہ کے نزدیک اس سے مراد حرم ہے، یعنی محصر کے لئے اپنی قربانی کا جانور یا اس کی قیمت بھیج دے، تاکہ اس کی طرف سے حدود حرم میں قربانی کی جائے، اور امام مالک و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاں آدمی گھر گیا ہو تو وہیں قربانی کر دینا مراد ہے۔

اِحصار اور مجبوری سے کیا مراد ہے:

اس آیت میں دشمن کے حائل ہوجانے کی مجبوری تو صراحۃ مذکور ہے لہٰذا امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ اور امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ مجبوری صرف دشمن کے حائل ہونے کو مانتے ہیں مگر امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ نے دشمن کے ساتھ اشتراک علت کی وجہ سے دیگر مجبوریوں مثلاً مرض وغیرہ کو بھی شامل کرلیا ہے۔

اس آیت میں سر منڈانے کو احرام کھولنے کی علامت قرار دیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ حالت احرام میں سر منڈانا یا بال کٹانا ممنوع ہے اسی مناسبت سے اگلا حکم یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی بیماری وغیرہ کی مجبوری سے سر منڈانے کی ضرورت پیش آئے تو بقدر ضرورت جائز ہے مگر اس کا فدیہ دینا لازم ہوگا فدیہ یہ ہے کہ روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے، قربانی کے لئے حدود حرم کی جگہ متعین ہے روزہ اور صدقہ کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں ہر جگہ ادا کرسکتا ہے قرآنی الفاظ میں روزوں اور صدقہ کی کوئی مقدار بیان نہیں کی گئی مگر حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ صحابی کی ایک ایسی حالت میں یہ فرمایا تین روزے رکھیں یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع گندم بطور صدقہ دیں۔ (صحیح بخاری)

عمرہ کا حکم:

ابن کثیر نے بحوالہ ترمذی، احمد، بیہقی حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ عمرہ واجب ہے؟ آپ نے فرمایا واجب تو نہیں لیکن کرلو تو بہتر اور افضل ہے اس وجہ سے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رَحِمَہُمَا اللہُ تعالیٰ وغیرہ کے نزدیک عمرہ واجب نہیں سنت ہے۔

حج تمتع وقران کے احکام:

عرب جاہلیت کا خیال تھا کہ جب حج کا وقت یعنی شوال شروع ہوجائے تو ان ایام میں حج وعمرہ کا جمع کرنا سخت گناہ ہے اس آیت کے آخری حصہ میں ان کے اس خیال کی اصلاح اس طرح کردی گئی کہ حدود میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے تو حج وعمرہ دونوں کو اشھر حج میں جمع کرنا ممنوع ہے کیوں ان کو اشھر حج کے بعد دوبارہ عمر کے لئے سفر کرنا مشکل نہیں لیکن حدود میقات کے باہر سے آنے والوں کے لئے دوبارہ عمرہ کے لئے سفر کرنا دشوار ہے اس لئے آفاقیوں یعنی دور کے رہنے والوں کے لئے حج وعمرہ کو جمع کرنا جائز ہے میقات وہ مقامات ہیں جو اطراف عالم سے آنے والوں کے ہر راستہ پر اللہ کی طرف سے متعین ہیں کہ جب بقصد مکہ آنے والا مسافر یہاں پہنچے تو یہاں سے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا لازم ہے بغیر احرام یہاں سے آگے بڑھنا جرم اور گناہ ہے ''لِمَنْ لَّمْ یَکُنْ اَھْلُہٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' کا یہی مطلب ہے جس کے اہل وعیال مسجد حرام کے قرب وجوار یعنی حدود میقات کے اندر نہیں

رہتے یعنی وہ حدود میقات کے اندر کا باشندہ نہیں ہے اس کے لئے حج وعمرہ کو حج کے زمانہ میں جمع کرنا جائز ہے۔

متمتع پر شکریہ کے طور پر دم تمتع واجب ہے خواہ اونٹ، گائے، بکری جو بھی میسر ہو اور جو شخص قربانی نہ کر سکے تو اس پر دس روزے واجب ہیں تین روزے ایام حج میں رکھے یعنی نویں ذی الحجہ تک پورے کر دے باقی سات روزے حج سے فارغ ہو کر جہاں چاہے اور جب چاہے رکھے، اور اگر کوئی شخص ایام حج میں تین روزے نہ رکھ سکا تو پھر اس پر امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ اور اکابر صحابہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمْ کے نزدیک قربانی ہی واجب ہے جب قدرت ہو کسی کے ذریعہ حرم میں قربانی کرادے۔

تمتع اور قران میں فرق:

تمتع کے معنی ہیں فائدہ اٹھانا، اور قران کے معنی ہیں ملانا، اشہر حج میں اگر میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھے یعنی احرام باندھتے وقت حج وعمرہ دونوں کی نیت کرلے تو یہ شخص قارن کہلاتا ہے یعنی حج وعمرہ کو ملانے والا، اس کا احرام درمیان میں کھلے گا نہیں آخر ہی میں دس ذی الحجہ کو کھلے گا۔

تمتع کا مطلب ہے ایک ہی سفر میں دو عبادتوں کا ثواب حاصل کر کے فائدہ اٹھانا، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ حاجی، میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھتا ہے مکہ جا کر عمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دیتا ہے پھر آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ جانے کے وقت حرم سے حج کا احرام باندھتا ہے اس کو اصطلاح میں حج تمتع اور ایسا کرنے والے کو متمتع کہتے ہیں۔

اَلْحَجُّ وقتُهُ **اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ** شوالٌ وذوالقعدةِ وعشرُ ليالٍ من ذي الحجّةِ وقيل كُلُّهُ **فَمَنْ فَرَضَ** على نفسه **فِيْهِنَّ الْحَجَّ** بالاحرام به **فَلَا رَفَثَ** جماعَ فيه **وَلَا فُسُوْقَ** معاصيَ **وَلَا جِدَالَ** خِصَامَ **فِي الْحَجِّ** وفي قراءةٍ بفتح الاوّلَين والمرادُ في الثلثة النّهيُ **وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ** كصَدَقةٍ **يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ** فيُجازيكم به ونزل في اهلِ اليمن وكانوا يَحُجُّون بلازادٍ فيكونون كَلًّا على النّاس **وَتَزَوَّدُوْا** ما يُبلِغُكم بسفرِكم **فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى** ما يُتَّقى به سؤالَ النّاس وغيرِه **وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ** ﴿۱۹۷﴾ ذوي العُقُول **لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ** في **اَنْ تَبْتَغُوْا** تطلبوا **فَضْلًا** رزقًا **مِّنْ رَّبِّكُمْ** بالتِّجارةِ في الحج نَزَلَ رَدًّا لكَراهيَتِهم ذلكَ **فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ** دفعتُم **مِّنْ عَرَفٰتٍ** بعد الوُقوفِ بها **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ** بعدَ المبيتِ بمُزدلِفةَ بالتّلبيةِ والتّهليلِ والدُّعاءِ **عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ** هو جبلٌ في اٰخِرِ المُزدلِفةِ يقالُ لهُ قُزَحٌ وفي الحديث انّهُ صلى الله عليه وسلمَ وقفَ به يذكُرُ اللّٰهَ ويدعُو حتّى اسفَرَ جدًّا رواه مسلم **وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ** لمعالمِ دينِه ومناسكِ حجِّه والكافُ للتّعليلِ **وَاِنْ** مُخفّفةٌ **كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ** قبلَ هُداهُ **لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ** ﴿۱۹۸﴾ **ثُمَّ اَفِيْضُوْا** يا قريشُ **مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ** اي مِن عرفةَ بأن تقفُوا بها معهم وكانُوا يقفُون بالمُزدلفةِ ترفُّعًا عن الوُقوفِ معهم وثمّ للترتيبِ في الذِّكر

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ من ذنوبكم اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ للمؤمنين رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ بهم فَاِذَا قَضَيْتُمْ اديتم مَّنَاسِكَكُمْ عباداتِ حجكم بأن رميتم جمرة العقبة وحلقتم وطفتم واستقررتم بمنى فَاذْكُرُوا اللّٰهَ بالتكبير والثناء كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ كما كنتم تذكرونهم عند فراغ حجكم بالمفاخر اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ من ذكركم اٰبائهم ونصب اشد على الحال من ذكر المنصوب باذكروا اذ لو تأخر عنه لكان صفة له فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا نصيبنا فِي الدُّنْيَا فيؤتاه فيها وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ نصيب وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً نعمة وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً هي الجنة وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ بعدم دخولها وهذا بيان لما كان عليه المشركون ولحال المؤمنين والقصد به الحث على طلب خير الدارين كما وعد بالثواب عليه بقوله اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ ثواب مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ من اجل ما عملوا من الحج والدعاء وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ يحاسب الخلق كلهم في قدر نصف نهار من ايام الدنيا لحديث بذلك وَاذْكُرُوا اللّٰهَ بالتكبير عند رمي الجمرات فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ اي ايام التشريق الثلاثة فَمَنْ تَعَجَّلَ اي استعجل بالنفر من منى فِيْ يَوْمَيْنِ اي في ثاني ايام التشريق بعد رمي جماره فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ بالتعجيل وَمَنْ تَاَخَّرَ بها حتى بات ليلة الثالث ورمى جماره فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ بذلك اي هم مخيرون في ذلك ونفي الاثم لِمَنِ اتَّقٰى ۭ الله في حجه لانه الحاج على الحقيقة وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ في الآخرة فيجازيكم باعمالكم.

ترجمہ: حج کا وقت متعین مہینے ہیں (اور وہ) شوال، ذی القعدہ اور ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں اور کہا گیا ہے کہ ذی الحجہ کا پورا مہینہ ہے تو جس نے ان مہینوں میں حج کا احرام باندھ کر اپنے اوپر حج لازم کر لیا تو نہ اس کے لئے (حالت) احرام میں فحش بات جماع جائز ہے اور نہ ارتکاب معاصی اور نہ حج میں لڑائی جھگڑا ہے اور ایک قراءت میں اول دونوں (رَفَثَ اور فُسُوْقَ) میں فتحہ ہے یعنی (مبنی برفتحہ) اور (نفی کے) تینوں صیغوں سے نہی مراد ہے اور جو بھی تم کار خیر کرتے ہو مثلاً صدقہ اللہ اس سے باخبر ہے، تو وہ تم کو اس کا صلہ دے گا اور اہل یمن کے بارے میں (آئندہ آیت) نازل ہوئی جو بغیر زادراہ کے حج کرتے تھے، جس کی وجہ سے لوگوں پر بوجھ بنتے تھے اور اتنی مقدار زادراہ ہمراہ لے لیا کرو جو تمہارے سفر کے لئے کافی ہو بلاشبہ بہترین زادراہ خدا کا خوف ہے کہ جس کی وجہ سے لوگوں سے سوال وغیرہ (مثلاً چوری غصب وغیرہ) سے بچے، اور اے دانشمندو مجھ ہی سے ڈرو، تمہارے لئے اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم حج میں تجارت کے ذریعہ اپنے رب کا فضل (روزی) طلب کرو ان کے طلب رزق کو ناپسند کرنے کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور جب تم وقوف عرفہ کے بعد عرفات سے لوٹو تو مزدلفہ میں رات گذارنے کے بعد مشعر حرام کے پاس تلبیہ اور تہلیل اور دعاء کے ذریعہ اللہ کا ذکر کرو (مشعر حرام) مزدلفہ کے آخر میں

ایک پہاڑ ہے، اس کو قزح کہا جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس جگہ اللہ کے ذکر کے ساتھ قیام فرمایا، اور آپ دعاء کرتے رہے یہاں تک کہ خوب اجالا ہوگیا (رواہ مسلم) اور اللہ کا ذکر کرو اس لئے کہ اس نے تم کو اپنے دین اور حج کے احکام کی ہدایت دی ہے اور بلاشبہ تم اِنْ مخففہ ہے، اس کی ہدایت سے پہلے گمراہوں میں سے تھے، اے قریشیو! تم بھی وہیں سے واپس ہوا کرو جہاں سے سب لوگ واپس ہوتے ہیں یعنی عرفات سے، اس طریقہ سے کہ تم بھی ان کے ساتھ وہاں قیام کرو، اور قریشی دیگر لوگوں پر برتری جتانے کے لئے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے، ثُمَّ، ترتیب ذکری کے لئے ہے اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو بے شک اللہ مومنوں کو معاف کرنے والا ہے ان پر رحم کرنے والا ہے جب تم اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو، بایں طور کہ تم جمرہ عقبہ کی رمی کر چکو اور حلق کرا چکو اور منی میں قیام پذیر ہو جاؤ تو تکبیر و ثنا کے ذریعہ اللہ کا ذکر کرو جیسا کہ تم اپنے آباء واجداد کا ذکر کیا کرتے تھے، یعنی جس طرح حج سے فارغ ہونے کے بعد تفاخر کے طور پر ان کا ذکر کیا کرتے تھے، بلکہ ان کا ذکر کرنے سے بھی بڑھ کر، اَشَدُّ، ذکرًا سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جو اذکروا کی وجہ سے منصوب ہے اس لئے کہ اگر (ذکرًا) سے مؤخر ہوتا تو اس کی صفت ہوتا اور ان میں بعض لوگ تو ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب تو ہم کو ہمارا حصہ دنیا ہی میں دیدے، تو اس کو دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے، ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور ان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب تو ہمیں دنیا میں بھی بھلائی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطاء فرمانا اور وہ جنت ہے اور تو ہم کو آگ کے عذاب سے بچا اس میں داخل نہ کر کے یہ مشرکین کے طریقہ اور مؤمنین کے حال کا بیان ہے اور اس کا مقصد دارین کی خیر طلب کرنے کی ترغیب دلانا ہے، جیسا کہ اس پر (اللہ نے) اپنے قول "اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ" سے وعدہ کیا ہے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے اجر ہے ان کے اعمال کا جو انہوں نے حج اور دعاء کے ذریعہ کئے، اور اللہ جلد حساب چکانے والا ہے کہ پوری مخلوق کا حساب دنیا کے دنوں کے اعتبار سے نصف دن میں چکا دے گا، اس مضمون کی حدیث وارد ہونے کی وجہ سے اور جمرات کی رمی کے وقت تکبیر کے ذریعہ، چند دن یعنی ایام تشریق کے تین دنوں میں اللہ کا ذکر کرو اور جس نے جلدی کی یعنی منی سے روانہ ہونے میں عجلت سے کام لیا، یعنی ایام تشریق میں دوسرے دن رمی جمار کرنے کے بعد تو اس عجلت کی وجہ سے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے تاخیر کی یہاں تک کہ تیسری رات گذاری اور اس دن کی رمی جمار کر لی تو اس میں اس پر کوئی گناہ نہیں یعنی ان کو اس میں اختیار ہے اور گناہ نہ ہونا اس شخص کے لئے ہے جو اپنے حج میں اللہ سے ڈرتا ہو اس لئے درحقیقت وہی حاجی ہے اور اللہ سے ڈرو اور سمجھ لو کہ تم کو آخرت میں اس کی طرف جمع کیا جائے گا اور وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزاء دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَلْحج وقتُهٗ

سَوَال: لفظ، وقتُهٗ، کا اضافہ کس مقصد سے کیا گیا ہے؟

جَوَابٌ: مضاف محذوف ہے ای وقتُ الحج، حج کا وقت، اگر مضاف محذوف نہ مانا جائے تو مصدر کا حمل ذات پر لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ تقدیر عبارت یہ ہوگی، اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ، حج مہینے ہیں، حالانکہ مہینے حج نہیں ہیں بلکہ حج کے اوقات ہیں مضاف محذوف ماننے سے مذکورہ اعتراض ختم ہوگیا۔

قَوْلَهُ: وقیل کلّهٗ، قیل کے قائل امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک ذی الحجہ کا پورا مہینہ اشہر حج میں شامل ہے۔

قَوْلَهُ: بالاحرام بِهٖ.

سُوَالٌ: بالاحرام بِهٖ کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: یہ ائمہ کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک صرف نیت اور احرام باندھنے سے حج لازم ہوجاتا ہے، مگر امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک تلبیہ یا سوق ہدی سے لازم ہوتا ہے۔

قَوْلَهُ: جماعَ فِیْهِ، جماعَ کا اضافہ تو بیان معنی کے لئے ہے مگر فِیْهِ کے اضافہ کا کیا مقصد ہے؟

جَوَابٌ: لَارَفَثَ، فَمَنْ فَرَضَ شرط کی جزاء ہے اور جزاء کے لئے جملہ ہونا شرط ہے حالانکہ لا رَفَثَ جملہ تامہ نہیں ہے، اس لئے کہ لا نفی جنس ہے اور رَفَثَ اس کا اسم ہے اور خبر ندارد ہے، لہٰذا جملہ ناقصہ ہوا، رَفَثَ کو جملہ تامہ بنانے کے لئے فِیْهِ محذوف ماننا ضروری ہے تاکہ جائزٌ وغیرہ کے متعلق ہوکر لائے نفی جنس کی خبر ہوسکے اور لائے نفی جنس اپنے اسم وخبر سے مل کر شرط کی جزاء واقع ہوسکے۔

قَوْلَهُ: وفی قراءةٍ اس اضافہ کا مقصد اختلاف قراءت کو بیان کرنا ہے، فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ میں چار قراءتیں ہوسکتی ہیں، مگر مفسر علام نے دو کی طرف اشارہ کیا ہے غالباً مفسر علام کے پیش نظر قرآن کریم کا وہ نسخہ ہے جس میں تینوں پر رفع ہے، اسی لئے فرمایا، کہ ایک قراءت میں پہلے دو پر فتحہ ہے اور جِدَالُ، پر رفع ہی ہے، وہ چار قراءتیں یہ ہیں، ① تینوں کا نصب ② تینوں کا رفع، ③ پہلے دو کا رفع اور تیسرے کا نصب ④ پہلے دو کا نصب اور تیسرے کا رفع۔

قَوْلَهُ: والمراد فی الثلثةِ النهی، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: لَا رَفَثَ وَلَا فسوقَ، وَلَاجِدَالَ یہ تینوں نفی کے صیغے ہیں ان میں خبر دی گئی ہے کہ حج میں نہ فحش بات کا وجود ہے اور نہ فسق اور لڑائی جھگڑے کا، حالانکہ مشاہدہ ہے کہ تینوں چیزیں حج میں واقع ہوتی ہیں حالانکہ خدائی کلام میں تخلف اور کذب نہیں ہوسکتا۔

جَوَابٌ: نفی سے مراد نہی ہے اس لئے کہ مقصد، لا ترفثوا، لَا تَفْسُقوا، ولا تجادِلوا ہے یعنی حج میں مذکورہ تینوں کام نہ کرو۔

سُوَالٌ: نہی کو نفی سے تعبیر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابٌ: دراصل نہی میں مبالغہ مقصود ہے اور اس بات پر دلالت مقصود ہے کہ مذکورہ تینوں کام حج میں ہرگز نہیں ہونے چاہئیں۔

قولہ تعالیٰ: وَمَا تفعلوا.

سوال: لَارَفَثَ، لَا ترفثوا، کے معنی میں ہونے کی وجہ سے جملہ انشائیہ ہے اور وَمَا تَفْعَلُوا، جملہ خبریہ ہے حالانکہ وَمَا تَفْعَلُوا کا عطف وَلَا رَفَثَ پر ہے اور یہ عطف خبر علی الانشاء کے قبیل سے ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔

جواب: مَا تَفْعَلُوا تاویل میں امر کے ہے ای اِفْعَلُوْا، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ: والکاف للتعلیل یعنی کما ھداکم میں کاف تشبیہ کے لئے نہیں بلکہ تعلیل کے لئے ہے، یعنی تم اللہ کا ذکر اس لئے کرو کہ اس نے تم کو احکام دین کی ہدایت عطا فرمائی۔

قولہ: وَاِنْ مخففة، یہ ان لوگوں پر رد ہے جو اِن کو نافیہ مانتے ہیں اس لئے کہ لَمِنَ الضَّالِّین، میں لام علامت ہے اس بات کی کہ اِنَّ، مخففہ عن المثقلۃ ہے ورنہ تو لَمِنَ الضالین کے لام کو اِلّا، کے معنی میں لینا ہوگا جو کہ خلاف اصل ہے۔

قولہ: ثُمَّ لِلترتیب فی الذکر، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: اوپر عرفات سے روانہ ہونے کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کے قول فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ، پھر اس کے بعد ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ میں مزدلفہ سے روانگی کا ذکر ہے حالانکہ ترتیب خارجی اس کے برعکس ہے اس لئے کہ اول عرفات سے روانگی ہوتی ہے اس کے بعد مزدلفہ سے ہوتی ہے۔

جواب: ثمّ ترتیب خارجی کے لئے نہیں بلکہ ترتیب ذکری کے لئے ہے۔

قولہ: ونصبُ اَشَدَّ، علی الحال، اس اضافہ کا مقصد اَشَدَّ، کے نصب کی وجہ بیان کرنا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اَشَدَّ ذِکْرًا، اذکروا کا مفعول مطلق سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اگر اشَدَّ ذِکْرًا، سے مؤخر ہوتا تو صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا، موصوف نکرہ پر جب صفت مقدم ہو جاتی ہے تو پھر وہ حال واقع ہوتی ہے، یہی صورت یہاں ہے۔
(واللہ اعلم بالصواب)

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ، حج کے ایام معلوم و متعین ہیں اور وہ شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے اول دس دن ہیں مطلب یہ ہے کہ عمرہ تو سال بھر میں ہر وقت جائز ہے لیکن حج صرف مخصوص ایام ہی میں ہوسکتا ہے بعض ائمہ کے نزدیک تو حج کا احرام ایام حج سے پہلے باندھنا جائز ہی نہیں ایسے شخص کا حج ہی نہ ہوگا، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نزدیک حج تو ہو جائے گا، البتہ ایام حج سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔

احرام کی حالت میں نہ صرف یہ کہ تعلق زن وشو ممنوع ہے بلکہ ان کے درمیان کوئی ایسی گفتگو بھی نہ ہونی چاہئے جو رغبت شہوانی پر مبنی ہو۔

رَفَث:

ایک جامع لفظ ہے جس میں عورت سے مباشرت اور اس کے مقدمات یہاں تک کہ زبان سے عورت کے ساتھ مباشرت کی کھلی گفتگو کرنا بھی داخل ہے، تعریض و کنایہ میں مضائقہ نہیں۔

فسوق:

کے لفظی معنی خروج کے ہیں اصطلاح قرآن میں عدول حکمی اور نافرمانی کو کہا جاتا ہے بعض حضرات نے یہاں بھی فسوق کے عام معنی مراد لئے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اس جگہ فسوق کی تفسیر محظورات احرام سے فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ اس مقام کے یہی تفسیر مناسب ہے۔ (معارف)

جدال:

یہ لفظ بھی اپنے معنی کے اعتبار سے بہت عام ہے لڑائی جھگڑے کو کہتے ہیں اور بعض حضرات مفسرین نے بھی عام معنی مراد لئے ہیں اور بعض حضرات نے حج و احرام کی مناسبت سے ایک مخصوص معنی مراد لئے ہیں وہ یہ کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ مقام وقوف میں اور اسی طرح اوقات حج میں اختلاف رکھتے تھے، کچھ لوگ عرفات میں وقوف ضروری سمجھتے تھے اور کچھ مزدلفہ میں اسی طرح کچھ لوگ ذی الحجہ میں حج کرتے تھے اور کچھ لوگ ذیقعدہ میں اور ان معاملات و مسائل میں نزاع اور جھگڑے کرتے تھے اور ایک دوسرے کو گمراہ کہتے تھے، قرآن کریم نے لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ، کہہ کر جھگڑوں کا خاتمہ فرما دیا، اور جو بات صحیح اور حق تھی وہ بیان فرما دی۔

نقشہ مقاماتِ حج

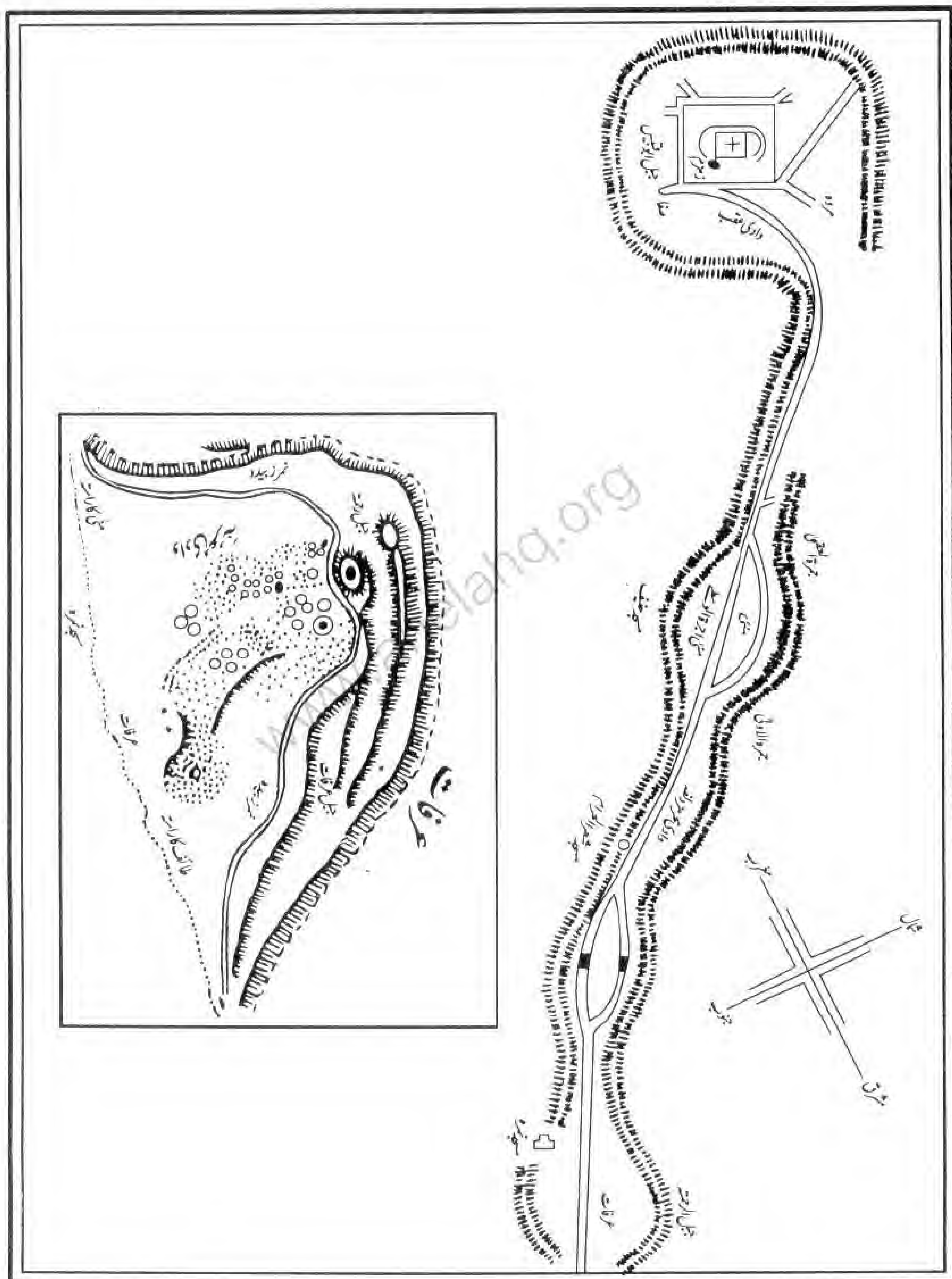

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى، بعض لوگ زمانۂ جاہلیت میں حج کے لئے زادِراہ ساتھ لے کر نکلنے کو ایک دنیادارانہ فعل سمجھتے تھے، اس معاملہ میں یمن کے لوگ زیادہ غلو کرتے تھے اور زادراہ ہمراہ لینے کو خلاف توکل سمجھتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ خود بھی تکلیف اٹھاتے تھے، اور دوسروں کے لئے بھی بار بنتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط خیال کی تردید فرمادی اور بتادیا کہ زادراہ ہمراہ نہ لینا نہ کوئی خوبی ہے اور نہ تقوے کی بات۔ اصل خوبی اللہ کا خوف اور اس کے حکم کی خلاف ورزی سے اجتناب ہے جس شخص کا باطن تقوے سے عاری ہوا گر وہ زادراہ ہمراہ نہ لے تو یہ محض ظاہر میں فقیری کی نمائش ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں ایسا شخص خدا اور خلق دونوں کی نگاہ میں ذلیل ہوگا۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ، قدیم عربوں کا جاہلانہ تصور تھا کہ سفر حج کے دوران کسب معاش کے لئے کام کرنے کو برا سمجھتے تھے، قرآن اس خیال کی تردید کرتا ہے کہ اگر خدا پرست خدا کے قانون کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے معاش کے لئے جدوجہد کرتا ہے تو دراصل وہ اپنے رب کا فضل تلاش کرتا ہے اور یہ کوئی گناہ نہیں۔

امت کے مختلف طبقوں کا دنیا کے مختلف گوشوں سے یہ عظیم الشان اجتماع محض ایک خشک عبادت اور محض ذکر الٰہی کے لئے ہی نہیں، بلکہ فرد وملت یعنی انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کے فائدے اس سے حاصل کئے جاسکتے ہیں اور کئے جانے چاہئیں، حج کے روحانی اسرار وحقائق کا ادراک تو فرنگی دماغوں کے لئے آسان نہیں لیکن اس بین الاقوامی سالانہ کانفرس سے جو سیاسی، ملی، اجتماعی اقتصادی ہر قسم کے فائدے وابستہ ہیں اور اس بین الاقوامی سالانہ بازار سے جو مالی، تجارتی، معاشی فائدے حاصل ہوسکتے ہیں ان کا اندازہ اور اعتراف تو فرنگیوں کی زبان سے بھی بارہا ہوچکا ہے۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ حج کے اعمال، واجبات، سنن، مستحبات تو بہت سے ہیں لیکن ضروری تین ہیں، احرام پوشی، ۹رذی الحجہ کو عرفات میں حاضری اور طواف زیارت ان تینوں میں بھی اہم ترین رکن وقوف عرفات ہے۔

عرفات:

مکہ معظمہ سے جو سڑک مشرق کی جانب طائف جاتی ہے اس پر مکہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلہ پر کئی میل کے رقبہ کا ایک لمبا چوڑا میدان ہے اس کا نام عرفات ہے اسی نام کی ایک پہاڑی بھی اسی میدان میں واقع ہے سطح زمین سے اس کی بلندی تقریباً دوسو گز ہے ۸رذی الحجہ کی دوپہر تک حاجیوں کو منیٰ پہنچ جانا چاہئے اور ۹رذی الحجہ کی صبح کو اشراق کے بعد عرفات کے لئے روانگی ہوجائے تاکہ منیٰ اور عرفات کا درمیانی فاصلہ جو تقریباً ۸، ۹رمیل ہے، دوپہر تک طے ہوجائے، دوپہر سے عصر کے آخری وقت تک اسی میدان میں رہنا چاہئے اسی کو اصطلاح میں وقوف کہتے ہیں یہ عرفات کی حاضری حج کا رکن اعظم بلکہ حج کی جان ہے اس کے فوت ہونے سے حج فوت ہوجاتا ہے، یہ سارا وقت توبہ واستغفار، عبادت، انابت الی اللہ ہی میں صرف ہونا چاہئے غروب کے بعد مزدلفہ (مشعرالحرم) کے لئے روانہ ہونا چاہئے، مغرب کی نماز کا وقت اگرچہ عرفات ہی میں ہوجاتا ہے مگر نماز ادا نہ کرنی چاہئے اور نہ راستہ میں ادا کرے بلکہ مزدلفہ میں جاکر مغرب اور عشاء دونوں ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا کرے جس

طرح میدان عرفات میں مسجد نمرہ میں عصر وظہر ایک ساتھ ادا کی تھیں۔

مزدلفہ مکہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، منی سے عرفات جانے کا ایک راستہ تو سیدھا ہے حاجی ۹/ذی الحجہ کو عرفات اسی راستہ سے جاتے ہیں، واپسی میں حکم ہے کہ دوسرے راستہ سے لوٹیں یہ راستہ ذرا چکر کا ہے اور مزدلفہ اسی راستہ میں پڑتا ہے، حاجیوں کے قافلے تقریباً دس بجے شب یہاں پہنچ جاتے ہیں وادی محسّر کے سوا پورا مزدلفہ متبرک اور محترم ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ، زمانۂ جاہلیت میں عرب حج سے فارغ ہونے کے بعد منی میں جلسے کرتے تھے، جن میں ہر قبیلے کے لوگ اپنے باپ دادا کے کارنامے فخر کے ساتھ بیان کرتے اور بڑائی کی ڈینگیں مارتے تھے، اس پر ان کو تاکید کی جارہی ہے کہ ان جاہلانہ باتوں کو چھوڑو، پہلے جو وقت فضولیات میں صرف کرتے تھے، اب اسے اللہ کی یاد میں صرف کرو۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ سے عرب کا معروف طریقۂ حج یہ تھا کہ ۹/ ذی الحجہ کو منی سے عرفات جاتے تھے اور رات کو وہاں سے پلٹ کر مزدلفہ میں قیام کرتے تھے، مگر بعد کے زمانہ میں قریش نے یہ طریقہ شروع کردیا کہ عرفات میں جانے کے بجائے مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے اور دیگر لوگ عرفات چلے جاتے اور قریش دلیل یہ دیتے ہم چونکہ بیت اللہ کے مہنت اور پروہت ومجاور ہیں لہٰذا ہمارے لئے حرم سے باہر جانا مناسب نہیں ہے مقصد ان کا اپنے لئے شانِ امتیازی قائم کرنا اور دیگر قبیلوں پر اپنی فوقیت اور برتری جتانا ہوتا تھا پھر یہی امتیاز بنی خزاعہ اور بنی کنانہ کو بھی حاصل ہوگیا اس طرح ان قبیلوں کو دوسروں پر فضیلت وفوقیت حاصل ہوگئی، اسی فخر وغرور کے بت کو اس آیت میں توڑا گیا ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ، منی سے مکہ کی طرف روانگی کی دوصورتیں ہیں اور دونوں بالکل جائز ہیں اب اگر کوئی شخص ۱۰/ذی الحجہ کے بعد صرف دودن قیام کرکے ۱۲/کی شام کو مکہ چلا آئے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے اور جس کا جی چاہے ۱۳/ تک منی میں قیام کرلے یہ بھی درست ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اگر ۱۳/تک ٹھہرتا ہے تو طلوع آفات سے قبل ہی رمی جمرات کرلے، فقہاء حنفیہ کے یہاں ۱۳/ کا قیام افضل ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ولا يُعجِبُكَ فی الاخرةِ لِمُخالَفَتِه لاعتِقادِه وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِیْ قَلْبِهٖ اَنّهُ موافِقٌ لقولِه وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ شديد الخُصُومَةِ لَكَ ولِاَتْباعِكَ لعَداوتِه لكَ وهُو الاَخنَسُ بن شَرِيقٍ كانَ منافِقًا حُلْوَ الكَلامِ للنبيِّ صلى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ يَحْلِفُ اَنَّهُ مؤمنٌ به ومُحِبٌّ لَهُ فيُدنِى مَجلِسَهُ فاَكذَبَهُ اللّٰهُ تعالى فى ذلك ومَرَّ بزَرعٍ وحُمُرٍ لِبَعْضِ المسلمين فاَحرَقَهُ وعَقَرَها ليلاً كما قال تعالى وَاِذَا تَوَلّٰى انصَرَفَ عنكَ سَعٰى مشٰى فِی الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ مِن جُملَةِ الفسادِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ اى لا يَرضٰى به وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ فى فِعلِكَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ حَمَلَتْهُ الانَفَةُ والحَمِيَّةُ على العَمَلِ بِالْاِثْمِ الذى اُمِرَ باتِّقائِه فَحَسْبُهٗ كافِيهِ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ الفِرَاشُ هى وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ يبيعُ نَفْسَهُ اى يَبذُلُها فى طاعةِ اللّٰهِ تعالى ابْتِغَآءَ طلبَ

مَرْضَاتِ اللّٰهِ رضاهُ وهو صُهَيب رضى الله تعالى عنه لَمّا اٰذاهُ المشركون بَاجَرَ الى المدينة وتَرَكَ لَهم ما لَهُ **وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ**⁽²⁰⁷⁾ حيثُ ارشدَهُم لِما فيه رضاهُ ونَزَلَ فى عبدِاللّٰهِ بن سلام واَصحابه لَمّا عَظَّمُوا السَّبتَ و كَرِهُوا الابلَ واَلبانَها بعد الاسلام **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ** بفتح السين وكسرها الاسلام **كَآفَّةً** حالٌ مِنَ السِّلم اى فى جميع شرائِعِه **وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ** طرقَ **الشَّيْطٰنِ** اى تزيينَهُ بالتفريقِ **اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ**⁽²⁰⁸⁾ بَيِّنُ العداوةِ **فَاِنْ زَلَلْتُمْ** مِلتُم عنِ الدُّخولِ فى جميعِه **مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ** الحُجَجُ الظّاهِرَةُ على انهُ حقٌّ **فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ** لا يُعجِزُهُ شيءٌ عن انتِقامِه مِنكم **حَكِيْمٌ**⁽²⁰⁹⁾ فى صُنعِه **هَلْ** ما **يَنْظُرُوْنَ** يَنتظِرُ التّارِكونَ الدُّخولَ فيه **اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ** اى اَمرُهُ كقولِه اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ اى عذابُهُ **فِىْ ظُلَلٍ** جمعُ ظُلَّةٍ **مِّنَ الْغَمَامِ** السَّحابِ **وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ الْاَمْرُ** تَمَّ امرُ اِهلاكِهم **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ**⁽²¹⁰⁾ بالبناءِ للمفعول والفاعل فى الاٰخرة فيُجازِى.

ترجمہ: اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں کہ دنیا کی زندگی کے بارے میں آپ کو ان کی باتیں اچھی لگتی ہیں اور آخرت کے بارے میں اچھی نہیں لگتیں اس کے اعتقاد کے آپ کے اعتقاد کے خلاف ہونے کی وجہ سے اور اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ بناتا ہے کہ جو کچھ اس کے دل میں ہے وہ اس کے قول کے مطابق ہے حالانکہ وہ زبردست جھگڑالو ہے یعنی آپ سے اور آپ کے متبعین سے سخت خصومت رکھنے والا ہے آپ سے خصومت رکھنے کی وجہ سے اور وہ اخنس بن شریق ہے جو منافق ہے، آپ ﷺ سے بہت شیریں گفتگو کرتا تھا اور قسمیں کھاتا تھا کہ وہ آپ پر ایمان رکھتا ہے اور آپ سے محبت رکھتا ہے آپ ﷺ اس کو اپنے قریب بٹھاتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اس کے دعوے میں تکذیب فرمائی، ایک مرتبہ مسلمانوں کی کھیتی اور گدھوں کے پاس سے گذرا تو رات کے وقت کھیتی کو جلا دیا اور گدھوں کی کونچیں کاٹ دیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جب وہ واپس جاتا ہے (یعنی) آپ کی مجلس سے لوٹتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ زمین میں فساد برپا کرے (دوسرا ترجمہ) (اور جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی ساری دوڑ دھوپ زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے ہوتی) اور کھیتی اور نسل کو برباد کرتا ہے یہ بھی منجملہ فساد کے ہے، اور اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا یعنی اس سے راضی نہیں ہے اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ تو اپنی حرکتوں کے بارے میں اللہ سے ڈر تو اس کو تکبر اور جاہلی تعصب گناہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے جس سے اس کو بچنے کے لئے کہا گیا ہے تو اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے یعنی وہ برا بچھونا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ اپنی جان کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بیچ دیتے ہیں یعنی اللہ کی طاعت میں اس کو قربان کر دیتے ہیں اور وہ صہیب رومی ہیں جب کہ مشرکین نے اذیت پہنچائی تو مدینہ ہجرت کر گئے اور مشرکین کے لئے اپنا تمام مال چھوڑ گئے اور اللہ اپنے بندوں پر

بڑی مہربانی کرنے والا ہے اس لئے کہ ان کو ان باتوں کی رہنمائی فرمائی جن میں اس کی خوشنودی ہے اور جب عبد اللہ بن سلام اوران کے اصحاب نے اسلام قبول کرنے کے بعد شنبہ کے دن کی تعظیم کرنے کا ارادہ کیا اور اونٹ اوران کے دودھ کو ناپسند کیا تو آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! اسلام میں پوری طرح داخل ہوجاؤ، (السِّلْم) سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بمعنی اسلام کَافَّةً، سلم سے حال ہے یعنی اس کی پوری شریعت میں (داخل ہوجاؤ) اور شیطان کے طریقوں کی پیروی نہ کرو یعنی تفریق کے ذریعہ خوشنمائی کی بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے یعنی اس کی عداوت بالکل واضح ہے پس اگر تم نے لغزش کھائی یعنی اگر اسلام میں مکمل داخل ہونے سے تم نے اعراض کیا بعد اس کے کہ تمہارے پاس اسلام کے حق ہونے پر واضح دلیلیں آگئیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اس کو انتقام لینے سے کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی اپنی صنعت میں حکیم ہے پوری طرح اسلام میں نہ داخل ہونے والے، کیا اب صرف اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس اللہ اور فرشتے یعنی اس کا حکم آجائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ''اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ، ای عذابُه'' بادلوں کے سائبان میں ظُلَلٌ ظُلَّةٌ کی جمع ہے اور کام تمام کردیا جائے (یعنی) ان کی ہلاکت کا معاملہ انجام کو پہنچ جائے آخرت میں اللہ کی ہی طرف تمام کام لوٹنے والے ہیں (ترجع) معروف ومجہول دونوں ہیں تو وہ جزاء دے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ، اس کا عطف فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ پر ہے اور وَمِنَ النَّاس، اپنے متعلق محذوف سے مل کر خبر مقدم ہے اور مَنْ یُّعْجِبُكَ، مبتداء مؤخر ہے۔

قِوْلَہٗ: اَلَدُّ الخِصَامِ. لَدٌّ، سے اسم تفضیل ہے سخت جھگڑالو، خِصَامٌ یہ خاصَمَ کا مصدر ہے زجاج نے کہا ہے کہ خَصْمٌ کی جمع ہے جیسا کہ صَعْبٌ کی جمع صِعَابٌ اور ضَخْمٌ کی جمع ضِخَامٌ۔

قِوْلَہٗ: شدید الخصومة مفسر علام نے اَلَدُّ کی تفسیر شَدِیْدُ سے کرکے اشارہ کردیا کہ اَلَدُّ، اسم تفضیل نہیں ہے (کما فی قول بعض الناس) اس لئے کہ اس کی مؤنث، لُدی، اور جمع لُدٌّ ہے۔

قِوْلَہٗ: تَوَلّٰی، اِنْصَرَفَ عَنْكَ تَوَلّٰی، کی تفسیر اِنْصَرَفَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ تَوَلّٰی بمعنی اِنْصِراف ہے نہ کہ بمعنی ولایۃ جیسا کہ کہا گیا ہے، اس لئے کہ آیت کا نزول اَخْنَسْ بن شَرِیْق کے بارے میں ہے اور وہ والی نہیں تھا۔

قِوْلَہٗ: مِنْ جملة الفساد یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای هُوَ مِن الفساد اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: لِیُفْسِدَ فیھا عام ہے اس میں ہر قسم کا فساد شامل ہے پھر اس کے بعد وَیُھْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟۔

جَوَابٌ: یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، مِنْ جملة الفساد سے اسی جواب کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: حَالٌ مِنَ السِلْمِ یہ ان لوگوں کا رد ہے جنہوں نے کافةً کو مصدر محذوف کی صفت کہا اور تقدیر عبارت یہ مانی ہے ای اِدْخَالًا کافةً رد کی وجہ یہ ہے کہ ابن ہشام نے کہا ہے کہ کافّة، حال اور نکرہ ہونے کے لئے خاص ہے۔

قَوْلُہٗ: مِن السِلْمِ، یہ اس کا رد ہے جس نے کہا ہے کہ کَافَّةً، ادخلوا کی ضمیر سے حال ہے یا تو اس لئے کہ کافّةٌ مؤنث ہے اور سِلم مذکر ہے یا اس لئے کہ سِلْمِ بمعنی اسلام کے اجزاء نہیں ہیں حالانکہ ذوالحال کا ذات الاجزاء ہونا ضروری ہے پہلی دلیل کا جواب اَلسِلْم، حربٌ، کے مانند مذکر و مؤنث دونوں مستعمل ہے دوسری دلیل کا جواب، اسلام سے جمیع شرائع والاحکام مراد ہیں اور شرائع ذات الاجزاء ہیں، لہٰذا سِلْمٌ کا کافة سے حال واقع ہونا درست ہے، مفسر علام نے اپنے قول ای فی جمیع شرائعه سے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، مذکورہ آیت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی اصحاب میں ثعلبہ بن یامین واسد واسید وسعید بن عمرو یہ سب حضرات یہودی تھے انہوں نے بعد میں اسلام قبول کیا۔

قَوْلُہٗ: طُرُقٌ، خطواتٌ کی تفسیر طُرُقٌ سے کرکے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ شیطان کے قدم نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ حال بول کر محل مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: ای اَمرهٗ، اس میں اشارہ ہے کہ یاتیهُم اللّٰه کے اندر اسناد مجازی ہے۔

قَوْلُہٗ: تزیینه، ای تزیین الشیطان، المراد من التزیین وسوسته، کتحریم لحم الابل وتعظیم یوم السبت.

تَفسِیر وَتَشرِیح

بعض ضعیف روایات کے مطابق یہ آیت اَخْنَس بن شَرِیق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر اس آیت کے مصداق تمام منافقین ہیں، لباب النقول میں ہے، اَخْرَجَ ابن جریر عن السُّدی قال نزل فی اخنس بن شریق، ایک روز اخنس جس کا اصل نام اُبَی ہے اخنس اس کا لقب ہے اس کنیت کا سبب یہ ہوا کہ بدر کے دن یہ شخص واپس چلا گیا تھا اور اپنے ہمراہ تین سو افراد کو بھی لے گیا تھا خنس کے معنی واپس ہونے اور پلٹنے کے ہیں خنّاس ان تاروں کو کہتے ہیں جو آگے چلتے چلتے پیچھے کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔

اس شخص نے اپنے ساتھ واپس جانے والے منافقوں سے کہا: اِنَّ محمدًا ابن اُختِکم فان یَكُ کَاذِبًا کفا کموہ النَاسُ وَاِن کان صادقا کنتم اَسْعَدَ النَاسِ به، قالوا نَعَمَ مَا رَأیتَ، قال اِنّی سَأَخْنَسُ بکم فاتبعونی فخَنَسَ فَسُمِّیَ الاَخْنَسُ لِذٰلِكَ. (خازن)

اس نے کہا: محمد ﷺ تمہارا بھانجا، اگر جھوٹا ہے تو لوگ تمہاری طرف سے کفایت کریں گے اور اگر سچا ہے تو تم اس کی وجہ سے خوش نصیب ترین لوگ ہوگے، لوگوں نے کہا تم نے بہت اچھی بات کہی، اخنس نے کہا میں تمہارے پاس واپس آؤنگا تو تم میری اتباع کرنا، چنانچہ وہ واپس آیا، اسی وجہ سے لوگوں نے اس کا نام اخنس رکھ دیا۔

ربط وشان ونزول:

سابقہ آیت میں منافقین کا ذکر تھا، اس آیت میں مخلصین کا ذکر ہے، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ (الآية) یہ آیت صہیب رومی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں نازل ہوئی، ابن ابی حاتم نے سعید بن مسیّب سے بیان کیا ہے کہ صہیب رومی مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں مشرکین قریش کی ایک جماعت نے راستہ روک لیا یہ دیکھ کر حضرت صہیب رومی اپنی سواری سے اتر کر کھڑے ہو گئے اور ان کے ترکش میں جتنے تیر تھے سب نکال لئے اور قریش کی اس جماعت سے مخاطب ہو کر کہا اے قبیلہ قریش کے لوگو! تم سب جانتے ہو کہ میں تیراندازی میں تم سب سے زیادہ ہوں، میرا تیر کبھی خطا نہیں کرتا، اور اب میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میرے پاس اس وقت تک نہیں پہنچ سکو گے جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہے اور تیروں کے بعد میں تلوار سے کام لوں گا جب تک مجھ میں دم رہے گا، پھر تم جو چاہو کر لینا، اور اگر تم نفع کا سودا چاہتے ہو تو میں تمہیں اپنے مال کا پتہ دیتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں رکھا ہوا ہے، تم وہ مال لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو اس پر قریش کی جماعت راضی ہوگئی اور حضرت صہیب رومی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے صحیح سالم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر واقعہ سنایا تو رسول اللہ ﷺ نے دومرتبہ فرمایا: رَبِحَ الْبَيْعُ يا ابا يحيى رَبِحَ الْبَيْعُ يا ابا يحيى، اے ابا یحییٰ تمہارا سودا نفع بخش رہا تمہارا سودا نفع بخش رہا۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً، یعنی کسی استثناء اور تخصیص کے بغیر اپنی پوری زندگی کو اسلام کے تحت لے آؤ، تمہارے خیالات تمہارے نظریات تمہارے علوم تمہارے طور وطریقے تمہارے معاملات تمہاری سعی وعمل کے راستے سب کے سب بالکل تابع اسلام ہوں ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زندگی کے مختلف حصوں کو اس کی پیروی سے مستثنیٰ کر لو۔

ربط آیات اور شان نزول:

ابن جریر نے عکرمہ سے نقل کیا ہے فرمایا: کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ ہمیں اجازت عطا فرمائیں کہ ہم یوم السبت کا احترام کریں اور اونٹ کا گوشت ترک کریں تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ جو اہل کتاب کے علماء میں سے تھے ان کے نزدیک ہفتہ کا دن محترم تھا اور اونٹ کا گوشت حرام تھا، ان حضرات کو اسلام لانے کے بعد خیال ہوا کہ شریعت موسوی میں ہفتہ کے دن کی تعظیم واجب تھی اور شریعت محمدیہ میں اس کی بے تعظیمی واجب نہیں، اسی طرح شریعت موسوی میں اونٹ کا گوشت حرام تھا اور شریعت محمدیہ میں

اس کا کھانا فرض نہیں، سو اگر ہم بدستور ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اونٹ کا گوشت باوجود حلال اعتقاد رکھنے کے صرف عملاً ترک کردیں تو شریعت موسوی کی بھی رعایت ہوجائے گی اور شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ گا اور اس میں خدا تعالیٰ کی زیادہ اطاعت اور دین کی زیادہ رعایت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس خیال کی اصلاح آئندہ آیت میں فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کامل فرض ہے اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اور ایسے امر کو دین سمجھنا ایک شیطانی لغزش ہے۔

تَنْبِیْہٌ: اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی تنبیہ ہے جنہوں نے اسلام کو صرف مسجد اور عبادت کے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے معاملات اور معاشرت کے احکام کو گویا دین کا جز ہی نہیں سمجھتے، آجکل جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو خود کو ماڈرن سمجھتا ہے ان میں یہ غفلت عام ہے۔

هَلْ يَنظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (الآیۃ) اس دنیا میں انسان کی آزمائش کا تمام تر دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ حقیقت کو دیکھے بغیر مانتا ہے یا نہیں جس کو ایمان بالغیب کہتے ہیں اور ماننے کے بعد اتنی اخلاقی طاقت رکھتا ہے یا نہیں کہ نافرمانی کی طاقت رکھنے کے باوجود فرمانبرداری اختیار کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی بعثت میں، کتابوں کی تنزیل میں عقل کے امتحان اور اخلاقی قوت کی آزمائش کا ضرور لحاظ رکھا ہے اور کبھی حقیقت کو اس طرح بے نقاب نہیں کیا کہ آدمی کے لئے ماننے بغیر چارہ ہی نہ رہے کیونکہ اس سے تو آزمائش بالکل بے معنی ہوجاتی ہے اور امتحان و آزمائش کا کوئی مفہوم ہی باقی نہیں رہتا، غیب اور حقیقت کے مشاہد ہونے کے بعد تو بڑے سے بڑا منکر بھی ایمان لے آتا ہے مگر اس ایمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے اسی بنا پر یہاں فرمایا جارہا ہے کہ اس وقت کا انتظار نہ کرو، جب اللہ تعالیٰ اور اس کی سلطنت کے کارکن فرشتے خود سامنے آجائیں گے کیونکہ پھر تو فیصلہ ہی کرڈالا جائے گا، ایمان لانے اور سر جھکانے کی ساری قدر و قیمت اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت تمہارے حواس سے پوشیدہ ہے اور تم محض دلیل سے اس کو تسلیم کرکے اپنی اخلاقی طاقت کا ثبوت دیتے ہو، ورنہ جب حقیقت بے پردہ ہوکر سامنے آجائے اور تم بچشم سر دیکھ لو کہ خدا اپنے تخت جلال پر متمکن ہے اور یہ ساری کائنات کی سلطنت اس کے فرمان پر چل رہی ہے اور یہ فرشتے زمین و آسمان کے انتظام میں لگے ہوئے ہیں اور یہ تمہاری ہستی اس کے قبضۂ قدرت میں پوری بے بسی کے ساتھ جکڑی ہوئی ہے اس وقت تم ایمان لائے تو اس ایمان اطاعت کی قیمت ہی کیا ہے؟ اس وقت تو کٹے سے کٹا کافر اور بڑے سے بڑا فرعون اور بدتر سے بدتر مجرم بھی انکار و نافرمانی کی جرأت نہیں کرسکتا، ایمان لانے اور اطاعت قبول کرنے کی مہلت بس اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت بے نقاب ہونے کی وہ ساعت نہیں آتی، اور جب وہ ساعت آگئی تو پھر نہ مہلت ہے نہ آزمائش بلکہ وہ فیصلے کا وقت ہے۔

سَلْ یا محمدُ **بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ** تبکیتاً **کَمْ اٰتَیْنٰهُمْ** کم استفہامیۃٌ مُعَلِّقَۃٌ لِسَلْ عن المفعولِ الثانی وہی ثانی مفعولَی اٰتینا ومُمَیِّزُہا **مِّنْ اٰیَةٍۢ بَیِّنَةٍ** ظاہرۃٍ کفلقِ البحرِ وانزالِ المَنِّ والسَّلوٰی فبَدَّلُوہا کفرًا

وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ اى ما انعم به عليه من الآيات لانها سبب الهداية مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَتْهُ كفرا فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ له زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا من اهل مكة الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا بالتمويه فاحبوها وَ هم يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لفقرهم كعمار وبلال وصهيب اى يستهزء ون بهم ويتعالون عليهم بالمال وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا الشرك وهم هؤلاء فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ اى رزقا واسعا في الآخرة او الدنيا بان يملك المسخور منهم اموال الساخرين ورقابهم كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ على الايمان فاختلفوا بان آمن بعض وكفر بعض فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ اليهم مُبَشِّرِيْنَ من آمن بالجنة وَمُنْذِرِيْنَ ۪ من كفر بالنار وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بمعنى الكتب بِالْحَقِّ متعلق بانزل لِيَحْكُمَ به بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ من الدين وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اى الدين اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ اى الكتاب فآمن بعض وكفر بعض مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ الحجج الظاهرة على التوحيد ومن متعلقة باختلف وهي وما بعدها مقدم على الاستثناء في المعنى بَغْيًا من الكافرين بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ للبيان الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ بارادته وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ هدايته اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ طريق الحق ونزل في جهد اصاب المسلمين اَمْ بل حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا لم يَاْتِكُمْ مَّثَلُ شبه ما اتى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ من المؤمنين من المحن فتصبروا كما صبروا مَسَّتْهُمُ جملة مستانفة مبينة لما قبلها الْبَاْسَآءُ شدة الفقر وَالضَّرَّآءُ المرض وَزُلْزِلُوْا ازعجوا بانواع البلاء حَتّٰى يَقُوْلَ بالنصب والرفع اى قال الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ استبطاء للنصر لتناهي الشدة عليهم مَتٰى ياتي نَصْرُ اللّٰهِ ۭ الذي وعدناه فاجيبوا من قبل الله تعالى اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ اتيانه.

ترجمہ: اے محمد ﷺ بنی اسرائیل سے لاجواب کرنے کے لئے پوچھو تو، کہ ہم نے انہیں کس قدر روشن نشانیاں عطا کیں! مثلاً دریا کا دولخت ہو جانا، اور مَنّ وسلویٰ کا نازل کرنا، مگر انہوں نے ان نشانیوں (نعمتوں) کا بدلہ ناشکری سے دیا کَمْ استفہامیہ ہے جو سَلْ، کو مفعول ثانی (آتَیْنٰھُمْ) میں عمل کرنے سے مانع ہے اور کَمْ آتَیْنَا کا مفعول ثانی ہے اور مُمَیَّز ہے اور مِنْ آیَۃٍ اس کی تمیز ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بدلتا ہے کفر کے ساتھ یعنی ان نعمتوں کو جو اسے بطور انعام نشانیوں کی شکل میں عطا فرمائیں۔ (اور وہ آیات نعمت اس لئے ہیں) کہ وہ سبب ہدایت ہیں تو بلا شبہ اللہ تعالیٰ بڑے سخت عذاب والا ہے کافروں یعنی اہل مکہ کے لئے دنیا کی زندگی کو آراستگی کے ساتھ جس کو انہوں نے محبوب سمجھ لیا ہے خوب مزین کر دیا ہے اور یہ لوگ ایمان والوں کا ان کے فقر کی وجہ سے مذاق اڑاتے ہیں جیسا کہ عمار، اور بلال، اور صہیب، یعنی ان کا استہزاء کرتے ہیں اور ان پر مالی برتری جتاتے ہیں حالانکہ وہ لوگ جو شرک سے بچے اور وہ یہی (فقراء) ہیں قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے،

اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے یعنی آخرت یا دنیا میں رزق وسیع عطا کرتا ہے اس طریقہ پر کہ جن لوگوں کا مذاق اڑایا گیا ان کو ان کے مالوں کا ان کی گردنوں کا مالک بنا دے گا (دراصل) لوگ ایمان والی ایک ہی امت تھے بعد میں مختلف ہو گئے اس طریقہ پر کہ بعض ایمان لائے اور بعض نے انکار کر دیا، بعد اس کے کہ ان کے پاس توحید کی واضح دلیلیں آچکی تھیں اور مِن بعد کا تعلق اختلف سے ہے اور مِن، اور اس کا مابعد معنی کے اعتبار سے استثناء پر مقدم ہے اور یہ سب کچھ محض آپسی کفر وعناد کی وجہ سے کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی جس میں انہوں نے اختلاف کیا اپنی مشیت سے رہبری کی اور اللہ جس کی ہدایت چاہتا ہے صراط مستقیم راہ حق کی ہدایت کرتا ہے اور اس مشقت کے بارے میں کہ جو مسلمانوں کو پہنچی (آئندہ) آیت نازل ہوئی، کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو حالات تم سے پہلے ایمان والوں پر آئے تھے، لہٰذا تم اسی طرح صبر کرو جس طرح انہوں نے کیا، ان کو شدید احتیاج پیش آئی اور مرض لاحق ہوئے، مَسَّتْهُمْ جملہ مستانفہ اپنے ماقبل کا بیان ہے مختلف قسم کی آزمائشوں سے ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ اس وقت کا رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے نصرت میں تاخیر اور ان پر انتہائی شدت کی وجہ سے کہہ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے (یقولُ) نصب اور رفع کے ساتھ ہے، تو ان کو اللہ کی طرف سے جواب دیا گیا ہے سنو اللہ کی نصرت کی آمد قریب ہے۔

تَحقیق وتَرکیب وتَسہیل وتَفسیری فوائد

قولہ: سَلْ، تو سوال کر، (ف) سے امر واحد مذکر حاضر سَلْ کی اصل اِسْئَلْ تھی ہمزہ ثانیہ کی حرکت نقل کر کے اپنے ماقبل سین کو دیدی اور ہمزہ کو تخفیفاً حذف کر دیا، ہمزہ وصل چونکہ ضرورۃً لایا گیا تھا ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے ساقط ہو گیا سَلْ ہو گیا خطاب آپ ﷺ کو ہے۔

قولہ: تبکیتًا (تفعیل) لاجواب کرنا، خاموش کرنا، شرمندہ کرنا اور یہ استفہام برائے توبیخ ہے نہ کہ استفہام برائے سوال۔

قولہ: مُعَلِّقَةٌ لِسَلْ مِنَ المفعول الثانی، یعنی کَمْ، استفہامیہ سَلْ کو مفعول ثانی میں عمل کرنے سے مانع ہے اور خود قائم مقام مفعول ثانی کے ہے تاکہ اس کی صدارت کلام باقی رہے۔

سوال: سَلْ متعدی بیک مفعول ہے اس کو دوسرے مفعول کی ضرورت ہی نہیں ہے تو پھر سَلْ کو مفعول ثانی میں عمل سے روکنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: سوال چونکہ سبب علم ہوتا ہے اور عَلِمَ افعال قلوب میں سے ہونے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہے چونکہ سوال سبب ہے علم کا اور علم اس کا مسبب ہے اور بعض اوقات سبب مسبب کے قائم مقام ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی سَئَلَ قائم مقام عَلِمَ کے ہونے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہو گیا۔

ترکیب: سَلْ فعل امر ضمیر اَنْتَ اس کا فاعل بنی اسرائیل سَلْ کا مفعول اول ہے کَمْ استفہامیہ ممیز، هُمْ اٰتَیْنَا، کا مفعول اول مِنْ آيَةٍ تمیز کَمْ مُمَیِّزْ اپنی تمیز سے مل کر اٰتینا، کا مفعول ثانی مقدم ہے اٰتَیْنَا، اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ ہو کر قائما ہوا سَلْ کے مفعول ثانی کا سَلْ اپنے فاعل اور مفعول اور قائم مقام مفعول سے مل کر جملہ انشائیہ ہوا۔

سَوَال: سَـــلْ، دو مفعولوں کا تقاضہ کرتا ہے ایک ان میں سے مسئول عنہ ہوتا ہے اور دوسرا مسئول، یہاں مسئول بنی اسرائیل ہے، مسئول عنہ کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ مسئول عنہ کے بغیر سوال کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

جَوَاب: جس طرح مفعول ثانی سے مسئول عنہ سمجھا جاتا ہے قائم مقام مفعول سے بھی مسئول عنہ سمجھا جاتا ہے لہٰذا کَـمْ اٰتَیْنَاهم جو کہ سَلْ کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہے، سے بھی مسئول عنہ مفہوم ہو رہا ہے لہٰذا مسئول عنہ کو مستقلاً ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

قَوْلُهٗ: ومُمَیِّزُهَا مِنْ آيَةٍ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: کم استفہامیہ کی تمیز پر مِنْ کا استعمال نہیں ہوتا اور نحو کی کتابوں میں کہیں مذکور نہیں۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ کم استفہامیہ کی تمیز پر مِـن کا دخول اس وقت منع ہے کہ جب ممیز و تمیز کے درمیان فصل نہ ہو، لیکن اگر ممیز اور تمیز کے درمیان فعلِ متعدی کا فصل ہو جیسا کہ یہاں اٰتَیْـنَا، کا فصل ہے، تو مِنْ کا لانا واجب ہے اور اس جواب کی وجہ مفعول اور تمیز کے درمیان فرق کرنا ہے، اگر تمیز پر مِنْ نہ ہوتا تو اس امر میں التباس ہو جاتا کہ آيَةٍ، آتَیْنَا کا مفعول ہے یا کم استفہامیہ کی تمیز ہے؟

قَوْلُهٗ: لِاَنَّهَـا سَبَبُ الهِدَايَـه، اس شبہ کا جواب ہے کہ آیات کو نعمت کیوں کہا گیا ہے؟ جواب آیات چونکہ سبب ہدایت ہیں اور ہدایت سب سے بڑی نعمت ہے، سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

قَوْلُهٗ: كُفْرًا، كُفْرًا، کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ يُبَدِّلْ کا مفعول ثانی محذوف ہے۔

قَوْلُهٗ: شديد العقاب لَهٗ

سَوَال: لَهٗ کو مقدر ماننے کی کیا ضرورت ہے۔

جَوَاب: مَنْ يُبَدِّلْ نَعْمَةَ اللّٰه، مبتداء ہے اور فَـاِنَّ الـلّٰهَ شَدِيْدُ العِقَابِ جملہ ہو کر مبتداء کی خبر ہے حالانکہ خبر جب جملہ ہوتی ہے تو اس میں ایک عائد کا ہونا ضروری ہے، لَهٗ، مقدر مان کر عائد محذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلُهٗ: وَهُمْ يَسْخَرُوْنَ.

سَوَال: هُمْ، کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: واؤ حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ اور واؤ حالیہ کا جملہ اسمیہ ہونا ضروری ہے اسی لئے، هُمْ کا اضافہ کیا ہے۔

سَوَال: واؤ کو عاطفہ ماننے میں کیا قباحت ہے اگر واؤ کو عاطفہ مان لیا جائے تو هُمْ، محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

جَوَاب: واؤ کو عاطفہ ماننے کی صورت میں يَسْخر، مضارع کا زُيِّنَ ماضی پر عطف لازم آئے گا جو کہ کلام فصیح میں مستحسن نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: وَهِیَ وَمَا بَعْدَهَا مقدم عَلَی الاستثناء معنیً، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک مشہور سوال کا جواب دینا ہے۔

سُوَال: ایک حرف استثناء کے ذریعہ متعدد کا استثناء درست نہیں ہے، اور یہاں یہی صورت ہے اس لئے کہ: وَمَا اخْتُلِفَ فیه مستثنیٰ منہ ہے اور اِلَّا الَّذِیْن اوتوہ مستثنیٰ اول ہے اور مِنْ بَعْدِ مَا جَائَتْهُمْ مستثنیٰ ثانی ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت ہوگا جب مِن بعد الخ کو اُوْتُوْهُ، کے متعلق کیا جائے جیسا کہ قریب ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے مگر مِن بعد کا تعلق اُختلِفَ سے ہے جس کی وجہ سے مِنْ بَعْدِ الخ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوتوه پر مقدم ہے لہٰذا، مِن بعد، مستثنیٰ میں نہیں بلکہ مستثنیٰ منہ میں داخل ہے اسی جواب کی طرف مفسر علام نے مِنْ بعدِ الخ متعلقة بِاُخْتلِف کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: معنیً، اس لفظ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الخ لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ مؤخر ہے مگر معنی کے اعتبار سے مقدم ہے۔

قَوْلُہٗ: بَغْيًا، یا تو مفعول یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: بَيْنَهُمْ. بَغْيًا، کی صفت ہے یا حال ہے۔

قَوْلُہٗ: ای قال.

سُوَال: مفسر علام نے يقولُ، کی تفسیر قَالَ سے کی ہے اس کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: اس کا مقصد یقولُ کی دونوں قراءتوں کی طرف اشارہ کرنا ہے، اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب حتّٰی، کے بعد مستقبل بمعنی ماضی ہوتا ہے تو اس میں رفع ونصب دونوں جائز ہوتے ہے یہاں یہی صورت ہے اس لئے نافع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے رفع اور دیگر حضرات نے نصب پڑھا ہے، حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ، اصل میں قال الرسول ہے حکایت حال ماضیہ کے طور پر ماضی کو مضارع سے تعبیر کردیا گیا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے ''مَرِضَ فلانٌ حتّٰی لا یرجونهٗ'' فلاں شخص بیمار ہوگیا اس کے بچنے کی امید نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: مَتٰی یاتی نصرُ اللّٰه، متٰی، ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے اور خبر مقدم ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہے اور نصر اللّٰه مبتداء مؤخر ہے مفسر علام نے یأتی، فعل محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ نصر اللّٰه فعل محذوف کا فاعل ہے۔

تفسیر وتشریح

سابقہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ دلائل واضحہ آجانے کے بعد حق کی مخالفت کرنا موجب سزا ہے سَلْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ (الآیة) اس آیت میں مذکورہ دعوے کی دلیل بیان فرمائی گئی ہے کہ جس طرح بعض بنی اسرائیل کو ایسی ہی مخالفت پر سزا دی گئی ہر

مخالفت کرنے والے کو ایسی ہی سزا دی جائے گی۔

آپ علماء بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ ہم نے ان کو یعنی ان کے بزرگوں کو کتنی واضح دلیلیں دی تھیں مگر ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ ان سے ہدایت حاصل کرتے الٹی گمراہی پر کمر باندھ لی مثلاً تورات ملی، چاہئے تو یہ تھا کہ اس کو قبول کرتے، مگر انکار کیا آخر کوہ طور گرانے کی ان کو دھمکی دی گئی، اور مثلاً کوہ طور پر حق تعالیٰ کا کلام سنا، چاہئے تھا کہ سر آنکھوں پر رکھتے، مگر شبہات نکالے اور اللہ تعالیٰ کو بچشم سر دیکھنے کی ضد کی، آخر آسمانی بجلی کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے اور مثلاً دریا میں شگاف ڈال کر فرعون سے نجات دی، احسان ماننے کے بجائے گائے کی پوجا شروع کر دی، جس کی وجہ سے سزائے قتل دی گئی اور مثلاً مَنَّ وَسَلْوٰی نازل ہوا شکر کرنا چاہئے تھا مگر ناشکری کی اور ذخیرہ کرنے لگے تو وہ سڑنے لگا اور جب اس سے نفرت ظاہر کی تو موقوف ہو گیا، اور مثلاً ان میں انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری کیا غنیمت سمجھتے، ان کو قتل کرنا شروع کر دیا اس کی سزا یہ ملی کہ حکومت وسلطنت چھین کر ذلت وخواری مسلط کر دی گئی۔

مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ کھلی ہوئی نشانیوں سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات مفسرین نے کہا ہے آپ کی وہ صفات اور نشانیاں مراد ہیں جو انبیاء بنی اسرائیل کو بتائی گئی تھیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ آیات تسع مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کی گئی تھیں۔

نِعْمَةَ اللّٰهِ، سے کیا مراد ہے؟ طبری نے کہا ہے کہ اسلام مراد ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ ہر قسم کی نعمت مراد ہے خواہ دنیوی ہوں یا اخروی، روحانی ہوں یا جسمانی، ظاہری ہوں یا باطنی، خواہ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ بہر حال تمام نعمتیں قابل قدر اور لائق شکر گذاری ہیں چہ جائیکہ بنی اسرائیل کو بڑی بڑی دینوی واخروی نعمتوں سے مدتوں سرفراز رکھا، اور کتاب ونبوت کی مشعل دے کر دنیا کی رہنمائی کے منصب پر مامور کیا تھا، مگر انہوں نے دنیا پرستی، نفاق اور علم وعمل کی ضلالتوں میں مبتلا ہو کر اس نعمت سے اپنے آپ کو محروم کر لیا لہٰذا جو گروہ اس قوم کے بعد امامت کے منصب پر فائز ہوا ہے اس کو سب سے بہتر سبق اگر کسی کے انجام سے مل سکتا ہے تو وہ یہی قوم ہے اسی لئے اس قوم کی سرکشی اور تمرد کو بیان کر کے ان کے جیسے انجام بد سے ڈرایا گیا ہے۔

نِعْمَةَ اللّٰهِ کی وسعت دینی اور دنیوی ہر قسم کی نعمتوں کو شامل ہے اور یہاں ہر قسم کی نعمت کو مسخ وتبدیل کرنے کے عذاب شدید کی وعید ہے، اب نعمت اگر دینی ہے مثلاً کتاب الٰہی یا ظہور انبیاء تو اس میں تحریف یا انکار پر عذاب اخروی کا وقوع ظاہر ہی ہے، لیکن نعمت اگر محض دنیوی ہے مثلاً دولت، صحت، سلطنت تو اس کے بے جا استعمال کا خمیازہ، بیماری، ناکامی، افلاس، بغاوت، انتشار، بدامنی، غلامی، ذلت وغیرہ کی شکل میں اٹھانا بھی مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔

مذکورہ آیت آج کس قدر امت کے حسب حال اور کس درجہ مطابق ہے، قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ کی عطا کی ہوئی ہر دینی ودنیوی نعمت کے ساتھ آج ہمارا کیا معاملہ ہے؟ کس نعمت کا ہم حق ادا کر رہے ہیں؟ کون سی نعمت ایسی ہے کہ جس کی روح ہم نے نہیں بدل ڈالی؟ ہماری نمازیں، ہمارے روزے، ہمارے حج، ہماری عبادتیں روح ومغز سے یکسر خالی محض ڈھانچے رہ گئے ہیں، اخلاق واتحاد کی دولت ہم نے الگ برباد کر ڈالی نتیجہ جو نکلا سب کی آنکھوں کے سامنے ہے، ایران،

پاکستان، ترکستان، عراق، انڈونیشا غرضیکہ تمام مسلم ممالک کا آج جو عبرت انگیز حشر ہو رہا ہے ان سب کی تہ میں بھی خدائی دینی و دنیوی نعمتوں کی ناقدری کو دخل ہے۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآية) زُيِّنَ، مجہول ہے ایک قراءت میں معروف بھی پڑھا گیا ہے اس کے معنی ہیں زینت دیا گیا حقیقت میں زینت دینے والا تو اللہ ہے مگر یہاں زینت سے مغالطہ دینا اور سبز باغ دکھانا مراد ہے یعنی حیات دنیا کو جو کہ فانی اور ناپائیدار ہے کفار کی نظروں میں شیطان نے باقی اور پائیدار اور محبوب کر کے دکھایا ہے۔

اور اسی ناپائیدار اور زوال پذیر دنیا کے بل بوتے پر قریش، ابن مسعود، عمار، صہیب، بلال وخباب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ وغیرہ جیسے غریب اور نادار مسلمانوں کو دیکھ کر ہنسا کرتے تھے، مگر دنیا پر فریفتہ اور مغرور ہونے والے کافر سرداروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ آخر کار غلبہ اور عزت و راحت مومنین ہی کے لئے ہے۔

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی مومن مرد یا عورت کو اس کے فقر و فاقہ کی وجہ سے ذلیل و حقیر سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو اولین و آخرین کے مجمع میں رسوا اور ذلیل کرے گا، اور جو شخص کسی مسلمان مرد عورت پر بہتان باندھتا ہے اور کوئی ایسا عیب اس کی طرف منسوب کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو آگ کے ایک اونچے ٹیلے پر کھڑا کریں گے جب تک کہ وہ خود اپنی تکذیب نہ کرے۔ (معارف)

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً، ابتداء میں لوگ ایک ہی طریقہ یعنی توحید پر تھے پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے، حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ یعنی دس صدیوں تک لوگ توحید پر رہے اس آیت میں مفسرین صحابہ نے، فَاخْتَلَفُوْا، محذوف مانا ہے یعنی اس کے بعد شیطان کی وسوسہ اندازی سے ان کے اندر اختلاف پیدا ہو گیا اور شرک ومظاہر پرستی عام ہو گئی فَبَعَثَ، کا عطف فاختلفوا، (محذوف) پر ہے پس اللہ نے نبیوں کو کتابوں کے ساتھ بھیج دیا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اختلاف کا فیصلہ اور حق و توحید کو قائم اور واضح کریں۔

ناواقف لوگ جو اپنے قیاس و گمان کی بنیاد پر مذہب کی تاریخ مرتب کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ انسان نے اپنی زندگی کی ابتداء شرک کی تاریکیوں سے کی پھر بتدریج ارتقاء کے ساتھ ساتھ یہ تاریکی چھٹتی اور روشنی بڑھتی گئی یہاں تک کہ آدمی توحید کے مقام پر پہنچا، قرآن اس کے برعکس بتاتا ہے کہ دنیا میں انسان کی زندگی کا آغاز پوری روشنی میں ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جس انسان کو پیدا کیا تھا اس کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ حقیقت کیا ہے اور تیرے لئے صحیح راستہ کونسا ہے، اس کے بعد نسل آدم ایک مدت تک راہ راست پر قائم رہی اور ایک امت بنی رہی، پھر لوگوں نے نئے نئے راستے نکالے اور مختلف طریقے ایجاد کر لئے، اس وجہ سے نہیں کہ ان کو حقیقت نہیں بتائی گئی تھی بلکہ اس وجہ سے کہ حق کو جاننے کے باوجود بعض لوگ اپنے جائز حق سے بڑھ کر امتیازات، فوائد اور منافع حاصل کرنا چاہتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم، سرکشی اور زیادتی کرنے کے خواہشمند تھے، اسی خرابی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کو مبعوث کرنا شروع کیا، یہ انبیاء اس لئے نہیں بھیجے گئے تھے، کہ ہر ایک اپنے نام سے ایک نئی امت بنالے اور نئے مذہب کی بنیاد ڈالے، بلکہ ان کے

بھیجنے کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کے سامنے اس کھوئی راہ حق کو واضح کر کے انہیں پھر سے ایک امت بنادیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ (الآیة) کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت میں داخلہ ہو جائے گا حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گذرا جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گذر چکا ہے؟

شان نزول:

عبد الرزاق وابن جریر وابن منذر نے قتادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت غزوۂ احزاب (غزوۂ خندق) کے وقت نازل ہوئی، اس کا مقصد آپ ﷺ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو تسلی دینا ہے۔

غزوۂ احزاب:

غزوۂ احزاب جس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں صحیح قول کے مطابق ۵ھ میں پیش آیا ابوسفیان جو کہ ابھی حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے دس ہزار کی ایک بڑی جمعیت لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے، اس غزوہ میں مسلمانوں کو بہت دقت پیش آئی بے سروسامانی کا عالم، سخت سردیوں کا موسم، مقابلہ پر دس ہزار کا مسلح لشکر جرار ان تمام وجوہ کی بنا پر مسلمانوں کو تشویش لاحق تھی، اور مایوسی و ناامید کا یہ عالم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دل بڑھانے اور تسلی دینے کے لئے فرمایا: کیا تم جنت میں جانا آسان سمجھتے ہو تم سے پہلے جو پیغمبر اور ان کے تابعین گذرے ہیں، ان کی مصیبتیں یاد کرو ابھی تو تم پر وہ سختی نہیں آئی، مطلب یہ کہ یہ معاملہ ہوا ان کے سروں پر آرا رکھ کر جسم کو دولخت کر دیا گیا، لوہے کی کنگھیوں سے ان کے جیتے جی ہڈیوں سے گوشت کھرچا گیا لیکن یہ ظلم ان کو ان کے دین سے نہ پھیر سکا، لہٰذا چاہئے کہ جس طرح انہوں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو مدد عنقریب آنے والی ہے آپ ﷺ کا مقصد مسلمانوں کے اندر عزم اور حوصلہ پیدا کرنا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ ایک سوار تنہا صنعاء سے حضر موت تک سفر کریگا اور اس کو سوائے خدا کے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ (بخاری کتاب الاکراہ)

يَسْئَلُوْنَكَ يا محمد مَاذَا اى الذى يُنْفِقُوْنَ والسائل عمرو بن الجموح وكان شيخًا ذا مال فسأل النبى صلى الله عليه وسلم عما يُنفق وعلى من ينفق قُلْ لهم مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ بيانٌ لما، شامل للقليل والكثير وفيه بيان المُنفَق الذى هو احد شِقَّى السؤال واجاب عن المَصرف الذى هو الشِّقُّ الآخر بقوله فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اى هم اولى به وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ انفاق وغيره فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ فمجازٍ عليه كُتِبَ فُرض عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ للكفار وَهُوَ كُرْهٌ مكروه لَّكُمْ طبعًا لمشقته وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ لميل النفس الى الشهوات الموجبة

لِمَيلا كُنها ونُفُورِبا عنِ التَّكليفاتِ الموجبةِ لِسعادتِها فلعلَّ لكُم في القِتالِ وإنْ كَرِبْتُمُوهُ خيرًا لِأنّ فيهِ إمَّا الظَّفَرَ والغنيمةَ او الشهادةَ والأجرَ وفي تركِهِ وإنْ أَحْبَبْتُمُوهُ شرًّا لِأنَّ فيه الذُّلَّ والفَقْرَ وحِرمانَ الأجرِ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ** ما بو خيرٌ لكم **وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿٢١٦﴾ ذلِكَ فبادِرُوا الى ما يَأْمُرُكم به.

ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ مَا ذَا بمعنی اَلَّذِیْ ہے اور سائل عمرو بن جموح تھے، جو کہ مالدار بوڑھے تھے، تو انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ کیا خرچ کریں؟ آپ ان کو جواب دو کہ تم جو مال خرچ کرو (مِن خیر) مَا کا بیان ہے جو کہ قلیل وکثیر سب کو شامل ہے اور اس میں خرچ کی جانے والی چیز کا بیان ہے جو کہ سوال کی دو شقوں میں سے ایک ہے اور مصرف کا جواب دیا اپنے قول فللوالدین سے جو کہ سوال کی دوسری شق ہے (یعنی اپنے) والدین پر، رشتہ داروں پر، یتیموں پر، مسکینوں پر اور مسافروں پر (خرچ کرو) یہ لوگ انفاق کے زیادہ مستحق ہیں، انفاق وغیرہ جو بھی عمل خیر تم کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے اس کا تم کو صلہ ملے گا، تم پر کفار سے جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو طبعاً ناپسند ہے اس میں مشقت ہونے کی وجہ سے، اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم کو ناگوار ہو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو اور ہوسکتا کہ ایک چیز تم کو پسند ہو اور وہی تمہارے لئے بری ہو ہلاک کرنے والی خواہشات کی طرف نفس کے میلان کی وجہ سے، اور نفس کے لئے سعادت کو واجب کرنے والی تکلیفوں سے نفس کے نفرت کرنے کی وجہ سے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ جہاد میں تمہارے لئے خیر ہو اگرچہ تم اس کو ناگوار سمجھو اس میں یا تو فتح اور مال غنیمت ہے یا شہادت اور اجر ہے، اور جہاد کے ترک کرنے میں اگرچہ تم اس (ترک جہاد) کو پسند کرو، شر ہو، اس لئے کہ اس میں ذلت فقر اور اجر سے محرومی ہے تمہارے لئے کیا بہتر ہے؟ اللہ جانتا ہے تم اس کو نہیں جانتے، لہٰذا جس کا تم کو حکم کرے اس کی طرف سبقت کرو۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اَلَّذِیْ، اس میں اشارہ ہے کہ ذا، یہاں موصول ہے نہ کہ اسم اشارہ، یعنی اَلَّذِیْ، اِذَا کی تفسیر ہے نہ کہ مَا ذَا کی۔

قولہ: وَعَلٰی مَنْ یُنْفِقُ، اس عبارت کو مقدر ماننے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جواب عمرو بن جموح کے سوال کے مطابق نہیں ہے اس لئے کہ سوال تھا کیا خرچ کریں، نہ یہ کہ کس پر خرچ کریں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فَلِلْوَالِدَیْنِ کہہ کر مصرف کو بیان کیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ سوال منفق کا تھا اور جواب منفق علیہم سے دیا گیا۔

جواب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ سوال دونوں چیزوں کا تھا مگر نظم آیت میں ایجاز واختصار کی وجہ سے منفق کو ذکر نہیں کیا، جواب پر محمول کرتے ہوئے کہ جواب ہی سے سوال سمجھ میں آجائے گا، مِنْ خَیْرٍ، مَا کا بیان ہے جو کہ قلیل وکثیر کو شامل

ہے اور اس میں اشارۃً مُنْفَق کا بیان ہے جو کہ سوال کے دو جزؤں میں سے ایک ہے اور فَلِلْوَ الدین مصرف کا بیان ہے جو کہ سوال کے دوسرے جزء کا بیان ہے، سوال کا جو جزء صراحۃً مذکور ہے اس کا جواب ما انفقتم من خیر، سے اشارۃً دیا اور سوال کا جو جزء محذوف ہے یعنی عَلٰی مَنْ یُنْفَقُ، اس کا جواب صراحۃً مذکور ہے یعنی فَلِلْوالدین الخ لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا، سوال و جواب دونوں مطابق ہوگئے، منفق کے اشارۃ اور منفق علیهم کے صراحۃً ذکر کرنے میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ منفق کے بارے میں سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس لئے کہ کیا خرچ کرے اور کتنا خرچ کرے یہ انسان کی حالت اور صوابدید پر موقوف ہوتا ہے البتہ مصرف کا جاننا ضروری ہے تاکہ صرف کیا ہوا مال بے مصرف اور بے جا صرف نہ ہو جائے ورنہ تو مال ضائع اور اجر سے محرومی لازم آئے گی۔

قَوْلُهٗ: هُمْ اولی به اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مذکورہ مصارف اولی اور افضل ضرور ہیں مگر ان ہی میں منحصر نہیں ہیں ان کے علاوہ پر بھی صرف کر سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ فَلِلْوالدین میں لام اختصاص کا نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: طبعًا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: اللہ کے حکم کو خصوصاً جب کہ فرض ہو، ناپسند کرنا اور مکروہ سمجھنا کفر ہے۔

جَوَاب: طبعی کراہت موجب کفر نہیں اسلئے کہ یہ انسان کی فطرت ہے۔

قَوْلُهٗ: ذلك یہ یعلمون کا مفعول ہے۔

تفسیر و تشریح

یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ، یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ یہی سوال اسی رکوع میں دو آیتوں کے بعد انہی الفاظ کے ساتھ دہرایا گیا ہے وَیَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ، لیکن اس ایک ہی سوال کا جواب آیت متذکرہ میں کچھ اور ہے اور بعد میں آنے والی آیت میں مذکور سوال کا جواب کچھ اور۔

اس لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک ہی سوال کے دو مختلف جواب کس بات پر مبنی ہیں یہ حکمت ان حالات و واقعات میں غور کرنے سے واضح ہو جاتی ہے جن میں یہ آیت نازل ہوئی مثلاً آیت متذکرہ کا شان نزول یہ ہے کہ عمرو بن جموح نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ ما نُنْفِقُ مِنْ اَمْوَالِنا واَیْنَ نَضَعُهَا (اخرجه ابن المنذر، مظهری) یعنی ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں؟ ابن جریر کی روایت کے مطابق یہ سوال تنہا ابن جموح کا نہیں تھا بلکہ عام مسلمانوں کا تھا اس سوال کے دو جز ہیں ایک یہ کہ مال میں سے کیا اور کتنا خرچ کریں دوسرے یہ کہ اس کا مصرف کیا ہو؟

دوسری آیت میں جو بعد میں آرہی ہے وہ بھی اسی سوال پر مشتمل ہے، اس کا شان نزول بروایت ابن ابی حاتم یہ ہے کہ جب قرآن میں مسلمانوں کو اس کا حکم دیا گیا کہ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو چند صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ انفاق فی سبیل اللہ کا جو حکم ہم کو ملا ہے ہم اس کی وضاحت چاہتے ہیں کہ کونسا مال

اللہ کی راہ میں خرچ کریں؟ اس سوال میں صرف ایک ہی چیز ہے یعنی کیا خرچ کریں؟ اس طرح دونوں سوالوں کی نوعیت کچھ مختلف ہوگئی، پہلے سوال کے جواب میں جو کچھ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کے دوسرے جز یعنی کہاں خرچ کریں کو زیادہ اہمیت دے کر اس کا جواب تو صریح طور پر دیا گیا اور پہلے جز یعنی کیا خرچ کریں کا جواب ضمنی طور پر دیدینا کافی سمجھا گیا۔

مصارف خیر کی حکمت:

مصارف خیر کی یہ فہرست کیسی جامع اور اس کی ترتیب کس قدر حکیمانہ ہے سب سے بڑھا ہوا اور اہم ترین حق انسان کے ماں باپ کا ہے جتنی بھی مالی خدمت ہوسکے ان کی کی جائے، پھر دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے اور اس میں بھائی بہن چچا پھوپھی وغیرہ سب آگئے، شریعت نے اپنے نظام میں خاندان کو جو مرکزی اہمیت دی ہے اس پر یہ ایک اور دلیل ہے پھر امت کے وہ فرزند ہیں جو معاش کے سب سے بڑے ظاہری سہارے یعنی شفیق باپ کے سایہ سے محروم ہوچکے ہیں، پھر وہ اللہ کے بندے جن پر کسی طبعی معذوری کی وجہ سے یا کسی خارجی سبب سے معاش کے عام ذریعے بند یا قریب قریب بند ہوچکے ہیں اور اپنی ضرورتوں کے پوری ہونے کے لئے بیرونی امداد کے محتاج ہیں اور آخر میں وہ عام انسان آتے ہیں جو اپنے وطن سے علیحدہ اور دور ہونے کے باعث عارضی طور پر احتیاج یا تنگدستی میں مبتلا ہیں، قریبی اور دور سے حقدار اور ملی رشتہ رکھنے والے سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر کس خوبصورتی سے ایک فریم کے اندر فٹ ہوگئے مقصود شریعت یہ ہرگز نہیں کہ پڑوس میں ہمارا بھائی بھوک سے تڑپ رہا ہو اور ہم اس کی طرف سے بے خبر ہو کر چندہ لکھوا رہے ہوں چین یا جاپان کے کسی ریلیف فنڈ میں!

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ، خیر عام ہے بدنی، مالی، چھوٹی، بڑی ہر قسم اور ہر درجہ کی نیکی کو شامل ہے خیر کا تعلق یہاں انفاق کے ساتھ نہیں، فعل کے ساتھ ہے اور اس معنی میں وہ عام ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (الآية) قتال و جہاد مسلمانوں پر اس وقت فرض ہے جب اس کے شرائط متحقق ہوجائیں قتال کے آداب و شرائط کچھ تو اسی پارہ میں بیان ہوچکے ہیں کچھ آئندہ حسب موقع بیان ہوتے رہیں گے غیر مصافی کو قتل نہ کرنے پر اسلام نے جو زور دیا ہے اس کو سامنے رکھ کر ذرا ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو اسی کتاب سے جو یہود و نصاریٰ دونوں کے یہاں مقدس ہے۔

سواب تو جا، اور عمالیق کو مار، اور جو کچھ اس کا ہے یک لخت ختم کر اور اس پر رحم مت کر بلکہ مرد، عورت، ننھے بچے شیرخوار اور بیل بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر۔ (سموئیل، ۱۵:۲)

وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ، اپنی جان کس کو عزیز نہیں ہوتی، اپنی جان خطرہ میں ڈالتے ہوئے ہر جاندار ہچکچاتا ہے، پھر مکہ کے غریب مہاجرین جو ابھی ترکِ وطن کر کے مدینہ میں آکر پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے، وہ تو روپیہ پیسہ میں ساز و سامان میں تعداد میں غرض مادی اعتبار سے کسی معنی میں بھی اپنے حریفوں کے مدمقابل نہ تھے ان شکستہ دل شکستہ بازوں کو حکم جنگ

وقتال یا کرا اگر طبعی گرانی محسوس ہو تو یہ ان کے مرتبۂ اخلاص اور قوت ایمانی کے ذرا بھی منافی نہیں۔

شاقٌ علیکم مکروہ طبعًا (بیضاوی) مکروہ بالطبیعة. (بحر)

هُوَ كُرْهٌ لكم، آیت پوری طرح تردید کر رہی ہے ان بے غیرت مستشرقین کی جنہوں نے یہ لکھ ڈالا کہ مسلمان مال غنیمت کی حرص میں خود ہی مشتاق جنگ و قتال کے رہتے تھے۔

لفظ کُرْهٌ مصدر ہے مگر معنی میں مکروہ کے ہے جیسے خُبْزٌ بمعنی مخبوزٌ، استعمال ہوتا ہے۔ (ماجدی)

وَأرسَلَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم اوّلَ سَرَاياهُ وَأمّرَ عليها عبدَالله بنَ جحشٍ فقاتلوا المشركين وقتلوا ابنَ الحضرميّ في آخرِ يومٍ من جُمادى الآخرةِ والتبسَ عليهم برجبٍ فعيّرهم الكفارُ باستحلاله فنزل **يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ** المحرم **قِتَالٍ فِيْهِ** بدلُ اشتمالٍ **قُلْ** لهم **قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ** عظيمٌ وزرًا مبتدأٌ وخبرٌ **وَصَدٌّ** مبتدأٌ منعٌ للناسِ **عَنْ سَبِيْلِ اللهِ** دينه **وَكُفْرٌ بِهِ** باللهِ **وَ**صدٌّ عن **الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** اي مكةَ **وَاِخْرَاجُ اَهْلِهِ مِنْهُ** وهم النبيُّ صلى الله عليه وسلم والمؤمنون وخبرُ المبتدأ **اَكْبَرُ** اعظمُ وزرًا **عِنْدَ اللهِ** من القتالِ فيه **وَالْفِتْنَةُ** الشركُ منكم **اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ** لكم فيه **وَلَا يَزَالُوْنَ** اي الكفارُ **يُقَاتِلُوْنَكُمْ** ايها المؤمنون **حَتّٰى** كي **يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ** الى الكفر **اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ** الصالحةُ **فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ** فلا اعتدادَ بها ولا ثوابَ عليها والتقييدُ بالموتِ عليه يُفيدُ انّه لو رجعَ الى الاسلامِ لم يَبطُل عملُهُ فيُثابُ عليه ولا يُعيدُهُ كالحجِّ مثلاً وعليه الشافعي **وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** (٢١٧) ولمّا ظنّ السَّرِيّةُ انّهم ان سَلِمُوا من الاثمِ فلا يَحصُلُ لهم اجرٌ نزل **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا** فارقوا اوطانهم **وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ** لاعلاءِ دينه **اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللهِ** ثوابَهُ **وَاللهُ غَفُوْرٌ** للمؤمنين **رَّحِيْمٌ** (٢١٨) بهم **يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ** القمارِ ما حكمُهما **قُلْ** لهم **فِيْهِمَآ** اي في تعاطيهما **اِثْمٌ كَبِيْرٌ** عظيمٌ وفي قراءةٍ بالمثلثةِ لما يحصُلُ بسببهما من المخاصمةِ والمشاتمةِ وقولِ الفحشِ **وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ** باللذةِ والفرحِ في الخمرِ واصابةِ المالِ بلا كدٍّ في الميسرِ **وَاِثْمُهُمَآ** اي ما ينشأُ عنهما من المفاسدِ **اَكْبَرُ** اعظمُ **مِنْ نَّفْعِهِمَا** ولما نزلت شربها قومٌ وامتنعَ آخرونَ الى ان حرّمتهما آيةُ المائدةِ **وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ** اي ما قدرُهُ **قُلِ** انفقوا **الْعَفْوَ** اي الفاضلَ عن الحاجةِ ولا تُنفقوا ما تحتاجونَ اليه وتُضيّعوا انفسَكم وفي قراءةٍ بالرفعِ بتقديرِ هو **كَذٰلِكَ** كما بيّن لكم ما ذُكر **يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ** (٢١٩) **فِي** امرِ **الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ** فتأخذونَ بالاصلحِ لكم فيهما.

ترجمہ: نبی ﷺ نے اپنے سرایا (جنگی یونٹ) میں سے پہلا سریہ (یونٹ) روانہ فرمایا، اور اس کا امیر عبداللہ بن جحش کو بنایا، چنانچہ ان لوگوں نے مشرکین سے قتال کیا اور جمادی الاخری کے آخری دن ابن حضرمی کو قتل کر دیا، اور ان کو جمادی الاخری کا رجب کے پہلے دن سے اشتباہ ہو گیا، تو کفار نے ماہ رجب کو حلال سمجھنے پر عار دلائی تو، یَسْئَلُوْنَكَ نازل ہوئی، لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ماہ حرام (یعنی) ماہ محترم میں لڑنا کیسا ہے؟ قِتَالٍ فِیْهِ (عن الشهر الحرام) سے بدل الاشتمال ہے آپ ان کو بتا دو کہ ان میں قتال کرنا بہت برا ہے (یعنی) گناہ کے اعتبار سے بڑا جرم ہے (قتال فیه) مبتداء خبر ہیں، اور لوگوں کو اللہ کے راستہ یعنی ان کے دین سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام یعنی مکہ سے روکنا اور اہل حرم کو حرم سے نکالنا، اور وہ نبی ﷺ اور مومنین ہیں، اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے اس میں قتال کرنے سے، صَدٌّ، مبتداء ہے اور اکبر عند اللّٰه اس کی خبر ہے، اور فتنہ (یعنی) تمہارا شرک کرنا تم کو اس میں قتل کرنے سے شدید تر ہے اور اے مومنو! یہ کافر تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تم کو تمہارے دین سے کفر کی طرف پھیر دیں اگر ان کا بس چلے، اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھرے گا، اور وہ کفر ہی کی حالت میں رہے گا تو اس کے اعمال صالحہ دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے تو نہ تو ان اعمال کا شمار ہو گا اور نہ ان پر اجر ملے گا اور کفر ہی پر مرنے کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ اگر یہ شخص اسلام کی طرف واپس آ گیا تو اس کا عمل ضائع نہیں ہوا، لہٰذا اس پر ثواب عطا کیا جائیگا اور وہ اس عمل کا اعادہ نہ کرے گا جیسا کہ حج مثلاً امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا یہی مذہب ہے اور ایسے سب لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے اور جب اہل سریہ کو یہ گمان ہوا کہ وہ اگر چہ گناہ سے محفوظ رہے لیکن ان کو (جہاد کا) اجر تو نہیں ملا تو (اِنَّ الَّذِیْنَ) نازل ہوئی بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی یعنی اپنے وطنوں کو چھوڑا اور دین کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کی رحمت ثواب کے (بجا طور پر) امیدوار ہیں، اور اللہ تعالیٰ مومنین کو معاف کرنے والا ہے اور ان پر رحم کرنے والا ہے آپ سے شراب اور جوئے یعنی ان کے حکم کے بارے میں پوچھتے ہیں ان کو بتا دو ان دونوں کے کرنے میں گناہ عظیم ہے اور ایک قراءت میں (کبیرٌ) ثاء مثلثہ کے ساتھ (یعنی) کثیرٌ ہے اس لئے کہ ان دونوں کی وجہ سے عداوت اور گالی گلوچ اور فحش گوئی کی نوبت آتی ہے اور (ان میں) لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں مثلاً لذت مسرت شراب میں اور بلا مشقت مال کا حصول جوئے میں، اور ان کا گناہ یعنی ان مفاسد کا گناہ جو (ان دونوں) سے پیدا ہوتے ہیں عظیم تر ہے ان کے نفع سے، اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو کچھ لوگ (شراب) پیتے رہے اور کچھ (پینے سے) باز آ گئے، حتی کہ سورۂ مائدہ کی آیت نے ان دونوں کو حرام کر دیا اور لوگ آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ (راہ خدا میں) کیا خرچ کریں؟ یعنی اس کی مقدار کیا ہو؟ آپ بتا دو کہ جو تمہاری حاجت سے فاضل ہو اس کو خرچ کرو اور جس کی تم کو حاجت ہو اس کو خرچ نہ کرو (کہ اس کو خرچ کر کے) خود کو ضائع کر دو اور ایک قراءت میں (العَفْوُ) رفع کے ساتھ ہے، هُوَ کی تقدیر کے ساتھ اس طرح جس طرح کہ تمہارے لئے مذکورہ احکام بیان کئے اللہ تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے

تاکہ تم دنیا وآخرت کے معاملہ میں غور کرو پس اسی کو اختیار کرو جو دنیا وآخرت میں تمہارے لئے بہتر ہو۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ابن الحضرمی، ان کا اصل نام عمر بن عبداللہ بن عباد حضرمی ہے حضرموت کی طرف منسوب ہے۔

قَوْلُہٗ: سَرَايَا، سَرِيَّةٌ کی جمع ہے لشکر کا ایک حصہ، اصطلاح میں سریہ اس لشکر کو کہتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے بذات خود شرکت نہ فرمائی ہو اور غزوہ اس لشکر کو کہتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے بذاتِ خود شرکت فرمائی ہو، غزوات اور سرایا کی مجموعی تعداد ستر ہے، سریہ پانچ افراد سے لے کر چار سو تک کی تعداد کو کہتے ہیں اس سے زیادہ کو جند (لشکر) کہا جاتا ہے، مفسر علام نے اس سریہ کو پہلا سریہ کہا ہے حالانکہ مواہب میں ہے کہ اس سے پہلے تین سرایا اور چار غزوے ہو چکے تھے پہلا سریہ ہجرت کے ساتویں مہینہ رمضان میں پیش آیا جس کا امیر آپ ﷺ نے اپنے چچا حمزہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بنایا تھا اس سریہ کے افراد کی تعداد تیس تھی اس کے بعد دوسرا سریہ، سریۂ عبیدۃ بن الحارث ہے یہ شوال کے مہینہ میں پیش آیا، ہجرت کے آٹھویں مہینہ میں اس میں ساٹھ افراد شامل تھے اس کے بعد تیسرا سریہ، سریۂ سعد بن ابی وقاص ہے یہ حجاز کی ایک وادی خرار میں پیش آیا، یہ ذی القعدہ میں ہجرت کے نویں مہینہ میں پیش آیا یہ سریہ بیس افراد پر مشتمل تھا، اس کے بعد چار غزوات پیش آئے اول غزوۂ ودان دوسرا بواط تیسرا غزوۂ ذوالعُشیرہ پیش آیا اور چوتھا غزوہ بدر الاولی پیش آیا جس کے بعد سریۂ عبداللہ بن جحش رجب کے آخر میں ہجرت کے سترہویں مہینہ میں پیش آیا، لہٰذا سریۂ عبداللہ بن جحش کو اول سریہ کہنے میں نظر ہے۔

تطبیق:

تطبیق کی جو صورت ہو سکتی ہے وہ یہ کہ جس سریہ میں کسی کا قتل ہوا ہو اور مال غنیمت ہاتھ لگا ہو وہ یہی سریہ ہے اس اعتبار سے اس کو پہلا سریہ کہا جاتا ہے اس لئے کہ اس سے پہلے سرایا میں نہ کوئی قتل ہوا اور نہ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ (جمل، صاوی)

قَوْلُہٗ: اِلْتَبَسَ عَلَيْهِمْ بِرَجَبَ، جمادی الاخری کی آخری تاریخ سمجھ کر مسلمانوں نے حضرمی کے قافلہ پر شبخون مارا تھا، دوسرے روز جب چاند دیکھا تو اس میں اشتباہ ہوا بعض کہنے لگے یہ کل کا چاند ہے بعض نے کہا آج ہی کا ہے اگر کل کا ہو تو قتال رجب کی پہلی تاریخ میں واقع ہوا جو کہ اشہر حرم میں سے ہے اس وجہ سے مسلمان بھی شش وپنج میں پڑ گئے اور مشرکین مکہ نے بھی اس بارے میں مسلمانوں پر طعنہ زنی شروع کر دی کہ تم نے تو اشہر حرم کو بھی حلال کر لیا حتی کہ مشرکین مکہ کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمانوں کی شکایت کی اور یہی مسئلہ دریافت کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی "يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ الخ".

قَوْلُہٗ: المحرّم.

سُوَال: الحرام کی تفسیر المحرم سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جَوَاب: مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ الشهر الحرام میں مصدر کا حمل ذات پر لازم آرہا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

جَوَاب: یہ ہے کہ الحرام مصدر المحرّم مفعول کے معنی میں ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں، یا یہ حمل مبالغۃً ہے۔

قَوْلُهُ: قتال فيه یہ الشهر الحرام سے بدل الاشتمال ہے اس لئے کہ الشهر الحرام اداءِ مقصود کے لئے ناکافی ہے۔

سُوَال: قتال فيه نکرہ ہے اور الشهر الحرام معرفہ، اور نکرہ کا معرفہ سے بدل واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: نکرہ موصوفہ کا بدل واقع ہونا درست ہے تقدیرِ عبارت یہ ہے قِتَال کائن فيه۔

قَوْلُهُ: مبتداء و خبرٌ، یعنی قتال فيه كبيرٌ مبتداء خبر ہیں۔

سُوَال: قتال نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: نکرہ اگر موصوفہ ہو تو مبتداء واقع ہونا درست ہے یہاں، فيهِ، قتال کی صفت ہے تقدیرِ عبارت یہ ہے قتال كائنٍ فيه كبير (فلا اعتراض) بعض حضرات نے قتالٌ فيه كبيرٌ، جملہ موصوفہ قرار دے کر قول کا مقولہ قرار دیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ مقولہ کا جملہ ہونا ضروری ہے اور قتالٌ فيه كبيرٌ جملہ تامہ نہیں ہے اس کا جملہ موصوفہ واقع ہونا درست نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: اَكبرُ، اَعظم۔

سُوَال: اَكبَرُ متعدد کی خبر واقع ہے حالانکہ اکبر مفرد ہے۔

جَوَاب: اَفعَلُ کا وزن واحد تثنیہ جمع مذکر و مؤنث سب میں استعمال ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَالْفِتْنَةُ اَكْبرُ مِنَ الْقَتْلِ، اَلْفِتنَةُ اكبرُ، مبتداء خبر ہیں حالانکہ ان میں مطابقت نہیں ہے اس کے دو جواب ہیں ایک کی طرف تو مفسر علام نے اَلشِّرك کہہ کر اشارہ کیا ہے یعنی فتنہ سے مراد شرک ہے، لہٰذا مطابقت موجود ہے دوسرا جواب اَفعَلُ کے وزن میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہیں۔

قَوْلُهُ: فلا اعتدادَبِهَا، ولا ثواب عَلَيْهَا، فلا اِعْتَدادَ، کا تعلق في الدنيا سے ہے، یعنی وہ نہ میراث کا مستحق ہوگا اور نہ مال غنیمت وغیرہ میں حصوں کا، اور ولا ثواب کا تعلق آخرت سے ہے یعنی ایسے شخص کو آخرت میں کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا۔

قَوْلُهُ: وَعَلَيْهِ الشافعی، ان دونوں مسئلوں میں امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا اختلاف ہے یعنی اگر مرتد ہونے کے بعد دوبارہ اسلام میں داخل ہو گیا تو امام صاحب کے نزدیک ارتداد سے پہلے کے اعمال کا اب کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا۔ (بيان القرآن ملخصًا)

نتیجۂ اختلاف:

ایک شخص نے نماز پڑھی اور وہ مرتد ہوگیا اور ابھی وقت باقی ہے کہ پھر اسلام قبول کرلیا تو امام صاحب کے نزدیک اس پر دوبارہ نماز پڑھنا لازم ہے بخلاف امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ کے۔

قَوْلُہٗ: فی تعاطیھما، اس میں اشارہ ہے کہ خمر اور میسر کی ذات میں گناہ نہیں ہے بلکہ بروئے کار لانے اور استعمال کرنے میں گناہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ای ما ینشأ عنھما من المفاسد، اس میں اشارہ ہے کہ اِثْمُھُما، میں اضافت، اضافت مصدر الی السبب کے قبیل سے ہے نہ کہ اضافت مصدر الی الفاعل کے قبیل سے جو کہ غالب ہے۔

قَوْلُہٗ: اَیْ مَا قدرُہ، اس اضافہ کا مقصد تکرار کے اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

دفع: دفع کا خلاصہ یہ ہے کہ سابق میں مذکور یَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ، میں ذات نفق سے سوال تھا اور یہاں مقدار منفق سے سوال ہے۔ (فلا تکرار)۔

قَوْلُہٗ: انفقوا اس میں اشارہ ہے کہ العَفْوَ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔

سَوَال: ھُوَ کو مبتداء محذوف کی خبر قرار دینے میں کیا نقصان ہے ای ھو العَفْوُ۔

جَوَاب: اس صورت میں سوال و جواب میں مطابقت نہیں رہتی اس لئے کہ سوال جملہ فعلیہ ہے اور جواب جملہ اسمیہ ہو جاتا اب دونوں جملے فعلیہ ہوگئے۔

قَوْلُہٗ: کَمَا بُیِّنَ لکم، اس میں اشارہ ہے کہ کذلك میں کاف فعل مؤخر یُبَیِّنُ کے مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے ای تبییناً مثل ھذا التبیین۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ، اَرْسَلَ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَوَّلَ سَرَایَاہُ الخ اس آیت کا تعلق ایک واقعہ سے ہے۔

واقعہ: رجب ۲ھ میں نبی ﷺ نے آٹھ افراد پر مشتمل ایک دستہ نخلہ کی جانب بھیجا تھا (جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے) اور اس کو ہدایت فرمادی تھی کہ قریش کی نقل و حرکت اور ان کے آئندہ ارادوں کے متعلق معلومات حاصل کرے، آپ ﷺ نے ان کو جنگ کی اجازت نہیں دی تھی، لیکن ان لوگوں کو راستے میں قریش کا ایک چھوٹا سا تجارتی قافلہ ملا اور اس پر انہوں نے حملہ کرکے ایک شخص جس کا نام عمر بن عبداللہ حضرمی تھا قتل کردیا ان میں سے ایک فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا باقی دو آدمیوں

کومع مال واسباب کے گرفتار کر کے مدینہ لے آئے یہ کارروائی اس وقت ہوئی جب جمادی الثانیہ ختم ہو رہا تھا اور رجب شروع ہونے والا تھا یہ امر مشتبہ تھا کہ آیا حملہ جمادی الثانیہ کی آخری تاریخ میں ہوا یا رجب کا مہینہ شروع ہو چکا ہے (جو کہ اشہر حرم میں سے ہے) لیکن قریش نے اور ان سے در پردہ ملے ہوئے یہودیوں اور منافقوں نے مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے اس واقعہ کو خوب شہرت دی اور سخت اعتراضات شروع کر دیئے، اسی سلسلہ میں مشرکوں کا ایک وفد بھی آپ ﷺ سے ملا اور ماہ محرم میں قتال کے بارے میں فتویٰ معلوم کیا، اس آیت میں ان کے اعتراضات کے دو جواب اور ماہ محترم میں قتال کا حکم بیان کیا گیا ہے، ایک جواب تسلیمی ہے اور ایک الزامی۔

تسلیمی جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ اشہر حرم میں قتال کرنا نہایت بڑا اور گناہ کبیرہ ہے مگر مسلمانوں سے اس واقعہ کا وقوع قصداً نہیں ہوا بلکہ غلطی اور غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ہے جو گناہ نہیں ہے مسلمان جمادی الاُخریٰ کی آخری تاریخ سمجھے ہوئے تھے مگر اتفاقاً وہ رجب کی پہلی تاریخ نکلی۔

الزامی جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ ماہ حرام میں لڑنا بڑی بری حرکت ہے مگر اس پر اعتراض کرنا ان لوگوں کو زیب نہیں دیتا جنہوں نے ۱۳/ برس تک مسلسل اپنے سینکڑوں بھائیوں پر صرف اس لئے ظلم توڑے کہ وہ ایک خدا پر ایمان لائے تھے، ان کو یہاں تک تنگ کیا کہ وہ اپنا وطن عزیز چھوڑ کر جلاوطن ہونے پر مجبور ہو گئے، پھر اس پر بھی اکتفا نہ کیا اور اپنے ان بھائیوں کے لئے مسجد حرام تک جانے کا راستہ بھی بند کر دیا، حالانکہ مسجد حرام کسی کی مملوکہ جائداد نہیں ہے اور پچھلے دو ہزار برس میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کو اس کی زیارت سے روکا گیا ہو، اب جن ظالموں کا اعمال نامہ ان کرتوتوں سے سیاہ ہے ان کا کیا منہ ہے کہ معمولی سی سرحدی جھڑپ پر اس قدر شور مچائیں، حالانکہ اس جھڑپ میں جو کچھ ہوا وہ اول تو نادانستہ طور پر ہوا، دوسرے یہ کہ نبی کی اجازت کے بغیر ہوا ہے اور اس کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ چند مسلمانوں سے غیر ذمہ دارانہ فعل کا ارتکاب ہو گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب یہ دستہ قیدی اور مال غنیمت لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ میں نے تم کو لڑنے کی اجازت تو نہیں دی تھی نیز آپ نے ان کے لائے ہوئے مال غنیمت میں سے بیت المال کا حصہ خمس لینے سے انکار فرما دیا تھا، جو اس بات کی علامت تھی کہ ان کی یہ لوٹ ناجائز ہے، اپنے آدمیوں نے بھی ان کے اس فعل پر سخت ملامت کی تھی اور مدینہ میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے انہیں اس پر داد دی ہو۔

مَسْئَلَہ: جہاد فی سبیل اللہ، عام حالات میں فرض کفایہ ہے اگر ایک جماعت اس فرض کو انجام دے رہی ہے تو دوسروں کو اجازت ہے کہ وہ دیگر کاموں میں دینی خدمت انجام دیں، البتہ اگر کسی وقت امام المسلمین ضروری سمجھ کر اعلان عام کا حکم دے اور سب مسلمانوں کو شرکت جہاد کی دعوت دے تو پھر سب پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے قرآن کریم نے سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا:

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ'' اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم بوجھل ہو جاتے ہو۔

اس آیت میں اسی نفیر عام کا حکم مذکور ہے، اسی طرح اگر خدانخواستہ کسی وقت کفار کسی اسلامی ملک پر حملہ آور ہوں اور مدافعت

کرنے والی جماعت ان کی مدافعت پر پوری طرح قادر نہ ہو تو اس وقت بھی یہ فریضہ اس جماعت سے متعدی ہو کر پاس والے سب مسلمانوں پر عائد ہو جاتا ہے اور اگر وہ بھی عاجز ہوں تو اس کے پاس والے مسلمانوں پر یہاں تک کہ پوری دنیا کے ہر ہر فرد مسلم پر ایسے وقت جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، قرآن مجید کی مذکورہ بالا تمام آیات کے مطالعہ سے جمہور فقہاء و محدثین نے یہ حکم اخذ کیا ہے کہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے۔

مَسْئَلَہ: اسی لئے جب تک جہاد فرض کفایہ ہو تو اولاد کو والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا جائز نہیں۔

مَسْئَلَہ: جس شخص کے ذمہ قرض ہو اس کے لئے جب تک قرض ادا نہ کر دے فرض کفایہ میں حصہ لینا جائز نہیں، البتہ اگر نفیر عام کی وجہ سے جہاد فرض عین ہو جائے تو پھر کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں رہتی۔

اَشہرِ حرم میں قتال کا حکم:

ابتداءً قتال ان مہینوں میں ہمیشہ کے لئے حرام ہے مگر جب کفار ان مہینوں میں حملہ آور ہوں تو مدافعانہ قتال کی مسلمانوں کو بھی اجازت ہے، جیسا کہ امام جصاص نے بروایت حضرت جابر بن عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی شہر حرام میں اس وقت تک قتال نہ کرتے تھے جب تک کہ ابتداء کفار کی طرف سے نہ ہو۔

مَسْئَلَہ: دنیا میں اعمال کا ضائع ہونا یہ ہے کہ اس کی بیوی نکاح سے خارج ہو جاتی ہے، اگر اس کا کوئی مورث مسلمان انتقال کرے تو اس شخص کو میراث کا حصہ نہیں ملتا، حالت اسلام میں جو کچھ نماز روزہ کیا تھا وہ سب کالعدم ہو جاتا ہے، مرتد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی، مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن نہیں کیا جاتا۔

اور آخرت میں ضائع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عبادت کا ثواب نہیں ملتا، ہمیشہ ہمیش کے لئے دوزخ میں داخل ہوگا۔

مَسْئَلَہ: کافرِ اصلی، حالت کفر میں اگر کوئی نیک عمل کرے تو اس کے عمل کا ثواب معلق رہتا ہے، اگر کبھی اسلام لے آیا تو سب پر ثواب ملتا ہے اور اگر کفر پر انتقال کر گیا تو تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں آخرت میں اس کو کوئی اجر نہیں ملتا۔

مَسْئَلَہ: مرتد کی حالت کافر اصلی کی حالت سے بدتر ہے، کافر اصلی سے جزیہ قبول ہو سکتا ہے مگر مرتد سے جزیہ قبول نہیں ہوتا، مرتد اگر اسلام نہ لائے تو اگر مرد ہے تو قتل کر دیا جاتا ہے اور اگر عورت ہے تو حبس دوام کی سزا ہے، سرکاری اہانت کرنے والا اسی سزا کے لائق ہے۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ، خمر اور میسر یہاں دونوں اپنے وسیع معنی میں ہیں خمر کے تحت ہر وہ نشیلا مشروب داخل ہے جو عقل کو مختل کر دے اسی طرح میسرؔ، بھی اپنے تمام اقسام کو شامل ہے (کل شئ فیه قِمارٌ فهُو المَیسر).

(تاج)

شراب اور جوا آج جس طرح فرنگی تہذیب میں جائز ہی نہیں بلکہ عین اس تہذیب کا جز ہیں اور دلیل اعزاز ہیں، اسی طرح

قدیم عربی تہذیب کے بھی جزء تھے، اکیلے عرب ہی کی کیا بات ہے یہ مشغلے تمام روئے زمین پر پھیلے ہوئے تھے، ہندی تہذیب، مصری تہذیب، یونانی تہذیب، رومی تہذیب یہ تہذیبیں تو خیر جاہلی تہذیبیں تھیں ہی، اسرائیلی اور مسیحی تہذیبیں جو شرف نبوت کے تعلق سے مشرف تھیں وہ بھی اس کی روک تھام نہ کرسکیں، شریعت اسلامی ہی دنیا کا وہ واحد قانون ہے جس نے آکر ان کی قطعی حرمت کا اعلان کیا، یہ آیت سلسلۂ حرمت کی سب سے پہلی آیت ہے حرمت کا قطعی حکم بعد میں نازل ہوا۔

جوئے اور شراب سے متعلق یہ پہلا حکم ہے جس میں صرف اظہار ناپسندیدگی کرکے چھوڑ دیا گیا ہے، تاکہ ذہن ان کی حرمت قبول کرنے کے لئے تیار ہوجائے، اس کے بعد شراب پی کر نماز پڑھنے کی ممانعت آئی "لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی" پھر شراب، جوئے اور اس نوعیت کی تمام چیزوں کو قطعی حرام کردیا گیا۔

نئی بوتل میں پرانی شراب:

علامہ آلوسی بغدادی صاحب روح المعانی نے اس مقام پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے فاسقوں نے نشیلے مشروبات کے لئے طرح طرح کے خوشنما نام اور لقب رکھ لئے ہیں، مثلاً عرق عنبری وغیرہ، لیکن نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی، اور نہ حکم شرعی بدلتا ہے نشہ آور چیزیں بہرحال حرام ہیں۔

شراب اور جوئے سے معاشرہ کی تباہی:

شراب نوشی کی بدولت آج تک جتنے فسادات ہوئے اور ہورہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، گالیاں بکوانا، بے حیائی پھیلانا، حرام کاری کی طرف بلانا، دنگے کرانا طرح طرح کی مہلک بیماریاں پیدا کرنا، چوری اور ٹھگی پر آمادہ کرنا، قتل تک نوبت لے آنا، دوستوں اور عزیزوں کے درمیان جوتے چلوانا، یہ سب اسی شراب نوشی کے کارنامے ہیں مزید برآں جوئے کی ہلاکت خیزیاں بھی کچھ کم نہیں قمار بازی نے نہ معلوم کتنے خاندان اور گھرانے تباہ و برباد کردیئے، فرنگستان کے سب سے بڑے قمار خانہ، مونٹے کارلو (Montecarlu) میں ہر سال بے شمار دولت تلف ہوتی ہے دیوالی کی راتوں میں ہندوستان میں کیا کچھ نہیں ہوتا، پھر جوئے کی جدید ترین شکلوں بیمہ کمپنیوں کے جوئے، گھوڑ دوڑ کے جوئے، لاٹریوں کے جوئے سٹے وغیرہ وغیرہ کہاں تک شمار کرائے جائیں۔

اسلام کا حیرت انگیز کارنامہ:

یہ فخر تاریخ میں اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے ایک اشارہ میں اپنے حدود مملکت سے اس ام الخبائث کا خاتمہ ہی کردیا، اور امت کی نظر میں بحیثیت مجموعی لفظ شرابی اور لفظ جواری کو انتہائی تحقیر اور ذلت کا لقب ٹھہرادیا۔

سر ولیم میور کی شہادت:

سر ولیم اپنے نہیں پرائے ہیں، معتقد نہیں غیر معتقد ہیں اس کے باوجود لکھتے ہیں: اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترک مے کشی کرانے میں اسلام کامیاب ہوا ہے، کوئی اور مذہب نہیں ہوا۔ (لائف آف محمد ص: ۵۲۱)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى وما يَلقَونَهُ مِنَ الحرجِ في شانِهِم فإن واكَلُوہُم ياثَمُوا وإن عزلُوا مالَهُم مِن اموالِهم وصَنَعُوا لَهُم طعامًا وحدَهُم فحرجٌ **قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ** في اموالِهِم بتَنْمِيَتِها ومُداخلتُكُم **خَيْرٌ** مِن ترْكِ ذلك **وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ** اي تَخلِطُوا نفقتَهُم بنفقتِكُم **فَاِخْوَانُكُمْ** اي فهُم اِخوانُكُم في الدِّينِ ومِن شانِ الاخِ أن يُخالِطَ اخاهُ اي فلكُم ذلك **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ** لاموالِهِم بمُخالطَتِه **مِنَ الْمُصْلِحِ** لها فيُجازي كُلًّا منهما **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ** لَضَيَّقَ عليكم بتحريمِ المُخالطةِ **اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ** غالبٌ على امرِه **حَكِيْمٌ** ﴿۲۲۰﴾ في صُنعِه **وَلَا تَنْكِحُوا** تتزوَّجُوا ايُّها المسلمون **الْمُشْرِكٰتِ** اي الكافراتِ **حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ** حُرَّةٍ لأنَّ سببَ نُزُولِها العيبُ على مَن تزوَّجَ امةً مؤمنةً والترغيبُ في نِكاحِ حُرَّةٍ مشركةٍ **وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ** لِجَمالِها ومالِها وهٰذا مخصوصٌ بغيرِ الكتابِيّاتِ بآيةِ والمحصنٰتُ مِنَ الذين اوتوا الكتاب **وَلَا تُنْكِحُوا** تُزَوِّجُوا **الْمُشْرِكِيْنَ** اي الكفارَ المؤمناتِ **حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ** لمالِه وجمالِه **اُولٰٓئِكَ** اي اهلُ الشركِ **يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ** بدُعائِهِم الي العملِ الموجِبِ لها فلا تليقُ مُناكحتُهُم **وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا** على لِسانِ رُسُلِه **اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ** اي العملِ الموجِبِ لهما **بِاِذْنِهٖ** بارادتِه فتجبُ اجابتُهُ بتزويجِ اوليائِه **وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ** ﴿۲۲۱﴾ يَتَّعِظُونَ.

ترجمہ: یتیموں اور ان کے معاملہ میں پیش آنے والے حرج کے بارے میں آپ سے پوچھتے ہیں کہ اگر ان کو ساتھ کھلاتے ہیں تو گنہگار ہوتے ہیں، اگر ان کے مالوں کو اپنے مالوں سے الگ کرتے ہیں اور تنہا ان کا کھانا بناتے ہیں تو یہ بھی دقت ہے، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان کی خیر خواہی ان کے مال میں اضافہ اور تمہاری شمولیت کر کے، اس کو ترک کرنے سے بہتر ہے، اور اگر تم ان کے نفقہ کو اپنے نفقہ کے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، یعنی دینی بھائی ہیں اور بھائی کی یہ شان ہونی چاہئے کہ اپنے بھائی کو شامل کرے لہٰذا یہ تمہارے لئے جائز ہے، اللہ تعالیٰ ان یتیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر بدخواہی اور خیر خواہی کرنے والے کو (خوب) جانتا ہے لہٰذا ان دونوں کو جزاء دے گا، اور اگر اللہ چاہتا تو شرکت کو حرام کر قرار دے کر تم کو تنگی میں ڈال دیتا اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں غالب اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے اور اے مسلمانو تم مشرکات یعنی کافرات سے نکاح

نہ کروتا آں کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اور بلاشبہ مومنہ باندی آزاد مشرکہ سے بہتر ہے، اس لئے کہ (لوگوں کا) اس شخص پر نکتہ چینی کرنا جس نے مومنہ باندی سے نکاح کرلیا اور آزاد مشرکہ عورت سے نکاح میں رغبت کرنا، اس آیت کے نزول کا سبب ہے اگرچہ (مشرکہ عورت) تم کو اس کے مال و جمال کیوجہ سے بھلی معلوم ہو، اور (نهى عن نكاح المشركات) مخصوص ہے غیر کتابیات کے ساتھ "والمحصنٰت من الذين اوتوا الكتاب" کی وجہ سے، اور مشرکوں (یعنی) کافروں سے مومن عورتوں کا نکاح نہ کروتا آنکہ وہ کافر ایمان لے آئیں اور بلاشبہ مومن غلام مشرک (آزاد) سے بہتر ہے اگرچہ وہ تم کو اس کے مال و جمال کی وجہ سے بھلا معلوم ہو اور یہ اہل شرک نار جہنم کی دعوت دیتے ہیں ان اعمال کی طرف دعوت دے کر جو نار جہنم واجب کرنے والے ہیں لہٰذا ان سے نکاح کرنا لائق نہیں ہے اور اللہ اپنے رسول کی زبانی جنت اور مغفرت کی طرف اپنے ارادہ سے بلاتا ہے، یعنی ایسے عمل کی طرف جوان دونوں کے لئے موجب ہے لہٰذا اس کے حکم کو قبول کرنا واجب ہے اس کے اولیاء (یعنی) مسلمانوں سے نکاح کر کے اور وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَمَا يَلْقَوْنَهُ، اس میں اشارہ ہے کہ عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے اس لئے کہ سوال حال سے ہوتا ہے نہ کہ ذات سے۔

قَوْلُهُ: وَاكلوهُمْ، اكلُوا میں ایک لغت ہمزہ کو واؤ سے بدل کر واكلوا بھی ہے یعنی مل کر کھانا پینا۔

قَوْلُهُ: فی اموالهم، اس میں اشارہ ہے کہ اصلاح مالی مراد ہے نہ کہ غیر مالی تاکہ جواب مطابق سوال ہو جائے، نیز اس کا قرینہ اللہ تعالیٰ کا قول "وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ" بھی ہے۔

قَوْلُهُ: مِن تركِ ذلك، اس میں حذف مفضل علیہ کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُهُ: فَهُمْ اِخوانُكُمْ، اس حذف میں اس طرف اشارہ ہے، فاخوانكم، جزاء شرط ہے اور جزاء کا جملہ ہونا ضروری ای لئے هُمْ، مبتداء محذوف مانا ہے۔

قَوْلُهُ: اى فَلَكُمْ ذلكَ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: وان تُخَالِطُوْهُمْ، شرط ہے اور فَاِخْوَانُكم، اس کی جزاء ہے مگر جزاء کا شرط پر ترتب درست نہیں ہے، اس لئے کہ شرط و جزاء میں کوئی ربط نہیں ہے۔

جَوَابٌ: اصل جزاء محذوف ہے جس کی طرف مفسر علام نے فلكم ذلك، کہہ کر اشارہ کر دیا ہے کہ سبب جزاء کو جزاء کے قائم مقام کر دیا ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

ابوداؤد اور نسائی اور حاکم وغیرہ نے ابن عباس رَضَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ سے روایت کیا ہے کہ جب ''وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ'' اور ''اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ'' (الآیة) نازل ہوئیں، تو ان لوگوں نے جن کی پرورش میں کوئی یتیم تھا، ان کا کھانا پینا الگ کردیا، بعض اوقات یتیم کا کھانا بچ جاتا تو اٹھا کر رکھ دیا جاتا، دوسرے وقت یتیم کو وہی بچا ہوا کھانا، کھانا پڑتا، اور بعض اوقات بچا ہوا کھانا خراب بھی ہوجاتا جس کی وجہ سے یتیم کا نقصان ہوتا، اس صورت حال سے اولیاء یتامی کو دقت پیش آئی اول تو یتیم کا کھانا مستقل الگ پکانا یہ مستقل ایک دردسر تھا، دوسرے اس میں یتیم کا بھی نقصان تھا، آپ ﷺ کے سامنے بعض صحابہ نے صورت حال بیان کرکے پریشانی اور دقت کا اظہار کیا تو مذکورہ آیت ''وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى'' نازل ہوئی۔

آپ سے یتیموں کی پرورش اور ان کے ساتھ معاشرت ومعاملات کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ بتا دیجئے کہ ان کی اصلاح اچھی بات ہے اگر مل جل کر بسر کرو تو تمہارے بھائی ہیں کچھ حرج نہیں، مگر اللہ مفسد کی بدنیتی اور مصلح کی نیک نیتی کو جانتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو یتیموں کے معاملہ میں ایسی وسعت اور سہولت نہ دیتا جس کی وجہ سے تم مشقت میں پڑ جاتے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ نے بیچ کی اور کلمہ کی انگلی ملا کر فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَحَبُّ بُيُوْتِ الى اللّٰه بيتٌ فيه يتيمٌ مُكرمٌ'' اللہ کو زیادہ محبوب وہ گھر ہے کہ جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کی ناز برداری ہوتی ہو۔

یہاں اصلاح سے اگرچہ اصلاح مالی مراد ہے مگر اس میں اخلاقی اور جسمانی اصلاح بھی شامل ہے، ایسے تصرفات جن میں یتیم کا فائدہ ہی فائدہ ہے یا فائدہ مقصود ہے مگر نقصان کا بھی احتمال ہے جیسے تجارت وغیرہ، ایسے امور ولی کے اختیار میں ہیں اور ایسے امور کہ جن میں نقصانِ محض ہے جیسے صدقہ، غلام آزاد کرنا، ہبہ کرنا، یہ ولی کے اختیار میں نہیں ہیں۔

مَسْئَلَہ: فقہاء کرام نے بہ قاعدۂ اقتضاء النص اصلاح کے عموم سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یتیم پر جو تہدید وتنبیہ تعلیم وتربیت کی ضرورت کی غرض سے ہو وہ بالکل جائز اور درست ہے، اسلام کی یتیم نوازی، یتیم پروری کا اعتراف اپنوں ہی کی طرح غیروں نے اور مخالفوں نے بھی کیا ہے برطانوی مصنف، باسورتھ اسمتھ نے لکھا ہے۔

پیغمبر کی خصوصی توجہ کے مرکز غلاموں کی طرح یتیم بھی رہے ہیں، وہ خود بھی یتیم رہ چکے تھے، اس لئے دل سے چاہتے تھے، کہ جو حسن سلوک خدا نے ان کے ساتھ کیا وہی وہ دوسروں کے ساتھ کریں۔ (محمد اینڈ محمڈ نزم، ص: ۲۵۱)

امریکی ماہر اجتماعیات ڈاکٹر رابرٹس رلکھتے ہیں۔

''قرآن کے مطالعہ سے ایک خوشگوار ترین چیز معلوم ہوتی ہے کہ محمد ﷺ کو بچوں کا کس قدر خیال تھا، خصوصاً ان بچوں کا جو

والدین کی سرپرستی سے محروم ہوگئے ہوں، باربار تاکید بچوں کے ساتھ حسن سلوک کی ملتی ہے'' اور پھر آگے کہتا ہے۔
''محمد ﷺ نے یتیموں کے باب میں اپنی خاص توجہ مبذول رکھی، یتیموں کے حقوق کا بکثرت ذکر کیا اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے والوں اور ان کے حقوق غصب کرنے والوں کے خلاف سخت سے سخت وعیدیں سیرت محمدی کے اس پہلو کو ظاہر کرتی ہیں جن پر مسلمان مصنفین کو بجا طور پر ناز ہے''۔ (ص: ٤١، ایضًا)

اسلام کی رواداری:

اِخوانکم، چونکہ اس وقت اکثر مسلمانوں کے پاس مسلمان بچے ہی یتیم تھے، اس لئے اخوانکم فرمایا، ورنہ اگر دوسرے مذہب کے بچے بھی اپنی تربیت میں ہوں، اس کا بھی بعینہ یہی حکم ہے اور اس کی تائید دوسری آیات اور احادیث میں جو الفاظ عام کے ساتھ وارد ہیں سے ہوتی ہے بلکہ ان کے ساتھ مذہبی رعایت اتنی اور زیادہ ہے کہ اس بچہ پر بلوغ کے بعد اسلام کے لئے جبر نہ کیا جائے، مذہبی آزادی دی جائے (تھانوی)

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ، تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، زن وشو کا رشتہ انتہائی الفت ورفق ومحبت کا ہے جو آپس میں مناسبت وموافقت وموانست کا متقاضی ہے، عورت اور مرد کے درمیان نکاح کا تعلق محض ایک شہواتی تعلق نہیں ہے، بلکہ وہ ایک گہرا تمدنی، اخلاقی اور قلبی تعلق ہے، مومن اور مشرک کے درمیان اگر یہ قلبی تعلق ہو تو جہاں اس امر کا امکان ہے کہ مومن شوہر یا بیوی کے اثر سے مشرک شوہر یا بیوی پر اور اس کے خاندان اور آئندہ نسل پر اسلام کے عقائد اور طرز زندگی کا نقش ثبت ہوگا، وہیں اس امر کا بھی امکان ہے کہ مشرک شوہر یا بیوی کے خیالات اور طور طریقوں سے نہ صرف مومن شوہر یا بیوی بلکہ اس کا خاندان اور دونوں کی نسل تک متاثر ہوجائے گی اور غالب امکان اس امر کا ہے کہ ایسے ازدواج سے اسلام اور کفر وشرک کی ایک ایسی معجون مرکب اس خاندان اور اس گھر میں تیار ہوگی کہ غیر مسلم خواہ کتنا ہی پسند کریں مگر اسلام کسی طرح پسند کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

المشرکات:

لفظ مشرکہ یہاں اپنے عام اور وسیع معنی میں ہے ہر قسم کی کافر یا غیر مسلم عورت اس حکم ممانعت میں داخل ہے، اس کا بت پرست ہونا لازم نہیں قول محقق یہی ہے۔ (جصاص)

امام مالک رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ اور امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ نے اسی آیت کی بنا پر فرمایا کہ کسی قسم کی غیر مسلم عورت سے نکاح جائز نہیں، **لا یجوز العقد بنکاح علی مشرکة کانت کتابیة او غیر کتابیة، قال عمر** رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ **فی احدیٰ روایته وهو اختیار مالك والشافعی.** (ابن عربی)

لیکن فقہاء حنفیہ کی نگاہ مزید نکتہ سنجی کے ساتھ قرآن مجید ہی کی ایک دوسری آیت کی طرف بھی گئی اور وہ آیت سورۂ مائدہ کی

ہے " وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ الخ "فقہاء حنفیہ نے پہلی آیت کے عموم میں اس آیت سے تخصیص کی، یعنی عام قاعدہ کے لحاظ سے تو ہر غیر مسلمہ سے نکاح ناجائز ہے لیکن کتابیہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور یہی مذہب ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اور بعض تابعین سے مروی ہے۔

چند فقہی افادات:

① ہندو عورت یا آتش پرست عورت سے نکاح ناجائز ہے۔ ② کتابیہ سے نکاح جائز ہے لیکن بہتر نہیں، حضرت عمر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے ناپسند فرمایا ہے اور خود حدیث میں نکاح دیندار ہی عورت سے کرنے کا حکم ہے اور جب غیر متدین مسلمان عورت سے بھی نکاح پسند نہیں کیا گیا تو کسی غیر مسلم سے کیسے پسند کیا جا سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو جب خبر پہنچی کہ عراق و شام کے مسلمانوں میں کچھ ایسے ازدواج کی کثرت ہونے لگی ہے تو بذریعہ فرمان ان کو اس سے روک دیا گیا، اور اس پر توجہ دلائی گئی کہ یہ ازدواجی تعلق دیانۃً بھی مسلم گھرانوں کے لئے خرابی کا سبب ہے اور سیاسۃً بھی، آج اس کا نقصان بالکل کھلی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور میں کئی مسلمان سربراہوں کے نکاح میں یہودی یا نصرانی عورتیں ہیں جن کے ذریعہ مملکت کے تمام رازہائے پوشیدہ ان سے مخفی نہیں ان کے ذریعہ دشمن ملکوں کو مسلمانوں کے خفیہ راز معلوم ہو جاتے ہیں بلکہ مغربی ممالک کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان سربراہوں کو یہودی حسیناؤں کے دام زلف میں گرفتار کر کے شکار کر لیا جائے اور آج یہی ہو رہا ہے۔

سَوَال: اہل کتاب کی عورتوں کا نکاح مسلمان مردوں سے جائز ہے تو اس کا عکس یعنی مسلمان عورتوں کا نکاح اہل کتاب مردوں سے کیوں جائز نہیں ہے؟

پہلا جواب: اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ عورت فطرۃً ضعیف ہوتی ہے اس کے علاوہ شوہر کو اس کا حاکم اور نگران بنایا گیا ہے، لہٰذا شوہر کے عقائد سے عورت کا متاثر ہونا قرین قیاس بلکہ اقرب الی القیاس ہے، اس لئے اگر مسلمان عورت اہل کتاب مرد کے نکاح میں رہے تو اس کے عقائد کے خراب ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے اس کے عکس میں اندیشہ نہیں ہے یا کم ہے۔

دوسرا جواب: مسلمان چونکہ انبیاء سابقین پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور ان کا نام بھی بصد احترام لیتے ہیں بخلاف اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے کہ وہ آنحضرت محمد ﷺ کی نبوت کے قائل نہیں ہے اور نہ وہ اپنے ذمہ محمد ﷺ کا اسم مبارک احترام سے لینا ضروری سمجھتے ہیں بخلاف مسلمانوں کے کہ ان پر انبیاء سابقین کا احترام لازم اور ضروری ہے نیز ان پر اجمالی ایمان لانا بھی فرض ہے اگر کوئی مسلمان کسی بھی نبی کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا، لہٰذا کتابیہ خواہ یہودیہ ہو یا نصرانیہ وہ اپنے پیغمبر کا نام مسلمانوں کے گھر میں ادب اور احترام سے سنے گی، بخلاف مسلمان عورت کے کہ جو کسی اہل کتاب یہودی یا نصرانی کے نکاح میں ہو تو وہ اپنے نبی محمد ﷺ کا نام ادب اور احترام سے نہ سنے گی جس سے اس کو تکلیف ہوگی

جو آپس میں نا اتفاقی اور ناچاقی کا سبب بن سکتی ہے جس سے ازدواجی زندگی کے تباہ و برباد ہونے کا قوی امکان ہے، ان مصلحتوں کی بنا پر مسلمان عورت کا نکاح کسی اہل کتاب سے جائز نہیں رکھا گیا۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ اى الحيض او مكانه ماذا يُفعل بالنساء فيه قُلْ هُوَ اَذًى قذرٌ او محلُّه فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ اتركوا وطيهن فِي الْمَحِيْضِ اى وقته او مكانه وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ بالجماع حَتّٰى يَطْهُرْنَ بسكون الطاء وتشديدها والهاء وفيه ادغام التاء فى الاصل فى الطاء اى يغتسلن بعد انقطاعه فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ للجماع مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ بتجنبه فى الحيض وهو القبل ولا تعدوه الى غيره اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ يُثيبُ ويكرمُ التَّوَّابِيْنَ من الذنوب وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (۲۲۲) من الاقذار نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ اى محل زرعكم للولد فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اى محله وهو القبل اَنّٰى كيف شِئْتُمْ من قيام وقعود واضطجاع واقبال وادبار نزل ردًّا لقول اليهود من اتى امرأته فى قبلها من جهة دبرها جاء الولد احول وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ العمل الصالح كالتسمية عند الجماع وَاتَّقُوا اللّٰهَ فى امره ونهيه وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ بالبعث فيجازيكم باعمالكم وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۲۳) الذين اتقوه بالجنة وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ اى الحلف به عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اى نصبًا لها بان تكثروا الحلف به اَنْ لا تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ فتكره اليمين على ذلك ويسن فيه الحنث ويكفر بخلافها على فعل البر ونحوه فهى طاعة المعنى لا تمتنعوا من فعل ما ذكر من البر ونحوه اذا حلفتم عليه بل ائتوه وكفروا لان سبب نزولها الامتناع من ذلك وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ لاقوالكم عَلِيْمٌ (۲۲۴) باحوالكم لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ الكائن فِيْ اَيْمَانِكُمْ وهو ما يسبق اليه اللسان من غير قصد الحلف نحو لا والله وبلى والله فلا اثم فيه ولا كفارة وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ اى قصدته من الايمان اذا حنثتم وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ لما كان من اللغو حَلِيْمٌ (۲۲۵) بتاخير العقوبة عن مستحقها۔

ترجمہ: لوگ آپ سے حیض کے (حکم) کے بارے میں پوچھتے ہیں، یعنی حیض یا حائضہ کے بارے میں کہ اس حالت میں عورتوں سے (ازدواجی) تعلق کا کیا حکم ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ حیض گندگی ہے یا محل گندگی ہے، لہٰذا عورتوں کو حالت حیض میں یعنی وطی کو یا محل حیض کو چھوڑ دو اور جماع کے لئے ان کے قریب بھی نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک صاف ہو جائیں (یطھرن) طاء کے سکون و تشدید کے ساتھ اور ھاء کی تشدید کے ساتھ ہے اور اس میں اصل میں تاء کا طاء میں ادغام ہے یعنی حیض موقوف ہونے کے بعد غسل کرلیں، پھر جب پاک صاف ہو جائیں تو ان کے پاس جانے (وطی) کی اجازت ہے اس مقام میں جہاں سے اللہ نے تم کو حالت حیض میں وطی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور وہ قُبُل ہے اور قُبُل سے غیر قُبُل

(دُبُر) کی طرف تجاوز نہ کرو اور اللہ تعالیٰ گناہوں سے توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے یعنی ان کو ثواب عطا کرتا ہے اور قدردانی کرتا ہے اور گندگیوں سے پاک وصاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے، تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی حصول ولد کے لئے تمہارے واسطے بمنزلہ کھیت کے ہیں، تو تم اپنے کھیت یعنی محل کاشت میں جس طرح چاہو آؤ کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، لیٹ کر، اور آگے کی جانب سے یا پشت کی جانب سے، اور وہ محل زراعت قُبُل ہے (یہ آیت) یہود کے اس قول کو رد کرنے کے لئے نازل ہوئی کہ: جس شخص نے اپنی بیوی سے اس کی قبل میں پشت کی جانب سے وطی کی تو اس کے بھینگا بچہ پیدا ہوگا، اور اپنے لئے اعمال صالحہ آگے بھیجو (یعنی اپنے مستقبل کی فکر کرو) مثلاً بوقت جماع بسم اللہ پڑھنا وغیرہ اور اللہ سے اس کے امر ونہی میں ڈرتے رہو اور خوب جان لو کہ تمہیں بعداز مرگ زندہ ہونے کے بعد اس سے ملنا ہے تو وہ تمہارے اعمال کی تم کو جزاء دے گا، اور (اے نبی) مومنوں کو جو اللہ سے ڈرتے ہیں جنت کا مژدہ سنادو اور تم اللہ (کے نام) کو اس کی قسم کھانے کے لئے ہدف نہ بناؤ کہ اس کی قسم کثرت سے کھاؤ کہ نیکی کے اور تقوے کے اور اصلاح بین الناس کے کام نہ کرو گے اور ایسی باتوں پر قسم کھانا مکروہ ہے، اور اس قسم کی قسموں کو توڑ دینا اور کفارہ ادا کردینا سنت ہے، اس کے برخلاف نیکی کرنے کی قسم کھانا طاعت ہے خلاصہ یہ کہ مذکورہ جیسے نیک کاموں کے کرنے سے باز نہ رہو جب کہ تم نے اس کے (نہ کرنے کی) قسم کھائی ہو، بلکہ وہ کام کرلو اور (قسم کا) کفارہ ادا کردو، اس لئے کہ اس (آیت) کے نزول کا سبب نیک کام سے رک جانا تھا، اور اللہ تمہاری باتوں کو سننے والا اور تمہارے احوال کا جاننے والا ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری لغو (بے مقصد) قسموں پر مؤاخذہ نہ کرے گا، اور وہ ایسی قسمیں ہیں جو بلا ارادہ سبقت لسانی سے تم کھالیتے ہو، جیسے لَا وَاللّٰہ، اور بلٰی واللّٰہ، تو ان میں نہ گناہ ہے اور نہ کفارہ، مگر جو قسمیں تم سچے دل سے کھاتے ہو ان پر تم سے ضرور مؤاخذہ کرے گا، یعنی جن قسموں کو تم نے بامقصد کھایا ہے، جب تم حانث ہوجاؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں کو معاف کرنے والا ہے اور مستحق سزا کی سزا کو مؤخر کرنے کی وجہ سے بردبار ہے۔

تَحقیق وتَرکیب وتَسہیل وتَفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَلْمَحِیْض، ظرف زمان (وقت حیض) ظرف مکان (مقام حیض) مصدر (حیض آنا، یا بمعنی حیض، وہ فاسد خون جو مخصوص زمانہ اور مخصوص حالت میں جوان تندرست غیر حاملہ عورت کے رحم سے نکلتا ہے)۔ (لغات القرآن)

المحیض ھو الحیض، وھو مصدرٌ، یقال حاضتِ المرأۃ حَیْضًا ومحیضًا فھی حَائِضٌ وحَائِضَۃٌ.

(فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُہٗ: الحیض او مکانہ، یہ محیض کی دو تفسیروں کی طرف اشارہ ہے، الحیض کہہ کر اشارہ کردیا کہ محیض مصدر میمی ہے، اس کے معنی ہیں سیلان الدم۔

قَوْلُہٗ: قذرٌ او محلہ، یہ اذی کی دو تفسیریں ہیں اول تفسیر محیض کی اول تفسیر کے اعتبار سے ہے اور ثانی، ثانی کے

اعتبار سے، اس میں لف ونشر مرتب ہے۔

قَوْلَهٗ: بالجماع، اس میں اشارہ ہے کہ حالت حیض میں جماع ممنوع ہے نہ کہ مطلقاً قربان ومیل ملاپ۔

قَوْلَهٗ: یثیبُ ویکرمُ، یہ یحبُّ کی تفسیر باللازم ہے، اس لئے کہ حُبّ، کے معنی میلان القلب کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شایان شان نہیں ہیں۔

قَوْلَهٗ: وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس کا عطف فأتوا حرثکم پر ہے، اور یہ اشارہ عام بعد الخاص کے قبیل سے ہے۔

قَوْلَهٗ: بَشِّرْ، اس کا عطف قُلْ هُوَ اَذًی پر ہے۔

قَوْلَهٗ: الَّذِیْن اتقوہُ، المؤمنین کو الَّذِین اتقوا، کی قید سے مقید کر کے ایک اشکال کو دفع کیا ہے۔

اشکال: یہ ہے کہ سابق سے خطاب مومنین کو چل رہا ہے تو یہاں بَشِّرهم کہنا کافی تھا یعنی ضمیر کافی تھی اسم ظاہر لانے میں کیا مصلحت ہے۔

جَوَابٌ: سابق میں مخاطب مطلق مومنین تھے اور یہاں مومنین متقین مراد ہے لہٰذا ثانی غیر سابق ہیں اسی لئے اسم ظاہر کی صراحت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

قَوْلَهٗ: عُرْضَةً نشانہ، ہدف، آڑ، ہتھکنڈہ "لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِکُمْ" (اللہ کو اپنی قسموں کے لئے آڑ نہ بناؤ) اس صورت میں عُرضةٌ کے معنی آڑ، یا بہانے کے ہیں دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ مطلب نکالنے کے لئے بات بات پر قسمیں نہ کھاؤ، اس لئے کہ اس طریقہ پر اللہ کا باعزت نام تمہاری قسموں کا نشانہ بن جائے گا، اس تفسیر کی صورت میں، عُرضة، کا ترجمہ، ہتھکنڈہ، نشانہ کے ہوں گے، مطلب یہ کہ آیت شریفہ میں دونوں مطلبوں کی گنجائش ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلَهٗ: نُصُبًا، یہ نَصَبٌ کی جمع ہے بمعنی منصوب، نصب کی ہوئی چیز، ہدف، نشانہ، ای المنصوب للرماۃ، تیراندازوں کے لئے بطور نشانہ کسی چیز کو گاڑ دینا، کہا جاتا ہے جَعَلْتُهٗ عُرضةً للبیع، میں نے اس کو فروخت کے لئے پیش کیا۔

قَوْلَهٗ: لِأنّ سبب نزولها، یہ اَن لا تَبَرُّوا وتَتَّقُوا، کے حاصل معنی کا بیان ہے بعض نے کہا ہے کہ لا محذوف نہ ماننا بہتر ہے۔

قَوْلَهٗ: الکائن، اس میں اشارہ ہے کہ ظرف یعنی فی اَیْمَانِکم، الکائن مقدر کے متعلق ہو کر اللغو کی صفت ہے۔

قَوْلَهٗ: اِذَا حَنِثْتُمْ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا دفعیہ ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ قسم بالذات موجب للمؤاخذۃ نہیں ہے لہٰذا مطلقاً یمین پر مؤاخذہ کا حکم لگانے کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابٌ: امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے نزدیک اگرچہ یمین ہی موجب کفارہ ہے مگر احناف کے نزدیک حانث ہونا موجب کفارہ ہے یعنی احناف کے نزدیک یمین موجب کفارہ نہیں ہے بلکہ حانث ہوجانا موجب کفارہ ہے۔

تفسیر وتشریح

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ، یہود کا یہ دستور تھا کہ عورت جب حائضہ ہو جاتی تھی تو اس کو گھر سے نکال دیتے تھے اور الگ کسی کونے یا گوشہ میں رہنے پر مجبور کرتے تھے اور اس کے ساتھ کھانا پینا بالکل بند کر دیتے تھے، ہنود کا بھی یہی طریقہ تھا کہ حائضہ عورت کے برتن اور بستر الگ کر دیتے تھے، غرضیکہ حالت حیض میں اس سے معاشرت بالکل منقطع کر دی جاتی تھی، اس کو جانور سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا اس کے برخلاف نصاریٰ کا یہ حال تھا کہ وہ حالت حیض میں بھی جماع کو جائز سمجھتے تھے، یہ دونوں جماعتیں افراط وتفریط میں مبتلا تھیں۔

ابوالدحداح اور بعض دیگر صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی ایک جماعت نے حالت حیض میں عورت سے جماع کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

قَدْ اخرجَ مسلم واھل السنن وغیرھم عن انس أن الیھود کانوا اذا حاضتِ المرأۃ اخرجوھا من البیتِ ولم یُواکلوھا ولم یشاربوھا ولم یجامعوھا فی البیوت، فسئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن ذلک فانزل اللّٰہ" ویَسْئلونک عن المحیض " (الآیۃ) فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: جامعوھُنَّ فی البیوت واصنعوا کلّ شئٍ اِلا النکاح.

مسلم اور اہل سنن وغیرہم نے حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نقل کیا ہے کہ یہود کا یہ دستور تھا کہ جب عورت حائضہ ہو جاتی تھی تو اس کو گھر سے باہر کر دیتے تھے اور اس کے ساتھ کھانا پینا بند کر دیتے تھے اور اس کے ساتھ مجامعت ترک کر دیتے تھے، غرضیکہ اس کے ساتھ بود وباش ختم کر دیتے تھے، اور صحابہ نے حالت حیض میں عورت کے ساتھ معاشرت ومجامعت کے بارے میں سوال کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا ہے کہ جماع کے علاوہ کوئی چیز منع نہیں ہے، ہندوستان میں بھی چند صدیوں قبل تک یہی طریقہ رہا ہے بستر برتن وغیرہ سب الگ کر دیئے جاتے تھے، خصوصاً اونچی ذات سمجھے جانے والی قوموں میں زمانہ قریب تک یہی صورت حال رہی ہے، اس کے علاوہ بھی اور بہت سے معاملات ان کے طور وطریقے یہود کے طور وطریقوں کے مطابق رہے ہیں، مال کی حرص، موت کا خوف، اپنے سے نیچے سمجھے جانے والی قوموں کو مذہبی کتابیں پڑھنے کا حق نہ ہونا، قلت تعداد کے باوجود اقتدار پر قابض رہنا، سود کو محبوب ترین ذریعہ آمدنی سمجھنا اور خود کو ہی اقتدار کا مستحق سمجھنا ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنود کا نسلی تعلق یہود ہی سے ہے۔

قرآن مجید نے حالت حیض میں جماع کے مسئلہ کو استعارہ کے طور پر بیان کیا ہے جیسا کہ قرآن کی عادت ہے کہ اس قسم کے مسائل استعاروں اور کنایوں میں بیان کرتا ہے، اسی کو "ولا تقربوھُنَّ" سے بیان کیا ہے، یعنی ان سے الگ رہو ان کے قریب نہ جاؤ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، مگر ان کا مطلب یہ نہیں کہ حائضہ عورت کے ساتھ بستر پر بیٹھنے یا ایک جگہ کھانے پینے سے بھی احتراز کیا جائے اور بالکل اچھوت بنا کر رکھ دیا جائے جیسا کہ یہود وہنود اور بعض دوسری قوموں کا

دستور ہے، نبی ﷺ نے اس حکم کی توضیح فرمادی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت حیض میں صرف مباشرت سے پرہیز کرنا چاہئے، باقی تمام تعلقات بدستور برقرار رکھے جائیں۔

یہود اور بعض دیگر قوموں کا اس معاملہ میں تشدد:

بعض قوموں میں عورتیں اپنے حیض کے زمانہ میں، نہ دوسروں کے ساتھ کچھ کھاپی سکتی ہیں نہ لیٹ بیٹھ سکتی ہیں، بعض قوموں میں اس زمانہ میں عورت کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا ناپاک سمجھا جاتا ہے، اور بعض مشرک قوموں میں یہ دستور ہے کہ اس زمانہ میں عورت کو میلے کچیلے کپڑے پہنا کر گھر کے ایک گوشہ میں اچھوت بنا کر بٹھا دیا جاتا ہے، غرضیکہ دوسری قوموں نے عام طور پر اس طبعی ناپاکی سے متعلق بہت مبالغہ آمیز تخیل قائم کرلیا ہے، شریعت اسلامی میں اس قسم کے کوئی امتناعی احکام موجود نہیں ہیں۔

حالت حیض میں توریت کا قانون:

مشرک قوموں نے اس بات میں جو سختیاں روا رکھی ہیں ان سے قطع نظر خود محرف تورات کے قانون کا تشدد بھی اس باب میں اپنی مثال ہے، عورت ایام ماہواری کے زمانہ میں خود ہی ناپاک نہیں ہوتی بلکہ جو شخص یا جو چیز بھی اس سے چھو جاتی ہے وہ بھی ناپاک ہوجاتی ہے اور سلسلہ درسلسلہ یہ ناپاکی متعدی ہوتی جاتی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

جو کوئی اسے چھوئے گا شام تک نجس رہے گا، اور جو کوئی اس کے بستر کو چھوئے وہ اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے اور شام تک ناپاک ہے اور جو کوئی اس چیز کو جس پر وہ بیٹھی ہے چھوئے، اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے نہائے اور شام تک ناپاک رہے، اگر مرد اس کے ساتھ سوتا ہے اور اس کی نجاست اس پر ہے تو وہ رات دن ناپاک رہے گا اور ہر ایک بستر جس پر مرد سوئے گا ناپاک ہوجائے گا۔　(احبار: ۱۵، ۱۹، ۲۴)(ماجدی)

مسئلہ: اگر حیض پورے دس دن گذرنے پر موقوف ہو تو بغیر غسل کئے بھی صحبت درست ہے۔

مسئلہ: اگر دس دن سے پہلے حیض موقوف ہوجائے مگر عادت کے موافق موقوف ہو تو صحبت جب درست ہوتی ہے کہ عورت یا تو غسل کرے یا ایک نماز کا وقت گذر جائے، اور اگر دس دن سے پہلے موقوف ہوا اور ابھی عادت کے دن پورے نہیں ہوئے مثلاً سات دن کی عادت تھی اور حیض چھ ہی دن میں موقوف ہوگیا تو ایام عادت کے گذرے بغیر صحبت درست نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر غلبۂ شہوت سے حالت حیض میں صحبت ہوگئی تو خوب توبہ واستغفار کرنا واجب ہے اور اگر کچھ صدقہ وخیرات بھی کردے تو بہتر ہے۔

مسئلہ: پیچھے کے راستہ میں اپنی بیوی سے بھی صحبت حرام ہے بعض شیعہ حضرات اپنی بیوی سے وطی فی الدبر کو جائز ٹھہراتے ہیں جو بالکل غلط ہے اور اَنّٰی شِئْتُمْ میں اَنّٰی بمعنی اَیْنَ لے کر استدلال کرتے ہیں حالانکہ حَرْثُکُمْ، اس بات

کا قرینہ ہے کہ یہاں اَنّٰی بمعنی کَیْفَ ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ، عرب جاہلیت کے جاہلانہ دستوروں میں سے ایک دستور یہ بھی تھا کہ قسم کھا کر یہ کہہ دیتے تھے کہ ہم فلاں کام نیکی، تقویٰ، اصلاح ذات البین کا نہیں کریں گے اور جب کوئی ان سے کہتا تو یہ کہہ دیتے کہ ہم اس کام کے نہ کرنے کی قسم کھا چکے ہیں، ان اعمال خیر کا ترک یوں بھی صورتاً مذموم تھا چہ جائیکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے باعظمت نام کو قرب حق کے بجائے کار خیر سے دوری کا ذریعہ بنایا جائے۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے کسی بات کی قسم کھائی ہو اور بعد میں اس پر واضح ہو جائے کہ اس قسم کو توڑ دینے ہی میں خیر ہے تو اس کو قسم توڑ دینی چاہئے اور کفارہ ادا کرنا چاہئے، قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے پہنانا، یا ایک غلام آزاد کرنا یا تین دن کے روزے رکھنا ہے، البتہ جو قسمیں بطور تکیہ کلام کے بلا ارادہ زبان سے نکل جاتی ہیں ایسی قسموں پر نہ مواخذہ ہے اور نہ کفارہ۔

عُرْضَة، کے عام اور متداول معنی ہدف یا نشانہ کے ہیں اور بعض نے یہی معنی مراد لئے ہیں لیکن ایک دوسرے معنی حجاب اور مانع کے بھی ہیں اور یہاں یہی معنی زیادہ چسپاں ہیں۔

فقہاء نے بلا ضرورت اور کثرت سے قسم کھانے کو یوں بھی ناپسند کیا ہے اس میں اللہ کے نام کی بے توقیری ہے، چہ جائیکہ قصداً جھوٹی قسمیں کھانا۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ اى يَحْلِفُوْنَ ان لَّا يُجَامِعُوْهُنَّ **تَرَبُّصُ** انتظار **اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ** رَجَعُوا فيها او بعدها عن اليمين الى الوَطْيِ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لهم مَا اَتَوْهُ من ضَرَرِ المرأةِ بالحَلْفِ **رَّحِيْمٌ**﴿۲۲۶﴾ بهم **وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ** اى عليه بِاَن لم يَفِيْئُوا فَلْيُوْقِعُوْهُ **فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ** لقولهم **عَلِيْمٌ**﴿۲۲۷﴾ بِعَزْمِهِم المعنى ليس لهم بعد تَرَبُّصِ ما ذُكِرَ الَّا الفَيْئَةُ او الطلاقُ **وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ** اى لِيَنْتَظِرْنَ **بِاَنْفُسِهِنَّ** عن النِّكاحِ **ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ** تَمْضِى مِن حِيْنِ الطلاقِ جمعُ قَرْءٍ بفتح القاف وهو الطُّهْرُ او الحَيْضُ قولان وهذا فى المَدْخُوْلِ بِهِنَّ اما غيرُهُنَّ فلا عِدَّةَ لهُنَّ لقوله تعالى فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا وفى غير الآيِسَةِ وَالصَّغِيْرَةِ فَعِدَّتُهُنَّ ثلثة اشهرٍ والحَوَامِلِ فَعِدَّتُهن اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ كما فى سورة الطلاق والاِماءِ فَعِدَّتُهُنَّ قَرءَان بالسُّنَّةِ **وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِىْٓ اَرْحَامِهِنَّ** مِن الوَلَدِ والحَيْضِ **اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ** ازواجُهُنَّ **اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ** اى بِمُرَاجَعَتِهِنَّ وَلَو اَبَيْنَ **فِىْ ذٰلِكَ** اى فى زَمَنِ التَّرَبُّصِ **اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا** بينهما لا اِضرارَ المرأةِ وهو تحريضٌ على قصدِهِ لا شرطٌ لِجَوازِ الرَّجْعَةِ وهذا فى الطلاقِ الرجعيِّ واحقُّ لا تفضِيلَ فيهِ اِذْ لَا حَقَّ لِغَيْرِهِم فى نِكاحِهِنَّ فى العِدَّةِ **وَلَهُنَّ** على

الازواج مِثْلُ الَّذِیْ لہم عَلَیْھِنَّ من الحقوق بِالْمَعْرُوْفِ شرعًا من حسنِ العِشْرَۃِ وتَرْکِ الضِّرارِ ونحو ذلک وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ فضیلۃٌ فی الحق من وُجوبِ طاعتِہِنَّ لہم لِما ساقوہ من المَہْرِ والانفاق وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ فی مُلکہ حَکِیْمٌ (۲۲۹) فیما دبَّرہ لِخَلْقِہ.

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ازدواجی تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا لیتے ہیں، تو ان کے لئے چار ماہ انتظار کی مدت ہے پس اگر اس مدت میں یا اس کے بعد وطی کی جانب قسم سے رجوع کرلیں تو اللہ تعالیٰ عورت کے اس نقصان کو معاف کرنے والے ہیں، جو انہوں نے اس قسم کے ذریعہ پہنچایا ہے اور ان پر رحم کرنے والے ہیں، اور اگر طلاق کا ہی کا پختہ ارادہ ہو بایں طور کہ وہ رجوع نہ کریں گے تو پھر طلاق ہی دیدیں، اللہ تعالیٰ ان کی بات کو سننے والا ہے اور ان کے عزم کو جاننے والا ہے مطلب یہ ہے کہ مذکورہ (مدت) انتظار کے بعد ان کے لئے صرف رجوع کرنے یا طلاق دینے کی صورت ہے اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو طلاق کے وقت سے تین حیض تک نکاح سے روکے رکھیں (قُروء) قَرْءٌ کی جمع ہے، قاف کے فتحہ کے ساتھ، اس کے معنی طہر یا حیض کے ہیں، یہ دو قول ہیں اور یہ حکم مدخول بہا عورتوں کا ہے، لیکن غیر مدخول بہا تو ان کے لئے کوئی مدت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے قول "فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا" کی وجہ سے (اگر تم نے وطی نہ کی ہو تو ان پر تمہارے لئے کوئی عدت نہیں) اور یہ حکم آئسہ (یعنی) حیض سے ناامید اور صغیرہ کے علاوہ کا ہے کہ ان کی عدت تین ماہ ہے اور حاملہ عورتیں، تو ان کی عدت وضع حمل ہے، جیسا کہ سورۂ طلاق میں ہے اور رہیں باندیاں تو ان کی عدت دو قُـــرُوء (حیض یا طہر) ہیں سنت کی رو سے، اور ان کے لئے حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو بچہ یا حیض پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں، اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان ہو اور ان کے شوہر اس مدتِ انتظار میں ان کو لوٹانے کے پورے حق دار ہیں اگرچہ بیویاں انکار کریں، اگر ان کا آپسی اصلاح کا قصد ہو نہ کہ عورت کو نقصان پہنچانے کا، اور یہ کلام (اِنْ اَرَادُوْآ اِصْلَاحًا) اصلاح پر آمادہ کرنے کے لئے ہے نہ کہ جواز رجعت کی شرط کے طور پر اور یہ (حق رجعت) طلاق رجعی کی صورت میں ہے، اور لفظ (احق) میں تفضیل کے معنی نہیں ہیں، اس لئے کہ شوہروں کے علاوہ کسی کو عدت کی مدت میں ان سے نکاح کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، اور عورتوں کے بھی مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں شرعی دستور کے مطابق، حسن سلوک حسن معاشرت کے ساتھ اور نقصان رسانی وغیرہ کو ترک کرکے، البتہ مردوں کو حقوق میں عورتوں پر فضیلت حاصل ہے اور وہ عورتوں پر اطاعت کا وجوب ہے اس لئے کہ مردوں نے مہر اور نان نفقہ کا ذمہ لیا ہے، اور اللہ زبردست ہے اپنے ملک میں اور حکمت والا ہے ان چیزوں میں جو اس نے اپنی مخلوق کے لئے بطور تدبیر اختیار کی ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: یُـؤْلُوْنَ، (اِیْلَاءٌ) سے جمع مذکر غائب، جو عورتوں سے ہم بستر نہ ہونے کی قسم کھالیں اَلْاِیْـلَاء فـی الـلغة اليمين، وَالْاِيْلاء مِنَ المرأة اَنْ يَقُوْل وَاللّٰه لَااَقْرَبُكِ اَرْبَعَةَ اشهرٍ فَصَاعِدًا.

قَوْلُہٗ: اَنْ لا يُـجَامِعُوْهُنَّ یہ عبارت اس سوال کا جواب ہے کہ حلف فعل پر ہوتی ہے نہ کہ ذات پر، یہاں نسائهم، پر حلف ہے جو کہ ذات ہے۔

جَوَابٌ: عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے ای یَـحْلِفُوْنَ اَنْ لا یُجَامِعُوْهُنَّ حذف مضاف کا مقصد مبالغہ ہے جیسا کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ میں ہے۔

قَوْلُہٗ: تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اشهُرٍ بترکیب اضافی مبتداء مؤخر، مِن نِساءِهِمْ خبر مقدم۔

سَوَالٌ: یُؤْلُوْنَ، کا صلہ عَلٰی استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں مِنْ استعمال ہوا ہے۔

جَوَابٌ: اِیـلاء، بُـعد، کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے، مِنْ صلہ لانا درست ہے، چونکہ ایلاء کرنے والا بھی اپنی بیوی سے دور رہتا ہے لہٰذا ایلاء بمعنی بُعد درست ہے۔

قَوْلُہٗ: عَلَيْهِ.

سَوَالٌ: عَلَيْهِ، مقدر ماننے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اَلـطَّـلَاق حذف جر کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ عـزموا علی الطلاق.

قَوْلُہٗ: بفتح القاف.

سَوَالٌ: قَرْءٌ کو فتحہ قاف کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا ہے جب کہ ضمہ قاف بھی اس میں ایک لغت ہے۔

جَوَابٌ: جمع جب قُرُوْءٌ ہو تو اس کا واحد قَرْءٌ بفتح القاف ہی ہوتا ہے چونکہ جمع مذکور قُرُوْءٌ ہے اس لئے واحد کا قاف کے فتحہ کے ساتھ ہونا ضروری ہے اگر ضمہ قاف کے ساتھ ہو تو اس کی جمع اَقْرَاء آتی ہے۔

جیسے قُفْل، کی جمع اَقْفَال آتی ہے۔

قَوْلُہٗ: هُـو الـطُّهْـر والـحَيْض، اول امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا اور ثانی امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ الخ یہ شرط ہے اور اس کی جزاء فَلَايَجْتَرِئْن على ذٰلِكَ، محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: بُعُولَتُهُنَّ، ان عورتوں کے شوہر بُعُوْلَةٌ، بَعْلٌ کی جمع ہے جیسا کہ فُـحُولَةٌ، فَحْلٌ کی جمع ہے تاء زائدہ اور امثلہ سماعی ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَحَقُّ لا تفضیل فیه اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: اَحَقُّ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل مفضل علیہ کا تقاضہ کرتا ہے حالانکہ یہاں مفضل علیہ ممکن نہیں ہے اس لئے کہ شوہر کے علاوہ کسی کو رجعت کا حق ہی نہیں ہے اعتراض کا ماحصل یہ ہے کہ اَحَقُّ اسم تفضیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر رجعت کا زیادہ حق دار ہے اور غیر شوہر کم حق دار ہے حالانکہ غیر شوہر کو رجعت حق کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

جَوَابٌ: اسم تفضیل بمعنی اسم فاعل ہے یعنی اَحَق بمعنی حقیق ہے، لہٰذا کوئی اعتراض نہیں ہے یہی مطلب ہے مفسر علام کے قول ''اِذْ لَا حقَّ لغیرِ همر فی نکاحِهِنَّ فی العدة'' کا گویا کہ یہ اَلشتاء اَبْرَدُ مِنَ الصیف کے قبیل سے ہے۔

قَوْلُہٗ: لِمَا ساقوا مِنَ المهر وَالِانفاق، یہ ثبوت درجہ کی علت ہے اس لئے کہ لذت مباشرت اور طلب ولد میں دونوں برابر کے شریک ہیں اور امور خانہ داری کے انتظام میں بھی دونوں مساوی، شوہر کے ذمہ خارجی امور ہیں اور بیوی کے ذمہ داخلی اور مزید برآں شوہر کے ذمہ بیوی کے نان نفقہ اور مہر کی بھی ذمہ داری ہے اس اضافی ذمہ داری کی وجہ سے مرد کو عورت پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے۔

تفسیر و تشریح

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ، چار ماہ یا اس سے زیادہ یا مطلقاً بیوی سے ازدواجی تعلق نہ کرنے کی قسم کھالینا شریعت کی اصطلاح میں ایلاء کہلاتا ہے، میاں بیوی کے درمیان کبھی ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ تعلقات خوشگوار نہ رہ سکیں اور بگاڑ کے اسباب ظاہر ہو جائیں، لیکن ایسے بگاڑ کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ دونوں ایک دوسرے سے قانونی طور پر رشتہ ازدواج میں تو بندھے رہے مگر عملاً ایک دوسرے سے اس طرح الگ رہیں کہ گویا وہ میاں بیوی ہی نہیں ہیں، ایسے بگاڑ کے لئے اللہ تعالیٰ نے چار ماہ کی مدت مقرر کردی ہے کہ یا تو اس دوران اپنے تعلقات درست کرلیں ورنہ ازدواجی رشتہ منقطع کردیں، تاکہ دونوں ایک دوسرے سے آزاد ہو کر اپنی راہ اور اپنی منزل متعین کرسکیں۔

آیت میں چونکہ قسم کھالینے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس لئے فقہاء حنفیہ اور شافعیہ نے اس آیت کا منشا یہ سمجھا ہے کہ جہاں شوہر نے بیوی سے تعلق زن وشو نہ رکھنے کی قسم کھائی ہو، صرف وہیں اس حکم کا اطلاق ہوگا باقی رہا قسم کھائے بغیر تعلق منقطع کرلینا، تو یہ خواہ کتنی ہی طویل مدت کے لئے ہو، اس آیت کا حکم اس پر چسپاں نہ ہوگا۔ مگر فقہاء مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ خواہ قسم کھائی گئی ہو یا نہ کھائی گئی ہو دونوں صورتوں میں ترک تعلق کے لئے بھی چار مہینے کی مدت ہے ایک قول امام احمد بن حنبل کا بھی اسی کی تائید میں ہے۔ (بدایة المجتهد جلد دوم)

حضرت عثمان رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ، ابن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ، زید بن ثابت رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ وغیرہم کے نزدیک رجوع کا موقع چار ماہ کے اندر ہے اس مدت کا گذر جانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر نے طلاق کا عزم کرلیا ہے اس لئے یہ مدت گذرتے ہی طلاق خود بخود واقع ہو جائے گی اور وہ ایک طلاق بائن ہوگی، یعنی دوران عدت شوہر کو رجوع کا حق نہ ہوگا، البتہ اگر دونوں چاہیں تو

دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں، حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ، حضرت علی رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ، ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اور ابن عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے بھی ایک قول اسی معنی میں منقول ہے اور فقہاء حنفیہ نے اسی رائے کو قبول کیا ہے۔

سعید بن مسیّب، مکحول، زہری یہاں تک تو متفق ہیں کہ چار مہینے کی مدت گذرنے کے بعد خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی مگر ان کے نزدیک وہ ایک طلاق رجعی ہوگی، یعنی دوران عدت میں شوہر کو رجوع کر لینے کا حق ہوگا اگر رجوع نہ کرے تو مدت گذر جانے کے بعد اگر دونوں چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

بخلاف اس کے حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهَا ابوالدرداء رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ اور اکثر فقہاء مدینہ کی رائے یہ ہے کہ چار ماہ کی مدت گذرنے کے بعد معاملہ عدالت میں پیش ہوگا، اور حاکم عدالت شوہر کو حکم دے گا کہ یا تو اس عورت سے رجوع کرے یا اسے طلاق دے، حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ حضرت علی رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ اور ابن عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ کا ایک قول اس کی تائید میں بھی ہے اور امام مالک و شافعی رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالٰی نے اسی کو قبول کیا ہے۔

خلاصۂ کلام:

اگر شوہر قسم کھالے کہ اپنی بیوی سے صحبت نہ کروں گا، اس کی چار صورتیں ہیں، ایک یہ کہ کوئی مدت متعین نہ کرے دوم یہ کہ چار مہینے کی قید لگادے، سوم یہ کہ چار ماہ سے زیادہ کی قید لگادے، چہارم یہ کہ چار ماہ سے کم کی مدت کا نام لے، صورت اول و دوم وسوم کو اصطلاح شرع میں ایلاء کہتے ہیں، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے اندر اپنی قسم توڑ دے اور بیوی کے پاس چلا جاوے تو قسم کا کفارہ دے اور نکاح باقی ہے اور اگر چار ماہ گذر گئے اور قسم نہ توڑی تو اس عورت پر قطعی طلاق پڑ گئی، یعنی بلا نکاح رجوع کرنا درست نہیں رہا البتہ اگر دونوں رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں اور حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی، اور چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم توڑے تو کفارہ لازم ہوگا، اور اگر قسم پوری کی جب بھی نکاح باقی ہے۔

اَلطَّلَاقُ اى التَّطْلِيْقُ الذى يُرَاجِعُ بعدَهٗ **مَرَّتٰنِ** اى اثْنَتَانِ **فَاِمْسَاكٌ** اى فعَلَيْكُمْ اِمْسَاكُهُنَّ بعدَهٗ بِاَنْ تُرَاجِعُوْهُنَّ **بِمَعْرُوْفٍ** مِن غيرِ ضِرَارٍ **اَوْ تَسْرِيْحٌ** ارسالٌ لَهُنَّ **بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ** اَيُّهَا الاَزْوَاجُ **اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ** مِنَ المُهُوْرِ **شَيْئًا** اذا طَلَّقْتُمُوْهُنَّ **اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ** اى الزَّوْجَانِ **اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ** اى لا يَاْتِيَا بِمَا حَدَّهٗ لَهُمَا مِنَ الحقوقِ وفى قراءةٍ يُخَافَا بالبناءِ للمفعولِ فَاَنْ لا يُقِيْمَا بَدَلُ اشتمالٍ مِنَ الضَّمِيْرِ فيه وَقُرِئَ بالفَوْقَانِيَّةِ فى الفِعْلَيْنِ **فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ** نَفْسَهَا مِنَ المالِ لِيُطَلِّقَهَا اى لَا حَرَجَ عَلَى الزَّوْجِ فى اَخْذِهٖ ولَا الزَّوْجَةِ فى بَذْلِهٖ **تِلْكَ** الاحكامُ المذكورةُ **حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۲۲۹﴾ **فَاِنْ طَلَّقَهَا** الزوجُ بعدَ

اثنتین ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ﴾ بعد الطلقة الثالثة ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ﴾ تتزوج ﴿زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ ويطأها كما في الحديث رواه الشيخان ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا﴾ الزوج الثاني ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ﴾ اي الزوجة والزوج الاول ﴿اَنْ يَّتَرَاجَعَآ﴾ الى النكاح بعد انقضاء العدة ﴿اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ﴾ المذكورات ﴿حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ يتدبرون ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ قاربن انقضاء عدتهن ﴿فَاَمْسِكُوْھُنَّ﴾ بأن تراجعوهن ﴿بِمَعْرُوْفٍ﴾ من غير ضرار ﴿اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ اتركوهن حتى تنقضي عدتهن ﴿وَلَا تُمْسِكُوْھُنَّ﴾ بالرجعة ﴿ضِرَارًا﴾ مفعول له ﴿لِّتَعْتَدُوْا﴾ عليهن بالالجاء الى الافتداء او التطليق وتطويل الحبس ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ بتعريضها الى عذاب الله تعالى ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ ھُزُوًا﴾ مهزوًا بها بمخالفتها ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ بالاسلام ﴿وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ القران ﴿وَالْحِكْمَةِ﴾ ما فيه من الاحكام ﴿يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ بأن تشكروها بالعمل به ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ لا يخفى عليه شيء.

ترجمہ: ایسی طلاق جس کے بعد رجوع کیا جاسکے دوبار ہے یعنی دو تک ہیں، پھر یا تو معروف طریقہ سے تمہارے ذمہ روک لینا ہے بعد اس کے کہ ان سے رجوع کرلو، یا بھلے طریقہ سے ان کا رخصت کردینا ہے بغیر نقصان پہنچائے اور اے شوہرو! تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں کہ جب تم ان کو طلاق دو تو جو مہر تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس لو البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو کہ اللہ نے ان کے لئے جو حدود مقرر کئے ہیں ان کو ادا نہ کرسکیں گے اور ایک قراءت میں (یَخَافَا، یُقِیمَا) کو تاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہ سکیں گے تو ان دونوں کے درمیان معاملہ طے ہوجانے میں کہ عورت اپنے نفس کا مالی معاوضہ دیدے تاکہ شوہر اس کو طلاق دیدے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، یعنی نہ شوہر کے لئے اس معاوضہ کے لینے میں کوئی حرج ہے اور نہ عورت کے لئے اس کے دینے میں یہ مذکورہ احکام اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کریں وہی لوگ ظالم ہیں، پھر اگر شوہر دو طلاقوں کے بعد طلاق دیدے تو اس کے لئے تیسری طلاق کے بعد وہ عورت حلال نہیں اِلّا یہ کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور وہ (دوسرا شوہر) اس سے وطی کرے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے (رواہ الشیخان) پھر اگر دوسرا شوہر اس کو طلاق دیدے تو بیوی اور شوہر اول پر کوئی حرج نہیں کہ عدت گذرنے کے بعد دوبارہ نکاح کرلیں، اگر دونوں یہ خیال کریں کہ وہ حدود الٰہی کو قائم رکھیں گے، یہ مذکورہ احکام اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، اللہ ان لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے جو سمجھ رکھتے ہیں غور و فکر کرتے ہیں، اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں یعنی ان کی عدت ختم ہونے کے قریب ہوجائے تو ان سے رجوع کرکے بھلے طریقہ پر بغیر نقصان پہنچائے، ان کو روک لو، یا شریفانہ طریقہ سے ان کو رخصت

کردو، یعنی ان کو (اپنی حالت پر) چھوڑ دو تا آں کہ ان کی مدت پوری ہو جائے اور رجعت کے ذریعہ ستانے کے لئے نہ روکو (ضـرارًا) مفعول لہ ہے کہ ان کو فدیہ (معاوضہ خلع) دینے یا خلع کرنے پر مجبور کرنے اور مدت جس کو طویل کرنے کے لئے (نہ روکو) اور جو ایسا کرے گا تو اس نے درحقیقت خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا، اللہ کے عذاب پر خود کو پیش کرکے اور اللہ کی آیات کو کھیل نہ بناؤ یعنی ان کی مخالفت کرکے ان کا مذاق نہ بناؤ، اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت اسلام کو یاد رکھو اور اس کتاب (یعنی) قرآن اور حکمت کو اور اس میں جو احکام ہیں یاد رکھو جو تم پر نازل کی ہے وہ تم کو اس کی نصیحت کرتا ہے کہ اس پر عمل کرکے اس کی شکر گذاری کرو اور اللہ سے ڈرو اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہر بات سے باخبر ہے اس سے کوئی شئ پوشیدہ نہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: التـطليق الَّذِیْ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ کہ الطلاق اسم مصدر، تـطْليق مصدر کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ طلاق سے شوہر کا فعل تطلیق مراد ہے اس لئے کہ فعل طلاق ہی متصف بالوحدۃ والتعدد ہوتا ہے نہ کہ وہ طلاق جو مرأۃ کی صفت ہوتی ہے اس کی تائید او تَسْرِيْحٌ سے بھی ہوتی ہے اس لئے کہ تَسْرِيح، بھی شوہر کا فعل ہے۔

قَوْلُہٗ: فَعَلَيْكُمْ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اِمْسَاكٌ، مبتداء ہے اور اس کی خبر، فَعَلَيْكُمْ، محذوف ہے۔

سُوَالٌ: اِمْسَاكٌ، نکرہ ہے لہٰذا اس کا مبتداء بننا درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: اِمْسَاكٌ کی صفت، بمعروف ہے لہٰذا نکرہ جب موصوف بالصفت ہو تو اس کا مبتداء بننا صحیح ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: ای اِثْنَتَان۔

سُوَالٌ: مَرّتَان، کی تفسیر اثنتان، سے کرنے میں کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مَـرّتَـان، سے اس کے حقیقی معنی جو کہ تثنیہ ہیں، مراد ہیں، یعنی دو طلاقیں نہ کہ مجازی معنی جو کہ تکرار ہیں، گویا کہ یہ رد ہے ان لوگوں کا جنہوں نے کہا ہے کہ مَـرّتَـان، یہاں تکرار کے معنی میں ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ تکرار معنی مجازی ہیں اور تثنیہ معنی حقیقی ہیں اور معنی مجازی سے حقیقی مراد لینا اولیٰ ہوتا ہے دو مجازی معنی مراد لینے والوں کا مقصد یہ بتانا ہے ایک ساتھ دو طلاق درست نہیں ہے بلکہ دو مرتبہ میں دو طلاقیں ہونی چاہئیں اور جو لوگ مرتان کو اثـنـتـان (تثنیہ) کے معنی میں لیتے ہیں ان کے نزدیک ایک لفظ سے دو طلاق دینا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: بَـعْـدَ الـتـطليقةِ الثالثةِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بَـعْـدُ، مبنی بر ضم ہے اس لئے کہ اس کا مضاف الیہ محذوف ہے اور وہ بَعْدَ الطلقه الثالثةِ ہے، لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ اس کو حرف جر کی وجہ سے مجرور ہونا چاہئے۔

قَوْلُہٗ: تَتَزَوَّجُ، تـنـكح، کی تفسیر تتزوج سے کرکے اشارہ کر دیا کہ تـنـكح، بمعنی عقد نکاح ہے نہ کہ وطی اس لئے کہ عقد نکاح مراد لینے کی صورت میں اس کی اسناد مرد اور عورت دونوں کی طرف حقیقت ہوگی اور اگر بمعنی وطی ہو تو مرد کی طرف تو نسبت حقیقی ہوگی مگر عورت کی جانب وطی کی نسبت مجازی ہوگی۔

قَوْلُہٗ: یَطَاهَا اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو حلالہ کے لئے صرف عقد نکاح کو کافی سمجھتے ہیں، جیسا کہ سعید بن مسیب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس لئے کہ یہ حدیث مشہور کے خلاف ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

شانِ نزول:

رَوی عروة بن الزبیر الخ، فرماتے ہیں کہ لوگ ابتداء اسلام میں اپنی بیویوں کو بے شمار طلاقیں دیدیا کرتے تھے اور بعض لوگ ایسا بھی کرتے تھے کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدیتے تھے اور جب اس کی عدت ختم ہونے کے قریب ہوجاتی تھی تو رجوع کرلیتے تھے اس کے بعد پھر طلاق دیدیتے تھے، ستانے اور تکلیف پہنچانے کی نیت سے اسی طرح بار بار کرتے رہتے تھے تو اس موقع پر اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ نازل ہوئی۔ (مظهری)

طلاق رجعی دو ہی تک ہیں:

طلاق رجعی دو ہی بار ہے پھر خواہ حسن معاشرت اور محبت سے اسے رکھ لے یا احسان اور شریفانہ طریقہ سے رخصت کروے "تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ" اکثر روایتوں میں تیسری طلاق ہے مگر ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ تیسری طلاق ضرر خالص ہے احسان سے اس کیا واسطہ، بلکہ مراد یہ ہے کہ دوسری طلاق کے بعد اگر رجوع کرنا اور محبت سے بسر کرنا ہے تو بہتر ، ورنہ خاموش بیٹھ رہے، جب عدت پوری ہوجائیگی عورت خود بخود بائنہ ہوجائے گی اس کے بعد اگر دونوں کی مرضی ہو تو نکاح کرسکتے ہیں یہی ان کے حق میں احسان ہے۔

طلاق دینے کے تین طریقے:

طلاق دینے کے تین طریقے ہیں (اول) اَحْسَن، یعنی صرف ایک طلاق ایسے طہر میں دے جسمیں عورت سے جماع نہ کیا ہو، (دوسری) حَسَن یعنی تین طلاقیں اس طرح دے کہ جب حیض سے پاکی حاصل ہو تو وطی سے پہلے طلاق دے پھر دوسرے حیض کا انتظار کرے دوسرے حیض کے بعد دوسری طلاق اور تیسرے حیض کے بعد تیسری طلاق دے کر قصہ ختم کرے، اور اگر عورت کو حیض نہ آتا ہو یعنی صغیرہ ہو یا آئسہ (بہت بوڑھی) تو ہر ماہ بعد ایک طلاق دے، (تیسری) بدعی، ایک وقت یا ایک طہر میں تین طلاقیں دے یہ طلاقیں تو پڑ جائیں گی مگر مرد گنہگار رہوگا، اس طلاق کے واقع ہونے میں بعض حضرات کو کلام ہے مگر ابن عمر کی مرفوع حدیث ہماری شاہد ہے اور حیض میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے مگر رجوع کرنا

واجب ہے اگر حالت حیض میں طلاق واقع ہی نہ ہوتو ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو حالت حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کے حکم کے کیا معنی؟ لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ کہ طلاق دوبار ہے یعنی مسنون تو یہی ہے کہ ایک بار ایک طلاق دے پھر دوسری دے، بعد ازاں خواہ رجوع کرے یا تیسری طلاق بھی دیدے بیک وقت دو طلاقیں دینا چونکہ اچھا نہیں ہے اسی لئے مرتان، یعنی ''دوبار'' فرمایا تاکہ تعدد اور توقف پر اشارہ کرے۔

فَائِدَہ: اس مختصری آیت میں ایک بہت بڑی معاشرتی خرابی کی جو عرب جاہلیت میں رائج تھی اصلاح کی گئی ہے عرب میں قاعدہ یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو بے حد و بے حساب طلاق دینے کا مجاز تھا، جس عورت سے اس کا شوہر بگڑ جاتا تھا اس کو بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تھا، تاکہ نہ تو وہ غریب اس کے ساتھ بس ہی سکے اور نہ اس سے آزاد ہو سکے کہ کسی اور سے نکاح کر لے، قرآن مجید کی یہ آیت اسی ظلم کا دروازہ بند کرتی ہے، اس آیت کی رو سے ایک مرد رشتۂ نکاح میں اپنی بیوی پر زیادہ سے زیادہ دو ہی مرتبہ طلاق رجعی کا حق استعمال کرسکتا ہے جو شخص اپنی منکوحہ کو دو مرتبہ طلاق دے کر اس سے رجوع کر چکا ہو وہ اپنی عمر میں اس کو تیسری بار طلاق دے گا تو عورت اس سے مستقل طور پر جدا ہو جائے گی۔

اگر ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے ڈالی جائیں، جیسا کہ آج کل جہلاء کا عام طریقہ ہے تو یہ شریعت کی رو سے سخت گناہ ہے اس کی بڑی مذمت فرمائی گئی ہے اور حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے یہاں تک ثابت ہے کہ جو شخص بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیتا تھا آپ اس کو دُرّے لگاتے تھے، تاہم سخت گناہ ہونے کے باوجود ائمہ اربعہ کے نزدیک تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور طلاق مغلظ ہو جاتی ہے۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوْا (الآیۃ) یعنی مہر اور وہ زیورات اور کپڑے وغیرہ جو شوہر اپنی بیوی کو دے چکا ہے، ان میں سے کوئی چیز بھی واپس طلب کرنے کا اسے حق نہیں ہے، یہ بات ویسے بھی اسلامی اخلاقی اصولوں کی ضد ہے کہ کوئی شخص ایسی چیز کو جسے وہ دوسرے شخص کو ہبہ یا ہدیہ و تحفہ کے طور پر دے چکا ہو واپس مانگے، اس ذلیل حرکت کو حدیث شریف میں اس کتے کے فعل سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی ہی قے کو خود چاٹ لے، مگر خصوصیت کے ساتھ ایک شوہر کے لئے تو یہ بہت ہی شرمناک ہے کہ وہ طلاق دے کر رخصت کرتے وقت اپنی بیوی سے وہ کچھ رکھوالیتا ہے جو اس نے کبھی اسے خود دیا تھا، اس کے برعکس اسلام نے یہ اخلاق سکھائے ہیں کہ آدمی جس عورت کو طلاق دے اسے رخصت کرتے وقت کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرے۔

شانِ نزول:

تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جمیلہ یا حبیبہ نامی خاتون حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں اور اپنے شوہر ثابت بن قیس کی شکایت کی اور مار کے نشان جو منہ پر تھے دکھائے اور کہا میرا اور اس کا اب نبھاؤ نہ ہو سکے گا، آپ ﷺ نے ابن قیس کو بلا کر حالات معلوم کئے، ابن قیس نے عرض کیا یا رسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں اس عورت سے زیادہ دنیا میں کسی کو محبوب نہیں رکھتا سوائے آپ کی محبت کے، آپ کی محبت تو آپ کے

مشتاقوں کے لئے رگ و پے میں خون کی طرح داخل ہے بلکہ جو ہر روح اور لطف حیات ہے آپ نے جمیلہ سے فرمایا: اب تم کیا کہتی ہو؟ وہ بولیں کہ میں ایسی بات نہ کہوں گی جس کے خلاف حضور پر وحی نازل ہو جائے، بے شک ثابت اپنی بیوی سے سلوک کرنے میں تمام مردوں سے اچھا ہے مگر مجھے اس سے بالطبع نفرت ہے، اور بعض روایتوں میں بدصورتی کا بھی ذکر ہے آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ باغ جو تم نے مہر میں لیا ہے واپس کردوگی؟ بولیں باغ اور مزید کچھ اور بھی، آپ نے فرمایا ''اَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا'' مہر سے زائد نہ کیا جائے پھر آپ ﷺ نے ثابت سے فرمایا '' اقبل الحديقة و طلّقها تطليقة'' باغ لو اور طلاق دو۔ (خلاصة التفاسير، تائب لکھنوی)

مباحث احکام خلع:

خَلع، (ف) خَلعًا، اتارنا، خَلَعَ المرأة، مال کے عوض عورت نے جدائی اختیار کی، اگر عورت کی جانب سے مال کے عوض طلاق کا مطالبہ ہو تو اس کو شریعت کی اصطلاح میں خلع کہتے ہیں اور اگر شوہر کی جانب سے مال کے عوض طلاق کی پیش کش ہو تو طلاق علی مال کہتے ہیں۔

مَسْئَلَہ: اس بارے میں اگر شوہر اور بیوی کے درمیان آپس میں معاملہ طے ہو جائے، تو جو کچھ طے ہوا ہو وہی نافذ ہوگا، لیکن اگر عدالت میں معاملہ چلا جائے تو عدالت صرف اس امر کی تحقیق کرے گی کہ آیا فی الواقع یہ عورت اس حد تک متنفر ہے کہ اس کے ساتھ اس کا نباہ نہیں ہو سکتا، اس کی تحقیق ہو جانے پر عدالت کو اختیار ہے کہ حالات کے لحاظ سے جو فدیہ چاہے تجویز کرے اور اس فدیہ کو قبول کر کے شوہر کو اسے طلاق دینے کا حکم کرے، شوہر پر لازم ہوگا کہ فدیہ قبول کر کے طلاق دیدے بالعموم فقہاء نے اس کو پسند نہیں کیا کہ جو مال شوہر نے اس عورت کو دیا ہو، اس سے زائد کا فدیہ دلوایا جائے۔

مَسْئَلَہ: خلع کی صورت میں طلاق بائن ہوتی ہے شوہر اس سے رجوع نہیں کر سکتا البتہ یہی مرد اور عورت اگر راضی ہو جائیں تو دوبارہ نکاح جدید کر سکتے ہیں۔

مَسْئَلَہ: جمہور کے نزدیک خلع کی عدت وہی ہے جو طلاق کی ہے، مگر ابوداؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ وغیرہ کی کی متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس کی عدت ایک ہی حیض قرار دی تھی اور اس کے مطابق حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مقدمہ میں فیصلہ فرمایا تھا۔ (ابن کثیر جلد اول، ص: ۲۷۶)

فَائِدَہ: خلع کی چار صورتیں ممکن ہیں، (۱) شوہر کی طرف سے زیادتی ہو، (۲) عورت کی شرارت ہو، (۳) دونوں کی خطاء ہو، (۴) کسی کی طرف سے بھی کوئی بے لطفی نہ ہو، یہ چوتھی صورت خلع سے متعلق نہیں ہے اور نہ اس سے کوئی حکم متعلق ہے۔

بحث: باقی رہی تین صورتیں، قرآن نے عورت کا مال لینا اس شرط پر حلال کیا ہے کہ جب دونوں کی طرف سے ظلم و تعدی کا خوف ہو جیسا کہ فرمایا: ''اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ'' لہٰذا وہ صورت کہ شوہر کی طرف سے زیادتی ہو آیت سے متعلق

نہیں ہے اور عورت کے مال کی حرمت بدستور باقی رہے گی، اسی کے متعلق دوسرے مقام پر یہ تصریح فرمائی، "اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ" اگر ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسری سے نکاح کرنا چاہتے ہو "فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا" تو عورت کو دیئے ہوئے مال میں سے کچھ بھی نہ لو، اس میں قصور مرد کا ہے اس لئے کہ یہی اسے چھوڑنا چاہتا ہے مناسب اور لائق تو یہ تھا کہ مہر بھی واپس نہ لے، مگر اس وجہ سے کہ ہر حلال مال مالک کی اجازت سے لینا جائز ہے گو دینے والا کسی مصلحت یا مجبوری سے دے، یا خوشی سے یہاں عورت اپنے اختیار سے اپنے فائدہ کے لئے اپنا مال صرف کرتی ہے اور اس کے عوض میں آزادی کا فائدہ حاصل کرتی ہے مذکورہ دونوں شقوں پر نظر کرتے ہوئے لینا جائز مگر مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

سَوَال: عورت کی طرف سے مرد کو طلاق لینے کے عوض مال دینا رشوت ہے اور رشوت حرام ہے۔

جَوَاب: رشوت ایسے مال کے لینے کو کہتے ہیں جس سے کسی کا حق تلف کیا جائے یا رشوت دینے والے کا وہ حق دیا جائے جو بغیر کسی عوض کے رشوت لینے والے کے ذمہ واجب تھا اور یہاں طلاق دینا مرد کے ذمہ نہیں، البتہ دفع ظلم اور ترک تعدی اس کے ذمہ ہے، مگر بدل دفع ظلم اور ترک تعدی کا معاوضہ نہیں ہے جو واجب ہے بلکہ طلاق کا معاوضہ ہے جو واجب نہیں ہے دوسری صورت یعنی عورت کی شرارت ہو تو یہ بھی بظاہر یک طرفہ ہے اور آیت کے حکم سے خارج ہے، مگر مرد کو طلاق کا اختیار حاصل ہے، ایسی شریر عورت کو روکنے سے اس کی غرض خواہ ایذا رسانی اور انتقام ہے خواہ امید اصلاح، تو امید اصلاح تو قابل اعتماد نہیں البتہ قصد انتقام کے لحاظ سے دو طرفہ چھیڑ چھاڑ اور زیادتی ہوگئی اور یہ صورت بھی آیت: "اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ" (الآیة) کی مصداق ہوئی لہٰذا آیت کی رو سے جو مال عورت دینا قبول کرے جائز ہے اور حدیث پیغمبر "اَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا" کی رو سے مہر سے زیادتی ممنوع ہے جیسا کہ ثابت بن قیس کے واقعہ میں اوپر مذکور ہوا، اگر زیادہ لینے میں کوئی کراہت نہ ہوتی تو آپ ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے حق کو ناقص نہ کرتے۔

جواز اور کراہت میں منافات نہیں:

کہ قرآن کے عموم کا ابطال لازم آئے، مثلاً نماز ایک درہم نجاست کے ساتھ جائز ہے مگر مکروہ تحریمی ہے (شامی) اور نماز بدون تعدیل ارکان جائز مگر واجب الاعادہ ہے (نور الانوار) ایسے ہی یہ زیادتی جائز مگر مکروہ ہے۔

عقلی دلیل:

خلع بمنزلہ اقالہ ہے، اس لئے کہ یہ دونوں کی رضا مندی پر موقوف ہے اقالہ میں ثابت شدہ ملک کو باطل کیا جاتا ہے، خلع میں بھی ثابت شدہ ملک بضع کو باطل کیا جاتا ہے پس جس طرح اقالہ میں مبیع مستعمل ہو یا نہ ہو ثمن اول ہی پر اقالہ ہوگا، اسی طرح خلع میں بھی مہر جو کہ بمنزلہ ثمن ہے مہر کی مقدار پر ہی خلع کرنا چاہئے۔

تیسری صورت: یعنی دونوں کی خطاء ہواس کا حکم بھی مثل دوم ہے (اگر چہ اس کا حکم کتب میں مذکور نہیں)۔
(خلاصة التفاسیر)

خلع طلاق ہے یا فسخ؟

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک خلع طلاق ہے اور امام احمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک فسخ ہے امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ایک قول میں امام احمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے ساتھ ہیں اور صحیح قول میں ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے ساتھ ہیں حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی فسخ مروی ہے۔ (خلاصة التفاسیر)

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ (الآیة) اگر مرد نے تیسری طلاق دیدی تو اب نکاح جدید سے بھی حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے مرد سے وطی حلال نہ کرے، حلالہ کے بعد اگر یہ خیال کریں کہ آئندہ حقوق اللہ کی حفاظت کریں گے تو ان کے لئے نکاح جائز ہے، اِنْ ظَنَّا شرط نکاح نہیں ہے شرط اولویت ہے۔

مَسْئَلَہ: جب تک شوہر ثانی مباشرت نہ کرے عورت شوہر اول کے لئے حلال نہ ہوگی، اور یہ قید خود قرآن سے مفہوم ہوتی ہے حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ، نکاح کے لغوی معنی وطی کے ہیں اور نکاح عرفی زوجاً غیرہ سے مفہوم ہے ورنہ تو شوہر سے عقد نکاح کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ امرأۃ رفاعہ کی حدیث مشہور ہے جس سے کتاب اللہ پر زیادتی درست ہے امرأۃ رفاعہ کا واقعہ معروف ہے۔

مَسْئَلَہ: تحلیل کیلئے نفس جماع کافی ہے حالت حیض میں ہو یا طہر میں، انزال ہو یا نہ ہو، زوج مراہق ہو یا بالغ۔

مَسْئَلَہ: اس شرط پر نکاح کرنا کہ وطی کے بعد طلاق دیدی جائے گی، تاکہ زوج اول پر عورت حلال ہوجائے، گناہ ہے، ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ لَعَنَ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم المحلل والمحلل لهٗ حلال کرنے اور کرانے والے دونوں پر آپ نے لعنت فرمائی، احناف کے نزدیک نکاح جائز اور گناہ لازم ہوگا، اور شوافع کے نزدیک ایسا نکاح درست ہی نہ ہوگا۔ (خلاصة التفاسیر)

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا، اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو دل لگی اور ٹھٹھا نہ بناؤ، خوب سوچ سمجھ کر عمل کیا کرو اور اللہ کی نعمتوں کو نہ بھولو، اور کتاب و حکمت جو تم پر نازل کی گئی ہے یہ بہت عظیم نعمتیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ تم کو نصیحت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی ہزار ہا نعمتیں ہیں خود ہدایت اور قرآن اور آپ ﷺ کا وجود محمود اپنی جگہ عظیم نعمتیں ہیں اور عورتوں کو حلال کر دینا بھی بذات خود نعمت ہے حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے کہ "الدنیا حسنة" سے عورت صالحہ مراد ہے، عبداللہ بن عمر نے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "خیر مَتَاع الدنیا اَلْمَرأة الصالحة"۔

فَائِدَہ: آیات کا تمسخر دو طریقہ سے ہوتا ہے (اول) صراحۃً (دوم) ایسی بات کرنا جس سے احکام الٰہی سے بے پرواہی اور اس کی کم وقعتی یا بے وقعتی ظاہر ہو۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ انقضت عدتهن **فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ** خطاب للاولياء، اى لا تمنعوهن **أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ** المطلقين لهن لان سبب نزولها ان أخت معقل بن يسار طلقها زوجها فاراد ان يراجعها فمنعها معقل كما رواه الحاكم **إِذَا تَرَاضَوْا** اى الازواج والنساء **بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ** شرعًا **ذٰلِكَ** النهى عن العضل **يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** لانه المنتفع به **ذٰلِكُمْ** اى ترك العضل **أَزْكٰى لَكُمْ وَأَطْهَرُ** لكم ولهم لما يخشى على الزوجين من الريبة بسبب العلاقة بينهما **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ** ما فيه من المصلحة **وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۲۳۲﴾ ذلك فاتبعوا امره **وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ** اى ليرضعن **أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ** عامين **كَامِلَيْنِ** صفة مؤكدة ذلك **لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ** ولا زيادة عليه **وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ** اى الاب **رِزْقُهُنَّ** اطعام الوالدات **وَكِسْوَتُهُنَّ** على الارضاع اذا كن مطلقات **بِالْمَعْرُوْفِ** بقدر طاقته **لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا** طاقتها **لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا** بسببه بان تكره على ارضاعه اذا امتنعت **وَلَا** يضار **مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ** اى بسببه بان يكلف فوق طاقته، واضافة الولد الى كل منهما فى الموضعين للاستعطاف **وَعَلَى الْوَارِثِ** اى وارث الاب وهو الصبى اى على وليه فى ماله **مِثْلُ ذٰلِكَ** الذى على الاب للوالدة من الرزق والكسوة **فَإِنْ أَرَادَا** اى الوالدان **فِصَالًا** فطاما له قبل الحولين صادرًا **عَنْ تَرَاضٍ** اتفاق **مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ** بينهما ليظهر مصلحة الصبى فيه **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا** فى ذلك **وَإِنْ أَرَدْتُّمْ** خطاب للاباء **أَنْ تَسْتَرْضِعُوْا أَوْلَادَكُمْ** مراضع غير الوالدات **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ** فيه **إِذَا سَلَّمْتُمْ** اليهن **مَّآ اٰتَيْتُمْ** اى اردتم ايتاءه لهن من الاجرة **بِالْمَعْرُوْفِ** بالجميل كطيب النفس **وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** ﴿۲۳۳﴾ لا يخفى عليه شىء منه **وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ** يموتون **مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ** يتركون **أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ** اى ليتربصن **بِأَنْفُسِهِنَّ** بعدهم عن النكاح **أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا** من الليالى وهذا فى غير الحوامل اما الحوامل فعدتهن ان يضعن حملهن باية الطلاق والامة على النصف من ذلك بالسنة **فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ** انقضت مدة تربصهن **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ** ايها الاولياء **فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ أَنْفُسِهِنَّ** من التزين والتعرض للخطاب **بِالْمَعْرُوْفِ** شرعًا **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ** ﴿۲۳۴﴾ عالم بباطنه كظاهره **وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ** لوحتم **بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ** المتوفى عنهن ازواجهن فى العدة كقول الانسان مثلا انك لجميلة ومن يجد مثلك ورب راغب فيك **أَوْ أَكْنَنْتُمْ** اضمرتم **فِيْ أَنْفُسِكُمْ** من قصد نكاحهن **عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ** بالخطبة ولا تصبرون عنهن فاباح لكم التعريض **وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا** اى نكاحا **إِلَّآ** لكن **أَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا** اى ما عرف شرعًا من التعريض فلكم ذلك **وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ** اى على عقده **حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ** اى المكتوب من العدة

اَجَلَهٗ بِاَنْ يَنْتَهِيَ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ مِنَ الْعَزْمِ وَغَيْرِهٖ ﴿فَاحْذَرُوْهُ﴾ اَنْ يُعَاقِبَكُمْ اِذَا عَزَمْتُمْ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ لِمَنْ يَحْذَرُهٗ ﴿حَلِيْمٌ﴾ ﴿۲۳۵﴾ بِتَاخِيْرِ الْعُقُوْبَةِ عَنْ مُسْتَحِقِّهَا.

ترجمہ: اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عدت پوری کرلیں، (یعنی) ان کی عدت کی مدت پوری ہوجائے تو تم ان کو ان کے، ان خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جنہوں نے ان کو طلاق دی ہے، خطاب اولیاء کو ہے، اس لئے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ معقل بن یسار کی بہن جمیلہ بنت یسار کو ان کے شوہر (بداح بن عاصم بن عدی) نے طلاق دیدی تھی پھر انہوں نے معقل بن یسار کی بہن سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا تو معقل نے ان کو منع کردیا۔

(کما رواہ الحاکم)

جب کہ خاوند اور بیوی شرعی قانون کے مطابق راضی ہوں، یہ یعنی روکنے سے ممانعت کی نصیحت اس شخص کو کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس لئے کہ (دراصل) اس سے وہی شخص مستفید ہوتا ہے، یہ منع کرنے سے باز رہنا تمہارے اور ان کے لئے زیادہ شائستہ اور پاکیزہ تر ہے، اس لئے کہ زوجین پر ان کے (سابقہ) تعلق کی وجہ سے تہمت کا اندیشہ ہے اس کی مصلحت کو اللہ ہی خوب جانتا ہے اور تم اس کو نہیں جانتے لہٰذا اس حکم کی اتباع کرو، جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پئیے نہ کہ اس سے زیادہ تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں، کَامِلَیْنِ، حَوْلَیْنِ، کی صفت مؤکدہ ہے (اس صورت میں) بچے کے باپ کو معروف طریقہ سے گنجائش کے مطابق بچہ کی ماؤں کو دودھ پلانے کے عوض کھانا کپڑا دینا ہوگا جب کہ وہ مطلقات ہوں، مگر کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے، نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اس طریقہ پر کہ جب وہ دودھ نہ پلانا چاہے تو اس کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے، اس طریقہ پر کہ وسعت سے زیادہ اس کو مکلّف بنایا جائے، اور ولد کی اضافت والدین کی طرف دونوں جگہوں پر طلب شفقت کے لئے ہے اور وارث (یعنی) باپ کے وارث پر کہ وہ اس کا بچہ ہے، یعنی باپ کے مالی وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری ہے یعنی جیسی والد پر والدہ کے لئے کھانے کپڑے کی ذمہ داری تھی (ویسی ہی ذمہ داری مرنے والے باپ کے وارث پر ہے) پھر اگر دونوں (یعنی) والدین دو سال سے پہلے ہی آپسی رضامندی اور باہمی مشورہ سے تاکہ اس میں بچہ کی مصلحت ظاہر ہو بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں ان دونوں پر کوئی حرج نہیں، اور اگر تم خطاب آباء کو ہے، اپنی اولاد کو ان کی ماؤں کے علاوہ کسی دودھ پلانے والی سے دودھ پلوانا چاہو تو اس میں تم دونوں کے لئے کوئی مضائقہ نہیں جب تم ان کو جو اجرت دستور کے مطابق دینا چاہو خوش دلی سے دیدو، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس بات کا یقین رکھو کہ جو کچھ تم کررہے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے ان میں سے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں، اور جو لوگ تم میں سے وفات پاجائیں یعنی انتقال کرجائیں اور اپنے پیچھے بیوہ چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو ان کے بعد نکاح سے چار مہینے دس راتیں روکے رکھیں اور یہ حکم

غیر حاملاؤں کے لئے ہے رہیں حاملائیں تو ان کی عدت وضع حمل ہے آیت طلاق کی رو سے، اور باندی کی عدت از روئے سنت اس کی نصف ہے پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے یعنی جب ان کی عدت کی مدت ختم ہو جائے تو اے اولیاء وہ جو کچھ اپنی ذات کے بارے میں شرعی دستور کے مطابق کریں خواہ زیب و زینت ہو، یا رشتہ کے بارے میں پیش کش ہو، تو اس میں تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال سے باخبر ہے یعنی ان کے ظاہر و باطن سے واقف ہے بیوہ عورتوں سے ان کی عدت کے زمانہ میں اشارہ (کنایہ) سے منگنی کی باتیں کرنے میں تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں، مثلاً کسی شخص کا یہ کہنا کہ تم بہت حسین ہو، تمہاری جیسی کس کو ملے؟ (یعنی قسمت والے ہی کو مل سکتی ہے) اور تم کو تو چاہنے والے بہت ہیں، (وغیرہ وغیرہ) یا تم ان سے نکاح کے ارادہ کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھو، اللہ کے علم میں ہے کہ تم ان کا منگنی کے بارے میں تذکرہ ضرور کرو گے اور تم ان کے بارے میں صبر نہ کر سکو گے تو اس نے تمہارے لئے اشارۃً ظاہر کرنا جائز کر دیا ہے، مگر (دیکھو) خفیہ عہد و پیمان مت کرنا اگر کوئی بات کرنی ہے تو دستور کے مطابق کرو، یعنی شرعی قانون کے مطابق اشارہ کر سکتے ہو، یہ تمہارے لئے جائز ہے اور نکاح کا پختہ ارادہ اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ فرض کردہ عدت پوری نہ ہو جائے، خوب سمجھ لو اللہ تمہارے دلوں کے حال کو یعنی پختہ اور غیر پختہ ارادہ کو خوب جانتا ہے لہٰذا اس سے ڈرو کہ اگر تم پختہ ارادہ کرو گے تو وہ اس پر تم کو سزا دے گا اور یہ بات بھی خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس سے ڈرنے والے کو معاف کرنے والا بردبار ہے مستحق عذاب سے عذاب کو مؤخر کر کے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: اِنْقَضَتْ عِدَّتُھُنَّ، فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ کی تفسیر اِنْقَضَتْ عِدَّتُھُنَّ، سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہاں بلوغ کے معنی حقیقی مراد ہیں یعنی مدت کا ختم ہو جانا، اس لئے کہ نکاح سے روکنے کا سوال عدت کے ختم ہونے کے بعد ہی پیدا ہوتا ہے، بخلاف سابقہ آیت کے کہ اس میں بلوغ کے مجازی معنی، قُرْب، کے مراد ہیں، جیسا کہ مفسر علام نے بَلَغْنَ کے معنی قَارَبْنَ سے کیے ہیں، اس لئے کہ امساک فی النکاح اسی وقت تک ممکن ہے جب تک کہ عدت ختم نہ ہوئی ہو عدت ختم ہونے کے بعد امساک ممکن نہیں ہے۔

قِوْلُہٗ: لَا تَعْضُلُوْھُنَّ، فعل نہی جمع مذکر حاضر، ھُنَّ، ضمیر جمع مؤنث غائب، تم ان کو نہ روکو، (ن) عَضْلًا سختی سے روکنا۔

قِوْلُہٗ: خطابٌ لِلاولیاءِ اس اضافہ کا مقصد ان لوگوں کی تردید ہے جو لَا تَعْضُلُوْا، کا مخاطب طلاق دینے والے شوہروں کو قرار دیتے ہیں یعنی طلاق دینے والے شوہروں کو چاہئے کہ اپنی مطلقاؤں کو نکاح کرنے سے نہ روکیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں اَزْوَاجَھُنَّ کے معنی مجازی یعنی مایؤل (ہونے والے) کے اعتبار سے ازواج مراد لینا ہوگا، اور اگر فَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ، کا مخاطب اولیاء کو قرار دیا جائے تو اَزْوَاجَھُنَّ کے معنی حقیقی یعنی ان کے سابقہ شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو، یہاں شوہر سے مراد ماکان، کے اعتبار سے ہوگا اور یہ حقیقی معنی ہیں۔

قِوْلَہٗ: لِاَنَّ سَبَبَ نزولِهَا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فَلَا تَعْضُلُوا، کے مخاطب اولیاء ہیں نہ کہ سابقہ شوہر اس لئے کہ سبب نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ روکنے والے اولیاء ہی تھے۔

قِوْلَہٗ: شَرعًا یعنی اگر مطلقہ عورتیں شریعت کے مطابق نکاح کریں تو ان کو نہیں روکنا چاہئے اور خلاف شرع نکاح کریں تو اولیاء کو روکنے کا حق۔

قِوْلَہٗ: مافیه من المصلحة، اس میں اشارہ ہے کہ یعلمُ کا مفعول محذوف ہے۔

قِوْلَہٗ: لِیُرْضِعْنَ، یُرْضِعْنَ، کی تفسیر لِیُرْضِعْنَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ خبر بمعنی امر ہے اور ایسا مبالغہ کے طور پر کیا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: بعدهم اس تقدیر کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ اَلَّذِیْنَ الخ مبتداء ہے اور یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ، جملہ ہو کر اس کی خبر ہے خبر جب جملہ ہوتی ہے تو عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے یہاں عائد نہیں ہے اسی اشکال کا جواب دیا ہے کہ عائد محذوف ہے اور وہ بَعْدَهُمْ، ہے ای بعد الازواج.

قِوْلَہٗ: مِنَ اللیالی.

سُوَال: مِن اللیالی کی تخصیص کس وجہ سے کی گئی ہے جب کہ عام طور پر ایام کا ذکر کیا جاتا ہے، چار مہینے دس دن بولا جاتا ہے نہ کہ چار مہینے دس راتیں۔

جَوَاب: بعض احکام مثلاً حج، روزہ، عیدین، عدت کا تعلق قمری تاریخوں سے ہے اور قمری تاریخ کی ابتداء رات سے ہوتی ہے دن رات کے تابع ہوتا ہے، لہٰذا رات کے ضمن میں دن خود بخود شامل ہے، اگر اس کا عکس ہوتا تو قمری تاریخ ناقص ہوتی ہے اسی لئے مفسر علام نے مِن اللیالی کی قید کا اضافہ فرمایا، شمار اور گنتی کے اعتبار سے اسلامی کیلنڈر میں دن کو رات کے تابع مانا گیا ہے، سوائے یوم عرفہ کے کہ حکم کے اعتبار سے رات کو دن کے تابع مانا گیا ہے یعنی نویں ذی الحجہ کے بعد آنے والی رات وقوف عرفہ کے اعتبار سے دن کے حکم میں ہے۔

قِوْلَہٗ: اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا، عام ہونے کی وجہ سے وہ اس عورت کو بھی شامل ہے جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو، اس میں حاملہ اور غیر حاملہ نیز آزاد اور باندی سب داخل ہیں مگر آیت طلاق کی وجہ سے حاملاؤں کو اس سے خارج کر دیا گیا ہے، آیت طلاق یہ ہے: "وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ" اور باندیاں حدیث، عِدَّتُهَا حَیْضَتَانِ" کی وجہ سے خارج ہو گئیں۔

قِوْلَہٗ: عالم بباطنه، اس اضافہ کا مقصد شبہ تکرار کو دفع کرنا ہے۔

شُبہ: یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں فرمایا گیا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ اور یہاں فرمایا گیا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے جو کہ بمنزلہ تکرار کے ہے۔

جَوَاب: مفسر علام نے دونوں میں فرق کو واضح کرنے کے لئے بباطنه کے لفظ کا اضافہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: لَوَّحْتُمْ، یہ تلویح سے ماخوذ ہے اس کے معنی اشارہ سے کام لینا۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

سابقہ دو آیتوں میں قانون طلاق کی اہم دفعات کو بیان فرمایا، اب مذکورۃ الصدر دو آیتوں میں چند احکام و مسائل کا ذکر ہے۔

مَسْئَلَہٗ: جب مطلقہ رجعی کی عدت گذرنے کے قریب آئے تو شوہر کو دو اختیار حاصل ہیں ایک یہ کہ رجعت کر کے اپنی بیوی بنا لے اور دوسرے یہ کہ رجعت نہ کرے اور عدت گذرنے دے تاکہ عورت آزاد ہو جائے، لیکن یہ دونوں کام خوش اسلوبی اور شرعی قاعدہ کے مطابق ہونے چاہئیں سورۂ طلاق کی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رجعت پر دو عادل معتبر آدمیوں کو گواہ بنا لیا جائے "وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ".

شان نزول:

فی لباب النقول روی البخاری وابو داؤد والترمذی وغیرھم، حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ معقل بن یسار نے اپنی بہن جمیلہ بنت یسار کا نکاح بداح بن عاصم بن عدی سے کر دیا تھا بعض روایتوں میں جمیلہ کے بجائے حوّاء منقول ہے آپس میں کسی وقتی رنجش کی وجہ سے بداح بن عاصم نے جمیلہ کو طلاق رجعی دیدی، جس کی عدت بھی گذر گئی، بیوی نکاح سے خارج ہو گئی شوہر کو اپنی حرکت پر شرمندگی ہوئی اور دوبارہ نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو معقل بن یسار نے صاف اور سخت جواب دیا کہ میں نے اپنی بہن کا تجھ سے نکاح کر کے تیرا اکرام کیا، اور تو نے اس کو طلاق دیدی واللہ اب وہ تیری طرف کبھی نہ لوٹے گی، اسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے "فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ" (الآیة) نازل فرمائی۔

اسی قسم کا ایک واقعہ جابر بن عبداللہ کی چچازاد بہن کا بھی پیش آیا تھا دونوں واقعے نزول کا سبب ہو سکتے ہیں، آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ تم مطلقہ عورتوں کو ان کے تجویز کردہ شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو، خواہ پہلے ہی شوہر ہوں جنہوں نے ان کو طلاق دی ہے یا دوسرے لوگ، نکاح میں دونوں کی رضامندی ضروری ہے بغیر رضامندی، زور زبردستی سے، نکاح درست نہیں ایسی صورت میں اولیاء کو روکنے کا حق نہیں ہے، اور فریقین کی رضامندی بھی شرعی قاعدے اور دستور کے مطابق ہو، اگر شرعی قاعدہ کے خلاف باہمی رضامندی سے نکاح کرنے لگیں تو اولیاء وغیرہ کو روکنے کا حق ہے۔

فَائِدَہ: وَالْوَالِدٰتُ سے صرف وہ عورتیں مراد ہیں جنہیں طلاق دی گئی ہو یا مطلقاً ہر ماں مراد ہے؟ بعض کے نزدیک مطلقہ عورتیں مراد ہیں اس لئے کہ سابق سے ان ہی کا ذکر چل رہا ہے اور بعضوں کے نزدیک سب مائیں مراد ہیں اس لئے کہ لفظ عام ہے اور غرض بھی مشترک ہے، مگر نفقہ کی قید سے وہ عورتیں خارج ہو گئیں جو نکاح یا عدت میں ہوں، اس لئے کہ

ان کا نفقہ تو یوں ہی واجب ہے دودھ پلائیں یا نہ پلائیں۔

مَسْئَلَہ: وہ عورت جس کا نفقہ بطور نکاح یا عدت شوہر کے ذمہ ہے اگر اجرت پر اپنے بچہ کو دودھ پلائے تو معاملہ صحیح اور اجرت غیر لازم ہوگی اس لئے کہ عورت نے حق واجب ادا کیا ہے۔ (ھدایہ)

مَسْئَلَہ: اگر ماں اپنے بچہ کو دودھ نہ پلائے اور باپ دایہ سے پلوا سکتا ہو تو ماں مجبور نہ کی جائے گی، اس لئے کہ بے ضرورت مستحب ہے واجب نہیں۔ (ھدایہ)

فَائِدَہ: ماں اگر کسی وجہ سے معذور نہ ہو تو اس کے ذمہ دیانۃً یعنی عنداللہ واجب ہے کہ بچہ کو دودھ پلائے، جب کہ وہ منکوحہ یا عدت میں ہو، اجرت لینا درست نہیں: ''والوالدات یُرضِعنَ'' میں یہی مسئلہ مذکور ہے، اور اگر طلاق کے بعد عدت گذر چکی ہو تو اس پر بلا اجرت دودھ پلانا واجب نہیں۔

مَسْئَلَہ: اگر ماں دودھ پلانے سے انکار کرے تو اس کو معذور سمجھنا چاہئے اس پر جبر نہ کیا جائے لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ میں یہ صورت بھی شامل ہے، البتہ اگر بچہ کسی کا دودھ نہ لیتا ہو اور نہ اوپر کا دودھ پیتا ہو اور نہ کوئی دوسری غذا لیتا ہو تو ایسی صورت میں ماں کو دودھ پلانے کے لئے مجبور کیا جائے گا لا مولود لهٗ بولده میں یہ مسئلہ بھی داخل ہے۔

مَسْئَلَہ: ماں دودھ پلانا چاہتی ہے اور اس کے دودھ میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے تو باپ کو جائز نہیں کہ ماں کو دودھ پلانے سے روکے البتہ اگر اس کے دودھ میں خرابی ہے جو بچے کے لئے مضر ہے تو باپ کے لئے جائز ہے کہ ماں کو دودھ نہ پلانے دے اور کسی انا سے پلوائے وَإن اردتم أن تسترضعوا میں بھی یہ مسئلہ بیان ہوا ہے۔

مَسْئَلَہ: ماں دودھ پلانے کی اجرت طلب کرتی ہے سو اگر وہ شوہر کے نکاح میں یا عدت میں ہے تو ان دونوں حالتوں میں اجرت لینا جائز نہیں، بلکہ قضاءً بھی مجبور کی جائے گی کہ دودھ پلائے، ولا مولود لهٗ بولده، میں یہ صورت مسئلہ بھی داخل ہے۔

مَسْئَلَہ: اگر طلاق کے بعد عدت گذر جائے اور وہ اجرت طلب کرے اگر دوسری انّا سے اتنی ہی اجرت پر پلواتا ہے تو تب تو ماں مقدم ہے، لا تضار والدة، میں یہ صورت مسئلہ بھی داخل ہے اور اگر دوسری انا ماں سے کم اجرت میں پلاتی ہے تو ماں کو یہ حق نہیں کہ خود پلائے اور زیادہ اجرت لے لا مولود لهٗ میں یہ صورت مسئلہ بھی داخل ہے۔

مَسْئَلَہ: باپ کے ہوتے ہوئے بچہ کی پرورش کا خرچ صرف باپ کے ذمہ ہے اور جب باپ مر جائے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بچہ مال کا مالک ہے تب تو اسی کے مال میں اس کا خرچ ہوگا، اور اگر مال کا مالک نہیں ہے تو اس کا نفقہ مالدار عزیزوں میں جو اس کے محرم ہیں یعنی اس بچہ کا ان سے ایسا رشتہ ہے کہ اگر اس رشتہ دار اور بچہ میں سے ایک کو عورت فرض کیا جائے تو باہم نکاح درست نہ ہو اور محرم ہونے کے علاوہ شرعاً اس کے مستحق میراث بھی ہے یعنی اگر یہ بچہ مر جائے تو محرم رشتہ داروں میں دیکھا جائے کہ اس کے مال میراث میں کس کس کو کتنا کتنا پہنچتا ہے پس ایسے محرم رشتہ داروں کے ذمہ اس کا خرچ واجب ہے اور ان رشتہ داروں میں ماں بھی داخل ہے مثلاً ایسے بچہ کی ایک ماں ہے، ایک دادا ہے تو اس کا خرچ ایک ثلث ماں کے ذمہ ہے اور دو ثلث دادا کے ذمہ کیوں کہ دونوں محرم بھی ہیں اور بچہ کی میراث اسی نسبت سے پاتے بھی ہیں۔

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ (الآیۃ) یہ اس بیوہ کی عدت کا بیان ہے جس کو حمل نہ ہو اور اگر حمل ہو تو بچہ پیدا ہونے تک اس کی عدت ہے خواہ جنازہ لے جانے سے پہلے ہو جائے یا چار مہینے دس دن سے بھی زیادہ میں ہو۔

مَسْئَلَۃ: جس کا خاوند انتقال کر جائے اس عورت کو عدت کے اندر خوشبو لگانا، سنگار کرنا، سرمہ، تیل بلا ضرورت دوا لگانا، رنگین کپڑے پہننا درست نہیں، نکاح کے بارے میں صریح گفتگو بھی درست نہیں جیسا کہ اگلی آیت میں آتا ہے، اور رات کو دوسرے گھر میں رہنا بھی درست نہیں۔

مَسْئَلَۃ: اگر چاند رات کو خاوند کی وفات ہوئی ہو تب تو یہ مہینے خواہ انتیس کے ہوں یا تیس کے چاند کے حساب سے پورے کیے جائیں گے اور اگر چاند رات کے بعد وفات ہوئی ہو تو یہ سب مہینے تیس تیس دن کے حساب سے پورے کیے جائیں گے، کل ایک سو تیس دن پورے کرے گی اور جب وہی وقت آئے گا جس وقت وفات ہوئی تھی تو عدت پوری ہو جائے گی۔

لَاجُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ وفی قراءۃٍ تُمَاسُّوْهُنَّ ای تُجَامِعُوْهُنَّ **اَوْ لَمْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِیْضَةً** مَهرًا وما مصدریۃ ظرفیۃ ای لاتَبِعَۃَ علیکم فی الطلاق زمنَ عدمِ المسیسِ والفرضِ باثمٍ ولا مَهرٍ فطَلِّقُوْهُنَّ **وَّمَتِّعُوْهُنَّ** ای اَعْطُوْهُنَّ ما یَتَمَتَّعْنَ به **عَلَی الْمُوْسِعِ** الغنیِّ منکم **قَدَرُهٗ وَعَلَی الْمُقْتِرِ** الضیّقِ الرزقِ **قَدَرُهٗ** یفید انہ لا نظرَ الی قدرِ الزوجۃ **مَتَاعًا** تمتیعًا **بِالْمَعْرُوْفِ** شرعًا صفۃُ متاعًا **حَقًّا** صفۃٌ ثانیۃٌ او مصدرٌ مؤکّدٌ **عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ** ﴿۲۳۶﴾ المطیعین **وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِیْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ** یجبُ لَهُنَّ ویرجعُ لکم النصفُ **اِلَّآ** لکن **اَنْ یَّعْفُوْنَ** ای الزوجاتُ فیترُکْنَہٗ **اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ** وہو الزوجُ فیترُکُ لہا الکُلَّ وعن ابن عبّاس رضی اللّٰہ تعالی عنہ الولیُّ اذا کانت محجورۃً فلا حرجَ فی ذلک **وَاَنْ تَعْفُوْٓا** مبتدأ خبرُہٗ **اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ** ای اَنْ یَّتَفَضَّلَ بعضُکم علی بعضٍ **اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ** ﴿۲۳۷﴾ فیجازیکم بہ **حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ** الخمسِ بادائہا فی اوقاتہا **وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی** ق ہی العصرُ کما فی الحدیث رواہ الشیخان او الصبحُ او الظہرُ او غیرُہا اقوالٌ وافردَہا بالذکر لفضلِہا **وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ** فی الصلوۃ **قٰنِتِیْنَ** ﴿۲۳۸﴾ قیل مُطیعین لقولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کُلُّ قنوتٍ فی القراٰن فہو طاعۃٌ رواہ احمد وغیرہ وقیل ساکتین لحدیثِ زید بن ارقم کُنّا نتکلّمُ فی الصلوۃ حتی نزلت فاُمِرْنا بالسکوت ونُہینا عن الکلام رواہ الشیخان **فَاِنْ خِفْتُمْ** من عدوٍّ او سیلٍ او سبعٍ **فَرِجَالًا** جمعُ راجلٍ ای مشاۃً صلُّوا **اَوْ رُكْبَانًا** جمعُ راکبٍ ای کیف اَمکنَ مُستقبِلی القبلۃِ وغیرَہا ویُومِی بالرکوع والسجود **فَاِذَآ اَمِنْتُمْ** من الخوف **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ** ای صلّوا **كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۲۳۹﴾ قبل تعلیمِہ من فرائضِہا وحقوقِہا والکافُ بمعنی مثلِ وما موصولۃٌ او مصدریۃٌ **وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا** فلیُوصُوا **وَّصِیَّةً** وفی قراءۃٍ بالرفع ای علیہم **لِّاَزْوَاجِهِمْ** ویُعطوہُنَّ **مَّتَاعًا** ما یتمتّعن بہ من النفقۃِ والکسوۃِ **اِلَی**

تمام **اَلْحَوْلِ** مِن مَوتِہِمْ الواجِبِ عَلیہِنَّ تَرَبُّصُہٗ **غَیْرَ اِخْرَاجٍ** حالٌ ای غیرَ مُخرَجَاتٍ مِن مَسَاکِنِہِنَّ **فَاِنْ خَرَجْنَ** بِاَنفُسِہِنَّ **فَلَاجُنَاحَ عَلَیْکُمْ** یا اولیاءَ المَیِّتِ **فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِہِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ** شرعًا کالتَّزَیُّنِ وترکِ الاحدادِ وقطعِ النفقۃِ عنہا **وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ** فی مُلکِہٖ **حَکِیْمٌ** ﴿۲۴۰﴾ فی صُنعِہٖ والوَصِیَّۃُ المذکورۃ منسوخۃ بآیۃِ المیراثِ وتَرَبُّصُ الحولِ بآیۃ اربعۃ اشہرٍ وعشرًا السابقۃِ المتاخّرۃ فی النزول والسُّکنٰی ثابتۃٌ لہا عند الشافعی **وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ** یُعطِینَہٗ **بِالْمَعْرُوْفِ** بقدرِ الامکان **حَقًّا** نُصِبَ بفعلِہ المُقدّر **عَلَی الْمُتَّقِیْنَ** ﴿۲۴۱﴾ اللّٰہَ کرَّرَہٗ لیَعُمَّ الممسُوسَۃَ ایضًا اِذِ الآیۃُ السابقۃُ فی غیرِہا **کَذٰلِکَ** کما بَیَّنَ لکم ما ذُکِرَ **یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ** ﴿۲۴۲﴾ تَتَدَبَّرُوْنَ.

ترجمہ: اور جب تک تم عورتوں سے نہ لگو، اور ایک قراءت میں تُمَاسُّوْھُنَّ ہے ای تُجَامِعُوْھُنَّ (یعنی قبل اس کے کہ تم ان سے جماع کرو) اور ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو اگر تم ان کو طلاق دیدو تو تم پر کوئی حرج نہیں، مَا مصدریہ ظرفیہ ہے یعنی ہاتھ نہ لگانے اور مہر مقرر نہ کرنے کے زمانہ میں طلاق دینے میں تم پر کوئی مواخذہ نہیں اور نہ مہر واجب، اگر ان کو طلاق دو تو ان کو کچھ فائدہ پہنچاؤ یعنی ان کو کچھ دو جس سے وہ فائدہ حاصل کریں، اور تم میں سے خوشحال لوگوں پر اپنی مقدرت کے مطابق اور ناداروں تنگ دستوں پر ان کی وسعت کے مطابق فائدہ پہنچانا ہے بِالمعروف، مَتَاعًا کی صفت (اول) ہے یہ حق ہے خوش اخلاق لوگوں پر یعنی اطاعت گذاروں پر حَقًّا، مَتَاعًا، کی صفت ثانیہ ہے یا مصدر مؤکد ہے اور اگر تم نے عورتوں سے لگنے سے پہلے طلاق دیدی اور تم ان کے لئے مہر مقرر کر چکے ہو تو مقررہ مہر کا نصف ان کے لئے واجب ہے اور نصف تمہارے لئے واپس ہوگا، اِلّا یہ کہ بیویاں معاف کردیں اور چھوڑ دیں یا وہ شخص کہ جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے معاف کردے اور وہ شخص شوہر ہے کہ بیوی کے لئے پورا مہر چھوڑ دے اور ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے کہ وہ شخص (عورت) کا ولی ہے (جب کہ) عورت اس معاملہ میں معذور ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر تم معاف کردو تو یہ تقوے کے لئے زیادہ قریب ہے اَنْ تَعْفُوْا، مبتداء ہے اور "اَقْرَبُ لِلتقوٰی" اس کی خبر ہے اور آپس میں معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو یعنی ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی سے کام لو، بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اللہ کی نظروں میں ہے سو وہ تم کو اس کی جزاء دے گا پنج وقتہ نمازوں کی ان کے اوقات میں ادا کر کے حفاظت کرو بالخصوص درمیانی نماز کی اور وہ عصر کی نماز ہے جیسا کہ حدیث میں ہے (رواہ الشیخان) یا صبح کی یا ظہر کی نمازیں مراد ہیں، یا ان کے علاوہ (کوئی اور نماز مراد ہے) یہ چند اقوال ہیں اور درمیانی نماز کا اس کی فضیلت کی وجہ سے مستقل طور پر ذکر کیا ہے اور اللہ کے لئے نماز میں باادب کھڑے رہو کہا گیا ہے کہ اطاعت گذاروں کی طرح (کھڑے رہو) آپ ﷺ کے فرمان کی وجہ سے (لفظ) قنوت جو قرآن میں مذکور ہے اس سے مراد اطاعت ہے، احمد وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ خاموشی کے ساتھ کھڑا رہنا مراد ہے، زید بن ارقم کی حدیث کی وجہ سے فرمایا کہ ہم نماز میں باتیں کرلیا کرتے تھے تا ایں کہ

یہ آیت نازل ہوئی (جس میں) ہم کو سکوت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے منع کر دیا گیا، (رواہ الشیخان) اور اگر تم کو دشمن کا یا سیلاب کا یا درندے کا خوف ہو تو خواہ پیدل زمین پر، رِجَالًا، راجلٌ کی جمع ہے یا سواری پر (جس طرح ممکن ہو) نماز پڑھ لیا کرو رُکْبَانًا راکبٌ کی جمع ہے (مطلب یہ کہ) جس طرح ممکن ہو مستقبل قبلہ ہو یا نہ ہو، اور رکوع سجدہ کے لئے اشارہ کر لیا کرو، اور جب تم خوف سے مامون ہو جاؤ تو پھر اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم کو بتائی گئی ہے بتانے سے پہلے اس کے فرائض اور حقوق کو تم نہیں جانتے تھے، اور کاف بمعنی مثل ہے اور مَا، موصولہ، یا مصدریہ ہے اور تم میں سے وہ لوگ جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان کو چاہئے کہ اپنی بیویوں کے لئے وصیت کر جائیں اور ایک قراءت میں وَصِيَّةٌ رفع کے ساتھ ہے ای وَصِيَّةٌ عَلَيْهِمْ اور ان کو کوئی کارآمد چیز دے جائیں جس سے وہ پورے سال تک ان کی موت کے وقت سے جس میں ان پر (عدت کے لئے) انتظار کرنا واجب ہے فائدہ اٹھائیں مثلاً نفقہ اور لباس حال یہ ہے کہ ان کو ان کی قیام گاہوں سے نکالا نہ جائے (غَيْرَ اخراج) حال ہے البتہ اگر وہ از خود نکل جائیں تو اے اس میت کے اولیاء تم پر کوئی گناہ نہیں، تو وہ (حول کے بعد) اپنی ذات کے معاملہ میں شرعی دستور کے مطابق جو کچھ کریں مثلاً، سنگار، ترک سوگ، اور اپنا نان نفقہ از خود ترک کر دینا، اللہ اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے اور مذکورہ وصیت، آیت میراث کی وجہ سے منسوخ ہے اور ایک سال کی عدت، اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا، سے منسوخ ہے جو کہ نزول میں مؤخر ہے (اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے) اور عورت کے لئے سُكْنٰى (جائے سکونت) امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے نزدیک واجب ہے اور مطلقہ کو کچھ کارآمد چیزیں جن کو شوہر دستور کے مطابق بقدر گنجائش دیں، یہ حق ہے اللہ سے ڈرنے والوں پر (حَقًّا) فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، اس کو مکرر لائے ہیں تاکہ موطوءہ کو بھی شامل ہو جائے، اس لئے کہ سابقہ آیت غیر موطوءہ کے بارے میں ہے جس طرح سابق میں بیان کیا گیا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اَوْ لَمْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ، مفسر علام نے لَمْ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ لَمْ کا مدخول تَمَسُّوْهُنَّ، پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور اَوْ بمعنی واؤ ہے یعنی جب تک مسیس اور تفریض مہر نہ پائی جائے تو طلاق میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ یہ بات طے ہے کہ اَوْ، جب سیاق نفی میں واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ تَفْرِضُوْا، اَنْ مضمر کی وجہ سے منصوب ہے مگر یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ خلاف ظاہر ہے اور اس لئے کہ اس صورت میں اَنْ مقدر ماننا ہوگا اور اَوْ بمعنی اِلَّا یا اِلٰی، لینا ہوگا۔

قَوْلُهٗ: فَرِيْضَةً، فَرِيْضَة، بمعنی مفروضہ ہے نہ کہ مصدر اس لئے کہ فَعِيْلَة کے وزن پر مصدر نادر ہے فَرِيْضَةً، تَفْرِضُوْنَ، کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مفروض سے مراد مہر ہے، فَرِيْضَةٌ، میں تاء وصفیت سے اسمیت کی

طرف منتقل ہونے کی وجہ سے آئی ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا لَمْ تَمَسُّوْھُنَّ میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مَسّ کی نسبت مرد کی جانب کی گئی ہے حالانکہ مس دونوں کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی عورت کی جانب سے بھی اقدام ہوتا ہے۔

جَوَابٌ: مرد چونکہ اس معاملہ میں قوی تر ہے اور اکثر اسی کی طرف سے اقدام ہوتا ہے اس لئے مرد کی جانب فعل کی نسبت کردی ہے ورنہ حکم دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا مصدریۃ ظرفیۃ، اقرب یہ ہے کہ ماشرطیہ بمعنی اِن ہے نہ مصدریہ نہ ظرفیہ کما قال مفسر علام رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس لئے کہ ظرفیت کے لئے اس جگہ ہوتا ہے جہاں امتداد ممکن ہو، جیسے "خَالِدِیْنَ فِیْھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" اس لئے کہ خلود میں شان امتداد ہے بخلاف اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْھُنَّ، میں کہ طلاق میں امتداد نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: اَیْ لَا تَبِعَۃَ عَلَیْکُمْ، لَا جُنَاحَ، کی تفسیر، لَا تبعۃ سے کرکے اشارہ کردیا کہ جُنَاحٌ سے مراد مطلق مؤاخذہ ہے نہ کہ صرف مؤاخذۂ اُخروی یا صرف مؤاخذۂ دنیوی اول تو یہ تخصیص بلا دلیل ہے دوسرے یہ کہ اگر آخرت کا گناہ مراد لیا جائے تو اس میں نفی مہر شامل نہیں ہوسکتی یہی لفظ نفی پر بھی بالاتفاق دال ہے۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: والفرض، اس میں اس بات کی طرف اشارہ کہ اَوْ تَفْرِضُوْا لَھُنَّ، میں اَوْ، بمعنی واؤ ہے اور طلاق دینے والے شوہر پر مہر واجب نہ ہونے کا تعلق عدم مسیس اور عدم فرض دونوں سے ہے نہ کہ ایک سے اس لئے کہ اگر مسیس پایا گیا تو پورا مہر واجب ہوگا اور اگر فرض مہر یعنی تعیین مہر پائی گئی تو نصف مہر واجب ہوگا، مہر کا عدم وجوب تو اسی صورت میں ہوگا جب کہ مسیس اور تعیین دونوں معدوم ہوں۔

قَوْلُہٗ: فَطَلِّقُوْھُنَّ.

سُوَالٌ: مفسر علام نے فَطَلِّقُوْھُنَّ، کس مقصد سے محذوف مانا ہے۔

جَوَابٌ: اگر طَلِّقُوْھُنَّ، کو محذوف نہ مانا جائے تو مَتِّعُوْھُنَّ کا عطف تَفْرِضُوْا، پر ہوگا، اور یہ عطف اِنْشاء عَلَی الخبر ہوگا، جو کہ مستحسن نہیں ہے اس سے بچنے کے لئے مفسر علام نے طلقوھُنَّ، مقدر مانا ہے تاکہ عطف انشاء علی الانشاء ہوجائے۔

قَوْلُہٗ: یُفِیْدُ اَنَّہٗ لَا نَظَرَ اِلٰی قَدْرِ الزَّوْجَۃِ. علی الموسع اور علی المقتر چونکہ دونوں مذکر کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اس لئے ان سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ متعہ میں شوہر کی حیثیت کا اعتبار ہوگا نہ کہ بیوی کی حیثیت کا یہی امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک ہے، امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک یہی مفتی بہ ہے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: صفۃ مَتَاعًا، یعنی بالمعروف محذوف کے متعلق ہوکر مَتَاعًا کی صفتِ اول ہے، اس عبارت کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: مَتَاعًا، موصوف ہے اور حَقًّا، اس کی صفت ہے اور درمیان میں بالمعروف کا فصل ہے جو فصل بالاجنبی ہے۔

جَوَاب: یہ فصل بالاجنبی نہیں ہے بلکہ بالمعروف، مَتَاعًا، کی صفت اول ہے اور حقًّا، مصدر مؤکِد ہے جملہ سابقہ کے مضمون کے لئے اس کا عامل وجوباً محذوف ہے، ای حَقَّ ذَالِكَ حَقًّا.

قَوْلُہٗ: وَيَرْجِعُ لكم النصف.

سُوَال: مذکورہ عبارت کو مقدر ماننے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: اِلَّا، استدراک کے لئے ہے جیسا کہ مفسر علام نے اِلَّا، کی تفسیر لٰكِنَّ، سے کر کے اشارہ کر دیا ہے حالانکہ ماقبل میں مستدرک منہ بننے کی صلاحیت نہیں ہے اس لئے کہ نصف کا سقوط اور اس کا عفو اُن کے استحقاق کی جنس سے نہیں ہے اس لئے وَيَرْجِعُ لكم النِصْفَ، کو محذوف مانا تاکہ استدراک صحیح ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: يجبُ لَهُنَّ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ، شرط کی جزاء ہے اور جملہ ناقصہ ہے حالانکہ جزاء کے لئے جملہ تامہ ہونا ضروری ہے۔

جَوَاب: مفسر علام نے يَجِبُ لَهُنَّ، مقدر مان کر جملہ کو تامہ کر دیا تاکہ اس کا جزاء بننا درست ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: يَعْفُوْنَ، عفوٌ سے مضارع جمع مؤنث غائب، معاف کر دیں وہ عورتیں۔

قَوْلُہٗ: يَعْفُوَ، مضارع واحد مذکر غائب منصوب، وہ معاف کر دے۔

قَوْلُہٗ: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، الولی، اِذَا كانت محجورة، اس عبارت کا مقصد، الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ، میں اختلاف کو بیان کرنا ہے، اختلاف یہ ہے کہ ولی عفو کون ہے؟ شوہر یا عورت کا ولی؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور بعض شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ مَنْ بيده عقدة النكاح سے مراد شوہر ہے اور ابن عباس کے نزدیک عورت کا ولی مراد ہے اگر عورت معذور یعنی نابالغ یا مجنونہ ہو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو ترجیح دینے کے لئے مفسر علام نے وَهُوَ الزوج فرمایا قرینہ اس کا اَقْرَبُ لِلتقوىٰ ہے، اس لئے کہ عورت کے معذور ہونے کی صورت میں عورت کے ولی کا مہر کو معاف کرنا تقویٰ نہیں ہے اس لئے کہ اس میں نقصان محض ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

طلاق قبل الدخول کے احکام:

طلاق قبل الدخول کا مطلب یہ ہے کہ یکجائی اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق کی نوبت آجائے، اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو بوقت نکاح مہر کی مقدار مقرر نہ کی گئی یا کی گئی، پہلی صورت کا حکم "لا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طلقتم النساء" (الآية)

میں مذکور ہے طلاق کی مہر اور صحبت کے اعتبار سے چار صورتیں ہو سکتی ہیں، ان میں سے دو کا حکم ان آیات میں بیان کیا گیا اور دو کا بعد والی آیت میں مذکور ہے، ایک یہ کہ نہ مہر مقرر ہو نہ صحبت وخلوت ہوئی ہو، دوسری صورت یہ کہ مہر تو مقرر ہو لیکن صحبت وخلوت کی نوبت نہ آئی ہو، تیسری صورت یہ کہ مہر بھی مقرر ہو اور صحبت بھی ہوئی ہو، اس صورت میں مقررہ مہر پورا دینا ہوگا، یہ حکم قرآن مجید میں دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے، چوتھی صورت یہ کہ مہر متعین نہ کیا ہو اور صحبت یا خلوت کے بعد طلاق دی ہو اس صورت میں مہر مثل پورا دینا ہوگا۔

مذکورہ آیت میں پہلی دو صورتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے ان میں سے پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ مہر تو واجب نہیں مگر شوہر پر واجب ہے کہ اپنی طرف سے کچھ دیدے کم از کم ایک جوڑا ہی دیدے، دراصل قرآن کریم نے اس عطیہ کی کوئی مقدار معین نہیں کی البتہ یہ بتلا دیا کہ مالدار کو اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب کو اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہئے جس میں اس بات کی ترغیب ہے کہ صاحب وسعت تنگی سے کام نہ لے، حضرت حسن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایسے ہی ایک واقعہ میں مطلقہ عورت کو بیس ہزار کا عطیہ دیا تھا، اور قاضی شریح نے پانچ سو درہم کا اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ ادنیٰ یہ ہے کہ ایک جوڑا کپڑے کا دیدے۔

سببِ نزول:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ، کا شان نزول یہ ہے کہ ایک انصاری نے ایک عورت سے بلا تعیین مہر نکاح کیا اور قبل الدخول اس کو طلاق دیدی عورت نے آپ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، آپ نے فرمایا، امتعها ولو بقلنسوتك، اس کو متعہ دو اگر چہ تیری ٹوپی ہی کیوں نہ ہو۔ (حاشیہ جلالین)

فائدہ: متعہ یعنی ایک جوڑا جس کی قیمت پانچ درہم سے کم اور نصف مہر سے زائد نہ ہو۔ (خلاصة التفاسير)

بحث: متعہ امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک مستحب ہے جیسا کہ کلمہ محسنین سے مفہوم ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی واجب کہتے ہیں جیسا کہ کلمہ حقًّا، سے سمجھا جاتا ہے اور محسن بمعنی مومن ہے۔

سوال: موطوءہ کو متعہ دینا مستحب ہے یہ کیسے معلوم ہوا؟

جواب: یہ بات قرآن سے ثابت ہے کہ تحلیل فرج بغیر مال کے نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ، لہٰذا جب مال مذکور ہو یا نکاح مع وطی حقیقۃ یا مجازاً پائی جائے، تو مال جسے مہر کہتے ہیں واجب ہوگا، اور اگر صرف نکاح پایا جائے تو اس وجہ سے کہ تحلیل فرج حقیقۃ نہیں ہوئی مہر واجب نہ ہوگا، اور اس لئے کہ صورت تحلیل ہوگئی ہے اس کے عوض کچھ مال جس کو متعہ کہا گیا ہے مقرر کیا گیا، پس متعہ کی اصل عدم مہر اور شرط عدم وطی ہے جب دونوں پائے جائیں گے تو متعہ واجب ہوگا، اور جب دونوں نہ پائے جائیں گے متعہ نہ ہوگا، جب ایک پایا جائے گا تو دونوں دلیلوں پر نظر کرتے ہوئے استحباب کا حکم دیا جائے گا۔

مقدار متعہ مختلف فیہ ہے:

مظہری میں ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ اعلیٰ درجہ متعہ کا یہ ہے کہ غلام دے اور ادنیٰ درجہ ایک جوڑا ہے اور امام احمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی وشافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک حاکم کی رائے اور اجتہاد پر موقوف ہے، مگر حنفیہ نے اپنے اندازے کے دو شاہد قرار دیئے ہیں۔

❶ آثار منقولہ، جیسا کہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور سعید سے تفسیر مظہری میں منقول ہے۔

❷ قیاس، اس لئے کہ متعہ مہر کی فرع ہے اور مہر قبل الوطی نصف ملتا ہے اور نصف مہر پانچ درہم سے کم نہیں ہوسکتا، اور یہی ادنیٰ درجہ متعہ کا ہے، اور جب مہر مذکور نہ ہو تو مہر مثل دیا جاتا ہے اور یہی اعلیٰ درجہ قرار پایا، بہر حال ادنیٰ درجہ سے کم نہ ہو، اور اعلیٰ درجہ مہر کے اعلیٰ درجہ سے زائد نہ ہو ''خیر الامور اَوْسَاطُهَا''۔

مَسْئَلَہ: قبل الوطی طلاق جائز ہے۔

مَسْئَلَہ: بغیر تعین مہر نکاح درست ہے حتی کہ نفی مہر کے ساتھ بھی نکاح درست ہے مگر مہر مثل واجب ہوگا۔

مَسْئَلَہ: مہر صرف نکاح سے واجب نہیں ہوتا جب تک کہ وطی یا ذکر مہر نہ ہو، البتہ مال کی ایک مقدار واجب ہو جاتی ہے۔

مَسْئَلَہ: ادائے مال واجب ہو جاتا ہے مہر ہو یا متعہ۔

مَسْئَلَہ: حق جس پر واجب ہو اس کی حالت استطاعت معتبر ہوگی صاحب حق کی استطاعت معتبر نہ ہوگی، موسع اور مقتر، دونوں مذکر کے صیغہ بیان فرمائے اس سے معلوم ہوا کہ مرد کی استطاعت مراد ہے۔ (خلاصہ، شرح وقایہ)

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ، (الآیۃ) اگر تم عورتوں کو چھونے (وطی یا خلوۃ صحیحہ) سے پہلے طلاق دو اور مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا ادا کرو، البتہ اگر عورتیں یہ آدھا مہر بھی چھوڑ دیں یا جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے وہ درگذر کرے تو نہ دو، فَرِيْضَةً، سے مراد مہر اور فرض کرنے سے مراد مہر کا ذکر کرنا ہے خواہ مقدار معین ہو یا نہ ہو پس اگر مقدار بھی معین ہے تو اس کا آدھا دینا آسان ہے اور اگر مقدار معین نہیں تو مہر مثل پر فیصلہ ہوگا سوال یہ ہے کہ مثل کس کا اور کن چیزوں میں معتبر ہے؟ اس شعر میں مذکور ہے۔ ؎

مثل ہیں اقربائے آبائی یہ زر وحُسن وعمر ودانائی

اَلَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ، کعب اور سعید نے کہا یہ زوج ہے اور ابن عباس اور طاؤس ومجاہد کی روایت میں عورت کا باپ یا بھائی یا ولی ہے۔

فَائِدَہ: اگر اس سے شوہر مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ خواہ عورت معاف کردے اور کچھ نہ لے، خواہ مرد پورا مہر دیدے، یا دیا ہوا ہو تو نصف واپس نہ لے، اور اگر عورت کے اولیاء مراد ہیں تو یہ مطلب ہوگا کہ عورت بالغہ اپنا حق چھوڑ دے یا عورت نابالغہ یا مجنونہ کا حق اس کے اولیاء چھوڑ دیں۔

مَسْئَلَہ: اس صورت میں چھوڑنے والے عورت کے مہر کے ضامن ہوں گے۔

مَسْئَلَہ: اگر عورت لونڈی ہو تو اس کا مولی معاف کردے۔ (خلاصة التفاسير)

صلوٰۃ وسطیٰ کی تفصیل:

صاحب تفسیر کبیر نے صلوٰۃ وسطیٰ میں چند مذاہب نقل کیے ہیں، ① پانچوں نمازیں وسطیٰ ہیں، اس لئے کہ عبادات اور حسنات کا متوسط درجہ نماز ہے حدیث میں وارد ہے "الصلوة خير موضوع" یعنی نماز سب سے بہتر عبادت ہے، ② فجر کی نماز مراد ہے یہ قول حضرت علی، وحضرت عمر وابن عباس وجابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ کا ہے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی یہ قول منقول ہے، ③ صلوٰۃ وسطیٰ سے ظہر کی نماز مردا ہے یہ قول زید، عمر، ابوسعید خدری واسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ایک قول ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے، ④ وسطیٰ نماز عصر ہے حضرت علی وابن مسعود وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی یہ قول منقول ہے اور زیادہ تر اسی پر اعتماد کیا گیا ہے، ⑤ مغرب کی نماز مراد ہے ابوعبید سلمانی اور ابوقبیصہ سے بھی یہی قول منقول ہے، ⑥ بعض حضرات نے عشاء کی نماز کو صلوٰۃ وسطیٰ کہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ، زمانہ جاہلیت میں وفات زوج کی عدت ایک سال تھی اور اسلام میں چار ماہ اور دس دن مقرر ہوئی، مگر اس میں عورت کی اتنی رعایت رکھی گئی ہے کہ چونکہ اس وقت تک میراث کا حکم نازل نہ ہوا تھا، اور بیوی کا کوئی حصہ میراث میں مقرر نہ ہوا تھا، بلکہ اوروں کے حق کا مدار محض مُردے کی وصیت پر تھا اس لئے یہ حکم دیا کہ اگر عورت اپنی مصلحت کے مطابق خاوند کے ترکہ کے گھر میں رہنا چاہے تو ایک سال تک اس کو رہنے کا حق ہے اور اس کے ترکہ سے اس ایک سالہ مدت میں اس کو نان نفقہ بھی دیا جائے گا، مرنے والے شوہروں کو حکم تھا کہ اس قسم کی وصیت کر جایا کریں، چونکہ یہ حق عورت کا تھا اس کو وصول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار عورت ہی کو تھا اس لئے وارثوں کو تو گھر سے نکالنے کا حق نہ تھا، لیکن خود عورت کے لئے جائز تھا کہ اس کے گھر نہ رہے اور اپنا حق ورثہ کو چھوڑ دے بشرطیکہ عدت پوری ہو چکے، اور نکاح وغیرہ سب درست تھا، معروف سے یہی مراد ہے البتہ عدت کے اندر نکلنا اور نکاح کرنا وغیرہ سب گناہ تھا، جب آیت میراث نازل ہوئی تو عورت کو ترکہ میں سے اس کا حصہ مل گیا، لہٰذا اپنے حصہ میں رہے اور اپنے حصہ سے خرچ کرے، اور آیت وصیت منسوخ ہوگئی۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ، ان ہی الفاظ کے ساتھ ایک آیت سابق میں گذر چکی ہے مگر وہاں مطلقات سے وہ عورتیں مراد تھیں کہ جن کو قبل الدخول طلاق دیدی گئی ہو، اگر مہر متعین نہیں تھا تو متعہ کے ذریعہ فائدہ پہنچانا مراد ہے اور اگر مہر متعین تھا تو نصف مہر مراد ہے۔

اس آیت میں ان عورتوں کو فائدہ پہنچانا مراد ہے جن سے خلوت صحیحہ یا وطی ہو چکی ہے اس کے بعد طلاق دی ہے اگر مہر متعین تھا تو فائدہ کا مطلب ہوگا پورا مہر دینا اور جن کا مہر متعین نہیں ہے ان کو فائدہ پہنچانے کا مطلب ہے کہ مثل مہر دیا جائے۔

(خلاصة التفاسير)

أَلَمْ تَرَ استفهام تعجيب وتشويق الى استماع مابعده اى لم ينته علمك إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ اربعة او ثمانية او عشرة او ثلثون او اربعون او سبعون الفا حَذَرَ الْمَوْتِ مفعول له وهم قوم من بني اسرائيل وقع الطاعون ببلادهم ففروا فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا فماتوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ بعد ثمانية ايام او اكثر بدعاء نبيهم حزقيل بكسر المهملة والقاف وسكون الزاى فعاشوا دهرا عليهم اثر الموت لا يلبسون ثوبا الا عاد كالكفن واستمرت فى اسباطهم إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ومنه احياء هؤلاء وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ وهم الكفار لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٤٣﴾ والقصد من ذكر خبر هؤلاء تشجيع المؤمنين على القتال ولذا عطف عليه وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اى لاعلاء دينه وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ لاقوالكم عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾ باحوالكم فيجازيكم مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ بانفاق ماله فى سبيل الله قَرْضًا حَسَنًا بان ينفقه لله تعالى عن طيب قلب فَيُضَاعِفَهُ وفى قراءة فيضعّفه بالتشديد لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً من عشر الى اكثر من سبع مائة كما سياتى وَاللَّهُ يَقْبِضُ يمسك الرزق عمن يشاء ابتلاء وَيَبْسُطُ يوسعه لمن يشاء امتحانا وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٤٥﴾ فى الأخرة بالبعث فيجازيكم باعمالكم

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ الجماعة مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ اى الى قصتهم وخبرهم إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ هو شمويل ابْعَثْ اقم لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ معه فِي سَبِيلِ اللَّهِ تنتظم به كلمتنا ونرجع اليه قَالَ النبي لهم هَلْ عَسَيْتُمْ بالفتح والكسر إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا خبر عسى والاستفهام لتقرير التوقع بها قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا بسبيهم وقتلهم وقد فعل بهم ذلك قوم جالوت اى لا مانع لنا منه مع وجود مقتضيه قال تعالى فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا عنه وجبنوا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ وهم الذين عبروا النهر مع طالوت كما سياتى وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾ فيجازيهم وسأل النبى ربه ارسال ملك فاجابه الى ارسال طالوت وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّىٰ كيف يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ لانه ليس من سبط المملكة ولا النبوة وكان دباغا او راعيا وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ يستعين بها على اقامة الملك قَالَ النبى لهم إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ اختاره للملك عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً سعة فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وكان اعلم بنى اسرائيل يومئذ واجملهم واتمهم خلقا وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ايتاءه لا اعتراض عليه وَاللَّهُ وَاسِعٌ فضله عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾ بمن هو اهل له

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ لما طلبوا منه اية على ملكه إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ الصندوق كان فيه صور الانبياء انزله الله تعالى على ادم واستمر اليهم فغلبتهم العمالقة عليه واخذوه وكانوا يستفتحون به على عدوهم ويقدمونه فى القتال ويسكنون اليه كما قال تعالى فِيهِ سَكِينَةٌ طمانينة لقلوبكم

وقف لازم

مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ ای ترکاه وہما نعلا موسی وعصاه وعمامة ہارون وقفیز من المن الذی کان ینزل علیہم ورُضاض الالواح تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ حال من فاعل یاتیکم اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ علی مُلکه اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ فحملته الملئکة بین السماء والارض وہم ینظرون الیه حتی وضعته عند طالوت فاقرّوا بمُلکه وتسارعوا الی الجہاد فاختار من شبانہم سبعین الفًا۔

ترجمہ: کیا تم کو ان کے بارے میں معلوم نہیں استفہام تعجب دلانے اور مابعد کو سننے کا شوق دلانے کے لئے ہے یعنی تم کو اس کا علم نہیں ہے جو ہزاروں کی تعداد میں موت سے ڈر کر اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، ان کی تعداد چار ہزار، یا آٹھ ہزار، یا بارہ ہزار یا تیس ہزار یا چالیس ہزار یا ستر ہزار تھی، (حَذَرَ الْمَوْتِ) خَرَجوا کا مفعول لہ ہے، وہ بنی اسرائیل کی ایک قوم تھی کہ جن کے شہروں میں طاعون پھوٹ پڑا تھا، تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو اللہ نے ان کو حکم دیا مرجاؤ تو سب کے سب مر گئے، پھر آٹھ یوم یا اس سے زیادہ کے بعد ان کے نبی حزقیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء سے (اللہ تعالیٰ نے) ان کو زندہ کر دیا، حاء مہملہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ اور زاء کے سکون کے ساتھ، تو وہ لوگ ایک زمانہ تک زندہ رہے لیکن ان کے (جسم پر) مردنی کا اثر (زردی) وغیرہ نمایاں تھی، اور جو لباس بھی پہنتے تھے وہ کفن کے مانند ہو جاتا تھا، اور یہ صورت حال ان کی نسل میں مدتوں باقی رہی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل والا ہے، اور اسی میں سے ان لوگوں کو زندہ کرنا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں اور وہ کفار ہیں، اور مقصد ان لوگوں کا قصہ ذکر کرنے سے مومنین کی جہاد پر ہمت افزائی ہے، اور اسی وجہ سے اس پر "وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" کا عطف کیا گیا ہے اور جہاد کرو اللہ کے راستہ میں یعنی اس کے دین کو سربلند کرنے کے لئے، اور خوب یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں کو خوب سننے والا اور تمہارے احوال کا جاننے والا ہے تو وہ تم کو اس کی جزاء دے گا، اور ایسا کوئی ہے جو اللہ کو قرض حسن دے؟ اپنے مال کو اس کے راستہ میں خرچ کر کے، اس طریقہ پر کہ مال کو اللہ کے راستہ میں خوش دلی سے خرچ کرے، پس اللہ اس کو خوب بڑھا چڑھا کر عطا فرمانے والا ہے دس گنے سے لے کر سات سو گنے سے زیادہ تک جیسا کہ عنقریب آتا ہے اور ایک قراءت میں تشدید کے ساتھ ہے اور اللہ جس کی چاہے آزمائش کے طور پر رزق کو روک کر تنگ کرتا ہے اور جس کی چاہے بطور امتحان روزی وسیع کرتا ہے اور آخرت میں بعث کے ذریعہ تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزاء دے گا کیا تم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا؟ یعنی کیا تم کو ان کے قصہ اور خبر کا علم نہیں ہوا، جب کہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے جو کہ شمویل تھے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے تاکہ ہم اس کے ساتھ اللہ کے راستہ میں جہاد کریں تاکہ اس کے ذریعہ ہماری بات پختہ ہو جائے اور اس کی طرف رجوع کریں ان کے نبی نے ان سے کہا کہیں ایسا تو نہ ہو کہ تم پر قتال فرض کر دیا جائے اور تم نہ لڑو؟ عَسَیْتُمْ، میں سین کے فتحہ اور کسرہ

کے ساتھ (اَلَّا تُقَاتِلُوْا) عسٰی کی خبر ہے اور استفہام متوقع تقریر وتثبیت کے لئے ہے کہنے لگے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں حالانکہ ہم کو ہمارے گھروں سے نکالا گیا اور ہمارے بچوں سے جدا کیا گیا ان کے قتل وقید ہونے کی وجہ سے، اور یہ معاملہ ان کے ساتھ قوم جالوت نے کیا تھا، مطلب یہ کہ ہمیں اس کی معیت میں قتال کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، اور قتال کا مقتضی موجود ہے پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو ان میں ایک سے ایک قلیل تعداد کے سوا سب پیٹھ پھیر گئے اور بزدلی دکھا گئے، اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے طالوت کی معیت میں نہر عبور کی تھی جیسا کہ عنقریب آتا ہے، اللہ تعالیٰ ظالموں کو جانتے ہیں تو ان کو سزا دیں گے چنانچہ نبی (شمویل نے) اللہ تعالیٰ سے ایک بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے درخواست قبول فرمالی، اور طالوت کو بادشاہ مقرر کردیا، تو ان سے ان کے نبی (شمویل) نے کہا اللہ تعالیٰ نے تمہارا بادشاہ طالوت کو بنادیا ہے، تو کہنے لگے اس کی ہمارے اوپر بادشاہت کیسے ہوگی اس سے تو ہم زیادہ حقدار ہیں بادشاہت کے اس لئے کہ وہ (ایک تو) شاہی خاندان سے نہیں ہے اور نہ خاندان نبوت سے ہے اور وہ دباغ (چرم ساز) یا چرواہے تھے، اور اس کو تو مالی خوشحالی بھی نہیں دی گئی کہ جس کے ذریعہ نظام سلطنت کو قائم کرسکے، تو نبی نے ان سے کہا (سنو) اللہ نے اسی کو تمہارا بادشاہ منتخب کیا ہے اور اس کو علمی اور بدنی برتری بھی عطا فرمائی ہے اور اس زمانہ میں وہ بنی اسرائیل میں بڑا عالم اور جسمانی طور پر نہایت جمیل اور مکمل تھا، (بات یہ ہے) کہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک اس کو عطا کردیتا ہے اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا وسیع ہے اور اس سے بخوبی واقف ہے کہ کون اس کا اہل ہے؟

جب (بنی اسرائیل نے) شمویل نبی سے اس کی بادشاہت کی نشانی طلب کی تو فرمایا اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں انبیاء کی تصویریں ہیں جس کو اللہ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا تھا اور وہ صندوق ان کی نسل میں باقی رہا، اس کے بعد ان پر قوم عمالقہ غالب آگئی اور اس صندوق کو چھین لیا اور وہ اسی صندوق کے ذریعہ اپنے دشمن پر فتح حاصل کیا کرتے تھے، اور قتال کے موقع پر اس کو آگے رکھتے تھے اور اس سے سکون حاصل کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس میں تمہارے قلوب کے لئے طمانینت ہے، تمہارے رب کی جانب سے، اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے یعنی جس کو انہوں نے چھوڑا تھا، اور وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعلین شریفین تھے، اور آپ کا عصاء تھا اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ تھا، اور ایک قفیز مَنّ، تھا جو کہ ان پر (آسمان) سے نازل ہوتا تھا، اور تورات کے کچھ اجزاء تھے، جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے، تحمله، یَاتِیْکُمْ کے فاعل سے حال ہے بلاشبہ اس میں تمہارے لئے اس کی بادشاہت کی نشانی ہے اگر تم کو یقین ہو چنانچہ فرشتوں نے اس کو آسمان اور زمین کے درمیان اٹھایا اور یہ لوگ اسے دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ اس کو طالوت کے پاس رکھ دیا لہٰذا سب نے اس کی بادشاہت کا اقرار کرلیا اور جہاد کی طرف سبقت کی چنانچہ انہوں نے ان کے نوجوانوں میں سے ستر ہزار کو منتخب کیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَی لَمْ یَنْتَهِ.

سَوَالْ: رؤیت علمیہ کا صلہ اِلٰی نہیں آتا، رؤیت علمیہ متعدی بدو مفعول ہوتی ہے حالانکہ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا، میں رؤیت سے رؤیت قلبی مراد ہے اور اس کے صلہ میں اِلٰی واقع ہے۔

جَوَابْ: رؤیت علمیہ ہی مراد ہے مگر؛ انتہاء کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا اِلٰی صلہ لانا درست ہے اور اسی وجہ سے یہاں یہ متعدی بدو مفعول نہیں ہے مفسر علام نے، لَمْ یَنْتَهِ، کہہ کر اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: طاعون، طاعون ایک مہلک وبائی مرض ہے جس میں گلٹی نکلتی ہے خاص طور پر بغل میں اس مرض میں چند ہی روز میں انسان مرجاتا ہے بلادھم، بلاد سے مراد شہر یا قریہ ہے جو واسط کے علاقہ میں تھا اور اس کا نام ذاوردان تھا۔

قَوْلُہٗ: فَمَا توا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے، ثُمَّ اَحْیَاھم کا عطف فَمَا تُوا، مقدر پر ہے، جس کا مقام متقاضی ہے اس لئے کہ اِحْیَاء کے لئے اول موت ضروری ہے ثُمَّ، کے ذریعہ عطف کر کے اشارہ کر دیا کہ مرنے کے کافی دن کے بعد ان کو زندہ کیا گیا۔

قَوْلُہٗ: حزقیل، حزقیل علیہ الصلاۃ والسلام کو ذوالکفل بھی کہا جاتا ہے، یہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے تیسرے خلیفہ ہیں۔

قَوْلُہٗ: مِنْهُ، ای مِن الفضل.

قَوْلُہٗ: اَلَّا تُقَاتِلُوا، خبرُ عَسٰی.

تَرْکِیْب: عَسَیْتُمْ، حرف ترجی فعل ماضی، اس کے اندر ضمیر جو اس کا اسم ہے اِنْ حرف شرط، کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ، جملہ ہو کر شرط، فلا تبادرون الی القتال جواب شرط محذوف، شرط جزاء سے مل کر عسیٰ کے اسم و خبر کے درمیان جملہ معترضہ، اَلَّا تُقَاتِلُوا، عسیٰ، کی خبر عَسَیْتُمْ اپنے اسم و خبر سے مل کر قَالَ، کا مقولہ۔

قَوْلُہٗ: رُضاض، بالضم تورات کے اجزاء، ٹکڑے۔

تفسیر و تشریح

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ، (الآیة) عربی زبان میں یہ طرز خطاب ایسے موقع پر آتا ہے کہ جب مخاطب کو کسی بڑے اہم اور معروف واقعہ کے طرف توجہ دلانی مقصود ہوتی ہے، اور رویت سے ہمیشہ رویت بچشم سر ہی مراد نہیں ہوتی، بلکہ کبھی غور و فکر اور تامل و تخیل بھی مراد ہوتا ہے، اور جب اس فعل کا صلہ اِلٰی آتا ہے تو کوئی اہم نتیجہ نکالنا مقصود ہوتا ہے، اس قسم کی

رویت کو رویت قلبی کہا جاتا ہے وَاِذَا عُدِّیَ رأیت بالیٰ اقتضٰی معنی النظر المؤدی الی الاعتبار (راغب) اور کبھی اس کلام سے اظہار تعجب بھی ہوتا ہے، هذا کلام جریٰ مجری المثل فی معنی العجیب. (کشاف)

مذکورہ تین آیتوں میں ایک عجیب انداز میں اللہ تعالیٰ نے راہ حق میں جانی و مالی قربانی پیش کرنے کی ہدایت کی ہے، اور ان احکام و ہدایات سے پہلے تاریخ عالم کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ موت و حیات تقدیر الٰہی کے تابع ہے جنگ و جہاد میں جانا موت کا سبب نہیں اور بزدلی سے جان چرانا موت سے بچنے کا ذریعہ نہیں تفسیر ابن کثیر میں سلف صحابہ اور تابعین کے حوالہ سے اس واقعہ کی تشریح یہ بیان کی گئی ہے۔

واقعہ کی تفصیل:

بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایک شہر میں یا بستی میں رہتی تھی، عاصم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے قول کے مطابق یہ لوگ واسط کے قریب ایک فرسخ کے مسافت پر ذاوردان کے رہنے والے تھے ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے راجح یہ ہے کہ یہ دس ہزار کے قریب تھے ابن عباس کے قول کے مطابق چار ہزار تھے، اچانک ان کی بستی میں طاعون پھوٹ پڑا چنانچہ موت کے خوف سے بستی سے نقل ہو کر دو پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع میدان میں مقیم ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ موت سے کسی کو فرار نہیں دو فرشتے بھیجے جو اس میدان کے کناروں پر آ کھڑے ہوئے ایک بالائی کنارے پر اور دوسرا زیریں کنارے پر، ان دونوں نے اللہ کے حکم سے کہا ''مُوْتُوْا'' فرشتوں کا یہ کہنا تھا کہ سب کے سب مر گئے، اور جب تک اللہ نے چاہا یہ مردہ پڑے رہے ایک زمانہ کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبر جن کا نام حزقیل بتایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ان کو ان لوگوں کا واقعہ بتایا، حضرت حزقیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے ان کے لئے زندہ کرنے کی دعاء کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو زندہ کر دیا۔

بنی اسرائیل کے بادشاہ نے جہاد کا حکم دیا تھا، لوگ عذر کرنے لگے کہ جہاں آپ ہم کو لے جاتے ہیں وہاں تو طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے جب تک وبا ختم نہ ہو گی ہم نہ جائیں گے، اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اشارہ دیا کہ موت کا وقت مقرر ہے نہ ایک لمحہ آگے ہو سکتا ہے اور نہ ایک لمحہ پیچھے ہٹ سکتا ہے اس لئے یہ حرکت فضول بھی ہے اور اللہ کی ناراضگی کا سبب بھی۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے ہزاروں برس پہلے کا ہے اس کو دیکھنے کا آپ کو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا لہٰذا اَلَمْ تَرَ، کا مطلب ہے اَلَمْ تعلم.

مَسْئَلَہ: جہاں طاعون وغیرہ دیگر متعدی بیماری پھیلی ہوئی ہو تو اس خیال سے کہ یہاں سے بھاگ کر بچ جائیں گے، بھاگنا درست نہیں ہے، البتہ ضرورۃً جانے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسی حدیث کی وجہ سے سفر شام سے وبا کی خبر سن کر مراجعت فرمائی تھی۔

حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے واقعۂ مراجعت کی تفصیل:

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک مرتبہ ملک شام کا قصد فرمایا شام کی سرحد پر تبوک کے قریب ایک مقام، سَرغ ہے وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملک شام میں سخت طاعون پھیلا ہوا ہے یہ طاعون ملک شام کی تاریخ میں ایک سانحہ تھا یہ طاعون عمواس کے نام سے مشہور ہے کیونکہ یہ طاعون اول ایک عمواس نام کی بستی سے شروع ہوا تھا جو بیت المقدس کے قریب ہے، پھر پورے ملک میں پھیل گیا، اس میں ہزارہا انسان جن میں بہت سے صحابہ وتابعین بھی تھے شہید ہو گئے عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب طاعون کی شدت کی خبر سنی تو اسی مقام پر ٹھہر کر صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے مشورہ کیا کہ ہمیں اس وقت ملک شام جانا چاہئے یا واپس ہونا مناسب ہے اس وقت جتنے حضرات مشورہ میں شریک تھے، ان میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق کوئی حکم سنا ہو، بعد میں عبد الرحمٰن بن عوف نے اطلاع دی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد اس معاملہ سے متعلق یہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے (طاعونی گلٹی) کا ذکر فرمایا کہ یہ ایک عذاب ہے جس سے بعض امتوں کو عذاب دیا گیا تھا، پھر اس کا کچھ بقیہ رہ گیا، اس کا یہ حال ہے کہ کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی پھر آجاتا ہے، تو جو شخص یہ سنے کہ فلاں خطہ میں یہ عذاب آیا ہوا ہے تو اس کو چاہئے کہ اس علاقہ میں نہ جائے، اور جو شخص اس خطہ میں پہلے سے موجود ہے تو طاعون سے بھاگنے کے لئے وہاں سے نہ نکلے۔

(بخاری شریف)

حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب یہ حدیث سنی تو رفقاء کو واپسی کا حکم دیدیا، حضرت ابوعبیدہ جو ملک شام کے امیر (گورنر) بھی تھے، اس مجلس میں موجود تھے، فاروق اعظم کا یہ حکم سن کر فرمانے لگے، اَفِرارًا مِن قدر اللّٰہ، یعنی کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگنا چاہتے ہیں؟ تو فاروق اعظم نے جواب دیا نعم نفر من قدر اللّٰہ الی قدر اللّٰہ، بیشک ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ ہی کی تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں مطلب یہ تھا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں، جس کو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

حکمت:

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ جس شہر یا بستی میں طاعون وغیرہ وبائی مرض پھیلا ہوا ہو باہر والوں کو وہاں جانا منع ہے اور وہاں کے باشندوں کو اس جگہ سے موت کے ڈر سے بھاگنا ممنوع ہے۔

عجیب واقعہ:

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے ایک بہت بڑے جنگی کمانڈر حضرت خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جن کی ساری اسلامی عمر جہاد میں گذری وہ کسی جہاد میں شہید نہیں ہوئے بیمار ہو کر گھر میں بستر مرگ پر وفات پائی، وفات کے قریب بستر پر اپنے مرنے کا افسوس

کرتے ہوئے گھر والوں کو خطاب کرکے فرمایا کہ میں فلاں فلاں عظیم الشان جنگوں اور جہادوں میں شریک ہوا، اور میرا کوئی عضو ایسا نہیں جس میں تیر یا نیزے کے زخم کا نشان نہ ہو مگر افسوس کہ میں اب گدھے کی طرح بستر پر مر رہا ہوں، خدا تعالیٰ بزدلوں کو آرام نہ دے ان کو میری نصیحت پہنچاؤ!

اس آیت میں بنی اسرائیل کا واقعہ بطور تمہید لایا گیا ہے اگلی آیت میں جہاد و قتال کا حکم دیا گیا جو اس قصہ کے ذکر کرنے سے اصل مقصود تھا کہ جہاد میں جانے کو موت اور بھاگنے کو نجات نہ سمجھو، تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے۔

قرض حسن سے کیا مراد ہے؟

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا، قرض حسن سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے یعنی جانی قربانی کی طرح مالی قربانی میں بھی تامل نہ کرو رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ دونوں طریقوں سے تمہاری آزمائش کرتا ہے کبھی رزق میں کمی کرکے اور کبھی فراوانی کرکے، پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کمی نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ اس میں کئی کئی گنا اضافہ فرماتا ہے کبھی ظاہری طور پر اور کبھی باطنی طور پر۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاءِ، مَلَاء، کسی قوم کے ان اشراف اور اہل حل وعقد کو کہا جاتا ہے جو خاص مشیر اور قائد ہوتے ہیں جن کے دیکھنے سے آنکھیں اور دل رعب سے بھر جاتے ہیں، مَلَأ، کے لغوی معنی بھرنے کے ہیں۔ (أیسر التفاسیر)

جس پیغمبر کا یہاں ذکر ہے ان کا نام شموئیل بتلایا جاتا ہے، ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ بعد تک تو ٹھیک رہے پھر ان میں انحراف آگیا دین میں بدعات ایجاد کرلیں حتی کہ بتوں کی پوجا شروع کردی، انبیاء ان کو روکتے رہے، لیکن یہ معصیت اور شرک سے باز نہ آئے جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل پر عمالقہ غالب آگئے تھے، اور انہوں نے اسرائیلیوں کے اکثر علاقے چھین لئے تھے، شموئیل نے یہ ضرورت محسوس کی کہ کوئی اور شخص ان کا سربراہ ہو جس کی قیادت میں وہ جنگ کرسکیں، لیکن اس وقت بنی اسرائیل میں بہت زیادہ جاہلیت آچکی تھی اور وہ غیر مسلموں کے طور وطریقوں سے اتنے متاثر ہوچکے تھے، کہ خلافت اور بادشاہی کا فرق ان کے ذہنوں سے نکل گیا تھا، اس لئے انہوں نے خلیفہ کے تقرر کے بجائے بادشاہ کے تقرر کی درخواست کی تاکہ اس کی قیادت میں ہم دشمنوں سے لڑیں پیغمبر نے ان کے سابقہ کردار کے پیش نظر کہا کہ تم مطالبہ تو کر رہے ہو، لیکن میرا اندازہ یہ ہے کہ تم اپنی بات پر قائم نہ رہ سکو گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسا کہ قرآن نے بیان کیا۔

فَائِدَہ: نبی کی موجودگی میں بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ بادشاہت کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ اگر بادشاہت جائز نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس مطالبہ کو رد فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مطالبہ کو رد نہیں فرمایا بلکہ طالوت کو ان کے لئے بادشاہ مقرر فرمایا۔

حضرت طالوت اس نسل سے نہیں تھے جس نسل سے بنی اسرائیل کے بادشاہوں کا سلسلہ چلا آرہا تھا یہ ایک غریب اور عام

آدمی تھے، دباغی ان کا پیشہ تھا، بائبل میں ان کا نام ساؤل لکھا ہے یہ قبیلہ بن یمین کا ایک تیس سالہ خوبصورت نوجوان تھا، بنی اسرائیل میں اس سے زیادہ کوئی خوبصورت نہیں تھا، اور ایسا قد آور تھا کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے، اپنے باپ کے گمشدہ گدھے تلاش کرنے نکلا تھا، راستہ میں جب شمویل نبی کی قیام گاہ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے نبی کو اشارہ کر دیا کہ یہی وہ شخص ہے کہ جس کو ہم نے بنی اسرائیل کی بادشاہت کے لئے منتخب کیا ہے چنانچہ شمویل نبی اس کو اپنے گھر لائے اور بنی اسرائیل کو جمع کر کے اس کی بادشاہی کا اعلان کر دیا مگر بنی اسرائیل نے اس پر اعتراض کیا پیغمبر نے کہا یہ میرا انتخاب نہیں ہے اللہ نے انہیں مقرر کیا ہے علاوہ ازیں قیادت و سیادت کے لئے مال سے زیادہ عقل و علم اور جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت ہے اور طالوت ان باتوں میں تم سے ممتاز ہے، جب ان کو یہ بات بتائی گئی کہ ان کی تقرری اللہ کی طرف سے ہے تو انہوں نے اس پر نشان اور علامت کا مطالبہ کیا تا کہ وہ پوری طرح مطمئن ہو جائیں چنانچہ اگلی آیت میں اس نشانی کا بیان ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ آيَةَ مُلْكِهٖ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ. (الآیۃ)

تابوت، جو توب سے مشتق ہے، تا، مجرور زائدہ ہے جیسے ملکوت میں، اس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں کیونکہ بنی اسرائیل تبرک کے لئے اس کی طرف رجوع کرتے تھے اسی لئے اس کو تابوت کہا گیا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

اس تابوت میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، اس تابوت کو ان کے دشمن عمالقہ چھین کر لے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے نشانی کے طور پر یہ تابوت فرشتوں کے ذریعہ حضرت طالوت کے دروازہ پر پہنچا دیا جسے دیکھ کر بنی اسرائیل بہت خوش ہوئے اور من جانب اللہ طالوت کی بادشاہت کی نشانی بھی سمجھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس تابوت کو ان کی فتح و شکست کا سبب قرار دیا۔

فائدہ: اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و صالحین کے تبرکات یقیناً باذن اللہ اہمیت اور افادیت رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ واقعی تبرکات ہوں جس طرح اس تابوت میں یقیناً حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، لیکن محض جھوٹی نسبت سے کوئی چیز متبرک نہیں ہو جاتی، جس طرح آج کل، تبرکات کے نام پر کئی مقامات پر مختلف چیزیں رکھی ہوئی ہیں جن کا تاریخی طور پر پورا ثبوت نہیں ہے اسی طرح خود ساختہ چیزوں سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو سکتا، جس طرح بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کی تمثال بنا کر اپنے پاس رکھنے کو یا گھر میں لٹکانے کو قضائے حاجات اور دفع بلیات کے لئے اکسیر سمجھتے ہیں، اسی طرح قبروں پر، بزرگوں کے ناموں کی نذر و نیاز کی چیزوں کو متبرک سمجھتے ہیں مزاروں کو غسل دیا جاتا ہے اور اس کے پانی کو متبرک سمجھا جاتا ہے، بہر حال یہ سب باتیں غلط ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

فائدہ: مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تقریباً تین صدی بعد اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ ہی پہلے، جب کہ سن عیسوی کے آغاز میں ابھی تقریباً ہزار گیارہ سو سال کی مدت باقی تھی حضرت شمویل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ ۱۱۰۰ ق م تا ۱۰۲۰ ق م کا زمانہ ہے ملک شام قدیم میں ایک کوہستانی علاقہ افرائیم نام کا تھا، اس کے شہر رامہ میں آپ رہتے تھے، بنو اسرائیل اس دور میں خاص طور سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے اور جنگ میں ان سے عاجز آچکے تھے،

توراۃ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ حضرت شمویل اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے، اور آپ کے صاحبزادوں میں امارت وسرداری کی کوئی صلاحیت نہ تھی۔ (ماجدی)

تابوت سکینہ:

اس تابوت کا خاص اصطلاحی نام، تابوت سکینہ تھا، یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملی اور قومی سرمایہ تھا، اس میں توراۃ کا اصل نسخہ مع انبیاء ﷺ کے تبرکات کے محفوظ تھا، اسرائیلی اس کو نہایت برکت وتقدیس کی چیز سمجھتے تھے اور اس کے ساتھ انتہائی احترام کا برتاؤ کرتے تھے، جنگ وامن میں اسے اپنے ساتھ رکھتے تھے سائز میں یہ کوئی بہت بڑا نہ تھا، موجودہ علماء یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیمائش حسب ذیل تھی۔

طول $2\frac{1}{2}$ فٹ ...... عرض $1\frac{1}{2}$ فٹ ...... اونچائی ...... $1\frac{1}{2}$ فٹ

بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اسی کے ساتھ وابستہ سمجھتے تھے، ایک جنگ کے موقع پر فلسطینی مشرک اسے چھین کر لے گئے، اسرائیلی اس بات کو اپنے حق میں انتہائی نحوست اور بدشگونی سمجھتے تھے اس کی واپسی کے لئے نہایت بیتاب اور مضطرب رہتے تھے، لیکن یہ تابوت مشرکین کے جس شہر اور جس بستی میں رکھا گیا وہاں وبائیں پھوٹ پڑیں آخر کار انہوں نے خوف کے مارے ایک بیل گاڑی پر رکھ کر گاڑی کو ہانک دیا، غالباً اسی صورت حال کو قرآن نے: "تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ" سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ صندوق فرشتوں کی حفاظت میں تھا کیونکہ وہ گاڑی بغیر کسی گاڑی بان کے ہانک دی گئی تھی اور اللہ کے حکم سے یہ فرشتوں ہی کا کام تھا کہ وہ اسے چلا کر بنی اسرائیل کی طرف لے آئے جب صندوق واپس آگیا تو اس قوم کے لئے بڑی تقویت قلبی کا موجب بنا جس سے ان کی ٹوٹی ہمتیں پھر بندھ گئیں۔

تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت طالوت کے زمانہ میں یہ تابوت واپس آنے کے بعد بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام متوفی ۹۳۳ ق م، تک رہا اور آپ نے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اس تابوت کو بھی رکھ دیا تھا اور اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں گیا؟ یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کے اندر دفن ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ خرج **طَالُوتُ بِالْجُنُودِ** من بيت المقدس وكان حرًّا شديدًا وطلبوا منه الماء **قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُم** مختبركم **بِنَهَرٍ** ليظهر المطيع منكم والعاصي وهو بين الأردن وفلسطين **فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ** اي من مائه **فَلَيْسَ مِنِّي** اي من اتباعي **وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ** يذقه **فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً** بالفتح والضم **بِيَدِهِ** فاكتفى بها ولم يزد عليها فإنه منّي **فَشَرِبُوا مِنْهُ** لما وافوه بكثرة **إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ** فاقتصروا على الغرفة روي انها كفتهم لشربهم ودوابهم وكانوا ثلثمائة وبضعة عشر **فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ** هم الذين اقتصروا

على الغرفة **قَالُوْا** اى الذين شربوا **لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ** اى بقتالهم وجبنوا ولم يجاوزوه **قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ** يوقنون **اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ** بالبعث وهم الذين جاوزوه **كَمْ** خبرية بمعنى كثير **مِّنْ فِئَةٍ** جماعة **قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ** بارادته **وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ** ﴿۲۴۹﴾ بالنصر والعون **وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ** اى ظهروا لقتالهم وتصافوا **قَالُوْا رَبَّنَا اَفْرِغْ** اصبب **عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا** بتقوية قلوبنا على الجهاد **وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۲۵۰﴾ **فَهَزَمُوْهُمْ** كسروهم **بِاِذْنِ اللّٰهِ** بارادته **وَقَتَلَ دَاوٗدُ** وكان فى عسكر طالوت **جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ** اى داؤد **اللّٰهُ الْمُلْكَ** فى بنى اسرائيل **وَالْحِكْمَةَ** النبوة بعد موت شمويل وطالوت ولم يجتمعا لاحد قبله **وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ** كصنعة الدروع ومنطق الطير **وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ** بدل بعض من الناس **بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ** بغلبة المشركين وقتل المسلمين وتخريب المساجد **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۲۵۱﴾ فدفع بعضهم ببعض **تِلْكَ** هذه الايات **اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا** نقصها **عَلَيْكَ** يا محمد **بِالْحَقِّ** بالصدق **وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ** ﴿۲۵۲﴾ التاكيد بِانّ وغيرها ردٌّ لقول الكفار له، لست مرسلاً.

ترجمہ: جب حضرت طالوت بیت المقدس سے لشکر لے کر نکلے تو اس وقت شدید گرمی تھی لشکریوں نے طالوت سے پانی کا مطالبہ کیا، تو حضرت طالوت نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم کو ایک نہر کے ذریعہ آزمائے گا تاکہ تم میں سے فرمانبردار اور نافرمان ممتاز ہو جائیں، اور یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان واقع ہے، جس نے اس میں سے پانی پی لیا تو وہ میری اتباع کرنے والوں میں سے نہیں ہے، اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے اِلّا یہ کہ اپنے ہاتھ سے ایک آدھ چلو بھر لے، غُرفة فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے، یعنی جس نے ایک چلو پر اکتفاء کیا، اور اس سے زیادہ نہ پیا تو وہ میرے متبعین میں سے ہے، جب نہر پر پہنچے تو خوب سیراب ہو کر پانی پیا، مگر بہت کم لوگ تھے کہ جنہوں نے ایک چلو پر اکتفاء کیا اور روایت کیا گیا ہے کہ ان کی اور ان کے جانوروں (گھوڑوں) کی سیرابی کے لئے ایک ہی چلو کافی ہو گیا، اور ان کی تعداد تین سو دس سے کچھ زیادہ تھی، چنانچہ جب حضرت طالوت اور ان کے ساتھی مومنین دریا عبور کر گئے اور یہ وہی تھے جنہوں نے ایک چلو پر اکتفاء کیا تھا تو جن لوگوں نے خوب سیراب ہو کر پیا تھا کہنے لگے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں، یعنی ان سے قتال کرنے کی، اور بزدلی دکھا گئے اور نہر کو بھی پار نہیں کیا، اور ان لوگوں نے جو لوگ مرنے کے بعد اللہ سے ملنے پر یقین رکھتے تھے انہوں نے کہا اور یہ وہی لوگ تھے جو نہر کو پار کر گئے تھے کہ بارہا ایسا ہوا ہے، کَمْ، خبریہ کثرت کے معنی میں ہے کہ ایک قلیل جماعت اللہ کی مشیت سے ایک بڑی جماعت پر غالب آ گئی اور اللہ تعالیٰ اپنی نصرت اور مدد کے ذریعہ صابرین کا ساتھی ہے اور جب ان کا جالوت اور اس کے لشکریوں سے مقابلہ ہوا یعنی ان سے قتال کرنے کے لئے مقابل ہوئے اور صف بندی کی گئی تو انہوں نے دعاء مانگی اے ہمارے پروردگار تو ہمیں صبر اور ثابت قدمی عطا فرما جہاد پر ہمارے قلوب کو تقویت دے کر، اور کافر قوم پر ہم

کوغلبہ عطا فرما چنانچہ ان لوگوں نے اللہ کی مشیت سے جالوتیوں کو شکست دیدی، یعنی ان کو توڑ کر رکھ دیا، اور داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے جو کہ حضرت طالوت کے لشکر میں شریک تھے، جالوت کو قتل کردیا اور اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو شمویل اور طالوت کے انتقال کے بعد بادشاہت عطا فرمائی اور حکمت نبوت (عطا فرمائی) اور داؤد علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے کسی میں بادشاہت اور نبوت جمع نہیں ہوئیں، اور جو کچھ چاہا علم بھی عطا کیا مثلاً زرہ سازی کی صنعت اور پرندوں کی بولی سمجھنا، اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرتا، بعضهم، من الناس سے بدل البعض ہے تو مشرکین کے غلبہ سے مسلمانوں کو قتل کر کے اور مساجد کو ویران کر کے زمین میں فساد برپا ہوجاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل والا ہے کہ بعض کو بعض کے ذریعہ دفع کرتا ہے یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم اے محمد آپ کو صحیح صحیح سنا رہے ہیں، بالیقین آپ رسولوں میں سے ہیں إنَّ وغیرہ کے ذریعہ تاکید، کافروں کے اس قول کو رد کرنے کے لئے ہے کہ: آپ ﷺ رسول نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: فَصَلَ، ای اِنْفَصَلَ، لازم ہے فَصَلَ کا مفعول چونکہ اکثر محذوف رہتا ہے اس لئے بمنزلہ لازم ہوگیا یہی وجہ ہے کہ اس کے مفعول (بالجنود) پر باء داخل ہے اور اگر متعدی مانا جائے تو اس کا مفعول محذوف ماننا ہوگا، ای فَصَلَ العَسْكر عن البلد فصولا.

قِوْلَہٗ: طالوت، بنی اسرائیل کے ایک با اقبال اور صالح بادشاہ کا نام ہے، علم اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

قِوْلَہٗ: غرفة، غین کے ضمہ کے ساتھ بمعنی معروف، ایک چلو پانی اور غین کے فتحہ کے ساتھ مصدر برائے مرّۃ ہے۔

قِوْلَہٗ: ای مِن مائه، یہ حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ نفس نہر کے پینے کا امکان نہیں ہے۔

قِوْلَہٗ: لَمّا وافوه، من الموافات، ای رسیدن۔

قِوْلَہٗ: بكثرة.

سُوَال: بکثرۃ مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی۔

جَوَاب: اگر بکثرۃ، کو محذوف نہ مانیں تو اِلَّا قلیلاً منهُ کا مستثنیٰ درست نہ ہوگا، اس لئے کہ پینے والوں میں قلیل بھی شامل ہیں۔

تفسیر و تشریح

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ، قوم بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے کچھ دن بعد تک تو ٹھیک رہی اس کے بعد احکام شکنی اور تورات کی خلاف ورزی شروع کردی یہاں تک کہ بعض نے ان میں سے بت پرستی بھی شروع کردی تو اللہ تعالیٰ نے

ان پر ایک ظالم و جابر قوم عمالقہ کو مسلط کر دیا جو ان کا تابوت سکینہ بھی لے کر چلا گیا، اس وقت بنی اسرائیل کو اصلاح کی فکر ہوئی تو اپنے زمانہ کے نبی سے جن کا نام شمویل تھا درخواست کی کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر فرما دیں ہم اس کی سرکردگی میں جہاد کریں گے، چنانچہ حضرت شمویل نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی اللہ تعالیٰ نے دعاء کو شرف قبولیت بخشا اور حضرت طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ حضرت طالوت کی سرکردگی میں جہاد کی تیاری شروع ہوئی۔

اس زمانہ میں فلسطین کا سربراہ جالوت نام کا ایک شخص تھا یہ شخص بڑا بہادر اور تن و توش کا مالک تھا اس کے ساتھ تقریباً ایک لاکھ لشکر جرار تھا اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھا، ایسی صورت میں طالوت نے چاہا کہ اپنی قوت کی آزمائش کر لی جائے تاکہ کم ہمت اور وہ لوگ جو جفاکش نہ ہوں ان کو الگ کر دیا جائے چنانچہ جس رخ پر اسرائیلیوں کو جانا تھا راستہ میں ایک دریا پڑتا تھا یہ وہی دریا ہے جو جوارڈن اور فلسطین کے درمیان واقع ہے، اس دریا کو عبور کرنا تھا مگر چونکہ حضرت طالوت کو معلوم تھا کہ اس قوم میں انضباط اور ڈسپلن بہت کم رہ گیا ہے اس لئے اس نے کارآمد اور ناکارہ لوگوں کو ممیز کرنے کے لئے یہ آزمائش تجویز کی کہ کوئی شخص دریا سے پانی نہ پیئے جو پانی پیئے گا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں اور جو پانی نہیں پیئے گا وہ میرا ہے اصل حکم تو یہی ہے کہ بالکل پانی کو ہاتھ بھی نہ لگایا جائے مگر رخصت کے طور پر اس کی اجازت ہے کہ ایک آدھ چلو گلا تر کرنے کے لئے پی لیا جائے تو مضائقہ نہیں چنانچہ اکثر لوگوں نے خوب سیراب ہو کر پانی پیا چونکہ گرمی کا موسم تھا گرمی شدید تھی یہ لوگ پانی پر بے تحاشا ٹوٹ پڑے ایک بہت چھوٹی سی جماعت جس کی تعداد تین سو تیرہ اصحاب بدر کے برابر بتائی جاتی ہے اپنے عزم پر قائم رہی چنانچہ جن لوگوں نے خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا تھا وہ دریا بھی عبور نہ کر سکے، صرف وہی لوگ دریا عبور کر کے دشمن کے مقابلہ پر پہنچے جنہوں نے پانی نہیں پیا تھا، یا کم پیا تھا۔

داؤد علیہ الصلاۃ والسلام اس وقت ایک کم سن نوجوان تھے، اتفاق سے طالوت کے لشکر میں عین اس وقت پہنچے کہ جب فلسطینیوں کی فوج کا گراں ڈیل پہلوان جالوت بنی اسرائیل کی فوج کو دعوت مبارزت دے رہا تھا، اور اسرائیلیوں میں کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس کے مقابلہ کے لئے نکلے، حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام جو ابھی کم سن ہی تھے، اور نبوت اور بادشاہت بھی انکو ابھی نہیں ملی تھی۔ موقع پر پہنچ گئے، داؤد بن ایشا اپنے بھائیوں میں کوتاہ قد اور کم رو تھے، بکریاں چرایا کرتے تھے، جب طالوت نے فوج کشی کی تو یہ بھی شریک جنگ ہونے کے لئے روانہ ہوئے ان کو راستہ میں ایک پتھر ملا پتھر بولا اے داؤد مجھے اٹھالو میں حضرت ہارون کا پتھر ہوں مجھ سے بہت سے بادشاہ قتل کئے گئے ہیں داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے اٹھا کر اس کو اپنے تھیلے میں ڈال لیا پھر دوسرا پتھر ملا اس نے کہا میں حضرت موسیٰ کا پتھر ہوں فلاں فلاں بادشاہ مجھ سے مارے گئے اسے بھی اپنی تھیلی میں اٹھا کر رکھ لیا پھر ایک تیسرا پتھر ملا اس نے کہا مجھے اٹھالو جالوت کی موت مجھ سے ہی ہے چنانچہ حضرت داؤد نے تیسرا پتھر بھی اٹھالیا۔

ادھر جالوت میدان میں آیا اور مبارز طلب کیا اس کی قوت اور ہیبت سے لوگ خائف تھے طالوت نے کہا جو اسے قتل کر دے گا میں اس سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دوں گا داؤد علیہ الصلاۃ والسلام مقابلہ کے لئے نکلے طالوت نے اپنا گھوڑا اور ساز و سامان دیا تھوڑی

دور چل کر داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس آئے اور کہا اگر اللہ میری مدد نہ کرے تو یہ ساز و سامان کچھ کام نہیں آسکتا، میں اپنی اسی بے سامانی سے لڑوں گا، پھر داؤد اپنا تھیلا اور گوپھن لے کر میدان میں آئے جالوت نے کہا تو مجھ سے اس پتھر سے لڑنے آیا ہے جیسے کوئی کتے کو مارتا ہے، داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا تو کتے سے بھی زیادہ شریر اور خبیث ہے، جالوت غضبناک ہو کر بولا کہ میں یقیناً تیرا گوشت زمین کے درندوں اور آسمان کے پرندوں میں تقسیم کر دوں گا حضرت داؤد نے جواب دیا اللہ تیرا ہی گوشت بانٹے گا پتھر نکالا اور کہا بسم اللّٰہ اِلٰہ ابراھیم، اور گوپھن میں رکھا پھر دوسرا پتھر نکالا اور کہا بسم اللّٰہ اِلٰہ اسحق اس کو بھی گوپھن میں رکھا اس کے بعد تیسرا پتھر نکالا اور کہا بسم اللّٰہ الٰہ یعقوب اس کو بھی گوپھن میں رکھا، پھر گوپھن گھما کر مارا ایک پتھر جالوت کے مغز پر لگا جس کی وجہ سے اس کا بھیجا نکل پڑا تیس آدمی اس کے ساتھ اور ہلاک ہوئے۔

حاصل یہ کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جالوت کا سر کاٹا اور اس کی انگلی سے انگوٹھی نکالی اور طالوت کے سامنے پیش کی مؤمنین خوشی کے ساتھ فتحیاب ہو کر واپس ہوئے طالوت نے اپنی لڑکی کا نکاح داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کر دیا، حق تعالیٰ نے بعد میں داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلافت اور نبوت عطا فرمائی۔ (فتح القدیر شوکانی ملخصًا، فوائد عثمانی خلاصۃ التفاسیر للتائب)

بحمد اللہ تم

تِلْكَ مبتدأ الرُّسُلُ صفة و الخبر فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ بتخصيصه بمنقبة ليست لغيره مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ كموسى وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ اى محمدًا صلى الله عليه وسلم دَرَجَاتٍ على غيره بعموم الدعوة وختم النبوة و تفضيل امته على سائر الامم والمعجزات المتكاثرة والخصائص العديدة وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ قويناه بِرُوحِ الْقُدُسِ جبرئيل يسير معه حيث سار وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ هدى الناس جميعًا مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ بعد الرسل اى اممهم مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ لاختلافهم و تضليل بعضهم بعضا وَلَٰكِنِ اخْتَلَفُوا لمشيئة ذلك فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ ثبت على ايمانه وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ كالنصارى بعد المسيح وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا تاكيد وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۲۵۳﴾ من توفيق من شاء وخذلان من شاء.

ترجمہ: یہ حضرات مرسلین (کی جماعت) ایسی ہے کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت بخشی۔ تِلْكَ موصوف، الرُّسُلُ صفت، موصوف با صفت مبتداء، فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ اس کی خبر، ان میں سے بعض کو ایسی منقبت کے ساتھ خاص کر کے کہ جو دوسروں کو حاصل نہیں تھی، ان میں بعض ایسے ہیں کہ اللہ (بلا واسطہ) ان سے ہم کلام ہوا جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان میں سے بعض یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بدرجہا دوسروں پر فوقیت بخشی (جن وانس کے لیے آپ کی) دعوت کے عام ہونے کی وجہ سے اور آپ پر (سلسلۂ) نبوت کے ختم ہونے کی وجہ سے اور آپ کی امت کو دیگر تمام امتوں پر فضیلت دینے کی وجہ سے، اور معجزات کثیرہ کی وجہ سے اور (دیگر) متعدد خصوصیات کی وجہ سے، اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلے معجزات عطا کئے، اور ہم نے اس کو روح القدس (یعنی جبرئیل) کے ذریعہ تقویت دی، کہ (جبرئیل) ان کے ساتھ چلتے تھے جہاں وہ جاتے تھے، اگر اللہ کو تمام لوگوں کی ہدایت منظور ہوتی تو وہ لوگ جو رسولوں کے بعد ہوئے یعنی ان کی امتیں، ان کے اختلاف اور بعض کے بعض کو گمراہ قرار دینے کی وجہ سے، باہم قتل وقتال نہ کرتے، بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل پہنچ چکے تھے، لیکن وہ لوگ مشیت الٰہی کے سبب سے باہم مختلف ہوئے، سو ان میں سے بعض ایمان لائے یعنی اپنے ایمان پر قائم رہے، اور بعضے کافر ہوئے جیسا کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نصاریٰ، اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ باہم اختلاف نہ کرتے یہ (ماقبل کی) تاکید ہے لیکن اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے (خیر کی) توفیق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رسوا کرتا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ اگر تِلْكَ کا مشار الیہ جماعت انبیاء مذکورین ہیں جو اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ میں یا پوری سورت میں مذکور ہوئے ہیں تو ''الرُّسُلُ'' پر الف لام عہد کا ہوگا۔ اور اگر جمیع انبیاء مراد ہیں تو الف

لام استغراق کا ہوگا۔

سَوَالْ: تِلْكَ. اسم اشارہ بعید کا استعمال کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جَوَابْ: یا تو بُعدِ زمانی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے یا پھر عنداللہ عُلوِ مراتب کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

قَوْلُہٗ: صفةٌ مفسر علام نے "اَلرُّسُلُ" کو "تلك" کی صفت قرار دیا ہے اور موصوف صفت سے مل کر مبتداء ہے "الرسل" سے عطف بیان اور بدل بھی ہوسکتا ہے اس لیے کہ مشار الیہ پر جب الف لام داخل ہوتا ہے تو اس کا صفت اور عطف بیان اور بدل تینوں واقع ہونا درست ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ. تِلْكَ، مبتداء کی خبر ہے۔جیسا کہ مفسر علام نے فرمایا ہے۔

سَوَالْ: اَلرُّسُلُ کو خبر اول اور فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کو خبر ثانی قرار دینے کی میں کیا قباحت ہے؟

جَوَابْ: خبر میں اصل چونکہ تنکیر ہے اور اَلرُّسُلُ، معرفہ ہے اس لیے الرُّسُلُ کو خبر قرار نہیں دیا۔

سَوَالْ: دَرجات، کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابْ: یا تو مصدریۃ کی وجہ سے منصوب ہے اس لیے کہ درجات رفعةً کے معنیٰ میں ہے۔ای رَفَعَ رفعةً. یا رَفَعَ متعدی بالیٰ یا بعلی یا بفی تھا حرف جر کو حذف کردیا جس کی وجہ سے منصوب بنزع الخافض ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: بِمَنْقَبَةٍ، میم کے فتحہ کے ساتھ، ما یُفْخر به، (یعنی مفاخر ومحاسن)۔

قَوْلُہٗ: هَدَى النَّاس جميعًا. اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ، لَوْشاء فعل متعدی ہے اور مفعول اس کا محذوف ہے۔

سَوَالْ: ظاہر اور متبادر یہ ہے کہ مشيئة کا مفعول وہ ہوتا ہے جو جزاء سے مفہوم ومستفاد ہوتا ہے (کمافی کتب المعانی) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "لَوْشَآءَ اللّٰهُ لَهَدٰكُمْ" میں۔اس کی تقدیر "لَوْشَآءَ اللّٰهُ هِدَايَتَكُمْ لَهَدٰكُمْ" ہے مفعول کو جزاء سے مستفاد ہونے کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے، اور وہ "هدايتكم"، ہے اس قاعدہ کی روشنی میں تقدیر عبارت یہ ہونی چاہئے، "لَوْ شَآءَ اللّٰهُ عدمَ القتال مَا اقْتَتَلُوْا" مگر مفسر علام نے جزاء سے غیر مفہوم مفعول محذوف مانا ہے جو کہ هَدَى النَّاسَ جميعا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ مفسر علام مذکورہ قاعدہ سے اس جگہ متفق نہیں ہیں، اس میں کیا نکتہ ہے؟۔

نکتہ جواب: جزاء، جو کہ مَا اقْتَتَلَ ہے، سے جو مفعول مستفاد ہو رہا ہے وہ عدم القتال ہے، اور معدوم شئی سے مشیت اور ارادہ متعلق نہیں ہوتے بلکہ عدم کے لیے ارادۂ وجود کا عدمِ تعلق کافی ہوتا ہے اسی نکتہ کے پیش نظر مفسر علام نے جزاء سے مفہوم کے علاوہ مفعول محذوف مانا ہے۔

قَوْلُہٗ: بَعْدَ الرُّسُلِ، اس اضافہ کا مقصد، هُمْ، ضمیر کے مرجع کی وضاحت ہے۔

قَوْلُہٗ: ای اممهم یہ اَلَّذِين کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنْ بعدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ، مِنْ بعدِهِمْ سے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاخْتِلَافِهِمْ، اس کا تعلق اِقْتَتَلَ سے ہے۔

قَوْلُہٗ: ثَبَتَ عَلٰی اِیْمَانِهٖ، آمَنَ کی تفسیر ثبت سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ایمان تو اختلاف سے قبل ہی موجود تھا۔ اختلاف کے بعد اس پر قائم رہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ، یہاں فن ابہام کا استعمال کیا گیا ہے، اس میں اشارہ جامع کمالات اور خاتم نبوت محمد ﷺ کی طرف ہے، شہرت اور تعین کی وجہ سے مبہم رکھا گیا ہے، الابهام ابلغ من الایضاح، زمخشری نے یہاں یہ نکتہ ادب و بلاغت خوب لکھا ہے کہ جہاں شناخت و تعین میں کوئی دقت نہ ہو وہاں کنایہ اور ابہام، صراحت و تفصیل سے بلیغ و مؤثر ہوتا ہے، سُئِلَ الحطیئة: مَنْ اَشْعر الناس؟ فذکر زهیرًا وَالنابغة، ثم قال: ولو شئت لذکرتُ الثالث، اَرادَ نفسَهُ، ولو صرّح بذلك لم یکن بهذه المثابةِ من الفخمیة. (اعراب القرآن للدرویش)

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

رابط:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ، وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ، آپ بھی مجملہ پیغمبروں کے ایک ہیں اس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید آپ کی نبوت بھی گذشتہ پیغمبروں کی طرح وقتی اور علاقائی ہو اور مدارج و مراتب بھی ان کے مثل ہوں، اس شبہ کو دور کرنے کے لیے آپ کی فضیلت کو بڑے شد و مد کے ساتھ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ، سے بیان فرمایا۔

انبیاء علیہم السلام میں باہم تفاضل:

جن انبیاء اور رسولوں کا ذکر قرآن میں ہوا ہے سب ایک مرتبہ کے نہ تھے اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ''تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ،'' ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی، قرآن میں سورۂ بنی اسرائیل میں بھی اسی مضمون کو ''وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ'' سے بیان فرمایا۔ اس لیے اس حقیقت میں تو کوئی شک نہیں کہ انبیاء میں بعض بعض سے افضل تھے، البتہ فَضَّلْنَا کی ضمیر متکلم قابل لحاظ ہے کہ یہ فضیلت اور افضلیت محض عنداللہ ہے خلق کے لیے بحیثیت مطاع سب یکساں ہیں، اطاعت اور تعظیم سب کی واجب ہے، اسی مفہوم کو ایک دوسری آیت جو اسی سورت کے آخر میں اسی پارہ میں ادا کرتی ہے ''لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ'' (ابن کثیر نے کہا ہے) لیس مقام التفضیل الیکم انما هو الی اللّٰه عز وجل وعلیکم الانقیاد والتسلیم له والایمان به. (ابن کثیر)

مدارج کے باب میں عوام کو بحث وگفتگو جائز نہیں، البتہ تقابل کے بغیر ان کے مقامات واحوال وواقعات وفضائل ذکر نے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سوال: نبی ﷺ نے فرمایا: "لا تخیرونی من بین الانبیاء" (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الاعراف، مسلم شریف کتاب الفضائل باب من فضائل موسیٰ) تم مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔ اس سے تفاضل کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

پہلا جواب: اس سے فضیلت سے انکار لازم نہیں آتا، بلکہ اس سے امت کو انبیاء علیہم السلام کی بابت ادب واحترام سکھایا گیا ہے کہ تمہیں چونکہ تمام باتوں اور ان امتیازات کا جن کی بنا پر انھیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے پورا علم نہیں ہے، اس لیے تم میری فضیلت بھی اس طرح بیان نہ کرنا کہ اس سے دوسرے انبیاء کی کسرِ شان ہو، ورنہ بعض انبیاء کی بعض پر اور تمام انبیاء پر نبی ﷺ کی فضیلت اور اشرفیت مسلّم اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے جو نصوصِ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

دوسرا جواب: فضل جزئی سے فضل کلی لازم نہیں آتا مثلاً سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملک میں، ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صبر میں، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حسن میں، عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تائید روح القدس میں، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلام میں، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلت میں فضیلت حاصل ہے، مگر بعض وہ ہیں کہ جن کو فضل کلی اور رفعت کامل حاصل ہے اور یہ مقامِ خاص ہمارے حضور ﷺ کے لیے ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ چند اصحاب آپس میں گفتگو کر رہے تھے ایک نے کہا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خلیل اللہ ہیں دوسرے نے کہا، آدم صفی اللہ ہیں، تیسرے نے کہا عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، بعض نے کہا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کلیم اللہ ہیں، اچانک آپ ﷺ تشریف لائے، اور فرمایا میں نے تمہاری گفتگو سنی بے شک یہ حضرات ایسے ہی تھے "الا وانا حبیب اللّٰہ ولا فخر" میں اللہ کا محبوب ہوں اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا۔ (مظهری، بحواله خلاصة التفاسير ملخصًا)

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصوصیت سے ذکر کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: اس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت اور یہود کی تردید ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی نہیں مانتے بلکہ آپ کی شان میں ناشائستہ کلمات کہتے ہیں۔

سوال: قرآن میں بہت سے انبیاء کا ذکر ہے مگر کسی کا فلاں ابن فلاں کہہ کر ذکر نہیں ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر عیسیٰ ابن مریم سے کیا ہے اس میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: اس میں نصاریٰ کے عقیدہ کی تردید ہے کہ عیسیٰ نہ خود اللہ ہیں اور نہ ابن اللہ بلکہ عیسیٰ ابن مریم ہیں جس طرح دیگر انسان اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں عیسیٰ بھی مریم عذراء کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

خلاصہ تفسیر:

خلاصہ یہ ہے کہ رسولوں کے ذریعہ علم حاصل ہو جانے کے بعد جو اختلافات لوگوں کے درمیان رونما ہوئے اور اختلاف سے بڑھ کر لڑائیوں تک نوبتیں پہنچیں، تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ معاذ اللہ خدا بے بس تھا اور اس کے پاس ان اختلافات اور لڑائیوں کو روکنے کی طاقت نہیں تھی۔ اگر وہ چاہتا تو کسی کی مجال نہ تھی کہ انبیاء کی دعوت سے سرتابی کرسکتا، اور کفر و بغاوت کی راہ چل سکتا، اور اس کی زمین میں فساد برپا کرسکتا، مگر اس کی مشیت یہ تھی ہی نہیں کہ انسانوں سے ارادہ کی آزادی چھین لے اور انھیں ایک خاص روش پر چلنے کے لیے مجبور کردے، اس نے انھیں امتحان کی غرض سے زمین پر پیدا کیا تھا، اس لیے اس نے ان کو اعتقاد و عمل کی راہوں میں انتخاب کی آزادی عطا کی اور انبیاء کو لوگوں پر کوتوال بنا کر نہیں بھیجا کہ زبردستی انھیں ایمان و طاعت کی طرف کھینچ لائیں، بلکہ اس لیے بھیجا کہ دلائل و بینات سے لوگوں کو راستی کی طرف بلانے کی کوشش کریں، پس جس قدر اختلافات اور لڑائیوں کے ہنگامے ہوئے وہ سب اس وجہ سے ہوئے کہ اللہ نے لوگوں کو ارادے کی جو آزادی عطاء کی تھی اس سے کام لے کر لوگوں نے یہ مختلف راہیں اختیار کیں نہ اس وجہ سے کہ اللہ ان کو راستی پر چلانا چاہتا تھا مگر معاذ اللہ اسے کامیابی نہیں ہوئی جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ زكوته **مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ** فداءٌ **فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ** صداقةٌ تنفع **وَّلَا شَفَاعَةٌ** بغير اِذنِه وهو يَوْمُ القِيمة وَ فِيْ قِراءةٍ بِرَفعِ الثَّلاثة **وَالْكٰفِرُوْنَ** بالله او بما فرضَ عليهم **هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۲۵۴﴾ لِوَضعِهِمْ اَمرَ اللهِ تعالىٰ فى غيرِ محلّه **اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ** اى لا معبودَ بحقٍ فِي الْوُجُودِ **اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ** الدائمُ البقاءِ **الْقَيُّوْمُ** المبالِغُ فِي القيامِ بتدبيرِ خلقِه **لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** مُلكًا و خلقًا و عبيدًا **مَنْ ذَا الَّذِيْ** اى لا احدَ **يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ** لَهٗ فيها **يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ** اى الخلقِ **وَمَا خَلْفَهُمْ** اى اَمرَ الدنيا والاخرةِ **وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ** لا يَعلَمُونَ شيئًا مِن معلوماتِه **اِلَّا بِمَا شَآءَ** اَنْ يعلمهم به منها باخبار الرسل **وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ** قيلَ احاطَ عِلمُهُ بهما و قيلَ مُلكُهُ و قيلَ الكُرسيُّ بعينِه مُشتَمِلٌ عليهما لِعَظمتِه لِحديثِ ما السمٰوتُ السَّبعُ فِي الكُرسيِّ اِلَّا كدراهمَ سَبعةٍ اُلقِيَتْ فِيْ تُرسٍ **وَلَا يَـُٔوْدُهٗ** يُثقِلُهُ **حِفْظُهُمَا** اى السمواتِ والارضِ **وَهُوَ الْعَلِيُّ** فوقَ خلقِه بالقهرِ **الْعَظِيْمُ** ﴿۲۵۵﴾ الكبير **لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ** على الدُّخُولِ فيهِ **قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ** اى ظهرَ بالاٰياتِ البيّناتِ اَنَّ الايمانَ رُشدٌ والكفرَ غَيٌّ نزلتْ فيمَن كانَ لَهُ مِنَ الانصارِ اَولادٌ اَرادَ اَن يُكرِهَهُم على الاِسلامِ **فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ** الشيطانِ اَوِ الاصنامِ وهو يُطلَقُ علَى المُفرَدِ والجمعِ **وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ** تمسّكَ **بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى**

بالعقد المحکم **لَا انْفِصَامَ** انقطاع **لَهَا وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ** لما یقال **عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾** بما یفعل **اَللّٰهُ وَلِیُّ** ناصر **الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ** الکفر **اِلَى النُّوْرِ** الایمان **وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ** ذکر الاخراج امّا فی مقابلۃ قوله یُخرِجُهُم من الظُّلُمات او فی کل من اٰمن بالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم قبل بعثته من الیهود ثم کفر به **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾**

ع ۳۴

ترجمہ: اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو (یعنی) اس کی زکوٰۃ ادا کرو، قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی، اور نہ نفع بخش دوستی اور نہ اس کی اجازت کے بغیر شفاعت، اور وہ قیامت کا دن ہے، اور ایک قراءت میں تینوں یعنی بَیْعٌ، خُلَّةٌ، شَفَاعَةٌ، کے رفع کے ساتھ ہے اور اللہ کے منکر یا ان (احکام) کے منکر جو ان پر فرض کیے ہیں، ہی تو ظالم ہیں ان کے اللہ کے حکم کو غیر محل میں رکھنے کی وجہ سے اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے کہ اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں جو (تمام کائنات) کو سنبھالے ہوئے ہے، قیوم وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق کے قیام کی تدبیر میں مبالغہ کرنے والا ہے، نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ وہ سوتا ہے، زمین وآسمان میں جو کچھ ہے بادشاہت کے اعتبار سے اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے اور مملوک ہونے کے اعتبار سے سب اسی کا ہے کون ہے جو اس کے حضور میں شفاعت کے لیے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ یعنی کوئی نہیں ہے جو کچھ مخلوق کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور دنیا وآخرت کی جو بات ان سے اوجھل ہے (اس سے بھی واقف ہے) اور وہ اس کے معلومات میں سے کسی چیز کا بھی (علمی) احاطہ نہیں کر سکتے یعنی اس کی معلومات میں کسی کا ادراک نہیں کر سکتے سوائے اس چیز کے کہ جس کو وہ ان میں سے اپنے رسولوں کو خبر دے کر بتانا چاہے اس کا حاکمانہ اقتدار آسمانوں اور زمین کا احاطہ کیے ہوئے ہے کہا گیا ہے کہ اس کے علم نے ان دونوں کا احاطہ کر رکھا ہے، کہا گیا ہے کہ اس کی بادشاہت نے احاطہ کر رکھا ہے اور کہا گیا ہے کہ بعینہ کرسی اپنی عظمت کی وجہ سے دونوں پر مشتمل ہے۔ اس حدیث کی رو سے: ساتوں آسمانوں کی حیثیت کرسی کے مقابلہ میں صرف ایسی ہے جیسے سات درہم ایک ڈھال میں ڈال دیئے گئے ہوں۔ اور اس پر زمین وآسمان کی نگرانی ذرا بھی گراں نہیں اور وہ عالی شان اور عظیم الشان ہے یعنی اپنی مخلوق پر قوت کے ذریعہ غالب ہے، دین میں داخلہ کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے، یعنی واضح آیات کے ذریعہ یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ ایمان ہدایت ہے اور کفر گمراہی ہے (مذکورہ آیت) اس انصاری کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس کے بچے تھے اس نے چاہا کہ بچوں کو اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کرے، اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے (طاغوت) شیطان یا اصنام ہیں (طاغوت) کا اطلاق مفرد اور جمع پر ہوتا ہے اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے عقد محکم کے ذریعہ ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں جو بات کہی جاتی ہے اللہ اس کا سننے والا، اور جو کام کیا جاتا ہے اس کا جاننے والا ہے اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لے آئے وہ ان کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لاتا ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے

حمایتی طاغوت ہیں وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، اخراج کا ذکر یا تو اس کے قول "یخرجهم مِنَ الظلمات" کے مقابلہ کے طور پر لایا گیا ہے یا ہر اس یہودی کے بارے میں جو آپ ﷺ کی بعثت سے قبل آپ ﷺ پر ایمان لایا تھا پھر آپ کا انکار کر دیا، یہی آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں یہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: زکوٰۃ، اس کلمہ سے اشارہ کر دیا کہ انفاق سے مراد انفاق واجب ہے اور آئندہ وعید اس کا قرینہ ہے اس لیے کہ غیر واجب پر وعید نہیں ہوا کرتی۔

قَوْلُہٗ: فِداء، فدیہ کو بیع سے تعبیر کیا ہے اس لیے کہ فداء۔ اشتراء النفس من الھلاکۃ کو کہتے ہیں، فدیہ وہ قیمت جو قیدی رہائی کے عوض ادا کرتا ہے، سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ نفس بیع خلاصی عن العذاب کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ فدیہ خلاصی کا فائدہ دیتا ہے۔

قَوْلُہٗ: تنفعُ، لفظ تنفعُ کا اضافہ کر کے بتا دیا کہ مطلق دوستی کی نفی نہیں ہے بلکہ نافع دوستی کی نفی ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذنہ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: شفاعت کی نفی علی سبیل الاستغراق کس طرح صحیح ہے؟ جب کہ احادیث سے انبیاء علیہم السلام کی شفاعت روز قیامت ثابت ہے۔

جَوَابٌ: یہاں اگرچہ مطلق شفاعت کی نفی ہے مگر دوسری آیت نے اس مطلق کو مقید کر دیا ہے، آیت یہ ہے، "اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا"، وفی قراءۃ برفع الثلاثۃ، تینوں میں لائے نفی جنس کا اسم ہونے کی وجہ سے اصل فتحہ ہے، جیسا کہ ابن کثیر اور ابوعمرو کی قراءت میں اصل کے مطابق فتحہ ہی ہے، مگر ان کے علاوہ کی قراءت میں رفع ہے، رفع کی وجہ یہ ہے کہ در اصل یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے اور سوال یہ ہے، "هَلْ فيهِ بَيْعٌ اَوْ خُلَّةٌ اَوْ شَفَاعَةٌ؟" جواب یہ ہے "لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ،" سوال و جواب میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے جواب کو بھی رفع دیدیا گیا، بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ لائے نفی جنس مکرر ہونے کی وجہ سے مہمل قرار دیدیا گیا اور بیعٌ مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، مگر یہاں ایک سوال ہوگا کہ بیعٌ، خُلَّةٌ، شَفَاعَةٌ نکرہ ہیں ان کا مبتداء بننا درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: نکرہ تحت النفی واقع ہونے کی وجہ سے اس کا مبتداء بننا صحیح ہو گیا۔ (اعراب القرآن للدرویش)

قَوْلُہٗ: "لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ" یہ صفات سلبیہ میں سے ہے، "سِنَةٌ" کا تعلق آنکھوں سے ہوتا ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کی نیند ہے اور نوم کا تعلق قلب سے ہوتا ہے یہ فترۃ طبعیہ ہے جو ہر حیوان پر جبراً طاری ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: لا معبود بحق الخ اس میں اشارہ ہے کہ "اِلٰهٌ" سے مراد معبود حقیقی ہے نہ کہ مطلق معبود اس لیے کہ معبود مطلق غیر حقیقی کثیر ہیں، ورنہ مطلق معبود کی نفی سے کذب باری لازم آئے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے وراء الوراء ہے " تعالی اللّٰه عن

ذالك علوًا كبيرًا"، مگر اس صورت میں یہ سوال ہوگا کہ جب اِلٰـهٌ سے مراد معبود حقیقی ہے جو کہ واحد ہے تو پھر اس سے اِلَّاهو، کے ذریعہ استثناء درست نہ ہوگا اس لیے کہ یہ استثناء الشئ عن نفسہ ہوگا۔

جَوَابٌ: معبود بالحق کا مفہوم چونکہ کلی ہے لہٰذا اس سے تصور میں مستثنیٰ منہ کے متعدد ہونے کی وجہ سے استثناء درست ہوگا۔

قَوْلُهُ: فی الوجود اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لا کی خبر محذوف ہے اور وہ فی الوجود ہے۔

قَوْلُهُ: مُلكا و خَلقا الخ اس سے اشارہ کر دیا کہ "لَهُ"، کا لام نفع کے لیے نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء سے نفع کا محتاج نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: فيها اى فى الشفاعة.

قَوْلُهُ: مِن معلوماته، اس میں اشارہ ہے کہ علم سے مراد معلومات ہیں اس لیے کہ علم صفت بسیط ہے جس میں تجزی نہیں ہو سکتی ہے البتہ معلومات میں تجزی ہو سکتی ہے۔

قَوْلُهُ: تُرس، بالضم، ڈھال۔

قَوْلُهُ: تَمَسَّكَ، اِسْتَمْسَكَ کی تفسیر تمسَّكَ سے کرکے اشارہ کر دیا کہ استمسكَ میں سین زائدہ ہے۔

قَوْلُهُ: ذكر الاخراج الخ مفسر علام کا مقصد اس اضافہ سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ کفار تو روشنی میں تھے ہی نہیں پھر ان کو روشنی سے تاریکی کی طرف نکالنے کا کیا مطلب ہے؟ مفسر علام نے اس کے دو جواب دیئے ہیں اول یہ کہ بطور مقابلہ اخراج کا ذکر کیا ہے یعنی مومنین کے لیے چونکہ اخراج کا لفظ استعمال کیا ہے تو کفار کے لیے بھی اخراج کا لفظ استعمال کیا ہے اس کو بلاغت کی اصطلاح میں صفت مقابلہ کہتے ہیں، یہ اطبخوا لى جبة و قيمصًا کے قبیل سے ہے، دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی کتابوں کی بشارت کی روشنی میں آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے مگر آپ کی بعثت کے بعد وہ ضد کی وجہ سے اس سے پھر گئے گویا کہ روشنی سے تاریکی میں چلے گئے۔

قَوْلُهُ: اَلْخُلَّةُ، بضم الخاء: المودّة والصداقة (دوستی)۔

قَوْلُهُ: القَيُّومُ، قَائمٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے، مَنْ قَامَ بالامر، منتظم، مدبر، خود قائم رہنے والا، دوسروں کو قائم رکھنے والا، "قيّوم" اصل میں قَيْوُوْمٌ بروزن فَيْعُوْلٌ تھا، واؤ اور یاء جمع ہوئے پہلا ساکن واؤ کو یاء سے بدل دیا اور یاء کو یاء میں ادغام کر دیا، قیوم ہو گیا۔

قَوْلُهُ: السِّنَةُ سین کے کسرہ کے ساتھ، ما يتقدم من الفتور والاسترخاء مع بقاء الشعور، نیند سے پہلے کی غفلت جس میں شعور و احساس باقی رہتے ہیں، اسی کو نعاس کہتے ہیں یہ نوم الانبیاء کہلاتی ہے۔

قَوْلُهُ: الكرسى، معروف ہے، اس میں یاء نسبتی نہیں اصلی ہے عرفِ دارجہ میں، ما يجلسُ عليه کو کہتے ہیں اس کے اصل معنی بعض شئ کو بعض کے ساتھ ترکیب دینا ہیں اسی سے کراستہ ہے اس لیے کہ اس میں بھی بعض اوراق کو بعض کے ساتھ ملا کر ترکیب دی جاتی ہے بولا جاتا ہے تكَرَّسَ فلان الحطبَ فلاں نے لکڑیاں جمع کیں۔

قَوْلُہٗ: یَؤُدُہٗ، اَدَ. یَؤُدُ اَوْدًا (ن) سے مضارع واحد مذکر غائب بار ڈالنا، بوجھل کرنا، تھکانا۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

"وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ" اس آیت میں استعارہ تصریحیہ ہے، استعارہ مصرحہ وہ استعارہ ہے جس میں لفظ مستعار منہ (مشبہ بہ) صراحت کے ساتھ مذکور ہو جیسے۔ ؎:

فَاَمْطَرَتْ لُؤْلُؤًا مِنْ نَرْجِسٍ وَسَقَتْ وَرْدًا وَعَضَّتْ عَلَى الْعُنَّابِ بِالْبَرَدِ

معشوقہ نے نرگس سے موتی برسائے، گلاب کو سیراب کیا اور عناب کو اولوں سے کاٹا، اس میں موتی، نرگس، عناب، اولے مستعار منہ (مشبہ بہ) ہیں جو صراحۃ مذکور ہیں اور اسی ترتیب سے، آنسو، آنکھ، گال، انگلیوں کے پورے اور دانت مستعار لہ (مشبہ) ہیں جو مذکور نہیں ہیں، اردو کا یہ شعر بھی استعارہ مصرحہ کی مثال ہے! ؎:

ربط رہنے لگا اس شمع کو پروانوں سے آشنائی کا کیا حوصلہ بیگانوں سے

اس شعر میں شمع اور پروانے مستعار منہ (مشبہ بہ) ہیں جو صراحۃ مذکور ہیں اور عاشق و معشوق مستعار لہ (مشبہ) ہیں جو صراحۃ مذکور نہیں۔

اس آیت میں وَسِعَ كُرْسِيُّهُ الخ، اللہ کے علم وقدرت سے مجاز ہیں، یہ کلمہ مستعار منہ (مشبہ بہ) ہے جو صراحۃ مذکور ہے اور مشبہ جو کہ علم، قدرت، عظمت ہے محذوف ہے، العروۃ، کڑا حلقہ، قبضہ و دستہ، (ج) عُرًی، الوثقی بروزن فُعْلیٰ اسم تفضیل اَوْثق کا مؤنث ہے (ج) وُثُق.

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى، اس میں استعارہ تصریحیہ تمثیلیہ ہے، اس میں دین اسلام کو عروۂ وثقیٰ (مضبوط حلقہ) سے تشبیہ دی گئی ہے دین اسلام مستعار لہ (مشبہ) ہے اور عروۃ الوثقیٰ مستعار منہ ہے مشبہ محذوف اور مشبہ بہ مذکور ہے، اسی طرح دین اسلام کو اختیار کرنے والے کو مضبوط حلقہ پکڑنے والے سے تشبیہ دی ہے۔ ظلمات کو ضلال کے لیے اور نور کو ہدایت کے لیے مستعار لینا بھی استعارہ تصریحیہ ہے۔

سُؤال: ظلمات کو جمع اور نور کو مفرد لانے میں کیا مصلحت ہے؟

جَواب: نور سے مراد حق ہے جو کہ ایک ہی ہے اور ظلمات سے مراد باطل ہے جو کہ متعدد شکلوں میں ہوتا ہے اس لیے نور کو واحد اور ظلمات کو جمع لائے ہیں۔

تفسیر وتشریح

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ (الآیۃ) مراد راہ خدا میں خرچ کرنا ہے، ارشاد ہو رہا ہے کہ جن لوگوں نے ایمان کی راہ اختیار کی ہے انھیں اس مقصد کے لیے جس پر وہ ایمان لائے ہیں مالی قربانی برداشت کرنی چاہیے، بعض حضرات نے

انفاق سے یہاں واجب مالی مراد لیا ہے مگر حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے روح المعانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ انفاق واجب اور غیر واجب دونوں کو شامل ہے بعد میں آنے والی وعید کا اس سے تعلق نہیں ہے بلکہ وہ مستقل یوم قیامت کی ہولناکی کا بیان ہے۔

وَالْکٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ: یہاں کافروں سے یا تو وہ لوگ مراد ہیں جو خدا کے حکم کی اطاعت کے منکر ہوں اور اپنے مال کو اس کی خوشنودی سے عزیز تر رکھیں، یا وہ لوگ مراد ہیں جو اس دن پر اعتقاد نہ رکھتے ہوں جس کے آنے کا خوف دلایا ہے یا پھر وہ لوگ مراد ہیں جو اس خیال خام میں مبتلا ہوں کہ آخرت میں انہیں کسی نہ کسی طرح نجات خرید لینے کا اور دوستی و سفارش سے کام نکال لے جانے کا موقع حاصل ہو ہی جائے گا۔

یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین اپنے اپنے پیشواؤں یعنی نبیوں، ولیوں، بزرگوں، پیروں، مرشدوں وغیرہ کے بارے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ پر ان کا اتنا اثر ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے دباؤ سے اپنے پیروکاروں کے بارے میں جو بات چاہیں اللہ سے منوا سکتے ہیں اور منوا لیتے ہیں، اسی کو وہ شفاعت کہتے تھے، یعنی ان کا عقیدہ تقریباً وہی تھا جو آج کل کے جاہلوں کا ہے کہ ہمارے بزرگ اللہ کے پاس اڑ کر بیٹھ جائیں گے اور بخشوا کر اٹھیں گے، اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے یہاں ایسی کسی شفاعت کا وجود نہیں، پھر اس کے بعد آیت الکرسی اور دوسری متعدد آیات و احادیث میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے یہاں ایک دوسری قسم کی شفاعت بے شک ہوگی مگر یہ شفاعت وہی لوگ کر سکیں گے جنہیں اللہ اجازت دیگا، اور صرف اس بندے کے بارے میں کر سکیں گے جس کے لیے اللہ اجازت دے گا، اور اللہ صرف اور صرف اہل توحید کے بارے میں اجازت دے گا یہ شفاعت فرشتے بھی کریں گے اور انبیاء و رسل بھی اور شہداء و صالحین بھی، مگر اللہ پر ان میں سے کسی شخصیت کا کوئی دباؤ نہ ہوگا بلکہ اس کے برعکس یہ لوگ بھی اللہ کے خوف سے اس قدر ترساں اور لرزاں ہوں گے کہ ان کے چہروں کا رنگ فق ہوگا "وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ". (الانبیاء)

آیت الکرسی کی فضیلت:

آیت الکرسی کی بڑی فضیلت صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے اس کی برکتوں اور فضیلتوں سے شاید ہی کوئی مسلمان ناواقف ہو، اس کی جامعیت اور معنویت بھی اتنی نمایاں ہے کہ اپنے تو خیر اپنے ہیں بیگانے (جیسے سیل مترجم قرآن مجید) اور معاندین (جیسے میور اور ہیری) نے بھی بے ساختہ اس کی داد دی ہے۔

یہ آیت قرآن کریم کی عظیم آیت ہے، مسند احمد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تمام آیات سے افضل فرمایا ہے اُبَی بن کعب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور ابوذر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے بھی اسی قسم کی روایت مروی ہے، حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ میں ایک آیت ہے جو تمام آیتوں کی سردار ہے وہ جس گھر میں پڑھی جائے شیطان اس سے نکل جاتا ہے۔

نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھا کرے تو اس کو جنت

میں داخل ہونے کے لیے بجز موت کے کوئی مانع نہیں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان ایک عجیب وغریب انداز میں کیا گیا ہے۔

آیت الکرسی میں اللہ کا نام اسم ظاہر اور ضمیر کے طور پر سترہ مرتبہ ذکر ہوا ہے۔

① اللّٰه ② هو ③ الحی ④ القیّوم ⑤ لاتاخذه کی ضمیر ⑥ له کی ضمیر ⑦ عنده کی ضمیر ⑧ باذنِهٖ کی ضمیر ⑨ یعلمُ کی ضمیر ⑩ علمهٗ کی ضمیر ⑪ شاء کی ضمیر ⑫ کرسِیُّهٗ کی ضمیر ⑬ یَئُوْدُهٗ کی ضمیر ⑭ وهو ⑮ العَلِیّ ⑯ العظیم ⑰ ضمیر مستتر جس پر مصدر حفظهما شامل ہے یہ مصدر مضاف الی المفعول ہے اور وہ ضمیر بارز ہے اس کے لیے فاعل ضروری ہے اور وہ اللہ ہے اور مصدر کے جدا ہونے کے وقت ظاہر ہوتا ہے، یقال، وَلا یَئُوْدُهٗ اَنْ یحفظهما هو.

یہ آیت، آیۃ الکرسی کے نام سے مشہور ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی ایسی مکمل معرفت بخشی گئی ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی، اسی بنا پر حدیث میں اس کو قرآن کی سب سے افضل آیت قرار دیا گیا ہے۔

اس آیت میں دس جملے ہیں:

❶ پہلا جملہ:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، اس میں لفظ اللہ اسم ذات ہے، یعنی وہ ذات جو تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس ذات کا بیان ہے کہ لائق عبادت اس ذات کے سوا کوئی نہیں۔

❷ دوسرا جملہ:

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ، وہ مستقلاً زندہ اور ازلی وابدی ہے صفتِ حیات اس کی جزء ذات ہے موت یا عدم نہ کبھی اس پر طاری ہوا اور نہ آئندہ کبھی طاری ہوگا، الحیّ فی نفسهٖ الذی لا یموت ابدًا. (ابن کثیر)

سُؤال: کیا دنیا میں کبھی کوئی ایسی قوم بھی گذری ہے کہ اس نے خدا کی صفت الحی القیوم میں شبہ یا انکار کیا ہو؟

جَوَاب: ایک نہیں متعدد قومیں بحر روم کے ساحل پر اس عقیدہ کی گذری ہیں کہ ہر سال فلاں تاریخ پر ان کا خدا وفات پا تا ہے اور دوسرے دن از سر نو وجود میں آتا ہے چنانچہ ہر سال اسی تاریخ کو خدا کی میت کا پتلا بنا کر جلایا جاتا تھا اور دوسرے دن اس کے جنم کی خوشی میں رنگ رلیاں شروع ہو جاتی تھیں۔

ہندوؤں کے یہاں اوتاروں کا مرنا اور پھر جنم لینا اسی عقیدہ کی مثالیں ہیں، اور خود مسیحیوں کا عقیدہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ خدا

پہلے تو انسانی شکل اختیار کر کے دنیا میں آتا ہے اور پھر صلیب پر جا کر موت قبول کر لیتا ہے۔

القیّوم، مسیحیوں نے جس طرح اللہ کی صفت حیات کے بارے میں ٹھوکر کھائی ہے اسی طرح صفت قیومیت کے متعلق بھی عجیب گمراہی میں پڑ گئے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ جس طرح بیٹا بغیر باپ کی شرکت کے خدا نہیں ہو سکتا اسی طرح باپ پر بھی بغیر بیٹے کی شرکت کے خدا کا اطلاق نہیں ہو سکتا، یعنی جس طرح نعوذ باللہ، مسیح ابن اللہ خدا کے محتاج ہیں اسی طرح باپ بھی اپنی خدائی کے اثبات میں مسیح کا محتاج ہے، صفت قیومیت کا اثبات کر کے قرآن نے اسی مسیحی عقیدہ پر ضرب لگائی ہے۔

قیوم: وہ ذات ہے جو صرف اپنی ذات سے قائم ہے بلکہ دوسروں کے قیام کا باعث ہے اور سب کو سنبھالے ہوئے ہے اس کے سب محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ (ماجدی)

بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ جس کو اسم اعظم کہا جاتا ہے وہ یہی **الحیّ القیّوم**، ہے۔ (قرطبی)

③ تیسرا جملہ:

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ہے، اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اونگھ اور نیند سے بری ہے سابقہ جملہ میں لفظ قیّوم سے معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان میں سمانے والی کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، تو کسی شخص کا اپنی جبلت اور فطرت کے مطابق اس طرف جانا ممکن ہے کہ جو ذات پاک اتنا بڑا کام کر رہی ہے اس کو کسی وقت تھکان بھی ہونا چاہیے، کچھ وقت آرام اور نیند کے لیے بھی ہونا چاہیے، اس دوسرے جملہ میں انسان کو اسی خیال پر متنبہ کر دیا کہ اللہ جل شانہ کو اپنے یا دوسری مخلوق پر قیاس نہ کرے وہ مثل و مثال سے بالاتر ہے، اس کی قدرتِ کاملہ کے لیے یہ سارے کام کچھ مشکل نہیں ہیں اور نہ اس کے لیے تھکان کا سبب ہیں اور اس کی ذات پاک تمام تاثرات اور تکان و تعب اور اونگھ، نیند سے بالاتر ہے۔

جاہلی مذہب کے دیوتا نیند سے جھوم بھی جاتے ہیں اور سونے بھی لگتے ہیں اور اسی غفلت کی حالت میں ان سے طرح طرح کی فروگذاشتیں ہو جاتی ہیں، مسیحیوں اور یہود کا بھی عقیدہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو بنا ڈالا تو ساتویں روز اس کو ستانے اور آرام کی ضرورت پیش آ گئی، اسلام کا خدا دائم بیدار، ہمہ خبردار، غفلت و سستی اور تھکن سے ماوراء خدا ہے۔

④ چوتھا جملہ:

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ہے، لَهٗ کا لام تملیک کے لیے ہے نہ کہ انتفاع کے لیے یعنی آسمانوں اور زمینوں کی سب چیزیں اس کی مملوک ہیں۔

۵ پانچویں جملہ:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ، ہے یعنی ایسا کوئی نہیں کہ اس کی اذن واجازت کے بغیر اس کے حضور شفاعت کے لیے لب کشائی کر سکے۔

مسیح کی شفاعت کبریٰ مسیحیوں کا ایک خصوصی عقیدہ ہے، قرآن مجید مسیحیوں کے مخصوص مرکزی عقائد کفارہ اور شفاعت وغیرہ پر ضرب کاری لگانا چاہتا ہے، مسیحیوں نے جہاں نجات کا دارومدار شفاعت پر رکھا ہے، وہیں اس کے برعکس بعض مشرک قوموں نے خدا کو قانون مکافات (کرم) یعنی عمل کے ضابطوں میں ایسا جکڑا ہوا سمجھ لیا ہے کہ اس کے لیے معافی اور اس کے یہاں شفاعت کی گنجائش ہی نہیں ہے، اسلام نے توسط اور اعتدال کی راہ اختیار کر کے بتایا کہ نجات کا مدار کسی شفاعت پر ہرگز نہیں، البتہ اللہ نے اس کی گنجائش رکھی ہے اور اپنی اجازت کے بعد مقبول بندوں کو شفاعت کا موقع دے گا اور قبول کرے گا اور سب سے بڑے شافع محشر رسول اللہ ﷺ ہیں، اسی آیت سے اہل سنت والجماعت نے شفاعت کا استنباط کیا ہے۔

۶ چھٹا جملہ ہے:

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ یعنی حاضر وغائب محسوس ومعقول، مدرک وغیر مدرک، سب کا علم اسے پورا پورا حاصل ہے اس کا علم تمام چیزوں کو یکساں محیط ہے۔

۷ ساتواں جملہ ہے:

"وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ" یعنی انسان بلکہ تمام مخلوق اللہ کے علم کے کسی حصہ کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر اللہ جتنا علم ان کو عطا کرے اتنا ہی علم ہو سکتا ہے اس کو تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم ہے یہ اللہ جلّ شانہ کی مخصوص صفت ہے اس میں کوئی مخلوق اس کی شریک نہیں۔

۸ آٹھواں جملہ:

وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ، لفظ کرسی بالعموم حکومت اور اقتدار کے لیے استعارہ کے طور پر بولا جاتا ہے اردو زبان میں بھی اکثر کرسی کا لفظ بول کر حاکمانہ اختیارات مراد لیتے ہیں، عرش وکرسی کی حقیقت وکیفیت کا ادراک انسانی عقل سے بالاتر ہے، البتہ مستند روایات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور کرسی بہت عظیم الشان جسم ہیں جو تمام زمین وآسمان سے

بدر جیسا بڑے ہیں، ابن کثیر نے ابوذر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ کرسی کیا اور کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی مثال کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں کوئی حلقۂ انگشتری ڈالدیا جائے۔

❾ نواں جملہ:

وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا، یعنی اللہ تعالیٰ کو ان دونوں عظیم مخلوقات آسمان وزمین کی حفاظت کچھ گراں نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس قادر مطلق کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ سب چیزیں نہایت آسان ہیں۔

❿ دسواں جملہ:

وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ، یعنی وہ عالی شان اور عظیم الشان ہے ان دس جملوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور اس کی توحید کا مضمون پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ آ گیا۔ (معارف القرآن، تفسیر ماجدی حذف واضافہ کے ساتھ)۔

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ، حصین انصاری نامی ایک شخص کے دولڑکے یہودی یا نصرانی ہو گئے تھے، پھر جب انصار مسلمان ہو گئے تو انہوں نے اپنی نوجوان اولاد کو بھی جو یہودی یا نصرانی ہو گئے تھے زبردستی مسلمان بنانا چاہا جس پر یہ آیت نازل ہوئی، شان نزول کے اعتبار سے مفسرین نے اسے اہل کتاب کے لیے خاص مانا ہے یعنی اسلامی مملکت میں رہنے والے اہل کتاب اگر وہ جزیہ ادا کرتے ہوں تو انھیں قبول اسلام کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا لیکن یہ آیت حکم کے اعتبار سے عام ہے یعنی کسی پر بھی قبول اسلام کے لیے جبر نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی دونوں کو واضح کر دیا ہے کہ ہر شخص اپنی مرضی سے چاہے اپنے کفر پر قائم رہے اور چاہے اسلام میں داخل ہو جائے، تاہم کفر وشرک کے خاتمے اور باطل کا زور توڑنے کے لیے جہاد ایک الگ اور جبر واکراہ سے مختلف چیز ہے، مقصد معاشرے سے اس قوت وطاقت کا زور توڑنا ہے جو اللہ کے دین پر عمل اور اس کی تبلیغ کی راہ میں روڑا بنا ہوا ہوتا ہے چونکہ روڑا بننے والی طاقتیں رہ رہ کر ابھرتی رہیں گی اس لیے جہاد کا حکم اور اس کی ضرورت بھی قیامت تک رہے گی جیسا کہ حدیث میں ہے، "الجھاد ماضٍ الی یوم القیامۃ"، جہاد قیامت تک جاری رہے گا اسی طرح سزائے ارتداد سے بھی اس آیت کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، کیونکہ ارتداد کی سزائے قتل سے مقصود جبر واکراہ نہیں ہے بلکہ اسلامی ریاست کی نظریاتی حیثیت کا تحفظ ہے، ایک اسلامی ملک میں ایک کافر کو اپنے کفر پر قائم رہنے کی اجازت تو ہو سکتی ہے لیکن ایک بار جب وہ اسلام میں داخل ہو جائے تو اس کو اس سے بغاوت اور انحراف کی اجازت نہیں دی جا سکتی لہٰذا وہ خوب سوچ سمجھ کر اسلام لائے کیونکہ اگر ارتداد کی اجازت دیدی جاتی تو نظریاتی اساس منہدم ہو سکتی تھی جس سے نظریاتی انتشار اور فکری انارکی پھیلتی ہے جو اسلامی معاشرہ کے امن کو اور ملک کے استحکام کو خطرے میں ڈال سکتی تھی اس لیے جس طرح انسانی حقوق کے نام پر قتل،

چوری، زنا، ڈاکہ وغیرہ جرائم کی اجازت نہیں دی جاسکتی اسی طرح آزادیٔ رائے کے نام پر ایک اسلامی مملکت میں نظریاتی بغاوت (ارتداد) کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی یہ جبر واکراہ نہیں ہے بلکہ مرتد کا قتل اسی طرح عین انصاف ہے جس طرح قتل وغارتگری اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزائیں دینا عین انصاف ہے ایک کا مقصد ملک کا نظریاتی تحفظ ہے اور دوسرے کا مقصد ملک کو شر وفساد سے بچانا ہے اور دونوں ہی مقصد ایک مملکت کے لیے ناگزیر ہیں، آج اکثر اسلامی ممالک ان دونوں مقاصد کو نظر انداز کرکے جن الجھنوں، دشواریوں اور پریشانیوں سے دوچار ہیں محتاج وضاحت نہیں۔

وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ: ''طاغوت'' لغت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جائے گا جو اپنی جائز حد سے تجاوز کر گیا ہو، قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کرکے خود آقائی اور خداوندی کا دم بھرنے لگے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے، خدا کے مقابلہ میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں، پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اصولاً خدا کی فرماں برداری ہی کو حق جانے مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اس کا نام فسق ہے دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری سے اصولاً منحرف ہوکر خود مختار ہوجائے، یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے یہ کفر ہے، تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہوکر اس کے ملک میں اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے، اس آخری مرتبہ پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام ''طاغوت'' ہے۔

وقف لازم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ جادَلَ **اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ** ای حَمَلَهُ بَطَرُهُ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ البَطَرِ وهو نُمْرُوْدُ **اِذْ** بَدَلٌ مِن حَاجَّ **قَالَ اِبْرٰهٖمُ** لَمَّا قَالَ لَهُ مَنْ رَبُّكَ الَّذِی تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ **رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ** ای یَخْلُقُ الْحَیَاةَ وَالْمَوْتَ فِی الْاَجْسَامِ **قَالَ** هُوَ **اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ** بِالقَتْلِ والعَفْوِ عَنْهُ وَدَعٰی بِرَجُلَیْنِ فَقَتَلَ اَحَدَهُمَا وَتَرَكَ الْاٰخَرَ فَلَمَّا رَاٰهُ غَبِیًّا **قَالَ اِبْرٰهٖمُ** مُنْتَقِلًا اِلٰی حُجَّةٍ اَوْضَحَ مِنْهَا **فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا** اَنْتَ **مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ** تَحَیَّرَ وَدَهِشَ **وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾** بِالكُفْرِ اِلٰی مَحَجَّةِ الْاِحْتِجَاجِ **اَوْ** رَاَیْتَ **كَالَّذِیْ** الكَافُ زَائِدَةٌ **مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ** هِیَ بَیْتُ الْمَقْدِسِ رَاكِبًا عَلٰی حِمَارٍ وَمَعَهُ سَلَّةُ تِیْنٍ وَقَدَحُ عَصِیْرٍ وهو عُزَیْرٌ علیه السلام **وَّهِیَ خَاوِیَةٌ** سَاقِطَةٌ **عَلٰی عُرُوْشِهَا** سُقُوْفِهَا لَمَّا خَرَّبَهَا بُخْتُ نَصَّرَ **قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا** اِسْتِعْظَامًا لِقُدْرَةِ اللّٰهِ تعالٰی **فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ** وَاَلْبَثَهُ **مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ** اَحْیَاهُ لِیُرِیَهُ كَیْفِیَّةَ ذٰلِكَ **قَالَ** تعالٰی لَهُ **كَمْ لَبِثْتَ** مَكَثْتَ هُنَا **قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ** لِاَنَّهُ نَامَ اَوَّلَ النَّهَارِ فَقُبِضَ وَاُحْیِیَ عِنْدَ الغُرُوْبِ فَظَنَّ اَنَّهُ یَوْمُ النَّوْمِ **قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ** التِّیْنِ **وَشَرَابِكَ** العَصِیْرِ **لَمْ یَتَسَنَّهْ** یَتَغَیَّرْ مَعَ طُوْلِ الزَّمَانِ وَالْهَاءُ قِیْلَ اَصْلٌ مِنْ سَانَهْتُ وَقِیْلَ لِلسَّكْتِ مِنْ سَانَیْتُ وفی قراءةٍ بِحَذْفِهَا **وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ** كَیْفَ هُوَ فَرَاٰهُ مَیِّتًا وَعِظَامُهُ بِیْضٌ تَلُوْحُ فَعَلْنَا ذٰلِكَ لِتَعْلَمَ **وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً** عَلَی البَعْثِ **لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ** مِنْ حِمَارِكَ **كَیْفَ نُنْشِزُهَا** نُحْیِیْهَا بِضَمِّ

النون وقُرِئَ بفتحِهَا مِنْ أَنشَرَ وَنَشَرَ لُغتَانِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِضَمِّهَا والزَّاي نُحَرِّكُهَا وَ نَرفَعُهَا **ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا** فَنظَرَ إِلَيْهَا وَقَدْ تَرَكَّبَتْ وَكُسِيَتْ لَحْمًا وَ نُفِخَ فِيهِ الرُّوحُ وَنَهَقَ **فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ** ذٰلِكَ بِالْمُشَاهَدَةِ **قَالَ أَعْلَمُ** عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ **أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ**⁽²⁵⁹⁾ وفي قراءةٍ اِعْلَمْ أمْرٌ مِنَ اللهِ لَهٗ **وَ** اذْكُرْ **إِذْ قَالَ إِبْرٰهٖمُ رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ** تعالى لَهٗ **أَوَلَمْ تُؤْمِنْ** بِقُدْرَتِي عَلَى الإحْيَاءِ سَأَلَهٗ مع عِلْمِه بِإيمَانِه بذٰلِكَ لِيُجِيبَ بِمَا قَالَ لَهٗ فَيَعْلَمُ السَّامِعُونَ غَرَضَهٗ **قَالَ بَلٰى** آمَنْتُ **وَلٰكِنْ** سَألْتُكَ **لِيَطْمَئِنَّ** يَسْكُنَ **قَلْبِيْ** بِالمُعَايَنَةِ المَضْمُومَةِ إلى الاِسْتِدْلالِ **قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ** بِكَسْرِ الصَّادِ وضَمِّهَا أمِلْهُنَّ إليكَ وَقَطِّعْهُنَّ واخْلِطْ لَحْمَهُنَّ وَ رِيشَهُنَّ **ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ** مِنْ جِبَالِ أرضِكَ **مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ** إليكَ **يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا** سَرِيعًا **وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ** لا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ **حَكِيْمٌ**⁽²⁶⁰⁾ في صُنعِه فَأخَذَ طَاوُسًا وَنَسْرًا وغُرَابًا ودِيكًا وفَعَلَ بِهِنَّ مَا ذُكِرَ وَأمْسَكَ رُءُوسَهُنَّ عِندَهٗ ودَعَاهُنَّ فَتَطَايَرَتِ الأجْزَاءُ إلَى بَعْضِهَا حتّٰى تَكَامَلَتْ ثُمَّ أقْبَلَتْ إلى رُءُوسِهَا.

ترجمہ: کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر نہیں کی جس نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے رب کے بارے میں مباحثہ کیا تھا؟ اس سبب سے کہ اللہ نے اس کو بادشاہت دے رکھی تھی، اللہ کی نعمتوں پر اترانے نے اس کو اس سرکشی (مباحثہ) پر آمادہ کیا تھا اور وہ نمرود تھا، اس وقت جبکہ ابراہیم نے اس کے اس قول کے جواب میں کہ تیرا رب کون ہے؟ جس کی طرف دعوت دیتا ہے؟ کہا تھا میرا رب تو وہی ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے یعنی موت و حیات کو جسموں میں پیدا کرتا ہے، وہ بولا زندگی اور موت تو قتل اور معافی کے ذریعہ میں (بھی) دیتا ہوں اور اس نے دو آدمیوں کو بلایا ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔ جب (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) اس کو بے وقوف پایا تو اس سے بھی زیادہ واضح حجت کی طرف انتقال کرتے ہوئے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ (اچھا) اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کر دکھا۔ اس پر وہ کافر دنگ رہ گیا (یعنی) حیران و ششدر رہ گیا، اللہ تعالیٰ کفر کے ذریعہ ظلم کرنے والوں کو راہِ استدلال نہیں دکھاتا، یا (پھر) کیا اس شخص (کے حال) پر نظر کی؟ کاف زائد ہے۔ جو ایک بستی پر کہ بستی وہ بیت المقدس تھی گدھے پر سوار ہو کر گزرا اور اس کے ساتھ انجیر کی ایک ٹوکری تھی اور انگور کے شیرے کا ایک پیالہ تھا، اور وہ عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور وہ بستی اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی، اسلئے کہ اس کو بخت نصر نے برباد کر دیا تھا۔ تو اس نے کہا اس بستی (والوں) کو ان کے مرنے کے بعد اللہ کس طرح زندہ کرے گا؟ (حضرت عزیر نے) یہ بات اللہ کی قدرت کو عظیم سمجھتے ہوئے (تعجب کے طور پر) کہی تو اللہ نے اس کو موت دیدی اور سو سال تک پڑا رکھا پھر اس کو زندہ کیا تا کہ اس کو احیاء کی کیفیت دکھائے، اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا تو (اس حالت میں) کتنی مدت پڑا رہا تو اس نے کہا ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہا ہوں گا اسلئے کہ وہ بوقت صبح سویا تھا تو اس کی روح قبض کر لی گئی اور

غروب کے وقت زندہ کیا گیا تو اس نے سمجھا کہ یہ غروب سونے کے دن ہی کا ہے۔ فرمایا (نہیں) بلکہ تو سو سال تک رہا اب تو اپنے انجیر کو اور مشروب انگور کے رس کو دیکھ کہ وہ طولِ زمان کے باوجود خراب نہیں ہوا، کہا گیا ہے کہ (یَتَسَنَّہ) میں (ھا) اصلی ہے، سَانَھْتُ سے مشتق ہے اور کہا گیا ہے کہ وقف کی ہے سَانَیْت سے ماخوذ ہے، اور ایک قراءت میں حذف ھا کے ساتھ ہے اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ کہ اس کی کیا حالت ہے تو اس کو مردہ دیکھا، اور اس کی ہڈیاں سفید چمکدار ہیں، ہم نے یہ اس وجہ سے کیا تا کہ تم کو (مشاہدہ) کے طور پر معلوم ہو جائے اور تا کہ ہم تجھکو لوگوں کے لئے بعث پر نشانی بنادیں اور تو اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم ان کو کس طرح زندہ کر کے اٹھاتے ہیں (نُنْشِزُھَا) نون کے ضمہ اور نون کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اَنْشَزَ اور نَشَزَ سے دو لغت ہیں اور ایک قراءت میں ضمہ نون اور زاء کے ساتھ ہے یعنی اس کو حرکت دیتے ہیں اور اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں تو (حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) ان ہڈیوں کو دیکھا دراں حالیکہ وہ جڑ گئیں اور ان پر گوشت چڑھا دیا گیا اور ان میں روح پھونک دی گئی، اور وہ بولنے لگا، پھر جب یہ سب کچھ مشاہدہ کے طور پر ظاہر ہو گیا تو (حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام) کہہ اٹھے کہ مجھے (مشاہدہ سے) علم یقینی حاصل ہو گیا، کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے اور ایک قراءت میں اِعْلَمْ بصیغۂ امر ہے (یعنی) اللہ کی جانب سے ان کو دیکھ کر علم مشاہدہ حاصل کرنے کا حکم ہوا، اور اس واقعہ کو یاد کرو کہ جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ ان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم کو میری قدرت علی الاحیاء پر یقین نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایمان کا علم تھا، تا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے سوال کا جواب دیں اور سامعین کو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوال کا مقصد معلوم ہو جائے، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا ایمان تو ہے مگر میں نے آپ سے سوال کیا تا کہ مشاہدہ مع استدلال سے میرے قلب کو سکون ہو جائے، فرمایا چار پرندلو ان کے ٹکڑے کر ڈالو پھر ان کو اپنی طرف ہلاؤ صاد کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ یعنی ان کو اپنی طرف مائل کرو اور ان کے ٹکڑے کر کے ان کے گوشت اور پروں کو خلط ملط کر دو پھر اپنے علاقہ کے ہر پہاڑ پر ان میں سے تھوڑا تھوڑا رکھ دو پھر ان کو اپنی طرف آواز دو وہ تیری طرف تیزی سے آئیں گے اور سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے، اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور اپنی صنعت میں حکمتوں والا ہے چنانچہ (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) ایک مور ایک کرگس ایک کوا ایک مرغا لیا اور ان کے ساتھ مذکورہ معاملہ کیا اور ان کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیا، پھر ان کو آواز دی تو بعض اجزاء بعض کی طرف اڑے حتیٰ کہ مکمل پرند ہو گئے پھر وہ اپنے سروں کی طرف متوجہ ہوئے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: جَادَلَ، حاجّ کی تفسیر جادَلَ سے کر کے بتادیا کہ حاجّ بمعنی غَلَبَ فی الحجۃ نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے فَحَجَّ آدمُ موسیٰ، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غالب آگئے۔ اسلئے کہ نمرود حجت میں ابراہیم پر غالب نہیں آیا تھا۔

قَوْلُہٗ: اَیْ حَمَلَهٗ الخ، اس میں اشارہ ہے کہ نمروذ کی حجت بازی کا سبب اعطاء ملک تھا، أنْ اتٰـهُ اللّٰهُ، الملكَ حذف لام کے ساتھ مفعول لِاَجلہ ہے ای لِاَ ن آتا ہ اللّٰہ الملك۔

قَوْلُہٗ: نُمرُوذُ، نـمرُوذُ بن کنعان، نُمرُوذ۔نون اور ذال معجمہ کے ضمہ کے ساتھ، (ترویح الارواح)، یہ ولد الزنا تھا سب سے پہلے تاج مکلل اپنے سر پر اسی نے رکھا تھا اور روئے زمین کا مالک ہوا نیز اس نے ربوبیت کا دعوی کیا، دنیا میں چار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جو روئے زمین کے مالک ہوئے ہیں ان میں سے دو مسلمان سلیمان وذوالقرنین علیہما السلام ہیں، اور دو کافر ہیں نمروذ و بخت نصر۔

قَوْلُہٗ: بَطَرہ، بَطَر کے معنی اترانے اور حد سے زیادہ بے جا فخر کرنے کے ہیں۔

قَوْلُہٗ: اِذ، بدل من حَاجَّ. یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: اِذ ظرفیہ کا فعل سے بدل واقع ہونا درست نہیں ہے؟

جَوَاب: حذف فعل مثل جـادَلَ یـا خَـاصَمَ سے بدل کل ہے اِذ ظرفیہ کی طرف بدلیت کی نسبت فعل کے قائم مقام ہونے کی وجہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ای یـخـلـق الـحـیاةَ والموتَ اس عبارت میں نمروذ کے اعتراض کے فاسد ہونے کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ یُحی وَیُمیت سے مطلب اجسام میں موت وحیات کو پیدا کرنا ہے جو کہ نمروذ سے ممکن نہیں تھا۔

قَوْلُہٗ: تَـحَیَّرَ ودَھِـشَ، بُهِـتَ، ان افعال میں سے ہے کہ جو مبنی للمفعول استعمال ہوتے ہیں مگر معنی میں مبنی للفاعل کے ہوتے ہیں، بُهِتَ، کی تفسیر تحَیَّرَ اور دَھِشَ، سے کرکے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: المحجة، میم کے فتحہ کے ساتھ، کشادہ راستہ۔

قَوْلُہٗ: منتقلاً اِلیٰ حجةٍ اوضح منها، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف انتقال دو وجہ سے ہوا کرتا ہے اول دلیل میں فساد ونقص ہو حالانکہ نبی سے یہ ممکن نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اگر دلیل میں کوئی ابہام ہو تو اس کو واضح نہ کر سکے اور یہ بھی درست نہیں۔

جَوَاب: یہ انتقال، مِنْ دَلیلٍ اِلیٰ دَلیلٍ آخر، نہیں ہے بلکہ دلیل خفی سے دلیل جلی کی طرف انتقال ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوْ رَاَیتَ کالَّذی، رَاَیتَ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: اَوْ کـالّذی کا عطف کـالّـذِیْ حَاجَّ پر درست نہیں ہے اسلئے کہ جو عامل معطوف علیہ کا ہوتا ہے وہی معطوف کا بھی ہوتا ہے معطوف علیہ کا عامل اِلیٰ، ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ کالّذِی کا عامل بھی، الیٰ ہو، حالانکہ کاف پر الیٰ کا دخول جائز نہیں ہے کاف خواہ اسمیہ ہو یا حرفیہ۔

جَوَاب: یہ عطف مفرد علی المفرد نہیں ہے بلکہ عطف جملہ علی الجملہ ہے اور کـالذی سے پہلے اَرَاَیـتَ محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بُخت نصّر، بُخت بمعنی ابن اور نصّر ایک بت کا نام ہے بُخت نصّر، کے معنی ہیں ابن الصنم اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب یہ پیدا ہوا تھا تو اس کی والدہ نے اس کو نصّر بت کے پاس ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے اس کا نام بُخت نصّر یعنی ابن الصنم مشہور ہو گیا۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: لَمْ یَتَسَنَّہ، ای لم یتغیّر (تفعُّل) سے مضارع واحد مذکر غائب، سالہا سال گزرنے کے باوجود خراب نہ ہوا، حمزہ اور کسائی نے ھاء کو ھاء سکتہ قرار دیتے ہوئے حالت وصل میں حذف ضروری قرار دیا ہے ان کے نزدیک اصل لفظ یَتَسَنَّ ہے جس کی اصل یَتَسَنّٰی تھی حالت جزم میں الف ساقط ہو کر یَتَسَنَّ ہو گیا، اس قول کے مطابق یہ سَنَۃٌ سے ماخوذ ہو گا، جس کی اصل سَنْوَۃ تھی۔ ابوعمرو نے کہا تَسَنّی (تفعل) کی اصل تَسَنُّنٌ تھی اور تَسَنُّنٌ کے معنی ہیں تغیّر۔ اسی مادہ سے حَمَاٍ مَّسْنُوْن ہے۔ بعض دیگر حضرات، ھاء کے اصل ہونے کے قائل ہیں جو کہ وقف اور وصل دونوں حالتوں میں باقی رہتی ہے اس قول پر بھی سَنَۃٌ سے ماخوذ ہو گا مگر سَنَۃ کی اصل سَنْھَۃٌ تھی اسلئے کہ اس کی تصغیر سُنَیْھَۃ آتی ہے۔

سَوَال: لم یَتَسَنَّہْ، کو مفرد لایا گیا ہے حالانکہ اس سے مراد طعام و شراب ہیں لہٰذا تثنیہ لانا چاہئے تھا۔

جَوَاب: طعام و شراب، بمنزلہ غذا، حکم میں مفرد کے ہیں اسلئے یَتَسَنَّہْ، کو مفرد لایا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فعلنا ذٰلکَ لِتَعْلَمَ.

سَوَال: وَلِنَجْعَلَکَ، میں واؤ کیسا ہے؟ اگر عاطفہ ہے تو اس کا معطوف علیہ کیا ہے؟ حالانکہ ماقبل میں کوئی معطوف علیہ ایسا نہیں کہ اس کا اس پر عطف درست ہو۔

جَوَاب: بعض حضرات نے واؤ کو استینافیہ کہا ہے اور لام محذوف کے متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَعَلْنَا ذٰلکَ لِنَجْعَلَکَ اٰیَۃً لِلنَّاسِ، لِنَجْعَلَکَ اصل میں لِاَنْ نَجْعَلَکَ ہے جار اپنے مصدر تاویلی مجرور سے مل کر فعل محذوف کے متعلق ہے۔

دُوسرا جَوَاب: جن حضرات نے واؤ عاطفہ مانا ہے تو انہوں نے فعل محذوف پر عطف کیا ہے جیسا کہ مفسر علام نے لِتَعْلَمَ معطوف علیہ مقدر مانا ہے اور وہ معطوف علیہ ایک دوسرے فعل مقدر سے جو کہ ماسبق سے مفہوم ہے، متعلق ہے۔ اور وہ فَعَلْنَا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَعَلْنَا ذٰلِکَ لِتَعْلَمَ قدرتنا علیٰ اِحیاءِ الموتیٰ۔

قَوْلُہٗ: نُنْشِرُھا، نون کے ضمہ اور راء مہملہ کے ساتھ انشار (افعال) سے جمع متکلم، ہم کس طرح زندہ کر کے اٹھاتے ہیں اور راء مہملہ کی صورت میں نون کے فتحہ کے ساتھ (ن) سے بھی پڑھا گیا ہے۔ اور ایک قراءت میں نون کے ضمہ اور زائے معجمہ کے ساتھ ہے ای نُحَرِّکُھَا و نرفعُھا، یعنی کس طرح حرکت دیتے ہیں اور اٹھاتے ہیں، مجازی معنی ہم کسطرح زندہ کرتے ہیں۔

حضرت عزیر علیہ الصلاۃ والسلام کو مشاہدۂ احیاء سے قبل علم استدلالی حاصل تھا اور مشاہدہ کے بعد علم المشاہدہ حاصل ہوا، لہٰذا دونوں باتیں صحیح ہیں۔

قَوْلُہٗ: فَیَعْلَمُ السَّامِعون، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے سوال کی وجہ عدم یقین اور عدم ایمان نہیں تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ

سامعین کو معلوم ہو جائے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوال کا مقصد اطمینان قلبی حاصل کرنا تھا نہ کہ نفس علم، تاکہ علم الوحی کے ساتھ علم المشاہدہ بلکہ مزید اطمینان کا سبب بنے، لہٰذا یہ وہم ختم ہو گیا کہ باوجود اس کے کہ اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایمان کا علم تھا تو پھر، اَوَلَمْ تُؤْمِنْ، کہہ کر اللہ تعالیٰ نے کیوں سوال کیا؟

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَاجَّ، یہ استفہام تعجبی ہے، ای اِعجَبْ یا محمد مِنْ هذه القصة اور اَنّٰی یُحییْ هذه اللّٰه بَعْدَ مَوْتِهَا، میں استفہام اظہار عظمت کے لئے ہے۔

فَصُرْهُنَّ، بضم الصاد و کسرها، صَارَ یَصُورُ یَاصَارَ یَصِیْرُ سے فعل امر ہے بمعنی ضَمّ او بمعنی مالِ، ملا، مائل کر، مانوس کر، اس کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا بھی ہیں اور بعض نے کہا ہے ضمہ کے ساتھ تو دونوں معنی میں مشترک ہے اور کسرہ کے ساتھ بمعنی قطع کرنا۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرَاهِیْمَ فِیْ رَبِّهٖ. اَلَمْ تَرَ، عربی ادب میں یہ اسلوب حیرت اور استعجاب کے موقع پر استعمال ہوتا ہے، اور اس میں پہلوئے ذم نمایاں ہے جب کبھی کسی کے کسی حیرت انگیز نقص یا عیب کی طرف توجہ دلانی ہوتی ہے تو اس کو اسی طریقہ پر شروع کرتے ہیں جیسے اردو میں کہتے ہیں: تم نے فلاں کی حرکت دیکھی؟ (تفسیر کبیر ملخصاً) رہی یہ بحث کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بحث و مباحثہ کرنے والا کون تھا؟ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی معاصر بادشاہ تھا، مفسرین نے اس کا نام نمروذ بتایا ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وطن عراق کا بادشاہ تھا، جس واقعہ کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے اس کا ذکر بائبل میں نہیں ہے اس لئے اہل کتاب اس واقعہ کو ماننے ہی میں تامل کرتے ہیں، البتہ تلمود میں یہ پورا واقعہ موجود ہے اور بڑی حد تک قرآن کے مطابق ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا باپ نمروذ کے یہاں سب سے بڑا عہدیدار تھا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب برملا شرک کی مخالفت اور توحید کی تبلیغ شروع کی اور بت خانہ میں گھس کر بتوں کو توڑ ڈالا تو ان کے باپ نے خود ان کا مقدمہ بادشاہ کے دربار میں پیش کیا اور پھر وہ گفتگو ہوئی جو یہاں بیان کی گئی ہے۔

مابہ النزاع کیا تھا؟

مابہ النزاع یہ بات تھی کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا رب کس کو مانتے ہیں اور یہ نزاع اس وجہ سے پیدا ہوا کہ جھگڑنے والے شخص کو خدا نے حکومت عطا کی تھی اس وجہ نزاع کی طرف، اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ، سے اشارہ کیا ہے اس کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل حقیقتوں پر نظر رہنی ضروری ہے۔

❶ قدیم ترین زمانے سے آجتک تمام مشرک سوسائٹیوں کی مشترکہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو رب الارباب خدائے خداوندگان کی حیثیت سے تو مانتے ہیں مگر صرف اسی کو رب اور تنہا اسی کو خدا اور معبود نہیں مانتے۔

❷ خدائی کو مشرکین نے ہمیشہ دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک فوق الفطری خدائی جو سلسلہ اسباب پر حکمراں ہے اور جس کی طرف انسان اپنی حاجت اور مشکلات میں دستگیری کے لئے رجوع کرتا ہے، اس خدائی میں وہ اللہ کے ساتھ ارواح، فرشتوں اور جنوں اور سیاروں اور دوسری بہت سی ہستیوں کو شریک ٹھہراتے ہیں ان سے دعائیں مانگتے ہیں ان کے سامنے مراسم پرستش بجالاتے ہیں اور ان کے آستانوں پر نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔

دوسری تمدنی اور سیاسی معاملات کی خدائی (یعنی حاکمیت) ہے اس دوسری قسم کی خدائی کو دنیا کے تمام مشرکوں نے قریب قریب ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ سے سلب کرکے شاہی خاندانوں اور مذہبی پروہتوں اور سوسائٹی کے اگلے پچھلے بڑوں میں تقسیم کردیا ہے۔ اکثر شاہی خاندان اسی دوسرے معنی میں خدائی کے مدعی ہوئے ہیں اور اسے مستحکم کرنے کیلئے انہوں نے بالعموم پہلے معنی والے خداؤں کی اولاد ہونیکا دعویٰ کیا ہے اور مذہبی طبقے اس معاملہ میں ان کے ساتھ شریک سازش رہے ہیں مثلاً جاپان کا شاہی خاندان اسی معنی کے اعتبار سے خود کو خدا کا اوتار کہتا ہے اور جاپانی ان کو خدا کا نمائندہ سمجھتے ہیں۔

❸ نمروذ کا دعوائے خدائی بھی اسی دوسری قسم کا تھا وہ خدا کے وجود کا منکر نہ تھا اس کا دعویٰ یہ نہ تھا کہ زمین وآسمان کا خالق اور پوری کائنات کا مدبر میں ہوں، بلکہ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ اس ملک عراق کا اور اس کے باشندوں کا حاکم مطلق میں ہوں میری زبان قانون ہے میرے اوپر کوئی بالاتر اقتدار نہیں ہے جس کے سامنے میں جواب دہ ہوں، اور عراق کا ہر وہ باشندہ باغی اور غدار ہے جو اس حیثیت سے مجھے اپنا رب نہ مانے یا میرے سوا کسی اور کو رب تسلیم کرے، نمروذ کو اس خداداد سلطنت کی وسعت ہی نے اتنا دلیر، سرکش اور برخود غلط بنا رکھا تھا کہ دعوائے خدائی کر بیٹھا روایات یہود میں یہاں تک تصریح ملتی ہے کہ اس نے اپنے لئے ایک عرش الٰہی بنا رکھا تھا جس پر بیٹھ کر اجلاس کرتا تھا (ملاحظہ ہو گینز ہوگ کی حکایات یہود)۔

❹ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب کہا کہ میں صرف ایک رب العالمین کو خدا، معبود، اور رب مانتا ہوں اور اس کے سوا سب کی خدائی اور ربوبیت کا منکر ہوں تو سوال صرف یہی نہیں پیدا ہوا کہ قومی مذہب اور مذہبی معبودوں کے بارے میں ان کا یہ نیا عقیدہ کہاں تک قابل برداشت ہے بلکہ یہ سوال بھی اٹھ کھڑا ہوا کہ قومی ریاست اور اس کے مرکزی اقتدار پر اس عقیدے کی جو زد پڑی ہے اسے کیونکر نظر انداز کیا جاسکتا ہے یہی وجہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جرم بغاوت کے الزام میں نمروذ کے سامنے پیش کئے گئے۔

نمروذ نے داعی توحید (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو چیلنج دے کر پوچھا کہ وہ کونسا خدا ہے کہ جس کی طرف تم دعوت دے رہے ہو ذرا میں بھی تو اس کے اوصاف سنوں، تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ" یعنی حیات وموت کی ساری قوتیں اسی کے ہاتھ میں ہیں، وہ سارے نظام وربوبیت کا سرچشمہ ہے کائنات حیاتی کی فنا اور بقا کے سارے قانون اور ضابطے آخر میں اسی پر جاکر ٹھہرتے ہیں۔ کسی بندے میں یہ طاقت نہیں کہ اس نظام حیاتی کو بدل سکے اس میں کوئی ادنیٰ تصرف کر

دکھائے، اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے جواب کے اس پہلے ہی فقرے سے یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ اب، اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، تاہم نمرود اس کا جواب ڈھٹائی سے دے گیا اور دو واجب القتل مجرموں کو بلایا اور ایک کو معاف کر دیا اور دوسرے کو قتل کرا دیا اور کہہ دیا "اَنَا اُحْیِي وَاُمِیْتُ" حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے استدلال وہی قائم رکھا صرف مخاطب کی ذہنی سطح کا لحاظ رکھتے ہوئے دوسری مثال پیش کر دی اور فرمایا اچھا کائنات حیاتی نہ سہی کائنات طبعی ہی کے خدائی نظام میں ایک ادنی تصرف کر کے دکھا دو نمرود سورج دیوتا کا خود کو اوتار کہتا تھا اور سورج کے خدائے اعظم ہونے کا قائل تھا اس کے عقیدہ کے ابطال وتردید میں سورج ہی کی مثال پیش کی، "قَالَ اِبْرَاهِیْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ" حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے کس قدر بہترین گرفت فرمائی!!

اس استدلال کا نمرود ڈھٹائی سے بھی جواب نہ دے سکا، اس لیے کہ وہ خود ہی جانتا تھا کہ آفتاب و ماہتاب اسی خدا کے زیر فرمان ہیں جس کو ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام رب مانتا ہے، مگر اس طرح جو حقیقت اس کے سامنے بے نقاب ہو رہی تھی اس کو تسلیم کر لینے کے معنی اپنی مطلق العنان فرمانروائی سے دست بردار ہو جانے کے تھے، جس کے لیے اس کے نفس کا طاغوت تیار نہ تھا لہٰذا وہ ششدر ہی ہو کر رہ گیا، خود پرستی کی تاریکی سے حق پرستی کی روشنی میں نہ آیا۔

تلمود کا بیان ہے کہ اس کے بعد نمرود کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام قید کر دیئے گئے دس روز تک وہ جیل میں رہے، پھر بادشاہ کی کونسل نے ان کو زندہ جلانے کا فیصلہ کیا اور ان کو آگ میں پھینکے جانے کا واقعہ پیش آیا جو سورۂ انبیاء، عنکبوت اور سورۃ الصافات میں بیان ہوا ہے۔

اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ آیت کا عطف معنوی سابق آیت پر ہے اور تقدیر کلام اکثر نحویوں نے یہ نکالی ہے، "اَرَیْتَ کَالَّذِیْ حَاجَّ اِبْرَاهِیْمَ اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ علی قریةٍ" اور زمخشری، بیضاوی وغیرہ نے تقدیر "اَرَیْتَ مثل الذی مَرَّ الخ" نکالی ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے۔

قرآن عزیز اور حضرت عزیر علیہ الصلاۃ والسلام:

قرآن عزیز میں حضرت عزیر (علیہ الصلاۃ والسلام) کا نام صرف ایک جگہ سورۂ توبہ میں مذکور ہے، اور اس میں بھی صرف یہ کہا گیا ہے کہ یہود عزیر علیہ الصلاۃ والسلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں جس طرح کہ نصاریٰ عیسیٰ (علیہ الصلاۃ والسلام) کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، اس ایک جگہ کے سوا قرآن میں اور کسی مقام پر ان کا نام لے کر ان کے حالات وواقعات کا تذکرہ نہیں ہے۔

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ. (سورۂ توبہ)

اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کی باتیں ہیں محض ان کی زبانوں سے نکالی ہوئی،

ان لوگوں نے بھی ان ہی کی سی بات کہی جو اس سے پہلے کفر کی راہ اختیار کر چکے ہیں ان پر اللہ کی لعنت یہ کدھر بھٹکے جارہے ہیں۔

قرآن میں مذکور ایک واقعہ:

البتہ مذکورہ آیت میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک برگزیدہ ہستی کا اپنے گدھے پر سوار ایک ایسی بستی سے گذر ہوا جو بالکل تباہ و برباد ہو کر کھنڈر ہو چکی تھی وہاں نہ کوئی مکان تھا اور نہ مکین، ان بزرگ نے جب یہ دیکھا تو تعجب اور حیرت سے کہا ایسا کھنڈر اور تباہ حال ویرانہ پھر کیسے آباد ہوگا؟ اور یہ مردہ بستی کس طرح دوبارہ زندگی اختیار کرے گی؟ یہاں تو بظاہر کوئی بھی ایسا سبب نظر نہیں آتا، یہ بزرگ ابھی اسی فکر میں غرق تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی جگہ ان کی روح قبض کر لی اور سو برس تک اسی حالت میں ڈالے رکھا، یہ مدت گذر جانے کے بعد ان کو دوبارہ زندگی بخشی، تب ان سے کہا بتاؤ! کتنے عرصہ اس حالت میں رہے؟ وہ جب موت کی آغوش میں سوئے تھے تو دن چڑھنے کا وقت تھا، اور جب دوبارہ زندگی پائی تو غروب آفتاب کا وقت تھا، اس لیے انہوں نے جواب دیا ایک دن یا چند گھنٹے۔ اللہ نے فرمایا ایسا نہیں ہے، بلکہ تم سو برس تک اسی حالت میں رہے، اور اب تمہارے تعجب اور حیرت کا یہ جواب ہے کہ تم ایک طرف اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ ان میں مطلق کوئی تغیر نہیں آیا، اور دوسری جانب اپنے گدھے کو دیکھو کہ اس کا جسم گل سڑ کر صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے، اور پھر ہماری قدرت کا اندازہ کرو کہ جس چیز کو چاہا کہ محفوظ رہے تو سو برس کے اس طویل عرصہ میں کسی بھی اس پر موسمی تغیرات نے اثر نہ کیا اور محفوظ و سالم رہی اور جس کے بارے میں ارادہ کیا کہ گل سڑ جائے وہ گل سڑ گئی اور اب تمہاری آنکھوں کے دیکھتے ہی ہم اس کو دوبارہ زندگی بخشے دیتے ہیں، اور یہ سب کچھ اس لیے کیا تا کہ ہم تم کو اور تمہارے واقعہ کو لوگوں کیلئے نشانِ قدرت بنادیں اور تم یقین کے ساتھ ساتھ عینی مشاہدہ بھی کر لو۔ تب انہوں نے اظہار عبودیت کے بعد یہ اقرار کیا کہ بلاشبہ تیری قدرت کاملہ کے لیے یہ سب کچھ آسان ہے اور مجھ کو علم الیقین کے بعد عین الیقین کا درجہ ہو حاصل ہو گیا۔

اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلیٰ قَرْیَةٍ (الآیہ) ان آیات کی تفسیر میں یہ سوال پیدا ہوتا کہ وہ بزرگ شخص کون تھا جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تو اس کے جواب میں مشہور قول یہ ہے کہ یہ حضرت عزیر علیہ الصلاۃ والسلام تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم فرمایا کہ تم یروشلم جاؤ۔ ہم اس کو دوبارہ آباد کردیں گے جب یہ وہاں پہنچے اور شہر کو تباہ اور برباد پایا تو بر بنائے بشریت یہ کہہ اٹھے کہ اس مردہ بستی کو دوبارہ کیسے زندگی ملے گی؟ ان کا یہ قول بہ شکل انکار نہ تھا بلکہ تعجب اور حیرت کے ساتھ ان اسباب کے متلاشی تھے جن کے ذریعہ سے اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا تھا، لیکن اللہ کو اپنے برگزیدہ بندے اور نبی کی یہ بات بھی پسند نہیں آئی کیونکہ ان کے لیے یہ کافی تھا کہ خدا نے دوبارہ اس بستی کی زندگی کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ان کے ساتھ وہ معاملہ پیش آیا جو مذکورہ بالا سطور میں بیان ہوا، اور جب وہ زندہ کئے گئے تو یروشلم (بیت المقدس) آباد ہو چکا تھا۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس حضرت عبداللہ بن سلام اور قتادہ، سلیمان، حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا رجحان اسی جانب ہے کہ یہ واقعہ حضرت عزیر علیہ الصلاۃ والسلام سے متعلق ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور وہب بن منبہ اور عبداللہ بن عبید کا اور ایک روایت میں عبداللہ بن سلام کا قول یہ ہے کہ یہ شخص حضرت ارمیاہ (یرمیاہ) نبی تھے، ابن جریر طبری نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (تفسیر و تاریخ ابن کثیر)

تاریخی بحث:

اور یہ اس لیے کہ جب قرآن عزیز نے اس ہستی کا نام ذکر نہیں کیا اور نبی ﷺ سے بھی اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے اور صحابہ و تابعین سے جو آثار منقول ہیں ان کا ماخذ بھی وہ روایات و اقوال ہیں جو وہب بن منبہ، کعب احبار اور حضرت عبداللہ بن سلام تک پہنچتے ہیں جو کہ اسرائیلی روایات و واقعات سے منقول ہیں۔ اب واقعہ سے متعلق شخصیت کی تحقیق کے لیے صرف ایک ہی راہ باقی رہ جاتی ہے کہ تورات اور تاریخی مصادر سے اس کو حل کیا جائے، مجموعہ تورات کے صحائف انبیاء اور تاریخی بیانات پر غور کرنے سے یہ تفصیلات سامنے آتی ہیں کہ یہ واقعہ حضرت یرمیاہ نبی سے متعلق ہے مزید تفصیل کے لیے قصص القرآن مصنفہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ کی طرف رجوع کریں۔

مَثَلُ صفة نفقات الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اى طاعته كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ فكذالك نفقاتهم تتضاعف بسبع مائة ضعف وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ اكثر من ذلك لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ فضله عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾ بمن يستحق المضاعفة اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا على المنفق عليه بقولهم مثلا قد احسنت اليه وجبرت حاله وَّلَآ اَذًى له بذكر ذلك الى من لا يحب وقوفه عليه و نحو ذلك لَّهُمْ اَجْرُهُمْ ثواب انفاقهم عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٦٢﴾ في الأخرة قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ كلام حسن و رد على السائل جميل وَّمَغْفِرَةٌ له في الحاجة خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى بالمن و تعيير له بالسؤال وَاللّٰهُ غَنِيٌّ عن صدقة العباد حَلِيْمٌ ﴿٢٦٣﴾ بتاخير العقوبة عن المان والمؤذى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ اى اجورها بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ابطالا كَالَّذِيْ اى كابطال نفقة الذى يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ مرائيا لهم وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وهو المنافق فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ حجر املس عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ مطر شديد فَتَرَكَهٗ صَلْدًا صلبا املس لا شيء عليه لَا يَقْدِرُوْنَ استيناف لبيان مثل المنافق المنفق رياء وجمع الضمير باعتبار معنى الذى عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا عملوا اى لا يجدون له ثوابا في الأخرة كما لا يوجد على الصفوان شيء من التراب الذى كان عليه لاذهاب المطر له وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦٤﴾ وَمَثَلُ نفقات الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ طلب مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ اى تحقيقا للثواب عليه بخلاف المنافقين

الذین لا یرجونہ لانکارھم لہ ومن ابتدائیۃ **کَمَثَلِ جَنَّةٍ** بستان **بِرَبْوَةٍ** بضم الراء وفتحھا مکان مرتفع مستو **اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ** اعطت **اُكُلَهَا** بضم الکاف وسکونھا ثمرھا **ضِعْفَيْنِ** مثلی ما یثمر غیرھا **فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ** مطر خفیف یصیبھا و یکفیھا لارتفاعھا المعنی تثمر وتزکو کثر المطر ام قل فکذلک نفقات من ذکر تزکو عند اللہ کثرت ام قلت **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** فیجازیکم بہ **اَيَوَدُّ** ایحب **اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ** بستان **مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ** فضعف عن الکسب **وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ** اولاد صغار لا یقدرون علیہ **فَاَصَابَهَاۗ اِعْصَارٌ** ریح شدیدۃ **فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ** ففقدھا احوج ما کان الیھا وبقی ھو واولادہ عجزۃ متحیرین لا حیلۃ لھم وھذا تمثیل لنفقۃ المرائی والمان فی ذھابھا وعدم نفعھا احوج مایکون الیھا فی الاخرۃ والاستفھام بمعنی النفی وعن ابن عباس ھو لرجل عمل بالطاعات ثم بعث لہ الشیطان فعمل بالمعاصی حتی اغرق اعمالہ **كَذٰلِكَ** کما بین ما ذکر **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ** فتعتبرون.

ترجمہ: جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کے راستہ میں یعنی اس کی اطاعت میں صرف کرتے ہیں ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ کہ اس سے سات بالیاں اُگیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اسی طرح ان کا (راہ خدا) میں صرف کیا ہوا مال سات سو گنا افزوں ہوتا ہے، اور اللہ جسے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ دیتا ہے اور اللہ کا فضل بڑا وسیع ہے (اور) وہ اس بات سے واقف بھی ہے کہ افزونی کا کون مستحق ہے؟ جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد جس پر خرچ کیا ہے مثلاً یہ کہہ کر احسان نہیں جتاتے کہ میں نے اس کے ساتھ احسان کیا اور میں نے اس کی (خستہ) حالت سدھار دی اور نہ اس کو تکلیف پہنچاتے ہیں اس احسان کا اس شخص کے سامنے تذکرہ کر کے کہ جس کا واقف ہونا یہ شخص پسند نہیں کرتا، (علی ہذا القیاس) ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، یعنی ان کے خرچ کا ثواب اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ایک میٹھا بول (اچھی بات) اور سائل کو اچھا جواب دینا اور اس کے اصرار کو نظر انداز کرنا اس خیرات سے بہتر ہے کہ جس کے پیچھے احسان جتلا کر اور سوال پر عار دلا کر ایذا رسانی کی ہو، اور اللہ بندوں کے صدقے سے بے نیاز ہے اور احسان جتلانے والے اور تکلیف پہنچانے والے کی سزا کو مؤخر کر کے بردبار ہے۔ اے ایمان والو تم اپنے صدقات کو یعنی ان کے ثواب کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر اس شخص کے مانند ضائع نہ کرو۔ یعنی اس شخص کے صدقہ کے ضائع کرنے کے مانند کہ جو اپنے مال کو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا حال یہ کہ وہ منافق ہے۔ اس کی مثال اس چکنے پتھر کی ہے کہ جس پر مٹی پڑی ہو۔ اور اس پر زور کی بارش ہو سو اس کو بالکل صاف کر کے رکھ دے کہ اس پر کچھ باقی نہ رہے۔ (ایسے لوگ) کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں گے اپنی کمائی (صدقات) سے، یہ جملہ مستانفہ ہے ریا کاری کے طور پر خرچ کرنے والے منافق

کی مثال بیان کرنے کے لیے۔ اور (لایقدرون) کو جمع لایا گیا ہے اَلَّذِیْ کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے۔ یعنی آخرت میں عمل خیر کا ثواب نہ پائیں گے جیسا کہ چکنے پتھر پر اس مٹی میں سے کچھ باقی نہیں رہتا جو اس پر تھی، بارش کے اس مٹی کو بہالے جانے کی وجہ سے۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو راہ ہدایت نہ دکھائیگا اور ان لوگوں کے لیے (راہ خدا میں) خرچ کرنے کی مثال جو اپنے مالوں کو محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے دل کے پورے ثبات (وقرار) کے ساتھ خرچ کرتے ہیں یعنی اس پر ثواب حاصل کرنے کے لیے، بخلاف منافقین کے کہ وہ ثواب کی توقع نہیں رکھتے ان کے ثواب کے منکر ہونے کی وجہ سے اور مِنْ ابتدائیہ ہے، اس باغ کی ہے جو بلند سطح پر ہو (رُبْوَة) میں راء کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ۔ وہ جگہ جو مرتفع اور مستوی ہو۔ اور اس پر زوردار بارش ہوئی ہو جس کی وجہ سے اس (باغ) نے دوسرے باغوں کے پھل دینے کے مقابلہ میں دوگنا پھل دیا ہو۔ اُکُلُھَا۔ میں کاف کے ضمہ اور سکون کے ساتھ۔ (مراد) اس کے پھل ہیں اور اگر اس پر زوردار بارش نہ بھی ہو تو ہلکی ہی کافی ہے۔ یعنی اگر ہلکی بارش بھی اس پر ہو جائے تو اس کے بلند مقام پر ہونے کی وجہ سے وہی کافی ہو جاتی ہے، مطلب یہ کہ اس میں پھل آتے ہیں اور بڑھتے ہیں بارش خواہ زیادہ ہو یا کم ہو۔ اسی طرح مذکورین کے صدقات عنداللہ زیادہ ہوتے ہیں اور بڑھتے ہیں خواہ وہ صدقات کم ہوں یا زیادہ۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر نظر رکھے ہوئے ہے، لہٰذا وہ تم کو اس کی جزاء دے گا۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا ایک باغ کھجوروں کا اور انگوروں کا ہو جس کے تحت نہریں بہتی ہوں اور اس کے لیے اس باغ میں اور بھی ہر قسم کے میوے ہوں اور اس کا بڑھاپا آچکا ہو جس کی وجہ سے وہ کمانے میں کمزور پڑ گیا ہو۔ اور اس کے کمزور کم سن بچے ہوں جو کمانے پر قادر نہ ہوں۔ اس باغ پر ایک بگولہ آئے (یعنی) شدید آندھی، کہ جس میں آگ ہو، جس کی وجہ سے وہ (باغ) جل جائے سو اس نے باغ کو اس وقت کھویا ہو کہ جب وہ آخرت میں اس کا سخت محتاج ہو۔ اور وہ اور اس کے بچے عاجز متحیر رہ گئے ہوں کہ ان کے لیے (گذر بسر کرنے کی) اور کوئی صورت نہ ہو۔ یہ ریاکار اور احسان جتلانے والے کی تمثیل ہے اس کے ضائع ہونے اور اس کے نفع نہ پہنچانے میں ایسے وقت میں جب کہ (وہ ریاکار) آخرت میں اس (کے ثواب) کا شدید محتاج ہو۔ اور استفہام نفی کے معنی میں ہے، اور ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے کہ یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے نیک اعمال کیے۔ پھر اس پر شیطان مسلط کر دیا گیا تو اس نے معصیت کے عمل شروع کر دیئے یہاں تک کہ اس نے اپنے اعمال کو غرق (ضائع) کر دیا۔ اللہ تمہارے لیے اسی طرح جس طرح بیان کی گئیں کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم اس میں غور و فکر کرو اور عبرت حاصل کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

مَثَلُ مضاف اَلَّذِیْنَ موصول، یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ جملہ ہو کر صلہ، صلہ موصول سے مل کر مَثَلُ کا مضاف الیہ، مضاف، مضاف الیہ سے مل کر مبتداء (کَمَثَلِ حَبَّةٍ) حَبَّةٍ موصوف ہے اَنْبَتَتْ الخ جملہ ہو کر صفت ہے

موصوف صفت سے مل کر محذوف کے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر ہے۔ مفسر علام نے صــفة، کا اضافہ کر کے بتا دیا کہ مثل بمعنی مثال نہیں ہے بلکہ بمعنی صفت ہے۔

سَوَال: نفقات کے اضافہ کا کیا مقصد ہے؟

جَوَاب: اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ مشبہ ہے اور کاف حرف تشبیہ ہے اور مثل حبّة الخ مشبہ بہ ہے مشبہ اور مشبہ بہ میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے تشبیہ درست نہیں ہے اس لیے کہ مشبہ بہ (الذین ینفقون) از قبیل حیوانات ہے اور مشبہ (حبة) از قبیل جمادات ہے لہٰذا تشبیہ مناسب نہیں ہے، اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مشبہ کی جانب حذف مانا جائے جیسا کہ مفسر علام نے لفظ نفقات محذوف مانا ہے، اب تقدیر عبارت یہ ہوگی، مَثل نفقة الّذین ینفقون کمثل حَبَّةٍ اَنْبَتَت الخ. دوسرا جواب یہ ہے کہ مشبہ بہ کی جانب حذف مانا جائے اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی، مثل الّذِینَ ینفقون اَمْوَالَهُمْ الخ کمثل زارع حبَّةٍ.

قَوْلُهُ: اکثَر مِن ذٰلك اس حذف سے اشارہ کر دیا کہ یُضٰعِفُ کا مفعول محذوف ہے۔

سَوَال: مُضاعفت تو ماقبل سے مفہوم ہو رہی ہے دوبارہ ذکر کرنے سے تکرار معلوم ہوتا ہے اس کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: اکثَرَ مِن ذٰلك کا اضافہ کر کے اس سوال کا جواب دیا ہے یعنی ماسبق سے جو مفہوم ہو رہا ہے اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

قَوْلُهُ: قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ، موصوف صفت سے ملکر معطوف علیہ اور مغفرة معطوف، معطوف معطوف علیہ سے ملکر مبتداء خَیْرٌ مِنْ صدقة الخ خبر۔

سَوَال: خَیْرٌ نکرہ ہے اس کا مبتداء بننا کیسے درست ہے؟

جَوَاب: چونکہ اس کا معطوف علیہ معرفہ ہے جس کی وجہ سے معطوف کا مبتداء بننا درست ہو گیا۔

سَوَال: معطوف علیہ قَوْلٌ ہے جو کہ نکرہ ہے اس کا خود مبتداء بننا صحیح نہیں ہے؟۔

جَوَاب: جب نکرہ موصوفہ بالصفت ہو تو اس کا مبتداء بننا صحیح ہوتا ہے، قَوْلٌ موصوف معروف صفت ہے لہٰذا اس کا مبتداء واقع ہونا درست ہو گیا۔

قَوْلُهُ: ای اُجُوْرَهَا.

سَوَال: اُجور مضاف محذوف ماننے کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: نفس صدقہ یعنی مالِ صدقہ کے باطل ہونے کا کوئی مفہوم نہیں ہے اس لیے کہ احسان جتانے یا اذیت پہنچانے سے مالِ صدقہ ضائع اور باطل نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا اجر و ثواب ضائع ہو جاتا ہے اسی شبہ کو رفع کرنے کے لیے اُجُوْرَهَا کا اضافہ کیا ہے۔

قَوْلُهُ: جمع الضمیر باعتبار معنیٰ الذی: یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: یَقْدِرون، کی ضمیر، اَلّذی ینفقُ کی طرف راجع ہے جو کہ مفرد ہے اور یَقْدِرُوْنَ میں ضمیر جمع ہے۔
جَوَاب: اَلَّذی، اگرچہ لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے مگر معنی کے اعتبار سے جمع ہے، کمافی قول الشاعر۔

وَاِن الَّذِیْ حَانَتْ بِفَلْجٍ دِمَاؤُهم هُمُ الْقَوم كُلُّ الْقَوْم

فلج، بصرہ میں ایک مقام کا نام ہے، وہ شخص جس کا خون مقام فلج میں ضائع ہو گیا درحقیقت وہی پوری قوم کے قائم مقام تھا، مقام استشہاد، هُمْ ضمیر ہے جو کہ اَلَّذی کی طرف راجع ہے۔
قَوْلُہٗ: نفقات یہاں بھی حذف مضاف کی وجہ مشبہ اور مشبہ بہ میں موافقت پیدا کرنا ہے کما مرّ قریبًا۔
قَوْلُہٗ: اَعْطَتْ، اٰتَتْ، کی تفسیر اعطت سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اتت ایتاءٌ سے ہے نہ کہ اِتْیان سے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

السُّنبلَة، خوشہ، بالی، مشہور و معروف شئی ہے جو کہ گندم وغیرہ میں نکلتی ہے، اس کا وزن فُنْعُلَةٌ، ہے، نون زائدہ ہے اَسْبَلَ الزرعُ اس وقت بولتے ہیں جب کھیتی میں بال نکل آتی ہے اور بعض حضرات نے سنبل سے مشتق مان کی نون کو اصلی بھی کہا ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ (الآیة) اس آیت میں تشبیہ تمثیل ہے (یعنی تشبیہ مرکب) اس میں مُنْفِقِیْن فی سبیل اللّٰہ کے نفقہ کو مضاعفت میں دانۂ گندم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یعنی جس طرح ایک دانہ سے بہت سی بالیں اور ہر بال میں سینکڑوں دانے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح اخلاص کے ساتھ راہ خدا میں خرچ کرنے والے کا اجر وثواب اضعافاً مضاعفۃً ہوتا ہے، وجہ تشبیہ مضاعفت ہے، تشبیہ تمثیلی یا تشبیہ مرکب میں وجہ تشبیہ متعدد چیزوں سے اخذ کی جاتی ہے، اخلاص وایمان کے ساتھ راہ خدا میں خرچ کرنا مشبہ ہے جو کہ مرکب ہے اور خوشۂ گندم جس میں دانے زیادہ ہوں مشبہ بہ ہے یہ بھی مرکب ہے لہٰذا مذکورہ آیت میں تشبیہ مرکب ہے جس میں تشبیہ کے چاروں رکن مذکور ہیں، مشبہ، مشبہ بہ، وجہ شبہ، اور حرف تشبیہ۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاءَ النَّاسِ (الآیة) اس آیت میں بھی تشبیہ مرکب ہے۔ ریاکاری کے طور پر خرچ کرنے والے کی کیفیت کو اس صاف اور چکنے پتھر کی کیفیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس پر ریت پڑا ہوا اور زوردار بارش میں وہ ریت مٹی بہہ کر صاف ہو جائے جس طرح یہ پتھر بارش کی وجہ سے صاف ہو گیا اسی طرح اس شخص کے نفاق کی وجہ سے اس کے انفاق کا اجر وثواب بھی ضائع ہو گیا۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (الآیة) اس آیت میں بھی تشبیہ مرکب ہے اس لیے کہ اخلاص کیساتھ اور رضاء الٰہی کے لیے راہ خدا میں خرچ کرنے والے کو اس باغ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو بلندی پر ہو اور جس میں ہر حال میں پھل بکثرت آئیں خواہ بارش زیادہ ہو یا کم۔

قَوْلُہٗ: نَخِیْلٌ کہا گیا ہے کہ یہ اسم جمع ہے اس کا واحد نخلةٌ ہے، اور کہا گیا ہے کہ نخل کی جمع ہے اور نخل اسم جنس ہے۔

قَوْلُہٗ: اِعصَارٌ، تیز آندھی، بگولہ، لُو یا پالے والی ہوا، جو درختوں کو اپنی سمیت کیوجہ سے جھلس دے۔

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ (الآیۃ) اس آیت میں تشبیہ تمثیل (تشبیہ مرکب) استعمال ہوئی، مشبہ بہ ایک ایسا شخص ہے کہ جس نے زندگی بھر آبیاری کر کے ایک عمدہ باغ تیار کیا ہو جس میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اس کے پاس گذر وبسر کرنے کا صرف وہی واحد ذریعہ ہو اور یہ شخص بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا ہو ضعف ونقاہت کی وجہ سے کسب کرنے کی طاقت بھی نہ رہی ہو اور اس کے ننھے ننھے بچے بھی ہوں وہ بچے اس کا سہارا تو کیا بنتے الٹے اس کے لیے بوجھ بنے ہوئے ہوں، ایسی صورت میں اس باغ پر کوئی بلائے آسمانی آپڑے جو اس باغ کو جلا کر خاکستر کر دے تو اس شخص کو کس قدر حسرت ویاس ہوگی، یہی حال قیامت کے دن اس ریاکار خرچ کرنے والے کا ہوگا کہ نفاق وریاکاری کی وجہ سے اس کے سارے اعمال اکارت ہو جائیں گے جب کہ وہاں نیکیوں کی شدید ضرورت ہوگی اور دوبارہ اعمال خیر کرنے کی مہلت وفرصت بھی نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہارا بھی یہی حال ہو؟۔

باغ والے کے حالات سے جو کیفیت منتزع ہوتی ہے وہ مشبہ بہ ہے اور قیامت کے دن ایک ریاکار کی جو حالت ہوگی اس سے جو کیفیت منتزع ہوتی ہے وہ مشبہ ہے، اس تمثیل میں مشبہ بہ مذکور ہے اور مشبہ محذوف ہے، اَیَوَدُّ، میں استفہام نفی وقوع کے لیے ہے نہ کہ نفی واقع کے لیے۔

تفسیر وتشریح

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ (الآیۃ) یہ انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت کا بیان ہے۔

ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی، یہ اس بات کا بیان ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کی مذکورہ فضیلت صرف اس شخص کو حاصل ہوگی جو مال خرچ کر کے احسان نہیں جتلاتا یعنی زبان سے ایسا کلمۂ تحقیر ادا نہیں کرتا ہے جس سے کسی غریب ضرورتمند محتاج کی عزت نفس مجروح ہو اور وہ تکلیف محسوس کرے، حدیث شریف میں ہے آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے کلام نہیں فرمائے گا ان میں سے ایک احسان جتلانے والا بھی ہے۔ (مسلم کتاب الایمان)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَۃٌ خَیْرٌ (الایۃ) سائل سے نرمی اور شفقت سے بولنا اور دعائیہ کلمات کہنا مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ تم کو اور ہم کو بھی اپنے فضل وکرم سے نوازے۔ یہ قول معروف ہے اور مغفرۃ کا مطلب ہے کہ اگر سائل کی زبان سے کوئی ناز یبا کلمہ نکل جائے تو اس سے چشم پوشی کرتے ہوئے درگذر کرنا۔ یہ نرمی اور چشم پوشی اور درگذر اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد اس کو لوگوں میں رسوا وذلیل کرے یا احسان جتائے۔ کسی سے کلمۂ خیر کہنا اور خندہ پیشانی سے ملنا بھی صدقہ ہے۔ (مسلم کتاب البر)

فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا یہ ایک تمثیل ہے جس میں ریاکار کے اعمال نیک کو بارش سے تشبیہ دے کر سمجھایا گیا ہے۔ تمثیل میں بارش سے مراد خیرات اور دیگر اعمال نیک ہیں اور چٹان سے مراد نیت اور جذبے کی خرابی ہے جس کے ساتھ خیرات یا کوئی بھی نیک کام کیا گیا ہے، ہلکی مٹی سے مراد نیکی کی وہ ظاہری سطح ہے

جس کے نیچے نیت کی خرابی پوشیدہ ہے۔

بارش کا فطری تقاضہ تو یہی ہے کہ اس سے روئیدگی ہو اور شادابی آئے، لیکن جب روئیدگی قبول کرنے والی زمین اوپر ہی اوپر برائے نام ہو اور اس کے نیچے نری پتھر کی چٹان ہو تو بارش مفید ہونے کے بجائے الٹی مضر ہوگی، اسی طرح خیرات بھی اگرچہ بھلائیوں کو نشو ونما دینے کی صلاحیت رکھتی ہے مگر اس کے نافع ہونے کے لیے حقیقی نیک نیتی شرط ہے نیت نیک نہ ہو تو ابر کرم کا فیضان بھی بجز اس کے کہ محض ضیاع مال ہے اور کچھ نہیں۔

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ، یعنی اگر تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہاری عمر بھر کی کمائی ایک ایسے نازک موقع پر تباہ ہو جائے جب کہ تم اس سے فائدہ اٹھانے کے سب سے زیادہ محتاج ہو اور از سر نو کمائی کرنے کا موقع بھی باقی نہ رہا ہو تو تم یہ بات کیسے پسند کر رہے ہو کہ دنیا میں مدت العمر عمل کرنے کے بعد آخرت کی زندگی میں تم اس طرح قدم رکھو کہ وہاں پہنچ کر یکا یک تمہیں معلوم ہو کہ تمہارا پورا کارنامۂ حیات یہاں کوئی قیمت نہیں رکھتا، جو کچھ تم نے دنیا کے لیے کمایا تھا وہ دنیا ہی میں رہ گیا آخرت کے لیے کچھ کما کر لائے ہی نہیں کہ یہاں اس کے پھل کھا سکو، آخرت میں تمہیں اس کا کوئی موقع نہ ملے گا کہ از سر نو اب آخرت کے لیے کمائی کرو۔ آخرت کے لیے جو کچھ بھی کمائی کرنے کا موقع ہے وہ اسی دنیا میں ہے یہاں اگر تم آخرت کی فکر کئے بغیر ساری عمر دنیا ہی کی دھن میں لگے رہے اور اپنی تمام قوتیں اور کوششیں دنیوی فائدے تلاش کرنے ہی میں کھپاتے رہے تو آفتابِ زندگی غروب ہونے کے بعد تمہاری حالت بعینہ اس بڈھے کی طرح حسرت ناک ہوگی جس کی عمر بھر کی کمائی اور جس کی زندگی کا سہارا ایک باغ تھا اور وہ باغ عین عالم پیری میں اس وقت جل گیا جب کہ وہ نہ خود نئے سرے سے باغ لگا سکتا ہے اور نہ اسکی اولاد ہی اس قابل تھی کہ اس کی مدد کر سکے۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے اس مثال کا مصداق ان لوگوں کو بھی قرار دیا ہے جو ساری عمر نیکیاں کرتے ہیں اور آخر عمر میں شیطان کے جال میں پھنس کر اللہ کے نافرمان ہو جاتے ہیں جس سے عمر بھر کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

وفی روایة البخاری والحاکم وابن جریر وجماعة عن ابن عباس کہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے ایک روز اصحاب نبی ﷺ سے فرمایا تمہارا اس آیت کے بارے میں کیا خیال ہے، "اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ" الخ؟۔ لوگوں نے کہا: اللّٰه تعالٰی اعلم، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ غصہ ہو گئے اور فرمایا، ہاں کہو نا، کہو (یعنی یہ گول مول بات میرے سوال کا جواب نہیں ہے تو ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے عرض کیا اے امیر المومنین! اس آیت کے بارے میں میرے دل میں ایک بات ہے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے فرمایا اے میرے برادر زادے کہو، اور اپنے آپ کو کم نہ سمجھو، تو حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے عرض کیا اس آیت میں اس مالدار آدمی کی مثال بیان کی گئی ہے جس نے اللہ کی اطاعت میں عمل کیا، پھر اللہ نے اس کی طرف شیطان بھیجا تو وہ معاصی میں مبتلا ہو گیا اور اپنے اعمال کو برباد کر لیا)۔ (روح المعانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا زَكُّوا **مِنْ طَيِّبٰتِ** جِيَادِ **مَا كَسَبْتُمْ** مِنَ الْمَالِ **وَ** مِنْ طَيِّبٰتِ **مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ** مِنَ الْحُبُوْبِ والثِّمَارِ **وَلَا تَيَمَّمُوا** تَقْصِدُوا **الْخَبِيْثَ** الرَّدِيَّ **مِنْهُ** اي مِنَ المذكورِ **تُنْفِقُوْنَ** فِي الزَّكوةِ حالٌ مِنْ ضميرِ تيمّموا **وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ** اي الخبيثَ لَوْ اُعْطِيْتُمُوْهُ فِي حُقُوْقِكُمْ **اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ** بالتَّسَاهُلِ وغضِّ البصرِ فكيفَ تُؤَدُّوْنَ مِنْهُ حَقَّ اللّٰهِ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ** عَنْ نَفَقَاتِكُمْ **حَمِيْدٌ** ﴿۲۶۷﴾ محمودٌ على كلِّ حالٍ **اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ** يُخَوِّفُكُمْ به اِنْ تَصَدَّقْتُمْ فتمسّكوا **وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ** البُخْلِ ومَنْعِ الزَّكوةِ **وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ** على الْاِنْفَاقِ **مَّغْفِرَةً مِّنْهُ** لِذُنُوْبِكُمْ **وَفَضْلًا** رزقًا خَلَفًا منه **وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** فَضْلُه **عَلِيْمٌ** ﴿۲۶۸﴾ بالمُنفِقِ **يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ** العِلْمَ النافعَ الْمُؤَدِّيَ اِلَى الْعَمَلِ **مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا** لِمَصِيْرِهِ الى السَّعَادَةِ الْاَبَدِيَّةِ **وَمَا يَذَّكَّرُ** فيه اِدْغامُ التاءِ فى الاصلِ فى الذالِ يَتَّعِظُ **اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ** ﴿۲۶۹﴾ اَصْحَابُ العُقُولِ **وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ** اَدَّيْتُمْ مِنْ زكوةٍ اَوْ صَدَقَةٍ **اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ** فَوَفَيْتُمْ به **فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ** فيجازيكم عليه **وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ** بِمَنْعِ الزكوةِ والنذرِ اَوْ بِوَضْعِ الْاِنْفَاقِ فى غيرِ مَحَلِّهِ مِنْ معاصي اللّٰهِ **مِنْ اَنْصَارٍ** ﴿۲۷۰﴾ مانِعِيْنَ لَهُمْ مِنْ عَذَابِه **اِنْ تُبْدُوا** تُظْهِرُوا **الصَّدَقٰتِ** اي النوافلَ **فَنِعِمَّا هِيَ** اي نِعْمَ شيءٌ اِبْدَاؤُها **وَاِنْ تُخْفُوْهَا** تُسِرُّوْهَا **وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** مِنْ اِبْدَائِهَا وَاِيْتَائِهَا الْاَغْنِيَاءَ اَمَّا صَدَقَةُ الفرضِ فَالْاَفْضَلُ اِظْهَارُهَا لِيُقْتَدٰى به وَلِئَلَّا يُتَّهَمَ وَاِيْتَاؤُهَا الفقراءَ مُتَعَيِّنٌ **وَيُكَفِّرُ** بالياءِ وبالنونِ مجزومًا بالعطفِ على مَحَلِّ فَهُوَ وَمَرْفُوْعًا على الاستئنافِ **عَنْكُمْ مِّنْ** بعضِ **سَيِّاٰتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ** ﴿۲۷۱﴾ عَالِمٌ بِبَاطِنِه كظاهرِه لا يَخْفٰى عليه شيءٌ منه ولمّا منع صلى اللّٰه عليه وسلم مِنَ التَّصَدُّقِ على المشركين لِيُسْلِمُوْا نزل **لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ** اي الناسِ الى الدُّخُوْلِ فى الاسلامِ اِنَّمَا عليكَ البلاغُ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ** هِدَايَتَهٗ الى الدُّخُوْلِ فيه **وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ** مالٍ **فَلِاَنْفُسِكُمْ** لِاَنَّ ثوابَه لها **وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ** اي ثوابِه لا غيرِه مِنْ اَغْرَاضِ الدنيا خَبَرٌ بمعنى النهي **وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ** جزاؤُه **وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ** ﴿۲۷۲﴾ تُنْقَصُوْنَ منه شيئًا والجملتانِ تاكيدٌ للاُولٰى **لِلْفُقَرَآءِ** خبرُ مبتدءٍ محذوفٍ اي الصدقاتُ **الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اي حَبَسُوْا اَنْفُسَهُمْ على الجهادِ ونزلت فى اهلِ الصُّفَّةِ وهم اربعمائةٍ مِنَ المهاجرين اُرْصِدُوا لتعليمِ القرآنِ اوالخروجِ مَعَ السَّرَايَا **لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا** سفرًا **فِي الْاَرْضِ** للتجارةِ والمعاشِ لِشُغْلِهِمْ عنه بالجهادِ **يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ** بحالِهم **اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ** اي لِتَعَفُّفِهِمْ عَنِ السُّؤَالِ وتَرْكِه **تَعْرِفُهُمْ** يا مُخَاطَبًا **بِسِيْمٰهُمْ** علامتِهم مِنَ التَّوَاضُعِ واَثَرِ الجُهْدِ **لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ** شيئًا فيُلْحِفُوْنَ **اِلْحَافًا** اي لا

سُؤَالٌ لَهُمْ أَصْلًا فَلَا يَقَعُ مِنْهُمْ إِلْحَافٌ وَهُوَ الْإِلْحَاحُ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۷۳﴾ فَيُجَازِيكُمْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اے ایمان والو! جو مال تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو زکوۃ دو اور اس سے بھی عمدہ چیزیں جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔ (مثلاً) غلہ اور پھل اور مذکورہ چیزوں میں سے خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو کہ اس میں سے زکوۃ میں خرچ کروگے تنفقون، تیمموا کی ضمیر سے حال ہے، حالانکہ تم خود بھی اس خراب چیز کو لینے والے نہیں ہو اگر وہ چیز تمہارے حقوق میں دی جائے مگر نرمی اور چشم پوشی کرتے ہوئے، تم نظر انداز کر جاؤ تو پھر تم خراب چیز سے اللہ کا حق کس طرح ادا کرتے ہو اور سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے خرچے سے بے نیاز اور ہر حال میں ستودہ صفات ہے، شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے (یعنی) اگر تم صدقہ کروگے تو محتاج ہو جاؤ گے سو تم خرچ نہ کرو، اور تم کو بخل اور زکوۃ نہ دینے کا حکم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خرچ کرنے پر اپنی طرف سے تمہارے گناہوں کو معاف کرنے کا اور اس (خرچ کردہ) کے عوض رزق کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے معاملہ میں بڑا کشادہ دست اور خرچ کرنے والے سے باخبر ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے حکمت یعنی ایسا علم نافع جو عمل تک پہنچانے والا ہو عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت مل گئی اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی، اس کے سعادت ابدیہ تک پہنچنے کی وجہ سے۔ اور نصیحت تو بس دانشمند ہی قبول کرتے ہیں اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو (یعنی) صدقہ وزکوۃ ادا کرتے ہو یا جو بھی نذر مانتے ہو پھر تم اس کو پوری کرتے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ تو وہ تم کو اس کا صلہ دے گا، اور زکوۃ کو روک کر اور نذر کو پورا کرکے یا اللہ کی معصیت میں بے محل خرچ کرکے ظلم کرنے والوں کا کوئی بھی حامی نہیں ہوگا۔ (یعنی) اس کے عذاب سے ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ اگر تم نفلی صدقات کو ظاہر کرو تب بھی اچھی بات ہے یعنی اس کا ظاہر کرنا اچھی بات ہے، اور اگر تم اسے پوشیدہ رکھو اور فقراء کو دو تو اس کے ظاہر کرنے اور مالداروں کو دینے سے تمہارے حق میں بہتر ہے، لیکن فرض صدقہ کہ اس کا اظہار افضل ہے تاکہ لوگ اس کی اقتداء کریں اور تاکہ یہ شخص محل تہمت میں نہ رہے اور اس کا فقراء کو دینا متعین ہے، اور اللہ تمہارے کچھ گناہ بھی دور کردے گا، یُکَفِّرُ، یاء اور نون کے ساتھ مجزوم پڑھا جائے تو فَھُوَ، کے محل پر عطف ہوگا اور مرفوع پڑھا جائے تو مستانفہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔ اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے، یعنی اس کے باطن سے اسی طرح واقف ہے جس طرح اس کے ظاہر سے، اُس سے اس کی کوئی شئ مخفی نہیں ہے، اور جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین پر صدقہ کرتے ہوئے منع فرمادیا تاکہ وہ اسلام قبول کرلیں تب یہ آیت نازل ہوئی، (لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ) ان کی ہدایت یعنی اسلام میں داخل کرنا آپ کے ذمہ نہیں، آپ کی ذمہ داری تو صرف پہنچا دینا ہے، بلکہ اللہ اسلام میں دخول کی جس کی ہدایت چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی مال میں سے خرچ کرتے ہو سو اپنے لیے کرتے ہو، اس لیے کہ اس کا اجر تمہارے ہی لیے ہے، اور تم اللہ ہی کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتے ہو یعنی اس کے ثواب کے لیے نہ کہ دنیا کی کسی اور غرض کے لیے، خبر بمعنی نہی ہے، اور

مال میں سے تم جو کچھ خرچ کرتے ہو تم کو اس کی پوری پوری جزاء دی جائے گی، تم پر ذرا بھی زیادتی نہ کی جائے گی کہ اس کے اجر میں کچھ کمی کردی جائے، یہ دونوں جملے پہلے جملے کی تاکید ہیں۔ صدقات کے (اصل) مستحق وہ فقراء ہیں (لِلْفُقَرَاءِ) مبتداء محذوف کی خبر ہے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں، یعنی جنہوں نے خود کو جہاد میں محبوس کرلیا ہے (اور آئندہ آیت) اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ مہاجرین میں سے چار سو تھے، جو قرآن کی تعلیم اور سرایا کے ساتھ نکلنے کے لیے مستعد رہتے تھے، وہ جہاد میں مشغول رہنے کی وجہ سے (طلب) معاش اور تجارت کے لیے سفر نہیں کرسکتے تھے، ان کے حال سے ناواقف انہیں غنی سمجھتا تھا سوال سے ان کے احتیاط کرنے اور ترک سوال کرنے کی وجہ سے اے مخاطب تو ان کی تواضع اور مشقت کے اثر کی علامت سے پہچان لے گا، وہ لوگوں سے لپٹ کر کسی چیز کا سوال نہیں کرتے، یعنی وہ بالکل سوال نہیں کرتے، لہٰذا چمٹ کر سوال بھی ان کی طرف سے نہیں ہوتا اور اِلحاف کے معنی اصرار کے ہیں، اور تم مال میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے سو وہ تم کو اس کی جزاء دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: الجیاد، طیبت کی تفسیر الجیاد سے کرکے اشارہ کردیا کہ طیبت کے معنی حلال کے نہیں ہیں جو کہ اکثر استعمال ہوتے ہیں بلکہ یہاں عمدہ کے معنی ہیں جو ردّی کے مقابلہ میں مستعمل ہے۔

قَوْلُہٗ: تغمضوا۔ مضارع جمع مذکر حاضر آنکھیں بند کرنا، یہاں مجازی معنی، درگذر کرنا، چشم پوشی کرنا مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ: البخل، فحشآء کی تفسیر بخل سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں فحشاء کے مشہور معنی جو کہ زنا کے ہیں مراد نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: مجزوماً بالعطف علیٰ محلِ فَھُوَ و مرفوعاً علی الاستیناف. اس عبارت کا مقصد یُکَفِّرُ کے اعراب کو بتانا ہے، اس کو مجزوم پڑھا جائے تو مجزوم فَھُوَ کے محل پر عطف ہونے کی وجہ سے ہوگا اس لیے کہ فَھُوَ، جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، اور اگر مرفوع پڑھا جائے تو مرفوع جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے ہوگا شرط سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: ای الناس اس میں اشارہ ہے کہ ھُدٰھم کی ضمیر الناس کی طرف راجع ہے اگرچہ وہ ماقبل میں صراحۃً مذکور نہیں ہے مگر مضمون کلام سے مفہوم ہے فقراء کی طرف راجع نہیں جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس صورت میں معنی درست نہیں رہتے۔

قَوْلُہٗ: الی الدخول فی الاسلام، اس اضافہ سے ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سُوَال: آپ ﷺ سے ہدایت کی نفی کا کیا مقصد ہے جب کہ آپ ﷺ کی بعثت ہدایت ہی کے لیے ہے۔

جَوَاب: نفی ہدایت سے مراد ایصال الی المطلوب کی نفی ہے نہ کہ اراءۃ الطریق کی۔

قَوْلُہٗ: خبر بمعنیٰ النھی یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْہِ اللّٰہِ میں خبر دی گئی ہے کہ تم رضاء الٰہی ہی کے لیے خرچ کرتے ہو حالانکہ بہت سے لوگ ریاء و نمود کے لیے بھی خرچ کرتے ہیں۔ اس میں کذب باری لازم آتا ہے۔

جَوَاب: یہ ہے کہ خبر بمعنی نہی ہے، کہ تم غیر رضاء کے لیے خرچ مت کرو۔

قَوْلُہٗ: لتعففھم اس میں اشارہ ہے کہ مِنَ التعفف، میں مِنْ تعلیلیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ۔ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا، وہ اصرار کے ساتھ سوال نہیں کرتے، اس میں فن بیان کی ایک صنعت ہے جس کو ''نفی الشیء بایجابہٖ'' کہتے ہیں، اس میں بظاہر ایک شئ کی نفی اور دوسری شئ کا اثبات ہوتا ہے، مگر حقیقت میں دونوں کی نفی مقصود ہوتی ہے، مذکورہ آیت میں بظاہر الحاف (اصرار) کی نفی ہے، نفس سوال کی نفی نہیں ہے، مگر مقصود کلام ''مطلقاً'' کی نفی ہے یعنی بظاہر قید کی نفی ہے مگر باطن میں قید اور مقید دونوں کی نفی ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ (الآیۃ) صدقہ کی قبولیت کے لیے جس طرح ضروری ہے کہ مَنّ و اَذیٰ اور ریاکاری سے خالی ہو جیسا کہ گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حلال اور پاکیزہ اور عمدہ چیز ہو۔

شانِ نزول:

بعض انصار مدینہ جو کھجوروں کے باغات کے مالک تھے وہ بعض اوقات نکمی اور ردی کھجوروں کا خوشہ مسجد میں لاکر لٹکا دیا کرتے تھے اور اصحاب صفہ کا چونکہ کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا جب ان کو بھوک لگتی تو ان خوشوں میں سے جھاڑ کر کھجوریں کھالیا کرتے تھے اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر بحوالہ ترمذی)

طیبٰت، کا ترجمہ بعض حضرات نے جن میں مفسر علام بھی شامل ہیں، عمدہ چیز کیا ہے اور قرینہ مِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ کو قرار دیا ہے اس لیے کہ زمین سے پیدا ہونے والی شئ حلال تو ہوتی ہے البتہ جودت اور رداءت میں کافی مختلف ہوتی ہے اس لیے طیبٰت، کا ترجمہ عمدہ شئ سے کیا ہے شان نزول کے واقعہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، اور بعض حضرات نے حلال شئ سے کیا ہے اس لیے کہ مکمل اور پوری طرح عمدہ شئ وہی ہوتی ہے جو حلال بھی ہو۔ اگر دونوں ہی معنیٰ مراد لئے جائیں تو کوئی تضاد نہیں ہے۔ البتہ جس کے پاس اچھی چیز ہو ہی نہیں وہ اس ممانعت سے بری ہے۔

عشری اراضی کے احکام:

مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ، لفظ اخرجنا سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ عشری زمین سے عشر واجب ہے، اس آیت کے عموم سے امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے استدلال کیا ہے کہ عشری زمین کی ہر قلیل و کثیر پیداوار میں عشر واجب ہے، عشر اور خراج دونوں اسلامی حکومت کی جانب سے زمین پر عائد کردہ ٹیکس ہیں، ان میں فرق یہ ہے کہ عشر فقط ٹیکس نہیں بلکہ اس میں عبادت مالی کی حیثیت بھی ہے جیسا کہ زکوۃ میں ہے، اس لیے اس کو زکوۃ الارض بھی کہا جاتا ہے اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کا کوئی پہلو نہیں ہے، مسلمان چونکہ عبادت کا اہل ہے لہٰذا عشری زمین سے جو ٹیکس لیا جاتا ہے اسے عشر کہتے ہیں اور غیر مسلم سے جو اراضی کا ٹیکس لیا جاتا ہے اس کو خراج کہتے ہیں، عشری اور خراجی زمین کا فرق اور عشر و خراج کے تفصیلی مسائل کتب فقہ سے معلوم کیے جاسکتے ہیں، یہاں اس کا موقع نہیں۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ، بھلے اور نیک کام میں اگر مال خرچ کرنا ہو تو شیطان ڈراتا ہے کہ مفلس اور قلاش ہوجاؤ گے اور تمہارا افلاس کام رک جائے گا البتہ اگر برے کام میں خرچ کرنا ہو تو بڑی سے بڑی رقم خرچ کروا ڈالتا ہے چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مسجد مدرسہ یا کسی اور کار خیر کے لیے کوئی تعاون کے لیے پہنچ جائے تو صاحب خیر ایک معمولی رقم کے لیے بار بار حساب کی جانچ پڑتال کرتا ہے، اور چندہ والے کو بسا اوقات کئی کئی بار بلاتا ہے لیکن اگر سنیما، ٹیلی ویژن، شراب، بدکاری، اور مقدمہ بازی میں خرچ کرنا ہو تو یہی شخص بڑی سے بڑی رقم بے تحاشا خرچ کر ڈالتا ہے۔

''حکمت'' کے معنی اور تفسیر:

یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ، حکمت سے مراد صحیح بصیرت اور صحیح قوت فیصلہ ہے یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جس شخص کے پاس حکمت کی دولت ہوگی وہ ہرگز شیطان کی بتائی ہوئی راہ پر نہ چلے گا، بلکہ اس کشادہ راہ کو اختیار کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے، شیطان کے تنگ نظر مریدوں میں یہ بڑی ہوشیاری اور عقلمندی ہے کہ آدمی اپنی دولت کو سنبھال کر رکھے اور ہر وقت کمائی کی فکر میں لگا رہے لیکن جن کو اللہ کی جانب سے نور بصیرت کی دولت ملی ہے ان کی نظر میں یہ عین بے وقوفی ہے، حکمت اور دانائی ان کے نزدیک یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کمائے اس سے اپنی متوسط ضروریات پوری کرنے کے بعد باقی کو دل کھول کر بھلائی کے کاموں میں خرچ کرے۔

نذر کا حکم:

نذر اسی عبادت کی صحیح ہے جو واجبات کی جنس سے ہو اور خود واجب نہ ہو، مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص عیادتِ مریض کی نذر مانے تو واجب نہ ہوگی۔ نذر اگر معصیت کی نہ ہو تو پورا کرنا واجب ہے اگر کسی نے

معصیت کی نذر قسم کے ساتھ مانی تو نذر پوری نہ کرے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔

غیر اللہ کی نذر جائز نہیں:

نذر بھی چونکہ نماز روزہ کی طرح عبادت ہے لہٰذا غیر اللہ کے لیے جائز نہیں غیر اللہ کی نذر ماننا شرک ہے لہٰذا کسی بھی پیر، پیغمبر یا ولی کے نام کی نذر ماننا شرک ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔

خفیہ طور پر صدقہ افضل ہے:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّاهِیَ (الآیۃ) اس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں خفیہ طور پر صدقہ کرنا افضل ہے، سوائے اس صورت کے کہ جس میں اعلانیہ خرچ کرنے میں لوگوں کو ترغیب کا پہلو ہو یا تہمت سے بچنا مقصود ہو، تاہم مخصوص صورتوں کے علاوہ دیگر مواقع پر خاموشی سے خفیہ طور پر صدقہ کرنا ہی بہتر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جن لوگوں کو روز قیامت عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا ان میں وہ شخص بھی ہوگا جس نے اپنے دائیں ہاتھ سے ایسے خفیہ طریقہ سے صدقہ کیا ہوگا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے؟ (اس تعبیر سے مراد مبالغہ فی الخفاء ہے) نفلی صدقات کو چھپا کر اور جو صدقہ فرض ہو مثلاً زکوۃ وغیرہ اس کو علانیہ دینا افضل ہے۔

لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰهُمْ یہ جملہ معترضہ ہے یعنی آپ پر یہ واجب نہیں کہ آپ ان کو ہدایت یافتہ کردیں صرف رہنمائی کرنا اور راہ ہدایت دکھانا آپ کا فرض منصبی ہے۔

شان نزول:

عبد بن حمید اور نسائی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نقل کیا ہے کہ ابتداء میں مسلمان اپنے غیر مسلم رشتہ داروں اور عام غیر مسلم حاجتمندوں کی مدد کرنے میں تامل کرتے تھے، اور اس کو ناپسند کرتے تھے، ان کا خیال یہ تھا کہ صرف مسلمان حاجتمندوں کی مدد کرنا ہی انفاق فی سبیل اللہ ہے، اس آیت سے ان کی یہ غلط فہمی دور ہوگئی۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی والدہ اپنے کفر کے زمانہ میں اپنی بیٹی حضرت اسماء کی خدمت میں مدد کی خواہاں ہو کر مدینہ آئیں تو حضرت اسماء نے اپنی والدہ کی مدد اس وقت تک نہیں کی جب تک کہ آپ ﷺ سے اجازت نہ لے لی۔

مَسْئَلَہٗ: یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ صدقہ سے مراد نفلی صدقہ ہے جس کا انسانیت کی بنیاد پر ذمی کافر کو بھی دینا جائز ہے، البتہ صدقہ واجبہ مسلمان کے علاوہ کسی کو دینا جائز نہیں ہے۔

مَسْئَلَہٗ: کافر ذمی یعنی غیر حربی کو صرف زکوۃ وعشر دینا جائز نہیں البتہ دیگر صدقات واجبہ ونافلہ دینا جائز ہے، اور اس آیت میں زکوۃ داخل نہیں ہے۔ (معارف القرآن)

لَا یَسْـئَـلُـوْنَ الـنَّـاسَ اِلْحَافًا. اہلِ ایمان کی صفت یہ ہے کہ فقر وغربت کے باوجود وہ سوال سے بچتے ہیں اور الحاف یعنی اصرار سے سوال کرنے سے بچتے ہیں، بعض نے الحاف کے معنی کئے ہیں بالکل سوال نہ کرنا، اور بعض نے کہا ہے کہ وہ سوال میں الحاح وزاری نہیں کرتے، اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جو ایک ایک دو دو کھجور یا ایک ایک دو دو لقمے کے لیے دردر جا کر سوال کرتا ہے، مسکین تو وہ ہے جو سوال سے بچتا ہے، پھر آپ ﷺ نے لَا یَسْـئَـلُـوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا کا حوالہ پیش فرمایا (صحیح بخاری) اس لیے پیشہ ور گداگروں کے بجائے دین کے طلبہ علماء اور سفید پوش ضرورتمندوں کا پتہ چلا کر ان کی مدد کرنی چاہیے، کیونکہ ایسے لوگ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا عزت نفس اور خودداری کے خلاف سمجھتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا ای یاخُذُونَه وهُوَ الزِّیادةُ فی المُعامَلةِ بالنُّقُودِ والمَطْعُوْمَاتِ فی القَدْرِ اَو الاَجلِ لَا یَقُوْمُوْنَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ اِلَّا قِیامًا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ یَصْرَعُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ الجُنُوْنِ بِهِمْ متعلِقٌ بیَقُوْمُوْنَ ذٰلِكَ الذی نزَلَ بهِمْ بِاَنَّهُمْ بسَبَبِ اَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا فی الجَوازِ و هذا مِنْ عَکْسِ التَّشْبِیْهِ مُبَالَغةً فقالَ تعالٰی رَدًّا عَلَیْهِمْ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ بَلَغَهٗ مَوْعِظَةٌ وَعْظٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی عَنْ اَکْلِهٖ فَلَهٗ مَا سَلَفَ قبلَ النَّهْیِ ای لَا یُسْتَرَدُّ منه وَاَمْرُهٗٓ فی العَفْوِ عنه اِلَی اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ اِلَی اَکْلِهٖ مُشَبِّهًا لَهٗ بالبَیْعِ فی الحِلِّ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا یَنْقُصُهٗ ویُذْهِبُ بَرَکَتَهٗ وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ یَزِیْدُهَا و یُنَمِّیْهَا و یُضَاعِفُ ثَوابَهَا وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ بِتَحْلِیْلِ الرِّبٰوا اَثِیْمٍ ﴿۲۷۶﴾ فاجرٍ باَکْلِهٖ ای یُعَاقِبُهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا اُتْرُکُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ صَادِقِیْنَ فی اِیْمَانِکُمْ فَاِنَّ مِنْ شَانِ المُؤْمِنِ امْتِثَالَ اَمْرِ اللّٰهِ نَزَلَتْ لَمَّا طَالَبَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ بعدَ النَّهْیِ بِرِبًوا کانَ لَهٗ قَبْلُ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا ما اُمِرْتُمْ بِهٖ فَاْذَنُوْا اِعْلَمُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لکم فیهِ تَهْدِیْدٌ شَدِیْدٌ لَهُمْ وَلَمَّا نَزَلَتْ قالُوْا لَا یَدَیْ لَنَا بِحَرْبِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ رَجَعْتُمْ عَنْهُ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اُصُوْلُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ بِزِیَادَةٍ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ بِنَقْصٍ وَاِنْ كَانَ وَقَعَ غَرِیْمٌ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ لَهٗ ای عَلَیْکُمْ تَاخِیْرُهٗ اِلٰی مَیْسَرَةٍ بفتحِ السِّیْنِ وَضَمِّهَا ای وَقْتِ یُسْرِهٖ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا بالتشدیدِ علی اِدْغامِ التاءِ فی الاَصْلِ فی الصَّادِ وبالتخفیفِ علی حَذْفِهَا ای تَتَصَدَّقُوا علی المُعْسِرِ بالاِبْرَاءِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ اَنَّهٗ خَیْرٌ فافعَلُوْهُ فی الحدیثِ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عنهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فی ظِلِّهٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ رَوَاه مسلم وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ بالبناءِ

لِلْمَفْعُوْلِ تُرَدُّوْنَ وَ لِلْفَاعِلِ تَصِيْرُوْنَ **فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ** هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **ثُمَّ تُوَفّٰى** فِيْهِ **كُلُّ نَفْسٍ** جَزَاءَ **مَّا كَسَبَتْ** عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ وَ شَرٍّ **وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ** ﴿۲۸۱﴾ بِنَقْصِ حَسَنَةٍ اَوْ زِيَادَةِ سَيِّئَةٍ.

ترجمہ: جولوگ اپنا مال رات اور دن، پوشیدہ اور آشکارا خرچ کرتے رہتے ہیں سو ان لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے نہ ان کے لیے کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جولوگ سود کھاتے ہیں یعنی سود لیتے ہیں اور وہ معاملات میں نقود کی زیادتی اور ماکولات میں مقدار یا مدت میں زیادتی ہے، وہ لوگ قبروں سے نہ کھڑے ہوسکیں گے مگر اس شخص کے مانند جس کو شیطان لپٹ کر خبطی بنادیتا ہے (یعنی) جس کو شیطان پچھاڑ دیتا ہے، ان کو جنون ہونے کی وجہ سے (مِنَ الْمَسِّ) یقومون کے متعلق ہے۔ ان کی یہ حالت اس وجہ سے ہوگی کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع تو جواز میں سود کے مانند ہے اور یہ مبالغہ کے لیے الٹی تشبیہ ہے، ان کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے، پھر جس کے پاس اس کے پروردگار کی نصیحت پہنچ گئی اور وہ سودخوری سے باز آ گیا تو ممانعت سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہے وہ اس کا ہے (یعنی) اس سے واپس نہ لیا جائے گا، اور اس کے معاف کرنے کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے اور جو شخص سودخوری کی طرف لوٹے سود کو حلت میں بیع کے مشابہ قرار دیتے ہوئے تو یہی لوگ دوزخی ہیں، سو اس میں یہ لوگ ہمیشہ پڑے رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے یعنی اس کو کم کرتا ہے اور اس کی برکت ختم کر دیتا ہے اور صدقات میں اضافہ کرتا ہے (یعنی) اس کو نشو ونما دیتا ہے اور اس کا اجر دوگنا کر دیتا ہے، اور اللہ سود کو حلال قرار دے کر کسی کفر کرنے والے اور سودخوری کر کے گنہگار (فاجر) کو پسند نہیں کرتا۔ بے شک جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو (یعنی) اگر تم اپنے ایمان میں سچے ہو، اس لیے کہ مومن کی شان اللہ کا حکم بجالانا ہے، (آئندہ) آیت اس وقت نازل ہوئی جب بعض صحابہ نے سود کی ممانعت کے بعد سابقہ سود کا مطالبہ کیا، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے ساتھ اعلان جنگ ہے، اس میں ان کے لیے شدید دھمکی ہے اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو (صحابہ) نے کہا ہم میں اس کے ساتھ جنگ کی طاقت نہیں، اور اگر تم توبہ کر لو یعنی اس سے باز آ جاؤ تو (رأس المال) اصل سرمایہ کا تم کو حق ہے نہ تم زیادتی کر کے ظلم کرو۔ اور نہ کمی کر کے تم پر ظلم کیا جائے اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو تمہارے اوپر اس کی کشادہ دستی تک اس کے لیے مہلت ہے، (یعنی وصول یابی کو مؤخر کرنا ہے) (مَیْسَرَة) سین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، یعنی اس کی خوشحالی تک اور اگر تم معاف کر دو (تَصَدَّقُوْا) تشدید کے ساتھ تاء کو صاد میں ادغام کر کے اور تخفیف کے ساتھ تاء کو حذف کر کے، یعنی تنگ دست سے قرض معاف کر کے بری کر دو۔ تو تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو کہ یہ بہتر ہے تو ایسا کر لو، حدیث میں ہے کہ جس نے تنگ دست کو مہلت دی یا اس سے اپنا قرض معاف کر دیا تو اللہ اس کو اپنے سایہ میں رکھیں گے جس دن کہ اس کے سایہ کے

علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، (رواہ مسلم) اور اس دن سے ڈرو جس دن تم کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا مجہول کے صیغہ کے ساتھ۔ معنی لوٹائے جاؤ گے، اور معروف کے صیغہ کے ساتھ، یعنی تم لوٹو گے، وہ قیامت کا دن ہے پھر اس دن میں ہر شخص کو اس کے اعمال کا جو اس نے اچھے برے کئے ہوں گے، پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان کے اعمال حسنہ میں کمی کر کے یا اعمال سیئہ میں اضافہ کر کے ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ای یاخذونه، اس اضافہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اکل (کھانے) سے مراد صرف کھانا ہی نہیں ہے بلکہ مطلقاً لینا ہے خواہ کھائے یا لباس بنائے یا جمع کر کے رکھے یا کسی دوسرے کام میں استعمال کرے، مگر کھانا چونکہ اہم مصارف میں سے ہے اس لیے صرف کھانے کا ذکر کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: المطعومات، یہ قید مفسر علام نے امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے مذہب کے مطابق لگائی ہے اس لیے کہ ربوا کے لیے ان کے نزدیک از قبیل مطعومات یا ثمنیات ہونا ضروری ہے، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک قدر و جنس میں اتحاد کافی ہے، از قبیل مطعوم ہونا ضروری نہیں۔

قَوْلُہٗ: فی القدر او الاجل یہ المعاملہ سے بدل ہے قدر کا تعلق ربوا فضل سے ہے اور یہ اتحاد جنس کی صورت میں ہوگا اور الاجل کا تعلق اتحاد کے ساتھ ہے، اگر جنس مختلف ہو اور قدر میں اتحاد ہو تو تفاضل جائز ہے اور ادھار نا جائز ہوگا۔

قَوْلُہٗ: من قبورهم مفسر علام نے من قبورهم کی قید لگا کر اس شبہ کا جواب دیا کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے ہی سود خور ہیں مگر ان کے قیام و قعود میں کسی قسم کا خبط و عدم توازن نہیں ہوتا یہ تو واقعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے حالانکہ کلام باری میں کذب نہیں ہو سکتا۔

جَوَابٌ: قیام سے مراد روز محشر اپنی قبروں سے کھڑا ہونا ہے نہ کہ دنیا میں کھڑا ہونا اسی شبہ کے جواب کے لیے من قبورهم کی قید کا اضافہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: قیامًا

سُوَال: لفظ قیام کے اضافہ کا کیا فائدہ؟

جَوَابٌ: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ، میں حرف استثناء حرف (کاف) پر داخل ہے حالانکہ حرف استثناء کا حرف پر داخل ہونا صحیح نہیں ہے ''ما'' خواہ موصولہ ہو یا مصدریہ۔

جَوَابٌ: مستثنیٰ محذوف ہے اور وہ قیامًا، ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ: یَتَخَبَّطُهُ (تفعّل) سے مضارع واحد مذکر غائب "ہُ" ضمیر مفعول، اس کو پاگل بنا دیتا ہے، خبط کے اصل معنی غیر متوازن طریقہ پر چلنا کـخبط العشواء بے ڈھنگے پن سے چلنے والی اونٹنی یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی غیر متوازن طریقہ سے چلے۔

قولہ: من الجنون یہ اَلْمَسّ کی تفسیر ہے۔

قولہ: مِن عکسِ التشبیه الخ عکس اس لیے ہے کہ کلام ربوا میں ہے نہ کہ بیع میں لہٰذا ربوا کو بیع کے ساتھ تشبیہ دینا چاہیے تھا نہ کہ بیع کو ربوا کے ساتھ، ایسا مبالغہ کے طور پر کیا ہے، اس لیے کہ جواز ربوا ان کے نزدیک اصل تھا اسی پر بیع کو قیاس کیا۔

قولہ: وعظ، موعظة، کی تفسیر وعظ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ موعظة مصدر میمی ہے نہ کہ ظرف۔

قولہ: عنه، ای عن آکل الربوا۔

قولہ: الی اکلهٖ مشبهاً له بِالْبَیْعِ فی الحِلِّ اس عبارت سے ایک سوال کا جواب مقصود ہے۔

سوال: یہ ہے کہ آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ممانعت کے بعد اکل ربوا کا اعادہ و ارتکاب کرے گا تو وہ دائمی طور پر دوزخ میں جائے گا، جو کہ معتزلہ کا نظریہ ہے۔

جواب: کا خلاصہ یہ ہے کہ دائمی جہنم میں داخلہ اس صورت میں ہوگا کہ ربوا کو بیع کی مانند حلال سمجھ کر استعمال کرے۔

قولہ: یُعَاقِبهٗ یہ لَا یُحِبُّ کی تفسیر ہے۔

قولہ: بِحَرْبٍ، حرب کی تنکیر تعظیم و شدت پر دلالت کرتی ہے، نیز اللہ اور اس کے رسول کی جانب نسبت سے اس کی شدت میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

قولہ: لا یَدَیٰ لَنَا، ای لا طاقة لنا۔

قولہ: وَقَعَ غَرِیمٌ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کان تامہ ہے اس کو خبر کی ضرورت نہیں ہے یعنی کانَ، بمعنی وَقَعَ ہے۔

قولہ: ای عَلَیْکُمْ تاخیره، فَنَظِرة، مبتداء ہے اس کی خبر عَلَیْکُمْ تاخِیْرَهٗ محذوف ہے، خبر کے حذف کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی تاکہ فَنَظِرة جملہ ہو کر جواب شرط واقع ہو جائے، تاخیره کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ نَظِرة، انظار سے ہے جو بمعنی مہلت ہے نہ کہ نظر سے بمعنی رویت۔

قولہ: وقت یسره اس سے اشارہ کر دیا کہ مَیْسرة، ظرف ہے مصدر میمی نہیں ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

❶ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا (الآیة) اس آیت میں تشبیہ تمثیل (تشبیہ مرکب) استعمال ہوئی ہے سود خور کی جو حالت روز محشر قبر سے نکلنے کے وقت ہوگی اس کیفیت کو مشبہ بہ اور دنیا میں جو ایک سود خور کی کیفیت ہوتی ہے اس کو مشبہ قرار دے کر تشبیہ

مرکب منتزع کی گئی ہے، اسی کا نام تشبیہ تمثیلی ہے۔

دراصل اس آیت میں روز قیامت سودخوروں کے قبروں سے نکلنے کی حالت کی منظر کشی کی گئی ہے، سودخوراپنی قبروں سے نکلنے کے وقت سیدھے کھڑے تک نہ ہوسکیں گے کھڑے ہوں گے بھی تو دیوانوں، متوالوں، خبطیوں اور شرابیوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے غیر متوازن طریقہ سے کھڑے ہوں گے، جیسا کہ اس حالت کی ایک ہلکی سی جھلک سودخور میں دنیا میں بھی پائی جاتی ہے، مہاجن، ساہوکار جوروپے کے پیچھے دیوانہ باؤلا رہتا ہے واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے جن بھوت لپٹ گیا ہے اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے بس اس پرایک ہی دھن سوار رہتی ہے اور وہ دُھن ہوتی ہے سود کی، جس کی حرص وطمع اس قدر بڑھی ہوئی ہو لازم ہے کہ اس کا حشر بھی اسی مخبوط جنون زدہ حالت کے ساتھ ہو۔

❷ اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ، اس میں تشبیہ قلب جس کو عکس بھی کہتے ہیں استعمال ہوئی ہے یعنی بیع کو مشبہ اور ربوا کو مشبہ بہ قرار دیا ہے بطور مبالغہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حلت میں اصل ربوا ہے اور بیع بھی حلت میں ربوا کے مانند ہے حالانکہ حلت میں اصل بیع ہے بیع کو مشبہ بہ اور ربوا کو مشبہ ہونا چاہیے تھا۔

تفسیر وتشریح

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ (الآیۃ) اس آیت میں ان لوگوں کے اجر عظیم اور فضیلت کا بیان ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے عادی ہیں، یعنی جس وقت، جس گھڑی، جب بھی ضرورت ہو خواہ دن ہو یا رات غرضیکہ ہمہ وقت فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

شان نزول:

صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن عساکر نقل کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رَضِحَاللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے چالیس ہزار دینار اللہ کی راہ میں اس طرح خرچ کیے کہ دس ہزار دن میں دس ہزار رات میں، دس ہزار پوشیدہ طریقہ سے اور دس ہزار علانیہ طریقہ سے، تو ان کی فضیلت بیان کرنے کے لیے مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

عبدالرزاق اور عبد بن حمید وغیرہ نے عبدالوہاب ابن مجاہد عن ابیہ عن ابن عباس کے طریق سے اس آیت کا نزول حضرت علی کی شان میں نقل کیا ہے، کہ حضرت علی رَضِحَاللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کے پاس چار درہم تھے انہوں نے ایک کو رات میں اور ایک کو دن میں اور ایک کو پوشیدہ طریقہ سے اور ایک کو علانیہ طریقہ سے خرچ کیا، اس کے علاوہ بھی اور روایتیں مذکور ہیں۔ (فتح القدیر شوکانی)

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ.

''ربوا'' کے معنی زیادتی اور اضافہ کے ہیں اور شریعت میں اس کا استعمال ربا الفضل اور ربا النسیئہ پر ہوتا ہے ربا الفضل اس کو

کہتے ہیں جو اشیاء میں بلاعوض حاصل ہوتا ہے اور ربا النسیئہ اس فائدہ کو کہتے ہیں جو مدت کے عوض حاصل ہو۔ اصطلاح میں ربوا اس زائد رقم کے لیے استعمال کرتے ہیں جو ایک قرض خواہ اپنے قرض دار سے ایک طے شدہ شرح کے مطابق اصل کے علاوہ وصول کرتا ہے اسی کو ہماری زبان میں سود کہتے ہیں۔

نزول قرآن کے وقت سودی معاملات کی متعدد شکلیں رائج تھیں۔ اور وہ یہ تھیں مثلاً ایک شخص دوسرے شخص کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا اور ادائے قیمت کے لیے ایک وقت مقرر کر دیتا اگر وہ مدت گذر جاتی اور قیمت ادا نہ ہوتی تو وہ مزید مہلت دیتا اور قیمت میں اضافہ کر دیتا، یا مثلاً ایک شخص دوسرے شخص کو قرض دیتا اور اس سے طے کر لیتا کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل سے زائد ادا کرنی ہوگی، یا مثلاً قرض خواہ اور قرض دار کے درمیان ایک خاص مدت کے لیے ایک خاص شرح طے ہو جاتی تھی، اور اگر اس مدت میں اصل رقم مع اضافہ کے ادا نہ ہوتی تو مزید مہلت پہلے سے زائد شرح پر دی جاتی تھی اور اگر اس مدت میں اصل رقم مع اضافہ کے ادا نہ ہوتی تو پھر مزید مہلت پہلے سے زائد شرح پر دی جاتی تھی اسی نوعیت کے معاملات کا بیان یہاں کیا جا رہا ہے۔

یہ کل چھ آیتیں ہیں جن میں سود کی حرمت اور احکام کا بیان ہے، پہلی آیت کے جملہ میں سود خوروں کے انجام بد اور محشر میں ان کی رسوائی اور گمراہی کا ذکر ہے جس میں سود خور کی حالت کو ایک آسیب زدہ کی حالت سے تشبیہ دی ہے، ضمناً اس آیت سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ شیطان کے اثر سے انسان بیہوش یا مجنون ہو سکتا ہے، اور اہل تجربہ کے متواتر مشاہدات اس پر شاہد ہیں۔ اور حافظ ابن قیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے لکھا ہے کہ اطباء اور فلاسفہ نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے کہ صرع، بیہوشی یا جنون مختلف اسباب سے ہوتا ہے ان میں بعض اوقات جنات و شیاطین کے اثر کا سبب بھی ہوتا ہے جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے ان کے پاس بجز ظاہری استبعاد کے کوئی دلیل نہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ان کا کہنا تھا کہ بیع اور ربوا میں کیا فرق ہے دونوں میں مقصد حصول نفع ہے پھر تجارت حلال اور ربوا کیوں حرام ہو؟ یہ نظریہ کی خرابی بلکہ عقل کا دیوالیہ پن نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ تجارت میں اصل لاگت پر جو نفع لیا جاتا ہے اس کی نوعیت اور سود کی نوعیت کا فرق وہ نہیں سمجھتے اور دونوں کو ایک ہی قسم کی چیز سمجھ کر یوں استدلال کرتے ہیں کہ جب تجارت میں لگے ہوئے روپے کا منافع جائز ہے تو قرض پر دیئے ہوئے روپے کا منافع کیوں ناجائز ہے؟ اسی قسم کے دلائل موجودہ زمانہ کے سود خور بھی سود کے حق میں پیش کرتے ہیں، مگر یہ لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ دنیا میں جتنے کاروبار ہیں خواہ وہ تجارت کے ہوں یا صنعت و حرفت کے یا زراعت کے، اور خواہ انھیں آدمی صرف اپنی محنت سے کرتا ہو یا اپنے سرمایہ اور محنت سے ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جس میں آدمی نقصان کا خطرہ مول نہ لیتا ہو اور جس میں آدمی کے لیے لازماً ایک حقیر منافع کی ضمانت ہو، پھر آخر پوری کاروباری دنیا میں ایک قرض دینے والا سرمایہ دار ہی ایسا کیوں ہو جو نقصان کے خطرہ سے بچ کر ایک مقرر لازمی نفع کا حقدار قرار پائے؟

سوال یہ ہے کہ جو لوگ ایک کاروبار میں اپنا وقت، اپنی محنت، اپنی قابلیت اور اپنا سرمایہ رات دن کھپاتے رہے ہیں اور جن کی سعی و کوشش کے بل پر ہی اس کاروبار کا بارآور ہونا موقوف ہے ان کے لیے تو ایک مقرر منافع کی ضمانت نہ ہو بلکہ

نقصان کا سارا خطرہ ان ہی کے سر ہو مگر سرمایہ دار جس نے اپنا روپیہ انہیں قرض دیا ہو وہ بے خطر ایک طے شدہ منافع وصول کرتا چلا جائے یہ آخر کس عقل اور کس اصول انصاف اور کس اصول معاشیات کی رو سے درست ہیں؟ متجد دین کو نہ معلوم اس کی قباحت کیوں نظر نہیں آتی؟ یہ ظلم کی ایک واضح صورت ہے جسے شریعتِ اسلامیہ کس طرح جائز قرار دے سکتی ہے؟ علاوہ ازیں شریعت تو اہل ایمان کو معاشرے کے ضرورت مندوں پر بغیر کسی دنیوی غرض اور منفعت کے خرچ کرنے کی ترغیب دیتی ہے جس کی وجہ سے معاشرہ میں اخوت، بھائی چارے، ہمدردی، تعاون اور شفقت ومحبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں، اس کے برعکس سودی نظام سے سنگ دلی خودغرضی نفرت، وحشت وعداوت کا جذبہ فروغ پاتا ہے، ایک سود خور سرمایہ دار کو اپنے سرمایہ سے غرض ہوتی ہے چاہے معاشرہ میں ضرورت مند بیماری وافلاس سے کراہ رہے ہوں شریعت اس سنگدلی کو کس طرح پسند کر سکتی ہے؟ بہرحال سود مطلقاً حرام ہے خواہ ذاتی غرض کے لیے ہو یا تجارتی مقاصد کے لئے۔

تجارت اور سود میں اصولی فرق:

جس کی بنا پر دونوں کی معاشی اور اخلاقی حیثیت ایک نہیں ہو سکتی یہ ہے کہ۔

❶ تجارت میں بائع اور مشتری کے درمیان منافع کا مساویانہ تبادلہ ہوتا ہے، کیونکہ مشتری اس چیز سے نفع اٹھاتا ہے جسے اس نے بائع سے خریدا ہے اور بائع اپنی محنت، ذہانت اور وقت کی اجرت لیتا ہے، جس کو اس نے مشتری کے لیے وہ چیز مہیا کرنے میں صرف کیا ہے بخلاف اس کے سودی لین دین میں منافع کا تبادلہ برابری کے ساتھ نہیں ہوتا۔ سود لینے والا تو مال کی ایک مقررہ مقدار لے لیتا ہے جو اس کے لیے یقیناً نفع بخش ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں سود دینے والے کو صرف مہلت ملتی ہے جس کا نفع بخش ہونا یقینی نہیں، اگر اس نے سرمایہ اپنی ذاتی ضرورت پر خرچ کرنے کے لیے لیا ہے تب تو ظاہر ہے کہ مہلت اس کے لیے قطعی نافع نہیں ہے، اور اگر وہ تجارت، زراعت یا صنعت وحرفت میں لگانے کے لیے سرمایہ لیتا ہے تب بھی مہلت میں جس طرح اس کے لیے نفع کا امکان ہے اسی طرح نقصان کا بھی امکان ہے، پس سود کا معاملہ یا تو ایک فریق کے فائدے اور دوسرے کے نقصان پر ہوتا ہے یا ایک کے یقینی اور متعین فائدے اور دوسرے کے غیر یقینی اور غیر متعین فائدے پر۔

❷ تجارت میں بائع، مشتری سے خواہ کتنا ہی زائد نفع لے بہرحال وہ جو کچھ لیتا ہے ایک ہی بار لیتا ہے، لیکن سود کے معاملہ میں مال دینے والا اپنے مال پر مسلسل منافع وصول کرتا رہتا ہے اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا منافع بڑھتا چلا جاتا ہے، مدیون نے اس کے مال سے خواہ کتنا ہی فائدہ حاصل کیا ہو بہرحال اس کا فائدہ ایک خاص حد تک ہی ہوگا، مگر دائن اس فائدے کے بدلے میں جو نفع اٹھاتا ہے اس کے لیے کوئی حد نہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ مدیون کی پوری کمائی، اس کے تمام وسائل معیشت حتی کہ اس کے تن کے کپڑے اور گھر کے برتن تک ہضم کر لے اور پھر بھی اس کا مطالبہ باقی رہے۔

❸ تجارت میں شئی اور اس کی قیمت کا تبادلہ ہونے کے ساتھ ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد مشتری کو کوئی چیز بائع کو واپس دینی نہیں ہوتی۔ مکان یا دکان یا زمین یا سامان کے کرایہ میں اصل شئی جس کے استعمال کا معاوضہ دیا جاتا ہے

صَرف نہیں ہوتی بلکہ برقرار رہتی ہے اور بجنسہٖ مالک جائداد کو واپس دیدی جاتی ہے، لیکن سود کے معاملہ میں قرض دار سرمایہ کو صَرف کرسکتا ہے اور پھر اس کو صرف شدہ مال دوبارہ پیدا کر کے اضافہ کے ساتھ واپس دینا ہوتا ہے، ان وجوہ کی بناء پر تجارت اور سود کی معاشی حیثیت میں اتنا عظیم فرق ہوجاتا ہے کہ تجارت انسانی تمدن کی تعمیر کرنے والی قوت بن جاتی ہے اور اس کے برعکس سود اس کی تخریب کرنے کا موجب بنتا ہے پھر اخلاقی حیثیت سے سود کی یہ عین فطرت ہے کہ وہ افراد میں بخل، خودغرضی، شقاوت، نفرت، بے رحمی اور زر پرستی جیسی صفات پیدا کرتا ہے۔ اور ہمدردی وامداد باہمی کی روح کو فنا کرتا ہے اس بنا پر سود معاشی اور اخلاقی دونوں حیثیت سے نوع انسانی کے لیے تباہ کن ہے۔

سود کا اخلاقی نقصان:

اخلاقی اور روحانی حیثیت سے آپ دیکھیں تو آپ کو یہ بات بالکل واضح طور پر نظر آئے گی کہ سود دراصل خودغرضی، بُخل، تنگ دلی اور سنگ دلی جیسی صفات کا نتیجہ ہے اور وہ ان ہی صفات کو انسان میں نشو ونما دیتا ہے۔ اس کے برعکس صدقات کے نتیجہ میں فیاضی، ہمدردی، فراخ دلی اور عالی ظرفی جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں، اور صدقات پر عمل کرتے رہنے سے یہی صفات انسان کے اندر پرورش پاتی ہیں، کون ہے جو اخلاقی صفات کے ان دونوں مجموعوں میں سے پہلے مجموعہ کو بدترین اور دوسرے کو بہترین نہ مانتا ہو۔

سود کا معاشی نقصان:

معاشیات کے نقطۂ نظر سے سودی قرض دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ قرض جو اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے لیا جاتا ہے۔ دوسرا وہ قرض جو تجارت، صنعت وحرفت اور زراعت وغیرہ کے کاموں پر لگانے کے لیے پیشہ ور لوگ لیتے ہیں، پہلی قسم کے قرض کے بارے میں تو دنیا جانتی ہے کہ اس پر سود وصول کرنے کا طریقہ نہایت ہی تباہ کن ہے، دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں کہ جس میں مہاجن افراد اور مہاجن ادارے اس ذریعہ سے غریب مزدوروں، کاشتکاروں، قلیل المعاش عوام کا خون نہ چوس رہے ہوں، سود کی وجہ سے اس قسم کا قرض لوگوں کے لیے ادا کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات ناممکن ہوجاتا ہے ایک قرض ادا کرنے کے لیے دوسرا اور تیسرا قرض لیتے چلے جاتے ہیں، اصل رقم سے کئی گنا سود دے چکنے کے باوجود بھی اصل رقم جوں کی توں باقی کھڑی رہتی ہے، محنت پیشہ کی آمدنی کا بیشتر حصہ مہاجن لے جاتا ہے اور اس غریب کی اپنی کمائی میں سے اس کے پاس اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے بھی کافی روپیہ نہیں بچتا، یہ صورتِ حال رفتہ رفتہ کارکن کی اپنے کام سے دلچسپی ختم کردیتی ہے جس کی وجہ سے ملکی پیداوار میں شدید نقصان ہوتا ہے، جس سے ملک کی معیشت زوال پذیر ہوجاتی ہے، اس کے علاوہ سودی قرض کے جال میں پھنسے ہوئے لوگوں کو ہر وقت کی فکر و پریشانی گھلا دیتی ہے اور تنگدستی کی وجہ سے ان کے لیے صحیح غذا اور علاج اس قدر

مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کی صحتیں کبھی درست نہیں رہ سکتیں، سودی قرض کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند افراد تو لاکھوں آدمیوں کا خون چوس چوس کر موٹے ہوتے رہتے ہیں۔ مگر نادار اور کمزور اور زیادہ نادار اور کمزور ہوتا چلا جاتا ہے، اور انجام کار خود خون چوسنے والے افراد اس کے نقصانات سے نہیں بچ سکتے، کیونکہ ان کی اس خود غرضی سے غریب عوام کو جو تکلیف پہنچتی ہے اس کی بدولت مالداروں کے خلاف غصے اور نفرت کا ایک طوفان دلوں میں اٹھتا رہتا ہے اور کسی انقلاب کے موقع پر جب یہ آتش فشاں پھٹتا ہے تو ان ظالم مالداروں کو اپنے مال کے ساتھ اپنی جان اور آبرو سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جاتا ہے۔

فَمَنْ جَآءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ. اس جملہ میں یہ ارشاد ہے کہ سود حرام ہونے سے پہلے جس شخص نے کوئی رقم جمع کر لی تھی لیکن جب سود کو حرام قرار دیا گیا تو اگر آئندہ کے لیے اس نے توبہ کر لی اور باز آ گیا تو اس سے پہلے جمع شدہ رقم ظاہر شرع کے حکم سے اسی کی ہوگی اور باطنی معاملہ اس کا کہ وہ دل سے باز آیا یا منافقانہ توبہ کی اس کا یہ معاملہ خدا کے حوالہ رہا، عام لوگوں کو بدگمانی کرنے کا حق نہیں ہے، اور جو شخص نصیحت سنکر بھی اسی قول و فعل کی طرف پھر عود کرے تو چونکہ سود خوری گناہ ہے جس کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے اور چونکہ ان کا یہ قول کہ ''سود مثل بیع کے حلال ہے'' کفر ہے، جس کی وجہ سے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقَاتِ، اس آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے یہاں سود کے ساتھ صدقات کا ذکر ایک خاص مناسبت سے کیا گیا ہے وہ یہ کہ سود اور صدقہ کی حقیقت میں تضاد ہے اور اس کے نتائج بھی مختلف ہیں اور عموماً ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی غرض اور نیت بھی متضاد ہوتی ہے۔

حقیقت کا تضاد تو یہ ہے کہ صدقہ میں تو بغیر کسی معاوضہ کے اپنا مال دوسروں کو دیا جاتا ہے اور سود میں بغیر کسی معاوضہ کے دوسرے کا مال لیا جاتا ہے۔ ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض اس لیے متضاد ہے کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اپنے مال کو کم یا ختم کر دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور سود لینے والا اپنے موجودہ مال پر ناجائز زیادتی کا خواہشمند ہے، اور ان دونوں کا انجام بھی متضاد ہے صدقہ سے معاشرہ میں ہمدردی، الفت، محبت وشفقت جنم لیتی ہے اور سود سے غصہ، عداوت، نفرت اور خود غرضی فروغ پاتی ہیں۔

سود کو مٹانے اور صدقہ کو بڑھانے کے وعدہ وعید کا مشاہدہ پوری طرح تو آخرت میں ہو کر ہی رہے گا لیکن دنیا میں بھی سود کھانے میں برکت و خیریت برائے نام بھی نظر نہ آئے گی۔ اس کے برعکس ایک شخص کو نبی ﷺ نے شب معراج میں خون کے دریا میں غوطہ کھاتے دیکھا تو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت فرمایا یہ کون شخص ہے؟ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ یہ سود کھانے والا ہے۔ ایک سود خور مہاجن چونکہ عوام الناس قلیل المایہ لوگوں کا بے رحمی سے خون چوس چوس کر خود کو فربہ کرتا ہے اس لیے مثالی شکل کے طور پر سود خور کو خون کے دریا میں تیرتا ہوا دکھایا گیا، اس کے علاوہ دنیا میں بھی سود خور قوموں اور افراد کی تباہی و بربادی کا انجام بارہا دنیا نے دیکھا ہے سود خوری کی عادت بنیوں اور مہاجنوں کے دل میں روپیہ کو فی نفسہٖ محبوب بنا دیتی ہے۔ سود خور روپے پیسے سے محبت کی وجہ سے خرچ نہیں کرتا جس کی وجہ سے روپیہ خرچ کرنا اس کے لیے جان نکالنے کے برابر

ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ خود بھی اپنی دولت سے کما حقہ لطف وراحت حاصل نہیں کر پاتا۔ اس کے مقابلہ میں صدقہ کی برکتیں ملی غمخواری وہمدردی، ایک دوسرے کی مشارکت ومعاونت، قوم وافراد دونوں میں مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔ بینکوں کے آئے دن لوٹنے، مہاجنوں اور بنیوں کے دیوالیہ نکلتے رہنے اور پھر اس سے ہزاروں گھروں کی تباہی وبربادی کس نے نہیں دیکھی۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ، اس میں دونوں قسم کے نافرمان شامل ہیں سود کی حرمت کا عقیدہ رکھنے کے باوجود سودی کاروبار کرنے والے اور سود کی حرمت کا عقیدہ نہ رکھنے والے بھی یہ دونوں جہنم میں جائیں گے لیکن دائمی دخول ان سودخوروں کی سزا ہے جو سود کو حلال سمجھ کر سودی کاروبار کرتے ہیں۔

سامانِ راحت اور چیز ہے اور راحت اور چیز:

یہاں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ آج تو سودخوروں کو بڑی سے بڑی راحت وعزت حاصل ہے وہ کوٹھیوں، بنگلوں کے مالک ہیں عیش وآرام کے سارے سامان مہیا ہیں، کھانے پینے پہننے اور رہنے سہنے کی ضروریات بلکہ فضولیات بھی سب ان کو حاصل ہیں، نوکر چاکر اور شان وشوکت کے تمام اسباب موجود ہیں، لیکن غور کیا جائے تو ہر شخص سمجھ لے گا کہ سامانِ راحت اور راحت میں بڑا فرق ہے، سامانِ راحت تو فیکٹریوں، کارخانوں میں بنتا ہے اور بازاروں میں بکتا ہے وہ سونے چاندی کے عوض حاصل ہوسکتا ہے، لیکن جس شئ کا نام راحت ہے وہ نہ کسی فیکٹری میں بنتی ہے اور نہ کسی منڈی میں بکتی ہے وہ تو ایک ایسی رحمت ہے جو براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے وہ بعض اوقات ہزاروں سامانِ راحت کے باوجود حاصل نہیں ہوتی، ایک نیند ہی کی راحت کو دیکھ لیجئے کہ اس کو حاصل کرنے کے لیے یہ تو کر سکتے ہیں کہ سونے کے لیے بہتر مکان بنائیں، ہوا، روشنی کا پورا اعتدال ہو، مکان کا فرنیچر دیدہ زیب و دل خوش کن ہو، مسہری اور گدے تکئے حسب منشا ہوں، لیکن کیا نیند کا آجانا ان سامانوں کے مہیا ہونے پر لازمی ہے؟ اگر آپ کو کبھی اتفاق نہ ہوا ہو تو ہزاروں انسان اس کا جواب نفی میں دیں گے جن کو کسی عارضہ کی وجہ سے نیند نہیں آتی امریکہ جیسے مالدار ومتمول ملک کے متعلق بعض رپورٹوں سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں پچھتر فیصد آدمی خواب آور گولیوں کے بغیر سو ہی نہیں سکتے، اور بعض اوقات خواب آور گولیاں بھی جواب دے دیتی ہیں، نیند کا سامان تو آپ بازار سے خرید لائے مگر نیند آپ کسی بازار سے کسی قیمت پر نہیں لا سکتے، اسی طرح دوسری راحتوں اور لذتوں کا حال ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ، زمانۂ جاہلیت میں قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں سود در سود کی وجہ سے اصل رقم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا تھا جس سے وہ تھوڑی سی رقم ایک پہاڑ بن جاتی اور اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی، اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی تنگ دست ہو تو (سود لینا تو درکنار اصل مال لینے میں بھی) آسانی تک مہلت دو، اور اگر قرض بالکل ہی معاف کر دو تو زیادہ بہتر ہے احادیث میں بھی اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، کتنا فرق ہے ان دونوں نظاموں میں؟ ایک سراسر ظلم، تنگدلی اور خودغرضی پر مبنی نظام اور دوسرا ہمدردی تعاون اور ایک دوسرے کو

سہارا دینے والا نظام ہے اگر مسلمان خود ہی اس بابرکت نظام الٰہی کو نہ اپنائیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور اور اللہ پر کیا الزام؟ کاش مسلمان اپنے دین کی افادیت اور اہمیت کو سمجھ لیں اور اس پر اپنے نظام زندگی کو استوار کرسکیں۔

وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَى اللّٰهِ (الآیة) بعض آثار میں ہے کہ یہ قرآن کی آخری آیت ہے جو نبی ﷺ پر نازل ہوئی، اس کے چند دن بعد ہی آپ ﷺ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ (ابن کثیر)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ تَعَامَلْتُمْ **بِدَیْنٍ** كَسَلْمٍ وَ قَرْضٍ **اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى** معلومٍ **فَاكْتُبُوْهُ** اِسْتِیْثَاقًا و دَفْعًا لِلنِّزَاعِ **وَلْیَكْتُبْ** كِتَابَ الدَّیْنِ **بَّیْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ** بِالْحَقِّ فِی كِتَابَتِهٖ لَا یَزِیْدُ فِی الْمَالِ وَالْاَجَلِ وَ لَا یَنْقُصُ **وَلَا یَاْبَ** یَمْتَنِعْ **كَاتِبٌ** مِنْ **اَنْ یَّكْتُبَ** اذا دُعِیَ اِلَیْهَا **كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ** ای فَضَّلَهٗ بِالْكِتَابَةِ فلا یَبْخَلْ بِهَا والكافُ متعلِّقَةٌ بِیَاْبَ **فَلْیَكْتُبْ** تاكیدٌ **وَلْیُمْلِلِ** علَى الْكَاتِبِ **الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ** الدَّیْنُ لِاَنَّهُ المشهودُ علیهِ فَیُقِرُّ لِیَعْلَمَ مَا عَلَیْهِ **وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ** فِی اِمْلَائِهٖ **وَلَا یَبْخَسْ** یَنْقُصْ **مِنْهُ** ای الحقِّ **شَیْـًٔا فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا** مُبَذِّرًا **اَوْ ضَعِیْفًا** عَنِ الْاِمْلَاءِ لِصِغَرٍ اوْ كِبَرٍ **اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ** لِخَرَسٍ اَوْ جَهْلٍ بِاللُّغَةِ او نحوِ ذلكَ **فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ** مُتَوَلِّی اَمْرِهٖ مِنْ وَالِدٍ وَوَصِیٍّ وَ قَیِّمٍ وَمُتَرْجِمٍ **بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا** اَشْهِدُوْا عَلَى الدَّیْنِ **شَهِیْدَیْنِ** شَاهِدَیْنِ **مِنْ رِّجَالِكُمْ** ای بَالِغِی الْمُسْلِمِیْنَ الْاَحْرَارِ **فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا** ای الشَّاهِدَانِ **رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ** یَشْهَدُوْنَ **مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ** لِدِیْنِهٖ وَعَدَالَتِهٖ و تَعَدُّدُ النِّسَاءِ لِاَجْلِ **اَنْ تَضِلَّ** تَنْسَى **اِحْدٰىهُمَا** الشَّهَادَةَ لِنَقْصِ عَقْلِهِنَّ وَ ضَبْطِهِنَّ **فَتُذَكِّرَ** بِالتَّخْفِیْفِ والتشدیدِ **اِحْدٰىهُمَا** الذَّاكِرَةُ **الْاُخْرٰى ؕ** النَّاسِیَةَ وَجُمْلَةُ الْاِذْكَارِ مَحَلُّ الْعِلَّةِ ای لِتُذَكِّرَ اِنْ ضَلَّتْ وَدَخَلَتْ على الضَّلَالِ لِاَنَّهٗ سَبَبُهٗ وفی قراءةٍ بِكَسْرِ اِنْ شَرْطِیَّةٌ وَرَفْعِ تُذَكِّرُ اِسْتِئْنَافٌ جوابُهٗ **وَلَا یَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا** زائدةٌ **دُعُوْا ؕ** اِلَى تَحَمُّلِ الشَّهَادَةِ وَاَدَائِهَا **وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا** تَمَلُّوْا مِنْ **اَنْ تَكْتُبُوْهُ** ای مَا شَهِدْتُمْ علیه مِنَ الْحَقِّ لِكَثْرَةِ وُقُوْعِ ذلكَ **صَغِیْرًا** كانَ **اَوْ كَبِیْرًا** قلیلا او كثیرا **اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ** وَقْتِ حُلُوْلِهٖ حَالٌ مِنَ الهاءِ فی تَكْتُبُوْهُ **ذٰلِكُمْ** ای الْكِتْبُ **اَقْسَطُ** اَعْدَلُ **عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ** ای اَعْوَنُ عَلَى اِقَامَتِهَا لِاَنَّهٗ یُذَكِّرُهَا **وَاَدْنٰۤى** اَقْرَبُ اِلَى **اَلَّا تَرْتَابُوْۤا** تَشُكُّوْا فِی قَدْرِ الْحَقِّ وَالْاَجَلِ **اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ** تَقَعَ **تِجَارَةً حَاضِرَةً** وفی قراءةٍ بِالنَّصْبِ فَتَكُوْنُ نَاقِصَةً وَاسْمُهَا ضَمِیْرُ التِّجَارَةِ **تُدِیْرُوْنَهَا بَیْنَكُمْ** ای تَقْبِضُوْنَهَا وَ لَا اَجَلَ فیها **فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ** فِی **اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ** وَالْمُرَادُ بِهَا الْمُتَّجَرُ فیه **وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَایَعْتُمْ** عَلَیْهِ فَاِنَّهٗ اَدْفَعُ لِلْاِخْتِلَافِ وَ هٰذَا وَمَا قَبْلَهٗ اَمْرُ نَدْبٍ **وَلَا یُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ ؕ۬** صَاحِبَ الْحَقِّ وَمَنْ عَلَیْهِ بِتَحْرِیْفٍ اَوْ اِمْتِنَاعٍ مِنَ الشَّهَادَةِ اَوِ الْكِتَابَةِ اَوْ لَا یَضُرُّهُمَا صَاحِبُ الْحَقِّ بِتَكْلِیْفِهِمَا مَا لَا یَلِیْقُ فِی الْكِتَابَةِ وَالشَّهَادَةِ **وَاِنْ تَفْعَلُوْا** مَا نُهِیْتُمْ

عنہُ **فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ** خُرُوْجٌ عَنِ الطَّاعَةِ لَاحِقٌ **بِكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ** فِي اَمْرِهٖ وَ نَهْيِهٖ **وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ** مَصَالِحَ اُمُوْرِكُمْ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَوْ مُسْتَانِفٌ **وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ** اَيْ مُسَافِرِيْنَ وَ تَدَايَنْتُمْ **وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ** وَفِي قِرَاءَةٍ فَرُهُنٌ **مَّقْبُوْضَةٌ** تَسْتَوْثِقُوْنَ بِهَا وَ بَيَّنَتِ السُّنَّةُ جَوَازَ الرَّهْنِ فِي الْحَضَرِ وَوُجُوْدِ الْكَاتِبِ فَالتَّقْيِيْدُ بِمَا ذُكِرَ لِاَنَّ التَّوَثُّقَ فِيْهِ اَشَدُّ وَاَفَادَ قَوْلُهٗ مَقْبُوْضَةٌ اِشْتِرَاطَ الْقَبْضِ فِي الرَّهْنِ وَالْاِكْتِفَاءَ بِهٖ مِنَ الْمُرْتَهِنِ وَ وَكِيْلِهٖ **فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا** اَيْ الدَّائِنُ الْمَدِيْنَ عَلٰى حَقِّهٖ فَلَمْ يَرْتَهِنْ **فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ** اَيْ الْمَدِيْنُ **اَمَانَتَهٗ** دَيْنَهٗ **وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ** فِي اَدَائِهٖ **وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ** اِذَا دُعِيْتُمْ لِاِقَامَتِهَا **وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ** خُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهٗ مَحَلُّ الشَّهَادَةِ وَلِاَنَّهٗ اِذَا اَثِمَ تَبِعَهٗ غَيْرُهٗ فَيُعَاقَبُ مُعَاقَبَةَ الْاٰثِمِيْنَ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾** لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهُ.

۳۹ ع ۷

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم ادھار کا مثلاً بیع سلم کا اور قرض کا معاملہ ایک مدتِ معلومہ کے لیے کرنے لگو تو اس کو دستاویز کے طور پر نزاع دفع کرنے کے لیے لکھ لیا کرو اور تمہارے درمیان قرض (کی تحریر) لکھنے والے کو چاہیے کہ حق (وانصاف) سے لکھے مال اور مدت میں نہ زیادتی کرے اور نہ کمی۔ اور لکھنے والے کو لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ جب اس سے لکھنے کے لیے کہا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھنا سکھلایا ہے۔ یعنی کتابت کے ذریعہ اس کو فضیلت بخشی ہے لہٰذا لکھنے میں بخیلی نہ کرے۔ اور کاف، یـــا بـــ سے متعلق ہے پس چاہیے کہ وہ لکھ دے۔ یہ تاکید ہے۔ اور جس پر حق ہے (یعنی) مقروض کو چاہیے کہ کاتب کو لکھائے۔ اس لیے کہ وہی مشہود علیہ ہے تو اقرار کرے تاکہ معلوم ہو کہ اس پر کیا واجب ہے؟ اور کاتب کو لکھانے میں اپنے رب اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور حق میں سے کچھ بھی کم نہ کرے پس اگر مدیون کم عقل فضول خرچ ہو یا صغر سنی یا کبر سنی کی وجہ سے (جسمانی طور) پر ضعیف ہو۔ یا گونگا ہو یا زبان نہ جاننے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے لکھانے پر قادر نہ ہو تو اس کے کارندے کو چاہیے کہ ٹھیک ٹھیک لکھائے (کارندہ) خواہ والد ہو، یا وصی ہو، یا منیجر ہو، یا مترجم ہو، اور قرض پر بالغ، مسلمان آزاد مردوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنا لینا چاہیے۔ اور اگر دو مرد گواہ میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہو جائیں، ایسے گواہ جن کو تم ان کے دین اور عدالت کی وجہ سے پسند کرتے ہو اور عورتوں کے دو عدد ہونے میں مصلحت یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک شہادت بھول جائے ان کی عقل اور یادداشت کے ناقص ہونے کی وجہ سے تو ان میں سے ایک یعنی یاد رکھنے والی دوسری یعنی بھولنے والی کو یاد دلا دے (فَتُذَكِّرَ) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے حقیقت میں اِذْکَار لام علت کے داخلہ کا محل ہے، ای لِتُذَكِّرَ اِنْ ضَلَّتْ، اگر بھول جائے تو یاد دلا دے، اور لام علت ضلال پر اس لیے داخل ہوا ہے کہ وہی سبب تذکیر ہے اور ایک قراءت میں، اِنْ شرطیہ کسرہ اور تذکر رفع کے ساتھ جملہ مستانفہ اور جوابِ شرط ہے اور جب گواہ بننے یا گواہی دینے کے لیے گواہوں کو بلایا جائے، "ما"

زائدہ ہے، تو انکار نہ کرنا چاہیے معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ادائیگی کی میعاد کی تعیین کے ساتھ لکھانے میں تساہل نہیں برتنا چاہیے، یعنی جس پر تم نے حق کی شہادت دی ہے، اس کے کثرت سے واقع ہونے کی وجہ سے اکتانا نہیں چاہیے (الی اجلہ) تکتبوا کی ضمیر سے حال ہے۔ یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک زیادہ قرین عدل ہے اور شہادت کو قائم کرنے پر زیادہ معاون ہے اس لیے کہ یہ تحریر شہادت کی یاد دلاتی ہے اور زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم حق کی مقدار اور مدت کے بارے میں شک میں نہ پڑو (اور) اگر لین دین دست بدست (نقد) ہو جس کا تم لین دین کرتے رہتے ہو (یعنی مبیع اور ثمن پر) دست بدست قبضہ کرتے ہو اور اس کی کوئی مدت نہیں ہوتی (یعنی ادھار نہیں ہوتا) اور (تجارۃً حاضرۃً) ایک قراءت میں نصب کے ساتھ ہے اس صورت میں "تکون" ناقصہ ہوگا اور اس کا اسم، تجارۃ (کی طرف لوٹنے والی) ضمیر ہوگی تو تمہارے لیے اس صورت میں کوئی مضائقہ نہیں کہ نہ لکھو، اور تجارت سے مراد سامان تجارت ہے (تب بھی تم اس پر) گواہ کرلیا کرو جب خرید وفروخت کرو اس لیے کہ یہ بات اختلاف کو زیادہ ختم کرنے والی ہے، اور (شہادت کا یہ حکم اور ماقبل میں کتابت کا حکم) استحبابی ہے۔ اور کاتب وگواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے یعنی صاحب حق اور جس پر حق ہے نقصان نہ پہنچائیں۔ (تحریر) میں تحریف کرکے یا گواہ کو اور کاتب کو گواہی اور کتابت سے روک کر اور نہ صاحب حق کاتب اور گواہ کو تکلیف پہنچائے ان کو ایسی بات کے لیے مجبور کرکے جو شہادت اور کتابت کے لائق نہیں اور اگر تم ممنوعہ حکم کا ارتکاب کروگے تو یہ تمہارے حق میں ایک گناہ ہے جو تم کو لاحق ہوگا یعنی طاعت سے خروج ہے، اس کی امر ونہی کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تم کو تمہارے معاملات کی مصلحتیں سکھاتا ہے اور (وَیعلمکم، اتقوا کی ضمیر سے) حال مقدرہ ہے۔ یا کلام مستانفہ ہے اور اللہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے اور اگر تم حالت سفر میں ہو یعنی مسافر ہو اور ادھار لینے دینے کی نوبت آجائے اور کسی لکھنے والے کو نہ پاؤ تو رہن رکھنے کی چیزیں ہی قبضہ میں دیدی جائیں کہ جن کے ذریعہ تم معاملہ مضبوط کرلو، اور ایک قراءت میں "رُھُنٌ" ہے اور حدیث میں حالت حضر اور کاتب دستیاب ہونے کی صورت میں بھی رہن کو بیان کیا گیا ہے، اس لیے کہ مذکورہ دونوں قیدیں اس لیے ہیں کہ حالت سفر میں مضبوطی کی ضرورت زیادہ شدید ہوتی ہے۔ اور مقبوضۃ کے لفظ سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ رہن میں قبضہ شرط ہے، اور یہ کہ خود مرتہن یا اس کا وکیل قبضہ کرلے تو کافی ہے اور اگر آپس میں ایک دوسرے پر دائن اور مدیون کو اپنے حق کے بارے میں اعتبار ہو تو رہن نہ رکھے۔ تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے (یعنی مدیون) تو اس کو چاہیے کہ اس کا دین ادا کرے اور اللہ سے جو کہ اس کا رب ہے اداء دین کے بارے میں ڈرتا رہے اور جب تم کو ادائے شہادت کے لیے بلایا جائے تو تم شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو کوئی اسے چھپائے گا تو اس کا قلب گنہگار ہوگا اور قلب کا مخصوص طور پر ذکر اس لیے کیا ہے کہ وہی محل شہادت ہے اور اس لیے بھی کہ جب قلب گنہگار ہوگا تو اس کی اتباع میں دیگر اعضاء بھی گنہگار ہوں گے تو گنہگاروں کے مانند ان کے ساتھ سزا کا معاملہ کیا جائے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے تمہارے اعمال میں سے اس سے کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: تَدَایَنْتُمْ (تَدَایُنٌ) تفاعُلٌ. ماضی جمع مذکر حاضر: تم نے قرض کا لین دین کیا۔

قَوْلُہٗ: تعامَلْتُمْ اس کا اضافہ تَدَایَنْتُمْ، کے بیان معنیٰ کے لیے ہے۔ اس لیے کہ تَدَایُنٌ، کے دو معنیٰ آتے ہیں آپس میں قرض کا معاملہ کرنا۔ اور بدلہ دینا (کما یقال. کما تُدِینُ تُدَانُ) یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ دَیْنٌ، تَدَایَنْتُمْ کے لیے تاسیس ہونہ کہ تاکید، اگر تَدَایَنْتُمْ کو دَیْنٌ کے معنی میں لیا جائے تو آگے بِدَیْنٍ کا لفظ تَدَایَنْتُمْ کی تاکید ہوگا حالانکہ تاکید سے تاسیس بہتر ہے اسی لیے تَدَایَنْتُمْ کو تَعَاملتم کے معنیٰ میں لیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: اِستیناف. یعنی فَتُذَكِّر جملہ مستانفہ ہے بایں معنیٰ کہ اِن شرطیہ اس میں عامل نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: کانَ، کانَ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ صغیرًا اور کبیرًا، کان محذوف کی خبر ہیں۔

قَوْلُہٗ: تَقَعُ، کان کی تفسیر تَقَعُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ کان تامہ ہے تجارة حاضرة اس کا اسم، اور ایک قراءت میں نصب کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں تکونَ ناقصہ ہوگا۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی ''اِلَّا ان تکونَ التِّجارَةُ تِجارَةً حاضرةً''.

قَوْلُہٗ: حَالٌ مقدرة اَوْ مُسْتَانِفٌ. اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَالَ: یُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ. کا عطف واتقوا اللّٰہ پر درست نہیں ہے اس لیے کہ یہ جملہ خبریہ کا جملہ انشائیہ پر عطف ہوگا جو کہ درست نہیں ہے۔

جَوَابِ: واؤ عاطفہ نہیں ہے بلکہ حالیہ یا استینافیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: تَسْتَوْثِقُوْنَ بِها، اس جملہ کو محذوف ماننے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ فرھانٌ مقبوضةٌ، موصوف صفت سے مل کر مبتداء ہے اور تَسْتَوْثِقُوْنَ جملہ ہو کر اس کی خبر ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

تَدَایَنْتُمْ، آپس میں لین دین کا معاملہ کرنا، یقال تَدَایَنْتُ الرَّجُلَ، ای عَامَلْتُهُ، یُمْلِلُ، مِنَ الْإِمْلَالِ، لکھنا، املا کرانا، الْإِمْلَال اور الْإِملاء، دونوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں، فَرِھٰنٌ، راء کے کسرہ کے ساتھ مصدر ہے یا رَھْنٌ، کی جمع ہے بعض قراءتوں میں رُھُنٌ بضمتین، جمع کا صیغہ ہے۔ عَلٰی سَفَرٍ، اس میں استعارہ تبعیہ ہے، اس میں مخاطب کو سوار سے اور سفر کو سواری کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ استعارہ تبعیہ وہ ہے کہ جس میں لفظ مستعار، فعل، یا حرف، یا اسم مشتق ہو جیسے فلان رکب علٰی کتفَی غریمه فلاں شخص اپنے قرض دار کے کندھوں پر سوار ہو گیا۔ یعنی اپنے قرضدار کے بری طرح پیچھے پڑ گیا۔

تفسیر وتشریح

ربط:

جب سابقہ آیات میں سودی نظام کی سختی سے ممانعت اور صدقہ وخیرات کی تاکید بیان کی گئی تو اب آپسی قرض کے لین دین کے احکام ومسائل کی ہدایات فرمائیں اس لیے کہ جب سودی لین دین کو حرام قرار دیدیا گیا اور ہر شخص صدقہ وخیرات کی استطاعت نہیں رکھتا، اس کے علاوہ بعض لوگ صدقہ وخیرات لینا پسند بھی نہیں کرتے، تو ایسی صورت میں ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک طریقہ قرض ہی کا باقی رہ جاتا ہے، اسی لیے احادیث میں قرض دینے کا بڑا اجر وثواب بیان فرمایا گیا ہے، تاہم قرض جس طرح ایک ناگزیر ضرورت ہے اس میں بے احتیاطی یا تساہل جھگڑوں کا سبب بھی ہو سکتی اسی لیے اس آیت میں جسے آیت دَین کہتے ہیں اور جو قرآن کی طویل ترین آیت ہے اللہ تعالیٰ نے قرض کے سلسلہ میں ضروری ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔

ادھار معاملہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مبیع (چیز) نقد وصول کی اور قیمت کے لیے مدت طے کرلی دوسرے یہ کہ مبیع کی قیمت اسی وقت نقد دیدی اور مبیع وصول کرنے کے لیے وقت مقرر کردیا، اس کو اصطلاح میں بیع سلم کہتے ہیں یہ حدیث کی رو سے جائز ہے اگرچہ یہ معدوم کی بیع ہے۔ (تفصیلات کتب فقہ میں دیکھئے)۔

اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی، مفسرین نے اس سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ قرضہ کے معاملات میں مدت بالکل صاف اور غیر مبہم ہونی چاہیے، گول مول اور مبہم نہ رہے۔ مثلاً یہ کہ جاڑوں میں یا گرمیوں میں یا کھیتی کٹنے کے وقت دیدیں گے، اس لیے کہ ان مواعید میں تقدیم وتاخیر ہوتی ہے۔ اور ابہام کی وجہ سے نزاع کا اندیشہ ہے۔ مدت ماہ وتاریخ کے ساتھ متعین ہونی چاہیے۔

اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ، یعنی جب تم آپس میں ادھار لین دین کا معاملہ کیا کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اس آیت میں ایک اصول اور ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ادھار لیتے دیتے وقت تحریر لکھ لیا کرو۔

عموماً دوستوں اور عزیزوں کے درمیان قرض کے معاملات میں تحریر (دستاویز) لکھنے اور گواہ مقرر کرنے کو معیوب اور بے اعتمادی کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ قرض اور تجارتی قراردادوں کو تحریر میں لانا چاہیے اور اس میں شہادت بھی ثبت کرلینی چاہیے، تاکہ آئندہ کوئی نزاع پیدا نہ ہو۔ اس آیت میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ ادھار کا معاملہ جب کیا جائے تو اس کی میعاد ضرور مقرر کرلی جائے۔ غیر معین مدت کے لیے ادھار لین دین جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس سے جھگڑے، فساد کے دروازے کھلتے ہیں۔ اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ میعاد بھی ایسی ہونی چاہیے کہ جس میں کوئی ابہام واجمال نہ ہو۔

وَلْیَکْتُبْ بَیْنَکُمْ کَاتِبٌ بِالْعَدْلِ، چونکہ لکھنا اس زمانہ میں عام نہ تھا بمشکل ہی کوئی لکھنے والا دستیاب ہوتا تھا: آج بھی اس ترقی یافتہ دور میں دنیا کی بیشتر آبادی ناخواندہ ہے تو یہ ممکن تھا کہ لکھنے والا کچھ کا کچھ لکھ دے جس کی وجہ سے کسی کا نقصان اور کسی کا فائدہ ہو جائے اس لیے ارشاد فرمایا کہ لکھنے والے کو چاہیے کہ عدل وانصاف سے صحیح صحیح لکھے، اور دستاویز لکھنے کا ماحصل چونکہ اپنے ذمہ حق کا اقرار کرنا ہے لہٰذا لکھنے کا انتظام اسی کو کرنا چاہیے جس کے ذمہ حق واجب الاداء ہے، لکھنے والے اور لکھوانے والے

کو دل میں خوف خدا رکھ کر لکھنا لکھانا چاہیے۔ (وَلْیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ) میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فَاِنْ کَانَ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ سَفِیْھًا اَوْ ضَعِیْفًا (الآیۃ) بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس شخص پر حق عائد ہوتا ہے وہ خفیف العقل ہو یا سٹھیایا ہوا بوڑھا ہو یا نابالغ بچہ یا گونگا، یا کوئی دوسری زبان بولنے والا ہو جس کی زبان کاتب نہیں سمجھتا، اس لیے دستاویز لکھوانے پر اس کو قدرت نہ ہو تو ان کی طرف سے ان کا ولی لکھائے یا کوئی وکیل اور کار مختار لکھائے یہاں ولی دونوں معنی میں ہو سکتا ہے۔

ضابطۂ شہادت کے چند اہم اصول:

سابقہ آیت میں تحریر و دستاویز لکھنے اور لکھانے کا بیان تھا، اس آیت میں بتایا گیا کہ صرف تحریر و دستاویز کو کافی نہ سمجھیں بلکہ اس پر گواہ بھی بنالیں تاکہ بوقت نزاع عدالت میں ان گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف تحریر حجۃ شرعیہ نہیں ہے، جب تک کہ اس پر شہادت شرعیہ موجود نہ ہو، آج کل کی عدالتیں بھی محض تحریر پر زبانی شہادت کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتیں۔

شہادت کے لیے دو عادل مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے، اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰھُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی، یہ ایک مرد کے بجائے دو عورتوں کو گواہ بنانے کی حکمت کا بیان ہے، یعنی دو عورتوں کو بمنزلہ ایک مرد کے رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ عورت عام طور پر مرد کے مقابلہ میں ضعیف الخلقت اور قلیل الفہم ہوتی ہے اس لیے اگر ایک عورت معاملہ کا کچھ حصہ بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے، رہا یہ شبہ کہ عورت کو مرد کے مقابلہ میں ضعیف کیوں تسلیم کیا گیا ہے اور نسیان کا احتمال مرد کی شہادت میں کیوں نہیں رکھا گیا؟ تو یہ سوالات ذہن و اخلاق کی دنیا میں ایسے ہی ہیں جیسے جسمانی ساخت و مادیات کی دنیا میں یہ دریافت کیا جائے کہ حمل و رضاعت کا تعلق صرف عورت ہی سے کیوں رکھا گیا؟ اور مرد کو باوجود اس کی قوت اور برداشت کے کیوں ناقابل سمجھا گیا؟ خالق کائنات جو کائنات کے ہر ایک ذرہ سے واقف ہے اس کے پیش نظر بھی ذہنیات اور اخلاقیات کی باریک سے باریک حقیقتیں ہیں۔ مغرب کے ماہر نسائیات ہیولاک ایلس HOOLOCK ELLIS نے یہاں تک لکھ دیا کہ عورت کے لیے دھوکا اور فریب بمنزلہ امر طبعی کے ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ماجدی، انگریزی)

ہاں اگر تجارتی لین دین دست بدست ہو اور اس کو نہ لکھا جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی خرید و فروخت کی تحریر ضروری نہیں ہے پھر بھی اگر لکھ لیا جائے تو بہتر ہے جس طرح آج کل کیش میمو دینے کا رواج ہے۔

وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَھِیْدٌ، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ کسی شخص کو دستاویز لکھنے اور گواہ بننے پر مجبور نہ کیا جائے، اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کاتب اپنی کتابت کی اجرت طلب کرے یا گواہ اپنی آمد و رفت کا خرچہ طلب کرے تو اس کا حق ہے۔ اسلام نے اپنے نظام عدالت میں جس طرح گواہ کو گواہی دینے پر مجبور کیا ہے اور گواہی چھپانے کو سخت گناہ قرار دیا ہے

اسی طرح اس کا انتظام بھی کیا ہے کہ لوگ گواہی سے بچنے پر مجبور نہ ہوں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ (الآیة) اس کا یہ مطلب نہیں کہ رہن کا معاملہ سفر ہی میں ہو سکتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت چونکہ سفر میں زیادہ پیش آتی ہے اس لیے خاص طور پر سفر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ جب کوئی محض دستاویز لکھنے کی صورت میں قرض دینے کے لیے تیار نہ ہو تو اسی صورت میں رہن رکھ کر قرض لے لے، بلکہ دستاویز اور رہن دونوں بھی جائز ہیں۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرض دینے والا اپنے اطمینان کے لیے رہن رکھ سکتا ہے مگر اس لفظ ''مقبوضہ'' سے اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ شئ مرہونہ سے نفع نہ اٹھایا جائے یہ اس کے لیے جائز نہیں، مرتہن کو صرف اتنا ہی حق ہے کہ اپنا قرض وصول ہونے تک مرہون شئ پر اپنا قبضہ رکھے۔

قَوْلُہٗ: فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس شخص کو نزاعی معاملہ کا صحیح علم ہو تو اس کو شہادت نہ چھپانی چاہیے، اور اگر چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہوگا دل کو اس لیے گنہگار فرمایا کہ کوئی شخص اس کو صرف زبان کا گناہ نہ سمجھے اس لیے کہ ارادہ اول قلب ہی میں پیدا ہوتا ہے اس لیے اول گناہ قلب کا ہوگا۔ (واللہ اعلم)

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا تُظْهِرُوْا **مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ** مِنَ السُّوْءِ وَالعَزْمِ عَلَيْهِ **اَوْ تُخْفُوْهُ** تُسِرُّوْهُ **يُحَاسِبْكُمْ** يُخْبِرْكُمْ **بِهِ اللّٰهُ** يومَ القيمةِ **فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ** المغفرةَ لهُ **وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ** تَعْذِيْبَهُ وَالفِعْلَانِ بالجزمِ عطفًا على جوابِ الشرطِ والرفعِ اى فهُوَ **وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** (۲۸۴) ومنهُ مُحَاسَبَتُكُمْ وجزاءُكُمْ **اٰمَنَ** صَدَّقَ **الرَّسُوْلُ** محمدٌ **بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ** مِنَ القُرْاٰنِ **وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ** عطفٌ عليهِ **كُلٌّ** تنوينُهُ عِوَضٌ عَنِ المضافِ اليهِ **اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ** بالجمعِ والافرادِ **وَرُسُلِهٖ ۣ** يقولونَ **لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ** فَنُؤْمِنُ ببعضٍ ونَكْفُرُ ببعضٍ كما فعلَ اليهودُ والنصارى **وَقَالُوْا سَمِعْنَا** ما اَمَرْتَنَا به سماعَ قبولٍ **وَاَطَعْنَا ۤ** نسألُكَ **غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ** (۲۸۵) المرجعُ بالبعثِ ولمّا نزلتِ الاٰيةُ التى قبلَها شكا المؤمنونَ مِنَ الوسوسةِ وشقَّ عليهمُ المحاسبةُ بها فنزلَ **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ** اى ما تَسَعُهُ قُدْرَتُها **لَهَا مَا كَسَبَتْ** مِنَ الخيرِ اى ثوابُهُ **وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ** مِنَ الشرِّ اى وِزْرُهُ ولا يُؤَاخَذُ احدٌ بذنبِ احدٍ ولا بما لم يَكْسِبْهُ مِمّا وسوستْ به نفسُهُ قولوا **رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ** بالعقابِ **اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ** تركنا الصوابَ لا عن عمدٍ كما اَخَذْتَ به مَنْ قبلَنا وقد رفعَ اللّٰهُ ذلكَ عن هذهِ الاُمّةِ كما وردَ فى الحديثِ فسؤالُهُ اعترافٌ بنعمةِ اللّٰهِ **رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا** امرًا يَثْقُلُ علينا حَمْلُهُ **كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ** اى بنى اسرائيلَ مِنْ قتلِ النفسِ فى التوبةِ واِخراجِ رُبُعِ المالِ فى الزكوةِ وقرضِ موضعِ النجاسةِ **رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ** قُوَّةَ **لَنَا بِهٖ ۚ** مِنَ التكاليفِ والبلاءِ **وَاعْفُ عَنَّا ۪** اُمْحُ ذنوبَنا **وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪**

فی الرحمۃ زیادۃٌ علی المغفرۃ **اَنْتَ مَوْلٰىنَا** سیّدنا ومتولّی اُمُورنا **فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۲۸۶﴾ باقامۃ الحُجّۃ والغَلَبۃِ فی قِتالِھِمْ فَاِنَّ مِنْ شانِ الْمَوْلٰی ان یَنْصُرَ مَوالِیَہٖ علی الاعداءِ فی الحدیثِ لَمّا نَزَلَتْ ھٰذہ الاٰیۃُ فَقَرَأَھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم قِیْلَ لہٗ عَقِبَ کُلِّ کَلِمۃٍ قد فَعَلْتُ.

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے برے اعمال اوران کا پختہ ارادہ جوتمہارے دلوں میں ہے خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو اللہ ان کی تم کو قیامت کے دن سزا دے گا، پھر جس کی مغفرت چاہے گا مغفرت کردے گا اور جس کو عذاب دینا چاہے گا عذاب دیگا دونوں فعل (یغفر اور یعذبُ) جوابِ شرط (یُحَاسِبْکم) پر عطف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں اور تقدیر ھُوَ کی وجہ سے مرفوع بھی، اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور انہیں چیزوں میں سے تمہارا محاسبہ کرنا اور تم کو جزاء دینا ہے رسول یعنی محمد ﷺ نے اس قرآن کی تصدیق کی جو ان پر ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا، اور مومنین نے (بھی) اس کا عطف الرّسول پر ہے، یہ سب (کُلٌّ) کی تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے (ای کُلُّھُمْ) اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر ایمان لائے (کُتُبٌ. کتاب) جمع اور افراد کے ساتھ ہے، اور اس کے رسولوں پر وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کے رسولوں میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کریں، جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا، اور انہوں نے کہا جس کا آپ نے ہم کو حکم دیا قبولیت کے کان سے ہم نے سن لیا، اور ہم نے اطاعت کی اے ہمارے پروردگار ہم آپ سے خطا بخشی کا سوال کرتے ہیں اور تیری ہی طرف واپسی ہے، یعنی بعث کے ذریعہ لوٹنا ہے اور جب ماقبل کی آیت نازل ہوئی تو مومنین نے وسوسوں کے بارے میں شکایت کی اور ان پر وسوسوں کے بارے میں حساب فہمی گراں گزری تو لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا الخ نازل ہوئی، اللہ کسی کو طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں بناتا یعنی جو اس کے بس میں ہو، جو نیکی جس نفس نے کمائی اس کا ثواب اس کے لیے ہے اور جس نے جو بدی کمائی اس کا گناہ اس پر ہے کوئی کسی کے جرم میں ماخوذ نہ ہوگا اور ناکردہ جرم یعنی نفس کے وسوسوں میں ماخوذ ہوگا کہو، اے ہمارے پروردگار ہماری عذاب کے ذریعہ گرفت نہ فرما اگر ہم سے بھول ہو یا چوک ہو جائے (یعنی) بلا قصد ہم درستگی کے تارک ہو جائیں جیسا کہ آپ نے اس پر ہم سے ماقبل والوں کی گرفت فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے اس امت سے بھول چوک کو معاف فرما دیا، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، پھر (معافی) کی درخواست دراصل اللہ کی نعمت کا اعتراف ہے اے ہمارے پروردگار، ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پیشتر تھے بنی اسرائیل، کہ وہ توبہ کے عوض قتل نفس ہے اور زکوٰۃ میں چوتھائی مال کی زکوٰۃ نکالنا، اور مقام نجاست کو کاٹنا، یعنی ایسا حکم جو ہمارے لیے ناقابل برداشت ہو، تکالیف اور مصائب کے قبیل سے، اور ہم سے ہمارے گناہوں کو درگذر فرما اور ہم کو معاف فرما اور رحم فرما رحمت میں مغفرت کے مقابلہ میں زیادتی ہے، تو ہی ہمارا آقا ہے یعنی ہمارے امور کا متولی ہے سو ہم کو کافروں پر غلبہ عطا فرما قیام حجت میں اور ان سے قتال میں فتح کے ساتھ، اس لیے کہ آقا کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے غلاموں کی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد

کرتا ہے اور حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاوت فرمائی، تو ہر کلمہ کے بعد (رسول) سے کہا گیا۔ قد فعلتُ، یعنی میں نے منظور کیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: تُظْهِرُوْا، تُبْدُوْا، کی تفسیر تُظْهِرُوْا سے کرکے اشارہ کردیا کہ تُبْدُوْا، اِبْداءٌ سے ہے نہ کہ بَدْءٌ سے جس کے معنی شروع کرنے کے ہیں۔

قَوْلُهُ: من سوءٍ، مِن بیانیہ ہے، ''ما'' کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ: یُحَاسِبْکُمْ. اس کی دو تفسیریں ہیں ایک یُجزِکُمْ اور دوسری یُخْبِرُکم، ہے مفسر علام نے سوءٌ کی تفسیر والعزم علیه سے پہلے لفظ کے اعتبار سے کی ہے، اور والعزم علیه میں واؤ تفسیری ہے مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل میں جو پختہ خیالات آتے ہیں یعنی جن کو عملی جامہ پہنانے کا عزم مصمم ہوتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائیں گے اس لیے کہ محض وساوس قلبی پر مواخذہ نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: والعزم علیه، سے ایک اعتراض کا جواب بھی مقصود ہے۔

سَوَالٌ: وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ، سے معلوم ہوتا ہے کہ وساوس قلبی پر بھی مواخذہ ہوگا حالانکہ وساوس قلبی پر بندے کا اختیار نہیں ہے نیز یہ تکلیف مالا یطاق بھی ہے۔ اس کا جواب دیا کہ مافی انفسکم سے وہ وساوس مراد ہیں جن کو عملی جامہ پہنانے کا عزم مصمم کرلیا گیا ہو، اسی طرح مفسر علام نے یُحَاسِبْکُمْ کی تفسیر یخبرکم سے کر کے بھی اس سوال کا جواب دیدیا کہ حدیث شریف میں فرمایا کہ وساوس قلبی پر کوئی مواخذہ نہیں جب کہ ان کو عملی جامہ نہ پہنائے۔ اس کا جواب دیا کہ یُحاسبکم کے معنی ہیں یخبرکم یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قلبی وساوس سے بھی بندے کو آگاہ کردے گا۔ اور جن نسخوں میں یُجزکم ہے تو پھر نسخ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا سے ہوگا۔

سابقہ آیت وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ الخ، کو اگر عام رکھا جائے جو قلبی وساوس اور معزومات کو بھی شامل ہو تو آئندہ آیت ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا'' الخ اس کی ناسخ ہوگی اور اگر سابقہ آیت کو عزم پر محمول کیا جائے تو پھر نسخ نہیں ہوگا بلکہ لاحقہ آیت سابقہ آیت کی توضیح ہوگی۔

قَوْلُهُ: عطفاً علی جواب الشرط، اگر یَغْفِرْ اور یُعَذِّبْ کو جزم کے ساتھ پڑھا جائے تو جوابِ شرط یعنی یُحَاسِبْ پر عطف ہوگا اور اگر دونوں کو مرفوع پڑھا جائے تو، هُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہوگی اور جملہ استینافیہ ہوگا۔

قَوْلُهُ: تَنْوِیْنُهٗ عوض عن المضاف الیه، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: جب المؤمنون کا عطف الرسول پر ہے، تو جملہ معطوفہ ہو کر خبر مقدم ہوگی اور کُلٌّ مبتداء مؤخر ہوگا، حالانکہ کُلٌّ کا نکرہ ہونے کی وجہ سے مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: کُلٌّ اضافت الی الغیر کی وجہ سے معرفہ ہے اس لیے کہ کُلٌّ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے تقدیر عبارت کلّھُمْ ہے اور عوض کا حکم مُعوّض کا ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: یقولون. ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: یقولون کے مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَاب: لَا نُفَرِّقُ، جمع متکلم کا صیغہ ہے اس میں جو ضمیر جمع متکلم ہے وہ الرسول اور المؤمنین کی طرف راجع ہے حالانکہ وہ اسم ظاہر ہونے کی وجہ سے بحکم غائب ہیں، اور غائب کی طرف کلام واحد میں متکلم کی ضمیر نہیں لوٹ سکتی، لہٰذا نفرقُ سے پہلے یقولون مقدر مان لیا تا کہ جمع اور ضمیر میں مطابقت ہو جائے۔

اَللُّغَۃُ وَالْبَلَاغَۃُ

الطاقۃ، المجھود و القدرۃ، یہ مصدر حذف زوائد کے ساتھ استعمال ہوا ہے اصل میں اَلْاِطَاقَۃُ تھا، الاصر بھاری بوجھ، تکالیف شاقہ، سخت دشوار امور (ض) مقابلہ: لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ، اس میں صفتِ مقابلہ ہے۔ صفتِ مقابلہ کی تعریف یہ ہے کہ دو یا زیادہ متوافق معنی لائے جائیں پھر علی الترتیب ہر لفظ کا متقابل لایا جائے، جیسے فَلْیَضْحَکُوْا قَلِیْلًا وَّلْیَبْکُوْا کَثِیْرًا یہاں یضحکوا اور قلیلا متوافق لفظ ہیں اس کے بعد اسی ترتیب سے یَبْکُوا اور کثیرا لایا گیا ہے مذکورہ آیت میں لَھَا، اور عَلَیْھَا، ان دونوں میں مقابلہ ہے اسی طرح، کَسَبَتْ اور مَا اکْتَسَبَتْ میں بھی مقابلہ ہے اول فعل عمل خیر کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا فعل عمل شر کے ساتھ خاص ہے۔ (اعراب القرآن للدرویش)

حسن الختام، یہ ہے کہ تفصیلی طور پر جن امور کو پورے مضمون میں بیان کیا گیا، اس پورے مضمون کے ایجاز و اختصار کے ساتھ خاتمہ کلام میں اعادہ کر دینا۔

سورت کا آغاز دین کی بنیادی تعلیمات سے کیا گیا تھا، سورت کو ختم کرتے وقت بھی ان تمام بنیادی اصولوں کو بیان کر دیا گیا ہے جن پر دین اسلام کی اساس قائم ہے تقابل کے لیے اس سورت کے پہلے رکوع کو پیش نظر رکھا جائے تو زیادہ مفید ہوگا۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ قرآن مجید کی طویل ترین سورت کا یہ آخری رکوع ہے اس میں عقیدۂ توحید کا پھر اعادہ ہے، سورت کا آغاز اصول دین سے متعلق جامع تعلیم سے ہوا تھا، سورت کا خاتمہ بھی اسی جامعیت کے ساتھ بنیادی عقائد پر ہو رہا ہے۔ اسی کو بلاغت کی اصطلاح میں حسن الختام کہا جاتا ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بڑے پریشان ہوئے، دربار رسالت میں حاضر ہوکر عرض کیا، یارسول اللہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وجہاد وغیرہ یہ سارے اعمال جن کا ہمیں حکم دیا گیا ہے ہم بجالاتے ہیں، کیونکہ یہ ہماری طاقت سے بالا نہیں ہیں، لیکن دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور وسوسوں پر تو ہمارا اختیار ہی نہیں ہے اور وہ تو انسانی طاقت سے باہر ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی محاسبہ کا اعلان فرمایا ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فی الحال تم سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ہی کہو، صحابہ کے جذبہ سمع واطاعت کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس کو، آیت لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا، سے منسوخ فرمادیا۔ (فتح القدیر)

صحیحین اور سنن اربعہ کی یہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے، اِنَّ اللّٰہَ تَجَاوَزَ لی عن امتی مَا وَسْوَسَتْ به صَدْرُھَا مَالَمْ تَعمل اَوْ تَتَکَلَّمْ، اللہ تعالیٰ نے میری امت سے جی میں آنے والی باتوں کو معاف کردیا ہے، البتہ ان باتوں پر گرفت ہوگی جن پر عمل کیا جائے یا جن کا اظہار کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ وساوس اور خیالات پر ہمیشہ مؤاخذہ نہیں ہوگا، صرف اس وقت مؤاخذہ ہوگا جب وہ عمل کے قالب میں ڈھل جائیں اور ان کے کرنے کا پختہ عزم ہوجائے۔

امام ابن جریر طبری کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اسلیے کہ محاسبہ کو معاقبہ لازم نہیں ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا محاسبہ فرمائیں تو لازمی طور پر اس کو سزا بھی دیں، بلکہ اللہ تعالیٰ محاسبہ تو ہر ایک کا فرمائیں گے، لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو محاسبہ کے باوجود اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ (الآیة) اس آیت میں پھر ان ایمانیات کا ذکر ہے، جن پر اہل ایمان کو ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس سے اگلی آیت "لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ" میں اللہ تعالیٰ کی رحمت وشفقت اور اس کے فضل وکرم کا تذکرہ ہے ان دونوں آیات کی احادیث میں بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو پڑھ لیتا ہے تو اس کو کافی ہوجاتی ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔

سورۂ بقرہ تمام ہوئی وللّٰہ الحمد اوله وآخره وظاهره وباطنه وهو المستعان.

بندہ محمد جمال استاذ دار العلوم دیوبند

بعد نماز مغرب بروز پیر

۲۱ رشوال ۱۴۲۴ھ

۲۰۰۳/۱۲/۱۵ء

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَا اٰيَة.

سورۂ آلِ عمران مدنی ہے اور وہ دوسو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓمّٓ ﴿١﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿٢﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ يا محمدُ الْكِتٰبَ القراٰنَ متلبسًا بِالْحَقِّ بالصِّدقِ فِي اِخْبارِه مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ قبلَهٗ مِنَ الْكُتُبِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٣﴾ مِنْ قَبْلُ اى قبلَ تنزيلِه هُدًى حالٌ بمعنى هادِيَيْنِ مِنَ الضَّلالةِ لِّلنَّاسِ مِمَّنْ تَبِعَهُمَا وَ عَبَّرَ فِيْهِمَا بِاَنْزَلَ وفِي القراٰنِ بِنَزَّلَ المُقْتَضِي للتَّكْرِيْرِ لِاَنَّهُمَا اُنْزِلَا دُفْعَةً واحدةً بِخلافِه وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۚ بمعنى الكُتُبِ الفارِقَةِ بينَ الحقِّ والباطلِ وَ ذُكِرَ بعدَ ذِكْرِ الثلاثةِ لِيَعُمَّ مَا عَداهَا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ القراٰنِ وغيرِه لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ غالِبٌ على اَمْرِه فلا يَمْنَعُهٗ شيءٌ مِنْ اِنْجازِ وَعِيْدِه و وَعْدِه ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤﴾ عقوبةٍ شديدةٍ مِمَّنْ عَصاهُ لا يَقْدِرُ على مِثْلِها اَحَدٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ كائنٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿٥﴾ لِعِلْمِه بِمَا يَقَعُ فِي العالَمِ مِنْ كُلِّيٍّ وجُزْئِيٍّ و خَصَّهُمَا بالذِّكرِ لِاَنَّ الحِسَّ لا يَتَجاوَزُهُمَا هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۗ مِنْ ذُكُوْرَةٍ و اُنُوْثَةٍ و بَياضٍ و سَوادٍ وغيرِ ذٰلِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ فِي مُلْكِه الْحَكِيْمُ ﴿٦﴾ فِي صُنْعِه هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ واضِحاتُ الدَّلالةِ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ اَصْلُهُ المُعْتَمَدُ عليه فِي الاَحكامِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۗ لا يُفْهَمُ مَعانِيْهَا كَاَوائِلِ السُّوَرِ وَ جَعَلَهٗ كُلَّهٗ مُحْكَمًا فِي قولِه تعالى اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ بمعنى اَنَّهٗ ليسَ فيه عَيْبٌ و مُتَشابِهًا فِي قولِه كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا بمعنى اَنَّهٗ يُشْبِهُ بعضُهٗ بعضًا فِي الحُسْنِ و الصِّدقِ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ مَيْلٌ عَنِ الحقِّ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ طَلَبَ الْفِتْنَةِ لِجُهّالِهِمْ لِوُقُوْعِهِمْ فِي الشُّبُهاتِ واللَّبْسِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ تفسيرِه وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وحدَه وَالرّٰسِخُوْنَ الثّابِتُوْنَ المُتَمَكِّنُوْنَ فِي الْعِلْمِ مبتدأٌ خبرُهٗ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ اى بالمُتَشابِهِ اَنَّهٗ مِنْ عندِ اللّٰهِ و لا نَعْلَمُ معناه كُلٌّ مِّنَ المُحْكَمِ والمُتَشابِهِ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ بِاِدْغامِ التّاءِ فِي الاَصلِ فِي الذّالِ اى

يَتَّعِظُ **اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ**⑦ اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ و يقولون ايضًا اذا رَأَوْا مَنْ يَتَّبِعُهُ **رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا** تُمِلْهَا عَنِ الحقِّ بِابْتِغَاءِ تَاوِيْلِهِ الذي لا يَلِيْقُ بِنَا كما اَزَغْتَ قُلُوْبَ اولئك **بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا** اَرْشَدْتَنَا اليه **وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ** مِنْ عندك **رَحْمَةً** تثبيتًا **اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ**⑧ **رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ** تجمعهم **لِيَوْمٍ** اي في يوم **لَّا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهِ** هو يومُ القيمة فتجازيهم باَعْمَالِهِمْ كما وَعَدْتَ بِذٰلك **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ**⑨ موعدَهُ بالبَعْثِ فيه التفاتٌ عن الخطاب و يحتمل اَنْ يكونَ مِنْ كلامِهِ تعالى والغرضُ مِنَ الدُّعَاءِ بذٰلك بَيَانُ اَنَّ هَمَّهُمْ اَمْرُ الاٰخِرَةِ و لِذٰلِكَ سَاَلُوا الثَّبَاتَ على الهدايةِ لِيَنَالُوا ثَوَابَهَا رَوَى الشَّيْخَانِ عَنْ عائشةَ قالتْ تَلَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم هذه الاٰيةَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ الى آخِرِهَا و قال فاِذَا رَاَيْتِ الذين يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فاولئك الَّذِيْنَ سمّى اللّٰهُ تعالى فَاحْذَرُوْهُمْ وروى الطَّبَرَانِيُّ في الكبيرِ عن ابي مالكٍ الاشعريِّ اَنَّهُ سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقولُ مَا اَخَافُ على اُمَّتِيْ اِلَّا ثَلٰثَ خِلَالٍ وذَكَرَ منها اَنْ يُفْتَحَ لَهُمُ الكِتٰبُ فَيَاخُذُهُ المُؤْمِنُ يَبْتَغِيْ تَاوِيْلَهُ وَلَيْسَ يَعْلَمُ تَاوِيْلَهُ اِلَّا اللّٰهُ والرّاسِخُوْنَ في العلمِ يقولون اٰمَنَّا به كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا ومَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الاَلْبَابِ الحديث.

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے الٓمّٓ اللہ ہی اپنی مراد کو اس سے بہتر جانتا ہے۔ اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو (نظام کائنات کو) سنبھالے ہوئے ہے اس نے اے محمد آپ پر قرآن کو جو کہ خبر دینے میں صداقت پر مشتمل ہے بتدریج نازل فرمایا اپنے سے سابق کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس کے نازل کرنے سے پہلے تورات اور انجیل نازل کیں حال یہ ہے کہ وہ رہنما ہیں (هُدًی) التوراۃ والانجیل سے حال ہے، یعنی یہ دونوں کتابیں ان لوگوں کو گمراہی سے ہدایت کی جانب رہنمائی کرنے والی ہے جنہوں نے ان کی اتباع کی اور ان دونوں میں اَنْزَلَ کی تعبیر اختیار کی اور قرآن میں نَزَّلَ کی جو تکرار کا مقتضی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ایک وقت نازل کی گئیں بخلاف قرآن کے (کہ یہ بتدریج نازل کیا گیا) اور نازل کیا فرقان کو، مراد وہ کتابیں ہیں جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہیں، تینوں کے ذکر کے بعد فرقان کا ذکر کیا تاکہ مذکورہ تینوں (کتابوں) کے علاوہ کو بھی شامل ہو جائے، بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں (یعنی) قرآن وغیرہ سے کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ اپنے امر میں غالب ہے، لہٰذا کوئی شئ اس کو اس کے وعدہ وعید کو پورا کرنے سے نہیں روک سکتی، اور اپنے نافرمانوں سے سخت بدلہ لینے والا ہے کہ اس جیسی عقوبت پر کوئی قادر نہیں، بلاشبہ اللہ ایسا ہے کہ اس سے کوئی شئ مخفی نہیں خواہ زمین میں ہو یا آسمان میں اس کے عالم میں واقع ہونے والی کلی و جزئی چیز سے واقف ہونے کی وجہ سے، اور زمین و آسمان کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ حس ان دونوں سے تجاوز نہیں کرتی۔ وہ ایسا ہے کہ رحموں میں تمہاری

صورتیں بناتا ہے جیسی چاہتا ہے، لڑکا یا لڑکی اور سفید اور کالی وغیرہ بجز اس کے کوئی معبود نہیں جو اپنے ملک میں بڑا زبردست اور اپنی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے وہ وہی خدا ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی اس میں محکم آیتیں ہیں (یعنی) واضح، جو واضح الدلالت ہیں اور وہی کتاب کا اصل مدار ہیں، یعنی اصل کتاب ہیں جو احکام میں معتمد علیہ ہیں اور دیگر متشابہ ہیں جن کے معانی مفہوم نہیں ہوتے جیسا کہ سورتوں کے اوائل، اور اللہ تعالیٰ کے قول "اُحْكِمَتْ آياتهٗ" میں پورے قرآن کو محکم قرار دیا گیا ہے، یہ اس معنی کر ہے کہ اس میں کوئی عیب نہیں، اور اللہ تعالیٰ کے قول "كتابًا متشابهًا" میں پورے قرآن کو متشابہ قرار دیا گیا ہے، یہ اس معنی کر ہے کہ اس کا بعض بعض سے حسن وصدق میں مشابہ ہے، سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی یعنی حق سے انحراف ہے وہ اپنے حامیوں کے لیے ان کے شبہات اور التباس میں واقع ہونے کی وجہ سے فتنہ کی تلاش میں پیچھے ہو لیتے ہیں جو متشابہ ہے، اور اس کی غلط تفسیر کی تلاش میں دراں حالیکہ اللہ وحدہ کے علاوہ اس کی حقیقی مراد کوئی نہیں جانتا اور پختہ کار اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم متشابہ پر ایمان لا چکے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ہم اس کی (حقیقی) مراد سے واقف نہیں ہیں (والراسخون فی العلم) مبتداء ہے اور (یقولون آمنا به) اس کی خبر ہے، محکم اور متشابہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور نصیحت عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں (یَذَّكَّرُ) اصل میں تاء کو ذال میں ادغام کر کے بنا ہے، یعنی نصیحت حاصل کرتے ہیں، اور جب کسی کو متشابہ کے پیچھے پڑتا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو ہمارے قلوب کو حق سے نہ پھیر اس حق کی ایسی تاویل کی جستجو کے ذریعہ جو ہمارے لیے لائق نہیں ہے جیسا کہ تو نے ان لوگوں کے قلوب کو کج کر دیا بعد اس کے کہ تو ہم کو راہ حق دکھا چکا، اور ہم کو اپنے پاس سے استقامت بخش کر خصوصی رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے، اے ہمارے رب یقیناً تو لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے یعنی ایسے دن میں کہ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں وہ قیامت کا دن ہے، تو ان کو اپنے وعدہ کے مطابق ان کے اعمال کا صلہ دے گا، یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا یعنی بعث بعد الموت کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ اس میں خطاب سے (غیبت) کی جانب التفات ہے، اور احتمال یہ بھی ہے کہ (انا اللّٰه لا یخلف المیعاد) اللہ تعالیٰ کا کلام ہو، اور (رَبّنا لا تُزِغ قلوبنا) سے دعاء کرنے کی غرض یہ ہے کہ ان کا مقصد امر آخرت ہے، اور اسی وجہ سے ہدایت پر استقامت کا سوال کیا تاکہ اس کا ثواب حاصل کریں۔

مسلم و بخاری نے حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے روایت کیا ہے، حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا نے فرمایا! آپ ﷺ نے یہ آیت (هو الذی انزل علیك الكتاب منه آیات مُحكمت الآیة) تلاوت فرمائی اور آپ ﷺ نے فرمایا! (اے عائشہ) جب تو دیکھے کہ لوگ قرآن کے متشابہات کے پیچھے پڑے ہیں (تو سمجھ لو) یہی ہیں وہ لوگ جن کی اللہ تعالیٰ نے نشاندہی فرمائی ہے۔ تو تم اس سے بچتی رہنا۔

طبرانی نے کبیر میں ابو مالک اشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے میری امت پر صرف تین باتوں کا خوف ہے اور ان باتوں میں سے ایک بات یہ ذکر فرمائی، کہ لوگوں کے سامنے

کتاب (قرآن) کھولی جائے گی تو مومن اس کی تاویل کی جستجو میں لگ جائے گا حالانکہ اس کی تاویل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور راسخین فی العلم کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے کہ کل کا کل (قرآن) ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔　　(الحدیث)

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: آلِ، کنبہ، اہل خانہ، اولاد، عمران، کہا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد مراد ہیں اور کہا گیا ہے کہ عمران حضرت مریم کے والد کا نام ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد عمران اور حضرت مریم کے والد عمران کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔

قَوْلُہٗ: متلبِّسًا اس میں اشارہ ہے کہ باء الصاق کے لیے ہے، اور یہ کہ بالحق، متلبِّسًا سے متعلق ہو کر حال ہے۔

قَوْلُہٗ: قبل تنزیلہ اس میں اشارہ ہے کہ قبل قطع اضافت کی وجہ سے مبنی علی الضم ہے۔

قَوْلُہٗ: حال بمعنیٰ ھَا دِیِیْنَ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: ھُدًی، مصدر ہے اس کا حمل اس میں (یعنی توریت وانجیل) پر جائز نہیں ہے ورنہ تو مصدر کا حمل ذات پر لازم آئے گا۔

جَوَاب: ھدًی مصدر ہے یہ ھادیین کے معنی میں ہو کر حال ہے اور حال کا ذات پر حمل درست ہے۔

قَوْلُہٗ: بمعنی الکتب، یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ فرقان قرآن کا نام ہے لہٰذا تکرار لازم آ گیا اس لیے کہ سابق میں بھی قرآن کا ذکر ہو چکا ہے اور فرقان سے بھی قرآن ہی مراد ہے۔

جَوَاب: فرقان کے یہاں لغوی معنی مراد ہیں لہٰذا یہ ہر آسمانی کتاب کو شامل ہے۔

قَوْلُہٗ: من انجاز وَعْدِہٖ، ای اِتمام وعدہ۔

اللغۃ والبلاغۃ

قَوْلُہٗ: التوراۃ والانجیل، یہ دونوں عجمی لفظ ہیں، اور بعض حضرات نے کہا کہ عربی ہیں، عربی ہونے کی صورت میں بعض نے وری الزند سے مشتق مانا ہے، چقماق سے چونکہ روشنی نکلتی ہے اور تورات کے ذریعہ بھی گمراہی کی تاریکی سے ہدایت کی روشنی کی طرف نکلتے تھے اس لیے وری الزند سے مشتق مانا ہے، زند، چقماق کو کہتے ہیں اور بعض نے ورّیت فی کلامی سے مشتق مانا ہے، اس وقت توریۃ سے مشتق ہوگا جس کے معنی اشارہ کنایہ کرنا ہے، توریت۔ اس لیے کہا گیا اس میں تلویحات اور ایجازات اشارات وکنایات ہیں۔

قَوْلُہٗ: انجیل جو لوگ اس کو عربی کہتے ہیں وہ اس کو نجل سے مشتق مانتے ہیں اس کے معنی توسع کے ہیں، سے ان کا قول

عین نجلاء، وسیع چشمہ اور انجیل میں تورات کی بہ نسبت چونکہ توسع ہے اس لیے اس کو انجیل کہا گیا۔

المجاز: اللہ تعالیٰ کے قول "لِمَا بَیْنَ یَدَیْهِ" میں صنعتِ مجاز ہے، بمعنی اَمَامَهٗ.

الطباق: الارض والسماء، اس میں صنعتِ طباق ہے۔

الایجاز بالحذف: یشاءُ اس کا مفعول اظہار قدرت وغرابت کے لیے محذوف ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

یہ سورت مدنی ہے اس کی تمام آیتیں ہجرت کے بعد مختلف اوقات میں نازل ہوئی ہیں اس سورت کا ابتدائی حصہ آیت ۸۳ تک نصاریٰ کے وفد نجران کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ عرب کا اگر نقشہ سامنے ہو تو جنوبِ مشرق میں جو علاقہ یمن کے نام سے موسوم ہے اس کے شمالی حصہ میں ایک مقام نجران ہے، عہد نبوت میں یہاں مسیحیوں کی آبادی تھی ۹ / یا ۱۰ ہجری میں ان کے چودہ اکابر کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، آنحضور ﷺ نے گفتگو کے دوران ان کے عقائد تثلیث اور ابنیت کی لغویات ان پر پوری طرح واضح فرمادی۔ اسی واقعہ کے دوران مباہلہ کا معاملہ بھی پیش آیا جس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ آئے گی، سورۂ بقرہ میں جس طرح خطاب خاص طور پر یہود کی جانب تھا، اسی طرح اس سورت میں مسیحیوں کی جانب ہے، سورۂ آل عمران کے فضائل بھی احادیث میں بکثرت وارد ہوئے ہیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں، یعنی اس خدائے واحد کا شریک کوئی نہ ذات میں ہے اور نہ صفات میں اور نہ افعال میں بکثرت ایسے مشرک مذہبوں کا وجود رہ چکا ہے اور اب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ بے شک خدائے اعظم تو ایک ہی ہے لیکن اس کے ماتحت شعبہ وار چھوٹے چھوٹے خدا دیوتا اور دیویاں بہت سی ہیں قرآن مجید اس کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نفس وجود ہی اس کے علاوہ کسی دوسرے خدا کا نہیں نہ چھوٹے کا اور نہ بڑے کا، الوہیت و ربوبیت تمام تر ایک ہی ذات میں ہے، آیت میں علاوہ ان جاہلی مذاہب کے خاص طور پر مسیحی عقائد کے بھی رد میں ہے۔

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ، حیّ، القیوم، اللہ کی خاص صفات ہیں، حیّ کا مطلب ہے کہ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اسے موت اور فنا نہیں۔ قَیُّوم کا مطلب ہے ساری کائنات کا قائم رکھنے والا محافظ و نگران۔ عیسائی حضرات عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ یا ابن اللہ یا تین میں کا ایک مانتے ہیں، ان کو بتایا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ بھی اللہ کی مخلوق ہیں وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ان کا زمانۂ ولادت بھی تخلیق کائنات سے بہت بعد کا ہے تو پھر اللہ، یا اللہ کا بیٹا کس طرح ہو سکتے ہیں، اگر تمہارا عقیدہ صحیح ہے تو ان کو الوہیت کی صفات کا حامل اور قدیم ہونا چاہیے تھا۔ اور ان پر موت بھی نہیں آنی چاہیے لیکن ایک وقت آئے گا کہ وہ موت سے ہم کنار ہوں گے۔ اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق ہم کنار ہو چکے۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ یعنی قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں، اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں نازل ہوئیں۔ یہ کتاب ان کی تصدیق کرتی ہے یعنی جو باتیں ان میں درج تھیں ان کی صداقت اور ان میں بیان کردہ پیش گوئیوں کا اعتراف کرتی ہے، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم بھی اسی ذات کا نازل کردہ ہے جس نے پہلی بہت سی کتابیں نازل فرمائیں۔

نقشہ قبائل عرب

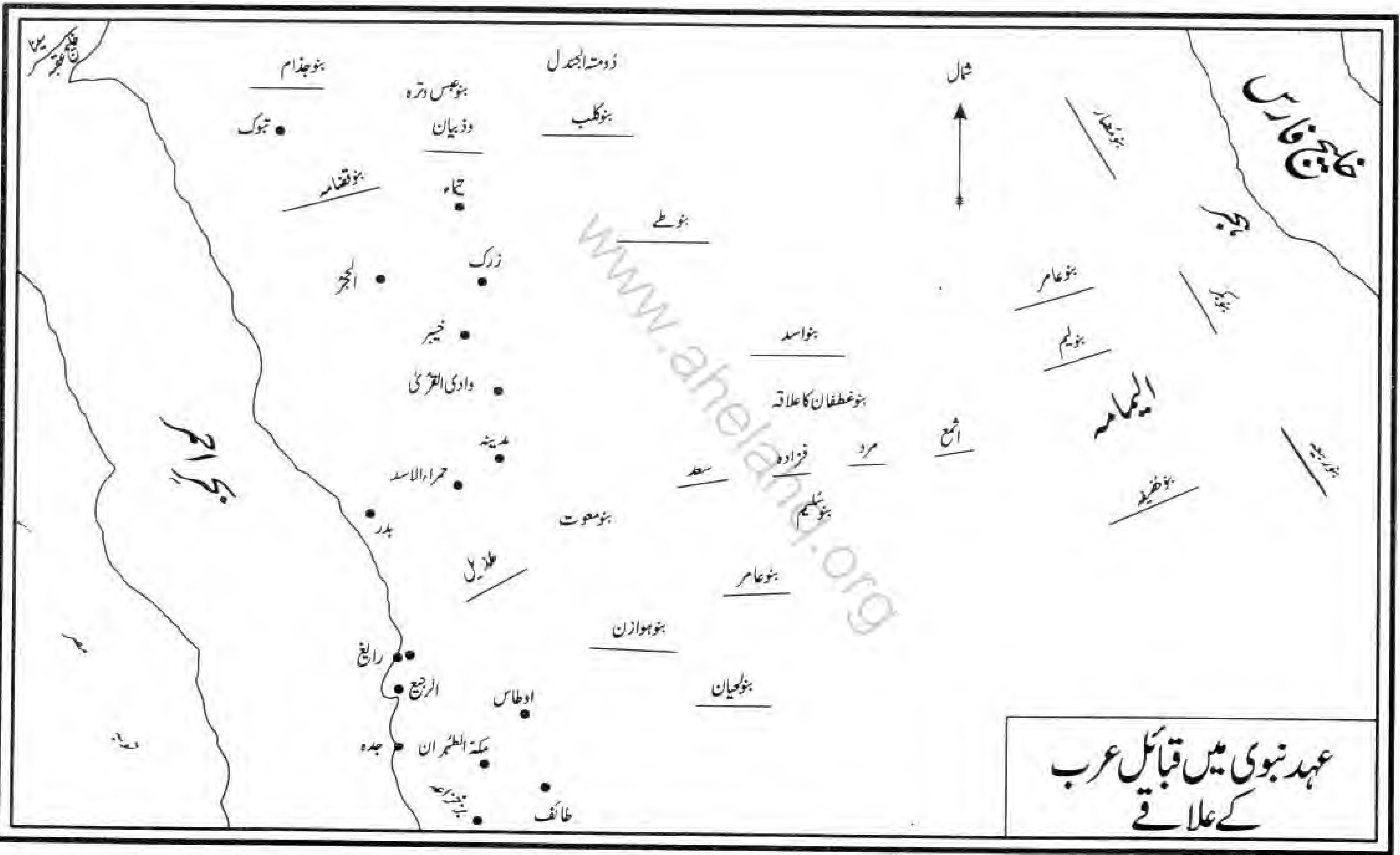

سَوال: کیا موجودہ بائبل، تورات وانجیل میں جو کچھ ہے قرآن ان سب کی تائید وتصدیق کرتا ہے؟
جواب: اس سوال کے جواب کو سمجھنے کے لیے تورات وانجیل کا تاریخی پس منظر سمجھنا ضروری ہے۔

تورات وانجیل کا تاریخی پس منظر:

تورات سے دراصل وہ احکام مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً چالیس سال میں ان پر نازل ہوئے، ان میں سے دس احکام تو وہ تھے جو اللہ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کرکے ان کو دیئے تھے، باقی ماندہ احکام کو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے لکھ کر اس کی بارہ نقلیں بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو دیدی تھیں، اور ایک نقل بنی لاوی کے حوالہ کی تھی تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں، اسی کتاب کا نام تورات تھا، یہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے بیت المقدس کی پہلی تباہی تک محفوظ رہی، اس کی ایک کاپی جو بنی لاوی کے حوالہ کی گئی تھی پتھر کی لوحوں سمیت عہد کے صندوقوں میں رکھدی گئی تھی اور بنی اسرائیل اس کو تورات ہی۔ کے نام سے جانتے تھے، لیکن اس سے ان کی غفلت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ یہودیہ کے بادشاہ یوسیاہ بن آمون کے عہد میں اس کی تخت نشینی کے اٹھارہ سال بعد جب ہیکل سلیمان کی صفائی ومرمت ہوئی تو اتفاق سے سردار کاہن خلقیاہ کو ایک جگہ تورات رکھی ہوئی مل گئی اور اس نے ایک عجوبہ کی طرح شاہی منشی کو دیدی اور شاہی منشی نے اسے بادشاہ کے سامنے اس طرح پیش کیا جیسے ایک نیا انکشاف ہوا ہے، (ملاحظہ ہو۲ باب سلاطین ۲۲ آیت ۸ تا ۱۳) یہی وجہ ہے کہ جب بخت نصر (بنوکد نضر) نے یروشلم فتح کیا اور ہیکل سمیت شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو بنی اسرائیل نے تورات کے وہ اصل نسخے جو ان کے یہاں طاق نسیان پر رکھے ہوئے تھے اور بہت تھوڑی تعداد میں تھے ہمیشہ کے لیے گم کردیئے پھر عزراء کاہن (عزیر علیہ الصلاۃ والسلام) کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے بچے کچھے لوگ بابل کی اسیری سے واپس یروشلم آئے اور دوبارہ بیت المقدس تعمیر ہوا تو عزیر علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم کے چند دوسرے بزرگوں کی مدد سے بنی اسرائیل کی پوری تاریخ مرتب کی جو اب بائبل کی پہلی سات کتابوں پر مشتمل ہے، اس کتاب کے چار باب یعنی خروج، احبار، گنتی اور استثناء حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرت پر مشتمل ہے اور اس سیرت ہی میں تاریخ نزول کی ترتیب کے مطابق تورات کی وہ آیات بھی حسب موقع درج کردی گئیں ہیں جو عزراء اور ان کے بزرگوں کی مدد سے دستیاب ہوئی تھیں، پس اب دراصل تورات ان منتشر اجزاء کا نام ہے جو سیرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے اندر بکھرے ہوئے ہیں، ہم انہیں صرف اس علامت سے پہچان سکتے ہیں کہ اس تاریخی بیان کے دوران میں جہاں کہیں سیرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا مصنف کہتا ہے کہ خدا نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے یہ فرمایا۔ یا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا کہ خداوند تمہارا خدا یہ کہتا ہے وہاں سے تورات کا ایک جز شروع ہوتا ہے اور جہاں سے پھر سیرت شروع ہوتی ہے وہاں وہ جز ختم ہوجاتا ہے۔

قرآن ان ہی منتشر اجزاء کو تورات کہتا ہے اور ان ہی کی وہ تصدیق کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان اجزاء کو جمع کرکے جب قرآن سے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو بجز اس کے کہ بعض مقامات پر جزوی احکام میں اختلاف ہے اصولی تعلیمات میں دونوں کتابوں کے درمیان سرِ مو بھی فرق نہیں۔

اسی طرح انجیل دراصل نام ہے الہامی خطبات اور اقوال کا جو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی کے آخری ڈھائی تین برس میں بحیثیت نبی ارشاد فرمائے وہ کلمات طیبات آپ کی زندگی میں لکھے اور مرتب کئے گئے تھے یا نہیں اس کے متعلق اب ہمارے پاس کوئی ذریعہ معلومات نہیں ہے، بہرحال ایک مدت کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مرتب ہوئی اور مختلف رسالے لکھے گئے تو ان میں تاریخی بیان کے ساتھ ساتھ وہ خطبات اور ارشادات بھی جگہ جگہ حسب موقع درج کردیئے گئے جو ان رسالوں کے مصنفین تک زبانی روایات اور تحریری یادداشتوں کے ذریعہ پہنچے تھے، آج متی، مرقس، لوقا، یوحنا، کی جن کتابوں کو اناجیل کہا جاتا ہے دراصل انجیل وہ نہیں ہیں بلکہ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ ارشادات ہیں جو ان کے اندر درج ہیں ہمارے پاس ان کے پہنچاننے اور مصنفین کے اپنے کلام سے ممتاز کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ جہاں سیرت نگار کہتا ہے کہ مسیح نے یہ فرمایا، یا لوگوں کو یہ تعلیم دی صرف وہی مقامات اصل انجیل کے اجزاء ہیں، قرآن ان ہی اجزاء کے مجموعہ کو انجیل کہتا ہے اور انہیں کی وہ تصدیق کرتا ہے، آج کوئی ان کے بکھرے ہوئے اجزاء کو مرتب کرکے قرآن سے ان کا مقابلہ کرکے دیکھے تو وہ دونوں میں بہت کم فرق پائے گا۔

خلاصۂ کلام:

موجودہ اصطلاح میں تورات متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا نام ہے جن میں ہر صحیفہ کسی نہ کسی نبی کے نام کی جانب منسوب ہے لیکن ان میں کسی صحیفہ کی تنزیل لفظی کا دعویٰ کسی یہودی کو بھی نہیں اسی طرح انجیل بھی متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا نام ہے جن میں حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق مجہول الحال لوگوں کی جمع کی ہوئی حکایتیں اور ملفوظات ہیں لیکن ان میں سے کوئی صحیفہ بھی مسیحیوں کے عقیدہ میں آسمانی نہیں بلکہ مسیحی صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ مجموعہ حواریوں کے دور میں بلا ارادہ اور توقع تیار ہوگیا۔ (تفسیر ماجدی بحوالہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد۳:ص:۵۱۳) ایسے بے سند مقدس صحیفوں کی تصدیق کی ذمہ داری قرآن ہرگز نہیں لیتا اور موجودہ بائبل یعنی عہد عتیق اور عہد جدید کا کوئی جزء بھی قرآن کے ماننے والوں پر حجت نہیں۔

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ، یعنی اپنے اپنے وقت میں تورات اور انجیل بھی یقیناً لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ تھیں وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ، کو دوبارہ لا کر اشارہ کردیا کہ مگر اب تورات اور انجیل کا دور ختم ہوگیا، اب قرآن نازل ہو چکا ہے اب وہی فرقان اور حق وباطل کی پہچان ہے۔

هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ، (الآیۃ) محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں اوامر ونواہی، احکام ومسائل اور قصص وحکایات ہیں جن کا مفہوم واضح اور اٹل ہے اور ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس آیات متشابہات ہیں مثلاً اللہ کی ہستی، قضا وقدر کے مسائل، جنت ودوزخ، ملائکہ وغیرہ یعنی ماوراء العقل حقائق جن کی حقیقت سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہو یا ان میں ایسی تاویل کی گنجائش ہو یا کم از کم ایسا ابہام ہو جس سے عوام کو گمراہی میں ڈالنا ممکن ہو، اس لیے آگے کہا جارہا ہے جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑے

رہتے ہیں اور ان کے ذریعہ فتنہ برپا کرتے ہیں جیسے عیسائی ہیں، قرآن نے حضرت عیسیٰ کو عبداللہ اور نبی کہا ہے یہ واضح اور محکم بات ہے لیکن عیسائی اسے چھوڑ کر قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ جو کہا گیا ہے اس سے اپنے گمراہ کن عقائد پر غلط استدلال کرتے ہیں یہی حال اہل بدعت کا ہے قرآن کے واضح عقائد کے برعکس اہل بدعت نے جو غلط عقائد گھڑے ہیں، وہ ان ہی متشابہات کو بنیاد بناتے ہیں۔

وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ. "تاویل" کے ایک معنی تو ہیں کسی چیز کی اصل حقیقت جاننا اس معنی کے اعتبار سے "الا اللّٰه" پر وقف ضروری ہے کیونکہ ہر چیز کی اصل حقیقت صرف اللہ ہی جانتے ہیں اور "تاویل" کے دوسرے معنی میں کسی چیز کی تفسیر اور تعبیر وبیان وتوضیح، اس اعتبار سے وقف الا کے بجائے والراسخون فی العلم پر بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ راسخین فی العلم بھی صحیح تفسیر وتوضیح کا علم رکھتے ہیں تاویل کے یہ دونوں معنی قرآن کریم کے استعمال سے ثابت ہیں۔ (ملخص از تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ تدفع عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ ای عذابه شَیْـًٔا ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ⑩ بفتح الواو ما یوقد به دَاْبُهم كَدَاْبِ كعادة اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ من الامم كعادٍ وثمود كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اهلكهم بِذُنُوْبِهِمْ ؕ والجملة مفسرة لما قبلها وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ⑪ و نزل لما امر النبیُّ صلی اللّٰه علیه وسلم الیهودَ بالاسلام فی مرجعه من بدرٍ فقالوا له لا یغرنّك ان قتلت نفرًا من قریشٍ اغمارًا لا یعرفون القتال قُلْ یا محمد لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا من الیهود سَتُغْلَبُوْنَ بالتاء والیاء فی الدنیا بالقتل والاسر وضرب الجزیة و قد وقع ذلك وَتُحْشَرُوْنَ بالوجهین فی الاٰخرة اِلٰی جَهَنَّمَ ؕ فتدخلونها وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ الفراش هی قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ عبرة و ذكر الفعل للفصل فِیْ فِئَتَیْنِ فرقتین الْتَقَتَا ؕ یوم بدر للقتال فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ای طاعته وهم النبیُّ صلی اللّٰه علیه وسلم واصحابه رضی اللّٰه تعالی عنهم وكانوا ثلث مائة وثلاثة عشر رجلاً معهم فرسان و ستُّ اَدرعٍ و ثمانیة سیوفٍ و اكثرهم رجالة وَّاُخْرٰی كَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ بالیاء والتاء ای الكفار مِّثْلَیْهِمْ ای المسلمین ای اكثر منهم كانوا نحو الف رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ ای رؤیة ظاهرة معاینة و قد نصرهم اللّٰه تعالی مع قلتهم وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ یقوی بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ نصره اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ المذكور لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ⑬ لذوی البصائر افلا تعتبرون بذلك فتؤمنون زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ ما تشتهیه النفس و تدعو الیه زینها اللّٰه تعالی ابتلاءً اوالشیطان مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الاموال الكثیرة الْمُقَنْطَرَةِ المجمعة مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ الحسان وَالْاَنْعَامِ ای الابل و البقر و الغنم وَالْحَرْثِ ؕ الزرع ذٰلِكَ المذكور مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ یتمتع به فیها ثم یفنی وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭ المرجع وهو الجنة فینبغی الرغبة فیه دون غیره قُلْ یا محمد لقومك

اَؤُنَبِّئُكُمْ اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ المذكور من الشهوات استفهام تقرير لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا الشرك عِنْدَ رَبِّهِمْ خبر مبتدؤه جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ اى مقدرين الخلود فِيْهَا اذا دخلوها وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ من الحيض وغيره مما يستقذر وَّرِضْوَانٌ بكسر اوله و ضمه لغتان اى رضى كثير مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ عالم بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ فيجازى كلا منهم بعمله اَلَّذِيْنَ نعت او بدل من الذين قبله يَقُوْلُوْنَ يا رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا صدقنا بك و برسولك فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ على الطاعة و عن المعصية نعت وَالصّٰدِقِيْنَ فى الايمان وَالْقٰنِتِيْنَ المطيعين لله وَالْمُنْفِقِيْنَ المتصدقين وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ الله بان يقولوا اللهم اغفرلنا بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ اواخر الليل خصت بالذكر لانها وقت الغفلة و لذة النوم شَهِدَ اللّٰهُ بين لخلقه بالدلائل والايات اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ لا معبود بحق فى الوجود اِلَّا هُوَ ۙ وَ شهد بذلك الْمَلٰٓئِكَةُ بالاقرار وَاُولُوا الْعِلْمِ من الانبياء والمؤمنين بالاعتقاد واللفظ قَآئِمًا بتدبير مصنوعاته و نصبه على الحال و العامل فيها معنى الجملة اى تفرد بِالْقِسْطِ ۗ بالعدل لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كرره تاكيدا الْعَزِيْزُ فى ملكه الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ فى صنعه اِنَّ الدِّيْنَ المرضى عِنْدَ اللّٰهِ هو الْاِسْلَامُ ۗ اى الشرع المبعوث به الرسل المبنى على التوحيد و فى قراءة بفتح ان بدل من انه الخ بدل اشتمال وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اليهود والنصارى فى الدين بان وحد بعض و كفر بعض اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بالتوحيد بَغْيًا من الكافرين بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ اى المجازاة له فَاِنْ حَآجُّوْكَ خاصمك الكفار يا محمد فى الدين فَقُلْ لهم اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ انقدت له انا وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وخص الوجه بالذكر لشرفه فغيره اولى وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اليهود النصارى وَالْاُمِّيّٖنَ مشركى العرب ءَاَسْلَمْتُمْ ۗ اى اسلموا فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ من الضلال وَاِنْ تَوَلَّوْا عن الاسلام فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۗ التبليغ للرسالة وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ فيجازيهم باعمالهم و هذا قبل الامر بالقتال.

ترجمہ: یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں ہرگز ان کے کچھ کام نہ آئیں گے (یعنی عذاب کو) رفع نہ کریں گے، اور وہی لوگ آگ کے ایندھن ہوں گے، واؤ کے فتحہ کے ساتھ، جس کے ذریعہ آگ جلائی جاتی ہے جیسا کہ معاملہ آلِ فرعون اور ان سے قبل والوں کے ساتھ ہوا، (یعنی) سابقہ امتوں کے ساتھ جیسا کہ عاد و ثمود (کے ساتھ) انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث ان کی گرفت کی یعنی ان کو ہلاک کر دیا اور جملہ "کَذَّبُوْا" الخ ماقبل کے جملہ "کَدَاْبِ اٰلِ فرعون الخ" کی تفسیر ہے، اور اللہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے، اور جب آپ ﷺ غزوۂ بدر سے واپس ہوئے اور یہود کو اسلام کی دعوت دی تو یہود نے آپ سے کہا کہ ناتجربہ کار اور فنِ قتال سے

ناواقف چند قریش کو قتل کر دینا آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے، اے محمد آپ کفر کرنے والے یہودیوں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے، سیغلبون، یاء اور تاء کے ساتھ دنیا میں قتل و قید اور جزیہ عائد کر کے، اور ایسا ہی ہوا اور آخرت میں جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے (یُحْشرونَ) یاء اور تاء کے ساتھ تو تم اس میں داخل ہو گے، اور وہ برا ٹھکانہ، فرش ہے، بے شک تمہارے لیے یوم بدر میں دونوں فریقوں کے قتال کے لیے مقابل ہونے میں عبرت ہے (کان) فعل کو درمیان میں فصل کی وجہ سے مذکر لایا گیا ہے، ایک جماعت اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی یعنی اس کی اطاعت میں، اور وہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب تھے، جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی ان کے ساتھ (صرف) دو گھوڑے اور چھ زرہ اور آٹھ تلواریں تھیں ان میں کے اکثر لوگ پا پیادہ تھے۔ اور دوسری جماعت کافروں کی تھی جو ان (مسلمانوں) کو اپنے سے کئی گنا زیادہ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، یعنی اپنے سے زیادہ ان کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی، (یَرَوْنَ) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی قلت کے باوجود مدد فرمائی، اور اللہ جس کی نصرت چاہتا ہے اپنی نصرت سے مدد کرتا ہے بلاشبہ اس مذکورہ (واقعہ) میں اہل بصیرت کے لیے بڑا سبق ہے تو تم اس سے سبق نہیں لیتے کہ ایمان لے آؤ۔ اور خوشنما کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوبات کی محبت یعنی قلب جس کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس کی طرف بلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان مرغوبات کو بطور آزمائش خوشنما بنا دیا ہے یا شیطان نے (خوشنما بنا دیا ہے) خواہ (وہ مرغوبات) عورتیں ہوں اور بیٹے اور اموال کثیرہ یا سونے چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے عمدہ گھوڑے اور مویشی یعنی اونٹ گائے اور بکری اور زراعت یہ سب دنیوی زندگی کے سامان ہیں، دنیا ہی میں ان سے نفع حاصل کیا جاتا ہے، پھر ختم ہو جاتا ہے۔ اور حُسن انجام تو اللہ کے پاس ہے اور وہ جنت ہے چنانچہ وہی رغبت کے لائق ہے نہ کہ اس کے علاوہ اور کچھ۔ اے محمد آپ اپنی قوم سے کہئے کیا میں ان مذکورہ (مرغوبات) سے بھی بہتر چیزیں نہ بتلاؤں؟ ان (لوگوں) کے لیے جو کہ شرک سے ڈرتے رہتے ہیں، استفہام تقریر کے لیے ہے، ان کے پروردگار کے پاس باغات ہیں جن کے نیچے بڑی نہریں بہہ رہی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ان کے لیے ہمیشہ رہنا مقدر کر دیا گیا ہے، اور وہ ہے جنت اس میں داخل ہو جائیں گے (عند ربّھم) مبتداء ہے، اور (جنّٰتٍ تجری) اس کی خبر ہے، اور حیض وغیرہ (مثلاً بول و براز) سے کراہت ہوتی ہے صاف ستھری بیویاں ہوں گی، اور اللہ کی خوشنودی ہوگی، (رِضْوانٌ) راء کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ۔ یہ دو لغت ہیں، یعنی بڑی رضامندی، اللہ اپنے بندوں پر نظر رکھے ہوئے ہے، ان میں سے ہر ایک کو ان کی جزاء دے گا، (یہ وہ لوگ ہیں) جو کہتے رہتے ہیں (اَلَّذِیْنَ) یہ سابق اَلَّذِیْنَ کی صفت یا بدل ہے، اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے یعنی ہم نے تیری اور تیرے رسول کی تصدیق کی، سو تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا، یہ طاعت پر اور معصیت سے صبر کرنے والے ہیں۔ (یہ بھی) صفت ہے، اور ایمان میں سچے ہیں اور اللہ کے لیے عاجزی کرنے والے ہیں، اور صدقہ کرنے والے ہیں اور صبح کے وقت، یا پچھلے پہر رات میں ''اَللّٰھُمَّ اغفر لنا'' کہتے ہوئے اللہ سے مغفرت مانگنے والے ہیں اور وقت سحر کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ وہ غفلت اور نیند کی لذت کا وقت ہے، اللہ نے اپنی مخلوق کے لیے دلائل اور آیات کے ذریعہ (عقلی و نقلی دلائل کے ذریعہ)

بیان فرمادیا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یعنی کوئی معبود برحق موجود نہیں، اور ملائکہ نے بھی اقرار کر کے یہی گواہی دی ہے اور اہل علم نے کہ وہ انبیاء اور مومنین ہیں جنہوں نے اعتقاد کے ذریعہ (دل سے) گواہی دی ہے اور زبان سے تلفظ (اقرار) کر کے۔ اور وہ عدل سے انصاف قائم رکھنے والا ہے، یعنی اپنی مخلوقات کی تدبیر کرنے والا ہے (اور) قائما، حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور عامل اس میں جملہ کے معنیٰ ہیں۔ ای تَفَرَّدَ (یعنی لا الٰہ الا ھو، تَفَرَّدَ کے معنیٰ میں ہے) بجز اس کے کوئی معبود نہیں تاکیداً اس کو مکرر لایا گیا ہے، وہ اپنے ملک میں زبردست ہے، اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے یقیناً پسندیدہ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے یعنی وہ شریعت کہ جس کو لیکر رسول مبعوث ہوئے جن کا مدار توحید پر ہے، اور ایک قراءت میں اَنَّ کے فتحہ کے ساتھ اَنَّہٗ الخ سے بدل الاشتمال ہے اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے توحید کا علم آجانے کے بعد جو اختلاف کیا کہ بعض توحید کے قائل ہوئے اور بعض منکر محض کافروں کی جانب سے آپسی ضد کی وجہ سے کیا، اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا اللہ بلاشبہ جلدی حساب لینے والا ہے، یعنی اس کو جزاء دینے والا ہے سوائے محمد ﷺ اگر یہ کافر آپ سے دین میں حجت کریں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں اور جس نے میری اتباع کی تو اپنا رخ اللہ کی طرف کر چکا ہوں (یعنی) اس کا فرمانبردار ہو چکا ہوں، اور چہرہ کی تخصیص اس کے افضل ہونے کی وجہ سے ہے۔ تو اس کا غیر تو بطریقِ اولیٰ فرمانبردار ہوگا، اور آپ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور ناخواندہ مشرکین عرب سے دریافت کیجئے کہ کیا تم اسلام لاتے ہو؟ یعنی اسلام لے آؤ، سو اگر اسلام لے آئے تو وہ گمراہی سے راہ ہدایت پر آگئے اور اگر انہوں نے اسلام سے اعراض کیا تو آپ کے ذمہ صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور اللہ اپنے بندوں پر نظر رکھنے والا ہے لہٰذا وہ ان کو ان کے اعمال کی جزاء دے گا، اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَقُوْدُ، واؤ کے فتحہ کے ساتھ ایندھن اسم ہے واؤ کے ضمہ کے ساتھ مصدر ہے، مصدر کا حمل ذوات پر چونکہ درست نہیں ہے اس لیے مفتوح الواؤ کو اسم قرار دیا گیا تاکہ حمل درست ہو سکے۔

قَوْلُہٗ: دَأبُھُمْ، یہ لفظ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ کَدَأبِ فرعونَ مبتداء محذوف کی خبر ہو کر جملہ مستانفہ ہے اس کا تعلق نہ لن تغنی سے ہے اور نہ وَقودُ النار، سے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ دأبٌ بمعنیٰ عادت، حال دأبٌ (ف) سے مصدر ہے لگاتار کسی کام میں لگنا اسی وجہ سے اس کے معنی عادت کے ہیں۔

قَوْلُہٗ: الجملة مفسرة مفسر علام نے مذکورہ عبارت مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ کَذَّبُوا بآیاتِنَا، جملہ حالیہ نہیں ہے اس لیے کہ ماضی کے حال واقع ہونے کے لیے ''قد'' ضروری ہوتا ہے بلکہ یہ جملہ، سابقہ جملہ کی تفسیر ہے یہی وجہ ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان واؤ نہیں لائے۔

قَوْلُہٗ: اغمار، غمرٌ کی جمع ہے ناتجربہ کار جاہل۔

قَوْلُہٗ: ذُکِرَ الفعل للفصل یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: آیۃٌ، کان کا اسم ہے اور فعل کو مذکر لایا گیا ہے حالانکہ کانَتْ لانا چاہیے تھا تاکہ فعل اور اسم میں موافقت ہو جاتی۔

جَوَاب: فعل اور اس کے اسم میں جب فصل واقع ہو جائے تو موافقت ضروری نہیں ہوتی، یہاں لَکُمْ، کا فصل واقع ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْفِئَۃُ جماعت، لفظوں میں اس کا واحد مستعمل نہیں ہے اس کی جمع فئات ہے۔

قَوْلُہٗ: المذکور، ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: ذٰلِکَ کا مشارٌ الیہ التقلیل و التکثیر ہے، اسم اشارہ اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَاب: التقلیل و التکثیر بمعنی المذکور ہے لہٰذا مطابقت موجود ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا تَشْتَھِیْہِ اس میں اشارہ ہے کہ شہوات، مصدر مبالغۃ بمعنیٰ مفعول کے ہے، کقولہ احببت حبّ الخیر میں۔

قَوْلُہٗ: نعتٌ او بدلٌ مِن الَّذِیْنَ قَبْلَہٗ اس اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا دفاع ہے کہ العباد جو کہ قریب ہے، سے بدل یا نعت ہو اس کو دفع کر دیا کہ یہ اِتقوا سے بدل یا نعت ہے نہ کہ العباد سے۔

قَوْلُہٗ: یا ربّنا، یا مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ رَبَّنَا، یا کے مقدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: نعتٌ یعنی جس طرح الذِیْنَ اتقوا سے نعت ہے یہ اتقوا بھی نعت ہے۔

قَوْلُہٗ: نَصْبُہٗ علی الحال، یعنی قائماً ھُوَ سے حال ہے نہ کہ اِلٰہٗ، کی صفت ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ صفت اور موصوف کے درمیان فصل بالاجنبی واقع ہے۔

قَوْلُہٗ: و الفاعل فیھا معنی الجملۃ، ای تَفَرَّدَ. یہ دراصل سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: سوال یہ ہے کہ قائماً اگر معطوف اور معطوف علیہ کے مجموعہ سے حال ہے تو اس صورت میں حمل درست نہ ہوگا اور اگر فقط، لفظ اللہ، سے حال ہو تو یہ بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ جاءَ زیدٌ و عمرو راکباً اس وقت حال کا کوئی عامل نہ رہے گا۔

جَوَاب: یہ دیا کہ جملہ "لا اِلٰہَ اِلّا ھو" معنیٰ میں تَفَرَّدَ کے ہے، اس لیے کہ استثنا نفی کے بعد تفرد کا فائدہ دیتا ہے۔

اَللُّغَۃُ وَالْبَلَاغَۃُ

الِاحتباك، دو کلاموں میں حذف ہو اور اول کلام سے وہ حذف کر دیا جائے جو ثانی سے مفہوم ہو اور ثانی سے وہ حذف کر دیا جائے جو اول سے مفہوم ہو۔ فِئَۃٌ تُقَاتِلُ فی سبیل اللّٰہ و اخریٰ کافِرَۃٌ۔ اس میں صنعتِ احتباک ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، فِئَۃٌ مؤمِنَۃٌ تقاتِلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَفِئَۃٌ اُخْرٰی کافِرَۃٌ فِی سَبِیْلِ الشَّیْطَانِ، فِئَۃٌ تقاتلُ فی سبیل اللّٰہ یہ اول کلام ہے اور اخریٰ کافرۃٌ یہ ثانی کلام ہے ثانی کلام میں کافِرَۃٌ کے لفظ سے مؤمنۃ مفہوم ہے لہٰذا اس کو اول کلام سے حذف کر دیا

اور اول کلام میں تقاتل فی سبیل اللہ مذکور ہے اس سے تقاتل فی سبیل الشیطان مفہوم ہے لہٰذا اس کو ثانی کلام میں حذف کردیا گیا۔

قَوْلُہٗ: اَلْقَنطرۃ، یہ قنطارٌ کی جمع ہے مال کثیر، ڈھیر کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَلْمُسَوَّمَۃ عمدہ گھوڑا، علامت لگایا ہوا گھوڑا۔

قَوْلُہٗ: مَآب مصدر بھی ہوسکتا ہے اور اسم مکان و اسم زمان بھی، یہ اصل میں (ن) مَاْوَبٌ بروزن مَفْعَلٌ تھا، واؤ کی حرکت نقل کرکے ہمزہ کو دیدی واؤ کو الف سے بدل دیا مَآبٌ ہوگیا لوٹنے کی جگہ یا زمانہ۔

قَوْلُہٗ: زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ، (الآیۃ) اس آیت میں صنعت مراعاۃ النظیر ہے۔

مَرَاعَاۃُ النظیر: اس کو صنعت تناسب اور توفیق بھی کہتے ہیں۔

مراعَاۃُ النظیر: یہ ہے کہ ایسے دو یا زیادہ امور کو ایک جگہ جمع کردیں جو ایک دوسرے کے مناسب ہوں، لیکن یہ مناسبت تضاد کی نہ ہو، ورنہ یہ صنعت طباق ہوجائے گی مذکورہ آیت میں متعدد ایسی چیزوں کو جمع کردیا ہے جن میں مناسبت ہے، مگر یہ مناسبت تضاد نہیں ہے، اردو میں جیسے اس شعر میں ہے۔ ؎

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا

خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار، گلشن میں بتاتا باغباں رو رو کے یاں غنچہ یہاں گل تھا

ان دو شعروں میں چمن کے مناسب بہت سے الفاظ شاعر نے جمع کردیئے ہیں۔

تفسیر و تشریح

قُلْ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا (الآیۃ) ممکن ہے کہ کوئی اس آیت میں یہ شبہ کرے کہ آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار مغلوب ہوں گے، حالانکہ دنیا کے سب کفار مغلوب نہیں ہیں لیکن یہ شبہ اس لیے نہیں ہوسکتا کہ یہاں کفار سے تمام دنیا کے کفار مراد نہیں ہیں بلکہ اس وقت کے مشرکین اور یہود مراد ہیں، چنانچہ مشرکین کو قتل وقید اور یہود کو قتل وقید اور جزیہ اور جلاوطنی کے ذریعہ مغلوب کردیا گیا تھا، چنانچہ بنوقینقاع اور بنونضیر جلاوطن کئے گئے، بنوقریظہ قتل کئے گئے اور فتح خیبر کے بعد تمام یہودیوں پر جزیہ عائد کردیا گیا۔

قَدْ کَانَ لَکُمْ آیَۃٌ فِیْ فِئَتَیْنِ (الآیۃ) اس آیت میں جنگ بدر کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے جس میں کفار تقریباً ایک ہزار تھے جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے، اور دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ زائد تھے جن کے پاس ستر اونٹ اور دو گھوڑے اور چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں، اور تماشہ یہ تھا کہ ہر فریق کو حریف مقابل اپنے سے دوگنا نظر آتا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار دل میں مسلمانوں کی کثرت کا تصور کرکے مرعوب ہو رہے تھے، اور مسلمان اپنے سے دوگنی تعداد دیکھ کر اور

زیادہ حق کی طرف متوجہ ہور ہے تھے، کافروں کی پوری تعداد جو مسلمانوں کی تعداد کی تین گنی تھی منکشف ہوجاتی تو ممکن تھا کہ مسلمانوں پر خوف طاری ہوجاتا اس لیے کہ مسلمانوں کو دوگنوں پر تو "اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّاْئَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ" میں غلبہ کی پیش گوئی کردی گئی تھی اور خدا کا وعدہ تھا مگر تین گنے پر فتح کا وعدہ نہیں تھا، اور فریقین کا دوگنی تعداد دیکھنا بعض احوال میں تھا۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوَاتِ (الآیۃ) ان ہی چیزوں کی محبت اکثر افراد میں حدود جائز سے تجاوز کرکے معصیت کا سبب بن جاتی ہے شہوات سے یہاں مراد مشتہیات ہیں یعنی وہ چیزیں جو طبعی طور پر انسان کو مرغوب اور پسندیدہ ہیں اس لیے انکی رغبت ومحبت ناپسندیدہ نہیں بشرطیکہ اعتدال کے اندر اور شریعت کے دائرے میں رہے ان کی تزیین بھی اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔

وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ، آخر شب کی خصوصیت اس لیے ہے کہ وہ وقت خاص طور پر دل جمعی اور روحانی قوی کی بیداری وبالیدگی کا ہوتا ہے اور نفس پر اس وقت کا اٹھنا شاق بھی گذرتا ہے یہ مطلب نہیں کہ استغفار بجز سحر کے وقت کے دوسرے وقت میں نہیں ہوسکتا۔

اَلصَّابِرِیْنَ وَالصَّادِقِیْنَ یعنی صبر کرنے والے، امام رازی نے لکھا ہے کہ فعل کے صیغے کے بجائے اسم فاعل کا صیغہ اس لیے لائے ہیں کہ ان سے اشخاص کی یہ عام اور مستقل عادت ظاہر ہو۔

شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (الآیۃ) شہادت کے معنی بیان کرنے اور آگاہ کرنے کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا اور بیان کیا اس کے ذریعہ سے اس نے اپنی وحدانیت کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ فرشتہ اور اہل علم بھی اس کی توحید کی گواہی دیتے ہیں اس میں اہل علم کی بڑی فضیلت اور عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے ناموں کے ساتھ اہل علم کا بھی ذکر فرمایا ہے تاہم اس سے مراد صرف وہ اہل علم ہیں جو کتاب وسنت کے علم سے بہرہ ور ہوں۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامَ، اسلام وہی دین ہے جس کی دعوت وتعلیم ہر پیغمبر اپنے اپنے دور میں دیتے رہے ہیں اور اب اس کی کامل ترین شکل وہ ہے جسے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، جس میں توحید، رسالت اور آخرت پر اسی طرح یقین وایمان رکھنا ضروری ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے۔ اب محض یہ عقیدہ رکھ لینا کہ اللہ ایک ہے اور کچھ نیک اعمال کرلینا اسلام نہیں نہ اس سے نجات حاصل ہوگی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ وفی قراءۃ یُقَاتِلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ بالعدل مِنَ النَّاسِ وَھُمُ الیَھُوْدُ رُوِیَ اَنَّھُمْ قَتَلُوْا ثَلٰثَۃً وَ اَرْبَعِیْنَ نَبِیًّا فَنَھَاھُمْ مِائَۃٌ و سبعون مِنْ عُبَّادِھِمْ فَقَتَلُوْھُمْ فی یَوْمِھِمْ فَبَشِّرْھُمْ اَعْلِمْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾ مُؤْلِمٍ وَذِکْرُ البِشَارَۃِ تَھَکُّمٌ لھم و دُخِلَتِ الفاءُ فی خَبَرِ اِنَّ لِشِبْہِ اسمِھَا الموصُوْلِ بالشرط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ بَطَلَتْ اَعْمَالُھُمْ ما عَمِلُوْہُ مِنْ خَیْرٍ کَصَدَقَۃٍ و صِلَۃِ رَحِمٍ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فلا اِعْتِدَادَ بِھَا لعدمِ شَرْطِھَا وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۲﴾ مانِعِیْنَ لَھُمْ مِنَ العذابِ اَلَمْ تَرَ تَنْظُرْ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا حَظًّا مِّنَ الْکِتٰبِ التورٰۃ یُدْعَوْنَ حال اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحْکُمَ

بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ عَنْ قَبُوْلِ حُكْمِهٖ نَزَلَ فِي الْيَهُوْدِ زَنٰى مِنْهُمْ اِثْنَانِ فَتَحَاكَمُوْا اِلَى النَّبِيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم فَحَكَمَ عَلَيْهِمَا بِالرَّجْمِ فَاَبَوْا فَجِيءَ بِالتَّوْرٰةِ فَوُجِدَ فِيْهَا فَرُجِمَا فَغَضِبُوْا ذٰلِكَ التَّوَلِّيْ وَالْاِعْرَاضُ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اي بِسَبَبِ قَوْلِهِمْ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا مُدَّةَ عِبَادَةِ اٰبَائِهِمُ الْعِجْلَ ثُمَّ تَزُوْلُ عَنْهُمْ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهٖ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ مِنْ قَوْلِهِمْ ذٰلِكَ فَكَيْفَ حَالُهُمْ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ اي فِي يَوْمٍ لَّا رَيْبَ شَكَّ فِيْهِ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَغَيْرِهِمْ جَزَاءَ مَّا كَسَبَتْ عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَهُمْ اي النَّاسُ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ بِنَقْصِ حَسَنَةٍ اَوْ زِيَادَةِ سَيِّئَةٍ وَنَزَلَ لَمَّا وَعَدَ صلى اللّٰه عليه وسلم اُمَّتَهٗ مُلْكَ فَارِسَ وَالرُّوْمِ فَقَالَ الْمُنَافِقُوْنَ هَيْهَاتَ قُلِ اللّٰهُمَّ يَا اللّٰهُ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي تُعْطِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ مِنْ خَلْقِكَ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ بِاِيْتَائِهِ اِيَّاهُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِنَزْعِهٖ مِنْهُ بِيَدِكَ بِقُدْرَتِكَ الْخَيْرُ اي وَالشَّرُّ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ تُدْخِلُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ تُدْخِلُهُ فِي الَّيْلِ فَيَزِيْدُ كُلٌّ مِنْهُمَا بِمَا نَقَصَ مِنَ الْاٰخَرِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ كَالْاِنْسَانِ وَالطَّائِرِ مِنَ النُّطْفَةِ وَالْبَيْضَةِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ كَالنُّطْفَةِ وَالْبَيْضَةِ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ اي رِزْقًا وَاسِعًا لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ يُوَالُوْنَهُمْ مِنْ دُوْنِ اي غَيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ اي يُوَالِيْهِمْ فَلَيْسَ مِنَ دِيْنِ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً مَصْدَرُ تَقَيْتُهُ اي تَخَافُوْا مَخَافَةً فَلَكُمْ مُوَالَاتُهُمْ بِاللِّسَانِ دُوْنَ الْقَلْبِ وَهٰذَا قَبْلَ عِزَّةِ الْاِسْلَامِ وَيَجْرِيْ فِيْ مَنْ فِيْ بَلَدٍ لَيْسَ قَوِيًّا فِيْهَا وَيُحَذِّرُكُمُ يُخَوِّفُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ اي اَنْ يَغْضَبَ عَلَيْكُمْ اِنْ وَالَيْتُمُوْهُمْ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ الْمَرْجِعُ فَيُجَازِيْكُمْ قُلْ لَهُمْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ قُلُوْبِكُمْ مِنْ مُوَالَاتِهِمْ اَوْ تُبْدُوْهُ تُظْهِرُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ وَمِنْهُ تَعْذِيْبُ مَنْ وَالَاهُمْ وَاذْكُرْ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ مُبْتَدَاٌ خَبَرُهُ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗ اَمَدًا بَعِيْدًا غَايَةً فِيْ نِهَايَةِ الْبُعْدِ فَلَا يَصِلُ اِلَيْهَا وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ كَرَّرَهُ لِلتَّاكِيْدِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: جولوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالتے ہیں اور ایک قراءت میں ''یُقَاتِلُوْنَ'' ہے اور ان لوگوں کو جو انصاف کا حکم دیتے ہیں مار ڈالتے ہیں، اور وہ یہود ہیں، روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے تینتالیس نبیوں کا قتل کیا ہے، ان کو ایک سو ستر بنی اسرائیل کے عابدوں نے منع کیا تو ان کو بھی اسی دن قتل کر دیا، انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیدیجئے (بجائے خبر کے) خوشخبری کا ذکر ان کے ساتھ مذاق کے طور پر ہے اور اِنَّ کی خبر پر فـــاء داخل ہوئی ہے اس کے اسم موصول کے شرط کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے، یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال دنیا و آخرت میں (یعنی) صدقہ

اور صلہ رحمی کے طور پر انہوں نے جو اعمال کئے وہ سب اکارت ہو گئے لہٰذا شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے وہ کسی شمار میں نہیں اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا (یعنی) ان کو عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب تورات کا ایک حصہ دیا گیا تھا ان کو بلایا جاتا ہے (یُدْعَوْنَ، اَلَّذِیْنَ) سے حال ہے تاکہ وہ کتاب ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان میں سے ایک فریق بے رخی کرتے ہوئے اس کا حکم قبول کرنے سے منہ پھیر لیتا ہے۔ (آئندہ آیت) یہود کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ ان میں سے دو شخصوں نے زنا کیا تو وہ اپنا مقدمہ آپ ﷺ کی خدمت میں لے گئے تو آپ نے ان پر رجم کا فیصلہ فرمایا، تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا، تو تورات لائی گئی تو اس میں رجم کا حکم پایا گیا۔ چنانچہ ان دونوں کو رجم کر دیا گیا، تو یہود ناراض ہو گئے، یہ اعراض اور روگردانی اس وجہ سے تھی کہ ان کا کہنا تھا کہ ہم کو آگ چند دن چھوئے گی جو کہ چالیس دن ہیں اور یہ وہ مدت ہے کہ جس میں ان کے آباء نے گائے پرستی کی تھی، پھر ان سے زائل ہو جائے گی (یعنی نجات پا جائیں گے) اور ان کو ان کے دین کے بارے میں ان کے تراشے ہوئے قول "لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ" نے دھوکے میں ڈال دیا تھا، فی دینهم کا تعلق ما کانوا یفترون سے ہے، تو ان کا کیا حال ہوگا؟ جب ہم ان کو اس دن میں جمع کریں گے کہ جس کے آنے میں ذرا شک نہیں ہے، وہ قیامت کا دن ہے۔ اور ہر شخص کو خواہ اہل کتاب سے ہو یا غیر اہل کتاب سے، ان کے اچھے برے اعمال کی پوری پوری جزاء دی جائے گی اور لوگوں پر ظلم نہ کیا جائے گا نیکیوں میں کمی کر کے اور برائیوں میں اضافہ کر کے۔ اور جب آپ ﷺ نے اپنی امت سے ملک فارس اور روم کے فتح ہونے کی پیشین گوئی فرمائی تو منافقوں نے کہا یہ بات بہت بعید ہے آپ کہیے اے سارے جہانوں کے مالک اللّٰھم بمعنی یا اللہ تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے ملک عطاء کرے اور جس سے چاہے چھین لے اور جس کو چاہے ملک دے کر عزت دے اور جس کو چاہے چھین کر ذلت دے تیرے ہی قبضۂ قدرت میں خیر و شر ہے، بلا شبہ تو ہی ہر شئی پر قادر ہے، رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے ہر ایک میں سے جو مقدار کم ہوتی ہے وہ دوسرے میں زائد ہو جاتی ہے اور تو جاندار کو بے جان سے مثلاً انسان اور پرندے کو نطفہ اور انڈے سے اور بے جان کو مثلاً نطفہ اور انڈے کو جاندار سے نکالتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے یعنی وسعت کے ساتھ رزق دیتا ہے، مومنوں کو چاہیے کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں کہ مومنین کو چھوڑ کر ان سے محبت کرنے لگیں۔ اور جو شخص ایسا کرے گا یعنی ان سے (دلی) دوستی کرے گا تو وہ اللہ کے دین کے بارے میں کسی شمار میں نہیں مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے اندیشہ (ضرر) رکھتے ہو تُقَاةً، تَقِیَّةً، کا مصدر ہے، یعنی اگر تم ان سے کسی قسم کے ضرر کا خوف رکھتے ہو تو تم کو ان سے زبانی دوستی کی اجازت ہے نہ کہ دلی دوستی کی، اور یہ حکم اسلام کے غلبہ سے قبل کا ہے، اور مذکورہ حکم اس کے لیے بھی ہے جو کسی ایسے شہر میں ہو کہ اسلام اس میں قوی نہیں ہے۔ اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے یہ کہ وہ تم سے ناراض ہوگا اگر تم ان سے (دلی) دوستی کرو گے اور اللہ کی طرف آنا ہے، تو وہ تم کو جزا دے گا، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان کی دوستی جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ اس کو چھپاؤ یا اس کو ظاہر کرو اللہ اس کو جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (سب کو) جانتا ہے، اور اللہ ہر شئی پر قادر ہے، اور ان ہی میں سے کافروں سے دوستی کرنے والے

کو سزا دینا بھی ہے، جس دن ہر شخص اپنے نیک و بداعمال کو موجود پائے گا (ما عملت مِن سوءٍ) مبتدا خبر ہیں۔ وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس (قیامت کے) دن کے درمیان مسافت بعید ہوتی کہ وہ اس تک نہ پہنچ سکتا، اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے تاکید کے لیے مکرر لائے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا شفقت کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: وَ فِیْ قِرَاءَةٍ یُقَاتِلُوْنَ، بہتر ہوتا کہ مفسر علام اس اختلاف کو بعد والے یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ کے بعد ذکر کرتے، اس لیے کہ مذکورہ اختلاف ثانی یَقْتُلُوْنَ میں ہے نہ کہ اول میں۔ (جمل)

قِوْلَہٗ: یُدْعَوْنَ، حَالٌ، یُدْعَوْنَ، اَلَّذِیْنَ سے حال ہے نہ کہ صفت اس لیے کہ جملہ معرفہ کی صفت نہیں ہو سکتا۔

قِوْلَہٗ: ای الناس الناس کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: ھُمْ، ضمیر نَفْسٌ، کی طرف راجع ہے جو کہ مونث سماعی ہے لہٰذا مرجع و ضمیر میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَاب: ھم ضمیر الناس کی طرف راجع ہے جو کہ نفس سے مفہوم ہے۔

قِوْلَہٗ: یا اللّٰہ، اَللّٰھُمَّ، کی تفسیر یا اللہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اللّٰھُمَّ میں الف لام، یا حرف ندا کے عوض میں ہے، یہی وجہ ہے کہ لفظ اللہ پر دونوں بیک وقت داخل نہیں ہوتے۔

قِوْلَہٗ: رزقًا واسعًا، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کوئی بھی رزق غیر معلوم الحساب (بے شمار) نہیں ہے خاص طور پر اس لیے کہ اللہ کے علم میں ہر چیز معلوم و محسوس ہے، تو اس کا جواب دیا ہے بغیر حساب سے مراد وسیع اور کثیر ہے۔

قِوْلَہٗ: یُوَالُوْنَھُمْ، اس میں اشارہ کہ اَوْلِیَاء، ولی بمعنی محبت سے ماخوذ ہے نہ کہ بمعنی استعانت سے۔

قِوْلَہٗ: تُقٰةً (تُقَاة) یہ تَقِیَّةٌ کا مصدر مفعول مطلق ہے بچنا حفاظت کرنا۔ تُقَةٌ اصل میں وُقْیَة واؤ کو تاء سے بدلا اور یاء کو الف سے اور تاء کو حذف واؤ پر دلالت کرنے کے لیے ضمہ دیدیا۔ (اعراب القرآن متصرفًا)

قِوْلَہٗ: اَنْ یَغْضَبَ عَلَیْکُمْ. اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ ای غضبَ نفسہٖ یہ ان لوگوں پر رد ہے جنہوں نے تقۃ کو مفعول قرار دیا ہے، اس لیے کہ مفعول مجاز ہے اور مجاز بلا ضرورت جائز نہیں اور یہاں کوئی ضرورت نہیں۔

قِوْلَہٗ: مبتداء خبرہ تَوَدُّ، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وَ مَا عَمِلَتْ کا عطف تجدُ کے معمول پر نہیں ہے بلکہ مبتداء ہے اور اس کی خبر یَوَدُّ ہے اس لیے کہ اس صورت میں تَوَدُّ عملت کی ضمیر سے حال ہوگا اور عدم معاونت کی وجہ سے حال واقع ہونا صحیح نہیں ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ، اس میں استعارہ تبعیہ ہے، اخبار بالعذاب کو بشارت سے تشبیہ دی ہے مشبہ بہ کو مشبہ کے لیے مستعار لیا ہے پھر بشارۃ سے بَشِّرْ مشتق کیا۔ تخرج الحیّ مِنَ المیت وتخرج المیتَ من الحیّ. اس آیت میں استعارہ تصریحیہ ہے جب کہ حی ومیت سے مسلم وکافر مراد ہوں، مشبہ کو حذف کر دیا اور مشبہ بہ کو باقی رکھا، اور اگر نطفہ اور بیضہ مراد ہوں تو کلام اپنی حقیقت پر ہوگا۔ اِلَّا اَنْ تتقُوا، اس میں التفات من الغیبة الی الخطاب ہے اگر سابقہ طریقہ پر کلام ہوتا تو اِلّا أن يتّقُوا ہوتا۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيِّيْنَ بِغَيْرِ حَقٍّ. یعنی ان کی سرکشی اور بغاوت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ صرف نبیوں کو ہی ناحق قتل نہیں کیا بلکہ ان کو بھی قتل کر ڈالا جو حق وانصاف کی بات کرتے تھے۔ یعنی وہ مومنین ومخلصین اور داعیان حق جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ، یہ طنزیہ انداز بیان ہے مطلب یہ ہے کہ اپنے جن کرتوتوں پر وہ آج بہت خوش ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھے کام کر رہے ہیں انھیں بتا دو کہ تمہارے ان اعمال کا انجام یہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْباً مِّنَ الْكِتَابِ (الآیة) ان اہل کتاب سے مراد مدینہ کے وہ یہودی ہیں جن کی اکثریت قبول اسلام سے محروم رہی اور وہ اسلام اور مسلمانوں اور نبی کے خلاف مکر وسازش میں مصروف رہے حتی کہ ان کے دو قبیلے جلاوطن اور ایک قبیلہ قتل کر دیا گیا۔

ذَالِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ، یعنی اس کتاب کے ماننے سے گریز اور روگردانی کی وجہ سے ان کا یہ زعم باطل ہے کہ اول تو وہ جہنم میں جائیں گے ہی نہیں اور اگر گئے بھی تو صرف چند دن کے لیے جائیں گے، ان من گھڑت باتوں نے ان کو دھوکے اور فریب میں ڈال رکھا ہے، یعنی یہ لوگ اپنے آپ کو خدا چہیتا سمجھ بیٹھے ہیں جس کی وجہ سے یہ اس خیال خام میں مبتلا ہیں کہ ہم خواہ کچھ بھی کریں بہر حال جنت ہماری ہے، ہم اہل ایمان ہیں اور ہم فلاں کی اولاد ہیں اور فلاں کی امت ہیں آگ کی کیا مجال کہ ہم کو چھو بھی جائے اور اگر بالفرض چھوئے گی بھی تو بس چند روز کے لیے گناہوں کی آلائشوں سے پاک صاف کرنے کے لیے اس کے بعد پھر سیدھے جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے، ان ہی خیالات نے ان کو اتنا جری اور بے باک بنا دیا ہے کہ وہ سخت سے سخت جرم کا ارتکاب کر جاتے ہیں اور ذرا بھر بھی خدا کا خوف نہیں کرتے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ (الآیة) اولیاء ولی کی جمع ہے ولی ایسے دوست کو کہتے ہیں جس سے دلی محبت اور

خصوصی تعلق ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو آپس میں ایک دوسرے سے خصوصی تعلق اور قلبی لگاؤ ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں اہل ایمان کو اس بات سے سختی سے منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دلی دوست بنائیں، کیونکہ کافر اللہ کے بھی دشمن ہیں اور اہل ایمان کے بھی، تو پھر ان کو دوست بنانے کا جواز کس طرح ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ تاکہ اہل ایمان کافروں کی موالات اور ان سے خصوصی دوستی اور خصوصی تعلق سے گریز کریں۔ البتہ حسب ضرورت و مصلحت ان سے صلح و معاہدہ بھی ہوسکتا ہے اور تجارتی لین دین بھی، اسی طرح جو کافر مسلمانوں کے دشمن نہ ہوں ان سے حسنِ سلوک اور مدارات کا معاملہ بھی جائز ہے۔

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً یہ اجازت ان مسلمانوں کے لیے ہے جو دار الحرب میں رہتے ہوں کہ ان کے لیے اگر کسی وقت اظہار دوستی کے بغیر ان کے شر سے بچنا ممکن نہ ہو تو زبان سے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کر سکتے ہیں۔

وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوْا مَا نَعْبُدُ الْاَصْنَامَ اِلَّا حُبًّا لِلّٰهِ لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَيْهِ **قُلْ** لَهُمْ يَا محمدُ **اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ** بمعنى اَنَّهُ يُثِيْبُكُمْ **وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ** لِمَنِ اتَّبَعَنِيْ مَاسَلَفَ منه قبلَ ذٰلك **رَّحِيْمٌ** ﴿۳۱﴾ به **قُلْ** لَهُمْ **اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ** فِيْمَا يَاْمُرُكُمْ بِهِ مِنَ التوحيد **فَاِنْ تَوَلَّوْا** اَعْرَضُوْا عَنِ الطَّاعَةِ **فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۳۲﴾ فيه اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ اى لَا يُحِبُّهُمْ بمعنى اَنَّهُ يُعَاقِبُهُمْ **اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى** اِخْتَارَ **اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ** بمعنى اَنْفُسِهِمَا **عَلَى الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۳۳﴾ بِجَعْلِ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ نَسْلِهِمْ **ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ** وَلَدِ **بَعْضٍ ۭ** منهم **وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ** ﴿۳۴﴾ اُذْكُرْ **اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ** حَنَّةُ لَمَّا اَسَنَّتْ وَاشْتَاقَتْ لِلْوَلَدِ فَدَعَتِ اللّٰهَ وَاَحَسَّتْ بِالْحَمْلِ يَا **رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ** اَنْ اَجْعَلَ **لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا** عَتِيْقًا خَالِصًا مِنْ شَوَاغِلِ الدنيا لِخِدْمَةِ بَيْتِكَ الْمُقَدَّسِ **فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ** لِلدُّعَاءِ **الْعَلِيْمُ** ﴿۳۵﴾ بِالنِّيَّاتِ وَهَلَكَ عمرانُ وَهِيَ حَامِلٌ **فَلَمَّا وَضَعَتْهَا** وَلَدَتْهَا جَارِيَةً وَكَانَتْ تَرْجُوْ اَنْ يكونَ غُلَامًا اِذْ لَمْ يَكُنْ يُحَرَّرُ اِلَّا الْغِلْمَانُ **قَالَتْ** مُعْتَذِرَةً **رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ** اى عَالِمٌ **بِمَا وَضَعَتْ ۭ** جملةُ اِعْتِرَاضٍ مِنْ كَلَامِهِ تعالى وفي قراءةٍ بِضَمِّ التاءِ **وَلَيْسَ الذَّكَرُ** الذى طَلَبَتْ **كَالْاُنْثٰى ۚ** التى وُهِبَتْ لِاَنَّهُ يُقْصَدُ لِلْخِدْمَةِ وَهِيَ لَا تَصْلُحُ لَهَا لِضُعْفِهَا وَعَوْرَتِهَا وَمَا يَعْتَرِيْهَا مِنَ الْحَيْضِ وَنَحْوِهِ **وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا** اَوْلَادَهَا **مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ** ﴿۳۶﴾ الْمَطْرُوْدِ فى الحديث مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ اِلَّا مَسَّهُ الشيطانُ حِيْنَ يُوْلَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا اِلَّا مريمَ وَابْنَهَا رواه الشيخان **فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا** اى قَبِلَ مريمَ مِنْ اُمِّهَا **بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ** اَنْشَاَهَا بِخَلْقٍ حَسَنٍ فكانت تَنْبُتُ فى الْيَوْمِ كَمَا يَنْبُتُ الْمَوْلُوْدُ فى الْعَامِ وَاَتَتْ بِهَا اُمُّهَا الْاَحْبَارَ سَدَنَةَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَتْ دُوْنَكُمْ هٰذِهِ النَّذِيْرَةَ فَتَنَافَسُوْا فِيْهَا لِاَنَّهَا بِنْتُ اِمَامِهِمْ فَقَالَ زكريا اَنَا اَحَقُّ بِهَا لِاَنَّ خَالَتَهَا عِنْدِىْ فَقَالُوْا لَا حَتّٰى نَقْتَرِعَ فَانْطَلَقُوْا

وهُمْ تسعةٌ و عِشْرُوْنَ الى نَهرِ الأُرْدُنِ و اَلْقَوْا اقلامَهُمْ علىٰ اَنَّ مَنْ ثَبَتَ قَلَمُهٗ فِى المَاءِ وَ صَعِدَ فَهُوَ اولى بها فثَبَتَ قَلَمُ زكريا فاخَذَهَا وبنى لَهَا غُرْفَةً فِى المَسْجِدِ بِسُلَّمٍ لَا يَصْعَدُ اليها غَيْرُهٗ وكَانَ يَاتِيْهَا بِاَكْلِهَا و شُرْبِهَا ودهنها فيَجِدُ عندها فاكهةَ الشِّتَاءِ فِى الصَّيْفِ وَفَاكِهَةَ الصَّيْفِ فِى الشِّتَاءِ كما قالَ اللّٰهُ تعالى **وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا** ضَمَّهَا اليهِ وفى قراءةٍ بالتشديدِ و نَصْبِ زكريا ممدودًا ومقصورًا والفاعلُ اللّٰهُ **كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ** الغُرْفَةَ وَهِىَ اَشْرَفُ المَجَالِسِ **وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى** مِنْ اَيْنَ **لَكِ هٰذَا قَالَتْ** وهِىَ صغيرةٌ **هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ** يأتينى به مِنَ الجَنَّةِ **اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ**۝۳۷ رزقًا واسِعًا بِلا تَبِعَةٍ **هُنَالِكَ** اى لَمَّا راى زكريا ذٰلك وَعَلِمَ اَنَّ القَادِرَ علَى الإتْيَانِ بالشىءِ فِى غَيْرِ حِيْنِهٖ قَادِرٌ علَى الاتيانِ بالوَلَدِ علَى الكِبَرِ وَكَانَ اَهْلُ بيتِهٖ انْقَرَضُوْا **دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ** لَمَّا دَخَلَ المِحْرَابَ للصلوةِ جَوْفَ الليلِ **قَالَ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ** مِنْ عِندكَ **ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً** ولدًا صالحًا **اِنَّكَ سَمِيْعُ** مُجِيبُ **الدُّعَآءِ**۝۳۸ **فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ** اى جبرئيلُ **وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىْ فِى الْمِحْرَابِ** اى المسجدِ **اَنَّ** اى بِاَنَّ وفى قراءةٍ بالكسرِ بتقديرِ القَوْلِ **اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ** مُثَقَّلًا و مُخَفَّفًا **بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ** كائنةٍ **مِّنَ اللّٰهِ** اى بعيسى اَنَّهٗ روحُ اللّٰهِ و سُمِّىَ كَلِمَةً لِاَنَّهٗ خُلِقَ بِكَلِمَةِ كُنْ **وَسَيِّدًا** متبوعًا **وَّحَصُوْرًا** مَمْنُوْعًا عَنِ النساءِ **وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ**۝۳۹ رُوِىَ اَنَّهٗ لم يَعْمَلْ خَطِيْئَةً وَلَمْ يَهُمَّ بِهَا **قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ** وَلَدٌ **وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ** اى بَلَغْتُ نِهَايَةَ السِّنِّ مائةً وعشرينَ سنةً **وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ** بَلَغَتْ ثمانِىَ وتسعينَ **قَالَ** الامرُ **كَذٰلِكَ** مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ غُلامًا مِنْكُمَا **اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ**۝۴۰ لا يُعْجِزُهٗ عنه شىءٌ و لِاِظْهَارِ هٰذِهِ القُدْرَةِ العَظِيْمَةِ اَلْهَمَهُ اللّٰهُ السُّوالَ لِيُجَابَ بِهَا وَلَمَّا تَاقَتْ نَفْسُهٗ اِلَى سُرْعَةِ المُبَشَّرِ به **قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً** اى عَلامةً علىٰ حَمْلِ امْرَأتِى **قَالَ اٰيَتُكَ** عليه **اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ** اى تَمْتَنِعَ مِنْ كَلامِهِمْ بِخِلافِ ذِكْرِ اللّٰهِ تعالى **ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ** اى بِلَيَالِيْهَا **اِلَّا رَمْزًا** اِشَارَةً **وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ** صَلِّ **بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ**۝۴۱ أوَاخِرِ النَّهارِ وأوَائِله .

تَرْجَمَہ: جب مشرکین نے کہا ہم (ان بتوں کی) اللہ کی محبت میں پوجا کرتے ہیں تا کہ یہ ہم کو اس کا مقرب بنا دیں آیت نازل ہوئی۔ اے محمد ﷺ ان سے کہدو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ یعنی تم کو اس کا ثواب دے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ اس شخص کے جس نے میری پیروی کی ان تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہے جو اس سے سابق میں ہو چکے ہیں اور اس پر رحم کرنے والا ہے، آپ ان سے کہئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرو توحید وغیرہ میں جس کا وہ حکم کرتا ہے، اس پر بھی اگر وہ روگرداں رہیں یعنی طاعت سے اعراض کریں۔ تو اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا اس میں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ لایا گیا ہے، یعنی ان سے محبت نہیں کرتا اس معنی کر کہ ان کو سزا دے گا بیشک اللہ

تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو یعنی خود ان کو سارے جہان پر انبیاء کو ان کی نسل سے کر کے برگزیدہ کیا ہے، یہ بعض بعض کی ذرّیت ہیں اور اللہ خوب سننے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے اس وقت کو یاد کرو جب عمران کی بیوی حنہ نے جب کہ وہ بوڑھی ہوگئیں اور بچہ کی خواہشمند ہوئیں، اور حمل محسوس کیا عرض کیا اے میرے پروردگار میں نے اس بچہ کی جو میرے پیٹ میں ہے تیرے لیے نذر مانی ہے کہ اس کو دنیوی مشاغل سے بالکلیہ الگ رکھ کر بیت المقدس کی خدمت کے لیے آزاد رکھا جائے گا یعنی میں اس کو آزاد کردوں گی، سو تو (یہ) مجھ سے قبول کر تو دعاء سننے والا اور نیتوں کا جاننے والا ہے۔ اور عمران کا انتقال ہوگیا، جس وقت (ان کی بیوی حنہ) حاملہ تھیں، پھر جب اس نے لڑکی کو جنم دیا حالانکہ اس کو لڑکے کی امید تھی اس لیے کہ (بیت المقدس کی خدمت کے لیے) لڑکے ہی آزاد کئے جاتے تھے۔ تو عذر بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا اے میرے پروردگار میں نے تو لڑکی جنی ہے حالانکہ اللہ کو معلوم ہے کہ اس نے کیا جنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں یہ جملہ معترضہ ہے اور ایک قراءت میں وَضَعْتُ، ضمہ کے ساتھ ہے، جو لڑکا میں نے طلب کیا تھا وہ اس لڑکی جیسا نہیں ہوسکتا ہے جو مجھے دی گئی اس لیے کہ اس سے ایک خاص خدمت مقصود ہے جس کی یہ لڑکی اپنے ضعف اور اس کے عورت ہونے کی وجہ سے اور ان اعذار یعنی مثلاً حیض و نفاس وغیرہ پیش آنے کی وجہ سے صلاحیت نہیں رکھتی (خیر) میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں، حدیث میں ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے پیدائش کے وقت شیطان اس کو چونکے لگاتا ہے جس کی وجہ سے وہ زور زور سے چلاتا ہے، البتہ مریم اور اس کا بیٹا اس سے مستثنیٰ ہیں، (رواہ الشیخان) پھر اس کے پروردگار نے بدرجۂ احسن اس کی ماں مریم سے قبول کرلیا۔ اور اس کو اچھا نشو و نما دیا، یعنی اچھی تخلیق کے ساتھ اس کو پروان چڑھایا تو وہ ایک دن میں اتنی بڑھتی تھی کہ جتنا بچہ ایک سال میں بڑھتا ہے۔ تو اس کو اس کی والدہ بیت المقدس میں (بیت المقدس کے) خدمتگار احبار کے پاس لائی اور ان سے کہا اس نذر مانی ہوئی کو لو۔ تو سب نے اس میں رغبت کی اس لیے کہ یہ ان کے امام کی بیٹی تھی، زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں اس کا زیادہ حقدار ہوں، اس لیے کہ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے تو لوگوں نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ ہم تو قرعہ اندازی کریں گے تو وہ نہر اردن کی طرف چلے ان کی تعداد انتیس تھی انہوں نے اپنے قلم (دریا) میں ڈالدیئے۔ یہ بات طے کر کے کہ جس کا قلم پانی میں کھڑا ہوجائے گا اور سطح آب پر چڑھ آئے گا، تو وہی شخص مریم کا زیادہ مستحق ہوگا۔ چنانچہ (حضرت) زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلم کھڑا ہوگیا لہٰذا زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مریم کو لے لیا اور اس کے لیے مسجد میں ایک زینہ و بالا خانہ بنوایا، اس پر سوائے زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کوئی نہیں چڑھتا تھا۔ اور حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس کھانا پانی اور تیل (وغیرہ) لے جاتے تھے تو مریم کے پاس موسم سرما کے پھل موسم گرما میں، اور موسم گرما کے پھل موسم سرما میں پاتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور ان کا سرپرست زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بنادیا یعنی اس کو ان کے ساتھ ملادیا اور ایک قراءت میں تشدید کے ساتھ اور زکریا کے نصب کے ساتھ ہے۔ ممدودہ اور مقصورہ دونوں ہیں اور اللہ اس کا فاعل ہے، جب کبھی زکریا ان کے پاس حجرہ میں آتے اور وہ سب سے افضل جگہ تھی، تو ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں پاتے (ایک روز) پوچھا اے مریم تیرے

پاس یہ چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟ وہ بولیں یہ اللہ کی طرف سے آجاتی ہیں، اس وقت وہ کم سن ہی تھیں، وہ ان کو میرے پاس جنت سے لاتا ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے یعنی بلا مشقت کے کافی رزق، (بس) وہیں یعنی جب زکریا علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ صورت حال دیکھی تو سمجھ گئے کہ جو ذات بے موسم کی چیز کو لانے پر قادر ہے تو وہ بڑھاپے میں اولاد دینے پر بھی قادر ہے، اور زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کے اہل خانہ وفات پا چکے تھے، زکریا علیہ الصلاۃ والسلام نے جب وہ رات کے وقت مسجد میں نماز کے لیے گئے دعاء کی، عرض کی اے میرے پروردگار مجھے اپنے پاس سے کوئی پاکیزہ اولاد یعنی نیک اولاد عطا فرما بے شک آپ دعاء کے قبول کرنے والے ہیں۔ سوان کو فرشتوں یعنی جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام نے آواز دی حال یہ کہ وہ مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ اللہ تم کو یحیٰی کی خوشخبری دیتا ہے۔ أنَّ اصل میں بِـاَنَّ ہے، اور ایک قراءت میں کسرہ کے ساتھ ہے، قول کی تقدیر کے ساتھ (یُبَشِّرُ) مشدّد اور غیر مشدّد دونوں قراءتیں ہیں۔ جو کلمۃ اللہ کی کہ جو من جانب اللہ ہوگا یعنی عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی تصدیق کرنے والا ہوگا، کہ وہ روح اللہ ہیں، اور اس کا نام "کلمہ" رکھا گیا، اس لیے کہ وہ کلمہ "کُنْ" کے ذریعہ سے پیدا کیا گیا اور مقتدا ہوگا اور بہت زیادہ ضبط نفس کرنے والا ہوگا۔ اور عورتوں سے بہت کنارہ کش رہنے والا ہوگا اور نبوت سے سرفراز ہوگا صالحین میں شمار ہوگا۔ روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے نہ کبھی خطاء کا ارتکاب کیا اور نہ کبھی اس کا قصد کیا۔ (زکریا) بولے اے میرے پروردگار میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا؟ میں بوڑھا ہو چکا ہوں یعنی ایک سو بیس سال کی انتہائی عمر کو پہنچ چکا ہوں۔ اور میری بیوی بانجھ ہے، جو کہ اٹھانوے سال کو پہنچ چکی ہے۔ جواب ملا تم دونوں سے لڑکے کی تخلیق کا معاملہ اسی طرح ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے کوئی شئی اس کو عاجز نہیں کرسکتی۔ اور اس قدرتِ عظیمہ کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو سوال الہام فرمایا تاکہ قدرت عظیمہ کے ذریعہ جواب دے، اور جب حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کا نفس مبشر بہ کی عجلت کے لیے آرزومند ہوا تو عرض کیا اے میرے رب تو میرے لیے میری عورت کے حاملہ ہونے کی کوئی نشانی مقرر فرما دے فرمایا اس پر تیری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دنوں تک مع ان کی راتوں کے اشارہ کے سوا بات نہ کرسکو گے۔ یعنی لوگوں سے کلام کرنے پر قادر نہ ہوگے بخلاف ذکر اللہ کے، اور اپنے پروردگار کو بکثرت یاد کرتے رہو اور صبح و شام یعنی آخر دن اور اول دن میں تسبیح کرتے رہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بمعنى انهٗ يُثيبُكم، يُحْبِبْكُمُ اللّٰه کی تفسیر يُثِبْكُمْ سے کرکے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

سَوَال: اللہ کی جانب محبت کی نسبت کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ محبت ميلان القلب الى الشئى کو کہتے ہیں، یہ ذات خداوندی کے لیے محال ہے۔

جَوَاب: محبت کرنے سے مراد اجر و ثواب عطا کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَعْرَضُوْا اس میں اشارہ ہے کہ تَوَلَّوْا، ماضی کا صیغہ ہے نہ کہ مضارع کا جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے اسلئے کہ

مضارع کی صورت میں ایک تاء کا حذف لازم آئے گا۔ عموم کے قصد سے اور اس بات پر دلالت کرنے کے لیے کہ اعراض سبب کفر ہے، "ھم" ضمیر کی جگہ اسم ظاہر الکافرین لائے ہیں، یعنی لَا یُحِبُّھُمْ کے بجائے الکٰفِرِیْنَ کہا ہے۔

قِوْلَہٗ: مِنَ التَوحید، یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَالْ: اعمال فرعیہ میں اعراض موجب کفر نہیں ہوتا، حالانکہ یہاں فرمایا گیا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکَافِرِیْنَ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعراض عن الاعمال الفرعیہ مرکب موجب کفر ہے۔

جَوَابْ: یہاں اعراض سے مراد اعراض عن التوحید ہے جو کہ موجب کفر ہے۔

قِوْلَہٗ: بمعنی انفسھما، آل ابراہیم اور آل عمران سے مراد خود ابراہیم اور عمران ہیں اس لیے کہ ان کی آل میں کافر اور مومن سب ہوئے ہیں، حالانکہ کافر مراد نہیں ہیں، عمران حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کا نام ہے۔ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا نسب نامہ اس طرح ہے موسیٰ بن عمران بن یصھر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام۔ اور حضرت مریم کے والد کا نام بھی عمران ہے ان کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ حضرت مریم بنت عمران بن ماثان بن یہوذ ابن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام۔ دونوں عمرانوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔

قِوْلَہٗ: اَنْ اَجْعَلَ، نذرتُ کی تفسیر اَنْ اَجْعَلَ سے کر کے ایک سوال کا جواب مقصود ہے۔

سَوَالْ: نذر فعل کی مانی جاتی ہے نہ کہ شئ اور ذات کی، مافی بطنی ذات ہے نہ کہ فعل۔

پہلا جواب: اَنْ اَجْعَلَ کہہ کر اس سوال کا جواب دیا ہے، اور نذر ماننا فعل ہے نہ کہ عین، اس میں اس سوال کا جواب بھی ہے کہ، نذرتُ متعدی بیک مفعول ہے حالانکہ یہاں دو مفعول کی طرف متعدی ہے ایک مافی بطنی اور دوسرا محررًا۔

دوسرا جواب: نذرتُ بمعنیٰ میں جَعَلَ کے ہے، اور جَعَلَ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔

قِوْلَہٗ: ای جبرئیل، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ نادتْ کا فاعل ملائکہ ہیں حالانکہ ندا دینے والے تنہا حضرت جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔

جَوَابْ: الف لام جنس کا ہے اور یہاں اقل جنس مراد ہے یعنی فرد واحد اور وہ حضرت جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔

اَللُّغَۃُ وَالْبَلَاغَۃُ

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ اس میں مجاز مرسل ہے۔

مجاز مرسل:

مجاز مرسل وہ مجاز ہے جس میں علاقہ تشبیہ کے علاوہ کوئی دوسرا علاقہ ہو، (مثلاً علاقہ سببیت و مسببیت)، یا جزئیت وکلیت وغیرہ یہاں اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان رضامندی کا علاقہ ہے بندے اللہ سے راضی اور اللہ بندہ سے راضی۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا (الآیة) اس آیت میں فن توشیح ہے۔

فنّ توشیح:

وہ ہے کہ جس کلام کا اول کلام قافیہ پر، اگر نظم ہو اور سجع پر، اگر نثر ہو دلالت کرے۔ یعنی اول کلام ہی سے قافیہ یا سجع سمجھ میں آجائے۔ آیت مذکورہ میں اِنَّ اللّٰهَ اصطفیٰ ہی سے فاصلہ (آخر آیت) سمجھ میں آ گیا کہ فاصلہ اَلْعٰلَمِیْن آئے گا اس لیے کہ مذکورین مندرج فی العٰلمین ہی کی صفت سے ہیں۔

اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى، یہ جملہ خبریہ ہے، جملہ خبریہ کے دو مقصد ہوتے ہیں، فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر۔

فائدۃ الخبر مخاطب کو اس حکم کی خبر دینا جس پر وہ کلام مشتمل ہے۔

لازم فائدۃ الخبر، مخاطب کو یہ بتانا کہ متکلم اس حکم سے واقف ہے، مذکورہ جملے میں مذکورہ دونوں فائدے مقصود نہیں ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر دونوں سے واقف ہے۔

تَنْبِیْہ: کبھی مذکورہ دونوں فائدوں کے علاوہ کے لیے بھی جملہ خبریہ لایا جاتا ہے، مثلاً اظہار حسرت وافسوس کے لیے یہاں جملہ خبریہ اسی مقصد کے لیے لایا گیا ہے، یعنی مجھے لڑکے کی امید تھی مگر افسوس کہ لڑکی ہوئی۔

تفسیر وتشریح

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ. (الآیة) یہود ونصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ ہمیں اللہ سے اور اللہ کو ہم سے محبت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان دعووں سے اور خود ساختہ طریقوں سے اللہ کی محبت اور رضا حاصل نہیں ہوسکتی یہ محض دعویٰ ہے جو بغیر دلیل مقبول نہیں۔ اس لیے کہ محبت ایک مخفی چیز ہے کسی کو کسی سے محبت ہے یا نہیں، کم ہے یا زیادہ اس کا کوئی پیمانہ نہیں بجز اس کے کہ حالات اور معاملات سے اندازہ کیا جائے محبت کی کچھ علامات وآثار ہوتے ہیں ان سے پہچانا جاتا ہے یہ لوگ اللہ کی محبت کے دعویدار اور محبوبیت کے متمنی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آیت میں اپنی محبت کا معیار بتلا دیا ہے یعنی دنیا میں اگر کسی کو اپنے مالک سے حقیقی محبت کا دعویٰ ہے تو اس کے لیے یہ لازم ہے کہ اس کو اتباع محمدی ﷺ کی کسوٹی پر آزما کر دیکھ لیا جائے سب کھرا کھوٹا معلوم ہوجائے گا۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ، (الآیة) اس آیت میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول کی بھی تاکید کر کے واضح کردیا کہ اب نجات اگر ہے تو صرف اطاعت محمدی میں ہے اور اس سے انحراف کفر ہے اور ایسے کافروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا چاہے وہ اللہ کی محبت اور قرب کے کتنے ہی دعویدار کیوں نہ ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ. انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے خاندانوں میں دو

عمران ہوئے ہیں ایک حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے والد اور دوسرے حضرت مریم کے والد۔ اس آیت میں اکثر مفسرین نے دوسرے عمران مراد لیے ہیں اس خاندان کو حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ حضرت مریم کی والدہ کا نام مفسرین نے حنہ بنت فاقوذ لکھا ہے اس خاندان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مزید تین خاندانوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنے وقت میں جہان والوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی . اس جملہ سے حسرت کا اظہار بھی مقصود ہے اور عذر بھی، حسرت اس وجہ سے کہ میری امید کے برخلاف لڑکی ہوئی ہے اور عذر اس طرح کہ نذر سے مقصود تو تیری رضا کے لیے ایک خدمتگار وقف کرنا تھا یہ کام ایک مرد ہی زیادہ بہتر طریقہ سے انجام دے سکتا ہے اب جو کچھ بھی ہے تو اسے جانتا ہے۔

بچہ کا نام کب رکھا جائے:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بچہ کا نام ولادت کے پہلے ہی روز رکھنا چاہیے اور ساتویں روز نام رکھنے والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن حافظ ابن قیم نے تمام احادیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پہلے روز تیسرے روز ساتویں روز رکھنے کی گنجائش ہے۔

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا، (الآیۃ) حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت مریم کے خالو ہوتے تھے، اس طرح کہ زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی حنہ اور عمران کی بیوی اشاع دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ مریم عمران کی بیٹی تھیں اور یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مریم اور یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، خالہ زاد بھائی بہن ہیں اور زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام مریم کے خالو اور یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمران خالو تھے۔ اس رشتہ کے علاوہ حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے وقت کے پیغمبر بھی تھے اس لحاظ سے وہ بہتر کفیل ہو سکتے تھے مگر بیت المقدس کے دیگر خدام بھی حضرت مریم کی کفالت کے دعویدار تھے جس کی وجہ سے آپس میں نزاع پیدا ہوا آخر فیصلہ اس پر ہوا کہ قرعہ اندازی کر لی جائے جس کے حق میں قرعہ نکلے وہ کفالت کا حقدار قرار دیا جائے چنانچہ یہ سب حضرات ایک دریا کے کنارے گئے اور یہ طے کیا کہ اپنے اپنے قلم سب دریا میں ڈال دیں جس کا قلم کھڑا ہو جائے پس وہی حقدار ہوگا جب ایسا کیا گیا تو حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام قرعہ نکل آیا اور وہی ان کی کفالت کے ذمہ دار مقرر ہوئے۔

محراب سے مراد وہ حجرہ ہے جس میں حضرت مریم رہائش پذیر تھیں، رزق سے مراد پھل ہے یہ پھل ایک تو غیر موسمی ہوتے تھے گرمی کے پھل سردی کے موسم میں اور سردی کے گرمی میں ان کے کمرہ میں موجود ہوتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت زکریا اور دوسرا کوئی شخص لا کر دینے والا نہیں تھا اس لیے حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازراہ تعجب وحیرت پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے ہیں؟ انہوں نے کہا اللہ کی طرف سے۔ یہ گویا کہ حضرت مریم کی کرامت تھی، معجزہ اور کرامت خرق عادت امور کو کہا جاتا ہے یعنی جو ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہو پھر اگر کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے معجزہ اور اگر کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں برحق ہیں تاہم ان کا صدور اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہوتا

ہے نبی یا ولی کے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ معجزہ اور کرامت جب چاہے صادر کر دے، اس لیے معجزہ اور کرامت اس بات کی دلیل تو ہوتی ہے کہ یہ حضرات اللہ کی بارگاہ میں خاص مقام رکھتے ہیں لیکن اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ ان مقبولین بارگاہ کے پاس کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار ہے جیسا کہ اہل بدعت اولیاء کی کرامتوں سے عوام کو یہی کچھ باور کرا کے انہیں شرکیہ عقیدوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

هُنَا لِكَ دَعَا زَكَرِيَّا، بے موسمی پھل دیکھ کر حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کے دل میں بھی (بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود) یہ آرزو پیدا ہوئی کاش اللہ تعالیٰ انہیں بھی اسی طرح اولاد سے نواز دے اور وہ اس پر پوری طرح قادر ہے جو ذات بے موسم پھل دے سکتی ہے وہ بے وقت اولاد بھی دے سکتی ہے چنانچہ بے اختیار بارگار الٰہی میں دعاء کے لیے ہاتھ اٹھ گئے جس کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا۔ چنانچہ فرشتے نے پکار کر کہا اللہ تجھے یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے جو کلمۃ اللہ (عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام) کی تصدیق کرنے والا سردار اور ضابط النفس اور نبی ہے اور نیک لوگوں میں سے ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی صفت ''حصور'' فرمائی ہے جس کے معنی ضابط الناس گناہوں کے قریب نہ پھٹکنے والے یعنی حصور بمعنی محصور ہے بعض حضرات نے حصور کے معنی نامرد کے کیے ہیں یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ حصور یہاں مقام مدح وفضیلت میں واقع ہوا ہے اور نامردی صفت مدح نہیں ہے اس لیے کہ یہ ایک عیب ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ، حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کا سوال شک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ کیفیت معلوم کرنے کے لیے تھا۔ آیا ہم دونوں کی جوانی لوٹا دی جائے گی یا بڑھاپا بدستور رہنے کے باوجود اولاد ہوگی یا کیا صورت ہوگی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی حالت میں اولاد ہوگی۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً، بڑھاپے میں معجزانہ طور پر اولاد کی خوشخبری سن کر اشتیاق میں اضافہ ہوا اور نشانی معلوم کرنی چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تین دن کے لیے تیری زبان بند ہو جائے گی، جو ہماری طرف سے بطور نشانی ہوگی لیکن تم اس خاموشی میں صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرنا۔

وَ اذْكُرْ **اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ** اى جبرئيلُ **يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ** اِخْتَارَكِ **وَطَهَّرَكِ** مِنْ مَسِيْسِ الرِّجَالِ **وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۴۲﴾ اى اَهْلِ زَمَانِكِ **يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ** اَطِيْعِيْهِ **وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ** ﴿۴۳﴾ اى صَلِّي مَعَ الْمُصَلِّيْنَ **ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ مِنْ اَمْرِ زَكَرِيَّا وَ مَرْيَمَ **مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ** اَخْبَارِ مَا غَابَ عَنْكَ **نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ** يَا محمد **وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ** فِى الْمَاءِ يَقْتَرِعُوْنَ لِيَظْهَرَ لَهُمْ **اَيُّهُمْ يَكْفُلُ** يُرَبِّى **مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ** ﴿۴۴﴾ فى كَفَالَتِهَا فَتَعْرِفُ ذٰلِكَ فَتُخْبِرَ بِه وَ اِنَّمَا عَرَفْتَهُ مِنْ جِهَةِ الْوَحْيِ اذكر **اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ** اى جبرئيلُ **يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ** اى وَلَدٍ **اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ**

خاطبها بنسبة اليها تنبيهًا على انها تلده بلا أب اذ عادة الرجال نسبتهم الى ابائهم **وَجِيهًا** ذا جاه **فِي الدُّنْيَا** بالنبوة **وَالْاٰخِرَةِ** بالشفاعة والدرجات العلى **وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ** ﴿۴۵﴾ عند الله **وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ** اي طفلًا قبل وقت الكلام **وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ** ﴿۴۶﴾ **قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى** كيف **يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ** بتزوج ولا غيره **قَالَ** الامر **كَذٰلِكِ** من خلق ولد منك بلا أب **اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا** اراد خلقه **فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ** ﴿۴۷﴾ اي فهو يكون **وَيُعَلِّمُهُ** بالنون والياء **الْكِتٰبَ** الخط **وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ** ﴿۴۸﴾ و نجعله **رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** في الصبا او بعد البلوغ فنفخ جبرئيل في جيب درعها فحملت و كان من امرها ما ذكر في سورة مريم فلما بعثه الله تعالى الى بني اسرائيل قال لهم اني رسول الله اليكم **اَنِّيْ** اي بانّي **قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ** علامة على صدقي **مِّنْ رَّبِّكُمْ** هي **اَنِّيْ** وفي قراءة بالكسر استينافا **اَخْلُقُ** اصوّر **لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ** مثل صورته والكاف اسم مفعول **فَاَنْفُخُ فِيْهِ** الضمير للكاف **فَيَكُوْنُ طَيْرًا** وفي قراءة طائرًا **بِاِذْنِ اللّٰهِ** بارادته فخلق لهم الخفاش لانه اكمل الطير خلقا فكان يطير وهم ينظرونه فاذا غاب عن اعينهم سقط ميتًا **وَاُبْرِئُ** اشفي **الْاَكْمَهَ** الذي ولد اعمى **وَالْاَبْرَصَ** وخصّا لانهما داء ان اعييا الاطباء و كان بعثه في زمن الطب فابرأ في يوم خمسين الفا بالدعاء بشرط الايمان **وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ** بارادته كرره لنفي توهم الالوهية فيه فاحيا عازرًا صديقا له وابن العجوز وابنة العاشر فعاشوا و وُلد لهم وسام بن نوح ومات في الحال **وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ** تخبأون **فِيْ بُيُوْتِكُمْ** مما لم اعاينه فكان يخبر الشخص بما اكل و ما ياكل بعد **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** المذكور **لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ﴿۴۹﴾ و جئتكم **مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ** قبلي **مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ** فيها فاحل لهم من السمك و الطير ما لا صيصية له وقيل احل الجميع فبعض بمعنى كل **وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ** كرره تاكيدا وليبني عليه **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ** ﴿۵۰﴾ فيما امركم به من توحيد الله و طاعته **اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا** الذي امركم به **صِرَاطٌ** طريق **مُّسْتَقِيْمٌ** ﴿۵۱﴾ فكذبوه ولم يؤمنوا به **فَلَمَّآ اَحَسَّ** علم **عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ** و ارادوا قتله **قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ** اعواني ذاهبا **اِلَى اللّٰهِ** لانصر دينه **قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ** اعوان دينه وهم اصفياء عيسى اول من امن به وكانوا اثني عشر رجلًا من الحور وهو البياض الخالص وقيل كانوا قصارين يحورون الثياب اي يبيضونها **اٰمَنَّا** صدقنا **بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ** يا عيسى **بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ** ﴿۵۲﴾ **رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ** من الانجيل **وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ** عيسى **فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ** ﴿۵۳﴾ لك بالوحدانية و لرسولك بالصدق قال تعالى **وَمَكَرُوْا** اي كفار بني اسرائيل بعيسى اذ وكلوا به من يقتله غيلة **وَمَكَرَ اللّٰهُ** بهم بان القى شبه عيسى على من قصد قتله فقتلوه و رفع عيسى **وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ** ﴿۵۴﴾ اعلمهم به.

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب فرشتوں یعنی جبرئیل نے کہا اے مریم بے شک اللہ نے تجھ کو برگزیدہ کیا ہے اور مردوں کے مس کرنے سے تجھے پاک کردیا ہے، اور تجھ کو دنیا جہان کی عورتوں کے مقابلہ میں یعنی اپنے زمانہ کی عورتوں کے مقابلہ میں برگزیدہ کرلیا ہے۔ اے مریم تو اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہیے اور سجدہ کرتی رہیے۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہیے یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھتی رہیے۔ یہ مذکورہ واقعات (یعنی) زکریا علیہ الصلاۃ والسلام اور مریم علیہا السلام کا واقعہ غیب کی خبروں میں سے ہیں یعنی ان خبروں میں سے جو تم سے پردۂ غیب میں ہیں ہم آپ کے اوپر اے محمد ﷺ وحی کر رہے ہیں اور جب وہ اپنے قلموں کو قرعہ اندازی کے لیے پانی میں ڈال رہے تھے تاکہ ان پر یہ بات ظاہر ہوجائے کہ مریم کی کون سرپرستی کرے؟ اور ان کی سرپرستی کے بارے میں جب وہ اختلاف کررہے تھے تو آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے کہ آپ اس واقعہ کو جانتے ہوں جس کی بنا پر آپ اس کی خبر دے رہے ہوں، آپ کو تو علم بذریعہ وحی ہوا ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب فرشتوں یعنی جبرئیل نے کہا اے مریم اللہ آپ کو خوشخبری دے رہا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ یعنی لڑکے کی کہ اس کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا بچے کی، مریم کی جانب نسبت کرکے مریم سے خطاب اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کیا کہ وہ اس کو بغیر باپ کے جنے گی، جب کہ لوگوں کی عادت ان کے آباء کی جانب نسبت کرنے کی ہے، دنیا میں نبوت کی وجہ سے اور آخرت میں شفاعت اور اعلیٰ درجات کی وجہ سے عنداللہ معزز اور مقربین میں سے ہوں گے۔ اور وہ لوگوں سے گہوارہ میں یعنی بچپن میں کلام کرنے کی عمر سے پہلے کلام کریں گے اور پختہ عمر میں بھی، اور صالحین میں سے ہوں گے۔ وہ بولیں اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا درانحالیکہ مجھے کسی مرد نے نہ نکاح کرکے اور نہ بغیر نکاح کے ہاتھ تک نہیں لگایا ارشاد ہوا بغیر باپ کے تجھ سے لڑکا پیدا ہونے کا معاملہ ایسا ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کردیتا ہے جب کسی شئ کے پیدا کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو اس کے لیے کن کہتا ہے تو وہ ہوجاتی ہے اور وہ اسے **نعلمه**، **یعلمه** نون اور یاء کے ساتھ ہے لکھنا سکھائے گا اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھائے گا اور ہم اس کو بچپن اور بالغ ہونے کے بعد بنی اسرائیل کا پیغمبر بنائیں گے۔ چنانچہ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماردی تو وہ حاملہ ہوگئیں۔ اور اس کا قصہ اس طرح ہوا کہ جو سورۂ مریم میں مذکور ہوا ہے۔ چنانچہ جب ان کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا۔ تو انہوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں (اور کہے گا) میں تمہارے پاس اپنی صداقت پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں وہ یہ کہ میں اور ایک قراءت میں بصورت اِنّی، کسرہ کے ساتھ ہے استیناف کے لیے۔ تمہارے لیے مٹی سے پرندوں کے مانند صورت بنا دیتا ہوں یعنی پرندہ جیسی صورت اور کَهَیْئَة کا کاف اسم مفعول ہے، پھر اس میں دم کردیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور ایک قراءت میں طائراً ہے، تو ان کے لیے چمگادڑ پیدا کی اس لیے کہ وہ پرندوں میں تخلیق کے اعتبار سے کامل ترین ہے چنانچہ وہ اڑتی تھی اور وہ اسے دیکھتے تھے، اور جب وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہوجاتی تھی تو وہ مردہ ہوکر گرجاتی تھی، اور میں اللہ

کے حکم سے مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو، ان دونوں مرضوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں نے اطباء کو عاجز کردیا تھا اور آپ کی بعثت طب کے زمانہ میں ہوئی چنانچہ ایک دن میں ایمان کی شرط کے ساتھ دعاء کے ذریعہ پچاس ہزار کو تندرست کیا اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں باذن اللہ کو مکرر ذکر کیا ہے آپ میں الوہیت کے وہم کی نفی کرنے کے لیے۔ چنانچہ آپ نے اپنے دوست عاذر اور بڑھیا کے بیٹے کو اور عشر وصول کرنے والے کی بیٹی کو زندہ کیا چنانچہ یہ لوگ (ایک مدت تک) زندہ رہے اور صاحب اولاد ہوئے۔ اور سام بن نوح کو زندہ کیا (مگر) وہ اسی وقت انتقال کر گئے، اور میں تم کو بتا دیتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو تم چھپا کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں۔ ان چیزوں کو کہ جن کو میں نے دیکھا بھی نہیں ہے چنانچہ آپ آدمی کو بتا دیتے تھے کہ اس نے کیا کھایا ہے؟ اور آئندہ کیا کھائے گا؟ بے شک ان مذکورہ واقعات میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں اگر تم ایمان رکھتے ہو اور میں تمہارے پاس اپنے سے پہلی (کتاب) تورات اور انجیل کی تصدیق کرنے والا ہو کر آیا ہوں۔ (اور اس لیے آیا ہوں) کہ جو کچھ تمہارے اوپر تورات میں حرام کر دیا گیا تھا اس میں سے تم پر کچھ حلال کردوں چنانچہ ان کے لیے مچھلی اور وہ پرندہ کہ جس کے خار نہ ہو حلال کر دیا۔ اور کہا گیا ہے کہ سب کو حلال کر دیا گیا (اس صورت میں) بعض بمعنی کل ہوگا اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں اس کو تاکید کے لیے مکرر لایا گیا ہے یا اس لیے کہ اس پر (فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ) کی بنا ہو سکے۔ لہٰذا اللہ سے ڈرتے رہو اور جس کا میں تم کو حکم دوں اس میں میری اطاعت کرو، اور وہ اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت ہے، بلاشبہ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، بس اس کی عبادت کرو، یہی ہے وہ سیدھی راہ ہے جس کا میں تم کو حکم کرتا ہوں مگر انہوں نے (عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام) کی تکذیب کی اور ان پر ایمان نہ لائے۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی طرف سے انکار کو محسوس کیا اور انہوں نے ان کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ تو آپ نے فرمایا اللہ کے لیے میرا کون مددگار ہوگا؟ حال یہ کہ میں اللہ کی طرف جا رہا ہوں تاکہ میں اس کے دین کی مدد کروں تو حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ کے مددگار یعنی اس کے دین کے مددگار۔ اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے منتخب کردہ لوگ تھے، اور آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ اور وہ بارہ آدمی تھے، (حواریوں) حَوَرٌ سے مشتق ہے اس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ دھوبی تھے جو کہ کپڑوں کو سفید (صاف) کرتے تھے۔ ہم اللہ کی تصدیق کرتے ہیں اور اے عیسیٰ تم گواہ رہنا کہ ہم فرمانبردار ہیں اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے انجیل پر جو تو نے نازل فرمائی ہے اور ہم نے رسول کی اتباع کی جو کہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہیں تو ہم کو بھی اپنی توحید کے گواہوں کے ساتھ اور اپنے رسول کی اتباع کرنے والوں کے ساتھ لکھ لے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بنی اسرائیل کے کافروں نے عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ تدبیر کی جب کہ ان کو ان لوگوں کے حوالہ کر دیا جو ان کو اچانک قتل کرنا چاہتے تھے اور اللہ نے بھی ان کے ساتھ خفیہ تدبیر کی اسی طریقہ پر کہ اس شخص پر جو آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا آپ کی شبیہ ڈال دی چنانچہ لوگوں نے اسی کو قتل کر دیا اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو آسمانوں پر اٹھا لیا گیا۔ اور اللہ خفیہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں۔ یعنی خفیہ تدبیر کو ان سے زیادہ جاننے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ، یہ سابقہ قَالَتْ پر عطف قصہ علی القصہ ہے قصہ بنت کا قصہ اُم پر عطف کیا گیا ہے مناسبت ظاہر ہے۔ اور بعض حضرات نے اذکر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب کہا ہے مفسر علام کی بھی یہی رائے ہے۔

قَوْلُہٗ: ای جبرئیل، اس میں اشارہ ہے کہ الملائکۃ اسم جنس ہے مراد ادنیٰ فرد یعنی واحد ہے، یا الملائکہ کو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کے طور پر جمع لایا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: اِصْطَفٰی اِصْطِفَاءٌ سے ماضی واحد مذکر غائب، اس نے چن لیا، اس نے برگزیدہ بنایا، اس نے منتخب کیا۔

قَوْلُہٗ: ای وَلَدٍ یہ کلمۃٍ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْمَسِیْحُ عیسٰی، عیسیٰ المسیح سے بدل ہے، آپ کا لقب مسیح ہے اور مسیح عبرانی زبان میں مبارک کو بھی کہتے ہیں مسیح کو مسیح یا تو اس لیے کہتے تھے کہ آپ سفر و سیاحت زیادہ کرتے تھے یا اس لیے کہ آپ جس مریض کو مسح کر دیتے تھے وہ تندرست ہو جاتا تھا۔

قَوْلُہٗ: عیسٰی یہ ایسوع سے ماخوذ ہے اور کہا گیا ہے کہ العیس سے ماخوذ ہے اس سفیدی کو کہتے ہیں جس میں سرخی غالب ہو، چونکہ آپ گندم گوں تھے اس لیے آپ کو عیسیٰ کہا گیا۔

قَوْلُہٗ: ابن مریم، یہ مبتدا محذوف، ھُو، کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: وَجِیْھًا یہ کلمۃ، سے حال ہے اگرچہ کلمۃ نکرہ ہے مگر موصوفہ ہے ای کلمۃٍ کائنۃٍ منہ

قَوْلُہٗ: ای طِفلاً الخ اس میں اشارہ ہے کہ المھد سے مراد محض گہوارہ ہی نہیں بلکہ حالت طفولیت ہے خواہ کلام کرتے وقت گہوارہ میں ہوں یا ماں کی گود میں یا بستر پر۔

قَوْلُہٗ: ومن الصالحین اس کا عطف وَجِیْھًا پر ہے۔

قَوْلُہٗ: فھو یکونُ اس میں اشارہ ہے کہ یکون، ھُوَ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: الخط الکتٰبَ کی تفسیر الخط سے کرنے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: التوراۃ اور انجیل کا عطف الکتاب پر صحیح نہیں ہے اس لیے کہ کتاب میں انجیل و تورات دونوں شامل ہیں لہٰذا یہ عطف الشئ علی نفسہٖ کے قبیل سے ہوگا۔

جَوَابٌ: الکتاب سے مراد الکتابۃ ہے، اسی کی طرف الخط سے اشارہ فرمایا ہے۔

قَوْلُہٗ: ھِیَ اَنِّی، ھِیَ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اَنِّی مع اپنے مابعد کے مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ نہ کہ أنی قَدْ جئتکم سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب۔

قَوْلُہٗ: الکاف اسم مفعول، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: فَانْفُخُ فِیْهِ، فِیْهِ کی ضمیر کَهَیْئَةِ الطیر میں کاف کی طرف راجع ہے اور کاف حرف ہے اور حرف کی طرف ضمیر راجع نہیں ہوسکتی۔

جَوَاب: کاف بمعنی مثل ہے جو کہ اسم مفعول ہے، مماثل هَیْئَة الطیر، لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

قَوْلُہٗ: الکنایةُ، یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ یہ کنایہ ہے قرعہ اندازی سے چند قلم جن سے تورات لکھی جاتی تھی وہ ہیکل میں محفوظ رہتے تھے اور جب قرعہ اندازی کرنی ہوتی تھی تو ہر امیدوار ان میں سے ایک قلم لے لیتا تھا اور اس کو نشان زدہ کردیتا تھا اور دریا کے کنارے جا کر سب کو دریا میں ڈال دیا جاتا تھا جس کا قلم پانی کے رخ کے خلاف اوپر کی طرف چڑھتا تھا قرعہ اسی کے نام سمجھا جاتا تھا۔

قَوْلُہٗ: الصِیْصِیَةُ (ما یُتَحَصَّنُ بها) وہ آلہ جس کے ذریعہ حفاظت کی جائے اسی وجہ سے بیل اور ہرن کے سینگوں اور مرغ کے خار کو بھی کہتے ہیں جسے شوکۃ الدیک کہتے ہیں مرغ کی ایک ساق میں اکثر اور بعض اوقات دونوں میں پنجہ سے اوپر ایک نوکیلا ناخن ہوتا ہے، جسے شوک الدیک کہتے ہیں، اس شوک کے ذریعہ مرغ اپنا دفاع کرتا ہے اور اسی سے حملہ آور بھی ہوتا ہے، قاضی نے صیصیہ، اس مچھلی کو بھی کہا ہے جس کے اوپر فلوس اور اندر کانٹے نہ ہوں۔

قَوْلُہٗ: ذَاهِبًا، ذاهِبًا کو مفرد لاکر اشارہ کردیا کہ متکلم سے حال ہے۔

استعارہ تمثیلیہ: فَلَمَّا اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْکُفْرَ، میں استعارہ تمثیلیہ ہے۔

اَحَسَّ سے مراد عَلِمَ وَاَدْرَکَ ہے اس لیے کہ احساس حواس خمسہ ظاہرہ سے مجسم شئی کا ہوتا ہے نہ کہ عقلی شئی کا اور کفر عقلی ہے لہٰذا احَسَّ سے مراد عَلِمَ ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا کفر اس قدر واضح اور ظاہر تھا گویا کہ مجسم شئی کے درجہ میں آ گیا تھا۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

وَاِذْقَالَتِ الْمَلَائِکَةُ یَا مَرْیَمُ (الآیة) حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلمۃ اللہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ آپ کی ولادت اعجازی شان کی مظہر اور عام انسانی اصول کے برعکس بغیر باپ کے اللہ کی قدرت خاصہ اور اس کے کلمہ کُنْ سے ہوئی تھی، پہلے اصطفیٰ کا تعلق مریم کے بچپن سے ہے یعنی اللہ نے آپ کو شروع ہی سے بزرگی دے رکھی تھی۔ آپ کی والدہ کی دعاؤں کو سن کر آپ کو خلعتِ وجود بخشا گیا، اس کے علاوہ ہیکل کی خدمت کا کام لڑکوں کے لیے مخصوص تھا آپ کو لڑکی ہونے کے باوجود اس کا موقع

عنایت کیا گیا۔ پھر آپ کو آپ کے حجرے میں بے موسمی پھل جس اعجازی طریقہ پر پہنچائے اس نے زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو متحیر کر دیا، یہ سب شواہد آپ کی برگزیدگی ہی کے تو ہیں۔

وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ، یہ آیت خصوصیت سے یہود کی رد میں ہے جو گندے الزامات حضرت مریم کو لگائے ہوئے تھے اور آج تک لگاتے چلے آرہے ہیں۔ اس اصطفیٰ کا تعلق بلوغ کے بعد سے ہے مثلاً مواصلت صنفی کے بغیر مَس ملکی سے انہیں ماں بنا دیا گیا، انجیل میں بھی فضیلت مریم کا ذکر ہے مگر بہت ہلکے الفاظ میں۔

اس کنواری کا نام مریم تھا اور فرشتے نے اس کے پاس اندر آ کر کہا سلام تجھکو، جس پر فضل ہوا ہے خداوند تیرے ساتھ ہے۔

(لوقا، ۱:۲۷، ۲۸)

حضرت مریم کا یہ شرف وفضل ان کے اپنے زمانہ کے اعتبار سے ہے کیونکہ صحیح احادیث میں حضرت مریم کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی خیر نسائها (سب عورتوں سے بہتر کہا گیا ہے) اور بعض عورتوں کو کامل قرار دیا گیا ہے، حضرت مریم، حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ (ابن کثیر) ترمذی کی روایت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی فضیلت والی عورتوں میں شامل کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ حضرت مریم کو بیٹے کی بشارت دی جارہی ہے وہ بیٹا جس کو بن باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے کلمۃ اللہ کہا گیا ہے مریم اس وقت تک یہودی رسم ورواج کے لحاظ سے ناکتخدا تھیں (غیر شادی شدہ) البتہ آپ کی منگنی آپ کے کفو آل داؤد کے ایک نوجوان یوسف نامی لڑکے سے ہوئی تھی، جن کے یہاں لکڑی کا کام ہوتا تھا، انجیل کا بیان ہے۔

جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک شخص یوسف نامی سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا۔ (لوقاء ۱: ۲۶، ۲۷)

یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب آپ کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے رکھنا ہوئے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ (متی ۱: ۸۱)

وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، یہ فقرہ یہود کے رد میں ہے کہ تم جس کے حق میں ہر قسم کی توہین وافتراء روا رکھتے ہو وہ صاحب عزت واکرام ہیں۔

یہود کی قدیم کتابوں میں کوئی دقیقہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحقیر وتوہین کا اٹھا نہیں رکھا گیا۔ یہ قرآن کی برکت واعجاز ہے کہ اس کے نزول کے بعد سے رفتہ رفتہ اب یہود کے لہجہ کی تلخی نرمی میں تبدیل ہوتی جارہی ہے اور تالمود کے الزامات دہراتے ہوئے یہود کو شرم آنے لگی ہے آخرت کا اعزاز تو خیر جب ہوگا، ہوگا مگر دنیا کا اعزاز اس سے ظاہر ہے کہ روئے زمین کے سو کروڑ سے زیادہ مسلمان آج بھی انہیں اللہ کا پیغمبر برحق مان رہے ہیں۔ ان کا نام ''علیہ الصلوٰۃ والسلام'' کے بغیر نہیں

لیتے اور کروڑوں کی تعداد میں نصاریٰ ہیں جو انھیں رسول کے مرتبہ سے بھی بلند تر سمجھ رہے ہیں، یہ عقیدہ گو باطل واحمقانہ ہے لیکن بہرحال آپ کی تعظیم واحترام کا ہی نتیجہ ہے۔

یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ. مہد (گہوارہ) میں کلام کرنے کا مقصد تو صاف ہے کہ شیر خوارگی کے زمانہ میں اعجازی طور پر بامعنیٰ کلام کریں گے۔ کہولت (ادھیڑ عمر) میں بات کرنے کا کیا مطب ہے؟ ادھیڑ عمر میں تو سب ہی بات کرتے ہیں۔

اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مقصد تو حالت شیر خوارگی کے کلام کا بیان کرنا ہے اس کے ساتھ بڑی عمر میں کلام کرنے کو اس لئے لایا گیا ہے کہ جس طرح انسان بڑی عمر میں عاقلانہ دانشمندانہ کلام کرتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے بچپن میں ہی ایسا کلام کیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو جب آسمانوں پر اٹھایا گیا تھا تو اس وقت آپ کی عمر ۳۳ سال تھی، جو عین جوانی کی عمر ہوتی ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے آپ پر کہولت کا زمانہ نہیں آیا جب آپ نزول فرمائیں گے تب آپ پر کہولت کا زمانہ آئے گا۔ گویا کہ اس میں آپ کے نزول کی طرف اشارہ ہے اس طریقہ سے ان کے بچپن کے کلام ہی کی طرح زمانۂ کہولت کا کلام بھی معجزانہ ہوگا۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ. تیرا تعجب بجا، لیکن قدرت الٰہی کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ وہ تو جب چاہے اسباب عادیہ ظاہریہ کا سلسلہ ختم کرکے حکم کن سے پلک جھپکنے میں جو چاہے کردے۔

اِنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَةِ الطَّیْرِ، (الآیة) یہاں ''خلق'' پیدائش کے معنیٰ میں نہیں ہے اس پر تو صرف اللہ ہی قادر ہے کیونکہ وہی خالق ہے یہاں اس کے معنیٰ ظاہری شکل وصورت گھڑنے اور بنانے کے ہیں۔ مفسر علام نے اخلق کی تفسیر اُصور سے کرکے اسی معنیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے حضرت عیسیٰ نے نفاش (چمگادڑ) کی مٹی کی صورت بنائی مشہور ہے کہ چمگادڑ اکمل طیور میں سے ہے۔ اسلئے کہ اس کے دانت بھی ہوتے ہیں اور پستان بھی ہوتی ہیں نیز بغیر پروں کے اڑتی ہے اس کو صرف مغرب کے بعد اور صبح کے بعد نظر آتا ہے۔ (صاوی)

بِاِذْنِ اللّٰہِ، دوبارہ باذن اللہ کہنے کا مقصد یہی ہے کہ کوئی شخص اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے کہ میں خدائی صفات یا اختیارات کا حامل ہوں، میں تو اس کا عاجز بندہ اور رسول ہوں، یہ جو کچھ میرے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے معجزہ ہے جو محض اللہ کے حکم سے صادر ہو رہا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے زمانہ کے حالات کے مطابق معجزے عطا فرمائے تاکہ اس کی صداقت اور بالاتری نمایاں ہوسکے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا انہیں ایسا ہی معجزہ عطا کیا گیا جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر اپنا کرتب دکھانے میں ناکام رہے جس سے ان پر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی صداقت واضح ہوگئی اور وہ ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں طب کا بڑا چرچا تھا، چنانچہ انہیں مردہ زندہ کرنے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کردینے کا معجزہ عطا کیا گیا۔ جو کوئی بھی بڑا طبیب اپنے فن کے ذریعہ سے کرنے پر قادر نہیں تھا، ہمارے

نبی ﷺ کے دور میں شعر وادب اور فصاحت وبلاغت کا بڑا زور تھا، چنانچہ انہیں قرآن جیسا فصیح وبلیغ اور پُر اعجاز کلام عطا فرمایا جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا بھر کے فصحاء وبلغاء وادباء وشعراء عاجز رہے۔ اور یہ چیلنج آج بھی موجود ہے۔

مَسْئَلَہ: پرند کی شکل بنانا تصویر ہے جو شریعت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام میں جائز تھا، آپ ﷺ کی شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: وَلِاُحِلَّ لَکُمْ، یہ فعل محذوف کا معمول ہے، تقدیر عبارت یہ ہے جئتکم لِاُحِلَّ التحلیل، مصدقاً، پر عطف نہیں ہے اس لیے کہ مصدقاً حال ہے اور یہ علت ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ، رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کی مخلوق مربوب اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے پیغمبر اور امتی سب برابر ہیں۔

فَاعْبُدُوْہُ، یعنی اس کی بندگی کرو، آج جو انجیلیں روئے زمین پر موجود ہیں، ان میں ایک انجیل برنا باس ہے اس کے انگریزی۔ عربی ترجمے موجود ہیں اور وہ حضرت برنا باس نامی حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ایک حواری کی جانب منسوب ہے، اس میں ظہور اسلام کی خبریں اور آپ ﷺ کے ختم رسل ہونے کی بابت پیش گوئیاں ایسے صاف اور صریح الفاظوں میں موجود ہیں کہ مسیحیوں کو مفر اسی میں نظر آیا کہ اسے جعلی کہہ کر الگ کردیں اور اس کی تصنیف کو کسی مسلمان کی طرف منسوب کردیں، جب کہ ظہور اسلام سے صدیوں پہلے اس کو غیر معتبر کتابوں کی فہرست میں شامل کیا جا چکا تھا، انجیل برنا باس تو ہر سچے خدائی کلام کے سفیر کی طرح توحید کی تعلیم وتاکید سے بھری پڑی ہے۔ لیکن دوسری انجیلیں بھی جو خود کلیسا کے نزدیک مستند ہیں وہ بھی اس توحید کی تعلیم سے خالی نہیں۔

یہود کی عدالت میں عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو سزائے موت:

وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ، اللہ کی طرف جو مکر کی نسبت کی گئی ہے یہ فن مشاکلت کے طور پر ہے۔ پہلے مکروا کے فاعل یہود ہیں، یہود کے اکابر اور سرداروں نے مخالفت اور ایذاء کے بہت سے درجے طے کرنے کے بعد بالآخر یہ طے کیا کہ یسوع نامی اسرائیلی مدعی نبوت کو ختم ہی کردینا چاہیے، چنانچہ پہلے اپنی مذہبی عدالت میں الحاد کا الزام لگا کر آپ کو واجب القتل قرار دیا، پھر رومی حاکموں کی ملکی عدالت میں لاکر آپ پر بغاوت کا مقدمہ چلایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور آپ کے مخالفین کا یہ معرکہ ملک شام کے صوبہ فلسطین میں پیش آیا تھا شام اس وقت رومی سلطنت کا ایک جزو تھا، اور یہاں کے یہودی باشندوں کو اپنے معاملات میں نیم آزادی اور نیم خودمختاری حاصل تھی شہنشاہ رومہ کی طرف سے ایک نائب السلطنت (وائسرائے) سارے ملک شام کا تھا، اور اس کے ماتحت ایک والی یا امیر صوبۂ فلسطین کا تھا، رومیوں کا مذہب شرک وبت پرستی تھا، یہود کو اتنا اختیار حاصل تھا کہ اپنے لوگوں کے مقدمات اپنی مذہبی عدالت میں چلائیں، لیکن سزاؤں

کے نفاذ کے لیے ان مقدمات کو ملکی عدالت میں لانا پڑتا تھا جرم الحاد میں قتل کا فتویٰ خود یہود کی عدالت دے سکتی تھی، اور اس نے اسی سزا کا حکم سنایا لیکن واقعۃً سزائے موت کا نفاذ صرف رومی ملکی عدالت کے ہاتھ میں تھا، اور سزائے موت رومی حکومت میں سولی کے ذریعہ دی جاتی تھی یہود کی اس گہری سازش کا تذکرہ قرآن مجید کے لفظ مکروا میں ہے۔

وَمَکَرَ اللّٰہُ، یعنی اللہ نے مخالفین اور معاندین کی ساری تدبیریں، ساری سازشیں الٹ دیں اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سولی کی موت سے بچالیا۔

اذكر **إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ** قابضك **وَرَافِعُكَ إِلَيَّ** من الدنيا من غير موتٍ **وَمُطَهِّرُكَ** مبعدك **مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ** صدّقوا نبوّتك من المسلمين والنصارى **فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** بك وهم اليهود يعلونهم بالحجة والسيف **إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾** من امر الدين **فَأَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا** بالقتل و السبي و الجزية **وَالْاٰخِرَةِ** بالنار **وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾** مانعين منه **وَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ** بالياء والنون **أُجُوْرَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾** اى يعاقبهم رُوِيَ اَنَّ اللّٰه تعالى أرسل اليه سحابة فرفعته فتعلقت به أمّه وبكت فقال لها انّ القيامة تجمعنا وكان ذلك ليلة القدر ببيت المقدس وله ثلث وثلثون سنة و عاشت أمّه بعده ست سنين وروى الشيخان حديث انه ينزل قرب الساعة ويحكم بشريعة نبينا صلى الله عليه وسلم و يقتل الدجال والخنزير ويكسر الصليب و يضع الجزية وفي حديث مسلم انه يمكث سبع سنين وفي حديث ابي داؤد الطيالسي اربعين سنة ويتوفى و يصلى عليه فيحتمل ان المراد مجموع لبثه في الارض قبل الرفع وبعده **ذٰلِكَ** المذكور من امر عيسى **نَتْلُوْهُ** نقصّه **عَلَيْكَ** يا محمد **مِنَ الْاٰيٰتِ** حال من الهاء في نتلوه و عامله ما في ذلك من معنى الاشارة **وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾** المحكم اى القران **إِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى** شانه الغريب **عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ** كشانه في خلقه من غير اب و هو من تشبيه الغريب بالاغرب ليكون اقطع للخصم و اوقع في النفس **خَلَقَهٗ** اى ادم اى قالبه **مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ** بشرا **فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾** اى فكان وكذلك عيسى قال له كن من غير اب فكان **اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ** خبر مبتدأ محذوف اى امر عيسى **فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾** الشاكين فيه **فَمَنْ حَاجَّكَ** جادلك من النصارى **فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ** بامره **فَقُلْ** لهم **تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ** فنجمعهم **ثُمَّ نَبْتَهِلْ** نتضرّع في الدعاء **فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾** بان نقول اللّٰهم العن الكاذب في شان عيسى وقد دعا صلى الله عليه وسلم وفد نجران لذلك لما حاجّوه فيه فقالوا حتى ننظر

فِی اَمْرِنَا ثُمَّ نَاتِیْکَ فَقَالَ ذُوْرَأیِھِمْ لَقَدْ عَرَفْتُمْ نُبُوَّتَهٗ وَ اَنَّهٗ مَا بَاہَلَ قَوْمٌ نَبِیًّا اِلَّا ھَلَکُوْا فَوَادَعُوْا الرَّجُلَ وَانْصَرَفُوْا فَاَتَوْهُ وَ قَدْ خَرَجَ وَمَعَهُ الْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ وَ فَاطِمَةُ وَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْھُمْ وَ قَالَ لَھُمْ اِذَا دَعَوْتُ فَاٰمِنُوْا فَاَبَوْا اَنْ یُلَاعِنُوْا وَصَالَحُوْهُ عَلَی الْجِزْیَةِ رَوَاہُ اَبُوْنُعَیْمٍ وَرَوَی اَبُوْدَاوٗدَ اَنَّھُمْ صَالَحُوْهُ عَلَی الْفَیْ حُلَّةٍ النِّصْفُ فِی صَفَرٍ وَالْبَقِیَّةُ فِی رَجَبٍ وَ ثَلٰثِیْنَ دِرْعًا وَ ثَلٰثِیْنَ فَرَسًا وَ ثَلٰثِیْنَ مِنْ کُلِّ صِنْفٍ مِنْ اَصْنَافِ السِّلَاحِ وَ رَوَی اَحْمَدُ فِی مُسْنَدِهٖ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ لَوْ خَرَجَ الَّذِیْنَ یُبَاھِلُوْنَهٗ لَرَجَعُوْا لَا یَجِدُوْنَ مَالًا وَ لَا اَھْلًا وَرَوَی الطَّبْرَانِیُّ مَرْفُوْعًا لَوْخَرَجُوْا لَاحْتَرَقُوْا **اِنَّ ھٰذَا** الْمَذْکُوْرَ **لَھُوَالْقَصَصُ** الْخَبَرُ **الْحَقُّ** الَّذِی لَا شَکَّ فِیْهِ **وَمَا مِنْ** زَائِدَةٌ **اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَھُوَالْعَزِیْزُ** فِی مُلْکِهٖ **الْحَکِیْمُ**﴿۶۲﴾ فِی صُنْعِهٖ **فَاِنْ تَوَلَّوْا** اَعْرَضُوْا عَنِ الْاِیْمَانِ **فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِالْمُفْسِدِیْنَ**﴿۶۳﴾ فَیُجَازِیْھِمْ وَفِیْهِ وَضْعُ الظَّاھِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ۔

ترجمہ: (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب اللہ نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: اے عیسیٰ میں تم کو وفات دینے والا (یعنی) تم کو (اپنے) قبضہ میں لینے والا ہوں اور دنیا سے بغیر موت کے اپنی طرف اٹھانیوالا ہوں اور ان لوگوں سے تم کو پاک الگ کرنے والا ہوں جو منکر ہوئے اور ان لوگوں کو جنہوں نے تیری پیروی کی (یعنی) مسلمانوں اور نصاریٰ میں سے جس نے تیری تصدیق کی ان لوگوں پر جو تیرے منکر ہوئے قیامت تک کے لیے غلبہ دینے والا ہوں اور وہ (منکرین) یہود ہیں، وہ (یہود پر) دلیل اور تلوار کے ذریعہ غالب رہیں گے۔ پھر تم سب کی واپسی میری طرف ہوگی سو میں تمہارے درمیان دینی معاملہ میں فیصلہ کروں گا سو جن لوگوں نے کفر کیا تو میں ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا میں قتل وقید اور جزیہ کے ذریعہ اور آخرت میں آگ کے ذریعہ اور ان کو کوئی اس عذاب سے بچانیوالا نہیں ہوگا، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو میں ان کو پورا پورا صلہ دوں گا یاء اور نون کے ساتھ۔ اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی ان کو سزا دے گا۔ روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا تو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اٹھالیا تو ان کو ان کی والدہ نے پکڑ لیا اور رونے لگیں تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا: قیامت ہم کو جمع کرے گی، اور یہ واقعہ لیلۃ القدر میں بیت المقدس میں پیش آیا اس وقت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر تینتیس سال تھی اور آپ کی والدہ اس کے بعد چھ سال بقید حیات رہیں اور ایک حدیث کو شیخین نے روایت کیا کہ آپ قیامت کے قریب نزول فرمائیں گے، اور ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے اور دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ اور صلیب کو توڑ دیں گے اور جزیہ مقرر کریں گے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام (دنیا میں) سات سال قیام فرمائیں گے۔ اور ابوداؤد طیالسی کی حدیث میں ہے کہ چالیس سال قیام فرمائیں گے۔ اور ان کو وفات دیجائے گی اور ان پر نماز پڑھی جائے گی اور یہ بھی

احتمال ہے کہ قبل الرفع اور بعد الرفع دنیا میں قیام کی مجموعی مدت مراد ہو۔ اے محمد (ﷺ) عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ مذکورہ واقعہ جو ہم آپ کو سنا رہے ہیں نشانیوں میں سے ہے (من الآیات) (نتلوہ) کی "ھاء" سے حال ہے، اور عامل اس میں ذالک کے معنیٰ (یعنی) "اُشِیْرُ" ہیں۔ اور ذکر محکم یعنی قرآن کریم ہے۔ بلاشبہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان عجیب بغیر باپ کے ان کی تخلیق میں اللہ کے نزدیک آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ عجیب کے مانند ہے اور یہ عجیب کی اعجب کے ساتھ تشبیہ کے قبیل سے ہے تاکہ مخالف کے لیے مسکت، اور اوقع فی النفس ہو۔ آدم یعنی ان کے جسم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر ان سے کہا بشر ہو جاؤ تو وہ (بشر) ہو گئے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ بغیر باپ کے پیدا ہو جا تو وہ ہو گئے۔ یہ امر حق تیرے رب کی طرف سے ہے، (یہ) مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای اَمْرُ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لہٰذا اس میں آپ شبہ کرنے والوں میں نہ ہو جانا۔ پھر جو کوئی نصاریٰ میں سے آپ سے اس باب میں حجت کرے بعد اس کے کہ آپ کے پاس عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملہ میں علم پہنچ چکا ہے۔ تو ان سے کہو (اچھا) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اور خود ہم تم بھی (آئیں) ان سب کو جمع کریں پھر عاجزی سے دعاء کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ اس طرح کہیں، اے اللہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملہ میں جھوٹے پر لعنت فرما، اور نبی ﷺ نے جب انہوں نے اس معاملہ میں آپ ﷺ سے جھگڑا کیا، تو نبی ﷺ نے وفد نجران کو مباہلہ کی دعوت دی، تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم اپنے معاملہ میں غور کرلیں۔ پھر ہم آپ کے پاس آئیں گے، تو ان کے صاحب الرائے نے ان سے کہا: تم ان کی نبوت کو پہچان چکے ہو اور واقعہ یہ ہے کہ کسی قوم نے اپنے نبی سے مباہلہ نہیں کیا مگر یہ کہ وہ ہلاک ہو گئی۔ لہٰذا تم اس شخص سے صلح کرلو اور واپس چلو (مشورہ کے بعد) وہ لوگ آپ کے پاس آئے، اور حال یہ ہے کہ آپ (مباہلہ) کے لیے نکل چکے تھے، اور آپ کے ساتھ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اور آپ نے ان سے فرمایا جب میں بددعاء کروں تو تم آمین کہنا، تو انہوں نے مباہلہ سے انکار کر کے صلح کرلی۔ روایت کیا ہے اس کو ابونعیم نے اور روایت کیا ابوداؤد نے کہ انہوں نے دو سو حلّوں (جوڑوں) پر صلح کرلی۔ آدھے ماہ صفر میں اور بقیہ ماہِ رجب میں۔ اور تیس زرہوں اور تیس گھوڑوں اور تیس اونٹوں اور ہر قسم کے ہتھیاروں میں سے تیس (تیس) پر (صلح کرلی) اور احمد نے اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ مباہلہ کرنے والے نکلتے تو اس حال میں لوٹتے کہ نہ مال (باقی) پاتے اور نہ اہل (زندہ) اور طبرانی نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اگر نکلتے تو جل جاتے۔ بے شک یہ مذکور ہی سچی خبر ہے کہ جس میں شک نہیں ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ "مِنْ"، زائدہ ہے۔ بے شک اللہ ہی زبردست ہے اپنے ملک میں حکمت والا ہے۔ اپنی صنعت میں۔ سو اگر یہ (اب بھی) سرتابی کریں۔ (یعنی) ایمان سے اعراض کریں۔ تو بے شک اللہ خوب جانتا ہے مفسدوں کو تو ان کو سزا دے گا اس میں ضمیر کو اسم ظاہر کی جگہ رکھا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: مُتَوَفِّیْکَ، مُتَوَفِّی، تَوَفُّیْ (تَفَعُّلْ) سے اسم فاعل واحد مذکر مضاف کَ مضاف الیہ، میں تجھے وفات دینے والا ہوں۔ میں تجھے اپنی گرفت میں لے کر اٹھا لینے والا ہوں۔ میں تجھے سلانے والا ہوں۔ تَوَفِّی کے معنیٰ پورا پورا لینا، علماء سلف نے اس کی تشریح میں لفظ قبض استعمال کیا ہے۔ یعنی گرفت میں لے لینا، لیکن قبضہ میں اور گرفت میں لینے سے کیا مراد ہے؟ قبضِ روح مع البدن یا صرف قبضِ روح، یعنی مارڈالنا یا نیند مسلط کرنا مراد ہے، یعنی میں تجھ کو سلا دوں گا پھر نیند کی حالت میں آسمان کی طرف اٹھالوں گا۔ اس معنیٰ کا مستدل اللہ تعالیٰ کا قول ''ھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِاللَّیْلِ'' ہے اللہ تم کو رات کو سلاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تَوَفِّی، کا معنی سلا دینے کا آتا ہے، واقعہ بھی اسی طرح ہوا، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلا کر اٹھالیا (معالم) ابوالبقاء نے کلیات میں کہا ہے مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ، یہ دونوں اگرچہ اسم فاعل کے صیغے ہیں مگر معنی میں استقبال کے ہیں اور کلام میں تقدیم و تاخیر ہے اصل میں رَافِعُکَ وَمُتَوَفِّیْکَ ہے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے آسمان پر اٹھایا گیا پھر آئندہ ان کی موت ہوگی، تفسیر عباسی میں بھی اسی کی تائید ہے۔

حضرت امام رازی نے نفیس اور دقیق تفسیر کی ہے، اِنِّی متوفیکَ کے معنیٰ اِنِّی متمم عمرك فحینئذ اتوفّاكَ فلا اترکھم حتّٰی یقتلوك، بل انا رافعكَ الی سمائی ومقرك بملائكتی واصونك عن ان یتمکّنوا من قتلِكَ (کبیر) یعنی اِنِّی متوفیك، کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہاری عمر پوری کروں گا اور پوری عمر کرنے کے بعد تم کو وفات دوں گا کافروں کے ہاتھوں تمہیں قتل نہ ہونے دوں گا، بلکہ اپنے آسمان کی طرف تم کو اٹھالوں گا اور فرشتوں کے پاس تمہاری قیام گاہ ہے، وہاں تم کو پہنچا دوں گا۔ اور کافروں کے قتل سے تم کو محفوظ رکھوں گا۔

قَوْلُہٗ: مُبعِدُكَ، مُطَهِّرُكَ، کی تفسیر مُبْعِدُكَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ ملزوم بول کر لازم مراد ہے اس لیے کہ تطہیر کے لیے ابعادِ نجاست مستلزم ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض بھی دفع ہوگیا کہ تطہیر کے لیے تلویث لازم ہے اور وہ یہاں مقصود نہیں، جواب کا حاصل یہ کہ مُطَهِّرك بمعنیٰ مُبْعِدُكَ ہے۔

قَوْلُہٗ: ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ، ذالك مبتداء نتلوه علیك یا محمد ﷺ اس کی خبر مِنَ الآیات، نَتْلوه کی ضمیر سے حال ہے، اور اس کا عامل ذالك کے معنیٰ یعنی اُشِیْرُ ہے۔

قَوْلُہٗ: فکان سے اشارہ کردیا کہ یکون، کان کے معنیٰ میں ہے۔

قَوْلُہٗ: فَوَادِعُوْا ای صالحوا، یعنی مباہلہ مت کرو بلکہ ان سے صلح کرلو۔

قَوْلُہٗ: فأتوه تو وہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح کی۔

قَوْلُہٗ: وضع الظاهر موضع المضمر، یعنی اللّٰه علیم بهِمْ کے بجائے اللّٰه علیم بالمفسدین فرمایا۔ تاکہ ان کی صفت فساد کی صراحت ہوجائے۔

قَوْلُہٗ: نَبْتَهِلْ از (اِبْتِهَالٌ) ہم گڑ گڑا کر دعا کریں گے۔ زمخشری نے لکھا ہے کہ بَهْلَة کی اصل دعاء لعنت ہے، پھر مطلق دعاء کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: القصص، اسم بمعنی مصدری استعمال ہوتا ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

التقديم و التاخير: اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ.

اس آیت میں تقدیم وتاخیر ہے جو کہ فن بلاغت کا ایک جزء ہے۔

اصل تقدیر اِنِّی رَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُتَوَفِّيْكَ بمعنی بعد ذالك.

قَوْلُہٗ: حَاجَّكَ، ای خَاصَمَكَ وَجَادَلَكَ (مفاعلة) لا تَقَعُ اِلَّا مِن اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا.

قَوْلُہٗ: تَعَالَوْا امر جمع مذکر حاضر، تم آؤ، اس کا مطلب ہے بلند مقام کی طرف بلانا مطلق بلانے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ اب مطلقاً هَلُمَّ کے معنی میں ہے۔

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ، لفظ مُتَوَفِّيْكَ، کی تحقیق سابق میں گذر چکی ہے، روح قبض کرنا اس کا مجازی استعمال ہے نہ کہ اصل لغوی معنی۔ یہاں یہ لفظ انگریزی لفظ Torecall، کے معنی میں مستعمل ہے، یعنی کسی عہدے دار کو اس کے منصب سے واپس بلالینا چونکہ بنی اسرائیل صدیوں سے مسلسل نافرمانی کر رہے تھے اور بار بار کی تنبیہوں اور فہمائشوں کے باوجود ان کی قومی روش بگڑتی ہی چلی جا رہی تھی پے در پے کئی انبیاء کو قتل کر چکے تھے، ہر اس بندۂ صالح کے خون کے پیاسے ہو جاتے تھے جو نیکی اور راستی کی طرف ان کو دعوت دیتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت تمام کرنے اور انہیں ایک آخری موقع دینے کے لیے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام جیسے دو جلیل القدر پیغمبروں کو بیک وقت مبعوث کیا، جن کے ساتھ مامور من اللہ ہونے کی ایسی کھلی کھلی نشانیاں تھیں کہ ان سے انکار صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جو حق وصداقت سے انتہا درجہ کا عناد رکھتے ہوں اور حق کے مقابلہ میں جن کی جسارت و بے باکی حد کو پہنچ چکی ہو، مگر بنی اسرائیل نے اس آخری موقع کو بھی ہاتھ سے کھو دیا، اور صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ ان دونوں پیغمبروں کی دعوت رد کر دی بلکہ ان کے ایک رئیس نے علی الاعلان حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے بلند پایہ انسان کا سر ایک رقاصہ کی فرمائش پر قلم کرا دیا، اور ان کے علماء اور فقہاء نے سازش کر کے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رومی سلطنت سے سزائے موت دلانے کی کوشش کی، اس لیے بنی اسرائیل کی فہمائش پر مزید اور قوت صرف کرنا بالکل فضول تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو واپس بلا لیا اور اعلان کرا دیا کہ اب بنی اسرائیل کی سرداری اور ریاست کا دور

ختم ہو کر بنی اسماعیل کا دور شروع ہونے والا ہے، اور قیامت تک کے لیے بنی اسرائیل پر ذلت کی زندگی کا فیصلہ لکھ دیا۔

واقعات اور حالات کی رفتار کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنا یہ انجام صاف نظر آ رہا تھا کہ یہود انہیں گرفتار کئے اور ان پر مقدمہ چلائے بغیر نہ رہیں گے، اور پھر رومیوں کی عدالت میں لے جا کر سزائے موت دلوائیں گے، یہ ارشاد الٰہی حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی تسکین کے لیے اسی گرفتاری کے موقع پر ہو رہا ہے۔

لفظ مُتَوَفِّیْکَ، سے یہ لازم نہیں آتا کہ موت اسی وقت اور فی الفور واقع ہوگی ہمارے اکابر مفسرین اسی طرف گئے ہیں بلکہ امام رازی نے اسی کو بہتر تفسیر قرار دیا ہے۔ یعنی تمہاری موت تو وقت مقررہ پر جب ہوگی، ہوگی، تمہارے دشمن تمہاری ہلاکت کے منصوبہ میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ سر دست اس کا انتظام یوں کیا جا رہا ہے کہ تمہیں ان کے درمیان سے اٹھا لیا جائے گا۔

حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کے رفع جسمانی کی صراحت گو قرآن مجید میں موجود نہیں ہے لیکن قریب بصراحت ہونے کے یہ عقیدہ قرآن مجید کی اسی آیت میں موجود ہے اور احادیث نے اسے صاف اور مؤکد کر دیا ہے، ابن جریر کی عبارت میں "لتواتر الاخبار عن رسول اللّٰہ" کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں اس لیے اب جمہور اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔

حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کی جب پیدائش عام انسانی قاعدہ توالد و تناسل سے الگ یعنی بغیر باپ کے توسط کے محض نفخہ جبرائیل سے ہوگئی تو اب رفع جسمانی میں آخر اس قدر استبعاد کیا ہے؟ بلکہ یہ تو بالکل قرین قیاس ہے کہ آپ کا انجام ظاہری بھی معمول عام سے ہٹ کر ہوا ہے۔

اور یہ دلیل تو بالکل ہی بودی ہے کہ رفع آسمانی سے آپ کی افضلیت خصوصاً سید الانبیاء پر لازم آتی ہے، آخر خدا کو معلوم کتنے فرشتے رات دن آسمان پر جاتے رہتے ہیں تو کیا اس بنا پر وہ سب سید الانبیاء سے افضل ہوگئے؟ ایک مسیحی یورپین فاضل DE BUNSEN ڈی بنسن نے پچھلی صدی عیسوی میں ایک مختصر لیکن فاضلانہ کتاب "اسلام یا حقیقی مسیحیت" کے نام سے لکھی تھی اس نے اس کے ص: ۱۴۳، کے حاشیہ پر اس سے قدیم مسیحی فرقوں میں سے متعدد کے نام لے لے کر لکھا ہے کہ فلاں فلاں فرقہ کا عقیدہ مسیح کے رفع جسمانی کا تھا نہ کہ وفات مسیح کا جس پر اب عیسائی صدیوں سے جمے چلے آ رہے ہیں۔ اسی طرح سیل Sale نے بھی اپنے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ پر اس عقیدہ کے مسیحی فرقوں کے نام گنائے ہیں۔ حیرت ہے کہ کلمہ گویوں کے ایک جدید فرقہ نے وفات مسیح کا عقیدہ مسیحیوں سے لے لیا ہے اور اسے اپنی خوش فہمی سے "روشن خیالی" سمجھ رہا ہے۔ (ماجدی)

مسئلہ حیات عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام:

دنیا میں صرف یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مقتول اور مصلوب ہو کر دفن ہوگئے اور پھر زندہ نہیں ہوئے۔ ان کے اس خیال کی حقیقت قرآن کریم نے سورۂ نساء میں واضح کر دی ہے۔ اور اس آیت "وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ" میں بھی اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے دشمنوں کے کید اور تدبیر کو خود انہیں کی طرف لوٹا دیا کہ جو یہودی حضرت

عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے قتل کے لیے مکان کے اندر گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان ہی میں سے ایک شخص کی شکل وصورت تبدیل کرکے بالکل عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی صورت میں ڈھال دی، اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا آیت کے الفاظ یہ ہیں، وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ نہ انہوں نے عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا لیکن تدبیر حق نے ان کو شبہ میں ڈالدیا کہ اپنے ہی آدمی کو قتل کرکے خوش ہولیے۔

نصاریٰ کا یہ کہنا تھا کہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مقتول مصلوب تو ہوگئے تھے مگر پھر دوبارہ زندہ کرکے آسمانوں پر اٹھالیے گئے، مذکورہ آیت نے ان کے اس غلط خیال کی بھی تردید کردی اور بتلادیا کہ جیسے یہودی اپنے ہی آدمی کو قتل کرکے خوشیاں منارہے تھے اس سے یہ دھوکہ عیسائیوں کو بھی لگ گیا کہ قتل ہونے والے عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہیں اس لیے شُبِّهَ لهم کے مصداق یہود کی طرح نصاریٰ بھی ہوگئے۔

ان دونوں گروہوں کے بالمقابل اسلام کا وہ عقیدہ ہے جو اس آیت اور دوسری کئی آیتوں میں وضاحت وصراحت سے بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دینے کے لیے آسمان پر زندہ اٹھالیا نہ ان کو قتل کیا جاسکا نہ سولی چڑھایا جاسکا۔ وہ زندہ آسمانوں پر موجود ہیں اور قرب قیامت میں آسمان سے نزول فرما کر یہودیوں پر فتح حاصل کریں گے اور آخر میں طبعی موت سے وفات پائیں گے۔

اسی پر تمام امت مسلمہ کا اجماع واتفاق ہے حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر ص: ۳۱۹، میں یہ اجماع نقل کیا ہے، قرآن مجید کی متعدد آیات اور حدیث کی متواتر روایات سے یہ عقیدہ اور اس پر اجماع امت سے ثابت ہے۔ (معارف القرآن)

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ (الآیة) یہ آیت مباہلہ کہلاتی ہے مباہلہ کے معنی ہیں دوفریق کا ایک دوسرے پر لعنت یعنی بددعاء کرنا، مطلب یہ کہ جب دوفریقوں میں کسی معاملے کے حق وباطل ہونے میں اختلاف ونزاع پیدا ہوجائے اور دلائل سے وہ ختم ہوتا نظر نہ آتا ہو تو دونوں فریق بارگاہ الٰہی میں یہ دعاء کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہو اس پر لعنت فرما، اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ۹ھ میں نصاریٰ نجران کے چودہ اکابر کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا گفتگو الوہیت مسیح کے مسئلہ پر رہی اسلامی عقیدہ بالکل صاف اور واضح تھا، لیکن مسیحی نمائندے اپنی بات پر اڑے رہے آخر کار آپ نے وہی کیا جو ایک سچا مخلص دیندار ایسے موقع پر کرتا ہے۔ آپ نے فرمان خداوندی کے ماتحت مسیحیوں کو مباہلہ کی دعوت دی کہ زبانی گفتگو تو بہت ہوچکی اب آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں اور خاص اقرباء کو لیکر اپنے پروردگار سے یہ تضرع والحاح عرض کریں کہ جو فریق ناحق پر ہو اس پر اللہ کی لعنت نازل ہو اور آپ اپنی حقیقی اور حکمی اولاد یعنی سیدہ فاطمہ سیدنا علی سیدنا حسن سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہمراہ لے کر تشریف لے آئے لیکن تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ مسیحیوں کی ہمت عین وقت پر جواب دے گئی اور بجائے اس آزمائش میں پڑنے کے عافیت اسی میں سمجھی کہ جزیہ دے کر ذمی رعایا بن کر اسلامی حکومت میں رہنا گوارا کرلیا جائے۔

سر ولیم میور، مسلمان نہیں انیسویں صدی کے مسیحی تھے ان کے قلم سے ملاحظہ ہو

سارے واقعہ میں محمد کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے نیز ان کے اس عقیدہ کی شہادت ہے کہ ان کا تعلق عالم غیب سے جڑا ہوا ہے اور اس لیے حق تمام تر ان ہی کے ساتھ ہے۔ ان کے خیال میں مسیحیوں کے پاس بجز تخمین کے اور کچھ نہ تھا (میور، لائف آف محمد ﷺ)۔

اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ (الآیۃ) یعنی سارا سلسلۂ واقعات جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح اور مادرِ مسیح دونوں بشر محض تھے، کوئی بھی شریک الوہیت نہیں۔ نہ بلحاظ ذات اور نہ بلحاظ صفات اور اقنوم وغیرہ کے قصے تو سب واہیات ہیں، مِنْ تاکید کلام کے لیے زائدہ ہے۔

اَلْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ، ہر ارادہ پر غالب، قادر مطلق، اس صفت میں مسیح وغیرہ کوئی بھی باری تعالیٰ کا شریک نہیں۔ حکیم مطلق ہے اس صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ اپنے اسی علم کامل محیط کے ذریعہ ہر ایک کو سزا دینے والا ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا یعنی اتنی توضیحات کے بعد بھی اگر اپنی سرتابی جاری رکھیں اور دین واعتقاد میں فساد برپا کرتے رہیں اور بجائے توحید کے شرک کی جانب بلاتے ہیں تو اللہ کے علم سے کوئی کلی یا جزئی بات خارج نہیں ہے وہ ان کو اپنے علم محیط کے اعتبار سے سزا دیگا۔

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ الیھودُ والنصٰری **تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ** مصدرٌ بمعنی مُستوٍ امرُہا **بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ** ہی **اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ** کما اتخذتُمُ الاحبار والرُّھبان **فَاِنْ تَوَلَّوْا** اَعرَضُوا عنِ التوحید **فَقُوْلُوا** انتُم لہم **اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ** ﴿۶۴﴾ مُوحّدُون ونزل لمّا قالتِ الیھودُ ابراہیمُ یھودیٌّ ونحنُ علی دینِہٖ وقالتِ النصاری کذٰلک **یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ** تُخاصمُون **فِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ** بزعمِکُم انّہٗ علی دینِکم **وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِہٖ** بزمنٍ طویلٍ وبعد نُزولِہما حدثتِ الیھودیّةُ والنصرانیّةُ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** ﴿۶۵﴾ بُطلانَ قولِکُم **ھٰٓ** للتنبیہ **اَنْتُمْ** مبتدأٌ یا **ھٰٓؤُلَآءِ** والخبرُ **حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ** من امرِ موسٰی وعیسٰی وزعمتُم اَنّکُم علی دینِہما **فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ** من شانِ ابراہیم **وَاللّٰہُ یَعْلَمُ** شانَہٗ **وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۶۶﴾ قال تعالٰی تبرئةً لابراہیمَ **مَا کَانَ اِبْرٰھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا** مائلاً عنِ الادیانِ کُلِّہا الی الدینِ القیّمِ **مُّسْلِمًا** موحّدًا **وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ** ﴿۶۷﴾ **اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ** اَحقّہم **بِاِبْرٰھِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ** فی زمانہ

وَهٰذَا النَّبِيُّ محمدٌ لِمُوَافَقَتِهِ فِي اَكْثَرِ شَرْعِهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ اُمَّتِهِ فَهُمُ الَّذِيْنَ يَنْبَغِيْ اَنْ يَقُوْلُوْا نَحْنُ عَلٰى دِيْنِهِ لَا اَنْتُمْ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ نَاصِرُهُمْ وَحَافِظُهُمْ وَنَزَلَ لَمَّا دَعَا الْيَهُوْدُ مُعَاذًا وَحُذَيْفَةَ وَعَمَّارًا اِلٰى دِيْنِهِمْ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ لِاَنَّ اِثْمَ اِضْلَالِهِمْ عَلَيْهِمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ لَا يُطِيْعُوْنَهُمْ فِيْهِ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ بِذٰلِكَ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلٰى نَعْتِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ حَقٌّ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ تَخْلِطُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ بِالتَّحْرِيْفِ وَالتَّزْوِيْرِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ اَيْ نَعْتَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَنَّهُ حَقٌّ.

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب یہودیو! اور نصرانیو! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، (سَوَاء) مصدر بمعنی مُسْتَوٍ امرھا (اسم فاعل) اور وہ یہ ہے کہ ہم بجز اللہ کے کسی کی بندگی نہ کریں۔ اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب ٹھہرائے۔ جیسا کہ تم نے احبار اور رُہبان کو ٹھہرا رکھا ہے پھر بھی اگر وہ روگردانی کریں یعنی توحید سے اعراض کریں۔ تو تم ان سے کہہ دو، گواہ رہنا ہم تو فرمانبردار ہیں، مُوحّد ہیں (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے کہا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام یہودی تھے اور ہم ان ہی کے دین پر ہیں اور ایسا ہی نصاریٰ نے کہا۔ اے اہل کتاب تم ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو اپنے اس گمان کی وجہ سے کہ وہ تمہارے دین پر تھے۔ توریت اور انجیل تو ان کے طویل زمانہ کے بعد نازل ہوئی ہیں اور ان کے نزول کے بعد ہی یہودیت اور نصرانیت پیدا ہوئی ہے۔ تو تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ یعنی تم اپنے قول کے بطلان کو کیوں نہیں سمجھتے؟ ہاں تم لوگ وہی تو ہو "ھاء" تنبیہ کے لیے ہے، اَنْتُمْ، مبتداء ہے۔ (یاھؤلاء. جملہ ندائیہ معترضہ) حَاجَجْتُمْ، خبر، کہ اس امر میں جھگڑ چکے ہو، جس کا تمہیں کچھ تو علم تھا (اور) وہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا معاملہ ہے اور تم نے دعویٰ کیا کہ تم ان کے دین پر ہو۔ سو (اب) تم ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں؟ (اور) وہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا معاملہ ہے اللہ ان کے حال کو جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی براءت کرتے ہوئے فرمایا۔ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی لیکن وہ تو راہ راست والے مسلمان موحد تھے۔ تمام باطل ادیان سے اعراض کر کے دین حق کی جانب مائل ہونے والے اور مشرکوں میں سے بھی نہ تھے۔ بے شک لوگوں میں ابراہیم سے سب سے قریب یعنی ان میں کے زیادہ حقدار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کے زمانے میں ان کی پیروی کی تھی اور یہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے اُن کے اکثر شرع احکام میں موافق ہونے کی وجہ سے۔ اور وہ لوگ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ایمان لائے یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو حق ہے کہ کہیں ہم ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے

دین پر ہیں اور اللہ ایمان لانے والوں کا حامی ہے (یعنی) مددگار اور محافظ ہے۔ اور جب یہود نے معاذ اور حذیفہ اور عمار رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو اپنے دین کی طرف دعوت دی تو (یہ آیت) وَدَّتْ طَائِفَۃٌ نازل ہوئی۔ اہل کتاب کی ایک جماعت تو یہ چاہتی ہے کہ تمہیں گمراہ کر کے رہیں حالانکہ وہ بجز اپنے کسی کو گمراہ نہیں کرتے اس لیے کہ ان کے گمراہ کرنے کا گناہ انہیں پر ہے اور مومن اس معاملہ میں ان کی اطاعت نہ کریں گے۔ مگر ان کو اس کا شعور نہیں۔ اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں قرآن کا جو محمد ﷺ کی صفات پر مشتمل ہے کیوں انکار کیے جاتے ہو؟ حالانکہ تم گواہ ہو یعنی تم جانتے ہو کہ وہ حق ہے۔ اے اہل کتاب تم حق کی تلبیس، تحریف، تکذیب کے ذریعہ باطل کے ساتھ کیوں کرتے ہو؟ اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو، کہ حق یہی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ، تَعَالَوْا، امر جمع مذکر حاضر، تم آؤ، یہ مبنی ہے حذفِ نون پر اور واؤ فاعل ہے، تَعَالَوْا اصل میں تَعَالَیُوْا تھا، یاء کے متحرک اور ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے یاء کو الف سے بدل دیا، پھر التقاء ساکنین کی وجہ سے الف حذف ہو گیا۔ (جمل)

سُوَال: یہاں تَعَالَوْا کا مفعول اِلٰی کَلِمَۃٍ مذکور ہے اور ماقبل میں تَعَالَوْا کا مفعول مذکور نہیں ہے اس میں کیا حکمت ہے؟

جَوَاب: اول تَعَالَوْا سے صرف متوجہ کرنا مقصود ہے اور ثانی سے متحدہ کلمہ کی طرف بلانا مقصود ہے۔

سُوَال: سوآء کو مستوٍ کے معنی میں لینے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: سَوَآء چونکہ مصدر ہے اس کا کَلِمَۃ پر حمل درست نہیں اس لیے سوآء بمعنی مُسْتَوٍ اسم فاعل لیا تاکہ حمل درست ہو جائے۔

سُوَال: امرھا محذوف ماننے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: چونکہ مُسْتَوٍ، مذکر ہے جس کا حمل کلمۃ پر درست نہیں اس لیے کہ کلمۃ مونث ہے، اس لیے کلمہ سے پہلے امر محذوف مانا تاکہ حمل درست ہو جائے۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: ھِیَ اَنْ لَا الخ. کلمۃ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: طویل. حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے درمیانی مدت ایک ہزار سال اور حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے درمیانی مدت دو ہزار آٹھ سو سال ہے تو پھر حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ یہودی اور نصرانی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں مذاہب تو ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے بہت بعد کی پیداوار ہیں۔

قَوْلُہٗ: ھٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ. ھَا، حرف تنبیہ ہے، اَنْتُمْ مبتداء، یا حرف نداء محذوف ھٰٓؤُلَآءِ منادیٰ، ندا منادیٰ مل کر جملہ معترضہ، حَاجَجْتُمْ، مبتداء کی خبر۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ھٰٓؤُلَآءِ، اَنْتُمْ کی خبر ہو اور حَاجَجْتُمْ دوسرا جملہ پہلے جملہ کے بیان کے

لیے ہو ای انتم ھٰؤُلَاءِ الحُمَقٰی حَا جَجْتُمْ فیما لَیْسَ لکم بہ علم.

قَوْلُہٗ: مُوَحِّدًا.

سَوَال: مُسْلِمًا، کی تفسیر مُوَحِّدًا، سے کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: مسلمًا سے ظاہری اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں ورنہ جو اعتراض یہودیت اور نصرانیت پر ہوا تھا وہی اعتراض اسلام پر بھی ہوگا اس لیے کہ اسلام اصطلاحی تو آپ ﷺ کے زمانہ سے وجود میں آیا ہے آپ کی بعثت حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے بھی ہزاروں سال بعد ہے۔ اس لیے مسلمًا کی تفسیر مُوَحِّدًا، سے کردی تاکہ مذکورہ اعتراض نہ ہو۔

قَوْلُہٗ: تعلمون، تشھدون کی تفسیر تعلمون سے کرکے اشارہ کردیا کہ شہادت التزام علی الغیر کو کہتے ہیں اور یہاں کوئی التزام علی الغیر نہیں ہے۔

تَفْسِیر وَتَشرِیح

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ، اہل کتاب کا لفظ اگرچہ یہود و نصاریٰ دونوں کے لیے عام ہے مگر کلام کا تسلسل یہ بتارہا ہے کہ یہ گفتگو بھی نجرانی وفد سے ہوئی تھی اور بعض مفسرین نے یہود کو مخاطب قرار دیا ہے، مگر دونوں کو مخاطب قرار دینا اولیٰ ہے، اس لیے کہ جس کلمہ کی طرف دعوت دی جارہی ہے وہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں تینوں کے درمیان مشترک ہے۔ یعنی ایک ایسے عقیدے پر ہم سے اتفاق کرلو جس پر ہم بھی ایمان رکھتے ہیں اور جس کے صحیح ہونے سے تم بھی انکار نہیں کرسکتے تمہارے اپنے انبیاء سے یہی عقیدہ منقول ہے، تمہاری اپنی کتب مقدسہ میں بھی اس کی تعلیم موجود ہے۔

دعوت کا ایک اہم اصول:

اس آیت سے دعوت کا ایک اہم اصول یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی ایسی جماعت کو دعوت دی جائے جو کہ عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف ایسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہوسکتا ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلہ کی طرف دی جس پر دونوں کا اتفاق تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر۔

فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ اس آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ تم گواہ رہو، اس سے یہ تعلیم دی گئی کہ جب دلائل واضح ہونے کے بعد کوئی حق کو نہ مانے تو اتمام حجت کے لیے اپنا مسلک ظاہر کرکے بات ختم کردینی چاہیے۔ مزید بحث و تکرار مناسب نہیں۔

یٰٓاَھْلَ الْکِتَابِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْٓ اِبْرَاھِیْمَ. اے اہل کتاب تم ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کیوں

جھگڑا کرتے ہو؟ تورات اور انجیل تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ یعنی تمہاری یہودیت اور نصرانیت بہر حال تورات اور انجیل کے نازل ہونے کے بعد پیدا ہوئی ہیں اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان دونوں کے نزول سے ہزاروں سال پہلے گزرے ہیں ایک معمولی عقل کا آدمی بھی یہ بات بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جس مذہب پر تھے وہ بہر حال موجودہ یہودیت اور نصرانیت نہیں تھا۔

هَآ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ. یہاں پر ھا کلمۂ تحقیر کے لیے ہے یعنی تم ایسے احمق ہو کہ جس بارے میں تمہیں علم تھا مثلاً تم کہتے ہو کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین پر یا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین پر ہیں اس باب میں تمہارے پاس جیسا تیسا ہی سہی علم موجود ہے گو تم حد سے بڑھ گئے ہو اور اس کے بہت سے احکام بدل دیئے تاہم ایک تعلق ضرور ہے مگر جس کا علم تمہارے پاس ہے ہی نہیں اس میں کیوں دخل اندازی کرتے ہو اللہ کو ہر چیز کا علم ہے تمہیں نہیں۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا. اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمادیا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین حنیف تھا یعنی تمام باطلوں سے رخ موڑ کر دین حق کی طرف مائل ہونے والا۔ اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خود باطل سے نافر اور دین حق کی طرف مائل اور فرمانبردار تھے، نہ یہودی تھے نہ نصرانی، نہ اہل مکہ کے مانند مشرک۔

تمہارے خیالات اور عقائد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں غلط اور باطل ہیں تمام انسانوں میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے وہ لوگ قریب تر ہیں جنہوں نے ان کے زمانہ میں ان کے دین اور ان کی سنت کی پیروی کی اور وہ محمد ﷺ ہیں اور ان پر ایمان لانے والے ساتھی ہیں، چونکہ دین اسلام دین ابراہیمی ہے اور اکثر احکام شریعت ابراہیمی کے اس میں ہیں لہٰذا وہی دین ابراہیمی پر ہونے کے دعوے کا زیادہ حق دار ہے، اللہ صرف انہی کا حامی اور مددگار ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ. روایتوں میں آتا ہے کہ یہود کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے، اور انہیں باطل پر اتنا غرہ تھا کہ خود تو اسلام قبول کرنا الگ ہے مسلمانوں کو بھی ان کے عقائد سے برگشتہ کر دینے کی فکر میں لگے رہتے تھے، آج بھی کتنے ہی مسیحیوں کے دل میں یہ تمنا موجود ہے کہ مسلمان خود مسیحیت قبول کرلیں یا اگر مسیحیت قبول نہ کریں تو کم از کم صحیح اسلام پر باقی نہ رہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ (الآیة) اے اہل کتاب! کیوں حق پر باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ بناتے ہو؟ کیوں جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہو؟ اس میں یہودیوں کے دو بڑے جرائم کی نشاندہی کرکے انہیں ان سے باز رہنے کی تلقین کی جارہی ہے پہلا جرم حق و باطل اور سچ اور جھوٹ کو خلط ملط کرنا تاکہ لوگوں پر حق و باطل واضح نہ ہو سکے، دوسرا کتمان حق، یعنی نبی کریم ﷺ کے جو اوصاف تورات میں لکھے ہوئے تھے انہیں لوگوں سے چھپانا تاکہ نبی کی صداقت کم از کم اس اعتبار سے نمایاں نہ ہو سکے، اور یہ دونوں جرم جانتے بوجھتے کرتے تھے جس سے ان کی بدبختی دوچند ہو گئی تھی۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الیھود لبعضھم اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ای القراٰن وَجْهَ النَّهَارِ اولہ

وَاكْفُرُوٓا به **اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ** اى المؤمنين **يَرْجِعُوْنَ**﴿۷۲﴾ عن دينهم اذ يقولون مارجع هؤلاء عنه بعد دخولهم فيه وهم اولو علم الا لعلمهم بطلانه و قالوا ايضا **وَلَا تُؤْمِنُوٓا** تصدقوا **اِلَّا لِمَنْ** اللام زائدة **تَبِعَ** وافق **دِيْنَكُمْ** قال تعالى **قُلْ** لهم يا محمد **اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ** الذى هو الاسلام وما عداه ضلال والجملة اعتراض **اَنْ** اى بان **يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ** من الكتب والحكمة والفضائل وان مفعول تؤمنوا والمستثنى منه احد قدم عليه المستثنى المعنى لاتقروا بان احدا يؤتى ذلك الا من تبع دينكم **اَوْ** بان **يُحَآجُّوْكُمْ** اى المؤمنون يغلبوكم **عِنْدَ رَبِّكُمْ** يوم القيامة لانكم اصح دينا وفى قراءة أأن بهمزة التوبيخ اى ايتاء احد مثله تقرون به قال تعالى **قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ** فمن اين لكم انه لايؤتى احد مثل مااوتيتم **وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** كثير الفضل **عَلِيْمٌ**﴿۷۳﴾ بمن هو اهله **يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ**﴿۷۴﴾ **وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ** اى بمال كثير **يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ** لامانته كعبد الله بن سلام اودعه رجل الفا و مائتى اوقية ذهبا فاداها اليه **وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا** لاتفارقه فمتى فارقته انكره ككعب بن الاشرف استودعه قرشى دينارا فجحده **ذٰلِكَ** اى ترك الاداء **بِاَنَّهُمْ قَالُوْا** بسبب قولهم **لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ** اى العرب **سَبِيْلٌ** اى اثم لاستحلالهم ظلم من خالف دينهم و نسبوه اليه تعالى قال تعالى **وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ** فى نسبة ذلك اليه **وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ**﴿۷۵﴾ انهم كاذبون **بَلٰى** عليهم فيهم سبيل **مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ** الذى عاهد الله عليه او بعهد الله عليه من اداء الامانة وغيره **وَاتَّقٰى** الله بترك المعاصى وعمل الطاعات **فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ**﴿۷۶﴾ فيه وضع الظاهر موضع المضمر اى يحبهم بمعنى يثيبهم ونزل فى اليهود لما بدلوا نعت النبى صلى الله عليه وسلم وعهد الله اليهم فى التوراة او فيمن حلف كاذبا فى دعوى او فى بيع سلعة **اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ** يستبدلون **بِعَهْدِ اللّٰهِ** اليهم فى الايمان بالنبى صلى الله عليه وسلم واداء الامانة **وَاَيْمَانِهِمْ** حلفهم به تعالى كاذبا **ثَمَنًا قَلِيْلًا** من الدنيا **اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ** نصيب **لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ** غضبا عليهم **وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ** يرحمهم **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ** يطهرهم **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ**﴿۷۷﴾ مؤلم **وَاِنَّ مِنْهُمْ** اى اهل الكتاب **لَفَرِيْقًا** طائفة ككعب بن الاشرف **يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ** اى يعطفونها بقراءته عن المنزل الى ما حرفوه من نعت النبى صلى الله عليه وسلم ونحوه **لِتَحْسَبُوْهُ** اى المحرف **مِنَ الْكِتٰبِ** الذى انزل الله تعالى **وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ**﴿۷۸﴾ انهم كاذبون ونزل لما قال نصارى نجران ان عيسى امرهم ان يتخذوه ربا او لما طلب بعض المسلمين

السُّجود لَهُ صلی اللہ علیه وسلم **مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ** ای الفَهْم للشریعة **وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ** یقول **كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ** عُلَماء عامِلِین منسوبٌ الی الرَّبِّ بزیادةِ الفٍ ونونٍ تفخیمًا **بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ** بالتخفیف والتشدید **الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾** ای بسبب ذٰلِكَ فَاِنَّ فائدتَه اَنْ تَعمَلوا **وَلَا يَاْمُرَكُمْ** بالرفع استینافٌ ای اللّٰهُ والنصب عطفًا علی یقول ای البَشَرُ **اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا** كَمَا اتَّخَذَتِ الصَّابِئَةُ الْمَلٰئِكَةَ والیهودُ عُزَیرًا والنصری عیسی **اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾** ای لا یَنْبَغِی لَهُ ہٰذا.

تَرْجَمَہ: اہل کتاب کا ایک گروہ اپنے بعض لوگوں کو مشورہ دیتا ہے کہ جو قرآن (بواسطہ نبی) مومنین پر نازل کیا گیا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو انکار کردو، کیا عجب کہ وہ (مومنین) اس (ترکیب سے اپنے دین سے) پھر جائیں۔ اس لیے کہ وہ کہیں گے کہ اہل کتاب کا اہل علم ہونے کے باوجود، دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد پھر جانا (اس دین) کے بطلان سے واقف ہونے ہی کی وجہ سے ہوسکتا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا، اور تم اس کی تصدیق کرو جو تمہارے دین کی موافقت کرے، لِمَنْ میں لام زائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ تم کہدو کہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے (اور) وہ اسلام ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے گمراہی ہے۔ اور (فعل، تؤمنوا، اور مفعول اَنْ یُؤْتیٰ کے درمیان) (اِنَّ الْھُدٰی ھُدَی اللّٰہِ) جملہ معترضہ ہے۔ اور یہ اسی کی دین ہے کہ کسی کو وہی کچھ دیدیا جائے جو کبھی تم کو دیا گیا تھا، کہ وہ کتاب، حکمت، اور فضائل ہیں۔ اور اَنْ یُّؤْتٰی الخ. تُؤْمِنُوْا کا مفعول ہے۔ اور مستثنیٰ منہ احدٌ ہے جس پر مستثنیٰ کو مقدم کردیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ تم اس بات کا اقرار نہ کرو کہ کسی کو یہ دیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کو جو تمہارے دین کی اتباع کرے۔ یا پھر مومنین تمہارے رب کے سامنے قیامت کے دن غالب آجائیں اس لیے کہ تم صحیح ترین دین پر ہو اور ایک قراءت میں، ءَاَنْ، ہمزۂ توبیخ کے ساتھ ہے۔ یعنی کیا تم اس جیسا کسی کو ملنے کا اقرار کروگے؟ (یعنی اقرار نہ کرنا) آپ کہہ دیجئے کہ فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے عطا کرے تو پھر تم یہ کہاں سے کہتے ہو کہ تمہارے جیسا (فضل) کسی کو نہیں دیا جاسکتا۔ اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے وہ اس بات کو جانتا ہے کہ کون اس کا اہل ہے؟ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے اور اللہ بڑا فضل والا ہے اور اہل کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں اگر تم ان کے پاس ایک ڈھیر یعنی مال کثیر امانت رکھ دو تو وہ اس کو واپس کردیں اپنی امانت داری کی وجہ سے جیسا کہ عبداللہ بن سلام۔ کہ ایک شخص نے ان کے پاس بارہ سو اوقیہ سونا (امانت) رکھدیا تو وہ سونا انہوں نے مالک کو ادا کردیا۔ اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھدو تو وہ اپنی خیانت کی وجہ سے تجھے واپس نہ کریں مگر یہ کہ تم ان کے سروں پر ہمیشہ سوار رہو کہ ان کا پیچھا نہ چھوڑو اور اگر تم ان کا پیچھا چھوڑ دو تو وہ اس کا انکار کردیں۔ جیسا کہ کعب بن اشرف، کہ اس کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار امانت رکھدیا تو اس نے اس کا انکار کردیا اور یہ

ادا نہ کرنا ان کے اس اعتقاد کی وجہ سے ہے کہ ہمارے اوپر ناخواندہ عرب کے بارے میں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اپنے دین کے مخالفین پر ظلم روا رکھنے کے (عقیدہ) کی وجہ سے، اور اس جواز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔ اور اس بات کی اللہ کی طرف نسبت کر کے اللہ پر بہتان تراشتے ہیں حالانکہ وہ (خود) سمجھ رہے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔ ہاں کیوں نہیں؟۔ ان پر (اُمیین) کے بارے میں مواخذہ ہے۔ جس نے اپنے عہد کو پورا کیا وہ کہ جو اللہ نے ان سے لیا۔ یا اللہ کے عہد کو جو اداء امانت وغیرہ کا ہے (پورا کیا) اور ترک معصیت کر کے اللہ سے ڈرا۔ اور اطاعت گزار بنا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے، اس میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے۔ یُحِبُّھُمْ، معنی میں یُثِیْبھم کے ہے، اور (آئندہ آیت) یہود کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے تورات میں مذکور آپ ﷺ کی صفات کو یا ان سے اللہ کے عہد کو بدل دیا، یا اس شخص کے بارے میں جس نے دعوے میں جھوٹی قسم کھائی یا سامان فروخت کرنے کے معاملہ میں (جھوٹی قسم کھائی) بلاشبہ وہ لوگ جو نبی ﷺ پر ایمان لانے اور اداء امانت کے بارے میں اللہ کے عہد کو اور اللہ کی جھوٹی قسموں کو دنیوی قلیل معاوضہ کے عوض بدل دیتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ روز قیامت ناراضگی کی وجہ سے نہ ان سے کلام کرے گا اور نہ رحمت کی نظر سے ان کو دیکھے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا۔ اور ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے اور کچھ لوگ ان میں سے ایسے بھی ہیں جیسا کہ کعب بن اشرف جو کتاب (تورات) پڑھتے ہوئے اپنی زبان کو منزل سے گھما دیتے ہیں۔ یعنی نبی ﷺ کی صفات وغیرہ کو محرف کی جانب گھما دیتے ہیں، تا کہ تم اللہ کی نازل کردہ کتاب کے اس محرف جزء کو بھی (منزل) کتاب کا جزء سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا جز نہیں ہے، اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے اور وہ اللہ پر بہتان لگاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں، (اور آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب نجران کے نصاریٰ نے کہا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو حکم دیا ہے کہ اس کو اپنا رب بنالیں (یا اس وقت نازل ہوئی) کہ جب بعض مسلمانوں نے آپ ﷺ سے آپ کو سجدہ کرنے کی اجازت چاہی، کسی بشر سے کہ جس کو اللہ نے کتاب اور حکمت یعنی فہم شریعت اور نبوت عطا کی ہو اس سے یہ نہیں ہوسکتا کہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ (وہ تو یہی کہے گا) اللہ والے بن جاؤ، یعنی عالم باعمل بن جاؤ، (ربانیین) الف ونون کی زیادتی کے ساتھ رب کی طرف منسوب ہے۔ اس لیے کہ تم (آسمانی) کتاب کو پڑھاتے ہو اور خود بھی پڑھتے ہو (تعلمون) لام کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ تو اس کا فائدہ یہ ہونا چاہئے کہ تم عمل کرو۔ اور وہ یعنی اللہ تم کو اس بات کا حکم نہیں دیتا (لا یامُرکم) بطور استیناف مرفوع ہے (ای اللّٰہ لا یامُرکم) اور یقول پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے (ای ان یقول البشرُ) اور وہ تمہیں اس بات کا حکم نہ دے گا کہ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب بنالو، جیسا کہ فرقۂ صابیہ نے ملائکہ کو اور یہود نے عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (رب بنالیا) کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا، بعد اس کے کہ تم اسلام لا چکے ہو۔ یہ ہرگز اس سے نہ ہوگا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ، یہ جملہ مستانفہ ہے اس کا مقصد یہود کی ایک دوسری قسم کی تلبیس کو بیان کرنا ہے۔

قولہ: اَوَّلَهُ، اول نہار کو وَجْهَهُ اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح چہرہ حسین اور خوبصورت ہوتا ہے اول نہار بھی حسین اور سہانا ہوتا ہے۔ اور وَجْهُهُ کی تفسیر اول سے اس لیے کی ہے کہ جس طرح ملاقات کے وقت چہرہ سب سے پہلے سامنے آتا ہے اسی طرح اول نہار بھی اختتام شب کے بعد سب سے پہلے نمودار ہوتا ہے۔

قولہ: والجملة اعتراض، فعل لا تؤمنوا اور اس کے مفعول، اَنْ يُّؤْتٰى الخ کے درمیان ''اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ'' جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ، مستثنیٰ مقدم ہے، اَنْ يُّؤْتٰى اَحَدٌ، مستثنیٰ منہ مؤخر ہے۔

قولہ: بِاَنْ يُّحَاجُّوْكُمْ اَنْ مقدر ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اس کا عطف بِاَنْ يُّؤْتٰى پر ہے نہ کہ اَنْ يُّؤْتٰى، اَوْ، اس لیے کہ یہ مجاز ہونے کی وجہ سے خلاف ظاہر ہے۔

قولہ: وفی قراءة ءَاَنْ بهمزة التوبيخ، یہ اَنْ يُّؤْتٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ'' میں دوسری قراءت کے مطابق ہمزہ استفہام توبیخی ہوگا، یعنی کیا تم اپنے جیسی حکمت اور فضیلت دوسروں کو دیے جانے کا اقرار کرتے ہو نہیں کرنا چاہیے۔

قولہ: اِيْتَاءَ اَحَدٍ، اس میں اشارہ ہے کہ اَنْ يُّؤْتٰى میں ان مصدریہ ہے۔

قولہ: قِنْطَارًا، واحد جمع قَنَاطِيْر، مال کثیر۔

قولہ: وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ، یہ آیت ترکیب کے اعتبار سے مشکل ترین آیتوں میں شمار ہوتی ہے، بعض حضرات نے اس آیت کی نو ترکیبیں کی ہیں، مگر ان میں سے صرف ایک جو آسان ترین ہے ذیل میں درج کی جاتی ہے اور علامہ زمخشری رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى نے بھی اپنی کتاب ''کشاف'' میں تحریر کی ہے۔

ترکیب: واؤ عاطفہ، لا ناھیہ، تؤمنوا فعل مضارع مجزوم بلا، اور واؤ فاعل، اور اِلَّا، حرف استثناء، اور لِمَنْ میں لام حرف جر، مَنْ، اسم موصول لام کی وجہ سے مجرور جار اور مجرور محذوف سے مل کر استثناء کی وجہ سے محل میں نصب کے، تقدیر عبارت یہ ہوگی ''لا تؤمنوا، وتظهروا بان يوتى احدٌ بمثل مَا اوتيتم لِاَحدٍ مِنَ النَّاسِ اِلّا لِاَشياعكم دون غيركم۔

تبع، فعل ماضی هُوَ اس میں ضمیر فاعل، جملہ فعلیہ صلہ اور دِيْنَكُمْ مفعول بہ درمیان میں قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ معترضہ ''اَنْ يُّؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ'' ان اپنے ماتحت سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر مجرور بنزع الخافض، اور جار مجرور مل کر تؤمنوا کے متعلق اور، اَحَدٌ، يُؤْتٰى، کا نائب فاعل، اور مِثْل، مفعول بہ ثانی، ما، اسم موصول اضافت کی وجہ

سے محلاً مجرور اور جملہ اُوْتِيْتُمْ، صلہ مضارع۔

قَوْلُهُ: الامّيّين، مراد جو اہل کتاب نہ ہوں۔

قَوْلُهُ: يَلْوٗنَ مضارع جمع مذکر غائب، لَيٌّ، مصدر (ن) وہ گھماتے ہیں، وہ موڑتے ہیں۔

قَوْلُهُ: اَلْبَشَر، انسان، مذکر ہو یا مونث واحد ہو یا جمع لفظوں میں واحد نہیں ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ. اس میں استعارہ مکنیہ ہے۔

استعارہ بالکنایہ:

استعارہ بالکنایہ وہ لفظ ہے جس کے لازم معنی مراد لیے جائیں۔ اس کے ساتھ اس کا معنی ملزوم (اصلی معنی) مراد لینا بھی درست ہو یہاں يَشْتَرُوْنَ، بول کر يَسْتَبْدِلُوْنَ مراد ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ، یہ شدت غضب سے کنایہ ہے۔

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

یہودیوں کے ایک اور مکر کا ذکر:

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ، ای الیهود لبعضهم، یہ یہودیوں کے ایک اور مکر کا ذکر ہے، جس سے وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے، قالت طائفة میں اطراف مدینہ کے یہودیوں کی طرف اشارہ ہے، یہ ان چالوں میں سے ایک چال تھی جو اطراف مدینہ کے رہنے والے یہود کے لیڈر اور احبار، اسلام کی دعوت کو کمزور کرنے کے لیے چلاتے رہتے تھے یہودیوں نے مسلمانوں کو بددل کرنے اور عام لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے بدگمان کرنے کے لیے خفیہ طور پر آدمیوں کو تیار کر کے بھیجنا شروع کیا کہ پہلے علانیہ اسلام قبول کریں اور جلد ہی مرتد ہو جائیں پھر جگہ جگہ لوگوں میں یہ مشہور کرتے پھریں کہ ہم نے اسلام میں اندر گھس کر دیکھ لیا سب ڈھکوسلہ ہے اسلام کے اندر کچھ نہیں ہے ہم تو سمجھتے تھے کہ اسلام کی کچھ حقیقت ہوگی مگر جب ہم نے اسلام قبول کیا تو اندر سے بالکل خالی پایا جس کی وجہ سے ہم نے اسلام کو خیرباد کہہ دیا اور یہ کہ اسلام میں یہ خامی اور مسلمانوں میں یہ خرابی اور رسول میں یہ کمی وغیرہ وغیرہ ہے ان ہی اسباب کی وجہ سے ہم اسلام سے الگ ہو گئے۔

تاریخ یہود میں منافقت کی یہی ایک مثال نہیں، خود ان کی کتابوں میں یہ واقعہ بصراحت درج ہے کہ بارہویں صدی عیسوی میں جب اسپین میں اسلامی حکومت تھی تو حکومت کی جانب سے فرضی یا واقعی مظالم کی بناء پر بہت سے یہود نے اپنے ربیون کی اجازت اور فتوے کے مطابق اسلام کا اظہار کرنا شروع کردیا دراں حالیکہ دل سے ایک بھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔

(جیوش انسائیکلو پیڈیا جلداول ص ۴۳۲/۴۳۳)

موجودہ زمانہ میں جو بڑے بڑے فرنگی محققین، یہود و مسیحی مستشرقین نے فرنگی زبانوں میں سیرۃ النبی لکھنے کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ علم و تحقیق، وسعت مشرب اور بے تعصبی کی دھاک بٹھا کر تمہید بڑے زور کی اٹھاتے ہیں معلوم ہونے لگتا ہے کہ پیغمبر عرب، مصلح عالم کی تعریف اور مقنن اعظم، مثیل موسیٰ کی منقبت میں دریا بہادیں گے، لیکن آگے چل کر نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) انہیں کچھ خلل دماغ تھا یا یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے کچھ مضامین کہیں سے سن سنا کر ترتیب دے لیتے تھے (علیٰ ہذا القیاس) یہ بھی ٹھیک اسی قدیم یہودیانہ دجل و مکر کا ایک جدید فرنگی طریقہ ہے اور بس۔

یہ محض یہودی عوام ہی کا جاہلانہ خیال نہ تھا بلکہ ان کے یہاں ان کی مذہبی تعلیم بھی یہی تھی اور ان کے بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کے فقہی احکام ایسے ہی تھے۔ بائبل، قرض اور سود کے احکام میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان صاف تفریق کرتی ہے۔ (استثناء ۱۵:۱:۳/۲۳-۲:۲۳)

تلمود میں کہا گیا ہے کہ اگر اسرائیلی کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کردے تو اس پر کوئی تاوان نہیں، مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر کسی اسرائیلی کے بیل کو زخمی کردے تو اس پر تاوان ہے، اگر کسی شخص کو کوئی گری پڑی چیز ملے تو اسے دیکھنا چاہئے کہ گردو پیش آبادی کن لوگوں کی ہے؟ اگر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہئے، اور اگر غیر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے بلا اعلان وہ چیز رکھ لینی چاہئے۔ ربی شموئیل کہتا ہے کہ اگر امی اور اسرائیلی کا مقدمہ قاضی کے پاس آئے تو قاضی اگر اسرائیلی قانون کے مطابق اپنے بھائی کو جتوا سکتا ہو تو اس کے تحت جتوادے اور کہے کہ ہمارا قانون ہے اور اگر اُمیوں کے قانون کے مطابق جتوا سکتا ہو تو اس کے تحت جتوادے اور کہے کہ یہ تمہارا ہی قانون ہے، اور اگر دونوں قانون ساتھ نہ دیتے ہوں تو پھر جس فیصلہ سے بھی وہ اسرائیلی کو کامیاب کرسکتا ہے کرے۔ ربی شموئیل کہتا ہے کہ غیر اسرائیلی کی ہر غلطی سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

(تالمودك مستيلنى، پال ۱۸۸۰ء)

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ، یعنی یہ بھی انہوں نے آپس میں کہا کہ تم ظاہری طور پر تو اسلام کا اظہار ضرور کرو لیکن اپنے ہم مذہب یہودی کے سوا کسی اور کی بات پر یقین مت کرو۔

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ، یہ ایک جملہ معترضہ ہے جس کا ماقبل و مابعد سے کوئی تعلق نہیں ہے صرف ان کے مکر و حیلے کی اصل حقیقت واضح کرنا مقصود ہے کہ اُن کے ان حیلوں سے کچھ نہیں ہوگا کیوں کہ ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو ہدایت دینا چاہے تمہارے حیلے اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

اَنْ يُّؤْتٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ (الآیۃ) یہ بھی یہود کا قول ہے اور اس کا عطف ولا تؤمنوا پر ہے۔ یعنی یہ بھی تسلیم مت کرو کہ جس طرح تمہارے اندر نبوت وغیرہ رہی ہے یہ کسی اور کو بھی مل سکتی ہے اور یہودیت کے سوا کوئی اور دین بھی حق ہو سکتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ. اس آیت کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں، ایک یہ کہ یہود کے بڑے بڑے علماء جب اپنے شاگردوں کو یہ سکھاتے کہ دن چڑھے ایمان لاؤ اور دن اترتے مرتد ہو جاؤ تاکہ جو لوگ فی الواقع مسلمان ہیں وہ بھی مذبذب ہو کر مرتد ہو جائیں، تو ان شاگردوں کو مزید تاکید کرتے تھے کہ دیکھو صرف ظاہراً مسلمان ہونا حقیقۃً اور واقعۃً مسلمان نہ ہو جانا، بلکہ یہودی رہنا اور یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ جیسا دین، جیسی وحی و شریعت اور جیسا علم و فضل تمہیں دیا گیا ہے ویسا ہی کسی اور کو بھی دیا جا سکتا ہے، یا تمہارے بجائے کوئی اور بھی حق پر ہے جو تمہارے خلاف اللہ کے نزدیک حجت قائم کر سکتا ہے، اور تمہیں غلط ٹھہرا سکتا ہے، اس معنی کی رو سے جملہ معترضہ کو چھوڑ کر عند ربکم تک کل کا کل یہود کا قول ہوگا۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے یہودیو! تم حق کو دبانے اور مٹانے کی یہ ساری حرکتیں اور سازشیں اس لیے کر رہے ہو کہ ایک تمہیں اس بات کا غم ہے کہ جیسا علم و فضل، وحی اور شریعت اور دین تمہیں دیا گیا تھا اب ویسا ہی علم و فضل اور دین کسی اور کو کیوں دے دیا گیا؟ دوسرا تمہیں یہ اندیشہ ہے کہ اگر حق کی یہ دعوت پنپ گئی اور اس نے اپنی جڑیں مضبوط کر لیں تو نہ صرف یہ کہ تمہیں دنیا میں جو جاہ اور وقار حاصل ہے وہ جاتا رہے گا بلکہ تم نے جو حق چھپا رکھا ہے اس کا بھی پردہ فاش ہو جائے گا، اور اس پر یہ لوگ اللہ کے نزدیک بھی تمہارے خلاف حجت قائم کر بیٹھیں گے، حالانکہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دین و شریعت اللہ کا فضل ہے، اور یہ کسی کی میراث نہیں بلکہ وہ اپنا فضل جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ یہ فضل کس کو دینا چاہیے؟

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ (الآیۃ) یہ یہود کی خیانت فی الدین کے بعد خیانت فی المال کا ذکر ہے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ بعض ان میں متدین بھی ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے آگے چل کر ایمان کی توفیق نصیب فرما دی۔ جیسا کہ عبداللہ بن سلام ان کے پاس ایک شخص نے بارہ سو اوقیہ سونا (ایک اوقیہ ساڑھے دس تولہ کا) امانت رکھ دیا، بوقت مطالبہ بلا تاخیر ادا کر دیا، اس کے برخلاف کعب بن اشرف کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار امانت رکھ دیا تھا، بوقت مطالبہ صاف انکار کر دیا۔ اور یہ کوئی ایک یا دو فرد کا معاملہ نہیں تھا بلکہ یہود کی یہ عام عادت تھی کہ غیر یہود کے مال کو حلال و حرام ہر طریقہ سے ہڑپ کرنا جائز سمجھتے تھے بلکہ ان کا یہ دینی عقیدہ تھا کہ غیر یہود کا مال ناجائز طریقہ سے کھانا جائز ہے اور اس حکم کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہوئے کہتے تھے کہ تورات میں یہ حکم لکھا ہوا ہے کہ ہم پر اس میں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ بات غلط ہے۔ ایسے ایسے اخلاقی جرم کرنے کے بعد بھی سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کے مقرب اور چہیتے ہیں۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ (الآیۃ) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیوں نہیں ضرور مواخذہ ہوگا، جو وعدہ وفا کرے اور اللہ سے ڈرے وہ متقی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا. زاہدی کے حوالہ سے صاحب خلاصۃ التفاسیر نے لکھا ہے کہ ایک بار مدینہ میں قحط پڑا بعض یہود مسلمان ہوگئے تھے وہ کعب بن اشرف کے پاس گئے جو کہ یہود کا سردار تھا، اور مدد کی درخواست کی کعب بن اشرف نے کہا اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، انہوں نے جواب دیا اللہ کا نبی اور اس کا بندہ ہے، کعب نے کہا تم مجھ سے کچھ نہیں پا سکتے، نو مسلم یہود بولے ہم نے یہ بات یوں ہی کہہ دی تھی مہلت دیجئے کہ سوچ سمجھ کر جواب دیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد آئے اور کہنے لگے یہ خاتم الانبیاء نہیں ہیں تو اُس نے ان کو قسم دلائی وہ قسم کھا گئے کعب نے ہر شخص کو پانچ صاع جو اور آٹھ گز کپڑا دیا، مذکورہ آیت ان ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

ابوامامہ باہلی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کا حق جھوٹی قسم کھا کر مار لیا اللہ اس پر دوزخ واجب اور جنت حرام کردے گا۔ کسی نے عرض کیا اگر حقیر و قلیل چیز بھی ہو فرمایا: اگرچہ پیلو کی ٹہنی بھی ہو۔

(مسلم شریف)

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْکِتَابِ، اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کتاب الٰہی کے معانی میں تحریف کرتے ہیں یا الفاظ کا الٹ پھیر کر کے کچھ کا کچھ مطلب نکال لیتے ہیں، لیکن اس کا اصلی مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب کو پڑھتے ہوئے کسی خاص لفظ یا کسی خاص فقرے کو جوان کے مفاد یا خود ساختہ عقائد کے خلاف ہو زبان کی گردش سے کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں۔ اس کی نظیریں قرآن کے ماننے والوں میں بھی مفقود نہیں ہیں مثلاً بعض لوگ جو نبی کے بشریت کے منکر ہیں آیت قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ میں اِنَّمَا کو اِنَّ مَا پڑھتے ہیں اور اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں، اے نبی! کہہ دو کہ تحقیق نہیں ہوں میں بشر تم جیسا'' اور پھر محرف کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے وہ جان بوجھ کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں۔

مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْکِتَابَ (الآیة) یہودیوں کے یہاں جو علما عہدیدار ہوتے تھے اور جن کا کام مذہبی امور میں لوگوں کی رہنمائی کرنا اور عبادت کے قیام اور احکام دین کا اجراء کرنا ہوتا تھا ان کے لیے رَبَّانِیٌّ کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا جیسا کہ خود قرآن میں ارشاد ہوا ہے "لَوْلَا یَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ. (الآیة)

سلسلۂ کلام کے درمیان یہود کا تذکرہ آ گیا تھا اب پھر دوبارہ نصاریٰ کا ذکر شروع ہوتا ہے، مذکورہ آیت مسیحیوں سے متعلق ہے، مسیحیوں نے حضرت عیسیٰ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کو خدا بنایا ہوا ہے حالانکہ وہ ایک انسان تھے جنہیں کتاب و حکمت اور نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا، اور ایسا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے پجاری اور بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہتا ہے کہ رب والے بن جاؤ، رَبَّانِی رب کی طرف منسوب ہے الف اور نون کا اضافہ مبالغہ کے لیے ہے۔ (فتح القدیر)

وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَةَ وَالنَّبِیّٖنَ (الآیة) بعض مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں بیان کیا ہے کہ: ابن اسحٰق اور ابن جریر اور ابن منذر وغیرہ نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے

یہود اور نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دی، تو ان لوگوں نے کہا۔ اے محمد ﷺ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح بندگی کریں جیسے نصاریٰ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کرتے ہیں فقال رسول اللہ ﷺ معاذاللہ آپ نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ ہم غیر اللہ کی بندگی کریں یا غیر اللہ کی بندگی کا حکم کریں۔ نہ اللہ نے مجھے اس کے لیے مبعوث کیا اور نہ مجھے اس کا حکم دیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

عبد بن حمید نے حسن سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ نُسلّم علیك كما يسلّم بعضنا على بعض افلا نَسْجُدُلَكَ، ہم جس طرح آپس میں سلام کرتے ہیں، اسی طرح آپ کو بھی سلام کرتے ہیں، کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں قال: لَا، فرمایا نہیں، مگر یہ کہ اپنے نبی کا اکرام کرو اور اس کے اہل کا حق پہچانو کسی کے لیے ہرگز مناسب نہیں کہ غیر اللہ کو سجدہ کرے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اذْكُرْ اِذْ حِينَ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ عَهْدَهُمْ لَمَآ بِفَتْحِ اللَّامِ لِلِابْتِدَاءِ وَتَوْكِيْدِ مَعْنَى الْقَسَمِ الَّذِي فِي اَخْذِ الْمِيْثَاقِ وَكَسْرِهَا مُتَعَلِّقَةٌ بِاَخَذَ وَمَا مَوْصُوْلَةٌ عَلَى الْوَجْهَيْنِ اَيْ لِلَّذِيْ اٰتَيْتُكُمْ اِيَّاهُ وَفِي قِرَاءَةٍ اٰتَيْنٰكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ وَهُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ جَوَابُ الْقَسَمِ اِنْ اَدْرَكْتُمُوْهُ وَاُمَمُهُمْ تَبَعٌ لَهُمْ فِي ذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰى لَهُمْ ءَاَقْرَرْتُمْ بِذٰلِكَ وَاَخَذْتُمْ قَبِلْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ وَاَتْبَاعِكُمْ بِذٰلِكَ وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ عَلَيْكُمْ وَعَلَيْهِمْ فَمَنْ تَوَلّٰى اَعْرَضَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْمِيْثَاقِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ بِالْيَاءِ اَيِ الْمُتَوَلُّوْنَ وَالتَّاءِ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ اِنْقَادَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا بِلَا اِبَاءٍ وَّكَرْهًا بِالسَّيْفِ وَمُعَايَنَةِ مَا يُلْجِئُ اِلَيْهِ وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ قُلْ لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ اَوْلَادِهٖ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ بِالتَّصْدِيْقِ وَالتَّكْذِيْبِ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ مُخْلِصُوْنَ فِي الْعِبَادَةِ وَنَزَلَ فِيْمَنِ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِالْكُفَّارِ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ لِمَصِيْرِهٖ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِ كَيْفَ اَيْ لَا يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَيْ وَشَهَادَتِهِمْ اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ الْحُجَجُ الظَّاهِرَاتُ عَلٰى صِدْقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ الْكَافِرِيْنَ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَيِ اللَّعْنَةِ اَوِ النَّارِ الْمَدْلُوْلِ بِهَا عَلَيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ يُمْهَلُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا عَمَلَهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لَهُمْ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ بِهِمْ وَنَزَلَ فِي الْيَهُوْدِ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بعیسٰی بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ بموسٰی ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا بمحمد لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ اذا غرغروا او ماتوا كُفارًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ مقدار ما يملأها ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ ادخل الفاء في خبر انّ لشبه الّذين بالشرط وايذانًا بتسبب عدم القبول عن الموت على الكفر اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ مانعين منه.

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب انبیاء سے عالم ارواح میں اللہ نے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت (کی قسم) سے دوں۔ لَمَا لام کے فتحہ کے ساتھ لام ابتداء ہے اور اس معنیٰ قسم کی تاکید کے لیے ہے جو اَخذ المیثاق سے مفہوم ہیں اور کسرۂ لام کے ساتھ اَخَذَ کے متعلق ہے، اور مَا دونوں صورتوں میں موصولہ ہے، ای الذی، اور ایک قراءت میں اٰتَیْنٰکُمْ ہے پھر تمہارے پاس اس کتاب وحکمت کی تصدیق کرنے والا آئے جو تمہارے پاس ہے اور وہ (رسول) محمد ﷺ ہیں۔ تو تم ضرور اس رسول پر ایمان لانا اور اس کی نصرت کرنا۔ (لَتُؤْمِنُنَّ الخ) جواب قسم ہے (یعنی) اگر تم اس کو پاؤ، اس حکم میں انبیاء کی امتیں ان کے تابع ہیں (پھر) اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا۔ کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو؟ اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں فرمایا تو اپنے اوپر اور اپنے متبعین پر اس بات کے گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے اور ان کے اوپر گواہوں میں سے ہوں تو اب جو کوئی اس عہد کے بعد روگردانی کرے گا تو وہی نافرمانوں میں شمار ہوگا سو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا (کسی اور دین) کو تلاش کر رہے ہیں (یَبْغُوْنَ) یاء کے ساتھ، بمعنی متولون، ای معرضون، اور تاء کے ساتھ (ای تَبْغُوْنَ) ای تعرضون، درانحالیکہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اس کی فرمانبردار ہے خوشی سے بغیر انکار کے اور ناخوشی سے تلوار اور اس چیز کے مشاہدہ کی وجہ سے جو فرمانبرداری کے لیے مجبور کر دے (مثلاً قوت وغیرہ) اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے (ترجعون) یاء اور تاء کے ساتھ (اَفَغَیْرَ) میں ہمزہ استفہام انکاریہ ہے اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہمارے اوپر اتارا گیا ہے اور جو ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر اور اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام پر اور اسحاق علیہ الصلاۃ والسلام پر اور یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام پر اور اولاد (یعقوب) پر اتارا گیا ہے اور اس پر جو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور (دیگر) نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں باہم تصدیق وتکذیب کے اعتبار سے کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم تو عبادت میں اسی کے لیے مخصوص ہیں اور (آئندہ آیت) اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو مرتد ہو کر کفار میں شامل ہو گیا اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ شخص آخرت میں دائمی عذاب کی طرف لوٹنے کی وجہ سے زیاں کاروں میں سے ہوگا۔ اور اللہ کیسے ایسے لوگوں کو ہدایت دے گا (یعنی) نہیں دے گا۔ جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا (اور اس کے بعد کہ وہ) شہادت دے چکے کہ رسول برحق ہیں (اور بعد اس کے) کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آ چکی تھیں یعنی آپ ﷺ کی صداقت پر واضح نشانیاں آ چکی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں

کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہوتی ہے اور اس لعنت یا آگ میں جس پر لعنت دلالت کرتی ہے ہمیشہ رہیں گے نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی البتہ وہ لوگ جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کرلیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرنے والے رحم کرنے والے ہیں اور یہود کے بارے میں (آئندہ آیت نازل ہوئی) بے شک جن لوگوں نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کے بعد عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کیا پھر کفر میں بڑھتے رہے محمد ﷺ کا انکار کرکے۔ تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی جب حالت نزع (غرغرہ) میں پہنچ گئے یا حالتِ کفر میں مر گئے، یہی لوگ تو گمراہ ہیں بلاشبہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے ان میں سے کسی سے بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا زمین بھر سونا یعنی اتنی مقدار کہ جو زمین کو بھر دے، اگر وہ اسے معاوضہ میں دینا چاہے اِنَّ، کی خبر پر فاء داخل کی گئی، اَلَّذِیْن، کے شرط کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے کہ عدم قبول کا سبب موت علی الکفر ہے (نہ کہ محض کفر) یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے جن کے لیے کوئی بھی مددگار عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

وَ اذکر اِذْ حین اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ.

قَوْلُہٗ: حِیْنَ، لفظ حِیْنَ سے اشارہ کردیا کہ اِذ ظرفیہ ہے اور اذکر فعل محذوف سے متعلق ہے۔ اس آیت کی متعدد ترکیبیں کی گئی ہیں یہ آیت بھی مشکل ترکیبی مقامات میں شمار ہوتی ہے۔

صاحب جلالین کی اختیار کردہ ترکیب: واؤ استینافیہ اِذ ظرفیہ متعلق فعل محذوف اذکر کے، لَمَا، لام کے فتحہ کے ساتھ برائے ابتداء اور معنی قسم جو کہ اخذ میثاق سے مفہوم ہیں، کی تاکید کے لیے لام کو بالکسر بھی پڑھا گیا ہے اَخَذَ کے متعلق، دونوں صورتوں میں مَا، موصولہ ہے اٰتَیْتُکُمْ اِیَّاہ، اور ایک قراءت میں۔ اٰتَیْنٰکُمْ، لَتُؤْمِنُنَّ جواب قسم اِیَّاہُ عائد محذوف جو کہ موصول کی طرف راجع ہے۔

مَا موصولہ ہے جائز ہے کہ متضمن بمعنی شرط ہو اور لَتُؤْمِنُنَّ قائم مقام جواب قسم اور جواب شرط ہو۔

قَوْلُہٗ: ءَاَقْرَرْتُمْ استفہام بمعنی امر ہے، استفہام تقریری بھی ہوسکتا ہے، اَفَغَیْرَ، میں ہمزہ انکار کا ہے، لہٰذا یہ شبہ ختم ہوگیا کہ اللہ کو سوال کرنے کے کیا معنی؟

قَوْلُہٗ: بالتصدیق والتکذیب اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: اللہ تعالیٰ کے قول، لانفرق کا مطلب ہے کہ ہم انبیاء میں فرق نہیں کرتے بلکہ سب کو مساوی سمجھتے ہیں حالانکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام فضیلت و درجات میں مختلف ہیں اور یہی بات تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سے معلوم ہوتی ہے۔

جَوَاب: تفریق نہ کرنا تصدیق و تکذیب کے اعتبار سے ہے نہ کہ فضیلت و درجات کے اعتبار سے، یعنی ہم یہود کی طرح بعض کی تصدیق اور بعض کی تکذیب نہیں کرتے۔

قَوْلُہٗ: مخلصون.

سَوَال: مسلمون کی تفسیر مخلصون سے کرنے میں کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: مسلمون بمعنی مخلصون اس لیے کیا گیا ہے کہ نفس ایمان تو آمَنَّا سے مفہوم ہے۔

قَوْلُہٗ: وَشَهَادَتِهِمْ. اس میں اشارہ ہے کہ اس کا عطف بتقدیر بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ پر ہے اور فعل معطوف تاویل میں اسم کے ہے۔

قَوْلُہٗ: قد. حذفِ قد میں اشارہ ہے کہ واؤ حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

مِیْثَاق. اسم، عہد و پیمان اِصْر. بھاری بوجھ، سخت و دشوار اور محنت شاقہ، الاسباط، سِبْط، کی جمع ہے ولد الولد، ولد البنت پر بھی تغلیباً اطلاق ہوتا ہے، حفید یعنی ولد الابن پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، والاسباط من الیهود، القبیلة من العرب کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

میثاق کہاں ہوا؟

میثاق کا لفظ قرآن کریم میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے اور اس کے معنی عہد و پیمان کے ہیں۔ اب یہ میثاق کہاں ہوا ہے؟ یا تو عالم ارواح میں یا دنیا میں بذریعہ وحی، دونوں احتمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے تین طرح کے عہد لیے ہیں۔

پہلے میثاق کا ذکر:

سورۂ اعراف میں "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کے تحت کیا گیا۔ اس عہد کا مقصد یہ تھا کہ تمام بنی نوع انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔

دوسرے میثاق کا ذکر:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ الخ یہ عہد صرف اہل کتاب کے علماء سے لیا گیا تھا کہ وہ حق کو نہ چھپائیں۔

تیسرے عہد کا بیان:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَةٍ سے کیا گیا۔

یہ میثاق کس چیز کے بارے میں لیا گیا؟

اس میں اقوال مختلف ہیں، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی ﷺ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ عہد تمام انبیاء سے صرف محمد ﷺ کے بارے میں لیا تھا کہ اگر وہ خود ان کا زمانہ پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی تائید ونصرت کریں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی ہدایت کر جائیں۔

حضرت طاؤس، حسن بصری اور قتادہ رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ یہ میثاق انبیاء سے اس لیے لیا گیا تھا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی تائید ونصرت کریں۔ (ابن کثیر، معارف)

فَائِدَہ: یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے پہلے ہر نبی سے یہی عہد لیا جاتا رہا ہے اور اسی عہد کی بنا پر ہر نبی نے اپنی امت کو بعد میں آنے والے نبی کی خبر دی ہے اور اس کا ساتھ دینے کی ہدایت وتاکید کی ہے، لیکن قرآن میں اور حدیث میں کہیں بھی اس امر کا پتہ نہیں چلتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے ایسا عہد لیا گیا ہو یا آپ ﷺ نے اپنی امت کو کسی بعد میں آنے والے نبی کی خبر دے کر اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہو۔

فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ، اس ارشاد کا مقصود اہل کتاب کو تنبیہ کرنا ہے کہ تم اللہ کے عہد کو توڑ رہے ہو محمد ﷺ کا انکار اور ان کی مخالفت کر کے اس میثاق کی خلاف ورزی کر رہے ہو جو تمہارے انبیاء سے لیا گیا تھا لہٰذا

اب تم ایمان کی حدود سے نکل چکے۔ یعنی اللہ کی اطاعت سے خارج ہو گئے۔

اگر نبی ﷺ کی بعثت انبیاء کے زمانہ میں ہوتی تو ان سب کے نبی آپ ہی ہوتے اور وہ تمام انبیاء آپ کی امت میں شمار ہوتے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی شان محض نبی امت کی نہیں بلکہ نبی الانبیاء کی بھی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آپ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر آج موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے علاوہ چارۂ کار نہیں تھا۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نازل ہوں گے تو وہ بھی قرآن حکیم اور تمہارے نبی ہی کے احکام پر عمل کریں گے۔ (معارف، ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی نبوت عامہ اور شامل ہے اور آپ ﷺ کی شریعت میں سابقہ تمام شریعتیں مدغم ہیں اس کی تائید آپ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے آپ کا ارشاد ہے۔ بُعِثْتُ اِلَی النّاسِ کافّۃً۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ آپ کی نبوت آپ کے زمانہ سے قیامت تک کے لیے ہے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی نبوت کا زمانہ اتنا وسیع ہے کہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت سے پہلے شروع ہوتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں "کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ"۔ محشر میں شفاعت کبریٰ کے لیے پیش قدمی کرنا اور تمام بنی آدم کا آپ کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور شب معراج میں بیت المقدس میں تمام انبیاء کی امامت کرانا حضور ﷺ کی اسی سیادت عامہ اور امامت عظمیٰ کے آثار ہیں۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ (الآیة) یہاں پھر اسی بات کا اعادہ کیا جارہا ہے جو اس سے پہلے بارہا بیان کی جاچکی ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں عرب کے یہودی علماء جان چکے تھے اور ان کی زبانوں تک سے اس امر کی شہادت ادا ہو چکی تھی کہ آپ ﷺ نبی برحق ہیں اور جو تعلیم آپ لائے ہیں وہ وہی تعلیم ہے جو پچھلے انبیاء لاتے رہے ہیں اس کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا وہ محض تعصب، ضد اور حق کی دشمنی، اس پرانی عادت کا نتیجہ تھا جس کے وہ صدیوں سے مجرم چلے آرہے تھے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ (الآیة) لیکن جو مرتد ہونے کے بعد شرمندہ ہوئے اور توبہ کی اور اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح بھی کرلی تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرمانے والا اور انہیں دنیا میں عمل خیر کی طرف اور آخرت میں جنت کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

مرتد کی بھی توبہ قبول ہے:

کوئی بھی گناہ کیوں نہ ہو، توبہ کرنے سے معاف ہو جاتا ہے، توبہ میں شرط یہ ہے کہ جس قسم کا گناہ ہو ویسی ہی توبہ کرے ظلم سے توبہ یہ ہے کہ مظلوم سے معاف کرائے سود خوری سے توبہ یہ ہے کہ پچھلا لیا ہوا واپس کرے اور اگر ایسا نہ کیا مگر توبہ سچی بکمال ندامت کی تو حقوق اللہ معاف اور حقوق العباد باقی رہیں گے۔ (معالم)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا (الآیة) مطلب یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد اس ارتداد پر اڑے رہے اور توبہ نہ کی اور اسی حالت میں غرغرہ کی حالت آگئی تو ان کی توبہ قبول نہ ہوگی۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک جہنمی سے کہے گا کہ اگر تیرے پاس دنیا بھر کا سامان ہو تو کیا اس عذابِ نار کے بدلے اسے دینا پسند کرے گا؟ وہ کہے گا ''ہاں'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان بات کا مطالبہ کیا تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا، مگر تو شرک سے باز نہیں آیا۔

(مسند احمد، ھکذا اخرجه البخاری و مسلم، ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ کافر کے لیے دائمی عذاب ہے اس دنیا میں اگر کچھ کارِ خیر بھی کیے ہوں گے تو وہ بھی کفر کی وجہ سے ضائع ہو جائیں گے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ عبداللہ بن جدعان کے بابت پوچھا گیا کہ وہ مہمان نواز، غریب پرور تھا اور غلاموں کو آزاد کرنے والا تھا کیا یہ اعمال اسے نفع دیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، کیوں کہ اس نے ایک دن بھی اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگی۔ (مسلم)

بحمد اللہ تم

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ ای ثوابه وهو الجنة **حَتّٰى تُنْفِقُوْا** تصدقوا **مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ** من اموالکم **وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ** فیجازی علیه ونزل لما قال الیهود انك تزعم انك علی ملة ابراهیم وکان لا یاکل لحوم الابل و البانها **كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا** حلالا **لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ** یعقوب **عَلٰی نَفْسِهٖ** وهو الابل لما حصل له عرق النسا بالفتح والقصر فنذر ان شفی لا یاکلها فحرم علیه **مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ** وذلك بعد ابراهیم ولم تکن علی عهده حراما کما زعموا **قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ** لیتبین صدق قولکم **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ** فبهتوا ولم یاتوا بها قال تعالی **فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ** ای ظهور الحجة بان التحریم انما کان من جهة یعقوب لا علی عهد ابراهیم **فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** المتجاوزون الحق الی الباطل **قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ** فی هذا کجمیع ما اخبر به **فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ** التی انا علیها **حَنِیْفًا** مائلا عن کل دین الی دین الاسلام **وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ** ونزل لما قالوا قبلتنا قبل قبلتکم **اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ** متعبدا **لِلنَّاسِ** فی الارض **لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ** بالباء لغة فی مکة سمیت بذلك لانها تبك اعناق الجبابرة ای تدقها بناه الملٰئکة قبل خلق آدم ووضع بعده الاقصی وبینهما اربعون سنة کما فی حدیث الصحیحین وفی حدیث انه اول ما ظهر علی وجه الماء عند خلق السمٰوات والارض زبدة بیضاء فدحیت الارض من تحته **مُبٰرَكًا** حال من الذی ای ذا برکة **وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ** لانه قبلتهم **فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ** منها **مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ** ای الحجر الذی قام علیه عند بناء البیت فاثر قدماه فیه وبقی الی الآن مع تطاول الزمان وتداول الایدی علیه ومنها تضعیف الحسنات فیه وان الطیر لا یعلوه **وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا** لا یتعرض له بقتل اوظلم اوغیر ذلك **وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ** واجب بکسر الحاء وفتحها لغتان فی مصدر حج بمعنی قصد ویبدل من الناس **مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا** طریقا فسره صلی اللّٰه علیه وسلم بالزاد والراحلة رواه الحاکم وغیره **وَمَنْ كَفَرَ** باللّٰه او بما فرضه من الحج **فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ** الانس والجن والملٰئکة وعن عبادتهم **قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ** القرآن **وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ** فیجازیکم علیه **قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ** تصرفون **عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** ای دینه **مَنْ اٰمَنَ** بتکذیبکم النبی وکتم نعته **تَبْغُوْنَهَا** ای تطلبون السبیل **عِوَجًا** مصدر بمعنی معوجة ای مائلة عن الحق **وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ** عالمون بان الدین المرضی هو القیم دین الاسلام کما فی کتابکم **وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ** من الکفر و التکذیب وانما یؤخرکم الی وقتکم فیجازیکم ونزل لما مر

بعض الیھود علی الاوس والخزرج فغاظہ تألفھم فذکرھم بما کان بینھم فی الجاھلیۃ من الفتن فتشاجروا وکادوا یقتتلون ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ﴾ ﴿وَکَیْفَ تَکْفُرُوْنَ﴾ استفہام تعجیب وتوبیخ ﴿وَاَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ اٰیٰتُ اللّٰہِ وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ﴾ یتمسک ﴿بِاللّٰہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾

ترجمہ: جب تک اپنے محبوب مالوں کو خرچ نہ کرو گے (صدقہ نہ کرو گے) ہرگز نیکی کا اجر جو کہ جنت ہے حاصل نہ کرسکو گے اور جو چیز بھی تم خرچ کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے لہٰذا وہ اس کی جزاء دے گا، اور نازل ہوئی جب یہودیوں نے یہ بات کہی، کہ تم اس بات کا دعویٰ کرتے ہو کہ تم ملت ابراہیمی پر ہو حالانکہ وہ تو اونٹ کا گوشت اور دودھ کھاتے پیتے نہیں تھے۔ (اور تم کھاتے پیتے ہو) ہر کھانا بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا بجز اس کے کہ جس کو اسرائیل (یعقوب) نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اور وہ اونٹ تھا، ایسا اس وقت کیا تھا کہ جب ان کو عرق النساء کا مرض لاحق ہوگیا تھا (نساء) فتحہ نون کے ساتھ اور قصر الف کے ساتھ (بروزن عصا) ہے، (حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے نذر مانی تھی کہ اگر میں شفا یاب ہوگیا تو اس کو میں نہ کھاؤں گا، چنانچہ انہوں نے اس کو اپنے اوپر ممنوع قرار دے لیا، ایسا تورات نازل ہونے سے قبل کیا تھا اور یہ (واقعہ) ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ہوا، اور یہ حرمت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نہیں تھی جیسا کہ تم سمجھتے ہو۔ تو آپ ان سے کہئے کہ تورات لاؤ اور اس کو پڑھو تاکہ تمہارے قول کی صداقت ظاہر ہوجائے اگر تم اس دعوے میں سچے ہو تو وہ ہکے بکے رہ گئے اور تورات نہ لائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو جو شخص اس کے یعنی حجت کے ظاہر ہونے کے بعد بھی اللہ پر بہتان تراشی کرے کہ تحریم یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے تھی نہ کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں تو یہی لوگ ہیں ظالم (یعنی) حق سے باطل کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ دیگر باتوں کی طرح اللہ نے یہ بات بھی سچ فرمادی تو تم سیدھی راہ والے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی جس پر میں ہوں پیروی کرو یعنی ہر دین سے (اعراض کرکے) دین اسلام کی جانب رخ کرکے اور (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) مشرکوں میں سے نہ تھے، اور آئندہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے کہا تھا کہ ہمارا قبلہ تمہارے قبلے سے قدیم ہے، سب سے پہلا گھر جو معبد کے طور پر لوگوں کے لیے مبارک بنا کر وضع کیا گیا، وہ ہے جو مکہ میں ہے، مکہ، میں ایک لغت بکہ بھی ہے باء کے ساتھ، بکہ کو بکہ اس لیے کہتے ہیں کہ بکہ کے معنی توڑنے، پھوڑنے کے ہیں چونکہ یہ بڑے بڑے جباروں (ظالموں) کی گردنوں کو جو اس کے انہدام کا قصد کریں توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اس کی تعمیر فرشتوں نے کی تھی اس کے بعد مسجد اقصیٰ تعمیر کی گئی اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے، جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں وارد ہے، اور ایک حدیث میں ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے وقت سطح آب پر سفید جھاگ کی شکل میں جو چیز نمودار ہوئی تھی وہ کعبہ تھا

اس کے بعد زمین کو اسکے نیچے سے پھیلایا گیا، (مُبٰرَکًا) اَلَّذِی سے حال ہے ای ذَابَرَکۃٍ، اور اہل عالم کے لیے ہدایت والا ہے اس لیے کہ یہ ان کا قبلہ ہے۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں ان ہی میں سے مقام ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ہے یعنی وہ پتھر کہ تعمیر بیت اللہ کے وقت جس پر (حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام) کھڑے ہوتے تھے۔ آپ کے قدموں کے اس میں نشان پڑ گئے اور زمانہ دراز کے باوجود اور لوگوں کے بار بار مس کرنے کے باوجود آج تک باقی ہیں۔ اور ان ہی نشانیوں میں سے اس میں نیکیوں کے اجر کا دوگنا ہونا ہے۔ اور کوئی پرندہ اس کے اوپر سے نہیں گزر سکتا۔ اور جو کوئی اس میں داخل ہو جاتا ہے وہ مامون ہو جاتا ہے قتل یا ظلم وغیرہ کے لیے اس سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ اور لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج واجب ہے (حج) کے مصدر میں حاء کا فتحہ اور کسرہ دو لغت ہیں۔ حَجٌّ بمعنی قَصَدَ، اور (مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا) اَلنَّاس، سے بدل ہے جو وہاں تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو، (استطاعت) کی تفسیر آپ ﷺ نے زاد و راحلہ (سواری اور سفر خرچ) سے فرمائی۔ روایت کیا اس کو حاکم وغیرہ نے اور جو کوئی اللہ کا کفر کرے اور جو اس پر حج فرض کیا ہے (اس کا منکر ہو) تو اللہ تعالیٰ عالم والوں سے یعنی جن و انس اور ملائکہ اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہے۔ آپ کہئے کہ اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں قرآن کا کیوں انکار کرتے ہو؟ درانحالیکہ اللہ تمہارے اعمال پر شاہد ہے تم کو اس کی جزاء دے گا۔ آپ کہئے اے اہل کتاب تم اس شخص کو جو ایمان لا چکا ہے اللہ کے دین سے نبی ﷺ کی تکذیب اور ان کی علامات کو چھپا کر کیوں روکتے ہو؟ اس راہ (دین) میں کجی نکالتے ہو (عِوَجًا) مصدر ہے مُعْوَجَّۃً، کے معنی میں ہے، یعنی حق سے انحراف کر کے، حالانکہ تم جانتے ہو کہ پسندیدہ اور صحیح دین اسلام ہی ہے جیسا کہ تمہاری کتاب میں موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کفر و تکذیب وغیرہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے اور اس نے تم کو محض ایک وقت تک مہلت دے رکھی ہے پھر تم کو اس کی سزا دے گا (آئندہ آیت اس وقت نازل ہوئی) کہ جب بعض یہودیوں کا گزر اوس و خزرج پر ہوا تو ان کی آپسی الفت و محبت نے ان کو غضب ناک کر دیا، چنانچہ ان یہودیوں نے ان کے زمانہ جاہلیت کی (آپسی) فتنہ کی باتوں کا ذکر چھیڑ دیا جس کی وجہ سے وہ آپس میں جھگڑنے لگے قریب تھا کہ آپس میں خون ریزی ہو جائے۔ اے ایمان والو اگر اہل کتاب کے کسی فریق کی بات مانو گے تو وہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے باوجود کافر بنا کر چھوڑیں گے اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو استفہام تعجب اور توبیخ کے لیے ہے، حالانکہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول موجود ہے اور جو اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے تو وہ سیدھی راہ کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: تَنَالُوْا، تم حاصل کرو گے، تم پاؤ گے (س) مضارع جمع مذکر حاضر، نَالَ یَنَالُ نَیْلًا پہنچنا، حاصل کرنا۔

قَوْلُہٗ: ای ثوابہٗ مفسر علام نے مضاف کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ نفس

بر تو نیک عمل کرنے کو کہتے ہیں جس کا وجود عمل نیک کرنے سے ہوجاتا ہے البتہ عملِ نیک کا اجر وثواب محبوب وپسندیدہ چیز خرچ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: تَصَدَّقُوْا. تُنْفِقُوْا کی تفسیر تَصَدَّقُوْا سے کرکے اشارہ کردیا کہ مطلق انفاق خواہ اپنی ذات پر ہو یا برے کاموں میں ہو مراد نہیں ہے بلکہ فی سبیل اللہ صدقہ کرنا مراد ہے۔

قَوْلُهُ: مِمَّا تُحِبُّوْنَ، مَا تبعیضیہ ہے، اس لیے کہ ایک قراءت میں بَعْضَ مَا تُحِبُّوْنَ ہے۔

قَوْلُهُ: كُلُّ الطَّعَامِ الف لام عہد کا ہے ای كُلُّ الاطعمة الَّتِي كانَتْ تَدَّعِي اليهودُ حُرْمَتَها على ابراهِيْمَ.

قَوْلُهُ: عِرق النساء، عرق النساء اکثر بائیں سرین سے شروع ہوکر گھٹنے اور بعض اوقات ٹخنے تک اتر آتا ہے اگر یہ مرض زیادہ دنوں تک رہے تو مریض لنگڑا ہوجاتا ہے۔ (شرح موجز، اقرائی)

قَوْلُهُ: أَنَا عَلَيْهَا اتباع ملت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے مراد ملت اسلام کی اتباع ہے اس لیے کہ ملت ابراہیمی ملت اسلامی ہی تھی، اور آپ ﷺ بھی اسی ملت ابراہیمی پر تھے۔

قَوْلُهُ: مُتَعَبَّدًا، یہ لفظ بڑھا کر اشارہ کردیا کہ اول بیت سے مطلق اول بیت مراد نہیں بلکہ عبادت گاہ کے طور پر اول بیت مراد ہے۔

قَوْلُهُ: لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ میں لام تاکید ہے اس کو لام مُزَحلَقَہ بھی کہتے ہیں۔ دراصل یہ لام مبتداء پر اس کی تاکید کے لیے داخل ہوتا ہے مگر جب مبتدا پر اِنَّ داخل ہوجاتا ہے تو اِنَّ اپنی صدارت کی خاطر اس لام کو خبر کی طرف دھکیل دیتا ہے اس لیے اس لام کو لام مزحلقہ کہتے ہیں۔

مکہ اور بکہ بلد حرام کے نام ہیں، یہ دونوں لغت ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بکہ، مقام بیت اللہ کا نام ہے اور مکہ بلد حرام کا نام ہے، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مسجد حرام کا نام بکہ ہے اور مکہ پورے حرم کا نام ہے اور بکّہ کو بكه اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے معنی ازدحام الناس کے ہیں طواف کے وقت چونکہ ازدحام ہوتا ہے اسی لیے اس کو بکہ کہتے ہیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ بَكَ کے معنی 'دَقَّ' کے معنی ہیں کوٹنا، توڑنا، مروڑنا، اس لیے کہ جس ظالم وجابر نے بھی اس کو ترچھی نگاہ سے دیکھا اور اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اس کی گردن مروڑ دی گئی، اور مکہ، تسمیہ کی وجہ کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ قلت ماء کی وجہ سے مکہ کہا جاتا ہے، عرب بولتے ہیں مَكَّ الفصيل ضَرْعَ أُمِّهٖ جب کہ بچہ ماں کا دودھ پی کر ختم کردے اور قاموس میں ہے چونکہ مکہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور یہ تمكُ الذنوب سے مشتق ہے ای تمحوها وتُزِيلُها.

مکہ کے بہت سے نام ہیں:

❶ مکه	❷ بکه	❸ البيت العتيق	❹ البيت الحرام
❺ البلدالامين	❻ المامون	❼ ام الرحيم	❽ امُّ القرى
❾ صلاح	❿ العرش	⓫ القادس	⓬ المقدسه
⓭ البناسة	⓮ نون اور باء کے ساتھ	⓯ الحاطمه	⓰ الرأس
⓱ کوثاء	⓲ البلدة	⓳ البنية	⓴ الكعبه

(اعراب القرآن)

مجاہد نے کہا کہ، باء میم سے بدل گئی ہے جیسے سَبَدٌ اور سَمَدٌ، اور لازبٌ و لازمٌ میں۔

قَوْلُہٗ: تطلبون السبيل، یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ سبیل مذکر ہے لہٰذا تَبْغُوْنَهَا کے بجائے تَبْغُوْنَهٗ ہونا چاہئے۔

جَوَابٌ: سبیل چونکہ مذکر اور مؤنث دونوں استعمال ہوتا ہے لہٰذا تَبْغُوْنَهَا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: مصدرٌ بمعنی مُعَوَّجَةً، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ عِوَجًا، السبیل سے حال ہے حالانکہ اس کا حمل السبیل پر صحیح نہیں ہے۔

جَوَابٌ: عِوَجًا، مُعَوَّجًا کے معنی میں ہے۔ عِوَج عین کے کسرہ کے ساتھ غیر مجسم اشیاء کی کجی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثل عقل فہم اور عَوَج عین کے فتحہ کے ساتھ مجسم اشیاء مثلاً دیوار وغیرہ کی کجی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

قَوْلُہٗ: حِلًّا، (ض) حِلًّا و حَلَالًا، دونوں مصدر ہیں بمعنی حلال ہونا۔

قَوْلُہٗ: بَكَّة، میم اور باء چونکہ قریب المخرج ہیں اس لیے میم کو باء سے بدل دیا جیسا کہ لازم کو لازب کرلیا جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: للذی ببكة، یہ لام تاکید مزحلقہ ہے، دراصل یہ انَّ کی خبر پر داخل ہونے والا وہ لام ہے جس کو انَّ نے اپنی صدارت کی وجہ سے اپنی خبر کی طرف دھکیل دیا ہے، مزحلقہ کے معنی ہیں دھکیلا ہوا۔

استخدام: مَنْ دخله کان آمنًا میں صنعت استخدام ہے اس لیے کہ مقام ابراہیم سے جائے قدم مراد ہے۔ اور اس کی طرف لوٹنے والی دخلہ کی ضمیر سے مطلق حرم مراد ہے، اسی کو استخدام کہتے ہیں کہ مرجع سے ایک معنی مراد ہوں اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے دوسرے معنی مراد ہوں۔

تفسیر و تشریح

ربط: سابق میں صدقہ کافر کا ذکر تھا کہ صدقہ اور کسی بھی کار خیر سے ایمان کے بغیر کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہاں مؤمن کے صدقہ اور کار خیر کا ذکر ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ (بِرّ) نیکی، بھلائی، یہاں مطلقاً عمل صالح یا جنت مراد ہے۔

آیت مذکورہ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کا جذبۂ عمل:

صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جو کہ قرآن کریم کے اولین مخاطب تھے اور آپ ﷺ کے بلاواسطہ شاگرد اور احکام قرآنی پر عمل کرنے کے عاشق، اس آیت کے نازل ہونے پر ہر ایک نے اپنی اپنی محبوب چیزوں پر نظر ڈالی اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے درخواست پیش کرنے لگے، انصار مدینہ میں ایک صحابی ابوطلحہ جو کہ باحیثیت تھے مسجد نبوی کے بالکل قریب بالمقابل ایک بہت عمدہ باغ تھا اس میں ایک کنواں بھی تھا جو کہ بیرحاء کے نام سے مشہور تھا اس کا پانی نہایت عمدہ اور نہایت شیریں تھا، اب اس باغ کی جگہ باب مجیدی کے سامنے اصطفیٰ منزل کے نام سے عمارت بنی ہوئی ہے، جس میں زائرین مدینہ قیام کرتے ہیں اس کے شمال مشرق کے گوشہ میں یہ بیرحاء اب تک اسی نام سے موجود ہے آپ ﷺ کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور بیرحاء کا پانی نوش فرماتے، آپ کو اس کنویں کا پانی پسند تھا، حضرت طلحہ کا یہ باغ بڑا قیمتی اور زرخیز اور اپنی جائداد میں سب سے زیادہ محبوب تھا، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میرے تمام اموال میں بیرحاء مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، آپ جس کام میں پسند فرمائیں اس کو صرف فرما دیں، آپ نے فرمایا وہ تو عظیم الشان منافع کا باغ ہے، میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے اقرباء میں تقسیم کردو، حضرت ابوطلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ ﷺ کے اس مشورہ کو قبول فرما کر اپنے اقرباء میں تقسیم کردیا یہ حدیث بخاری اور مسلم میں مذکور ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیرات صرف وہ نہیں یہ جو عام فقراء کو دی جائے، اپنے اہل وعیال اور عزیز واقارب پر خرچ کرنا بھی بڑی خیرات اور موجب ثواب ہے۔

حضرت زید بن حارثہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنا ایک گھوڑا لیے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کیا مجھے اپنی املاک میں یہ گھوڑا سب سے

زیادہ محبوب ہے اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمالیا۔لیکن ان سے لے کر ان ہی کے صاحبزادے اسامہ کو دے دیا،حضرت زید اس پر کچھ دلگیر ہوئے کہ میرا صدقہ میرے ہی گھر واپس آگیا تو آپ نے ان کی تسلی کے لیے فرمایا،اللہ تعالیٰ نے تمہارا یہ صدقہ قبول فرمالیا۔ (مظھری بحواله ابن جریر، معارف)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ میں جو صدقہ خیرات بھی ہو خواہ فرض خواہ نفل ان سب میں مکمل فضیلت اور ثواب جب ہی ہے کہ اپنی محبوب اور پیاری چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ نہیں کہ صدقہ کو تاوان کی طرح سر سے ٹالنے کے لیے فالتو اور بے کار یا خراب چیزوں کا انتخاب کرو۔

فالتو اور حاجت سے زائد چیز بھی خرچ کرنے میں ثواب ہے:

اگرچہ اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ خیر کامل اور ثواب عظیم اس پر موقوف ہے کہ اپنی محبوب چیز کو راہِ خدا میں صرف کریں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضرورت سے زائد اور فالتو مال خرچ کرنے میں کوئی اجر و ثواب ہی نہیں ہے بلکہ آیت کے آخر میں جو یہ ارشاد ہے "وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ" اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگرچہ خیر کامل اور وصفِ ابرار میں داخلہ محبوب چیز کے خرچ کرنے پر موقوف ہے لیکن مطلق ثواب سے کوئی صدقہ خالی نہیں خواہ محبوب چیز خرچ کریں یا زائد اور فالتو ہاں جو چیز مکروہ اور ممنوع ہے وہ یہ کہ کوئی شخص راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کرے کہ جب خرچ کرے فالتو اور ناکارہ چیز کا انتخاب کرے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ. اہل کتاب سے بحث و مباحثہ کا سلسلہ چل رہا ہے،اسی سلسلہ کی ایک بحث اس آیت میں بھی ہے۔ یہود نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ بتاؤ اسرائیل (یعقوب) نے اپنے اوپر کیا چیز حرام کی تھی؟ (قد اخرج الترمذی وحسنه عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا حضرت یعقوب دیہات میں رہتے تھے ان کو عرق النساء کا مرض لاحق ہو گیا تھا تو احتیاط کے طور پر اونٹ کے گوشت اور دودھ کا استعمال موقوف کر دیا تھا، یہود نے کہا،صدقتَ آپ نے سچ فرمایا۔

روح المعانی میں بروایت واقدی کلبی سے منقول ہے کہ جب حضور ﷺ نے اپنا ملتِ ابراہیمی پر ہونا بیان فرمایا تو یہود نے اعتراض کیا کہ آپ اونٹ کا گوشت اور دودھ کھاتے پیتے ہیں حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر حرام تھا آپ نے جواب دیا کہ حرام نہیں تھا بلکہ حلال تھا، یہود نے کہا جتنی چیزیں ہم حرام سمجھتے ہیں یہ سب حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام وحضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے وقت سے حرام چلی آرہی ہیں تو اللہ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی جس میں یہود کی تکذیب کی گئی ہے،جس میں ارشاد فرمایا کہ نزولِ تورات کے قبل باستثناء اونٹ کے گوشت کے جس کو حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک خاص وجہ سے خود اپنے لیے حرام کرلیا تھا اور وہ ان کی اولاد میں حرام چلا آیا،باقی سب چیزیں بنی اسرائیل پر حلال تھیں۔

دراصل واقعہ یہ تھا کہ حضرت یعقوب (اسرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو عرق النساء کا درد تھا، آپ نے نذر مانی تھی کہ اللہ اس سے شفاء عطا فرمائے تو میں اس کھانے کو جو مجھے سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے چھوڑ دوں گا، ان کو شفاء ہوگئی اور سب سے زیادہ محبوب آپ کو اونٹ کا گوشت تھا اس کو ترک فرمادیا۔ (اخرجه الحاكم وغيره بسند صحيح عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

ہوسکتا ہے کہ ان کی شریعت میں نذر سے تحریم بھی ہوجاتی ہو جس طرح ہمارے یہاں نذر سے وجوب ہوجاتا ہے، البتہ ہمارے یہاں تحریم کی نذر جائز نہیں ہے بلکہ اگر قسم کے طور پر نذر مانی ہو تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا واجب ہے کما قال اللہ تعالیٰ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ. (الآیۃ)

فضائل اور تاریخ تعمیر بیت اللہ:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا. (الآیۃ)

یہ یہود کے اس اعتراض کے جواب میں ہے کہ وہ کہتے تھے کہ بیت المقدس سب سے پہلا عبادت خانہ ہے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے اپنا قبلہ کیوں بدل دیا؟ اس کے جواب میں کہا گیا تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے پہلا گھر جو اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا وہ مکہ میں ہے۔

مذکورہ آیت میں پوری دنیا کے مکانات یہاں تک کہ تمام مساجد کے مقابلہ میں بیت اللہ (کعبہ) کے شرف اور فضیلت کا بیان ہے، اور یہ شرف اور فضیلت کئی وجہ سے ہے اول اس لیے کہ وہ دنیا کی تمام عبادت گاہوں میں سب سے پہلی عبادت گاہ ہے دوسرے یہ کہ وہ برکت والا ہے، تیسرے یہ کہ وہ پورے جہان کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ ہے آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے من جانب اللہ بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے عبادتخانہ مکہ میں تعمیر ہوا، اسکا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا کے گھروں میں سب سے پہلا گھر عبادت ہی کے لیے بنایا گیا اور وہ بیت اللہ ہے اس سے پہلے نہ کوئی عبادت خانہ تھا اور نہ دولت خانہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر، مجاہد، قتادہ، سدّی، وغیرہ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے قائل ہیں کہ زمین پر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلا گھر کعبہ عبادت خانہ کے طور پر تعمیر کیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگوں کے رہنے سہنے کے گھر اور بھی بن چکے ہوں مگر عبادت خانہ کے طور پر یہ پہلا گھر بنا ہو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی منقول ہے۔

بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بروایت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا میں آنے کے بعد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ حکم ملا کہ وہ بیت اللہ بنائیں، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم کی تعمیل فرمائی تو ان کو حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں۔ اور ان سے کہا گیا کہ آپ اول الناس ہیں اور یہ گھر اول بیت وضع للناس ہے۔ (معارف)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ تعمیر حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ تک باقی تھی، طوفانِ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام میں منہدم ہوگئی، اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان ہی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا، پھر ایک بار کسی حادثہ میں اس کی عمارت منہدم ہوگئی تو قبیلہ جرہم کی ایک جماعت نے اس کی تعمیر کی، پھر ایک بار منہدم ہوئی تو عمالقہ نے تعمیر کی اور پھر منہدم ہوئی تو قریش نے رسول اللہ ﷺ کے ابتدائی دور میں تعمیر کی، جس میں آنحضرت ﷺ بھی بذاتِ خود شریک ہوئے اور حجر اسود کو اپنے دستِ مبارک سے قائم فرمایا۔ لیکن قریش نے اس تعمیر میں بناء ابراہیمی سے کسی قدر مختلف تعمیر کی سرمایہ کی کمی کی وجہ سے بیت اللہ کا ایک حصہ الگ کر دیا جس کو حطیم کہا جاتا ہے اور خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بناء میں دو دروازے تھے ایک داخل ہونے کا اور دوسرا پشت کی جانب نکلنے کا۔ قریش نے صرف مشرقی دروازے کو باقی رکھا، تیسرا تغیر یہ کیا کہ دروازہ سطح زمین سے کافی بلند کر دیا کہ ہر شخص آسانی سے اندر نہ جاسکے بلکہ جس کو وہ اجازت دیں وہی جاسکے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اس کو بالکل بناء ابراہیمی پر بنادوں۔ لیکن نو مسلم ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خطرہ ہے اسی لیے سرِ دست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں۔ اس ارشاد کے بعد آپ ﷺ اس دنیا میں زیادہ دن نہیں رہے۔

لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنے ہوئے تھے، خلفاء راشدین کے بعد جس وقت مکہ مکرمہ میں ان کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے بیت اللہ منہدم کر کے ارشاد نبوی ﷺ اور بناء ابراہیمی کے مطابق بنادیا۔ مگر عبد اللہ بن زبیر کی حکومت مکہ مکرمہ پر چند روزہ تھی، حجاج بن یوسف نے مکہ پر فوج کشی کر کے ان کو شہید کر دیا، اور حکومت پر قبضہ کر کے اس کو گوارا نہ کیا کہ عبد اللہ بن زبیر کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک ان کی مدح و ثنا کا ذریعہ بنا رہے اس لیے لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ عبد اللہ بن زبیر کا یہ فعل غلط تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو جس حالت پر چھوڑا تھا اسی حالت پر رکھنا چاہئے۔ اس بہانے سے بیت اللہ کو پھر منہدم کر کے اسی طرح تعمیر کر دی جو زمانۂ جاہلیت میں قریش نے بنائی تھی حجاج بن یوسف کے بعد آنے والے بعض مسلم بادشاہوں نے پھر حدیث مذکور کی بناء پر چاہا کہ بیت اللہ کو پھر از سرِ نو حدیث رسول اکرم ﷺ کے مطابق بنادیں۔ لیکن اس زمانہ کے امام حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ فتویٰ دیا کہ اب بار بار بیت اللہ کو منہدم کرنا اور بنانا آگے آنے والے بادشاہوں کے لیے بیت اللہ کو ایک کھلونا بنادے گا۔ ہر آنے والا بادشاہ اپنی نام آوری کے لیے یہی کام کرے گا۔ لہٰذا اب جس حالت پر ہے اسی حالت پر چھوڑ دینا مناسب ہے۔ تمام امت نے اس کو قبول کیا اسی وجہ سے آج تک اسی حجاج بن یوسف کا تعمیر کیا ہوا بیت اللہ باقی ہے۔ البتہ شکست و ریخت اور مرمت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

ان روایات سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ کعبہ دنیا کا سب سے پہلا گھر ہے اور یا کم از کم سب سے پہلا عبادت خانہ ہے قرآن کریم میں جہاں کعبہ کی تعمیر کی نسبت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان بزرگوں نے سابقہ بنیادوں پر اسی کے مطابق تعمیر فرمائی اور کعبہ کی اصل بنیاد پہلے ہی سے موجود تھی۔

بائبل میں وادی بکہ کا ذکر موجود ہے:

تمام تر تحریفات کے باوجود بائبل میں بھی ایک جگہ وادی بکہ کا ذکر کیا گیا ہے، وہ بکا کی وادی میں گزر کرتے ہوئے اسے ایک کنواں بتاتے۔ (زبور ۸۴۔۶) بائبل کے قدیم مترجموں نے اپنی بے احتیاطی کے عادت کے مطابق ترجموں میں اسے بجائے علم کے اسم نکرہ قرار دے کر اس کا ترجمہ رونے کی وادی کر ڈالا صدیوں کے بعد اب غلطی کا احساس ہوا اور اب جیوش انسائیکلو پیڈیا میں اقرار ہے کہ یہ ایک مخصوص بے آب وادی کا نام ہے۔ (جلد۲ ص ٤٢٥)

اللہ ان کو اتنا سمجھنے کی توفیق دے کہ یہی بے آب وادی مکہ معظمہ ہے۔ (ماجدی)

مَقَامُ اِبْرَاهِيْمَ. یہ یا تو مبتدا محذوف الخبر ہے۔ ای منها مقام ابراهيم، یا مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای احدها مقام ابراهیم، اور بعض نے آیات بَیِّنٰت سے بدل البعض اور بعض نے عطف بیان قرار دیا ہے۔

ان نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی مقام ابراہیم ہے اسی لیے قرآن کریم نے اس کو مستقل علیحدہ طور پر بیان فرمایا۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت اللہ کی تعمیر فرماتے تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ یہ پتھر تعمیر کی بلندی کے ساتھ ساتھ خود بخود بلند ہو جاتا تھا اور نیچے اترنے کے وقت نیچا ہو جاتا تھا، اس کے اوپر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم مبارک کا گہرا نشان آج تک موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب آیاتِ قدرت ہیں، جو بیت اللہ کی فضیلت ہی سے متعلق ہیں یہ پتھر بیت اللہ کے نیچے دروازے کے قریب تھا۔ جب قرآن کا یہ حکم نازل ہوا کہ مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نماز پڑھو وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى اس وقت طواف کرنے والوں کی سہولت کے لیے اس کو اٹھا کر بیت اللہ کے سامنے ذرا فاصلہ پر مطاف سے باہر زمزم کے قریب رکھ دیا گیا۔ اور آج کل اس کو اسی جگہ ایک محفوظ مکان میں مقفل کیا ہوا ہے، طواف کے بعد دو رکعت اسی مکان کے پیچھے پڑھی جاتی ہے، فی الحال یہ پتھر ایک بلوری خول کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے، مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اصل میں اس خاص پتھر کا نام ہے۔ لیکن مقام ابراہیم اپنے لفظی معنی کے اعتبار سے تمام مسجد حرام کو حاوی ہے، اسی لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ مسجد حرام کے اندر جس جگہ بھی طواف کی رکعتیں پڑھ لے واجب ادا ہو جاتا ہے۔

بیت اللہ کی دوسری خصوصیت اور فضیلت یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہو جائے وہ مامون و محفوظ ہو جاتا ہے یعنی اللہ کا یہ حکم ہے کہ جو شخص بیت اللہ (حرم) میں داخل ہو جائے تو اس کو بھی اس جگہ سزا نہ دی جائے بلکہ اس کو حرم سے باہر نکلنے پر مختلف طریقوں سے مجبور کیا جائے باہر آنے پر سزا دی جائے، جاہلیت کے تاریک دور میں بھی اس گھر کا یہ احترام تھا کہ خون کے پیاسے دشمن ایک دوسرے کو وہاں دیکھتے تھے اور ایک دوسرے پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ فتح مکہ میں صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے دین کی اہم مصلحت اور بیت اللہ کی تطہیر کی خاطر صرف چند گھنٹوں کے لیے حرم میں

قتال کی اجازت اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھی پھر اس کی حرمت لوٹادی گئی۔

حج فرض ہونے کے شرائط:

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا یہ بیت اللہ کی تیسری خصوصیت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے بشرطیکہ وہ بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت اور استطاعت رکھتے ہوں، استطاعت کی تفصیل یہ ہے کہ ضروریاتِ اصلیہ سے فاضل اتنا مال ہو جس سے وہ بیت اللہ تک آمد و رفت اور وہاں قیام کا خرچ برداشت کر سکے اور اپنی واپسی تک اپنے ان اہل و عیال کا بھی انتظام کر سکے کہ جن کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے نیز ہاتھ پاؤں اور آنکھوں سے معذور نہ ہو۔

اسی طرح عورت کے لیے چونکہ بغیر محرم کے سفر ممنوع ہے اس لیے وہ حج پر قادر اس وقت سمجھی جائے گی جب کہ اس کے ساتھ کوئی محرم حج کرنے والا ہو خواہ محرم اپنے مال سے حج کر رہا ہو یا عورت اس کا خرچ برداشت کرے، اسی طرح راستوں کا مامون ہونا بھی استطاعت میں داخل ہے، اگر راستہ میں بدامنی ہو جان و مال کا قوی خطرہ ہو تو حج کی استطاعت نہیں سمجھی جائے گی۔

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتَابِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیَاتِ اللّٰہِ سابق میں اہل کتاب کے عقائد فاسدہ کا بیان چل رہا تھا۔ درمیان میں حج کا ذکر آ گیا، اب پھر سابق عنوان کی طرف عود کیا اس آیت میں اہل کتاب سے خطاب ہے اور اس کا تعلق ایک واقعہ سے ہے۔

ابن اسحٰق نے اور زید بن اسلم سے ایک جماعت نے بیان کیا کہ ایک یہودی جس کا نام شماس بن قیس تھا جو اسلام اور مسلمانوں سے نہایت بغض اور کینہ رکھتا تھا ایک روز اس کا گزر ایک مجلس پر ہوا جس میں انصار کے دو قبیلہ اوس اور خزرج ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے شماس نے جب ان کی محبت اور الفت کو دیکھا تو حسد کی آگ سے جل بھن گیا، زمانہ جاہلیت میں ان دونوں قبیلوں میں شدید عداوت اور دشمنی رہتی تھی جنگ بعاث جو عرب کی مشہور لڑائی ہوئی ہے وہ انہی دونوں قبیلوں کے درمیان ہوئی تھی اور اس جنگ میں کامیابی اوس کو حاصل ہوئی تھی شماس بن قیس کو اوس اور خزرج کی محبت اور یگانگت ایک آنکھ نہ بھائی اور ان میں تفریق ڈالنے کی فکر میں لگا، آخر یہ تجویز کی کہ ان کے درمیان جنگ بعاث کا ذکر چھیڑا جائے اور اس موقع پر جو اشعار دونوں طرف سے اپنی اپنی مدح اور ثانی فریق کی ہجو میں پڑھے گئے تھے ان کو پڑھا جائے، چنانچہ ایک یہودی نوجوان جو اس کے ساتھ تھا اس سے کہا تو جا کر ان کے پاس بیٹھ جا پھر ان میں جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اس موقع پر جو اشعار پڑھے گئے تھے وہ پڑھے، ان اشعار کا پڑھنا تھا کہ ایک آگ سی بھڑک اٹھی، اور تو تو میں میں سے بات بڑھ کر ہاتھا پائی اور پھر لاٹھی ڈنڈوں تک نوبت پہنچ گئی، حتیٰ کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک ایک شخص میدان میں مبارزت کرتے ہوئے اتر پڑے، اوس بن قیظی بنی حارثہ کا ایک نوجوان اوس کی جانب سے اور ہبار بن صخر بنی سلمہ کا ایک نوجوان خزرج کی جانب سے، دونوں

قبیلوں کے دیگر افراد بھی شامل ہو گئے یہاں تک کہ لڑائی کا وقت اور محل طے ہو گیا، آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا: کیا اندھیر ہے میرے رہتے ہوئے، اور مسلمان ہونے اور آپس میں میل ملاپ اور محبت کے بعد یہ کیا جہالت ہے کیا تم اسی حالت میں کفر کی طرف عود کرنا چاہتے ہو، تب سب متنبہ ہوئے اور سمجھ گئے یہ سب شیطانی حرکت تھی، آپس میں ایک دوسرے کو گلے لگ کر بہت روئے اور توبہ کی اسی واقعہ میں مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (روح المعانی)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ بِاَنْ يُّطَاعَ فَلَا يُعْصٰى وَيُشْكَرَ فَلَا يُكْفَرَ وَيُذْكَرَ فَلَا يُنْسٰى فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّقْوٰى عَلٰى هٰذَا فَنُسِخَ بِقَوْلِهٖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ **وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ**﴿۱۰۲﴾ مُوَحِّدُوْنَ **وَاعْتَصِمُوْا** تَمَسَّكُوْا **بِحَبْلِ اللّٰهِ** اَيْ دِيْنِهٖ **جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا** بَعْدَ الْاِسْلَامِ **وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ** اِنْعَامَهٗ **عَلَيْكُمْ** يَا مَعْشَرَ الْاَوْسِ وَالْخَزْرَجِ **اِذْ كُنْتُمْ** قَبْلَ الْاِسْلَامِ **اَعْدَآءً فَاَلَّفَ** جَمَعَ **بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ** بِالْاِسْلَامِ **فَاَصْبَحْتُمْ** فَصِرْتُمْ **بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا** فِي الدِّيْنِ وَالْوِلَايَةِ **وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا** طَرَفِ **حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ** لَيْسَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْوُقُوْعِ فِيْهَا اِلَّا اَنْ تَمُوْتُوْا كُفَّارًا **فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا** بِالْاِيْمَانِ **كَذٰلِكَ** كَمَا بَيَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ**﴿۱۰۳﴾ **وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ** الْاِسْلَامِ **وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ** الدَّاعُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ النَّاهُوْنَ **هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ**﴿۱۰۴﴾ الْفَائِزُوْنَ وَمِنْ لِلتَّبْعِيْضِ لِاَنَّ مَا ذُكِرَ فَرْضُ كِفَايَةٍ لَا يَلْزَمُ كُلَّ الْاُمَّةِ وَلَا يَلِيْقُ بِكُلِّ اَحَدٍ كَالْجَاهِلِ وَقِيْلَ زَائِدَةٌ اَيْ لِتَكُوْنُوْا اُمَّةً **وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا** عَنْ دِيْنِهِمْ **وَاخْتَلَفُوْا** فِيْهِ **مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ** وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى **وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ**﴿۱۰۵﴾ **يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ** اَيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ** وَهُمُ الْكٰفِرُوْنَ فَيُلْقَوْنَ فِي النَّارِ وَيُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيْخًا **اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ** يَوْمَ اَخْذِ الْمِيْثَاقِ **فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ**﴿۱۰۶﴾ **وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ** وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ **فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ** اَيْ جَنَّتِهٖ **هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ**﴿۱۰۷﴾ **تِلْكَ** اَيْ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **بِالْحَقِّ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ**﴿۱۰۸﴾ بِاَنْ يَّاْخُذَهُمْ بِغَيْرِ جُرْمٍ **وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** مُلْكًا وَّخَلْقًا وَّعَبِيْدًا **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ** تَصِيْرُ **الْاُمُوْرُ**﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے بایں طور کہ اس کی اطاعت کی جائے اس کی نافرمانی نہ کی جائے اس کا شکر ادا کیا جائے ناشکری نہ کی جائے اور اس کو یاد رکھا جائے بھلایا نہ جائے تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کی کس کو قدرت ہے۔ تو اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قول فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم سے منسوخ کر دیا۔ اور تم جان نہ دینا بجز اس حال کے کہ تم مسلم موحد ہو اور اللہ کی رسی یعنی اس کے دین کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رہو اور اسلام

کے بعد باہم نااتفاقی نہ کرو اور اے اوس اور خزرج کے لوگو! اپنے اوپر اللہ کے انعام کو یاد کرو جب کہ تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے قلوب میں اسلام کی وجہ سے الفت ڈال دی تو تم اس کے انعام کی بدولت دین میں اور نصرت میں بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے کنارے پر تھے اور تمہارے دوزخ میں گرنے میں صرف اتنی دیر تھی کہ تم کفر کی حالت میں مرو تو تم کو دوزخ سے ایمان کے ذریعہ بچالیا اسی طرح جیسا کہ تمہارے لیے مذکورہ احکام بیان کیے اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم راہ یاب ہو جاؤ اور ضروری ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو خیر یعنی اسلام کی دعوت دیا کرے اور نیک کام کا حکم کیا کرے اور برائی سے روکا کرے یہی دعوت دینے والے حکم کرنے والے (برائی) سے روکنے والے لوگ کامیاب ہیں اور (مِنْكُم) میں مِنْ تبعیضیه ہے اس لیے کہ مذکورہ حکم فرض کفایہ ہے امت کے ہر فرد پر لازم نہیں ہے اور نہ ہر شخص کے لائق ہے جیسا کہ مثلاً جاہل کے۔ اور کہا گیا ہے کہ مِنْ، زائدہ ہے یعنی تا کہ تم ایک امت ہو جاؤ اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا کہ جنہوں نے بعد اس کے کہ ان کے پاس شواہد پہنچ چکے اپنے دین میں تفریق کر لی اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں انہیں کو عذابِ عظیم ہونا ہے روز قیامت کچھ چہرے سفید (روشن) ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے پھر جن کے چہرے سیاہ ہوں گے اور وہ کافر ہوں گے تو ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اور بطور توبیخ ان سے کہا جائے گا کیا تم ہی نے کفر کیا؟ یوم الست میں ایمان لانے کے بعد سو اپنے کفر کی پاداش میں عذاب چکھو۔ اور جن کے چہرے سفید (روشن) ہوں گے اور وہ مومن ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت جنت میں ہوں گے اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو اے محمد ہم تم کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ مخلوقات پر ظلم نہیں چاہتا کہ بغیر جرم کے ان سے مواخذہ کرے۔ اور ملک اور خلق اور مملوک ہونے کے اعتبار سے سب جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ ہی کیلئے ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: بانْ يُطَاعَ فَلَا يُعْصٰى (الخ) یہ کما حقہ تقویٰ کا بیان اور اس کی صورت کی وضاحت ہے۔

قَوْلُهُ: مُوَحِّدُوْنَ.

سُوَال: مُسْلِمُوْنَ، کی تفسیر مُوَحِّدُوْنَ، سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جَوَاب: مرتے وقت چونکہ سوائے توحید کے جو قلبی ارادہ کا نام ہے دوسری کوئی عملی نیکی نہیں ہو سکتی مثلاً نہ نماز پڑھی جا سکتی ہے اور نہ روزہ رکھا جا سکتا ہے اور نہ حج کیا جا سکتا ہے علی ہذا القیاس اسی مصلحت و حکمت کے پیش نظر مُسْلِمُوْنَ کی تفسیر مُوَحِّدُوْنَ سے کی ہے عمل توحید آخر وقت میں بھی ہو سکتا ہے۔

قَوْلُهُ: اِعْتَصِمُوْا، اعتصام سے ہے جمع مذکر حاضر، تم مضبوط پکڑلو۔

قَوْلُهٗ: الاوس والخزرج حارثہ یا ثعلبہ کے بیٹے دونوں حقیقی بھائی تھے، ان کی والدہ کا نام قیلہ تھا۔ یہ دراصل یمن کے ایک شہر مآرب کے باشندے تھے جو کہ ایک بہت سرسبز و شاداب علاقہ تھا جو یمن کے دارالسلطنت صنعاء سے تین منزل کے فاصلہ پر واقع تھا مشہور سدّ مآرب یہیں واقع تھا، جس کی وجہ سے اہل مآرب بڑی خوش حالی و فراخی کی زندگی گزارتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانیوں کے نتیجے میں اسی بند (ڈیم) کے ذریعہ ان کو اور ان کی معیشت کو تباہ کر دیا۔ اس بند کے ٹوٹنے کی وجہ سے یہ اطراف میں منتشر ہو گئے ان میں سے کچھ مدینہ آ کر آباد ہو گئے اور کچھ شام وغیرہ کی طرف نکل گئے۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل پیش آیا۔

قَوْلُهٗ: یوم اخذ المیثاق، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: یہود و نصاریٰ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے "كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اول ایمان لائے اس کے بعد وہ کافر ہوئے، حالانکہ وہ سرے سے ایمان نہیں لائے تھے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایمان سے مراد یوم میثاق کا ایمان ہے جو کہ "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کے جواب میں بلیٰ کہہ کر لائے تھے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

قَوْلُهٗ: شَفَا، گڑھے کا کنارہ، اس میں تذکیر و تانیث مساوی ہیں، شَفَا دراصل مذکر ہے مگر آیت میں اس کی طرف مؤنث کی ضمیر لوٹ رہی ہے اس لیے کہ اس نے اپنے مضاف الیہ حفرۃ سے تانیث کا اکتساب کر لیا ہے، اور کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے۔ (اعراب القرآن للدرویش)

استعارۃ تمثیلیه . وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ. میں استعارہ تمثیلیہ ہے، دین یا قرآن کو مضبوط رسّی سے تشبیہ دی ہے، جس طرح انسان مضبوط رسّی کو تھامنے کے بعد گرنے سے مامون و محفوظ رہتا ہے، اسی طرح دین صحیح اور قرآن کو تھامنے سے اخروی ہلاکت سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

اور رسّی کو پکڑنے سے مراد ہے قرآن اور دین پر اعتماد اور بھروسہ کرنا، یہ استعارہ ترشیحیہ ہے، اس لیے کہ استعارہ ترشیحیہ مشبہ بہ کے لیے اس کے مناسب کو ثابت کرنے کو کہتے ہیں، رسّی کے لیے مناسب ہے کہ اس کو تھاما جائے اسی طرح قرآن کے لیے مناسب ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔

صنعتِ طباق، اَعْدَاءً واخوانًا، میں صنعتِ طباق ہے اور اسی کو صنعتِ مقابلہ بھی کہتے ہیں۔

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، اس میں بھی صنعت طباق ہے امر اور نہی مقابل ہیں اسی طرح المعروف والمنکر مقابل ہیں۔ (اعراب القرآن)

استعارہ مکنیہ تبعیہ ''فَذُوْقُوا الْعَذَابَ'' اس میں عذاب کو کسی کڑوی چیز سے تشبیہ دی گئی ہے عذاب مشبہ ہے اور تلخ چیز مشبہ بہ ہے یہ استعارہ مکنیہ ہوا اور مشبہ بہ کے لازم ''ذوق'' کو باقی رکھا یہ استعارہ تبعیہ کے طور پر ہے۔

تفسیر وتشریح

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ اس کا مطلب ہے کہ اسلام کے احکام وفرائض پورے طور پر بجالائے جائیں اور منہیات کے قریب نہ جایا جائے۔

سعید بن جبیر سے ابن ابی حاتم نے روایت کیا کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ پریشان ہوئے اور اس پر عمل کرنا دشوار معلوم ہوا، حتی کہ ان کے پیر ورم کر گئے اور پیشانیاں زخمی ہوگئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے تخفیف کرتے ہوئے ''فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ'' نازل فرمائی۔ جس سے حق تقاتہ، منسوخ ہوگئی۔ لیکن اگر اسے ناسخ کے بجائے مبین (وضاحت کرنے والی) قرار دیا جائے تو زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہ نسخ وہیں ماننا چاہئے کہ جہاں دونوں آیتوں میں جمع وتطبیق ممکن نہ ہو، اور یہاں تطبیق ممکن ہے، معنی یہ ہوں گے ''اتقوا اللّٰہ حق تقاتہ ما استطعتم'' اللہ سے اس طرح ڈرو کہ جس طرح اپنی طاقت کے مطابق اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ (فتح القدیر)

حَقَّ تُقَاتِہٖ کیا ہے؟

اس کی تفسیر حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ فرمائی ہے جو مرفوعاً خود رسول اللہ ﷺ سے بھی منقول ہے، حَقَّ تُقَاتِہٖ ھُوَ اَنْ یُطَاعَ فَلَا یُعْصٰی وَیُذْکَرَ فَلَا یُنْسٰی وَیُشْکَرَ وَلَا یُکْفَر. حق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت ہر کام میں کی جائے، کوئی کام اطاعت کے خلاف نہ ہو اور اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے کبھی فراموش نہ کیا جائے اور ہمیشہ اس کا شکر ادا کریں کبھی ناشکری نہ کریں۔

حضرت ابن عباس اور طاؤس نے فرمایا کہ درحقیقت حق تقاتہ کی ہی تفسیر وتشریح ہے اتقوا اللّٰہ ما استطعتم اور مطلب یہ ہے کہ معاصی اور گناہوں سے بچنے میں اپنی پوری توانائی اور طاقت صرف کردے تو حق تقویٰ ادا ہوگیا، اگر کوئی شخص اپنی پوری توانائی صرف کرنے کے بعد کسی ناجائز کام میں مبتلا ہو ہی گیا ہے تو وہ حقوق تقویٰ کے خلاف نہیں۔

وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ، یعنی مرتے دم تک اللہ کی فرماں برداری اور وفاداری پر قائم رہو۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ، اللہ کی رسی سے مراد اس کا دین ہے اور اس کو رسی سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے

جوایک اہل ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بنا تا ہے، اس رسّی کو مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت دین کی ہو اسی سے ان کو دلچسپی ہو، اسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں اور اس کی خدمت کے لیے آپس میں تعاون کرتے رہیں، جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اس کی اقامت کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور ان کی دلچسپیاں جزئیات اور فروع کی طرف منعطف ہوئیں پھر ان میں لازماً تفرقہ واختلاف رونما ہو جائے گا۔ قرآن وحدیث کے فہم اور اس کی توضیح وتعبیر میں اختلاف یہ فرقہ بندی نہیں یہ اختلاف تو صحابہ اور تابعین کے عہد میں بھی تھا کیوں کہ اس اختلاف کے باوجود سب کا مرکز اطاعت اور محور عقیدت ایک ہی تھا قرآن اور حدیث۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جمیعًا. اتحاد واتفاق ایک ایسی چیز ہے جس کے محمود ومطلوب ہونے پر دنیا کے تمام انسانوں کا اتفاق ہے خواہ کسی ملک اور کسی زمانہ کے ہوں، کسی مذہب ومشرب سے تعلق رکھتے ہوں، اس میں دورائیں ہونے کا امکان ہی نہیں ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (الآية) یہ اشارہ اس حالت کی طرف ہے جس میں اسلام سے پہلے عرب مبتلا تھے، قبائل کی باہمی عداوتیں، بات بات پر ان کی لڑائیاں اور شب وروز کے کشت وخون جس کی وجہ سے قریب تھا کہ پوری عرب قوم نیست ونابود ہو جائے۔ زمانۂ جاہلیت کی جو لڑائیاں تاریخی روایات میں محفوظ ہوگئی ہیں ان کی تعداد (۱۷۰۰) ہے اس جنگ وجدال کی آگ میں جل مرنے سے اگر کسی چیز نے انہیں بچایا تو وہ یہی نعمت اسلام تھی۔ یہ آیات جس وقت نازل ہوئی ہیں اس سے تین چار سال پہلے ہی مدینہ کے لوگ مسلمان ہوئے تھے اور اسلام کی یہ جیتی جاگتی نعمت سب دیکھ رہے تھے، کہ اوس اور خزرج کے وہ قبیلے جو سالہا سال سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے باہم مل کر شیر وشکر ہو چکے تھے اور یہ دونوں قبیلے مکہ سے آنے والے مہاجرین کے ساتھ ایسے بے نظیر ایثار ومحبت کا برتاؤ کر رہے تھے جو ایک خاندان کے لوگ بھی آپس میں نہیں کرتے۔

فرنگی مصنفین کا اعتراف:

اپنی نوعیت کے انقلاب عظیم کا اعتراف آج فرنگی محققین بھی کر رہے ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی) جس طرح عرب قبل اسلام کی عداوتیں جو ضرب المثل تک پہنچی ہوئی تھیں اسی طرح بعد اسلام عرب کی آپس کی محبت، یگانگت، اخلاص بھی بے نظیر رہا، جہاں مکی مکی کا اور مدنی مدنی کا دشمن تھا وہاں اسلام نے مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار کو ایسا شیر وشکر کر دیا کہ دونوں واقعی بھائی بھائی معلوم ہونے لگے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ (الآية) سابقہ آیت میں ہر فرد کو ایک خاص انداز سے اپنی اصلاح کرنے کی ہدایت دی گئی کہ ہر شخص تقویٰ اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں (اسلام) سے مربوط ہو جائے۔ مذکورہ دو آیتوں میں ہدایت دی جارہی ہے کہ صرف اپنے اعمال وافعال کی اصلاح پر بس نہ کریں بلکہ اپنے دوسرے بھائیوں کی اصلاح کی فکر بھی ساتھ ساتھ رکھیں اسی صورت سے پوری قوم کی اصلاح بھی ہوگی اور ربط واتحاد کو بقاء وقیام بھی ہوگا۔

مسلمانوں کی قومی اور اجتماعی فلاح دو چیزوں پر موقوف ہے:

پہلے تقویٰ اور اعتصام بحبل اللہ کے ذریعہ اپنی اصلاح اور دوسرے دعوت و تبلیغ کے ذریعہ دوسروں کی اصلاح کی فکر۔
وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ، میں اسی دوسری ہدایت کا بیان ہے۔ سورۂ (والعصر) کی آیت (اِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ) میں اسی مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے۔

قومی اجتماعی زندگی کے لیے جس طرح حبل متین اور اس کا اعتصام ضروری ہے اسی طرح اس رشتہ کے قیام و بقا کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے بھائیوں کو احکام قرآن و سنت کے مطابق اچھے کاموں کی ہدایت اور برے کاموں سے روکنے کو ہر شخص اپنا فریضہ سمجھے تاکہ یہ رسی اس کے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ رسّی ٹوٹ نہیں سکتی ہاں البتہ چھوٹ سکتی ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے اس رسّی کے چھوٹنے کے خطرہ کے پیش نظر یہ ہدایت جاری فرمائی کہ ہر مسلمان جس طرح خود نیک عمل کرنے کو اور گناہ سے بچنے کو اپنا فرض سمجھتا ہے اس کو بھی ضروری سمجھے کہ دوسرے لوگوں کو بھی نیک عمل کی ہدایت اور برے عمل سے روکنے کی کوشش کرتا رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سب مل کر مضبوطی کے ساتھ اللہ کی رسی کو تھامے رہیں گے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، کسی نہ کسی درجہ میں چھوٹے پیمانہ پر تو ہر فرد امت پر فرض ہے، لیکن یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ ایک مستقل جماعت خاص اسی کام کے لیے ہونی چاہئے کہ مخلوق کو دعوت خیر دے اور برے کاموں سے روکے، کام کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ امت کا ہر فرد دعوت الی الخیر اور نہی عن المنکر کی پوری پوری ذمہ داری ادا کرے مگر اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت اور ضعف بشری کی رعایت کرتے ہوئے تمام مخلوق کے بجائے اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے ایک مخصوص جماعت مقرر فرمادی اور یہ اس لیے کیا کہ جن اوصاف اور شرائط کی ضرورت ہے کیا عجب کہ بہت سوں کے لیے دشوار ہو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا (الآية) اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلاف اور تفرقہ کی وجہ یہ نہ تھی کہ انہیں حق کا پتہ نہ تھا اور اس کے دلائل سے بے خبر تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے سب کچھ جانتے ہوئے محض اپنے دنیاوی مفاد اور نفسانی اغراض کے لیے اختلاف و تفرقہ کی راہ اختیار کی تھی، قرآن مجید نے مختلف اسلوب اور پیرائے میں اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

سیاہ چہرے والے اور سفید چہرے والے کون ہوں گے؟

ان کی تعیین میں مفسرین کے مختلف اقوال مذکور ہیں، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ مہاجرین و انصار کے چہرے

سفید ہوں گے اور بنی قریظہ اور بنی نضیر کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (قرطبی)

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس سے مراد خوارج ہیں یعنی سیاہ چہرے خوارج کے ہوں گے اور سفید چہرے ان لوگوں کے ہوں گے جن کو وہ قتل کریں گے۔ جب حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے تو حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شمار کر کے بتایا کہ اگر میں نے یہ حدیث سات مرتبہ نہ سنی ہوتی تو میں بیان نہ کرتا۔ (ترمذی)

كُنْتُمْ يا امة محمد في علم الله تعالى **خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ** اظهرت **لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ** الايمان **خَيْرًا لَّھُمْ ۭ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ** كعبد الله بن سلام واصحابه **وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ** ﴿۱۱۰﴾ الكافرون **لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ** اى اليهود يا معشر المسلمين بشيء **اِلَّآ اَذًى** باللسان من سب ووعيد **وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ** منهزمين **ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ** ﴿۱۱۱﴾ عليكم بل لكم النصر عليهم **ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا** حيثما وجدوا فلا عز لهم ولا اعتصام **اِلَّا** كائنين **بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ** المؤمنين وهو عهدهم اليهم بالامان على اداء الجزية اى لا عصمة لهم غير ذلك **وَبَاۗءُوْ** رجعوا **بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ** اى بسبب انهم **كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا** امر الله **وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ** ﴿۱۱۲﴾ يتجاوزون الحلال الى الحرام **لَيْسُوْا** اى اهل الكتاب **سَوَاۗءً ۭ** مستوين **مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ** مستقيمة ثابتة على الحق كعبد الله بن سلام واصحابه **يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ** اى في ساعاته **وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ** ﴿۱۱۳﴾ يصلون حال **يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ** الموصوفون بما ذكر **مِنَ الصّٰلِحِيْنَ** ﴿۱۱۴﴾ ومنهم من ليسوا كذلك وليسوا من الصالحين **وَمَا يَفْعَلُوْا** بالتاء ايها الامة وبالياء اى القائمة **مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ** بالوجهين اى تعدموا ثوابه بل تجازون عليه **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ** ﴿۱۱۵﴾ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ** تدفع **عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ** اى عذابه **شَيْــــًٔـا** وخصهما بالذكر لان الانسان يدفع عن نفسه تارة بفداء المال وتارة بالاستعانة بالاولاد **وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ** ﴿۱۱۶﴾ **مَثَلُ** صفة **مَا يُنْفِقُوْنَ** اى الكفار **فِيْ ھٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** في عداوة النبي صلى الله عليه وسلم اوصدقة ونحوه **كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْھَا صِرٌّ** حر او برد شديد **اَصَابَتْ حَرْثَ** زرع **قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ** بالكفر والمعصية **فَاَھْلَكَتْهُ ۭ** فلم ينتفعوا به فكذلك نفقاتهم ذاهبة لا ينتفعون بها **وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ** بضياع نفقاتهم **وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ** ﴿۱۱۷﴾ بالكفر الموجب لضياعها

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً اَصْفِيَاءَ تُطْلِعُوْنَهُمْ عَلٰى سِرِّكُمْ **مِّنْ دُوْنِكُمْ** اى غَيْرِكُمْ مِنَ الْيَهُوْدِ وَالْمُنَافِقِيْنَ **لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا** نُصِبَ بِنَزْعِ الْخَافِضِ اَىْ لَا يُقَصِّرُوْنَ لَكُمْ جُهْدَهُمْ فِى الْفَسَادِ **وَدُّوْا** تَمَنَّوْا **مَا عَنِتُّمْ** اى عَنَتَكُمْ وَهُوَ شِدَّةُ الضَّرَرِ **قَدْ بَدَتِ** ظَهَرَتِ **الْبَغْضَآءُ** الْعَدَاوَةُ لَكُمْ **مِنْ اَفْوَاهِهِمْ** بِالْوَقِيْعَةِ فِيْكُمْ وَاِطْلَاعِ الْمُشْرِكِيْنَ عَلٰى سِرِّكُمْ **وَمَا تُخْفِىْ صُدُوْرُهُمْ** مِنَ الْعَدَاوَةِ **اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ** عَلٰى عَدَاوَتِهِمْ **اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ** ﴿۱۱۸﴾ ذٰلِكَ فَلَا تُوَالُوْهُمْ **هٰٓا** لِلتَّنْبِيْهِ **اَنْتُمْ** يَا **اُولَآءِ** الْمُؤْمِنِيْنَ **تُحِبُّوْنَهُمْ** لِقَرَابَتِهِمْ مِنْكُمْ وَصَدَاقَتِهِمْ **وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ** لِمُخَالَفَتِهِمْ لَكُمْ فِى الدِّيْنِ **وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ** اى بِالْكُتُبِ كُلِّهَا وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِكِتَابِكُمْ **وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ** اَطْرَافَ الْأَصَابِعِ **مِنَ الْغَيْظِ** شِدَّةِ الْغَضَبِ لِمَا يَرَوْنَ مِنِ ائْتِلَافِكُمْ وَيُعَبَّرُ عَنْ شِدَّةِ الْغَضَبِ بِعَضِّ الْاَنَامِلِ مَجَازًا وَاِنْ لَمْ يَكُنْ ثَمَّ عَضٌّ **قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ** اى اِبْقُوْا عَلَيْهِ اِلَى الْمَوْتِ فَلَنْ تَرَوْا مَا يَسُرُّكُمْ **اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴿۱۱۹﴾ بِمَا فِى الْقُلُوْبِ وَمِنْهُ مَا يُضْمِرُهُ هٰؤُلَاءِ **اِنْ تَمْسَسْكُمْ** تُصِبْكُمْ **حَسَنَةٌ** نِعْمَةٌ كَنَصْرٍ وَغَنِيْمَةٍ **تَسُؤْهُمْ** تُحْزِنْهُمْ **وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ** كَهَزِيْمَةٍ وَجَدْبٍ **يَّفْرَحُوْا بِهَا** وَجُمْلَةُ الشَّرْطِيَّةِ مُتَّصِلَةٌ بِالشَّرْطِ قَبْلُ وَمَا بَيْنَهُمَا اِعْتِرَاضٌ وَالْمَعْنٰى اَنَّهُمْ مُتَنَاهُوْنَ فِى عَدَاوَتِكُمْ فَلِمَ تُوَالُوْنَهُمْ فَاجْتَنِبُوْهُمْ **وَاِنْ تَصْبِرُوْا** عَلٰى اَذَاهُمْ **وَتَتَّقُوْا** اللّٰهَ فِى مُوَالَاتِهِمْ وَغَيْرِهَا **لَا يَضُرُّكُمْ** بِكَسْرِ الضَّادِ وَسُكُوْنِ الرَّاءِ وَضَمِّهَا وَتَشْدِيْدِهَا **كَيْدُهُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **مُحِيْطٌ** ﴿۱۲۰﴾ عَالِمٌ فَيُجَازِيْهِمْ بِهٖ.

ترجمہ: اے امت محمد ﷺ تم اللہ کے علم میں بہترین جماعت ہو جن کو لوگوں کے لیے نکالا گیا تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی اللہ پر ایمان لے آتے تو ایمان لانا ان کے حق میں خوب ہوتا ان میں سے کچھ تو مومن ہیں جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ مگر اکثر ان میں سے نافرمان (یعنی کافر) ہیں۔ اے مسلمانو! یہ یہود زبانی گالی گلوچ اور دھمکی کی خفیف سی اذیت کے سوا تم کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اگر وہ تم سے مقابلہ کریں گے تو تمہیں پیٹھ دکھا کر شکست خوردہ ہو کر بھاگ جائیں گے پھر ان کو تمہارے خلاف مدد بھی نہ پہنچ سکے گی بلکہ تم کو ان کے خلاف مدد پہنچے گی، ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے خواہ وہ کہیں بھی پائے جائیں۔ ان کو عزت و استحکام حاصل نہ ہوگا۔ سوا اس کے کہ اللہ کی طرف سے کوئی عہد ہو یا لوگوں مسلمانوں کی طرف سے کوئی عہد ہو اور وہ جزیہ ادا کرنے کی صورت میں امن کا معاہدہ ہے۔ یعنی مذکورہ صورت کے علاوہ ان کو تحفظ حاصل نہ ہوگا۔ اور وہ اللہ کے غضب کو لے کر لوٹے اور ان پر خواری ڈال دی گئی۔ یہ (سب) اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کے منکر ہو جایا کرتے تھے اور نبیوں کو بلا وجہ قتل کر ڈالتے تھے۔ اور یہ (سب) اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرتے تھے سب اہل کتاب یکساں نہیں، ان ہی اہل کتاب میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو راہ راست پر قائم

ہے اور حق پر ثابت قدم ہے جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو شب کے اوقات میں بحالت نماز پڑھتے ہیں، یہ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں، اور برائی سے روکتے ہیں۔ اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں۔ یہ (یعنی) مذکورہ اوصاف کے حاملین ہی نیک لوگوں میں سے ہیں اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو ان صفات کے حامل نہیں ہیں اور نہ نیک لوگوں میں سے ہیں۔ اور جو کچھ بھی تم یا وہ یعنی امت قائمہ نیکی کرو گے اس کی ہرگز ناقدری نہ کی جائے گی دونوں صورتوں میں بایں طور کہ اس کے ثواب سے محروم کر دیئے جائیں بلکہ ان کو اس کا صلہ دیا جائے گا اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہرگز ان سے اللہ کے عذاب کو ذرا بھی ان کے مال اور ان کی اولاد دفع نہ کر سکیں گے اور ان دونوں کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا کہ انسان کبھی اپنی ذات کا دفاع مال دے کر کرتا ہے اور کبھی اولاد سے مدد طلب کر کے (کرتا ہے)۔ یہی لوگ تو دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ اور یہ کفار اس دنیوی زندگی میں نبی ﷺ کی عداوت میں صدقہ وغیرہ کے طور پر جو خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی ہے جس میں شدید سردی یا شدید گرمی ہو کسی قوم کی فصل کو لگ جائے جنہوں نے کفر و معصیت کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کیا ہو پھر وہ ہوا اس کھیتی کو برباد کر دے کہ جس سے وہ مستفید نہ ہو سکیں اسی طرح ان کے صدقات ہیں کہ ان کو ان صدقات سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ ان کے صدقات کو ضائع کر کے اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے کفر کے ذریعہ جو کہ نفقات کی بربادی کا سبب ہے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ اے ایمان والو! تم اپنوں کے علاوہ یہود و منافقین میں سے کسی کو گہرا دوست نہ بناؤ کہ وہ تمہارے رازوں سے واقف ہو جائیں وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، خَبَالاً، حذف جار کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی تمہارے ساتھ فساد میں کوئی کمی کوتاہی نہیں کریں گے۔ اور تم کو تکلیف پہنچنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ یعنی تمہارے دکھ کی اور وہ شدید نقصان ہے۔ اور تمہاری دشمنی تو ان کی زبان سے تمہاری غیبت کر کے اور مشرکوں کو تمہارے راز کی اطلاع کر کے ظاہر ہو چکی ہے اور جو عداوت وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ تو اور بھی بڑی ہے ہم تو تمہارے ساتھ ان کی عداوت کی نشانیاں کھول کھول کر بیان کر چکے ہیں اگر تم اس بات کو سمجھو گے تو ان کے ساتھ گہری دوستی نہ کرو گے، اے مومنو! تم تو ایسے ہو کہ ''ھا'' تنبیہ کے لیے ہے۔ ان کی تم سے رشتہ داری اور دوستی کی وجہ سے ان سے محبت رکھتے ہو۔ اور وہ دین میں تمہارے ساتھ مخالفت کی وجہ سے تم سے محبت نہیں رکھتے۔ اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور وہ تمہاری کتاب پر ایمان نہیں رکھتے، اور یہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر شدید غیظ سے انگلیاں (یعنی پوروے) کاٹ کاٹ کھاتے ہیں اس لیے کہ وہ تمہاری باہمی الفت کو دیکھتے ہیں، اور شدتِ غضب کو عضّ انامل سے مجازاً تعبیر کیا ہے اگرچہ اس موقع پر (حقیقت) میں انگلیاں کاٹنا نہ ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم غصہ میں مر جاؤ۔ یعنی تم تا مرگ غصہ میں مبتلا رہو، اور تم ہرگز خوش کن چیز نہ دیکھو گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے اور انہی باتوں میں سے وہ باتیں بھی ہیں جن کو یہ لوگ چھپائے ہوئے ہیں، اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پیش آجاتی ہے مثلاً نصرت اور غنیمت تو ان کو یہ بات غمزدہ کرتی ہے۔ اور اگر تم

پر کوئی بری حالت پڑتی ہے مثلاً شکست اور قحط سالی تو اس سے یہ خوش ہوتے ہیں اور جملہ شرطیہ (اِنْ تَمْسَسْكُمْ الخ) ماقبل شرط (وَاِذَا لَقُوْكُمْ الخ) سے متصل ہے اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ (اور وہ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ الخ) ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تمہاری دشمنی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ تو پھر تم ان سے (گہری) دوستی کیوں کرتے ہو؟ تم کو توان سے محتاط رہنا چاہئے۔ اور اگر تم ان کی ایذا رسانی پر صبر و تقویٰ اختیار کیے رہو اور ان سے دوستی وغیرہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کی چالیں تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی (لا يَضِرّ كم) ضاد کے کسرہ اور راء کے سکون اور ضاد کے ضمہ اور راء کی تشدید کے ساتھ (بھی قراءت ہے) بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا پورا علمی احاطہ کیے ہوئے ہے (يعملون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے۔ لہٰذا وہ تم کو (اور) ان کو جزاء دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ. اُمَّة. کا لفظ چونکہ عام ہے لہٰذا اصحابہ اور غیر صحابہ سب کو شامل ہے۔

قَوْلُهٗ: فی علم اللّٰه تعالیٰ.

سُؤَال: فی علم اللّٰه، کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: 'کنتم' ماضی کا صیغہ ایسے حدوث پر دلالت کرتا ہے جو مسبوق بالعدم اور منقطع بطریانِ العدم ہو اس لیے فی علم اللّٰه کے لفظ کا اضافہ کر دیا تاکہ مذکورہ شبہ دور ہو جائے اس لیے کہ اللہ کے علم کو نہ عدم سابق صحیح ہے اور نہ عدم لاحق۔

قَوْلُهٗ: کائنین، یہ لفظ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ بحبل من اللہ حال ہے۔

قَوْلُهٗ: لَاعَصَمَةَ لَهُمْ غیر ذلك. اس میں مستثنیٰ منہ محذوف کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُهٗ: باءو، بَوْءٌ، سے ماضی جمع مذکر غائب، وہ لوٹے۔

قَوْلُهٗ: يُصَلّون، حالٌ يسجدون کی تفسیر یصلون سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یسجدون بمعنی یصلون ہے اس لیے کہ سجدہ میں تلاوت نہیں ہوتی اور هـم مقدر مان کر حال ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ او جز اور مختصر یہ تھا کہ وَيَسْجدون کہتے۔

قَوْلُهٗ: بطانة. استر۔ بدن سے لگا ہوا کپڑا۔ یہ جگری دوست سے کنایہ ہے۔ جاء في الحديث. الأنصار شعار والناس دِثار. الشعار ثوبٌ على الجسدِ والدِثار فوقهٗ.

قَوْلُهٗ: الوقيعه جمع وقائع، فتنہ، غیبت۔

قَوْلُهٗ: ذلك اس میں اشارہ ہے کہ تفعلون کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُهٗ: فلا تُوَالُوْهُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ شرط کی جزاء محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وجملة الشرط متصلة بالشرط قبلُ. مطلب یہ ہے کہ شرط اور جملہ شرطیہ کے درمیان فصل بالاجنبی نہیں ہے اس لیے کہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے اور جملہ معترضہ کا درمیان میں آنا عام بات ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

صنعتِ طباق (مقابلہ) مذکورہ آیت میں متعدد طباق ہیں (تَامُرُوْنَ، تَنْهَوْنَ) (المعروف والمنکر) (المؤمنون والفسقون).

استعاره تصریحیه:

لاتتخذوا بطانة من دُوْنِكم۔ اس میں استعارہ تصریحیہ ہے بِطَانَةٌ کے اصل معنی استر، وہ کپڑا جو اندر کی جانب لگایا جاتا ہے۔ یہاں بطانة سے جگری دوست، رازدار کے معنی مراد ہیں، جگری دوست کو بطانة سے تشبیہ دی ہے۔

استعاره تمثیلیه:

وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ.

دشمن کی حالت غیظ و غضب کو نادم و متحیر کی انگشت بدنداں کیفیت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

خَبَالًا: الخَبَال بفتح الخاء، الفساد يقال خَبَلَهٗ وَخَبَّلَهٗ بالتخفيف والتشديد خَبَّلَهُ الشَّيطان، شیطان نے اس کو باؤلا، مجنون بنادیا۔

عَنِتُّمْ: العَنَتُ بفتح العين والنون. شدة الضرر والمشقة.

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (الآية) اس آیت میں امت مسلمہ کو خیر امت قرار دیا گیا ہے، اور اس کی علت بھی بیان کردی گئی ہے جو ایمان باللہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، مطلب یہ کہ اگر یہ امت، دعوت کی ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو یہ خیر امت کے لقب کی مستحق ہے بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پاسکتی ہے۔ اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت سے بھی اسی نکتے کی وضاحت معلوم ہوتی ہے یعنی جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے گا وہ اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا، اہل کتاب کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا "كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ" وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے۔

امر بالمعروف فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟

اکثر علماء کے نزدیک فرض کفایہ ہے یعنی علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ فرض ادا کرتے رہیں کیوں کہ معروف اور منکر شرعی کا صحیح علم علماء ہی رکھتے ہیں۔ ان کے فریضۂ تبلیغ و دعوت کی ادائیگی سے دیگر افراد امت کی طرف سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا جیسے جہاد بھی عام حالات میں فرض کفایہ ہے، یعنی ایک جماعت کی طرف سے اس فرض کی ادائیگی امت کی جانب سے ادائیگی ہو جائے گی۔

یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ بقرہ کے سترہویں رکوع میں بیان ہو چکا ہے، آپ ﷺ کے متبعین کو بتایا جا رہا ہے کہ دنیا میں امامت ورہنمائی کے جس منصب سے بنی اسرائیل کو ان کی نااہلی کی وجہ سے معزول کر دیا گیا۔ اس پر اب تم فائز کیے گئے ہو، اس لیے اخلاق و اعمال کے لحاظ سے اب تم دنیا میں سب سے بہتر جماعت بن گئے ہو اور تم میں وہ صفات پیدا ہو گئی ہیں جو امامت عادلہ کے لیے ضروری ہیں یعنی نیکی کو قائم کرنے اور بدی کو مٹانے کا جذبہ، لہٰذا اب یہ کام تمہارے سپرد ہے اور تمہارے اوپر لازم ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور ان غلطیوں سے بچو جو تمہارے پیش رو کر چکے ہیں۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ (الآية) بنی اسرائیل کی مغضوبیت اور پستی و ذلت، ان کی جانوں اور مالوں اور ان کی بے وقعتی اور ناقدری خلق اللہ کے دلوں میں پیدا ہو گئی ہے اور تاریخ کی شہادت ہے کہ یہود کی یہ ذلت اور پست حالی زمانۂ نزولِ قرآن تک رہی بلکہ اس کے بعد بھی صدہا سال اسی طرح قائم رہی، چنانچہ بیسویں صدی کے ثلث اول تک یہود کی جو گت جرمنی میں، ہنگری میں، اٹلی میں، زیکوسلواکیہ میں اور دیگر ملکوں میں باوجود ان کی خوشحالی اور زرداری کے بن چکی ہے وہ بجائے خود اس آیت کی تفسیر ہے اس کی مفصل تشریح سورۂ بقرہ کے رکوع ٦ میں گزر چکی ہے قند مکرر کے طور پر یہاں اتنا عرض ہے کہ اگر دنیا میں کہیں ان کو تھوڑا بہت امن چین نصیب ہوا بھی ہے تو وہ ان کے اپنے بل بوتے پر نہیں ہوا، بلکہ دوسروں کی حمایت اور مہربانی کا نتیجہ ہے قرآن کا فیصلہ ہے کہ یہود پر ذلت وخواری لگی رہے گی مگر دو صورتوں میں وہ اس ذلت سے بچ سکتے ہیں ایک اللہ کا عہد مثلاً نابالغ بچہ یا عورت یا گوشہ نشین راہب ہونے کی بنا پر بحکم خداوندی وہ قتل وغیرہ سے مامون ہیں، دوسرے بحبل من الناس لوگوں سے معاہدۂ صلح کی بنا پر ان کی ذلت وخواری کا ظہور نہ ہو اس جگہ قرآن کے الفاظ بحبل من الناس جو مومن اور کافر سب کو شامل ہیں اس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں سے معاہدۂ صلح کر کے بے فکر ہو جائیں، جیسا کہ حکومت اسرائیل کی موجودہ صورت حال ہے جو کہ کسی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں کہ اسرائیل کی حکومت امریکہ و برطانیہ وغیرہ کی ایک مشترکہ چھاؤنی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں اس کی جو قوت نظر آتی ہے وہ سب دوسروں کے بل بوتے پر ہے، اگر امریکہ برطانیہ، روس وغیرہ آج اس سے دست بردار ہو جائیں تو ایک دن بھی اسکا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. یہ ان کے کرتوت ہیں جن کی پاداش میں ان پر ذلت مسلط کی گئی۔

لَيْسُوْا سَوَآءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ (الآية) یعنی سارے اہل کتاب ایسے نہیں کہ جن کی مذمت پچھلی آیات میں بیان کی گئی ہے بلکہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اسد بن عبید اللہ، ثعلبہ بن سعید، اُسید بن سعید وغیرہ۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرف اسلام سے نوازا۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (الآية) ایک عام فہم اور ظاہر مثال سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ قیامت کے دن کافروں کے نہ کچھ مال کام آئے گا اور نہ اولاد حتّیٰ کہ رفاہی اور ظاہری بھلائی کے کاموں پر جو خرچ کرتے ہیں وہ بھی بے کار ہو جائیں گے اور ان کی مثال اس سخت پالے کی سی ہے جو ہری بھری کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے ظالم اس کھیتی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوتے ہیں اور اس سے نفع کی امید رکھتے ہیں کہ اچانک ان کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ اس مثال میں کھیتی سے مراد کشتِ حیات ہے جس کی فصل آدمی کو آخرت میں کاٹنی ہے۔ (الدنيا مزرعة الآخرة).

''ہوا'' سے مراد اوپری جذبۂ خیر ہے جس کی بنا پر کفار رفاہِ عام کے کاموں اور خیرات وغیرہ میں دولت صرف کرتے ہیں، اور ''پالے'' سے مراد صحیح ایمان اور ضابطۂ خداوندی کی پیروی کا فقدان ہے جس کی وجہ سے اس کی پوری زندگی غلط رخ پر پڑ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تمثیل سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ جس طرح ہوا کھیتیوں کی پرورش اور نشو ونما کے لیے مفید ہے لیکن اگر اسی ہوا میں پالا ہو تو وہ کھیتی کو پرورش کرنے کے بجائے اسے تباہ کر ڈالتی ہے اسی طرح خیرات بھی اگر چہ انسان کی کشتِ آخرت کو پرورش کرنے والی چیز ہے مگر جب اس کے اندر کفر وریا ونمود کا زہر ملا ہو تو یہی خیرات مفید ہونے کے بجائے الٹی مہلک بن جاتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (الآية) اے ایمان والو! مسلمانوں کے علاوہ کسی کو اپنا راز دار دوست نہ بناؤ۔

مدینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے ان کے ساتھ اوس اور خزرج کے لوگوں کے قدیم تعلقات تھے انفرادی طور پر بھی بعض کے بعض سے ذاتی تعلقات تھے اور اجتماعی بھی، جب اوس اور خزرج کے دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد بھی اوس اور خزرج کے تعلقات کو نبھاتے رہے لیکن یہودیوں کو حضرت خاتم الانبیاء ﷺ سے اور آپ کے لائے ہوئے دین سے جو عداوت تھی اس کی بناء پر انہوں نے انصار کے ساتھ تو بظاہر وہی تعلقات رکھے جو پہلے سے چلے آ رہے تھے مگر دل میں اب وہ ان کے دشمن ہو چکے تھے۔ اور اسی ظاہری دوستی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کس طرح مسلمانوں کی جماعت میں اندرونی فتنہ وفساد برپا کر دیں اور ان کے جماعتی راز معلوم کر کے ان کے دشمنوں تک پہنچائیں، اللہ یہاں ان کی منافقانہ روش سے مسلمانوں کو محتاط رہنے کی ہدایت فرما رہے ہیں اور ایک نہایت ہی اہم ضابطہ بیان فرماتے ہیں کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ یعنی ایمان والو! اپنے یعنی مسلمانوں کے علاوہ کسی کو گہرا دوست نہ بناؤ۔

اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ملت والوں کے سوا کسی کو اپنا معتمد اور مشیر نہ بناؤ کہ اس سے اپنے اور اپنی ملت وحکومت کے راز کھول دو، افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس آیت کے حکم پر عمل میں سستی اور مداہنت شروع کر دی

اور ابھی رسول اللہ ﷺ کو چند صدیاں بھی نہیں گزرنے پائی تھیں کہ سلطنت کے کاروبار میں کھلم کھلا مسیحیوں، مجوسیوں وغیرہ کو شریک کیا جانے لگا۔ امام قرطبی کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا ہے حسرت، قلق اور درد کے لہجے میں لکھتے ہیں۔

وقد انقلبت الاحوال فی هذه الازمان باتخاذ اهل الكتاب كتبة و امناء و تسودوا بذلك عند الجهلة الاغنياء من الولاة و الامراء. (قرطبی)

یہ حال اس زمانہ کا تھا، تو آج پندرہویں صدی ہجری میں جب کہ زندگی کے ہر شعبہ میں منکروں کا غلبہ اور تسلط مسلمانوں پر نمایاں ہے کیا حال ہوگا، اللہ تعالیٰ مسلمان حکمرانوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَ اذْكُرْ يَا مُحَمَّدُ **اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ** مِنَ الْمَدِيْنَةِ **تُبَوِّئُ** تُنْزِلُ **الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ** مَرَاكِزَ يَقِفُوْنَ فِيْهَا **لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** لِاَقْوَالِكُمْ **عَلِيْمٌ** (۱۲۱) بِاَحْوَالِكُمْ وَهُوَ يَوْمُ اُحُدٍ خَرَجَ صلى الله عليه وسلم بِاَلْفٍ اَوْ اِلَّا خَمْسِيْنَ رَجُلًا وَالْمُشْرِكُوْنَ ثَلَاثَةُ آلَافٍ وَنَزَلَ بِالشِّعْبِ يَوْمَ السَّبْتِ سَابِعَ شَوَّالٍ سَنَةَ ثَلَاثٍ مِنَ الْهِجْرَةِ وَ جَعَلَ ظَهْرَهُ وَعَسْكَرَهُ اِلَى اُحُدٍ وَ سَوّٰى صُفُوْفَهُمْ وَ اَجْلَسَ جَيْشًا مِنَ الرُّمَاةِ وَ اَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جُبَيْرٍ بِسَفْحِ الْجَبَلِ وَ قَالَ انْضَحُوْا عَنَّا بِالنَّبْلِ لَا يَاْتُوْنَا مِنْ وَرَائِنَا وَ لَا تَبْرَحُوْا غُلِبْنَا اَوْ نُصِرْنَا **اِذْ** بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهُ **هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ** بَنُوْسَلِمَةَ وَبَنُوْحَارِثَةَ جَنَاحَا الْعَسْكَرِ **اَنْ تَفْشَلَا** تَجْبُنَا عَنِ الْقِتَالِ وَ تَرْجِعَا لَمَّا رَجَعَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيِّ الْمُنَافِقُ وَ اَصْحَابُهُ وَ قَالَ عَلَامَ نَقْتُلُ اَنْفُسَنَا وَاَوْلَادَنَا وَ قَالَ لِاَبِيْ جَابِرٍ السَّلَمِيِّ الْقَائِلِ لَهُ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ فِيْ نَبِيِّكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ فَثَبَّتَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَمْ يَنْصَرِفَا **وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ** نَاصِرُهُمَا **وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ** (۱۲۲) لِيَثِقُوْا بِهٖ دُوْنَ غَيْرِهٖ وَنَزَلَ لَمَّا هُزِمُوْا تَذْكِيْرًا لَهُمْ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ **وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ** مَوْضِعٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ **وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ** بِقِلَّةِ الْعَدَدِ وَ السِّلَاحِ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** (۱۲۳) نِعَمَهُ **اِذْ** ظَرْفٌ لِنَصَرَكُمْ **تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ** تُوْعِدُهُمْ تَطْمِيْنًا لِقُلُوْبِهِمْ **اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ** يُعِيْنَكُمْ **رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ** (۱۲۴) بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **بَلٰٓى** يَكْفِيْكُمْ ذٰلِكَ وَ فِي الْاَنْفَالِ بِاَلْفٍ لِاَنَّهُ اَمَدَّهُمْ اَوَّلًا بِهَا ثُمَّ صَارَتْ ثَلٰثَةً ثُمَّ صَارَتْ خَمْسَةً كَمَا قَالَ تَعَالٰى **اِنْ تَصْبِرُوْا** عَلٰى لِقَاءِ الْعَدُوِّ **وَتَتَّقُوْا** اللّٰهَ فِي الْمُخَالَفَةِ **وَيَاْتُوْكُمْ** اَيِ الْمُشْرِكُوْنَ **مِّنْ فَوْرِهِمْ** وَقْتِهِمْ **هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ** (۱۲۵) بِكَسْرِ الْوَاوِ وَ فَتْحِهَا اَيْ مُعَلَّمِيْنَ وَقَدْ صَبَرُوْا وَ اَنْجَزَ اللّٰهُ وَعْدَهُ بِاَنْ قَاتَلَتْ مَعَهُمُ الْمَلٰئِكَةُ عَلٰى خَيْلٍ بُلْقٍ عَلَيْهِمْ عَمَائِمُ صُفْرٌ اَوْ بِيْضٌ اَرْسَلُوْهَا بَيْنَ اَكْتَافِهِمْ **وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ** اَيِ الْاِمْدَادَ **اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ** بِالنَّصْرِ **وَلِتَطْمَئِنَّ** تَسْكُنَ **قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ** فَلَا تَجْزَعُ مِنْ كَثْرَةِ الْعَدُوِّ وَ قِلَّتِكُمْ **وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ** (۱۲۶) يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَلَيْسَ بِكَثْرَةِ الْجُنْدِ **لِيَقْطَعَ** مُتَعَلِّقٌ بِنَصَرَكُمْ

ای لیُهلِكَ **طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا** بالقتل والأسر **اَوْ يَكْبِتَهُمْ** يُذِلَّهُمْ بالهزيمة **فَيَنْقَلِبُوْا** يَرْجِعُوا **خَآئِبِيْنَ** ﴿۱۲۷﴾ لم يَنَالُوا مَا رَامُوْهُ ونزل لَمَّا كُسِرَتْ رُبَاعِيَّتُهُ صلى الله عليه وسلم وَشُجَّ وَجْهُهُ يَوْمَ أُحُدٍ وقال كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ بِالدَّمِ **لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ** بل الأمرُ لله فاصْبِرْ **اَوْ** بمعنى إلى أن **يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ** بالأسلام **اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ** ﴿۱۲۸﴾ بالكفر **وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ** ملكًا وخلقًا وعبيدًا **يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ** المغفرة له **وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ** تعذيبه **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ** لأوليائه **رَّحِيْمٌ** ﴿۱۲۹﴾ بأهلِ طاعته.

ترجمہ: اور اے محمد ﷺ وہ وقت یاد کرو جب آپ مدینہ سے اپنے اہل کے پاس سے نکلے تھے، مسلمانوں کو قتال کے مناسب مراکز پر کھڑے کرتے ہوئے اور اللہ ان کے اقوال کو بڑا سننے والا اور ان کے احوال کو بڑا جاننے والا ہے اور یہ اُحد کا دن تھا۔ آپ ﷺ ہزار یا پچاس کم ہزار افراد کے ساتھ نکلے تھے، اور مشرکوں کی تعداد تین ہزار تھی ۳ھ کے ماہ شوال کی ساتویں تاریخ بروز شنبہ گھاٹی میں نزول فرمایا، اور اُحد پہاڑ کی جانب اپنی اور لشکر کی پشت رکھی، اور آپ ﷺ نے لشکر کی صفوں کو درست فرمایا، اور تیراندازوں کا ایک دستہ جس پر عبداللہ بن جبیر کو سالار نامزد فرمایا تھا پہاڑ کی ایک گھاٹی پر متعین فرمایا۔ اور فرمایا کہ تیراندازی کے ذریعہ (دشمن کو) منتشر کرکے تم ہمارا دفاع کرتے رہنا، تاکہ دشمن ہماری پشت کی جانب سے نہ آسکے، اور اپنی جگہ ہرگز نہ چھوڑنا خواہ ہم مغلوب ہوں یا غالب۔ جب تم میں سے دو جماعتیں، یہ اذ، سابقہ اذ، سے بدل ہے، بنوسلمہ اور بنوحارثہ جو کہ لشکر کے دو بازو تھے، یہ خیال کر بیٹھی تھیں کہ ہمت ہار دیں۔ یعنی قتال سے بزدلی دکھائیں اور واپس چلی جائیں۔ جب کہ عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ ہم کیوں اپنی جانوں کو اور اپنی اولادوں کو قتل کرائیں؟ اور (عبداللہ بن ابی) نے ابوحاتم سلمی سے کہا تھا کہ میں تم کو تمہاری جانوں اور تمہارے نبی کے بارے میں حفاظت کی قسم دیتا ہوں، کہا اگر ہم (اس کو) قتال سمجھتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ (یعنی یہ قتال نہیں ہلاکت ہے) تو اللہ تعالیٰ نے دونوں جماعتوں کو ثابت قدمی عطا فرمائی اور یہ لوگ واپس نہیں ہوئے، درانحالیکہ اللہ دونوں کا مددگار تھا اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر اعتماد کرنا چاہیے نہ کہ کسی اور پر، (آئندہ آیت) اللہ کی نعمتوں کو یاد دلانے کے لیے اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان شکست کھا گئے۔ اور یقیناً بدر میں جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی، حالانکہ تم تعداد میں اور آلات کے اعتبار سے کم تھے۔ اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اس کی نعمتوں کے شکر گزار بن جاؤ۔ اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب آپ مومنین کے قلوب کو مطمئن کرنے کے لیے مومنین سے وعدہ کررہے تھے، کیا تمہارے لیے کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار نازل کردہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے (منزلین) میں تخفیف اور تشدید دونوں قراءتیں ہیں۔ بے شک یہ مقدار تمہارے لیے کافی ہوگی۔ اور سورۂ انفال میں ہزار کا ذکر ہے۔ اس لیے کہ ابتداءً ان کی مدد ایک ہزار سے فرمائی تھی، پھر تین ہزار ہوگئے پھر پانچ ہزار، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم دشمن سے مقابلہ کے وقت صبر کرو اور اللہ کی مخالفت سے ڈرتے رہو اور مشرکین جب تمہارے اوپر اچانک

آپڑیں تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار نشان زدہ (منتخب) فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ واؤ۔ کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ۔ یعنی آداب حرب سیکھے ہوئے (پہلی صورت میں) یا تربیت یافتہ (دوسری صورت میں) اور ان لوگوں نے صبر کیا، اور اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ بایں طور کہ فرشتوں نے اَبلق گھوڑوں پر سوار ہو کر مشرکوں سے قتال کیا جو کہ زرد یا سفید عمامے باندھے ہوئے تھے۔ اور ان کے شملے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکے ہوئے تھے۔ اور یہ مدد تو اللہ نے اس لیے کی تا کہ تم خوش ہو جاؤ اور تا کہ تمہارے قلوب اس سے مطمئن ہو جائیں اور تم دشمن کی کثرت اور اپنی قلت کی وجہ سے نہ گھبراؤ۔ اور نصرت تو بس زبردست اور حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور وہ لشکر کی کثرت پر موقوف نہیں ہے۔ (اور یہ نصرت اس لیے تھی) تا کہ کفر کرنے والوں میں سے ایک گروہ کو قتل و قید کے ذریعہ ہلاک کر دے (لیقطع) نصر کم کے متعلق ہے یا شکست کے ذریعہ ان کو ذلیل کر دے اور وہ ناکام ہو کر واپس جائے اور وہ اپنے مطلوب کو نہ پا سکے۔ اور جب اُحد کے دن آپ ﷺ کی رباعی مبارک شہید ہو گئیں اور آپ کا چہرۂ انور زخمی ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا وہ قوم کس طرح فلاح یاب ہو گی کہ جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون آلود کر دیا۔ آپ کو اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں بلکہ معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پس آپ تو صبر کریں۔ خواہ ان کو اسلام کی توفیق دے کر ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے۔ 'اَو' بمعنی الی ان ہے۔ اس لیے کہ وہ کفر کی وجہ سے ظالم ہیں اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی ملک ہے۔ ملکیت کے اعتبار سے اور تخلیق کے اعتبار سے اور مملوکیت کے اعتبار سے۔ وہ جس کی مغفرت چاہتا ہے اس کی مغفرت کرتا ہے اور جس کو عذاب دینا چاہتا ہے اس کو عذاب دیتا ہے۔ اور اللہ اپنے دوستوں کو بڑا معاف کرنے والا اور اطاعت گزاروں پر رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: غَدَوْتَ، غَدْوٌ، سے ماضی واحد مذکر حاضر معروف۔ الغدو صبح کے وقت نکلنا۔

قِوْلُہٗ: تُبَوِّئُ، تَبوِیَۃ سے مضارع واحد مذکر حاضر، تو جگہ دیتا ہے، اتارتا ہے، جاتا ہے، اس کا تعدیہ مفعول ثانی کی طرف بنفسہٖ بھی ہوتا ہے اور بالام بھی۔

قِوْلُہٗ: اِذْھَمَّتْ طَآئِفَتَان، یہ اِذْ سابق اِذْغَدَوْتَ سے بدل ہے نہ کہ سمیع علیم سے جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے اس لیے کہ سمیع و علیم ہونا کسی زمان کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

قِوْلُہٗ: بدر، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک کنویں کا نام ہے۔ یہ کنواں بدر نامی ایک شخص کا تھا اسی کے نام سے یہ جگہ موسوم ہو گئی۔

قِوْلُہٗ: مُسَوِّمِیْنَ. واؤ کے کسرہ کے ساتھ، یعنی فرشتوں نے اپنے گھوڑوں کی دموں اور پیشانیوں پر اور اپنے اوپر لباس کے ذریعہ علامت لگائی ہوئی تھی، اور اگر واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہو تو مطلب ہو گا کہ وہ گھوڑے نشان زدہ تھے۔

قَوْلُہٗ: ای مُعْلَمِیْنَ یہ مُسَوِّمِیْنَ کی تفسیر ہے۔
قَوْلُہٗ: بُلْق، اَبْلَق کی جمع ہے، چتکبرا۔
قَوْلُہٗ: اَرْسَلُوْھَا بین اکتافھم یعنی اپنے عماموں کے شملے کمر پر لٹکائے ہوئے تھے۔
قَوْلُہٗ: اَوْ بمعنی اِلٰی أن، اَو، کو الی أن، کے معنی میں لینے کی وجہ یہ ہے کہ یَتُوْبَ، فعل ہے اور ماقبل میں اَلْاَمْر اور شیٔ، دونوں اسم ہیں لہٰذا فعل کا عطف اسم پر درست نہیں ہے اور معنی کے درست نہ ہونے کی وجہ سے لَیْسَ پر بھی عطف درست نہیں ہے۔ اور اَوْ بمعنی اِلٰی أن بکثرت مستعمل ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

غزوۂ اُحد:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِكَ، جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے جنگ اُحد کا واقعہ مراد ہے واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ شوال ۳ھ کے شروع میں کفار مکہ تقریباً تین ہزار مسلح لشکر جرار لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے، تعداد کی کثرت کے علاوہ ان کے پاس ساز و سامان بھی مسلمانوں کی بہ نسبت بہت زیادہ تھا اور اسکے علاوہ جنگ بدر کی ذلت آمیز شکست کے انتقام کا شدید جوش اور جذبہ بھی رکھتے تھے۔ خود نبی ﷺ اور تجربہ کار صحابہ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ ہی میں رہ کر مدافعت کی جائے عبداللہ بن ابی منافق کی رائے بھی یہی تھی۔ مگر چند نوجوانوں نے جو شہادت کے شوق سے بے تاب تھے اور جنہیں بدر کی جنگ میں شریک ہونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا آخر کار آپ ﷺ نے ان کے اصرار کی وجہ سے باہر نکل کر دفاع کرنے ہی کا فیصلہ فرمالیا اور جنگی لباس زرہ وغیرہ پہن کر آپ تیار ہوگئے اس وقت صحابہ کو احساس ہوا کہ آپ مجبوراً اپنی رائے کے برخلاف مدینے سے باہر نکل کر لڑنے پر تیار ہوئے ہیں، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اگر آپ مدینہ میں رہ کر دفاع کرنا پسند فرماتے ہیں تو ایسا ہی کیجئے۔ مگر آپ ﷺ نے جواب دیا کہ نبی جب حربی لباس پہن لیتا ہے تو اس کے لیے لائق نہیں کہ وہ اللہ کے فیصلہ کے بغیر واپس ہو یا لباس اتارے۔

ایک ہزار مجاہد آپ کے ساتھ نکلے، مگر مقام شوط پر پہنچ کر عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر عین اس وقت جب کہ دونوں لشکر آمنے سامنے تھے، یہ کہہ کر الگ ہوگیا کہ جب ہماری بات ہی نہیں مانی گئی تو خواہ مخواہ ہم اپنی جان کیوں گنوائیں؟ عبداللہ منافق کی بروقت اس حرکت سے اضطراب کا پھیل جانا ایک فطری بات تھی، حتیٰ کہ بنوسلمہ اور بنو حارثہ کے لوگ ایسے دل شکستہ ہوئے کہ انہوں نے بھی واپس جانے کا ارادہ کرلیا تھا، پھر اکابر صحابہ کی کوششوں سے یہ اضطراب رفع ہوگیا، ان باقی ماندہ سات سو افراد کے ساتھ نبی ﷺ آگے بڑھے اور اُحد کی پہاڑی کے دامن میں مدینہ منورہ سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر اپنی فوج کو اس طرح صف آرا کیا کہ اُحد پہاڑ پشت پر تھا، اور قریش کا لشکر سامنے پہلو میں صرف ایک درّہ تھا جس سے اچانک

حملہ کا خطرہ ہوسکتا تھا، وہاں آپ نے عبداللہ بن جبیر کی زیر قیادت پچاس تیرانداز بٹھا دیئے اور ان کو تاکید کردی کہ ہمارا خواہ کچھ بھی انجام ہو ہم ہاریں یا جیتیں تم اپنی جگہ مت چھوڑنا اس کے بعد جنگ شروع ہوئی۔

قریش بڑے اہتمام کے ساتھ میدان میں اترے، ان کی تین ہزار کی جمعیت تھی جن میں سات سو زرہ پوش تھے دو سو گھوڑسوار باقی شتر سوار تھے قبیلوں کے بڑے بڑے سردار تھے، ہمت بڑھانے اور جوش دلانے کے لیے عورتیں بھی شریک لشکر تھیں، ہاتھوں میں باجے لیے پرجوش ترانے گاتی جاتی تھیں، اور مقتولین بدر کے انتقام پر عزیزوں، قریبیوں کو ابھارتی تھیں۔ اسلامی فوج اس کے مقابلہ میں کل ایک ہزار سے بھی کم تھی اور سامان کی کیفیت یہ تھی کہ علاوہ آپ ﷺ کی سواری کے فوج میں صرف ایک گھوڑا اور تھا۔

ابتداءً مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا یہاں تک کہ مقابل کی فوج میں ابتری پھیل گئی، لیکن اس ابتدائی کامیابی کو کامل فتح تک پہنچانے کے بجائے مسلمان مال غنیمت حاصل کرنے کی فکر میں لگ گئے، ادھر جن تیراندازوں کو آپ ﷺ نے عقب کی حفاظت کے لیے بٹھایا تھا انہوں نے جو دیکھا کہ دشمن کے پیر اکھڑ گئے اور وہ بھاگ نکلا ہے اور غنیمت لٹ رہی ہے۔ تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف لپکے، حضرت عبداللہ بن جبیر نے ان کو نبی ﷺ کا تاکیدی حکم یاد دلایا، بہت روکا مگر چند آدمیوں کے سوا کوئی نہ رکا، اس موقع سے خالد بن ولید نے جو اس وقت لشکر کفار کے رسالہ کی کمان کر رہے تھے بروقت فائدہ اٹھالیا اور پہاڑ کا چکر کاٹ کر پہلو کے درہ سے حملہ کردیا عبداللہ بن جبیر اور ان کے ساتھیوں نے اس حملہ کو روکنے کی کوشش کی مگر مدافعت نہ کرسکے، اور یہ سیلاب یکا یک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا دوسری طرف بھاگا ہوا دشمن بھی پلٹ آیا اس طرح لڑائی کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا، اور مسلمان غیر متوقع صورت حال سے اس قدر سراسیمہ ہوئے کہ ایک بڑا حصہ پراگندہ ہوکر بھاگ نکلا تاہم چند بہادر صحابہ ابھی تک میدان میں ڈٹے ہوئے تھے، اتنے میں کہیں سے یہ افواہ اڑ گئی کہ نبی ﷺ شہید ہوگئے، اس خبر نے صحابہ کے رہے سہے حواس بھی گم کردیئے اور باقی ماندہ لوگ بھی بہت کم رہ گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے گرد صرف دس جاں نثار صحابہ رہ گئے تھے، اور آپ ﷺ خود زخمی ہوچکے تھے، شکست کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی، لیکن عین وقت پر صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ زندہ وسلامت ہیں چنانچہ وہ ہر طرف سے سمٹ کر آپ کے گرد جمع ہوگئے اور آپ کو بسلامت پہاڑ کی طرف لے آئے۔ لیکن اس موقع پر یہ معمہ باقی رہا اور آج تک معمہ ہی ہے جو حل طلب ہے کہ وہ کیا چیز تھی کہ کفار مکہ خود بخود واپس ہوگئے؟ مسلمان اس قدر پراگندہ ہوچکے تھے کہ ان کا دوبارہ مجتمع ہوکر جنگ کرنا مشکل تھا اگر کفار اس فتح کو کمال تک پہنچانے پر اصرار کرتے تو بظاہر ان کی کامیابی بعید نہ تھی۔ مگر نہ معلوم وہ کس طرح آپ ہی آپ میدان چھوڑ کر بھاگے اور واپس چلے گئے؟

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ. اس آیت میں اشارہ بنوسلمہ اور بنوحارثہ کی طرف ہے ان دونوں قبیلوں کا تعلق اوس اور خزرج سے تھا۔ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ایک طرف تین ہزار ہیں اور ہمارے صرف سات سو ہیں اور اسلحہ کے اعتبار سے بھی مسلمان، اہل مکہ کے مقابلہ میں نہتے جیسے تھے تو

مسلمانوں کے دل ٹوٹنے لگے تو اس وقت اللہ کے رسول ﷺ نے بذریعہ وحی یہ کلمات ارشاد فرمائے: مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا۔ حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے لہٰذا تم کو چاہئے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (الآیۃ) مسلمان بدر کی جانب محض قریش کے قافلہ پر جو غیر مسلح تھا چھاپہ مارنے نکلا تھا اس لیے کہ قریش مکہ نے یہ طے کیا تھا کہ اس قافلہ کی تجارت سے جو آمدنی ہوگی وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری میں صرف کی جائے گی اسی غرض کے پیش نظر اہل مکہ نے اس قافلہ کی تجارت میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگانے کی کوشش کی تھی، اسی لیے مسلمانوں نے اس قافلہ پر چھاپہ مار کر پورا مال ضبط کرنے کی کوشش کی اور یہ جنگی اصول کے عین مطابق ہے اور موجودہ دور میں بھی یہی سب کچھ ہوتا ہے، بلکہ صرف بہانہ بنا کر لوگوں اور حکومتوں کے غیر جنگی سامان کو جنگی سامان بتا کر ضبط کر لیا جاتا ہے۔

غزوۂ بدر کا خلاصہ اور اس کی اہمیت:

بدر، مدینہ منورہ سے جنوب مغرب میں تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر ایک کنویں کا نام ہے دراصل یہ کنواں بدر نامی ایک شخص کی ملکیت تھا اسی شخص کے نام سے اس کنویں کا نام بھی بدر ہو گیا، اس وقت اس کو اہمیت اس لیے حاصل تھی کہ یہاں پانی کی افراط تھی ساحل بحر احمر سے ایک منزل پڑاؤ اور منڈی کا نام ہے یہ مقام شام، مدینہ اور مکہ کی سڑکوں کا تراہا تھا اور قریش کے تجارتی قافلے اسی راستہ سے آمد و رفت کرتے تھے۔ توحید اور شرک کے درمیان یہیں سے پہلا معرکہ ۱۷ رمضان بروز جمعہ ۲ھ مطابق ۱۱ مارچ ۶۲۴ء کو پیش آیا تھا۔ اس غزوہ نے دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ فرنگی مؤرخوں نے بھی اس کی اہمیت کا اقرار کیا ہے۔ ہسٹورنیس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے ''فتوحات اسلامی کے سلسلہ میں جنگ بدر انتہائی اہمیت رکھتی ہے'' جلد ۸ ص ۱۲۲ (ماجدی) اور امریکی پروفیسر ہٹی (HATTI) کی ''ہسٹری آف دی عربس'' میں ہے، یہ اسلام کی سب سے پہلی فتح مبین تھی۔ (ص ۱۱۷)

مشرکین مکہ کے لشکر کی تعداد اور ان کے مسلح ہونے کی صورت حال کو سنکر مسلمانوں کی صفوں میں گھبراہٹ اور تشویش اور جوش کا ملا جلا ردعمل ہونا ایک قدرتی بات تھی اور ہوا بھی، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء اور فریاد کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک ہزار فرشتے اتارے اور مزید کا یہ وعدہ کیا کہ اگر تم صبر و تقویٰ پر قائم رہے تو فرشتوں کی یہ تعداد پانچ ہزار کر دی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مشرکین کا جوش و غضب برقرار نہ رہ سکا اس لیے حسب بشارت تین ہزار فرشتے اتارے گئے اور پانچ ہزار کی تعداد پوری کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ مقدار پوری کی گئی فرشتوں کو نازل کرنے کا مقصد براہ راست لڑائی میں حصہ لینا نہیں تھا بلکہ محض حوصلہ افزائی مقصود تھی ورنہ اگر فرشتوں کے ذریعہ مشرکوں کو ہلاک کرانا ہوتا تو اتنے فرشتے نازل

کرنے کی ضرورت نہیں تھی ایک فرشتہ ہی سب کو ختم کر دیتا۔ ایک فرشتہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری بستی کو تہس نہس کر کے ہلاک کر دیا تھا، چونکہ یہ جہاد کا مسئلہ تھا اور جہاد انسانوں ہی کو کرنا ہوتا ہے کہ وہ اجر وثواب کے مستحق ہوسکیں فرشتوں کا کام صرف ہمت افزائی اور حوصلہ بڑھانا تھا جو پورا ہوا۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً بِالْفِ وَدُوْنِهَا بِاَنْ تَزِيْدُوْا فِي الْمَالِ عِنْدَ حُلُوْلِ الْاَجَلِ وَتُؤَخِّرُوا الطَّلَبَ **وَّاتَّقُوا اللّٰهَ** بِتَرْكِهِ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ**﴿۱۳۰﴾ تَفُوْزُوْنَ **وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ**﴿۱۳۱﴾ اَنْ تُعَذَّبُوْا بِهَا **وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ**﴿۱۳۲﴾ **وَسَارِعُوْٓا** بِوَاوٍ وَدُوْنِهَا **اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ** اَىْ كَعَرْضِهِمَا لَوْ وُصِلَتْ اِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰى وَالْعَرْضُ السَّعَةُ **اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ**﴿۱۳۳﴾ اللّٰهَ بِعَمَلِ الطَّاعَاتِ وَتَرْكِ الْمَعَاصِىْ **الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ** فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ **فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ** اَىِ الْيُسْرِ وَالْعُسْرِ **وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ** الْكَافِّيْنَ عَنْ اِمْضَائِهٖ مَعَ الْقُدْرَةِ **وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ** مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ اَىِ التَّارِكِيْنَ عُقُوْبَتَهٗ **وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ**﴿۱۳۴﴾ بِهٰذِهِ الْاَفْعَالِ اَىْ يُثِيْبُهُمْ **وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً** ذَنْبًا قَبِيْحًا كَالزِّنَا **اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** بِمَا دُوْنَهٗ كَالْقُبْلَةِ **ذَكَرُوا اللّٰهَ** اَىْ وَعِيْدَهٗ **فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ** اَىْ لَا **يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا** لَا يُدِيْمُوْا **عَلٰى مَا فَعَلُوْا** بَلْ اَقْلَعُوْا عَنْهُ **وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ**﴿۱۳۵﴾ اَنَّ الَّذِىْ اَتَوْهُ مَعْصِيَةٌ **اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ** حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَىْ مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ **فِيْهَا** اِذَا دَخَلُوْهُ **وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ**﴿۱۳۶﴾ بِالطَّاعَةِ هٰذَا الْاَجْرُ وَنَزَلَ فِيْ هَزِيْمَةِ اُحُدٍ **قَدْ خَلَتْ** مَضَتْ **مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ** طَرَائِقُ فِي الْكُفَّارِ بِاِمْهَالِهِمْ ثُمَّ اَخْذِهِمْ **فَسِيْرُوْا** اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ **فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ**﴿۱۳۷﴾ الرُّسُلَ اَىْ اٰخِرُ اَمْرِهِمْ مِنَ الْهَلَاكِ فَلَا تَحْزَنُوْا لِغَلَبَتِهِمْ فَاَنَا اُمْهِلُهُمْ لِوَقْتِهِمْ **هٰذَا** الْقُرْاٰنُ **بَيَانٌ لِّلنَّاسِ** كُلِّهِمْ **وَهُدًى** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ**﴿۱۳۸﴾ مِنْهُمْ **وَلَا تَهِنُوْا** تَضْعُفُوْا عَنْ قِتَالِ الْكُفَّارِ **وَلَا تَحْزَنُوْا** عَلٰى مَا اَصَابَكُمْ بِاُحُدٍ **وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ** بِالْغَلَبَةِ عَلَيْهِمْ **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ**﴿۱۳۹﴾ حَقًّا وَجَوَابُهٗ دَلَّ عَلَيْهِ مَجْمُوْعُ مَا قَبْلَهٗ **اِنْ يَّمْسَسْكُمْ** يُصِبْكُمْ بِاُحُدٍ **قَرْحٌ** بِفَتْحِ الْقَافِ وَضَمِّهَا جَهْدٌ مِنْ جَرْحٍ وَنَحْوِهٖ **فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ** الْكُفَّارَ **قَرْحٌ مِّثْلُهٗ** بِبَدْرٍ **وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا** نُصَرِّفُهَا **بَيْنَ النَّاسِ** يَوْمًا لِفِرْقَةٍ وَيَوْمًا لِاُخْرٰى لِيَتَّعِظُوْا **وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ** عِلْمَ ظُهُوْرٍ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** اَخْلَصُوْا فِيْ اِيْمَانِهِمْ مِنْ غَيْرِهِمْ **وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ** يُكْرِمُهُمْ بِالشَّهَادَةِ **وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ**﴿۱۴۰﴾ الْكَافِرِيْنَ اَىْ يُعَاقِبُهُمْ وَمَا يُنْعِمُ بِهٖ عَلَيْهِمْ اِسْتِدْرَاجٌ **وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** يُطَهِّرُهُمْ مِنَ الذُّنُوْبِ بِمَا يُصِيْبُهُمْ **وَيَمْحَقَ** يُهْلِكَ **الْكٰفِرِيْنَ**﴿۱۴۱﴾ **اَمْ** بَلْ **حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا** لَمْ **يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ** عِلْمَ ظُهُوْرٍ **وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ**﴿۱۴۲﴾ فِي الشَّدَائِدِ **وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ** فِيْهِ حَذْفُ اِحْدَى التَّائَيْنِ

فِی الْاَصْلِ **الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ** حَیْثُ قُلْتُمْ لَیْتَ لَنَا یَوْمًا کَیَوْمِ بَدْرٍ لِنَنَالَ مَانَالَ شُهَدَاءُهُ **فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ** اَیْ سَبَبَهُ وَهُوَ الْحَرْبُ **وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ** ﴿۱٤۳﴾ اَیْ بُصَرَاءُ تَتَاَمَّلُوْنَ الْحَالَ کَیْفَ هِیَ فَلِمَ انْهَزَمْتُمْ.

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ بڑھتا چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو (مُضْعَفَةً) الف اور بغیر الف دونوں طریقوں پر ہے۔ اس طور پر کہ مدت پوری ہونے پر مالی مطالبہ بڑھا دو۔ اور مطالبہ میں مہلت دے دو۔ (اکلِ ربا) کو ترک کرکے اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اس آگ سے ڈرو جو (اصالۃ) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے کہ تم کو اس میں عذاب دیا جائے اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو کہ جس کی وسعت زمین وآسمان ہیں (سَارِعُوْا) میں قبل السین واؤ اور بدون واؤ دونوں (قراءتیں) ہیں۔ یعنی (جنت کی وسعت) ان دونوں کی وسعت کے مانند ہے اگر ایک دوسرے کے ساتھ ملا لیے جائیں، اور ''عرض'' کے معنی وسعت کے ہیں، عمل اطاعت اور ترک معاصی کرکے جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو فراغت اور تنگی (دونوں حالتوں) میں اللہ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں، (یعنی فراخ دستی اور تنگ دستی میں خرچ کرتے ہیں) اور غصہ کو پی جانے والے ہیں یعنی قدرت کے باوجود غصہ کو ضبط کرنے والے ہیں اور جن لوگوں نے ان پر ظلم کیا ہے ان کو درگذر کرنے والے ہیں یعنی اس کی سزا کو ترک کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اعمال کے ذریعہ نیکوکاروں سے محبت کرنے والا ہے یعنی ان کو ثواب عطا کرنے والا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی ناشائستہ حرکت یعنی ناپسندیدہ برائی کر بیٹھتے ہیں، مثلاً زنا یا زنا سے کم مثلاً بوسہ کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یعنی اس کی وعید کو یاد کر لیتے ہیں اور اپنے گناہوں سے معافی طلب کرنے لگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے؟ اور یہ لوگ اپنے کیے پر اڑ نہیں جاتے بلکہ اس سے باز آ جاتے ہیں حال یہ ہے کہ وہ اس کی (قباحت) کو جانتے ہیں کہ ان سے جو حرکت سرزد ہوئی ہے وہ گناہ ہے ایسے لوگوں کی جزاء ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب ان میں داخل ہو جائیں گے (خٰلِدِیْنَ) حال مقدرہ ہے یعنی ان کے لیے ان باغوں میں رہنا مقدر کر دیا گیا ہے، اطاعت گزاروں کے لیے یہ بہترین اجر ہے اور شکست احد کے بارے میں (آئندہ آیت) نازل ہوئی، تم سے پہلے بھی کفار کو مہلت دینے اور پھر گرفت کرنے کے واقعات گزر چکے ہیں تو اے مومنو! زمین میں چلو پھرو اور رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے انجام میں غور کرو یعنی ان کا انجام ہلاکت ہی ہوا۔ لہٰذا تم ان کے (وقتی) غلبہ سے کبیدہ خاطر نہ ہو میں ان کو (ان کی ہلاکت) کے وقت تک مہلت دے رہا ہوں۔ یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے بیان ہے۔ اور ان میں سے پرہیزگاروں کے لیے گمراہی سے ہدایت اور نصیحت ہے اور نہ ہمت ہارو یعنی کفار کے مقابلہ میں قتال میں کمزور نہ پڑو۔ اور احد میں جو کچھ تم کو پیش آیا اس سے غمزدہ نہ ہو اور اگر تم صحیح معنی میں مومن رہے تو ان پر فتح حاصل

کر کے تم ہی غالب رہو گے اور جواب شرط پر مجموعۂ ماقبل یعنی (فسیروا و لاتھنوا الخ) دلالت کرتا ہے یعنی اگر تم احد میں زخمی ہوئے (قَرح) میں قاف کے فتحہ کے ساتھ اور اس کے ضمہ کے ساتھ۔ زخم وغیرہ کی تکلیف۔ تو بدر میں کفار کو بھی اسی قسم کا زخم لگ چکا ہے اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں (یعنی) ادل بدل کرتے رہتے ہیں، ایک دن ایک فریق کے حق میں اور دوسرے دن دوسرے فریق کے حق میں، تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ (شکست اُحد) اس لیے تھی کہ مخلص مومنوں کو دوسروں (غیر مخلصوں) سے ممتاز کر کے ظاہر کر دے اور تم میں سے بعض کو شہادت عطا فرمائے اور بذریعہ شہادت ان کو اعزاز بخشے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں یعنی کافروں سے محبت نہیں کرتا یعنی ان کو سزا دے گا۔ اور ان پر جو کچھ انعام کیا جاتا ہے وہ ڈھیل ہے۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس تکلیف کے ذریعہ جو ان کو پہنچی گناہوں سے پاک وصاف کر دے اور کافروں کو ہلاک کر دے شاید تم اس خیال میں ہو کہ جنت میں داخل ہو گے حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے علم ظہور کے طور پر ان لوگوں کو جانا نہیں کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں؟ اور تکالیف میں صبر کرنے والے کون ہیں؟ جنگ سے پہلے تو تم موت کی آرزو کر رہے تھے، اصل میں ایک تاء کو حذف کر کے۔ جب تم نے کہا تھا کہ کاش ہمارے لیے بھی یوم بدر کے مانند ہوتا تاکہ ہم بھی وہ حاصل کرتے جو شہداء بدر نے حاصل کیا سو تم موت کو یعنی اس کے سبب کو کہ وہ حرب ہے کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے یعنی شکست کے اسباب میں غور وفکر کر رہے تھے کہ یہ شکست کن اسباب کی وجہ سے ہوئی، یعنی تم کیوں شکست کھا گئے؟

تَحقِیق وتَرکِیب وتَسہِیل وتَفسِیری فوائد

قِولَہٗ: کعرضِھما، اس میں اشارہ ہے کہ حرف تشبیہ اور مضاف محذوف ہے۔

سَوَال: مضاف محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَاب: تاکہ جنت کی وسعت کی تشبیہ ارض وسماوات کے ساتھ صحیح ہو جائے، اس لیے کہ عرضِ جنت مقولہ کم متصل یعنی مقدار سے ہے اور ارض وسماوات مقولہ جوہر سے ہے حالانکہ جواز تشبیہ کے لیے مقولہ کا متحد ہونا ضروری ہے، اور جب عرض محذوف مان لیا تو دونوں یعنی مشبہ اور مشبہ بہ مقولہ کم متصل سے ہو گئے۔ لہٰذا تشبیہ درست ہو گئی۔

قِولَہٗ: بِمَادونہ۔ اس حذف کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ عطف درست ہو جائے کیونکہ عطف کے لیے مغایرت ضروری ہے۔

قِولَہٗ: ای وَعِیْدہ اس اضافہ کا مقصد اس شبہ کا جواب ہے کہ اللہ کے ذکر سے استغفار ہی مراد لینا ضروری نہیں ہے۔

جَوَاب: ذکر سے مراد اس کی وعید کا ذکر ہے۔

قِولَہٗ: حال مقدرۃ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ، حال کے لیے مقارنت یعنی حال اور ذوالحال کا زمانہ متحد ہونا ضروری ہے،

حالانکہ خلودنفس جزاء کے ثبوت کے بعد ہوگا۔

جَوَابُ: ان کے لیے خلود مقدر کر دیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: وَجوابه دَلّ عليه مجموع ماقبلهٗ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَالُ: اِنْ كُنْتُمْ مومنین شرط ہے اس کی جزاء اگر ماقبل کا جملہ فَسِيْرُوْا فِي الارضِ الخ ہے تو یہ درست نہیں ہے اس لیے کہ ماقبل کے جملہ فَسِيْرُوا فی الارض سے مفہوم ہے۔

قَوْلُهُ: لِيَتَّعِظُوا، یہ لفظ محذوف مان کر مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ لِيَعْلَمَ کا عطف محذوف پر ہے۔

قَوْلُهُ: یکرمھم بالشهادة اس میں اشارہ ہے کہ شہداء شہید کی جمع ہے نہ کہ شاہد کی۔

قَوْلُهُ: بل، یعنی ام بمعنی بل ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ اَمْ منقطعہ ہے نہ کہ متصلہ کہ اس کو عدیل (مقابل) کی ضرورت ہو۔

قَوْلُهُ: ای بُصَرَاءُ.

سَوَالُ: فَقَدْ رَأَيْتُمُوْهُ کے بعد انتم تنظرون کہنے کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابُ: پہلی رویت سے مراد رویت بصری ہے، رَأَيْتُمُوْهُ کی ضمیر مفعولی موت کی طرف راجع ہے مگر موت چونکہ نظر آنے والی چیز نہیں اس لیے سبب مضاف محذوف مانا یعنی سبب موت، یعنی حرب کو دیکھ لیا اور انتم تنظرون سے صاحب بصیرت و علم و دانش ہونا مراد ہے لہٰذا معلوم ہو گیا کہ دونوں معنی الگ الگ ہیں۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتَاْكُلُوا الرِّبٰوا یہ کلام مستانف ہے بیان ربا کے لیے لایا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: الكاظمين، یہ كَظْمٌ کا اسم فاعل ہے، اس کے اصل معنی مشک وغیرہ بھر کر اس کا منہ بند کرنے کے ہیں تا کہ اندر کی چیز باہر نہ آ سکے، یہ كَظْمُ القِربة سے ماخوذ ہے۔

التنكيت فى التشبيه: أن يقصد المتكلم الى شئ بالذكر دون غيره مِمّا يَسُدّ مسده لِاَجل نُكْتَةٍ، وَاذا وَقَعَ فى التشبيه فقد بَلَغَ الْغَايَةَ، وَهوهنا فى قوله تعالىٰ. عَرْضُهَا السمٰوات والارض "فقد اَرادَ وَصْفَهَا بالسعةِ فخص عَرْضَهَا بالذكر دون الطول، وَانما عَدَلَ عن ذكر الطول. لأنه مستقر فى الاذهان أنّ االطول، اَدَل على السعة فإذا كان عَرْضُهَا مِمّا يَسَعُ السمٰوت والارض، فَما بالك بطولها.

قَوْلُهُ: لَا تَهِنُوْا، تم سست مت ہو جاؤ، تم کمزور مت پڑ جاؤ۔ وَهْنٌ، سے فعل نہی جمع مذکر حاضر۔

قَوْلُهُ: نُدَاوِ لُهَا، مُدَاوَلَت، سے مضارع جمع متکلم، ہم اس کو ادلتے بدلتے رہتے ہیں مادہ، دولةٌ۔

تفسیر وتشریح

ربط: چونکہ غزوۂ اُحد میں ناکامی کا بڑا سبب رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور عین کامیابی کے موقع پر مال کی طمع سے مغلوب ہو جانا تھا۔ اس لیے اللہ رب العزت نے اس حالت کی اصلاح کے لیے زر پرستی اور ناجائز طریقہ سے زراندوزی کے سرچشمہ پر بند باندھنا ضروری سمجھا۔ اور حکم دیا کہ سودخوری سے باز آجاؤ جس میں انسان رات دن اپنے نفع کے بڑھنے اور چڑھنے کا حساب لگاتا رہتا ہے اور جس کی وجہ سے انسان کے اندر مال کی حرص بے حد بڑھ جاتی ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً. اَضعَافًا مُضَاعَفَةً کی قید حرمت کے لیے بطور شرط کے نہیں ہے، بلکہ واقع کی رعایت کے طور پر ہے یعنی زمانہ جاہلیت میں ایسا کرتے تھے اس لیے اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً، کی قید بیان واقعہ کے لیے ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب ادائیگی کی مدت آجاتی اور ادائیگی ممکن نہ ہوتی تو مدت میں مزید اضافہ کے ساتھ سود میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا۔ جس سے سود کی رقم بڑھ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی اور ایک عام آدمی کے لیے اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس آگ سے ڈرو کہ جو درحقیقت کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے، اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اگر تم سودخوری سے باز نہ آئے تو یہ سودخوری تم کو کفر تک پہنچا سکتی ہے کیوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محاربہ ہے۔

سودخوری کے نقصانات:

سودخوری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سودخوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں (۱) سود لینے والوں میں حرص وطمع، بخل وخودغرضی اور (۲) سود دینے والوں میں نفرت اور غصہ اور بغض وحسد۔

انفاق فی سبیل اللہ کے فوائد:

سودخوری سے جو اوصاف فریقین میں پیدا ہوتے ہیں اس کے بالکل برعکس انفاق فی سبیل اللہ سے فیاضی، ہمدردی، فراخ دلی اور عالی ظرفی جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں، کون نہیں جانتا کہ ان دونوں صفات کے مجموعوں میں سے پہلا مجموعہ بدترین اور دوسرا مجموعہ بہترین ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ (الآیة) مطلب یہ ہے کہ محض خوشحالی میں ہی نہیں، تنگ دستی کی حالت میں بھی خرچ کرتے ہیں یعنی ہر حال اور ہر موقع پر خرچ کرتے ہیں، اور انتقام پر قدرت ہونے کے باوجود زیادتی کو معاف کر دیتے ہیں اور غصہ کو ضبط کر جاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً: یعنی جب ان سے بتقاضائے بشریت کسی غلطی یا گناہ کا صدور ہو جاتا ہے تو وہ فوراً استغفار کا اہتمام کرتے ہیں۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ: یہ آیت غزوۂ احد میں شکست کے بارے میں نازل ہوئی، غزوہ کی تفصیل سابق میں گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلُ: جب نبی کریم ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ہمتیں جواب دے گئیں اس حالت میں منافقین نے (جو مسلمانوں کے ساتھ لگے ہوئے تھے) کہنا شروع کر دیا کہ چلو عبد اللہ بن ابی کے پاس چلیں تاکہ وہ ہمارے لئے ابوسفیان سے امان دلا دے، اور بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ محمد (ﷺ) اگر خدا کے رسول ہوتے تو قتل کیسے ہوتے؟ چلو اب دین آبائی کی طرف لوٹ چلیں، ان ہی باتوں کے جواب میں ارشاد ہوا ہے کہ اگر تمہاری حق پرستی محض محمد ﷺ کی شخصیت سے وابستہ ہے تو اللہ کے دین کو تمہاری ضرورت نہیں ہے۔

وَنَزَلَ فِيْ هَزِيْمَتِهِمْ لَمَّا أُشِيْعَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قُتِلَ وَقَالَ لَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ إِنْ كَانَ قُتِلَ فَارْجِعُوْا إِلَى دِيْنِكُمْ **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ** كَغَيْرِهِ **انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ** رَجَعْتُمْ إِلَى الْكُفْرِ وَالْجُمْلَةُ الأَخِيْرَةُ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ الْإِنْكَارِيِّ أَيْ مَا كَانَ مَعْبُوْدًا فَتَرْجِعُوْا **وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا** وَإِنَّمَا يَضُرُّ نَفْسَهُ **وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ** (۱۴۴) نِعَمَهُ بِالثَّبَاتِ **وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** بِقَضَائِهِ **كِتٰبًا** مَصْدَرٌ أَيْ كَتَبَ اللّٰهُ **مُّؤَجَّلًا** مُؤَقَّتًا لَا يَتَقَدَّمُ وَلَا يَتَأَخَّرُ فَلِمَ انْهَزَمْتُمْ وَالْهَزِيْمَةُ لَا تَدْفَعُ الْمَوْتَ وَالثَّبَاتُ لَا يَقْطَعُ الْحَيٰوةَ **وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا** أَيْ جَزَاءَهُ مِنْهَا **نُؤْتِهٖ مِنْهَا** مَا قُسِمَ لَهُ وَلَا حَظَّ لَهُ فِي الْآخِرَةِ **وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا** أَيْ مِنْ ثَوَابِهَا **وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ** (۱۴۵) **وَكَاَيِّنْ** كَمْ **مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ قَاتَلَ وَالْفَاعِلُ ضَمِيْرُهُ **مَعَهٗ** خَبَرٌ مُبْتَدَؤُهُ **رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ** جُمُوْعٌ كَثِيْرَةٌ **فَمَا وَهَنُوْا** جَبُنُوْا **لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** مِنَ الْجِرَاحِ وَقَتْلِ أَنْبِيَائِهِمْ وَأَصْحَابِهِمْ **وَمَا ضَعُفُوْا** عَنِ الْجِهَادِ **وَمَا اسْتَكَانُوْا** خَضَعُوْا لِعَدُوِّهِمْ كَمَا فَعَلْتُمْ حِيْنَ قِيْلَ قُتِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم **وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ** (۱۴۶) عَلَى الْبَلَاءِ أَيْ يُثِيْبُهُمْ **وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ** عِنْدَ قَتْلِ نَبِيِّهِمْ مَعَ ثَبَاتِهِمْ وَصَبْرِهِمْ **اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا** تَجَاوُزَنَا الْحَدَّ **فِيْٓ اَمْرِنَا** إِيْذَانًا بِأَنَّ مَا أَصَابَهُمْ لِسُوْءِ فِعْلِهِمْ وَهَضْمًا لِأَنْفُسِهِمْ **وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا** بِالْقُوَّةِ عَلَى الْجِهَادِ **وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ** (۱۴۷) **فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا** النَّصْرَ وَالْغَنِيْمَةَ **وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ** أَيِ الْجَنَّةَ وَحُسْنُهُ التَّفَضُّلُ فَوْقَ الْاِسْتِحْقَاقِ **وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ** (۱۴۸)

ترجمہ: اور آئندہ آیت صحابہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب یہ بات مشہور ہوگئی کہ محمد ﷺ شہید کر دیئے گئے، اور صحابہ (مخلصین) سے منافقین نے کہا اب جب کہ محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے تو اپنے (سابق) دین کی طرف پلٹ جاؤ۔ تو (وَمَا محمدٌ اِلّا رسول الخ) نازل ہوئی۔ اور محمد تو بس ایک رسول ہیں، اور ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں سو اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے؟ یعنی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ اور آخری جملہ استفہام انکاری کے محل میں ہے۔ یعنی وہ معبود نہیں تھے (کہ اس کی موت کی وجہ سے) تم پلٹ جاؤ اور جو کوئی الٹے پاؤں (کفر کی طرف) پلٹ جائے گا تو وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا بلکہ خود اپنا نقصان کرے گا۔ اور اللہ عنقریب اس کی نعمتوں کے شکر گذاروں کو ثواب کی صورت میں اچھا صلہ دے گا۔ اور ممکن نہیں کہ کوئی جاندار مقررہ وقت پر قضائے الٰہی کے بغیر مر جائے (کتابًا) مصدر ہے یعنی اللہ نے موت کا وقت مقرر لکھ دیا ہے۔ موت نہ مقدم ہوتی ہے اور نہ مؤخر پھر تم کیوں ہمت ہار گئے؟ ہمت کا ہارنا موت کو نہیں ٹال سکتا، اور ثابت قدمی حیات کو ختم نہیں کر سکتی، اور جو شخص اپنے عمل سے دنیا کا فائدہ چاہتا ہے۔ یعنی دنیا کا صلہ چاہتا ہے تو ہم اس میں سے جو اس کی قسمت میں ہوتا ہے اس کو دیدیتے ہیں اور جو آخرت کا نفع چاہتا ہے تو ہم اس کو اس کا ثواب دیں گے اور ہم عنقریب شکر گذاروں کو صلہ دیں گے اور کتنے ہی نبی قتل کیے جا چکے ہیں اور ایک قراءت قاتَلَ ہے اور فاعل اس کی ضمیر ہے، کہ ان کے ساتھ میں بہت سے اللہ والے تھے۔ مَعَهٗ، خبر ہے اور ربّیون کثیرٌ، اس کا مبتدا ہے۔ بڑی جماعت۔

دوسرا ترجمہ: اور بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہو کر بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں۔ جو کچھ انہیں زخم اور ان کے انبیاء و اصحاب کا قتل اللہ کی راہ میں پیش آیا۔ اس سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ وہ جہاد میں کمزور پڑے اور نہ وہ اپنے دشمن سے دبے جیسا کہ تم نے کیا جب مشہور ہو گیا کہ آپ ﷺ شہید کر دیئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے یعنی ان کو اجر دیتا ہے ان کے نبی کے قتل کے وقت ان کی ثابت قدمی اور صبر کے باوجود ان کی دعاء تو بس اتنی تھی کہ وہ دعاء کرتے رہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہمارے معاملہ میں ہماری زیادتیوں یعنی ہمارے حد سے تجاوز کرنے کو معاف کر دے یہ ظاہر کرنے کے لیے جو کچھ ان کو پیش آیا ہے وہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہے اور اپنی کسر نفسی کو ظاہر کرنے کے لیے تھا۔ اور جہاد میں قوت دے کر ہم کو ثابت قدم رکھ اور ہم کو کافروں پر غلبہ عطا فرما سو اللہ نے ان کی دنیا کا بھی عوض دیا یعنی نصرت اور غنیمت، اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ دیا۔ اور وہ جنت ہے، اور ثواب کا حُسن، استحقاق سے بڑھ کر عطا کرنا ہے، اور اللہ نیکو کاروں سے محبت رکھتا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: الجملة الاخيرة محل الاستفهام الانكارى. مطلب یہ ہے کہ اَفَاِنْ مَاتَ، پر جو ہمزہ استفہام داخل ہے وہ دراصل اِنقَلَبْتُمْ عَلیٰ اَعْقَابِکُمْ. پر داخل ہے اور یہی محل استفہام ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے ''اِنْقَلَبْتُمْ عَلیٰ اَعْقَابِکُمْ اِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ الخ'' ای لاینبغی منکم الانقلاب والارتداد لان محمدًا ﷺ مبلغ لَا مَعْبُوْدٌ. لہٰذا اب یہ اعتراض واقع نہیں ہوگا کہ موت اور قتل سے سوال کے کیا معنی؟

قَوْلُہٗ: بقضائه، اِذن کی تفسیر قضاءٌ سے کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔

سَوَال: مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ، سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موت اس کے اختیار میں ہے اس لیے کہ موت کی نسبت نفس کی طرف کی گئی ہے۔

جَوَاب: اِذن بمعنی قضاء ہے۔

قَوْلُہٗ: مصدرٌ، یعنی کتابًا مفعول لہٗ نہیں ہے اس لیے کہ مفعول لہٗ کی صورت میں معنی درست نہیں۔ کتابًا مفعول مطلق برائے تاکید ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ''کَتَبَ الموتَ کتاباً مؤجّلًا'' مؤجّلًا کتابًا کی صفت ہے اور ابن عطیہ نے منصوب علی التمیز کہا ہے۔

قَوْلُہٗ: جزاء. یہ ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: اس شبہ کا جواب ہے کہ ثواب کا اطلاق اجر دنیا پر نہیں ہوتا ثواب کا اطلاق تو اجر آخرت پر ہوتا ہے۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ ثواب بمعنی جزاء ہے جس کا اطلاق اجر آخرت اور صلۂ دنیا دونوں پر ہوتا ہے۔ خاص بول کر عام مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: فيهـــا، کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ ثواب کی اضافت دنیا کی طرف اضافتِ مظروف الی الظرف ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا ہے کہ دنیا ثواب کا نہ فاعل ہے اور نہ مفعول لہٰذا ثواب کی اضافت دنیا کی طرف کیا معنی؟

نَوْٹ: بعض نسخوں میں جزاء منها کے بجائے جزاء فيها ہے جو زیادہ صحیح ہے مذکورہ تشریح جزاء فيها کے نسخہ کے مطابق کی گئی ہے۔

قَوْلُہٗ: كَاَيِّنْ یہ دراصل اَیٌّ تھا، اس پر کاف تشبیہ داخل کیا نون، نونِ تنوین ہے خلاف قیاس اس کو باقی رکھا ہے، كَاَيِّنْ بمعنی کم خبریہ برائے تکثیر ہے۔

قَوْلُہٗ: معه، خبر مقدم ہے اور ربّيون، مبتداء موخر ہے، مبتدا خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوْا الخ، قَوْلَهُمْ، كَانَ کی خبر مقدم اور اَنْ قَالُوْا بتاویل مصدر ہو کر كَانَ کا اسم موخر

ہے، ابن کثیر اور عاصم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ''قَوْلَهُمْ'' کو کان کے اسم ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے اس صورت میں ''اَنْ قالوا'' کان کی خبر ہوگی۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

اَلْاَعْقَاب. جمعُ عَقَبٍ، ایڑھی، الٹے پاؤں واپس ہونا، راہِ فرار اختیار کرنا۔ قصر موصوف على الصفت. فى اللغة: الحبس، وفى الاصلاح تخصيص احد الامرين على الآخر ونفيه عما عداه. وهو يقعُ للموصوف على الصفة وبالعكس، والآية من النوع الاول، اى قصر الموصوف على الصفة بالاضافة.

یعنی محمد ﷺ صفت رسالت پر ہی مقصور ہیں موت کی طرف متعدی نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کو بعید عن الهلاک سمجھتے تھے اور آپ کی جدائی کو امر عظیم سمجھتے تھے تو گویا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کے لیے دو وصف ثابت کیے، الرسالة، وعدم الهلاك، پھر تخصیص کے ذریعہ وصف رسالت پر مقصور کر دیا۔

قَوْلُہٗ: رِبِّیُّوْنَ. اللہ والے۔ خدا پرست، ہزاروں، جماعتیں، یہ رِبِّیٌّ کی جمع ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے معنی جماعتوں کے کیے ہیں۔ بقول قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ رِبّية کی طرف بطور مبالغہ منسوب ہے جس کے معنی جماعت کے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مجاہد اور قتادہ نے رِبِّیون کثیر، کے معنی جماعات کثیر، بیان کیے ہیں، صاحب جلالین نے بھی جموع کثیر، کہہ کر اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے، کلبی کا قول ہے کہ رِبّية دس ہزار کا ہوتا ہے۔
(لغات القرآن، ملخصًا)

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، محمد (ﷺ)، نام مبارک قرآن میں پہلی مرتبہ آیا ہے، اس کے لفظی معنی ہیں وہ شخص جس کی مدح بہت زیادہ یا بار بار کی جائے۔ یا جو صفات حسنہ کا مجموعہ ہو۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل اس نام کا رواج بہت کم تھا۔ علامہ ابوجعفر محمد بن حبیب بغدادی المتوفی ۲۴۵ھ نے کل سات آدمیوں کے نام گنائے ہیں۔ (کتاب المعتبر، بحوالہ ماجدی)

ان میں سے ایک شخص محمد بن سفیان بن مجاشع کی بابت لکھا ہے کہ اس کے والد نے ایک شامی راہب سے یہ سن کر کہ آئندہ پیغمبر کا نام محمد ہوگا یہ نام اپنے لڑکے کا رکھ دیا۔

كان سفيان اتى الشام فنزل على راهب فاعجبتهُ فصاحته وعقله فسأل الراهب عن نسبهٖ فانتسب له الىٰ مُضَرَ فقال له اَمَا انّه يُبْعَثُ فى العرب نبى يقال له محمد فسمّى سفيان اِبْنَه محمدًا. (ماجدی)

محمد ﷺ صرف رسول ہیں، یعنی ان کا امتیاز یہی وصف رسالت ہی ہے یہ نہیں کہ وہ بشری خصائص سے بالاتر اور خدائی صفات سے متصف ہوں کہ انہیں موت سے دوچار ہونا نہ پڑے۔

جنگ اُحد کی شکست کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کافروں نے یہ افواہ اڑا دی کہ محمد قتل کر دیئے گئے۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ابن قمیہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک پتھر مارا جس کی وجہ سے آپ کی رباعی مبارک (آگے کے چار دانت) شہید ہو گئے۔ اور قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا تو مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا دفاع کیا اور وہی صاحب الرایہ (پرچم بردار) تھے ابن قمیہ نے حضرت مصعب بن عمیر کو شہید کر دیا اور وہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ مقتول ہو گئے تو اس نے شور مچا دیا "قتلتُ محمدًا" اور کہا گیا ہے کہ شیطان نے شور مچا دیا کہ محمد قتل کر دیئے گئے۔ یہ خبر آناً فاناً مشہور ہو گئی۔ اس خبر کو سن کر مسلمانوں میں بددلی اور کم ہمتی پیدا ہو گئی اور لڑائی سے پیچھے ہٹنے لگے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی ﷺ کا کافروں کے ہاتھوں قتل ہو جانا یا ان کا موت سے دوچار ہو جانا کوئی نئی بات نہیں ہے پچھلے انبیاء بھی موت اور قتل سے دوچار ہو چکے ہیں، آپ ﷺ بھی بالفرض اگر اس سے دوچار ہو جائیں تو کیا تم اس دین ہی سے پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو جو پھر جائے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ نبی کریم ﷺ کے سانحۂ وفات کے وقت جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدت جذبات میں وفات نبوی کا انکار کر رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت حکمت سے کام لے کر منبر رسول ﷺ کے پہلو میں کھڑے ہو کر انہی آیات کی تلاوت کی جس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ متأثر بھی ہوئے اور انہیں محسوس ہوا کہ یہ آیات ابھی ابھی نازل ہوئی ہیں۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (الآية) یہ کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے والوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ موت تو اپنے وقت پر آ کر ہی رہے گی، پھر بھاگنے یا بزدلی دکھانے سے کیا فائدہ؟ اسی طرح دنیا طلب کرنے سے بقدر قسمت تو دنیا مل جاتی ہے لیکن آخرت میں کچھ نہیں ملے گا، اس کے برعکس آخرت کے طالبوں کو آخرت میں اخروی نعمتیں تو ملیں گی ہی دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ انہیں نعمتیں عطا فرمائے گا۔ آگے مزید حوصلہ افزائی کے لیے پچھلے انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کے صبر و استقامت کی مثالیں بیان فرمائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فيما يأمرونكم به يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ الى الكفر فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ناصركم وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ فاطيعوه دونهم سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بسكون العين و ضمها الخوف وقد عزموا بعد ارتحالهم من أحد على العود و استيصال المسلمين فرعبوا ولم يرجعوا بِمَآ اَشْرَكُوْا بسبب اشراكهم بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ حجة على عبادته وهو الاصنام وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى مأوى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الكافرين هي وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اياكم بالنصر اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ تقتلونهم بِاِذْنِهٖ بارادته حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ جبنتم عن القتال وَتَنَازَعْتُمْ اختلفتم فِي الْاَمْرِ اى أمر النبي صلى الله عليه وسلم وَعَصَيْتُمْ أمره فتركتم المركز لطلب الغنيمة مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ الله مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ من النصر

وجوابُ اذا دلَّ عليه ماقبلهُ اى منعكم نصرهُ **مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا** فترك المركز للغنيمة **وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ** فثبت به حتى قُتل كعبدِ اللهِ بن جُبَيْر و أصحابه **ثُمَّ صَرَفَكُمْ** عطف على جواب اذا المُقدّر ردّكم بالهزيمة **عَنْهُمْ** اى الكفار **لِيَبْتَلِيَكُمْ** ليمتحنكم فيظهر المُخلص من غيره **وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ** ماارتكبتموه **وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۱۵۲﴾ بالعفو اُذكروا **اِذْ تُصْعِدُوْنَ** تُبعدون في الارض هاربين **وَلَا تَلْوٗنَ** تعرّجون **عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ** اى من ورائكم يقولُ الىَّ عبادَ اللهِ الىَّ عبادَ اللهِ **فَاَثَابَكُمْ** فجازاكم **غَمًّا** بالهزيمة **بِغَمٍّ** بسبب غمّكم الرسولَ بالمخالفة وقيل الباءُ بمعنى على اى مُضاعفاً على غمّ فوتِ الغنيمة **لِّكَيْلَا** متعلّق بعفا او باثابكم فلازائدة **تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ** من الغنيمة **وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ** من القتل والهزيمة **وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۵۳﴾ **ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى** بالياء والتاء **طَآئِفَةً مِّنْكُمْ** وهم المؤمنون فكانوا يميدون تحت الجحف وتسقط السيوف منهم **وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ** اى حملتهم على الهم فلا رغبة لهم الا انجاتُها دون النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه فلم يناموا وهم المنافقون **يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ** ظنًّا **غَيْرَ** الظن **الْحَقِّ ظَنَّ** اى كظنّ **الْجَاهِلِيَّةِ** حيث اعتقدوا أنّ النبي قُتل اولا يُنصر **يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ** اى النصر الذي وُعدناه **مِنْ** زائدة **شَيْءٍ قُلْ** لهم **اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ** بالنصب توكيد اوالرفع مُبتدأ خبرهُ **لِلّٰهِ** اى القضاءُ له يفعلُ مايشاءُ **يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ** يُظهرون **لَكَ يَقُوْلُوْنَ** بيانٌ لما قبلهُ **لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا** اى لو كان الاختيارُ الينا لم نخرج فلم نُقتل لكن اُخرجنا كرهًا **قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ** وفيكم من كتبَ اللهُ عليه القتلُ **لَبَرَزَ** خرج **الَّذِيْنَ كُتِبَ** قُضي **عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ** منكم **اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ** مصارعهم فيُقتلوا ولم يُنجهم قعودُهم لانّ قضاءهُ تعالى كائنٌ لامحالة وفعل مافعل بأحدٍ **وَلِيَبْتَلِيَ** يختبر **اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ** في قلوبكم من الاخلاص والنفاق **وَلِيُمَحِّصَ** يميز **مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴿۱۵۴﴾ بما في القلوب لايخفى عليه شئٌ وانما يبتلى ليظهر للناس **اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ** عن القتال **يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ** جمعُ المسلمين و جمعُ الكافرين بأحدٍ وهم المسلمون الاّاثنى عشر رجلاً **اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ** ازلّهم **الشَّيْطٰنُ** بوسوسته **بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا** من الذنوب وهو مُخالفة امر النبي صلى الله عليه وسلم **وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** للمؤمنين **حَلِيْمٌ** ﴿۱۵۵﴾ لايعجل على العصاة.

ترجمہ: اے ایمان والو اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تم کو تمہاری ایڑیوں کے بل کفر کی طرف پلٹا دیں گے (یعنی مرتد بنا دیں گے) اور تم زیاں کاروں میں ہو جاؤ گے بلکہ اللہ ہی تمہارا مددگار ہے اور وہی تمہارا بہترین مددگار ہے لہٰذا اسی کی

اطاعت کرو نہ کہ دوسروں کی۔ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالدیں گے (رعب) عین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ ہے یعنی خوف۔ اُحد سے پلٹنے کے بعد انہوں نے (احد) واپس آنے اور مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم کیا تھا مگر مرعوب ہوگئے جس کی وجہ سے واپس نہیں آئے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرنے کی وجہ سے جن کے بارے میں ان کی عبادت پر (اللہ نے) کوئی دلیل نہیں اتاری اور وہ بت ہیں۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور ظالموں کافروں کا یہ برا ٹھکانہ ہے اور یقیناً اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب کہ تم انہیں اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم نے قتال سے پست ہمتی دکھائی اور معاملہ میں اختلاف کرنے لگے یعنی پہاڑ کی گھاٹی میں نبی کریم ﷺ کے حکم کے مطابق تیراندازی کے لیے رہنے کے بارے میں اختلاف کرنے لگے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہا ہم جاتے ہیں اس لیے کہ ہمارے ساتھی کامیاب ہوگئے، اور بعض نے کہا ہم نبی کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ اور تم نے نافرمانی کی، مال غنیمت کی طلب میں مرکز کو چھوڑ دیا۔ بعد اس کے کہ اللہ نے تم کو تمہاری محبوب چیز (یعنی) نصرت دکھادی اور جواب اِذا (محذوف ہے) جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے (اور وہ جواب) مَنَعَکُمْ نَصْرَہٗ ہے تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے تو انہوں نے مالِ غنیمت کے لیے مرکز کو چھوڑ دیا۔ اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا تو وہ اس مقام پر ڈٹے رہے حتی کہ شہید کر دیئے گئے جیسا کہ عبداللہ بن جبیر اور ان کے ساتھی پھر تم کو کافروں سے شکست کے ساتھ پھیر دیا اِذا کے جوابِ مقدر (مَنَعَکُمْ نَصْرَہٗ) پر عطف ہے، تاکہ تمہیں آزمائے جس کے نتیجے میں مخلص غیر مخلص سے ممتاز ہوجائے۔ اور بلاشبہ اللہ نے تمہارے جرم کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنین پر عفو و درگذر کے ذریعہ فضل کرنے والا ہے اس وقت کو یاد کرو کہ جب تم میدان سے بھاگے چلے جارہے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور (اللہ کے) رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے آواز دے رہے تھے فرما رہے تھے۔ اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ اے اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔ تو تمہیں غم پر غم پہنچا ایک غم ہزیمت کی وجہ سے (اور دوسرا) غم تمہارے رسول کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے اور کہا گیا ہے کہ باء، بمعنی علیٰ، ہے یعنی فوتِ غنیمت پر مزید غم تاکہ تم رنجیدہ نہ ہو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی اور وہ مال غنیمت ہے اور نہ اس پر جو تم کو قتل و ہزیمت پیش آئی۔ (اس صورت میں) لِکَیْلَا کا تعلق عَفَا عَنْکُمْ، سے ہوگا۔ یا اس کا تعلق اَثَابَکُمْ سے ہے۔ تو اس صورت میں، لا، زائدہ ہوگا۔ اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر راحت کی نیند نازل کی نُعَاسًا اَمَنَۃً سے بدل ہے جو تم میں سے ایک جماعت پر چھا گئی یَغْشٰی یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور وہ مومن تھے۔ کہ وہ (اپنی) ڈھالوں کے نیچے (نیند کے) جھونکے مار رہے تھے اور تلواریں (ان کے ہاتھوں) سے گر گر پڑتی تھیں۔ اور ایک جماعت وہ تھی کہ اسے اپنی جانوں کی پڑی تھی یعنی وہ غم میں مبتلا تھے انہیں تو صرف اپنی جان بچانے کی فکر تھی نہ نبی ﷺ کی پڑی تھی اور نہ اصحاب نبی کی، چنانچہ ان کو نیند نہیں آئی اور وہ منافق تھے، وہ اللہ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کر رہے تھے بایں طور کہ انہوں نے یقین کرلیا تھا کہ نبی قتل کر دیئے گئے یا ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ (اور) کہہ رہے تھے کہ جس نصرت کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا اس میں سے کچھ نہیں ہے (دوسرا ترجمہ) کہ ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے؟، مِنْ، زائدہ

ہے آپ کہہ دیجئے ان سے کہ اختیار تو سارا کا سارا اللہ کا ہے، کُلَّہٗ، نصب کے ساتھ تاکید کے لیے ہے اور رفع کے ساتھ مبتداء ہے جس کی خبر للّٰہ ہے، یعنی حکم تو صرف اللہ کا ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ لوگ اپنے دلوں کے بھید آپ کو نہیں بتاتے کہتے ہیں کہ یہ ماقبل کا بیان ہے کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ یعنی اگر ہم کو اختیار ہوتا (یعنی اگر ہماری بات چلتی) تو ہم (مدینہ) سے نہ نکلتے تو قتل بھی نہ کیے جاتے، لیکن ہم کو زبردستی یہاں لایا گیا، آپ ان سے کہہ دیجئے اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو تم میں سے جس کی قسمت میں قتل ہونا لکھا ہوا تھا تو وہ مقتل کی طرف نکل کھڑے ہوتے، اور قتل کیے جاتے، (یعنی) تم میں سے اللہ نے جس کے قتل کا منصوبہ کر دیا، ان کا (گھروں) میں بیٹھ رہنا ان کو نہ بچا سکتا اس لیے کہ تقدیر الٰہی لامحالہ نافذ ہو کر رہتی ہے۔ اور اُحد میں اس کو جو کرنا تھا وہ کیا۔ (اور یہ سب اسی لیے ہوا) کہ اللہ تمہارے سینوں میں جو اخلاص و نفاق ہے اس کی آزمائش کرے اور تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے صاف کرے (ممتاز کرے) اور اللہ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ یعنی دلوں میں جو کچھ ہے وہ اس سے مخفی نہیں۔ اور آزمائش تو صرف اس لیے ہے کہ لوگوں پر ظاہر کرے۔ یقیناً تم میں سے جو لوگ دونوں جماعتوں کے مقابلہ کے وقت احد میں قتال سے پھر گئے تھے (دونوں جماعتوں سے مراد) مسلمانوں اور کافروں کی جماعتیں ہیں اور بارہ افراد کے علاوہ سب مسلمان پلٹ گئے تھے۔ ان لوگوں کو ان کے بعض کرتوتوں کی وجہ سے شیطان نے وسوسے کے ذریعہ پھسلا دیا اور (وہ کرتوت) آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں یقیناً معاف کر دیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنین کو معاف کرنے والے اور حلیم ہیں (یعنی) نافرمانوں سے مواخذہ میں جلدی نہ کرنے والے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بسبب اشراکھم، اس میں اشارہ ہے کہ بما، میں باسببیہ اور ما مصدریہ ہے، لہٰذا اس کو عائد کی ضرورت نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: ھِیَ، مخصوص بالذم ہے۔

قَوْلُہٗ: تَحُسُّوْنَھُمْ ای تَقْتُلُوْنَھُمْ یہ حَسَّ یَحُسُّ (ن) سے مشتق ہے اس وقت بولتے ہیں جب حس کو باطل کر دے۔ اور حس قتل سے باطل ہوتی ہے ملزوم بول کر لازم مراد ہے۔ قال جریر۔

تَحُسُّھُمُ السیوف کما تسامی عریق النار فی الاجم الحصید

قَوْلُہٗ: جواب اذا، دل علیہ ماقبلہٗ، یعنی اذا کا جواب ماقبل میں مذکور نہیں ہے کہ جزا کا شرط پر مقدم ہونا لازم آئے بلکہ مقدر ہے جس پر ماقبل دلالت کرتا ہے اور وہ دال "لَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ" ہے اور مدلول جو کہ مقدر ہے یہ ہے "مَنَعَکُمْ نَصْرَہٗ" ہے جیسا کہ صاحب جلالین نے ظاہر فرما دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: عطف علی جواب اذاالمقدر، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ صَرَفکم، کا عطف اذا کے جواب مقدر پر ہے اس لیے کہ اس کا ماقبل مضارع ہے اور صَرَفکم، ماضی ہے لہٰذا ماقبل پر عطف نہیں ہوسکتا۔

قَوْلُہٗ: مِنْ وَرَائِکُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ فی بمعنی مِنْ ہے۔

قَوْلُہٗ: متعلق بعفَا او بأثابکم فلا زائدۃ اگر لکیلا کا تعلق عفا سے مانا جائے تو لا نا ہیہ غیر زائدہ ہوگا۔ یعنی تم کو ہزیمت کے ذریعہ غم دیا تاکہ تم مال غنیمت کے فوت ہونے پر رنجیدہ نہ ہو۔

قَوْلُہٗ: وَلَا مَا اَصَابکم، لازائدہ ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: اَمَنَةً مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور نُعَاسًا اس سے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: الجَحَف، بفتحتین، جُحْفَةٌ، کی جمع ہے، بمعنی ڈھال (سپر)۔

قَوْلُہٗ: ظنّا غیرَ الظَّنِّ الحقِّ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ "غیر الحقِّ" محذوف کی صفت ہے جو کہ یَظُنُّ کا مفعول مطلق ہے۔ الظَّنّ کو مقدر ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ غیر مفعول بہ نہیں ہے اس لیے کہ اگر اس سے مفعول بہ مراد ہوتا تو الظن کے بجائے الأمر یا الشئ مقدر مانا جاتا۔

قَوْلُہٗ: ای کظنّ اس میں اشارہ ہے کہ ظنّ منصوب بنزع الخافض ہے۔

قَوْلُہٗ: اَزَلَّھُمْ اس سے اشارہ کردیا کہ استفعال بمعنی افعال ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

تُصْعِدُوْنَ، بضم التاء، (افعال) مضارع جمع مذکر حاضر۔ تم چڑھے چلے جارہے تھے، تم دور جارہے تھے، تَلْوُنَ، لَیٌّ، سے جمع مذکر حاضر اس کے صلہ میں جب علی، آتا ہے تو اس کے معنی دوسرے کی طرف مڑنا، متوجہ ہونا۔ فُلانٌ لا یَلْوِیْ علیٰ اَحَدٍ (فلاں کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا) سخت ہزیمت کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰی اَحَدٍ. جب تم بھاگم بھاگ چلے جارہے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ یہ اسی سخت ہزیمت کے موقع پر استعمال ہوا ہے۔

الکنایة: فقد کنی بالمضاجع عن المصارع. یعنی خوابگاہ سے مقتل کی طرف کنایہ ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو عارضی شکست اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کی افواہ گرم ہونے پر منافقین نے جب جنگ کا پانسہ پلٹتے دیکھا تو ان کو شرارت کا موقع مل گیا، مسلمانوں سے کہنے لگے کہ محمد اگر واقعی نبی ہوتے تو شکست کیوں کھاتے؟ یہ تو

دوسرے انسانوں کی طرح ایک معمولی انسان ہیں آج فتح ہے تو کل شکست، خدا کی جس نصرت وحمایت کا انہوں نے یقین دلا رکھا تھا وہ محض ایک ڈھونگ تھا اور جب آپ ہی نہ رہے تو ہم اپنا دین ہی کیوں نہ اختیار کرلیں جس سے سارے جھگڑے ختم ہوجائیں، ان باتوں سے منافقین کی خباثت اور اُن کا مسلمانوں کا بدخواہ ہونا ظاہر ہے۔ اس لیے اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ ان دشمنوں کی بات پر کان نہ لگائیں ان کو اپنے کسی مشورہ میں شریک نہ کریں۔

پچھلی آیت میں اللہ والوں کا اتباع کرنے کی ہدایت تھی اس میں منافقین اور مخالفین اسلام کے مشورہ پر عمل نہ کرنے اور ان سے بچتے رہنے کی ہدایت ہے۔

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الرُّعْبَ (الآیة) دشمنانِ دین کے دلوں میں القاء رعب کی یہ واضح مثال تاریخ کے صفحات میں یوں محفوظ ہے کہ معرکۂ اُحد میں جب آخری فتح بظاہر مشرکین مکہ کو ہوگئی تھی۔ اب قدرتی نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ وہ لوگ وہیں سے شہر مدینہ پر چڑھ دوڑتے لیکن انہیں اس کی ہمت نہ پڑی، اور بلا کسی ظاہری سبب کے مکہ کی طرف واپس لوٹ گئے، پھر جب کچھ راستہ طے کر چکے تو اپنی حماقت پر افسوس کرنے لگے کہ جب مسلمانوں کو شکست ہو ہی چکی تھی تو اس وقت وہاں سے واپس آنا کوئی دانشمندی نہیں تھی۔ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف واپسی کا ارادہ کیا تو اللہ نے ان کے دلوں پر ایسا رعب ڈالا کہ مدینہ کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ کسی راہ گیر کو کچھ مال دے کر اس بات پر راضی کرلیا کہ تم مدینہ جا کر مسلمانوں کو ڈرا دو کہ وہ پھر لوٹ کر واپس آرہے ہیں، یہاں یہ سارا واقعہ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے تعاقب کے لیے مقام حمراء الاسد تک پہنچے مگر وہ بھاگ چکے تھے یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا ای الْمُنَافِقِیْنَ وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ ای فِی شَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا سَافَرُوْا فِی الْاَرْضِ فَمَاتُوْا اَوْ كَانُوْا غُزًّى جَمْعُ غَازٍ فَقُتِلُوْا لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ای لَا تَقُوْلُوْا كَقَوْلِهِمْ لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ الْقَوْلَ فِی عَاقِبَةِ اَمْرِهِمْ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَلَا یَمْنَعُ عَنِ الْمَوْتِ قُعُوْدٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ بَصِیْرٌ ﴿۱۵۶﴾ فَیُجَازِیْكُمْ بِهٖ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ای الْجِهَادِ اَوْ مُتُّمْ بِضَمِّ الْمِیْمِ وَكَسْرِهَا مِنْ مَاتَ یَمُوْتُ ای اَتَاكُمُ الْمَوْتُ فِیْهِ لَمَغْفِرَةٌ كَائِنَةٌ مِّنَ اللّٰهِ لِذُنُوْبِكُمْ وَرَحْمَةٌ مِنْهُ لَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ وَاللَّامُ وَمَدْخُوْلُهَا جَوَابُ الْقَسَمِ وَهُوَ فِیْ مَوْضِعِ الْفِعْلِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ مِنَ الدُّنْیَا بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ مُّتُّمْ بِالْوَجْهَیْنِ اَوْ قُتِلْتُمْ فِی الْجِهَادِ اَوْ غَیْرِهٖ لَاِلَى اللّٰهِ لَا اِلٰى غَیْرِهٖ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فِی الْاٰخِرَةِ فَیُجَازِیْكُمْ فَبِمَا مَا زَائِدَةٌ رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ یَا مُحَمَّدُ لَهُمْ ای سَهُلَتْ اَخْلَاقُكَ اِذْ خَالَفُوْكَ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا سَیِّئَ الْخُلُقِ غَلِیْظَ الْقَلْبِ جَافِیًا فَاَغْلَظْتَ لَهُمْ لَانْفَضُّوْا تَفَرَّقُوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ تَجَاوَزْ عَنْهُمْ مَا اَتَوْهُ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ذُنُوْبَهُمْ حَتّٰى اَغْفِرَ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ اسْتَخْرِجْ اٰرَاءَهُمْ فِی الْاَمْرِ ای شَاْنِكَ مِنَ الْحَرْبِ وَغَیْرِهٖ تَطْیِیْبًا لِقُلُوْبِهِمْ وَلِیَسْتَنَّ بِكَ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

كثير المشاورة لهم فَإِذَا عَزَمْتَ على امضاء ماتريد بعد المشاورة فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ثق به لا بالمشاورة
إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾ عليه إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ على عدوكم كيوم بدر فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ يترك
نصركم كيوم أحد فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ اى بعد خذلانه اى لا ناصر لكم وَعَلَى اللّٰهِ لا غيره
فَلْيَتَوَكَّلِ ليثق الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾ ونزل لما فقدت قطيفة حمراء يوم بدر فقال بعض الناس لعل النبي صلى الله
عليه وسلم اخذها وَمَا كَانَ ينبغي لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ يخون في الغنيمة فلا تظنوا به ذلك وفي قراءة بالبناء
للمفعول اى ينسب الى الغلول وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حاملا له على عنقه ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ
الغال وغيره جزاء مَا كَسَبَتْ عملت وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾ شيئا أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ فاطاع ولم يغل
كَمَنْ بَاءَ رجع بِسَخَطٍ مِنَ اللّٰهِ بمعصيته وغلوله وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾ المرجع هى لا هُمْ دَرَجَاتٌ
اى اصحاب درجات عِنْدَ اللّٰهِ اى مختلفوا المنازل فلمن اتبع رضوانه الثواب ولمن باء بسخطه العقاب
وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٣﴾ فيجازيهم به لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ اى عربيا
مثلهم ليفهموا عنه ويشرفوا به لا ملكا ولا عجميا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ القرآن وَيُزَكِّيهِمْ يطهرهم من الذنوب
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ القرآن وَالْحِكْمَةَ السنة وَإِنْ مخففة اى انهم كَانُوا مِنْ قَبْلُ اى قبل بعثه لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿١٦٤﴾ النصف
بين أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ باحد بقتل سبعين منكم قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا ببدر بقتل سبعين واسر سبعين
منهم قُلْتُمْ متعجبين أَنَّى من اين لنا هَذَا الخذلان ونحن مسلمون ورسول الله فينا والجملة الاخيرة في
محل الاستفهام الانكاري قُلْ لهم هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ لانكم تركتم المركز فخذلتم
إِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾ ومنه النصر ومنعه وقد جازاكم بخلافكم وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ
باحد فَبِإِذْنِ اللّٰهِ بارادته وَلِيَعْلَمَ الله علم ظهور الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾ حقا وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا الذين وَقِيلَ لَهُمْ لما
انصرفوا عن القتال وهم عبد الله بن ابي واصحابه تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اعداءه أَوِ ادْفَعُوا عنا القوم
بتكثير سوادكم ان لم تقاتلوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ نحسن قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ قال تعالى تكذيبا لهم
هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ بما اظهروا من خذلانهم للمؤمنين وكانوا قبل اقرب الى الايمان
من حيث الظاهر يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ولو علموا قتالا لم يتبعوا وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾
من النفاق الَّذِينَ بدل من الذين قبله او نعت قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ في الدين وَ قد قَعَدُوا عن
الجهاد لَوْ أَطَاعُونَا اى شهداء احد او اخواننا في القعود مَا قُتِلُوا قُلْ لهم فَادْرَءُوا ادفعوا عَنْ
أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾ في ان القعود ينجي منه ونزل في الشهداء وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا
بالتخفيف والتشديد فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اى لاجل دينه أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ارواحهم في حواصل

صُیُورٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ **يُرْزَقُوْنَ** ﴿۱۶۹﴾ يَاْكُلُوْنَ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ **فَرِحِيْنَ** حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يُرْزَقُوْنَ **بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ** وَ **يَسْتَبْشِرُوْنَ** يَفْرَحُوْنَ **بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ** مِنْ اِخْوَانِهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَيُبْدَلُ مِنَ الَّذِيْنَ اَنْ اَيْ بِاَنْ **اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ** اَيِ الَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ مِنْ اِخْوَانِهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ **وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴿۱۷۰﴾ فِي الْاٰخِرَةِ الْمَعْنٰى يَفْرَحُوْنَ بِاَمْنِهِمْ وَفَرَحِهِمْ **يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ** ثَوَابٍ **مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ** زِيَادَةٍ عَلَيْهِ **وَّاَنَّ** بِالْفَتْحِ عَطْفًا عَلٰى نِعْمَةٍ وَالْكَسْرِ اِسْتِيْنَافًا **اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۱۷۱﴾ بَلْ يَاْجُرُهُمْ.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ان کافروں منافقوں کی سی باتیں نہ کرو جو اپنے بھائیوں کے بارے میں جب کہ وہ سفر میں ہوتے ہیں اور انتقال کر جاتے ہیں یا کہیں جہاد میں جاتے ہیں اور مقتول ہو جاتے ہیں۔ غُزّٰی، غازٍ کی جمع ہے۔ کہتے ہیں اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے یعنی ان کے جیسی بات مت کہو (یہ بات اس لیے ان کی زبان پر آئی تھی) تاکہ اللہ تعالیٰ اسے (یعنی) اس بات کو آخر کار ان کے دلوں میں سبب حسرت بنادے۔ اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے۔ لہٰذا گھروں میں بیٹھ رہنا ان کو موت سے نہیں بچا سکتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھتا ہے تو اس کی وہ تم کو جزاء دے گا۔ تاء اور یاء کے ساتھ اگر تم اللہ کے راستہ یعنی جہاد میں مارے جاؤ یا مر جاؤ میم کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ (اول) مَاتَ یَمُوْتُ سے اور (دوسرا) مَاتَ یَمَاتُ (س) سے ہے یعنی تم کو اس میں موت آجائے، تو تمہارے گناہوں کے لیے اللہ کی مغفرت اور اس پر اس کی رحمت کہیں بہتر ہے۔ اس دنیا سے جس کو تم جمع کر رہے ہو تاء اور یاء کے ساتھ، لام اور اس کا مدخول جواب قسم ہے، اور وہ مقام فعل میں مبتداء ہے اور اس کی خبر (خَیْرٌ مِّمَّا تَجْمَعُوْنَ) ہے اور اگر تم مر جاؤ یا جہاد وغیرہ میں مارے جاؤ (لَئِنْ) میں لام دونوں صورتوں میں قسمیہ ہے۔ تو تم ضرور اللہ ہی کی طرف نہ کہ کسی اور کی طرف آخرت میں جمع کیے جاؤ گے، سو وہ تم کو جزاء دے گا۔ سوائے محمد ﷺ اللہ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں۔ مَا، زائدہ ہے اور اگر آپ بدزبان اور تندخو خشک مزاج ہوتے اور ان پر سختی کرتے تو وہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، لہٰذا آپ ان سے (یوم اُحد) میں جو کچھ (کوتاہی) ہوئی اس سے درگذر کیجئے۔ اور ان کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔ تاکہ میں ان کی مغفرت کروں اور جنگ وغیرہ کے معاملات میں ان کی رائے معلوم کرنے کے لیے ان سے ان کی دل جوئی کے لیے مشورہ کیجئے اور اس لیے تاکہ آپ کی سنت قائم ہو جائے اور آنحضرت ﷺ اپنے اصحاب سے بکثرت مشورہ فرمایا کرتے تھے، اور جب آپ مشورہ کے بعد کسی کام کے کرنے کا پختہ عزم کرلیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ نہ کہ مشاورت پر۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور اگر اللہ دشمن کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے جیسی کہ یوم بدر میں کی۔ تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے یعنی تمہاری مدد ترک کردے۔ جیسا کہ یوم اُحد میں ہوا۔ تو پھر کون ہے جو اس کے علاوہ تمہاری مدد کرے یعنی اس کے چھوڑ نے

کے بعد، یعنی تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے اور جب یوم بدر میں ایک سرخ چادر گم ہوگئی تو بعض نے کہا شاید نبی ﷺ نے لے لی ہوگی۔ اور نبی کی شان نہیں کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے لہٰذا آپ اس کے بارے میں ایسا گمان مت کرو اور ایک قراءت میں مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے، یعنی خیانت کی جانب نسبت کی جائے، اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا اور ہر خائن اور غیر خائن نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا کیا جو شخص رضائے الٰہی کا تابع ہو کہ اس نے اطاعت کی اور خیانت نہیں کی۔ بھلا وہ اس جیسا ہو جائے گا جو معصیت اور خیانت کی وجہ سے اللہ کا غضب لے کر لوٹتا ہے؟ نہیں، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے اور اللہ کے نزدیک دونوں قسم کے لوگوں میں بدرجہا فرق ہے۔ یعنی ان کے مختلف درجے ہوں گے۔ لہٰذا جو اللہ کی خوشنودی کے درپے ہوگا اس کے لیے ثواب ہوگا، اور جو اس کا غصہ لے کر لوٹے گا وہ مستحق عذاب ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے عملوں کو دیکھتے ہیں، لہٰذا ان کے اعمال کا ان کو بدلہ دیں گے حقیقت میں اللہ نے مومنین پر (بڑا) احسان کیا کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، یعنی ان کے جیسا عربی۔ تا کہ اس کی بات سمجھیں اور اس سے شرف حاصل کریں۔ نہ کہ فرشتہ اور غیر عربی۔ جو ان کو آیتیں قرآن پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، اور انہیں گناہوں سے پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب قرآن اور حکمت سنت کی تعلیم دیتا ہے اور یقیناً اس سے (یعنی) اس کی بعثت سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے اور جب اُحد میں تمہیں ایسی تکلیف پہنچی کہ تمہارے ستر آدمی مقتول ہوئے۔ جس کی دوچند تکلیف (فریق مقابل کو) بدر میں ستر کو قتل کر کے اور ستر کو قید کر کے پہنچا چکے تھے۔ تو تم تعجب سے کہنے لگے یہ کہاں سے آگئی؟ حالانکہ اللہ کا رسول ہمارے اندر موجود ہے آپ کہہ دیجئے یہ خود تمہاری طرف سے ہے اس لیے کہ تم نے مرکز کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے تم شکست کھا گئے۔ آخری جملہ استفہام انکاری کے محل میں ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور مصیبت تم پر اس دن پڑی جس دن اُحد میں دو جماعتیں باہم مقابل ہوئیں سو وہ اللہ کی مشیت سے ہوئیں۔ اور اس لیے تا کہ اللہ مومنین کو علم ظہور کے طور پر جان لے اور تا کہ منافقین کو جان لے جن سے کہا گیا جب وہ قتال سے پھر گئے اور وہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی تھے آؤ اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں سے لڑو یا اگر تم نہیں لڑ سکتے تو کافروں کو ہم سے اپنی تعداد بڑھا کر ہٹاؤ تو وہ بولے اگر ہم کوئی (ڈھنگ) کی جنگ دیکھتے تو ضرور ہم تمہارا ساتھ دیتے اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا یہ لوگ اس روز ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب ہوگئے اس سبب سے کہ انہوں نے مومنین کے لیے اپنی بزدلی ظاہر کر دی اور اس سے پہلے وہ بظاہر ایمان کے قریب تھے۔ یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اگر انہیں قتال کا علم ہوتا تو تمہارے ساتھ نہ آتے اور جو نفاق یہ لوگ چھپائے ہوئے ہیں اللہ اس سے بخوبی واقف ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دینی بھائیوں سے کہا حال یہ کہ وہ خود بھی جہاد سے بیٹھے رہے اور اگر شہداء احد یا ہمارے بھائی ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جنگ سے بیٹھ رہنا موت سے بچا سکتا ہے تو خود کو موت سے بچا لو اور (آئندہ آیت) شہدائے اُحد

کے بارے میں نازل ہوئی، جولوگ راہِ خدا میں دین کے لیے مارے گئے۔ تم ان کو ہرگز مردہ خیال مت کرو (قتلوا) تخفیف اورتشدید کے ساتھ ہے۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں جہاں چاہتی ہیں جنت میں سیر کرتی ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، ان کو ان کے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے جنت کے پھل کھاتے ہیں۔ حال یہ کہ وہ ان (نعمتوں) سے خوش ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطاء کی ہیں (فَرِحِیْنَ) یرزقون کی ضمیر سے حال ہے۔ اور ان کی بابت کہ ان کے مومن بھائیوں میں سے بعد والے جو ابھی تک ان سے نہیں ملے ہیں خوشی منا رہے ہیں اس پر کہ انہیں (یعنی) جو ابھی ان سے جا کر نہیں ملے ہیں۔ نہ کوئی خوف ہے اور نہ آخرت میں وہ غم زدہ ہوں گے اور اَلَّذِیْنَ سے اَنْ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ بدل ہے۔ وہ ان کے امن اور ان کی مسرت سے خوش ہیں وہ لوگ اللہ کے انعام ثواب اور فضل سے خوش ہو رہے ہیں۔ اور اس پر کہ اللہ مومنین کے اجر کو ضائع نہ کرے گا (اَنْ) فتحہ کے ساتھ ہے نِعْمَةٍ پر عطف کرتے ہوئے اور کسرہ کے ساتھ استیناف ہے۔ بلکہ ان کو اجر عطا کرے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: فی شانهم، اس میں اشارہ ہے کہ لام بمعنی فی، ہے۔

قِوْلُہٗ: فی عَاقِبَةِ اَمْرِهِمْ، اس میں اشارہ ہے کہ لِیَجْعَلَ، میں لام، لام عاقبت ہے۔

قِوْلُہٗ: کائِنَةٌ، کائنة مقدر مان کر ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سَوَال: لَمَغْفِرَةٌ، اپنے معطوف وَرَحْمَةٌ، سے مل کر مبتدا ہے حالانکہ اس کے نکرہ ہونے کی وجہ سے مبتدا بننا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: نکرہ جب موصوف بالصفت ہو تو اس کا مبتدا بننا درست ہوتا ہے یہاں پر مِنَ اللّٰهِ جار مجرور سے مل کر کَائِنَةٌ کے متعلق ہو کر مغفرة کی صفت ہے لہٰذا مَغْفِرَةٌ کا مبتدا بننا درست ہے۔ اور خَیْرٌ، اس کی خبر ہے اور لَمَغْفِرَةٌ اپنی خبر سے مل جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف ہے۔

قِوْلُہٗ: وَهُوَ فی موضع الفعل هُوَ کا مرجع لَمَغْفِرَةٌ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، وَاللّٰهِ لَئِنْ قُتِلْتُمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ لَغَفَرْتُ لکم وَرَحِمْتُکُمْ، جواب شرط محذوف ہے۔ اس لیے کہ مشہور قاعدہ ہے کہ قسم اور شرط جب جمع ہو جائیں تو مذکور، مقدم کا جواب ہوتا ہے اور مؤخر کا جواب محذوف ہوتا ہے، اسی قاعدہ کی رو سے، لَمَغْفِرَة الخ، جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف ہے جس پر جواب قسم دلالت کر رہا ہے۔

ملحوظہ: مفسر علام کا وَهُوَ فی مَوْضِعِ الفِعْلِ، کہنا محل تامل ہے اس لیے کہ اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ جواب قسم کے لیے فعل ہونا ضروری ہے حالانکہ اسم اور فعل دونوں جواب قسم واقع ہوتے ہیں فتامل۔

قَوْلُہٗ: من الدنیا، یہ اشارہ ہے کہ بِمَا یَعْلَمُوْنَ، میں ما، موصولہ ہے اور یَعْلَمُوْنَ جملہ ہو کر صلہ ہے اور مِنْهُ، عائد محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: بوجهین یعنی مُتُّمْ، بالضمة والکسرة.

قَوْلُہٗ: زائدة للتاکید، مَا، کو زائدہ قرار دینے کی دو وجہ ہیں اول یہ کہ مَا، یہاں نہ موصولہ ہو سکتا ہے اور نہ شرطیہ اور نہ نافیہ اور نہ موصوفہ اور نہ مصدریہ اس لیے کہ یہاں ان میں سے کوئی بھی معنی درست نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر مَا، کو زائدہ قرار نہ دیا جائے تو حرف کا حرف پر داخل ہونا لازم آئے گا جو کہ درست نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَصْحَابُ الدرجات، اصحاب، مقدر مانا ہے تاکہ حمل درست ہو سکے۔

قَوْلُہٗ: بَیّنٌ، مُبِیْن کی تفسیر بَیّن سے کر کے اشارہ کر دیا کہ متعدی بمعنی لازم ہے۔

قَوْلُہٗ: الجملة الاخیرة. ای قُلْتُمْ اَنّٰی لَنَا هٰذا.

قَوْلُہٗ: وَقَدْ قَعَدُوْا، قَعَدُوْا، قالوا کی ضمیر سے حال ہے۔ اور ماضی بغیر قد کے حال نہیں ہو سکتا اس لیے مفسر علام نے قَدْ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ قَعَدُوْا بتقدیر قد، حال ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الضرب فی الارض. ای السّفر. ضَرَبُوْا فی الأرض، ای سافروا فیها. غُزًّی، خلاف قیاس غازٍ کی جمع ہے، اور قیاس غُزَاة تھا بروزن رُمَاة.

حکایة حال الماضیة. اِذا ضربوا فی الارضِ، ضربوا فعل ماضی ہے مناسب تھا کہ اِذا کے بجائے اِذْ، لاتے اس لیے کہ اِذْ ماضی کے لیے آتا ہے مگر حکایت حال صیغہ کے طور پر اذا لائے ہیں، تاکہ حال، ماضی کا ذہن میں استحضار ہو جائے۔

طباق: یُحْیِ ویمیت. لام صَیْرورت. لیجعل اللّٰه میں لام صیرورت کے لیے ہے جس کو لام عاقبت بھی کہتے ہیں۔ یہ لام انجام اور مآل شی پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے بعد اَن مقدر ہونے میں لام تعلیل کے مانند ہے۔ غَلَّ. کسی چیز کو خفیہ و خیانۃً لینا، غُل بالضم خیانت، بالکسر کینہ جو، یقال. یدُالمومنین لایُغُلُّ وقلب المومن لایَغِلُّ بالکسر، یعنی مومن کا ہاتھ خیانت نہیں کرتا اور نہ مومن کا قلب حسد اور کینہ کرتا ہے۔

تشبیہ بلیغ: هُمْ دَرَجَاتٌ، درجات کو اصحاب درجات کا عین قرار دیا ہے، یہ عین تشبیہ بلیغ کے طور پر ہے، اس میں مبالغہ زیادہ ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا (الآیة) اہل ایمان کو فساد عقیدہ سے روکا جا رہا ہے جس کے حامل کفار اور منافقین تھے کیوں کہ یہ عقیدہ بزدلی کی بنیاد ہے اس کے برعکس جب یہ عقیدہ ہو کہ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے نیز یہ کہ

موت کا ایک وقت مقرر ہے تو اس سے انسان کے اندر عزم و حوصلہ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

یعنی یہ باتیں جو کفار و منافقین کرتے ہیں حقیقت پرمبنی نہیں ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قضائے الٰہی کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ مگر جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور سب کچھ اپنی تدبیروں پر ہی موقوف سمجھتے ہیں، ان کے لیے اس قسم کے قیاسات حسرت واندوہ بن کر رہ جاتے ہیں اور کف افسوس ملتے ہوئے کہتے ہیں کاش یوں ہوتا تو یہ ہو جاتا، یہ نہ ہوتا تو وہ نہ ہوتا۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (الآیة) موت تو بہر حال آنی ہی ہے لیکن اگر موت ایسی آئے کہ جس کے بعد انسان اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پائے تو دنیا کے مال واسباب سے بہتر ہے جس کے جمع کرنے میں انسان عمر کھپا دیتا ہے اس لیے اللہ کی راہ میں جہاد سے گریز نہیں بلکہ اس میں شوق و رغبت ہونا چاہئے کہ اس طرح اللہ کی رحمت و مغفرت یقینی ہو جاتی ہے، بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (الآیة) نبی ﷺ خلق عظیم کے پیکر تھے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر ایک احسان عظیم فرمارہے ہیں کہ آپ کے اندر جو نرمی اور ملائمت ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کا نتیجہ ہے اور یہ نرمی، دعوت و تبلیغ کے لیے نہایت ضروری ہے اگر آپ کے اندر یہ وصف نہ ہوتا بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ تندخو، سخت دل، تلخ سخن ہوتے تو لوگ آپ کے قریب ہونے کے بجائے آپ ﷺ سے دور بھاگتے۔ اس لیے آپ عفو و درگذر سے کام لیتے رہیے۔

شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ، یعنی مسلمانوں کی دل جوئی اور تطییب خاطر کے لیے ان سے مشورہ کرلیا کیجئے اس آیت سے مشورہ کی اہمیت و افادیت اور اس کی ضرورت و مشروعیت ثابت ہوتی ہے مشاورت کا یہ حکم وجوب کے لیے ہے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لیے۔ (ابن کثیر)

حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ علماء سے ایسے معاملات میں مشورہ کریں جن کا انہیں علم نہیں ہے یا ان کے بارے میں انہیں اشکال ہے۔ فوج کے سربراہ ہونے سے فوجی معاملات میں اور سربرآوردہ لوگوں سے عوام کے مصالح کے بارے میں اور ماتحت حکام اور والیوں سے ان کے علاقوں کی ضروریات و ترجیحات کے بارے میں مشورہ کریں۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ ایسے حکمرانوں کے عزل پر اختلاف نہیں ہے جو اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہیں کرتے، یہ مشورہ صرف ان معاملات تک محدود ہوگا جن کی بابت شریعت خاموش ہے یا جن کا تعلق انتظامی امور سے ہے۔

فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ. یعنی مشورہ کے بعد جس پر آپ ﷺ کی رائے پختہ ہو جائے، پھر اللہ پر بھروسہ کر کے اسے کر گزریئے۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مشورہ کے بعد بھی آخری فیصلہ حکمراں ہی کا ہوگا نہ کہ اربابِ مشاورت یا ان کی اکثریت کا جیسا کہ جمہوریت میں ہے دوسری یہ کہ پورا اعتماد و توکل اللہ کی ذات پر ہو نہ کہ مشورہ دینے والوں کی عقل و فہم پر۔ اگلی آیت میں بھی توکل علی اللہ کی مزید تاکید ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّغُلَّ (الآیة) جنگ اُحد کے دوران جو لوگ مورچہ چھوڑ کر مالِ غنیمت سمیٹنے دوڑ پڑے تھے ان کا خیال تھا کہ اگر ہم نہ پہنچے تو سارا مال غنیمت دوسرے سمیٹ لے جائیں گے، اس پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ آخر تم نے یہ تصور کیسے کرلیا کہ اس

مال میں تمہارا حصہ تم کو نہیں دیا جائے گا؟ کیا تمہیں اپنے قائد محمد ﷺ پر اطمینان نہیں؟ یاد رکھو ایک پیغمبر سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ممکن نہیں ہے کیوں کہ خیانت نبوت کے منافی ہے، اگر نبی ہی خائن ہو تو اس کی نبوت پر کیوں کر یقین کیا جا سکتا ہے؟ خیانت بہت بڑا گناہ ہے۔ احادیث میں اس کی سخت مذمت آئی ہے۔

جن تیر اندازوں کو نبی ﷺ نے عقب کی حفاظت کے لیے مامور کیا تھا انہوں نے اس خیال سے کہ دشمن کا لشکر لوٹا جا رہا ہے کہیں ہم محروم نہ رہ جائیں؟ انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی، جنگ ختم ہونے کے بعد جب نبی ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلا کر نافرمانی کی وجہ دریافت فرمائی انہوں نے کچھ اعذار پیش کیے جو کمزور ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں تھے اس پر آپ نے فرمایا ''بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنَّا نَغُلّ وَلَا نقسم لکم'' اصل بات یہ ہے کہ تم کو ہمارے اوپر اطمینان نہیں تھا تم نے یہ گمان کیا کہ ہم تمہارے ساتھ خیانت کریں گے اور تم کو تمہارا حصہ نہیں دیں گے، اس آیت میں اشارہ اسی معاملہ کی طرف ہے۔

ابوداؤد، ترمذی اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ''وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ'' ایک سرخ چادر کے بارے میں جو کہ یوم بدر میں گم ہوگئی تھی نازل ہوئی۔ بعض لوگوں نے یہ بات کہی تھی کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہوگی۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (الآیۃ) اس آیت میں نبی کے بشر اور انسان ہونے ہی کو اللہ ایک احسان کے طور پر بیان فرما رہے ہیں اور فی الواقع یہ احسان عظیم ہے کہ اس طرح ایک تو وہ اپنی قوم کی زبان میں ہی اللہ کا پیغام پہنچائے گا جسے سمجھنا ہر شخص کے لیے آسان ہوگا۔ دوسرے لوگ ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس سے مانوس اور اس کے قریب ہوں گے، تیسرے، انسان کے لیے انسان کی پیروی تو ممکن ہے لیکن فرشتوں کی پیروی اس کے بس کی بات نہیں اور نہ فرشتہ انسان کے وجدان و شعور کی گہرائیوں اور باریکیوں کا ادراک کر سکتا ہے، اس لئے اگر پیغمبر فرشتوں میں سے ہوتے تو وہ ان ساری خوبیوں سے محروم ہوتے جو تبلیغ و دعوت کے لیے نہایت ضروری ہیں، اس لیے جتنے بھی انبیاء آئے ہیں سب کے سب بشر ہی تھے، قرآن نے ان کی بشریت کو خوب کھول کھول کر بیان کیا ہے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ (الآیۃ) اکابر صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ تو حقیقت شناس تھے ہی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو سکتے تھے مگر عام مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ جب اللہ کا رسول ہمارے اندر موجود ہے، اور اللہ کی تائید و نصرت ہمارے ساتھ ہے تو کسی حال میں کفار ہمارے اوپر فتح نہیں پا سکتے، اس لیے اُحد میں جب شکست ہوئی تو ان کی توقعات کو سخت صدمہ پہنچا تو انہوں نے حیران ہو کر پوچھنا شروع کر دیا کہ یہ کیا ہوا؟ ہم اللہ کے دین کی خاطر لڑنے گئے تھے اور شکست بھی ان سے جو اللہ کے دین کو مٹانے آئے تھے، یہ آیات اسی حیرانی کو دور کرنے کے لیے نازل کی گئی ہیں۔

جنگِ اُحد میں مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے اس کے برخلاف جنگ بدر میں کفار کے ستر آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور ستر گرفتار کیے گئے تھے۔

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ، یعنی یہ سب کچھ تمہاری اس غلطی کی وجہ سے ہوا جو کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے تاکیدی حکم کے باوجود پہاڑی کا مورچہ چھوڑ کر کی تھی۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (الآية) اور اس شکست کا دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ وہ مومنین اور منافقین کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دے۔

عبداللہ بن ابی جب تین سو منافقوں کو اپنے ساتھ لے کر راستہ سے واپس ہونے لگا تو بعض مسلمانوں نے جا کر اسے سمجھانے کی کوشش کی اور ساتھ چلنے کے لیے راضی کرنا چاہا، مگر اس نے جواب دیا کہ ہمیں یقین ہے کہ یہ کوئی جنگ نہیں ہے بلکہ ہلاکت اور خودکشی ہے اگر کوئی ڈھنگ کی لڑائی ہوتی تو ہم ضرور ساتھ چلتے ایسے غلط کام میں ہم آپ کا کیوں ساتھ دیں؟ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر لڑنے کی ان کی بات نہیں مانی گئی تھی عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں نے یہ بات اس وقت کہی جب مقام شوط پر پہونچ کر واپس ہو رہے تھے۔ اور عبداللہ بن حرام انصاری انہیں سمجھا کر واپس لانے کی کوشش کر رہے تھے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الآية) اس آیت میں شہداء کے خاص فضائل کا بیان ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کی بڑی تفصیل وارد ہوئی ہے، یہاں شہداء کی پہلی فضیلت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مردے نہیں بلکہ دائمی زندگی کے مالک ہو گئے ہیں، یہاں پر بظاہر ان کا مرنا اور قبر میں دفن ہونا تو مشاہد ہے پھر قرآن کی متعدد آیات میں ان کو مردہ کہنے اور مردہ سمجھنے سے جو منع کیا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر کہا جائے کہ حیات برزخی مراد ہے، تو وہ ہر شخص مومن و کافر کو حاصل ہے مرنے کے بعد اس کی روح زندہ رہتی ہے اور قبر کے سوال و جواب کے بعد مومنین صالحین کے لیے سامان راحت اور کفار و فجار کے لیے قبر کا عذاب قرآن وسنت سے ثابت ہے تو یہ حیات برزخی جب سب کے لیے عام ہے تو شہداء کی کیا خصوصیت ہوئی؟

جواب: یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت نے یہ بتلایا ہے کہ شہداء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا رزق ملتا ہے اور ایک خاص قسم کی زندگی مل جاتی ہے جو ہر عام مردوں سے ممتاز ہوتی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ امتیاز کیا اور وہ زندگی کیسی ہے؟ اس کی حقیقت سوائے خالق کائنات کے نہ کوئی جان سکتا ہے اور نہ جاننے کی ضرورت ہے البتہ بعض اوقات ان کی حیات خاص کا اثر اس دنیا میں بھی ان کے ابدان پر ظاہر ہوتا ہے کہ زمین ان کو نہیں کھاتی، جس کے بہت سے واقعات مشاہدہ کیے گئے ہیں۔

شان نزول:

اس آیت کا شان نزول جس کو ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت کیا وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُم سے فرمایا کہ جب واقعۂ احد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے جسم میں رکھ کر آزاد کر دیا وہ جنت کی نہروں اور باغات کے پھلوں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں آجاتے ہیں جو ان کے لیے عرش کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں۔ جب ان لوگوں نے اپنی آرام و راحت کی یہ زندگی

دیکھی تو کہنے لگے کیا کوئی ہمارے حالات کی خبر ہمارے عزیزوں کو پہنچا سکتا ہے جو ہمارے شہید ہونے کی وجہ سے دنیا میں غمزدہ ہیں تاکہ وہ غم نہ کریں اور وہ بھی جہاد میں کوشش کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم تمہاری یہ خبر ان کو پہنچائے دیتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف، قرطبی)

اَلَّذِيْنَ مبتدأ **اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ** دعاءه بالخروج للقتال لما اراد ابوسفيان واصحابه العود وتواعدوا مع النبي صلى الله عليه وسلم سوق بدر العام المقبل من يوم احد **مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ** باحد وخبر المبتدأ **لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ** بطاعته **وَاتَّقَوْا** مخالفته **اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٢﴾** هو الجنة **اَلَّذِيْنَ** بدل من الذين قبله او نعت **قَالَ لَهُمُ النَّاسُ** اي نعيم بن مسعود الاشجعي **اِنَّ النَّاسَ** اباسفيان واصحابه **قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ** الجموع ليستاصلوكم **فَاخْشَوْهُمْ** ولاتاتوهم **فَزَادَهُمْ** ذلك القول **اِيْمَانًا** تصديقا بالله ويقينا **وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ** كافينا امرهم **وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾** المفوض اليه الامر هو، وخرجوا مع النبي صلى الله عليه وسلم فوافوا سوق بدر والقى الله الرعب في قلب ابي سفيان واصحابه فلم ياتوا وكان معهم تجارات فباعوا وربحوا قال تعالى **فَانْقَلَبُوْا** رجعوا من بدر **بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ** بسلامة وربح **لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ** من قتل او جرح **وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ** بطاعته ورسوله في الخروج **وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾** على اهل طاعته **اِنَّمَا ذٰلِكُمُ** القائل لكم ان الناس الخ **الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ** الكفار **فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ** في ترك امري **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٥﴾** حقا **وَلَا يَحْزُنْكَ** بضم الياء وكسر الزاي وبفتحها وضم الزاي من حزنه لغة في احزنه **الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ** يقعون فيه سريعا بنصرته وهم اهل مكة او المنافقون اي لاتهتم لكفرهم **اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا** بفعلهم وانما يضرون انفسهم **يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا** نصيبا **فِي الْاٰخِرَةِ** اي الجنة فلذلك خذلهم **وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾** في النار **اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ** اي اخذوه بدله **لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ** بكفرهم **شَيْـًٔا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٧﴾** مؤلم **وَلَا يَحْسَبَنَّ** بالياء والتاء **الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ** اي املاءنا **لَهُمْ** بتطويل الاعمار وتاخيرهم **خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ** وان ومعمولاها سدت مسد المفعولين في قراءة التحتانية ومسد الثاني في الاخرى **اِنَّمَا نُمْلِيْ** نمهل **لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا** بكثرة المعاصي **وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٧٨﴾** ذو اهانة في الاخرة **مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ** ليترك **الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ** ايها الناس **عَلَيْهِ** من اختلاط المخلص بغيره **حَتّٰى يَمِيْزَ** بالتخفيف والتشديد يفصل **الْخَبِيْثَ** المنافق **مِنَ الطَّيِّبِ** المؤمن بالتكاليف الشاقة المبينة لذلك ففعل ذلك يوم احد **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ** فتعرفوا المنافق من غيره قبل التمييز **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ** يختار **مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ** فيطلعه على غيبه كما اطلع النبي صلى الله عليه وسلم على

حَالَ الْمُنَافِقِيْنَ **فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا** النِّفَاقَ **فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ** اَيْ بِزَكَاتِهٖ **هُوَ** اَيْ بُخْلُهُمْ **خَيْرًا لَّهُمْ** مَفْعُوْلٌ ثَانٍ وَالضَّمِيْرُ لِلْفَصْلِ وَالْاَوَّلُ بُخْلُهُمْ مُقَدَّرًا قَبْلَ الْمَوْصُوْلِ عَلَى الْفَوْقَانِيَّةِ وَقَبْلَ الضَّمِيْرِ عَلَى التَّحْتَانِيَّةِ **بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ** اَيْ بِزَكَاتِهٖ مِنَ الْمَالِ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** بِاَنْ يُجْعَلَ حَيَّةً فِيْ عُنُقِهٖ تَنْهَشُهٗ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ **وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** يَرِثُهُمَا بَعْدَ فَنَاءِ اَهْلِهِمَا **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾** فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ.

ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے (دوبارہ) قتال کے لیے نکلنے کے حکم پر لبیک کہہ دیا باوجودیکہ وہ اُحد میں زخم خوردہ ہو چکے تھے۔ (اور یہ اس وقت ہوا) کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے پلٹ کر آنے کا ارادہ کیا۔ اور نبی ﷺ سے یوم اُحد کے بعد آئندہ سال بازار بدر کے موقع پر (مقابلہ آرائی) کا چیلنج کیا۔ اَلَّذِيْنَ مبتدا ہے اور اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ اس کی خبر ہے۔ ان میں سے جنہوں نے اس کی اطاعت کے ذریعہ نیکی اختیار کی اور اس کی مخالفت سے اجتناب کیا ان کے لیے اجر عظیم ہے اور وہ جنت ہے۔ اور یہ ایسے لوگ ہیں (الذین) سابق الذین سے بدل یا صفت ہے۔ کہ جب ان سے لوگوں یعنی نعیم بن مسعود اشجعی نے کہا کہ لوگوں (یعنی) ابوسفیان اور اس کے اصحاب نے تمہارے مقابلہ کے لیے ایک بڑی جماعت جمع کر لی ہے تاکہ تم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں لہٰذا تم ان سے ڈرو، اور ان کے مقابلے کے لیے نہ نکلو۔ تو اس بات نے ان کے اللہ پر یقین اور تصدیق میں اضافہ کر دیا۔ اور ان لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ ان کے معاملہ میں ان کے لیے کافی ہے۔ اور وہ بہترین کارساز ہے۔ معاملہ اسی کے حوالہ ہے۔ اور وہ نبی ﷺ کے ہمراہ نکلے اور بازار بدر میں فروکش ہوئے اور اللہ نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے دل میں رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے انہوں نے آنے کی ہمت نہیں کی اور مسلمانوں کے ساتھ سامان تجارت (بھی) تھا جس کو فروخت کر کے خوب نفع کمایا۔ (نتیجہ یہ ہوا) کہ یہ لوگ مقام بدر سے اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ صحیح وسلامت اور نفع کے ساتھ واپس ہوئے اور ان کو قتل یا زخم، کسی قسم کی کوئی تکلیف پیش نہیں آئی۔ اور ان لوگوں نے نکلنے میں اطاعت کے ذریعہ اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ اپنے اطاعت گذاروں پر بڑے فضل والا ہے یقیناً یہ (اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ) کا قائل شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں (یعنی) کافروں سے خوف زدہ کر رہا ہے۔ تم ان کافروں سے خوف زدہ نہ ہونا، اور میرے حکم کو ترک کرنے میں مجھ سے ہی ڈرنا اگر تم صحیح معنی میں مومن ہو اور وہ لوگ جو کفر میں جلدی کرتے ہیں یعنی کفر کی مدد کر کے اس میں جلدی واقع ہو جاتے ہیں اور وہ اہل مکہ ہیں یا منافقین ہیں، آپ کو غمگین نہ کریں (لَا يُحْزِنْكَ) یاء کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ اور یاء کے فتحہ اور زاء کے ضمہ ساتھ، حَزَنَهٗ سے اَحْزَنَهٗ میں ایک لغت ہے۔ یقیناً یہ لوگ اپنی

حرکتوں سے اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہ تو اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اللہ کی یہی مشیت ہے کہ ان کے لیے آخرت یعنی جنت میں کچھ حصہ نہ رکھے۔ اوران کے لیے جہنم میں بڑا عذاب ہے یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے عوض کفر خرید لیا ہے یعنی ایمان کے بجائے کفر اختیار کرلیا ہے وہ اپنے کفر کی وجہ سے اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اوران کے لیے دردناک عذاب ہے، اور کافر لوگ ہماری اس درازی عمر اور تاخیر (مواخذہ) کی دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں (تحسبنّ) یاء اور تاء کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں۔ اور انّ کو مع اپنے معمول کے یَحْسَبَنَّ بالیاء کی صورت میں قائم مقام دو مفعولوں کے قرار دیا ہے، اور تَحْسَبَنَّ، بالتاء کی صورت میں مفعول ثانی کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے، ہم ان (کافروں) کو صرف اس لیے مہلت دے رہے ہیں تاکہ کثرت معاصی کے ذریعہ ان کے گناہ زیادہ ہوجائیں۔ اور آخرت میں ان کے لیے اہانت آمیز عذاب ہے۔ اے لوگو مخلص اور غیر مخلص کی اختلاط کی جس حالت پر تم ہو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس حال پر نہ چھوڑے گا تا آں کہ خبیث یعنی منافق کو طیب (یعنی) مومن سے اس کو ظاہر کرنے والی تکالیف شاقہ کے ذریعہ ممتاز نہ کردے چنانچہ یوم اُحد میں ایسا کیا، اور نہ اللہ تمہیں غیب پر مطلع کرنے والا ہے کہ تم منافق کو غیر منافق سے شناخت کرسکو البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے تو اس کو غیب پر مطلع کردیتا ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ کو منافقین کے حال پر مطلع کردیا سو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اگر تم ایمان لے آئے اور نفاق سے اجتناب کیا تو تمہارے لیے اجر عظیم ہے اور جنہیں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے کچھ دے رکھا ہے تو اس میں بخیلی کو بہتر نہ خیال کریں (یَحْسَبَنَّ) تاء اور یاء کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں، (خیرًا) مفعول ثانی ہے اور ھُوَ ضمیر متصل کے لیے ہے اور مفعول اول (بُخْلَھُمْ) فوقانیہ کی صورت میں موصول سے پہلے مقدر ہے اور ضمیر سے پہلے تحتانیہ کی صورت میں۔ بلکہ وہ ان کے لیے نہایت برا ہے عنقریب قیامت کے دن ان (بخیلی کرنے والوں کی گردنوں) میں اس مال زکوٰۃ کا جس میں انہوں نے بخیلی کی ہے طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ اس طور پر کہ اس مال کو سانپ بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا اور وہ اس کو ڈستا رہے گا۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اہل ارض و سماء کے فنا ہونے کے بعد اللہ ان کا وارث ہوگا۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے یاء اور تاء کے ساتھ پس تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَلَّذِیْنَ. مبتدأ. یعنی اَلَّذِیْنَ اپنے صلہ سے مل کر مبتداء ہے۔ اور لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ الخ خبر مقدم ہے، اَجْرٌ عظیم مبتداء مؤخر ہے۔ مبتداء مؤخر اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ ہو کر خبر ہے اَلَّذِیْنَ اول کی۔

قَوْلُہٗ: بدل من الذین. او نعت، مفسر علام نے الذین ثانی کو الذین اول سے بدل یا صفت قرار دیا ہے مگر اس میں اشکال ہے اس لیے کہ پہلے الذین سے خاص وہ لوگ مراد ہیں جو غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے تھے اور ثانی الذین سے عام

مسلمان مراد ہیں حالانکہ بدل اور نعت کے لیے دونوں میں اتحاد ضروری ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ الذین ثانی کو اَمْدَحُ فعل محذوف سے منصوب قرار دیا جائے۔ (اعراب القرآن)

قَوْلُہٗ: هُوَ، یہ مخصوص بالمدح ہے۔

قَوْلُہٗ: كُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ، كُمْ، يُخَوِّف کا مفعول ثانی ہے اور مفعول اول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: فتح الياء وضم الزاء یعنی باب نصر سے۔

قَوْلُہٗ: يقعُوْن فيه یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: يُسَارِعُوْنَ متعدی بالی ہوتا ہے اور یہاں متعدی، بفی۔

جَوَاب: يسارعون، يَقَعُوْنَ کے معنی کو متضمن ہے۔

قَوْلُہٗ: مؤلِمٌ اَلِيْمٌ کی تفسیر مؤلِمٌ سے کرکے اشارہ کردیا کہ لازم بمعنی متعدی ہے لہٰذا یہ شبہ ختم ہوگیا کہ عذاب صاحب الم خود (دردمند) نہیں ہوتا بلکہ اس میں داخل ہونے والا صاحب الم (دردمند) ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: ای امـلاء نا اس میں اشارہ ہے کہ ما مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ جیسا کہ انَّ کو ما سے متصل لکھنے کی وجہ سے وہم ہوتا ہے مناسب یہ تھا انَّ مَا کو اِنَّـمَا لکھا جاتا مگر چونکہ مصحف عثمانی میں اسی طرح مکتوب ہے اس لیے اس کی مخالفت نہیں کی گئی۔ اس لیے کہ ما موصولہ ہونے کی صورت میں ایک تو عائد کی ضرورت ہوگی جو کہ موجود نہیں ہے دوسرے یہ کہ معنی بھی درست نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: قبل الموصول تقدیر عبارت یہ ہوگی "ولا تحسبن بخل الذين"

قَوْلُہٗ: قبل الضمير تقدیر عبارت یہ ہوگی "ولايحسَبَنَّ البُخَلاءُ بُخْلَهُمْ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ، مقدر کو ضمیر پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر فصل مبتدا اور خبر ہی کے درمیان واقع ہوئی ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

❶ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ.

اِسْتعارة مكنية فى اشترء الكفر بالايمان، وقدتقدَّمَ القولُ فى هذا.

❷ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا.

استعارة تـصـريـحية فـى الاملاء، فَقَدْ شبَّهَ امهالَهم، وترك الحبل لهم على غوار بهم، بالفرس الذى يملى لهم الحبل ليجرى على سجية.

ويرتقى كيف يشاء، فحذف المشبه وهو الامهال والترك، وابقىٰ مشبه به وهو الاملاء.

الطباق: الطباق بين خير وشرٍّ وبين السمٰوات والارض.

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

ربط آیات اور شانِ نزول:

اوپر غزوۂ اُحد کا ذکر تھا مذکورہ آیات میں اسی غزوہ سے متعلق ایک اور غزوہ کا ذکر ہے جو غزوۂ حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے، حمراء الاسد مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔

واقعہ کی تفصیل:

جنگ اُحد سے پلٹ کر جب مشرکین کئی منزل دور چلے گئے تو انہیں ہوش آیا اور آپس میں کہنے لگے ہم نے یہ کیا حرکت کی کہ محمد ﷺ کی طاقت توڑ دینے کا جو بیش قیمت موقع ملا تھا اسے کھو کر چلے آئے چنانچہ مشرکین مکہ نے ایک جگہ جمع ہو کر مشورہ کیا کہ مدینہ منورہ پر فوراً ہی دوسرا حملہ کر دیا جائے لیکن پھر ہمت نہ پڑی ان پر اللہ نے ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ سیدھے مکہ مکرمہ کو ہو لیے۔ اور ایک شخص جس کا نام نعیم بن مسعود تھا جو مدینہ کی طرف آرہا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ عبد قیس کا ایک قافلہ ابوسفیان کے پاس سے گزرا تو ابوسفیان نے مسلمانوں کو کہلوایا کہ ابوسفیان نے ایک بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے اس کا ارادہ ہے کہ مدینہ پر دوبارہ حملہ کر کے سب نیست و نابود کر دے گا۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو حمراء الاسد کے مقام پر پہنچائی تو آپ نے اور مسلمانوں نے کہا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے "اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ" آیات نازل فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی گفتگو معلوم ہو گئی تو آپ ان کے تعاقب میں حمراء الاسد تک نکلے۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اُحد کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے مجاہدین میں اعلان فرمایا کہ ہمیں مشرکین کا تعاقب کرنا ہے مگر اس میں صرف وہی لوگ جا سکتے ہیں جو کل کے معرکہ میں ہمارے ساتھ تھے، اس اعلان پر دو سو مجاہدین جمع ہو گئے۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ معبد خزاعی بنی خزاعہ کا ایک شخص مدینہ سے مکہ کی طرف جا رہا تھا یہ شخص اگرچہ مسلمان نہ تھا مگر مسلمانوں کا خیر خواہ تھا اس کا قبیلہ رسول اللہ ﷺ کا حلیف تھا۔ راستہ میں جب ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ اپنے لوٹنے پر پچھتا رہے ہیں اور واپسی کی فکر میں ہے تو اس نے ابوسفیان کو بتایا کہ تم دھوکے میں ہو کہ مسلمان کمزور ہو گئے ہیں۔ میں ان کے بڑے لشکر کو حمراء الاسد کے مقام پر چھوڑ کر آیا ہوں جو پورے سامان کے ساتھ تمہارا تعاقب کر رہے ہیں۔ ابوسفیان اس خبر سے مرعوب ہو گیا اور واپس چلا گیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بدر صغریٰ کے موقعہ پر ابوسفیان نے بعض لوگوں کی خدمات مالی معاوضہ دے کر حاصل

کیں اوران کے ذریعہ مسلمانوں میں یہ افواہ پھیلائی کہ مشرکین لڑائی کے لیے پھر پوری تیاری کررہے ہیں تاکہ یہ سن کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہوجائیں، بعض روایات کی رو سے یہ کام شیطان نے اپنے چیلے چانٹوں کے ذریعہ لیا تھا۔ لیکن مسلمان ان افواہوں سے خوفزدہ ہونے کی بجائے مزید عزم وحوصلہ سے سرشار ہوگئے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ وهُمُ الْيَهُوْدُ قَالُوْا لَمَّا نَزَلَ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وَقَالُوْا لَوْ كَانَ غَنِيًّا مَا اسْتَقْرَضَنَا **سَنَكْتُبُ** نَأْمُرُ بِكَتْبِ **مَا قَالُوْا** فِيْ صَحَائِفِ اَعْمَالِهِمْ لِيُجَازَوْا عَلَيْهِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْيَاءِ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ **وَ** نَكْتُبُ **قَتْلَهُمُ** بِالنَّصْبِ وَالرَّفْعِ **الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ** بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ اَيِ اللّٰهُ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَلٰى لِسَانِ الْمَلٰٓئِكَةِ **ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ** ﴿۱۸۱﴾ النَّارِ وَيُقَالُ لَهُمْ اِذَا اُلْقُوْا فِيْهَا **ذٰلِكَ** الْعَذَابُ **بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ** عَبَّرَ بِهِمَا عَنِ الْاِنْسَانِ لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِهِمَا **وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ** اَيْ بِذِيْ ظُلْمٍ **لِّلْعَبِيْدِ** ﴿۱۸۲﴾ فَيُعَذِّبُهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ **اَلَّذِيْنَ** نَعْتٌ لِلَّذِيْنَ قَبْلَهُ **قَالُوْٓا** لِمُحَمَّدٍ **اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ** فِي التَّوْرٰةِ **اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ** نُصَدِّقُهُ **حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ** فَلَا نُؤْمِنُ لَكَ حَتّٰى تَاْتِيَنَا بِهِ وَهُوَ مَا يُتَقَرَّبُ بِهِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ نَعَمٍ وَغَيْرِهَا فَاِنْ قُبِلَ جَاءَتْ نَارٌ بَيْضَاءُ مِنَ السَّمَاءِ فَاَحْرَقَتْهُ وَاِلَّا بَقِيَ مَكَانَهُ وَعُهِدَ اِلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ ذٰلِكَ اِلَّا فِي الْمَسِيْحِ وَمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَالٰى **قُلْ** لَهُمْ تَوْبِيْخًا **قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ** بِالْمُعْجِزَاتِ **وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ** كَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى فَقَتَلْتُمُوْهُمْ وَالْخِطَابُ لِمَنْ فِيْ زَمَنِ نَبِيِّنَا وَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ لِاَجْدَادِهِمْ لِرِضَاهُمْ بِهِ **فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۱۸۳﴾ فِيْ اَنَّكُمْ تُؤْمِنُوْنَ عِنْدَ الْاِتْيَانِ بِهِ **فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ** الْمُعْجِزَاتِ **وَالزُّبُرِ** كَصُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ **وَالْكِتٰبِ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِاِثْبَاتِ الْبَاءِ فِيْهِمَا **الْمُنِيْرِ** ﴿۱۸۴﴾ الْوَاضِحِ هُوَ التَّوْرَاةُ وَالْاِنْجِيْلُ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوْا **كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ** جَزَاءَ اَعْمَالِكُمْ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ** بُعِّدَ **عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ** نَالَ غَايَةَ مَطْلُوْبِهِ **وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ** اَيِ الْعَيْشُ فِيْهَا **اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ** ﴿۱۸۵﴾ الْبَاطِلِ يُتَمَتَّعُ بِهِ قَلِيْلًا ثُمَّ يَفْنٰى **لَتُبْلَوُنَّ** حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي النُّوْنَاتِ وَالْوَاوُ ضَمِيْرُ الْجَمْعِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ لَتُخْتَبَرُنَّ **فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ** بِالْفَرَائِضِ فِيْهَا وَالْجَوَائِحِ **وَاَنْفُسِكُمْ ۟** بِالْعِبَادَاتِ وَالْبَلَاءِ **وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ** الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى **وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا** مِنَ الْعَرَبِ **اَذًى كَثِيْرًا ؕ** مِنَ السَّبِّ وَالطَّعْنِ وَالتَّشْبِيْبِ بِنِسَائِكُمْ **وَاِنْ تَصْبِرُوْا** عَلٰى ذٰلِكَ **وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ** ﴿۱۸۶﴾ اَيْ مِنْ مَعْزُوْمَاتِهَا الَّتِيْ يُعْزَمُ عَلَيْهَا لِوُجُوْبِهَا **وَ** اذْكُرْ **اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** اَيِ الْعَهْدَ عَلَيْهِمْ فِي التَّوْرٰةِ **لَتُبَيِّنُنَّهٗ** اَيْ

الکتاب **لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ** بالتاء والیاء فی الفعلین **فَنَبَذُوهُ** طرحوا المیثاق **وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ** فلم یعملوا به **وَاشْتَرَوْا بِهِ** اخذوا بدله **ثَمَنًا قَلِيلًا** من الدنیا من سفلتهم بریاستهم فی العلم فکتموه خوف فوته علیهم **فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ**﴿۱۸۷﴾ شراؤهم هذا **لَا تَحْسَبَنَّ** بالتاء والیاء **الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا** فعلوا من اضلال الناس **وَّيُحِبُّونَ أَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا** من التمسك بالحق وهم علی ضلال **فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ** بالوجهین تاکید **بِمَفَازَةٍ** بمکان ینجون فیه **مِّنَ الْعَذَابِ** فی الآخرة بل هم فی مکان یعذبون فیه وهو جهنم **وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ**﴿۱۸۸﴾ مؤلم فیها ومفعولا یحسب الاولی دل علیهما مفعولا الثانیة علی قراءة التحتانیة وعلی الفوقانیة حذف الثانی فقط **وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ** خزائن المطر والرزق والنبات وغیرها **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ**﴿۱۸۹﴾ ومنه تعذیب الکافرین وانجاء المؤمنین۔

ع ۱۹ / ۱۲

ترجمہ: یقیناً اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار ہیں اور یہ (کہنے والے) یہود ہیں یہ بات انہوں نے اس وقت کہی جب "مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" آیت نازل ہوئی اور یہ (بھی) کہ اگر اللہ مالدار ہوتا تو ہم سے قرض نہ مانگتا، ہم ان کے قول کو ان کے اعمال ناموں میں لکھ رہے ہیں تاکہ اس کی ان کو جزاء دی جائے۔ اور ایک قراءت میں (یکتُب) یاء کے ساتھ معروف کا صیغہ ہے۔ اور ہم ان کے انبیاء کے ناحق قتل کرنے کو بھی لکھ رہے ہیں (قتلهم) کے نصب اور رفع کے ساتھ، اور ہم کہیں گے آتش سوزاں کا عذاب چکھو۔ (یَقُوْلُ) نون اور یاء کے ساتھ، یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ بزبانِ ملائکہ کہے گا، اور جب ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا یہ عذاب تمہارے ان کرتوتوں کی وجہ سے ہے جو تم نے کیے ہیں۔ انسان کی تعبیر ہاتھوں سے کی ہے اس لیے کہ اکثر اعمال ہاتھوں ہی سے کیے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کہ ان کو بے خطاء سزا دے۔ یہ (قائلین) وہ لوگ ہیں اَلَّذِیْنَ. ماقبل والے اَلَّذِیْنَ کی صفت ہے جنہوں نے محمد ﷺ سے کہا کہ اللہ نے ہم کو توریت میں حکم دیا کہ ہم کسی نبی پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں (یعنی) اس کی تصدیق نہ کریں، جب تک وہ ایسی قربانی نہ لائے کہ اس کو آگ کھا جائے لہٰذا تم پر بھی اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لاؤ گے، اور وہ قربانی وہ ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے جانور وغیرہ کے قبیل سے۔ اگر قربانی مقبول ہوتی تو آسمان سے ایک سفید آگ آتی اور اس کو جلا ڈالتی ورنہ اپنی جگہ پڑی رہتی۔ بنی اسرائیل کو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد ﷺ کے علاوہ کے لیے اس کا حکم دیا گیا تھا۔ قربانی کی مقبولیت کی علامت آسمانی آگ کا قربانی کے جانور کو جلا دینا مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد ﷺ کے علاوہ کے لیے تھی۔ اسی طرح آسمانی آگ کا جلانا نبی کی صداقت کی دلیل مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد ﷺ کے علاوہ نبی کے لیے تھی۔ آپ ان سے کہہ دیجئے مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول دیگر معجزوں کے ساتھ یہ معجزہ بھی لائے تھے جو تم کہہ رہے ہو تو تم نے ان کو کیوں قتل کر دیا؟ مثلاً زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ تم نے ان

کو قتل کردیا۔ اور خطاب ان (یہود) سے ہے جو ہمارے نبی ﷺ کے زمانہ میں تھے اگر چہ یہ فعل (قتل) ان کے باپ دادوں کا تھا۔ ان لوگوں کے اس فعل سے راضی ہونے کی وجہ سے۔ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ معجزہ دیکھنے کے بعد ایمان لائیں گے۔ پھر بھی اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو معجزات اور صحیفے جیسا کہ صحف ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور واضح کتابیں اور ایک قراءت میں دونوں میں (یعنی زُبر اور کتاب) میں باء کے اثبات کے ساتھ ہے (ای بالزبر وبالکتاب) لے کر آئے۔ وہ تورات اور انجیل ہیں۔ لہٰذا جس طرح انہوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے۔ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور تم کو تمہارے اعمال کی پوری جزا تو قیامت کے دن دی جائے گی تو جو شخص آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو وہی کامیاب ہوا یعنی اس نے اپنا مکمل مطلوب پالیا۔ دنیا کی زندگی یعنی اس کا عیش تو محض باطل کا سودا ہے کہ چند دن اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے پھر فنا ہوجائے گا، یقیناً تم کو اس میں نون رفع مسلسل نونوں کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے اور واؤ ضمیر بھی اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے۔ تمہارے مالوں میں ان کے فرائض اور آفات کے ذریعہ اور تمہاری جانوں میں عبادات اور مصائب کے ذریعہ آزمایا جائے گا۔ اور یقیناً تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے۔ (یعنی) یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سے بہت سی دل آزار باتیں مثلاً گالی گلوچ اور طعنہ زنی اور تمہاری عورتوں کے بارے میں عشقیہ اشعار سننے پڑیں گے اگر تم اس پر صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بلاشبہ یہ بڑی ہمت کے کام ہیں یعنی ان مقاصد میں سے ہیں جن کا ان کے واجب ہونے کی وجہ سے قصد کیا جاتا ہے اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے اہل کتاب سے تورات میں عہد لیا کہ تم اس کتاب کو سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں دونوں فعلوں میں تاء اور یاء کے ساتھ۔ سو انہوں نے اس عہد کو اپنے پس پشت ڈال دیا کہ اس طور پر اس پر عمل نہ کیا۔ اور اس کے عوض اپنے کمتر لوگوں سے اپنی علمی سربراہی کی وجہ سے دنیا کی حقیر قیمت لے لی اس ثمن قلیل کے فوت ہونے کے خوف سے اس عہد کو چھپالیا۔ سو کیسی بری چیز ہے وہ جس کو وہ خرید رہے ہیں یعنی ان کا اس کو خریدنا کس قدر برا ہے! سو ایسے لوگوں کے بارے میں جو اپنے کرتوتوں یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے پر خوش ہو رہے ہیں ہرگز خیال نہ کریں (کہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں گے) اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کی مدح سرائی ایسے کارناموں پر بھی کی جائے جن کو انہوں نے انجام نہیں دیا ہے اور وہ حق کو تھامنا ہے۔ حالانکہ وہ گمراہی میں ہیں تو ایسے لوگوں کے بارے میں ہرگز آپ خیال نہ کریں کہ وہ آخرت میں عذاب سے محفوظ رہیں گے یعنی ایسی جگہ میں ہوں گے کہ وہ نجات پاجائیں، بلکہ وہ تو ایسی جگہ میں ہوں گے جس میں عذاب دیئے جائیں گے۔ اور وہ دوزخ ہے اور ان کے لیے اس میں دردناک (دردمند) عذاب ہوگا۔ اور پہلے یَحْسَبُ کے دونوں مفعول کہ جن پر یَحْسَبُ ثانی کے دونوں مفعول یاء تحتانیہ کی قراءت کی صورت میں دلالت کررہے ہیں اور فوقانیہ (قراءت) کی صورت میں فقط ثانی مفعول حذف کیا گیا ہے۔ اور آسمانوں اور زمین یعنی بارش اور رزق اور نباتات وغیرہ کے خزانوں پر اللہ ہی کی سلطنت ہے اور اللہ ہی ہر شی پر قادر ہے اور اسی میں سے کافروں کی تعذیب اور مومنوں کو نجات دینا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْا. یہ کلام مستانف ہے۔ اس کو یہود کی بیہودہ گوئی اور افواہوں کا نمونہ بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے. لَقَدْ میں لام توطیہ ہے قسم کے محذوف ہونے پر دلالت کرنے کے لیے ہے ای وَاللّٰہِ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰہ الخ. قَدْ حرف تحقیق ہے اور لام جواب قسم پر داخل ہے۔

قَوْلُہٗ: نکتب. اس میں اشارہ ہے کہ قَتْلَھُمْ کا عطف ما پر ہے نہ کہ قالوا پر۔

قَوْلُہٗ: بالنصب والرفع. وَقَتْلَھُمْ، میں دونوں قراءتیں ہیں، اس لیے کہ قتلھم کا معطوف علیہ ماقالوا ہے۔ اور معطوف علیہ محل کے اعتبار سے منصوب اور مرفوع دونوں ہے اگر نَکْتُبُ، نون کے ساتھ پڑھیں تو مَاقَالُوْا محلًا منصوب ہوگا اس لیے کہ نکتب کا مفعول ہوگا اور اگر یُکْتَبُ یاء کے ساتھ پڑھیں تو معطوف علیہ مرفوع ہوگا اس لیے کہ یُکْتَب، مجہول کا صیغہ ہوگا اور مَاقالوا نائب فاعل۔

قَوْلُہٗ: ای بذی ظلم، اس میں اشارہ ہے کہ ظلّام. مبالغہ کا صیغہ اسم فاعل کے معنیٰ میں ہے قرآن کریم میں مبالغہ کا صیغہ اکثر اسم فاعل کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔

قَوْلُہٗ: جوائح، یہ جائحة کی جمع ہے، آفت، پھلوں کا روگ۔

قَوْلُہٗ: التشبیب، غزل گوئی، عشق و محبت کی باتیں تشبیب دراصل جوانی کی باتوں کے ذکر کو کہتے ہیں۔ بعد میں غزل کے شروع میں عشقیہ باتوں کے ذکر کو کہنے لگے۔

قَوْلُہٗ: مَعْزُوْمَاتِھَا، اس میں اشارہ ہے کہ عزم مصدر بمعنیٰ اسم مفعول ہے۔ امور جمع، عزم کی اضافت امور جمع کی جانب کی وجہ سے ہے۔

قَوْلُہٗ: لَتُبَیِّنُنَّہٗ، تَبَیَّن سے جمع مذکر حاضر با نون ثقیلہ۔ تم ضرور بیان کروگے اس میں لام قسمیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: شراء ھم ھذا، شراء ھم، بئس کا فاعل ہے اور۔ ھذا، مخصوص بالمدح ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

❶ **استعارة مكنية:** فی قوله تعالیٰ ''ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ. استعارة مكنية، وقد تقدمت الاشارة اليها.

❷ **الطباق:** الطباق بين فقير واغنياء.

❸ **المجاز المرسل:** فی قوله تعالیٰ ''اَیْدِیْکُمْ'' اذالمراد سيئاتكم، والعلامة هی

السببية، لأن اليد يعني السبب فيما يقترفه الانسان من اعمال، مَتَاعُ الغرور. المتاع كل ما استمتع به الانسان من مال وغيره.

والغرور: مصدر غَرّاى خدع، والغرور، الباطل.

ماالحيوة الدنيا الامتاع الغرور. في الآية تشبيهٌ بليغٌ. فقد شبّه الدنيا بالمتاع الذي يدلس به باعه على طالبه حتى يتخدع ويشتريه.

الاستعارة المكنية: في قوله تعالىٰ، وَاشتروا به ثمناً قليلاً، وقد تقدمت.

تَفسِیر وتَشریح

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا ''مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا'' کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تو یہودیوں نے کہا اے محمد (ﷺ) تیرا رب فقیر ہو گیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن کثیر)

ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا فنحاص کو مارنا:

ابن عباس سے ابن اسحٰق، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ ابوبکر بیت المدراس میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگ ایک یہودی جس کا نام فنحاص تھا، کے پاس جمع تھے یہ شخص یہودی علماء میں سے تھا۔ تو ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس سے کہا۔ افسوس تیرے حال پر اے فنحاص تو اللہ سے ڈر اور اسلام لے آ، واللہ تو بخوبی جانتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور تم تورات میں یہ بات لکھی ہوئی پاتے ہو، تو فنحاص نے ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کہا واللہ اے (ابوبکر) ہم اللہ کے محتاج نہیں ہیں اللہ ہمارا محتاج ہے اور اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے بقول تمہارے صاحب کے قرض طلب نہ کرتا۔ تمہارا خدا ہم کو سود سے منع کرتا ہے اور خود دوگنا چوگنا دینے کا وعدہ کرتا ہے ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو فنحاص کی اس گستاخی پر غصہ آ گیا جس کی وجہ سے ایک طمانچہ رسید کر دیا، اور فرمایا واللہ اگر یا ہم معاہدہ نہ ہوتا تو اے دشمن خدا میں تیری گردن مار دیتا، فنحاص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شکایت کرتے ہوئے کہا اے محمد (ﷺ) دیکھو تمہارے دوست نے میرے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس شخص نے خدا کی شان میں گستاخی کی جس کی وجہ سے مجھے غصہ آ گیا، فنحاص اپنے اس قول سے مکر گیا مگر اللہ نے اپنے صدیق کی تصدیق فرماتے

ہوئے ''لَقَدْ سمع اللّٰہ قول الذین قالوا انّ اللّٰہ فقیر ونحن اغنیاء'' نازل فرمائی۔ (فتح القدیر شوکانی)

اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیْنَا اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَأْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُہُ النَّارُ.

یہود کا طلب معجزۂ قربان:

بنی اسرائیل کی شریعت میں چونکہ صدقہ اور مال غنیمت کھانا حلال نہیں تھا اس لیے قربانی کے جانور کو ذبح کر کے اور صدقہ کے مال کو جمع کر کے رکھ دیا جاتا تھا اگر آسمانی آگ آ کر اس کو جلا دیتی تو یہ اس کے مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی ورنہ وہ صدقہ مردود و نامقبول سمجھا جاتا تھا۔ اور یہود کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ ہم کو تورات میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے تو تم اس سے نذر و صدقات کے مال کو آسمانی آگ سے جلانے کا مطالبہ کرو اگر وہ معجزہ دکھا دے تو اس کی نبوت پر ایمان لاؤ ورنہ نہیں، اس معجزہ سے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد ﷺ مستثنیٰ تھے ان پر اس معجزہ کے بغیر ہی ایمان لانے کا حکم تھا۔

اگر آپ ﷺ چاہتے تو ان کو یہ جواب دے سکتے تھے کہ ہمارے اوپر ایمان لانے کے لیے یہ معجزہ دکھانا شرط نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس سوال کا جواب دوسرے طریقہ سے دیا، کہ اے رسول مقبول آپ ان سے کہیے کہ ہم سے پہلے جو پیغمبر آئے اور وہ یہ معجزہ بھی لائے پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا؟ اگر اسی معجزہ پر تمہارے ایمان لانے کا دار و مدار تھا تو ان پر ایمان لاتے۔

بائبل میں متعدد مقامات پر یہ ذکر آیا ہے کہ خدا کے یہاں کسی کی قربانی کے مقبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ غیب سے ایک آگ نمودار ہو کر اسے جلا دیتی تھی، (قضاۃ ٦: ٢٠۔١٢) لیکن یہ کسی جگہ نہیں لکھا ہے کہ اس طرح کی قربانی نبوت کی کوئی ضروری شرط ہے یا جس نبی کو یہ معجزہ نہ دیا گیا ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ یہ محض ایک من گھڑت بہانہ تھا جو یہودیوں نے محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے کے لیے تصنیف کر لیا تھا لیکن اس سے بھی بڑھ کر ان کی حق دشمنی کا ثبوت یہ تھا کہ خود انبیاء بنی اسرائیل میں سے بعض نبی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے قربانی کا مذکورہ معجزہ پیش کیا مگر پھر بھی جرائم پیشہ لوگ ان کے قتل سے باز نہ آئے۔ مثال کے طور پر بائبل میں حضرت الیاس (ایلیا) کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے ہبل کے پجاریوں کو چیلنج کیا کہ مجمع عام میں ایک بیل کی قربانی تم کرو اور ایک کی قربانی میں کرتا ہوں جس کی قربانی کو غیبی آگ کھا لے وہی حق پر ہے، چنانچہ ایک خلقِ کثیر کے سامنے یہ مقابلہ ہوا اور غیبی آگ نے حضرت الیاس کی قربانی کھا لی، لیکن اس کا جو نتیجہ نکلا وہ یہ تھا کہ اسرائیل کے بادشاہ کی ہبل پرست ملکہ حضرت الیاس کی دشمن ہو گئی اور وہ زن پرست بادشاہ اپنی ملکہ کی خاطر ان کے قتل کے در پے ہوا اور ان کو مجبوراً ملک سے نکل کر جزیرہ نمائے سینا کے پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ (۱۔ سلاطین، باب ۱۸/۱۹)

فَاِنْ کَذَّبُوْکَ فَقَدْ کُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ (الآیۃ) شرط ہے اس کا جواب شرط محذوف ہے جس کو مفسر علام نے فاصبر کہہ کر ظاہر کر دیا ہے، اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کی تکذیب سے آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں کیوں کہ یہ معاملہ تو سب ہی انبیاء کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ. اس آیت میں اس اٹل حقیقت کا بیان ہے کہ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ دوسرا یہ کہ دنیا میں جس نے اچھا یا برا جو کچھ کیا ہوگا اس کو اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا، تیسرے کامیابی کا معیار بتلایا گیا ہے کہ ہر کامیاب انسان اصل میں وہ ہے کہ جس نے دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لیا جس کے نتیجے میں وہ جہنم سے محفوظ اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ چوتھا یہ کہ دنیا کی زندگی سامان فریب ہے جو اس سے دامن بچا کر نکل گیا وہ خوش نصیب اور جو اس کے فریب میں پھنس گیا وہ ناکام اور نامراد ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ (الآية) اے مسلمانو! تمہیں مال اور جان کی آزمائش پیش آکر رہے گی اور اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔

اہل ایمان کی آزمائش:

اہل ایمان کو ان کے ایمان کے مطابق آزمایا جائے گا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں آیت/۱۵۵ میں گزر چکا ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین سے تکلیف پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کی طرف سے دین اسلام کی تحقیر پیغمبر اسلام کی توہین اور ان کی طعن و تشنیع اور ان کے الزامات اور ان کا بیہودہ طرز کلام سننا پڑے گا لہٰذا تم ان کے مقابلہ میں صبر و استقامت سے کام لینا۔ بے شک یہ بڑے دل گردے کا کام ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ابھی اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا اور جنگ بدر بھی ابھی نہیں ہوئی تھی کہ نبی ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لیے بنی حارث بن خزرج میں تشریف لے گئے، راستہ میں ایک مجلس میں مشرکین یہود اور عبداللہ بن ابی وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ کی سواری سے جو گرد اڑی عبداللہ بن ابی نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو ٹھہر کر قبول اسلام کی دعوت بھی دی جس پر عبداللہ بن ابی نے گستاخانہ کلمات بھی کہے، وہاں بعض مسلمان بھی تھے انہوں نے اس کے برعکس آپ ﷺ کی تحسین فرمائی قریب تھا کہ ان کے اندر جھگڑا ہو جائے آپ ﷺ نے ان سب کو خاموش کر دیا، پھر آپ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو انہیں بھی یہ واقعہ سنایا، جس پر انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی یہ باتیں اس لیے کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے یہاں کے باشندگان کو اس کی تاج پوشی کرنی تھی اب آپ کے آنے سے اس کی سرداری کا یہ حسین خواب ادھورا رہ گیا جس سے اسے سخت صدمہ ہے اور اس کی یہ باتیں اس کے اس بغض و عناد کا مظہر ہیں، اس لیے آپ درگزر ہی سے کام لیں۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر ملخصًا)

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ. ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات لوگوں میں پھیلانی ہونگی۔ انہیں پوشیدہ رکھنا نہیں ہوگا مگر انہوں نے کتاب کو پس پشت

ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کررہے ہیں۔ مذکورہ تین آیتوں میں علماء اہل کتاب کے دو جرم اوران کی سزا کا بیان ہے۔ اور یہ کہ ان کو حکم یہ تھا کہ اللہ کی کتاب میں جو احکام آئے ہیں ان کو سب کے سامنے بے کم وکاست بیان کریں گے، اور کسی حکم کو چھپائیں گے نہیں۔ مگر انہوں نے اپنی دنیاوی اغراض اور طمع نفسانی کی خاطر اس عہد کی پرواہ نہ کی۔ بہت سے احکام کو لوگوں سے چھپالیا۔

دوسرے یہ کہ وہ نیک عمل کرتے تو ہیں نہیں اور چاہتے ہیں کہ بغیر عمل کے ان کی تعریف کی جائے۔

تورات کے حکم کو چھپانے کا واقعہ:

احکام تورات کو چھپانے کا واقعہ تو صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے ایک بات پوچھی کہ کیا یہ تورات میں ہے مگر ان لوگوں نے انکار کردیا حالانکہ وہ حکم تورات میں موجود تھا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف ملخصًا)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِمَا مِنَ الْعَجَائِبِ **وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ** بِالْمَجِیْءِ وَالذَّهَابِ وَالزِّیَادَةِ وَالنُّقْصَانِ **لَاٰیٰتٍ** دَلَالَاتٍ عَلٰی قُدْرَتِهٖ تَعَالٰی **لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾** لِذَوِی الْعُقُوْلِ **الَّذِیْنَ** نَعْتٌ لِمَا قَبْلَهٗ اَوْ بَدَلٌ **یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ** مُضْطَجِعِیْنَ اَیْ فِیْ كُلِّ حَالٍ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ یُصَلُّوْنَ كَذٰلِكَ حَسْبَ الطَّاقَةِ **وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** لِیَسْتَدِلُّوْا بِهٖ عَلٰی قُدْرَةِ صَانِعِهِمَا یَقُوْلُوْنَ **رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا** الْخَلْقَ الَّذِیْ نَرَاهُ **بَاطِلًا** حَالٌ عَبَثًا بَلْ دَلِیْلًا عَلٰی كَمَالِ قُدْرَتِكَ **سُبْحٰنَكَ** تَنْزِیْهًا لَكَ عَنِ الْعَبَثِ **فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ** لِلْخُلُوْدِ فِیْهَا **فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ** اَهَنْتَهٗ **وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ** الْكَافِرِیْنَ فِیْهِ وُضِعَ الظَّاهِرُ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ اِشْعَارًا بِتَخْصِیْصِ الْخِزْیِ بِهِمْ **مِنْ** زَائِدَةٌ **اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾** اَعْوَانٍ یَمْنَعُوْنَهُمْ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ **رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ** یَدْعُو النَّاسَ **لِلْاِیْمَانِ** اَیْ اِلَیْهِ وَهُوَ مُحَمَّدٌ اَوِ الْقُرْاٰنُ **اَنْ** اَیْ بِاَنْ **اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا** بِهٖ **رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ** غَطِّ **عَنَّا سَیِّاٰتِنَا** فَلَا تُظْهِرْهَا بِالْعِقَابِ عَلَیْهَا **وَتَوَفَّنَا** اِقْبِضْ اَرْوَاحَنَا **مَعَ** فِیْ جُمْلَةِ **الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾** الْاَنْبِیَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ **رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا** بِهٖ **عَلٰی** اَلْسِنَةِ **رُسُلِكَ** مِنَ الرَّحْمَةِ وَالْفَضْلِ وَسُؤَالُهُمْ ذٰلِكَ وَاِنْ كَانَ وَعْدُهٗ تَعَالٰی لَا یُخْلَفُ سُؤَالٌ اَنْ یَّجْعَلَهُمْ مِنْ مُسْتَحِقِّیْهِ لِاَنَّهُمْ لَمْ یَتَیَقَّنُوا اسْتِحْقَاقَهُمْ لَهٗ وَتَكْرِیْرُ رَبَّنَا مُبَالَغَةٌ فِی التَّضَرُّعِ **وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾** الْوَعْدَ بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ **فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ** دُعَاءَهُمْ **اَنِّیْ** اَیْ بِاَنِّیْ **لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ** كَائِنٌ **مِّنْ بَعْضٍ** اَیِ الذُّكُوْرُ مِنَ الْاِنَاثِ

وبالعكس والجملة مؤكدة لما قبلها اى هم سواء فى المجازاة بالاعمال وترك تضييعها نزلت لما
قالت ام سلمة يارسول الله لااسمع الله ذكر النساء فى الهجرة بشئ **فَالَّذِينَ هَاجَرُوا** من مكة الى
المدينة **وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي** دينى **وَقَاتَلُوا** الكفار **وَقُتِلُوا** بالتخفيف والتشديد وفى القراءة
بتقديمه **لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ** استرها بالمغفرة **وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا** مصدر
من معنى لأكفرن مؤكد له **مِّنْ عِندِ اللَّهِ** فيه التفات عن التكلم **وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ** (١٩٥) الجزاء
ونزل لما قال المسلمون اعداء الله فيما نرى من الخير ونحن فى الجهد **لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا**
تصرفهم **فِي الْبِلَادِ** (١٩٦) بالتجارة والكسب هو **مَتَاعٌ قَلِيلٌ** يتمتعون به فى الدنيا يسيرا ويفنى
ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (١٩٧) الفراش هى **لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ**
اى مقدرين الخلود **فِيهَا نُزُلًا** هو ما يعد للضيف ونصبه على الحال من جنت والعامل فيها معنى الظرف
مِّنْ عِندِ اللَّهِ وَمَا عِندَ اللَّهِ من الثواب **خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ** (١٩٨) من متاع الدنيا **وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ**
كعبدالله بن سلام واصحابه والنجاشى **وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ** اى القرآن **وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ** اى التوراة والانجيل
خَاشِعِينَ حال من ضمير يؤمن مراعى فيه معنى من اى متواضعين **لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ** التى
عندهم فى التورة والانجيل من نعت النبى صلى الله عليه وسلم **ثَمَنًا قَلِيلًا** من الدنيا بان يكتموها
خوفا على الرياسة كفعل غيرهم من اليهود **أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ** ثواب اعمالهم **عِندَ رَبِّهِمْ** يؤتونه
مرتين كما فى القصص **إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ** (١٩٩) يحاسب الخلق فى قدر نصف نهار من ايام الدنيا
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا على الطاعات والمصائب وعن المعاصى **وَصَابِرُوا** الكفار فلا يكونوا اشد
صبرا منكم **وَرَابِطُوا** اقيموا على الجهاد **وَاتَّقُوا اللَّهَ** فى جميع احوالكم **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** (٢٠٠) تفوزون
بالجنة وتنجون من النار.

ترجمہ: آسمانوں اور زمین اور ان میں جو عجائبات ہیں ان کی تخلیق میں اور آمد و رفت اور زیادتی و کمی شب و روز
کے بدلنے میں یقیناً عقلمندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو لوگ (الذین) اپنے ماقبل کی صفت یا بدل ہے اللہ
تعالیٰ کو کھڑے کھڑے بیٹھے بیٹھے لیٹے لیٹے یعنی ہر حال میں یاد کرتے ہیں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حسب طاقت
مذکورہ ہیئتوں میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ زمین اور آسمان کے
بنانے والے کی قدرت پر استدلال کریں۔ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! یہ مخلوق جس کو ہم دیکھ رہے ہیں تو نے بے فائدہ
پیدا نہیں کی بلکہ تیرے کمال قدرت پر دلیل بنایا۔ تمام لایعنی کاموں سے تو پاک ہے سو ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔

اے ہمارے پروردگار! جس کو تو نے ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیا تو تو نے اس کو رسوا کردیا اور کافروں کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا کہ ان کو اللہ کے عذاب سے بچا سکے، اس میں کافروں کے ساتھ رسوائی کی تخصیص کی طرف اشارہ کرنے کے لیے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لایا گیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ بآواز بلند لوگوں کو ایمان کی طرف پکار رہا ہے۔ اور وہ محمد ﷺ یا قرآن ہے کہ اے لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ پس ہم اس پر ایمان لائے اے الٰہی اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری خطاؤں کی پردہ پوشی فرما لہٰذا ان پر سزا دے کر ان کو ظاہر نہ فرما اور ہماری وفات (یعنی حشر) انبیاء وصالحین کے زمرہ میں فرما، اے ہمارے رب! اپنی رحمت اور اپنے فضل سے (مذکورہ چیزوں کا ہم کو مستحق فرما) اور اپنے رسول کی زبانی تو نے جس کا ہم سے وعدہ فرمایا ہے عطا فرما۔ ان کا مذکورہ چیزوں کا سوال کرنا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ میں تخلف نہیں ہوتا بایں معنی ہے کہ ہم کو اپنے وعدے کے مستحقین میں شامل فرما اس لیے کہ ان کو ان وعدوں کا مستحق ہونے کا یقین نہیں تھا۔ اور رَبَّنَا، کی تکرار عاجزی میں مبالغہ کرنے کے لیے ہے اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کرنا بے شک تو بعث وجزاء کے وعدہ کا خلاف نہیں کرتا۔ سو ان کی دعاء کو ان کے پروردگار نے قبول کرلیا اس لیے کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو خواہ مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے جز ہو یعنی مذکر مونث سے ہے اور اس کا عکس یہ جملہ (معترضہ) ماقبل کے لیے موکدہ ہے۔ یعنی وہ اعمال کی جزاء اور عدم اضاعت میں برابر ہیں۔ (آئندہ) آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت امّ سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے نہیں سنا کہ اللہ نے ہجرت کے معاملہ میں عورتوں کا بھی کچھ ذکر کیا ہو۔ اس لیے وہ لوگ جنہوں نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کی۔ اور جن کو ان کے گھروں سے نکالا گیا اور میرے دین کے راستہ میں ایذا دیئے گئے اور جنہوں نے کفار سے جہاد کیا اور شہید کیے گئے۔ (قتلوا) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے۔ اور ایک قراءت میں قُتِلُوْا کی تقدیم کے ساتھ ہے۔ میں ضرور ان کی برائیاں دور کردوں گا یعنی ان کو مغفرت میں چھپالوں گا۔ اور ضرور ان کو ایسی جنت میں داخل کروں گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں (ثَوَابًا) یہ اللہ کی طرف سے بطور ثواب ہے، لَاُكَفِّرَنَّ کے معنی سے مصدر برائے تاکید ہے۔ اس میں تکلم سے غیبت کی جانب التفات ہے۔ اور بہتر ثواب اللہ ہی کے پاس ہے۔ (اور آئندہ آیت اس وقت نازل ہوئی) جب مسلمانوں نے کہا کہ ہم اللہ کے دشمنوں کو بہتر حالت (آسودگی) میں دیکھ رہے ہیں اور ہم مشقت میں ہیں۔ کافروں کا شہروں میں تجارت اور کسب معاش کے سلسلہ میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالدے یہ تو چند روزہ بہار ہے جس سے دنیا میں چند روز مزے اڑائیں گے اور ختم ہو جائیگی۔ پھر تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ یعنی برا بستر ہے۔ البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے ایسے باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی طرف سے بطور ضیافت ہوگی اور یہ ہمیشہ رہنا ان کے لیے مقدر کردیا گیا ہے اور 'نُزُل' اس چیز کو کہتے ہیں جو مہمان کے لیے تیار کی جاتی ہے اور اس کا نصب جنۃ سے حال ہونے کی بناء پر ہے اور اس میں عامل معنیٰ ظرف ہیں (ای ثَبَتَ لهم) اور اللہ کے پاس جو ثواب ہے وہ صالحین کے لیے متاع دنیا سے بہتر ہے اور اہل کتاب میں یقیناً کچھ ایسے بھی ہیں

جواللہ پر ایمان رکھتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی یا نجاشی، اور اس پر بھی جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے یعنی قرآن اور جو ان کی طرف اتارا گیا ہے۔ یعنی تورات اور انجیل (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔ اور اللہ کی آیتوں کا جو تورات و انجیل میں ان کے پاس ہیں۔ اور وہ محمد ﷺ کی صفات ہیں قلیل قیمت میں سودا نہیں کرتے کہ زوال ریاست کے خوف سے ان کو چھپا دیں۔ جیسا کہ ان کے علاوہ دیگر یہود کرتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے ان کو دوگنا اجر دیا جائے گا جیسا کہ سورۂ قصص میں ہے یقیناً اللہ جلد حساب لینے والا ہے مخلوق کا حساب دنیوی ایام کے حساب کے اعتبار سے نصف دن میں لے لیگا۔ اے ایمان والو! طاعات پر اور مصائب پر اور معاصی سے باز رہنے پر صبر کرو اور کفار کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو۔ کہ وہ تم سے زیادہ ثابت قدم نہ ہوں۔ اور جہاد کے لیے تیار رہو اور تمام حالات میں اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم جنت کے لینے میں کامیاب ہو جاؤ اور نار جہنم سے نجات پاؤ۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیة) کلام مستانف ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وجود اور اس کے علم اور اس کی قدرت کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: یقولون، سابق میں باری تعالیٰ کا کلام تھا یہاں سے ''اولوا الالباب'' کا کلام شروع ہے اس لیے یہاں یقولون مقدر مانا ہے۔

قِوْلَہٗ: الخلق الذی نراہ. یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: ہذا کا مشار الیہ السموٰت والارض ہے جو کہ مونث ہے اور ھذا اسم اشارہ مذکر ہے، اسم اشارہ اور مشار الیہ میں مطابقت نہیں ہے؟

جَوَاب: ھذا کا مشار الیہ خلق بمعنی مخلوق ہے۔ لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔

قِوْلَہٗ: باطلاً. یہ ہذا سے حال ہے نہ کہ خلقت کا مفعول ثانی اس لیے کہ خلق متعدی بیک مفعول ہے۔

قِوْلَہٗ: للخلود فیہا. یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: اللہ تعالیٰ کا قول ''یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَہٗ'' کا مقتضیٰ ہے کہ تمام مومنین غیر محزونین ہوں۔ حالانکہ عصاۃ مومنین میں سے بعض جہنم میں داخل ہوں گے اور یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ جو بھی جہنم میں داخل ہوا رسوا ہوا اگرچہ وہ مومن ہی کیوں نہ ہو؟

جَوَاب: دخول سے دائمی دخول مراد ہے جو صرف کافروں کے لیے ہوگا۔ اس سے معتزلہ کا جواب بھی ہو گیا کہ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: وضع الظاهر موضع المضمر الخ یہ ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔

سَوَال: اصحاب الخزی کا ذکر سابق میں مَنْ تدخل النار کے ضمن میں آچکا ہے لہٰذا اس کے لیے ضمیر لانا کافی تھا یعنی ماللظلمین کے بجائے مَالَهُمْ کافی تھا؟

جَوَاب: یہ ہے کہ خزیان کی تخصیص کو بیان کرنے کے لیے صراحت کے ساتھ لفظ ظالمین ذکر کیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: الیه. سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: نداء اور دعاء متعدی باللام نہیں ہوتے حالانکہ یہاں متعدی باللام ہے؟

جَوَاب: لام بمعنی اِلیٰ ہے۔ اسی جواب کی طرف مفسر علام نے اِلَیْهِ کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: ثوابًا، مصدرٌ مِنْ معنی لَاکفرنَّ موکدٌله اس عبارت سے ایک تو یہ بتانا ہے کہ ثوابًا جنت سے حال نہیں ہے اس لیے کہ یہاں حال کا ذوالحال پر حمل درست نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: لاکفرنّ، سے ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سَوَال: ثوابًا، لَاُکفرنّ کا مفعول مطلق نہیں ہوسکتا دونوں کے الفاظ الگ ہیں، حالانکہ دونوں کا ایک مادہ سے ہونا ضروری ہے۔

جَوَاب: ثوابًا اور لَاُکَفِّرَنَّ اگرچہ دونوں کے الفاظ متحد نہیں ہیں مگر معنی کے اعتبار سے دونوں متحد ہیں، اس لیے کہ لَاُکَفِّرَنَّ معنی میں لَاُثِیْبَنَّهُمْ کے ہے۔ لہٰذا اب عبارت اس طرح ہوگی "لَاُثیبنَّهُمْ ثوابًا" اور یہ مفعول مطلق برائے تاکید ہے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الطباق: اَلَّذِیْنَ یذکرون الله قِیَامًا وقعودًا وعلی جنوبهمْ. (میں صنعت طباق ہے)۔

الطباق الذی جمع حالات الانسان الثلاث فی الصلوة، وهی قیام والقعود والاضطجاع علی الجنب کمایقول الشافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ او استلقاء لانّه اَخفُّ کمایقول ابو حنیفة رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ.

المجاز المرسل: المجاز المرسل بعلاقة المحلیة فقد ذکر السمٰوات والارض ومراده مافیها من اجرام عظیمة بدیعة الصنع

الایجاز: ایجاز فی قوله تعالیٰ "وَیَتفکّرونَ فی خلقِ السّمٰواتِ والارضِ" حیث انطویٰ تحت هٰذاالایجاز کلّ ما تمخَّضَ عنه العلمِ من روائع المکتشفات وبدائع المستنبطات وفی الحدیث "لاعبادة کالتفکّر".

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ (الآیة) اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور محدث ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے حالات میں جو سب سے زیادہ عجیب چیز آپ نے دیکھی ہو وہ مجھے بتلایئے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا آپ کی کس شان کو پوچھتے ہو، ان کی ہر شان عجیب تھی، ہاں ایک عجیب واقعہ سناتی ہوں۔ وہ یہ کہ آپ ﷺ ایک رات میرے پاس تشریف لائے، اور لحاف میں میرے ساتھ داخل ہو گئے پھر فرمایا اجازت دو میں اپنے پروردگار کی عبادت کروں، بستر سے اٹھے۔ وضو فرمایا، پھر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، اور قیام میں اس قدر روئے کہ آپ کے آنسو سینہ مبارک پر بہہ گئے، پھر رکوع فرمایا اور اس میں بھی روئے، پھر سجدہ کیا اور سجدہ میں بھی اسی قدر روئے، پھر سر اٹھایا اور مسلسل روتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ حضرت بلال آئے اور آپ ﷺ کو نماز کی اطلاع دی۔ بلال فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضور اس قدر گریہ کیوں فرماتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ اور شکریہ میں گریہ وزاری کیوں نہ کروں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آج کی رات مجھ پر یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی "اِنَّ فی خلقِ السمٰوات والارض". (الآیة)

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: بڑی تباہی ہے اس شخص کے لیے جس نے ان آیتوں کو پڑھا اور ان میں غور نہیں کیا۔ (معارف)

خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے کیا مراد ہے؟

خلق، مصدر ہے جس کے معنیٰ ایجاد واختراع کے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ زمین وآسمان کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں سے ہر شخص بآسانی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ خدا سے غافل نہ ہو، اور آثار کائنات کو جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ غور وفکر کے ساتھ مشاہدہ کرے۔

جب وہ نظام کائنات میں غور وفکر کرتے ہیں اور قدرت کی نشانیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت ان پر کھل جاتی ہے کہ یہ سراسر ایک حکیمانہ نظام ہے تو وہ کہہ اٹھتے ہیں "رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا" اور وہ اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ یہ بات سراسر حکمت کے خلاف ہے کہ جس مخلوق میں اللہ نے اخلاقی حس پیدا کی ہو، جسے تصرف کے اختیارات دیئے ہوں،

جسے عقل و تمیز عطا کی ہو، اس سے اس کی حیات دنیا کے اعمال پر باز پرس نہ ہو اور اسے نیکی پر جزاء اور بدی پر سزا نہ دی جائے۔ اسطرح نظام کائنات پر غور کرنے سے انہیں آخرت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے، اور خدا کی سزا سے پناہ مانگنے لگتے ہیں ''سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ''۔

اسی طرح یہی مشاہدہ ان کو اس بات پر مطمئن کر دیتا ہے کہ پیغمبر اس کائنات اور اس کے آغاز و انجام کے متعلق جو نقطہ نظر پیش کرتا ہے اور زندگی کا جو راستہ بتاتا ہے وہ سراسر حق ہے۔ اور زبان دل سے کہنے لگتے ہیں ''رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیا یُنادی للایمان اَن آمنوا بِرَبِّکُمْ فآ مَنَّا الخ، رَبَّنَا وَ آتِنَا ماوَعدتنا علی رُسلك و لاتخزنایوم القیامة اِنّك لاتخلف المیعاد''۔

انہیں اس امر میں تو شک نہیں ہے کہ اللہ اپنے وعدوں کو پورا کرے گا یا نہیں، البتہ تردد اس امر میں ہے کہ آیا ان وعدوں کے مصداق ہم بھی قرار پاتے ہیں یا نہیں۔ اس لیے وہ اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ ان وعدوں کا مصداق ہمیں بھی بنادے کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا میں تو ہم پیغمبروں پر ایمان لاکر کفار کی تضحیک اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنے ہی رہے، قیامت میں بھی ان کافروں کے سامنے ہماری رسوائی ہو اور وہ ہم پر پھبتی کسیں کہ ایمان لاکر بھی ان کا بھلا نہ ہوا۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ. ان لوگوں کی دعاء اور درخواست کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کے عمل کو ضائع کرنے والا نہیں، خواہ مرد ہو یا عورت۔ مرد یا عورت کی وضاحت اس لیے فرمادی کہ اسلام نے بعض معاملات میں مرد اور عورت کے درمیان ان کے ایک دوسرے سے مختلف فطری اوصاف کی بنا پر جو فرق کیا ہے۔ مثلاً قوامیت اور حاکمیت میں، کسب معاش کی ذمہ داری میں، جہاد میں حصہ لینے اور وراثت میں نصف حصہ ملنے میں، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نیک اعمال کی جزاء میں بھی شاید مرد و عورت کے درمیان کچھ فرق کیا جائے گا نہیں ایسا نہیں ہوگا، بلکہ ہر نیکی کا جو اجر ایک مرد کو ملے گا وہ نیکی اگر عورت کرے گی تو وہ اجر اس کو بھی ملے گا۔

''بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ'' یہ جملہ معترضہ ہے اس کا مقصد پچھلے نکتہ کی وضاحت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے سلسلہ میں عورتوں کا نام نہیں لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی، ابن کثیر)

لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ. آیت میں خطاب اگرچہ نبی کو ہے لیکن مخاطب پوری امت ہے، شہروں میں چلت پھرت سے مراد تجارت اور کاروبار کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک جانا ہے۔ یہ تجارتی سفر، وسائل دنیا کی فراوانی اور کاروبار کی وسعت و فروغ پر دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب کچھ عارضی اور چند روزہ فائدہ ہے۔ اس سے اہل ایمان کو دھوکے میں مبتلا نہ ہونا چاہئے۔ اصل انجام پر نظر رکھنی چاہئے جو ایمان سے محرومی کی صورت میں جہنم کا دائمی عذاب ہے جس میں دولت دنیا سے مالا مال یہ کافر مبتلا ہوں گے۔

یعنی دنیا کے وسائل، آسائشیں اور سہولتیں بظاہر کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں درحقیقت متاع قلیل ہی ہیں کیوں کہ بالآخر ان

کے لیے فنا ہے اور انکے فنا ہونے سے پہلے وہ لوگ خود فنا ہو جائیں گے جو ان کے حصول کی خاطر خدا کو فراموش کیے ہوئے ہیں۔ اور ہر قسم کے اخلاقی ضابطوں اور اللہ کی حدود کو پامال کرتے ہیں۔

لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ (الآیۃ) ان کے برعکس جو لوگ تقویٰ اور خدا خوفی کی زندگی گذار کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے، گو دنیا میں ان کے پاس خدا فراموشوں کی طرح دولت کے انبار اور رزق کی فراوانی نہ رہی ہوگی، مگر وہ اللہ کے مہمان ہوں گے جو تمام کائنات کا خالق و مالک ہے، اور وہاں کا صلہ اس سے بہت بہتر ہوگا جو دنیا میں کافروں کو ملا ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ (الآیۃ) اس آیت میں اہل کتاب کے اس گروہ کا ذکر ہے جسے رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا، ان کے ایمان اور ایمانی صفات کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسرے اہل کتاب سے ممتاز کر دیا۔ جن کا مشن ہی اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا آیات الٰہی میں تحریف و تلبیس کرنا، اور دنیا کے عارضی اور فانی مفادات کے لیے کتمان حق کرنا تھا۔ اللہ نے فرمایا یہ مومنین اہل کتاب ایسے نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں اللہ کی آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچنے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو علماء و مشائخ دنیوی اغراض کے لیے آیاتِ الٰہی میں تحریف یا اس کے مفہوم کے بیان میں دجل و تلبیس سے کام لیتے ہیں وہ ایمان اور تقویٰ سے محروم ہیں۔

حافظ ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے لکھا ہے کہ آیت میں جن مومنین اہل کتاب کا ذکر ہے، یہود میں سے ان کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچتی۔ البتہ عیسائی بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے۔ (ابن کثیر)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا. صبر کرو۔ یعنی طاعات اختیار کرنے اور شہوات ولذات کے ترک کرنے میں اپنے نفس کو مضبوط اور ثابت قدم رکھو۔

بحمد اللہ تعالیٰ

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَسِتٌّ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ وَخَمْسٌ اَوْ سِتٌّ اَوْ سَبْعٌ اَوْ سَبْعُوْنَ آيَةً.

سورۂ نساء مدنی ہے ۱۷۵ یا ۱۷۶ یا ۱۷۷، آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اى اهل مكّة اتَّقُوْا رَبَّكُمُ اى عقابَهُ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ادم وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا حوّاءَ بالمدِّ من ضلعٍ من اضلاعه اليُسرى وَبَثَّ فرّق ونشرَ مِنْهُمَا من ادم وحوّاء رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ كثيرةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ فيه ادغامُ التّاءِ في الاصلِ في السّينِ وفي قراءةٍ بالتّخفيفِ بحذفِها اى تتسائلُوْنَ بِهٖ فيما بينكُمْ حيث يَقُوْلُ بعضُكم لبعضٍ اسألُكَ باللّٰهِ وانشُدكَ باللّٰهِ وَ اتَّقُوا الْاَرْحَامَ ۚ اَنْ تقطعُوْها وفي قراءةٍ بالجرّ عطفًا على الضّميرِ في به وكانوا يتناشدُوْنَ بالرّحمِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① حافظًا لاعمالِكُمْ فيُجازيكُمْ بها اى لم يزل مُتّصفًا بذلكَ ونزلَ في يتيمٍ طلبَ من وليِّه مالَه فمنعَهُ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى الصّغارَ الّذي لا ابَ لَهُمْ اَمْوَالَهُمْ اذا بلغُوْا وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ الحرامَ بِالطَّيِّبِ ۪ الحلالِ اى تأخُذُوْهُ بدلَهُ كما تفعلُوْنَ من اَخذِ الجيِّدِ من مالِ اليتيمِ وجعلِ الرّدي من مالكم مكانَهُ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ مضمُوْمةً اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ اى اكلَها كَانَ حُوْبًا ذنبًا كَبِيْرًا ② عظيمًا ولما نزلَتْ تحرّجُوْا من ولايةِ اليتٰمى وكان فيهم من تحتَهُ العشرُ اوالثّمانُ من الازواجِ فلا يَعدِلُ بينهُنّ فنزلَتْ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا تعدلُوْا فِي الْيَتٰمٰى فتحرّجتُمْ من امرِهِمْ فخافُوْا ايضًا الّا تعدِلُوْا بينَ النّساءِ اذا نكحتُمُوْهُنّ فَانْكِحُوْا تزوّجُوْا مَا بمعنى مَنْ طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ اى اثنينِ اثنينِ وثلاثًا ثلاثًا واربعًا اربعًا ولا تزيدُوْا على ذلكَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فيهِنّ بالنّفقةِ والقسمِ فَوَاحِدَةً انكحُوْها اَوْ اقتصِرُوْا على مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ من الاماءِ اذ ليسَ لهُنّ من الحُقُوْقِ ما للزّوجاتِ ذٰلِكَ اى نكاحُ الاربعةِ فقط اوالواحدةِ اوالتّسرّي اَدْنٰۤى اقربُ الى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③ تجُوْرُوْا وَاٰتُوا اعطُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ جمع صدقة

مُهُوْرَبُنَّ **نِحْلَةً** مَصْدَرٌ عَطِيَّةٌ عن طِيْبِ نَفْسٍ **فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا** تَمييزٌ مُحَوَّلٌ عن الفاعِلِ اى إِن طَابَتْ أَنْفُسُهُنَّ لكم عن شيْءٍ من الصِّدَاقِ فوَهَبْنَهُ لكم **فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـئًا** طَيِّبًا **مَّرِيْٓـئًا** ﴿٤﴾ مَحْمُوْدَ العَاقِبَةِ لا ضَرَرَ فيه عليكم في الاخرةِ نزل رَدًّا على مَنْ كَرِهَ ذلك **وَلَا تُؤْتُوا** اَيُّهَا الاَوْلِيَاءُ **السُّفَهَآءَ** المُبَذِّرِيْنَ من الرِّجَالِ والنساءِ والصِّبْيَانِ **اَمْوَالَكُمُ** اى امْوالَهُمُ التي في اَيْدِيْكُمْ **الَّتِيْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيٰمًا** مَصْدرُ قَامَ اى تَقُوْمُ بِمَعَاشِكُمْ وصَلاحِ اَوْلادِكُمْ فَيُضَيِّعُوْنَهَا في غَيْرِ وَجْهِهَا وفي قراءةٍ قِيَمًا جَمْعُ قِيْمَةٍ مَا تُقَوَّمُ به الاَمْتِعَةُ **وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا** اَطْعِمُوْهُمْ منها **وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا** ﴿٥﴾ عِدُوْهُمْ عِدَةً جَمِيْلَةً بِاِعْطَائِهِمْ امْوالَهُمْ اِذَا رَشَدُوْا **وَابْتَلُوا** اِخْتَبِرُوْا **الْيَتٰمٰى** قَبْلَ البُلُوْغِ في دِيْنِهِمْ وتَصَرُّفِهِمْ في اَحْوَالِهِمْ **حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ** اى صَارُوْا اَهْلًا لَهُ بِالاِحْتِلامِ اوالسِّنِّ وهو اسْتِكْمَالُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً عِنْدَ الشَّافِعِيِّ **فَاِنْ اٰنَسْتُمْ** اَبْصَرْتُمْ **مِّنْهُمْ رُشْدًا** اِصْلاحًا في دِيْنِهِمْ ومَالِهِمْ **فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ** اَيُّهَا الاَوْلِيَاءُ **اِسْرَافًا** بِغَيْرِ حَقٍّ حَالٌ **وَّبِدَارًا** اى مُبَادِرِيْنَ الى اِنْفَاقِهَا مَخَافَةَ **اَنْ يَّكْبَرُوْا** رُشْدًا فَيَلْزَمُكُمْ تَسْلِيْمُهَا اليهم **وَمَنْ كَانَ** من الاَوْلِيَاءِ **غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ** اى يَعِفُّ عن مَالِ اليَتِيْمِ ويَمْتَنِعُ من اَكْلِهِ **وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ** منه **بِالْمَعْرُوْفِ** بِقَدْرِ اُجْرَةِ عَمَلِهِ **فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ** اى الى اليَتَامٰى **اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ** اَنَّهُمْ تَسَلَّمُوْهَا وبَرِئْتُمْ لِئَلَّا يَقَعَ اخْتِلافٌ فتَرْجِعُوْا الى البَيِّنَةِ وهذا اَمْرُ اِرْشَادٍ **وَكَفٰى بِاللهِ** الباءُ زائدةٌ **حَسِيْبًا** ﴿٦﴾ حَافِظًا لِاَعْمَالِ خَلْقِهِ ومُحَاسِبَهُمْ ونزل رَدًّا لِمَا كَانَ عليه الجاهِلِيَّةُ من عَدَمِ تَوْرِيْثِ النِّسَاءِ والصِّغَارِ **لِلرِّجَالِ** الاَوْلادِ والاَقَارِبِ **نَصِيْبٌ** حَظٌّ **مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ** المُتَوَفَّوْنَ **وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ** اى المَالِ **اَوْ كَثُرَ** جَعَلَهُ اللهُ **نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا** ﴿٧﴾ مَقْطُوْعًا بتَسْلِيْمِهِ اليهم **وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ** لِلْمِيْرَاثِ **اُولُوا الْقُرْبٰى** ذَوُوالقَرَابَةِ مِمَّنْ لا يَرِثُ **وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ** شَيْئًا قَبْلَ القِسْمَةِ **وَقُوْلُوْا** اَيُّهَا الاَوْلِيَاءُ **لَهُمْ** اِذَا كَانَ الوَرَثَةُ صِغَارًا **قَوْلًا مَّعْرُوْفًا** ﴿٨﴾ جَمِيْلًا بِاَنْ تَعْتَذِرُوْا اليهم انكم لا تَمْلِكُوْنَهُ وانه للصِّغَارِ وهذا قِيْلَ مَنْسُوْخٌ وَقِيْلَ لَا ولكِنْ تَهَاوَنَ النَّاسُ في تَرْكِهِ وعليه فَهُوَ نَدْبٌ وعن اِبْنِ عَبَّاسٍ رضي اللهُ تعالى عنه وَاجِبٌ **وَلْيَخْشَ** اى لِيَخَفْ على اليَتَامٰى **الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا** اى قَارَبُوْا اَنْ يَتْرُكُوْا **مِنْ خَلْفِهِمْ** اى بَعْدَ مَوْتِهِمْ **ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا** اَوْلادًا صِغَارًا **خَافُوْا عَلَيْهِمْ** الضَّيَاعَ **فَلْيَتَّقُوا اللهَ** في اَمْرِ اليَتَامٰى ولْيَاْتُوْا اليهم مَا يُحِبُّوْنَ ان يُفْعَلَ بِذُرِّيَّتِهِمْ من بَعْدِ مَوْتِهِمْ **وَلْيَقُوْلُوْا** لِلْمَيِّتِ **قَوْلًا سَدِيْدًا** ﴿٩﴾ صَوَابًا بِاَنْ يَاْمُرُوْهُ اَنْ يَتَصَدَّقَ بِدُوْنِ ثُلُثِهِ ويَدَعَ البَاقِيَ لِوَرَثَتِهِ ولا يَتْرُكَهُمْ عَالَةً

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا بِغَيْرِ حَقٍّ إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ اي مِلْئَهَا نَارًا لِأَنَّهُ يَؤُوْلُ إِلَيْهَا وَسَيَصْلَوْنَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ يَدْخُلُونَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾ نَارًا شَدِيدَةً يَحْتَرِقُونَ فِيهَا.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اے لوگو، یعنی اے مکہ والو! تم اپنے رب کے عذاب سے ڈرو اس طریقہ پر کہ اس کی اطاعت کرو۔ جس نے تم کو ایک جان آدم سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا حواء کو اسکی بائیں پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا کیا (حواء) مد کے ساتھ ہے، اور ان دونوں یعنی آدم وحواء سے بہت سے مرد اور عورت پھیلا دیئے اور اس اللہ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو۔ اس طریقہ پر کہ ایک دوسرے سے کہتے ہو کہ میں تجھ سے اللہ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں یا تجھ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ اس میں تاء، اصل میں سین میں مدغم ہے اور ایک قرائت میں بحذف تاء تخفیف کے ساتھ ہے۔ ای تَسَاءَ لُوْنَ، اور ذوی الارحام کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو یعنی قطع رحمی کرنے سے ڈرو، اور ایک قراءت میں (اَرْحَامِ) کے کسرہ کے ساتھ ہے بِہٖ، کی ضمیر پر عطف کرتے ہوئے اور وہ آپس میں صلہ رحمی کا بھی واسطہ دیا کرتے تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے یعنی تمہارے اعمال کو محفوظ رکھنے والا ہے تو وہ تم کو ان اعمال کی جزاء دیگا، یعنی وہ اس صفت نگہبانی کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے اور (آئندہ آیت) ایک یتیم کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس نے اپنے ولی سے اپنا مال طلب کیا مگر اس نے منع کر دیا۔ اور یتیموں کو یعنی وہ چھوٹے بچے کہ جن کا باپ موجود نہیں ہے جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا مال دیدو اور حرام کو حلال سے تبدیل نہ کرو یعنی حرام کو حلال کے عوض مت لو، جیسا کہ تم یتیم کے مال میں سے عمدہ مال لے کر اور اپنے مال میں سے خراب قسم کا مال اس کی جگہ رکھ کر کرتے ہو، اور ان کے مالوں کو اپنے مالوں سے ملا کر (یعنی اس کی آڑ میں) مت کھاؤ بلاشبہ یہ کھانا گناہ عظیم ہے، اور جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو لوگ یتیموں کی کفالت میں حرج محسوس کرنے لگے اور ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ جن کی زوجیت میں دس دس یا آٹھ آٹھ یتیم بیویاں تھیں اور وہ ان کے درمیان عدل سے کام نہیں لیتے تھے تو آئندہ آیت نازل ہوئی۔ اگر تمہیں یتیموں کے بارے میں عدل نہ کرنے کا اندیشہ ہو اور تم ان کے معاملہ میں (گناہ) سے بچنا چاہتے ہو اور ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے کی صورت میں بھی انصاف نہ کرنے کا اندیشہ کرو، تو (یتیم لڑکیوں کے علاوہ) سے نکاح کرلو جو تم کو پسند ہوں، مَا، بمعنی مَنْ، ہے دو دو سے تین تین سے چار چار سے اس سے آگے نہ بڑھو، لیکن اگر تمہیں ان کے درمیان (بھی) برابری نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو ایک ہی کافی ہے یا اپنی باندیوں پر اکتفاء کرو اسلئے کہ باندیوں کے وہ حقوق نہیں ہوتے جو بیویوں کے ہوتے ہیں، یہ چار سے نکاح یا ایک سے، یا باندی پر اکتفاء زیادتی نہ ہونے کی توقع میں زیادہ قریب ہے اور تم عورتوں کے مہر خوش دلی سے دیدیا کرو صدقات، صَدُقَةٌ کی جمع ہے صَدُقَاتِهِنَّ ای مهورهن، نِحلۃً مصدر ہے معنی خوش دلی سے عطیہ دینے کے ہے لیکن اگر وہ خوش دلی سے تمہارے لئے اس میں سے کچھ چھوڑ دیں نَفْسًا، تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہے ای طَابَتْ اَنْفُسُهُنَّ لَکُمْ مِنْ شَیْءٍ مِنَ الصَّدَاقِ فَوَهَبْنَهُ لَکُمْ، تو تم

اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ۔ کہ اس کے کھانے میں تمہارا آخرت میں کوئی نقصان نہیں۔ یہ آیت اس شخص پر رد کرنے کے بارے میں نازل ہوئی جو اس میں کراہت سمجھتا تھا۔ اور اے اولیاؤ! تم کم عقلوں کو جو فضول خرچ ہوں مرد ہوں یا عورت اور بچے وہ مال نہ دو جو تمہارے قبضہ میں ہے (اور) جس کو تمہارے گزران کے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے، قِیـامًـا، قَامَ کا مصدر ہے یعنی جس کے ذریعہ تم اپنی معاش اور اپنی اولاد کی اصلاح قائم رکھتے ہو تو وہ اس مال کو بلا وجہ صرف کر دیں گے، اور ایک قراءت میں قِیَـمًـا، قیمة کی جمع ہے جس کی وجہ سے معاشِ زندگی قائم رہتی ہے اور اس مال میں سے انہیں کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کہتے رہو یعنی تم ان سے ان کے مال دینے کے بارے میں اچھے وعدے کرتے رہو کہ جب تم سمجھدار ہو جاؤ گے (تو تمہارا مال تم کو دے دیں گے) اور (ان کے) بالغ ہونے سے پہلے ان کے دین اور لین دین کے معاملات میں ان کی دیکھ بھال کرتے رہو یہاں تک کہ عمرِ نکاح کو پہنچ جائیں (بالغ ہو جائیں) یعنی نکاح کے اہل ہو جائیں احتلام کے ذریعہ یا عمر کے ذریعہ اور وہ (مدت) پندرہ سال کی تکمیل ہے امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک پس اگر تم ان میں سمجھداری یعنی ان کے دین اور مال کے معاملہ میں صلاح دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالہ کر دو اور اے اولیاؤ ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں ناحق تباہ مت کرو (یعنی ان کے بڑے ہو کر سمجھدار ہونے کے خوف سے بعجلت ان کا مال نہ کھاؤ اس خیال سے کہ بڑے ہونے کے بعد ان کا مال ان کو سونپنا پڑے گا) اور اولیاء میں سے جو مالدار ہوں ان کو چاہیے کہ ان کے یعنی یتیموں کے مال سے بچتے رہیں اور اس کے کھانے سے اجتناب کریں، البتہ جو نادار ہو تو وہ یتیم کے مال میں سے دستور کے مطابق اپنے عمل کی اجرت کے بقدر کھا سکتا ہے اور جب ان کے مال ان یتیموں کے حوالہ کرنے لگو تو ان پر گواہ بنالیا کرو کہ انہوں نے مال وصول کر لیا اور تم بری ہو گئے تاکہ اختلاف واقع نہ ہو۔ (اور اختلاف واقع ہونے کی صورت میں) تم گواہ کی جانب رجوع کر سکو، اور یہ امر اصلاحی ہے (یعنی گواہ بنانے کا حکم استحبابی ہے) اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے یعنی اپنی مخلوق کے اعمال کا محافظ اور ان کا محاسب ہے۔ (آئندہ آیت) اس دستور کو رد کرنے کے لئے نازل ہوئی جو اہل جاہلیت میں رائج تھا اور وہ عورتوں اور بچوں کو میراث نہ دینے کا دستور تھا، وفات پانے والے ماں باپ کے ترکہ میں مردوں یعنی اولاد و اقارب کا حصہ بھی ہے اور والدین اور خویش و اقارب کے ترکہ میں عورتوں کا حصہ بھی ہے، مال خواہ قلیل ہو یا کثیر، اللہ نے اس میں حصہ متعین کیا ہے اور جب تقسیم میراث کے وقت ایسے رشتہ دار آجائیں جن کا میراث میں حصہ نہیں ہے اور یتیم و مسکین (آجائیں) تو تقسیم سے پہلے تھوڑا بہت ان کو بھی دیدو اور اے اولیاؤ ان حاضر ہونے والوں سے خوش اخلاقی کی بات کہدو جبکہ ورثہ (میں) نابالغ بھی ہوں۔ اس طریقہ پر کہ ان سے معذرت کر دو کہ تم اس کے مالک نہیں ہو سکتے اسلئے کہ یہ نابالغ بچوں کا مال ہے اور کہا گیا ہے کہ (غیر ورثاء کو دینے کا حکم) منسوخ ہے اور کہا گیا ہے کہ منسوخ نہیں ہے۔ بلکہ لوگ (اس حکم پر) ترک عمل ہی میں سہولت سمجھنے لگے ہیں، اور اس عدم نسخ کے قول کے مطابق امر استحباب کے لئے ہے، اور ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ حکم وجوب کے لئے ہے اور یتیموں کے بارے میں ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ اپنے پیچھے اپنی موت کے بعد چھوٹے ناتواں بچے چھوڑ

تے، یعنی قریب المرگ ہونیکی وجہ سے چھوڑنے کے قریب ہوتے کہ جن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا تو چاہئے کہ یتیموں کے معاملہ میں اللہ سے ڈریں اور ان کے ساتھ وہی سلوک کریں جو وہ پسند کریں کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ کیا جائے اور مرنے والے یعنی (مریض) سے مناسب بات کہیں (مثلا) یہ کہ اس سے کہیں کہ تہائی مال سے کم صدقہ کرو اور باقی ورثہ کے لئے چھوڑ دو اور محتاج بنا کر نہ چھوڑو۔ بے شک جو لوگ ناروا طریقہ سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں۔ یعنی پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ (ماکول) آگ میں تبدیل ہو جائے گا اور وہ لوگ عنقریب بھڑکتی ہوئی یعنی شدید آگ میں جائیں گے جس میں وہ جلتے رہیں گے۔

تَحقِیق وتَرکیب وتسہیل وتَفسِیری فوائد

قَوْلُہٗ: یَاَیُّهَا النَّاسُ ای اهل مكة.

سَوَال: مشہور قاعدہ ہے کہ مکی آیتوں میں خطاب یاایّھا الناس سے اور مدنی آیتوں میں یاایّھا الذین آمنوا سے ہوتا ہے حالانکہ سورۂ نساء مدنی ہے مگر اس میں خطاب یاایّھا الناس سے ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: مذکورہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں، اس کے علاوہ مخاطب یہاں بھی اہل مکہ ہی ہیں۔

قَوْلُہٗ: ای عِقَابَہٗ اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ذات سے احتراز محال ہے مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرکے اس کے عذاب سے بچو۔

قَوْلُہٗ: حوّآء. انّما سميت حوّآء لانها خُلقتْ من الحىّ.

قَوْلُہٗ: تساءَلُونَ، تسائلٌ سے مضارع ہے جمع مذکر حاضر، تم باہم سوال کرتے ہو، اصل میں تَتَسَاءَ لونَ تھا تاء ثانیہ کو حذف کردیا گیا۔

قَوْلُہٗ: والارحام، یہ رحم کی جمع ہے بمعنی قرابت رشتہ داری۔

قَوْلُہٗ: اَن تُقَطَّعُوا اس میں اشارہ ہے کہ مضاف محذوف ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ ارحام سے احتراز کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: كانوا يتناشدون ای يتقاسمون.

قَوْلُہٗ: الْاُلٰى، یہ اسم موصول ہے جو کہ مذکر مؤنث یعنی الّذی اور الّتی میں مشترک ہے۔ اسلئے کہ یتیم ہونا مذکر یا مونث کے ساتھ خاص نہیں ہے اسی لئے ایسا اسم موصول لائے ہیں جو مذکر اور مؤنث دونوں میں مشترک ہے۔

فَائِدَہ: انسانوں میں یتیم اس بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ نہ ہو اور حیوانوں میں جس کی ماں نہ ہو الیتیم فی الاناسی مِنْ قِبَلِ الْآباء وفی البهائم مِنْ قِبَلِ الاُمّهات.

قِوْلَهُ: يتمٰى، يتيم کی جمع الجمع ہے۔ يتيم کی جمع يَتْمٰى بروزن اَسْرىٰ اور يتْمٰى کی جمع يَتَامٰى.

قِوْلَهُ: مَضْمُونَةً، اَكَلٌ کا صلہ چونکہ اِلیٰ نہیں آتا اسلئے مَضْمُونَة مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ، الی مَضْمُوْنَةً کے متعلق ہے نہ کہ تأكُلوا، کے۔

قِوْلَهُ: ای اكلها، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: انَّهٗ کی ضمیر اموال کی طرف راجع ہے جو کہ جمع ہے لہٰذا ضمیر مفرد کا لانا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: تأكلون سے جو اکل مفہوم ہے اس کی طرف راجع ہے۔

قِوْلَهُ: تحَرَّجوْا مِنْ ولاية اليتمٰى، یعنی یتیموں کی ولایت سے بچنے اور باز رہنے کی کوشش کرنے لگے۔

قِوْلَهُ: فَخَافُوا.

سُوَال: فخافوا، جزاء محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ جبکہ، فانكحوا، جزاء موجود ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ خافوا، ماضی کا صیغہ نہیں ہے جیسا کہ بادی الرائے میں وہم ہوتا ہے بلکہ یہ امر جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو یتیموں کے مال کے بارے میں ناانصافی کا اندیشہ ہے تو ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے کی صورت میں بھی ناانصافی کا اندیشہ کرو، مطلب یہ ہے کہ ناانصافی کے اندیشہ میں دونوں صورتیں شریک ہیں، اس اشتراکِ مفہوم پر مفسر علام کا لفظ ایضًا دلالت کر رہا ہے۔

قِوْلَهُ: اِنكحوها.

سُوَال: جزاء کے لئے جملہ ہونا شرط ہے حالانکہ یہاں جزاء، فَوَاحِدَةً، مفرد ہے۔

جَوَاب: مفسر علام نے انكحوا محذوف مان کر اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای اِنكحوا وَاحِدَةً اس تقدیر کے بعد جزاء جملہ ہوگئی ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قِوْلَهُ: اِقتصرُوا على، یہ عبارت بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ اَوْ مَا ملكتْ کا عطف اِنكحوا واحدةً پر ہے جو کہ عطف مفرد على الجملہ کے قبیل سے ہے حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔

جَوَاب: یہ ہے کہ مفسر علام نے اقتصروا علىٰ محذوف مان کر اسی سوال کا جواب دیا ہے اقتصروا محذوف ماننے کے بعد عطف جملہ علی الجملہ ہو گیا لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔

سُوَال: معطوف میں فعل محذوف کو کس مصلحت سے بدل دیا؟ جبکہ معطوف علیہ میں انكحوا فعل محذوف ہے اور معطوف میں اِقْتَصِروا.

جَوَاب: اگر معطوف میں فعل کو نہ بدلتے تو تقدیر عبارت یہ ہوتی اِنكحوا مَا ملكت اَيْمَانكم، اور یہ درست نہیں ہے۔ اسلئے کہ باندی سے مالک کا نکاح درست نہیں ہے۔ (ترويح الارواح)

قَوْلُہٗ: عطيةً عن طيب نفسٍ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ نحلةً مصدر (یعنی مفعول مطلق) کیسے ہوسکتا ہے جبکہ مفعول مطلق کے لئے مصدر کا فعل کے ہم معنی ہونا شرط ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ نِحْلَةً بمعنی عطية ہے لہٰذا اپنے فعل جو کہ آتوا النساء ہے کے ہم معنی ہے اسلئے کہ آتوا، اعطوا کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: هَنِيْئًا صفت مشبہ (ف ن ض) هَنَاءٌ خوش مزہ، پاکیزہ، فعيل، کا وزن واحد جمع سب کے لئے آتا ہے اسلئے یہاں ضمیر واحد سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: مَرِيْئًا، صفت مشبہ خوشگوار، مَرَاءَةٌ مصدر، خوشگوار ہونا (ک ف س)۔

قَوْلُہٗ: بغير حق اس اضافہ سے اس شبہ کو دور کر دیا کہ اسراف کے بغیر یتیموں کا مال کھاسکتے ہیں، بغير حق کا اضافہ کرکے بتا دیا کہ ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ اسراف ہو یا نہ ہو۔

قَوْلُہٗ: فَلْيَسْتَعْفِفْ (استفعال) واحد مذکر غائب، وہ بچتا رہے، احتراز کرے۔

قَوْلُہٗ: لِئَلَّا يَقَعَ اختِلافٌ فترجعوا الى البَيِّنَةِ، اى اِنْ وقع اختلافٌ فترجعوا الى البيّنة.

قَوْلُہٗ: هذا اَمْرُ اِرْشاد، اى اَمْرُ استحباب. یعنی امام اعظم کے نزدیک گواہ بنانا امر مستحب ہے، اسلئے کہ امام صاحب کے نزدیک اختلاف کی صورت میں ولی کا قول معتبر ہے۔

قَوْلُہٗ: جَعَلَهُ اللّٰه، اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ نَصِيْبًا، جَعَلَ فعل محذوف کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

تَعُوْلُوْا، مضارع جمع مذکر حاضر (ن) مائل ہونا جھکنا، انصاف سے انحراف کرنا، يقال عَالَ الميزانُ اِذَا مَالَ، وَعَالَ الحاكم في حكمه: اِذَا جَارَ.

فانكحوا مَا طابَ لكم، ولم يقل "مَنْ" كما هو المتبادر في استعمال "مَنْ" كما هو للعاقل، وَمَا، لغير العاقل تغليبًا.

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

ربط آیت:

سورۂ آل عمران کی آخری آیت تقویٰ پر ختم ہوئی ہے اور یہ سورت تقویٰ کے حکم سے شروع ہورہی ہے لہٰذا مناسبت ظاہر ہے اس سورت کا نام سورۃ النساء ہے۔ اس سورت میں چونکہ عورتوں کے بہت سے احکام و مسائل کا ذکر ہے اسی مناسبت سے اس

کا نام سورة النساء رکھا گیا ہے۔ یَآ اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ، یاَیُّهَا الناس میں خطاب پوری نوع انسانی سے ہے، خواہ کسی نسل، کسی رنگ، کسی قوم، کسی جنس، کسی ملک کا ہو، قرآن کا پیغام انسانیت تمام بنی آدم کے لئے ہے، بعض مفسرین نے جن میں مفسر علام سیوطی بھی شامل ہیں اس کو اہل مکہ کے لئے خاص سمجھا ہے مگر ان کے پاس کوئی وزنی دلیل تخصیص نہیں ہے، خصوصاً جبکہ سورت مکی بھی نہیں بلکہ بالاتفاق مدنی ہے اور لفظ نـاس ہے بھی نوع بشر کے لئے، اب رہا یہ ضابطہ کہ یا یّها الناس سے خطاب اہل مکہ کو ہوتا ہے تو یہ قاعدہ اکثری ہے نہ کہ کلی۔

خِطَابٌ عَامٌّ لَیس خاصًا بقومٍ دون قومٍ فلا وَجه تخصِیْصِهَا بِاَهْلِ مَکَّةَ، لَفظُ، الناس اسمٌ لجنس البشر. (المنار)

وحدت انسانی کی قرآن میں اہمیت، وحدت نوع انسانی کا یہ سبق اپنے عملی اور دوررس نتائج کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ انسانوں کے جد اعلیٰ ہر گورے اور ہر کالے، ہر وحشی اور ہر مہذب، ہر ہندی اور ہر چینی اور ہر فرنگی کے ایک ہی ہیں اور وہ آدم ہیں یہ نہیں کہ فلاں نسل کے مورث اعلیٰ کوئی اور تھے اور فلاں نسل کے کوئی اور، اور نہ یہ کہ برہمن ذات والے برہماجی کے منہ سے پیدا ہوئے اور چھتری نسل والے ان کے بازو اور سینے سے اور ویش ذات والے ان کے پیٹ سے، اور شودر ذات کے لوگ ان کے پیروں سے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان انسان سب ایک ہیں۔ انسان ہونے کے حیثیت سے نہ کوئی اونچا ہے اور نہ کوئی نیچا، اونچ نیچ اگر ہے تو وہ محض عمل اور کردار کے اعتبار سے ہے زیادہ سے زیادہ نوع انسانی اگر تقسیم ہوسکتی ہے تو وہ یہ کہ نوع انسانی کی دو قسمیں ہیں نیک اور بد۔ خداترس اور ناخداترس اس کے علاوہ نوع انسانی کی کوئی تیسری قسم نہیں ہے اور عقل اس کو باور بھی نہیں کرتی کہ ایک باپ کی اولاد کے کچھ افراد کسی دوسرے خطۂ ارض میں جا کر آباد ہوجائیں تو وہ ایک الگ نسل ہوجائیں یا ایک باپ کی اولاد میں بعض گورے اور بعض کالے ہوجائیں تو ان کی نسل بھی مختلف ہوجائے یا ایک باپ کی اولاد میں سے بعض ایک لب ولہجہ میں اور دوسرے بعض دوسرے لب ولہجہ میں بات کرنے لگیں تو ان کی نسل ہی بدل جائے۔

انسان کو پیدا کرنے کی مختلف صورتیں اور طریقے ہوسکتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک خاص صورت کو اختیار فرمایا، کہ سب انسانوں کو ایک ہی انسان یعنی حضرت آدم عَلِیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے پیدا فرما کر سب کو اخوت اور برادری کے مضبوط رشتہ میں باندھ دیا اس کا یہ تقاضہ ہے کہ باہمی ہمدردی اور خیرخواہی کے حقوق پورے ادا کئے جائیں اور ذات پات کی اونچ نیچ اور لونی ونسلی یا لسانی وعلاقائی امتیازات کو شرافت ورذالت کا معیار نہ بنایا جائے "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ" دادی حوّا کی تخلیق کی تفصیلی کیفیت سے قرآن مجید یکسر خاموش ہے اور تقریباً یہی حال حدیث کا بھی ہے جس مشہور حدیث کی رو سے حضرت حوّا کا آدم کی پسلی سے پیدا ہونا بیان کیا جاتا ہے اس میں ذکر نہ حضرت آدم عَلِیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کا ہے اور نہ حضرت حوّا کا، بلکہ محض عورت کی پیدائش اور اس کی کج سرشتی کا بیان ہے (ماجدی) آثار میں جو روایت ملتی ہے وہ روایت، تورات کی آواز کی بازگشت ہے اور تورات کا بیان حسب ذیل ہے۔

''خدا وند نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا اور اس نے
اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے
گوشت بھر دیا۔ اور خدا وند خدا نے اس پسلی سے جو آدم
سے نکالی تھی ایک صورت بنا کر آدم کے پاس بھیجی''

(پیدائش ۲:۲۲،۲۳)

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا، میں مِنْهَا کی ضمیر نفس کی طرف راجع ہے جس سے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام مراد ہیں یعنی آدم سے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا، حضرت آدم سے حوا کس طرح پیدا ہوئیں اس کی قدرے تفصیل تورات کی عبارت سے اوپر گذر چکی ہے، اسی مضمون کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے، ''اِنَّ المرأۃ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ واِنَّ اَعْوَجَ شیْءٍ فی الضلع اَعْلاہُ'' (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق) عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا بالائی حصہ ہے اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے تو توڑ بیٹھے گا اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو کجی کے ساتھ ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مِنْهَا، کی ضمیر ھا، عموماً نفس کی طرف لوٹائی گئی ہے لیکن ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ منها یہاں من جنسها کے مرادف ہے۔

القول الثانی: ما هو اختار ابو مسلم الاصفهانی اَنّ المرادَ من قوله ''خَلَقَ منها زَوْجَهَا'' ای من جنسها (کبیر) ویحتملُ ان یکون المعنی من جنسه لا من نفسه حقیقةً (نهر) اور یہی قول ابو مسلم کے علاوہ ابن بحر سے بھی منقول ہے اور نفس کو جنس کے معنی میں قرآن مجید میں بار بار لایا گیا ہے جیسا کہ صاحب منار نے تصریح کے ساتھ اپنے یہاں نقل کیا ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے محض بہ طور تشبیہ کے ارشاد فرمائی گئی ہو اور مقصود محض اس کی کج روی کو بیان کرنا ہو جیسا کہ مذکورہ حدیث کا مضمون اس کی کھلی تائید کرتا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن میں انسان کی پیدائش کو ''خُلِقَ الانسان من عجل'' کہہ کر جلد بازی اور شتابی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یَحْتَمِلُ اَنْ یکونَ ذلك علی جهةِ التمثیل لِاضطراب اَخلَاقِهِنّ وکونهن لا یَثْبُتْنَ علی حالةٍ وَاحدةٍ کما جاء خُلِقَ الانسان مِنْ عجلٍ. (بحر)

اس معنی کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث میں ذکر جنس عورت کا ہے نہ کہ شخصاً حضرت حوا کا اور بعض شارحین حدیث اسی طرف گئے ہیں، مثلاً کرمانی حدیث مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ فطرت نسوانی کی کجی کی طرف صرف اشارہ ہے (مجمع بحار الانوار۔جلد۲) بخاری شریف کی ایک حدیث میں تو بالکل صاف ہے کہ عورت مثل پسلی کے ہے۔

عن ابی هریرة انّ رسول اللہ ﷺ قال المرأۃُ کالضِلَعِ اِن اَقَمْتَهَا کَسَرْتَهَا (بخاری کتاب النکاح) پسلی

بول کر کجی اور انحراف کی طرف اشارہ ہے۔

وَالارحام، اس کا عطف، اللّٰہ، پر ہے مطلب یہ ہے کہ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو، اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، اس سے محرم اور غیر محرم دونوں رشتے مراد ہیں رشتے ناطوں کو توڑنا سخت گناہ ہے جسے قطع رحمی کہتے ہیں حدیث میں قطع رحمی کرنے والے کیلئے سخت وعید وارد ہوئی ہے ورد فی الحدیث الرحم معلقة بالعرش تقول الا مَن وصلنی وَصَلَهُ اللّٰه ومَن قطعنی قطعه اللّٰه، رحم عرش الٰہی سے معلق دعا کرتا رہتا ہے کہ مجھے جو جوڑے رکھے اللہ اسے جوڑے رکھے اور جو مجھے کاٹے اللہ اسے کاٹے۔ اور صلہ رحمی کی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔

وَآتُوا الْيَتَامیٰ اَمْوَالَهُمْ یتیم جب بالغ اور باشعور ہو جائے تو ان کا مال ان کے سپرد کردو۔ خبیث سے ردی اور طیب سے عمدہ چیز مراد ہے، یعنی ایسا نہ کرو کہ ان کے مال سے اچھی چیزیں لے لو اور محض گنتی پوری کرنے کے لئے گھٹیا چیزیں ان کے بدلے میں رکھ دو۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْيَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ (الآية) اس آیت کی تفسیر حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے اسطرح مروی ہے کہ صاحب حیثیت اور صاحب جمال یتیم لڑکی کسی ولی کی سرپرستی میں ہوتی تو وہ اس کے مال و جمال کی وجہ سے اس سے شادی تو کر لیتا، لیکن اس کا دوسری عورتوں کی طرح پورا حق مہر نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم سے روکا ہے اگر تم گھر کی یتیم بچیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے تو ان سے نکاح مت کرو۔ تمہارے لئے دوسری عورتوں سے نکاح کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ (بخاری شریف) بلکہ ایک کے بجائے چار تک نکاح کر سکتے ہو بشرطیکہ ان کے درمیان انصاف کے تقاضے پورے کر سکو، ایک سے زائد کرنے کی اجازت ہے، حکم نہیں، اور وہ بھی انصاف کی شرط کے ساتھ۔ ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور ان کے شاگرد عکرمہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اس آیت کی تفسیر یہ بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی کوئی حد نہ تھی ایک شخص دس دس، بیس بیس بیویاں کر لیتا تھا، اور جب اس کثرت ازدواج سے مصارف بڑھ جاتے تھے تو مجبور ہو کر اپنی یتیم بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے بے بس عزیزوں کے حقوق پر دست درازی کرتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے چار کی حد مقرر کر دی، ایک روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے چنانچہ روایت میں مذکور ہے کہ طائف کا رئیس غیلان ابن سلمہ ثقفی جب اسلام لایا تو اس کی دس بیویاں تھیں آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ چار بیویاں رکھ لے اور باقی کو چھوڑ دے اسی طرح ایک دوسرے شخص (نوفل بن معاویہ دیلمی) کی پانچ بیویاں تھیں آپ نے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو چھوڑ دے۔

تعدد ازواج:

پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام نے تعدد ازواج کا حکم نہیں دیا بلکہ نہایت سخت شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے اور شرائط نہ پوری کرنے کی صورت میں عند اللہ مواخذہ کی وعید فرمائی ہے اور حکومت وقت کو بھی اختیار دیا ہے کہ وہ عدم انصاف اور ظلم و زیادتی کی صورت میں مداخلت کر سکتی ہے۔

بعض لوگ اپنی غلامانہ ذہنیت کے نتیجے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کا اصل مقصد تعدد ازواج کے طریقہ

کو ختم کرنا تھا مگر چونکہ یہ طریقہ بہت زیادہ رواج پاچکا تھا اس لئے اس کی حد بندی کر کے چھوڑ دیا مگر یہ اہل مغرب کی مسیحیت زدہ ذہنیت سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے، تعدداز واج کا بذاتِ خود برائی ہونا بجائے خود نا قابل تسلیم ہے کیونکہ بعض حالات میں یہ چیز ایک تمدنی اور اخلاقی ضرورت بن جاتی ہے اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو وہ لوگ جو ایک عورت پر قانع نہیں رہ سکتے وہ حصار نکاح سے باہر صنفی بدامنی پھیلانے لگتے ہیں جس کے نقصانات تمدن اور معاشرہ کے لئے اس سے بہت زیادہ ہیں جو تعدداز واج سے پہنچ سکتے ہیں اسی لئے قرآن نے ان لوگوں کو اجازت دی ہے جو اس کی ضرورت محسوس کریں۔

تعدداز واج اور اسلام سے پہلے اقوام عالم میں اس کا رواج:

ایک مرد کے لئے متعدد بیویاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی تقریباً دنیا کے تمام مذاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا عرب، ہندوستان، ایران، مصر، بابل وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرت ازواج کی رسم جاری تھی اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا دور حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعدداز واج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بے نکاحی داشتاؤں کی صورت میں برآمد ہوا، بالآخر فطری قانون غالب آیا اور اب وہاں کے اہل بصیرت حکماء خود اس کو رواج دینے کے حق میں ہیں مسٹر ڈیون پورٹ جو ایک مشہور عیسائی فاضل ہے تعدداز واج کی انجیل سے بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

ان آیتوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ تعدداز واج صرف پسندیدہ ہی نہیں بلکہ خدا نے اس میں خاص برکت رکھی ہے۔

اسی طرح پادری نکسن اور جان ملٹن اور ایزک ٹیلر نے پُرزور الفاظ میں اس کی تائید کی ہے، اسی طرح ویدک تعلیم غیر محدود ازواج کو جائز رکھتی ہے، اور اس سے دس دس، تیرہ تیرہ، ستائیس ستائیس بیویوں کو ایک وقت میں جمع رکھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

''کرشن'' جو ہندوؤں میں قابل تعظیم اوتار مانے جاتے ہیں ان کی سینکڑوں بیویاں تھیں، تعدداز واج نہ صرف انسداد زنا کاری ہے بلکہ ایک سماجی ضرورت بھی ہے اور مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی کثرت کا علاج بھی، مردوں کی نسبت عورتوں کی کثرت ایک مشاہداتی بات ہے۔ اول تو لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں کی پیدائش زیادہ ہے جس سے کوئی بھی چشم بصیرت رکھنے والا انکار نہیں کر سکتا اور اگر بالفرض پیداوار میں برابری بھی تسلیم کر لی جائے تو حادثات اور جنگوں میں مردوں کی زیادہ تر ہلاکت سے کون انکار کر سکتا ہے؟

اگر تعدداز واج کی اجازت نہ دی جائے تو داشتہ اور پیشہ ور کسبی عورتوں کی افراط ہوگی یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں تعدد ازواج کی اجازت نہیں ان میں زنا کی کثرت ہے، یوروپین اقوام کو دیکھ لیجئے۔ ان کے یہاں تعدداز واج پر تو پابندی ہے مگر بطور داشتہ یا گرل فرینڈ کے بطور جتنی بھی عورتیں رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے یہ کیا تماشہ ہے!!؟ نکاح ممنوع اور زنا جائز۔

رحمۃ اللعالمین اور تعدد ازواج:

نبی کی بعثت کا مقصد تبلیغ احکام اور تزکیۂ نفوس ہوتا ہے، آپ ﷺ نے اسلام کی تعلیمات کو قولاً وفعلاً دنیا میں پھیلا دیا، انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں نبی کی رہبری کی ضرورت نہ ہو، کھانے، پینے، اٹھنے، بیٹھنے، سونے، جاگنے، طہارت ونجاست، عبادت وریاضت غرض حکمرانی سے لیکر گلہ بانی تک وہ کونسا شعبہ ہے کہ جس میں آپ ﷺ کی قولی یا فعلی ہدایات موجود نہ ہوں، اندرون خانہ آپ ﷺ نے کیا عمل کیا؟ یا بیویوں سے کیسے تعلقات رکھے؟ گھر میں آکر مسائل پوچھنے والی خواتین کو آپ ﷺ نے کیا کیا جوابات دیئے؟ اس قسم کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ازواج مطہرات کے ذریعہ ہی امت کو رہنمائی ملی ہے، کثرت ازواج میں آپ ﷺ کے یہی ضرورت پیش نظر تھی، صرف حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا سے سیرت نبوی کے متعلق دو ہزار دو سو روایات مروی ہیں، حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا کی مرویات کی تعداد ۳۷۸ تک پہنچتی ہے۔ انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کے بلند مقاصد اور پورے عالم کی انفرادی اور اجتماعی، خانگی اور ملکی اصلاحات کی فکروں کو دنیا کے شہوت پرست انسان کیا جانیں؟ وہ تو سب کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں، اسی کے نتیجے میں کئی صدی سے یورپ کے ملحدین اور مستشرقین نے ہٹ دھرمی سے فخر عالم ﷺ کے تعدد ازواج کو ایک خالص جنسی اور نفسانی خواہش کی پیداوار قرار دیا ہے، اگر آپ ﷺ کی سیرت پاک پر ایک سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو ایک ہوشمند منصف مزاج کبھی بھی آپ کی کثرت ازواج کو اس پر محمول نہیں کرسکتا۔

آپ نے اپنی معصوم زندگی قریش مکہ کے سامنے اس طرح گذاری کہ پچیس سال کی عمر میں ایک سن رسیدہ بیوہ صاحب اولاد (جس کے دوشوہر فوت ہو چکے تھے) سے عقد کر کے عمر کے پچیس سال تک ان ہی کے ساتھ گذارہ کیا وہ بھی اس طرح کہ مہینہ مہینہ گھر چھوڑ کر غار حرا میں مشغول عبادت رہتے تھے دوسرے نکاح جتنے بھی ہوئے، پچاس سال عمر شریف ہونے کے بعد ہوئے، یہ پچاس سالہ زندگی اور عنفوان شباب کا سارا وقت اہل مکہ کی نظروں کے سامنے تھا کبھی کسی دشمن کو بھی آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں ملا جو تقویٰ وطہارت کو مشکوک کرسکے آپ کے دشمنوں نے آپ پر، ساحر، شاعر، مجنون، کذاب، مفتری جیسے الزامات لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن آپ کی معصوم زندگی پر کوئی ایسا حرف کہنے کی جرأت نہیں ہوئی جس کا تعلق جنسی اور نفسانی جذبات کی بے راہ روی سے ہو۔

ان حالات میں یہ بات غور طلب ہے کہ جوانی کے پچاس سال اس زہد وتقویٰ اور لذائذ دنیا سے یکسوئی میں گذارنے کے بعد وہ کیا داعیہ تھا جس نے آخر عمر میں متعدد نکاحوں پر مجبور کیا، اگر دل میں ذرا سا بھی انصاف ہو تو ان متعدد نکاحوں کی وجہ اس کے سوا نہیں بتلائی جا سکتی جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کے متعدد نکاحوں کی کیفیت وحقیقت:

پچیس سال کی عمر شریف سے لے کر پچاس سال کی عمر شریف ہونے تک تنہا حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا آپ کی زوجہ رہیں، ان کی وفات کے بعد حضرت سودہ اور حضرت عائشہ سے نکاح ہوا۔ حضرت سودہ تو آپ کے گھر تشریف لے آئیں اور حضرت عائشہ صغر کی وجہ سے اپنے والد کے گھر ہی رہیں پھر چند سال کے بعد ۲ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی اس وقت آپ ﷺ کی عمر چون (۵۴) سال ہو چکی تھی۔ اس عمر میں آ کر دو بیویاں جمع ہوئیں یہاں سے تعدد ازواج کا معاملہ شروع ہوا اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نکاح ہوا۔ پھر کچھ ماہ بعد حضرت زینب بنت خزیمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نکاح ہوا۔ اور انہوں نے صرف اٹھارہ ماہ آپ کے نکاح میں رہ کر وفات پائی۔ ایک قول کے مطابق آپ کے نکاح میں تین ماہ زندہ رہیں پھر ۴ھ میں حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نکاح ہوا پھر ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحش سے نکاح ہوا، اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھاون (۵۸) سال تھی اتنی بڑی عمر میں چار بیویاں بیک وقت جمع ہوئیں۔ حالانکہ جس وقت امت کو چار بیویوں کی اجازت مل چکی تھی اس وقت ہی آپ کم از کم چار نکاح کر سکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اس کے بعد ۶ھ میں حضرت جویریہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے اور ۷ھ میں ام حبیبہ سے اور پھر ۷ھ ہی میں حضرت صفیہ سے اور پھر اسی سال حضرت میمونہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نکاح ہوا۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (الآیہ) یعنی جب وہ سن بلوغ کے قریب پہنچ رہے ہوں تو خیال رکھو کہ ان کا عقلی نشوونما کیسا ہے؟

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ (الآیہ) مال حوالہ کرنے کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک بلوغ اور دوسرے رشد یعنی مال کے صحیح استعمال کی اہلیت، پہلی شرط کے متعلق تو فقہاء امت کا اتفاق ہے۔ دوسری شرط کے بارے میں امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی رائے یہ ہے کہ اگر سن بلوغ کو پہنچنے پر یتیم میں رشد نہ پایا جائے تو ولی یتیم کو سات سال اور انتظار کرنا چاہئے اس کے بعد خواہ رشد پایا جائے یا نہ پایا جائے اس کا مال اس کے حوالہ کر دینا چاہئے، اور امام ابو یوسف رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی، امام محمد اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی رائے یہ ہے کہ مال حوالہ کئے جانے کے لئے بہر حال رشد کا پایا جانا ضروری ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ (الآیہ) اسلام سے قبل ایک یہ ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا، صرف بڑے لڑکے جو لڑنے کے قابل ہوتے تھے تمام مال کے وارث قرار پاتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مردوں کی طرح عورتیں اور بچے، بچیاں اپنے والدین اور اقارب کے مال میں حصہ دار ہوں گے، انہیں محروم نہیں کیا جائے گا یہ الگ بات ہے کہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے حصہ سے نصف ہے، یہ عورت پر ظلم نہیں ہے نہ اس کا استخفاف ہے، بلکہ اسلام کا یہ قانونِ میراث، عدل وانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے کیونکہ عورت کو اسلام نے معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے علاوہ ازیں عورت کے پاس مہر کی صورت میں مال آتا ہے اس لحاظ سے عورت کے

مقابلہ میں مرد پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں اسلئے اگر عورت کا حصہ نصف کے بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی ظلم نہیں کیا کیونکہ وہ عادل بھی ہے اور حکیم بھی۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ (الآیة) اس آیت کو بعض علماء نے آیت میراث سے منسوخ قرار دیا ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ امداد کے مستحق رشتہ داروں میں سے جو لوگ وراثت میں حصہ دار نہ ہوں انہیں بھی تقسیم کے وقت کچھ دے دو، نیز ان سے بات بھی پیار و محبت کے انداز میں کرو۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً (الآیة) بعض مفسرین کے نزدیک اس کے مخاطب اوصیاء ہیں (یعنی جن کو وصیت کی جاتی ہے) ان کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ ان کے زیر کفالت جو یتیم ہیں ان کے ساتھ وہ ایسا سلوک کریں جو وہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنے مرنے کے بعد کیا جانا پسند کرتے ہیں بعض کے نزدیک اس کے مخاطب عام لوگ ہیں کہ وہ یتیموں اور دیگر چھوٹے بچوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں قطع نظر اس سے کہ وہ ان کی زیر کفالت ہیں یا نہیں، بعض کے نزدیک اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو قریب المرگ کے پاس بیٹھے ہوئے ہوں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مرنے والے کو اچھی باتیں سمجھائیں تاکہ وہ نہ حقوق اللہ میں کوتاہی کرے اور نہ حقوق العباد میں۔

حدیث میں آیا ہے کہ جنگ احد کے بعد سعد بن ربیع کی بیوی اپنی دو بچیوں کو لئے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ سعد کی بچیاں ہیں جو آپ کے ساتھ احد میں شہید ہوئے ہیں، ان کے چچا نے پوری جائداد پر قبضہ کرلیا ہے اور ان کے لئے ایک حبہ تک نہیں چھوڑا ہے اب بھلا ان بچیوں سے کون نکاح کرے گا؟ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

يُوْصِيْكُمُ يَأْمُرُكُمُ **اللّٰهُ فِيْٓ** شَانِ **اَوْلَادِكُمْ** بِمَا يُذْكَرُ مِنْهُمْ **لِلذَّكَرِ** مِنْهُمْ **مِثْلُ حَظِّ** نَصِيْبِ **الْاُنْثَيَيْنِ** اِذا اجْتَمَعَتَا مَعَه فَلَهُ نِصْفُ الْمَالِ ولهما النِّصْفُ فَاِنْ كانَ مَعَهُ وَاحِدَة فلها الثُّلُثُ وله الثُّلُثَانِ وان انْفَرَدَ حازَ الْمَالَ **فَاِنْ كُنَّ** اى الاَوْلَادُ **نِسَآءً** فقط **فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ** الْمَيِّتُ وكذا الاثنتانِ لانَّهُ للاُخْتَيْنِ بِقَوْلِه فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ فهما اَوْلٰى ولَاَنَّ البِنْتَ تَسْتَحِقُّ الثُّلُثَ مَعَ الذَّكَرِ فمع الاُنْثٰى اَوْلٰى وفَوْقَ قِيْلَ صِلَةٌ وقيل لِدَفْعِ تَوَهُّمِ زِيَادَةِ النَّصِيْبِ بِزِيَادَةِ الْعَدَدِ لِمَا فُهِمَ اسْتِحْقَاقُ الاثنتينِ الثُّلُثَيْنِ مِنْ جَعْلِ الثُّلُثِ لِلْوَاحِدَةِ مع الذَّكَرِ **وَاِنْ كَانَتْ** المَوْلُوْدَةُ **وَاحِدَةً** وفي قراءةٍ بالرَّفْعِ فكان تَامَّةٌ **فَلَهَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَيْهِ** اى المَيِّتِ وَيُبْدَلُ منهما **لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ** ذَكَرٌ او اُنْثٰى ونكتة البَدَلِ اِفَادَةُ اَنَّهُمَا لَا يَشْتَرِكَانِ فيه واُلْحِقَ بالوَلَدِ وَلَدُ الاِبْنِ وبالاَبِ الجَدُّ **فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ وَّوَرِثَهُ اَبَوٰهُ** فقط او مع زَوْجٍ **فَلِاُمِّهِ** بِضَمِّ الهَمْزَةِ وبِكَسْرِهَا فِرَارًا مِنَ الاِنْتِقَالِ من ضَمَّةٍ الى كَسْرَةٍ لِثِقَلِه فى المَوْضِعَيْنِ **الثُّلُثُ** اى ثُلُثُ المَالِ او مَا يَبْقٰى بَعْدَ الزَّوْجِ والبَاقِى لِلْاَبِ **فَاِنْ كَانَ لَهُ اِخْوَةٌ** اى اِثْنَانِ فَصَاعِدًا ذُكُوْرٌ اوانَاثٌ

فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ والباقي للاب ولا شيء للاخوة وارث من ذكر ماذكر مِنْۢ بَعْدِ تنفيذ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ
بالبناء للفاعل والمفعول بِهَآ اَوْ قضاء دَيْنٍ عليه وتقديم الوصية على الدين وان كانت مؤخرة عنه
في الوفاء للاهتمام بها اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ مبتدأ خبره لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا في الدنيا والاخرة
فظانٌّ ان ابنه انفع له فيعطيه الميراث فيكون الاب انفع وبالعكس وانما العالم بذلك الله ففرض لكم
الميراث فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا بخلقه حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ فيما دبّره لهم اي لم يزل متصفًا بذلك
وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ منكم او من غيركم فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ
بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وأُلحق بالولد في ذلك ولد الابن بالاجماع وَلَهُنَّ اي الزوجات تعددن
او لا الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ منهن او من غيرهن فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وولد الابن كالولد في ذلك اجماعا وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ صفة والخبر كَلٰلَةً
اي لا والد له ولا ولد اَوِ امْرَاَةٌ تورث كلالة وَّلَهٗٓ اي للموروث الكلالة اَخٌ اَوْ اُخْتٌ اي من ام وقرأ به ابن
مسعود وغيره فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ مما ترك فَاِنْ كَانُوْٓا اي الاخوة والاخوات من الام اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ اي
من واحد فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ يستوي فيه ذكورهم واناثهم مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ
حال من ضمير يوصي اي غير مدخل الضرر على الورثة بان يوصي باكثر من الثلث وَصِيَّةً مصدر
مؤكد ليوصيكم مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بما دبره لخلقه من الفرائض حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ بتاخير العقوبة عمن خالفه
وخصّت السنة توريث من ذكر بمن ليس فيه مانع من قتل او اختلاف دين او رق تِلْكَ الاحكام
المذكورة من امر اليتامى وما بعده حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ شرائعه التي حدّها لعباده ليعملوا بها ولا يعتدوها
وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فيما حكم به يُدْخِلْهُ بالياء والنون التفاتا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ بالوجهين نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ فيها
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ذو اهانة وروعي في الضمائر في الآيتين لفظ مَن وفي خالدين معناها.

ترجمہ: اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں (آئندہ) مذکور کا حکم دیتا ہے اولاد میں سے ایک لڑکے کے لئے دو
لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے جبکہ دو لڑکیاں ایک لڑکے کے ساتھ ہوں، لڑکے کیلئے مال (متروکہ) کا نصف ہے اور دونوں
لڑکیوں کے لئے نصف (اور) اگر ایک لڑکے کے ساتھ ایک لڑکی ہو تو لڑکی کیلئے ایک ثلث اور لڑکے کیلئے دو ثلث اور اگر لڑکا تنہا ہو
تو پورا مال لے لیگا۔ اور اگر اولاد صرف لڑکیاں ہی ہوں، دو سے زیادہ تو ان کیلئے میت کے متروکہ مال کا دو ثلث ہے اور اسی
طرح جبکہ لڑکیاں صرف دو ہوں اسلئے کہ دو تہائی دو بہنوں کیلئے ہے اللہ تعالیٰ کے قول: فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ، کی وجہ سے،

لہٰذا دو لڑکیاں اس کی بطریق اولیٰ مستحق ہوں گی۔ اور اس لئے کہ لڑکی لڑکے کے ساتھ ایک تہائی کی مستحق ہوتی ہے تو مؤنث کے ساتھ بطریق اولیٰ مستحق ہوگی. اور لفظ فوق، کہا گیا ہے کہ صلہ یعنی (زائد) ہے اور کہا گیا ہے کہ لڑکیوں کی تعداد کے زیادہ ہونے کی صورت میں حصہ کے زیادہ ہونے کے وہم کو دفع کرنے کے لئے ہے کہ دو لڑکیوں کا دو ثلث کا مستحق ہونا لڑکے کے ساتھ ایک لڑکی ہونے کی صورت میں ایک ثلث سے سمجھا گیا، اور اگر اولاد میں فقط ایک لڑکی ہو تو لڑکی کو (ترکہ) کا نصف ہے، اور ایک قراءت میں (واحدةٌ) رفع کے ساتھ ہے، تو اس صورت میں 'کَانَ' تامہ ہوگا اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے متروکہ مال سے چھٹا حصہ ہے اگر میت کی اولاد ہو، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، اور (لِكُلِّ وَاحِدٍ) اَبَوَيْهِ سے بدل ہے، اور بدل میں نکتہ یہ ہے کہ اس بات کا فائدہ ہوگیا کہ دونوں ایک سدس میں شریک نہ ہوں گے، (بلکہ ہر ایک کو سدس) ملے گا، اور ولد کے ساتھ ولد الابن اور اب کے ساتھ جد بھی شامل کر دیا گیا ہے اور اگر (میت) کے اولاد نہ ہو اور وارث فقط اس کے والدین ہی ہوں یا مرنے والے کا زوج بھی ہو (بیوی یا شوہر) تو (میت) کی والدہ کیلئے کل مال کا ایک تہائی ہے یا زوج کو دینے کے بعد ما بقیہ کا ایک تہائی ہے، اور باقی والد کیلئے ہے۔ (فَلِأُمِّهِ) کا ہمزہ ضمہ کے ساتھ، اور کسرہ کے ساتھ بھی ہے، ضمہ سے کسرہ کی طرف انتقال سے بچنے کے لئے اس کے ثقیل ہونے کی وجہ سے دونوں جگہوں میں، اور اگر میت کے دو یا دو سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو میت کی والدہ کے لئے ایک سدس ہے اور باقی والد کے لئے ہے، اور بھائی بہنوں کے لئے کچھ نہیں ہے اور مذکورین کے لئے مذکورہ حصے میت کی وصیت کو نافذ کرنے یا قرض ادا کرنے کے بعد ہیں (يُوْصِيْ) معروف و مجہول دونوں طریقہ پر ہے اور وصیت کی دین پر تقدیم اس کے اہتمام کی وجہ سے ہے اگرچہ اداء میں مؤخر ہے تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ دنیا و آخرت میں تم کو فائدہ پہنچانے میں تمہارے کون زیادہ قریب ہے؟ (آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاءُكُمْ) مبتداء ہے اور لَا تَدْرُوْنَ، اس کی خبر ہے، یہ گمان کرنے والا کہ اس کا بیٹا اس کے لئے زیادہ مفید ہے تو اس کو میراث دیدیتا ہے حالانکہ اس کا باپ اس کیلئے زیادہ نافع ہوتا ہے اور اس کا عکس بھی ہوسکتا ہے اس کا جاننے والا تو درحقیقت اللہ ہی ہے. جس وجہ سے اس نے تمہارے لئے میراث (کے حصے) مقرر کر دیئے، یہ حصے اللہ کی جانب سے مقرر کردہ ہیں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں باخبر ہے اور اس میں با حکمت ہے، جو اس نے ان کے لئے مقرر کیا ہے یعنی وہ اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اس کا تمہارے لئے نصف ہے اگر ان کے تم سے یا دوسرے شوہر سے اولاد نہ ہو اور اگر ان کی اولاد ہو تو متروکہ مال میں تمہارے لئے چوتھائی ہے ان کی وصیت کو نافذ کرنے یا ان کے قرض کو ادا کرنے کے بعد، اور اس حکم میں بیٹے کے ساتھ پوتا بالا جماع ملایا گیا ہے، اور بیویوں کیلئے متعدد ہوں یا نہ ہوں تمہارے متروکہ مال کا چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو خواہ ان سے ہو یا دوسری بیویوں سے، تو ان کے لئے تمہارے متروکہ مال میں سے آٹھواں حصہ ہے ان کی وصیت کو نافذ اور قرض کو ادا کرنے کے بعد، اور پوتا اس حکم میں بالا جماع بیٹے کی مانند ہے، اور مورث مرد ہو یا عورت کَلٰلَةً ہو یعنی نہ اس کے بیٹا ہو اور نہ باپ (یورث) رجلٌ کی صفت ہے اور کَلٰلَةً، کَانَ کی خبر ہے اور اگر عورت، مورث کَلٰلَه ہو اور مورث کلله

کے ماں شریک بھائی یا بہن ہو، اور یہ قرءت ابن مسعود وغیرہ کی ہے، تو متروکہ مال میں سے ان میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا حصہ ہے اور اگر ماں شریک بھائی اور بہن ایک سے زائد ہوں تو یہ سب کے سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، اور مذکر اور مؤنث اس میں برابر ہوں گے، وصیت کے نافذ کرنے اور قرض کے ادا کرنے کے بعد، جبکہ دوسروں کا نقصان نہ ہو (غیرَ مضارٍّ) یوصی، کی ضمیر سے حال ہے یعنی ورثاء کو ضرر پہنچانے والا نہ ہو، اس طریقہ سے کہ ثلث سے زیادہ کی وصیت کرے یہ حکم اللہ کا مقرر کیا ہوا ہے وصیة، یوصیکم کی تاکید کیلئے ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی حکمت خوب جانتا ہے جو فرائض اس نے اپنی مخلوق کے لئے مقرر کئے ہیں اور ان احکام کی مخالفت کرنے والے سے سزا مؤخر کرنے میں بردبار ہے اور سنت رسول نے مذکورہ توریث اس وارث کے لئے خاص کی ہے جس میں (وراثت سے) کوئی مانع نہ ہو مثلاً قتل یا اختلاف دین یا رقیت یتیموں کا معاملہ اور اس کے بعد کے یہ احکام مذکورہ، اللہ کی حدود ہیں یعنی اس کے احکام ہیں جن کو اللہ نے اپنے بندوں کیلئے مقرر فرمایا ہے تاکہ اس پر عمل کریں اور ان سے تجاوز نہ کریں اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مذکورہ احکام میں اطاعت کرے گا اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا کہ جن میں نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے (نُدْخلہ، یُدْخلہ) یاء اور نون کے ساتھ بطور التفات کے ہے، اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرے تو وہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا (یُدْخلہ، نُدْخلہ) دونوں طریقوں سے ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیگا ایسوں کیلئے رسوا کن عذاب ہے یعنی اہانت آمیز اور دونوں آیتوں کی ضمیروں میں لفظ مَنْ، کی رعایت کی گئی ہے اور خلدین، میں معنی کی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یُوْصِیْ (ایصاءٌ) مضارع واحد مذکر غائب معروف، وہ وصیت کرتا ہے وہ حکم دیتا ہے۔ وصیت کے اصل معنی ہیں انتقال کے وقت وصیت ونصیحت وغیرہ کرنا۔

قولہ: یَأْمُرُکُمْ، وصیت کے حقیقی معنی چونکہ ذات باری تعالیٰ کے لئے محال ہیں اسلئے مفسر علام نے یوصی کی تفسیر یأمُرُ سے کی ہے۔

قولہ: شان. یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: اَوْلاد، یأمُرُ، کا ظرف ہے حالانکہ اولاد کا ظرف بننا صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اولاد میں ظرف بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

جواب: شان کی تقدیر صحت ظرفیت ہی کو بیان کرنے کے لئے ہے۔

قولہ: مِنْھم

سوال: مفسر علام نے 'مِنْھُمْ' کس فائدہ کے لئے محذوف مانا ہے۔

جَوَابِ: لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ، یہ وصیت کی تشریح ہے لہٰذا ضمیر عائد کا ہونا ضروری ہے جو اولاد کی طرف راجع ہو، مگر عائد اس کے ظہور پر اعتماد کرتے ہوئے حذف کردیا گیا ہے، جیسا کہ "اَلسَّمْنُ مَنْوَانِ بِدِرْهَمٍ" میں مِنْهُ کو ظاہر سے مفہوم ہونے کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے۔

قَوْلُهٗ: فَاِنْ كُنَّ ای الْاَوْلَادُ.

سُوَال: كُنَّ، کی تفسیر مفسر علام نے، اَوْلَادُ سے کی ہے جو کہ مذکر ہے تو پھر كُنَّ، مؤنث کی ضمیر کیوں لائے ہیں؟

جَوَابِ: كُنَّ کی خبر نسآءً چونکہ مؤنث ہے لہٰذا خبر کی رعایت کرنے کی وجہ سے ضمیر کو مؤنث لائے ہیں۔

قَوْلُهٗ: فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ، اِنْ حرف شرط كُنَّ فعل ناقص، شرط، اس کے اندر ضمیر هُنَّ وہ اس کا اسم نِسَاءً موصوف اور فَوْقَ اثْنَتَيْنِ صفت، موصوف صفت سے مل کر كُنَّ کی خبر كُنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر شرط، فَلَهُنَّ جواب شرط۔

قَوْلُهٗ: وفوق صلة وقيل لدفع توهم زيادة النصيب بزيادة العدد اس عبارت کے اضافہ کا مقصد حضرت ابن عباس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے تفرد کا جواب دینا ہے۔ اس عبارت میں دو جوابوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ابن عباس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کا تفرد یہ ہے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ دو ثلث، لڑکیوں کو اس وقت ملے گا کہ جب لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں حالانکہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ لڑکیاں اگر دو بھی ہوں تب بھی ان کو دو ثلث ملیں گے، اس تفرد کے دو جواب دیئے ہیں، اول جواب کا حاصل یہ ہے کہ لفظ فوق زائد محض صلہ کے لئے ہے، جیسے فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ، میں لفظ فوق زائد محض صلہ ہے وقیل لدفع توهم الخ، یہ دوسرا جواب ہے اس کا مقصد اس وہم کو دفع کرنا ہے کہ لفظ فوق سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کے عدد کے بڑھنے سے ان کا حصہ بھی بڑھے گا، اسلئے کہ جب ایک لڑکی ایک لڑکے کے ساتھ ہو تو ایک تہائی حصہ ہے اور دو ہوں تو دو تہائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کی تعداد جس قدر بڑھتی رہے گی ان کے حصوں میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا، حالانکہ ایسا نہیں ہے اور یہ شبہ پیدا ہوا ہے لفظ فوق سے لہٰذا یہ کہہ کر کہ لفظ فوق زائد برائے صلہ ہے شبہ اس کو دفع کردیا۔

قَوْلُهٗ: وَيُبْدَلُ مِنْهُمَا، یہ ایک شبہ کا جواب ہے شبہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ وَلِاَبَوَيْهِ السُّدُسُ، السدس مبتداءٌ مؤخرٌ اور لابويه خبر مقدم فرماتے تو مختصر بھی ہوتا اور دال بر مقصود بھی مبتداء اور خبر کے درمیان لِكُلِّ واحدٍ منهما، کا فصل کس مصلحت سے فرمایا۔

جَوَابِ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ عدم فصل کی صورت میں یہ شبہ ہوتا کہ ایک سدس میں اب اور ام دونوں شریک سمجھے جاتے حالانکہ ہر ایک سدس کا مستحق ہے۔

اسلئے لِكُلِّ واحدٍ مِنْهُمَا کو اَبَوَيْهِ سے بدل قرار دیا اور بدل مبدل منہ سے مل کر خبر مقدم اور السدس مبتداء مؤخر، اس طرح شرکت کا شبہ ختم ہوگیا۔

قَوْلُهٗ: فقط او مع زوج، زوج کا اطلاق زوج اور زوجہ دونوں پر ہوتا ہے۔

سُوَال: مفسر علام کے فقط اور مع زوج، کے اضافہ کا کیا مقصد ہے؟

جَوَاب: اس کا مقصد ابوین کی میراث کے بارے میں جمہور اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مسلک کے درمیان فرق کو واضح کرنا ہے۔ جمہور کے نزدیک اگر میت لا ولد ہو اور اس کے وارث صرف اسکے والدین ہوں تو والدہ کو ثلث کل ملے گا اور مَا بَقِیَ دو ثلث والد کو ملے گا، اور اگر مرنے والے کے والدین کے ساتھ ساتھ زوج یا زوجہ بھی ہو تو اس صورت میں زوج یا زوجہ کو اقل مخرج میں سے دینے کے بعد مَا بقِیَ کا ثلث ملے گا اور باقی دو ثلث والد کو ملیں گے۔ مگر حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مسلک کے مطابق دونوں صورتوں میں ماں کو ثلث کل ہی ملے گا، مفسر علام نے فَقَطْ اَوْ مَعَ زَوْجٍ، کہہ کر جمہور کے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بضم الهمزة وبكسرها فرارًا من الانتقال من ضمّة الى كسرة لِثقلِهِ، بضم الهمزة الخ سے فَلِأُمِّهِ میں دو قراءتوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اور فَلِأُمِّـــهٖ، کے ہمزہ کے کسرہ کی علت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، مشہور قراءت ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی فَلِأُمِّهٖ، اور دوسری قراءت میں ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ فَلِإِمِّهٖ، ہے مفسر علام نے اس قراءت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ فَلِأُمِّهٖ، کی صورت میں ضمہ سے کسرہ کی طرف انتقال لازم آتا ہے جو کہ ثقیل ہے اسلئے ہمزہ کو بھی کسرہ دیدیا۔

قَوْلُہٗ: وَارِثُ مَنْ ذُكِرَ مَا ذُكِرَ یعنی مذکورین کی وراثت، بیان کردہ اصول کے مطابق ہوگی۔

قَوْلُہٗ: من بعد وصية ماقبل میں بیان کردہ تقسیم، میراث کے اصول سے ہے مطلب یہ ہے کہ سابق میں ترکہ کے تقسیم کے اصول کے مطابق تقسیم، وصیت کے نفاذ اور ادا قرض کے بعد ہوگی، اگر میت نے وصیت کی ہو، اور مقروض ہو تو وصیت اور دین میں سے دین کو مقدم کیا جائے گا۔

قَوْلُہٗ: فَفَرَض لكم الميراث، یہ عبارت مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ فریضةً فعل محذوف کا مصدر (مفعول مطلق) ہے نہ کہ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ کا مصدر۔

قَوْلُہٗ: یورَثُ صفة، یعنی یورَثُ رجلٌ کی صفت ہے لہٰذا رَجلٌ کا مبتداء بننا درست ہے اور کلالَةً مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: المَوْرُوْث، بروزن مفعول ثلاثی مجرد سے ای المیت.

قَوْلُہٗ: وَرُوْعِیَ فِی الضمائر فی الْآیَتَیْنِ لفظُ مَنْ وفی خٰلِدِیْنَ مَعْنَاهَا، دونوں جگہ یُدْخِلْهُ کی ضمیر کو مفرد مذکر مَنْ کے لفظ کی رعایت سے لایا گیا ہے اور خٰلِدِیْنَ کو جمع مذکر مَنْ، کے معنی کی رعایت سے لایا گیا ہے۔

تفسیر و تشریح

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ (الآیة) اگر ورثاء میں لڑکی اور لڑکے دونوں ہوں خواہ بالغ ہوں یا نابالغ حتی کہ اگر رحم مادر میں جنین کی صورت میں ہوں تب بھی لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کے اصول کے مطابق میراث تقسیم ہوگی اور جنین کو لڑکا فرض کر کے اس کا حصہ رکھا جائیگا لڑکی پیدا ہونے کی صورت میں زائد مال پھر ورثاء میں بحصہ رسد تقسیم کر دیا جائیگا۔

فَاِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ، اور اگر لڑکا کوئی نہ ہو اور لڑکیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو مال کا دو تہائی لڑکیوں کو دیا جائیگا، لفظ، فوق جمہور کے نزدیک محض صلہ کے طور پر ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مسلک یہ ہے کہ دو سے زیادہ ہوں تو دو تہائی دیا جائیگا مگر جمہور کے نزدیک جو حکم دو سے زیادہ لڑکیوں کا ہے، دو کا بھی وہی حکم ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ سعد بن ربیع رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ احد میں شہید ہو گئے تھے ان کی دو لڑکیاں تھیں، سعد کے بھائی نے تمام مال پر قبضہ کر لیا لڑکیوں کی ماں نے آپ ﷺ سے اس معاملہ کی شکایت کی تو آپ نے ان لڑکیوں کو دو تہائی مال دلوایا، واقعہ کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے۔ (ترمذی ابو داؤد، ابن ماجہ کتاب الفرائض)

علاوہ ازیں سورۂ نساء کے آخر میں بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی مرنے والے کی وارث صرف دو بہنیں ہوں تو ان کے لئے بھی دو تہائی حصہ ہے لہٰذا جب دو بہنیں دو تہائی کی وارث ہوں گی تو دو بیٹیاں بطریق اولی دو تہائی کی وارث ہوں گی جس طرح دو بہنوں سے زیادہ ہونے کی صورت میں انہیں دو سے زیادہ بیٹیوں کے حکم میں رکھا گیا ہے، اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً (الآیۃ) ماں باپ کے حصوں کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

❶ اگر مرنے والے کی اولاد بھی ہو خواہ لڑکی ہو یا لڑکا تو میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس ملے گا یعنی باقی چار سدس اولاد پر تقسیم ہوگا البتہ اگر میت کی اولاد میں صرف ایک لڑکی ہو تو اس میں سے چونکہ تین سدس یعنی نصف مال بیٹی کا ہوگا، اور ایک سدس ماں کو اور ایک سدس باپ کو دینے کے بعد ایک سدس باقی بچ جائیگا اس لئے بچا ہوا یہ سدس بطور عصبہ باپ کے حصہ میں جائیگا۔ اس طرح باپ کے حصہ میں دو سدس آئیں گے ایک ذوالفرض ہونے کی حیثیت سے اور ایک عصبہ ہونے کی حیثیت سے۔

❷ دوسری صورت یہ ہے کہ مرنے والے کی اولاد نہ ہو اور اولاد میں پوتے پوتیاں بھی شامل ہیں، اس صورت میں ماں کے لئے کل مال کا تیسرا حصہ ہے، باقی دو حصے باپ کو بطور عصبہ ملیں گے اور اگر ماں باپ کے ساتھ مرنے والے مرد کی بیوی یا مرنے والی عورت کا شوہر بھی زندہ ہے تو جمہور کے مذہب پر بیوی یا شوہر کا حصہ نکال کر باقی ماندہ مال سے ماں کے لئے ایک تہائی اور باقی باپ کے لئے ہوگا۔

❸ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر ماں باپ کے ساتھ، مرنے والے کے بھائی بہن حیات ہیں وہ بھائی خواہ سگے ہوں یا اخیافی (ماں شریک) یا علاتی (باپ شریک) اگرچہ یہ بھائی بہن میت کے باپ کی موجودگی میں وراثت کے حق دار نہیں ہوں گے لیکن ماں کے لئے حجب نقصان کا سبب بن جائیں گے، یعنی جب ایک بھائی سے زیادہ ہوں گے تو ماں کے ثلث یعنی تیسرے حصہ کو چھٹے حصہ میں تبدیل کر دیں گے باقی ماندہ مال، باپ کے حصہ میں جائیگا بشرطیکہ کوئی اور وارث نہ ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو اس صورت میں مال میں ماں کا حصہ ثلث برقرار رہے گا وہ سدس میں تبدیل نہ ہوگا۔

(تفسیر ابن کثیر)

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا، حصص

مقررہ بیان فرمانے کے بعد، متوجہ کیا گیا کہ تم اپنی سمجھ کے مطابق وراثت تقسیم مت کرو بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق تقسیم کرو، اسلئے ہوسکتا ہے کہ جس کو تم نافع سمجھ کر زیادہ حصہ دے رہے ہو وہ تمہارے لئے نافع نہ ہو اور جس کو تم غیر نافع سمجھ کر کم حصہ دے رہے ہو وہ تمہارے لئے نافع ہو اس حقیقت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے لہٰذا اس نے جس کا حصہ مقرر کیا ہے اس میں ردوبدل نہ کرو اور تمہیں پورے اطمینان قلبی کے ساتھ اس کو قبول کرنا چاہئے تمہارے خالق و مالک کا یہ حکم بہترین حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ (الآية) سابقہ آیت میں نسبی رشتہ داروں کے حصوں کا بیان تھا۔ اس آیت میں دیگر مستحقین کا ذکر ہے جن کا میت سے نسبی تعلق نہیں ہے بلکہ زوجیت کا رشتہ ہے۔ اولاد کی عدم موجودگی میں بیٹے کی اولاد یعنی پوتے بھی اولاد کے حکم میں ہوتے ہیں اس پر امت کا اجماع ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ فوت ہونے والی عورت نے اگر اولاد نہ چھوڑی ہو تو شوہر کو بعد ادائے دین اور انفاذ وصیت مرحومہ کے کل مال کا نصف ملے گا، اور باقی نصف میں دوسرے ورثاء مثلاً مرحومہ کے والدین، بھائی بہن، حسب قاعدہ حصہ پائیں گے، اور اگر مرحومہ نے اولاد چھوڑی ہو اس شوہر سے ہو یا پہلے شوہر سے ہو تو موجودہ شوہر کو مرحومہ کے مال سے اداء دین اور انفاذ وصیت اور کفن دفن کے اخراجات کے بعد مال کا چوتھائی حصہ ملے گا، بقیہ دیگر مستحقین کے درمیان حسب قاعدہ تقسیم ہوگا۔

اور اگر مرنے والا شوہر ہے اور اس نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی نہ اس بیوی سے اور نہ کسی دوسری بیوی سے تو بعد انفاذ وصیت اور اداء دین بیوی کو مرحوم کے مال سے چوتھائی حصہ ملے گا بیوی خواہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ، اور اگر مرنے والے شوہر نے اولاد بھی چھوڑی خواہ اسی بیوی سے ہو یا دوسری بیوی سے تو بعد اداء دین، اگر دین ہو اور بعد انفاذ وصیت، اگر وصیت کی ہو، بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا بیوی خواہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ۔

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً، کلالہ کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں مشہور تعریف یہ ہے کہ جس کے اصول و فروع نہ ہوں وہ کلالہ ہے، یعنی جس کے نہ دادا پردادا ہوں اور نہ بیٹے پوتے۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ کلالہ اصل میں مصدر ہے جو کلال کے معنی میں ہے اور کلال کے معنی ہیں تھک جانا، جو ضعف پر دلالت کرتا ہے، کلالہ کا اطلاق اس مرنے والے پر بھی کیا گیا ہے جس نے نہ اولاد چھوڑی ہو اور نہ والد۔

حاصل کلام:

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرد یا عورت وفات پا جائے اور اس کے نہ باپ ہو اور نہ دادا، اور نہ اولاد اور اس کے ایک بھائی یا بہن اخیافی (ماں شریک) ہو تو ان میں سے اگر بھائی ہے تو اس کو سدس (چھٹا) حصہ ملے گا اور اگر بہن ہو یا دو بھائی یا دو بہن ہوں تو یہ سب مرنے والے کے کل مال کے تہائی حصے میں شریک ہوں گے اور اس میں مذکر اور مؤنث سب برابر ہوں گے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں، وَلَيْسَ فِي الفرائض موضع يكون فيه الذّكر وَالْأُنثىٰ سَوَاءٌ، إلّا فِي مِيرَاثِ الإخوة لأُمّ، یعنی فرائض میں سوائے ماں شریک بھائی بہنوں کے کوئی صورت ایسی نہیں کہ جس میں مذکر اور مؤنث برابر کے حصہ دار ہوں۔

وصیت کے مسائل:

اس آیت میں تین مرتبہ وصیت کا ذکر آیا ہے، میت کی تجہیز و تکفین کے بعد کل مال سے قرضہ ادا کرنے کے بعد جو بچے اس میں سے ایک تہائی مال میں وصیت نافذ ہوگی، اگر اس سے زیادہ وصیت ہو تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں، ضابطہ کے مطابق ادائے دَین وصیت پر مقدم ہے اور دَین میں مہر بھی شامل ہے اگر ادا نہ کیا ہو۔

مَسْئَلَۃٌ: وارث کے حق میں وصیت کرنا باطل ہے، اگر کسی نے اپنے وارث کے حق میں وصیت کی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں وارث کے لئے میراث ہی کافی ہے۔

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

اِنّ اللّٰہَ قد اَعطٰی کلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ، فلا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ.

اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے پس کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت معتبر نہیں۔

البتہ اگر دیگر ورثاء اجازت دیدیں تو وصیت نافذ ہوگی، باقی مال شرعی طریقہ پر تقسیم کیا جائیگا جس میں اس وارث کو بھی اپنے حصہ کی میراث ملے گی، بعض آیتوں میں الَّا اَنْ یشاء الورثۃ، کا استثناء بھی مذکور ہے۔

(کما ذکرہ صاحب الھدایہ، معارف)

غَیْرَ مُضَارٍّ کی تفسیر:

مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کے لئے یہ جائز نہیں کہ وصیت یا دَین کے ذریعہ ورثاء کو نقصان پہنچائے، وصیت یا دَین کے ذریعہ ورثاء کو ضرر پہنچانے کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں مثلاً یہ کہ قرض کا جھوٹا اقرار کرلے، یا اپنے ذاتی مال کے بارے میں امانت کا اقرار کرے کہ فلاں کی امانت ہے تاکہ اس میں میراث جاری نہ ہو، یا ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرے، یا کسی شخص پر اس کا قرض ہو جو وصول نہ ہوا ہو لیکن یہ کہدے کہ وصول ہوگیا وغیرہ وغیرہ۔

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ (الآیۃ) یہ ایک بڑی خوفناک آیت ہے اس میں ان لوگوں کو ہمیشگی کے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے قانون وراثت کو تبدیل کریں یا ان دوسری قانونی حدود کو توڑیں جو خدا نے اپنی کتاب میں واضح طور پر مقرر کردی ہیں، لیکن سخت افسوس ہے کہ اس قدر سخت وعید کے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں نے بالکل یہودیوں کی سی جسارت کے ساتھ خدا کے قانون کو بدلا اور اس کی حدود کو توڑا اس قسم کی جسارت خدا

کے ساتھ کھلی بغاوت ہے، کہیں عورتوں کو مستقل طور پر میراث سے محروم کیا گیا کہیں صرف بڑے بیٹے کو میراث کا مستحق قرار دیا گیا، کہیں سرے سے تقسیم میراث کے طریقہ کو ہی چھوڑ کر مشترکہ خاندانی جائداد کا طریقہ اختیار کرلیا گیا، کہیں عورتوں اور مردوں کا حصہ برابر کردیا گیا۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ الزنا مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ اي من رجال المسلمين فَاِنْ شَهِدُوْا عليهن بها فَاَمْسِكُوْهُنَّ احبسوهن فِي الْبُيُوْتِ وامنعوهن من مخالطة الناس حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اي ملئكته اَوْ الى ان يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿١٥﴾ طريقا الى الخروج منها امروا بذلك اول الاسلام ثم جعل لهن سبيلا بجلد البكر مائة وتغريبها عاما ورجم المحصنة وفي الحديث لما بين الحد قال صلى الله عليه وسلم خذوا عني خذوا عني قد جعل الله لهن سبيلا رواه مسلم وَالَّذٰنِ بتخفيف النون وتشديدها يَاْتِيٰنِهَا اي الفاحشة الزنا او اللواطة مِنْكُمْ اي من الرجال فَاٰذُوْهُمَا بالسب والضرب بالنعال فَاِنْ تَابَا منها وَاَصْلَحَا العمل فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ولا تؤذوهما اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا على من تاب رَّحِيْمًا ﴿١٦﴾ به وهذا منسوخ بالحد ان اريد به الزنا وكذا ان اريد بها اللواطة عند الشافعي لكن المفعول به لا يرجم عنده وان كان محصنا بل يجلد ويغرب وارادة اللواطة اظهر بدليل تثنية الضمير والاول قال اراد الزاني والزانية ويرده تبيينهما بمن المتصلة بضمير الرجال واشتراكهما في الاذى والتوبة والاعراض وهو مخصوص بالرجال لما تقدم في النساء من الحبس اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ اي التي كتب على نفسه قبولها بفضله لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ المعصية بِجَهَالَةٍ حال اي جاهلين اذ عصوا ربهم ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ زمن قَرِيْبٍ قبل ان يغرغروا فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ يقبل توبتهم وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا بخلقه حَكِيْمًا ﴿١٧﴾ في صنعه بهم وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ الذنوب حَتّٰىٓ اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ واخذ في النزع قَالَ عند مشاهدة ما هو فيه اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ فلا ينفعه ذلك ولا يقبل منه وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اذا تابوا في الاخرة عند معاينة العذاب لا تقبل منهم اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا اعددنا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٨﴾ مؤلما يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ اي ذاتهن كَرْهًا بالفتح والضم لغتان اي مكرهيهن على ذلك كانوا في الجاهلية يرثون نساء اقربائهم فان شاؤا تزوجوها بلا صداق او زوجوها واخذوا صداقها او عضلوها حتى تفتدي بما ورثته او تموت فيرثوها فنهوا عن ذلك وَلَا ان تَعْضُلُوْهُنَّ اي تمنعوا ازواجكم عن نكاح غيركم بامساكهن ولا رغبة لكم فيهن ضرارا لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ من

المہر **اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ** بفتح الیاء وکسرہا ای بُیِّنَتْ او ہی بَیِّنَۃ زنا او نُشُوْزًا فلکم ان تضاروہن حتی یفتدین منکم ویختلعن **وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ** ای بالاجمال فی القول والنفقۃ والمبیت **فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ** فاصبروا **فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا**۝ ولعلہ یجعل فیہن ذلک بان یرزقکم منہن ولدا صالحا **وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ** ای اخذہا بدلہا بان طلقتموہا قد **اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ** ای الزوجات **قِنْطَارًا** مالا کثیرا صداقا **فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا** ظلما **وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا**۝ بینا ونصبہما علی الحال والاستفہام للتوبیخ وللانکار فی قولہ **وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ** ای بای وجہ **وَقَدْ اَفْضٰى** وصل **بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ** بالجماع المقرر للمہر **وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا** عہدا **غَلِيْظًا**۝ شدیدا وہوما امر اللّٰہ بہ من امساکہن بمعروف اوتسریحہن باحسان **وَلَا تَنْكِحُوْا مَا** بمعنی من **مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا** لکن **مَا قَدْ سَلَفَ** من فعلکم فانہ معفو عنہ **اِنَّهٗ** ای نکاحہن **كَانَ فَاحِشَةً** قبیحا **وَّمَقْتًا** سببا للمقت من اللّٰہ وہو اشد البغض **وَسَآءَ** بئس **سَبِيْلًا**۝ طریقا ذلک.

ترجمہ: اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی، زنا، کی مرتکب ہوں ان پر اپنوں (مسلمانوں) میں سے چار آدمی گواہ کرلو، سو اگر وہ ان پر بے حیائی کی شہادت دیدیں تو ان کو گھروں میں نظر بند کردو اور ان کو لوگوں سے ملنے جلنے سے روک دو، یہاں تک کہ موت (ملائکہ) اس کا خاتمہ کردے یا اللہ ان کے لئے کوئی (اور) راہ نکالدے یعنی اس سے نکلنے کی کوئی صورت نکالدے یہ حکم ابتداء اسلام میں دیا گیا تھا پھر ان کے لئے باکرہ کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی صورت میں اور محصنہ کو رجم کی صورت میں سبیل نکالدی، اور حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ نے حد بیان فرمائی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھ سے لے لو مجھ سے حاصل کرلو اللہ نے ان کیلئے سبیل نکالدی۔ (رواہ مسلم) اور تم میں سے یعنی مردوں میں سے جو دو (یعنی جوڑا) فحش کام کے مرتکب ہوں یعنی زنا یا لواطت کے، تو ان کو برا بھلا کہکر اور جوتے مار کر تکلیف پہنچاؤ، (والّذان) نون کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، پھر اگر دونوں فحش کام سے توبہ کرلیں اور عمل کی اصلاح کرلیں، تو ان کو نظر انداز کردو اور ان کو اذیت نہ پہنچاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی بڑا توبہ قبول کرنے والا (اور) اس پر رحم کرنے والا ہے اور یہ حکم امام شافعی کے نزدیک حد کے ذریعہ منسوخ ہے، اگر اس سے زنا مراد ہو اور اسی طرح اگر لواطت مراد ہو، البتہ مفعول کو ان کے نزدیک رجم نہیں کیا جائیگا، اگرچہ محصن ہی کیوں نہ ہو بلکہ کوڑے مارے جائیں گے اور جلاوطن کردیا جائیگا، اور لواطت مراد لینا زیادہ ظاہر ہے، (الّذان یاتیانھا) کی ضمیر تثنیہ کی دلیل کی وجہ سے، اور اول قول کا قائل وہ ہے جس نے (تثنیہ) سے زانی اور زانیہ کا ارادہ کیا ہے، اور اس کی تردید اس مِن بیانیہ سے ہوتی ہے جو کہ منکم، ضمیر مذکر کے ساتھ بیان کے لئے متصل ہے (اسی طرح) ان کا اذیت اور توبہ اور درگذر میں مشترک ہونا اور یہ مذکورہ تینوں چیزیں مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں، اسلئے کہ عورتوں کا حکم نظر بند کرنا سابق میں گذر چکا ہے،

اورتوبہ جس کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے یعنی توبہ کی قبولیت کو اللہ نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ لازم کرلیا ہے وہ تو بس ان ہی لوگوں کی توبہ ہے جو معصیت نادانی سے کر بیٹھتے ہیں (بِجَهَالَةٍ) حال ہے یعنی اپنے رب کی نافرمانی کرتے وقت نادانی کر بیٹھتے ہیں، اور پھر جلدی ہی حالت نزع پیش آنے سے پہلے ہی توبہ کرلیتے ہیں ایسے ہی لوگوں کی اللہ توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے واقف اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں باحکمت ہے اور ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ ان میں سے جب کسی کی موت آجائے اور حالت نزع شروع ہوجائے اور حالتِ نزع میں پیش آنے والی چیزوں کا مشاہدہ کرلے تو کہدے میں اب توبہ کرتا ہوں تو اس کا یہ توبہ کرنا نہ اس کے لئے مفید ہوگا اور نہ مقبول، اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی جو حالت کفر ہی پر مرجائیں اور آخرت میں عذاب کے مشاہدہ کے وقت توبہ کرلیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، اے ایمان والو تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم عورتوں کی ذات کے جبراً مالک بن جاؤ، کُرھاً فتحہ اور ضمہ کے ساتھ دو لغت ہیں، یعنی ان کو مجبور کرکے، یہ طریقہ (زمانہ) جاہلیت میں تھا کہ لوگ اپنے قرابتدار کی بیوی کے مالک ہوجاتے تھے، اگر چاہتے تو خود ہی ان سے بلامہر نکاح کرلیتے یا ان کا نکاح کسی غیر سے کردیتے اور اس کا مہر خود لے لیتے، یا ان کو روکے رکھتے حتی کہ وہ اپنے مال کا فدیہ دیدے یا مرجائے تو اس کے مال کے وارث ہوجاتے تھے، تو ان کو اس حرکت سے منع کردیا گیا، اور نہ تمہارے لئے یہ جائز ہے کہ تم ان کو دوسروں سے نکاح کرنے سے، نقصان پہنچانے کی غرض سے روکو حالانکہ تم کو ان سے کوئی رغبت نہیں ہے، تاکہ تم ان سے اپنے دیئے ہوئے مہر کا کچھ حصہ وصول کرو، بجز اس صورت کے کہ وہ صریح بدکاری کی مرتکب ہوں یـــاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ یعنی جو بالکل عیاں ہے یا وہ ظاہر کرنے والی ہے، یعنی زنا یا نافرمانی، تو تم کو حق ہے کہ ان کو تکلیف پہنچاؤ یہاں تک کہ وہ تم کو کچھ معاوضہ دیں اور خلع کریں۔ اور بیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گذر بسر کرو یعنی گفتگو اور نفقہ اور شب باشی میں حسن معاشرت کا مظاہرہ کرو، اگر تم ان کو ناپسند کرو تو صبر کرو کیا عجب کہ تم ایک شئی کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں کوئی بڑی بھلائی رکھدے، اور ہوسکتا ہے کہ اللہ ان میں خیر رکھدے بایں طور کہ وہ تم کو ان سے ولد صالح عطا فرمائے، اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو یعنی ایک کو طلاق دیکر اس کی جگہ دوسری کرنا چاہو، اور تم ان بیویوں میں سے کسی کو مال کا ایک ڈھیر یعنی مالِ کثیر مہر میں دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو، کیا تم ظلم اور کھلا گناہ ہونے کے باوجود اس کو لے لوگے (مُبِيْنًا) بمعنی، بیّنًا اور اس کا نصب حال کی وجہ سے ہے اور استفہام توبیخ کے لئے ہے، اور تم اسے کیسے لوگے؟ یعنی کس طرح لوگے، استفہام انکاری ہے حالانکہ تم جماع کے ذریعہ آپس میں مل چکے ہو جو کہ مہر کو ثابت کرنے والا ہے اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے اور وہ عہد وہ ہے جس کا تم کو اللہ نے حکم دیا ہے وہ یہ کہ تم ان کو دستور کے مطابق اپنے پاس رکھو یا حسن اخلاق کے ساتھ ان کو چھوڑ دو، اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا ہے، مَـا، بمعنی مَنْ، ہے مگر جو ہوچکا سو ہوچکا یعنی سابق میں تم سے ہوگیا وہ معاف ہے یہ یعنی ان سے نکاح کرنا بے حیائی اور ناراضگی کا سبب ہے یعنی اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور وہ شدید ترین بغض ہے اور یہ بڑی بُری راہ ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: مِن رجالِ المسلمین.

سوال: فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ، مفسر علام نے منکم کی تفسیر مِن رِجالِ المسلمین سے کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں مخاطب نہیں ہیں حالانکہ قرآن میں عورتوں کو مردوں کے تابع قرار دے کر اکثر خطاب کیا گیا ہے مگر یہاں مرد ہی مخاطب ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اَرْبَعَةً، یہاں اس بات کا قرینہ ہے کہ مخاطب مرد ہی ہیں نہ کہ عورتیں اسلئے کہ نحو کا مشہور قاعدہ ہے کہ عدد اگر مؤنث ہو تو اس کا معدود مذکر ہوتا ہے یہاں اَرْبعَة مؤنث ہے لہٰذا اس سے معدود مذکر متعین ہے اور وہ رجال ہے نہ کہ نساء، اسی قرینہ کی وجہ سے علامہ سیوطی نے منکم کی تفسیر مِنْ رجال المسلمین سے کی ہے۔

قولہ: ای الملائکة، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے، ای یَتَوَفّٰهُنَّ ملٰئِکة الموت.

سوال: حذف مضاف کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: اَلتوفّی ھو الموت، اب عبارت یہ ہوگی حَتّٰی یُمیتُهنّ الموت، اور یہ درست نہیں ہے، اسلئے کہ اس میں اسناد الشئی الی نفسہ لازم آتی ہے نیز اس میں موت کا فاعل بننا لازم آتا ہے حالانکہ موت میں فاعل بننے کی صلاحیت نہیں ہے، اسلئے مفسر علام نے الملٰئکة، محذوف مان کر بتادیا کہ یَتَوَفّٰهُنَّ کا فاعل موت نہیں ہے بلکہ ملٰئکة ہے، نیز اس صورت میں اسناد الشئ الی نفسہ کا اعتراض بھی ختم ہوگیا۔

قولہ: اِلیٰ اَنْ، اس سے اشارہ کردیا کہ یَجْعَلَ کا عطف یَتَوَفّٰهُنّ پر ہے اور اسی وجہ سے یَجْعَلَ منصوب ہے۔

قولہ: یأتیانِها.

قولہ: مِنَ الرِّجال دونوں جگہ مذکر کے صیغے استعمال کئے ہیں۔

قولہ: او اللواطة، لفظ لواطة، کا اضافہ امام شافعی کے مسلک کے مطابق ہے اسلئے کہ ان کے یہاں لواطت کی سزا وہی ہے جو زنا کی ہے احناف کے یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ امیر کی رائے پر موقوف ہے وہ جو سزا مناسب سمجھے وہ دے سکتا ہے۔

تفسیر وتشریح

مذکورہ دونوں آیتوں میں زنا کی سزا بیان کی گئی ہے، پہلی آیت صرف زانیہ عورتوں کے متعلق ہے جس میں ان کی سزا یہ ارشاد ہوئی ہے کہ انہیں تاحکم ثانی قید رکھا جائے، دوسری آیت میں زانی مرد اور زانیہ عورت کی سزا بیان کی گئی ہے، یعنی

دونوں کو اذیت دی جائے، قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں زنا کے لئے کوئی متعین حد بیان نہیں کی گئی بلکہ صرف اتنا کہا گیا ہے کہ ان کو اذیت دو اور زانیہ عورتوں کو گھروں میں بند کردو۔

تکلیف پہنچانے کا کوئی خاص طریقہ بیان نہیں کیا گیا، حکام کے صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے ابن عباس رَضِحَالِلهُ تَعَالیٰ عَنْهُ فرماتے ہیں یہاں ''ایذاء'' کے معنی یہ ہیں کہ ان کو زبانی عار دلائی جائے اور شرمندہ کیا جائے اور عملی طور پر بھی جوتے وغیرہ سے ضرب تادیبی کی جائے، حضرت ابن عباس رَضِحَالِلهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کا یہ قول بھی بطور تمثیل معلوم ہوتا ہے اصل بات وہی ہے کہ حکام کی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔

نزول کے اعتبار سے ان دو آیتوں کی ترتیب یوں ہے کہ شروع میں تو ان کو ایذاء دینے کا حکم نازل ہوا اس کے بعد خاص طور سے عورتوں کے لئے یہ حکم بیان کیا گیا کہ ان کو گھروں میں محبوس رکھا جائے یہاں تک کہ وہ عورت مر جائے اگر اس کی زندگی ہی میں آئندہ آنے والا حکم آجائے گا تو اس کو نافذ کر دیا جائے گا چنانچہ بعد میں سورۂ نور میں وہ سبیل بھی بیان کر دی گئی جس کا اللہ جل شانہ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا تھا۔

حضرت ابن عباس رَضِحَالِلهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے سبیل کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے ''الرجم للثیب والجلد للبکر'' شادی شدہ کے حق میں سنگساری اور غیر شادی کیلئے کوڑے۔　(بخاری کتاب التفسیر)

پہلی آیت میں فرمایا جن عورتوں سے زنا کا صدور ہو جائے تو اس کے ثبوت کے لئے چار مرد گواہ طلب کئے جائیں، یعنی جن حکام کے پاس یہ معاملہ جائے تو ان کو چاہئے کہ چار مردوں کی گواہی طلب کریں جو شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں۔

زنا کے گواہوں میں شریعت نے دو طریقہ سے سختی کی ہے چونکہ یہ معاملہ بہت اہم ہے، اس سے عزت اور عفت مجروح ہوتی ہے اور خاندان کے لئے ننگ و عار کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اس لیے اولاً تو یہ شرط لگائی کہ گواہ صرف مرد ہوں گے، ثانیاً گواہ بھی چار مردوں کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط نہایت سخت ہے، جس کا مہیا ہونا شاذ و نادر ہی ہوسکتا ہے، یہ سختی اسلئے کی گئی ہے کہ کہیں عورت کا شوہر یا اس کی والدہ یا بہن یا دوسری بیوی ذاتی پرخاش کی وجہ سے خواہ مخواہ الزام نہ لگائیں، یا دوسرے بدخواہ دشمنی کی وجہ سے الزام اور تہمت لگانے کی جرأت نہ کرسکیں، اسلئے کہ اگر چار عینی شاہدوں سے کم شہادت دیں گے تو ان کی شہادت قابل قبول نہ ہوگی بلکہ الٹا ان کو ہی حد قذف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

چار گواہوں کی حکمت:

بعض اکابر نے چار گواہوں کی ضرورت و مصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس معاملہ میں چونکہ دو افراد ملوث ہوتے ہیں دو سے کم میں یہ معاملہ وجود میں نہیں آسکتا تو گویا یہ ایک معاملہ تقدیراً دو معاملوں کے حکم میں ہے، اور ہر معاملہ دو گواہوں کا تقاضہ کرتا ہے لہٰذا اس کے لئے چار گواہ ضروری ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے تعرض مت کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ سزا پانے کے بعد اگر انہوں نے توبہ کرلی اور اپنے اعمال کی اصلاح کرلی تو اب انہیں ملامت مت کرو اور مزید سزا مت دو، یہ مطلب نہیں کہ توبہ سے سزا بھی معاف ہوگئی اسلئے کہ یہ توبہ سزا کے بعد مذکور ہے جیسا کہ فاء کی تفریع سے ظاہر ہے، ہاں اگر توبہ نہ کی ہو تو سزا کے بعد ملامت کرسکتے ہیں۔

مفسر علام کو ان دونوں آیتوں کے ظاہری فرق سے غلط فہمی ہوئی ہے کہ پہلی آیت منکوحہ عورتوں کے بارے میں ہے اور دوسری آیت غیر شادی شدہ مرد و عورت کے بارے میں ہے مگر اس کی کوئی وزنی دلیل نہیں ہے یہ ایک کمزور تفسیر ہے، اور اس سے بھی زیادہ کمزور بات وہ ہے جو اصفہانی نے لکھی ہے کہ پہلی آیت عورت کے ناجائز تعلق کے بارے میں ہے اور دوسری آیت مرد اور مرد کے ناجائز تعلق کے بارے میں ہے، شاید اصفہانی کی نظر اس حقیقت کی طرف نہیں گئی کہ قرآن انسانی زندگی کے لئے قانون واخلاق کی شاہ راہ بتاتا ہے اور ان ہی مسائل سے بحث کرتا ہے جو شاہ راہ پر پیش آتے ہیں رہی گلیوں اور پگڈنڈیوں کی بات تو قرآن ان کی طرف توجہ نہیں کرتا اور ان پر پیش آنے والے ضمنی مسائل سے بحث کرنا کلام شاہانہ کے لئے موزوں بھی نہیں ہے، ایسی چیزوں کو اجتہاد کے لئے چھوڑ دیا ہے یہی وجہ ہے کہ عہد نبوت کے بعد جب یہ سوال پیدا ہوا کہ مرد اور مرد کے ناجائز تعلق پر کیا سزا دی جائے تو صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی یہ نہ سمجھا کہ سورۂ نساء کی اس آیت میں اس کا حکم موجود ہے۔

غیر فطری طریقہ سے قضاء شہوت کا حکم:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک "اَلَّذَانِ یَاْتِیٰنِهَا" کا مصداق وہ لوگ ہیں جو غیر فطری طریقہ پر قضاء شہوت کرتے ہیں یعنی استلذاذ بالمثل کے مرتکب ہوتے ہیں۔

قاضی صاحب کے علاوہ نے بھی اس قول کو لیا ہے قرآن مجید میں چونکہ لفظ اَلَّذَانِ یَأْتِیٰنِهَا، موصول اور صلہ دونوں مذکر کے لحاظ سے ہیں اسلئے ان حضرات کا یہ قول بعید نہیں ہے، اور جن حضرات نے زانی اور زانیہ مراد لیا ہے انہوں نے بطور تغلیب مذکر کا صیغہ زانیہ کیلئے بھی شامل رکھا ہے تاہم موقع کی مناسبت سے استلذاذ بالمثل کی حرمت وشدت اور اس کی تعزیر کا ذکر اس جگہ بے جانہ ہوگا، اس قبیح فعل کے لئے کسی متعین حد کے مقرر کرنے میں تو فقہاء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے تاہم اس کیلئے شدید سے شدید سزائیں منقول ہیں مثلاً آگ میں جلا دینا، دیوار سے گرا کر مار دینا، سنگسار کر دینا، تلوار سے قتل کر دینا۔

احادیث وآثار سے اس سلسلہ میں جو کچھ ثابت ہے اس میں سے بطور نمونہ کچھ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں پر سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجی ہے اور ان سات میں سے ایک پر تین تین دفعہ لعنت بھیجی ہے اور باقی پر ایک دفعہ، فرمایا ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے۔ (الترغیب والترھیب)

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جس کو تم قوم لوط کی طرح غیر فطری حرکت کرتا

ہوا دیکھ لو تو تم فاعل اور مفعول دونوں کو مار ڈالو۔

حافظ ذکی الدین نے ترغیب و ترہیب میں لکھا ہے کہ چار خلفاء ابو بکر صدیق رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ہشام بن عبد الملک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنے زمانوں میں غیر فطری حرکت والوں کو آگ میں جلا ڈالا۔ مندرجہ بالا روایت استلذاذ بالجنس سے متعلق تھی، روایات میں عورتوں کے ساتھ غیر فطری فعل کرنے پر بھی شدید ترین وعیدیں آئی ہیں۔

حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس مرد کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا جو مرد عورت کے ساتھ غیر فطری فعل کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص ملعون ہے جو غیر فطری طریقہ سے بیوی کے ساتھ جماع کرتا ہے۔

لفظ سُوْءًا اور توبہ کی وضاحت:

کیا قصداً کیا ہوا گناہ معاف نہیں ہوتا؟ سابقہ آیت سے طبائع غیر سلیم کے لئے ہر قسم کی بدعملی کی گنجائش نکل سکتی ہے، اور وہ اپنے دل میں یہ کہہ سکتے تھے کہ جب توبہ قبول ہو ہی جائے گی تو پھر اطمینان سے ہم ہر قسم کے فسق و فجور میں پڑے رہ سکتے ہیں، جب مرنے لگیں گے توبہ کرلیں گے، اس خدشہ کو دور کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ قبول توبہ کے قیود و شرائط کو صاف کر دیا جائے، سُوْءٌ ایک جامع لفظ ہے گناہ کبیرہ اور صغیرہ دونوں کو شامل ہے۔

شریعت میں توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ ماضی پر ندامت ہو اور مستقبل کے لئے ترک کا عزم ہو، اور یہاں توبہ سے مراد قبول توبہ ہے۔

توبہ کے معنی پلٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں گناہ کے بعد بندہ کا خدا سے توبہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک غلام جو اپنے آقا کا نافرمان بن کر اس سے منہ پھیر گیا تھا اب اپنے کئے پر پشیمان ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کی طرف پلٹ آیا ہے، اللہ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ میرے یہاں معافی صرف ان بندوں کے لئے ہے جو قصداً نہیں بلکہ نادانی کی بنا پر قصور کرتے ہیں اور جب آنکھوں پر سے جہالت کا پردہ ہٹتا ہے تو شرمندہ ہو کر اپنے قصور کی معافی مانگ لیتے ہیں ایسے بندے جب بھی اپنی غلطی پر نادم ہو کر اپنے آقا کی طرف پلٹیں گے اس کا دروازہ کھلا پائیں گے۔

آیت میں جہالت سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس کو گناہ ہونے کی خبر نہ ہو یا گناہ کا قصد و ارادہ نہ ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ اس گناہ کے انجام بد اور اخروی عذاب سے غفلت اس گناہ پر اقدام کا سبب ہوگئی، اگرچہ گناہ کو گناہ جانتا تھا اور قصداً ارادہ بھی کیا۔

یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس جگہ جہالت کا لفظ حماقت اور بے وقوفی کے معنی میں ہے، اس کی نظیر سورۂ یوسف میں ہے، حضرت یوسف عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا "هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ" اس میں

بھائیوں کو جاہل کہا گیا ہے، حالانکہ انہوں نے جو کام کیا وہ کسی خطاء یا نسیان سے نہیں بلکہ قصداً جان بوجھ کر کیا تھا مگر اس فعل کے انجام سے غفلت کے سبب ان کو جاہل کہا گیا ہے۔

ابوالعالیہ اور قتادہ نے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام اس پر متفق تھے کہ "کُلُّ ذَنْبٍ اَصَابَهُ عَبْدٌ فَهُوَ جَهَالَةٌ عمدًا کان او غیرهٗ" یعنی بندہ جو گناہ کرتا ہے خواہ بلا قصد ہو یا بالقصد بہر حال جہالت ہے۔

ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ، آیت مذکور میں ایک بات قابل غور یہ ہے کہ اس میں قبول توبہ کیلئے یہ شرط بتلائی کہ قریب زمانہ ہی میں توبہ کرلے، توبہ کرنے میں دیر نہ کرے اس میں قریب کا کیا مطلب ہے؟ اور کتنا زمانہ قریب میں داخل ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر ایک حدیث میں خود اس طرح فرمائی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَقْبَلُ توبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ یُغَرْغِرْ، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتے ہیں جب تک اس پر موت اور نزع روح کا غرغرہ طاری نہ ہو جائے، قریب کی اس تفسیر سے جو خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پوری عمر کا زمانہ قریب ہی میں داخل ہے، موت سے پہلے پہلے جو توبہ کرلی جاوے قبول ہوگی، البتہ موت کے وقت کی توبہ قبول نہیں۔

ایں درگہِ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

البتہ توبہ ان کے لئے نہیں ہے جو اپنے خدا سے بے خوف اور بے پروا ہو کر تمام عمر گناہ پر گناہ کئے چلے جائیں اور پھر عین اس وقت جبکہ موت کا فرشتہ سامنے آکھڑا ہو معافی مانگنے لگیں، اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اسی وقت تک قبول کرتا ہے کہ جب تک آثار موت شروع نہ ہوں کیونکہ امتحان کی مہلت جب پوری ہوگئی اور کتاب زندگی ختم ہو چکی صحیفۂ اعمال بند کردیا گیا تو اب پلٹنے کا کونسا موقعہ ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص کفر کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جائے اور دوسری زندگی کی سرحد میں داخل ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے جو وہ دنیا میں سمجھتا رہا تو اس وقت معافی مانگنے کا کوئی موقع نہیں۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ گناہوں پر اقدام کے تین درجے ہیں، ① یہ کہ کسی گناہ کا کبھی ارتکاب نہ ہو یہ تو فرشتوں کی خصوصیت ہے یا انبیاء علیہم السلام کی، ② یہ کہ گناہوں پر اقدام کرے اور پھر ان پر اصرار جاری رکھے نہ ان پر کبھی ندامت ہو اور نہ کبھی ترک کا خیال آئے، یہ درجہ شیطان کا ہے۔ ③ یہ ہے کہ اگر گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً اس پر ندامت ہو اور آئندہ اس کے ترک کا پختہ عزم ہو، یہ درجہ انسان کا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ، عرب جاہلیت میں میت کی جائداد کی طرح اس کی بیوی بھی سوتیلے لڑکوں کے ورثہ میں آجاتی تھی اور یہی دستور یونانی اور رومی تمدن کے بھی کسی دور میں رہ چکا ہے (ماجدی) عرب جاہلیت میں وارث اگر چاہتا تو ان سے جبراً خود نکاح کرلیتا یا دوسروں کے نکاح میں دیدیتا یا اگر چاہتا تو کسی سے بھی نکاح کی اجازت نہ دیتا اور ساری عمر یوں ہی گذارنے پر مجبور کردیتا، اسلام نے ظلم کے ان تمام طریقوں سے منع کیا ہے، عرب جاہلیت میں ایک ظلم عورت پر یہ بھی کیا جاتا تھا کہ اگر شوہر کو وہ ناپسند ہوتی اور وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تو از خود اس کو طلاق نہ دیتا بلکہ اسے

خوب تنگ کرتا تاکہ وہ مجبور ہوکر حق مہر یا خاوند نے اسے جو کچھ دیا ہوتا از خود واپس کر کے اس سے خلاصی حاصل کرنے کو ترجیح دے اسلام نے اس حرکت کو بھی ظلم قرار دیا ہے۔

فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا (الآیۃ) بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا وہ حکم ہے جس کی قرآن نے بڑی تاکید کی ہے اور احادیث میں نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی بڑی وضاحت اور تاکید کی ہے، ایک حدیث میں آیت کے اسی مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

لا یَفْرُكْ مؤمن مؤمنة اِن سَخِطَ منها خُلقًا رَضِیَ مِنْهَا آخَرَ. (صحیح مسلم کتاب الرضاع)

مؤمن (شوہر) مومنہ (بیوی) سے بغض نہ رکھے اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہے تو اس کی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی، مطلب یہ ہے کہ بے حیائی اور نشوز وعصیان کے علاوہ اگر بیوی میں کچھ اور کوتاہیاں ہوں جن کی وجہ سے شوہر اسے ناپسند کرتا ہو تو اسے جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے طلاق نہ دے بلکہ صبر و برداشت سے کام لے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں سے اس کیلئے خیر کثیر پیدا فرما دے یعنی نیک اولاد دے یا اس کی وجہ سے اللہ اس کے کاروبار میں برکت ڈال دے۔

وَکَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ (الآیۃ) خود طلاق دینے کی صورت میں حق مہر واپس لینے سے نہایت سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے، قنطار خزانے اور مال کثیر کو کہتے ہیں یعنی کتنا بھی حق مہر دیا ہو واپس نہیں لے سکتے، اگر ایسا کرو گے تو یہ ظلم اور کھلا گناہ ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وشَمِلَتِ الجَدّاتُ من قِبَلِ الابِ اوالامّ **وَبَنٰتُكُمْ** وشَمِلَتْ بناتِ الاولادِ وَاِنْ سَفَلْنَ **وَاَخَوٰتُكُمْ** من جِهَةِ الابِ اوالامِّ **وَعَمّٰتُكُمْ** اى اَخَواتُ ابائِكم واَجْدادِكم **وَخٰلٰتُكُمْ** اى اَخَواتُ اُمَّهاتِكم وجَدّاتِكُمْ **وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ** وتَدْخُلُ فيهِنَّ بَناتُ اَوْلادِهِنَّ **وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ** قبلَ اِسْتِكْمالِ الحَوْلَيْنِ خَمسَ رَضَعاتٍ كما بَيَّنَهُ الحديثُ **وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ** ويُلْحَقُ بذلك بالسُّنَّةِ البَناتُ مِنها وبُنَّ من اَرْضَعَتْهُنَّ مَوْطُوْئَتُهُ والعَمّاتُ والخالاتُ وبناتُ الاخِ وبناتُ الاُخْتِ مِنها لحديثِ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضاعِ مَايَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ رَوَاهُ البُخارِيُّ ومُسْلِمٌ **وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ** جمعُ رَبِيْبَةٍ وهِىَ بِنْتُ الزَّوْجَةِ من غيرِه **الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ** تُرَبُّوْنَها صِفَةٌ مُوافِقَةٌ لِلْغالِبِ فلا مَفْهومَ لَها **مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ** اى جامَعْتُمُوْهُنَّ **فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ** فى نكاحِ بَناتِهِنَّ اذا فارَقْتُمُوْهُنَّ **وَحَلَآئِلُ** اَزْواجُ **اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ** بخِلافِ مَن تَبَنَّيْتُمُوْهُمْ فلكم نِكاحُ حَلائِلِهِمْ **وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ** مِن نَسَبٍ او رَضاعٍ بالنِّكاحِ ويُلْحَقُ بِهِنَّ بالسُّنَّةِ الجَمْعُ بَيْنَها وبينَ عَمَّتِها وخالَتِها ويَجُوزُ نِكاحُ كُلِّ واحِدَةٍ على الاِنْفِرادِ ومِلْكُهما مَعًا ويَطَأُ واحِدَةً **اِلَّا** لٰكِن **مَا قَدْ سَلَفَ** فى الجاهِلِيَّةِ مِن نِكاحِكُمْ بَعْضَ ماذُكِرَ فلا جُناحَ عليكم فيه **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا** لِما سَلَفَ منكم قبلَ النَّهْىِ **رَّحِيْمًا** ﴿۲۳﴾ بكم فى ذٰلِكَ.

ترجمہ: اورتم پرتمہاری ماؤں سے نکاح کرنا حرام کردیا گیا ہے اوراس حکم میں دادیاں اور نانیاں بھی شامل ہیں، اور تمہاری بیٹیاں اوراس میں پوتیاں بھی داخل ہیں اگرچہ نیچے تک ہوں، اور علاتی اوراخیافی بہنیں (اور حقیقی بہنیں) تمہارے لئے حرام کردی گئی ہیں، اورتمہاری پھوپھیاں یعنی تمہارے باپ دادوں کی بہنیں اورتمہاری خالائیں یعنی تمہاری ماؤں اور دادیوں کی بہنیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اوراس میں ان کی لڑکیاں بھی شامل ہیں، اورتمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دوسال مکمل ہونے سے پہلے پانچ گھونٹ دودھ پلایا ہو جیسا کہ حدیث نے اس کو بیان کیا ہے، اورتمہاری رضاعی بہنیں، اوران کے ساتھ از روئے حدیث رضاعی بیٹیاں بھی لاحق کردی گئی ہیں اور وہ ایسی لڑکیاں ہیں جن کو ان کی موطوءہ نے دودھ پلایا ہو، اور (رضاعی) پھوپیاں اور خالائیں، اور (رضاعی) بھتیجیاں اور (رضاعی) بھانجیاں (اس قاعدہ کی روسے) کہ جونسب سے حرام ہوجاتی ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہوجاتی ہے، (رواہ البخاری ومسلم) اورتمہاری خوش دامنیں، اورتمہاری ربیبائیں، رَبَائب رَبِیْبَۃ کی جمع ہے اور وہ اس کی بیوی کی لڑکی ہے دوسرے شوہر سے، کہ جو تمہاری پرورش میں ہوں یعنی جن کی تم پرورش کرتے ہو، (أیْ حجور کم) صفت غالب کے اعتبار سے ہے، لہٰذا اس کے مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے، (یعنی اس قید کا کوئی اعتبار نہیں ہے) (اور) ان بیویوں سے ہوں کہ جن سے تم ہم بستر رہ چکے ہو یعنی ان سے جماع کرچکے ہو لہٰذا اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے، جبکہ تم بیویوں کو الگ کردو، اورتمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں بخلاف ان بیٹوں کی بیویوں کے کہ جن کو تم نے متبنّٰی بنالیا ہے تمہارے لئے ان کی بیویوں سے نکاح جائز ہے۔ اور یہ کہ تم دونسبی یا رضاعی بہنوں کو نکاح میں جمع کرو (حرام ہے) اوراز روئے حدیث بیویوں اوران کی پھوپھیوں اوران کی خالاؤں کو بیک وقت جمع کرنا حرام کردیا گیا ہے۔ ہاں، ہرایک سے الگ الگ نکاح درست ہے۔ اوران کا مالک ہونا بھی درست ہے مگر وطی ان میں سے ایک ہی سے کرے۔ البتہ جو ہوچکا سو ہوچکا زمانہ جاہلیت میں مذکورہ میں سے بعض کے ساتھ نکاح سے، لہٰذا تمہارے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے بے شک اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرنے والا ہے جو ممانعت سے پہلے تم سے ہوچکا اس معاملہ میں تم پر رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: حُرِّمَتْ علیکم اُمَّھٰتکم، میں حرمت کی نسبت امہات کی ذات کی طرف کی گئی ہے حالانکہ ذوات کی حرمت کوئی معنی نہیں ہیں اسلئے کہ حرمت وحلت افعال کی صفت ہیں۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ امہات کی حرمت سے ان سے نکاح کی حرمت مراد ہے چونکہ نکاح متبادر الی الفہم ہے اسلئے

حذف کردیا گیا ہے، اسلئے کہ جو وصف اہم مقصود ہوا کرتا ہے وہ متبادر الی الفہم ہوا کرتا ہے، جیسا کہ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ ظاہر ہے کہ مراد اس کا کھانا ہے نہ کہ نفس میتہ اور مثلاً حُرِّمَتْ عَلَیْکم الخمرُ، مراد شرب خمر کی حرمت ہے نہ کہ ذات حرمت۔

قَوْلُہٗ: مَوْطوئتہٗ ای موطوءۃ الرجل.

قَوْلُہٗ: حلائل. بیویاں حَلِیْلَة، کی جمع ہے اور یہ حَلّ سے مشتق ہے جس کے معنی گرہ کھولنے، اترنے اور حلال ہونے کے ہیں چونکہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا ازار کھولتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اترتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے حلال ہیں اسلئے حلیل اور حلیلة کہلاتے ہیں۔

اَللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الرَّبائب: جمع رَبیبة، وهی بنت الزوجة من غیره.

الحجور: جمع حَجْرٍ بفتح الحاء وکسرها، گود، تربیت، پرورش، فی حجورکم، تمہاری پرورش میں۔

الکنایة فی قوله "دَخَلْتُمْ بِهِنَّ" فهِیَ کنایةٌ عن الجماع اَوِ الْخَلوةِ.

الاُمّهات، جمع اُمّ فالهاءُ زائدةٌ فی الجمع فرقاً بین العقلاء وغیرهم یقال فی العقلاء اُمهات وفی غیرهم اُمَات، اُخت وبنت، اَصْلهما اَخَوٌ وبَنَوٌ، حذفت واؤهما وعوض عنها التاء.

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ آبَاءُ کُمْ، زمانہ جاہلیت میں اس میں کوئی باک نہیں تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کرلیتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بے شرمی اور بے حیائی کے کام سے منع فرمایا ہے اور اس کو اپنی ناراضگی کا سبب بتایا ہے ظاہر ہے کہ یہ کیسی اخلاق کی موت اور کردار کا دیوالیہ پن ہے کہ جس کو ایک عرصہ تک ماں کہتے رہے اس کو باپ کی موت کے بعد ہی بیوی بنالیا۔

مَسْئَلَہ: آیت شریفہ میں باپ کی منکوحہ سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے، اس میں اس بات کی قید نہیں لگائی کہ باپ نے اس سے وطی بھی کی ہو، لہٰذا کسی عورت سے اگر باپ کا عقد بھی ہوجائے تو اس عورت سے بیٹے کیلئے نکاح کبھی حلال نہیں، اسی طرح بیٹے کی بیوی سے باپ کا بھی نکاح کرنا درست نہیں، اگرچہ بیٹے کا صرف نکاح ہی ہوا ہو۔

قال الشامی، وتحرم زوجة الاصل والفرع بمجرد العَقْدِ دَخَلَ بِهَا اَوْلَا.

مَسْئَلَہ: اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کرلیا تو بھی بیٹے کو اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔

لفظ اُمّھاتُکم کے عموم میں دادیاں اور نانیاں سب داخل ہیں، اسی طرح بنٰتکم، میں اپنی صلبی لڑکیاں اور لڑکے کی لڑکی اور لڑکی کی لڑکی بھی حرام ہے۔

خلاصہ یہ کہ بیٹی، پوتی، پڑپوتی، نواسی پڑنواسی ان سب سے نکاح حرام ہے، اور سوتیلی لڑکی جو دوسرے شوہر کی ہو اور بیوی ساتھ لائی ہو اس سے نکاح کرنے نہ کرنے میں تفصیل ہے جو آگے آرہی ہے اور جو لڑکا لڑکی صلبی نہ ہو بلکہ گود لے کر پال لیا ہو ان سے اور ان کی اولاد سے نکاح جائز ہے بشرطیکہ کسی دوسرے طریقہ سے حرمت نہ آئی ہو، اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس نطفہ سے جو لڑکی پیدا ہو وہ بھی بیٹی کے حکم میں ہے، اس سے بھی نکاح درست نہیں۔

وَاَخَوَاتُکُمْ، اپنی حقیقی بہن سے نکاح حرام ہے، اور علاتی اور اخیافی بہن سے بھی نکاح حرام ہے۔

وَعَمّٰتُکُمْ، اپنے باپ کی حقیقی بہن نیز علاتی یا اخیافی بہن ان تینوں سے نکاح حرام ہے غرضیکہ تینوں قسم کی پھوپھیوں سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

وَخٰلٰتُکُمْ، اپنی والدہ کی بہن (خالہ) خواہ حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی کسی سے بھی نکاح نہیں ہوسکتا۔

وَبَنٰتُ الْاَخِ، بھائی کی لڑکیوں یعنی بھتیجیوں سے بھی نکاح حرام ہے خواہ حقیقی ہوں یا علاتی و اخیافی۔

وَبَنٰتُ الْاُخْتِ، بہن کی لڑکیوں یعنی بھانجیوں سے بھی نکاح حرام ہے اور یہاں بھی وہی تعمیم ہے کہ خواہ حقیقی بھانجی ہو یا علاتی و اخیافی۔

وَاُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ، اور جن عورتوں کا دودھ تم نے پیا ہے اگرچہ وہ حقیقی مائیں نہ ہوں وہ بھی حرمت نکاح کے بارے میں والدہ کے حکم میں ہیں اور ان سے بھی نکاح حرام ہے تھوڑا دودھ پیا ہو یا زیادہ ایک مرتبہ یا متعدد بار، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو حرمت رضاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

حرمت رضاعت کی مدت:

یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حرمت رضاعت اسی زمانہ میں دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے جو دودھ پینے کا زمانہ ہوتا ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اِنَّمَا الرضاعَةُ مِنَ المجاعَةِ" یعنی رضاعت سے جو حرمت ثابت ہوگی وہ اسی زمانہ کے دودھ پینے سے ہوگی جس زمانہ میں دودھ پینے سے بچے کا نشو و نما ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اور یہ مدت امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے نزدیک بچے کی پیدائش سے لیکر ڈھائی سال تک ہے اور دیگر فقہاء کے نزدیک جس میں امام ابوحنیفہ کے مخصوص شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی بھی ہیں اس بات کے قائل ہیں کہ اس مدت کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

وَاَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ، یعنی رضاعت کے رشتہ سے جو بہن ہے اس سے بھی نکاح کرنا حرام ہے تفصیل اس کی یوں

ہے کہ جب کسی لڑکے یا لڑکی نے ایام رضاعت میں عورت کا دودھ پی لیا تو وہ عورت ان کی رضاعی ماں بن گئی، اور اس عورت کا شوہر ان کا رضاعی باپ بن گیا، اور اس عورت کی نسبی اولاد ان کے بہن بھائی بن گئے، اور اس عورت کی بہنیں ان کی خالائیں بن گئیں اور اس عورت کے جیٹھ دیور ان بچوں کے رضاعی چچا بن گئے، اور اس عورت کے شوہر کی بہنیں ان بچوں کی پھوپھیاں بن گئیں، اور ان میں باہم حرمت رضاعت ثابت ہوگئی، نسب کے رشتہ سے جو نکاح آپس میں حرام ہے، رضاعت کے رشتہ سے بھی حرام ہوجاتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے "اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ مِنَ الحضانۃ مَا حَرَّمَ مِنَ النسب". (مشکوۃ)

مسئلہ: جس طرح رضاعی بہن سے نکاح نہیں ہوسکتا رضاعی بھانجی سے بھی نکاح نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ: رضاعی بھائی یا رضاعی بہن کی نسبی ماں سے نکاح جائز ہے اور نسبی بہن کی رضاعی ماں سے بھی نکاح جائز ہے اور رضاعی بہن کی نسبی بہن اور نسبی بہن کی رضاعی بہن سے بھی نکاح جائز ہے۔

مسئلہ: منہ یا ناک کے ذریعہ ایام رضاعت میں دودھ اندر جانے سے حرمت ثابت ہوجاتی ہے اور اگر اور کسی راستہ سے دودھ پہنچا دیا جائے یا دودھ کا انجکشن لگا دیا جائے تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ (معارف القرآن)

مسئلہ: دودھ اگر دوا میں یا بکری یا گائے بھینس کے دودھ میں ملا ہوا ہو تو اس سے حرمت رضاعت اس وقت ثابت ہوگی جب عورت کا دودھ غالب یا برابر ہو لیکن اگر عورت کا دودھ کم ہے تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر مرد کے دودھ نکل آئے اور بچہ پی لے تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر دودھ پینے کا شک ہو تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ اگر بچے کے منہ میں پستان دیا لیکن دودھ جانے کا یقین نہ ہو تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کرلیا کسی دوسری عورت نے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اگر دونوں اس کی تصدیق کریں تو نکاح فاسد ہونیکا فیصلہ کرلیا جائیگا اور اگر یہ دونوں اس کی تکذیب کریں اور عورت دیندار خداترس ہو تو فساد نکاح کا فیصلہ نہ ہوگا، لیکن طلاق دے کر مفارقت کرلینا افضل ہے۔

مسئلہ: رضاعت کے ثبوت کے لئے دو دیندار مردوں کی گواہی ضروری ہے ایک مرد یا ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہ ہوگی، مگر احتیاط افضل ہے۔

مسئلہ: جس طرح دو دیندار مردوں کی گواہی سے رضاعت ثابت ہوجاتی ہے اسی طرح ایک مرد اور ایک دیندار عورت کی گواہی سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔

وَاُمَّھٰتُ نِسَآئِکُمْ، بیویوں کی مائیں (خوشدامن) شوہر پر حرام ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں بیویوں کی نانیاں، دادیاں، نسبی ہوں یا رضاعی سب داخل ہیں۔

مسئلہ: جس طرح بیویوں کی مائیں حرام ہیں اسی طرح اس عورت کی ماں بھی حرام ہے جس سے شبہ میں ہم بستری کی ہو، یا جس کے ساتھ زنا کیا ہو یا اس کو شہوت کے ساتھ چھوا ہو۔

مَسْئَلَہ: نفس نکاح ہی سے بیوی کی ماں حرام ہو جاتی ہے حرمت کے لئے دخول وغیرہ ضروری نہیں۔

وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ (الآیۃ) جس عورت کے ساتھ نکاح کیا اور نکاح کے بعد ہم بستری بھی کی تو اس عورت کی لڑکی جو دوسرے شوہر سے ہے اسی طرح اس کی پوتی، نواسی، حرام ہو گئیں لیکن اگر ہمبستری نہیں کی، صرف نکاح ہوا تو مذکورہ قسمیں حرام نہ ہوں گی، لیکن نکاح کے بعد اگر اس کو شہوت کے ساتھ چھوا، یا اس کے اندام نہانی کی طرف شہوت کی نگاہ سے دیکھا تو یہ بھی ہمبستری کے حکم میں ہے اس سے بھی اس عورت کی لڑکی وغیرہ حرام ہو جاتی ہے۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ، بیٹے کی بیوی حرام ہے اور بیٹے کے عموم میں پوتا اور نواسا بھی داخل ہے، لہذا ان کی بیویوں سے نکاح جائز نہیں۔

مَسْئَلَہ: متبنّٰی کی بیوی سے نکاح حلال ہے، اور رضاعی بیٹا بھی حقیقی بیٹے کے حکم میں داخل ہے۔

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ، دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، خواہ حقیقی بہنیں ہوں یا علاتی یا اخیافی، نسب کے اعتبار سے ہوں یا رضاعت کے اعتبار سے البتہ طلاق ہو جانے کے بعد دوسری بہن سے نکاح جائز ہے لیکن یہ جواز عدت گذرنے کے بعد ہے عدت کے دوران نکاح جائز نہیں۔

مَسْئَلَہ: جس طرح ایک ساتھ دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اسی طرح پھوپھی بھتیجی، خالہ بھانجی کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

مَسْئَلَہ: فقہاء کرام نے بطور قاعدہ کلیہ یہ لکھا ہے کہ ہر ایسی دو عورتیں جن میں سے اگر کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو شرعاً ان دونوں کے درمیان نکاح جائز نہ ہو اس طرح کی دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

بحمد اللہ تم

وَّ حُرِّمَتْ علیکم **الْمُحْصَنٰتُ** ای ذواتُ الازواج **مِنَ النِّسَآءِ** اَنْ تَنْکِحُوْهُنَّ قبلَ مُفارقة ازواجهنَّ حرائرَ مُسْلِماتٍ کُنَّ اَوْلا **اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** من الاماءِ بالسَّبْيِ فلکم وَطْؤُهُنَّ وان کانَ لهنَّ ازواجٌ فی دارِ الحربِ بَعْدَ الاستبراءِ **كِتٰبَ اللّٰهِ** نُصِبَ علی المَصْدرِ ای کَتَبَ ذٰلك **عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ** بالبناءِ للفاعلِ والمفعولِ **لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ** ای سِوی ما حُرِّمَ علیکم من النساءِ لِ **اَنْ تَبْتَغُوْا** تَطْلُبُوا النِّساءَ **بِاَمْوَالِكُمْ** بصداقٍ اوثمنٍ **مُّحْصِنِيْنَ** مُتزوِّجینَ **غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ** زانینَ **فَمَا** فمَنْ **اسْتَمْتَعْتُمْ** تمتَّعْتُمْ **بِهٖ مِنْهُنَّ** مِمَّنْ تزوَّجْتُمْ بالوطْیِ **فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ** مُهُورَهُنَّ التی فَرَضْتُمْ لهنَّ **فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ** انتم و هُنَّ **بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ** من حَطِّها او بَعْضِها او زیادةٍ علیها **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا** بخلقه **حَكِيْمًا** ﴿۲۴﴾ فیما دَبَّرَه لهم **وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا** غِنًی ل **اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ** الحرائرَ **الْمُؤْمِنٰتِ** هو جَرْیٌ علی الغالبِ فلا مَفْهُومَ لَه **فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** یَنْکِحُ **مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ** فاکْتَفُوْا بظاهره و کِلُوا السَّرائرَ الیه فانَّه العالمُ بتفاصیلها ورُبَّ اَمَةٍ تَفْضُلُ الحُرَّةَ فیه و هذا تأنیسٌ بنکاحِ الاماءِ **بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ** ای انتم وهُنَّ سواءٌ فی الدِّینِ فلا تستنکِفُوا من نکاحِهِنَّ **فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ** مَوالیهِنَّ **وَاٰتُوْهُنَّ** اَعْطُوهُنَّ **اُجُوْرَهُنَّ** مُهُوْرَهُنَّ **بِالْمَعْرُوْفِ** من غیر مَطْلٍ و نَقْصٍ **مُحْصَنٰتٍ** عفائفَ حالٌ **غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ** زانیاتٍ جَهْرًا **وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ** اخلاءٍ یزنُونَ بها سِرًّا **فَاِذَآ اُحْصِنَّ** زُوِّجْنَ وفی قراءةٍ بالبناءِ للفاعلِ تزوَّجْنَ **فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ** زِنًا **فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ** الحرائرِ الابکارِ اذا زَنَیْنَ **مِنَ الْعَذَابِ** الحدِّ فیُجْلَدْنَ خمسینَ ویُغَرَّبْنَ نِصْفَ سنةٍ و یُقاسُ علیهنَّ العبیدُ ولم یُجْعَلِ الاِحْصانُ شرطًا لوُجُوبِ الحدِّ بل لافادةِ انّه لا رَجْمَ علیهنَّ اَصْلًا **ذٰلِكَ** ای نکاحُ المملوکاتِ عند عدمِ الطَّوْلِ **لِمَنْ خَشِيَ** خافَ **الْعَنَتَ** الزِّنا و اصلُه المشقَّةُ سُمِّیَ به الزِّنا لانّه سَبَبُها بالحدِّ فی الدنیا والعُقُوبةِ فی الآخرةِ **مِنْكُمْ** بخلافِ مَنْ لا یخافُه من الاحرارِ فلا یحلُّ له نکاحُها و کذا مَن استطاعَ طَوْلَ حُرَّةٍ وعلیه الشافعیُّ وخرجَ بقوله من فتیٰتکم المؤمنٰتِ الکافراتُ فلا یحلُّ له نکاحُها ولو عُدِمَ وخافَ **وَاَنْ تَصْبِرُوْا** عن نکاحِ المملوکاتِ **خَيْرٌ لَّكُمْ** لِئلّا یَصیرَ الولدُ رقیقًا **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۲۵﴾ بالتَّوسعةِ فی ذٰلک۔

ترجمہ: اور حرام کردی گئی ہیں تمہارے لئے شوہر والی عورتیں یہ کہ ان سے ان کے شوہروں کی مفارقت کے بغیر نکاح کرو خواہ آزاد مسلمان عورتیں ہوں یا دیگر، مگر یہ کہ وہ باندیاں کہ جو گرفتار ہو کر تمہاری قید میں آجائیں تو تمہارے لئے جائز ہے کہ ان سے وطی کرو استبراء (رحم) کے بعد، اگرچہ دارالحرب میں ان کے شوہر موجود ہوں، اللہ نے (ان احکام کو) تم پر فرض کردیا ہے نصب مصدریت کی وجہ سے ہے ای کتب ذٰلک، اور تمہارے لئے مذکورہ حرام کردہ عورتوں کے علاوہ حلال کردی

گئی ہیں یہ کہ تم عورتوں کو اپنے مالوں کے ذریعہ مہر یا قیمت دیکر طلب کرو (اس طریقہ پر) کہ ارادہ نکاح کا ہو نہ کہ (محض) شہوت رانی کرنے والے، اس لئے جن سے تم نے فائدہ اٹھایا ہے تو ان کو ان کا طے شدہ مہر دیدو جو تم نے ان کیلئے مقرر کیا ہے اور تم پر اس مقدار کے بارے میں کوئی گناہ نہیں جس پر تم اور وہ مہر مقرر ہونے کے بعد راضی ہو جاؤ کل کو ساقط کر کے یا کچھ کمی زیادتی کر کے بے شک اللہ اپنی مخلوق کے بارے میں بڑا جاننے والا اور اس نظم کے بارے میں جو اس نے مخلوق کے لئے قائم کیا ہے بڑی حکمت والا ہے اور جو شخص تم میں سے آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو ایمان کی صفت غالب کی بناء پر ہے لہٰذا اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے۔ تو وہ مسلمان باندیوں سے جن کے تم مالک ہو (نکاح کرلے) اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے لہٰذا اس کے ظاہری ایمان پر اکتفاء کرو، اور رازوں کو اللہ کے حوالہ کرو، اسلئے کہ وہ رازوں کی تفصیلات کو جانتا ہے، اور بہت سی باندیاں ایمان میں آزاد (عورتوں) پر فضیلت رکھتی ہیں اور یہ باندیوں کے نکاح سے مانوس کرنا ہے اور تم آپس میں ایک ہی تو ہو یعنی تم اور وہ دین میں برابر ہو لہٰذا ان سے نکاح کرنے میں عار محسوس نہ کرو اس لئے ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرلو، اور دستور کے مطابق بغیر ٹال مٹول اور بغیر کمی کے ان کے مہر ان کو دیدیا کرو۔ حال یہ کہ وہ پاک دامن ہوں نہ کہ کھلم کھلا زنا کرنے والیاں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں، کہ جس کی وجہ سے خفیہ طور پر زنا کرنے والی ہوں۔ پس جب یہ باندیاں نکاح میں آجائیں اور ایک قراءت میں معروف کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی جب وہ نکاح کرلیں، پھر اگر وہ بے حیائی زنا کی مرتکب ہوں تب ان کی سزا آزاد غیر شادی شدہ کی آدھی ہے جب وہ زنا کریں تو ان کو پچاس کوڑے لگائے جائیں اور نصف سال کیلئے جلاوطن کردیا جائے۔ اور اسی پر غلاموں کو قیاس کیا جائیگا، اور احصان وجوب حد کے لئے شرط کے طور پر نہیں ہے بلکہ اس بات کا فائدہ دینے کے لئے ہے کہ ان پر رجم قطعاً نہیں ہے (آزاد پر) قدرت نہ ہونے کی صورت میں باندیوں سے نکاح کا یہ حکم ان لوگوں کیلئے ہے جنہیں تم میں سے گناہ زنا، کا اندیشہ ہے اور عَنَتٌ کے اصل معنی مشقت کے ہیں اور زنا کا نام مشقت اسلئے رکھا گیا ہے کہ زنا دُنیا میں حد، اور آخرت میں سزا کا سبب ہے۔ بخلاف ان آزاد لوگوں کے کہ ان کو (زنا میں مبتلا ہونیکا) خوف نہیں ہے، تو ان کے لئے باندیوں سے نکاح حلال نہیں ہے، اور یہی حکم اس شخص کا ہے جو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور یہی مذہب امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول مومنات کی قید سے کافرات خارج ہوگئیں اس شخص کے لئے بھی باندیوں سے نکاح حلال نہیں ہے اگر چہ قدرت مفقود ہو اور زنا کا خوف ہو۔ اور اگر تم باندیوں سے نکاح کرنے کو ضبط کرو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے تا کہ بچہ غلام نہ ہو۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا اور اس معاملہ میں وسعت کے ذریعہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَحُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمُحْصَنٰتُ، جمہور کے نزدیک فتحہ صاد کے ساتھ، اسم مفعول ہے، وہ عورتیں جنہوں نے نکاح کے ذریعہ اپنی شرمگاہوں کو محفوظ کرلیا ہو (یعنی شادی شدہ عورتیں) اس آیت کے علاوہ ہر جگہ کسائی نے صاد کے کسرہ

کے ساتھ بصیغۂ اسم فاعل پڑھا ہے۔

قِوْلُہٗ: حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ، حُرِّمَتْ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اَلْمُحْصَنٰتُ کا عطف اُمَّھَاتُکُمْ پر ہے مُحْصَنات (یعنی شوہر والی عورتیں) بھی سلسلۂ محرمات میں داخل ہیں، اَلمحصنٰت، اسم مفعول جمع مؤنث کا صیغہ ہے واحد مُحْصَنَۃٌ ہے قرآن کریم میں احصان چار معنی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ① شادی شدہ عورتیں ② آزاد عورتیں ③ پاک دامن عورتیں ④ مسلمان عورتیں، یہاں پہلے معنی یعنی شادی شدہ عورتیں مراد ہیں، مفسر علام نے ذَوَاتُ الْاَزْوَاجِ کہہ کر اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قِوْلُہٗ: اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: حرمت افعال میں ہوتی ہے نہ کہ ذوات میں حالانکہ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ المحصنٰت سے ذات کی حرمت مفہوم ہورہی ہے؟

جَوَاب: مفسر علام نے اَنْ تنکحوھُنَّ، کا اضافہ کرکے اسی سوال کا جواب دیا ہے یعنی محصنٰت سے نکاح کرنا حرام ہے نہ کہ ان کی ذات۔

قِوْلُہٗ: قَبْلَ الْمُفَارَقَۃِ اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ بعد المفارقت نکاح کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے خواہ عورت آزاد ہو یا باندی۔

قِوْلُہٗ: بالسَّبْيِ اس میں اشارہ ہے کہ بلا مفارقت، وطی اسی باندی سے جائز ہے جو گرفتار ہوکر آئی ہو اور اگر خرید کردہ ہے اور وہ شادی شدہ ہے تو اس سے بلا مفارقت زوج وطی جائز نہیں ہے۔

قِوْلُہٗ: نَصْبٌ علی الْمَصْدَرِیَّۃِ، اس میں اشارہ ہے کہ، کتابَ اللّٰہِ مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے کتابَ کا عامل کَتَبَ، حُرِّمَتْ سے مستفاد ہے، اس لئے کہ تحریم اور کتاب اور فرض ایک ہی معنی میں ہیں مفسر علام نے کَتَبَ ذٰلك، کہہ کر اسی عامل محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قِوْلُہٗ: وَاُحِلَّ لکم، اس کا عطف کتابَ اللّٰہ کے عاملِ مقدر پر ہے، اگر فعل مقدر کَتَبَ پر عطف ہو تو اَحَلَّ، معروف ہوگا اور اگر حُرِّمَتْ، پر ہو تو اُحِلَّ، مجہول ہوگا۔

قِوْلُہٗ: ھُوَ جَرْیٌ علی الغَالِبِ، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: المؤمنات کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیات سے نکاح درست نہیں ہے۔

جَوَاب: المؤمنات کی قید غالب کے اعتبار سے ہے ورنہ نکاح کے بارے میں جو حکم آزاد مومنات کا ہے وہی حکم آزاد کتابیات کا بھی ہے، لہٰذا اس کا مفہوم مخالف مراد لینا درست نہ ہوگا۔

قِوْلُہٗ: مُحْصَنَات، یہ فانکحوھُنَّ کی ضمیر سے حال ہے نہ کہ صفت اسلئے کہ ضمیر نہ موصوف واقع ہوتی ہے اور نہ صفت، مشہور قاعدہ ہے اَلضمیر لا یُوْصَفُ ولا یوصَفُ بہٖ۔

قَوْلُہٗ: غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ یہ حال مؤکدہ ہے، مُسَافِحِیْنَ، مُسَافِحٌ، کی جمع ہے بمعنی زانی۔
قَوْلُہٗ: اَخْدَان یہ خِدْنٌ کی جمع ہے بمعنی دوست۔

تفسیر و تشریح

اس رکوع میں محرّمات کا ذکر ہے، محرمات کی چار قسمیں ہیں جن میں تین محرمات ابدیہ ہیں ① محرمات نسبیہ ② محرمات رضاعیہ ③ محرمات بالمصاہرۃ، ان کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے ④ محرمات غیر ابدیہ۔ اس چوتھی قسم کا ذکر والمحصنٰت من النساء سے کیا ہے محصنٰت سے مراد شوہر دار عورتیں ہیں، عورت جب تک کسی کے نکاح میں ہو تو دوسرے شخص کے لئے اس سے نکاح جائز نہیں اس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ ایک عورت بیک وقت ایک سے زائد شوہر دار نہیں ہوسکتی، اِلّا ما ملکت ایمانکم یہ جملہ المحصنٰت من النساء سے استثناء ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر دار عورت سے کسی دوسرے شخص کا نکاح جائز نہیں ہے اِلَّا یہ کہ وہ عورت مملوکہ باندی ہوکر آجائے اگرچہ اس کا شوہر دارالحرب میں موجود ہو چونکہ عورت کے دارالاسلام میں آجانے کی وجہ سے اس کا نکاح، سابق شوہر سے ختم ہوگیا ہے یہ عورت خواہ کتابیہ ہو یا مسلمہ اس سے دارالاسلام کا کوئی بھی مسلمان نکاح کرسکتا ہے مگر استمتاع ایک حیض آنے کے بعد ہی جائز ہوگا، اور حاملہ ہے تو وضع حمل ضروری ہے، اس کے بغیر استمتاع جنسی درست نہ ہوگا، اور اگر حکومت کی جانب سے مال غنیمت میں حاصل شدہ باندی کسی فوجی سپاہی کو مال غنیمت کے طور پر دیدی جائے تب بھی اس سے جنسی استمتاع جائز ہے مگر یہ استمتاع بھی وضع حمل یا ایک حیض آنے کے بعد ہی جائز ہوگا۔

جو عورتیں جنگ میں گرفتار ہوں انکو پکڑتے ہی ہر سپاہی ان کے ساتھ مباشرت کا مجاز نہیں، بلکہ اسلامی قانون یہ ہے کہ ایسی عورتیں حکومت کے حوالہ کردی جائیں گی، حکومت کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو ان کو رہا کردے اور اگر چاہے تو ان سے فدیہ لے، چاہے ان کا تبادلہ ان مسلمان قیدیوں سے کرے جو دشمن کے ہاتھ میں ہوں اور چاہے تو انھیں سپاہیوں میں تقسیم کردے، سپاہی صرف اسی عورت سے استمتاع کا مجاز ہے جو حکومت کی طرف سے باقاعدہ اس کی ملک میں دی گئی ہو۔

جنگ میں پکڑی گئی عورتوں کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں، ان کا مذہب خواہ کچھ بھی ہو جب تقسیم کے بعد جس کے حصے میں آئیں ان سے استمتاع کرسکتا ہے۔

جو عورت جس کے حصہ میں آئے وہی شخص اس سے استمتاع کرسکتا ہے کسی دوسرے کو اسے ہاتھ لگانے کا حق نہیں، اس عورت سے جو اولاد ہوگی وہ اسی شخص کی جائز اولاد سمجھی جائیگی جس کی ملک میں وہ عورت ہے، اس اولاد کے قانونی حقوق وہی ہوں گے جو شریعت میں صلبی اولاد کے لئے مقرر ہیں صاحب اولاد ہونے کے بعد وہ عورت فروخت نہ ہوسکے گی وہ عورت ام ولد کہلائے گی اور مالک کے مرتے ہی خود بخود آزاد ہوجائے گی۔

مالک اگر اپنی مملوکہ کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کردے تو پھر مالک کو دیگر خدمات لینے کا تو حق رہتا ہے لیکن جنسی

تعلقات قائم کرنے کا حق نہیں رہتا۔
اسیران جنگ میں سے اگر کوئی اسیر حکومت کسی شخص کو دیدے تو حکومت کو اس سے واپس لینے کا حق نہیں رہتا۔
کِتَابَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ، یہ مصدریت کی وجہ سے فعل محذوف کے ذریعہ منصوب ہے ای کَتَبَ اللّٰہُ ذٰلِکَ عَلَیْکُمْ کتابًا، یعنی جن محرمات کا ذکر ہوا ہے ان کی حرمت اللہ کی طرف سے ہے اور یہ خدائی قانون ہے جو تمہارے اوپر لازم ہے۔
اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ، یعنی محرمات کا یہ بیان اس لئے کیا گیا ہے کہ تم اپنے مالوں کے ذریعہ حلال عورتیں تلاش کرو اور ان کو اپنے نکاح میں لاؤ، ابوبکر جصاص رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ نکاح مہر کے بغیر نہیں ہو سکتا حتی کہ اگر زوجین آپس میں یہ طے کرلیں کہ نکاح، مہر کے بغیر کریں گے تب بھی مہر لازم ہوگا دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مہر وہ چیز ہوگی جس کو مال کہا جا سکے، احناف کا مذہب یہ ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہ ہونا چاہیے ایک درہم ساڑھے چار ماشہ یا ۳ گرام ۶۲ ملی گرام کے برابر ہوتا ہے اور دس درہم ۳۶ گرام اور ۲ ملی گرام کے مساوی ہوں گے۔

متعہ کی بحث:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً (یعنی بعد از نکاح) جن عورتوں سے استمتاع کرلو تو ان کے مہر دیدو، یہ دینا تمہارے اوپر فرض کیا گیا ہے، اس آیت میں استمتاع سے بیویوں سے ہمبستر ہونا مراد ہے، اگر محض نکاح ہو جائے مگر شوہر کو وطی کا موقع نہ ملے بلکہ وہ اس سے پہلے ہی طلاق دیدے یا عورت کا انتقال ہو جائے تو نصف مہر واجب ہوتا ہے اور اگر استمتاع کا موقع مل جائے تو پورا مہر واجب ہوتا ہے، اس آیت میں اسی حکم کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی ہے۔
لفظ استمتاع کا مادہ م، ت، ع، ہے جس کے معنی استفادہ کرنے اور فائدہ اٹھانے کے ہیں فائدہ خواہ مالی ہو یا جسمانی، اس لغوی تحقیق کی روشنی میں فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کا سیدھا اور صاف مطلب پوری امت کے نزدیک خلفاً عن سلفٍ وہی ہے جو اوپر بیان کیا ہے لیکن فرقۂ امامیہ کے نزدیک اس سے اصطلاحی متعہ مراد ہے اور وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ اصطلاحی متعہ کی صاف تردید قرآن کریم کی آیت بالا میں لفظ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ سے ہو رہی ہے۔

متعہ کی صورت:

اصطلاحی متعہ جس کے جواز کا فرقۂ امامیہ مدعی ہے یہ ہے کہ ایک مرد کسی عورت سے یوں کہے کہ اتنے دن یا اتنے وقت کے لئے اتنی رقم کے عوض میں تم سے متعہ کرتا ہوں، متعہ اصطلاحی کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، محض مادۂ اشتقاق کو دیکھ کر یہ فرقہ مدعی ہے کہ اس آیت سے حلت متعہ کا ثبوت ہو رہا ہے۔
جواز متعہ کی نسبت حضرت امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی جانب بھی بعض حضرات نے کی ہے جن میں صاحب ہدایہ اور امام سرخسی صاحب مبسوط بھی شامل ہیں لیکن یہ نسبت تسامح ہے جیسا کہ شراح ہدایہ نے تصریح کی ہے کہ صاحب ہدایہ سے یہ تسامح ہوا ہے۔

البتہ بعض حضرات کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ آخر تک حلّت متعہ کے قائل تھے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی جانب جواز متعہ کی نسبت میں بڑی قیل وقال ہوئی ہے بعض اکابر حنفیہ جن میں پیش پیش ہدایہ کے نامور شارح ابن ھمام ہیں نے اس انتساب کو غلط ٹھہرایا ہے اَلنسبة الی مالك غلط (فتح القدیر) ونقل الحل عن مالك لا اصل له. (روح)

اور بڑی بات یہ ہے کہ مالکیہ کی کتابوں سے بھی اس فتوے کے جواز کی تائید نہیں ہوتی بلکہ براہ راست یا بالواسطہ اس کی مخالفت ہی نکلتی ہے۔ وَامّا متعة النساء فهی من غرائب الشریعة لانّها ابیحت فی صدر الاسلام ثم حرمت بعد ذلك استقر الامر علی التحریم (ابن عربی) وَ الأنكحة الّتی ورد النهی فیها اربعة نكاح منها المتعة (بدایه المجتهد) تواترت الاَ خبار عن رسول اللّٰه ﷺ بتحریمه. (بدایة المجتهد)

حدیث میں متعہ کی ممانعت:

سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حدیث نبوی میں اس کی صاف ممانعت آچکی ہے، مسلم میں ایک طویل حدیث سبرہ بن معبد جہنی سے نقل ہوئی ہے جس کے آخر میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

یا یّها الناس اِنّی آذنْتُ لكم فی الاِسْتِمْتَاعِ مِنَ النساءِ و اِنَّ اللّٰهَ تعالی قدحرّم ذلك الی یَوْمِ القیامَةِ فمنْ كانَ عِنْدَهٗ مِنْهُنّ شیئٌ فَلْیُخلِّ سبیْلَهٗ، ولا تَاْخُذُوْا بِمَا اٰتیتُمُوْهُنّ شَیْئًا.

ترجمہ: اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دے رکھی تھی لیکن اب اللہ نے اس کو قیامت تک کے لیے حرام کردیا ہے، سو جس کسی کا اس پر عمل ہو وہ اب اس سے باز آجائے اور جو کچھ تم نے ان عورتوں کو دیا ہے وہ ان سے واپس نہ لو۔

دوسری حدیثیں بھی بخاری و مسلم وغیرہ میں نقل ہوئی ہیں ان کا حاصل بھی حکم متعہ کی حرمت ہے اسی لئے ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے فتوائے جواز سے رجوع منقول ہے۔

ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ صح رجوعه الی قولهم (ہدایہ) قیل ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ رجع عن ذلك (معالم) اب فقہائے اہل سنت کا حرمت متعہ پر اتفاق ہے اور ان کے تمام مفسرین نے اسی شق کو اختیار کیا ہے، اختلاف صرف فرقۂ امامیہ (شیعہ) تک محدود رہ گیا ہے۔

بعض لوگوں کا یہ دعویٰ کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ آخر تک حلت متعہ کے قائل رہے صحیح نہیں امام ترمذی نے باب ماجاء فی نكاح المتعة کا باب قائم کرکے دو حدیثیں نقل کی ہیں۔

❶ عن علی بن ابی طالب انّ النبی ﷺ نهٰی عن متعة النساء و عن لحوم الحمر الاهلیة زمن خَیْبَرَ.

ترجمہ: حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی مذکورہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

❷ یہ حدیث بھی امام ترمذی نے نقل کی ہے۔ **عن ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قال انما کانت المتعة فی اول الاسلام حتّٰی اذا نَزَلَتْ الآیةُ اِلَّا علی اَزْوَاجِهِم اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیما نُهُم قال ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فکُلُّ فَرْجٍ سِوَا هُمَا فَهُوَ حَرَامٌ.**

ترجمہ: حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، فرماتے ہیں متعہ اسلام کے عہد اول میں مشروع تھا یہاں تک کہ آیت کریمہ اِلا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم، نازل ہوئی تو وہ منسوخ ہوگیا، اس کے بعد حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ زوجۂ شرعیہ اور مملوکہ کے علاوہ ہر طرح کی شرمگاہ سے استمتاع حرام ہے۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کچھ عرصہ تک متعہ کے جواز کے قائل رہے پھر حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سمجھانے سے (جیسا کہ صحیح مسلم، ج:۱، ص:۴۵۲ پر ہے) اور آیت شریفہ **اِلَّا علی ازوجهم او ما ملکت ایمانهم** سے متنبہ ہو کر رجوع فرمالیا جیسا کہ ترمذی کی روایت سے معلوم ہوا۔ (معارف)

قولِ فیصل دربارۂ متعہ:

متعہ کے بارے میں قول فیصل محدث حازمی کا ہے جسے ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور علامہ آلوسی نے روح المعانی میں نقل کیا ہے۔

حازمی نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ کو ان لوگوں کے لئے جائز نہیں کیا جو کہ وہ اپنے وطن یا گھروں میں بیٹھے ہوں، آپ نے اسے صرف ضرورت ہی کے موقعوں پر جائز کیا ہے، اور آپ نے اپنی آخری عمر میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر اسے ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا چنانچہ اس بارے میں ائمہ اور ملک کے علماء میں سے کسی کو بھی اختلاف نہیں بجز شیعوں کے ایک فرقہ کے۔

(ماجدی)

نکاح کا اصل مقصد:

نکاح کا اہم مقصد حصول اولاد اور نسل انسانی کی بقا ہوتی ہے نہ کہ محض شہوت رانی، اسی لئے قرآن مجید نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ قید نکاح میں لانیکا مقصد عفت و عصمت کا حصار فراہم کرنا ہو نہ کہ محض مستی نکالنا، اور متعہ مذکورہ باتوں سے خالی ہوتا ہے، متعہ چونکہ ایک محدود وقت کے لئے کیا جاتا ہے اس لئے نہ اس سے حصول اولاد مقصود ہوتی ہے اور نہ گھر بسانا اور نہ عفت و عصمت

اور یہی وجہ ہے کہ فریق مخالف اس کو زوجہ وارثہ قرار نہیں دیتا اور نہ اس کو ازواج معروفہ کی گنتی میں شمار کرتا ہے، چونکہ مقصد قضاء شہوت ہوتا ہے اس لئے مرد اور عورت نئے نئے جوڑے تلاش کرتے رہتے ہیں اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ متعہ عفت وعصمت کا ضامن نہیں ہے بلکہ دشمن ہے۔

قرآن کریم نے محرمات کا ذکر کرنے کے بعد یوں فرمایا ہے کہ ان کے علاوہ اپنے اموال کے ذریعہ حلال عورتیں تلاش کرو اس حال میں کہ پانی بہانا یعنی محض مستی نکالنا اور شہوت رانی کرنا ہی مقصد نہ ہو۔

متعہ ایک ہنگامی ضرورت تھی:

تاریخی روایتوں اور حدیثوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ یا طویل سفر کے موقعہ پر عقد مؤقت یا عارضی نکاح کی یہ اجازت محض سپاہیوں کے لئے ہنگامی اور وقتی ضرورت کے پیش نظر ایک بار یا چند بار دی گئی تھی اور بعض صحابہ ایک عرصہ تک اسی خیال میں رہے، باقی مستقل حکم عدم جواز ہی کا ہے (ماجدی) اسی کی تائید عبد اللہ بن مسعود کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس کی بخاری اور مسلم دونوں میں نقل ہوئی ہے۔

كُنَّا نَغْزُوْ مع النَّبِيِّ ﷺ ليس مَعَنَا نِسَاءٌ فقلنا ألا نَخْتَصِيْ فنهانا عن ذلك ثم رَخَّصَ لنا ان نَسْتَمْتِعَ.

ترجمہ: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں تھے اور بیویاں ہمارے ہمراہ نہ تھیں تو ہم لوگوں نے کہا کہ ہم خود کو خصی کرالیں تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا اور ہمارے لئے متعہ کی اجازت دیدی۔

اور مندرجہ ذیل روایت بھی سلمۃ بن اکوع کے حوالہ سے صحیحین میں نقل ہوئی ہے۔

رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ عَامَ اَوْطَاس فی الْمُتْعَةِ ثلاثًا ثم نَهٰى عنها.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ اوطاس کے سال متعہ کی اجازت تین رات دیدی تھی مگر اس کے بعد اس کی ممانعت کردی۔

مسئلہ: متعہ کی طرح نکاح مؤقت بھی حرام ہے صرف لفظ نکاح کا فرق ہے۔

ولا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ، اس کا مطلب یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے مہر مقرر کرنے کے بعد اس میں دونوں فریقوں کی رضامندی سے کمی بیشی ہوسکتی ہے، بیوی اگر چاہے تو پورا یا کچھ حصہ معاف کرسکتی ہے اور شوہر کے لئے بھی جائز ہے کہ مقرر کردہ مقدار سے زیادہ دیدے۔

ومن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ (الآیہ) سابق میں نکاح کے احکام کا بیان تھا، اس لئے اسی کے ذیل میں اب شرعی لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے کا ذکر شروع ہوا، اسی کے ضمن میں باندی اور غلام کی حد زنا کا بھی حکم بیان کردیا کہ ان کی حد آزاد کی نصف ہوتی ہے۔

طَــوْلٌ، قدرت اور غناء کو کہتے ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس کو آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو تو مومن باندیوں سے نکاح کرسکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جہاں تک ہو سکے آزاد عورت سے نکاح کرنا چاہئے اگر باندی سے نکاح کرنا پڑ ہی جائے تو باندی مومنہ ہو۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا یہی مسلک ہے کہ آزاد عورت پر قدرت ہوتے ہوئے باندی یا کتابیہ سے نکاح مکروہ ہے۔ دیگر ائمہ مثلاً امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نزدیک آزاد پر قدرت کے باوجود باندی سے نکاح حرام ہے اسی طرح کتابیہ باندی سے نکاح بالکل جائز نہیں۔ (معارف)

فَانْکِحُوْھُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِھِنَّ وَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، (یعنی) باندیوں سے نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے کرو اگر وہ اجازت نہ دیں تو نکاح صحیح نہ ہوگا اسلئے کہ باندی کو خود اپنے او پر ولایت حاصل نہیں ہوتی یہی حکم غلام کا بھی ہے کہ وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتا۔ پھر فرمایا کہ باندیوں کا مہر خوبی کے ساتھ ادا کردو باندی سمجھ کر ٹال مٹول نہ کرو، امام مالک کے نزدیک زرمہر باندی کا حق ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک زرمہر مالک کا حق ہے۔

مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ یعنی مومن باندیوں سے نکاح کرو تاکہ وہ حصار نکاح میں محفوظ (محصنات) ہوکر رہیں آزاد شہوت رانی کرتی نہ پھریں اور نہ چوری چھپے آشنائیاں کریں، پھر بھی اگر وہ حصار نکاح میں محفوظ ہونے کے بعد بدچلنی کی مرتکب ہوں تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کی ہے، اس سے غیر شادی شدہ آزاد عورتیں مراد ہیں ان کی سزا سو کوڑے ہیں، اور اگر شادی شدہ آزاد مرد یا عورت زنا کرے تو اس کی سزا رجم ہے رجم کی چونکہ تنصیف نہیں ہوسکتی اسلئے چاروں اماموں کے نزدیک حکم یہ ہے کہ غلام یا باندی خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ اگر ان سے زنا سرزد ہو جائے تو ان کی سزا پچاس کوڑے ہیں۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ (الآیہ) یعنی باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت ایسے لوگوں کے لئے ہے جو جوانی کے جذبات پر قابو رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں اور بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، اگر ایسا اندیشہ نہ ہو تو اس وقت تک صبر کرنا بہتر ہے جب تک کہ کسی آزاد خاندانی عورت سے شادی کے قابل نہ ہو جائیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ شَرَائِعَ دِيْنِكُمْ وَمَصَالِحَ اَمْرِكُمْ **وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ** طَرَائِقَ **الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ** مِنَ الْاَنْبِيَاءِ فِي التَّحْلِيْلِ وَالتَّحْرِيْمِ فَتَتَّبِعُوْهُمْ **وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ** يَرْجِعَ بِكُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهِ الَّتِيْ كُنْتُمْ عَلَيْهَا اِلٰى طَاعَتِهِ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِكُمْ **حَكِيْمٌ** (۲۶) فِيْمَا دَبَّرَهُ لَكُمْ **وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ** كَرَّرَهُ لِيُبْنٰى عَلَيْهِ **وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ** الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوْسُ اَوِ الزُّنَاةُ **اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا** (۲۷) تَعْدِلُوْا عَنِ الْحَقِّ بِارْتِكَابِ مَا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ فَتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ **يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ** فَيُسَهِّلَ عَلَيْكُمْ اَحْكَامَ الشَّرْعِ **وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا** (۲۸) لَا يَصْبِرُ عَنِ النِّسَاءِ وَالشَّهَوَاتِ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ** بِالْحَرَامِ فِي الشَّرْعِ كَالرِّبٰوا

والغصب إِلَّآ لكن أَن تَكُونَ تقع تِجَارَةً وفي قراءةٍ بالنصب أن تكون الاموال اموال تجارةٍ صادرةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ وطيب نفسٍ فلكم ان تأكلوها وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ بارتكاب مايؤدي الى هلاكها أيًا كان في الدنيا او الآخرة بقرينة إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ في منعه لكم من ذلك وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ اي مانُهي عنه عُدْوَٰنًا تجاوزا للحلال حال وَظُلْمًا تاكيد فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نُدخله نَارًا يحترق فيها وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ هيّنا إِن تَجْتَنِبُوا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ وهي ماورد عليها وعيدٌ كالقتل والزنا والسرقة وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنه هي الى السبعمائة أقرب نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ الصغائر بالطاعات وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا بضم الميم وفتحها اي إدخالا او موضعا كَرِيمًا ﴿٣١﴾ هو الجنة وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بِهِۦ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ من جهة الدنيا والدين لئلا يؤدي الى التحاسد والتباغض لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ ثواب مِّمَّا ٱكْتَسَبُوا بسبب ما عملوا من الجهاد وغيره وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا ٱكْتَسَبْنَ من طاعة ازواجهن وحفظ فروجهن نزلت لما قالت ام سلمة ليتنا كنا رجالا فجاهدنا وكان لنا مثل اجر الرجال وَسْـَٔلُوا بهمزة ودونها ٱللَّهَ مِن فَضْلِهِۦٓ ما احتجتم اليه يعطكم إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمًا ﴿٣٢﴾ ومنه محل الفضل وسؤالكم وَلِكُلٍّ من الرجال والنساء جَعَلْنَا مَوَٰلِىَ اي عصبة يعطون مِمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ لهم من المال وَٱلَّذِينَ عَقَدَتْ بالف ودونها أَيْمَـٰنُكُمْ جمع يمين بمعنى القسم او اليد اي الحلفاء الذين عاهدتموهم في الجاهلية على النصرة والإرث فَـَٔاتُوهُمْ الآن نَصِيبَهُمْ حظهم من الميراث وهو السدس إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾ مطلعا ومنه حالكم وهو منسوخ بقوله وأولوا الارحام بعضهم اولى ببعض.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے تمہارے دین کے احکام اور تمہارے معاملہ کی مصلحتیں خوب کھول کھول کر بیان کرے، اور تم کو تم سے پہلے لوگوں انبیاء کے حلال وحرام میں حالات (طریقے) بتادے تاکہ تم ان کی اتباع کرو (اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے) کہ تم کو ان معصیتوں سے کہ جن پر تم تھے اپنی طاعت کی طرف پھیر دے اللہ تمہارے حالات کا جاننے والا اور جو نظم اس نے تمہارے لئے قائم کیا ہے اس میں باحکمت ہے اور اللہ کو منظور ہے کہ تمہارے حال پر توجہ فرمائے اس (جملہ کو) مکرر لایا ہے تاکہ مابعد کو اس پر مبنی کیا جائے، اور جو لوگ خواہشات کے بندے ہیں یعنی یہود اور نصاریٰ اور مجوس اور زناکار وہ چاہتے ہیں کہ حرام چیزوں کا ارتکاب کراکے تم کو حق سے پوری طرح برگشتہ کردیں، اور اللہ کو منظور ہے کہ تمہارے ساتھ تخفیف کرے کہ تمہارے لئے احکام شرع آسان کردے۔ اور انسان تو کمزور پیدا کیا گیا ہے کہ عورتوں اور شہوتوں سے صبر نہیں کرسکتا، اے ایمان والو تم آپس میں ایک دوسرے کا مال شرعاً حرام طریقہ سے مثلاً سود اور غصب کے طریقہ سے مت کھاؤ ہاں البتہ اگر

کوئی تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے ہو جائے (تو کھا سکتے ہو) اور ایک قراءت میں (تجارۃً) کے نصب کے ساتھ ہے یعنی اموال تجارت یعنی آپسی رضامندی اور خوش دلی کے ساتھ وجود میں آئے تو تم کو اس کے کھانے کی اجازت ہے۔ ہلاک ہونے والی چیز کا ارتکاب کر کے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو وہ ہلاکت خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں (إن اللّٰہ کان بکم رحیمًا) کے قرینہ کی وجہ سے بے شک اللہ تمہارے حق میں بڑا مہربان ہے تم کو اس ہلاکت سے منع کرنے کی وجہ سے، اور جو کوئی ممنوع کا ارتکاب کرے گا حلال کو ترک کر کے (تجاوزًا) حال ہے اور بطور ظلم کے یہ تاکید ہے تو ہم اس کو عنقریب آگ میں ڈالیں گے کہ اس میں جلتا رہے گا، اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے اور اگر تم ان بڑے گناہوں کے کاموں سے جن سے تم کو منع کیا گیا ہے بچتے رہے اور بڑے گناہ وہ ہیں جن پر وعید وارد ہوئی ہے مثلاً قتل، زنا، چوری، اور ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ سات سو کے قریب ہیں، ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کو طاعت کے صلہ میں معاف کر دیں گے اور تمہیں ایک معزز مقام میں کہ وہ جنت ہے داخل کریں گے (مُدْخلًا) میم کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ داخل کرنا اور مقام دخول۔ اور تم ایسی چیز کی تمنا نہ کرو جس میں اللہ نے بعض کو بعض پر دنیا اور دین کی بہت سی فضیلت دے رکھی ہے تاکہ آپس میں حسد اور بغض پیدا نہ ہو۔ مردوں کے لئے ان کے اعمال کا ثواب ہے جو انہوں نے جہاد وغیرہ کی صورت میں کئے ہیں اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا ثواب ہے جو انہوں نے اپنے شوہروں کی فرمانبرداری اور اپنی ناموس کی حفاظت کی صورت میں کئے ہیں (یہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ام سلمہ نے تمنا کی کہ کاش ہم مرد ہوتے تو ہم جہاد کرتے اور ہم کو بھی مردوں کے مانند اجر ملتا، اور اللہ سے اس کا فضل طلب کرو ہمزہ اور بدون ہمزہ کے، جس کے تم محتاج ہو گے وہ تم کو دے گا بے شک اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے ان ہی میں محل فضل اور تمہارا سوال بھی ہے اور جو مال والدین اور اقرباء ان کے لئے چھوڑ جائیں ہم نے اس کے لئے وارث مقرر کر دیئے ہیں جن کو وہ مال دیا جائیگا، اور جن لوگوں سے تمہارے عہد و پیمان ہو چکے ہیں تو ان کو اب میراث کا حصہ دیدو اور وہ چھٹا حصہ ہے۔ ایمان، یمین کی جمع ہے یعنی قسم یا عہد یعنی تمہارے وہ حلفاء کہ جن سے تم نے زمانہ جاہلیت میں نصرت اور ارث پر معاہدہ کیا ہے بے شک اللہ ہر چیز پر مطلع ہے اور ان ہی میں تمہارا حال بھی ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول "وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ" سے منسوخ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ، لِيُبَيِّنَ، يُرِيْدُ کا مفعول بہ ہے اور لام زائدہ برائے تاکید ہے۔

قَوْلُہٗ: شَرَائِعَ دِيْنِكُمْ، شرائع، کے مقدر ماننے میں اشارہ ہے کہ لِيُبَيِّنَ کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: يَرْجِعُ بِكُمْ عَنِ الْمَعْصِيَةِ، يريدُ کی تفسیر یرجع سے کرنے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: توبہ قبول کرنے کا مقصد ہوتا ہے معصیت سے درگذر کرنا اور معصیت شریعت کے وارد ہونے کے بعد ہوتی ہے اور

شریعت ابھی وارد ہوئی نہیں، اسلئے کہ سابق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تمہارے لئے شریعت بیان کرنا چاہتا ہے، لہٰذا جب ابھی شریعت وارد نہیں ہوئی تو شریعت کی خلاف ورزی بھی نہیں ہوئی اور جب خلاف ورزی نہیں ہوئی تو معصیت بھی نہیں ہوئی اور جب معصیت نہیں ہوئی تو توبہ قبول کرنے کے کوئی معنی نہیں۔

جِوَابِ: مفسر علام نے یتوب کی تفسیر یَرْجِع سے کرکے مذکورہ سوال کے جواب ہی کی جانب اشارہ کیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یتوب کا مطلب ہے یرجع، باز رکھے اور تم کو جاہلی طور طریقوں سے پھیر دے۔

قِوْلِہٗ: تَکُوْنَ کی تفسیر تَقَعَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ کانَ تامہ ہے اور تجارۃ نصب کے ساتھ بھی ہے اس صورت میں کانَ ناقصہ ہوگا اور اس کا اسم محذوف ہوگا اور تجارۃ اس کی خبر ہوگی، تقدیر عبارت یہ ہوگی، اِلّا اَن تکونَ التجارةُ تجارةً، اِلّا اَن تکون مستثنیٰ منقطع ہے اسلئے کہ مستثنیٰ منہ جو کہ اموال ہے مستثنیٰ یعنی تجارۃ کی جنس سے نہیں ہے۔

قِوْلِہٗ: اَمْوَالَ التِجَارَةِ لفظ اموال کا اضافہ کانَ کو ناقصہ ماننے کی صورت میں ہوگا، اور اس اضافہ کا مقصد کانَ کے اسم پر اس کی خبر کے حمل کو درست قرار دینا ہوگا، ورنہ تو مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنے مالوں کو نہ کھاؤ مگر یہ کہ وہ تجارت ہوں حالانکہ تجارت کھانے کی چیز نہیں ہوتی۔

قِوْلِہٗ: صَادِرَةً، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سِوَالِ: تجارۃً کا صلہ عن نہیں استعمال ہوتا بلکہ باء استعمال ہوتا ہے؟

جِوَابِ: عَنْ، تجارۃ کا صلہ نہیں ہے بلکہ صادرۃ مقدر کا صلہ ہے لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

قِوْلِہٗ: بِقَرِیْنَةِ اس اضافہ کا مقصد ان لوگوں پر رد ہے جو ہلاکت صرف قتل ہی کو مانتے ہیں حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ ہلاکت عام ہے دنیوی ہو یا اخروی خواہ قتل نفس کی صورت میں ہو یا ارتکاب معصیت کی صورت میں خواہ حسی ہو یا معنوی، اور اس عموم کا قرینہ اِنَّ اللّٰہَ کانَ بکم رحیما، ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا اور آخرت دونوں کے لئے عام ہے نہ کے بعض قسم کی ہلاکتوں کے ساتھ خاص ہے۔

قِوْلِہٗ: هِیَ الیٰ سَبْعِمِأَةٍ اَقْرَبُ یعنی کبائر کی تعداد سات سو کے قریب ہے (مگر ستر کا قول اقرب الی الصحۃ ہے)۔

تفسیر وتشریح

رابط آیات:

سورت کے آغاز سے یہاں تک بلکہ سورۂ بقرہ میں مسائل ومعاشرت کے تعلق سے جو ہدایات دی جا چکی ہیں ان سب کی طرف مجموعی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ یہ معاشرت، اخلاق وتمدن کے وہ قوانین ہیں جن پر قدیم ترین زمانہ سے ہر دور کے انبیاء اور ان کے صالح پیروکار عمل کرتے چلے آئے ہیں۔

ان آیتوں میں اللہ جل شانہ اپنا انعام واحسان جتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان احکام کی مشروعیت میں تمہارے ہی منافع ومصالح کی رعایت رکھی گئی ہے اگرچہ تم اس کی تفصیل کو نہ سمجھو، اس کے بعد ان احکام پر عمل کرنے کی ترغیب ہے، اور گمراہ لوگوں کے ناپاک ارادوں پر متنبہ کیا گیا ہے کہ یہ لوگ تمہارے بدخواہ ہیں جو تمہارے بہی خواہ بن کر آئے ہیں۔

جو لوگ متبع شہوات ہیں وہ تم کو بھی راہ حق سے ہٹا کر گمراہ کرنا چاہتے ہیں تم ان سے ہوشیار رہنا، بعض مذہبوں میں اپنی محرم عورتوں سے بھی نکاح کرلینا درست ہے، اور بعض ملحدین تو اس دور میں قید نکاح کو بھی ختم کردینے کے حق میں ہیں، اور بعض ممالک میں تو عورت کو متاع مشترک قرار دیئے جانے کی باتیں ہو رہی ہیں، ایسی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو سراپا نفس کے بندے اور خواہش کے غلام ہیں، اسلام کا کلمہ پڑھنے والے بعض ضعیف الایمان لوگ جو ان ملحدوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں ان کی باتوں میں آکر اپنے دین کو فرسودہ خیال کرنے لگتے ہیں، اور ملحدین کی باتوں کو انسانیت کی ترقی سمجھتے ہیں اور نادانستہ طور پر ماڈرن نظریات کے حامی ہوجاتے ہیں اور اس خام خیالی میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ کاش ہمارا دین بھی اس کی اجازت دیتا۔

(العیاذ باللہ)

یرید اللّٰہ ان یخفف عنکم، یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری تکلیف ومشقت کے پیش نظر تمہارے لئے ہلکے احکام کا ارادہ فرماتے ہیں اسی لئے نکاح کے بارے میں ایسے نرم احکام دیئے ہیں جن پر عمل کرنا آسان ہو انسان چونکہ خلقی طور پر ضعیف ہے، اسلئے کہ نفس، خواہش شہوت اسکے اندر خلقۃً موجود ہے، اسی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے آسانیاں رکھی ہیں۔

طرفین کی رضامندی سے طے کرنے کا اختیار دیدیا، اور ضرورت کے وقت ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کی بھی اجازت دیدی بشرطیکہ دامن عدل ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

یایّھا الذین امنوا لا تا کلوا اموالکم بینکم بالباطل، اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ، باطل میں دھوکہ، فریب، جعل سازی، ملاوٹ کے علاوہ تمام وہ کاروبار بھی شامل ہیں جن سے شریعت نے منع فرمایا ہے، جیسے قمار، ربا وغیرہ اسی طرح ممنوع اور حرام چیزوں کا کاروبار کرنا بھی باطل میں شامل ہے مثلاً بلاضرورت فوٹوگرافی، ویڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو فلمیں اور فحش کیسٹیں وغیرہ ان کا بنانا، بیچنا، مرمت کرنا سب ناجائز ہے۔

اِلّا ان تکون تجارۃ عن تراضٍ منکم، دوسروں کا جو مال باہمی رضامندی سے کھایا جائے خواہ تجارت کی صورت میں ہو یا اور دیگر کسی طریقہ سے، سب معاش کے طریقوں میں تجارت چونکہ افضل طریقہ ہے اسی لئے بطور خاص تجارت کا ذکر کیا ہے ورنہ ہدیہ ہبہ ملازمت، اجرت وغیرہ سب حلال مال میں داخل ہیں۔

حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے حلال وطیب مال کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، عمل الرجل بیدہ و کل بیع مبرورٌ، رواہ احمد والحاکم حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا التاجر الصدوق الامین مع النبیین و الصدیقین و الشھداء (ترمذی) سچا تاجر جو امانتدار ہو وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، التاجر الصدوق تحت ظل العرش یوم القیامة.

(رواه الا صبهانی، ترغیب)

ولا تقتلوا انفسکم، اس کے معنی ہیں تم خود کو قتل نہ کرو، اس میں باتفاق مفسرین خودکشی داخل ہے اور ناحق دوسروں کا قتل بھی، اور ارتکاب معصیت بھی جو دنیوی اور اُخروی ہلاکت کا باعث ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّئَاتِکُمْ (الآیة) کبیرہ گناہ کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر حد مقرر ہے، بعض کے نزدیک وہ ہے جس پر قرآن یا حدیث میں سخت وعید یا لعنت آئی ہے یا جس پر جہنم کی وعید آئی ہو۔

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں کبیرہ اور صغیرہ۔ اگر کوئی شخص ہمت کر کے کبیرہ گناہ سے بچ جائے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے صغیرہ گناہوں کو وہ خود معاف فرما دیں گے، فرائض و واجبات کا ترک بھی کبائر میں داخل ہے۔

اعمال صالحہ صغائر کا کفارہ ہو جاتے ہیں:

کفارہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کو صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنا کر اس کا حساب بے باق کر دیں گے، مگر گناہ کبیرہ صرف توبہ ہی سے معاف ہوتے ہیں۔

کبیرہ گناہوں کی تعداد:

کبیرہ گناہوں کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے، امام ابن حجر مکی نے اپنی کتاب "الزواجر" میں ان تمام گناہوں کی فہرست اور ہر ایک کی مکمل تشریح بیان فرمائی ہے، جو مذکورۃ الصدر تعریف کی رو سے کبائر ہیں، ان کی اس کتاب میں کبائر کی تعداد چار سو سڑسٹھ تک پہنچی ہے ابن حجر کے علاوہ دیگر علماء نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، مثلاً "الکبائر للذهبی" الزواجر عن اقتراف الکبائر للهیثمی وغیرہ۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کسی نے کبیرہ گناہوں کی تعداد سات بتلائی تو آپ نے فرمایا سات نہیں سات سو کہا جائے تو مناسب ہے، مذکورہ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جس نے گناہ کے بڑے ابواب شمار کرنے پر اکتفاء کیا ہے تو تعداد کم لکھی ہے اور جس نے ان کی تفصیلات وانواع واقسام کو پورا لکھا ہے تو اس کے نزدیک تعداد زیادہ ہوگئی، اسلئے اس میں کوئی تعارض نہیں ہے آپ ﷺ نے بھی مختلف مقامات پر کبائر کو بیان فرمایا ہے، حالات کی مناسبت سے کہیں تین اور کہیں چھ اور کہیں سات اور کہیں اس سے بھی زیادہ بیان فرمائے، اس لئے علماء امت نے یہ سمجھا ہے کہ کسی تعداد میں انحصار مقصود نہیں ہے۔

گناہ کبیرہ کے بارے میں معتزلہ اور اہل سنت کا اختلاف:

معتزلہ اور ان کے موافقین نے مذکورہ آیت کے مضمون سے یہ سمجھ لیا ہے کہ اگر کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے یعنی کبیرہ گناہ ایک بھی نہ کرو گے تو پھر صغائر خواہ کتنے بھی ہوں ضرور معاف کر دیئے جائیں گے، اور اگر صغائر کے ساتھ کبیرہ ایک بھی شامل ہو گیا تو اب معافی ممکن نہیں سزا ضرور ملے گی، اور اہل سنت کہتے ہیں کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کو معافی اور مواخذہ کا اختیار بدستور حاصل ہے، اول صورت میں معافی کا لازم ہونا اور دوسری صورت میں مواخذہ کو واجب سمجھنا معتزلہ کی کم فہمی ہے، گو اس آیت کے ظاہری الفاظ سے سرسری طور پر معتزلہ کا مذہب راجح معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب کسی نے تو یہ دیا ہے کہ انتفاء شرط سے انتفاء مشروط کوئی ضروری امر ہرگز نہیں، اور کسی نے یہ جواب دیا ہے کہ آیت میں مذکور کبائر سے اکبر الکبائر یعنی شرک مراد ہے، اور کبائر کو لفظ جمع کے ساتھ لانا شرک کی مختلف انواع کے اعتبار سے ہے۔

معتزلہ کا اصل جواب:

یہ تو ظاہر ہے کہ ارشاد خداوندی "اِنْ تجتنبوا کبائر مَا تنهونَ عنه نکفر عنکم سیّاٰتکم" جو یہاں مذکور ہے اور آیت و الذین یجتنبُونَ کبائر الاثم و الفوا حش الّا اللمم جو سورۂ نجم میں مذکور ہے ان دونوں ارشادوں کا مدعا ایک ہے صرف لفظوں میں قدرے فرق ہے لہٰذا جو مطلب ایک آیت کا ہوگا وہی دوسری کا لیا جائے گا، سورۂ نجم کی آیت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس کا ارشاد بخاری وغیرہ کتب حدیث میں صاف موجود ہے عن ابن عباس قال مَا رأیتُ شیئًا اشبه بالللمم مما قال ابوهریرة عن النبی ﷺ اِنّ اللّٰه کتب علی ابن آدم حَظّهٗ من الزنا ادرك ذلك لا محالة فزنا العین النظر وزنا اللسان المنطق و النفس تمنّی وتشتهی و الفرج یصدق ذلك ویکذبُ به، اس حدیث سے مذکورہ دونوں آیتوں کی حقیقی مراد معلوم ہوگئی، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لمم اور علیٰ ھذا القیاس سیّات دونوں کا مفہوم ایک ہے، حضرت ابن عباس نے جو نکتہ اور جو بات اس سے نکالی ہے وہ ایسی عجیب اور مدلل ہے کہ جس سے دونوں آیتوں کا مضمون محقق ہو گیا، اور اسی سے معتزلہ کا جواب بھی ہو گیا، جس کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ سورۂ نجم کی آیت میں جو لمم، فرمایا اس کے معنی کی تعیین کے متعلق حدیث ابوہریرہ سے بہتر کوئی چیز نہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے ذمہ جو زنا کا حصہ مقرر فرمایا ہے وہ اس کو ضرور عمل کر رہے گا سو فعل زنا میں آنکھ کا حصہ دیکھنا ہے اور زبان کا حصہ باتیں کرنا ہے یعنی ایسی باتیں کرنا کہ جو زنا کے مقدمات اور اسباب ہیں، اور نفس کا حصہ یہ ہے کہ زنا کی تمنا اور خواہش کرے، لیکن فعل زنا کا تحقق یا بطلان دراصل شرمگاہ پر موقوف ہے یعنی اگر شرمگاہ سے زنا کا صدور ہو گیا تو آنکھ زبان اور دل سب کا زنا متحقق ہو جائیگا، اور اگر باوجود جملہ اسباب و مقدمات کے شرمگاہ سے فعل کا صدور نہ ہوا بلکہ زنا سے توبہ واجتناب نصیب ہو گیا تو اب تمام وسائل زنا کہ جو فی نفسہ مباح تھے فقط زنا کی تبعیت کے باعث گناہ قرار

دیئے گئے تھے وہ سب کے سب لائق مغفرت ہو گئے یعنی ان کا زنا ہونا باطل ہو گیا، یعنی ان کا قلب ماہیت ہو کر بجائے گناہ کے عبادت بن گئے اسلئے کہ فی نفسہ تو وہ اعمال نہ معصیت تھے اور نہ عبادت بلکہ مباح تھے اس لئے کہ وہ زنا کے لئے وسیلہ بنے تھے معصیت میں شمار ہو گئے تھے جب زنا کے لئے وسیلہ نہ رہے بلکہ زنا ہی بوجہ اجتناب معدوم ہو گیا تو اب ان وسائل کا زنا کے ذیل میں شمار ہونا اور ان کو معصیت قرار دینا انصاف کے صریح خلاف ہے، مثلاً ایک شخص چوری کے ارادہ سے مسجد میں گیا مگر مسجد میں پہنچ کر اس کو تنبہ ہوا اور چوری سے توبہ عبادت کا ذریعہ بن گئی، اس حدیث ابوھریرہ کو سن کر حضرت ابن عباس سمجھ گئے کہ لمم وہ باتیں ہیں کہ جو دراصل گناہ نہیں مگر گناہ کا سبب اور ذریعہ بن کر گناہ ہو جاتی ہیں، تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ بڑے گناہ سے بچتے ہیں البتہ، لمم، کا صدور ہو جاتا ہے مگر بڑے اور اصلی گناہ کے صدور سے پہلے ہی وہ تائب ہوجاتے ہیں، تو ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جیسے حدیث ابوھریرہ سے سورۂ نجم کا مطلب سمجھ لیا ہم کو بھی چاہئے کہ وہی معنی ابن عباس کے ارشاد کے مطابق آیت سورۂ نساء کے بے تکلف سمجھ لیں، جس کے بعد الحمد اللہ نہ ہم کو اس کی ضرورت ہوگی کہ اس آیت کی توضیح میں گناہ کبیرہ کی مختلف تفسیریں نقل کریں، اور نہ معتزلہ کے استدلال کے جواب کا فکر ہوگا۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَافَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ. (الآیۃ)

شان نزول:

ایک روز حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ مرد جہاد میں حصہ لیتے ہیں اور شہادت حاصل کرتے ہیں، ہم عورتیں ان فضیلت والے کاموں سے محروم ہیں، ہماری میراث بھی مردوں سے نصف ہے (اخرجہ عبدالرزاق وسعید بن منصور وعبد بن حمید والترمذی)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی طاقت وقوت اپنی حکمت کے مطابق عطا کی ہے جس کی بنیاد پر وہ جہاد بھی کرتے ہیں اور دیگر بیرونی کاموں میں حصہ بھی لیتے ہیں یہ ان کے لئے اللہ کا خاص عطیہ ہے ان کو دیکھ کر عورتوں کو مردانہ صلاحیت کے کام کرنے کی آرزو نہیں کرنی چاہئے البتہ اللہ کی اطاعت اور نیک کاموں میں خوب حصہ لینا چاہئے۔

ایک بڑی اہم اخلاقی ہدایت:

اس آیت میں ایک بڑی اہم اخلاقی ہدایت دی گئی ہے جسے اگر ملحوظ رکھا جائے تو اجتماعی زندگی میں انسان کو بڑا امن نصیب ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو یکساں نہیں بنایا بلکہ ان کے درمیان بے شمار حیثیتوں سے فرق رکھے ہیں جہاں انسان اس فرق کو نظر انداز کر کے اور اس کے فطری حدود سے بڑھا کر اپنے مصنوعی امتیازات کا اس پر اضافہ کرتا ہے وہاں ایک قسم کا فساد برپا ہوتا ہے، آدمی کی یہ ذہنیت کہ جسے کسی حیثیت سے اپنے مقابلہ میں بڑھا ہوا دیکھے بے چین ہو جائے، یہی اجتماعی زندگی میں رشک وحسد، رقابت وعداوت، مزاحمت وکشاکش کی جڑ ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو فضل اسے جائز طریقوں سے حاصل نہیں ہوتا تو وہ اسے ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے پر اتر آتا ہے اللہ تعالیٰ اس آیت میں اسی ذہنیت سے بچنے کی تاکید فرما رہے

ہیں، مطلب یہ کہ جو فضل اس نے دوسروں کو دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو البتہ فضل کی دعا کرو وہ اپنے فضل وحکمت سے جس فضل کو اپنے علم وحکمت سے تمہارے لئے مناسب سمجھے گا عطا فرمادے گا۔

وَلِكُلٍّ جعلنا موالي مما ترك الوالدان (الآية) موالی مولی کی جمع ہے مولی کے متعدد معنی ہیں دوست، آزاد کردہ غلام، آزاد کرنے والا، چچازاد، پڑوسی، لیکن یہاں اس سے مراد ورثاء ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر مرد اور عورت جو کچھ چھوڑ جائے اس کے وارث ان کے والدین اور دیگر قریبی رشتہ دار ہوں گے، اس آیت کے محکم یا منسوخ ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، ابن جریر طبری اس کو غیر منسوخ مانتے ہیں اور ابن کثیر نیز دیگر مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ مُسَلَّطُوْنَ **عَلَى النِّسَآءِ** يُؤَدِّبُوْنَهُنَّ وَيَأْخُذُوْنَ عَلٰى اَيْدِيْهِنَّ **بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** اَيْ بِتَفْضِيْلِهٖ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ بِالْعِلْمِ وَالْعَقْلِ وَالْوِلَايَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا** عَلَيْهِنَّ **مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ** مِنْهُنَّ **قٰنِتٰتٌ** مُطِيْعَاتٌ لِاَزْوَاجِهِنَّ **حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ** اَيْ لِفُرُوْجِهِنَّ وَغَيْرِهَا فِيْ غَيْبَةِ اَزْوَاجِهِنَّ **بِمَا حَفِظَ** هُنَّ **اللّٰهُ ۭ** حَيْثُ اَوْصٰى عَلَيْهِنَّ الْاَزْوَاجَ **وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ** عِصْيَانَهُنَّ لَكُمْ بِاَنْ ظَهَرَتْ اَمَارَاتُهٗ **فَعِظُوْهُنَّ** فَخَوِّفُوْهُنَّ مِنَ اللّٰهِ **وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ** اِعْتَزِلُوْا اِلٰى فِرَاشٍ اٰخَرَ اِنْ اَظْهَرْنَ النُّشُوْزَ **وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ** ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ اِنْ لَمْ يَرْجِعْنَ بِالْهِجْرَانِ **فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ** فِيْمَا يُرَادُ مِنْهُنَّ **فَلَا تَبْغُوْا** تَطْلُبُوْا **عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ** طَرِيْقًا اِلٰى ضَرْبِهِنَّ ظُلْمًا **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾** فَاحْذَرُوْهُ اَنْ يُعَاقِبَكُمْ اِنْ ظَلَمْتُمُوْهُنَّ **وَاِنْ خِفْتُمْ** عَلِمْتُمْ **شِقَاقَ** خِلَافَ **بَيْنِهِمَا** بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ وَالْاِضَافَةُ لِلْاِتِّسَاعِ اَيْ شِقَاقًا بَيْنَهُمَا **فَابْعَثُوْا** اِلَيْهِمَا بِرِضَاهُمَا **حَكَمًا** رَجُلًا عَدْلًا **مِّنْ اَهْلِهٖ** اَقَارِبِهٖ **وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ** وَيُوَكِّلُ الزَّوْجُ حَكَمَهٗ فِيْ طَلَاقٍ وَقَبُوْلِ عِوَضٍ عَلَيْهِ وَتُوَكِّلُ هِيَ حَكَمَهَا فِي الْاِخْتِلَاعِ فَيَجْتَهِدَانِ وَيَأْمُرَانِ الظَّالِمَ بِالرُّجُوْعِ اَوْ يُفَرِّقَانِ اِنْ رَاَيَاهُ قَالَ تَعَالٰى **اِنْ يُّرِيْدَآ** اَيِ الْحَكَمَانِ **اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ** بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ اَيْ يُقَدِّرُهُمَا عَلٰى مَا هُوَ الطَّاعَةُ مِنْ اِصْلَاحٍ اَوْ فِرَاقٍ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا** بِكُلِّ شَيْءٍ **خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾** بِالْبَوَاطِنِ كَالظَّوَاهِرِ **وَاعْبُدُوا اللّٰهَ** وَحِّدُوْهُ **وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔـا وَّ** اَحْسِنُوْا **بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا** بِرًّا وَلِيْنَ جَانِبٍ **وَّبِذِي الْقُرْبٰى** الْقَرَابَةِ **وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى** الْقَرِيْبِ مِنْكَ فِي الْجِوَارِ اَوِ النَّسَبِ **وَالْجَارِ الْجُنُبِ** الْبَعِيْدِ عَنْكَ فِي الْجِوَارِ اَوِ النَّسَبِ **وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ** الرَّفِيْقِ فِيْ سَفَرٍ اَوْ صِنَاعَةٍ وَقِيْلَ الزَّوْجَةُ **وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ** الْمُنْقَطِعِ فِيْ سَفَرِهٖ **وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ** مِنَ الْاَرِقَّاءِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا** مُتَكَبِّرًا **فَخُوْرَۨا ﴿۳۶﴾ۙ** عَلَى النَّاسِ بِمَا اُوْتِيَ **الَّذِيْنَ** مُبْتَدَأٌ **يَبْخَلُوْنَ** بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ **وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ** بِهٖ **وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ** مِنَ الْعِلْمِ وَالْمَالِ وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَأِ لَهُمْ وَعِيْدٌ شَدِيْدٌ **وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ** بِذٰلِكَ وَبِغَيْرِهٖ **عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ۚ** ذَا اِهَانَةٍ

وَالَّذِيْنَ عطف على الذين قبله يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ مرائين لهم وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ كالمنافقين واهل مكة وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا صاحبا يعمل بامره كهؤلاء فَسَآءَ بئس قَرِيْنًا ﴿٣٨﴾ هو وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ اى اى ضرر عليهم فى ذلك والاستفهام للانكار ولو مصدرية اى لا ضرر فيه وانما الضرر فيما هم عليه وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿٣٩﴾ فيجازيهم بما عملوا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ احدا مِثْقَالَ وزن ذَرَّةٍ اصغر نملة بان ينقصها من حسناته او يزيدها فى سياته وَاِنْ تَكُ الذرة حَسَنَةً من مؤمن وفى قراءة بالرفع فكان تامة يُّضٰعِفْهَا من عشر الى اكثر من سبعمائة وفى قراءة يضعّفها بالتشديد وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ من عنده مع المضاعفة اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٤٠﴾ لا يقدره احد فَكَيْفَ حال الكفار اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ يشهد عليها بعملها وهو نبيها وَجِئْنَا بِكَ يا محمد عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يوم المجئ يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ اى ان تُسَوّٰى بالبناء للمفعول والفاعل مع حذف احدى التائين فى الاصل ومع ادغامها فى السين اى تتسوّى بِهِمُ الْاَرْضُ بان يكونوا ترابا مثلها لعظم هوله كما فى اية اخرى ويقول الكافر يليتنى كنت ترابا وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾ عما عملوه وفى وقت اخر يكتمون والله ربنا ما كنا مشركين.

ترجمہ: مرد عورتوں کے حاکم ہیں ان کی تادیب کرتے ہیں اور انکو (ناپسندیدہ باتوں سے) باز رکھتے ہیں، اس سبب سے کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر علم میں اور عقل میں اور ولایت وغیرہ میں فضیلت دے کر اور اس سبب سے کہ مرد عورتوں پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں پس نیک فرمانبردار عورتیں اپنے شوہروں کی اطاعت گذار خاوند کی عدم موجودگی میں بحفاظت الٰہی اپنی ناموس وغیرہ کی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں اس طریقہ پر کہ شوہروں کو ان کی حفاظت کی تاکید فرمائی۔ اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں خوف ہو اس طریقہ پر کہ اس کی علامات ظاہر ہوں، تو انہیں نصیحت کرو یعنی ان کو اللہ سے ڈراؤ، اور ان کو بستروں میں (تنہا) چھوڑ دو یعنی اگر وہ نافرمانی کا مظاہرہ کریں تو ان سے بستر الگ کرلو اگر وہ بستر الگ کرنے پر بھی باز نہ آئیں تو انہیں مار کی سزا دو جو (شدید) تکلیف دہ نہ ہو، اور اگر وہ ان سے تمہارے مقصود میں تمہاری اطاعت کریں تو پھر تم انکو ظلماً زدوکوب کرنے کے بہانے مت تلاش کرو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے لہٰذا تم اس کی سزا سے ڈرتے رہو، اگر تم عورتوں پر ظلم کروگے اور اگر تمہیں خاوند اور بیوی کے درمیان کشمکش (اَن بَن) کا اندیشہ ہو (شقاق بَیْنِھِمَا) کے درمیان اضافت بطور اتساع ہے (اصل میں) شقاقًا بینھما ہے۔ تو ایک منصف، مرد والوں میں سے اور ایک منصف، عورت والوں میں سے ان کی رضامندی سے ان کے پاس بھیجو، اور شوہر اپنے منصف کو طلاق اور (طلاق پر) قبول عوض کا اختیار دیدے، اور بیوی اپنے منصف کو خلع کا اختیار دیدے پھر دونوں (حکم، اصلاح) کی کوشش کریں، اور ظالم کو ظلم سے باز آنے کا حکم کریں، یا اگر مناسب سمجھیں تو ان کے درمیان

جدائی کردیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور اگر دونوں حَکَم صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ زوجین کے درمیان موافقت کرادیں گے، بایں طور کہ صلح یا فراق میں سے جو کہ طاعت ہے اس کی ان کو قدرت دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے یعنی مخفی چیزوں سے ظاہر چیزوں کے مانند باخبر ہے۔

اللہ وحدہٗ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو (یعنی) ان کے ساتھ نیکی اور فروتنی سے پیش آؤ، اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسیوں یعنی جو تم سے پڑوس میں یا نسب میں قریب ہیں کے ساتھ اور دور والے پڑوسی کے ساتھ یعنی جو تم سے پڑوس یا نسب میں دور ہوں اور ہم مجلس کے ساتھ یعنی جو ہم سفر یا ہم پیشہ ہو اور کہا گیا ہے کہ مراد بیوی ہے، اور مسافر کے ساتھ جو سفر جاری رکھنے سے عاجز ہو گیا ہو، اور ان کے ساتھ جو تمہاری ملکیت میں ہیں (غلام اور باندیاں) یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنیوالوں اور مال وغیرہ جو انکو عطا کیا ہے اس کی وجہ سے دوسروں پر شیخی خوروں کو پسند نہیں کرتا اور جو لوگ واجبات میں بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخیلی کرنے کو کہتے ہیں اَلَّذِیْنَ مبتداء ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کو اپنے فضل سے علم و مال وغیرہ عطا کیا ہے اس کو چھپا لیتے ہیں اور وہ یہود ہیں، اور مبتداء کی خبر لَھُمْ وَعِیْدٌ شدیدٌ، ہے اور کافروں کے لئے ہم نے اس کی وجہ سے اور اس کے علاوہ کی وجہ سے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کو دکھانے کیلئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے جیسا کہ منافقین اور اہل مکہ اور جس کا رفیق شیطان ہو تو وہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہے جیسا کہ یہ لوگ ہیں۔ تو وہ بدترین رفیق ہے۔ بھلا ان کا کیا نقصان تھا اگر یہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ نے جو ان کو دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے یعنی اس میں کوئی نقصان نہیں تھا۔ بلکہ نقصان اس میں ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ اللہ انہیں خوب جانتا ہے لہٰذا ان کے اعمال کی جزاء ان کو دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر (یعنی) صغیر ترین چیونٹی کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا بایں طور کہ اس کی نیکیاں کم کردے یا اس کے گناہوں میں اضافہ کردے اور اگر مومن کی نیکی (ایک) ذرہ کے برابر ہو تو اسے دس گنے سے سات سو گنے سے بھی زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ اور ایک قراءت میں حسنۃ رفع کے ساتھ ہے تو اس صورت میں تَکُ، تامہ ہوگا اور ایک قراءت میں یُضَعِّفْھا' تشدید کے ساتھ ہے، اور خاص اپنی رحمت سے مضاعفۃ کے علاوہ بہت بڑا اجر دیتا ہے کہ اس پر کسی کو قدرت حاصل نہیں، پس کفار کا کیا حال ہوگا؟ کہ جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے کہ وہ ان پر ان کے عمل کی شہادت دے گا اور وہ اس امت کا نبی ہوگا، اور آپ کو لانے کے دن اے محمد ہم ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے (یومئذ سے یوم المجیء مراد ہے) جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش! ان کو زمین کے ہموار کردیا جاتا (تسوّٰی) مجہول اور معروف کے صیغہ کے ساتھ ہے، اصل میں ایک تاء کو حذف کرکے، اور تاء کو سین میں ادغام کرکے، ای تُتَسَوّیٰ بھم، کہ وہ زمین کے مانند ہوجاتے، اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے، "یقول الکافر یلیتنی کنت ترابا" اور اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے یعنی اپنے اعمال میں سے کوئی عمل چھپا نہ سکیں گے، اور دوسرے وقت میں چھپا سکیں گے، کہ کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین.

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: قَوَّامُوْنَ، یہ قَوَّامٌ کی جمع ہے، صیغہ مبالغہ کا ہے یعنی سرپرست، مصلح، نگراں۔

قَوْلُهُ: لِفُرُوْجِهِنَّ اس میں حَافِظَاتٌ کے مفعول محذوف کی طرف اشارہ ہے مفسر علام نے للغیب کی تفسیر فی غَیْبَةِ، سے کر کے اشارہ کردیا کہ لام بمعنی فی ہے۔

قَوْلُهُ: بِاَنْ ظَهَرَتْ اَمَارَاتُهُ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں سے اگر نافرمانی کا اندیشہ ہوتو ان کے بارے میں نصیحت اعتزال اور ضرب وغیرہ کے احکام ہیں حالانکہ احکام کا ترتب صرف اندیشہ اور خوف پر نہیں ہوتا بلکہ وقوع پر ہوتا ہے، اس سوال کا جواب مفسر علام نے اِن ظَهَرَتْ اَمَارَاتُهُ سے دیدیا کہ عورت سے جب نافرمانی کا ظہور ہوتو اس وقت یہ احکام جاری ہوں گے۔

قَوْلُهُ: ضربًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ، ای الضرب الذی لا یکسر عظمًا و لا یشین عضوًا، ای ضربًا غیر شدید.

قَوْلُهُ: والا ضَافَةُ لِلْاتِّسَاعِ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: مصدر کی اضافت فاعل یا مفعول کی طرف ہوتی ہے اور یہاں شقاق کی اضافت بَیْن کی طرف ہو رہی ہے جو کہ ظرف ہے۔

جَوَاب: ظرف میں اتساع درست ہے اسلئے کہ مشہور قاعدہ ہے یجوز فی الظرف مالا یجوز فی غیرہ، نیز ظرف، مفعول کے قائم مقام ہے، جیسے یاسارق اللیل، میں۔

قَوْلُهُ: وَ اَحْسِنُوا.

سَوَال: مفسر علام نے اَحْسِنُوا کس فائدہ کے لئے محذوف مانا ہے؟

جَوَاب: اس سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ وَبالوالدین احسانا، جملہ خبریہ ہے اس کا عطف وَاعْبُدُوا اللّٰهَ پر ہے جو کہ جملہ انشائیہ ہے عطف خبر علی الانشاء درست نہیں ہے۔

جَوَاب: مفسر علام نے اَحْسِنُوا فعل امر مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ معطوف بھی جملہ انشائیہ ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: الجُنُب بضَمَّتَیْنِ، بمعنی بعید پڑوسی اس کا اطلاق مذکر و مؤنث و تثنیہ و جمع سب پر ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: والصاحِب بِالجَنْبِ بفتح الجیم وسکون النون بمعنی رفیق، کار خیر کا ساتھی، مثلاً تعلیم صنعت و حرفت و سفر وغیرہ کا ساتھی۔

قَوْلُهُ: الذین الخ مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے، جس کو مفسر علام نے، لَهُمْ وعیدٌ شَدِیْدٌ، سے ظاہر کردیا ہے اور بعض حضرات نے الذین کو هُمْ مبتداء محذوف کی خبر قرار دیا ہے۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

عورتوں کے متعلق جو احکام گذر چکے ہیں، ان میں ان کی حق تلفی کی ممانعت بھی مذکور ہوئی اب آگے مردوں کے حقوق کا ذکر ہے۔

مردوں کی حاکمیت:

الرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ، اس میں عورتوں پر مردوں کی حاکمیت کا بیان ہے اس میں حاکمیت کی دو جہتیں بیان کی گئی ہیں، ایک وہبی ہے جو مردانہ قوت اور ذہنی صلاحیت ہے جس میں مرد عورت سے فطری طور پر ممتاز ہے، یہ خداداد فضیلت ہے اس میں مرد کی سعی و عمل اور عورت کی کوتاہی اور بے عملی کو کوئی دخل نہیں۔

دوسری جہت کسبی اور اختیاری ہے، جس کا مکلف شریعت نے مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس کی فطری کمزوری کی وجہ سے معاشی جھمیلوں سے دور رکھا ہے، عورت کی سربراہی کے خلاف قرآن کریم کی یہ نص قطعی بالکل واضح ہے، جس کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے ''وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے اپنے امور ایک عورت کے سپرد کردیئے''۔ (بخاری، کتاب المغازی)

فائدہ: آیت میں حاکمیت کی دو جہتوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کسی کو ولایت و حکومت کا استحقاق محض زور و تغلب سے قائم نہیں ہوتا، بلکہ کام کی صلاحیت و اہلیت ہی اس کو حکومت کا مستحق بنا سکتی ہے مردوں کو عورتوں پر مذکورہ فضیلت جنس اور مجموعہ کے اعتبار سے ہے، جہاں تک افراد کا تعلق ہے تو بہت ممکن ہے کہ کوئی عورت کمالات علمی اور عملی میں کسی مرد سے فائق ہو اور صفت حاکمیت میں بھی مرد سے بڑھ جائے، مگر حکم جنس اور مجموعہ پر ہی لگے گا۔

اسلام میں عورتوں کے حقوق اور ان کا درجہ:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، یعنی عورتوں کے حقوق مردوں کے ذمہ ایسے ہی واجب ہیں جیسے مردوں کے عورتوں کے ذمہ، اس آیت میں دونوں کے حقوق کی مماثلت کا حکم دیکر اس کی تفصیلات کو عرف کے حوالہ کر کے جاہلیت جدیدہ و قدیمہ کی تمام ظالمانہ رسموں کو یکسر ختم کردیا، البتہ یہ ضروری نہیں کہ دونوں کے حقوق صورۃً بھی مماثل ہوں، بلکہ عورت پر اگر ایک قسم کی ذمہ داری لازم ہے تو اس کے بالمقابل مرد پر دوسری قسم کی ذمہ داری واجب ہے، عورت امور خانہ داری اور بچوں کی تربیت و حفاظت کی ذمہ دار ہے، تو مرد ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کسب معاش کا ذمہ دار ہے، عورت کے ذمہ مرد کی خدمت و اطاعت ہے تو مرد کے ذمہ عورت کے اخراجات کا انتظام۔

بائبل میں عورت کے حقوق:

بائبل نے عورت کو کیا درجہ دیا ہے اس کا اندازہ بائبل کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے بخوبی ہوسکتا ہے۔

خداوند خدا نے عورت سے کہا اپنے خصم (شوہر) کی طرف تیرا شوق ہوگا، اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔ (پیدائش ۱٦:۳)

اے بیویو! اپنے شوہر کی ایسی تابع رہو جیسے خداوند کی، کیونکہ شوہر بیوی کا سر ہے، جیسے کہ مسیح کلیسا کا سر ہے، اور وہ خود بدن کا بچانیوالا ہے، لیکن جیسے کلیسا مسیح کے تابع ہے ایسے ہی بیویاں ہر بات میں اپنے شوہر کے تابع ہیں۔ (افسیون ٥:۲۲:۲٤)

قرآن خدا کا کلام ہے اور ہمیشہ حق ہی کہتا ہے، وہ کلیسا کی کونسلوں اور منوسمرتی کی طرح عورت کی تحقیر و تذلیل کا ہرگز قائل نہیں، لیکن ساتھ ہی اسے جاہلیت قدیم و جاہلیت جدید کی زن پرستی سے بھی اتفاق نہیں، وہ عورت کو ٹھیک وہی مرتبہ و مقام دیتا ہے جو نظام کائنات میں خالق نے اسے دے رکھا ہے عورت بہ حیثیت عبد اور مکلف مخلوق کے مرد کے مساوی اور ہم رتبہ ہے لیکن انتظامی معاملات میں مرد کے تابع اور ماتحت ہے۔

اسلام سے پہلے عورت کی مظلومیت:

عورت کی مظلومیت کی تاریخ اتنی ہی طویل اور قدیم ہے جتنی کہ خود ظلم کی، مطلب یہ ہے کہ جس وقت سے ظلم شروع ہوا اسی وقت سے عورت مظلوم رہی ہے، اسلام نے آکر نہ صرف یہ کہ عورت کی مظلومیت کو ختم کیا بلکہ اس کو اس کا جائز مقام دے کر وقار اور سر بلندی بخشی۔

عورت کے بارے میں رومن نظریہ:

رومن زمانہ میں عورت مشترک قومی ملک سمجھی جاتی تھی، جس سے ہر شخص کو استفادہ کا حق ہوتا تھا۔

عورت کے بارے میں یوحنا کا نظریہ:

عورت کے بارے میں یوحنا کا نظریہ یہ تھا کہ عورت شر کی بیٹی اور امن و سلامتی کی دشمن ہے۔

عورت کے بارے میں عیسائیت کا نظریہ:

عیسائی نظریہ کے مطابق عورت انسان تو درکنار حیوان بھی نہیں، ۵۸٦ء میں تمام عیسائی دنیا کے علماء یورپ میں اس مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے جمع ہوئے کہ عورت میں روح ہے یا نہیں، بہت بحث و مباحثہ اور رد و کد کے بعد یہ طے ہوا کہ عورت میں روح ہے۔

عورت کے بارے میں ہندی نظریہ:

ہندو قدیم تہذیب میں شوہر کے انتقال کے بعد عورت کو اچھوت اور منحوس سمجھا جاتا تھا اور ایسے حالات پیدا کردیئے جاتے تھے کہ وہ زندگی پر جل کر مرنے کو ترجیح دیتی تھی، بیوہ عورت کا بستر الگ کردیا جاتا تھا اس کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ دوسرے کے بستر پر بیٹھ سکے، اس کے برتن الگ کردیئے جاتے تھے، شادی بیاہ یا کسی خوشی کی تقریب میں بیوہ عورت کی شرکت منحوس سمجھی جاتی تھی، یہی وہ حالات اور اسباب تھے کہ جن کے پیش نظر وہ ایسی ذلت کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتی تھی، اور مذہبی ٹھیکیداروں نے اسے مذہبی تقدس کا نام دے رکھا تھا، اور جو عورت حالات کی مجبوریوں کی وجہ سے شوہر کے ساتھ اس کی چتا میں جل جاتی تھی اس کو شوہر کی باوفا (پتی ورتا پتنی) شمار کیا جاتا تھا۔

نافرمان بیوی اور اس کی اصلاح کا طریقہ:

قرآن کریم نے ان کی اصلاح کے تین طریقہ بیان فرمائے ہیں، وَالّٰتِی تخافون نُشُوزَهُنَّ فعِظُوهُنَّ واهجُرُوهُنَّ فی المَضَاجِعِ واضرِبُوهُنَّ، یعنی عورتوں کی طرف سے اگر نافرمانی کا صدور یا اندیشہ ہو، تو پہلا درجہ ان کی اصلاح کا یہ ہے کہ نرمی سے ان کو سمجھاؤ اور اگر وہ محض سمجھانے سے باز نہ آئیں تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کا بستر الگ کردو تاکہ ان کو شوہر کی ناراضگی کا احساس ہو اور اپنے فعل پر نادم ہوں فی المضاجع، کے لفظ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جدائی صرف بستر میں ہو نہ کہ مکان میں، تو مہ اس میں عورت کو رنج بھی زیادہ ہوگا اور فساد بڑھنے کا اندیشہ بھی نہ بڑھے گا۔

جو عورت شریفانہ تنبیہ سے متاثر نہ ہو تو پھر معمولی ضرب تادیبی کی بھی اجازت ہے جس سے اس کے بدن پر نشان نہ پڑے، اور چہرہ پر مارنے سے مطلقاً منع فرمایا، ہلکی تادیبی مار کی اگرچہ اجازت ہے مگر اس کے ساتھ ہی حدیث میں ارشاد ہے وَلَنْ يَضْرِبَ خِيَارُكُمْ، بھلے مرد عورتوں کو مار کی سزا نہ دیں۔

آیت مذکورہ کا شان نزول:

زید بن زبیر نے اپنی لڑکی حبیبہ کا نکاح حضرت سعد بن ربیع سے کردیا تھا آپسی کسی نزاع سے حضرت سعد نے حبیبہ کو ایک طمانچہ ماردیا حبیبہ نے اپنے والد سے شکایت کی والد ان کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے حکم دیا کہ حبیبہ کو حق حاصل ہے کہ جس زور سے سعد نے ان کو طمانچہ مارا ہے وہ بھی اتنی ہی زور سے ان کو طمانچہ ماریں۔

یہ دونوں حکم نبوی سنکر انتقام کے ارادہ سے چلے اسی وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی، آنحضرت نے ان دونوں کو واپس بلوا کر حق تعالیٰ کا حکم سنایا اور انتقام لینے کا پہلا حکم منسوخ فرمادیا۔

اصلاح کا ایک چوتھا طریقہ:

اگر گھر کے اندر مذکورہ تینوں طریقے کارگر ثابت نہ ہوں تو یہ چوتھا طریقہ ہے اور یہ طریقہ ہے حکمین کا، اگر حکمین اور زوجین اصلاح کے سلسلہ میں مخلص ہوں گے تو یقیناً ان کی سعی اصلاح کامیاب ہوگی، تاہم ناکامی کی صورت میں حکمین کو تفریق بین الزوجین کا اختیار ہے یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

فقہاء میں سے ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ ثالث فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے البتہ تصفیہ کی جو صورت ان کے نزدیک مناسب ہو اس کے لئے سفارش کر سکتے ہیں ماننا یا نہ ماننا زوجین کے اختیار میں ہے، ہاں البتہ اگر زوجین نے ان کو طلاق یا خلع یا کسی اور امر کا فیصلہ کرنے کا وکیل بنایا ہو تو البتہ ان کا فیصلہ تسلیم کرنا زوجین کے لئے واجب ہوگا، یہ حنفی اور شافعی علماء کا مسلک ہے، دوسرے فریق کے نزدیک دونوں پنچوں کو موافقت کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہے مگر علیحدگی کا فیصلہ نہیں کر سکتے یہ حسن بصری اور قتادہ اور بعض دوسرے فقہاء کا قول ہے، ایک تیسرا فریق ہے جس کا قول ہے کہ ان پنچوں کو ملانے اور جدا کرنے کے پورے اختیارات ہیں، یہ ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، سعید بن جبیر وغیرہ کی رائے ہے۔

حضرت عثمان رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اور حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے فیصلوں کی نظیر:

حضرت عثمان رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اور حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے فیصلوں کی نظیریں جو معلوم ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات پنچ مقرر کرتے ہوئے عدالت کی طرف سے ان کو حاکمانہ اختیار دے دیا کرتے تھے، چنانچہ عقیل بن ابی طالب اور ان کی بیوی فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ کا مقدمہ جب حضرت عثمان رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی عدالت میں پیش ہوا تو انہوں نے شوہر کے خاندان میں سے حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کو اور بیوی کے خاندان میں سے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو پنچ مقرر کیا اور ان سے کہا کہ اگر آپ دونوں کی رائے میں ان کے درمیان تفریق کر دینا ہی مناسب ہو تو تفریق کر دیں، اسی طرح ایک مقدمہ میں حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ حاکم مقرر کئے گئے اور ان کو اختیار دیا چاہیں ملا دیں اور چاہیں جدا کر دیں، اس سے معلوم ہوا کہ پنچ بطور خود تو عدالتی اختیارات نہیں رکھتے البتہ اگر عدالت ان کو پنچ مقرر کرتے وقت انہیں اختیارات دیدے تو پھر ان کا فیصلہ ایک عدالتی فیصلے کی طرح نافذ ہوگا۔

قَوْلُهُ: وَالْجَارِ الْجُنُبِ یہ جملہ قرابتدار پڑوسی کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے ایسا پڑوسی کہ جو قرابتدار نہ ہو، مطلب یہ کہ پڑوسی سے بحیثیت پڑوسی کے سلوک کیا جائے خواہ رشتہ دار ہو یا نہ ہو، احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔

قَوْلُهُ: وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ، اس سے مراد رفیق سفر اور شریک کار اور بیوی نیز وہ شخص ہے جو فائدہ کی امید پر کسی کی قربت یا ہمنشینی اختیار کرے۔

فخر وغرور اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، حدیث شریف میں یہاں تک آیا ہے کہ وہ شخص جنت میں نہیں جائیگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان)

جو چیزیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں حائل ہوتی ہیں ان میں سے سب سے زیادہ مہلک خود بینی اور خود پسندی نیز نمائش اور حب جاہ۔

فخر وغرور کے بعد تیسرا بڑا مانع بخل ہے مالی بخل کا مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے دولت علم دین میں بخل کو بھی بعض حضرات نے اسی میں داخل کیا ہے۔

اللہ کے فضل کو چھپانے کی صورت:

یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کو چھپانا ہے کہ آدمی اسطرح رہے کہ گویا اللہ نے اس پر فضل نہیں کیا ہے مثلاً اللہ نے کسی کو دولت دی ہو اور وہ اپنی حیثیت سے گر کر رہے نہ اپنی ذات پر اور نہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے اور نہ بندگان خدا کی مدد کرے نہ نیک کاموں میں حصہ لے لوگ دیکھ کر سمجھیں کہ بیچارہ بڑا ہی خستہ حال ہے، یہ دراصل نعمت کی سخت ناشکری ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "اِنّ اللّٰہ اذا انعمَ نعمۃً علی عَبْدٍ اَحبَّ ان یَظْھر اثرُھا علَیْہِ" اللہ جب بندے کو نعمت دیتا ہے تو وہ پسند کرتا ہے کہ اس نعمت کا اثر بندے پر ظاہر ہو، یعنی اس کے کھانے پینے، رہنے سہنے، لباس اور مسکن اور اس کی داد ودہش ہر چیز سے اللہ کی دی ہوئی نعمت کا اظہار ہوتا رہے۔

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ شَھِیْدًا، ہر امت میں سے اس کا پیغمبر اللہ کی بارگاہ میں گواہی دیگا کہ یا اللہ ہم نے تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچادیا تھا اب انہوں نے نہیں مانا تو ہمارا کیا قصور؟ پھر ان سب پر نبی کریم ﷺ گواہی دیں گے کہ یا اللہ یہ سچے ہیں اور آپ یہ گواہی قرآن کی بنیاد پر دیں گے جس میں گذشتہ تمام امتوں اور ان کے نبیوں کے حالات بیان فرمائے ہیں جن میں اس بات کی شہادت دی گئی ہے کہ تمام نبیوں نے خدائی پیغام اپنی امتوں کو کما حقہ پہنچادیا۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ اَیْ لَا تُصَلُّوْا **وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی** مِنَ الشَّرَابِ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِھَا صَلَاۃُ جَمَاعَۃٍ فِیْ حَالِ السُّکْرِ **حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ** بِاَنْ تَصْحُوْا **وَلَا جُنُبًا** بِاِیْلَاجٍ اَوْ اِنْزَالٍ وَنَصْبُہٗ عَلَی الْحَالِ وَھُوَ یُطْلَقُ عَلَی الْمُفْرَدِ وَغَیْرِہٖ **اِلَّا عَابِرِیْ** مُجْتَازِیْ **سَبِیْلٍ** طَرِیْقٍ اَیْ مُسَافِرِیْنَ **حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا** فَلَکُمْ اَنْ تُصَلُّوْا وَاسْتُثْنِیَ الْمُسَافِرُ لِاَنَّ لَہٗ حُکْمًا اٰخَرَ سَیَاْتِیْ وَقِیْلَ الْمُرَادُ النَّھْیُ عَنْ قُرْبَانِ مَوَاضِعِ الصَّلٰوۃِ اَیِ الْمَسَاجِدِ اِلَّا عُبُوْرَھَا مِنْ غَیْرِ مُکْثٍ **وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰۤی** مَرَضًا یَضُرُّہُ الْمَاءُ **اَوْ عَلٰی سَفَرٍ** اَیْ مُسَافِرِیْنَ وَاَنْتُمْ جُنُبٌ اَوْ مُحْدِثُوْنَ **اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ** ھُوَ الْمَکَانُ الْمُعَدُّ لِقَضَاءِ الْحَاجَۃِ اَیْ اَحْدَثَ **اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ** وَفِیْ

قراءة بلا الف و كلاهما بمعنى من اللمس وهو الجس باليد قاله ابن عمر رضي الله عنه وعليه الشافعي والحق به الجس بباقي البشرة وعن ابن عباس هو الجماع **فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً** تطهرون به للصلوة بعد الطلب والتفتيش وهو راجع الى ما عدا المرضى **فَتَيَمَّمُوا** اقصدوا بعد دخول الوقت **صَعِيدًا طَيِّبًا** ترابا طاهرا فاضربوا به ضربتين **فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ** مع المرفقين منه ومسح يتعدى بنفسه وبالحرف **إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٤٣﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا** حظا **مِّنَ الْكِتَابِ** وهم اليهود **يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ** بالهدى **وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ﴿٤٤﴾** تخطئوا طريق الحق لتكونوا مثلهم **وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ** منكم فيخبركم بهم لتجتنبوهم **وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا** حافظا لكم **وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿٤٥﴾** مانعا لكم من كيدهم **مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا** قوم **يُحَرِّفُونَ** يغيرون **الْكَلِمَ** الذي انزل الله في التورة من نعت محمد صلى الله عليه وسلم **عَن مَّوَاضِعِهِ** التي وضع عليها **وَيَقُولُونَ** للنبي صلى الله عليه وسلم اذا امرهم بشيء **سَمِعْنَا** قولك **وَعَصَيْنَا** امرك **وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ** حال بمعنى الدعاء اي لا سمعت **وَ** يقولون له **رَاعِنَا** و قد نهي عن خطابه بها وهي كلمة سب بلغتهم **لَيًّا** تحريفا **بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا** قدحا **فِي الدِّينِ** الاسلام **وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا** بدل وعصينا **وَاسْمَعْ** فقط **وَانظُرْنَا** انظر الينا بدل راعنا **لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ** مما قالوه **وَأَقْوَمَ** اعدل منه **وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ** ابعدهم عن رحمته **بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٤٦﴾** منهم كعبد الله بن سلام واصحابه **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا** من القران **مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم** من التورة **مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا** نمحو ما فيها من العين والانف والحاجب **فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا** فنجعلها كالاقفاء لوحا واحدا **أَوْ نَلْعَنَهُمْ** نمسخهم قردة **كَمَا لَعَنَّا** مسخنا **أَصْحَابَ السَّبْتِ** منهم **وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ** قضاؤه **مَفْعُولًا ﴿٤٧﴾** ولما نزلت اسلم عبد الله بن سلام فقيل كان وعيدا بشرط فلما اسلم بعضهم رفع وقيل يكون طمس ومسخ قبل قيام الساعة **إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ** اي الاشراك **بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ** سوى **ذَٰلِكَ** من الذنوب **لِمَن يَشَاءُ** المغفرة له بان يدخله الجنة بلا عذاب ومن شاء عذبه من المؤمنين بذنوبه ثم يدخله الجنة **وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾** كبيرا **أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم** وهم اليهود حيث قالوا نحن ابناء الله واحباؤه اي ليس الامر بتزكيتهم انفسهم **بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي** يطهر **مَن يَشَاءُ** بالايمان **وَلَا يُظْلَمُونَ** ينقصون من اعمالهم **فَتِيلًا ﴿٤٩﴾** قدر قشرة النواة **انظُرْ** متعجبا **كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ** بذلك **وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٠﴾** بينا.

ترجمہ: اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ یعنی نماز مت پڑھو، اس لئے کہ اس آیت کے

نزول کا سبب حالت نشے میں جماعت سے نماز پڑھنا تھا، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ یعنی ہوش میں آجاؤ، اور نہ حالت جنابت میں جب تک کہ تم غسل نہ کرلو (نماز پڑھو) حالت جنابت خواہ ادخال کی وجہ سے ہو یا انزال کی وجہ سے جنبًا کا اطلاق مفرد اور غیر مفرد دونوں پر ہوتا ہے، بجز اس کے کہ تم حالت سفر میں ہو تو تمہارے لئے (بغیر غسل) نماز پڑھنا جائز ہے، مسافر کو مستثنیٰ کیا ہے اسلئے کہ مسافر کا حکم عنقریب آتا ہے (اور وہ تیمم ہے) اور کہا گیا ہے کہ ممانعت نماز گاہوں یعنی مسجد میں داخل ہونے سے ہے مگر بغیر رکے مساجد سے گذرنے کی اجازت ہے اور اگر تم ایسے مریض ہو کہ پانی نقصان دہ ہو یا تم مسافر ہو اور تم جنبی ہو یا محدث (بے وضو) یا تم میں سے کوئی استنجا سے آیا ہو (غائط) وہ جگہ جو قضاء حاجت کے لئے تیار کی گئی ہو، یعنی اس کو حدث ہو گیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور ایک قراءت میں بغیر الف کے ہے اور ان دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، لَمْس سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہاتھ سے چھونے کے ہیں، ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہی قول ہے اور امام شافعی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی کا یہی مسلک ہے امام شافعی رَحْمَۃُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے باقی جسم کے مس کو بھی اسی (مس بالید) کے ساتھ ملا دیا ہے اور ابن عباس سے (لمس) کے معنی جماع کے منقول ہیں پھر تم پانی نہ پاؤ یعنی طلب و جستجو کے بعد نماز کے لئے طہارت کے لئے پانی نہ پاؤ اس کا تعلق مریضوں کے علاوہ سے ہے، تو تم تیمم کرو یعنی وقت کے داخل ہونے کے بعد پاک مٹی کا قصد کرو تو اس مٹی پر دو ضربیں مارو اور ان کو اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مع کہنیوں کے مسح کرو (لفظ) مسح متعدی بنفسہ اور متعدی بالحرف دونوں طرح ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا بڑا مغفرت کرنے والا ہے کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے؟ اور وہ یہود ہیں وہ ہدایت کے بجائے گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ (یعنی) راہ حق سے ہٹ جاؤ تاکہ تم بھی ان جیسے ہو جاؤ اللہ تمہارے دشمنوں کو جانتا ہے سو وہ تم کو ان سے باخبر کرتا ہے تاکہ تم ان سے بچتے رہو، اور اللہ کا تمہارے لئے محافظ ہونا کافی ہے اور اللہ تم کو ان کے مکر سے بچانے والا کافی ہے بعض یہود ان کلمات کو جن کے ذریعہ تورات میں محمد ﷺ کی صفات نازل فرمائیں ان کے اصل مفہوم سے پھرا دیتے ہیں یعنی اس مفہوم سے جس کے لئے ان کو وضع کیا گیا ہے۔ اور جب آپ ﷺ ان سے کچھ فرماتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے آپ کی بات سنی اور آپ کے حکم کی نافرمانی کی اور (ہماری) سنو تمہیں سنوایا نہ جائے اور وہ آپ سے رَاعِنَا (ہماری رعایت کرو) کہتے ہیں، لیکن وہ (راعنا) کہنے میں اپنی زبان کو گھما دیتے ہیں دین اسلام میں طعنہ زنی کرتے ہیں، اور ان کی زبان میں یہ گالی کا کلمہ ہے، حالانکہ اس کلمہ سے ان کو خطاب کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور اگر یہ لوگ عَصَیْنَا کے بجائے، سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا، اور فقط وَاسْمَعْ کہتے اور وَانْظُرْنَا، یعنی رَاعِنَا کے بجائے اُنْظُرْ اِلَیْنَا (یعنی ہماری رعایت کیجئے) کہتے تو جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے بہتر اور اس سے درست تر ہوتا لیکن اللہ نے ان کو ان کے کفر کی وجہ سے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، لہٰذا ان میں سے ایمان نہ لائیں گے مگر بہت تھوڑے سے جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب، اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی جا چکی ہے اس کتاب قرآن پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا جو اس کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہے یعنی تورات اس سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں یعنی اس میں چیزیں (مثلاً) آنکھ، ناک اور ابرو

کو مٹادیں، اور چہروں کو پیچھے کی طرف پلٹ دیں اور ان کو گدیوں کے مانند ایک تختی کردیں، یا ہم ان پر لعنت بھیجیں یعنی بندروں کی شکل میں مسخ کردیں، جیسا کہ ہم نے لعنت کی یعنی مسخ کردیا ان میں سے یوم السبت والوں کو اور اللہ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے، اور جب (مذکورہ آیت) نازل ہوئی تو عبداللہ بن سلام ایمان لے آئے تو کہا گیا ہے کہ یہ وعید مشروط تھی مگر جب ان میں سے بعض لوگ ایمان لے آئے تو وہ وعید واپس لے لی گئی، اور کہا گیا ہے کہ مٹانا اور مسخ کرنا قبل القیامت ہوگا، یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو نہیں بخشتا اس کے علاوہ دیگر گناہوں کو معاف کردیتا ہے جس کے لئے گناہ معاف کرنا چاہتا ہے اس طریقہ پر کہ ان کو بغیر عذاب جنت میں داخل کردیگا، اور جو شخص اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک ٹھہراتا ہے یقیناً اس نے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی ستائش خود کرتے ہیں؟ اور وہ یہود ہیں جبکہ انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں، (یعنی) بات ایسی نہیں ہے کہ ان کے پاک کہنے سے وہ پاک ہو جائیں، بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ایمان کے ذریعہ پاکیزہ کرتا ہے اور کسی پر بھی اس کے اعمال میں کمی کرکے ایک گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا، دیکھو یہ کس طرح اللہ پر اس کا بہتان باندھتے ہیں؟ اور یہ صریح گناہ ہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ای لَا تُصَلُّوا، لا تقربوا الصلوٰة کی تفسیر لا تصلوا سے کرکے ان لوگوں پر رد کردیا جو لا تقربوا الصلوٰة سے قرب الی المسجد سے نہی مراد لیتے ہیں۔

قولہ: بِاَنْ تَصْحُوْا، یہ الصَّحْوُ سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں نشہ کی وجہ سے مدہوشی سے ہوش میں آنا۔

قولہ: نَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ، اس میں اشارہ ہے کہ وَلَا جُنُبًا کا عطف اَنْتُمْ سُكَارٰى پر ہے اور معطوف علیہ چونکہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے لہٰذا و لا جنبًا بھی حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، جنبًا کا عطف و انتم سکارٰی پر ہے۔

قولہ: وهُوَ يُطْلَقُ عَلَى الْمُفْرَدِ وَغَيْرِهٖ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: جُنُبًا، لَا تقربوا کی ضمیر فاعل سے حال ہے جو کہ جمع ہے اور جنبًا مفرد ہے لہٰذا حال واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جواب: جُنُبًا اسم، مصدر اَلْاِجْنَاب کے قائم مقام ہے جس میں مفرد تثنیہ جمع اور مذکر و مؤنث سب برابر ہیں، لہٰذا حال واقع ہونا صحیح ہے وَ لَا جُنُبًا کا عطف، وَاَنْتُمْ سُكَارٰى پر ہے یعنی تم حالت نشہ میں اور حالت جنابت میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ۔

قولہ: اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ، یہ مخاطبین کے عام حالات سے استثناء ہے، ای لا تصلوا جُنُبًا فی عامة الا حوال اِلَّا فی حالتِ السفرِ اِذَالم تجدوا ماءً۔

قولہ: قِيْلَ الْمُرَادُ النَّهْىُ عَنْ قُرْبَانِ مَوَاضِعِ الصَّلٰوةِ، یہ آیت کی دوسری تفسیر ہے، امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى نے اسی کو لیا ہے۔

قولہ: بَعْدَ دُخُوْلِ الْوَقْتِ، یہ تفسیر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق ہے۔

قولہ: تُرَابًا طَاهِرًا صعیدًا طیبًا کی یہ تفسیر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک تراب کے علاوہ ریت پتھر وغیرہ سے بھی تیمم درست ہے۔

قولہ: وبالْحَرْفِ یہ ان لوگوں پر رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بوجوھکم میں باء زائد ہے اسلئے کہ مسح متعدی بنفسہ بھی ہے اور متعدی بحرف الیاء بھی۔

قولہ: حَالٌ بِمَعْنَی الدُّعَاءِ اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ غیر مُسْمَعٍ اِسْمع کی ضمیر انت سے حال ہے نہ کہ صفت اسلئے کہ ضمیر نہ صفت واقع ہوتی ہے اور نہ موصوف، اور غیر مسمع بددعاء کے معنی میں ہے، ای لا سَمِعْتَ بصَمَمٍ او بموتٍ.

قولہ: کَلِمَةُ سَبٍّ یعنی یہود کی لغت میں رَاعِنَا، کا کلمہ گالی کے لئے استعمال ہوتا تھا یا تو اس لئے کہ رعونت بمعنی حماقت سے مشتق ہے اس صورت میں الف ندا کا ہوگا بمعنی اے بے وقوف یا رَاعِنَا کے عین کے کسرہ کو کھینچ کر ای رَاعِیْنَا ہمارے چرواہے۔

قولہ: بتَزْکِیَتِهِمْ اَنْفُسَهُمْ یہ لَیْسَ کی خبر ہے۔

قولہ: بَیِّناً، مُبِیْنًا کی تفسیر بَیِّنًا سے کرکے اشارہ کردیا کہ مبینًا اگرچہ متعدی ہے مگر معنی میں لازم کے ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

شانِ نزول:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی، ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے بعض صحابہ کرام کی دعوت کی تھی جس میں شراب نوشی کا بھی انتظام تھا، جب یہ سب حضرات کھاپی چکے تو مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بنادیا گیا، ان سے نماز میں "قل یا ایها الکفرون کی تلاوت میں بوجہ نشہ کے سخت غلطی ہوگئی کہ اس طرح پڑھ دیا، قل یاَیُّهَا الکافرون لا اَعْبُدُ ما تعبدون ونحن نعبدُ ما تعبدون" تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی، جس میں تنبیہ فرمائی گئی کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے۔

شراب کی حرمت:

شراب کے متعلق یہ دوسرا حکم ہے پہلا حکم وہ تھا جو سورۂ بقرہ (آیت ۲۱۹) میں گذرا، اس میں صرف یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ شراب بری چیز ہے، اللہ کو پسند نہیں، چنانچہ مسلمانوں میں سے ایک جماعت نے اس کے بعد ہی شراب ترک کردی، مگر بہت سے لوگ

اسے بدستور استعمال کرتے رہے تھے، حتی کہ بعض اوقات نشہ کی حالت میں بھی نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے، اور کچھ کا کچھ پڑھ جاتے تھے غالباً ۴ھ کی ابتداء میں یہ دوسرا حکم نازل ہوا جس کے ذریعہ نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے ممانعت کردی گئی، اس کے کچھ مدت بعد شراب کی قطعی حرمت کا وہ حکم آیا جو سورۂ مائدہ آیت ۹۰-۹۱ میں ہے۔

مَسْئَلہ: جس طرح حالتِ نشہ میں نماز پڑھنا حرام ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب نیند کا ایسا غلبہ ہو کہ آدمی اپنی زبان پر قابو نہ رکھے تو اس حالت میں بھی نماز پڑھنا درست نہیں، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے۔

اِذا نَعِسَ اَحَدُ کمرفی الصَّلوٰۃِ فلیَرْقُدْ حتی یَذْهَبَ عنه النَّوْمُ فانّه لا یَدْرِی لَعَلَّهُ یَستَغفِرُ فَیَسُبُّ نَفْسَهُ.

(قرطبی)

ترجمہ: اگر تم میں سے کسی کو اونگھ آنے لگے تو اسے کچھ دیر کے لئے سو جانا چاہئے تاکہ نیند کا اثر چلا جائے ورنہ نیند کی حالت میں وہ سمجھ نہ سکے گا، اور بجائے دعاء واستغفار کے اپنے لئے بددعاء کرنے لگے گا۔

تیمّم کے احکام:

اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان و کرم ہے کہ اس نے طہارت کے لئے ایسی چیز کو پانی کے قائم مقام کر دیا کہ جو پانی سے زیادہ سہل الحصول ہے اور یہ سہولت صرف امت محمدیہ ہی کو دی گئی ہے۔

ولا جُنُبًا، جنابت کے اصل معنی دوری اور بیگانگی کے ہیں، اسی سے لفظ اجنبی ہے اصطلاح شرع میں جنابت سے مراد وہ نجاست حکمی ہے جو قضائے شہوت سے یا خواب میں مادہ منویہ خارج ہونے سے لاحق ہوتی ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے آدمی طہارت سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

اِلاّ عابری سبیل، فقہاء اور مفسرین میں سے ایک جماعت نے اس آیت کا مفہوم یہ سمجھا ہے کہ جنابت کی حالت میں مسجد میں نہ جانا چاہئے الا یہ کہ کسی ضرورت کے لئے مسجد سے گذرنا ہو اس رائے کو عبداللہ بن مسعود، انس بن مالک، حسن بصری، اور ابراہیم نخعی وغیرہ نے اختیار کیا ہے، دوسری جماعت نے اس سے سفر مراد لیا ہے، یعنی آدمی اگر حالت سفر میں ہو اور جنابت لاحق ہو جائے تو تیمّم کیا جا سکتا ہے، یہ رائے حضرت علی، ابن عباس، سعید بن جبیر اور بعض دیگر حضرات کی ہے، تیمّم کے تفصیلی مسائل کے لئے فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

الم تَرَ الی الذین اوتوا نصیباً من الکتاب، (الآیۃ) علماء اہل کتاب کے متعلق قرآن نے اکثر یہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ "انھیں کتاب کے علم کا کچھ حصہ دیا گیا ہے" اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو انہوں نے کتاب الٰہی کا ایک بڑا حصہ گم کر دیا تھا، پھر کتاب الٰہی کا جو کچھ حصہ ان کے پاس موجود تھا اس کی روح اور اس کے مقصد و مدعا سے وہ بیگانے ہو چکے تھے۔

یُحَرِّفون الکلمَ عن مواضعه، اس کے تین مطلب ہیں، ایک یہ کہ کتاب اللہ کے الفاظ میں ردوبدل کر دیتے، دوسرے یہ کہ تاویلات فاسدہ سے کتاب اللہ کے معنی کچھ سے کچھ بنا دیتے، تیسرے یہ کہ یہ لوگ محمد ﷺ کی صحبت میں آکر آپ کی باتیں

سنتے اور واپس جاکر غلط طریقہ سے بیان کرتے۔

یقولون سمعنا، (الآیۃ) یعنی جب ان کو خدائی کلام سنایا جاتا ہے تو زور سے کہتے ہیں سمعنا اور آہستہ سے کہتے ہیں عصینا۔

ونزل في كعب بن الأشرف ونحوه من علماء اليهود لما قدموا مكة وشاهدوا قتلى بدر وحرّضوا المشركين على الأخذ بثأرهم ومحاربة النبي صلى الله عليه وسلم **أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ** صنمان لقريش **وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا** أبي سفيان وأصحابه حين قالوا لهم أنحن أهدى سبيلًا ونحن ولاة البيت نسقي الحاج ونقري الضيف ونفك العاني ونفعل أم محمد وقد خالف دين آبائه وقطع الرحم وفارق الحرم **هٰؤُلَاءِ** أي أنتم **أَهْدٰى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا** ﴿٥١﴾ أقوم طريقًا **أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللّٰهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا** ﴿٥٢﴾ مانعًا من عذابه **أَمْ** بل أ **لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ** أي ليس لهم شيء منه ولو كان **فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا** ﴿٥٣﴾ أي شيئًا تافهًا قدر النقرة في ظهر النواة لفرط بخلهم **أَمْ** بل **يَحْسُدُونَ النَّاسَ** أي النبي صلى الله عليه وسلم **عَلٰى مَا آتٰهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ** من النبوة وكثرة النساء أي يتمنون زواله عنه ويقولون لو كان نبيًا لاشتغل عن النساء **فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرٰهِيمَ** جده كموسى وداود وسليمان **الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** النبوة **وَآتَيْنٰهُم مُّلْكًا عَظِيمًا** ﴿٥٤﴾ فكان لداود تسع وتسعون امرأة ولسليمان ألف ما بين حرة وسرية **فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ** بمحمد **وَمِنْهُم مَّن صَدَّ** أعرض **عَنْهُ** فلم يؤمن **وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا** ﴿٥٥﴾ عذابًا لمن لا يؤمن **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ** ندخلهم **نَارًا** يحترقون فيها **كُلَّمَا نَضِجَتْ** احترقت **جُلُودُهُم بَدَّلْنٰهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا** بأن تعاد إلى حالها الأول غير محترقة **لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ** ليقاسوا شدته **إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيزًا** لا يعجزه شيء **حَكِيمًا** ﴿٥٦﴾ في خلقه **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ** من الحيض وكل قذر **وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا** ﴿٥٧﴾ دائمًا لا تنسخه شمس هو ظل الجنة **إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ** ما أؤتمن عليه من الحقوق **إِلٰى أَهْلِهَا** نزلت لما أخذ عليّ رضي الله تعالى عنه مفتاح الكعبة من عثمان بن طلحة الحجبي سادنها قهرًا لما قدم النبي صلى الله عليه وسلم مكة عام الفتح ومنعه وقال لو علمت أنه رسول الله لم أمنعه فأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم بردّه إليه وقال هاك خالدة تالدة فعجب من ذلك فقرأ له عليّ الآية فأسلم وأعطاه عند موته لأخيه شيبة فبقي في ولده والآية وإن وردت على سبب خاص فعمومها معتبر بقرينة الجمع **وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ** يأمركم

اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا فِيهِ اِدْغَامُ مِيمِ نِعْمَ فِى مَا النَّكِرَةِ الْمَوْصُوفَةِ اَىْ نِعْمَ شَيْئًا يَعِظُكُمْ بِهٖ تَادِيَةَ الْاَمَانَةِ وَالْحُكْمُ بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا لِمَا يُقَالُ بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ بِمَا يُفْعَلُ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى اَصْحَابِ الْاَمْرِ اَىِ الْوُلَاةِ مِنْكُمْ اِذَا اَمَرُوكُمْ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ اِخْتَلَفْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ اَىْ كِتَابِهٖ وَالرَّسُوْلِ مُدَّةَ حَيَاتِهٖ وَبَعْدَهُ اِلٰى سُنَّتِهٖ اَىِ اكْشِفُوْا عَلَيْهِ مِنْهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ اَىِ الرَّدُّ اِلَيْهِمَا خَيْرٌ لَّكُمْ مِنَ التَّنَازُعِ وَالْقَوْلِ بِالرَّاْىِ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ مَاٰلًا.

ترجمہ: اور علماء (یہود) میں سے کعب بن اشرف جیسوں کے بارے میں (آئندہ آیت) نازل ہوئی، جب یہ لوگ مکہ آئے اور مقتولین بدر کا مشاہدہ کیا اور مشرکین کو اپنے مقتولوں کے خون کا بدلہ لینے اور نبی ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ کیا، کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا کہ جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے، (اس کے باوجود) بت اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں، (جبت اور طاغوت) قریش کے دو بتوں کے نام ہیں، اور کافروں یعنی ابوسفیان اور ان کے اصحاب کے بارے میں کہتے ہیں جب ان سے دریافت کیا گیا کہ ہم راہ راست پر ہیں یا محمد ﷺ؟ حال یہ کہ ہم بیت اللہ کے متولی ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور قیدیوں کو رہائی دلاتے ہیں، اور اس کے علاوہ بھی (بہت کچھ) کرتے ہیں، حالانکہ انہوں نے اپنے آبائی دین کی مخالفت کی اور قطع رحمی کی اور حرم کو خیرباد کہدیا، کہ یہ یعنی تم لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست پر ہو یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کردے تو، تو اس کا کوئی مددگار نہ پائیگا، یعنی اس کے عذاب سے روکنے والا، کیا سلطنت میں ان کا کچھ حصہ ہے؟ یعنی ان کا سلطنت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور اگر ایسا ہو تو یہ لوگ (دیگر) لوگوں کو اپنے بخل کی وجہ سے کوئی حقیر شئی یعنی گٹھلی کی پشت میں شگاف بھر بھی نہ دیں، بلکہ (حقیقت یہ ہے) کہ یہ لوگ، لوگوں یعنی محمد ﷺ پر حسد کرتے ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے نبوت اور کثرت نساء عطاء کی ہے، یعنی آپ کی نعمت کے زوال کی تمنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ نبی ہوتے تو عورتوں سے شغل نہ رکھتے، پس ہم نے تو آپ ﷺ کے جدامجد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آل کو کہ ان میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں کتاب اور حکمت (نبوت) عطاء کی اور ہم نے ان کو عظیم سلطنت عطاء کی (حضرت) داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ننانوے بیویاں اور (حضرت) سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آزاد اور باندیاں سب مل کر ایک ہزار تھیں، تو ان میں سے کچھ محمد ﷺ پر ایمان لائے اور کچھ نے آپ سے اعراض کیا اور ایمان نہیں لائے، اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان کے عذاب کے لئے جہنم کافی ہے جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہم عنقریب ان کو آگ میں ڈال دیں گے جس میں جلتے رہیں گے، اور جب ان کی کھال جل جائے گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں بدل دیں گے بایں طور کہ بغیر جلی ہوئی سابقہ حالت پر لوٹا دیں گے، تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں (یعنی) تاکہ ان کو اس کی شدت محسوس ہو یقیناً اللہ تعالیٰ غالب مخلوق کے بارے میں حکمت والا ہے اس کو کوئی شیئ عاجز نہیں کرسکتی، اور جو لوگ

ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ہم عنقریب ان کو ایسی جنتوں میں پہنچادیں گے کہ جن کے اندر نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان کے لئے وہاں حیض اور ہر قسم کی گندگی سے صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو گھنی چھاؤں میں رکھیں گے، یعنی دائمی سایہ میں کہ جس کو سورج ختم نہ کر سکے گا، اور وہ جنت کا سایہ ہوگا، اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کے حقوق کی وہ امانتیں جن پر تم کو امین بنایا گیا ہے ان کو پہنچادو (مذکورہ آیت) اس وقت نازل ہوئی کہ جب حضرت علی نے بیت اللہ کی چابی عثمان بن طلحہ حجبی خادم بیت اللہ سے جبراً اس وقت لے لی تھی جبکہ نبی ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ تشریف لائے تھے، (اور عثمان بن طلحہ نے) آپ ﷺ کو چابی دینے سے انکار کر دیا، اور کہا اگر مجھے اس بات کا یقین ہوتا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو میں منع نہ کرتا، تو آپ ﷺ نے حضرت علی کو چابی واپس کرنے کا حکم دیا (اور معذرت خواہی کیلئے فرمایا) اور آپ ﷺ نے فرمایا، لو (چابیاں) یہ خدمت تا قیامت ہمیشہ ہمیش کے لئے تمہارے پاس رہے گی۔

عثمان بن طلحہ کو اس معاملہ سے تعجب ہوا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مذکورہ آیت پڑھ کر سنائی، چنانچہ عثمان ایمان لے آئے اور عثمان بن طلحہ نے وہ چابی موت کے وقت اپنے بھائی شیبہ کو دیدی اور ان کی اولاد میں (آج تک) باقی ہے، آیت کا نزول اگر چہ خاص واقعہ میں ہوا ہے مگر جمع کے صیغوں کے قرینہ کی وجہ سے معتبر اس کا عموم ہے اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو تم کو (اللہ) حکم دیتا ہے کہ عدل وانصاف سے فیصلہ کرو یقیناً یہ بہتر چیز ہے، اس میں نِعْمَ کے میم کا مَا نکرہ موصوفہ میں ادغام ہے، ای نعم شیئًا یعظکم جس کی تم کو اللہ تعالیٰ نصیحت کر رہا ہے (یعنی) اداء امانت اور انصاف سے فیصلہ بے شک اللہ تعالیٰ باتوں کا سننے والا اور اعمال کا دیکھنے والا ہے اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور رسول کی اور اپنے اولوالامر حاکموں کی جب تم کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم کریں، اگر کسی معاملہ میں اختلاف رونما ہو جائے تو اس کو اللہ یعنی اس کی کتاب کی طرف اور رسول کی طرف لوٹادو اس کی زندگی میں، اور بعد وفات اس کی سنت کی طرف لوٹاؤ، یعنی اس کا حکم قرآن وسنت سے معلوم کرو اگر تمہارا اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان ہے اور یہ قرآن وسنت پر پیش کرنا تمہارے لئے بہتر ہے جھگڑنے اور رائے زنی کرنے سے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: بثارھم، الثّار والثورۃ، خون کا بدلہ، (ف) ثارًا ہمزہ اور بغیر ہمزہ دونوں طریقہ سے، خون کا بدلہ لینا۔

قَوْلَہٗ: لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا، لِلّذین، یقولون کا صلہ ہے، (کمافی لغات القرآن للدرویش) اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ للّذین میں لام بمعنی اجل ہے نہ کہ یقولون کا صلہ یقولون کے قائل کعب بن اشرف اور اس کے اصحاب ہیں، لہٰذا اب یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ لام کا مدخول جو کہ قول کے بعد واقع ہو قول کا مخاطب ہوا کرتا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ کعب بن اشرف نے ابوسفیان اور ان کے اصحاب کے بارے میں کہا "ھٰؤلاء اَھدیٰ من الذین آمنوا سبیلاً. (ترویح الارواح)

قَوْلَہٗ: العَانِی قیدی، اسیر۔

قَوْلُہٗ: نَفعَلُ، بعض نسخوں میں نفعلُ کے بجائے نعقلُ ہے عقل دیت کو کہتے ہیں یعنی ہم دیت دیتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: ھٰؤلاءِ، ھٰؤلاء اسم اشارہ غائب لانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ یقولون کے مخاطب نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: لَیْسَ لَھُمْ کی تفسیر لیس لَھُمْ شیءٌ سے کر کے اشارہ کردیا کہ ہمزہ بمعنی استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُہٗ: لَوْ کَانَ اس میں اشارہ ہے کہ فاذًا لا یؤتون الناس نقیرًا، جملہ جزائیہ ہے اور فاء جزائیہ ہے اور اس کی شرط محذوف ہے جس کو مفسر علام نے، لو کان، کہہ کر ظاہر کردیا فاذًا میں فاء عاطفہ نہیں ہے ورنہ تو عطف خبر علی الانشاء لازم آئیگا، اسلئے کہ استفہام انشاء ہے۔

قَوْلُہٗ: شَیْئًاتافِهًا، ای شیئًا حقیرًا۔

قَوْلُہٗ: قَدْرَ النُّقْرَةِ فی ظَھْرِ النَّوَاةِ، یہ تافھًا کی تفسیر ہے نُقرۃ بالضم کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں باریک ریشہ کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: یَتَمَنَّوْنَ زَوَالَهٗ عَنْهُ، اس سے غبطہ سے احتراز مقصود ہے۔

قَوْلُہٗ: عَذَابًا، کفٰی کی جہنم کی جانب نسبت سے تمیز ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلٰی حَالِهَا الاَوَّلِ اس میں اشارہ ہے کہ مغائرت سے مراد مغائرت فی الصفت ہے نہ کہ مغائرت فی الذات تاکہ غیر مجرم کی تعذیب لازم نہ آئے۔

قَوْلُہٗ: سَادِنُھا ای خادمھا۔

قَوْلُہٗ: جَدُّہٗ ای جد النبی ﷺ۔

قَوْلُہٗ: مَنَعَهُ ای مَنَعَ العثمانُ الحجبیُ النبی ﷺ، یعنی عثمان حجبی نے آپ کو بیت اللہ کی کنجیاں دینے سے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا کہ اگر میں آپ کو نبی سمجھتا تو کنجی دینے کو منع نہ کرتا۔

قَوْلُہٗ: ھَاكَ، ای خذھا۔

قَوْلُہٗ: تَالِدًا یہ خالدًا کے اتباع میں سے ہے۔

قَوْلُہٗ: نِعْمَ شَیْئًا، اس میں اشارہ ہے کہ، نِعمّا، میں نعمَ کے اندر ضمیر فاعل مستتر تمیز ہے۔

قَوْلُہٗ: تَأْدِیَةُ الاَمَانَةِ، اس میں اشارہ ہے کہ نِعْمَ کا مخصوص بالمدح محذوف ہے جس کو مفسر علام نے اپنے قول تادیة الامانة سے ظاہر کردیا۔

تَفسیر وتشریح

ربط آیات:

الَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِنَ الْکِتَابِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ سابقہ آیت الم تر الی الذین اوتوا نصیبًا من الکتاب یَشْتَرُوْنَ (الآیة) میں یہود کی قبائح کا ذکر تھا، اس آیت میں یہود کے ایک اور فعل پر اظہار تعجب کیا جارہا ہے۔

الجبت والطاغوت سے کیا مراد ہے؟ جبت وطاغوت کے معنی میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، ابن جبیر اور ابوالعالیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جبت حبشی لغت میں ساحر کو کہتے ہیں اور طاغوت کاہن کو۔

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جبت سے مراد سحر اور طاغوت سے مراد شیطان ہے، مالک بن انس سے منقول ہے کہ اللہ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کی جاتی ہے ان کو طاغوت کہا جاتا ہے، یہ قول قرطبی کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، مذکورہ تمام معانی میں کوئی تضاد نہیں ہے یہ سب ہی مراد ہو سکتے ہیں ایک حدیث میں آیا ہے ''اِنَّ العیافۃ والطرق والطِّیَرۃ مِنَ الجِبْتِ'' (سنن ابی داؤد کتاب الطب) پرندہ اڑا کر، خط کھینچ کر، بدفالی یا نیک فالی لینا یہ چیزیں جبت سے ہیں، یعنی یہ سب شیطانی کام ہیں، جبت ایک بہت عام لفظ ہے کہانت (جوتش) فال گیری، ٹونے ٹوٹکے، شگون، مہورت اور دیگر تمام وہمی وخیالی باتوں کو جبت کہا جا سکتا ہے۔

مذکورہ آیت کا شان نزول:

غزوۂ احد کے بعد کعب بن اشرف، یہود کے ستر (۷۰) آدمیوں کا ایک وفد لے کر اس غرض سے مکہ پہنچا کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش مکہ سے جنگی معاہدہ کیا جائے اور وہ معاہدہ توڑ دیا جائے جو ہجرت کے فوراً بعد یہود نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا، چنانچہ خود کعب بن اشرف سردار مکہ ابوسفیان کے یہاں اترا اور دیگر یہودی نمائندے قریش کے مہمان ہوئے قریش نے جی کھول کر ان کی تواضع کی ایک مجمع عام میں قریش نے یہود سے یہ پوچھا کہ تم بھی اہل کتاب ہو اور محمد بھی اہل کتاب ہیں پھر اس کا کیا ثبوت ہے کہ تمہارا اسطرح آنا تم دونوں کی خفیہ سازش نہیں؟ اگر واقعی تم دشمن اسلام ہو تو آؤ پہلے جبت اور طاغوت نامی ان دونوں بتوں کو سجدہ کرو اور ان پر ایمان لاؤ۔

فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا.

یہود کی کنجوسی ضرب المثل ہے:

یہود کی کنجوسی اور حرص علی المال اور حسد مذاہب کی تاریخ میں ضرب المثل ہے انتہائی غربت اور محتاجی کے وقت ان کا یہ حال ہے، اگر خدانخواستہ خدا کی مملکت مل جائے تو شاید لوگوں کو بھوکا مار دیں اور کسی کو تل بھر بھی نہ دیں۔

کیا یہود کو یاد نہیں رہا:

کہ ہم آل ابراہیم کو کتاب وحکمت اور بڑی سلطنت عطا کر چکے ہیں، کیا اس پورے گھرانے سے حسد کرنے والے اور جلنے والے کم تھے، کیا ان کے گھرانے کو حاسدین نے نیست ونابود کرنے میں کچھ کسر اٹھا رکھی تھی، مگر اس کا انجام کیا ہوا، پھر آج یہود آپ ﷺ سے حسد کر کے کیا فائدہ پائیں گے، کیا تورات انجیل اور زبور محض عنایت خداوندی سے ابراہیم

علیہ الصلاۃ والسلام کے گھرانے کو نہیں ملیں؟ کیا حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام، حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام، حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام اسی گھرانے کے فرد نہ تھے، پھر آج محمد ﷺ پر حسد کیوں؟

شان نزول:

اِنَّ اللّٰہ یأمرکم اَن تؤدوا الامانات اِلٰی اھلھا، اس آیت کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے، یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ اسلام کی آمد سے پہلے کعبہ کی خدمت بڑی عزت کی بات سمجھی جاتی تھی، اور بیت اللہ کی مختلف خدمتیں مختلف لوگوں میں تقسیم کی جاتی تھیں، حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھی، جس کو سقایہ کہا جاتا تھا، اسی طرح بیت اللہ کی کلید برادری کی خدمت عثمان بن طلحہ کے سپرد تھی، اس کو حجابت اور سدانت کہا جاتا تھا، اور یہ خدمت پشتہا پشت سے خاندان بنوطلحہ میں چلی آرہی تھی جب آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تو اس وقت یہ خدمت عثمان بن طلحہ سے متعلق تھی، اب آگے اس واقعہ کی روداد خود عثمان بن طلحہ کی زبانی سنئے۔

عثمان بن طلحہ کی کہانی خود ان ہی کی زبانی:

ہجرت سے قبل ایک روز آپ ﷺ مجھ سے ملے اور مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، میں نے نہایت گستاخانہ جواب دیا، آپ ﷺ نے میرے جواب پر کچھ نہ فرمایا اور نہ ناگواری کا اظہار فرمایا، میرا یہ دستور تھا کہ پیر اور جمعرات کے دن عام زیارت کے لئے بیت اللہ کو کھولا کرتا تھا، ایک روز کسی موقعہ پر بیت اللہ کھلا ہوا تھا لوگ زیارت کر رہے تھے آپ نے بھی اندر جانا چاہا میں نے اس موقعہ پر جو کچھ میرے منہ میں آیا خوب بکا، آپ نے اس پر بھی سکوت فرمایا، صرف اسقدر فرمایا کہ عثمان! ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک روز بیت اللہ کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں اور میں جسے چاہوں دوں، میں نے کہا یہ تو تب ہی ہوسکتا ہے کہ قریش پامال ہو چکے ہوں، آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ آبرومند ہو چکے ہوں گے، آپ اس قدر فرما کر بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے ادھر میرا دل بے قابو ہوگیا مجھے یقین ہوگیا کہ جو کچھ فرما دیا گیا بس وہی ہوگا۔ (تفسیر هدایت القرآن ملخصا)

عثمان بن طلحہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی وقت اسلام لانیکا ارادہ کرلیا، لیکن جب میں نے اپنی قوم کے تیور بدلے ہوئے دیکھے اور وہ سب کے سب مجھے ملامت کرنے لگے تو میں اپنا ارادہ پورا نہ کرسکا، جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے بلا کر بیت اللہ کی کنجی طلب فرمائی میں نے پیش کردی۔

بعض روایات میں ہے کہ عثمان بیت اللہ کی کنجی لیکر بیت اللہ کے اوپر چڑھ گئے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کے لئے زبردستی کنجی ان کے ہاتھ سے لیکر آنحضرت ﷺ کو دیدی تھی، جب آپ ﷺ بیت اللہ میں نماز پڑھ کر باہر تشریف لائے تو پھر کنجی مجھے واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ لو اب یہ کنجی ہمیشہ قیامت تک تمہارے ہی خاندان میں رہے گی، جو شخص تم سے یہ کنجیاں لے گا وہ ظالم ہوگا، اور یہ بھی فرمایا کہ بیت اللہ کی اس خدمت کے صلہ میں

تمہیں جو مال مل جائے اس کو شرعی قاعدہ کے مطابق خرچ کرو۔ (معارف)

عثمان بن طلحہ کہتے ہیں کہ جب میں کنجی لے کر خوشی خوشی چلنے لگا تو آپ نے پھر مجھے آواز دی اور فرمایا کیوں عثمان جو بات میں نے کہی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں؟ اب مجھے وہ بات یاد آ گئی جو آپ نے ہجرت سے پہلے فرمائی تھی، ایک روز تم یہ کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے، میں نے عرض کیا بے شک آپ کا ارشاد پورا ہوا اور اسی وقت میں کلمہ پڑھکر مسلمان ہو گیا۔

حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ اس روز جب آپ ﷺ بیت اللہ سے باہر تشریف لائے تو یہ آیت آپ کی زبان پر تھی، اِنَّ اللّٰہ یأمر کم اَنْ تؤدوا الامانات الی اَھْلھا۔

امانت کا لفظ عربی زبان میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے، ہر قسم کی ذمہ داریاں اس کے تحت آتی ہیں، خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے، فرائض سے متعلق ہوں یا سنن و مندوبات سے متعلق، امام رازی نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ امانت کے تحت اعتقادیات معاملات اور اخلاقیات سب ہی آ گئے۔

حق دار ہی کو امانت سونپنی چاہیے:

اس آیت میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی کہ امانتیں ان لوگوں کو سپرد کرنی چاہئیں کہ جن میں بار امانات اٹھانے کی صلاحیت ہو ضمناً اس سے یہ بات بھی نکل آئی کہ نظام شریعت میں سعی و سفارش نیز اقربا پروری وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، حکومت میں عہدے صرف انھیں کو ملنے چاہئیں جو ان خدمتوں اور منصبوں کے واقعی اہل ہوں۔

وَ اِذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل (الآیۃ) اس میں حکام کو بطور خاص عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ حاکم جب تک ظلم نہ کرے اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ ظلم کا ارتکاب کرنے لگتا ہے تو اللہ اس کو اس کے نفس کے حوالہ کر دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام)

یہود کی یہ عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے اور مقدمات کے فیصلوں میں رشوت وغیرہ کی وجہ سے طرفداری کرتے، یہود شخصی اور قومی اغراض کے لئے بے تکلف انصاف کے گلے پر چھری پھیر دیتے، اس لئے مسلمانوں کو مذکورہ دونوں باتوں سے روکا گیا ہے۔

منقول ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ نے خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہا تو عثمان بن طلحہ کلید بردار خانہ کعبہ نے کنجی دینے سے انکار کر دیا تو حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے زبردستی ان سے چھین کر دروازہ کھولدیا، آپ ﷺ جب فارغ ہو کر باہر تشریف لائے تو حضرت عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ سے درخواست کی کہ کعبۃ اللہ کی کنجی مجھے عنایت فرمائیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور کنجی آپ نے عثمان بن طلحہ کو دیدی، تفصیل سابق میں گذر چکی ہے۔

وَ اِذ حکمتم بین الناس اَنْ تحکموا بالعدل: اس جملہ میں حق تعالیٰ نے بین الناس فرمایا ہے، بین المسلمین یا بین المؤمنین نہیں فرمایا، اس میں اشارہ ہے کہ مقدمات کے فیصلوں میں سب انسان مساوی ہیں، مسلم ہوں یا غیر مسلم

دوست ہوں یا دشمن وطنی ہوں یا غیر وطنی ہم رنگ وہم زبان ہوں یا نہ ہوں فیصلہ کرنے والوں کا فرض ہے کہ ان سب تعلقات سے الگ ہو کر جو بھی حق وانصاف کا تقاضہ ہو وہ فیصلہ کریں۔

یایھا الذین امنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم پہلی آیت میں حکام کو عدل وانصاف کا حکم فرما کر اب دوسروں کو متابعت کا حکم دیا جا رہا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکام کی اطاعت اسی وقت واجب ہوگی کہ جب وہ حق کی اطاعت کریں گے حکام کی یہ اطاعت اسی وقت تک ضروری ہے کہ جب تک وہ خدا اور رسول کے خلاف حکم نہ دیں، اگر حاکم خدا اور رسول کے حکم کے صریح خلاف کرے تو اس کا حکم ہرگز نہ مانے۔

مذکورہ آیت کا شانِ نزول:

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے خالد بن ولید کی سرکردگی میں جنگی ضرورت سے ایک دستہ روانہ فرمایا، اس میں حضرت عمار بن یاسر بھی شریک تھے، رات کے کسی حصہ میں یہ دستہ منزل مقصود پر پہنچ گیا، دشمنوں کو جب علم ہوا تو پورا قبیلہ سوائے ایک شخص کے فرار ہو گیا یہ شخص خفیہ طور پر رات کے وقت کسی طرح اسلامی لشکر میں پہنچا، اتفاق سے اس کی ملاقات حضرت عمار سے ہوگئی، اس شخص نے عرض کیا میں اسلام لا چکا ہوں اور سچے دل سے توحید ورسالت کا اقرار کر چکا ہوں، حضرت عمار نے فرمایا تمہارا اسلام ضرور تمہاری حفاظت کرے گا، جاؤ اطمینان سے جہاں ہو وہیں رہو، صبح ہوتے ہی حضرت خالد نے حملہ کر دیا، حضرت عمار نے موقع پر پہنچ کر اس شخص کو یہ کہ کر امان دلانی چاہی کہ یہ مسلمان ہے اور میں اسے امان دے چکا ہوں خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امان کو جنگی مصلحت کے خلاف سمجھ رہے تھے، اس پر دونوں حضرات میں تیز گفتگو ہوگئی واپسی پر یہ معاملہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا، آپ نے حضرت عمار کی کارروائی کو برقرار رکھتے ہوئے آئندہ کے لئے حضرت عمار کو منع فرما دیا کہ سالار لشکر کی اطلاع کے بغیر ایسا نہ کریں اس کے بعد پھر دونوں حضرات میں تیز گفتگو ہوئی، تب آپ نے فرمایا خالد جو عمار کے ساتھ گستاخی سے پیش آئیگا اللہ تعالیٰ اس کو مزا چکھا دیں گے، جو عمار سے نفرت کرے گا اس سے اللہ نفرت فرمائیگا، جو عمار پر لعنت کرے گا اللہ خود اس کو ملعون کر دیں گے، یہ سننا تھا کہ حضرت خالد بڑے عاجزانہ انداز میں معافی مانگنے لگے اس طرح دونوں بزرگوں کے دل صاف ہو گئے، معاً مذکورہ آیت نازل ہوئی اور قرآن کریم نے مسلمانوں کے لئے لازم کر دیا کہ اپنے ذمہ داروں کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں۔ (هداية القرآن ملخصًا)

وَنَزَلَ لَمَّا اخْتَصَمَ يَهُودِيٌّ وَمُنَافِقٌ فَدَعَا الْمُنَافِقُ اِلٰى كَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمَا وَدَعَا الْيَهُودِيُّ اِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَاَتَيَاهُ فَقَضٰى لِلْيَهُودِيِّ فَلَمْ يَرْضَ الْمُنَافِقُ وَاَتَيَا عُمَرَ فَذَكَرَ لَهُ الْيَهُودِيُّ ذٰلِكَ فَقَالَ لِلْمُنَافِقِ اَكَذٰلِكَ قَالَ نَعَمْ فَقَتَلَهُ **اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ** اَلْكَثِيْرِ الطُّغْيَانِ وَهُوَ كَعْبُ بْنُ الْاَشْرَفِ **وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ** وَلَا

يُوالُوْهُ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿٦٠﴾ عن الحق وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ
في القرآن من الحكم وَاِلَى الرَّسُوْلِ ليحكم بينهم رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ يعرضون عَنْكَ الى
غيرك صُدُوْدًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ يصنعون اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ عقوبة بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ من الكفر
والمعاصي اى أيقدرون على الاعراض والفرار منها لا ثُمَّ جَآءُوْكَ معطوف على يصدون
يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ ما اَرَدْنَآ بالمحاكمة الى غيرك اِلَّآ اِحْسَانًا صلحا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾ تاليفا بين الخصمين
بالتقريب في الحكم دون الحمل على مر الحق اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ من النفاق
وكذبهم في عذرهم فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ بالصفح وَعِظْهُمْ خوفهم الله وَقُلْ لَّهُمْ فِيْ شان
اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾ مؤثرا فيهم اى ازجرهم ليرجعوا عن كفرهم وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ
فيما يامر به ويحكم بِاِذْنِ اللّٰهِ بامره لا ليعصى ويخالف وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بتحاكمهم الى
الطاغوت جَآءُوْكَ تائبين فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ فيه التفات عن الخطاب تفخيما
لشانه لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا عليهم رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ بهم فَلَا وَرَبِّكَ لا زائدة لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ
اختلط بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا ضيقا او شكا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا ينقادوا لحكمك
تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ من غير معارضة وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ مفسرة اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ كما
كتبنا على بني اسرائيل مَّا فَعَلُوْهُ اى المكتوب عليهم اِلَّا قَلِيْلٌ بالرفع على البدل والنصب على
الاستثناء مِّنْهُمْ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ من طاعة الرسول لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ تحقيقا
لايمانهم وَّاِذًا اى لو ثبتوا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ من عندنا اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ هو الجنة وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا
مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾ قال بعض الصحابة للنبي صلى الله عليه وسلم كيف نراك في الجنة وانت في الدرجات
العلى ونحن اسفل منك فنزل وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فيما امرا به فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ
النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ افاضل اصحاب الانبياء لمبالغتهم في الصدق والتصديق وَالشُّهَدَآءِ القتلى في
سبيل الله وَالصّٰلِحِيْنَ غير من ذكر وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ رفقاء في الجنة بان يستمتع فيها برؤيتهم
وزيارتهم والحضور معهم وان كان مقرهم في درجات عالية بالنسبة الى غيرهم ذٰلِكَ اى
كونهم مع من ذكر مبتدأ خبره الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ تفضل به عليهم لا انهم نالوه بطاعتهم
وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾ بثواب الآخرة فثقوا بما اخبركم به ولا ينبئك مثل خبير۔

ترجمہ: (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب ایک یہودی اور منافق کے درمیان ایک مقتول کے معاملہ میں

نزاع پیدا ہو گیا، منافق نے کعب بن اشرف کے پاس جانے کے لئے کہا تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، اور یہودی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے کے لئے کہا، چنانچہ جب یہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں فرمایا، مگر منافق اس پر راضی نہ ہوا، اور دونوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، اور یہودی نے آپ ﷺ کے فیصلہ کا تذکرہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روبرو کر دیا، (حضرت عمر نے) منافق سے کہا کیا بات ایسی ہی ہے؟ منافق نے اقرار کیا چنانچہ حضرت عمر نے منافق کو قتل کر دیا، کیا آپ نے ان کے معاملہ میں غور کیا کہ جن کا دعویٰ ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے اپنے فیصلے غیر اللہ کے پاس لیجانا چاہتے ہیں (طاغوت) کثیر الطغیان کو کہتے ہیں، اور وہ کعب بن اشرف ہے، حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کے سامنے گردن نہ جھکائیں، اور اس کا اقتدار تسلیم نہ کریں، شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ ان کو حق سے بھٹکا کر دور دراز لے جائے، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی طرف آؤ کہ جس کو قرآن میں اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو آپ ان منافقین کو دیکھیں گے کہ آپ سے بڑی بے رخی کر کے دوسروں کی طرف رخ کرنے والے ہیں تو اس وقت کیا کریں گے کہ جب ان کے کرتوتوں کی بدولت کہ وہ کفر و معاصی ہیں ان پر مصیبت (عقوبت) آئیگی یعنی کیا یہ لوگ اس سے اعراض اور فرار پر قادر ہوں گے؟ نہیں، پھر یہ (منافق) اللہ کی قسم کھاتے ہوئے آپ کے پاس آتے ہیں اس کا عطف یَصُدُّوْنَ پر ہے، کہ غیر کے پاس مقدمہ لیجانے سے ہمارا مقصد حکم میں اعتدال پیدا کر کے فریقین کے درمیان صلح اور میل ملاپ کرانا تھا نہ کہ تلخ حق پر آمادہ کرنا یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کا راز اللہ تعالیٰ پر بخوبی روشن ہے اور وہ نفاق اور ان کا عذر میں کذب بیانی کرنا ہے، لہٰذا آپ ان سے چشم پوشی کیجئے، اور ان کو نصیحت کیجئے (یعنی) ان کو خدا کے خوف سے ڈرائیے، اور ان کے معاملہ میں ان سے مؤثر بات کہتے رہیے یعنی زیادہ روکنے والی تا کہ وہ اپنے کفر سے باز آجائیں، اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے وہ اسلئے بھیجا ہے کہ جس چیز کا وہ حکم کرے اس میں اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کیجائے اور اس کی نافرمانی اور مخالفت نہ کیجائے اور کاش کہ جس وقت یہ لوگ طاغوت کے پاس مقدمہ لیجا کر اپنے اوپر زیادتی کر بیٹھے تھے توبہ کرتے ہوئے آپ کے پاس آجاتے اور خدا سے معافی طلب کرتے اور رسول بھی ان کیلئے استغفار کرتے اس میں خطاب سے (غیبت) کی جانب (التفات ہے) آپ کی عظمت شان کے اظہار کے لئے تو یہ ضرور اللہ کو ان کی توبہ کا قبول کرنے والا اور مہربان پاتے سو قسم ہے تیرے پروردگار کی 'لا' زائدہ ہے، یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے درمیان اختلافی معاملہ میں آپ کو حکم تسلیم نہ کریں، پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس میں اپنے دل میں کوئی تنگی یا شک نہ پائیں، اور آپ کے حکم کو بغیر کسی معارضہ کے پورا پورا تسلیم کر لیں، اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ جیسا کہ ہم نے بنی اسرائیل پر فرض کیا تھا (ان) مفسرہ ہے، تو اس فرض کو بہت کم لوگ ادا کرتے، قلیلٌ، رفع کے ساتھ ہے بدلیت کی وجہ سے اور نصب کے ساتھ ہے استثناء کی وجہ سے، اور اگر یہ لوگ وہ کام کر ڈالتے جس کا ان کو حکم دیا گیا ہے اور وہ طاعت رسول ہے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا اور ان کے ایمان کو بہت زیادہ

مضبوط رکھنے والا بھی اور اس وقت ہم انھیں اپنے پاس سے ضرور اجر عظیم دیتے اور وہ جنت ہے، اور ہم انھیں سیدھی شاہ راہ دکھاتے بعض صحابہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم جنت میں آپ کا کیسے دیدار کریں گے؟ اسلئے کہ آپ اعلیٰ درجوں میں ہوں گے اور ہم آپ سے نیچے درجوں میں، تو یہ آیت نازل ہوئی، اور جو بھی اللہ کی اور اسکے رسول کی مامور بہ میں فرمانبرداری کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے، جیسے نبی اور صدیق اصحاب انبیاء میں وہ لوگ ہیں جو افضل ترین ہیں، اور شہداء یعنی راہ خدا میں مقتول، اور مذکورین کے علاوہ دیگر صالحین، یہ بہترین رفیق ہیں یعنی جنت میں رفقاء ہیں، اس طور پر کہ ان کے دیدار سے اور ان کی زیارت سے اور ان کے ساتھ حاضری سے مستفید ہوں گے، اگر چہ ان کے ٹھکانے دوسروں کی نسبت اونچے درجوں میں ہوں گے یہ فضل یعنی ان کا مذکورین کے ساتھ ہونا اللہ کی جانب سے ہے (ذلك) مبتداء ہے اور (الفضل) اس کی خبر ہے، جس کا اللہ نے ان پر فضل کیا ہے، نہ یہ کہ انہوں نے اپنی طاعت کے ذریعہ حاصل کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کا علم کافی ہے آخرت کے ثواب کو جاننے کے اعتبار سے لہٰذا جس کی وہ تم کو خبر دے اس پر اعتماد کرو تم کو اس کے جیسی کوئی خبر دینے والا خبر نہیں دے سکتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: يَصُدُّونَ صَدٌّ (ن) سے مضارع جمع مذکر غائب، وہ اعراض کرتے ہیں اور روکتے ہیں، يَصُدُّونَ کی تفسیر يُعْرِضُونَ سے بیان معنی کے لئے ہے، اگر رأیتَ سے رویت بصری مراد ہو تو یصدون جملہ حالیہ ہوگا، اور اگر رویت قلبیہ مراد ہو تو يَصُدُّونَ مفعول ثانی ہوگا، اور منافقین مفعول اول، اور صدودًا مفعول مطلق۔

قولہ: معطوف علی یصدونَ، یعنی ابتداء میں آپ سے اعراض کرتے ہیں اور بعد اعراض کے معافی مانگتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد طرفین کی اصلاح حال تھا نہ کہ آپ کی مخالفت۔

قولہ: جَاءُوكَ، کا عطف یصدون پر ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے، یحلفون جملہ حالیہ ہے۔

قولہ: بالتَّقْرِيْبِ فِي الحُكْمِ یعنی خصمین کو ان کی مراد کے قریب کرکے صلح کرانا ہے نہ کہ حق کے مطابق فیصلہ کرکے الحق مرٌّ کے قبول کرنے پر مجبور کرنا۔

قولہ: اَلِتفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ یہ یعنی جاء وك میں آپ ﷺ کو خطاب ہے اور استغفر لَهُمُ الرسولُ میں رسول اسم ظاہر ہونے کی وجہ سے غائب ہے۔

قولہ: تَفْخِيماً لِشَانِه، یعنی خطاب سے اعراض کرکے آپ کے وصف خاص (رسالت) کی طرف التفات فرمایا۔

قولہ: بِه، مِمَّا قضيتَ، میں مَا موصولہ ہے اسلئے کہ صلہ جب جملہ ہوتا ہے تو عائد کی ضرورت ہوتی ہے۔

قولہ: اَفاضِلِ، اَصْحَابِ الْاَنْبِيَاءِ، یہ صدیق کی چند تعریفوں میں سے ایک کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُهٗ: غَیْرَ مَنْ ذُکِرَ، اس میں تکرار سے اجتناب کی طرف اشارہ ہے۔
قَوْلُهٗ: لَا اَنَّھُمْ نَالُوْهُ بِطَاعَتِھِمْ، اس میں معتزلہ پر رد ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

پہلی آیات میں تمام معاملات میں اللہ اور اس کے احکام کی طرف رجوع کرنیکا حکم تھا ان آیات میں خلاف شرع قوانین کی طرف رجوع کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

شان نزول:

مذکورہ آیات کے شان نزول کے سلسلہ میں متعدد واقعات مذکور ہوئے ہیں۔

❶ حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ بشر نامی ایک منافق اور ایک یہودی کا کسی معاملہ میں نزاع ہو گیا، فیصلے کے لئے یہودی نے آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی پیش کیا کیونکہ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ آپ ﷺ بغیر کسی رو رعایت اور رشوت وسفارش کے حق فیصلہ فرمائیں گے، اور بشر نامی منافق نے فیصلہ کے لئے یہودیوں کے مشہور عالم اور سردار کعب بن اشرف کا نام پیش کیا اسلئے کہ وہ جانتا تھا کہ کعب بن اشرف سے رشوت وسفارش کے ذریعہ اپنے حق میں فیصلہ کرالے گا، آخر کار یہودی کعب بن اشرف کے پاس مقدمہ لیجانے کیلئے تیار نہ ہوا مجبوراً منافق بھی آپ ﷺ کی خدمت میں مقدمہ لیجانے کے لئے رضامند ہو گیا، آپ نے پورا واقعہ سماعت فرمانے کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا، اسلئے کہ یہودی حق پر تھا، آپ ﷺ کا فیصلہ سن کر منافق سخت دل گیر ہوا اور اس نے یہودی کو مجبور کیا کہ وہ دوبارہ فیصلہ حضرت عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس لیجائے منافق کا خیال تھا کہ عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ چونکہ کفار کے معاملہ میں نہایت سخت ہیں لہٰذا عین ممکن ہے کہ وہ میرے کلمہ گو ہونے کی وجہ سے (گو بظاہر ہی سہی) میرے حق میں رعایت کریں، جب یہ دونوں حضرات حضرت عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں پہنچے تو یہودی نے آپ ﷺ سے فیصلہ کرانے اور منافق کے قبول نہ کرنے کی پوری سرگذشت سنائی، حضرت عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے منافق سے معاملہ کی تصدیق چاہی منافق نے اقرار کرلیا حضرت عمر نے فرمایا تم یہیں ٹھہرو میں ابھی اندر سے آتا ہوں حضرت عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اندر سے تلوار چادر میں لپیٹ کر باہر تشریف لائے اور یہ کہتے ہوئے کہ جو بد بخت انسان، اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر رضامند نہ ہو میرے یہاں اس کا فیصلہ یوں ہوا کرتا ہے، اسی پر مذکورہ آیت نازل ہوئی، اس واقعہ کو ابن کثیر نے سنداً ضعیف کہا ہے ابن لہیعہ اسمیں ضعیف ہے۔

❷ دوسرا واقعہ:

حضرت زبیر بن عوام جو رشتہ میں آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے، ان کا ایک انصاری کے ساتھ پہاڑی پانی کی ایک گول (نالی) کے بارے میں جس سے دونوں اپنے باغ سیراب کیا کرتے تھے نزاع ہوگیا معاملہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا آپ ﷺ نے حضرت زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے فرمایا کہ جب تمہارا کھیت سیراب ہوجایا کرے تو گول چھوڑ دیا کرو تاکہ تمہارے بعد یہ شخص اپنا کھیت سیراب کرسکے، اس فیصلہ پر وہ شخص بھڑک اٹھا اور کہا یہ فیصلہ آپ نے اسلئے کیا ہے کہ زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں، اس پر آپکے روئے انور کا رنگ متغیر ہو گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا زبیر اپنا کھیت سیراب کرو اور اس وقت تک گول روکے رکھو جب تک کھیت میں پانی خوب نہ بھر جائے، جب یہ دونوں حضرات واپس ہوئے تو حضرت مقداد نے پوچھا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ انصاری فوراً بولا پھوپھی زاد بھائی کے حق میں، جواب کا یہ انداز ظاہر کررہا تھا کہ یہ شخص آپ کے فیصلہ سے خوش نہیں ہے، اتفاق سے وہاں ایک یہودی موجود تھا وہ بولا خدا انھیں سمجھے ایک طرف کہتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں دوسری طرف ان کے فیصلہ سے ناراض بھی ہوتے ہیں۔ (اخرجه البخاری و مسلم واهل السنن وغیرهم)

❸ تیسرا واقعہ:

ابن ابی حاتم وطبرانی نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس کو سیوطی نے **صحیح عن ابن عباس** کہا ہے، فرمایا ابو برزۃ الاسلمی ایک کاہن تھا یہود کے تنازع کا فیصلہ کیا کرتا تھا، بعض مسلمان بھی اس کے پاس فیصلے کے لئے پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ (فتح القدیر)

وَلَو اَنَّا کتبنا علیهم ان اقتلوا (الآیة) یعنی یہ منافقین ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ ہماری جان ومال سب کچھ خدا کے لئے ہے دوسری طرف یہ حالت ہے کہ اگر ہم براہ راست جان ومال کی قربانی مانگ لیتے تو شاید دو چار کے سوا کوئی بھی نہ کرتا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ اى احْتَرِزُوْا منه و تَيَقَّظُوْا له **فَانْفِرُوْا** انْهَضُوْا الى قِتَالِه **ثُبَاتٍ** مُتَفَرِّقِيْنَ سَرِيَّةً بَعْدَ اُخْرٰى **اَوِانْفِرُوْا جَمِيْعًا** ﴿٧١﴾ مُجْتَمِعِيْنَ **وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ** لَيَتَاَخَّرَنَّ عَنِ القِتَالِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُبَيٍّ الْمُنَافِقِ واَصْحَابِه وجَعْلُهُ منهم مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرِ واللَّامُ فى الفِعْلِ لِلْقَسَمِ **فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ** كَقَتْلٍ وَ هَزِيْمَةٍ **قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا** ﴿٧٢﴾ حَاضِرًا فَاُصَابَ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ** كَفَتْحٍ و غَنِيْمَةٍ **لَيَقُوْلَنَّ** نَادِمًا **كَاَنْ** مُخَفَّفَةٌ واسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اى كَاَنَّهُ **لَّمْ تَكُنْ** بِالْيَاءِ والتاءِ **بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ** مَعْرِفَةٌ و صَدَاقَةٌ وهٰذا رَاجِعٌ الى قَوْلِه قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اُعْتُرِضَ به بَيْنَ الْقَوْلِ و مَقُوْلِه و هو **يَا** لِلتَّنْبِيْهِ

لَيْتَنِىْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾ آخُذ حَظًّا وافرًا من الغنيمة قال تعالى فَلْيُقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لاعلاء دينه الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ يبيعون الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ يستشهد اَوْ يَغْلِبْ يظفر بعدوه فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٧٤﴾ ثوابا جزيلا وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ استفهام توبيخ اى لا مانع لكم من القتال فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ فى تخليص الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الذين حبسهم الكفار عن الهجرة وآذوهم قال ابن عباس رضى الله عنهما كنت انا و امى منهم الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ داعين رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ مكة الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ بالكفر وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ من عندك وَلِيًّا ۚ يتولى امورنا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾ يمنعنا منهم وقد استجاب الله دعائهم فيسّر لبعضهم الخروج و بقى بعضهم الى ان فتحت مكة و ولّى صلى الله عليه وسلم عتاب بن اسيد فانصف مظلومهم من ظالمهم اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ الشيطان فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَاۗءَ الشَّيْطٰنِ ۚ انصار دينه تغلبوهم لقوتكم بالله اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ بالمؤمنين كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾ واهيا لا يقاوم كيد الله بالكافرين.

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے دشمنوں سے محتاط رہو یعنی ان سے احتیاطی تدابیر اختیار کرو اور ان سے بیدار مغز رہو پھر دشمن سے لڑنے کے لئے جماعتوں کی شکل میں یکے بعد دیگرے نکلو یا اجتماعی طور پر نکلو اور یقیناً تم میں بعض وہ بھی ہیں جو نکلنے میں پس و پیش کرتے ہیں، یعنی لڑائی سے پیچھے رہنے کی کوشش کرتے ہیں، جیسا کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی، اور اس کو مومن ظاہر کے اعتبار سے کہا گیا ہے، اور لام، فعل پر قسمیہ ہے، اور پھر اگر تم کو کوئی مصیبت (نقصان) پہنچتی ہے مثلاً قتل اور شکست تو کہتا ہے کہ مجھ پر اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ میں ان کے ساتھ (لڑائی) میں حاضر نہ ہوا ورنہ تو میں مصیبت میں پھنس جاتا، اور اگر تم کو اللہ کا فضل پہنچتا ہے جیسا کہ فتح اور مال غنیمت تو شرمندگی سے کہنے لگتا ہے گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی جان پہچان اور دوستی کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے (کَاَنْ) مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے، ای کَاَنَّهٗ، (تکن) یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور اس جملہ کا تعلق، قد انعم اللّٰہ عَلَیَّ، سے ہے اور یہ جملہ قول (یعنی، لَیَقُولَنَّ) اور مقولہ (یعنی یا لَیْتَنِی) کے درمیان جملہ معترضہ ہے کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کرتا یعنی مال غنیمت سے بڑا حصہ پاتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو لوگ دنیوی زندگی کو آخرت کے عوض فروخت کر چکے ہیں تو ان کو اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہیے اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پائے یا اپنے دشمن پر غالب آجائے تو ہم اس کو اجر عظیم عطا فرمائیں گے اور تمہیں کیا عذر ہے کہ استفہام توبیخی ہے یعنی جہاد سے تمہیں کوئی چیز مانع نہیں ہے تم اللہ کے راستہ میں اور ناتواں مردوں اور عورتوں اور بچوں کو چھڑانے میں جن کو کافروں نے ہجرت سے روک رکھا ہے اور ان کو اذیت پہنچاتے ہیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے فرمایا کہ میں اور میری والدہ بھی ان ہی میں تھے، جہاد نہیں کرتے جو دعاء کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو ہم کو اس بستی سے یعنی مکہ سے کہ جس کے باشندوں نے کفر کر کے ظلم کیا ہے نکال اور اپنے پاس سے ہمارا کوئی والی مقرر فرما جو ہمارے معاملات کی تولیت کرے اور ہمارے لئے اپنے پاس سے مددگار متعین فرما کہ ہم کو ان سے بچائے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول فرمائی کہ ان کے لئے (مکہ) سے نکلنا آسان فرما دیا، اور کچھ لوگ فتح مکہ تک مکہ میں رہ گئے، اور محمد ﷺ نے ان کا متولی عتاب بن اُسید کو بنا دیا جس نے مظلوموں کو ظالموں سے انصاف دلایا، جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو کافر ہیں سو وہ شیطان کے راستہ میں قتال کرتے ہیں لہٰذا تم شیطان کے دوستوں سے جہاد کرو یعنی شیطان کے دین کے مددگاروں سے جہاد کرو خداداد قوت کی وجہ سے تم ہی غالب رہو گے، یقین مانو مومنین کے ساتھ شیطان کا مکر نہایت بودا (کمزور) ہے کافروں کے ساتھ اللہ کی تدبیر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: حِذْرٌ، حاء کے کسرہ اور ذال کے سکون اور دونوں کے فتحہ کے ساتھ، احتیاط، بیدار مغزی، خطرناک چیز سے احتراز یقال اَخَذَ حذرہٗ اذا تیقظ واحترز من المخوف، اس میں استعارہ بالکنایہ ہے، حذر کو سلاح کے ساتھ دل ہی دل میں تشبیہ دی ہے مشبہ مذکور اور مشبہ بہ محذوف ہے (فارسی ترجمہ) اے مسلمانان بگیرید سلاح خود پس بیروں روید یعنی بقتال دشمنان گروہ در گروہ در جہات مختلف، یا سیر کنید برائے جہاد جمع شدہ با یکدگر۔

قولہ: ثُبَات جمع ثُبَة، دس سے زیادہ لوگوں کی جماعت۔

قولہ: يُبَطِّئَنَّ مضارع واحد مذکر غائب بانون تاکید ثقیلہ (تفعیل) تَبْطِيْئٌ، دیر لگانا، سستی کرنا، پیچھے رہنا، مادہ بطوءٌ۔

قولہ: واللام لِلقسم اس سے مراد لَيُبَطِّئَنَّ کا لام ہے، اور لَمَنْ، میں لام ابتدائیہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے، وَاِنَّ منكم لَمَنْ اقسم بالله لَيُبَطِّئَن۔

قولہ: فَاَصَابَ، اى اَصَابَنى ما اَصَابَهُم۔

سوال: لَيَقُولَنَّ، جزاء شرط ہے، اور قاعدہ ہے کہ جزاء جب فعل مضارع واقع ہو تو اس پر فاء لازم ہوتی ہے حالانکہ یہاں فاء نہیں ہے۔

جواب: لَئِنْ اَصَابَكُم، میں قسم اور شرط دونوں جمع ہیں اور قسم مقدم محذوف ہے، اور قاعدہ ہے کہ جب قسم اور شرط دونوں جمع ہو جائیں تو آنیوالا جملہ اول کی جزاء ہوتی ہے لہٰذا لَيَقُولَنَّ جواب قسم ہے نہ کہ جواب شرط۔

قولہ: نادماً، اى نادماً لفوات الغنيمة لا لِطَلَبِ الثواب۔

قولہ: وهٰذا رَاجِعٌ اِلٰى قَوْلِهِ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَىَّ الخ يَعْنِى كَاَنْ لَمْ يَكُنْ الخ کا تعلق باعتبار معنی کے سابق جملہ قد

انعم اللّٰہ عَلَیَّ سے ہے، تقدیر عبارت ہے، قال قد انعم اللّٰہ عَلَیَّ الخ کان لم یکن الخ پھر اس جملہ کو بطور جملہ معترضہ کے مؤخر کردیا۔

قِوْلَہٗ: لَیَقُوْلَنَّ قول ہے اور یالیتنی کنت معھم الخ مقولہ ہے اور کان لم یکن بینکم وبینہٗ مودۃ جملہ معترضہ ہے۔

قِوْلَہٗ: فَاَفُوْزَ، جواب تمنی کی وجہ سے منصوب ہے۔

تفسیر وتشریح

یٰایّھا الذین آمنوا خذوا حذرکم (الآیۃ) ان آیتوں کا مضمون پوری طرح سمجھنے کے لئے ان کا پس منظر سمجھنا ضروری ہے، غزوۂ احد میں مسلمانوں کو ابھی حال ہی میں عارضی شکست ہوئی تھی اس سے قدرۃً مشرکین کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں بڑھ گئی تھیں، آئے دن یہ خبریں آتی رہتی تھی کہ فلاں قبیلہ حملہ آور ہونے کی تیاری کررہا ہے، فلاں قبیلہ کے تیور بگڑے ہوئے ہیں، فلاں قبیلہ دشمنی پر آمادہ ہے، مسلمانوں کے ساتھ پے درپے غداریاں کی جارہی تھیں مسلمان مبلغین کو فریب سے دعوت دی جاتی تھی اور قتل کردیا جاتا تھا، مدینہ سے باہر مسلمانوں کے جان ومال کی سلامتی باقی نہیں رہی تھی غرضیکہ مسلمان ہر طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے تھے، ان حالات میں مسلمانوں کی طرف سے ایک زبردست سعی وجہد اور سخت جانفشانی کی ضرورت تھی، ایسے حالات میں مسلمانوں کو ثبات واستقامت کا یہ درس دیا جارہا ہے کہ اے ایمان والو مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہو، پھر جیسا موقع ہو الگ الگ دستوں کی شکل میں نکلو یا اکھٹے ہوکر۔

خذوا حذرکم، کا مفہوم بہت وسیع اور جامع ہے، ہر وہ چیز جو دشمن سے دفاع کے کام آسکے اس میں شامل ہے خواہ ہتھیار ہوں یا تدبیر۔ مطلب یہ کہ دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کیل کانٹے سے درست وآمادہ رہو، حِذْرَکم، ای مافیہ الحذر من السلاح وغیرہ. (راغب)

فائدہ عظیمہ:

یایھا الذین آمنوا خذوا حذرکم الخ اس آیت کے پہلے حصہ میں جہاد کرنے کے لئے اسلحہ کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرے حصہ میں اقدام علی الجہاد کا۔

وَاِنَّ منکم لَمَنْ لَیُبَطِّئَنَّ، یہ منافقین کا ذکر ہے جو جہاد میں جانے سے پس وپیش کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ پیچھے رہ جائیں، زمانۂ نبوت میں منافقین کا ایک مستقل کام یہ تھا کہ نہ صرف یہ کہ خود جہاد میں شریک ہونے سے پس وپیش کرتے تھے بلکہ دوسروں کو روکنے کے لئے ہمت شکنی کا کام کرتے تھے، چنانچہ جنگ احد میں ان کی یہ حرکت بالکل بے نقاب ہوچکی تھی، آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں کہ جہاں مسلمانوں کے لئے کوئی ایسا موقع ہوتا ہے تو وہ اعلاء کلمۃ اللہ کے راستہ کا سنگ گراں ثابت

ہوتے ہیں، چنانچہ تقریباً دو سو برسوں سے دیکھا جارہا ہے کہ جب بھی کوئی تحریک اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اٹھی ہے اسے سب سے پہلے ان پتھروں ہی سے سابقہ پڑتا ہے۔

وَلَئِنْ اَصَابَکُمْ فضل الخ اس آیت میں منافقین کے قلبی اضطراب کا ذکر ہے، یعنی اگر مسلمانوں کو کوئی مصیبت پیش آجائے منافق کہتے ہیں کہ مجھ پر خدا کا احسان وانعام ہے کہ میں ان کے ساتھ بروقت موجود نہ تھا ورنہ میں بھی مارا جاتا، اور میرا بھی وہی حال ہوتا جو ان کا ہوا، یہ ایک بدترین جذبہ ہے کہ ایک انسان خود کو ایک جماعت کا فرد بھی تسلیم کرے اور اس پر مصیبت پڑے تو اپنی سلامتی پر یوں خوش بھی ہو۔

اور اگر مسلمانوں کو اللہ کا فضل یعنی مالِ غنیمت حاصل ہو تو حسرت و پشیمانی کا اظہار کرے کہ جس سے معلوم ہو کہ مال و دولت ہی سب کچھ ہے اور اسی کی خاطر ربط و تعلق ہے اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں مصیبت سے دامن بچانا اور دولت کے ساتھ ہو لینا یہ ہر دور کے منافقوں کی عادت رہی ہے یہ اتنی واضح علامت ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور علامت کی ضرورت ہی نہیں۔

وَمَا لکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰہ (الآیۃ) ظالموں کی بستی سے مراد (نزول کے اعتبار سے) مکہ ہے ہجرت کے بعد وہاں باقی رہ جانے والے مسلمان خاص طور پر بوڑھے مرد عورتیں اور بچے، کافروں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر اللہ کی بارگاہ میں مدد کی دعا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ تم ان کمزور مسلمانوں کو کفار سے نجات دلانے کیلئے جہاد کیوں نہیں کرتے؟ اس سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ جس علاقہ میں مسلمان اس طرح ظلم و ستم کا شکار اور نرغۂ کفار میں گھرے ہوں تو دوسرے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کو کافروں کے ظلم و ستم سے بچانے کیلئے جہاد کریں، یہ جہاد کی دوسری قسم ہے پہلی قسم اعلاء کلمۃ اللہ یعنی دین کی نشر و اشاعت کے لئے تھی۔

الذین آمنوا یقاتلون فی سبیل اللّٰہ (الآیۃ) جنگ کی ضرورت مومن اور کافر دونوں کو پیش آتی ہے لیکن دونوں کے مقصدِ جنگ میں عظیم فرق ہے، مومن اللہ کے لئے لڑتا ہے محض دنیا طلبی یا ہوس ملک گیری کے لئے نہیں جبکہ کافر کا مقصد یہی ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ عن قتالِ الكُفَّارِ لَمَّا طَلَبُوْهُ بمكّة لاذى الكُفّار لهم وهُمْ جماعةٌ من الصَّحابةِ **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ** فُرِضَ **عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ** يخافُونَ **النَّاسَ** الكُفّارَ اي عذابَهُم بالقتلِ **كَخَشْيَةِ** هم عذابَ **اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً** من خشيتِهِم لهُ و نَصْبُ اشدَّ على الحالِ و جوابُ لَمَّا دلَّ عليه اِذا وما بعدَها اي فاجاَتْهُمُ الخشيةُ **وَقَالُوْا** جزعًا من الموتِ **رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ** هلّا **اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ قُلْ** لهم **مَتَاعُ الدُّنْيَا** ما يُتَمَتَّعُ به فيها او الاستمتاعُ بها **قَلِيْلٌ** آئِلٌ الى الفناءِ **وَالْاٰخِرَةُ** اي الجنّةُ **خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى** عذابَ اللهِ بتركِ معصيتِه **وَلَا تُظْلَمُوْنَ** بالتاءِ والياءِ تُنْقَصُوْنَ من اعمالِكُم **فَتِيْلًا** ﴿۷۷﴾ قدرَ قشرةِ النّواةِ فجاهِدُوا **اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ**

وَلَوْ كُنْتُمْ فِىْ بُرُوْجٍ حُصُوْنٍ **مُّشَيَّدَةٍ** مُرْتَفِعَةٍ فَلَا تَخْشَوُا الْقِتَالَ خَوْفَ الْمَوْتِ **وَاِنْ تُصِبْهُمْ** اَىِ الْيَهُوْدَ **حَسَنَةٌ** خِصْبٌ وَسَعَةٌ **يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ** جَدْبٌ وَبَلَاءٌ كَمَا حَصَلَ لَهُمْ عِنْدَ قُدُوْمِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم الْمَدِيْنَةَ **يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ** يَا مُحَمَّدُ اَىْ بِشُؤْمِكَ **قُلْ** لَهُمْ **كُلٌّ** مِنَ الْحَسَنَةِ وَالسَّيِّئَةِ **مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ** مِنْ قِبَلِهٖ **فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ** اَىْ لَا يُقَارِبُوْنَ اَنْ يَّفْهَمُوْا **حَدِيْثًا** ﴿٧٨﴾ يُلْقٰى اِلَيْهِمْ وَمَا اسْتِفْهَامُ تَعَجُّبٍ مِنْ فَرْطِ جَهْلِهِمْ وَنَفْىُ مُقَارَبَةِ الْفِعْلِ اَشَدُّ مِنْ نَفْيِهٖ **مَآ اَصَابَكَ** اَيُّهَا الْاِنْسَانُ **مِنْ حَسَنَةٍ** خَيْرٍ **فَمِنَ اللّٰهِ** اَتَتْكَ فَضْلًا مِنْهُ **وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ** بَلِيَّةٍ **فَمِنْ نَّفْسِكَ** اَتَتْكَ حَيْثُ ارْتَكَبْتَ مَا يَسْتَوْجِبُهَا مِنَ الذُّنُوْبِ **وَاَرْسَلْنٰكَ** يَا مُحَمَّدُ **لِلنَّاسِ رَسُوْلًا** حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا** ﴿٧٩﴾ عَلٰى رِسَالَتِكَ **مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى** اَعْرَضَ عَنْ طَاعَتِهٖ فَلَا يُهِمَّنَّكَ **فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا** ﴿٨٠﴾ حَافِظًا لِاَعْمَالِهِمْ بَلْ نَذِيْرًا وَاِلَيْنَا اَمْرُهُمْ فَنُجَازِيْهِمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **وَيَقُوْلُوْنَ** اَىِ الْمُنَافِقُوْنَ اِذَا جَآءَكَ اَمْرُنَا **طَاعَةٌ** لَكَ **فَاِذَا بَرَزُوْا** خَرَجُوْا **مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ** بِاِدْغَامِ التَّآءِ فِى الطَّآءِ وَتَرْكِهٖ اَىْ اَضْمَرَتْ **غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ** لَكَ فِىْ حُضُوْرِكَ مِنَ الطَّاعَةِ اَىْ عِصْيَانَكَ **وَاللّٰهُ يَكْتُبُ** يَاْمُرُ بِكَتْبِ **مَا يُبَيِّتُوْنَ** فِىْ صَحَآئِفِهِمْ لِيُجَازَوْا عَلَيْهِ **فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ** بِالصَّفْحِ **وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** ثِقْ بِهٖ فَاِنَّهٗ كَافِيْكَ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا** ﴿٨١﴾ مُفَوَّضًا اِلَيْهِ **اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ** يَتَاَمَّلُوْنَ **الْقُرْاٰنَ** وَمَا فِيْهِ مِنَ الْمَعَانِى الْبَدِيْعَةِ **وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا** ﴿٨٢﴾ تَنَاقُضًا فِىْ مَعَانِيْهِ وَتَبَايُنًا فِىْ نَظْمِهٖ **وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ** عَنْ سَرَايَا النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم مِمَّا حَصَلَ لَهُمْ **مِّنَ الْاَمْنِ** بِالنَّصْرِ **اَوِ الْخَوْفِ** بِالْهَزِيْمَةِ **اَذَاعُوْا بِهٖ** اَفْشَوْهُ نَزَلَ فِىْ جَمَاعَةٍ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ اَوْ ضُعَفَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ فَتَضْعُفُ قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَيَتَاَذَّى النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم **وَلَوْ رَدُّوْهُ** اَىِ الْخَبَرَ **اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ** اَىْ ذَوِى الرَّاْىِ مِنْ اَكَابِرِ الصَّحَابَةِ اَىْ لَوْ سَكَتُوْا عَنْهُ حَتّٰى يُخْبَرُوْا بِهٖ **لَعَلِمَهُ** هَلْ هُوَ مِمَّا يَنْبَغِىْ اَنْ يُّذَاعَ اَوْ لَا **الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ** يَتَتَبَّعُوْنَهٗ وَيَطْلُبُوْنَ عِلْمَهٗ وَهُمُ الْمُذِيْعُوْنَ **مِنْهُمْ** مِنَ الرَّسُوْلِ وَاُولِى الْاَمْرِ **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** بِالْاِسْلَامِ **وَرَحْمَتُهٗ** لَكُمْ بِالْقُرْاٰنِ **لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ** فِيْمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ مِنَ الْفَوَاحِشِ **اِلَّا قَلِيْلًا** ﴿٨٣﴾ **فَقَاتِلْ** يَا مُحَمَّدُ **فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ** فَلَا تَهْتَمَّ بِتَخَلُّفِهِمْ عَنْكَ الْمَعْنٰى قَاتِلْ وَلَوْ وَحْدَكَ فَاِنَّكَ مَوْعُوْدٌ بِالنَّصْرِ **وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ** حُثَّهُمْ عَلَى الْقِتَالِ وَرَغِّبْهُمْ فِيْهِ **عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ** حَرْبِ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا** مِنْهُمْ **وَاَشَدُّ تَنْكِيْلًا** ﴿٨٤﴾ تَعْذِيْبًا مِنْهُمْ فَقَالَ صلى الله عليه وسلم وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَاَخْرُجَنَّ وَلَوْ وَحْدِىْ فَخَرَجَ بِسَبْعِيْنَ رَاكِبًا اِلٰى بَدْرِ الصُّغْرٰى فَكَفَّ اللّٰهُ بَاْسَ الْكُفَّارِ بِاِلْقَآءِ الرُّعْبِ فِىْ قُلُوْبِهِمْ وَمَنْعِ اَبِىْ سُفْيَانَ عَنِ الْخُرُوْجِ كَمَا تَقَدَّمَ فِىْ اٰلِ عِمْرَانَ **مَنْ يَّشْفَعْ** بَيْنَ النَّاسِ **شَفَاعَةً حَسَنَةً** مُوَافِقَةً

لِلشَّرْعِ **يَكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ** مِنَ الْاَجْرِ **مِّنْهَا** بِسَبَبِهَا **وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً** مُخَالِفَةً لَهُ **يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ** نَصِيْبٌ مِنَ الْوِزْرِ **مِّنْهَا** بِسَبَبِهَا **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا**۝ مُقْتَدِرًا فَيُجَازِيْ كُلَّ اَحَدٍ بِمَا عَمِلَ **وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ** كَاَنْ قِيْلَ لَكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ **فَحَيُّوْا** الْمُحَيِّيَ **بِاَحْسَنَ مِنْهَآ** بِاَنْ تَقُوْلُوْا لَهُ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ **اَوْ رُدُّوْهَا** بِاَنْ تَقُوْلُوْا كَمَا قَالَ اَيِ الْوَاجِبُ اَحَدُهُمَا وَالْاَوَّلُ اَفْضَلُ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا**۝ مُحَاسِبًا فَيُجَازِيْ عَلَيْهِ وَمِنْهُ رَدُّ السَّلَامِ وَخَصَّتِ السُّنَّةُ الْكَافِرَ وَالْمُبْتَدِعَ وَالْفَاسِقَ وَالْمُسْلِّمَ عَلٰى قَاضِي الْحَاجَةِ وَمَنْ فِي الْحَمَّامِ وَالْاٰكِلَ فَلَا يَجِبُ الرَّدُّ عَلَيْهِمْ بَلْ يُكْرَهُ فِيْ غَيْرِ الْاَخِيْرِ وَيُقَالُ لِلْكَافِرِ وَعَلَيْكَ **اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** وَاللّٰهِ **لَيَجْمَعَنَّكُمْ** مِنْ قُبُوْرِكُمْ **اِلٰى** فِيْ **يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهِ وَمَنْ** اَيْ لَا اَحَدَ **اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا**۝ قَوْلًا.

ترجمہ: کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جنہیں حکم دیا گیا کہ کافروں کے ساتھ قتال سے ہاتھ روکے رکھو، جبکہ انہوں نے مکہ میں کفار کی ایذا رسانی کی وجہ سے جہاد کا مطالبہ کیا، اور وہ صحابہ کی ایک جماعت تھی اور نماز پڑھتے رہو اور زکوۃ ادا کرتے رہو، پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو اسی وقت ایک جماعت ان میں سے کافروں سے ڈرنے لگی، یعنی قتل کے ذریعہ ان کے عذاب سے جیسا کہ وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں بلکہ اس کے خوف سے بھی بڑھکر اور اشدَّ، کا نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے اور 'لَمَّا' کے جواب پر اذا اور اس کا مابعد دلالت کر رہا ہے، یعنی ان کو اچانک خوف لاحق ہو گیا، اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا؟ کیوں نہ ہم کو تھوڑی سی زندگی اور جینے دی؟ آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کی سود مندی (یعنی) سامان عیش جس سے تم نفع اندوز ہوتے ہو یا نفع اندوز ہونا، تو بہت کم ہے (یعنی) اس کا انجام فنا ہے اور ترک معصیت کرکے اللہ کے عذاب سے ڈرنے والوں کیلئے آخرت یعنی جنت بہتر ہے اور تمہارے اعمال (حسنہ) میں کمی کرکے ایک دھاگے یعنی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی ظلم نہ کیا جائیگا تم جہاں کہیں بھی ہو گے گو تم مضبوط اونچے قلعوں میں ہو موت تم کو آ پکڑے گی لہٰذا موت کے خوف سے جہاد سے مت ڈرو، اور اگر یہودیوں کو کوئی بھلائی (مثلاً) شادابی اور خوشحالی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انھیں کوئی برائی (مثلاً) خشک سالی اور مصیبت پہنچتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ کے مدینہ آمد کے وقت (خشک سالی) لاحق ہوئی تھی، تو کہتے ہیں اے محمد یہ تیری یعنی تیری نحوست کی وجہ سے ہے آپ ان سے کہہ دو یہ سب خواہ بھلائی یا برائی سب اللہ کی طرف سے ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ کوئی بات جو ان کو بتائی جائے سمجھنے کے قریب بھی نہیں ہیں اور 'ما' استفہام تعجبی کے لئے ہے، ان کی کثرت جہالت سے، قرب فعل کی نفی (نفس) فعل کی نفی سے شدید تر ہوتی ہے اے انسان جو بھی خیر تجھکو پہنچتی ہے سو وہ اللہ کی طرف سے ہے یعنی اس کے فضل سے ہے اور جو مصیبت تجھ کو پہنچتی ہے تو وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے اس طریقہ پر کہ تو گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے جو موجبات مصائب میں سے ہے، اور اے محمد ہم نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے

رسولاً، حال مؤکدہ ہے اور تیری رسالت پر اللہ کی شہادت کافی ہے جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے آپ کی اطاعت سے اعراض کیا تو آپ رنجیدہ نہ ہوں اس لئے کہ ہم نے آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا، یعنی ان کے اعمال کا نگران، بلکہ ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور ان کا معاملہ ہماری ہی طرف لوٹنے والا ہے، لہٰذا ہم ان کو جزاء دیں گے، اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے، منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کی فرمانبرداری ہے مگر جب آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں (بَیَّتَ طَآئِفَۃٌ) میں تاء کو طاء میں ادغام کر کے اور بغیر ادغام کے، تو ان میں کی ایک جماعت رات کو اس کے خلاف مشورہ کرتی ہے جو آپ کے حضور طاعت کی بات کرتی ہے یعنی آپ کی نافرمانی کا مشورہ کرتی ہے اور اللہ ان کے اعمال ناموں میں لکھوالیتا ہے جو یہ راتوں کو مشورہ کرتے ہیں۔

نَوٹ: بَیَّتَ، کی تفسیر اَضْمَرَتْ سے تسامح ہے، اسلئے کہ عصیان و نافرمانی کا تعلق آپ کے پاس سے نکلنے سے متعلق نہیں تھا بلکہ مجلس میں موجودگی کی صورت میں بھی عصیان و نافرمانی ان کے دلوں میں ہوتی تھی، لہٰذا بیّت کی تفسیر رات کو مشورہ کرنا انسب ہے۔ سو آپ ان سے درگزر کر کے منہ پھیرلیں اور اللہ پر بھروسہ کریں، اسلئے کہ وہ آپ کے لئے کافی ہے، اللہ کارسازی کیلئے کافی ہے کیا یہ لوگ قرآن میں اور اس کے معانی میں غور نہیں کرتے جو اس میں موجود ہیں اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے، یعنی اس کے معانی میں تناقض اور نظم میں تباین پاتے جہاں ان کے پاس کوئی بات آپ ﷺ کے سرایا کی پہنچی جو ان کو آئی خواہ نصرت کی ہو یا ہزیمت کی تو اس کو شہرت دینا شروع کر دیتے ہیں (یہ آیت) منافقین کی ایک جماعت یا کمزور ایمان والے مومنوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ایسا کرتے تھے، اور اگر یہ لوگ رسول کو اور صحابہ میں سے ذمہ دار اکابر صحابہ کو پہنچا دیتے یعنی اگر یہ لوگ سکوت اختیار کرتے تا آنکہ ان کو اس معاملہ کی خبر دیدی جاتی، تو یہ لوگ جو اس خبر کی تحقیق کے درپے ہیں اور اس خبر کی جانکاری حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ وہی شہرت دینے والے لوگ ہیں تو اس بات کو جان لیتے کہ یہ خبر شہرت دینے کے لائق ہے یا نہیں، اور اگر اسلام کے ذریعہ تم پر اللہ کا فضل اور قرآن کے ذریعہ تم پر اس کی رحمت نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم بے حیائی کی باتوں میں جن کا تم کو شیطان حکم کرتا ہے شیطان کے پیرو بن جاتے اے محمد تو خدا کی راہ میں جہاد کرتا رہ تجھ کو صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے لہٰذا آپ سے ان کے پیچھے رہ جانے پر آپ رنجیدہ نہ ہوں، مطلب یہ کہ تم جہاد کرو اگر چہ تم تنہا ہو اس لئے کہ نصرت کا وعدہ آپ سے ہے، اور ایمان والوں کو رغبت دلاتے رہئے یعنی مومنوں کو جہاد پر آمادہ کرتے رہئے اور ان کو رغبت دلاتے رہیے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے اور اللہ تعالیٰ ان سے باعتبار صولت کے اور باعتبار عذاب کے ان سے شدید تر ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں ضرور (جہاد کیلئے) نکلوں گا اگر چہ میں اکیلا ہی کیوں نہ ہوں، چنانچہ آپ ﷺ (صرف) ستر (۷۰) سواروں کے ساتھ بدر صغریٰ کی جانب نکل پڑے تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے حملہ کو ان کے دلوں میں رعب ڈال کر روک دیا، اور ابوسفیان کو (جنگ کے لئے) نکلنے سے روک کر، جیسا کہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے، جو شخص لوگوں کے

درمیان شریعت کے مطابق بھلائی کی سفارش کرے تو اس کو بھی اس کی وجہ سے اجر کا حصہ ملے گا، اور جو شخص شریعت کے خلاف برائی کی سفارش کرے گا تو اس کو اس سفارش کی وجہ سے گناہ کا ایک حصہ ملے گا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے لہٰذا ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا، اور جب تم کو سلام کیا جائے مثلاً تم سے کہا جائے سلامٌ علیکم، تو تم سلام کرنے والے کو اس کے سلام سے اچھا جواب دو اس طریقہ پر کہ تم اس سے کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، یا ان ہی الفاظ کو لوٹا دو، اس طریقہ پر کہ جیسا اس نے کہا ہے تم بھی ویسا ہی کہدو، یعنی ان میں سے ایک واجب ہے، مگر پہلا افضل ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والے ہیں، لہٰذا ہر (عمل) کی جزاء دے گا، اور ان ہی میں سے سلام کا جواب دینا بھی ہے، اور شریعت نے مستثنیٰ کردیا ہے کافر کو اور بدعتی کو اور قضائے حاجت کرنیوالے پر سلام کرنے والے کو اور اس شخص پر جو حمام میں ہو اور کھانے والے پر کہ ان کو سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے بلکہ اخیر کے علاوہ میں مکروہ ہے اور کافر کے جواب میں کہا جائیگا وعلیك (یعنی تجھ پر بھی) اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تم کو یقیناً تمہاری قبروں سے قیامت کے دن جمع کرے گا اس میں کوئی شک نہیں، اور اللہ سے زیادہ سچی بات والا کون ہوگا؟ کوئی نہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مِنْ خَشْيَتِهِمْ الخ اس میں اشارہ ہے کہ اس کا عطف کخشية الله پر ہے۔

قولہ: ونصبٌ على الحال یعنی کخشية الله سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یہ ہے یخشون الناسَ مثلَ خَشْيَةِ اللّٰه.

قولہ: أوْ أشدَّ خَشْيَةً بھی حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اسلئے کہ اس کا عطف کخشيةِ اللّٰه پر ہے، اس میں ان لوگوں کے قول کی تردید ہے جو کہتے ہیں خشية الله مصدریہ کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: جوابُ لَمَّا دَلَّ عليه إذا، مناسب یہ تھا کہ مفسر علّام وجواب لمّا إذا وما بعدها، فرماتے۔

قولہ: إذا فريقٌ مِّنْهُمْ، میں إذا مفاجاتیہ قائم مقام فاء ہے فَلَمَّا كُتِبَ، لَمَّا کا جواب ہے۔

قولہ: جَزَعاً مِنَ الْمَوْتِ، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لِمَ كَتَبْتَ علينا القتال، بطور اعتراض نہیں تھا بلکہ موت سے خوف طبعی کی وجہ سے تھا اسلئے کہ قائلین خیار صحابہ تھے۔

قولہ: ما يُتَمَتَّعُ به، اس میں اشارہ ہے کہ متاع مصدر بمعنی مفعول ہے۔

قولہ: او الإستِمْتَاعُ بها اس میں اشارہ ہے کہ مَتَاعٌ سے معنی مصدری مراد ہو سکتے ہیں۔

قولہ: بها، اى بعين المتاع.

قولہ: بَيَّتَ طَائِفَةٌ، بيّت کا فاعل طائفة ہے، طائفة چونکہ مؤنث غیر حقیقی ہے جس کے لئے فعل کا مذکر اور مؤنث دونوں

لانا جائز ہے، مفسر علام نے، بَيَّتَ، کی تفسیر اضمرت سے کی ہے، اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ منافقین جب آپ کے پاس سے باہر آتے تھے تو آپ کے قول کے برخلاف دل میں پوشیدہ رکھتے تھے حالانکہ یہ مفہوم مناسب نہیں اسلئے کہ آپ کے قول کے برخلاف تو ان کے دلوں میں اس وقت بھی مضمر ہوتا تھا جبکہ وہ آپ کی مجلس میں ہوتے تھے اسلئے کہ منافقین مجلس ہی میں سمعنا وعصینا کہا کرتے تھے، مفسر علام اگر بیّتَ کی تفسیر تدبیر الامر لیلاً سے کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا اسلئے کہ منافقین رات کو آپ کے خلاف خفیہ تدبیریں کرتے تھے۔

قَوْلُہٗ: اَلْمُذِیْعُوْنَ افواہ پھیلانیوالے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ مکہ میں ہجرت سے پہلے کافر مسلمانوں کو بہت ستایا کرتے تھے کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا کہ ایک نہ ایک مسلمان مشرکوں کے دست ستم سے زخم خوردہ ہوکر نہ آتا ہو، مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اس وقت مسلمانوں کی تعداد مکہ میں اچھی خاصی ہو چکی تھی، مسلمان سوچنے پر مجبور ہوئے کہ آخر کب تک ہم اسی طرح ظلم کی چکی میں پستے رہیں گے؟ مسلمانوں کی ایک جماعت جس میں عبدالرحمٰن بن عوف اور دیگر چند اصحاب شامل تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا نبی اللہ جب ہم مشرک تھے تو باعزت تھے اور اب جبکہ ہم مسلمان ہو گئے تو ذلیل ہو گئے، تو آپ نے فرمایا، مجھے درگذر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا تم قوم سے مقابلہ نہ کرو، (حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نسائی وابن جریر وابن ابی حاتم وغیرہ نے نقل کیا ہے)۔

ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو جہاد کا حکم ہوا تو ان کو خوش ہونا چاہئے تھا کہ ہماری دیرینہ خواہش پوری ہوئی اور بارگاہ ایزدی میں ہماری دعاء شرف قبولیت کو پہنچی، مگر بعض ضعیف الایمان مسلمان کافروں کے مقابلہ سے ایسے خوف زدہ ہونے لگے جیسا کہ اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے، اور سوچنے لگے کہ کاش تھوڑی مدت اور قتال کا حکم نہ آتا، اس پر مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ظاہر بات ہے کہ مسلمانوں کی جہاد سے مہلت کی تمنا درحقیقت کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ یہ ایک طبعی اور فطری بات تھی، دوسری بات یہ تھی کہ جب یہ مسلمان مکہ میں تھے تو مشرکوں کی ایذاؤں سے تنگ آکر جہاد کے حکم کی تمنا کر رہے تھے، گویا کہ تنگ آمد بجنگ آمد، کا مصداق تھے، لیکن جب مدینہ میں آکر قدرے سکون نصیب ہوا، ایسی صورت میں جب قتال کا حکم نازل ہوا تو سابق جذبہ کم ہو چکا تھا۔

بعض مفسرین کے نزدیک آیت کا تعلق مخلص مسلمانوں سے نہیں بلکہ منافقین سے ہے اس صورت میں کسی قسم کا اشکال نہیں۔
(فتح القدیر، تفسیر کبیر، معارف)

اَیْنَ ما تکونوا یُدْرِککم الموتُ، مذکورہ ضعیف الایمان لوگوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ ایک تو یہ دنیا اور اس کا آرام وراحت فانی اور عارضی ہے جس کے لئے تم مہلت طلب کررہے ہو، اس کے مقابلہ میں آخرت بہت بہتر اور پائیدار ہے جس کے اطاعت الٰہی کے صلہ میں تم سزاوار ہوگے، دوسرے یہ کہ جہاد کرو یا نہ کرو موت تو اپنے وقت پر آکر رہے گی چاہے تم مضبوط قلعوں میں بند ہوکر ہی کیوں نہ بیٹھ جاؤ، پھر جہاد سے گریز کا کیا فائدہ؟

ویقولون طاعة، فَاِذَا بَرَزُوا مِنْ عندك بَیَّتَ طائفة منهم، (الآیة) اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو دورخی پالیسی رکھتے ہیں زبان سے کچھ کہتے ہیں اور دل میں کچھ ہوتا ہے۔

اس نفاق و بد باطنی کا کیا ٹھکانہ کہ رسول اللہ ﷺ کے روبرو تو اطاعت و تسلیم کا دم بھرتے ہیں اور ہر طرح یقین دلاتے ہیں کہ ہم سے بڑھکر آپ کا کوئی مطیع نہیں، مگر آپ کے پاس سے جانے کے بعد رات کو آپ کے خلاف مشورہ کرتے ہیں جسے قدرت کی آنکھ دیکھتی ہے اور ان کے رازدارانہ مشوروں کو سنتی ہے۔

لہٰذا آپ ان کی طرف سے توجہ ہٹا لیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے، نہ ان کی اصلاح ممکن ہے اور نہ ان کی راتوں کو رازدارانہ سازشیں اسلام کو کوئی نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

اَفَلَا یتدبرون القرآن، اسلام کی بلند عمارت دو ستونوں پر قائم ہے ایک ذات پیغمبر اور دوسرا قرآن حکیم، یہ منافقین پیغمبر کی ذات گرامی سے منہ موڑتے ہیں ساتھ ہی قرآن سے بھی برگشتہ ہیں، اگر یہ لوگ ایک لمحہ کے لئے قرآن پاک پر غور کرتے تو ان پر یہ بات واضح ہو جاتی کہ قرآن خدائی کلام ہے۔

شانِ نزول:

وَاِذا جَاءَ هم امر من الامن او الخوف اذاعوا به، یہ آیت اس ہنگامی دور میں نازل ہوئی جبکہ ہر طرف افواہیں اڑ رہی تھیں۔ کبھی خطرہ بے بنیاد کی مبالغہ آمیز اطلاعیں آتیں جن سے مسلمانوں میں افسردگی پھیلنے اور ان کے حوصلے پست ہونیکا امکان ہوتا اور بعض دفعہ مسلمانوں کی کامیابی اور دشمن کی ناکامی کی خبریں آتیں جس کے نتیجے میں بعض دفعہ ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی پیدا ہو جاتی جو نقصان کا باعث بن سکتی تھی، مذکورہ آیت میں بعض کمزور اور جلد باز اور افواہ پھیلانے والے کی اصلاح کی خاطر سرزنش کرتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ افواہیں پھیلانے سے باز رہیں اور عام لوگوں میں افواہیں پھیلانے کے بجائے رسول اللہ ﷺ اور ذمہ داروں کے پاس پہنچا دیا کریں تاکہ وہ یہ دیکھ سکیں کہ یہ خبریں صحیح ہیں یا غلط۔

علامہ ابن کثیر نے فرمایا کہ اس آیت کے شان نزول میں حضرت عمر بن خطاب کی حدیث کو ذکر کرنا مناسب ہے وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سنکر اپنے گھر سے مسجد نبوی کی طرف آئے جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسجد کے اندر بھی یہی چرچا ہو رہا ہے، یہ دیکھ کر حضرت عمر نے سوچا کہ اس خبر کی تصدیق کرنی چاہئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دیدی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں یہ تحقیق کرنے کے بعد مسجد میں گیا اور دروازے پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی جو آپ لوگ کہہ رہے ہو غلط ہے، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

افواہیں پھیلانا گناہ اور بڑا فتنہ ہے:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان نہیں کرنا چاہئے چنانچہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ”كَفىٰ بالمرْءِ كَذِبًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ“ یعنی انسان کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے بیان کردے۔

وَاِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِاَحْسَنَ مِنْهَا، تحيَّة، اصل میں تَحْيِيَة بروزن تَفْعِلَة، یاء کو یاء میں ادغام کردیا تحِيَّة ہوگیا، اس کے معنی ہیں درازی عمر کی دعاء کرنا یہاں سلام کرنے کے معنی میں ہے سلام کا اچھا جواب دینے کی تفسیر حدیث میں اسطرح تو آئی ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں ورحمۃ اللہ کا اضافہ اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے جواب میں وبرکاتہ کا اضافہ کردیا جائے لیکن اگر کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو پھر اضافہ کے بغیر انہی الفاظ میں جواب دیا جائے۔

قبل از اسلام سلام کا طریقہ:

اسلام سے پہلے عرب کی عام عادت یہ تھی کہ ملاقات کے وقت آپس میں حیاک اللہ یا انعم اللہ بک عینا یا انعم صباحاً وغیرہ الفاظ کہتے تھے اسلام نے سلام کے اس طریقہ کو بدل کر السلام علیکم کا طریقہ جاری کیا، جس کے معنی ہیں تم تکلیف اور رنج اور مصیبت سے سلامت رہو۔

اسلامی سلام تمام دیگر قوموں کے سلام سے بہتر ہے:

دنیا کی ہر مہذب قوم میں اس کا رواج ہے کہ ملاقات کے وقت کوئی نہ کوئی کلمہ اظہار محبت اور موانست کے لئے کہیں، لیکن اگر موازنہ کرکے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی سلام جتنا جامع ہے کوئی دوسرا سلام نہیں، کیونکہ اس میں صرف اظہار محبت ہی

نہیں بلکہ ادائے حق محبت بھی ہے کہ اللہ سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ اللہ آپ کو تمام آفات وبلیات سے سلامت رکھے۔

ولَمّا رَجَعَ نَاسٌ من أُحُدٍ اِخْتَلَفَ النَّاسُ فيهم فقال فريقٌ اُقْتُلْهُمْ قال فريقٌ لا، فنزل **فَمَا لَكُمْ** اى ما شَأْنُكُمْ صِرْتُمْ **فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ** رَدَّهُمْ **بِمَا كَسَبُوْا** مِن الكُفْرِ والمَعَاصِي **اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ** اى تَعُدُّوْهُمْ من جُمْلَةِ المُهْتَدِيْنَ والاستفهامُ في المَوْضِعَيْنِ لِلْانْكَارِ **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا** ﴿٨٨﴾ طَرِيْقًا إلى الهُدَى **وَدُّوْا** تَمَنَّوْا **لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ** انتم وهم **سَوَآءً** في الكُفْرِ **فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ** تُوَالُوْنَهُمْ وإنْ أظْهَرُوا الإيمانَ **حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** هِجْرَةً صَحِيْحَةً تُحَقِّقُ إيمانَهُمْ **فَاِنْ تَوَلَّوْا** او اقَامُوْا على مَا هُمْ عَلَيْهِ **فَخُذُوْهُمْ** بالأسْرِ **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا** تُوَالُوْنَهُ **وَّلَا نَصِيْرًا** ﴿٨٩﴾ تَنْتَصِرُوْنَ به على عَدُوِّكُمْ **اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ** يَلْجَأُوْنَ **اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ** عَهْدٌ بالأمَانِ لَهُمْ ولِمَنْ وَصَلَ اِلَيْهِمْ كما عَاهَدَ النبي صلى الله عليه وسلم هِلَالَ بْنَ عُوَيْمِرٍ الأسْلَمِيَّ **اَوْ** الذين **جَآءُوْكُمْ** وقد **حَصِرَتْ** ضَاقَتْ **صُدُوْرُهُمْ** عن **اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ** مع قَوْمِهِمْ **اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ** معكم اى مُمْسِكِيْنَ عن قِتَالِكُمْ وقِتَالِهِمْ فلا تَتَعَرَّضُوْا اِلَيْهِمْ بِأخْذٍ ولا قَتْلٍ وهذا وما بَعْدَهُ مَنْسُوْخٌ بآيةِ السَّيْفِ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ** تَسْلِيْطَهُمْ عليكم **لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ** بأنْ يُقَوِّيَ قُلُوْبَهُمْ **فَلَقٰتَلُوْكُمْ** ولكنّه لم يَشَأْهُ فألْقَى في قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ **فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ** الصُّلْحَ اى انْقَادُوْا **فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا** ﴿٩٠﴾ طَرِيْقًا بالأخْذِ او القَتْلِ **سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ** بإظْهارِ الإيمانِ عِنْدَكُمْ **وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ** بالكُفْرِ إذا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ وهم أسَدٌ و غَطَفَانُ **كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ** دُعُوْا إلى الشِّرْكِ **اُرْكِسُوْا فِيْهَا** وَقَعُوْا أشَدَّ وُقُوْعٍ **فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ** بتَرْكِ قِتَالِكُمْ وَ لم **يُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَ** لم **يَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ** عنكم **فَخُذُوْهُمْ** بالأسْرِ **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ** وَجَدْتُمُوْهُمْ **وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا** ﴿٩١﴾ بُرْهَانًا بَيِّنًا ظَاهِرًا على قَتْلِهِمْ و سَبْيِهِمْ لِغَدْرِهِمْ.

ترجمہ: اور جب لوگ اُحُد سے لوٹے تو لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا، ایک فریق نے کہا ان کو قتل کرو اور دوسرے فریق نے کہا مت قتل کرو، تو یہ آیت نازل ہوئی، (فمـا لـكـم) تمہارا کیا حال ہے کہ تم منافقین کے بارے میں دو جماعت ہو گئے اللہ نے ان کو ان کے کفر و معاصی کی بدولت واپس پھیر دیا کیا تم چاہتے ہو کہ جن کو اللہ نے گمراہ کر دیا تم راہ راست پر لے آؤ یعنی تم ان کو من جملہ ہدایت یافتہ لوگوں میں شمار کرتے ہو، استفہام دونوں جگہ انکاری ہے، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے تو ہرگز ہدایت کا راستہ نہ پائیگا یہ لوگ تو دل سے چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جس طرح یہ لوگ کفر کر رہے ہیں تاکہ وہ اور تم کفر میں برابر ہو جاؤ سو تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بنانا کہ ان سے دوستی کرنے لگو، اگرچہ وہ ایمان کا اظہار کریں،

جب تک کہ اللہ تعالی کے راستہ میں صحیح طور پر ہجرت کریں جو ان کے ایمان کو محقق کردے، اور اگر وہ روگردانی کریں اور اگر وہ موجودہ نفاق ہی پر قائم رہیں تو ان کو قید کرو اور جہاں کہیں انھیں پاؤ قتل کرو اور ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ کہ ان سے دوستی کرنے لگو، اور نہ مددگار بناؤ کہ ان سے دشمن کے مقابلہ میں مدد لینے لگو، سوائے ان لوگوں کے کہ جو ان لوگوں سے جا ملیں کہ ان کے اور تمہارے درمیان معاہدۂ امن ہے اور ان کا جو ان سے جا ملے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے ہلال بن عویمر اسلمی سے معاہدہ فرمایا تھا، یا وہ لوگ تمہارے پاس اسطرح آتے ہیں کہ ان کے سینے اس بات سے تنگ ہو رہے ہیں کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں یا تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں، یعنی وہ تمہارے ساتھ اور ان کے ساتھ قتال کرنے سے رکے ہوئے ہیں، لہٰذا تم ان سے قید و قتل کرکے تعرض نہ کرو یہ حکم اور اس کا مابعد آیت سیف سے منسوخ ہے اور اگر اللہ کو تم پر ان کا غلبہ منظور ہوتا تو وہ ان کو ان کے دلوں کو قوی کرکے تمہارے اوپر غالب کر دیتا تو وہ تم سے ضرور لڑتے لیکن اس کو منظور نہ ہوا جس کی وجہ سے اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈالدیا، پس اگر وہ تمہیں چھوڑے رہیں اور تم سے قتال نہ کریں اور تمہارے ساتھ سلامت روی رکھیں، یعنی تمہارے تابع فرمان رہیں، تو اللہ نے ان کے خلاف تمہارے لئے قید و قتل کی کوئی راہ نہیں رکھی اور عنقریب تم کچھ اور لوگ بھی پاؤ گے کہ جو چاہتے ہیں کہ تمہارے سامنے ایمان کا اظہار کرکے تم سے بھی امن میں رہیں، اور جب اپنی قوم کے پاس جائیں تو (اظہار) کفر کے ذریعہ اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں اور وہ اسد اور غطفان ہیں، اور انھیں جب بھی فتنہ شرک کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اس کی طرف پلٹ پڑتے ہیں یعنی اس میں شدت کے ساتھ واقع ہو جاتے ہیں، پس اگر ترک قتال کرکے تم کو چھوڑے نہ رکھیں اور نہ تمہارے ساتھ سلامت روی رکھیں اور نہ تم سے اپنے ہاتھوں کو روکے رکھیں، تو تم ان کو قید کرو اور انھیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو یہی لوگ تو ہیں کہ جن کے خلاف ہم نے تم کو کھلی گرفت دیدی ہے یعنی ان کے قتل و قید پر ان کی غداری کی وجہ سے کھلی اور واضح دلیل دیدی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: مَا شَانُکُمْ، دخولِ حرف علی الحرف سے بچنے کے لئے مفسر علام نے شان مضاف محذوف مانا ہے۔

قَوْلُہٗ: صِرْتُمْ، اس کے حذف میں اشارہ ہے کہ فِی المنفقین، صرتُمْ محذوف کے متعلق ہے اور فِئَتَیْنِ صِرتم کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور جملہ ہو کر مالکم مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: تَمَنَّوا، وَدُّوا، کی تفسیر تَمَنَّوْا سے کرکے بتادیا کہ اگر وَدٌّ کے بعد لَوْ واقع ہو تو تمنا کے معنی میں ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: یَلْجَأُوْنَ مفسر علام نے یَصلون، کی تفسیر یَلْجَأْنَ سے تصحیح صلہ کے لئے کی ہے۔

قَوْلُہٗ: او الَّذِیْنَ، اس میں اشارہ ہے کہ جاءُ وکم کا عطف یصلون پر ہے نہ کہ قوم کی صفت پر۔

قَوْلُہٗ: وقد حَصِرتْ، قد محذوف مان کر ان لوگوں پر رد کرنا مقصود ہے جو حَصِرت کو قومًا محذوف کی صفت مانتے ہیں،

اس لئے کہ اس میں بلاضرورت حذف لازم آتا ہے بلکہ حَصِرَت جاء و کم کی ضمیر سے حال ہے، اور ماضی جب حال واقع ہو تو قَدْ ضروری ہوتا ہے خواہ لفظاً ہو یا معنی اسی لئے مفسر علام نے قد مقدر مانا ہے۔

قَوْلُهُ: عن، حصِرت چونکہ متعدی بنفسہ نہیں ہوتا اس لئے عَنْ محذوف ماننا ضروری ہے۔

تفسیر و تشریح

فَمَالکم فی المنافقین فئتَیْنِ، یہ استفہام انکاری ہے یعنی تمہارے درمیان ان منافقوں کے بارے میں اختلاف نہیں ہونا چاہئے تھا، ان منافقین سے وہ منافقین مراد ہیں جو غزوۂ احد میں مدینہ سے کچھ دور جاکر واپس آگئے تھے، اور بہانہ یہ کیا تھا کہ مشورہ میں ہماری بات نہیں مانی گئی۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

ان منافقوں کے بارے میں مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے تھے ایک گروہ کا کہنا تھا کہ ہمیں ان منافقوں سے بھی لڑنا چاہئے، دوسرا اسے مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا۔

شان نزول:

مذکورہ آیت میں تین فرقوں کے واقعات کی طرف اشارہ ہے جو مندرجہ ذیل روایت سے معلوم ہوں گے۔

پہلی روایت:

عبد اللہ بن حمید نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ بعض مشرکین مکہ سے مدینہ آئے اور ظاہر یہ کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں، پھر مرتد ہو گئے، رسول اللہ ﷺ سے اسباب تجارت لانیکا بہانہ کر کے مکہ چلے گئے اور واپس نہیں آئے، ان کے بارے میں مسلمانوں کی رائے مختلف ہوئی، بعض نے کہا یہ کافر ہیں بعض نے کہا مومن ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا کافر ہونا فَمَالکم فی المنافقین، میں بیان فرمایا اور ان کے قتل کا حکم دیا ہے۔

منافقین کو گو قتل نہیں کیا جاتا تھا مگر یہ اسی وقت تک تھا کہ ان کا نفاق ظاہر نہ ہو مگر جب یہ لوگ مکہ واپس چلے گئے اور ان کا ارتداد ظاہر ہو گیا تو ایک جماعت نے ان کے قتل کا مشورہ دیا، اور جنہوں نے مسلمان کہا شاید حسن ظن کی وجہ سے کہا ہو اور ان کے دلائل ارتداد میں کوئی تاویل کی ہو اس لئے ان کے قتل نہ کرنے کا مشورہ دیا ہو۔

دوسری روایت:

دوسری روایت ابن ابی شیبہ نے حسن سے روایت کی ہے کہ سراقہ بن مالک مدلجی نے واقعۂ بدر و اُحد کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حضور میں آکر درخواست کی کہ ہماری قوم بنی مدلج سے صلح کر لیجئے، آپ نے خالد بن ولید کو تکمیل صلح کے لئے

وہاں بھیجا مضمون صلح مندرجہ ذیل تھا۔

ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے اور اگر قریش مسلمان ہو جائیں گے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے اور جو قومیں ہم سے متحد ہوں گی وہ بھی اس معاہدہ میں ہمارے شریک ہیں۔

اس پر آیت وَدُّوا لو تکفرون الخ نازل ہوئی۔

تیسری روایت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ آیت، سَتَجِدُوْنَ آخرین الخ میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ قبیلہ اسد اور غطفان کے لوگ ہیں کہ جنہوں نے مدینہ میں آکر اسلام کا اظہار کیا، مگر اپنی قوم سے کہتے تھے کہ ہم تو بندر اور بچھو پر ایمان لائے ہیں اور ضحاک نے ابن عباس سے یہی حالت بنی عبد الدار کی نقل کی ہے، پہلی اور دوسری روایت روح المعانی اور تیسری معالم میں ہے۔ (معارف)

خلاصۂ کلام:

مطلب یہ ہے کہ ان کے ظاہری میل ملاپ سے دھوکا کھا کر ان کو اپنا مخلص دوست نہ سمجھو اور نہ اس بناء پر ان کے قید و قتل سے دست کش ہو، البتہ دو صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں ان کو قتل نہیں کیا جائیگا، ① ایک تو یہ کہ جن لوگوں سے تمہارا معاہدۂ صلح ہو ان سے ان کا بھی معاہدہ ہو تو ایسے لوگوں کو قتل کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی، اسلئے کہ حلیف کا حلیف، اپنا بھی حلیف سمجھا جاتا ہے، ② دوسری صورت یہ کہ عاجز ہو کر تم سے صلح کریں اور اس بات کا عہد کریں کہ نہ اپنی قوم کے طرفدار ہو کر تم سے لڑیں گے اور نہ تمہارے طرفدار ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے، اور اس عہد پر قائم بھی رہیں تو ایسے لوگوں سے بھی مت لڑو اور ان کی مصالحت کو منظور کرلو، اور اللہ کا احسان سمجھو کہ تمہاری لڑائی سے باز آئے اگر اللہ چاہتا تو ان کو تمہارے اوپر جری کر دیتا۔

ہجرت کی مختلف صورتیں:

حتی یھاجروا فی سبیل اللّٰہ الخ ابتداء اسلام میں دار الکفر سے ہجرت تمام مسلمانوں پر فرض تھی، اسلئے ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں جیسا برتاؤ کرنے سے منع فرمایا ہے جو اس فرض کے تارک ہوں، جب مکہ فتح ہو گیا تو ہجرت کا لازمی حکم منسوخ ہو گیا، آپ نے فرمایا "لا ھجرۃ بعد الفتح" (رواہ البخاری) یعنی فتح مکہ کے بعد جب مکہ دار الاسلام بن گیا تو وہاں سے ہجرت فرض نہ رہی، یہ اس زمانہ کا حکم ہے جبکہ ہجرت شرط ایمان تھی، اس آدمی کو مسلمان نہیں سمجھا جاتا تھا جو قدرت کے باوجود ہجرت نہ کرے، لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

ہجرت کی دوسری صورت یہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گی جس کے بارے میں حدیث میں آیا ہے "لا تنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة" یعنی ہجرت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک توبہ کی قبولیت کا وقت باقی رہے (بخاری) علامہ عینی شارح بخاری نے لکھا ہے کہ اس ہجرت سے مراد سیئات سے ہجرت ہے یعنی گناہوں کو ترک کر کے نیکیوں کی طرف آنا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اى ما ينبغى له ان يصدر منه قتل له **اِلَّا خَطَـًٔا** مخطئًا فى قتله من غير قصدٍ **وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا** بان قصد رمى غيره كصيدٍ او شجرةٍ فاصابه او ضربه بما لا يقتل غالبًا **فَتَحْرِيْرُ** عتق **رَقَبَةٍ** نسمةٍ **مُّؤْمِنَةٍ** عليه **وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ** مؤداة **اِلٰى اَهْلِهٖ** اى ورثة المقتول **اِلَّا اَنْ يَّصَّدَّقُوْا** يتصدقوا عليه بها بان يعفوا عنها وبينت السنة انها مائة من الابل عشرون بنت مخاض وكذا بنات لبون وبنو لبون وحقاق وجذاع وانها على عاقلة القاتل وهم عصبة الاصل والفرع موزعة عليهم على ثلث سنين على الغنى منهم نصف دينار والمتوسط ربع كل سنة فان لم يفوا فمن بيت المال فان تعذر فعلى الجانى **فَاِنْ كَانَ** المقتول **مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ** حرب **لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ** على قاتله كفارة ولا دية تسلم الى اهله لحرابتهم **وَاِنْ كَانَ** المقتول **مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ** عهد كاهل الذمة **فَدِيَةٌ** له **مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ** وهى ثلث دية المؤمن ان كان يهوديًا او نصرانيًا وثلثا عشرها ان كان مجوسيًا **وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ** على قاتله **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ** الرقبة بان فقدها وما يحصلها به **فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ** عليه كفارة ولم يذكر تعالى الانتقال الى الطعام كالظهار وبه اخذ الشافعى فى اصح قوليه **تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ** مصدر منصوب بفعله المقدر **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا** بخلقه **حَكِيْمًا** ﴿۹۲﴾ فيما دبره لهم **وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا** بان يقصد قتله بما يقتل غالبًا عالمًا بايمانه **فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ** ابعده من رحمته **وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا** ﴿۹۳﴾ فى النار وهذا مؤول بمن يستحله او بان هذا جزاؤه ان جوزى ولا بدع فى خلف الوعيد لقوله تعالى ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء وعن ابن عباس رضى الله تعالى عنه انها على ظاهرها وانها ناسخة لغيرها من ايات المغفرة وبينت اية البقرة ان قاتل العمد يقتل به وان عليه الدية ان عفى عنه وسبق قدرها وبينت السنة ان بين العمد والخطأ قتلا يسمى شبه العمد وهو ان يقتله بما لا يقتل غالبًا فلا قصاص فيه بل دية كالعمد فى الصفة والخطأ فى التاجيل والحمل على العاقلة وهو والعمد اولى بالكفارة من الخطأ ونزل لما مر نفر من الصحابة رضى الله تعالى عنهم برجل من بنى سليم وهو يسوق غنمًا فسلم عليهم فقالوا ما سلم علينا الا تقية فقتلوه واستاقوا غنمه **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ** سافرتم للجهاد **فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا** وفى قراءةٍ بالمثلثة فى الموضعين **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ** بالف ودونها اى التحية او الانقياد بقول كلمة الشهادة التى هى امارة على الاسلام **لَسْتَ مُؤْمِنًا** وانما قلت هذا لنفسك ومالك فتقتلوه **تَبْتَغُوْنَ** تطلبون

بِذٰلِكَ **عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** مَتَاعًا مِنَ الْغَنِيْمَةِ **فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ** تُغْنِيْكُمْ عَنْ قَتْلِ مِثْلِهٖ لِمَالِهٖ **كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ** تُعْصَمُ دِمَائُكُمْ وَاَمْوَالُكُمْ بِمُجَرَّدِ قَوْلِكُمُ الشَّهَادَةَ **فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ** بِالْاِشْتِهَارِ بِالْاِيْمَانِ وَالْاِسْتِقَامَةِ **فَتَبَيَّنُوْا** اَنْ تَقْتُلُوْا مُؤْمِنًا وَافْعَلُوْا بِالدَّاخِلِ فِى الْاِسْلَامِ كَمَا فُعِلَ بِكُمْ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا** ﴿۹۴﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ **لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** عَنِ الْجِهَادِ **غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ** بِالرَّفْعِ صِفَةٌ وَالنَّصْبِ اِسْتِثْنَاءٌ مِنْ زَمَانَةٍ اَوْ عَمًى وَنَحْوِهٖ **وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ** لِضَرَرٍ **دَرَجَةً** فَضِيْلَةً لِاِسْتِوَائِهِمَا فِى النِّيَّةِ وَزِيَادَةِ الْمُجَاهِدِ بِالْمُبَاشَرَةِ **وَكُلًّا** مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ **وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى** اَلْجَنَّةَ **وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ** لِغَيْرِ ضَرَرٍ **اَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿۹۵﴾ وَيُبْدَلُ مِنْهُ **دَرَجٰتٍ مِّنْهُ** مَنَازِلَ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ مِنَ الْكَرَامَةِ **وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً** مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا** لِاَوْلِيَائِهٖ **رَّحِيْمًا** ﴿۹۶﴾ بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ.

ترجمہ: کسی مومن کے لئے یہ روا نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے یعنی مومن کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس سے مومن کا قتل سرزد ہو، سوائے غلطی کے یعنی بلا ارادہ غلطی سے قتل ہو جائے (تو اور بات ہے) اور جو کوئی مومن غلطی سے قتل کر دے بایں طور کہ نشانہ غیر مومن مثلاً شکار یا درخت کو لگایا مگر مومن و لگ گیا یا کسی ایسے آلہ سے قتل کر دیا کہ جس سے عام طور پر قتل نہیں کیا جاتا تو اس پر ایک مومن غلام آزاد کرنا لازم ہے اور خون بہا بھی جو اس کے عزیزوں کے حوالہ کیا جائیگا، یعنی مقتول کے ورثاء کو، سوا اس کے کہ اسکے (عزیز) دیت معاف کر دیں، اور سنت نے بیان کیا ہے کہ دیت سو (۱۰۰) اونٹ ہیں بیس (۲۰) بنت مخاض، اور اتنی ہی بنت لبون، اور بنو لبون، اور حقے اور جذعے اور یہ دیت قاتل کے اہل خاندان پر ہے اور وہ اصل و فرع کے عصبہ ہیں، جو عصبات پر تقسیم کی جائیگی، (اس کی مدت) تین سال ہوگی ان میں سے مالدار پر نصف دینار سالانہ اور متوسط پر ربع دینار سالانہ ور اگر یہ لوگ ادا نہ کر سکیں تو بیت المال سے ادا ہوگی، اور اگر یہ بھی دشوار ہو تو جانی (قاتل) پر واجب ہوگی، اور اگر مقتول تمہاری شمن قوم (دار الحرب) سے ہو حال یہ کہ وہ مومن ہو تو اس کے قاتل پر ایک غلام آزاد کرنا واجب ہے بطور کفارہ، نہ کہ بطور دیت، کہ اس کے اہل خانہ کو سپرد کر دی جائے ان کے ساتھ محاربہ ہونے کی وجہ سے اور اگر مقتول ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو کہ تمہارے ور ان کے درمیان معاہدہ ہے جیسا کہ اہل ذمہ، اور اس کے قاتل پر ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے سو اگر جو شخص غلام نہ پائے اس جہ سے کہ غلام دستیاب نہ ہو یا اتنا مال نہ ہو کہ جس سے غلام خرید سکے، تو اس کا کفارہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا ہے اور اللہ عالی نے طعام کی طرف رجوع کا ذکر نہیں فرمایا جیسا کہ ظہار میں فرمایا ہے، اور امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى نے اپنے دونوں قولوں یں سے صحیح ترین قول میں اسی کو لیا ہے، اور اللہ کی جانب سے توبہ کی قبولیت ہے، توبۃ، مصدر ہے فعل مقدر (تاب) کی وجہ سے نصوب ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں باخبر ہے، (اور) اس نے جو نظام قائم کیا ہے اس میں وہ باحکمت ہے اور جو خص کسی مومن کو قصداً قتل کر دے اس طریقہ پر کہ اس کو ایسی چیز سے قتل کا ارادہ کرے کہ جس سے غالباً قتل کیا جاتا ہے اس کے بیان سے واقف ہونے کے باوجود، تو ایسے شخص کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت

ہے اور اس کو رحمت سے دوری ہے، اور اس کیلئے (اللہ نے) جہنم میں بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے، اور یہ (آیت) مؤول ہے اس شخص کے ساتھ کہ جو مومن کے قتل کو حلال سمجھے یا اس طریقہ پر کہ یہ اس کی سزاء ہے اگر سزا دیا جائے، اور وعید کے تخلف میں کوئی ندرت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا قول "ویغفر ما دون ذلك لمن یشاء" کی وجہ سے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت اس کے ظاہر پر محمول ہے اور مغفرت کی دیگر آیتوں کیلئے ناسخ ہے اور سورۂ بقرہ کی آیت نے بیان کیا ہے کہ عمداً قتل کرنے والا قتل کی وجہ سے قتل کیا جائیگا، اور یقیناً اس پر دیت واجب ہے اگر چہ اس کو معاف کر دیا جائے اور دیت کی تعداد سابق میں گذر چکی ہے، اور سنت نے بیان کیا ہے کہ قتل عمد اور قتل خطاء کے درمیان ایک قتل اور ہے جس کا نام شبہ عمد ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی چیز سے قتل کر دے کہ جس سے عام طور پر قتل نہیں کیا جاتا، تو اس میں قصاص نہیں ہے بلکہ اس میں دیت ہے صفت میں قتل عمد کے مانند اور تاجیل (تاخیر) اور خاندان والوں پر ڈالنے میں قتل خطأ کے مانند، قتل شبہ عمد اور قتل عمد کفارہ کے (وجوب) کیلئے قتل خطاء سے اولیٰ ہے، اور نازل ہوئی (آئندہ آیت) اس وقت جبکہ صحابہ کی ایک جماعت کا بنی سلیم کے ایک شخص کے پاس سے گذر ہوا اور وہ بکریاں لے جا رہا تھا اس شخص نے ان لوگوں کو سلام کیا تو ان لوگوں نے کہا اس نے سلام محض جان بچانے کے لئے کیا ہے، چنانچہ ان لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریوں کو ہانک لائے، (تو آیت یایھا الذین آمنوا نازل ہوئی) اے ایمان والو جب تم خدا کے راستہ میں جہادی سفر کر رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور ایک قراءت میں دونوں جگہ ثـــــاء مثلثہ کے ساتھ ہے، (فتثبتوا) انتظار کیا کرو اور جو تمہیں سلام علیک کرے (سلام) الف کے ساتھ اور بدون الف کے ہے، اور کلمہ شہادت کے ذریعہ جو کہ اس کے اسلام کی علامت ہے انقیاد (فرمانبرداری) کا اظہار کرے تو تم یہ نہ کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہے تو نے تو یہ کلمہ اپنی جان اور مال بچانے کے لئے کہا ہے، دنیاوی سامان مالِ غنیمت طلب کرنے کیلئے اس کو قتل کر دو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں تو وہ غنیمتیں تم کو اس کے مال کے لئے اس کے قتل سے مستغنی کر دے گی، اس سے پہلے تم بھی ایسے ہی تھے تمہاری جانیں اور تمہارے اموال محض تمہارے کلمہ شہادت کی وجہ سے محفوظ رکھے جاتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر ایمان کی شہرت اور استقامت کے ذریعہ احسان فرمایا تو تم تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو کہ) تم کسی مومن کو قتل کر دو اور اسلام میں داخل ہونے والے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرو جیسا تمہارے ساتھ کیا گیا، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے، جن کی وہ تم کو جزاء دے گا، بغیر کسی عذر کے جہاد سے بیٹھے رہنے والے مومن (غیــرُ) رفع کے ساتھ صفت ہونے کی وجہ سے، اور نصب کے ساتھ استثناء کی وجہ سے، اپاہج یا اندھا وغیرہ ہونے کی وجہ سے، اور اللہ کے راستہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنے والوں کو عذر کی وجہ سے جہاد نہ کرنے والوں پر فضیلت بخشی ہے دونوں کے نیت میں مساوی ہونے اور مجاہد کے عملی طور پر جہاد کرنے کی وجہ سے، اور (یوں تو) اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں سے ہر ایک سے اچھائی کا وعدہ کر رکھا ہے اور مجاہدین کو بغیر عذر بیٹھے رہنے والوں پر بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے اور درجاتٍ منه (اجراً) سے بدل ہے اپنی طرف سے مرتبے کی کہ جو عزت

میں ایک سے ایک بڑھ کر ہے اور مغفرت اور رحمۃ میں دونوں اپنے مقدر فعلوں کی وجہ سے منصوب ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو معاف کرنے والا اور اسکی اطاعت کرنے والوں پر رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مُخْطِئاً فی قَتْلِه، اس میں اشارہ ہے کہ خَطَأً، حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مصدر بمعنی اسم فاعل ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مفعول مطلق ہونیکی وجہ سے منصوب ہو اور مصدر محذوف کی صفت ہو، ای اِلَّا قَتْلًا خَطأً۔

قولہ: عَلَیْهِ: اس میں اشارہ ہے کہ تحریر، مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، ای فعلیه تحریر یا مبتداء محذوف کی خبر ہے ای فالو اجب علیه تحریر رقبةٍ اور فعل محذوف کا فاعل بھی ہوسکتا ہے ای فیجب علیه تحریر رقبةٍ، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علیه شرط کی جزاء ہو اور چونکہ جزاء کے لئے جملہ ہونا شرط ہے، لہٰذا علیه کو محذوف مانا ہو۔

قولہ: وَدِیَةٌ، اس کا عطف تحریر پر ہے وَدیة اصل میں مصدر ہے مال ماخوذ پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے اسی وجہ سے اس کی صفت مُسَلَّمَةٌ لائی گئی ہے اور یہ اصل میں وَدِیٌ تھا واؤ کو حذف کردیا اس کے عوض آخر میں تاء تانیث کا اضافہ کر دیا، دیة ہوگیا۔

قولہ: نِصْفُ دِیْنَار، یہ امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کے نزدیک ہے۔

قولہ: ثُلُثَا عُشْرِها، یہ امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کا مذہب ہے۔

قولہ: مَصْدَرٌ مَنْصُوْبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ ای تَابَ علیکم تَوْبَةً.

قولہ: عَالِماً بِاِیْمَانِه، یعنی مذکورہ عذاب کا مستحق اس وقت ہوگا جبکہ اس کو مومن سمجھ کر قتل کیا ہو، اور اگر حربی سمجھ کر قتل کیا گیا ہو تو مستحق نہ ہوگا۔

قولہ: بِمَنِ اسْتَحَلَّهُ، اس اضافہ کا مقصد معتزلہ پر رد کرنا ہے اسلئے کہ جہنم میں دائمی دخول تو کافر کے لئے ہوگا، اسلئے کہ کتاب وسنت اور اجماع کے دلائل قطعیہ اس میں صریح ہیں کہ عصاة المسلمین کا دائمی طور پر جہنم میں داخلہ نہیں ہوگا، بخلاف معتزلہ کے کہ ان کے یہاں مرتکب گناہ کبیرہ اگر بغیر توبہ کے مرجائے تو وہ بھی دائمی جہنمی ہے۔

قولہ: لَا یُدْعَ ای لَا نُذْرَةَ، ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کے نزدیک آیت ظاہر پر محمول ہے، غالباً اس سے مقصد شدت کو ظاہر کرنا ہے، اسلئے کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ ہی سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔

قولہ: فِی قِرَاءَةٍ بِالْمُثَلَّثَةِ ای بالثاء، ای فَتَثَبَّتُوْا. (یعنی انتظار کیا کرو)۔

قولہ: بِالرَّفْعِ صِفَةً، یعنی غیرُ مرفوع ہے قاعدون کی صفت ہونے کی وجہ سے۔

سوال: القاعِدُوْنَ الف لام کی وجہ سے معرفہ ہے اور غیر نکرہ ہے لہٰذا صفت واقع ہونا درست نہیں ہے۔

پہلا جواب: غیر جب دو متضاد کے درمیان واقع ہوتا ہے تو بھی معرفہ ہو جاتا ہے۔
دوسرا جواب: القاعدون میں الف لام جنس کا ہے جس کی وجہ سے مشابہ بنکرہ ہے۔
تیسرا جواب: القاعدون سے چونکہ کوئی متعین قوم مراد نہیں ہے لہٰذا وہ نکرہ ہی ہے معرفہ جب ہوتا جب متعین قوم مراد ہوتی، ظاہر یہ ہے کہ غیر، القاعدون سے بدل ہے اور بدل ومبدل منہ میں تعریف وتنکیر میں مطابقت ضروری نہیں ہے، اور غیر پر نصب بھی جائز ہے القاعدون سے استثناء کی وجہ سے۔
قولہ: مِنَ الزَّمَانَةِ، یہ للضرر کا بیان ہے۔
قولہ: مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ یعنی مغفرۃً ورحمۃً دونوں اپنے اپنے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہیں نہ کہ اَجْرًا، پر معطوف ہونے کی وجہ سے، تقدیر عبارت یہ ہے غفر اللّٰہ لھم مغفرۃً ورحمھم اللّٰہ رحمۃً۔

تفسیر وتشریح

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ (الآیۃ) یہ نفی بمعنی نہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول 'وَمَا کان لکم أن تُؤذُوْا رسول اللّٰہ' میں نفی بمعنی نہی ہے اور اگر نفی اپنے معنی پر ہو تو یہ خبر ہوگی اور اس کا صادق ہونا ضروری ہوگا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ کسی مومن کا قتل صادر نہ ہو حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے۔

شان نزول:

عبد بن حمید اور ابن جریر وغیرہ نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ عیاش بن ابی ربیعہ نے ایک مومن شخص کو نادانستہ قتل کر دیا تھا جس کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

واقعہ کی تفصیل:

ابھی آپ ﷺ نے ہجرت نہیں فرمائی تھی، ایک صاحب عیاش بن ابی ربیعہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے، مگر قریش کے ظلم وستم نے ان کو اس کا موقع نہ دیا کہ وہ اپنے اسلام کا علی الاعلان اظہار کر دیں اور انھیں اس بات کا بھی خوف تھا کہ کہیں ان کے مسلمان ہونے کی اطلاع ان کے گھر والوں کو نہ ہو جائے جس کی وجہ سے ان کی دقتوں میں اور زیادہ اضافہ ہو جائے، اس وقت مدینہ مسلمانوں کیلئے پناہ گاہ بن چکا تھا اکا دکا مصیبت زدہ مسلمان مدینہ کا رخ کر رہے تھے، عیاش بن ابی ربیعہ اور ابوجہل آپس میں سوتیلے بھائی تھے، دونوں کی ماں ایک اور والد الگ الگ تھے ماں کی پریشانی نے ابوجہل کو بھی اضطراب اور پریشانی میں ڈال دیا، ابوجہل کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ عیاش مدینہ میں پناہ گزیں ہو گیا ہے چنانچہ ابوجہل خود اور اس کا دوسرا بھائی حارث اور

ایک تیسرا شخص حارث بن زید بن ابی انیسہ مدینہ پہنچے، انہوں نے عیاش کو ان کی والدہ کی رو رو کر پوری حالت سنائی اور پورا یقین دلایا کہ تم صرف اپنی ماں سے مل آؤ، اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں چاہتے، حضرت عیاش نے اپنی والدہ کی بے چینی اور بھائیوں کے وعدہ پر اعتماد کر کے خود کو ان کے سپرد کر دیا اور مکہ کے لئے ان کے ساتھ روانہ ہو گئے، مدینہ سے دو منزل مسافت طے کرنے کے بعد ان لوگوں نے غداری کی اور وہی سب کچھ کیا جس کا اندیشہ تھا، بڑی بے دردی سے پہلے تو ان کے ہاتھ پیر باندھے اور اس کے بعد تینوں نے بڑی بے رحمی سے ان پر اتنے کوڑے برسائے کہ پورا بدن چھلنی کر دیا، جس ماں کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا اس نے عیاش کو تپتی ہوئی دھوپ میں ڈلوا دیا کہ جب تک خدا اور اس کے رسول سے نہ پھرو گے یوں ہی دھوپ میں جلتے رہو گے۔

یہ شہادت کی الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

لہو میں ڈوبا ہوا بدن، جکڑے ہوئے ہاتھ پاؤں، سفر کی تکلیف، ماں کا یہ ستم، بھائیوں کی یہ درندگی، مکہ کی تپتی ہوئی پتھریلی زمین آخر کب تک؟ آخر مجبوراً عیاش کو وہ الفاظ کہنے پڑے جنہیں کہنے کے لئے ان کا دل ہرگز آمادہ نہیں تھا، تب کہیں اس عذاب سے چھٹکارا نصیب ہوا، ان کی اس بے کسی پر طعن کرتے ہوئے حارث بن زید نے ایک زبردست چوٹ کی کہنے لگے کیوں عیاش تمہارا دین بس اتنا ہی تھا؟ عیاش غصہ کا گھونٹ پی کر رہ گئے اور قسم کھالی کہ جب بھی موقع ملے گا اس کو قتل کر دوں گا، حضرت عیاش پھر کسی طرح مدینہ پہنچ گئے، ان ہی دنوں حارث بن زید بھی مکہ مکرمہ سے نکل کر مدینہ منورہ حاضر ہو کر جاں نثاران نبوت کی صف میں شامل ہو گئے، حضرت عیاش کو حارث بن زید کے اسلام قبول کرنے کی بالکل خبر نہ تھی، ایک روز اتفاق سے قباء کے نواح میں دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا، حضرت عیاش رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو حارث بن زید کی ساری حرکتیں یاد تھیں، سمجھے کہ پھر کسی بے کس کے ہاتھ پاؤں باندھنے آئے ہوں گے، اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوتے حضرت عیاش کی تلوار اپنا کام کر چکی تھی، اس واقعہ کے بعد لوگوں نے عیاش کو صورت حال سے آگاہ کیا کہ حارث بن زید تو مسلمان ہو کر مدینہ آئے تھے، حضرت عیاش آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انتہائی افسوس کے ساتھ عرض کیا حضور آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ حضرت حارث نے میرے ساتھ کیا کچھ کیا تھا میرے دل میں ان سب باتوں کا زخم تھا اور مجھے بالکل معلوم نہ تھا کہ وہ مشرف باسلام ہو چکے ہیں، ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

قتل کی تین قسمیں اور ان کا شرعی حکم:

پہلی قسم:

قتلِ عمد، جو قصداً ایسے آلہ کے ذریعہ واقع ہو جو آہنی ہو یا تفریق اجزاء میں آہنی آلہ کے مانند ہو جیسے دھار دار پتھر یا بانس وغیرہ۔

دوسری قسم:

قتل شبہ عمد، جو قصداً تو ہو مگر ایسے آلہ سے نہ ہو جس سے اجزاء میں تفریق ہو سکتی ہو، یا قتل ایسی چیز سے ہو جس سے عام طور پر قتل نہ ہوتا ہو۔

تیسری قسم:

قتل خطاء، خطا یا تو قصد وظن میں ہو کہ انسان کو شکار سمجھ بیٹھا، یا نشانہ خطا کر گیا کہ نشانہ چوک کر کسی انسان کو لگ گیا، ان دونوں قسموں میں قاتل پر دیت واجب ہے اور قاتل گنہگار بھی ہے مگر دونوں کی دیت میں قدرے فرق ہے، دوسری اور تیسری قسم کی دیت سو (۱۰۰) اونٹ ہے، مگر اس تفصیل سے کہ چاروں قسم یعنی بنت لبون، بنت مخاض، جذعہ، حقہ ہر ایک قسم میں سے پچیس پچیس اور تیسری قسم میں اس تفصیل سے کہ اونٹ کی پانچ مع (بنولبون) قسموں میں سے ہر ایک میں بیس بیس، البتہ دیت اگر نقد کی صورت میں دی جائے تو مذکورہ دونوں قسموں میں دس ہزار درہم شرعی یا ایک ہزار دینار شرعی ہیں، اور گناہ دوسری قسم میں زیادہ ہے اسلئے کہ اس میں قصد کو دخل ہے اور تیسری قسم میں کم اور وہ بے احتیاطی کا گناہ ہے۔ (معارف)

مسئلہ: دیت کی مذکورہ مقدار اس وقت ہے کہ جب مقتول مرد ہو اور مقتول عورت ہو تو دیت اس کی نصف ہوگی۔

(کذافی الهدایة)

مسئلہ: دیت مسلم اور ذمی کی برابر ہے حدیث میں ہے آپ نے فرمایا ''دِيَةُ كل ذمي عهد في عهده الف دينار''۔

(اخرجهٗ ابو داؤد)

مسئلہ: کفارہ یعنی تحریر رقبہ یا روزے رکھنا خود قاتل کے ذمہ ہیں، اور دیت قاتل کے (خاندان) اہل نصرت پر ہے جس کو اصطلاح شرع میں عاقلہ کہتے ہیں۔ (معارف)

مسئلہ: مقتول کی دیت مقتول کے شرعی ورثاء میں تقسیم ہوگی اور جو اپنا حصہ معاف کر دے گا اس قدر معاف ہو جائیگا اور اگر سب معاف کر دیں گے تو پوری دیت معاف ہو جائیگی۔

مسئلہ: جس مقتول کا وارث شرعی نہ ہو اس کی دیت بیت المال میں جمع ہوگی۔

خلاصۂ کلام:

کسی کو قتل کرنے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ جان بوجھ کر عمداً قتل کیا جائے اور دوسرے یہ کہ نادانستہ ایسا ہو جائے، دانستہ بلاقصور قتل کرنے کے مسائل سورۂ بقرہ آیت ''كتب عليكم القصاص'' کی تفسیر میں گذر چکے ہیں، نادانستہ قتل کے مسائل کی تفصیل حسب ذیل ہے، نادانستہ قتل کی کل چار صورتیں ممکن ہیں۔

❶ یہ کہ مقتول مومن ہو۔

❷ یہ کہ مقتول کافر ہو، مگر ذمّی یا مستامن ہو جسکی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں کی ہو۔

❸ یہ کہ مقتول کافر معاہد ہو، یعنی اس ملک کا ہو کہ جس کے ساتھ معاہدۂ امن ہو۔

❹ یہ کہ مقتول کافر حربی ہو۔

ان میں سے ہر ایک کی دو صورتیں ہیں، ① اسے عمداً قتل کیا ہو، ② یا غلطی سے قتل ہوا ہو، اس طرح کل آٹھ صورتیں ہو جاتی ہیں۔

❶ مومن اگر بلاقصور جان بوجھ کر قتل کر دیا جائے تو اس کی دنیاوی سزا سورۂ بقرہ میں بیان فرمائی گئی ہے اور آخرت کی سزا آیت "وَمَنْ قتل مؤمناً متعمدًا" میں آرہی ہے۔

❷ مومن کو اگر نادانستہ قتل کر دیا گیا تو اس کی سزا یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء کو خون بہا ادا کیا جائے اور ایک غلام آزاد کیا جائے اور غلام میسر نہ ہونے کی صورت میں لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے جائیں۔

❸ مقتول اگر ذمی ہو اور عمداً قتل کیا گیا ہو تو اس کی سزا یہ ہے کہ قتل کے بدلے قتل کر دیا جائے یعنی جو سزا مومن کو عمداً قتل کرنے کی ہے وہی ذمی کو قتل کرنے کی بھی ہے، یہ امام صاحب کا مسلک ہے۔

❹ ذمی اگر نادانستہ قتل کر دیا جائے تو اس کے وارثوں کو خون بہا (خون کی قیمت) ادا کیا جائے گا، خون بہا کی مقدار میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

❺ اگر مقتول معاہد ہو اور قصداً قتل کر دیا گیا تو اس کے قتل کی سزا میں اختلاف ہے، البتہ خون بہا ادا کرنا ضروری ہے۔

❻ اگر معاہدۂ امن کرنے والا نادانستہ قتل ہو جائے تو اس کے قتل کے لئے تو وہی قانون ہے جو ذمی کے قاتل کے لئے ہے یعنی وارثوں کو خون بہا دیا جائے۔

❼، ❽ اگر مقتول حربی (مسلمانوں کا دشمن) تھا تو اس کا قتل خواہ دانستہ ہو یا نادانستہ اس کے قاتل پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت کیونکہ وہ حالت جنگ میں ہے۔

خون بہا کی مقدار:

اس سلسلہ میں یہ ذہن نشین رہے کہ خون بہا کا دارو مدار قتل کی نوعیت پر ہے، ایک صورت تو یہ ہے کہ قاتل پر عمداً قتل کا الزام ثابت ہو چکا ہو مگر کسی وجہ سے قصاص کے بجائے خون بہا پر معاملہ ٹھہرا ہے تو یہ سب سے اہم خون بہا سمجھا جائیگا۔

اگر واقعہ کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کرنا مقصود نہیں تھا، یعنی عام حالات میں ایسے واقعہ میں آدمی مرتا نہیں ہے مگر اتفاق سے یہ شخص مر گیا، اس صورت میں جو خون بہا ہوگا وہ یقیناً پہلی صورت سے ہلکا ہوگا، تیسری صورت یہ ہے

کہ محض غلطی سے قتل کا صدور ہوگیا، ایسی صورت میں خون بہا دوسری صورت سے بھی ہلکا ہوگا۔

اگر خون بہا اونٹوں کی شکل میں ہو تو سو (۱۰۰) اونٹ ہوں گے، اور اگر گائے کی شکل میں ہو تو دو سو (۲۰۰) گائے ہوں گی اور بکریوں کی صورت میں ہو تو ایک ہزار بکریاں ہوں گی، اور اگر کپڑوں کی شکل میں ہو تو دو سو (۲۰۰) جوڑے ہوں گے، اس کے علاوہ اگر کسی اور چیز سے خون بہا ادا کیا جائے تو ان ہی چیزوں کی بازاری قیمت کے لحاظ سے متعین کیا جائیگا، مثلاً نبی ﷺ کے زمانہ میں سو اونٹوں کی قیمت آٹھ سو (۸۰۰) دینار یا آٹھ ہزار (۸۰۰۰) درہم تھے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو فرمایا کہ اب اونٹوں کی قیمت بڑھ گئی ہے لہٰذا اب دیت سونے کی صورت میں ایک ہزار دینار اور چاندی کی صورت میں بارہ ہزار درہم خون بہا دلوایا جائیگا۔

عورت کا خون بہا:

عورت کا خون بہا مرد کا آدھا ہے اور باندی و غلام کا خون بہا اس کی ممکن قیمت ہوتی ہے، خون بہا کے معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم امام صاحب کے نزدیک دونوں برابر ہیں، جو خون بہا قصاص کے بجائے قاتل کے ذمہ واجب ہوا ہے وہ صرف قاتل کے ذمہ ہوگا، اور جو خون بہا دوسری کسی وجہ سے عائد ہوتا ہے اس میں قاتل کے تمام رشتہ دار شریک ہو کر بطور چندہ ادا کریں گے۔

وَمَنْ یقتل مؤمناً متعمداً فجزائه جهنم خالدًا فیها (الآیة) اس آیت میں مومن کے قتل عمد کی سزایاں فرمائی گئی ہے جو فی الواقع بڑی سخت سزا ہے مثلاً اس کی سزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہنا ہوگا، نیز اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اور عذاب عظیم بھی ہوگا، اتنی سخت سزائیں بیک وقت کسی بھی گناہ کی بیان نہیں کی گئی، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک مومن کو قتل کرنا اللہ کے نزدیک کتنا بڑا جرم ہے، احادیث میں اس کی سخت مذمت اور وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

مؤمن کے قاتل کی توبہ:

مومن کے قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں، بعض علماء مذکورہ سخت وعیدوں کے پیش نظر قبول توبہ کے قائل نہیں، لیکن قرآن وحدیث کی نصوص سے واضح ہے کہ خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہوسکتا ہے "اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً" (الفرقان) اور دیگر آیات توبہ عام ہیں لہٰذا ہر قسم کے گناہ کو شامل ہوگی، یہاں جو جہنم میں دائمی خلود کی سزایاں کی گئی ہے اس کا مطلب ہے کہ اگر توبہ نہ کی تو اس کی یہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ اس کے جرم پر دے سکتا ہے اسی طرح توبہ نہ کرنے کی صورت میں خلود سے مراد مکث طویل ہے اسلئے کہ جہنم میں خلود کافروں اور مشرکوں ہی کے لئے ہے، قتل کا تعلق اگرچہ حقوق العباد سے ہے جو توبہ سے بھی ساقط نہیں ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بھی اس کی تلافی فرما سکتا ہے اس میں مقتول کو بھی بدلہ مل جائیگا اور قاتل کی بھی معافی ہو جائیگی۔ (فتح القدیر، ابن کثیر)

شانِ نزول:

یاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا (الآیۃ) اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام علیکم کرے تم اسے یہ نہ کہدو کہ وہ تو ایمان والا نہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت کسی علاقہ سے گذری جہاں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا مسلمانوں کو دیکھ کر چرواہے نے سلام کیا بعض صحابہ نے سمجھا شاید یہ جان بچانے کیلئے خود کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے سلام کر رہا ہے، چنانچہ انہوں نے اسے بغیر تحقیق کے قتل کر ڈالا، اور بکریاں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، جس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(بخاری، ترمذی)

روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں تم بھی اس چرواہے کی طرح ایمان چھپانے پر مجبور تھے، مطلب یہ کہ اس کے قتل کا کوئی جواز نہیں تھا، تمہیں چند بکریاں اس مقتول سے حاصل ہو گئیں یہ کچھ بھی نہیں اللہ کے پاس اس سے کہیں زیادہ بہتر غنیمتیں ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وجہ سے دنیا میں بھی مل سکتی ہیں اور آخرت میں ان کا ملنا تو یقینی ہے۔

عبرتناک واقعہ:

ابن جریر کے حوالہ سے اسی نوعیت کا ایک واقعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے آپ ﷺ نے کسی جنگی ضرورت سے صحابہ کی ایک جماعت روانہ فرمائی ان میں ایک شخص محلم بن جثامہ بھی تھا ان لوگوں کی راستہ میں ایک شخص عامر بن اضبط سے ملاقات ہو گئی، عامر نے باقاعدہ اسلامی طریقہ سے ان لوگوں کو سلام کیا یعنی اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا، لیکن محلم اور عامر کے درمیان زمانہ جاہلیت سے کچھ کدورت چلی آ رہی تھی محلم نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عامر کو قتل کر دیا، ابھی عامر کا اسلام مشہور نہ ہوا تھا، واپسی پر محلم نے آنحضرت ﷺ سے معافی کی درخواست کی لیکن نہایت سختی سے رد کر دی گئی ابھی ایک ساعت بھی نہ گذری تھی کہ محلم نے وفات پائی، محلم دفن کر دیا گیا لیکن فوراً ہی لاش قبر سے باہر آ گئی حاضرین گھبرائے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''زمین اگر چہ اس سے بھی زیادہ برے لوگوں کو قبول کر سکتی ہے مگر اللہ تمہیں ایسی حرکتوں پر تنبیہ فرماتا ہے آخر کار لاش پہاڑ پر ڈالدی گئی۔

شانِ نزول:

لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ (الآیۃ) جب یہ آیت نازل ہوئی کہ گھروں میں بیٹھے رہنے والے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے، تو حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (نابینا صحابی)

وغیرہ نے عرض کیا کہ ہم تو معذور ہیں جس کی وجہ سے ہم جہاد میں حصہ نہیں لے سکتے جس کی وجہ سے ہم جہاد کے اجر وثواب سے محروم رہیں گے، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے "غیرُ اولی الضرر" استثناء نازل فرمایا، یعنی عذر کی وجہ سے جہاد میں حصہ نہ لینے والے اجر وثواب میں مجاہدین کے شریک ہیں۔

وَنَزَلَ فِي جَمَاعَةٍ أَسْلَمُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا فَقُتِلُوْا يَوْمَ بَدْرٍ مَعَ الْكُفَّارِ **اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ** بِالْمَقَامِ مَعَ الْكُفَّارِ وَتَرْكِ الْهِجْرَةِ **قَالُوْا** لَهُمْ مُوَبِّخِيْنَ **فِيْمَ كُنْتُمْ** أَيْ فِي أَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ مِنْ أَمْرِ دِيْنِكُمْ **قَالُوْا** مُعْتَذِرِيْنَ **كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ** عَاجِزِيْنَ عَنْ إِقَامَةِ الدِّيْنِ **فِي الْاَرْضِ** أَرْضِ مَكَّةَ **قَالُوْٓا** لَهُمْ تَوْبِيْخًا **اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا** مِنْ أَرْضِ الْكُفْرِ إِلَى بَلَدٍ آخَرَ كَمَا فَعَلَ غَيْرُكُمْ قَالَ تَعَالَى **فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا** ﴿٩٧﴾ هِيَ **اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً** لَا قُوَّةَ لَهُمْ عَلَى الْهِجْرَةِ وَلَا نَفَقَةَ **وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا** ﴿٩٨﴾ طَرِيْقًا إِلَى أَرْضِ الْهِجْرَةِ **فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا** ﴿٩٩﴾ **وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا** مُهَاجَرًا **كَثِيْرًا وَّسَعَةً** فِي الرِّزْقِ **وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ** فِي الطَّرِيْقِ كَمَا وَقَعَ لِجُنْدُعِ بْنِ ضَمْرَةَ اللَّيْثِيِّ **فَقَدْ وَقَعَ** ثَبَتَ **اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا** ﴿١٠٠﴾

ترجمہ: (آئندہ آیت) ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اسلام قبول کیا مگر ہجرت نہیں کی، اور کفار کے ساتھ بدر میں قتل کر دیئے گئے، بے شک ان لوگوں کی روح جنہوں نے کفار کے ساتھ قیام کر کے اور ترک ہجرت کر کے اپنے اوپر ظلم کیا فرشتہ جب (روح) قبض کرتا ہے تو ان سے توبیخاً پوچھتا ہے تم اپنے دین کے معاملہ میں کس حال میں تھے؟ تو وہ عذر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم دین کے قائم کرنے کے معاملہ میں مکہ کی سرزمین میں ہم کمزور تھے تو (فرشتے) ان سے توبیخاً کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی؟ کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے یعنی کافروں کی سرزمین سے دوسرے شہر کی طرف ہجرت کر جاتے جیسا کہ دوسروں نے کی اللہ تعالیٰ فرمائیگا، یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے سوائے ان لوگوں کے جو مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے کمزور ہوں کہ جو نہ کوئی تدبیر ہی کر سکتے ہوں اور نہ ہجرت کی کوئی صورت ہی پاتے ہوں تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ ان کو معاف کر دے گا اور اللہ ہے ہی بڑا معاف کرنے والا اور بڑا بخشنے والا اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو وہ زمین میں بہت سی ہجرت گاہیں اور رزق میں وسعت پائیگا، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرتے ہوئے نکلے پھر راستہ میں اسے موت آ جائے جیسا کہ جندع بن ضمرہ لیثی کو پیش آیا تھا، تو اس کے لئے اللہ پر اجر ثابت ہو گیا اور اللہ تو ہے ہی بڑا بخشنے والا بڑا مہربان۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: قالوا لھم موبخین.

سَوَال: مُوَبِّخِیْنَ کے اضافہ سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: موبخین کے اضافہ کا مقصد سوال و جواب میں مطابقت پیدا کرنا ہے اسلئے کہ اگر موبخین محذوف نہ مانیں تو۔

سَوَال: فِیْمَ کُنْتُمْ؟ اور۔

جَوَاب: کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ، میں مطابقت نہیں رہتی، اسلئے کہ سوال ہے تم کس چیز میں تھے اور جواب ہے ہم ضعیف اور عاجز تھے یہ جواب سوال کے مطابق نہیں ہے اور موبخین محذوف مان لیں تو دراصل سوال نہ رہا بلکہ ہجرت کے لئے نہ نکلنے پر توبیخ ہوگی، مطلب یہ ہوا کہ تم ہجرت کیلئے کیوں نہیں نکلے؟ جواب دیا چونکہ ہم کو ضعف کی وجہ سے ہجرت پر قدرت نہیں اسلئے ہم نے ہجرت نہیں کی۔

قَوْلُہٗ: فی اَیِّ شَیْءٍ، اس میں اشارہ ہے کہ فِیْمَ، میں مَا، استفہامیہ ہے نہ کہ موصولہ۔

قَوْلُہٗ: مُرَاغَماً، باب مفاعلہ کا ظرف مکان ہے معنی جائے گریز، مقام ہجرت، مُرَاغَماً کی تفسیر مہاجرًا سے کرنے کا مقصد تعیین معنی ہے۔

قَوْلُہٗ: جُنْدُعِ بْنِ ضَمْرَۃَ، بعض مفسرین جندب ابن ضمرہ لکھا ہے۔

تفسیر و تشریح

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الملائکۃُ ظَالِمِیْ انفسِھِمْ قالوا فِیْمَ کنتُمْ (الآیۃ) اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے کہ جو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی بلا کسی مجبوری کے اپنی کافر قوم میں مکہ ہی میں مقیم رہے، درانحالیکہ ایک دارالاسلام مہیا ہو چکا تھا جس کو افرادی قوت کی سخت ضرورت تھی یہی وجہ تھی کہ ہجرت فرض کردی گئی تھی اور عام اعلان کردیا گیا تھا کہ جہاں بھی کوئی اسلام کا فرزند ہو وہ مدینہ پہنچ جائے، اس کے علاوہ مکہ میں رہ کر نیم اسلامی زندگی گذارنے کے مقابلہ میں ہجرت کرکے اپنے دین واعتقاد کے مطابق پوری اسلامی زندگی گذارنا ممکن ہو گیا تھا، حالانکہ ان ہجرت نہ کرنے والوں کے لئے کوئی واقعی اور حقیقی مجبوری نہیں تھی،

قالوا فیمَ کنتم، یعنی دارالکفر میں رہ کر دین کے کن کاموں میں لگے ہوئے تھے کہ ہجرت کو نہ نکلے؟ دراصل یہ ہجرت نہ کرنے پر توبیخ و تعریض ہے۔ (کبیر)

جب اسلامی مرکز کو کافی قوت حاصل ہوگئی اور مخالفین کی قوت کا زور ٹوٹ گیا تو ہجرت بھی واجب نہ رہی، اس کے باوجود جب اور جہاں کہیں ویسے حالات پیدا ہوجائیں تو ہجرت واجب ہوجائے گی "لا ھجرۃ بعد الفتح" کا یہی مطلب ہے۔

یہاں ایک بات سمجھ لینا ضروری ہے وہ یہ کہ ظہور اسلام کے وقت پورے عرب میں مکہ معظمہ ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا، اہل

مکہ کی مخالفت پورے عرب کی مخالفت سمجھی جاتی تھی اور ان کی موافقت پورے ملک کی موافقت تصور کی جاتی تھی، اگرچہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کی ہستی اور ان کا وجود واضح ہو چکا تھا مگر پھر بھی اسلام لانے یا نہ لانے کے معاملہ میں پورے عرب کی نظریں مکہ پر لگی ہوئی تھیں، ایسی صورت میں ضروری تھا کہ کوئی بھی کلمہ گو مکہ میں نہ رہے تاکہ قریش کی اجتماعی قوت جلد از جلد ٹوٹ جائے اور دوسری قوت میں اضافہ کریں تاکہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت عرب کے لئے مسلمہ قوت بن جائے مکہ فتح ہو جانے کے بعد پورے عرب کیلئے گویا اسلام کی برتری کا اعلان ہو چکا تھا یہی وجہ تھی کہ فتح مکہ کے بعد قبیلے کے قبیلے حلقہ بگوش اسلام ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ کچھ عرصہ میں کفر جزیرۃ العرب سے جلاوطن ہو گیا۔

اِلّا المستضعفین (الآیۃ) ہجرت سے یہ ان مردوں عورتوں اور بچوں کو مستثنیٰ کرنے کا حکم ہے جو ہجرت کے وسائل سے محروم ہوں وسائل خواہ مالی ہوں یا جسمانی چنانچہ انتہائی بوڑھا بیمار ایسا کمزور کہ جو نہ پیدل چل سکے اور نہ سواری پر سوار ہو سکے، اور ایسا بال بچوں والا کہ جو نہ انھیں ساتھ لے جا سکتا ہو اور نہ تنہا چھوڑ سکتا ہو، ہجرت سے مستثنیٰ ہیں حضرت ابن عباس رَضِحَاللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ کا بیان ہے کہ میں اور میری والدہ ماجدہ ان ہی لوگوں میں تھے، والدہ معذور تھیں اور میں بچہ۔

بچے اگرچہ شرعی احکام کے مکلف نہیں ہوتے لیکن یہاں بچوں کا ذکر ہجرت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔

وَمَنْ یُّھاجر فی سبیل اللّٰہ (الآیۃ) اس میں ہجرت کی ترغیب اور مشرکین سے مفارقت اختیار کرنے کی تلقین ہے اور اخلاص نیت کے مطابق اجر و ثواب ملنے کی یقین دہانی ہے۔

شانِ نزول:

ومن یُّھاجر فی سبیل اللّٰہ یجد فی الارض مُراغمًا، (الآیۃ) سعید بن جبیر وغیرہ سے طبری نے روایت کیا ہے کہ مذکورہ آیت ایک ضمرہ نامی شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ ہجرت کے بعد مکہ میں مقیم تھا، جب اس نے اللہ کا کلام ''الم تکن ارض اللّٰہ واسعة فتهاجروا فیها'' سنا تو اس نے اپنے اہل خانہ سے کہا حالانکہ وہ مریض تھا، مجھے مدینہ لے چلو چنانچہ اس کے اہل خانہ اس کو ایک چارپائی پر ڈال کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے جب مقام تنعیم میں پہنچے تو ان کا انتقال ہو گیا، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ سافرتم فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فی اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ بِاَنْ تَرُدُّوْهَا مِنْ اَرْبَعٍ اِلٰی اثْنَتَیْنِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ ای ینالکم بمکروهٍ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بیانٌ للواقع اِذ ذاك فلا مفهوم له وَبَیَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الْمُرَادَ بالسفر الطَّوِیْلُ وهو اربعة بُرُدٍ وهی مرحلتان وَیُؤْخَذُ مِنْ قوله فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنَّهٗ رُخْصَةٌ لا واجبٌ وعلیه الشافعیُّ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿١٠١﴾ بَیِّنَ العداوة وَاِذَا كُنْتَ یا محمدُ حاضرًا فِیْهِمْ وانتم تخافون العدوّ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ وهذا جرى علی عادة القرآن فی الخطاب فلا

مفہوم لہ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وتتأخر طائفة وَلْيَأْخُذُوٓا اى الطائفة التى قامت معك أَسْلِحَتَهُمْ معهم فَإِذَا سَجَدُوا اى صلوا فَلْيَكُونُوا اى الطائفة الاخرى مِن وَرَآئِكُمْ يحرسون الى ان تقضوا الصلوة وتذهب هذه الطائفة تحرس وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ معهم الى ان يقضوا الصلوة وقد فعل النبى صلى الله عليه وسلم كذلك ببطن نخل رواه الشيخان وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ اذا قمتم الى الصلوة عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً بان يحملوا عليكم فياخذوكم وهذا علة الامر باخذ السلاح وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ فلا تحملوها وهذا يفيد ايجاب حملها عند عدم العذر وهو احد قولى الشافعى والثانى انه سنة ورجح وَخُذُوا حِذْرَكُمْ من العدو اى احترزوا منه ما استطعتم إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾ ذا اهانة فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فرغتم منها فَاذْكُرُوا اللَّهَ بالتهليل والتسبيح قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ مضطجعين اى فى كل حال فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ امنتم فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ادوها بحقوقها إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مكتوبا اى مفروضا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ مقدرا وقتها فلا تؤخر عنه ونزل لما بعث صلى الله عليه وسلم طائفة فى طلب ابى سفيان واصحابه لما رجعوا من احد فشكوا الجراحات وَلَا تَهِنُوا تضعفوا فِي ابْتِغَاءِ طلب الْقَوْمِ الكفار لتقاتلوهم إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ تجدون الم الجراح فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ اى مثلكم ولا يجبنون عن قتالكم وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ من النصر والثواب عليه مَا لَا يَرْجُونَ هم فانتم تزيدون عليهم بذلك فينبغى ان تكونوا ارغب منهم فيه وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا بكل شىء حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾ فى صنعه.

ترجمہ: اور جب تم سفر کرو تو نماز میں قصر کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں، بایں طور کہ تم چار (رکعت) کی دو کرلو، اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تمہیں تکلیف پیش آئے گی کہ کافر تمہیں ستائیں گے، یہ نزول کے وقت کے واقعہ کا بیان ہے لہٰذا اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے، اور سنت نے بیان کیا ہے کہ سفر سے سفر طویل مراد ہے اور وہ چار برید ہیں جو مساوی ہے دو مرحلوں کے، اور اللہ کے قول "فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ" سے سمجھا جاتا ہے کہ قصر رخصت ہے نہ کہ واجب اور امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا یہی مذہب ہے، یقیناً کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں (یعنی) ان کی عداوت کھلی ہوئی ہے، اور اے محمد جب آپ ان میں موجود ہوں اور تم کو دشمن کا خوف ہو اور (صحابہ کو) باجماعت نماز پڑھائیں اور آپ کو خطاب ہے (نہ کہ عام لوگوں کو) قرآنی اسلوب خطاب کے مطابق ہے، لہٰذا اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے، تو چاہئے کہ (صحابہ) کا ایک گروہ آپ کے ساتھ (نماز میں) کھڑا ہو جائے اور (بقیہ دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ کے لئے) مؤخر رہے (یعنی جماعت میں شریک نہ ہو) اور جو گروہ آپ کے ساتھ (نماز میں) کھڑا ہے وہ بھی

ہتھیار بند رہے اور جب یہ گروہ نماز میں مشغول ہو تو دوسرے گروہ کو چاہئے کہ وہ تم لوگوں کے پیچھے دشمن کے مقابلہ میں رہے اور حفاظت کرتا رہے یہاں تک کہ یہ گروہ (اپنی) نماز پوری کرے اور (اب) یہ گروہ چلا جائے اور حفاظت کرے، اور دوسرا گروہ کہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آئے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لئے رہے یہاں تک کہ یہ گروہ بھی نماز پوری کرلے اور نبی ﷺ نے بطن نخلہ میں ایسا ہی کیا تھا، (رواہ الشیخان) کافر چاہتے ہیں کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تم کسی طرح اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ، تو وہ تم پر اچانک ٹوٹ پڑیں بایں طور کہ تم پر حملہ کردیں اور تم کو اچانک آدبوچیں اور یہ ہتھیار بند رہنے کے حکم کی علت ہے، الّا یہ کہ تم کو بارش کی وجہ سے زحمت ہو رہی ہو یا تم مریض ہو تو تمہارے لئے اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم ہتھیار اتار کر رکھ دو یعنی مسلح نہ رہو، اس سے معلوم ہوا کہ عذر نہ ہونے کی صورت میں ہتھیار بند رہنا واجب ہے، اور امام شافعی رَحِمَکُاللّٰہُ تَعَالٰی کے دو قولوں میں سے یہ ایک قول ہے اور دوسرا قول یہ کہ ہتھیار بند رہنا سنت ہے، اور اس کو ترجیح دی گئی ہے۔ اور دشمن سے اپنے بچاؤ کا سامان لئے رہو (یعنی) جہاں تک ہوسکے دشمن سے محتاط رہو، بے شک اللہ نے کافروں کے لئے ایک رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے اور جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو تہلیل، تکبیر کے ذریعہ اللہ کا ذکر کرتے رہو کھڑے کھڑے بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے (یعنی) ہر حال میں، پھر جب تم مامون ہو جاؤ تو نماز قائم کرو اس کے حقوق یعنی (ارکان و شرائط) کے ساتھ ادا کرو یقیناً نماز مومنوں پر اس کے اوقات مقررہ میں فرض ہے یعنی اس کے وقت مقرر میں، لہٰذا تم اس کو اس سے مؤخر نہ کرو، اور جب آپ ﷺ نے ایک جماعت کو غزوۂ احد سے فارغ ہونے کے بعد ابوسفیان اور اس کے اصحاب کے تعاقب میں روانہ کیا تو ان لوگوں نے زخموں (سے دردمند ہونے) کی شکایت کی تو یہ آیت نازل ہوئی اور کافر قوم کے تعاقب میں ان کے ساتھ قتال کرنے سے ہمت نہ ہارو اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے یعنی زخموں کی تکلیف لاحق ہوئی ہے تو ان کو بھی تمہاری طرح تکلیف پہنچی ہے جیسی کہ تم کو تکلیف پہنچی ہے اور وہ تمہارے ساتھ قتال کرنے سے ہمت نہیں ہارے اور تم اللہ سے نصرت کی اور (جہاد) پر ثواب کی امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے لہٰذا تم اس طریقہ سے ان پر فوقیت رکھتے ہو لہٰذا تم کو تو جنگ میں ان سے زیادہ راغب ہونا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جو ہر شئی کا جاننے والا اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بَیَانٌ لِلْوَاقِعِ، اس اضافہ کا مقصد خوارج کا رد ہے، خوارج کے نزدیک قصر صلوۃ کے لئے خوف کی شرط ہے اور استدلال اللہ تعالیٰ کے قول "اِنْ خِفْتُمْ" سے کرتے ہیں۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے اِنْ خِفْتُمْ زمانۂ نزول کے واقعہ کے مطابق ہے اسلئے کہ نزول کے زمانہ میں عام طور پر مسلمانوں کو سفر میں دشمن کا خطرہ در پیش ہوتا تھا، لہٰذا اس کا مفہوم مخالف مراد نہ ہوگا کہ اگر خوف نہ ہو تو قصر نہیں ہوگی۔

قولہ: بَیْنَ الْعَدَاوَۃِ، اس میں اشارہ ہے کہ مُبِیْنًا متعدی بمعنی لازم ہے۔

قَوْلُہٗ: المُبَاح، المباح کی قید سے سفر معصیت کو خارج کرنا مقصود ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلَا مَفْهُوْمَ له، اس کے اضافہ کا مقصد امام ابو یوسف پر رد کرنا ہے اس لئے کہ امام ابو یوسف اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ کے وصال کے بعد صلوۃ خوف جائز نہیں ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک جائز ہے رہا آپ ﷺ کو خطاب تو یہ قرآنی عادت کے مطابق ہے۔

نوٹ: مگر کتب فقہ میں یہ اختلاف مذکور نہیں ہے۔ (کما قال القاضی وصاحب المدارک)۔

قَوْلُہٗ: بِاَنْ یَحْمِلُوْا عَلَیْکُمْ فَیَاْخُذُوْکُمْ، یہ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ کی علت ہے، یعنی ہتھیار اس لئے ساتھ رکھو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اچانک تمہارے اوپر ٹوٹ پڑیں۔

قَوْلُہٗ: اَنْتُمْ تاکید کے لئے ہے تاکہ کفار کی طرف ذہن نہ جائے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں جہاد اور ہجرت کا ذکر تھا چونکہ اکثر حالات میں جہاد اور ہجرت کے لئے سفر کرنا پڑتا ہے اور ایسے سفر میں مخالف کی جانب سے گزند کا اندیشہ بھی ہوتا ہے اس لئے سفر اور خوف کی رعایت سے نماز میں جو خصوصی رعایتیں اور سہولتیں دی گئی ہیں آگے ان کا ذکر ہے، وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ اس آیت میں نماز کے قصر کا حکم بیان فرمایا جارہا ہے حضرت علی فرماتے ہیں کہ بنونجار کے کچھ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں اکثر سفر کی نوبت پیش آتی ہے ایسی حالت میں نماز پڑھنے کی کیا صورت ہوگی اس پر یہ آیت نازل ہوئی ① اگرچہ قصر کا حکم مخصوص حالات میں نازل ہوا تھا لیکن حالات بدل جانے پر بھی اس سہولت کو باقی رکھا گیا، اب اس کا مدار سفر کی مسافت پر ہے خواہ سفر آرام دہ ہو یا تکلیف دہ حضرت یعلی بن امیہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰعَنْهُ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ قصر کے بارے میں تو خوف کی قید لگی ہوئی ہے اور اب حالات بالکل بدل گئے ہیں پھر بھی اجازت کیوں؟ حضرت عمر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰعَنْهُ نے فرمایا میرے دل میں بھی یہ بات کھٹکتی تھی میں نے آپ ﷺ سے معلوم کیا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ کی عنایت وکرم ہے لہٰذا اس کو قبول کرو۔ (مسلم)

سفر اور قصر کے احکام:

❶ جو سفر تین منزل سے کم ہو اس میں قصر کی اجازت نہیں، تین منزل کی مسافت انگریزی میل کے حساب سے ۴۸ میل تقریباً سواستتر (۷۷.۲۵) کلومیٹر ہوتا ہے۔

❷ جس سفر میں قصر کی اجازت ہے اس میں پوری نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر،

حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت قتادہ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک قصر ضروری ہے دوسری طرف حضرت عثمان غنی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک مسافر کے لئے قصر کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں۔

❸ سفر معصیت میں بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک قصر کی اجازت ہے دیگر ائمہ کرام اجازت نہیں دیتے۔

❹ مسافر اپنی آبادی سے نکلتے ہی قصر کر سکتا ہے اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے البتہ امام مالک کا فتوی یہ بھی ہے کہ مسافر آبادی سے کم از کم تین میل نکلنے کے بعد قصر کرے۔

❺ دوران سفر اگر کسی جگہ اقامت کی نیت کر لی جائے تو امام مالک و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف چار دن اقامت کی نیت سے قصر کی اجازت ختم ہو جائے گی، امام احمد کے نزدیک اگر بیس نمازوں سے زائد کی مقدار اقامت کی نیت کی تو قصر کی اجازت ختم ہو جائے گی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر پندرہ دن ایک ہی جگہ قیام کی نیت کی تو قصر کی اجازت ختم ہو جائے گی۔

❻ جنگل میں خیموں وغیرہ کی صورت میں کسی عارضی پڑاؤ پر اقامت کی نیت شرعاً غیر معتبر ہے مسافر ہی شمار ہوگا۔

❼ اگر کسی جگہ پندرہ دن اقامت کا ارادہ نہ ہو مگر کسی وجہ سے قیام طویل ہو گیا تو قصر ہی کرے گا اگرچہ سالہا سال ہی کیوں نہ گذر جائیں، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک فتوی سترہ روز کا بھی ہے۔

❽ کسی ایسی کشتی کا ملاح جس میں وہ بال بچوں کے ساتھ رہتا ہو یا ایسا کوئی شخص جو ہر وقت سفر میں رہتا ہو ہمیشہ قصر کریگا، امام احمد البتہ اس کی اجازت نہیں دیتے۔

❾ اگر کوئی مسافر کسی مقیم کا مقتدی ہو تو اس کو پوری نماز پڑھنی ہوگی اقتداء خواہ پوری نماز میں کی ہو یا کسی ایک جز میں، امام مالک کے نزدیک کم از کم ایک رکعت میں اقتداء ضروری ہے۔ حضرت اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ مسافر مقیم کا مقتدی ہونے کے باوجود قصر کر سکتا ہے۔

❿ اگر کوئی شخص حالت سفر میں حالت اقامت کی نمازوں کی قضا کرے تو اس کو پوری نماز پڑھنی ہوگی۔

⓫ حالت سفر کی نمازوں کی قضا اقامت میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک قصر کے ساتھ کی جائے گی۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ (الآیة) ان آیات میں عین حالات جنگ میں نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا ہے، نیز نماز کے اوقات کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔

شانِ نزول:

حضرت ابو عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مقام عسفان اور مقام ضجنان پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، مشرکین سے ہماری مڈبھیڑ ہوگئی، خالد بن ولید جو کہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، مشرکین کے فوج کے سپہ سالار تھے، اسی اثناء میں ظہر کا وقت آگیا اور رسول اللہ ﷺ نے باجماعت نماز ادا فرمائی، مسلمان جب نماز سے فارغ ہو کر

مقابلہ پر آئے تو کافروں میں چہ میگوئی شروع ہوئی کہ بڑا اچھا موقع ہاتھ سے نکل گیا، اگر نماز کی حالت میں مسلمانوں پر حملہ کر دیا جاتا تو میدان صاف تھا، اس پر ان ہی میں سے ایک بولا ابھی کچھ دیر میں ان کی ایک اور نماز کا وقت آنے والا ہے اور وہ نماز ان کو جان و مال سے بھی زیادہ عزیز ہے، مشرکین کا اشارہ عصر کی نماز کی طرف تھا، ادھر مشرکین میں یہ مشورہ ہو رہا تھا کہ حضرت جبرئیل مذکورہ آیات لے کر نازل ہوئے۔

صلوۃ خوف آپ ﷺ کی اقتداء میں:

جب عصر کا وقت آیا تو آپ نے پورے لشکر کو مسلح ہونے کا حکم دیا اس کے بعد پورے لشکر نے دو صفیں بنا کر آپ کی اقتداء میں نماز شروع کی، پورے لشکر نے ایک رکعت رکوع اور قیام کے ساتھ پڑھی، جب سجدہ کا موقع آیا تو پہلی صف والوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا اور دوسری صف والے کھڑے رہے تاکہ مشرکین سب مسلمانوں کو سجدہ میں دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکیں، جب پہلی صف کے لوگ آپ کے ساتھ سجدہ کر چکے اور کھڑے ہو گئے تو دوسری صف والوں نے اپنی اپنی جگہ سجدہ ادا کیا، ان لوگوں کے سجدہ کر لینے کے بعد اگلی صف والے پچھلی صف میں اور پچھلی صف والے اگلی صف میں پہنچ گئے اور دوسری رکعت رکوع اور قیام کے ساتھ ایک ساتھ پڑھی گئی، اور سجدہ کے وقت پھر یہی صورت ہوئی کہ پہلی صف والوں نے سجدہ کیا اور دوسری صف والے رکے رہے، اس طرح آپ نے نماز پوری فرمائی۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز

صلوۃ خوف کے مختلف طریقے:

یہ بات سمجھ لینی ضروری ہے کہ جنگ کا میدان عیدگاہ کا میدان نہیں ہوتا کہ ہمیشہ ایک ہی انداز سے نماز پڑھی جاتی رہے بلکہ یہ تلواروں کی چمک، تیروں کی بوچھار، بندوقوں کی باڑھ، توپوں کی آتش باری، جہازوں کی بم باری کی حالت میں ادا کی جاتی ہے اسلئے لازمی طور پر جنگی حالات کے اعتبار سے اس کی صورت بھی مختلف ہوگی، جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ نماز چودہ طریقوں سے منقول ہے ائمہ کرام نے اپنی اپنی صواب دید کے مطابق ان ہی صورتوں میں سے کوئی ایک یا چند صورتیں پسند فرمائی ہیں مثلاً امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے یہ صورت پسند فرمائی ہے۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے نزدیک پسندیدہ طریقہ:

فوج کا ایک حصہ امام کے ساتھ نماز پڑھے اور دوسرا حصہ دشمن کے مقابل رہے، پھر جب ایک رکعت پوری ہو جائے تو پہلا سلام پھیر کر دشمن کے مقابل چلا جائے اور دوسرا حصہ آ کر دوسری رکعت امام کے ساتھ پوری کرے اس طرح امام کی دو رکعتیں ہوں گی اور فوج کی ایک ایک رکعت اسی صورت کو ابن عباس، جابر بن عبداللہ اور مجاہد رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُم نے روایت کیا ہے۔

صلوۃ خوف کا دوسرا طریقہ:

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک حصہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھکر چلا جائے پھر دوسرا حصہ آکر ایک رکعت امام کے پیچھے پڑھے، اس کے بعد دونوں حصے باری باری سے آکر اپنی چھوٹی ہوئی ایک ایک رکعت بطور خود ادا کرے، اس طرح دونوں حصوں کی ایک ایک رکعت امام کے پیچھے ادا ہوگی اور ایک ایک رکعت انفرادی طور پر۔

صلوۃ خوف کا تیسرا طریقہ:

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ امام کے پیچھے فوج کا ایک حصہ دو رکعتیں ادا کرے اور تشہد کے بعد سلام پھیر کر دشمن کے مقابل چلا جائے، پھر دوسرا حصہ تیسری رکعت میں آکر شریک ہو اور امام کے ساتھ سلام پھیرے اس طرح امام کی چار اور فوج کی دو دو رکعتیں ہوں گی۔

صلوۃ خوف کا چوتھا طریقہ:

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ فوج کا ایک حصہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور جب امام دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو مقتدی بطور خود ایک رکعت مع تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیں، پھر دوسرا حصہ آکر اس حال میں امام کے پیچھے کھڑا ہو کہ ابھی امام دوسری ہی رکعت میں ہو، اور یہ لوگ بقیہ نماز امام کے ساتھ ادا کرنے کے بعد ایک رکعت خود اٹھ کر پڑھ لیں، اس صورت میں امام کو دوسری رکعت کا قیام طویل کرنا ہوگا، تیسرے طریقہ کو حسن بصری نے ابوبکرہ سے روایت کیا ہے اور چوتھے طریقہ کو امام شافعی اور امام مالک نے تھوڑے اختلاف کے ساتھ ترجیح دی ہے اس کا ماخذ سہل بن ابی خیثمہ کی روایت ہے۔

ان کے علاوہ صلوۃ خوف کی اور بھی صورتیں ہیں جن کی تفصیل مبسوطات میں مل سکتی ہے۔

آپ ﷺ کی وفات ظاہری کے بعد صلوۃ خوف کا مسئلہ:

ائمہ کرام کے حلقہ میں تنہا امام ابو یوسف کا مسلک یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد صلوۃ خوف پڑھنا جائز نہیں، اسلئے کہ آپ کے بعد اب کوئی ایسی ہستی باقی نہیں کہ تمام لوگ اسی کے پیچھے نماز پڑھنے پر مصر ہوں، بلکہ اب یہ صورت ہو سکتی ہے کہ لشکر کے مختلف حصے کر کے الگ الگ امام کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے۔

محض دشمن کے خوف کے اندیشے کے پیش نظر صلوۃ خوف جائز نہیں:

دشمن کے محض خیالی اندیشے سے صلوۃ خوف درست نہیں تاوقتیکہ دشمن آنکھوں کے سامنے نہ ہو، نیز جس طرح دشمن کا خوف ہو سکتا ہے اسی طرح درندے یا کسی چیز کا خوف بھی ہو سکتا ہے۔

وَسَرَقَ طُعْمَةُ بنُ اُبَيْرِقٍ دِرْعًا وَخَبَأَهَا عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ فَوُجِدَتْ عِنْدَهُ فَرَمَاهُ طُعْمَةُ بِهَا وَحَلَفَ اَنَّهُ مَا سَرَقَهَا فَسَأَلَ قَوْمُهُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اَنْ يُجَادِلَ عَنْهُ وَيُبَرِّئَهُ فَنَزَلَ **اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ** القرآنَ **بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلْنَا **لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ** عَلَّمَكَ **اللّٰهُ** فيه **وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ** كَطُعْمَةَ **خَصِيْمًا** (۱۰۵) مُخَاصِمًا عنهم **وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ** مِمَّا هَمَمْتَ بِهِ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا** (۱۰۶) **وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ** يَخُوْنُوْنَهَا بِالْمَعَاصِيْ لِاَنَّ وَبَالَ خِيَانَتِهِمْ عليهم **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا** كَثِيْرَ الْخِيَانَةِ **اَثِيْمًا** (۱۰۷) اَيْ يُعَاقِبُهُ **يَّسْتَخْفُوْنَ** اي طُعْمَةُ وَقَوْمُهُ حَيَاءً **مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ** يَعْلَمُهُ **اِذْ يُبَيِّتُوْنَ** يُضْمِرُوْنَ **مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ** مِنْ عَزْمِهِمْ عَلَى الْحَلْفِ عَلٰى نَفْيِ السَّرِقَةِ وَرَمْيِ الْيَهُوْدِيِّ بِهَا **وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا** (۱۰۸) عِلْمًا **هٰٓاَنْتُمْ** يا **هٰٓؤُلَآءِ** خِطَابٌ لِقَوْمِ طُعْمَةَ **جٰدَلْتُمْ** خَاصَمْتُمْ **عَنْهُمْ** اَيْ عَنْ طُعْمَةَ وَذَوِيْهِ وَقُرِئَ عَنْهُ **فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** اِذَا عَذَّبَهُمْ **اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا** (۱۰۹) يَتَوَلّٰى اَمْرَهُمْ وَيَذُبُّ عَنْهُمْ اي لا اَحَدَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ **وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا** ذَنْبًا يَسُوْءُ بِهِ غَيْرَهُ كَرَمْيِ طُعْمَةَ الْيَهُوْدِيَّ **اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ** بِعَمَلِ ذَنْبٍ قَاصِرٍ عَلَيْهِ **ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ** منه اي يَتُبْ **يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا** له **رَّحِيْمًا** (۱۱۰) به **وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا** ذَنْبًا **فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ** لِاَنَّ وَبَالَهُ عَلَيْهَا وَلَا يَضُرُّ غَيْرَهُ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا** (۱۱۱) فِيْ صُنْعِهِ **وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً** ذَنْبًا صَغِيْرًا **اَوْ اِثْمًا** كَبِيْرًا **ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓــئًا** مِنْهُ **فَقَدِ احْتَمَلَ** تَحَمَّلَ **بُهْتَانًا** بِرَمْيِهِ **وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا** (۱۱۲) بَيِّنًا بِكَسْبِهِ۔

ترجمہ: طعمہ بن اُبیرق نے ایک زرہ چرائی تھی اور ایک یہودی کے یہاں اسے چھپا دیا تھا، وہ زرہ یہودی کے یہاں سے برآمد ہوگئی طعمہ نے زرہ کا الزام یہودی پر ڈال دیا اور قسم کھا گیا کہ میں نے زرہ نہیں چرائی ہے، طعمہ کے خاندان والوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ طعمہ کا دفاع فرمائیں اور اس کو بری قرار دیدیں تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی، یقیناً ہم نے آپ پر کتاب قرآن حق کے ساتھ نازل کی ہے، بالحق، انزلنا کے متعلق ہے تاکہ اس معاملہ میں اللہ نے جو آپ کو بتادیا ہے اس کے مطابق لوگوں کا فیصلہ کریں، اور خائنوں مثلاً طعمہ کا دفاع نہ کریں اور آپ نے جو قصد کیا اس سے استغفار کریں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی مغفرت کرنے والا بڑا ہی رحم کرنے والا ہے، اور ان لوگوں کی وکالت نہ کریں جو اپنے حق میں خیانت کرتے ہیں (یعنی) معاصی کے ذریعہ اپنے نفسوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں، اسلئے کہ ان کی خیانت کا وبال خود ان کے اوپر پڑتا ہے، اللہ کسی بھی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو خائن اور گنہگار ہو، یعنی اس کو سزا دے گا، طعمہ اور اس کی قوم شرم کی وجہ سے لوگوں سے چھپتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتے اسلئے کہ وہ ان کے ساتھ ہے، ان کے راز کو جانتا ہے، جبکہ وہ رات کو ناپسندیدہ بات کا کہ یعنی جو چوری کے انکار اور زرہ کی چوری کا الزام یہودی پر ڈالنے کا مشورہ کرتے ہیں، اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا علمی احاطہ

کئے ہوئے ہے تم وہ لوگ ہو یہ طعمہ کی قوم کو خطاب ہے کہ دنیا میں تو تم نے ان کی طرف سے دفاع کرلیا اور 'عنهم' کی بجائے عنه، بھی پڑھا گیا ہے، لیکن اللہ کے سامنے قیامت کے دن ان کا دفاع کون کرے گا؟ جب ان کو عذاب دے گا، اور کون ہے جو اس کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟ (یعنی) ان کے معاملہ کی کفالت کرے گا، اور ان کا دفاع کرے گا، یعنی کوئی یہ کام نہ کرے گا، جو شخص کوئی برائی کرے کہ اس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے جیسا کہ طعمہ کا یہودی پر الزام لگانا، یا اس سے ظلم کرے کہ اسی تک محدود رہے پھر وہ اس سے استغفار کرے یعنی توبہ کرے تو وہ اللہ کو اپنے لئے بخشش کرنے والا اور اپنے اوپر رحم کرنے والا پائیگا، اور جو گناہ کرتا ہے تو وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے اس لئے کہ اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے اور دوسرے کو نقصان نہیں دیتا، اور اللہ بخوبی جاننے والا اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے اور جس نے کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ کیا اور پھر وہ گناہ کسی بے گناہ پر تھوپ دیا تو وہ بہت بڑے بہتان کا متحمل ہوا، اور اپنے عمل سے کھلا گناہ کیا۔

تَحقِیق وتَرکِیب وتَسہِیل وتَفسِیری فوائِد

قِولَہٗ: طُعْمَة، بتثلیث الطاء، والکسر اشهر.

قِولَہٗ: ابن اُبَیْرِق، ہمزہ مضمومہ اور باء موحدہ مفتوحہ اور راء مکسورہ کے ساتھ، یہ غیر منصرف ہے۔

قِولَہٗ: وخبَاهَا، ای الدِرْعَ درع جو کہ لوہے کی ہوتی ہے مؤنث ہے اور درع بمعنی خمار (اوڑھنی) مذکر ہے۔

قِولَہٗ: عَلَّمَكَ، اس میں اشارہ ہے کہ رویت بمعنی علم ہے اور علم بمعنی معرفت ہے ورنہ تو متعدی بہ سہ مفعول ہونا ضروری ہے جو کہ موجود نہیں ہیں۔

قِولَہٗ: فیهِ، کی ضمیر مَا، کی طرف راجع ہے۔

قِولَہٗ: مِمّا هَمَمْتَ ای بقطع یدالیهودی.

قِولَہٗ: بِالْمَعَاصِی، خیانت سے مراد معصیت ہے تاکہ اس میں طعمہ کے طرف دار شامل ہو جائیں اسلئے کہ جرم خیانت تو صرف طعمہ سے صادر ہوا تھا۔

قِولَہٗ: حَیَاءً، اس میں اشارہ ہے کہ استخفاء بمعنی حَیَاء ہے تاکہ مشاکلت ہو جائے اس لئے کہ لایستخفون من اللّٰہ میں استخفاء بمعنی حیاء ہے اسلئے کہ استخفاء، اللہ سے محال ہے لہٰذا اس کی نفی سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

قِولَہٗ: قُرِءَ عنه یعنی عنهم کے بجائے عنه بھی ایک قراءت میں پڑھا گیا ہے، ای عن طُعْمَة.

قِولَہٗ: تحَمَّلَ، احتمل کی تفسیر تحَمَّلَ سے کی ہے اس لئے کہ تَفَعُّلْ اخذ فی الاثم میں زیادہ مشہور ہے۔

قِولَہٗ: بَیِّناً، اس میں اشارہ ہے کہ متعدی بمعنی لازم ہے۔

تفسیر وتشریح

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ، (الآیۃ) اَرَاکَ، یہاں بتادیا، سمجھادیا کے معنی میں ہے، مذکورہ آیت اس باب میں صریح ہے کہ حیلے جو کچھ بھی کئے جائیں قرآنی قانون ہی کے مطابق کئے جائیں نہ کہ اپنی ہوائے نفس کے مطابق یا کسی انسانی دماغ کے گھڑے ہوئے آئین ودستور کے مطابق۔

نزول آیات کا پس منظر:

مذکورہ سات آیات ایک خاص واقعہ سے متعلق ہیں، لیکن عام قرآنی اسلوب کے مطابق جو ہدایات اس سلسلہ میں دی گئی ہیں وہ اس واقعہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے عام ہدایات ہیں جو کہ بہت سے اصول وفروع پر مشتمل ہیں۔

واقعہ کی تفصیل:

انصار کے ایک قبیلہ بنوابُیرِق کے ایک گھرانے میں چار بھائی تھے، بشیر، بشر، مبشر، اور بُشَیر، یہ چوتھا بھائی منافق تھا، بغوی اور ابن جریر کی روایت میں اس کا نام طعمہ بتلایا گیا ہے اس نے حضرت قتادہ بن نعمان کے چچا رفاعہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے گھر میں نقب لگا کر آٹے کی ایک بوری اور اس میں رکھی ہوئی ایک زرہ چرالی، صبح کو جب حضرت رفاعہ نے یہ ماجرا دیکھا تو اپنے بھتیجے قتادہ کے پاس آئے اور چوری کے واقعہ کا ذکر کیا، سب نے مل کر محلہ میں جستجو شروع کی، بعض لوگوں نے بتایا کہ آج رات ہم نے دیکھا تھا کہ بنوابیرق کے گھر میں آگ روشن تھی، ہمارا خیال ہے کہ وہی کھانا پکایا گیا ہے بنوابیرق کو جب راز فاش ہونے کی خبر ملی تو خود ہی کہنے لگے کہ یہ کام لبید بن سہل کا ہے لبید ایک مخلص اور نیک مسلمان تھے جب ان کو اس الزام کی خبر ہوئی تو وہ تلوار لے کر آئے اور کہا چوری میرے سر لگاتے ہو اب میں تلوار اس وقت تک میان میں نہ رکھونگا جب تک کہ چوری کی حقیقت معلوم نہ ہوجائے۔

بنوابُیرق نے آہستہ سے لبید سے کہا آپ بے فکر رہیں آپ کا نام کوئی نہیں لیتا اور نہ یہ کام آپ کا ہوسکتا ہے بغوی اور ابن جریر کی روایت میں یہ بھی ہے کہ بنوابیرق نے چوری ایک یہودی کے نام لگادی، اور ہوشیاری یہ کی کہ آٹے کی بوری کو تھوڑا سا پھاڑ دیا جس کی وجہ سے رفاعہ کے مکان سے یہود کے مکان تک آٹا گرتا چلا گیا، ابیرق نے زرہ اور دیگر چوری کا سامان اس یہودی کے پاس رکھوا دیا، چنانچہ تحقیق کے وقت مسروقہ مال یہودی کے گھر سے برآمد ہوا یہودی نے قسم کھا کر کہا کہ زرہ وغیرہ مجھے ابن ابیرق نے دی ہیں ادھر حضرت قتادہ اور رفاعہ کو مختلف قرائن سے یہ غالب گمان ہوگیا تھا کہ یہ کاروائی بنوابُیرق کی ہے، حضرت قتادہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر چوری کے واقعہ کی تفصیل اور بنوابیرق کے بارے میں گمان غالب کا ذکر کردیا۔

بنوابیرق کو جب خبر ملی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت قتادہ اور رفاعہ کی شکایت کی کہ بلاثبوت شرعی ہمارے اوپر چوری کا الزام لگاتے ہیں، حالانکہ مسروقہ مال یہودی کے گھر سے برآمد ہوا ہے آپ ان کو منع کریں ہمارے نام چوری نہ لگائیں، یہودی پر دعوی کریں، ظاہری حالات وآثار سے آنحضرت ﷺ کا بھی اسی طرف رجحان ہوگیا کہ یہ کام یہودی کا ہے، بغوی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا ارادہ ہوگیا کہ یہودی پر چوری کی سزا جاری کریں اور اس کا ہاتھ کاٹ دیں۔

ادھر یہ ہوا کہ حضرت قتادہ جب آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ بغیر دلیل اور ثبوت کے ایک مسلمان گھرانے پر چوری کا الزام لگا رہے ہو، حضرت قتادہ اس معاملہ سے بہت رنجیدہ ہوئے اور افسوس کرنے لگے کہ کاش میں اس معاملہ میں آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی بات نہ کرتا اور حضرت رفاعہ کو جب آپ ﷺ کی گفتگو کا علم ہوا تو ان کو بھی تکلیف ہوئی مگر صبر کیا اور فرمایا "وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ"۔

اس واقعہ پر ابھی کچھ وقت نہ گذرا تھا کہ قرآن کریم کا پورا ایک رکوع اس بارے میں نازل ہوگیا جس کے ذریعہ آپ پر واقعہ کی حقیقت منکشف کردی گئی، اور ایسے معاملات کے متعلق عام ہدایات دی گئیں۔

قرآن کریم نے بنواُبیرق کی چوری کھول دی اور یہودی کو بری کردیا تو بنوابیرق مجبور ہوئے اور مسروقہ مال آنحضرت کی خدمت میں پیش کردیا، آپ ﷺ نے رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس دلوادیا انہوں نے یہ سب اسلحہ جہاد کے لئے وقف کردیا ادھر جب بنوابیرق کی چوری کھل گئی تو بُشَیر بن ابیرق مدینہ سے بھاگ کر مکہ چلا گیا، اور مشرکین سے جا کر مل گیا پہلے منافق تھا اب کھلا کافر ہوگیا، اس نے مکہ میں جا کر ایک مکان میں نقب لگایا اور دیوار اس کے اوپر گرگئی اور وہیں دب کر مرگیا۔

مذکورہ واقعہ میں قرآنی اشارات:

اس واقعہ سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ نبی کو بھی بحیثیت انسان غلط فہمی ہوسکتی ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے ورنہ آپ پر صورت حال فوراً واضح ہوجاتی تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالی اپنے پیغمبر کی حفاظت فرماتا ہے اور اگر کبھی خطاء اجتہادی ہوجائے تو فوراً اصلاح کردی جاتی ہے۔

وَاسْتَغْفِرِ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا، یعنی اس بات پر کہ بغیر تحقیق کے آپ نے جو خیانت کرنے والوں کی حمایت کی ہے اس پر اللہ سے مغفرت طلب کریں، اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو مومنین اس منافق کے ساتھ اس کی حمایت کرنے کی وجہ سے خیانت یعنی معصیت میں مبتلا ہوگئے آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں مذکورہ واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فریقین میں سے جب تک کسی کی بات پر پورا یقین نہ ہو کہ وہ حق پر ہے اس کی حمایت اور وکالت کرنا جائز نہیں۔

اگر کوئی فریق دھوکے اور فریب اور چرب زبانی سے عدالت یا حاکم سے اپنے حق میں فیصلہ کرالے تو ایسے فیصلے کی عند اللہ کوئی حیثیت نہیں، اس بات کو نبی ﷺ نے ایک حدیث میں اسطرح بیان فرمایا ہے، خبردار میں ایک انسان ہی ہوں اور

جسطرح میں سنتا ہوں اسی کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہوں ممکن ہے کہ ایک شخص اپنی دلیل اور حجت پیش کرنے میں تیز طرار ہو اور ہوشیار ہو اور اس طرح میں ایک مسلمان کا حق دوسرے کو دیدوں، اسے یاد رکھنا چاہئے کہ یہ آگ کا ٹکڑا ہے یہ اس کی مرضی ہے کہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔ (صحیح بخاری)

روداد کے مطابق فیصلہ کرنا گناہ نہیں:

اگرچہ قاضی کی حیثیت سے نبی ﷺ کا روداد کے مطابق فیصلہ کر دینا بجائے خود آپ کے لئے کوئی گناہ نہ ہوتا، اور ایسی صورتیں قاضیوں کو پیش آتی رہتی ہیں کہ ان کے سامنے غلط روداد پیش کر کے حقیقت کے خلاف فیصلے حاصل کر لئے جاتے ہیں، لیکن ایسے وقت جبکہ اسلام اور کفر کے درمیان ایک زبردست کشمکش برپا تھی، اگر نبی ﷺ روداد مقدمہ کے مطابق فیصلہ صادر فرمادیتے تو اسلام کے مخالفوں کو آپ کے خلاف بلکہ پوری اسلامی جماعت اور خود وحدت اسلامی کے خلاف ایک زبردست اخلاقی حربہ مل جاتا وہ یہ کہتے پھرتے کہ اجی یہاں حق وانصاف کا کیا سوال ہے؟ یہاں تو وہی جتھ بندی اور عصبیت کام کر رہی ہے جس کے خلاف تبلیغ کی جاتی ہے، اسی خطرے سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس مقدمے میں مداخلت فرمائی۔

آپ ﷺ کو اجتہاد کا حق حاصل تھا:

اِنا انزلنا الیك الکتاب بالحق الخ، اس آیت سے پانچ باتیں ثابت ہوئیں، ① ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ کو ایسے مسائل میں جن میں قرآن کریم کی کوئی صریح نص نہ ہو اپنی رائے سے اجتہاد کا حق حاصل تھا اور آپ نے مہمات میں بسا اوقات فیصلے اپنے اجتہاد سے فرمائے بھی ہیں، ② دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجتہاد وہی معتبر ہے جو قرآنی اصول اور نصوص سے ماخوذ ہو خالص اپنی رائے اور خیال معتبر نہیں ③ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ کا اجتہاد دوسرے ائمہ مجتہدین کے اجتہاد سے مختلف تھا اسلئے کہ ائمہ مجتہدین کے اجتہاد میں غلطی کا احتمال ہمیشہ باقی رہتا ہے بخلاف آپ ﷺ کے اجتہاد کے کہ اگر آپ سے کبھی اجتہادی خطا ہو بھی جاتی تو حق تعالیٰ اس پر آپ کو متنبہ فرمادیتے اور حق کے مطابق کرادیتے، اور اگر آپ نے اجتہاد سے کوئی فیصلہ فرمایا اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس میں کوئی تنبیہ وغیرہ نہیں آئی تو یہ اس بات کی علامت تھی کہ آپ کا فیصلہ صحیح ہے، ④ چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ جو کچھ قرآن سے سمجھتے تھے وہ اللہ ہی کا سمجھایا ہوا ہوتا تھا اس میں غلطی کا امکان نہ ہوتا تھا بخلاف دیگر علماء مجتہدین کے، یہ بات لفظ بِمَا اَرَاكَ اللّٰہ سے سمجھ میں آتی ہے، اسی وجہ سے جب ایک شخص نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا فاحکم بما اراك اللہ تو آپ نے اس کو ڈانٹا کہ یہ خصوصیت آپ ﷺ کی ہے، ⑤ پانچویں بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی جھوٹے مقدمہ کی دانستہ پیروی کرنا یا اس کی تائید وحمایت کرنا سب حرام ہے۔ (معارف ملخصًا)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ يا محمد وَرَحْمَتُهٗ بالعصمة لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ من قوم طعمة اَنْ يُّضِلُّوْكَ عن القضاء بالحق بتلبيسهم عليك وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ زائدة شَيْءٍ لان وبال اضلالهم عليهم وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ القرآن وَالْحِكْمَةَ ما فيه من الاحكام وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ من الاحكام والغيب وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ بذلك وغيره عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اى الناس اى ما يتناجون فيه ويتحدثون اِلَّا نجوى مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ عمل بر اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ المذكور ابْتِغَآءَ طلب مَرْضَاتِ اللّٰهِ لا غيره من امور الدنيا فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ بالنون والياء اى الله اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ يخالف الرَّسُوْلَ فيما جاء به من الحق مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى ظهر له الحق بالمعجزات وَيَتَّبِعْ طريقا غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اى طريقهم الذى هم عليه من الدين بان يكفر نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى نجعله واليا لما تولاه من الضلال بان نخلى بينه فى الدنيا وَنُصْلِهٖ ندخله فى الآخرة جَهَنَّمَ ليحترق فيها وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ مرجعا هى.

ترجمہ: اے محمد اگر آپ کے اوپر اللہ کا فضل اور حفاظت کی مہربانی نہ ہوتی تو (طعمة ابن اُبیرق) کی قوم کی ایک جماعت نے آپ کو برحق فیصلہ کرنے سے اشتباہ میں ڈال کر بہکانے کا قصد کر ہی لیا تھا، مگر دراصل یہ لوگ اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، مِنْ، زائدہ ہے، گمراہ کرنے کا وبال خود ان کے اوپر ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب قرآن اور حکمت کہ جس میں احکام ہیں نازل فرمایا اور آپ کو وہ احکام اور مغیبات سکھائے کہ جن کو آپ نہیں جانتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا تیرے اوپر یہ اور اس کے علاوہ کا بڑا بھاری فضل ہے، ان لوگوں کے خفیہ مشوروں میں اکثر کوئی خیر نہیں یعنی جس میں یہ سرگوشی اور گفتگو کرتے ہیں (اس میں کوئی خیر نہیں) ہاں، اس شخص کے مشورہ میں کہ جو صدقہ یا کارِ خیر کا خفیہ مشورہ کرے یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا مشورہ کرے (خیر ہے) اور جو یہ مذکورہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کرے نہ کہ کسی اور دنیوی غرض کے لئے تو ہم اسے یقیناً اجر عظیم عطا فرمائیں گے (نؤتیہ) میں یا اور نون دونوں ہیں، یعنی اللہ، اور جو شخص اس حق میں جس کو رسول لایا ہے معجزات کے ذریعہ راہِ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد (بھی) رسول کی مخالفت کرے اور جو (عام) ایمان والوں کا راستہ چھوڑ کر دوسروں کا راستہ اختیار کرے یعنی اس دین کے راستہ کو چھوڑ کر جس پر وہ ہے بایں طور کہ اس کا انکار کرے تو ہم اسے وہی کرنے دیں گے جو وہ کر رہا ہے یعنی ہم اسے اسی گمراہی کا والی بنا دیں گے جس کا وہ والی بنا ہے، اس طریقہ پر کہ ہم اس کو اور اس کی اختیار کردہ دنیا میں گمراہی کے درمیان آزاد چھوڑ دیں گے اور اس کو آخرت میں جہنم میں جھونک دیں گے تاکہ اس میں جلتا رہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لَھَمَّتْ، یہ لولا فضل اللّٰہ، کا جواب ہے۔

سَوَالْ: لولا وجود اول کی وجہ سے امتناع ثانی پر دلالت کرتا ہے مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے فضل کی وجہ سے ان لوگوں نے آپ کو بے راہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا، حالانکہ وہ ارادہ کر چکے تھے۔

جَوَابْ: یہاں ارادہ سے مراد وہ ارادہ ہے کہ جو مع الضلال ہو اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے فضل کی وجہ سے اضلال مقصود منتفی ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: مِنْ زَائِدَۃٌ، اسلئے کہ یَضُرُّ متعدی بنفسہ بدو مفعول ہے تقدیر عبارت یہ ہے ''وما یَضُرُّوْنَكَ مِن شئٍ۔

قَوْلُہٗ: مَایَتَنَاجَوْنَ فیه، اس میں اشارہ ہے کہ نجوی مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلّا نَجْوٰی، نجوی مضاف محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ حذف مضاف کے بغیر مَا یَتَنَاجَوْنَ سے مَنْ امَرَ کا استثناء درست نہیں ہے۔

تفسیر و تشریح

عصمتِ نبی کی خصوصی حفاظت:

وَلَوْلَا فضل اللّٰہ علیك ورحمته (الآیۃ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اس حفاظت و نگرانی کا ذکر ہے جس کا اہتمام انبیاء علیہم السلام کے لئے کیا جاتا ہے، جو انبیاء علیہم السلام کیلئے اللہ کے فضل خاص کا مظہر ہے۔

طائفۃ سے وہ لوگ مراد ہیں جو بنو اُبَیْرِق کی حمایت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کی صفائی پیش کر رہے تھے، جس سے یہ اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ نبی ﷺ اس شخص کو چوری سے بری کر دیں گے جو فی الواقع چور تھا۔

وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْكَ الکتاب والحکمة الخ اس آیت میں کتاب کے ساتھ حکمت کو بھی داخل فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ حکمت جو نام ہے آپ کی سنت کا یہ بھی من جانب اللہ تعلیم کردہ ہے فرق صرف یہ ہے کہ اس کے الفاظ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتے البتہ معانی من جانب اللہ ہی ہوتے ہیں۔

یہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ وحی کی دو قسمیں ہیں متلو اور غیر متلو۔ وحی متلو قرآن ہے جس کے معانی اور الفاظ دونوں اللہ کی جانب سے ہیں اور غیر متلو حدیث رسول کا نام ہے جس کے الفاظ آنحضرت ﷺ کے اور معانی من جانب اللہ۔

لا خیرَ فی نجواھم الخ یہاں سرگوشی سے وہ سرگوشی مراد ہے جو منافقین آپس میں مسلمانوں کے خلاف کرتے تھے اور صدقۃ سے مراد ہر قسم کی نیکی ہے اور اصلاح بین الناس کے لئے آپس میں مشورے بھی خیر میں شامل ہیں، احادیث میں بھی ان امور کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے اور ہر نیکی کے اجر و ثواب اور فضیلت کے مانند اس کا اجر

وثواب بھی اخلاص نیت پر موقوف ہے، رشتہ دار و دوستوں اور باہم ناراض دیگر لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا بہت عظیم عمل ہے ایک حدیث میں اسے نفلی روزوں، نفلی نمازوں اور نفلی صدقات وخیرات سے بھی افضل بتلایا گیا ہے (ابوداؤد) حتی کہ صلح کرانے والے کے لئے جھوٹ تک بولنے کی اجازت ہے یعنی کہ ایک دوسرے کو قریب لانے کے لئے دروغ مصلحت آمیز کی ضرورت پڑے تو وہ اس میں بھی تامل نہ کرے۔ (بخاری شریف کتاب الصلح، ترمذی شریف کتاب البر)

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿١١٦﴾ عن الحق إِنْ ما يَّدْعُوْنَ يعبد المشركون مِنْ دُوْنِهٖٓ اى الله اى غيره إِلَّآ إِنٰثًا ۚ اصنامًا مؤنثة كاللات والعزى ومناة وَإِنْ ما يَّدْعُوْنَ يعبدون بعبادتها إِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿١١٧﴾ خارجًا عن الطاعة لطاعتهم له فيها وهو ابليس لَّعَنَهُ اللّٰهُ ابعده عن رحمته وَقَالَ اى الشيطن لَأَتَّخِذَنَّ لاجعلن لى مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا حظًا مَّفْرُوْضًا ﴿١١٨﴾ مقطوعًا ادعوهم الى طاعتى وَّلَأُضِلَّنَّهُمْ عن الحق بالوسوسة وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ القى فى قلوبهم طول الحيوة وان لا بعث ولا حساب وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ يقطعن اٰذَانَ الْأَنْعَامِ وقد فعل ذلك بالبحائر وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ دينه بالكفر واحلال ما حرم وتحريم ما احل وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا يتولاه ويطيعه مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيره فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿١١٩﴾ بيّنًا لمصيره الى النار المؤبدة عليه يَعِدُهُمْ طول العمر وَيُمَنِّيْهِمْ نيل الامال فى الدنيا وان لا بعث ولا جزاء وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ بذلك إِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢٠﴾ باطلًا أُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿١٢١﴾ معدلًا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ اى وعدهم الله ذلك وحقه حقًا وَمَنْ اى لا احد أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿١٢٢﴾ قولًا ونزل لما افتخر المسلمون واهل الكتب لَيْسَ الامر منوطًا بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ بل بالعمل الصالح مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ اما فى الاخرة او فى الدنيا بالبلاء والمحن كما ورد فى الحديث وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيره وَلِيًّا يحفظه وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٢٣﴾ يمنعه منه وَمَنْ يَّعْمَلْ شيئًا مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ بالبناء للمفعول والفاعل الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿١٢٤﴾ قدر نقرة النواة وَمَنْ اى لا احد أَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ اى انقاد واخلص عمله لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ موحد وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرٰهِيْمَ الموافقة لملة الاسلام حَنِيْفًا ۗ حال اى مائلًا عن الاديان كلها الى الدين القيم وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٥﴾ صفيًا خالص المحبة له وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ ملكًا وخلقًا وعبيدًا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٦﴾ علمًا وقدرة اى لم يزل متصفًا بذلك.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ قطعاً معاف نہ کرے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے (ہاں) شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے گا معاف کر دے گا، اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ حق سے بہت دور جا پڑتا ہے مشرک اللہ کو چھوڑ کر عورتوں یعنی (دیویوں) کی بندگی (پوجا) کرتے ہیں، جیسا کہ لات کی اور عزیٰ کی اور مناۃ کی، ان کی عبادت نہیں ہے مگر سرکش شیطان کی عبادت جو حد طاعت سے خارج ہونیوالا ہے بتوں کی عبادت میں مشرکوں کے شیطان کی بات ماننے کی وجہ سے اور وہ ابلیس ہے، اللہ نے اس پر لعنت فرمائی یعنی اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا، اور وہ شیطان کہہ چکا ہے کہ میں تیرے بندوں میں سے اپنا مقرر حصہ لے کر رہوں گا (یعنی) میں ان کو اپنی اطاعت کی دعوت دوں گا، اور وسوسہ کے ذریعہ میں انہیں حق سے ضرور گمراہ کر کے رہوں گا اور میں ان میں طول حیات کی (باطل) آرزو ضرور ڈالوں گا او۔ یہ کہ بعث وحساب ہونیوالا نہیں ہے، اور یہ کہ میں ان کو حکم دوں گا کہ جانوروں کے کانوں کو شگاف دیں چنانچہ ایسا بحائر میں کیا گیا، (بحیرہ وہ اونٹنی کہ جس نے چار مرتبہ نر جننے کے بعد پانچویں مرتبہ مادہ جنا ہو) اور میں ان سے کہوں گا کہ اللہ کی مخلوق کو (یعنی) اس کے دین کو کفر کے ذریعہ اور حرام کردہ کو حلال کر کے اور حلال کو حرام کر کے بگاڑ دیں، اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو رفیق بنائیگا یعنی اس سے دوستی کرے گا اور اس کی اطاعت کرے گا، وہ یقیناً کھلے نقصان میں پڑے گا، اس کے دائمی عذاب کی طرف لوٹنے کی وجہ سے، وہ ان سے زندگی بھر (زبانی) وعدے کرتا رہیگا اور ان کو دنیا میں آرزو پوری ہونے کی امید دلاتا رہیگا، اور یہ کہ بعث وحساب کچھ ہونیوالا نہیں ہے، ان سے شیطان کے وعدے سراسر فریب کاریاں ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں سے انھیں چھٹکارا نہ ملے گا، اور جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے تو ہم ان کو ایسی جنت میں داخل کریں گے جن میں نہریں جاری ہوں گی اور جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے اللہ کا وعدہ حق ہے یعنی اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے جو سراسر حق ہے اور اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہے؟ کسی کی نہیں، اور جب مسلمانوں اور اہل کتاب نے فخر کیا تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی اور (ایمان وطاعت) کا مدار (اے مسلمانوں) نہ تمہاری آرزؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزؤں پر بلکہ عمل صالح پر ہے، جو برے عمل کرے گا اس کو سزا دی جائیگی یا تو آخرت میں یا دنیا میں آزمائش اور محنت کے ساتھ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا دوست نہ پائیگا، کہ اس کی حفاظت کر سکے، اور نہ مددگار کہ اس کا دفاع کر سکے، اور جو کوئی کچھ بھی نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور مومن بھی ہو تو ایسے سب لوگ جنت میں جائیں گے (یدخلون) مجہول اور معروف دونوں ہیں، اور ان پر ذرہ برابر (یعنی) بقدر گٹھلی کے شگاف کے بھی ان پر ظلم نہ کیا جائیگا، اور دین میں اس سے بہتر کون ہے؟ کوئی نہیں، جو اپنا رخ اللہ کی طرف کر دے، یعنی اس کا فرمانبردار ہو جائے اور اپنا عمل (اللہ کیلئے) خالص کر لے، اور وہ محسن موحد بھی ہو اور ابراہیم راست رو کے مذہب کی جو کہ ملت اسلام کے مطابق ہے پیروی کرے حال یہ کہ وہ تمام ادیان سے بے رخی کر کے صحیح دین کی طرف رخ کرے، اور اللہ نے ابراہیم کو تو اپنا دوست بنا لیا یعنی اس سے خالص محبت کرنے والا اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ

زمینوں اور آسمانوں میں ہے ملکیت کے اعتبار سے اور تخلیق کے اعتبار سے اور مملوکیت کے اعتبار سے اور اللہ ہر شئی کا علم و قدرت کے اعتبار سے احاطہ کئے ہوئے ہے یعنی وہ اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مَرِیْدًا (ن ك) صفت مشبہ، سرکش، ہر خیر سے خالی، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ یہ کلام مستانف ہے شرک کو معاف نہ کرنے کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔

قولہ: لَعَنَہُ اللّٰہُ، یہ شیطانًا کی دوسری صفت ہے پہلی مریدًا ہے۔

قولہ: اُمَنِّیَنَّھُمْ، میں ان کو امیدیں دلاؤں گا، ان کے دلوں میں لمبی لمبی تمنائیں ڈالوں گا، تمنیۃ سے مضارع واحد متکلم بانون تاکید ثقیلہ۔

قولہ: یُبَتِّکُنَّ مضارع جمع مذکر غائب بانون تاکید ثقیلہ، تَبْتِیكٌ، (تفعیل) مادہ بَتْكٌ، وہ خوب کاٹیں گے۔

قولہ: بَحَائِر، بَحِیْرَۃ کی جمع ہے وہ اونٹنی جو مسلسل چار مرتبہ نر جنے اور پانچویں بار مادہ جنے، ایسی اونٹنی کے کان چیر کر مشرکین بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے اور اس سے خدمت لینا گناہ سمجھتے تھے، بحر کے مادہ میں چونکہ وسعت اور کثرت کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے جس اونٹنی کے اچھی طرح کان چیر دیئے گئے ہوں اسکو بحیرہ کہتے ہیں یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔

قولہ: دِیْنَہٗ، خلق کی تفسیر دینٌ سے کرنے میں ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔

سوال: مشرکین کا تو کوئی دین حق تھا ہی نہیں پھر اس کے بدلنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟

جواب: دین سے مراد دین فطرت ہے جو ہر شخص کے اندر موجود ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولا تبدیل لخلق اللّٰہ ای لدین اللّٰہ"۔

قولہ: یَعِدُھُمْ، اور یُمَنِّیْھِمْ، ان دونوں کے مفعول محذوف ہیں جن کو مفسر علّام نے ظاہر کر دیا ہے۔

قولہ: عَنْھَا مَحِیْصًا، عنھا، محذوف کے متعلق ہے اور مَحِیْصًا سے حال ہے ای کائنًا عَنْھَا، عَنْھَا، یَجِدُوْنَ کے متعلق اس لئے نہیں ہو سکتا کہ یجدون کا صلہ عن نہیں آتا، اور نہ محیصًا کے متعلق ہو سکتا ہے اسلئے کہ محیصًا یا تو اسم مکان ہے جو کہ عمل نہیں کرتا یا مصدر ہے اور مصدر کا معمول مصدر پر مقدم نہیں ہو سکتا۔

تفسیر و تشریح

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ، (الآیۃ) ان آیات میں یہ بات واضح کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسے شخص کے لئے معافی اور رحمت کی قطعاً گنجائش نہیں جس نے شرک و کفر کیا ہو۔

شرک وکفر کی سزا دائمی کیوں؟

یہاں بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ سزا بقدر عمل ہونی چاہئے جو جرم کفر وشرک کیا ہے وہ محدود مدت عمر کے اندر کیا ہے تو اس کی سزا غیر محدود ودائمی کیوں ہوئی؟

جواب: یہ ہے کہ کفر وشرک کرنے والا چونکہ کفر کو کوئی جرم ہی نہیں سمجھتا بلکہ نیکی سمجھتا ہے اسلئے اس کا عزم وقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ اسی حال پر قائم رہے گا، اور جب مرتے دم تک وہ اس پر قائم رہا تو اس نے اپنے اختیار کی حد تک اپنا جرم دائمی کرلیا اس لئے سزا بھی دائمی ہوئی۔

شیطان کو معبود بنانیکا مطلب:

معروف معنی میں کوئی بھی شیطان کو معبود نہیں بناتا کہ اس کے سامنے سربسجدہ ہوکر مراسم بندگی ادا کرتا ہو اور اس کو الوہیۃ کا درجہ دیتا ہو البتہ شیطان کو معبود بنانے کی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کی باگ ڈور شیطان کے ہاتھ میں دیدیتا ہے اور جدھر وہ چلاتا ہے ادھر ہی چلتا ہے، گویا کہ یہ اس کا بندہ ہے اور وہ اس کا خدا، شیطان ان سے وعدہ کرتا ہے اور ان کو تمناؤں میں الجھا دیتا ہے، انسان کو سمجھنا چاہئے کہ بہکانے اور سبز باغ دکھانے کے سوا شیطان کے پاس اور کچھ نہیں ہے، جو لوگ اس کے فریب میں مبتلا ہیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان ایک مفاخرانہ گفتگو:

لَیْسَ بِاَمَانِیکم وَلَا اَمَانِی اَهْلِ الکتاب، ان آیات میں ایک مکالمہ کا ذکر ہے جو مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان ہوا تھا، پھر اس مکالمہ پر محاکمہ کیا گیا ہے آخر میں اللہ کے نزدیک مقبول اور افضل واعلیٰ ہونے کا ایک معیار بتایا گیا ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان مفاخرت کی گفتگو ہونے لگی، اہل کتاب نے کہا ہم تم سے افضل واشرف ہیں کیونکہ ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے، مسلمانوں نے کہا ہم تم سے افضل ہیں اسلئے کہ ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں اور ہماری کتاب آخری کتاب ہے جس نے سب کتابوں کو منسوخ کردیا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لَیْسَ بِاَمَانِیکم الخ" یعنی یہ تفاخر وتعلّی کسی کو زیب نہیں دیتی اور محض خیالات اور تمناؤں سے کوئی کسی پر افضل نہیں ہوتا بلکہ مدار اعمال پر ہے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ يَطْلُبُوْنَ مِنْكَ الْفَتْوٰى **فِى** شَانِ **النِّسَآءِ** وَمِيْرَاثِهِنَّ **قُلِ** لَهُمْ **اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ مِنْ اٰيَةِ الْمِيْرَاثِ يُفْتِيْكُمْ اَيْضًا **فِىْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِىْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ** فُرِضَ

لَهُنَّ من الميراث **وَتَرْغَبُونَ** ايها الاولياء عن **اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ** لدمامتهن وتعضلوهن ان يتزوجن طمعا في ميراثهن اى يفتيكم ان لا تفعلوا ذلك و في **الْمُسْتَضْعَفِيْنَ** الصغار **مِنَ الْوِلْدَانِ** ان تعطوهم حقوقهم ويأمركم **وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ** بالعدل في الميراث والمهر **وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا** (١٢٧) فيجازيكم عليه **وَاِنِ امْرَاَةٌ** مرفوع بفعل يفسره **خَافَتْ** توقعت **مِنْۢ بَعْلِهَا** زوجها **نُشُوْزًا** ترفعا عليها بترك مضاجعتها والتقصير في نفقتها لبغضها وطموح عينه الى اجمل منها **اَوْ اِعْرَاضًا** عنها بوجهه **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا** فيه ادغام التاء في الاصل في الصاد و في قراءة يُصْلِحا من اصلح **بَيْنَهُمَا صُلْحًا** في القسم والنفقة بان تترك له شيئا طلبا لبقاء الصحبة فان رضيت بذلك والا فعلى الزوج ان يوفيها حقها او يفارقها **وَالصُّلْحُ خَيْرٌ** من الفرقة والنشوز والاعراض قال تعالى في بيان ما جبل عليه الانسان **وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ** شدة البخل اى جبلت عليه فكانه حاضرته لا تغيب عنه المعنى ان المرأة لا تكاد تسمح بنصيبها من زوجها والرجل لا يكاد يسمح عليها بنفسه اذا احب غيرها **وَاِنْ تُحْسِنُوْا** عشرة النساء **وَتَتَّقُوْا** الجور عليهن **فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا** (١٢٨) فيجازيكم به **وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا** تسوّوا **بَيْنَ النِّسَآءِ** في المحبة **وَلَوْ حَرَصْتُمْ** على ذلك **فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ** الى التي تحبونها في القسم والنفقة **فَتَذَرُوْهَا** اى تتركوا المال عليها **كَالْمُعَلَّقَةِ** التي لا هي ايم ولا ذات بعل **وَاِنْ تُصْلِحُوْا** بالعدل في القسم **وَتَتَّقُوْا** الجور **فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا** لما في قلوبكم من الميل **رَّحِيْمًا** (١٢٩) بكم في ذلك **وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا** اى الزوجان بالطلاق **يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا** عن صاحبه **مِّنْ سَعَتِهٖ** اى فضله بان يرزقها زوجا غيره ويرزقه غيرها **وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا** لخلقه في الفضل **حَكِيْمًا** (١٣٠) فيما دبره لهم **وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** بمعنى الكتب **مِنْ قَبْلِكُمْ** اى اليهود والنصارى **وَاِيَّاكُمْ** يا اهل القرآن **اَنِ** اى بان **اتَّقُوا اللّٰهَ** خافوا عقابه بان تطيعوه و قلنا لهم ولكم **اِنْ تَكْفُرُوْا** بما وصيتم به **فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** خلقا وملكا وعبيدا فلا يضره كفركم **وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا** عن خلقه وعن عبادتهم **حَمِيْدًا** (١٣١) محمودا في صنعه بهم **وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** كرره تاكيدا لتقرير موجب التقوى **وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا** (١٣٢) شهيدا بان ما فيهما له **اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ** يا **اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ** بدلكم **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا** (١٣٣) **مَنْ كَانَ يُرِيْدُ** بعمله **ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ** لمن اراده لا عند غيره فلم يطلب احدهما الاخس وهلا طلب الاعلى باخلاصه له حيث كان مطلبه لا يوجد الا عنده **وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا** (١٣٤)

ترجمہ: (لوگ) آپ سے عورتوں اور ان کی میراث کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں آپ ان سے کہئے اللہ تم کو ان کے

بارے میں فتوی دیتا ہے، اور وہ وہی ہے جو تم کو قرآن میں آیت میراث میں پڑھکر سنایا جاتا ہے اور وہ تم کو ان یتیم عورتوں کے بارے میں بھی فتوی دیتا ہے کہ جن کو تم ان کا میراث کا مقرر حصہ نہیں دیتے ہو اور اے اولیاء تم ان کی بدصورتی کی وجہ سے ان سے نکاح کرنے سے گریز کرتے ہو اور تم ان کی میراث کی لالچ کی وجہ سے ان کو نکاح کرنے سے بھی روکتے ہو، وہ تم کو فتوی دیتا ہے کہ ایسا نہ کرو، (اور تم کو) کمزور بچوں کے بارے میں (فتوی دیتا ہے) کہ تم ان کے حقوق ادا کرو اور تم کو (اس کا بھی) حکم کرتا ہے کہ تم یتیموں کے ساتھ میراث اور مہر کے معاملہ میں انصاف سے کام لو اور تم جو بھی نیک کام کرو بلاشبہ اللہ تعالی اس سے بخوبی واقف ہے سو وہ اس پر تم کو صلہ دے گا، اگر عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ ہو اس پر بالا دستی رکھنے کی وجہ سے اس کو بستر سے الگ کرکے یا اس سے بغض کی وجہ سے اس کے نفقہ میں کمی کرکے یا اس کی نظر کے اس سے زیادہ خوبصورت کی طرف اٹھنے کی وجہ سے یا اس سے بے رخی کرنے کا اندیشہ ہو تو اگر دونوں آپس میں باری میں اور نفقہ میں صلح کرلیں، اس طریقہ پر کہ شوہر کو بقاء صحبت کے لئے کچھ رعایت دے اگر بیوی اس پر راضی ہو جائے تو فبہا ورنہ تو شوہر پر اس کے حق کی ادائیگی واجب ہے یا اس کو جدا کردے تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اس میں اصل میں تاء کا صاد میں ادغام ہے، اور ایک قراءت میں یُصْلِحَا ہے اَصْلَحَ سے، اور صلح، جدائی اور نافرمانی اور بے رخی سے بہتر ہے، اور اللہ تعالی نے انسانی پیدائشی فطرت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا اور طمع ہر نفس میں شامل کردی گئی ہے یعنی شدت بخل، نفوس کو اسی پر پیدا کیا گیا ہے گویا کہ وہ بخل ہمہ وقت موجود رہتا ہے کسی وقت اس سے جدا نہیں ہوتا معنی یہ ہیں کہ عورت اپنے شوہر سے اپنے حصہ سے دست بردار ہونے کیلئے تیار نہیں ہوتی اور مرد جبکہ دوسری سے محبت کرتا ہو تو اپنی ذات کے بارے میں بیوی کو رعایت دینے کیلئے تیار نہیں ہوتا، اور اگر تم عورتوں سے حسن معاشرت کا معاملہ کرو اور ان پر ظلم کرنے سے اجتناب کرو تو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے جس کی وہ تم کو جزاء دے گا، اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ تم عورتوں کی محبت میں مساوات کرسکو اگرچہ تم اس کی کتنی ہی خواہش رکھتے ہو اس لئے باری اور نفقہ میں بالکل ہی ایک کی طرف مائل نہ ہو جاؤ کہ جس سے تم محبت کرتے ہو (اس کے مقابلہ میں) کہ جس سے تم کو رغبت نہیں ہے اس کو لٹکتی ہوئی چھوڑ دو بایں طور کہ وہ نہ بیواؤں میں ہو اور نہ شوہر والیوں میں اور اگر باری میں عدل کے ساتھ اصلاح کرو اور ظلم سے بچو تو اللہ تعالی تمہاری قلبی رغبت کو معاف کرنے والا ہے اور اس معاملہ میں تمہارے اوپر رحم کرنے والا ہے، اور اگر بیوی اور شوہر طلاق کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ تعالی اپنی وسعت سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کردے گا (یعنی) اپنے فضل سے بایں طور کہ بیوی کو دوسرا شوہر عطا کردے گا اور شوہر کو دوسری بیوی، اور اللہ تعالی اپنے مخلوق پر فضل میں وسعت والا اور ان کے لئے تدبیر میں حکمت والا ہے زمین اور آسمان کی ہر چیز اللہ ہی کی ملک ہے اور ہم ان لوگوں کو جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی کتاب بمعنی کتب ہے یعنی یہود اور نصاری، اور تم کو بھی اے اہل قرآن حکم دیا ہے یہ کہ اللہ سے ڈرو یعنی اس کے عذاب سے ڈرو اس طور پر کہ اس کی اطاعت کرو اور ہم نے ان سے اور تم سے کہدیا کہ اگر تم حکم کی نافرمانی کرو گے تو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تخلیق کے اعتبار سے اور ملک کے اعتبار سے اور مملوک ہونے کے اعتبار سے لہٰذا تمہارا کفر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اسی کی ملک ہے اور اللہ اپنی مخلوق اور اس کی عبادت سے بڑا بے نیاز اور ستودہ صفات ہے یعنی ان کے

ساتھ اپنی صنعت میں محمود ہے اور اللہ کے اختیار میں ہے زمین وآسمان میں جو کچھ بھی ہے اس کو مکرر ذکر کیا ہے موجبات تقویٰ کی تاکید کے لئے، اور اللہ کارساز ہونے کے اعتبار سے کافی ہے یعنی اس بات پر شہادت کیلئے کہ جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے اسی کی ملک ہے، اے لوگو، اگر اسے منظور ہو تو وہ تم کو ہلاک کر دے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے اللہ تعالیٰ کو اس پر پوری قدرت حاصل ہے اور جو شخص اپنے عمل سے دنیا کے اجر کا خواہشمند ہو سو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا اجر ہے اس کیلئے جو اس کا طالب ہو نہ کہ اس کے غیر کے پاس، تو ان میں سے کمتر کو کیوں طلب کرے؟ اور اپنے اخلاص کے ذریعہ اعلیٰ کو کیوں طلب نہ کرے، جبکہ اس کا مطلوب اس سے حاصل ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: فی شَان، مضاف محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ سوال احوال سے ہوتا ہے نہ کہ ذوات سے۔

قولہ: مِیْرَاثِھِنَّ، یہ شان کا بیان ہے۔

قولہ: وَمَا یُتْلٰی علیکم، اس کا عطف اللّٰه، پر ہے یعنی عورتوں کی میراث کے بارے میں اللہ اور قرآن کی آیت میراث جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی فتویٰ دیتی ہے۔

قولہ: ایضًا، اس سے بھی اشارہ ہے کہ وَمَا یُتْلٰی، کا عطف لفظ اللّٰه پر ہے۔

قولہ: دَمَامَة، بدصورتی۔

قولہ: اَنْ لَا تَفْعَلُوا ذلك، یہ اَنْ تفسیر یہ ہے، اس میں اشارہ ہے کہ ما یُفْتٰی بِهٖ، محذوف ہے لہٰذا فائدہ کے تام نہ ہونے کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قولہ: وَ فِی الْمُسْتَضْعَفِیْنَ، فی مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اس کا عطف یتامی النساء پر ہے۔

قولہ: تُعْطُوْهُمْ حُقُوْقَهم، یہ مفتی بہٖ کا بیان ہے۔

قولہ: وَیَامُرُکُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ اَنْ تقوموا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: مَرْفُوْعٌ بِفِعْلٍ یُفَسِّرُهٗ خَافَتْ، اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اِمْرَاَةٌ خَافَتْ فعل مقدر کی وجہ سے مرفوع ہے جس کی تفسیر بعد کا خافت کر رہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے "وَاِنْ خَافَتْ اِمْرَاَةٌ خَافَتْ".

قولہ: اَجْمَلَ مِنْهَا، ای جمیلة مِنها.

قولہ: فیه اِدْغَامُ التَّاءِ، یہ اس وقت ہے کہ جب کہ یصلحا کی اصل یصتلحا مانی جائے۔

قولہ: شِدَّةَ الْبُخْلِ، یہ الشح کے معنی کا بیان ہے۔

قولہ: الاَنْفُس یہ اُحضِرت، کا مفعول اول قائم مقام نائب فاعل ہے اور الشُّحَّ، مفعول ثانی ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

ابتداء سورت میں یتیموں اور عورتوں کے خاص احکام اور ان کے حقوق ادا کرنے کا وجوب مذکور تھا، اس کے بعد کی آیات میں عورتوں سے متعلق چند اور مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

شان نزول:

وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَاءِ، ان آیات کے شان نزول کے بارے میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں اور وہ سب ہی سبب نزول ہو سکتے ہیں۔

ابن جریر، ابن منذر اور حاکم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے، زمانۂ جاہلیت میں لوگ بچوں کو بڑے ہونے تک اور عورتوں کو میراث نہیں دیا کرتے تھے، جب اسلام کا زمانہ آیا تو یہ مسئلہ صحابہ نے آپ سے دریافت کیا، تو مذکورہ آیات نازل ہوئی۔

ابن جریر اور ابن منذر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بچوں کو اس وقت تک میراث میں حصہ نہ دیتے تھے جب تک وہ لڑنے کے لائق نہ ہو جائے اور نہ عورتوں کو کچھ دیتے تھے، زمانۂ اسلام کے بعد اس بارے میں آپ سے سوال کیا گیا، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

عبد بن حمید اور ابن جریر نے ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ اہل جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ اگر گھر میں کوئی یتیم لڑکی بدصورت ہوتی تو نہ تو اس سے خود نکاح کرتے اور نہ دوسروں سے کرتے بلکہ تازندگی ان کو یوں ہی رکھتے، خود شادی ان کی بدصورتی کی وجہ سے نہیں کرتے تھے اور مال کے گھر سے باہر چلے جانے کے خوف سے کسی دوسرے سے بھی ان کا نکاح نہ کرتے تھے، اس کے مرنے کے بعد خود ہی اس کے مال کے مالک ہو جاتے تھے، بخاری ومسلم نے بھی حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے اسی مضمون کی روایت نقل کی ہے، جب اسلام کا زمانہ آیا تو لوگوں نے اس معاملہ میں آپ سے سوال کیا تو مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں۔

وَمَا یُتْلٰی علیکم، کا عطف اللّٰہ یفتیکم، پر ہے اور مَا یتلی علیکم، سے سورۂ نساء کی وہ آیات مراد ہیں جن میں یتیموں اور بچوں پر ظلم کرنے سے روکا گیا ہے اور حقوق ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

وترغبون ان تنکحوھنّ، اس کے دو ترجمہ کئے گئے، ایک رغبت کرنا اس صورت میں فی محذوف ہوگی اور جن حضرات نے اعراض کرنے کا ترجمہ کیا ہے انہوں نے عن محذوف مانا ہے۔

ازدواجی زندگی کے متعلق چند قرآنی ہدایات:

وَاِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا الخ ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے ازدواجی زندگی میں پیش آنے والے تلخ حالات کے متعلق کچھ ہدایات اور احکام بیان فرمائے ہیں، اور ان تلخ حالات پر صحیح اصول کے مطابق قابو پانے کی اگر سنجیدہ کوشش نہ کی جائے تو نہ صرف زوجین کے لئے دنیا جہنم بن جاتی ہے بلکہ بعض اوقات یہ گھریلو رنجش اور کشمکش خاندانوں اور قبیلوں کو باہمی قتل وقتال تک پہنچا دیتی ہے، قرآن حکیم نے مرد وعورت دونوں کے تمام جذبات واحساسات کو پیش نظر رکھ کر ہر فریق کو ایک ایسا نظام زندگی پیش کیا ہے جس پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کا گھر دنیا ہی میں جنت نشان بن جاتا ہے، گھریلو رنجشیں اور تلخیاں محبت وراحت میں تبدیل ہو جاتی ہیں، اور اگر ناگزیر حالات میں جدائی کی نوبت آجائے تو وہ بھی خوشگواری اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پائے۔

وَاِنْ امْرَأَةٌ خافت الخ اس آیت میں ان غیر اختیاری حالات کا حل پیش کیا گیا ہے جو ایسی رنجش کا سبب بن جاتے ہیں، اور ہر فریق خود کو معذور سمجھتا ہے جس کی وجہ سے حقوق واجبہ میں کوتاہی کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے مثلاً ایک شوہر کا اپنی بیوی سے بوجہ بدصورتی کے دل نہیں ملتا یا بیوی کا شوہر کی بدصورتی کی وجہ سے دل نہیں ملتا اور ان اسباب کو رفع کرنا نہ بیوی کے ہاتھ میں ہے اور نہ شوہر کے۔

چنانچہ اس صورت حال میں مرد کے لئے تو قرآن کریم نے ایک عام قانون یہ بتلایا ہے کہ ''فَاِمساكٌ بمعروف او تسريح باحسان''، یعنی اگر عورت کو عقد نکاح میں رکھنا ہے تو اس سے پورے حقوق کی رعایت کے ساتھ رکھے، اور اگر اس پر قدرت نہیں تو اس کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دے، اگر عورت بھی جدائی پر راضی ہے تو مسئلہ آسان ہے اور اگر عورت کسی وجہ سے جدائی پر آمادہ نہیں تو کوشش کی جائے کہ شوہر کسی نہ کسی طرح بیوی کو رکھنے پر راضی ہو جائے مثلاً یہ کہ عورت اپنے تمام یا بعض حقوق کا مطالبہ ترک کر دے۔

قَوْلُهُ: شُحّ، بخل، طمع کو کہتے ہیں، یہاں مراد اپنا اپنا مفاد ہے جو ہر نفس کو عزیز ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ طرفین کے اپنے بعض حقوق سے سبکدوش ہونے کی رعایت ملتی نظر آئے تو ممکن ہے کہ فریقین ایک دوسرے کے ساتھ رہنے پر راضی ہو جائیں، مثلاً حضرت سودہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے بڑھاپے میں اپنی باری حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے لئے ہبہ کر دی تھی جسے نبی ﷺ نے قبول فرما لیا۔ (صحیح بخاری ومسلم)

بينهما، کے لفظ سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ میاں بیوی کے معاملات میں بہتر تو یہ ہے کہ تیسرا دخل نہ دے دونوں ہی آپس میں طے کر لیں، اسلئے کہ تیسرے شخص کے دخیل بننے سے بعض اوقات بات اور بگڑ جاتی ہے۔

وَلَنْ تستطيعوا ان تعدلوا بين النساء (الاية) اس آیت میں ایک دوسری صورت کا بیان ہے کہ ایک شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو دلی تعلق اور محبت میں وہ سب کے ساتھ ایک سا سلوک نہیں کر سکتا اسلئے کہ محبت، دلی تعلق کا نام ہے جس پر

کسی کو اختیار نہیں ہوتا، خود آنحضرت ﷺ کو بھی اپنی تمام ازواج میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ محبت تھی، اگر یہ قلبی میلان ظاہری حقوق کے مساوات میں مانع نہ بنے تو عنداللہ قابل مواخذہ نہیں۔

حدیث:

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے یہاں دو بیویاں ہوں اور وہ ایک ہی کا خیال رکھتا ہو تو قیامت میں وہ شخص اس حالت میں آئیگا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ قائمين **بِالْقِسْطِ** بالعدل **شُهَدَآءَ** بالحق **لِلّٰهِ وَلَوْ** كانت الشهادة **عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ** فاشهدوا عليها بان تقرّوا بالحق ولا تكتموه **اَوِ** على **الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ** المشهود عليه **غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا** منكم واعلم بمصالحهما **فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى** في شهادتكم بان تحابوا الغنيّ لرضاه او الفقير رحمة له **اَنْ** لا **تَعْدِلُوْا** تميلوا عن الحق **وَاِنْ تَلْوٗٓا** تحرفوا الشهادة وفي قراءة بحذف الواو الاولى تخفيفا **اَوْ تُعْرِضُوْا** عن ادائها **فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا**﴿١٣٥﴾ فيجازيكم به **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا** داوموا على الايمان **بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ** محمد وهو القران **وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ** على الرسل بمعنى الكتب وفي قراءة بالبناء للفاعل في الفعلين **وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا**﴿١٣٦﴾ عن الحق **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** بموسى وهم اليهود **ثُمَّ كَفَرُوْا** بعبادة العجل **ثُمَّ اٰمَنُوْا** بعده **ثُمَّ كَفَرُوْا** بعيسى **ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا** بمحمد **لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ** ما اقاموا عليه **وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا**﴿١٣٧﴾ طريقا الى الحق **بَشِّرِ** اخبر يا محمد **الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا**﴿١٣٨﴾ مؤلما هو عذاب النار **اَلَّذِيْنَ** بدل او نعت للمنافقين **يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ** لما يتوهمون فيهم من القوة **اَيَبْتَغُوْنَ** يطلبون **عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ** استفهام انكار اي لا يجدونها عندهم **فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا**﴿١٣٩﴾ في الدنيا والاخرة ولا ينالها الا اولياؤه **وَقَدْ نَزَّلَ** بالبناء للفاعل والمفعول **عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ** القران في سورة الانعام **اَنْ** مخففة واسمها محذوف اي انه **اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ** القران **يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ** اي الكافرين والمستهزئين **حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا** ان قعدتم معهم **مِّثْلُهُمْ** في الاثم **اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا**﴿١٤٠﴾ كما اجتمعوا في الدنيا على الكفر والاستهزاء **اَلَّذِيْنَ** بدل من الذين قبله **يَتَرَبَّصُوْنَ** ينتظرون **بِكُمْ** الدوائر **فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ** ظفر وغنيمة **مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا** لكم **اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ** في الدين والجهاد فاعطونا من الغنيمة **وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ** من الظفر عليكم **قَالُوْٓا** لهم **اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ** نستول **عَلَيْكُمْ** ونقدر على اخذكم وقتلكم فابقينا عليكم **وَ** الم **نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** ان يظفروا بكم

بتخذیلھم ونراسلتکم باخبارھم فلنا علیکم المنۃ قال تعالی **فَاللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ** وبینھم **یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ** بان یدخلکم الجنۃ ویدخلھم النار **وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا** ﴿۱٤١﴾ طریقا بالاستیصال.

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے حق کی گواہی دینے والے رہو چاہے وہ شہادت خود تمہارے خلاف ہی ہو تو اپنے خلاف گواہی دو بایں طور کہ حق کا اقرار کرو اور اس کو چھپاؤ نہیں یا تمہارے والدین کے اور عزیزوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، مشہود علیہ مالدار ہو یا مفلس اللہ ان دونوں سے تمہاری بہ نسبت قریب ہے اور ان دونوں کی مصلحتوں سے واقف ہے، اپنی شہادت میں خواہش نفس کی پیروی نہ کرو بایں طور کہ مالدار کی اس کی رضا جوئی کے لئے رعایت کرو یا فقیر پر رحم کے طور پر اس کی رعایت کرو بایں طور کہ حق سے ہٹ جاؤ، اور یہ کہ شہادت میں تحریف کرو، اور ایک قراءت میں تخفیفاً اول واؤ کے حذف کے ساتھ ہے، یا یہ کہ اداء شہادت سے اعراض کرو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے تو تم کو اس کی جزاء دے گا، اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل کی ہے اور وہ قرآن ہے اور ان کتابوں پر جو سابق میں رسولوں پر نازل کی ہیں ایمان پر قائم رہو اور کتاب بمعنی کتب ہے اور ایک قراءت میں دونوں فعل معروف کے صیغے کے ساتھ ہیں، اور جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن سے کفر کرتا ہے وہ گمراہی میں حق سے بہت دور جا پڑا بے شک جو لوگ موسیٰ پر ایمان لائے اور وہ یہود ہیں، پھر بچھڑے کی پوجا کر کے کافر ہو گئے پھر اس کے بعد ایمان لائے پھر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منکر ہوئے پھر محمد ﷺ کا انکار کر کے کفر میں ترقی کرتے گئے اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ کرے گا جب تک وہ کفر پر قائم رہیں گے اور نہ ان کو حق کی طرف سیدھا راستہ دکھائیگا، اے محمد منافقوں کو بتا دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور وہ آگ کا عذاب ہے وہ لوگ جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائے ہوئے ہیں، اسلئے کہ ان میں قوت خیال کرتے ہیں، (الذین) منافقین سے بدل یا صفت واقع ہے کیا ان کے پاس عزت تلاش کر رہے ہیں؟ استفہام انکاری ہے، یعنی ان سے عزت نہ پائیں گے، اس لئے کہ دنیا اور آخرت میں تمام تر عزت اللہ کے پاس ہے اس کو خدا کے دوست ہی حاصل کر سکتے ہیں اور اللہ تمہارے پاس اپنی کتاب قرآن میں (نَزَّل) معروف اور مجہول دونوں ہے سورۂ انعام میں یہ حکم نازل کر چکا ہے (اَنْ) مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے، ای اَنَّہٗ، کہ جب تم (کسی مجلس میں) لوگوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو تم ان کے پاس نہ بیٹھو، یعنی استہزاء کرنے والے کافروں کے پاس، تا آں کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں، ورنہ تو یعنی اگر تم ان کے پاس بیٹھے تو تم بھی گناہ میں ان کے مثل ہو جاؤ گے اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں جمع کرے گا جیسا کہ وہ دنیا میں کفر واستہزاء پر جمع ہوئے تھے (یہ) وہ (لوگ) ہیں کہ جو تمہارے لئے مصیبتوں کے منتظر ہیں تو اگر تمہیں اللہ کی جانب سے فتح اور (مال) غنیمت حاصل ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ دین اور جہاد میں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ لہٰذا ہم کو بھی مال غنیمت سے حصہ دو اور اگر کافروں کو تمہارے اوپر فتح نصیب ہوتی ہے تو ان سے کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے؟ اور کیا ہم

تمہاری گرفت اور قتل پر قادر نہیں ہو چکے تھے، مگر ہم نے تم پر رحم کیا، اور کیا یہ بات نہیں کہ ہم نے مسلمانوں کو پست ہمت کر کے اور ان کی خبریں تم کو پہنچا کر تمہارے اوپر مسلمانوں کو غالب آنے سے بچایا لہٰذا ہمارا تم پر احسان ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ ہی تمہارے اور ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا اس طریقہ پر کہ تم کو جنت میں اور ان کو دوزخ میں داخل کرے گا، اور اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہ دے گا، یعنی ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے پر غلبہ نہ دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: فَاشْهَدُوْا عَلَيْهَا، یہ لَوْ کا جواب ہے، دلالت ماقبل کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بِاَنْ تُقِرُّوْا، اس میں اشارہ ہے کہ اپنے نفس کے خلاف گواہی دینے کا مطلب ہے اقرار کرنا۔

قَوْلُہٗ: المَشْهُوْدُ عَلَيْهِ، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ یکن کے اندر جو ضمیر ہے وہ والدین اور اقربین کی طرف راجع ہے جو کہ جمع ہے اور یکن کے اندر ضمیر واحد ہے لہٰذا ضمیر اور مرجع میں اتحاد نہیں ہے جو کہ ضروری ہے۔

جَوَاب: یہ ہے کہ یکن کی ضمیر کا مرجع مشهود عليه ہے جو کہ جنس ہونے کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے۔

قَوْلُہٗ: منكم، اس میں اشارہ ہے کہ مفضل علیہ محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاَنْ تَعْدِلُوْا، تتبعوا الهوى. تَتَّبِعُوْا متعدی بیک مفعول ہے اور وہ ھوی ہے اب یہ دوسرے مفعول کی طرف بغیر حرف کے متعدی نہیں ہو سکتا، اسی لئے لام مقدر مانا ہے تاکہ دوسرے مفعول کی طرف متعدی ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: بعده، اى بعد عود موسىٰ،

قَوْلُہٗ: اَلَّذِيْنَ، عَنِّي محذوف کی وجہ سے منصوب بھی ہو سکتا ہے۔

تفسیر و تشریح

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ، اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو عدل و انصاف قائم کرنے اور حق کے مطابق گواہی دینے کی تاکید فرما رہے ہیں نہ صرف یہ کہ حق و انصاف کی روش پر چلنے کے لئے کہا جا رہا ہے بلکہ فرمایا جا رہا ہے کہ حق و انصاف کے علمبردار بنو تمہارا کام صرف انصاف کرنا ہی نہیں ہے بلکہ حق و انصاف کا جھنڈا لیکر اٹھنا ہے تمہیں اس بات پر کمربستہ ہونا چاہئے کہ ظلم مٹے اور اس کی جگہ عدل و راستی قائم ہو حق و انصاف کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف و شہادت کی زد خود تمہاری ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑے۔

یعنی تمہاری گواہی محض خدا کے لئے ہونی چاہئے نہ اس میں کسی کی رو رعایت ہو نہ کوئی ذاتی مفاد یا خدا کے سوا کسی کی خوشنودی تمہارے مدنظر نہ ہو، یعنی نہ کسی مالدار کی مالداری کی وجہ سے رعایت کی جائے اور نہ کسی فقیر کے فقر کی وجہ سے سچی بات کہنے سے تم

کو باز رہنا چاہئے اسلئے کہ اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے لہٰذا تمہاری خیر خواہی کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا خواہش نفس، عصبیت یا بغض تمہیں انصاف کرنے سے نہ روک دے ایک دوسرے مقام پر فرمایا'' ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا'' تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، جس معاشرہ میں عدل کا اہتمام ہوگا وہاں امن وسکون اور اللہ کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوگا صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا تھا، چنانچہ عبداللہ ابن رواحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بابت آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہ وہاں کے پھلوں اور فصلوں کا تخمینہ لگا کر آئیں یہودیوں نے انہیں رشوت کی پیش کش کی تاکہ کچھ رعایت و نرمی سے کام لیں تو آپ نے فرمایا ''میں اس کی طرف سے نمائندہ بن کر آیا ہوں جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہو، لیکن اپنے محبوب کی محبت اور تمہاری دشمنی مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ میں تمہارے معاملہ میں انصاف نہ کروں'' یہ سنکر یہود نے کہا اسی عدل کی وجہ سے آسمان وزمین کا یہ نظام قائم ہے۔ (ابن کثیر)

اِن الّذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا، بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہی رائے علامہ سیوطی کی ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، سیاق وسباق سے یہی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

عزت اللہ ہی سے طلب کرنی چاہئے:

الّذین یتخذون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین، مطلب یہ ہے کہ یہ منافقین مسلمانوں جیسے عقیدے تو کیا رکھتے یہ تو ظاہری تعلقات بھی مسلمانوں کے ساتھ رکھنا پسند نہیں کرتے بلکہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ کافروں کے پاس بیٹھ کر ہم کو دنیا میں عزت ملے گی، ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے عزت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جو اس کی اطاعت کرے گا اس کو عزت ملے گی، اور ایسے لوگ دنیا وآخرت دونوں میں ذلیل ہوں گے۔

وقد نزل علیکم فی الکتاب، (الآیة) یعنی اللہ اس کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جارہا ہے اور اس کا مذاق اڑایا جارہا ہے وہاں نہ بیٹھو، مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص اسلام کا دعویٰ رکھنے کے باوجود کافروں کی ان مجلسوں میں شریک ہوتا ہے جہاں آیات الٰہیہ کے خلاف کفر بکا جاتا ہے اور یہ شخص خاموشی سے خدا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے ہوئے سنتا ہے تو اس میں اور کافروں میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں شراب کا دور چلے، اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں اور اجتماعات میں شریک ہونا جس میں اللہ رسول کے احکام کا قولاً یا عملاً مذاق اڑایا جاتا ہو سخت گناہ ہے، ہاں البتہ جو اس گفتگو کو ختم کر کے کوئی دوسری بات شروع کر دیں تو اس وقت ان کے ساتھ مجالست جائز ہے یا نہیں؟ قرآن کریم نے اس کو صراحت سے بیان نہیں فرمایا، اسی لئے علماء کا اس میں اختلاف ہے بعض

نے کہا ایسے وقت شرکت جائز ہے اس لئے کہ شرکت کی ممانعت کی علت مفقود ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ایسے کفار و فجار کے ساتھ بعد میں بھی مجالست درست نہیں ہے، حسن بصری کی یہی رائے ہے۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ بِاظْهَارِهِمْ خِلَافَ مَا اَبْطَنُوْهُ مِنَ الْكُفْرِ لِيَدْفَعُوْا عَنْهُمْ اَحْكَامَهُ الدُّنْيَوِيَّةَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ مُجَازِيْهِمْ عَلٰى خِدَاعِهِمْ فَيُفْتَضَحُوْنَ فِي الدُّنْيَا بِاطِّلَاعِ اللّٰهِ نَبِيَّهُ عَلٰى مَا اَبْطَنُوْهُ وَيُعَاقَبُوْنَ فِي الْاٰخِرَةِ وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَامُوْا كُسَالٰى مُتَثَاقِلِيْنَ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ بِصَلَاتِهِمْ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ يُصَلُّوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا (١٤٢) رِيَاءً مُذَبْذَبِيْنَ مُتَرَدِّدِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ الْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ لَا مَنْسُوْبِيْنَ إِلٰى هٰؤُلَآءِ اَيِ الْكُفَّارِ وَلَا إِلٰى هٰؤُلَآءِ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيْلًا (١٤٣) اِلَى الْهُدٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ بِمُوَالَاتِهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (١٤٤) بُرْهَانًا بَيِّنًا عَلٰى نِفَاقِكُمْ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْمَكَانِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَهُوَ قَعْرُهَا وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا (١٤٥) مَانِعًا مِنَ الْعَذَابِ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنَ النِّفَاقِ وَاَصْلَحُوْا عَمَلَهُمْ وَاعْتَصَمُوْا وَثِقُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ مِنَ الرِّيَاءِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْمَا يُؤْتَوْنَهُ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا (١٤٦) فِي الْاٰخِرَةِ هُوَ الْجَنَّةُ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ نِعَمَهُ وَاٰمَنْتُمْ بِهِ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ اَيْ لَا يُعَذِّبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا لِاَعْمَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْاِثَابَةِ عَلِيْمًا (١٤٧) بِخَلْقِهِ.

ترجمہ: بے شک منافقین اپنے پوشیدہ کفر کے خلاف ظاہر کرکے تاکہ اپنے اوپر سے دنیوی احکام کو دفع کر سکیں اللہ کے ساتھ چال چل رہے ہیں اور وہ انھیں ان کی چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے چنانچہ وہ دنیا میں اللہ کے اپنے نبی کو ان کے پوشیدہ کفر پر مطلع کرنے کی وجہ سے رسوا ہوں گے اور آخرت میں سزا دیئے جائیں گے، اور جب یہ لوگ مومنوں کے ساتھ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں (اپنی نماز) لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کا ذکر تو بس یوں ہی برائے نام کرتے ہیں کفر اور ایمان کے درمیان معلق ہیں نہ (پورے) کافروں کی طرف منسوب ہیں اور نہ مومنوں کی طرف اور اللہ جسے گمراہ رکھے تو، تو اس کے لئے ہدایت کا کوئی راستہ نہ پائیگا، اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ ان کی دوستی سے اپنے اوپر اپنے نفاق پر صریح حجت قائم کرلو، یقیناً منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوں گے، اور وہ جہنم کا سب سے نیچے کا طبقہ ہے، اور تو ان کا کوئی مددگار نہ پائیگا یعنی عذاب سے بچانے والا مگر وہ لوگ جو نفاق سے توبہ کرلیں اور اپنے عمل کی اصلاح کرلیں اور اللہ کی رسی کو تھامے رہیں اور اپنے دین کو اللہ کے لئے ریاکاری سے خالص کریں تو یہ لوگ جنتوں میں مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور اللہ مومن کو عنقریب اجر عظیم دے گا اور وہ جنت ہے اللہ تم کو سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم اس کی نعمتوں کی شکرگذاری کرتے رہو اور اس پر ایمان رکھو اور استفہام بمعنی نفی ہے یعنی تم کو سزا نہ دے

گا، اور اللہ تعالیٰ مومنوں کو اجر عطا کر کے ان کے اعمال کا بڑا قدر دان ہے اور اپنی مخلوق سے باخبر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یُحارِبُھُمْ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف خداع کی نسبت درست نہیں ہے اسلئے کہ خداع صفت قبیح ہے اللہ تعالیٰ اس سے وراء الورا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے خداع کا استعمال مشاکلت کے طور پر ہے یہ جزاء السیئة سیئة کے قبیل سے ہے، یعنی جزاء خداع کو خداع سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

قولہ: کُسالیٰ، کَسْلانٌ کی جمع ہے، سست کاہل۔

قولہ: یُراءُ وْنَ جمع مذکر غائب (مفاعلة) وہ دکھاوا کرتے ہیں۔

قولہ: مَنْسُوْبِیْنَ، اس اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب ہے کہ "لا الی هؤلاء" میں حرف لا کا حرف الیٰ پر داخل ہونا لازم آرہا ہے، حالانکہ حرف کا حرف پر داخل ہونا درست نہیں ہے۔

جواب: لا، الیٰ پر داخل نہیں ہے بلکہ منسوبین پر داخل ہے۔

قولہ: المکان.

سوال: اَلدَّرْك، کی تفسیر مفسر علام نے طبقة کی بجائے مکان سے کیوں کی؟

جواب: الاسفل چونکہ مذکر ہے لہٰذا دَرْك بمعنی طبقة کی صفت واقع نہیں ہوسکتی۔

قولہ: وَالاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ، یعنی اللہ کے قول ما یفعل اللّٰه بعذابکم؟ میں استفہام بمعنی نفی ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ استفہام اللہ کے لئے محال ہے۔

قولہ: بالاثابة، یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ شکر نعمت منعم کے اظہار کو کہتے ہیں اور یہ ذات باری کے لئے محال ہے۔

جواب: یہاں شکر سے عمل کا اجر و ثواب عطاء کر کے قدر دانی مقصود ہے۔

تفسیر و تشریح

اِنَّ المنافقین یخدعونَ اللّٰه وَهُوَ خادِعُهُمْ وَاِذا قامُوْا الی الصلوة قاموا کُسالیٰ نماز اسلام کا اہم ترین رکن اور افضل ترین فرض ہے منافقین اس میں بھی کاہلی اور سستی کرتے تھے کیونکہ ان کا قلب ایمان، خلوص، خشیت الٰہی سے عاری تھا یہی وجہ تھی کہ عشاء اور فجر کی نماز ان پر خاص طور پر گراں گذرتی تھی، جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے اَثْقَلُ الصلوة علی المنافقین صلوة العشاء و صلوة الفجر (صحیح بخاری) منافقین پر عشاء اور فجر کی نماز سب سے زیادہ گراں گذرتی ہے۔

نبی ﷺ کے زمانہ میں کوئی شخص مسلمانوں کی جماعت میں شمار ہی نہیں ہوسکتا تھا جب تک کہ وہ نماز کا پابند نہ ہو جس طرح

تمام دنیوی جماعتیں اور تنظیمیں اپنے اجتماعات میں کسی رکن کے بلا عذر شریک نہ ہونے کو اس کی جماعت سے عدم دلچسپی پر محمول کرتی ہیں اور مسلسل چند اجتماعات سے غیر حاضر رہنے سے اسے ممبری سے خارج کر دیتی ہیں اسی طرح اسلامی جماعت کے کسی رکن کا نماز باجماعت سے بلا عذر شرعی غیر حاضر رہنا اس زمانہ میں اس بات کی صریح دلیل سمجھا جاتا تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ''کہ جو شخص مسلسل تین جمعوں میں شریک نہ ہو وہ مسلمان نہیں ہے'' یہی وجہ تھی کہ سخت سے سخت منافق کو بھی نماز باجماعت سے غیر حاضری کی ہمت نہیں ہوتی تھی البتہ جو چیز ان کو سچے اہل ایمان سے تمیز کرتی تھی وہ یہ تھی کہ سچے مومن ذوق وشوق سے آتے تھے اور وقت سے پہلے ہی مسجدوں میں پہنچ جاتے تھے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی مسجدوں میں ٹھہرے رہتے تھے، بخلاف منافقوں کے کہ اذان ہوتے ہی ان کی جان پر بن آتی تھی اور دل پر جبر کرکے اٹھتے تھے، ان کے قدم گراں ہو جاتے تھے ایسا معلوم ہوتا کہ وہ اپنے آپ کو زبردستی کھینچ کر لا رہے ہیں۔

مَسْئَلَہ: قاموا کسالی، جس کسل کی یہاں مذمت ہے وہ اعتقادی کسل ہے اور جو باوجود اعتقاد صحیح کے کسل ہو وہ اس سے خارج ہے پھر اگر عذر سے ہو مثلاً مرض، تعب، غلبۂ نوم تو قابل مذمت بھی نہیں اور اگر بغیر عذر ہو تو قابل مذمت ہے۔

(بیان القرآن)

اور منافقین سستی و کاہلی کے ساتھ نماز پڑھتے تھے وہ صرف ریاکاری کے لئے پڑھتے تھے تاکہ مسلمانوں کو فریب دے سکیں۔

یاَیُّھا الذین آمنوا لا تتخذوا الکفرین اولیاء (الآیۃ) یعنی اللہ نے تمہیں کافروں کی دوستی سے منع فرمایا ہے، اب اگر تم ان سے دوستی کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کو یہ دلیل مہیا کر رہے ہو کہ وہ تمہیں بھی سزا دے سکے۔

اِلّا الَّذِیْنَ تابوا و اصلحوا (الآیۃ) یعنی منافقین میں سے جو شخص ان میں مذکور چار چیزوں کا خلوص دل سے اہتمام کرے گا تو وہ جہنم میں جانے کے بجائے جنت میں اہل ایمان کے ساتھ ہوگا اور اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم اس کے شکر گذار اور دل سے ایمان لاؤ تو اسے کیا پڑی ہے کہ وہ خواہ مخواہ تم کو سزا دے بلکہ وہ تو تمہارے ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کا قدر دان ہے بشرطیکہ خلوص دل سے ہو، اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون اخلاص سے عمل کر رہا ہے اور کون ریاء کاری کے طور پر۔

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ مِنْ احدٍ ای یُعاقِبُ علیه **اِلَّا مَنْ ظُلِمَ** فلا یُؤاخذُہ بالجَہْرِ بہ بأن یُخبِرَ عن ظُلمِ ظالِمِه ویَدعُوَ علیه **وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا** لِمَا یُقالُ **عَلِيْمًا** ﴿۱۴۸﴾ بِمَا یُفعَلُ **اِنْ تُبْدُوْا** تُظہِرُوا **خَيْرًا** مِنْ اَعمالِ البِرِّ **اَوْ تُخْفُوْهُ** تَعمَلُوہ سِرًّا **اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ** ظُلمٍ **فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا** ﴿۱۴۹﴾ **اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ** بأن یُؤمِنُوا بہ دُونَہُم **وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ** مِنَ الرُّسُلِ **وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ** مِنہُم **وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ** الکُفرِ والایمانِ **سَبِيْلًا** ﴿۱۵۰﴾ طریقًا یَذہَبُونَ الیہ **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا** مصدرٌ مُؤکِّدٌ لِمَضمُونِ الجُملَۃِ قبلَہ **وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا** ﴿۱۵۱﴾ ذا اِہانۃٍ ہو عَذابُ النّارِ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ** کُلِّہِم **وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ** بِالنُّونِ والیاءِ **اُجُوْرَهُمْ**

ثَوَابَ اَعْمَالِهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا لِاَوْلِيَائِهِ رَّحِيْمًا بِاَهْلِ طَاعَتِهِ.

ترجمہ: اللہ کسی کی یہ بات پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کی بدگوئی کرے یعنی بدگوئی پر سزا دے گا، البتہ مظلوم کو (بیانِ ظلم کی) اجازت ہے، یہ کہ اپنے ظالم کے ظلم کو افشا کرے اور اس کے لئے بددعاء کرے، (تو اللہ اس افشاء ظلم پر مواخذہ نہ کرے گا)، اور جو کچھ کہا جاتا ہے اللہ اس کو سننے والا ہے اور جو کچھ کیا جاتا ہے اس کو جاننے والا ہے، اور اگر تم اعمال نیک میں سے کوئی عمل اعلانیہ کرو یا اس کو چھپا کر کرو یا ظلم کو معاف کردو (تو بہت خوب ہے اسلئے کہ اللہ کی بھی یہی صفت ہے) کہ وہ (انتقام پر) قدرت رکھنے کے باوجود بڑا معاف کرنے والا ہے جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں بایں طور کہ اللہ پر ایمان لائیں اور رسولوں پر ایمان نہ لائیں، اور وہ کہتے (بھی) ہیں کہ ہم بعض رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے بعض کے منکر ہیں اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ کفر و ایمان کے درمیان کوئی ایسی راہ نکالیں، کہ جس پر وہ چلیں، یقیناً یہ لوگ پکے کافر ہیں (حَقًّا) سابقہ جملے کے مضمون کی تاکید ہے، اور ہم نے کافروں کے لئے اہانت آمیز سزا تجویز کر رکھی ہے، اور وہ دوزخ کی سزا ہے، اور جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے تمام رسولوں پر بھی (ایمان رکھتے ہیں) اور ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے ان لوگوں کو اللہ ان کے اعمال خیر کا ضرور اجر دے گا (یُؤتیهم) نون اور یاء کے ساتھ ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں سے بڑا درگذر کرنے والا اور اپنی اطاعت کرنے والوں پر بڑا رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَلْجَهر، رفع الصوت بالقول وغيره، جهر بالقول سے مطلقاً اظہار مراد ہے خواہ جہر ہو یا نہ ہو۔

قَوْلُهُ: مِنْ احدٍ، یہ مستثنیٰ منہ مقدر ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ، کا استثناء ماقبل سے درست نہیں ہے، اور الجهر مصدر، کا فاعل محذوف ہے، اور مصدر کے فاعل کا حذف جائز ہے، اور اِلَّا مَنْ ظُلِمَ، اسی فاعل محذوف سے مستثنیٰ ہے، یا مضاف محذوف مانا جائے تقدیر عبارت یہ ہوگی "اِلَّا جَهْرَ مَنْ ظُلِمَ" مذکورہ دونوں صورتوں میں مستثنیٰ متصل ہوگا۔

قَوْلُهُ: ای یُعَاقِبُ علیه، اس میں اشارہ ہے کہ عدم محبت سے غضب اور عقاب مراد ہے۔

قَوْلُهُ: فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا، یہ جملہ جواب شرط ہے، اور اِنْ تُبْدُوا اور اَوْ تُخْفُوهُ، اور او تعفوا عن سُوْءٍ، یہ تینوں جملے بذریعہ عطف شرط ہیں۔

جواب شرط سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود تیسرے جملہ یعنی اَوْ تَعْفُوا کا جواب شرط ہے اور اگر ابداء خیر اور اخفاء خیر بھی مقصود بالشرط ہو تو جواب شرط میں فقط فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا، پر اکتفاء درست نہ ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ ابداء خیر اور اخفاء خیر کو

محض بطور تمہید لایا گیا ہے، یہ بتانے کے لئے کہ علانیہ یا پوشیدہ طریقہ سے کارِ خیر کرنا بھی نیکی ہے مگر قدرت علی الانتقام کے باوجود معاف کرنا بڑی نیکی ہے اسلئے کہ یہی صفت اللہ تعالیٰ کی بھی ہے۔

تفسیر و تشریح

ہتک عزت سے ممانعت:

لا یحب اللّٰه الجهر بالسوء (الآية) اس آیت میں مسلمانوں کو ایک نہایت ہی بلند درجہ کی اخلاقی تعلیم دی گئی ہے، غیبت و بدگوئی کو جس کو قانونی زبان میں ''ہتک عزت'' کہا جاتا ہے بالکل ناجائز قرار دیا ہے، بلا ضرورت اور بلا مصلحت شرعی کسی کی بدگوئی کو کسی حال میں بھی روا نہیں رکھا، البتہ مظلوم اپنے دل کا بخار یک جھک کر اور شکوہ شکایت کر کے نکال سکتا ہے اور حاکم کے سامنے دادخواہی اور فریاد رسی کر سکتا ہے، شریعت اسلامی نے انسانی طبعی تقاضوں اور اضطراری یا نیم اضطراری ضرورتوں کا اس حد تک لحاظ رکھا ہے کہ کسی اور نے نہیں رکھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت اسلامی مظلوم کو اس بات کا حق دیتی ہے کہ ظالم کی بدگوئی کر سکتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ خدا کے نزدیک کوئی پسندیدہ کام نہیں ہے بلکہ افضل اور پسندیدہ یہ ہے کہ تم عفو و درگذر سے کام لو اور اپنے اندر خدائی اخلاق پیدا کرو جس کی شان یہ ہے کہ وہ نہایت حلیم و بردبار ہے سخت سے سخت مجرموں تک کی روزی بند نہیں کرتا اور بڑے سے بڑے قصورواروں کو درگذر کئے چلا جاتا ہے، لہٰذا تم تخلقوا باخلاق اللّٰه کو پیش نظر رکھکر عالی حوصلہ اور وسیع الظرف بنو۔

یہ ہے رفع ظلم اور اصلاح معاشرہ کا قرآنی اصول کہ ایک طرف مظلوم کو برابر کے انتقام کا حق دے کر عدل و انصاف کا قانون بنا دیا اور دوسری طرف اعلیٰ اخلاقی تعلیم دے کر عفو و درگذر پر آمادہ کیا، جس کا لازمی نتیجہ وہ ہے جس کو قرآن کریم نے دوسری جگہ پر ارشاد فرمایا ہے۔

فاذا الذی بینك و بینهٗ عداوة کانهٗ ولی حمیم، یعنی جس شخص اور تمہارے درمیان دشمنی تھی اس طرز سے وہ تمہارا مخلص دوست بن جائیگا۔

عدالتی فیصلہ اور ظلم کا انتقام وقتی اور عارضی طور پر تو ظلم کی روک تھام کر سکتے ہیں لیکن فریقین کی دلی کدورت کو دور کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتے، بخلاف اس اخلاقی درس کے جو قرآن کریم نے دیا ہے اس کے نتیجے میں گہری اور پرانی عداوتیں دوستیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

والذین آمنوا باللّٰه و رسوله ولم یفرقوا بین احد منهم (الآية) اس آیت میں اہل ایمان کا شیوہ بتلایا گیا ہے کہ وہ سب انبیاء کرام پر ایمان رکھتے ہیں جس طرح کہ مسلمان کسی بھی نبی کے منکر نہیں، اس آیت سے وحدت ادیان کے تصور کی نفی بھی ہوتی ہے، جس کے قائلین کے نزدیک رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے اور وہ ان غیر مسلموں

کو بھی نجات یافتہ سمجھتے ہیں جو اپنے تصورات کے مطابق ایمان باللہ رکھتے ہیں، لیکن قرآن کی اس آیت نے واضح کر دیا کہ ایمان باللہ کے ساتھ رسالت محمد یہ ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے، اگر اس آخری رسالت کا انکار ہوگا تو اس انکار کے ساتھ ایمان باللہ بھی غیر معتبر اور نامقبول ہوگا۔

مذکورہ آیت میں اصل اشارہ یہود کی جانب ہے جو انبیاء سابقین میں سے اپنے ہی سلسلہ کے بعض انبیاء کے قائل نہیں تھے، مثلاً حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منکر تھے اور آخری نبی محمد ﷺ کے بھی منکر ہوئے، مگر چونکہ قرآن کے الفاظ عام ہیں جن کے تحت نہ صرف یہ کہ مسیحی آتے ہیں بلکہ آجکل کے آزاد خیال نام نہاد روشن خیال بھی اس ذیل میں آجاتے ہیں یورپ میں ایک فرقہ (Deists) خدا پرستوں کا کہلاتا ہے اور ہندستان میں بھی ایک فرقہ برہمو سماج ہے یہ فرقہ توحید کا تو قائل ہے لیکن عقیدہ وحی ونبوت کا منکر ہے یہ سب ایسی غلط اور ناقص ذہنیت ہے جس کو اسلام ختم کرنا چاہتا ہے، اسلام تو وحدت تعلیم انبیاء کا قائل ہے اس میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں کہ فلاں پیغمبر کو مانا جائے اور فلاں پیغمبر کو نہ مانا جائے، اور ایک درمیانی راہ نکالی جائے۔

اس آیت میں ان نام نہاد روشن خیال مسلمانوں کے لئے بڑی تنبیہ ہے جو شریعت میں سے صرف اپنے پسند و مذاق کی چیزیں چن کر لے لینا چاہتے ہیں، جیسے ہندوستان کے ایک مغل بادشاہ اکبر نے کفر و اسلام کو ملا کر ایک دین الٰہی ایجاد کیا تھا، اور اکبر ہی کی نسل سے تین پشتوں کے بعد ایک اور شہزادہ داراشکوہ نے بھی کچھ ایسی ہی کوشش کی تھی۔

اولئك هم الكفرون حقًا، اس آیت میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ کہیں کوئی یہ نہ کہے کہ مذکورہ نظریہ رکھنے والوں کا مرتبہ کافروں سے تو بہر حال بہتر ہوگا نہیں بلکہ یہ لوگ بھی پکے کافر ہیں **اولئك هم الكفرون**، جملہ کی ترکیب خود ہی زور پیدا کرنے کیلئے کافی ہے، حَقًّا، کے اضافہ نے مزید تاکید کر دی۔

يَسْـَٔلُكَ يا محمدُ **اَهْلُ الْكِتٰبِ** اليَهُودُ **اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ** جُمْلَةً كَمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُوْسٰى تَعَنُّتًا فَاِنِ اسْتَكْبَرْتَ ذٰلِكَ **فَقَدْ سَاَلُوْا** اي اٰباؤُهُمْ **مُوْسٰٓى اَكْبَرَ** اَعْظَمَ **مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً** عِيَانًا **فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ** اَلْمَوْتُ عِقَابًا لَهم **بِظُلْمِهِمْ** حَيْثُ تَعَنَّتُوْا فِي السُّؤَالِ **ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ** اِلٰهًا **مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ** اَلْمُعْجِزَاتُ عَلٰى وَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ** وَلَمْ نَسْتَأْصِلْهُمْ **وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا**﴿۱۵۳﴾ تَسَلُّطًا بَيِّنًا ظَاهِرًا عَلَيْهِمْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ بِقَتْلِ اَنْفُسِهِمْ تَوْبَةً فَاَطَاعُوْهُ **وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ** الجَبَلَ **بِمِيْثَاقِهِمْ** بِسَبَبِ اَخْذِ الْمِيْثَاقِ عَلَيْهِمْ لِيَخَافُوْا فَيَقْبَلُوْهُ **وَقُلْنَا لَهُمُ** وَهُوَ مُظِلٌّ عَلَيْهِمْ **ادْخُلُوا الْبَابَ** بَابَ الْقَرْيَةِ **سُجَّدًا** سُجُوْدَ اِنْحِنَاءٍ **وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْعَيْنِ وَتَشْدِيْدِ الدَّالِ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الدَّالِ اَيْ لَا تَعْتَدُوْا **فِي السَّبْتِ** بِاصْطِيَادِ الْحِيْتَانِ فِيْهِ **وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا**﴿۱۵۴﴾ عَلٰى ذٰلِكَ فَنَقَضُوْهُ **فَبِمَا نَقْضِهِمْ** مَا زَائِدَةٌ وَالْبَاءُ لِلسَّبَبِيَّةِ مُتَعَلِّقَةٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ لَعَنَّاهُمْ بِسَبَبِ نَقْضِهِمْ **مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ** لِلنَّبِيِّ **قُلُوْبُنَا غُلْفٌ** لَا تَعِي

كَلَامَكَ **بَلْ طَبَعَ** خَتَمَ **اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ** فَلَا تَعِي وَعْظًا **فَلَا يُؤْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا** ﴿١٥٥﴾ مِنْهُمْ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهِ **وَّبِكُفْرِهِمْ** ثَانِيًا بِعِيْسٰى وَكَرَّرَ الْبَاءَ لِلْفَصْلِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَا عُطِفَ عَلَيْهِ **وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا** ﴿١٥٦﴾ حَيْثُ رَمَوْهَا بِالزِّنَا **وَّقَوْلِهِمْ** مُفْتَخِرِيْنَ **اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ** فِي زَعْمِهِمْ اَيْ بِمَجْمُوْعِ ذٰلِكَ عَذَّبْنَاهُمْ قَالَ تَعَالٰى تَكْذِيْبًا لَهُمْ فِي قَتْلِهِ **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** اَلْمَقْتُوْلُ وَالْمَصْلُوْبُ وَهُوَ صَاحِبُهُمْ بِعِيْسٰى اَيْ اَلْقَى اللّٰهُ عَلَيْهِ شِبْهَهُ فَظَنُّوْهُ اِيَّاهُ **وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ** اي فِي عِيْسٰى **لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ** مِنْ قَتْلِهِ حَيْثُ قَالَ بَعْضُهُمْ لَمَّا رَاَوُا الْمَقْتُوْلَ الْوَجْهُ وَجْهُ عِيْسٰى وَالْجَسَدُ لَيْسَ بِجَسَدِهِ فَلَيْسَ بِهِ وَقَالَ اٰخَرُوْنَ بَلْ هُوَ هُوَ **مَا لَهُمْ بِهٖ** بِقَتْلِهِ **مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ** اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ اَيْ لٰكِنْ يَتَّبِعُوْنَ فِيْهِ الظَّنَّ الَّذِيْ تَخَيَّلُوْهُ **وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا** ﴿١٥٧﴾ حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِنَفْيِ الْقَتْلِ **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا** فِي مُلْكِهِ **حَكِيْمًا** ﴿١٥٨﴾ فِي صُنْعِهِ **وَاِنْ** مَا **مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** اَحَدٌ **اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ** بِعِيْسٰى **قَبْلَ مَوْتِهٖ** اَيْ اَلْكِتَابِيِّ حِيْنَ يُعَايِنُ مَلٰئِكَةَ الْمَوْتِ فَلَا يَنْفَعُهُ اِيْمَانُهُ اَوْ قَبْلَ مَوْتِ عِيْسٰى لَمَّا يَنْزِلُ قُرْبَ السَّاعَةِ كَمَا وَرَدَ فِي حَدِيْثٍ **وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ** عِيْسٰى **عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا** ﴿١٥٩﴾ بِمَا فَعَلُوْهُ لَمَّا بُعِثَ اِلَيْهِمْ **فَبِظُلْمٍ** اي بِسَبَبِ ظُلْمٍ **مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا** هُمُ الْيَهُوْدُ **حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ** هِيَ الَّتِيْ فِيْ قَوْلِهِ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ الاٰية **وَبِصَدِّهِمْ** النَّاسَ **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** دِيْنِهِ صَدًّا **كَثِيْرًا** ﴿١٦٠﴾ **وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ** فِي التَّوْرٰةِ **وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ** بِالرِّشٰى فِي الْحُكْمِ **وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا** ﴿١٦١﴾ مُؤْلِمًا **لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ** الثَّابِتُوْنَ **فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ** كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ **وَالْمُؤْمِنُوْنَ** الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ **يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ** مِنَ الْكُتُبِ **وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ** نُصِبَ عَلَى الْمَدْحِ وَقُرِئَ بِالرَّفْعِ **وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ** بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ **اَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿١٦٢﴾ هُوَ الْجَنَّةُ.

ترجمہ: اے محمد یہ اہل کتاب یعنی یہود عناداً آپ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی نوشتہ یکبارگی نازل کرادو جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل کیا گیا تھا، آپ اس مطالبہ کو بڑا سمجھ رہے ہیں تو یہ لوگ یعنی ان کے آباء واجداد موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کر چکے ہیں، انہوں نے (موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام) سے مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں خدا کا علانیہ دیدار کرادو، تو ان کی اسی سرکشی کی وجہ سے ان کو سزا دینے کے لئے یکایک ان پر موت کی آسمانی بجلی ٹوٹ پڑی، اس لئے کہ انہوں نے مطالبہ میں سرکشی اختیار کی تھی پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا حالانکہ ان کے پاس اللہ کی وحدانیت پر کھلی نشانیاں آچکی تھیں، اس پر بھی ہم نے ان سے درگذر کیا، کہ ان کو ہم نے جڑ سے نہیں اکھاڑ پھینکا، (نیست ونابود نہیں کیا) اور ہم نے ان پر موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو غلبہ عطا کیا، اس طور پر کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو حکم دیا کہ توبہ کے لئے خود کو قتل کریں، تو انہوں

نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کی، اور ان سے عہد لینے کے لئے ہم نے ان کے اوپر پہاڑ معلق کردیا تاکہ وہ خوف زدہ ہوں اور عہد کو قبول کریں، اور ہم نے ان سے کہا حال یہ کہ پہاڑ ان کے اوپر معلق تھا شنبہ کے بارے میں تعدی نہ کرنا اور ایک قراءت میں عین کے فتحہ اور لام کی تشدید کے ساتھ ہے (یعنی تعدّی) اور اس میں اصل میں تاء کا دال میں ادغام ہے، یعنی ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کرکے تعدی نہ کرنا، اور اس پر ہم نے ان سے پختہ عہد لیا مگر انہوں نے عہد شکنی کی، تو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ما زائدہ ہے اور باء سببیہ ہے محذوف کے متعلق ہے، یعنی ان کے نقض عہد کی وجہ سے اور ان کے اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے کی وجہ سے اور اپنے انبیاء کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے اور ان کے اپنے نبی سے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے قلوب غلاف میں ہیں جس کی وجہ سے تمہارے کلام محفوظ نہیں رکھتے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے قلوب پر مہر لگادی ہے، جس کی وجہ سے وہ نصیحت کو محفوظ نہیں رکھتے، اور اسی وجہ سے ان میں سے بہت کم ایمان لاتے ہیں مثلاً عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی، اور بعد از اں ان کے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے اور (بکفرھم) میں باء کو اس کے اور اس کے معطوف علیہ کے درمیان فصل بالاجنبی کی وجہ سے مکرر لایا گیا ہے، اور ان کے مریم پر بہتان عظیم لگانے کی وجہ سے کہ ان پر زنا کی تہمت لگائی اور ان کے فخریہ یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو بزعم خویش قتل کردیا یعنی مذکورہ تمام (صفات قبیحہ) کی وجہ سے ہم نے ان کو سزا دی، اور اللہ نے ان کے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوائے قتل کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا، اور انہوں نے نہ تو ان کو قتل کیا اور نہ سولی دی، بلکہ ان کی نظر میں ان کے مقتول ومصلوب ساتھی کو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شبیہ بنادیا گیا، یعنی اللہ نے مقتول پر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شبیہ ڈالدی تو انہوں نے اپنے ساتھی کو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ لیا، یقین جانو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اختلاف کرنے والے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں اسلئے کہ جب انہوں نے مقتول کو دیکھا تو کسی نے کہا چہرہ تو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا سا ہے مگر دھڑ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جیسا نہیں ہے تو مقتول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مشتبہ ہوگیا، اور کسی نے کہا کہ یہ بعینہ عیسیٰ ہی ہے انھیں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کا کوئی علم نہیں وہ محض تخمینی باتوں کی پیروی کرنے والے ہیں یہ استثناء منقطع ہے، یعنی یہ لوگ قتل عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اپنے اس گمان کی پیروی کر رہیں جس کا انہوں نے تصور کرلیا ہے، حالانکہ انہوں نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یقیناً قتل نہیں کیا ہے، (لفظ یقیناً) نفی قتل کے لئے حال مؤکدہ ہے بلکہ (حقیقت یہ ہے) کہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں بڑا زبردست اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے اور اہل کتاب میں سے کوئی بھی نہ بچے گا کہ وہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنے مرنے سے پہلے ایمان نہ لے آئے جبکہ وہ ملائکۂ موت کو دیکھے گا (موتہٖ کی ضمیر کتابی کی طرف راجع ہے) مگر اس وقت ایمان لانا اس کے لئے نافع نہ ہوگا (یا قبل موتہٖ) کا مطلب ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت سے پہلے جبکہ آپ قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، اور روز قیامت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے خلاف گواہی دیں گے اس پر کہ جب ان کو ان کی طرف مبعوث کیا گیا تھا تو انہوں نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور یہود کے ظلم کے سبب ان پر پاکیزہ چیزیں جو ان پر حلال کی گئی تھیں، ہم نے حرام

کردیں اور وہ چیزیں ہیں جن کو (اللہ تعالیٰ نے) اپنے قول "حرّمنا کل ذی ظفر" الآیۃ، میں بیان فرمایا ہے، اور بہت سے لوگوں کو اللہ کے راستہ یعنی دین (حق) سے روکنے کی وجہ سے اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ تورات میں ان کو اس سے منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال کو ان کے باطل طریقہ سے (مثلاً) فیصلہ میں رشوت کے ذریعہ کھانے کی وجہ سے اور ان میں جو کافر ہیں ہم نے ان کے لئے تکلیف دہ عذاب مہیا کر رکھا ہے، لیکن ان میں سے پختہ علم رکھنے والے مثلاً عبداللہ بن سلام اور ایمان والے جو کہ مہاجر و انصار ہیں اس پر کہ جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور مقیمین منصوب علی المدح ہے اور مقیمون رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں، یہی ہیں وہ لوگ جن کو ہم اجر عظیم عطا کریں گے یاء اور نون کے ساتھ، اور وہ (اجر عظیم) جنت ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: عِیَانًا، یا تو مصدر محذوف کی صفت ہے، ای اَرِنَا اِرَاءَۃً عِیَانًا، اس صورت میں لفظاً مصدر ہوگا، یا مصدر بغیر لفظہٖ ہوگا، ای رُؤْیَۃً عِیَانًا۔

قولہ: فَاِنِ اسْتَکْبَرْتَ الخ، اس میں اشارہ ہے کہ فَقَدْ سَاَلُوْا شرط محذوف کی جزاء ہے۔

قولہ: ای آبَاءُ هُمْ، اس لفظ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں موجود یہود کی جانب سوال کی نسبت مجازاً ہے اسلئے کہ موجودین اپنے آباء کے سوال سے راضی تھے۔

قولہ: المُعْجِزَات، البیّنٰت، کی تفسیر المعجزات سے کر کے اشارہ کر دیا کہ البیّنٰت سے مراد تورات نہیں جیسا کہ بعض نے کی ہے، اسلئے کہ بچھڑے کو معبود بنانے کے وقت تورات عطا نہیں کی گئی تھی، اس کے بعد عطا کی گئی تھی۔

قولہ: بَابَ الْقَرْیَۃِ، اس میں اشارہ ہے کہ الباب میں الف لام عوض میں مضاف الیہ کے ہے، اور قریہ سے مراد ایلہ ہے۔

قولہ: سُجُوْدَ اِنْحِنَاءٍ اس میں اشارہ ہے سُجدًا سے معروف سجدہ یعنی وضع الجبھۃ علی الارض مراد نہیں ہے بلکہ جھکنا اور عاجزی و تواضع کرنا مراد ہے۔

قولہ: لَا تَعْدُوْا، عَدا یَعْدُوا سے نہی مضارع جمع مذکر حاضر تم تجاوز نہ کرو، تَعْدُوا اصل میں تَعْدُوُوْا تھا واؤ اول کے ضمہ کے ساتھ، جو کہ لام کلمہ ہے، ضمہ واؤ پر ثقیل ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گیا اب دو واؤں کے درمیان التقاء ساکنین ہوا واؤ حذف ہو گیا تَعْدُوا ہو گیا، اور ایک قراءت میں تَعَدُّوا ہے جو کہ اصل میں تَعْتَدُوْا تھا، تاء دال سے بدل گئی اور دال کا دال میں ادغام ہو گیا تَعَدُّوْا ہو گیا۔

قولہ: عَلٰی ذٰلِكَ نَقَضُوْهُ، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: فَبِمَا نَقْضِهِمْ کا متفرع علیہ موجود نہیں ہے لہٰذا تفریع درست نہیں ہے؟

جَوَاب: کلام میں اختصار ہے تقدیری عبارت یہ ہے وَاخذنا منهم ميثاقًا غليظًا على ذلك فنقضوه فَبِمَا نقضهم الخ.

قَوْلُهُ: غُلُفٌ، یہ غلاف کی جمع ہے۔

قَوْلُهُ: ثانیاً بعیسٰی، یعنی اولاً حضرت موسیٰ اور تورات کے ساتھ کفر کی وجہ سے اور ثانیاً حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کفر کی وجہ سے ان کے قلوب پر مہر لگی دونوں ہی طبع علی القلوب کے اسباب میں سے ہیں جیسا کہ مطلق کفر طبع کے اسباب میں سے ہے یہ عطف سبب علی السبب کے قبیل سے ہے معطوف اور معطوف علیہ میں چونکہ سبب طبع مختلف ہے لہٰذا عطف الشئ علی نفسہ لازم نہیں آتا۔

قَوْلُهُ: فِی زَعْمِهِمْ، اس کا تعلق اِنَّا قتلنا سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے یعنی یہود نے اپنے خیال میں قتل کر دیا، ورنہ حقیقت میں قتل نہیں کیا، اور فی زعمهم کا تعلق رسول اللہ سے ہو تو یہ یہود کا مقولہ ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا جو نصاریٰ کے خیال میں اللہ کے رسول ہیں، اسلئے کہ یہود عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کے قائل نہیں تھے۔

قَوْلُهُ: ای بِمَجْمُوْعِ ذٰلِكَ، یعنی تمام مذکورات کا عطف فبِمَا نقضهم پر ہے۔

قَوْلُهُ: المَقْتُوْلُ والمَصْلُوْبُ، یہ شُبِّهَ کے نائب فاعل ہیں۔

قَوْلُهُ: اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ، اسلئے کہ ظن علم کی جنس سے نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: ای الکتابی، اس میں اشارہ ہے کہ بِهٖ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اور مَوْتِهٖ کی ضمیر اَحَدٌ مقدر کی جانب راجع ہے جس سے مراد کتابی ہے۔

قَوْلُهُ: اوقَبلَ مَوْتِ عِیْسٰی، یہ دوسری ترکیب کی طرف اشارہ ہے اس صورت میں دونوں ضمیریں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف راجع ہوں گی۔

قَوْلُهُ: وهِیَ الَّتِیْ فِی قَوْلِهٖ، یہ سورۂ انعام کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُهُ: صَدًّا، اس میں اشارہ ہے کہ یہ کثیرًا موصوف محذوف کی صفت ہے۔

قَوْلُهُ: نَصْبٌ عَلَی المَدْحِ یعنی المقیمینَ امدح فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای اَمْدَحُ المقیمینَ الصلوة، اس صورت میں جملہ معترضہ ہوگا اور واؤ اعتراضیہ ہوگا۔

قَوْلُهُ: وقُرِئَ بِالرَّفْعِ، اور المقیمون کو رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس صورت میں الراسخون پر عطف ہوگا۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

یَسْئَلُكَ اَهْلُ الكتاب (الآیۃ) ماقبل کی آیات میں یہود کی بداعتقادیوں اوران پر مذمت کا ذکر تھا، ان آیات میں ان کی بداعمالیوں اور دیگر خرابیوں اوران پر سزا کا ذکر ہے۔

شان نزول:

ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کی ہے کہ یہود کے سرداروں کی ایک جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور مطالبہ کیا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے پاس سے الواح لائے تھے اگر آپ بھی اللہ کے پاس سے الواح لے آئیں تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے، تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

یہود کا مذکورہ مطالبہ اس لئے نہیں تھا کہ وہ دل سے ایمان لانا چاہتے تھے اوران کے ایمان لانے کی یہ ایک شرط تھی بلکہ ضد عناد کی وجہ سے وہ کوئی نہ کوئی شرط رکھتے ہی رہتے تھے، اگر یہود مذکورہ شرط میں مخلص ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی بعید نہ تھا کہ وہ ان کے مطالبہ کو پورا فرمادیتے، اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرما کر حقیقت حال سے آپ کو آگاہ فرمادیا اور آپ کی تسلّی فرمادی کہ یہ قوم ہے ہی ایسی کہ اللہ کے رسولوں کو ہمیشہ ستاتی رہی ہے، ان کے آباء واجداد نے تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس سے بھی کہیں زیادہ بڑی بات کا مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں کھلی آنکھوں سے اللہ کا دیدار کرایا جائے تاکہ ہمیں یقین آجائے کہ پس پردہ آپ سے ہمکلام ہونے والا اللہ ہی ہے، ان کی اس گستاخی پر آسمان سے ایک بجلی آئی اوران کو ہلاک کردیا۔

پھر اس نے بے جا سوال ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ توحید باری کے تمام دلائل و براہین سے واقف ہونے کے باوجود خالق حقیقی کے بجائے بچھڑے کو معبود بنالیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان تمام حرکتوں اور خباثتوں کے باوجود ہم نے عفو ودرگذر سے کام لیا ورنہ موقع تو اس کا تھا کہ ان کا قلع قمع کر کے نیست ونابود کردیا جاتا۔

ایک موقع ایسا بھی آیا کہ ان لوگوں نے تورات کی شریعت کو ماننے سے صاف انکار کردیا تھا، تو ہم نے طور پہاڑ اٹھا کر ان پر معلق کردیا تاکہ خوف ودہشت کی وجہ سے شریعت کو قبول کرلیں، اور ہم نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ شہر ایلیا کے دروازہ میں داخل ہوتے وقت نہایت عاجزی سے سر جھکائے ہوئے داخل ہونا اور ہم نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ ہفتہ کے دن کا احترام کرنا اس دن مچھلیوں کا شکار نہ کرنا، مگر ہوا یوں کہ انہوں نے ایک ایک کر کے تمام احکام کی خلاف ورزی کی اور ہمارے ساتھ کئے ہوئے پختہ عہد کو توڑ ڈالا، تو ہم نے بھی ان کو دنیا میں ذلیل کردیا اور آخرت میں بھی بدترین سزا بھگتنی ہوگی۔ (معارف ملخصًا)

ثم اتخذوا العجلَ (الآیۃ) ثمَّ یہاں تاخر زمانی کے لئے نہیں ہے بلکہ استبعاد کے لئے ہے یعنی ایسی بیہودہ فرمائشیں ہی کیا

کم تھیں کہ اس سے بڑھ کر حرکت یہ کی کہ گوسالہ پرستی شروع کردی۔

ربط آیات:

فبما نقضهم ميثاقهم (الآية) ماقبل کی آیات میں بھی یہود کی شرارتوں کا ذکر تھا اور ساتھ ہی ان کی سزا کا بھی ذکر تھا، ان آیات میں بھی یہود کے بعض جرائم کی تفصیل ہے، اس کے ضمن میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ان کے باطل خیال کی تردید کی گئی ہے۔

یہود کی عہد شکنی:

جب یہود نے اس عہد کو توڑ دیا جو حق تعالیٰ سے کیا تھا تو حق تعالیٰ نے ان کی اس عہد شکنی پر اور آیات الٰہی کے انکار پر اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قتل ناحق پر اور ان کے اس کہنے پر کہ ہمارے قلوب غلاف میں ہیں سخت سے سخت عذاب مسلط فرما دیئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے قلوب پر غلاف وغیرہ کچھ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں ان کے قلوب کو سربند کر دیا ہے جس کی وجہ سے ان میں سے معدودے چند کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا۔

قتل عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہود کا اشتباہ:

وَمَا قَتَلوه وَمَاصَلَبوه، ان آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ نہ تو ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کیا اور نہ سولی دی بلکہ صورت یہ ہوئی کہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ ہو گیا، ولکن شُبّهَ لهم کی تفسیر میں ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قصہ یوں پیش آیا کہ جب یہود نے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے حواری ایک جگہ جمع ہو گئے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ان کے پاس تشریف لے آئے، ابلیس نے ان یہود کو جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے درپے تھے آپ کے چھپنے کے مقام کی نشاندہی کر دی جس کی وجہ سے چار ہزار افراد نے اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام روپوش تھے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا، کہ تم میں سے کوئی شخص اس کے لئے آمادہ ہے کہ باہر نکلے اور اسے قتل کر دیا جائے اور پھر وہ جنت میں میرے ساتھ ہو، ان میں ایک شخص نے خود کو اس کام کے لئے پیش کر دیا وہ باہر نکلا تو یہود نے اس کو عیسیٰ مسیح سمجھ کر قتل کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اٹھا لیا گیا۔ (قرطبی ملخصًا)

اشتباہ کی دیگر روایات:

کہا گیا ہے کہ قاتلین حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچانتے نہیں تھے قاتلین نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس کے بارے میں ان کو شک تھا، یہی وجہ تھی کہ مقتول کے بارے میں آپس میں اختلاف ہو گیا بعض نے کہا مقتول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں اور

جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو آسمان کی طرف جاتے ہوئے دیکھا انہوں نے کہا ہم نے عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو قتل نہیں کیا، قرآن کریم نے ان کے اسی شک وتذبذب کو ان (مذکورہ بالا) الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فرقہ نسطوریہ اور ملکانیہ کا اختلاف:

نصاریٰ کے فرقۂ نسطوریہ کا کہنا تھا کہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اپنی ناسوت ہونے کی جہت سے مصلوب ہوئے نہ کہ لاہوت کی جہت سے، اور ملکانیہ نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا قتل ناسوت اور لاہوت دونوں حیثیتوں سے ہوا غرضیکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے قتل کے بارے میں نصاریٰ کے درمیان شدید اختلاف ہے جس کی فہرست طویل ہے، لہٰذا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' اِنَّ الذین اختلفوا فیه لفی شك منه''. (فتح القدیر شوکانی)

بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں نے ایک طیطلانوس نامی شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے قتل کے لئے بھیجا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام تو مکان میں نہ ملے اسلئے کہ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے اٹھا لیا تھا، مگر اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی ہم شکل بنا دیا تھا جب یہ شخص گھر سے نکلا تو یہودیہ سمجھے کہ یہی عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہے اور اسی اپنے آدمی کو لیجا کر قتل کر دیا۔ (مظہری، معارف)

مذکورہ صورتوں میں سے جو بھی صورت پیش آئی ہو سب کی گنجائش ہے قرآن کریم نے کسی خاص صورت کا تعین نہیں کیا اسلئے حقیقت حال کا صحیح علم تو اللہ ہی کو ہے البتہ قرآن کریم کے اس جملہ اور تفسیری روایات سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ یہود ونصاریٰ کو زبردست مغالطہ ہو گیا تھا اور حقیقی واقعہ ان سے پوشیدہ رہا جس کی وجہ سے ان کے اندر اختلافات پیدا ہو گئے اسی حقیقت کی طرف قرآن مجید نے ان الفاظ ''وَاِنَّ الذین اختلفوا فیه لفی شك منه مالهم به من علم الّا اتباع الظن وَمَا قتلوه یقینًا'' سے اشارہ کیا ہے۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو تنبہ ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے ہی آدمی کو قتل کر دیا ہے اسلئے کہ مقتول چہرے میں تو مسیح کے مشابہ ہے لیکن باقی جسم میں ان کی طرح نہیں ہے، اگر یہ مقتول مسیح ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں ہے؟

رفع عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی روایات متواتر ہیں:

ان روایات متواترہ کو حجۃ الاسلام علامہ انور شاہ صاحب کشمیری نے ایک رسالہ میں جمع فرمایا ہے جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے اس کا نام التصریح بما تواتر فی نزول المسیح ہے، شام کے ایک بڑے عالم علامہ عبد الفتاح ابوغدہ نے اس کو مزید شرح وحواشی کے ساتھ بیروت سے شائع کرایا ہے۔

نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا عقیدہ قطعی اور اجماعی ہے جس کا منکر کافر ہے:

سورۂ آل عمران میں اس کی پوری تفصیل گذر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے، ان شبہات کا جواب بھی مذکور ہے جو اس زمانہ کے بعض ملحدین کی طرف سے اس عقیدہ کو مشکوک بنانے کے لئے کئے گئے ہیں۔

فبظلم من الذین ھادوا حرمنا، جملہ معترضہ ختم ہونے کے بعد یہاں سے پھر وہی سلسلۂ کلام شروع ہوتا ہے جو اوپر سے چلا آرہا تھا، یعنی صرف اسی پر اکتفاء نہیں کرتے کہ خود اللہ کے راستہ سے منحرف ہیں بلکہ اس قدر بے باک مجرم بن گئے ہیں کہ دنیا میں خدا کے بندوں کو گمراہ کرنے کے لئے جو تحریک بھی اٹھتی ہے اکثر اس کے پیچھے یہودی دماغ اور یہودی سرمایہ ہی کار فرما ہوتا ہے، اور راہ حق کی دعوت کیلئے جو تحریک بھی شروع ہوتی ہے اس راہ کے سنگ گراں یہودی ہی ہوتے ہیں۔

مفید بحث:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان دنوں شام و فلسطین کی غالب آبادی یہودیوں کی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بھی اسی کے ایک فرد تھے، گو کہ یہود کو اندرونی خودمختاری حاصل تھی جس کی رو سے یہود کو اپنے مذہبی فیصلے خود کرنے کا اختیار تھا (جس کو پرسنل لا کی آزادی) بھی کہا جاسکتا ہے مگر سیاسی اور خارجی امور رومی مشرک حکومت کو حاصل تھے جس کی وجہ سے اعلی عہدہ دار، پولیس اور فوج رومیوں پر مشتمل تھی، جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے نبوت کا دعوی کیا تو یہودیوں نے اپنے مذہبی قانون (پرسنل لا) کی رو سے حضرت مسیح کو بدعتی اور یہودیت سے خارج قرار دیکر سزائے موت کا فتوی صادر کردیا مگر چونکہ یہود کو سزائے موت نافذ کرنے کا اختیار نہیں تھا اسلئے رومی حکومت سے سزا نافذ کرنے کی درخواست کی گئی اور سزا کے نفاذ کو یقینی بنانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر ملک کی غداری اور قومی بغاوت کا الزام بھی لگادیا، تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت مسیح کی سزائے موت کا نفاذ اگرچہ رومی حکومت نے کیا لیکن آپ کو سزا دلوانے کے پیچھے تمام تر کوشش یہودی کار فرما تھی اس لئے قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے قتل کی تمام تر ذمہ داری یہود پر ڈالی ہے رومی عدالت کا حاکم پیلاطیس (PILTUS) آپ کو سزا دینا ہرگز نہ چاہتا تھا بلکہ اس سے برابر بچنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر یہود کہ جنہوں نے جھوٹا استغاثہ گھڑا، جھوٹی شہادتیں فراہم کیں اور سزا نافذ نہ کرنے کی صورت میں بلوہ و فساد کی دھمکی دے دے کر عدالت کو سزائے موت سنانے پر مجبور کردیا۔

انجیل متی کا ایک مختصر سا بیان ملاحظہ ہو:

جب پیلاطیس نے دیکھا کہ کچھ نہیں بن پڑتا، بلکہ الٹا بلوہ ہوا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ میں راست باز کے خون سے بری ہوں، تم جانو، سب لوگوں نے کہا اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر، اس پر اس نے برابا کو ان کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالہ کردیا کہ صلیب دی جائے۔ (۲۷: ۲٤: ۲٦) (ماجدی)

اس کی تائید دوسری انجیلیں بھی کرتی ہیں بلکہ انجیل لوقا میں تو اتنی تصریح اور زائد ہے کہ حاکم نے ملزم کو سزائے موت سے بچانے کیلئے تین بار کوشش کی لیکن یہود نے ہر دفعہ اس کی بات کو رد کردیا۔ (۲۲:۲۳)(ماجدی)

ربط آیات:

لکن الراسخون فی العلم، آیات بالا میں ان یہود کا ذکر تھا جو اپنے کفر پر قائم تھے اور مذکورہ بالا منکرات میں مبتلا تھے، آگے ان حضرات کا ذکر ہے جو اہل کتاب تھے اور جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور وہ صفات جو خاتم النبیین ﷺ کے متعلق ان کی کتابوں میں موجود تھیں آپ میں پوری پوری دیکھیں تو ایمان لے آئے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام واسید وثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان آیات میں ان حضرات کی تعریف وتوصیف ہے۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ وَ كَمَا **أَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ** ابنيه **وَيَعْقُوبَ** ابن اسحٰق **وَٱلْأَسْبَاطِ** اولاده **وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا** اباه **دَاوُۥدَ زَبُورًا** ﴿١٦٣﴾ بالفتح اسْمٌ لِلْكِتَابِ الْمُؤْتَى وَالضَّمّ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى مَزْبُورًا اى مَكْتُوبًا وَ ارسلنا **رُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ** رُوِيَ انّه تعالى بَعَثَ ثَمَانِيَةَ الافِ نَبِيٍّ اَرْبَعَةَ الافٍ مِنْ بَنِي اِسْرَائِيلَ وَاَرْبَعَةَ الافٍ مِنْ سَائِرِ النَّاسِ قالَهُ الشَّيْخُ فِي سُوْرَةِ غَافِرٍ **وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ** بلاواسطةٍ **تَكْلِيمًا** ﴿١٦٤﴾ **رُّسُلًا** بَدَلٌ مِنْ رُسُلًا قَبْلَه **مُّبَشِّرِينَ** بالثَّوَابِ مَنْ آمَنَ **وَمُنذِرِينَ** بالعِقَابِ مَنْ كَفَرَ اَرْسَلْنَاهُمْ **لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ** تُقَالُ **بَعْدَ** اِرْسَالِ **ٱلرُّسُلِ** اليهم فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَبَعَثْنَاهُمْ لِقَطْعِ عُذْرِهِمْ **وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا** فِي مُلْكِه **حَكِيمًا** ﴿١٦٥﴾ فِي صُنْعِه وَنَزَلَ لَمَّا سُئِلَ الْيَهُوْدُ عَنْ نُبُوَّتِه صلى الله عليه وسلم فَاَنْكَرُوْهُ **لَّٰكِنِ ٱللَّهُ يَشْهَدُ** يُبَيِّنُ نُبُوَّتَكَ **بِمَآ أَنزَلَ إِلَيْكَ** مِنَ الْقُرْآنِ الْمُعْجِزِ **أَنزَلَهُۥ** مُتَلَبِّسًا **بِعِلْمِهِۦ** اى عَالِمًا به اَوْ وَفِيْهِ عِلْمُه **وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ** لَكَ اَيْضًا **وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًا** ﴿١٦٦﴾ عَلَى ذٰلِكَ **إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟** بِاللّٰهِ **وَصَدُّوا۟** النَّاسَ **عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ** دِيْنِ الْاِسْلَامِ بِكَتْمِهِمْ نَعْتَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه سلم وَهُمُ الْيَهُوْدُ **قَدْ ضَلُّوا۟ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا** ﴿١٦٧﴾ عَنِ الْحَقِّ **إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟** بِاللّٰهِ **وَظَلَمُوا۟** نَبِيَّهُ بِكِتْمَانِ نَعْتِه **لَمْ يَكُنِ ٱللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا** ﴿١٦٨﴾ مِنَ الطُّرُقِ **إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ** اى الطَّرِيْقَ الْمُؤَدِّيَ اِلَيْهَا **خَٰلِدِينَ** مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ **فِيهَآ** اِذَا دَخَلُوْهَا **أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا** ﴿١٦٩﴾ هَيِّنًا **يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ** اى اَهْلَ مَكَّةَ **قَدْ جَآءَكُمُ ٱلرَّسُولُ** مُحَمَّدٌ **بِٱلْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَـَٔامِنُوا۟** وَاقْصِدُوْا **خَيْرًا لَّكُمْ ۚ** مِمَّا اَنْتُمْ فِيْهِ **وَإِن تَكْفُرُوا۟** به **فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ** مُلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا فَلَا يَضُرُّه كُفْرُكُمْ **وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا** بِخَلْقِه **حَكِيمًا** ﴿١٧٠﴾ فِي صُنْعِه بِهِمْ **يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ** الْاِنْجِيْلِ **لَا تَغْلُوا۟**

تَتَجاوَزُوا الحَدَّ فِیْ دِیْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا القَولَ الْحَقَّ مِن تَنْزِیهِهٖ عَنِ الشِّرْكِ وَالْوَلَدِ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَاۤ اَوْ صَلَهَا اِلٰى مَرْیَمَ وَرُوْحٌ اَیْ ذُوْرُوْحٍ مِّنْهُ اُضِیْفَ الیه تعالٰی تَشْرِیْفًا لَه ولَیْسَ كَما زَعَمْتُمْ ابنَ اللّٰهِ اَوْ اِلٰهًا مَعَهُ اَوْ ثَالِثَ ثَلٰثَةٍ لِاَنَّ ذَاالرُّوْحِ مُرَكَّبٌ وَالاِلٰهُ مُنَزَّهٌ عَنِ التَّرْكِیْبِ وَعَنْ نِسْبَةِ الْمُرَكَّبِ الیه فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا الاٰلِهَةُ ثَلٰثَةٌ اللّٰهُ وعیسٰی وَاُمُّهٗ اِنْتَهُوْا عَن ذٰلِكَ واْتُوا خَیْرًا لَّكُمْ مِنه وَهُوَ التَّوْحِیْدُ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗ تَنْزِیْهًا لَه عن اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ خَلْقًا وَمِلْكًا وَالْمِلْكِیَّةُ تُنَافِیْ الْبُنُوَّةَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۱۷۱﴾ شَهِیْدًا علٰى ذٰلِكَ.

ترجمہ: اے (محمد) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح علیہ الصلاۃ والسلام اور اس کے بعد کے نبیوں کی طرف بھیجی تھی اور جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف بھیجی ان کے دونوں بیٹوں اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام اور اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف (بھی) وحی بھیجی اور یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام بن اسحاق اور اولاد یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور ایوب علیہ الصلاۃ والسلام اور یونس علیہ الصلاۃ والسلام اور ہارون علیہ الصلاۃ والسلام اور سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی اور سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے والد داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو زبور عطا کی (زَبور فتحہ کے ساتھ) عطا کی ہوئی کتاب کا نام ہے۔ اور (زُبور) ضمہ کے ساتھ مصدر ہے مکتوب کے معنی میں، یعنی مزبورٌ بمعنی مکتوبٌ ہے، اور ہم نے ان رسولوں کی طرف بھی وحی بھیجی ہے جن کا ذکر ہم تم سے کر چکے ہیں اور ان کی طرف بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا، روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث فرمائے، چار ہزار انبیاء بنی اسرائیل میں سے اور (بقیہ) چار ہزار دیگر اقوام میں سے، شیخ (جلال الدین محلّی) نے سورۂ غافر میں یہی تعداد بیان کی ہے اور اللہ نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے ایک خاص طریقہ سے بلا واسطہ کلام فرمایا اور تمام رسولوں کو، رُسُلاً، ماقبل کے رُسُلاً سے بدل ہے، ایمان لانے والوں کو خوشخبری سنانے والا کفر کرنے والوں کو عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا، رسولوں کو ہم نے مبعوث کیا تاکہ لوگوں کو ان کی طرف رسول بھیجنے کے بعد خدا کے روبرو عذر بیان کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس رسول کیوں نہیں بھیجا؟ تاکہ ہم بھی تیری آیات کی اتباع کرتے اور ہم مومنین میں سے ہوتے، تو ہم نے ان کے عذر کو ختم کرنے کے لئے ان کی طرف رسولوں کو مبعوث کیا، اور اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں غالب اپنی صنعت میں باحکمت ہے، اور جب آپ کی نبوت کے بارے میں یہود سے سوال کیا گیا اور یہود نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی، (اگر یہ لوگ شہادت نہیں دیتے نہ دیں) اللہ تو اس معجز قرآن کے ذریعہ آپ کی نبوت کی شہادت دیتا ہے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور نازل بھی اپنے کمال علمی کے ذریعہ کیا ہے یعنی جو کچھ نازل کیا ہے اس کا جاننے والا ہے، یا اس میں اس کا علم (یعنی معلومات) ہیں اور فرشتے بھی آپ کی نبوت کی شہادت دیتے ہیں اور اس نبوت پر اللہ کی

شہادت کافی ہے جو لوگ اللہ کے منکر ہوئے اور لوگوں کو اللہ کے راستہ (یعنی) دین اسلام سے محمد ﷺ کی صفات کو چھپا کر روکا اور وہ یہود ہیں تو ایسے لوگ یقیناً حق سے گمراہی میں بہت دور نکل گئے بلاشبہ اللہ کے جو لوگ منکر ہوئے اور اس کے نبی پر اس کی صفات چھپا کر ظلم کیا اللہ ان کو کبھی معاف نہ کرے گا اور نہ ان کو جہنم کی راہ کے سوا کوئی راہ دکھائیگا، یعنی وہ راہ جو جہنم تک پہنچانے والی ہو، اس طریقہ پر کہ ان کے لئے اس میں دائمی دخول مقدر ہو چکا ہے جب اس میں داخل ہو جائیں گے، اور اللہ کے لئے یہ آسان ہے اے مکہ کے لوگو!، یہ رسول محمد تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آیا ہے اس پر ایمان لے آؤ اور اپنے لئے خیر کا ارادہ کرو اس سے جس میں تم (فی الحال) ہو اور اس کا کفر کرتے رہے تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ ملک اور تخلیق اور مملوک ہونے کے اعتبار سے اسی کا ہے، لہٰذا تمہارا کفر اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا، اور اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور ان کی تدبیر کے بارے میں حکیم بھی، اے اہل کتاب (یعنی) انجیل کے ماننے والو اپنے دین کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو جو کہ وہ شریک اور ولد سے اس کی پاکی ہے مسیح عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول اور اس کا فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح یعنی ذی روح تھا، اور روح کی نسبت اللہ کی طرف تشریفاً ہے، اور ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ ابن اللہ یا اس کے ساتھ الٰہ ہے یا تین میں کا تیسرا ہے، اس لئے کہ ذی روح مرکب ہوتا ہے اور الٰہ ترکیب سے اور اس کی طرف مرکب کی نسبت کرنے سے پاک ہے، پس تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں (یعنی) اللہ اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی والدہ، اس تثلیث سے باز آجاؤ اور اپنے لئے اس سے بہتر کو اختیار کرو اور وہ توحید ہے، معبود تو بس ایک ہی خدا ہے وہ اس سے بالاتر ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو، آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اسی کی ہیں، مخلوق ہونے کے اعتبار سے اور ملک کے اعتبار سے، اور ملکیت بُنوۃ کے منافی ہے اور وہی اس کی نگرانی کے اعتبار سے کافی ہے۔

تَحقیق وتَرکیب وتَسہیل وتَفسِیری فوائد

قولہ: کما اَوْحَیْنَا اِلٰی نوحٍ، کاف مصدر محذوف کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے ''اِیحاءً مثل اِیحائنا'' اور 'ما' میں دو احتمال ہیں اگر مصدر یہ ہو تو عائد کی ضرورت نہ ہوگی اور اگر الذی کے معنی میں ہو تو عائد محذوف ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی ''کالذی اَوْحَیْنَاہ الی نوحٍ''۔

قولہ: کما اَوْحَیْنا اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ، مفسر علام نے، کما، محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اَوْحَیْنا الی ابراھیم، کا عطف اَوْحَیْنَا الی نوح پر ہے نہ کہ نوح پر ورنہ تو تکرار لازم آئے گی۔

قولہ: زَبور بالفَتحِ اِسمُ الکِتَابِ، فتحہ کے ساتھ فعول بمعنی مفعول ہے جیسا کہ رکوب بمعنی مرکوب اور یہ زَبَرہ بمعنی کَتَبَہ سے ماخوذ ہے، زبور داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کردہ کتاب کا نام ہے اس میں ایک سو پچاس سورتیں تھیں، اور ضمہ کے

ساتھ مصدر ہے بمعنی مزبورٌ۔

قولہ: وَاَرْسَلْنَا، اس میں اشارہ ہے کہ رُسُلاً کا ناصب اَرْسَلنا فعل محذوف ہے۔

قولہ: بِلَا وَاسِطَةٍ، یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ اللہ کا کلام کرنا تو ہر نبی سے ثابت ہے پھر موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی کیا تخصیص ہے؟ جواب یہ ہے کہ دیگر انبیاء سے کلام بالواسطہ ہوا ہے اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے بلا واسطہ۔

قولہ: مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ، اس اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب ہے کہ زمانۂ ہدایت اور زمانۂ خلود ایک نہیں ہے حالانکہ حال وذوالحال کے زمانہ کا ایک ہونا ضروری ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ راہ جہنم کی طرف رہنمائی اس حالت میں ہوگی کہ ان کے لئے خلود فی النار مقدر ہو چکا ہے۔

قولہ: بِهٖ، مفسر علام نے، بِهٖ، مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ آمَنُوا کا متعلق بِهٖ، محذوف ہے نہ کہ خیرًا اس لئے کہ پورے قرآن میں آمنوا کا متعلق باء ہی استعمال ہوا ہے۔

قولہ: فَآمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ، خیرًا کے ناصب کے بارے میں علماء نحو کا اختلاف ہے، سیبویہ اور خلیل کا کہنا ہے فعل ناصب اقصدو یا اِتوا ہے، اور فراء کا کہنا ہے کہ خیرًا مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، ای آمنوا یکن الایمان خیرًا لکم، مذکورہ تینوں صورتوں میں ثالث سب سے زیادہ راجح ہے پھر اُوّل اور پھر ثانی کا درجہ ہے۔

قولہ: مِمَّا اَنْتُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ مِن تفضیلیہ مع مفضل علیہ محذوف ہے لہٰذا اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے ایک کے ساتھ ضروری ہے اور یہاں ایک بھی نہیں ہے۔

قولہ: فَلَا يَضُرُّهٗ كُفْرُكُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ اِنْ تکفروا شرط کی جزا محذوف ہے اور جو مذکور ہے وہ دال علی الجزاء ہے نہ کہ جزاء اس لئے کہ اگر فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فی السمٰوات والارض، کو جزاء مانا جائے تو عدم ترتب الجزاء علی الشرط کا اعتراض لازم آئیگا۔

قولہ: الْاِنْجِيْلِ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: اہل کتاب کی تفسیر صرف اہل انجیل سے کیوں کی جبکہ اہل کتاب میں یہود بھی شامل ہیں؟

جواب: آگے غلو فی الدین کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے وہ شریک حیات اور ولد سے تنزیہ ہے جس کے مصداق صرف نصاریٰ ہی ہیں نہ کہ یہود۔ (ترویح الارواح)

قولہ: الْقَوْلَ، القول کی تقدیر کے اضافہ میں اشارہ ہے کہ الحق موصوف محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: اَوْصَلَهَا.

سوال: اَلْقَاهَا کی تفسیر اوصلها سے کس مقصد کے پیش نظر کی ہے؟

جواب: چونکہ القی کا صلہ الی نہیں آتا اسلئے اشارہ کر دیا کہ القی، اَوْصَلَ کے معنی کو متضمن ہے جسکی وجہ سے، اِلیٰ،

صلہ لانا صحیح ہے۔

قولہ: ای ذُوْ رُوْحٍ

سوال: روح کی تفسیر ذو رُوْح حذف مضاف سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: تاکہ روح کا رسول اللہ پر حمل درست ہوجائے۔

قولہ: عن ذلك و آتوا، اس میں اشارہ ہے کہ انتھوا کا مفعول محذوف ہے اور خیراً فعل مقدر آتوا کی وجہ سے منصوب ہے، لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ خیر سے منع کرنا اللہ کی شایان شان نہیں ہے۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں یہود کے کچھ سرداروں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ پر ایمان لانے کی یہ احمقانہ شرط رکھی کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر ایک نوشتہ یکجا آسمان سے نازل ہوا تھا اسی طرح کا اگر کوئی نوشتہ آپ پر بھی نازل ہوجائے تو ہم آپ پر ایمان لانے کیلئے تیار ہیں، مگر ان کا یہ سوال ضد اور عناد پر مبنی تھا نہ کہ اخلاص پر رہا یہ سوال کہ اگر ایمان کے لئے نوشتہ کی صورت میں قرآن کا نازل ہونا ضروری ہے تو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر یک وقت نوشتہ کی شکل میں توریت نازل ہوئی تھی تو تمہارے آباء واجداد اس پر ایمان کیوں نہیں لائے تھے؟ بلکہ انہوں نے تو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے اس سے بھی بڑی بات یعنی عیاناً اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ بھی کیا تھا، ان کی اس گستاخی پر ان کو آسمانی بجلی نے جلا کر خاک کردیا تھا۔

ان آیات میں اسی اعتراض کا ایک دوسرے طریقہ سے جواب دیا جارہا ہے کہ تم جو محمد رسول اللہ پر ایمان لانے کے لئے یہ شرط لگاتے ہو کہ آپ آسمان سے ایک لکھی ہوئی کتاب لاکر دکھادیں تو تم خود ہی بتلاؤ کہ یہ جلیل القدر انبیاء جن کا ذکر ان آیات میں ہے اور ان کا نبی ہونا تم بھی تسلیم کرتے ہو حالانکہ تم ان کے حق میں اس قسم کے مطالبات نہیں کرتے، تو جس دلیل سے تم ان حضرات کو نبی تسلیم کرتے ہو یعنی معجزات کی وجہ سے تو محمد ﷺ کے پاس بھی معجزات ہیں لہٰذا ان پر بھی ایمان لے آؤ، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا مطالبہ طلب حق کیلئے نہیں بلکہ ضد وعناد پر مبنی ہے۔

شان نزول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد کسی انسان پر اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا اس طرح انہوں نے آپ ﷺ کی رسالت سے بھی انکار کردیا جس پر آیت **اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ** الخ نازل ہوئی۔

قرآن میں مذکور تمام انبیاء ورسل کے نام:

جن انبیاء اور رسولوں کے اسماء گرامی اور ان کے واقعات قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں ان کی تعداد چوبیس (۲۴) یا پچیس ہے۔

❶	آدم علیہ الصلاۃ والسلام	❷	ادریس علیہ الصلاۃ والسلام	❸	نوح علیہ الصلاۃ والسلام
❹	ہود علیہ الصلاۃ والسلام	❺	صالح علیہ الصلاۃ والسلام	❻	ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام
❼	لوط علیہ الصلاۃ والسلام	❽	اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام	❾	اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام
❿	یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام	⓫	یوسف علیہ الصلاۃ والسلام	⓬	ایوب علیہ الصلاۃ والسلام
⓭	شعیب علیہ الصلاۃ والسلام	⓮	موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام	⓯	ہارون علیہ الصلاۃ والسلام
⓰	یونس علیہ الصلاۃ والسلام	⓱	داؤد علیہ الصلاۃ والسلام	⓲	سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام
⓳	الیاس علیہ الصلاۃ والسلام	⓴	مسیح علیہ الصلاۃ والسلام	㉑	زکریا علیہ الصلاۃ والسلام
㉒	یحییٰ علیہ الصلاۃ والسلام	㉓	عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام	㉔	ذوالکفل علیہ الصلاۃ والسلام

㉕ حضرت محمد ﷺ، (اکثر مفسرین کے نزدیک)

تمام انبیاء ورسل کی مجموعی تعداد:

جن انبیاء کے نام اور واقعات قرآن مجید میں بیان نہیں کئے گئے ان کی صحیح تعداد کتنی ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے ایک حدیث میں جو کہ بہت مشہور ہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱۲۴۰۰۰) کا ذکر ہے اور ایک دوسری حدیث میں آٹھ ہزار (۸۰۰۰) تعداد بتلائی گئی ہے لیکن یہ روایات ضعیف ہیں، قرآن وحدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار وحالات میں انبیاء آتے رہے ہیں بالآخر یہ سلسلہ خاتم النبین محمد ﷺ پر ختم ہوگیا، آپ ﷺ کے بعد جتنے بھی مدعی نبوت گذرے ہیں یا آئندہ آئیں گے سب کے سب دجال اور کذاب ہیں، اور ان کی جھوٹی نبوت کی تصدیق کرنے والے دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

یاَیّھا الناس قد جاء کم الرسول بالحق (الآیۃ) اس آیت میں تمام جہاں کے انسانوں کو خطاب فرماتے ہیں کہ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان لاؤ۔

یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم، یہاں اہل کتاب سے مراد عیسائی ہیں اور غلو کے معنی ہیں کسی کی تائید یا عداوت میں حد سے گذر جانا، یہود کا جرم یہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی مخالفت میں حد سے تجاوز کر گئے تھے اور عیسائیوں کا جرم یہ

ہے کہ وہ مسیح کی عقیدت ومحبت میں حد سے گذر گئے۔

وَکلمتهٗ القٰها اِلٰی مریم و روحٌ منه ، اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں، مفسرین نے کلمہ کے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔

❶ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی بچے کی پیدائش میں دو عامل کارفرما ہوتے ہیں، ایک عامل نطفہ ہوتا ہے اور دوسرا اللہ کا کلمہ کُن ، مذکورہ دونوں عاملوں کے ذریعہ عام طور پر، بچہ وجود میں آتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں چونکہ پہلا عامل منتفی ہے اسلئے دوسرے عامل کی طرف نسبت کر کے آپ کو کلمہ کہا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مادی اسباب کے واسطہ کے بغیر کلمہ کن سے پیدا ہوئے اور القاها الی مریم ، کا مطلب ہے کہ اللہ نے یہ کلمہ مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام تک پہنچا دیا، جس کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے

❷ بعض نے کلمہ سے مراد بشارت لی ہے اور بشارت سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو بشارت حضرت مریم کو دی تھی اس میں کلمہ کا استعمال کیا گیا ہے "اِذْ قَالَتِ الملائکة یٰمَریَمُ اِن اللّٰه یُبَشِّرُكِ بکلمةٍ" (اے مریم) اللہ تجھکو ایک کلمہ (عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی خوشخبری دیتا ہے۔

وروح منه ، اس لفظ میں دو باتیں قابل غور ہیں ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روح کہنے کے کیا معنی ہیں؟ اور دوسرے یہ کہ روح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس نسبت کا کیا مطلب ہے؟ بعض حضرات نے کہا ہے کہ مقصد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزگی کو بیان کرنا ہے مبالغہ کے طور پر اس پر روح کا اطلاق کر دیا گیا ہے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش میں نطفۂ پدر کو دخل نہیں تھا بلکہ وہ صرف کلمہ کن کے نتیجہ میں پیدا ہوئے تھے اس لئے اپنی نظافت وطہارت میں درجہ کمال پر فائز تھے اسی وجہ سے عرف اور محاورہ کے اعتبار سے ان کو روح کہہ دیا گیا، اور اللہ کی طرف اس کی نسبت تشریفاً کر دی جس طرح مساجد کی تعظیم کیلئے ان کو بیت اللہ، کعبۃ اللہ، مساجد اللہ کہا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں عیسائیوں کا غلو:

جس طرح سنگ دل یہود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، کو پیغمبر ماننا تو کجا ایک اچھے کردار کا انسان بھی ماننے کے لئے تیار نہ تھے، نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، پر بلکہ ان کی والدہ ماجدہ مریم پر معاذ اللہ حرف گیری کرتے تھے۔

ادھر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والوں نے یہ ستم کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انسانی حیثیت بالکل ختم کر دی اور ان کو معاذ اللہ خدا یا خدا کا بیٹا یا کم از کم خدا کا ایک حصہ سمجھنے لگے، ظاہر ہے کہ یہ عقیدے نہ عقل میں آسکتے ہیں اور نہ یکجا جمع ہو سکتے ہیں۔

فآمنوا باللّٰه ورُسُلِهٖ ولا تقولوا ثلاثة، اللّٰه، عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وامه، اب تم سب اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لے آؤ اور نہ کہو کہ تین (ہستیاں) ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو صاحب اولاد بنانے کا مطلب:

تم نے کبھی یہ سوچا کہ اللہ کو صاحب اولاد بنانے کا دوسرا مطلب کیا ہے؟ اس ذات پاک کے بارے میں اس سے بڑھ کر اور کوئی گستاخی نہیں ہوسکتی، اگر کسی انسان کو آپ یہ کہہ دیں کہ قطب مینار آپ کا بیٹا ہے تو وہ انسان آپ کی عقل کے بارے میں کیا فیصلہ کرے گا؟ یا آپ کسی شخص کے بارے میں بڑے شدومد سے یہ اعلان کرنے لگیں کہ ان کے یہاں خرگوش پیدا ہوا ہے تو وہ شخص آپ کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا؟ ظاہر ہے کہ دہلی کا قطب مینار ایک تاریخی یادگار تو ہوسکتا ہے ہر کوئی شخص اس کا معمار اور بانی ہونا پسند کرسکتا ہے مگر باپ بننا کوئی گوارہ نہیں کرے گا، ایسا کیوں؟ اسلئے کہ قطب مینار پتھر ہے اور انسان انسان ہے انسان سے انسان پیدا ہوتا ہے نہ کہ پتھر، اسی طرح خرگوش پالنا بعض لوگوں کو پسند آسکتا ہے لیکن یہ کسی کو پسند نہ آئے گا کہ اس کے یہاں خرگوش پیدا ہو، پھر حضرت حق تعالیٰ شانہ کے بارے میں انسان اس قدر کیوں اندھا ہوگیا کہ ایک طرف انسان نے خدا کو خدا مان کر لافانی اور لاثانی مان لیا ہے اور دوسری طرف انسان اور فرشتوں کو اسی کی اولاد اور بیوی قرار دیدیا حالانکہ انسان ہو یا فرشتہ اس کا فنا ہونا یقینی ہے، سچ یہ ہے کہ اس سے بڑی گستاخی اور بے ادبی کا تصور نہیں ہوسکتا۔

لطیفہ: علامہ آلوسی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ہارون رشید کے دربار میں ایک نصرانی طبیب نے حضرت علی بن حسین واقدی سے مناظرہ کیا اور کہا کہ تمہاری کتاب میں ایسا لفظ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا جز ہیں اور دلیل میں یہ آیت پڑھ دی جس میں وروح منه کے الفاظ ہیں، علامہ واقدی نے اس کے جواب میں ایک دوسری آیت پڑھ دی "وسخر لکم مافی السمٰوات وما فی الارض جمیعًا منه" اس آیت میں کہا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اسی سے ہے اور منه کے ذریعہ سب چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف کردی گئی ہے اور فرمایا کہ "روح منه" کا اگر مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا جز ہیں تو اس آیت کا مطلب پھر یہ ہوگا کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ بھی اللہ کا جز ہے! یہ جواب سنکر نصرانی طبیب لاجواب ہوگیا اور مسلمان ہوگیا۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ يتكبر ويأنف **الْمَسِيْحُ** الذي زعمتم انه اله عن **اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ** عند الله لا يستنكفون ان يكونوا عبيدًا وهذا من احسن الاستطراد ذكر للرد على من زعم انها اٰلهة او بنات الله كما رد بما قبله على النصارى الزاعمين ذلك، المقصود خطابهم **وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا** ﴿١٧٢﴾ في الاخرة **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ** ثواب اعمالهم **وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ** ما لا عين رأت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر **وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا** عن عبادته **فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا** مؤلمًا هو عذاب النار **وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غيره **وَلِيًّا** يدفعه عنهم **وَّلَا نَصِيْرًا** ﴿١٧٣﴾ يمنعهم منه **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ** حجة **مِّنْ رَّبِّكُمْ** عليكم وهو النبي صلى الله عليه

وسلّم وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾ بَيِّنًا وهو القرآن فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا طريقًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾ هو دين الاسلام يَسْتَفْتُوْنَكَ في الكلالة قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا مرفوع بفعل يفسره هَلَكَ مات لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ اي ولا والد هو الكلالة وَّلَهٗٓ اُخْتٌ من ابوين او اب فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ اي الاخ كذلك يَرِثُهَآ جميع ما تركت اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فان كان لها ولد ذكر فلا شيء له او انثى فله ما فضل عن نصيبها ولو كانت الاخت او الاخ من ام ففرضه السدس كما تقدم اول السورة فَاِنْ كَانَتَا اي الاختان اثْنَتَيْنِ اي فصاعدا لانها نزلت في جابر وقد مات عن اخوات فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْٓا اي الورثة اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ منهم مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ شرائع دينكم لِ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ ومنه الميراث روى الشيخان عن البراء انها اخر اية نزلت من الفرائض.

ترجمہ: حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام سے تم جن کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہو اللہ کا بندہ ہونے سے عار وانکار ہرگز ممکن نہیں اور نہ اللہ کے مقرب فرشتوں کو بندہ ہونے سے عار وانکار ہوسکتا ہے، اور یہ بہترین (طریقہ) استطراد ہے (یعنی طریقہ تردید ہے) یہ ان لوگوں پر رد کرنے کیلئے ذکر کیا گیا ہے جو فرشتوں کی الوہیت یا اللہ کی بیٹیاں ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، جیسا کہ ماقبل (کے جملہ سے) مذکورہ عقیدہ رکھنے والے (نصاری) پر رد کیا ہے، (یہاں) مقصود خطاب نصاری ہی ہیں، اور جو بھی اس کی عبادت سے ننگ وعار (سرتابی وانکار) کرے گا تو اللہ آخرت میں ان سب کو گھیر کر اپنے حضور حاضر کرے گا، سو جن لوگوں نے ایمان لاکر نیک اعمال کئے ہوں گے تو ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا ثواب عطا کرے گا اور ان کو اپنے فضل سے (ان کے استحقاق سے) زیادہ اجر عطا کرے گا (ایسا اجر) کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا اور نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال آیا ہوگا، اور جن لوگوں نے اس کی بندگی سے سرتابی کی اور اس کو عار سمجھا تو ان کو اللہ دردناک سزا دے گا اور وہ دوزخ کی سزا ہے اور وہ لوگ اللہ کے سوا کسی کو حمایتی نہ پائیں گے کہ ان کا دفاع کر سکے اور نہ مددگار کہ (اللہ کے) مقابلہ میں ان کی مدد کر سکے، لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حجت آچکی ہے اور وہ نبی (محمد ﷺ) ہیں اور ہم نے تمہاری طرف ایک واضح روشنی نازل کی ہے اور وہ قرآن ہے، سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کو مضبوطی سے تھام لیا تو وہ اس کو اپنی خصوصی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا، اور وہ ان کی راہ راست کی طرف رہنمائی کرے گا کہ وہ دین اسلام ہے، (لوگ) کلالہ کے بارے میں آپ سے فتوی معلوم کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ خود تم کو کلالہ کے بارے میں فتوی دیتا ہے، اگر کوئی شخص لاولد فوت ہوجائے، نہ اس کا والد ہو اور نہ ولد ایسا شخص ہی کلالہ ہے، اِمْرُؤٌا اس فعل محذوف کی وجہ سے مرفوع ہے جس کی تفسیر (فعل) ھَلَكَ کررہا ہے اور اس کی ایک بہن ہو حقیقی یا علاتی، تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا، اور اگر بہن لاولد مرجائے اور بھائی حقیقی ہو یا علاتی، بہن کے تمام متروکہ مال کا وارث ہوگا اگر بہن لاولد ہو، اور اگر بہن کے لڑکا ہو تو بھائی کو کچھ نہ ملے گا اور

اگر لڑکی ہو تو بھائی لڑکی کے حصہ سے بچے ہوئے کا مستحق ہوگا، اور اگر بھائی بہن اخیافی (ماں شریک) ہوں تو ان کا حصہ چھٹا ہے جیسا کہ ابتداء سورت میں گذر چکا ہے اور اگر (میت) کے دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو ان کو بھائی کے ترکہ میں سے دو ثلث ملے گا اس دلیل سے کہ یہ آیت جابر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے بارے میں نازل ہوئی جو چند بہنیں چھوڑ کر انتقال کر گئے تھے، اور اگر ورثاء کئی بھائی بہن ہوں تو بھائی کو بہن کا دو گنا ملے گا، اللہ تمہارے لئے تمہارے دین کے احکام بیان کرتا ہے، تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ان ہی میں سے میراث ہے، شیخین نے براء بن عازب رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت کیا ہے کہ فرائض کے بارے میں نازل ہونے والی یہ آخری آیت ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَيَسْتَنْكِفَ، مضارع واحد مذکر غائب مصدر استنکاف، وہ عار سمجھتا ہے اور وہ تکبر و سرتابی کرتا ہے، اس کا مادہ نکفٌ ہے، (س ن) نكفًا، و نكَفًا، بے جا تکبر کرنا۔

قَوْلُہٗ: اَلْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ، اس کا عطف المسیح پر ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الملائکة المقربون، بترکیب توصیفی مبتداء ہو اور لا يستنكفون اس کی خبر محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: هٰذَا مِنْ اَحْسَنِ الاِسْتِطْرَادِ، یعنی و لا الملائکة المقربون میں استطراد احسن ہے۔

استطراد مطلق کی تعریف:

ذکر الشئ فی غیر محله لمناسبةٍ، کسی شئی کو غیر محل میں کسی مناسبت کی وجہ سے ذکر کرنا استطراد ہے۔

استطراد کی دوسری تعریف:

مقصود کلام کو اس طرح ذکر کرنا کہ غیر مقصود کو مستلزم ہو جائے۔

استطراد احسن: ایک معنی سے دوسرے معنی کیطرف اسطرح انتقال کرنا کہ اول معنی کو ثانی معنی کے لئے ذریعہ نہ بنایا جائے۔

استطراد حسن: ثانی معنی کے لئے جو کہ مقصود ہوں اول معنی کو ذریعہ بنایا جائے، مفسر علام نے هذا من احسن الاستطراد کہہ کر اشارہ کر دیا کہ مذکورہ آیت میں استطراد احسن ہے۔

قَوْلُہٗ: اليه اى الى اللّٰه او القرآن.

قَوْلُہٗ: الزَّاعِمِيْنَ ذٰلِكَ، یہ النصاری کی صفت ہے اور ذلك کا اشارہ نصاری کے عقیدۂ الوہیت و ابنیت، اور تثلیث میں سے ہر ایک کی طرف ہے۔

قَوْلُہٗ: صِرَاطًا مُسْتَقِيْمًا، یہ یھدیھم، کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

تفسیر و تشریح

شان نزول:

نصاری نجران کے ایک وفد نے آپ ﷺ سے ملاقات کر کے شکایت کی کہ آپ ہمارے صاحب کی برائی کیوں بیان کرتے ہیں؟ کہا آپ نے فرمایا تمہارے صاحب کون ہیں؟ کہا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، آپ نے فرمایا میں ان کے بارے میں کیا کہتا ہوں؟ آپ ان کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا اللہ کا بندہ ہونا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے کوئی عار کی بات نہیں ہے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی (خازن۔ روح المعانی) یعنی مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی ننگ و عار نہیں، اور نہ ہی اللہ کے مقرب فرشتوں کو عار ہے اللہ کا بندہ ہونا تو انتہائی شرافت کی بات ہے، ذلت و غیرت تو اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت و بندگی کرنے میں ہے، جیسے نصاری نے حضرت مسیح کو ابن اللہ اور معبود بنا لیا اور مشرکین نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیکر ان کی بندگی شروع کر دی۔

انبیاء افضل ہیں یا ملائکہ؟

بعض مفسرین نے اس آیت کے تحت انبیاء و ملائکہ کے درمیان تفاضل کی بحث چھیڑ دی ہے اور ایک فریق افضلیت ملائکہ کا قائل ہو گیا ہے، اور دوسرے فریق نے افضلیت انبیاء کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔

بحیثیت مجموعی معتزلہ اور بعض اشاعرہ فریق اول کے ساتھ ہیں، اور جمہور اشاعرہ فریق دوم کے ساتھ لیکن انصاف کی عدالت کا فیصلہ یہ ہے کہ آیت زیر بحث کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، اور نہ اس مسئلہ میں بحث و مناظرہ سے کچھ حاصل، اسلئے کہ اس مسئلہ میں قرآن و حدیث دونوں خاموش ہیں۔

فَائِدَہ: اسَتدلَّ بهذه الآية القائلون بتفضيل الملائكة على الانبياء، وهم ابو بكر الباقلانى والحليمى من ائمة الاشعريه وجمهور المعتزله، وقرر زمخشرى وجه الدلالة بما لايسمن ولا يغنى من جوع، واَطَالَ البيضاوى وابن المنير فى الرد عليه والمصنف يرى اَنَّ التفاضل فى هذا الباب من قبيل الرجم بالغيب.

افضلیت ملائکہ کے بارے میں معتزلہ کا عقیدہ:

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ ملائکہ انبیاء کرام سے افضل ہیں، صاحب کشاف نے مذکورہ آیت سے افضلیت ملائکہ پر استدلال کیا ہے۔

تمہید: معتزلہ کا دعویٰ ہے کہ آیت مذکورہ کا مقصد عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام عبدیت کی نفی اور ابنیت کا اثبات ہے اور ابن چونکہ اَب کا جزء ہوتا ہے لہٰذا ابنیت کا ثبوت جزئیت کا ثبوت ہے۔

طریق استدلال:

لن یستنکف المسیح ان یکون عبدًا للّٰہ و لا الملائکۃ المقربون، میں لن یستنکف المسیح معطوف علیہ اور ولا الملائکۃ معطوف ہے، ترقی من الادنی الی الاعلی کے قاعدہ سے معطوف، معطوف علیہ سے اعلیٰ و افضل ہوتا ہے، تاکہ معطوف معطوف علیہ کے لئے بمنزلہ دلیل کے ہو، مذکورہ آیت میں حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عبدیت سے عدم استنکاف (عار محسوس نہ کرنا) معطوف علیہ ہے اور ملائکہ کا عدم استنکاف معطوف ہے اور بقول معتزلہ معطوف معطوف علیہ سے افضل ہوتا ہے، مذکورہ قاعدہ کی روشنی میں معتزلہ کے نزدیک آیت کا مطلب ہوگا، مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی عبدیت سے ننگ و عار محسوس نہیں کرتے، اسلئے کہ فرشتے افضل ہونے کے باوجود عبدیت سے عار محسوس نہیں کرتے، گویا کہ فرشتوں کا عدم استنکاف مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عدم استنکاف کی دلیل ہے اس وجہ سے لا یَستنکِفُ فلان عن خدمتی و لا اباہ بولا جاتا ہے، اس مثال میں ترقی من الادنی الی الاعلی ہے، اسلئے کہ اب ابن سے اعلیٰ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بیان فضیلت کے موقع پر لا یستنکف فلان عن خدمتی و لا غلامُہٗ، نہیں بولا جاتا، اسی طرح کہا جاتا ہے "لن یستنکف من ھذا الامر الوزیرُ و لا السلطان نہ کہ اس کا برعکس، لہٰذا آیت کے معنی قاعدہ مذکورہ کے مقتضیٰ کے مطابق ہوں گے، لا یستنکف المسیح و لا مَن فوقَہٗ۔

معتزلہ کے استدلال کا جواب:

آیت مذکورہ کا مقصد اصلی نصاریٰ کے عقیدۂ ابنیت کو رد کرنا ہے لیکن ضمناً طردًا للباب افادۂ تام کے لئے ادنیٰ مناسبت سے ملائکہ کے بارے میں مشرکوں کے عقیدۂ بنتّی کی بھی تردید کردی حالانکہ یہ مشرکین کے مذکورہ عقیدہ کی تردید کا محل نہیں ہے اسلئے کہ ماسبق سے روئے سخن اہل کتاب خصوصاً نصاریٰ کی طرف ہے، مشرکین کے عقیدہ کی تردید کا موقع و محل تو سورۂ زخرف آیت ۱۵: وَجَعَلوا لَہٗ من عبادہ جزءً اِنّ الانسانَ لکفور مبین" سے معلوم ہوا کہ زیر بحث آیت میں فرشتوں کے استنکاف کا ذکر تو طرداً للباب افادہ تام کے لئے ضمناً و تبعاً التزام مالا یلتزم کے طور پر آ گیا ہے، ورنہ مقصود اصلی تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استنکاف کو بیان کرنا ہے، گویا کہ مذکورہ عقیدہ رکھنے والوں سے کہا جارہا ہے کہ جو تم عقیدہ رکھتے ہو بات ایسی نہیں ہے اسلئے کہ جو بیٹا یا بیٹی (یعنی اولاد) ہوتا ہے وہ اَب کا عبد (غلام) ہونے میں ننگ و عار محسوس کرتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں ہے اگر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ابن اللہ

ہوتے تو عبداللہ ہونے میں عار محسوس کرتے اور یہی صورت حال فرشتوں کی ہے، لہٰذا معلوم ہوگیا کہ بطور معطوف فرشتوں کا بعد میں ذکر کرنا فرشتوں کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا۔

اللہ کا بندہ ہونا اعلیٰ درجہ کی شرافت اور عزت ہے:

لن یستنکف المسیح علیہ الصلاۃ والسلام، یعنی مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں اور نہ ہی اللہ کے مقرب فرشتوں کو عار ہے، اسلئے کہ اللہ کا بندہ ہونا اور اس کی بندگی کرنا تو اعلیٰ درجہ کی شرافت ہے حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام اور ملائکہ مقربین سے اس نعمت کی قدر و قیمت پوچھئے، ان کو اس سے کیسے ننگ و عار ہوسکتی ہے، البتہ ذلت و غیرت تو غیر اللہ کی بندگی کرنے میں ہے، جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو ابن اللہ اور معبود بنالیا اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مان کر ان کے بت بنا کر ان کی بندگی کرنے لگے تو ایسے لوگوں کیلئے دائمی عذاب و ذلت ہے۔

اے لوگو تمہارے پاس نبی ﷺ کی شکل میں ایک دلیل محکم آچکی ہے، اور ہم تمہاری طرف قرآن کی شکل میں ایک نور مبین نازل کرچکے ہیں، سبحان اللہ آنحضرت ﷺ کی جانب دلیل محکم کہہ کر اور قرآن کی جانب نور مبین کہہ کر کیا روح پرور اشارہ فرمایا، اب جن کا سر ان دونوں کی تعلیمات پر جھکا ان کو بشارت دی جارہی ہے کہ آخرت میں بھی ان کو نہال کردیں گے اور دنیا میں بھی خدا پرست زندگی آسان کردیں گے۔

یَسْتَفْتُوْنَكَ قل اللّٰه یفتیکم فی الکلالة، اس آیت میں کلالہ کی میراث کا حکم بیان فرمایا گیا ہے، چونکہ کلالہ کے لئے اردو زبان میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے کہ جس سے اس کا پورا مفہوم سمجھ میں آسکے، اسلئے اولاً کلالہ کا مصداق سمجھنا ضروری ہے کہ کلالہ کونسی میت اور کونسا وارث ہے؟

❶ کلالہ ایسی میت کو کہتے ہیں کہ جس کے ورثاء میں بیٹا پوتا اور باپ دادا نہ ہوں، ان کے علاوہ کوئی اور وارث ہو، یہی قول حضرت علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا ہے۔

❷ جو شخص ایسی میت کا وارث قرار پائے وہ بھی کلالہ کہلاتا ہے، یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔

❸ وارث اور میت کی نسبت بھی نسبت کلالہ کہلاتی ہے۔

❹ حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کلالہ کی وضاحت پوچھی گئی تو ارشاد فرمایا کہ میں اس لفظ کے بارے میں اپنی سمجھ کے مطابق ایک بات کہتا ہوں اگر درست ہو تو اللہ کا فضل سمجھے اور اگر غلط ہو تو میری غلطی سمجھنا، غالباً اس سے مقصود باپ اور بیٹے کے علاوہ دوسرے رشتہ دار ہیں حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا زمانہ آیا تو غالباً کسی سائل کے جواب میں فرمایا کہ اس بات سے خدا سے ندامت آتی ہے کہ حضرت ابوبکر نے کوئی بات کہی ہو اور میں اس کی تردید کروں۔ (رواہ البیهقی)

❺ حضرت براء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے کلالہ کے بارے میں تفصیل چاہی تو آپ نے فرمایا کہ جو باپ بیٹے کے علاوہ ہو۔ (اخرجه ابو الشیخ)

❻ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن رَضَی اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے اپنا وارث باپ اور بیٹا نہ چھوڑا ہو تو اس کا وارث (جو بھی ہو) کلالہ کہلائیگا۔ (اخرجہ ابو داؤد فی المراسیل)

اگر کوئی شخص وفات پا جائے اس طرح کہ اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن موجود ہو تو بہن کیلئے مرنے والے کی میراث کا آدھا ہے اور اولاد سے بیٹا، بیٹی نیچے تک سب مراد ہیں اور بہن سے مراد سگی بہن ہے۔

اور حقیقی بھائی اپنی حقیقی بہن کا پوری میراث کا حق دار ہوگا بشرطیکہ بہن نے اولاد نہ چھوڑی ہو اور نہ باپ دادا موجود ہوں۔

تمّ بحمد اللہ

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِىَ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً اَوِاثْنَتَانِ اَوْثَلٰثٌ

سورۂ مائدہ مدنی ہے، ۱۲۰، یا ۱۲۲ یا ۱۲۳ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۗ اَلْعُهُوْدُ الْمُؤَكَّدَةُ الَّتِىْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ اَوِالنَّاسِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اَلْاِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ اَكْلًا بَعْدَ الذَّبْحِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ تَحْرِيْمُهُ فِىْ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ الْاٰيَةَ فَالْاِسْتِثْنَاءُ مُنْقَطِعٌ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ مُتَّصِلًا وَالتَّحْرِيْمُ لِمَا عَرَضَ مِنَ الْمَوْتِ وَنَحْوِهٖ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۗ اَىْ مُحْرِمُوْنَ وَنَصْبُ غَيْرَ عَلَى الْحَالِ مِنْ ضَمِيْرِ لَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① مِنَ التَّحْلِيْلِ وَغَيْرِهٖ لَا اِعْتِرَاضَ عَلَيْهِ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ جَمْعُ شَعِيْرَةٍ اَىْ مَعَالِمَ دِيْنِهٖ بِالصَّيْدِ فِى الْاِحْرَامِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ بِالْقِتَالِ فِيْهِ وَلَا الْهَدْىَ مَا اُهْدِىَ اِلَى الْحَرَمِ مِنَ النَّعَمِ بِالتَّعَرُّضِ لَهٗ وَلَا الْقَلَآئِدَ جَمْعُ قِلَادَةٍ وَهِىَ مَا كَانَ يُتَقَلَّدُ بِهٖ مِنْ شَجَرِ الْحَرَمِ لِيَأْمَنَ اَىْ فَلَا تَتَعَرَّضُوْا لَهَا اَوْ لِاَصْحَابِهَا وَلَآ تُحِلُّوْا آٰمِّيْنَ قَاصِدِيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ بِاَنْ تُقَاتِلُوْهُمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا رِزْقًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۗ بِالتِّجَارَةِ مِنْهُ بِقَصْدِهٖ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ بَرَاءَةٍ وَاِذَا حَلَلْتُمْ مِنَ الْاِحْرَامِ فَاصْطَادُوْا ۗ اَمْرُ اِبَاحَةٍ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ يَكْسِبَنَّكُمْ شَنَاٰنُ بِفَتْحِ النُّوْنِ وَسُكُوْنِهَا بُغْضُ قَوْمٍ لِاَجْلِ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ عَلَيْهِمْ بِالْقَتْلِ وَغَيْرِهٖ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ فِعْلِ مَا اُمِرْتُمْ بِهٖ وَالتَّقْوٰى ۖ بِتَرْكِ مَا نُهِيْتُمْ عَنْهُ وَلَا تَعَاوَنُوْا فِيْهِ حَذْفُ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِى الْاَصْلِ عَلَى الْاِثْمِ الْمَعَاصِىْ وَالْعُدْوَانِ ۖ اَلتَّعَدِّىْ فِىْ حُدُوْدِ اللّٰهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ خَافُوْا عِقَابَهٗ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ② لِمَنْ خَالَفَهٗ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو یعنی ان محکم قول و قراروں کو پورا کرو جو تم نے اللہ سے اور انسانوں سے کئے ہیں، تمہارے لئے مویشی چوپایوں مثلاً اونٹ، گائے اور بکری (وغیرہ) کو ذبح کرکے کھانا حلال کر دیا گیا ہے، مگر وہ جانور حلال نہیں کئے گئے جن کی حرمت تم کو آئندہ آیت حرمت

علیکم المیتۃ میں بتائی جارہی ہے یہ استثناء منقطع ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ متصل ہو، اور تحریم موت وغیرہ کے عارض ہونے کی وجہ سے ہے، لیکن حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھو یعنی جب تم محرم ہو، اور غیرَ، کم (کی طرف لوٹنے والی) ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اللہ تعالیٰ حلت (وحرمت) کے جو احکام چاہتا ہے حکم دیتا ہے، اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، حرم میں شکار کرکے اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو شعائر شعیرۃٌ کی جمع ہے یعنی خدائی دین کی نشانی، اور نہ حرمت والے مہینے کی، اس میں قتال کرکے (بے حرمتی کرو) اور نہ ہدی کے جانوروں پر دست درازی کرکے ان کی بے حرمتی کرو، ہدی وہ مویشی جانور جس کو (قربانی کے لئے) حرم لیجایا جائے۔

اور نہ ان جانوروں پر دست درازی کرو جن کی گردنوں میں (نذر خداوندی کی علامت کے طور پر حرم کے درخت کے پٹے) پڑے ہوں اور قتال کرکے نہ ان لوگوں کی بے حرمتی کرو جو بیت الحرام کے قصد سے جارہے ہوں کہ اپنے رب کے فضل اور تجارت کے ذریعہ اپنے رب کے رزق کے اور بزعم خویش بیت اللہ کے قصد سے اس کی رضامندی کے طالب ہوں، یہ حکم آیت براءت سے منسوخ ہے اور جب تم احرام سے فارغ ہو جاؤ تو شکار کی اجازت ہے (فاصطادوا) میں امر اباحت کے لئے ہے، اور ان لوگوں کی دشمنی کہ جنہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر قتل وغیرہ کے ذریعہ زیادتی کرو (شَنَـان) نون کے فتحہ اور سکون کے ساتھ بمعنی بغض ہے، اور نیکی پر اس کام کو کرکے جس کا تم کو حکم دیا گیا ہے اور تقوے پر اس کام کو ترک کرکے جس سے تم کو منع کیا گیا ہے ایک دوسرے کا تعاون کرتے رہو اور گناہ پر اور اللہ کی حدود میں زیادتی (کی باتوں میں) ایک دوسرے کا تعاون مت کرو (تعاونوا) میں اصل میں دو تاؤں میں سے ایک تاء محذوف ہے، اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہو بایں صورت کہ اس کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ اپنی مخالفت کرنے والے کو سخت سزا دینے والا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: المَائِدَۃ، دسترخوان، جمع موائد.

قولہ: بالعُقُوْدِ، واحد عَقد پختہ عہد عقد مصدر ہے بطور اسم استعمال ہوا ہے۔

قولہ: بَهِیمَۃٌ، جمع بَهَائم، مویشی چوپائے عرف عرب میں بہائم کا اطلاق درندو پرند کے علاوہ ہر حیوان پر ہوتا ہے بہیمۃ، ابہام سے ماخوذ ہے چونکہ چوپایوں کی آواز میں ابہام ہوتا ہے اسی وجہ سے ان کو بہائم کہا جاتا ہے۔

قولہ: اَنعام، واحد نَعَمٌ بھیڑ، بکری، گائے، بھینس، اونٹ، انعام میں اونٹ کا شامل ہونا ضروری ہے بغیر اونٹ کی شمولیت کے انعام نہیں کہا جاتا، عرب کے نزدیک اونٹ چونکہ بہت بڑی نعمت ہے اسلئے اس کو نعم کہا جانے لگا۔

قولہ: اَکلًا، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوال: حلت وحرمت تو افعال کے اوصاف میں سے ہے یہاں ذات یعنی بہیمۃ الانعام کا وصف قرار دیا گیا ہے جو درست نہیں ہے۔

جواب: اکلًا محذوف مان کر اسی سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

قولہ: تَحرِیمُہٗ، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ بھیمہ متلو اشیاء میں سے نہیں ہے؟

جواب: بھیمۃ متلو نہیں ہے بلکہ متلو تحریم بھیمۃ ہے۔

قولہ: فَالاِسْتِثْنَاءُ مُنْقَطِعٌ، اسلئے کہ مستثنیٰ منہ جو کہ بھیمۃ الانعام ہے اور مستثنیٰ جو کہ ما یتلی علیکم ہے ایک جنس کے نہیں ہیں، مستثنیٰ منہ از قبیل ذوات ہے اور مستثنیٰ از قبیل الفاظ۔

قولہ: یَجُوْزُ اَن یَکُوْنَ مُتَّصِلًا، تقدیر مضاف کی صورت میں الا ما یُتلی علیکم، احلت لکم بھیمۃ الانعام سے مستثنیٰ متصل ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی ای اِلّا محرم ما یتلی علیکم، اور محرم سے مراد میتۃ ہے۔

قولہ: لِمَا عَرَضَ مِنَ المَوْتِ، اس میں اشارہ ہے کہ انعام مذکورہ کی حرمت ذاتی نہیں ہے بلکہ موت کی وجہ سے طاری ہے۔

قولہ: وانتم حُرُم یہ جملہ غیرَ محلّی الصید کی ضمیر مستتر سے حال ہے جو لکم ضمیر کی طرف راجع ہے یعنی غیر محلّی الصید ذوالحال ہے اور وانتم حُرُم حال ہے۔

قولہ: وھذا مَنْسُوخٌ بآیۃِ بَرَآءَۃٍ "وھی قولہ تعالٰی، اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم"۔

تفسیر وتشریح

زمانہ نزول:

مسند احمد اور طبرانی میں اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں سورۂ مائدہ کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں، اس شان نزول کی روایت کی سند میں اسماء بنت یزید کا پروردہ شہر بن حوشب ایک راوی ہے جس کو بعض علماء نے ضعیف اور کثیر الارسال لکھا ہے، لیکن تقریب میں اس کو صدوق لکھا ہے شہر بن حوشب کی یہ روایت چونکہ اسماء بنت یزید سے ہے جو شہر بن حوشب کی پرورش کرنے والی ہیں، اس لئے اس سند میں ارسال کا احتمال بھی باقی نہیں رہتا، اسلئے کہ تابعی اگر واسطۂ صحابی کے بغیر آنحضرت ﷺ سے روایت کرے تو اس کو ارسال کہتے ہیں اور اس کی روایت کو مرسل کہتے ہیں اس سند میں وہ بات نہیں ہے۔

عقد: عقد کسے کہتے ہیں؟

تفسیر ابن جریر میں علی بن طلحہ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی جو روایت ہے اس میں حلال و حرام چیزوں کے جو احکام عہد کے طور پر قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں ان ہی کو عقود کی تفسیر قرار دیا ہے۔

بھیمۃ الانعام: مویشی چوپایوں کو کہتے ہیں ان میں پالتو جانور اونٹ، گائے، بھیڑ بکری اور جنگلی شکار کر کے کھانے

کے قابل جانور مثلاً نیل گائے، ہرن وغیرہ بھی داخل ہیں انعام کے مفہوم میں چوپائے درندے شامل نہیں ہیں اسلئے کہ عرب کے محاورے میں درندوں کے نام الگ الگ ہیں، اسی حکم کو بیان کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب درندے چوپائے حرام ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رَضِحَالقُهُ تَعَالیٰعَنْهُمَا اور حضرت جابر رَضِحَالقُهُ تَعَالیٰعَنْهُ سے جوروایتیں ہیں ان میں آنحضرت ﷺ نے درندے جانوروں کے حرام ہونے کا ارشاد فرمایا ہے، اسی طرح آپ نے پھاڑنے والے پرندوں کو بھی حرام قرار دیا ہے جس کے پنجے ہوتے ہیں، جو دوسرے جانوروں کا شکار کرتے ہیں یا مردار خور ہوتے ہیں ابن عباس رَضِحَالقُهُ تَعَالیٰعَنْهُمَا کی روایت میں ہے "نهى رسول الله ﷺ عن كل ذى نابٍ من السباع وكل ذى مخلب من الطير".

اِلَّا مَا يتلى عليكم، کا مطلب ہے کہ آئندہ آیت "حرمت عليكم الميتة" میں جن جانوروں کا ذکر فرمایا ہے وہ حرام ہیں غير محلى الصيد وانتم حرم کا مطلب ہے کہ حاجیوں کو احرام کی حالت میں خشکی کے جانوروں کا شکار حرام ہے البتہ دریائی جانوروں کا شکار بحالت احرام روا ہے بعض جانوروں کے حلال اور بعض کے حرام کرنے کی مصلحت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، اللہ حاکم مطلق ہے اسے پورا اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے، بندوں کو اس کے حکم میں چوں و چرا کرنے کا حق نہیں، اگرچہ اس کے تمام احکام حکمت و مصلحت پر مبنی ہیں لیکن بندۂ مسلم اس کے حکم کی اطاعت اس حیثیت سے نہیں کرتا کہ وہ اسے مناسب پاتا ہے یا مبنی بر مصلحت سمجھتا ہے بلکہ صرف اس بنا پر کرتا ہے کہ یہ مالک کا حکم ہے۔

شعائر کیا ہیں؟

ہر وہ چیز جو کسی مسلک یا عقیدے یا طرز فکر و عمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو وہ اس کا شعار کہلاتی ہے، کیونکہ وہ اس کے لئے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے، سرکاری پرچم، فوج، پولیس وغیرہ کی وردی (یونیفارم) سکے اور اسٹامپ حکومتوں کے شعائر ہیں، اور وہ اپنے محکموں سے بلکہ جو بھی اس کے زیر اقتدار ہے اس سے احترام کا مطالبہ کرتی ہے گرجا اور قربان گاہ اور صلیب مسیحیت کے لئے، چوٹی اور زنار اور مندر برہمنیت کے لئے شعائر ہیں، کیس، کڑا اور کرپان وغیرہ سکھ مذہب کے شعائر ہیں ہتھوڑا اور درانتی اشتراکیت کا شعار ہے یہ سب مسلک اپنے اپنے پیروؤں سے اپنے شعائر کے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں، اگر کوئی شخص کسی نظام کے خلاف دشمنی رکھتا ہے، اور اگر وہ توہین کرنے والا خود اس نظام سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا یہ فعل اپنے نظام سے ارتداد اور بغاوت کا ہم معنی ہے۔

شعائر اللہ کا احترام:

شعائر اللہ کے احترام کا عام حکم دینے کے بعد چند شعائر کا نام لے کر ان کے احترام کا خاص طور پر حکم دیا گیا کیونکہ اس وقت جنگی حالات کی وجہ سے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ جنگ کے جوش میں کہیں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی توہین نہ ہو جائے ان چند

ائر کو نام بنام بیان کرنے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ صرف یہی احترام کے مستحق ہیں، شعائر اسلام ان اعمال وافعال کو کہا جاتا ہے
عرفاً مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں اور محسوس ومشاہد ہیں، جیسے نماز، اذان، حج، ختنہ، اور سنت کے مطابق ڈاڑھی
یرہ، مگر صاف اور صحیح بات وہ ہے جو بحر محیط اور روح المعانی میں حضرت حسن بصری اور علماء سے منقول ہے اور وہ یہ کہ شعائر اللہ
سے مراد تمام شرائع اور دین کے مقرر کردہ واجبات وفرائض اور ان کی حدود ہیں۔

احرام بھی من جملہ شعائر اللہ ہے، اور اس کی پابندیوں میں سے کسی پابندی کو توڑنا اس کی بے حرمتی کرنا ہے۔

ان نزول:

یٰاَیُّھَا الذین آمنوا لا تُحِلُّوْا شعائر اللّٰہ، (الآیة) ابن جریر نے عکرمہ اور سدی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص
ریح بن ہند مدینہ آکر مسلمان ہوگیا تھا اور اپنے وطن جاکر پھر مرتد ہوگیا، اس واقعہ کے ایک سال بعد اس نے حج کا قصد کیا
حابہ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو شریح بن ہند کے ساتھ جو نیاز کعبہ کے جانور اور
جارت کا مال ہے اس کو لوٹ لیں، آپ نے فرمایا یہ کیونکر ہوسکتا ہے وہ تو نیاز کے جانور لے کر حج کے ارادہ سے جارہا ہے،
س پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنہُ سے روایت ہے کہ مشرکین خود کو ملت ابراہیمی کا پابند سمجھ کر حالت شرک میں بھی حج کیا
رتے تھے، سورۂ براءت میں مشرکین کو حج بیت اللہ سے روکنے کے حکم سے پہلے روکنے کی ممانعت تھی، سورۂ براءت میں جب یہ
م نازل ہوا کہ مشرکین نجس ہیں آئندہ سال سے وہ لوگ مسجد حرام کے پاس نہ آئیں جس سے سورۂ مائدہ کی اس آیت کا حکم
سوخ ہوگیا، ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے منسوخ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، مفسرین کی ایک جماعت اس آیت
منسوخ ہونے کی قائل نہیں ہے، اور شاہ ولی اللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے بھی فوز الکبیر میں اس آیت کے نسخ کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ حکم
م میں تخصیص قرار دیا ہے، یعنی پہلے مشرکین اور مسلمین سب کو حج کی اجازت تھی سورۂ براءت کے اس حکم سے تخصیص ہوگئی کہ
ندہ مشرکین مسجد حرام کے پاس نہ آیا کریں، اور شاہ صاحب تخصیص کو نسخ نہیں مانتے۔

حالت احرام میں محرم کے لئے خشکی کے جانوروں کے شکار کی ممانعت کردی گئی تھی جو احرام سے فارغ ہونے کے بعد باقی
ں رہی اور غیر محرم کا محرم کو شکار کا گوشت دینا اور محرم کے لئے لینا اور کھانا جائز ہے بشرطیکہ محرم کی خاطر شکار نہ کیا گیا ہو اور محرم
شکار میں اشارۃً یا دلالۃً شریک نہ ہو۔

ان نزول کا دوسرا واقعہ:

بعض مفسرین نے مذکورہ آیت کے شان نزول میں ایک دوسرا واقعہ نقل کیا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

یمامہ کا ایک دولتمند حطیم نامی تاجر بڑے کرّ وفر کے ساتھ مدینہ آیا، ابھی یہ شخص مسجد نبوی تک نہ پہنچا تھا کہ آنحضرت ﷺ

نے صحابۂ کرام کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا تمہارے پاس قبیلہ یمامہ کا ایک شخص آرہا ہے جو شیطان کی طرح باتیں بناتا ہے، ادھر حطیم نے یہ کیا کہ اہل قافلہ کو مدینہ کے باہر چھوڑ کر تنہا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں ارشاد ہوا کہ خدائے پاک کو ایک ماننا محمد ﷺ کو پیغمبر تسلیم کرنا نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، حطیم نے عرض کیا کہ کچھ اور لوگ بھی میرے شریک معاملہ ہیں جن کے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا میں خود بھی اسلام قبول کرلوں گا اور بقیہ اصحاب کو بھی جناب کی خدمت میں حاضر کردوں گا تاکہ وہ بھی مشرف باسلام ہوسکیں، گفتگو کے بعد جب یہ شخص باہر نکلا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ شخص آیا تو تھا کافر ہو کر اور گیا ہے دھوکہ باز ہو کر، چنانچہ فوراً مع قافلہ واپس ہوگیا اور جاتے وقت مدینہ کی چراگاہ کے سارے مویشی ہانک لے گیا، اتنی تیزی سے واپس چلا گیا کہ تعاقب کے باوجود ہاتھ نہ آیا، اگلے سال آپ ﷺ صحابہ کے ہمراہ عمرۃ القضا کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو راستہ میں یمامہ کے مشرک حاجیوں کے قافلہ کی آوازیں آئیں، آپ نے فرمایا یہ حطیم اور اس کے قافلہ والے آرہے ہیں تحقیق سے یہ بات صحیح ثابت ہوئی، حطیم قافلہ کے ساتھ اس طرح مکہ جارہا ہے کہ مشرک حاجیوں کا ایک ہجوم ہے اور اونٹوں پر تجارتی سامان لدا ہوا ہے جو جانور مدینہ سے لوٹ کر لایا تھا ان کے گلے میں پٹے ڈال کر کعبۃ اللہ کی نذر کے لئے ہدی بنا کر لیجارہا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا اگر ہمیں اجازت ملے تو ہم اس دغاباز کو مزا چکھا دیں اور اپنے مویشی واپس لے لیں۔ ارشاد ہوا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ خود حاجی بن کر جارہا ہے اور جانور نیاز بیت اللہ کے لئے لے جارہا ہے آپ نے صحابہ کو اس کی اجازت نہ دی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (هدایت القرآن ملخصا)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ اى اكلها **وَالدَّمُ** اى المسفوح كما فى الانعام **وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ** بان ذبح على اسم غيره **وَالْمُنْخَنِقَةُ** الميتة خنقا **وَالْمَوْقُوذَةُ** المقتولة ضربا **وَالْمُتَرَدِّيَةُ** الساقطة من علو الى سفل فماتت **وَالنَّطِيحَةُ** المقتولة بنطح اخرى لها **وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ** منه **إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ** اى ادركتم فيه الروح من هذه الاشياء فذبحتموه **وَمَا ذُبِحَ عَلَى** اسم **النُّصُبِ** جمع نصاب وهى الاصنام **وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا** تطلبوا القسم والحكم **بِالْأَزْلَامِ** جمع زلم بفتح الزاى وضمها مع فتح اللام قدح بكسر القاف سهم صغير لا ريش له ولا نصل وكانت سبعة عند سادن الكعبة عليها اعلام وكانوا يحكمونها فان امرتهم ائتمروا وان نهتهم انتهوا **ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ** خروج عن الطاعة ونزل بعرفة عام حجة الوداع **الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ** ان ترتدوا عنه بعد طمعهم فى ذلك لما رأوا من قوته **فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ** احكامه وفرائضه فلم ينزل بعدها حلال ولا حرام **وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي** باكماله وقيل بدخول مكة آمنين **وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ** مجاعة الى اكل شئ مما حرم عليه فاكل **غَيْرَ مُتَجَانِفٍ** مائل **لِإِثْمٍ** معصية **فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ** له ما اكل **رَحِيمٌ** ③ به فى اباحته له بخلاف المائل لاثم اى المتلبس به كقاطع

الطَّرِيقِ وَالْبَاغِي مَثَلاً فَلَا يَحِلُّ لَهُ الْأَكْلُ **يَسْأَلُونَكَ** يَا مُحَمَّدُ **مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ** مِنَ الطَّعَامِ **قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ** الْمُسْتَلَذَّاتُ **وَ** صَيْدُ **مَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ** الْكَوَاسِبِ مِنَ الْكِلَابِ وَالسِّبَاعِ وَالطَّيْرِ **مُكَلِّبِينَ** حَالٌ مِنْ كَلَّبْتُ الْكَلْبَ بِالتَّشْدِيدِ أَرْسَلْتُهُ عَلَى الصَّيْدِ **تُعَلِّمُونَهُنَّ** حَالٌ مِنْ ضَمِيرِ مُكَلِّبِينَ أَيْ تُؤَدِّبُونَهُنَّ **مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ** مِنْ آدَابِ الصَّيْدِ **فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ** وَإِنْ قَتَلْنَهُ بِأَنْ لَمْ يَأْكُلْنَ مِنْهُ بِخِلَافِ غَيْرِ الْمُعَلَّمَةِ فَلَا يَحِلُّ صَيْدُهَا وَعَلَامَتُهَا أَنْ تَسْتَرْسِلَ إِذَا أُرْسِلَتْ وَتَنْزَجِرَ إِذَا زُجِرَتْ وَتُمْسِكَ الصَّيْدَ وَلَا تَأْكُلَ مِنْهُ وَأَقَلُّ مَا يُعْرَفُ بِهِ ذَلِكَ ثَلَاثُ مَرَّاتٍ فَإِنْ أَكَلَتْ مِنْهُ فَلَيْسَ مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَى صَاحِبِهَا فَلَا يَحِلُّ أَكْلُهُ كَمَا فِي حَدِيثِ الصَّحِيحَيْنِ وَفِيهِ أَنَّ صَيْدَ السَّهْمِ إِذَا أُرْسِلَ وَذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ كَصَيْدِ الْمُعَلَّمِ مِنَ الْجَوَارِحِ **وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ** عِنْدَ إِرْسَالِهِ **وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٤﴾ الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ** الْمُسْتَلَذَّاتُ **وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ** أَيْ ذَبَائِحُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى **حِلٌّ** حَلَالٌ **لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ** إِيَّاهُمْ **حِلٌّ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ** الْحَرَائِرُ **مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ** حِلٌّ لَكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ **إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ** مُهُورَهُنَّ **مُحْصِنِينَ** مُتَزَوِّجِينَ **غَيْرَ مُسَافِحِينَ** مُعْلِنِينَ بِالزِّنَا بِهِنَّ **وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ** أَخِلَّاءَ مِنْهُنَّ تُسِرُّونَ بِالزِّنَا بِهِنَّ **وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ** أَيْ يَرْتَدَّ **فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ** الصَّالِحُ قَبْلَ ذَلِكَ فَلَا يُعْتَدُّ بِهِ وَلَا يُثَابُ عَلَيْهِ **وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٥﴾** إِذَا مَاتَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: تمہارے لئے مردار اور بہنے والا خون (حرام کر دیا گیا ہے) جیسا کہ سورۂ انعام میں مذکور ہے، اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر (بوقت ذبح) غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو بایں صورت کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، کا کھانا حرام کر دیا گیا ہے اور گلا گھٹ کر مرا ہوا جانور اور چوٹ کھا کر مرا ہوا جانور اور اوپر سے گر کر مرا ہوا جانور، اور وہ جانور جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مرا ہو اور وہ جانور کہ جس میں سے درندہ نے کھا لیا ہو (کھانا حرام کر دیا گیا ہے) الا یہ کہ تم نے اس کو ذبح کر لیا ہو، یعنی مذکورہ جانوروں میں سے جو تم کو زندہ مل گیا ہو اور تم نے اس کو ذبح کر لیا ہو (تو وہ حرام نہیں ہے) اور وہ جانور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو نُصُبٌ، نصابٌ کی جمع ہے اور وہ بت ہیں (حرام کر دیا گیا ہے) اور پانسوں کے ذریعہ قسمت آزمائی کرنا اور نتیجہ معلوم کرنا (حرام کر دیا گیا ہے) اَزلام، زَلَمٌ کی جمع ہے زاء کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ مع لام کے فتحہ کے قدح چھوٹا تیر جس میں نہ پر لگے ہوں اور نہ اس میں انی ہو، قِدح قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے اور وہ سات تیر تھے جو بیت اللہ کے خادم کے پاس رہتے تھے، ان پر علامتیں لگی رہتی تھیں ان سے جواب مانگا کرتے تھے (فال لیا کرتے تھے) اگر وہ ان کو اجازت دیتے تو اس کام کو کرتے اور اگر جواب ممانعت میں نکلتا تو نہ کرتے، یہ فسق ہے یعنی اطاعت سے خروج ہے، اور (آئندہ آیت) حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں نازل ہوئی، اب کافر تمہارے دین (اسلام) سے مرتد ہونے کے بارے میں خواہش رکھنے کے باوجود

مایوس ہو چکے ہیں، اس لئے کہ وہ اس دین کی قوت دیکھ چکے ہیں، لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو آج میں نے تمہارے دین (یعنی) اس کے احکام وفرائض کو مکمل کر دیا چنانچہ اس کے بعد حلال وحرام کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا اور تم پر میں نے دین مکمل کر کے اپنا انعام تام کر دیا اور کہا گیا ہے کہ مکہ میں مامون طریقہ پر داخل کر کے (انعام تام کر دیا) اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا، پس جو شخص شدت بھوک سے بیتاب ہو اس کے لئے حرام کردہ چیزوں میں سے کچھ کھا لینا تو مباح ہے، بشرطیکہ معصیت کی جانب میلان نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کھانے کو معاف کرنے والا ہے، اور اس کے لئے اس (کھانے کو) مباح کر کے رحم کرنے والا ہے، بخلاف اس شخص کے کہ جو معصیت کی طرف مائل ہو یعنی (معصیت) کا مرتکب ہو، جیسا کہ راہزن، باغی، مثلاً، تو اس شخص کے لئے (مذکورہ چیزوں) میں سے کھانا حلال نہیں ہے، اے محمد ﷺ آپ سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ ان کے لئے کونسا کھانا حلال کیا گیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے تمہارے لئے پاکیزہ لذیذ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور ان شکاری جانوروں کا کیا ہوا شکار جن کو تم نے سدھایا ہے خواہ کتے ہوں یا درندے یا پرندے، بشرطیکہ تم ان کو شکار کے پیچھے چھوڑو (مُكَلِّبِيْنَ) عَلَّمتم، کی ضمیر سے حال ہے، اور كَلَّبْتُ الكلبَ بالتشدید سے ماخوذ ہے ای اَرْسَلْتُ علی الصید حال یہ کہ تم نے اللہ کے سکھائے ہوئے آداب صید میں سے ان کو سکھایا ہو (تعلمونهن) مكلّبين کی ضمیر سے حال ہے، ای تُؤَدِّبُونَهُنَّ، تو تم اس شکار کو کھا سکتے ہو جو اس نے تمہارے لئے کیا ہے، اگرچہ اس کو مار ڈالا ہو بشرطیکہ اس میں سے کچھ کھایا نہ ہو، بخلاف بغیر سدھے ہوئے شکاری جانور کے کہ اس کا کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے، اور سدھے ہوئے کی پہچان یہ ہے کہ جب اس کو شکار کے پیچھے دوڑایا جائے تو دوڑ پڑے اور جب روکا جائے تو رک جائے، اور شکار کو پکڑ کر اس سے کچھ کھائے نہیں، اور کم سے کم علامت کہ جس کے ذریعہ جانور کا معلَّم ہونا معلوم ہو تین بار (شکار کے پیچھے) چھوڑنا ہے، اگر شکاری جانور نے اس شکار سے کچھ کھا لیا تو سمجھ لو کہ یہ اس نے اپنے مالک کے لئے نہیں پکڑا لہٰذا ایسی صورت میں اس شکار کا کھانا حلال نہیں ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے اور اس میں ہے کہ تیر سے کیا ہوا شکار جبکہ تیر چھوڑتے وقت بسم اللہ کہی ہو تو یہ تیر کا شکار شکاری جانور کے شکار کے مانند (حلال) ہے اور صید معلَّم کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ جلد حساب لینے والا ہے، آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے یعنی یہود ونصاریٰ کا ذبیحہ حلال کر دیا گیا اور تمہارا ذبیحہ ان کیلئے حلال ہے، اور پاکدامن مومن عورتیں اور اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کی آزاد عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں یعنی تمہارے لئے ان سے نکاح کرنا جائز ہے جبکہ تم ان کے مہر ادا کر دو، حال یہ کہ تم ان سے نکاح کرنے والے ہو، نہ کہ ان سے اعلانیہ (زنا کے ذریعہ) شہوت رانی کرنے والے اور نہ پوشیدہ طور پر ان سے آشنائی کرنے والے کہ ان سے زنا کو چھپانے والے ہو اور جو شخص ایمان کا منکر ہو یعنی مرتد ہو گیا تو اس کے سابقہ اعمال صالحہ ضائع ہو گئے لہٰذا وہ کسی شمار میں نہ ہوں گے اور نہ ان پر اجر دیا جائیگا، اور وہ آخرت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا جبکہ وہ ارتداد ہی پر فوت ہوا ہو۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَلْمَیْتَة، اسمِ صفت ہے، مردار، وہ جانور جو بلا ذبح شرعی کسی حادثہ یا طبعی موت سے مرجائے۔

قَوْلُهُ: اَکْلُهَا، مضاف محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ حلّت وحرمت کا تعلق افعال سے ہوتا ہے نہ کہ ذات سے۔

قَوْلُهُ: اَلْمنخَنِقَةُ، اسم فاعل واحد مؤنث (انخناق، انفعال) خَنِقًا (ن) گلا گھونٹنا۔

قَوْلُهُ: اُهِلَّ، اَلْاِهْلَال رفع الصوت، لِغیر اللّٰه به میں لام بمعنی باء اور باء بمعنی عند، المعنی، مارفع الصوت عند ذکاتِه باسمِ غیر اللّٰه.

قَوْلُهُ: اَلْمَوْقُوذَةُ وَقْذٌ (ض) اسم مفعول واحد مؤنث، چوٹ کھا کر مرا ہوا۔

قَوْلُهُ: اَلْمُتَرَدِّیَةُ اسم فاعل واحد مؤنث تَرَدّیٌ (تفعّل) اونچائی سے گرکر مرنے والا جانور۔

قَوْلُهُ: اَلنَّطِیْحَةُ صیغہ صفت بروزن فَعِیْلَة بمعنی منطوحة نطح (ف، ن) وہ بکری جو دوسرے کے سینگ کی چوٹ سے مری ہو، بعض اہل لغت نے بکری کی تخصیص نہیں کی ہے۔

سَوَال: نطیحةٌ، بروزن فعیلة ہے فعیلة کے وزن میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہوتے ہیں، لہٰذا یہاں تاء کی ضرورت نہیں ہے؟

جَوَاب: نطیحة میں تاء انتقال من الوصفیة الی الاسمیة کیلئے ہے نہ کہ تانیث کیلئے جیسا کہ ذبیحة میں ہے۔

قَوْلُهُ: منه، مِنْه کے اضافہ کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ فَاَکَلَ السَّبُعُ، کا مطلب ہے کہ جس کو درندہ نے کھالیا ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ درندے نے جس کو کھالیا وہ معدوم ہوگیا اور معدوم سے حلت یا حرمت کا کوئی حکم متعلق نہیں ہوتا، مِنْه، کہہ کر اس کا یہ جواب دیا کہ جس شکار میں سے کچھ حصہ درندے نے کھالیا ہو جس کی وجہ سے وہ جانور مرگیا ہو تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: اِلّا ما ذَکَّیْتُمْ، یہ اَلْمنخنقةُ اور اس کے مابعد سے استثناء ہے۔

قَوْلُهُ: عَلٰی اِسْمِ النُّصُبِ.

سَوَال: لفظ 'اسم' کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: تاکہ ذبح کا صلہ عَلٰی درست ہوجائے، لہٰذا علیٰ بمعنی لام لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ (کما قال البعض).

قَوْلُهُ: ذلکم، ای الاستقسام بالازلام خاصةً فسق.

قَوْلُهُ: رَضِیْتُ، یہ بیان حال کے لئے جملہ مستانفہ ہے، اس کا عطف اَکْمَلْتُ پر نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے لازم آئیگا کہ اسلام سے دین ہونے کے اعتبار سے آج راضی ہوا اس سے پہلے راضی نہیں تھا حالانکہ اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین رہا ہے اور ہر نبی کا دین اسلام ہے رضیتُ متعدی بیک مفعول ہے، اور وہ الاسلام ہے، اور دِیْنًا تمیز ہے۔

قَوْلُهُ: اِخْتَرْتُ، بعض حضرات نے کہا ہے کہ رضیتُ بمعنی اخترتُ ہے جو کہ متعدی بدو مفعول ہے اور اول مفعول،

اَلاسلامَ اور دوسرا دِیْنًا ہے، لہٰذا اس صورت میں دِیْنًا کو حال یا تمیز قرار دینے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

قِوْلُہٗ: غیرَ مُتَجانِفٍ، تفاعل سے اسم فاعل واحد مذکر ہے، بدی کی طرف مائل ہونے والا، حق سے روگردانی کرنے والا، غیرَ، منصوب علی الحال ہے۔

قِوْلُہٗ: مَخْمَصَةٍ، اسم، ایسی بھوک کہ جس میں پیٹ لگ جائے۔

قِوْلُہٗ: فَمَنِ اضْطُرَّ فی مخمصةٍ، یہ آیت تین جگہ آئی ہے یہاں اور سورۂ بقرہ میں اور سورۂ نحل میں۔

جواب شرط کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور بعض حضرات نے، فَلاَ اثم عَلَیْه محذوف مانا ہے، فَمَنْ اضطر الخ، یہ آیت سابقہ آیت کا تتمہ ہے اور ذٰلکم فسق سے یہاں تک جملہ معترضہ ہے، جو کہ دو کلاموں کے درمیان واقع ہوا ہے۔

قِوْلُہٗ: کقَاطِعِ الطَّرِیْقِ، ای اِذَا کانا مسافِرَیْنِ.

تفسیر وتشریح

حرمتْ علیکم المیتة الخ، آیت نمبر ا میں حلال جانوروں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ان حلال جانوروں کے علاوہ کچھ حرام جانور بھی ہیں جن کی تفصیل آئندہ آئے گی، گویا کہ حرمَتْ عَلَیکُمُ الْمَیْتَةُ الخ، اِلاّ مَا یُتْلٰی عَلَیْکم، کی تفصیل ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اُحِلَّت لکم بھیمة الانعام، میں عمومی طور پر چوپایوں کے حلال ہونے کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے وہ چوپائے حرام ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔

مسند امام احمد، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ حدیث مروی ہے کہ مردار جانوروں میں دو مردار جانور مچھلی اور ٹڈی حلال ہیں اس حدیث کی سند میں بعض علماء نے عبداللہ بن زید بن اسلم کو اگرچہ ضعیف کہا ہے لیکن امام احمد نے عبداللہ بن زید کو ثقہ کہا ہے۔

مردہ اور حرام گوشت والے جانوروں کی مضرت:

جن جانوروں کا گوشت انسان کے لئے مضر ہے خواہ جسمانی طور پر یا روحانی طور پر کہ اس سے انسان کے اخلاق اور قلبی کیفیات پر منفی اثر پڑنے کا خطرہ ہے ان کو قرآن مجید نے خبائث قرار دیکر حرام کر دیا۔

حُرِّمَتْ علیکم الْمَیْتَةُ الخ، اس آیت میں مردار جانور کو حرام قرار دیا گیا، مردار جانور سے وہ جانور مراد ہے جو شرعی طریقہ پر ذبح کئے بغیر کسی بیماری کے سبب طبعی یا حادثاتی موت مر جائے ایسے جانور کا گوشت طبی طور پر بھی انسان کے لئے سخت مضر ہے اور روحانی طور پر بھی۔

دوسری چیز جس کو اس آیت نے حرام قرار دیا ہے وہ خون ہے اور قرآن کریم کی دوسری آیت او دما مسفوحًا نے بتلا دیا کہ خون سے مراد بہنے والا خون ہے گوشت میں لگا ہوا خون حرام نہیں ہے، جگر و تلی باوجود خون ہونے کے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں حدیث

مذکور میں جہاں مردار سے مچھلی اور ٹڈی کو مستثنیٰ کیا ہے وہیں جگر اور طحال کو خون سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

تیسری چیز لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ ہے:

اوپر سے چونکہ جانوروں کے گوشت کا ذکر چل رہا ہے اسلئے یہاں بھی لحم الخنزیر فرمادیا ورنہ خنزیر کے بدن کی ہر چیز حرام ہے، یا اس لئے کہ جانور میں اعظم مقصود گوشت ہی ہوتا ہے اس لئے لحم الخنزیر فرمایا۔

اکله نجسٌ وَاِنّما خصّ اللحمِ لانّه معظم المقصود. (مدارك)

سُور کے گوشت کی جسمانی مضرتوں سے طبّی لٹریچر بھرا پڑا ہے، اخلاقی اور روحانی نقصانات کا ذکر ہی کیا!؟ بریدۃ الاسلمی کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس کو صحیح مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا! چوسر کھیلنے والا شخص جب تک چوسر کھیلتا ہے تو اس کے ہاتھ گویا سور کے خون میں ڈوبے رہتے ہیں، اگرچہ بعض مفسرین نے خنزیر کے بعض اجزاء کو حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

بعض اجزاء کو پاک قرار دینے والے علماء کا استدلال:

سورۂ انعام میں یہ بحث شروع کر دی ہے کہ لحم الخنزیر میں ترکیب اضافی ہے اور اس طرح کی ترکیب کے بعد جو ضمیر آتی ہے وہ مضاف کی طرف لوٹتی ہے، اسلئے فَاِنَّهٗ میں جو ضمیر ہے وہ لحم کی طرف لوٹے گی، اور معنی یہ ہوں گے کہ سور کا گوشت ناپاک ہے اس معنی کے اعتبار سے سور کے تمام اجزاء کا ناپاک ہونا ثابت نہ ہوگا۔

مذکورہ استدلال کا جواب:

بعض علماء نے اس استدلال کا جواب یہ دیا ہے کہ آیت "کمثل الحمار یحمل اسفارا" اور آیت واشکروا نعمة الله علیکم ان کنتم ایاه تعبدون کی بھی یہی ترکیب ہے اور ان میں یحملُ کی ضمیر اور ایاه کی ضمیر مضاف الیہ کی طرف راجع ہے نہ کہ مضاف کی طرف اس لئے یہ ضروری نہیں کہ اس طرح کی ترکیب میں ہمیشہ ضمیر کا مرجع مضاف کی طرف ہی راجع ہو۔

عیسائیوں کے نزدیک سور کا گوشت حرام ہے:

اگرچہ اب عیسائی سور کے گوشت کو حرام نہیں سمجھتے لیکن تورات کے حصہ استثناء کے باب ۱۴ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل عیسائی مذہب میں سور قطعی حرام ہے۔

بائبل میں سور کے گوشت کی حرمت ونجاست:

اور سور کہ اس کا کُھر دوحصہ (چرواں) ہوتا ہے پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے۔ (احبار ۱۱:۸)

مزید تفصیل کے لئے جلد اول کے صفحہ نمبر.........دیکھئے۔

چوتھے وہ جانور جو غیر اللہ کے لئے نام زد کر دیا گیا ہو، اگر ذبح کرتے وقت بھی اس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے تو وہ کھلا شرک ہے اور جانور بالاتفاق مردار کے حکم میں ہے۔

جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ جانور ذبح کرتے وقت بتوں کا نام لیا کرتے تھے، حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس آپ ﷺ کے ارشادات کی ایک تحریر تھی جسے وہ حفاظت کے خیال سے ہمیشہ تلوار کی میان میں رکھا کرتے تھے، اس تحریر کے الفاظ یہ تھے، اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جس نے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جس نے زمین کی مخصوص علامات بدل دیں، اللہ اس پر لعنت فرمائے جس نے اپنے باپ پر لعنت کی، اللہ اس پر لعنت کرے کہ جس نے ایسے شخص کو پناہ دی کہ جو دین میں نئے شوشے نکالتا رہتا ہے۔ (رواہ مسلم)

پانچویں منخنقه، یعنی وہ جانور جو گلا گھونٹ کر یا گردن مروڑ کر مار دیا گیا، یا خود ہی کسی جال یا پھندے میں پھنسنے کی وجہ سے دم گھٹ کر مر گیا ہو۔

چھٹی موقوذة، یعنی وہ جانور جو ضرب شدید کی وجہ سے مر گیا ہو، جیسے لاٹھی یا پتھر وغیرہ، تیر اگر انی کی طرف سے لگنے کے بجائے دستہ کی طرف سے لگا جس کی ضرب سے شکار مر گیا تو یہ بھی موقوذة کے حکم میں ہے جیسا کہ حضرت عدی بن حاتم رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

جو شکار بندوق کی گولی سے ہلاک ہو گیا ہو اس کو فقہاء نے موقوذة میں شمار کیا ہے، امام جصاص نے حضرت عبداللہ بن عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے نقل کیا ہے کہ فرماتے تھے، المقتولة بالبندقة تلك الموقوذةُ، گولی کے ذریعہ جو شکار مرا ہو وہ بھی موقوذہ ہے، امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ وغیرہ اسی پر متفق ہیں۔

ساتویں متردية، وہ جانور کہ جو کسی اونچی جگہ مثلاً پہاڑ ٹیلہ وغیرہ سے گر کر مرا ہو اسی طرح کنویں وغیرہ میں گر کر مرنے والا بھی اس میں داخل ہے اسی طرح تیر لگا ہوا جانور اگر پانی میں گر کر مرا تو وہ بھی متردیة میں شامل ہوگا، اسلئے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ اس کی موت پانی میں ڈوبنے کی وجہ سے ہوئی ہو۔

آٹھویں نطیحة، وہ جانور جو کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے یا ٹکر مارنے یا کسی تصادم مثلاً ریل، موٹر وغیرہ کی زد میں آ کر مر جائے تو ایسا جانور بھی حرام ہے۔

نویں وہ جانور کہ جسے کسی درندے نے پھاڑ دیا ہو جس کے صدمہ سے وہ مر گیا ایسا جانور بھی حرام ہے۔

اِلّا ما ذکیتم، یہ ماقبل میں مذکور نو جانوروں سے استثناء ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے مذکورہ جانوروں میں سے کسی کو

زندہ پالیا اور ذبح کرلیا تو وہ حلال ہے یہ استثناء اول چار قسموں سے متعلق نہیں ہے، اسلئے کہ مردار اور خون میں تو اس کا امکان ہی نہیں اور خنزیر اور مَا اُہِلَّ لغیر اللّٰہ اپنی ذات سے حرام ہیں، ان کا ذبح کرنا نہ کرنا برابر ہے۔

دسویں استھانوں پر ذبح کیا ہوا جانور بھی حرام ہے، نُصُب ان پتھروں کو کہا جاتا ہے کہ جو دیوی دیوتاؤں کے نام پر نصب کئے جاتے ہیں اسی قسم کے ۳۶۰ پتھر کعبۃ اللہ کے اطراف میں نصب کئے ہوئے تھے زمانۂ جاہلیت میں مشرکین ان کی پوجا کیا کرتے تھے اوران کے پاس جانور لاکر ذبح کیا کرتے تھے موجودہ اصطلاح میں ان کو استھان اور آستانہ کہتے ہیں اور اس کو عبادت سمجھتے تھے۔

گیارہویں استقسام بالازلام تیروں کے ذریعہ قسمت آزمائی کرنا، نزول قرآن کے وقت عرب میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا خواہ سفر سے متعلق ہو یا شادی و بیاہ وغیرہ سے تو اس کو کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ تیروں سے معلوم کرتے، کعبۃ اللہ میں دس تیر رکھے رہتے تھے ان میں سے بعض پر نعم اور بعض پر لا لکھا رہتا اور بعض خالی ہوتے جب کسی کو کسی اہم معاملہ میں فیصلہ مطلوب ہوتا تو وہ بیت اللہ کے خادم کے پاس جاتا اور اس کو اول کچھ نذرانہ پیش کرتا اس کے بعد قریش کے بت ہبل کی بندگی کے اقرار کے ساتھ چمڑے کے تھیلے میں جس میں وہ تیر رکھے رہتے تھے مجاور ہاتھ ڈال کر تیر نکالتا اگر نعم والا نکل آتا تو وہ اجازت کا اشارہ سمجھا جاتا اور اگر "لا" والا نکل آتا تو یہ ممانعت کا اشارہ سمجھا جاتا، اور خالی نکل آتا تو وہ عمل مکرر کیا جاتا تا آنکہ نعم یا لا والا تیر نکل آتا۔

استقسام کی دوسری صورت یہ ہوتی کہ دس لوگ موٹی اور فربہ بکریاں خریدتے ان کو ذبح کرنے کے بعد ان کا گوشت یکجا کردیتے اس کے بعد تھیلے میں سے ہر شریک، ایک تیر نکالتا، ہر تیر پر مختلف حصے لکھے ہوتے تھے کل اٹھائیس ہوتے تھے اور بعض تیر خالی بھی ہوتے تھے تیروں کی کل تعداد دس ہوتی تھی جس کے حصے میں جو تیر آتا اس لکھے ہوئے حصہ کا وہ حقدار ہوتا اور بعض لوگوں کے حصہ میں خالی تیر نکلتا تو وہ گوشت سے محروم رہتا، اس کے علاوہ اور بھی قسمت آزمائی کی صورتیں تھیں جو کہ قمار ہی کی قسمیں تھیں۔

ذلك فسق، یعنی قسمت آزمائی کا مذکورہ طریقہ فسق ہے، ذلكَ فسق، کا مصداق صرف استقسام بالازلام بھی ہوسکتا ہے، اور ماقبل میں مذکور تمام ممنوعات بھی۔

الیومَ یئسَ الذین کفروا مِنْ دینکم، الیوم سے مراد یوم فتح مکہ بھی ہوسکتا ہے اور مطلقا زمان حاضر بھی مراد ہوسکتا ہے مطلب یہ ہے کہ آج کفار تمہارے دین پر غالب آنے سے مایوس ہوچکے ہیں اسلئے اب تم ان سے کوئی خوف نہ رکھو صرف مجھ سے ڈرتے رہو۔

مایوس ہونے کا دوسرا مطلب:

جب تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا تو مشرکین مکہ کو یہ امید تھی کہ شاید اسلام کمزور اور ضعیف ہوجائے اور جو لوگ مسلمان ہوچکے ہیں وہ مرتد ہوکر واپس اپنے آبائی مذہب بت پرستی کی طرف پلٹ آئیں، فتح مکہ کے بعد مشرکین کی مذکورہ امید ناامیدی میں تبدیل

ہوگئی اسی کا ذکر مذکورہ آیت میں ہے، کہ مشرکوں کا خوف تو اب ختم ہوا مگر ہر ایماندار کو اللہ کا خوف دل میں رکھنا ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ اللہ سے نڈر ہو کر مسلمان کچھ ایسے کاموں میں مشغول ہو جائیں جن کی وجہ سے اللہ کی جو مدد مسلمانوں کے شامل حال ہے وہ موقوف ہو جائے جس کے نتیجے میں اسلام میں ضعف آ جائے اور کافر غالب ہو جائیں۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جزیرۃ العرب میں شیطان کے بہکانے سے بت پرستی جو پھیلی ہوئی تھی وہ تو ایسی گئی کہ اب شیطان اس سے مایوس ہو گیا، لیکن آپس میں لڑانے کے لئے شیطان کا اثر باقی ہے۔

دین مکمل کردینے سے کیا مراد ہے؟

دین کو مکمل کردینے سے مراد اس کو ایک مستقل نظام فکر اور اس کو ایک ایسا مکمل نظام تہذیب و تمدن بنا دینا ہے جس میں زندگی کے جملہ مسائل کا جواب اصولاً یا تفصیلاً موجود ہو اور ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کے لئے اس سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

الیوم اکملت لکم دینکم، یہ آیت بہت اہم موقع پر نازل ہوئی تھی ذوالحجہ کی ۹ تاریخ تھی جمعہ کا دن تھا عصر کے بعد کا وقت تھا آپ حجۃ الوداع کے موقع پر دعاء میں مصروف تھے، گویا ہر لحاظ سے نہایت مبارک موقع تھا۔

یہ آیت ایک طرف بے انتہاء مسرت کا پیغام تھا دوسری طرف اس میں ایک غم کا پہلو بھی تھا، یعنی اس آیت میں اس بات کا کھلا اشارہ تھا کہ تکمیل دین ہو چکی اور صاحب نبوت کا فرض پورا ہو چکا، چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ صرف ۳ ماہ بقید حیات رہے جب حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے یہ آیت سنی تو بے اختیار رونے لگے آپ ﷺ نے حضرت عمر سے معلوم کیا عمر کیوں روتے ہو؟ عرض کیا جب تک دین مکمل نہ ہوا تھا ہمارے کمالات میں اضافہ ہوتا رہتا تھا، اب تکمیل کے بعد اس کی گنجائش کہاں؟

اسلئے کہ ہر کمال کے لئے زوال ہے آپ ﷺ نے فرمایا سچ ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ سے لیکر حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ تک کی شریعتوں کو ایک خوشنما مکان سے تشبیہ دیکر فرمایا کہ اس مکان میں ایک آخری اینٹ کی کسر تھی وہ آخری اینٹ میں ہوں کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔

احکامی آخری آیت:

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ **الیوم اکملت لکم دینکم الخ**، نزول کے اعتبار سے تقریباً آخری آیت ہے اس کے بعد احکام سے متعلق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، اس کے بعد صرف چند آیتیں ترہیب و ترغیب کی نازل ہوئیں، مذکورہ آیت نویں ذی الحجہ ۱۰ھ میں نازل ہوئی اور ۱۱ھ بارہ ربیع الاول کو آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا۔

غیرَ متجانفٍ لاثمٍ، اسی مضمون کو سورۂ بقرہ آیت ۱۷۳، فَمَنِ اضْطُرَّ غیرَ باغٍ ولا عادٍ فلا اثمَ علیہ، میں مزید وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے، اس آیت میں حرام چیز کے استعمال کی اجازت تین شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے، (١) یہ کہ واقعی مجبوری کی حالت ہو مثلاً بھوک یا پیاس کی وجہ سے جان بلب ہو گیا ہو یا بیماری کی وجہ سے جان کا خطرہ لاحق ہو گیا ہو اور اس حرام چیز کے علاوہ اور کوئی چیز میسر نہ ہو، (٢) دوسرے یہ کہ خدائی قانون کو توڑنے کی نیت نہ ہو، (٣) تیسرے یہ کہ ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کرے مثلاً حرام چیز کے چند لقمے یا چند گھونٹ یا چند قطرے اگر جان بچا سکتے ہوں تو ان سے زیادہ اس چیز کا استعمال نہ ہونے پائے، احناف کے نزدیک مذکورہ آیت کا یہی مطلب ہے، مفسر علام نے متجانف کی تفسیر قطاع الطریق اور باغی سے اپنے مسلک شافعی کے مطابق کی ہے۔

ربط آیات:

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمْ، سابقہ آیات میں حلال و حرام جانوروں کا ذکر تھا اس آیت میں اسی معاملہ کے متعلق ایک سوال کا جواب ہے بعض صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے شکاری کتے اور باز سے شکار کرنے کا حکم دریافت کیا تھا اس آیت میں اس کا جواب مذکور ہے۔

شان نزول:

مستدرک حاکم، ابن ابی حاتم اور ابن جریر میں ابورافع کی شان نزول کی روایت ہے جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے، اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آنحضرت ﷺ کے پاس آکر دروازہ پر رک گئے، آنحضرت نے اس کا سبب معلوم کیا تو جواب دیا، جس گھر میں کتا ہو اس میں فرشتے نہیں آتے، تلاش سے معلوم ہوا کہ گھر میں کتے کا ایک پلا (بچہ) تھا، آنحضرت نے اس کو نکلوا دیا اور کتوں کو مارنے کا حکم دیا اسی ذیل میں بعض صحابہ نے کتے کے شکار کا حکم آنحضرت سے دریافت کیا، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

شکاری جانور:

عام طور پر جو جانور شکاری کہلاتے ہیں وہ کتا، چیتا، باز، وغیرہ ہیں۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نزدیک ضروری ہے کہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے، اگر شکار کو زخمی نہ کیا محض پکڑا تھا اور وہ جانور مر گیا تو یہ جانور حلال نہ ہوگا، البتہ اگر زخم خوردہ ہو کر مر جائے تو حلال ہے۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نزدیک وہ تمام جانور شکاری بنائے جا سکتے ہیں جو چیر پھاڑ کھانے والے شمار ہوتے ہیں خواہ ان کا تعلق پرندوں سے ہو یا درندوں سے امام ابو یوسف رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے شیر اور بھیڑیے کو شکاری جانوروں میں شمار نہیں کیا، امام احمد

بن حنبل رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک مکمل سیاہ کتا بھی شکاری جانوروں میں شامل نہیں ہے، امام احمد بن حنبل کا مستدل حضرت عبداللہ بن مغفل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حدیث ہے، (ابوداؤد، ترمذی، دارمی) ایک دوسری حدیث جس کو حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے روایت کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے کتوں کو مارنے کا حکم دیا ابتداء یہ حکم مطلق تھا، پھر آپ نے فرمایا کالا کتا جس کی پیشانی پر نشان ہو اس کو ہرگز نہ چھوڑو کیونکہ وہ شیطان ہوتا ہے۔

شکاری جانور کو سدھانے کے اصول:

پہلی اصل:

یہ ہے کہ جب تم شکاری جانور کو شکار کے پیچھے چھوڑو تو فوراً دوڑ پڑے اور جب روکو تو رک جائے اور شکار کر کے تمہارے پاس لے آئے یا اس کی حفاظت کے لئے اس کے پاس بیٹھا رہے بغیر مالک کی اجازت کے اس میں سے کھانے نہ لگے، اور باز، شکرہ وغیرہ شکاری پرندوں کے سدھا ہوا ہونے کی یہ علامت ہے کہ جب تم اس کو شکار کے پیچھے لگاؤ تو فوراً لگ جائے اور جب بلاؤ تو فوراً واپس آجائے اب ان شکاری جانوروں کا کیا ہوا شکار تمہارا کیا ہوا شکار سمجھا جائیگا، اور اگر سدھایا ہوا شکاری جانور کسی وقت اس تعلیم کے خلاف کرے، مثلاً کتا خود شکار کھانے لگے یا باز بلانے پر واپس نہ آئے تو یہ شکار تمہارا نہیں رہا اس لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسری اصل:

یہ ہے کہ شکاری جانور تمہارے چھوڑنے سے شکار کے پیچھے دوڑے نہ کہ از خود آیت مذکورہ میں مُکَلِّبِیْنَ سے اسی اصل کی طرف اشارہ ہے یہ تکلیب سے ماخوذ ہے جس کے معنی کتے کو سکھانا ہیں اب مطلقاً شکار کے پیچھے چھوڑنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے، جیسا کہ مفسر علام نے اَرْسَلْتُہٗ عَلَی الصید، کہہ کر اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تیسری اصل:

یہ کہ شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگے (بشرطیکہ شدید بھوکا نہ ہو) مِمَّا اَمْسَکْنَ عَلَیْکُمْ سے اسی شرط کا بیان ہے۔

چوتھی اصل:

چوتھی شرط یہ کہ شکار کو جب شکار کے پیچھے چھوڑا ہو تو بسم اللہ کہہ کر چھوڑا ہو، مذکورہ چاروں شرطیں پوری کرنے کے بعد اگر شکار کو تمہارے پاس لانے یا تمہارے شکار کے پاس پہنچے سے پہلے وہ شکار مر جائے تو حلال ہے ورنہ بغیر ذبح حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ: بعض فقہاء کے نزدیک کتے پر قیاس کرتے ہوئے شکاری پرندے کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ شکاری پرندے نے شکار میں سے کچھ کھایا نہ ہو مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک پرندے کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے ذبح کرنے کیلئے مثلاً ایک بکری لٹائی اس پر بسم اللہ پڑھی اور معاً اس کو چھوڑ کر دوسری بکری ذبح کر ڈالی از سرِ نو بسم اللہ نہیں پڑھی تو یہ دوسری بکری حلال نہ ہوگی، اور اگر بکری تو وہی رہی مگر چھری بدل دی تو ذبح کردہ بکری حلال رہے گی۔

مسئلہ: اگر ایک شخص نے بسم اللہ پڑھکر ایک شکار پر تیر چلایا لیکن وہ تیر دوسرے شکار کو لگا یہ شکار حلال ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے تیر نکالا اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر معاً تیر بدل کر اسی پہلے شکار پر دوسرا تیر چلایا اور از سرِ نو بسم اللہ نہیں پڑھی تو یہ شکار حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ ایک بغیر سدھایا ہوا کتا بھی شکار کرنے میں شریک ہوگیا یا کسی غیر مسلم کا کتا شکار کرنے میں شامل ہوگیا ان تمام صورتوں میں شکار بغیر ذبح کئے حلال نہ ہوگا۔

متفرق مسائل:

مسئلہ: حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام درندے جانور حرام ہیں۔

مسئلہ: حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بلی کا گوشت کھانے اور اسے بیچ کر قیمت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

مسئلہ: بجو اور لومڑی امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک حرام۔ امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک مکروہ اور امام شافعی کے نزدیک حلال ہے، زمین کے تمام جانور اور کیڑے مکوڑے حرام ہیں، اس سلسلہ میں امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے علاوہ باقی تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔

مسئلہ: گوہ، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک حرام ہے، باقی تین ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے۔

مسئلہ: ٹڈی امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے علاوہ باقی تمام ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے، خواہ مری ہوئی ملے یا ماری جائے۔ امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک ایسی ٹڈی مکروہ ہے جو مری ہوئی ملے۔

مسئلہ: گدھا اور خچر امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے سوا باقی تمام ائمہ کرام کے نزدیک حرام ہے۔

مسئلہ: گھوڑے کا گوشت امام ابو یوسف رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی امام محمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور بیشتر ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک مناسب نہیں ہے۔

مسئلہ: گدھ اور اس جیسے وہ تمام پرندے جو مُردار کھاتے ہیں، امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک مکروہ اور باقی تمام ائمہ کرام کے نزدیک حرام ہیں۔

مسئلہ: پانی کے جانوروں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف مچھلی حلال ہے، امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سمندری خنزیر کے علاوہ باقی سب حلال ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مینڈک اور مگرمچھ کے علاوہ باقی سب بحری جانور حلال ہیں، البتہ مچھلی کے علاوہ جانور امام موصوف کے نزدیک ذبح کرنے سے حلال ہوں گے۔

مسئلہ: جو مچھلی مرنے کے بعد پانی پر تیرتی ہوئی ملے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے علاوہ باقی تمام ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے۔ (ھدایۃ القرآن)

مسئلہ: خرگوش اور مرغی تمام ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے۔

ایک اصولی ضابطہ:

سابق آیات میں حلال وحرام کی جزئیات کو بیان کرنے کے بعد اب الیوم اُحِلّ لکم الطیبٰت الخ میں ایک اصولی ضابطہ بیان کیا جارہا ہے جس سے حرام چیزوں کو حلال چیزوں سے بآسانی ممتاز کیا جاسکتا ہے، اسلئے کہ حلال اور حرام اشیاء کی ایک لمبی فہرست ہے جن کا شمار کرنا آسان نہیں ہے، سابقہ آیت میں غور کرنے سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اشیاء میں اصل حلّت ہے حرمت عارض ہے جب تک کسی شئی کی حرمت کی صراحت یا مصرح کی علت نہ پائی جائے حرام نہ ہوگی، بخلاف زمانہ جاہلیت کے کہ ان کے یہاں اس کا عکس تھا کہ ہر شئی میں حرمت اصل ہے الا یہ کہ اس کی حلت صراحت سے معلوم ہوجائے۔

الیوم اُحِلّ لکم الطیبٰت، میں یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ تمہارے لئے صاف ستھری اور پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں مطلب یہ ہے کہ پاکیزہ چیزیں جسطرح تمہارے لئے پہلے سے حلال تھیں آئندہ بھی حلال رہیں گی اب ان میں تبدیل وتنسیخ کا احتمال ختم ہوگیا اس لئے کہ نسخ وتغیر وحی کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے اور اب وحی کا سلسلہ موقوف ہونے جارہا ہے لہٰذا اب ردوبدل کی بھی کوئی گنجائش باقی نہیں۔

ایک دوسری آیت ویُحرم علیھم الخبائث میں گندی چیزوں کو حرام کرنے کا بیان ہے یعنی تمہارے لئے گندی اور قابل نفرت چیزوں کو حرام کیا جاتا ہے، لغت میں طیّبات صاف ستھری اور مرغوب چیزوں کو کہا جاتا ہے اور خبائث اس کے بالمقابل گندی اور قابل نفرت چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے، آیت کے اس جملہ نے یہ بتادیا کہ جتنی چیزیں صاف ستھری مفید اور پاکیزہ ہیں وہ انسان کے لئے حلال کی گئیں اور جو گندی قابل نفرت اور مضر چیز ہیں وہ حرام کی گئی ہیں، وجہ یہ ہے کہ انسان دوسرے جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ اس کا مقصد زندگی دنیا میں کھانے، پینے، سونے جاگنے اور جینے مرنے تک محدود ہو، اس کو قدرت نے مخدومِ کائنات کسی خاص مقصد سے بنایا ہے اور وہ مقصد پاکیزہ اخلاق کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اسی لئے بداخلاق انسان در حقیقت انسان کہلانے کے قابل نہیں، اسی لئے قرآن کریم نے ایسے انسانوں کے لئے "بل ھم اضل" فرمایا یعنی ایسے لوگ چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، جب انسان کی انسانیت کا مدار اصلاح اخلاق پر ہے تو ضروری ہے کہ جتنی چیزیں انسانی اخلاق کو گندہ اور خراب کرنے والی ہیں ان سے اس کا مکمل پرہیز کرایا جائے، اسی لئے کھانے پینے کی ساری چیزوں میں احتیاط کو لازمی

قرار دیا گیا، چوری، ڈاکہ، رشوت، سود، قمار وغیرہ کی حرام آمدنی جس کے بدن کا جزء بنے گی وہ لازمی طور پر اس کو انسانیت سے دور اور شیطنت سے قریب کردے گی۔

اسی لئے قرآن کریم نے ارشاد فرمایا "یٰآیّھا الرسل کلوا مِنَ الطیبٰت و اعملوا صالحًا" کیونکہ اکل حلال کے بغیر عمل صالح متصور نہیں۔

طیبٰت اور خبائث کا معیار:

اب رہی یہ بات کہ کونسی چیزیں طیب یعنی صاف ستھری مفید اور مرغوب ہیں اور کونسی خبائث یعنی گندی، مضر اور قابل نفرت ہیں، اس کا اصل فیصلہ طبائع سلیمہ کی رغبت و نفرت پر ہے، یہی وجہ ہے کہ جن جانوروں کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے ہر زمانہ کے سلیم الطبع انسان ان کو گندہ اور قابل نفرت سمجھتے رہے ہیں جیسے مردار جانور، خون البتہ بعض چیزوں کا خبث مخفی ہوتا ہے، ایسی چیزوں میں انبیاء علیہم السلام کا فیصلہ سب کے لئے حجت ہوتا ہے، اس لئے کہ افراد انسانی میں سب سے زیادہ سلیم الطبع انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہی ہوتے ہیں، اسلئے کہ وہ اللہ رب العزت کے خصوصی تربیت یافتہ ہوتے ہیں اور فرشتے ان کی نگرانی پر مامور ہوتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام سے لیکر خاتم الانبیاء علیہ الصلاۃ والسلام کے عہد مبارک تک ہر پیغمبر نے مردار جانور اور خنزیر وغیرہ کی حرمت کا اپنے اپنے زمانہ میں اعلان فرمایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان فرمایا ہے کہ جتنے جانور شریعت اسلام نے حرام قرار دیئے ہیں اگر ان میں غور کیا جائے تو وہ سمٹ کر دو اصولوں کے تحت آ جاتے ہیں، ایک یہ کہ کوئی جانور اپنی فطرت اور طبیعت کے اعتبار سے خبیث ہو، دوسرے یہ کہ اس کے ذبح کرنے کا طریقہ غلط ہو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ذبیحہ مردار قرار پائیگا۔

سورۂ مائدہ کی تیسری آیت میں جن نو چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے ان میں خنزیر قسم اول میں داخل ہے باقی آٹھ قسم دوم میں، قرآن کریم نے "ویحرم علیھم الخبائث" میں اجمالی طور پر خبیث جانوروں کے حرام ہونے کا ذکر فرمایا، اور چند چیزوں کی حرمت کی صراحت کے بعد باقی چیزوں کی حرمت کا بیان رسول اللہ ﷺ کے سپرد فرما دیا۔

اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت اور مناکحت کی اجازت میں مناسبت اور حکمت:

وَالْمحصنٰتِ مِن المؤمنات والمحصنٰتِ من الذین اُوْتوا الکتابَ من قبلکم اِذا آتیتموھن اُجورھُنّ،

ابھی کھانے پینے کی چیزوں کی حلت کا ذکر تھا، اس کے معاً بعد کتابیہ سے نکاح کی حلت کا ذکر ہے مناسبت ظاہر ہے کہ جسطرح مواکلت طبعی ضرورت ہے مناکحت بھی انسان کی طبعی خواہش ہے لہٰذا دونوں کو یکجا ذکر کرنا عین باہمی مناسبت کا تقاضہ ہے۔

سُوَال: اہل کتاب کے ذبیحہ کا مسلمانوں کے لئے حلال ہونے کا بیان سمجھ میں آتا ہے اسلئے کہ مسلمان قرآنی احکام کے

مکلف ہیں مگر یہ کہنا کہ مسلمانوں کا ذبیحہ اہل کتاب کے لئے حلال ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اسلئے کہ اہل کتاب تو قرآنی احکام کے مکلف ہی نہیں۔

جواب: ایک جواب تو یہ ہے کہ دراصل یہ حکم بھی مسلمانوں ہی کو ہے اسلئے کہ اگر مسلمانوں کا کھانا (ذبیحہ) اہل کتاب کے لئے حرام ہوتا تو کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہ ہوتا کہ کسی اہل کتاب کو اپنا ذبیحہ کھلائے اور اگر کھلاتا تو گنہگار ہوتا مسلمانوں کے ذبیحہ کو اہل کتاب کیلئے حلال کر کے بتادیا کہ اگر مسلمان اہل کتاب کو اپنا ذبیحہ کھلا دے تو گنہگار نہ ہوگا، لہٰذا مسلمان اپنی قربانی کا گوشت کتابی کو دے سکتے ہیں، اگر مذکورہ حکم نہ ہوتا تو کتابی کو اہل اسلام کے ذبیحہ کا گوشت دینا جائز نہ ہوتا۔

دوسرا جواب: جب نص قرآنی کی رو سے مسلمان کے لئے کتابیہ سے نکاح جائز ہے تو یہ ضروری تھا کہ ذبیحہ کی حلت طرفین سے ہو ورنہ تو ازدواجی زندگی میں نہایت دشواری پیش آتی اسلئے کہ مسلمان کا ذبیحہ اہل کتاب کے لئے حلال نہ ہونے کی صورت میں معاشرتی دشواریاں ازدواجی زندگی میں پیچیدگیاں پیدا ہوتیں یا تو اہل کتاب کے ذبیحہ پر اکتفاء کرنا پڑتا جو دونوں کیلئے حلال تھا یا پھر دونوں کے لئے دو ہانڈیاں الگ الگ پکائی ہوتیں جو کہ ایک امر دشوار ہے۔

سوال: قرآنی نص سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیہ عورت مسلمان کیلئے حلال ہے مگر مومنہ کتابی کیلئے حلال نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اس میں حکمت یہ ہے کہ مسلمان چونکہ تمام انبیاء سابقین پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں اور ان کا احترام سے نام لیتے اور ان کے نام کیلئے علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لازمی جز سمجھتے ہیں لہٰذا اگر کوئی کتابیہ مسلمان کے نکاح میں ہوگی تو وہ روزمرہ کی زندگی میں اپنے نبی کا نام ادب واحترام سے سنے گی جس سے موافقت وانسیت میں اضافہ ہوگا اور ازدواجی زندگی کی ہم آہنگی کو تقویت حاصل ہوگی اس کے برخلاف اہل کتاب چونکہ نبی آخر الزمان محمد ﷺ کی نبوت کے قائل نہیں ہیں لہٰذا وہ آپ ﷺ کا اسم گرامی احترام نبوت کے ساتھ نہ لیں گے بلکہ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں بعض اوقات ہتک آمیز کلمات استعمال کریں جن کو سنکر ایک مسلمان عورت جو کسی کتابی کے نکاح میں ہو کبیدہ خاطر ہو، اس کا لازمی اور غیر مختلف نتیجہ یہ ہوگا کہ موافقت کے بجائے ناموافقت اور انس ومحبت کے بجائے نفرت وعداوت پیدا ہو جائے جس کے نتیجے میں زندگی کا گلستانِ محبت وادی پُرخار بن جائے۔

کتابیات سے نکاح کے بارے میں ائمہ کا اختلاف:

مسلمات اور کتابیات کے درمیان اصلاً قدر مشترک سلسلہ وحی ونبوت پر ایمان ہے، یہود ونصاریٰ کے اعمال فاسقانہ ہوں یا عقائد غالیانہ بہر حال اصلاً یہ لوگ توحید کے قائل اور سلسلہ وحی ونبوت کے ماننے والے ہیں، اور عقائد کے باب میں یہی دو عنوان اہم ترین ہیں البتہ یہ خیال رہے کہ نصرانیت موجودہ یوروپی قوموں کی مسیحیت کے مرادف نہیں ہے۔

کتابیہ سے نکاح بالکل جائز ہے نفس جواز نکاح میں کوئی گفتگو نہیں ہے اور نص کی موجودگی میں گفتگو کی گنجائش بھی نہیں ہوسکتی، البتہ فقہاء نے مفاسد پر نظر کرتے ہوئے اور مصلحت شرعی کا لحاظ رکھتے ہوئے فتویٰ یہ دیا ہے کہ بلاضرورت شدیدہ ایسے نکاحوں سے بچنا چاہئے۔

يَجُوزُ تزوج الكتابيات والاولى ان لا يفعل، (فتح القدير) وصح نكاح الكتابية و اِنْ كره تنزيهًا، (درمختار) البتہ کتابیہ حربیہ کے نکاح کی کراہت میں شبہ نہیں، تكره الكتابية الحربية اجماعًا لا فتتاح باب الفتنة (فتح القدیر) حنفیہ کے اس قول کا ماخذ حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا ایک اثر ہے جس میں آپ نے کتابیہ مقیم دار الحرب سے نکاح پر کراہت ظاہر فرمائی ہے۔ (مسبوط)

علامہ شامی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ غیر حربیہ سے نکاح مکروہ تنزیہی ہے اور حربیہ سے مکروہ تحریمی۔ (ردالمحتار)

جمہور کا مسلک:

جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک اگر چہ از روئے نص قرآن اہل کتاب کی عورتوں سے فی نفسہ نکاح حلال ہے، لیکن ان سے نکاح کرنے پر جو دوسرے مفاسد اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بلکہ پوری امت مسلمہ کے لئے از روئے تجربہ لازمی طور سے پیدا ہوں گے ان کی بناء پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو وہ بھی مکروہ سمجھتے تھے۔

جصاص نے احکام القرآن میں شقیق بن سلمہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا، حضرت فاروق اعظم کو جب اس کی اطلاع ملی تو ان کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دیدو، حضرت حذیفہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے جواب میں لکھا کہ کیا وہ میرے لئے حرام ہے، تو اس کے جواب میں امیر المؤمنین فاروق اعظم نے لکھا، میں حرام نہیں کہتا لیکن ان لوگوں کی عورتیں عام طور پر عفیف اور پاکدامن نہیں ہوتیں اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ کہیں آپ لوگوں کے گھرانوں میں اس راہ سے فحش و بدکاری داخل نہ ہو جائے، اور امام محمد بن حسن رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کتاب الآثار میں اس واقعہ کو روایت امام ابوحنیفہ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ دوسری مرتبہ فاروق اعظم نے جب حضرت حذیفہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو خط لکھا تو اس کے الفاظ مندرجہ ذیل تھے۔

اعزم عَلَيْكَ أن لا تضع كتابى هذا حتّٰى تخلّى سبيلها فانى اخاف ان يقتديك المسلمون فيختاروا لنساء اهل الذمة لجمالهنّ و كفى بذلك فتنة لنساء المسلمين. (كتاب الآثار، معارف)	یعنی تم کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دیکر آزاد کردو، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھی تمہاری اقتداء کریں گے اور اہل ذمہ (اہل کتاب) کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگیں تو مسلمان عورتوں کے لئے اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہوگی۔

فاروق اعظم کی نظر دوربین:

فاروق اعظم کا زمانہ تو خیر القرون کا زمانہ تھا، اس وقت اس کا احتمال بہت کم تھا کہ کوئی یہودی یا نصرانی عورت کسی مسلمان کی بیوی بن کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کر سکے، اس وقت تو صرف یہ خطرات سامنے تھے کہ کہیں ان کے ذریعہ ہمارے گھروں میں بدکاری نہ داخل ہوجائے جس کی وجہ سے ہمارے گھر گندے ہوجائیں، یا ان کے حسن وجمال کی وجہ سے لوگ ان کو ترجیح دینے لگیں، جس کے نتیجے میں مسلمان عورتیں تکلیف میں پڑ جائیں، مگر فاروقی نظروں نے اتنے ہی نتائج کو سامنے رکھ کر ان حضرات کو طلاق پر مجبور کیا، اگر آج کا نقشہ اور صورت حال ان کے سامنے ہوتی تو اندازہ کیجئے کہ ان کا اس کے متعلق کیا عمل ہوتا۔

اول تو آج یہودیوں اور مسیحیوں کی بہت بڑی تعداد مردم شماری کے رجسٹروں میں تو یہود اور نصاریٰ ہیں مگر حقیقت میں وہ بے دین لا مذہب دھریئے ہیں یہودیت اور نصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں نہ ان کا ایمان تورات پر ہے اور نہ انجیل پر، ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی عورتیں مسلمانوں کیلئے کس طرح حلال ہوسکتی ہیں اور بالفرض وہ اپنے مذہب کی پابند بھی ہوں تو ان کو کسی مسلمان گھرانے میں جگہ دینا اپنے پورے خاندان کے لئے دینی اور دنیوی تباہی کو دعوت دینا ہے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں اس راہ سے اس آخری دور میں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں اور ہو رہی ہیں جن کے عبرتناک انجام آئے دن آنکھوں کے سامنے آتے ہیں کہ ایک لڑکی نے پوری مسلم قوم اور سلطنت کو تباہ کر دیا، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ حلال وحرام سے قطع نظر بھی کوئی سمجھدار ذی ہوش انسان اس کے قریب جانے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا۔

محصنٰت کے معنی:

مذکورہ آیت میں دو جگہ **محصنٰت** کا لفظ آیا ہے جس کے معنی عربی لغت نیز عرف ومحاورہ کے اعتبار سے دو ہیں ایک آزاد جو باندی کے بالمقابل ہے علامہ سیوطی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ نے یہی معنی مراد لئے ہیں دوسرے عفیف وپاکدامن لغت کے اعتبار سے یہاں یہ معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں جیسا کہ بعض مفسرین نے یہ معنی مراد لئے ہیں، پہلے معنی کی رو سے مطلب یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے لئے اہل کتاب کی آزاد عورتیں حلال ہیں باندیاں نہیں مجاہد نے یہاں یہی معنی مراد لئے ہیں، مگر جمہور علماء نے دوسرے معنی، یعنی عفیف مراد لئے ہیں جسطرح عفیف وپاکدامن مومن عورت سے نکاح افضل واولیٰ ہے گو غیر عفیف سے نکاح جائز ہے یہی مطلب اہل کتاب کی عفیفاؤں کے بارے میں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اى اَرَدْتُمُ الْقِيَامَ **اِلَى الصَّلٰوةِ** وَاَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ **فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ** اى مَعَهَا كَمَا بَيَّنَتْهُ السُّنَّةُ **وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ** اَلْبَاءُ لِلْاِلْصَاقِ اى اَلْصِقُوا الْمَسْحَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اِسَالَةِ مَاءٍ وهو اِسْمُ جِنْسٍ فَيَكْفِى اَقَلُّ مَا يَصْدُقُ عَلَيْهِ وَهُوَ مَسْحُ بَعْضِ شَعْرِهِ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِىُّ

وَاَرْجُلَكُمْ بالنَّصْبِ عَطْفاً على اَيْدِيَكُمْ وَالْجَرِّ على الْجِوَارِ **اِلَى الْكَعْبَيْنِ** اى مَعَهُمَا كَمَا بَيَّنَتْهُ السُّنَّةُ وَهُمَا الْعَظْمَانِ النَّاتِيَانِ فِي كُلِّ رِجْلٍ عِنْدَ مَفْصِلِ السَّاقِ وَالْقَدَمِ وَالْفَصْلُ بَيْنَ الْاَيْدِيْ وَالْاَرْجُلِ الْمَغْسُوْلَةِ بِالرَّأْسِ الْمَمْسُوْحِ يُفِيْدُ وُجُوْبَ التَّرْتِيْبِ فِي طَهَارَةِ هٰذِهِ الْاَعْضَاءِ وَعليه الشَّافِعِيُّ وَيُؤْخَذُ مِنَ السُّنَّةِ وُجُوْبُ النِّيَّةِ فِيْهِ كَغَيْرِهِ مِنَ الْعِبَادَاتِ **وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا** فَاغْتَسِلُوْا **وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى** مَرَضًا يَضُرُّهُ الْمَاءُ **اَوْ عَلٰى سَفَرٍ** اى مُسَافِرِيْنَ **اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ** اى اَحْدَثَ **اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ** سَبَقَ مِثْلُه فِي اٰيَةِ النِّسَاءِ **فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً** بَعْدَ طَلَبِهٖ **فَتَيَمَّمُوْا** اقْصِدُوْا **صَعِيْدًا طَيِّبًا** ترابًا طاهرًا **فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ** مع الْمَرَافِقِ **مِّنْهُ** بِضَرْبَتَيْنِ والباءُ لِلْاِلْصَاقِ وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الْمرادَ اِسْتِيْعَابُ الْعُضْوَيْنِ بالمسح **مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ** ضِيْقٍ بِمَا فَرَضَ عَلَيْكُمْ مِنَ الوضوءِ والغُسْلِ والتيمم **وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ** من الاحْدَاثِ والذُّنُوْبِ **وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ** بِبَيَانِ شَرَائِعِ الدِّيْنِ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ⑥ نِعَمَهٗ **وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** بالاِسْلَامِ **وَمِيْثَاقَهُ** عَهْدَهُ **الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ** عَاهَدَكُمْ عليه **اِذْ قُلْتُمْ** لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ بَايَعْتُمُوْهُ **سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** فِي كُلِّ مَا تَأْمُرُ بِه وَتَنْهٰى مِمَّا نُحِبُّ وَنَكْرَهُ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** فِي مِيْثَاقِهٖ اَنْ تَنْقُضُوْهُ **اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ⑦ بِمَا فِي الْقُلُوْبِ فَبِغَيْرِهٖ اَوْلٰى **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ** قَائِمِيْنَ **لِلّٰهِ** بِحُقُوْقِهٖ **شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ** بِالعدلِ **وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ** يَحْمِلَنَّكُمْ **شَنَاٰنُ** بُغْضُ **قَوْمٍ** اى الكُفَّارِ **عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا** فَتَنَالُوْا منهم لِعَدَاوَتِهِمْ **اِعْدِلُوْا** فِي الْعَدُوِّ وَالْوَلِيِّ **هُوَ** اى العدلُ **اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ** ⑧ فَيُجَازِيْكُمْ به **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** وَعْدًا حَسَنًا **لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ** ⑨ هو الْجَنَّةُ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ** ⑩ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ** هُمْ قُرَيْشٌ **اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ** لِيَفْتِكُوْا بكم **فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ** وَعَصَمَكُمْ مِمَّا اَرَادُوْا بِكُمْ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ** ⑪

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم نماز کے لئے اٹھو یعنی اٹھنے کا ارادہ کرو حال یہ کہ تم بے وضو ہو تو اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ کہنیوں سمیت دھولیا کرو یعنی مع کہنیوں کے، جیسا کہ اس کو سنت نے بیان کیا ہے، اور سروں پر ہاتھ پھیرلیا کرو باء الصاق کے لئے ہے، یعنی مسح کو سروں سے بغیر پانی بہائے متعلق کرو مسح اسم جنس ہے لہٰذا جس پر مسح صادق آئے اس کا کم سے کم کافی ہے، اور وہ سر کے بعض بالوں کا مسح ہے اور یہی امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا مذہب ہے اور ٹخنوں سمیت پیر دھولیا کرو جیسا کہ سنت نے بیان کیا ہے (اَرْجُلَکم) نصب کے ساتھ ہے اَیْدِیَکم پر عطف کرتے ہوئے اور جر پڑوس کی رعایت کی

وجہ سے ہے، اور (کعبین) دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں ہر پیر میں پنڈلی اور قدم کے جوڑ کے مقام پر، اور ہاتھ اور پیر اعضاء مغسولہ کے درمیان اس ممسوح کا فصل ان اعضاء کی طہارت میں وجوب ترتیب کا فائدہ دیتا ہے، اور یہی امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مذہب ہے اور وجوب وضوء میں نیت دیگر عبادات کے مانند سنت (انما الاعمال بالنیات) سے ماخوذ ہے اور اگر تم جنبی ہو تو اچھی طرح طہارت حاصل کرلیا کرو، یعنی غسل کرلیا کرو اور اگر تم کو مرض ہو ایسا مرض کہ جس میں پانی مضر ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت سے آیا ہو یعنی حدث کیا ہو، یا تم نے عورتوں سے صحبت کی ہو، اور جستجو کے باوجود پانی دستیاب نہ ہو تو پاک مٹی کا قصد کرو (یعنی مٹی سے کام لو) تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت مسح کرو مٹی پر دو ضرب لگا کر، اور باء الصاق کے لئے ہے، اور سنت نے یہ بات واضح کردی ہے کہ دونوں اعضاء کے مسح سے مراد استیعاب بالمسح ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر وضوء اور غسل اور تیمم فرض کرکے تمہارے لئے کسی قسم کی تنگی کرنا نہیں چاہتا، لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو حدث سے اور گناہوں سے پاک کرے، اور دین کے قوانین بیان کرکے تمہارے اوپر اپنی نعمت تام کرنا چاہتا ہے تاکہ تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور تم اپنے اوپر نعمت اسلام کو یاد کرو اور اپنے اس عہد کا خیال رکھو جو اس نے تم سے اس وقت لیا کہ جب تم نے نبی سے بیعت کرتے وقت کہا تھا کہ ہم نے سنا اور قبول کیا، ہر اس بات میں جس کا آپ حکم فرمائیں اور منع فرمائیں، خواہ ہم پسند کریں یا ناپسند کریں، اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کے بارے میں نقض عہد کرنے سے اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں سے واقف ہے، تو اس کے علاوہ سے بطریق اولیٰ واقف ہے، اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے اس کے حقوق کے ساتھ راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو کسی گروہ کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے ساتھ انصاف نہ کرو، کہ تم ان سے دشمنی کی وجہ سے ان سے اپنا مقصد حاصل کرو، دوست و دشمن ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو اور عدل خدا ترسی کے زیادہ مناسب ہے اللہ سے ڈرتے رہو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے سو وہ تم کو اس کی جزاء دیگا ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اچھا وعدہ ہے کہ ان کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے اور وہ جنت ہے، اور جو لوگ کفر کریں اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں تو وہ جہنمی ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تمہارے اوپر کیا ہے جب ایک قوم یعنی قریش نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کریں تاکہ تم کو نقصان پہنچائیں (قتل کریں) مگر اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تمہارے اوپر اٹھنے سے روک دیا اور تم کو اس سے محفوظ رکھا جس کا وہ تمہارے ساتھ کرنے کا ارادہ کرچکے تھے، اللہ سے ڈرتے رہو ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ای اَرَدْتُّمُ القِیَامَ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: اِذَا قُمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم، سے معلوم ہوتا ہے کہ طہارت شروع فی الصلوۃ کے بعد واجب

ہے حالانکہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہی طہارت کا ہونا ضروری ہے۔

جَوَابٌ: یہ ہے کہ اِذَا قمتم کا مطلب ہے اِذَا اَرَدتم القیامَ، یعنی جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو طہارت حاصل کرو۔

سَوَالٌ: قمتم بول کر اردتم کا ارادہ کس مناسبت سے ہے اس میں کونسا علاقہ ہے؟

جَوَابٌ: مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے ارادہ چونکہ قیام کا سبب ہے اور قیام مسبب ہے، لہٰذا یہاں قیام بول کر ارادہ مراد لیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاَنْتُمْ مُحْدِثُونَ، یہ اضافہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی قیام الی الصلوۃ کا ارادہ ہو تو طہارت حاصل کرنا ضروری ہے خواہ پہلے سے طہارت حاصل ہو یا نہ ہو؟

جَوَابٌ: وضوء اسی وقت ضروری ہے کہ جب طہارت نہ ہو، اسی پر علماء کا اتفاق ہے، مگر ہر نماز کے لئے تازہ وضوء کرنا بہتر ہے۔

قَوْلُہٗ: المَرَافِق، یہ مرفق میم کے کسرہ اور فاء کے زبر کے ساتھ ہے اس میں ایک لغت میم کے فتحہ اور فاء کے کسرہ کے ساتھ بھی ہے، اس جوڑ کو کہتے ہیں جو بازو اور پہنچے کے درمیان ہوتا ہے جس کو اردو زبان میں کہنی کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَلْبَاءُ لِلْاِلْصَاقِ، بعض حضرات نے کہا ہے کہ با زائدہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ تبعیض کے لئے ہے، ابن ہشام اور زمخشری نے کہا ہے کہ الصاق کے لئے ہے یعنی مسح کو خواہ پورے سر کا ہو یا بعض کا سر سے متعلق کردو، امام مالک اور احمد نے احتیاطاً استیعاب کو واجب کہا ہے اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اقل مقدار کو واجب کہا ہے اسلئے کہ یہ یقینی مقدار ہے، اور امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ربع رأس کا مسح واجب قرار دیا ہے اور دلیل آپ ﷺ کی وہ حدیث ہے جس میں وارد ہوا ہے، "اَنَّہٗ مسح علی الناصیۃِ، الناصیۃ مقدم الراس وھو بقدر ربع الرأس"۔

قَوْلُہٗ: بالنَّصْبِ، اَرْجلکم، میں دو قراءتیں ہیں لام کے فتحہ کے ساتھ یہ نافع اور ابن عامر اور کسائی اور حفص کی عاصم سے۔

قَوْلُہٗ: بالجَرِّ یہ باقی قراء سبعہ کی ہے، اسی اختلاف قراءت کی وجہ سے پیروں کے دھونے یا مسح کرنے کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہوا ہے، اہل سنت کے نزدیک صرف غسل ہی واجب ہے اور اہل تشیع کے نزدیک مسح ہی ضروری ہے اور داؤد بن علی اور فرقۂ زیدیہ میں سے ناصر للحق دونوں کے درمیان جمع کے قائل ہیں۔

قَوْلُہٗ: والجرِّ للجوار، یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: بہت سے قراء "ارجلکم" میں لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں جر کی قراءت کی صورت میں رؤسکم پر عطف ہونے کی وجہ سے مسح کا حکم ہوگا حالانکہ یہ مذہب خوارج اور اہل تشیع کا ہے جو کہ سنت رسول اور سنت صحابہ کے عمل کے خلاف ہے۔

جَوَابٌ: حاصل جواب یہ ہے کہ اَرْجُلِکُمْ کسرۂ لام رعایت جوار کی وجہ سے ہے نہ کہ عطف علی المجرور کی وجہ سے اور اس کی مثالیں قرآن اور غیر قرآن میں بکثرت ہیں۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

اوپر کی آیات میں انسان کی راحت کی حلال چیزوں کا ذکر تھا، جو کہ اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا انعام ہے لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ منعم کا شکر گذار ہو، اور شکر گذاری کا ایک طریقہ نماز ہے اور نماز کے لئے طہارت ضروری ہے، اور طہارت کے لئے طریقۂ طہارت کا جاننا ضروری ہے اسی واسطے مذکورہ آیت میں نماز کے بیان کے ساتھ طہارت کا طریقہ بھی بیان فرمایا۔

جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اور بے وضو یا بے غسل ہو تو وضو یا غسل کر کے طہارت حاصل کر لے اور اگر پانی دستیاب نہ ہو یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو اس صورت میں تیمّم کرے وضوء اور جنابت سے طہارت حاصل کرنے کیلئے تیمّم ایک ہی طرح ہوگا، اگر پہلے سے وضو ہو تو وضوء کرنا ضروری نہیں ہے البتہ مستحب ہے، ایک وضوء سے متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہیں، صحیح مسلم میں حضرت بریدہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے ایک وضوء سے چند نمازیں پڑھیں، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے عرض کیا کہ ایک وضوء سے چند نمازیں پڑھنا آپ کی عادت شریفہ نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے یہ کام قصداً کیا ہے، آپ ﷺ کا مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ اگر چہ ہر نماز کے لئے تازہ وضوء بہتر ہے مگر ایک وضوء سے چند نمازیں پڑھنا بھی جائز ہے گویا آپ نے مذکورہ عمل بیان جواز کے لئے فرمایا۔

وضوء میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا امام احمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے نزدیک فرض ہے دیگر علماء اس کو سنت کہتے ہیں اسی طرح ڈاڑھی کے بالوں کی جڑ تک پانی پہنچانے کو بعض علماء فرض کہتے ہیں مگر اکثر علماء اس کو بھی سنت کہتے ہیں۔

کہنیاں غسل یدین میں داخل ہیں یا نہیں؟

ہاتھوں کا مع کہنیوں کے دھونا ضروری ہے سوائے امام زفر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے، حضرت جابر کی روایت جس کو دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہاتھ دھوتے وقت کہنیوں کو بھی دھویا، اس حدیث کو اگر چہ منذری اور ابن صلاح وغیرہ نے ضعیف کہا ہے لیکن صحیح مسلم میں ابوھریرہ کی حدیث مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوھریرہ نے مونڈھے تک اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا، اس حدیث سے جمہور علماء کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ کہنیاں غسل یدین میں داخل ہیں بلکہ اجر کے لحاظ سے اس سے بھی کچھ بڑھانا چاہئے، چنانچہ ابوھریرہ کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے مونڈھوں تک ہاتھ دھو کر فرمایا کہ قیامت کے دن وضوء کے اعضاء میں اللہ کی قدرت سے ایک چمک پیدا ہوگی اس لئے جس سے ہو سکے اپنی اس چمک کو بڑھائے۔

مذکورہ حدیث پراعتراض:

بعض علماء نے ابوہریرہ کے اس فعل پر اعتراض کیا ہے کہ ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ فعل عمرو بن شعیب کی اس حدیث کے خلاف ہے کہ جو مسند امام احمد، نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں ہے، جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ''جو شخص وضو میں تین دفعہ کی حد سے بڑھا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا''۔

مذکورہ اعتراض کا جواب:

مذکورہ اعتراض کا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ عمرو بن شعیب کی اس حدیث میں وضوء کے اعضاء کو تین مرتبہ دھونے کا ذکر ہے اس لئے اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص تین دفع دھونے کی حد سے بڑھا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ابوہریرہ اور عمرو بن شعیب کی حدیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اسلئے کہ عمرو بن شعیب کی روایت میں تعداد میں حد سے بڑھنے کی ممانعت ہے اور ابوہریرہ کی روایت میں مقدار میں زیادتی کی سفارش ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی اس روایت پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ابوہریرہ اس روایت میں تنہا ہیں کسی اور صحابی سے یہ روایت مروی نہیں ہے، مگر یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی صحیح روایتوں میں یہ فعل حضرت عبداللہ بن عمر کا بھی موجود ہے۔

سر کا مسح اور ائمہ کا اختلاف:

وضوء میں سر کا مسح فرض ہے امام مالک اور امام احمد کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک چوتھائی سر کا اور امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک کم سے کم حصے کا مسح کر لینے سے بھی فرض ادا ہو جائیگا، ان دونوں حضرات کے نزدیک پورے سر کا مسح بہتر ہے۔

پاؤں دھونے کے سلسلہ میں شیعہ حضرات کے علاوہ امت میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے، شیعہ حضرات کا مسلک یہ ہے کہ پیروں پر مسح فرض ہے نہ کہ دھونا۔ (تفسیر هداية القرآن)

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا، جنابت خواہ مباشرت سے ہو یا بیداری وخواب میں خروج منی سے دونوں صورتوں میں غسل واجب ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے سورۂ نساء کی آیت ۴۳ ملاحظہ کریں)۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ (الآیة) پہلے کی تشریح سورۂ نساء کی آیت نمبر (۱۳۵) میں اور دوسرے جملے کی سورۃ المائدہ کے آغاز میں گذر چکی ہے۔

عادلانہ گواہی کی اہمیت:

نبی کریم ﷺ کے نزدیک عادلانہ گواہی کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے عطیہ دیا تو میری والدہ نے کہا اس عطیہ پر آپ جب تک اللہ کے رسول کو گواہ نہ بنائیں گے میں راضی نہیں ہوں گی چنانچہ میرے والد نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ سے ڈرو اور اولاد کے درمیان انصاف کرو، اور فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

یٰایها الذین آمنوا اذکروا نعمت اللّٰه علیکم اذهم قوم، (الآیة) اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان کئے ہیں مثلاً کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کے خلاف سازش کر کے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ نے بروقت آپ کو بذریعہ وحی سازش کی اطلاع فرمادی آپ ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ کر چلے آئے، بعض نے کہا ہے کہ ایک مسلمان کے ہاتھوں غلط فہمی سے دو عامری شخصوں کا قتل ہو گیا تھا ان کی دیت کی ادائیگی میں حسب معاہدہ بنونضیر سے تعاون لینا تھا اسی سلسلہ میں آپ ان کے یہاں تشریف لے گئے تھے، اور ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے، یہود نے سازش کر کے اوپر سے ایک پتھر گرا کر آپ کو شہید کرنے کی کوشش کی تھی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس سازش کی اطلاع دیدی، ایک تیسرا واقعہ نزول آیت کے بارے میں غوث بن حارث کا نقل کیا ہے، جس کو عبدالرزاق نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے اپنی تفسیر میں اس آیت کا شان نزول قرار دیا ہے، اس کی سند معتبر ہے۔

غوث بن حارث کا واقعہ:

امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع کے لئے جاتے وقت درختوں کے سایہ میں ہم لوگ ٹھہر گئے حضرت جابر کہتے ہیں کہ میری آنکھ لگ گئیں اور دیگر ساتھی بھی سو گئے، آنحضرت بھی اپنی تلوار ایک درخت پر لٹکا کر استراحت فرمانے لگے، غوث بن حارث نے چپکے سے آکر آپ کی تلوار درخت سے اتار لی اور تلوار سونت کر آپ سے کہنے لگا اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ، ابن اسحٰق کی روایت میں اتنا مزید ہے کہ حضرت جبرئیل نے آکر غوث کے سینہ پر ایک تھپکی ماری جس پر تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی آنحضرت ﷺ نے وہ تلوار اٹھالی اور غوث بن حارث سے پوچھا اب تجھ کو کون بچا سکتا ہے اس نے کہا کوئی نہیں آپ نے اس کو معاف کر دیا، واقدی نے اس واقعہ میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ غوث اس واقعہ کو دیکھکر مسلمان ہو گیا اور اس کے واسطہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی، اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر یہ احسان فرمایا کہ آپ کو ایک دشمن کے حملے سے بچالیا پھر اس احسان میں امت کو شریک فرما کر یہ آیت اس تنبیہ کے ساتھ نازل فرمائی کہ امت کی ہدایت کے لئے رسول کا آنا ایک بڑا احسان ہے۔ (احسن تفاسیر)

لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ بِمَا يُذْكَرُ بَعْدُ وَبَعَثْنَا فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ اَقَمْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ مِنْ كُلِّ سِبْطٍ نَقِيْبٌ يَكُوْنُ كَفِيْلاً عَلٰى قَوْمِهِ بِالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ تَوْثِقَةً عَلَيْهِمْ وَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۭ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ نَصَرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا بِالْاِنْفَاقِ فِيْ سَبِيْلِهِ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ الميثاق مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ⑫ اَخْطَأَ طَرِيْقَ الْحَقِّ وَالسَّوَاءُ فِي الْاَصْلِ الْوَسَطُ فَنَقَضُوْا الْمِيْثَاقَ قَالَ تَعَالٰى فَبِمَا نَقْضِهِمْ مَا زائدة مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ اَبْعَدْنَاهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ لَا تَلِيْنُ لِقَبُوْلِ الْاِيْمَانِ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ الَّذِيْ فِي التَّوْرٰةِ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ الَّتِيْ وَضَعَهُ اللّٰهُ عَلَيْهَا اَيْ يُبَدِّلُوْنَهُ وَنَسُوْا تَرَكُوْا حَظًّا نَصِيْبًا مِّمَّا ذُكِّرُوْا اُمِرُوْا بِهٖ ۚ فِي التَّوْرٰةِ مِنْ اِتِّبَاعِ مُحَمَّدٍ وَلَا تَزَالُ خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم تَطَّلِعُ تَظْهَرُ عَلٰى خَاۗىِٕنَةٍ اَيْ خِيَانَةٍ مِّنْهُمْ بِنَقْضِ الْعَهْدِ وَغَيْرِهِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ مِمَّنْ اَسْلَمَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ هٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ السَّيْفِ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهِ اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ كَمَا اَخَذْنَا عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اليهود فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فِي الْاِنْجِيْلِ مِنَ الْاِيْمَانِ وَغَيْرِهِ وَنَقَضُوا الْمِيْثَاقَ فَاَغْرَيْنَا اَوْقَعْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ بِتَفَرُّقِهِمْ وَاخْتِلَافِ اَهْوَائِهِمْ فَكُلُّ فِرْقَةٍ تُكَفِّرُ الْاُخْرٰى وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ فِي الْاٰخِرَةِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭ فَيُجَازِيْهِمْ عَلَيْهِ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا مُحَمَّدٌ يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ تَكْتُمُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ كَاٰيَةِ الرَّجْمِ وَصِفَتِهِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ڛ مِنْ ذٰلِكَ فَلَا يُبَيِّنُهُ اِذَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ مَصْلَحَةٌ اِلَّا افْتِضَاحُكُمْ قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ هُوَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَّكِتٰبٌ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ⑮ ظَاهِرٌ يَّهْدِيْ بِهِ اَيْ بِالْكِتَابِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ بِاَنْ اٰمَنَ سُبُلَ السَّلٰمِ طُرُقَ السَّلَامَةِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ الْكُفْرِ اِلَى النُّوْرِ الْاِيْمَانِ بِاِذْنِهٖ بِاِرَادَتِهِ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑯ دِيْنِ الْاِسْلَامِ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ حَيْثُ جَعَلُوْهُ اِلٰهًا وَهُمُ الْيَعْقُوْبِيَّةُ فِرْقَةٌ مِنَ النَّصَارٰى قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ اَيْ يَدْفَعُ مِنَ عَذَابِ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ اَيْ لَا اَحَدَ يَمْلِكُ ذٰلِكَ وَلَوْ كَانَ الْمَسِيْحُ اِلٰهًا لَقَدَرَ عَلَيْهِ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَاۗءَهُ قَدِيْرٌ ⑰ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى اَيْ كُلٌّ مِنْهُمَا نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ اَيْ كَاَبْنَائِهِ فِي الْقُرْبِ وَالْمَنْزِلَةِ وَهُوَ كَاَبِيْنَا فِي الشَّفَقَةِ

والرَّحمَةِ وَاَحِبَّآؤُهٗ قُلْ لهم یا محمدُ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ان صدقتُم فی ذٰلکَ ولا يُعَذِّبُ الابُ وَلَدَهٗ ولا الحَبیبُ حبیبَهٗ وقد عَذَّبَکُمْ فانتم کاذِبُوْنَ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّنْ جُملَةِ مِّمَّنْ خَلَقَ من البَشرِ لکم مالهم وعلیکم ما علیهم يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ المغفرةَ لَهٗ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ تعذیبَهٗ لا اعتراضَ علیه وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾ المَرجعُ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا محمدٌ يُبَيِّنُ لَكُمْ شرائعَ الدِّینِ عَلٰى فَتْرَةٍ انقطاعٍ مِّنَ الرُّسُلِ اِذ لَمْ یَکُنْ بینَه وبینَ عیسٰی رسولٌ ومُدَّةُ ذٰلکَ خَمسُمِائَةٍ وتِسعٌ وسِتُّونَ سَنَةً لِ اَنْ لا تَقُوْلُوْا اذا عُذِّبتُم مَا جَآءَنَا مِنْ زائدةٌ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ فلا عُذرَ لکم اذًا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٩﴾ ومنه تعذیبُکُم ان لم تتبعُوه.

ترجمہ: اور اللہ نے بنی اسرائیل سے آئندہ مذکور باتوں کے بارے میں یہ پختہ عہد لیا تھا، اور ان میں سے ہم نے بارہ نقیب مقرر کئے تھے، اس میں غیبت سے (تکلم کی جانب) التفات ہے، (بَعَثْنَا بمعنی اقمنا ہے نہ کہ بمعنی ارسلنا) ہر قبیلہ سے ایک نقیب (نگراں) کہ وہ اپنی قوم پر ایفاء عہد کی تاکید رکھے اور ان سے کہا تھا کہ میں اعانت اور نصرت کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہوں قسم ہے اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ ادا کی اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کی مدد کی اور راہ خدا میں خرچ کر کے خدا کو قرض حسن دیتے رہے تو یقین رکھو میں تمہاری برائیاں تم سے زائل کردوں گا، اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اس عہد کے بعد جس نے تم میں سے کفر کیا تو وہ راہ راست سے بھٹک گیا، یعنی راہ حق سے خطا کر گیا، اور سواء، کے معنی اصل میں وسط کے ہیں، تو بنی اسرائیل نے عہد شکنی کی، تو ان کے نقض عہد کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا جس کی وجہ سے قبول حق کے لئے نرم نہیں ہوتے، (اب ان کا حال یہ ہے) کہ محمد ﷺ کی ان صفات وغیرہ کو کہ جو تورات میں موجود ہیں ان کے اس اصل مفہوم سے کہ جو اللہ نے متعین کیا ہے ردوبدل کر کے کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں یعنی انکو بدل دیتے ہیں، اور جس چیز یعنی اتباع محمد کا ان کو تورات میں حکم دیا گیا تھا اس کا اکثر حصہ انہوں نے پس پشت ڈال دیا تھا، اور آئے دن تمہیں یہ آپ ﷺ کو خطاب ہے، ان کے نقض عہد وغیرہ کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے، ان میں سے بہت کم لوگ جو اسلام لائے ہیں، (اس عیب سے) بچے ہوئے ہیں (جب ان کی یہ حالت ہے) تو ان کو معاف کردو اور (ان حرکتوں) سے چشم پوشی کرتے رہو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو احسان کی روش پسند کرتے ہیں یہ (حکم) آیت سیف سے منسوخ ہے، اور ان لوگوں سے بھی ہم نے پختہ عہد لیا جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں جیسا کہ ہم نے بنی اسرائیل یہود سے عہد لیا تھا، مگر ان کو بھی جو (سبق) انجیل میں ایمان وغیرہ کا یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصہ فراموش کر دیا، اور عہد شکنی کی، تو ہم نے ان کے اندر تفریق کے ذریعہ اور ان کے نظریات میں اختلاف کے ذریعہ قیامت تک کے لئے بغض و عداوت ڈال دی جس کے نتیجے میں ہر فریق دوسرے کی تکفیر کرتا ہے، عنقریب آخرت میں اللہ

تعالیٰ ان کو بتادے گا جو حرکتیں (دنیا میں) وہ کیا کرتے تھے؟ تو ان کو اس کی سزا دے گا، اے اہل کتاب یہود و نصاری تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا جو کتاب الٰہی تورات وانجیل کی بہت سی ان باتوں کو جیسا کہ آیت رجم اور آپ ﷺ کی صفات جن پر تم پردہ ڈالا کرتے تھے تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کر رہا ہے اور ان میں سے بہت سی باتوں کو نظر انداز بھی کر جاتا ہے، کہ ان کو ظاہر نہیں کرتا جن میں تمہاری فضیحت کے علاوہ کوئی مصلحت نہ ہو یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آ گئی اور وہ (محمد ﷺ) نبی ﷺ ہیں، اور ایک ایسی حق نما کتاب قرآن کہ اس کے ذریعہ اللہ اس شخص کو جو اس کی رضا کا طالب ہے کہ اس پر ایمان لائے سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے ارادہ سے ان کو کفر کی ظلمت سے ایمان کے نور کی جانب نکالتا ہے اور راہ راست (یعنی) دین اسلام کی جانب رہنمائی کرتا ہے یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی خدا ہے بایں طور کہ انہوں نے مسیح کو معبود قرار دیا اور وہ فرقۂ یعقوبیہ ہے جو کہ نصاری کا ایک فرقہ ہے، ان سے پوچھو اگر خدا مسیح ابن مریم کو اور ان کی والدہ کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو کس کی مجال کہ اللہ کے عذاب کا کچھ بھی دفاع کر سکے، یعنی اس کی کسی کو مجال نہیں، اور اگر مسیح خدا ہوتے تو اس پر قادر ہوتے، یہود و نصاری یعنی ان میں سے ہر ایک کہتا ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں یعنی قرب و منزلت میں، اور وہ ہمارے لئے شفقت و رحمت میں باپ کے مانند ہے اور اس کے چہیتے ہیں اے محمد ﷺ ان سے پوچھو تو پھر وہ تم کو سزا کیوں دیتا ہے؟ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو، اور باپ بیٹے کو سزا نہیں دیا کرتا اور نہ محبوب اپنے محبوب کو اور وہ یقیناً تم کو سزا دے گا، لہٰذا تم (اپنے دعوے میں) جھوٹے ہو، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے دوسرے انسان پیدا کئے تمہارے لئے وہی اجر و ثواب ہے جو ان کے لئے ہے اور تمہارے لئے وہی سزا ہے جو ان کے لئے ہے، وہ جسے معاف کرنا چاہے معاف کرتا ہے اور جس کو عذاب دینا چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں آسمانوں اور زمین میں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اللہ کی ملک ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے اے اہل کتاب ہمارا رسول محمد ﷺ تمہارے پاس آیا ہے اور دین کے احکام کی واضح تعلیم دے رہا ہے جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت سے بند تھا اس لئے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے درمیان کوئی رسول نہیں تھا، اور توقف کی مدت ۵٦۹ سال ہے جب تم کو سزا دی جائے تو تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری دینے والا آیا اور نہ ڈرانے والا، مِنْ، زائدہ ہے، لہٰذا اب تمہارے لئے کسی عذر کی گنجائش نہیں ہے اور اللہ ہر شئی پر قادر ہے اسی میں تم کو سزا دینا بھی شامل ہے اگر تم اس کی اتباع نہ کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: نَقِیْب، جمع نُقَبَاء، سردار، قوم کی طرف سے وفاءِ عہد کا ذمہ دار، قوم کے حالات کی نگرانی کرنے والا، یہ فعیل بمعنی فاعل ہے۔

قولہ: لَئِنْ اَقَمْتُمْ لام حذفِ قسم پر دلالت کرنے کے لئے ہے، اور اِنْ شرطیہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَاللّٰہِ لَئِنْ اَقَمْتُمْ

الصلوۃ، لَاُکَفِّرَنَّ، جواب قسم ہے جو کہ قائم مقام ہے جواب شرط کے۔

قَوْلُہٗ: عَزَّرْتموا. تعزیر سے ماضی جمع مذکر حاضر ہے، واؤ اشباع کا ہے تم نے مدد کی۔

قَوْلُہٗ: یُحَرِّفُونَ الکَلِمَ، یہ جملہ مستانفہ ہے مقصد یہود کی قساوت قلبی کو بیان کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: خیانۃٍ مؤنث ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ خائنۃٍ فاعل کے وزن پر مصدر ہے جیسا کہ عَافِیَۃً اور عَاقِبَۃ، اس کی تائید اعمش کی قراءت سے ہوتی ہے کہ انہوں نے خائنۃٍ کے بجائے خیانۃً پڑھا ہے، نیز منھم اور فاعْفُ عنھم بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: بآیَۃِ السَّیْفِ، ای اقتلوا المشرکین حیث وَجَدتموھم.

قَوْلُہٗ: متعلق بقولہ، یعنی مِنْ جار، اپنے مجرور جملہ سے ملکر اخذنا کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: اَغْرَیْنَا ای اَلْصقنا وَاَلْزَمْنَا، اِغراء سے ماضی جمع متکلم ہے، ہم نے ڈالدی ہم نے لگادی۔

قَوْلُہٗ: بَیْنَھم، ای فِرَق النصاری، ① نسطوریہ جن کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بیٹے ہیں، ② یعقوبیہ جن کا عقیدہ ہے کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہیں، ③ ملکانیہ جن کا عقیدہ ہے کہ خدا تین میں کا ایک ہے۔

قَوْلُہٗ: کآیَۃِ الرَّجْمِ وَصِفَتِہٖ یہ یہود کے کتمان کی مثال ہے اور نصاری کے چھپانے کی مثال مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد ہے۔

قَوْلُہٗ: اِن صَدَقْتُمْ فِی ذٰلِکَ، فَلِمَ یعذبکم بِذنوبکم، شرط محذوف کی جزاء ہے، لہٰذا عطفِ انشاء علی الاخبار کا اعتراض وارد نہ ہوگا۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: لان لا تقولوا، لام محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ جملہ لاجلہ ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ اَخَذَ اللہ مِیْثَاقَ بَنِیْ اِسْرَائیلَ (الآیۃ) سابقہ آیات میں مسلمانوں کے عہد اور اس عہد پر قائم رہنے کی تاکید کا ذکر تھا، ان آیات میں اہل کتاب کی عہد شکنی اور اس کے انجام بد کا ذکر ہے، مقصد مسلمانوں کو آگاہ کرنا ہے کہ عہد شکنی بڑے وبال کا باعث ہوتی ہے، ان آیات میں یہود کی دو عہد شکنیوں کا ذکر ہے۔

پہلی عہد شکنی:

پہلی عہد شکنی کا حاصل یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مصر میں قیام کے زمانہ میں بنی اسرائیل ملک شام سے ہجرت کرکے مصر میں سکونت پذیر ہوگئے تھے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر ملک شام چلے جائیں، ملک شام پر چونکہ قوم عاد کے باقی ماندہ کچھ لوگ

قابض ہو گئے ہیں ان سے لڑ کر ملک شام کو آزاد کرائیں اور وہیں سکونت اختیار کریں، قوم عاد کے لوگوں میں ایک شخص تھا جس کا نام عملیق بن آذر تھا، ملک شام پر قابض لوگ اسی شخص کی اولاد تھے اسی لئے ان کو عمالقہ کہا جانے لگا تھا، عمالقہ قوم کے لوگ بڑے تن توش کے مالک اور شہ زور اور قد آور تھے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب شام کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارہ قبیلوں میں سے بارہ سردار منتخب کئے جن کو اپنے اپنے قبیلوں کی دینی واخلاقی نگرانی کی ذمہ داری سپرد کی، مذکورہ بارہ سرداروں کو قوم عمالقہ کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا اور ان سے یہ عہد لیا کہ قوم عمالقہ کی قوت وطاقت اور شہ زوری کی کوئی ایسی بات یہاں آکر بیان نہ کریں جس سے بنی اسرائیل کے حوصلے پست ہو جائیں اور ان سے خوف زدہ ہو کر ان سے لڑنے سے ہمت ہار بیٹھیں، چنانچہ قوم عمالقہ کے حالات معلوم کر کے آنے کے بعد بارہ آدمیوں میں سے دس نے بدعہدی کی اور اپنے عزیزں اور دوستوں سے قوم عمالقہ کی شہ زوری کی حالات بیان کر دیئے جس کی وجہ سے بنی اسرائیل ہمت ہار گئے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ لڑنے کیلئے جانے سے انکار کر دیا، ان آیتوں میں بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور بارہ سرداروں کی بدعہدی کا ذکر ہے۔

دوسری عہد شکنی:

دوسرا عہد تورات کے احکام کی پابندی کا تھا، اس دوسرے عہد میں نماز، زکوۃ وغیرہ کا بنی اسرائیل کو پابند کیا گیا تھا، جو انہوں نے پورا نہ کیا جس کا ذکر سورۂ آل عمران میں تفصیل سے گذر چکا ہے، ان آیات میں اسی سابقہ عہد کو یاد دلایا گیا ہے، غرض یہ کہ اس عہد کے مطابق یہود کو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نبی آخر الزمان کی فرمانبرداری اور پیروی کا پابند کیا گیا تھا انہوں نے اس کو پورا نہ کیا جس کی وجہ سے تورات کے بھی پابند نہ رہے، اسلئے کہ تورات کی جن آیات میں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وعلامات مذکور تھیں ان میں لفظی اور معنوی تحریف کر ڈالی، اسی تحریف کی جانب ویُحَرِّفونَ الکلم عن مواضعہٖ، سے اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے، یہود چونکہ اپنے پختہ عہد پر قائم نہ رہ سکے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طرح طرح کی سزاؤں میں گرفتار ہوئے اور اس طرح ذلت سے دوچار ہوئے کہ تاریخ میں یہود کا نام ہمیشہ ذلت سے لیا گیا، یہ سب کچھ عہد شکنی کی وجہ سے ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قلوب قبول حق کے معاملہ میں سخت پتھر کے مانند ہو گئے، اس سنگدلی کا اثر یہ ہوا کہ اپنے اندر تبدیلی کے بجائے خدا کے کلام میں تبدیلی کرنے لگے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو جو نصیحت کی گئی تھی اس کا اکثر حصہ فراموش کر بیٹھے، ان کی اس تحریف وخیانت کا سلسلہ ہنوز جاری ہے جس کی اطلاع آپ کو ہو جاتی ہے، البتہ بہت تھوڑے لوگ ان میں ایسے بھی ہیں کہ اس ناشائستہ حرکت سے محفوظ رہے، آپ ان کو معاف کیجئے اور درگذر سے کام لیجئے۔

سابق میں بنی اسرائیل کی بداعمالیوں اور بداخلاقیوں کا جو بیان آیا بظاہر اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے انتہائی نفرت وحقارت کا معاملہ کریں ان کو پاس نہ آنے دیں اس آیت کے آخری جملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی جا رہی ہے۔ "فاعفُ عنهم واصفح انّ اللّٰه يحب المحسنين" یعنی آپ ان کو معاف کریں اور ان کی بدکرداریوں کو نظر انداز کریں، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ حسن سلوک کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

ومن الذین قالوا انا نصاریٰ سابقہ آیت میں یہود کی عہد شکنی اور اس کے انجام بد کا ذکر تھا، اس آیت میں کچھ نصاریٰ کا حال بیان کیا جارہا ہے، کہ نصاریٰ نے بھی عہد شکنی کی، اور اس کی سزا کا بیان ہے کہ ان کے آپس میں افتراق اور بغض وعداوت ڈالدی گئی جو تا قیامت باقی رہے گی۔

سُوال: آجکل عیسائیوں کے حالات سے یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ وہ باہم متحد نظر آتے ہیں؟

جَواب: مذکورہ آیت میں ان عیسائیوں کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ جو واقعی عیسائی ہیں، اور عیسائی مذہب کے پابند ہیں اور جو خود اپنے مذہب کو بھی چھوڑ کر دہریئے اور بے دین ہوچکے ہیں وہ درحقیقت عیسائیوں کی فہرست سے خارج ہیں، چاہے وہ قومی طور پر خود کو عیسائی کہتے ہوں، ایسے لوگوں میں اگر وہ افتراق اور عداوت نہ ہوتو وہ اس آیت کے منافی نہیں، اسلئے کہ افتراق واختلاف تو مذہب کی بنیاد پر تھا جب مذہب ہی نہ رہا تو اختلاف بھی نہ رہا۔

انجیل میں آپ ﷺ کی بشارت:

آج جو صحیفے انجیلوں کے نام سے مسیحی ہاتھوں میں موجود ہیں، صدگونہ تحریفات کے باوجود بشارت محمدی ﷺ ان میں آج تک باقی ہے حضرت یحیی کے بارے میں ہے، جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ (آیا تو مسیح ہے) تو اس نے کہا میں تو مسیح نہیں ہوں، پھر انہوں نے اس سے پوچھا پھر تو کون ہے؟ کیا تو ایلیا ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں، کیا تو وہ نبی ہے، اس نے جواب دیا نہیں تو انہوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیا نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟ (یوحنا، ۱:۲۵)

مذکورہ گفتگو میں بار بار وہ نبی کے کیا معنی ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی معروف نبی کی پیش گوئی یہود میں مدت سے چلی آرہی تھی اور یہ نبی یقیناً مسیح سے الگ ہے جیسا کہ اوپر کے سوالات سے ظاہر ہے۔

وَ اذکر **اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ** ای منکم **اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا** اصحاب خدم وحشم **وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۲۰﴾ من المن والسلوی و فلق البحر وغیر ذلک **يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ** امر کم بدخولها وهی الشام **وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ** تنهزموا خوف العدو **فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ** ﴿۲۱﴾ فی سعیکم **قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ** من بقایا عاد طوالا ذوی قوة **وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ** ﴿۲۲﴾ لها **قَالَ** لهم **رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ** مخالفة امر الله وهما یوشع و کالب من النقباء الذین بعثهم موسیٰ فی کشف احوال الجبابرة **اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا** بالعصمة فکتما ما اطلعا علیه من حالهم الا عن موسیٰ بخلاف بقیة النقباء فافشوه فجبنوا **ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ** باب القریة ولا تخشوهم فانهم اجساد بلا قلوب **فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ** قالا ذلک تیقنا بنصر الله وانجاز

وَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ عن القتال **قَالَ** موسى حِيْنَئِذٍ **رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اِلَّا اَخِيْ** ولا اَمْلِكُ غَيرَهما فاُجبِرُهم على الطَّاعَةِ **فَافْرُقْ** فافصِلْ **بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ** ﴿٢٥﴾ **قَالَ** تعالى له **فَاِنَّهَا** اي الارْضَ المُقدَّسَةَ **مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ** اَنْ يَدخُلُوْهَا **اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ** يَتَحَيَّرُوْنَ **فِي الْاَرْضِ** وهي تِسعَةُ فَراسِخَ قالَهُ ابنُ عبّاسٍ رضي الله تعالى عنه **فَلَا تَاْسَ** تَحزَنْ **عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ** ﴿٢٦﴾ رُوِيَ انهم كانوا يَسِيرُوْنَ اللَّيلَ جَادِّيْنَ فَاِذَا اَصْبَحُوْا اِذَاهُمْ في المَوْضِعِ الذي اِبْتَدَوُّا منه ويَسِيرُوْنَ النَّهارَ كذلك حتى انْقَرَضُوْا كُلُّهم اِلا مَن لَمْ يَبْلُغِ العِشْرِيْنَ قيل وكَانُوْا سِتَّمِائَةِ اَلْفٍ وَمَاتَ هٰرُوْنُ ومُوْسٰى عليهما السلام فِي التِّيهِ وكَان رَحْمَةً لهما وعذاباً لِاُولئِكَ وسَأَلَ مُوْسٰى رَبَّهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ اَنْ يُدْنِيَهُ من الارْضِ المُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ فَاَدْنَاهُ كما فِي الحديثِ ونُبِّئَ يوشعُ بعدَ الاَرْبَعِيْنَ واُمِرَ بقتالِ الجَبَّارِيْنَ فَسَارَ بمن بَقِيَ معه وقَاتَلَهُمْ وكان يومَ الجُمعةِ ووَقَفَتْ له الشَّمْسُ سَاعَةً حتى فَرَغَ عن قِتالِهِمْ ورَوَى اَحْمَدُ فِيْ مُسْنَدِه حديثَ اَنَّ الشَّمْسَ لم تُحْبَسْ على بَشَرٍ اِلَّا لِيُوْشَعَ لَيَالِيَ سَارَ اِلى البَيْتِ المُقَدَّسِ.

ترجمہ: اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا تھا، اے میری قوم کے لوگو تم اللہ کی ان نعمتوں کا خیال کرو جو اس نے تمہیں عطا کیں اس نے تم میں سے نبی پیدا کئے اور تمہیں جاہ وحشمت والا بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا کہ جو دنیا میں کسی کو نہ دیا تھا یعنی مَنّ و سلویٰ، اور سمندر پھاڑ کر راستہ بنا دیا وغیرہ، اے میری قوم کے لوگو اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے (نام) لکھ دی ہے، یعنی اس میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے اور وہ (سرزمین) ملک شام ہے، اور الٹے پاؤں پیچھے نہ ہٹو، ورنہ دشمن کے خوف سے شکست خوردہ ہو جاؤ گے، اور اپنی کوشش میں نامراد ہو کر رہ جاؤ گے، انہوں نے جواب دیا اے موسیٰ وہاں تو قوم عاد کی نسل کے دراز قد طاقتور بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے تا آں کہ وہ لوگ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہاں اگر وہ وہاں سے نکل گئے تو ہم داخل ہونے کیلئے تیار ہیں، ان سے ان دو آدمیوں نے کہا جو اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرتے تھے اور وہ یوشع اور کالب تھے جو ان بارہ سرداروں میں سے تھے جن کو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے جبابرہ کے تفتیش حال کے لئے بھیجا تھا جن دونوں پر اللہ نے (افشاء) سے حفاظت کے ذریعہ انعام فرمایا چنانچہ ان دونوں حضرات نے اپنی معلومات کو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے علاوہ سے صیغۂ راز میں رکھا، برخلاف دیگر سرداروں کے کہ انہوں نے افشاء راز کر دیا جس کے نتیجے میں (بنواسرائیل) پست ہمت ہو گئے، تم ان کے پاس شہر کے دروازہ پر تو پہنچو اور ان سے ڈرو نہیں وہ تو بے دل مجسمے ہیں (یعنی بزدل لوگ ہیں) اور جب تم دروازے میں داخل ہو جاؤ گے تو یقیناً تم ہی غالب رہو گے، انہوں نے یہ بات اللہ کی مدد اور اس کے وعدہ کو پورا کرنے پر یقین کرتے ہوئے کہی، اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو، لیکن

انہوں نے (پھر یہی کہا) کہ اے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں موجود ہیں، پس تم اور تمہارا رب جاؤ اور ان سے لڑو ہم یہاں لڑائی سے محفوظ بیٹھے ہوئے ہیں تو اس وقت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار میں اپنی ذات اور بھائی کے علاوہ کسی کا مالک نہیں اور میں ان دونوں کے علاوہ کا مالک نہیں ہوں کہ ان کو اطاعت پر مجبور کرسکوں، تو ہمیں ان نافرمان لوگوں سے الگ کردے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے ارض مقدس میں چالیس سالوں تک داخلہ ممنوع ہے یہ زمین میں متحیر سرگرداں رہیں گے اور (اس کی وسعت) نو فرسخ ہے، یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، ان نافرمانوں کی حالت پر ہرگز ترس نہ کھائیں، روایت کیا گیا ہے کہ بنواسرائیل بڑی کوشش کے ساتھ راتوں کو چلتے تھے مگر جب صبح ہوتی تھی تو وہ اسی جگہ ہوتے تھے جہاں سے انہوں نے سفر کی ابتداء کی تھی، اور یہی حال ان کے دن میں چلنے کا تھا، حتی کہ ان کی پوری نسل ختم ہوگئی سوائے ان نوجوانوں کے کہ جن کی عمر ابھی بیس سال کی نہیں ہوئی تھی، کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد چھ لاکھ (٦٠٠٠٠٠) تھی، اور حضرت ہارون اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال مقام تیہ ہی میں ہوا، اور یہ مقام تیہ کا قیام ان دونوں کے لئے رحمت اور ان سب کے لئے عذاب تھا، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتقال کے وقت اپنے رب سے دعاء کی کہ ان کو ارض مقدس سے ایک پتھر پھینکنے کی مقدار قریب کردے چنانچہ ان کو قریب کردیا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، اور حضرت یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چالیس سال بعد نبی بنایا گیا، اور جبابرہ سے قتال کرنے کا حکم دیا چنانچہ (حضرت یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام) بقیہ لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر چلے اور ان سے قتال کیا، اور اس روز جمعہ کا دن تھا، سورج ان کے واسطے ایک ساعت کے لئے ٹھہر گیا تھا یہاں تک کہ قتال سے فراغت ہوگئی، اور روایت کیا احمد نے اپنی مسند میں کہ سورج سوائے حضرت یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی کے لئے نہیں ٹھہرایا گیا، ان راتوں میں کہ جن میں یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المقدس کی طرف سفر کیا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِولہ: ای مِنکُمْ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوال: فیکم، کی تفسیر منکم سے کیوں کی؟

جَواب: اسلئے کہ، کُمْ، میں حقیقۃً ظرف بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

قِولہ: مِنَ المَنِّ والسلوىٰ، اس میں اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل کو اہل عالم پر مطلقاً فضیلت حاصل نہیں تھی بلکہ مَنّ وسلوی کی وجہ سے جزوی فضیلت حاصل تھی۔

قِولہ: اَنعَمَ اللّٰہُ علیھما، اس میں احتمال ہے کہ جملہ دعائیہ ہو اس صورت میں جملہ معترضہ ہوگا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ جملہ خبریہ ہو تو اس صورت میں رجلان کی صفت ثانیہ ہوگا۔

قِولہ: اَلْبَاب کی تفسیر بابَ القریۃ سے کرکے اشارہ کردیا کہ الباب میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔

قَوْلُہٗ: وعَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوا اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ، واؤاستینا فیہ ہے اور کلام مستانف ہے فاء امر محذوف کے جواب پر داخل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے تَنَبَّھُوا فتوکّلوا علی اللّٰہ، علی اللّٰہ، توکّلوا کا متعلق مقدم ہے، اِن کنتم شرط ہے جواب شرط محذوف ہے جس پر ماقبل یعنی توکلوا دلالت کر رہا ہے۔ قَالَ رَبِّ اِنِّی لا املك اِلا نفسی وَاَخِی، یہ جملہ استینافیہ برائے اظہار حسرت والتاسف ہے، قال، قول ہے اور مابعد اس کا مقولہ ہے، لا اَمْلِكُ اِنَّ کی خبر ہے، اِلّا، حرف استثناء برائے حصر ہے نفسی مفعول بہ ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاَخِی، اس میں رفع، نصب اور جر تینوں کا احتمال ہے، اگر املك، کی ضمیر مستتر پر عطف ہو تو رفع ہوگا اور اگر اِنَّ کے اسم پر عطف ہوگا تو نصب ہوگا اور اگر یاء مجرور پر عطف ہو تو مجرور ہوگا۔

قَوْلُہٗ: یَتِیْھُوْنَ، تِیْہٌ، (ض) مضارع جمع مذکر غائب، سرگرداں پھرتے رہیں گے۔

قَوْلُہٗ: لا تَاْسَ، تو غم نہ کھا، (س) مصدر اَسیً، تاس مضارع واحد مذکر حاضر اصل تَاْسَیُ تھا لاء نہی کی وجہ سے یاء ساقط ہوئی۔

تفسیر وتشریح

اِذ قَالَ موسیٰ لِقَوْمِہٖ (الآیة) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس خطبہ کا زمانہ وہ ہے کہ جب قوم، بنی اسرائیل مصریوں کی غلامی سے آزاد ہو کر جزیرہ نمائے سینا میں آزادی کے ساتھ نقل وحرکت کر رہی تھی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے دینی پیغمبر بھی تھے اور دنیوی رہبر ولیڈر بھی، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو آمادہ کر رہے تھے کہ اپنے وطن فلسطین چلو، ظالم وغاصب قوم عمالقہ کو وہاں سے نکال باہر کرو اور خود اس پر حکمرانی کرو، تازہ ترین تاریخی تحقیق کے مطابق مصر سے خروج بنی اسرائیل کا زمانہ ۱۴۴۰ ق م کا ہے، اور فلسطین پر بنی اسرائیل کی فوج کشی کا زمانہ ۱۴۰۰ ق م ہے اس لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس تقریر کا زمانہ اسی میدانی مدت کا ہے اور عجب نہیں کہ آپ کا بالکل آخری زمانہ ہو جیسا کہ تورات کے صحیفہ استثناء باب اول سے اندازہ ہوتا ہے، اگر یہ بات صحیح ہے تو اسی صحیفہ استثناء میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ آپ نے یہ تقریر دریائے اردن کے پار موآب کے میدان میں مصر سے واقعۂ خروج کے چالیسویں سال کے گیارہویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو فرمائی تھی۔ (ماجدی)

بیشتر انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہی ہوئے ہیں یہ سلسلہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو گیا، اور آخری پیغمبر بنی اسماعیل سے محمد ﷺ ہوئے، اسی طرح متعدد بادشاہ بھی بنی اسرائیل میں ہوئے اور بعض نبیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے عظیم بادشاہت سے نوازا، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے والد حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملوکیت کا اطلاق اس زمانہ میں جاہ وحشمت کے مالک بلکہ ہر آزاد اور خود مختار اور صاحب حیثیت شخص پر بھی اس کا اطلاق ہوتا تھا۔

(ابن جریر ملخصاً)

ملوکیت بھی نبوت کی طرح اللہ کا انعام ہے:

مطلب یہ ہے کہ نبوت کی طرح ملوکیت بھی خدائی انعام ہے جسے علی الاطلاق برا سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے اگر ملوکیت علی الاطلاق بری چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو بادشاہ نہ بناتا، اور نہ اس کا ذکر انعام کے طور پر فرماتا جیسا کہ یہاں ملوکیت کو انعام کے طور پر ذکر فرمایا۔

آج کل مغربی طرز کی جمہوریت کا کابوس ذہنوں پر مسلط ہے اور شاطران مغرب نے اس کا افسون اس طرح پھونکا ہے کہ مغربی افکار کے اسیر اہل سیاست ہی نہیں بلکہ اصحاب جبہ و دستار بھی ان کے دام فریب میں پھنس گئے ہیں، بہرحال ملوکیت یا شخصی حکومت کا سربراہ و حکمراں عادل و متقی ہو تو جمہوریت سے ہزار درجے بہتر ہے۔

مذکورہ آیت میں ان انعامات کی طرف اشارہ ہے جن سے بنی اسرائیل نوازے گئے تھے جیسے مَنّ و سلویٰ کا نزول، مقام تیہ میں بادلوں کا سایہ فگن ہونا، فرعون سے نجات کے لئے دریا کو دولخت کر کے راستہ بنا دینا وغیرہ وغیرہ، اس لحاظ سے یہ قوم اپنے زمانہ میں فضیلت اور اعلیٰ مقام کی حامل تھی، لیکن نبی آخر الزمان ﷺ کی رسالت و بعثت کے بعد اب یہ مقام فضیلت امت محمدیہ کو حاصل ہو گیا، (کنتم خیر امۃ اخرجت للناس) لیکن یہ مقام خیریت "تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ" کی شرط کے ساتھ مشروط ہے، بنو اسرائیل کے مورث اعلیٰ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسکن و مادر وطن بیت المقدس تھا، لیکن حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امارت کے زمانہ میں یہ لوگ مصر جا کر آباد ہو گئے تھے اسی وقت سے مصر میں سکونت پذیر رہے، اس زمانہ میں بیت المقدس پر قوم عمالقہ کی حکمرانی تھی جو کہ ایک بہادر قوم تھی، جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحکم خداوندی اپنے آبائی وطن شام میں جا کر آباد ہونے کا ارادہ کیا تو ملک شام اور بیت المقدس پر قابض عمالقہ کو جہاد کے ذریعہ بے دخل کرنا ضروری تھا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو اس ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا، اور ساتھ ہی نصرت الٰہی کی بشارت بھی سنائی، لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل عمالقہ سے لڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ (ابن کثیر)

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشت فاران سے بارہ سرداروں کا ایک وفد فلسطین کی صورت حال معلوم کرنے کیلئے بھیجا، اور ان کو تاکید کر دی کہ ایسی کوئی رپورٹ برسر عام پیش نہ کریں جو بنی اسرائیل کیلئے ہمت شکنی کی باعث ہو، مذکورہ سرداروں کا وفد چالیس دن دورہ کر کے وہاں سے واپس آیا اور سوائے حضرت یوشع بن نون کے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھانجے تھے اور کالب بن یوحنا کے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد تھے، باقی لوگوں نے مجمع عام میں ہمت شکن رپورٹ پیش کر دی، اور کہہ دیا کہ وہاں اگرچہ دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں، لیکن وہاں کے باشندے بڑے شہ زور و قد آور ہیں ہماری طاقت نہیں کہ ان کا مقابلہ کر سکیں، یہ رپورٹ سنکر پورا مجمع چیخ اٹھا کہ کاش ہم مصر ہی میں مر جاتے یا بیابان ہی میں ہمارا خاتمہ ہو جاتا، اس سے بہتر ہے کہ ہم مصر واپس چلے جائیں، قوم کی یہ صورت حال دیکھ کر حضرت یوشع اور کالب کھڑے

ہوئے اور قوم کی اس بزدلی پر ملامت کی مگر وہ کسی صورت میں عمالقہ سے جہاد کے لئے تیار نہ ہوئے بلکہ اس کا جواب قوم نے یہ دیا کہ ان کو سنگسار کردو، غرضیکہ بنی اسرائیل نے بدترین بزدلی، بے ادبی، تمرد وسرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا، کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

اس کے برعکس جب غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو انہوں نے قلت تعداد اور قلت وسائل کے باوجود جہاد میں حصہ لینے کے لئے بھرپور عزم کا اظہار فرمایا اور یہ بھی کہا کہ یا رسول اللہ ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے کہ جس طرح موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے کہا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی)

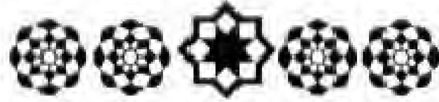

بحر ابیض متوسط

مصر

حجاز

بحر قلزم

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر جزیرہ نمائے سینا میں مارہ، ایلیم اور عیدیم کے راستے کوہ سینا کی طرف آئے اور ایک سال سے زائد مدت تک اس مقام پر ٹھہرے رہے، یہیں تورات کے بیشتر احکام آپ پر نازل ہوئے، پھر آپ کو حکم ہوا، کہ بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین کی طرف جاؤ اور ا فتح کرلو کہ وہ تمہاری میراث میں دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کو لئے ہوئے تبعیر اور حصیرات کے راستے دشت فاران میں تشریف لا اور یہاں سے آپ نے ایک وفد فلسطین کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے روانہ کیا، قادس کے مقام پر اس وفد نے آکر اپنی رپورٹ پیش کی، حضرت یوشع کالب کے سوا پورے وفد کی رپورٹ نہایت حوصلہ شکن تھی، جسے سن کر بنی اسرائیل چیخ اٹھے اور انہوں نے فلسطین کی مہم پر جانے سے انکار کردیا، تب اللہ تعالیٰ حکم دیا کہ اب یہ چالیس برس تک اس علاقے میں بھٹکتے رہیں گے اور ان کی موجودہ نسل، یوشع اور کالب کے سوا فلسطین کی شکل دیکھنے نہ پائے گی، اس کے بعد اسرائیل دشت فاران و بیابان شور اور دشت صین کے درمیان مارے مارے پھرتے رہے اور عمالقہ، اموریوں، ادومیوں ندیاتوں اور موآب کے لوگوں سے لڑ بھڑتے رہے، جب چالیس سال گزرنے کے قریب آئے تو ادوم کی سرحد کے قریب کوہ ہور پر حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفات پائی، پھر حضرت م علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کو لئے ہوئے موآب کے علاقے آئے میں داخل ہوئے، اور اس پورے علاقے کو فتح کرتے ہوئے حسبون اور شطیم تک پہنچ گئے، یہ کوہ عباریم پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہوا، اور ان کے بعد ان کے خلیفہ اول حضرت یوشع نے مشرق کی جانب سے دریائے اردن کو پار کرکے شہر (اریکا) کو فتح کیا، یہ فلسطین کا پہلا شہر تھا جو بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا پھر ایک مدت ہی میں پورا فلسطین فتح ہوگیا، اس نقشہ میں ایلہ (قدیم نام ایلات موجودہ نام عقبہ) وہ مقام ہے جہاں غالباً اصحاب السبت کا وہ مشہور واقعہ پیش آیا تھا جس کا ذکر سورۂ بقرہ رکوع ۸، اور سورۂ اعراف رکوع ۱۲ میں آیا ہے۔

وَاتْلُ یا محمدُ عَلَيْهِمْ علی قومِك نَبَاَ خبرَ ابْنَیْ اٰدَمَ ھابیل وقابیل بِالْحَقِّ متعلّق باتْلُ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا الی اللہ وھو کبشٌ لِهابیل وزرعٌ لقابیل فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وھو ھابیل بان نزلت نارٌ من السماء فاکلت قربانَهُ وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ وھو قابیل فغضب واضمر الحسد فی نفسه الی ان حجّ اٰدمُ علیه السلام قَالَ له لَاَقْتُلَنَّكَ قال لِمَ قال لِتَقَبُّلِ قربانك دونی قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْ لام قسم بَسَطْتَّ مددتَ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ فی قتلك اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓءَا ترجع بِاِثْمِيْ قتلی وَاِثْمِكَ الذی ارتکبتَهُ من قبلُ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ولا اُرید ان اَبُوْءَ باثمك اذا قتلتُك فاکون منهم قال تعالی وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ زَیَّنَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ فصار مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ بقتلِه ولم یَدْرِ ما یصنع به لانه اوّلُ مَیِّتٍ علی وجه الارض من بنی اٰدم فحمَلَهٗ علی ظهرِه فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ ینبُشُ التراب بمنقاره ویثیر علی غرابٍ اٰخر میّتٍ معه حتی واراهُ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ یستُرُ سَوْءَةَ جیفة اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ عن اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ علی حملِه وحفر له وواراهُ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ الذی فعله قابیل كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ ای الشان مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ قتلها اَوْ بغیر فَسَادٍ اتاهُ فِي الْاَرْضِ من کفرٍ او زنًا او قطع طریقٍ ونحوه فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا بان امتنع من قتلها فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا قال ابن عباس رضی اللہ تعالی عنه من حیث انتهاك حرمتها وصونها وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ ای بنی اسرائیل رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ المعجزات ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ مجاوزون الحدَّ بالکفر والقتل و غیر ذلك ونزل فی العُرَنِیِّیْنَ لمّا قدموا المدینة وھم مرضی فاذن لهم النبیُّ صلی اللہ علیه وسلم ان یخرجوا الی الابل ویشربوا من ابوالها والبانها فلمّا صحّوا قتلوا الراعیَ واستاقوا الابل اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ بمحاربة المسلمین وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا بقطع الطریق اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ ای ایدیهم الیمنی وارجلهم الیسری اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ او لترتیب الاحوال فالقتلُ لمن قتل فقط والصلبُ لمن قتل واخذ المال والقطعُ لمن اخذ المال ولم یقتل والنفیُ لمن اخاف فقط قاله ابن عباس وعلیه الشافعیُّ واصحُّ قولیه ان الصلب ثلاثًا بعد القتل وقیل قبله قلیلا ویُلحق بالنفی ما اشبهه فی التنکیل من الحبس وغیره ذٰلِكَ الجزاء المذکور لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ ھو عذاب النار اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا من المحاربین والقُطّاع مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لهم ما اتوه رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾ بهم عبّر بذلك دون فلا تحدّوهم لیفید انه لا یسقط عنه بتوبته الا حدود اللہ دون حقوق الآدمیین کذا ظهر لی

ولَم أرَ مَن تعرّض لهٗ واللّٰهُ أعلَمُ فإذا قتل وأخذ المال يُقتلُ ويُقطعُ ولا يُصلبُ وهو أصحُ قولي الشافعيِّ ولا تُفيدُ توبتُهٗ بعدَ القُدرةِ عليه شيئًا وهو أصحُ قوليهِ أيضًا.

ترجمہ: اے محمد ﷺ اپنی قوم کو آدم کے دونوں بیٹوں ھابیل اور قابیل کا قصہ بے کم وکاست سناد و بالحق اُتْلُ سے متعلق ہے، جب ان دونوں نے اللہ کے نام کی قربانی کی اور وہ (قربانی) ھابیل کا مینڈھا تھا اور قابیل کا غلہ، تو اللہ نے ان میں سے ایک یعنی ھابیل کی قربانی قبول کرلی اس طریقہ پر کہ آسمان سے ایک آگ نازل ہوئی اور ھابیل کی قربانی کو کھا گئی (جلا گئی) اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی اور وہ قابیل تھا، تو وہ غضبناک ہوا، اور حسد کو اپنے دل میں چھپائے رہا (اور موقع کی تلاش میں رہا) جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام حج کے لئے تشریف لے گئے تو اس نے کہا میں تجھے ضرور قتل کردوں گا (ھابیل نے) پوچھا کیوں؟ (جواب دیا) کہ تیری قربانی قبول ہوئی میری نہیں ہوئی، ھابیل نے کہا اللہ تو خدا پرستوں ہی کی قربانی قبول کرتا ہے اگر تو مجھے قتل کرنے کیلئے ہاتھ اٹھائیگا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا، لئِن میں لام قسمیہ ہے، میں تیرے قتل کے معاملہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور میں تو یوں چاہتا ہوں کہ تو میرے قتل کا گناہ اور اپنے گناہ جن کا تو پہلے سے ارتکاب کر چکا ہے، مثلاً (حسد اور نافرمانی والدین وغیرہ کا گناہ) اپنے سر لے اور دوزخیوں میں سے ہو جائے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ کو قتل کر کے تیرے قتل کا گناہ اپنے سر لوں جس کی وجہ سے میں دوزخیوں میں ہو جاؤں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ظالموں کے ظلم کی یہی سزا ہے، چنانچہ اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کردیا آخر کار اس کو قتل کر ہی ڈالا، تو وہ اس کے قتل کی وجہ سے زیاں کاروں میں شامل ہو گیا، اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس میت کے ساتھ کیا کرے؟ اس لئے کہ روئے زمین پر یہ بنی آدم کی پہلی میت تھی، چنانچہ اس کو اپنی پشت پر اٹھالیا، آخر اللہ نے ایک کوا بھیجا کہ جو اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کرید رہا تھا، اور اپنے ساتھی دوسرے کوے کی میت پر (مٹی) ڈال رہا تھا، یہاں تک کہ اس کو چھپا دیا، تاکہ وہ (قابیل) کو دکھائے کہ اپنے بھائی کی میت کو کس طرح چھپائے، یہ دیکھ کر وہ بولا افسوس مجھ پر میں اس کوے جیسا بھی نہ ہوا کہ اپنے بھائی کی میت کو چھپا سکتا تو وہ اپنے بھائی کی میت کو اپنی پشت پر اٹھائے پھرنے پر شرمندہ ہوا (دوسرا ترجمہ) تو وہ اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ ہونے پر پچھتایا، اور اس کے لئے گڑھا کھودا اور اس میں چھپا دیا، اور اسی حرکت کی وجہ سے جو قابیل نے کی بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا، کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا کفر کے ذریعہ یا زنا یا رہزنی وغیرہ کے ذریعہ فساد برپا کرنے والا ہو، قتل کردیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس طریقہ پر کہ اس کے قتل سے باز رہا تو اس نے گویا تمام انسانوں کی جان بچائی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ حکم نفس کی بے حرمتی اور اس کی حفاظت کے اعتبار سے ہے، اور ان کے یعنی بنی اسرائیل کے پاس ہمارے رسول معجزات لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں کے اکثر لوگ زمین میں ظلم و زیادتی کرنے والے رہے یعنی کفر اور قتل وغیرہ کے ذریعہ حد سے تجاوز کرنے والے رہے، آئندہ آیت قبیلہ عُرَیْنہ والوں کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ وہ مدینہ آئے اور وہ

ریض تھے، تو آپ ﷺ نے ان کو اس بات کی اجازت دیدی کہ وہ اونٹوں کی طرف جائیں اور ان کا پیشاب اور دودھ پئیں، چنانچہ جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہنکا لے گئے، ان لوگوں کی سزا جو مسلمانوں سے محاربہ کر کے اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کریں اور رہزنی کے ذریعہ ملک میں فساد برپا کرنے کی کوشش کریں، یہی ہے کہ ان کو قتل کیا جائے اور سولی دی جائے اور ان کے ہاتھ پیر جانب مخالف سے کاٹ دیئے جائیں یعنی ان کے دائیں ہاتھ اور بائیں پیر کاٹے جائیں) یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے، اَوْ ترتیب احوال کے لئے ہے قتل اس کے لئے ہے جس نے فقط قتل کیا ہو اور سولی اس کے لئے ہے جس نے قتل کیا ہو اور مال لیا ہو اور قطع اس کے لئے ہے جس نے مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو، اور جلاوطنی اس کے لئے ہے جس نے صرف خوف زدہ کیا ہو، یہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا اور یہی امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا مذہب ہے اور امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے دو قولوں میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ قتل کے بعد تین دن تک سولی پر آویزاں رکھنا چاہئے اور کہا گیا ہے کہ قتل سے قبل تھوڑی دیر کے لئے سولی پر آویزاں رکھنا چاہئے، اور جلاوطنی کے ساتھ اس کو بھی شامل کر لیا جائیگا جو سزا میں جلاوطنی کے مانند ہو، وہ سزا حبس وغیرہ ہے، یہ مذکورہ سزا ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں ان کے لئے عظیم عذاب ہے اور وہ آگ کا عذاب ہے، مگر محاربین اور راہزنوں میں سے وہ لوگ جنہوں نے تمہارے انھیں گرفتار کرنے سے پہلے توبہ کر لی، تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں اس گناہ کو جس کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے اور ان پر رحم کرنے والے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہ غفور رحیم، سے تعبیر فرمایا نہ کہ فلا تحدّو ھم سے، تاکہ کلام اس بات کا فائدہ دے کہ توبہ سے صرف حدود اللہ معاف ہوتی ہیں نہ کہ حقوق العباد، میری سمجھ میں ایسا ہی آیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ کسی اور نے اس (نکتہ) سے تعرض کیا ہو، اور اللہ بہتر جاننے والا ہے، چنانچہ جب قتل کیا اور مال لیا تو قتل کیا جائیگا اور (ہاتھ) بھی کاٹا جائیگا، اور سولی نہیں دیا جائیگا، اور یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے دو قولوں میں سے صحیح تر قول ہے اور گرفتاری کے بعد ڈاکو کو اس کی توبہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اور یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے دو قولوں میں سے صحیح تر قول ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اُتْلُ، تو پڑھ، تو تلاوت کر، تِلاوۃ، سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔

قولہ: تَبُوْءَ. بَوْءٌ (ن) مضارع واحد مذکر غائب، تو حاصل کرے، تو سمیٹے، تو کمائے، تو لوٹے۔

قولہ: طَوَّعت تَطْوِیْع، (تفعیل) سے ماضی واحد مؤنث غائب، اس نے رغبت دلائی، اس نے راضی کیا، اس نے آمادہ کیا، اس نے آسان کر دیا، (وسّعَتْ وزیّنَتْ مِنْ طاعَ المرعی لہ، اِذَا اتّسَعَ). (اعراب القرآن للدرویش)

قولہ: سَوْءَۃ، لاش، عیب، ستر۔

قولہ: علی حملہ، ای حمل الجسدِ علی ظھرہٖ، یعنی اپنے بھائی ھابیل کو اپنی پشت پر اٹھائے پھرنے اور دفن کا

طریقہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نادم ہوا، علی حملہ کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حملہ کی ضمیر کا مرجع قتل کو قرار دیا جائے اور ترجمہ یہ ہو کہ قابیل اپنے نفس کے ھابیل کو قتل پر آمادہ کرنے پر نادم ہوا۔

قولہ: من حیث اِنتِھَاکِ حُرمَتِھا، اس کا تعلق کانمّا قتَلَ الناسَ جمیعا، سے ہے، یعنی جس نے ایک نفس کو قتل کر کے اس کی بے حرمتی کی تو گویا اس نے تمام نفوس کی بے حرمتی کی۔

قولہ: وصونِھَا، اس کا تعلق، فکانّما احیا الناس جمیعا، سے ہے یعنی جس نے ایک شخص کی جان بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی، مِنْ حیثُ اِنتھاکِ حُرمَتِھَا وصَوْنِھَا، یہ جملہ لف ونشر مرتب کے طور پر ہے۔

قولہ: عُرَنِیِّیْنَ، یہ عُرَنِیٌّ کی جمع ہے یہ عرب کے ایک قبیلہ عُرینۃ، کی طرف منسوب ہے عُرنیین میں یاء نسبی ہے، جیسا کہ جُھَنِیٌّ قبیلہ جہینہ کی طرف منسوب ہے (جمل) عبدالرزاق نے حضرت ابوہریرہ اور ابن جریر نے انس کی روایت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بحرین کے باشندے قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مراد ہیں۔ (احسن التفاسیر)

قولہ: اَوْ لِتَرْتِیْبِ الاَحْوَالِ، یعنی اَوْ قرآن میں جہاں کہیں آیا ہے وہ تخییر کیلئے ہے سوائے یہاں کے یہاں ترتیب کے لئے ہے۔

تفسیر وتشریح

وَاتلُ، اس کا عطف سابق میں اُذکر مقدر پر ہے، ای اُذکر اِذقال موسی لقومِہٖ وَاتل عَلَیْھِم نَبأ ابنَیْ آدمَ، دونوں میں ربط ظاہر ہے معطوف علیہ میں جُبن عن القتل جہاد سے جی چرانے کا ذکر ہے اور معطوف میں جرأۃ علی القتل قتل ناحق کا ذکر ہے، یہ دونوں باتیں ہی معصیت ہیں۔

نَبَأَ ابنَیْ آدمَ سے قابیل وھابیل حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے صلبی بیٹے مراد ہیں، قابیل بڑے تھے ان کا ذریعہ معاش کاشتکاری تھا اور ھابیل چھوٹے تھے ان کا ذریعہ معاش گلہ بانی تھا۔

حسن نے کہا ہے کہ مذکورہ دونوں شخص بنی اسرائیل کے فرد تھے مگر صحیح اول ہے اسلئے کہ اسی آیت کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ قاتل کو دفن کا طریقہ معلوم نہیں تھا، ایک کوّے سے رہنمائی حاصل کر کے دفن کیا، اگر بنی اسرائیل کا واقعہ ہوتا تو دفن کا طریقہ معلوم ہونا چاہئے تھا اسلئے کہ ہزارہا انسان اس سے پہلے انتقال کر چکے ہوں گے۔ (روح المعانی ملخصاً واضافۃ)

قابیل وھابیل کا واقعہ:

قرآن کریم میں دونوں کے نذر ماننے اور ایک کی نذر قبول ہونے کا ذکر ہے مگر یہ نذر کس لئے مانی گئی تھی اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔

تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جو روایتیں ہیں ان کے مطابق واقعہ کا

حاصل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھائی بہن کا نکاح ضرورۃً جائز تھا، اسلئے کہ بہن بھائیوں کے علاوہ اس وقت کوئی دوسری نسل موجود نہیں تھی، البتہ اس قدر احتیاط کی جاتی تھی کہ ایک بطن کے بھائی بہن کا نکاح نہیں ہوتا تھا، کہا گیا ہے کہ قابیل کی بہن خوبصورت تھی اور ھابیل کی بہن بدصورت، ھابیل کا نکاح قابیل کی بہن سے اور قابیل کا نکاح ھابیل کی بہن سے ہونا تھا مگر قابیل اس پر راضی نہ ہوا اور اپنی ہی بہن سے نکاح پر مصر رہا، تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں بھائی اللہ کی راہ میں نذر پیش کریں جس کی نذر قبول ہو جائے وہ خوبصورت لڑکی سے نکاح کرے، کہا گیا ہے کہ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نام اقلیما تھا اور ھابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نام لیوذا تھا۔

قابیل اپنے ساتھ پیدا ہونیوالی لڑکی اقلیما سے نکاح کرنے پر مصر رہا تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں کو نذر ماننے کا حکم دیا، قابیل چونکہ زراعت کا پیشہ کرتے تھے وہ گندم کی بالوں کا مٹھا نذر کیلئے لائے اور ھابیل چونکہ گلہ بانی کا پیشہ کرتے تھے تو وہ ایک عمدہ قسم کا دنبہ لائے، اس زمانہ میں نذر قبول کئے جانے کی یہ علامت تھی کہ جس کی نذر قبول ہوتی تھی آسمانی آگ آکر اسے جلا دیتی تھی چنانچہ ھابیل کی قربانی بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوئی جس کی وجہ سے قابیل کو ھابیل پر حسد ہوا جس کی وجہ سے قابیل نے ھابیل کو قتل کرنے کی ٹھان لی اور ایک روز جبکہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام حج کے لئے تشریف لے گئے تھے ان کی عدم موجودگی میں قابیل نے ھابیل کو قتل کر دیا، بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ قابیل نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا لہٰذا قیامت تک ناحق ہونے والے قتل کا گناہ قابیل کے اعمال نامے میں بھی لکھا جائیگا، اس وقت تک مُردوں کو دفن کرنے کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا، اسلئے اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کی معرفت دفن کا طریقہ سکھایا، قابیل کوے سے دفن کا طریقہ دیکھ کر بہت نادم ہوا کہ میرے اندر ایک جانور کے برابر بھی سمجھ نہیں، ھابیل چونکہ نبی کے حکم پر تھا اسلئے خود کو اس نے خداترس بتایا، بِاِثْمِی وَاِثْمِكَ، کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ذاتی گناہوں کے علاوہ میرے خون ناحق کا وبال بھی تیرے ذمہ ہوگا، اور بعض حضرات نے، بِاِثْمِی، کا مطلب یہ لیا ہے کہ قتل کا وہ گناہ جو مجھے اس وقت ہوتا جب میں تجھے قتل کرتا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا قاتل کا جہنم جانا تو سمجھ میں آتا ہے مقتول جہنم میں کیوں جائیگا، آپ نے فرمایا کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا حریص تھا۔ (بخاری و مسلم)

اس موقع پر اس واقعہ کو ذکر کرنے کا مقصد:

یہاں اس واقعۂ قابیل و ھابیل کو ذکر کرنے کا مقصد یہود کو ان کی سازش اور حسد پر لطیف طریقہ سے ملامت کرنا ہے، عبداللہ بن مسعود نے روایت کیا ہے کہ یہودیوں میں سے ایک گروہ نے نبی ﷺ اور آپ کے خاص صحابہ کو کھانے کی دعوت پر بلایا تھا اور خفیہ طور پر یہ سازش کی تھی کہ اچانک ان پر ٹوٹ پڑیں گے، اس طرح اسلام کی جان نکال دیں گے، لیکن اللہ کے فضل و کرم سے عین وقت پر آپ ﷺ کو ان کی سازش کا علم ہو گیا اور دعوت پر تشریف نہ لے گئے، اور یہ سازش

محض حسد کی بناء پر تھی یہ آخری نبی بنو اسرائیل میں آنے کے بجائے بنو اسماعیل میں کیوں آ گیا؟ حالانکہ وہ آپ کا نبی ہونا یقین اور وثوق کے ساتھ پہچانتے تھے۔ (یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم).

شان نزول:

اِنّما جزاءُ الذین یُحاربون اللہ ورسولہ، (الآیۃ) اس آیت کے شان نزول میں کہ عکل اور عرینہ کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ آئے، انھیں مدینہ کی آب وہوا موافق نہ آئی تو انھیں نبی ﷺ نے مدینہ سے باہر جہاں صدقے کے اونٹ رہتے تھے بھیج دیا اور فرمایا تم اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو اللہ تمہیں شفاء عطا فرمائیگا، چنانچہ چند روز میں وہ لوگ تندرست ہو گئے مگر انہوں نے یہ حرکت کی آنحضرت ﷺ کا آزاد کردہ یسار نامی ایک غلام تھا جو نماز بہت اطمینان سے دل لگا کر پڑھا کرتا تھا اسی وجہ سے آپ ﷺ نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔

صدقات کے جانور جن میں بیت المال کی اونٹنیاں بھی شامل تھیں اور آپ کی اونٹنی بھی تھی، یسار ان کی نگرانی پر مامور تھے، عرینہ کے قبیلہ کے لوگ کچھ روز تو مدینہ میں رہے مگر چند روز میں ان کے پیٹ بڑھ گئے اور رنگ زرد ہو گئے، ان لوگوں نے آپ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان کو یسار کے ساتھ جنگل جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا کرو چنانچہ جب یہ صحت یاب ہو گئے تو یسار کی اول تو آنکھیں پھوڑ ڈالیں اور بعد میں ان کو قتل بھی کر دیا اور اونٹوں کو لیکر اپنے وطن روانہ ہو گئے اور مرتد ہو گئے، مدینہ میں جب یہ خبر پہنچی تو آنحضرت ﷺ نے جریر بن عبداللہ کو سردار بنا کر کچھ لوگوں کو ان کے پکڑنے کے لئے بھیجا آخر کار یہ لوگ پکڑے گئے، ان کی آنکھوں کو العین بالعین کے قاعدے سے پھوڑ کر قتل کرا دیا گیا اور یہ قصاص کے طور پر کیا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ خافوا عقابه بان تطيعوه **وَابْتَغُوْٓا** اطلبوا **اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ** ما يقربكم اليه من طاعته **وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ** لاعلاء دينه **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ﴿۳۵﴾ تفوزون **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ** ثبت **اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۳۶﴾ **يُرِيْدُوْنَ** يتمنون **اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ** ﴿۳۷﴾ دائم **وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ** ال فيهما موصولة مبتداء ولشبهه بالشرط دخلت الفاء في خبره وهو **فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا** اى يمين كل منهما من الكوع وبينت السنة ان الذى يقطع فيه ربع دينار فصاعدًا وانه ان عاد قطعت رجله اليسرى من مفصل القدم ثم اليد اليسرى ثم الرجل اليمنى وبعد ذلك يعزر **جَزَآءً** نصب على المصدر **بِمَا كَسَبَا نَكَالًا** عقوبة لهما **مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ** غالب على امره **حَكِيْمٌ** ﴿۳۸﴾ في خلقه **فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ** رجع عن السرقة **وَاَصْلَحَ** عمله **فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۳۹﴾ في التعبير بهذا ما تقدم فلا يسقط

بتوبته حق الادمی من القطع ورد المال نعم بینت السنۃ انه ان عفی عنه قبل الرفع الی الامام سقط وعلیه الشافعی **اَلَمْ تَعْلَمْ** الاستفهام فیه للتقریر **اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ** تعذیبه **وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ** المغفرة له **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ومنه التعذیب والمغفرة **يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ** صنع **الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ** یقعون فیه بسرعة ای یظهرونه اذا وجدوا فرصة **مِنَ** للبیان **الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ** بالسنتهم متعلق بقالوا **وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ** وهم المنافقون **وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا** قوم **سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ** الذی افترتهم احبارهم سماع قبول **سَمّٰعُوْنَ** منك **لِقَوْمٍ** لاجل قوم **اٰخَرِيْنَ** من الیهود **لَمْ يَاْتُوْكَ** وهم اهل خیبر زنی فیهم محصنان فکرهوا رجمهما فبعثوا قریظة لیسألوا النبی صلی الله علیه وسلم عن حکمهما **يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ** الذی فی التوراة کایة الرجم **مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ** التی وضعه الله علیها ای یبدلونه **يَقُوْلُوْنَ** لمن ارسلوهم **اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا** الحکم المحرف ای الجلد ای افتاکم به محمد **فَخُذُوْهُ** فاقبلوه **وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ** بل افتاکم بخلافه **فَاحْذَرُوْا** ان تقبلوه **وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ** اضلاله **فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا** فی دفعها **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ** من الکفر ولو اراده لکان **لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ** ذل بالفضیحة والجزیة **وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** هم **سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ** بضم الحاء وسکونها ای الحرام کالرشی **فَاِنْ جَآءُوْكَ** لتحکم بینهم **فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ** هذا التخییر منسوخ بقوله وان احکم بینهم (الایة) فیجب الحکم بینهم اذا ترافعوا الینا وهوا صح قولی الشافعی ولو ترافعوا الینا مع مسلم وجب اجماعا **وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا وَاِنْ حَكَمْتَ** بینهم **فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ** بالعدل **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ** العادلین فی الحکم ای یثیبهم **وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ** بالرجم استفهام تعجب ای لم یقصدوا بذلك معرفة الحق بل ما هو اهون علیهم **ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ** یعرضون عن حکمك بالرجم الموافق لکتابهم **مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ** التحکیم **وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ**

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے یعنی اس کے عذاب سے ڈرو بایں طور کہ اس کی اطاعت کرو، اور اس کی اطاعت کے ذریعہ اس کا قرب تلاش کرو جو تم کو اس کا مقرب بنادے اور اس کی راہ میں اس کے دین کو سر بلند کرنے کیلئے جدو جہد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ، خوب سمجھ لو ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی اگر ان کے قبضہ میں زمین کی ساری دولت ہو اور اتنی ہی اور۔ اس سب کو قیامت کے دن کے عذاب کے عوض میں دینا چاہیں تو بھی ان سے قبول نہ ہوگی اور انھیں دردناک سزا مل کر رہے گی، وہ چاہیں گے کہ آگ سے نکل بھاگیں مگر نہ نکل سکیں گے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا، اور چور خواہ مرد ہو یا عورت الف لام (السارق اور السارقة) دونوں میں موصولہ مبتدا بمشابہ بالشرط ہے اور اسی وجہ سے اس کی خبر پر فاء داخل ہے

اوروہ فاقطعوا ایدیھما ہے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یعنی ہر ایک کے داہنے ہاتھ کو گٹے سے کاٹ دو، اور سنت نے بیان کیا ہے کہ وہ مقدار کہ جس کے عوض (ہاتھ) کاٹا جائیگا چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ ہے اور اگر وہ دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پیر ٹخنے سے کاٹا جائیگا، پھر بایاں ہاتھ پھر دایاں پیر، اور اس کے بعد تعزیری سزا دی جائے گی، یہ ان کے کرتوتوں کا بدلہ ہے، اور اللہ کی جانب سے ان کے لیے بطور سزا کے ہے، اور اللہ اپنے حکم میں غالب اپنی مخلوق کے بارے میں باحکمت ہے جزاءً مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے پھر جس نے گناہ کے بعد توبہ کر لی یعنی سرقہ سے باز آ گیا، اور اپنے عمل کی اصلاح کر لی تو اللہ اس کی توبہ کو قبول کرے گا اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے، (فلا تحدوھم) کے بجائے اِنَّ اللّٰہ غفور رحیم، سے تعبیر کرنے کا وہی مطلب ہے جو ماسبق میں بیان ہوا، لہٰذا (سارق کے) توبہ کر لینے سے نہ تو حق العباد میں سے قطع ید ساقط ہوگا اور نہ (مسروقہ) مال کی واپسی کا حق، البتہ سنت سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اگر مسروق منہ نے قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہونے سے پہلے معاف کر دیا، تو قطع ساقط ہو جائیگا اور یہی امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا مذہب ہے، کیا تم نہیں جانتے؟ استفہام تقریر کے لئے ہے، کہ اللہ زمین و آسمان کی سلطنت کا مالک ہے، جس کو عذاب دینا چاہے عذاب دے گا اور جس کو معاف کرنا چاہے گا معاف کرے گا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور ان میں تعذیب اور مغفرت بھی داخل ہیں، اے رسول آپ کے لئے ان لوگوں کا طرز عمل باعث رنج نہ ہو کہ جو لوگ کفر کے بارے میں بڑی تیز گامی دکھاتے ہیں یعنی بڑی تیزی سے اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جب بھی موقع پاتے ہیں کفر کا اظہار کرتے ہیں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں مِن بیانیہ ہے، جنہوں نے اپنی زبان سے کہا ہم ایمان لائے ہیں (بافواھھم) قالوا سے متعلق ہے، حالانکہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے اور منافق ہیں، یا ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا ہے، اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو قبولیت کے کان سے جھوٹی بات سننے کے عادی ہیں جن کو ان کے حبار نے گھڑ لیا ہے، اور یہود میں سے ان لوگوں کے لئے آپ کی جاسوسی کرتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آتے اور وہ اہل خیبر ہیں، ان میں دو شادی شدہ لوگوں نے زنا کیا تھا مگر ان لوگوں نے ان کے رجم کئے جانے کو ناپسند کیا، چنانچہ ان لوگوں نے بنی قریظہ کو آپ کی خدمت میں ان کا حکم معلوم کرنے کے لئے بھیجا، اور تورات میں مذکور حکم میں ردوبدل کرتے ہیں مثلاً آیت رجم میں، اس کا صحیح مفہوم متعین ہونے کے بعد، وہ مفہوم کہ جس کو اللہ نے متعین فرمایا ہے یعنی اس میں تبدیلی کر دیتے ہیں، اور جن لوگوں کو بھیجا ان سے کہتے ہیں کہ اگر اس محرف حکم یعنی کوڑے مارنے کا محمد فتوی دیں تو قبول کر لینا اور اگر (محرف کے مطابق) فتوی نہ دیں بلکہ اس کے خلاف فتوی دیں تو اس کو قبول کرنے سے اجتناب کرنا، اور اللہ جسے فتنے گمراہی میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو تم اس کو اللہ کی گرفت سے بچانے یعنی اسکے دفاع کے لئے کچھ نہیں کر سکتے، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے قلوب کو کفر سے اللہ کا پاک کرنے کا ارادہ نہیں ہے اور اگر اللہ تعالیٰ (پاک کرنے کا) ارادہ کرتے تو ضرور پاک ہو جاتے ان کے لئے دنیا میں رسوائی کے جزیہ کے ساتھ بڑی ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے، اور یہ لوگ کان لگا کر جھوٹ کے سننے والے اور حرام مال کے کھانے والے ہیں

مثلاً رشوت کے ذریعہ، اگر یہ لوگ آپ سے اپنا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کے پاس آئیں، (اگر چاہو) تو ان کے درمیان فیصلہ کردو یا انکار کردو، یہ اختیار اللہ تعالیٰ کے قول "و ان احکم بینھم" کے ذریعہ منسوخ ہے، لہٰذا اگر وہ فیصلہ ہمارے پاس لائیں تو اس کا فیصلہ کرنا واجب ہے امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے اقوال میں سے یہ صحیح تر ہے، اور اگر کسی مسلمان کے ساتھ ہمارے پاس مقدمہ لائیں تو بالاتفاق فیصلہ کرنا واجب ہے، اور اگر تم انکار کردو تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ صحیح صحیح فیصلہ کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ فیصلہ میں انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں یعنی ان کو اجر عطا فرمائیں گے، اور یہ لوگ آپ کو کیسے حَکَم بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے اس میں رجم کا خدائی حکم موجود ہے استفہام تعجب کے لئے ہے یعنی اس سے ان کا مقصد معرفتِ حق نہیں ہے بلکہ ان کیلئے آسانی تلاش کرنا ہے، پھر یہ لوگ آپ کے رجم کے فیصلے کے بعد جو ان کی کتاب کے مطابق ہے اعراض کرتے ہیں، در حقیقت یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ثَبَتَ.

سَوَال: لَوْ ثَبَتَ اَنَّ لَھُمْ میں ثَبَتَ مقدر ماننے کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: لَوْ حرفِ شرط چونکہ فعل پر ہی داخل ہوتا ہے اگر ثَبَتَ فعل مقدر نہ مانا جائے تو، لَوْ کا حرف پر داخل ہونا لازم آئیگا۔

قَوْلُہٗ: اَلْ، الف لام موصولہ ہیں معنی میں اَلَّذِیْ سَرَقَ وَالَّتِیْ سَرَقَتْ کے ہے اسم موصول مبتداء متضمن بمعنی شرط ہے اسلئے اس کی خبر فاقطعوا پر متضمن بمعنی جزاء ہونے کی وجہ سے فاء داخل ہے۔

قَوْلُہٗ: نَصْبٌ عَلَی الْمَصْدَرِیَّۃِ، یعنی جزاءً مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، ای یُجْزَوْنَ جزاءً.

قَوْلُہٗ: فی التَعْبِیْرِ بھذا یعنی فَمَنْ تاب من بعد ظلمہ کے جواب میں فَلَا تحدّو انہیں فرمایا بلکہ فاِن اللّٰہ یتوب علیہ فرمایا، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کی وجہ سے حقوق العباد کو معاف نہ فرمائیں گے، یعنی آخرت کی سزا تو معاف فرما سکتے ہیں جو کہ حقوق اللہ ہے مگر دنیا کی سزا جو کہ قطع ید اور مسروقہ مال کی واپسی ہے معاف نہ فرمائیں گے، اور اِن اللّٰہ غفورٌ رحیم کی تعبیر میں بھی یہی مقصد ہے۔

قَوْلُہٗ: لا یَحْزُنْكَ صُنع، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حزن وملال کا تعلق ذات سے نہیں بلکہ فعل سے ہوتا ہے اسی مقصد کے لئے مفسرِ علام نے صنع کا اضافہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: سَمّٰعُوْنَ، یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای ھم سمّٰعون.

قَوْلُهٗ: مِن بعد مَوَاضِعِهٖ، ای من بعد تحقق مواضِعِهٖ الّتی وضع اللّٰہ، یعنی کلمہ کا مفہوم منجانب اللہ متعین ہونے کے باوجود کلمہ کو اس کے حقیقی مفہوم سے ہٹا دیتے تھے۔

قَوْلُهٗ: اَلسُّحْت، حرام یہ سَحْتَهٗ، سے ماخوذ ہے اس وقت بولتے ہیں جب کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے حرام مال چونکہ مسحوت البرکت ہوتا ہے اسی لئے اس کو سُحت کہا جاتا ہے، اکّالون للسحت، وہ بڑے حرام خور ہیں۔

تَفسِیر وَتَشریح

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمنوا اتقوا اللّٰہ وابتغوا اِلَیْهِ الوسیلة، وسیله، وَسْلٌ مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی ملنے اور جڑنے کے ہیں، سین اور صاد دونوں سے تقریباً ایک ہی معنی میں آتا ہے فرق اتنا ہے کہ صاد سے مطلقاً ملنے اور جڑنے کے معنی میں ہے اور سین سے رغبت و محبت کے ساتھ ملنے اور جڑنے کے معنی میں۔ وسیلہ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی مقصود کے حصول یا اس کے قرب کا ذریعہ ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرو، کا مطلب ہوگا ایسے اعمال اختیار کرو جن سے تمہیں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو جائے، علامہ شوکانی فرماتے ہیں "انّ الوَسِیْلَةَ التی هِیَ القربة تصدق علی التقویٰ وعلی غیرها من خصال الخیر التی یتقرب العباد بها الی ربّهم" یہاں وسیلہ کے وہ معنی مراد نہیں ہیں جو عام لوگ مراد لیتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہے، البتہ حدیث میں اس مقام محمود کو بھی وسیلہ کہا گیا ہے جو جنت میں نبی کریم ﷺ کو عطا فرمایا جائیگا، اسی لئے آپ نے فرمایا جو اذان کے بعد میرے لئے وسیلہ کی دعاء کریگا وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان)

دعاء وسیلہ:

دعاء وسیلہ جو اذان کے بعد پڑھی جاتی ہے یہ ہے، اللّٰهمّ ربّ هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة، اٰتِ محمدًا نِ الوسیلة والفضیلة وابعثه مقامًا محمودًا نِ الذی وَعَدْتَهٗ.

اِنَّ الذین کفروا لو انّ لهم مافی الارض جمیعا (الآیة) حدیث میں آتا ہے کہ ایک جہنمی کو جہنم سے نکال کر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش کیا جائیگا اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیگا، تو نے اپنی آرام گاہ کیسی پائی؟ وہ کہے گا بدترین آرام گاہ ہے اللہ تعالیٰ فرمائیگا کیا تو زمین بھر فدیہ دے کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا پسند کرے گا؟ وہ اثبات میں جواب دیگا، اللہ تعالیٰ فرمائیگا میں نے تو دنیا میں اس سے بھی بہت کم کا تجھ سے مطالبہ کیا تھا، تو نے وہاں اس کی پرواہ نہیں کی، اور اسے دوبارہ جہنم میں ڈالدیا جائیگا۔ (صحیح مسلم صفة القیامه بخاری شریف کتاب الرقاق والانبیاء)

والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما. (الآية)

سرقہ کے لغوی معنی اور شرعی تعریف:

قاموس میں ہے کہ کوئی شخص کسی کے محفوظ مال کو بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے، اس کو سرقہ کہتے ہیں، یہی سرقہ کی شرعی تعریف ہے، اس تعریف کی رو سے سرقہ ثابت ہونے کے لئے چند چیزیں ضروری ہیں۔

اول یہ کہ وہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، چوری کرنے والے کی نہ اس میں ملکیت ہو اور نہ ملکیت کا شبہ، اور نہ ایسی چیز کہ جس میں عوام کے حقوق مساوی ہوں جیسے استفادۂ عام کی اشیاء اور ادارے، ان میں چوری کی سزا جاری نہ ہوگی البتہ حاکم اپنی صوابدید کے مطابق تعزیری سزا دے سکتا ہے۔

دوسری شرط مال کا محفوظ ہونا ہے مال غیر محفوظ کو اگر کوئی شخص اٹھالے تو اس پر بھی حدِ سرقہ جاری نہ ہوگی، البتہ عند اللہ گنہگار ہوگا، اور اس پر تعزیری سزا بھی جاری کی جاسکتی ہے۔

تیسری شرط بلا اجازت لینا ہے، جس مال کے لینے یا استعمال کرنے کی اجازت ہو اور وہ اس کو اٹھا کر لیجائے تب بھی حد سرقہ جاری نہ ہوگی، امت کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلی چوری پر سیدھا ہاتھ کاٹا جائیگا، سرقہ کا اطلاق خیانت پر نہ ہوگا، نبی ﷺ نے فرمایا، "لا قطع علیٰ خائن"۔

مقدار مال مسروقہ جس پر ہاتھ کاٹا جائیگا:

آپ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ایک ڈھال کی قیمت سے کم کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے، ایک ڈھال کی قیمت نبی ﷺ کے زمانہ میں بروایت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْھُمَا دس درہم اور بروایت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْھُمَا تین درہم اور بروایت انس بن مالک پانچ اور بروایت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْھَا ربع دینار ہوتی تھی، قیمت کا مذکورہ اختلاف ڈھال کی نوعیت کے اعتبار سے ہوسکتا ہے، اسی اختلاف کی وجہ سے فقہاء کے درمیان کم سے کم نصاب سرقہ میں اختلاف ہوا ہے، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے نزدیک سرقہ کا نصاب دس درہم ہے، اور امام مالک وشافعی رَحِمَہُمَا اللہُ تَعَالیٰ واحمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے نزدیک چوتھائی دینار ہے جو اس زمانہ کے درہم میں تین ماشہ (۱۫۵۱) رتی چاندی ہوتی تھی، اور ایک چوتھائی دینار تین درہم کے مساوی ہوتا تھا۔

مفسر علام نے چوری کی جو سزا بیان فرمائی ہے وہ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے نزدیک ہے احناف کے نزدیک پہلی مرتبہ چوری میں دایاں ہاتھ اور دوسری مرتبہ چوری میں بایاں پیر کاٹا جائیگا، اس کے بعد بھی اگر اس نے چوری کی تو حاکم اپنی صوابدید کے مطابق تعزیری سزا دے گا۔

بہت سی اشیاء کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا:

آپ ﷺ کی ہدایت ہے کہ '' لا قطع فی ثمرة و لا کثر '' پھل اور ترکاری کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے، لا قطع فی طعام، کھانے کی چیزوں میں قطع ید نہیں ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں،'' لم یکن قطع السارق علی عهد رسول الله ﷺ فی الشئ التافه '' یعنی معمولی چیزوں کی چوری میں نبی ﷺ کے زمانہ میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا، لا قطع فی الطیر '' پرندے کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے، نیز حضرت عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان چوریوں پر سرے سے کوئی سزا ہی نہ دی جائے، مطلب یہ ہے کہ ان چوریوں میں ہاتھ نہ کاٹا جائے حاکم جو مناسب سمجھے تعزیری سزا جاری کر سکتا ہے۔

اسلامی سزاؤں کے متعلق اہل یورپ کا واویلاہ:

اسلامی سزاؤں کے متعلق اہل یورپ اور ان کی تہذیب سے متاثر لوگوں کا یہ عام اعتراض ہے کہ یہ سزائیں سخت ہیں، اس کے متعلق یہ بات پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ قرآن کریم نے صرف پانچ جرموں کی سزائیں خود مقرر کیں ہیں، جن کو شرعی اصطلاح میں حد کہا جاتا ہے، ① ڈاکہ کی سزا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹنا ② چوری کی سزا دایاں ہاتھ پہنچے سے کاٹنا، ③ زنا کی سزا بعض صورتوں میں سو کوڑے لگانا اور بعض میں سنگسار کرنا، ④ زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کی سزا اسی (٨٠) کوڑے لگانا، پانچویں ⑤ حد شرعی شراب نوشی کی ہے اس کی سزا بھی اسّی کوڑے ہیں، مذکورہ پانچ جرائم کے سوا دیگر تمام جرائم کی سزا حاکم وقت کی صوابدید پر ہے، اس کے علاوہ مذکورہ پانچ جرائم میں بہت سی صورتیں ایسی نکلیں گی کہ ان میں حدود شرعیہ کا نفاذ نہیں ہوگا، بلکہ حاکم وقت کی صوابدید کے مطابق تعزیری سزائیں دی جائیں گی۔

اسلامی سزاؤں کا مقصد:

اسلامی سزاؤں کا مقصد ایذاء رسانی نہیں بلکہ انسداد جرائم اور امن عامہ کو قائم کرنا ہے، شرعی سزاؤں کے نفاذ کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی ہے، عام حالات میں حدود والے جرائم میں بھی تعزیری سزائیں جاری ہوتی ہیں، لیکن اگر حدود کی شرائط کی تکمیل کے ساتھ جرم ثابت ہو جائے کہ جو نہایت مشکل ہے تو پھر مجرم کو ایسی عبرتناک سزا دی جاتی ہے جس کی ہیبت لوگوں کے قلب و دماغ پر مسلط ہو جائے، اور اس جرم کے تصور سے بدن پر لرزہ طاری ہو جائے بخلاف مروجہ تعزیری قوانین کے کہ وہ جرائم پیشہ لوگوں کی نظر میں ایک کھیل ہیں، جیل خانہ میں بیٹھے ہوئے بھی آئندہ اس جرم کو اور زیادہ بہتر طریقہ سے کرنے کے پروگرام بناتے ہیں اور جیل سے رہائی پانے کے وقت وہ کہہ کر آتے ہیں ہماری جگہ محفوظ رکھی جائے ہم بہت جلد واپس آنے والے ہیں۔

حدود شرعیہ کے نفاذ کی تاثیر:

بخلاف ان ممالک کے کہ جن میں حدود شرعیہ نافذ کی جاتی ہیں ان کے حالات کا اگر جائزہ لیا جائے تو حقیقت سامنے آجائے گی، وہاں نہ آپ کو بہت سے لوگ ہاتھ کٹے ہوئے نظر آئیں گے اور نہ سالہا سال میں وہاں سنگساری کا کوئی واقعہ نظر آئیگا مگر سزاؤں کی دھاک قلوب پر ایسی ہے کہ وہاں چوری ڈاکہ اور بے حیائی کا نام تک نظر نہ آئیگا سعودی عربیہ کے حالات سے عام مسلمان براہ راست واقف ہے، دن میں پانچ مرتبہ ہر شخص یہ دیکھتا ہے کہ دکانیں کھلی ہوئی ہیں ان میں لاکھوں کا سامان پڑا ہوا ہے دکان کا مالک دکان بند کئے بغیر نماز کے لئے حرم میں بے فکر ہو کر چلا جاتا ہے، اس کو کبھی یہ وسوسہ بھی نہیں پیش آتا کہ اس کی دکان سے کوئی چیز غائب ہو جائے گی، اور یہ ایک دن کا معمول نہیں ہے بلکہ روزمرہ کا معمول ہے دنیا کے کسی متمدن اور مہذب ملک میں ایسا کر کے دیکھئے تو ایک دن میں سینکڑوں چوریاں اور ڈاکے پڑ جائیں گے۔

تہذیب نو اور حقوق انسانی کے دعویداروں کی عجیب منطق:

یہ عجیب بات ہے کہ جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ تو ہمدردی ہے مگر پورے عالم انسانیت پر رحم نہیں کرتے جن کی زندگی ان جرائم پیشہ لوگوں نے اجیرن بنا رکھی ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ ایک مجرم پر ترس کھانا پوری انسانیت پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔

اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ان اسلامی سزاؤں پر اعتراض کے لئے ان لوگوں کی زبانیں اٹھتی ہیں لیکن جن کے ہاتھ ہیروشیما کے لاکھوں بے گناہ بے قصور انسانوں کے خون سے رنگین ہیں ان کے خلاف ان کی زبانوں کو تالا لگا ہوا ہے۔

اور حال ہی میں جن لوگوں نے افغانستان اور عراق میں ہزاروں بے گناہ بے قصور عورتوں بچوں بوڑھوں اور مریضوں کو ایک ہی دن میں موت کی نیند سلا دیا جن کے ہاتھوں سے ابھی تک بے قصوروں کا خون ٹپک رہا ہے جن کی خون آشامی کی طلب دن بدن بڑھتی ہی چلی جارہی ہے اور روزانہ ایک نئے شکار کی تلاش و جستجو رہتی ہے۔

شان نزول:

والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما:

جس مخزومی عورت کے چوری کے واقعہ کے وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں اس عورت کا قصہ صحیحین اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں کچھ اس طرح مذکور ہے فتح مکہ کے وقت ایک مخزومی عورت نے چوری کی تھی یہ عورت چونکہ شریف اور بڑے خاندان سے تعلق رکھتی تھی جس کی وجہ سے قریش کیلئے اس کا ہاتھ کاٹنا شاق تھا، اسلئے قریش نے حضرت اسامہ بن زید سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سفارش کرائی، آپ کو یہ سفارش سنکر غصہ آگیا تو آپ نے فرمایا تعزیرات الٰہی میں بھی بندوں کی سفارش کا کچھ دخل ہو سکتا ہے؟ بالفرض اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا، غرض آپ نے اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا

حکم صادر فرمایا، جب اس عورت کا ہاتھ کٹ چکا تو اس عورت نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضرت میری توبہ بھی قبول ہوگی آپ نے فرمایا تو اب ایسی ہوگئی جیسے آج ہی تیری ماں نے تجھے جنا ہے۔

مال مسروقہ کی مقدار پر ہاتھ کاٹنے پر اعتراض:

ابوالعلاء شاعر نے بغداد کے فقہاء پر ایک اعتراض کیا تھا جو مال مسروقہ کی مقدار کے بارے میں تھا، اعتراض کا حاصل یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو اس کی شرعی دیت پانچسو دینار ہیں، اور اگر کوئی شخص کسی کی کوئی چیز چرالے تو تین پر یا دس درہم پر پانچسو دینار کی مالیت کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

جواب: جب تک وہ ہاتھ چوری میں ملوث نہیں ہوا تھا تو اللہ کے نزدیک معزز اور معصوم تھا جو کہ عنداللہ گراں قدر تھا، مگر جب وہ چوری کی گندگی میں آلودہ ہوگیا تو وہ عنداللہ بے حیثیت اور بے قیمت ہوگیا جس کی وجہ سے اس کی قیمت گھٹ گئی۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ شریعت کے احکام برے کاموں سے روکنے کیلئے ہیں اسلئے چور کو تو یوں روکا کہ تین درہم تک ہاتھ کٹنے کا خوف رہے اور خون خرابہ کرنے والوں اور ملک میں فساد برپا کرنے والوں کو یوں روکا کہ اگر تم کسی کا ہاتھ کاٹو گے تو پانچ سو اشرفیاں تاوان دینا ہوگا۔

شان نزول:

یـآیـهـا الـرسـول لا یحزنك (الآیة) آیت ۴۱ اور ۴۲ کے شان نزول میں دو واقعے بیان کئے گئے ہیں ایک تو شادی شدہ مرد و عورت کا ہے، تورات میں شادی شدہ زانیوں کی سزا سنگساری تھی اور آج بھی ہے لیکن یہ واقعہ چونکہ ایک بڑے گھرانے کا تھا اس لئے وہ سنگساری کی سزا سے بچنا چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے مشورہ کیا کہ محمد ﷺ کے پاس فیصلہ کرائیں، اگر انہوں نے ہمارے ایجاد کردہ طریقہ کے مطابق یعنی کوڑے مارنے اور منہ کالا کر کے گھمانے کی سزا تجویز کی تو مان لیں گے اور اگر سنگساری کا فیصلہ کیا تو نہیں مانیں گے، چنانچہ عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور فیصلے کے طالب ہوئے آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تورات میں زنا کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تورات میں زنا کی سزا کوڑے مارنا اور رسوا کرنا ہے، عبداللہ بن سلام نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو تورات میں تو رجم کا حکم ہے، جاؤ تورات لیکر آؤ، یہود تورات لا کر پڑھنے لگے تو آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی آیات پڑھیں، عبداللہ بن سلام نے کہا ہاتھ اٹھاؤ ہاتھ ہٹایا تو وہاں آیت رجم موجود تھی بالآخر اعتراف کرنا پڑا کہ محمد ﷺ سچ کہتے ہیں تورات میں آیت رجم موجود ہے چنانچہ دونوں زانیوں کو رجم کر دیا گیا۔

(صحیحین اور دیگر کتب)

وسرا واقعہ:

دوسرا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ یہود کا ایک قبیلہ نودکو یہود کے دیگر قبیلوں سے زیادہ معزز اور اعلیٰ سمجھتا تھا، اور اسی وجہ
ے اپنے مقتول کی دیت سو وسق اور دیگر قبیلوں کے مقتول کی قیمت پچاس وسق مقرر کر رکھی تھی، جب آپ ﷺ مدینہ تشریف
ئے تو یہود کے دوسرے قبیلوں کو کچھ حوصلہ ہوا تو انہوں نے سو وسق دیت دینے سے انکار کر دیا، قریب تھا کہ ان کے درمیان اس
سئلہ پر جنگ چھڑ جائے، لیکن ان کے سمجھدار لوگ نبی ﷺ کے پاس فیصلہ کرنے پر رضامند ہوگئے، اس موقع پر یہ آیات نازل
وئیں، جن میں سے ایک آیت میں قصاص میں برابری کا حکم دیا گیا ہے۔

وَاِنْ حَکَمْتَ فاحکم بینھم بالقسط، ابتداءً جب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہوئی تھی یہودی اس وقت
ک باقاعدہ اسلامی ریاست کی باقاعدہ رعایا نہیں تھے بلکہ اسلامی حکومت کے ساتھ ان کے تعلقات معاہدات پر مبنی تھے،
ودیوں کو اپنے اندرونی معاملات میں آزادی حاصل تھی ان کے مذہبی مقدمات کے فیصلے انہی کے قوانین کے مطابق ان
ے اپنے جج کرتے تھے، نبی ﷺ کے پاس یا آپ کے مقرر کردہ قاضیوں کے پاس اپنے مقدمات لانے کیلئے وہ
روئے قانون مجبور نہ تھے لیکن یہ لوگ جن معاملات میں خود اپنے مذہبی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا نہ چاہتے تھے ان کا
صلہ کرانے کے لئے نبی ﷺ کے پاس اس امید پر آجاتے تھے کہ شاید آپ کی شریعت میں ان کیلئے کوئی دوسرا حکم ہو اور
س طرح وہ اپنے قانون سے بچ جائیں۔

ان نزول:

ابن جریر اور ابن ابی حاتم وابن اسحٰق نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان آیتوں کے نزول میں یہ قصہ روایت کیا ہے
ہ عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس اور یہودی علماء نے ایک روز آنحضرت ﷺ سے یہ فریب کیا کہ آپ کی خدمت میں حاضر
کر کہا کہ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان کچھ معاملات میں اختلاف ہو گیا ہے ہم چند مقدمات آپ کے پاس لائے ہیں ان
دموں کو اگر آپ ہماری خواہش کے مطابق فیصلہ کر دیں گے تو ہم اسلام قبول کر لیں گے اور ہم چونکہ علماء ہیں ہماری قوم میں اثر
ے اسلئے دیگر لوگ بھی مسلمان ہو جائیں گے، مگر باطنی طور پر ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ دھوکا کھا کر حکم الٰہی کے خلاف فیصلہ
ر دیں تو آپ کی نبوت میں طرح طرح کے شبہات ڈالیں، مگر آپ نے اس طرح فیصلے سے انکار فرما دیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو
شیار اور باخبر کرنے کے لئے یہ آیات نازل فرمائیں، اور فرمایا اے رسول اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کرنا منظور فرمائیں تو
اف سے فیصلہ کریں، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، لیکن اگر ان کو انصاف منظور ہوتا تو یہ لوگ تورات کے
ں حکم سے نہ پھرتے جن پر تمام انبیاء بنی اسرائیل کا عمل تھا۔

إِنَّآ أَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى من الضلالةِ وَّنُوْرٌ ج بيانٌ لِلأحكامِ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ من بني إسرائيل
الَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا انقادُوا الله لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ العلماءُ منهم وَالْأَحْبَارُ الفقهاءُ بِمَا اي بسببِ
الذي اسْتُحْفِظُوْا استُودِعُوْهُ اي استحفظهم الله اياه أن يُبدّلوه مِنْ كِتٰبِ اللهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ
أنه حقٌّ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ أيها اليهودُ في إظهارِ ما عندكم من نعتِ محمدٍ صلى الله عليه وسلم
والرَّجْمِ وغيرِهما وَاخْشَوْنِ في كتمانه وَلَا تَشْتَرُوْا تستبدلوا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا من الدنيا تأخذونه
على كتمانه وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾ به وَكَتَبْنَا فرضنا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اي
التوراةِ أَنَّ النَّفْسَ تُقتل بِالنَّفْسِ اذا قتلتها وَالْعَيْنَ تُفقأ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ تُجدع بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ تُقطع
بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ تُقلع بِالسِّنِّ وفي قراءةٍ بالرفع في الاربعةِ وَالْجُرُوْحَ بالوجهين قِصَاصٌ اي يُقتصّ فيما
أمكن كاليدِ والرِّجلِ والذَّكرِ ونحوِ ذلك وما لا يُمكن فيه الحكومةُ وهذا الحكمُ وإن كُتب
عليهم فهو مقرَّرٌ في شرعنا فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ اي بالقصاص بأن مكّن من نفسه فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ لِما
أتاه وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللهُ في القصاص وغيره فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ
أتبعنا اي النبيين بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ قبله مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْإِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى من
الضلالةِ وَّنُوْرٌ بيانٌ للاحكام وَّمُصَدِّقًا حالٌ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ لما فيها من الاحكام
وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وقلنا وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيْلِ بِمَآ أَنْزَلَ اللهُ فِيْهِ من الاحكام وفي قراءةٍ بنصب
يحكمَ وكسرِ لامه عطفًا على معمولِ اٰتيناه وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾
وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ يا محمد الْكِتٰبَ القرآن بِالْحَقِّ متعلّق بأنزلنا مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ قبله مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا
شاهدًا عَلَيْهِ والكتابُ بمعنى الكتب فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بين أهل الكتاب اذا ترافعوا اليك بِمَآ أَنْزَلَ اللهُ
اليك وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عادلًا عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ أيها الأمم شِرْعَةً شريعةً وَّمِنْهَاجًا
طريقًا واضحًا في الدين تمشون عليه وَلَوْ شَآءَ اللهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً على شريعةٍ واحدةٍ وَّلٰكِنْ فرّقكم
فِرَقًا لِّيَبْلُوَكُمْ ليختبركم فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ من الشرائعِ المختلفةِ لينظرَ المطيعَ منكم والعاصيَ
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ سارعوا اليها إِلَى اللهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا بالبعث فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٨﴾ من أمر الدين
ويجزي كُلًّا منكم بعمله وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ لا يَّفْتِنُوْكَ يُضلّوك
عَنْ بَعْضِ مَآ أَنْزَلَ اللهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا عن الحكمِ المنزَّل وأرادوا غيرَه فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ أَنْ يُّصِيْبَهُمْ بالعقوبة
في الدنيا بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ التي أتوها ومنها التولّي ويجازيهم على جميعها في الأخرى
وَإِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ بالياء والتاء يطلبون من المداهنة والميل اذا تولّوا

استفہام انکار **وَمَنْ** ای لا احد **اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ** عند قوم **يُّوْقِنُوْنَ** به خصوا بالذکر لانہم یتدبرونه.

ترجمہ: ہم نے تورات نازل کی جس میں گمراہی سے ہدایت اور روشنی تھی (یعنی) احکام کا بیان تھا، بنی اسرائیل کے تمام انبیاء جو کہ مسلمان اللہ کے تابع فرمان تھے، یہودیوں کے لئے اسی کے ذریعہ فیصلے کرتے تھے اور ان کے علماء اور فقہاء بھی (اسی کے ذریعہ فیصلے کرتے تھے) اس سبب سے کہ ان کو اللہ نے اس کا محافظ بنایا تھا یعنی ان کو اس پر امین بنایا تھا بایں طور کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت کا مطالبہ کیا تھا، اس میں ردوبدل کرنے سے، اور وہ اس کے برحق ہونے پر شاہد تھے، پس اے یہودتم محمد ﷺ کی ان صفات کے اور رجم وغیرہ کے اظہار کے بارے میں جو تمہارے پاس ہیں لوگوں سے مت ڈرو (بلکہ) ان کے چھپانے کے بارے میں مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کو دنیوی قلیل معاوضہ کے بدلے جس کو تم اس کو چھپانے کے عوض میں لیتے ہو مت بیچو، اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں اور ہم نے ان پر تورات میں مقرر کر دیا ہے کہ جان کو جان کے بدلے قتل کیا جائیگا جب (قاتل) اس کو قتل کرے، اور آنکھ، آنکھ کے بدلے پھوڑی جائیگی اور ناک ناک کے بدلے کاٹی جائے گی، اور کان کان کے بدلے کاٹا جائیگا، اور دانت دانت کے بدلے اکھاڑا جائیگا اور ایک قراءت میں چاروں جگہ رفع کے ساتھ ہے، اور زخموں میں برابری ہے (جروح) میں بھی دونوں وجہ (رفع ونصب) ہیں، یعنی ان میں برابری کی جائیگی جبکہ ممکن ہو، جیسا کہ ہاتھ، پیر اور ذکر وغیرہ میں اور جس میں برابری ممکن نہ ہو اس میں عادل کے فیصلہ کا اعتبار ہوگا یہ (مذکورہ) حکم اگرچہ ان پر فرض کیا گیا ہے مگر وہ ہماری شریعت میں بھی ثابت ہے پھر جو قصاص کا صدقہ کردے اس طور پر وہ اپنی ذات پر قدرت دیدے تو اس کا یہ عمل اس کے فعل (قتل) کا کفارہ ہے اور جو لوگ قصاص وغیرہ کے معاملہ میں اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں اور ہم نے ان نبیوں کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو ان سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا بنا کر بھیجا، اور ان کو انجیل عطا کی جس میں گمراہی سے رہنمائی تھی اور احکام کا بیان تھا حال یہ ہے کہ وہ اپنے سے سابق کتاب تورات یعنی اس کے احکام کی تصدیق کرنے والی ہے اور خداترس لوگوں کے لئے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی، اور ہم نے حکم دیا کہ اہل انجیل ان احکام کے مطابق فیصلہ کریں جو ہم نے اس میں نازل کئے ہیں اور ایک قراءت پر عطف کرتے ہوئے، اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں، اور اے محمد ہم نے آپ کے پاس کتاب قرآن حق کے ساتھ نازل کی ہے (بالحق) انزلنا کے متعلق ہے، اور اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے ہے اور اس پر شاہد ہے اور کتاب بمعنی کتب ہے، لہٰذا تم اہل کتاب کے درمیان جب وہ تمہارے پاس فیصلہ لائیں تو آپ نازل کردہ خدائی قانون کے ذریعہ فیصلہ کریں، اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس سے روگردانی کرکے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، اور تم میں سے ہر ایک کے لئے اے لوگو ہم نے ایک شریعت اور دین کا واضح طریقہ متعین

کیا ہے کہ جس پر تم چلو، اور اگر خدا چاہتا تو تم کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا ایک شریعت کے ماننے والی، لیکن اس نے تم کو مختلف فرقے بنایا تاکہ وہ تم کو ان شرائع مختلفہ میں آزمائے جو تم کو دی ہیں تاکہ وہ تم میں سے فرمانبردار اور نافرمان کو دیکھے، لہٰذا بھلائیوں میں سبقت کرنے کی کوشش کرو یعنی اس کی طرف جلدی کرو تم سب کو بعث کے بعد خدا ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو اس کی اصل حقیقت بتادے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے یعنی دینی امور میں، اور تم میں سے ہر ایک کو اس کے عمل کی جزاء دے گا اور آپ ان کے درمیان نازل کردہ خدائی قانون کے ذریعہ فیصلہ کرتے رہئے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور محتاط رہئے کہ کہیں یہ لوگ آپ کو ان میں سے جو آپ پر اللہ نے نازل کی ہیں بعض باتوں سے منحرف نہ کردیں، پس اگر یہ لوگ نازل کردہ حکم سے انحراف کریں اور اس کے علاوہ کا قصد کریں تو سمجھ لو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں جن کے وہ مرتکب ہوئے ہیں ان کو دنیا ہی میں مصیبت میں مبتلا کرنے کا ارادہ کر ہی لیا ہے، ان میں سے انحراف بھی ہے اور ان سب کی سزا تو آخرت میں دے گا، اور یہ حقیقت ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں، اگر یہ (خدائی قانون) سے انحراف کرتے ہیں تو کیا یہ پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں (یبغون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، اور استفہام انکاری ہے حالانکہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے، اور اہل ایمان کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا کہ وہی اس (فیصلہ میں) غور و فکر کرتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَلَّذِیْنَ هَادُوْا، اس کا تعلق یحکم سے ہے یعنی یہودیوں سے متعلق فیصلے کرتے تھے۔

قولہ: اَلَّذین اَسْلَمُوا، النبیین کی صفت ہے۔

قولہ: اَلربّانیُّونَ، یہ خلاف قیاس رب کی طرف نسبت ہے، راء کے کسرہ کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے۔

قولہ: اَلْاَحبار، یہ کسرہ اور فتحہ کے ساتھ حبر کی جمع ہے بمعنی فقہاء فرّاء نے کہا ہے کسرہ فصیح ہے یہ تحبیر سے ماخوذ ہے بمعنی تحسین۔

قولہ: اُسْتُحْفِظُوا، اِسْتِحْفَاظ سے ماضی مجہول جمع مذکر غائب وہ نگہبان مقرر کئے گئے، یعنی احبار کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ تورات کی تحریف سے حفاظت کریں۔

قولہ: وفی قِرَاءۃٍ بالرَّفعِ فی الاَربَعۃِ، چاروں جگہ مبتداء و خبر ہونے کی وجہ سے ایک قراءت میں مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔

قولہ: یُقْتَصُّ، قصاص کی تفسیر یُقْتَصُّ سے کرنے کا مقصد حمل کو درست کرنا ہے۔

قولہ: نحو ذلك، كالشفتين والانثيين والقدمين، اور جس زخم میں برابری اور مساوات ممکن نہ ہو مثلاً زخم لگا دینا یا بدن کے کسی حصہ سے گوشت اتار لینا یا ہڈی توڑ دینا، اس میں چونکہ مساوات ممکن نہیں ہے اسلئے حاکم عادل کا فیصلہ معیار ہوگا۔

قولہ: ای بالقصاص بان مکّنَ مِنْ نفسه، یہ تشریح امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے مذہب کے مطابق ہے، ورنہ امام ابوحنیفہ

رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے نزدیک تَصَدَّقَ کے معنی معاف کرنے کے ہیں یعنی اگر مقتول کے ورثاء نے قاتل کا قصاص معاف کردیا تو یہ ان کے حق میں صدقہ ہے۔

قَوْلُہٗ: قلنا.

سُوَال: یہاں قلنا محذوف ماننے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: تاکہ قَفَّیْنَا پر اس کا عطف صحیح ہوجائے۔

قَوْلُہٗ: بنصب لیحکم، لام کَیْ کے بعد اَنْ مقدرہ کی وجہ سے یَحْکُمَ منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: عطفاً علی معمولِ آتینا، اور وہ معمول مقدر ھُدًی و موعظةً ہے، آتَیْنَاہُ کا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، و آتَیْنَاہُ الاِنْجیلَ للھدی و الموعظة و حکمھم بہ.

تَفسِیر وَتَشرِیح

اِنَّا اَنْزَلْنَا التوراۃ فیھا حُکم اللہ، سابقہ آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں سازش کا ایک قصہ ابن جریر ابن ابی حاتم نے ابن عباس کے حوالہ سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبد اللہ بن صوریا جو کہ اپنے زمانہ میں تورات کا بڑا ماہر عالم سمجھا جاتا تھا اور شماس بن قیس اور دیگر چند یہودی علماء کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فریب دہی کے ارادہ سے حاضر ہوا، اور ایک فرضی مقدمہ میں آپ سے غلط فیصلہ کرانا چاہا مگر آپ نے منع فرمادیا اور فرمایا کہ تورات میں اس مقدمہ کا حکم لکھا ہوا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرلو، اسی دوران آپ کو آگاہ کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ لوگ آپ سے اپنے مقدمات کا فیصلہ کرانا ہی چاہیں تو آپ عدل وانصاف سے فیصلہ کریں اللہ کو یہی پسند ہے، اگر ان لوگوں کو انصاف منظور ہوتا تو یہ لوگ تورات کے ان احکام سے انحراف نہ کرتے جن پر تمام انبیاء بنی اسرائیل اور علماء وفقہاء کا عمل رہا ہے، اس آیت میں آپ ﷺ کے زمانہ کے یہود سے ان کے اسلاف کا طرز عمل یاد دلا کر کہا جارہا ہے کہ تم لوگوں کو اپنے بااثر سرگروہ لوگوں کے ڈر سے یا مالداروں سے رشوت لینے کے لالچ سے تورات کے احکام بدلنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے، ورنہ تمہارا شمار احکام الٰہی کے منکرین میں ہوگا، اگرچہ مذکورہ آیات یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہیں لیکن اس امت میں سے بھی اگر کوئی دانستہ قرآنی آیات کا منکر ہو اور اس میں تحریف کرے تو وہ بھی اسی حکم میں داخل ہوگا، اور اگر کوئی شخص قرآنی آیت کے حق ہونے کے اقرار کے باوجود اس پر عمل نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔

وَکتبنا علیھم فیھا اَنّ النفس بالنفس (الآیة) سابقہ آیت میں یہود کی اس کارستانی کا بیان تھا کہ انہوں نے تورات میں آیت رجم کا انکار کیا تھا، اس آیت میں ان کی دوسری کارستانی کا ذکر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تورات کے حکم کے مطابق ان پر قصاص فرض تھا، لیکن یہود کے بعض قبیلوں نے اس پر عمل چھوڑ دیا تھا، اور اپنی طرف سے حکم الٰہی کے برخلاف ایک اور دستور گھڑ لیا تھا۔

واقعہ کی تفصیل:

مدینہ کے گرد ونواح میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، بنوقریظہ اور بنونضیر، بنوقریظہ کے ہاتھوں اگر بنونضیر کے کسی شخص کا قتل ہوجاتا تو اس کا قصاص لیا جاتا تھا، اور دیت بھی اور اگر بنوقریظہ کا کوئی بنونضیر کے ہاتھوں مارا جاتا تو قصاص نہیں لیا جاتا تھا صرف دیت دی جاتی تھی۔

بنوقریظہ اور بنونضیر کا مقدمہ آپ کی خدمت میں:

بنوقریظہ وبنونضیر کا قتل کا ایک مقدمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا، بنونضیر نے بنوقریظہ کو اپنی قوت وطاقت کے بل بوتہ پر مذکورہ خودساختہ دستور پر مجبور کر رکھا تھا، اس آیت میں حق تعالی نے ان لوگوں کی اس زورزبردستی اور بددیانتی کا پردہ فاش فرمادیا کہ خود تورات میں بھی قصاص کے معاملہ میں مساوات کے احکام موجود ہیں یہ لوگ دانستہ ان سے انحراف کرتے ہیں، اور محض حیلہ جوئی کے لئے اپنا مقدمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ تُوالُونَهُمْ وتُوادُّونَهُمْ **بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ** لِاتِّحَادِهِمْ فِي الكُفرِ **وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ** مِن جُمْلَتِهِمْ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ** (۵۱) بِمُوالَاتِهِمُ الكُفَّارَ **فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** ضُعفُ اعتقادٍ كَعبدِ اللهِ بنِ اُبَيٍّ المُنافِقِ **يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ** في مُوالَاتِهِم **يَقُوْلُوْنَ** مُعتَذِرِينَ عنها **نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ** يَدُورُ بِها الدَّهرُ علينا مِن جَدبٍ او غَلَبةٍ ولا يَتِمُّ اَمْرُ مُحمَّدٍ فلا يَمِيرُونا قالَ تعالى **فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ** بالنَّصرِ لِنَبِيِّه بِإظهارِ دِينِه **اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ** بِهَتكِ سَتْرِ المُنافِقِينَ وافتِضَاحِهِم **فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ** مِن الشَّكِّ ومُوالَاةِ الكُفَّارِ **نٰدِمِيْنَ** (۵۲) **وَيَقُوْلُ** بالرَّفعِ استِئنافًا بِوَاوٍ ودُونِها وبالنَّصبِ عَطفًا على يَأتيَ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا** لِبَعضِهِم اذا هُتِكَ سَترُهُم تَعَجُّبًا **اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ** غايةَ اجتِهادِهِم فيها **اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ** في الدِّينِ قالَ تعالى **حَبِطَتْ** بَطَلَت **اَعْمَالُهُمْ** الصَّالِحَةُ **فَاَصْبَحُوْا** فصارُوا **خٰسِرِيْنَ** (۵۳) الدُّنيا بالفَضِيحَةِ والاٰخِرَةَ بالعِقابِ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ** بالفَكِّ والادغامِ يَرجِعْ **مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ** الى الكُفرِ اِخبارٌ بما عَلِمَ تعالى وقُوعَهُ وقد ارْتَدَّ جماعَةٌ بعدَ مَوتِ النَّبيِّ صلى الله عليه وسلم **فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ** بَدَلَهُم **بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ** قالَ صلى الله عليه وسلم هم قَومُ هٰذا واَشارَ الى ابي موسى الاَشعَرِيِّ رَواهُ الحاكِمُ في صحيحِه **اَذِلَّةٍ** عاطِفِينَ **عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ** اَشِدَّاءَ **عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ** فيه كما

یَخَافُ الْمُنَافِقُوْنَ لَوْمَ الْكُفَّارِ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ مِنَ الْاَوْصَافِ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ كَثِيْرُ الْفَضْلِ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾ بِمَنْ هُوَ اَهْلُهٗ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ ابْنُ سَلَامٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ قَوْمَنَا هَجَرُوْنَا اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾ خَاشِعُوْنَ اَوْ يُصَلُّوْنَ صَلٰوةَ التَّطَوُّعِ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيُعِيْنُهُمْ وَيَنْصُرُهُمْ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ لِنَصْرِهِ اِيَّاهُمْ اَوْقَعَهٗ مَوْقِعَ فَاِنَّهُمْ بَيَانًا لِاَنَّهُمْ مِنْ حِزْبِهٖ اَيْ اَتْبَاعِهٖ.

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، کہ ان سے دلی دوستی اور محبت کرنے لگو، یہ تو آپس ہی میں ان کے کفر میں متحد ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا دوست بناتا ہے تو وہ بھی منجملہ ان ہی میں شمار ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ کفار سے دوستی کرکے ظلم کرنے والوں کی رہنمائی نہیں کرتا، تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یعنی ضعف اعتقاد ہے جیسا کہ عبداللہ بن اُبی منافق ان کی دوستی میں سبقت کرتے ہیں، اور عذر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم کسی چکر میں نہ پھنس جائیں، یعنی گردش زمانہ ہمارے اوپر قحط سالی یا مغلوبیت نہ ڈالدے، اور (ادھر) محمد ﷺ کا مشن پایۂ تکمیل کو نہ پہنچے تو یہ لوگ ہمیں غلہ بھی نہ دیں، مگر بعید نہیں کہ اللہ اپنے نبی کی نصرت کے ذریعہ اس کے دین کو غالب کرکے اس کو فتح عطا فرما دے، یا کوئی دوسری صورت اپنی جانب سے منافقین کی پردہ دری کرکے اور ان کو رسوا کرکے ظاہر فرما دے، تو یہ (منافق) اس نفاق اور کفار سے دوستی پر جسے اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں نادم ہوں گے، اس وقت اہل ایمان آپس میں تعجب سے کہیں گے (یقولُ) رفع کے ساتھ بطور استیناف کے، واؤ کے ساتھ اور بغیر واؤ کے اور نصب کے ساتھ، یاتی پر عطف کی وجہ سے، جبکہ ان کی پردہ دری کردی جائے گی، کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کی بڑی زوردار قسمیں کھایا کرتے تھے، کہ بلاشبہ ہم دین میں تمہارے ساتھ ہیں ان کے سب اعمال صالحہ ضائع ہوگئے اور دنیا میں رسوائی کی وجہ سے اور آخرت میں عذاب کی وجہ سے زیاں کاروں میں ہوں گے، اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم میں سے جو اپنے دین سے کفر کی طرف پھرتا ہے (تو پھر جائے) (یَرْتَدَّ) ادغام اور ترک ادغام (دونوں جائز ہیں) بمعنی یَرْجِعُ، یہ اس واقعہ کی خبر دینا ہے جس کے وقوع سے اللہ واقف ہے، چنانچہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ایک جماعت مرتد ہوگئی، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں ایسے لوگ پیدا کردے گا کہ جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا، آنحضرت ﷺ نے ابوموسیٰ اشعری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وہ اس کی قوم ہوگی، اس کو حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، جو مومنین کے بارے میں نرم (مہربان) اور کفار کے معاملہ میں سخت ہوں گے اور اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور اس معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے، جیسا کہ منافق کافروں کی ملامت سے ڈرتے ہیں یہ مذکورہ اوصاف اللہ کا فضل ہے اللہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور فضل کا کون اہل ہے؟ اسے خوب جاننے والا ہے (آئندہ آیت اس وقت

نازل ہوئی) جب عبداللہ بن سلام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو ہماری قوم نے چھوڑ دیا (آپ نے فرمایا) تمہارے رفیق تو

حقیقت میں صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ عاجزی اختیار کرتے ہیں یا نفلی نماز پڑھتے ہیں، اور جس نے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو اپنا رفیق بنالیا تو وہ ان کی اعانت اور نصرت کرے گا، (وہ سمجھ لے) کہ اللہ کی جماعت ہی اس کی مدد کی وجہ سے غالب رہے گی، اِنَّهُمْ، کے بجائے، حِزْبُ اللّٰه، یہ بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ لوگ اس کی جماعت اور اس کے متبعین میں سے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: تُوَالُونَهُمْ وَتُوَادُّونَهُمْ.

قَوْلُهٗ: تُوالونَهُمْ اصل میں تُوَالِيُونَهُمْ تھا ضمہ یاء پر دشوار ہونے کی وجہ سے لام کو دیدیا واؤ اور یاء دو حروف ساکن جمع ہوئے یاء کو حذف کردیا، لام کا کسرہ ساقط ہونے کے بعد تُوَالُونهم ہوگیا تُوادّون اصل میں تُوادِدون تھا، دال کو دال میں ادغام کردیا تو ادّون ہوگیا (دونوں صیغے مفاعلہ) سے مضارع جمع مذکر حاضر کے ہیں، اَوْلیاء، وَلِیّ کی جمع ہے، وَلِی کے مختلف معنی آتے ہیں، محبت کرنے والا، دوست، مددگار، قریب، پڑوسی، حلیف، تابع وغیرہ، اسلئے تعیین معنی کی ضرورت ہوئی، مفسرِ علّام نے توادّوهم، کہہ کر معنی کی تعیین کردی۔

قَوْلُهٗ: مِنْ جُمْلَتِهِمْ، یہود و نصاریٰ سے اجتناب میں شدت کو بیان کرنے کے لئے یہ جملہ لایا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ حکمه کحکمهم.

قَوْلُهٗ: اِنَّ اللّٰه لا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ، یہ اِنّهم مِنْهُمْ کی علت ہے۔

قَوْلُهٗ: يُسارِعُوْنَ یہ قلوبهم کی ضمیر هم سے حال ہے۔

قَوْلُهٗ: دَائِرَة، گردش، مصیبت، یہ دورٌ سے مشتق ہے جس کے معنی گھومنے پھرنے کے ہیں، دَائرة، ان صفات میں سے ہے کہ جن کا موصوف مذکور نہیں ہوتا، دائرة موصوف يَدُوْرُ بها اس کی صفت ہے۔

قَوْلُهٗ: اَلمِيرة، غلہ، کھانا، اى اليهود والنصارىٰ لا يعطونَنا المِيْرَةَ، یعنی یہود و نصاریٰ ہم کو غلہ دینا بند کردیں گے۔

تفسیر و تشریح

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰىٓ اَوْلِيَاءَ، اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے دلی محبت اور دوستی کا تعلق قائم کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے، اور اس پر سخت وعید فرمائی ہے کہ جو ان سے دلی دوستی کرے گا وہ انہی میں سے سمجھا جائیگا، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ غیر مسلمان کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی نہیں کرنی چاہئے، غیر مسلموں سے رواداری ہمدردی، خیر خواہی عدل و انصاف اور احسان و سلوک سب کچھ کرنا چاہئے، اسلئے کہ اسلام کی یہی تعلیم ہے اسلام تو جانوروں کے

حقوق کی حفاظت کا بھی علم بردار ہے چہ جائیکہ انسان! البتہ ان سے ایسی گہری دوستی اور اختلاط جس سے اسلام کے امتیازی نشانات کو نقصان پہنچے اس کی اجازت نہیں، یہی وہ مسئلہ ہے جو ترک موالات کے نام سے مشہور ہے۔

شان نزول:

مذکورہ آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں مفسرین نے متعدد واقعات نقل کئے ہیں۔

پہلا واقعہ:

حضرت عبادہ بن صامت رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ انصاری اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی دونوں زمانۂ جاہلیت سے یہود کے قبیلے بنی قینقاع کے حلیف چلے آرہے تھے، اسلام کے ظاہر ہونے کے بعد عبادہ بن صامت نے یہود کی دوستی سے اظہار بیزاری کر دیا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہہ دیا کہ میرے لئے اللہ اور اس کے رسول کی دوستی کافی ہے مگر عبداللہ بن ابی یہود کے ساتھ دوستی قائم رکھنے پر مصر رہا، حضرت عبادہ بن صامت کے ساتھ عبداللہ بن ابی کی اس مسئلہ میں ایک مرتبہ تیز کلامی بھی ہوگئی عبداللہ بن ابی یہود کے ساتھ دوستی قائم رکھنے پر مصر تھا اس کا کہنا تھا کہ اسلام کا ابھی کوئی ٹھکانہ نہیں ہے نہ معلوم اونٹ کس کروٹ بیٹھے، اور محمد ﷺ اپنے مشن میں کامیاب ہوں یا نہ ہوں، اس لئے ضروری ہے کہ یہود کے ساتھ تعلقات و روابط قائم رکھے جائیں تاکہ آڑے وقت میں کام آئیں، اسی واقعہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسرا واقعہ:

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابولبابہ کو بنی قریظہ سے فہمائش کرنے کے لئے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا، بنو قریظہ سے ابولبابہ کے دیرینہ تعلقات تھے، بنو قریظہ نے ابولبابہ سے معلوم کیا کہ اگر ہم لڑائی موقوف کر کے اپنے قلعہ سے اتر آئیں تو آخر ہمارا انجام کیا ہوگا؟ حضرت ابولبابہ نے ہاتھ اپنے گلے پر پھیر کر اشارہ کر دیا کہ تمہارا انجام قتل ہوگا، حالانکہ یہ ایک رازداری کی بات تھی جس کا اظہار ابولبابہ کو نہیں کرنا چاہئے تھا، مگر تعلقات اور دوستی کی بنا پر خفیہ راز سے بنو قریظہ کو آگاہ کر دیا، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(احسن التفاسیر ملخصاً)

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِي قلوبهم مرض يسارعون فيهم، (الآية) یعنی ترک موالات کا حکم شرعی سنکر وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض نفاق ہے اپنے کافر دوستوں کی طرف دوڑنے لگے اور کہنے لگے کہ ان سے قطع تعلق کرنے میں تو ہمارے لئے خطرات ہیں، اگر کوئی حادثہ پیش آگیا تو یہ لوگ آڑے وقت میں ہمارے کام آسکتے ہیں۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا مَهْزُوًّا بِهِ وَّلَعِبًا مِّنَ لِبَيَانٍ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ المشركين بالجرّ والنصب أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ بترك موالاتهم إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ صادقين في ايمانكم وَ الذين إِذَا نَادَيْتُمْ دعوتم إِلَى الصَّلَاةِ بالاذان اتَّخَذُوهَا اى الصلوة هُزُوًا مهزوا به وَلَعِبًا بان يستهزؤا بها يتضاحكوا ذَٰلِكَ الا تخاذ بِأَنَّهُمْ بسبب انهم قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾ ونزل لما قال اليهود للنبي صلى الله عليه وسلم بمن تؤمن من الرسل فقال بالله وما أنزل الينا الاية فلما ذكر عيسى قالوا لا نعلم دينا شرا من دينكم قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ تنكرون مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ اى الانبياء وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ﴿٥٩﴾ عطف على ان امنا المعنى ما تنكرون الا ايماننا ومخالفتكم في عدم قبوله المعبر عنه بالفسق اللازم عنه وليس هذا مما ينكر قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ اخبركم بِشَرٍّ مِنْ اهل ذَٰلِكَ الذى تنقمونه مَثُوبَةً ثوابا بمعنى جزاء عِنْدَ اللَّهِ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ ابعده عن رحمته وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ بالمسخ وَ من عَبَدَ الطَّاغُوتَ الشيطان بطاعته وراعى في منهم معنى من وفيما قبله لفظها وهو اليهود وفى قراءة بضم باء عبد واضافته الى مابعده اسم جمع لعبد ونصبه بالعطف على القردة أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَكَانًا تمييز لان ماواهم النار وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ طريق الحق واصل السواء الوسط وذكر شر واضل فى مقابلة قولهم لا نعلم دينا شرا من دينكم وَإِذَا جَاءُوكُمْ اى منافقوا اليهود قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا اليكم متلبسين بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا من عندكم متلبسين بِهِ ولم يؤمنوا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ من النفاق وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِنْهُمْ اى اليهود يُسَارِعُونَ يقعون سريعا فِي الْإِثْمِ الكذب وَالْعُدْوَانِ الظلم وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ الحرام كالرشى لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ عملهم هذا لَوْلَا هلا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ منهم عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ الكذب وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾ ترك نهيهم وَقَالَتِ الْيَهُودُ لما ضيق عليهم بتكذيبهم النبي صلى الله عليه وسلم بعد ان كانوا اكثر الناس مالا يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ مقبوضة عن ادرار الرزق علينا كنوا به عن البخل تعالى عن ذلك قال تعالى غُلَّتْ أمسكت أَيْدِيهِمْ عن فعل الخيرات دعاء عليهم وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ مبالغة فى الوصف بالجود وثنى اليد لافادة الكثرة اذ غاية ما يبذله السخي من ماله ان يعطي بيديه يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ من توسيع او تضييق لا اعتراض عليه وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ من القرآن طُغْيَانًا وَكُفْرًا لكفرهم به وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فكل فرقة منهم تخالف الاخرى كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ اى لحرب النبي صلى الله عليه وسلم أَطْفَأَهَا اللَّهُ اى كلما ارادوه ردهم وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا اى مفسدين بالمعاصي وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾ بمعنى انه يعاقبهم وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا بمحمد وَاتَّقَوْا الكفر

لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ بالعمل بما فيهما ومنه الايمانُ بالنبيِّ صلى الله عليه وسلم وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ من الكُتُب مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ بان يُوَسِّعَ عليه الرِّزقَ ويُفِيْضَ من كُلِّ جِهَةٍ مِنْهُمْ اُمَّةٌ جماعةٌ مُّقْتَصِدَةٌ تعمَلُ به وهم مَن اٰمَنَ بالنبي صلى الله عليه وسلم كعبدِ اللهِ بنِ سلامٍ واصحابه وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ بئس مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے پیش رو اہل کتاب کو جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور سامان تفریح بنایا ہے اور مِن بیانیہ ہے اور کافروں مشرکوں کو (اپنا) دوست نہ بناؤ هزوًا بمعنی مھزوًا به ہے، یعنی مصدر بمعنی مفعول ہے نصب کے ساتھ ہے، ان سے ترک موالات کر کے اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو، (یعنی) اپنے ایمان میں سچے ہو اور ان لوگوں کو بھی کہ جو تم نماز کیلئے اذان دیتے ہو تو وہ اس نماز کا مذاق اڑاتے ہیں اور کھیل بناتے ہیں اس طریقہ پر کہ اس کا استہزاء کرتے ہیں اور اس کی تضحیک کرتے ہیں اور ان کا یہ استہزاء وغیرہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں جب یہود نے نبی ﷺ سے کہا رسولوں میں سے تم کس رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ پر اور اس پر جو ہماری جانب نازل کیا گیا (الآیۃ) جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا تو کہنے لگے ہم تمہارے دین سے کسی دین کو بدتر نہیں سمجھتے، تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی، ان سے کہو، اے اہل کتاب تم ہم کو صرف اس وجہ سے ناپسند کرتے ہو کہ ہم اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جو انبیاء سابقین پر نازل کیا گیا ہے ایمان رکھتے ہیں اور بلاشبہ تم میں سے اکثر فاسق ہیں، اس کا عطف اَنْ اٰمَنَّا پر ہے معنی یہ ہیں کہ تم صرف ہمارے ایمان کو ناپسند کرتے ہو اور تم سے ہماری مخالفت ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ سے ہے جس کو فسق سے تعبیر کیا گیا ہے جو کہ ایمان کے عدم قبول کو لازم ہے اور یہ ناپسندیدہ باتوں میں سے نہیں ہے، ان سے کہو کیا میں ان لوگوں کی نشاندہی کردوں (بتلادوں) جو سزا کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک ان سے بدتر ہیں جن کو تم سمجھتے ہو مثوبةً بمعنی جزاءً ہے اور وہ، وہ شخص ہے جس پر اللہ نے لعنت کی یعنی جس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا، اور اس پر غضبناک ہوا، اور ان میں سے بعض کو مسخ کر کے بندر بنا دیا اور بعض کو سور بنا دیا اور وہ شخص ہے جس نے شیطان کی بندگی کی اس کی اطاعت کر کے، اور مِنْهُمْ میں، مَنْ کے معنی کی رعایت کی ہے اور اس کے ماقبل میں مَنْ کے لفظ کی رعایت کی ہے اور وہ یہود ہیں، اور ایک قراءت میں عَبُدَ، کی باء کے ضمہ اور اس کی مابعد کی طرف اضافت کے ساتھ ہے، عَبُدَ اسم جمع ہے اور (طاغوت) کا نصب، القردة پر عطف کی وجہ سے ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے درجے اور بھی زیادہ برے ہیں مکانًا تمیز ہے اسلئے کہ ان کا ٹھکانا آگ ہے اور راہ راست سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں، (یعنی) طریق حق سے، اور سواءٌ کی اصل وسط ہے اور شرٌّ اور اضلُّ کا ذکر ان کے قول "لا نعلم دینا شرًا من دینکم" کے مقابلہ میں ہے، اور جب یہ منافق یہودی تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، حالانکہ کفر لئے ہوئے آئے اور وہ تمہارے پاس سے کفر ہی لئے ہوئے واپس گئے، اور ایمان نہیں لائے، اور

اللہ خوب جانتا ہے اس نفاق کو جس کو یہ چھپائے ہوئے ہیں اور آپ ان میں سے یعنی یہود میں سے بہت سوں کو دیکھتے ہیں کہ گناہ کذب اور ظلم کی طرف لپکتے ہیں یعنی گناہ میں بعجلت ملوث ہو جاتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں جیسا کہ رشوت، یقیناً یہ جو کچھ کرتے ہیں بہت بری حرکت ہے اور کیوں ان کے علماء اور مشائخ گناہ یعنی جھوٹ بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے نہیں روکتے؟ ان کو منع نہ کرنا یقیناً بہت بری حرکت ہے اور جب یہود پر نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی وجہ سے تنگدستی ڈالدی گئی حالانکہ وہ لوگوں میں کثیر المال تھے تو انہوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں یعنی ہمارے اوپر رزق میں کشادگی کرنے سے بندھے ہوئے ہیں، (ید اللّٰہ مغلولۃ) سے بخل کی طرف کنایہ کیا ہے (حالانکہ) اللہ تعالیٰ بخل سے بری ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان کے ہاتھ نیک کام سے روک دیئے گئے ہیں (یہ) ان کے لئے بددعاء ہے، اور ان کی بکواس کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی بلکہ (حقیقت یہ ہے) کہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں یہ صفت سخاوت میں مبالغہ ہے، کثرت کا فائدہ دینے کے لئے یَدْ کو تثنیہ لایا گیا ہے، اس لئے کہ سخی اپنے مال سے جس چیز کی سخاوت کرتا ہے، اس کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے لٹائے، اور جس طرح چاہے خرچ کرے خواہ وسعت سے یا تنگی سے، اس پر کسی کو انگلی اٹھانے کا حق نہیں، جو چیز آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کی گئی ہے (یعنی) قرآن یقیناً اس نے ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر میں اضافہ کیا ان کے اس (قرآن) سے منکر ہونے کی وجہ سے اور (اس کی پاداش) میں ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے عداوت اور بغض ڈالدیا ہے اور جب بھی یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو ٹھنڈا کر دیتا ہے یعنی جب بھی وہ حملہ آور ہونے کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو پسپا کر دیتا ہے، یہ لوگ زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یعنی معصیت کے ذریعہ فساد کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ مفسدہ پردازوں کو پسند نہیں فرماتے، مطلب یہ کہ وہ ان کو سزا دیگا، اور اگر (اس سرکشی کے بجائے) اہل کتاب محمد ﷺ پر ایمان لے آتے اور کفر سے بچتے تو ہم ان کے گناہوں کو معاف کر دیتے اور ان کو نعمت بھری جنتوں میں پہنچا دیتے اگر ان لوگوں نے تورات وانجیل میں مذکور (احکام) پر عمل کر کے ان کو قائم کیا ہوتا اور ان ہی میں سے نبی ﷺ پر ایمان لانا بھی ہے اور ان (دوسری) کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان پر ان کے رب کی جانب سے نازل کی گئیں، تو ان کے لئے اوپر سے بھی رزق برستا اور نیچے (زمین) سے بھی رزق ابلتا، بایں طور کہ ان پر رزق کی وسعت کر دی جاتی اور چاروں طرف سے رزق کی ریل پیل ہوتی، ان میں کچھ لوگ اعتدال پسند بھی ہیں جو اسی پر عمل کرتے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جو نبی ﷺ پر ایمان لائے جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی، لیکن ان کے اکثر لوگ سخت بدعمل ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: لا تَتَّخِذُوا، الخ، کلام مستانف ہے، لا تتخذوا فعل مضارع مجزوم بلا، اس کے اندر ضمیر فاعل اَلّذی اسم موصول اِتخذوا فعل بافاعل دینکم مفعول بہ اول، ھُزُواً معطوف علیہ لَعِباً معطوف، معطوف بامعطوف علیہ مفعول بہ ثانی، جملہ ہوکر

صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر مفعول اول لاتتخذوا کا، اَوْلیاءَ مفعول ثانی، لا تتخذوا ضمیر فاعل اور مفعول سے مل کر جواب نداء، نداا پنے منادیٰ اور جواب نداء سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر، قُلْ فعل محذوف کا مقولہ۔

قَوْلُہٗ: مَهْزُوًّا به، یعنی هُزُوًا مصدر، مفعول کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: بالجرّ، جر اَلّذین پر عطف کی وجہ سے ہے۔

قَوْلُہٗ: النصبُ، اور کفّار کا نصب، اَلّذِینَ اِتخذوا پر عطف کی وجہ سے۔

قَوْلُہٗ: فقال با للّٰہ ومَا اُنزِلَ الینا (الآیة) مطلب یہ ہے کہ یہود کے جواب میں آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت کا بھی ذکر ہے۔

قَوْلُہٗ: تَنْقِمُوْنَ، تم انکار کرتے ہو تم دشمنی رکھتے ہو، تم عیب جوئی کرتے ہو، یہ نَقَمٌ سے ماخوذ ہے، مضارع جمع مذکر حاضر ہے۔

قَوْلُہٗ: المعنی ما تُنْکِرُوْنَ اِلّا اِیْمَانَنا، اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ هل تنقمونَ میں استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُہٗ: ثوابًا، اس میں اشارہ ہے کہ مَثُوْبَةً مصدر میمی ہے نہ کہ ظرف۔

قَوْلُہٗ: وذُکِرَ شَرٌّ وَاَضَلُّ فی مُقَابَلَةِ الخ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: شرٌّ اور اَضَلُّ اسم تفضیل کے صیغے ہیں جن کے لئے مفضل علیہ کی ضرورت ہوتی ہے، پیش نظر آیت میں یہود مفضل اور مسلمان مفضل علیہ ہیں، اور مفضل اور مفضل علیہ نفس وصف میں شریک ہوا کرتے ہیں لہٰذا یہود اور مسلمان نفس شرارت اور ضلالت میں شریک ہوں گے گو یہود مسلمانوں سے وصف شرارت اور ضلالت میں بڑھے ہوئے ہوں گے، حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے؟

جَوَابٌ: یہاں شرارت اور ضلالت کا استعمال مقابلہ اور مشاکلۃ کے طور پر ہوا ہے اسلئے کہ یہود نے کہا تھا، لا نعلم دیناً شرًّا من دینکم، جیسا کہ جزاء السیئة سیئة میں جزاء ظلم کو مشاکلۃ سیئۃ کہا گیا ہے۔

دُوسَرا جَوَابٌ: بعض اوقات اسم تفضیل نفس زیادتی کو بیان کرنے کے لئے بھی آتا ہے اس وقت اس کو مفضل علیہ کی ضرورت نہیں ہوتی، یعنی اسم تفضیل اسم فاعل کے معنی میں آتا ہے اور قرآن کریم میں اس کا استعمال بکثرت ہے۔

قَوْلُہٗ: مُقْتَصِدَة، یہ اقتصاد (افتعال) سے ماخوذ ہے اسم فاعل واحد مؤنث، سیدھے راستہ پر قائم رہنا۔

تفسیر وتشریح

یایها الَّذِیْنَ آمَنُوْا لا تتخذوا الَّذِیْنَ اتخذُوْا دِیْنَکم هُزُوًا الخ اہل کتاب سے یہود ونصاریٰ اور کفار سے مشرکین مراد ہیں، یہاں یہ تاکید کی جارہی ہے کہ دین کا مذاق اڑانے والے چونکہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں ایسے لوگوں کے ساتھ اہل ایمان کی دوستی نہیں ہونی چاہئے۔

شانِ نزول:

تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابوالشیخ ابن حبان میں حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ بعضے یہودی ظاہر میں تو مسلمان ہو گئے تھے مگر باطن میں اسلام کے مخالف تھے، بعض سیدھے سادے مسلمان، یہودیوں کو سچا مسلمان سمجھتے تھے، جس کی وجہ سے ان سے دلی دوستی اور گہرے تعلقات رکھتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر بتلا دیا کہ یہ لوگ دین اسلام کا مذاق اڑانے والے اور مسلمانوں کی تضحیک کرنے والے ہیں لہٰذا ان سے دلی دوستی اچھی نہیں۔

واذا نادیتم الی الصلوۃ، ابن جریر اور ابن ابی حاتم سے روایت کی ہے کہ جب مدینہ میں اذان ہوتی تھی تو ایک نصرانی اشھدان محمدا رسول اللہ سنکر کہا کرتا تھا کہ خدا اس جھوٹے مؤذن کو چولھے میں ڈالے، ایک روز اس نصرانی کے گھر میں آگ لگی وہ اور اس کے اہل وعیال سب جل کر خاکستر ہو گئے تورات اور انجیل میں یہ بات صاف لکھی ہوئی ہے کہ مکہ کے پہاڑوں میں سے جس نبی کا ظہور ہونے والا ہے وہ نبی آخر الزمان ہوگا، اس کے باوجود اس نصرانی نے دانستہ اللہ کے رسول کی شان میں گستاخی کی اس پر اللہ تعالیٰ کی خفگی ہوئی۔

قل یا اھل الکتاب ھل تنقمون منا الا أن آمنّا، (یعنی) اے اہل کتاب تم ہم سے بلا وجہ ناراض ہو جبکہ ہمارا قصور اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اللہ پر اور اسکے رسول پر اور اس سے پہلے اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، کیا یہ بھی کوئی قصور اور عیب کی بات ہے، البتہ ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ بدترین اور قابل نفرت کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ کی لعنت اور غضب ہوا جن میں سے بعض کو اللہ نے بندر اور بعض کو سور بنا دیا، اور جنہوں نے طاغوت کی پوجا کی، اس آئینہ میں تم اپنا چہرہ دیکھو تم کو صاف نظر آئے گا کہ یہ کن کی تاریخ ہے؟ اور وہ کون لوگ ہیں؟ کیا یہ تم ہی نہیں ہو؟ یاد رہے کہ یہود کے اسلاف کو یوم السبت کی خلاف ورزی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے جوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو سور بنا دیا تھا۔

شانِ نزول:

معتبر سند سے تفسیر ابن جریر میں ہے کہ بعض یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ آپ کن کن نبیوں کو برحق مانتے ہیں، آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور دیگر انبیاء کا نام لیا یہود حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کا نام سنکر چنگاری زیرپا ہو گئے اور بہت چڑے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَاِذَا جَاءُ وکُمْ، (الآیۃ) یہ منافقین جب دعوائے اسلام کے ساتھ آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو کفر لے کر آتے ہیں اور کفر ہی لے کر واپس چلے جاتے ہیں، آپ ﷺ کی کیمیا تاثیر گفتگو بھی ان کے سنگ لاخ دلوں پر کچھ اثر نہیں کرتی اسلئے کہ ان کے دل کفر ونفاق کی گندگی سے آلودہ ہوتے ہیں، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد ہدایت کا حصول نہیں بلکہ فریب اور دھوکہ ہوتا ہے، اور اللہ ان کے دلوں کے مخفی رازوں کو بخوبی جانتا ہے، آپ دیکھیں کہ ان میں کے اکثر لوگ گناہ کے

کاموں اور ظلم وزیادتی کی طرف لپکتے ہیں اور حرام خوری ان کا شیوہ ہے۔

لولا ینهٰهم الربّٰنیون (الآیة) یہ علماء اور مشائخ دین پر نکیر ہے کہ عوام کی اکثریت تمہارے سامنے فسق وفجور اور حرام خوری کا ارتکاب کرتی ہے لیکن تم انھیں منع نہیں کرتے، ایسے حالات میں تمہارا یہ بڑا جرم ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، کتنی اہم اور ضروری چیز ہے اور اس کے ترک پر سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

قدرت کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت بڑا جرم ہے:

ترمذی، ابوداؤد وابن ماجہ وغیرہ میں معتبر سندوں سے جو روایتیں اس باب میں نقل ہوئی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جو کوئی اچھا آدمی کسی برے آدمی کو کوئی برا کام کرتے دیکھے اور قدرت کے باوجود منع نہ کرے تو اس کو دنیا ہی میں منع نہ کرنے کا وبال ضرور بھگتنا پڑے گا۔

شان نزول:

وقالت الیهود ید الله مغلولة، طبرانی اور ابوالشیخ نے جو شان نزول اس آیت کا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ شماس نے جو یہود کے قبیلہ قینقاع کا سردار تھا ایک دوسرے یہودی سے جس کا نام نباش بن قیس تھا ایک روز کہا کہ یہود کی طرف سے اللہ نے سخاوت اور کشائش رزق کا ہاتھ روک لیا ہے اسلئے کہ نعوذ باللہ، اللہ بخیل ہو گیا ہے اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ جمیعَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ولا تکتم شیئاً منه خوفاً ان تنال بمکروهٍ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ ای لم تبلغ جمیع ما اُنزل الیک فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ بالافراد والجمع لان کتمان بعضها ککتمان کلها وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ان یقتلوك وکان النبیُّ صلی الله علیه وسلم یُحرس حتی نزلت فقال انصرفوا عنّی فقد عصمنی الله تعالی رواه الحاکم اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ من الدین معتدٍّ به حَتّٰی تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ بان تعملوا بما فیه ومنه الایمان بی وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ من القرآن طُغْيَانًا وَّكُفْرًا لکفرهم به فَلَا تَاْسَ تحزن عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ ان لم یؤمنوا بك ای لا تهتم بهم اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا هم الیهود مبتداء وَالصّٰبِئُوْنَ فرقة منهم وَالنَّصٰرٰی ویبدل من المبتداء مَنْ اٰمَنَ منهم بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ فی الآخرة خبر المبتداء دالٌّ علی خبر انّ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ علی

الایمان باللّٰہِ ورُسُلِہٖ وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھِمْ رُسُلًا ؕ کُلَّمَا جَآءَھُمْ رَسُوْلٌ منہم بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُھُمْ من الحقّ کَذَّبُوْہُ فَرِیْقًا منہم کَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا منہم یَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ کزکریا ویحیٰی والتَّعبیرُ بہ دُونَ قتلُوا حِکایَۃً لِلحالِ الماضیۃِ لِلفاصلۃِ وَحَسِبُوْٓا ظنُّوا اَلَّا تَکُوْنَ بالرّفعِ فاَنْ مُخفّفۃٌ والنَّصبِ فھی ناصبۃٌ ای تقعُ فِتْنَۃٌ عذابٌ بِہم علی تکذیبِ الرُّسُلِ وقتلِہم فَعَمُوْا عن الحقّ فلم یُبْصِرُوْہُ وَصَمُّوْا عن اسْتِماعِہٖ ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ لَمَّا تابُوْا ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا ثانیًا کَثِیْرٌ مِّنْھُمْ بَدَلٌ من الضَّمیرِ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ فیُجازیہم بہٖ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ؕ سَبَقَ مثلُہٗ وَقَالَ لہم الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ فاِنّی عَبْدٌ ولستُ بِاِلٰہٍ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فی العبادۃِ غیرَہٗ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ منعَہٗ اَن یَّدخُلَھا وَمَاْوٰىہُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ زائدۃٌ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ یَمْنَعُوْہُم من عذابِ اللّٰہِ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ اٰلِھۃٍ ثَلٰثَۃٍ ۘ ای احدُھا والاخرانِ عیسٰی واُمُّہٗ وھم فِرْقَۃٌ من النَّصاریٰ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّآ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ یَنْتَھُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ من التَّثلیثِ ولم یُوَحِّدُوا لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ای ثَبَتُوا علی الکُفرِ مِنْھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ مُؤلِمٌ ھو النّارُ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَہٗ ؕ مِمّا قالُوْہ استفہامُ تَوبیخٍ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ لمن تاب رَّحِیْمٌ ﴿۷۴﴾ بہٖ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مَضَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ؕ فھو یَمضی مِثلَہم ولیس بالٰہٍ کما زعمُوا والا لَما مَضٰی وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ ؕ مُبالغۃٌ فی الصِّدقِ کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ کغیرِھما من الحیوانات ومن کان کذلک لا یکونُ اِلٰہا لِترکیبِہٖ وضُعفِہٖ وما یَنْشَأُ منہ من البَولِ والغائطِ اُنْظُرْ مُتعجّبا کَیْفَ نُبَیِّنُ لَھُمُ الْاٰیٰتِ علی وَحدانیّتِنا ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی کیف یُؤْفَکُوْنَ ﴿۷۵﴾ یُصرَفُونَ عن الحقّ مع قیامِ البُرہانِ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ای غیرِہٖ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰہُ ھُوَ السَّمِیْعُ لاقوالِکم الْعَلِیْمُ ﴿۷۶﴾ باحوالِکم والاستفہامُ لِلْاِنکارِ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ الیہود والنصاریٰ لَا تَغْلُوْا تُجاوزُوا الحدَّ فِیْ دِیْنِکُمْ غُلُوًّا غَیْرَ الْحَقِّ بانْ تضعُوا عیسٰی او ترفعُوہ فوقَ حقِّہٖ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ بغُلُوِّھم وھم اَسلافُہم وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا من النّاسِ وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾ طریقِ الحقِّ والسَّواءُ فی الاصلِ الوَسْطُ۔

ترجمہ: اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ سب (لوگوں تک) پہنچادو اور اس خوف سے کہ اس کی وجہ سے تم کو کوئی پریشانی لاحق ہوگی، اس میں سے کچھ نہ چھپاؤ، اور اگر تم نے یہ کام نہ کیا یعنی جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے وہ سب (لوگوں تک) نہ پہنچایا تو تم نے اس کی رسالت کا حق ادا نہ کیا، (رسالة) افراد اور جمع کے ساتھ ہے، اس لئے کہ بعض کا چھپانا کل کے چھپانے کے مانند ہے، اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائیگا کہ تم کو قتل کریں، اور نبی ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی یہاں تک کہ آیت ''یعصمك من الناس'' نازل ہوئی، تو آپ نے فرمایا میرے پاس سے چلے جاؤ اس

لیے کہ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کردی ہے رواہ حاکم، یقین رکھو کہ اللہ کافروں کو (تمہارے مقابلہ میں کامیابی کی) راہ نہ دکھائیگا، آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم معتد بہ دین پر قائم نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل اور اس کے (احکام) پر قائم نہ ہو کہ جو تمہارے رب نے تمہاری طرف نازل کئے ہیں، بایں طور کہ جو اس میں ہے اس پر عمل کرو اور ان (احکام میں) میری تصدیق کرنا بھی شامل ہے جو قرآن آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں اضافہ کردے گا، ان کے منکر ہونے کی وجہ سے، اگر منکر قوم رب پر ایمان نہ لائے تو آپ افسوس نہ کریں یعنی ان پر غم زدہ نہ ہوں، اس میں کوئی شک نہیں کہ (خواہ) مومن ہوں یا یہودیت اختیار کرنے والے ہوں اور وہ یہودی ہیں مبتداء ہے اور صابی اور نصاریٰ (یا ہوں) (صابی) یہود کا ایک فرقہ ہے اور مَنْ آمَنَ، مبتداء سے بدل ہے، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر حقیقت میں ایمان لائیگا اور نیک عمل کرے گا تو آخرت میں نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ غم (**فلا خوف علیھم و لاھم یحزنون**) مبتداء کی خبر ہے جو کہ اِنَّ کی خبر پر دال ہے، ہم نے بنی اسرائیل سے اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے، (مگر) جب بھی ان کا کوئی رسول ان کی خواہشات نفس کے خلاف حق لے کر آیا تو اس کی تکذیب کی، ان میں سے بعض کی تکذیب کی اور ان میں سے بعض کو قتل کر ڈالا جیسا کہ حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور یحیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور **قَتَلُوْا** کے بجائے **یقتلون** سے تعبیر حکایت حال ماضیہ کے طور پر ہے اور فواصل کی رعایت بھی مقصود ہے اور وہ بزعم خویش یہ سمجھے کہ کوئی فتنہ رونما نہ ہوگا یعنی ان کے رسولوں کی تکذیب اور قتل کی وجہ سے ان پر کوئی عذاب واقع نہ ہوگا، (الّا تکونُ) رَفع کے ساتھ ہے، اس صورت میں اَنْ مخففہ عن المثقلہ ہوگا، اور نصب کے ساتھ بھی ہے، اس صورت میں اَن ناصبہ ہوگا، اَن تکونَ، بمعنی اَن تقع ہے، حق سے اندھے ہوگئے کہ اس کو دیکھتے نہیں ہیں اور اسی کے سننے سے بہرے ہوگئے پھر جب انہوں نے توبہ کی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی پھر دوبارہ ان میں سے اکثر لوگ اندھے بہرے ہوگئے اور کثیرٌ منھم، صَمُّوْا کی ضمیر سے بدل ہے، یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اللہ وہ سب کچھ دیکھتا ہے تو ان کو اس کی سزا دیگا، یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا اللہ وہ عیسیٰ ابن مریم ہی ہے، اسی قسم کی آیت گذر چکی ہے، اور ان سے مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا تھا اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کیونکہ میں بندہ ہوں معبود نہیں ہوں، جس نے عبادت میں غیر کو اللہ کا شریک ٹھہرایا تو اللہ نے اس کے لئے جنت کو حرام کردیا، یعنی جنت میں اس کے داخلہ پر پابندی لگادی، اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں، کہ ان کو اللہ کے عذاب سے بچا سکے، مِن زائد ہے یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین معبودوں میں سے ایک ہے یعنی ایک اللہ اور دوسرے دو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی والدہ یہ نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں اگر یہ لوگ تثلیث کی بکواس سے باز نہ آئے اور توحید کے قائل نہ ہوئے تو جس نے ان میں سے کفر کیا ہوگا یعنی کفر پر قائم رہا ہوگا تو ان کو دردناک سزا دی جائے گی اور وہ آگ کی سزا ہے تو پھر کیا لوگ اپنی کہی ہوئی باتوں کے بارے میں اللہ سے توبہ نہ کریں گے اور اس سے معافی نہ مانگیں گے اللہ اس سے جس نے توبہ کی

درگذر کرنے والے اور اس پر رحم کرنے والے ہیں، مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں یہ بھی ان کی طرح گذر جائیں گے وہ معبود نہیں ہیں جیسا کہ انہوں نے مان رکھا ہے ورنہ تو وہ نہ گذرتے، ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھی، صداقت میں مبالغہ کرنے والی، اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے جس طرح دیگر جاندار کھاتے ہیں اور جو ایسا ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا اپنے مرکب ہونے کی وجہ سے اور اپنے ضعف کی وجہ سے اور اس سے بول و براز خارج ہونے کی وجہ سے دیکھو امر تعجب کیلئے ہے ہم ان کے لئے اپنی وحدانیت پر کیسی نشانیاں بیان کرتے ہیں پھر دیکھو دلیل قائم ہونے کے باوجود حق سے کیسے الٹے پھرے جا رہے ہیں؟ آپ ان سے کہو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کی بندگی کرتے ہو جو تمہارے نہ نقصان کا مالک ہے اور نہ نفع کا حالانکہ اللہ ہی سب کی باتوں کا سننے والا اور سب کے احوال کا جاننے والا ہے، استفہام انکار کے لئے ہے، کہو اے اہل کتاب یہود و نصاریٰ ناحق اپنے دین میں غلو نہ کرو یعنی اپنے دین کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرو، بایں طور کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحقیر کرو یا ان کے رتبہ سے زیادہ (بڑھاؤ) اور ان لوگوں کے خیالات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے اپنے غلو کی وجہ سے گمراہ ہو چکے ہیں اور وہ ان کے اسلاف ہیں، اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور راہ راست سے بھٹک گئے تھے، یعنی راہ حق سے، سواء کے معنی درحقیقت وسط کے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: لِاَنَّ کتمانَ بَعْضِھا کِکتْمانِ کلّھا، یہ رسالات کو جمع لانے کی علت ہے۔

قولہ: اَنْ یَقْتُلُوا، اس جملہ کو مقدر ماننے کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے قول "واللّٰہ یعصمك من الناس" کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو انسانوں کی جانب سے ہر قسم کی گزند سے محفوظ رکھیں گے، حالانکہ آپ ﷺ کو انسانوں کی طرف سے گزند پہنچی تھی، مثلاً غزوۂ احد میں آپ کے چہرۂ انور کا زخمی ہو جانا آپ کی رباعی مبارک کا ٹوٹ جانا وغیرہ وغیرہ۔

جواب: حفاظت سے مراد قتل سے حفاظت ہے نہ کہ مطلقاً گزند سے حفاظت لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ: مِنَ الدِّیْنِ مُعْتَدّبه یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہود و نصاریٰ و مشرکین کیلئے یہ کہنا کہ تم کسی شئ پر نہیں ہو درست نہیں ہے اسلئے کہ وہ جس دین دھرم پر تھے وہ بھی تو ایک شئ تھی اس کا جواب دیا۔

جواب: شئ سے مراد عند اللہ دین معتد بہ ہے، نہ کہ ان کا اختیار کردہ دین و دھرم۔

قولہ: الصّٰبِئُونَ، صَابِیٌّ کی جمع ہے اسم فاعل دین سے خارج ہونے والا، جب کوئی شخص اسلام لاتا تو عرب کہتے قد صَبَأَ، وہ دین سے نکل گیا یہ فرقہ اس نام سے اسلئے موسوم ہوا کہ وہ یہودیت اور نصرانیت سے نکل کر ستاروں کی پرستش کرنے لگا

ان کا مرکز حران ہے، ابواسحٰق صابی اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔

قَوْلُہٗ: اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا، اس جملہ میں نوترکیبیں ہوسکتی ہیں ان میں سے آسان تین ترکیبیں لکھی جاتی ہیں۔

❶ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ناصب، الذین اسم موصول آمنوا صلہ، موصول صلہ سے مل کر، اِنَّ کا اسم، فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون، جملہ ہوکر اِنَّ کی خبر محذوف۔

وَالذین هادوا والصابئون والنصاری مَن آمَنَ بالله والیوم الآخر وعمل صالحاً فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون.

❷ واو، استینافیہ الّذین اسم موصول هَادُوا صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر معطوف علیہ، والصابئون معطوف علیہ معطوف والنصاری معطوف تینوں معطوفات مل کر مبدل منہ مَنْ آمَنَ باللّٰہ والیوم الآخر جملہ ہوکر معطوف علیہ، وعمل صالحاً معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر بدل، بدل مبدل منہ سے مل کر مبتداء، فلا خوف علیه ولا هم یحزنون، جملہ ہوکر مبتداء کی خبر ہے۔

❸ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل الذین اسم موصول آمنوا، صلہ، موصول صلہ سے مل کر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ الذین اسم موصول هادوا صلہ اسم موصول صلہ سے ملکر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ الصابئون معطوف علیہ معطوف واوٗ حرف عطف النصاری معطوف تینوں معطوفات مل کر مبدل منہ مَنْ اٰمَنَ باللّٰہ بدل، بدل مبدل منہ سے مل کر اِنَّ کا اسم فلا خوف علیه ولا هم یحزنون. اِنَّ کی خبر۔

قَوْلُہٗ: کَذَّبُوْہُ یہ کلّما کی جزاء محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالتَّعْبِیْرُ بِہٖ یعنی موقع ماضی کا تھا مگر یقتلون مضارع استعمال ہوا ہے ایک تو حکایت حال ماضیہ کے طور پر یعنی یہ بتانے کے لئے کہ گویا کہ قتل کا معاملہ اس وقت ہو رہا ہے، دوسرا مقصد فواصل کی رعایت ہے۔

قَوْلُہٗ: تَقَعَ، اس میں اشارہ ہے کہ تکون تامہ ہے لہٰذا اس کو خبر کی ضرورت نہیں ہے، فتنةٌ، تکون کا فاعل ہے۔

قَوْلُہٗ: بَدَلٌ مِنَ الضَّمِیْرِ یعنی کثیرٌ منهم، عَموا وصَمّوا، کی ضمیر سے بدل البعض ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کثیرٌ منهم، اُولٰئِكَ مبتداء محذوف کی خبر ہو۔

قَوْلُہٗ: فِرْقَةٌ مِنَ النَّصَارٰی اس میں اشارہ ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ثالث ثلثة کہنے والا نصاری کا ایک فرقہ ہے اس کے علاوہ دیگر فرقے بھی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الٰہ مانتے ہیں لہٰذا دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

یٰاَیُّهَا الرسول بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ (الآیة) آپ ﷺ کو اس آیت میں تاکیدی حکم دیا جارہا ہے کہ آپ پر جو کچھ نازل کیا جاتا ہے اس کو آپ بے کم وکاست اور بلاخوف لومة لائم لوگوں تک پہنچادیں چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا، حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ گمان کرے کہ نبی ﷺ نے کچھ چھپا لیا ہے اس نے یقیناً جھوٹ بولا، (صحیح بخاری) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب سوال کیا گیا کہ آپ کے پاس قرآن کے علاوہ وحی کے ذریعہ سے نازل شدہ اور کوئی بات ہے؟ تو آپ نے قسمیہ منع فرمایا، اِلّا فهماً يعطيه الله رجلاً، البتہ قرآن کا فہم ہے جسے اللہ کسی کو بھی عطا فرمادے۔ (صحیح بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ نے کیسی لطیف اور سچی بات اس موقع پر فرمائی، کہ اگر آپ نے قرآن کا کوئی جز چھپایا ہوتا تو وہ یہی جز ہوتا، قَالَت لَوْ كَانَ محمد كا تماً شيئاً مِنَ القرآن لكَتَمَ هذه الآية. (ابن کثیر)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے صحابہ کے لاکھوں کے مجمع میں فرمایا تم میرے بارے میں کیا کہو گے؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا ''نَشهدُ انّكَ قد بَلّغتَ وادّيتَ ونَصَحْتَ '' ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچادیا اور اس کا حق ادا کر دیا، اور خیر خواہی فرمادی، آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، 'اَللّٰهُمَّ قَدْ بلغتُ'' (تین مرتبہ)۔

واللّه يَعْصِمُكَ مِنَ الناس، آپ کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طریقہ پر بھی فرمائی اور دنیاوی اسباب کے تحت بھی، اس آیت کے نزول سے قبل آپ کی حفاظت کے ظاہری اسباب کے طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب کے دل میں آپ کی طبعی محبت ڈال دی اور وہ آپ کی حفاظت کرتے رہے، ان کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض قریش کے سرداروں کے ذریعہ پھر انصار مدینہ کے ذریعہ آپ کا تحفظ فرمایا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے تحفظ کے ظاہری اسباب جن میں صحابہ کرام کا پہرہ بھی شامل تھا اٹھوادیا اس کے بعد بارہا سنگین خطرے پیش آئے لیکن اللہ نے آپ کی حفاظت فرمائی، چنانچہ بذریعہ وحی ''وقتاً فوقتاً'' اللہ نے یہودیوں کے مکروکید سے مطلع فرما کر خطرہ سے بچالیا۔

قل يااهل الكتاب لَسْتُمْ على شيْءٍ الخ، یہ ہدایت اور گمراہی اس اصول کے مطابق ہے جو سنت اللہ رہی ہے یعنی جس طرح بعض نیک کاموں سے اہل ایمان کے ایمان وتصدیق وعمل صالح اور علم نافع میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح معاصی اور تمرد سے کفر وطغیان میں بھی زیادتی ہوتی ہے، یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے۔

قل يااهل الكتاب لا تغلوا فى دينكم غير الحق، یعنی اتباع حق میں حد سے تجاوز نہ کرو اور جس کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے اس میں مبالغہ کر کے انھیں منصب نبوت سے اٹھا کر مقام الوہیت پر فائز مت کرو جیسے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملہ میں تم نے غلو کیا، غلو ہر دور میں شر اور گمراہی کا سب سے بڑا ذریعہ رہا ہے، انسان کو جس سے عقیدت ومحبت ہوتی ہے اس کی شان میں خوب مبالغہ کرتا ہے، وہ ولیوں اور بزرگوں کو پیغمبروں کی طرح معصوم سمجھنے لگتا ہے، اور پیغمبروں کو خدائی صفات سے متصف کر دیتا ہے۔

ولا تتبعوا اهواءَ قوم قدضلوا من قبل، یعنی اپنے سے پہلے لوگوں کے پیچھے مت لگو جو ایک نبی کو الٰہ بنا کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ بِاَنْ دَعَا عَلَيهِمْ فمُسِخُوْا قِرَدةً وهُم اصحابُ اَيْلَةَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

ن دعا عليهم فمسخوا خنازير وهم اصحاب المائدة ذٰلِكَ اللعن بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ
ى لا ينهى بعضهم بعضا عَنْ معاودة مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾ فعلهم هذا تَرٰى يا محمد
ثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ من اهل مكة بغضا لك لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ من العمل لمعادهم
موجب لهم اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ محمد
مَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اى الكفار اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾ خارجون عن الايمان
تَجِدَنَّ يا محمد اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ من اهل مكة لتضاعف كفرهم
جهلهم وانهماكهم فى اتباع الهوى وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ
ى قرب مودتهم للمؤمنين بِاَنَّ بسبب ان مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ علماء وَرُهْبَانًا عبادا
اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾ عن عبادة الحق كما يستكبر اليهود واهل مكة.

ترجمہ: بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی لعنت کی گئی یعنی ان کے لئے بددعا کی
ئی، جس کی وجہ سے ان کو بندر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا، اور وہ ایلہ کے باشندے تھے، اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کی زبانی
نت کی گئی اس طریقہ پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لئے بددعا کر دی جس کے نتیجے میں ان کو سور کی شکل میں مسخ
کر دیا گیا، اور وہ اصحاب مائدہ تھے، یہ لعنت اس وجہ سے کی گئی کہ وہ نافرمانی کرتے ہوئے حد سے تجاوز کر گئے تھے، انہوں
نے آپس میں ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا، ان کا یہ طرز عمل برا تھا، جو انہوں نے اختیار
کیا، اے محمد آپ ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہو کہ جو آپ کی عداوت میں مکہ کے کافروں سے دوستی کرتے
یں، قسم ہے (ہماری عزت وجلال کی) کہ ان کے نفسوں نے جو اعمال اپنی آخرت کے لئے بھیجے ہیں وہ نہایت برے
عمال ہیں جو ان کے اوپر اللہ کی ناراضگی کا باعث ہوئے اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے، اگر فی الواقع یہ لوگ اللہ پر اور
اس کے نبی محمد ﷺ پر اور اس چیز پر جو نازل ہوئی تھی ایمان رکھتے تو کفار کو کبھی دوست نہ بناتے مگر ان میں سے اکثر
یمان سے خارج ہو چکے ہیں اے محمد ﷺ آپ اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مکہ کے مشرکوں
و پاؤ گے ان کے کفر کے دوگنا ہونے اور ان کے جہل اور ان کی خواہشات میں منہمک ہونے کی وجہ سے، اور ایمان والوں
کے لئے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں اور یہ یعنی دوستی میں مومنوں سے ان کا قریب
نا اس وجہ سے ہے کہ ان میں علماء اور عبادت گذار (تارک الدنیا) پائے جاتے ہیں اور حق کی بندگی سے غرور نہیں کرتے
یسا کہ یہود اور اہل مکہ غرور کرتے ہیں۔

تحقیق ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ایلة، بحرطبریہ کے ساحل پر ایک بستی کا نام ہے۔

قولہ: مُعَاوَدَة، یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ منکر کو کرنے کے بعد اس سے نہی کا نہ کوئی فائدہ اور نہ امر معقول، اسلئے کہ جس چیز کا وقوع ہو گیا اس کا اصلی عدم ممکن نہیں، مُعَاوَدَة، مضاف محذوف مان کر مفسّر علّام نے اشارہ کر دیا کہ منکر کے دوبارہ ارتکاب سے ممانعت مقصود ہے۔

قولہ: فِعْلِهِمْ، یہ ما کا بیان ہے۔

قولہ: هذا، یہ مخصوص بالذم ہے۔

قولہ: مِنْهُمْ اَیْ مِنْ اَهْلِ الکِتَابِ.

قولہ: الموجب یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: المُوْجب مقدر ماننے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: اسلئے کہ ان سخط اللّٰه مخصوص بالذم ہے اور مخصوص بالذم فاعل کا بیان ہوتا ہے اور سخط اللّٰه علیهم کا ماقدمت کا بیان واقع ہونا صحیح نہیں ہے جب تک کہ الموجب مضاف محذوف نہ مانا جائے اسلئے کہ ماقدمت اہل کتاب کا فعل ہے اور سخط اللہ کا فعل ہے لہٰذا حمل درست نہ ہوگا۔

قولہ: مُحَمَّد ﷺ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اہل کتاب تو نبی پر ایمان رکھتے تھے، اس کا جواب دیا ہے کہ نبی سے مراد محمد ﷺ ہیں اور النبی میں الف لام عہد کا ہے۔

قولہ: قِسّیسِیْنَ، رومی زبان میں عالم کو کہتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

لُعِنَ الَّذِیْنَ کفروا مِنْ بنی اسرائیل، زبور میں حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی زبانی اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی زبانی اور اس کے بعد قرآن کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی زبانی بنی اسرائیل پر لعنت کرائی گئی۔

ایک امی عربی کا تاریخ کی حقیقت کو صحیح صحیح بیان کرنا:

جو لوگ مسیحیت کی ابتدائی تاریخ پر نظر رکھتے ہیں اور خود فرنگیوں کی موجودہ اناجیل سے واقف ہیں وہ قرآن مجید کے اس بیان پر عش عش کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ چھٹی صدی عیسوی کا ایک عرب امی لاکھ ذہین و باخبر ہو ان اہم تاریخی حقائق پر نظر رکھ ہی کیسے سکتا تھا؟ تاوقتیکہ عالم الغیب والشہادۃ براہ راست اسے تعلیم نہیں دے رہا تھا۔

دونوں لعنتوں کا ذکر عہد عتیق اور عہد جدید میں:

مذکورہ دونوں لعنتوں کا ذکر عہد عتیق کے صحیفۂ زبور اور عہد جدید کے صحیفۂ متی میں علی الترتیب موجود ہے، زبور میں لعنت کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

خداوند نے سنا اور نہایت غصہ ہوا اسلئے یعقوب میں ایک آگ بھڑکائی گئی اور اسرائیل پر قہر اٹھا، کیونکہ انہوں نے خدا پر اعتماد نہ کیا اور اس کی قیامت پر اعتماد نہ رکھا۔ (زبور۔۷۸: ۲۱، ۲۲، ۲۳)

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی زبانی لعنت کے الفاظ:

غرض اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھر دو، اے سانپو، اے افعی کے بچو تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔ (متی ۲۳، ۳۱، ۳۲)

چنانچہ اسرائیلیوں نے داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں قانونِ سبت کو توڑا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں تو خود ان کی نبوت کا شدت سے انکار کیا۔

ان کی مسلسل نافرمانیوں کی داستان سے اسرائیلیوں کے مذہبی نوشتے اور صحیفے بھرے ہوئے ہیں نمونے کے طور پر صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

انہوں نے ایسی شرارتیں کیں کہ جن سے خداوند کو غصہ ور کیا، کیونکہ انہوں نے بت پوجے باوجودیکہ انھیں خداوند نے کہا تھا کہ تم یہ کام نہ کیجیو اور باوجود اس کے خداوند نے سارے نبیوں اور غیب بینوں کی معرفت سے اسرائیل اور یہود پر باتیں جتائی تھیں پر انہوں نے نہ سنا، بلکہ اپنے باپ دادوں کی گردن کشی کے مانند جو خداوند اپنے خدا پر ایمان نہ لائے تھے گردن کشی کی، اور اس کے قانون کو اور اس کے عہد کو جو اس نے اپنے باپ دادوں سے باندھا تھا، اور اس کی گواہیوں کو جو اس نے ان پر دی تھیں جنھیں دکھا کر خداوند نے انھیں حکم کیا تھا کہ تم ان کے سے کام مت کیجیو، اور انہوں نے خداوند اپنے خدا کے سب حکم ترک کر دیئے اور اپنے لئے ڈھالی ہوئی مورتیں یعنی دو بچھڑے بنائے، اور آسمانی ستاروں کی ساری فوج کی پرستش کی اور بعل کی عبادت کی اور انہوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گذارا اور فال گیری اور جادوگری کی اور اپنے تیئں بیچ ڈالا کہ خداوند کے حضور بدکاریاں کریں کہ اسے غصہ دلا دیں ان باعثوں سے خداوند بنی اسرائیل پر نپٹ غصہ ہوا۔

(۲ سلاطین۔۱۷: ۱۲، ۱۸) (تفسیر ماجدی)

بنی اسرائیل پر لعنت کے اسباب:

لعنت کے اسباب میں سے عصیان یعنی واجبات کا ترک کرنا اور محرمات کا ارتکاب، اور اعتداء یعنی دین میں غلو اور بدعات ایجاد کر کے انہوں نے حد سے تجاوز کیا، مزید برآں یہ کہ وہ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے نہیں تھے جو بجائے خود ایک بڑا جرم

ہے بعض مفسرین نے اسی ترک نہی کو عصیان اور اعتداء قرار دیا ہے جو لعنت کا سبب بنا، بہر حال برائی کو دیکھتے ہوئے برائی سے نہ روکنا بہت بڑا جرم اور لعنت وغضب الٰہی کا سبب ہے، حدیث میں بھی اس جرم پر بڑی سخت وعید وارد ہوئی ہے، ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا، سب سے پہلی خرابی جو بنی اسرائیل میں داخل ہوئی یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کو برائی کرتے دیکھتا تو کہتا اللہ سے ڈرو اور یہ برائی چھوڑ دو یہ تمہارے لئے جائز نہیں، لیکن دوسرے ہی روز پھر اسی کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے میں کوئی عار یا شرم محسوس نہ ہوتی، درانحالیکہ ایمان کا تقاضہ اس سے نفرت اور ترک تعلق تھا، جس کی وجہ سے اللہ نے ان کے درمیان آپس میں عداوت ڈال دی اور وہ لعنت الٰہی کے مستحق ہوئے، پھر فرمایا: کہ اللہ کی قسم تم ضرور لوگوں کو نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکا کرو، ظالم کا ہاتھ پکڑ لیا کرو، ورنہ تمہارا حال بھی یہی ہوگا، (ابوداؤد کتاب الملاحم) دوسری روایت میں اس فریضے کے ترک پر یہ وعید سنائی تھی کہ تم عذاب الٰہی کے مستحق بن جاؤ گے، پھر تم اللہ سے دعائیں بھی مانگو گے تو قبول نہ ہوں گی۔

لَتَجِدَنَّ اشد الناس عداوۃً للذین آمنوا الیهود (الآیۃ)، اہل ایمان سے یہود کی شدید ترین عداوت کی وجہ عناد اور جحود حق ہے، حق سے اعراض اور استکبار اور اہل علم وایمان کی تنقیص وتحقیر کا جذبہ ان میں بہت پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ نبیوں کا قتل اور ان کی تکذیب ان کا شعار رہا ہے، حتی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی بھی کئی مرتبہ سازش کی آپ ﷺ پر جادو کیا، کھانے میں زہر دیا، پتھر گرا کر ہلاک کرنے کی مذموم کوشش کی غرضیکہ نقصان وایذاء رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا، اور یہی صورت حال مشرکین مکہ کی تھی۔

بہ نسبت یہود کے، نصاریٰ میں جحود واستکبار کم ہے:

یعنی نصاریٰ میں علم وتواضع ہے یہی وجہ ہے کہ ان میں یہود کی طرح جحود واستکبار نہیں ہے اس کے علاوہ دین مسیحی میں نرمی وعفو ودرگزر کی تعلیم کو امتیازی حیثیت حاصل ہے، ان ہی وجوہ کی بناء پر نصاریٰ بنسبت یہود کے مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں، عیسائیوں کا یہ وصف قربت یہود کے مقابلہ میں ہے، تاہم جہاں تک اسلام دشمنی کا تعلق ہے کم وبیش کچھ فرق کے ساتھ اسلام کے خلاف یہ عناد عیسائیوں میں بھی موجود ہے جیسا کہ صلیب وہلال کی صدیوں پر محیط معرکہ آرائی سے واضح ہے اور جس کا سلسلہ تا حال جاری ہے اور اب تو اسلام کے خلاف یہودی اور عیسائی دونوں ہی مل کر سرگرم عمل ہیں، اسی لئے قرآن نے دونوں ہی سے دلی دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

یہود ونصاریٰ میں وصف مشترک:

یہود آپس میں اور نصاریٰ آپس میں تو باہمی دوست ہوتے ہی ہیں باقی یہود ونصاریٰ کے درمیان بھی بہت کچھ مناسبت ہے کم سے کم یہی کہ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت میں دونوں متحد ہیں، آج سے جبکہ یہ سطریں لکھی جارہی ہیں ٹھیک ۶۰ سال پہلے ماہ جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ مطابق مئی ۱۹۴۶ء میں، فلسطین کی سرزمین پر ایک اسرائیلی سلطنت کی بنیاد ڈالنے کے سلسلہ میں

مسلمانوں کے خلاف یہود ونصاریٰ کی ساز باز قرآن مجید کی اس پیش گوئی کی معجزانہ تصدیق پیش کررہی ہے۔

یہود کی قتل مسیح سے براءت:

اس سے بڑھ کر حیرت انگیز اور دنیا کو دنگ کردینے والی یہود ونصاریٰ کے اتحاد کی وہ مثال ہے جو ۱۹۶۴ء میں پیش آئی جب یہود نے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کی ذمہ داری سے براءت نامہ پیش کیا، اور دنیائے مسیح کے پیشوائے اعظم نے انجیلوں کے واضح ترین شہادتوں کے باوجود قبول کرلیا۔

(نَزَلَتْ فِي وَفْدِ النَّجَاشِيِّ الْقَادِمِيْنَ مِنَ الْحَبَشَةِ قَرَأَ عَلَيْهِمْ صلى الله عليه وسلم سُوْرَةَ يٰسٓ فَبَكَوْا وَأَسْلَمُوْا وَقَالُوْا مَا أَشْبَهَ هٰذَا بِمَا كَانَ يَنْزِلُ عَلٰى عِيْسٰى) قَالَ تَعَالٰى **وَإِذَا سَمِعُوْا مَآ أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُوْلِ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **تَرٰٓى أَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا** صَدَّقْنَا بِنَبِيِّكَ وَكِتَابِكَ **فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ** ﴿۸۳﴾ الْمُقِرِّيْنَ بِتَصْدِيْقِهِمَا وَقَالُوْا فِيْ جَوَابِ مَنْ عَيَّرَهُمْ بِالْإِسْلَامِ مِنَ الْيَهُوْدِ **وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ** الْقُرْاٰنِ اَيْ لَا مَانِعَ لَنَا مِنَ الْإِيْمَانِ مَعَ وُجُوْدِ مُقْتَضِيْهِ **وَنَطْمَعُ** عَطْفٌ عَلٰى نُؤْمِنُ **أَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ** ﴿۸۴﴾ الْمُؤْمِنِيْنَ الْجَنَّةَ قَالَ تَعَالٰى **فَأَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۸۵﴾ بِالْإِيْمَانِ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ** ﴿۸۶﴾

ترجمہ: (آئندہ آنے والی آیات) حبشہ سے آنے والے نجاشی کے وفد کے متعلق نازل ہوئیں حضور ﷺ نے ان کے سامنے سورۂ یٰسین پڑھی تو وہ رونے لگے اور اسلام لے آئے اور انہوں نے کہا کہ اس (آپ ﷺ پر نازل ہونے والے کلام) کی اس (کلام) سے کتنی مشابہت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا تھا۔ اللہ نے فرمایا اور جب وہ اس کلام قرآن کو سنتے ہیں جو رسول پر اتارا گیا ہے تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے (یعنی) تیرے نبی اور کی کتاب کی تصدیق کی، تو، تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ لکھ لے (یعنی) ان لوگوں کے ساتھ جو (مذکورہ) دونوں چیزوں کی تصدیق کا اقرار کرنے والے ہیں اور ان لوگوں کے جواب میں کہا کہ جنہوں نے ان کو اسلام لانے پر عار دلائی تھی اور وہ یہود میں سے تھے، اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ پر اور حق قرآن پر جو ہمارے پاس آیا ہے ایمان نہ لائیں؟ یعنی ایمان لانے سے ہمارے لئے کوئی چیز مانع نہیں ہے حالانکہ ایمان کا مقتضی موجود ہے اور ہم کیوں امید نہ رکھیں اس کا عطف نُؤْمِنُ پر ہے، یہ کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی جنت میں رفاقت نصیب فرمائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان کو ان کے اس قول کی وجہ سے ایسی جنتیں عطا کیں جن میں نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اور ایمان والوں کا یہ صلہ ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا تو یہی لوگ دوزخ والے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَاِذَا سَمِعُوْا (الآیۃ) واؤ اگر استینافیہ مانا جائے تو یہ کلام مستانف ہوگا اور مفسر علام نے **قال تعالیٰ** کہہ کر اسی ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اگر عاطفہ مانا جائے جیسا کہ ابو سعود کی یہی رائے ہے تو اس کا عطف **لا یستکبرون** پر ہوگا، ای ذلك بسبب انّھم لَا یَسْتکبرون۔

قولہ: یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا آمَنَّا، یہ جملہ مستانفہ ہے جو کہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، یعنی قرآن سنکر جب ان کی مذکورہ حالت ہوتی ہے تو وہ کیا کہتے ہیں، اس کا جواب ہے یقولون ربنا آمنَّاالخ۔

قولہ: مُقْتَضِیَہ، یعنی جبکہ ایمان کا موجب موجود ہے اور وہ صالحین میں داخل ہونے کی ان کی رغبت وخواہش ہے۔

قولہ: عَطْفٌ عَلٰی نُؤْمِنُ، یعنی نطمع کا عطف نؤمنُ پر ہے نہ کہ مبتداء محذوف کی خبر، ای نحن نطمع اسلئے کہ حذف خلاف ظاہر ہے۔

تفسیر و تشریح

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرسول (الآیۃ) گزشتہ آیات میں یہ ارشاد فرمایا گیا تھا کہ یہود و مشرکین کی عام اخلاق حالت کے مقابلہ میں مسلمانوں کے حق میں نصاریٰ کا رویہ قابل قدر ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ نصاریٰ میں ایسے افراد موجود ہیں جو علم دوست اور دنیا سے کنارہ کش ہیں اور نہ وہ متکبر ہیں اب موجودہ پیش نظر آیتوں میں کچھ ایسے خداترس نصاریٰ کا خصوصی تذکرہ ہے جن کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کی سعادت حاصل ہوئی، ان حضرات کی حق شناسی کا واقعہ چونکہ اسلام کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے اسلئے اس واقعہ کو قدرے تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

ہجرت حبشہ کے واقعہ کی تفصیل:

مشرکین مکہ نے جب یہ دیکھا کہ دن بدن لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے جارہے ہیں اور اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے تو متفقہ طور سے منصوبہ بند طریقہ پر مسلمانوں کے درپے آزار ہوگئے، اور طرح طرح سے مسلمانوں کو ستانا شروع کردیا کوئی دن ایسا نہ گذرتا تھا کہ ایک نہ ایک مسلمان مشرکین کے دست ستم سے زخم خوردہ ہوکر نہ آتا ہو، پوری صورت حال آپ ﷺ کے سامنے تھی مگر آپ ﷺ کچھ نہیں کرسکتے تھے، مجبوراً آپ نے مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دیدی، آپ نے فرمایا:

تفرّقوا فی الارض فاِن اللّٰہ یجمعکم قالوا الی این نذھب قال الی ھنا واَشارَ بیدہ الی ارض الحبشۃ۔

(عبد الرزاق عن معمر عن الزھری)

ترجمہ: تم اللہ کی زمین میں کہیں چلے جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کرے گا، صحابہ نے عرض کیا کہاں جائیں؟

آپ نے ملک حبشہ کی طرف اشارہ فرمایا۔
اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہاں ایک بادشاہ ہے جس کی قلمرو میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا اور نہ وہ خود ظالم ہے چنانچہ ماہ رجب ۵ نبوی میں نفوس قدسیہ کے مندرجہ ذیل قافلے نے حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

حبشہ کی پہلی ہجرت:

نفوس قدسیہ کا یہ قافلہ سولہ (۱۶) افراد پر مشتمل تھا، جن میں گیارہ مرد اور پانچ عورتیں تھیں، جن کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

مرد

1. حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
2. حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
3. زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
4. ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
5. مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
6. ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
7. حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
8. حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
9. سہیل بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
10. ابوسبرہ بن ابی رہم عامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
11. حاطب بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

عورتیں

1. حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، (آپ ﷺ کی صاحبزادی) اور حضرت عثمان غنی کی زوجہ محترمہ،
2. سہلہ بنت سہیل ابوحذیفہ کی بیوی،
3. ام سلمہ بنت ابی امیہ ابوسلمہ کی بیوی جو ابوسلمہ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی زوجیت سے مشرف ہو کر ام المومنین کے لقب سے ملقب ہوئیں،
4. لیلیٰ بنت ابی حثمہ عامر بن ربیعہ کی بیوی،
5. ام کلثوم بنت سہیل بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسبرہ کی بیوی، (سیرت المصطفیٰ)

بعض حضرات نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی ذکر کیا ہے حافظ عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود حبشہ کی پہلی ہجرت میں شریک نہیں تھے، البتہ دوسری ہجرت میں شریک تھے۔
مذکورہ سولہ افراد کا قافلہ چھپ چھپا کر مکہ سے روانہ ہوا حسن اتفاق کہ جب یہ حضرات جدہ کی بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی کشتیاں حبشہ جانے کیلئے تیار تھیں پانچ درہم اجرت دیکر یہ سب حضرات سوار ہو گئے، مشرکین مکہ کو جب اس کا علم ہوا تو ان کے تعاقب میں آدمی دوڑائے، جب یہ لوگ بندرگاہ پہنچے تو کشتیاں روانہ ہو چکی تھیں (سیرت مصطفیٰ) یہ حضرات رجب سے شوال تک حبشہ میں مقیم رہے، ادھر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے، اس خبر کو صحیح سمجھ کر یہ حضرات حبشہ سے مکہ کے

لئے روانہ ہوگئے مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے چنانچہ یہ لوگ سخت کشمکش میں مبتلا ہوگئے، کوئی چھپ کر اور کوئی کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوا۔

حبشہ کی جانب دوسری ہجرت:

اب تو مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو اور زیادہ ستانا شروع کر دیا آپ ﷺ نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دیدی نفوس قدسیہ کا یہ قافلہ ایک سو تین افراد پر مشتمل تھا جن میں چھیاسی (۸۶) مرد اور سترہ (۱۷) عورتیں شامل تھیں، شرکاء وفد کے ناموں کے لئے سیرت المصطفیٰ کی طرف رجوع کریں۔ (سیرت ابن هشام، سیرت المصطفی)

قریش کا وفد حبشہ میں:

قریش نے جب یہ دیکھا کہ صحابۂ کرام حبشہ میں جا کر اطمینان کے ساتھ ارکان اسلام ادا کرنے لگے ہیں تو مشورہ کر کے عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو نجاشی اور اس کے تمام ارکان و مصاحبین کے لئے تحائف وہدایا دیکر حبشہ بھیجا، چنانچہ یہ دونوں صاحبان حبشہ پہنچ کر اول ارکان سلطنت اور مصاحبین سے ملے اور ان کو بیش بہا نذرانے پیش کئے اور دوران گفتگو کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کیا ہے اور وہ آپ کے شہر میں پناہ گزیں ہوگئے ہیں ہماری قوم کے اشراف اور سربر آوردہ لوگوں نے ہم کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ یہ لوگ ہمارے حوالہ کر دیئے جائیں، آپ حضرات بادشاہ سے سفارش کیجئے کہ ان لوگوں کو بغیر کسی مکالمہ اور گفتگو کے ہمارے سپرد کر دے چنانچہ جب یہ لوگ دربار میں باریاب ہوئے اور نذرانے اور ہدایا پیش کر کے اپنا مدعا پیش کیا تو ارکان سلطنت اور مصاحبین نے پوری تائید کی، عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ شاہ حبشہ مسلمانوں کو بلا کر حقیقت حال دریافت کرے یا ان کی بات سنے، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ بھی بخوبی سمجھتے تھے کہ ہمارا مکر و فریب ظاہر ہو جائیگا اور مسلمانوں کی زبانوں سے حق ظاہر ہونے کے بعد اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا، شاہ حبشہ نجاشی اس بات پر ہرگز راضی نہ ہوا کہ فریق مخالف کی بات سنے بغیر ایک طرفہ فیصلہ کر دے، اور صاف کہدیا کہ میں صورت حال کو دریافت کئے بغیر ان لوگوں کو تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا اور ایک قاصد مسلمانوں کے پاس ان کو بلانے کیلئے روانہ کیا، قاصد صحابہ کے پاس پہنچا اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔

صحابہ کی حق گوئی اور بیباکی:

بادشاہ کے دربار کے لئے روانہ ہوتے وقت صحابہ میں سے کسی نے کہا کہ دربار میں پہنچ کر کیا کہو گے؟ مطلب یہ تھا کہ بادشاہ عیسائی ہے اور ہم مسلمان ہیں بہت سے عقائد میں ہمارے اور ان کے درمیان اختلاف ہے، اس کے جواب میں صحابہ نے کہا ہم دربار میں وہی کہیں گے جو ہمارے نبی نے سکھایا ہے، صحابہ کی جماعت دربار میں پہنچی اور صرف سلام پر اکتفاء کیا، عام شاہی

آداب کے مطابق کسی نے بھی بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا، شاہی مقربین کو مسلمانوں کا یہ طرز عمل بہت ناگوار گزرا، چنانچہ اسی وقت مسلمانوں سے سوال کر بیٹھے کہ آپ لوگوں نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ خود بادشاہ نے سوال کیا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہم خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے، اللہ کے رسول نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کو سجدہ نہ کریں، مسلمانوں نے یہ بھی کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو بھی اسی طرح سلام کرتے ہیں اور آپس میں بھی، بادشاہ نے پوچھا کہ عیسائیت اور بت پرستی کے علاوہ کونسا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے، صحابہ کی جماعت میں سے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جواب کے لئے اٹھے، اور ایہا الملک کہہ کر ایک ایسی تقریر دل پذیر کی کہ بادشاہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، نجاشی نے کہا اچھا اس کلام میں سے جو تمہارے پیغمبر پر نازل ہوا ہے سناؤ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر سنائیں، یہی وہ موقع ہے جس کو وَاِذَا سمعوا الخ میں بیان کیا گیا ہے اور یہی واقعہ اس کا شان نزول ہے، مؤرخین اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ مذکورہ آیت کے مصداق شاہ حبشہ اصحمہ نجاشی متوفی ۹ھ اور اس کے وہ درباری ہیں جو سچے مسیحی تھے، جب شاہ حبشہ اور درباریوں نے سورۂ مریم کی آیتیں سنیں تو سب آب دیدہ ہو گئے، روتے روتے بادشاہ کی ڈاڑھی تر ہو گئی، جب حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاوت ختم کر چکے تو نجاشی نے کہا یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لیکر آئے دونوں ایک ہی شمعدان سے نکلے ہوئے ہیں۔

نجاشی کا قریشی وفد کو دوٹوک جواب:

شاہ حبشہ نے قریشی وفد سے صاف کہدیا کہ میں ان لوگوں کو ہرگز تمہارے حوالہ نہ کروں گا، جب قریشی وفد دربار سے بے نیل و مرام باہر نکلا تو عمرو بن العاص نے کہا کہ میں کل بادشاہ کے سامنے ایک ایسی بات پیش کروں گا کہ جس سے وہ ان لوگوں کو بالکل نیست و نابود کر دے گا، اگلے روز قریشی وفد نے دوبارہ دربار میں باریابی حاصل کی اس دوران عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ اے بادشاہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں بہت سخت بات کہتے ہیں نجاشی نے دوبارہ صحابۂ کرام کو بلا بھیجا، اس وقت صحابہ تشویش میں مبتلا ہو گئے جماعت میں سے کسی نے کہا اگر بادشاہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں سوال کرے گا تو کیا جواب ہوگا؟ اس پر سب نے متفق ہو کر کہا خدا کی قسم ہم وہی کہیں گے جو اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے،

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کی دوبارہ حاضری:

مسلمان نجاشی کے دربار میں پہنچے تو نجاشی نے دریافت کیا کہ تم لوگ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہم حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے رسول ﷺ نے فرمایا ہے، وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور خدا کی خاص روح اور اس کا خاص کلمہ تھے، نجاشی نے

زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا، خدا کی قسم مسلمانوں نے جو کچھ کہا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے ایک تنکے کی مقدار بھی زائد نہیں، اگرچہ یہ بات بہت سے درباریوں کو ناگوار گذری مگر نجاشی نے اس کی پرواہ نہیں کی، اور کہا سونے کا ایک پہاڑ لے کر بھی تم کو ستانا پسند نہیں کرتا، اور حکم دیا کہ قریش کے تمام تحائف وہدایا واپس کر دیئے جائیں، اس کے بعد مسلمان حبشہ میں اطمینان وسکون کے ساتھ رہنے لگے، جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو ان میں اکثر لوگ خبر سنتے ہی حبشہ سے مدینہ منورہ واپس آگئے، جن میں سے چوبیں (۲۴) آدمی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، باقی ماندہ لوگ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں ۷ھ فتح خیبر کے وقت حبشہ سے مدینہ پہنچے۔ (عیون الاثر)

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حبشہ سے مدینہ کو روانگی:

حضرت جعفر جب حبشہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو نجاشی نے سب کے لئے سواری اور زادراہ دیا اور مزید براں کچھ ہدایا اور تحائف بھی دیئے اور ایک قاصد ہمراہ کر دیا اور یہ کہا میں نے جو کچھ آپ لوگوں کے ساتھ کیا ہے اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو دینا اور کہدینا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ بلا شبہ اللہ کے رسول ہیں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے لئے دعاء مغفرت فرمائیں، چنانچہ مسلمانوں کی جماعت نے مدینہ پہنچ کر پوری صورت حال اور سرگذشت آپ ﷺ کو سنائی اور نجاشی کا پیغام دعاء بھی پہنچایا آپ اسی وقت اٹھے اور وضو کیا اور تین بار یہ دعاء کی، اللّٰھم اغفر للنجاشی، اے اللہ تو نجاشی کی مغفرت فرما اور سب مسلمانوں نے آمین کہی۔

وَنَزَلَ لَمَّا هَمَّ قَوْمٌ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عنهم أَنْ يُلَازِمُوا الصَّوْمَ وَالقِيَامَ وَلَا يَقْرَبُوا النِّسَاءَ وَالطِّيْبَ وَلَا يَأْكُلُوا اللَّحْمَ وَلَا يَنَامُوا عَلَى الفِرَاشِ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا** تَتَجَاوَزُوا أَمْرَ اللّٰهِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا** مَفْعُولٌ وَالجَارُّ وَالمَجْرُوْرُ قَبْلَهُ حَالٌ مُتَعَلِّقٌ بِهِ **وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ** الكَائِنِ **فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ** هُوَ مَا يَسْبِقُ إِلَيْهِ اللِّسَانُ مِنْ غَيْرِ قَصْدِ الحَلْفِ كَقَوْلِ الإِنْسَانِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ **وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ وَفِي قِرَاءَةٍ عَاقَدْتُمْ **الْاَيْمَانَ** عَلَيْهِ بِأَنْ حَلَفْتُمْ عَنْ قَصْدٍ **فَكَفَّارَتُهٗٓ** أَيِ اليَمِيْنِ إِذَا حَنِثْتُمْ فِيْهِ **اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ** لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ مُدٌّ **مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ** مِنْهُ **اَهْلِيْكُمْ** أَيْ أَقْصَدِهِ وَأَغْلَبِهِ لَا أَعْلَاهُ وَلَا أَدْنَاهُ **اَوْ كِسْوَتُهُمْ** بِمَا يُسَمَّى كِسْوَةً كَقَمِيْصٍ وَعِمَامَةٍ وَإِزَارٍ وَلَا يَكْفِي دَفْعُ مَا ذُكِرَ إِلَى مِسْكِيْنٍ وَاحِدٍ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ **اَوْ تَحْرِيْرُ** عِتْقُ **رَقَبَةٍ** مُؤْمِنَةٍ كَمَا فِي كَفَّارَةِ القَتْلِ وَالظِّهَارِ حَمْلًا لِلْمُطْلَقِ عَلَى المُقَيَّدِ **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ** وَاحِدًا مِمَّا ذُكِرَ **فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ** كَفَّارَتُهُ وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ التَّتَابُعُ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ **ذٰلِكَ** المَذْكُوْرُ **كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ** وَحَنِثْتُمْ **وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ** أَنْ

تنكثوها مالم تكن على فعل بر واصلاح بين الناس كما في سورة البقرة ﴿كَذَٰلِكَ﴾ اى مثل ما بين لكم ما ذكر ﴿يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ على ذلك ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ﴾ المسكر الذى يخامر العقل ﴿وَالْمَيْسِرُ﴾ القمار ﴿وَالْأَنْصَابُ﴾ الاصنام ﴿وَالْأَزْلَامُ﴾ قداح الاستسقام ﴿رِجْسٌ﴾ خبيث مستقذر ﴿مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ الذى يزينه ﴿فَاجْتَنِبُوهُ﴾ اى الرجس المعبر به عن هذه الاشياء ان تفعلوه ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۞ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ اذا اتيتموهما لما يحصل فيهما من الشر والفتن ﴿وَيَصُدَّكُمْ﴾ بالاشتغال بهما ﴿عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ﴾ خصهما بالذكر تعظيما لهما ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ عن اتيانهما اى انتهوا ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا﴾ المعاصى ﴿فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ عن الطاعة ﴿فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ الابلاغ البين وجزاؤكم علينا ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا﴾ اكلوا من الخمر والميسر قبل التحريم ﴿إِذَا مَا اتَّقَوْا﴾ المحرمات ﴿وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا﴾ ثبتوا على التقوى والايمان ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا﴾ العمل ﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ بمعنى انه يثيبهم.

ترجمہ: (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُم کی ایک جماعت نے یہ ارادہ کرلیا کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھیں گے اور ہمیشہ نماز میں مشغول رہیں گے، اور عورتوں سے ہم بستر نہ ہوں گے اور نہ خوشبو کا استعمال کریں گے، اور نہ گوشت کھائیں گے اور نہ بستر پر سوئیں گے، اے ایمان والو! اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور حکم خداوندی سے تجاوز نہ کرو اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے جو حلال مرغوب چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے کھاؤ (حلالاً، کلوا کا) مفعول ہے اور اس کا ماقبل (مما رزقکم اللّٰہ) کا متعلق مقدم حال ہے، اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہاری لغو (مہمل) قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرے گا، لغو اس قسم کو کہتے ہیں جو بلا قصد سبقتِ لسانی سے سرزد ہوجائے، مثلاً لوگ کہتے ہیں، لا واللّٰہ، اور بلی واللّٰہ، مگر جو قسمیں تم جان بوجھ کر کھاتے ہو یعنی قصداً قسم کھاتے ہو (عقدتم) میں تخفیف اور تشدید دونوں قراءتیں ہیں اور ایک قراءت میں عاقدتم ہے تو ایسی قسم کا کفارہ جب تم اس میں حانث ہوجاؤ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے ہر ایک مسکین کو ایک مُد وہ اوسط درجہ کا کھانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو، یعنی درمیانی درجہ کا، غالب حالات کے اعتبار سے، نہ بہت اعلیٰ اور نہ بہت ادنیٰ، یا انھیں کپڑے پہناؤ، وہ کپڑا جس کو (عرف میں) لباس کہا جائے، مثلاً قمیص، اور دستار، اور ازار، اور مذکورہ چیزیں ایک ہی مسکین کو دیدینا کافی نہیں ہے اور یہ (امام) شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مذہب ہے، یا ایک مؤمن غلام آزاد کرنا ہے جیسا کہ کفارۂ قتل اور کفارۂ ظہار میں مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے، جو شخص (مذکورہ تینوں) میں سے کسی پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا کفارہ تین دن کے روزے ہیں اور اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تسلسل شرط نہیں ہے، اور یہی امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مذہب ہے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسمیں کھاؤ اور توڑ دو اور اپنی قسموں کی توڑنے سے حفاظت کیا کرو جبکہ قسم کسی کار خیر یا اصلاح بین الناس نہ کرنے پر نہ ہو،

جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے، اسی طرح جیسا کہ مذکورہ (احکام) تمہارے لئے بیان کئے اللہ تمہارے لئے اپنے احکام بیان کرتا ہے تا کہ تم اس پر شکر ادا کرو اے ایمان والو یہ شراب جو عقل کو مستور کردے اور جوا اور بت اور قسمت آزمائی کے تیر خبیث گندے شیطانی عمل ہیں جن کو وہ آراستہ کرکے پیش کرتا ہے تم ان سے پرہیز کرو، یعنی اس گندگی سے پرہیز کرو جن کو ان ناموں سے تعبیر کیا ہے، امید ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہوگی شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض و عداوت ڈالدے جب تم ان کا ارتکاب کرو، اس لئے کہ ان سے شر و فساد جنم لیتا ہے، اور تم کو ان میں مشغول کرکے اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے ان دونوں کی عظمت کی وجہ سے خاص طور پر انکو ذکر کیا ہے تو کیا تم ان چیزوں سے باز آجاؤ گے؟ یعنی باز آجاؤ، اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور معاصی سے باز آجاؤ اور اگر تم اس کی طاعت سے حکم عدولی کرو گے تو جان لو ہمارے رسول پر صاف صاف (حکم) پہنچا دینا ہے اور بس، اور تم کو جزاء دینا ہماری ذمہ داری ہے، جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرنے لگے، انہوں نے حرمت سے پہلے شراب اور (مال) قمار میں سے جو کچھ کھایا پیا اس پر گرفت نہ ہوگی بشرطیکہ (آئندہ) حرام کردہ چیزوں سے بچے رہیں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک عمل کرتے رہیں پھر تقوے اور ایمان پر ثابت قدم رہیں پھر (ممنوعات) سے اجتناب کریں اور نیک اعمال کریں اور اللہ تعالیٰ نیک کرداروں کو پسند کرتے ہیں بایں معنی کہ ان کو اس کا اجر عطا فرمائیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: مُفْعُوْلٌ وَالْجَارُّ وَالْمَجْرُوْرُ قَبْلَهٗ، حَالٌ مُتَعَلِّقٌ به حَلَالًا طَيِّبًا موصوف صفت سے ملکر کُلوا کا مفعول بہ ہے اور مِمَّا رزقنا کم حلالًا سے متعلق ہوکر حال مقدم ہے تقدیر عبارت یہ ہے، کلوا شیئًا حَلَالًا طَيِّبًا حال کو نہ مما رزقکم اللّٰه، اسلئے کہ مِمَّا رزقکم دراصل نکرہ کی صفت ہونے کی وجہ سے مقدم ہوکر حال واقع ہے، مفسرّ علاّم نے مذکورہ عبارت سے اسی ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: الکَائِن، اس میں اشارہ ہے کہ فی اَيمانِكم، اللّغو کی صفت ہے نہ کہ حال۔

قَوْلُہٗ: مَايَسْبِقُ اِلَيه اللِسَانُ من غَيْرِ قَصْدٍ، یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا مذہب ہے۔

قَوْلُہٗ: بما عَقَّدْتم ای وَثقتم بالنية و القصد. عَقَّدْتُمْ، تعقید (تفعیل) سے ماضی جمع مذکر حاضر تم نے گرہ لگائی تم نے پختہ عہد کیا۔

قَوْلُہٗ: عَلَيْهِ، اس میں اشارہ ہے مَا عَقَّدْتم، میں مَا، موصولہ ہے اور عَقَّدْتُمُ الْاَيمان جملہ ہوکر صلہ ہے، اور جب صلہ جملہ ہوتا ہے تو اس میں ضمیر عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور وہ علیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذَا حَنِثْتم، اس میں اشارہ ہے کہ نفسِ یمین وجوب کفارہ کا سبب نہیں ہے بلکہ قسم توڑنا کفارہ کا سبب ہے۔

قولہ: مُؤْمِنَة، هذا عند الشافعي.

قولہ: مُد، ایک مد کی مقدار ۶۸ تولہ ۳ ماشہ یا ۷۹۶ گرام ۶۸ ملی گرام ہوتی ہے۔

قولہ: كَفَّارَتُه، اس میں اشارہ ہے کہ فَصِيام، مبتداء ہے اور كفّارة اس کی خبر محذوف ہے۔

قولہ: خَبِيثٌ مُسْتَقْذَرٌ، الرجس کے معنی اکثر کے نزدیک نجس کے ہیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ رجس معنی اسم جمع ہے یہی وجہ ہے کہ مفرد ہونے کے باوجود متعدد کی خبر واقع ہے، مفسر علام نے مستقذرٌ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ رجس سے مراد نجس طبعی نہیں ہے بلکہ نجس عقلی ہے، زجاج نے کہا کہ رجس فتحہ راء اور کسرۂ راء کے ساتھ ہر عمل قبیح کو کہتے ہیں۔

قولہ: الرِّجْس، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: اِجْتَنِبُوْه، کی ضمیر متعدد یعنی ماقبل میں مذکور چار چیزوں کی طرف راجع ہے حالانکہ ضمیر واحد ہے۔

جواب: ضمیر واحد کا مرجع الرجس ہے جو اسم جمع ہونے کی وجہ سے حکم میں متعدد کے ہے، مفسر علام نے اَنْ تَفْعَلوه، اِذا تیتموهما، بالاشتغال، ان تینوں کلموں کا اضافہ کر کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ منع اور حکم کا تعلق افعال سے ہوتا ہے نہ کہ ذوات واعیان سے۔

قولہ: ثَبَتُوا مفسر علام نے ثبتوا کا اضافہ دفع تکرار کے لئے کیا ہے۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

اوپر قریبی آیات میں رہبانیت کا مدح وستائش کے طور پر ذکر آیا تھا احتمال تھا کہ کہیں مسلمان بھی اس کو قابل مدح وستائش نہ سمجھ لیں اسی مناسبت سے حلال چیزوں کو حرام سمجھنے کی ممانعت کا ذکر فرمایا۔

شان نزول:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمنوا لَا تُحرموا طیبٰتِ (الآیة) ان آیات کے شان نزول کے سلسلہ میں متعدد واقعات احادیث میں مروی ہیں، ممکن ہے کہ یہ سب ہی واقعات نزول کا سبب ہوئے ہوں۔

پہلا واقعہ:

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ ایک روز عبد اللہ ابن رواحہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کے گھر ان کی عدم موجودگی میں ایک مہمان آیا، عبد اللہ ابن رواحہ آپ ﷺ کی خدمت میں تھے تاخیر سے گھر لوٹے تو معلوم ہوا کہ ان کی اہلیہ نے

ان کے انتظار میں مہمان کو کھانا نہیں کھلایا عبداللہ ابن رواحہ کو اس سے ناگواری ہوئی اور کھانا نہ کھانے کی، ھُوَ حرام علیَّ، کہہ کر قسم کھالی یہ صورت حال دیکھ کر ان کی اہلیہ نے بھی ھُوَ حرام عَلیَّ کہہ کر قسم کھالی جب مہمان نے دیکھا کہ عبداللہ ابن رواحہ اور ان کی اہلیہ نے کھانا نہ کھانے کی قسم کھالی ہے تو اس نے بھی ھو حرام علیّ، کہہ کر قسم کھالی، جب عبداللہ ابن رواحہ نے دیکھا کہ مہمان نے بھی قسم کھالی تو انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور فرمایا کلوا بسم اللّٰہ، اور پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی خبر دی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "قد اَصَبْتَ" تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر شوکانی)

دوسرا واقعہ:

ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا یا رسول اللہ جب میں گوشت کھاتا ہوں تو مجھے شہوت کا زور ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے میں نے گوشت کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (ایضًا)

تیسرا واقعہ:

ایک روز صحابہ کے مجمع میں حضور اقدس ﷺ نے آخرت کی زندگی اور حالات پر نہایت اثر انگیز تقریر فرمائی، اس کا اثر یہ ہوا کہ تقریباً دس صحابۂ کرام حضرت عثمان بن مظعون رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مکان پر جمع ہوئے اور باہمی مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ آئندہ دنیا کو بالکل ترک کر دیں گے، ٹاٹ کا لباس پہنیں گے، زمین پر لیٹیں گے، گوشت کو ہاتھ نہ لگائیں گے، بال بچوں سے کوئی واسطہ نہ رکھیں گے دن بھر روزے رکھا کریں گے اور شب بیداری کریں گے، اس کی اطلاع آپ ﷺ کو ہوگئی تو ان لوگوں کو آپ ﷺ نے بلا بھیجا جب یہ حضرات حاضر خدمت ہوگئے تو آپ نے واقعہ کی تصدیق چاہی ان لوگوں نے اس کی تصدیق کر دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، اور عورتوں سے ہم بستر بھی ہوتا ہوں، لہٰذا جس نے میرا طریقہ اختیار کیا وہ میرا ہے اور جس نے میرا طریقہ اختیار نہ کیا وہ میرا نہیں، اس قسم کا واقعہ صحیحین میں بھی مذکور ہے مگر ان میں مذکورہ آیت کا شان نزول ہونے کی صراحت نہیں ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

مذکورہ آیت کا مطالبہ:

اس آیت میں خاص طور پر دو باتیں ذکر کی گئی ہیں، ایک یہ کہ خود حلال و حرام کے مختار نہ بنو، حلال وہی ہے جو اللہ نے حلال کیا اور حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا، اپنے اختیار سے کسی حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرو گے تو قانون الٰہی کے پیرو ہونے کے بجائے قانون نفس کے پیرو قرار پاؤ گے۔

دوسری بات یہ کہ عیسائی راہبوں، ہندو جوگیوں، بدھ مذہب کے بھکشوؤں کی طرح رہبانیت اور قطع لذات کا طریقہ

اختیار نہ کرو، مذہبی ذہنیت کے نیک مزاج لوگوں میں ہمیشہ سے یہ میلان رہا ہے کہ نفس و جسم کے حقوق ادا کرنے کو روحانی ترقی میں مانع سمجھتے ہیں۔ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا، اپنے نفس کو دنیوی لذتوں سے محروم کرنا اور دنیا کے سامان راحت سے رشتہ توڑ لینا بجائے خود ایک نیکی ہے، اور خدا کا تقرب اس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، ما سبق میں مذکور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں بھی بعض لوگ ایسے تھے جو اسی قسم کی ذہنیت رکھتے تھے، جب آنحضرت ﷺ کو بعض صحابہ کے بارے میں گوشہ گیری اور عزلت نشینی کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا ضبط نفس کے لئے میرے یہاں روزہ ہے اور رہبانیت کے سارے فائدے جہاد سے حل ہوتے ہیں، اللہ کی بندگی کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو حج و عمرہ کرو نماز قائم کرو زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو، تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی، اور جب انہوں نے خود اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔

قسم کی اقسام اور ان کے احکام:

لا یؤاخذکم باللغو الکائن فی ایمانکم.

پہلی قسم یمین لغو:

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ تکیہ کلام کے طور پر بلا ارادہ قسم کھایا کرتے ہیں، ہر بات میں واللہ، باللہ، تاللہ، ان کے زبان سے نکل جاتا ہے، اسی طرح ایک شخص کسی بات کو سچ سمجھ کر قسم کھاتا ہے حالانکہ وہ بات غلط ہے، اس قسم کی قسموں کو یمین لغو کہتے ہیں یعنی مہمل قسم اس قسم کی قسموں کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔

دوسری قسم یمین غموس:

اگر گذشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے اس قسم کو فقہاء کی اصطلاح میں یمین غموس کہتے ہیں، یہ جھوٹی قسم سخت گناہ کبیرہ ہے البتہ اس پر بھی کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا اس سے استغفار لازم ہے، کیونکہ اس قسم کی قسم کھانیوالا گناہ میں ڈوب جاتا ہے اسی لئے اس کو یمین غموس کہتے ہیں غموس کے معنی ڈوبنے کے ہیں۔

تیسری قسم یمین منعقدہ:

یمین منعقدہ یہ ہے کہ زمانہ آئندہ میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں قسم کھائے، اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے یہ بعض صورتوں میں گناہ بھی ہوتا ہے۔

اس جگہ قرآن کریم کی مذکورہ آیت میں بظاہر لغو، سے یہی یمین لغو مراد ہے جس پر کفارہ واجب نہیں خواہ گناہ ہو یا نہ ہو اسلئے

کہ اس کے بالمقابل عقدتم الایمان مذکور ہے۔

کفارۂ قسم:

فکفارته اطعام عشرة مساکین مِن اوسط ما تطعمون اَهْلیکم او کِسْوَتُهُمْ اَوْ تحریر رقبةٍ، یعنی مذکورہ تین کاموں میں سے کوئی ایک اپنے اختیار سے کرلیا جائے اول یہ کہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا دونوں وقت کھانا کھلانا یا یہ کہ دس مسکینوں کو بقدر ستر پوش کپڑا دیدیا جائے مثلاً ایک لمبا کرتہ پائجامہ یا تہہ بند، یا ایک غلام آزاد کردیا جائے، اگر مذکورہ مالی کفارہ کے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو تو پھر تین دن کے روزے رکھے۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک یہ تین روزے مسلسل رکھنے ہوں گے۔

یاَیّها الذین آمَنُوا اِنّما الخمروا لمیسرُ، شراب کے بارے میں یہ تیسرا حکم ہے پہلے اور دوسرے حکم میں صاف طور پر ممانعت نہیں فرمائی گئی، لیکن یہاں اسے اور اس کے ساتھ جوا، پرستش گاہوں (تھانوں) اور فال کے تیروں کو رجس (پلید) اور شیطانی کام قرار دیکر صاف لفظوں میں ان سے اجتناب کا حکم دیدیا گیا ہے، اس کے علاوہ اس آیت میں شراب اور جوئے کے مزید نقصانات بیان کر کے سوال کیا گیا ہے کہ اب بھی باز آؤ گے یا نہیں؟ مقصد ایمان کی آزمائش ہے، چنانچہ جو اہل ایمان تھے وہ منشائے الٰہی سمجھ گئے اور اس کی قطعی حرمت کے قائل ہوگئے، اور کہہ اٹھے، "اِنتهَینا ربَّنَا" اے ہمارے پروردگار ہم باز آگئے۔

اِنّما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العَدَاوة و البغضاءَ، یہ شراب اور جوئے کے مزید معاشرتی اور دینی نقصانات کا بیان ہے جو محتاج وضاحت نہیں، اسی لئے شراب کو ام الخبائث کہا جاتا ہے، اور جوا بھی ایسی بری لت ہے کہ یہ انسان کو کسی کام کا نہیں چھوڑتی اور بسا اوقات رئیس زادوں اور پشتینی جاگیرداروں کو مفلس وقلاّش بنادیتی ہے۔

جُوا شراب کی دنیوی مضرتیں:

شراب نوشی اور قمار بازی کی دنیاوی مضرتوں اور اخلاقی قباحتوں کو اگر لکھا جائے تو ایک بڑا دفتر تیار ہوسکتا، قرآن مجید نے یہاں ان کی صرف سب سے بڑی مضرت خانہ جنگی کی طرف اشارہ کیا ہے شراب وقمار دونوں کے مضر اثرات شر وفساد کی شکل میں روزانہ مشاہدے میں آتے ہیں، شراب نوشی اور جرائم میں قریبی بلکہ چولی دامن کا ساتھ ہے آج ماہرین کے فراہم کردہ اعداد وشمار سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ شراب وجُوا کا جرائم سے بہت قریبی تعلق ہے جوئے اور شراب نوشی کی لت میں پڑ کر بڑے بڑے مشاہیر واکابر کا اپنی دولت عزت حتی کہ سلطنت تک گنوا بیٹھنا ہندوستان کی قدیم ترین تاریخی قصہ مہابھارت سے ظاہر ہے۔

عرب جاہلیت کے مہذب باشندے ان دونوں بلاؤں میں بری طرح مبتلا تھے ٹھیک اسی طرح جس طرح آج فرنگ کی مہذب آبادی پر بھی یہ دونوں بلائیں بری طرح مسلط ہیں۔

شانِ نزول:

لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات، لباب میں مسند احمد سے بروایت ابو ہریرہ منقول ہے کہ جب مذکورہ آیت میں تحریم خمر ومیسر نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بہت سے لوگ جو کہ شراب پیتے تھے اور قمار کا مال کھاتے تھے، تحریم سے پہلے مرگئے ان کا کیا حال ہوگا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ لَيَخْتَبِرَنَّكُمُ **اللّٰهُ بِشَيْءٍ** يُرْسِلُهُ لكم **مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ** اى الصِغَارَ منه **اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ** الكِبَارَ منه وكَان ذٰلك بالحُدَيْبِيَةِ وهم مُحْرِمُوْنَ فكانت الوُحُشُ والطَّيْرُ تَغْشَاهُمْ فى رِحَالِهِم **لِيَعْلَمَ اللّٰهُ** عِلْمَ ظُهُوْرٍ **مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ** حَالٌ اى غَائِباً لَمْ يَرَهُ فَيَجْتَنِبُ الصَّيْدَ **فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ** النَّهْىِ عَنْهُ فاصطَادَهُ **فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ**۝۹۴ **يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ** مُحْرِمُوْنَ بِحَجٍّ اوعُمْرَةٍ **وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ** بالتَّنوِيْنِ ورَفْعِ ما بعدَهٗ اى فعليه جَزَاءٌ هو **مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ** اى شِبْهُهٗ فى الخِلْقَةِ وفى قِرَاءَةٍ بِإِضَافَةِ جَزَاءٍ **يَحْكُمُ بِهٖ** اى بالمِثْلِ رَجُلَانِ **ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ** لهما فِطْنَةٌ يُمَيِّزَانِ بها اَشْبَهَ الاشياءِ بِهٖ وقدحَكَمَ ابنُ عباسٍ وعمرُ وعليٌّ رَضِيَ اللّٰه تعالى عنهم فى النَّعَامَةِ بِبَدَنَةٍ وابنُ عباسٍ وابو عبيدةَ فى بَقَرِ الوَحْشِ وحِمَارِهٖ ببقرةٍ وابن عُمَرَ وابنُ عَوْفٍ فى الظبى بشاةٍ وحَكَمَ بها ابنُ عباسٍ وعمرُ وغيرُهما فى الحَمَامِ لانه يُشْبِهُهَا فى العَبِّ **هَدْيًا** حالٌ من جَزَاء **بٰلِغَ الْكَعْبَةِ** اى يُبْلَغُ به الحرمَ فَيُذْبَحُ فيه ويُتَصَدَّقُ به على مَسَاكِيْنِهٖ ولا يَجُوْزُ اَنْ يُذْبَحَ حَيْثُ كان ونَصْبُهٗ نعتاً لما قبلَهٗ وَاِنْ اُضِيْفَ لِاَنَّ اضافتَهٗ لفظيّةٌ لا تُفِيْدُ تعريفاً فَاِنْ لم يكن للصيدِ مِثْلٌ مِنَ النَّعَمِ كالعُصْفُوْرِ والجَرَادِ فعليه قيمتُهٗ **اَوْ** عليه **كَفَّارَةٌ** غَيْرُ الجَزَاءِ وَاِنْ وَجَدَهٗ هى **طَعَامُ مَسٰكِيْنَ** مِن غالبِ قُوْتِ البَلَدِ مِمَّا يُسَاوِى الجَزَاءَ لكلِّ مسكينٍ مُدٌّ وفى قراءةٍ باضافةِ كَفَّارةٍ لما بعدَهٗ وهى لِلْبَيَانِ **اَوْ** عليه **عَدْلُ** مثلُ **ذٰلِكَ** الطعامِ **صِيَامًا** يَصُوْمُهٗ عن كُلِّ مُدٍّ يوماً وَاِنْ وَجَدَهٗ وَجَبَ ذلك عليه **لِّيَذُوْقَ وَبَالَ** ثِقْلَ جَزَاءِ **اَمْرِهٖ** الذى فَعَلَهٗ **عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ** من قَتْلِ الصَّيْدِ قَبْلَ تحريمِهٖ **وَمَنْ عَادَ** عليه **فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ** غالبٌ على اَمْرِهٖ **ذُو انْتِقَامٍ**۝۹۵ مِمَّنْ عَصَاهُ واُلْحِقَ بقَتْلِهٖ مُتَعَمِّدًا فيما ذُكِرَ الخَطَأُ **اُحِلَّ لَكُمْ** ايها النَّاسُ حَلَالًا كنتم او مُحْرِمِيْنَ **صَيْدُ الْبَحْرِ** ان تَاكُلُوْهُ وهو مالا يَعِيْشُ الافيهِ كالسَمَكِ بخلافِ ما يَعِيْشُ فيه وفى البَرِّ كالسَرَطَان **وَطَعَامُهٗ** مَا يَقْذِفُهُ الى السَاحِلِ مَيِّتًا **مَتَاعًا** تَمْتِيعاً **لَّكُمْ** تَأكُلُوْنَهٗ **وَلِلسَّيَّارَةِ** المُسَافِرِيْنَ منكم يَتَزَوَّدُوْنَهٗ **وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ** وهو ما يَعِيْشُ فيه من الوُحُشِ المأكولِ اَنْ تَصِيْدُوْهُ **مَا دُمْتُمْ حُرُمًا** فلو صَادَهٗ حلالٌ فللمُحْرِمِ اَكْلُهٗ كما بَيَّنَتْهُ السنّةُ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ**۝۹۶ **جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ** المُحَرَّمَ **قِيٰمًا لِّلنَّاسِ** يَقُوْمُ به اَمْرُ دِيْنِهِمْ بالحَجِّ اِلَيْهِ و دُنْيَاهُمْ بِاَمْنِ داخلِه

وعدم التعرُّض له وجبی ثمرات كلّ شيءٍ اليه وفي قراءة قِيَما بلا الف مصدرُ قامَ غيرُهُ مُعتلّ **وَالشَّهرَ الحَرَامَ** بمعنى الاشهر الحُرُمِ ذوالقعدةِ وذوالحجة والمحرَّم ورَجَب قياماً لهم بامنهم القتال فيها **وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ** قياماً لهم بأمنِ صاحبهما من التعرُّض له **ذٰلِكَ** الجعلُ المذكورُ **لِتَعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۹۷﴾ فإنَّ فِعلَهُ ذلك لِجَلبِ المَصَالِح لكم او دَفعِ المَضَارِّ عنكم قبلَ وُقُوعِها دليلٌ على عِلمِهِ بما في الوجودِ وما هو كائنٌ **اِعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** لاعدائه **وَأَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لاوليائه **رَّحِيْمٌ** ﴿۹۸﴾ بهم **مَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلٰغُ** الإبلاغُ لكم **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ** تُظهِرُوْنَ من العَمَلِ **وَمَا تَكْتُمُوْنَ** ﴿۹۹﴾ تُخفُوْنَ منه فيُجازيكُم به **قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ** الحرامُ **وَالطَّيِّبُ** الحلالُ **وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ** في تركِه **يٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ﴿۱۰۰﴾ تفوزُوْنَ.

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ تم کو ایک چیز سے ضرور آزمائیگا جس کو وہ تمہارے لئے بھیجے گا، اور وہ چھوٹا شکار ہے، جس تک تمہاری رسائی ہوگی اور ان میں سے بڑے (شکار) تمہارے نیزوں کی زد میں ہوں گے، اور ایسا حدیبیہ کے مقام پر ہوا حال یہ ہے کہ وہ حالت احرام میں تھے، وحشی جانور اور پرندے ان کے خیموں میں ان کے پاس بکثرت آتے تھے تاکہ اللہ علم ظہور کے اعتبار سے یہ دیکھے کہ کون اس سے غائبانہ طور پر ڈرتا ہے (بالغیب) یخافه کی ضمیر سے حال ہے کہ وہ اس کو بغیر دیکھے اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ شکار سے اجتناب کرتا ہے پھر جس نے اس کی (یعنی) شکار کی ممانعت کے بعد حد سے تجاوز کیا، اور شکار کیا، تو اس کے لئے دردناک سزا ہے، اے ایمان والو! حج یا عمرہ کے لئے حالت احرام میں شکار نہ کرو، اور اگر تم میں سے کسی نے جان بوجھ کر شکار کیا تو اس پر شکار کئے ہوئے جانور کے مثل کی جزاء ہے، جزاءٌ کی تنوین کے ساتھ، اور اس کے بعد (یعنی مثلُ) کے رفع کے ساتھ ہے، یعنی اس پر جزاء ہے، (اور) وہ جزاء مقتول جانور کے مثل ہے یعنی جو خلقت میں اس کے مشابہ ہو، اور ایک قراءت میں جزاء کی مثلُ کی جانب اضافت کے ساتھ ہے، اس مثل کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں کہ جن کو سمجھ (تجربہ) ہو جس کے ذریعہ چیزوں کے مشابہ بالصید ہونے کی تمیز کر سکیں، اور ابن عباس، اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شتر مرغ میں بدنہ کا حکم دیا ہے، اور ابن عباس اور ابوعبیدہ نے نیل گائے اور حمار وحشی میں گائے کا حکم دیا ہے اور ابن عمر اور ابن عوف نے ہرن میں بکری کا حکم دیا ہے اور ابن عمر وغیرہ نے کبوتر میں بکری کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ کبوتر پانی چوس کر پینے میں بکری کے مشابہ ہوتا ہے حال یہ کہ وہ جزاء ہدی ہے ھَدْیاً جزاء سے حال ہے کہ اس کو حرم میں پہنچایا جائے تاکہ حرم میں ذبح کیا جائے، اور اس کو حرم کے مسکینوں پر صدقہ کر دیا جائے، اور جہاں چاہے وہاں ذبح کرنا جائز نہیں ہے اور (بالغ الکعبة) کا نصب اپنے ماقبل (ھدیا) کی صفت ہونے کی وجہ سے ہے اگرچہ (بالغ الکعبة) میں اضافت ہے، اسلئے کہ یہ اضافت لفظیہ ہے جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی اور اگر شکار کا جانوروں (مویشیوں) میں مثل نہ ہو مثلاً چڑیا، ٹڈی تو (شکار کرنے والے پر) اس کی

قیمت واجب ہوگی، یا اس پر کفارہ ہے نہ کہ جزاء، اگر چہ اس کی جزاء دستیاب ہو اور وہ کفارہ مساکین کا کھانا ہے، شہر کی غالب غذا سے جو جزاء (کی قیمت) کے مساوی ہو ہر مسکین کو ایک مُدّ، اور ایک قراءت میں کَفّارۃ کی اس کے مابعد کی طرف اضافت کے ساتھ ہے، اور یہ اضافت بیانیہ ہوگی، یا اس کے اوپر اس طعام کے مساوی روزے ہیں ہر مُدّ کے عوض ایک روزہ، اگر چہ غلہ دستیاب ہو یہ اس پر واجب ہے تاکہ یہ شخص اپنے فعل کی جزاء کا (مزا) چکھے، شکار کے قتل کی حرمت سے پہلے جو قتل صید صادر ہو گیا اللہ نے اس کو معاف کر دیا اور جس نے اللہ سے عداوت رکھی اللہ اس سے انتقام لے گا اللہ اپنے امر میں غالب اور اپنی نافرمانی کرنے والوں سے انتقام لینے والا ہے شکار کو قصداً مارنے کے مذکورہ حکم میں خطاءً مارنے کے حکم کو شامل کر دیا گیا ہے، اے لوگو تمہارے لئے دریائی شکار یعنی اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے خواہ تم غیر مُحرِم ہو یا مُحرِم، اور دریائی جانور وہ ہے جو دریا ہی میں رہتے ہیں مثلاً مچھلی بخلاف اسکے جو دریا اور خشکی دونوں جگہ رہتے ہیں مثلاً کیکڑا اور دریا کا کھانا یعنی مردار حلال کر دیا گیا ہے اور (دریا کا طعام) وہ ہے کہ جس کو دریا مردہ کر کے ساحل پر ڈالدے تمہارے فائدے کے لئے کہ تم اس کو کھاؤ اور تم میں سے مسافروں کے لئے کہ وہ اس کو اپنا زادراہ بنائیں، اور تمہارے لئے خشکی کے جانوروں کا شکار حرام کر دیا گیا ہے اور (خشکی کا شکار) غیر مانوس ماکول (حلال) جانور ہے جب تک کہ تم حالت احرام میں ہو پس اگر اس کا شکار غیر مُحرِم نے کیا ہو تو مُحرِم کے لئے اس کا کھانا جائز ہے جیسا کہ سنت (حدیث) نے بیان کیا ہے اور اس اللہ سے ڈرتے رہو کہ جس کے حضور تم سب کو جمع کیا جائیگا، اور اللہ نے کعبہ (یعنی) بیت محترم کو لوگوں کے حالات درست کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے کہ اس کی بدولت اپنے دینی معاملہ کو حج کے ذریعہ درست کرتے ہیں، اور اپنے دنیوی معاملات کو حرم میں داخل ہونے والے کے امن کے ساتھ داخل ہونے کی وجہ سے اور اس سے کسی کے تعرض نہ کرنے کی وجہ سے درست کرتے ہیں، اور ہر شئی کی پیداوار اس کی طرف کھنچی چلی آتی ہے، اور ایک قراءت میں قِیَماً بغیر الف کے قام کا مصدر ہے اس کا عین کلمہ معتل ہے، اور اَلشّھر الحرام، الاشھُرُ الحُرُمُ، کے معنی میں ہے، (اور وہ) ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم اور رجب ہیں، ان مہینوں میں ان کے قتال سے مامون رہنے کی وجہ سے (یہ مہینے اَشہرالحرم کہلاتے ہیں) اور ہدی (کے جانور) کو اور ان جانوروں کو بھی کہ جن کے گلے میں پٹے ہوں ان کے حالات درست کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے مذکورہ دونوں کے مالکوں کے تعرض سے مامون رہنے کی وجہ سے یہ فعل مذکور اس لئے ہے تاکہ تم اس بات کا یقین کر لو کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ ان سب کا جاننے والا ہے، بلاشبہ اس جعل مذکور کو تمہارے حصول مصلحت یا تم سے دفع مضرت کے لئے اس کے واقع ہونے سے پہلے کرنا یہ دلیل ہے موجودہ چیزوں اور آئندہ چیزوں سے اس کے واقف ہونے کی خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو سخت عذاب دینے والا ہے اور اللہ اپنے دوستوں کو معاف کرنے والا ہے اور ان پر رحم کرنے والا ہے اور رسول کی ذمہ داری ہم لوگوں تک پیغام دینا ہے اور بس اور وہ اس عمل کو خوب جانتا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو، اور جس کو تم پوشیدہ رکھتے ہو تو وہ تم کو اس پر جزاء دے گا، آپ کہئے کہ حرام اور حلال برابر نہیں ہو سکتا، اگر چہ حرام کی کثرت آپ کو تعجب میں ڈالدے تو اے عقلمندو اس کے ترک کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: حالٌ، بالغیب، مَنْ موصول سے حال ہے نہ کہ یخافه کی ضمیر سے ورنہ تو اللہ تعالیٰ کا غائب ہونا لازم آئیگا، غائباً سے اسی کی طرف اشارہ ہے، اور بالغیب غائباً کے معنی میں ہے، لم یَرَہٗ بالغیب کی تفسیر ہے۔

قولہ: فعَلَیْهِ جزاءٌ.

سوال: فعَلَیْهِ کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: اس کے اضافہ کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ جزاء ہمیشہ جملہ ہوتی ہے حالانکہ یہاں جملہ نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جزاء اصل میں علیه جزاء ہے جو کہ جملہ ہے۔

قولہ: یَحْکُمُ به ذَوَا عَدْلٍ.

سوال: ذَوَا عَدْلٍ یَحْکُم کا فاعل واقع ہو رہا ہے حالانکہ صفت کا فاعل واقع ہونا صحیح نہیں ہے؟

جواب: یحکم، کا فاعل محذوف ہے یعنی رجلان، مفسر علام نے رجلان محذوف مان کر اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی رجلان ذوا عدل، موصوف صفت مل کر یحکم کا فاعل ہے۔

قولہ: وان وجدہٗ اَیِ الْجزاءَ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَوْ عَلَیْهِ کفارةٌ، میں اَوْ تخییر کے لئے ہے نہ کہ ترتیب کے لئے۔

قولہ: وهی للبَیَانِ، یعنی کفارة کی طعام کی طرف اضافت کی صورت میں اضافت بیانیہ ہوگی جیسا کہ خاتم فضةٍ میں اضافت بیانیہ ہے۔

قولہ: اَنْ تاکُلُوہٗ، صید البحر کی تفسیر تا کلوہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ صید سے مراد شکار کا جانور ہے نہ کہ فعل اصطیاد اس لئے اس کے ساتھ لفظ اکل مقدر ماننا ضروری ہے اسلئے کہ نفس حیوان اپنی ذات کے اعتبار سے حلت و حرمت کے ساتھ متصف نہیں ہوتا، بلکہ فعل حلت و حرمت کے ساتھ متصف ہوتا ہے اسی وجہ سے مفسر علام نے لفظ تا کلوا، مقدر مانا ہے۔

قولہ: اَنْ تَصِیْدُوْہ اس میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفس صید کی حلت و حرمت کا کوئی مطلب نہیں ہے بلکہ فعل صید حرام ہے۔

قولہ: یقُوم به مفسر علام نے قیاما کی تفسیر یقوم به سے کر کے اس اعتراض کا جواب دیدیا کہ قیامًا کا حمل کعبة البیت پر درست نہیں ہے۔

قولہ: عَیْنُه مُعْتَلٌّ قیامًا اصل میں قوامًا تھا واؤ کسرہ کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے یاء سے بدل گیا۔

قولہ: الاَشْهُرَ الْحُرُمَ، والشهر الحرام کی تفسیر الاشهر الحرم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ الشهر الحرام میں الف لام جنس کا ہے۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

یا ایُّھَا الَّذین آمنوا، ٦ھ صلح حدیبیہ کے موقع پر جبکہ آپ ﷺ کے ہمراہ تقریباً چودہ سو صحابہ کرام عمرہ کی غرض سے محو سفر تھے حدیبیہ کے مقام پر قیام کے دوران آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ یہ خبر دینے کے لئے بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ کے ارادہ سے مکہ تشریف لا رہے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واپسی کے انتظار میں حدیبیہ کے مقام پر چند روز قیام کرنا پڑا، اس دوران وحوش وطیور کی اس قدر بہتات ہوئی کہ خیموں میں گھسے جاتے تھے مگر چونکہ صحابہ کرام احرام باندھے ہوئے تھے اس لئے ان کو پکڑنے سے مجبور تھے، گویا کہ یہ نظیر تھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کی یوم السبت میں مچھلیوں کی کثرت اور پکڑنے سے ممانعت کی، البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ بنی اسرائیل آزمائش میں ناکام رہے اور یوم السبت میں مچھلی پکڑنے کے مجرم قرار دیئے گئے بخلاف صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کہ وہ آزمائش میں ثابت قدم رہے حالانکہ شکار کرنا عرب کا محبوب مشغلہ تھا۔

مسئلہ: شکار جو کہ حالت احرام اور حرم میں حرام ہے عام ہے، خواہ ماکول ہو یا غیر ماکول۔

مسئلہ: صید (شکار) ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں، عادۃً انسانوں سے غیر مانوس ہوں، لہٰذا جو خلقۃً اہلی ہوں جیسے بھیڑ بکری گائے اونٹ وغیرہ ان کا ذبح کرنا اور کھانا درست ہے۔

مسئلہ: البتہ جن جانوروں کو دلیل شرعی سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے ان کا پکڑنا اور کھانا درست ہے مثلاً مچھلی اور بعض غیر ماکول جانوروں کو بھی دلیل استثناء کی وجہ سے قتل کرنا درست ہے جیسے، کوا، چیل، بھیڑیا، سانپ، اور بچھو، اور کاٹنے والا کتا، اسی طرح اگر درندہ حملہ آور ہو تو اس کا قتل کرنا بھی جائز ہے، حدیث میں ان کا استثناء مذکور ہے معلوم ہوا الصید، میں الف لام عہد کا ہے۔

مسئلہ: جس حلال جانور کا غیر احرام اور غیر حرم میں شکار کیا جائے تو محرم کے لئے اس کا کھانا جائز ہے، جبکہ محرم اس کے قتل میں کسی طرح بھی معین و مددگار نہ ہو۔

مسئلہ: حرم کے شکار کو جس طرح قصداً قتل کرنے پر جزاء واجب ہوتی ہے اس طرح خطا ونسیان میں بھی جزاء واجب ہوتی ہے۔

مسئلہ: جس جگہ اور جس وقت جانور کا قتل ہوا ہے بہتر تو یہ ہے کہ دو عادل شخص اس جانور کی قیمت کا تخمینہ کریں، اگر مقتول جانور غیر ماکول ہے تب تو یہ قیمت ایک بکری کی قیمت سے زیادہ واجب نہ ہوگی، اور اگر مقتول جانور ماکول ہو تو جانور حسب شرائط قربانی کے خریدے اور حدود حرم میں ذبح کر کے حرم کے فقراء پر تقسیم کر دے یا اس قیمت کا غلہ حسب شرائط صدقۃ الفطر نصف صاع ہر مسکین کو دے، یا فی مسکین نصف صاع جتنے مساکین کو وہ غلہ پہنچ سکتا ہو اتنے ہی روزے رکھ لے، روزوں اور غلہ کی تقسیم

میں حرم کے فقراء کی شرط نہیں ہے بخلاف گوشت کے، اور اگر قیمت نصف صاع سے کم بچ جائے تو اختیار ہے کہ خواہ کسی فقیر کو دیدے یا اس کے عوض ایک روزہ رکھ لے،

مسئلہ: مسکینوں کو غلہ دینے کی بجائے ہر مسکین کو دونوں وقت شکم سیر ہو کر کھانا کھلانا بھی کافی ہے،

مسئلہ: محرم کے لئے جس جانور کا شکار کرنا حرام ہے اس کا ذبح کرنا بھی حرام ہے، نیز محرم کا مذبوح مردار ہوگا۔ (معارف القرآن)

جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیماً الخ، کعبہ کو البیت الحرام اسلئے کہا جاتا ہے کہ اس کی حدود میں شکار کرنا درخت وغیرہ کاٹنا حرام ہے قیاماً للناس بیت الحرام لوگوں کے قیام اور گزران کا باعث قرار دیا، مطلب یہ ہے کہ کعبہ اور اس کے متعلقات لوگوں کی دینی و دنیوی بقا کے اسباب اور ذریعہ ہیں، الناس اگرچہ عام انسانوں کے لئے بولا جاتا ہے مگر قرینہ کی وجہ سے یہاں اہل مکہ مراد ہیں یا اہل عرب بھی مراد ہو سکتے ہیں اور عام دنیا کے انسان بھی، اسلئے کہ حج بیت اللہ کا پورے عالم کی اقتصادیات سے گہرا تعلق ہے۔

کعبہ کی مرکزی حیثیت:

عرب میں کعبہ کی حیثیت محض ایک عبادت گاہ ہی کی نہ تھی بلکہ اپنی مرکزیت اور اپنے تقدس کی وجہ سے کعبہ ہی پورے ملک کی معاشی و تمدنی زندگی کا سہارا ہوتا تھا حج اور عمرہ کے لئے سارا ملک اس کی طرف کھنچ کر چلا آتا اور اس اجتماع کی بدولت انتشار کے مارے ہوئے عربوں میں وحدت کا ایک رشتہ پیدا ہوتا مختلف علاقوں اور قبیلوں کے لوگ باہم تمدنی روابط قائم کرتے، شاعری کے مقابلوں سے ان کی زبان و ادب کو ترقی نصیب ہوتی اور تجارتی لین دین سے سارے ملک کی معاشی ضروریات پوری ہوتیں، قابل احترام مہینوں کی بدولت عربوں کو پورا ایک تہائی زمانہ امن کا نصیب ہو جاتا تھا، بس یہی ایک زمانہ ایسا تھا کہ جس میں ان کے قافلے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک امن و امان کے ساتھ بسہولت آتے جاتے تھے قربانی کے جانوروں اور قلادوں کی موجودگی سے بھی اس نقل و حمل میں بڑی مدد ملتی تھی، کیونکہ نذر کی علامت کے طور پر جن جانوروں کی گردنوں میں پٹے پڑے ہوئے ہوتے، انہیں دیکھ کر عربوں کی گردنیں احترام سے جھک جاتیں اور کسی غارت گر قبیلہ کو بھی ان پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوتی۔

قل لا یستوی الخبیث والطیب الخ، الخبیث، کا لفظ نافرمان یا نافرمانی، حرام اور ردی، کفر و شرک وغیرہ سب کو شامل ہے، خواہ از قبیل ذات ہو یا صفات یا از قبیل مال یا اعمال (قرطبی) اور طیب، فرمانبردار اور فرمانبرداری پاک اور لطیف سب کو شامل ہے، ظاہر بین نظروں میں ہزار روپے سو کے مقابلہ میں یقیناً کم ہیں، مگر خدا کی نافرمانی کر کے، حاصل کئے گئے ہوں تو وہ ناپاک اور خبیث ہیں، اور سو روپے جو خدا کی فرمانبرداری کرتے ہوئے حاصل کئے گئے ہوں وہ پاک اور طیب ہیں، ناپاک مقدار میں خواہ کتنا ہی زیادہ ہو بہرحال وہ پاک قلیل کے برابر نہیں سکتا، غلاظت کے ایک ڈھیر سے عطر کا ایک قطرہ زیادہ قدر رکھتا ہے لہٰذا

دانشمند شخص کو حلال ہی پر قناعت کرنی چاہئے خواہ وہ ظاہر میں کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔

وَنَزَلَ لَمَّا اَكْثَرُوْا سُؤَالَهُ صلى الله عليه وسلم **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ** تُظْهَرْ **لَكُمْ تَسُؤْكُمْ** لِمَا فِيها مِنَ المَشَقَّةِ **وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ** اى فى زَمَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم **تُبْدَ لَكُمْ** المعنى اذا سَاَلْتُمْ عن اشياءَ فى زمنه يُنَزَّلُ القرانُ بِاِبْدَائِها ومتى اَبْدأها سَاءَ تْكُمْ فلا تَسْـَٔلُوْا عنها **عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا** عن مَسْئَلَتِكُمْ فلا تَعُوْدُوْا **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا** اى الاشياءَ **قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ** انبيائَهم فَاُجِيْبُوْا بِبَيَانِ احكامِها **ثُمَّ اَصْبَحُوْا** صارُوْا **بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾** بتركِهِم العملَ بها **مَا جَعَلَ** شَرَعَ **اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ** كما كان اَهلُ الجاهليةِ يَفْعَلُوْنَهُ روى البخارى عن سعيدِ بن المُسَيَّبِ قال البحيرةُ التى يُمْنَعُ دَرُّهَا لِلطَّوَاغِيْتِ فلا يَحْلِبُهَا احدٌ من الناسِ والسَّائبةُ كانوا يُسَيِّبُوْنَهَا لالهتِهم فلا يُحْمَلُ عليها شئٌ والوصيلةُ الناقةُ البكرُ تَبْكُرُ فى اولِ نتاجِ الابلِ بِاُنْثٰى ثم تثنى بَعْدَهُ بانثى وكانوا يُسَيِّبُوْنَها لطواغيتِهم ان وَصَلَتْ احدهما بالاخرى ليس بينهما ذَكَرٌ والحامُ فَحْلُ الابلِ يَضْرِبُ الضرابَ المعدودَ فاذا قضى ضِرابَهُ وَدَعُوْهُ للطواغيتِ وعَفَوْهُ من الحملِ فلم يُحْمَلْ عليه شئٌ وسَمَّوْهُ الحامِىَ **وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ** فى ذلك ونسبتِهِ اليه **وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾** ان ذلك اِفْتِرَاءٌ لانهم قَلَّدُوْا فيه اٰباءَهم **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ** اى الى حُكْمِهِ من تحليلِ ما حَرَّمْتُمْ **قَالُوْا حَسْبُنَا** كافِيْنَا **مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا** من الدِّيْنِ والشريعةِ قال تعالى اَ حَسْبُهُم ذلك **وَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾** الى الحقِّ والاستفهامُ للانكارِ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ** اى احْفَظُوْهَا وقُوْمُوْا بصلاحِها **لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ** قيل المرادُ لا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ من اهلِ الكتبِ وقيل المرادُ غيرُهم لحديثِ ابى ثَعْلَبَةَ الخُشَنِيِّ سَاَلْتُ عنها رسولَ اللّٰه صلى الله عليه وسلم فقال ائْتَمِرُوْا بالمعروفِ وتَنَاهَوْا عن المنكرِ حتى اذا رأيتَ شُحًّا مُطَاعًا وهوىً متبعًا ودنيا مُؤْثَرَةً واِعْجَابَ كلِّ ذى رأىٍ برأيه فعليك نفسَكَ رواهُ الحاكمُ وغيرُهُ **اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾** فيجازيكم به **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ** اى اسبابُهُ **حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ** خبرٌ بمعنى الامرِ اى لِيَشْهَدُوْا اضافةُ شهادةٍ لِبَيْنَ على الاتِّساعِ وحينَ بدلٌ من اذا او ظرفٌ لحضرَ **اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ** اى غيرِ مِلَّتِكُمْ **اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ** سافَرْتُمْ **فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا** تُوْقِفُوْنَهُمَا صفةُ اٰخَرٰنِ **مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ** العصرِ **فَيُقْسِمٰنِ** يَحْلِفَانِ **بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ** شَكَكْتُمْ فيهما ويقولانِ **لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ** باللّٰه **ثَمَنًا** عِوَضًا نَاْخُذُهُ بدلَهُ من الدنيا بِاَنْ نَحْلِفَ او نَشْهَدَ به كاذبًا لاجلِهِ **وَّلَوْ كَانَ** المُقْسَمُ له او المشهودُ له **ذَا قُرْبٰى** قرابةٍ منا **وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ** التى اَمَرَنَا باقامتِها **اِنَّآ اِذًا** ان كتمناها

لَمِنَ الْاٰثِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ اطلع بعد حلفهما عَلٰٓی اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا ای فعلا ما یوجبه من خیانة او کذب فی الشهادة بان وجد عندهما مثلا ما اتّهما به وادّعیا انهما ابتاعاه من المیّت او اوصی لهما به فَاٰخَرٰنِ یَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا فی توجّه الیمین علیهما مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الوصیة وهم الورثة ویُبدل من اٰخران الْاَوْلَیٰنِ بالمیّت ای الاقربان الیه وفی قراءة الاوّلین جمع اول صفة او بدل من الذین فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ علی خیانة الشاهدین ویقولان لَشَهَادَتُنَآ یمیننا اَحَقُّ اصدق مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَ یمینهما مَا اعْتَدَیْنَآ تجاوزنا الحق فی الیمین اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: لوگوں نے جب آپ ﷺ سے کثرت سے سوالات کرنے شروع کئے تو یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو ایسی (فضول) باتوں کا سوال نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں اس لئے کہ اس میں دشواری ہو، اور اگر تم نزول قرآن کے دوران یعنی آپ ﷺ کے زمانۂ حیات میں ان باتوں کا سوال کرو گے تو تم کو جواب دیدیا جائیگا، مطلب یہ کہ جب تم آپ کے زمانۂ حیات میں چیزوں کے بارے میں سوال کرو گے تو قرآن (ان کا جواب) ظاہر کرنے کے بارے میں نازل ہوگا اور جب قرآن ان چیزوں کا جواب ظاہر کردے گا تو تمہیں ناگواری ہوگی، لہٰذا ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو، اللہ نے تمہارے (ماضی میں) سوال کرنے کو معاف کردیا، آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا اللہ بڑا معاف کرنے والا بڑا بردبار ہے، ایسی باتیں تم سے پہلی قوم نے اپنے انبیاء سے پوچھی تھیں ان کے احکام بیان کرکے ان کا جواب دیدیا گیا، پھر وہ ان احکام پر ترک عمل کرکے ان احکام کے منکر ہو گئے اللہ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو جیسا کہ اہل جاہلیت اس کو کرتے تھے، امام بخاری نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ بَحِیرہ اس جانور کو کہتے ہیں کہ جس کا دودھ دوہنا بتوں کے نام پر موقوف کردیا جاتا تھا، چنانچہ کوئی شخص ان کا دودھ نہیں دوہتا تھا، اور سائبہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کو وہ اپنے معبودوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ وہ اس کو بار برداری کے کام میں نہیں لیتے تھے، اور وصیلہ اس نوجوان اونٹنی کو کہتے تھے جو پہلی ہی بار مادہ بچہ جنے پھر دوبارہ بھی مادہ بچہ جنے کہ ان کے درمیان نر بچہ نہ ہو، اور حام وہ اونٹ جو دس بار جفتی کرے، جب وہ مذکورہ تعداد پوری کرلیتا تو اس کو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے، اور اس پر بار برداری ترک کردیتے کہ اس پر کوئی چیز نہ لادتے، اور اس کا نام حام رکھتے تھے، لیکن (یہ) کافر اس معاملہ میں اس کی جانب نسبت کرنے میں اللہ پر جھوٹی تہمت لگاتے تھے، اور ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے کہ یہ تہمت ہے اسلئے کہ انہوں نے اس معاملہ میں اپنے آباء کی تقلید کی ہے، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ یعنی اس کے حکم کی طرف کہ وہ جس کو تم نے حرام کیا ہے اس کو حلال کرنا ہے تو کہتے ہیں کہ جس دین و شریعت پر ہم نے اپنے آباء (واجداد) کو پایا ہے وہ ہمارے لئے کافی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ ان کے لئے کافی ہوگا اگرچہ ان کے آباء کچھ نہ جانتے ہوں؟ اور راہ حق کی طرف ہدایت یافتہ نہ ہوں استفہام انکار کے لئے ہے، اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو یعنی اپنی حفاظت کرو اور اس کی اصلاح کے لئے مستعد ہو جاؤ کسی کی

گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہ راست پر ہو کہا گیا ہے کہ مراد اہل کتاب ہیں اور کہا گیا ہے کہ مراد غیر اہل کتاب ہیں، ابو ثعلبہ الخشنی کی حدیث کی وجہ سے، (ابو ثعلبہ نے فرمایا) کہ میں نے مذکورہ آیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا بھلی بات کا حکم کرو اور بری بات سے روکو، اور جب تم دیکھو کہ بخل کی پیروی کی جارہی ہے اور خواہشات کی اتباع کی جارہی ہے اور دنیا کو (دین) پر ترجیح دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے میں مست ہے، تو تم اپنی فکر کرو، (اس کو حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے) تم سب کو اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے تو وہ تم کو وہ سب کچھ بتادے گا جو تم کیا کرتے تھے کہ وہ اس کی جزا دے گا، اے ایمان والو جب تم میں سے کسی کی موت آجائے یعنی اس کے اسباب ظاہر ہونے لگیں اور وصیت کرنے کا وقت ہو تو اس کے لئے شہادت کا (نصاب) یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں سے دو عادل آدمی گواہ بنائے جائیں، خبر بمعنی امر ہے، یعنی ان کو شہادت دینی چاہئے، اور شہادۃ کی اضافت بین کی جانب وسعت کی بناء پر ہے، اور حین اِذَا سے بدل ہے یا حَضَرَ کا ظرف ہے، اور اگر دوران سفر تم پر موت کی مصیبت آجائے تو تمہارے غیروں یعنی غیر مسلموں میں سے دو گواہ لے لئے جائیں، اگر تم (اے وارثو) ان دونوں کے بارے میں شک میں پڑ جاؤ تو ان دونوں کو عصر کی نماز کے بعد روک لو (تحبسونهما) آخران کی صفت ہے تو وہ اللہ کی قسم کھا کر کہہ دیں کہ ہم اللہ کی قسم کا عوض نہیں چاہتے کہ اس کے بدلے میں دنیوی عوض لے لیں کہ ہم دنیا کے لئے قسم کھالیں یا اس کے لئے جھوٹی شہادت دیدیں، اگرچہ جن کے فائدے کے لئے قسم کھائی جارہی ہے یا جن کے فائدہ کے لئے شہادت دی جارہی ہے ہمارے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے جس کے ادا کرنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، اگر ہم نے چھپایا تو ہم گنہگاروں میں شمار ہوں گے، پس اگر ان کے قسم کھانے کے بعد (کسی طرح) یہ سراغ لگ جائے کہ وہ دونوں گناہ کے مستحق ہوئے ہیں یعنی انہوں نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا ہو جو خیانت کو یا کذب فی الشہادتین کو واجب کرے بایں طور کہ مثلاً وہ چیز جس کے بارے میں ان کو اتہام لگایا گیا ہے وہ ان کے پاس سے برآمد ہو، اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ انہوں نے میّت سے یہ چیز خریدی ہے یا میت نے ان کے لئے اس کی وصیت کی ہے تو دوسرے دو گواہ جو ان دونوں کے قائم مقام ہوں یمین کو ان کی طرف متوجہ کرنے میں ان لوگوں کی جانب سے کہ جو وصیت کے مستحق قرار پائے ہیں اولین، آخران سے بدل ہے اور وہ ورثاء ہیں جو میت کے اولیا یعنی میت کے رشتہ دار ہیں اور ایک قراءت میں اَوَّلِین اول کی جمع ہے الذین کی صفت یا بدل ہے تو وہ شاہدین کی خیانت پر اللہ کی قسم کھائیں، اور کہیں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے راست تر ہے اور ہم نے قسم میں حق سے تجاوز نہیں کیا ہے، بے شک ہم اس وقت ظالموں میں شمار ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَشیاءَ، اَشیاءُ کی اصل شَیْئاءُ تھی بروزن فَعْلاءُ، کحمراء، کہ عرب کے نزدیک دو ہمزوں کے درمیان الف ثقیل النطق ہے جس کی وجہ سے پہلے ہمزہ کو جو کہ لام کلمہ ہے قلب مکانی کرکے شین سے مقدم کردیا اب اس کا وزن اشیاء بروزن لفعاء

ہوگیا اب یہ الف تانیث ممدودہ کی وجہ سے غیر منصرف ہوگیا۔ (اعراب القرآن)

قولہ: ان تسئلوا عنها حین یُنَزَّلُ القرآنُ تُبْدَلکم، اِن حرف شرط، تسئلوا فعل شرط عنها، تسئلوا کے متعلق، ھا ضمیر ماسبق میں مذکور اشیاء کی طرف راجع ہے حین ینزل القرآن، تسئلوا کا ظرف ہے اور تُبْدَلکم جواب شرط ہے۔

قولہ: اَلْمَعْنٰی اِذَاسَئَلْتُمْ الخ، مفسر علام کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے یہ بتانا ہے کہ یہاں دو شرطیہ جملے اور نہی ہیں، دراصل نہی جو کہ مقدم ہے دونوں جملوں سے مؤخر ہونی چاہئے، اور دونوں شرطیہ جملوں میں پہلا جملہ مؤخر اور ثانیہ مقدم ہونا چاہئے، نہی کو مع اس کے نتیجے کے اہتمام زجر کی وجہ سے مقدم کردیا گیا اور یہ تقدیم و تاخیر باعتبار معنی کے ہے اسلئے کہ واؤ ترتیب کا تقاضہ نہیں کرتا۔

قولہ: اذا سَئَلْتم عن اَشْیاءَ، یہ جملہ ثانیہ کے معنی ہیں اور متی ابدأھا سائتکم یہ جملہ اولی کے معنی ہیں۔

قولہ: فلا تَسْئَلُوا عَنْهَا یہ معنی نہی ہیں۔

قولہ: اِذَا سَئَلْتم عَنْ اَشْیاءَ مبتداء ہے یُنَزَّلُ القرآنُ عن اِبْدائِها اس کی جزا ہے۔

قولہ: عن مَسْئَلَتِکُمْ اس میں اشارہ ہے کہ عنها کی ضمیر مسئلة کی طرف لوٹ رہی ہے جو یسئلون سے مفہوم ہے۔

قولہ: شَرَعَ، جَعَلَ کی تفسیر شرع سے اشارہ کردیا کہ جَعَلَ، شَرَعَ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی بیک مفعول ہے اور وہ بحیرة ہے من زائدہ ہے۔

قولہ: بَحِیْرَة، باء کے فتحہ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ بروزن فعیلة بمعنی مفعولة اس کے آخر میں تاء غیر قیاسی طور پر لاحق ہوئی ہے اسلئے کہ اس کو وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کیا ہے جس کی وجہ سے بمنزلہ جامد کے ہوگیا، بحیرہ کی تعریف میں علماء کا بہت اختلاف ہے منجملہ ایک قول یہ ہے کہ جو قوی تر ہے جب اونٹنی پانچ مرتبہ بچہ جنتی تھی اور پانچواں بچہ نر ہوتا تو اس کا کان چیر کر اپنے بتوں کے نام پر آزاد کردیتے تھے اور اس پر بار برداری اور سواری کرنا حرام سمجھتے تھے، اور کوئی شخص اس کو گھاس پانی سے نہیں روکتا تھا۔ (اعراب القرآن للدرویش)

قولہ: سَائِبَة، یہ سابَ یسِیبُ سے اسم فاعل ہے آزاد کرنا، اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ زمانہ جاہلیت میں اسطرح نذر مانتے تھے، مثلاً، اگر میں سفر سے صحیح سلامت واپس آگیا یا میں مرض سے شفایاب ہوگیا تو میری اونٹنی آزاد ہے، اس طریقہ پر چھوڑی ہوئی اونٹنی کو سائبہ کہا جاتا تھا (اعراب القرآن ایضاً)

قولہ: البکر بفتح الباء والکاف جوان اونٹنی تبکَّرَ فی اول نتاج الابل با لانثی ای تلدُ فی اول مرة بالانثی، وہ جوان اونٹنی جس نے پہلا بچہ مادہ جنا ہو۔

قولہ: وَصِیْلَه، وہ نوجوان اونٹنی جس کے پہلے حمل میں مادہ بچہ پیدا ہوا ہو، اور دوسری مرتبہ بھی مادہ بچہ جنے تسلسل کے ساتھ چونکہ مادہ بچے جنے اس لئے اس اونٹنی کو وصیلہ کہتے ہیں ایسی اونٹنی کو عرب بتوں کے نام پر آزاد کردیتے تھے، اور اس سے کسی قسم کی خدمت نہیں لیتے تھے۔

قَوْلُہٗ: حام، حمٰی یحمی حَمْیًا و حِمَایَۃً روکنا سے اسم فاعل، اِذَا مُنِعَ بعض حضرات نے کہا ہے کہ حام وہ اونٹ جس کی پشت سے دس بچے پیدا ہوئے ہوں، گویا کہ اس کی پشت بار برداری اور سواری سے محفوظ ہوگئی ای لا یُرکب و لا یُحملُ ولا یُمنع من ماء لا مرعٰی.

قَوْلُہٗ: واضافۃُ شہادۃ لِبَین علی الاتِّساع یعنی ظرف کو قائم مقام فاعل کے اتساعاً کر دیا گیا ہے، لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ مصدر فاعل یا مفعول کی جانب مضاف ہوتا ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

شانِ نزول:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لا تسئلوا عن اَشیاء (الآیۃ)، اس آیت میں فرضی اور دور از مقصد سوالات کرنے سے منع کیا گیا ہے، مذکورہ آیت کے شان نزول کے بارے میں صحیح ترین روایت وہ ہے جو ابو ہریرہ، انس بن مالک نے روایت کی ہے، ''آپ ﷺ ایک روز'' اپنے گھر سے نکلے اور مسجد میں تشریف فرما ہوئے صحابہ کرام آپ ﷺ کے اطراف میں جمع ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا جس کو جو سوال کرنا ہے کرے، تو ایک صاحب کھڑے ہوئے اور سوال کیا یا رسول اللہ میرا اصل باپ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے، ایک دوسرے صاحب کھڑے ہوئے سوال کیا کہ میرے والد کہاں ہیں آپ نے فرمایا دوزخ میں، قفال نے فرمایا کہ اہل کتاب نے مومنین سے کہا تھا کہ تم اپنے نبی سے یہ سوال کرو اور وہ سب سوالات فرضی تھے تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

دوسرا واقعہ:

مسلم کی روایت کے مطابق مذکورہ آیت کے شان نزول کا یہ واقعہ مذکور ہوا ہے، جب حج کی فرضیت نازل ہوئی تو اقرع بن حابس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ سے سوال کیا، کیا ہر سال ہمارے ذمہ حج فرض ہے؟ آپ نے سکوت فرمایا تو مکرر وہی سوال کیا آپ پھر بھی خاموش رہے جب تیسری مرتبہ وہی سوال کیا تو آپ نے عتاب کے لہجہ میں فرمایا، اگر میں تمہارے سوال کے جواب میں ہاں کہدیتا تو ایسا ہی ہو جاتا اور پھر اس کو پورا نہ کر سکتے، اس کے بعد فرمایا ''جن چیزوں کے بارے میں تم کو کوئی حکم نہ دوں تو ان کو اسی طرح رہنے دو، ان کی کھود کرید کر کے سوالات نہ کرو، تمہارے سے پہلے بعض امتیں اسی کثرت سوالات کی وجہ سے ہلاک ہو چکی ہیں۔

آپ ﷺ کا کثرت سے سوال سے منع فرمانا:

خود نبی ﷺ بھی صحابہ کو کثرت سوال سے منع فرماتے تھے، آپ نے فرمایا ''اِنّ اعظم المسلمین فی المسلمین جرماً مَن سَأل عَن شیٔ لم یحرم علی الناس فحرم من اجل مسئلتہ''، مسلمانوں میں سے سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو لوگوں پر حرام نہیں کی گئی تھی اور پھر محض اس کے سوال کی وجہ سے وہ چیز حرام کردی گئی۔ (بخاری، مسلم)

کس قسم کے سوالات سے ممانعت ہے؟

ایسے سوالات سے منع کیا گیا ہے جو سراسر فضول ہوں نہ ان سے کوئی دینی معاملہ متعلق اور نہ دنیوی ضرورت، یا مثلاً لوگوں کی جزئیات زندگی سے سوالات کرنا، البتہ معاشی یا معادی واقعی ضرورت پیش آجائے یا پیش آنے کا قوی احتمال ہو تو ایسے سوالات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، دور دور کے احتمالات پیدا کرکے محض سوال برائے سوال کرنا، اپنے دل سے گھڑ کر محض امتحان یا ضیق میں ڈالنے کے لئے فرضی سوالات کرنا منع ہے یہاں ایسے ہی سوالات سے ممانعت کی جارہی ہے۔

مسند سعید بن منصور اور تفسیر ابن جریر میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ مذکورہ آیت میں جو بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کا ذکر ہے، ان کے بارے میں بعض صحابہ نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا جس کے جواب میں مذکورہ آیت نازل ہوئی تھی، حاصل آیت کا یہ ہے کہ ملت ابراہیمی میں اللہ نے ان جانوروں کو حرام نہیں ٹھہرایا قریش میں یہ رسم عمرو بن عامر خزاعی کی ایجاد کردہ ہے، صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان جانوروں کو حرام کرنے کی رسم قریش میں عمرو بن عامر نے جاری کی اور آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا اس کی انتڑیاں دوزخ کی آگ میں نکلی ہوئی پڑی تھیں اور وہ ان کو کھینچتا ہوا پھر رہا تھا، اور جل رہا تھا۔ (احسن التفاسیر)

اپنی اصلاح پر اکتفاء کافی نہیں:

بعض لوگوں کو یاایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضر کم من ضَلَّ الخ کے ظاہری الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ اپنی اصلاح اگر کرلی جائے تو کافی ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں، لیکن یہ مطلب صحیح نہیں ہے اسلئے کہ امر بالمعروف کا فریضہ بھی نہایت اہم ہے، اگر ایک مسلمان یہ فریضہ ہی ترک کردے گا، تو اس کا تارک ہدایت پر قائم رہنے والا کہاں رہے گا؟ جبکہ قرآن نے اِذَا اھتدیتم کی شرط عائد کی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق کے علم میں یہ بات آئی تو فرمایا اے لوگو تم آیت کو غلط جگہ استعمال کررہے ہو میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جب لوگ برائی ہوتے دیکھیں اور اس کی اصلاح کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ ان کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے (مسند احمد، ترمذی)

اسلئے آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تمہارے سمجھانے کے باوجود اگر لوگ نیکی کا راستہ اختیار نہ کریں یا برائی سے باز نہ آئیں تو تمہارے لئے یہ نقصان دہ نہیں جبکہ تم خود نیکی پر قائم اور برائی سے مجتنب ہو اگر عملی یا لسانی طور پر لوگوں کو برائی سے باز رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے برا سمجھنا ایمان کا آخری درجہ ہے۔

شانِ نزول:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا شھادۃُ بینکم اذا حَضَرَ احدکم الموت، مذکورہ آیات کے نزول کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مسلمان جس کا نام بُدَیل تھا دو شخصوں کے ساتھ جن کا نام تمیم اور عدی تھا جو اس وقت نصرانی تھے تجارت کے لئے ملک شام گئے شام پہنچ کر بدیل بیمار ہو گیا اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اپنے سامان میں رکھدی مگر اس کی اطلاع اپنے ساتھیوں کو نہ کی جب مرض زیادہ بڑھا تو اس نے اپنے دونوں نصرانی ساتھیوں کو وصیت کی کہ میرا یہ سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا، انہوں نے سب سامان لا کر وارثوں کے حوالہ کر دیا مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کے نقش و نگار تھے سامان میں سے نکال لیا، وارثوں نے جب سامان کھولا تو اس میں ایک فہرست نکلی وارثوں نے اوصیاء سے معلوم کیا کہ کیا مرنے والے نے کچھ سامان فروخت کیا تھا؟ یا بیماری کے علاج معالجہ میں خرچ ہوا تھا اس کا جواب ان دونوں نے نفی میں دیا، آخر معاملہ نبی ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہیں تھے تو دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں کسی قسم کی خیانت نہیں کی، نہ اس کی کوئی چیز چھپائی آخر کار ان سے قسم لے کر ان کے حق میں فیصلہ ہو گیا، کچھ روز کے بعد معلوم ہوا کہ ان دونوں نے وہ پیالہ مکہ میں کسی سنار کے ہاتھ فروخت کیا ہے، جب ان سے معلوم کیا گیا تو انہوں نے کہا ہم نے تو میت سے خریدا تھا، چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اسلئے ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔

میت کے وارثوں نے پھر آپ ﷺ کی طرف رجوع کیا اب صورت حال بدل گئی اسلئے کہ اب اوصیاء خریداری کے مدعی اور ورثاء منکر تھے، اوصیاء کے پاس گواہ نہ ہونے کی وجہ سے ورثاء میں سے دو آدمیوں نے قسم کھالی کہ پیالہ میت کی ملک تھا، اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں، چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے فروخت کیا تھا وہ قیمت اوصیاء سے ورثاء کو دلائی گئی۔

مَسْئَلَہ: میت جس کو مال سپرد کرے یا کسی کو دینے لینے وغیرہ کے لئے کہہ جائے تو وہ وصی ہے اور وصی ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔

مَسْئَلَہ: وصی میں مسلمان اور عادل ہونا خواہ حالت سفر میں ہو یا حضر میں افضل ہے لازم نہیں۔

مَسْئَلَہ: نزاع میں جو زیادہ کا مثبت ہو وہ مدعی کہلاتا ہے اور دوسرا مدعا علیہ کہلاتا ہے۔

مَسْئَلَہ: اول مدعی سے گواہ طلب کئے جاتے ہیں اگر شریعت کے مطابق گواہ پیش کر دے تو مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہوتا ہے، اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے اور مقدمہ کا فیصلہ ان کے حق میں ہوتا ہے، البتہ مدعا علیہ قسم سے انکار کرے تو مقدمہ کا فیصلہ مدعی کے حق میں ہوتا ہے۔

مسئلہ: اگر مدعا علیہ کسی فعل کے متعلق قسم کھائے تو الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ مجھے اس فعل کی اطلاع نہیں۔

مسئلہ: اگر میراث کے مقدمہ میں وارث مدعا علیہ ہوں تو جن کو شرعاً میراث پہنچتی ان پر قسم آئے گی اور جو وارث نہ ہوں ان پر قسم نہ ہوگی۔ (معارف القرآن، ملخصًا)

کافر کی شہادت کافر کے حق میں قابل قبول ہے:

یایھا الذین آمنوا شہادۃ بینکم (الخ) او آخران من غیر کم، اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت آنے لگے تو دو ایسے آدمیوں کو وصی بناؤ جو تم میں سے ہوں اور نیک ہوں اور اگر اپنی قوم کے آدمی نہ ہوں تو غیر قوم کے وصی بناؤ۔

اس سے امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے یہ مسئلہ کا استنباط کیا ہے کہ کفار کی شہادت بعض کی بعض کے حق میں جائز ہے کیونکہ اس آیت میں کفار کی شہادت مسلمانوں پر جائز قرار دی ہے، جیسا کہ اَوْ آخران من غیر کم سے ظاہر ہے، تو کفار کی شہادت بعض کی بعض پر بطریق اولیٰ جائز ہے لیکن بعد میں یاایھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدینٍ الی اجل مسمًّی فاکتبوہ، (الیٰ قولہ) واستشھدوا شھیدین من رِّجالکم سے کفار کی شہادت مسلمانوں کے حق میں منسوخ ہوگئی لیکن کفار میں بعض کی بعض پر اسی طرح باقی ہے۔ (معارف)

قولہ: من بعد الصلوٰۃ، اس وقت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کی اہل کتاب بہت تعظیم کرتے تھے، صلوۃ سے مراد صلوۃ عصر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قسم کے لئے کسی خاص وقت یا کسی خاص جگہ کی تعیین قسم میں تغلیظ کے لئے جائز ہے۔ (قرطبی)

المعنی لِیُشھِد المحتضَرُ علی وصیتہ اثنین او یُوصِیْ الیھما من اھلِ دِیْنِہٖ او غیرھم اِنْ فَقَدَھم لسفرٍ ونحوہ فَاِن ارْتَابَ الوَرَثَۃُ فیھما فادَّعَوا انھما خَانَا باخذِ شیٔ اودَفْعِہٖ اِلی شخصٍ زَعَمَا ان المَیِّتَ اَوْصٰی لہ فَلْیَحْلِفَا الخ فاِنْ اطَّلَعَ علی امارۃِ تکْذِیْبِھما فادَّعَیادا فِعًا لَہٗ حَلَفَ اقربُ الورثۃِ علی کِذْبِھما وصِدْقِ ما ادَّعَوْہُ والحکمُ ثَابِتٌ فی الوَصِیَّیْنِ مَنْسُوْخٌ فی الشَّاھِدَیْنِ وکذا شَہَادَۃُ غیرِ اھلِ المِلَّۃِ مَنْسوخَۃٌ واعتبارُ صَلوٰۃِ العصرِ لِلتَّغْلِیْظِ وتخصِیْصُ الحلفِ فی الآیۃِ باثنینِ من اقرب الورثۃِ لخصوصِ الواقعۃِ التی نَزَلَتْ لَھا وھی ما رَوَاہُ البخاری ان رجلاً من بَنِی سَہْمٍ خَرَجَ مع تَمِیْم الدَّارِی وعَدِی بن بَدَّاءٍ وھما نصرانِیَّان فماتَ السَّہْمِیُّ بارضٍ لیس فیھا مسلمٌ فلمَّا قَدِمَا بتَرِکَتِہٖ فَقَدُوْا جامًا من فِضَّۃٍ مُخَوَّصًا بالذَّھبِ فرفعَا الی النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فنَزَلَتْ فَاَحْلَفَہُما ثم وُجِدَ الجامُ بمکَّۃَ فقال ابْتَعْنَاہُ من تمیمٍ وعَدِی فنَزَلَتِ الآیۃُ الثانیۃُ فقام رجلانِ من اَوْلِیَاءِ السَّہْمِیِّ فَحَلَفَا وفی روایۃِ الترمذی فقام عمرو

بنُ العاصِ ورجلٌ اٰخرُ منہم فَحَلَفَا و کَانَا اقربَ الیہ وفی روایۃٍ فَمرِضَ فَاَوصیٰ الیہما واَمَرَھما ان یُبلِّغَا مَا تَرکَ اَھلَہٗ فلما مَاتَ اَخَذَا الجامَ ودفعَا الیٰ اَھلِہٖ ما بَقِیَ **ذٰلِكَ** الحکمُ المذکورُ من ردِّ الیمینِ علی الورثۃِ **اَدْنٰٓی** اقربُ الیٰ **اَنْ يَّاْتُوْا** ای الشہودُ او الاَوصِیاءُ **بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ** الذی تَحمِلُوْھا علیہ من غیر تَحرِیفٍ ولا خیانۃٍ **اَوْ** اقربُ الیٰ ان **يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ** علی الورثۃِ المُدَّعِینَ فَیحلِفُوْنَ علیٰ خیانتِہِم و کَذِبِہِم فَیفتَضِحُوْنَ ویَغرِمُوْنَ فلا یَکذِبُوْا **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** بترکِ الخیانۃِ والکذبِ **وَاسْمَعُوْا** ما تُؤمَرُوْنَ بہ سِمَاعَ قبولٍ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ** ﴿۱۰۸﴾ الخارجین عن طاعتِہ الیٰ سبیلِ الخَیرِ.

ترجمہ: (مذکورہ دونوں آیتوں کا) مطلب یہ ہے کہ قریب المرگ شخص اپنی وصیت پر دو آدمیوں کو گواہ بنالے اپنی ملت یا غیر ملت کے دو آدمیوں کو وصی بنالے اگر سفر وغیرہ کی وجہ سے اپنی ملت کے گواہ میسر نہ ہوں، اگر ورثاء وصیوں کے بارے میں شک وشبہ کریں اور دعویٰ کریں کہ ان دونوں نے (ترکہ میں سے) کوئی چیز لیکر یا ایسے شخص کو کچھ دیکر جس کے بارے میں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میت نے اس کے لئے وصیت کی تھی تو ان دونوں سے قسم لی جائے اگر علامات سے ان دونوں وصیوں کی دروغ گوئی کا پتہ چلے بایں طور کہ وہ دونوں موصیٰ لہ کو دینے کا دعویٰ کریں تو ورثاء کا قریب ترین شخص ان کے کذب اور ورثاء کے دعوے کی صداقت پر قسم کھائے، اور حکم وصیوں کے بارے میں باقی ہے، اور شاہدین کے بارے میں منسوخ ہے، اسی طرح غیر اہل ملت کی شہادت کے بارے میں آیت منسوخ ہے، اور عصر کی نماز کے وقت کا تعین کے اعتبار تغلیظ کے لئے ہے اور (میت کے) قریب ترین ورثاء کی تخصیص اس مخصوص واقعہ کی وجہ سے ہے جس کے بارے میں آیت نازل ہوئی اور وہ (واقعہ) وہ ہے جس کو بخاری نے روایت کیا ہے، کہ بنی سہم کا ایک شخص تمیم داری اور عدی بن بدّاء کے ساتھ (تجارت کے لئے) نکلا اور یہ دونوں نصرانی تھے سہمی کا انتقال ایسی سرزمین میں ہوگیا کہ وہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، تو (مذکورہ) آیت نازل ہوئی، چنانچہ جب یہ دونوں حضرات (ملک شام سے) مرحوم کا ترکہ لے کر آئے تو چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کے نقش ونگار تھے لے لیا یہ دونوں (تمیم داری اور عدی) آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے تو اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی، ان دونوں سے قسم لی گئی، بعد ازاں وہ پیالہ مکہ میں پایا گیا تو اس شخص نے (جس کے پاس پیالہ پایا گیا) کہا میں نے اس کو تمیم داری اور عدی سے خریدا ہے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، سہمی کے اولیاء میں سے دو آدمی کھڑے ہوئے اور قسم کھائی (کہ یہ پیالہ ہمارے مورث کا ہے) اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ عمرو بن عاص اور ان میں کا ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اور دونوں نے قسم کھائی اور یہ دونوں میت کے قریبی رشتہ دار تھے، (ترمذی کی) ایک (دوسری) روایت میں ہے کہ جب سہمی بیمار ہوئے تو دونوں کو وصی بنایا اور ان سے کہا کہ اس کا متروکہ مال اس کے ورثاء کو پہنچا دیں جب اس کا انتقال ہوا (میت کے متروکہ مال میں سے) ایک پیالہ لے لیا اور باقی ماندہ مال میت کے ورثاء کو پہنچا دیا یہ مذکورہ حکم یعنی قسم کے حق کو ورثاء کو لوٹا دینا اس بات کا قریبی ذریعہ ہے کہ شاہد یا اوصیاء اس شہادت کو جس کے وہ متحمل ہوئے ہیں ٹھیک ٹھیک بغیر کسی تحریف وخیانت کے ادا کریں گے یا اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ

وہ اس بات کا خوف کریں گے کہ کہیں (ان کی) قسموں کی جو مدعی ورثاء کے خلاف ہیں تردید نہ کردی جائے بایں طور کہ ورثاء (اوصیاء کی) دروغ گوئی اور خیانت پر قسم کھالیں جس کی وجہ سے وہ رسوا ہو جائیں اور تاوان دینا پڑے، تو وہ جھوٹ نہ بولیں خیانت وکذب کو ترک کرکے اللہ سے ڈرو اور جس کا حکم دیا جائے اس کو قبولیت کے کان سے سنو اللہ فاسق لوگوں کی یعنی اس کی طاعت سے خارج ہونے والوں کی راہ خیر کی طرف رہنمائی نہیں کرتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: المعنی یعنی مذکورہ دونوں آخری آیتوں کے معنی۔

قولہ: لِیُشهِد المحتضَر الخ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شھَادۃُ بَیْنِکم مصدر بمعنی امر ہے، یعنی قریب المرگ شخص کو چاہئے کہ اپنی وصیت پر دو آدمیوں کو گواہ بنالے۔

قولہ: او یُوْصِی اِلَیهِمَا، اس اضافہ سے اشارہ کردیا کہ آیت کی دو تفسیریں ہیں، خازن کی عبارت یہ ہے، واختلفوا فی هـذَین الا ثنین فقیل هما الشاهدان اللّذان یشهد ان علی وصیة الوصی وقیل هما وصیان لِاَنّ الآیة نزلتْ فیهما ولا نه تعالی قال فیقسمان بالله والشاهد لا یلزمه الیمین. مطلب یہ کہ شھادۃِ اثنین سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اثنٰن سے وہ دو شاہد مراد ہیں جن کو موصی نے بوقت مرگ وصیت پر گواہ بنایا ہو، بعض حضرات نے کہا ہے خود وصی مراد ہیں، اس لئے کہ مذکورہ واقعہ اوصیاء ہی سے متعلق ہے، دوسری بات یہ کہ شاہدوں پر قسم لازم نہیں ہوتی، ثانی صورت میں شہادت بمعنی حضور ہوگا مثلاً تو کہے شهدت وَصِیّة فلان، بمعنی حضرتُها۔

تفسیر و تشریح

ترمذی، ابوداؤد تفسیر ابن جریر وغیرہ میں امام المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس سے جو روایتیں مروی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ تین شخص دو نصرانی اور ایک مسلمان تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف گئے مسلمان جس کا نام بزیل یا بُدَیل سہمی تھا سخت بیمار ہو کر قریب المرگ ہو گیا تو اس نے اپنے مال سامان کی ایک فہرست بنا کر اپنے سامان میں رکھدی اور وہ سامان اپنے دونوں نصرانی ساتھیوں کو دیکر وصیت کی کہ میرا یہ سامان میرے وارثوں کو دیدینا، اس سامان میں چاندی کا کٹورا (پیالہ) بھی تھا جس پر سونے کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے، یہ کٹورا نصرانیوں نے اس سامان میں سے نکال لیا اور باقی سامان مسلمان سہمی کے ورثاء کو دیدیا نصرانی ساتھیوں کی نظر اس فہرست پر نہیں پڑی، سہمی کے ورثاء نے جب سامان کھولا تو وہ فہرست برآمد ہوئی، اس فہرست کے مطابق وہ کٹورا موجود نہیں تھا، سہمی کے ورثاء نے اس کٹورے کا دعوی آنحضرت ﷺ کے روبرو پیش کیا آپ ﷺ نے ان نصرانیوں کو قسم دی انہوں نے قسم کھالی کہ سہمی نے جو مال مرتے وقت ہمارے سپرد کیا تھا ہم نے وہ پورا مال اس کے ورثاء کو

پہنچا دیا کچھ مدت بعد وہ کٹورا ایک سنار کے پاس ملا سہمی کے ورثاء نے پہچان لیا اور قسم کھائی کہ وہ کٹورا ان کے مورث کا ہے، چنانچہ اس کٹورے کی قیمت سہمی کے ورثاء کو دلوادی گئی۔

اس روایت کو اگر چہ ترمذی نے حسن غریب کہا ہے لیکن ابن جریر کی سند معتبر ہے، اس کے علاوہ یہ روایت علی بن مدینی کے حوالہ سے صحیح بخاری میں بھی ہے علی بن مدینی نے جو یہ کہا ہے کہ اس روایت کی سند میں ایک راوی ابن ابی القاسم نامعلوم الحال ہے، یہ ابن ابی القاسم محمد بن ابی القاسم ہے جس کو یحییٰ بن معین اور ابو حاتم نے ثقہ کہا ہے جس کی وجہ سے ابن ابی القاسم کے نامعلوم ہونے کا شبہ رفع ہوگیا۔

آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان حالت سفر وغیرہ میں اپنے ورثاء سے دور ہو اور اس کے پاس کچھ مال ہو تو اس کو چاہئے کہ اس مال کو ورثاء تک پہنچانے کیلئے دو مسلمانوں کو وصی اور وصیت کا گواہ بنادے، اگر یہ واقعہ ایسی سرزمین میں پیش آئے کہ جہاں مسلمان نہ ہوں جن کو وصی بنایا جاسکے تو پھر اسلام کی شرط باقی نہ رہے گی، اگر اوصیاء کے بیان پر ورثاء کو کوئی اعتراض نہ ہو تو اوصیاء کے بیان کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا اسلئے کہ یہ دونوں حضرات وصی بھی ہیں اور وصیت کے گواہ بھی، اور اگر ورثاء کو اوصیاء کے بارے میں کچھ بدظنی ہو تو اوصیاء کو یہ حلف دلایا جائیگا کہ وصیت کے بارے میں ان کا بیان صحیح ہے اس حلف کے بعد بھی اگر ورثاء کی بدظنی باقی ہے تو اگر ورثاء کے پاس اوصیاء کی غلط بیانی کا کوئی ثبوت ہو تو پیش کرنے کو کہا جائیگا، ورنہ اوصیاء کی غلط بیانی کی نسبت کے ورثاء سے حلف لیا جائیگا، اور اسی کے مطابق فیصلہ کر دیا جائیگا، جن علماء نے مدعی اور گواہوں سے قسم لینے کی ممانعت کی ہے انہوں نے اوصیاء سے قسم لینے کے بارے میں مختلف قسم کے شبہات کا اظہار کیا ہے لیکن حقیقت میں فریقین کا یہ حلف اسی طرح کا ہے جس طرح لعان کے مسئلہ میں فریقین کو حلف دیا جاتا ہے۔

من بعد الصلوۃ کی تفسیر بعض علماء نے **صلوۃ العصر** سے کی ہے یہ تغلیظ اور شدت ظاہر کرنے کے لئے ہے اسلئے کہ عصر کے بعد کا وقت قبولیت دعاء کے بارے میں خاص اہمیت رکھتا ہے صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عصر کے بعد جھوٹی قسم کو خوفناک اور رحمت خداوندی سے دور ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔

ورثاء کی قسم کی مصلحت:

آگے فرمایا کہ ورثاء کو قسم کا حکم اس لئے ہے کہ جب وصیت کے گواہوں کو یہ خوف رہے گا کہ ورثاء کی قسم کے مقابلہ میں ان کی قسم جھوٹی ٹھہرائی جاسکتی ہے جس کی وجہ سے ان کی رسوائی ہوگی تو وہ گواہی میں دروغ گوئی کی جرأت نہ کریں گے۔

ابوموسیٰ اشعری کا واقعہ:

ابوداؤد میں معتبر سند سے ابوموسیٰ اشعری کا واقعہ مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کوفہ کا رہنے والا ایک مسلمان شخص حالت سفر میں جب مرنے لگا تو اس نے اہل کتاب میں سے دو شخصوں کو اپنی وصیت کا گواہ قرار دیا، ابوموسیٰ اشعری کوفہ کے حاکم تھے اسلئے یہ

مقدمہ ان کی عدالت میں پیش ہوا، انہوں نے اس آیت کے مطابق گواہوں سے قسم لے کر مقدمہ کا فیصلہ کردیا، اس سے معلوم ہو کہ بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ العمل قرار نہیں دیا اسلئے کہ نسخ تو آنحضرت ﷺ کی مدتِ حیات ہی میں ممکن تھا۔

(احسن التفاسیر ملخصًا)

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ هُوَ يَوْمُ القِيمَةِ فَيَقُولُ لهم تَوْبِيخًا لِقَوْمِهِمْ مَاذَآ اى الذى أُجِبْتُمْ به حين دَعَوْتُمْ الى التَّوحِيدِ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا بذلك إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ما غابَ عن العِبادِ ذَهَبَ عنهم عِلْمُهُ لِشِدَّةِ هَولِ يومِ القِيمةِ وفزعِهم ثم يشهدون على اممهم لما يسكنون اذ كر إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ بشُكْرِها إِذْ أَيَّدْتُّكَ قَوَّيتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ جبرئيل تُكَلِّمُ النَّاسَ حالٌ من الكافِ في أَيَّدْتُّكَ فِي الْمَهْدِ اى طِفلًا وَكَهْلًا يُفِيدُ نُزُولَهُ قَبلَ السّاعةِ لانه رُفِعَ قبلَ الكُهُولةِ كما سَبَقَ في آلِ عمران وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ كصورةِ الطَّيْرِ والكافُ اسمٌ بمعنى مثل مفعولٌ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي بإرادتي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى من قُبورِهم احياءً بِإِذْنِي وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَآءِيلَ عَنْكَ حين هَمُّوا بقتلك إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ المعجزاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ ما هٰذَآ الذى جئتَ به إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ وفى قراءةٍ ساحرٌ اى عيسى وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ امرتُهم على لسانه أَنْ اى بأن آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي عيسى عليه الصلاة السلام قَالُوا آمَنَّا بهما وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ اذكر إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ اى يفعلُ رَبُّكَ وفى قراءةٍ بالفوقانية ونصبِ ما بعدَهُ اى تقدرُ ان تسألَهُ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ لهم عيسى اتَّقُوا اللّٰهَ فى اقتراحِ الآياتِ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ قَالُوا نُرِيدُ سؤالها من اجل أَنْ نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ تسكُن قُلُوبُنَا بزيادةِ اليقينِ وَنَعْلَمَ نزدادُ علمًا أَنْ مخففةٌ اى انك قَدْ صَدَقْتَنَا فى ادعاءِ النُّبوةِ وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِينَ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا اى يومُ نُزولِها عِيدًا نُعَظِّمُهُ ونُشَرِّفُهُ لِأَوَّلِنَا بدلٌ من لنا باعادةِ الجارِّ وَآخِرِنَا ممن يأتي بعدنا وَآيَةً مِّنْكَ على قُدرتِك ونُبوّتي وَارْزُقْنَا إياها وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ قَالَ اللّٰهُ مُستجيبًا له إِنِّي مُنَزِّلُهَا بالتخفيفِ والتشديدِ عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ اى بعد نُزولِها مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِينَ فنزلت الملائكةُ بها من السّماءِ عليها سبعةُ ارغفةٍ وسبعةُ احواتٍ فاكلوا منها حتّى شبعُوا قالهُ ابنُ عباسٍ رضى اللّٰه تعالى عنه وفى حديثٍ أُنزِلَت المائدةُ من السّماءِ خُبزًا ولحمًا فأُمِرُوا ان لا يَخُونُوا ولا يَدَّخِروا لِغدٍ فخانوا وادَّخَرُوا فَرُفِعَتْ فمُسِخُوا قِرَدَةً وخنازيرَ.

ترجمہ: یاد کرو اس دن کو جس دن اللہ تمام رسولوں کو جمع کرے گا وہ قیامت کا دن ہوگا، ان کی امتوں کو سرزنش کرنے
لئے ان سے پوچھے گا جب تم نے ان کو توحید کی دعوت دی تھی تو تم کو ان کی طرف سے کیا جواب ملا تھا؟ انبیاء جواب دیں
ہمیں اس کی کچھ خبر نہیں آپ ہی پوشیدہ باتوں کو بخوبی جانتے ہیں (یعنی) ان چیزوں کو جو بندوں سے پوشیدہ ہیں، قیامت
دن کی ہول اور خوف کی شدت کی وجہ سے (امتوں کے جواب) کا ذہول ہو جائیگا، اور جب ان کو سکون ہوگا تو اپنی اپنی امتوں
خلاف گواہی دیں گے، اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم سے فرمائیگا، اے عیسیٰ ابن مریم شکریہ کے ساتھ ان
توں کو یاد کرو جو میں نے تمہارے اور تمہاری والدہ کے اوپر کی تھیں، جب میں نے روح القدس جبرائیل کے ذریعہ تمہاری مدد کی
تم گہوارہ یعنی حالت طفولیت میں لوگوں سے بات کرتے تھے (تکلّم النّاس) ایدتكَ کی کاف ضمیر سے حال ہے، اور بڑی
میں بھی، اس سے حضرت عیسیٰ کا قیامت سے پہلے نزول مستفاد ہوتا ہے اسلئے کہ ان کو کہولت کی عمر سے پہلے ہی اٹھالیا گیا تھا،
یسا کہ آل عمران میں گذر چکا ہے، اور جبکہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور تورات اور انجیل سکھائی تھیں اور جب کہ تم
ٹی سے میری اجازت سے پرندے کی صورت کا پتلا بناتے تھے (کھیئۃ) میں کاف اسم ہے اور مفعول ہے بہ معنی مثل کے پھر تم
میں پھونک مار دیتے تھے وہ میرے ارادہ سے پرند ہو جاتا تھا اور تم مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میری اجازت سے اچھا کر
یتے تھے اور جبکہ تم مُردوں کو ان کی قبروں سے میری اجازت سے زندہ کر کے نکالتے تھے، اور میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز
ا جبکہ انہوں نے تیرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا جبکہ تم ان کے پاس معجزات لے کر آئے تھے، تو ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا جو
لے کر آئے ہو وہ تو کھلا جادو ہے، اور ایک قراءت میں ساحرٌ ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور جب میں نے حواریوں کو اشارہ کیا
ی عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان کو حکم دیا یہ کہ مجھ پر اور میرے رسول عیسیٰ پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا ہم دونوں پر ایمان لائے
ر آپ شاہد رہئے کہ ہم مسلم ہیں وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے کہ جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم کیا آپ کا رب ایسا
ر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کرے اور ایک قراءت میں تستطیعُ تاء کے ساتھ ہے اور مابعد یعنی (ربَّكَ)
نصب کے ساتھ ہے، یعنی کیا آپ اس سے (خوان) کا سوال کر سکتے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تم فرمائشی معجزے
ب کرنے کے بارے میں اللہ سے ڈرو اگر تم (حقیقت میں) مومن ہو، وہ بولے ہمارا مقصد خوان کا سوال کرنے سے یہ ہے
ہم اس میں سے کھائیں اور یقین کے اضافہ سے ہمارا دل مطمئن ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے دعوائے
ت میں ہم سے سچ بولا اَنْ مخففہ (عن الثقیلہ) ہے ای انّکَ، اور ہم نبوت پر گواہی دینے والوں میں ہو جائیں عیسیٰ ابن مریمؑ
نے دعاء کی اے اللہ اے ہمارے پروردگار تو ہمارے لئے آسمان سے خوان نازل فرما تا کہ خوان کے نزول کا دن ہمارے لئے
ی کا دن ہو تا کہ ہم اس دن کی تعظیم و توقیر کریں اور ہم سے پہلوں کے لئے لِاَوَّلِنَا، اعادۂ جار کے ساتھ لَنَا سے بدل ہے اور
سے بعد والوں کے لئے (یعنی) جو ہمارے بعد آئیں، اور تیرے لئے تیری قدرت پر اور میری نبوت پر ایک نشانی ہو جائے،
اس خوان کو ہمارے لئے رزق بنا اور تو عطا کرنے والوں میں سب سے بہتر عطا کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام

کی دعاء قبول کرتے ہوئے فرمایا میں اس خوان کو تمہارے اوپر نازل کرنے والا ہوں تخفیف اور تشدید کے ساتھ سو اس کے بعد یعنی اس کے نزول کے بعد جو تم میں سے ناشکری کرے گا تو میں اس کو ایسی سخت سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا چنانچہ آسمان سے فرشتے خوان لیکر نازل ہوئے جس پر سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں سب نے اس میں سے کھایا، حتیٰ کہ سب سیر ہوگئے، ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعَنْہُ نے فرمایا، آسمان سے ایک خوان نازل کیا گیا کہ اس پر روٹیاں تھیں اور گوشت تھا، ان کو حکم دیا گیا کہ خیانت نہ کریں اور نہ کل کے لئے ذخیرہ کریں مگر انہوں نے خیانت بھی کی اور ذخیرہ بھی کیا چنانچہ خوان اٹھالیا گیا اور ان کو بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ کردیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: تَوْبِیْخًا لِقَوْمِهِمْ، یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تو علّام الغیوب ہے اسے کسی شئ کے بارے میں سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے جواب یہ ہے کہ سوال سرزنش (توبیخ) کے لئے ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "اِذا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ"، میں سوال توبیخی ہے۔

قِوْلَهُ: ای الّذی، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: ذَا، اسم اشارہ محسوس کے لئے ہے یہاں اس کا مشارٌ الیہ جواب ہے، جو کہ غیر محسوس ہے؟

جَوَاب: یہ ہے کہ ذَا، بمعنی الذی اسم موصول ہے فلا اعتراض۔

قِوْلَهُ: ذَهَبَ عَنْهُمْ عِلْمُهُ، الخ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: انبیاء کو دنیا میں ان کی دعوت توحید کے جواب میں ان کی امتوں نے کیا جواب دیا تھا یہ تو ان کو معلوم ہونا چاہئے، پھر انبیاء کا محشر میں خدا کے روبرو یہ کہنا ہم نہیں جانتے کہ ہماری امتوں نے ہمیں کیا جواب دیا تھا؟ اس سے کذب لازم آتا ہے جو کہ انبیاء کی شایان شان نہیں اور وہ بھی باری تعالیٰ کے حضور میں۔

جَوَاب: علم کی نفی کذب کی وجہ سے نہیں بلکہ قیامت کی ہولناکی اور خوف کی وجہ سے ہوگی اسلئے کہ روز محشر ہر نفس پر جلال خداوندی کی اس قدر ہیبت چھائی ہوگی کہ انبیاء کے ذہن سے بھی ذہول ہوجائیگا اللہ تعالیٰ نے فرمایا" تذهل کلُّ مرضعة عَمّا ارضعت"، مگر یہ جواب ضعیف ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے بارے میں فرمایا ہے "لَا یَحْزنهم الفزع الاکبر" امام فخر الدین رازی نے مذکورہ اعتراض کا یہ جواب دیا ہے، انبیاء کا جواب سے سکوت وانکار ادب و تعظیم کی وجہ سے ہوگا، جیسا کہ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کے سوال کے جواب میں اکثر اللہ اعلم فرمایا کرتے تھے حالانکہ ان کو بعض سوالوں کے جواب معلوم ہوتے تھے۔

قِوْلَهُ: طِفلًا، فی المهد کی تفسیر طفلاً سے کرکے اشارہ کردیا کہ مہد سے مراد حالت طفولیت ہے نہ کہ نفس مہد اسلئے کہ مہد مقابلہ کهلًا، سے لائے ہیں مقصد نقصان عقل اور کمال عقل کا تقابل ہے۔

قَوْلُہٗ: اَکْمَہَ، مادرزاد اندھا، کَمْہٌ سے صیغہ صفت مشبہ۔
قَوْلُہٗ: ابرص برص کوڑھی ایک قسم کا مشہور مرض ہے۔
قَوْلُہٗ: اَمَرتُھم علی لسانِہٖ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حواری تو نبی نہیں تھے پھر ان کی طرف وحی کرنے کا کیا مطلب ہے؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ براہ راست وحی مراد نہیں ہے بلکہ مراد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ سے ان کو حکم دینا ہے، فلا اشکال۔
قَوْلُہٗ: تَسْتَطِیْعُ ربّكَ، ای، سوال رَبِّكَ حذف مضاف کے ساتھ اسلئے کہ ذات رب سے سوال کا کوئی مطلب نہیں ہے۔
قَوْلُہٗ: مِن اَجَلٍ، اس میں اشارہ ہے کہ اَن ناکل، مفعول لاجلہ ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

یوم یجمع اللّٰہ الرسُل، الخ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں نے اچھا برا جو بھی معاملہ کیا، اس کا علم تو یقیناً انھیں ہوگا لیکن وہ اپنے علم کی نفی یا تو محشر کی ہولناکی اور اللہ جلّ جلالہ کی ہیبت وعظمت کی وجہ سے کریں گے، یا اس کا تعلق ان کی وفات کے بعد کے حالات سے ہوگا، علاوہ ازیں باطنی امور کا کلیتاً علم تو صرف اللہ ہی کو ہے اس لئے انبیاء کہیں گے کہ علام الغیوب تو تو ہی ہے نہ کہ ہم، صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے انس بن مالک اور سہل بن سعد وغیرہ سے روایت مذکور ہے کہ بعض لوگوں کو روز محشر حوض کوثر سے ہٹا دیا جائیگا، آپ ﷺ فرشتوں سے کہیں گے یہ لوگ تو فرمانبرداروں میں سے ہیں تو فرشتے جواب دیں گے کہ آپ کی وفات کے بعد یہ لوگ فرمانبرداری پر قائم نہیں رہے، یہ حدیثیں اور اس قسم کی اور حدیثیں آیت کی تفسیر ہیں جن سے پوری امت کی حالت کو اللہ کے علم کے حوالہ کرنے کا حال اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے، اس سے آپ ﷺ کا عالم الغیب نہ ہونا بھی بخوبی معلوم ہوگیا۔

یُکلّمُ الناسَ فی المهد و کَھْلاً، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گود میں اس وقت کلام کیا تھا جب حضرت مریم اس نومولود کو لیکر اپنی قوم میں آئیں اور انہوں نے اس بچہ کو دیکھ کر تعجب کا اظہار اور اس کی بابت استفسار کیا تو اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شیرخوارگی کے عالم میں کلام کیا۔

فَائِدَہ: عالم طفولیت میں کلام کرنے کا معجزہ ہونا تو ظاہر ہے اسلئے کہ کوئی بچہ ماں کی گود میں بڑوں کی طرح بولنے لگے تو یہ اس کا امتیاز اور اعجاز ہوگا، اب رہا ادھیڑ عمر میں کلام کرنا تو یہ نہ کوئی قابل تعجب بات ہے اور نہ قابل ذکر اسلئے کہ بڑے ہو کر ہر آدمی کلام کرتا ہی ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصوصی حال پر غور کریں تو اس کا بھی معجزہ ہونا واضح ہو جائیگا، کیونکہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ادھیڑ عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی ۳۳ سال کی عمر میں آسمانوں کی طرف اٹھا لیا گیا، اب دنیا کے انسانوں سے بات کرنا ادھیڑ عمر کو پہنچنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے جب اس دنیا میں تشریف لائیں گے جیسا کہ مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے جو قرآن وحدیث کی تصریحات سے ثابت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حالت طفولیت میں کلام کرنا معجزہ تھا اسی طرح عالم

کہولت میں پہنچنے کے بعد کلام کرنا بھی بوجہ اس دنیا میں دوبارہ آنے کے معجزہ ہی ہے۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلی الحواریین، حَوَاریین، حَوَارِیُّ کی جمع ہے، یہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کا خطاب ہے، حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ چونکہ ان کے کپڑے سفید تھے اس واسطے یہ لوگ حواری کہلائے، ابن ابی حاتم نے ضحاک سے نقل کیا ہے کہ حواری نبطی زبان میں دھوبی کو کہتے ہیں، ان کی تعداد بارہ تھی یہاں وحی سے مراد وحی تشریعی نہیں ہے بلکہ یہاں اشارہ اور الہام کے معنی میں ہے۔

اِذْ قَالَ الحواریون یعیسیٰ ابن مریم الخ، مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ جب حواریوں کی جانب سے اس آسمانی کھانے کی درخواست پیش ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت ناگوار گذری، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو جس طرح روزی ملتی رہی ہے اسی پر قناعت کرو ایسے دسترخوان کی درخواست نہ کرو، اگر مطلوبہ دسترخوان نازل کر دیا گیا تو پھر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائیگی، قوم ثمود کا بھی یہی معاملہ ہوا تھا، اس کے بعد حواریوں نے جب نیک ارادہ کا اظہار کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعاء فرمائی تو یہ دسترخوان اس شان کے ساتھ نازل ہوا کہ اس کا رنگ سرخ تھا اس کے اوپر نیچے بادل تھا وہ نظروں کے سامنے بڑے تیزی سے نیچے اترا جب یہ دسترخوان نیچے اترا تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بے اختیار رونے لگے اور دعاء کی کہ اے اللہ ہم کو اس نعمت کا شکر ادا کرنے والا بنا دے اے اللہ تو اسے ہمارے لئے رحمت بنا دے، مگر یہود نے اس نعمت عظمیٰ اور خوان یغمی کی ناشکری کی جس کے نتیجے میں ان کو سخت عذاب سے دوچار کر دیا جس کے صلہ میں ان کو بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل کر دیا، (اللّٰھم احفظنا من سخطك والنار).

وَ اذكر اِذْ قَالَ اى يَقُولُ اللّٰهُ لعيسى فى القيمة توبيخًا لقومه يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ عيسى وقد أُرعِدَ سُبْحٰنَكَ تنزيهًا لك مما لا يليق بك من الشريك وغيره مَا يَكُوْنُ ينبغى لِىْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِىْ بِحَقٍّ خبرُ لَيْسَ ولى للتبيين اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا أُخفيه فِىْ نَفْسِىْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِكَ اى ما تُخفيه من معلوماتك اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِىْ بِهٖ وهو اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا رقيبًا امنعهم مما يقولون مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ قبضتنى بالرفع الى السماء كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ الحفيظ لأعمالهم وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ من قولى لهم وقولهم بعدى وغير ذلك شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ مُطلع عالم به اِنْ تُعَذِّبْهُمْ اى من اقام على الكفر منهم فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وانت مالكهم تتصرف فيهم كيف شئتَ لا اعتراض عليك وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ اى لمن امن منهم فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الغالب على امره الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ فى صُنعه قَالَ اللّٰهُ هٰذَا اى يوم القيمة يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ فى الدنيا كعيسى صِدْقُهُمْ لانه يوم الجزاء

هُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بطاعتِه وَرَضُوْا عَنْهُ بثوابِه ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾ ولا نفعُ الكاذبینَ فی الدنیا صِدقُهم فیه كالكُفّارِ لَمّا یُؤمنونَ عند رُؤیةِ العذاب لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خزائنُ المطرِ والنباتِ والرزقِ وغیرِها وَمَا فِیْهِنَّ اتی بما تغلیبًا لغیر العاقل وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ومنه اِثابةُ الصادقِ وتعذیبُ الكاذبِ وخَصَّ العَقْلُ ذاتَهٗ تعالٰی فلیس علیها بقادرٍ.

ترجمہ: اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کی قوم کو سرزنش کرنے کے لئے فرمائیگا، کہ اے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ابن مریم کیا تم نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کانپتے ہوئے عرض کریں گے آپ تو ہر اس چیز (یعنی) شریک وغیرہ سے پاک ہیں جو آپ کی شایان شان نہیں، اور میرے لئے کسی طرح ایسی بات کہنا لائق نہیں جسکے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں (بحق) لیس کی خبر ہے اور (لی) تبیین کے لئے (زائد) ہے اگر میں نے (یہ بات) کہی ہوگی تو آپ کو اس کا علم ہوگا اسلئے کہ تو تو میرے دل کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے دل کی بات کو نہیں جانتا، یعنی تیری مخفی معلومات کا مجھے علم نہیں، تمام مغیبات کے جاننے والے آپ ہی ہیں میں نے تو ان سے صرف وہی بات کہی جس کو کہنے کا تو نے حکم فرمایا وہ یہ کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو کہ میرا اور تمہارا (سب کا) رب ہے، میں ان کا نگران تھا جب تک میں ان کے درمیان تھا ان کو ایسی بات کہنے سے روکے رہا اور جب آپ نے مجھے رفع آسمانی کے ذریعہ واپس بلالیا تو آپ ان کے اعمال کے نگہبان تھے اور آپ تو ہر چیز سے واقف ہیں (خواہ) میری بات ہو جو میں نے ان سے کہی یا ان کی بات جو انہوں نے میرے بعد کہی وغیرہ وغیرہ، ان میں سے جو کفر پر قائم رہا اگر آپ ان کو سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کے مالک ہیں ان میں جس طرح چاہیں تصرف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں آپ پر کوئی اعتراض نہیں، اور اگر آپ انھیں معاف کردیں تو آپ اس پر غالب ہیں اور اپنی صنعت میں باحکمت ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ قیامت کا دن وہ دن ہے کہ اس دن میں دنیا میں سچائی اختیار کرنے والوں کی سچائی نفع پہنچائیگی جیسا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، اسلئے کہ یہ صلہ دینے کا دن ہے، ان کو ایسے باغات ملیں گے کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے اللہ ان سے ان کی اطاعت کی وجہ سے خوش اور وہ اس سے اس کے اجر پر راضی، یہی بڑی کامیابی ہے اور دنیا میں جھوٹوں کو قیامت میں ان کی سچائی کچھ نفع نہ دے گی، جیسا کہ کفار، جبکہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لائیں گے، زمین اور آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے سب کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے (یعنی) بارش اور نباتات اور رزق وغیرہ کے خزانے سب اسی کی ملک میں ہیں (بجائے مَن کے) ما، کا استعمال غیر ذوی العقول کو غلبہ دینے کی وجہ ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ان ہی میں سے سچے کو اجر عطا کرنا اور جھوٹے کو سزا دینا بھی ہے، اور عقل نے باری تعالیٰ کو (تحت القدرۃ) ہونے سے خاص کردیا چنانچہ وہ اپنی ذات پر قدرت نہیں رکھتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: ای یَقُوْلُ، قَالَ ماضی کی تفسیر یَقُوْلُ مضارع سے کرکے اس سوال کا جواب دیدیا کہ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ مکالمہ قیامت کے دن ہوگا اور قال سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ہو چکا، قال کی تفسیر یقول سے کرکے بتادیا کہ ماضی بمعنی مضارع ہے۔

قِوْلَہٗ: تَوْبِیْخاً لِقَوْمِہٖ، اس اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَیُوْالؒ: سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس سے کوئی شئی مخفی نہیں ہے ان ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی امت سے کہنا یا نہ کہنا بھی ہے۔

جَوْابُعِ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سوال برائے استفہام نہیں ہے بلکہ توبیخ کے لئے ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قِوْلَہٗ: لِقَوْمِہٖ، کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ تقصیر اور کوتاہی قوم کی تھی نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی۔

قِوْلَہٗ: اُرْعِدَ لرزید از ترس عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خوف کی وجہ سے لرزہ براندام ہوگئے۔

قِوْلَہٗ: ولِیْ، لِلتَّبْیِیْنِ، اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو، لی، کو حق سے متعلق مانتے ہیں اور وجہ رد یہ ہے کہ جار مجرور کے صلہ کی تقدیم ممتنع ہے۔

قِوْلَہٗ: بالرَّفْعِ الی السَّمَاءِ، اس عبارت میں اشارہ ہے کہ یہاں توفّی کے معنی موت کے نہیں ہیں اس لئے کہ توفّی کے معنی اخذ الشئی وافیا، کسی چیز کو پورا پورا لینا کے ہیں، موت بھی اس کی ایک نوع ہے نہ کہ عین موت، لہٰذا اب یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تو فَیْتَنِی سے مراد موت ہو حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال نہیں ہوا ہے۔

قِوْلَہٗ: و خصَّ العقلُ ذاتہ تعالی، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَیُوْالؒ: سوال یہ ہے کہ "علی کل شئ قدیر" میں خود اللہ تعالیٰ بھی شئی میں داخل ہے اسلئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو شئی میں داخل نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ کا لاشئی ہونا لازم آتا ہے جو ظاہر البطلان ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کو اشیاء کا ایک فرد ماننا ضروری ہے اور کل شئی ھالك سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شئی ہلاک ہونے والی ہے۔

جَوْابُعِ: کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شئی تو ہے مگر دیگر اشیاء کے مانند نہیں، لہٰذا عقل نے ذات باری تعالیٰ کو اشیاء سے خاص کرلیا یعنی اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے مگر اپنی ذات پر قادر نہیں ہے اسلئے کہ قدرت کا تعلق ممکنات سے ہوتا ہے نہ کہ واجبات اور محالات سے لہٰذا شئی سے مراد کل موجود یمکن ایجادہ ہے۔ (جمل)

تفسیر وتشریح

وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعیسٰی ابن مریم ءَاَنتَ قلتَ للناس الخ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سوال روز قیامت میں ہوگا جس کو یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کر دیا ہے، خطاب اگر چہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے مگر مقصد ان لوگوں کو زجر وتوبیخ کرنا ہے جنہوں نے غیر اللہ کو معبود بنا لیا تھا، اسلئے کہ جن کو معبود بنایا گیا ہے وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کی والدہ مریم کو بھی معبود بنایا تھا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ من دون اللّٰہ میں صرف سونے چاندی یا پتھر لوہے وغیرہ کے بت ہی شامل نہیں ہیں بلکہ اللہ کے وہ نیک بندے بھی مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ میں شامل ہیں جن کی لوگوں نے کسی انداز سے عبادت کی، جیسے حضرت عیسیٰ ومریم اور حضرت عزیر علیہم السلام وغیرہ۔

مسیحیوں کا شرک:

عیسائیوں نے اللہ کے ساتھ صرف مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور روح القدس ہی کو خدا بنانے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کو بھی ایک مستقل معبود بنا ڈالا، حضرت مریم کی الوہیت یا قدوسیت کے متعلق کوئی اشارہ تک بائبل میں موجود نہیں ہے مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ابتدائی تین سو سالوں تک عیسائی دنیا اس تخیل سے بالکل ناآشنا تھی، تیسری صدی عیسوی کے آخر میں اسکندریہ کے بعض علماء نے پہلی مرتبہ حضرت مریم کے لئے ''ام اللہ'' مادرِ خدا، کے الفاظ استعمال کئے، اس کے بعد بتدریج الوہیت مریم کا عقیدہ اور مریم پرستی کا طریقہ عیسائیوں میں پھیلنا شروع ہوا، لیکن اول اول چرچ اس عقیدہ کو باقاعدہ طور پر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا، بلکہ مریم پرستوں کو فاسد العقیدہ قرار دیتا تھا، پھر جب نسطورلیس کے اس عقیدہ پر کہ مسیح کی واحد ذات میں دو مستقل جداگانہ شخصیتیں جمع تھیں، مسیحی دنیا میں بحث وجدال کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تو اس کا تصفیہ کرنے کے لئے ۴۳۱ء میں شہر افسوس میں ایک کونسل منعقد ہوئی اور اس کونسل میں پہلی مرتبہ کلیسا کی سرکاری زبان میں حضرت مریم کے لئے مادر خدا، کا لقب استعمال کیا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مریم پرستی کا جو مرض اب تک کلیسا کے باہر پھیل رہا تھا وہ اس کے بعد کلیسا کے اندر بھی تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا حتی کہ نزول قرآن کے زمانہ تک پہنچتے پہنچتے حضرت مریم اتنی بڑی دیوی بن گئیں کہ باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں اس کے سامنے ہیچ ہو گئے، ان کے مجسمے جگہ جگہ کلیساؤں میں نصب کئے ہوئے تھے، ان کے آگے عبادت کے جملہ مراسم ادا کئے جاتے تھے، ان ہی سے دعائیں مانگی جاتی تھیں اور ان ہی کو فریاد رس اور مشکل کشا سمجھا جاتا تھا۔

تَوَفَّيْتَنِى کا مطلب:

توفیتنی کا مطلب یہ ہے کہ جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا، تَوَفَّيْتَنِى کا مادہ وَفِىٌّ ہے جس کے اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں انسان کی موت پر جو وفات کا لفظ بولا جاتا ہے وہ اسی لئے بولا جاتا ہے کہ اس کے جسمانی اختیارات مکمل طور پر سلب کر لئے جاتے ہیں اس اعتبار سے موت اس کے معنی کی مختلف صورتوں میں سے محض ایک صورت ہے نیند میں بھی چونکہ انسانی اختیارات عارضی طور پر معطل کر دیئے جاتے ہیں اس لئے نیند پر بھی قرآن نے وفات کے لفظ کا اطلاق کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس کے حقیقی اور اصلی معنی پورا پورا لینے کے ہیں بعض نے اسکے مجازی معنی مشہور استعمال کے مطابق موت ہی کے کئے ہیں لیکن اس کے ساتھ انہوں نے کہا ہے کہ الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی رَافِعُكَ، کے معنی مقدم ہیں اور مُتَوَفِّيكَ، کے معنی متاخر ہیں، یعنی میں تم کو آسمان پر اٹھالوں گا اور پھر جب دنیا میں نزول ہوگا تو اس وقت موت سے ہمکنار کروں گا، یعنی یہود کے ہاتھوں تیرا قتل نہیں ہوگا بلکہ تجھے طبعی موت ہی آئے گی۔ (فتح القدير، ابن كثير)

اِن تعذبهم فانّهم عبادك

مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ان کا معاملہ تیرے سپرد ہے اسلئے کہ تو فَعَّالٌ لِمَا يُرِيد بھی ہے، اور تجھ سے کوئی باز پرس کرنے والا بھی نہیں "لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُون" اللہ جو کچھ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں ہوگی، لوگوں سے ان کے کاموں کی باز پرس ہوگی، گویا آیت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بندوں کی عاجزی و بے بسی کا اظہار بھی ہے اور اللہ کی عظمت و جلالت اور اس کے قادر مطلق اور مختار کل ہونے کا بیان بھی، پھر ان دونوں باتوں کے حوالہ سے عفو و مغفرت کی التجا بھی سبحان اللہ! کیسی عجیب و بلیغ آیت ہے، اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ ایک رات نبی ﷺ پر نوافل میں اس آیت کو پڑھتے ہوئے ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بار بار ہر رکعت میں اسی آیت کو پڑھتے رہے حتی کہ صبح ہوگئی۔

(مسند احمد)

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَةٌ اِلَّا وَمَا قَدَرُ اللّٰه، الآيات الثلٰث وَاِلَّا قُلْ تعالَوْا، الْآياتُ الثلٰث وهى مائة وخمسٌ اوست وستّون اية.

سورۂ انعام مکی ہے مگر وَمَا قدروا اللّٰه سے تین آیتیں اور قُلْ تَعَالَوْا سے تین آیتیں اور ان کی تعداد ١٦٥ یا ١٦٦ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْحَمْدُ وهو الوصفُ بالجميل ثابتٌ لِلّٰهِ وهل المرادُ الإعلامُ بذلك للإيمان به او للثناء به او هما احتمالاتٌ أفيدُها الثالثُ قالهُ الشيخُ في سورة الكهفِ اَلَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ خصّهما بالذكر لانهما اَعظمُ المخلوقاتِ للنّاظرِيْن وَجَعَلَ خلق الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ اى كلَّ ظلمة ونور وجمعها دُونهُ لكثرة اَسبابها وهذا من دلائل وحدانيته ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مع قيام هذا الدليل بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① يُسوُّون به غيرَهُ في العبادة هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ بخلق ابيكم ادم منه ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا لكم تموتون عند انتهائه وَاَجَلٌ مُّسَمًّى مضروبٌ عِنْدَهٗ لبعثكم ثُمَّ اَنْتُمْ أيُّها الكفارُ تَمْتَرُوْنَ ② تشكّون في البعثِ بعد علمكُمْ انه ابتدأ خلقكم ومن قدر على الابتداءِ فهو على الاعادة اقدرُ وَهُوَ اللّٰهُ مستحقٌّ للعبادة فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ ما تُسرُّون وما تجهرُون به بينكم وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ تعملُون من خير وشر وَمَا تَاْتِيْهِمْ اى اهلَ مكة مِّنْ زائدة اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ من القران اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ بالقران لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا عواقبُ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤ اَلَمْ يَرَوْا في أسفارهم الى الشام وغيرها كَمْ خبريّةٌ بمعنى كثيرًا اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ أمّةٍ من الأمم الماضية مَّكَّنّٰهُمْ اعطيناهم مكانا فِى الْاَرْضِ بالقوة والسّعة مَا لَمْ نُمَكِّنْ نعط لَّكُمْ فيه التفاتٌ عن الغيبة وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ المطرَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا متتابعًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمْ

تحت مساکنہم **فَأَهْلَكْنٰهُم بِذُنُوبِهِمْ** بتکذیبہم الانبیاء **وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ**⑥ **وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا** مکتوبًا **فِي قِرْطَاسٍ** رَق کما اقترحوہ **فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ** ابلغ من عاینوہ لانہ انفی للشک **لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ** ما **هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ**⑦ تعنتًا وعنادًا **وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ** علی محمد **مَلَكٌ** یصدقہ **وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا** کما اقترحوہ فلم یؤمنوا **لَّقُضِيَ الْأَمْرُ** بہلاکہم **ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ**⑧ یمہلون لتوبۃ او معذرۃ کعادۃ اللہ فیمن قبلہم من اہلاکہم عند وجود مقترحہم اذا لم یؤمنوا **وَلَوْ جَعَلْنٰهُ** ای المنزل الیہم **مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ** ای الملک **رَجُلًا** ای علی صورتہ لیتمکنوا من رؤیتہ اذ لا قوۃ للبشر علی رؤیۃ الملک **وَ** لوانزلناہ وجعلناہ رجلًا **لَلَبَسْنَا** شبہنا **عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ**⑨ علی انفسہم بان یقولوا ما ہذا الابشر مثلکم **وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ** فیہ تسلیۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم **فَحَاقَ** نزل **بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ**⑩ وہو العذاب فکذا یحیق بمن استہزأ بک.

ترجمہ: ہر تعریف اللہ کے لئے ثابت ہے (اور) یا تو اس جملہ خبریہ سے مراد ثبوت حمد پر ایمان کی خبر دینا ہے یا مراد انشاء حمد (تعریف کرنا) ہے یا دونوں مراد ہیں (یہ تین) احتمالات ہیں تیسری صورت زیادہ مفید ہے، اس کو شیخ جلال الدین محلّی نے سورۂ کہف میں بیان کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ان دونوں کو خاص طور پر اس لئے بیان کیا ہے کہ یہ دونوں ناظرین کی نظر میں اعظم مخلوقات ہیں اور جس نے ظلمتوں اور روشنی کو پیدا فرمایا یعنی ہر ظلمت اور نور کو، ظلمات کو جمع لائے ہیں نہ کہ نور کو، ظلمات کے اسباب کثیر ہونے کی وجہ سے، اور یہ اللہ کی وحدانیت کے دلائل میں سے ہے پھر بھی کافر اس دلیل کے قائم ہونے کے باوجود غیر اللہ کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں یعنی غیر اللہ کو عبادت میں اللہ کے برابر قرار دیتے ہیں، وہ ایسی ذات ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا تمہارے دادا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مٹی سے پیدا کرکے، پھر اس نے تمہارے لئے مدت مقرر کی کہ جس کے پورے ہونے پر تم مرجاؤ گے، اور دوسرا وقت خاص اللہ کے نزدیک معین ہے جو کہ تمہارے بعث کا ہے، پھر بھی تم اے کافرو شک کرتے ہو (یعنی) بعث بعد الموت میں شک کرتے ہو، باوجودیکہ تم اس بات کو جانتے ہو کہ اس نے تم کو ابتداء پیدا کیا، اور جو ابتداء پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بطریق اولیٰ قادر ہے، وہی اللہ مستحق عبادت ہے آسمانوں اور زمین میں تمہاری پوشیدہ اور ظاہری باتوں کو جانتا ہے یعنی جس کو تم آپس میں پوشیدہ رکھتے ہو اور ظاہر کرتے ہو، اور جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے (یعنی) جو خیر و شر تم کرتے ہو اس سے واقف ہے اور اہل مکہ کے پاس قرآن کی جو آیت بھی آئی ہے اس سے اعراض ہی کرتے ہیں، مِن آیۃ، میں مِن زائدہ ہے انہوں نے حق یعنی قرآن کو جھٹلا دیا جب ان کے پاس آیا سو جلد ہی ان کو اس کے انجام کی خبر مل جائے گی جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے کیا یہ لوگ اپنے شام وغیرہ کے سفر کے دوران نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان سے پہلے سابقہ امتوں میں سے کتنی ہی امتوں کو ہلاک کردیا، کم خبریہ بمعنی کثیر ہے، جن کو ہم نے دنیا میں

ی قوت اور وسعت دی تھی کہ جو تم کو نہیں دی اس میں غیبت سے (خطاب) کی جانب التفات ہے، اور ہم نے ان پر خوب مسلسل بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے نہریں بہادیں پھر ہم نے ان کو انبیاء کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک کردیا اور ہم نے ان کے بعد دوسری قومیں پیدا کردیں اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ ان کی تجویز کے مطابق نازل کرتے پھر اس کو یہ لوگ پنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے، (لَمَسُوه بأيديهم) عاينوه سے ابلغ ہے اسلئے کہ چھو کر دیکھ لینا شک کی زیادہ نفی کرنے والا ہے، جب بھی یہ کافر لوگ تعصب اور عناد کی وجہ سے یہی کہتے کہ یہ کچھ نہیں محض کھلا ہوا جادو ہے، اور ان لوگوں کا کہنا ہے کہ محمد ﷺ پر کوئی فرشتہ کیوں نہ نازل کیا گیا جو ان کی تصدیق کرتا اور اگر ہم ان کی تجویز کے مطابق کوئی فرشتہ نازل کردیتے (پھر وں) یہ ایمان نہ لاتے تو ان کو ہلاک کرکے ان کا قصہ ہی ختم ہوجاتا پھر ان کو توبہ یا معذرت کے لئے مہلت نہ دی جاتی جیسا کہ ں سے پہلی امتوں میں فرمائشی معجزہ ظاہر کرنے کے بعد جبکہ وہ ایمان نہ لائے ان کو ہلاک کرنے کا اللہ کا دستور رہا ہے اگر ہم ان طرف فرشتہ نازل کرتے تو ظاہر سی بات ہے کہ وہ فرشتہ انسانی شکل میں ہوتا تاکہ یہ اس کو دیکھ سکیں، اسلئے کہ ان میں فرشتہ کو بھنے کی قوت نہیں، اور اگر ہم فرشتہ نازل کردیتے اور اس کو انسانی شکل میں رکھتے تو ہم ان پر اشتباہ ڈالدیتے جیسا کہ اب ان کو تباہ ہو رہا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو تمہارے جیسا ہی انسان ہے درحقیقت آپ سے پہلے جو انبیاء ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی ہزاء کیا گیا اس میں نبی ﷺ کو تسلی ہے تو ان کو اسی عذاب نے آگھیرا جس کا انہوں نے مذاق اڑایا، اور وہ عذاب تھا، اسی رح جو آپ کے ساتھ استہزاء کرے گا اس کو بھی عذاب آگھیرے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: هَلِ المُرَادُ الإعْلامُ بذلك، اس سوالیہ جملہ سے شارح علام کا مقصد یہ بتانا ہے کہ الحمد (ثابت) للہ، جملہ یہ کے ذریعہ جو ثبوت حمد کی خبر دی گئی ہے اس سے تین چیزیں مراد ہوسکتی ہیں، ① یا تو اس بات کی خبر دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صاف کمالیہ ازلی اور ابدی ہیں اور ہمارا اس پر ایمان ہے، استمرار پر دلالت جملہ کے اسمیہ ہونے کی وجہ سے ہوگی اس صورت میں لفظاً و معنیً خبریہ ہوگا، ② یا مقصد انشاء حمد ہے، اسی کو مفسر علام نے او الثناء به، سے تعبیر فرمایا ہے، اس صورت میں جملہ خبریہ اور معنیً انشائیہ ہوگا، ③ دونوں مقصود ہوں اس کی طرف اپنے قول اَوْ هُمَا سے اشارہ فرمایا ہے، اس صورت میں ں معنی میں استعمال حقیقۃً ہوگا، اور پہلی صورت میں خبر میں حقیقت اور انشاء حمد میں مجاز ہوگا اور دوسری صورت میں انشاء حمد میں حقیقت اور خبر میں مجاز ہوگا، مطلب یہ کہ پہلی دونوں صورتوں میں ایک میں جملہ کا استعمال بالاصل اور دوسری میں بالتبع ہوگا، اور ری صورت میں دونوں میں جملہ کا استعمال بالاصل ہوگا اسی وجہ سے تیسری صورت پہلی دو صورتوں سے مفید تر ہے اس لئے کہ ں میں استعمال مقصود بالذات ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے سورۂ کہف جلد چہارم ملاحظہ فرمائیں)۔

قولہ: خلَقَ، جَعَلَ کی تفسیر خلَقَ سے کرکے اشارہ کردیا ہے کہ جَعَلَ بمعنی خلق و أنشأ ہے نہ کہ بمعنی صَيَّرَ یہی وجہ ہے کہ

ایک مفعول کی جانب متعدی ہے۔

قِوْلِهُ: لِکَثْرَةِ اَسْبَابِهَا، ظلمت کے اسباب چونکہ کثیر ہیں اسلئے ظلمات کو جمع لائے ہیں، اور نور کی قسم چونکہ ایک ہی ہے اسلئے اس کو واحد لائے ہیں۔

قِوْلِهُ: عَوَاقِبُ.

سُوَال: عواقِبُ مضاف محذوف ماننے کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: اسلئے کہ نفس انباء تو دنیا ہی میں معلوم ہو جائیں گی، البتہ ان کا انجام اور نتیجہ آخرت میں معلوم ہوگا، اسی فائدہ کے لئے لفظ عواقب، محذوف مانا گیا ہے۔

قِوْلِهُ: لِاَنَّهُ اَنْفٰى لِلشَّكِّ، یعنی معاینہ کے بجائے لمس کا استعمال نفی شک میں زیادہ ہے اسلئے کہ دیکھنے میں تو کبھی سحر یا نظر بندی کا دھوکا بھی ہو سکتا ہے مگر لمس اور ٹٹول کر معلوم کرنے میں دھوکہ اور مغالطہ کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

قِوْلِهُ: لَلَبَسْنَاه، یہ شرط محذوف کا جواب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، ''اى لَوْ جَعَلْنَاهُ رَجُلًا لَلَبَسْنَا''.

تفسیر و تشریح

فضائل سورۂ انعام:

مستدرک حاکم نے حضرت جابر سے روایت کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے سبحان اللّٰه العظيم فرمایا، اور یہ فرمایا کہ آسمان سے زمین تک ستر ہزار فرشتے اس سورت کے نازل ہونے کے وقت ساتھ تھے، حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

سورت کا نام:

اس سورت کے رکوع ۱۶، ۱۷ میں بعض اَنعام (مویشیوں) کی حرمت اور بعض کی حلت کا ذکر ہے اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ''انعام'' رکھا گیا ہے، بجز چھ آیات کے یہ پوری سورت مکی ہے۔

سورۂ انعام کے مضامین کا خلاصہ:

خدا کی توحید، پیغمبروں کی رسالت، توحید کے سلسلہ میں چند انبیاء کرام کے واقعات، قرآن کی صداقت، آخرت کی زندگی کا ثبوت، منکرین حق وصداقت کے کردار کی وضاحت اور ان کا انجام، یہ ہے اس سورت کے مضامین کا خلاصہ۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ.

یہاں خلق، ایجاد وابداع یعنی نیست سے ہست کرنے کے معنی میں ہے (قرطبی) پوری کائنات دو قسموں میں منحصر ہے، جوہر اور عرض، السمٰوٰتِ وَالْاَرض، سے جوہر کی طرف اور الظلمٰت والنور سے عرض کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں جوہر ہو یا عرض ہر چیز کا خالق بلا استثناء وہی ایک خدا ہے الظلمٰت، کو جمع کے صیغہ کے ساتھ اور النور کو صیغہ واحد کے ساتھ ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ گمراہیاں ایک نہیں بہت سی ہوسکتی ہیں اور راہ حق صرف ایک ہی ہوتی ہے، دو نقطوں کے درمیان خطوطِ منحنی بے شمار ہوسکتے ہیں مگر خط مستقیم ایک ہی ممکن ہے، اور یہ نقطہ قابل غور ہے کہ قرآن مجید میں نور، جہاں بھی آیا ہے مفرد ہی آیا ہے، یہاں ثُمَّ، باوجودیا اس پر بھی کے معنی میں ہے۔ (ماجدی)

مذکورہ آیات کا مقصود توحید کی حقیقت اور اس کے واضح دلائل کو بیان فرما کر دنیا کی ان تمام قوموں کو تنبیہ کرنا ہے جو یا تو سرے سے توحید کی قائل ہی نہیں یا قائل ہونے کے باوجود توحید کی حقیقت سے نا آشنا ہیں۔

مجوس دنیا کے دو خالق مانتے ہیں یزدان اور اہرمن، یزدان کو خیر کا خالق اور اہرمن کو شر کا خالق قرار دیتے ہیں اور انہی دونوں کو نور وظلمت سے تعبیر کرتے ہیں، قرآن مجید نے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کو آسمان وزمین ظلمت ونور کا خالق بتا کر ان سب خیالات کی تردید کردی کہ نور وظلمت اور آسمان وزمین اور ان میں موجود تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں پھر کسی کو کیسے خدا تعالیٰ کا شریک وسہیم ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

هُوا الذی خَلَقکم مِنْ طِیْنٍ ثمّ قضی اجلاً، بلا واسطہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مٹی سے پیدا فرمایا، حضرت ابو موسیٰ اشعری، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مٹی کی ایک خاص مقدار سے پیدا فرمایا جس میں پوری زمین کے اجزاء شامل کئے گئے، یہی وجہ ہے کہ اولاد آدم رنگ وروپ اور اخلاق وعادات میں مختلف ہیں۔

یہ تو انسان کی ابتداء آفرینش کا ذکر تھا، اس کے بعد انتہاء کی دو منزلوں کا ذکر ہے، ایک انسان کی شخصی انتہاء جس کو موت کہا جاتا ہے دوسرے پوری نوع انسانی اور اس کے کائناتی خدام کی انتہاء جس کو قیامت کہا جاتا ہے انسان کی شخصی انتہاء کے لئے فرمایا ثُمَّ قضی اَجلاً، اس کے بعد پورے عالم کی انتہا یعنی قیامت کا ذکر فرمایا ہے وَاَجَلٌ مسمًّی عنده، سے فرمایا، یعنی کائنات کی انتہاء کی ایک میعاد مقرر ہے جس کا صحیح علم اللہ کے پاس ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ تمترون، یعنی توحید اور بعث بعد الموت کے ایسے واضح دلائل کے باوجود تم شکوک شبہات نکالتے ہو۔

تیسری آیت میں پہلی دو آیتوں کے مضمون کا نتیجہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جو آسمانوں اور زمین میں لائق عبادت واطاعت ہے اور وہی تمہارے ظاہر وباطن اور ہر قول وفعل سے پورا واقف ہے۔

اَلَمْ یَرَوا کم اَهْلکنا مِن قبلِهِمْ، یعنی جب گناہوں کی پاداش میں تم سے پہلی امتوں کو ہم ہلاک کرچکے ہیں حالانکہ وہ طاقت وقوت میں بھی تم سے کہیں زیادہ تھیں اور خوشحالی اور وسائل رزق کی فراوانی میں بھی تم سے بہت بڑھکر تھیں تو تمہیں ہلاک کرنا ہمارے لئے کیا مشکل ہے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی قوم کی محض مادی ترقی اور خوشحالی سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ

بہت کامیاب وکامران ہے، یہ استدراج اور امہال کی دوصورتیں ہیں جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ قوموں کو عطا فرماتا ہے لیکن جب یہ مہلت عمل ختم ہوجاتی ہے تو پھر یہ ساری ترقیاں اور خوشحالیاں انھیں اللہ کے عذاب سے بچانے میں کامیاب نہیں ہوتیں،

شان نزول:

وَلَوْ نزلنا عَلَيْكَ كتاباً في قرطاسٍ فلمسُوْه الخ، مقاتل بن سلیمان اور کلبی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ نضر بن الحارث اور عبداللہ بن امیہ نے ایک روز آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ہم اس صورت میں ایمان لاسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ایک نوشتہ اس مضمون کا ہمارے پاس آئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور چار فرشتے اس نوشتہ کے ساتھ آکر اس کی تصدیق کریں کہ یہ اللہ کی طرف سے نوشتہ ہے اور اس کا مضمون حق ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس کا جواب حق تعالیٰ نے ایک تو یہ دیا کہ یہ غفلت شعار ایسے مطالبات کرکے اپنی ہلاکت کو دعوت دے رہے ہیں اسلئے کہ دستور الٰہی یہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی پیغمبر سے کسی خاص معجزہ کا مطالبہ کرے اور اللہ تعالیٰ ان کا فرمائشی معجزہ دکھلا دے تو وہ لوگ اگر اسلام لانے میں ذرا تاخیر کریں تو پھر ان کو عام عذاب کے ذریعہ ہلاک کردیا جاتا ہے اور بہت سی سابقہ امتیں اسی دستور الٰہی کے مطابق ہلاک کی جاچکی ہیں، یقین ہے کہ یہ اہل مکہ بھی اپنے جود وعناد کی وجہ سے قرطاسی نوشتۂ آسمانی کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں گے، اور اسے ایک ساحرانہ کرتب قرار دیں گے، جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے، "لَوْ فَتَحْنَا عليهم باباً من السماء فظلّوا فيه يعرجون لقالوا اِنّما سكرت ابصارنا بل نحن قوم مَسحورون" اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس پر چڑھنے بھی لگیں تب بھی کہیں گے ہماری آنکھیں متوالی ہوگئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کردیا گیا ہے۔

قالوا لَوْ لَا انزلَ عَلَيه مَلَكٌ، (الآية) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے جتنے بھی انبیاء ورسل بھیجے وہ سب انسان ہی تھے، اور یہ اس لئے کیا گیا کہ اس کے بغیر کوئی نبی اور رسول فریضۂ تبلیغ ودعوت ادا ہی نہیں کرسکتا تھا، مثلاً فرشتوں کو اگر اللہ تعالیٰ رسول بنا کر بھیجتا ایک تو وہ انسانی زبان میں گفتگو نہ کرپاتے دوسرے وہ انسانی جذبات سے عاری ہونے کی وجہ سے انسان کی مختلف کیفیات وجذبات کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے، ایسی صورت میں وہ ہدایت ورہنمائی کا فریضہ کیسے انجام دے سکتے تھے؟ انسان پر اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا احسان ہے کہ اس نے انسانوں کو ہی نبی اور رسول بنا کر بھیجا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو بطور احسان ہی قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے، "لَقَدْمَنَّ اللّٰه على المؤمنين اِذ بعث فيهم رسولاً من انفسِهم" اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جبکہ ان ہی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا لیکن پیغمبروں کی بشریت کافروں کے لئے حیرت اور استعجاب کا باعث رہی وہ سمجھتے تھے کہ رسول انسانوں میں سے نہیں فرشتوں میں سے ہونا چاہئے، گویا ان کے نزدیک بشریت رسالت کے شایان شان نہیں تھی، جیسا کہ آجکل کے اہل بدعت بھی یہی سمجھتے ہیں، مشرکین مکہ رسولوں کی بشریت کے تو منکر نہ تھے اسلئے کہ وہ ان کے حسب ونسب اور خاندانوں سے واقف تھے لیکن رسالت کا وہ انکار کررہے تھے جبکہ آجکل کے بدعتی رسالت کا انکار تو نہیں کرتے لیکن بشریت کو رسالت کے منافی سمجھنے کی وجہ سے رسولوں کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔

لَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا الخ، یعنی اگر ہم فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے تو ظاہر بات ہے کہ وہ فرشتے کی اصل شکل میں تو آنہیں سکتا تھا، کیوں کہ انسان اس سے خوف زدہ ہوتے اور قریب و مانوس ہونے کے بجائے دور بھاگتے اسلئے ناگزیر تھا کہ اسے انسانی شکل میں بھیجا جاتا اس میں بھی یہی شبہ ہوتا کہ یہ تو انسان ہی ہیں تو پھر فرشتے کو بھیجنے سے کیا فائدہ ہوتا، حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس جو فرشتے آئے تھے وہ انسان ہی کے شکل میں آئے تھے۔

قُلْ لهم سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾ الرُّسُلَ من هلاكهم بالعذاب لِتَعْتَبِرُوا قُلْ لِمَنْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ لِلَّهِ إن لم يقولوه لا جوابَ غيرُه كَتَبَ قضى عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ فضلاً منه وفيه تَلَطُّفٌ في دُعَائِهم الى الإيمان لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لِيُجازِيَكُمْ باعمالكم لَا رَيْبَ شكَّ فِيهِ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بتعريضها للعذاب مبتدأٌ خبرُه فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ وَلَهُ تعالى مَا سَكَنَ حَلَّ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اى كُلُّ شيءٍ فهو ربُّه وخالقُه ومالكُه وَهُوَ السَّمِيعُ لما يُقالُ الْعَلِيمُ ﴿١٣﴾ بما يُفعلُ قُلْ لهم أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا اَعْبُدُه فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مُبْدِعِهما وَهُوَ يُطْعِمُ يَرْزُقُ وَلَا يُطْعَمُ يُرْزَقُ لا قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ لِلّٰه تعالى من هذه الامةِ وَ قيل لي لَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٤﴾ به قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي بعبادةِ غيرِه عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾ هو يومُ القيمةِ مَنْ يُصْرَفْ بالبناءِ للمفعولِ اى العذابُ وللفاعلِ اى اللّٰه والعائدُ محذوفٌ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ تعالى اى أرادَ له الخيرَ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿١٦﴾ النَّجاةُ الظاهرةُ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ بلاءٍ كمرضٍ وفقرٍ فَلَا كَاشِفَ رافعَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ كصحةٍ وغنًى فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾ ومنه مسُّك به ولا يَقدرُ على رَدِّه عنك غيرُه وَهُوَ الْقَاهِرُ القادرُ الذى لا يُعجزُه شيءٌ مستعليًا فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْحَكِيمُ في خلقِه الْخَبِيرُ ﴿١٨﴾ ببواطنِهم ونزلَ لَمّا قالوا للنبيّ صلى اللّٰه عليه وسلم إئْتِنا بمن يَشْهَدُ لك بالنبوةِ فانَّ اهلَ الكتبِ أنكروك قُلْ لهم أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً تمييزٌ مُحوَّلٌ عن المبتدأ قُلِ اللَّهُ ان لم يقولوه لا جوابَ غيرُه هو شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ على صدقي وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ يأهلَ مكةَ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ عطفٌ على ضميرِ أُنذِرَكم اى بَلَغَهُ القرآنُ من الانسِ والجنّ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ استفهامُ انكارٍ قُلْ لهم لَا أَشْهَدُ بذلك قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ﴿١٩﴾ معه من الاصنامِ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ اى محمدًا بنعتِه في كتابِهم كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ منهم فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ به.

ترجمہ: آپ ان سے کہیے زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا، تاکہ تم

عبرت حاصل کرو، آپ ان سے پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ اگر وہ اس کا جواب نہ دیں تو کہئے اللہ کا ہے اس لئے کہ اس کے علاوہ کوئی (صحیح) جواب ہی نہیں ہے از راہ کرم اس نے اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے اس میں ان کو دعوت دینے میں نرمی ہے تم کو اللہ قیامت کے دن جمع کرے گا تا کہ تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دے اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے خود کو عذاب پر پیش کر کے اپنا نقصان کیا ہے یہ ایمان لانیوالے نہیں ہیں (الذین الخ) مبتداء ہے (فھم لا یؤمنون) مبتداء کی خبر ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کی ہے ہر وہ چیز جو رات اور دن میں ٹھہری ہے یعنی ہر شی کا وہی رب اور وہی خالق اور وہی مالک ہے اور جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا سننے والا جو کچھ کیا جاتا ہے اس کا جاننے والا ہے کیا میں اللہ کے غیر کی بندگی کروں وہ اللہ کہ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا ہے (ہرگز) نہیں، آپ کہئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس امت کے پہلے اسلام لانے والوں میں ہوں اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم ہرگز اس کے ساتھ شرک کرنے والوں میں سے نہ ہونا آپ کہہ دیجئے میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اور وہ قیامت کا دن ہے اگر میں غیر اللہ کی بندگی کر کے اپنے رب کی نافرمانی کروں، اور جو شخص اس روز عذاب سے بچالیا گیا (یُصرف) میں مجہول اور معروف دونوں قراءتیں ہیں (معروف کی صورت میں) فاعل اللہ ہوگا اور عائد محذوف ہوگا، یقیناً اللہ نے اس پر بڑا رحم کیا، یعنی اس کے لئے خیر کا ارادہ کیا، یہی بڑی کامیابی ہے کھلی کامیابی ہے، اور اگر اللہ تجھ کو کسی آزمائش مثلاً مرض اور فقر کے ذریعہ تکلیف پہنچانا چاہے تو اس کو اللہ کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھ کو کوئی خیر مثلاً صحت پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور اسی میں سے وہ بھی ہے جو تجھکو لاحق ہوئی، اور تجھ سے اللہ کے سوا کوئی اس کو دفع کرنے والا نہیں اور وہ اپنے بندوں پر ایسا قادر ہے کہ کوئی چیز اسکے غالب ہونیکی وجہ سے عاجز نہیں کر سکتی اور وہ اپنی مخلوق کے بارے میں باحکمت اور ان کے سرائر سے ان کے ظواہر کے مانند خبر رکھنے والا ہے اور جب (اہل مکہ) نے آپ ﷺ سے کہا کہ اس شخص کو پیش کرو جو تمہاری نبوت کی شہادت دے اسلئے کہ اہل کتاب آپ (کی نبوت) کا انکار کر چکے ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی، آپ ان سے پوچھئے کہ کس کی گواہی سب سے بڑھکر ہے؟ (شھادۃً) مبتداء سے منقول ہو کر تمیز ہے، اگر وہ یہ جواب نہ دیں تو تم کہو میری صداقت پر میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اسلئے کہ اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں ہے، اور یہ قرآن میرے پاس وحی کے طور پر بھیجا گیا ہے تا کہ اے اہل مکہ میں تم کو اور اس شخص کو اس کے ذریعہ ڈراؤں جس کو قرآن پہنچا ہے (مَنْ بَلَغَ) کا عطف انذرکم کی ضمیر پر ہے، یعنی جس کو قرآن پہنچا ہو خواہ انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے، کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ خدا کے ساتھ اور معبود بھی ہیں، استفہام انکاری ہے آپ ان سے کہہ دیجئے میں اس کی گواہی نہیں دوں گا آپ کہہ دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں ان بتوں سے بری ہوں جن کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے ہو، جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ محمد ﷺ کو ان کی کتاب میں اس کی صفات پائے جانے کی وجہ سے ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، ان میں جن لوگوں نے خود کو نقصان میں ڈالا وہ اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یؤمنُونَ، الذین خسروا انفسهم مبتداء فَهُمْ لَا یُؤمنون خبر۔

سوال: خبر پر فاء کس وجہ سے داخل ہے؟

جواب: اسلئے کہ موصول میں شائبہ شرط ہے جس کی وجہ سے خبر میں شائبہ جزاء ہے، اسی وجہ سے فاء داخل ہے۔

قولہ: حَلَّ، سَکَنَ کی تفسیر حَلَّ بمعنی استقرّ سے کرکے اشارہ کردیا کہ سکون اگرچہ حرکت کی ضد کو کہتے ہیں مگر یہاں مطلقا استقرار مراد ہے، یہ عرب کے قول تقیکم الحر کے قبیل سے ہے ای تقیکم الحر و البرد.

قولہ: العائدُ مَحْذُوْفٌ، یہ یَصْرِف کو معروف پڑھنے کی صورت میں ہوگا، ظاہر یہ ہے کہ العذابَ محذوف ہوگا اسلئے کہ نحوی قاعدہ ہے غیر موصول کی طرف عائد کا حذف جائز نہیں ہے۔

قولہ: النجاةُ الظَّاهِرَةُ، اسلئے کہ یہ کامیابی بالکل ظاہر اور دائمی ہوگی بخلاف دنیوی کامیابی کے۔

قولہ: مُستَعْلِیًا، اس میں اشارہ ہے کہ فوقَ عبادِہٖ، القاهِرُ کی ضمیر سے حال ہے، اور استعلاءً سے علو فی القدرة الشان ہے۔

قولہ: قل اللّٰه، ای قل اللّٰه اکبر، لفظ اکبر محذوف ہے اسلئے کہ مقولہ مفرد نہیں ہوا کرتا۔

قولہ: هو شهیدٌ اس میں اشارہ ہے کہ شهیدٌ، هو مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

سوال: اَللّٰه کو مبتداء اور شهید کو خبر ماننے میں کیا قباحت ہے؟ جبکہ اس صورت میں هُوَ مبتداء محذوف ماننے کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔

جواب: اللّٰه کو مبتداء اور شهیدٌ کو خبر اس لئے قرار دینا درست نہیں ہے کہ اللّٰه شهیدٌ کا ایُّ شیئٍ اکبر شهادةً کا جواب واقع ہونا درست نہ ہوگا، اسلئے کہ تقدیر عبارت یہ ہوگی، ایُّ شیئٌ اکبر شهادة اللّٰه شهید بینی وبینکم، اس میں جواب سوال کے مطابق نہیں ہے۔

قولہ: عَطفٌ عَلٰی ضَمِیرِ اُنْذِرَکُمْ، یعنی مَنْ بَلَغَ کا عطف انذرکم کی ضمیر مفعول کُمْ پر ہے نہ کہ انذرُ کی ضمیر مستتر فاعل پر۔

قولہ: ای بَلَغَهُ القرآنُ اس میں بَلَغَ کی ضمیر فاعل کی تعین کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

مذکورہ آیات میں قریش کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر تم بھی سابقہ امتوں کی طرح آپ ﷺ سے استہزاء کرتے رہو گے تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو اس جرم میں سابقہ امتوں کا ہوا، عبرت حاصل کرنے کیلئے ملک شام ویمن وغیرہ کا سفر کرو اور سابقہ امتوں کی اجڑی ہوئی معذب بستیوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔

قُلْ لَهُمْ سیروا فی الارض، امام بغوی نے کہا ہے کہ سیر سے مراد سیر بالعقول والافکار بھی ہو سکتی ہے یعنی کائنات اور قدیم آثار وخرابات میں غور کرو اور اس سے عبرت حاصل کرو، اور سیر بالاقدام بھی مراد ہو سکتی ہے، یعنی دنیا جہان کی سیر کرو اور خدا کی کائنات اور عبرتناک مقامات سے عبرت حاصل کرو۔

نکتہ: ثُمَّ انظروا. امام رازی کی نکتہ سنجی نے یہاں ایک عجیب نکتہ پیدا کیا ہے فرماتے ہیں کہ اگر یہاں فانظروا ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اسی عبرت پذیری کی غرض سے سفر کرو یعنی مقصد سفر عبرت پذیری ہونی چاہئے، لیکن ثم انظروا نے سفر کا دارومدار عبرت پذیری پر نہیں رکھا، بلکہ مزید وسعت پیدا کرتے ہوئے فرمایا سفر کرو اور پھر عبرت آمیز واقعات وحادثات نیز آثار وخرابات سے عبرت بھی حاصل کرو، یعنی سفر ہر جائز غرض کے لئے مباح ہے مگر دوران سفر عبرت پذیری واجب ہے، اَمَّا قولہ سیروا فی الارض ثم انظروا فمعناه اباحة السیر فی الارض للتجارة وغیرها من المنافع وایجاب النظر فی آثار الهالكین. (کبیر)

وَمَنْ ای لا احد أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا بنسبته الشريك اليه أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ القران إِنَّهُ اى الشان لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۱﴾ بذلك وَ اذكر يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا توبيخا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۲۲﴾ انهم شركاء الله ثُمَّ لَمْ تَكُن بالتاء والياء فِتْنَتُهُمْ بالنصب والرفع اى معذرتهم إِلَّا أَن قَالُوا اى قولهم وَاللَّهِ رَبِّنَا بالجر نعت والنصب نداء مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿۲۳﴾ قال تعالى انظُرْ يا محمد كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ بنفي الشرك عنهم وَضَلَّ غاب عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾ على الله تعالى من الشركاء وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ اذا قرأت وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً اغطية لـ أَن لا يَفْقَهُوهُ ان يفهموا القران وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا صمما يسمعونه سماع قبول وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا القران إِلَّا أَسَاطِيرُ اكاذيب الْأَوَّلِينَ ﴿۲۵﴾ كالاضاحيك والاعاجيب جمع أُسطورة بالضم وَهُمْ يَنْهَوْنَ الناس عَنْهُ اى عن اتباع النبي صلى الله عليه وسلم وَيَنْأَوْنَ يتباعدون عَنْهُ فا

يُؤْمِنُوْنَ به وقيل نَزَلَتْ في ابي طالب كان يَنْهٰى عن اَذَاهُ ولا يُؤْمِنُ به **وَاِنْ** ما **يُهْلِكُوْنَ** بالنَّأيِ عنه **اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ** لان ضَرَرَهُ عليهم **وَمَا يَشْعُرُوْنَ** ﴿٢٦﴾ بذلك **وَلَوْ تَرٰٓى** يا مُحَمَّدُ **اِذْ وُقِفُوْا** اُعْرِضُوْا **عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا** للتنبيه **لَيْتَنَا نُرَدُّ** الى الدُّنيا **وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿٢٧﴾ برفع الفِعْلَيْنِ اِسْتِيْنَافاً وَنَصْبِهِمَا في جوابِ التمني ورفعِ الاوّلِ ونصبِ الثاني وَجَوَابُ لو لَرَاَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا قَالَ تَعالى **بَلْ** لِلْاِضْرَابِ عن اِرَادَةِ الايمانِ المفهومِ من التمنّي **بَدَا** ظَهَرَ **لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ** يَكْتُمُوْنَ بقولهم واللّٰهِ رَبِّنَا ما كُنَّا مُشْرِكِيْنَ بشَهَادَةِ جَوَارِحِهِم فَتَمَنَّوْا ذٰلك **وَلَوْ رُدُّوْا** الى الدنيا فرضًا **لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ** من الشركِ **وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ** ﴿٢٨﴾ في وَعْدِهِم بالايمان **وَقَالُوْٓا** اي مُنْكِرُوا البَعْثِ **اِنْ** ما **هِيَ** اي الحيٰوةُ **اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ** ﴿٢٩﴾ **وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا** عُرِضُوْا **عَلٰى رَبِّهِمْ** لرأيتَ امرًا عَظِيْمًا **قَالَ** لهم على لسان الملٰئكةِ توبيخًا **اَلَيْسَ هٰذَا** البَعْثُ والحِسَابُ **بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا** انه لَحَقٌّ **قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ** ﴿٣٠﴾ به في الدنيا.

ترجمہ: اوراس سے بڑھ کرنا انصاف کون ہوگا؟ جواللہ پراس کی طرف شریک کی نسبت کر کے جھوٹا بہتان لگائے؟ کوئی نہیں، یااسکی آیتوں (یعنی) قرآن کو جھٹلائے یقینی بات ہے کہ اس قسم کے ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پاسکتے اس دن کو یاد کرو کہ جس دن ہم سب کو جمع کریں گے پھران مشرکوں سے سرزنش کے طور پر پوچھیں گے کہ تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم یقین رکھتے تھے کہ وہ اللہ کے شریک ہیں پھران کے پاس اس کے سوا کوئی عذر (جواب) باقی نہ رہے گا کہ یہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم مشرک نہیں تھے، (تکن) تاء اور یاء، کے ساتھ ہے، (اور) (فِتْنَتُهم) نصب اور رفع کے ساتھ ہے (اور فتنةٌ) کے معنی معذرةٌ کے ہیں، (رَبَّنا) جر کے ساتھ اللہ کی صفت ہونیکی وجہ سے اور نصب کے ساتھ نداء کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ فرمائیگا، اے محمد ﷺ دیکھوتو انہوں نے اپنے شرک کا انکار کر کے اپنی جانوں پر کس طرح جھوٹ بولا، اور جن شرکاء کولیکر یہ لوگ اللہ پر بہتان تراشا کرتے تھے وہ سب ان سے غائب ہوجائیں گے، اور ان مشرکوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی (بات کی) طرف جب آپ تلاوت کرتے ہیں کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے کانوں پر پردے ڈال رکھے ہیں تاکہ وہ اس قرآن کو نہ سمجھیں، اوران کے کانوں میں گرانی ہے یعنی ثقل ہے، جس کی وجہ سے وہ قبولیت کے کان سے نہیں سنتے، خواہ وہ کوئی نشانی دیکھ لیں اس پر ایمان لانیوالے نہیں حتیٰ کہ یہ لوگ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے ہیں، یہ لوگ جو کافر ہیں کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کی جھوٹی داستانوں کے سوا کچھ نہیں ہیں، (اَسَاطِیر) بروزن اَضَاحِیك اور عَاجِیب، (اساطیر) اُسْطُورَة کی جمع ہے (ہمزہ) کے ضمہ کے ساتھ اور یہ لوگوں کو آپ سے یعنی آپ ﷺ کی اتباع سے روکتے ہیں اور خود بھی ان سے دور دور رہتے ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے، اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی کہ (لوگوں کو) آپ کی ایذاء رسانی سے روکتے تھے اور خود ایمان نہیں لاتے تھے، اور آپ

سے دور دور رہنے سے وہ خود کو ہی ہلاکت میں ڈالتے ہیں اس لئے کہ اس کا نقصان ان ہی کو پہنچے گا، مگر ان کو اس کا شعور نہیں اے محمد کاش آپ انکی اس حالت کو دیکھتے کہ جب ان کو دوزخ پر پیش کیا جائیگا تو اس وقت کہیں گے کہ کاش ہم کو دنیا میں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں شامل ہوں دونوں فعلوں کے رفع کے ساتھ جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے، اور جواب تمنی ہونے کی وجہ سے دونوں نصب کے ساتھ ہیں اور اول کا رفع اور ثانی کا نصب بھی جائز ہے اور لَوْ کا جواب لَـرأیتَ امرًا عظیمًا (محذوف) ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ جس چیز (شرک) کو اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے وہ چیز (آج) ان کے سامنے آگئی ہے، یعنی اپنے قول، "والـلّٰه ربنا ماکنا مشرکین" کے ذریعہ چھپایا کرتے تھے، وہ ان کے اعضاء کی شہادت کے ذریعہ ظاہر ہو جائے گی، تو اس وقت اس کی تمنا کریں گے، اور اگر بالفرض ان کو دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ وہی شرک کرنے لگیں جس سے ان کو منع کیا گیا ہے اور یقیناً یہ لوگ اپنے وعدۂ ایمان میں بالکل جھوٹے ہیں اور منکرین بعث یہ کہتے ہیں کہ صرف یہی دنیاوی زندگی ہی ہماری زندگی ہے اور ہم زندہ ہو کر اٹھنے والے نہیں ہیں اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب ان کو ان کے رب کے روبرو پیش کیا جائیگا تو آپ ﷺ ایک امر عظیم دیکھیں گے (اللہ تعالیٰ) ان سے فرشتوں کی زبانی سرزنش کے طور پر کہے گا، کیا یہ بعث وحساب حق نہیں ہے؟ تو وہ لوگ کہیں گے بے شک قسم ہے اے ہمارے پروردگار یقیناً حق ہے اللہ تعالیٰ فرمائیگا تو تم اس عذاب کا مزا چکھو جس کا تم دنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: انهم شُرکاءُ اللّٰه، اس میں اشارہ ہے کہ تَزْعَمُوْنَ کے دونوں مفعول ماقبل کی دلالت کی وجہ سے محذوف ہیں۔

قولہ: بالنَّصْبِ و الرَّفْع، فتنتَهم پر نصب کان کی خبر مقدم ہونے کی وجہ سے ہے اور اِلَّا أن قالُوا اسم مؤخر ہونے کی وجہ سے ورنہ محلاً مرفوع ہے، اور رفع اس کے برعکس ہونیکی وجہ سے ہے۔

قولہ: ای مَعْذِرَتهُم، یہ فتنة کی تفسیر ہے۔

قولہ: ای قَوْلهم اس میں اشارہ ہے کہ (أن قالوا) میں أن مصدریہ ہے، تاکہ استثناء درست ہو جائے۔

قولہ: بالجرِّ نعتٌ و النَّصْبِ نداءً، یعنی یا رَبَّنَا میں دو قراءتیں ہیں اگر ربنا لفظِ اللہ کی صفت ہو تو اس پر جر ہوگا اور اگر یا حرف نداء محذوف کا منادیٰ ہو تو نصب ہوگا، ای رَبَّنَا۔

قولہ: اَلْاَسْطورة، ای ماسَطَرهُ الاوَّلون مِنَ الاکاذیب۔

قولہ: یَنْأوْن، مضارع جمع مذکر غائب (ف) نَأیًا دور رہنا۔

قولہ: یا، للتنبیه ای مثل، ألا و اما۔

قولہ: استینافًا، یعنی لا نکذب الخ سوال مقدر کا جواب ہے، ای مَا ذاتفعلون لو رددتم؟ ای لا نکذبُ و نکونُ مِنَ الـمـومـنـیـن، اور واؤ کے بعد اَن کی تقدیر کے ساتھ جواب تمنی واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور ایک قراءت رفع

نکذبُ اور نصب نکونَ کے ساتھ ہے، اول کا رفع تمنّی اور اس کے جواب کے درمیان خبر واقع ہونے کی وجہ سے ہے اور ثانی یعنی نکونَ، کا نصب جواب تمنّی واقع ہونے کی وجہ سے، لَو تری کا جواب محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے لَرأیتَ امرًا عظیمًا کہہ کر ظاہر کردیا ہے۔

قولہ: بلْ للاضراب، ای لِابطالِ مایُفھمُ من التمنّی، یعنی تمنائے ایمان سے اضراب ہے اسلئے کہ ان کی یہ تمنا عزم تصدیق کی وجہ سے نہیں ہوگی، بلکہ اعضاء کی شہادت کے سبب زجر اور رسوائی کی وجہ سے ہوگی۔

قولہ: وقالوا، اس کا عطف لَعَادُوا پر ہے، ای لو رُدّوا لَعَادوا لِمانُھُوا عنه وقالوا.

تفسیر وتشریح

فَمَنْ اَظْلَمُ، یعنی جس طرح نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنیوالا سب سے بڑا ظالم ہے اسی طرح وہ بھی سب سے بڑا ظالم ہے جو اللہ کے سچے رسولوں اور اس کی آیتوں کی تکذیب کرے پوری کائنات میں چاروں طرف پھیلی ہوئی نشانیاں ایک ہی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور وہ یہ کہ موجودات عالم میں خدا صرف ایک ہی ہے، باقی سب اس کے بندے ہیں، ظاہر ہے کہ جو شخص اس کائناتی مشاہدے اور تجربے کے بغیر محض قیاس وگمان یا آبائی تقلید کی بنا پر دوسروں کو الوہیت کی صفات سے متصف اور خداوندی حقوق کا مستحق ٹھہراتا ہے اس سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں ہوسکتا ایسا شخص حقیقت و صداقت پر ظلم کرتا ہے، اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور کائنات کی ہر اس چیز پر ظلم کرتا ہے جس کے ساتھ وہ اس غلط نظریہ کی بنا پر کوئی معاملہ کرتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسے ظالموں کی فلاح وکامرانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ثمّ لم تکن فِتنتُھُمْ، فتنة کے متعدد معنی آتے ہیں، حجت، معذرت، جواب، مطلب یہ ہے کہ کفار خدا کی پیشی کے وقت حیل وحجت اور معذرت کے ذریعہ چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہم تو مشرک نہ تھے، اور یہ جھوٹ اس وقت بولیں گے کہ جب ان کے اعضاء خود ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اس وقت وہ لاجواب اور تنگ ہوکر کذب بیانی اور دروغ گوئی کا سہارا لیں گے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا نے فرمایا کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ اہل توحید جنت میں جارہے ہیں تو مشرکین آپس میں مشورہ کرکے اپنے شرک سے انکار کردیں گے، تب اللہ ان کے مونہوں پر مہر لگادے گا، اوران کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

شان نزول:

ومنھم مَنْ یستَمِعُ اِلَیْکَ الخ کلبی اور ابن جریر نے مجاہد کے قول کے مطابق اپنی تفسیر میں اس آیت کا جو شان نزول بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابوسفیان، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث، عتبہ بن شیبہ، ایک روز سب نے قرآن کی چند آیتیں سنیں، نضر بن حارث پچھلے زمانہ کے قصے بہت جانتا تھا اس لئے ان سب نے نضر بن حارث سے

مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے سنا محمد ﷺ نے کیا پڑھا؟ نضر بن حارث نے کہا جس طرح میں تم کو پچھلی کہانیاں سنا تا رہتا ہوں اسی طرح یہ بھی ایک کہانی ہے ابوسفیان نے کہا باتیں تو اس کلام کی حق معلوم ہوتی ہیں ابوجہل نے کہا ایسی باتوں کے ماننے سے ہم کو موت بہتر ہے، اس قصہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابوجہل کے دل پر پردہ پڑ جانے کے سبب سے جو بات اس نے اپنے منہ سے نکالی تھی کہ ایسی باتوں سے موت بہتر ہے چنانچہ ازلی شقاوت نے اس کے حق میں وہی کیا کہ بدر کی لڑائی میں مارا گیا اور ابوسفیان نے سعادت ازلی کے سبب جو بات منہ سے نکالی تھی آخر کار ان کو اسلام نصیب ہوا مطلب یہ ہے کہ ابوجہل اور نضر بن حارث جیسے لوگوں کی شان میں فرمایا کہ ایسے لوگوں کو ہزار ہا معجزے دکھلائے جائیں اور قرآن کی تمام آیات سنائی جائیں تب بھی یہ سخت دل اور بہرے بنے رہیں گے نہ کسی معجزے کو دیکھ کر ان کے دل پر سے غفلت کا پردہ اٹھے گا نہ کسی آیت قرآن کو کان کھول کر سنیں گے۔

شان نزول:

وھم ینھون عنہ الخ، طبرانی اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ خواجہ ابوطالب یوں تو آپ ﷺ کی ہمہ وقت حمایت کرتے رہتے تھے کہ قریش میں سے کوئی شخص آپ کو ایذاء نہ پہنچائے، مگر آنحضرت ﷺ جب خواجہ ابوطالب کو کوئی ہدایت کی بات کہتے تو اس سے ابوطالب دور بھاگتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی طبرانی کی سند میں اگرچہ ایک راوی قیس بن ربیع کو بعض علماء نے ضعیف کہا ہے لیکن شعبہ نے اس کو ثقہ کہا ہے اسلئے یہ روایت معتبر ہے، صحیح بخاری میں ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ ایک روز آپ ﷺ کے روبرو خواجہ ابوطالب کا ذکر آیا آپ نے فرمایا شاید ابوطالب کو میری شفاعت کچھ نفع تخفیف عذاب میں پہنچادے، اسی طرح صحیح بخاری میں عروہ سے مرسلاً روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عباس نے ابولہب کو خواب میں دیکھا کہ بری حالت میں ہے جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابولہب سے حال پوچھا تو ابولہب نے کہا جب سے میں مرا ہوں ہمیشہ بری حالت میں رہتا ہوں لیکن پیر کے دن محمد ﷺ کی پیدائش کی خبر سنکر میں نے اس خوشی میں اپنی باندی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا اس لئے اس روز میرے اس عذاب میں ذرا تخفیف کر دی جاتی ہے، اس اختلافی مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے کتب احادیث کی طرف رجوع کریں۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ، (الآیۃ) یعنی عالم آخرت میں عذاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد تو وہ اعتراف کر لیں گے کہ آخرت کی زندگی واقعی برحق ہے لیکن وہاں اس اعتراف کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیگا کہ اب تو اپنے کفر کے بدلے میں عذاب کا مزا چکھو۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ بالبعث حَتَّىٰ غاية للتكذيب إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ القيمة بَغْتَةً فجأة قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا هي شدة التألم ونداؤها مجاز اى هذا أوانك فاحضرى عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا قصرنا فِيهَا اى الدنيا

وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ أَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ بان تأتيهم عند البعث في أقبح شيء صورة وانتنه ريحًا فتركبهم أَلَاسَآءَ بئس مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ يحملونه حملهم ذلك وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اى الاشتغال فيها إِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ واما الطاعات وما يُعين عليها فمن امور الاخرة وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ وفي قراءة ولدار الاخرة اى الجنة خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ الشرك أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ بالياء والتاء ذلك فيؤمنون قَدْ للتحقيق نَعْلَمُ إِنَّهٗ اى الشان لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ لك من التكذيب فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ في السر لعلمهم أنك صادق وفي قراءة بالتخفيف اى لا ينسبونك الى الكذب وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ وضعه موضع المضمر بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اى القرآن يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ يكذبون وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فيه تسلية للنبي صلى الله عليه وسلم فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَأُوْذُوْا حَتّٰى أَتٰهُمْ نَصْرُنَا باهلاك قومهم فاصبر حتى يأتيك النصر باهلاك قومك وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ مواعيده وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَإِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ ما يسكن به قلبك وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عظم عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ عن الاسلام لحرصك عليهم فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا سربًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا مصعدًا فِي السَّمَآءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ مما اقترحوا فافعل المعنى انك لا تستطيع ذلك فاصبر حتى يحكم الله وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ هدايتهم لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى ولكن لم يشأ ذلك فلم يؤمنوا فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ بذلك إِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ دعائك الى الايمان الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ سماع تفهم واعتبار وَالْمَوْتٰى اى الكفار شبههم بهم في عدم السماع يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ في الاخرة ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳٦﴾ يردون فيجازيهم باعمالهم وَقَالُوْا اى كفار مكة لَوْلَا هلا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ كالناقة والعصا والمائدة قُلْ لهم إِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يُّنَزِّلَ بالتشديد والتخفيف اٰيَةً مما اقترحوا وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ ان نزولها بلاء عليهم لوجوب هلاكهم ان جحدوها وَمَا مِنْ زائدة دَآبَّةٍ تمشي فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ في الهواء بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ في تقدير خلقها ورزقها واحوالها مَا فَرَّطْنَا تركنا فِي الْكِتٰبِ اللوح المحفوظ مِنْ زائدة شَيْءٍ فلم نكتبه ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فيقضي بينهم ويقتص للجماء من القرناء ثم يقول لهم كونوا ترابًا وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا القرآن صُمٌّ عن سماعها سماع قبول وَّبُكْمٌ عن النطق بالحق فِي الظُّلُمٰتِ الكفر مَنْ يَّشَإِ اللّٰهُ اضلاله يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَأْ هدايته يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ طريق مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ دين الاسلام قُلْ يا محمد لاهل مكة أَرَءَيْتَكُمْ اخبروني إِنْ أَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ في الدنيا أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ القيمة المشتملة عليه بغتة أَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ لا إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤۰﴾ في ان الاصنام تنفعكم فادعوها بَلْ إِيَّاهُ لا غيره تَدْعُوْنَ في الشدائد فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ إِلَيْهِ اى يكشفه عنكم من الضر ونحوه إِنْ شَآءَ كشفه وَتَنْسَوْنَ تتركون مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿٤۱﴾ معه من الاصنام فلا تدعونه.

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ نقصان میں پڑ گئے جنہوں نے بعث (سے انکار کے ذریعہ) اللہ کی ملاقات کی تکذیب کی (حَتّٰی) تکذیب کی غایت ہے، یہاں تک کہ جب قیامت ان پر دفعۃً آپہنچے گی تو یہ لوگ کہیں گے ہائے افسوس دنیا میں ہماری کوتاہی پر یہ شدت الم کا اظہار ہے، اور حسرت کو ندا دینا مجاز ہے، (یعنی) اے حسرت یہ تیری حاضری کا وقت ہے لہٰذا تو حاضر ہو جا، اور حال ان کا یہ ہوگا کہ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے، بایں صورت کہ ان کے اعمال بعث کے وقت نہایت بری صورت اور بدترین بدبو کے ساتھ آئیں گے اور ان کے اوپر سوار ہو جائیں گے، خوب سن لو بُری ہوگی وہ چیز جس کو وہ لادے ہوئے ہوں گے، یعنی ان کا ان اعمال کو اٹھانا (برا ہوگا) دنیاوی زندگی یعنی اس میں مشغول رہنا لہو ولعب کے سوا کچھ نہیں رہی طاعات اور اس پر مدد کرنے والی چیزیں تو یہ امور آخرت میں سے ہیں اور دار آخرت شرک سے بچنے والوں کے لئے بہتر ہے، اور ایک قراءت میں وَلَدَارُ الآخِرَةِ (اضافت کے ساتھ ہے) یعنی جنت کیا یہ لوگ اس کو سمجھتے نہیں ہیں؟ کہ ایمان لے آئیں (یعقلون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کی تکذیب کی باتیں آپ کو مغموم کرتی ہیں سو یہ لوگ (در حقیقت) آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اللہ کی آیتوں قرآن کی تکذیب کرتے ہیں دل سے یہ بات جاننے کی وجہ سے کہ آپ سچے ہیں، اور ایک قراءت میں (یکذبونك) تخفیف کے ساتھ ہے یعنی کذب کی نسبت آپ کی طرف نہیں کرتے بلکہ درحقیقت اللہ کی طرف کرتے ہیں، اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کی تکذیب کی جاچکی ہے اس میں نبی ﷺ کے لئے تسلی ہے، سوانہوں نے اس پر صبر ہی کیا اور ان کو ایذاء پہنچائی گئی یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچی ان کی قوم کو ہلاک کر کے، لہٰذا آپ بھی صبر کریں حتیٰ کہ آپ کی قوم کو ہلاک کر کے آپ کی نصرت کی جائے اور اللہ کی باتوں یعنی وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور آپ کے پاس بعض رسولوں کی خبریں آچکی ہیں جس سے آپ کے قلب کو تسکین ہوگی، اور اگر ان کا اسلام سے اعراض آپ کے ان پر حریص ہونے کی وجہ سے گراں گذرتا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں سرنگ بنالو یا آسمانوں میں سیڑھی لگالو اور ان کا فرمائشی معجزہ لا سکتے ہو تو لے آؤ، مطلب یہ کہ یہ آپ سے نہ ہو سکے گا لہٰذا خدا کا حکم آنے تک صبر کرو، اور اگر اللہ کو ان کی ہدایت مقصود ہوتی تو ان سب کو (راہ) ہدایت پر جمع کر دیتا، لیکن اس نے نہ چاہا جس کی وجہ سے یہ لوگ ایمان نہیں لائے، سو آپ اس معاملہ میں نادانوں میں سے نہ ہو جایئے آپ کی دعوت پر وہی لوگ لبیک کہتے ہیں جو عبرت اور سمجھنے کے ارادہ سے سنتے ہیں اور مُردوں یعنی کافروں کو مُردوں سے عدم سماع میں شبیہ دی ہے اللہ تعالیٰ آخرت میں زندہ کریگا پھر سب اللہ کی طرف لائے جائیں گے اور ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی، اور کفار مکہ نے کہا ان کے اوپر ان کے رب کی جانب سے کوئی نشانی مثلاً اونٹنی اور عصا اور خوان کیوں نازل نہیں کی گئی؟ آپ ان سے فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو بلاشبہ اس کی قدرت حاصل ہے کہ مطلوبہ معجزہ نازل فرما دے (ینزل) تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں یقیناً ان کا نزول ان کے لئے آزمائش ہوگا ان معجزوں کو تسلیم نہ کرنے کی صورت میں ان کی ہلاکت کے واجب ہونے کی وجہ سے نہ زمین پر چلنے والے جانوروں کی کوئی قسم مِن زائدہ ہے اور نہ ہوا میں اپنے بازوؤں سے اڑنے والے پرندوں کی کوئی قسم

ایسی کہ جو ان کی تخلیق اور ان کے رزق اور ان کے احوال کی منصوبہ بندی میں تمہارے مانند نہ ہو، ہم نے کوئی چیز نہیں چھوڑی کہ لوح محفوظ میں نہ لکھ لی ہو من زائدہ ہے پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے، چنانچہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کردے گا، اور بے سینگ جانور کا بدلہ سینگ والے جانور سے دلوایا جائیگا، پھر ان سے اللہ فرمائیگا مٹی ہوجاؤ، اور جو لوگ ہماری آیتوں قرآن کی تکذیب کرتے ہیں وہ ان کو قبولیت کے کانوں سے سننے سے بہرے ہیں، اور حق بات کہنے سے گونگے ہیں، کفر کی ظلمتوں میں ہیں اللہ جس کو گمراہ کرنا چاہے اس کو گمراہ کردیتا ہے اور جس کی ہدایت چاہے تو اس کو راہ مستقیم یعنی دین اسلام پر گامزن کردیتا ہے اے محمد ﷺ آپ اہل مکہ سے پوچھئے کہ مجھے بتاؤ اگر تمہارے اوپر دنیا میں عذاب آجائے یا اچانک قیامت آجائے جو عذاب پر مشتمل ہو تو کیا تم اللہ کے سوا کسی کو پکاروگے؟ نہیں، اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ بت تم کو نفع دیں گے تو ان کو پکارو، بلکہ خاص اسی کو نہ کہ اس کے غیر کو مصائب میں پکاروگے، اگر وہ اس مصیبت کو ہٹانا چاہے تو جس کے ہٹانے کے لئے اس سے دعا کر رہے ہو ہٹا سکتا ہے اور جن بتوں کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے ہو بھول بھال جاؤ (اور) ان کو نہ پکارو۔

تَحقِیق وَترکیب وَتسہِیل وَتفسِیری فوائد

قَوْلُہٗ: حَتّٰی غَایَۃٌ للتکذیب، مطلب یہ ہے کہ حتّٰی تکذیب کی غایت ہے نہ کہ خَسِرَ کی اسلئے کہ ان کے خسران کی کوئی غایت نہیں ہے بخلاف تکذیب کے کہ دنیا میں تو تکذیب کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے مگر قیام قیامت کے بعد تکذیب کا سلسلہ موقوف ہوجائیگا۔

قَوْلُہٗ: بَغْتَۃً یہ باغتۃً کے معنی میں ہو کر حال ہے۔

قَوْلُہٗ: نِدَائُھَا مَجَازٌ، اس لئے کہ ندا اس کو دی جاتی ہے جس میں متوجہ ہونے کی صلاحیت ہو، حسرت میں متوجہ ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی لہٰذا حسرت کو عقلاء کے درجہ میں اتار کر ندا دی ہے۔

قَوْلُہٗ: ای الدنیا یہ فیھا کی ضمیر کے مرجع کا اظہار ہے حالانکہ ماقبل قریب میں کہیں دنیا کا ذکر نہیں مگر چونکہ ذہنی طور پر دنیا معلوم و متعین ہے اسلئے ضمیر اس کی طرف لوٹا دی گئی ہے لہٰذا اضمار قبل الذکر کا اعتراض وارد نہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: حَمْلُھُمْ ذلك یہ مخصوص بالذم ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَدَارُ الآخِرَۃِ، اس میں اضافت موصوف الی الصفت ہے جو کہ اضافت الشیٔ الی نفسہٖ کے قبیل سے ہے لہٰذا مضاف الیہ محذوف مان کر تقدیر عبارت یہ ہوگی وَلَدَارُ الساعۃِ الآخرۃِ۔

قَوْلُہٗ: ذلك یہ یعقلون کا مفعول ہے۔

سُوَالٌ: فی البرِّ کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: اس کا مقصد تعارض کا دفع کرنا ہے، (تعارض) لا یکذبوك اور یجحدون میں تعارض ہے، اسلئے کہ لا یکذبون کا

مطلب ہے تکذیب نہ کرنا اور یجحدون کا مطلب ہے تکذیب کرنا، (دفع) یعنی تکذیب نہیں کرتے قلب سے اور تکذیب کرتے ہیں زبان سے۔

قِوْلَہٗ: وَضَعَهُ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ، مطلب یہ ہے کہ لکنّھم کے بجائے لکن الظّلمین استعمال ہوا ہے، حالانکہ ضمیر کافی تھی، مگر چونکہ مقصد کافروں کی صفت ظلم کو بیان کرنا تھا جو ھـم ضمیر سے نہیں ہوسکتا تھا، اسی لئے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لائے ہیں۔

قِوْلَہٗ: یکذبون، یَجْحَدُوْنَ کی تفسیر یکذبون سے کرکے اشارہ کردیا کہ یجحدون کا تعدیہ بالباء، یکذبون کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔

قِوْلَہٗ: فَافْعَلْ یہ استطعت کا جواب ہے، اور یہ جملہ شرطیہ ہوکر وَاِنْ کان کَبُرَ، کا جواب ہے۔

قِوْلَہٗ: فی الظّلمٰت یہ مبتداء کی خبر ثالث ہے۔

قِوْلَہٗ: فَادْعُوْھا، یہ اِن کنتم صادقین کا جواب محذوف ہے۔

تفسیر وتشریح

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللّٰہِ (الآیۃ) اللہ کی ملاقات کی تکذیب کرنے والے جس خسارے اور نامرادی سے دوچار ہوں گے اپنی کوتاہیوں پر جس طرح نادم و پشیمان ہوں گے اور بُرے اعمال کا جو بوجھ اپنے اوپر لادے ہوئے ہوں گے اس آیت میں اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

کل قیامت کے دن آخرت کی بہبودی کے کام کرنے والے جب قسم قسم کے عیش و آرام میں ہوں گے اور اللہ کی ملاقات کے منکر نیز فکر آخرت سے عاری مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا ہوں گے تو یہ لوگ اپنے قصور پر نادم ہوکر حسرت اور افسوس کریں گے مگر اس حسرت و ندامت سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا، قتادہ کے قول کے مطابق ایسے لوگوں کی پیٹھ پر بوجھ ہونیکا یہ مطلب ہے کہ جب بدکار لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو ان کے اعمال بد کو ایک بدصورت انسان کی شکل میں تبدیل کردیا جائیگا اور وہ بدشکل آدمی ان لوگوں پر سوار ہوکر ان کو میدان حشر تک گھیر کر لیجائے گا، ایک روایت میں ہے کہ بد اعمال شخص کے قبر سے نکلتے ہی اس کے بُرے اعمال اس پر سوار ہوجائیں گے اور اسے کہیں گے کہ دنیا میں تو ہمارے اوپر سوار رہا اب ہم تیرے اوپر سوار رہوں گے۔

سُوَال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ گناہ ایک غیر مادی شئی ہے، غیر مادی شئی پیٹھ پر کیسے لدے گی؟

جَوَاب: بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں محض مجاز اور محاورہ مراد ہے، (قرطبی) لیکن یہ تسلیم کرنے میں بھی کہ آخرت میں مجردات بھی مادیات کی طرح باوزن اور مجسم ہوں گے اہل سنت والجماعت میں سے متعدد حضرات تجسیم اعمال کے قائل ہوئے ہیں۔ (روح)

شان نزول:

قد نعلم انّه لیحزنك الّذی یقولون (الآیۃ) ترمذی اور حاکم نے حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کی ہے، اور ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور حاکم نے اس کو شرط شیخین پر صحیح کہا ہے کہ ایک روز ابو جہل نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ معاملات دنیا میں ہم تم کو سچا اور امانتدار مانتے ہیں، لیکن جس کلام کو تم خدا کی طرف سے نازل کردہ کہتے ہو ہم اس کی تصدیق نہیں کر سکتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور چونکہ آنحضرت ﷺ مشرکین کے جھٹلانے کی وجہ سے رنجیدہ ہوتے تھے اس آیت سے آپ کو تسلی دینا بھی مقصود ہے مطلب یہ ہے کہ مشرکین کو آپ کی ذات سے کوئی غرض اور بحث نہیں ہے بلکہ وہ تو آپ کو ذاتی طور پر پسندیدہ امانتدار سمجھتے ہیں ان کی تکذیب کا مقصد تو اس کلام کی تکذیب ہے جس کو ہم آپ پر نازل کرتے ہیں، ابو جہل جو آپکا سب سے بڑا دشمن تھا اس کے بارے میں حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ اس نے خود آپ ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا انا لانکذبك ولکن نکذبُ ما جئت به، ہم آپ کو تو جھوٹا نہیں کہتے مگر جو کچھ آپ پیش کر رہے ہیں اسے جھوٹ قرار دیتے ہیں جنگ بدر کے موقع پر اخنس بن شریق نے تنہائی میں ابو جہل سے پوچھا کہ یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی تیسرا موجود نہیں ہے سچ بتاؤ کہ تم محمد کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا، اس نے جواب دیا خدا کی قسم محمد ایک سچا آدمی ہے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا، مگر جب لواء اور سقایہ اور حجابہ اور نبوت سب کچھ ابن قصی ہی کے حصہ میں آ جائے تو بتاؤ باقی تمام قریش کے پاس کیا رہ گیا؟ اسی بناء پر یہاں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دے رہا ہے کہ تکذیب دراصل تمہاری نہیں بلکہ ہماری کی جارہی ہے اور جب ہم تحمل و بردباری کے ساتھ اسے برداشت کئے جارہے ہیں اور ڈھیل پر ڈھیل دیئے جارہے ہیں تم کیوں مضطرب ہوتے ہو، آگے مزید تسلی کے لئے فرمایا، یہ پہلا واقعہ نہیں ہے کہ کافر اللہ کے پیغمبروں کا انکار کر رہے ہیں بلکہ اس سے پہلے بھی بہت رسول گذر چکے ہیں جن کی تکذیب کی جاتی رہی، جس طرح انہوں نے صبر و حوصلے سے کام لیا آپ بھی صبر و حوصلے سے کام لیجئے، جس طرح سابق رسولوں کے پاس ہماری مدد آئی آپ کے پاس بھی ہماری مدد آجائے گی۔

وَاِن کَانَ کَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهم (الآیۃ) مشرکین مکہ کا یہ مطالبہ تھا کہ اگر یہ نبی ہیں تو انکے ساتھ کوئی نشان ہمیشہ رہنا چاہئے جسے ہر کوئی دیکھ کر یقین کرنے اور ایمان لانے پر مجبور ہو جایا کرے، چونکہ آپ ﷺ تمام انسانوں خصوصاً قریش کی ہدایت پر بہت حریص تھے شاید آپ کے دل میں یہ بات آئی ہو کہ کاش ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیا جائے تو شاید ان کا کفر ٹوٹ جائے جس کی وجہ سے قوم کی ہدایت کے راستے کھل جائیں، اسلئے حق تعالیٰ نے یہ تربیت فرمائی کہ تکوینیات میں مشیت الٰہی کے تابع رہو تکوین کا مقتضی نہیں کہ ساری دنیا کو ایمان لانے پر مجبور کر دیا جائے ورنہ تو خدا اس پر بھی قادر ہے کہ پیغمبروں کے توسط اور نشانیوں کے بغیر سب کو سیدھی راہ پر جمع کر دے، جب خدا کی حکمت ایسے مجبور کن معجزات اور فرمائشی نشانات دکھانے کو مقتضی نہیں تو مشیت الٰہی کے خلاف کسی کو یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ زمین میں سرنگ بنا کر یا آسمان پر سیڑھی لگا کر ایسا فرمائشی معجزہ لا کر دکھا دے خدا کے قوانین حکمت و تدبیر کے خلاف کسی چیز کے وقوع کی امید رکھنا نادانوں کا کام ہے، تاہم اگر

لوگوں کے موجودہ جمود اوران کے انکار کی سختی پر آپ سے صبر نہیں ہوسکتا اورآپ کوگمان ہے کہ اس جمود کوتوڑنے کیلئے کسی محسوس
نشانی کا مشاہدہ کرنا ہی ضروری ہے تو خود زور لگاؤ اور اگر تمہارا بس چلے تو زمین میں گھس کر یا آسمان پر چڑھ کر کوئی ایسا معجزہ
لانے کی کوشش کرو جسے تم سمجھو کہ یہ بے یقینی کو یقین میں تبدیل کردینے کے لئے کافی ہے مگر ہم سے امید نہ رکھو کہ ہم تمہاری یہ
خواہش پوری کریں گے، اسلئے کہ تدبیر و حکمت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

ایاہ تعبدون ان کنتم صٰدقین، گذشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ تم ایک نشانی کا مطالبہ کرتے ہو حالانکہ تمہارے گرد
پیش میں ہر طرف نشانیاں ہی نشانیاں بکھری پڑی ہیں، کائناتی نشانیوں کے علاوہ خود منکرین حق کے اپنے نفس میں نشانی موجود
ہے، جب انسان پر کوئی بڑی آفت آجاتی ہے یا موت اپنی بھیانک صورت کے ساتھ سامنے آکھڑی ہوتی ہے تو اس ایک خدا کے
دامن کے سوا کوئی دوسری پناہ گاہ اسے نظر نہیں آتی، بڑے سے بڑے مشرک ایسے موقع پر اپنے معبودوں کو بھول کر خدائے وحدہٗ
شریک لہٗ کو پکارنے لگتے ہیں ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو اسی نشانی کے مشاہدہ سے ایمان کی توفیق نصیب ہوئی، جب مکہ معظمہ نبی کریم
ﷺ کے دست مبارک پر فتح ہوگیا تو عکرمہ گرفتاری کے خوف سے جدہ کی طرف بھاگے اور ایک کشتی پر سوار ہو کر حبشہ کی راہ لی
راستہ میں کشتی طوفانی موجوں سے دوچار ہو کر گرداب میں پھنس گئی اول اول تو دیویوں اور دیوتاؤں کو پکارا جاتا رہا مگر جب طوفان
کی شدت بڑھتی ہی چلی گئی اور مسافروں کو یقین ہوگیا کہ اب کشتی یقیناً غرق ہوجائیگی تو سب کہنے لگے یہ وقت خدا کے سوا کسی
پکارنے کا نہیں ہے اگر وہی چاہے تو ہم بچ سکتے ہیں، اس وقت عکرمہ کی چشم عبرت کھلی اور اس کے دل نے آواز دی کہ اگر یہاں اللہ
کے سوا کوئی مددگار نہیں تو پھر کہیں اور کیوں ہو؟ یہی وہ بات ہے جسکو وہ نیک بندہ ہمیں کئی برس سے سمجھا رہا ہے اور ہم خواہ مخواہ اس
سے لڑ رہے ہیں یہ عکرمہ کی زندگی میں فیصلہ کن لمحہ تھا، انہوں نے اسی وقت خدا سے عہد کیا کہ اگر میں اس طوفان سے بچ گیا
سیدھا محمد ﷺ کے پاس جاؤں گا اور ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیدوں گا چنانچہ انہوں نے اپنے عہد کو پورا کیا اور بہت خوب پورا کیا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰٓ أُمَمٍ مِّن زائدۃٌ قَبْلِكَ رُسُلاً فکذّبُوھُم فَأَخَذْنَٰهُم بِٱلْبَأْسَآءِ شِدَّۃِ الفَقْرِ وَٱلضَّرَّآءِ المَرَضِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ
یَتَذَلَّلُونَ فیؤمنون فَلَوْلَآ فھلا إِذْ جَآءَهُم بَأْسُنَا عذابُنا تَضَرَّعُوا۟ ای لم یفعلوا ذلك مع قیامِ المُقتضِی
وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ فلم تَلِنْ للایمان وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ من المعاصی فاَصَرُّوا علیھ
فَلَمَّا نَسُوا۟ تَرَكُوا مَا ذُكِّرُوا۟ وُعِظُوا وخُوِّفُوا بِهِۦ من البَاسَاءِ والضَرّاءِ فلم یَتَّعِظُوا فَتَحْنَا بالتخفیف
والتشدیدِ عَلَيْهِمْ أَبْوَٰبَ كُلِّ شَىْءٍ من النِّعَمِ استدراجًا لھم حَتَّىٰٓ إِذَا فَرِحُوا۟ بِمَآ أُوتُوٓا۟ فَرِحَ بَطَرٍ أَخَذْنَٰهُم
بالعذاب بَغْتَةً فجأۃً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ﴿٤٤﴾ ائسُون من کلِّ خیرٍ فَقُطِعَ دَابِرُ ٱلْقَوْمِ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ ای اٰخرھم با
استُؤصِلُوا وَٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٤٥﴾ علی نصرِ الرُّسُلِ وھلاكِ الکفرین قُلْ لاھل مکۃ أَرَءَيْتُم
اَخبِرُونی إِنْ أَخَذَ ٱللَّهُ سَمْعَكُمْ اَصَمَّکُم وَأَبْصَٰرَكُمْ اَعمٰاکم وَخَتَمَ طَبَعَ عَلَىٰ قُلُوبِكُم فلا تعرفون شیـ
مَّنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ ٱللَّهِ يَأْتِيكُم بِهِ بما اخذہ منکم بزعمکم ٱنظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ نبیّن ٱلْءَايَٰتِ الدلالاتِ علی وحدانیت

مْ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿٤٦﴾ عنها فلا يؤمنون قُلْ لهم أَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً ليلًا او نهارًا هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٧﴾ الكافرون اى ما يُهلَكُ الا هم وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا مُبَشِّرِيْنَ من امن بالجنةِ وَمُنْذِرِيْنَ من كفر بالنار فَمَنْ اٰمَنَ بهم وَأَصْلَحَ عملهُ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٤٨﴾ في الاخرةِ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾ يخرُجُونَ عن الطاعةِ قُلْ لهم لَّا أَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَائِنُ اللّٰهِ التى منها يَرْزُقُ وَلَا انى أَعْلَمُ الْغَيْبَ ما غابَ عنى ولم يُوحَ الىَّ وَلَا أَقُوْلُ لَكُمْ إِنِّيْ مَلَكٌ من الملٰئكةِ إِنْ ما أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰى إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى الكافرُ وَالْبَصِيْرُ المؤمنُ لا أَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٥٠﴾ في ذلك فتؤمنونَ.

ترجمہ: اور ہم نے تم سے پہلے (بہت سی) قوموں کی طرف رسول بھیجے تھے مِــــن زائدہ ہے تو انہوں نے ان کی تکذیب کی، تو ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری میں پکڑا تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں (یعنی) عاجزی کریں اور ایمان لے آئیں سو جب ان کو ہمارا عذاب پہنچا تو انہوں نے عاجزی کیوں اختیار نہ کی؟ یعنی انہوں نے عاجزی اختیار نہیں کی حالانکہ اس کا مقتضی موجود تھا، لیکن ان کے قلوب (مزید) سخت ہو گئے جسکی وجہ سے ایمان لانے کے لئے نرم نہیں پڑے اور شیطان ان کے برے اعمال کو انکی نظر میں آراستہ کر کے پیش کرتا رہا اور وہ ان ہی اعمال پر مصر رہے پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو ان کو کی گئی تھی اور جس کے ذریعہ مصائب و آلام سے ڈرایا گیا تھا تو انہوں نے نصیحت حاصل نہ کی تو ہم نے ان کے لئے ڈھیل کے طور پر ہر قسم کی خوشحالی کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ بخششوں میں اترانے کے طور پر مگن مست ہو گئے تو ہم نے ان کو عذاب میں اچانک پکڑ لیا (تو اب صورت حال یہ ہوئی) کہ وہ ہر خیر سے ناامید ہو گئے چنانچہ اس ظالم قوم کی جڑ کاٹ کر رکھدی گئی (یعنی) ان کے آخری فرد کی بھی جڑ کاٹ دی گئی، بایں طور کہ ان کو بالکلیہ جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا اور رسولوں کی نصرت اور کافروں کی ہلاکت پر تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے، (اے محمد) اہل مکہ سے کہو تم مجھے بتاؤ اگر اللہ تمہاری قوت سماعت لے لے (یعنی) تم کو بہرہ کر دے اور تمہاری بینائی سلب کر لے بایں طور کہ تم کو اندھا کر دے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے کہ تم کچھ نہ سمجھ سکو، اللہ کے سوا تمہارے خیال میں کون معبود ہے کہ سلب کردہ تمہاری ان قوتوں کو واپس دلا دے؟ دیکھو ہم اپنی وحدانیت پر کس طرح بار بار دلائل پیش کر رہے ہیں پھر (بھی) وہ اس سے اعراض کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے، آپ ان سے پوچھو کہ کبھی تم نے سوچا کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا علانیہ رات میں یا دن میں آ جائے تو ظالموں کافروں کے سوا کون ہلاک ہوگا یعنی کافروں کے سوا کوئی ہلاک نہ ہوگا، ہم رسول صرف اسی لئے بھیجتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور کافروں کو جہنم سے ڈرائیں، سو جو ان پر ایمان لایا اور اپنے عمل کی اصلاح کر لی ان کے لئے آخرت میں کسی خوف و رنج کا موقع نہیں اور جو ہماری آیتوں کو جھٹلائیں تو ان کو اپنے اعمال فاسقہ کی وجہ سے سزا بھگتنی ہی

ہوگی، یعنی ان کے حد طاعت سے نکل جانے کی وجہ سے، (اے محمد) تم ان سے کہدو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں جس میں سے وہ رزق دیتا ہے اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں یعنی جو مجھ سے غائب ہے اور حال یہ کہ میری طرف (اس کے بارے میں) وحی نہ بھیجی گئی ہو اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہوں میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، پھر ان سے پوچھو کہ اندھا (یعنی) کافر، اور بینا (یعنی) مومن دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ نہیں، کیا تم اس میں غور نہیں کرتے؟ کہ ایمان لے آؤ۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: مِن زائدۃٌ، مِن قَبْلِكَ میں مِن زائدہ ہے، اس لئے کہ ظرف حرف جر کا متقاضی نہیں ہے۔

قولہ: رُسُلاً، یہ اَرْسَلْنا کا مفعول محذوف ہے۔

قولہ: فَكَذَّبُوْهُمْ.

سوال: فكذبوهم محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: تاکہ فاخذناهم کی تفریع درست ہوجائے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، ''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی اممٍ من قبلِكَ رُسُلاً فكذبوهم فاخذنٰهم''، ورنہ تو محض ارسال رسل پر مؤاخذہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قولہ: اخذہٗ منكم.

سوال: اخذہٗ میں ضمیر کو واحد کس لئے لائے ہیں حالانکہ اس کا مرجع جمع ہے؟

جواب: ماخوذ مذکور کی تاویل کی وجہ سے ضمیر واحد لائے ہیں۔

قولہ: بزعمكم، کا تعلق مَن اللہ سے ہے، یعنی وہ الٰہ کہ جس کو تم الٰہ سمجھتے ہو۔

تفسیر وتشریح

فَلَوْلَا اِذْ جَاءَهُمْ بَاْسُنَا تضرعوا (الآية) قومیں جب اخلاق وکردار کی پستی میں مبتلا ہوکر اپنے دلوں کو زنگ آلود کرلیتی ہیں تو اس وقت اللہ کا عذاب بھی انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے میں ناکام رہتا ہے پھر اس کے ہاتھ طلب مغفرت کیلئے اللہ کے سامنے نہیں اٹھتے نہ ان کے دل اس بارگاہ میں جھکتے ہیں اور نہ ان کے رخ اصلاح کی طرف مڑتے ہیں بلکہ اپنی بداعمالیوں پر تاویلات اور توجیہات کے حسین غلاف چڑھا کر اپنے دل کو مطمئن کرلیتے ہیں، اس آیت میں ایسی ہی قوموں کا وہ کردار بیان کیا گیا ہے جسے شیطان نے ان کے لئے خوبصورت بنادیا ہے۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖ فَتَحنا عَلَيهِم ابوابَ كلِّ شيْءٍ (الآية) اس آیت میں خدا فراموش قوموں کی بابت اللہ

الی فرماتے ہیں کہ ہم بعض دفعہ وقتی طور پر ایسی قوموں پر دنیا کی آسائشوں اور فراوانیوں کے دروازے کھول دیتے ہیں یہاں
ک کہ جب وہ اس میں خوب مگن مست ہوجاتی ہیں اور مادی خوشحالی وترقی پر اترانے لگتی ہیں تو پھر ہم اچانک انہیں اپنی گرفت
ں لے لیتے ہیں، اوران کی جڑ ہی کاٹ کرر کھ دیتے ہیں، حدیث میں بھی وارد ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، کہ جب تم دیکھو کہ
ند تعالیٰ نافرمانیوں کے باوجود کسی کو اس کی خواہشات کے مطابق دنیا دے رہا ہے تو یہ استدراج (ڈھیل) ہے، پھر آپ نے یہی
یت تلاوت فرمائی۔ (مسند احمد)

قرآن کریم کی اس آیت اور حدیث نبوی سے معلوم ہوا کہ دنیوی ترقی اور خوش حالی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ایسے افراد یا
م خدا کے چہیتے اور محبوب ہیں۔

قُلْ لَا اقولُ لکم عندی خزائن اللّٰہ، آپ کہہ دیجئے کہ میں خدائی خزانوں کا مالک نہیں ہوں کہ میں تمہیں خدا کے
ن ومشیت کے بغیر تمہارا فرمائشی معجزہ دکھا سکوں میرے پاس غیب کا علم بھی نہیں کہ مستقبل میں پیش آنیوالے حالات سے تمہیں
طلع کرسکوں مجھے فرشتہ ہونیکا دعویٰ بھی نہیں کہ تم مجھے خرق عادت امور پر مجبور کرو جو انسانی طاقت سے باہر ہوں میں تو صرف
ں وحی کا پیرو ہوں جو مجھ پر نازل ہوتی ہے اوراس میں حدیث بھی شامل ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا، "اُوْتِیْتُ القرآن ومثله
معهٗ" مجھے قرآن کے ساتھ اس کا مثل بھی دیا گیا ہے وہ مثل حدیث رسول اللہ ﷺ ہی ہے۔

وَاَنْذِرْ خوّف بِهِ بالقرآن الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ اى غيره وَلِيٌّ يَنصُرُهم
وَّلَا شَفِيْعٌ يَشفَعُ لهم وجملة النفي حالٌ من ضمير يُحشَرُوْا وهي محلُّ الخوف والمرادُ بهم المؤمنون
العاصُوْنَ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ اللّٰهَ باقلاعهم عماهم فيه وعملِ الطاعات وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ
بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ بعبادتهم وَجْهَهٗ تعالى لا شيئًا من اغراض الدنيا وهم الفقراءُ وكان
المشركون طَعَنُوْا فيهم وطَلَبُوْا ان يَطْرُدَهم لِيُجَالِسُوْهُ وَاَرَادَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم ذلك طَمَعًا في
اسلامهم مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ زائدةٌ شَيْءٍ ان كان باطنهم غيرَ مَرضيٍّ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ
مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ جوابُ النفي فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ان فَعَلْتَ ذلك وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا ابتلينا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
اى الشريفَ بالوضيع والغنيَّ بالفقير بان قَدَّمْنَاهُ بالسبق الى الايمان لِّيَقُوْلُوْٓا اى الشرفاءُ والاغنياءُ
المنكرين اَهٰٓؤُلَاۗءِ الفقراءُ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا بالهداية اى لو كان ماهم عليه هدى ماسَبَقُوْنَا اليه قال
تعالى اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ له فيهديهم بلى وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ لهم سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ
قضى رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ اى الشان وفي قراءةٍ بالفتح بَدَلٌ من الرحمة مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًۢا بِجَهَالَةٍ منه
حيث ارتكبَهُ ثُمَّ تَابَ رَجَعَ مِنْۢ بَعْدِهٖ بعد عمله عنه وَاَصْلَحَ عَمَلَهُ فَاَنَّهٗ اى الله غَفُوْرٌ له رَّحِيْمٌ ۝ به وفي
قراءةٍ بالفتح اى فالمغفرة له وَكَذٰلِكَ كما بَيَّنَّا ما ذُكِرَ نُفَصِّلُ نُبَيِّنُ الْاٰيٰتِ القرآن ليظهر الحقُّ فيُعْمَلَ به

وَلِتَسْتَبِيْنَ تظهر سَبِيْلُ طريقُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٥٥﴾ فتُجتنبُ وفى قراءةٍ بالتحتانيةِ وفى أخرى بالفوقانية ونصبِ سبيل خطابٌ للنبيّ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: اور آپ قرآن کے ذریعہ ایسے لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات کا اندیشہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے سامنے ایسی حالت میں جائیں گے کہ ان کا اس کے سوانہ کوئی ولی ہوگا جو ان کی مدد کر سکے اور نہ شفیع کہ ان کی شفارش کر سکے، اور جملہ منفیہ یُحشَرُوا کی ضمیر سے حال ہے اور یہی محل خوف ہے اور مراد اس سے عصاۃ المومنین ہیں، توقع ہے کہ وہ اپنے معمولات کو چھوڑ کر اور اعمال طاعت کو اختیار کر کے خداترسی کی روش اختیار کرلیں، اور ان لوگوں کو (مجلس سے) نہ نکالئے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں ان کا مقصد ان کی عبادت سے محض خدا کی ذات ہے نہ کہ دنیا کی اور کوئی غرض اور وہ فقراء (نادار) تھے اور مشرکین ان کے بارے میں طعنہ زنی کرتے تھے اور اس بات کا مطالبہ کرتے تھے کہ ان کو (مجلس سے) نکالدیں تاکہ وہ آپ کی مجلس میں بیٹھیں، اور آپ ﷺ نے ان کے اسلام کی خواہش کے پیش نظر اس کا ارادہ بھی کرلیا تھا۔ اگر ان (فقراء) کا باطن ناپسندیدہ ہو تو ان کا ذرہ برابر حساب آپ کے ذمہ نہیں، مِن زائدہ ہے اور نہ ذرہ برابر آپ کا حساب ان کے ذمہ ہے کہ آپ ان کو (مجلس) سے نکالدیں یہ جواب نفی ہے، اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کا شمار ظالموں میں ہوجائیگا، اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمائش میں ڈال رکھا ہے یعنی شریف کو کمینہ کے ذریعہ اور مالدار کو فقیر کے ذریعہ بایں طور کہ ہم نے اس کو ایمان کی طرف سبقت کرنے میں مقدم کردیا، تاکہ شرفاء اور اغنیاءِ منکرین کہیں کیا یہی فقراء ہیں جن پر ہم میں سے ہدایت کا اللہ نے انعام فرمایا یعنی جس (طریقہ) پر یہ ہیں اگر وہ ہدایت ہوتا تو یہ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ کرتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ اپنے شکر گذاروں کو بخوبی جانتا ہے کہ ان کو ہدایت دے، ہاں کیوں نہیں، اور جب وہ لوگ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاچکے ہیں آپ کے پاس آئیں تو ان سے کہئے تم پر سلامتی ہو تمہارے رب نے اپنے ذمہ رحمت کو لازم کرلیا ہے یہ اس کا رحم وکرم ہی تو ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کی وجہ سے کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا (اور) پھر اس ارتکاب کے بعد اس نے اس برائی سے توبہ کرلی اور اپنے عمل کی اصلاح کرلی تو اللہ اسے معاف کردیتا ہے اور ایک قراءت میں، ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے (یعنی) اس کے لئے مغفرت ہے، اور جس طرح ہم نے یہ مذکورہ مضمون بیان کیا ہے اسی طرح ہم قرآن کی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، تاکہ حق ظاہر ہوجائے اور اس پر عمل کرے، اور تاکہ مجرموں کی راہ بالکل واضح ہوجائے تاکہ اس سے اجتناب کیا جائے، اور ایک قراءت میں (یَسْتَبِیْن) یاء تحتانیہ کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت میں (تاء) فوقانیہ کے ساتھ اور سبیل نصب کے ساتھ ہے (اس صورت میں) خطاب نبی ﷺ کے لئے ہوگا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: وجُمْلَةُ النَّفْيِ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يُحْشَرُوْا، اس میں اشارہ ہے کہ جملہ منفیہ، اَلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ کی صفت نہیں ہے اسلئے کہ اَلَّذِيْن معرفہ ہے اور جملہ منفیہ نکرہ اور نکرہ معرفہ کی صفت واقع نہیں ہوتا اور نہ یُحشروا کی ضمیر سے صفت ہے اس لئے

کہ قاعدہ مشہور ہے الضمیر لا یوصف ولا یوصف به، بلکہ یُحشروا کی ضمیر سے حال ہے۔

قولہ: وهِیَ مَحَلُّ الْخَوْفِ، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: حشر سے ڈرانے سے کیا مقصد ہے؟ جبکہ حشر تو لامحالہ واقع ہونے ہی والا ہے اس سے ڈرانا ممکن نہیں ہے کہ انذار مفید ہو۔

جواب: محل انذار یعنی مخوف یہ ایسی حالت میں حشر ہے کہ ان کا کوئی والی اور ناصر نہ ہو، اور مراد الذین یخافون سے گنہگار مومنین ہیں، اسلئے کہ جو شخص حشر کا یقین وعقیدہ ہی نہ رکھتا ہو تو اس کو ڈرانا بے سود ہے اور جو پہلے ہی سے متقی ہے اس کو ڈرانا تحصیل حاصل ہے، لہٰذا متعین ہو گیا کہ جن کو ڈرانے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ عصاۃ المومنین ہیں۔

قولہ: جواب النفی، یعنی فَتَطْرُدَهُمْ، مَا عَلَيْكَ مِن حسابهم کا جواب ہے، یہ تطردَ کے نصب کی وجہ کا بیان ہے۔

قولہ: ان كَانَ بَاطِنُهُمْ غَيْرَ مَرْضِيّ، یعنی بقول المشركين.

قولہ: اِنْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ، اس میں اشارہ ہے کہ فتکون شرط محذوف کی جزاء مقدم ہے لہٰذا جواب نفی کی تکرار کا شبہ ختم ہو گیا۔

قولہ: بالسبق ای بسبب السبق.

قولہ: لِيقولوا میں لام عاقبت کا ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ ابتلاء کی علت قول مذکور کو قرار دینا درست نہیں ہے۔

قولہ: قضیٰ، كتبَ کی تفسیر قضیٰ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مراد وعدہ مؤکد ہے نہ کہ فرض اور الزام۔

قولہ: وفی قِرَاءَةٍ بِالْفَتْحِ، فتحہ کی صورت میں رحمة سے بدل ہے اور کسرہ کی صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا، جو کہ سوال مقدر کا جواب ہوتا ہے یعنی رحمت کے بارے میں سوال کیا "ما هی" اور مَن عمل الخ پورا جملہ سوال مقدر کا جواب ہے۔

قولہ: فالمَغْفِرَةُ له، اس میں اشارہ ہے کہ اَنَّهٗ میں اَنَّ مع اپنے اسم کے مبتداء ہے اور لَهٗ اس کی خبر ہے۔

قولہ: لِيَظْهَرَ الْحَقُّ، اس میں اشارہ ہے کہ لتستبین کا عطف علت مقدرہ پر ہے لہٰذا سابق پر عطف کی عدم صحت کا شبہ ختم ہو گیا آیات کی تفصیل بصیغۂ مضارع کرنے کا مقصد استمرار ہے لہٰذا تخصیص بالمستقبل کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قولہ: وفی قِرَاءَةٍ بالتحتانیه، یعنی ایک قراءت میں لیستبین، یاء تحتانیہ کے ساتھ ہے اور السبیل اس کا فاعل ہے اور سبیل چونکہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے لہٰذا عدم مطابقت کا اعتراض بھی نہ ہوگا، اور السبیل کے نصب کی صورت میں تستبین کا مفعول ہوگا، صیغۂ خطاب کی صورت میں مخاطب آپ ﷺ ہوں گے۔

تفسیر وتشریح

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْا اِلٰی رَبِّهِمْ الخ، اس آیت میں عصاۃ المومنین کا ذکر ہے نہ کہ منکرین حشر ونشر کا، مطلب یہ ہے کہ انذار کا فائدہ ایسے ہی لوگوں کو ہو سکتا ہے جو توحید اور حشر ونشر کے عقیدہ کے باوجود عملی کوتاہی کے بھی مرتکب

ہوئے ہوں ورنہ جو شخص بعث بعد الموت اور آخرت میں جوابدہی کا عقیدہ نہ رکھتا ہو اور وہ اپنے کفر و جحود پر قائم ہو اس کو نہ انذار فائدہ دے سکتا ہے اور نہ کسی کی سفارش کام آسکتی ہے، نبی کا وعظ و نصیحت تو سب کے لئے یکساں ہوتا ہے مگر اپنی اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق ہی اثر قبول کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں اسی مضمون کی ایک حدیث ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے منقول ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے قرآن کی نصیحت کی مثال بارش کی اور امت کی مثال اچھی بری زمین کی فرمائی ہے یہ حدیث گویا کہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

شانِ نزول:

ولا تطرد الذین یدعون ربھم الخ، صحیح مسلم، صحیح ابن حبان وغیرہ کی روایتوں سے اس آیت کا جو شان نزول متعین کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور مطعم بن عدی اور حارث بن نوفل نے جو قریش کے سرداروں اور شرفاء میں شمار ہوتے تھے ایک روز آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ بلال، عمار بن یاسر، صہیب، خباب فقراء و مساکین کا آپ کے ارد گرد ہجوم رہتا ہے اگر آپ ان کو اپنی مجلس سے ہٹا دیں تو ہم بھی آپ کی مجلس میں بیٹھیں، ہمیں ان کے جبّوں سے بدبو آتی ہے اور چھوٹے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے میں ہمیں شرم آتی ہے اور ہم ایسے معمولی لوگوں کے ساتھ بیٹھنے میں اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ چونکہ اللہ کے نزدیک ایسی شرافت و امارت سے زیادہ اخلاص مقبول ہے اور یہ فقراء مسلمین اخلاص کے ساتھ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اشراف قریش کا مشورہ ماننے سے منع کر دیا، اور مذکورہ آیت نازل فرمائی، ابتداء میں اکثر غریب و نادار قسم کے لوگ مشرف باسلام ہوئے تھے، یہی چیز روساء کفار کی آزمائش کا ذریعہ بن گئی اور وہ ان فقراء و مساکین کا مذاق بھی اڑاتے اور جن پر ان کا بس چلتا انہیں ایذاء رسانی سے بھی نہ چوکتے اور کہتے کہ ایمان اور اسلام اگر واقعی کوئی خیر کی چیز ہوتی تو سب سے پہلے اس کی طرف ہم سبقت کرتے اور ہم نے سبقت نہیں کی تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ کوئی خیر و شرف کی چیز نہیں ایک دوسرے مقام پر فرمایا "لو کان خیرًا ما سَبَقُونا"۔ (احقاف)

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ظاہری چمک دمک، ٹھاٹھ باٹھ اور رئیسانہ کرّ وفر وغیرہ نہیں دیکھتا اور نہ شکل و صورت و رنگ و روپ کو دیکھتا ہے وہ تو دلوں کی کیفیت کو دیکھتا ہے لہٰذا وہ جانتا ہے کہ اس کے شکر گذار اور حق شناس بندے کون ہیں؟ جس میں شکر گذاری کی خوبی دیکھی انہیں ایمان کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ تعبدون مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ فی عبادتها قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا ان اتبعتها وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ بیان مِّنْ رَّبِّیْ وَ قد كَذَّبْتُمْ بِهٖ بربی حیث اشركتم مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ من العذاب اِنِ ما الْحُكْمُ فی ذلك وغیره اِلَّا لِلّٰهِ وحده یَقُصُّ القضاء الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ الحاكمین وفی قراءة یَقُضُّ ای یقول قُلْ لهم لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ

لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ بان اعجلهٗ لکم واستریحَ ولکنه عند اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٨﴾ متی يُعَاقِبُهم وَعِنْدَهٗ تعالٰی مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خزائنهٗ او الطُّرقُ الموصلةُ الی علمه لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وهی الخمسةُ التی فی قوله ان اللّٰهَ عندهٗ علم الساعة الاٰیةَ کما رَواه البخاری وَيَعْلَمُ ما يَحدُثُ مَا فِى الْبَرِّ القِفار وَالْبَحْرِ القری التی علی الانهار وَمَا تَسْقُطُ مِنْ زائدةٌ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ عطفٌ علی ورقةٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٩﴾ هو اللوحُ المحفوظُ والاستثناءُ بدلُ اشتمالٍ من الاستثناء قبلهٗ وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ يَقبِضُ اَرْوَاحَكُم عند النَّومِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ کسبتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ ای النَّهار بردِ اَرْواحِكُم لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى هو اَجلُ الحيوةِ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ بالبعثِ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾ فيجازيكم به.

ترجمہ: (اے محمد ﷺ ان سے) کہو کہ اللہ کے سوا جن کی تم بندگی کرتے ہو ان کی بندگی کرنے سے مجھے منع کیا گیا ہے، (اور ان سے یہ بھی) کہو کہ ان کی بندگی کرتے ہیں، میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا، اگر میں نے خواہشات کی پیروی کی تو میں گمراہ ہو گیا، اور میں ہدایت یافتہ لوگوں میں نہ رہا، کہو کہ میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور تم نے میرے رب کو چھوڑ دیا ہے اس لئے کہ تم نے شرک کیا، جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو وہ میرے اختیار میں نہیں ہے اس معاملہ میں اور دیگر معاملات میں صرف اللہ وحدہ ہی کا حکم چلتا ہے وہی برحق فیصلہ کرتا ہے اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اور ایک قراءت میں (یقضِ کے بجائے) یقصُّ ہے بمعنی یقول، کہو اگر وہ چیز جس کی تم جلدی مچا رہے ہو میرے اختیار میں ہوتی تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا بایں طور کہ میں اس میں تمہارے لئے جلدی کرتا اور راحت حاصل کرتا لیکن وہ اللہ کے اختیار میں ہے اور اللہ ہی زیادہ جانتا ہے کہ ظالموں کو کب سزا دے اسی کے پاس غیب کے خزانوں کی کنجیاں ہیں یا غیب کے علم تک رسائی کے طریقے اسی کے پاس ہیں ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ پانچ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قول "اِنّ اللّٰہ عندہ علم الساعة" (الآیة) میں ہے، کما رواہ البخاری اور بحر و بر میں جو کچھ رونما ہوتا ہے وہ جانتا ہے، (یعنی) چٹیل میدانوں اور ان بستیوں میں جو نہروں کے کنارہ پر واقع ہیں درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں کہ جس کا اسے علم نہ ہو اور نہ کوئی دانہ جو زمین کی تاریکیوں میں ہو اور نہ خشک و تر جو کتاب مبین (یعنی) لوح محفوظ میں نہ ہو اس کا عطف وَرَقَةٌ پر ہے، اور (دوسرا) استثناء اپنے ماقبل کے استثناء سے بدل الاشتمال ہے وہ وہی ذات ہے جو رات کو نیند میں تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن میں جو کچھ تم کرتے ہو اس سے وہ بخوبی واقف ہے تمہاری روحوں کو لوٹا کر (دوسرے) دن تم کو زندہ کر دیتا ہے تاکہ تم زندگی کی مدت پوری کرو اور وہ مدت حیات ہے آخر کار بعث کے ذریعہ اسی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے اور اس کی تم کو جزا دے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: قد کَذَّبْتُم.

سَوَالٌ: قد محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَابٌ: ماضی چونکہ بغیر قد کے حال واقع نہیں ہوسکتی اسلئے یہاں قد مقدر مانا۔

قَوْلُہٗ: القَضَاءَ الحقّ.

سَوَالٌ: القضاءَ، کے محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَابٌ: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ الحقَّ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے لہٰذا اب یہ احتمال ختم ہوگیا کہ الحقّ لفظ کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔

قَوْلُہٗ: وفی قراءة یَقُصُّ، ای یقص الحقّ بمعنی یقول الحقّ.

قَوْلُہٗ: المَفَاتِحُ یہ، مفتح بکسر المیم کی جمع ہے بمعنی کنجی، اور کہا گیا ہے کہ مَفتح بفتح المیم کی جمع ہے بمعنی خزانہ۔

قَوْلُہٗ: القَفْر خالی زمین چٹیل میدان، القفار والقفور، قَفر کی جمع ہیں۔

قَوْلُہٗ: الطُرُقُ المُوْصِلہ الی عِلْمِہٖ، یہ استعارہ بالکنایہ کے طور پر ہے۔

قَوْلُہٗ: بَدَلُ الاِشْتِمَال مِنَ الاِسْتِثْنَاءِ قبلہٗ، یعنی اِلَّا فی کتاب مبین یہ استثناء اول یعنی اِلَّا یعلمھا، سے بدل الاشتمال ہے یہ صاحب کشاف پر رد ہے اسلئے کہ صاحب کشاف نے استثناء ثانی کو اول کی تاکید قرار دیا ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

قُلْ اِنِّی نُھِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (الآیۃ) جیسا کہ "قل یا ایھا الکافرون" کے شانِ نزول میں احادیث میں وارد ہوا ہے کہ مشرکین مکہ کی یہ فرمائش تھی کہ ایک سال آپ ﷺ اور مسلمان ہمارے بتوں کی بندگی کرلیا کریں اور ایک سال ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرلیا کریں گے تاکہ آپس کا نزاع ختم ہو جائے، اسی پر آنحضرت ﷺ سے کہا جارہا ہے کہ اے محمد تم ان مشرکوں سے کہدو کہ اگر میں ایک اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر تمہاری خواہش کے مطابق غیر اللہ کی بندگی شروع کردوں تو یقیناً میں بھی گمراہ ہوجاؤں گا، مجھے اللہ کی طرف سے بتوں کی بندگی کرنے سے ممانعت کردی گئی ہے اگر میں ایسا کروں گا تو میں ملت ابراہیمی سے تمہاری طرح بھٹک جاؤں گا، اور میں ایسا کر بھی کیسے سکتا ہوں

میرے پاس تو اس بات کی قرآنی شہادت موجود ہے کہ ملت ابراہیمی میں بت پرستی کا کہیں پتہ نہیں ہے تم لوگوں نے بے سند ملت ابراہیمی کو بگاڑ دیا ہے قرآن کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہو اور جب تم کو خدائی عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو ڈھیٹ بنکر اس عذاب کی جلدی مچاتے ہو، وہ عذاب کچھ میرے اختیار میں نہیں ہے جو تم مجھ سے اس کے جلدی لانیکا مطالبہ کرتے ہو وہ عذاب تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے وقت آنے پر اس کا فیصلہ وہ خود فرمائیگا، دنیا میں اس عذاب کا ظہور بدر کی لڑائی کے وقت ہو چکا ہے، مشرکوں میں سے بڑے بڑے سرکش عذاب الٰہی کی جلدی کرنے والے ستر آدمی بڑی ذلت سے مارے گئے اور ستر قید کر لئے گئے، عقبیٰ کا عذاب بھی اللہ کے وعدے کے مطابق وقت مقررہ پر آ جائیگا۔

وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الّا هو، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے، غیب کے تمام خزانے اسی کے پاس ہیں، حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ مفاتح الغیب پانچ ہیں، قیامت کا علم، بارش کا نزول، رحم مادر میں پلنے والا بچہ، آئندہ کل پیش آنیوالے واقعات اور موت کا مقام، کہ موت کہاں آئے گی، مذکورہ پانچوں باتوں کا صحیح علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (صحیح البخاری تفسیر سورۂ انعام)

وَهُوَ الْقَاهِرُ مستعليًا **فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً** ملئكةً تُحْصِىْ اعمالكم **حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ** وفى قراءةٍ توفَّاهُ **رُسُلُنَا** الملئكةُ الموكَّلُوْنَ بقبضِ الارواحِ **وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ** ﴿٦١﴾ يُقصِّرُوْنَ فيما يُؤْمَرُوْنَ **ثُمَّ رُدُّوْٓا** اى الخلقُ **اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ** مالِكِهم **الْحَقِّ** الثابتِ العادلِ لِيُجازِيَهم **اَلَا لَهُ الْحُكْمُ** القضاءُ النافذُ فيهم **وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ** ﴿٦٢﴾ يُحاسِبُ الخلقَ كلَّهم فى قدرِ نصفِ نهارٍ من ايّامِ الدنيا لحديثٍ بذلك **قُلْ** يا محمدُ لاهلِ مكةَ **مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** اَهْوالِهِما فى اسفارِكم حينَ **تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا** علانيةً **وَّخُفْيَةً** سِرًّا تقولون **لَئِنْ** لامُ قسمٍ **اَنْجٰنَا** وفى قراءةٍ اَنْجانَا اى اللّٰهُ **مِنْ هٰذِهٖ** الظلماتِ والشدائدِ **لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ** ﴿٦٣﴾ المؤمنين **قُلِ** لهم **اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ** بالتخفيفِ والتشديدِ **مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ** غمٍّ سِواها **ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ** ﴿٦٤﴾ به **قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ** من السماءِ كالحجارةِ والصيحةِ **اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ** كالخسفِ **اَوْ يَلْبِسَكُمْ** يَخْلِطَكم **شِيَعًا** فِرَقًا مختلفةَ الاهواءِ **وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ** بالقتالِ قال صلى اللّٰه عليه وسلم لما نزلت هذا اَهْوَنُ واَيْسَرُ ولمّا نزلَ ما قبلَهُ قالَ اعوذُ بوجهِكَ رواهُ البخارى وروى مسلمٌ حديثَ سألتُ ربى ان لا يَجْعَلَ بأسَ اُمَّتِىْ بينهم فمنَعَنِيْها وفى حديثٍ لما نزلَتْ قال اما انّها كائنةٌ ولم يَأْتِ تاويلُها بَعْدُ **اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ** نُبَيِّنُ لهم **الْاٰيٰتِ** الدالّاتِ على قُدْرَتِنا **لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ** ﴿٦٥﴾ يعلمون انّ ماهم عليه باطلٌ **وَكَذَّبَ بِهٖ** بالقرآنِ **قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ** الصدقُ **قُلْ** لهم **لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ** ﴿٦٦﴾ فاُجازِيْكم انّما انا مُنْذِرٌ وامرُكم الى اللّٰهِ وهذا قبلَ الامرِ بالقتالِ **لِكُلِّ نَبَاٍ** خبرٍ **مُّسْتَقَرٌّ** وقتٌ يَقَعُ فيه ويَسْتَقِرُّ ومنه عذابُكم

وَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ تهديدٌ لهم وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِنَا القران بالاستهزاءِ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ولا تُجالِسْهم
حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا فيه ادغامُ نونِ اِنِ الشرطيةِ في ما الزائدةِ يُنْسِيَنَّكَ بسكون النون والتخفيفِ
وفتحِها والتشديدِ الشَّيْطٰنُ فقعدتَ معهم فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى اى تذكرةٍ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ فيه وضعُ الظاهرِ
موضعَ المُضْمَرِ وقال المُسْلِمُوْنَ ان قُمْنَا كلما خَاضُوْا لم نستطعْ اَن نَجْلِسَ في المسجدِ واَن نطُوْفَ فنزلَ
وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اللّٰهَ مِنْ حِسَابِهِمْ اى الخائضين مِّنْ زائدةٌ شَىْءٍ اذا جالَسُوهم وَّلٰكِنْ عليهم ذِكْرٰى تذكرةٌ
لهم وموعظةٌ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ الخوضَ وَذَرِ اُتْرُكِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ الذي كُلِّفُوْهُ لَعِبًا وَّلَهْوًا باستهزائهم به
وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فلا تَتَعَرَّضْ لهم وهذا قبلَ الامرِ بالقتالِ وَذَكِّرْ عِظْ بِهٖٓ بالقرانِ الناسَ اَنْ لا تُبْسَلَ نَفْسٌ
تُسْلَمَ الى الهلاكِ بِمَا كَسَبَتْ ۖ عَمِلَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيره وَلِىٌّ ناصرٌ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ يمنعُ عنها
العذابَ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ تفدِ كلَّ فِداءٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ ما تُفدىٰ به اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ
ماءٍ بالغٍ نهايةَ الحرارةِ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ مُؤلِمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ بكفرِهم.

ترجمہ: وہ اپنے بندوں پر پوری طرح غالب ہے اور تم پر نگران فرشتے بھیجتا ہے جو تمہارے اعمال کا حساب رکھتے
ہیں، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے جو روح قبض کرنے پر متعین ہوتے
ہیں اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور ایک قراءت میں تـوفّـاہ ہے جس کام کا ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ اس میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں
کرتے، پھر مخلوق کو اپنے مالک برحق کی طرف لایا جائیگا جو کہ باقی رہنے والا عادل ہے، تاکہ ان کو جزاء دے. خوب سن لو ان
میں اسی کا فیصلہ نافذ ہے اور وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے اور پوری مخلوق کا حدیث کی رو سے دنیوی دنوں کے اعتبار سے نصف
دن میں حساب لے لیگا، اے محمد ﷺ اہل مکہ سے پوچھو کہ صحراء وسمندر کی تاریکیوں کی ہولناکیوں سے تمہارے سفر کے دوران
تم کو کون بچاتا ہے؟ (اور کون ہے وہ) جس کو تم عاجزی کے ساتھ زور زور سے اور چپکے چپکے پکارتے ہوئے کہتے ہو قسم ہے لام
قسمیہ ہے اگر تو نے ہم کو اس تاریکی اور تکلیف سے بچالیا تو ہم شکر گذار مومن ہوجائیں گے اور ایک قراءت میں "اَنْجَانَا" ہے
یعنی اگر اللہ نے ہم کو بچالیا، آپ ان سے کہو اللہ تم کو اس مصیبت اور اس کے علاوہ ہر غم سے نجات دے گا پھر تم دوسروں کو اس کا
شریک ٹھہراتے ہو (یُنْجِیْکُم) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، آپ کہئے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ تمہارے اوپر (یعنی
آسمان سے عذاب بھیج دے مثلاً پتھر اور چیخ یا تمہارے قدموں کے نیچے سے مثلاً زمین میں دھنسا دے یا تم کو مختلف الخیالات
گروہ در گروہ کر کے بھڑا دے، اور قتال کے ذریعہ ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزا چکھا دے جب یہ آیت نازل ہوئی تو
آپ ﷺ نے فرمایا "یہ اَھْوَنُ اور آسان ہے" اور جب اس کا ماقبل نازل ہوا تو آپ نے فرمایا میں تیری ذات کی پناہ چاہتا
ہوں، (رواہ البخاری) اور مسلم نے ایک حدیث روایت کی کہ میں نے درخواست کی کہ اے میرے رب تو میری امت کو

درمیان آپسی اختلاف نہ ڈال، تو اللہ نے مجھے منع کردیا، اور ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا "یہ (منازعت) بہرحال ہوکر رہے گی، اور ابتک اس کی تاویل نہیں آئی، آپ دیکھئے تو سہی ہم کس کس طرح اپنی قدرت پر دلالت کرنیوالی نشانیاں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ اس بات کو سمجھیں کہ جس پر وہ قائم ہیں وہ باطل ہے اس قرآن کی آپ کی قوم نے تکذیب کی حالانکہ وہ سچ ہے آپ ان سے کہدیجئے کہ میں تمہارے اوپر مسلط نہیں کیا گیا ہوں کہ میں تم کو اس کی جزا دوں، میں تو محض ڈرانے والا ہوں اور تمہارا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے، اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے، ہر خبر کا وقت مقرر ہے کہ اس میں واقع اور ظہور پذیر ہو اور ان ہی میں سے تمہارا عذاب بھی ہے، اور تم عنقریب (انجام) جان لوگے، یہ ان کے لئے دھمکی ہے، (اور اے محمد) جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیتوں قرآن میں نکتہ چینی کررہے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہوجائیے اور ان کے پاس نہ بیٹھئے یہاں تک کہ دوسری باتوں میں لگ جائیں، اور اگر شیطان آپ کو بھلادے (اِمّا) میں اِن شرطیہ کا ما زائدہ میں ادغام ہے (یُنْسِیَنَّكَ) نون کے سکون اور تخفیف کے ساتھ اور نون کے فتحہ اور تشدید کے ساتھ (بھی) ہے کہ آپ ان کے ساتھ بیٹھیں، تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھیں، اس میں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے، مسلمانوں نے کہا جب وہ نکتہ چینی کیا کریں اور ہم اٹھ جایا کریں تو ہم نہ مسجد میں بیٹھ سکتے ہیں اور نہ طواف کرسکتے ہیں، تو (یہ آیت نازل ہوئی) اور جو اللہ سے ڈرتے ہیں تو نکتہ چینی کرنے والوں کے حساب کا ان سے کچھ مواخذہ نہیں ہوگا جب وہ ان کے پاس بیٹھیں، (مِن شیءٍ) میں مِن زائدہ ہے، مگر ان کے ذمہ ان کے لئے تذکیر اور نصیحت ہے شاید کہ وہ نکتہ چینی سے باز آجائیں، اور ایسے لوگوں سے آپ کنارہ کش رہیں جنہوں نے اس دین کا جس کا ان کو مکلف بنایا گیا ہے استہزاء کرتے ہوئے کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور ان کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے لہٰذا آپ ان سے کوئی تعارض نہ کریں، یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے، اور اس قرآن کے ذریعہ لوگوں کو نصیحت کرتے رہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت کے حوالہ کردیا جائے کہ اس کے لئے اللہ کے سوا اس کا کوئی نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی کہ جو اس کو عذاب سے بچاسکے اور اگر یہ شخص پوری دنیا کو بھی فدیہ میں دیدے تو بھی وہ قبول نہ کیا جائے، یہی ہیں وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں کے سبب پھنس گئے ہیں، ان کو تو نہایت گرم پانی پینے کے لئے ہے اور انکے کفر کے سبب دردناک عذاب بھگتنے کو ملے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وھو القاھرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ، یہ کلام مستانف ہے، اپنی مخلوق پر قہر و غلبہ کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، ھُوَ، مبتداء ہے القاھرُ اس کی خبر ہے، فوقَ ظرف ہے مُستعلیاً محذوف کے متعلق ہے جو کہ حال ہے۔

قولہ: حتّٰی اِذا جاء الخ یہ حفظ اعمال کی غایت ہے یعنی مدت حیات میں حفاظت کرتے ہیں موت تک۔

قولہ: لِمَلَائِکَۃ ای ملک الموت وَاَعْوَانُہٗ.

قَوْلُہٗ: حین لفظ حین مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ تدعونہٗ، یُنجیکم کی ضمیر مفعولی سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: الظلمٰت و الشدائد، اس اضافہ کا مقصد، هذہ اسم اشارہ مؤنث کے مشار الیہ کی تعیین ہے۔

قَوْلُہٗ: هذا مبتداء ہے اور اَهْوَن و اَیْسَرُ، معطوف علیہ یا معطوف مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: عَلَیهِم ذکرىٰ، مبتداء ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اس کی خبر محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: بکفرهم اس سے اشارہ کر دیا کہ بما کانوا یکفرون میں ما مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ لہٰذا عدم عائد کا اعتراض وارد نہیں ہوگا۔

تفسیر و تشریح

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوقَ عِبَادِهٖ، وہ اپنے بندوں پر پوری قدرت رکھتا ہے، جب تک ان کو زندہ رکھنا منظور ہوتا ہے تو حفاظت کرنے والے فرشتے ان کی حفاظت کے لئے اور نگرانی اعمال کے لئے ساتھ رکھتا ہے جو ہر بندے کی ایک ایک جنبش اور ایک ایک بات پر نگاہ رکھتے ہیں اور ہر ہر حرکت کا ریکارڈ محفوظ کرتے ہیں، وہ اپنے مفوضہ امور میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرتے۔

ثم رُدُّوا، اس کا عطف تَوَفَّتْہ پر ہے، رُدُّوا، ماضی مجہول جمع مذکر غائب ہے وہ واپس لائے گئے، رُدُّوا کی ضمیر کا مرجع بعض حضرات نے فرشتوں کو قرار دیا ہے یعنی روح قبض کرنے کے بعد فرشتے اللہ کی بارگاہ میں لوٹ جاتے ہیں، اور بعض حضرات نے اس کا مرجع تمام لوگوں کو قرار دیا ہے یعنی تمام لوگ حشر کے بعد اللہ رب العلمین کی بارگاہ میں پیش کئے جائیں گے پھر وہ سب کا فیصلہ فرمائیگا، اور یہ اچھی طرح یاد رکھو کہ فیصلے کے پورے اختیارات اسی کو ہیں۔

فَائِدَہ: آیت میں روح قبض کرنے والے فرشتوں کو "رُسُل"، جمع کے صیغہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح قبض کرنے والے فرشتے ایک سے زیادہ ہیں، اس کی توجیہ بعض مفسرین نے اس طرح کی ہے کہ قرآن مجید میں روح قبض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہے، "اللّٰہ یتوفی الانفسَ حین موتها" (الزمر) اللہ لوگوں کی موت کے وقت روح قبض کر لیتا ہے، اور بعض جگہ اس کی نسبت ایک فرشتہ ملک الموت کی طرف بھی کی گئی ہے "قُل یَتَوفّٰکم مَلَكُ الموتِ الّذِی و کل بکم" (الم سجدہ) کہہ دو وہ فرشتہ موت کے وقت تمہاری روحیں قبض کرتا ہے جو تمہارے لئے مقرر کیا گیا ہے، اور اس کی نسبت متعدد فرشتوں کی طرف بھی کی گئی ہے جیسا کہ اس مقام پر ہے اسی طرح سورہ نساء میں بھی ہے، اللہ کی طرف نسبت تو اس لحاظ سے ہے کہ وہی اصل آمر (حکم دینے والا) ہے اور متعدد فرشتوں کی طرف نسبت اس لحاظ سے ہے کہ ملک الموت کے معاونین و مددگار بہت سے ہیں اور ملک الموت کی طرف نسبت اس لحاظ سے ہے کہ آخر میں اصل روح قبض کرنے والے اور آسمان کی طرف لیجانے والے وہی ہیں۔ (روح المعانی، ابن کثیر، فتح القدیر شوکانی)

جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ملک الموت ایک ہی ہے جیسا کہ سورۃ الم سجدہ کی آیت سے اور مسند احمد میں حضرت براء

ن عازب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور قرآن کریم میں جہاں جمع کا صیغہ آیا ہے تو وہاں ملک الموت کے اعوان انصار مراد ہوتے ہیں، اور بعض آثار میں ملک الموت کا نام عزرائیل بتایا گیا ہے۔

قُلْ مَنْ یُنَجِّیْکُمْ من الظلمٰتِ (الآیة) یہ حقیقت ہے کہ تنہا وہی قادر مطلق ہے اور وہی تمام اختیارات کا مالک ہے، اسی کے ہاتھ میں تمام قسمتوں کی باگ ڈور ہے، جب تمام اسباب کے سررشتے ٹوٹتے نظر آتے ہیں تو اس وقت تم بے اختیار اسی کو پکارتے ہو، اس کھلی دلیل کے ہوتے ہوئے بھی تم بلا دلیل دوسروں کو اس کی خدائی میں شریک ٹھہراتے ہو۔

قُلْ ھو القادرُ علی ان یَبْعَثَ علیکم عذابًا، (الآیة) معتبر سند سے مسند امام احمد اور نسائی وغیرہ میں ابی بن کعب وغیرہ سے روایت ہے کہ اوپر کے عذاب سے مراد آسمان سے پتھر برسانا ہے جیسا کہ اصحاب فیل پر برسے تھے، اور نیچے کے عذاب سے مراد زمین کا دھنسنا ہے جیسا کہ قارون دھنس گیا تھا اور اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے دعاء کی کہ میری امت سے یہ تینوں عذاب جو اس آیت میں مذکور ہیں اٹھ جائیں تو اللہ نے پتھروں کے برسنے اور زمین میں دھنسنے کا (عمومی) عذاب تو اٹھا لیا مگر آپس کی خانہ جنگی کا عذاب باقی ہے۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یخوضون فی آیاتنا، (الآیة) اس آیت میں اگرچہ خطاب نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا ایک تاکیدی حکم ہے جس کو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے اس سے ہر وہ مجلس مراد ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا مذاق اڑایا جارہا ہو یا عملاً اس کا استخفاف کیا جارہا ہو، اہل بدعت اور اہل زیغ اپنی تاویلات رکیکہ اور توجیہات نحیفہ کے ذریعہ آیات الٰہی کو توڑ مروڑ کر پیش کررہے ہوں ایسی مجلسوں میں غلط باتوں پر تنقید کرنے اور کلمہ حق بلند کرنے کی نیت سے تو شرکت جائز ہے بصورت دیگر سخت گناہ اور غضب الٰہی کا باعث ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خلاف شرع کوئی بات دیکھ کر ہاتھ سے، زبان سے جس طریقہ سے ممکن ہو اس کی اصلاح کریں یہ اسلام کی علامت ہے اگر کسی میں زبان سے اور ہاتھ سے روکنے کی قدرت نہ ہو تو اس خلاف شریعت بات کو دل سے ناپسند کرنا ایمان کا کمتر درجہ ہے۔

مسند احمد اور ابن ماجہ میں حذیفہ بن یمان کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپس کی نصیحت کا طریقہ جب لوگوں سے اٹھ جائیگا تو ایسی بستی کے لوگوں پر عذاب آجائیگا اور کسی نیک آدمی کی دعاء عذاب ٹالنے کے باب میں قبول نہ ہوگی، ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا کی نافرمانی سے بچ کر کام کرتے ہیں ان پر نافرمانوں کے کسی عمل کی ذمہ داری نہیں ہے پھر وہ کیوں خواہ مخواہ اس بات کو اپنے اوپر فرض کرلیں کہ ان نافرمانوں سے بحث و مناظرہ کرکے ضرور انھیں قائل کرکے چھوڑیں گے ان کا فرض بس اتنا ہے کہ بھٹکنے والوں کو نصیحت کریں اور حق بات ان کے سامنے واضح کردیں، اگر وہ نہ مانیں اور بحث و مباحثہ پر اتر آئیں تو اہل حق کا یہ کام نہیں کہ ان کے ساتھ دماغی کشتیاں لڑنے میں اپنا وقت اور قوت ضائع کرتے پھریں۔

وَذَکِّرْ بِہٖ اَنْ لا تُبْسَل نفسٌ، تُبْسَلَ، ای لِئلَّا تُبْسَلَ، بَسْلٌ کے اصل معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں، اسی سے شجاع باسِلٌ ہے، یہاں اس کے مختلف معنی کئے گئے ہیں تُسَلَّمُ، سونپ دیئے جائیں، حوالہ کردیئے جائیں مفسر

علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ انھیں اس قرآن کے ذریعہ نصیحت کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس کو اس کے کرتوتوں کے بدلے ہلاکت کے سپرد کردیا جائے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا نعبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا بعبادته وَلَا يَضُرُّنَا بتركها وهو الاصنامُ وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا نرجع مشركين بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ الى الاسلام كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ اضلّتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ متحيرًا لا يدرى اين يذهبُ حالٌ من لَهٗٓ اَصْحٰبٌ رُفقةٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى اى ليهدوهُ الطريقَ يقولون له ائْتِنَا فلا يجيبهم فيهلكُ والاستفهامُ للانكار وجملةُ التشبيهِ حالٌ من ضمير نُرَدُّ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ الذى هو الاسلامُ هُوَ الْهُدٰى وما عداهُ ضلالٌ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ اى بان نُسلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَاَنْ اى بان اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ تعالى وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ تُجمعُوْنَ يومَ القيمةِ للحساب وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اى محقا وَ اذكُرْ يَوْمَ يَقُوْلُ للشئ كُنْ فَيَكُوْنُ هو يومُ القيمةِ يومَ يَقُوْلُ للخلق قُوْمُوْا فيقُوْمُوْنَ قَوْلُهُ الْحَقُّ الصدقُ الواقعُ لَا مُحالةَ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ القرنِ النفخةَ الثانيةَ من اسرافيلَ لا ملك فيه لغيره لمن المُلْكُ اليومَ لله عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ما غابَ وما شُوهِدَ وَهُوَ الْحَكِيْمُ فى خلقه الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾ بباطنِ الاشياءِ كظاهرها وَ اذكر اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ هو لقبُهُ واسمهُ تارخ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً تعبُدُها استفهامُ توبيخ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ باتخاذها فِىْ ضَلٰلٍ عن الحقِ مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾ بيّنٍ وَكَذٰلِكَ كما اريناه اضلالَ ابيه وقومه نُرِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ مُلكَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ليستدلَّ به على وحدانيتنا وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾ بها وجملةُ وكذلك وما بعدها اعتراضٌ وعُطفَ على قالَ فَلَمَّا جَنَّ اظلمَ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قيل هو الزُّهرةُ قَالَ لقومه وكانوا نجامين هٰذَا رَبِّىْ فى زعمكم فَلَمَّآ اَفَلَ غاب قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾ ان اتخذهم اربابًا لان الربَّ لا يجوزُ عليه التغيُّرُ والانتقالُ لانهما من شانِ الحوادثِ فلم يَنجعْ فيهم ذلك فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا طالعًا قَالَ لهم هٰذَا رَبِّىْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ يُثبتنى على الهدى لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿٧٧﴾ تعريضٌ لقومه بانهم على ضلالٍ فلم يَنجعْ فيهم ذلك فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا ذكَّرَهُ لتذكيرِ خبرِه رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ من الكوكب والقمر فَلَمَّآ اَفَلَتْ وقويتْ عليهم الحجةُ ولم يرجعُوا قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٨﴾ بالله تعالى من الاصنام والاجرام المحدثةِ المُحتاجةِ الى محدثٍ فقالوا له ما تعبُدُ قال اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ قصدتُ بعبادتى لِلَّذِىْ فَطَرَ خلقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اى الله حَنِيْفًا مائلاً الى الدينِ القيم وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٧٩﴾ به وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ جادلُوْهُ فى دينه وهدَّدُوْهُ بالاصنام اَنْ تُصيبَهُ بسوءٍ ان تركها قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّىْ بتشديدِ النون وتخفيفها بحذفِ احدى النونين وهى نونُ الرَّفعِ عند

النحاۃ ونون الوقایۃ عند القُرّاء ای اتجادلوننی فِی وحدانیۃِ اللّٰہِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ تعالی الیہا وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ من الاصنام ان تُصیبنی بسوءٍ لعدم قدرتہا علی شیءٍ اِلَّآ لکن اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْــــًٔـا ۭ من المکروہِ یُصیبُنی فیکون وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ ای وَسِعَ علمُہ کلَّ شیءٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ بہذا فتؤمنون وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ باللّٰہ وھی لا تضرُّو لاتنفع وَلَا تَخَافُوْنَ انتم من اللّٰہِ تعالی اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ فی العبادۃِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ بعبادتِہ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ حجۃً وبرھانًا وھو القادرُ علی کلِّ شیءٍ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اَنحنُ اَم انتم اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ من الاحقُّ بہ ای وھو نحن فاتّبعوہُ قال تعالی اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا یَخلِطُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ای شِرْکٍ کما فُسِّرَ بذلک فی حدیث الصحیحین اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ من العذاب وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ تعالی کے سوا ایسی چیزوں کی بندگی کریں کہ جو نہ ان کی بندگی کرنے سے ہم کو نفع پہنچا سکیں اور نہ ترک بندگی سے ہم کو نقصان پہنچا سکیں، اور وہ بت ہیں، اور جبکہ اللہ ہم کو سیدھا اسلام کا راستہ دکھا چکا تو کیا ہم شرک ہو کر الٹے پیر پھر جائیں اس شخص کے مانند کہ جس کو شیطان نے صحرا میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران پھر رہا ہو وہ نہیں جانتا کہ کدھر جائے، حیران استھوتہُ کی ضمیر سے حال ہے اور اس کے ساتھی اسے سیدھی راہ کی طرف پکار رہے ہوں، اس سے کہہ رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ، اور وہ ان کا جواب نہ دے جس کے نتیجے میں ہلاک ہو جائے استفہام انکار کے لئے ہے اور جملہ نفیہ نُرَدُّ کی ضمیر سے حال ہے، کہو کہ حقیقت میں صحیح رہنمائی تو صرف اللہ ہی کی ہے اور وہ اسلام ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے گمراہی ہے، اور اس کی طرف سے ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ ہم رب العلمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور نماز قائم کریں اور اللہ تعالی سے ڈریں اور وہ وہی ذات ہے کہ تم قیامت کے دن اس کی طرف جمع کئے جاؤ گے، اور وہی ذات ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ (بامقصد) پیدا کیا، اور اس دن کو یاد کرو جس دن وہ شئی سے کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گی، وہ قیامت کا دن ہے جس دن مخلوق سے کہے گا کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جائیں گے، اس کا فرمان حق ہے یعنی سچ ہے لامحالہ واقع ہونے والا ہے اور جس روز صور میں دوسرا نفخہ اسرافیل کے ذریعہ پھونکا جائیگا بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی، اس روز کسی کی حکومت نہ ہوگی، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے) لِمَنِ الملکُ الیوم للّٰہ، مخفی اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے وہ اپنی مخلوق کے بارے میں حکیم ہے اور اشیاء کے باطن سے ان کے ظاہر کے مانند واقف ہے اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے والد آزر سے جو کہ اس کا لقب تھا اور اس کا نام تارخ تھا کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو جن کی تم بندگی کرتے ہو یہ استفہام توبیخی ہے، بے شک میں تم کو اور تمہاری قوم کو ان بتوں کو معبود بنانے کی وجہ سے حق سے دور صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں اور جسطرح ہم نے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو ان کے والد اور ان کی قوم کی گمراہی دکھائی اسی طرح ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو آسمانوں اور زمین کا نظام سلطنت

دکھاتے ہیں تا کہ وہ اس کے ذریعہ ہماری وحدانیت پر استدلال کرے اور تا کہ اس کے ذریعہ (کامل) یقین کرنے والوں میں ہو جائے، اور کذلک اور اس کا مابعد جملہ معترضہ ہے اور قَالَ اِبْرَاهِیْمُ پر عطف ہے چنانچہ جب ان پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک تارا دیکھا، کہا گیا ہے کہ وہ زہرہ تھا، اپنی قوم سے جو کہ ستارہ پرست تھی کہا تمہارے خیال میں یہ میرا رب ہے مگر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا، کہ ان کو اپنا رب بنالوں اسلئے کہ رب پر تغیر اور انتقال طاری نہیں ہوتا اسلئے کہ یہ تو محدثات کی صفت ہے، لیکن یہ دلیل ان میں موثر ثابت نہیں ہوئی، پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو ان سے کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہا اگر میرا رب میری رہنمائی نہ کرتا (یعنی) ہدایت پر مجھے ثابت قدم نہ رکھتا، تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا، (یہ) قوم پر تعریض ہے کہ وہ گمراہی پر ہیں، اس بات نے بھی ان میں کوئی اثر نہ کیا پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا ھٰذا کو اس کی خبر کے مذکر ہونے کی وجہ سے مذکر لائے ہیں، یہ میرا رب ہے یہ سب تاروں اور چاند سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا اور حجت ان پر تام ہو گئی مگر وہ رجوع نہ ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہہ اٹھے اے برادران قوم میں ان بتوں اور فنا ہونے والے اجسام سے جو کہ فنا کرنے والے کے محتاج ہیں بری ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو، وہ کہنے لگے تم کس کی بندگی کرتے ہو کہا میں نے تو اپنا رخ یکسو ہو کر یعنی دین قیم کی طرف مائل ہو کر اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے یعنی اللہ کی طرف اور میں ہرگز اس کے ساتھ شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں تو ان کی قوم ان سے حجت کرنے لگی یعنی ان سے ان کے دین کے بارے میں جھگڑنے لگی، اور ان کو بتوں سے ڈرایا کہ اگر ان کو چھوڑا تو وہ ان کو تکلیف پہنچائیں گے تو (حضرت ابراہیم) نے فرمایا کیا تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے میں جھگڑتے ہو (اتحاجونی) نون کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے دونوں میں سے ایک کو حذف کر کے اور وہ نحویوں کی اصطلاح میں نون رفع ہے اور قاریوں کی اصطلاح میں نون وقایہ ہے، اور اللہ نے ہدایت کی طرف میری رہنمائی کی ہے اور میں تمہارے اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے ہوئے بتوں سے ڈرتا نہیں ہوں کہ وہ مجھے تکلیف پہنچائیں گے، اسلئے کہ ان کو کسی چیز پر قدرت حاصل نہیں ہے ہاں اگر میرا رب چاہے کہ کچھ تکلیف مجھے پہنچے تو ہو سکتا ہے، میرے رب کا علم ہر شئی پر چھایا ہوا ہے کیا تم اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے کہ ایمان لے آؤ؟ اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے خدا کا شریک ٹھہرایا ہے اور وہ نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع حالانکہ تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے کہ تم نے عبادت میں اللہ کا ان کو شریک ٹھہرایا ہے جن کی عبادت کے بارے میں اللہ نے تم پر کوئی دلیل اور حجت قائم نہیں کی وہ ہر شئی پر قادر ہے، سو بتاؤ دونوں فریقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے، ہم یا تم؟ اگر تم جانتے ہو کہ اس کا کون زیادہ مستحق ہے، اور وہ ہم ہیں، لہٰذا تم اس کی اتباع کرو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا عذاب سے امن کے حق دار تو وہی ہیں کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ظلم کی تفسیر شرک سے کی گئی ہے، اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: قُلْ اَنَدْعُوْا، ہمزہ استفہام انکاری توبیخ کے لئے ہے اور نَدْعُوْا کے آخر میں الف مشابہ جمع کی وجہ سے ہے یہ رسم الخط مصحف عثمانی کے مطابق ہے۔

قولہ: نُرَدُّ، مضارع مجہول متکلم اس کا عطف ندعوا پر ہے انکار کے تحت داخل ہے، نحنُ اس کا نائب فاعل مستتر ہے مرجع نُرَدُّ کی تفسیر ہے مشرکین "نُرَدُّ" کی ضمیر سے حال ہے۔

قولہ: استھوتہُ، یہ اِسْتِھواءٌ سے ماضی واحد مؤنث غائب، ہ ضمیر مفعولی ہے، اس نے گمراہ کردیا۔

قولہ: حَیْرَان، بمعنی متحیر صیغہ صفت مشبہ اس کی مؤنث حیریٰ۔

قولہ: کالذی استھوتہُ، یہ جملہ نُرد کی ضمیر نائب فاعل سے حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے، نُرَدُّ مشبّھین الذی استھوتہ الشیطین اور حیْرانَ استھوتہُ، کی ضمیر مفعولی سے حال ہے۔

قولہ: ذُکّرَ لِتَذْکِیْرِ خَبَرِہٖ، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: ھذا کا مرجع الشمس ہے جو کہ مؤنث سماعی ہے لہٰذا اسم اشارہ بھی ھذہ ہونا چاہئے تاکہ اسم اشارہ اور مشارٌ الیہ میں مطابقت ہوجائے۔

جواب: جب اسم اشارہ اور مشارٌ الیہ میں مطابقت نہ ہو تو خبر کی رعایت کی جاتی ہے۔

تفسیر و تشریح

شان نزول:

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دون اللّٰہ، اسماعیل سُدّی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ بعض مشرکین نے بعض نومسلموں سے مکہ میں کہا کہ تم نے اپنے قدیمی دین کو کیوں چھوڑا؟ اپنے قدیم دین پر آجاؤ، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، حاشیہ جلالین میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے اپنے اسلام لانے سے پہلے اپنے والد ابوبکر کو جواب کا ذمہ دار بنانے کے بجائے آنحضرت ﷺ کو جواب کا مکلف بنایا ہے اس میں حضرت ابوبکر صدیق کی شان کی طرف اشارہ ہے۔

مذکورہ آیت میں ان لوگوں کی مثال بیان فرمائی ہے جو ایمان کے بعد کفر اور توحید کے بعد شرک کی طرف لوٹ جائیں ان کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جائے جو سیدھے راستہ پر جارہے ہوں اور بچھڑنے والا جنگلوں میں حیران پریشان بھٹکتا پھر رہا ہو، ساتھی اسے بلا رہے ہوں لیکن حیرانی میں اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا ہو، یا جنات و شیاطین کے نرغے میں پھنس جانے کے باعث صحیح راستہ کی طرف اس کے لئے مراجعت ممکن نہ رہی ہو۔

وَاَن اقیموا الصلوۃ الخ، اَن اقیموا کا عطف لِنُسلِمَ پر ہے، یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العلمین کے مطیع ہو جائیں اور یہ کہ ہم نماز قائم کریں، تسلیم وانقیاد الٰہی کے بعد سب سے پہلا حکم اقامت صلوۃ کا ہے، اس سے نماز کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور اس کے تقوی کا حکم ہے کہ نماز کی پابندی تقوی اور خضوع کے بغیر ممکن نہیں۔

یومَ یُنْفَخُ فی الصورِ، صور سے مراد نرسنگایا بگل ہے جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے اپنے منہ سے لگائے اور اپنی پیشانی جھکائے حکم الٰہی کے منتظر کھڑے ہیں کہ جب حکم دیا جائے پھونک دیں، (ابن کثیر، ابوداؤد ترمذی) بعض علماء کے نزدیک تین نفخ ہوں گے، (۱) نفخۂ صعق اس سے تمام انسان بے ہوش ہو جائیں گے، (۲) نفخۂ افناء جس سے تمام لوگ فنا ہو جائیں گے، (۳) نفخۂ انشاء جس سے تمام لوگ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے، اور بعض آخری دو ہی کے قائل ہیں۔

واذ قال ابراھیم لابیه آزر، مورخین نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کے دو نام ذکر کئے ہیں آزر اور تارخ ممکن ہے کہ تارخ آزر کا لقب ہو۔

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کے نام کی تحقیق:

آزر عبرانی لفظ ہے، عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کا نام ہے تورات میں آپ کے والد کا نام تارخ بیان کیا گیا ہے اگر تورات کا بیان تحریف سے محفوظ ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ اس صورت میں آزر تارخ کی تعریب ہے جسطرح اسحٰق اضحاق کا معرب ہے اور عیسیٰ یشوع کا معرب ہے امام راغب مفردات غریب القرآن میں رقم طراز ہیں، قیل ''کان اسم ابیه تارخ فعرب فجعل آزر''، یعنی کہا گیا ہے کہ ان کے والد کا نام تارخ تھا پھر معرب بنا کر آزر کر لیا گیا، قرآن کریم اور حدیث شریف میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کا نام آزر ہی مذکور ہے، اگر تورات کا بیان صحیح مان لیا جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ آزر اور تارخ یعقوب واسرائیل کی طرح ایک ہی شخص کے دو نام ہوں، یا ان میں سے ایک لقب اور دوسرا نام ہو، بعض حضرات کا خیال ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کے چچا کا نام ہے مگر یہ لغو ہے اسلئے کہ ابٌ کا لفظ جب مفرد بولا جاتا ہے تو ہمیشہ اس سے باپ ہی مراد ہوتا ہے، البتہ اگر مجاز کا کوئی قرینہ ہو تو دوسری بات ہے، آیت مذکورہ میں کوئی مجاز کا قرینہ موجود نہیں ہے، اس کے علاوہ صحیح بخاری میں ان کا نام آزر ہی بیان کیا گیا ہے ایسی صورت میں بلا قرینۂ مجاز، حقیقی معنی کو چھوڑنا بڑی جسارت کی بات ہے۔

مغالطہ کی اصل وجہ:

اس مغالطہ کی اصل وجہ اس خیال اور عقیدہ پر ہے کہ نبی ﷺ کے تمام آباء واجداد کو آدم تک مومن اور موحد تسلیم کیا جائے حالانکہ حسب تصریح امام رازی وابوحیان اندلسی یہ شیعوں کا عقیدہ ہے اسی عقیدہ کے پیش نظر یہ کوشش کی گئی کہ حضرت

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا والد آزر کے بجائے کسی اور کو ثابت کیا جائے اس لئے کہ آزر کے بارے میں قرآنی اور حدیثی شہادت کفر کی موجود ہے۔ (لغات القرآن ملخصًا)

مشرکوں کو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ سنانے کی وجہ:

مشرکین چونکہ خود کو ملت ابراہیمی پر کہتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ سنا کر ان لوگوں کو یوں قائل کیا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو بت پرستی سے کس قدر بیزار تھے اس کا حال ان لوگوں کو اس قصہ سے معلوم ہوگا، یہ مشرکین مکہ بت پرستی میں مبتلا ہو کر خود کو کس طرح ملت ابراہیمی پر کہہ سکتے ہیں۔

فَلَمَّا جَنَّ علیه اللیل را کوکبًا قال هذا ربی هذا اکبر، سلف کا اس میں اختلاف ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے چمکدار مشتری یا زہرہ اور پھر چاند سورج کو دیکھ کر هذا ربی هذا اکبر جو کہا یہ قول ان کا اس وقت کا ہے کہ جب وہ بچے تھے کہ اس وقت تک آپ کو توحید اور احکام شریعت کا علم نہیں تھا، اور اگر بڑی عمر میں یہ کلام کیا تو لوگوں کو قائل کرنے اور الزام دینے کے لئے یہ بات کہی دوسرا قول راجح ہے۔ (احسن التفاسیر)

مشہور ہے کہ اس وقت کے بادشاہ نمرود نے اپنے ایک خواب کی تعبیر کی وجہ سے نومولود بچوں کو قتل کرنے کا حکم دے رکھا تھا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس سال پیدا ہوئے تھے جس کی وجہ سے انہیں چھپا کر ایک غار میں رکھا تاکہ نمرود کے ہاتھوں قتل سے بچ جائے، غار ہی میں جب کچھ شعور آیا اور آپ کو غار سے باہر نکالا تو تارے چاند سورج وغیرہ دیکھے تو مذکورہ تاثرات ظاہر فرمائے لیکن غار والی بات مستند نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ قوم سے مکالمہ کے وقت آپ نے مذکورہ باتیں کہیں۔

وَتِلْكَ مبتدأ ويُبْدَلُ منهُ حُجَّتُنَآ التی احْتَجَّ بها ابراہیمُ علی وحدانیةِ اللهِ تعالی من اُفُولِ الکوکبِ وما بعدهُ والخبرُ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ اَرْشَدْنَاهُ لها حُجَّةً عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ بالاضافةِ والتنوینِ فی العلمِ والحکمةِ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ فی صُنْعِه عَلِيْمٌ ﴿٨٣﴾ بخلقه وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ابنهُ كُلًّا منهما هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ای قبلَ ابراہیم وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ ای نوح دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ ابنهُ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ ابن یعقوبَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ کما جزَیْنٰهم نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى ابنهُ وَعِيْسٰى ابنَ مریمَ یُفیدُ ان الذریةَ یَتَنَاوَلُ اولادَ البنتِ وَاِلْيَاسَ ابنَ اخی هارونَ اخی موسٰی كُلٌّ منهم مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ ابنَ ابراہیمَ وَالْيَسَعَ اللامُ زائدةٌ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ابنَ هارانَ اخی ابراہیمَ وَكُلًّا منهم فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ بالنبوةِ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ عطفٌ علی كُلًّا او نوحًا ومن للتبعیضِ لانَّ بَعْضَهم لم یکن له ولدٌ وبعضهم کان فی وُلْدِه کافرٌ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ اخترناهم وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الذی هُدُوا

الیہ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَاۤءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا فرضًا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ بمعنى الكتب وَالْحُكْمَ الحكمة وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا ای بهذه الثلثة هٰٓؤُلَاۤءِ ای اهل مكة فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا ارصدنا لها قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ هم المهاجرون والانصار اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ طريقهم من التوحيد والصبر اقْتَدِهْ بهاء السكت وقفاً ووصلاً وفي قراءة بحذفها وصلاً قُلْ لاهل مكة لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ ای القرآن اَجْرًا تعطونيه اِنْ هُوَ ما القرآن اِلَّا ذِكْرٰى عظة لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾ الانس والجن.

ترجمہ: یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیم کو عطا کی (یعنی) ہم نے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو حجت کی جانب رہنمائی کی جس سے ابراہیم نے اللہ کی وحدانیت پر تاروں کے غروب ہونے اور ما بعد سے استدلال کرکے اپنی قوم پر حجت قائم کی، تلك مبدل منہ اور حجتنا بدل ہے، بدل مبدل منہ سے ملکر مبتداء ہے اور آتینا ابراهیم مبتداء کی خبر ہے اور ہم جس کے چاہتے ہیں علم وحکمت میں درجات بلند کردیتے ہیں، (ترفع درجات) اضافت (یعنی بغیر تنوین) اور تنوین کے ساتھ ہے، بے شک تیرا رب اپنی صنعت میں باحکمت (اور) اپنی مخلوق کے حالات سے باخبر ہے، اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب ابن اسحٰق دیا اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو ہدایت دی اور ابراہیم سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی اور نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی ذریت میں سے داؤد کو اور سلیمان بن داؤد کو اور ایوب کو یوسف بن یعقوب کو اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اور ہارون کو ہدایت دی اور جس طرح ہم نے ان کو جزاء دی ہم اسی طرح نیکوکاروں کو جزاء دیا کرتے ہیں، اور زکریا کو اور ان کے بیٹے یحییٰ کو اور عیسیٰ ابن مریم کو (ہدایت دی) اس سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ لڑکی کی اولاد بھی ذریت میں شامل ہے اور موسیٰ کے بھائی ہارون کے بھتیجے الیاس کو (ہدایت دی) اور یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے، اور اسماعیل ابن ابراہیم کو اور یسع کو (الیسع) میں لام زائدہ ہے اور یونس کو اور ابراہیم کے بھائی ہاران کے بیٹے لوط کو ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اہل عالم پر نبوت کے ذریعہ فضیلت دی نیز ان کے آباء واجداد اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے (بہتوں کو نوازا) عطف یا تو کلاً پر ہے یا نوحاً پر اور مِن تبعیض کے لئے ہے، اسلئے کہ ان میں سے بعض کی اولاد نہیں تھی اور ان میں سے بعض کی اولاد میں کافر تھے، اور ہم نے ان کو منتخب کرلیا اور راہ راست کی رہنمائی کی یہ دین جس کی طرف ان کی رہنمائی کی گئی، اللہ کی ہدایت ہے اس کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے اور اگر بالفرض انہوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا دھرا غارت ہوجاتا یہ لوگ ایسے تھے کہ ہم نے ان کو کتاب بمعنی کتب اور حکمت اور نبوت عطا کی، اور اگر یہ اہل مکہ ان تینوں کا انکار کرتے ہیں (تو کریں) ہم نے ان (نعمتوں) کے لئے ایسے لوگوں کو مقرر کردیا ہے جو ان کے منکر نہیں ہیں اور وہ مہاجرین اور انصار ہیں (اے محمد) یہی تھے وہ لوگ جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی سو آپ بھی ان کے توحید اور صبر کے طریقہ پر چلئے وقفاً اور وصلاً ہاء کے سکوت کے ساتھ

اور ایک قراءت میں حالت وصل میں ہاء کو حذف کر کے، آپ اہل مکہ سے کہہ دو میں قرآن پر تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا کہ جو تم مجھے دیتے ہو یہ قرآن تو ایک نصیحت ہے دنیا والوں کے لئے خواہ انس ہوں یا جن۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: وَيُبْدَلُ منه، اس میں اشارہ ہے کہ تلك اسم اشارہ ہے حجتنا مشارٌ الیہ، دونوں مل کر مبتداء ہیں اور آتيناها اس کی خبر، (دوسری ترکیب) تلك مبتداء حجتنا خبر اول اور آتيناه جملہ ہو کر خبر ثانی۔

قَوْلَہٗ: التی احتجَّ یہ تلك کے مشارٌ الیہ کا بیان ہے۔

قَوْلَہٗ: اَرْشَدْناه لها.

سُوَال: آتينا کی تفسیر اَرْشَدْنَا سے کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: چونکہ حجت کوئی دینے کی چیز نہیں ہے اسلئے اتينا کی تفسیر اَرْشدنا سے کی ہے۔

قَوْلَہٗ: حُجَّةً عَلٰی قَوْمِهٖ.

سُوَال: لفظ حجة محذوف کس وجہ سے مانا ہے؟

جَوَاب: اس بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے کہ علی قومه، حجة محذوف کے متعلق ہے نہ کہ آتینا کے، اسلئے کہ ایتاء کا صلہ علیٰ نہیں آتا۔

قَوْلَہٗ: ای نوح، اس اضافہ کا مقصد ذريته کی ضمیر کا مرجع متعین کرنا ہے اور وہ نوح ہے نہ کہ ابراہیم اسلئے کہ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام اور لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت میں سے نہیں ہیں حالانکہ ان دونوں کا عطف مذکورین پر ہے۔

قَوْلَہٗ: ابن اخی هارون اخی موسیٰ.

سُوَال: الیاس ابن اخی موسیٰ مختصر تعبیر کو چھوڑ کر مذکورہ طویل تعبیر کیوں اختیار کی؟

جَوَاب: اس تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی بھائی نہیں ہیں بلکہ ماں شریک بھائی ہیں، مگر یہ قول ضعیف ہے۔

قَوْلَہٗ: اليسع اللام زائدة، اليسع پر الف لام زائدہ ہے اسلئے کہ علم پر الف لام داخل نہیں ہوتا۔

قَوْلَہٗ: لِاَنَّ بَعْضَهُمْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ وَلَدٌ وَبَعْضُهُمْ كَانَ فِیْ وُلْدِهٖ كَافِرٌ، لِاَنَّ، سے ومن آبائهم میں مِن کے تبعیضیہ ہونے کی وجہ بیان کی گئی ہے، اسلئے کہ اگر مِن کو تبعیضیہ نہ مانیں تو آیت میں مذکور تمام لوگوں کی ذریت کا ہدایت یافتہ ہونا لازم آئیگا، حالانکہ بعض کی تو ان میں سے اولاد ہی نہیں مثلاً حضرت یحییٰ کی اور ان میں سے بعض کی بعض اولاد کا کافر ہونا متعین ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا کنعان۔

قولہ: اِقْتَدِہْ.

سوال: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ انبیاء سابقین کے تابع تھے آپ کو ان کی اقتداء کا حکم دیا جارہا ہے۔

جواب: من التوحید والبصر کا اضافہ اسی سوال کا جواب ہے اقتداء اور متابعت، صبر علی الایذاء و توحید میں مراد ہے نہ کہ فروع دین میں۔

قولہ: ھَاءِ السَّکْتِ، اس ھاء کو کہتے ہیں جو کلمہ کے وقف کے وقت زائد کی جاتی ہے جبکہ آخری حرف متحرک ہو کہا گیا ہے کہ اقتدہ میں ہاء مصدر کی ضمیر کی ہے ای اقتداء الاقتداء. (حاشیہ جلالین)

قولہ: وقفاً و وَصْلاً، یعنی وصل کو وقف کے تابع کر کے۔

قولہ: وبِحَذْفِھَا، یہ اصل کے مطابق ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

وتلك حجتنا، تلك حجتنا سے کونسی حجتیں مراد ہیں؟ اس سے مراد اوپر کی وہ آیتیں ہیں کہ جن کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو قائل ولا جواب کردیا تھا، جن کا سلسلہ فَلَمَّا جَنَّ علیه اللیلُ سے شروع ہوکر وَھم مُھْتَدُوْنَ، رکوع کے آخر تک چلا گیا ہے، یہ دلیلیں اللہ تعالیٰ نے الہام کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں ڈالی تھیں، یعنی توحید الٰہی پر ایسی حجت اور دلیل پیش فرمائی کہ جن کا جواب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم سے نہ بن پڑا اور لاچار و مجبور ہوکر کج حجتی پر اتر آئی، جس کی وجہ سے آپ کو آتش نمرود میں بھی ڈالا گیا اور بدرجہ مجبوری آپ کو عراق سے ملک شام کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔

اور بعض مفسرین نے تلكَ حجتنا کا مشارٌ الیہ ''وکیف اخافُ مَا اشرکتم ولا تخافون انکم اشرکتم باللّٰہ مالم ینزل به علیکم سلطانا فایّ الفریقین احق بالاَمْنِ'' کو قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کی تصدیق فرمائی ارشاد فرمایا، ''اَلّذِیْنَ آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئك لھم الامن وھم مھتدون''.

وَوَھَبْنَا له اسحق ویعقوب، (الآیة) یعنی بڑھاپے میں، جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اولاد سے ناامید ہوگئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے بیٹے کے ساتھ پوتے کی بھی بشارت دی جو کہ یعقوب بن اسحق ہیں لفظ یعقوب میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے بعد بھی ان کی اولاد کا سلسلہ چلے گا، اسلئے کہ یعقوب عقب سے مشتق ہے جس کے معنی میں یہ مفہوم شامل ہے۔

ومن ذریتہٖ، ذریتہٖ کی ضمیر کا مرجع بعض مفسرین نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرار دیا ہے اسلئے کہ وہی اقرب ہے، یعنی حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت میں سے حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کو، اور بعض حضرات نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مرجع قرار دیا ہے اسلئے کہ پوری گفتگو ان ہی کے ضمن میں چل رہی ہے، لیکن اس صورت میں یہ اشکال

ہوگا کہ پھر لوط علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر اس فہرست میں نہیں آنا چاہئے تھا اسلئے کہ وہ ذریت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے نہیں ہیں وہ تو ان کے بھائی ہاران بن آزر کے بیٹے یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے بھتیجے ہیں اور ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے چچا ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ تغلیباً عرف عام کے طور پر چچا کو والد سمجھ لیا گیا ہو حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی ذریت میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ذکر سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ لڑکی کی اولاد بھی ذریت رجال میں شامل ہے، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ کے صاحبزادے حضرت حسن کو اپنا بیٹا فرمایا، "اِنَّ ابنی هذا سیدٌ ولعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین. (بخاری کتاب الصلح)

مذکورہ آیت میں اٹھارہ انبیاء کا ذکر ہے ان کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ اگر یہ حضرات بھی شرک کا ارتکاب کر لیتے تو ان کے تمام اعمال اکارت ہوجاتے، ایک دوسرے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا، "لئن اشرکت لیحبطنَّ عملك (سورۂ زمر) حالانکہ پیغمبروں سے شرک کا صدور ممکن نہیں (امکان شرعی) مقصد امت کو شرک کی ہلاکت خیزی سے آگاہ کرنا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا ای الیهودُ اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ ای ما عَظَّمُوْهُ حقَّ عَظْمَتِهٖ او ما عَرَفُوْهُ حقَّ معرفتِهٖ اِذْ قَالُوْا للنبیِّ صلی اللّٰه علیه وسلم وقد خاصَمُوْهُ فی القران مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ قُلْ لهم مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّهُدًی لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ بالیاءِ والتاءِ فی المواضعِ الثلثةِ قَرَاطِیْسَ ای یَكْتُبُوْنَهُ فی دَفَاتِرَ مُقَطَّعَةٍ تُبْدُوْنَهَا ای ما یُحِبُّوْنَ ابداءَهُ منها وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا مما فیها كَنَعْتِ محمدٍ صلی اللّٰه علیه علیه وسلم وَعُلِّمْتُمْ ایُّها الیهودُ فی القران مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ من التوراة ببیان ما التَبَسَ علیكم واختَلَفْتُم فیه قُلِ اللّٰهُ اَنْزَلَهٗ ان لم یَقُوْلُوه لا جوابَ غیرُهٗ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ باطِلِهِم یَلْعَبُوْنَ ﴿٩١﴾ وَهٰذَا القرانُ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ قبلَهٗ من الكُتُبِ وَلِتُنْذِرَ بالتاءِ والیاءِ عَطْفٌ علی معنی ما قبلَهٗ ای اَنْزَلْنَاهُ للبركةِ والتصدیقِ ولِتُنْذِرَ به اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا ای اهلَ مكةَ وسائرَ الناسِ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾ خوفًا من عِقابِها وَمَنْ ای لا اَحَدَ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا بادِّعاءِ النبوة ولم یكن نبیًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ نَزَلَتْ فی مُسَیْلَمَةَ الكذّابِ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وهم المُسْتَهْزِءُوْنَ قالُوْا لو نَشَاءُ لَقُلْنَا مثلَ هذا وَلَوْ تَرٰٓی یا محمدُ اِذِ الظّٰلِمُوْنَ المذكُوْرُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ الیهم بالضربِ والتعذیبِ یقولون لهم تعنیفًا اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ الینا لِنَقْبِضَها اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ الهَوَانِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ بدعوی النبوةِ والایحاءِ كذبًا وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ تَتَكَبَّرُوْنَ عن الایمان بها وجوابُ لو لرأیتَ امرًا فظیعًا وَ یُقالُ لهم اذا بُعِثُوْا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی مُنْفَرِدِیْنَ عن الاهلِ والمالِ والولدِ كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ای

حُفاۃً عُراۃً غُرلاً وَتَرَکْتُم مَّا خَوَّلْنٰکُمْ اَعطَیناکُم من الاموال وَرَآءَ ظُهُورِکُمْ فی الدنیا بغیرِ اختیارکم وَ
یقال لهم توبیخاً مَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ الاصنام الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْکُمْ ای فی استحقاق عِبادتکم شُرَکٰٓؤُا اللّٰہ
لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَصلُکم ای تَشتَّتَ جَمْعُکُمْ وفی قراءۃ بالنصبِ ظَرفٌ ای وَصلُکُمْ بینکم وَضَلَّ
ذَهَبَ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ فی الدنیا من شفاعتها.

ترجمہ: یہود نے اللہ کی جیسی قدر کرنی چاہئے تھی یعنی جیسی تعظیم کرنی چاہئے تھی ویسی نہیں کی یا جیسی معرفت کا حق تھا ویسا حق ادا نہیں کیا جبکہ نبی ﷺ سے قرآن میں مخاصمت کرتے ہوئے کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نازل نہیں کی آپ ان سے پوچھو کہ اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لے کر آئے تھے اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی، جس کو تم نے متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے یعنی اس کو اوراق متفرقہ میں لکھ رکھا ہے، (تجعلونہٗ) تینوں مقامات میں یاء اور تاء کے ساتھ ہے جن کو تم ظاہر کرتے ہو یعنی ان میں سے جن باتوں کو تم ظاہر کرنا پسند کرتے ہو ظاہر کرتے ہو اور اس کی بہت سی باتوں کو تم چھپا جاتے ہو مثلاً محمد ﷺ کی صفات (علامات) کو اور اے یہودیو! تم کو قرآن میں بہت کچھ سکھایا گیا اس چیز کو بیان کر کے جو تمہارے لئے مشتبہ ہوگئی اور جس میں تم نے اختلاف کیا جس کا تورات سے نہ تم کو علم ہوا اور نہ تمہارے آباء (واجداد) کو اگر وہ جواب نہ دیں (اقرار نہ کریں) تو تم خود ہی کہدو کہ اس کو اللہ نے نازل کیا ہے، پھر ان کو ان کی خرافات میں کھیلنے کے لئے چھوڑ دو یہ (بھی ویسی ہی) کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، بڑی برکت والی ہے اور اپنے سے سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے (اور اس لئے نازل کی گئی ہے) کہ مکہ والوں اور اس کے اطراف والوں کو یعنی اہل مکہ اور تمام لوگوں کو ڈراؤ (یُنذرَ) تاء اور یاء کے ساتھ ہے، اپنے ماقبل کے معنی پر عطف ہے، یعنی ہم نے اس کو برکت کے لئے اور تصدیق کے لئے اور اس کے ذریعہ ڈرانے کے لئے نازل کیا ہے جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ آخرت کے عذاب کے خوف سے اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا کوئی نہیں کہ جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا نبوت کا دعویٰ کر کے حالانکہ وہ نبی نہیں ہے یا کہے کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے حالانکہ اس پر کوئی چیز نازل نہیں کی گئی (یہ آیت) مسیلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی، اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ نے نازل کیا ہے میں بھی ایسا کلام لاسکتا ہوں اور (ایسا کہنے والے) استہزاء کرنے والے ہیں، (اور بعض) کہنے والوں نے کہا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام لا سکتے ہیں، کاش اے محمد تم مذکورہ ظالموں کو اس حالت میں دیکھتے کہ جب وہ موت کی سختیوں میں ہوں اور فرشتے زدوکوب اور عذاب کے لئے ان کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے سختی سے کہہ رہے ہوں اپنی جانوں کو ہماری طرف نکالو تاکہ ہم اس پر قبضہ کریں آج تمہیں ان باتوں کی پاداش میں جن کو تم نبوت اور انزال وحی کا ناحق دعویٰ کر کے اللہ پر جھوٹی تہمت لگایا کرتے تھے ذلت آمیز عذاب دیا جائیگا اور اس کی آیات کے مقابلہ میں سرکشی دکھایا کرتے تھے (یعنی) ان پر ایمان

لانے سے تکبر کیا کرتے تھے، اور لَو کا جواب لَرأیت امرًا فظیعًا (محذوف) ہے، تو آپ ایک ہولناک منظر دیکھتے، اور جب ان کو دوبارہ زندہ کیا جائیگا تو ان سے کہا جائیگا کہ تم آ گئے نا تنِ تنہا ہمارے پاس بغیر مال اور اہل وعیال کے جیسا کہ ہم نے تمہیں ابتداء پیدا کیا تھا، برہنہ پا، برہنہ بدن، غیر مختون، اور جو کچھ ہم نے تم کو مال (ومتاع دنیا میں) دیا تھا وہ سب اپنے پیچھے دنیا میں مجبوراً چھوڑ آئے، اور ان سے توبیخاً کہا جائیگا ہم تمہارے ساتھ تمہارا سفارشی بتوں کو نہیں دیکھتے جن کے بارے میں تمہارا عقیدہ تھا کہ وہ تمہاری عبادت کے استحقاق میں اللہ کے شریک ہیں واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ثابت ہوگیا، یعنی تمہاری جمعیت منتشر ہوگئی، اور ایک قراءت میں نصب کے ساتھ ظرف ہے یعنی تمہارے آپسی تعلقات، اور تمہارا وہ دعویٰ ختم ہوا جو کہ تم دنیا میں ان کی سفارش کے بارے میں کیا کرتے تھے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِولَہٗ: ای الیَھُوْدُ، ما قَدَرُوا کا فاعل یہود کو ظاہر کرکے مشرکین کے احتمال کو دفع کر دیا اسلئے کہ تجعلونَہٗ قراطیس مشرکین کے حال کے مناسب نہیں ہے چونکہ مشرکین اہل کتاب ہی نہیں تھے کہ قراطیس کو متفرق کرتے۔

قِولَہٗ: فی المَوَاضِعِ الثَّلٰثَةِ، ای تجعلونه، یُبْدُونها، تُخْفُونها.

قِولَہٗ: قَراطِیس، قرطاس کی جمع ہے الگ الگ اوراق۔

قِولَہٗ: ای یَکْتُبُوْنَهٗ فی دَفاتِرَ.

سَوْال: قراطیس کا حمل الکتاب پر درست نہیں ہے اسلئے کہ تجعلونَہٗ قراطیس کا کوئی مطلب نہیں ہے؟

جَوَاب: مفسر علّام نے مذکورہ عبارت محذوف مان کر اسی اعتراض کا جواب دیا ہے یعنی وہ توارت کو متفرق دفاتر میں لکھتے تھے۔

قِولَہٗ: اَنزلَهٗ، اس میں اشارہ ہے کہ اللّٰہ مبتداء ہے اور انزله، خبر محذوف ہے، قرینہ مَنْ انزل ہے، اَنْزَلَ محذوف مان کر ایک سوال کا جواب بھی مقصود ہے۔

سَوْال: اللّٰه، قُلْ فعل امر کا مقولہ ہے اور مقولہ کے لئے جملہ ہونا ضروری ہے حالانکہ لفظ اللہ مفرد ہے؟

جَوَاب: لفظ اللہ کے بعد اَنزلَ محذوف ہے اور اللّٰه انزلَ جملہ ہوکر قل کا مقولہ ہے۔

قِولَہٗ: عَطْفٌ عَلٰی مَعْنٰی مَاقَبْلَهٗ، یہ ماقبل کے معنی پر عطف ہے نہ کہ محذوف کی علت، تقدیر عبارت یہ ہے، وانزلناه لِتنذِرَ الخ، اس لئے کہ حذف عند الضرورت ہوتا ہے اور یہاں ضرورت نہیں ہے۔

قِولَہٗ: وَلَوْ تَرىٰ یا مُحَمَّدُ، ترىٰ کا مفعول الظلمون کی دلالت کی وجہ سے محذوف ہے، ای ترىٰ الظالمین یا محمد.

قَوْلُهُ: حُفاةً، عُراةً، غُرلاً، حُفاة، کا واحد حافٍ و حافی ننگے پیر، عُراة، کا واحد عار، ننگے بدن غُرلاً کا واحد اَغْرَل غیر مختون.

قَوْلُهُ: بَیْنَکُمْ، اگر بینکم مرفوع پڑھا جائے تو تقطع کا فاعل ہوگا اور اگر منصوب پڑھا جائے تو ظرف کی بنا پر ہوگا اور فاعل تقطع کے اندر ضمیر ہوگی جو اتصال کی طرف راجع ہے جس پر ماقبل یعنی شرکاء دلالت کر رہا ہے مفسر علام نے اسی کی طرف اپنے قول ای وَصْلُکم بَیْنَکم سے اشارہ کیا ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ، قدر کے معنی اندازہ کرنے اور کسی چیز کی حقیقت جاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے ہیں: مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین مکہ ارسال رُسل اور انزال کتب کا انکار کرتے ہیں، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ انہیں اللہ کی صحیح معرفت ہی حاصل نہیں ورنہ وہ ان چیزوں کا انکار نہ کرتے، اور اسی عدم معرفت الٰہی کی وجہ سے وہ نبوت و رسالت کی معرفت سے بھی قاصر ہیں، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی انسان پر اللہ کا کلام کس طرح نازل ہو سکتا ہے؟!

شان نزول:

بعض مفسرین نے مافدرُوا اللّٰه کا فاعل مشرکین مکہ کو قرار دیا ہے ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے یہی معنی روایت کئے ہیں، بعض مفسرین نے ماقدروا اللّٰه کا فاعل یہود کو قرار دیا ہے، ایک روز یہود نے آنحضرت ﷺ سے کہا اے محمد کیا اللہ نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے آپ نے فرمایا نعم (ہاں) تو یہود نے کہا واللہ ما انزل اللّٰه من السماء کتابًا، واللہ آسمان سے اللہ نے کوئی کتاب نازل نہیں کی۔

ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے سدی سے نقل کیا ہے فنحاص یہودی نے کہا "ما انزل اللّٰه علی محمد ﷺ من شیٔ" تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہا ایک یہودی جس کا نام مالک بن صیف تھا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے جھگڑنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو اللہ کو قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام پر تورات نازل فرمائی، کیا تم تورات میں پاتے ہو کہ اللہ حبر سمین کو مبغوض رکھتا ہے؟ اور مالک بن صیف حبر سمین تھا (فربہ عالم تھا) تو مالک بن صیف اس بات سے ناراض ہوا اور کہا کہ "واللّٰه ما انزل اللّٰه علی بشر من شیٔ" تو اس کے ساتھیوں نے کہا "وَیحَكَ ولا علی موسی" قال ما انزل الله علی بشرٍ من شیٔ تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

تجعلونهٗ قراطیس، یہود سے خطاب کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ تم اس کتاب کو متفرق اوراق میں رکھتے ہو جن میں سے جس کو چاہتے ہو ظاہر کرتے ہو اور جس کو چاہتے ہو چھپا لیتے ہو، مثلاً رجم کا مسئلہ اور آنحضرت ﷺ کی صفات و علامات کا مسئلہ

حافظ ابن کثیر اور امام ابن جریر نے **یَجعلونَهٗ** اور **یُبدونها**، غائب کے صیغوں والی قراءت کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ مکی آیت ہے اس میں یہود سے خطاب کیسے ہوسکتا ہے؟ اور بعض مفسرین نے پوری آیت ہی کو یہود سے متعلق قرار دیا ہے اور اس میں سرے سے نبوت و رسالت کا انکار ہے اسے یہود کی ہٹ دھرمی اور ضد و عناد پر مبنی قرار دیا ہے، گویا اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کی تین رائے ہیں، ایک پوری آیت کو یہود سے دوسرے پوری آیت کو مشرکین سے متعلق قرار دیا جائے اور تیسرے، آیت کے ابتدائی حصہ کو مشرکین سے متعلق اور تجعلونہ کو یہود سے متعلق قرار دیا جائے یہود سے متعلق قرار دینے کی صورت میں اس کی تفسیر ہوگی کہ تورات کے ذریعہ سے تمہیں بتائی گئیں، بصورت دیگر قرآن کے ذریعہ بتائی گئیں۔

تجعلونَهٗ قراطیس، کی تقدیر کلام **تجعلونَهٗ فی القراطیس** ہے، جیسا کہ مفسر علام نے **تکتبونَهٗ فی دفاتر مقطعة** کہہ کر اشارہ کیا ہے ورنہ تو حمل درست نہ ہوگا یعنی تم نے اس کو اوراق پارہ پارہ کر دیا ہے تاکہ اپنی مصلحت کے مطابق جس حصہ کو چاہو ظاہر کرو اور جس کو چاہو چھپاؤ، اور تمہیں اسی کتاب کے ذریعہ ان حقائق کی تعلیم دی گئی جن سے تم ناواقف تھے اور جن کے بارے میں تم التباس و تذبذب کا شکار تھے تمام بشری کوششوں کے باوجود ان حقائق کا علم نہ تم کو ہوسکا اور نہ تمہارے آباء و اجداد کو۔

هٰذا کتاب انزلنٰهُ مبارکٌ، یہ ایسی کتاب ہے کہ مخلوق اس سے جتنا چاہے اپنی ہمت و ظرف کے مطابق فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

امام فخر الدین رازی کی رائے:

اس آیت کے ذیل میں فخر الدین رازی اپنا ذاتی تجربہ تحریر فرماتے ہیں۔

اس کتاب کے مصنف محمد بن عمر رازی کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے علوم حاصل کئے نقلی بھی اور عقلی بھی لیکن کسی بھی علم سے مجھے دین و دنیا میں وہ خیر و سعادت حاصل نہیں ہوئی جو اس علم (قرآن) کی خدمت سے حاصل ہوئی۔ (کبیر)

اِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ شاقُّ **الْحَبِّ** عن النباتِ **وَالنَّوٰیؕ** عن النَّخلِ **یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ** کالانسان والطَّائرِ من النُّطفةِ **وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ** النُّطفَةِ والبیضةِ **مِنَ الْحَیِّؕ ذٰلِكُمُ** الفالقُ المُخرِجُ **اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ** ۝ فکیف تَصرِفُوْنَ عن الایمان مع قِیام البُرْهانِ **فَالِقُ الْاِصْبَاحِ** مصدرٌ بمعنی الصُّبْحِ ای شاقُّ عُمُوْدِ الصبحِ وهو اَوَّلُ ما یَبْدُوْ من نُوْرِ النهارِ عن ظُلْمَةِ اللیلِ **وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا** یَسْكُنُ فیه الخلقُ من التَّعْبِ **وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ** بالنصبِ عطفًا علی محلِّ اللیلِ **حُسْبَانًاؕ** حِسَابًا للاَوْقَاتِ اوالباءُ مَحذُوْفَةٌ وهو حالٌ من مقدَّرٍ ای یَجْرِیَانِ بحُسْبَانٍ کما فی سورةِ الرحمٰنِ **ذٰلِكَ** المذکورُ **تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ** فی مُلْكِهٖ **الْعَلِیْمِ** ۝ بخلقِهٖ **وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِؕ** فی الاسفارِ **قَدْ فَصَّلْنَا** بَیَّنَّا **الْاٰیٰتِ** الدالّاتِ علی قُدرتِنا **لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ** ۝ یَتَدَبَّرُوْنَ **وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ** خَلَقَكم **مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ** هی اٰدمُ **فَمُسْتَقَرٌّ** منکم فی الرَّحِمِ **وَّمُسْتَوْدَعٌ** منکم فی الصُّلْبِ

وفی قراءةٍ بفتح القاف ای مکانُ قرارٍ لکم قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ ما یُقالُ لہم وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۚ فَاَخْرَجْنَا فیہ التفاتٌ عن الغَیْبَةِ بِهٖ بالماءِ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ یَنْبُتُ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ ای النباتِ شیئًا خَضِرًا بمعنی اَخضر نُّخْرِجُ مِنْهُ من الخضرِ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا یَرکَبُ بعضُہ بعضًا کسنابلِ الحنطةِ ونحوِها وَمِنَ النَّخْلِ خبرٌ ویُبدَلُ منہ مِنْ طَلْعِهَا اوّلِ ما یَخرُجُ منہا فی اَکمامِہا والمبتدأ قِنْوَانٌ عراجِینُ دَانِیَةٌ قریبٌ بعضُہا من بعضٍ وَ اَخرجنا بہ جَنّٰتٍ بساتینَ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا ورقُہما حالٌ وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ثمرُہما اُنْظُرُوْٓا یا مخاطبین نظرَ اعتبارٍ اِلٰی ثَمَرِهٖٓ بفتح الثاء والمیم وبضمّہما وھو جمع ثَمَرَةٍ کشَجَرَةٍ وشَجَرٍ وخَشَبَةٍ وخُشُبٍ اِذَآ اَثْمَرَ اوّلَ ما یَبْدُوْ کیف ھو وَ الی یَنْعِهٖ نُضجِہ اذا اَدرکَ کیف یَعُوْدُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ دالّاتٍ علی قُدرَتِہ تعالی علی البَعْثِ وغیرِہ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ خُصُّوا بالذِّکرِ لانہم المُنتفِعُوْنَ بہا فی الایمانِ بخلافِ الکافرینَ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مفعولٌ ثانٍ شُرَكَآءَ مفعولٌ اوّلٌ ویُبدَلُ منہ الْجِنَّ حیثُ اَطاعُوْہم فی عبادةِ الاوثانِ وَ قد خَلَقَهُمْ فکیف یکونُوْنَ شرکاءَہ وَخَرَقُوْا بالتخفیفِ والتشدیدِ ای اختَلَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ حیث قالُوْا عزیرٌ ابنُ اللّٰہِ والملٰئکةُ بناتُ اللّٰہِ سُبْحٰنَهٗ تنزیہًا لہ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بِاَنّ لہ ولدًا۔

ترجمہ: بے شک بیج کو پھاڑ کر نباتات نکالنے والا اور گٹھلیوں کو چیر کر کھجور کے درخت نکالنے والا اللہ ہی ہے وہ جاندار کو بے جان سے جیسا کہ انسان اور پرندے کو نطفہ اور انڈے سے اور بے جان کو مثلاً نطفہ اور انڈے کو جاندار سے نکالنے والا ہے یہ شق کرنے والا نکالنے والا اللہ ہے تو تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو تو تم دلیل کے موجود ہونے کے باوجود کس طرح ایمان سے پھرے جا رہے ہو، وہ (پردۂ شب کو چیر کر) صبح کو نکالنے والا ہے (الاصباح) مصدر بمعنی صبح ہے یعنی وہ ستون صبح (صبح کاذب) کو چاک کرنے والا ہے اور ستون صبح تاریکی شب سے نکلنے والی دن کی اس روشنی کو کہتے ہیں جو ابتداءً نمودار ہوتی ہے اور رات کو راحت کی چیز بنایا کہ اس میں مخلوق تعب سے راحت حاصل کرتی ہے اور ضبط اوقات کے لئے سورج اور چاند کا حساب مقرر کیا نصب کے ساتھ اللّیل کے محل پر عطف ہے یا باء محذوف ہے (ای بِحُسْبَان) اس صورت میں مقدر سے حال ہوگا ای یجریان بِحُسْبَان، جیسا کہ سورۂ رحمٰن میں ہے یہ مذکورہ (حساب) اپنے ملک میں غالب اپنی مخلوق کے بارے میں باخبر کا مقرر کیا ہوا ہے اور وہ ایسا ہے کہ جس نے تمہارے لئے تاروں کو پیدا فرمایا تاکہ تم ان کے ذریعہ بحر و بر کی ظلمت میں سفر کے دوران رہنمائی حاصل کرو بے شک ہم نے ہماری قدرت پر دلالت کرنے والے دلائل کو کھول کھول کر بیان کیا ایسے لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے تم کو شخص واحد سے پیدا کیا (اور) وہ آدم ہیں، سو رحم (مادر) تمہارے لئے قرارگاہ ہے اور (صلب پدر) تمہارے لئے امانت گاہ، اور ایک قراءت میں قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی تمہارے لئے جائے

قرار، بے شک ہم نے دلائل کو سمجھدار لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کر دیا وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے آسمان (بادلوں) سے پانی برسایا اس میں غائب سے (تکلم کی جانب) التفات ہے اور اس پانی کے ذریعہ اگنے والی ہر قسم کی نبات اگائی پھر ہم نے اس نبات سے ہری بھری ایک چیز (کھیتی) اگائی، خضرًا بمعنی اخضر ہے ہم نے اس کھیتی سے تہ بر تہ جمے ہوئے دانے پیدا کئے کہ آپس میں ایک دوسرے پر چڑھے رہتے ہیں جیسا کہ گندم وغیرہ کے خوشے، اور کھجور کے شگوفے (من النخل) خبر (مقدم) ہے اور من طلعها، اس سے بدل ہے، (طلع) اس شئی کو کہتے ہیں جو ابتداء کھجور کے درخت سے اپنے غلافوں سے نکلتی ہے اور قنوان دانية مبتداء مؤخر ہے، قِنوَان بمعنی عراجین ہے بمعنی شاخ عَراجین عرجون کی جمع ہے جس کے معنی شاخ کے ہیں جو جھکی ہوئی شاخوں میں ہوتے ہیں ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں اور ہم نے پانی سے انگوروں کے اور زیتون کے اور انار کے باغات پیدا کئے کہ ان دونوں کے پتے ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں (مشتبهاً) حال ہے اور ان کے پھل مشابہ نہیں ہوتے، اے مخاطبو! اس کے پھلوں کو چشم عبرت سے دیکھو (ثمر) میں ثاء، اور میم کے فتحہ اور دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ ثَمَرَةٌ کی جمع ہے جیسے شَجَرَةٌ کی جمع شَجَرٌ ہے، اور خَشَبَةٌ کی جمع خُشُبٌ ہے کہ جب وہ اول مرتبہ پھل لاتا ہے تو وہ کیسا ہوتا ہے؟ اور اس کے پکنے (کی حالت) کو دیکھو کہ جب وہ قابل استفادہ ہو جائے تو کیسا ہو جاتا ہے؟! بلاشبہ اس میں ایمان والوں کے لئے بعث بعد الموت وغیرہ کے دلائل ہیں، مومنین کا ذکر خاص طور پر اسلئے کیا ہے کہ کافروں کے خلاف مومنین ان دلائل سے ایمان کے بارے میں استفادہ کرتے ہیں اور لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے، اللّٰه جعلوا کا مفعول ثانی ہے اور شرکاء مفعول اول ہے، و الجنّ. شرکاء سے بدل ہے، اس لئے کہ انہوں نے بتوں کی پرستش کرنے میں ان کی اطاعت کی ہے حالانکہ (خود) ان لوگوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو جنات اس کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور ان لوگوں نے اللہ کے لئے بغیر سمجھے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لئے ہیں، (خرقوا) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے اسلئے کہ انہوں نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اللہ اس سے پاک ہے اور ان اوصاف سے برتر ہے جو یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کی اولاد ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: يُخرِجُ الحيَّ مِنَ الميّت، یہ جملہ کلام مستانف قائم مقام ماقبل کی علت کے ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ انّ کی خبر ثانی ہو، اور حیّ سے ہر وہ شئی مراد ہے جس میں نمو ہو خواہ ذی روح ہو یا نہ ہو، اور میت سے ہر وہ شئی مراد ہے جس میں نمو نہ ہو۔

قولہ: مُخرِج، اس کا عطف فالِقُ پر ہے، اسی لئے یخرج کے بجائے مخرج اسم فاعل کا صیغہ لائے ہیں تاکہ عطف درست ہو جائے اور يُخرِجُ الحيَّ مِنَ الميّت، فالق الحبّ و النوىٰ کا بیان ہے اسی لئے واؤ کو ترک کر کے

یُخرِجُ کہا ہے۔

سُوَال: ومخرج المیتِ مِنَ الحیِّ، بیان واقع کیوں نہیں ہوسکتا؟

جَوَاب: اس لئے کہ فالق الحب والنوی، اِخراجُ الحیِّ من المیت کی جنس سے ہے نہ کہ اس کا عکس حالانکہ بیان اور مبیَّن کے مفہوم میں مطابقت ضروری ہے۔

قَوْلُہٗ: فکیفَ تصرفون الخ، اَنّیٰ تؤفکون کی تفسیر کیف تصرفون سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُہٗ: مصدرٌ یعنی الاصباح، افعال کا مصدر ہے جس کے معنی دخول فی الصبح کے ہیں مگر یہاں یہ معنی مراد نہیں ہیں بلکہ مراد نفس صبح ہے، مصدر بول کر مصدر کا اثر یعنی صبح مراد ہے، اور کوفیین کے نزدیک جاعل کے بجائے جَعَلَ ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک فعل کا عطف اسم پر جائز ہے۔

قَوْلُہٗ: عَلٰی مَحَلِّ اللَّیْلِ، لیل کا محل جاعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: ھو حَالٌ مِنَ المُقَدَّرِ، یعنی حُسبان، یَجْرِیانِ مقدر سے حال ہے، اگر مفسر علام مقدر سے حال ہے کے بجائے مقدر سے متعلق ہے، فرماتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

قَوْلُہٗ: قِنْوانٌ، یہ قِنْوٌ کی جمع ہے بمعنی خوشہ۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

گذشتہ آیات میں مشرکین کی ہٹ دھرمی اور حقائق ونتائج سے غفلت کا تذکرہ تھا، اور اب ان کاموں کا تذکرہ ہے جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے وہ ہے خدا تعالیٰ کی بے مثال علم وقدرت سے بے خبری، مذکورہ آیات میں حق تعالیٰ نے غافل انسان کے اس روگ کا علاج اس طرح فرمایا ہے کہ اپنے وسیع اور عظیم قدرت کے چند نمونے اور انسان پر اپنے انعامات واحسانات کا ایک سلسلہ ذکر فرمایا جن میں ادنیٰ غور کرنے سے ہر سلیم الفطرت انسان خالق کائنات کی عظمت اور بے مثال قدرت کا اور اس بات کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ عظیم الشان کارنامے ساری کائنات میں سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی کی قدرت میں نہیں۔

اِنَّ اللّٰہ فالق الحب والنوی، اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بے مثال قدرت اور صناعی کے نمونے بیان فرمائے ہیں، دانہ اور گٹھلی جس کو کاشتکار زمین کی تہ میں دبا دیتا ہے اس کو پھاڑ کر اس سے انواع واقسام کے درخت پیدا فرماتا ہے، جبکہ زمین ایک، پانی ایک، کھاد ایک ہوتا ہے مگر جس قسم کے دانے اور گٹھلیاں ہوتی ہیں اس کے مطابق ہی اللہ مختلف قسم کے غلوں، پھلوں کے درخت پیدا فرما دیتا ہے جن کے پھلوں کے رنگ وبو ومزہ میں بیّن تفاوت ہوتا ہے، یہ خدا کی قدرت ہی کا کرشمہ ہے۔

مطلب یہ کہ جمادات، نباتات، حیوانات غرضیکہ تمام موجودات کا نظام تکوینی وتخلیقی کلّیۃً اسی کے ہاتھ میں ہے اس کے

تے ہوئے کسی دیوی دیوتا یا مزار وآستانہ کی طرف متوجہ ہونا کس درجہ کا حمق اور بے دانشی ہے۔!!

یہ عظیم الشان کارخانۂ حیات، یہ نظام ارضی اور نظام فلکی یوں ہی کیف ما اتفق الل ٹپ نہیں چل رہا، اس کے قانون اور ضابطہ کے مطابق چل رہا ہے جو ہر قادر پر قادر ہے جس کی راہ ہر رکاوٹ سے خالی ہے، اور ساتھ ہی وہ ایسا علیم ہے کہ ہر علم وحکمت کا مبداء وہی ہے۔

وہ پردۂ شب سے نور صبح کو برآمد کرنے والا ہے، رات کی پرسکون کیفیت، سورج اور چاند کی نپی تلی گردش بے انتہاء مصلحتوں اور حکمتوں سے لبریز ہے اور ان کی شرح رفتار ومقدار سب اسی قادر مطلق کے دست قدرت میں ہے اس کی موجودگی میں کسی دیوی دیوتا یا کسی حاجت روا اور مشکل کشا کو فرض کرنا خرافات کی انتہاء ہے۔

وهو الذی انشأکم من نفسٍ واحدةٍ، اس آیت میں وحدت انسانی کو بطور ایک حقیقت کے بیان کیا ہے اور اس بات کو بالکل واضح کر دیا ہے کہ نوع انسانی کا مورثِ اعلیٰ ایک ہی ہے اس ایک اصل کو تسلیم کرنے سے جو آج مہذب وغیر مہذب، کالی اور گوری، برہمن اور شودر، مشرقی اور مغربی خدا جانے انسانیت کتنے فرقوں اور ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے، پھر ایک بنی آدم کی وحدت میں تبدیل ہوسکتی ہے۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مُبْدِعُهما من غير مثالٍ سَبَقَ اَنّٰی کیف یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ زوجة وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ من شانِه ان یَخْلُقَ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿١٠١﴾ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَحِّدُوْهُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ﴿١٠٢﴾ حفیظٌ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ ای لا تَرَاهُ وهذا مخصوصٌ برؤیة المؤمنین له فی الآخرةِ لِقوله تعالیٰ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ وحدیثِ الشیخین انکم ستَرَوْنَ ربکم کما تَرَوْنَ القمرَ لیلةَ البدرِ وقیل المرادُ لا تحیطُ به وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ ای یَرَاها ولا تَرَاهُ ولا یجوزُ فی غیرِه ان یُدْرِکَ البصرَ وهو لا یُدْرِکُهُ او یُحیطُ بها علمًا وَهُوَ اللَّطِیْفُ باولیائه الْخَبِیْرُ ﴿١٠٣﴾ بهم قل یا محمدُ لهم قَدْ جَآءَکُمْ بَصَآئِرُ حُجَجٌ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ ها فَآمَنَ فَلِنَفْسِهٖ اَبْصَرَ لانَّ ثوابَ ابصارِه له وَمَنْ عَمِیَ عنها فضَلَّ فَعَلَیْهَا وبالُ ضلالِه وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿١٠٤﴾ رقیبٌ لاعمالکم اِنَّما انا نذیرٌ وَکَذٰلِکَ کما بَیَّنَّا ما ذُکِرَ نُصَرِّفُ نُبَیِّنُ الْاٰیٰتِ لِیَعْتَبِرُوْا وَلِیَقُوْلُوْا ای الکفارُ فی عاقبةِ الامر دَرَسْتَ ذَاکَرْتَ اهلَ الکتاب وفی قراءةٍ دَرَسَتْ ای کُتُبُ الماضین وجِئْتَ بهذا منها وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ای القرآنَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکُوْا وَمَا جَعَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا رقیبًا فتُجازیهم باعمالهم وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ ﴿١٠٧﴾ فتُجبرُهم علی الایمان وهذا قبل الامر بالقتالِ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الاصنامَ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا اعتداءً وظلمًا بِغَیْرِ عِلْمٍ ای جهلٍ منهم باللّٰهِ کَذٰلِکَ کما زُیِّنَ لهؤلاء ما هم علیه زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ من الخیرِ والشرِّ فاتوهُ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فی الآخرةِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾

فیجازیهم به **وَاَقْسَمُوْا** ای کفار مکة **بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ** ای غایة اجتهادهم فیها **لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ** مما اقترحوا **لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ** لهم **اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ** یُنزلها کما یشاءُ وانما انا نذیرٌ **وَمَا يُشْعِرُكُمْ** یُدریکم بایمانهم اذا جاءَتْ ای انتم لا تدرون ذلك **اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۰۹﴾ لما سبق فی علمی وفی قراءةٍ بالتاء خطابًا بالکفار وفی اُخری بفتح اَنّ بمعنی لَعَلَّ او معمولة لما قبلها **وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ** نُحَوِّلُ قلوبهم عن الحق فلا یفهمُونه **وَاَبْصَارَهُمْ** عنه فلا یُبصِرُونَه فلا یؤمنون **كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ** ای بما اُنْزِلَ من الاٰیاتِ **اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ** نترکهم **فِيْ طُغْيَانِهِمْ** ضلالهم **يَعْمَهُوْنَ** ﴿۱۱۰﴾ یترددون متحیرین.

ترجمہ: وہ آسمانوں اور زمینوں کو سابقہ نمونے کے بغیر پیدا کرنے والا ہے، اس کے اولاد کیسے ہوسکتی ہے اس کی بیوی تو ہے نہیں اور اس نے ہر اس شئ کو پیدا کیا جس کی شان مخلوق ہونا ہے اور وہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے لہٰذا تنہا اسی کی بندگی کرو وہ ہر شئ کا محافظ ہے آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں یعنی اس کو نہیں دیکھ سکتیں، اور عدم رویت سے آخرت میں مومنین کی رویت مستثنیٰ ہے، اللہ تعالیٰ کے قول "وجوهٌ یومئذٍ ناضِرَةٌ الی ربّها ناظرة" اور شیخین کی حدیث کی وجہ سے "کہ تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں رات میں چاند کو دیکھتے ہو"، اور کہا گیا ہے کہ احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ سب نگاہوں کا ادراک کرتا ہے یعنی دیکھتا ہے اور وہ نگاہیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں، اس کے علاوہ کسی اور کی یہ شان نہیں کہ وہ نگاہوں کو دیکھے اور نگاہیں اس کو نہ دیکھ سکیں یا (لاتدرکه کا) مطلب اس کا علمی احاطہ نہ کرنا ہے، وہ اپنے دوستوں پر مہربان ہے اور ان سے باخبر ہے، بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے (حق بینی کے) دلائل آچکے ہیں، سو جو ان کو دیکھ کر ایمان لایا تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لئے دیکھا، اس لئے کہ اس دیکھنے کا ثواب اسی کو ملے گا، اور جو ان سے اندھا بنا رہا تو وہ گمراہ ہوا، تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہوگا اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں (یعنی) تمہارے اعمال کا نگران نہیں ہوں، میں تو صرف آگاہ کرنے والا ہوں جس طرح ہم نے مذکورہ احکام بیان کئے، اسی طرح ہم مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ عبرت حاصل کریں، اور تاکہ آخر کار کافر کہیں کہ تم نے اہل کتاب سے مذاکرہ کیا ہے اور ایک قراءت میں دَرَسْتَ (بغیر الف کے ہے) یعنی تم نے گذشتہ لوگوں کی کتابیں پڑھی ہیں اور یہ تم نے اسی میں سے بیان کیا ہے اور تاکہ ہم اس کو دانشمندوں کے لئے خوب ظاہر کردیں آپ اس قرآن کی اتباع کرتے رہیے جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے کہ اس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں اور آپ مشرکین سے کنارہ کشی کرلیں اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا سو ان کو ان کے اعمال کی جزاء ہم دیں گے، اور آپ ان پر مختار نہیں ہیں، کہ آپ ان کو ایمان پر مجبور کریں، اور یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، اور تم ان کے معبودوں کو برا مت کہو جن کی وہ اللہ کے علاوہ بندگی کرتے ہیں یعنی بتوں کی، اسلئے کہ وہ ازراہ جہالت

وعناد اور ظلم کی وجہ سے اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے، جس طرح ان کے اعمال کو ان کے لئے مزین کر دیا گیا ہے اسی طرح ہر امت کے لئے ہم نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا ہے خواہ عمل خیر ہو یا شر، چنانچہ وہ ان ہی کو کرتے ہیں پھر ان کو ان کے رب کے پاس آخرت میں لوٹ کر جانا ہے تو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے وہ ان کو بتلا دے گا، یعنی وہ ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا اور کفار مکہ نے بڑی زوردار قسمیں کھائیں یعنی انہوں نے اپنی قسموں میں انتہائی زور پیدا کر کے کہا کہ اگر ہمارے پاس ہماری تجویز کردہ نشانیوں میں سے کوئی نشانی آجائے تو ہم ان پر ضرور ایمان لے آئیں گے آپ ان سے کہئے کہ نشانیاں اللہ کے قبضے میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو ظاہر فرماتا ہے میں تو صرف آگاہ کرنے والا ہوں (اے مسلمانو!) جب وہ فرمائشی نشانی آجائے تو تمہیں ان کے ایمان کے بارے میں کیا خبر؟ یعنی تمہیں اس کا علم نہیں (کہ وہ ایمان لے ہی آئیں گے) (یعنی) جب وہ (فرمائشی) نشانیاں آجائیں گی تو میرے علم ازلی کے اعتبار سے وہ ایمان نہ لائیں گے اور ایک قراءت میں تاء کے ساتھ (لا تؤمنون) ہے، کفار کو خطاب کرتے ہوئے، اور دوسری قراءت میں اَنَّ کے فتحہ کے ساتھ لَعَلَّ کے معنی میں ہے، یا اپنے ماقبل کا معمول ہے (یعنی) یشعرکم کا مفعول ہے، اور ہم ان کے دلوں کو حق سے پھیر دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ سمجھتے نہیں ہیں، اور ان کی آنکھوں کو حق سے پھیر دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ حق کو دیکھتے نہیں ہیں تو ایمان بھی نہیں لاتے جیسا کہ وہ نازل کردہ آیتوں پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تھے اور ہم ان کو ان کی گمراہی میں حیران رہنے دیں گے یعنی تردد اور حیرانی میں متحیر رہیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بَدِیعُ السمٰوات والارض، بدیع السمٰوات، مبتداء محذوف کی خبر ہے ای ھُو بدیع السمٰوات، یا بدیع السمٰوات مبتداء ہے اور اس کی خبر انّی یکونُ له وَلَدٌ ہے، بدیع بمعنی مُبْدِع بھی مستعمل ہے جیسا کہ سمیعٌ بمعنی مُسمِعٌ بکثرت مستعمل ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ بدیع السمٰوات میں صفت مشبہ کی اضافت فاعل کی طرف ہے، اس کی اصل بدیعٌ سمٰواتُه وَاَرْضُهٗ ہے۔

قولہ: من شانه ان یخلق، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا قول، وخلقَ کل شیٔ میں خدا کی ذات وصفات بھی شامل ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو خدا کی ذات وصفات کا لاشیٔ ہونا لازم آئیگا جو کہ محال ہے، اور اگر داخل ہیں تو خدا کی ذات وصفات کا مخلوق ہونا لازم آتا ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ خَلَقَ کلَّ شیٔ میں شیٔ عام خص منہ البعض ہے ای ھو خالق کل شیٔ ماعداذاتِهٖ وصفاتِهٖ.

قولہ: وھذا مَخْصُوْصٌ برؤیة المُؤْمِنِیْنَ له فی الآخِرَةِ، اس اضافہ کا مقصد معتزلہ کے امتناع رویت باری کے عقیدہ کو رد کرنا ہے، معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ آخرت میں بھی رویت باری نہیں ہوگی، اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آخرت میں

مومنین کو رویت باری ہوگی۔

قَوْلُہٗ: وقیل المراد تحیط بہٖ، اور اگر لاتدرکه الابصار سے عدم احاطہ مراد ہو تو اس صورت میں مخصوص نہ ہوگا، بلکہ عموم اپنے اطلاق پر باقی رہے گا اس لئے کہ باری تعالیٰ کی حقیقت کا ادراک نہ دنیا میں کسی کو ہوسکتا ہے اور نہ آخرت میں۔

قَوْلُہٗ: او یُحِیْطُ بها علمًا، یہ ادراک کے دوسرے معنی کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: قل یا محمد.

سُوَال: یہاں قل یا محمد مقدر ماننے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: وجہ یہ ہے کہ اس اضافہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مذکورہ کلام آپ ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہوا ورنہ تو یہ اعتراض ہوگا کہ "وَمَا انا علیکم بحفیظ" کے کیا معنی ہیں؟ اسلئے کہ حفظ کی نفی اللہ تعالیٰ سے جائز نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: لِیَعْتَبِرُوْا.

سُوَال: مفسر علام نے لِیَعْتَبِرُوْا مقدر کیوں مانا ہے؟

جَوَاب: تاکہ ولیقولوا کا عطف صحیح ہوسکے۔

قَوْلُہٗ: نُبَیِّنَهٗ. تبیین (تفعیل) سے مضارع جمع متکلم، ہم بیان کریں ہم کھولدیں، لِنُبَیِّنَهٗ، میں لام تعلیل کا ہے اسلئے کہ تصریف سے مقصود تبیین ہی ہے اس کی ضمیر آیات کی طرف راجع ہے اور آیات قرآن کے معنی کی تاویل میں ہے لہٰذا ضمیر کی عدم مطابقت کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: فاتوه.

سُوَال: مفسر علام نے فاتوه، کیوں مقدر مانا؟

جَوَاب: تاکہ اس پر ثُمَّ الی ربّھم الخ کا عطف درست ہوسکے، اسلئے کہ معطوف وعدہ اور وعید ہے اور یہ عمل خیر و شرہی پر مرتب ہوتے ہیں نہ کہ مطلق تزیین پر۔

قَوْلُہٗ: ای انتم لا تدرون ذلك، یہ مومنین سے خطاب ہے، اس میں مومنوں کو مشرکین کے فرمائشی معجزوں کی تمنا سے منع کیا گیا ہے، مومنین کی یہ تمنا تھی کہ کاش اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ کے فرمائشی معجزے آپ ﷺ کے دست مبارک پر ظاہر فرمادیں تو بہت اچھا ہو، تاکہ مشرکین مکہ ایمان لے آئیں، ایسی تمنا کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! تم جو مشرکین کے فرمائشی معجزات کی تمنا کر رہے ہو تمہیں کیا معلوم کہ یہ لوگ فرمائشی معجزات دیکھ کر ایمان لے ہی آئیں گے، ہمارے علم ازلی کے اعتبار سے یہ لوگ فرمائشی معجزات دیکھ کر بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں، ظاہر مفہوم کا تقاضہ یہ تھا کہ یوں کہا جاتا "ما یُدریکم انّھا اذا جاءت یؤمنون" بغیر، لا، کے اسی وجہ سے بعض مفسرین نے 'لا' کو زائدہ کہا ہے مطلب یہ ہے کہ تم کو کیا معلوم کہ مشرکین مکہ

فرمائشی معجزے دیکھ کر ایمان لے ہی آئیں گے۔

مفسرِ علّام نے اس کی دو توجیہ کی ہیں ایک یہ ہے کہ ما یشعر کم میں ما استفہام انکاری ہے، ای لا تدرون بأنّھا اذا جاء ت الآیات لا یؤمنون، فلذلك تتمنّون ونحن نعلم ذلك فلا نتمنّٰی بھا، یعنی تم نہیں جانتے کہ اگر (فرمائشی) معجزات بھی آجائیں تب بھی یہ لوگ یقیناً ایمان نہ لائیں گے، جیسا کہ میرے علم ازلی میں ہے۔

دوسری توجیہ بفتح أنَّ بمعنی لَعَلَّ سے بیان کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ یُشعر کم کا مفعول ثانی محذوف ہے ای ما یُشعر کم بایمانِھم اور أنَّ بمعنی لَعَلَّ، ای لَعلّھم اذَا جاء تھم آیۃٌ لا یؤمنون، اور لعلّ اس وقت اشفاق (توقع) کے لئے ہوگا اور توقع خدائی کلام میں یقینی الوقوع کے لئے آتا ہے یعنی اگر ان کے فرمائشی معجزے بھی آجائیں تب بھی وہ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے، مذکورہ دونوں توجیہوں سے کلام ظاہر کے مطابق ہوجائیگا، اور جن مفسرین حضرات نے، لایؤمنون، میں لا کو زائدہ قرار دیا ہے ان کا مقصد بھی کلام کو ظاہر کے مطابق بنانا ہے، اِنَّ بالکسر کی صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا جو کہ ہمیشہ سوال مقدر کا جواب ہوتا ہے، گویا کہ سوال ہوا ما یُشعر کم ما یکون منھم، اس کا جواب دیا انھا اذا جاء ت لا یؤمنون.

قولہ: ونُقَلِّبُ اَفئِدَتَھُمْ، اس کا عطف لا یؤمنون پر ہے، ای وَمَا یشعر کم اِنّا حینئذٍ نقلب اَفئدتھم، عن الحق فلا یفھمونَہ واَبصارھم فلا یبصرونَہٗ فلا یؤمنون بِھا.

تسہیل المشکل:

وَمَا یُشعِرُ کمِ أَنَّھا اِذا جاء ت لا یؤمنون، اِنّھا کو ابوعمر ابن کثیر اور مجاہد نے انھا بکسر الھمزہ پڑھا ہے، ابن مسعود رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی قراءت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے مجاہد اور ابن زید نے کہا ہے کہ اس کے مخاطب مشرکین ہیں، اور فراء وغیرہ نے کہا ہے کہ اس کے مخاطب مومنین ہیں، اسلئے کہ جب مشرکین نے فرمائشی معجزوں کا مطالبہ کرتے ہوئے آپ ﷺ سے کہا کہ اگر فلاں قسم کا معجزہ دکھا دو تو ہم ایمان لے آئیں گے تو اس وقت مسلمانوں کی خواہش ہوئی کہ کاش آپ ﷺ مشرکین کا مطلوبہ معجزہ دکھادیں، اسی خواہش کے پیش نظر صحابہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا "لو نزلت الآیۃ لعلھم یؤمنون" تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَمَا یُشعر کم انھا اذا جاء ت لا یؤمنون" اور اہل مدینہ واعمش وحمزہ وکسائی وعاصم وغیرہم نے أنّھا فتحہ کے ساتھ پڑھا، اور خلیل نے کہا ہے کہ انّھا بمعنی یرَ ئی، اور عرب بولتے ہیں اِئتِ السوق اَنّکَ تشتری لنا شیئاً، ای لعلك، فراء اور کسائی نے کہا ہے کہ "لا یؤمنون" میں لا زائدہ ہے، اور آیت کے معنی ہیں ومایشعر کم انھا، ی الآیات، اذا جاء ت یؤمنون" اور یہ ایسا ہی ہے جیسا "ما مَنعكَ أن لا تسجد" میں لا زائدہ ہے، مگر زجاج وغیرہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اور نحاس نے کہا ہے کلام میں حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے "أنّھا اِذا جاء ت لا یؤمنون ویؤمنون" پھر اس زائد مقدر کو علم سامع کی وجہ سے حذف کردیا گیا۔

تفسیر وتشریح

بدیع السمٰوت والارض، بدیعٌ، موجدٌ، نیا ایجاد کرنے والا، یہ لفظ قرآن میں صرف دو جگہ آیا ہے اول سورۂ بقرہ میں اور دوسرے یہاں، یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے بدیعٌ، بروزن فعیلٌ بمعنی مبدعٌ، بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کے پیدا کرنے میں یکتا و بے مثال ہے کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں، اسی طرح وہ اس کے لائق ہے کہ وہ معبودیت میں بھی واحد ولاشریک ہو لیکن لوگوں نے ازراہ حمق اس ذات واحد کو چھوڑ کر اس کی مخلوق کو اس کا شریک ٹھہرالیا ہے حالانکہ وہ اسی کی پیدا کردہ ہے، اور یہ سب کچھ شیاطین کی اتباع کی وجہ سے ہوا ہے، اسلئے یہ درحقیقت شیطان کی پرستش ہے۔

رؤیت باری کا مسئلہ:

لاتدرکه الابصار، اَبصار، بصر کی جمع ہے، (نگاہ) انسان کی نظر کی رسائی خدا کی حقیقت اور کُنہ تک نہیں ہوسکتی، اس رویت کی نفی سے مراد دنیا میں رویت بصری کی نفی ہے، صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے کہ روز قیامت ایمان والے اللہ کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور جنت میں بھی دیدار باری تعالیٰ نصیب ہوا کرے گا، معتزلہ کا عقیدہ اس کے خلاف ہے وہ دیدار باری کے مطلقاً منکر ہیں اور اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ اس کا تعلق دنیا سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں بچشم سر ممکن نہیں ہے، اسی لئے حضرت عائشہ بھی اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ جس شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ نبی (ﷺ) نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی اس نے قطعاً دروغ گوئی کی (صحیح بخاری، سورۂ انعام) البتہ آخرت کی زندگی میں یہ دیدار ممکن ہوگا، جس کا دوسرے مقام پر قرآن نے اثبات فرمایا ہے ''وُجُوهٌ یومئذ ناضرة الی ربّها ناظرة'' کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

بصائر. بصیرة کی جمع ہے، روشنی قلب کو کہتے ہیں یہاں مراد دلائل و براہین ہیں جو قرآن میں بار بار اور جگہ جگہ بیان کئے گئے ہیں اور نبی ﷺ نے احادیث میں بھی بیان فرمایا ہے۔

قدجاء کم بَصَائر من ربکم، مطلب یہ ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آچکی ہیں اب جو بینائی سے کام لے گا وہ اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھا بنا رہے گا وہ خود نقصان اٹھائیگا۔

وکذلك نصرف الآیات، یعنی ہم توحید اور اس کے دلائل کو اس طرح کھول کھول کر اور مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں کہ مشرکین یہ کہنے لگتے ہیں کہ محمد (ﷺ) کسی سے پڑھ کر اور سیکھ کر آتا ہے حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے۔

وما انت علیهم بوکیل، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو صرف داعی اور مبلغ بنا کر بھیجا گیا ہے کوتوال نہیں، آپ کا کام

صرف اتنا ہے کہ لوگوں کے سامنے اظہار حق کردیں اور اظہار حق میں اپنی حد تک کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں، اب اگر کوئی قبول نہیں کرتا تو نہ کرے، اس کا بار آپ کے اوپر نہیں اور نہ آپ کی یہ ذمہ داری، اگر فی الواقع حکمت الٰہی کا تقاضہ یہ ہوتا کہ دنیا میں کوئی باطل پرست نہ رہے تو اس کا ایک ہی تکوینی اشارہ تمام انسانوں کو حق پرست بنانے کے لئے کافی ہوسکتا تھا مگر حکمت الٰہی کا تو مقصد ہی کچھ اور ہے وہ یہ کہ انسان کو حق و باطل کے انتخاب کی آزادی باقی رہے اور حق کی روشنی ان کے سامنے پیش کرکے اس کی آزمائش کی جائے کہ حق و باطل میں سے وہ کس کو پسند کرتا ہے۔

ولا تسبوا الذین الخ اس آیت میں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ اپنی تبلیغ کے جوش میں وہ اتنے بے قابو نہ ہوجائیں کہ معاملہ بحث و تکرار سے بڑھ کر گالی گلوچ تک پہنچ جائے، کیونکہ یہ چیز ان کو حق سے قریب کرنے کے بجائے اور زیادہ دور کردے گی اور ضد میں وہ بھی تمہارے معبود اور پیشواؤں کی تحقیر و تذلیل پر اتر آئیں گے۔

شان نزول:

واقسموا باللّٰہ جھد ایمانھم الخ، تفسیر ابن جریر وغیرہ میں مجاہد کے قول کے مطابق ان آیتوں کا جو شان نزول بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قریش آنحضرت ﷺ سے مختلف قسم کے معجزوں کا مطالبہ کیا کرتے تھے، اور قسمیں کھا کر یہ کہا کرتے تھے کہ ان معجزوں کے دیکھ لینے کے بعد وہ اسلام کے تابع ہوجائیں گے مشرکوں کی قسموں کو دیکھکر مسلمانوں کی بھی یہ خواہش ہوتی تھی کہ ان معجزوں کا ظہور ہوجائے تو بہت اچھا ہو، تاکہ مشرکین بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوجائیں، مشرکین کے فرمائشی معجزوں میں کوہ صفا کو سونے کا بنا دینا اور صحراء عرب کو زرخیز بنا دینا شامل تھے اللہ تعالیٰ ان کے حال سے بخوبی واقف ہے جس طرح معجزۂ شق القمر کو دیکھ کر ان کے دل متاثر نہیں ہوئے ان معجزوں کو دیکھ کر بھی متاثر نہ ہوں گے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى كما اقترحوا وَحَشَرْنَا جمعنا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا ضمتين جمع قبيل اى فوجًا فوجًا وبكسر القاف وفتح الباء اى مُعَايَنَةً فشهدوا بصدقك مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا لما سبق في علم الله اِلَّآ لكن اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ايمانهم فيؤمنون وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿١١١﴾ ذلك وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا كما جعلنا هؤلاء اعدائك ويُبدل منه شَيٰطِيْنَ مردة الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِیْ يوسوس بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ مُمَوَّهة من الباطل غُرُوْرًا اى ليغرّوهم وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ اى الايحاء المذكور فَذَرْهُمْ دَعِ الكفار وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾ من الكفر وغيره مما زُيّن لهم وهذا قبل الامر بالقتال وَلِتَصْغٰٓى عطفٌ على غرور اى تميل اِلَيْهِ اى الزخرف اَفْئِدَةُ قلوب الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا يكتسبوا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ من الذنوب فيُعاقبوا عليه وَنزل لما طلبوا من النبي صلى الله عليه وسلم ان يَجعل بينه وبينهم حَكَمًا اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ اطلب حَكَمًا قاضيًا بيني وبينكم

وَهُوَ الَّذِىٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ القراٰن مُفَصَّلًا مُبَيَّناً فیه الحقُّ من الباطلِ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ التورة كعبدِ اللّٰهِ بنِ سلامٍ واَصحابِه يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ بالتخفيفِ والتشديدِ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴿۱۱۴﴾ الشاكّين فيه والمرادُ بذلك التقريرُ للكفّار اَنّه حقٌّ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ بالاَحكام والمَواعيدِ صِدْقًا وَّعَدْلًا تمييزٌ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ بنقصٍ اوخلفٍ وَهُوَ السَّمِيْعُ لما يُقالُ الْعَلِيْمُ﴿۱۱۵﴾ بما يُفعلُ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ اى الكفار يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دينِه اِنْ ما يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ فى مُجادَلتِهم لك فى امرِ المَيْتَةِ اذ قالوا ما قتلَ اللّٰهُ اَحقُّ ان تأكُلوه مما قتلتُم وَاِنْ ما هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴿۱۱۶﴾ يَكذِبُوْنَ فى ذلك اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ اى عالمٌ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴿۱۱۷﴾ فيُجازِى كلًّا منهم فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اى ذُبِحَ على اسمِه اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ من الذَّبائحِ وَقَدْ فَصَّلَ بالبناءِ للمفعولِ وللفاعلِ فى الفعلَينِ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ فى اٰيةِ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ منه فهو ايضاً حلالٌ لكم المعنى لامانعَ لكم من اَكْلِ ما ذُكِرَ وقد بَيَّنَ لكم المُحرَّمَ اَكْلُهُ وهذا ليس منه وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بفتح الياءِ وضمِّها بِاَهْوَآئِهِمْ بما تَهواهُ اَنفسُهم من تحليلِ المَيْتَةِ وغيرِها بِغَيْرِ عِلْمٍ يَعتمِدُونَه فى ذلك اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ﴿۱۱۹﴾ المتجاوزين الحلالَ اِلى الحرامِ وَذَرُوْا اتركوا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ علانيتَهُ وسرَّهُ والاثمُ قيلَ الزِّنا وقيلَ كلُّ معصيةٍ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ فى الآخرةِ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ﴿۱۲۰﴾ يَكتسبُوْنَ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ بان ماتَ اوذُبِحَ على اسمِ غيرِه والافما ذَبَحَهُ المسلمُ ولم يُسَمِّ فيه عمدًا او نسياناً فهو حلالٌ قالهُ ابنُ عباسٍ رضى اللّٰه تعالى عنه وعليه الشافعيُّ وَاِنَّهٗ اى الاكلَ منه لَفِسْقٌ خروجٌ عمّا يَحِلُّ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ يُوَسْوِسُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ الكفارِ لِيُجَادِلُوْكُمْ فى تحليلِ المَيْتَةِ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ فيه اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: اور اگر ہم ان پر فرشتے نازل کر دیتے اور ان کی تجویز کے مطابق مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم ان کی آنکھوں کے سامنے (دنیا بھر کی) ہر قسم کی چیزیں جمع کر دیتے قُبُلًا قاف اور باء کے ضمہ کے ساتھ قبیلٌ کی جمع ہے بمعنی گروہ، اور ایک قراءت میں قاف کے کسرہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ ہے بمعنی روبرو (نظروں کے سامنے) اور وہ آپ کی صداقت کی شہادت دیتے تب بھی اللہ کے علم ازلی کے مطابق یہ ایمان لانے والے نہیں تھے، اِلّا یہ کہ مشیت الٰہی کا تقاضہ یہی ہو تو ایمان لا سکتے ہیں، لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ اس معاملہ میں جہالت کی باتیں کرتے ہیں جس طرح ہم نے ان لوگوں کو آپ کا دشمن بنا دیا ہے اسی طرح ہم نے انسانی سرکش شیطانوں اور جناتی شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا ہے اور شیطین الانس الخ (عدوّ) سے بدل ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے وسوسے کے ذریعہ چکنی چپڑی باتیں کرتے رہتے ہیں باطل سے ملمع کی

ہوئی باتیں تا کہ ان کو فریب میں مبتلا کرسکیں، اگر تیرے رب کی مشیئت نہ ہوتی تو یہ وسوسہ (مذکورہ) کی جرأت کبھی نہ کر سکتے تو آپ کفار کو اور ان کی افتراء پردازی (یعنی) کفر وغیرہ کو جس کو انکے لئے آراستہ کردیا گیا ہے (ان کی حالت پر) چھوڑ دو، اور یہ حکم جہاد سے پہلے کا حکم ہے، اور تا کہ ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے چکنی چپڑی باتوں کی طرف مائل ہو جائیں، (لتصغیٰ) کا عطف غرورًا پر ہے تا کہ وہ جن گناہوں کا ارتکاب کرنا چاہتے ہیں ارتکاب کریں جن کی پاداش میں ان کو سزا دی جائے، اور جب مشرکین نے آپ ﷺ سے اپنے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان حکم طلب کیا تو یہ آیت نازل ہوئی، تو کیا میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والے کو طلب کروں حالانکہ وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے تمہاری طرف ایک مفصل کتاب (قرآن) نازل کی جس میں حق کو باطل سے ممتاز کیا گیا ہے، اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب تورات دی ہے جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی، اس بات کو جانتے ہیں کہ قرآن تمہارے رب کی جانب سے حق کے ساتھ نازل کیا گیا ہے (منزل) میں تخفیف اور تشدید دونوں جائز ہیں، لہٰذا تم قرآن کے بارے میں شک کرنے والوں میں نہ ہو اور مراد مذکورہ بیان سے کافروں سے قرآن کے حق ہونے کا اقرار کرانا ہے اور آپ کے رب کا کلام احکام ومواعید کی صداقت وعدالت کے اعتبار سے کامل ہے (صدقًا اور عدلًا) تمیز ہے اس کے کلام میں نقص یا خلاف واقعہ ثابت کرکے کوئی تبدیلی کرنے والا نہیں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ اس کا سننے والا اور جو کچھ کیا جاتا ہے اس کا جاننے والا ہے اور دنیا میں زیادہ تر لوگ کفار ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا مانیں تو وہ تم کو اللہ کی راہ یعنی دین سے بے راہ کردیں یہ لوگ مردار کے بارے میں آپ سے مباحثہ کرنے میں محض خیالات کی پیروی کرتے ہیں جبکہ انہوں نے کہا کہ جس کو اللہ نے قتل کیا وہ کھانے کے زیادہ لائق ہے بہ نسبت اس کے کہ جس کو خود تم نے قتل کیا ہے، یہ لوگ محض قیاسی باتیں کرتے ہیں (یعنی) وہ اس معاملہ میں کذب بیانی کرتے ہیں، بالیقین آپ کا رب اس شخص کو بخوبی جانتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک گیا اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں چنانچہ ان میں سے ہر ایک کو وہ جزاء دے گا، سو جس جانور پر اس کا نام لیا گیا ہے یعنی اس کے نام پر ذبح کیا گیا ہے تم کو اس میں سے کھانے کی اجازت ہے اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسے مذبوح جانور سے نہ کھاؤ کہ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ اللہ نے (آیۃ) حُرِّمَت علیکم المیتۃ میں ان سب جانوروں کی تفصیل بیان کردی ہے جو تم پر حرام کئے گئے ہیں (فُصّل و حرمت) میں مجہول اور معروف دونوں قراءتیں ہیں دونوں فعلوں میں، مگر وہ بھی جب کہ تم اس کے لئے شدید مجبور ہو جاؤ تو تمہارے لئے حلال ہے مطلب یہ ہے کہ مذکورہ چیزوں سے کھانے سے تمہارے لئے کوئی مانع نہیں ہے، تمہارے لئے ان چیزوں کو بیان کردیا گیا ہے جن کا کھانا تمہارے لئے حرام کردیا گیا ہے، اور یہ ان میں سے نہیں ہے، اور یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے لوگوں کا حال یہ ہے کہ علم کے بغیر کہ جس پر اس بارے میں اعتماد کریں محض اپنی خواہشات کی بنا پر یعنی اپنے نفس کی خواہش کے مطابق مردار وغیرہ کے حلال ہونے کے بارے میں لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں (لیضلون) یاء کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے، بلاشبہ تمہارا رب حد سے تجاوز کرنے والوں سے بخوبی واقف ہے (یعنی) حلال سے حرام کی جانب

تجاوز کرنے والوں کو (بخوبی) جانتا ہے (اے مسلمانو) تم ظاہری گناہ سے بھی بچو اور باطنی گناہ سے بھی بچو (یعنی) علانیہ گناہ سے بھی اور پوشیدہ گناہ سے بھی، اور کہا گیا ہے کہ اثم سے مراد زنا ہے اور کہا ہے کہ (اثم) ہر معصیت ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں ان کو آخرت میں ان کے کئے کی سزا دی جائے گی اور اس جانور سے نہ کھاؤ جس پر (بوقت ذبح) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، بایں طور کہ (از خود) مر گیا ہو یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، ورنہ تو جس کو مسلمان نے ذبح کیا ہو اور اس پر قصداً یا نسیاناً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو تو وہ حلال ہے یہ ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ کا قول ہے اور یہی امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ کا مذہب ہے بلاشبہ یہ (یعنی) اس میں سے کھانا فسق ہے (یعنی) حلال سے (حرام کی جانب) تجاوز کرنا ہے اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کافروں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے مردار کے حلال ہونے میں (تم سے) مجادلہ کریں اور اگر تم اس معاملہ میں ان کی اطاعت کرو گے تو تم مشرک ہو جاؤ گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: جَمْعُ قَبِيْل، قُبُلٌ قبيلٌ کی جمع ہے جیسے رُغُفٌ رَغيف کی جمع ہے، بمعنی جماعت گروہ اور بعض کے نزدیک قِبَلٌ کی جمع ہے، بمعنی نظروں کے سامنے قُبُلًا، كُلَّ سے حال ہے۔

قولہ: شيطين عَدُوًّا سے بدل ہے۔

قولہ: مَـرَدَة، اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ شیاطین کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں اسلئے کہ انسان حقیقی شیطان نہیں ہوتا سرکشی کی وجہ سے انسان کو شیطان کہہ دیا جاتا ہے۔

قولہ: يُوَسْوِسُ، يوحِي کی تفسیر يُوَسْوِسُ سے کرنے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: وحی کی نسبت شیطان کی طرف کرنا جائز ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

جواب: وحی سے مراد وسوسہ ہے، لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ: جَعَلْنَا هؤلاءِ اَعْدَائَكَ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جَعَلَ بمعنی صَيَّرَ ہے، جو دو مفعول چاہتا ہے اول مفعول عَدُوًّا ہے جو کہ مؤخر ہے اور لكل نبي مفعول ثانی ہے جو مقدم ہے اور شيطين الانس والجن، عدوًا سے بدل ہے، اور بعض حضرات نے عدوًا کو مفعول ثانی کہا ہے اور شیطین مفعول اول ہے اور لکل محذوف سے متعلق ہو کر عدوًا سے حال ہے۔

قولہ: مَرَدَة، یہ مارِدٌ کی جمع ہے بمعنی سرکش۔

قولہ: لِيَغُرُّوهم اس میں اشارہ ہے کہ غرورًا مفعول لہ ہے۔

قولہ: عَطْفٌ على غرورًا لِتصغى کا عطف غرورًا پر ہے لتصغى چونکہ غرورًا کی علت ہے لہٰذا معطوف اور معطوف

یہ میں عدم مناسبت کا اعتراض بھی نہیں ہوسکتا۔

قولہ: اَلْمُرَادُ بِذٰلِکَ التَّقْرِیْرُ اَنَّہٗ حَقٌّ، اس اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ، میں آنحضرت ﷺ کو قرآن کے من جانب اللہ ہونے میں شک کرنے سے ع فرمایا گیا ہے، حالانکہ آپ کے شبہ کرنے کا سوال ہی نہیں تھا اس لئے کہ قرآن تو خود آنحضرت ہی پر نازل ہوتا تھا تو پھر ک کا کیا مطلب ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ امتراء کا تعلق حقانیت قرآن کے بارے میں کفار اہل کتاب کے علم سے ہے یعنی کفار سے قرآن کے برحق اور من جانب اللہ ہونے کا اقرار کرانا ہے، اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ کلام میں تعریض ہے خطاب اگرچہ آپ ﷺ کو ہے مگر مراد کفار اہل کتاب ہیں۔

قولہ: تَمَّتْ، ای بلغت الغایۃ اخبارہ مواعیدہ.

قولہ: صدقًا وعدلًا، صدقًا کا تعلق مواعید سے ہے اور عدلًا کا تعلق احکام سے ہے، یہ لف ونشر غیر مرتب کے طور پر ہے۔

قولہ: ای عالم، مفسر علام نے اعلم کی تفسیر عالم سے کرکے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

اعتراض: اسم تفضیل اسم ظاہر کو نصب نہیں دیتا اِلَّا فی مسئلۃ الکحل کما تقرر فی النحو، حالانکہ یہاں اعلم ن یضل کو نصب دے رہا ہے اسلئے کہ من یضل محل میں نصب کے ہے۔

جواب: من یضل اعلم کی وجہ سے منصوب نہیں ہے بلکہ اعلم معنی میں عالم کے ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَیْھِمُ الملائکۃَ الخ، یہ آیت ماقبل میں مذکور اجمال کی تفصیل ہے ماقبل میں مذکور ہو چکا ہے کہ مشرکین نے جب مخصوص قسم کے معجزے طلب کئے مثلاً یہ کہ کوہ صفاء سونے کا کردیا جائے یا عرب کا ریگ زار کشتِ زار بنادیا جائے یا کے اطراف کے پہاڑ ہٹا کر ہموار میدان کردیا جائے تو مومنین المخلصین کی یہ خواہش ہوئی کہ کاش اللہ تعالیٰ مشرکین کے ائشی معجزوں کو اتمام حجت کے طور پر آپ ﷺ کے ہاتھ پر ظاہر فرما دیتے تاکہ حجت تام ہوجاتی اور مشرکوں کیلئے ایمان لانے ں کوئی عذر باقی نہ رہتا نیز اسطرح اسلام کو قوت حاصل ہوجاتی۔

مومنین کی خواہش کے جواب میں فرمایا جارہا ہے کہ اگر ان کی فرمائش کے موافق بلکہ اس سے بھی بڑھکر مثلاً اگر آسمان سے فرشتے اتر کر آپ کی رسالت کی تصدیق کریں اور مردے قبروں سے نکل کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور گذشتہ تمام توں کو زندہ کرکے ان کے سامنے لاکر کھڑا کردیا جائے تب بھی سوء استعداد اور تعنت وعناد کی وجہ سے لوگ حق کو ماننے لے نہیں، البتہ اگر خدا چاہے تو زبردستی منوا سکتا ہے لیکن ایسا چاہنا اس کی حکمت اور تکوینی نظام کے خلاف ہے جس کو ان ں کے اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

وکذلک جعلنا لکل نبی الخ یعنی آج اگر شیاطین جن وانس متفق ہو کر آپ کے مقابلہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں تو فکر مند ہونے کی کوئی بات نہیں ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو کہ آپ ہی کے ساتھ پیش آرہی ہے، ہر زمانہ میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کوئی پیغمبر دنیا کو راہِ راست دکھانے کے لئے اٹھا تو تمام شیطانی قوتیں اس کے مشن کو ناکام کرنے کے لئے کمر بستہ ہوگئیں۔

خدا کو منظور یہی ہے کہ جب تک نظام عالم قائم رکھنا ہے نیکی اور بدی، ہدایت وضلالت کی حریفانہ جنگ جاری رہے، جس طرح آج یہ مشرکین ومعاندین آپ کو بیہودہ فرمائشوں سے دق کرتے ہیں اور مختلف حیلوں سے لوگوں کو جادۂ حق سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اسی طرح ہر پیغمبر کے مقابل شیطانی قوتیں کام کرتی رہی ہیں، اسی غرض فاسد کیلئے شیاطین الجن والانس باہم تعاون کرتے ہیں اور ان کی یہ عارضی آزادی اسی عام حکمت اور نظام تکوینی کے ماتحت ہے، اسلئے آپ ان کی فریب دہی سے زیادہ فکر میں نہ پڑیں آپ ان سے اور ان کے کذب وافتراء سے قطع نظر کر کے معاملہ کو خدا کے سپرد کردیں۔

شانِ نزول:

افغیر اللّٰہ ابتغی حکمًا، مشرکین مکہ آنحضرت ﷺ سے یہ کہا کرتے تھے کہ اہل کتاب میں سے کسی کو ثالث قرار دیا جائے اگر وہ قرآن کو کلام الٰہی کہدے تو ہم لوگ آپ کے نبی برحق اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے قائل ہو جائیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں، اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان مقدمۂ نبوت ورسالت میں اختلاف ونزاع ہے میں اس کا مدعی ہوں اور تم منکر اور اس نزاع واختلاف کا فیصلہ احکم الحاکمین کی عدالت سے میرے حق میں اس طرح ہو چکا ہے کہ میرے اس دعوے پر کافی ثبوت اور دلائل موجود ہیں خود قرآن کا اعجاز ہے جس نے نہ صرف عالم عرب کو بلکہ اقوام عالم کو چیلنج کیا کہ اس کے کلام الٰہی ہونے میں کسی کو شبہ ہو تو اس کلام کی ایک چھوٹی سی سورت یا آیت کا مقابلہ کر کے دکھا دے جس کے جواب میں پورا عرب عاجز رہا، اور وہ لوگ آنحضرت ﷺ کو شکست دینے اور عاجز کرنے کے لئے اپنی جان، مال، اولاد، عزت آبرو سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھے ان میں سے ایک بھی ایسا نہ نکلا کہ قرآن کے مقابلہ کے لئے ایک چھوٹی سے چھوٹی آیت بنا کر پیش کر دیتا، یہ کھلا ہوا معجزہ کیا قبول حق کے لئے کافی نہ تھا؟ کہ ایک امی جس نے کہیں تعلیم حاصل نہیں کی اس کے پیش کئے ہوئے کلام کے مقابلہ میں پورا عرب بلکہ پوری دنیا عاجز ہو جائے، یہ درحقیقت احکم الحاکمین کی عدالت سے واضح فیصلہ ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور قرآن اللہ جل شانہ کا کلام ہے۔

کفار کی جانب سے ایک مغالطہ:

کفار نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ شبہ ڈالنا چاہا کہ اے مسلمانو تم اللہ کے مارے ہوئے جانور کو تو کھاتے نہیں ہو اور اپنے مارے ہوئے یعنی ذبح کئے ہوئے کو کھاتے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ ابوداؤد اور حاکم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

بعض مسلمانوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں یہ شبہ نقل کیا اس پر یہ آیتیں المشرکون تک نازل ہوئیں۔
حاصل یہ کہ تم مسلمان ہو قرآن پر تمہارا ایمان ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال وحرام کی تفصیل بیان فرمادی ہے لہٰذا اس پر چلتے رہو حلال پر حرام ہونے کا اور حرام پر حلال ہونے کا شبہ مت کرو اور مشرکوں کے وسوسوں کی طرف التفات نہ کرو۔

متروک التسمیہ مذبوح کا حکم:

چونکہ آیت پاک لا تاکلوا مما لم یُذکر اسم اللّٰہ علیه وانّهٗ لفسق، میں صاف حکم دیا گیا ہے کہ جس جانور پر (بوقت ذبح) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ، اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کے چند مسائل تحریر کردیئے جائیں۔

امام احمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مسلک:

امام احمد، امام شعبی اور ابن سیرین رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ جس جانور کو اللہ کا نام لئے بغیر ذبح کیا گیا ہو اسے کھانا جائز نہیں، اس سے قطع نظر کہ قصداً ایسا کیا گیا ہو یا بھول کر ایسا ہو گیا، ان حضرات کا مستدل مذکورہ آیت ہے۔

امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مسلک:

امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ اگر نسیاناً بسم اللہ متروک ہوگئی تو ایسے جانور کو کھانا جائز ہے۔
(الف): حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے متروک التسمیہ نسیاناً کا حکم دریافت فرمایا تو آپ نے فرمایا "ہر مسلمان کی زبان پر اللہ کا نام موجود ہے" (دارقطنی) ایک روایت میں زبان کے بجائے قلب کا لفظ ہے۔
(ب): حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "کہ مسلمان اگر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے تب بھی اس کو اللہ کا نام لے کر کھالے"۔ (دارقطنی)

امام بوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مسلک:

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مسلک وہی ہے جو امام مالک سے مروی ہے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مسلک:

امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ ذبح کرتے ہوئے اگر بسم اللہ کو قصداً ترک کردیا یا سہواً ترک ہوگئی تو اس جانور کا کھانا درست ہے ان کی دلیل ہے کہ ہر مومن کے قلب میں اللہ کا نام ہوتا ہے، اور امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ متروک التسمیہ سے

غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور مراد لیتے ہیں، اسلئے کہ مذکورہ آیت میں نہ کھانے کا سبب فسق بتلایا گیا ہے، امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فسق کا مصداق اس جانور کو لیتے ہیں جس پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

ونَزَلَ في ابي جهلٍ وغيرِه **اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا** بالكُفرِ **فَاَحْيَيْنٰهُ** بالهدى **وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ** يَتَبصّرُ به الحقَّ من غيرِه وهو الايمانُ **كَمَنْ مَّثَلُهٗ** مثل زائدٌ اى كمن هو **فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا** وهو الكافرُ لا **كَذٰلِكَ** كما زُيِّنَ للمؤمنين الايمانُ **زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۲۲﴾ من الكفرِ والمعاصِيْ **وَكَذٰلِكَ** كما جَعلْنا فُسّاقَ مكةَ اكابرَها **جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا** بالصَّدِّ عن الايمان **وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ** لان وبالَهُ عليهم **وَمَا يَشْعُرُوْنَ** ﴿۱۲۳﴾ بذلك **وَاِذَا جَآءَتْهُمْ** اى اهْلَ مكةَ **اٰيَةٌ** على صدقِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم **قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ** به **حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ** من الرّسالةِ ويُوْحٰى الينا لانا اكثرُ ما لًا واكبرُ سِنًّا قال تعالى **اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ** بالجمع والافرادِ وحيث مفعول به لفعلٍ دَلَّ عليه اَعْلَمُ اى يَعْلَمُ المَوْضِعَ الصالحَ لو ضعِها فيه وهؤلاءِ ليسُوا اَهلًا لها **سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا** بقولهم ذلك **صَغَارٌ** ذُلٌّ **عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ** ﴿۱۲۴﴾ اى بسببِ مكرِهم **فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ** بان يَقْذِفَ في قلبه نورًا فيَنْفَسِحُ له ويَقْبَلُهُ كما وَرَدَ في حديثٍ **وَمَنْ يُّرِدْ** اللّٰهُ **اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا** بالتخفيفِ والتشديد عن قبُولِه **حَرَجًا** شديد الضيّقِ بكسرِ الرَّاءِ صفةٌ وفتحِها مصدرٌ وُصِفَ به مبالغةً **كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ** وفي قراءةٍ يَصّاعَدُ وفيهما ادغامُ التاءِ في الاصلِ في الصَّادِ وفي الاخرى بسكونِها **فِي السَّمَآءِ** اذا كُلِّفَ الايمانَ لشدتِه عليه **كَذٰلِكَ** الجعلِ **يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ** العذابَ اوالشيطانَ اى يُسَلِّطُه **عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۲۵﴾ **وَهٰذَا** الذي انت عليه يا محمدُ **صِرَاطُ** طريقُ **رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا** لا عِوَجَ فيه ونَصْبُهُ على الحالِ المؤكدةِ للجملةِ والعاملُ فيها معنى الاشارةِ **قَدْ فَصَّلْنَا** بيَّنَّا **الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ** ﴿۱۲۶﴾ فيه ادغامُ التاءِ في الاصلِ في الذالِ اى يَتّعِظُوْنَ وخُصُّوا بالذِّكْرِ لانهم المُنْتَفِعُوْنَ بها **لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ** اى السَّلامةِ وهي الجنةُ **عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۲۷﴾ و اذكُرْ **يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ** بالنون والياءِ اى اللّٰهُ الخلقَ **جَمِيْعًا** ويُقَالُ لهم **يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ** باغوائكم **وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ** الذين اطاعُوهم **مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ** انتفعَ الانسُ بتزيينِ الجنِّ لهم الشَّهواتِ والجنُّ بطاعةِ الانسِ لهم **وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا** وهو يومُ القيمةِ وهذا تحسُّرٌ منهم **قَالَ** تعالى لهم على لسانِ الملئكةِ **النَّارُ مَثْوٰىكُمْ** مأوٰكُمْ **خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ** من الاوقاتِ التي يَخْرُجُوْنَ فيها لشُرْبِ الحميمِ فانّها خارجَها كما قال تعالى ثُمَّ ان مَرْجِعَهم لالى الجحيمِ وعن ابنِ عباسٍ رضي اللّٰه تعالى عنه انه في مَنْ عَلِمَ اللّٰهُ تعالى انهم يؤمنون فما بمعنى مَنْ **اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ** في

صُنعِهٖ عَلِیْمٌ بخلقِهٖ وَكَذٰلِكَ كما متّعنا عُصاةَ الانسِ والجنِّ بعضهم ببعضٍ نُوَلِّیْ من الوِلَايَةِ
بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًاۢ ای علیٰ بعضٍ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ من المعاصی.

ترجمہ: اور (آئندہ آیت) ابوجہل وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، کیا وہ شخص جو کفر کی وجہ سے مردہ ہو پھر ہم نے اس کو ہدایت کے ذریعہ زندہ کر دیا ہو اور اس کو ایسا نور دیا ہو کہ جس کی روشنی میں لوگوں کے درمیان چلتا ہو (یعنی) اس نور کے ذریعہ حق و باطل کو دیکھتا ہو، اور وہ (نور) ایمان ہے اس جیسا لفظ (مثل) زائد ہے ہوسکتا ہے کہ جو تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو؟ تاریکیوں سے نکل ہی نہ پاتا ہو اور وہ کافر ہے، نہیں ہوسکتا، جس طرح مومنوں کے لئے ایمان خوشنما بنا دیا گیا ہے اسی طرح کافروں کے لئے ان کے اعمال یعنی کفر و معاصی خوشنما بنا دیئے گئے ہیں اور جس طرح ہم نے مکہ کے سرغنوں کو فاسق (حد سے تجاوز کرنے والے) بنا دیا اسی طرح ہر بستی میں اس کے بڑے مجرموں کو ایمان سے روک کر فاسق (حد سے تجاوز کرنے والا) بنا دیا تاکہ وہ لوگ وہاں مکر کریں اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ مکر کر رہے ہیں اس لئے کہ اس کا وبال ان ہی پر پڑنے والا ہے، اور ان کو اس کا احساس تک نہیں، اور جب مکہ والوں کے پاس نبی ﷺ کی صداقت کی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے تا آں کہ ہم کو ایسی ہی رسالت نہ دیدی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے اور تا آں کہ ہم کو اطلاع نہ دی جائے، اس لئے کہ ہم ان سے مال میں زیادہ اور عمر میں بڑے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس بات کو تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغمبری کس کے پاس بھیجے (رسالات) جمع اور افراد کے ساتھ ہے، اور حیثُ اس فعل کا مفعول بہ ہے جس پر اَعْلَمُ دلالت کر رہا ہے یعنی اس مناسب موقع کو خوب جانتا ہے کہ کہاں اپنا پیغام بھیجے چنانچہ اسی جگہ اپنا پیغام بھیج دیتا ہے، اور یہ لوگ اس کے اہل نہیں ہیں، عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے مذکورہ بات کہہ کر جرم کا ارتکاب کیا اللہ کے نزدیک ان کے مکر کے سبب ذلت اور سخت عذاب لاحق ہوگا، سو جس شخص کو اللہ ہدایت پر ڈالنا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے، بایں طور کہ اس کے دل میں ور ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا دل کشادہ ہو جاتا ہے اور اس (اسلام) کو قبول کرتا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، اور جس کو اللہ بے راہ رکھنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو قبول اسلام سے نہایت تنگ کر دیتا ہے (ضَیِّقًا) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، حَرَجًا) راء کے کسرہ کے ساتھ صفت ہے اور اس کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے بطور مبالغہ صفت لائی گئی ہے، (اسے اسلام کے ضور ہی سے) جب اس کو ایمان کا مکلف بنایا جاتا ہے تو اسلام اس پر بھاری ہونے کی وجہ سے اس کو یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ (اس کی روح) آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے، اور ایک قراءت میں (یَصَّعَّدُ) کی بجائے یَصَّاعَدُ ہے اور دونوں صورتوں یں اصل میں تاء کا صاد میں ادغام ہے، اور (ایک) دوسری قراءت میں صاد کے سکون کے ساتھ ہے، فعل مذکور کے مانند اللہ تعالیٰ یمان نہ لانے والوں پر عذاب کو یا شیطان کو مسلط کر دیتا ہے اور اے محمد ﷺ جس پر تم ہو یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے ں میں کسی قسم کی کجی نہیں، اس پر نصب جملہ کا حال مؤکدہ ہونے کی وجہ سے ہے اور اس میں عامل اسم اشارہ ہے اپنے معنی کے

اعتبار سے، اور ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیتوں کو کھول کھول کر بیان کردیا ہے اس میں اصل میں تاء کا ذال میں ادغام ہے یذکرون معنی میں یتعظون کے ہے، اور تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہی لوگ آیات سے نفع حاصل کرتے ہیں، اور ان ہی کے لئے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر یعنی جنت ہے اور وہی ان کا ولی ہے ان کے اعمال کی وجہ سے اس دن کو یاد کرو جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے نون اور یاء کے ساتھ، یعنی اللہ اپنی تمام مخلوق کو جمع کرے گا اور ان سے کہا جائیگا اے جنوں کی جماعت تم نے اغواء کے ذریعہ بہت سے انسانوں کو اپنا پیرو بنالیا، انسانوں میں سے جنوں کے وہ دوست جنہوں نے ان کی اطاعت کی کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے سے خوب فائدہ اٹھایا (یعنی) انسانوں نے جنوں سے فائدہ اٹھایا جنوں کے انسانوں کے لئے شہوتوں کو خوشنما بنانے کی وجہ سے اور جنات نے (فائدہ اٹھایا) انسانوں کے ان کے پیروی کرنے کی وجہ سے، اور ہم اپنی اس مقررہ میعاد پر پہنچ چکے جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرمائی اور وہ قیامت کا دن ہے اور یہ ان کی جانب سے اظہار حسرت ہے اللہ ان سے فرشتوں کے واسطہ سے فرمائیگا جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے تم اس میں ہمیشہ ہمیش رہوگے مگر اتنی مدت کہ اللہ چاہے کہ وہ اس مدت میں گرم پانی پینے کے لئے نکلیں گے اسلئے کہ گرم پانی جہنم سے باہر ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''پھر ان کی جہنم کی طرف واپسی ہوگی'' اور حضرت ابن عباس رَضِّیَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْہُ سے مروی ہے کہ یہ استثناء ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ایمان لائیں گے تو (اس صورت میں) ما، من کے معنی میں ہوگا، یقیناً تیرا رب اپنی صنعت میں حکیم اپنی مخلوق کے بارے میں علیم ہے اور اسی طرح (یعنی) جس طرح نافرمان انسانوں اور جنوں کو ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرنے والا بنایا اسی طرح ہم بعض ظالموں کا بعض کو مددگار بنادیں گے ان کے ان اعمال بد کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مِثْلُ زَائِدَۃٌ، تاکہ تکرار کا شبہ باقی نہ رہے، زائد ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مثل صفت ہے، اگر مثل کو زائد نہ مانیں تو صفت کا ظلمات میں ہونا لازم آتا ہے حالانکہ ظلمات ذات ہے نہ کہ صفت۔

قولہ: ضَیْقًا بالتخفیف، مصدر ہے اس صورت میں حمل مبالغۃً زید عدل کی قبیل سے بطور مجاز ہوگا، اور اگر تشدید کے ساتھ ہو تو صفت مشبہ ہوگا۔

قولہ: حَرِجًا بکسر الراء صفت مشبہ کا صیغہ اختلاف لفظ کی وجہ سے تکرار میں ایک قسم کا حسن پیدا ہوگیا ہے اور باقی حضرات نے راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں حَرَجۃ کی جمع ہوگا بمعنی شدۃ الضیق، اور اگر مصدر ہو تو حمل مبالغۃً ہوگا۔

قولہ: یَصَّعَدُ، باب تفعّل سے اور یصّاعد باب تفاعل سے۔

قولہ: من الوَلایۃ بفتح الواء، بمعنی النصرۃ اور واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہو تو بمعنی سلطان، دوسرے معنی مقام کے

اعتبار سے زیادہ مناسب ہیں، اسی معنی پر مصنف علیہ الرحمۃ کا قول علی البعض دلالت کر رہا ہے۔

تفسیر وتشریح

اَوَمَنْ کَانَ مَیتًا (الآیۃ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافر کو میت اور مومن کو زندہ سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ کافر کفر وضلالت کی تاریک وادیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے جس سے وہ نکل نہیں پاتا جس کا نتیجہ ہلاکت و بربادی ہوتا ہے، اور مومن کو اللہ تعالیٰ نور ایمانی کے ذریعہ زندہ رکھتا ہے جس سے زندگانی کی راہیں اس کے لئے روشن ہو جاتی ہیں اور وہ ایمان وہدایت کے راستہ پر گامزن رہ کر منزل مقصود پر پہنچتا ہے اور یہی کامیابی وکامرانی ہے، اس مضمون کو قرآن کی بہت سی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔

شان نزول:

اگرچہ مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت عمر اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت امیر حمزہ اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ ابتداء اسلام سے لیکر قیامت تک آنے والے ہر مسلمان اور کافر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس میں اللہ نے مومن کی مثال زندہ شخص سے اور کافر کی مردہ شخص سے دی ہے۔

کافروں کی مکاری اور حیلہ جوئی کی ایک مثال:

کافر، انبیاء علیہم السلام کی صداقت کا جب کوئی نشان دیکھتے تو از راہ مکر وعناد کہتے ہم ان دلائل ونشانات کو نہیں مانتے، ہم تو اس وقت یقین کر سکتے ہیں جب ہمارے اوپر فرشتے نازل ہوں، اور پیغمبروں کی طرح ہم کو بھی خدائی پیغام سنائیں یا خود حق تعالیٰ ہی ہمارے سامنے آجائیں، "وقال الذین لایرجون لقاءنا لولا انزل علینا الملائکۃ او نریٰ ربنا لقد استکبروا فی انفسھم وعتو عتوًا کبیرا۔ (فرقان)

وکذلک جعلنا فی کل قریۃ اکبر مجرمیھا (الآیۃ) اکابر، اکبر کی جمع ہے مراد کافروں، فاسقوں کے سرغنے ہیں اسلئے کہ یہی انبیاء اور داعیان حق کی مخالفت میں پیش پیش رہتے ہیں، عام اور معمولی درجے کے لوگ ان کے پیچھے لگ لیتے ہیں اسی لئے ان کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے اور ایسے لوگ عام طور پر دنیاوی دولت اور خاندانی وجاہت کے اعتبار سے بھی نمایاں ہوتے ہیں، اس لئے مخالفت حق میں بھی ممتاز ہوتے ہیں، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے پاس بھی فرشتے وحی لے کر آئیں اور ان کے سروں پر تاج نبوت رکھا جائے، حالانکہ یہ فیصلہ کرنا کہ کس کو نبی بنایا جائے؟ یہ تو اللہ ہی کا کام ہے کیونکہ وہ ہر بات کی حکمت مصلحت کو جانتا ہے اور اسے ہی معلوم ہے کہ کون اس منصب کا اہل ہے مکہ کا کوئی چودھری؟ یا

جناب عبداللہ وحضرت آمنہ کا دریتیم؟

یا معشر الجن قد استکثرتم من الانس (الآیۃ) اے جنو! تم نے انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو گمراہ کرکے اپ
پیرو بنا لیا ہے، جنوں اور انسانوں نے ایک دوسرے سے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں جنوں ن
انسانوں سے فائدہ اٹھانا انکو اپنا پیرو کار بنا کر ان سے تلمذ حاصل کرنا ہے اور انسانوں کے جنوں سے فائدہ اٹھانے کا مطلب یہ ہ
کہ شیطانوں نے ان کے گناہوں کو خوشنما بنا کر پیش کیا جسے انہوں نے قبول کرلیا، دوسرا مطلب یہ ہے کہ انسان ان غیبی خبروں ک
تصدیق کرتے رہے جو شیطین و جنات کی طرف سے کہانت کے طور پر پھیلائی جاتی تھیں یہ گویا کہ جنات نے انسانوں کو ب
وقوف بنا کر فائدہ اٹھایا، اور انسانوں کا فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ انسان جنات کی بیان کردہ جھوٹی باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں او
کاہن قسم کے لوگ ان سے دنیوی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ اي من مجموعكم الصادق بالانس او رسل الجن
نُذُرهم الذين يسمعون كلام الرسل فيبلغون قومهم يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ
يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا ان قد بلغنا قال تعالى وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فلم يؤمنو
وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿١٣٠﴾ ذٰلِكَ اي ارسال الرسل اَنْ اللام مقدرة وهي مخففة اي لان
لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ منها وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾ لم يرسل اليهم رسول يبين لهم وَلِكُلٍّ من العاملين
دَرَجٰتٌ جزاء مِّمَّا عَمِلُوْا من خير وشر وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾ بالياء والتاء وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ عن
خلقه وعبادتهم ذُو الرَّحْمَةِ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ يا اهل مكة بالاهلاك وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ من
الخلق كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اذهبهم ولكنه تعالى ابقاكم رحمة اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ من الساع
والعذاب لَاٰتٍ لا محالة وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿١٣٤﴾ فائتين عذابنا قُلْ لهم يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ
حالتكم اِنِّيْ عَامِلٌ على حالتي فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ موصولة مفعول العلم تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اي
العاقبة المحمودة في الدار الآخرة انحن ام انتم اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ يسعد الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ الكافرون وَجَعَلُوْا اي
كفار مكة لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ خلق مِنَ الْحَرْثِ الزرع وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا يصرفونه الى الضيفان والمساكين
ولشركائهم نصيبا يصرفونه الى سدنتها فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ بالفتح والضم
وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فكانوا اذا سقط في نصيب الله شيء من نصيبها التقطوه او في نصيبها شيء من
نصيبه تركوه وقالوا ان الله غني عن هذا كما قال تعالى فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ اي لجهته
وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ بئس مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ حكمهم هذا وَكَذٰلِكَ كما زين لهم
ما ذكر زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ بالوأد شُرَكَآؤُهُمْ من الجن بالرفع فاعل زين

وفی قراءۃٍ ببنائہ للمفعول ورفع قتل ونصب الاولادِ وجرِّ شرکائِہم باضافتہ وفیہ الفَصْلُ بینَ المضاف الیہ بالمفعول ولا یَضُرُّ اضافۃُ القتل الی الشرکاءِ لِاَمْرِہِمْ بہ **لِيُرْدُوْهُمْ** یُہلکوہم **وَلِيَلْبِسُوْا** یخلطوا **عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۳۷ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ** حرام **لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَاۗءُ** من خَدَمَۃِ الاوثان وغیرہم **بِزَعْمِهِمْ** ای لا حُجَّۃَ لہم فیہ **وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا** فلا تُرْکَبُ کالسوائب والحَوَامِیْ **وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا** عند ذبحہا بل یَذْکُرُوْنَ اسمَ اصنامِہم ونسبُوْا ذٰلک الی اللہ **افْتِرَاۗءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۳۸** علیہ **وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ** المحرَّمۃ وہو السوائبُ والبحائرُ **خَالِصَةٌ** حلالٌ **لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ** ای النساء **وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً** بالرفع والنصب مع تانیثِ الفعل وتذکیرہ **فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاۗءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ** اللّٰہُ **وَصْفَهُمْ ۭ** ذلک بالتحلیل والتحریم ای جزاءَہٗ **اِنَّهٗ حَكِيْمٌ** فی صنعہ **عَلِيْمٌ ۝۱۳۹** بخلقہ **قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا** بالتخفیف والتشدید **اَوْلَادَهُمْ** بالوأد **سَفَهًۢا** جہلاً **بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ** مما ذُکر **افْتِرَاۗءً عَلَي اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۱۴۰**

ترجمہ: اے جن وانس کے گروہو! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے؟ یعنی تمہارے مجموعہ میں سے جو کہ انسانوں پر صادق ہے، یا رسلِ جن سے وہ آگاہ کرنے والے جن مراد ہیں جو (انسانی) رسولوں کا کلام سنتے اور اپنی قوم کو پہنچاتے تھے، جو تم کو میری آیتیں پڑھ کر سناتے اور تم کو اس دن کے پیش آنے سے آگاہ کرتے، وہ کہیں گے (ہاں) ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے پاس پیغام پہنچایا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائیگا ان کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈالے رکھا جس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لائے، اور وہ اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے یہ رسولوں کو بھیجنا اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو اس حال میں ہلاک کرنا نہیں چاہتا کہ وہ بے خبر ہوں کہ ان کے پاس کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو وہ ان کو آگاہ کرنے والا ہو، اور ہر نیک وبد عمل کرنے والے کو (اس کے عمل کی) جزاء ملے گی، اور آپ کا رب ان کے عمل سے بے خبر نہیں ہے (یعملون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور آپ کا رب اپنی مخلوق اور اس کی عبادت سے مستغنی ہے، رحمت والا ہے اے اہل مکہ اگر وہ چاہے تو تم کو ہلاک کر کے نیست کردے اور تمہارے بعد جس مخلوق کو چاہے تمہارا خلیفہ بنادے جیسا کہ تم کو دوسری قوموں کی نسل سے پیدا کیا ہے جن کو اس نے ہلاک کردیا، لیکن محض اپنے فضل سے تم کو باقی رکھا، یقیناً تم سے جس قیامت اور عذاب کا وعدہ کیا جارہا ہے وہ یقیناً آنیوالی ہے اور تم (ہم کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی تم ہمارے عذاب سے بچ کر نہیں نکل سکتے، (اے محمد) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اے میری قوم تم اپنے طریقہ پر عمل کرتے رہو میں اپنے طریقہ پر عمل کررہا ہوں تم کو عنقریب معلوم ہوجائیگا کہ کس کا دار آخرت میں انجام بہتر ہے؟ مَن موصولہ تعلمون کا مفعول ہے یعنی آخرت میں کون انجام کے اعتبار سے بہتر ہے؟ ہم یا تم، یہ یقینی بات ہے کہ ظالم کافر کامیاب نہ ہوں گے اور کفار مکہ نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور

مویشیوں سے ایک حصہ اس کے لئے مقرر کیا ہے جس کو وہ مہمانوں اور مسکینوں کے لئے خرچ کرتے ہیں اور ایک حصہ اپنے معبودوں کے لئے مقرر کیا ہے جس کو وہ کعبہ کے خدام کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور بزعم خویش کہتے ہیں یہ اللہ کے لئے ہے (زعم) زاء کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے اور یہ ہمارے معبودوں کے لئے ہے اگر اللہ کے حصہ میں بتوں کے حصے سے کچھ گر جاتا تو اٹھا لیتے اور اگر بتوں کے حصہ میں اللہ کے حصے میں سے کچھ گر جاتا تو چھوڑ دیتے اور کہتے کہ اللہ اس سے بے نیاز ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا، پھر جو ان کے بتوں کا حصہ ہوتا ہے تو وہ اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا حصہ ہوتا ہے وہ ان کے بتوں تک پہنچ جاتا ہے جو فیصلہ یہ لوگ کرتے ہیں کس قدر ناپسندیدہ ہے اور جس طرح مذکورہ چیزیں ان کے لئے خوشنما بنا دی گئی ہیں اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لئے زندہ درگور کے ذریعہ انکی اولاد کا قتل کرنا ان کے جنی معبودوں نے خوشنما بنا دیا ہے (شرکاء) کے رفع کے ساتھ زَیَّنَ کا فاعل ہونے کی وجہ سے اور ایک قراءت میں (زُیِّنَ) مجہول کے صیغہ کے ساتھ اور قتل کے رفع اور (زین کی وجہ سے) الاولادَ کے نصب کے ساتھ اور شرکاء کے جر کے ساتھ، اس کی اضافت کی وجہ سے اور اس میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان مفعول کا فصل ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے اور قتل کی اضافت شرکاء کی جانب ان کے حکم کرنے کی وجہ سے ہے تاکہ وہ انھیں برباد کر دیں، اور تاکہ وہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ بنا دیں، اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتے، لہٰذا انھیں اور ان کی افتراء پردازیوں کو چھوڑ دو اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کچھ جانور اور کھیت ہیں جن کا استعمال ممنوع ہے ان بتوں کے خدام میں سے صرف وہی کھا سکتا ہے جس کو ہم اجازت دیں (یہ پابندی) ان کے اپنے گمان کے اعتبار سے ہے یعنی اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور کچھ جانور ہیں کہ جن پر سواری ممنوع قرار دے لی گئی ہے کہ ان پر سواری نہیں کی جاتی جیسا کہ سوائب اور حوامی، اور کچھ جانور ہیں کہ بوقت ذبح ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے بلکہ ان پر اپنے بتوں کا نام لیتے ہیں اور اس کی نسبت وہ اللہ کی طرف کرتے ہیں محض اللہ پر افتراء کے طور پر عنقریب اللہ تعالی ان کو اس پر افتراء پردازیوں کی سزا دے گا، اور وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ان حرام کردہ جانوروں کے پیٹ میں ہے اور وہ سوائب اور بحائر ہیں وہ ہمارے مردوں کے لئے خاص طور پر حلال ہے اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہو (میتة) رفع اور نصب کے ساتھ ہے فعل (یکن) کی تذکیر اور تانیث کے ساتھ تو اس میں سب برابر کے شریک ہیں عنقریب اللہ تعالی ان کی اس تحلیل و تحریم کی گھڑی ہوئی باتوں کی سزا دے گا، یقیناً وہ اپنی صنعت میں حکیم (اور) اپنی مخلوق کے بارے میں باخبر ہے یقیناً وہ لوگ خسارے میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو زندہ دفن کر کے جہالت اور بیوقوفی کی وجہ سے قتل کیا (قتلوا) تاء کی تشدید و تخفیف کے ساتھ ہے، اور اللہ کے دیئے ہوئے مذکورہ رزق کو اللہ پر افتراء پردازی کر کے حرام ٹھہرالیا، یقیناً وہ گمراہ ہو گئے راہ راست پانے والے نہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یقال لَهُمْ، اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یا معشر الجن کا عامل محذوف ہے اور وہ یقال ہے نہ کہ ماقبل میں مذکور نحشرهم، المعشر بمعنی جماعت اس کی جمع مَعَاشِرَ ہے جنّ سے مراد شیاطین ہیں۔

قولہ: اِسْتَکْثَرْتُمْ، سین، تاء، کثرت کی تاکید کے لئے ہیں۔

قولہ: باِغْوَائِکم اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے، ای باغواءِ الانس۔

قولہ: من مَجْمُوْعِکُم الصَّادِقِ بالاْنسِ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: رسول انسان ہوتا ہے نہ کہ جن حالانکہ رُسُلٌ منکم، سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اس لئے کہ خطاب انس و جن دونوں کو ہے۔

جواب: خطاب میں جب ثقلین جمع ہوں جیسا کہ یہاں جمع ہیں تو منکم کہنا درست ہوتا ہے اگرچہ مراد ایک ہی ہوتا ہے جیسا کہ یخرج منهما اللُّؤلُؤ والمرجان میں دریائے شور مراد ہے اسلئے کہ دریائے شور سے موتی نکلتے ہیں نہ کہ شیریں سے مگر پھر بھی منهما کہنا درست ہے، منکم ای من مجموعکم الصادق بالانس، مطلب یہ ہے کہ منکم سے مراد مجموعۂ مخاطبین ہے اور مجموعہ میں انس بھی داخل ہیں لہٰذا منکم اس وقت بھی صادق آئیگا جب صرف ایک ہی فریق مراد ہو اور وہ یہاں انس ہے، رسلٌ سے دوسرے جواب کی طرف اشارہ ہے رُسُلٌ سے رسول اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ لغوی بمعنی قاصد مراد ہے اور یہ وہ جنات تھے جنہوں نے آپ ﷺ کا قرآن سنا تھا گویا کہ وہ آپ ﷺ کے ان کی قوم کی طرف قاصد اور نذیر تھے۔

قولہ: ذلك، یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے الأمــــر ذلك، مبتداء محذوف کی وجہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے، ان لم یکن سے علت بیان ہو رہی ہے اَنْ اصل میں لِاَنْ ہے اور علت حکم کی ہوا کرتی ہے، اور ذلك حکم نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے ذلك مبتداء محذوف کی خبر ہے ای الأمر ذلك، اور اس میں حکم ہے، لہٰذا علت بیان کرنا صحیح ہو گیا لام مقدر ماننے سے عدم ربط کا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔

قولہ: قوم آخرین، سے مراد اہل سفینۂ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

قولہ: وَلا یَـــضُـــرُّ، اس کلمہ کے اضافہ کا مقصد صاحب کشاف اور ان حضرات پر رد کرنا ہے جو مصدر مضاف الی فاعل کے درمیان فصل مفعول بلاضرورت شعری ناجائز کہتے ہیں۔

تفصیل:

وکذلكَ زَیَّنَ لکثیر من المشرکین قَتْلَ اَوْلَادهم شرکاؤهم، اس آیت میں متعدد قراءتیں ہیں، مکتوبہ قراءت جمہور کی قراءت ہے، زَیَّنَ معروف اور شرکاؤهم اس کا فاعل ہے قَتْلَ، زَیَّنَ کا مفعول ہے اس قراءت پر کوئی اعتراض نہیں ہے ایک دوسری قراءت ابن عامر کی ہے یہ قراءت بھی قراءات سبعہ میں سے ہے، ابن عامر کی قراءت اسطرح ہے، وکذلك زُیِّنَ لکثیر من المشرکین قَتل اولادَهم شرکائِهِمْ" زُیِّنَ فعل مجهول قَتْلُ، زُیِّنَ فعل مجهول کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع اور اَوْلادَهم مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب اور شرکائِهم قَتْلُ کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اس صورت میں قتلُ مضاف اور شرکاء مضاف الیہ کے درمیان اولادَهم مفعول کا فصل لازم آتا ہے جو کہ بلاضرورت شعری

کلام منثور میں جائز نہیں ہے اور وہ بھی قرآن میں جو کہ اپنے لفظ و معنی کے اعتبار سے فصاحت و بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اس کے نادرست ہونے کی وجہ نحویین کے نزدیک یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان **فصل** بلاضرورت شعری جائز نہیں ہے، اسلئے کہ مضاف الیہ مضاف کے لئے بمنزلہ جزء کے ہوتا ہے اسلئے کہ مضاف الیہ مضاف کی تنوین کی جگہ واقع ہوتا ہے لہٰذا جس طرح اجزاء اسم کے درمیان **فصل** جائز نہیں ہے اسی طرح مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان **فصل** درست نہیں ہے اور یہ بصریین کا قول ہے، البتہ کوفیین کے نزدیک اگر مضاف مصدر اور مضاف الیہ اس کا فاعل ہو اور **فصل مفعول** کا ہو جیسا کہ ابن عامر کی مذکورہ قراءت میں ہے جائز ہے، **لا یضرہ** کہہ کر مفسر علام نے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، (اعراب القرآن) ابن مالک نے بھی کافیہ کی شرح میں اس **فصل** کو بلاضرورت شعری جائز کہا ہے، **قال، اضافة المصدر الی الفاعل مفعولاً بینهما بمفعول المصدر جائزة.**

قَوْلُہٗ: **وَاِضَافَةُ الْقَتْلِ اِلَى شُرَكَائِهِمْ لِاَمْرِهِمْ بِه**، **اضافةُ القتل** مبتداء ہے اور **لأمرهم به** اس کی خبر ہے، مطلب یہ ہے کہ قتل کی اضافت شرکاء کی جانب مجازی ہے، اصل قاتل تو مشرکین ہیں، مگر چونکہ **قتل** کا حکم دینے والے شرکاء ہیں اس لئے **قتل** کی اضافت **شرکاء** کی جانب ان کے آمر ہونے کی وجہ سے کر دی گئی ہے اسی کو اسناد مجازی کہتے ہیں، جیسے **بنى الاميرُ المدينة** میں بناء کی اضافت امیر کی جانب مجازی ہے، اس کے بناء کا حکم دینے کی وجہ سے۔

قَوْلُہٗ: **بالرَفْعِ و النَصْبِ**، اگر کان تامہ ہو تو **میتة** مرفوع ہوگا اور اگر ناقصہ ہو تو نصب ہوگا۔

تفسیر وتشریح

جنات میں نبی ہوئے ہیں یا نہیں؟ **رُسُلٌ مِنكُم** سے ایک بڑی بحث چھڑ گئی ہے کہ آیا جنات میں بھی سلسلہ نبوت قائم رہا ہے یا نہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں اسلاف کی رائے بھی معلوم کر لی جائے کہ کیا جنوں کی ہدایت کیلئے ان ہی میں سے اسی طرح رسول آئے ہیں جس طرح انسانوں کی ہدایت و تبلیغ کے لئے خود انسانوں میں سے رسول آئے اس سلسلہ میں چار قول ملتے ہیں۔

دربارۂ نبوتِ جن، اسلاف کی آراء:

❶ جس طرح انسانوں کی ہدایت کے لئے انسان رسول آئے ہیں اسی طرح جنوں کی ہدایت کے لئے بھی جن رسول آئے، یہ رائے حضرت ضحاک بن مزاحم سے منقول ہے ان سے کسی نے سوال کیا کہ کیا ہمارے رسول ﷺ سے پہلے جنوں میں بھی رسول گذرے ہیں موصوف نے اثبات میں جواب دیا اور دلیل میں یہی آیت پڑھی اسی کی تائید میں ایک قول اور نقل ہوا ہے کہ جن وانس میں پیغمبران ہی کے ہم جنس آئے ہیں۔ (بيضاوى، وعليه ظاهر النص، مدارك)

❷ جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے انسان بھی رسول ہوتے تھے اور جن بھی یہ شرف آپ ﷺ کو حاصل ہوا

کہ آپ جن وانس دونوں کے لئے مبعوث کئے گئے۔ (یہ کلبی کا قول ہے)۔

۳ تیسرا قول یہ ہے کہ رسول صرف انسان ہی ہوتے رہے ہیں، البتہ جنوں کی ہدایت کے خصوصی نمایندے جنوں میں سے مقرر ہوتے تھے ان کا یہ کام ہوتا تھا کہ انبیاء کرام کے ارشادات سنیں اور پوری احتیاط سے جنوں کی برادری تک پہنچائیں ان کو مُنذر یا نذر کہا جاتا تھا۔ (یہ مجاہد کا قول ہے)۔

۴ آیت اَلَمْ یاتکم رُسُلٌ مِنکم سے یہ بات تو صاف معلوم ہوتی ہے کہ جن وانس دونوں کی ہدایت کے لئے رسول آئے، یہ بھی ہوسکتا ہے انسان ہی رسول بنائے گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بیکوقت جن اور انس دونوں رسول بنائے گئے ہوں، اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے جنوں کو بھی شرف نبوت سے نوازا گیا ہو مگر یہ سلسلہ آنحضرت کی بعثت کے بعد موقوف کر دیا گیا ہو اس قول کی بنیاد دو باتوں پر ہے، اول یہ کہ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لو کان فی الارض ملئکة یمشون مطمئنین لنزلنا علیهم من السماء ملکا رسولا"، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اور مرسل الیہم میں یکجہتی ہونا ضروری ہے، اگر رسول اور مرسل الیہم میں مناسبت نہ ہو تو افادہ اور استفادہ دونوں دشوار ہوں گے اس اصول کے پیش نظر جنی رسولوں کو غالباً شرف نبوت ورسالت حاصل ہوا ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ بات یقینی ہے کہ جنوں کی پیدائش انسانوں سے کہیں پہلے ہے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ جنات بھی اپنے اعمال کے جواب دہ ہیں اگر جن اپنے اعمال کے جواب دہ نہ ہوتے تو ارشاد ربانی لا ملئن جھنم من الجنة والناس، نہ ہوتا۔

جمہور کا فیصلہ:

جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ مستقل انبیاء صرف انسانوں میں ہوئے ہیں جنات میں صرف ان کے نائب اور نذیر ہوتے رہے ہیں (ابن جریر) البتہ اجماع اس قول پر بھی نہیں ہے اور جن لوگوں نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے وہ محض دعویٰ بلا دلیل ہے کیف ینعقد الاجماع مع حصول الاختلاف. (کبیر)

وَجَعَلوا لِلّٰہِ مما ذرأ مِن الحرث والانعام نصیبًا اس آیت میں مشرکوں کے اس عقیدہ وعمل کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنے طور پر گھڑ رکھا تھا کہ وہ زمینی پیداوار اور مال مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ کے لئے اور کچھ حصہ خود ساختہ معبودوں کے لئے مقرر کر لیتے تھے، اللہ کے حصہ کو مہمانوں محتاجوں اور صلہ رحمی پر خرچ کرتے تھے اور بتوں کے حصہ کو بتوں کے مجاوروں اور ان کی ضروریات پر خرچ کرتے تھے، پھر اگر بتوں کے حصہ میں توقع کے مطابق پیداوار نہ ہوتی تو اللہ کے حصہ میں سے نکال کر بتوں کے حصہ میں شامل کر لیتے اور اگر اس کے برعکس معاملہ ہوتا تو بتوں کے حصہ میں سے نہ نکالتے اور کہہ دیتے کہ اللہ تو غنی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ خلق جَنّٰتٍ بساتين مَّعْرُوْشٰتٍ مبسوطاتٍ على الارض كالبطيخ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ بان ارتفعت على ساق كالنخل وَّ انشا النَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ ثمرهُ وحَبُّهٗ في الهيئة والطعم وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا ورقهما وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ طعمهما كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ قبل النضج وَاٰتُوْا حَقَّهٗ زكوته يَوْمَ حَصَادِهٖ بالفتح والكسر من العُشر او نصفه وَلَا تُسْرِفُوْا باعطاء كله فلا يبقى لعيالكم شئ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ المتجاوزين ما حُدّلهم وَ انشا مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً صالحة للحمل عليها كالابل الكبار وَّفَرْشًا لا تصلح له كالابل الصغار الغنم سُمّيت فرشا لانها كالفرش للارض لدنوّها منها كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ طرائقه في التحليل والتحريم اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ بيّن العداوة ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ اصناف بدل من حمولة وفرشا مِنَ الضَّاْنِ زوجين اثْنَيْنِ ذكرا وانثى وَمِنَ الْمَعْزِ بالفتح والسكون اثْنَيْنِ قُلْ يا محمد لمن حرّم ذكور الانعام تارة واناثها اُخرى ونَسَبَ ذلك الى الله آٰلذَّكَرَيْنِ من الضأن والمعز حَرَّمَ الله عليكم اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ منهما اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ذكرا كان او انثى نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ عن كيفية تحريم ذلك اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فيه المعنى من اين جاء التحريم فان كان من قِبَل الذكورة فجميع الذكور حرام او الانوثة فجميع الاناث او اشتمال الرحم فالزوجان فمن اين التخصيص والاستفهام للانكار وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ اَمْ بل كُنْتُمْ شُهَدَآءَ حضورا اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا التحريم فاعتمدتم ذلك لا بل انتم كاذبون فيه فَمَنْ اى لا احد اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بذلك لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کئے بیلدار زمین پر پھیلنے والے بھی مثلاً خربوزہ (وغیرہ) اور تنے دار بھی جو تنے پر قائم ہوتے ہیں مثلاً کھجور کے درخت (وغیرہ) اور کھجور اور کھیتی پیدا کیں کہ اس کے پھل اور دانے ہیئت (شکل) اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں، اور زیتون اور انار (پیدا کئے) کہ جن کے پتے ملتے جلتے اور ان کا مزہ الگ الگ ہوتا ہے پھل لگنے کے بعد پکنے سے پہلے کھاؤ (اور بعد بھی) اور اس کی کٹائی کے وقت اس کا حق زکوۃ ادا کرو (حِصاد) فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے، (مراد) عشر یا نصف عشر ہے اور (انفاق میں) اسراف نہ کرو کہ کل پیداوار دے ڈالو، کہ تمہاری عیال کے لئے کچھ بھی باقی نہ رہے، اللہ تعالی متعین کردہ شئ میں تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا کچھ جانور ایسے پیدا کئے جو بار برداری کے لائق ہیں مثلاً بڑے اونٹ اور کچھ چھوٹے ناقابل بار برداری جیسا کہ اونٹوں کے بچے اور بکریاں، ان کو فرش کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ زمین کے لئے زمین سے قریب ہونے کی وجہ سے فرش کے مانند ہوتے ہیں، جو کچھ اللہ تعالی نے تم کو دیا ہے اس میں سے کھاؤ، (پیو)

اور حلال وحرام کرنے میں شیطان کے طریقوں کی پیروی نہ کرو یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے، (پیدا کیں) آٹھ قسمیں (ثمانیة ازواج) حمولة وفرشا سے بدل ہے، بھیڑوں کا نرومادہ کا جوڑا اور بکریوں کا جوڑا (المعز) عین فتحہ اور سکون کے ساتھ، اے محمد ﷺ آپ ان لوگوں سے پوچھئے جنہوں نے کبھی تو جانوروں کے نروں کو حرام کیا اور کبھی ان کی ماداؤں کو اور اس (حرمت) کی نسبت اللہ کی طرف کردی، یا بھیڑ بکریوں مذکورہ دونوں قسموں کے نروں کو اللہ نے تمہارے لئے حرام کیا ہے یا ان کی ماداؤں کو؟ یا اس کو جس کو دونوں مادائیں پیٹ میں لئے ہوئے ہیں نر ہو یا مادہ تم مجھے ان کی تحریم کی کیفیت کسی دلیل سے بتاؤ اگر تم اس میں سچے ہو، مطلب یہ ہے کہ تحریم کہاں سے آئی؟ اگر نر ہونے کی وجہ سے ہے تو تمام نر حرام ہونے چاہئیں، یا مادہ ہونے کی وجہ سے ہے تو تمام مادائیں حرام ہونی چاہئیں (یا تحریم بچہ کے) رحم میں ہونے کی وجہ سے آئی تو (نرومادہ) دونوں قسمیں حرام ہونی چاہئیں، مگر یہ تخصیص کہاں سے آئی؟ اور استفہام انکاری ہے، اور اونٹ میں دو قسمیں اور گایوں میں دو قسمیں آپ ان سے پوچھئے کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں ماداؤں کو؟ یا اس (بچہ) کو جس کو مادائیں پیٹ میں لئے ہوئے ہیں کیا تم حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس تحریم کا حکم دیا کہ تم نے اس پر یقین کرلیا، ایسا نہیں ہے بلکہ تم اس معاملہ میں دروغ گو ہو تو اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ کوئی نہیں، جس نے اس معاملہ میں اللہ پر بہتان لگایا تاکہ لوگوں کو بلا دلیل گمراہ کرے اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: مَعْرُوْشَات، اسم مفعول جمع مؤنث، واحد معروشة چھتریوں پر چڑھائی ہوئی بیلیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مطلق بیلوں کو کہتے ہیں چھتریوں پر چڑھائی گئی ہوں یا نہ چڑھائی گئی ہوں، اس میں انگور، تربوز، خربوز، کدو وغیرہ ہر قسم کی بیلیں آگئیں۔

قولہ: اُكُلُه، ضمیر مضاف الیہ ذرعٌ کی طرف راجع ہے نہ کہ نخلٌ کی طرف اسلئے کہ نخل مؤنث سماعی ہے اور اُكُلُهٗ کی ضمیر مذکر ہے، جس کی وجہ سے مطابقت نہ ہوگی، باقی کو ذرع پر قیاس کیا جائیگا۔

قولہ: قَبْلَ النَّضج یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: اِذَا اَثْمَرَ کا بظاہر کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا اسلئے کہ کھانے کا تعلق پھل آنے کے بعد ہی ہوتا ہے پھل آنے سے پہلے کھانا ممکن ہی نہیں ہے۔

جواب: قبل النضج کا اضافہ اسی سوال کا جواب ہے مطلب یہ ہے کہ عام طور پر یہ وہم ہوتا ہے کہ پھل کھانے کا تعلق پھل پکنے کے بعد ہی ہوتا ہے حالانکہ بعض پھل پکنے سے پہلے بھی کھائے جاتے ہیں۔

قولہ: وَانشأ مِنَ الْاَنْعَامِ، لفظ اَنشأ مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ من الانعام کا عطف جنّٰت پر ہے اسلئے کہ قریب

پر عطف کرنے سے معنی فاسد ہو جائیں گے۔

قولہ: بَدَلٌ مِنْ حَمُوْلَة، یہ ان لوگوں پر رد ہے جو ثمانیة ازواجٍ کو فعل مقدر کا مفعول قرار دیکر تقدیر عبارت کلوا ثمانية ازواج مانتے ہیں اسلئے کہ تقدیر بلاضرورت جائز نہیں ہے۔

قولہ: من الضان یہ ثمانیہ ازواج سے بدل ہے ضان، ضائن کی جمع ہے۔

قولہ: زوجين اثنين.

سوال: زوجین زوجٌ کا تثنیہ ہے زوج جوڑے کو کہتے ہیں جو کہ دو پر مشتمل ہوتا ہے لہٰذا زوجین کا مطلب ہوگا چار، تو اس صورت میں زوجین کی صفت اثنین لانا درست نہیں ہوگا؟

جواب: زوج کے دو معنی ہیں، ① زوج اس کو کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ اسی کی جنس کا دوسرا ہو اس کے لئے دو کا ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ شوہر کو زوج کہہ دیتے ہیں ② دوسرے معنی جوڑا اس وقت زوجین کے معنی ہوں گے چار، اس معنی کے اعتبار سے زوجین کی صفت اثنین لانا درست نہ ہوگا، یہاں اول معنی مراد ہیں۔

قولہ: ءالذکرین، حرّم کا مفعول بہ مقدم ہے اورام حرف عطف ہے الانثيين، ذکرین پر معطوف ہے جملہ ہو کر قل کا مقولہ ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے۔ (لغات القرآن للدرویش)

تفسیر و تشریح

وَهو الذی أنشأ جنّتٍ معروشاتٍ الخ معروشاتٍ کا مادہ عرش ہے جس کے معنی بلند کرنے اور اٹھانے کے ہیں، مراد وہ بیلیں ہیں جو ٹٹیوں، چھپروں، منڈیروں وغیرہ پر چڑھائی جاتی ہیں، مثلاً انگور اور بعض سبزی ترکاریوں کی بیلیں اور غیر معروشت سے وہ بیلیں جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائی جاتی بلکہ زمین پر پھیلتی ہیں مثلاً تربوز خربوز وغیرہ یا تنے دار درخت جو بیل کی شکل میں نہیں ہوتے مثلاً کھجور اور کھیتیاں وغیرہ مذکورہ تمام کھیتیاں اور درخت وغیرہ جن کے ذائقہ اور خوشبو رنگ وغیرہ مختلف ہوتے ہیں، ان سب کا پیدا کرنیوالا اللہ ہے لہٰذا ان میں کسی کی شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وَآتُوْا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ یعنی جب کھیتی کاٹ کر غلہ صاف کرلو اور پھل درختوں سے توڑلو تو اس کا حق ادا کرو جس میں صدقات واجبہ عشر وغیرہ اور صدقات نافلہ عطیہ اور ہبہ و ہدیہ وغیرہ سب داخل ہیں۔

ولا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ یعنی صدقہ و خیرات میں بھی حد سے تجاوز نہ کرو، یعنی نفلی صدقات میں اسلئے کہ صدقات واجبہ تو محدود و متعین ہیں ان میں اسراف کا سوال ہی نہیں ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِىْ مَآ اُوْحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ بالياءِ والتاءِ مَيْتَةً بالنصب وفي قراءةٍ بالرفع مع التحتانيةِ اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا سائلاً بخلافِ غيرهِ كالكبدِ والطحالِ اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ حرامٌ

أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ اى ذبح على اسم غيره فَمَنِ اضْطُرَّ الى شئ مما ذكر فاكله غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ له ما اكل رَّحِيمٌ ﴿١٤٥﴾ به ويلحق بما ذكر بالسنة كل ذى ناب من السباع ومخلب من الطير وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا اى اليهود حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وهو ما لم تفرق اصابعه كالابل والنعام وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا الثروب وشحم الكلى إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا اى ما علق بهما منه أَوِ حملته الْحَوَايَا الامعاء جمع حاوياء او حاوية أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ منه وهو شحم الالية فانه أحل لهم ذَٰلِكَ التحريم جَزَيْنَاهُم به بِبَغْيِهِمْ ۖ بسبب ظلمهم بما سبق فى سورة النساء وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٤٦﴾ فى اخبارنا ومواعيدنا فَإِن كَذَّبُوكَ فيما جئت به فَقُل لهم رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ حيث لم يعاجلكم بالعقوبة وفيه تلطف بدعائهم الى الايمان وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عذابه اذا جاء عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٤٧﴾ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا نحن وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ فاشراكنا وتحريمنا بمشيئته فهو راض به قال تعالى كَذَٰلِكَ كما كذب هؤلاء كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ رسلهم حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ عذابنا قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ بان الله راض بذلك فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ اى لا علم عندكم إِن ما تَتَّبِعُونَ فى ذلك إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ ما أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾ تكذبون فيه قُلْ ان لم يكن لكم حجة فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ التامة فَلَوْ شَاءَ هدايتكم لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٤٩﴾ قُلْ هَلُمَّ احضروا شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا ۖ الذى حرمتموه فَإِن شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٠﴾ يشركون.

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس لائی گئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا کہ کسی کھانے والے پر حرام ہو الّا یہ کہ وہ مردار ہو (یکون) یاء اور تاء کے ساتھ (میتةً) نصب کے ساتھ ہے اور ایک قراء میں یاء تحتانیہ کے ساتھ ہے، یا بہایا ہوا خون ہو یعنی دم سائل بخلاف غیر سائل کے مثلاً جگر، اور تلّی، یا خنزیر کا گوشت اسلئے کہ وہ تو ناپاک حرام ہے یا فسق ہو جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، یعنی غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو، سو جو شخص مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کی طرف مجبور ہوا اور اس نے ان میں سے کھالیا بغیر اس کے کہ وہ نافرمانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور بغیر اس کے کہ حد ضرورت سے تجاوز کرے، تو یقیناً اس کھائے ہوئے کے بارے میں تمہارا رب درگذر سے کام لینے والا رحم فرمانے والا ہے اور مذکورہ چیزوں کے ساتھ حدیث کی وجہ سے کچلی والے درندوں اور پنجے والے پرندوں کو شامل کر لیا گیا ہے، اور یہود پر ہم نے ناخن والے تمام جانور حرام کر دیئے اور وہ ایسے جانور ہیں کہ ان کی انگلیاں الگ نہ ہوں جیسا کہ اونٹ اور شتر مرغ، اور گائے اور بکری کی اوجھ اور گردے کی چربی ہم نے ان پر حرام کر دی مگر وہ چربی جو ان کی پیٹھ میں لگی ہو، یا آنتوں میں لگی ہو، حوایا بمعنی انتڑی

حاویا یا حاویہ کی جمع ہے یا وہ چربی جو ہڈی سے لگی ہو اور وہ سُرین کی چربی ہے وہ ان کے لئے حلال تھی، تحریم کی یہ سزا ہم نے ان کی سرکشی کی وجہ سے دی جس کا ذکر سورۂ نساء میں گذر چکا ہے اور ہم اپنی خبروں میں اور وعدوں میں سچے ہیں اور جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں اگر یہ اس میں آپ کی تکذیب کریں تو ان سے کہدو کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے اسلئے کہ اس کی سزا میں اس نے تمہارے اوپر جلدی نہیں کی، اور (ربکم) کہنے میں ان کو ایمان کی دعوت دینے میں نرمی ہے اور اس کا عذاب جب آجائیگا تو مجرموں سے نہ ٹلے گا، یہ مشرکین یوں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے آباء اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے، (معلوم ہوا) ہمارا شرک کرنا اور ہمارا حرام ٹھہرانا اللہ کی مشیئت سے ہے اور وہ اس سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی طرح جس طرح ان لوگوں نے تکذیب کی ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھ لیا آپ ان سے پوچھئے کیا ان کے پاس اس بات پر کہ اللہ اس سے راضی ہے کوئی دلیل ہے (اگر ہے) تو اسے ہمارے روبرو ظاہر کرو یعنی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، تم اس معاملہ میں محض خیالی باتوں کی اتباع کرتے ہو اور اس معاملہ میں محض اٹکل سے باتیں کرتے ہو یعنی اس میں دروغ گوئی سے کام لیتے ہو، آپ کہئے اگر تمہارے پاس دلیل نہیں تو اللہ کے پاس حجت تامہ موجود ہے اگر اسے تمہاری ہدایت منظور ہوتی تو وہ تم سب کو ہدایت دیدیتا آپ کہئے کہ اپنے گواہ پیش کرو جو اس بات پر گواہی دیں کہ جس چیز کو تم نے حرام کرلیا ہے اللہ نے اس کو حرام کیا ہے پھر اگر وہ تصدیق کریں تو تم ان کی تصدیق نہ کرنا اور ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا اتباع نہ کیجئے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو (دوسروں کو) اپنے رب کا ہمسر ٹھہراتے ہیں (یعنی) شرک کرتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مَا اُوحِیَ اِلَیَّ. شیئًا، مَا موصولہ اُوحِیَ اس کا صلہ عائد محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَلّذی اَوْحَاهُ اللّٰهُ اِلَیَّ.

قولہ: شیئًا، اس میں اشارہ ہے کہ محرمًا موصوف محذوف کی صفت ہے ای شیئًا محرمًا.

قولہ: مَیْتَةً بالنصب، کان اگر ناقصہ مانا جائے تو اس کا اسم ضمیر مستتر ہوگی، اور اس ضمیر کا مرجع شئ مُحَرَّم ہوگی، اور مَیْتَةً کانَ کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، اور یکونُ اپنے اسم کے مرجع جو کہ مُحَرَّم ہے کی رعایت کی وجہ سے مذکر کا صیغہ ہوگا اس صورت میں خبر یعنی میتة کی رعایت نہ ہوگی، اور تکونُ مؤنث کا صیغہ خبر کی رعایت کی وجہ سے ہوگا، یہ دونوں صورتیں میتةً کے نصب کی صورت میں ہوں گی، میتةٌ کے رفع کی صورت میں تکون میں صرف ایک ہی قراءت ہوگی، یعنی تاء فوقانیہ، اور تکون اس صورت میں تامہ ہوگا، اور میتةٌ اس کا فاعل ہوگا جب مذکورہ بات سمجھ لی گئی تو مفسرِ علّام کا وفی قراءةٍ بالرفع مع التحتانیة سبقت قلم ہوگی، صحیح الفوقانیہ ہے فقط۔

قولہ: اِلَّا اَنْ تکونَ، اگر عموم احوال سے مستثنیٰ مانا جائے تو مستثنیٰ متصل ہوگا اور اگر یہ کہا جائے کہ مستثنیٰ منہ محرمًا ہے جو کہ

ذات ہے اور مستثنیٰ میتةً صفت ہے لہٰذا مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ منقطع ہوگا، والاول اقرب.
(صاوی)

قَوْلُہٗ: حرام، بہتر ہوتا کہ مفسر علام رجسٌ کی تفسیر حرام کے بجائے نجس سے کرتے اسلئے کہ حرمت تو الّا ان یکون میتة الخ استثناء سے مفہوم ہے۔

قَوْلُہٗ: اوفسقا، اس کا عطف میتةً پر ہے، اس کا مضاف محذوف ہے ای ذافسقٍ یا مبالغہ کے طور پر حمل ہوگا اس صورت میں زید عدلٌ کے قبیل سے ہوگا، لحم خنزیر پر بھی قرب کی وجہ سے عطف درست ہے، اور فانّهٗ رجس جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: اُهلَّ لغیر اللّٰه یہ فسقًا کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: ویُلحَقُ بِمَا ذُکِرَ بالسُّنَّةِ اس اضافہ میں ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔

سَوَال: آیت سے مذکورہ چار چیزوں میں حرمت کا حصر مفہوم ہوتا ہے حالانکہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں۔

جَوَاب: حصر حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ حدیث کی رو سے اور بہت سی چیزیں بھی حرام ہیں۔

قَوْلُہٗ: الثروب، جمع ثرب، چربی کی اس باریک جھلی کو کہتے ہیں جو معدہ اور آنتوں وغیرہ پر لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: کُلی، یہ کُلْیَة کی جمع ہے گردہ کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: شَحْمُ الاَلْیَةِ پُٹھ کی چربی جو دم کی ہڈی سے لگی ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: نحنُ، یہ اشرکنا کے اندر ضمیر مستتر کی تاکید ہے تاکہ مرفوع متصل پر عطف درست ہو سکے، اسلئے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کے لئے فصل یا تاکید ضروری ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: اِن لَمْ یَکُنْ لَکُمْ حُجَّةٌ، اس میں اشارہ ہے کہ فللّٰه الحجة البالغة شرط محذوف کی جزاء ہے جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے لہٰذا اب عطف الخبر علی الانشاء کا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: اُحْضُرُوا.

سَوَال: هَلُمَّ کی تفسیر احضروا بصیغۂ جمع کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جَوَاب: هَلُمَّ اسماء افعال میں سے ہے اور یہاں لغتِ حجاز کے مطابق استعمال ہوا ہے اسلئے کہ حجازیین کے نزدیک یہ غیر منصرف ہے بخلاف بنوتمیم کے، لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ یہاں مناسب هلمّوا بصیغۂ جمع تھا اسلئے کہ اس کے مخاطب کثیر لوگ ہیں۔

تفسیر و تشریح

قُلْ لَا اَجِدُ فِی مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ محرّمًا (الآیة) سابق میں ان چار محرمات کا ذکر تھا جن کو اغوائے شیطانی کی وجہ سے مشرکوں نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، اس کی پوری تفصیل سورۂ بقرہ آیت (١٧٣) میں گذر چکی ہے، اس آیت میں مشرکوں کو قائل

کرنے کے لئے کہا جارہا ہے، کہ اے محمد ﷺ تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ جن جانوروں کو تم نے اپنی طرف سے حرام ٹھہرا رکھا ہے ان کا ذکر میں، میرے اوپر نازل کردہ وحی میں کہیں نہیں پاتا سوائے ان چار چیزوں کے جن کو تم نے حلال ٹھہرا رکھا ہے، (۱) مردار جانور، (۲) بہتا ہوا خون (۳) خنزیر کا گوشت (۴) غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا ہوا جانور، ان مذکورہ حرام چیزوں کو تم نے حلال ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ یہ حرام ہیں۔

نکتہ: یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ مذکورہ چاروں محرمات کا ذکر کلمہ حصر کے ساتھ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ چار جانوروں کے علاوہ تمام جانور حلال ہیں جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ان چار کے علاوہ اور بہت سے جانور بھی شریعت میں حرام ہیں، پھر یہاں حصر کیوں کیا گیا؟ بات دراصل یہ ہے کہ ماقبل سے مشرکوں کے جاہلانہ طریقوں اور عقیدوں کا ذکر چلا آرہا ہے اسی سلسلہ میں بعض جانوروں کا بھی ذکر آیا جن کو مشرکوں نے بطور خود حرام کر رکھا تھا اسی سیاق وسباق کے ضمن میں یہ کہا جارہا ہے کہ مجھ پر جو وحی کی گئی ہے اس میں تو ان محرمات کا ذکر نہیں ہے اگر یہ مذکورہ چاروں چیزیں حرام ہوتیں تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ضرور فرماتا، مذکورہ حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی زندگی میں یہی جانور حرام تھے جن کا ذکر اس آیت میں ہے، پھر ہجرت کے بعد سورۂ مائدہ میں وہ جانور حرام ہوئے جن کی تفصیل اسی جگہ گذر چکی ہے۔

جانوروں کی حلت وحرمت کے اختلافی مسائل:

فقہاء اسلام میں ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ حیوانی غذاؤں میں جن چار چیزوں کی حرمت کا یہاں ذکر ہے بس یہی چار چیزیں حرام ہیں یہی مسلک حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمْ اور امام مالک کا ہے لیکن جمہور سلف نے اس کو تسلیم نہیں کیا، معتبر سند سے حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے جس کی رو سے مردار میں سے دو مردار مچھلی اور ٹڈی اور خون میں سے دو خون کلیجی اور تلی حلال ہیں، سور تمام علماء کے نزدیک حرام ہے اور اس کا جسم ناپاک ہے۔

خنزیر اور کتے کی کھال کا حکم:

سور اور کتے کے کھال کی دباغت کے بعد پاک ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف سورۂ مائدہ میں گذر چکا ہے ما اُھِلَّ بہ کی تفسیر بھی سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ میں گذر چکی ہے فمن اضطر غیر باغ ولا عادٍ کی تفسیر بھی سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص بھوک کے سبب ایسا عاجز اور مجبور ہو کہ اس کو اپنی جان کے تلف ہو جانے کا خوف لاحق ہو جائے تو وہ بقدر اپنی جان بچانے کے ان حرام چیزوں کو استعمال کر سکتا ہے، ایسی اضطراری کیفیت میں چونکہ احتیاط باقی نہیں رہتی اسلئے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا "فانّ ربك غفور رحیم"۔

وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر (الآیۃ) سابق میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حرام صرف وہی چیزیں ہیں جن کو

اللہ نے حرام کیا ہے کسی انسان کو کسی چیز کے حرام یا حلال ٹھہرانیکا اختیار نہیں اس پر مشرکین مکہ نے یہ کہا کہ یہود جن چیزوں کو نہیں کھاتے اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرالیا تھا اسلئے ہم بھی وہ چیزیں نہیں کھاتے، پھر یہ بات کیونکر درست ہوسکتی ہے کہ انسان کو کسی چیز کے حرام یا حلال ٹھہرانیکا اختیار نہیں ہے بلکہ اس وقت کے نبی کی معرفت ان کی سرکشی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اوپر حرام کردی تھیں یہ بات غلط ہے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے از خود اپنے اوپر کچھ چیزوں کو حرام کرلیا تھا۔

ذی ظفر سے وہ جانور مراد ہیں جن کی انگلیاں الگ الگ نہ ہوں مثلاً چرند میں اونٹ گائے وغیرہ، اور پرند میں بطخ، مرغ آبی۔

بعض اختلافی مسائل:

پالتو گدھے کو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی حرام قرار دیتے ہیں، بعض دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ حرام نہیں ہیں بلکہ کسی خاص موقع پر نبی ﷺ نے ان کی کسی خاص وجہ سے ممانعت فرمادی تھی، درندہ جانوروں اور شکاری پرندوں اور مردار خور حیوانات کو حنفیہ مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں، مگر امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک شکاری پرندے حلال ہیں، لیث رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلی حلال ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ درندے حرام ہیں جو انسان پر حملہ آور ہوتے ہیں جیسے شیر، چیتا بھیڑیا وغیرہ، عکرمہ کے نزدیک کوا اور بجو دونوں حلال ہیں، اسی طرح حنفیہ تمام حشرات الارض کو حرام قرار دیتے ہیں مگر ابن ابی لیلیٰ، امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک سانپ حلال ہے۔ (ھدایة القرآن)

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ اقرأ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ مُفَسَّرَةٌ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ احسِنوا بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ بالوَأْدِ مِّنْ اَجل اِمْلَاقٍ ۭ فَقر تخافُونَه نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ الكبائر كالزِّنا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ اى علانيتها وسِرَّها وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ كالقَوَد وحدّ الرِّدّة ورَجم المُحصَن ذٰلِكُمْ المذكُور وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ تتدبَّرُون وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ اى بالخصْلَةِ التي هِيَ اَحْسَنُ وهي ما فيه صلاحُهُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ بان يَحْتَلِمَ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ بالعَدْلِ وترْكِ البَخْس لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ طاقتها في ذلك فان اَخطأ في الكيل والوزن واللّٰهُ يعلمُ صحّةَ نيّته فلا مُؤاخذةَ عليه كما ورَدَ في حديثٍ وَاِذَا قُلْتُمْ في حكمٍ او غيره فَاعْدِلُوْا بالصِّدق وَلَوْ كَانَ المقولُ له اوعليه ذَا قُرْبٰى ۚ قرابةٍ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ بالتشديد تتعظُونَ والسكون وَاَنَّ بالفتح على تقدير اللام والكسر استينافًا هٰذَا الذى وَصّيتُكم به صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا حالٌ فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ الطُرُقَ المُخالِفَةَ له فَتَفَرَّقَ فيه حذفُ اِحدى التائين تميلُ

بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ دینه ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ التوراة وثم لترتيب الاخبار تَمَامًا للنعمة عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ بالقيام به وَتَفْصِيلًا بيانا لِّكُلِّ شَيْءٍ يحتاج اليه في الدين وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ اى بني اسرائيل بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ بالبعث يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٤﴾

ترجمہ: (اے محمد) ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں ① یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (أن) مفسرہ ہے، ② والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو ③ اور اپنی اولاد کو فقر (فاقہ) کے خوف سے زندہ درگور کر کے قتل نہ کرو ہم تمہیں رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی (دیں گے) ④ بے شرمی (یعنی) بڑے گناہوں مثلاً زنا کے پاس بھی مت جاؤ خواہ کھلم کھلا ہوں یا مخفی یعنی علی الاعلان ہوں یا چھپ کر، ⑤ اور کسی جان کو جس کو اللہ نے محترم بنایا ہے قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ مثلاً قصاص اور مرتد کی سزا کے طور پر اور شادی شدہ کو رجم کے طور پر یہ مذکورہ (وہ باتیں ہیں) جن کی تمہیں تاکید کی ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو غور وفکر سے کام لو، ⑥ اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو مستحسن ہے اور وہ طریقہ وہ ہے کہ جس میں (مالِ یتیم کی) اصلاح ہو یہاں تک کہ وہ سن رشد کو پہنچ جائے بایں طور کہ بالغ ہو جائے ⑦ اور ناپ تول میں پورا تول کر انصاف سے کام لو ڈنڈی مارنا چھوڑ دو، ہم کسی پر اس معاملہ میں اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اور اگر ناپ تول میں غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ صحت نیت کو خوب جانتے ہیں لہٰذا اس پر مواخذہ نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، ⑧ اور جب تم کسی فیصلے وغیرہ میں بات کرو تو انصاف کی کرو اگرچہ وہ شخص جس کی موافقت یا مخالفت میں یہ بات ہے قرابتدار ہی کیوں نہ ہو، ⑨ اور اللہ سے جو عہد کرو اس کو پورا کرو، ان باتوں کا اللہ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو (تذکرون) ذال کی تشدید کے ساتھ اور سکون کے ساتھ، (تاکہ تم یاد رکھو) اور یہ باتیں جن کا میں نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے میرا سیدھا راستہ ہے **مستقیمًا** حال ہے، (اَنّ) فتحہ کے ساتھ ہے لام کی تقدیر کی صورت میں اور کسرہ کے ساتھ ہے استیناف کی صورت میں، لہٰذا اسی راستہ پر چلو اور اس کے خلاف راستوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو اللہ کے دین کے راستہ سے بھٹکا دیں گی (فتفرق) میں ایک تاء کے حذف کے ساتھ ہے (یعنی راہ حق سے) پھیر دیں گی، یہ ہے وہ راہ مستقیم جس کی تم کو اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم کجروی سے بچو، اور پھر ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کتاب تورات دی تھی ثم ترتیب اخبار کے لئے ہے اس شخص پر نعمت کی تکمیل کیلئے ہو جس نے اس پر بہتر طریقہ پر عمل کیا، اور احکام کی تفصیل ہو جن کی دین میں ضرورت ہوتی ہے، اور ہدایت و رحمت ہو، تاکہ بنی اسرائیل بعث کے ذریعہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لے آئیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مُفَسِّرَة، اَلَّا، میں اَنْ فعلِ تلاوت کے لئے مفسرہ ہے اردو کے لفظ (یعنی) کے مترادف ہے، نہ کہ ناصبہ، اس لئے کہ ناصبہ ہونے کی صورت میں عطفِ طلب علی الخبر لازم آنے کی وجہ سے عطف درست نہ ہوگا، مذکورہ 'اَنْ' میں متعدد وجوہ ہیں

ان میں دو وجہ مختار ہیں، ① اَن مفسرہ ہو اسلئے کہ ماقبل میں اَتــلُ، قول کے معنی میں ہے اس لئے کہ اَن مفسرہ کے لئے قول یا قول کے ہم معنی ہونا ضروری ہے، لا، ناہیہ ہے اور تشــرکــوا فعل مضارع مجزوم ہے، ② اَن مصدریہ ہو اس صورت میں اَن اور جو اس کے تحت ہے ما حَرَّمَ، سے بدل ہوگا۔

قِوْلَهُ: اِملاق، کے معنی مفلسی، فقر و فاقہ، تنگدستی کے ہیں۔

قِوْلَهُ: بالخَصْلَةِ، اس سے اَلتی کی وجہ تانیث کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلَهُ: ثم لِتَرْتِیْبِ الاَخْبَارِ، یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوْال: ثم آتینا، کا عطف وَصّٰکم پر ہے جو اعطاء کتاب لموسیٰ کے مؤخر ہونے پر دلالت کرتا ہے حالانکہ ایتاءِ کتاب وصیت پر مقدم ہے۔

جَوَاب: یہاں ثُمَّ ترتیب اخباری کے لئے ہے نہ کہ ترتیب وجودی کے لئے۔

قِوْلَهُ: لِلنِّعْمَةِ، اس میں اشارہ ہے کہ تماماً مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے تماماً سے لام اسلئے حذف کر دیا کہ تماماً معنی میں اتماماً کے ہے۔

قِوْلَهُ: بلِقَاءِ رَبِّهِمْ یہ یؤمنون کے متعلق ہے، فواصل کی رعایت کے لئے مقدم کر دیا گیا ہے۔

تَفسِیر وَتشریح

قل تعالَوْا (الآیۃ) اس آیت میں خطاب یہود و مشرکین بلکہ پوری نوع انسانی کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ حرام وہ نہیں ہے کہ جن کو تم نے بلا دلیل محض اپنے اوہام باطلہ کی بنیاد پر حرام کر لیا ہے، بلکہ حرام وہ چیزیں ہیں جن کو تمہارے رب نے حرام کیا ہے، اَلَّا تشرکوا، سے پہلے اوصاکم محذوف ہے، یعنی اللہ نے تمہیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، شرک سب سے بڑا گناہ ہے، جس کے لئے معافی نہیں ہے، مشرک پر جنت حرام اور دوزخ واجب ہے، قرآن مجید میں اس مضمون کو مختلف انداز سے بار بار بیان کیا گیا ہے، نبی ﷺ نے بھی اس مضمون کو بڑی صراحت سے بیان فرمایا ہے، اس کے باوجود لوگ شیطانی بہکاوے میں آکر شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

وبالوالدین احسانا، اللہ تعالیٰ نے توحید و اطاعت کے بعد یہاں بھی اور دیگر مقامات پر بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اطاعتِ رب کے بعد اطاعت والدین کی بڑی اہمیت ہے، جس نے اس ربوبیت صغریٰ (والدین کی پرورش) کے تقاضے پورے نہیں کئے تو وہ ربوبیتِ کبریٰ کے تقاضے پورا کرنے میں بھی ناکام رہے گا۔

ولا تقتلوا اولادکم من املاق، زمانہ جاہلیت کا یہ فعل قبیح آجکل ضبط تولید یا خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے پوری دنیا میں زور و شور سے جاری ہے اور اس کو معاشی مسئلہ سے جوڑ دیا گیا ہے جو کہ ایک غلط نظریہ ہے، معاشیات کے صحیح قوانین دوسرے ہیں جن کو اسلامی نظام اقتصادیات سے متعلق کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے، آیت میں (املاق) افلاس کا ذکر اسلئے فرمایا

ہے کہ فلاسفہ مادئیین اور مفکرین جاہلیت اپنے نظریہ کی عقلی توجیہ عموماً یہی کرتے ہیں، چنانچہ آج جاہلیت فرنگ کے زیر سایہ قتل اولاد کی تحریکیں اور نئے نئے طریقے سے جاری ہیں اس کا محرک بھی یہی خوف افلاس ہے، مالتھس نامی ایک ماہر اقتصادیات ومعاشیات انیسویں صدی کے شروع میں ہوا ہے اور یہ منع حمل اور قتل اولاد کی تحریک اصلاً اسی کی برپا کردہ ہے، مذکورہ آیت میں اسی ذہنی افلاس اور دیوالیہ پن کے علاج کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، عرب میں قتل اولاد کی دامادی شرم و عار کے علاوہ ایک وجہ اقتصادی بھی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ کھانا کھلانے اور رزق فراہم کرنے کے اصلی ذمہ دار ہم ہیں تم نہیں، یہ کام براہ راست اللہ کا ہے تم خود اپنے رزق میں اللہ کے محتاج ہو تم اولاد کو کیا کھلا سکتے ہو؟ وہ تم کو رزق دیتا ہے تو تم بچوں کو کھلاتے ہو اگر وہ تمہیں نہ دے تو تمہاری کیا مجال کہ تم ایک دانۂ گندم خود پیدا کرسکو۔

قتل نفس کی بڑی شدت سے ممانعت فرمائی گئی ہے، البتہ عالم میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے حق شرع کے طور پر قتل نفس نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری ہے الا یہ کہ مقتول کے وارث معاف کردیں، اسلئے کہ قصاص میں سب کی زندگی ہے، بحق شرع قتل کے صرف پانچ مواقع ہیں، ① قتل عمد کے مجرم ② قیام دین حق کے مزاحم کو جبکہ کوئی چارا نہ رہا ہو، ③ دارالاسلام میں بدامنی پھیلانیوالا اور نظام اسلامی کو الٹنے کی سعی کرنے والے کو، ④ شادی شدہ ہونیکے باوجود زنا کا مرتکب ہونا، ⑤ ارتداد کا مرتکب ہونا، مذکورہ پانچ صورتوں کے علاوہ اسلام میں کسی انسان کا قتل جائز نہیں خواہ مومن ہو یا ذمی یا عام کافر ہو۔

وَلا تقربوا مال الیتیم، جس یتیم کی کفالت تمہاری ذمہ داری ہے، ہر طرح اس کی خیر خواہی کرنا تمہارا فرض ہے اسی خیر خواہی کا تقاضہ ہے کہ یتیم کے مال سے خواہ وہ نقدی کی شکل میں ہو یا زمین جائداد اور اثاثہ کی صورت میں اور یتیم ابھی اس کی حفاظت کی اہلیت نہ رکھتا ہو اس کے مال کی اس وقت تک حفاظت کرنا ولی پر فرض ہے کہ وہ سن بلوغ وشعور کو پہنچ جائے۔

وَاَوفوا الکیل والمیزان، ناپ تول میں کمی کرنا نہایت ذلیل اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہے قوم شعیب میں یہی اخلاقی بیماری تھی جو ان کی تباہی کے منجملہ اسباب میں سے ایک تھی، سورۂ مطففین میں اس کو اسباب ہلاکت و بربادی میں شمار کرایا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سے مروی ہے آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جو ناپ تول میں بے انصافی کرتے ہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ کام ہے کہ جس کی وجہ سے تم سے پہلے امتیں عذاب الٰہی کے ذریعہ ہلاک ہو چکی ہیں تم اس میں پورے احتیاط سے کام لو۔ (ابن کثیر ملخصًا)

وَاَنَّ ھذا صراطی مستقیمًا، صراط مستقیم کو واحد کے صیغہ سے بیان فرمایا کیونکہ اللہ کی اور قرآن اور رسول کی اور صحابہ کی راہ ایک ہی ہے یہی ملت اسلامیہ کی وحدت واجتماع کی بنیاد ہے، اگر امت مسلمہ اس واحد صراط مستقیم سے ہٹی تو مختلف گروہوں میں بٹ جائیگی اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا "اَن اقیموا الدین ولا تتفرقوا" (شوریٰ) دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو گویا اختلاف اور تفرقہ کی قطعاً اجازت نہیں، اسی مفہوم کو حدیث پاک میں آپ نے اس طرح واضح فرمایا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے اور چند خطوط اس کے دائیں بائیں کھینچے اور

فرمایا یہ وہ راستے ہیں جن پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

(مسند احمد)

وَهٰذَا القرانُ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ یا اهلَ مکةَ بالعَمَلِ بمافیه وَاتَّقُوْا الکفرَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٥٥﴾ اَنزلناهُ لِ اَنْ لا تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَيْنِ الیهودِ والنَّصارٰی مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ مخففةٌ واسمُها محذوفٌ ای اِنّا كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ قراءَتِهم لَغٰفِلِيْنَ ﴿١٥٦﴾ لعدمِ مَعرفتِنا لها اذ لیست بلُغتِنا اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ لِجَودةِ اَذهانِنا فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ بیانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِمَن اتَّبَعَه فَمَنْ ای لا احدَ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ اَعرضَ عَنْهَا سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ ای اَشدَّه بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿١٥٧﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ ما ینتظرُ المُکذّبونَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ بالتاءِ والیاءِ الْمَلٰٓئِكَةُ لِقبضِ اَرواحِهم اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ ای اَمرُه بمعنی عَذابِه اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ای عَلاماتِه الدَّالَّةِ علی الساعةِ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ وهو طلوعُ الشمسِ من مَغربِها کما فی حدیثِ الصحیحَینِ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ الجملةُ صفةُ نفسٍ اَوْ نفسًا لم تکن كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا طاعةً ای لا تَنفعُها توبتُها کما فی الحدیثِ قُلِ انْتَظِرُوْٓا احدَ هذه الاشیاءِ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ ذلک اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ باختلافِهم فیه فاَخذُوا بعضَه وتَرَکُوا بعضَه وَكَانُوْا شِيَعًا فِرَقًا فی ذلک وفی قراءةٍ فارَقُوا ای ترَکُوا دینَهم الذی اُمِرُوا به وهم الیهودُ والنصرٰی لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ فلا تَتَعرَّضْ لهم اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ یتولّاه ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ فی الاخرةِ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾ فیُجازیهم به وهذا منسوخٌ بآیةِ السَّیفِ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ ای لا اِلٰه الا اللّٰه فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ای جزاءُ عشرِ حسناتٍ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ای جزاؤه وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦٠﴾ یُنقصُونَ من جزائِهم شیئًا قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ویُبدلُ من مَحلِّه دِيْنًا قِيَمًا مستقیمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٦١﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ عبادتِی من حجٍّ وغیرِه وَمَحْيَايَ حیاتِی وَمَمَاتِيْ موتِی لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فی ذلک وَبِذٰلِكَ ای التوحیدِ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾ من هذه الامةِ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا الٰهًا لا اَطلُبُ غیرَه وَّهُوَ رَبُّ مالکُ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ذنبًا اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ تحملُ نفسٌ وَازِرَةٌ اٰثمةٌ وِّزْرَ نفسٍ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٤﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ جمعُ خلیفةٍ ای یخلفُ بعضُکم بعضًا فیها وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ بالمالِ والجاهِ وغیرِ ذلک لِّيَبْلُوَكُمْ لِیَختبرَکم فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ اَعطاکم لیظهرَ المطیعُ منکم والعاصی اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ لمن عَصاه وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ للمؤمنین رَّحِيْمٌ ﴿١٦٥﴾ بهم۔

ترجمہ: اور یہ قرآن ایک بڑی خیر و برکت والی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، اے مکہ والو! جو کچھ اس میں

ہے اس پر عمل کر کے اس کی اتباع کرو، اور کفر سے بچو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اس کو نازل کیا تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو فرقوں یہود و نصاریٰ پر نازل کی گئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے ناواقف تھے ہماری زبان میں ان کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں ان کی معرفت حاصل نہ تھی (اِنْ) مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے ای اِنّــــا، یا یوں نہ کہو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل کی گئی ہوتی تو ہم اپنی تیزی ذہانت کی وجہ سے زیادہ راہ راست پر ہوتے، سواب تمہارے پاس رب کی جانب سے اس شخص کے لئے جو اس کی اتباع کرلے ایک (واضح) بیان اور ہدایت اور رحمت آچکی، اب اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا؟ اور ان سے اعراض کیا، کوئی نہیں، ہم جلدی ہی ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے اعراض کرتے ہیں بدترین یعنی سخت ترین عذاب دیں گے ان کے اعراض کرنے کی وجہ سے ان جھٹلانے والوں کو صرف اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس ان کی روحیں قبض کرنے کیلئے فرشتے آجائیں، (تــاتیھم) یاء اور تاء کے ساتھ، یا ان کے پاس تیرا رب آجائے یعنی اس کا حکم بشکل عذاب آجائے یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آجائے، جس دن آپ کے رب کی کوئی نشانی آجائے گی اور وہ مغرب کی جانب سے سورج کا نکلنا ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے، کسی شخص کو کسی ایسے شخص کا ایمان کام نہ آئیگا جو پہلے (دنیا میں) ایمان نہ لایا ہوگا (جملہ لم تکن) نفساً کی صفت ہے یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو یعنی اس کی توبہ اس کے کوئی کام نہ آئے گی، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، ان سے کہہ دو ان اشیاء میں سے کسی ایک کا انتظار کرو، ہم بھی اس کے منتظر ہیں بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو اس میں اختلاف کر کے جدا جدا کرلیا بایں طور کہ بعض کو لیا اور بعض کو ترک کردیا، اور اس میں گروہ گروہ ہوگئے، اور ایک قراءت میں فــارقوا ہے یعنی اپنے اس دین کو ترک کردیا جس کا انھیں حکم دیا گیا تھا، اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا آپ ان سے تعرض نہ کریں (بس) ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے وہ دیکھ لے گا، پھر ان کو آخرت میں ان کے سب کرتوت بتادے گا کہ ان کو انکے اعمال کی سزا دے گا یہ حکم آیت سیف (یعنی) حکم جہاد سے منسوخ ہے، جو شخص نیک کام کرے گا یعنی لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے گا تو اس کو دس گنا یعنی دس نیکیوں کے برابر اجر ملے گا اور جو شخص برا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا یعنی ان کے اجر میں کچھ بھی کم نہ کیا جائیگا، آپ کہہ دیجئے کہ مجھے میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتادیا ہے بالکل ٹھیک دین اور دیــنــاً قیماً (صراط) کے محل سے بدل ہے، جو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا راستہ ہے جو اللہ کی طرف یکسو تھے اور وہ شرک کرنیوالوں میں نہ تھے کہہ دو میری نماز اور میرے تمام مراسم عبادت حج وغیرہ اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العلمین کے لئے ہے، اس میں جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی توحید کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں اس امت میں سب سے پہلا ماننے والا ہوں آپ کہہ دیجئے کیا اللہ کے سوا کسی اور کو معبود بنانے کے لئے تلاش کروں یعنی اس کے غیر کو تلاش نہ کروں گا، حالانکہ وہ ہر شئ کا مالک ہے ہر شخص جو بھی بدی کرتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے، اور کوئی گنہگار نفس کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہ اٹھائیگا پھر تم سب کو تمہارے رب کی طرف پلٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو اس چیز کی حقیقت بتلا دے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا خــلائف، خلیفہ کی جمع ہے اور ایک کو دوسرے پر مال و جاہ وغیرہ کے درجات میں فوقیت دی تاکہ تم کو عطا کردہ چیزوں

میں آزمائے تاکہ فرمانبردار کو نافرمان سے ممتاز کرے یقیناً تیرا رب اپنی نافرمانی کرنے والوں کو بہت جلد سزا دینے والا ہے اور یقیناً وہ مومنین کی مغفرت کرنے والا ان پر رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: لِاَنْ لَا تَقُوْلُوْا، لام اور لا مقدر ماننے کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اَنْ تَقُوْلُوْا، انزلناہ کا مفعول لہ واقع ہونا معنیٰ درست نہیں ہے بلکہ عدمِ قول مفعول لہ ہے اسی سوال کے جواب کے لئے مفسرؔ علاّم نے لام جارہ محذوف مان کر انزلناہ کی علت کے بیان کی جانب اشارہ کر دیا اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ ان مصدریہ ہے یہی وجہ ہے کہ تقولوا سے نون حذف ہو گیا، کسائی اور فرّاء نے کہا ہے کہ ان تقولوا کی اصل لِاَن لاتقولوا ہے، حرف جار اور حرف نفی کو حذف کیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول یُبَیِّنُ اللّٰہ لکم اَن تضلوا، اس کی اصل لِئَلا تضلوا تھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قول ''رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بکم کی اصل لِئَلا تمیدَ بکم تھی، شارح علیہ الرحمۃ نے اسی توجیہ کو اختیار فرمایا ہے اور بصریین نے حذف مضاف کی توجیہ اختیار کی ہے تقدیر عبارت یہ ہے انزلناہ کراھیةَ اَنْ تقولوا بصریین کہتے ہیں کہ 'لا' کا حذف جائز نہیں ہے اسلئے کہ جئتُ اَنْ اکرمَكَ کہنا درست نہیں ہے بمعنی ان لا اکرمك.

قولہ: او تقولوا اس کا عطف سابق اَنْ تقولوا پر ہے لہٰذا یہاں بھی لام اور لا مقدر ہوں گے۔

قولہ: اَلْجُمْلَةُ صِفَةُ نفسًا، اس میں اشارہ ہے کہ جملہ لم تکن آمنَتْ لکم من قبل، نفسًا کی صفت ہے نہ کہ ایمان کی جیسا کہ قرب سے بظاہر شبہ ہوتا ہے، اسلئے کہ ایمان کے لئے ایمان لازم آئیگا جو کہ محال ہے۔ (ترویح الارواح)

قولہ: او نفسًا لَمْ تکُنْ، اس میں اشارہ ہے کہ او کَسَبَتْ کا عطف آمَنَتْ پر ہے نہ کہ اِیمانُھا پر ہے۔

قولہ: ای لا تَنْفَعُھا تَوْبَتُھا، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ آیت معتزلہ کے مذہب کی حقانیت پر دلالت کرتی ہے اسلئے کہ ان کے نزدیک ایمان مجرد عن الاعمال الصالحہ نافع نہ ہوگا۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ آیت لف تقدیری کے قبیل سے ہے، ای لا ینفع نفسًا ایمانُها ولا کَسْبُهَا فی الایمان لم تکن آمنت من قبل او کسبت فیه خیرًا.

قولہ: جزاءُ عَشرِ حَسَنَاتٍ اس عبارت میں مفسرؔ علاّم نے فَلَهٗ عَشْرُ اَمثالها "میں عشر میں ترک تاء کی وجہ کی جانب اشارہ کیا ہے اسلئے کہ بظاہر عشرة امثالها ہونا چاہئے اسلئے کہ مثل مذکر ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ امثال معنیً مؤنث ہے۔

قولہ: وَیُبْدَلُ مِنْ مَحَلِّهٖ، ھدانی کا مفعول اول ھدانی کی یاء ہے اور مفعول ثانی الی صراط مستقیم ہے اور دینًا قیمًا،

صراط کے محل سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مفعول ثانی جیسا کہ بعض حضرات کو یہ مغالطہ لاحق ہوا ہے۔

قولہ: اعطاکم اس میں اشارہ ہے کہ آتاکم ایتاء سے ہے نہ کہ اتیان سے۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ، (الآیة) گذشتہ آیات میں مشرکین کی بدعقیدگی اور خودساختہ حلال وحرام کی پوری شدت کے ساتھ تردید کی گئی تھی، اسی سلسلہ میں بالواسطہ طور پر نبوت ورسالت کا ذکر آگیا تھا، ان آیات میں سمجھایا جارہا ہے کہ انسان کی رہبری اور دارین کی سعادت وکامرانی کے لئے نبوت کا تاج کسی نہ کسی انسان کے سر پر رکھا جانا ضروری ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، پہلے بہت سے انبیاء گذر چکے ہیں جو سب کے سب انسان ہی تھے جن میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بہت معروف ومشہور ہیں آخر میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں آخر ان کا انکار کس بناء پر کیا جاتا ہے؟ آپ ﷺ کو جو کتاب ہدایت عطا کی گئی ہے وہ بڑی خیر وبرکت والی ہے اور تمہاری زبان میں ہے لہٰذا اس کا اتباع کر کے رحمت خداوندی کے مستحق بنو، قرآن کے نزول کے بعد اب تمہارے پاس یہ عذر بھی باقی نہیں رہا کہ تم یہ کہہ سکو کہ کتابیں تو پہلے دو فرقوں یہود ونصاریٰ پر نازل ہوئی تھیں وہ چونکہ ہماری زبان میں نہیں تھیں اسلئے ہمیں کیا معلوم کہ اس میں کیا تھا، تمہاری زبان میں کتاب نازل کر کے حجت پوری کردی گئی اب روز قیامت تمہارا کوئی عذر مسموع نہیں ہوگا، آفتاب ہدایت کے طلوع ہونے اور رہبر اعظم کے آجانے کے بعد کیا اب ان لوگوں کو صرف ملائکہ موت ہی کا انتظار ہے خوب یاد رکھو موت کے وقت عالم غیب مشاہد ہوجانے کے بعد ایمان معتبر نہیں ہے۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى، یعنی قیامت کے روز کوئی شخص دوسرے کا بار گناہ نہیں اٹھائیگا، اس آیت میں ایک عام ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے معاملہ کو دنیا پر قیاس نہ کرو یہاں ایک شخص جرم کر کے دوسرے کے سر ڈال سکتا ہے خصوصاً جبکہ دوسرا شخص خود رضامند ہو، مگر عدالت الٰہیہ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں وہاں ایک کے جرم میں دوسرا ہرگز نہیں پکڑا جاسکتا ایک میت کے جنازہ پر حضرت عبداللہ بن عمر نے کسی کو روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا زندوں کے رونے سے مردہ کو عذاب ہوتا ہے، ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے نقل کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم ایک ایسے شخص کا یہ قول نقل کررہے ہو جو کبھی نہ جھوٹ بولتا ہے نہ اس کی ثقاہت میں کوئی شبہ ہوسکتا ہے، مگر کبھی سننے میں بھی غلطی ہوجاتی ہے، اس معاملہ

میں تو قرآن کا ناطق فیصلہ موجود ہے لا تزرُ وازرۃ وزرَ اخریٰ یعنی ایک کا گناہ دوسرے کے سر نہیں رکھا جا سکتا تو کسی زندہ کے رونے سے مردہ بے قصور کس طرح معذب ہو سکتا ہے۔ (درمنثور، معارف)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسیحیوں کا عقیدۂ کفارہ محض باطل اور لغو ہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سولی پر چڑھ کر تمام مسیحیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا، اب کوئی مسیحی کسی گناہ میں ماخوذ نہیں ہوگا اسی طرح مسیحیوں کا یہ عقیدہ بھی مہمل اور باطل ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معصیت کی سزا نسلاً بعد نسلٍ پوری اولاد آدم کو ملتی رہے گی نیز مشرکوں کا یہ عقیدہ بھی باطل قرار پایا کہ خدا کسی کو بھی کسی کے بدلے سزا دے سکتا ہے۔ (ماجدی)

بحمد اللہ تعالیٰ

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتُّ اٰيَاتٍ وَاَرْبَعٌ وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ الاعراف مكية اِلا واسئَلْهُمْ عن القريةِ الثمان او الخمس آيات مِائَتَانِ وَخَمْسٌ اَوْسِتٌّ آياتٍ.

سورۂ اعراف مکی ہے مگر واسئلهم عن القرية سے آٹھ یا پانچ آیتیں مدنی ہیں کل ۲۰۵ یا ۲۰۶ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓمّٓصٓ ① اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ هٰذَا كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ خِطَابٌ للنبيِّ صلى الله عليه وسلم فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ ضيقٌ مِّنْهُ ان تُبَلِّغَهُ مخافةَ ان تُكَذَّبَ لِتُنْذِرَ متعلق بأُنزِلَ اى للانذار بِهٖ وَذِكْرٰى تذكرةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② بِهٖ قل لهم اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ اى القراٰنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا تَتَّخِذُوا مِنْ دُوْنِهٖٓ اى اللّٰهِ اى غيرِهٖ اَوْلِيَآءَ تُطِيْعُوْنَهُمْ فى معصيتِهٖ تعالى قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ بالتاءِ والياءِ تَتَّعِظُوْنَ وفيه اِدْغامُ التاءِ فى الاصلِ فى الذالِ وفى قراءةٍ بسكونها و ما زائدةٌ لتاكيد القلّةِ وَكَمْ خبريةٌ مفعولٌ مِّنْ قَرْيَةٍ اُرِيْدَ اهلُها اَهْلَكْنٰهَا اردنا اهلاكها فَجَآءَهَا بَاْسُنَا عذابُنا بَيَاتًا ليلًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ نائمون بالظهيرةِ والقيلولةُ استراحةُ نصفِ النهارِ وان لم يكن معها نومٌ اى مرةً جاءَها ليلًا ومرةً نهارًا فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ قولُهم اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ اى الأُمَمَ عن اِجابتِهم الرُّسُلَ وعملِهم فيما بلغهم وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥ عن الابلاغ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ لنُخْبِرَنَّهم عن علمٍ بما فعلوه وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑦ عن ابلاغ الرُّسُلِ والأُمَمِ الخاليةِ فيما عملوا وَالْوَزْنُ للاعمالِ اولصحائفِها بميزانٍ له لسانٌ و كفّتان كما وردَ فى حديثٍ كائنٌ يَّوْمَئِذِ اى يومَ السُّؤالِ المذكورِ وهو يومُ القيمةِ الْحَقُّ العدلُ صفةُ الوزنِ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ بالحسناتِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑧ الفائزون وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ بالسيئاتِ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بتصييرِها الى النارِ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ⑨

يَجْحَدُوْنَ ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ﴾ يَا بَنِىْ اٰدَمَ ﴿فِى الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ﴾ بالياءِ اسبابًا تَعِيْشُوْنَ بِهَا جمعُ مَعِيْشَةٍ ﴿قَلِيْلًا مَّا﴾ لتاكيدِ القِلَّةِ ﴿تَشْكُرُوْنَ﴾

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے (الٓمٓصٓ) اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ ایک کتاب ہے جو آپ پر نازل کی گئی ہے، اس میں آپ کو خطاب ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرائیں (لِتُنْذِرَ) اُنْزِلَ کے متعلق ہے، ای اُنْزِلَ لِلْاِنْذار، لہٰذا اس کی تبلیغ سے اس خوف سے کہ آپ کی تکذیب کی جائے گی آپ کو کوئی جھجک نہ ہونی چاہئے، اور (تاکہ) اس کے ذریعہ مومنوں کو نصیحت ہو، ان سے کہو، جو قرآن تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے اتارا گیا ہے اس کی اتباع کرو، اور اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو سرپرست نہ بناؤ کہ اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت کرو، تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو (یذکرون) تاء اور یاء کے ساتھ بمعنی یَتَّعِظُوْنَ، اور اس میں اصل میں تاء کا ذال میں ادغام ہے اور ایک قراءت میں ذال کے سکون کے ساتھ ہے اور مَا قلّت کی تاکید کے لئے زائدہ ہے، اور بہت سی بستیوں کو کم خبریہ مفعول ہے، اور بستی سے مراد اہل بستی ہیں ہم نے تباہ کردیا، (یعنی) جن بستیوں کو ہم نے برباد کرنے کا ارادہ کیا ان کو برباد کردیا، اور ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آپہنچا، یا ایسی حالت میں کہ وہ دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے، قیلولہ، دوپہر کے وقت آرام کرنے کو کہتے ہیں، اگرچہ اس میں سونا نہ ہو، مطلب یہ کہ (عذاب) کبھی دن میں اور کبھی رات میں آیا، جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو ان کے منہ سے بجز اس بات کے کوئی بات نہ نکلی کہ واقعی ہم ظالم تھے، پھر ہم ان لوگوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے یعنی ہم امتیوں سے (ان کے) رسولوں کی دعوت قبول کرنے اور جو انہوں نے ان کو تبلیغ کی، اس پر عمل کرنے کے بارے میں (ضرور باز پرس کریں گے) اور پیغام پہنچانے کے بارے میں رسولوں سے (بھی) ضرور سوال کریں گے پھر ہم پورے علم کے ساتھ ان کی عملی سرگرمیوں کی ان کو خبر دیں گے، (ہمارے) ان کے اعمال سے باخبر ہونے کی وجہ سے ان کو پوری تفصیل بتادیں گے، (آخر) ہم کہیں رسولوں کی تبلیغ اور گذشتہ امتوں کے کارناموں سے بے خبر تو نہیں تھے، اور اعمال کا یا اعمال ناموں کا ایسی ترازو سے کہ جس کا (ایک) کانٹا اور دو پلڑے ہوں گے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، ایسے دن میں یعنی سوال مذکور کے دن میں کہ وہ قیامت کا دن ہوگا عدل کے ساتھ (اعمال) کا وزن ہوگا، العدل، الوزن کی صفت ہے، سو جن لوگوں کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے اور جن لوگوں کی نیکیوں کا پلڑا برائیوں کی وجہ سے ہلکا ہوگا یہی ہیں وہ لوگ جو خود کو جہنم رسید کرنے کی وجہ سے اپنا نقصان کرنے والے ہوں گے، اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیتوں کی تکذیب کرکے ظالمانہ برتاؤ کرتے رہے، اے بنی آدم ہم نے تم کو زمین میں بااختیار سکونت دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں اسباب معیشت پیدا کئے جن کے ذریعہ تم زندگی گذارتے ہو، مَعَائش مَعِيْشَة کی جمع ہے، تم لوگ بہت ہی کم شکر گذار ہو، مَا، تاکید قلت کے لئے ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلِہٗ: للانذار، اس میں اشارہ ہے کہ لِتُنْذِرَ میں لام کے بعد اَن مصدر یہ مقدر ہے لہٰذا یہ شبہ بھی ختم ہوگیا کہ لِتُنْذِرَ میں فعل پر حرف جر داخل ہے، فلا یکن فی صَدْرِكَ حرج مِنه، علت اور معلول کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہے۔

قِوْلِہٗ: وذِکریٰ یہ کتابٌ پر معطوف ہونے کی وجہ سے تقدیراً مرفوع، یہ اسم مصدر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، ھذا کتابٌ وتذکرة للمؤمنین.

قِوْلِہٗ: قُـلْ لھـم، یہ ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ ماسبق میں خطاب آپ ﷺ کو ہے پھر اچانک روئے خطاب دیگر مخاطبین کی طرف ہوگیا اس کی بظاہر نہ کوئی وجہ ہے اور نہ قرینہ، اسی کے جواب کیلئے قل لھم، محذوف مان کر التفات کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

قِوْلِہٗ: خَبَرِیَّةٌ مفعولٌ، یعنی کم خبر یہ فعل محذوف کا مفعول واقع ہے اور علی شریطۃ التفسیر کے قبیل سے ہے تقدیر عبارت یہ ہے، اَوْ اَھْلَکنا کم من قریةٍ اَھْلَکناھا.

قِوْلِہٗ: اَرَدْنا.

سُوَال: اَھْلکنا سے پہلے اَرَدْنا محذوف ماننے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: مفسرِ علام نے اَرَدْنا محذوف مان کر ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول کم من قریةٍ اَھْلَکناھا سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلاک مقدم ہے اور فجاء ھنا باسنا مؤخر ہے، یعنی اہلاک جو کہ مسبب ہے وہ مقدم ہے اور مجیئِ بأس جو کہ سبب ہے وہ مؤخر ہے حالانکہ سبب مسبب سے مقدم ہوتا ہے یعنی عذاب کی آمد مقدم ہوتی ہے اور ہلاکت بعد میں ہوتی ہے، آیت سے اس کا عکس مفہوم ہوتا ہے، علماء مفسرین نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں، ان ہی میں سے ایک جواب مفسرِ علام نے اردنــا محذوف مان کر دیا ہے یعنی ہم نے ان کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ہمارا ان پر عذاب آیا، تقدیر عبارت یہ ہے اَرَدْنـا اِھـلاکھـا فجائھا باسُنا، مگر یہاں اب بھی یہ سوال باقی ہے کہ فـجاء ھنا میں فاء تعقیبیہ ہے جو عذاب کے ہلاکت سے بعد میں آنے پر دلالت کرتی ہے لہٰذا سابق سوال علیٰ حالہ باقی ہے۔

جَوَاب: فاء کبھی تفسیر کے لئے بھی آتی ہے اسلئے کہ ہلاکت کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً کبھی موت طبعی اسباب سے ہوتی ہے کبھی آگ میں جل کر ہوتی ہے تو کبھی پانی غرق ہو کر ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ، فَـجاء ھا باسنا کہہ کر سبب موت کی تفسیر کردی کہ موت ہمارے عذاب کی وجہ سے ہوئی۔

قِوْلِہٗ: مَرَّةً جـاءَ ھا لَیْلًا وَمَرَّةً نھارًا، اس میں اشارہ ہے کہ اَوْ تنویع کے لئے ہے نہ کہ شک کے لئے اسلئے کہ اللہ کی ذات شک وتردد سے پاک ہے۔

سُؤَال: ایک حال کا جب دوسرے حال پر عطف کیا جاتا ہے تو واؤ عاطفہ لانا ضروری ہوتا ہے یہاں او ھم قائلون کا بَیَاتاً پر عطف ہے لہٰذا درمیان میں واؤ عاطفہ کا ہونا ضروری ہے۔

جَوَاب: اَوْ تنویع کے لئے ہے جو کہ درحقیقت حرف عطف ہی ہے اگر واؤ عاطفہ بھی لایا جاتا تو تقدیر عبارت یہ ہوتی اَوْ ھم قائلون، واؤ کو حذف کردیا اسلئے کہ دو حروف عطف کا اجتماع ثقیل ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوْ لِصحائفِھا، اعمال کے بعد صحائف اعمال کا اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ اعمال چونکہ اعراض ہیں لہٰذا ان کا وزن ممکن نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت صحائف اعمال ہے، اور صحائف اعمال کے وزن میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: لِسَانُ المِیْزَانِ، لسان المیزان سے غالباً وہ سوئی یا کانٹا مراد ہے جو دونوں پلڑوں کی برابری کو بتاتا ہے جب دونوں پلڑے بالکل مساوی ہوجاتے ہیں تو وہ لسان (کانٹا) بالکل ٹھیک وسط میں آجاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب).

قَوْلُہٗ: کائن، اس کی تقدیر میں اشارہ ہے کہ الوزن مبتداء ہے اور یومئذٍ، کائنٌ کے متعلق ہوکر مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: صِفَةُ الْوَزْنِ اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو، الحقُّ، کو اَلْوَزْنُ مبتداء کی خبر قرار دیتے ہیں اسلئے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وزن اسی دن حق ہے نہ کہ اس کے علاوہ میں اور یہ غلط ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ:

اس سورت کا نام سورۂ اعراف ہے اور یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کی آیات نمبر ۴۶۔۴۷ میں اعراف اور اصحاب اعراف کا ذکر آیا ہے۔

مرکزی مضمون:

پوری سورت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مضامین معاد یعنی آخرت اور نبوت و رسالت سے متعلق ہیں اور یہی اس سورت کا مرکزی مضمون ہے اس کے علاوہ بعض انبیاء سابقین کے حالات اور ان کی امتوں کے واقعات اور ان کی جزاء وسزا کا بھی قدرے تفصیل سے ذکر ہے۔

الٓمّٓصٓ، کی مراد کے بارے میں اگرچہ مختلف اقوال منقول ہیں مگر مفسر علام نے اللّٰہ اعلم بمراده بذلك کہہ کر حروف مقطعات کے بارے میں احوط اور اسلم طریقہ کی طرف خود اشارہ کردیا ہے لہٰذا اس کی حقیقی مراد کو اللہ کے علم کے

حوالہ کرنا ہی محتاط اور اسلاف کا طریقہ ہے۔

فلا یکن فی صدرك حرج، پہلی آیت میں آپ ﷺ کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، لہٰذا آپ کو کسی قسم کی دل تنگی نہ ہونی چاہئے، دل تنگی سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم اور اس کے احکام کی تبلیغ میں آپ کو کسی قسم کا خوف اور جھجک نہیں ہونی چاہئے اور اس سے انکار و تکذیب کی صورت میں آپ کو کوفت اور کڑھن نہ ہونی چاہئے (ای یضیق صدرك الّا یؤمنوا بہ) قرطبی (یعنی) قیامت کے روز عوام الناس سے سوال کیا جائیگا کہ ہم نے تمہارے پاس اپنے رسول اور کتابیں بھیجی تھیں تم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اور رسولوں سے پوچھا جائیگا کہ جو پیغام رسالت اور احکام شریعت دیکر ہم نے تم کو بھیجا تھا وہ آپ لوگوں نے اپنی اپنی امتوں کو پہنچادیئے یا نہیں؟۔ (معارف، اخرجه بیهقی عن ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ)

صحیح مسلم میں حضرت جابر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں حاضرین سے سوال فرمایا ''کہ جب قیامت کے روز تم لوگوں سے میرے بارے میں سوال کیا جائیگا کہ میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچایا یا نہیں؟ تو تم کیا جواب دوگے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم کہیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچادیا، اور امانت خداوندی کا حق ادا کردیا، اور امت کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ فرمایا، یہ سنکر آپ ﷺ نے فرمایا اللّٰھم اشھد، یا اللہ آپ گواہ ہیں۔

والوزن یومئذ ن الحق، (الآیۃ) یعنی روز قیامت وزن اعمال برحق ہے اس میں کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے، یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ وزن تو اجسام کا ہوتا ہے اور اعمال خواہ اچھے ہوں یا برے از قبیلۂ اعراض ہیں جن کا کوئی جرم و جسم نہیں ہوتا، پھر اعمال کے وزن کی کیا صورت ہوگی؟ اس بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ رب العلمین قادر مطلق ہے اور ہر شئی پر قادر ہے اس کی قدرت سے کوئی شئی خارج نہیں ہے یہ کیا ضروری ہے کہ جس چیز کو ہم نہ تول سکیں حق تعالیٰ بھی نہ تول سکیں، اس کے علاوہ جدید دور کی جدید ایجادات نے تو اس مسئلہ کو بالکل واضح اور صاف کردیا ہے اب کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی، اب نئے آلات کے ذریعہ وہ چیزیں بھی تولی جاتی ہیں جو پہلے نہیں تولی جاتی تھیں، اب ایسے آلات ایجاد ہو چکے ہیں کہ جن میں نہ ترازو کی ضرورت نہ اس کے پلّوں کی اور نہ ڈنڈی اور کانٹے کی، آج تو ان آلات کے ذریعہ ہوا تولی جاتی ہے برقی رو تولی جاتی ہے گرمی سردی تولی جاتی ہے ان کا میٹر ہی ان کی ترازو ہے، اگر حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے انسانی اعمال کا وزن کرلیں تو اس میں کیا استبعاد ہے؟

اعراض کے متعلق ''بارکلے'' کا نظریہ:

برطانیہ کے مشہور فلسفی نے ثابت کیا ہے کہ مادہ کے جتنے بھی اعراض تسلیم کئے گئے ہیں ان کی اصل تو محسوسیت ہی ہے اگر سرے سے محسوس ہی نہ ہوں تو ان کے وجود ہی کے کوئی معنی نہیں (ماجدی) اعمال کی صفتِ وزن آج ہمارے موجودہ قویٰ کے لئے غیر محسوس ہے، روز قیامت ہمارے ترقی یافتہ قویٰ کے لئے محسوس و مدرک ہو جائیگی۔

عرض کو جوہر میں تبدیل کردینا اللہ کی قدرت میں ہے:

خالق کائنات کو اس پر بھی قدرت حاصل ہے کہ ہمارے اعمال کو کسی وقت جوہر میں تبدیل کرکے کوئی شکل وصورت عطا فرمادیں، آپ ﷺ سے منقول بہت سی روایات اس پر شاہد ہیں کہ برزخ اور محشر میں انسانی اعمال خاص خاص شکلوں وصورتوں میں آئیں گے، قبر میں انسان کے اعمال صالحہ حسین صورت میں اس کے مونس بنیں گے اور برے اعمال سانپ بچھو بن کر اس کو لپٹیں گے حدیث میں ہے کہ جس شخص نے مال کی زکوۃ نہ دی ہوگی وہ مال ایک زہریلے سانپ کی شکل میں اس کی قبر میں پہنچ کر اس کو ڈسے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ (معارف)

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ اى اباكم ادمَ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ اى صَوَّرْنَاهُ وانتم فى ظَهره ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سُجُودَ تَحِيَّةٍ بالانْحِنَاءِ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبَا الجنّ كان بين الملٰئكةِ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿١١﴾ قَالَ تعالٰى مَا مَنَعَكَ اَلَّا زائدة تَسْجُدَ اِذْ حِين اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿١٢﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا اى من الجنّةِ وَقيل من السمٰوٰتِ فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ يَنْبَغِى منها اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿١٣﴾ الذليلين قَالَ اَنْظِرْنِىْٓ اَخِّرْنِى اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٤﴾ اى الناسُ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿١٥﴾ وفى ايةٍ اُخرى الى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ اى وقتِ النَّفْخَةِ الاُولٰى قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ اى باغْوَائِكَ لى والباءُ للقسمِ وجوابُهُ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ اى لبنى ادم صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١٦﴾ اى على الطريقِ المُوْصِلِ اليك ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ اى من كلِّ جهةٍ فَامْنَعُهم عن سُلُوْكِهِ قال ابنُ عباسٍ رضى الله تعالى عنه ولا يَسْتَطِيْعُ ان يَاْتِىَ من فوقِهم لئلّا يَحُوْلَ بين العبدِ وبين رحمةِ اللّٰهِ تعالٰى وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿١٧﴾ مؤمنين قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا بالهمزةِ معيبًا مَمْقُوْتًا مَّدْحُوْرًا مُبْعَدًا عن الرحمةِ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ من الناسِ واللامُ للابتداءِ وموطئةٌ للقسمِ وهو لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٨﴾ اى منك بذرّيّتك ومن الناس وفيه تغليبُ الحاضرِ على الغائبِ وفى الجملةِ مَعْنَى جَزاءِ مَنِ الشرطيةِ اى من اتَّبعك اُعَذِّبُهٗ وَ قال يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ تاكيدٌ للضمير فى اُسْكُنْ ليُعْطَفَ عليه وَزَوْجُكَ حواءُ بالمدِ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ بالاكلِ منها وهى الحِنْطَةُ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ ابليسُ لِيُبْدِىَ يُظْهِرَ لَهُمَا مَاوٗرِىَ فُوْعِلَ من المواراةِ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ كراهةَ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ وقُرِئَ بكسرِ الام اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾ اى وذلك لازم عن الاكل منها كما فى ايةٍ اُخرى هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَا يَبْلٰى وَقَاسَمَهُمَآ اى اَقْسَمَ لهما باللّٰهِ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾ فى ذلك فَدَلّٰىهُمَا حَطَّهما عن مَنْزِلَتِهما بِغُرُوْرٍ منه فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ اى اَكَلَا منها بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا اى ظَهَرَ لكلٍّ منهما قُبُلُهٗ وقُبُلُ الاخرِ ودُبُرُهٗ

وسُمِّیَ کُلٌّ منھما سوأۃً لان انکشافہٗ یَسُوْءُ صاحبَہٗ وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ اَخَذا یَلْزِقان عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ لِیَسْتَتِرا بہ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴿۲۲﴾ بَیِّنُ العَداوۃِ اِستِفہامُ تقریرٍ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا بِمَعْصِیَتِنا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا ای اٰدمُ وحواءُ بما اشْتَمَلْتُما علیہ من ذُرِّیَّتِکُما بَعْضُكُمْ بعضُ الذریۃِ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ من ظُلْمِ بعضِھم بعضًا وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ مکانُ استقرارٍ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴿۲۴﴾ تَنْقَضِیْ فیہ اٰجالُکم قَالَ فِيْهَا ای الارض تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ﴿۲۵﴾ بالبعثِ بالبناء للفاعلِ والمفعولِ.

ترجمہ: اور ہم نے تم کو یعنی تمہارے دادا آدم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں یعنی تمہاری صورتیں اس حال میں بنائیں کہ تم آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت میں تھے، پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، جھک کر سجدۂ تعظیمی، تو سب نے سجدہ کیا بجز ابوالجن ابلیس کے اور وہ فرشتوں کے درمیان بود و باش رکھتا تھا، اور وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کس چیز نے تجھکو سجدہ کرنے سے روکا جبکہ میں تجھکو حکم دے چکا، لا، زائدہ ہے، (تو) کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں (اسلئے کہ) تو نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا، حق تعالیٰ نے فرمایا تو جنت سے اتر اور کہا گیا ہے کہ آسمانوں سے اتر، تجھکو کوئی حق نہیں کہ تو آسمانوں (یا جنت) میں رہ کر تکبر کرے، لہٰذا تو اس سے نکل بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے، (ابلیس) نے کہا مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن لوگ اٹھائے جائیں حق تعالیٰ نے فرمایا تجھے مہلت ہے، اور دوسری آیت میں ہے وقت مقرر تک یعنی نفخۂ اولیٰ تک، تو (ابلیس) نے کہا قسم ہے مجھے تیرے اغوا کرنے کی باء قسم کے لئے ہے میں ان کے یعنی بنی آدم کے لئے تیری سیدھی راہ پر (یعنی) اس راہ پر جو تجھ تک پہنچانے والی ہے بیٹھوں گا، اور اس کا جواب لَاَقْعُدَنَّ ہے، پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے یعنی ہر جہت سے ان کو راہ راست پر چلنے سے روکوں گا ابن عباس نے فرمایا لوگوں کے اوپر سے آنیکی استطاعت نہیں رکھتا تا کہ وہ بندے اور اللہ کی رحمت کے درمیان حائل نہ ہو جائے اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گذار (یعنی) مومن نہ پائیں گے اللہ نے فرمایا تو یہاں سے معیوب مغضوب مردود ہو کر نکل جا، انسانوں میں سے جو تیری پیروی کرے گا اور لام ابتداء ہے یا قسم کی تمہید کے لئے ہے (یعنی قسم محذوف پر دلالت کرنے کے لئے) وہ لَاَمْلَئَنَّ ہے، میں تم سب سے جہنم کو ضرور بھر دوں گا، یعنی تجھ سے مع تیری ذریت کے اور انسانوں سے (جہنم کو بھر دوں گا) اس میں حاضر کو غائب پر غلبہ دیا گیا ہے، اور جملہ (لَاَمْلَئَنَّ) میں مَنْ شرطیہ کی جزاء کے معنی ہیں، یعنی جو تیری اتباع کرے گا میں اس کو عذاب دوں گا، اور (اللہ نے) فرمایا اے آدم تم اور تمہاری بیوی حواء مد کے ساتھ (انت) اُسکن کے اندر ضمیر مستتر کی تاکید ہے تا کہ اس پر عطف کیا جا سکے، جنت میں رہو، جہاں سے جس چیز کو تمہارا جی چاہے کھاؤ اور کھانے کی نیت سے اس درخت کے قریب بھی مت جانا اور وہ شجر گندم ہے ورنہ تو تمہارا شمار ظالموں میں ہو جائیگا، پھر

شیطان ابلیس نے ان دونوں کو بہکایا تاکہ ان دونوں کی شرم گاہوں کو جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ظاہر کردے (وُوْرِی) المواراۃ سے فُوعِلَ کے وزن پر ماضی مجہول ہے اور کہا تم دونوں کو اس درخت سے دور کرنے کی بجز اس کے کوئی وجہ نہیں کہ اس کو تمہارا فرشتہ ہو جانا ناپسند ہے ا۔ (مَلِکَین) کو لام کے کسرہ کے ساتھ (بھی) پڑھا گیا ہے یا یہ کہ تم دونوں ہمیشہ کے لئے جنتی ہو جاؤ اسلئے کہ یہ (خلود) اس کے کھانے کے لئے لازم ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے (هَلْ اَدُلُّكَ علی شجرة الخلد وَمُلكٍ لا یبلی) اور ان دونوں کے روبرو اللہ کی قسم کھائی کہ میں اس معاملہ میں یقیناً تم دونوں کا خیر خواہ ہوں سو ان دونوں کو ان کے مقام سے فریب کے ذریعہ نیچے لے آیا، ان دونوں نے جب درخت کو چکھا یعنی اس کا پھل کھایا تو دونوں کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھل گئیں، یعنی ان میں ہر ایک کی قُبل اور دوسرے کی قبل اور اس کی دبر ظاہر ہوگئی، اور دونوں کی شرمگاہوں کا سوأة نام رکھا اسلئے کہ شرمگاہ کا کھل جانا صاحب شرمگاہ کو رنجیدہ کرتا ہے، اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتوں کو چپکانے لگے، یعنی دونوں نے اپنی شرمگاہوں پر پتوں کو چپکانا شروع کر دیا، تاکہ ان کے ذریعہ ستر پوشی کریں، اور ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کر چکا تھا اور کیا یہ نہ کہہ چکا تھا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے کھلی عداوت والا ہے، یہ استفہام تقریری ہے دونوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے معصیت کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کیا، اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہمارے اوپر رحم نہ کرے گا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے اللہ نے حکم دیا اے آدم و حوا تم مع اپنی اس ذریت کے جس پر تم مشتمل ہو نیچے اترو تمہاری ذریت میں سے بعض بعض کی دشمن ہوگی بعض کے بعض پر ظلم کرنے کی وجہ سے، اور تمہارے لئے زمین جائے سکونت ہے اور ایک مدت تک (اس میں) نفع حاصل کرنا ہے تم مدت العمر وہیں رہو گے، فرمایا تمہیں زمین ہی پر زندگی بسر کرنی ہے اور وہیں مرنا ہے اور زندہ کرکے تمہیں وہیں سے نکالا جائیگا (تخرجون) میں معروف و مجہول دونوں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: ای اباکم آدم.

سُوَال: خلقنکم میں خطاب بنی آدم کو ہے جس سے معلوم ہوتا ہے خلق و تصویر کا تعلق بنی آدم سے ہے حالانکہ خلقنکم کی تفسیر اَیْ اَباکم آدم سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق و تصویر کا تعلق آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے ہے۔

جَوَاب: یہ ہے کہ چونکہ آگے ملائکہ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آدم کو سجدہ کریں اگر خلقنکم میں کُم سے مراد آدم علیہ الصلاۃ والسلام نہ ہوں تو تخلیق اور امر بالسجدہ میں مطابقت باقی نہیں نہ رہے گی یعنی تخلیق بیان ہو رہی ہے ذریۃً کی اور اس کا انعام دیا جا رہا ہے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو اسی شبہ کو دور کرنے کے لئے مضاف محذوف ماننے کی ضرورت پیش آئی۔

قَوْلُهُ: کَانَ بَیْنَ المَلائِکَةِ.

سُوَال: اس عبارت کے اضافہ کا کیا مقصد ہے؟

جواب: مذکورہ اضافہ کا مقصد اِلَّا ابلیس کے استثناء کو درست قرار دینا ہے۔

سوال: اِلَّا ابلیس ہی سے ابلیس کا سجدہ نہ کرنا مفہوم ہورہا ہے پھر لم یکن من الساجدین کہنے سے کیا فائدہ ہے؟

جواب: اِلَّا ابلیس سے مطلق سجدہ کی نفی مفہوم نہیں ہوتی بلکہ صرف بوقت حکم سجدہ کی نفی مفہوم ہورہی ہے ممکن ہے کہ اس وقت سجدہ نہ کیا ہو مگر بعد میں کرلیا ہو، جب لم یکن من الساجدین کا اضافہ ہوگیا تو اس سے مطلق سجدہ کی نفی ہوگئی یعنی ابلیس نے نہ بوقت حکم سجدہ کیا اور نہ بعد میں۔

قولہ: زائدۃ، یعنی اَلَّا میں لا زائدہ ہے ورنہ تو مطلب ہوگا سجدہ کرنے سے منع کیا۔ اسلئے کہ نفی النفی اثبات ہوتا ہے حالانکہ یہ مقصد نہیں۔

قولہ: اَخِّرْنی، انظرنی کی تفسیر اَخِّرنی سے کرکے اشارہ کردیا کہ، انظرنی بمعنی انتظار ہے نہ کہ بمعنی رؤیت ورنہ تو معنی فاسد ہوجائیں گے۔

قولہ: وفی آیۃٍ اخریٰ اس اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: شبہ یہ ہے کہ ابلیس نے انظرنی الی یوم یُبْعَثُوْنَ کہہ کر نفخۂ ثانیہ تک زندہ رہنے کی اجازت طلب کی اور اس کے بعد موت نہیں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اِنَّکَ مِنَ المُنظرین کہہ کر ابلیس کی درخواست منظور فرمالی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابلیس موت سے محفوظ ہوگیا اس پر موت طاری نہیں ہوگی اسلئے کہ نفخۂ اولیٰ سے پوری کائنات پر فنا طاری ہوگی اور نفخۂ ثانیہ سے پوری کائنات زندہ ہوجائے گی چونکہ ابلیس نے نفخۂ ثانیہ تک زندہ رہنے کی اجازت طلب کی تھی جو کہ منظور بھی ہوگئی اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے قول اِنک مِنَ المنظرین سے یہی مفہوم ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اِنَّکَ مِنَ المنظرین سے اگرچہ مطلقاً ابلیس کی درخواست کو قبول کرنا معلوم ہوتا ہے مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد نفخۂ اولیٰ ہے جو کہ نفخۂ فنا ہے لہٰذا معلوم ہوگیا کہ ابلیس بھی فنا ہونے والوں میں شامل ہوگا۔

قولہ: مَذْؤمًا بالھمزۃ بمعنی معیوبًا ایک قراءت میں مذمومًا بھی ہے۔

قولہ: وَاللام للابتداء لَمَنْ تبعَکَ میں لام ابتدائیہ تاکید کے لئے ہے۔

قولہ: وفِی الْجُمْلَۃِ مَعْنَی الْجَزاءِ یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ لَمَنْ تبعَکَ شرط بغیر جزاء کے ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جملہ لَاملئنَّ قائم مقام جزاء ہے لہٰذا شرط بدون الجزاء کا اعتراض ختم ہوگیا۔

سوال: مذکورہ جملہ کو قائم مقام جملہ جزاء قرار دینے کے بجائے جزاء قرار کیوں نہیں دیا؟

جواب: جملہ فعلیہ جب جزاء واقع ہوتا ہے تو اس پر لام داخل نہیں ہوتا اور یہاں لام داخل ہے اسی لئے اس جملہ کو جزاء قرار دینے کے بجائے قائم مقام جزاء قرار دیا ہے۔ (ترویح الارواح)

قولہ: اَوْ موطئۃً للقسم یعنی لام قسم محذوف پر دلالت کرنے کے لئے ہے اور وہ لَاملئنَّ الخ ہے ای اقسم لَاملئنَّ الخ.

قولہ: وُوْرِیَ (بروزن) فُوْعِلَ مِنَ الموارۃ، اس میں ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔

سوال: جب اول کلمہ میں دو واؤ جمع ہو جاتے ہیں اور ان میں اول مضموم ہو تو اول کو ہمزہ سے بدلنا واجب ہوتا ہے جیسا کہ وُوَیْصِلٌ میں جو کہ واصِلٌ کی تصغیر ہے پہلے واؤ کو ہمزہ سے بدل کر اُوَیْصِلٌ کر دیا۔

جواب: یہ قاعدہ ان دو واؤ میں ہے جو متحرک ہوں تاکہ ثقل کو کم کیا جا سکے، اور یہاں ثانی واؤ ساکنہ ہے لہٰذا یہاں یہ قاعدہ جاری نہ ہوگا۔

قولہ: حطّھما، یہ تفسیر لازم معنی کو بیان کرنے کے لئے ہے اسلئے کہ تدلیہ ارسال الشئ من اعلی الی اسفل کو کہتے ہیں۔

قولہ: ای آدَمُ وحَوَّاءُ بما اشتَمَلْتُمَا الخ، یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اھبطوا جمع کا صیغہ ہے حالانکہ اس کے مخاطب آدم علیہ الصلاۃ والسلام وحواء صرف دو فرد ہیں لہٰذا اِھْبِطَا ہونا چاہئے تھا، جواب کا حاصل یہ ہے کہ مراد حضرت آدم وحواء مع ان کی ذریت ہیں لہٰذا کوئی شبہ نہیں۔

تفسیر وتشریح

ولقد خلقنکم، خلقنکم میں ضمیر اگرچہ جمع کی ہے مگر مراد اس سے ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہیں حضرت آدم چونکہ اپنی پوری ذریت پر مشتمل ہیں اور ابوالبشر ہیں اسی وجہ سے جمع کی ضمیر سے خطاب فرمایا، اخفش نے کہا ہے کہ ثمَّ صورناکم میں ثم بمعنی واؤ ہے، اَلَّا تسجدَ میں لا زائدہ ہے ای اَنْ تسجدَ، (تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا، یا عبارت محذوف ہے یعنی تجھے کس چیز نے اس بات پر مجبور کیا کہ تو سجدہ نہ کرے (ابن کثیر، فتح القدیر) اور کہا گیا ہے کہ مَنَعَ بمعنی قال ہے الی من قال لك ان لا تسجد اور کہا گیا ہے کہ مَنَعَ بمعنی دعا ہے ای ما دَعَاكَ اِلَی اَنْ لاتسجد، شیطان فرشتوں میں سے نہیں تھا بلکہ خود قرآن کی صراحت کے مطابق جنات میں سے تھا (الکہف) لیکن آسمان پر فرشتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس سجدہ کے حکم میں شامل تھا جو اللہ نے فرشتوں کو دیا تھا اسی لئے اس سے سجدہ نہ کرنے پر باز پرس ہوئی، اگر وہ اس حکم میں شامل نہ ہوتا تو اس سے باز پرس نہ ہوتی اور نہ وہ راندۂ درگاہ ہوتا۔

انسانی تخلیق کا قرآنی نظریہ:

مذکورہ آیت سے تخلیق ابوالبشر کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے پہلے ابوالبشر کی تخلیق کا منصوبہ بنایا، اور مادۂ آفرینش تیار کیا، پھر اس مادہ کو انسانی صورت بخشی، پھر جب ایک زندہ ہستی کی حیثیت سے انسان وجود میں آگیا تو اسکو سجدہ کرنے کے لئے فرشتوں کو حکم دیا، اس آیت کی یہ تشریح خود قرآن مجید میں دوسرے مقام پر بیان کی گئی ہے، مثلاً سورۂ ص میں ہے، اِذ قالَ رَبُّكَ للملئكة اِنی خالق بشرًا من طین فاِذا سَوَّیْتُهُ ونفخت فیه من روحی فقعوا له سٰجدین'' اس

آیت میں وہی تین مراتب ایک دوسرے انداز میں بیان کئے گئے ہیں، یعنی پہلے مٹی سے ایک بشر کی تخلیق پھر اسکی شکل وصورت اور اعضاء میں تسویہ واعتدال قائم کرنا پھر اس کے اندر اپنی روح پھونکنا اگرچہ تخلیق انسانی کے اس آغاز کو اس کی تفصیلی کیفیت کے ساتھ کماحقہ ہمارے لئے سمجھنا مشکل ہے، اور نہ ہم اس حقیقت کا پوری طرح ادراک کر سکتے ہیں، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید انسانیت کے آغاز کی کیفیت ان نظریات کے خلاف بیان کرتا ہے جو موجودہ زمانہ میں ڈارون کے متبعین نظریہ ارتقاء کو سائنس کے نام پر پیش کرتے ہیں، ان نظریات کی رو سے انسان غیر انسانی یا نیم انسانی حالت کے مختلف مدارج سے ترقی کرتا ہوا مرتبہ انسانیت تک پہنچا ہے، اور اس ارتقاء کے طویل خط میں کہیں کوئی نقطۂ خاص نظر نہیں آتا کہ جہاں سے غیر انسانی حالت کو ختم قرار دیکر نوع انسانی کا نقطۂ آغاز تسلیم کیا جائے، اس کے برخلاف قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ انسانیت کا آغاز خالص انسانیت سے ہوا، اس کی تاریخ قطعاً کسی غیر انسانی تاریخ سے کوئی رشتہ نہیں رکھتی وہ اول روز سے انسان بنایا گیا تھا اور خدا نے کامل انسانی شعور کے ساتھ اس کی ارضی زندگی کی ابتداء کی تھی۔

ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی حقیقت:

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ قرآنی تصور انسان چاہے اخلاقی حیثیت سے کتنا ہی بلند ہو مگر محض اس تخیل کی خاطر ایسے نظریہ کو کس طرح رد کیا جا سکتا ہے کہ جو سائنٹفک دلائل سے ثابت ہے، لیکن جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں ان سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا فی الواقع ڈارونی نظریہ ارتقاء سائنٹفک دلائل سے ثابت ہو چکا ہے؟ سائنس سے محض سرسری واقفیت رکھنے والا تو بے شک اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ ڈارونی نظریہ ایک ثابت شدہ حقیقت بن چکا ہے، لیکن محققین اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ الفاظ کے لمبے چوڑے دعوؤں اور ہڈیوں کے عجیب وغریب ڈھانچوں کے باوجود ابھی تک یہ صرف ایک نظریہ ہی ہے، اور اس کے جن دلائل کو غلطی سے دلائل ثبوت کہا جاتا ہے وہ دراصل محض دلائلِ امکان ہیں۔

قال فاهبط منها، منها کی ضمیر کا مرجع اکثر مفسرین نے جنت کو قرار دیا ہے اور بعض نے اس مرتبہ کو جو ملکوت اعلیٰ میں سے حاصل تھا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں تکبر کرنے والا احترام وتعظیم کا نہیں ذلت وخواری کا مستحق ہے۔

قال انظرني الى يوم يبعثون، اى امهلني الى يوم البعث، یوم بعث تک مہلت طلب کرنے کا مطلب تھا کہ مجھے موت نہ آئے اس لئے کہ یوم بعث کے بعد موت نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی یہ درخواست یہ کہتے ہوئے منظور فرمالی "اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی یہ دعاء بعینہٖ قبول فرمالی، مگر دوسری آیت "اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ" سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخۂ اولیٰ تک مہلت قبول فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح پوری کائنات پر موت طاری ہوگی ابلیس پر بھی موت طاری ہوگی۔

قالا ربنا ظلمنا انفسنا (الآية) توبہ واستغفار کے یہ وہی کلمات ہیں جو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ

سے سیکھے تھے جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۳۷ میں صراحت ہے، شیطان نے نافرمانی کا ارتکاب کیا مگر نہ صرف یہ کہ اس پر شرمندہ نہیں ہوا بلکہ اڑ گیا اور اس کے جواز پر عقلی و قیاسی دلائل دینے لگا نتیجتاً وہ راندۂ درگاہ اور ہمیشہ کے لئے ملعون قرار پایا، اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی غلطی پر ندامت و پشیمانی کا اظہار کیا اور بارگاہ الٰہی میں توبہ واستغفار کا اہتمام کیا تو اللہ کی رحمت و مغفرت کے مستحق قرار پائے، گناہ کر کے اس پر اصرار کرنا اور صحیح ثابت کرنے کیلئے دلائل پیش کرنا شیطانی راستہ ہے اور گناہ کے بعد احساس ندامت سے مغلوب ہو کر بارگاہ الٰہی میں جھک جانا اور توبہ واستغفار کا اہتمام کرنا بندگان الٰہی کا راستہ ہے (اللّٰهم اجعلنا منهم).

يٰبَنِيٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا اى خَلَقْنَاه لكم يُّوَارِيْ يَستُرُ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا هو ما يُتَجَمَّلُ به من الثياب وَلِبَاسُ التَّقْوٰى العملُ الصالحُ اوالسَّمْتُ الحسنُ بالنصبِ عطفاً على لباسًا والرفع مبتدأ خبرُهُ جملة ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ دلائلِ قدرتِه لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ فيؤمنون فيه التفاتٌ عن الخطاب يٰبَنِيٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ يُضِلَّنَّكُمْ الشَّيْطٰنُ اى لا تَتَّبِعُوْهُ فتَفْتَنُوْا كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ بفتنتِه مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ حالٌ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا اِنَّهٗ اى الشيطنَ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ وجنودُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ لِلَطَافةِ أجسادهم وعدمِ الوانهم اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ اعوانًا وقُرَنَاءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً كالشِّرْكِ وطَوافِهم بالبيتِ عُرَاةً قائلين لانطوفُ في ثيابٍ عَصَيْنَا اللّٰهَ فيها فنُهُوْا عنها قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا فاقتدَيْنا بهم وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ايضا قُلْ لهم اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ انه قاله استفهام انكار قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ العدلِ وَاَقِيْمُوْا مَعْطُوفٌ على معنى بالقسطِ اى قال اقسِطُوْا اَقِيْمُوْا او قبلَهُ فاقبلوا مُقَدَّرًا وُجُوْهَكُمْ للّٰهِ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اى اَخْلِصُوْا له سُجودَكم وَّادْعُوْهُ اُعْبُدُوْه مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ مِن الشِّرْكِ كَمَا بَدَاَكُمْ خَلَقَكُمْ ولم تكونوا شيئاً تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ اى يُعِيْدُكم احياءً يومَ القيمةِ فَرِيْقًا منكم هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيرِه وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ ما يَستُرُ عَوْرَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ عند الصَّلوٰةِ والطوافِ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا ما شِئْتُمْ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اے آدم کی اولاد ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہاری شرمگاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور سبب زینت بھی ہے، (ریش) وہ کپڑا کہ جس سے زینت حاصل کی جائے اور بہترین لباس تقوے کا لباس ہے یعنی عمل صالح کا، یا اچھی ہیئت، لِبَاسَ، لباسًا پر عطف کرتے ہوئے نصب کے ساتھ ہے اور مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اس کی خبر جملہ ذٰلِكَ خَيْرٌ ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یعنی اللہ کے دلائل قدرت میں سے ایک دلیل ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت

حاصل کریں اور ایمان لے آئیں اس میں خطاب سے (غیبت کی جانب) التفات ہے اے بنی آدم کہیں تمہیں شیطان گمراہ نہ کردے جس طرح تمہارے والدین کو اس نے اپنے فتنہ کے ذریعہ ان دونوں کو جنت سے نکلوا دیا تھا یعنی اس کی پیروی نہ کرو ورنہ تم فتنہ میں مبتلا ہو جاؤ گے اس حال میں کہ ان کے لباس ان پر سے اتروا دیئے (ینزع) ابویکم سے حال ہے، تاکہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کو دکھا دے (اور) یقیناً شیطان اور اس کا لشکر تم کو اس طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو ان کے جسموں کے لطیف اور بے رنگ ہونے کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے، ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا سرپرست معاون اور رفیق بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں مثلاً شرک، بیت اللہ کا ننگے طواف کرنا یہ کہتے ہوئے کہ ہم ان کپڑوں میں طواف نہیں کرتے جن میں ہم اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اور جب ان کو اس سے منع کیا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء (واجداد) کو اسی طریقہ پر پایا ہے اسی وجہ سے ہم ان کی اقتداء کرتے ہیں، اور اللہ نے بھی ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے ان سے کہو اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیا کرتا کیا تم اللہ پر ایسی باتوں کا بہتان لگاتے ہو جن باتوں کا تم علم نہیں رکھتے کہ اس نے وہ بات کہی ہے (یہ) استفہام انکاری ہے، آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو راستی وانصاف کا حکم دیا ہے ہر سجدہ کے وقت اللہ ہی کی طرف رخ رکھو یعنی سجدہ خالص اسی کے لئے کرو اقیموا کا عطف بالقسط کے معنی پر ہے، ای قال اقسطوا و اقیموا (یعنی اللہ نے حکم فرمایا کہ انصاف سے کام لو اور اس پر قائم رہو) یا اس سے پہلے فاقبلوا مقدر ہے، اور اسی کی بندگی کرو شرک سے اس کیلئے دین کو خالص کرکے جس طرح اس نے تمہیں پیدا کیا ہے حالانکہ تم کچھ نہیں تھے وہ اسی طرح تم کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرے گا تم میں سے ایک فریق کو ہدایت بخشی اور ایک فریق پر گمراہی چسپاں ہوگئی کیونکہ انہوں نے خدا کے بجائے شیطان کو اپنا ولی بنالیا اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ سیدھی راہ پر ہیں اے اولاد آدم تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت یعنی نماز وطواف کے وقت اپنا لباس جو تمہارے ستر کو چھپائے پہن لیا کرو اور جو چاہو کھاؤ پیو (مگر) حد سے تجاوز نہ کرو اسلئے کہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: خَبَرُهُ جُمْلَةٌ، اس میں اشارہ ہے کہ تنہا خیرٌ خبر نہیں ہے بلکہ جملہ ہو کر خبر ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ لباسُ التقوی، مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای ھو لباس التقوی، ای ستر العورۃ لباس التقوی، اس کے بعد فرمایا ذلك خیرٌ۔

قَوْلُهُ: فِیْهِ اِلْتِفَاتٌ، یعنی ظاہر کا تقاضہ لعلکم تذکرون تھا، مگر کلام میں دفع ثقل کے لئے حاضر سے غیبت کی جانب التفات کیا۔

قَوْلُهُ: یُنزع حال یہ حال حکائی ہے، جو تمہارے والدین کی حالت سابقہ کو بیان کر رہا ہے، اسلئے کہ نزع لباس اخراج سے پہلے تھا، مطلب یہ ہے کہ ینزع ابویکم سے حال ہے نہ کہ صفت، کیونکہ ینزع جملہ نکرہ ہونے کی وجہ سے ابویکم کی صفت

واقع نہیں ہوسکتا اسلئے ابو یکم سے حال قرار دیا گیا۔

قولہ: عَلٰی مَعْنَی الْقِسْطِ اسی قسط کے محل پر عطف ہے لہٰذا عطف جملہ علی المفرد کا اعتراض واقع نہ ہوگا۔

قولہ: ما یَسْتُرُ عَوْرَتُکُم یعنی حال بول کر محل مراد ہے لہٰذا اب یہ شبہ نہیں ہوگا کہ اخذ زینت ممکن نہیں ہے۔

قولہ: عِنْدَ الصلوٰۃِ، اس میں اشارہ ہے کہ مسجد بول کر مایفعل فی المسجد مراد ہے یعنی حال بول کر محل مراد ہے۔

تفسیر و تشریح

یابنی آدمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکم لباسًا یُوَارِی سَوْاٰتِکم وَرِیشًا ولباسُ التقویٰ.

ربط آیات:

اس سے پہلے رکوع میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شیطان رجیم کا واقعہ بیان فرمایا گیا تھا، جس میں اغواء شیطانی کا پہلا اثر یہ بیان فرمایا کہ آدم وحواء کا جنتی لباس اتر گیا اور وہ ننگے رہ گئے، اور پتوں سے اپنے ستر کو چھپانے لگے زیر تفسیر آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے تمام اولاد آدم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لباس قدرت کی ایک عظیم نعمت ہے اس کی قدر کرو، اس میں اشارہ ہے کہ ستر پوشی انسان کی فطری ضرورت ہے۔

مذکورہ آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین قسموں کے لباس کا ذکر فرمایا ہے، لباس ضرورت، لباس زینت، لباس آخرت، (یعنی لباس تقویٰ) لباس ضرورت کے بارے میں فرمایا "لِبَاسًا یُوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ" سَوْآت سَوْءَۃٌ کی جمع ہے ان اعضاء انسانی کو کہا جاتا ہے جن کو انسان فطرۃً چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور ظاہر ہونے پر برا اور قابل شرم سمجھتا ہے دوسرے قسم کے لباس یعنی لباس زینت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وریشًا، ریش اس لباس کو کہا جاتا ہے جس کو انسان زیب و زینت اور تجمیل کے طور پر استعمال کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ صرف ستر پوشی کے لئے تو مختصر سا لباس کافی ہوتا ہے مگر ہم نے تمہیں اس سے زیادہ لباس اسلئے عطا کیا کہ تم اس کے ذریعہ زینت و تجمل حاصل کرو ساتھ ہی ساتھ سردی وگرمی سے بچاؤ اور حفاظت کا ذریعہ بھی ہو، اور ہیئت بھی شائستہ اور پروقار بنا سکو، یہاں انزلنا کا لفظ استعمال ہوا ہے مراد عطا کرنا ہے اور لباس تیار کرنے کی سمجھ عطا کرنا ہے، یا اس لئے انزلنا فرمایا کہ لباس کا خام مادہ آسمان سے نازل ہونے والی بارش ہی سے تیار ہوتا ہے اس میں سبب بول کر مسبب مراد ہے اول قسم کے لباس کو مقدم بیان کرکے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ لباس کا اصل مقصد ستر پوشی ہے اور یہی اس کا عام جانوروں سے امتیاز ہے۔

اغواءِ شیطانی کے بیان کے بعد لباس کا ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کے لئے ننگا ہونا اور اعضاء مستورہ کا دوسروں کے سامنے کھلنا انتہائی ذلت و رسوائی اور بے حیائی کی علامت اور قسم قسم کے شر و فساد کا مقدمہ ہے۔

انسان پر شیطان کا پہلا حملہ اس کو ننگا کرنے کی صورت میں ہوا:

یہی وجہ ہے کہ شیطان کا انسان پر سب سے پہلا حملہ اسی راہ سے ہوا کہ اس کا لباس اتر گیا، اور آج بھی شیطان اپنے شاگردوں کے ذریعہ جب انسان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو تہذیب وشائستگی کا نام لے کر سب سے پہلے اس کو برہنہ یا نیم برہنہ کر کے سڑکوں اور گلیوں میں کھڑا کر دیتا ہے، اور شیطان نے جس کا نام ترقی رکھ دیا ہے وہ تو عورت کو شرم وحیاء سے محروم کر کے منظر عام پر برہنہ یا نیم برہنہ حالت میں لے آنے کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوتا۔ (معارف)

لباس کی تیسری قسم:

جس کو قرآن حکیم نے لباسُ التقویٰ سے تعبیر کیا ہے بعض قراءتوں میں لباس کے فتحہ کے ساتھ ہے، اس صورت میں انزلنا کے تحت داخل ہو کر منصوب ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ایک تیسرا لباس تقویٰ کا اتارا ہے لباس کے ضمہ کے ساتھ جو مشہور قراءت ہے اس قراءت کی رو سے معنی یہ ہوں گے کہ دو لباس ہوں کو تو سب جانتے ہیں ایک تیسرا لباس تقویٰ ہے اور یہ سب لباسوں سے بہتر لباس ہے، لباس تقویٰ سے مراد حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالَیٰعَنْهُ کی تفسیر کے مطابق عمل صالح اور خوف خدا ہے۔ (روح)

لباس التقویٰ کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ظاہری لباس کے ذریعہ ستر پوشی اور زینت وتجمل سب کا اصل مقصد تقویٰ اور خوف خدا ہے جس کا ظہور اس کے لباس میں بھی اس طرح ہونا چاہئے کہ اس میں پوری ستر پوشی ہو اور لباس بدن پر ایسا چست بھی نہ ہو کہ جس میں اعضاء کی ساخت مثل ننگے کے صاف نظر آئے، نیز اس لباس پر فخر وغرور کا انداز بھی نہ ہو کہ لوگ انگشت نمائی کریں، بلکہ تواضع کے آثار نمایاں ہوں نیز اسراف بے جا بھی نہ ہو، عورتوں کو مردانہ اور مردوں کو زنانہ کپڑا پہننا بھی مبغوض ہے، لباس میں کسی قسم کے مخصوص لباس کی نقالی بھی نہ ہو کہ جس میں تشبہ لازم آئے اسلئے کہ یہ ملت سے اعراض اور غداری کی علامت ہے۔

وَاذا فعلوا فاحشة (الآیة) اسلام سے پہلے بیت اللہ کا ننگے ہو کر طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس حالت کو اختیار کر کے طواف کرتے ہیں جو اس وقت تھی جب ہمیں ہماری ماؤں نے جنا تھا اور یہ بھی کہتے تھے کہ جس لباس میں ہم اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اس میں طواف کرنا مناسب نہیں سمجھتے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی طرح طواف کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم دے۔

قُلْ انکارًا علیهم مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ من اللباس وَالطَّيِّبٰتِ المستلذات مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بالاستحقاق وان شارکهم فیها غیرُهم خَالِصَةً خاصّةً بهم بالرفع والنصب

حالٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ نبيّنها مثل ذلك التفصيل لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ يتدبّرون فانهم المنتفعون بها
قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ الكبائر كالزنا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ اى جهرها وسرّها وَالْاِثْمَ المعصية وَالْبَغْيَ على
الناس بِغَيْرِ الْحَقِّ هو الظلم وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ باشراكه سُلْطٰنًا حجة وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ من
تحريم مالم يُحرَّم وغيره وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ مدة فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ عنه سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ عليه
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا فيه ادغام نون ان الشرطية فى ما المزيدة يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى
الشرك وَاَصْلَحَ عمله فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ فى الاخرة وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ فلم يؤمنوا
بها اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اى لا احد اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بنسبة الشريك والولد
اليه اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ القران اُولٰۗىِٕكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ حظهم مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ مما كُتب لهم فى اللوح المحفوظ من
الرزق والاجل وغير ذلك حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا الملئكة يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا لهم تبكيتا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ
تعبدون مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا غابوا عَنَّا فلم نرهم وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ عند الموت
اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ تعالى لهم يوم القيمة ادْخُلُوْا فِيْٓ جملة اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ
متعلق بادخلوا كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ النار لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ التى قبلها لضلالها بها حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا تلاحقوا
فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ وهم الاتباع لِاُوْلٰىهُمْ اى لاجلهم وهم المتبوعون رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا
ضِعْفًا مضعّفا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ تعالى لِكُلٍّ منكم ومنهم ضِعْفٌ عذاب مضعّف وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ بالتاء والياء ما
لكل فريق وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ لانكم لم تكفروا بسببنا فنحن وانتم سواء
قال تعالى لهم فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) بطور انکار ان سے کہو کہ اللہ کی زینت لباس کو جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمایا اور رزق میں سے پاکیزہ لذیذ اشیاء کو کس نے حرام کیا ہے؟ آپ کہئے یہ اشیاء استحقاقی طور پر تو دنیوی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں اگرچہ غیر مومن بھی اس میں شریک ہوجائیں، حال یہ ہے کہ یہ اشیاء قیامت کے دن مومنوں کے لئے خاص ہوں گی (خالصةً) رفع کے ساتھ ہے اور حال ہونے کی وجہ سے نصب بھی ہے، ہم اسی طرح آیات کو غور و فکر کرنے والوں کیلئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اسلئے کہ یہی لوگ ان سے مستفید ہوتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو صرف فواحش بڑے گناہوں مثلاً زنا کو حرام کیا ہے، خواہ ان کو ظاہری طور پر کیا ہو یا پوشیدہ طور پر اور ہر گناہ کو اور لوگوں پر ناحق ظلم کو (حرام کیا ہے) (اور بغی سے مراد) ظلم ہے، اور اس بات کو (حرام کیا ہے) اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ کہ جس کے شرک کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی، اور یہ کہ اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرو کہ جس کو تم نہیں جانتے ایسی چیز کو حرام کرنا کہ جس کو

اس نے حرام نہیں کیا، وغیرہ وغیرہ اور ہر قوم کے لئے (مہلت کی) ایک مدت مقرر ہے پھر جب ان کی مدت آپہنچتی ہے تو ایک گھڑی بھر بھی نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے (یعنی ایک لمحہ کی بھی تقدیم و تاخیر نہ ہوگی) اے اولاد آدم! (یاد رکھو) (اِمَّا) میں نون شرطیہ کا مازائدہ میں ادغام ہے اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے ایسے رسول آئیں جو تم کو میری آیتیں پڑھکر سنائیں تو جو شخص شرک سے بچے گا اور اپنے عمل کی اصلاح کرے گا تو ان کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ آخرت میں غمگین ہوں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلہ میں تکبر کریں گے کہ ان پر ایمان نہ لائیں گے یہی اہل دوزخ ہوں گے اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے کہ جو اللہ کی طرف شریک اور ولد کی نسبت کرکے اللہ پر بہتان لگائے یا اس کی آیات قرآن کو جھٹلائے، کوئی نہیں ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ کتاب (لوح محفوظ) میں ہے وہ ان کو مل جائیگا (یعنی) لوح محفوظ میں ان کے لئے جو کچھ رزق و عمر وغیرہ سے لکھا ہے وہ ان کو مل جائیگا، یہاں تک کہ جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو ان کو لا جواب کرنے کے لئے ان سے کہیں گے وہ کہاں گئے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر بندگی کرتے تھے؟ وہ کہیں گے وہ سب ہم کو چھوڑ کر غائب ہوگئے کہ ہم ان کو نہیں دیکھ رہے ہیں اور موت کے وقت اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن فرمائیں گے من جملہ جنوں اور انسانوں کی ان امتوں سے جو سابق میں گذر چکی ہے دوزخ میں داخل ہو جاؤ (فی النار) ادخلوا کے متعلق ہے جس وقت کوئی جماعت دوزخ میں داخل ہوگی اپنی جیسی سابق جماعت پر لعنت کرے گی ان کے ان کو گمراہ کرنے کی وجہ سے، یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو بعد والے (یعنی) اتباع کرنے والے پہلے لوگوں کے بارے میں کہیں گے اور وہ متبوعین ہوں گے اے ہمارے پروردگار ان لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا سو ان کو دوزخ کا دوگنا عذاب دے، اللہ تعالیٰ فرمائیگا تم کو اور ان سب کو دوگنا عذاب ہے لیکن تم کو خبر نہیں کہ ہر فریق کو کتنا عذاب ہے؟ (تعلمون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں اس لئے کہ تم نے ہماری وجہ سے کفر نہیں کیا لہٰذا ہم اور تم برابر ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے سو تم بھی اپنے کئے کا مزہ چکھو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: انکارًا علیھم، اس میں اشارہ ہے کہ مَنْ حَرَّمَ میں استفہام انکاری ہے۔

قولہ: مِنَ اللِّبَاسِ اس سے اشارہ کردیا کہ 'زینۃ' سے ذریعۂ زینت مراد ہے۔

قولہ: بالرفع، خالصۃ میں دو قراءتیں ہیں رفع اور نصب، رفع کی صورت میں ھِیَ مبتداء کی خبر ثانی ہوگی تقدیر عبارت یہ ہوگی ھی ثابتۃ للذین آمنوا فی الحیوٰۃِ الدنیا خالصۃٌ یوم القیامَۃ اور نصب حال ہونے کی وجہ سے ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی انّھا ثابتۃ للذین آمنوا حال کو نھا خالصۃ لھم یوم القیامۃ، ثابتہ ظرف کی ضمیر مستتر سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: بِغَیْرِ الحَقِّ یہ البغی کی تاکید ہے ورنہ ظلم تو ہوتا ہی ناحق ہے۔

قَوْلُہٗ: جملة، اس میں اشارہ ہے کہ فی امم، جار مجرور، ادخلوا کے متعلق نہیں ہیں بلکہ کائنین محذوف کے متعلق ہوکر ادخلوا کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: لِضَلاَ لِهَا بِها ضلالها کی ضمیر اُمَّة کی طرف اور بها کی ضمیر اخت کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: تلاحقوا اس میں اشارہ ہے کہ اِدّارَکُوا باب تفاعل سے ہے، تاء کو دال سے بدل کر تسکین کے بعد دال کو دال میں ادغام کیا گیا ہے اس کے شروع میں ہمزہ وصل داخل کردیا۔

قَوْلُہٗ: لَاجْلِهِم اس میں اشارہ ہے کہ لِأُولٰهُم کا لام اجل کے لئے ہے نہ کہ قالت کا صلہ اس لئے کہ خطاب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے نہ کہ ان کے ساتھ، لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ لام جب قول کا صلہ واقع ہوتا ہے تو اس کا مدخول قول کا مخاطب ہوتا ہے حالانکہ ھٰؤلاء اور اَضلونا دونوں غائب کے صیغے اس کی نفی کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: ما لِکُلّ فَرِیْقٍ الخ یہ یعلمون کا مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: فذُوْقُوْا العَذَابَ، یا تو یہ رؤساء کا کلام ہے یا پھر اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

تفسیر و تشریح

قُلْ مَن حرّم زینة اللّٰه التی اخرج لعبادہٖ، مطلب یہ ہے کہ اللہ کی جائز اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام و ناجائز کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ظاہر ہے وہ گناہ عظیم میں مبتلا ہیں۔

مشرکین مکہ نے طواف کے وقت لباس پہننے کو ناپسندیدہ قرار دے رکھا تھا اسی طرح بعض حلال چیزوں کو بھی تقرب الی اللہ کے طور پر حرام قرار دے رکھا تھا، نیز بعض حلال چیزوں کو اپنے بتوں کے نام پر وقف کرکے چھوڑ دیتے تھے ان کو استعمال میں لانا حرام سمجھتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ حلال چیزیں کسی کے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہو جاتیں، یہ حلال اور طیب اور زینت کی چیزیں اصلاً اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان ہی کے لئے حلال کی ہیں گو تبعًا ان سے کفار بھی فیضیاب اور متمتع ہوتے ہیں بلکہ بعض دفعہ دنیوی چیزوں اور آسائشوں کے حصول میں کفار مسلمانوں سے زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں لیکن یہ بالتبع اور عارضی ہے جس میں اللہ نے تکوینی مصلحت اور حکمت رکھی ہے، تاہم آخرت کی نعمتیں صرف اہل ایمان کے لئے ہوں گی، اسلئے کہ کافروں پر جسطرح جنت حرام ہوگی اسی طرح ماکولات و مشروبات اور دیگر نعمتیں بھی حرام ہوں گی۔

زینة اللّٰه سے کیا مراد ہے:

لباس فاخرہ کا مراد ہونا تو ظاہر اور مسلم ہی ہے، لیکن اکثر مفسرین نے اس میں وسعت دیکر جملہ سامان آرائش کو اس میں شامل کیا ہے ای من الثیاب و کل الملبس یُتجمل به. (کشاف، بیضاوی)

امام المفسرین امام رازی نے مزید دقت نظر سے کام لے کر اس کے اندر سواری، زیور، وغیرہ تمام مرغوبات کو داخل کیا ہے، بجز ان کے جو کسی نص سے حرام ہوں۔ (کبیر)

امام راغب نے زینت کی تین قسمیں کی ہیں نفسی، بدنی، خارجی، خارجی میں جاہ و مال کو بھی شامل کیا ہے، فقہاء مفسرین نے آیت سے عید اور دعوت وغیرہ کے موقعوں پر خوش پوشی کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔ (قرطبی)

وَالبغی بغیر حق، کے معنی اپنی حد سے تجاوز کر کے ایسی حدود میں قدم رکھنا جس کے اندر داخل ہونیکا آدمی کو حق نہ ہو، اس تعریف کی رو سے وہ لوگ بھی باغی قرار پائیں گے جو بندگی کی حدود سے نکل کر خدا کے ملک میں خود مختارانہ رویہ اختیار کرتے ہیں اور وہ بھی جو خدا کی خدائی میں اپنی بڑائی کے ڈنکے بجاتے ہیں، اور وہ بھی جو بندگانِ خدا کے حقوق پر دست درازی کرتے ہیں۔

وَلِکلّ امة اَجلٌ، ہر قوم کے لئے مہلت کی مدت مقرر ہے، یہ مہلت ہر فرد و قوم کو ملتی ہے اور یہ مہلت آزمائش کے طور پر عطا کی جاتی ہے کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے یا اس کی بغاوت و سرکشی میں مزید اضافہ ہوتا ہے یہ مہلت بعض کو پوری زندگی کے لئے ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ پوری زندگی میں اس کی گرفت نہیں فرماتے، بلکہ آخرت ہی میں مواخذہ فرماتے ہیں اس کی اجل مسمّٰی قیامت کا دن ہے اور جس کو وہ دنیا ہی میں عذاب سے دوچار کر دیتا ہے ان کی اجل مسمّٰی وہ ہے جب ان کا مؤاخذہ فرماتا ہے۔

قوم کی مدت مہلت مقرر کئے جانے کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ ہر قوم کے لئے برسوں اور مہینوں اور دنوں کے لحاظ سے ایک عمر مقرر کی جاتی ہو اور اس عمر کے تمام ہوتے ہی اس قوم کو لازماً ختم کر دیا جاتا ہو، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر قوم کو دنیا میں کام کرنے کا جو موقع دیا جاتا ہے اس کی ایک اخلاقی حد مقرر کر دی جاتی ہے بایں معنیٰ کہ اس کے اعمال میں خیر و شر کا کم سے کم کتنا تناسب برداشت کیا جاسکتا ہے جب تک قوم کی بُری صفات اس کی اچھی صفات کے مقابلہ میں تناسب کی اس آخری حد سے فروتر رہتی ہیں اس وقت تک اس کی تمام برائیوں کے باوجود مہلت دی جاتی رہتی ہے اور جب وہ اس حد سے گذر جاتی ہیں تو پھر اس بدکار اور بدصفات قوم کو مزید مہلت نہیں دی جاتی۔

حتی اذا ادار کوا فیھا جمیعا، (الآیة) یعنی اب ایک دوسرے کو طعنہ دینے اور الزام دھرنے سے کوئی فائدہ نہیں، تم سب ہی اپنی اپنی جگہ بڑے مجرم ہو اور تم سب ہی دوگنے عذاب کے مستحق ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا تکبّروا عَنْهَا فلم یؤمنوا بها لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ اذا عُرِجَ بارواحِهِم الیها بعدَ المَوتِ فیُهبَطُ بها الی سِجّینٍ بخلافِ المُؤمنِ فیُفتَحُ له ویُصعَدُ بروحِه الی السماءِ السابعةِ کما وَرَدَ فی حدیثٍ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ یدخلَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ثقبِ الابرةِ وهو غیرُ ممکنٍ فکذا دُخُولُهم وَکَذٰلِکَ الجزاء نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ ﴿٤٠﴾ بالکفرِ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ فِراشٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ اَغطیةٌ من النار جَمعُ غاشیةٍ وتنوینُه عوضٌ من الیاءِ المَحذوفةِ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿٤١﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ مبتدأ و قوله لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ طاقتها من العمل اعتراض بينه وبين خبره وهو اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ حقدٍ كان بينهم في الدنيا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ تحت قُصُورهم الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا عند الاستقرار في منازلهم الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا العمل هذا جزاؤهُ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ حُذِفَ جوابُ لولا لدلالةِ ما قبله عليه لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْٓا اَنْ مخففة اى انه او مُفسِّرةٌ في المواضع الخمسةِ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ تقريرًا وتبكيتاً اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا من الثواب حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ كم رَبُّكُمْ من العذاب حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ نادى مُنادٍ بَيْنَهُمْ بين الفريقين اَسْمَعَهم اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ الناسَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دينِهِ وَيَبْغُوْنَهَا اى يَطْلُبُوْنَ السبيلَ عِوَجًا مُعَوَّجَةً وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا اى اصحٰبِ الجنةِ والنارِ حِجَابٌ حاجزٌ قيل هو سُوْرُ الاعرافِ وَعَلَى الْاَعْرَافِ وهو سورُ الجنّة رِجَالٌ اسْتَوَتْ حَسَنَاتُهم وسيئاتُهم كما في الحديث يَعْرِفُوْنَ كُلًّا من اهلِ الجنّةِ والنارِ بِسِيْمٰهُمْ بعلامَتِهِمْ وهي بياضُ الوجوهِ للمؤمنين وسوادُها للكفرين لِرُؤْيَتِهم لهم اذ مَوضِعُهُم عالٍ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ قال تعالى لَمْ يَدْخُلُوْهَا اى اصحٰبُ الاَعْرافِ الجنةَ وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ في دُخُولِها قال الحسنُ لم يُطْمِعْهم الا لكرامةٍ يُرِيدُها بهم روى الحاكمُ عن حُذَيْفَة رضي اللّٰه تعالى عنه قال بينما هم كذلك اذ طَلَعَ عليهم رَبُّكَ فقال قُوْمُوْا اُدْخُلوا الجنةَ فقد غَفَرْتُ لكم وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ اى اَصْحٰبِ الاعرافِ تِلْقَآءَ جهةَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا في النارِ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: یقین مانو، جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی کہ ان پر ایمان نہ لائے، اور جب مرنے کے بعد ان کی ارواح کو آسمان کی طرف لیجایا جائیگا تو ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے، بلکہ ان کو سجین میں اتارا جائیگا بخلاف مومنین کے کہ ان کے لئے دروازے کھولے جائیں گے، اور ان کی روحوں کو ساتویں آسمان کی طرف چڑھایا جائیگا جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، اور وہ لوگ ہرگز جنت میں داخل نہ ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے، اور یہ ناممکن ہے اسی طرح ان کا (جنت میں) دخول بھی ناممکن ہے، کفر کے مجرموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ان کے لئے آتش دوزخ کا بچھونا اور اوڑھنا ہوگا (غواش) بمعنی آگ کا بچھونا، (غواش) غاشیۃٌ کی جمع ہے اس کی تنوین یاءِ محذوفہ کے عوض میں ہے، ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے (الصلحت) مبتداء ہے اور لا نكلف نفسًا اِلَّا وُسْعَهَا اس کی خبر ہے اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت یعنی قوت عمل سے زیادہ مکلف نہیں بناتے یہ جملہ مبتداء اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور وہ خبر اولئك اصحب الجنة الخ ہے، یہی لوگ جنتی ہیں اور اس

میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف دنیا میں جو کدورت ہوگی یعنی ان کے درمیان جو کینہ رہا ہوگا، ہم اسے دور کردیں گے ان کے یعنی ان کے محلوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اپنے مکانوں میں سکونت پذیر ہونے کے بعد وہ کہیں گے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس عمل کی توفیق عطا فرمائی یہ اسی کی جزاء ہے اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ ہمیں نہ پہنچاتا ماقبل کی دلالت کی وجہ سے لَوْلَا کا جواب حذف کردیا گیا، واقعی ہمارے رب کے پیغمبر حق لے کر آئے تھے، اور ان سے پکار کر کہا جائیگا اَنْ مخففہ ہے اَنَّهٗ یا یا نچوں جگہ اَنْ مفسرہ ہے یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو تمہارے اعمال کے بدلے میں ہے اہل جنت دوزخیوں سے اقرار کرنے اور لاجواب کرنے کے طور پر پکار کر کہیں گے ہم سے ہمارے رب نے ثواب کا جو وعدہ کیا تھا ہم نے تو اس کو حق پایا، تم سے تمہارے رب نے عذاب کا جو وعدہ کیا تھا تم نے بھی اسے واقعہ کے مطابق پایا؟ تو وہ جواب دیں گے، ہاں پھر ایک پکارنے والا دونوں فریقوں کے درمیان پکار کر کہے گا، (یعنی) ان کو سنائے گا، کہ لعنت ہو ان ظالموں پر جو لوگوں کو اللہ کے دین سے روکتے تھے اور دین میں کجی تلاش کرتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے، اور اہل جنت اور اہل نار دونوں کے درمیان آڑ ہوگی کہا گیا ہے کہ وہ اعراف کی دیوار ہوگی اور اعراف پر کہ وہ جنت کی دیوار ہے بہت سے لوگ ہوں گے کہ جن کی نیکی اور بدی برابر ہوگی، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، وہ ہر جنتی اور دوزخی کو ان کی علامت سے پہچانیں گے اور وہ علامت مومنین کے لئے چہروں کی سفیدی ہوگی اور کافروں کے لئے چہروں کی سیاہی ہوگی، اہل اعراف کے ان کو دیکھنے کی وجہ سے اس لئے کہ وہ اونچی جگہ ہوں گے اور اہل جنت کو اہل اعراف پکار کر کہیں گے تمہارے اوپر سلام ہو اللہ تعالیٰ فرمائیگا، ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ جنت میں داخلے کے امیدوار ہوں گے حسن نے کہا ہے ان کے دلوں میں امید صرف اس وجہ سے آئے گی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کرامت (احسان) کا معاملہ کرنے کا ارادہ کرے گا، اور حاکم نے حذیفہ رَضِحَالِلّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سے روایت کیا ہے، فرمایا وہ لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ اچانک ان پر تیرا رب تجلی فرمائیگا اور فرمائیگا کہ کھڑے ہو اور جنت میں داخل ہو جاؤ، میں نے تم سب کو معاف کردیا، اور جب اصحاب اعراف کی نظریں اصحاب نار کی طرف اٹھیں گی تو عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ فرما۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تنوينهٗ عِوَضٌ عن الياء یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: غَوَاشٍ غیر منصرف ہے اس پر تنوین داخل نہیں ہوتی حالانکہ یہاں تنوین داخل ہے۔

جواب: یہ سیبویہ کے نزدیک ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں، دلیل دفع یہ ہے کہ غیر منصرف پر تنوین تمکن داخل ہونا منع ہے نہ کہ تنوین عوض۔

سوال: غواشٍ فی الحال جمع منتہی الجموع کا صیغہ نہیں ہے لہٰذا یہ غیر منصرف نہیں ہوسکتا۔

جَوَابٌ: غواش اگرچہ فی الحال جمع منتہی الجموع کا صیغہ نہیں ہے مگر اصل میں تعلیل سے پہلے جمع منتہی الجموع کا صیغہ تھا اور غیر منصرف ہونا تعلیل پر مقدم ہے لہٰذا تعلیل سے قبل کی حالت کا اعتبار کیا جائیگا۔

قَوْلُهُ: حُذف جَوَابُ لو لا تقدیر عبارت یہ ہوگی، لو لا هداية الله تعالى لنا موجودة لَشَقِينَا وما كنا مهتدين.

قَوْلُهُ: او مُفَسِّرَةٌ.

سُوَالٌ: اَنْ مفسرہ کے لئے ماقبل میں قول کا ہونا ضروری ہے جو یہاں موجود نہیں ہے۔

جَوَابٌ: قول یا قول کے ہم معنی کا ہونا ضروری ہے، اور یہاں نودُوْا، قول کے ہم معنی موجود ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُهُ: فی المَوَاضِعِ الخَمْسَةِ، ان میں پہلا اَنْ تلكم الجنة ہے اور آخری اَنْ اَفيضوا ہے۔

قَوْلُهُ: لم يَدْخُلُوْهَا یہ نادُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔

تفسیر وتشریح

اِنَّ الذين كذّبوا بايتنا، خدائی عام ضابطہ یہ ہے کہ جو جیسا کرے گا ویسا ہی بھگتے گا، ظاہر ہے کہ اللہ کو کسی بندے سے بندہ ہونے کی حیثیت سے کوئی کد تو ہے نہیں۔

قَوْلُهُ: لا تفتح لهم ابواب السماء براء بن عازب رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد از وفات کافر کی روح جب آسمان کی طرف لے جائی جاتی ہے تو اس سے ایسی سخت بدبو نکلتی ہے جیسی دنیا میں مردار کی ہوتی ہے اس پر آسمان کے فرشتے اسے راستہ دینے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھولنے سے انکار کر دیتے ہیں (کبیر) آسمانوں کے دروازوں کا کھلنا اور بند ہونا بھی قرآنی متشابہات میں سے ہے، اس کی کیفیت جو بھی ہو مومن کے لئے اس پر اجمالی ایمان ضروری ہے۔

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مکذبین ومنکرین کے اعمال برکت ومقبولیت سے محروم رہیں گے جس کو آسمان کی طرف نہ چڑھنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (کشاف)

حَتّٰى يَلِجَ الجَمَلُ في سَمِّ الخياط، محاورہ میں اس سے مراد مطلق امر محال کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے یعنی نہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نکل سکے گا نہ فلاں فعل ہوگا، اصطلاح میں اس کو تعلیق بالمحال کہتے ہیں یعنی امر کے وجود کو کسی امر محال پر معلق کر دینا۔

وَنَزَعْنَا ما في صدورهم من غلٍّ، غِلّ اس کینے اور بغض کو کہا جاتا ہے جو سینوں میں مستور ہو اللہ اہل جنت پر یہ انعام فرمائیگا کہ دنیا کی زندگی میں نیک لوگوں کے درمیان اگر کچھ رنجشیں اور کدورتیں اور غلط فہمیاں رہی ہوں گی تو آخرت میں وہ سب دور کر دی جائیں گی ان کے قلوب ایک دوسرے سے صاف اور بے غبار ہو جائیں گے، اور وہ مخلص دوستوں کی طرح جنت میں داخل ہوں گے۔

بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اہل جنت کے درمیان درجات ومنازل کا جو تفاوت ہوگا اس پر وہ ایک

دوسرے سے حسد نہ کریں گے پہلے مفہوم کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ جنتیوں کو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائیگا اور ان کے درمیان آپس کی جو زیادتیاں ہوئی ہوں گی ایک دوسرے کو ان کا بدلہ دلا دیا جائیگا حتی کہ جب وہ بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو ان کو جنت میں داخلہ کی اجازت دیدی جائے گی۔ (صحیح بخاری کتاب المظالم)

مثلاً صحابۂ کرام کی باہمی رنجشیں جو خطاء اجتہادی پر مبنی تھیں ان کو بھی ایک دوسرے کے دل سے پاک کر دیا جائیگا، حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قول ہے، مجھے امید ہے کہ میں، عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ وزبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا "ونزعنا مافی صدورھم من غلٍّ". (ابن کثیر)

وقالوا الحمد لِلّٰہ الذی ھدانا، یعنی یہ ہدایت کہ جس کی وجہ سے ہمیں ایمان و عمل کی زندگی نصیب ہوئی اور پھر انھیں بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا درجہ بھی حاصل ہوا، یہ اللہ کی خاص رحمت ہے اور اس کا فضل ہے اگر یہ رحمت اور فضل الٰہی نہ ہوتا تو ہم یہاں تک نہ پہنچ سکتے تھے اسی مفہوم کی یہ حدیث ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تم میں سے کسی کو محض اس کا عمل جنت میں نہیں لیجائیگا جب تک کہ اللہ کی رحمت نہ ہوگی، صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ﷺ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں، میں بھی اس وقت تک جنت میں نہ جاؤں گا جب تک کہ رحمت الٰہی مجھے اپنے دامن میں نہ سمیٹ لے گی۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق)

وَنادیٰ اصحٰب الجنۃ اصحٰب النار ...... الی ...... علی الظالمین، یہی بات نبی ﷺ نے جنگ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے اور ان کی لاشیں ایک کنویں میں ڈالدی گئی تھیں انھیں خطاب کرتے ہوئے کہی تھی جس پر حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے سوال کیا تھا، آپ ایسے لوگوں سے خطاب فرما رہے ہیں جو ہلاک ہو چکے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کی قسم میں انھیں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں لیکن اب وہ جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے"۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنۃ)

وعلی الاعراف رجال (الآیۃ) یہ کون لوگ ہوں گے جن کو جنت و دوزخ کے باڈر پر روک لیا جائیگا؟ ان کے بارے میں مفسرین کا خاصا اختلاف ہے اکثر مفسرین کے نزدیک اہل اعراف سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی زندگی کا نہ تو مثبت پہلو ہی اتنا قوی ہوگا کہ جنت میں داخل ہو سکیں اور نہ منفی پہلو اتنا خراب ہوگا کہ جہنم میں ڈالدیئے جائیں اسلئے وہ دوزخ و جنت کے درمیان ایک سرحد پر رہیں گے۔

وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا من اصحٰب النار **یَّعْرِفُوْنَھُمْ بِسِیْمٰھُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰی عَنْکُمْ** من النار **جَمْعُکُمْ** المال او کثرتکم **وَمَا کُنْتُمْ تَسْتَکْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾** ای واستکبارکم عن الایمان ویقولون لھم مشیرین الی ضعفاءِ المسلمین **اَھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُھُمُ اللّٰہُ بِرَحْمَۃٍ** قد قیل لھم **اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾**

وقُرِئَ اُدْخِلُوْا بالبناءِ للمفعولِ و دَخَلُوا فجُملَةُ النفي حالٌ اي مقولاً لهم ذلك **وَنَادَىٰٓ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا۟ عَلَيْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ** من الطعام **قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ حَرَّمَهُمَا** منعهما **عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٥٠﴾ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا ۚ فَٱلْيَوْمَ نَنسَىٰهُمْ** نترُكهم في النار **كَمَا نَسُوا۟ لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا** بتركِهم العمل له **وَمَا كَانُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٥١﴾** اي و كما جحدوا **وَلَقَدْ جِئْنَٰهُم** اي اهل مكة **بِكِتَٰبٍ** قران **فَصَّلْنَٰهُ** بيّناه بالاخبار والوعد والوعيد **عَلَىٰ عِلْمٍ** حالٌ اي عالمِيْنَ بما فصّل فيه **هُدًى** حالٌ من الهاء **وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾** به **هَلْ يَنظُرُونَ** ما ينتظرون **إِلَّا تَأْوِيلَهُۥ ۚ** عاقبة ما فيه **يَوْمَ يَأْتِى تَأْوِيلُهُۥ** هو يومُ القيمة **يَقُولُ ٱلَّذِينَ نَسُوهُ مِن قَبْلُ** تركوا الايمان به **قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِٱلْحَقِّ فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوا۟ لَنَآ أَوْ** هل **نُرَدُّ** الى الدنيا **فَنَعْمَلَ غَيْرَ ٱلَّذِى كُنَّا نَعْمَلُ ۚ** نُوَحِّدُ اللّٰهَ ونترُكُ الشرك فيقال لهم لا، قال تعالى **قَدْ خَسِرُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ** اذ صاروا الى الهلاك **وَضَلَّ** ذهب **عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَفْتَرُونَ ﴿٥٣﴾** من دعوى الشريك

ترجمہ: اور اہل اعراف جہنمیوں میں سے بڑے بڑے لوگوں سے جن کو وہ ان کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے پکار کر کہیں گے (سوال کریں گے) کہ تمہارا مال کو جمع کرنا یا تمہاری اکثریت اور تمہارا ایمان سے تکبر کرنا آگ سے بچانے میں کیا کام آیا؟ اور (اہل اعراف) ضعفاء مسلمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوزخیوں سے کہیں گے، کیا یہ اہل جنت وہی لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تم نے قسم کھا کر کہا تھا کہ ان کو خدا کی رحمت کا کچھ بھی حصہ نہ ملے گا؟ ان سے کہدیا گیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اس حال میں کہ تمہارے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ غم اُدْخِلُوْا، مجہول کے صیغہ کے ساتھ اور دَخَلُوا (ماضی معروف) کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور (دونوں) منفیہ جملہ مقولاً کی تقدیر کے ساتھ حال ہیں، حال یہ ہے کہ یہ بات ان سے کہدی گئی، اور دوزخی جنتیوں سے پکار کر کہیں گے کچھ تھوڑے پانی سے ہمارے اوپر بھی کرم کردو یا جو رزق کھانے کے لئے اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ ہماری طرف بھی ڈالدو تو وہ جواب دیں گے یہ دونوں چیزیں اللہ نے کافروں کے لئے حرام (ممنوع) کردی ہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تفریح بنالیا تھا اور جنہیں دنیوی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا تھا تو آج ہم بھی انہیں بھلا دیں گے (یعنی) ہم ان کو دوزخ میں داخل کر کے چھوڑ دیں گے، جیسا کہ انہوں نے ملاقات کے لئے عمل کو ترک کر کے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا، اور جیسا کہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے، یعنی جیسا کہ انہوں نے انکار کیا، اور ہم نے اہل مکہ کے پاس ایسی کتاب (یعنی) قرآن پہنچا دیا کہ جس میں اخبار اور وعدوں اور وعیدوں کو ہم نے کھول کھول کر بیان کیا حال یہ ہے کہ جو اس میں کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے ہم اس کے جاننے والے ہیں حال یہ کہ وہ کتاب ہدایت ہے، هُدًى فَصَّلْنٰهُ کی ضمیر مفعولی سے حال ہے، اور وہ اس (قرآن) پر ایمان لانیوالوں کے لئے رحمت ہے، ان لوگوں کو کسی چیز کا انتظار

نہیں صرف قرآن میں بیان کردہ کے انجام کا انتظار ہے، جس دن اس کا آخری نتیجہ آجائیگا وہ قیامت کا دن ہوگا، جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے یعنی اس پر ایمان کو ترک کئے ہوئے تھے اس روز یوں کہیں گے واقعی ہمارے رب کے رسول سچی باتیں لائے تھے، سواب کیا ہمارا کوئی سفارشی ہے کہ جو ہماری سفارش کردے، یا کیا ہم پھر دنیا میں واپس بھیجے جاسکتے ہیں تاکہ ہم ان اعمال کے برخلاف جنہیں ہم کیا کرتے تھے، دوسرے (نیک) اعمال کریں (یعنی) اللہ کی توحید کے قائل ہوجائیں اور شرک کو ترک کردیں، تو ان سے کہا جائیگا نہیں، بے شک ان لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال لیا جبکہ وہ ہلاکت کی طرف چلے دعوائے شرک کی جو باتیں ان لوگوں نے تصنیف کررکھی تھیں ان سے غائب ہوگئیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: رِجَالًا مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ، ای الذین کانوا عُظماء فی الدنیا فینادونھم، یا ابا جھل بن ھشام ویا ولید بن مغیرۃ ویا فلان ویا فلان وھم فی النار، اصحاب عراف ان لوگوں کو نام بنام پکار کر کہیں گے کہ تم دنیا میں رؤساء قوم کہلاتے تھے تمہاری جمعیتیں اور مال ودولت اور وہ جاہ وحشمت کیا ہوئے؟ جن پر تم کو بڑا فخر وغرور تھا، آج ان میں سے تمہارے کچھ بھی کام نہیں آیا۔

قَوْلُہٗ: اغنیٰ عنکم. ما استفہام توبیخی ہے ای ایُّ شئ اغنیٰ، اور ما نافیہ بھی ہوسکتا ہے، یعنی ان میں سے تمہارے کچھ کام نہیں آیا۔

قَوْلُہٗ: استکبارًا، اس میں اشارہ ہے کہ 'ما کنتم' میں ما مصدریہ ہے لہٰذا عدم عائد کا شبہ ختم ہوگیا اور بعض حضرات نے استکبارًا کا مطلب بڑا سمجھنا، لیا ہے اور بعض نے اعراض کرنا علامہ سیوطی نے دوسرے معنی مراد لئے ہیں۔

قَوْلُہٗ: یَقُوْلُوْنَ لھم، اس سے اشارہ کردیا کہ اھٰؤلاء الذین الخ یہ بھی اہل اعراف کا مقولہ ہے۔

قَوْلُہٗ: بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ، یعنی باب افعال سے ماضی مجہول اور دَخلوا (ن) سے ماضی معروف ہے یہ دونوں قراءتیں شاذ ہیں جس کی طرف قُرِئَ کہہ کر اشارہ کردیا ہے، ان دونوں قراءتوں کی صحت میں قول کی تقدیر کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے کہ بغیر تاویل کے خبر واقع ہوجائیگا۔ (فیہ ما فیہ)

قَوْلُہٗ: مَنَعَھما، حَرَّمَھُما، کی تفسیر مَنَعھما سے کرکے اشارہ کردیا کہ حرّم بمعنی مَنَعَ ہے اسلئے کہ حرام وحلال کا محل دنیا ہے نہ کہ آخرت۔

قَوْلُہٗ: نَتْرُکُھُمْ اس میں اشارہ ہے کہ نسیان سے اس کے لازم معنی یعنی ترک مراد ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے نسیان محال ہے۔

قَوْلُہٗ: ای وکما جَحَدوا، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤال: وما کانوا بِایٰتِنَا یجحدون، کا عطف کما نَسُوا لِقاء، پر درست نہیں ہے اسلئے کہ معطوف علیہ ماضی اور معطوف مضارع ہے۔

جواب: مضارع پر جب کان داخل ہو جاتا ہے تو ماضی بن جاتا ہے، لہٰذا عطف درست ہے۔

قولہ: عَاقِبَةَ مَافِیه، فیه کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے یعنی اب ان کو صرف قرآن میں مذکور وعدوں اور وعیدوں کے انجام کی صداقت ہی کا انتظار ہے۔

تفسیر وتشریح

نادیٰ اصحٰبُ الاعراف رجالاً، اہل اعراف اہل نار میں سے بڑے بڑے لوگوں کو جن کو وہ ان کی علامتوں سے پہچان لیں گے کہیں گے، دیکھ لیا تم نے، آج نہ تمہارے جتھے کچھ کام آئے اور نہ ساز و سامان جن کو تم بڑی چیز سمجھتے تھے، اور کیا یہ اہل جنت وہی لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان کو تو خدا اپنی رحمت میں سے کچھ بھی نہ دے گا، آج انہی سے کہا گیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، پھر اہل اعراف سے کہا جائیگا، تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ تم کو کچھ خوف و غم نہیں حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کافروں سے فرمائیگا کہ جن غریبوں کو تم دنیا میں محروم بتاتے تھے لو اب یہی لوگ جنت میں پہنچ گئے۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے بحوالہ مسلم، کہ آپ ﷺ نے فرمایا دنیا کے بڑے بڑے نافرمان مالدار لوگ قیامت کے دن جب دوزخ میں ڈالے جاویں گے تو دوزخ میں پڑتے ہی فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ دنیا کی جس مالداری نے تم کو آخرت سے غافل رکھا دوزخ کے عذاب کے مقابلہ میں تم کو دنیا کی وہ مالداری کچھ یاد ہے تو وہ لوگ قسم کھا کر کہیں گے کہ اس عذاب کے مقابلہ میں ہمیں دنیا کی وہ مالداری ذرا بھی یاد نہیں اسی طرح اہل جنت کو جنت کی نعمتوں کے آگے دنیا کی تنگدستی کچھ یاد نہ آئے گی۔

ونادیٰ اصحٰب النار اصحٰب الجنۃ الخ دوزخی جنتیوں سے بھیک مانگنے والوں کی طرح گڑگڑا کر تھوڑے سے پانی اور کھانے کا سوال کریں گے مگر ان کو کچھ نہ دیا جائیگا، بلکہ جنتی صاف صاف کہدیں گے کہ یہ دونوں چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حرام کر دی ہیں۔

الذین اتخذوا دینھم لھوا و لعبا الخ اہل جنت اور اہل دوزخ اور اصحاب اعراف کی اس گفتگو سے کسی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عالم آخرت میں انسانی قوتوں کا پیمانہ کس قدر وسیع ہو جائیگا وہاں آنکھوں کی بینائی اتنے بڑے پیمانے پر ہوگی کہ دوزخ و جنت اور اعراف کے لوگ جب چاہیں گے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے، اور وہاں آواز اور سماعت بھی اس قدر بڑھ جائے گی کہ مختلف دنیاؤں کے لوگ بآسانی گفت و شنید کر سکیں گے، یہ اور ایسے ہی بیانات جو ہمیں قرآن میں ملتے ہیں اس بات کا تصور دلانے کے لئے کافی ہیں کہ وہاں زندگی کے قوانین ہماری موجودہ دنیا کے قوانین طبعی سے بالکل مختلف ہوں گے، اگر چہ

ہماری شخصیتیں یہی رہیں گی، جن لوگوں کے دماغ اس عالم طبعی کی حدود میں موجودہ زندگی اور اس کے مختصر پیمانوں سے وسیع تر کسی چیز کا تصور ان میں نہیں سما سکتا وہ قرآن وحدیث کے ان بیانات کو بڑی حیرت واستعجاب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور بسا اوقات ان کا مذاق اڑا کر اپنی خفیف العقلی کا مزید ثبوت بھی دینے لگتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان بیچاروں کا دماغ جتنا تنگ ہے زندگی کے امکانات اتنے تنگ نہیں ہیں، آجکل کی نئی نئی ایجادات نے تو اس مسئلہ کو حل ہی کر دیا ہے، اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے ہزاروں میل دور سے اس طرح باتیں کر سکتے ہیں گویا کہ آپ کا مخاطب آپ کے روبرو موجود ہے جس سے آپ بالمشافہ گفتگو کر رہے ہیں، نیز ایسی ایجادات نے کہ جن کے ذریعہ موٹی موٹی دیواروں کے آر پار تاریک رات میں اس طرح دیکھ سکتے ہیں گویا کہ رائی اور مرئی کے درمیان کوئی شئی حائل نہیں ہے، ان نئی ایجادات اور مشاہدات کے بعد بھی قرآنی معلومات کے سلسلہ میں انکار وعناد کا رویہ اختیار کرنا حمق اور بے عقلی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

هل ينظرون الا تاويله يوم ياتي تاويله، الخ یعنی یہ جس انجام کے منتظر تھے اس کے سامنے آجانے کے بعد اعتراف حق کرنے یا دوبارہ دنیا میں بھیجے جانے کی آرزو اور کسی سفارشی کی تلاش، یہ سب بے فائدہ ہوں گی وہ معبودان باطل بھی گم ہو جائیں گے جن کی یہ بندگی کیا کرتے تھے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ من اَيَّام الدنيا اى في قدرها لانه لم يكن ثَمَّ شَمْسٌ ولوشاءَ خَلَقَهُنَّ في لَمْحَةٍ والعُدُولُ عنه لِتَعْلِيم خَلْقِه التَثَبُّتَ **ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** هو في اللُّغَةِ سريرُ المَلِكِ استواءً يَلِيقُ به **يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ** مُخَفَّفًا ومُشَدَّدًا اى يُغَطِّى كلاًّ منهما بالاخرِ **يَطْلُبُهٗ** يَطْلُبُ كلٌّ منهما الاخرَ طلبًا **حَثِيْثًا** سريعًا **وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ** بالنصب عطفًا على السمواتِ والرفع مبتدأ خبرُهُ **مُسَخَّرٰتٍۭ** مُذَلَّلاتٍ **بِاَمْرِهٖ** بقدرتِهِ **اَلَا لَهُ الْخَلْقُ** جميعًا **وَالْاَمْرُ** كُلُّهٗ **تَبٰرَكَ** تَعاظَمَ **اللّٰهُ رَبُّ** مالكُ **الْعٰلَمِيْنَ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا** حالٌ تَذَلُّلاً **وَّخُفْيَةً** سِرًّا **اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴿۵۵﴾** في الدُّعاءِ بالتَّشَدُّقِ ورفع الصَّوتِ **وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ** بالشِّرْكِ والمَعاصِى **بَعْدَ اِصْلَاحِهَا** بِبَعْثِ الرُّسُلِ **وَادْعُوْهُ خَوْفًا** من عِقابه **وَّطَمَعًا** في رحمتِهِ **اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۵۶﴾** المُطِيعِينَ وتَذْكِيرُ قَرِيبٍ المُخْبَرِ به عن رَحْمَةٍ لِاضافتِها الى اللهِ تَعالى **وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ** اى مُتَفَرِّقَةً قُدَّامَ المَطَرِ وفي قراءةٍ بسكونِ الشينِ تخفيفًا وفي اخرى بسكونها وفتحِ النُّونِ مصدرًا في أُخرى بسكونها وضمِّ الموحدةِ بدلَ النُّونِ اى مُبَشِّرًا ومفردُ الأُولى نُشُورٌ كرسولٍ والاخيرة بشيرٌ **حَتّٰىٓ اِذَآ اَقَلَّتْ** حَمَلَتِ الرِّيحُ **سَحَابًا ثِقَالًا** بالمَطَرِ **سُقْنٰهُ** اى السَّحابَ وفيه التفاتٌ عن الغيبةِ **لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ** لا نباتَ به اى لِاِحْيائِهِ **فَاَنْزَلْنَا بِهِ** بالبَلَدِ **الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ** بالماءِ **مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ** الاخراجِ **نُخْرِجُ الْمَوْتٰى** من قُبُورِهم بالاحياءِ **لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴿۵۷﴾** فتؤمِنُونَ **وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ** العَذْبُ التُّرابِ **يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ** حسنًا **بِاِذْنِ رَبِّهٖ** هذا مثلُ

للمؤمن يَسمعُ الموعظة فيَنتفعُ بها **وَالَّذِي خَبُثَ** ترابُهُ **لَا يَخْرُجُ** نَباتُهُ **إِلَّا نَكِدًا** عَسِرًا بمشقةٍ وهذا مثل للكافر **كَذٰلِكَ** كما بَيَّنا ما ذُكِرَ **نُصَرِّفُ** نُبَيِّنُ **الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ** ﴿۵۸﴾ اللّٰهَ فيؤمنون.

ترجمہ: درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو دنیا کے دنوں کی مقدار کے اعتبار سے چھ دنوں میں پیدا فرمایا، اسلئے کہ اس وقت سورج نہیں تھا، اگر وہ چاہتا تو ایک لحہ میں پیدا کر دیتا، اور ایک لحہ میں پیدا نہ کرنا لوگوں کو عجلت نہ کرنے کی تعلیم دینے کے لئے ہے، پھر (اپنے) تخت شاہی پر جلوہ فرما ہوا (عــرش) لغت میں تخت شاہی کو کہتے ہیں، تخت پر جلوہ فرمائی سے مراد اس کی شایان شان جلوہ فرمائی ہے، وہ شب و روز کو ایک دوسرے سے اس طرح چھپا دیتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کئے جو اس کے حکم کے تابع ہیں (تینوں پر) نصب ہے سـمٰـوات پر عطف کرتے ہوئے، اور رفع ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے خبر اس کی مسخــرات ہے خبردار رہو! تمام مخلوق اسی کی ہے اور بالکلیہ اسی کا امر ہے اللہ بڑی برکت والا ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، تم اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے چپکے چپکے پکارو بے شک اللہ تعالیٰ بے احتیاطی کے ساتھ زور زور سے دعاء میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا شرک و معاصی کے ذریعہ زمین میں فساد برپا نہ کرو، رسول کی بعثت کے ذریعہ اس کی اصلاح کرنے کے بعد، اس کی سزا اور رحمت کی امید و بیم کے ساتھ اس کو پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیک کردار فرماں بردار لوگوں کے قریب ہے اور (لفظ) قریب کو جو کہ رحمت کا مخبر بہ ہے اللہ کی طرف رحمت کی اضافت کی وجہ سے مذکر لایا گیا ہے اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لئے ہوئے بھیجتا ہے یعنی بارش کے آگے آگے پھیلتی ہوئی، اور ایک قراءت میں شین کے سکون کے ساتھ بطور تخفیف کے اور دوسری قراءت میں شین کے سکون اور نون کے فتحہ کے ساتھ بطور مصدر کے اور تیسری قراءت میں شین کے سکون اور بجائے نون کے باء کے ضمہ کے ساتھ یعنی خوشخبری دینے والی، اور پہلے کا مفرد نَشُوْر بروزن رسول ہے اور دوسرے کا بشیرٌ ہے، پھر جب ہوائیں پانی سے بھرے ہوئے بادل اٹھالیتی ہیں تم ہم اس بادل کو کسی مردہ (خشک) زمین کی طرف ہانک لیجاتے ہیں اس میں غیبت سے التفات ہے جس میں کوئی گھاس پھونس نہیں ہوتی، اس کو زندہ (سبز) کرنے کے لئے، پھر ہم اس زمین میں پانی برساتے ہیں پھر ہم اس پانی کے ذریعہ ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں، اسی طرح ہم مردوں کو ان کی قبروں سے زندہ کر کے نکالیں گے، تاکہ تم سبق لو اور ایمان لے آؤ اور جو زمین اچھی ہوتی ہے (شور نہیں ہوتی) تو اس سے اپنے رب کے حکم سے خوب پیداوار ہوتی ہے یہ مومن کی مثال ہے کہ وہ نصیحت سنتا ہے پھر اس سے نفع اٹھاتا ہے اور جس زمین کی مٹی خراب ہوتی ہے اس سے خراب پیداوار کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا (اور وہ بھی) بڑی مشقت کے ساتھ، اور یہ کافر کی مثال ہے، اسی طرح جیسا کہ ہم نے مذکورہ مثال بیان کی اللہ کا شکر ادا کرنے والی قوموں کے لئے مثال بیان کرتے ہیں تو وہ ایمان لے آتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ به، اس میں اشارہ ہے کہ استویٰ علی العرش متشابہات میں سے ہے اس کی حقیقی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے، يُغشى، ای يغطّى، چھاجانا، چھپالینا، اسی سے ہے غَشِيَتْهُ الحُمّٰى، اس کو بخار آگیا۔

قولہ: حثيثًا، یہ حثٌّ سے مشتق ہے اور یہ طلبًا مصدر محذوف کی صفت ہے۔

قولہ: بالتَشَدُّقِ، ای اظهار الفصاحة بالتكلف، تَشَدُّق، تکلف فصاحت ظاہر کرنے کے لئے باچھیں کھولنا، تشدّق بالکلام و ذیہ، بغیر احتیاط کے ہر قسم کی باتیں کرنا۔

قولہ: وتَذْكِيْرُ قَرِيْبِ الْمُخْبَرِ به عَنْ رَحْمَةِ لِاِضَافَتِها الى الله، مذکورہ عبارت کا اضافہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: رحمة الله، اِنَّ کا اسم ہے اور قريبٌ اس کی خبر ہے، اسم مؤنث ہے اور خبر مذکر ہے دونوں میں مطابقت نہیں ہے قریبة ہونا چاہئے؟

جواب: رحمة الله، میں مضاف الیہ یعنی لفظ اللہ کی رعایت کی وجہ سے مذکر لائے ہیں، یعنی مضاف کو مضاف الیہ کا حکم دیدیا ہے، دیگر ائمہ لغت والاعراب نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) زجاج نے کہا کہ رحمة عفو وغفران کے معنی میں ہونے کی وجہ سے رحم کے معنی میں ہے، نحاس نے اس تاویل کو پسند کیا ہے، (۲) نضر بن شمیل نے کہا ہے کہ رحمة مصدر بمعنی ترحم ہے، (۳) اخفش سعید نے کہا ہے کہ رحمة سے مطر مراد ہے، (۴) بعض حضرات نے کہا ہے کہ رحمة چونکہ مؤنث غیر حقیقی ہے لہٰذا مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوسکتا ہے۔

(فتح القدیر شوکانی)

قولہ: اَقَلَّتْ ای حملت ورفعت اس کا ماخذ اشتقاق اقلال ہے۔

قولہ: نكدًا، ای الذی لا خير فيه، اوالذی اشتدَّ وعَسُرَ.

قولہ: ثقالا.

سوال: ثقالًا کو جمع لانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اسلئے کہ سحابًا معنی سحابة کی جمع ہے اسلئے کہ معنی میں سحائب کے ہیں۔

تفسیر و تشریح

اِنَّ ربكم اللّٰه الَّذِى خَلَقَ السمٰوٰتِ والارض فی ستة ايام (الآية) یہ چھ دن، اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ ہیں، جمعہ ہی کے دن حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق ہوئی، کہتے ہیں کہ ہفتہ کے روز کوئی تخلیق نہیں ہوئی، اسی لئے اسے یوم السبت کہا جاتا ہے، اسلئے کہ سبت کے معنی قطع کے ہیں یعنی اس روز تخلیق کا کام قطع ہوگیا۔

قرآن میں بیان کردہ دن سے کیا مراد ہے؟ ہماری دنیا کا دن جس کی ابتداء طلوع شمس اور انتہاء غروب شمس سے ہوتی ہے یا یہ دن ہزار سال کے برابر ہے جیسا کہ روز قیامت ہوگا، بظاہر دوسری صورت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایک تو اس وقت نظام شمسی موجود نہیں تھا آسمان وزمین کی تخلیق کے بعد یہ نظام قائم ہوا، دوسری بات یہ کہ عالم بالا کا واقعہ ہے اسکو دنیا سے کوئی نسبت نہیں ہے، اسلئے اس دن کی اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے اس بارے میں قطعیت کے ساتھ کوئی بات کہنا مشکل ہے، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ لفظ ''کن'' سے آن واحد میں سب کچھ پیدا کرسکتا ہے اس کے باوجود اس نے ہر چیز کو الگ الگ تدریج کے ساتھ بنایا اس کی بھی اصل حکمت اللہ ہی بہتر جانتا ہے تاہم علماء نے اس کی ایک حکمت لوگوں کو وقار اور تدریج کے ساتھ کام کرنے کا سبق دینا بتلائی ہے اور حدیث پاک میں بھی عجلت کی نسبت شیطان کی طرف فرمائی گئی ہے۔

استواء کے معنی علو اور استقرار کے ہیں سلف نے بلا کیف و بلا تشبیہ یہی معنی مراد لئے ہیں لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے، حضرت امام مالک رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ سے کسی نے استواء کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا، استواء کے معنی معلوم ہیں مگر کیفیت نا معلوم ہے۔

ولا تُفسِدُوا فی الارض (الآیۃ) ممانعت کا مطلب ہے فساد فی الارض سے ممانعت۔ انسان کا خدا کی بندگی سے نکل کر اپنے نفس کی یا دوسروں کی بندگی اختیار کرنا اور خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی معاشرت تمدن واخلاق کو ایسے اصول وقوانین پر قائم کرنا جو خدا کے سوا کسی اور کی رہنمائی سے ماخوذ ہوں، یہی وہ بنیادی فساد ہے جس سے زمین کے نظام میں خرابی کی بے شمار صورتیں رونما ہوتی ہیں، اور اسی فساد کو روکنا قرآن کا مقصد ہے قانون اسلام کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے ہی سے عالم کی اصلاح ہوتی ہے اور مکمل دستور العمل سے انکار وانحراف ہی سے پہلے فساد عقائد اور فساد اعمال واخلاق پیدا ہوتے ہیں جو جرائم، معاصی، قتل وغارت گری غرضیکہ ہر قسم کے فساد کا باعث ہے جس کی وجہ سے عالم میں فساد برپا ہوتا ہے۔

آداب دعاء:

دعاء میں آداب دعاء وعبودیت کا لحاظ رکھنا بھی آداب دعاء سے ہے دعاء کے آداب کا لحاظ نہ رکھنا بھی دعاء میں حد سے تجاوز کرنا ہے، آداب دعاء میں یہ بھی داخل ہے کہ دعاء محالات عقلیہ وعادیہ کی نہ مانگی جائے، مثلاً یہ کہ اے اللہ تو مجھے دنیا میں خلود نصیب فرما یا میری جوانی لوٹا دے اور نہ معاصی کی طلب وتمنا کی جائے مطلب یہ ہے کہ دعاء اپنی حیثیت اور مرتبہ سے بڑھ کر نہ کی جائے، بلکہ شان عبودیت کے ساتھ لجاجت کے لہجہ میں خشوع قلب کے ساتھ دعاء مانگی جائے، دعاء چلا چلا کر بھی نہ مانگنی چاہئے (نعوذ باللہ) تمہارا پروردگار نہ گراں گوش ہے اور نہ دور، چلا چلا کر دعاء کرنے سے حدیث شریف میں بھی ممانعت آئی ہے صحیح بخاری اور مسلم میں یہ روایت آئی ہے کہ ایک موقعہ پر لوگ چلا چلا کر زور زور سے دعاء مانگ رہے تھے اس پر آپ نے فرمایا ''جسے تم پکار رہے ہو وہ نہ اونچا سنتا ہے اور نہ وہ دور ہے وہ تو قریب ہے اور خوب سنتا ہے'' حنفیہ نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ نماز

میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمین بھی چونکہ دعاء ہے لہٰذا آمین آہستہ کہنی چاہئے (جصاص) دعاء کرتے وقت امید وبیم کی کیفیت ہونی چاہئے، اس کے عذاب کا خوف بھی ہو اور اسکی رحمت کی امید بھی اس طرح دعاء کرنے والے کا شمار محسنین میں ہوتا ہے، یقیناً اللہ کی رحمت ایسے لوگوں کے قریب ہے۔

فانزلنا به الماء، جس طرح ہم پانی کے ذریعہ مردہ زمین میں روئیدگی پیدا کردیتے ہیں اور وہ انواع واقسام کے غلّے اور پھل پھول پیدا کرتی ہے اسی طرح قیامت کے دن تمام انسانوں کو جو مٹی میں شامل ہو کر مٹی ہو چکے ہوں گے ہم دوبارہ زندہ کردیں گے اور ان کا حساب لیں گے۔

والبلد الطيب يخرج نباته، اس کے حقیقی معنی مراد ہونے کے علاوہ یہ ایک تمثیل بھی ہوسکتی ہے البلد الطيب سے مراد سريع الفهم اور البلد الخبيث سے بطئ الفهم یا وعظ ونصیحت قبول کرنے والا دل، اور اس کے برعکس دل، یا قلب مومن اور قلب منافق، نصیحت قبول کرنے والا دل بارش قبول کرنے والی زمین کی طرح ہے اور دوسرا دل اس کے برعکس زمین شور کی طرح ہے جو بارش کے پانی کو قبول ہی نہیں کرتی یا کرتی ہے تو برائے نام جس سے پیداوار بھی نکمی اور برائے نام ہوتی ہے، اسکو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو علم وہدایت دے کر بھیجا ہے اسکی مثال اس موسلا دھار بارش کی طرح ہے جو زمین پر برسی، زمین کے جو حصے زرخیز تھے انہوں نے پانی کو اپنے اندر جذب کر کے چارہ اور گھاس خوب اگایا، اور اس کے بعض حصے سخت تھے انہوں نے پانی کو تو روک لیا (اندر جذب نہیں کیا) تاہم اس سے بھی لوگوں نے فائدہ اٹھایا، خود بھی پیا، کھیتوں کو بھی سیراب کیا، اور زمین کا کچھ حصہ بالکل سنگلاخ تھا جس نے پانی روکا اور نہ کچھ اگایا، پس یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کی اور اللہ نے مجھے جس چیز کے ساتھ بھیجا ہے اس نے اس سے استفادہ کیا خود بھی علم حاصل کیا دوسروں کو بھی سکھایا، اور اس شخص کی بھی مثال ہے جس نے کچھ نہیں سیکھا اور نہ وہ ہدایت ہی قبول کی جس کو دیکر مجھے بھیجا گیا ہے۔ (صحيح بخاری)

لَقَدْ جوابُ قسمٍ محذوفٍ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ بالجرّ صفةً لإلهٍ والرّفع بدلٌ من محلّه إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ ان عبدتُم غيرَه عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥٩﴾ وهو يومُ القيمة قَالَ الْمَلَأُ الاشرافُ مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٦٠﴾ بيّنٍ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ هي اعمُّ من الضلال فنفيُها ابلغ من نفيه وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦١﴾ أُبَلِّغُكُمْ بالتخفيف والتشديد رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنصَحُ أُريدُ الخيرَ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٢﴾ أكذّبتم أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ موعظةٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ لسان رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ العذابَ ان لن تؤمنوا وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٦٣﴾ بها فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ من الغرق فِي الْفُلْكِ السفينةِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا بالطوفان إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿٦٤﴾ عن الحقّ۔

ترجمہ: قسمیہ بات ہے ہم نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، اس نے کہا اے میری قوم، تم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں (لَقَدْ) قسم محذوف کا جواب ہے (غیرہ) کے جر کے ساتھ الٰہ کی صفت ہے اور رفع، (الٰہ) کے محل سے بدل ہونے کی وجہ سے ہے اگر تم اس کے علاوہ کسی اور کی بندگی کرو گے تو مجھے تمہارے حق میں بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے اور وہ بڑا دن قیامت کا دن ہے، ان کی قوم کے سرداروں نے کہا ہم تم کو صریح غلطی پر دیکھتے ہیں انہوں نے جواب دیا میں کسی گمراہی میں نہیں ہوں ضلالت ضلال سے عام ہے، ضلالت کی نفی ضلال کی نفی سے ابلغ ہے، بلکہ میں رب العلمین کا رسول ہوں، تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں (اُبَلِّغُ) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں یعنی تمہارا بھلا چاہتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے وہ کچھ معلوم ہے جو تم کو معلوم نہیں، کیا تم تکذیب کرتے ہو اور کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تمہارے ہی ایک آدمی کے ذریعہ نصیحت آگئی تاکہ تم کو عذاب سے ڈرائے اگر تم ایمان نہ لائے اور تاکہ اللہ (کے عذاب) سے ڈر جاؤ اور تاکہ تقوے کی وجہ سے تم پر رحم کیا جائے مگر وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے ڈوبنے سے بچالیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم نے ان کو طوفان کے ذریعہ غرق کر دیا یقیناً وہ لوگ حق سے اندھے تھے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: جوابُ قسمٍ محذوفٍ، اس اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ لَقَدْ میں لام جواب قسم پر داخل ہے۔

قَوْلُہٗ: والرفع بَدَلٌ مِنْ مَحَلِّہٖ تقدیر عبارت یہ ہے، مالکم الٰہٌ من زائدہ ہے الٰہٌ مبتداء ہے اور لکم خبر مقدم ہے۔

قَوْلُہٗ: ھِیَ اَعَمُّ مِنَ الضَّلَالِ فَنَفْیُھَا اَبْلَغُ مِنْ نَفْیِہٖ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے اِنَّا لَنَرٰکَ فِی ضَلٰلٍ مبین، کہہ کر حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب ہر قسم کی ضلالت کی نسبت کی، اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لیس بی ضلالۃ، کہہ کر ہر قسم کی گمراہی کی نفی کر دی اور نہ صرف یہ کہ ہر قسم کی گمراہی کی نفی کی بلکہ ولکنّی رسول من رب العلمین، کہہ کر یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ میں اللہ رب العلمین کی جانب سے عز و شرف کے سب سے بڑے مرتبہ پر جو کہ مرتبۂ رسالت ہے فائز ہوں۔

اَلضَّلَالَۃُ اَعَمُّ مِنَ الضَّلَالِ، اسلئے کہ ضلالۃ وحدت غیر معینہ پر دلالت کرتی ہے اور فرد غیر معین کی نفی عام ہے بخلاف ضلال کے کہ یہ مصدر ہے جو واحد تثنیہ جمع کو شامل ہے، مصدر کی نفی سے یہ ضروری نہیں کہ بالیقین عام کی نفی ہو جائے، مطلب یہ ہے کہ ضلالۃ کی نفی ضلال کی نفی کو مستلزم ہے ولا بالعکس اسلئے کہ عام کی نفی خاص کی نفی کو مستلزم ہوتی ہے نہ کہ اس کا عکس اور لیس بی ضلالۃ، نکرہ تحت النفی کی وجہ سے عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔

قَوْلُہٗ: بھا، ای بالتقوی.

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

سورۂ اعراف کے شروع سے یہاں تک اصول اسلام، توحید، رسالت، آخرت کا مختلف عنوانات سے اثبات اور لوگوں کو اتباع کی ترغیب اور اس کی مخالفت پر وعید وترہیب اور اس کے ضمن میں شیطان کے مکروفریب کا بیان تھا، اب یہاں سے آخر سورت تک چند انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور ان کی امتوں کا ذکر ہے، اس رکوع میں حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کی امت کے حالات ومقالات مذکور ہیں۔

سلسلۂ انبیا میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہیں لیکن ان کے زمانہ میں کفروضلالت کا مقابلہ نہ تھا نیز ان کی شریعت میں زیادہ تر زمین کی آبادکاری اور انسانی ضروریات کے احکام تھے، کفروشرک کا مقابلہ حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام سے شروع ہوا اور رسالت وشریعت کے اعتبار سے وہ سب سے پہلے رسول ہیں، اس وقت دنیا میں جو انسانی آبادی ہے یہ سب حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کے رفقاء سفینہ کی ذریت میں سے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قصص الانبیاء کا آغاز بھی حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام ہی سے کیا گیا ہے، حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ اور ان کی قوم کی غرق آبی اور کشتی والوں کی نجات کی پوری تفصیل سورۂ نوح اور سورۂ ہود میں بیان ہوئی ہے، اختصار کے ساتھ اس کا بیان مندرجہ ذیل ہے۔

نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا مختصر قصہ:

قرآن کریم کے اشارات اور بائبل کی تصریحات سے یہ بات متحقق ہوجاتی ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم جس سرزمین پر رہتی تھی جس کو آج عراق کے نام سے جانا جاتا ہے بابل کے آثار قدیمہ میں بائبل سے قدیم تر کتبات ملے ہیں، ان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اس کی جائے وقوع موصل کے نواح میں بتائی گئی ہے، اس کے علاوہ جو روایات کردستان اور آرمینیہ میں قدیم ترین زمانہ سے نسلاً بعد نسل چلی آرہی ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی کشتی اسی علاقہ میں کسی جگہ ٹھہری تھی، موصل کے شمال میں جزیرۂ ابن عمر کے آس پاس آرمینیہ کی سرحد پر کوہ اراراط کے نواح میں نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے مختلف آثار کی نشاندہی اب بھی کیجاتی ہے۔

حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا زمانہ:

حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام بن لامک قدیم ترین انبیاء میں سے ہیں صحیح صحیح زمانہ کی تعیین تو دشوار ہے بعض اندازوں کے مطابق ان کا زمانہ ۲۹۴۸ ق م تا ۱۹۵۸ ق م سمجھئے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم عراق میں آباد تھی تورات کی کتاب پیدائش

میں ان کا مفصل ذکر باب ۵ سے باب ۹ تک آیا ہے، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک حسب روایت توریت کل نو پشتوں کا فاصلہ ہے۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مشابہت:

قرآن نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم کے درمیان جس معاملہ اور مکالمہ کا ذکر کیا ہے، بعینہٖ ایسا ہی معاملہ مکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے درمیان پیش آرہا تھا، جو پیغام حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا وہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، ان کے علاوہ دیگر انبیاء کے جو قصے بیان ہوئے ہیں ان میں بھی یہی دکھایا گیا ہے کہ ہر نبی کی قوم کا رویہ اہل مکہ کے رویہ سے اور ہر نبی کی تقریر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے ہو بہو مشابہ ہے، اس سے قرآن یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ انسانی گمراہی ہر زمانہ میں بنیادی طور پر ایک ہی طرح کی رہی ہے اور خدا کے بھیجے ہوئے معلموں کی دعوت بھی ہر عہد اور ہر سرزمین میں یکساں رہی ہے، اور لوگوں کا انجام بھی ٹھیک ایک جیسا ہوا ہے۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ پہلے تک تمام لوگ اسلام پر قائم چلے آرہے تھے، سب سے پہلے توحید سے انحراف اس طرح آیا کہ اس قوم کے صالح افراد فوت ہوگئے تو ان کے عقیدت مندوں نے ان پر سجدہ گاہیں قائم کردیں اور ان کی تصویریں بھی آویزاں کرلیں ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح ان صالحین کی یاد سے وہ بھی اللہ کا ذکر کریں گے اور ذکر الٰہی میں ان کے طریقہ پر چلیں گے، وقت گذرنے پر ان تصویروں کے مجسمے بنالئے اس کے کچھ عرصہ کے بعد ان تصویروں نے بتوں کی شکل اختیار کرلی اور لوگوں نے ان کی پوجا پاٹ شروع کردی، اور قوم کے یہ صالحین وَدّ، سواع، یعوق، یغوث اور نسر معبود بن گئے، ان حالات میں نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معبوث فرمایا جنہوں نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی لیکن تھوڑے سے لوگوں کے سوا کسی نے آپ کی تبلیغ کا اثر قبول نہ کیا، آخر اہل ایمان کے سوا سب کو غرق کردیا گیا۔

وَ اَرْسَلْنَا اِلٰی عَادٍ الاولی اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ تَخَافُوْنَهٗ فتؤمنون قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ جَهَالَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۶۶﴾ فی رسالتك قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ بالوجهین رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ﴿۶۸﴾ مامونٌ علی الرسالة اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی لسان رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ فی الارض مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً قوةً وطولًا كان طویلهم مائة ذراع وقصیرهم ستین فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ نِعَمَهٗ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ تفوزون قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ نَتْرُكَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ به من العذاب اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۷۰﴾ فی قولك قَالَ قَدْ وَقَعَ وجب عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ عذابٌ

وَغَضَبٌ ۚ اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ ای سمّیتم بہا اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ اصنامًا تعبدونہا مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا ای بعبادتہا مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ حجةٍ وبرهانٍ فَانْتَظِرُوْٓا العذاب اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۷۱﴾ ذلک بتکذیبکم لی فأرسلت علیہم الریح العقیم فَاَنْجَیْنٰهُ ای هودًا وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ من المؤمنین بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ای استأصلناهم وَمَا کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۲﴾ عطفٌ علی کذبوا.

ترجمہ: اور ہم نے عادِ اولی کی طرف ان کے بھائی ہود علیہ الصلاۃ والسلام کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو (یعنی) اس کی توحید کا اقرار کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، سو کیا تم اس سے ڈرتے نہیں ہو کہ ایمان لے آؤ، ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تو تم کو حماقت جہالت میں مبتلا دیکھتے ہیں اور ہم تم کو دعوائے رسالت میں جھوٹا سمجھتے ہیں انہوں نے جواب دیا اے میری قوم میں ذرا بھی حماقت میں مبتلا نہیں، میں تو رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں میں تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں، (اُبلغکم) میں تخفیف و تشدید دونوں قراءتیں ہیں، اور تمہارا سچا خیر خواہ ہوں رسالت کے بارے میں امین ہوں، کیا تمہیں اس بات میں تعجب ہو رہا ہے کہ تمہارے پروردگار کی نصیحت تمہارے پاس تم ہی میں کے ایک شخص کے ذریعہ آئی ہے تاکہ تم کو آگاہ کرے اور اس بات کو یاد رکھو کہ دنیا میں قوم نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد تم کو (ان کا) جانشین بنایا ہے اور ڈیل ڈول میں تمہیں جسامت بھی زیادہ دی یعنی قد آور بنایا اور قوت بخشی ان میں کا دراز ترین شخص سو ہاتھ کا اور پست قد ساٹھ ہاتھ کا تھا، اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ، انہوں نے جواب دیا کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں، سو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو، اس نے کہا اچھا تو اب تمہارے اوپر رب کا عذاب اور غضب آ ہی پڑا کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے گھڑ لئے ہیں یعنی وہ بت جن کی تم بندگی کرتے ہو، جن کے بارے میں اللہ نے نہ کوئی سند اتاری نہ دلیل، سو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں شامل ہوں، تمہارے مجھے جھٹلانے کی وجہ سے سو ان کے اوپر بے فیض ہوا (آندھی) چلائی گئی چنانچہ ہم نے ہود علیہ الصلاۃ والسلام کو اور ان مومنین کو جو ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے بچا لیا اور ہم نے ان لوگوں کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ایمان لانے والے نہیں تھے، اس کا عطف کذبوا پر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَرْسَلْنَا اس میں اشارہ ہے کہ وَاِلٰی عَادٍ کا عطف نوحًا الی قومه پر ہے اور یہ عطف قصہ علی القصہ کے قبیل سے ہے۔

قولہ: اَلْاُوْلٰی، عاد کی صفت الاولی لا کر اشارہ کر دیا کہ عاد ثانیہ مراد نہیں ہے اسلئے کہ عاد ثانیہ حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم کا نام ہے۔

قولہ: اخاھم ھُودًا، ھودًا، اخاھم سے بدل ہے، جن لوگوں نے عاد کو محلّہ (حیّ) کا نام قرار دیا ہے وہ اس کو منصرف کہتے ہیں اور جو قبیلہ کا نام قرار دیتے ہیں وہ اس کو تانیث اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف کہتے ہیں، عاد دراصل قوم عاد کے جدا کبر کا نام ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔

سوال: حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں فقال یا قوم، فاء کے ساتھ کہا اور یہاں قال بغیر فاء کے کہا، اس میں کیا نکتہ ہے؟

جواب: حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کو دعوت الی اللہ دینے میں بغیر سستی اور توقف کے مسلسل لگے ہوئے تھے جیسا کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول "قالَ ربّ انی دعوت قومی لیلاً ونهارًا" سے معلوم ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے فاء تعقیبیہ لانا مناسب ہے حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ صورت حال نہیں تھی اسلئے یہاں فاء کو ترک کردیا۔

قولہ: من العَذَابِ یہ عائد محذوف کا بیان اور تعدُنا جملہ ہو کر صلہ ہے، اور صلہ جب جملہ ہوتا ہے تو عائد ہونا ضروری ہوتا ہے مفسر علاّم نے بِهٖ کہہ کر عائد کو ظاہر کردیا، من العذاب اسی ضمیر کا بیان ہے۔

قولہ: وَجَبَ.

سوال: وَقَعَ کی تفسیر وَجَبَ سے کس مصلحت کے پیش نظر کی ہے؟

جواب: تاکہ اللہ تعالیٰ کی خبر میں کذب لازم نہ آئے، اسلئے کہ اس وقت تک عذاب واقع نہیں ہوا تھا۔

قولہ: سَمَّیْتُمْ بھا.

سوال: سَمَّیْتُمُوھا، کی تفسیر سَمَّیْتُمْ بھا سے کس مقصد کے پیش نظر کی ہے۔

جواب: سَمَّیتموھا میں اسماء کے لئے اسماء ہونا لازم آرہا ہے اسلئے کہ ھا ضمیر اسماء کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہوگا کہ تم نے ناموں کا نام رکھ لیا ہے حالانکہ یہ بے معنی بات ہے، اور جب ھاء پر باء داخل کردیں گے تو یہ اعتراض وارد نہ ہوگا، اس لئے کہ ھا ضمیر اسماء کی طرف راجع ہوگی اور سَمَّیْتُمْ کا مفعول مقدر ہوگا ای سَمَّیْتُمْ مسمیات تلك الاسماء بھا.

تفسیر وتشریح

قوم عاد کی مختصر تاریخ:

والی عادٍ اخاھم ھودًا، یہ عرب کی قدیم ترین قوم تھی جس کے قصے اہل عرب میں زبان زد عام وخاص تھے، ان کی شوکت وحشمت ضرب المثل تھی، پھر دنیا سے ان کا نام ونشان مٹ جانا بھی ضرب المثل ہو کر رہ گیا، قرآن کی رو سے اس قوم کا اصل مسکن احقاف کا علاقہ تھا جو حجاز یمن اور یمامہ کے درمیان الربع الخالی کے مغرب میں واقع ہے یہیں سے پھیل کر ان لوگوں نے یمن کے مغربی سواحل اور عمان وحضرموت سے عراق تک اپنی طاقت کا سکہ رواں کردیا تھا، تاریخی حیثیت سے اس قوم کے آثار تقریباً

ناپید ہو چکے ہیں، لیکن جنوبی یمن میں کہیں کچھ پرانے کھنڈرات موجود ہیں جنہیں، عاد کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، حضر موت میں ایک مقام پر حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر بھی مشہور ہے ۱۸۳۷ء میں ایک انگریز بحری افسر (James.R.wellsted) کو حصن عرب میں ایک پرانا کتبہ ملا تھا جس میں حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر موجود ہے اور عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی تحریر ہے جو شریعت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کے پیرو تھے۔

حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام جس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے وہ عاد اولی کے نام سے معروف ہے حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام اسی قوم کے ایک فرد تھے، یہ قوم اپنی طاقت وقوت میں بے مثال تھی، اس کے افراد غیر معمولی تن وتوش کے ہوتے تھے، ان کے بارے میں قرآن نے ایک جگہ فرمایا "لم یخلق مثلها فی البلاد" اپنی اسی غیر معمولی قوت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کہ انہوں نے کہا تھا "مَنْ اشدُّ منا قوة" ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے انھیں پیدا فرمایا وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے (حٰم سجدہ) واقعہ کی مزید تفصیل کے لئے سورۂ احقاف کا مطالعہ کیجئے۔

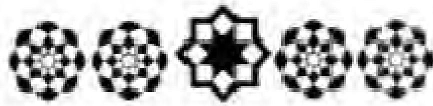

ان قوموں کے علاقے جن کا ذکر سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ میں آیا ہے

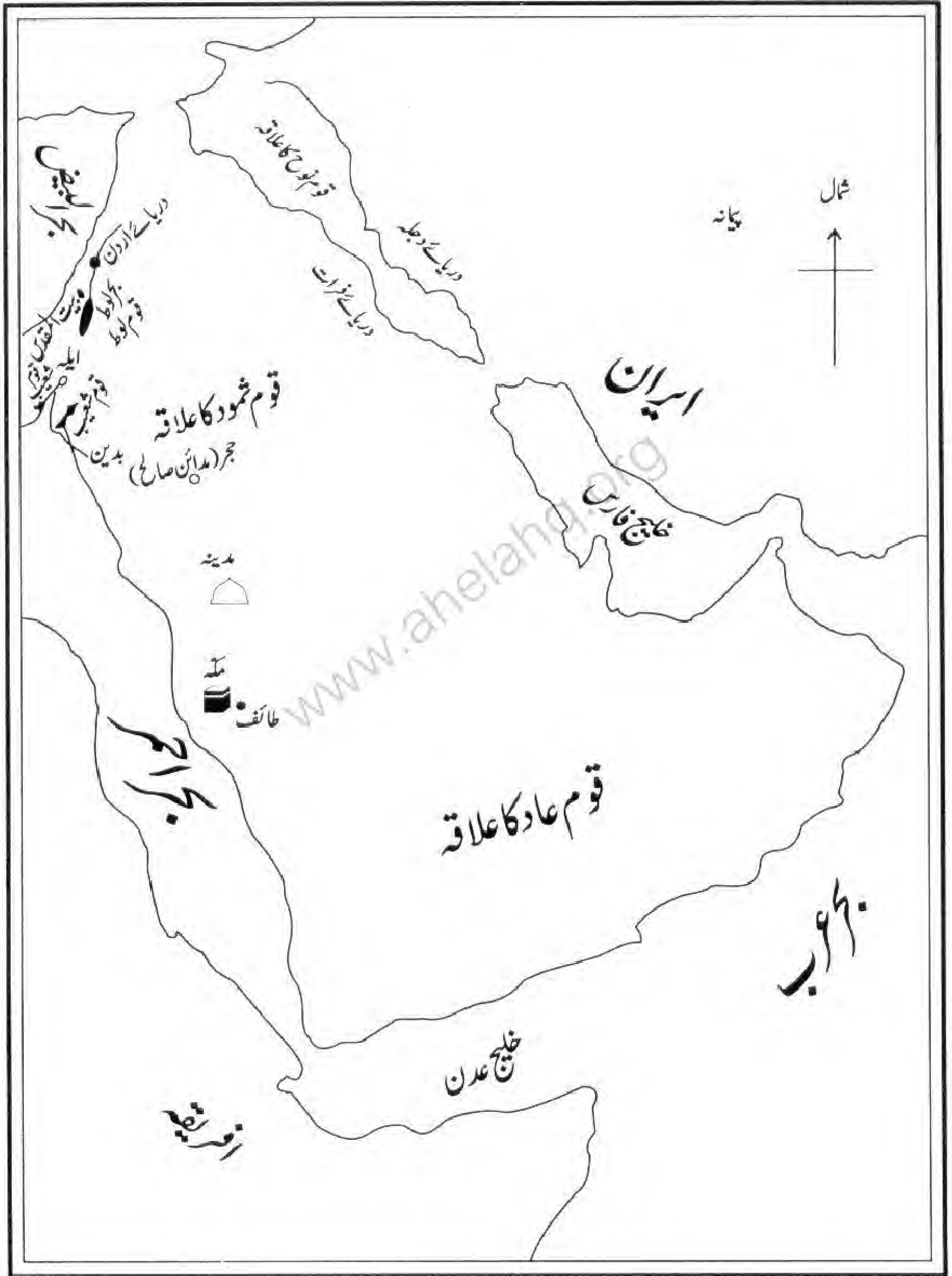

وَ ارسلنا اِلٰی ثَمُوْدَ بترك الصرف مراداً به القبيلة اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ معجزة مِّنْ رَّبِّكُمْ على صدقي هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً حال عاملها معنى الاشارة وكانوا سألوه ان يُخرجها لهم من صخرة عيّنوها فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ بعقر او ضرب فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ في الارض مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ اسكنكم فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا تسكنونها في الصيف وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا تسكنونها في الشتاء ونصبُه على الحال المقدّرة فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ تكبّروا عن الايمان به لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اى من قومه بدلٌ مما قبله باعادة الجارّ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اليكم قَالُوْٓا نعم اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ وكانت الناقة لها يومٌ في الماء ولهم يوم فملّوا ذلك فَعَقَرُوا النَّاقَةَ عقرها قُدار بامرهم بان قتلها بسيف وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ به من العذاب على قتلها اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ الزلزلة الشديدة من الارض والصيحة من السماء فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ باركين على الركب ميّتين فَتَوَلّٰى اعرض صالح عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَ اذكر لُوْطًا ويُبدل منه اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ اى ادبار الرجال مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ الانس والجن اِنَّكُمْ بتحقيق الهمزتين وتسهيل الثانية وادخال الف بينهما على الوجهين لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ متجاوزون الحلال الى الحرام وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ اى لوطاً واتباعه مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ من ادبار الرجال فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ الباقين في العذاب وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا هو حجارة السجّيل فاهلكتهم فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، اگر قبیلہ کا نام ہو تو غیر منصرف ہے، انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، میری صداقت پر تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل معجزہ، آچکی ہے، یہ اونٹنی ہے اللہ کی (آیۃ) حال ہے اس کا عامل اسم اشارہ کا معنی (اشیر) ہے انہوں نے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک خاص پتھر (چٹان) سے جس کو انہوں نے متعین کیا تھا (اونٹنی) نکالنے کا مطالبہ کیا تھا، سو اس کو چھوڑ دو اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے بری نیت قتل و ضرب کے ارادہ سے اس کو ہاتھ بھی نہ لگانا، ایسا نہ ہو کہ کہیں تمہیں دردناک عذاب

آ پکڑے اور تم اس وقت کو یاد کرو کہ جب تم کو عاد کے بعد زمین کا مالک بنایا تھا اور تم کو زمین پر رہنے کا ٹھکانہ دیا تھا تو اس کی ہموار زمین میں تم شاندار محل بناتے تھے گرمی کے موسم میں تم ان میں رہائش پذیر ہوتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے تھے کہ موسم سرما میں تم ان میں سکونت اختیار کرتے تھے، (بیوتاً) حال مقدرہ کے طور پر منصوب ہے سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اس کی زمین میں فساد برپا مت کرو، ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے جنہوں نے صالح علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان کے مقابلہ میں تکبر کیا کمزور طبقے کے ان لوگوں سے پوچھا جو ایمان لے آئے تھے (آمَنَ منهم) اعادۂ جار کے ساتھ، ماقبل یعنی لِلَّذِیْنَ استضعفوا سے بدل ہے کیا تم واقعی یہ جانتے ہو کہ صالح علیہ الصلاۃ والسلام تمہاری طرف اپنے رب کا پیغمبر ہے؟ انہوں نے جواب دیا بے شک جس پیغام کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے اس پر ہم ایمان رکھتے ہیں، تکبر کرنے والوں نے کہا جس کو تم نے مانا ہے ہم تو اس کے منکر ہیں، اور یہ اس لیے کہ ایک دن اونٹنی کے پانی کی باری تھی اور ایک دن ان کے (جانوروں) کے لئے تھا وہ اس سے تنگ آگئے، تو انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا، قوم کے کہنے سے قدار نامی شخص نے اس کو مار ڈالا، یعنی اس کو تلوار سے قتل کر دیا، اور پوری سرکشی کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی اور صالح علیہ الصلاۃ والسلام سے کہہ دیا کہ اے صالح اس کے قتل پر تم جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو اسے لے آؤ، اگر تم واقعی پیغمبروں میں سے ہو، آخر کار ان کو ایک دہلا دینے والے زمینی شدید زلزلے اور آسمانی چیخ نے انہیں آدبوچا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے یعنی گھٹنوں کے بل مردہ ہو کر، اور صالح علیہ الصلاۃ والسلام ان کی بستیوں سے یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ اے میری قوم، میں نے اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا اور میں نے تمہاری بہت خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے، اور لوط علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر کرو کہ ہم نے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا اذ کر لوطا سے اذقال، بدل ہے اور اس بات کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسے بے حیائی کے کام کرتے ہو یعنی مردوں سے ہم جنسی کرتے ہو، کہ جو دنیا میں تم سے پہلے جن و انس میں سے کسی نے نہیں کیا کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت پوری کرتے ہو (ءَ اِنَّکم) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ اور دونوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف داخل کر کے، حقیقت یہ ہے کہ تم حلال سے حرام کی طرف تجاوز کر کے حد سے گذرنے والے لوگ ہو، ان کی قوم کے پاس اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں تھا کہ انہوں نے کہہ دیا کہ ان کو (یعنی) لوط کو اور اس کی اتباع کرنے والوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ مردوں سے ہم جنسی کے بارے میں بڑے پاکباز بنتے ہیں، بالآخر ہم نے لوط علیہ الصلاۃ والسلام کو اور ان کے گھروں کو بجز اس کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں تھی، بچا کر نکال دیا (یعنی) وہ عذاب میں پھنسنے والوں میں تھی، پھر ہم نے ان کے اوپر ایک خاص قسم کی بارش برسائی کہ وہ کنکر ملے پتھر تھے چنانچہ ان کے ذریعہ ان کو ہلاک کر دیا سو غور کرو کہ ان مجرموں کا کیسا انجام ہوا!!

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: والی ثمود اخاھم صالحًا، اس کا عطف ماقبل پر عطف قصہ علی القصہ کے قبیل سے ہے، ثمود ایک قبیلہ کا نام جو ان کے جد اکبر کے نام پر ہے اسی وجہ سے ثمود غیر منصرف ہے، ان کا نسب اس طرح ہے، ثمود بن عاد بن ارم بن شالخ بن اَرفخشذ بن

سام بن نوح، صالح، اخاهم کا عطف بیان ہے حضرت صالح کا شجرہ نسب اس طرح ہے صالح بن عبید بن اَسف بن ماشح بن عبید بن حاذر بن ثمود، جن لوگوں نے ثمود قبیلہ کا نام قرار دیا ہے انہوں نے اس کو علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف پڑھا ہے اور جن لوگوں نے شخص کا نام کہا ہے وہ اس کو منصرف کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰه، جملہ مستانفہ ہے مقصد معجزہ کی کیفیت کو بیان کرنا ہے، گویا کہ کہا گیا ''یاما هذه البینة، جواب دیا هذه ناقة اللّٰه۔

قَوْلُہٗ: حالٌ عَامِلُها معنی الاشارة آیةً، ناقة، سے حال ہے اس کا عامل هذه اشیرُ کے معنی میں ہو کر ہے۔

قَوْلُہٗ: سُهولها، سهول سَهْلٌ کی جمع ہے نرم زمین کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: نَصْبُهٗ عَلَی الحالِ المُقَدَّرَةِ، بیوتًا، تنحتون سے حال مقدرہ ہے، یعنی تم پہاڑوں کو اسلئے تراشتے ہو کہ تمہارے لئے ان میں رہنا مقدر ہو چکا ہے، اسلئے تراشنا سکونت اختیار کرنے پر مقدم ہے، حالانکہ حال وذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: تعثَوْا، (س) عِثِیٌّ اور عُثِیٌّ، سے جمع مذکر حاضر تم فساد کرو۔

قَوْلُہٗ: المَلأُ، اسم جمع معرف باللام (ج) املاءٌ سردار، بڑے لوگ۔

قَوْلُہٗ: بِاَمْرِهِمْ، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ قتل کرنے اولا قدار نامی ایک شخص تھا اور عقروا میں قتل کی نسبت پوری قوم کی طرف ہے جواب یہ ہے کہ یہ اسناد مجازی ہے قدار کے قتل سے چونکہ پوری قوم متفق تھی اسلئے پوری قوم کیطرف قتل کی نسبت کردی گئی ہے۔

قَوْلُہٗ: هو حِجارَةُ السِّجِّیْل، وہ پتھر جس میں قدرے مٹی کو آمیزش ہو، جس کو کنکر کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ سنگ گل کا معرب ہے۔

تفسیر وتشریح

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا، قوم ثمود حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ میں رہائش پذیر تھی ۹ھ میں تبوک جاتے ہوئے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کا اس وادی سے گذر ہوا تھا جس پر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا تھا، معذب قوموں کے علاقہ سے جب گذرو تو روتے ہوئے گذرو (بخاری) قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا، اس قوم کو عاد ثانیہ کہا جاتا ہے دراصل قوم عاد ثانیہ اور اولی ارم ہی کی دو شاخیں ہیں یہ قوم بھی عرب کی قدیم ترین قوموں میں سے ہے جو عاد کے بعد سب سے زیادہ مشہور ہے، زمانۂ جاہلیت کے اشعار اور خطبوں میں اس قوم کا نام ملتا ہے ایسریا کے کتبات اور یونان، اسکندریہ، اور روم کے قدیم مؤرخین اور جغرافیہ نویس بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔

اس قوم کا مسکن شمالی مغربی عرب کا وہ علاقہ تھا جو آج بھی الحجر کے نام سے معلوم ہے موجودہ زمانہ میں مدینہ اور تبوک کے درمیان حجاز ریلوے پر ایک اسٹیشن پڑتا ہے جسے مدائن صالح کہتے ہیں یہی ثمود کا صدر مقام تھا اور قدیم زمانہ میں حجر

کہلاتا تھا، اب تک وہاں ہزاروں ایکڑ رقبے میں وہ سنگین (پتھر کی) کی عمارتیں موجود ہیں جن کو ثمود کے لوگوں نے پہاڑوں میں تراش تراش کر بنایا تھا، اب بھی اس شہر خموشاں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں اس شہر خموشاں کی آبادی چار پانچ لاکھ سے کم نہ ہوگی، نزول قرآن کے زمانہ میں حجاز کے تجارتی قافلے ان آثار قدیمہ کے درمیان سے گذرا کرتے تھے، آپ ﷺ بھی جب اس شہر خموشاں سے گذرے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو یہ آثار عبرت دکھائے، ایک جگہ آپ نے ایک کنویں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہی وہ کنواں ہے کہ جہاں حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی، ایک پہاڑی درّے کو دکھا کر آپ نے فرمایا کہ اسی درّے سے وہ اونٹنی پانی پینے کے لئے آتی تھی چنانچہ وہ مقام آج بھی فج الناقہ کے نام سے مشہور ہے، جو لوگ ان کھنڈروں میں سیر کرتے پھر رہے تھے آپ نے ان کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں ثمود کے انجام پر عبرت دلائی اور فرمایا کہ یہ اس قوم کا علاقہ ہے جس پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا، لہٰذا یہاں سے جلدی گذر جاؤ یہ سیر گاہ نہیں ہے بلکہ رونے کا مقام ہے۔

قوم لوط کی مختصر تاریخ:

ولوطًا اذ قال لقومہ (الآیۃ) یہ قوم اس علاقہ میں رہتی تھی جسے آجکل شرق اردن کہا جاتا ہے، اور عراق و فلسطین کے درمیان واقع ہے بائبل میں اس قوم کا صدر مقام سدوم بتایا گیا ہے جو یا تو بحیرۂ مردار (بحر میت) کے قریب کہیں واقع تھا یا بحر میت میں غرق ہو چکا ہے۔

حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم کے بھائی، ہاران کے بیٹے تھے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ عراق سے نکلے کچھ مدت تک شام و فلسطین و مصر میں گشت لگا کر دعوت و تبلیغ کے کام میں مصروف رہے، اس کے بعد مستقل منصب رسالت پر فائز ہو کر اسی بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح پر مامور ہوئے۔

یہودیوں کی تحریف کردہ بائبل میں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پر جہاں اور بہت سے دھبے لگائے گئے ہیں ان میں سے ایک دھبہ یہ بھی ہے کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لڑ کر علاقہ سدوم میں چلے گئے تھے مگر قرآن اس غلط بیانی کی تردید کرتا ہے، قرآن کا کہنا ہے کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی علاقہ کے باشندوں کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا گیا تھا، اہل سدوم کو حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم، غالبًا اس لئے کہا کہ ان کے ساتھ لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ازدواجی رشتہ قائم ہو گیا ہو۔

دوسرے مقامات پر اس قوم کے بعض اور اخلاقی جرائم کا بھی ذکر آتا ہے مگر یہاں اس کے سب سے بڑے جرم کے بیان پر اکتفاء کیا گیا ہے جس کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوا، اور وہ ہم جنسی کا فعل تھا، یہ قابل نفرت فعل جس کی وجہ سے ان کو مذمت میں شہرت دوام حاصل ہوئی، اس کے ارتکاب سے تو بدکردار انسان کسی زمانہ میں باز نہیں آئے، لیکن یہ فخر یونان کو حاصل ہے کہ اس کے فلاسفہ نے اس گھناؤنے جرم کو اخلاقی خوبی کے مرتبہ تک اٹھانے کی کوشش کی، اور اس کے بعد جو کسر باقی رہ گئی تھی اسے

جدید مغربی تہذیب نے پورا کردیا یہاں تک کہ بعض مغربی ملکوں کی مجالس قانون ساز نے اسے نہ صرف یہ کہ باقاعدہ جائز قرار دیدیا بلکہ آپس میں شادی کو بھی قانونی حیثیت دیدی، جبکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہم جنسی قطعی طور پر وضع فطری کے خلاف ہے اور یہ خلاف وضع عمل کرنے والا اپنی اور اپنے معمول کی طبعی ساخت اور نفسیاتی ترکیب کے خلاف جنگ کرتا ہے، اور ایسے مہلک ولاعلاج ''ایڈز'' جیسے امراض میں مبتلا کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے جس کا کوئی علاج ہی نہیں ہے، فطرت صحیحہ سے انحراف اور حدود الٰہی سے تجاوز کو مغرب کی مہذب قوموں نے انسانوں کا بنیادی حق قرار دیدیا ہے جس کی رو سے کسی کو روکنے کا حق حاصل نہیں ہے چنانچہ اب مغرب میں لواطت کو قانونی تحفظ بھی حاصل ہے اب یہ سرے سے کوئی جرم نہیں رہا۔

لواطت کی سزا:

یہاں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ عمل قوم لوط ایک بدترین گناہ ہے جس کی وجہ سے ایک قوم اللہ کے غضب میں گرفتار ہو چکی ہے، اس کے بعد یہ بات ہمیں نبی ﷺ کی رہنمائی سے معلوم ہوئی کہ یہ ایک ایسا جرم ہے جس سے معاشرہ کو پاک رکھنے کی کوشش کرنا حکومت اسلامی کے فرائض میں ہے اور یہ کہ اس جرم کے مرتکبین کو سخت سے سخت سزا دی جانی چاہئے، حدیث میں جو مختلف روایات حضور ﷺ سے مروی ہیں ان میں سے کسی میں یہ الفاظ ملتے ہیں، '' **اقتلوا الفاعل و المفعول به**'' فاعل اور مفعول کو قتل کردو۔ کسی میں ان الفاظ کا اضافہ ہے، **احصنا او لم یحصنا**'' شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں اور کسی میں یہ الفاظ ہیں، **فارجموا الاعلی والاسفل**، اوپر والا اور نیچے والا دونوں سنگسار کئے جائیں، لیکن چونکہ آپ ﷺ کے زمانہ میں ایسا کوئی مقدمہ پیش نہیں ہوا، اسلئے قطعی طور پر یہ بات متعین نہ ہو سکی کہ اس کی سزا کس طرح دی جائے صحابۂ کرام میں سے حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کی رائے یہ ہے کہ مجرم تلوار سے قتل کیا جائے اور دفن کرنے کے بجائے اس کی لاش جلادی جائے اسی رائے سے حضرت ابوبکر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے اتفاق فرمایا ہے، حضرت عمر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اور حضرت عثمان رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کی رائے یہ ہے کہ کسی بوسیدہ عمارت کے نیچے کھڑا کرکے وہ عمارت اس پر گرادی جائے ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کا فتویٰ یہ ہے کہ بستی کی سب سے اونچی عمارت سے اُسے سر کے بل پھینک دیا جائے اور اوپر سے پتھر برسائے جائیں، فقہاء میں سے امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ فاعل اور مفعول واجب القتل ہیں خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، شعبی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ، زہری رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ، امام مالک رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ، اور امام احمد رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کہتے ہیں ان کی سزا رجم ہے سعید بن مسیب رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ، عطاء۔ حسن بصری، رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ ابراہیم نخعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ سفیان ثوری رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ اور اوزاعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کی رائے یہ ہے کہ اس جرم میں وہی سزا دی جائے جو زنا کی سزا ہے یعنی شادی شدہ کو رجم اور غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں، اور جلاوطن کردیا جائے اور امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کی رائے میں اس پر کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ یہ فعل تعزیر کا مستحق ہے۔

جیسے حالات اور ضروریات ہوں ان کے لحاظ سے اس کو عبرت ناک سزا دی جائے، امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کا بھی

ایک قول اسی کی تائید میں منقول ہے۔

یہ بات بھی معلوم رہنی چاہئے کہ شوہر کے لئے یہ قطعی حرام ہے کہ خود اپنی بیوی کے ساتھ عمل لوط کرے، ابوداؤد میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے "ملعون من اتی المرأة فی دبرها" عورت سے عمل لوط کرنے والا ملعون ہے، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضور ﷺ کے یہ الفاظ منقول ہیں، لا ینظر اللّٰہ الی رجل جامع امرأة فی دبرها، اللہ اس مرد کی طرف ہرگز رحمت کی نظر سے نہ دیکھے گا جو عورت سے اس فعل کا ارتکاب کرے۔

وَ اَرْسَلْنَا اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مُعجزةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ علی صِدقی فَاَوْفُوا اَتِمُّوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا تَنقُصُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بالکفرِ والمَعاصِی بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ بِبَعثِ الرُّسُلِ ذٰلِكُمْ المذکورُ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸۵﴾ مُرِیدِی الایمانِ فبَادِرُوا الیه وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ طریقٍ تُوْعِدُوْنَ تُخَوِّفُونَ النّاسَ باخذِ ثِیابِهِم اوالمکسِ مِنهم وَ تَصُدُّوْنَ تَصرِفُونَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ دینِه مَنْ اٰمَنَ بِهٖ بوَعدِکُم اِیّاهُ بالقتلِ وَ تَبْغُوْنَهَا تَطلُبُونَ الطریقَ عِوَجًا ۚ مُعوَجَّةً وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَ انْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۶﴾ قبلَکُم بتَکذیبِهِم رُسُلَهُم ای اٰخِرُ امرِهِم مِنَ الهلاکِ وَ اِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ طَآئِفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا به فَاصْبِرُوْا انتظِرُوا حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا وبینکم بانجاءِ المُحِقِّ واهلاکِ المُبطِلِ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸۷﴾ اَعدَلُهُم۔

ترجمہ: اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم، تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تمہارے پاس میری صداقت کی تمہارے پروردگار کی طرف سے معجزہ کی شکل میں واضح دلیل آچکی ہے تم ناپ تول پوری پوری کیا کرو لوگوں کو چیزیں کم مت دیا کرو، اور رسولوں کو بھیج کر زمین کی اصلاح کے بعد کفر و معاصی کے ذریعہ زمین میں فساد برپا نہ کرو اسی مذکور میں تمہارے لئے خیر ہے اگر تمہارا ایمان کا ارادہ ہے تو اس کی طرف جلدی کرو اور تم راستوں پر اس لئے نہ بیٹھا کرو کہ لوگوں کو ان کے کپڑے چھین کر یا ان سے ٹیکس وصول کر کے خوف زدہ کرو اور اللہ کے دین پر یقین رکھنے والوں کو قتل کی دھمکی دے کر اللہ کے دین سے روکو اور اس راستہ میں کجی تلاش کرو، وہ زمانہ یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے اللہ نے تمہیں بہت کر دیا، اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ تم سے پہلے رسولوں کی تکذیب کر کے فساد برپا کرنے والوں کا کیا حشر ہوا یعنی ان کا انجام ہلاکت ہوا، اور اگر ایک گروہ تم میں کا اس پر جس کو میں دیکر بھیجا گیا ہوں ایمان لایا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ حق پرستوں کو نجات دے کر اور باطل پرستوں کو ہلاک کر کے

ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردے، وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مدین، یامدیان حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیسری بیوی قطورا سے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے ہیں یہ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں اسلئے کہ بنی اسرائیل کا سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے یعقوب بن اسحٰق سے ہے، حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک نام اسرائیل بھی تھا اس لئے ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی، مدین ایک بستی کا نام ہے اور مدیان کی اولاد بھی بنی مدین کہلائی حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعلق بھی اسی قوم سے ہے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خسر تھے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصر سے ہجرت کرکے مدین پہنچ کر حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہاں قیام کیا اور دس سال کا عرصہ یہیں گذارا، اسی دوران حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شادی ہوئی۔

قولہ: مُرِیْدِی الاِیْمَان، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخاطب مومن نہیں تھے تو ان کو ان کنتم مومنین ماضی کے صیغہ سے کیوں خطاب کیا۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے چونکہ حرف شرط بھی صیغۂ ماضی کو ماضی سے نہیں نکال سکتا اسلئے مریدی، کا لفظ مقدر ماننا پڑا تاکہ معنی درست ہوجائیں، مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا ایمان لانے کا ارادہ ہے تو مذکورہ کاموں سے باز آجاؤ۔

قولہ: فَبِا دِرُوْا الیہ اس میں اشارہ ہے کہ ان کنتم مؤمنین شرط کی جزاء، محذوف ہے نہ کہ ماقبل کا جملہ جزاء ہے۔

(ترویح الارواح)

قولہ: المکس، خراج، ٹیکس، عشر، المکّاس، العشار، عشر وصول کرنے اولا۔

تفسیر و تشریح

مدین کی مختصر تاریخ:

انبیاء علیہم السلام کے قصص کا سلسلہ سابقہ آیات سے چل رہا ہے یہ پانچواں قصہ ہے، یہ قصہ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم کا ہے۔

مدین کا اصل علاقہ حجاز سے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا، اہل مدین کا تعلق سلسلۂ بنی اسرائیل سے نہیں ہے اہل مدین دراصل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے مدین کی اولاد میں سے ہیں،

عرب کے دستور کے مطابق جولوگ کسی بڑے شخص کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوتے وہ اسی کی طرف منسوب ہوکر بنی فلاں کہلاتے تھے، اس دستور کے مطابق عرب کا بڑا حصہ بنی اسماعیل کہلایا، اور اولاد یعقوب کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہونے والے لوگ بنی اسرائیل کہلائے، اسی طرح ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے صاحبزادے مدین کے زیر اثر آنیوالے لوگ بنی مدین کہلائے۔

حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت:

حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام جس قوم کی جانب مبعوث کئے گئے تھے قرآن کریم نے کہیں ان کو ''اہل مدین'' اور کہیں ''اصحاب مدین'' کے نام سے ذکر کیا ہے، اور کہیں ''اصحاب ایکہ'' کے نام سے، ایکہ کے معنی جنگل اور بن کے آتے ہیں، بعض مفسرین حضرات نے فرمایا کہ یہ دونوں قومیں الگ الگ تھیں اور دونوں کی بستیاں بھی الگ الگ تھیں حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام پہلے ایک بستی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اس قوم کی ہلاکت کے بعد دوسری قوم کی طرف مبعوث ہوئے، دونوں قوموں پر جو عذاب آیا اس کے الفاظ بھی مختلف ہیں اصحاب مدین پر کہیں ''صیحۃ'' اور کہیں ''رجفۃ'' کا عذاب مذکور ہے اور اصحاب ایکہ پر ''ظلہ'' کے عذاب کا ذکر ہے، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم کے نام ہیں مذکورہ تینوں قسم کے عذاب اس قوم میں جمع ہوگئے تھے، پہلے بادل سے آگ برسی پھر اس کے ساتھ سخت آواز چنگھاڑ کی شکل میں آئی پھر زمین میں زلزلہ آیا۔ (ابن کثیر، معارف)

قوم شعیب اور ان کی بدکرداری:

قوم شعیب کی ایک بری خصلت یہ تھی کہ راستوں پر چوراہوں پر جمع ہوکر بیٹھ جاتے اور مسافروں کو لوٹتے اور لوگوں کو ڈرا دھمکا کر حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس جانے سے روکتے، راستوں پر بیٹھکر لوٹ کھسوٹ کرتے بعض مفسرین نے خلاف شرع چنگی اور ٹیکس وغیرہ وصول کرنے کو بھی داخل کیا ہے۔

علامہ قرطبی نے فرمایا جولوگ راستوں پر بیٹھ کر ناجائز چنگی وصول کرتے ہیں وہ بھی قوم شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی طرح مجرم ہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ عن الایمان لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ ترجِعُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ دینِنا وغَلَّبُوْا فی الخطابِ الجمعَ علی الواحدِ لانَ شُعَیْبًا لم یکن فی مِلّتِہم قطُّ وعلی نَحْوِہٖ اَجابَ قَالَ اَ نَعُوْدُ فیہا وَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ لہا استفہامُ انکار قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ ینبغی لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ ذلک فیخذلنا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ

شَيْءٍ عِلْمًا ای وَسِعَ عِلمُهُ كُلَّ شَيءٍ وَمِنْهُ حَالِيْ وحَالُكم عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ احْكُمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿۸۹﴾ الحَاكِمِيْنَ وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ اى قَالَ بَعْضُهم لبعض لَئِنْ لامُ قسمٍ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ ﴿۹۰﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ الزَلْزَلَةُ الشديدةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿۹۱﴾ بَارِكِيْنَ عَلَى الرُّكَبِ مَيِّتِيْنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا مبتدأٌ، خَبَرُهُ كَأَنْ مُخَفَّفَةٌ واسمُها محذوفٌ اى كَانَّهم لَمْ يَغْنَوْا يُقِيْمُوْا فِيهَا فى دِيَارِهم الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ﴿۹۲﴾ التاكيدُ باِعَادَةِ الموصولِ وغيرِه للردِّ عليهم في قولِهِم السابق فَتَوَلَّىٰ اَعْرَضَ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ فلم تُؤمِنُوْا فَكَيْفَ آسَىٰ اَحْزَنُ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۹۳﴾ استفهامٌ بمعنى النفيِ.

ترجمہ: حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے ایمان کے مقابلہ میں تکبر کیا، کہا اے شعیب ہم تم کو اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے ضرور نکالدیں گے الّا یہ کہ تم ہمارے دین (دھرم) میں واپس آجاؤ، خطاب میں جمع کو واحد پر غلبہ دیا ہے، اسلئے کہ شعیب علیہ الصلاۃ والسلام ان کے دین پر ہرگز نہ تھے اور اسی (تغلیب الجمع علی الواحد) کے طور پر شعیب علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی جواب میں فرمایا، کیا ہم اس دین میں لوٹ آئیں اگرچہ ہم اس کو ناپسند کرتے ہوں (یہ) استفہام انکاری ہے واللہ اگر تمہارے دین میں واپس آگئے تو ہم نے اللہ پر جھوٹی تہمت لگائی بعد اس کے کہ اللہ نے ہم کو اس سے نجات دی، ہرگز ہمارے لئے روا نہیں کہ ہم تمہاری ملت میں لوٹ آئیں الا یہ کہ ہمارے پروردگار اللہ ہی کو یہ منظور ہو کہ وہ ہم کو رسوا کرے ہمارے رب کا علم ہر شئی کو محیط ہے اسی میں میرا اور تمہارا حال بھی شامل ہے، ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا یعنی آپس میں ایک دوسرے سے کہا قسم ہے اگر تم نے شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی بات مان لی تو تم بڑا نقصان اٹھاؤ گے، تو ان کو ایک شدید زلزلہ نے آپکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (یعنی) گھٹنوں کے بل مردہ پڑے رہ گئے، جنہوں نے شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی تکذیب کی تھی ان کی یہ حالت ہوئی کہ گویا وہ ان گھروں میں کبھی رہے ہی نہ تھے (الذین کذبوا شعیبًا) مبتداء ہے اور کان الخ اس کی خبر ہے، کَانْ مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے، ای کَأنَّهُمْ، جنہوں نے شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی تکذیب کی تھی وہ خسارے میں پڑ گئے موصول وغیرہ کا اعادہ کرکے تاکید ہے ان کے قول سابق کی تردید کے لئے، اس وقت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام منہ موڑ کر چلدیئے، اور آپ نے فرمایا اے میری قوم میں اپنے رب کا پیغام تم کو پہنچا چکا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی پھر بھی تم ایمان نہیں لائے، اب میں کافر لوگوں پر کیسے افسوس کروں جو (قبول حق سے) منکر ہیں، استفہام بمعنی نفی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَغَلَّبُوْا فی الخطابِ الجمعَ علی الواحِدِ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ قوم شعیب کے سرداروں کے قول، اَوْ لتعودُنَّ، سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام دعوائے نبوت سے پہلے اپنے قومی مذہب پر تھے، اسلئے کہ عَوْد حالت سابقہ کی طرف لوٹنے کو کہتے ہیں حالانکہ نبی سے کفر کا صدور محال ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو لوگ ایمان لائے تھے وہ چونکہ ایمان لانے سے پہلے اپنے قومی مذہب بت پرستی پر تھے اس لئے ان کے اعتبار سے قوم کے سرداروں نے تغلیباً حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ان کے ساتھ شریک کرکے لَتعودُن، جمع کا صیغہ استعمال کیا، ورنہ شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کبھی کفر کا صدور نہیں ہوا۔

قولہ: وعلی نَحوِہٖ اَجابَ، یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان عدنا فرما کر خود اقرار کر لیا کہ وہ خود بھی قوم کے مذہب پر تھے، اس کا جواب مفسر علاّم نے وعلی نحوہ اجاب کہہ کر دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح قوم کے سرداروں نے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تغلیباً قوم میں شامل کرکے لَتعودُن، کہا تھا، اسی طرح حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی تغلیباً اِنْ عُدنا، فرمایا۔

قولہ: فیخذُلُنا، اس میں اشارہ ہے کہ یَشاءَ کا مفعول محذوف ہے اور وہ خذلان ہے نہ کہ مطلق شئ۔

قولہ: ای وَسِعَ علمہٗ، اس میں اشارہ ہے کہ علمًا فاعل سے منقول ہو کر تمیز ہے۔

قولہ: التاکِیْدُ باعادۃِ الموصُوْلِ اس عبارت میں اس شبہ کو دور کر دیا کہ اَلَّذِین کذبوا شعیبًا کہنے کے بجائے، انّھم کانوا ھم الخسرون کہتے تو زیادہ بہتر رہتا اعادۂ موصول کی ضرورت نہیں تھی ضمیر کافی تھی، جواب کا حاصل یہ ہے کہ ان کی صفت کفر کی تاکید کے لئے موصول کا اعادہ کیا گیا ہے، ضمیر میں یہ بات نہ ہوتی۔

قولہ: وَغَیرِہٖ لِلرَّدِّ عَلَیْھِم فی قَوْلِھِم السابِقِ، یعنی موصول کے اعادہ سے ان کی صفت کفر کی تاکید ہوئی ہے اسی طرح جملہ سابقہ کی طرح اس جملہ کو بھی مستقل اور اسمیہ لاکر سابق جملہ کے مضمون کی مزید تاکید ہوگئی۔

تفسیر و تشریح

قَالَ الملأُ الَّذِینَ استکبروا، ان سرداروں کے تکبر اور سرکشی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف ایمان وتوحید کی دعوت ہی کو رد نہیں کیا بلکہ اس سے بھی تجاوز کرکے اللہ کے پیغمبروں اور ایمان لانے والوں کو دھمکی دی کہ یا تو اپنے آبائی مذہب میں واپس آجاؤ نہیں تو ہم تمہیں یہاں سے نکالدیں گے، اہل ایمان کے اپنے سابق مذہب کی طرف واپسی کی بات تو قابل فہم ہے کیونکہ انہوں نے کفر چھوڑ کر ایمان اختیار کیا تھا، لیکن حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ملت آبائی کی طرف لوٹنے کی

دعوت اس لحاظ سے دی تھی کہ وہ انہیں بھی دعوت وتبلیغ سے پہلے اپنا ہم مذہب ہی سمجھتے تھے گو حقیقتاً ایسا نہ تھا، یا بطور تغلیب کے ان کو بھی شامل کرلیا ہو، اسلئے کہ پیغمبر بعثت سے پہلے اپنی قوم کے موروثی مذہب کی مخالفت نہیں کرتا سکوت اختیار کرتا ہے اس لئے قوم قدرۃً اس کو بھی اسی مذہب میں شامل سمجھتی ہے۔

فاخذتهم الرجفةُ فاصبحوا فی دارهم جثمین، قرآن کریم میں حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی امت کے عذاب کا تذکرہ تین مقامات پر آیا ہے، ایک یہاں یعنی سورۂ اعراف میں زلزلہ کا ذکر ہے ایک سورۂ ہود میں آسمانی چیخ کا ذکر ہے، اور ایک سورۂ شعراء میں عذاب کے بادل کا ذکر ہے جس میں سے آگ برسی تھی، یہ تینوں عذاب ایک ساتھ اس طرح آئے کہ وہ لوگ اپنے گھروں میں تھے تو زلزلہ آیا جب گھروں سے باہر نکلے تو سخت گرمی معلوم ہوئی تو بادل کی شکل کا آسمان پر ایک ٹکڑا نظر آیا جس کا گھنا سایہ تھا پہلے ایک شخص اس سایہ میں گیا اس نے آکر سایہ کی ٹھنڈک کی تعریف کی، لوگ اس کی تعریف سنکر اس بادل کے سایہ میں چلے گئے اسی دوران آسمان سے ایک سخت چیخ کی آواز آئی اور پھر اسی بادل سے آگ برسی جس سے سب لوگ ہلاک ہوگئے۔

مدین کی تباہی مدتہائے دراز تک آس پاس کی قوموں میں ضرب المثل رہی ہے چنانچہ زبور میں ایک جگہ آیا ہے کہ ''اے خدا، فلاں فلاں قوموں نے تیرے خلاف عہد کیا ہے لہٰذا تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کر جو تو نے مدیان کے ساتھ کیا تھا''۔

(۸۳۔۔۵تا۹)

وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ فکذبوه **اِلَّآ اَخَذْنَآ** عاقبنا **اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ** شدة الفقر **وَالضَّرَّآءِ** المرض **لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ**﴿۹۴﴾ یتذللون فیؤمنون **ثُمَّ بَدَّلْنَا** اعطیناهم **مَكَانَ السَّیِّئَةِ** العذاب **الْحَسَنَةَ** الغنی والصحة **حَتّٰی عَفَوْا** کثروا **وَّقَالُوْا** کفرا للنعمة **قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ** کما مسنا و هذه عادة الدهر ولیست بعقوبة من الله فکونوا علی ما انتم علیه قال تعالیٰ **فَاَخَذْنٰهُمْ** بالعذاب **بَغْتَةً** فجاءة **وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ**﴿۹۵﴾ بوقت مجیئه قبله **وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤی** المکذبین **اٰمَنُوْا** بالله ورسلهم **وَاتَّقَوْا** الکفر والمعاصی **لَفَتَحْنَا** بالتخفیف والتشدید **عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ** بالمطر **وَالْاَرْضِ** بالنبات **وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا** الرسل **فَاَخَذْنٰهُمْ** عاقبناهم **بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ**﴿۹۶﴾ **اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤی** المکذبون **اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا** عذابنا **بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ**﴿۹۷﴾ لیلا غافلون عنه **اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًی** نهارا **وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ**﴿۹۸﴾ **اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ** استدراجه ایاهم بالنعمة واخذهم بغتة **فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ**﴿۹۹﴾

تَرجَمہ: اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور انہوں نے اس کی تکذیب ہو مگر یہ کہ ہم نے اس بستی کے رہنے والوں کو فقر کی سختی اور مرض کی تکلیف میں نہ پکڑا ہو تا کہ وہ عاجزی کرنے لگیں اور ایمان لے آئیں، پھر ہم نے ان کی بدحالی عذاب کو خوشحالی غنیٰ اور صحت سے بدل دیا یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی (یعنی ان کی جان و مال میں کثرت ہوئی) اور نعمت کی ناشکری کرتے ہوئے کہنے لگے جس طرح ہم پر آئے ہیں ہمارے اسلاف پر بھی اچھے برے دن آتے ہی

رہے ہیں زمانہ کا یہی دستور ہے، یہ اللہ کی جانب سے سزا نہیں ہے لہٰذا جس مذہب پر تم ہو اسی پر قائم رہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا ان کو پہلے سے اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی اور اگر تکذیب کرنے والے بستی کے لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آتے اور کفر و معاصی سے اجتناب کرتے تو ہم ان پر آسمان کے بارش کی صورت میں اور زمین کے نباتات (روئیدگی) کی شکل میں برکتوں کے دروازے کھول دیتے (لفتحنا) تخفیف و تشدید کے ساتھ ہے، مگر انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو گرفت میں لے لیا، کیا پھر بھی ان بستیوں کے تکذیب کرنے والے باشندے اس بات سے مامون ہو گئے کہ ہمارا عذاب ان پر رات میں آ جائے کہ وہ سوئے ہوں (یعنی) غافل ہوں اور کیا ان بستیوں کے باشندے اس بات سے بے فکر ہو گئے کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آ جائے جبکہ وہ کھیلوں میں مشغول ہوں کیا یہ لوگ اللہ کی چال (یعنی) نعمت کے ذریعہ بتدریج پکڑ اور اچانک پکڑ سے بے خوف ہو گئے ہیں، سو اللہ کی چال سے بجز اس کے کوئی بے خوف نہیں ہوا کہ جس کی شامت آ گئی ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَمَا اَرْسَلْنَا فِی قَرْیَۃٍ، یہ جملہ مستانفہ ہے، مخصوص امتوں کے واقعات بیان کرنے کے بعد یہاں سے اللہ کی عام عادت اور عام دستور کو بیان کیا جا رہا ہے۔

قولہ: یضّرّعون، یہ اصل میں تاء کو ضاد سے بدل کر ضاد کو ضاد میں ادغام کر دیا، یضّرّعون ہو گیا۔

قولہ: اِسْتِدْرَاجَہٗ ایاھم استدراج کسی کام کو بتدریج کرنا، مکر کے معنی دھوکا، فریب کے ہیں اللہ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں ہے، یہاں مکر سے استدراج بالاستعارہ مراد ہے یعنی بتدریج نعمت و صحت کے ذریعہ ڈھیل دیکر گرفت میں لینا کہ گرفتہ کو احساس نہ ہو۔

قولہ: عَفَوْا، (ن) سے عَفُوٌّ، بڑھنا ماضی جمع مذکر غائب، اس کے معنی کم ہونے کے بھی آتے ہیں یہ اضداد میں سے ہے عَفَوْا، کثروا نموا فی انفسھم واموالھم، یقال عفا النبات، وعفا الشحم والوبر اذا کثرت ویقال، عفاء، کثر، وعفا: درس ھو من اسماء الاضداد. (اعراب القرآن للدرویش)

قولہ: الباس اور بؤس فقر و فاقہ، ضرّ اور ضرّاء، جسمانی تکلیف، مرض، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی معنی منقول ہیں۔

تفسیر و تشریح

سابقہ آیات میں پانچ حضرات انبیاء کے واقعات کا بیان ہوا ہے، قرآن کریم کا مقصد واقعات بیان کرنے سے کچھ قصہ خوانی نہیں ہوتا بلکہ واقعہ سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے اس کو عبرت و نصیحت کے لئے بیان کرنا ہوتا ہے، سابق میں ایک ایک

نبی کا الگ الگ واقعہ اوراس کا نتیجہ بیان کرنے کے بعد اب وہ جامع ضابطہ بیان کیا جارہا ہے جو ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے موقع پر اختیار فرمایا ہے وہ یہ کہ جب کسی قوم میں کوئی نبی بھیجا گیا تو پہلے اس قوم کے خارجی ماحول کو قبول دعوت کے لئے سازگار بنانے کیلئے تنبیہات وترغیبات سے کام لیا گیا یعنی ان کو فقر وفاقہ نیز مصائب وآفات میں مبتلا کیا گیا، تاکہ ان کا دل نرم پڑے اور شیخی وتکبر سے اکڑی ہوئی گردنیں کچھ نرم پڑیں، ان کا غرور طاقت اور نشۂ دولت دور ہو، جب اس سازگار ماحول میں بھی ان کا دل قبول حق کی طرف مائل نہیں ہوتا، تو ان کو خوشحالی کے فتنہ میں گرفتار کیا جاتا ہے یہیں سے ان کی بربادی کی تمہید شروع ہوتی ہے، ان کی تنگدستی کو فراخ دستی سے بدحالی کو خوشحالی سے بیماری کو صحت وعافیت سے بدل دیا جاتا ہے، تاکہ وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں، مگر جب وہ نعمتوں سے مالا مال ہونے لگتی ہے تو اپنے برے دن بھول جاتی ہے اوران کے کج فہم رہنما تاریخ کا یہ احمقانہ تصور ذہن میں بٹھا دیتے ہیں کہ حالات کا اتار چڑھاؤ اور قسمت کا بناؤ بگاڑ کسی قادر وحکیم کے انتظام میں اخلاقی بنیادوں پر نہیں ہے بلکہ خارجی اور داخلی اسباب سے کبھی اچھے اور کبھی برے دن آتے ہی رہتے ہیں، لہٰذا مصائب وآفات کے نزول سے کوئی اخلاقی سبق لینا اور کسی ناصح کی نصیحت قبول کرکے خدا کے آگے زاری وتضرع کرنے لگنا بجز ایک طرح کی نفسیاتی کمزوری کے کچھ نہیں یہی وہ احمقانہ ذہنیت ہے جس کا نقشہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں کھینچا ہے، لا یزال البلاء بالمؤمن حتی یخرج نقیاً من ذنوبه، والمنافق مَثَلُهُ کمثل الحمار لایدری فیما رَبَطَهُ اهله ولافیمَ اَرْسلوہُ، (ترمذی کتاب الزهد ماجاء فی الصبر علی البلاء المستدرک للحاکم ۴۹۷)، یعنی مصیبت مومن کی تو اصلاح کرتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس بھٹی سے نکلتا ہے تو ساری کھوٹ صاف ہو کر نکلتا ہے لیکن منافق کی حالت بالکل گدھے کی سی ہوتی ہے جو کچھ نہیں سمجھتا کہ اس کے مالک نے کیوں اسے باندھا تھا اور کیوں اسے کھول دیا، پس جب کسی قوم کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ مصائب سے اس کا دل خدا کے آگے جھکتا ہے اور نہ نعمتوں پر وہ شکر گذار ہوتی ہے تو ایسی قوم کسی حال میں اصلاح قبول نہیں کرتی ہے۔

آپکے زمانہ کے حالات اور سورۂ اعراف:

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جس ضابطہ کا ذکر فرمایا ہے ٹھیک یہی ضابطہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے موقع پر بھی برتا گیا، اور شامت زدہ قوموں کے جس طرز عمل کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے ٹھیک وہی طرز عمل سورۂ اعراف کے نزول کے زمانہ میں اہل مکہ سے ظاہر ہو رہا تھا، حدیث میں عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں کی متفقہ روایت ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت کے بعد جب قریش کے لوگوں نے آپ کی دعوت کے خلاف سخت رویہ اختیار کرنا شروع کیا تو آپ ﷺ نے دعاء کی کہ خدایا، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جیسا ہفت سالہ قحط پڑا تھا ویسے ہی قحط سے ان لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں سخت قحط میں مبتلا کر دیا، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگ مردار کھانے لگے چمڑے ہڈیاں تک کھا گئے آخر کار مکہ کے لوگوں نے جن میں ابوسفیان پیش پیش تھا حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے لئے خدا سے

دعاء کیجئے، آپ نے دعاء فرمائی اور آپ کی دعاء کی برکت سے اللہ نے وہ برا وقت ٹال دیا اور بھلے دن آئے تو ان لوگوں کی گردنیں پہلے سے زیادہ اکڑ گئیں، اور جن کے دل کچھ پسیج گئے تھے ان کو بھی اشرار قوم نے یہ کہہ کر ایمان سے روکنا شروع کر دیا کہ میاں یہ تو زمانہ کا اتار چڑھاؤ ہے پہلے بھی آخر قحط آتے ہی تھے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس مرتبہ ذرا لمبا قحط پڑ گیا لہٰذا ان چیزوں سے دھوکا کھا کر محمد ﷺ کے پھندے میں نہ پھنس جانا یہ باتیں اس زمانہ میں ہو رہی تھیں جب سورۂ اعراف نازل ہو رہی تھی، اس لئے قرآن مجید کی یہ آیات ٹھیک اپنے موقع پر چسپاں ہیں۔

أَوَلَمْ يَهْدِ يَتَبَيَّنْ **لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ** بِالسُّكْنىٰ **مِنْ بَعْدِ** هَلَاكِ **أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ** فَاعِلٌ مُخَفَّفَةٌ وَاسْمُهَا مَحْذُوفٌ اي انَّهُ بِالْعَذَابِ **بِذُنُوبِهِمْ** كَمَا أَصَبْنَاهُمْ مَنْ قَبْلَهُمْ وَالْهَمْزَةُ فِي الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ لِلتَّوْبِيخِ وَالْفَاءُ وَالْوَاوُ الدَّاخِلَةُ عَلَيْهَا لِلْعَطْفِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِسُكُونِ الْوَاوِ فِي الْمَوْضِعِ الْأَوَّلِ عَطْفًا بِأَوْ **وَ** نَحْنُ **نَطْبَعُ** نَخْتِمُ **عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ** ﴿۱۰۰﴾ الْمَوْعِظَةَ سَمَاعَ تَدَبُّرٍ **تِلْكَ الْقُرَىٰ** الَّتِي مَرَّ ذِكْرُهَا **نَقُصُّ عَلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **مِنْ أَنْبَائِهَا** أَخْبَارِ أَهْلِهَا **وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ** الْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَاتِ **فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا** عِنْدَ مَجِيئِهِمْ **بِمَا كَذَّبُوا** كَفَرُوا بِهِ **مِنْ قَبْلُ** قَبْلَ مَجِيئِهِمْ بَلِ اسْتَمَرُّوا عَلَى الْكُفْرِ **كَذَٰلِكَ** الطَّبْعِ **يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ** ﴿۱۰۱﴾ **وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ** اي النَّاسِ **مِنْ عَهْدٍ** اي وَفَاءٍ بِعَهْدِهِمْ يَوْمَ أَخْذِ الْمِيثَاقِ **وَإِنْ** مُخَفَّفَةٌ **وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ** ﴿۱۰۲﴾ **ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ** اي الرُّسُلِ الْمَذْكُورِينَ **مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا** التِّسْعِ **إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ** قَوْمِهِ **فَظَلَمُوا** كَفَرُوا **بِهَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ** ﴿۱۰۳﴾ بِالْكُفْرِ مِنْ إِهْلَاكِهِمْ **وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ** ﴿۱۰۴﴾ إِلَيْكَ فَكَذَّبَهُ فَقَالَ أَنَا **حَقِيقٌ** جَدِيرٌ **عَلَىٰ أَنْ** اي بِأَنْ **لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ** وَفِي قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيدِ الْيَاءِ فَحَقِيقٌ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ أَنْ وَمَا بَعْدَهُ **قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ** إِلَى الشَّامِ **بَنِي إِسْرَائِيلَ** ﴿۱۰۵﴾ وَكَانَ اسْتَعْبَدَهُمْ **قَالَ** فِرْعَوْنُ لَهُ **إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ** عَلَىٰ دَعْوَاكَ **فَأْتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ** ﴿۱۰۶﴾ فِيهَا **فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ** ﴿۱۰۷﴾ حَيَّةٌ عَظِيمَةٌ **وَنَزَعَ يَدَهُ** أَخْرَجَهَا مِنْ جَيْبِهِ **فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ** ذَاتُ شُعَاعٍ **لِلنَّاظِرِينَ** ﴿۱۰۸﴾ خِلَافُ مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْأُدْمَةِ.

ترجمہ: اور کیا ان لوگوں پر کہ جو زمین کے سابق مالکان کی ہلاکت کے بعد سکونت کے اعتبار سے زمین کے وارث بنے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ان کے گناہوں کے سبب عذاب میں پکڑ لیں اَنْ مع اپنے مابعد (لو نشاء) کے یَهْدِ کا فاعل ہے اور اَنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے اور (اَنْ) کا اسم محذوف ہے تقدیر عبارت اَنَّهٗ ہے، جیسا کہ ہم نے ان سے پہلے والوں کو پکڑ لیا، ہمزہ چاروں جگہ توبیخ کے لئے ہے اور جو فاء اور واؤ اس پر داخل ہیں عطف کے لئے ہیں ایک قرأت میں واؤ کے سکون کے ساتھ ہے، پہلی جگہ اَوْ کے ذریعہ عطف کرتے ہوئے، اور ان کے دلوں پر مہر (بند) لگا دیں کہ وہ نصیحت کو غور و فکر کے

خیال سے نہ سن سکیں اے محمد مذکورہ بستیوں کے باشندوں کے کچھ واقعات ہم آپ کو سنا رہے ہیں ان کے رسول ان کے پاس کھلے کھلے معجزے لے کر آئے تھے مگر جس چیز کا پہلے انہوں نے انکار کر دیا پھر وہ اس چیز کے پیش آنے کے بعد اس چیز کو ماننے والے نہیں تھے بلکہ وہ اس کا انکار ہی کرتے رہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اور اکثر لوگوں میں ہم نے عہد کا (پاس) نہ پایا یعنی یوم میثاق کے عہد کی وفا نہ پائی، اور ہم نے اکثر لوگوں کو حد سے تجاوز کرنے والا ہی پایا اِنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے، مذکورہ رسولوں کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہماری نشانیاں دے کر فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے ان کا انکار کیا تو دیکھئے، کفر کی وجہ سے ان مفسدوں کا کیسا انجام ہوا (یعنی) ان کی ہلاکت، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے فرعون میں رب العٰلمین کی طرف سے تیری طرف بھیجا ہوا ہوں مگر فرعون نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا، میرے لئے یہی مناسب ہے کہ بجز سچ کے اللہ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں اور ایک قراءت میں عَلٰی کے بجائے عَلَیَّ تشدید کے ساتھ ہے، اس صورت میں حقیق مبتداء ہوگا اور اَنْ اور اس کا مابعد اس کی خبر، میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل لے کر آیا ہوں سو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ شام بھیج دے اور (فرعون) نے ان کو غلام بنا رکھا تھا، فرعون نے کہا اگر تم اپنے دعوے پر کوئی دلیل لے کر آئے ہو تو پیش کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ دفعۃً ایک بڑا اژدھا بن گیا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (گریبان میں اپنا ہاتھ داخل کر کے) نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کی نظر میں اپنے گندم گونی رنگ کے برخلاف روشن چمکدار تھا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یَتَبَیَّنْ.

سوال: یَھْدِ کا صلہ لام نہیں آتا یہاں، لِلَّذِیْنَ، میں یھد کا صلہ لام استعمال ہوا ہے۔

جواب: مفسر علام نے یَھْدِ کی تفسیر یَتَبَیَّنْ، سے کر کے اسی شبہ کا جواب دیا ہے، یعنی یَھْدِ یَتَبَیَّنْ کے معنی میں ہے اور یَتَبَیَّنْ کا صلہ لام آتا ہے۔

قولہ: بالسکنیٰ.

سوال: لفظ سکنیٰ کا اضافہ کس مقصد سے کیا ہے؟

جواب: چونکہ مِلک کا تحقق محض سابق قوم کی ہلاکت سے نہیں ہوتا اس کیلئے سکونت اور قبضہ ضروری ہے، اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مفسر علام نے لفظ سکنیٰ کا اضافہ کیا ہے۔

قولہ: أن فَاعِلٌ، أن اپنے مابعد سے ملکر یَھْدِ کا فاعل ہے، نَھْدِ نون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، نون کی قراءت کی صورت میں اللہ فاعل ہوگا، اور نھد کا مفعول أنْ لو نشاءُ اَصَبْنَاھم بذنوبھِمْ ہوگا، ای أنَّ الشان ھو ھذا، اور یَھْدِ، یاء کی قراءت

کی صورت میں فاعل، أن لو نشاء اصبناهم بذنوبهم ہے، (تسہیل) أنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے ای أنّهٗ، اور جملہ لَوْ نشاءُ اس کی خبر، أنّ اور اس کا مابعد یَهْدِ کا فاعل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یَهْدِ کا فاعل اس میں ضمیر مستتر ہو اور اس ضمیر کا مرجع وہ ہوگا جو سیاق کلام سے مفہوم ہے، ای اَوَلم یَهْدِ ماجری للامم السابقة، اس صورت میں أن اور اس کا مابعد بتاویل مصدر ہو کر محل میں مفعول کے ہوگا، پہلی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی، اَوَلم یَهدِ اللّٰه ویبین للوارثین مآلهم وعاقبة امرهم اصابتنا اِیّاهم بذنوبهم ویکون المفعول به محذوفًا کما قدرناه، اور ثانی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی، اَوَلم یُبیِّن فی وضح اللّٰه ماجری لِلامم اصابتنا اِیّاهم لو نشاء ذلک.

قَوْلُهٗ: فی مَوَاضِعِ الاَرْبَعَةِ ان میں پہلا اَفَاَمِنَ اهل القری ہے اور آخری اَوَلم یَهْدِ ہے، دو فاء کے ساتھ ہیں اور دو واؤ کے ساتھ۔

قَوْلُهٗ: الوَاوُ الداخِلَةُ عَلَیها لِلعَطْفِ.

سَوَال: ہمزہ استفہام کا حرف عطف پر داخل ہونا منع ہے۔

جَوَاب: ممانعت عطفِ مفرد علی المفرد میں ہے نہ کہ عطفِ جملہ علی الجملہ میں اسلئے کہ جملہ بعد الجملہ کلام مستانف ہوتا ہے۔

تفسیر و تشریح

اَوَلَمْ یَهْدِ للذین یرثون الارض (الآیة) یہاں ایک بات تو یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جس طرح گذشتہ قوموں کو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا، ہم چاہیں تو تمہیں بھی تمہاری بداعمالیوں کے صلہ میں ہلاک کر دیں، دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ مسلسل گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق کی آواز سننے کے لئے ان کے کان بند ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے نصیحت اور انذار ان کیلئے سب بیکار و بے اثر ہوتے ہیں۔

قوموں کی تاریخ سے سبق:

ہلاک و برباد ہونے والی قوم کی جگہ جو دوسری قوم آتی ہے اس کے لئے اپنی پیش رو قوم کے زوال میں کافی رہنمائی موجود ہوتی ہے اور اگر عقل سے کام لے تو سمجھ سکتی ہے کہ کچھ مدت پہلے جو لوگ اس جگہ داد عیش دے رہے تھے اور جن کی عظمت کا جھنڈا یہاں لہرا رہا تھا انھیں فکر و عمل کی کن غلطیوں نے برباد کیا؟ اور یہ بھی محسوس کر سکتا ہے کہ جس بالا اقتدار نے کل انھیں ان کی غلطیوں پر پکڑا تھا اور ان سے یہ جگہ خالی کرائی تھی وہ آج کہیں چلا نہیں گیا، اور نہ اس سے کسی نے یہ مقدرت چھین لی ہے کہ اس جگہ کے موجودہ ساکنین اگر وہی غلطی کریں جو سابق ساکنین کر رہے تھے تو وہ ان سے بھی اسی طرح جگہ خالی نہ کرا سکے گا جس طرح ان سے خالی کرائی تھی۔

ونطبعُ علی قلوبهم فهم لا یسمعون، جب کوئی قوم تاریخ اور عبرتناک سبق آموز آثار و مشاہدات سے سبق نہیں لیتی

اور اپنے آپ کو خود فریبی میں مبتلا رکھتی ہے تو پھر خدا کی طرف سے بھی انھیں سوچنے سمجھنے اور کسی ناصح کی نصیحت سننے کی توفیق نہیں ملتی خدا کا قانون فطرت یہی ہے کہ جو اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اس کی بینائی تک آفتاب کی روشن کرنیں نہیں پہنچ سکتیں اور جو خود سننا نہ چاہے بھلا اسے کوئی سنا سکتا ہے؟

وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ (الآیۃ) اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جب پیغمبر خدا کا پیغام لے کر اسکے پاس آئے تو وہ اس وجہ سے ان پر ایمان نہیں لائے کہ وہ اس سے قبل حق کی تکذیب کر چکے تھے، یہی جرم ان کے عدم ایمان کا سبب بن گیا، اور ایمان لانے کی توفیق ان سے سلب کر لی گئی، اسی کو آئندہ جملے میں مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَکْثَرِھِمْ مِنْ عَھْدٍ وَاِنْ وَجَدْنَا اَکْثَرَھُمْ لَفٰسِقِیْنَ، اس عہد سے بعض نے عہد الست مراد لیا ہے، جو عالم ارواح میں لیا گیا تھا، اور بعض نے ہر قسم کا عہد مراد لیا ہے، یعنی ان لوگوں نے کسی قسم کے عہد کا پاس لحاظ نہیں کیا، نہ اس فطری عہد کا جس میں پیدائشی طور پر ہر انسان خدا کا بندہ اور پروردہ ہونے کی حیثیت سے بندھا ہوا ہے، نہ اس اجتماعی عہد کا پاس جس میں ہر فرد و بشر انسانی برادری کا ایک رکن ہونے کی حیثیت سے بندھا ہوا ہے، اور نہ اس ذاتی عہد کا پاس جو آدمی مصیبت اور پریشانی کے لمحوں میں یا کسی جذبۂ خیر کے موقع پر خدا سے بطور خود باندھا کرتا ہے ان ہی تینوں عہدوں کو توڑنے کو یہاں فسق کہا گیا ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ عہد سے مراد عہد الست ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا عہد سے مراد عہد ایمان و طاعت ہے۔

یہاں تک پچھلے انبیاء اور ان کی قوموں کے پانچ واقعات بیان کرکے موجودہ لوگوں کو ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے تنبیہات فرمائی گئی ہیں، اس کے بعد چھٹا قصہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس میں واقعات کے ضمن میں سینکڑوں احکام و مسائل اور عبرت و نصیحت کے بے شمار مواقع ہیں اور اسی لئے قرآن کریم میں اس واقعہ کے اجزاء بار بار دھرائے گئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ:

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِھِمْ مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَائِہٖ، یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ شروع ہو رہا ہے، جو مذکورہ انبیاء کے بعد آئے اور بنی اسرائیل کے جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں جنہیں فرعونِ مصر اور اس کی قوم کی طرف دلائل و معجزات دیکر بھیجا گیا تھا، بنی اسرائیل اصالۃً ملک شام کے علاقہ فلسطین میں کنعان کے رہنے والے تھے، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مصری وزارت مالیات کے زمانہ میں اپنے خاندان کو مصر بلا لیا تھا، یہ لوگ مصر آکر آباد ہو گئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے، اسی خاندان بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت کے لئے آپ کو معجزے دیکر بھیجا گیا۔

فرعون موسیٰ کون تھا:

فرعون شاہانِ مصر کا لقب ہے کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں ہے، لفظ فرعون کے معنی ہیں سورج دیوتا کی اولاد، قدیم اہل مصر سورج کو جوان کا مہادیو یا رب اعلیٰ تھا، رَعْ کہتے تھے اور لفظ فرعون اسی کی طرف منسوب تھا، مصر کا حاکم اور فرمانروا خود کو اسی کا جسمانی مظہر اور نمائندہ ہونے کا دعویدار ہوتا تھا، اسی لئے مصر میں جو خاندان برسرِ اقتدار آتا تھا وہ اپنے آپ کو سورج ونسی بنا کر پیش کرتا تھا جیسا کہ ہندوستان میں بھی بہت سے خاندان خود کو سورج ونسی اور چندرونسی بتاتے ہیں۔

تین ہزار قبل مسیح سے شروع ہو کر عہد سکندر تک فراعنہ کے اکتیس (۳۱) خاندان مصر پر حکمران رہے ہیں اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کا فرعون کون ہے؟ عام مورخین عرب اور مفسرین اس کو عمالقہ کے خاندان کا فرد بتاتے ہیں، کسی نے اس کا نام ولید بن ریان بتایا ہے اور کوئی مصعب بن ریان بتاتا ہے ارباب تحقیق کی رائے ہے کہ اس کا نام ریان تھا، ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس کی کنیت ابومرّہ تھی یہ سب اقوال قدیم مورخین کی تحقیقی روایات پر مبنی ہیں، مگر اب جدید مصری اثری تحقیقات اور حجری کتابات کے پیش نظر اس سلسلہ میں دوسری رائے سامنے آئی ہے وہ یہ کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کا فرعون ریمسیس ثانی کا بیٹا منفتاح ہے جس کا دورِ حکومت ۱۲۹۲ ق م سے شروع ہو کر ۱۲۲۵ ق م پر ختم ہوتا ہے۔ (قصص القرآن)

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ کے سلسلہ میں دو فرعونوں کا ذکر آتا ہے ایک وہ جس کے زمانہ میں آپ پیدا ہوئے اور جس کے گھر میں آپ نے پرورش پائی دوسرا وہ جس کے پاس آپ اسلام کی دعوت اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ لے کر پہنچے تھے اور جو بالآخر غرق ہوا موجودہ زمانہ کے محققین کا عام خیال یہ ہے کہ پہلا فرعون ریمسیس (رَعمسیس) دوم تھا اور جس فرعون کا زیر تفسیر آیتوں میں ذکر ہے وہ ریمسیس دوم کا بیٹا منفتاح تھا، اسی بادشاہ نے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا تھا ان پر طرح طرح کے مظالم کرتا تھا جس کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے۔

فرعون اور اس کے درباری امراء نے جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعون کے سامنے یہ دوسرا مطالبہ رکھا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کردے تاکہ وہ اپنے آبائی وطن جا کر عزت واحترام کی زندگی بسر کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نو معجزے عطا کئے تھے ان میں سے دو عظیم معجزے، معجزۂ عصاء اور ید بیضاء، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب فرعون کے سامنے دلیل صداقت کے طور پیش کئے تو یہ معجزے دیکھ کر ایمان لانے کے بجائے فرعون اور اس کے درباریوں نے معجزوں کو جادو قرار دیکر کہدیا یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے جس سے اس کا مقصد تمہاری حکومت کو ختم کرنا ہے۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ فائقٌ في علم السّحر وفي الشعراء انه من قول فرعون نفسِه فكَأَنَّهم قَالُوْا معه على سبيل التشاوُر يُّرِيْدُ أَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَأْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ أخِّر أمرَهُما وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ جامعين يَأْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ وفي قراءةٍ سَحّار عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ يفضُل موسىٰ في علم السحر فجَمَعُوا وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْا إِنَّ بتحقيق الهمزتين وتسهيل الثانية وادْخال الف بينهما

عَلَى الْوَجْهَيْنِ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ عَصَاكَ وَاِمَّآ اَنْ تَكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ مَا مَعَنَا قَالَ اَلْقُوْا اَمْرٌ لِلْاِذْنِ بِتَقْدِيْمِ اِلْقَائِهِمْ تَوَسُّلًا بِهِ اِلَى اِظْهَارِ الْحَقِّ فَلَمَّآ اَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَصَرَفُوْهَا عَنْ حَقِيْقَةِ اِدْرَاكِهَا وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ خَوَّفُوْهُمْ حَيْثُ خَيَّلُوْهَا حَيَّاتٍ تَسْعٰى وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ تَبْتَلِعُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يُقَلِّبُوْنَ بِتَمْوِيْهِهِمْ فَوَقَعَ الْحَقُّ ثَبَتَ وَظَهَرَ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ مِنَ السِّحْرِ فَغُلِبُوْا اَيْ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ صَارُوْا ذَلِيْلِيْنَ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ لِعِلْمِهِمْ بِاَنَّ مَا شَاهَدُوْهُ مِنَ الْعَصَا لَا يَتَاَتّٰى بِالسِّحْرِ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا بِهٖ بِمُوْسٰى قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ اَنَا لَكُمْ اِنَّ هٰذَا الَّذِيْ صَنَعْتُمُوْهُ لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ مَا يَنَالُكُمْ مِنِّيْ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَيْ يَدَ كُلِّ وَاحِدٍ الْيُمْنٰى وَرِجْلَهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا بَعْدَ مَوْتِنَا بِاَيِّ وَجْهٍ كَانَ مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ رَاجِعُوْنَ فِي الْاٰخِرَةِ وَمَا تَنْقِمُ تُنْكِرُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا عِنْدَ فِعْلِ مَا تَوَعَّدَهُ بِنَا لِئَلَّا نَرْجِعَ كُفَّارًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

ع ۱۴ ۱۸ ۴

ترجمہ: قوم فرعون میں جو لوگ سردار تھے انہوں نے کہا واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے یعنی علم سحر میں ماہر ہے اور سورۂ الشعراء میں یہ قول فرعون کی طرف منسوب ہے، تو ہوسکتا ہے کہ لوگوں نے فرعون کے ساتھ مشورہ کے طور پر کہا ہو، اس کا مقصد تو یہ ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے نکال باہر کرے سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟ انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو مہلت دید یجئے یعنی (فی الحال) ان کے معاملہ کو ملتوی رکھئے، اور شہروں میں جمع کرنے والے ہرکاروں کو بھیج دیجئے کہ وہ آپ کے پاس ہر ماہر جادوگر کو لاکر حاضر کریں اور ایک قراءت میں سحّار ہے، کہ علم سحر میں جو فوقیت رکھتے ہوں، چنانچہ وہ جمع ہوگئے، وہ جادوگر فرعون کے پاس آئے اور عرض کیا اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا صلہ (انعام) ملے گا (فرعون نے) کہا، ہاں، اور تم مقربین میں شامل ہو جاؤ گے، (جادوگروں نے) موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا اے موسیٰ (عصاء) تم (پہلے) ڈالتے ہو یا جو ہمارے پاس ہے ہم ڈالیں، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا تم ہی ڈالو (اَلْقُوْا) امر ان کو پہلے ڈالنے کی اجازت کے لئے ہے تاکہ پہلے ڈالنا اظہار حق کا وسیلہ بنے، (یہ امر حکم کے لئے نہیں ہے) جب انہوں نے اپنی رسیوں اور لکڑیوں کو ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کردی یعنی آنکھوں کو حقیقت کے ادراک سے روک دیا، اور ان پر خوف طاری کردیا یعنی ان کو ایسا خوف زدہ کردیا کہ وہ (ان لکڑیوں اور رسیوں کو) دوڑتے ہوئے سانپ سمجھنے لگے، (اس طرح) انہوں نے ایک بڑا جادو پیش کیا، اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ تم بھی اپنا عصاء ڈالو، تو اچانک اس نے ان کے بنائے ہوئے گورکھ دھندے کو نگلنا شروع کردیا (تلقف) اصل میں ایک تاء کے حذف کے ساتھ ہے معنی میں نگلنے کے ہے، (ما یأفکون) مراد جو وہ ہاتھ کی صفائی سے پیش کر

رہے تھے، حق ثابت اور ظاہر ہوگیا اور جو جادو انہوں نے پیش کیا تھا وہ جاتا رہا چنانچہ فرعون اور اس کی قوم موقع ہی پر ہار گئی، اور (خوب) ذلیل ہو کر واپس ہوئے یعنی خوب ذلیل و (خوار) ہوئے، اور جادوگر سجدہ میں گر گئے (جادوگر) کہنے لگے ہم رب العلمین پر ایمان لائے جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام و ہارون کا بھی رب ہے ان کو اس بات کا علم ہونے کی وجہ سے کہ جو کچھ انہوں نے عصاءِ (موسیٰ) سے مشاہدہ کیا وہ جادو کے ذریعہ ممکن نہ تھا، فرعون کہنے لگا کہ کیا تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے ہو، بے شک یہ ایک خفیہ سازش تھی جس کو تم نے اس شہر میں عملی جامہ پہنایا تاکہ تم شہر کے باشندوں کو اس سے بے دخل کر دو، اچھا تو اب تم کو عنقریب وہ نتیجہ معلوم ہو جائیگا، جو میری طرف سے ظاہر ہونے والا ہے، میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کٹوا دوں گا یعنی ہر ایک کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر، پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا انہوں نے جواب دیا بہر حال ہم کو مرنے کے بعد جس حالت میں بھی ہو اپنے رب کی طرف آخرت میں پلٹنا ہے اور تو جس بات پر ہم سے انتقام لینا چاہتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے سامنے آئیں (واضح ہو گئیں) تو ہم نے انکو مان لیا، اے ہمارے رب تو ہمارے اوپر صبر کا فیضان کر جب (فرعون) اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنائے تاکہ ہم حالت کفر کی طرف نہ پلٹ جائیں، اور ہم کو (دنیا سے) اس حال میں اٹھا کہ ہم فرمانبردار ہوں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: عَلٰی سَبِیْلِ التَشَاوُرِ، اس اضافہ کا مقصد سورۂ شعراء اور یہاں کے مضمون میں تطبیق دیکر تعارض کو دور کرنا ہے، اَخِّرامرھا، ای لا تعجل فی قتلہ.

قَوْلُہٗ: مَا مَعَنَا، اس میں اشارہ ہے کہ الملقین کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: تَـوَسُّلاً یہ اس سوال کا جواب ہے کہ سحر جو کہ ایک ممنوع اور ناپسندیدہ چیز ہے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا کیوں حکم دیا؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ امر نہ بطور ادب ہے اور نہ بطور حکم ہے بلکہ یہ امر برائے اجازت ہے اور اس اجازت کا مقصد بھی یہ ہے کہ اس کے ذریعہ باطل کا ابطال اور حق کا اظہار ہو، یا فکون، یہ افك (ض) سے جمع مذکر غائب ہے یعنی پلٹنا، الافك صرف الشیٔ عن وجھہ.

قَوْلُہٗ: اَرْجِہْ یہ ارجاء سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے، اس کو ڈھیل دے اس میں ہٗ ضمیر مفعولی ہے جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راجع ہے۔

تفسیر و تشریح

قال الملأ من قوم فرعونَ اِنَّ ھذا لَسٰحِرٌ علیم، لفظ مَلأ، کسی قوم کے بااثر سرداروں کے لئے بولا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ قوم کے سردار معجزات دیکھ کر کہنے لگے یہ تو بڑا ماہر جادوگر معلوم ہوتا ہے۔

سحر اور معجزہ میں فرق:

اہل بصیرت اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ جادو سے جو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں وہ اسباب طبعیہ کے تحت ہوتی ہیں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ عام لوگوں کو معلوم نہیں ہوتے اسلئے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام بغیر کسی سبب ظاہری کے ہو گیا، بخلاف معجزہ کے کہ اس میں اسباب طبعیہ کا مطلق کوئی دخل نہیں ہوتا وہ براہِ راست قدرت حق کا فعل ہوتا ہے اسی لئے قرآن کریم میں اس کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، "وَلٰکن اللّٰہ رمیٰ".

اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ اور سحر کی حقیقتیں بالکل مختلف ہیں حقیقت شناس کیلئے تو کوئی التباس کی وجہ نہیں عوام الناس کو التباس ہو سکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس التباس کو دور کرنے کیلئے بھی ایسے امتیازات رکھ دیئے ہیں کہ جس کی وجہ سے لوگ دھوکہ سے بچ جائیں۔ (معارف)

یرید اَن یُخرجکم مِن اَرْضکم، فرعون کے درباریوں اور قوم کے سرداروں نے کہا کہ یہ شخص عجیب وغریب ساحرانہ کرشمے دکھا کر عوام کو اپنی طرف مائل کر کے اور انجام کار ملک میں اثر ورسوخ کے ذریعہ ملک میں اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہے، اور بنی اسرائیل کی آزادی اور حمایت کا نام لے کر قبطیوں کو جو یہاں کے اصل باشندے ہیں ان کے ملک وطن مصر سے بے دخل کر کے خود قابض ہونا چاہتا ہے، ان سب حالات کو پیش نظر رکھکر مشورہ دو کہ کیا ہونا چاہئے؟ باہمی مشورہ کے بعد یہ طے ہوا کہ فرعون سے یہ درخواست کی جائے کہ ان دونوں (موسیٰ وہارون علیہما السلام) کے معاملہ میں جلدی نہ کی جائے، ان کا بہترین توڑ اور مؤثر جواب یوں ہو سکتا ہے کہ پورے ملک سے فن سحر کے ماہرین کو بلا کر جمع کیا جائے، ان سے ان کا مقابلہ کرایا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، ساحران فرعون نے "اِنَّ لنا لا جرًا" کہہ کر پہلے ہی قدم پر جتلا دیا اور زبان حال سے کہدیا کہ ہم تو طالب دنیا ہیں اور فن سحر ہم نے سیکھا ہی دنیا کمانے کے لئے ہے لہٰذا آپ بتائیں اگر ہم غالب آگئے جیسا کہ ہم کو یقین ہے تو ہمیں کچھ انعام واکرام بھی ملے گا؟ اس کے جواب میں فرعون نے کہا، انعام اکرام ہی نہیں بلکہ تم میرے مقربین خاص میں شامل ہو جاؤ گے۔

وَاُلقیَ السَّحَرَۃ سٰجدین، عصاءِ موسیٰ جب سانپ بن کر ان کی تمام رسیوں کو نگل گیا اور سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا جس سے جادوگروں کو تنبہ ہوا کہ یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے، آخر کار فرعون کے لوگ اور خود فرعون بھرے مجمع میں شکست کھا کر اور ذلیل وخوار ہو کر میدان مقابلہ سے لوٹے، اور جادوگر خدا کی نشانی دیکھ کر بے اختیار سجدہ میں گر پڑے کہتے ہیں کہ موسیٰ وہارون علیہما السلام نے سجدۂ شکر ادا کیا اسی وقت جادوگر بھی سربسجود ہو گئے، اُلقی السحرۃ، کا لفظ بتلا رہا ہے کہ کوئی قوی حال جادوگروں پر ایسا طاری ہوا جس کے بعد بجز خشوع خضوع اور استسلام کے کوئی چارہ نہیں رہا، رحمت الٰہیہ کا کیا کہنا جو لوگ ابھی پیغمبر خدا سے نبرد آزمائی کر رہے تھے سجدہ سے سر اٹھاتے ہی اولیاء اللہ اور عارف باللہ بن گئے۔

جو کچھ ہوا، فرعون کے لئے بڑا حیران کن اور غیر متوقع اور تعجب خیز تھا اس لئے اسے اور تو کچھ نہیں سوجھا اس نے یہی کہہ دیا، کہ تم سب آپس میں ملے ہوئے ہو تم نے ہمارے خلاف خفیہ سازش کی ہے تمہارا مقصد ہمارے اقتدار کا خاتمہ ہے، اچھا

اس کا انجام عنقریب معلوم ہو جائیگا، یعنی جانب مخالف سے ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹ کر اور پھر سولی پر چڑھا کر تمہیں نشانِ عبرت بنادیا جائیگا۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ لہ اَتَذَرُ تترک مُوسٰی وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بالدعاء الی مخالفتك وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ وکان صنع لهم اصنامًا صغارًا يعبدونها وقال انا ربكم وربها ولذا قال انا ربكم الاعلی قَالَ سَنُقَتِّلُ بالتشدید والتخفیف اَبْنَآءَهُمْ المولودین وَنَسْتَحْيٖ نستبقی نِسَآءَهُمْ كفعلنا بهم من قبل وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قادرون ففعلوا بهم ذلك فشكی بنو اسرائيل قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا علی اذاهم اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا يعطيها مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ المحمودة لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ الله قَالُوْٓا قوم موسی اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ فيها.

ترجمہ: فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑے رکھے گا کہ تیری مخالفت کی دعوت دے کر ملک میں فساد پھیلائیں، اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں ان کے لئے چھوٹے بت بنا رکھے تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے، اور فرعون اس بات کا مدعی تھا کہ میں تمہارا بھی رب ہوں اور ان بتوں کا بھی، اور اسی وجہ سے اس نے کہا میں تمہارا بڑا رب ہوں، فرعون نے کہا میں ان کے بیٹوں کو قتل کراؤں گا (سَنُقَتِّلُ) تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھوں گا، جیسا کہ ہم ان کے ساتھ ایسا پہلے بھی کر چکے ہیں اور یقیناً ہم ان کے اوپر قدرت رکھتے ہیں، فرعون نے ان کے ساتھ یہی معاملہ کیا چنانچہ بنی اسرائیل نے شکایت کی موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور ان کی ایذاء رسائی پر صبر کرو زمین اللہ کی ملک ہے وہ اس کو اپنے بندوں میں جس کو چاہے وارث بنائے، عطا فرمائے، اور بہتر انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہے، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے لوگوں نے کہا تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جاتے تھے اور تمہارے آنے کے بعد بھی ستائے جارہے ہیں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ وقت قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور تم کو زمین میں خلیفہ بنائے پھر وہ دیکھے کہ تم زمین میں کیسا عمل کرتے ہو؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَيَذَرَكَ اس کا عطف يُفْسِدُوْا پر ہے، أتذرُ موسیٰ میں استفہام انکاری ہے، مقصد فرعون کو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اس کی قوم کے خلاف بھڑکانا ہے، اور وَيَذَرَكَ میں واؤ معیت کے لئے ہے اور يَذَرَكَ واؤ کے بعد ان مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے جواب استفہام ہونے کی وجہ سے۔

قولہ: یَذَرُكَ، یَذَرُ، وَذَرٌ سے مضارع واحد مذکر غائب یہ اصل میں یَوْذِرُ تھا (ض) مضارع کا عمومی تلفظ (س) سے کیا جاتا ہے بمعنی چھوڑے۔

تفسیر وتشریح

ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا بقیہ قصہ مذکور ہے جس کی تفصیل اس سے پہلے رکوع میں گذر چکی ہے، فرعون حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا معجزہ دیکھ کر متحیر رہ گیا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے کچھ ایسا مرعوب ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو تو ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا، سارا غصہ جادوگروں پر اتارا، اس پر قوم کے سرداروں کو کہنا پڑا، **أتَذَرُ موسیٰ وقومَهُ الخ**، کیا آپ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑے رہیں گے کہ وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ کر ملک میں فساد برپا کرتے پھریں، اس پر مجبور ہو کر فرعون نے کہا سَنُقَتِّلُ ابنائهم الخ یعنی ان کے معاملہ میں ہمیں کچھ زیادہ فکر نہیں، ہم ان کے لئے یہ کام کریں گے کہ ان میں جو لڑکا پیدا ہوگا اس کو قتل کردیں گے، صرف لڑکیوں کو زندہ رکھیں گے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی قوم کچھ عرصہ بعد مردوں سے خالی ہوجائیگی، صرف عورتیں رہ جائیگی، جو ہماری خدمتگار باندیاں بن کر رہیں گی، قوم کے سرداروں کے متنبہ اور آگاہ کرنے کے بعد فرعون نے یہ تو کہا کہ ہم بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کردیں گے، لیکن حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے بارے میں اس وقت بھی ایک لفظ اس کے منہ سے نہیں نکلا وجہ یہ تھی کہ اس معجزہ اور واقعہ نے فرعون کے دل ودماغ پر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی سخت ہیبت طاری کردی تھی۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ فرعون جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھتا تو پیشاب خطا ہوجاتا۔ (معارف)

قتل ابناء کے قانون کا دوسری مرتبہ نفاذ:

بنی اسرائیل کو کمزور کرنے کیلئے قتل ابناء کا ظالمانہ قانون اب دوسری مرتبہ نافذ کیا گیا، اس کا پہلا دور حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی پیدائش کے زمانہ میں ہوچکا تھا جبکہ کاہنوں نے فرعون سے کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونیوالا ہے جس کے ہاتھ پر ملک کی بربادی اور تیری ہلاکت ہوگی اور دوسری مرتبہ قتل ابناء کا اس وقت حکم دیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مبعوث ہوئے اور فرعون مقابلہ میں شکست کھا گیا۔

بنی اسرائیل کی گھبراہٹ اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں فریاد:

جب فرعون کو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے مقابلہ میں شکست فاش ہوگئی تو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو تو کچھ نہ کہہ سکا مگر بنی اسرائیل پر غصہ اتارا کہ ان کے لڑکوں کو قتل کرکے عورتوں کو باقی رکھنے کا قانون بنادیا تو بنی اسرائیل کو اس سے تشویش ہوئی گھبرائے ہوئے حضرت

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ آپ کے مبعوث ہونے سے پہلے بھی ہمارے اوپر یہ عذاب ڈھایا جاچکا ہے اور اب مبعوث ہونیکے بعد پھر وہی عذاب ڈھایا جانیوالا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پدرانہ شفقت اور پیغمبرانہ حکمت کے مطابق اس بلا سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان کو دو چیزوں کی تلقین فرمائی ایک دشمن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا دوسرے کشود کار تک صبر و ہمت سے کام لینا، اس کا ثمرہ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ صرف یہ کہ تمہاری پریشانی اور مصیبت کا خاتمہ ہو جائیگا بلکہ تم اس ملک کے مالک بھی بن جاؤ گے اور دلیل کے طور پر فرمایا، "اِنَّ الارض لِلّٰہِ یورثھا مَن یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین، مطلب یہ کہ ساری زمین اللہ کی ہے وہ جس کو چاہے گا زمین کا وارث و مالک بنائیگا، یہ بات طے ہے کہ انجام کار کامیابی و کامرانی متقیوں ہی کو ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ بِالقَحْطِ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (١٣٠) يَتَّعِظُوْنَ فيؤمنون فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ الخِصْبُ والغِنٰى قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ اى نَسْتَحِقُّها ولم يَشْكُرُوْا عليها وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ جَدبٌ وبَلاءٌ يَّطَّيَّرُوْا يَتَشَائَمُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ من المُؤمِنِيْنَ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ شُؤمُهم عِنْدَ اللّٰهِ يَأْتِيْهم به وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (١٣١) اَنَّ مَا يُصِيْبُهم من عِنْدِهٖ وَقَالُوْا لموسٰى مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ (١٣٢) فَدَعَا عليهم فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وهو ماءٌ دَخَلَ بُيُوْتَهم ووَصَلَ الى حُلُوْقِ الجَالِسِيْنَ سَبْعَةَ ايَّام وَالْجَرَادَ فَاَكَلَ زَرْعَهم وثِمَارَهم كَذٰلِكَ وَالْقُمَّلَ السُّوْسُ اونوعٌ من القُرَادِ فَتَتَبَّعُ مَاتَرَكَهُ الجَرَادُ وَالضَّفَادِعَ فَمَلَأتْ بُيُوْتَهم وطَعَامَهم وَالدَّمَ فى مِيَاهِهِمْ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۟ مُبَيَّنَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا عن الايمان بها وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (١٣٣) وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ العَذَابُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ من كَشْفِ العذابِ عنا ان اٰمَنَّا لَئِنْ لامُ قَسَمٍ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (١٣٤) فَلَمَّا كَشَفْنَا بِدُعَاءِ موسٰى عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (١٣٥) يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهم ويُصِرُّوْنَ على كُفْرِهم فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ البحرِ الملحِ بِاَنَّهُمْ بِسَبَبِ انهم كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ (١٣٦) لا يَتَدَبَّرُوْنَها وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ بِالاِسْتِعْبَادِ وهو بنو اسرائيل مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ بالماءِ والشَّجَرِ صفةٌ للارض وهى الشامُ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى وهى قولُهٗ ونُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا الخ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ على اَذى عدوِّهم وَدَمَّرْنَا اَهْلَكْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ من العمارةِ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ (١٣٧) بكسر الراءِ وضَمِّها يَرْفعون من البُنْيَان وَجٰوَزْنَا عَبَرْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا فَمَرُّوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ بضمِّ الكافِ وكسرها عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ يُقِيْمُوْنَ على عِبَادَتِها قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا صَنَمًا نَعْبُدُهٗ كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ (١٣٨) حيث قابَلْتُم نعمةَ اللّٰهِ عليكم

بما قُلْتُمُوْهُ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ هالِكٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا معبودًا واصلُهُ اَبْغِي لكم وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ في زَمَانِكم بما ذَكَرَهُ في قولِهِ وَ اذكر اِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ وفي قراءةٍ اَنْجَاكم مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ يُكَلِّفُوْنَكم ويُذِيْقُوْنَكم سُوْٓءَ الْعَذَابِ اَشَدَّهُ وهو يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ يَسْتَبْقُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ الانجاءِ والعذابِ بَلَآءٌ انعامٌ اوابتلاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ افلا تَتَّعِظُوْنَ فَتَنْتَهُوْن عَمَّا قُلْتُم.

ترجمہ: ہم نے فرعون کے لوگوں کو قحط اور پیداوار کی کمی میں (کئی سال تک) مبتلا رکھا، تاکہ وہ نصیحت قبول کر کے ایمان لے آئیں، (مگر ان کا حال یہ تھا) جب خوشحالی شادابی اور مالداری کا زمانہ آجاتا تو کہتے ہم اسی کے مستحق ہیں، اور اس پر اللہ کا شکر نہ کرتے، اور جب ان پر بدحالی خشک سالی اور مصیبت کا زمانہ آتا تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے مومن ساتھیوں پر نحوست کا الزام دھرتے (حالانکہ) حقیقت یہ ہے کہ ان کی نحوست اللہ کے پاس ہے اسی کی طرف سے آتی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس بات سے ناواقف تھے کہ جو کچھ آتا ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے آتا ہے، انہوں نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تم ہم کو مسحور کرنے کے لئے کیسی بھی نشانی لاؤ ہم آپ کی بات کا یقین کرنے والے نہیں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لئے بددعاء کردی، تو ہم نے ان پر طوفان بھیجا، اور وہ اسقدر پانی تھا کہ ان کے گھروں میں داخل ہوگیا اور بیٹھے ہوئے لوگوں کے گلے تک پہنچ گیا، اور یہ صورت حال سات دنوں تک رہی، اور ٹڈیاں بھیجیں جو ان کی کھیتیوں اور پھلوں کو کھا گئیں، اور سُرسُریاں بھیجیں یا مراد چچڑی کی کوئی قسم ہے، مطلب یہ کہ ٹڈیوں سے جو کچھ بچا وہ سُرسُریوں نے صاف کردیا، اور مینڈک بھیجے جو ان کے گھروں اور کھانوں میں بھر گئے، اور ان کے پانیوں میں خون کی آمیزش کردی (یہ سب) کھلے کھلے معجزے تھے، ان معجزوں پر ایمان لانے سے اعراض کیا اور یہ تھے ہی مجرم لوگ، اور جب ان پر بلا نازل ہوتی تو کہتے اے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ہمارے لئے اپنے رب سے اس عہد کے ذریعہ کہ جس کا اس نے آپ سے عہد کیا ہے کہ اگر ہم ایمان لے آئیں تو ہم سے بلاء کو ہٹادے گا دعاء کیجئے لئن میں لام قسم کے لئے ہے، اگر آپ ہم سے اس بلا کو ٹال دیں گے تو ہم آپ پر ضرور ایمان لے آئیں گے اور ضرور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیجدیں گے اور جب ہم موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء سے ایک محدود وقت جس تک ان کو بہر حال وہ عذاب پہنچنا تھا پہنچنے کے بعد ہٹادیتے تو فوراً ہی اپنے عہد کو توڑ دیتے اور اپنے کفر پر مصر رہتے، پھر ہم نے ان سے انتقام لیا تو ہم نے ان کو دریائے شور میں غرق کردیا، اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے غفلت برتتے تھے، یعنی ان میں غور و فکر نہیں کرتے تھے، اور ان کی جگہ ہم نے ان لوگوں کو جن کو کمزور بنا کر رکھا تھا یعنی غلام بنا رکھا تھا اور وہ بنی اسرائیل تھے اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنادیا جسے ہم نے پانی اور درختوں کے ذریعہ برکتوں سے مالا مال کر رکھا تھا، (اَلَّتِیْ بَارَکْنَا فِیْھَا) ارض کی صفت ہے اور وہ ملک شام ہے، اس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدۂ خیر ان کے دشمن کی ایذاء رسانی پر صبر کی

بدولت پورا ہو گیا، اور وہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا قول، وَنُرِيدُ أن نمنَّ على الذين استضعفوا الخ ہے، فرعون اور اس کی قوم جو بلند وبالا عمارتیں بناتی تھی اس کو ہم نے برباد کر دیا، (یعرشون) راء کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ، اونچی عمارتیں بنانا، اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا تو ان کا ایک ایسی قوم پر گذر ہوا جو اپنے چند بتوں سے لپٹے پڑے تھے (یعکفون) کاف کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ، یعنی ان کی عبادت پر قائم تھے، کہنے لگے اے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے لئے بھی کوئی ایسا معبود (یعنی) بت بنا دے جس کی ہم بندگی کریں جیسے ان لوگوں کے ہیں، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم لوگ بڑی جہالت کی بات کرتے ہو اسلئے کہ تم اپنے اوپر نعمتوں کے صلہ میں ایسی باتیں کرتے ہو، یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ یقیناً تباہ کیا جائیگا، اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ سراسر باطل ہے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کر دوں (اَبغیکم) کی اصل ابغی لکم تھی، حالانکہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں اپنے زمانہ کی قوموں پر فضیلت دے رکھی ہے جس (فضیلت) کو اپنے قول وَاذ نجینکم میں ذکر کیا ہے، اور (اللہ فرماتا ہے) وہ وقت یاد کرو کہ جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی اور ایک قراءت میں انجکم ہے، جو تم کو تکلیف میں مبتلا کئے ہوئے تھا اور تم کو بدترین عذاب (کامزا) چکھا رہا تھا اور وہ یہ تھا کہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر رہا تھا اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ رہا تھا اور اس نجات یا عذاب میں تمہارے رب کی جانب سے ابتلاء انعام عظیم ہے یا ابتلاء ہے کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے کہ ان باتوں سے باز آ جاؤ جو تم نے کہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: سِنِین، سَنَۃٌ کی جمع ہے سال، قحط، خشک سالی۔

قولہ: نَستحقُّھا، ہم اس کے مستحق ہیں اس میں اشارہ ہے کہ لَنَا ھذہٖ میں لام استحقاق کا ہے۔

قولہ: مَھْمَا، اصل ماما، مکرر تھا پہلا ما شرطیہ دوسرا ما تاکید کے لئے ہے ثقل کو ختم کرنے کے لئے پہلے کے الف کو ھاء سے بدل دیا مَھْما ہو گیا۔

قولہ: یَتَشَاءَمُوْنَ، یَطَّیَّرُ، کی تفسیر یتشاء مون سے کرکے اشارہ کر دیا کہ یتطیرُ، طیران سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ تطیُّرُ، سے ماخوذ ہے، اس کے دو معنی آتے ہیں نصیب خواہ خیر ہو یا شر، یعنی خوش نصیبی اور بدنصیبی دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے دوسرے معنی تشاؤمٌ، کے ہیں اس کے معنی نحوست کے ہیں مفسر علام نے یَطَّیَّرُ کی تفسیر تشاؤم سے کرکے معنی کی تعیین کر دی۔

قولہ: ھُمْ بَالِغُوْہُ الخ ای الی نہایۃ من الزمان.

قولہ: اِذا ھم یہ لَمَّا کا جواب ہے۔

قولہ: عَبَرنا، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جاوَزَ کا صلہ باء نہیں آتا اسلئے کہ جاوز متعدی بنفسہ ہے حالانکہ یہاں باء صلہ ہے۔

جَوَاب: جواب یہ ہے کہ جاوَزَ، عَبَرَ کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا اس کا صلہ باء لانا درست ہوگیا۔
قَوْلَهُ: هو، هُو مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ نقتّلون جملہ مستانفہ ہے ماقبل پر اس کا عطف نہیں ہے۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ اَخَذْنا آلَ فرعَوْنَ بالسِّنِیْنِ، یہ گرفت اس وقت ہوئی جب فرعون اور فرعونی حکومت کی طرف سے اسرائیلیوں کی مخالفت اور سختی ان پر بڑھتی ہی چلی گئی، تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قحط سات سال تک مسلسل رہا، آیت میں دو لفظ آئے ہیں سنین اور نقص ثمرات حضرت عبداللہ بن عباس اور قتادہ سے مروی ہے کہ خشک سالی کے عذاب کا تعلق تو دیہات والوں کے لئے تھا اور پھلوں کی کمی شہر والوں کے لئے تھی، کیونکہ عموماً غلہ دیہات میں اور باغات شہر میں ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نہ کھیت باقی رہے اور نہ باغات، عذاب کے اس ابتدائی جھٹکے سے بھی ان کو کوئی تنبیہ نہیں ہوئی، بلکہ اس موجودہ مصیبت اور ہر مصیبت کے بارے میں کہنے لگے یہ نحوست موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے ہے اور جب خوشحالی اور آرام و راحت کے دن آتے تو کہنے لگتے کہ یہ تو ہمارا حق ہے ہمیں ملنا ہی چاہئے تھا۔

طائر، لغت میں پرندہ کو کہتے ہیں عرب میں پرندوں کے دائیں یا بائیں جانب اترنے یا گذرنے سے اچھی یا بری فال لیتے تھے اسلئے مطلق فال کو بھی طائر کہنے لگے، مطلب یہ ہے کہ فال اچھی یا بری سب اللہ کی طرف سے ہے، اس عالم میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ سب اللہ کی قدرت و مشیت سے ہوتا ہے، اس میں نہ کسی کی نحوست کا دخل ہے اور نہ برکت کا، یہ سب جاہلوں کی خام خیالیاں ہیں۔

بالآخر فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام معجزوں کو سحر کہہ کر نظر انداز کرتے ہوئے اعلان کردیا کہ آپ کتنی ہی علامتیں اپنی نبوت کی پیش کر کے ہم پر اپنا جادو چلانا چاہیں تو سن لیجئے ہم کبھی آپ پر ایمان لانے والے نہیں۔

وَوٰعَدْنَا بالِفٍ ودونِها **مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً** يُكَلِّمُهُ عند انتهائِها بان يَصُوْمَها وهى ذوالقعدةِ فَصامَها فلما تَمَّتْ انْكَرَ خُلُوْفَ فَمِه فاسْتَاكَ فامَرَ اللّٰهُ بعَشْرةٍ أُخرى لِيُكَلِّمَه بخُلُوْفِ فَمِه كما قال **وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ** مِن ذى الحجةِ **فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ** وقتُ وَعْدِهٖ بكَلامِه اِيّاهُ **اَرْبَعِيْنَ** حالٌ **لَيْلَةً** تمييزٌ **وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ** عند ذَهابِه الى الجَبَلِ للمناجاةِ **اخْلُفْنِىْ** كُنْ خَلِيْفَتِىْ **فِىْ قَوْمِىْ وَاَصْلِحْ** اَمْرَهم **وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ** ﴿۱۴۲﴾ بمُوَافقتِهم على المَعاصِىْ **وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا** اى للوقتِ الذى وَعَدْنَاهُ بالكلامِ فيه **وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ** بلا واسطةٍ كلامًا يَسْمَعُهُ من كُلِّ جهةٍ **قَالَ رَبِّ اَرِنِىْٓ** نَفْسَكَ **اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِىْ** اى لاتَقْدِرُ على رُؤْيَتِىْ والتعبيرُ به دونَ لَنْ أُرىٰ يُفِيْدُ اِمكانَ رُؤْيَتِه تعالى

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ الذی ھو اقوی منك فَاِنِ اسْتَقَرَّ ثبت مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ای تثبت لرؤیتی والا فلا طاقة لك فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ ای ظھر من نورہ قدر نصف انملة الخنصر کما فی حدیث صححه الحاکم لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا بالقصر والمد ای مدکوکا مستویا بالارض وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا مغشیا علیه لھول ما رای فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تنزیھا لك تُبْتُ اِلَيْكَ من سؤال ما لم اومر به وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ فی زمانی قَالَ تعالی له يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ اخترتك عَلَى النَّاسِ اھل زمانك بِرِسٰلٰتِيْ بالجمع والافراد وَبِكَلَامِيْ ای تکلیمی ایاك فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ من الفضل وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ۝ لانعمی وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ ای الواح التورٰة وکانت من سدر الجنة او زبرجد او زمرد سبعة او عشرة مِنْ كُلِّ شَیْءٍ یحتاج الیه فی الدین مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا تبیینا لِّكُلِّ شَیْءٍ بدل من الجار والمجرور قبله فَخُذْهَا قبله قلنا مقدرا بِقُوَّةٍ بجد واجتھاد وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ۝ فرعون واتباعه وھی مصر لتعتبروا بھم سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ دلائل قدرتی من المصنوعات وغیرھا الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ بان اخذلھم فلا یتفکرون فیھا وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ طریق الھدی الذی جاء من عند اللّٰه لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ یسلکوہ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَیِّ الضلال يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ الصرف بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۝ تقدم مثله وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ البعث وغیرہ حَبِطَتْ بطلت اَعْمَالُهُمْ ؕ ما عملوہ فی الدنیا من خیر کصلة رحم وصدقة فلا ثواب لھم لعدم شرطه هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا جزاء مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ من التکذیب والمعاصی.

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا کہ اس مدت کے پورا ہونے کے بعد وہ اس سے کلام کرے گا (واعدنا) الف اور بغیر الف (وعدنا) ہے بایں طور کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مذکورہ مدت میں روزہ رکھے اور وہ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مدت کے روزے رکھے جب (تیس دن) پورے ہوگئے تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے منہ کی بو سے کراہت محسوس ہوئی، تو آپ نے مسواک کر لی، تو اللہ نے دوسرے دس دن کا حکم دیا تا کہ موسیٰ منہ کی بو کے ساتھ اللہ سے ہمکلام ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے اس تیس دن کی مدت کو ذی الحجہ کے مزید دس کے ساتھ پورا کر دیا تو ہمکلامی کے اسکے رب کے وعدہ کی چالیس رات مدت پوری ہوگئی اربعین (میقات) سے حال ہے، لَیلة تمیز ہے، پہاڑ پر مناجات کیلئے جاتے وقت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بھائی ہارون سے فرمایا، میری قوم میں میری جانشینی کے فرائض انجام دینا اور ان کی معاملات کی اصلاح کرتے رہنا اور معاصی پر موافقت کر کے مفسدوں کی اتباع نہ کرنا اور جب موسیٰ ہمارے وقت مقرر پر

یعنی اس وقت پر کہ جو ہم نے اس سے ہمکلامی کے لئے مقرر کیا تھا، آئے اور اس کے رب نے اس سے بلا واسطہ کلام کیا ایسا کلام کہ جو ہر سمت سے سنائی دیتا تھا، تو (موسیٰ) نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار آپ مجھے اپنا دیدار کرادیں تا کہ میں آپ کو دیکھ لوں، ارشاد ہوا تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے، یعنی تم مجھے دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتے اور (لَنْ تَرَانِی) کی تعبیر اللہ تعالیٰ کے امکان رویت کا فائدہ دے رہی ہے نہ کہ 'لَنْ اُرٰی' لیکن تم اس پہاڑ کو دیکھو جو کہ تم سے قوی تر ہے اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے، یعنی تم میرے دیدار کے لئے ثابت رہ سکو گے، ورنہ تم میں اس کی سکت نہیں، جب اسکے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی یعنی اس کا نور چھوٹی انگلی کے نصف پورے کے برابر ظاہر ہوا، جیسا کہ حدیث میں ہے، (اور) حاکم نے اس (حدیث) کو صحیح قرار دیا ہے تو اس پہاڑ کے پرخچے اڑادیئے (دَکًّا) قصر اور مد کے ساتھ ہے یعنی ریزہ ریزہ زمین کے برابر کردیا، اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ دیکھا اس کی ہولناکی کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر گئے، پھر جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوش میں آئے تو عرض کیا آپ کے لئے (ہر نقص) سے پاکی ہے میں ہر ایسے سوال کرنے سے کہ جس کا مجھے حکم نہیں دیا گیا آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں، اور میں اپنے زمانہ کے اول ایمان لانیوالوں میں ہوں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد فرمایا، اے موسیٰ میں نے تجھ کو تیرے زمانہ کے تمام لوگوں میں اپنی رسالت اور ہمکلامی کے لئے منتخب کیا ہے (رسالاتی) جمع و افراد کے ساتھ ہے، یعنی میرے تجھ سے کلام کرنے کیلئے، تو جو کچھ میں نے تم کو ازراہ فضل دیا ہے اس کو لو، اور میری نعمتوں کا شکر ادا کرو، اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تورات کی چند تختیوں میں جو کہ جنت کے بیری کے درخت کی یا زبرجد کی یا زمرد کی سات یا دس تھیں ہر قسم کی نصیحت جن کی دین میں ضرورت ہوتی ہے اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی (موعظۃ اور تفصیلاً) اپنے ماقبل جار مجرور (کے محل) سے بدل ہے، (ہم نے کہا) ان کو پوری قوت اور کوشش سے تھام لو (فخذھا) سے پہلے قلنا مقدر ہے، اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کے اچھے (یعنی عزیمت) کے احکام کو تھام لیں، میں عنقریب تم کو حد سے تجاوز کرنے والوں (یعنی) فرعون اور اسکی اتباع کرنے والوں کے گھر دکھلاؤں گا اور وہ مصر ہے تا کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو، اپنی آیتوں میں مصنوعات وغیرہ اپنے دلائل قدرت سے ایسے لوگوں کو برگشتہ ہی رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں بایں طور کہ میں ان کو ذلیل کردوں گا پھر وہ ان دلائل میں غور وفکر نہ کرسکیں گے، اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر وہ ہدایت کا طریقہ دیکھیں جو اللہ کی طرف سے آیا ہے تو وہ اس کو نہ اپنائیں یعنی اس پر نہ چلیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنالیں اور یہ برگشتی اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اس سے غافل تھے اسی جیسی آیت سابق میں گذر چکی ہے، اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی ملاقات یعنی بعث وغیرہ کو جھٹلایا تو ان کے دنیا میں کئے ہوئے اعمالِ خیر مثلاً صلہ رحمی اور صدقہ اکارت گئے انکو کچھ اجر نہ ملے گا اسکی شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے ان کو اسی کی سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے تکذیب و معاصی وغیرہ۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بالفِ ودُونَها، جب الف کے ساتھ ہوگا تو باب مُفاعلہ ہوگا، وَ وَاعدنا، میں واؤ استینافیہ ہے، کلام مستانف ہے سورۂ بقرہ میں جو ''وَاِذ وَاعدنا موسٰی اربعین لیلة'' فرمایا تھا یہ اس کی تفصیل ہے، وَاعدنا موسٰی، فعل بافاعل اور مفعول بہ ہے اور ثلثین مفعول بہ ثانی ہے ثلثین کا مضاف محذوف ہے تقدیر یہ ہے تمام ثلثین لَیلَةً، لیلةً تمیز ہے، اَتـمَمنَاها، کا عطف واعدنا پر ہے۔

قولہ: وَقتُ وَعدِه، میقات کی تفسیر وقت سے کر کے اشارہ کر دیا کہ میقات سے حال ہے۔

قولہ: وقال موسیٰ لاخِیْهِ هٰرونَ واؤ ترتیب وتعقیب کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ مذکورہ مقولہ جبل پر جانے سے پہلے کا ہے۔

قولہ: بکلامه اِیاهُ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ میقاتُ رَبِّہٖ سے معلوم ہوتا ہے کہ رب کا وقت حالانکہ رب کا کوئی وقت نہیں ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وقت کلام ربہ ایاہ.

قولہ: حالٌ، تقدیر عبارت یہ ہوگی فتم بالغًا هذا العدد، لہٰذا عدم صحت حمل کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قولہ: مِـنْ کُـلِّ جِهةٍ، اس اضافہ کا مقصد کلام قدیم اور کلام حادث میں فرق بیان کرنا ہے، کہ کلام حادث کے لئے جہت ہوتی ہے کلام قدیم کے لئے نہیں اس لئے کہ قدیم کی کوئی متعین جہت نہیں وہ ہمہ جہت ہے۔

قولہ: نَفسَكَ، اس میں اشارہ ہے کہ اَرِنی کا مفعول ثانی محذوف ہے لہٰذا فعل قلب کا ایک مفعول پر اقتصار لازم نہیں آتا۔

قولہ: والتَعبِیرُ بِهٖ دُونَ لَنْ اُریٰ یُفِیدُ اِمکانَ رؤیتہ تعالی، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ لَنْ ترانی، اور لَن اُریٰ، میں کیا فرق ہے؟ فرق یہ ہے کہ لن ترانی امکان رویۃ باری تعالیٰ پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ لَنْ ترانی سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم رویت کی علت رائی میں ہے نہ کہ مرئی میں اور وہ علت عدم قوت اور عدم صلاحیت ہے اور اگر لن ترانی کے بجائے لـن اُریٰ ہوتو مطلب یہ ہوگا کہ عدم رویت کی علت مرئی میں ہے، رائی کی عدم صلاحیت کو صلاحیت میں اور عدم قوت کو قوت سے بدلا جاسکتا اس لئے کہ رائی ممکن اور حادث ہے اور ممکن وحادث تصرف کو قبول کرتا ہے بخلاف مرئی کے کہ وہ قدیم ہونے کی وجہ سے تصرف کو قبول نہیں کرسکتا۔

قولہ: مَدکُوکًا، اس میں اشارہ ہے کہ دَکًّا مصدر مدکوکًا کے معنی میں ہے لہٰذا دکًّا کا حمل جبل پر درست ہے۔

قولہ: تـکـلِیمِی اِیَاكَ، کا مقصد تخصیص کو بیان کرنا ہے اس لئے کہ مطلق کلام حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: بَدَلٌ مِنَ الجَارِ وَالمَجْرُوْرِ قَبْلَہٗ، یعنی موعظۃ، تفصیلاً مِن کل شئ کے محل سے بدل ہے، اسلئے کہ من کل شئ کتبنا کا مفعول ہے جس کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: باحسنِھا، یعنی عزیمت پر عمل کو لازم پکڑو نہ کہ رخصت پر، مطلب یہ ہے کہ تورات میں عزیمت رخصت مباح فرض واجب، سب ہیں مگر تم رخصت پر عمل کرنے کے بجائے عزیمت پر عمل کرنا، مثلاً صبر تحمّل، درگذر وغیرہ۔

قَوْلُہٗ: ذلك، مبتداء ہے اور بانّھم، اس کی خبر ہے۔

تفسیر وتشریح

وَوَاعدنا موسیٰ الخ، مصر سے نکلنے، فرعون اور لشکر فرعون کے غرق ہونے کے بعد جب بنی اسرائیل کی غلامانہ پابندیاں ختم ہوگئیں اور انھیں ایک خود مختار قوم کی حیثیت حاصل ہوگئی تو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کوئی کتاب انھیں دیدی جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تیس (۳۰) راتوں کے لئے کوہ طور پر بلایا جس میں دس راتوں کا اضافہ کرکے چالیس کردیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جاتے وقت حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جوان کے بھائی تھے اور نبی بھی اپنا جانشین مقرر کردیا، کہ وہ بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی اور اصلاح کا کام کرتے رہیں، یہ اس سلسلہ کی پہلی طلبی تھی اور اس کے لئے پہلے تیس دن اور پھر دس دن کا اضافہ کرکے چالیس دن کردیا گیا، مقصد یہ تھا کہ پورا ایک چلہ پہاڑ پر گذاریں اور روزے رکھ کر شب و روز عبادت اور تفکر و تدبر کرکے دل و دماغ کو یکسو کرکے اس قول ثقیل کے اخذ کرنے کی استعداد اپنے اندر پیدا کریں جو ان پر نازل کیا جانے والا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ارشاد کی تعمیل میں کوہ سینا جاتے وقت بنی اسرائیل کو اس مقام پر چھوڑا تھا جو موجودہ نقشہ میں بنی صالح اور کوہِ سینا کے درمیان وادالشیخ کے نام سے موسوم ہے اس وادی کا وہ حصہ جہاں بنی اسرائیل نے پڑاؤ کیا تھا، آجکل میدان الراحہ کہلاتا ہے، وادی کے ایک سرے پر وہ پہاڑ واقع ہے جہاں مقامی روایت کے اعتبار سے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام ثمود کے علاقے سے ہجرت کرکے تشریف لے آئے تھے، آج وہاں ان کی یادگار میں ایک مسجد بنی ہوئی ہے دوسری طرف ایک اور پہاڑ جبل ہارون نامی ہے کہا جاتا ہے کہ یہاں حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی سے ناراض ہوکر جا بیٹھے تھے، تیسری طرف کوہ سینا کا بلند پہاڑ ہے جس کا بالائی حصہ اکثر بادلوں سے ڈھکا رہتا ہے جس کی بلندی ۷۳۵۹ فٹ ہے، اس پہاڑ کی چوٹی پر آج تک زیارت گاہ عام بنی ہوئی ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چلہ کیا تھا اس کے قریب ایک مسجد اور ایک گرجا گھر بنا ہوا ہے اور پہاڑ کے دامن میں رومی قیصر جسٹینین کے زمانہ کی ایک خانقاہ آج تک موجود ہے۔

وَلَمَّا جاءَ موسیٰ لمیقاتِنَا، جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہ طور پر تشریف لے گئے، اور وہاں اللہ تعالیٰ نے ان سے براہ راست گفتگو فرمائی، تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں خدا کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا، اور اپنے اس شوق کا اظہار ربِّ اَرِنی کہہ کر کیا، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ لن ترانی، تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا، معتزلہ نے اس سے

استدلال کرتے ہوئے کہا لن، نفی کی تاکید کیلئے ہے یعنی دیدار سے ہمیشہ کی نفی مراد ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ دنیا میں ممکن ہے اور نہ آخرت میں۔

دیدار الٰہی کا مسئلہ:

معتزلہ کا مذکورہ مسلک صحیح احادیث کے خلاف ہے جو متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ روز قیامت اہل ایمان اللہ کا دیدار کریں گے اور جنت میں بھی دیدار الٰہی سے مشرف ہوں گے، تمام اہل سنت کا بھی عقیدہ ہے مذکورہ نفی رؤیت کا تعلق صرف دنیا سے ہے دنیا کی کوئی انسانی آنکھ اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ ان آنکھوں میں اتنی قوت وصلاحیت پیدا فرمادیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلوہ کو برداشت کرسکیں گی۔

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ للجبل جَعَلَه دَكًّا، یعنی طور سیناء رب کی تجلی کو برداشت نہ کرسکا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بیہوش ہو کر گر پڑے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''روز قیامت سب لوگ بے ہوش ہوں گے اور جب ہوش میں آئیں گے تو میں ہوش میں آنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہونگا، میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا انھیں کو وہ طور کی بے ہوشی کے بدلے میں محشر کی بے ہوشی سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے''۔

(صحیح بخاری تفسیر سورۂ اعراف صحیح مسلم)

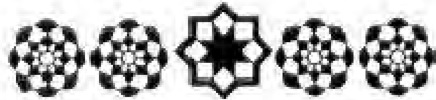

نقشہ خروج بنی اسرائیل

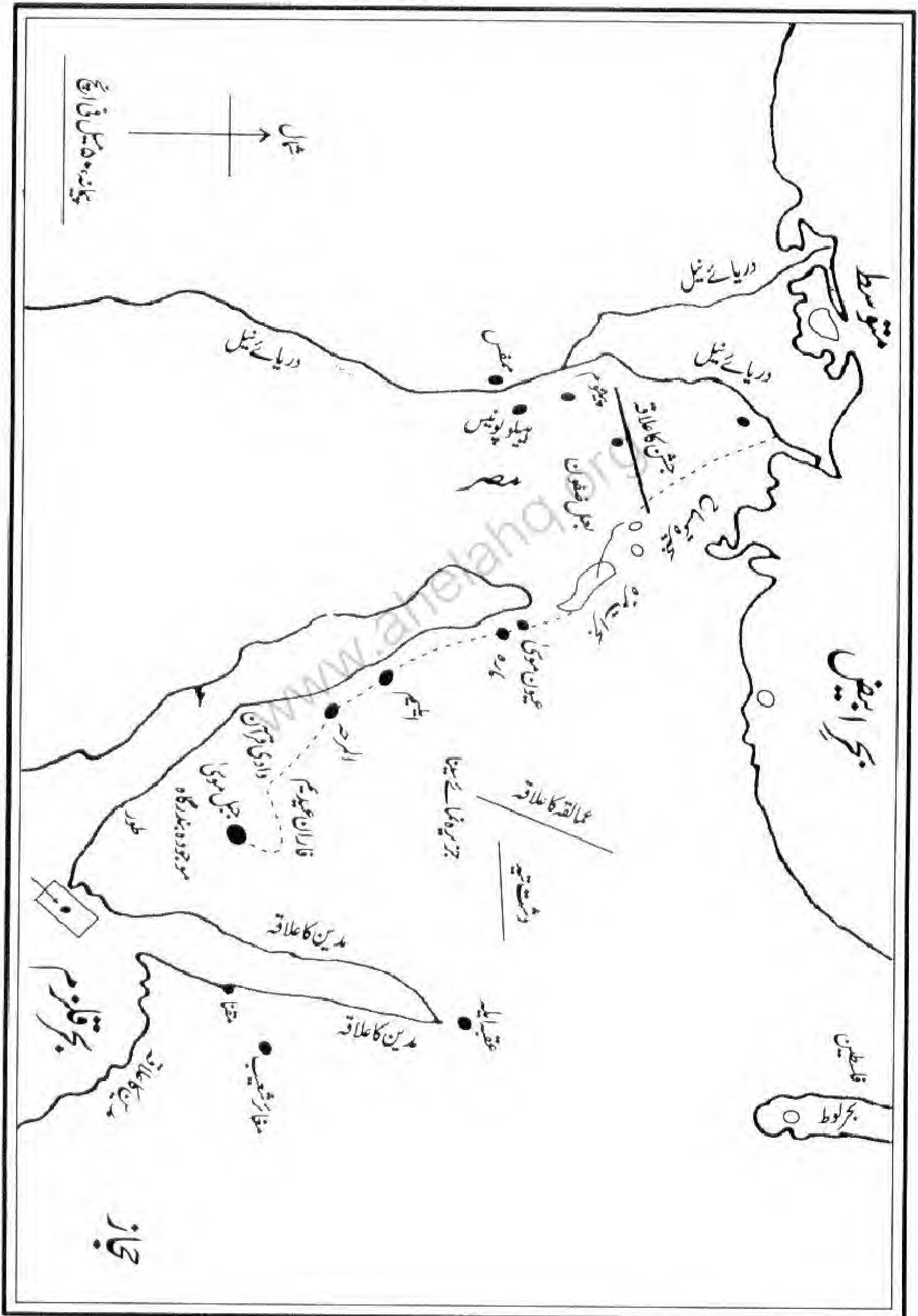

فخذها بقوة و أمر قومك يا خذوا باحسنها سأريكم دار الفسقين ، یعنی رخصتوں کی تلاش میں نہ رہو جیسا کہ سہولت پسندوں کا حال ہوتا ہے عزیمتوں پر عمل کرو، مقام دار سے مراد یا تو انجام یعنی ہلاکت ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسقوں کے ملک پر تمہیں حکمرانی عطا کروں گا، اور اس سے مراد ملک شام ہے جس پر اس وقت عمالقہ کی حکمرانی تھی جو اللہ کے نافرمان تھے۔ (ابن کثیر)

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ اى بعد ذهابه الى المناجاة مِنْ حُلِيِّهِمْ الذى استعاروه من قوم فرعون لعلة عرس فبقى عندهم عِجْلًا صاغه لهم منه السامرى جَسَدًا بدل لحما ودما لَّهٗ خُوَارٌ اى صوت يُسمع انقلب كذلك بوضع التراب الذى اخذه من حافر فرس جبرئيل عليه السلام فى فمه فانّ اثره الحياة فيما يوضع فيه ومفعول اتخذ الثانى محذوف اى الهًا اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ فكيف يُتّخذ الهًا اِتَّخَذُوْهُ الهًا وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ باتخاذه وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ اى ندموا على عبادته وَرَاَوْا اى علموا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ بها وذلك بعد رجوع موسى قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا بالياء والتاء فيهما لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ من جهتهم اَسِفًا ۙ شديد الحزن قَالَ لهم بِئْسَمَا اى بئس خلافةً خَلَفْتُمُوْنِيْ ها مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ خلافتكم هذه حيث اشركتم اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ الواح التورة غضبا لربه فتكسرت وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ اى بشعره بيمينه ولحيته بشماله يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ غضبا قَالَ ابْنَ اُمَّ بكسر الميم وفتحها اراد أمّى وذكرها اعطف لقلبه اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا قاربوا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ تفرح بِيَ الْاَعْدَاۗءَ باهانتك اياى وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ بعبادة العجل فى المؤاخذة قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ما صنعت باخى وَلِاَخِيْ اشركه فى الدعاء ارضاءً له ودفعا للشماتة به وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ: اور موسیٰ کی قوم (بنی اسرائیل) نے موسیٰ کے مناجات کے لئے جانے کے بعد ان زیورات سے جن کو وہ فرعون کی قوم (قبطیوں) سے شادی کے بہانے عاریۃً لے آئے تھے، پھر وہ ان ہی کے پاس رہ گئے تھے، گوشت پوست (خون) کے بچھڑے کا ایک پتلا (معبود) سامری نے ان کے لئے اس زیور کا بنا دیا، جَسَدًا، عجلاً سے بدل ہے معنی میں گوشت اور خون کے ہے اس کی بیل کے جیسی آواز بھی جو سنی جاتی تھی، اس طرح قلب ماہیت پتلے کے منہ میں اس مٹی کے ڈالنے کی وجہ سے ہوگئی جس کو سامری نے جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے لے لیا تھا، اس مٹی کا اثر زندگی ہر اس شئ پر ظاہر ہوتا تھا، جس میں وہ ڈالدی جاتی، اتخذ کا مفعول محذوف ہے اور وہ الٰھاً ہے، کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ وہ نہ ان سے بولتا ہے؟ نہ کسی معاملہ میں ان کی رہنمائی کرتا ہے اس کو کس طرح معبود بنایا جا سکتا ہے، مگر پھر بھی انہوں نے اس کو معبود بنا لیا، اس کو معبود

بنا کر بڑی ناانصافی کا کام کیا، اور جب وہ بچھڑے کی بندگی پر نادم ہوئے اور ان کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ درحقیقت اس کی وجہ سے گمراہ ہو گئے ہیں اور یہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واپس آنے کے بعد ہوا، تو کہنے لگے، اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہم سے درگذر نہ کیا تو ہم یقیناً زیاں کاروں میں ہو جائیں گے، اور (ادھر) جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان پر غصے اور شدید غم میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے تو ان سے فرمایا تم لوگوں نے میرے بعد بہت بُری جانشینی کی، تمہاری یہ جانشینی کہ تم شرک میں مبتلا ہوئے کیا تم سے اتنا صبر نہ ہو سکا کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر لیتے؟ اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں، (یعنی) خدا کے لئے غصہ میں تورات کی تختیاں (ایک طرف رکھ دیں) جو ٹوٹ گئیں، اور اپنے بھائی کے سر کے بال دائیں ہاتھ سے اور ان کی ڈاڑھی بائیں ہاتھ سے پکڑ کر غصہ میں اپنی طرف کھینچنے (ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کہا اے میرے بھائی ان لوگوں نے مجھے کمزور پایا (یعنی مجھے دبالیا) اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں، پس تم اپنی طرف سے میری توہین کر کے دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دو، اور مجھ کو بچھڑے کی بندگی کرنے کی وجہ سے مواخذہ میں ظالم لوگوں میں شمار نہ فرمائیں، (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کہا اے میرے رب جو میں نے اپنے بھائی کے ساتھ کیا اسے معاف فرما اور میرے بھائی کو معاف فرما، دعاء میں اپنے بھائی کو ان کو خوش کرنے اور دشمنوں کی خوشی کو دفع کرنے کیلئے شریک کر لیا، اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: حُلِیّھم، حُلِیٌّ، حَلْیٌ کی جمع ہے، جیسا کہ ثُدِیٌّ ثَدْیٌ کی جمع ہے، حُلِیٌّ اصل میں حُلُوْیٌ تھا، واو اور یاء ایک جگہ جمع ہوئے ساکن واؤ کو یاء کیا اور یاء کو یاء میں ادغام کر دیا، اور یاء کی رعایت سے لام کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا، حُلِیٌّ ہو گیا۔

قولہ: صَاغَهٗ لھم السامریُ، سامریُ صاغ کا فاعل ہے اور ہٗ ضمیر عجلًا کی طرف راجع ہے لھم کی ضمیر قوم کی طرف راجع ہے اور منہ کی ضمیر سونے کے زیورات کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ سامری نے سونے کے زیورات سے قوم بنی اسرائیل کیلئے ایک بچھڑا ڈھال دیا۔

تنبیہ: جلالین کے نسخوں میں صَاغَهٗ کے بجائے صَاغَھُمْ ہے جو زلت قلم معلوم ہوتی ہے۔

قولہ: جسدًا، بَدَلٌ۔

سوال: عَجلًا کا بدل جسدًا لانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: اس بدل سے یہ شبہ دور کر دیا کہ ہو سکتا ہے عجل نقش علی الحائط کے طور پر بنایا ہو اور جب اس کا بدل جسدًا آ گیا تو معلوم ہو گیا پتلا بنایا تھا نہ کہ نقش بر دیوار۔

قولہ: لحمًا و دمًا اس میں اشارہ ہے کہ یہ بچھڑا حقیقی بچھڑے کے مانند گوشت پوست اور خون وغیرہ سے مرکب تھا، (مگر یہ تفسیر مرجوح ہے)۔

قولہ: ومفعول اتخذ الثانی محذوف ای الٰھاً اس میں اشارہ ہے کہ اتخذ بمعنی صنع نہیں ہے کہ ایک مفعول پر اقتصار جائز ہو اسلئے کہ مطلق صنع اس کو معبود بنائے بغیر سزائے مذکور کا مستحق نہیں ہو سکتا لہٰذا اخذ کا مفعول ثانی جو کہ الٰھاً ہے محذوف ہے۔

قولہ: ای ندموا، ولما سُقط فی ایدیھم، محاورہ میں اس کے معنی نادم ہونے کے ہیں، سُقط فی ایدیھم، ای ندموا، (جوھری) تقول العرب لکل نادم علی امر، قد سُقط فی یدہٖ (معالم)

قولہ: بئس خلافۃ یہ بئسما میں ما نکرہ کی تمیز ہے۔

قولہ: خلفتمونی ھا.

سوال: ھا، مقدر ماننے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ ما، موصولہ یا موصوفہ ہے اور خلفتمونی اس کا صلہ یا صفت ہے حالانکہ صلہ اور صفت جب جملہ ہو تو عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے، ھا، مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ عائد محذوف ہے۔

قولہ: خلافتکم ھٰذہٖ، یہ مخصوص بالذم محذوف ہے۔

قولہ: غضبا لربہ یہ غضب ممنوع سے اعتذار ہے، یعنی مطلقاً غضب ممنوع ہے مگر اللہ کے لئے عداوت محبوب ہے کہا جاتا ہے الحب فی اللہ والبغض فی اللہ خدا ہی کیلئے محبت اور خدا ہی کے لئے عداوت۔

قولہ: ذکرھا اعطف لقلبہٖ، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ یابن اُمّ، سے معلوم ہوتا ہے حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی بھائی نہیں ہیں، حالانکہ دونوں حقیقی بھائی ہیں، اس کا جواب دیا کہ ماں جائے کہنا دل کو زیادہ نرم کرنے والا ہے بہ نسبت اس کے عکس کے یعنی یا بن ام میں زیادہ قربت وشفقت معلوم ہوتی ہے بہ نسبت یا بن ابی کے۔

تفسیر وتشریح

وَاتخذ قوم موسیٰ من بعدہ من حُلیّھم عجلا جسدًا لہ خوار، یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کی طلبی پر کوہ سینا پر گئے ہوئے تھے، اور حضرت موسیٰ تیس دن میں واپسی کا وعدہ کر کے گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے مزید دس دن کا اضافہ فرما دیا، قوم بنی اسرائیل پہاڑ کی تلیٹی میں میدان راحہ میں ٹھہری ہوئی تھی۔

ابھی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہ طور ہی پر تھے کہ پیچھے سامری نامی ایک شخص نے جس کا نام بھی موسیٰ تھا اور منافق تھا قوم کا سونا جمع کر کے ایک زرین گؤسالہ بنالیا جس میں اس نے حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سُم کے نیچے کی مٹی ڈالدی، اس معبود زریں کی یہ کیفیت تھی کہ وہ محض ایک جسد تھا بے جان، ایک قالب تھا بے روح، ایک جسم تھا بے حیات، اس سے ایک آواز نکلتی تھی بچھڑے کی آواز کے مشابہ، کہتے ہیں کہ اس مٹی کے اثر سے اس میں کچھ حیات کے آثار نمودار ہو گئے تھے جس کی وجہ سے وہ بھیں بھیں کرنے لگا تھا، نہ اس میں حس تھی اور نہ حرکت، ایسی آواز تو مٹی کے کھلونوں میں بھی معمولی صنعت گری سے پیدا ہو جاتی ہے، آجکل صنعتی اور تکنیکی دور میں تو کھلونے نہ صرف مختلف قسم کی آواز نکالتے ہیں بلکہ عجیب وغریب حرکت بھی کرتے اور چلتے پھرتے ہیں،

مطلب یہ کہ وہ زرّین بچھڑا واقعی جاندار نہیں تھا، بعض محققین نے اس کی صراحت کی ہے۔

کان جسدًا من ذهب لا روح فیها کان یسمع منه صوت (معالم) بعض مفسرین نے یہاں ایک بحث یہ چھیڑ دی ہے کہ یہ بچھڑا حرکت بھی کرتا تھا یا نہیں اللہ جزائے خیر عطا فرمائے صاحب روح المعانی کو کہ انہوں نے یہ خوب لکھدیا کہ لیست هذه المسئلة من المهمات، یہ سرے سے کوئی اہم بات ہی نہیں، سامری نے اس بچھڑے کے ذریعہ بنی اسرائیل کو گمراہ کردیا اور قوم کو یہ سمجھادیا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام معبود کی تلاش میں کوہ طور پر گئے ہیں اور معبود یہاں آگیا ہے۔

سُقِطَ فی اَیْدِیْهِمْ، یہ عربی محاورہ ہے اس کے معنی نادم ہونا ہے، یہ ندامت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی واپسی کے بعد ہوئی، جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو زجر و توبیخ کی جیسا کہ سورۂ توبہ میں ہے یہاں اسے مقدم اس لئے کردیا گیا ہے کہ ان کا فعل اور قول جمع ہو جائے۔

جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آکر دیکھا کہ قوم گؤسالہ پرستی میں لگی ہوئی ہے تو سخت غضبناک ہوئے، گو بنی اسرائیل کے گمراہ ہو جانے کی خبر بذریعہ وحی پہاڑ ہی پر دیدی گئی تھی، مگر جب اپنی نظروں سے قوم کی گمراہی کو دیکھا تو دینی غیرت اور ایمانی حرارت بھڑک اٹھی اور بے خودی کی کیفیت میں تورات کی تختیاں جو کوہ طور سے اپنے ہمراہ لائے تھے عجلت میں اس طور پر رکھیں کہ دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوا کہ انہوں نے نیچے پھینک دیں، جس کے لئے قرآن نے القیٰ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی ڈال دینے کے ہیں اور اگر ڈال بھی دیں ہوں تو اس میں بے ادبی کی کوئی بات نہیں اسلئے کہ یہ واقعہ دینی حمیت اور غیرت کی وجہ سے بے خودی اور بے اختیاری کے عالم میں پیش آیا۔

فائدہ: حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی بھائی تھے لیکن یہاں حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماں جائے اسلئے کہا کہ اس لفظ میں پیار اور نرمی کا پہلو زیادہ ہے۔

حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عذر:

حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا یہ عذر پیش کیا جس کی وجہ سے وہ اپنی قوم کو شرک میں مبتلا ہونے سے باز رکھنے میں ناکام رہے، حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، اے میرے پیارے ماں جائے بھائی میری بات تو سن لیجئے، میں نے تو اپنی والی بہت کوششیں کی لیکن یہ ظالم و سرکش جب خدا کے خلاف گردن کشی میں باک نہیں رکھتے؟ تو میری پرواہ کب کرتے؟ میری ایک نہ چلی اور جب میں نے زیادہ روک ٹوک کرنی چاہی تو بغاوت پر آمادہ ہوگئے، میری جان بچ گئی یہی بہت ہے۔

توریت میں حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام پر گؤسالہ سازی کا الزام:

کہاں عصمت انبیاء کا یہ قرآنی مقام اور کہاں توریت کی تصریحات کہ اس بت پرستی کے بانی اور باعث ہی معاذ اللہ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔

قرآن کی براءت:

یہاں قرآن نے حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک بہت بڑے الزام سے براءت کی ہے جس کو یہود نے زبردستی حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام پر چسپاں کر رکھا تھا بائبل میں بچھڑے کی پرستش کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

جو موسیٰ کو پہاڑ سے اترنے میں دیر لگی تو بنی اسرائیل نے بے صبر ہو کر حضرت ہارون سے کہا کہ ہمارے لئے ایک معبود بنا دو، اور حضرت ہارون نے ان کی فرمائش کے مطابق سونے کا ایک بچھڑا بنا دیا، جسے دیکھتے ہی بنی اسرائیل پکار اٹھے کہ اے بنی اسرائیل یہی تیرا وہ خدا ہے جو تجھے ملک مصر سے نکال لایا ہے پھر حضرت ہارون نے اس کیلئے ایک قربان گاہ بنائی اور اعلان کر کے دوسرے روز تمام بنی اسرائیل کو جمع کیا اور اس کے آگے قربانیاں چڑھائیں۔ (خروج باب ۳۲ آیت ۱-۶)

قرآن مجید میں متعدد جگہ پر اس غلط بیانی کی تردید کی گئی ہے۔

یہاں بھی گؤ سالہ سازی اور گؤ سالہ پرستی کی نسبت بنی اسرائیل کی طرف کرتے ہوئے فرمایا "وَاتخذ قومُ موسیٰ من حلیهم عجلاً جسدًا لَهٗ خُوار"۔

بظاہر یہ بات بڑی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل جن لوگوں کو پیغمبر مانتے ہیں ان میں کسی کو انہوں نے داغدار کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے اور داغ بھی ایسے سخت لگائے ہیں جو اخلاق و شریعت کی نگاہ میں بدترین جرائم شمار ہوتے ہیں مثلاً شرک، جادوگری، زنا، جھوٹ، دغابازی اور ایسے دوسرے شدید معاصی جن سے آلودہ ہونا پیغمبر تو درکنار ایک معمولی مومن اور شریف انسان کے لئے بھی سخت شرمناک ہے، یہ بات بجائے خود بڑی عجیب ہے لیکن بنی اسرائیل کی اخلاقی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت اس قوم کے معاملہ میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے یہ قوم جب اخلاقی و مذہبی انحطاط میں مبتلا ہوئی اور عوام سے گذر کر ان کے خواص تک کو حتی کہ علماء و مشائخ اور دینی منصب داروں کو بھی گمراہیوں اور بداخلاقیوں کا سیلاب بہالے گیا تو ان کے مجرم ضمیر نے اپنی اس حالت کے لئے عذر تراشنے شروع کئے اور اسی سلسلہ میں انہوں نے وہ تمام جرائم جو خود کرتے تھے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کر ڈالے تاکہ یہ کہا جا سکے کہ جب نبی تک ان چیزوں سے نہ بچ سکے تو بھلا اور کون بچ سکتا ہے، اس معاملہ میں یہودیوں کا حال ہندوؤں سے ملتا جلتا ہے ہندوؤں میں بھی جب اخلاقی انحطاط انتہاء کو پہنچ گیا تو وہ لٹریچر تیار ہوا جس میں دیوی دیوتاؤں کی، رشیوں، منیوں اور اوتاروں کی، غرض جو بلند کردار آئیڈیل (نمونے) قوم کے سامنے ہو سکتے تھے ان سب کی زندگیاں بداخلاقی کے تارکول سے سیاہ کر ڈالی گئیں تاکہ یہ کہا جا سکے کہ جب ایسی ایسی عظیم ہستیاں ان قبائح میں مبتلا ہو سکتی ہیں تو بھلا ہم معمولی انسان ان میں مبتلا ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں۔

قَالَ ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ الٰهًا ﴿سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ﴾ عذابٌ ﴿مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ فعُذِّبوا بالامر بقتلِهم انفسَهم وضُرِبَتْ عليهم الذِّلَّةُ الى يوم القيمةِ ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ جَزَيْنٰهم ﴿نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ﴾ على اللّٰه بالاشراكِ

وغيره وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا رجعوا عنها مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا باللّٰه اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا اي التوبة لَغَفُوْرٌ
لهم رَّحِيْمٌ﴿۱۵۳﴾ بهم وَلَمَّا سَكَتَ سكن عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ التي القاها وَفِيْ نُسْخَتِهَا اي ما نسخ
فيها اي كتب هُدًى من الضلالة وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ﴿۱۵۴﴾ يخافون وادخل اللام على المفعول
لتقدمه وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ اي من قومه سَبْعِيْنَ رَجُلًا ممن لم يعبدوا العجل بامره تعالى لِّمِيْقَاتِنَا اي
الوقت الذي وعدناه باتيانهم فيه ليعتذروا من عبادة اصحابهم العجل فخرج بهم فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
الزلزلة الشديدة قال ابن عباس رضي الله تعالى عنه لانهم لم يزايلوا قومهم حين عبدوا العجل قال
وهم غير الذين سألوا الرؤية واخذتهم الصاعقة قَالَ موسى رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ اي قبل خروجي
بهم ليعاين بنواسرائيل ذلك ولا يتهموني وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا استفهام استعطاف اي
لاتعذبنا بذنب غيرنا اِنْ ما هِيَ اي الفتنة التي وقعت فيها السفهاء اِلَّا فِتْنَتُكَ ابتلاؤك
تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ اضلاله وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ هدايته اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ
اوجب لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حسنة اِنَّا هُدْنَآ تبنا اِلَيْكَ قَالَ تعالى عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ
مَنْ اَشَآءُ تعذيبه وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ عمت كُلَّ شَيْءٍ في الدنيا فَسَاَكْتُبُهَا في الاخرة لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ
الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ محمدا صلى الله عليه
وسلم الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ باسمه وصفته يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ مما حرم في شرعهم وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ من الميتة ونحوها
وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ ثقلهم وَالْاَغْلٰلَ الشدائد الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ كقتل النفس في التوبة وقطع اثر
النجاسة فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ منهم وَعَزَّرُوْهُ وقروه وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اي القران
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے گوسالہ کو معبود بنایا ان پر ان کے رب کی طرف سے غضب عذاب اور ذلت دنیوی
زندگی ہی میں پڑے گی، چنانچہ خود کو قتل کرنے کا حکم دیکر عذاب میں مبتلا کئے گئے، اور قیامت تک کے لئے ان پر ذلت مسلط کردی
گئی، اور جیسی ہم نے ان کو سزا دی ویسی ہی شرک وغیرہ کے ذریعہ اللہ پر افتراء کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں اور جن لوگوں نے
بداعمالیاں کیں پھر وہ بداعمالیوں کے بعد بداعمالیوں سے باز آ گئے اور اللہ پر ایمان لے آئے بے شک تمہارا رب اس توبہ کے بعد
ان کو معاف کرنے والا ان پر رحم کرنا والا ہے اور جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو ان تختیوں کو اٹھا لیا جن کو ڈال دیا تھا جن
کی تحریر میں یعنی جو ان میں لکھا ہوا تھا گمراہی سے ہدایت تھی، ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور مفعول

(لمربهم) پر لام داخل کردیا اس کے مقدم ہونے کی وجہ سے، اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم میں سے اللہ تعالیٰ سے حکم کے ان لوگوں میں سے جنہوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی، ستر آدمیوں کو منتخب کیا، تاکہ وہ ہمارے مقرر کردہ اس وقت پر حاضر ہوں جس پر ان کو آنے کے لئے کہا گیا ہے تاکہ اپنے رفقاء کی گوسالہ پرستی کی معذرت کریں، چنانچہ وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ روانہ ہوئے، جب ان لوگوں کو ایک سخت زلزلہ نے آپکڑا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کی قوم نے گوسالہ پرستی کی تھی تو ان لوگوں نے اُن سے قطع تعلق نہیں کیا (ان میں گھلے ملے رہے) اور (حضرت ابن عباس) نے فرمایا یہ ان لوگوں کے علاوہ ہیں جنہوں نے خدا کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا، اور ان کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا تو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا اے میرے پروردگار اگر آپ چاہتے تو انھیں اور مجھے پہلے ہی یعنی ان کو میرے ساتھ لے کر نکلنے سے پہلے ہلاک کر سکتے تھے، تاکہ بنی اسرائیل ان کی ہلاکت کا خود مشاہدہ کر لیتے اور مجھ پر تہمت نہ رکھتے، کیا آپ اس قصور میں جو ہمارے چند نادانوں نے کئے ہم سب کو ہلاک کر دیں گے؟ استفہام طلب رحمت کے لئے ہے یعنی دوسروں کے قصور کی وجہ سے ہمیں ہلاک نہ کر، یہ تو آپ کی جانب سے آزمائش تھی جس میں آپ نے نادانوں کو مبتلا کر دیا، اس کے ذریعہ آپ جس کو گمراہ کرنا چاہیں گمراہ کریں اور جس کی ہدایت چاہیں ہدایت دیں ہمارے سرپرست تو آپ ہی ہیں، پس ہمیں معاف کر دیجئے اور ہم پر رحم فرمائیے آپ سب سے بڑھکر معاف کرنے والے ہیں اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی مقدر کر دیجئے، اور آخرت میں بھی بھلائی مقدر کر دیجئے ہم نے آپ کی طرف رجوع کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میرا عذاب ہر اس شخص کو پہنچے گا جس کو میں عذاب دینا چاہوں گا اور میری رحمت دنیا میں ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے اور اسے میں آخرت میں ان لوگوں کے حق میں مقدر کر دوں گا جو پرہیزگاری اختیار کریں گے زکوۃ دیں گے اور ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے (یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو رسول نبی امی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کریں گے جن کا ذکر ان کے پاس تورات اور انجیل میں ان کے نام اور صفت کے ساتھ لکھا ہوا ہے اور جو ان کو امر بالمعروف کریں گے اور ان کو برائیوں سے روکیں گے ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے جن کو ان کی شریعت میں حرام کر دیا گیا ہے اور ان پر خبیث چیزوں کو حرام کرتا ہے (مثلاً) مردار وغیرہ، اور ان کے اوپر سے انکے بوجھ کو اتارتا ہے (جو ان پر لدے ہوئے تھے) اور بندشوں کو کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے جیسا کہ توبہ کے لئے قتل نفس کرنا اور نجاست کے اثر (یعنی مقام نجاست) کو کاٹنا، لہٰذا جو لوگ ان میں سے اس پر ایمان لائیں گے اور اس کی حمایت ونصرت کریں گے اور اس نور قرآن کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: ما نُسِخَ فیھا، اس میں اشارہ ہے کہ مصدر بمعنی مفعول ہے جیسے خطبۃ بمعنی مخطوب، لہٰذا معنی درست ہیں۔

قولہ: کُتِبَ، اس لفظ کا اضافہ تعیین معنی کے لئے ہے اسلئے کہ نسخ کے متعدد معنی آتے ہیں، مثلاً اٹھانا، مٹانا، تبدیل کرنا، نقل

کرنا، یہاں لکھنے کے معنی میں ہے۔

قولہ: وَاُدْخِلَ اللَّامُ عَلَى الْمَفْعُوْلِ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ رَهَبَ متعدی بنفسہ ہوتا ہے لہٰذا اس کے مفعول پر لام داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی حالانکہ یہاں اس کے مفعول پر جو کہ لِربّهم ہے لام داخل ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ فعل کا مفعول جب فعل پر مقدم ہو جاتا ہے تو فعل عمل میں ضعیف ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اس کے مفعول پر لام داخل کر دیا جاتا۔ (ترویح الارواح)

قولہ: مِنْ قَوْمِهٖ، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ اِختارَ لازم ہے، نہ کہ متعدی بنفسہ، اور اختارَ قومَهٗ میں متعدی بنفسہ استعمال ہوا ہے من قومه کہہ کر اس کا جواب دیا کہ یہ حذف وایصال کے قبیل سے ہے حرف جر کو حذف کر کے فعل کو قوم سے متصل کر دیا، اور یہ طریقہ جو صرف چند افعال میں سنا گیا ہے ان ہی میں سے اختارَ، اَمَرَ، زوّجَ، استغفر، صَدَقَ، عَادَ، انبأ، ہیں۔

قولہ: وایّایَ، اس کا عطف اَهْلَكْتَهُمْ کی هم ضمیر پر ہے۔

قولہ: تُبنا مفسّر علام نے هُدْنا کی تفسیر تُبنا سے کر کے بتا دیا کہ هُدْنا، هادَ يَهُوْدُ سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع کرنے تو بہ کرنے کے ہیں نہ هدیٰ یهدیٰ هدایة بمعنی دلالت کرنا، رہنمائی کرنا سے۔

قولہ: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ اس میں تین ترکیبیں ہیں، اول الذين يتبعون مبتداء، يامُرُهم اس کی خبر، دوسری ترکیب الذين يتبعون مبتداء مقدر کی خبر تقدیر عبارت یہ ہوگی هم الذين يتبعون، تیسری ترکیب، الذين يتبعون، الذين يتقون سے بدل کل ہو۔

تفسیر وتشریح

اِنَّ الَّذِيْنَ اتخذوا العجل سَيَنَا لهم غضب من رَّبّهم، دنیا میں ذلت کے علاوہ ایک غضب تو یہ ضروری قرار پایا کہ توبہ کے لئے قتل نفس ضروری قرار دیا گیا، جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ توبہ کر لی ان کے لئے اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے، اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں آخرت میں ان کو کوئی سزا نہ ملے گی اور جنہوں نے توبہ نہ کی ان کو آخرت میں تو سزا ملے ہی گی دنیا میں بھی ان سے مؤاخذہ ہوگا، جیسا کہ سامری چونکہ اس نے توبہ نہیں کی تھی جس کی وجہ سے دنیا میں بھی غضب کا مستحق ہوا کہ لامساس کہتا ہوا جانوروں کے ساتھ زندگی بھر پھرتا رہا اگر کوئی اس کو یا وہ کسی کو چھو دیتا تھا تو دونوں بخار میں مبتلا ہو جاتے تھے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ یہ خاصیت آج تک اس کی نسل میں پائی جاتی ہے، (معارف) سفیان بن عیینہ نے فرمایا جو لوگ دین میں بدعت اختیار کرتے ہیں وہ بھی اسی افتراء علی اللہ کے مجرم ہو کر اس سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ موسىٰ الغضبُ اخذ الالواح وفی نُسختها هدى، نُسخةٌ بروزن فُعلة، بمعنی مفعول اس اصل کو کہتے ہیں جس سے نقل کیا جاتا ہے، اور نقل شدہ کو بھی نسخہ کہہ دیا جاتا ہے، یہاں نسخہ سے یا تو تورات کی وہ اصل تختیاں مراد

ہیں جن پر توریت لکھی ہوئی تھی، یا وہ تختیاں مراد ہیں جو اصل تختیوں کے ٹوٹنے کے بعد دوسری عطا کی گئی تھیں، روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے تورات کو بعجلت رکھا تھا تو وہ ٹوٹ گئی تھیں، پھر اللہ نے ان کو کسی دوسری چیز میں لکھا ہوا، عطا فرمایا اس کو نسخہ کہا گیا ہے۔ (معارف)

وَاختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا لمیقاتنا، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے حکم خداوندی سے کوہ سینا پر اپنے ہمراہ لیجانے کے لئے ستر آدمیوں کو منتخب کیا، یہ آدمی کون تھے اسمیں روایات مختلف ہیں۔

بنی اسرائیل کے منتخب کردہ ستر آدمی کون تھے؟

ان ستر آدمیوں کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے، ایک رائے یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے تورات کے احکام انھیں سنائے تو انہوں نے کہا، ہم کیسے یقین کرلیں کہ یہ کتاب واقعی اللہ کی طرف سے ہے، ہم تو جب تک خود اللہ کو کلام کرتے ہوئے نہ سن لیں تسلیم نہ کریں گے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ستر سربرآوردہ لوگوں کا انتخاب کیا اور انھیں اپنے ہمراہ کوہ طور پر لے گئے، وہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے ہمکلام ہوئے جسے ان لوگوں نے بھی سنا، لیکن وہاں انہوں نے ایک نیا مطالبہ کردیا کہ ہم تو جب تک اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے یقین نہ کریں گے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ ستر آدمی وہ ہیں جو پوری قوم کی طرف سے بچھڑے کی عبادت کے جرم عظیم کی توبہ اور معذرت کے لئے کوہ طور پر لیجائے گئے تھے اور وہاں جاکر انہوں نے اللہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

تیسری رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں کہ جنہوں نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا تھا لیکن انھیں منع نہیں کیا اور نہ ان سے قطع تعلق کیا بلکہ ان ہی میں گھلے ملے رہے۔

چوتھی رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں جنہیں اللہ کے حکم سے کوہ طور پر لے جانے کیلئے چنا گیا تھا وہاں جاکر انہوں نے اللہ سے دعائیں کیں، جن میں ایک دعاء یہ تھی کہ، یا اللہ ہمیں تو وہ کچھ عطا فرما جو نہ تو اس سے قبل تو نے کسی کو عطا کیا اور نہ آئندہ کسی کو عطا کرنا، اللہ تعالیٰ کو یہ دعاء پسند نہیں آئی جس پر وہ زلزلے کے ذریعہ ہلاک کردیئے گئے، زیادہ تر مفسرین دوسری رائے کے قائل ہیں، انہوں نے وہی قصہ قرار دیا جس کا ذکر سورۂ بقرہ آیت ۵۶ میں آیا ہے جہاں ان پر صاعقہ (بجلی کی کڑک) کے ذریعہ موت واقع ہونے کا ذکر ہے، اور یہاں رجفۃ (زلزلے) سے موت کا ذکر ہے مگر اس کی تطبیق ممکن ہے، ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی عذاب آئے ہوں اوپر سے بجلی کی کڑک اور نیچے سے زلزلہ، بہر حال حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس دعاء کے بعد کہ اگر ان کو ہلاک کرنا ہی تھا تو اس سے قبل اس وقت سب کے سامنے ہلاک کردیتا جب یہ گؤ سالہ پرستی میں مصروف تھے، میں اس الزام سے بھی بری ہوجاتا اب قوم کہے گی کہ موسیٰ نے ان کو کوہ طور پر لیجا کر قتل کردیا ہے، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاء قبول فرمائی اور ان کو زندہ کردیا۔

قال عذابی اصیب بہ مَن اَشاء ورحمتی وَسِعت کل شیٔ مطلب یہ ہے کہ میرا عذاب صرف اسی کو پہنچے گا جس کو

چاہوں گا ہر گنہگار کو پہنچنا ضروری نہیں ہے، اور وہ وہ لوگ ہوں گے کہ جو تمرد اور سرکشی اختیار کریں گے اور توبہ نہ کریں گے۔

اور رحمت کی وسعت کا مطلب یہ ہے کہ رحمت خداوندی دنیا میں مومن و کافر، فاسق و صالح، فرمانبردار اور نافرمان سب کو پہنچتی ہے اور سب ہی اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں، حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ کی رحمت کے سو (۱۰۰) حصے ہیں یہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے کہ جس سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے اور وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور اس نے اپنی رحمت کے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہیں۔ (صحیح مسلم وابن ماجه)

الذين يتبعون الرسول النبي الأمي الذي يجدونه مكتوباً عندهم في التوراة والانجيل.

آپ کے اوصاف توراۃ اور انجیل میں:

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء کا جواب سابقہ آیت میں دیدیا گیا ہے، اب اس کے بعد موقع کی مناسبت سے فوراً ہی بنی اسرائیل کو محمد ﷺ کی اتباع کی دعوت دی گئی ہے، سابقہ آیت میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء کے جواب میں ارشاد ہوا تھا کہ یوں تو اللہ کی رحمت ہر چیز اور ہر شخص کے لئے وسیع ہے، لیکن مکمل نعمت و رحمت کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو ایمان وتقویٰ اور زکوٰۃ وغیرہ کے مخصوص شرائط کو پورا کریں گے، اس آیت میں ان لوگوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو ان شرائط پر پورے اترنے والے ہوں گے، اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی چند خصوصیات وعلامات و چند فضائل وکمالات کا بھی ذکر فرمایا۔

رسول اُمّی سے کیا مراد ہے؟

اس جگہ رسول اور نبی کے دو لقبوں کے ساتھ ایک تیسری صفت امی بھی بیان کی گئی ہے امی، ام کی طرف منسوب ہے، مطلب یہ کہ بچہ جب رحم مادر سے دنیا میں آتا ہے تو وہ اَن پڑھ ناخواندہ ہوتا ہے، اسی نسبت سے عرب میں امی اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو، اگرچہ یہ لفظ کسی شخص کے لئے صفت مدح نہیں ہے بلکہ ایک عیب سمجھا جاتا ہے، مگر رسول اللہ ﷺ کے علوم ومعارف اور خصوصیات وحالات وکمالات کے ساتھ امی ہونا آپ کے لئے بڑی صفتِ کمال بن گئی ہے ایک ایسے شخص کا جس نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا ہو علوم ومعارف کا دریا بہا دینا اور ایسے بیش بہا علوم اور بے نظیر حقائق ومعارف کا صدور اس کا ایک کھلا ہوا معجزہ ہے جس سے کوئی معاند ومخالف بھی انکار نہیں کرسکتا خصوصاً جبکہ آپ کی عمر شریف کے چالیس سال مکہ میں سب کے سامنے اس طرح گذرے ہوں کہ کسی سے ایک حرف پڑھنا نہ سیکھا، ٹھیک چالیس سال پورے ہونے پر آپ کی زبان مبارک پر وہ کلام جاری ہوا جس کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی مثال لانے سے پوری دنیا عاجز ہوگئی، تو ان حالات میں آپ کا امی ہونا آپ کے رسول من جانب اللہ ہونے اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر ایک بڑی شہادت ہے اسلئے امی ہونا اگرچہ دوسروں کے لئے کوئی صفت مدح نہیں مگر رسول اللہ ﷺ کے لئے بہت بڑی صفت مدح وکمال ہے۔ (معارف)

آپ کو امی رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ توریت میں آپ کی علامت امی ہونا لکھا ہوا تھا اگر آپ امی نہ ہوتے تو یہود کو یہ

کہنے کا موقع مل جاتا کہ یہ آخری نبی نہیں ہے اس لئے کہ آخری نبی کی علامت اور شناخت یہ لکھی ہے کہ وہ امی ہوگا، آیت میں چوتھی صفت، رسول اللہ ﷺ کی یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ آپ کو تورات میں لکھا ہوا پائیں گے، یہاں یہ نہیں فرمایا کہ تورات میں آپ کی صفات کو لکھا ہوا پائیں گے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تورات وانجیل میں آپ کی صفات وعلامات کو ایسی وضاحت سے پائیں گے کہ ان صفات وعلامات کو دیکھنا گویا خود آنحضرت ﷺ کو دیکھنا ہے اور تورات وانجیل کی تخصیص یہاں اسلئے کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل ان ہی دو کتابوں کے قائل تھے ورنہ آپ کی صفات وعلامات زبور میں بھی موجود تھیں۔

یہ گفتگو چونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے ہو رہی ہے اسلئے انجیل کا ذکر پیش گوئی کے طور پر ہوگا ورنہ تو انجیل اس زمانہ میں موجود نہیں تھی۔

تورات وانجیل میں آپ ﷺ کی صفات وعلامات:

موجودہ توریت وانجیل بے شمار تحریفات کے سبب اگر چہ قابل اعتماد نہیں رہیں اس کے باوجود اب بھی ان میں ایسے کلمات پائے جاتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر صادق آتے ہیں، اگر یہ بات واقعہ کے خلاف ہوتی تو اس زمانہ کے یہود ونصاریٰ کے لئے تو اسلام کے خلاف ایک بہت بڑا ہتھیار ہاتھ آجاتا کہ اس کے ذریعہ قرآن کی تکذیب کر سکتے تھے، لیکن اس وقت کے یہود ونصاریٰ نے بھی اس کے خلاف کوئی اعلان نہیں کیا یہ خود اس بات پر شاہد ہے کہ اس وقت تورات وانجیل میں آپ کی صفات وعلامات موجود تھیں، جس کی وجہ سے ان کے منہ پر مہر سکوت لگ گئی تھی۔

خاتم الانبیاء ﷺ کی جو صفات تورات وانجیل میں لکھی تھیں ان کا کچھ بیان تو قرآن مجید میں بحوالہ تورات وانجیل آیا ہے اور کچھ روایات حدیث میں ان حضرات سے منقول ہے جنہوں نے اصل تورات وانجیل کو دیکھا ہے اور ان میں آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک پڑھ کر مسلمان ہوئے۔

بیہقی کی ایک روایت:

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ اتفاق سے بیمار ہوگیا، تو آپ اس کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اس کا باپ اس کے سرہانے کھڑا ہوا تورات پڑھ رہا ہے آنحضرت ﷺ نے اس سے کہا اے یہودی میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر توریت نازل فرمائی ہے کیا تو تورات میں میرے حالات اور صفات اور میرے ظہور کا بیان پاتا ہے؟ اس نے انکار کیا، تو بیٹا بولا یا رسول اللہ یہ غلط کہتا ہے تورات میں ہم آپ کا ذکر اور صفات پاتے ہیں، اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود

نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اب یہ لڑکا مسلمان ہے، اس کے انتقال کے بعد اس کی (اسلامی طریقہ پر) تجہیز و تکفین کریں اس کی قوم کے حوالہ نہ کریں۔

ایک دوسری روایت:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ایک یہودی کا قرض تھا اس نے آکر اپنا قرض طلب کیا آپ نے فرمایا، اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے کچھ مہلت دیدو یہودی نے شدت کے ساتھ مطالبہ کیا اور کہا کہ میں آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک میرا قرض ادا نہ کرو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہیں اختیار ہے میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں گا، چنانچہ آپ ﷺ اسی جگہ بیٹھ گئے اور ظہر، عصر، مغرب وعشاء اور اگلے دن صبح کی نماز آپ نے اسی جگہ پڑھی، صحابۂ کرام یہ ماجرا دیکھ کر رنجیدہ اور غضبناک ہو رہے تھے اور آہستہ آہستہ یہودی کو دھمکا رہے تھے، مقصد یہ تھا کہ آپ کو چھوڑ دے رسول اللہ اس کو تاڑ گئے، دریافت فرمایا کیا کرتے ہو تب انہوں نے صورت حال بتائی آپ نے فرمایا میرے رب نے منع فرمایا ہے کہ کسی معاہد وغیرہ پر ظلم کروں، یہودی یہ سب دیکھ اور سن رہا تھا، صبح ہوتے ہی یہودی نے کہا، "اشهد ان لا إله الا الله و اشهد انّكَ رسول الله" مشرف باسلام ہونے کے بعد اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے اپنا آدھا مال اللہ کے راستہ میں دیدیا اور قسم خدا تعالیٰ کی کہ اس وقت جو کچھ میں نے کیا اس کا مقصد صرف یہ جانچنا تھا کہ تورات میں جو آپ کی صفات بیان کی گئی ہیں وہ آپ میں صحیح طور پر موجود ہیں یا نہیں میں نے تورات میں آپ کے متعلق یہ الفاظ پڑھے ہیں۔

محمد بن عبد اللہ، ان کی ولادت مکہ میں ہوگی اور ہجرت طیبہ کی طرف اور ملک ان کا شام ہوگا نہ وہ سخت مزاج ہوں گے نہ وہ سخت بات کرنے والے نہ بازاروں میں شور کرنے والے، اور وہ فحش و بے حیائی سے دور ہوں گے، (نوٹ) ملک سے مراد حکومت ہے۔ (مظهری بحواله دلائل النبوة، معارف)

مزید تفصیل کے لئے جمالین کی جلد ششم دیکھئے۔

قُلْ خطابٌ للنبيِّ صلى الله عليه وسلم **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ** القران **وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ** ﴿۱۵۸﴾ ترشدون **وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ** جماعةٌ **يَّهْدُوْنَ** الناسَ **بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ** ﴿۱۵۹﴾ في الحكم **وَقَطَّعْنٰهُمُ** فرّقنا بني اسرائيل **اثْنَتَيْ عَشْرَةَ** حالٌ **اَسْبَاطًا** بدلٌ منه اي قبائل **اُمَمًا** بدلٌ مما قبلهُ **وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ** في التِّيهِ **اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ** فضربَهُ **فَانْۢبَجَسَتْ** انفجرت **مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ** بعددِ الاسباطِ **قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ** سبطٍ منهم **مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ**

فی التیہ من حرّ الشمسِ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی هما التُّرَنْجَبِیْنُ والطَّیرُ السُّمَانی بتخفیف المیم والقصْرِ وقُلْنا لهم كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَ اذْكُرْ اِذْ قِیْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ بیتَ المَقْدِسِ وَكُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا اَمْرُنا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ ای بابَ القریة سُجَّدًا سُجُوْدَ انحِناءٍ نَّغْفِرْ بالنون وبالتاءِ مَبْنِیًّا للمفعول لَكُمْ خَطِیْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ بالطاعة ثوابًا فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فقالُوْا حَبَّةٌ فی شَعْرَةٍ ودَخَلُوْا یزحَفُوْنَ علی اَسْتاهِهم فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِجْزًا عذابًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے یہ نبی ﷺ کو خطاب ہے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی موت دیتا ہے سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر، جو اللہ پر اور اس کے کلمات قرآن پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کا اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پر آجاؤ، اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتی اور اسی کے مطابق فیصلہ میں انصاف کرتی ہے اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ حصوں میں تقسیم کر کے بارہ قبیلے بنا دئے (اثنتی عشرۃ) حال ہے اور (اسباطا) (اثنتی) سے بدل ہے، اسباط بمعنی قبائل ہے (اُمَمًا) ماقبل سے بدل ہے، (یعنی بدل سے بدل ہے) اور جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے میدان تیہ میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پانی طلب کیا تو ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو پتھر پر مارو چنانچہ انہوں نے عصا پتھر پر مارا تو فوراً اس سے بارہ چشمے قبیلوں کی تعداد کے مطابق پھوٹ نکلے ہر قبیلے نے اپنے پانی پینے کی جگہ متعین کر لی مقام تیہ میں دھوپ کی تپش سے بچانے کے لئے ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا اور ہم نے ان کے لئے من وسلویٰ اتارا اور وہ ترنجبین اور بٹیریں تھیں، اور ہم نے ان سے کہا پاکیزہ چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں بخشی ہیں لیکن انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا بلکہ خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے، اور اس وقت کو یاد کرو جب ان سے کہا گیا اس بستی بیت المقدس میں جا کر رہو اور وہاں حسب منشا جو چاہو کھاؤ اور یہ کہتے جانا ہماری توبہ ہے اور بستی کے دروازے میں جھکے جھکے داخل ہونا ہم تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے (نغفر) نون کے ساتھ ہے اور مجہول کی صورت میں تاء کے ساتھ ہے اور ثواب کے لئے اطاعت کے ذریعہ نیک رویہ رکھنے والوں کو ہم مزید دیں گے، لیکن ان میں سے ظالموں نے اس بات کو جوان کو بتائی گئی تھی دوسری بات سے بدل دیا چنانچہ حَبّة فی شعیرۃ کہنے لگے (اور سرنگوں داخل ہونے کے بجائے) سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے تو ہم نے ان پر ان کے ظلم کی پاداش میں آسمانی عذاب بھیج دیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اِلیکم جمیعًا، جمیعًا، الیکم کی ضمیر سے حال ہے۔

قولہ: لا الٰہ الّا ھو یحیی ویُمیت یہ لہٗ ملکُ السمٰوٰتِ والارضِ سے بدل ہے۔

قولہ: اَسْباطًا بَدَلٌ، اَسْباطًا، اثنتی عشرۃ سے بدل ہے نہ کہ تمیز جیسا کہ بعض نے کہا ہے اسلئے کہ دس سے اوپر کی تمیز مفرد آتی ہے۔

قولہ: فضربہٗ، اس میں اشارہ ہے کہ کلام میں اختصار ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جیسے ہی پتھر پر عصا مارنے کا حکم دیا تو فوراً ہی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عصا پتھر پر مارا۔

قولہ: سَبْطٍ منھم، اس اضافہ کا مقصد اس شبہ کو دفع کرنا ہے کہ قَدْ عَلِمَ کلُّ اناسٍ، سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہر فرد کیلئے چشمہ پھوٹ پڑا تھا اور ہر فرد نے اپنا چشمہ متعین کرلیا تھا، حالانکہ یہ صورت نہیں تھی، جواب یہ ہے کہ اناس سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے مراد ہیں ہر قبیلہ نے اپنا چشمہ متعین کرلیا۔

قولہ: وقلنا لھم، اگر اس جملہ کو محذوف نہ مانا جائے تو بلا وجہ التفات من التکلم الی الغیبت لازم آئیگا حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں اس التفات سے بچنے کے لئے قلنا لھم محذوف مانا ہے۔

قولہ: اَمَرْنا، اَمَرنا کا اضافہ، ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے قال کا مقولہ جملہ ہوا کرتا ہے مگر یہاں حطۃ مفرد ہے اس کی کیا تاویل ہوسکتی ہے۔

جواب: حِطّۃ، مبتدا محذوف کی خبر ہے، مبتدا خبر سے مل کر جملہ ہو کر مقولہ ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں، مگر یہاں اس بات کا خیال رہے، کہ اَمَرنا مقدر ماننے کے بجائے مسئلتنا مقدر ہونا چاہئے، اسلئے کہ امرنا مقدر ماننے کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی، امرنا ان نحطّ فی ھذہ القریۃ اس کا ترجمہ ہوگا ہمارا کام اس قریہ میں داخل ہونا ہے، آگے مغفرت کا ذکر ہے حالانکہ دخول قریہ اور مغفرت کا کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا، بہتر ہوتا کہ اَمَرنا، مقدر ماننے کے بجائے مسئلتنا مقدر مانتے تو اس صورت میں تقدیر عبارت مسئلتنا حِطّۃٌ ہوگی، اس کا مطلب ہوگا ہماری درخواست معافی ہے، قولوا کا قائل چونکہ اللہ ہے لہٰذا حطۃ اس کا مقولہ ہوگا، اب معنی یہ ہوں گے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم ملک شام میں معافی کی درخواست کرتے ہوئے عاجزی اور سرنگوں ہو کر داخل ہونا تو ہم تمہاری لغزشوں کو معاف کردیں گے، مگر بنی اسرائیل نے اس ہدایت کو نہ مانا اور اللہ کی بتائی ہوئی باتوں کو بدل دیا، حطۃ کے بجائے حَبَّۃ فی شعیرۃ کرلیا اور سرنگوں داخل ہونے کے بجائے سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے۔

قولہ: بالتاءِ مَبْنِیًّا للمَفْعُوْلِ، یعنی تغفر میں ایک قراءت تُغفر مجہول کے صیغہ کے ساتھ بھی ہے مگر اس صورت میں خطیئٰتُکم، نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

قولہ: یَزحَفُوْنَ، (ف) آہستہ آہستہ سرین کے بل سرکنا۔

قولہ: اَسْتَاهِهِمْ، اَسْتَاهٌ، ستهٌ، کی جمع ہے سرین کو کہتے ہیں۔

قولہ: فبدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ تبدیل کا مطلب ہوتا ہے ایک کی جگہ دوسرے کو رکھنا تبدیلی کے لئے دو کا ہونا ضروری ہے ان میں سے ایک متروک ہوگا اور دوسرا ماخوذ جو متروک ہوتا ہے اس پر باء داخل ہوتی ہے اور ماخوذ پر باء داخل نہیں ہوتی، یا یوں کہہ لیجئے کہ لفظ بَدَلٌ، دو کی طرف متعدی ہوتا ہے ایک کی طرف باء کے ذریعہ اور دوسرے کی طرف بغیر باء کے، جس پر باء داخل ہوتی ہے وہ متروک ہوتا ہے اور دوسرا ماخوذ، اس سے معلوم ہوا کہ کلام میں حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے۔ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بالذی قیل لهم قولا غیر الذی.

تفسیر وتشریح

قُلْ یایها الناس اِنّی رسول الله الیکم جمیعا، یہ آیت بھی رسالت محمدیہ کی عالم گیر رسالت کے اثبات میں بالکل واضح ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں کائنات کے انسانوں میں سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ پوری نوع انسانی کے نجات دہندہ اور رسول ہیں، اب نجات اور ہدایت نہ عیسائیت میں ہے نہ یہودیت میں نہ کسی اور مذہب میں۔

ومن قوم موسیٰ امة یَهْدُون بالحق وبه یَعْدِلون، اس سے مراد یا تو وہ چند لوگ ہیں جو یہودیت سے نکل کر اسلام میں داخل ہوگئے تھے مثلاً عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء، یا پھر وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں گوسالہ پرستی سے محفوظ رہے تھے ان کی تعداد گوسالہ پرستی کرنے والوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔

آپ ﷺ کی رسالت عامہ کے برخلاف ہر نبی کی رسالت علاقائی یا قومی رہی ہے، یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کے فرد تھے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صاحبزادے لاوی کی نسل سے تھے، لہٰذا آپ کی رسالت بنی اسرائیل کے لئے مخصوص تھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف جو کہ قبطی تھی کیوں بھیجا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت قومی یا علاقائی نہیں تھی۔

جواب: حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اصالۃً صرف دو باتوں کے لئے بھیجا گیا تھا ایک تو یہ کہ توحید کے قائل ہو جائیں اور صرف خدائے واحد کی عبادت کریں، دوسرا مقصد بنی اسرائیل کو فرعون کی قید غلامی سے چھڑانا تھا، چنانچہ یہی دو باتیں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعون اور اس کی قوم کے سامنے پیش کیں، اب رہا تورات پر عمل کا مسئلہ تو یہ خالص بنی اسرائیل کے لئے تھا اسلئے کہ تورات مقام تیہ میں عطا کی گئی اور فرعون اس سے پہلے ہی غرق دریا ہو چکا تھا۔ (جمل)

وَاَوْحَیْنَا اِلی موسیٰ اِذِ اسْتَسْقه قومه (الآیة) سابق میں ان احسانات کا ذکر تھا جن کا تعلق انتظام سے تھا، اب مزید تین احسانوں کا ذکر ہے، ایک یہ کہ جزیرہ نمائے سینا بیابانی علاقہ میں ان کے لئے پانی کے انتظام کا غیر معمولی مسئلہ جو کہ

دشوار ترین کام تھا غیر معمولی طریقہ پر حل کیا، دوسرے دھوپ سے بچانے اور سر چھپانے کا مسئلہ بھی کم اہم نہیں تھا اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ سے دعاء کر کے اس طرح حل کرایا کہ بادل نے ان کے لئے سائبان اور خیمہ کا کام دیا تیسری بات یہ کہ خوراک کا مسئلہ بھی بڑا اہم تھا اس کا انتظام بھی من وسلوی کے نزول کی شکل میں کیا گیا، ظاہر ہے کہ مذکورہ تین بنیادی ضرورتوں کا بروقت اگر انتظام نہ کیا جاتا تو قوم جن کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی اس بے آب وگیاہ علاقہ میں بھوک اور پیاس سے ختم ہو جاتی، آج بھی اگر کوئی شخص وہاں جائے تو دیکھ کر حیران رہ جائیگا کہ اگر یہاں چھ لاکھ انسانوں کا ایک قافلہ اچانک آٹھہرے تو اس کے لئے پانی، خوراک، سایہ کا آخر کیا انتظام ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی حکومت کسی علاقہ میں پانچ چھ لاکھ فوج لے جانا چاہے تو اس کے لئے سامان رسد کے انتظام میں منتظمین کو درد سر لاحق ہو جاتا ہے، جزیرہ نمائے سینا کے طبعی اور معاشی جغرافیہ کو دیکھتے ہوئے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اتنی بڑی تعداد کیلئے ایسے میدانی علاقہ میں کہ جہاں خورد ونوش کا سامان کس طرح آنا فانا انتظام ہو گیا جبکہ مصر کی طرف سے دریا حائل ہونے کی وجہ سے رسد کا راستہ منقطع تھا، اور دوسری طرف اس جزیرہ نما کے مشرق اور شمال میں عمالقہ کے قبیلے اس کی مزاحمت پر آمادہ تھے، ان امور کو پیش نظر رکھ کر صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان چند مختصر آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے جن احسانات کا ذکر فرمایا ہے، وہ درحقیقت کتنے بڑے احسانات تھے اور اس کے باوجود یہ کتنی بڑی احسان فراموش قوم تھی کہ اللہ کے فضل وکرم کی ایسی صریح نشانیاں دیکھ لینے پر بھی یہ قوم مسلسل ان نافرمانیوں اور غداریوں کی مرتکب ہوتی رہی جن سے اس کی تاریخ بھری پڑی ہے۔

وَسْئَلْهُمْ یا محمدُ توبیخًا عَنِ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ مُجاورةَ بَحرِ القُلْزُم وهی اَیْلَةُ ماوَقَع باهلها اِذْ یَعْدُوْنَ یَعتدُوْنَ فِی السَّبْتِ بصَیدِ السَّمَكِ المامورینَ بتركِه فیه اِذْ ظرفٌ لیَعْدُوْن تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا ظاهرةً علی الماءِ وَّیَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ لا یُعَظِّمُوْنَ السبتَ ای سائرَ الایامِ لَا تَاْتِیْهِمْ ابتلاءً من اللهِ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ ولما صَادُوا السمكَ افترقَتِ القریةُ اثلاثًا ثلثٌ صَادُوْا معهم وثلثٌ نَهَوْهُم وثلثٌ اَمْسَكُوْا عن الصیدِ والنهیِ وَاِذْ عطفٌ علی اذ، قبلَهُ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لم تَصِدْ ولم تَنْهَ لمن نَهی لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا اِۨللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا قَالُوْا موعظتُنا مَعْذِرَةً نَعتذِرُ بها اِلٰی رَبِّكُمْ لئلا نُنسَبَ الی تقصیرٍ فی تركِ النهیِ وَلَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ الصیدَ فَلَمَّا نَسُوْا تَرَكُوْا مَا ذُكِّرُوْا وُعِظُوْا بِهٖ فلم یَرجِعُوا اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بالاعتداءِ بِعَذَابٍۭ بَىِٕیْسٍ شدیدٍ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا تكبَّروا عَنْ تركِ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِىِٕیْنَ ﴿۱۶۶﴾ صاغرینَ فكانُوها وهذا تفصیلٌ لما قبلَهُ قال ابنُ عباسٍ رضی اللّٰه تعالٰی عنه ما اَدری ما فُعِلَ بالفِرقةِ الساكتةِ وقال عِكرِمةُ لم تُهلَكْ لانها كَرِهَتْ ما فَعَلُوْهُ وقالَتْ لم تَعِظُوْنَ الخ وروی الحاكمُ عن ابنِ عباسٍ رضی اللّٰه تعالٰی عنه انه رَجَعَ الیه واعْجَبَهُ وَاِذْ تَاَذَّنَ اَعلمَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ

اى اليهود اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ بالذُّلِّ واَخذِ الجِزْيَةِ فَبَعَثَ عليهم سليمٰن عليه السَّلامُ وبَعْدَهٗ بُخْتَ نَصَّرَ فقَتَلَهم وسَبَاهم وضَرَبَ عليهم الجزيةَ فكانُوْا يُؤَدُّوْنَها الى المُجُوْسِ الى اَنْ بُعِثَ نَبِيُّنَا صلى الله عليه وسلم وضَرَبَها عليهم اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ لِمَنْ عَصَاهُ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ لِاَهلِ طاعتِه رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ بهم وَقَطَّعْنٰهُمْ فَرَّقْنٰهم فِى الْاَرْضِ اُمَمًا فِرَقًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ ناسٌ دُوْنَ ذٰلِكَ الكفارُ والفاسقُوْنَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ بالنِّعَمِ وَالسَّيِّاٰتِ النِّقَمِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ عن فِسْقِهم فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ التورٰةَ عن اٰبائِهم يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى اى حُطَامَ هذا الشَّىْءِ الدَّنِىِّ اى الدنيا من حلالٍ وحرامٍ وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ما فعلناهُ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ الجملةُ حالٌ اى يَرْجُوْنَ المغفرةَ وهم عائدُوْنَ الى ما فَعَلُوْهُ مُصِرُّوْنَ عليه ولَيْسَ فى التورٰةِ وَعْدُ المغفرةِ مع الاِصْرارِ اَلَمْ يُؤْخَذْ استفهامُ تقريرٍ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ الاضافةُ بمعنى فى اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا عَطْفٌ على يُؤْخَذْ قَرَءُوْا مَا فِيْهِ فلِمَ كَذَّبُوْا عليه بنِسْبَةِ المغفرةِ اليه مع الاِصْرارِ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ الحرامَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ بالياءِ والتاءِ انها خيرٌ فيُؤْثِرُوْها على الدنيا وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بالتشديدِ والتخفيفِ بِالْكِتٰبِ منهم وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ كعبدِ اللّٰهِ بنِ سلامٍ رضى الله تعالى عنه واصحابِه اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ الجملةُ خبرُ الذين وفيه وَضْعُ الظاهرِ مَوْضِعَ المضمرِ اى اَجْرَهُمْ وَ اذكر اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ رفعناهُ من اَصْلِه فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَيْقَنُوْا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ساقطٌ عليهم بوعدِ اللّٰهِ اِيّاهم بوُقُوْعِه اِنْ لَمْ يَقْبَلُوْا احكامَ التورٰةِ وكانوا اَبَوْها لِثِقَلِها فقَبِلُوْا قُلْنا لهم خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ بِجِدٍّ واجتهادٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ بالعمل به لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ: اے محمد ﷺ توبیخاً ان سے اس بستی کا حال پوچھو جو بحر قلزم کے قریب واقع تھی کہ اس کے باشندوں پر کیا گذری؟ اور وہ بستی ایلہ تھی، جبکہ وہ ہفتہ کے روز مچھلی کے شکار کے بارے میں تجاوز کر رہے تھے، حالانکہ اس دن میں شکار نہ کرنے کے مامور تھے، اور مچھلیاں ہفتہ کے دن اُبھر اُبھر کر پانی کی سطح پر آتی تھیں اِذْ، یَعْدُوْنَ کا ظرف ہے اور ہفتہ کے علاوہ دنوں میں جن کی وہ ہفتہ کے دن کے مانند تعظیم نہیں کرتے تھے، یعنی ہفتہ کے علاوہ بقیہ دنوں میں اللہ کی طرف سے آزمائش کے طور پر نہیں آتی تھیں، حد سے تجاوز کرنے والوں کی ہم اسی طرح آزمائش کرتے ہیں، اور جب انہوں نے ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار کرلیا تو وہ بستی تین فرقوں میں تقسیم ہوگئی، ان میں سے ایک تہائی نے ان کے ساتھ شکار کیا، اور ایک تہائی نے ان کو منع کیا اور ایک تہائی نے نہ شکار کیا اور نہ (شکار کرنے والوں کو) منع کیا، اور جب ان میں سے اس فریق نے جس نے نہ شکار کیا اور نہ (دوسروں) کو منع کیا ان لوگوں سے کہا جنہوں نے منع کیا، تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو؟ جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے، یا ان کو سخت عذاب دینے والا ہے اِذْ ماقبل کے اِذْ پر معطوف ہے، تو انہوں نے جواب دیا ہماری نصیحت عذرخواہی کے لئے ہے جس کو ہم تیرے رب کے حضور پیش کریں گے تاکہ ترک نہی کی کوتاہی ہماری طرف منسوب نہ کی جائے اور تاکہ وہ شکار سے باز

آجائیں، آخر کار جب وہ ان نصیحتوں کو بالکل ہی فراموش کر گئے جو ان کو کی گئی تھیں تو وہ باز نہ آئے، تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو ان کو برائی سے روکتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے تعدی کر کے ظلم کیا سخت عذاب میں پکڑ لیا اس لئے کہ وہ حکم عدولی کیا کرتے تھے، پھر جب انہوں نے منہی عنہ کے ترک پر سرکشی دکھائی تو ہم نے ان سے کہا ذلیل بندر ہو جاؤ، تو وہ بندر ہو گئے، اور یہ ماقبل کی تفصیل ہے، (یعنی فَلَمَّا میں فاء تفصیلیہ ہے نہ کہ تعقیبیہ) حضرت ابن عباس رَضِحَالقَہُ تَعَالیٰ عَنہُ نے فرمایا، میں نہیں جانتا کہ سکوت اختیار کرنے والے فرقہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا؟ اور عکرمہ نے کہا وہ ہلاک نہیں کئے گئے اسلئے کہ انہوں نے تعدی کرنے والوں کے فعل کو ناپسند کیا، اور کہا لِمَ تعِظون قومًا الخ، اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِحَالقَہُ تَعَالیٰ عَنہُ نے توقف کے بعد حاکم کے قول کی طرف رجوع کیا، اور اس کو پسند فرمایا، اور یاد رکھو جبکہ تیرے رب نے اعلان فرمایا کہ وہ ان یہود پر قیامت تک ایسے لوگ مسلط کرتا رہے گا جو ان کو ذلت کے ساتھ اور ٹیکس (جزیہ) عائد کر کے سخت عذاب میں مبتلا کرتے رہیں گے چنانچہ ان پر سلیمان عَلیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام کو مسلط فرمایا، اور اس کے بعد بخت نصر کو تو اس نے ان کو قتل کیا اور قید کیا، اور ان پر (جزیہ) ٹیکس عائد کیا، جس کو وہ مجوسیوں کو ادا کرتے تھے یہاں تک کہ ہمارے نبی محمد ﷺ مبعوث کئے گئے تو آپ نے بھی ان پر جزیہ عائد کیا، یقیناً تیرا رب اپنی نافرمانی کرنے والے کو سزا دینے میں تیز دست ہے، اور اہل طاعت کے لئے غفور و رحیم بھی ہے، اور ہم نے ان کو زمین کے ٹکڑے کر کے مختلف گروہ بنا دیا ان میں سے کچھ نیک ہوئے اور کچھ اس کے برعکس کافر اور فاسق ہوئے، اور ہم نے ان کو نعمت و نقمت کے ذریعہ اچھے برے حالات کے ذریعہ آزمائش میں مبتلا کیا تاکہ وہ اپنے فسق سے باز آجائیں، پھر اگلے لوگوں کے بعد ایسے ناخلف جانشین ہوئے جو اپنے آباء سے کتاب (یعنی) تورات کے وارث ہوئے کہ وہ اسی دنیائے دنی کے فائدے سمیٹ رہے ہیں، یعنی اس دنیائے دنی کی حقیر چیز خواہ حلال یا حرام (سمیٹ رہے ہیں) اور کہہ دیتے ہیں کہ ہماری حرکتوں کو معاف کر دیا جائیگا اور اگر اسی جیسی متاع دنیا دوبارہ سامنے آتی ہے تو پھر اسے لپک کر لے لیتے ہیں اور ویقولون الخ جملہ حالیہ ہے، یعنی حال یہ کہ وہ مغفرت کی امید رکھتے ہیں حالانکہ وہ اپنی حرکتوں کا بار بار اعادہ کرتے ہیں، اور اس پر اصرار کرتے ہیں اور تورات میں اصرار کے ہوتے ہوئے مغفرت کا کوئی وعدہ نہیں ہے، کیا ان سے کتاب کا عہد نہیں لیا جا چکا استفہام تقریری ہے، اضافت بمعنی فی ہے، کہ وہ اللہ کے بارے میں وہی بات کہیں جو حق ہو (اور کیا) انہوں نے کتب میں جو کچھ ہے اس کو نہیں پڑھا دَرَسُوْا کا عطف یوخَذُ پر ہے، تو پھر اصرار کے باوجود اس کی طرف مغفرت کی نسبت کر کے بہتان کیوں باندھتے ہیں، اور دار آخرت تو حرام سے بچنے والوں ہی کے لئے بہتر ہے کیا وہ اس کو سمجھتے نہیں ہیں کہ دار آخرت بہتر ہے، یاء اور تاء کے ساتھ، کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں اور ان لوگوں کا جو ان میں سے کتاب کو تھامے ہوئے ہیں (یمسکون) تشدید و تخفیف کے ساتھ ہے، اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء، یقیناً ہم نیک کردار لوگوں کا اجر ضائع نہ کریں گے، یہ جملہ، الذین کی خبر ہے، اور اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لایا گیا ہے، ای اجرهم، اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ کر ان کے اوپر اس طرح چھا دیا تھا گویا کہ وہ چھتری

ہے اور وہ اس بات کا یقین کئے ہوئے تھے کہ وہ ان کے اوپر آپڑے گا، اللہ کے ان سے اس (پہاڑ) کو (ان کے اوپر) ڈال دینے کا وعدہ کرنے کی وجہ سے، اگر وہ تورات کے احکام کو قبول نہ کریں گے، اور وہ ان (احکام) کے گراں (مشکل) ہونے کی وجہ سے (قبول کرنے سے) انکار کر چکے تھے، چنانچہ انہوں نے (اس وقت) قبول کرلیا، اور ہم نے ان سے کہا تھا کہ جو کتاب ہم تمہیں دے رہے ہیں اسے مضبوطی کے ساتھ تھامو، یعنی کوشش اور محنت سے، اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے عملی طور پر یاد رکھو توقع ہے کہ تم (غلط روی سے) بچے رہو گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ، آپ ﷺ کو چونکہ اہل قریہ کے حالات معلوم تھے اس لئے سوال برائے علم کا کوئی مقصد نہیں ہے، اسی لئے اس سوال کو سوال توبیخ و تقریع قرار دیا ہے۔

قولہ: حَاضِرَةَ الْبَحْرِ، ای بجوار البحر، اس قریہ کے بارے میں اقوال مختلف ہیں، بعض نے اَيْلَة، کہا ہے اور بعض نے طبریہ، اور بعض نے مدین اور بعض نے ایلیا، اور کہا گیا ہے کہ شام میں ساحل بحر کے قریب مراد ہے کہا جاتا ہے، کُنْتُ بحضرة الدار ای بقربها. (فتح القدير، شوكانی)

قولہ: شُرَّعًا یہ شارع کی جمع ہے بمعنی ظاہر ہونا۔

قولہ: مَوْعِظَتُنَا، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مَعْذِرَةً قالوا کا مقولہ ہے اور مقولہ کا جملہ ہونا ضروری ہوتا ہے حالانکہ معذرة مفرد ہے اس کا جواب دیا کہ یہ قالوا کا مقولہ نہیں ہے بلکہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور وہ موعظتنا ہے، اور یہ معذرةٌ کی رفع کی قراءت کی صورت میں ہے اور نصب کی صورت میں فعل محذوف کا مفعول لہ ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی، عظناهم معذرةً ای لِمعذرةٍ.

قولہ: وهذا تفصيلٌ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال، یہ کہ فَلَمَّا عَتَوْا پر فاء داخل ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلے سزا دی مگر انہوں نے پھر بھی سرکشی کی، اس کی سزا میں ان کو بندروں کی شکل میں مسخ کردیا، حالانکہ ان کو صرف یہی مسخ کا ایک عذاب دیا گیا اس کے علاوہ کوئی عذاب نہیں دیا گیا اور فَلَمَّا میں فاء تفصیل کی ہے نہ کہ تعقیب کی۔

قولہ: اُمَمًا یاتوقطعنا کی ضمیر سے حال ہے یاقطّعنا کا مفعول ثانی ہے۔

قولہ: نَاسٌ منهم خبر مقدم ہے دون ذلك موصوف محذوف کی صفت ہے اور وہ مبتداء ہے، تقدیر عبارت یہ ہے و منهم ناسٌ قوم دون ذلك.

قولہ: الجُمْلَةَ حالٌ وَانْ ياتيهم عرض مثله يأ خذوه، یہ جملہ یقولون کی ضمیر سے حال ہے، اور یقولون بمعنی یعتقدون ہے۔

تفسیر وتشریح

وَاسْئلهم عن القریه ، هُمْ ضمیر سے مراد یہود ہیں، اس میں یہود کو یہ بتانا ہے کہ اس واقعہ کا علم نبی ﷺ کو بھی ہے جو آپ کی صداقت کی دلیل ہے کیونکہ اس کا علم آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے وحی ہی کے ذریعہ ہوسکتا تھا، قــریــة، کی تعیین میں اختلاف ہے جس کو تحقیق وترکیب کے زیر عنوان بیان کردیا گیا ہے دیکھ لیا جائے۔

ربط آیات:

جاری رکوع سے پہلے رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بقیہ قصہ کا بیان تھا اس رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کی غلط کاریوں کا ذکر ہے اوران کے انجام بد کا بیان ہے۔

اِذْ یَعْدُوْنَ فی السبتِ اِذ تاتیهم حیتانهم یوم سبتهم شرّعًا (الآیة) محققین کی غالب رائے اس مقام کے بارہ میں یہ ہے کہ یہ مقام ایْلَة یا ایلات، یا ایلوت تھا، جہاں اب اسرائیل کی یہودی ریاست نے اسی نام کی ایک بندرگاہ بنائی ہے، اس کے قریب ہی اردن کی مشہور بندرگاہ عقبہ واقع ہے۔

جس واقعۂ حیتان کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے اس کے متعلق یہود کی کتب مقدسہ میں کوئی ذکر نہیں ملتا مگر قرآن میں جس انداز سے اس واقعہ کو یہاں اور سورۂ بقرہ میں بیان کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے دور میں بنی اسرائیل بالعموم اس واقعہ سے واقف تھے اور یہ حقیقت ہے کہ مدینہ کے یہودیوں نے جو نبی ﷺ کی مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے قرآن کے اس بیان پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں کیا۔

یوم السبت (شنبہ) ہفتہ کے دن کو کہتے ہیں، یہ دن بنی اسرائیل کے نزدیک مقدس قرار دیا گیا تھا، اور آج بھی مقدس مانا جاتا ہے، اس روز کوئی دنیوی کام نہیں کیا جاتا تھا، جانوروں، لونڈیوں، غلاموں غرضیکہ ہر قسم کا دنیوی کام موقوف رکھا جاتا تھا، اور جو شخص اس کی خلاف ورزی کرتا تھا وہ واجب القتل سمجھا جاتا تھا، لیکن آگے چل کر بنی اسرائیل نے اس قانون کی خلاف ورزی شروع کردی۔

یوم السبت میں مچھلی پکڑنے کا واقعہ:

قرآن کریم کے واقعۂ حیتان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بستی میں تین قسم کے لوگ تھے ایک وہ جو بلا خوف وخطر دھڑلّے سے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کررہے تھے دوسرے وہ جو خود تو خلاف ورزی نہیں کرتے تھے مگر اس خلاف ورزی کو خاموشی سے بیٹھے دیکھ رہے تھے، اور جو لوگ روک ٹوک کررہے تھے ان سے کہتے تھے کہ ان کم بختوں کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ؟ تیسرے وہ لوگ جو حدود اللہ کی کھلم کھلا اس خلاف ورزی کو برداشت نہیں کرسکتے تھے وہ اس خیال سے کہ شاید

ہماری نصیحت سے یہ لوگ احکام الٰہی کی خلاف ورزی سے باز آجائیں، اور ہم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں اس صورت حال میں جب اس بستی پر اللہ کا عذاب آیا تو قرآن مجید کا بیان ہے کہ ان تینوں فریقوں میں سے صرف تیسرا فریق ہی اس عذاب سے محفوظ رہا، بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے گروہ کے متعلق مبتلائے عذاب ہونے کی تصریح کی ہے مگر دوسرے گروہ کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے لہٰذا اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ نجات پانے والوں میں تھے یا مبتلائے عذاب ہونے والوں میں، امام ابن کثیر کا رجحان اس طرف ہے کہ مبتلائے عذاب صرف پہلا گروہ ہوا باقی دونوں گروہ نجات پانے والوں میں تھے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ ربك لَيَبْعَثَنَّ عَلَيهِم الى يوم القيامة (الآية) تأذَّنَ، ایذان سے ہے اسی کے معنی خبردار کرنے اور آگاہ کرنے کے ہیں، لَيَبْعَثَنَّ، میں لام تاکید ہے جو قسم کے معنی کا فائدہ دیتا ہے، یعنی قسم کھا کر نہایت تاکید کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت عذاب میں مبتلا کرتا رہے گا، چنانچہ یہودیوں کی پوری تاریخ اسی ذلت و مسکنت اور غلامی کی تاریخ ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دی ہے، اسرائیل کی موجودہ ریاست قرآن کی بیان کردہ حقیقت کے خلاف نہیں اسلئے کہ وہ قرآن کے بیان کردہ استثناء، وحبل من الناس کا مظہر ہے جو قرآنی بیان کردہ حقیقت کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کا مؤید ہے۔

اسرائیل کی موجودہ ریاست سے مغالطہ:

چند سالوں سے فلسطین کے ایک حصہ پر ان کے قبضہ واقتدار واجتماع سے دھوکا نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اجتماع تو ان کا اس جگہ آخری زمانہ میں ہونا چاہئے تھا، کیونکہ صادق ومصدوق رسول کریم ﷺ کی احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ قرب قیامت آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوں گے نصاریٰ سب مسلمان ہو جائیں گے، اور یہود سے جہاد کر کے ان کو قتل کر دیں گے، فلسطین میں بنی اسرائیل کو جمع کیا گیا ہے تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے قتل کرنے میں آسانی ہو۔

قضیۂ قدس اور اس کا تاریخی پس منظر:

شام اور فلسطین کو بے شمار انبیاء کرام کی سرزمین ہونے کا شرف حاصل ہے فلسطین وہ خطۂ قدس ہے کہ جس میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حبرون کو اپنی تبلیغی دعوت کا مرکز بنایا اور بیت اللہ (کعبہ) کی تعمیر کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی بنیاد ڈالی حضرت اسحٰق ویعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سرزمین میں توحید اور حق وصداقت کی آواز بلند کی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ارض موعود یہی سرزمین تھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جائے پیدائش ہونے کا شرف اسی سرزمین کو حاصل ہے اسی سرزمین میں واقع مسجد اقصیٰ سے حضرت محمد ﷺ سفر معراج پر تشریف لے گئے ہجرت کے ابتدائی دور میں یہی مسجد مسلمانوں کا قبلہ رہی۔

فلسطین اور مسلمان:

اس دور کی طاقتور ترین (سپر پاور) رومی سلطنت تھی جس کا حکمران ہرقل اپنے دور کا سب سے بڑا سپہ سالار سمجھا جاتا تھا، شام و فلسطین اسی کے زیر اقتدار تھے، جنگ یرموک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اسی کے دور میں لڑی گئی تھی، یہ جنگ حضرت خالد بن ولید کی سالاری میں لڑی گئی، حضرت خالد بن ولید نے اپنی جنگی صلاحیتوں کا خوب خوب مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے صرف چالیس ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ سے زیادہ رومی فوجوں کو شکست دیکر پسپائی پر مجبور کردیا، جب قیصر روم (ہرقل) کو رومی افواج کی پسپائی کی خبر ملی تو بصد رنج وغم اپنی سلطنت کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کا رخ کیا، ملک شام کی فتح کے ساتھ ہی بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

عیسائیوں کی شرط کے مطابق حضرت عمر نے ۱۶ھ میں بیت المقدس کا وہ مشہور سفر کیا جس میں آپ اور آپ کا غلام باری باری اونٹ پر سفر کرتے تھے اور بیت المقدس میں داخلے کے وقت غلام کے سوار ہونے کی باری تھی۔

فلسطین اور بنوامیہ وبنوعباس:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد بنوامیہ اور اس کے بعد بنوعباس کا دور آیا اس دور میں فلسطین مسلمانوں کے قبضے میں رہا، اس کے بعد سلجوقیوں کے دور میں ملک شاہ کے انتقال کے بعد سلجوقیوں کا زوال شروع ہوگیا، جس کی وجہ سے شام اور ایشائے کوچک ایک بار پھر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگیا۔

صلیبی جنگوں کی ابتداء:

یہی وہ دور ہے کہ جب صلیبی جنگیں لڑی گئیں، عیسائیوں نے مسلمانوں کی کمزوری اور خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع کردیا، ان جنگوں میں یورپ کے علاوہ جرمنی، فرانس، اٹلی کی ایک زبردست فوج بیت المقدس کی بازیابی کے لئے روانہ ہوئی، مسلمانوں کی خانہ جنگی اور کمزوری نے مسلمانوں کو شکست سے دوچار کردیا جس کی وجہ سے پورا ساحلی علاقہ نیز بیت المقدس ۵۴۲ھ میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا، اس جنگ میں تقریباً ستر ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اور بیت المقدس کی بازیابی:

۵۳۱ھ تا ۵۴۱ھ عمادالدین زنگی نے بیت المقدس کو واپس لینے کی کوشش کی مگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے، ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے نورالدین زنگی نے اپنے والد عمادالدین زنگی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بیت المقدس کو قبضۂ

فرنگ سے آزاد کرنے کی کوشش کی مگر وہ بھی مقصد میں کامیابی سے پہلے ہی اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

مصر کی فتح کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کو وہاں کا حاکم مقرر کیا گیا سلطان بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خدا ترس مجاہد بھی تھا، نورالدین زنگی کے انتقال کے بعد ان کی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے پوری سلطنت صلاح الدین ایوبی کے قبضہ میں آئی، سلطان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو فتح بیت المقدس تھی چنانچہ حطین کے میدان میں اسلامی اور رومی فوجوں کا مقابلہ ہوا، سلطان کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی، ایک طویل زمانہ کے بعد بیت المقدس پھر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا، جس کی وجہ سے عیسائی دنیا میں کھل بلی مچ گئی۔

پہلی جنگ عظیم اور خلافتِ عثمانیہ:

پہلی جنگ عظیم سے پہلے فلسطین خلافتِ عثمانیہ کا ایک حصہ تھا، جنرل اللنبی کی سپہ سالاری میں انگریزی فوجیں بیت المقدس میں داخل ہوگئیں اور انگریزی سپہ سالار نے اعلان کر دیا کہ صلیبی جنگ آج بھی جاری ہے، پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ نے عربوں سے آزاد مملکت کا وعدہ کیا تھا مگر یہ وعدہ سراسر فریب تھا، اسی زمانہ میں فرانس اور برطانیہ نے خفیہ معاہدہ کے تحت عرب علاقوں کو آپس میں تقسیم کر لیا۔

صیہونی عزائم اور سقوط بیت المقدس:

فلسطین کی تقسیم اور اسرائیل کا قیام دنیا کی تاریخ کا ایک نہایت افسوسناک اور تاریک باب ہے اور مسلمانوں کے لئے ایک رستا ہوا ناسور بھی، صیہونی درندوں نے فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ ظلم و بربریت کی وہ داستان رقم کی ہے جس کا تصور بھی محال ہے، اور یہ کارروائی گزشتہ نصف صدی سے تاہنوز جاری ہے نومبر ۱۹۱۷ء میں خلافت عثمانیہ (ترکی) کی شکست کے بعد برطانیہ کے خارجہ امور کے سکریٹری مسٹر بالفور (Mr Bolfore) نے حکومت برطانیہ کی طرف سے ایک اعلان کیا جو اعلان بالفور کے نام سے مشہور ہے، اس اعلان کے مطابق صیہونی لیڈروں سے وعدہ کیا گیا تھا کہ فلسطین میں یہودیوں کو ایک علیحدہ وطن دیا جائیگا، کونسل اوف لیگ آف نینز (اس وقت کی اقوام متحدہ) نے ۲۲ جولائی ۱۹۲۰ء کی فلسطین پر قانونی حکومت کا اختیار برطانیہ کو دیدیا اسی اختیار کے ساتھ یہودیوں نے دنیا کے کونے کونے سے فلسطین کی طرف نقل مکانی شروع کر دی ۱۹۴۷ء میں جنرل اسمبلی میں تقسیم فلسطین کی قرارداد منظور کی گئی ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء میں برطانیہ نے مکمل طور پر دست برداری کا اعلان کر دیا اور اسی تاریخ کو اسرائیلی ریاست کا اعلان کر دیا گیا، اسی وقت سے اسرائیل اپنی توسیع پسند پالیسی پر گامزن ہے۔

۱۹۴۸ء میں جب یہودی ریاست قائم ہوئی تو اس کا رقبہ صرف پانچ ہزار تین سو مربع میل تھا اور اس کی حدود میں پانچ لاکھ یہودی اور پانچ لاکھ چھ ہزار عرب آباد تھے اب یہ رقبہ ۳۳ ہزار مربع میل ہو گیا ہے، ۱۹۔ اگست ۱۹۶۹ء میں مسجد اقصی

میں آتش زنی کا واقعہ پیش آیا جس میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا بنوایا ہوا بیش قیمت منبر بھی جل گیا تھا اس واقعہ نے پوری اسلامی دنیا میں غم وغصہ کی لہر دوڑادی، آتش زنی کا یہ واقعہ مسجد اقصیٰ کو منہدم کرنے کی صیہونی سازش کا ایک حصہ تھا، اس کے بعد یہود نے جب مسجد اقصیٰ کی دیواروں کے قریب ہیکل سلیمانی کے آثار معلوم کرنے کے لئے کھدائی شروع کی تو ان شبہات کو مزید تقویت پہنچی کہ یہودی مسجد اقصیٰ کو کسی نہ کسی بہانہ سے گرا کر اس کی جگہ ہیکل سلیمانی ازسرنو تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس کا نقشہ انجینیروں نے تیار کرلیا ہے۔

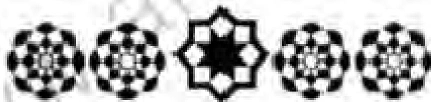

وہ یہودی ریاست جس کا خواب اسرائیل کے لیڈر دیکھ رہے ہیں

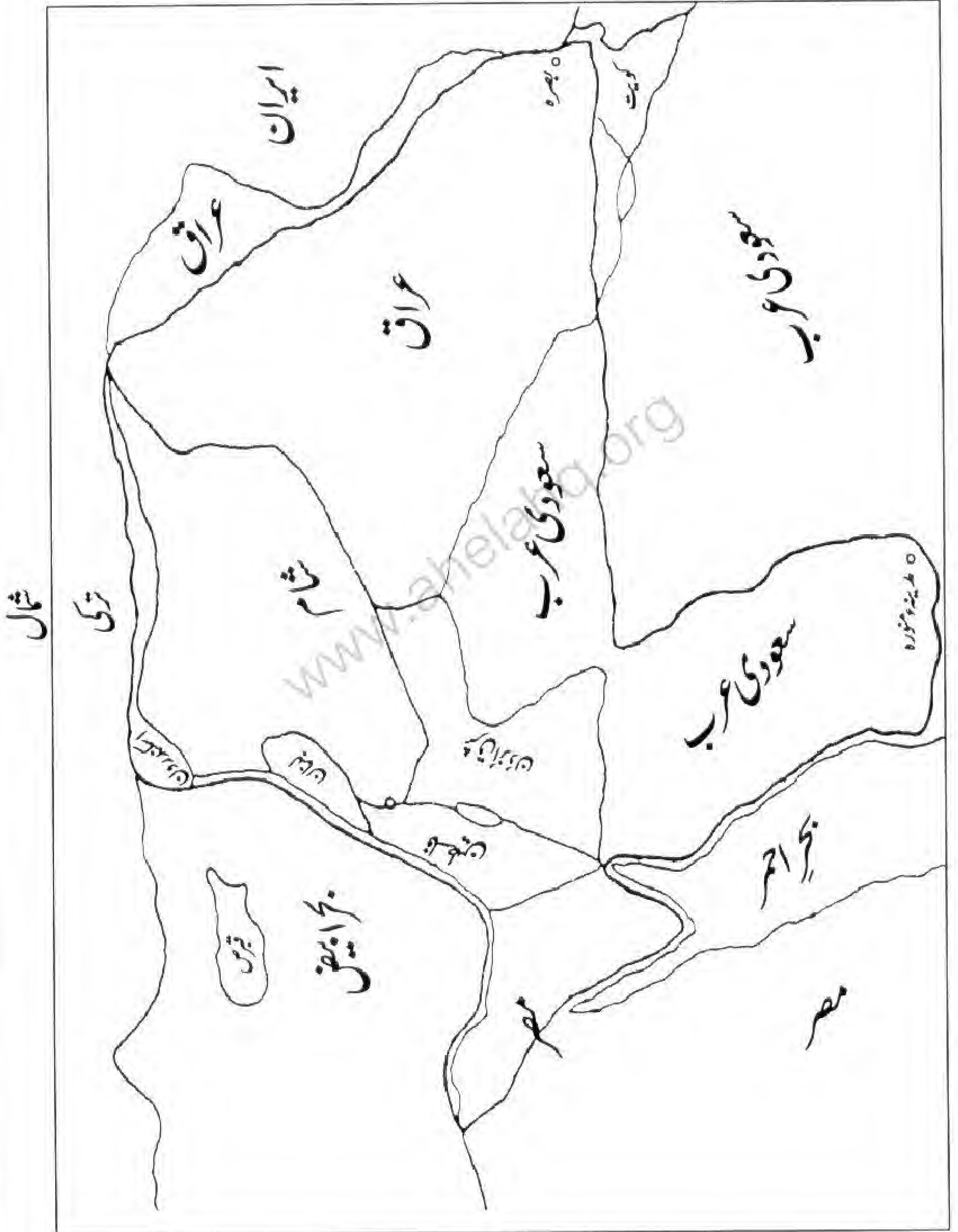

وَاِذْ نَتَقْنَا الجبل فوقهم (الآية) یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس تورات لائے اور اس کے احکام ان کو سنائے تو انہوں نے حسب عادت عمل کرنے سے انکار کر دیا جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ بلند کیا کہ تم پر گرا کر تمہیں کچل دیا جائیگا، جس سے ڈرتے ہوئے انہوں نے تورات پر عمل کرنے کا عہد کر لیا، بعض کہتے ہیں کہ رفع جبل کا یہ واقعہ ان کے مطالبہ پر پیش آیا جب انہوں نے کہا کہ ہم تورات پر عمل اس وقت کریں گے جب اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر پہاڑ کو بلند کر کے دکھائے، مگر پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

وَ اذكر اِذْ حين اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ بدلُ اشتمالٍ بمَا قبلَهُ باعادةِ الجار ذُرِّيَّتَهُمْ بان اخرج بعضَهم من صُلبِ بعضٍ من صُلبِ آدمَ نَسلاً بعدَ نسلٍ كنحوِ ما يَتَوالدُوْنَ كالذرِّ بنُعمانَ يومَ عرفةَ ونَصَبَ لهم دلائلَ على ربوبيتِه وركّب فيهم عقلاً وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ قال اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى انت رَبُّنا شَهِدْنَا بذلك والاشهادُ لِ اَنْ لا تَقُوْلُوْا بالياء والتاء في الموضعين اى الكفارُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا التوحيدِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ لا نعرفُهُ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اى قبلَنا وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ فاقتدينا بهم اَفَتُهْلِكُنَا تعذّبنا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ من آبائنا بتاسيسِ الشركِ المعنى لا يُمكنُهُمُ الاحتجاجُ بذلك مع اشهادِهم على انفسِهم بالتوحيدِ والتذكيرُ به على لسانِ صاحبِ المعجزةِ قائمٌ مقامَ ذكرِه في النفوسِ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ نُبيّنُها مثلَ ما بيّنّا الميثاقَ ليتدبّروها وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ عن كفرِهم وَاتْلُ يا محمدُ عَلَيْهِمْ اى اليهودِ نَبَاَ خبرَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا خرجَ بكفرِه كما تخرجُ الحيّةُ من جلدِها وهو بلعمُ بنُ باعوراءَ من علماءِ بني اسرائيلَ سُئلَ ان يدعوَ على موسى ومَن معَهُ وأُهدِيَ اليه شيءٌ فدعا فانقلبَ عليه واندلعَ لسانُهُ على صدرِه فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فادركَهُ فصارَ قرينَه فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ الى منازلِ العلماءِ بِهَا بان نوفّقَهُ للعملِ وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ سكنَ اِلَى الْاَرْضِ اى الدنيا ومالَ اليها وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ في دعائِه اليها فوضعناه فَمَثَلُهٗ صفتُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ بالطردِ والزجرِ يَلْهَثْ يدلعُ لسانَهُ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ وليس غيرُهُ من الحيواناتِ كذلك وجملتا الشرطِ حالٌ اى لاهثًا ذليلاً بكلِّ حالٍ والقصدُ التشبيهُ في الوضعِ والخسّةِ بقرينةِ الفاءِ المشعرةِ بترتيبِ ما بعدَها على ما قبلَها من الميلِ الى الدنيا واتباعِ الهوى بقرينةِ قولِه ذٰلِكَ المثلُ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ على اليهودِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ يتدبّرونَ فيها فيؤمنونَ سَآءَ بئسَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ اى مثلُ القومِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ بالتكذيبِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا خلقنا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ الحقَّ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ دلائلَ قدرةِ اللهِ تعالى بصرَ اعتبارٍ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ الآياتِ والمواعظَ سماعَ تدبّرٍ واتّعاظٍ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ في عدمِ الفقهِ والبصرِ

والاستماع بَلْ هُمْ اَضَلُّ من الانعام لانّها تَطْلُبُ منافِعَها وتَهْرُبُ من مَضارِّها وهؤلاءِ يُقْدِمُوْنَ على النار مُعانَدَةً اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى التسعةُ والتسعون الواردُ بها الحديثُ والحُسْنٰى مُؤنَّثُ الاَحْسَنِ فَادْعُوْهُ سَمُّوْهُ بِهَا وَذَرُوا اُتْرُكُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ مِن اَلْحَدَ ولَحَدَ يَمِيْلُوْنَ عن الحقِّ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ حَيْثُ اشْتَقُّوْا منها اَسْمَاءً لِآلهتِهم كاللاتِ من اللّٰهِ والعُزّٰى من العزيزِ ومَنَاتَ من المنّانِ سَيُجْزَوْنَ في الآخرةِ جَزاءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وهذا قَبْلَ الامْرِ بالقتالِ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ هم امةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم كما في حديثٍ.

ترجمہ: اور یاد کرو اس وقت کو کہ تیرے رب نے جب اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا، مِنْ ظُهُوْرِهِمْ اپنے ماقبل (من بنی آدم) سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل ہے بایں طور کہ وادی نعمان میں عرفہ کے دن بعض کو بعض کی پشت سے صلب آدم سے چیونٹی کی شکل میں نکالا نسلاً بعد نسلٍ اس کے مطابق کہ جس طرح پیدا ہوں گے اور اپنی ربوبیت پر ان کے لئے دلائل قائم کئے اور ان کے اندر عقل کو ترتیب دیا، اور خود ان کو ان کے اوپر شاہد بنایا (اللہ) نے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے جواب دیا بے شک آپ ہمارے رب ہیں اور یہ گواہ بنانے کا کام اس لئے کیا تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس توحید سے بے خبر تھے یعنی ہمیں اس کا علم نہیں تھا، یا یہ نہ کہنے لگو کی شرک تو ہم سے پہلے ہمارے آباء نے کیا تھا دونوں جگہ یاء اور تاء کے ساتھ، (یاء کی صورت میں) کفار مراد ہوں گے، اور ہم تو بعد کو ان کی ذریت سے پیدا ہوئے جس کی وجہ سے ہم نے ان کی اقتداء کی پھر کیا آپ ہمیں ان کے قصور کی پاداش میں سزا دیتے ہیں جو ہمارے آباء میں سے غلط کار لوگوں نے شرک کی بنیاد ڈال کر کیا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنی ذات پر گواہ بنانے کے بعد اس قسم کا احتجاج ممکن نہ رہے گا اور صاحب معجزہ (نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی زبانی یاد دلانا خود ان کے دلوں میں یاد رہنے کے قائم مقام ہے اور ہم اسی طرح نشانیاں واضح طور پر بیان کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے عہد الست کو بیان کیا تاکہ ان میں غور و فکر کریں تاکہ وہ کفر سے باز آجائیں اے محمد ﷺ یہود کو اس شخص کی خبر سناؤ جس کو ہم نے اپنی نشانیاں (کرامات) عطا کی تھیں تو وہ کفر کی وجہ سے ان کرامات سے نکل گیا جس طرح سانپ اپنی کینچلی سے نکل جاتا ہے اور وہ علماء بنی اسرائیل میں سے بلعم بن باعورا تھا، اس سے درخواست کی گئی کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھیوں کے لئے بددعاء کردے اور اس کو کچھ ہدیہ بھی دیا گیا چنانچہ اس نے بددعاء کردی مگر وہ بددعاء اسی پر پلٹ گئی، اور اس کی زبان نکل کر اس کے سینے پر لٹک گئی، پھر شیطان نے اس کا پیچھا کیا چنانچہ اس کو پالیا اور اس کا دوست بن گیا، تو وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو گیا، اگر ہم چاہتے تو ان آیات کی بدولت اسے اعلیٰ درجات پر فائز کردیتے اس طریقہ پر کہ اس کو عمل کی توفیق عطا کردیتے، مگر وہ پستی، یعنی دنیا کی طرف جھک کر رہ گیا، اور اس کی طرف مائل ہو گیا اور خواہشات کی طرف بلانے میں اپنی خواہش کی پیروی کی تو ہم نے بھی اس کو پست (ذلیل) کردیا، تو اس کی مثال اس کتے جیسی ہو گئی کہ اگر تو دھتکار کے ذریعہ اس پر سختی کرے تو زبان لٹکائے رہے، اور اگر تو چھوڑ دے تب بھی زبان لٹکائے رہے، کتے کے علاوہ کسی جانور میں یہ خاصیت نہیں

ہے اور دونوں شرطیہ جملے حال ہیں یعنی لاھثًا ذلیلا، حال یہ کہ وہ زبان لٹکائے ہر حال میں ذلیل ہے اور مقصد پستی اور ذلت میں تشبیہ دینا ہے (اور) قرینہ فاء ہے جو کہ مشعر ہے اپنے مابعد کے ماقبل پر جو کہ دنیا کی طرف میلان اور خواہش کی اتباع ہے، مرتب ہونے کی وجہ سے اس کے قول ذلك المثل کے قرینہ سے، یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، تو آپ یہود کو قصے سنائیے تاکہ ان میں غور و فکر کریں اور ایمان لے آئیں، اور ان لوگوں کی مثال جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا بری مثال ہے، وہ لوگ تکذیب کی وجہ سے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں اللہ جس کو ہدایت کرتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جس کو بے راہ کرے وہی زیاں کاروں میں سے ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے بہت سے جن و انس کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے ان کے ایسے قلوب ہیں کہ ان سے حق کو سمجھتے نہیں ہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل کو عبرت کی نظر سے دیکھتے نہیں ہیں، اور ان کے کان ہیں مگر ان کے ذریعہ وہ آیات کو اور نصیحتوں کو تدبر اور نصیحت کے لئے سنتے نہیں ہیں یہ لوگ نہ سمجھنے اور نہ دیکھنے اور نہ سننے میں جانوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گذرے ہیں اسلئے کہ جانور اپنے منافع کو طلب کرتا ہے اور مضرت رساں چیزوں سے (دور) بھاگتا ہے، اور یہ لوگ تو عناد کی کی وجہ سے جہنم کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے ہوئے ہیں اور اللہ کے ننانویں اچھے اچھے نام ہیں جو حدیث میں وارد ہوئے ہیں، حُسْنٰی اَحْسَنُ کی مؤنث ہے، لہٰذا اس کو ان ہی ناموں سے پکارو اور ان کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں کجروی اختیار کرتے ہیں یہ اَلْحَدَ اور لَحَدَ سے مشتق ہے اس طور پر کہ انہوں نے اللہ کے ناموں سے اپنے معبودوں کے نام بنالئے ہیں، مثلاً لات، اللہ سے اور العزّیٰ، عزیز سے اور مناۃ منّان سے عنقریب آخرت میں وہ اس کا بدلہ پا کر رہیں گے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں، یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے، اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے مطابق ہدایت اور حق ہی کے مطابق انصاف کرتی ہے اور وہ محمد ﷺ کی امت ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بَدَلُ اشتمالٍ مما قبله، یعنی من ظهورهم، بنی آدمَ سے بدل الاشتمال ہے، یہ قول کواشی کی اتباع میں ہے، صاحب کشاف نے کہا ہے کہ بدل البعض عن الکل ہے، اور یہی ظاہر ہے، جیسا کہ ضربتُ زیدًا ظهرَه، اس کو کسی نے بدل الاشتمال نہیں کہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی ''وَاِذ اَخَذَ ربُّكَ من ظهور بنی آدم''.

قولہ: مِنْ صُلْبِ بَعْضٍ مِنْ صُلْبِ آدَمَ، من صلب بعض موصوف ہے اور من صلب آدم صفت ہے، یعنی نکالا ذریت کو صلب بعض سے جو کہ صلب آدم ہے۔

قولہ: نسلاً بعد نسلٍ، یعنی اسی ترتیب سے دنیا میں ظہور ہونے والا تھا، یعنی اول حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی پشت سے آدم کی بلا واسطہ ذریت کو نکالا اور پھر ذریت آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا۔

قولہ: قال، لفظ قال کو اس وجہ سے مقدر مانا کہ بلا ضرورت التفات عن الغیبت الی التکلم لازم نہ آئے۔

قَوْلُهُ: اَنْتَ رَبُّنَا، یہ اضافہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے کہ بلیٰ، قالوا کا مقولہ ہے اور مقولہ کے لئے جملہ ہونا ضروری ہے چہ جائیکہ بلیٰ، حرف مقولہ واقع ہو، جواب یہ ہے کہ عبارت میں حذف ہے تقدیر عبارت یہ ہے بلیٰ انت ربنا، لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں۔

قَوْلُهُ: والاشهادُ، لِاشهادُ اور لام کی تقدیر سے اشارہ کر دیا کہ ان تقولوا، شهدنا کا مفعول لہ ہے۔ (تسہیل)

قَوْلُهُ: شهِدنا، اس میں تین احتمال ہیں، ① یہ کہ ملائکہ کا کلام ہو کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ذریت آدم کے اقرار پر گواہ بنایا ہو، اس صورت میں وقف بلیٰ پر ہوگا، ② یہ بھی احتمال ہے کہ ذریت کا کلام ہو اس صورت میں معنی ہوں گے ہم نے اس کا اقرار کیا، شہادت دی، اس صورت میں بلیٰ پر وقف درست نہ ہوگا بلکہ شهدنا پر ہوگا، ③ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو، ای شهدنا علیٰ اقرارکم کراهة ان تقولوا، اولِئلّا تقولوا، یعنی ہم نے تم سے اس لئے اقرار لیا تا کہ تم لاعلمی کا عذر نہ کر سکو یا اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ تم لاعلمی کا عذر کرو۔

قَوْلُهُ: المعنىٰ لايُمْكِنُهُمُ الاحْتِجَاجُ بذلك مطلب یہ ہے کہ ذریت آدم سے اقرار لینے کے بعد ان کے پاس لاعلمی اور غفلت کا عذر باقی نہیں رہے گا وہ یہ نہ کہہ سکیں گے، یا الٰہ العٰلمین اس عہد و میثاق کے بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں تھا جس کی وجہ سے ہم غفلت میں رہے۔

قَوْلُهُ: وَالتَّذْكِيرُ به عَلىٰ لِسَانِ صَاحِبِ المُعْجِزَةِ قائمٌ مَقَامَ ذِكْرِهٖ فى النُّفُوْسِ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ روز ازل میں لیا ہوا اقرار دنیا میں آنے کے بعد نسیا منسیا ہو گیا اب کسی کو بھی عہد الست یاد نہیں ہے تو ایسے عہد سے کیا فائدہ کہ جو یاد ہی نہ ہو اور نہ اس کی وجہ سے مؤاخذہ ہی ہونا چاہئے۔

جَوَابُ: اس بھولے ہوئے عہد الست کو ہی یاد دلانے کے لئے انبیاء کرام کو مبعوث کیا جاتا ہے جو مسلسل اس عہد کو یاد دلاتے رہتے ہیں، لہٰذا اب عدم مؤاخذہ کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: التَّذْكِيرُ مُبْتَدَأٌ ہے اور قائم مقام ذكره فى النفوس اس کی خبر ہے۔

قَوْلُهُ: سَكَنَ، اس میں اشارہ ہے کہ اَخْلَدَ، خلود سے مشتق نہیں ہے جس کے معنی دوام کے ہیں بلکہ اَخْلَدَ بمعنی مالَ ہے، اَخْلَدَ الى الارض، اى مالَ اِلَيْها.

قَوْلُهُ: فى دعائه اليها اى دعاء الهوىٰ اِيّاه، یعنی خواہش نفس نے بلعام کو دنیا کی طرف بلایا، اس میں مصدر مضاف فاعل ہے۔

قَوْلُهُ: فَوَضَعْنَاه، اى ذَلَّلْنَاه.

قَوْلُهُ: اَوْ اِنْ تَتْرُكْهُ، بعض نسخوں میں اِنْ، چھوٹا ہوا ہے جو کہ کاتب کا سہو ہے، مفسر علام نے، اِنْ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اس کا عطف تحمل پر ہے نہ کہ اِنْ تحمِلْ پر لہٰذا تتركه کا جزم ظاہر ہو گیا۔

قَوْلُهُ: جُمْلَتَا الشَّرْطِ حَالٌ، یعنی معطوف اور معطوف علیہ دونوں جملے حال ہیں مطلب یہ ہے کہ کتا ہر حال میں لاهث رہتا ہے خواہ حالت شدت ہو یا راحت۔

تفسیر و تشریح

عالم ارواح میں عہد الست:

جیسا کہ متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق کے موقع پر پیش آیا تھا اس وقت جس طرح فرشتوں کو جمع کر کے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرایا گیا تھا اور زمین پر انسانی خلافت کا اعلان کیا گیا تھا، اسی طرح نسل آدم کو بھی جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی اللہ تعالیٰ نے وجود و شعور بخش کر اپنے سامنے حاضر کیا تھا اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار و شہادت لی تھی، اول حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت سے بلاواسطہ پیدا ہونے والی ذریت کو نکالا اور ان سے عہد الست لیا اس کے بعد آدم کی ذریت کی پشت سے اس کے بعد ان کی پشت سے علی ہذا القیاس تا قیامت نسلاً بعد نسل، پیدا ہونے والی ذریت کو نکالا اور ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا اور اس عہد پر خود ان کو اور ملائکہ کو اور پوری کائنات کو گواہ بنایا اس کی تفصیل ایک روایت میں اس طرح آئی ہے کہ وادی نعمان میں عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ نے ذریت آدم سے عہد و میثاق لیا، آدم کی پشت سے ان کی ہونیوالی تمام اولاد کو نکالا اور ان کو اپنے سامنے پھیلایا اور ان سے پوچھا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا "بلی شهدنا"۔ (مسند احمد، حاکم)

عہد الست کی غرض:

اَوْ تقولوا اِنّما اشرك آباؤنا (الآية) اس آیت میں وہ غرض بیان کی گئی جس کے لئے ازل میں پوری نسل آدم سے اقرار لیا گیا تھا اور وہ یہ کہ انسانوں میں سے جو لوگ اپنے خدا سے بغاوت کریں گے وہ اپنے اس جرم کے پوری طرح ذمہ دار ہوں گے، انھیں اپنی صفائی میں نہ تو لاعلمی کا عذر پیش کرنے کا موقع ملے گا اور نہ وہ سابق نسلوں پر اپنی گمراہی کی ذمہ داری ڈال کر خود بری الذمہ ہو سکیں گے۔

وَاتلُ عَلَيهم نبأ الذی اتینه ایٰتنا فانسلخ منها (الآية) اس آیت میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا عبرت ناک واقعہ مذکور ہے، بنی اسرائیل کا ایک بڑا عالم اور مشہور مقتداء علم و معرفت کے اعلیٰ معیار پر ہونے کے باوجود دفعۃً گمراہ ہو گیا۔

بلعم بن باعوراء کے واقعہ کی تفصیل:

مذکورہ آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ تم یہود کو اس شخص کا قصہ سناؤ جس کو اللہ نے اپنی نشانیاں دی تھیں مگر وہ ان نشانیوں سے اس طرح نکل گیا جس طرح سانپ کینچلی سے نکل جاتا ہے ائمۂ تفسیر سے اس بارے میں مختلف روایتیں مذکور ہیں جن میں زیادہ مشہور اور جمہور کے نزدیک قابل اعتماد وہ روایت ہے جو ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی

ہے اس روایت میں اس شخص کا نام بلعم بن باعوراء آیا ہے، اور بعض نے بلعام بن باعر نام بتایا ہے، یہ ملک شام میں بیت المقدس کے قریب کنعان کا رہنے والا تھا، ایک روایت میں اس کو اسرائیلی بتایا گیا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی بعض کتابوں کا علم حاصل تھا قرآن کریم میں جو اس کی صفت بیان ہوئی ہے وہ "الذی اتیناہ آیتنا" ہے اس سے اسی علم کی طرف اشارہ ہے، غرق فرعون اور ترک مصر کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بنی اسرائیل کو جبارین قوم عمالقہ سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور جبارین نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کا لشکر لے کر قریب پہنچ چکے ہیں، جبارین کو اس کی فکر ہوئی جمع ہو کر بلعم بن باعوراء کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سخت آدمی ہیں اور ان کے ساتھ ایک بہت بڑا لشکر ہے وہ ہمارے ملک پر قبضہ کرنے اور ہم کو ہمارے ملک سے بے دخل کرنے کے لئے آئے ہیں آپ اللہ سے دعاء کریں کہ ان کو ہمارے ملک سے واپس کر دے، بلعم بن باعوراء کو اسم اعظم معلوم تھا وہ اس کے ذریعہ جو دعاء کرتا وہ قبول ہوتی تھی۔

بلعم نے اول تو معذرت کی اور کہا وہ اللہ کے نبی ہیں ان کے ساتھ فرشتوں کا لشکر ہے میں ان کے خلاف بددعاء کیسے کر سکتا ہوں؟ اگر میں ایسا کروں گا تو میرا دین اور دنیا دونوں برباد ہو جائیں گی، مگر قوم نے بے حد اصرار کیا تو بلعم نے کہا اچھا تو میں اس معاملہ میں استخارہ کر کے اپنے رب کی مرضی معلوم کرلوں اس نے استخارہ کیا استخارہ میں معلوم ہوا کہ ایسا ہرگز نہ کرنا، اس نے قوم سے کہا مجھے بددعاء کرنے سے منع کر دیا گیا ہے، اس وقت جبارین نے ایک بہت بڑا تحفہ بلعم کو پیش کیا اس نے قبول کرلیا اس کے بعد جبارین کا اصرار بہت زیادہ بڑھ گیا، بعض روایات میں ہے کہ اس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ رشوت قبول کرلیں اور ان کا کام کر دیں، بیوی کی رضا جوئی اور مال کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بنی اسرائیل کے لئے بددعاء کرنی شروع کر دی۔

قدرت الٰہیہ کا عجیب کرشمہ:

اس وقت قدرت الٰہیہ کا عجیب کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ وہ کلمات بددعاء جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے لئے کہنا چاہتا تھا اس کی زبان سے وہ الفاظِ بددعاء قوم جبارین کے لئے نکلے، جبارین چلا اٹھے کہ تم تو ہمارے لئے بددعاء کر رہے ہو، بلعم نے جواب دیا یہ میرے اختیار میں نہیں ہے میری زبان اس کے خلاف پر قادر نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم پر تباہی آئی اور بلعم کو یہ سزا ملی کہ اس کی زبان لٹک کر سینے پر آگئی، اب اس نے جبارین سے کہا میری تو دنیا و آخرت تباہ ہوگئی اب میری دعاء کی قبولیت سلب کرلی گئی، لیکن میں تمہیں ایک تدبیر بتاتا ہوں جس کے ذریعہ تم موسیٰ اور اس کی قوم پر غالب آ سکتے ہو، وہ یہ کہ تم اپنی حسین لڑکیوں کو آراستہ کر کے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان کو یہ تاکید کر دو کہ بنی اسرائیل میں کوئی بھی ان کے ساتھ جو کچھ بھی کرنا چاہے منع نہ کریں، بلعم بن باعوراء کی یہ شیطانی چال ان کی سمجھ میں آگئی، اور اس پر عمل کیا گیا، بنی اسرائیل کا ایک بڑا شخص جس کا نام شمعون بن یعقوب بتایا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لشکر کا سپہ سار بھی تھا اسے ایک عورت بہت پسند آئی وہ اسے لیکر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میرا خیال یہ ہے کہ آپ اس

عورت کو حرام سمجھیں گے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ مجھ پر بھی حرام ہے اور تجھ پر بھی، اس نے یہ بات سنتے ہی قسم کھا کر کہا کہ میں آپ کی اطاعت نہیں کروں گا، اور اپنے خیمہ میں لے جا کر فعل بد کا مرتکب ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں طاعون بھیج دیا جس کے نتیجہ میں ستر ہزار آدمی ہلاک ہو گئے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں امیہ بن صلت کا نام لیا ہے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھا، اس کے علاوہ بعض مفسرین نے شانِ نزول کے سلسلہ میں اور نام بھی لئے ہیں مگر یہ بات طے ہے کہ علی بن طلحہ کی روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تفسیر کے باب میں بڑی معتبر روایت ہے، ابن جریر نے بھی اپنی تفسیر میں اس آیت کا یہی شانِ نزول بیان کیا ہے لہٰذا یہی شانِ نزول صحیح ہے۔ (معارف، احسن التفاسیر، فتح القدیر شوکانی)

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الكلب اِن تحمل عليه يلهث، (الآية) لَهِثَ (س) لَهْثًا، پیاسا ہونا، کتے کا ہانپتے وقت زبان نکالنا کتے کی یہ عادت ہوتی ہے کہ تم اسے ڈانٹو ڈپٹو ڈراؤ یا اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دو زبان لٹکائے ہی رہتا ہے۔

کتے کے ساتھ جس شخص کو تشبیہ دی گئی ہے یہ وہی شخص ہے جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا ہے اللہ نے اس کو جو علم، معرفت عطا کیا تھا اس کا تقاضہ یہ تھا کہ اس رویّہ سے بچتا جس کو وہ غلط سمجھتا تھا اور وہ طرز عمل اختیار کرتا جو اسے معلوم تھا کہ صحیح ہے، لیکن وہ دنیا کے فائدوں، لذتوں اور آرائشوں کی طرف جھک پڑا، خواہشات نفس کے تقاضوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے اس نے ان کے آگے سپر ڈال دی دنیا کی حرص وطمع سے بالاتر ہونے کے بجائے وہ اس حرص وطمع سے ایسا مغلوب ہوا کہ ان تمام حدود کو توڑ کر نکل بھاگا جن کی نگہداشت اس کو خود کرنی چاہئے تھی جب وہ اپنی اخلاقی کمزوری کی وجہ سے حق سے منہ موڑ کر بھاگا تو شیطان جو قریب ہی اس کی گھات میں لگا ہوا تھا اس کے پیچھے لگ گیا اور برابر اسے ایک پستی سے دوسری پستی کی طرف دھکیلتا رہا یہاں تک کہ ظالم نے اسے ان لوگوں کے زمرے میں پہنچا کر ہی دم لیا جو اس کے دام فریب میں پھنس کر پوری طرح اپنی متاع عقل وہوش گم کر چکے ہیں۔

کتے کے ساتھ تشبیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ کتے کی جو خصلتیں ہوتی ہیں وہ سب اس میں جمع ہو جاتی ہیں، کتے کی ہر وقت لٹکی ہوئی زبان اور ٹپکتی ہوئی رال، نہ بجھنے والی آتش حرص، کبھی سیر نہ ہونے والی نیت کا پتہ دیتی ہے ہم اپنے محاورہ میں بھی ایسے شخص کو جو دنیا کی حرص میں اندھا ہو رہا ہو، دنیا کا کتا، کہتے ہیں، کتے کی جبلت کیا ہے؟ حرص وآز، چلتے پھرتے اس کی ناک سونگنے ہی میں لگی رہتی ہے کہ شاید کہیں سے بوئے طعام آجائے، کتا پوری دنیا کو صرف پیٹ ہی کے نظریہ سے دیکھتا ہے، کہیں کوئی بڑی لاش پڑی ہو جو کئی کتوں کے لئے کافی ہو تو ایک کتا اس میں سے صرف اپنا حصہ لینے پر ہی اکتفاء نہیں کرتا بلکہ اسے صرف اپنے ہی لئے مخصوص رکھنا چاہتا ہے اور کسی دوسرے کتے کو اس کے پاس پھٹکنے نہیں دیتا، اس شہوت شکم کے بعد کوئی چیز اس پر غالب ہے تو وہ شہوت فرج ہے، اپنے سارے جسم میں سے صرف شرمگاہ ہی وہ چیز ہے جس سے وہ دل چسپی رکھتا ہے اور اسی کو سونگھنے اور چاٹنے میں مشغول رہتا ہے، اس تشبیہ کا مدعا یہ ہے کہ دنیا پرست آدمی جب علم وایمان کی رسّی تڑا کر بھاگتا ہے

اور نفس کی اندھی خواہشات کے ہاتھ میں اپنی باگیں تھما دیتا ہے تو پھر کتے کی حالت کو پہنچے بغیر نہیں رہتا۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا القراٰن من اهل مكة سَنَسْتَدْرِجُهُمْ ناخذهم قليلًا قليلًا مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ امهلهم اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ شديد لا يطاق اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فيعلموا مَا بِصَاحِبِهِمْ محمد صلى الله عليه وسلم مِّنْ جِنَّةٍ جنون اِنْ ما هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ بين الانذار اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ ملك السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ في مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ بيان لما فيستدلوا على قدرة صانعه ووحدانيته وَّ في اَنْ اي انه عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ قرب اَجَلُهُمْ فيموتوا كفارًا فيصيروا الى النار فيبادروا الى الايمان فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ اي القراٰن يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۚ وَ يَذَرُهُمْ بالياء والنون مع الرفع استينافًا والجزم عطفًا على محل ما بعد الفاء فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يترددون تحيرًا يَسْـَٔلُوْنَكَ اي اهل مكة عَنِ السَّاعَةِ القيامة اَيَّانَ متى مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ لهم اِنَّمَا عِلْمُهَا متى تكون عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا يظهرها لِوَقْتِهَآ اللام بمعنى في اِلَّا هُوَ ۘؔ ثَقُلَتْ عظمت فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ على اهلها لهولها لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ فجأة يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ مبالغ في السؤال عَنْهَا ۭ حتى علمتها قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ تاكيد وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ انما علمها عنده تعالى قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا اجلبه وَّلَا ضَرًّا ادفعه اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ما غاب عني لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ من فقر وغيره لاحترازي عنه باجتناب المضار اِنْ ما اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ بالنار للكافرين وَّبَشِيْرٌ بالجنة لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ترجمہ: اہل مکہ میں سے جن لوگوں نے ہماری آیتوں یعنی قرآن کو جھٹلایا ہم ان کو بتدریج گرفت میں لے رہے ہیں، اس طریقہ پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور ان کو میں مہلت دیتا ہوں بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے، جس کا کوئی توڑ نہیں، کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ کہ جان لیتے کہ ان کے رفیق محمد ﷺ کو کسی قوم کا جنون نہیں، وہ تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہے کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور (دیگر) ان چیزوں میں جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے (من شيء) ما کا بیان ہے، کہ اس کے بنانے والے کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر استدلال کرتے، اور اس بات میں کہ ممکن ہے کہ ان کی موت کا وقت قریب ہی آ لگا ہو کہ وہ حالت کفر ہی میں مر جائیں اور آگ میں پہنچ جائیں، لہٰذا ایمان کی طرف سبقت کرنی چاہئے، پھر قرآن کے بعد کونسی بات پر ایمان لائیں گے، جس کو اللہ گمراہ کردے تو اس کو کوئی ہدایت پر نہیں لاسکتا اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں حیرانی سے بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے یاء اور نون کی صورت میں بطور استیناف رفع کے ساتھ، اور جزم کے ساتھ مابعد الفاء کے محل پر عطف کی وجہ سے، اہل مکہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ قیامت کب واقع ہوگی۔ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے، اسے اس کے وقت پر وہی ظاہر کرسکتا ہے وہ آسمانوں اور زمین والوں پر اس کی ہولناکی کی وجہ سے بڑا بھاری وقت ہوگا وہ (قیامت) تم پر اچانک آپڑے گی، یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق اس طرح سوال کرتے ہیں گویا کہ آپ اس کی تحقیق کرچکے ہیں حتی کہ آپ کو اس کا علم ہوگیا آپ

کہہ دیجئے کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے یہ تاکید ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے، آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات کے لئے کسی نفع کا جسکو میں حاصل کرسکوں اختیار نہیں رکھتا اور نہ نقصان کا کہ اس کو دفع کرسکوں مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ چاہے، اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع جمع کر لیتا، اور مجھے فقر وغیرہ کی کوئی تکلیف نہ پہنچتی میرے اس نقصان سے بچ جانے کی وجہ سے، بسبب مضر چیزوں سے اجتناب کے میں تو کافروں کو آگ سے ڈرانے والا ہوں اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری دینے والا ہوں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: نَاخذُ، نَسْتَدْرِجُ کی تفسیر نَاخذُ سے کرکے معنی مرادی کی جانب اشارہ کردیا، استدراج کے لغوی معنی درجہ بدرجہ چڑھنا (**الاستصعاد درجةً بعد درجةٍ**) چونکہ کفار کے لئے کوئی اصعاد نہیں ہے اسلئے اس کے مرادی معنی مراد ہیں یعنی بتدریج گرفت کرنا۔

قولہ: اَمهِلُهم، یہ اضافہ بھی مرادی معنی کو بیان کرنے کے لئے ہے، اسلئے کہ اُملی کے معنی املاء کرانے کے ہیں جو کہ یہاں مراد نہیں ہیں۔

قولہ: فَيَعلمُون یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: فیعلمون مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: فیعلمون مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ ما بِصَاحِبِهِم، يَعْلَمُونَ مقدر کا مفعول ہے نہ کہ يتفكروا اس لئے کہ يتفكروا، لازم ہے اسکو مفعول کی ضرورت نہیں ہے حالانکہ مفعول موجود ہے، لہٰذا اعتراض ختم ہوگیا کہ يتفكروا مفعول کی طرف متعدی نہیں ہے۔

قولہ: جُنُونٌ، جنة کی تفسیر جنون سے کرکے اشارہ کردیا کہ جنة سے قوم جن مراد نہیں ہے اسلئے کہ یہ کفار کے جواب میں واقع ہے کفار کہا کرتے تھے اِنّ صاحبکم لمجنون، اگر جنة سے قوم جن (جنات) مراد لی جائے تو سوال اور جواب میں مطابقت نہیں رہے گی۔

قولہ: وفی اس تقدیر کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ ہے ما خلق اللّٰه کا عطف ملکوت پر ہے نہ کہ قریب (الارض) پر اس لئے کہ اس صورت میں معنی درست نہ رہیں گے۔

قولہ: ای اَنَّهٗ، اس تقدیر میں اشارہ ہے کہ اَن مخففہ عن الثقیلہ ہے نہ کہ مصدریہ جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے، اس لئے کہ اَن مصدریہ افعال غیر متصرفہ پر داخل نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کے مصادر نہیں ہوتے۔

قولہ: فَيَتَبَادَرُوا یہ اَوَلَمْ ينظروا، کا جواب ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

قولہ: مع الرَّفْعِ اسْتِئْنَافًا، ای وهو نذرُهم.

قولہ: وبالجَزمِ عَطفًا علیٰ مَحَلِّ ما بَعْدَ الفَاءِ ، یہ نذرھم میں دوسری ترکیب کی طرف اشارہ ہے، نذر میں دو اعراب ہیں رفع بوجہ استیناف کے اور جزم بسبب جواب نہی، لا ھادی لہ جواب شرط ہونے کی وجہ سے محلاً مجزوم ہے۔

سوال: محل پر عطف کیا لفظ پر نہیں کیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اسلئے کہ اس صورت میں فعل کا اسم پر عطف لازم آتا ہے جو کہ مستحسن نہیں ہے، تقدیر عبارت یہ ہے من یضلل اللّٰہ فلا یھد یہ احد و نذرھم۔

قولہ: مُرسٰھا، اِرساءٌ، سے مصدر میمی ہے بمعنی استقرار و اثبات، مجرد، رَسَا، بمعنی ثبت، رستِ السفینۃ ای وقفت عن الجری۔

قولہ: حَفِیٌّ، سوال میں مبالغہ کرنے والا یعنی مسئلہ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرنے والا، جو ایسا مبالغہ کرتا ہے وہ حقیقت حال سے واقف ہوجاتا ہے، اور اسی سے احفاء الشارب ہے۔

تفسیر و تشریح

وَالَّذِیْنَ کذّبوا باٰیٰتِنَا سنستدرجھم من حیث لا یعلمون ، سابق رکوع کی آخری آیت میں اس امتِ اجابت کی دو خصوصیتیں بیان کی گئی تھیں ایک قیادت و رہنمائی دوسرے اختلاف کے وقت قانونِ شریعت کے مطابق عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا، اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں باتیں کسی بھی قوم یا جماعت کی فلاح و کامرانی کی ضامن ہوسکتی ہیں۔

امت محمدیہ کی تمام دیگر امتوں پر فضیلت و فوقیت کا راز اور ان کا طغرائے امتیاز یہی حق پرستی ہے صحابہ و تابعین کی پوری زندگی اس کی آئینہ دار ہے۔

والذین کذبوا باٰیٰتنا الخ دوسری آیت میں اس شبہ کا جواب ہے کہ جب قومی ترقی کا مدار حق پرستی اور حق و انصاف کی پیروی پر ہے تو دوسری غیر مسلم قومیں جو حق سے سراسر دور ہیں وہ کیوں دنیا میں پھولتی پھلتی نظر آتی ہیں، وَالَّذِین کذبوا سے اسی کا جواب ہے یعنی ہم اپنی آیات کے جھٹلانے والوں کو اپنی حکمت و رحمت کی بناء پر دفعۃً نہیں پکڑتے بلکہ آہستہ آہستہ تدریجاً پکڑتے ہیں جس کی ان کو خبر بھی نہیں ہوتی اسلئے دنیا میں کفار و فجار کی دولت و ثروت جاہ و عزت سے دھوکا نہ کھائیں کیونکہ وہ ان کے لئے کوئی بھلائی کا سامان نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے استدراج (ڈھیل) ہے۔

وَاُملی لَھُمْ اِنَّ کیدی متین مجرموں اور فاسقوں اور جھٹلانے والوں اور مجرموں کو بسا اوقات فوراً سزا نہیں ملتی، بلکہ دنیوی عیش و فراخی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، حتی کہ خدائی سزا سے بے خوف و بے فکر ہوکر ارتکاب معاصی پر اور زیادہ دلیر ہوجاتے ہیں حتی کہ وہ انتہائی سزا کے مستحق ہوجاتے ہیں، یہی خدا کی ڈھیل اور استدراج ہے وہ حماقت و سفاہت سے سمجھتے ہیں کہ ہمارے اوپر مہربانی ہورہی ہے۔

قل لا اَملِکُ لنفسی نفعاً ولا ضرًا الّا ما شاء اللّٰہ ، یہ آیت اس بات پر کہ نبی ﷺ عالم الغیب نہیں، عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے صریح دلیل ہے علم و جہالت کی انتہاء ہے کہ اس کے باوجود اہل بدعت آپ ﷺ کو معروف معنی میں

عالم الغیب باور کرانے کی سعی بے سود کرتے ہیں اغلب یہ ہے کہ اس طبقے کے پڑھے لکھے اور سمجھدار کہلانے والے لوگ اس کی حقیقت سے بخوبی واقف ہیں صرف اپنی قوم و برادری میں ساکھ قائم رکھنے یا اپنے دنیوی مفاد کے لئے قوم کے سامنے اور اسٹیجوں پر دعوائے بلا دلیل کرتے ہیں جب ہزار ہا تاریخی واقعات آپ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کرتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ وصال کے وقت آپ کو علم غیب کلی عطا کیا گیا تھا اول تو وصال کے وقت علم غیب کا فائدہ کیا؟ اور جب ان کو بتایا جاتا ہے کہ حدیث میں موجود ہے کہ وصال کے آخری ایام میں جب آپ کو غشی سے افاقہ ہوتا تھا تو آپ ﷺ دریافت فرماتے کہ کیا نماز ہوگئی؟ اس سے بھی عالم الغیب ہونے کی نفی ہوتی ہے؟ اہل بدعت نے جب دیکھا کہ یہ داؤ بھی بے کار گیا تو کہہ دیا کہ بعد از وصال میدان حشر میں آپ کو علم غیب کلی عطا ہوگا، مگر جب وہ حدیث سامنے آئی جو سابق میں گذر چکی ہے کہ آخرت میں تمام مخلوق پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی تو آپ نے فرمایا کہ ہوش میں آنیوالوں میں سب سے پہلا شخص میں ہوں گا، مگر جب میری نظر عرش پر پڑے گی تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام عرش کا پایا پکڑے کھڑے ہوں گے میں نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بے ہوشی طاری نہیں ہوئی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تجلی الٰہی کے دیدار کی وجہ سے ایک دفعہ دنیا میں بے ہوش ہو چکے تھے، یا بے ہوش ہوئے مگر وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے، یہ ترکیب بھی کام نہ آئی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے لئے علم غیب ثابت کرنے کی اور کوئی صورت سوچیں، یہ سب کوتاہ علموں کی باتیں ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اہل علم و دانش کے نزدیک یہ کوئی اہم مسئلہ ہی نہیں ہے۔

لکن اکثر الناس لا یعلمون، اکثر لوگ اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھتے، رسول بہر حال بندہ اور مخلوق ہوتا ہے، اس کو اللہ کی کسی بھی صفت میں اللہ کا شریک سمجھنا جہل محض اور الحاد محض اور رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہنا ایسا ہی مضحکہ خیز دعویٰ ہے جیسے قادر مطلق کہنا (تفسیر ماجدی ملخصاً) وحی کے ذریعہ بعض مغیبات پر واقف ہو جانا علم غیب نہیں ہے۔

هُوَ ای اللّٰہُ **الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ** ای ادمَ **وَّجَعَلَ** خلقَ **مِنْهَا زَوْجَهَا** حوّاءَ **لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا** ویألفَها **فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا** جامعَها **حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا** هو النُّطفةُ **فَمَرَّتْ بِهٖ** ذهبت وجاءَت لخفتِه **فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ** بكِبَرِ الولدِ فی بطنِها واشفقا ان یکونَ بھیمةً **دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا** ولدًا **صَالِحًا** سویًّا **لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ** (۱۸۹) لك علیه **فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا** ولدًا **صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ** وفی قراءةٍ بکسرِ الشینِ والتنوینِ ای شریکًا **فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا** بتسمیتِه عبدَ الحارثِ ولا ینبغی ان یکونَ عبدًا الا للّٰہِ ولیسَ باشراكٍ فی العبودیةِ لِعصمةِ ادمَ وروی سمرةُ عن النبیِّ صلی اللّٰہ علیه وسلم قالَ لما ولدَت حواءُ طافَ بها ابلیسُ وکانَ لا یعیشُ لها ولدٌ فقال سمّیه عبدَ الحارثِ فانه یعیشُ فسمّتهُ فعاشَ فکان ذلك من وحی الشیطانِ وأمرِه رواه الحاکمُ وقالَ صحیحٌ والترمذی وقالَ حسنٌ غریبٌ **فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** (۱۹۰) ای اهلُ مکةَ به من الاصنامِ والجملةُ مُسبَّبةٌ عطفٌ علی خلقکم وما بینهما اعتراضٌ **اَيُشْرِكُوْنَ** به فی العبادةِ **مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ** (۱۹۱) **وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ** ای لعابدیهم

نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ بمنعها ممن اراد بهم سُوْءًا من كسر اوغيره والاستفهام للتوبيخ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ
اى الاصنام اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ بالتشديد والتخفيف سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اليه اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾
عن دعائهم لا يتبعوه لعدم سماعهم اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ تعبدون مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ مملوكة
اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ دعائكم اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ في انها الهة ثم بيّن غاية عجزهم
وفضل عابديهم عليهم فقال اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ بل أ لَهُمْ اَيْدٍ جمع يد يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ بل أ
لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ بل أ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا استفهام انكار اى ليس لهم شيء من ذلك مما
هو لكم فكيف تعبدونهم وانتم اتم حالا منهم قُلِ لهم يا محمد ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ الى هلاكي
ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ تمهلون فاني لا ابالي بكم اِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ يتولى الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ القرآن
وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ بحفظه وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ فكيف
ابالي بهم وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اى الاصنام اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ اى الاصنام يا محمد يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ اى
يقابلونك كالناظر وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ اى اليسر من اخلاق الناس ولا تبحث عنها
وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ المعروف وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ فلا تقابلهم بسفههم وَاِمَّا فيه ادغام نون ان الشرطية
في ما الزائدة يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ اى ان يصرفك عما امرت به صارف فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ جواب الشرط
وجواب الامر محذوف اى يدفعه عنك اِنَّهٗ سَمِيْعٌ للقول عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ بالفعل اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ
اصابهم طَيْفٌ وفي قراءة طائف اى شيء ألمّ بهم مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا عقاب الله وثوابه فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾
الحق من غيره فيرجعون وَاِخْوَانُهُمْ اى اخوان الشياطين من الكفار يَمُدُّوْنَهُمْ الشياطين فِي الْغَيِّ ثُمَّ هم
لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ يكفون عنه بالتبصر كما يبصر المتقون وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ اى اهل مكة بِاٰيَةٍ مما اقترحوه
قَالُوْا لَوْلَا هلا اجْتَبَيْتَهَا انشأتها من قبل نفسك قُلْ له اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ليس لي ان
آتي من عند نفسي بشيء هٰذَا القرآن بَصَآئِرُ حجج مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَاِذَا قُرِئَ
الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا عن الكلام لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ نزلت في ترك الكلام في الخطبة وعبّر عنها
بالقرآن لاشتمالها عليه وقيل في قراءة القرآن مطلقا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ اى سرا تَضَرُّعًا تذللا
وَّخِيْفَةً خوفا منه وَّ فوق السر دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ اى قصدا بينهما بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ اوائل
النهار واواخره وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ عن ذكر الله اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ اى الملائكة لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ
يتكبرون عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ ينزهونه عما لا يليق به وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ اى يخصونه بالخضوع
والعبادة فكونوا مثلهم.

ترجمہ: وہ یعنی اللہ ہی ہے جس نے تم کو ایک جان یعنی آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا حوا کو پیدا کیا تاکہ اس سے سکون حاصل کرے اور اس سے الفت کرے، چنانچہ جب اس کو ڈھانپ لیا یعنی اس سے مجامعت کی، تو اس کو ہلکا سا حمل رہ گیا، اور اس بات سے خوفزدہ ہوئے کہ وہ (حمل) کوئی جانور نہ ہو تو انہوں نے اپنے رب اللہ سے دعاء کی، اگر آپ ہمیں نیک صحیح سالم بچہ عطا فرمائیں تو ہم اس پر آپ کے شکر گذار ہوں گے، چنانچہ جب ان کو صحیح سالم اولاد دیدی تو دونوں (بیوی) نے (اللہ کے) عطا کردہ بچے کا نام عبدالحارث رکھ کر خدا کا شریک قرار دیدیا، اور ایک قراءت میں شین کے کسرہ اور (کاف) کی تنوین کے ساتھ ہے (شِـــرْكٌ) ہے حالانکہ یہ قطعاً درست نہیں کہ خدا کے علاوہ کسی کا بندہ ہو، اور یہ (شرکت فی التسمیہ ہے) شرک فی العبادت نہیں ہے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے معصوم ہونے کی وجہ سے، اور (حضرت) سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب حوا نے بچہ جنا تو ابلیس نے ان کے پاس چکر لگانا شروع کر دیا، اور حوا کا بچہ زندہ نہیں رہتا تھا ابلیس نے حوا سے کہا تم اس کا نام عبدالحارث رکھو تو وہ زندہ رہے گا، چنانچہ حوا نے اس کا نام (عبدالحارث) رکھ دیا تو وہ بچہ زندہ رہا، اور یہ سب کچھ شیطان کے اشارہ اور اس کے حکم سے ہوا، اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے، اور ترمذی نے حسن غریب کہا ہے سو اللہ تعالیٰ اہل مکہ کے اس کے ساتھ بتوں کو شریک کرنے سے پاک ہے، اور (فتعالی اللہ عما یشرکون) جملہ مسببیہ ہے اور خلقکم پر عطف ہے، اور دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے، کیا وہ عبادت میں اس کا ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے، اور وہ خود مخلوق ہیں اور وہ اپنے عبادت کرنے والوں کی کسی قسم کی مدد نہیں کر سکتے اور نہ خود کو بچا سکتے ہیں اس شخص سے جو ان کو بدنیتی سے توڑنے وغیرہ کا ارادہ کرے، اور استفہام توبیخ کے لئے ہے، اور اگر تم بتوں کو ہدایت (رہنمائی) کے لئے پکارو تو وہ تمہاری بات نہ مانیں (یتبعوکم) تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے تمہارے لئے برابر ہے کہ تم ان کو رہنمائی کے لئے پکارو یا ان کو نہ پکارو، ان کے نہ سننے کی وجہ سے تمہاری پکار کی طرف کان نہ دھریں گے اللہ کو چھوڑ کر جن کی تم بندگی کرتے ہو وہ بھی تمہارے جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکار کر دیکھ لو، ان کو چاہئے کہ تمہاری پکار کا جواب دیں اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ وہ معبود ہیں پھر بتوں کے انتہائی عجز اور ان کے عابدوں کی ان پر فضیلت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا، کیا ان کے پیر ہیں جن سے وہ چل سکیں؟ یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکیں؟ ایدٍ، ید کی جمع ہے، یا ان کے آنکھ ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں یا ان کے کان ہیں کہ جن سے وہ سن سکیں، (سب جگہ) استفہام انکاری ہے یعنی مذکورہ چیزوں میں سے ان کے پاس ایک بھی نہیں ہے جو تمہارے پاس ہیں، تو پھر تم ان کی بندگی کس بناء پر کرتے ہو حالانکہ تم ان سے حالت کے اعتبار سے (بہر حال) بہتر ہو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہو میری ہلاکت کے لئے اپنے شرکاء کو بلا لو پھر میرے بارے میں تدبیر کرو اور مجھے مہلت مت دو، میں تمہاری کچھ پرواہ نہیں کرتا ہوں، بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب (یعنی) قرآن نازل کیا اور وہ اپنی نگرانی میں نیک لوگوں کی حفاظت کرتا ہے اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی ہی مدد پر قادر ہیں، تو میں ان کی کیوں پرواہ کروں؟ اور اگر تم بتوں کو رہنمائی کے لئے پکارو تو وہ نہ سنیں

اور اے محمد تم اگران بتوں کو دیکھوایسا معلوم ہوگا کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں یعنی دیکھنے والے کے مانند آپ کے روبرو ہیں، حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے آپ درگذر کو اختیار کریں (یعنی) لوگوں کے اخلاق کے بارے میں سہل انگیزی سے کام لیجئے (ان کے عیوب) کی کھود کرید میں نہ پڑیئے، اور نیکی کا حکم کیجئے، اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کیجئے، اوران کی حماقت کا مقابلہ نہ کیجئے، اوراگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے یعنی اگر آپ کو ماموربہ سے کوئی برگشتہ کرنے والا برگشتہ کرے تو اللہ کی پناہ طلب کیجئے (اِمّا) میں ما زائدہ میں نونِ شرطیہ کا ادغام ہے، (فاستعذ باللّٰہ) جواب شرط ہے، اور جواب امر محذوف ہے اور وہ یَدْفعه عنكَ ہے، بلاشبہ وہ بات کا سننے والا عمل کا دیکھنے والا ہے بلاشبہ وہ لوگ جو خدا ترس ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی خطرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ اللہ کی سزا اور ثواب کو یاد کرنے لگتے ہیں اور ایک قراءت میں (طیف) کے بجائے طائف ہے، یعنی اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیش آتا ہے، تو وہ دفعۃً حق اور ناحق کو دیکھنے لگتے ہیں (یعنی دونوں میں امتیاز کرنے لگتے ہیں) تو وہ اس وسوسہ سے باز آجاتے ہیں، اور کفار میں سے جو شیطان کے بھائی بند ہوتے ہیں شیاطین ان کو گمراہی میں گھسیٹ لیتے ہیں پھر وہ (شیطان کے بھائی بند) اس گمراہی سے آنکھ کھلنے یعنی آگاہ ہونیکے باوجود باز نہیں آتے، جیسا کہ متقی دیدۂ بینا سے کام لیتے ہیں، اور جب آپ اہل مکہ کے سامنے ان کا تجویز کردہ (فرمائشی) معجزہ نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ آپ یہ معجزہ اپنی طرف سے کیوں نہ لائے؟ آپ ان سے کہہ دیجئے میں تو صرف اس حکم کی اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس میرے رب کی طرف سے بھیجا جاتا ہے میرے اختیار میں نہیں کہ میں کچھ بھی اپنی طرف سے لاسکوں، یہ قرآن لوگوں کے لئے تمہارے رب کی جانب سے دلائل ہیں، اور ہدایت ہے اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لئے اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کو غور سے سنا کرو اور بات چیت بند کرکے خاموش ہوجایا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے یہ آیت خطبہ کے وقت ترک کلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور خطبہ کو قرآن سے اس لئے تعبیر کردیا ہے کہ خطبہ قرآن پر مشتمل ہوتا ہے، اور کہا گیا ہے کہ مطلقاً قرآن کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور (اے مخاطب) اپنے رب کو چپکے چپکے عاجزی اور اللہ سے خوف کے ساتھ یاد کیا کر، یعنی زیر زبان سے اوپر اور جہر فی الکلام سے نیچے، یعنی سر اور جہر کے درمیان کا قصد کرتے ہوئے صبح وشام یعنی اول دن میں اور آخر دن میں، اور اللہ کے ذکر سے غفلت کرنے والوں میں مت ہو، بلاشبہ وہ مخلوق یعنی جو تیرے رب کے پاس ہے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتی اور جو چیز اس کی شایانِ شان نہیں اس سے اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور اس کے لئے سجدہ کرتی ہے اور عاجزی اور عبادت کے لئے اس کو خالص کرتی ہے سو تم بھی ان کے جیسے ہوجاؤ۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

وَجَعَلَ مِنها، ضمیر مجرور نفس کی طرف راجع ہے باعتبار لفظ کے اور لیسکُنَ کی ضمیر بھی نفس کی طرف راجع ہے باعتبار معنی کے، اور مراد نفس سے آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔

قَوْلُهُ: وفی قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ الشِّيْنِ وَالتَّنْوِيْنِ اى شَرِيْكًا، یہ شُرَکَاء میں دوسری قراءت کا بیان ہے، شرکاء شریک کی جمع ہے مگر مراد مفرد ہی ہے اس کا قرینہ دوسری قراءت ہے اور وہ شِرْكًا ہے شین کے کسرہ اور راء کے سکون کے اور کاف کی تنوین کے ساتھ۔

قَوْلُهُ: ای شریکا، اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ شِرکاً مصدر اسم فاعل شریکاً کے معنی میں ہے تاکہ حمل درست ہو سکے۔

قَوْلُهُ: جَعَلَا لَهُ، جَعَلَا میں ضمیر تثنیہ کی طرف راجع ہے؟ بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ آدم وحواء کی طرف راجع ہے، لیکن محقق قول یہ ہے کہ بنی آدم میں سے ہر نفس اور زوجِ نفس مراد ہے، بعض تابعین سے بھی یہی قول منقول ہے قال الحسن وقتادة الضمير فی جعلا عائد الى النفس وزوجه من ولد آدم لا الى آدم وحوّا۔ (جصاص) جعل الزوج والزوجة شركاء (کبیر عن القفال) امام رازی نے قفال کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ قصہ بطور تمثیل کے مشرکین کی عام حالت کو بیان کر رہا ہے، اور اس تفسیر کو بہت ہی پسند فرمایا ہے هذا جوابٌ فى غاية الصحة والسداد (کبیر) اور محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت میں ضمیر کو آدم وحواء کی طرف راجع کرنے کی کوئی تائید نہ قرآن سے ملتی ہے نہ حدیث صحیح سے اور ایسے قصے پیغمبروں کے لائق نہیں۔ (بحر، بیضاوی)

قَوْلُهُ: بِتَسْمِيَتِهٖ ای بتسمية الولد، حارث بتسمیہ شرکاً بمعنی شریک کے متعلق ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَيْسَ بِاِشْرَاكٍ فى العُبُوْدِيَّةِ لعَصْمَةِ آدَمَ اس اضافہ کا مقصد انبیاء کی عصمت کا دفاع ہے۔

قَوْلُهُ: العُبُوْدِيَّة، زیادہ بہتر ہوتا کہ العبودیۃ کے بجائے العبادۃ یا معبودیہ فرماتے۔ (حاشیہ جلالین)

قَوْلُهُ: اَهْلُ مَكَّه. اس میں اس بات کی تائید ہے کہ جَعَلَا کا مرجع آدم وحواء نہیں ہے بلکہ ہر نفس اور اس کا زوج ہے، اور اس کا قرینہ اللہ تعالیٰ کا قول فتعالى الله عما يشركون ہے یشرکون، صیغہ جمع کے ساتھ لایا گیا ہے حالانکہ آدم وحواء جمع نہیں ہیں۔

قَوْلُهُ: والجُمْلَةُ مُسَبَّبَةٌ یعنی فتعالى الله عما يشركون، اس کا عطف خلقكم من نفسٍ واحدة پر ہے، معطوف علیہ معطوف کا سبب ہے، یعنی جن چیزوں کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو وہ اس سے بڑی ہے اسلئے کہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے اور مخلوق خالق کی شریک نہیں ہوسکتی گویا کہ اس میں فاء تعقیبیہ کے فائدہ کی طرف اشارہ ہے، درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُهُ: يُقَابِلُوْنَكَ اس میں اشارہ ہے کہ کلام بطور تشبیہ ہے، لہٰذا اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ اصنام سے دیکھنا ممکن نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: طَيْف، اس سے یہ بھی احتمال ہے کہ طَيْفٌ، طيفًا سے اسم فاعل: ای طاف به الخيال، طائف وسوسہ، خطرہ۔

قَوْلُهُ: اَلَمَّ بِهِمْ ای مسّ بهم.

تفسیر و تشریح

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ (الآیۃ) سابق میں ابوالبشر اور ام البشر کی تخلیق کا بیان تھا، اب یہاں عام مرد وزن کی پیدائش کا بیان ہے، اس کو اصطلاح میں التفات عن الخاص الی العام کہتے ہیں اور قرآن کریم کا یہ عام اور پسندیدہ اسلوب بیان ہے ان آیات میں حسن بصری وغیرہ کی رائے کے مطابق خاص آدم وحواء کا نہیں بلکہ عام انسانوں کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتداء میں ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا میں بطور تمہید آدم وحواء کا ذکر تھا مگر اس کے بعد مطلق مرد وعورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے، اور ایسا ہوتا ہے کہ شخص کے ذکر سے جنس کے ذکر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں مثلاً، وَلَقَدْ زَیَّنَّا السماء الدنیا بمصابیح وَجَعَلْنَا ھَارُ جو ماً للشیاطین، میں جن ستاروں کو مصابیح فرمایا گیا وہ ٹوٹنے والے ستارے نہیں جن سے رجم شیاطین ہوتا ہے مگر شخص مصابیح سے جنس مصابیح کی جانب کلام کو منتقل کر دیا گیا، اس تفسیر کے مطابق "جَعَلَا لَہٗ شرکاء" میں کوئی اشکال نہیں، مگر اکثر سلف سے منقول ہے کہ ان آیتوں میں حضرت آدم وحواء کا واقعہ مذکور ہے۔

احادیث کی روشنی میں آیات کی تفسیر:

جب آدم وحواء علیہما السلام کو زمین پر اتار دیا گیا اور زمین پر بود وباش شروع کر دی تو ایک روز حضرت آدم حواء سے ہم بستر ہوئے، حواء کو حمل رہ گیا جب تک حمل ابتدائی مرحلے میں رہا تو حضرت حواء کو کوئی گرانی نہیں ہوئی اور بآسانی چلتی پھرتی رہیں، مگر جب زمانہ گذرتا گیا تو حمل میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا جس کی وجہ سے حواء کو ثقل محسوس ہونے لگا، اس سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ حواء کو علوق ہو گیا، اور ایک روز ہماری جنس کا بچہ پیدا ہونے والا ہے پھر دونوں حضرات دعائیں کرنے لگے اے اللہ اگر تو ہمیں صالح صحیح سالم تندرست بچہ دے گا تو ہم بہت شکر گذار ہوں گے، حمل کے دوران ابلیس نے حضرت حواء کے پاس آنا جانا شروع کر دیا، ایک روز ابلیس نے حضرت حواء سے کہا کہ جب تمہارا بچہ پیدا ہو تو اس کا نام میرے نام پر رکھنا، حواء نے معلوم کیا تیرا کیا نام ہے؟ ابلیس نے اپنا غیر معروف نام بتایا یعنی حارث، جب بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام عبدالحارث رکھا، اکثر مفسرین نے جَعَلَا لَہٗ شرکاء فیما آتاھما، کی یہی تفسیر کی ہے، ترمذی، امام احمد، ابی حاتم وغیرہ محدثین نے اس موقع پر سمرہ بن جندب کی حدیث بیان فرمائی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا، حواء کا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا، اس مرتبہ جو حمل رہا تو ابلیس نے آکر کہا، اگر اس بچہ کا نام عبد الحارث رکھو گے تو یہ بچہ زندہ رہے گا، غرضیکہ ابلیس کے بہکانے سے حواء نے ایسا کیا، اس میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی قصور نہیں تھا، اور بعض مفسرین نے آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اسلئے کہ مشرکین مکہ اپنے بچوں کا نام غیر اللہ کے نام پر مثلاً عبدالعزیٰ، عبدالشمس وغیرہ رکھا کرتے تھے اس قسم کے نام رکھنا بھی شرک میں داخل ہے، سمرہ بن جندب کی روایت جو ابھی اوپر گذری ہے، اس کی سند میں ایک راوی عمر بن ابراہیم مصری ہے جس کو بعض

علماء نے ضعیف کہا ہے لیکن ابن معین نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے، اسی واسطے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے ابو ہریرہ کی صحیح حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی عمر میں سے چالیس سال حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو دیئے مگر پھر اس اقرار پر قائم نہ رہے اس کا ذکر آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ حضرت آدم کا اقرار پر قائم نہ رہنا اس بات کا ایک نمونہ تھا کہ ان کی اولاد میں بھی یہ بات پائی جائے گی، اس حدیث سے ان مفسرین کے قول کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عبادت میں تو نہیں مگر نام رکھنے میں شرک شیطان کے بہکانے سے حواء سے ظہور میں آیا، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگردوں میں سے سعید بن جبیر اور عکرمہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ شیطان نے یہ نام حواء کو خواب میں سکھایا تھا اور حضرت حواء نے اپنا یہ خواب حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے بیان کیا حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ نام رکھنے سے منع فرمایا، لیکن اس لڑکے سے پہلے دو لڑکے فوت ہو چکے تھے، اس لئے شیطان نے حواء کو یہ پٹی پڑھائی کہ اب کی دفعہ جو لڑکا پیدا ہو اس کا نام عبد الحارث رکھنا تو وہ لڑکا زندہ رہیگا اور عمر دراز ہوگا، اولاد کی محبت کے جوش میں حواء نے اس بچہ کا نام عبد الحارث رکھ دیا، حضرت آدم چونکہ پہلے ہی منع کر چکے تھے اس لئے بچہ کے پیدا ہونے اور اس نام کے رکھے جانے کے بعد اس نام کی انہوں نے کچھ کرید نہ کی یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند آئی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلاۃ والسلام اور حواء دونوں کا نام اس قصہ میں ذکر فرمایا، اس آیت کی تفسیر کو علماء نے بہت مشکل قرار دیا ہے، لیکن سلف میں سے قتادہ اور سفیان ثوری کا یہ قول جب مدنظر رکھا جائے کہ تفسیر کے باب میں سعید بن جبیر اور عکرمہ کے قول کا بڑا اعتبار ہے اور سعید بن جبیر اور عکرمہ کے قول کے مطابق آیت کی تفسیر کی جائے تو آیت کی تفسیر میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی۔ (خلاصہ احسن التفاسیر)

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورة الانفال مدنية او اِلَّا واِذْ يَمْكُرُ بِكَ الْاٰيَاتُ السبعُ فمكية خمسٌ او ستٌّ او سبعٌ وسبعون اٰيةً.

سورۂ انفال مدنی ہے مگر وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ سے سات آیتیں مکی ہیں، ۷۵ یا ۷۶ یا ۷۷ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ لَمَّا اخْتَلَفَ الْمُسْلِمُوْنَ فِى غَنَائِمِ بَدْرٍ فَقَالَ الشُّبَّانُ هِىَ لَنَا لِاَنَّا بَاشَرْنَا الْقِتَالَ وقال الشُّيُوْخُ كُنَّا رِدْأَلَكم تَحْتَ الرَّايَاتِ ولوانكشَفْتُمْ لَفِئْتُمْ الينا فَلَا تَسْتَأْثِرُوْا بها نَزَلَ **يَسْئَلُوْنَكَ** يا مُحَمَّدُ صلى اللّٰه عليه وسلم **عَنِ الْاَنْفَالِ** الغنائم لمن هى **قُلِ** لهم **الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ** يَجْعَلَانِهَا حيثُ شاءَ ا فَقَسَّمَهَا صلى اللّٰه عليه وسلم عَلَى السَّوَاءِ رَوَاهُ الحاكمُ فى المستدرك **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ** اى حَقِيْقَةَ ما بَيْنَكم بالمَوَدَّةِ وتَرْكِ النِّزَاعِ **وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ**① حقاً **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ** الكاملون الايمان **الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ** اى وَعِيْدُهٗ **وَجِلَتْ** خافَتْ **قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا** تصديقاً **وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ**② به يَثِقُوْنَ لا بغيره **الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ** يَاْتُوْنَ بها بحقوقها **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ** اعْطَيْنٰهم **يُنْفِقُوْنَ**③ فى طاعةِ اللّٰهِ **اُولٰٓئِكَ** الموصُوفُوْنَ بما ذُكِرَ **هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا** صدقًا بلا شكٍّ **لَهُمْ دَرَجٰتٌ** منازِلُ فى الجنةِ **عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ**④ فى الجنةِ **كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ باَخْرَجَ **وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ**⑤ الخُرُوْجَ والجملةُ حالٌ من كافِ اَخْرَجَكَ وكما، خبرُ مبتدأ محذوفٍ اى هذهِ الحالُ فى كَرَاهَتِهِم لها مِثْلُ اِخْرَاجِكَ فى حالِ كَرَاهَتِهِم وقد كَانَ خيرًا لهم فكذلكَ ايضًا وذلك

ان ابا سُفیانَ قدِمَ بعِیرٍ من الشام فخرجَ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واصحابُہٗ لیَغْنَمُوْھا فعلِمتْ قریشٌ فخرجَ ابوجهلٍ ومُقَاتِلُوْا مكة لِيَذُبُّوْا عنها وهم النَفِيرُ اَخَذَ ابوسفيانَ بالعيرِ طَرِيْقَ السَّاحِلِ فَنَجَتْ فقيل لابي جهلٍ اِرْجِعْ فَاَبٰى وسَارَ الى بدرٍ فشَاوَرَ صلى الله عليه وسلم اصحابَهٗ وقال اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَنِيْ اِحْدى الطّائفتَيْنِ فوَافَقُوْهُ على قتالِ النَّفيرِ وكَرِهَ بعضُهم ذلك وقَالُوْا لم نَسْتَعِدَّ له كما قال تعالى **يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ** القتالِ **بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ** ظَهَرَ لهم **كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ**⑥ اليه عِيانًا في كَراهتِهم له وَ اذكر **اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ** العيرَ اوالنفيرَ **اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ** تُريدُوْنَ **اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ** اي الباسِ والسلاحِ وهيَ العيرُ **تَكُوْنُ لَكُمْ** لقلةِ عُددِها وعَددِها بخلافِ النفيرِ **وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ** يُظهِرَهٗ **بِكَلِمٰتِهٖ** السابقةِ بظهورِ الاسلامِ **وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ**⑦ اٰخِرَهم بالاِسْتِئْصالِ فَاَمَرَكُمْ بقتالِ النفيرِ **لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ** يَمحقَ **الْبَاطِلَ** الكفرَ **وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ**⑧ المشركُوْنَ ذلك اُذكُرْ **اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ** تَطلُبُوْنَ منه الغَوثَ بالنصرِ عليهم **فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ** اي بانّي **مُمِدُّكُمْ** مُعِينُكم **بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ**⑨ مُتَتَابِعِيْنَ يُرْدِفُ بعضُهم بعضًا وَعَدَهم بها اولاً ثم صارتْ ثلاثةَ اٰلافٍ ثم خمسةً كما في اٰلِ عمرانَ وقُرِئَ بِاٰلُفٍ كافْلُسٍ جمعٌ **وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ** اي الاِمْدَادَ **اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ**⑩

ترجمہ: میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے جب بدر کے مال غنیمت (کی تقسیم) کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہوا، تو جوانوں نے کہا یہ ہمارا حق ہے اسلئے کہ ہم نے براہ راست قتال کیا ہے اور بوڑھوں نے کہا پرچموں کے تحت ہم تمہارے مددگار تھے اگر (خدانخواستہ) تم کو شکست ہو جاتی تو تم ہمارے پاس پلٹ کر آتے لہٰذا تم مال غنیمت کے بارے میں ترجیح کا دعوانہ کرو، اے محمد ﷺ لوگ آپ سے مال غنیمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا کون مستحق ہے آپ ان سے کہہ دو مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے وہ جس کو چاہیں دیں چنانچہ آپ ﷺ نے اس مال غنیمت کو جوانوں اور بوڑھوں کے درمیان مساوی طریقہ پر تقسیم کر دیا، اس کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے، تم لوگ اللہ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم سچے مومن ہو کامل اہل ایمان تو وہی لوگ ہیں جب ان کے سامنے اللہ کی وعید ذکر کی جاتی ہے تو ان کے دل خوف سے لرز جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی تصدیق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں، یعنی اسی پر اعتماد کرتے ہیں نہ کہ اس کے علاوہ کسی اور پر جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی نماز کو اس کے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اور جو (مال) ہم نے ان کو

عطا کیا ہے اس میں سے اللہ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں ایسے ہی لوگ جو مذکورہ صفات کے ساتھ متصف ہیں بلاشک سچے مومن ہیں ان کے لئے جنت میں ان کے رب کے پاس بڑے رُتبے ہیں اور مغفرت ہے اور جنت میں بہترین رزق ہے (مال غنیمت کے بارے میں جو اختلاف ہے وہ ایسا ہی ہے) جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کو گھر (مدینہ) سے حق کے ساتھ نکالا (بالحق) اَخرَجَ کے متعلق ہے، اور واقعہ ہے کہ مومنین کی ایک جماعت اس نکلنے کو گراں سمجھ رہی تھی جملہ اَخرَجَ کی ضمیر کاف سے حال ہے اور کَمَا، هذه مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعنی مال غنیمت کے معاملہ کی موجودہ حالت کراہت میں ویسی ہے جیسی کہ آپ کے (مدینہ) سے نکالنے کی حالت، اور جس طرح اس (نکلنے) میں ان کے لئے خیر تھی اسی طرح اس میں بھی خیر ہے، اور ان کا یہ (مدینہ سے) نکلنا اس وقت ہوا کہ جب ابوسفیان تجارتی قافلہ لیکر شام سے نکلا، تو آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب اس (قافلہ) کا مال غنیمت لینے کے لئے نکلے، اس (کارروائی) کا علم قریش کو ہو گیا، تو ابوجہل اور مکہ کے جنگ باز نکلے تاکہ تجارتی قافلہ کا دفاع کریں اور یہ جنگی لشکر تھا، اور ابوسفیان تجارتی قافلے کو ساحل کے راستہ سے نکال لے گیا چنانچہ وہ (تجارتی قافلہ) بچ کر نکل گیا، ابوجہل سے کہا گیا کہ واپس چلو مگر اس نے انکار کر دیا، اور بدر کی طرف روانہ ہوا، ادھر آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے لہٰذا اکثر جنگی لشکر سے مقابلہ کرنے کے لئے متفق ہو گئے، اور کچھ لوگوں نے اس رائے کو ناپسند کیا، اور عذر یہ پیش کیا کہ ہم نے اس کے لئے تیاری نہیں کی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آپ سے یہ لوگ حق یعنی قتال، کے بارے میں جھگڑتے ہیں بعد اس کے کہ اس کا حق ہونا ان پر ظاہر ہو گیا گویا کہ وہ موت کی طرف کھینچ کر لے جائے جا رہے ہیں حال یہ کہ وہ موت کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ان کے قتال کو ناپسند کرنے کی وجہ سے، اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تم سے دو جماعتوں میں عیر ونفیر (تجارتی قافلہ اور جنگی لشکر) سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک جماعت تمہارے ہاتھ لگے گی، اور تم یہ چاہتے تھے کہ کمزور جماعت تم کو ملے، ان کے تعداد اور ہتھیاروں میں کم ہونیکی وجہ سے یعنی بغیر قوت اور بغیر ہتھیار والی جماعت اور وہ تجارتی قافلہ تھا، بخلاف جنگی لشکر کے، مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنی سابقہ باتوں کے ذریعہ حق کو ظاہر کر دے اسلام کو غلبہ دے کر اور کافروں کی جڑ بالکل کاٹ دے لہٰذا تم کو جنگی لشکر سے قتال کا حکم دیا، تاکہ وہ حق کو محقق کرے اور باطل کفر کو مٹا دے اگر چہ مشرک اس کو ناپسند کریں اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے یعنی اللہ سے مشرکین پر نصرت طلب کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو جواب دیا کہ میں مسلسل ایک ہزار فرشتوں سے مدد کر دوں گا، جو مسلسل چلے آ رہے ہوں گے، اولاً ان سے ہزار کا وعدہ کیا، پھر تین اور پھر پانچ ہزار ہو گئے جیسا کہ آل عمران میں ہے، اور (اَلْفٌ) کو آلُفٌ پڑھا گیا ہے جیسا کہ فَلْسٌ کی جمع اَفْلُسٌ ہے، اور اس امداد کی اللہ تعالیٰ نے خوشخبری کے طور پر خبر دی اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے یقیناً اللہ زبردست اور دانا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: سُوْرَةُ الْاَنفال بترکیب اضافی مبتداء ہے اس کی دو خبر ہیں اول مَدَنِيَّةٌ اور دوسری خَمْسٌ الخ، مبتداء خبر سے مل کر مستثنیٰ منہ اور اِلَّا حرف استثنیٰ و یمکر بك مستثنیٰ، اور اَوْ بیان اختلاف کے لئے ہے، اگرچہ سورت کے عنوان میں سات آیتوں کو مکی کہا گیا ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ پوری سورت مدنی ہے۔

قولہ: عَنِ الْاَنفالِ، اَنفال نَفَلٌ بروزن سَبَبٌ کی جمع ہے بمعنی زائد، اور سکون فا کے ساتھ بھی کہا گیا ہے اس کے معنی بھی زائد کے ہیں، مال غنیمت چونکہ سابقہ امتوں کے لئے حلال نہیں تھا صرف اسی امت کے لئے بطور خصوصیت حلال کیا گیا ہے اس لئے نفل سے تعبیر کیا گیا،

سوال: یسئلونكَ عن الانفال، میں یسئلونك کا صلہ عَنْ لایا گیا ہے حالانکہ یہ فعل متعدی بنفسہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے سألتُ زیداً مالاً۔

جواب: اگر سوال تعیین و توضیح کے لئے ہو تو سوال متعدی عَنْ کے ساتھ ہوگا اور اگر بمعنی طلب ہوگا تو متعدی بنفسہ ہوگا، جو لوگ یہاں سوال کو طلب کے لئے مانتے ہیں وہ عن کو زائدہ قرار دیتے ہیں۔

قولہ: لَو انْكَشَفْتُمْ، ای انهزمْتم و انتشرتم، اگر تم شکست کھاتے اور منتشر ہوتے۔

قولہ: فَلا تَسْتَأْثِرُوا، ای فلا تختاروا، یعنی تمہاری بیان کردہ دلیل کی وجہ سے تم کو ترجیح نہیں دی جاسکتی، ایثار کے معنی ہیں ترجیح دینا، مال غنیمت کو نفل کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جہاد کا اصل مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے، اور حصول مال شئی زائد ہے۔

قولہ: لِمَنْ هِیَ اس میں اشارہ ہے مال غنیمت کا حکم معلوم کرنا مقصود ہے نہ کہ اس کی ذات اسلئے کہ ذات سب کو معلوم ہے۔

قولہ: ای حَقِیْقَةَ مَابَیْنَکُمْ، یہ ذات بینکم کی تفسیر ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے ذات بمعنی حقیقت ہے اور بین بمعنی وصل ہے، اور لغت کے مطابق ہے، بخلاف اس کے کہ جنہوں نے حال یا حالت لیا ہے اسلئے کہ یہ معنی لغت اور استعمال دونوں کے خلاف ہیں، حاصل معنی یہ ہیں کونوا مجتمعین علی امر اللّٰہ ورسولہ بالمؤاساۃ و المساعدۃ فیما رزقکم اللّٰہ.

قولہ: الکامِلُوْنَ اس قید کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے اِنَّما کلمہ حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ مومن وہی ہے کہ جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے قلوب خوف خدا سے لرز اٹھیں، تو ایسے افراد تو بہت کم ہوں گے۔

جواب: یہ مومن کامل کی صفت ہے نہ کہ مطلق مومن کی۔

قولہ: تصدیقاً، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ آپ کا مسلک ہے کہ ایمان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی حالانکہ زادتھم ایماناً، سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں ایمان سے مراد تصدیق وطمانیت قلب ہے اور اس میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔

قولہ: بِہٖ یَثِقُوْنَ لا بِغَیْرِہٖ اس اضافہ کا مقصد تقدیم متعلق کے قاعدہ کو بیان کرنا ہے جو کہ حصر ہے یعنی تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں نہ کسی غیر پر۔

قولہ: الخُرُوْجَ، ای خروجك وخروجھُمْ، یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ حال جب جملہ ہوتا ہے تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے حالانکہ یہاں کوئی عائد نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر عبارت خروجك وخروجھم ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ: کما، خبر مبتداء محذوف الخ اس جملہ کا مقصد دونوں جملوں میں مشابہت کو بیان کرنا ہے یعنی مال غنیمت کی تقسیم پر ناپسندیدگی کا اظہار ویسا ہی ہے جیسا کہ خروج الی النفیر (لشکر) کی طرف نکلنا ناپسندیدہ تھا، حالانکہ جس طرح ان کے حق میں خروج بہتر تھا اسی طرح مال غنیمت کی تقسیم میں بھی خیر ہے۔

قولہ: عُدَدُھا، ای اسبابُھا.

قولہ: بالفِ یعنی اَلْفٌ کو اَلِف کے ساتھ یعنی اُلُفٌ بھی پڑھا گیا الف پر مد اور لام پر ضمہ بروزن اَفْلُسٌ، یعنی جس طرح فَلْسٌ کی جمع اَفْلُسٌ آتی ہے اسی طرح اَلْفٌ کی جمع اُلُفٌ آتی ہے، اُلُفٌ کی اصل أأْلُف تھی دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا اُلُفٌ ہوگیا۔

تفسیر وتشریح

سورت کے مضامین:

یہ پوری سورت تحقیقی قول کے مطابق مدنی ہے اگرچہ اس میں سات آیتیں اس واقعہ سے متعلق ہیں جو مکہ میں پیش آیا تھا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مکی واقعہ کے متعلق آیات کا نزول بھی مکہ ہی میں ہو، یہ ہوسکتا ہے کہ مکی واقعہ کی یاددہانی کے لئے اس واقعہ سے متعلق آیات کا نزول مدینہ میں ہو، جن آیات سبع کو مکی کہا گیا ہے ان میں کی آخری آیت "بما کنتم تکفرون" ہے۔

ربط آیات:

اس سے پہلی سورت یعنی سورۂ اعراف میں مشرکین اور اہل کتاب کے جہل وعناد اور کفر وفساد کا تذکرہ اور اس کے متعلق مباحث کا بیان تھا، اس سورت میں زیادہ تر مضامین غزوۂ بدر کے موقع پر انھیں لوگوں کے انجام بد، ناکامی، اور ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کامیابی کے متعلق ہیں جو مسلمانوں کے لئے احسان وانعام اور کافروں کے لئے عذاب وانتقام تھا، اور چونکہ اس انعام کا بڑا سبب مسلمانوں کا خلوص اور للّٰہیت اور ان کا باہمی اتفاق تھا، اور یہ اخلاق واتفاق نتیجہ ہے اللہ اور

اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت کا اسی لئے سورت کی ابتداء میں تقوی اور اطاعتِ حق اور ذکر اللہ اور توکل وغیرہ کی تعلیم دی گئی ہے۔

معلوم ہوا کہ آیت میں مذکور تین باتوں پر عمل کے بغیر ایمان مکمل نہیں، اس سے تقویٰ، اصلاح ذات البین اور اللہ اور رسول کی اطاعت کی اہمیت واضح ہے، خاص طور پر مال غنیمت کی تقسیم میں ان تینوں امور میں عمل نہایت ضروری ہے، اسلئے کہ مال کی تقسیم میں باہمی نزاع کا شدید اندیشہ رہتا ہے اس کی اصلاح کے لئے اصلاح ذات البین پر زور دیا اور چونکہ ہیرا پھیری کا امکان رہتا ہے اسلئے تقوے کا حکم دیا، اس کے باوجود کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس کا حل اللہ اور اس کی اطاعت میں مضمر ہے۔

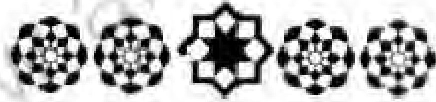

قریش کی تجارتی شاہراہ

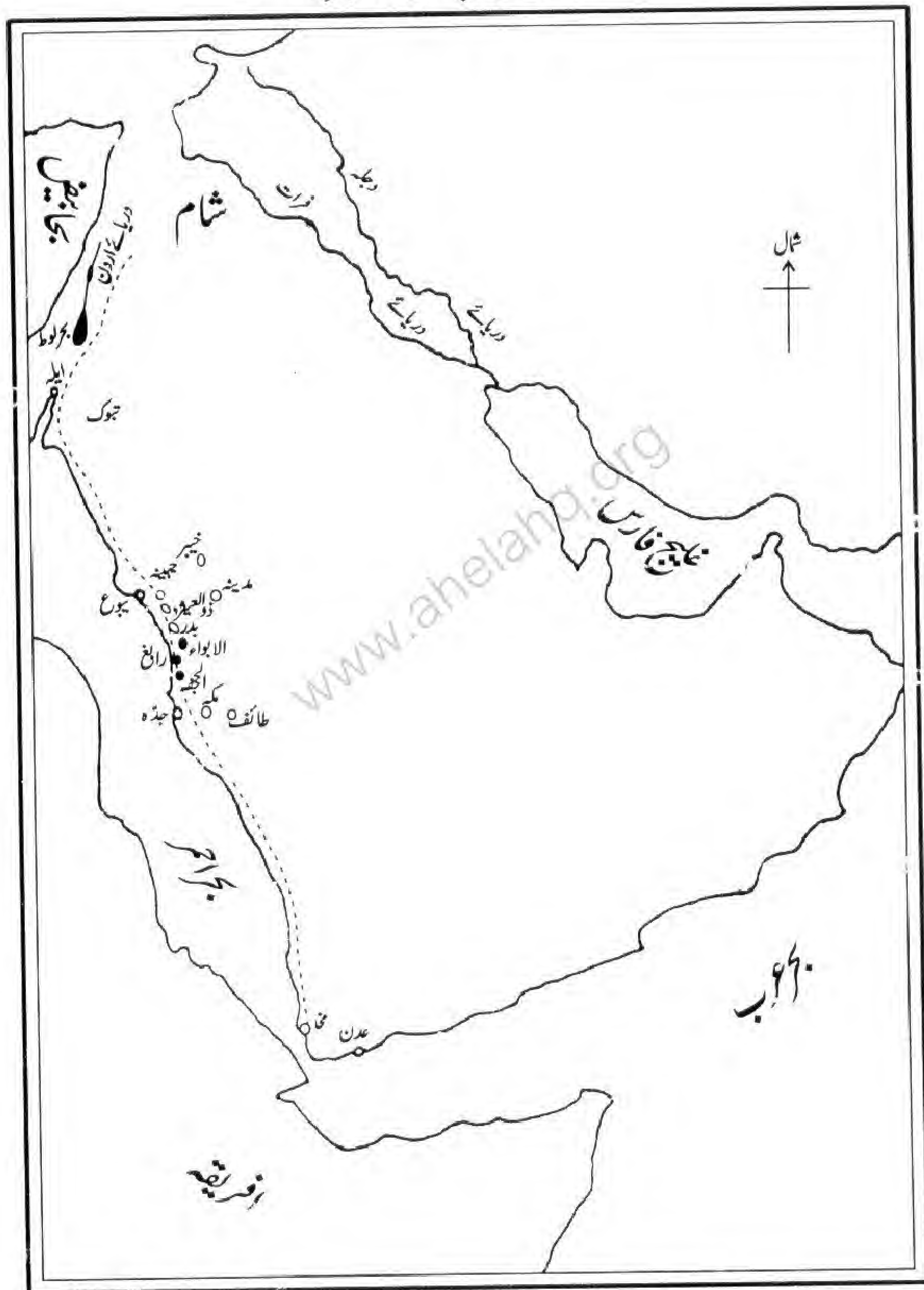

اہل ایمان کی چار صفات:

ان آیات میں اہل ایمان کی چار صفات بیان کی گئی ہیں، (۱) اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، (۲) اللہ کا ذکر سن کر اللہ کی جلالت و عظمت سے ان کے دل لرزنے لگتے ہیں، (۳) تلاوت سے ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، (۴) اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، یعنی ظاہری اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں یعنی اسباب سے اعتراض و گریز نہیں کرتے اسلئے کہ اسباب کو اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالی نے بھی دیا ہے، لیکن اسباب ظاہری کو ہی سب کچھ نہیں سمجھتے بلکہ ان کا یقین اللہ کی ذات پر ہی ہوتا ہے، وہ اللہ کی مدد و اعانت حاصل کرنے سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے، آگے مومنین کی مزید صفات کا تذکرہ ہے اور ان صفات کے حاملین کے لئے اللہ کی طرف سے سچے مومن ہونے کا سرٹیفکٹ اور مغفرت و رحمت الٰہی اور رزق کریم کی نوید ہے۔

جنگ بدر کا پس منظر:

جنگ بدر جو ۲ھ میں ہوئی یہ مشرکوں کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی جنگ تھی، اس کے علاوہ یہ جنگ بغیر تیاری اور بغیر منصوبہ بندی کے اچانک ہوئی تھی، نیز بے سروسامانی کی وجہ سے بعض مسلمان اس کے لئے ذہنی طور پر تیار بھی نہیں تھے، مختصراً اس کا پس منظر اس طرح ہے کہ ابوسفیان (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی قیادت و سرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ شام سے مال تجارت لے کر مکہ جارہا تھا، ادھر صورت حال یہ تھی کہ مسلمان مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے وقت اپنا بہت سا سامان مکہ چھوڑ آئے تھے جس پر اہل مکہ نے قبضہ کرلیا تھا اور بہت سا سامان لوٹ بھی لیا تھا، اس کے علاوہ کافروں کی قوت و شوکت کو توڑنا بھی مقتضائے وقت تھا، ان تمام باتوں کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اس قافلہ پر حملہ کا پروگرام بنایا، اور مسلمان اسی نیت و ارادے سے نکل پڑے، ادھر ابوسفیان کو بھی اس کی اطلاع مل گئی چنانچہ انہوں نے ایک تو اپنا راستہ بدل دیا اور معروف راستہ کو چھوڑ کر ساحل سمندر کے کنارے کنارے غیر معروف راستہ سے قافلہ کو نکال لے گیا، دوسری بات یہ کی کہ اس واقعہ کی اطلاع مکہ بھجوادی، جس کی بنا پر ابوجہل ایک ہزار کا مسلح لشکر لے کر اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لئے چل پڑا نبی کریم ﷺ کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو صحابہ کرام کے سامنے پوری صورت حال رکھدی، اور اللہ کا وعدہ بھی بتلادیا کہ ان دونوں (تجارتی قافلہ اور جنگی لشکر) میں سے ایک تمہیں ضرور حاصل ہوگی تاہم بعض صحابہ نے جنگ کے معاملہ میں تردد کا اظہار کیا، اور تجارتی قافلہ کے تعاقب کا مشورہ کیا جبکہ دیگر اکثر صحابہ نے آپ کی معیت میں لڑنے اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا، اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ، یعنی جس طرح مال غنیمت کی تقسیم کا معاملہ مسلمانوں کے درمیان

اختلاف ونزاع کا باعث بنا تھا، پھر اسے اللہ اور اس کے رسول کے حوالہ کردیا گیا تو اسی میں مسلمانوں کی بہتری تھی، اسی طرح آپ کا مدینہ سے تجارتی قافلہ کے ارادہ سے نکلنا اور بعد میں تجارتی قافلے کے بجائے لشکر قریش سے مقابلہ ہوجانا، گو بعض طبائع کو وقتی حالات کے پیش نظر نا گوار تھا، لیکن اس میں بھی بالآخر فائدہ مسلمانوں ہی کا ہونے والا تھا۔

غزوۂ بدر کے واقعہ کی تفصیل:

غزوۂ بدر اسلام میں سب سے بڑا اور اہم غزوہ ہے اس لئے کہ اسلام کی عزت وشوکت کی ابتداء اور کفر وشرک کی ذلت کی ابتداء بھی اسی غزوہ سے ہوئی۔

اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے اسلام کو بلا ظاہری اسباب کے محض غیب سے قوت حاصل ہوئی اور کفر وشرک کے سر پر ایسی کاری ضرب لگی کہ کفر کے دماغ کی ہڈی چور چور ہوگئی، میدان بدر اس کا اب تک شاہد عدل موجود ہے، اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس دن کو قرآن کریم میں "یوم الفرقان" فرمایا یعنی حق وباطل کے درمیان امتیاز کا دن۔

واقعات کی ترتیب کچھ اس طرح ہے، شعبان ۲ھ (فروری یا مارچ ۶۲۳ء) میں قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً پچاس ہزار اشرفی کا مال تھا اور قافلہ کی حفاظت کے لئے تیس چالیس مسلح محافظ تھے یہ قافلہ شام سے مال تجارت لے کر مکہ کے لئے واپس ہو رہا تھا جب ابوسفیان جو کہ سالار قافلہ تھا مدینہ کے اس علاقہ میں پہنچا جو مسلمانوں کی زد میں تھا چونکہ مال زیادہ تھا اور محافظ کم تھے اور سابق حالات کی بنا پر خطرہ قوی تھا اسلئے سالار قافلہ ابوسفیان نے اس علاقہ میں پہنچتے ہی جب اس کو یہ علم ہوا کہ محمد ﷺ نے اپنے اصحاب کو قافلہ پر چھاپہ مارنے کا حکم دیدیا ہے تو فوراً ہی ایک شخص ضمضم غفاری کو اجرت دیکر مکہ روانہ کردیا اور کہلا دیا کہ جتنی جلدی ممکن ہو اپنے قافلہ کی خبر لیں اور اپنے سرمایہ کو بچانے کی کوشش کریں، ضمضم غفاری نے مکہ پہنچتے ہی قدیم دستور کے مطابق اپنے اونٹ کے کان کاٹے اس کی ناک چیردی کجاوہ کو الٹ کر رکھدیا اور اپنی قمیص کو آگے پیچھے سے پھاڑ کر شور مچانا شروع کردیا "**یا معشر القریش اللطیمه اللطیمه اموالکم مع ابی سفیان قد عَرَض لها محمد فی اصحابه لا أریٰ ان تدرکوها، الغوث الغوث**".

ترجمہ: قریش والو اپنے قافلہ کی خبر لو تمہارے مال جو ابوسفیان کے ساتھ ہیں محمد ﷺ اپنے آدمیوں کو لیکر ان کے درپے ہوگیا ہے، مجھے امید نہیں کہ تم انھیں پاسکو گے، دوڑو دوڑو، مدد کے لئے دوڑو۔

اس اعلان کی وجہ سے پورے مکہ میں ہیجان برپا ہوگیا، قریش کے تمام بڑے بڑے سردار جنگ کے لئے تیار ہوگئے تقریباً ایک ہزار جنگجو، جن میں چھ سو زرہ پوش تھے اور دو سو سواروں کا ایک رسالہ بھی تھا پوری شان وشوکت کے ساتھ لڑنے کے لئے روانہ ہوا، ان کے پیش نظر صرف یہی کام نہیں تھا کہ اپنے قافلے کو بچالائیں بلکہ وہ اس ارادہ سے نکلے تھے کہ اس آئے دن کے خطرہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیں۔

اسلامی لشکر کی روانگی:

۱۲رمضان ۲ھ کو رسول اللہ ﷺ مدینہ سے اپنے ۳۱۳ جاں نثاروں کے ہمراہ روانہ ہوئے، بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اتنی جماعت میں صرف دو گھوڑے ستر اونٹ تھے ایک گھوڑا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عوام کا اور ایک حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا اور ایک ایک اونٹ دو دو اور تین تین آدمیوں کے حصہ میں تھا، ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما آنحضرت ﷺ کے سواری میں شریک تھے، جب آنحضرت ﷺ کے پیدل چلنے کی باری آتی تو حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما عرض کرتے کہ آپ سوار ہو جائیں ہم پیدل چل لیں گے تو آپ فرماتے تم چلنے میں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو۔

(سیرۃ مصطفی)

لشکر کا معاینہ:

بیرابی لبابہ پر پہنچ کر آپ نے لشکر کا معاینہ فرمایا، جو کم عمر تھے ان کو واپس کر دیا مقام روحاء میں پہنچ کر ابولبابہ بن عبدالمنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر واپس کر دیا۔

قریش کی روانگی کی اطلاع اور صحابہ کرام سے مشورہ اور حضرات صحابہ کی جاں نثارانہ تقریریں:

جب آپ مقام صفراء پر پہنچے بسبس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کو قریشی لشکر کے حالات معلوم کرنے کے لئے آپ نے پہلے روانہ فرمادیا تھا، آکر خبر دی کہ قریشی لشکر روانہ ہو چکا ہے، اس وقت آپ نے مہاجرین وانصار کو مشورہ کے لئے جمع فرمایا، اور قریش کی اس شان سے روانگی کی خبر دی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جاں نثاری فرمایا اور بسروچشم آپ کے اشارہ کو قبول کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کھڑے ہوئے انہوں نے بھی نہایت خوبصورتی کے ساتھ اظہار جاں نثاری فرمایا۔

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جاں نثارانہ تقریر:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت مقداد کھڑے ہوئے اور عرض کیا، امض لِما امرکَ اللہ فانّا معك حیثما احببت لا نقول لك کما قال بنو اسرائیل لموسیٰ اذھب انتَ وربك فقاتلا اناھٰھنا قاعدون ولکن اذھب

انت وربك اِنا معكما مقاتلون مادامت عين منا تطرف.

ترجمہ: یا رسول اللہ! جدھر کو آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے اسی طرف چلئے ہم آپ کے ساتھ ہیں جس طرف بھی آپ جاتیں ہم آپ کے ساتھ ہیں ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں، کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں چلئے آپ اور آپ کا خدا لڑیئے ہم آپ کے ساتھ جانیں لڑا دیں گے جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے۔

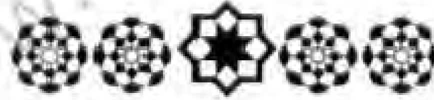

مدینہ سے بدر تک کے راستہ کا نقشہ

شمال
جبل اُحد
مدینہ منورہ
بئر درولش
بئر الرحد
میمیدا
الحمرا
شام کا تجارتی راستہ
ینبع البحر
الشفیہ
بئر سعید
بدر
بئر ابن حصانج
بئر الشیخ
حجاز
بحر احمر
مستورہ
رابغ
تضیمہ
عسفان
وادی فاطمہ
مکہ مکرمہ
جدہ
بحیرہ
حدیبیہ
طائف
افریقہ
پیمانہ
۴۰ میل فی انچ

اس نقشے میں قافلوں کے دوراستے دکھائے گئے ہیں جو مکّے سے بدر ہوتے ہوئے شام کی طرف جاتے ہیں۔ نیز وہ راستہ بھی دکھایا گیا ہے جو مدینے سے بدر کی طرف آتا ہے۔

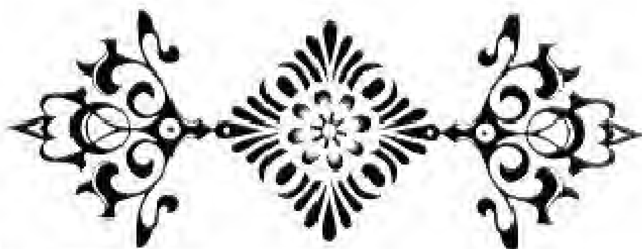

چونکہ انصار نے بیعتِ عقبہ میں صرف اس کا عہد کیا تھا کہ جو دشمن آپ پر حملہ آور ہوگا اس وقت ہم آپ کے حامی اور مددگار ہوں گے، مدینہ سے باہر جا کر آپ کے ساتھ جنگ کرنے کا وعدہ نہ تھا، اسی کی یاد دہانی کے لئے حضرت مقداد نے عرض کیا کہ ہم جاں نثاری اور کسی بھی قربانی کیلئے تیار ہیں مگر جنگ کا فیصلہ انصار کے مشورہ کے بغیر نہیں ہونا چاہئے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنا سوال پھر دہرایا، اس پر سعد بن معاذ اٹھے اور عرض کیا شاید حضور کا روئے سخن انصار کی طرف ہے، فرمایا، ہاں، حضرت سعد بن معاذ نے ایک زوردار جاں نثارانہ تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں بھی کودنے کا حکم فرمائیں گے تو ہم میں کا ایک فرد بھی پیچھے نہ رہے گا، اور بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھوادے جسے دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں۔

ان تقریروں کے بعد فیصلہ ہوگیا کہ قافلہ کے بجائے قریشی لشکر ہی کے مقابلہ پر چلنا چاہئے، مگر یہ کوئی معمولی فیصلہ نہ تھا۔

دونوں لشکر آمنے سامنے:

قریشی لشکر مقام بدر پہلے پہنچ کر پانی کے چشمہ اور بہتر جگہ پر قابض ہو چکا تھا، مسلمانوں کا لشکر چونکہ بعد میں پہنچا اس لئے پانی کا چشمہ اور بہتر جگہ پر قابض نہ ہو سکا، ۱۸ رمضان المبارک کو فریقین کا مقابلہ ہوا، نبی ﷺ نے دیکھا کہ تین کافروں کے مقابلہ میں ایک مسلمان ہے اور وہ بھی پوری طرح مسلح نہیں تو آپ ﷺ نے خدا کے سامنے دعاء کے لئے ہاتھ پھیلائے اور انتہائی خضوع وزاری کے ساتھ عرض کرنا شروع کیا۔

اللّٰهم هذه القريش قد اتت بخيلائها تحاول ان تكذب رسولك اللهم فنصرك الذى وعدتنى، اللهم إن تهلك هذه العصابة اليوم لا تُعبد.

ترجمہ: خدایا، یہ ہیں قریش جو اپنے سامانِ غرور کے ساتھ آئے ہیں تاکہ تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کریں، خداوندا بس اب آجائے تیری مدد جس کا تو نے وعدہ کیا تھا، اے خدا اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر پھر تیری عبادت نہ ہوگی۔

آپ کے لئے عرشہ سازی اور جنگ کی تیاری:

جنگ کی تیاری کے بعد آپ کے لئے ایک ٹیلے پر جہاں سے پورا میدان کارزار نظر آتا تھا ایک چھپر بنایا گیا، حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضرت عمر سے راوی ہیں کہ آپ ﷺ اسی شب ہم کو میدان کارزار کی طرف لے کر چلے تاکہ اہل مکہ کی قتل گاہیں ہم کو دکھلائیں چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ فلاں کا مقتل ہے اور یہ فلاں کا مصرع ہے اور یہ فلاں کی قتل گاہ انشاء اللہ۔

مشرکین کے مقتولین بدر کی لاشوں کو کنویں میں ڈلوانا:

مشرکین مکہ کے مقتولین کی تعداد اگرچہ ستر تھی مگر صرف ۲۴ سردار ایک کنویں میں ڈالے گئے باقی مقتولین کہیں اور ڈلوا دیئے گئے، آپ نے تین شب بدر میں قیام فرمایا، تیسرے روز آپ سواری پر سوار ہو کر چلے صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ چلی آپ اس کنویں پر جا کر کھڑے ہوئے جس میں سرداران قریش کی لاشیں ڈالی گئی تھیں اور آپ نے نام بنام پکار کر فرمایا، یا عتبہ یا شیبہ یا امیہ یا ابا جہل اس طرح نام لے لے کر پکارا اور یہ فرمایا تم کو یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے، بلاشبہ جس چیز کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو حق پایا کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم:

آپ تین روز قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے اور مال غنیمت عبد بن کعب کے سپرد فرمایا اور مقام صفراء میں پہنچ کر مال غنیمت کی تقسیم فرمائی ہنوز مال غنیمت کے تقسیم کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اصحاب بدر مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں مختلف الرائے ہو گئے، جوان یہ کہتے تھے کہ مال غنیمت ہمارا حق ہے کہ ہم نے قتال میں براہ راست حصہ لیا اور کافروں کو قتل کیا، بوڑھے یہ کہہ رہے ہے کہ ہماری تدبیر اور پشت پناہی سے فتح حاصل ہوئی ہے لہذا مال غنیمت میں ہمارا بھی حصہ ہے ایک تیسرا فریق جو کہ آنحضرت ﷺ کی حفاظت وصیانت میں مشغول تھا اس کا کہنا تھا کہ اگر سب لوگ جنگ میں شریک ہو جاتے تو ہو سکتا تھا کہ دشمن پلٹ کر آپ ﷺ کو گزند پہنچا دیتا اگر آپ کو گزند پہنچ جاتی تو یہ تمام فتح و کامرانی بے سود ہوتی لہذا ہم نے چونکہ اہم کام انجام دیا ہے لہذا مال غنیمت میں ہمارا بھی برابر کا حصہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ:

مقام صفراء میں پہنچ کر آپ نے یہ مال مساوی طور پر تقسیم فرما دیا، شریک جنگ حضرات کے علاوہ آپ نے ان آٹھ حضرات کو بھی حصہ دیا جو آپ کے حکم یا اجازت سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے، ان حضرات میں عثمان غنی بھی شامل تھے، تفصیل کے لئے سیرۃ المصطفیٰ کی طرف رجوع کریں۔

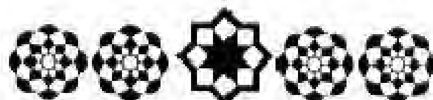

نقشہ جنگ بدر

شام کو
مدینہ کو
بدر کی بستی
اسلامی فوج
باغات
بدویوں کے مکانات
عام قبرستان
مقابر شہدائے بدر
جبل اسفل
مکہ کو
شمال

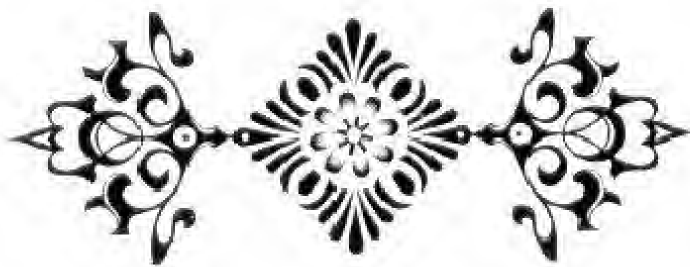

اُذْکُرْ اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً اَمْنًا مِمَّا حَصَلَ لَکُمْ مِنَ الْخَوْفِ مِّنْهُ تَعَالٰی وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمْ بِهٖ مِنَ الْاَحْدَاثِ وَالْجَنَابَاتِ وَیُذْهِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَسْوَسَتَهُ الیکم بانکم لو کنتم علی الحق ما کنتم ظماءَ مُحْدِثِیْنَ والمشرکون علی الماءِ وَلِیَرْبِطَ یَحْبِسَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ بالیقین والصبر وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ ان تسوخ فی الرمل اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ الذین امدّبهم المسلمین اَنِّیْ ای بانی مَعَکُمْ بالعون والنصر فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بالاعانة والتبشیر سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ الخوف فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ ای الرؤس وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ کُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ای اطراف الیدین والرجلین فکان الرجل یقصد ضرب رقبة الکافر فتسقط قبل ان یصل سیفه الیه ورماهم صلی اللّٰه علیه وسلم بقبضة من الحصی فلم یبق مشرک الا دخل فی عینیه منها شیءٌ فهزموا ذٰلِکَ العذاب الواقع بهم بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا خالفوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ له ذٰلِکُمْ العذاب فَذُوْقُوْهُ ای ایها الکفار فی الدنیا وَاَنَّ لِلْکٰفِرِیْنَ فی الاٰخرة عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا ای مجتمعین کانهم لکثرتهم یزحفون فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ منهزمین وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ ای یوم لقائهم دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا منعطفا لِّقِتَالٍ بان یریهم الفرة مکیدة وهو یرید الکرة اَوْ مُتَحَیِّزًا منضمًّا اِلٰی فِئَةٍ جماعة من المسلمین یستنجد بها فَقَدْ بَآءَ رجع بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶﴾ المرجع هی وهذا مخصوص بما اذا لم یزد الکفار علی الضعف فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ ببدر بقوتکم وَلٰکِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ بنصره ایاکم وَمَا رَمَیْتَ یا محمد اعین القوم اِذْ رَمَیْتَ بالحصی لان کفا من الحصا لا یملأ عیون الجیش الکثیر برمیة بشر وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی بایصال ذلک الیهم فعل ذلک لیقهر الکفرین وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً عطاء حَسَنًا هو الغنیمة اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ لا قوالهم عَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾ باحوالهم ذٰلِکُمْ الابلاء حق وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ مضعف کَیْدِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا ایها الکفار تطلبوا الفتح ای القضاء حیث قال ابوجهل منکم اللهم ایّنا کان اقطع للرحم واتانا بما لا نعرف فاحنه الغداة ای اهلکه فَقَدْ جَآءَکُمُ الْفَتْحُ القضاء بهلاک من هو کذلک وهو ابوجهل ومن قتل معه دون النبی صلی اللّٰه علیه وسلم والمؤمنین وَاِنْ تَنْتَهُوْا عن الکفر والحرب فَهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا لقتال النبی نَعُدْ لنصره وَلَنْ تُغْنِیَ تدفع عَنْکُمْ فِئَتُکُمْ جماعتکم شَیْئًا وَّلَوْ کَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹﴾ بکسر ان استینافا وفتحها علی تقدیر اللام.

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس خوف سے جو تم کو درپیش تھا غنودگی کی شکل میں تم پر سکون اور بے خوفی طاری کر رہا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تم کو حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک کرے

اور تم سے اس شیطانی وسوسہ کو دور کرے کہ اگر تم حق پر ہوتے تو تم (اس طرح) پیاسے اور بے طہارت نہ ہوتے اور مشرک پانی پر قابض نہ ہوتے اور تاکہ تمہارے قلوب کو یقین و صبر کے ساتھ مضبوط کرے اور تاکہ بارش کے ذریعہ تمہارے قدموں کو جمادے کہ ریت میں نہ دھنسیں، (اور اس وقت کو یاد کرو) جب تمہارا رب اُن فرشتوں سے کہہ رہا تھا جن کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرمائی مدد اور نصرت کے ساتھ میں تمہارے ساتھ ہوں (اور) انّی، اصل میں بِأَنّی ہے، تم اہل ایمان کو مدد اور بشارت کے ذریعہ ثابت قدم رکھو، میں کافروں کے دل میں ابھی خوف ڈالے دیتا ہوں پس تم ان کی گردنوں پر یعنی سروں پر ضرب لگاؤ اور اس کی پور پور پر چوٹ لگاؤ یعنی دست و پا کے اطراف پر، چنانچہ (مسلمان) مرد جب کافر کی گردن پر ضرب لگانے کا قصد کرتا تھا تو اس کی تلوار کافر تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی گردن (تن سے جدا ہوکر) گر جاتی تھی، اور آپ ﷺ نے ان کی طرف ایک مٹھی خاک نہیں پھینکی مگر یہ کہ اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ہر مشرک کی آنکھ میں نہ پہنچا ہو چنانچہ مشرکوں کو شکست ہوگئی، یہ عذاب جو ان پر واقع ہوا اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اللہ اس کے لئے سخت گیر ہے، اس کے لئے یہ عذاب ہے، سوائے کافرو دنیا ہی میں اس عذاب کا مزا چکھو، اور بالیقین کافروں کے لئے آخرت میں عذاب مقرر ہے اے ایمان والو جب تم کافروں سے دوبدو مقابل ہو جاؤ حال یہ کہ وہ اپنی کثرت کی وجہ سے آہستہ آہستہ سرک رہے ہوں تو بھی ان سے شکست خوردہ ہوکر پیٹھ مت پھیرو، اور جو شخص مقابلہ کے دن ان سے پیٹھ پھیرے گا مگر یہ کہ جنگی چال کے طور پر ہو بایں طور کہ ان کو چال کے طور پر فرار دکھائے حال یہ کہ وہ پلٹ کر حملہ کا ارادہ رکھتا ہو، یا مسلمانوں کی جماعت سے مدد لینے کے لئے جا ملنے کے طور پر تو وہ اس (وعید) سے مستثنیٰ ہے (اس کے علاوہ) جس نے ایسا کیا تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور اس کی قرارگاہ نہایت بُری ہے اور یہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ کفار (کی تعداد) مسلمانوں کے مقابلہ میں دوگنا سے زیادہ نہ ہو، (حقیقت یہ ہے) کہ بدر میں تم نے ان کو اپنی قوت سے قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے تمہاری مدد کرکے ان کو قتل کیا، اور اے محمد ﷺ قوم کی آنکھوں میں آپ نے نہیں پھینکا جبکہ آپ نے کنکریاں پھینکیں اس لئے کہ ایک انسانی مٹھی کنکریاں ایک بڑے لشکر کی آنکھوں کو نہیں بھر سکتیں، لیکن ان کنکریوں کو ان تک پہنچا کر درحقیقت اللہ نے پھینکا اور اس نے یہ اسلئے کیا تاکہ کافروں کو مغلوب کردے، اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے بہتر صلہ دے اور وہ (مال) غنیمت ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کا سننے والا ان کے احوال کو جاننے والا ہے اور یہ عطائے صلہ حق ہے، اور اللہ تعالیٰ کافروں کی چالوں کو کمزور کرنے والے ہیں اے کافرو اگر تم فتح کا فیصلہ چاہتے ہو، اسلئے کہ تم میں سے ابوجہل نے کہا تھا اے ہمارے اللہ ہم میں سے جو زیادہ قطع رحمی کرنے والا ہو اور ہمارے پاس ایسی چیز لایا ہو جس کو ہم نہیں جانتے تو اس کو تو آئندہ کل ہلاک کردے تو تمہارے پاس فیصلہ آگیا اس کو ہلاک کرکے جو ایسا ہے اور وہ ابوجہل ہے اور وہ ہے جو اس کے ساتھ قتل کیا گیا، نہ کہ محمد ﷺ اور مومنین، اور اگر تم کفر و قتال سے باز آجاؤ تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے اور اگر تم نبی کے ساتھ جنگ کا اعادہ کرو گے تو ہم تمہارے اوپر اس کی فتح کا اعادہ کریں گے اور تمہاری

جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آئے گی گو کتنی ہی زیادہ ہو اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے اِنَّ کے کسرہ کے ساتھ استیناف کی صورت میں اور فتحہ کے ساتھ لام کی تقدیر کی صورت میں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اذ یُغَشِّیْکُمْ، یہ اُذکر فعل محذوف کا ظرف ہے یا سابق اذ یَعِدکم کا بدل ہے۔

قولہ: اَمَنًا، اَمَنَةً کی تفسیر اَمَنًا سے کرکے اشارہ کردیا کہ اَمَنَةً مصدر ہے یقال اَمِنَةً و أمَنًا و أمَانَةً، نہ کہ جمع جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے، اور اَمَنَةً یُغَشِّیْکُمْ کا مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے سکون کے لئے تم پر غنودگی طاری کررہا تھا۔

قولہ: مِنْهُ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔

قولہ: بہٖ ای بالماء.

قولہ: ان تَسُوْخَ ای مِن اَنْ تسوخَ، ای تدخُلَ.

قولہ: لَهٗ.

سوال: مفسر علام نے لَهٗ کیوں مقدر مانا؟

جواب: مَنْ مبتداء متضمن بمعنی شرط ہے اور یشاقِقِ اللّٰہ ورسولَهٗ فان اللّٰہ شدید العقاب، جملہ ہوکر مبتداء کی خبر ہے، اور خبر جب جملہ ہوتی ہے تو ضمیر عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو کہ یہاں نہیں ہے، اسی لئے مفسر علام نے لَهٗ ضمیر کو مقدر مانا ہے۔

قولہ: العَذَابُ، ذلکم مبتدا، العذاب اس کی خبر محذوف، مفسر علام نے العذابُ محذوف مان کر اسی ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اسم اشارہ ذالکم، کو مبتدا محذوف کی خبر بھی قرار دیا جاسکتا ہے ای العذاب ذالکم، لہٰذا ذالکم فذوقوہُ، میں انشاء کے خبر واقع ہونے کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قولہ: فذوقُوْهُ، فاء شرطیہ ہے، ذوقوہُ، شرط محذوف کی جزاء ہے ای اِن کان کذلك فذوقوهُ.

قولہ: وَاَنَّ الکفرین، اس کا عطف ذٰلِکَ پر ہے، اور واعلموا مقدر کی وجہ سے منصوب بھی ہوسکتا ہے۔

قولہ: زَحْفًا، (ف) کا مصدر ہے، بھیڑ کی وجہ سے آہستہ آہستہ چلنا، بچہ کی طرح سرکنا۔

قولہ: مُتَحَرِّفًا، متعطفًا، پلٹ کر حملہ کرنا۔ (الی الکرِّ بعد الفرِّ).

قولہ: مُتَحَيِّزًا، (تفعّل) سے اسم فاعل، مڑ کر اپنی جماعت کی طرف آنیوالا تاکہ ساتھیوں کی مدد لیکر دوبارہ حملہ کرسکے، اصل مادہ حَوْزٌ، ہے۔

قَوْلُہٗ: يَسْتَنْجِدُوْا، استنجاد مدد طلب کرنا۔

قَوْلُہٗ: ھِیَ مخصوص بالذم ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ، فاء جزائیہ یہ شرط محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے، اِن افتخرتم بقتلھم فانتم لم تقتلوھم۔

قَوْلُہٗ: لِيُبْلِي، ای یعطی اللّٰہ تعالی المؤمنین اعطاءً حسنًا۔

قَوْلُہٗ: حَقٌّ، اس میں اشارہ ہے کہ، ذالکم الابلاء، مبتداء ہے حَقٌّ خبر محذوف ہے۔

تفسیر و تشریح

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ قریشی لشکر نے بدر پہلے پہنچ کر جنگی اعتبار سے بہتر جگہ منتخب کر لی تھی اور پانی کے چشمہ پر بھی قابض ہو گئے غرضیکہ ظاہری اسباب کے اعتبار سے قریشی لشکر کو فوقیت حاصل تھی تعداد کے اعتبار سے مسلمانوں کی بہ نسبت تین گنے نیز آلات حرب کے اعتبار سے نہایت مضبوط غرضیکہ وہ لوگ ظاہری اسباب کے اعتبار سے مطمئن تھے، ادھر اسلامی لشکر کا یہ حال تھا کہ تعداد کے اعتبار سے دشمن کے مقابلہ میں ایک تہائی سواری کی یہ حالت کہ کل دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، اور چند زر ہیں، موقع کے لحاظ سے بھی کوئی اطمینان بخش جگہ نہ تھی ریگستانی نشیبی علاقہ جس میں انسانوں اور جانوروں کا چلنا پھرنا دشوار، گرد و غبار کی مصیبت الگ پانی کی قلت، پینے کے لئے پانی ناکافی تھا چہ جائیکہ غسل و طہارت کے لئے۔

حباب بن منذر کا مشورہ:

جس مقام پر آنحضرت ﷺ نے قیام فرمایا تھا، حباب بن منذر نے جو کہ اس علاقہ سے واقف تھے اس مقام کو جنگی اعتبار سے نامناسب سمجھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ جو مقام آپ نے اختیار فرمایا ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے تو ہمیں کچھ کہنے کا کوئی اختیار نہیں اور اگر محض رائے اور مصلحت کے پیش نظر اختیار فرمایا گیا ہے تو بتائیں آپ نے فرمایا نہیں، یہ کوئی حکم خداوندی نہیں اس میں تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے تب حضرت حباب بن منذر نے عرض کیا کہ پھر تو یہ بہتر ہے کہ اس مقام سے آگے بڑھ کر مکی سرداروں کے لشکر کے قریب ایک پانی کا مقام ہے اس پر قبضہ کر لیا جائے، وہاں ہمیں افراط کے ساتھ پانی مل جائیگا، آنحضرت ﷺ نے اس مشورہ کو قبول فرمالیا اور وہاں جا کر پانی پر قبضہ کیا ایک حوض پانی کے لئے بنا کر اس میں پانی کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ (احسن التفاسیر)

اس کام سے مطمئن ہونے کے بعد حضرت سعد بن معاذ کے مشورہ سے آپ کے لئے ایک پہاڑی پر جہاں سے پورا میدان جنگ نظر آتا تھا ایک عریش (چھپر) بنا دیا گیا جس میں آپ ﷺ اور آپ کے یار غار حضرت صدیق اکبر رات بھر مشغول دعاء رہے۔

میدان بدر میں صحابہ پر غنودگی:

یہ اس رات کا واقعہ ہے جس کی صبح کو بدر کی لڑائی پیش آئی اسی رات کو باران رحمت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی، اس بارش سے تین فائدے ہوئے ایک یہ کہ مسلمانوں کو پانی کافی مقدار میں مل گیا مسلمانوں نے حوض بنا کر پانی کافی ذخیرہ کر لیا، دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ بارش کی وجہ سے ریت جم گیا جس کی وجہ سے ایک تو گرد و غبار کی تکلیف سے نجات ملی دوسرے یہ کہ ریت جم کر چلنے پھرنے کے قابل ہوگئی مشرکین کا لشکر چونکہ نشیب کی طرف تھا اسلئے وہاں کیچڑ اور پھسلن ہوگئی جس کی وجہ سے بارش قریشی لشکر کے لئے زحمت ثابت ہوئی۔

شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست:

شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست سے مراد ہراس اور گھبراہٹ کی وہ کیفیت تھی جس میں مسلمان ابتدءً مبتلاء تھے اور قسم قسم کے خیالات ان کے دلوں میں آرہے تھے، دشمن اپنی تعداد، تیاری نیز جنگی اعتبار سے بہتر مقام پر فائز اور پانی پر قابض ان سب باتوں کے پیش نظر مسلمانوں کے دلوں میں خیالات اور ساوس کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ بعض مسلمانوں کو غسل کی حاجت ہوگئی جس کی وجہ سے فجر کی نماز حالت جنابت میں پڑھنی پڑی اس وقت شیطان نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال کر شکوت وشبہات پیدا کر دیئے کہ تم سمجھتے ہو کہ محمد ﷺ تمہارے نبی ہیں اور تم اللہ کے محبوب اور دوست ہو حالانکہ تم بے وضو اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھ رہے ہو اگر تم حق پر ہوتے تو پھر ان سب پریشانیوں کا کیا سبب ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ایسی زور دار بارش عطا فرمائی کہ وادی بہہ پڑی۔ (فتح القدیر شوکانی عن ابن عباس)

ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کا ذکر سابقہ آیت میں گذر چکا ہے اس آیت میں مسلمانوں پر غنودگی طاری کرنے کا ذکر ہے اس غنودگی کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں میں جو طبعی خوف و ہراس تھا وہ سب جاتا رہا تعب و تکان ختم ہوگئی جس کی وجہ سے اطمینان اور کامیابی کا پختہ یقین حاصل ہو گیا۔

نکتہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضَاللهُ تَعَالَیٰ عَنْهُ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رَضَاللهُ تَعَالَیٰ عَنْهُمَا کا قول ہے کہ جنگ میں نیند اللہ کی طرف سے امن ہے اور نماز میں اونگھنا شیطان کا وسوسہ ہے۔

فائدہ: سورۂ آل عمران میں گذر چکا ہے کہ احد کے میدان میں بھی لشکر اسلام پر غنودگی طاری کر دی گئی تھی لیکن وہ غنودگی لڑائی بگڑ جانے کا رنج وغم رفع کرنے کے لئے تھی اور بدر میں لڑائی سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لشکر اسلام پر غنودگی طاری کر کے دشمنوں کی تعداد کے زیادہ ہونے کا خوف اور شکست کھا جانے کا اندیشہ نیز شیطانی وسوسے سب جاتے رہے۔

میدان سے راہ فرار:

وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ (الآية) دشمن کے شدید دباؤ پر پسپائی ناجائز نہیں ہے جبکہ اس کا مقصد اپنے عقبی مرکز کی طرف پلٹنا یا اپنی ہی فوج کے کسی دوسرے حصے سے جا ملنا ہو، البتہ جو چیز حرام ہے وہ فرار ہے جو کسی جنگی مقصد سے نہیں بلکہ جان بچانے کی غرض سے ہو، اس فرار کو بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے چنانچہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تین گناہ ایسے ہیں جن کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی'' ایک شرک دوسرے والدین کے حقوق کی حق تلفی تیسرے میدان جہاد فی سبیل اللہ سے فرار، اسی طرح ایک اور حدیث میں جس میں سات بڑے گناہ شمار کرائے ہیں ان میں ایک قتال فی سبیل اللہ سے فرار بھی ہے میدان جہاد سے فرار کے گناہ ہونے کی صرف یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ ایک بزدلانہ فعل ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ایک شخص کا فرار بسا اوقات پوری بٹالین کو اور ایک بٹالین کا فرار پوری پلٹن کو اور ایک پلٹن کا فرار پوری فوج کو بدحواس کر کے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر سکتا ہے اور جب ایک مرتبہ فوج میں بھگدڑ مچ جاتی ہے تو کہا نہیں جا سکتا کہ تباہی کس حد پر جا کر رکے گی۔

ان تستفتحوا فقد جاء كم الفتح مکہ سے روانہ ہوتے وقت مشرکین مکہ نے کعبہ کے پردے پکڑ کر دعاء کی تھی کہ خدایا دونوں فریقوں میں سے جو بہتر ہے اس کو فتح عطا فرما، اور ابو جہل نے خاص طور پر یہ کہا تھا، خدایا ہم میں سے جو برسر حق ہو اسے تو فتحمندی عطا فرما، اور جو برسر ظلم اور صلہ رحمی کا قطع کرنے والا ہو اسے رسوا کر دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی منہ مانگی مراد حرف بحرف پوری فرما دی، اور فیصلہ کر کے بتا دیا کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا تُعْرِضُوا عَنْهُ بِمُخَالَفَةِ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿٢٠﴾ القرآن والمواعظ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾ سماع تدبر واتعاظ وهم المنافقون والمشركون إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ عن سماع الحق الْبُكْمُ عن النطق به الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا صلاحا بسماع الحق لَأَسْمَعَهُمْ سماع تفهم وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ فرضا وقد علم ان لا خير فيهم لَتَوَلَّوْا عنه وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ عن قبوله عنادا وجحودا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ بالطاعة إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ من امر الدين لانه سبب الحياة الابدية وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ فلا يستطيع ان يؤمن او يكفر الا بارادته وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾ فيجازيكم باعمالكم وَاتَّقُوا فِتْنَةً ان اصابتكم لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً بل تعمهم وغيرهم واتقاؤها بانكار موجبها من المنكر وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾ لمن خالفه وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ ارض مكة تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ يأخذكم الكفار بسرعة فَآوَاكُمْ الى المدينة وَأَيَّدَكُمْ قواكم بِنَصْرِهِ يوم بدر بالملئكة وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ الغنائم لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٢٦﴾ نعمه ونزل في

ابی لُبَابَۃَ بن عَبْدِ المُنْذِرِ وقد بَعَثَہٗ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی بنی قریظۃ لِیَنْزِلُوا علی حُکْمِہٖ فَاسْتَشَارُوْہ فَاَشَارَ الیہم انہ الذَّبْحُ لِاَنَّ عِیَالَہٗ ومَالَہٗ فیہم **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَ** لا **تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ** مَا اُؤْتُمِنْتُمْ علیہ من الدِّیْنِ وغیرِہ **وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۲۷﴾ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ** لکم صَادَّۃٌ عن اُمُوْرِ الآخرۃِ **وَّاَنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ** ﴿۲۸﴾ فلا تُفَوِّتُوْہُ بِمُرَاعَاۃِ الاموال والاولاد والخیانۃِ لِاَجْلِہِمْ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس کے حکم کی مخالفت کر کے اس سے سرتابی نہ کرو حالانکہ تم قرآن اور نصیحت سنتے ہو، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا ہم نے سنا حالانکہ وہ غور و فکر اور نصیحت حاصل کرنے کے طور پر نہیں سنتے اور وہ منافق اور مشرک ہیں یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ لوگ ہیں جو حق سننے سے بہرے اور حق کہنے سے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے اگر اللہ ان میں حق بات سننے کی صلاحیت جانتا تو ضرور انہیں حق سننے کی توفیق دیتا، اور اگر (صلاحیت کے بغیر) بالفرض ان کو سنواتا اور اس کے علم میں یہ بات ہے کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے تو وہ اس کے قبول کرنے سے عناد یا انکار کے طور پر منہ پھیر لیتے اے ایمان والو تم اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر اطاعت کے ساتھ لبیک کہو، جب وہ تمہیں اس امر دین کی طرف پکاریں جو تمہیں زندگی بخشنے والا ہے اسلئے کہ وہ حیات ابدی کا سبب ہے اور خوب سمجھ لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے لہٰذا کسی کی طاقت نہیں کہ اس کے ارادہ کے بغیر ایمان لا سکے یا کفر کر سکے، اور اسی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے سو وہ تم کو تمہارے اعمال کا صلہ دے گا، اور اس کے فتنے سے بچو اگر وہ تم پر آپڑے تو اس کی شامت (بلا) تم میں سے ظالموں ہی تک محدود نہ رہے گی بلکہ ان کو اور ان کے علاوہ کو بھی لپیٹ میں لے لے گی، اور اس فتنہ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ مُنکَرْ (برائی) کے سبب پر نکیر کرے (یعنی نہی عن المنکر کرے) اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ اس کی مخالفت کرنیوالے کو سخت سزا دینے والا ہے اس وقت کو یاد کرو کہ جب تم مکہ کی سرزمین میں قلیل تعداد میں تھے کمزور سمجھے جاتے تھے اور تم ڈرتے رہتے تھے کہ ہمیں لوگ (یعنی) کفار اچک نہ لیجائیں (یعنی ہلاک نہ کر دیں) تو تم کو مدینہ میں ٹھکانہ دیا تو تم کو بدر کے دن اپنی نصرت سے ملائکہ کے ذریعہ تقویت دی اور تم کو مال غنیمت کے ذریعہ حلال رزق دیا تاکہ تم اس کی نعمت کا شکر ادا کرو اور (آئندہ آیت) ابولبابہ بن منذر کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ ان کو نبی ﷺ نے بنی قریظہ کے پاس بھیجا تھا (تاکہ بنی قریظہ کو) قلعہ سے اتر آنے پر آمادہ کریں، تو (بنی قریظہ نے) ابی لبابہ سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے اشارہ کر دیا کہ تمہارا انجام ذبح ہے، (اس افشاء راز کی وجہ یہ تھی) کہ ان کے اہل و عیال اور مال ان کے پاس تھے، اے ایمان والو تم اللہ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ تم ان امانتوں میں خیانت کرو جن پر تمہیں امین بنایا گیا ہے خواہ وہ بات دین کی ہو یا اسکے علاوہ کی، حال یہ کہ تم اس کو جانتے ہو، اور بخوبی سمجھ لو کہ تمہارے اموال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ (آزمائش) ہیں جو امور آخرت سے تم کو روکنے والے ہیں، اور یقیناً اللہ کے پاس اجر عظیم ہے، لہٰذا اس کو مال، اولاد اور ان کے لئے خیانت کی وجہ سے ہاتھ سے نہ جانے دو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تُعرِضُوْا، تَوَلَّوْا، کی تفسیر تعرضوا سے کر کے اشارہ کردیا کہ تَوَلَّوْا حذف تاء کے ساتھ مضارع ہے نہ کہ ماضی، لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ ماضی پر بلاتکرار لا کا داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

قولہ: لا یَعْقِلُوْن ای الحقّ.

قولہ: قد عَلِمَ اَنْ لّا خَیْرَ فیھم اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے اعتراض یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں قیاس اقترانی سے استدلال کیا ہے جس کا نتیجہ نکلتا ہے، لو علم اللّٰہ فیھم خیرًا لَتَوَلَّوْا، اور یہ محال ہے۔

قیاس اقترانی:

لَوْ عَلِمَ اللّٰہ فیھم خیرًا لا سْمَعَھُمْ ولَوْ اَسْمَعَھُمْ لَتَوَلَّوْا، نتیجہ نکلے گا، لو علم اللّٰہ خیرا لتولّوا، یعنی اگر ان کے اندر اللہ کے علم میں کوئی خیر ہوتی تو وہ ضرور اعراض کرتے، وھذا محال۔

جواب: صحیح نتیجہ کے لئے حداوسط کا متحد ہونا ضروری ہے اگر حداوسط مختلف ہوگا تو نتیجہ صحیح نہیں نکلے گا، یہاں حداوسط مختلف ہے، اسلئے کہ اسماع اول سے سماع فھم الموجب للھدایۃ مراد ہے اور دوسرے اسماع سے اسماع مجرد مراد ہے۔

قولہ: اِنْ اصابَتْکم، اس عبارت کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ لا تُصیبنّ الذین الخ شرط محذوف کا جواب ہے اور یہ ان لوگوں پر رد بھی ہے جنہوں نے کہا ہے کہ لا تصیبنّ فتنۃ کی صفت ہے۔

تفسیر و تشریح

یٰاَیُّھا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اطیعوا اللّٰہ ورسولہ الخ، سابق میں فرمایا گیا کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے اب، ایمان والوں کو ہدایت دی جارہی ہے کہ تمہارا معاملہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے جس سے تم خدا کی نصرت وحمایت کے مستحق ہو، تو اس آیت میں بتلادیا گیا کہ ایک مومن صادق کا کام یہ ہے کہ ہمہ تن خدا اور رسول کا فرمانبردار رہو، احوال وحوادث خواہ کتنا ہی اس کا منہ پھیرنا چاہیں مگر خدا کی باتوں کو جب وہ سن چکا ہو اور تسلیم کرچکا ہو تو قولاً وفعلاً کسی حال میں ان سے نہ پھرے۔

وَلا تکونوا کالذین قالوا سَمِعْنَا وھم لا یسمَعُوْنَ، یہاں سننے سے مراد وہ سننا ہے جس کو قبول کرنا اور ماننا کہتے ہیں، اس آیت میں اشارہ ان منافقوں کی طرف ہے جو زبان سے تو ایمان کا اقرار کرتے تھے مگر احکام کی اطاعت سے منہ موڑ جاتے تھے، سن لینے کے باوجود عمل نہ کرنا کافروں کا شیوہ ہے، تم اس رویہ سے بچو، اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کو بہرہ اور گونگا بدترین خلائق قرار دیا گیا ہے اگر ان میں اللہ تعالیٰ کوئی خیر وخوبی دیکھتا تو ضرور انہیں سنکر سمجھنے کی توفیق عطا کرتا چونکہ ان کے اندر خیر یعنی طلب صادق ہی نہیں اسلئے وہ فہم صحیح سے بھی محروم ہیں، پہلے سماع سے مراد سماع نافع ہے جسے مفسر علام نے سماع تفہم کہا ہے،

اور دوسرے سماع سے مطلق سماع مراد ہے یعنی بالفرض اگر اللہ تعالیٰ انہیں حق بات سنوا بھی دے تو چونکہ ان کے اندر حق کی طلب ہی نہیں اس لئے وہ بدستور اس سے اعراض ہی کریں گے۔

وَاتقوا فتنة لا تصيبَنَّ الَّذِينَ ظلموا منكم خاصّة ، لا تُصيبَنَّ ، کے نون تاکید کے بارے میں نحاۃ کا اختلاف ہے، فرّاء نے کہا ہے کہ یہ قائل کے قول ''انزل عن الدابة لا تَطْرَحَنَّكَ'' کے مثل ہے یہ جواب امر ہے بصورت نہی، ای اِنْ تنزل عنها لا تَطْرَحَنَّكَ ، یعنی اگر تو اتر آئے گا تو وہ نہیں گرائے گا، اور اسی طرح کا اللہ تعالیٰ کا قول ''اُدخلوا مَساكنكم لا يَحْطِمَنَّكم سليمان وجنوده'' ای اِنْ تدخلوا لا يحطمنكم، اس میں نون اسلئے داخل ہے کہ اس میں معنی جزاء ہیں۔

پہلی آیت میں ایسے گناہ سے خاص طور پر بچنے کی تاکید کی گئی ہے جس کا وبال اور عذاب صرف گناہ کرنے والوں پر محدود نہیں رہتا بلکہ ناکردہ گناہ لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ کونسا گناہ ہے؟ اس میں علماء تفسیر کے متعدد اقوال ہیں، بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ گناہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جدو جہد کو ترک کر دینا ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ کسی جرم اور گناہ کو اپنے ماحول میں قائم نہ رہنے دیں کیونکہ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا یعنی جرم و گناہ کو دیکھتے ہوئے باوجود قدرت کے منع نہ کیا تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب عام کر دیں گے جس سے نہ گنہگار بچیں گے اور نہ بے گناہ۔

اور بے گناہ سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو اصل گناہ میں ان کے شریک نہیں مگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کر دینے کے گنہگار وہ بھی ہیں، اس لئے یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ ایک کے گناہ دوسرے پر ڈالنا بے انصافی ہے اور قرآنی فیصلے ''لا تَزِرُ وازرَةٌ وِزرَ اخرىٰ'' کے خلاف ہے کیونکہ گنہگار اپنے اصل گناہ کے وبال میں اور بے گناہ ترک امر بالمعروف کے گناہ میں پکڑے گئے، کسی کا گناہ دوسرے پر نہیں ڈالا گیا۔

وہ گناہ جس کے وبال میں ناکردہ گناہ لوگ بھی پھنس جاتے ہیں وہ اجتماعی فتنے اور جرائم ہیں جو وبائے عام کی طرح ایسی شامت لاتے ہیں جس میں صرف گناہ کرنے والے ہی گرفتار نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی مارے جاتے ہیں جو گنہگار معاشرہ میں رہنا گوارا کرتے رہے ہوں، مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھئے کہ جب تک کسی شہر میں گندگی کہیں کہیں انفرادی طور پر پڑی ہو اس کا اثر محدود رہتا ہے اور اس سے وہ مخصوص افراد ہی متاثر ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے جسم اور اپنے گھر کو گندگی سے آلودہ کر رکھا ہو، لیکن جب گندگی عام ہو جاتی ہے اور کوئی گروہ بھی پورے شہر میں ایسا نہیں ہوتا جو اس خرابی کو روکے اور صفائی کا انتظام کرنے کی کوشش کرے تو پھر زمین اور فضا اور ہوا اور پانی غرضیکہ ہر چیز میں سمّیت پھیل جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں جو وبا آتی ہے اس کی لپیٹ میں گندگی پھیلانے والے اور گندہ رہنے والے اور گندے ماحول میں زندگی بسر کرنے والے سب ہی آ جاتے، اسی طرح اخلاقی نجاستوں کا حال ہے اگر وہ انفرادی طور پر بعض افراد میں موجود رہیں اور صالح معاشرہ کے رعب سے دبی رہیں تو ان کے نقصانات محدود رہتے ہیں لیکن جب معاشرہ کا اجتماعی ضمیر کمزور ہو جاتا ہے، جب اخلاقی برائیوں کو دبا کر رکھنے کی طاقت اس میں نہیں رہتی، اور جب اچھے لوگ اپنی انفرادی نیکیوں پر قانع اور اجتماعی برائیوں پر ساکت و صامت ہو جاتے ہیں اور صورت حال

یہاں تک خراب ہوجاتی ہے کہ نیکی بدی کے آگے منہ چھپائے پھرنے لگتی ہے تو ایسی صورت میں مجموعی طور پر پورے معاشرہ کی شامت آجاتی ہے اور ایسا فتنہ عام برپا ہوتا ہے جس میں چنے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے امام بغوی نے شرح السنہ اور معالم میں بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود وصدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص جماعت کے گناہ کا عذاب عام لوگوں پر نہیں ڈالتے جب تک کہ ایسی صورت حال پیدا نہ ہوجائے کہ وہ اپنے ماحول میں گناہ ہوتا ہوا دیکھیں اور ان کو یہ قدرت بھی ہو کہ اس کو روک سکیں اس کے باوجود انہوں نے اس کو روکا نہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا عذاب ان سب کو گھیر لیتا ہے۔

برائی روکنے پر قدرت کے باوجود نہ روکنے والے بھی گنہگار ہیں:

صحیح بخاری میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قانونی حدود توڑنے والے گنہگار ہیں اور جو لوگ ان کو دیکھ کر مداہنت کرنے والے ہیں یعنی باوجود قدرت کے ان کو گناہ سے نہیں روکتے ان دونوں طبقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بحری جہاز کے دو طبقے ہوں اور نیچے کے طبقہ والے اوپر آکر اپنی ضروریات کے لئے پانی لیتے ہوں جس سے اوپر والے تکلیف محسوس کرتے ہوں نیچے والے یہ حالت دیکھ کر یہ صورت اختیار کریں کہ کشتی کے نچلے حصہ میں سوراخ کرکے اس سے اپنے لئے پانی حاصل کریں اور اوپر کے لوگ ان کی اس حرکت کو دیکھیں اور منع نہ کریں تو ظاہر ہے کہ پانی پوری کشتی میں بھر جائیگا اور جب نیچے والے غرق ہوں گے تو اوپر والے بھی ڈوبنے سے نہ بچیں گے۔

ان روایات کی روشنی میں حضرات مفسرین نے آیت کا مطلب یہ قرار دیا کہ اس آیت میں فتنہ سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک کردینا ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس گناہ سے مراد ترک جہاد کا گناہ ہے مگر جہاد بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی کے لئے ہوتا ہے لہٰذا دونوں مصداق ایک ہی ہیں۔

امانتوں میں خیانت سے کیا مراد ہے؟

امانتوں میں خیانتوں سے مراد وہ تمام ذمہ داریاں ہیں جو کسی پر اعتماد کرکے اس کے سپرد کی جائیں، خواہ وہ عہد وفا کی ذمہ داری ہو یا اجتماعی معاہدات کی یا راز دارانہ گفتگو کی یا عہدہ اور منصب کی جو کسی شخص پر بھروسہ کرتے ہوئے جماعت یا فرد اس کے حوالہ کردے۔

وَاعلموا انما اموالکم واولادکم فتنة، انسان کے اخلاص میں جو چیز عام طور پر خلل ڈالتی ہے اور جس کی وجہ سے انسان اکثر منافقت غداری اور خیانت میں مبتلا ہوتا ہے وہ اپنے مالی مفاد اور اپنی اولاد کے مفاد سے اس کی حد سے بڑھی ہوئی

دلچسپی ہوتی ہے اسی لئے فرمایا کہ یہ مال اور اولاد جس کی محبت میں گرفتار ہو کر تم عموماً راستی سے ہٹ جاتے ہو دراصل یہ دنیا کی امتحان گاہ میں تمہارے لئے سامان آزمائش ہے جسے تم بیٹا یا بیٹی کہتے ہو حقیقت کی زبان میں وہ امتحان کا ایک پرچہ ہے اور جسے تم جائداد یا کاروبار کہتے ہو وہ بھی درحقیقت ایک دوسرا پرچۂ امتحان ہے، یہ چیزیں تمہارے حوالہ کی ہی اس لئے گئی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے تمہیں جانچ کر دیکھا جائے کہ تم کہاں تک حقوق وحدود کا لحاظ کرتے ہو؟

شان نزول:

مذکورہ آیت کا مضمون تو عام ہے سب مسلمانوں کو شامل ہے، مگر اس کے نزول کا واقعہ اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت ابولبابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ابن منذر کا قصہ ہے جو غزوۂ بنی قریظہ میں پیش آیا، آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ نے بنوقریظہ کے قلعہ کا اکیس روز تک محاصرہ جاری رکھا جس سے عاجز ہو کر انہوں نے وطن چھوڑ کر ملک شام چلے جانے کی درخواست کی آپ نے ان کی شرارتوں کے پیش نظر اس کو قبول نہیں فرمایا بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ صلح کی صرف یہ صورت ہے کہ سعد بن معاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تمہارے بارے میں جو فیصلہ کریں اس پر راضی ہو جاؤ، بنوقریظہ نے درخواست کی کہ سعد بن معاذ کے بجائے ابولبابہ کو یہ کام سپرد کیا جائے، کیونکہ ابولبابہ کے اہل وعیال اور جائداد بنی قریظہ میں تھی بنوقریظہ کو ان سے یہ توقع تھی کہ وہ ان کے بارے میں رعایت کریں گے، آپ نے ان کی درخواست پر حضرت ابولبابہ کو بھیج دیا، بنی قریظہ کے مرد وزن ان کے گرد جمع ہو کر رونے لگے اور یہ پوچھا کہ اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے حکم پر قلعہ سے اتر آئیں تو کیا ہمارے معاملہ میں کچھ نرمی فرمائیں گے، ابولبابہ کو معلوم تھا کہ ان کے معاملہ میں نرمی برتنے کی رائے نہیں ہے، کچھ تو ان لوگوں کی گریہ وزاری کی وجہ سے اور کچھ اپنے اہل وعیال کی محبت سے متاثر ہو کر اپنے گلے پر تلوار کی طرح ہاتھ پھیر کر اشارۃً بتلا دیا کہ ذبح کئے جاؤ گے گویا اس طرح آنحضرت ﷺ کا راز فاش کر دیا۔

حضرت ابولبابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مسجد میں خود کو مسجد کے ستون سے باندھنا:

مال اور اولاد کی محبت میں یہ کام کر تو گذرے مگر فوراً ہی تنبہ ہوا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خیانت کی، جب وہاں سے واپس ہوئے تو اس درجہ ندامت سوار ہوئی کہ آپ ﷺ کی خدمت میں لوٹنے کے بجائے سیدھے مسجد میں پہنچے اور مسجد کے ایک ستون کے ساتھ خود کو باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی میں اسی طرح بندھا رہوں گا، چاہے اس حالت میں موت ہی آجائے چنانچہ سات روز تک نماز اور حاجت ضروریہ کے علاوہ ستون سے بندھے رہے، کھانا پینا بھی ترک کر دیا یہاں تک کہ غشی طاری ہو جاتی تھی، رسول اللہ ﷺ کو اول جب اس کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ اگر وہ اول ہی میرے پاس آجاتے تو میں اس کے لئے استغفار کرتا اور توبہ قبول ہو جاتی اب جبکہ وہ یہ کام کر گذرے تو اب قبولیت توبہ نازل ہونے کا انتظار کرنا ہی پڑے گا، چنانچہ سات روز کے بعد آخر شب میں آپ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، بعض حضرات نے ان کو خوشخبری سنا کر کھولنا چاہا مگر ابولبابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا جب تک خود آنحضرت ﷺ مجھے اپنے

دست مبارک سے نہ کھولیں گے میں کھلنا پسند نہ کروں گا چنانچہ آپ جب صبح کی نماز کے وقت مسجد میں تشریف لائے تو اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا آیت مذکورہ میں جو خیانت کرنے اور مال واولاد کی محبت سے مغلوب ہونے کی ممانعت کا ذکر آیا ہے اس کا اصل سبب یہ واقعہ ہے۔ (واللہ اعلم) (معارف)

ونزل في توبته **يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ** بالامانةِ وغيرهم **يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا** بينكم وبين ما تخافُوْنَ فتَنْجُوْنَ **وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ** ذُنُوْبَكم **وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ**﴿۲۹﴾ **وَ** اذكر يا محمدُ **اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** وقد اجتمعُوْ للمُشَاوَرَةِ في شانِك بدار الندوة **لِيُثْبِتُوْكَ** يُوْثِقُوْك ويَحْبِسُوْك **اَوْ يَقْتُلُوْكَ** كُلُّهم قَتْلَةَ رجلٍ واحدٍ **اَوْ يُخْرِجُوْكَ** من مكةَ **وَيَمْكُرُوْنَ** بك **وَيَمْكُرُ اللّٰهُ** بهم بتدبير اَمْرِك بان اَوْحى اليك ما دَبَّرُوْه واَمَرَك بالخُرُوْجِ **وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ**﴿۳۰﴾ اَعْلَمُهُمْ به **وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا** القراٰنُ **قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ** قاله النَّضْرُ بنُ الحارثِ لانه كان يأتِي الحِيرةَ يَتَّجِرُ فيشْتَرِي كُتُبَ اَخْبارِ الاَعاجِمِ ويُحدِّثُ بها اَهْلَ مكةَ **اِنْ** ما **هٰذَآ** القراٰنُ **اِلَّآ اَسَاطِيْرُ** اَكاذِيبُ **الْاَوَّلِيْنَ**﴿۳۱﴾ **وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا** الذي يقرَؤُه مُحمدٌ صلى الله عليه وسلم **هُوَ الْحَقَّ** المُنَزَّلَ **مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ**﴿۳۲﴾ مُؤلمٍ على انكاره قاله النضرُ وغيرُه استهزاءً او ايهامًا انه على بصيرةٍ وجزمٍ ببطلانه قال تعالى **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ** بما سَألُوْهُ **وَاَنْتَ فِيْهِمْ** لان العذابَ اذا نزلَ عَمَّ ولم تُعذَّبْ امةٌ الا بعد خروج نبيِّها والمؤمنين منها **وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ**﴿۳۳﴾ حيث يقولُوْنَ في طوافهم غُفْرانَكَ غفرانك وقيل هم المؤمنون المستضعفون فيهم كما قال تعالى لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا **وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ** بالسيفِ بعدَ خُرُوْجِكَ والمستضعفين وعلى القول الاول هي ناسخةٌ لما قبلها وقد عَذَّبَهُمْ ببدرٍ وغيره **وَهُمْ يَصُدُّوْنَ** يَمْنَعُوْنَ النبيَّ والمسلمين **عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** اَنْ يَطُوْفُوْا به **وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ** كما زَعَمُوْا **اِنْ** ما **اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ**﴿۳۴﴾ ان لا وَلَايةَ لهم عليه **وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً** صفيرًا **وَّتَصْدِيَةً** تَصْفِيقًا اي جَعَلُوْا ذلك موضعَ صلاتِهم التي اُمِرُوْا بها **فَذُوْقُوا الْعَذَابَ** ببدرٍ **بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ**﴿۳۵﴾ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ** في حَرْبِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم **لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ** في عاقبةِ الاَمْرِ **عَلَيْهِمْ حَسْرَةً** ندامةً لفواتِها وفواتِ ما قصدُوْهُ **ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ** في الدنيا **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا** منهم **اِلٰى جَهَنَّمَ** في الآخرةِ **يُحْشَرُوْنَ**﴿۳۶﴾ يُساقُوْنَ **لِيَمِيْزَ** مُتعلِّقٌ بتكُوْنُ بالتخفيفِ والتشديدِ اي يُفصِلَ **اللّٰهُ الْخَبِيْثَ** الكافرَ **مِنَ الطَّيِّبِ** المؤمنِ **وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا** يَجْمَعَهُ مُتَراكبًا بعضُه فوقَ بعضٍ **فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ**﴿۳۷﴾

اور حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم خدا ترسی اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے اور اس چیز کے درمیان جس سے تم خوف رکھتے ہو ایک فیصلے کی چیز عطا کرے گا تو تم نجات پا جاؤ گے، اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اللہ بڑے فضل والا ہے اور اے محمد وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب کافر تمہارے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے اور آپ کے بارے میں مشورہ کے لئے دارالندوہ میں جمع ہوئے تھے، تاکہ تمہیں قید کریں، یعنی آپ کو باندھ لیں اور محبوس کرلیں، یا سب مل کر آپ کو قتل کر دیں یعنی متحد ہو کر مثل ایک قاتل کے آپ کو قتل کر دیں، یا مکہ سے آپ کو نکالدیں، وہ تو آپ کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے، اور اللہ آپ کے معاملہ میں ان کے ساتھ تدبیر کر رہا تھا بایں صورت کہ اس نے بذریعہ وحی ان کی تدبیر کی آپ کو خبر دیدی اور آپ کو (مکہ سے) نکلنے کی اجازت دیدی، اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے (یعنی) تدبیر کے بارے میں ان سے زیادہ جاننے والا ہے، جب ان کو ہماری آیتیں قرآن سنائی جاتی تھیں تو کہتے تھے ہاں سن لیا ہم نے، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی ہی باتیں بنا کر لا سکتے ہیں، یہ بات نضر بن حارث نے کہی تھی، چونکہ وہ تجارت کے سلسلہ میں حیرہ جایا کرتا تھا اور عجمیوں کی تاریخ کی کتابیں خرید لاتا تھا، اور وہ اہل مکہ کو سنایا کرتا تھا، یہ قرآن محض پہلے لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں (اور وہ بات بھی یاد رہے) جو انہوں نے کہی تھی اے اللہ اگر یہ جس کو محمد پڑھتے ہیں آپ کے پاس سے نازل کردہ ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی دردناک عذاب ہمارے اوپر لے آ یعنی اس کے انکار پر دردناک عذاب نازل کردے، یہ بات نضر بن حارث یا کسی دوسرے نے استہزاء کہی یا یہ تاثر دینے کے لئے کہی کہ وہ علی وجہ البصیرت یہ بات کہہ رہا ہے یا قرآن کے بطلان کا یقین رکھتے ہوئے کہی (اس وقت تو) اللہ ان پر ان کا مطلوبہ عذاب نازل کرنے والا نہ تھا جبکہ آپ ان کے درمیان موجود تھے اسلئے کہ عذاب جب نازل ہوتا ہے تو عمومی ہوتا ہے، اور کسی امت کو عذاب نہیں دیا گیا مگر ان کے نبی اور مومنین کو وہاں سے نکال کر، اور نہ اللہ کا یہ قاعدہ ہے کہ لوگ استغفار کر رہے ہوں اور وہ ان کو عذاب دیدے جبکہ وہ اپنے طواف کے دوران ہم تجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں ہم تجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں کہہ رہے ہوں اور کہا گیا ہے کہ مراد وہ کمزور مومنین ہیں جو ان میں رہ رہے تھے جیسا کہ اللہ نے فرمایا "لو تَزَیَّلُوا لَعَذَّبنا الَّذِیْنَ کفروا منهم عذابًا الیمًا" یعنی اگر وہ وہاں سے ٹل گئے ہوتے تو ہم ان میں سے منکرین حق کو دردناک عذاب دیتے، لیکن اب آپ کے اور ضعفاء مسلمین کے نکلنے کے بعد کیوں نہ ان کو اللہ تلوار کے ذریعہ عذاب کا مزا چکھائے اول قول (یعنی کفار کے حالت طواف میں استغفار کرنے کی صورت میں) یہ آیت ماقبل کی آیت کے لئے ناسخ ہے چنانچہ (اہل مکہ کو) بدر وغیرہ میں عذاب دیا گیا، جبکہ وہ نبی ﷺ اور مسلمان کو مسجد حرام میں طواف کرنے سے روک رہے ہیں حالانکہ وہ مسجد حرام کے (جائز) متولی نہیں ہیں، جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے، اس کے (جائز) متولی تو صرف اہل تقویٰ ہی ہو سکتے ہیں، لیکن اکثر لوگ اس بات کو کہ ان کو اس پر ولایت حاصل نہیں ہے نہیں جانتے

بیت اللہ کے پاس ان لوگوں کی نماز بس سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا ہے، یعنی اس عمل کو انہوں نے نماز کے قائم مقام کرلیا تھا جس کے وہ مامور تھے، لو اب بدر میں انکار حق کی پاداش میں عذاب کا مزا چکھو بلا شبہ یہ کافر اپنے مالوں کو نبی ﷺ سے لڑنے میں صرف کررہے ہیں تاکہ اللہ کے راستہ سے روکیں ابھی اور خرچ کریں گے پھر یہ انجام کار مال کے ضائع ہونے اور مقصد حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ان کے لئے ندامت ہوگی پھر وہ دنیا میں مغلوب کئے جائیں گے اور پھر یہ کافر آخرت میں جہنم کی طرف گھیر کر لائے جائیں گے، تاکہ اللہ کافر کو مومن سے ممتاز کردے (لیمیز) تخفیف اور تشدید کے ساتھ تکون کے متعلق ہے، اور ہر قسم کی گندگی کو ملا کر جمع کرے پھر اس پلندے کو جہنم میں پھینکدے یہی لوگ اصلی دیوالیے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بدار النَدْوَةِ، دار الندوہ کو قریش کے جد ابعد قصی بن کلاب نے بنایا تھا۔

قولہ: بتَدْبِیرِ اَمرِكَ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یمکر اللّٰہ بطور مجاز مرسل کے استعمال ہوا ہے، مکر ذکر کرکے اس کا رد مقصد ہے۔

قولہ: وعلی القَوْلِ الاَوَّلِ ھِیَ نَاسِخَةٌ، لہٰذا آیت سابقہ اور لاحقہ میں اب کوئی تعارض نہیں۔

تفسیر و تشریح

یٰایّھا الَّذِیْنَ آمنوا ان تتقوا اللّٰہ، اس آیت میں سابقہ آیت کے مضمون کی تکمیل ہے اس کا مضمون یہ ہے جو شخص عقل کو طبیعت پر غالب رکھ کر اس آزمائش میں ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و محبت کو سب چیزوں پر مقدم رکھے اسی کو قرآن وسنت کی اصطلاح میں متقی کہتے ہیں اس آیت میں ایک لفظ فرقان آیا ہے، اس کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں مثلاً ایسی چیز سے حق وباطل کے درمیان فرق کیا جاسکے، مطلب یہ ہے کہ تقوے کی بدولت دل مضبوط، بصیرت تیز، جس سے انسان کو ہر ایسے موقع پر جب عام انسان التباس اور اشتباہ کی وادیوں میں بھٹک رہے ہوں صراط مستقیم کی توفیق مل جاتی ہے علاوہ ازیں فتح، نصرت، نجات، مخرج، ہدایت، کسوٹی، اور یہ سارے ہی معنی مراد ہوسکتے ہیں، کیونکہ تقوے سے یقیناً یہ سارے معنی حاصل ہوسکتے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ تکفیر سیئات، مغفرت ذنوب اور فضل عظیم بھی حاصل ہوتا ہے۔

وَاِذ یمکربك الَّذِیْنَ کفروا (الآیة) یہ اس موقع کا ذکر ہے کہ قریش کا یہ اندیشہ یقین کی حد کو پہنچ چکا تھا کہ محمد ﷺ بھی مدینہ چلے جائیں گے، اس سے پہلے ایک ایک دو دو کرکے بہت سے صحابہ مدینہ پہنچ چکے تھے، اس وقت وہ آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہ شخص مکہ سے نکل گیا تو پھر خطرہ ہمارے قابو سے باہر ہوجائیگا چنانچہ انہوں نے اس معاملہ میں آخری فیصلہ کرنے کے لئے دار الندوہ میں تمام رؤسائے قوم کا ایک اجتماع کیا اور اس امر پر باہم مشورہ کیا کہ اس خطرہ کا سد باب کس طرح کیا جائے ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ اس شخص کو بیڑیاں پہنا کر قید کردیا جائے اور زندگی بھر رہا نہ کیا جائے، لیکن اس رائے کو قبول نہ کیا گیا،

کیونکہ کہنے والوں نے کہا کہ اگر ہم نے اسے قید کر دیا تو اس کے جو ساتھی قید سے باہر ہیں وہ برابر اپنا کام کرتے رہیں گے اور موقع پاتے ہی اپنی جان پر کھیل کر چھڑا لیجائیں گے، دوسرے فریق کی رائے یہ تھی کہ اس کو اپنے یہاں سے نکالدو جب ہمارے یہاں سے چلا جائیگا تو پھر ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ وہ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے؟ لیکن اس رائے کو یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ یہ شیریں کلام اور جادو بیان شخص ہے دلوں کو موہ لینے میں اس کو بلا کا کمال حاصل ہے اگر یہ یہاں سے نکل گیا تو نہ معلوم عرب کے کن کن قبیلوں کو اپنا پیرو بنا لے گا اور پھر کتنی قوت حاصل کر کے قلب عرب کو اپنے اقتدار میں لانے کے لئے تم پر حملہ آور ہوگا، آخر میں ابوجہل نے یہ رائے پیش کی کہ ہم اپنے تمام قبیلوں میں سے تیز دست نوجوان منتخب کریں اور یہ سب مل کر یکبارگی محمد ﷺ پر حملہ آور ہوں اور قتل کر ڈالیں اس طرح ان کا خون تمام قبیلوں پر تقسیم ہو جائیگا، اور بنو عبد مناف کے لئے ناممکن ہوگا کہ سب سے لڑ سکیں اسی لئے مجبوراً خون بہا پر فیصلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے، اس رائے کو سب نے پسند کیا، قتل کے لئے تیز دست نوجوان مقرر ہو گئے حتی کہ جو رات اس کام کے لئے تجویز کی گئی تھی اس میں ٹھیک وقت پر قاتلوں کا گروہ اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گیا اور گھر کے باہر کھڑا رہا کہ آپ گھر سے باہر نکلیں تو آپ کا کام تمام کر دیا جائے، آپ ﷺ نے گھر سے باہر نکلتے وقت ایک مٹھی خاک لی اور شاهت الوجوہ کہتے ہوئے ان کی طرف پھینک کر بڑے اطمینان کے ساتھ ان لوگوں کے درمیان سے نکل کر چلے گئے۔

وَاِذا تتلی عَلَیهِم آیاتُنا قالوا سَمِعْنا لو نشاءُ لَقُلْنا مِثلَ هٰذا، نضر بن حارث جو ایک چرب زبان تیز طرار قسم کا شخص تھا، اسی نے کہا تھا کہ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا قرآن بنا کر پیش کر سکتے ہیں، یہ وہی شخص ہے جس کو بدر کی لڑائی میں حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکڑ لیا تھا باوجود اس کے کہ بدر کے دیگر قیدی فدیہ لے کر رہا کر دیئے گئے تھے مگر نضر بن حارث کو نبی ﷺ نے قتل کرا دیا تھا کہ وہ قرآن مجید کی شان میں ناشائستہ اور سخت الفاظ کہا کرتا تھا، تجارت کے سلسلہ میں یہ شخص عجمی ممالک کا اکثر سفر کیا کرتا تھا جس کی وجہ سے رستم واسفندار کی داستانیں اس کو خوب یاد تھیں قرآن کے مقابلہ میں مشرکوں کو وہ داستانیں سنایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ بتاؤ میرے قصے اچھے ہیں یا قوم عاد و ثمود کے وہ قصے جنہیں محمد ﷺ سنایا کرتے ہیں اور کہا کرتا تھا اگر میں چاہوں تو ایسا قرآن بنا کر لا سکتا ہوں، اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

آگے کی آیت میں پتھر برسنے اور عذاب آنے کی خواہش کا جو ذکر ہے صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ یہ خواہش ابوجہل نے کی تھی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں سعید بن جبیر کی روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواہش بھی نضر بن حارث ہی کی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواہش ابوجہل اور نضر بن حارث دونوں نے کی تھی۔

وَما کانَ اللّٰه لیعذبَهُمْ وانت فیهم، ابوجہل اور نضر بن حارث نے جب یہ دعاء مانگی کہ یا اللہ یہ دین جس کی طرف محمد ﷺ ہم کو دعوت دے رہے ہیں اگر حق ہے تو ہم پر تو آسمان سے پتھر برسا دے یا عذاب الیم نازل فرما دے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تک تو تم لوگوں پر عذاب نازل ہو چکا ہوتا لیکن دو سبب سے تم پر عذاب نازل نہیں ہوا، ہجرت سے پہلے تو نبی وقت تم میں موجود تھے نبی کی ہجرت کے بعد ضعیف اہل ایمان جو ہجرت نہیں کر سکے تھے وہ مکہ میں تھے جو ہمیشہ اللہ سے مغفرت کی دعاء کرتے رہتے تھے صلح حدیبیہ کے بعد رفتہ رفتہ وہ لوگ بھی مکہ سے نکل آئے تھے، اب تم پر بدر میں عذاب آیا بدر میں

ستر بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور آخر کار مکہ بھی فتح ہوگیا، ان بعض میں مفسر علام بھی شامل ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ خود مشرکین مکہ طواف کے وقت غفرانک کہ کر مغفرت چاہا کرتے تھے مگر اس تفسیر کے مطابق یہ آیت آئندہ آیت سے منسوخ ہوگی، مگر یہ قول صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی سورۂ انا فتحنا کی آیت ''لو لا رجال مؤمنون و نساء مؤ منات'' میں صراحت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہجرت کے بعد عذاب کے روکنے کا سبب ضعیف مسلمان تھے، ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ سے راویت ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ نبی کا وجود اور نبی کے بعد لوگوں کا استغفار کرنا عذاب الٰہی سے بچنے کے دو سبب ہیں اس حدیث سے بھی اسی تفسیر کی تائید ہوتی ہے جس کو قول صحیح کہا ہے ترمذی کی سند میں اگر چہ ایک راوی اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر ضعیف ہے لیکن صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ کو اپنے ایماندار بندہ کی توبہ و استغفار سے بڑی خوشی ہوتی ہے اس حدیث سے ابوموسیٰ اشعری کی روایت کو تقویت ہوجاتی ہے۔

وَمالَهُمْ اَلَّا یُعذبهم اللّٰه، جب آپ مکہ مکرمہ میں تشریف رکھتے تھے تو یہ آیت اتری تھی وَمَا کان اللّٰه لیعذبهم وَاَنْتَ فیهم، یعنی جب تک اللہ کا رسول ان میں ہے اللہ ان پر عذاب نازل نہ کرے گا، اور جب آپ مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے تشریف لے آئے تو یہ آیت اتری وما کان اللّٰه لیعذبهم وهم یستغفرون، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک ان کفار پر عذاب نازل نہیں کرے گا کیونکہ کچھ لوگ ابھی ایسے باقی ہیں جو استغفار کرتے ہیں یہ وہ ضعفاء مسلمین تھے جو مکہ میں مجبوراً رہ گئے تھے، جب یہ لوگ بھی مکہ سے رفتہ رفتہ نکل گئے تو یہ آیت ''وَمَا لهم اَلَّا یعذبهم اللّٰه'' الخ نازل ہوئی، جس میں فرمایا، اب کیوں نہ اللہ ان پر عذاب نازل کرے جبکہ وہ مسجد حرام کا راستہ روک رہے ہیں۔

وَما کان صَلاتهم عند البیت اِلا مکاءً و تصدیة، تفسیر ابن جریر تفسیر سدی اور تفسیر واحدی میں حضرت ابن عمر اور عکرمہ وغیرہ سے جو شان نزول اس آیت کا بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو نماز پڑھتا دیکھ کر نماز میں خلل ڈالنے کے لئے سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مشرکین مکہ چونکہ اپنے آپ کو بیت اللہ کا جائز اور مستحق متولی سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے وہ مسلمانوں کو کعبہ کے طواف اور اس میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ کعبہ نماز اور طواف کے لئے ہے، طواف میں تو یہ لوگ اللہ کے نام کے ساتھ بتوں کا نام لیتے ہیں اور خود نماز کے قائل نہیں اور مسلمانوں کو بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اور خلل ڈالنے کے لئے تالیاں اور سیٹیاں بجاتے ہیں بھلا ایسے لوگ کیونکر بیت اللہ کے متولی ہوسکتے ہیں، تولیت کیلئے متقی ہونا شرط ہے صحیح معنی میں تولیت کے حقدار مسلمان ہیں جو صحیح معنی میں متقی ہیں۔

اِنَّ الذین کفروا ینفقون اَمْوالهم لیصدّوا عن سبیل اللّٰه، جب مشرکین مکہ کو بدر میں شکست ہوئی اور ان کے شکست خوردہ اصحاب مکہ واپس گئے ادھر سے ابوسفیان بھی اپنا تجارتی قافلہ لیکر مکہ پہنچ گیا تو کچھ لوگ جن کے باپ بیٹے یا بھائی اس جنگ میں مارے گئے تھے، اور ان کا مال تجارت میں بھی حصہ تھا ابوسفیان کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی کہ ہمارا مال

مسلمانوں سے انتقام لینے میں استعمال کریں مسلمانوں نے ہمیں بڑا سخت نقصان پہنچایا ہے اس لئے ان سے انتقامی جنگ ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں یا اسی کردار کے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ بے شک یہ لوگ اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روکنے کے لئے اپنا مال خرچ کرلیں لیکن ان کے حصہ میں سوائے خسران وخذلان محرومی ومغلوبیت کے کچھ نہ آئیگا۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا كابي سفيانَ واصحابه اِنْ يَّنْتَهُوْا عن الكفار وقتالِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ من اَعْمالِهم وَاِنْ يَّعُوْدُوْا الى قِتالِه فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ اى سُنَّتُنا فيهم بالاِهلاكِ فكذا نَفعلُ بهم وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ تُوجَدَ فِتْنَةٌ شركٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ وحدَه و لَا يُعْبَدُ غيرُه فَاِنِ انْتَهَوْا عن الكفر فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ فيُجازيهم به وَاِنْ تَوَلَّوْا عن الايمان فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ناصرُكم و مُتوَلِّي اُمُورِكم نِعْمَ الْمَوْلٰى هو وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾ اى الناصرُ لكم وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ اَخَذْتُم من الكفار قهرًا مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ يأمرُ فيه بما يَشاءُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى قَرابةِ النبى صلى الله عليه وسلم من بنى هاشمٍ والمطلب وَالْيَتٰمٰى اطفالِ المسلمين الذين هلكَتْ اٰباؤهم وهم فقراءُ وَالْمَسٰكِيْنِ ذوى الحاجةِ من المسلمين وَابْنِ السَّبِيْلِ المُنْقَطِعِ فى سَفَره من المسلمين اى يَستَحِقُّه النبىُّ صلى الله عليه وسلم والاصنافُ الاربعةُ على ما كَانَ يُقَسِّمُهُ من اَنَّ لِكُلٍّ خُمسَ الخُمُسِ والاَخماسُ الاربعةُ الباقيةُ للغانمين اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فاعلَمُوْا ذٰلِكَ وَمَآ عَطْفٌ على بالله اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم من الملٰئكةِ والاٰياتِ يَوْمَ الْفُرْقَانِ اى يومَ بدرِ الفارقِ بين الحقِّ والباطلِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ المسلمون والكفارُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾ ومنه نَصرُكم مع قِلَّتِكم و كثرتهم اِذْ بدلٌ من يوم اَنْتُمْ كائنون بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا القُربٰى من المدينةِ وهى بضمِّ العين و كسرها جانب الوادِىْ وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى البُعْدٰى منها وَالرَّكْبُ العيرُ كائنون بما كان اَسْفَلَ مِنْكُمْ مما يَلِى البَحرَ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ انتم والنفيرُ القتالَ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ جَمَعَكُم بغيرِ مِيْعادٍ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا فى عِلمِه وهو نصرُ الاسلامِ ومَحْقُ الكفرِ فعَلَ ذلك لِّيَهْلِكَ يكفرُ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ اى بعدَ حُجَّةٍ ظاهرةٍ قامت عليه و هى نصرُ المؤمنين مع قلتهم على الجيش الكثير وَّيَحْيٰى يُؤمِنُ مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ اذكر اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ اى نَومِكَ قَلِيْلًا فاَخبرتَ به اصحابك فسُرُّوا وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ جَبُنْتُم وَلَتَنَازَعْتُمْ اختلفتم فِي الْاَمْرِ امرِ القتالِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ من الفشلِ والتنازعِ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ بما فى القلوب وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ ايها المؤمنون اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا نحوَ سبعين اومائةٍ وهم اَلفٌ لتقدموا عليهم وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ ليقدموا ولا يَرجعوا عن قتالكم وهذا

قبل التحام الحرب فلما التحم ارهم اياهم مثليهم كما في آل عمران لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ تصير الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: (اے نبی) ان کافروں سے مثلاً ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے کہو اگر اب بھی کفر سے اور نبی ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آجائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ان سے درگذر کر دیا جائیگا اور اگر پچھلی روش کا اعادہ کیا تو پہلے لوگوں کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے یعنی ہلاک کرنے کا ہمارا قانون اس میں جاری ہو چکا، ہم ایسا ہی ان کے ساتھ کریں گے اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان کا فساد (عقیدہ) شرک ختم ہو جائے اور مکمل دین اللہ وحدہ ہی کا ہو جائے اور اس کے غیر کی بندگی نہ کیجائے، اور اگر یہ لوگ کفر سے باز آجائیں تو ان کے اعمال کا دیکھنے والا اللہ ہے تو وہ ان کے اعمال کا صلہ دے گا، اور اگر ایمان سے روگردانی کریں تو یقین مانو کہ اللہ تمہارا مددگار ہے، اور تمہارا کارساز ہے اور وہ بہترین کارساز اور تمہارا بہترین مددگار ہے، اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جو کچھ تم مال غنیمت کے طور پر حاصل کرو یعنی کافروں سے جبراً حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے اس میں وہ جو چاہے حکم کرے اور رسول کا ہے نبی ﷺ کے قرابتداروں کا ہے اور وہ بنی ہاشم اور (بنی) مطلب ہیں اور یتیموں کا ہے یعنی ان یتیم مسلمان بچوں کا ہے جن کے آباء فوت ہو چکے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ حاجتمند بھی ہیں، اور مسکینوں کا ہے یعنی حاجتمند مسلمانوں کا ہے، اور مسافر کا ہے (یعنی) جو مسلمان سفر کرنے سے مجبور ہو گیا ہو، یعنی اس کے مستحق نبی ﷺ ہیں اور مذکورہ چاروں قسمیں اس کے مطابق ہیں نبی ﷺ تقسیم فرماتے تھے، اس طریقہ پر کہ ہر ایک کے لئے خمس کا پانچواں حصہ ہے اور باقی چار خمس مجاہدین کے لئے ہیں اگر تم اللہ اور اس پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے محمد ﷺ پر فرشتے اور آیات فرقان کے دن اتارا جس دن کہ مسلمانوں اور کفار کی مڈبھیڑ ہوئی یعنی بدر کے دن جو حق اور باطل میں فرق کرنے والا تھا، تو تم (خمس کو) حق سمجھ کر ادا کرو، اور 'مَا' کا عطف اللہ پر ہے اور اللہ ہر شئی پر قادر ہے اسی (مقدور) میں سے تمہاری قلت کے باوجود اور ان کی کثرت کے باوجود تمہارا غلبہ ہے جبکہ تم مدینہ سے پاس والے کنارے پر تھے اِذْ یومٌ سے بدل ہے، اور (العُدْوۃ) عین کے ضمہ اور اس کے کسرہ کے ساتھ ہے (مراد) وادی کی جانب اور وہ مدینہ سے دور والے کنارہ پر تھے اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف ساحل کی جانب تھا اور اگر تم اور قریشی لشکر قتال کے لئے وقت مقرر کرتے تو یقیناً تم وقت مقرر سے تخلف کرتے لیکن تمہارے کو بغیر وقت مقرر کئے مقابلہ کرا دیا تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو کر گذرے جس کا ہونا اس کے علم میں طے ہو چکا ہے اور وہ اسلام کا غلبہ اور کفر کو مٹانا ہے تاکہ جو کفر کرے ہلاک ہو تو وہ ایسی ظاہر دلیل کے ساتھ ہلاک ہو کہ جو اس پر قائم ہو چکی ہے اور وہ (دلیل) مومنین کا قلت کے باوجود (کافروں) کے بڑے لشکر پر غلبہ حاصل کرنا ہے اور جو زندہ رہے (ایمان لائے) تو دلیل کے ساتھ زندہ رہے یقیناً خدا سننے والا جاننے والا ہے (اور اے نبی) اس وقت کو یاد کرو کہ جب اللہ خواب میں تم کو ان کی تعداد کم دکھا رہا تھا چنانچہ جب آپ نے اس کی خبر اپنے اصحاب کو دی تو وہ خوش ہوئے، اور اگر تمہیں ان کی تعداد

زیادہ دکھا دیتا تو تم ہمت ہار جاتے اور لڑائی کے معاملہ میں اختلاف شروع کر دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ہمت ہارنے اور اختلاف سے بچا لیا، وہ یقیناً دلوں کے حال کا جاننے والا ہے اور یاد کرو اس وقت کو اے مومنو! کہ جب تمہاری ان سے مڈ بھیڑ ہوئی تو تمہاری نظر میں (دشمن) کو کم کر کے دکھایا، ستر یا سو، حالانکہ وہ ہزار تھے تاکہ تم پیش قدمی کرو اور لڑائی سے پسپائی اختیار نہ کرو اور یہ سب کچھ مڈ بھیڑ ہونے سے پہلے ہوا، اور اب مقابلہ آرائی شروع ہوگئی تو کافروں کو مسلمانوں کی تعداد اپنے سے دوگنی دکھائی، جیسا کہ (سورۂ) آل عمران میں ہے تاکہ جو بات ہونی تھی اللہ اسے ظہور میں لائے اور (انجام کار) سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: ای سُنَّتُنَا فیھم، اس میں اشارہ ہے کہ سنة الاولین میں مصدر کی اضافت مفعول کی جانب ہے اسلئے کہ اصل میں سنتنافیھم ہے۔

قَوْلَہٗ: توجد، تکون کی تفسیر توجد سے کر کے اشارہ کر دیا کہ کان تامہ ہے لہٰذا اس کو خبر کی ضرورت نہیں ہے۔

قَوْلَہٗ: فاعْلَمُوا، ذلك، اس میں اشارہ ہے کہ ان شرطیہ کی جزاء محذوف ہے اور وہ **اعلموا ذلك** ہے اس کے حذف پر ما قبل کا فاعلموا دلالت کر رہا ہے اور بعض حضرات نے کہا فامتثلوا، جزاء محذوف ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے اسلئے کہ اب مطلب ہوگا، اِنْ کنتم آمنتم مسئلة الخمس فامتثلوا ذلك، اس لئے کہ علم میں تو مومن اور کافر دونوں برابر ہے۔

قَوْلَہٗ: فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ، فاء جزائیہ ہے، اَنَّما میں ما، موصولہ متضمن بمعنی شرط ہے اور فَاَنَّ للّٰہ متضمن بمعنی جزاء ہے، نخعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اِنَّ، ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور نے فتحہ کے ساتھ، اس صورت میں اَنَّ اور اس کا مابعد مبتداء ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی تقدیر عبارت یہ ہوگی، ''فواجب أنَّ للّٰہ خمسہ'' دوسری ترکیب یہ ہو سکتی ہے خُمُسَهٗ مبتداء اس کی خبر محذوف ہوگی ای ثابت.

تفسیر و تشریح

اس رکوع کی پہلی آیت ''قُلْ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا اِنْ یَّنْتَھُوا یُغفرلھم الخ میں کفار سے پھر ایک مربیانہ خطاب ہے جس میں ترغیب ہے اور ترہیب بھی، ترغیب اس کی ہے کہ اگر وہ ان تمام افعال شنیعہ کے بعد جو انہوں نے ابتک اسلام کی مخالفت اور ذاتی زندگی میں کئے ہیں توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور ترہیب یہ ہے کہ اگر وہ اب بھی باز نہ آئے تو سمجھ لیں کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کو کوئی نیا قانون بنانا یا سوچنا نہیں پڑے گا پہلے زمانہ کے کافروں کے لئے جو قانون جاری ہو چکا وہی ان پر بھی جاری ہوگا، کہ دنیا میں ہلاک و برباد ہوئے اور آخرت میں عذاب کے مستحق۔

وَقَاتِلُوھُمْ حَتّٰی لا تکونَ فتنةٌ ویکونَ الدین کُلُّهٗ لِلّٰہِ، اس آیت کے دو جزء ہیں ایک سلبی اور دوسرا ایجابی، سلبی جزء تو یہ ہے کہ فتنہ باقی نہ رہے اور ایجابی جزء یہ ہے کہ دین مکمل طور پر اللہ کا ہو جائے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں قتال

وجدال کی اجازت صرف ان ہی دو مقاصد کیلئے ہے دوسرے کسی مقصد کے لئے اجازت نہیں ہے۔

اس آیت میں دو لفظ قابل غور ہیں ایک لفظ فتنہ دوسرا لفظ دین، عربی لغت کے اعتبار سے یہ دونوں لفظ متعدد معنی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

ائمۂ تفسیر صحابہ و تابعین سے اس جگہ فتنہ کے دو معنی منقول ہیں ایک یہ کہ فتنہ سے مراد شرک و کفر اور دین سے مراد اسلام لیا جائے، حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے یہی تفسیر منقول ہے اس تفسیر پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ مسلمانوں کو کفار سے اس وقت تک قتال کرنا چاہئے جب تک کہ کفر ختم ہو کر اس کی جگہ اسلام نہ آجائے، اس صورت میں یہ حکم صرف اہل مکہ اور اہل عرب کے لئے مخصوص ہوگا دوسری تفسیر جو حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا وغیرہ سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ فتنہ سے مراد اس جگہ وہ ایذاء اور مصیبت ہے جس کا سلسلہ کفار مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر ہمیشہ جاری رہا تھا، جب تک وہ مکہ میں تھے تو ہر وقت ان کے نرغہ میں پھنسے رہتے تھے حتی کہ مدینہ طیبہ آنے کے بعد بھی ان کے خوف نے پیچھا نہ چھوڑا اور بار بار مدینہ پر حملہ آور ہونے کے منصوبے بنائے اور ان کو عملی جامہ پہنایا حتی کہ مسلمان خطرہ کے پیش نظر رات کو ہتھیار بند ہوتے تھے، اس کے مقابل دین کے معنی قہر و غلبہ کے ہیں، اس صورت میں آیت کی تفسیر یہ ہوگی کہ مسلمانوں کو کفار سے اس وقت تک قتال کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ مسلمان مظالم سے محفوظ نہ ہو جائیں، اور دین اسلام کا غلبہ نہ ہو جائے، کہ وہ غیروں کے مظالم سے مسلمانوں کی حفاظت کر سکے۔

وَاعلموا انّما غنمتم، یہاں سے مال غنیمت کی تقسیم کا قانون بیان ہو رہا ہے، جس کے بارے میں ابتداء میں کہا گیا تھا کہ یہ اللہ کا انعام ہے اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنا اللہ کا اختیار ہے اب وہ فیصلہ بیان کر دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد تمام سپاہی ہر طرح کا مال غنیمت لاکر اپنے امام کے سامنے رکھ دیں اور کوئی چیز چھپا کر نہ رکھیں پھر اس مال میں سے پانچواں حصہ ان مقاصد کے لئے نکال لیا جائے جو آیت میں بیان ہوئی ہیں، اور باقی چار حصے ان مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جائے جنہوں نے جہاد میں حصہ لیا، ہے، چنانچہ اس آیت کے مطابق آپ ﷺ ہمیشہ جنگ ختم ہونے کے بعد اعلان فرمایا کرتے تھے کہ اِنّ ھٰذہ غنائمکم انّہ لیس لی فیھا الّا نصیبی معکم الخمس والخمس مردودٌ علیکم فادّوا الخیط والمخیط واکبر من ذلك واصغر ولا تغلوا فاِنّ الغلولَ عارٌ ونارٌ.

تَرجمہ: یہ غنائم تمہارے ہی لئے ہیں میری اپنی ذات کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے بجز خمس کے اور وہ خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصارف پر خرچ کر دیا جاتا ہے لہٰذا ایک ایک سوئی اور ایک ایک تاگا تک لاکر رکھ دو کوئی چھوٹی یا بڑی چیز چھپا کر نہ رکھو کہ ایسا کرنا شرمناک بھی ہے اور خطرناک بھی۔

مال غنیمت صرف امت محمدیہ کے لئے حلال ہوا ہے:

مال غنیمت کسی نبی کے زمانہ میں حلال نہ تھا، بلکہ مال غنیمت کو ایک جگہ جمع کیا جاتا تھا اور آسمان سے آگ آکر جلا جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مال غنیمت اس امت کے لئے حلال کیا ہے، مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں جن میں

سے چار حصے غازیوں میں تقسیم کردیئے جائیں ایک حصہ جو باقی رہا اس کے پھر پانچ حصے کئے جائیں ان میں سے ایک حصہ آنحضرت ﷺ کا دوسرا آپ کے قرابت داروں کا تیسرا یتیموں کا چوتھا مسکینوں کا، پانچواں حصہ ضرورت مند مسافروں کا، اللہ کا نام محض تبرک کے لئے ہے، اللہ اور رسول کا ایک ہی حصہ ہے۔

مال غنیمت میں نفل کا حکم:

مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے کسی کو کوئی چیز لینے کی اجازت نہیں تھی، البتہ آپ ﷺ کو اجازت تھی کہ اگر کوئی چیز آپ کو پسند آئے تو آپ اس کو لے سکتے ہیں چنانچہ آپ نے بعض اوقات اپنی پسندیدہ چیز تقسیم سے پہلے لی بھی ہے اس پسند فرمودہ شئی کو نفل کہا جاتا ہے، مسند احمد اور ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بدر میں حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سے ایک تلوار پسند فرما کر بطور نفل کے لے لی تھی یہ تلوار ذوالفقار کہلائی، ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی نفل کے طور پر تھیں، غزوۂ خیبر میں آپ نے مال غنیمت میں سے ان کو اپنے لئے پسند فرمالیا تھا حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (احسن التفاسیر)

مال غنیمت میں ذوی القربیٰ کا حصہ:

ذوی القربیٰ سے مراد بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں بنی نوفل اور بنی عبد الشمس اگرچہ آپ کے چچا کی اولاد ہیں مگر یہ لوگ ذوی القربیٰ میں شامل نہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملا کر فرمایا، بنی ہاشم اور بنی مطلب دونوں ایک ہیں۔

آپ ﷺ کے پانچویں حصہ میں آپ کے اہل قرابت کا حصہ رکھا گیا ہے، لیکن اس بات میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ذوی القربیٰ کا یہ حصہ کس کو پہنچتا ہے؟ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ نبی ﷺ کے بعد یہ حصہ منسوخ ہوگیا، دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد یہ حصہ اس شخص کے اقرباء کو پہنچے گا جو حضور ﷺ کی جگہ خلافت کی خدمت انجام دے گا، تیسرے گروہ کے نزدیک یہ حصہ خاندان نبوت کے فقراء میں تقسیم کیا جاتا رہے گا۔

خمس ذوی القربیٰ:

اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ فقراء ذوی القربیٰ کا حق خمس غنیمت میں دوسرے مصارف یعنی یتیم، مسکین، ابن سبیل سے مقدم ہے اسلئے کہ فقراء ذوی القرابیٰ کی امداد زکوٰۃ وصدقات سے نہیں ہوسکتی دیگر مصارف کی امداد زکوٰۃ وصدقات سے بھی ہوسکتی ہے (معارف) البتہ اغنیاء ذوی القربیٰ کو اس میں سے دیا جائیگا یا نہیں اس میں امام ابوحنیفہ کا فرمان یہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ بھی ذوی القربیٰ کو عطا فرماتے تھے تو اس کی دو بنیادیں تھیں ایک ان کی حاجت مندی اور فقر، دوسرے اقامت دین اور دفاع عن الاسلام میں آپ کی نصرت وامداد، دوسرا سبب تو وفات نبوی کے ساتھ ختم ہوگیا صرف پہلا سبب فقر وحاجتمندی رہ گیا اس کی بناپر

تا قیامت ہر امام و امیر ان کو دوسروں پر مقدم رکھے گا، امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے بھی یہی منقول ہے۔ (قرطبی)

اِذ انتم بالعُدوة الدنیا وھم بالعدوة القصویٰ، عُدوة میں عین پر تینوں اعراب ہیں اس کے معنی ہیں ایک جانب، دُنیـا ادنیٰ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں قریب تر، آخرت کے مقابلہ میں اس دنیا کو دنیا اس لئے کہتے ہیں کہ یہ آخرت کے مقابلہ میں قریب تر ہے، اور قصویٰ، اقصٰی سے ہے اس کے معنی ہیں بعید تر۔

لِیَهلِكَ مَنْ هَلَكَ عن بینة الخ یعنی علی وجہ البصیرت یہ بات ثابت ہو جانے کے جو زندہ رہا اس کو زندہ ہی رہنا چاہئے تھا اور جو ہلاک ہوا اسے ہلاک ہی ہونا چاہئے تھا، یہاں زندہ رہنے اور مرنے والوں سے افراد مراد نہیں ہیں، بلکہ اسلام اور کفر مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہاں موت و حیات سے اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں، بلکہ معنوی موت و حیات یا ہلاکت و نجات مراد ہے معنوی حیات اسلام و ایمان ہے اور موت، شرک و کفر۔

اس آیت میں محاذ جنگ کا نقشہ بتایا گیا ہے مسلمان عدوة الدنیا کے پاس تھے اور کفار عدوة القصویٰ کے پاس، مسلمانوں کا مقام میدان کے اس کنارہ پر تھا جو مدینہ سے قریب تھا اور کفار کا پڑاؤ میدان کے دوسرے کنارہ پر جو مدینہ سے بعید تھا، اور ابوسفیان کا تجارتی قافلہ جس کی وجہ سے یہ جہاد کھڑا کیا گیا تھا وہ کفار کے لشکر سے قریب اور مسلمانوں کے لشکر کی زد سے باہر تین میل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے کنارے چل رہا تھا، اس نقشۂ جنگ کے بیان سے مقصد یہ بتلانا ہے کہ جنگی اعتبار سے مسلمان بالکل بے موقع غلط جگہ پر ٹھہرے تھے جہاں سے دشمن پر قابو پانے بلکہ اپنی جان بچانے کا بھی کوئی امکان بظاہر نہیں آتا تھا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً جماعةً کافرةً **فَاثْبُتُوْا** لقتالِهم ولا تَنهزِموا **وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا** اُدعُوْهُ بالنصر **لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ**﴿۴۵﴾ تَفُوْزُوْنَ **وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا** تَختَلِفُوْا فیما بینَکم **فَتَفْشَلُوْا** تَجبُنُوْا **وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ** قوتکم ودَولتکم **وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ**﴿۴۶﴾ بالنصر والعون **وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ** لِیَمنَعُوْا غَیرَهم ولم یَرجِعُوْا بعدَ نجاتِها **بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ** حیثُ قالُوْا لا نَرجِعُ حتی نَشرَبَ الخُمُوْرَ ونَنحَرَ الجَزُوْرَ وتَضرِبَ علینا القِیَانُ ببدرٍ فیَتَسامَعُ بذٰلک الناسُ **وَیَصُدُّوْنَ** الناسَ **عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ** بالیاءِ والتاءِ **مُحِیْطٌ**﴿۴۷﴾ عِلمًا فیُجازِیهم به **وَ** اذکر **اِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ** ابلیسُ **اَعْمَالَهُمْ** بان شَجَّعَهم علی لِقاءِ المسلمین لما خَافُوْا الخروجَ من اَعدائِهم بنی بکرٍ **وَقَالَ** لهم **لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ** من کِنانةَ وکان اَتاهم فی صُورةِ سُراقةَ بنِ مالكٍ سیدِ تلک الناحیة **فَلَمَّا تَرَآءَتِ** اِلتقتِ **الْفِئَتٰنِ** المسلمةُ والکافرةُ ورَاَی الملٰئکةَ وکان یَدُهٗ فی یَدِ الحارثِ بنِ هشامٍ **نَكَصَ** رَجعَ **عَلٰی عَقِبَیْهِ** هارِبًا **وَقَالَ** لَمّا قالُوْا له اَتخذُلُنا علی هذه الحال **اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ** من جوارِکم **اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ** من الملٰئکة **اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ** ان یُهلِکَنِی **وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ**﴿۴۸﴾ ع

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہاری کسی کافر جماعت سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ان سے قتال کے لئے ثابت قدم رہو، بزدلی نہ دکھاؤ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور اس سے نصرت کی دعاء کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تو تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، تمہاری شوکت و طاقت جاتی رہے گی، صبر سے کام لو، یقیناً اللہ نصرت و اعانت کے ذریعہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور ان جیسے نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اپنے قافلے کو بچانے کے لئے اتراتے ہوئے لوگوں کو (شان و سامان) دکھاتے ہوئے نکلے تھے، اور قافلے کے بچ نکلنے کے بعد وہ لوٹ کر نہیں آئے (جب ان سے کہا گیا کہ واپس چلو) تو انہوں نے کہا ہم اس وقت تک واپس نہیں ہوں گے جب تک کہ (میدان بدر میں) شراب نوشی نہ کر لیں، اور اونٹوں کو ذبح نہ کر لیں، اور گانے بجانے والی لونڈیاں گا بجا نہ لیں، اور لوگ ہماری بہادری کی تعریف نہ کریں اور وہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس کا علمی احاطہ کئے ہوئے ہے (تعملون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، اللہ اس کا ضرور صلہ دے گا، اس وقت کو یاد کرو جب شیطان ابلیس نے ان کی نظروں میں ان کے اعمال کو خوشنما کر کے دکھایا تھا بایں صورت کہ مسلمانوں سے بھڑ جانے پر ان کو اس وقت ہمت دلائی جب ان کو اپنے دشمن بنی بکر سے بغاوت کا اندیشہ ہوا، اور ان سے کہا کہ آج تم پر کوئی غالب آنیوالا نہیں، اور کنانہ (بنی بکر) کی طرف سے میں تمہارا مددگار رہوں، اور ابلیس ان کے پاس اس علاقہ کے سردار سراقہ بن مالک کی صورت میں آیا تھا، اور جب دونوں جماعتوں (یعنی) مسلمانوں اور کافروں کا مقابلہ ہوا، اور ابلیس نے فرشتوں کو دیکھا تو بھاگتے ہوئے الٹے پاؤں پھر گیا، اور ابلیس کا ہاتھ حارث بن ہشام کے ہاتھ میں تھا اور جب مشرکوں نے ابلیس سے کہا کیا تم ہم کو اس حالت میں چھوڑتے ہو؟ تو ابلیس نے جواب دیا میں تمہاری مدد کرنے سے بری (معذور) ہوں، اس لئے کہ میں فرشتوں کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھ رہے، مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے یہ کہ وہ مجھے ہلاک کر دے گا، اور خدا بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: فِئَةً، فِئَة بمعنی جماعت یہ اسم جمع ہے اس کا لفظاً کوئی واحد نہیں ہے (جمع) فئاتٌ.

قولہ: قُوَّتُكُم و دَوْلَتُكُم لفظ ریح قوة اور دولة کے لئے مستعار ہے، دَوْلَة بمعنی حرب و غلبہ استعمال ہوتا ہے دِوَلٌ، دُولَة، دال کے ضمہ کے ساتھ بمعنی مال، اس کی جمع دُوَلٌ، دال کے ضمہ کے ساتھ۔

قولہ: وتَضْرِبَ علينا، القُيَّانُ ضرب العود و الطنبور، طبلہ و ستار بجانا۔

قولہ: القُيَّان، (واحد) قَيْنَة، الجواری المغنيات گانیوالی باندیاں۔

قولہ: بَدْر، اس کا تعلق سابق تینوں افعال کے ساتھ ہے۔

قولہ: فَیَتَسَامَعَ بذلك ای فَیُثْنُوا علیهم بالشجاعة، یعنی ان کی بہادری کی تعریف کریں۔

تفسیر و تشریح

جنگی آداب وہدایات:

یا ایُّها الّذِیْنَ آمنوا اِذا لقیتم فئةً، مسلمانوں کو جنگ کے سلسلہ میں پانچ ہدایتیں دی جارہی ہیں، اور وہ آداب بتائے جارہے ہیں جن کو مقابلہ کے وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہے سب سے پہلی ہدایت جو کہ فتح و کامرانی کا نشان ہے یہ کہ دشمن سے مقابلہ کے وقت ثابت قدمی اور استقلال ہے کیونکہ اس کے بغیر میدان جنگ میں ٹھہرنا ممکن ہی نہیں ہے تاہم اس سے تحرف وتحیز کی دونوں صورتیں مستثنیٰ ہوں گی جن کی وضاحت سابق میں گذر چکی ہے کیونکہ بعض دفعہ ثابت قدمی کے لئے تحرّف یا تحیز ناگزیر ہوتا ہے، دوسری ہدایت یہ کہ اللہ کی طرف کثرت سے متوجہ رہے اور اگر مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو تو کثرت کی وجہ سے ان کے اندر عجب وغرور پیدا نہ ہو بلکہ اصل توجہ اللہ کی امداد پر رہے، تیسری ہدایت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے ظاہر بات ہے کہ ان نازک حالات میں اللہ اور رسول کی اطاعت نہایت ضروری ہے اگر چہ اطاعت ہر حال میں ضروری ہے مگر میدان جنگ میں اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے ایسے موقع پر تھوڑی سی نافرمانی بھی اللہ کی مدد سے محرومی کا باعث بن سکتی ہے، چوتھی ہدایت یہ کہ آپس میں اختلاف نہ کرو اس سے تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور پانچویں ہدایت یہ کہ حالات کتنے بھی سخت ہوں کتنے ہی کٹھن مراحل سے گذرنا پڑے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، آپ ﷺ نے فرمایا "لوگو دشمن سے مڈبھیڑ کی آرزو نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگا کرو تاہم جب کبھی دشمن سے مقابلہ کی نوبت آہی جائے تو صبر سے کام لو (یعنی جم کر لڑو) اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے"۔ (صحیح بخاری کتاب الجهاد)

ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارهم بطرا و رئاءَ الناس مشرکین مکہ جب مکہ سے نکلے تو اتراتے ہوئے بڑے فخر وغرور کے ساتھ نکلے مسلمانوں کو اس شیوہ سے منع کیا جارہا ہے۔

لشکر کفار کی بدر کی طرف روانگی:

کفار کا لشکر مکہ سے اس شان سے نکلا تھا کہ گانے بجانے والی لونڈیاں ساتھ تھیں، جگہ جگہ ٹھہر ٹھہر کر رقص وسرود اور شراب نوشی کی محفلیں سجاتے جارہے تھے اور جو قبیلے اور قریہ راستہ میں ملتے تھے ان پر اپنی طاقت وشوکت اور اپنی کثرتِ تعداد اور اپنے ساز وسامان کا رعب جماتے تھے اور ڈینگیں مارتے تھے کہ بھلا ہمارے مقابلہ میں کون سر اٹھا سکتا ہے۔

کفار کے نکلنے کا مقصد یہ نہ تھا کہ حق وانصاف کا جھنڈا بلند ہو، بلکہ اس لئے نکلے تھے کہ ایسا نہ ہونے پائے، اور وہ واحد

جماعت جو اس مقصد عظیم کے لئے دنیا میں اٹھی ہے اس کو ختم کر دیا جائے تا کہ حق و انصاف کے پرچم کو اٹھانے والا دنیا میں کوئی نہ رہے، اس پر مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم کہیں ایسے نہ بن جانا، تمہیں اللہ نے ایمان اور حق پرستی کی نعمت دی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ تمہارے اخلاق میں پاکیزگی ہو تمہارا مقصد جنگ بھی پاک ہو۔

یہ ہدایت آج بھی باقی ہے:

یہ ہدایت اسی زمانہ کے لئے نہ تھی آج کے لئے بھی ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے، کفار کی فوجوں کا جو حال اس وقت تھا وہی آج بھی ہے قحبہ خانے اور فواحش کے اڈے اور شراب کے پیپے ان کے ساتھ جزء لاینفک کی طرح لگے رہتے ہیں، بے شرمی کے ساتھ وہ عورتوں اور شراب کا زیادہ سے زیادہ راشن مانگتے ہیں، اور فوج کے سپاہیوں کو خود اپنی ہی قوم سے یہ مطالبہ کرنے میں باک نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو بڑی سے بڑی تعداد میں ان کی شہوتوں کا کھلونا بننے کے لئے پیش کرے پھر بھلا دوسری قوم ان سے کیا امید رکھ سکتی ہے کہ اس کو اپنی اخلاقی گندگی کی سنڈاس بنانے میں کوئی کسر اٹھا رکھیں گے، بوسینیا ہرزے گووینیاں میں جو کچھ ہوا وہ اس کی تازہ مثال ہے، رہا ان کا تکبر اور تفاخر تو ان کے ہر سپاہی کی چال ڈھال اور انداز گفتگو میں وہ نمایاں دیکھا جا سکتا ہے، ان اخلاقی نجاستوں سے زیادہ ناپاک ان کے مقاصد جنگ ہیں ان میں سے ہر ایک نہایت مکاری کے ساتھ دنیا کو یقین دلاتا ہے کہ اس کے پیش نظر انسانیت کی فلاح اور دہشت گردی کے خاتمہ کے سوا کچھ نہیں ہے مگر درحقیقت ان کے پیش نظر ایک فلاح انسانیت ہی نہیں باقی سب کچھ ہے، ان کی جنگ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا نے اپنی زمین میں جو کچھ تمام انسانوں کے لئے پیدا کیا ہے اس پر تنہا ان کی قوم متصرف ہو اور دوسرے اس کے نوکر چاکر اور غلام اور دست نگر بن کر رہیں، پس اہل ایمان کو قرآن کی یہ دائمی ہدایت ہے کہ ان فساق و فجار کے طور طریقوں سے بھی بچیں اور ان ناپاک مقاصد میں بھی اپنی جان و مال کھپانے سے پرہیز کریں جن کے لئے یہ لوگ لڑتے ہیں۔

مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابوسفیان اپنا تجارتی قافلہ لے کر مسلمانوں کی زد سے بچ نکلے تو ابوجہل کے پاس قاصد بھیجا کہ اب تمہارے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، واپس آجاؤ اور قریشی سرداروں کی بھی یہی رائے تھی مگر ابوجہل اپنے کبر و غرور اور شہرت پرستی کے جذبہ سے قسم کھا بیٹھا کہ ہم اس وقت واپس نہ ہوں گے جب تک چند روز مقام بدر میں پہنچ کر اپنی فتح کا جشن نہ منالیں، جس کے نتیجے میں وہ اور اس کے بڑے بڑے ساتھی وہیں ڈھیر ہو گئے اور ایک گڑھے میں ڈال دیئے گئے۔

وإذ زين لهم الشيطن اعمالهم (الآیة) ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا کی روایت نقل کی ہے کہ جب قریش مکہ کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مکہ سے روانہ ہوا تو ان کے دلوں پر ایک خطرہ اس کا سوار تھا کہ ہمارے قریب میں قبیلہ بنو بکر بھی ہمارا دشمن ہے تو ایسا نہ ہو کہ ہم مسلمانوں کے مقابلہ میں جائیں اور یہ دشمن قبیلہ موقع پا کر ہمارے گھروں، عورتوں، بچوں پر چھاپہ مار دے تو اچانک شیطان سراقہ بن مالک کی صورت میں اس طرح سامنے آیا کہ اس کے ہاتھ میں جھنڈا اور اس کے ساتھ ایک دستہ بہادر فوج کا ہے سراقہ اس علاقہ اور قبیلہ کا بڑا سردار تھا جس سے حملہ کا خطرہ تھا، شیطان نے

آگے بڑھ کر قریشی جوانوں کے لشکر سے خطاب کیا اور دو طرح سے فریب میں مبتلا کر دیا اول یہ کہ لا غالب لکم الیوم من الناس یعنی آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اسلئے کہ مجھے دونوں فریقوں کی قوت کا اندازہ ہے، اس لئے تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم ہی غالب رہو گے اور دوسری یہ بات کہی کہ انی جار لکم، یعنی تم کو بنی بکر کی جانب سے جو خطرہ لاحق ہے میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ ایسے نہ ہوگا میں تمہارا حامی ہوں، شیطان نے اس ترکیب سے مشرکین مکہ کو ان کے مقتل کی طرف دھکیل دیا۔

غزوۂ بدر میں چونکہ قریشی لشکر کی پشت پناہی کے لئے ایک شیطانی لشکر بھی آ گیا تھا، اس لئے اللہ تعالی نے ان کے مقابلہ میں فرشتوں کا ایک لشکر جبرئیل ومیکائیل کی قیادت میں بھیج دیا، مگر جب شیطان نے جو سراقہ بن مالک کی شکل میں تھا، جبرئیل امین اور ان کے ساتھ فرشتوں کا لشکر دیکھا تو گھبرا اٹھا اس وقت اس کا ہاتھ ایک قریشی جوان حارث بن ہشام کے ہاتھ میں تھا فوراً اس سے ہاتھ چھڑا کر بھاگنا چاہا حارث نے کہا یہ کیا کرتے ہو؟ اس نے سینہ پر مار کر حارث کو گرادیا اور اپنے شیطانی لشکر کو لیکر بھاگ کھڑا ہوا، حارث نے اسے سراقہ سمجھتے ہوئے کہا کہ اے عرب کے سردار سراقہ! تو نے تو یہ کہا تھا کہ میں تمہارا حامی اور مددگار رہوں اور عین میدان جنگ میں یہ حرکت کر رہے ہو تو شیطان نے جواب دیا "انی بریٓءٌ منکم انّی اریٰ مالا ترون انی اخاف اللہ"، یعنی میں تمہارے معاہدہ سے بری ہوں کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے (مراد فرشتوں کا لشکر تھا) شیطان کی پسپائی کے بعد مشرکین مکہ کا جو حشر ہونا تھا ہو گیا، جب باقی ماندہ لوگ مکہ پہنچے تو ان میں سے کسی کی ملاقات سراقہ بن مالک سے ہوئی تو اس نے سراقہ کو ملامت کی کہ جنگ بدر میں ہماری شکست اور سارے نقصان کی ذمہ داری تجھ پر ہے تو نے عین میدان جنگ میں پسپا ہو کر ہمارے جوانوں کی ہمت توڑ دی اس نے کہا میں نہ تمہارے ساتھ گیا تھا اور نہ تمہارے کسی کام میں شریک ہوا (یہ سب روایتیں ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہیں)۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ضُعْفُ اعتقادٍ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ اى المسلمين دِيْنُهُمْ اذ خرجوا مع قلّتهم يُقاتِلون الجمعَ الكثيرَ توهُّمًا انهم يُنصَرُون بسببه فقال تعالى في جوابهم وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ يَثِقْ به يَغلِبْ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غالبٌ على امره حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾ في صُنعه وَلَوْ تَرٰٓى يا محمد اِذْ يَتَوَفَّى بالياء والتاء الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ حالٌ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ بمقامع من حديد وَ يقولون لهم ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ اى النار وجوابُ لو، لرأيت امرًا عظيمًا ذٰلِكَ التعذيبُ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ عبّر بها دون غيرها لان اَكثرَ الافعال تُزاوَلُ بها وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ اى بذي ظُلم لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ فيُعذِّبُهم بغير ذنب دَأْبُ هؤلاء كَدَاْبِ كعادة اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بالعقاب بِذُنُوْبِهِمْ جُملةُ كفروا وما بعدَها مُفسِّرةٌ لما قبلَها اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ على مايُريدُهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ اى تعذيبُ الكفرةِ بِاَنَّ اى بسبب انّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ مُبدِلًا لها بالنِّقمة حَتّٰي يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ يُبدِلُوا نِعمتَهم كفرًا كتبديلِ كُفّارِ مكّةَ اِطعامَهم من جُوعٍ وأمْنَهم من خوفٍ وبعثَ النبى صلى الله

علیہ وسلم الیہم بالکفر والصدعن سبیل اللہ وقتال المؤمنین وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ قومہ معہ وَكُلٌّ من الامم المکذبۃ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ ونزل فی قریظۃ اِنَّ شَرَّ الدَّوَاۗبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ان لا یعینوا المشرکین ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ عاھدوا فیھا وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝ اللہ فی غدرھم فَاِمَّا فیہ ادغام نون ان الشرطیۃ فی ما الزائدۃ تَثْقَفَنَّهُمْ تجدنھم فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ فرق بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ من المحاربین بالتنکیل بھم والعقوبۃ لَعَلَّهُمْ ای الذین خلفھم يَذَّكَّرُوْنَ ۝ یتعظون بھم وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ عاھدوک خِيَانَةً فی العھد بامارۃ تلوح لک فَانْۢبِذْ اطرح عھدھم اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَاۗءٍ حال ای مستویاً انت وھم فی العلم بنقض العھد بان تعلمھم بہ لئلا یتھموک بالغدر اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝

ترجمہ: اور جبکہ منافقین اور وہ لوگ کہ جن کے قلوب میں ضعفِ اعتقاد کا روگ لگا ہوا تھا کہہ رہے تھے کہ ان مسلمانوں کو تو ان کے دین نے خبط میں مبتلا کر رکھا ہے اس لئے کہ اپنی قلتِ تعداد کے باوجود ایک بڑی جماعت کے ساتھ لڑنے کے لئے اس خام خیالی کی وجہ سے کہ دین کے سبب سے ان کی مدد کی جائے گی نکل پڑے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا حالانکہ اگر کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ غالب ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے کاش اے محمد تم اس حالت کو دیکھ سکتے جبکہ فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں (یتوفی) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، ان کے منہ پر اور ان کے کولھوں پر لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں آگ میں جلنے کا مزہ چکھو، اور لَوْ کا جواب، لَرأیتَ امراً عظیما، محذوف ہے، یہ تمہارے ان اعمال کے سبب سے ہے جن کو تم پیشگی مہیا کر چکے ہو ہاتھوں سے نہ کہ دیگر اعضاء سے تعبیر اس لئے کیا ہے کہ اکثر اعمال میں ہاتھوں سے شرکت ہوتی ہے، ورنہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کہ ان کو بغیر کسی قصور کے سزا دے یہ معاملہ ان کے ساتھ اسی طرح پیش آیا جس طرح فرعون کے اور ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ پیش آیا کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو ماننے سے انکار کیا تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی سزا میں پکڑ لیا جملہ، کَفَرُوْا، اور اس کا مابعد اس کے ماقبل کے لئے مفسرہ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے منشاء کے بارے میں قوی ہے اور سخت عذاب والا ہے یہ کافروں کو عذاب دینا اس وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں کہ کسی قوم پر نعمتوں کا انعام فرمانے کے بعد اس کو نقمت (زحمت) سے بدل دے جب تک وہ قوم اپنے طرزِ عمل کو خود ہی نہ بدل دے، (یعنی) اپنے اوپر نعمتوں کے مقتضی (شکر) کو ناشکری سے بدل دیں، جیسا کہ کفارِ مکہ نے بدل دیا، (تو اللہ نے) ان کی شکم سیری کو فاقہ سے اور ان کے امن کو خوف سے اور نبی ﷺ کی بعثت کو (جو کہ اعظم نعمت ہے) انکار سے اور راہِ خدا سے روکنے سے اور مومنین کے ساتھ قتال کرنے سے (بدل دیا) اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے

والا (اور) جاننے والا ہے آل فرعون اور ان سے پہلوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ اسی ضابطہ کے مطابق پیش آیا، کہ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا، اور قوم فرعون کو مع فرعون کے غرق کر دیا بے شک یہ تکذیب کرنے والی تمام قومیں ظالم تھیں، اور آئندہ آیت بنی قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی، یقیناً اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والی مخلوق میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے کفر کیا پھر وہ ایمان نہیں لائے (خصوصاً) ان میں سے وہ لوگ جن سے آپ نے معاہدہ کیا یہ کہ وہ مشرکین کی مدد نہ کریں گے پھر وہ بار بار اپنے اس عہد کو توڑتے ہیں جو انہوں نے آپ سے کیا اور وہ عہد توڑنے میں خوفِ خدا نہیں رکھتے پھر اگر تم ان پر میدان جنگ میں قابو پا جاؤ تو ان کی عذاب اور سزا کے ذریعہ ایسی خبر لو کہ وہ لوگ جو ان کے پیچھے ہیں ان سے عبرت حاصل کرلیں اور اگر (اے محمد) تمہیں کسی قوم سے جس نے تم سے معاہدہ کیا ہے ایسی علامات کے ذریعہ جو آپ کو معلوم ہوں معاہدہ میں خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ ان سے معاہدہ کو برابری کے طریقہ پر توڑ دیجئے (علی سواء) یہ نابذ اور منبوذ، دونوں سے حال ہے حال یہ کہ نقضِ عہد میں جانکاری کے اعتبار سے دونوں برابر ہوں (یعنی نقض عہد کا دونوں کو علم ہو) بایں صورت کہ آپ ان کو فسخِ عہد کی اطلاع کر دیں تاکہ وہ آپ کو بدعہدی کے ساتھ متہم نہ کریں، اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: یَغلِبُ، اس میں اشارہ ہے کہ (مَن یتوکل) کی جزاء محذوف ہے اور وہ یَغلِبُ ہے، اس حذف پر بعد والا جملہ فاِنّ اللّٰہ عزیز حکیم، دلالت کر رہا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَوْ تَرىٰ یا محمد ﷺ۔

سُوَال: تَریٰ، مضارع کا صیغہ ہے جو حال واستقبال پر دلالت کرتا ہے اور اِذ یتوفی، ماضی پر دلالت کرتا ہے اسلئے کہ اِذ مضارع کو ماضی کے معنی میں کر دیتا ہے لہٰذا دونوں جملوں میں منافات ہے۔

جَوَاب: لَوْ مضارع کو ماضی کے معنی میں کر دیتا ہے لہٰذا دونوں جملوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: حال، یعنی یَضربون، ملائکۃ سے، یا لذین کفروا سے حال ہے نہ کہ صفت۔

قَوْلُہٗ: مقامِعَ، مِقْمَعَۃ، کی جمع ہے ہتھوڑا، گرز، بروزن مِکنَسَۃٌ۔

قَوْلُہٗ: یقولون لھم اس میں ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔

سُوَال: ذوقوا کا عطف یَضْرِبُوْنَ پر ہے، اور یہ عطف انشاء علی الخبر ہے جو کہ مستحسن نہیں ہے دوسرا اعتراض یہ کہ ایک ہی جملہ میں غائب اور حاضر کا اجتماع ہو رہا یہ بھی مستحسن نہیں ہے۔

جَوَاب: ذوقوا سے پہلے یقولون محذوف ہے جیسا کہ مفسر علّام نے صراحت کر دی ہے، لہٰذا دونوں اعتراض دفع ہو گئے،

لَوْ کے جواب کو ہولناکی کی عظمت وہیبت کو ثابت کرنے کے لئے حذف کر دیا ہے، جس کو مفسر علام نے لَـرَأیْـتَ امـرًا عظیمًا کہہ کر ظاہر کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: دأبُ ھٰؤلاء اس میں اشارہ ہے کہ کـدأب آل فـرعـونہ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہے، لہٰذا کلام کے ناتمام ہونیکا اعتراض ختم ہو گیا، اور یہ اعتراض بھی ختم ہوا کہ یہاں شبہ کے بغیر تشبیہ لازم آرہی ہے۔

قَوْلُہٗ: جُـمْـلَـةُ کَـفَرُوا مُفَسّرَ ةٌ لِـمَـا قَبْلھَا ، یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مسلسل جملے کے درمیان وَالـذیـن کـفـروا مـن قبلھم، کو کس مقصد کے لئے فاصل لایا گیا، جواب یہ ہے کہ یہ ماقبل کے جملہ کی تفسیر ہی ہے لہٰذا یہ فصل بالاجنبی نہیں جو اعتراض واقع ہو۔

قَوْلُہٗ: بالنِّقْمَة یہ انتقام سے اسم ہے۔

قَوْلُہٗ: اِطْعَامِھِمْ اس میں اشارہ ہے کہ مـا بانفسھم سے مراد انعامات مثلاً کھانا وغیرہ مراد ہیں نہ کہ حالات لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ قریش اور آل فرعون کے لئے حالات مرضیہ تھے ہی نہیں کہ ان کو حالات نامرضیہ سے بدل دیا گیا۔ (ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: تَجِدَنَّھُمْ، ای تظفرنَّھُمْ وتغلِبَنَّھُمْ

قَوْلُہٗ: بالتَّنْکِیْلِ، (تفعیل) عبرتناک سزا دینا۔

قَوْلُہٗ: اَنْتَ وَھُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ مستویةً، نابذ اور منبوذ (یعنی فاعل اور مفعول) دونوں سے حال ہے۔

تفسیر وتشریح

اِذ یقولُ المنافقون وَالذین فی قلوبھم مرض الخ اس آیت میں منافقین مدینہ اور مشرکین نیز ان مسلمانوں کا جن کے دلوں میں ابھی اسلام راسخ نہیں ہوا تھا کا ایک مشترکہ مقولہ نقل کیا گیا ہے جو بظاہر مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان پر ترس کھا کر کہا گیا ہے "غَـرَّھم ھٰؤلاء دِیْنُھُمْ" ان بیچاروں کو دین کے جوش جنون نے دیوانہ کر دیا ہے کہ مٹھی بھر مسلمان قریش کے بھاری اور مسلح لشکر سے ٹکرانے کے لئے نکل پڑے ہیں ان بیچاروں کو دین کے جوش جنون نے موت کے منہ میں دھکیل دیا ہے، اس معرکہ میں ان کی تباہی یقینی ہے شاید کہ اس نبی نے کچھ ایسا افسوں ان پر پھونکدیا ہے کہ ان کی عقل خبط ہو گئی ہے۔

تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُمَا کا قول ہے کہ جب مسلمانوں کی فوج کفار کی فوج سے قریب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کی نظر میں اور کافروں کو مسلمانوں کی نظر میں کم کر کے دکھایا، تو مشرک کہنے لگے کہ یہ مسلمان اپنے دین پر مغرور ہو کر اپنی قلت تعداد کے باوجود لڑنے کے لئے نکل آئے ہیں، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "وَمَـنْ یَتَوکل علی اللّٰہ فَاِنَّ اللّٰہ عزیز حکیم"، یعنی جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے یاد رکھو وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے، "ذلك بان اللّٰہ لم یك مغیرًا نعمة انعمھا علی قوم" الخ یعنی جب تک کوئی قوم اپنے آپ کو پوری طرح اللہ کی نعمتوں کا غیر مستحق نہ بنالے اللہ اس سے اپنی نعمت سلب نہیں کیا کرتا، اس آیت

میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں مبذول کرتا ہے اور وہ قوم ان نعمتوں کی قدر نہ کرے اور ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے ان کی ناشکری پر اتر آئے اور منعم ومحسن کے سامنے جھکنے کے بجائے تکبر کا انداز اختیار کرے سر تسلیم خم کرنے کے بجائے سرکشی کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے ناشکروں سے وہ نعمت چھین لیتا ہے اور ان نعمتوں کو زحمتوں میں بدل دیتا ہے، قوم فرعون اور ان سے پہلی قوموں نے بھی جب اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو ان نعمتوں کو ان سے سلب کرکے ان کو مصیبتوں میں مبتلا کر دیا گیا۔

ذالك بانّ اللّٰہ لَمْ يك مغيرًا نعمة الخ اللہ تعالیٰ نے اعطاء نعمت کے لئے کوئی ضابطہ بیان نہیں فرمایا نہ ان کے لئے کوئی قید لگائی نہ ان کو کسی اچھے عمل پر موقوف رکھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلی نعمت جو خود ہمارا وجود ہے اور اس میں قدرت حق جلّ شانہ کی عجیب صنعت گری سے ہزاروں نعمتیں ودیعت رکھی گئی ہیں یہ نعمتیں ظاہر ہے کہ اس وقت عطا ہوئیں جب کہ نہ ہم تھے اور نہ ہمارا کوئی عمل، اگر حق تعالیٰ کے انعامات واحسانات بندوں کے نیک اعمال کے منتظر رہا کرتے تو ہمارا وجود ہی قائم نہ ہوتا۔

حق تعالیٰ کی نعمت ورحمت تو اس کے رب العالمین اور رحمٰن ورحیم ہونے کے نتیجہ میں خود بخود ہے البتہ اس نعمت ورحمت کو قائم رہنے کا ایک ضابطہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دیتے ہیں اس سے اس وقت تک واپس نہیں لیتے جب تک وہ اپنے حالات اور اعمال کو بدل کر خود کو ان نعمتوں کا غیر مستحق قرار نہ دے لے، حالات کے بدلنے سے مراد یہ ہے کہ اچھے اعمال اور حالات کو بدل کر بُرے اعمال اور برے حالات اختیار کرے یا یہ کہ اللہ کی نعمتیں مبذول ہونے کے بعد جب اعمال بد اور گناہوں میں مبتلا تھا نعمتوں کے ملنے کے بعد ان سے زیادہ برے اعمال میں مبتلا ہو جائے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو قوموں کا ذکر پچھلی آیات میں آیا ہے یعنی کفار قریش اور آلِ فرعون ان کا تعلق اس آیت سے اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ اگر چہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ملنے کے وقت بھی کچھ اچھے حالات میں نہیں تھے سب کے سب مشرک وکافر تھے لیکن انعامات کے بعد یہ لوگ اپنی بدعملیوں اور شرارتوں میں پہلے سے زیادہ دلیر اور بے باک ہو گئے، آل فرعون نے بنی اسرائیل پر طرح طرح کے مظالم شروع کر دیئے پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ اور مخالفت پر آمادہ ہو گئے جو ان کے پچھلے جرائم میں ایک نہایت قبیح اضافہ تھا جس کے ذریعہ انہوں نے اپنے حالات مزید برائی کی طرف ڈال دیئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نعمت کو نقمت وعذاب سے بدل دیا، اسی طرح مشرکین مکہ اگر چہ مشرک وبدعمل تھے لیکن اس کے ساتھ ان میں کچھ اچھے اعمال مثلاً صلہ رحمی، مہمان نوازی، حجاج کی خدمت، بیت اللہ کی تعظیم وغیرہ بھی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان پر دین ودنیا کے دروازے کھول دیئے دنیا میں ان کی تجارتوں کو فروغ دیا اور ایسے ملک میں جہاں کسی کا تجارتی قافلہ سلامتی سے نہ گذر سکتا تھا ان لوگوں کے تجارتی قافلے ملک شام ویمن میں جاتے اور کامیاب آتے تھے جس کا ذکر سورۂ لایلف میں بھی ہے۔

اور دین کے اعتبار سے انھیں وہ عظیم نعمت عطا ہوئی جو پچھلی کسی قوم کو نصیب نہیں ہوئی کہ سید الانبیاء خاتم النبیین ﷺ ان میں مبعوث ہوئے اللہ تعالیٰ کی آخری اور جامع کتاب قرآن ان میں بھیجی گئی۔

مگر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کی شکر گذاری اور قدر کرنے اور اس کے ذریعہ اپنے حالات کو درست کرنے کے بجائے پہلے سے بھی زیادہ گندے کر دیئے کہ صلہ رحمی کو چھوڑ کر مسلمان ہو جانے والے بھائی بھتیجوں پر وحشیانہ مظالم کرنے لگے، مہمان نوازی کے بجائے مسلمانوں پر آب و دانہ بند کرنے کے عہد نامے لکھے گئے، حجاج کی خدمت کے بجائے مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکنے لگے، یہ وہ حالات تھے جن کو کفار قریش نے بدلا، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو نقمتوں اور اپنے انعام کو انتقام کی صورت میں تبدیل کر دیا کہ وہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے، اور جو ذات رحمۃ للعلمین بن کر آئی تھی اسی کے ذریعہ انہوں نے اپنی موت و ہلاکت کو دعوت دے دی۔ (معارف)

مدینہ کے یہود سے معاہدہ:

اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ منهم، اس آیت میں خاص طور سے یہود کی طرف اشارہ ہے، نبی ﷺ نے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے ان ہی کے ساتھ حسن جوار اور باہمی تعاون و مددگاری کا معاہدہ کیا تھا اور اپنی حد تک پوری کوشش کی تھی کہ ان سے خوشگوار تعلقات قائم رہیں، نیز دینی حیثیت سے بھی آپ یہود کو مشرکین کی بہ نسبت اپنے قریب سمجھتے تھے اور ہر معاملہ میں مشرکین کے بالمقابل اہل کتاب کو ترجیح دیتے تھے، لیکن ان کے علماء اور مشائخ کو توحید خالص اور اخلاق صالحہ کی وہ تبلیغ اور اعتقادی و عملی گمراہیوں پر وہ تنقید اور اقامت دین حق کی وہ سعی جو نبی ﷺ کر رہے تھے ایک آن نہ بھائی تھی اور ان کی پیہم کوشش یہ تھی کہ یہ نئی تحریک کسی طرح کامیاب نہ ہونے پائے اس مقصد کے لئے وہ مدینہ کے منافق مسلمانوں سے ساز باز کرتے تھے اسی کیلئے وہ اوس و خزرج کے لوگوں میں ان کی پرانی عداوتوں کو بھڑکاتے تھے جو اسلام سے پہلے ان کے درمیان کشت و خون کی موجب ہوا کرتی تھیں، اسی کے لئے قریش اور دوسرے مخالف اسلام قبیلوں سے ان کی خفیہ سازشیں چل رہی تھیں اور یہ سب حرکات اس معاہدۂ دوستی کے باوجود ہو رہی تھیں جو نبی ﷺ اور ان کے درمیان لکھا جا چکا تھا، جب جنگ بدر واقع ہوئی تو ابتداء میں ان کا خیال تھا کہ قریش کی پہلی ہی چوٹ اس تحریک کا خاتمہ کر دے گی لیکن جب نتیجہ ان کی توقعات کے خلاف نکلا تو ان کے سینوں کی آتش حسد اور زیادہ بھڑک اٹھی، انہوں نے اس اندیشہ سے کہ بدر کی فتح کہیں اسلام کی طاقت کو ایک مستقل خطرہ نہ بنا دے اپنی مخالفانہ کوششوں کو تیز کر دیا حتی کہ ان کا ایک لیڈر کعب بن اشرف (جو قریش کی شکست سنتے ہی چیخ اٹھا تھا کہ آج زمین کا پیٹ ہمارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے) خود مکہ گیا، اور وہاں اس نے ہیجان انگیز مرثیہ کہہ کر قریش کو انتقام کا جوش دلایا، اس پر بھی ان لوگوں نے بس نہ کی، یہودیوں کے قبیلے بنی قینقاع نے معاہدۂ حسن جوار کے خلاف ان مسلمان عورتوں کو چھیڑنا شروع کر دیا جو ان کی بستی میں کسی کام سے جاتی تھیں، جب نبی ﷺ نے ان کو اس حرکت پر ملامت کی تو انہوں نے جواب میں دھمکی دی کہ یہ قریش نہیں ہیں، ہم لڑنے مرنے والے لوگ ہیں اور لڑنا مرنا جانتے ہیں جب ہمارے مقابلہ میں آؤ گے تب پتہ چلے گا کہ مرد کیسے ہوتے ہیں۔

معاہدۂ صلح کو ختم کرنے کی صورت:

وَاِمّا تَخافَنَّ مِن قوم خيانة فانبذ اليهم علٰى سَواء، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو جنگ وصلح کے قانون کی ایک اہم دفعہ بتلائی ہے جس میں معاہدہ کی پابندی کی خاص اہمیت کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی وقت معاہدہ کے دوسرے فریق کی طرف خیانت یعنی عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم معاہدہ کی پابندی کو بدستور قائم رکھیں لیکن یہ بھی جائز نہیں کہ معاہدہ کو علی الاعلان ختم کئے بغیر ہم فریق ثانی کے خلاف کوئی اقدام کریں، بلکہ صحیح صورت یہ ہے کہ فریق مخالف کو صاف صاف بتادیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اب معاہدہ باقی نہیں رہا، تاکہ فسخ معاہدہ کا جیسا علم ہم کو ہے ویسا ہی اس کو بھی ہو جائے اور وہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ معاہدہ اب بھی باقی ہے، اسی فرمان الٰہی کے مطابق آپ ﷺ نے اسلام کی بین الاقوامی معاہدۂ صلح کا یہ مستقل اصول قرار دیا تھا کہ "مَنْ كانَ بَيْنَهُ وبين قوم عهدٌ فلا يحلن عقدةً حتى ينقضى امدُها او ينبذ اليهم على سواء" (جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہوا سے چاہئے کہ معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے عہد کا بند نہ کھولے ورنہ تو ان کا عہد برابری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی طرف پھینک دے) مطلب یہ ہے کہ جس قوم کے ساتھ معاہدۂ صلح ہو چکا ہے اس کے مقابلہ میں کوئی جنگی اقدام کرنا خیانت میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اگرچہ یہ خیانت دشمن کافروں ہی کے حق میں کی جائے وہ بھی جائز نہیں یہ ہے اسلام کا عدل وانصاف کہ خیانت کرنے والے دشمن کے بھی حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں اس کا پابند کیا جاتا ہے کہ عہد کو واپس کرنے سے پہلے کوئی تیاری بھی ان کے خلاف نہ کریں۔

(مظہری)

ایفائے عہد کا ایک عجیب واقعہ:

ابوداؤد، ترمذی، نسائی، امام احمد بن حنبل نے سلیم بن عامر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ کا ایک قوم یعنی رومیوں سے ایک خاص مدت تک کے لئے ناجنگ معاہدہ تھا، معاہدہ کی میعاد ختم ہونے کے قریب تھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ فرمایا کہ اس معاہدہ کے ایام میں اپنا لشکر اور سامان جنگ رومی قوم کے قریب پہنچادیں تاکہ معاہدہ کی میعاد ختم ہوتے ہی دشمن پر اچانک حملہ کر دیں مگر عین اس وقت جب حضرت امیر معاویہ کا لشکر اس طرف روانہ ہو رہا تھا کہ ایک عمر رسیدہ شخص گھوڑے پر سوار بڑے زور سے یہ نعرہ لگا رہا ہے "اللّٰه اكبر اللّٰه اكبر وفاءً لاغدراً" اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم کو معاہدہ کی پابندی کرنی چاہئے اس کی خلاف ورزی نہ کرنی چاہئے، آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی قوم سے صلح یا ناجنگ معاہدہ ہو جائے تو چاہئے کہ ان کے خلاف نہ کوئی گرہ کھولیں اور نہ باندھیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع دی گئی دیکھا تو اعلان کرنے والے حضرت عمر بن عبسہ صحابی تھے، حضرت امیر معاویہ نے فوراً ہی اپنی فوج کو واپس بلالیا۔

بلا اعلان حملہ کرنے کی اجازت کی صورت:

یہاں یہ بات بھی جان لینی ضروری ہے کہ اسلامی قانون صرف ایک صورت میں بلا اعلان حملہ کرنے کی اجازت دیتا ہے اور وہ صورت وہ ہے کہ فریق مخالف علی الاعلان معاہدہ کو توڑ چکا ہو اور اس نے ہمارے خلاف صریح طور پر معاندانہ کارروائی کی ہو، اس صورت میں یہ ضروری نہیں رہتا کہ ہم اسے آیت مذکورہ بالا کے مطابق نسخ معاہدہ کی اطلاع دیں بلکہ ہمیں اس کے خلاف بلا اعلان جنگی کارروائی کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے، فقہاء اسلام نے یہ استثنائی حکم نبی ﷺ کے اس فعل سے نکالا ہے کہ قریش نے جب بنی خزاعہ کے معاملہ میں صلح حدیبیہ کو علانیہ توڑ دیا تو آپ نے پھر انھیں فسخ معاہدہ کی اطلاع کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی، بلکہ بلا اعلان مکہ پر چڑھائی کردی، لیکن اگر ہم کسی موقع پر اس قاعدۂ استثنائی سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو ضروری ہے کہ وہ تمام حالات ہمارے پیش نظر رہیں جن میں نبی ﷺ نے یہ کارروائی کی تھی۔

وَنَزَلَ فیمن اَفْلَتَ یَوْمَ بدر **وَلَا یَحْسَبَنَّ** یا محمدُ **الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَبَقُوْا** اللّٰہ ای فَاتُوْہُ **اِنَّھُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ**﴿۵۹﴾ لا یَفُوْتُوْنَہٗ وفی قراءۃ بالتحتانیۃ فالمفعولُ الاولُ محذوفٌ ای اَنْفُسَھُمْ وفی اُخْرٰی بفتحِ اَنَّ علی تقدیرِ اللام **وَاَعِدُّوْا لَھُمْ** لقتالِھم **مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ** قالَ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھِیَ الرَّمیُ رواہ مسلم **وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ** مصدرٌ بمعنٰی حَبْسِھا فی سبیل اللّٰہِ **تُرْھِبُوْنَ** تُخَوِّفُوْنَ **بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ** ای کفارَ مکۃَ **وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ** ای غیرِھم وھم المنافقون اوالیھودُ **لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ** جزاؤُہٗ **وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ**﴿۶۰﴾ تُنْقَصُوْنَ منہ شیئًا **وَاِنْ جَنَحُوْا** مَالُوْا **لِلسَّلْمِ** بکسرِ السین وفتحِھا الصلحِ **فَاجْنَحْ لَھَا** وعَاھِدْھم قالَ ابنُ عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ھذا منسوخٌ بایۃِ السَّیفِ و مُجاھدٌ مخصوصٌ باھلِ الکتاب اذ نَزَلَتْ فی بنی قُرَیْظَۃ **وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ** ثِقْ بہ **اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ** للقول **الْعَلِیْمُ**﴿۶۱﴾ بالفعلِ **وَاِنْ یُّرِیْدُوْا اَنْ یَّخْدَعُوْکَ** بالصلحِ، لِیَسْتَعِدُّوا لك **فَاِنَّ حَسْبَکَ** کافِیْكَ **اللّٰہُ ھُوَ الَّذِیْ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ**﴿۶۲﴾ **وَاَلَّفَ** جَمَعَ **بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ** بعدَ الاِحَنِ **لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ** بقُدرتِہٖ **اِنَّہٗ عَزِیْزٌ** غالبٌ علی امرِہٖ **حَکِیْمٌ**﴿۶۳﴾ لا یَخْرُجُ شیءٌ عن حِکْمَتِہٖ **یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَ** حَسْبُكَ **مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ**﴿۶۴﴾

ترجمہ: آئندہ آیت ان (مشرکین) کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے یوم بدر میں راہ فرار اختیار کی تھی، اے محمد ﷺ تم ہرگز یہ نہ سمجھو کہ یہ کافر اللہ (کی پکڑ) سے بچ کر نکل جائیں گے، یہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ اس سے بچکر نکل سکتے ہیں، اور ایک قراءت میں (لا یحسبنّ) یاء تحتانیہ کے ساتھ (یحسبنّ) کا مفعول اول محذوف ہے اور وہ

اَنْفُسَهُمْ، ہے اور ایک قراءت میں اَنَّهم ہمزہ کے فتحہ اور لام کی تقدیر کے ساتھ ہے ای لِاَنَّهُمْ، اور ان سے جنگ کے لئے مقدور بھر قوت مہیا رکھو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ تیراندازی ہے (رواہ مسلم) اور (تیار) بندھے رہنے والے گھوڑے، (رباط) مصدر ہے بمعنی اللہ کے راستہ میں محبوس رکھنا، (تاکہ) تم اس کے ذریعہ اللہ کے اور اپنے دشمن کفار مکہ کو خوف زدہ کر سکو، اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی، یعنی ان کے غیر کو، اور وہ منافقین اور یہود ہیں، جن کو تم نہیں جانتے، اللہ ان کو جانتا ہے اور جو کچھ تم اللہ کے راستہ میں خرچ کرو گے تم کو اس کا پورا پورا اجر دیا جائیگا اور تمہارے اوپر ظلم نہ کیا جائیگا، کہ اس اجر میں سے کچھ کم دیا جائے، اور (اے محمد ﷺ) اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو جائے سَلْم، سین کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ، بمعنی صلح، تو آپ بھی اس کے لئے آمادہ ہو جائیے، اور ان سے معاہدہ کر لیجئے، ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا یہ حکم آیت سیف سے منسوخ ہے، اور مجاہد نے کہا یہ آیت اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے، اس لئے کہ یہ بنی قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور اللہ پر بھروسہ کرو یقیناً وہ باتوں کا سننے والا (اور) کاموں کا جاننے والا ہے اور اگر وہ (صلح سے) دھوکے کا ارادہ رکھتے ہوں تاکہ وہ آپ کے مقابلہ کی تیاری کر سکیں، تو یقیناً تمہارے لئے اللہ کافی ہے، وہی تو ہے جس نے اپنی مدد اور مومنین کے ذریعہ آپ کی تائید کی اور عداوت کے بعد ان کے دلوں کو جوڑ دیا، اور اگر تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے قلوب کو نہیں جوڑ سکتے تھے لیکن اللہ نے اپنی قدرت سے ان کے دلوں کو جوڑ دیا بے شک وہ اپنے حکم پر غالب باحکمت ہے کوئی شئ اس کے حکم سے خارج نہیں اے نبی تمہارے لئے اور تمہاری اتباع کرنیوالے مومنین کیلئے اللہ کافی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَفْلَتَ، (افعال) رہا ہونا، چھوڑنا، راہ فرار اختیار کرنا، اِنفلاۃ البطن، پیٹ چلنا (اسہال) انفلات الریح، ہوا خارج ہونا، انفلت الشئ فلتةً، ای بغتةً، اچانک نکلنا۔

قَوْلُهُ: لا تحسَبَنَّ، یہ آپ ﷺ کو خطاب ہے متعدی بدو مفعول ہے اول الذین کفروا ہے اور ثانی سَبَقوا جملہ ہو کر ہے، اللّٰہ، سبقوا کا مفعول ہے، قرینہ مقام کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے جس کو مفسر علّام نے ظاہر کر دیا ہے، اور ایک قرأت میں تحسَبَنَّ، یاء کے ساتھ ہے اس صورت میں یَحْسَبَنَّ کا مفعول اول محذوف ہوگا، ای لا یَحْسَبَنَّ الذین کفروا انفسهم سابقین اللّٰه، ایک قراءت میں اَنَّهم، ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے اس صورت میں لام مقدر ہوگا ای لِاَنَّهم۔

قَوْلُهُ: مصدرٌ، رباط الخیل میں، رباط مصدر بمعنی مفعول ہے ای الخیل المربوط، جہاد کے لئے تیار بندھے رہنے والے گھوڑے، رباطٌ کا عطف قوةٌ پر عطف مصدر علی المصدر ہے۔

قولہ: فَاجْنَحْ لَهَا.

سوال: لَهَا کی ضمیر سِلْمٌ کی طرف راجع ہے جو کہ مذکر ہے، اور ضمیر مؤنث ہے ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب: سِلْمٌ کی نقیض یعنی حربٌ کا اعتبار کرتے ہوئے ضمیر کو مؤنث لایا گیا ہے حَرْبٌ مؤنث سماعی ہے۔

قولہ: کَافِیْكَ، یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ حَسْبُكَ اللّٰهُ، میں مصدر کا حمل ذات پر لازم آ رہا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

جواب: مصدر بمعنی اسم فاعل ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں، مفسر علام نے حَسْبُكَ کی تفسیر کافیك سے کرکے اشارہ کر دیا کہ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے۔

قولہ: اَلْاِحَنُ الْاِحْنَةُ، کی جمع ہے پوشیدہ دشمنی، کینہ، اَحِنَ اَحْنًا (س) پوشیدہ دشمنی رکھنا۔

تفسیر وتشریح

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کفروا الخ، اس آیت میں اس واقعاتی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اہل کفر تو تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن رہیں گے ہی، حق و باطل، کفر و ایمان کا معرکہ قیامت تک جاری رہنے والا ہے، لہٰذا تم اس سے مقابلہ کے لئے ہمیشہ تیار رہو، اس کی طرف سے ہرگز غفلت نہ برتو، اور اپنے پاس وہ سامان رکھو جس سے ان پر ہیبت طاری ہوتی رہے اور ان کے دل دہلتے رہیں۔

مطلب یہ کہ تمہارے پاس ایک مستقل فوج ہمہ وقت تیار رہنی چاہئے تاکہ بوقت ضرورت فوراً جنگی کارروائی کر سکو، یہ نہ ہو کہ خطرہ سر پر آنے کے بعد گھبراہٹ میں جلدی جلدی رضاکار اور اسلحہ و سامانِ رسد جمع کرنے کی کوشش کرو اور اس دوران دشمن اپنا کام کر جائے۔

دشمن کے مقابلے کی تیاری:

وَاَعِدّوا لَهُمْ مَا اسْتَطعتم مِنْ قوةٍ الخ میں سامانِ حرب و ضرب سے اپنی مقدور بھر ہر وقت تیار رہنے کی کھلی تاکید بلکہ حکم ہے آیت میں، قوۃ، کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ لفظ ہر قسم کی قوۃ کو عام ہے خواہ عَدَدی قوت ہو یا آلات حرب کی، یہاں تک کہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ بڑھے ہوئے ناخن بھی اس میں داخل ہیں (ماجدی) اگرچہ حدیث شریف میں قوۃ کی تفسیر تیراندازی سے کی گئی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الامارہ باب فضل الرمی والحث علیه)

چونکہ آنحضرت ﷺ کے دور میں تیراندازی ایک بڑا جنگی ہتھیار اور نہایت اہم فن تھا جس طرح اس دور میں گھوڑے جنگ کے لئے ناگزیر ضرورت تھے لیکن اس ترقی یافتہ اور مشینی و سائنسی دور میں ان کی وہ افادیت نہیں رہی اسلئے وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطعتم، کے تحت آج کل کے جنگی ہتھیار مثلاً میزائیل، راکٹ، ٹینک، جنگی جہاز اور بم کی تیاری ضروری ہے۔

صاحب روح المعانی کی صراحت:

صاحب روح المعانی نے اس آیت کے تحت بندوق کا ذکر صراحت کے ساتھ کیا ہے اگر مرحوم آج بقید حیات ہوتے تو مشینی گنوں اور طیاروں اور ٹینکوں، جنگی جہازوں اور ہائیڈ روجن بموں اور ایٹم بموں وغیرہ کا عجب نہیں کہ ذکر کر دیتے، ایسی ہی تصریح رشید رضا مصری کے یہاں ملتی ہے۔

واطلاق الرمی فی الحدیث یشملُ کل ما یُرمٰی به العدو من سهمٍ او قذیفةِ منجنیق اَوْ طیارةٍ او بندوقیة او مِدْفع وغیر ذلك، وان لم یکن کل هذا معروفًا فی عصره صلی الله علیه وسلم فان اللفظ یَشتمله. (المنار)

فالواجب علی المسلمین فی هذا العصر بنص القرآن صنع المدافع بانواعِها والبنادق والدبابات والطیارات وانشاءِ السُّفُن الحربیةِ بانواعِها. (المنار)

آیت کا خلاصہ:

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کو ہمہ وقتی تیاری دشمنوں سے مقابلہ کی رکھنی چاہئے، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مذکورہ تمام ساز وسامان عملاً کیونکر ممکن ہے؟ جب تک کہ خود مسلمانوں کے پاس انجینیر اور دیگر ماہرین فن نہ ہوں۔

وَآخرین من دونهم، لا تعلمونهم الله یعلمهم، اس آیت میں اشارہ ہے ان کافروں کے علاوہ جن سے تمہارا سابقہ پڑتا رہتا ہے ان کے علاوہ اور بھی قومیں ہیں جو تمہارے علم میں نہیں، مگر اللہ کے علم میں ہیں کہ کبھی ان سے تمہاری مڈبھیڑ ہوگی اس میں مجوسی اور روم کی مسیحی قومیں تو شامل ہیں ہی ان کے علاوہ قیامت تک آنیوالی تمام صیہونی قوتیں بھی شامل ہیں۔

حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعالیٰ کی رائے گرامی:

حضرت نے فرمایا ان آیتوں میں جو تدابیر حرب وسیاست بتائی گئی ہیں ان سے صاف دلالت اس امر پر ہو رہی ہے کہ یہ سیاسی تدبیریں بڑے سے بڑے کمالات باطنی کے بھی منافی نہیں، جیسا کہ غالی وناقص صوفیہ نے خیال کیا ہے۔ (ماجدی)

انفاق فی سبیل اللہ:

وَمَا تُنْفِقُوا مِن شیءٍ فی سبیل الله الخ نفس کو مال خرچ کرنے میں تنگی اور بخل کی ایک بڑی وجہ اس خیال سے پیدا ہوتی ہے کہ یہ مال ضائع ہو رہا ہے اور اس کے معاوضہ میں کچھ حاصل نہ ہوگا، اس آیت نے اس خیال کی جڑ ہی کاٹ دی، اور

اطمینان دلایا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا مال ضائع نہ جائیگا بلکہ وہاں (آخرت) میں پہنچ کر اس سے کہیں زیادہ اجر پائیں گے۔

وَان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللّٰہ انّہ ھو السمیع العلیم یعنی اگر حالات جنگ کے بجائے صلح کے متقاضی ہوں اور دشمن مائل بہ صلح ہو تو صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں اگر صلح سے دشمن کا مقصد دھوکا اور فریب ہو تب بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں اللہ پر بھروسہ رکھیں یقیناً اللہ تعالیٰ دشمن کے فریب سے بھی محفوظ رکھے گا، لیکن صلح کی یہ اجازت ایسے حالات میں ہے کہ جب مسلمانوں کا پہلو کمزور ہو اور صلح میں اسلام اور مسلمانوں کا مفاد ہو لیکن جب معاملہ اس کے برعکس ہو تو اس صورت میں صلح کے بجائے دشمن کی قوت و شوکت کو توڑنا ہی ضروری ہے ''وَقاتلوھم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کلہ اللّٰہ''. (انفال)

مسلمانوں کی بین الاقوامی پالیسی بزدلانہ نہ ہونی چاہئے:

خلاصہ یہ ہے کہ بین الاقوامی معاملات میں مسلمانوں کی پالیسی بزدلانہ نہ ہونی چاہئے، بلکہ خدا کے بھروسہ پر بہادرانہ اور دلیرانہ ہونی چاہئے دشمن جب گفتگوئے مصالحت کی خواہش ظاہر کرے بے تکلف اس کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

وَاَلّفَ بین قلوبھم، الخ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مومنین پر جو احسانات فرمائے ان میں ایک بڑے احسان کا ذکر ہے وہ یہ کہ نبی ﷺ کی مومنین کے ذریعہ مدد فرمائی وہ آپ کے دست و بازو اور محافظ و معاون بن گئے، مومنین پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے درمیان پہلے جو عداوت تھی اسے محبت و الفت میں تبدیل فرما دیا پہلے جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اب ایک دوسرے کے جاں نثار بن گئے، خصوصیت کے ساتھ اللہ کا یہ فضل اوس و خزرج کے معاملہ میں تو سب سے زیادہ نمایاں تھا، یہ دونوں قبیلے دو ہی سال پہلے تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور مشہور جنگ بُعاث کو کچھ زیادہ دن نہیں گذرے تھے جس میں اوس نے خزرج کو اور خزرج نے اوس کو گویا صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا تہیہ کر لیا تھا، ایسی شدید عداوتوں کو دو تین سال میں گہری دوستی اور برادری میں تبدیل کر دینا اور ان متنافر اجزاء کو جوڑ کر ایسی بنیان مرصوص بنا دینا جیسی نبی ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام کی تھی یقیناً انسان کی طاقت سے بالاتر تھا۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ حُثَّ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ لِلکفار اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ منھم وَاِنْ یَّکُنْ بالیاء والتاء مِّنْکُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ ای بسبب انھم قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ ﴿۶۵﴾ وھذا خبرٌ بمعنی الامر ای لِیُقَاتِلِ العشرون منکم المائتین والمائةُ الالفَ ویَثْبُتُوا لھم ثُمَّ نُسِخَ لَمَّا کَثُرُوا بقولہ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا بضمّ الضادِ وفتحِھا عن قتالِ عَشْرَةِ اَمْثالِکُمْ فَاِنْ یَّکُنْ بالیاءِ

والتاءِ مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ منهم وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ بارادته وهو خبرٌ بمعنى الامر اى لِتُقَاتِلُوا مِثْلَيْكُمْ وتَثْبُتُوا لهم وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٦٦﴾ بعونه و نزل لما اَخَذُوا الفداء من اُسرى بدرٍ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ بالتاءِ والياءِ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ يُبالغ في قتل الكفار تُرِيدُونَ ايها المؤمنون عَرَضَ الدُّنْيَا حُطامها باخذ الفداءِ وَاللَّهُ يُرِيدُ لكم الْآخِرَةَ اى ثوابها بقتلهم وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ وهذا منسوخٌ بقولِه فاما منًّا بعدُ واما فِدآءً لَّوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ باحلال الغنائم والأسرى لكم لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ من الفداءِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٩﴾

ترجمہ: اے نبی! مومنین کو کفار سے جہاد کرنے کا شوق دلاؤ، اگر تم میں بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو ان میں سے دوسو پر غالب رہیں گے، اور اگر تم میں سو صبر کرنے والے ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے اس سبب سے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں (یکن) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، اور یہ خبر بمعنی انشاء ہے یعنی تم میں سے بیس کو دوسو کے ساتھ قتال کرنا چاہئے، اور سو کو ہزار کے ساتھ، اور ان کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو، پھر جب (مسلمانوں) کی تعداد زیادہ ہوگئی تو اللہ کے قول (الئٰن) سے منسوخ کردیا گیا، (اچھا) اب اللہ تمہارا بوجھ ہلکا کرتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں ناتوانی ہے اپنے سے دس گنا سے مقابلہ کرنے میں، (ضعفًا) ضاد کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے، پس اگر تم میں سے صابر سو ہوں گے تو ان کے دوسو پر اللہ کے حکم سے غالب رہیں گے یہ خبر بمعنی امر ہے، یعنی اپنے سے دوگنا کا مقابلہ کرو، اور ان کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو، اللہ مدد کے ذریعہ صابرین کے ساتھ ہے (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی کہ جب بدر کے قیدیوں کا فدیہ لے لیا، کسی نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اس کے ہاتھ میں قیدی ہوں (یکون) یاء اور تاء کے ساتھ، جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے یعنی کافروں کے قتل میں مبالغہ نہ کرلے، اے مومنو تم فدیہ لے کر دنیا کا حقیر مال چاہتے ہو اور اللہ تمہارے لئے آخرت یعنی اس کا ثواب چاہتا ہے اور اللہ زور آور، طاقتور ہے اور یہ اِمَّا مَنًّا بعد و امّا فداءً سے منسوخ ہے، اور اگر اللہ کا نوشتہ غنائم کے حلال ہونے اور قیدیوں کے (فدیہ) کے تمہارے لئے حلال ہونے کا پہلے سے نہ لکھا گیا ہوتا تو جو فدیہ تم نے لیا اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی، لہٰذا جو مال تم نے غنیمت کے طور پر لیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ درگذر کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: خَبَرٌ بِمَعْنَى الأمْرِ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ مِائَةٌ يَغْلِبُوا الفًا من الّذين كفروا میں خبر دی گئی ہے کہ ایک سو صابر مسلمان ایک ہزار کافروں

پر غالب ہو جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی خبر میں کذب یعنی خلاف واقعہ ہونیکا امکان واحتمال نہیں ہے حالانکہ بعض اوقات مساوی ہونے کی صورت میں کافر بھی غالب آتے ہیں۔

جَوَابُ: خبر بمعنی امر ہے اور امر میں کذب کا احتمال نہیں ہوتا۔

قَوْلُہٗ: اَلْـئٰـنَ خَـفَّـفَ الـلّٰـه وعَـلِـمَ اَنَّ فیکم ضُعْفًا، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم بالضعف کو الآن کے ساتھ مقید کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم بالحادث نہیں ہے۔

جَوَابُ: اللہ تعالیٰ کا علم حادث کے ساتھ بے شک متعلق ہے لیکن قبل الوقوع اس اعتبار سے کہ سَیَقَعُ، اور واقع ہونے کے بعد اس اعتبار سے ہے کہ بانہ یقع۔

قَوْلُہٗ: الحُطام بالضم، حقیر شئی، قلیل مال، ریزہ و شکستہ۔

قَوْلُہٗ: ای ثوابها، حذف مضاف میں اس سوال کا جواب ہے کہ نفس آخرة تو ہر ایک کے لئے ثابت ہے پھر یرید لکم الآخرة کی کیا تخصیص ہے۔

جَوَابُ: آخرت تو سب کے لئے ہے مگر اجر آخرت صرف مؤمنین ہی کے لئے ہے۔

تفسیر وتشریح

یـاَیّهـا النبی حَرّضِ المؤمنین علی القتالِ (الآیة) تحریض کے معنی ترغیب اور شوق دلانے کے ہیں چنانچہ اسی کے مطابق نبی ﷺ جنگ سے پہلے صحابہ کو جنگ کی ترغیب دیتے اور اس کی فضیلت بیان فرماتے تھے، جیسا کہ بدر کے موقع پر جب مشرکین اپنی بھاری تعداد اور بھرپور وسائل کے ساتھ میدان میں آموجود ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

جہاد کی فضیلت:

ایسی جنت میں جانے کیلئے کھڑے ہو جاؤ جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، ایک صحابی عمیر بن حمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، اس پر بخ بخ کہا یعنی خوشی کا اظہار کیا اور یہ امید ظاہر کی کہ میں بھی جنت میں جانیوالوں میں سے ہوں گا؟ آپ نے فرمایا تم جنت میں جانے والوں میں سے ہوگے، چنانچہ انہوں نے اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور کھجوریں نکال کر کھانے لگے پھر جو بچیں وہ ہاتھ سے پھینک

دیں، اور کہا ان کے کھانے تک زندہ رہا تو یہ تو طویل زندگی ہوگی، پھر آگے بڑھے اور داد شجاعت دینے لگے حتی کہ عروس شہادت سے ہمکنار ہو گئے رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ۔ (صحیح مسلم کتاب الامارہ)

اِن یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مِائتین آیت نمبر ۶۵ اور ۶۶ میں مسلمانوں کے لئے ایک جنگی قانون کا ذکر ہے کہ مسلمان کو کس حد تک دشمن کے مقابلہ میں جمنا فرض اور اس سے ہٹنا گناہ ہے، اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب آجائیں گے اور اگر سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجاؤ گے یہ عنوان اگرچہ خبر کا ہے مگر مقصد حکم ہے کہ سو مسلمانوں کو ایک ہزار کے مقابلہ میں بھاگنا جائز نہیں، خبر کا عنوان رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ مسلمانوں کے دل اس خوشخبری سے مضبوط ہو جائیں۔

اس کے بعد کی آیت میں اس حکم کو آئندہ کے لئے منسوخ کرکے دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے تخفیف کردی اور معلوم کرلیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے تو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے، اس کا مقصد بھی یہ ہے کہ سو مسلمانوں کو دوسو کے مقابلہ سے بھاگنا جائز نہیں ہے، پہلی آیت میں ایک مسلمان کو دس کے مقابلہ سے گریز ناجائز تھا، اس آیت میں ایک کو دو کے مقابلہ میں گریز ممنوع قرار دیا گیا ہے اور یہی آخری حکم ہے جو ہمیشہ کے لئے جاری اور باقی ہے۔

یہاں بھی امر کو بعنوان خبر اور خوشخبری بیان فرمایا ہے جس میں اشارہ ہے کہ ایک مسلمان کو دو کافروں کے مقابلہ میں جمنے کا حکم معاذ اللہ کوئی ظلم یا تشدد نہیں بلکہ مسلمانوں میں ان کے ایمان کی وجہ سے وہ قوت رکھدی ہے کہ ان میں ایک کم از کم دو کے برابر تو ہوتا ہی ہے۔

مگر دونوں جگہ اس فتح ونصرت کی خوشخبری کو ثابت قدمی کی شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔

ما کان لنبی ان یکن له اَسْریٰ (الآیة) آیات مذکورہ کا تعلق غزوۂ بدر کے ایک خاص واقعہ سے ہے لہٰذا ان کی تفسیر سے پہلے مختصر طور پر اس واقعہ کو بیان کرنا ضروری ہے۔

غزوۂ بدر کے واقعہ کا خلاصہ:

واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ بدر اسلام میں سب سے پہلا غزوہ ہے اور یہ غزوہ اچانک پیش آیا تھا، اس وقت تک جہاد سے متعلق احکام کی تفصیل قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھی مثلاً جہاد میں اگر مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آجائے تو اس کا کیا کیا جائے، دشمن کے سپاہی قبضے میں آجائیں تو ان کا کیا کیا جائے۔

مال غنیمت سابق انبیاء کی شریعتوں میں حلال نہیں تھا بلکہ پورا مال جمع کرکے ایک جگہ رکھدیا جاتا تھا دستور الٰہی کے مطابق

آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا کر خاک کر دیتی، جہاد کے مقبول ہونے کی یہی علامت سمجھی جاتی تھی اگر آسمانی آگ جلانے کے لئے نہ آئے یہ جہاد کے نامقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔

صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کفار سے حاصل ہونے والا مال غنیمت کسی کے لئے حلال نہیں تھا مگر امت مرحومہ کے لئے حلال کر دیا گیا، مال غنیمت کا اس امت کیلئے حلال ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں تو تھا مگر غزوۂ بدر کے واقعہ تک اس کے متعلق کوئی وحی آنحضرت ﷺ پر اس کے حلال ہونے کے متعلق نازل نہیں ہوئی تھی۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ (الآیۃ) لو لا کتاب من اللہ سبق (یعنی نوشتۂ الٰہی) سے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، صاحب روح المعانی نے اس کے چار معنی لکھے ہیں۔

❶ ان لا یعذب قوما قبل تقدیم ما یُبَیّن لھم امرًا او نھیًا، یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اسکے اوامر ونواہی کے احکام واضح کرنے سے پہلے عذاب نہیں دیں گے یعنی یہ بات لوح محفوظ پر لکھی ہوئی ہے۔

❷ او مخطی فی مثل ھذا الا جتھاد، یعنی لوح محفوظ میں یہ بات بھی لکھی ہوئی ہے کہ اجتہادی مسائل میں مخطی (خطا کرنے والے) سے مؤاخذہ نہیں ہوگا جیسا کہ غزوہ کے مال غنیمت کے بارے میں اجتہادی غلطی ہوئی۔

❸ اس جماعت (قوم) کو (عمومی) عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائیگا جس میں آنحضرت ﷺ ہوں گے یہ بات لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے "ان لا یعذبھم ورسول اللّٰہ ﷺ فیھم"۔

❹ اہل بدر کو عذاب نہیں دیا جائیگا، ان لا یعذب اھل بدر رضی اللّٰہ تعالی عنھم قدروی الشیخان وغیر ھما، کما فی قصۃ حاطب بن ابی بلتعہ وکان قد شھدَ بدرًا۔

❺ وقیل ھو اَنّ الفدیۃ الّتی اخذوھا ستصیر حلالاً لَھُم، یعنی لوح محفوظ میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ قیدیوں کا فدیہ لینا تمہارے لئے عنقریب حلال کر دیا جائیگا، واعترض بأن ھذا لا یصلح أن یعد من موانع مساس العذاب فانّ الحِلّ اللاحق لا یرفع حکم الحرمۃ السابقۃ کما ان الحرمۃ اللاحقۃ، فی الخمر مثلاً لا ترفع حکم الاباحۃِ السابقۃِ، کما یدل علیہ قولہ سجانہ "لَمَسَّکُمْ فیما اَخَذْتم عذابٌ عظیمٌ"۔

(روح المعانی ص ۵۰ سورۃ الانفال)

نمبر پانچ کی تاویل جس کو صاحب روح المعانی نے اخیر میں اور قیل سے بیان کیا ہے جو ضعف کی طرف مشیر ہے، اکثر مفسرین نے مذکورہ آیت کی جو تاویل وتفسیر حضرت ابن عباس کی روایت کی بنا پر کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ بدر میں قریشی لشکر کے جو لوگ گرفتار ہوئے تھے ان کے بارے میں بعد میں مشورہ ہوا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت ابوبکر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے یہ تھی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمر اور سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے یہ تھی کہ قتل کر دیا جائے، نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو پسند فرما کر فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں بطور عتاب نازل فرمائیں مگر یہ بات حل طلب رہ جاتی ہے کہ اس آیت کی تاویل کی صورت کیا ہوگی لولا کتبٌ من اللہ سبق، یعنی نوشتہ الٰہی اگر پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا'' کا کیا مطلب ہوگا؟ روح المعانی نے اس جملہ کے پانچ مطلب بیان کئے ہیں کسی نے کہا کہ اس سے مراد تقدیر الٰہی ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ ارادہ کر چکا تھا کہ مسلمانوں کے لئے یہ غنائم حلال کر دے گا۔

اس پر صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں ''واعترض بان ھذا لا یصلح ان یعد من موانع مساس العذاب الخ''، یعنی آئندہ حلال کرنے کا ارادہ فرمانا نزول عذاب کے لئے مانع نہیں ہوسکتا اسلئے کہ حل لاحق حرمتِ سابقہ کے حکم کو مرتفع نہیں کر سکتا (یعنی) ہونے والی بیوی (منگیتر) قبل از نکاح اسلئے حلال نہیں ہوسکتی کہ وہ آئندہ بیوی ہونے والی ہے، اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسا حرمت لاحقہ (آئندہ حرام ہونے والی) اباحت سابقہ کو مرتفع نہیں کر سکتی یعنی شراب چونکہ حرام ہونے والی ہے لہٰذا حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس کی اباحت ختم ہو جائے ایسا نہیں ہوتا، خلاصہ یہ ہے کہ آئندہ حلال ہونے والی شئی کا قبل الحلت استعمال موجب عذاب نہیں ہوسکتا، جیسا کہ حرمت سے پہلے جن لوگوں نے شراب پی اس وجہ سے کہ شراب آئندہ حرام ہونے والی ہے مستحق عقاب نہیں ہوں گے صاحب روح المعانی نے اس اشکال کے چند جوابات لکھے ہیں جو تکلف سے خالی نہیں ہیں، مشہور تاویل کے مطابق صحابہ کرام کا ایسی چیز کو لینا لازم آتا ہے جس کی حلت کے لئے ابھی تشریعی حکم نہیں آیا اس تاویل کو اختیار کرنے کے لئے سب سے بڑی وجہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح روایت ہے مگر خبر واحد ہے۔

لولا کتاب مِنَ اللہ سبق، کی ایک دوسری تاویل جس کی رو سے مندرجہ بالا قباحت لازم نہیں آتی، وہ یہ ہے کہ جنگ بدر سے پہلے سورۂ محمد میں جنگ کے متعلق جو ابتدائی ہدایات دی گئی تھیں ان میں فرمایا گیا تھا ''فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاِمّا منّا بعد وَامّا فداء حتی تضع الحرب اوزارھا.

(آیت ١٤)

اس ارشاد میں جنگی قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت تو دیدی گئی تھی لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی تھی کہ پہلے دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچل دیا جائے پھر دشمن کو گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے اس فرمان کی رو سے مسلمانوں نے بدر میں جو لوگ گرفتار کئے اور اس کے بعد ان سے جو فدیہ وصول کیا وہ تھا تو اجازت کے مطابق، مگر غلطی یہ ہوئی کہ دشمن کی طاقت کو کچل دینے کی جو شرط مقدم رکھی گئی تھی اسے پورا کرنے میں کوتاہی کی گئی، جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑنے میں لگ گیا اور بہت کم آدمیوں نے دشمن کا کچھ دور تک تعاقب کیا حالانکہ اگر مسلمان پوری طاقت

سے ان کا تعاقب کرتے تو قریش کی طاقت کا اسی روز خاتمہ ہو گیا ہوتا، اسی پر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا اور یہ عتاب نبی ﷺ پر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں پر ہے، گویا کہ اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ تم لوگ ابھی نبی کی منشاء اچھی طرح نہیں سمجھے ہو، نبی کا اصل کام یہ نہیں کہ فدیئے اور غنائم وصول کر کے خزانے بھرے بلکہ اس کے نصب العین سے جو چیز براہ راست تعلق رکھتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ کفر کی طاقت ٹوٹ جائے مگر تم لوگوں پر بار بار دنیا کا لالچ غالب ہو جاتا ہے، پہلے دشمن کی اصل طاقت یعنی لشکر پر حملہ کرنے کے بجائے قافلہ پر حملہ کرنا چاہا، پھر دشمن کا سر کچلنے کے بجائے مال غنیمت لوٹنے میں اور قیدی پکڑنے میں لگ گئے، پھر غنیمت کی تقسیم پر جھگڑنے لگے، اگر ہم پہلے فدیہ وصول کرنے کی اجازت نہ دے چکے ہوتے تو اس پر تمہیں سخت سزا دیتے، خیر اب جو کچھ تم نے کیا ہے وہ کھالو مگر آئندہ ایسی روش سے بچتے رہو جو خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

ترمذی، نسائی وغیرہ کے حوالہ سے حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے، کہ جب صحابۂ کرام کا بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کا ارادہ مضبوط ہو گیا تو حضرت جبرئیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا کہ اگر ان ستر قیدیوں سے فدیہ لیا جائیگا تو اسلام کی پہلی لڑائی میں یہ فدیہ اللہ کی مرضی کے موافق نہیں ہے اسلئے اس فدیہ کا معاوضہ یہ ہوگا کہ آئندہ لڑائی میں لشکر اسلام کے ستر آدمی شہید ہوں گے چنانچہ تیرہ مہینے بعد احد کی لڑائی میں اس کا ظہور ہوا کہ اس لڑائی میں لشکر اسلام کے ستر آدمی شہید ہوئے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى وفي قراءة من الاسارى **اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا** ايمانا واخلاصا **يُّؤْتِكُمْ** الله **خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ** من الفداء بان يُضعِفهُ لكم في الدنيا ويُثيبكم في الاخرة **وَيَغْفِرْ لَكُمْ** ذُنوبكم **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٧٠ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا** اى الأسرى **خِيَانَتَكَ** بما اظهروا من القول **فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ** قبل بدر بالكفر **فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ** ببدر قتلا واسرًا فليتوقعوا مثل ذلك ان عادوا **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بخلقه **حَكِيْمٌ ۝٧١** في صُنعِه **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** وهم المهاجرون **وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا** النبي **وَّنَصَرُوْٓا** وهم الانصار **اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ** في النُصرة والارث **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ** بكسر الواو وفتحها **مِّنْ شَيْءٍ** فلا إرث بينكم وبينهم ولا نصيب لهم في الغنيمة **حَتّٰى يُهَاجِرُوْا** وهذا منسوخ باٰخر السورة **وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ** لهم على الكفار **اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ** عهد فلا تنصروهم عليهم ولا تنقضوا عهدهم **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٧٢ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ** في النُصرة والارث فلا ارث بينكم وبينهم **اِلَّا تَفْعَلُوْهُ** اى تولى المؤمنين وقطع الكفار **تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝٧٣** بقوة الكفر وضعف الاسلام **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝٧٤** في الجنة **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ** اى بعد السابقين الى الايمان والهجرة

وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ایها المهجرون والانصار وَاُولُوا الْاَرْحَامِ ذو والقرابات بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فی الارث من التوارث بالایمان والهجرة المذکورة فی الاٰیة السابقة فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اللوح المحفوظ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾ ومنه حکمةُ المیراث.

ترجمہ: اے نبی ان لوگوں سے کہو جو تمہارے قبضہ میں قید ہیں اور ایک قراءت میں اَسْــــرٰی ہے اگر اللہ تمہارے دلوں میں کوئی خیر دیکھے گا (یعنی ایمان واخلاص) تو جو کچھ تم سے فدیہ کے طور پر لیا ہے اس سے زیادہ دے گا اس طور پر کہ دنیا میں تم کو اس کا دوگنا دے گا اور آخرت میں تم کو ثواب دے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اللہ بڑا غفور رحیم ہے اور اگر یہ قیدی اپنی کہی ہوئی بات (اظہار اسلام) میں خیانت کرتے ہیں تو یہ لوگ بدر سے پہلے اللہ کے ساتھ کفر کر کے خیانت کر چکے ہیں آخر اس نے تم کو ان پر بدر میں قتل وقید کے ذریعہ قدرت دیدی اگر انہوں نے پھر ایسی حرکت کی تو ان کو ایسی ہی توقع رکھنی چاہئے، اللہ اپنی مخلوق کے بارے میں باخبر اور اپنی صنعت کے بارے میں باحکمت ہے جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جان ومال سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اور وہ مہاجرین ہیں، اور جن لوگوں نے نبی کو ٹھکانہ دیا اور مدد کی اور وہ انصار ہیں وہی دراصل ایک دوسرے کے نصرت اور ارث میں ولی ہیں اور وہ لوگ جو ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تمہاری ان کے ساتھ کوئی ولایت نہیں (وَلایة) واؤ کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے، لہٰذا ان کے اور تمہارے درمیان نہ توارث ہے اور نہ ان کا مال غنیمت میں کوئی حصہ ہے، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں، اور یہ حکم آخر سورت سے منسوخ ہے، البتہ اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تمہارے اوپر لازم ہے کہ کفار کے مقابلہ میں ان کی مدد کرو سوائے ان لوگوں کے مقابلہ کے کہ ان کے اور تمہارے درمیان عہد ومیثاق ہے تو ان کے مقابلہ میں (مسلمانوں کی) مدد نہ کرو اور ان سے کئے ہوئے عہد کو نہ توڑو، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے خوب دیکھتا ہے اور کفار آپس میں ایک دوسرے کے نصرت اور ارث میں ولی ہیں لہٰذا تمہارے اور ان کے درمیان کوئی ارث نہیں ہے اگر تم ایسا نہ کرو گے یعنی اگر تم مومنین کی حمایت اور کافروں سے قطع تعلق نہ کرو گے تو ملک میں کفر کی قوت اور اسلام کے ضعف سے زبردست فساد برپا ہو جائیگا، اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد پہنچائی یہی لوگ سچے مومن ہیں ان کیلئے مغفرت ہے اور جنت میں عزت کی روزی ہے اور جو لوگ ایمان وہجرت کی طرف سبقت کرنے والوں کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ملکر جہاد کیا تو اے مہاجرو اور اے انصار وہ تم میں سے ہیں اور قرابتدار ارث اور توارث میں ایمان اور سابقہ آیت میں ہجرت مذکورہ کی وجہ سے بعض بعض سے اولیٰ ہیں اللہ کی کتاب لوح محفوظ میں یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور اسی میں سے میراث کی حکمت ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بآخِرِ السُّوْرَۃِ ای، واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض.

قَوْلُہٗ: مِنْ بَعْدُ ای بعد الحدیبیۃ وقبل الفتح.

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

یاایھا النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسریٰ اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت حضرت عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں نازل ہوئی، بدر کے قیدیوں میں دیگر مشرکین کے ساتھ حضرت عباس آنحضرت ﷺ کے چچا بھی قید کر لئے گئے تھے، حضرت عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جنگ بدر کے موقع پر جنگی خرچ کے لئے اپنے ہمراہ تقریباً سات سو سونے کی گنیاں (اشرفیاں) ساتھ لے کر چلے تھے اور ابھی وہ خرچ ہونے نہ پائی تھیں کہ گرفتار کر لئے گئے۔

جب فدیہ دینے کا وقت آیا تو حضرت عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آنحضرت ﷺ عرض کیا کہ میرے ساتھ جو سونا تھا جسے لوٹ لیا گیا ہے اس کو میرے فدیہ کی رقم میں لگا لیا جائے آپ ﷺ نے فرمایا ''جو مال آپ کفر کی امداد کے لئے لائے تھے وہ تو مسلمانوں کا مال غنیمت بن گیا فدیہ اس کے علاوہ ہوگا اور آپ نے یہ بھی فرمایا اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی ادا کریں، حضرت عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا کہ اگر اتنا مالی بار مجھ پر ڈالا گیا تو مجھے قریش سے بھیک مانگنی پڑے گی میں بالکل فقیر ہو جاؤں گا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، کیا آپ کے پاس وہ مال موجود نہیں جو مکہ سے روانگی کے وقت آپ نے اپنی بیوی ام فضل کے حوالہ کیا تھا، حضرت عباس نے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا جبکہ وہ مال میں نے رات کی تاریکی اور تنہائی میں اپنی بیوی کو دیا تھا اور کوئی تیسرا آدمی اس سے واقف نہیں، آپ نے فرمایا مجھے میرے رب نے اس کی پوری تفصیل بتلا دی، حضرت عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دل میں یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے سچے رسول ہونے کا یقین ہو گیا، اس سے پہلے وہ آنحضرت ﷺ کے دل سے معتقد تھے مگر کچھ شبہات تھے جو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رفع فرما دیئے، حضرت عباس درحقیقت اسی وقت مسلمان ہو گئے تھے مگر چونکہ ان کا بہت سا روپیہ قریش مکہ کے ذمہ قرض تھا، اگر وہ اسی وقت اپنے مسلمان ہونیکا اعلان کر دیتے تو سارا روپیہ مارا جاتا اسلئے اعلان نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کا کسی سے اظہار نہیں فرمایا، فتح مکہ سے پہلے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے مکہ سے ہجرت کی اجازت چاہی مگر آپ نے مشورہ یہی دیا کہ ابھی ہجرت نہ کریں۔

حضرت عباس کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے میرے اسلام لانے کے بعد اپنا وعدہ مجھ سے پورا کر دیا اور فرمایا کہ اس وقت میرے پاس ۲۰ غلام ہیں جن کے ہاتھوں میں میرا سارا کاروبار ہے اور وہ مختلف مقامات پر کاروبار کرتے ہیں اور کسی کا کاروبار ۲۰ ہزار درہم سے کم کا نہیں ہے اور اس پر مزید یہ انعام ہے کہ مجھے حجاج کو آبِ زمزم پلانے کی خدمت مل گئی ہے جو میرے نزدیک ایسا گرانقدر کام ہے کہ سارے اہل مکہ کے اموال بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہوں، اور میں امید کرتا ہوں کہ آخرت میں خدا مجھے اس سے بھی زیادہ عطا کرے گا، مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی ایک صحیح حدیث اسی مضمون کی ہے اس سے حضرت ابن عباس کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے مستدرک حاکم میں ابوموسی اشعری سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس بحرین کا مال آیا جس کی مقدار اسّی ہزار درہم تھی تو آپ نے فرمایا، اس کو مسجد میں پھیلا دو، اور آپ نماز میں مشغول ہو گئے، نماز سے فراغت کے بعد آپ نے ہر شخص کو جو بھی نظر آیا دیا کسی کو محروم نہیں رکھا اتنے میں حضرت عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ آئے اور کہا مجھے بھی اس میں سے کچھ دیجئے میں نے ایک وقت اپنا اور اپنے بھتیجوں کا فدیہ دیا تھا، آپ نے فرمایا لے لو، انہوں نے لپیں بھر بھر کر مال لینا شروع کر دیا اور اپنی چادر میں اس کو باندھ کر اٹھانے لگے تو نہیں اٹھا سکے، تو کہنے لگے کسی کو حکم دیجئے کہ وہ اٹھوا دے آپ نے فرمایا، نہیں، پھر کہا تو آپ ہی اٹھوا دیں، آپ نے فرمایا، نہیں، آخر انہوں نے اس میں سے کچھ کم کر دیا باقی کاندھے پر رکھ کر لے کر چلے گئے، آنحضرت ان کو دیکھ کر تعجب کر رہے تھے جب وہ کچھ دور چلے گئے اور نظروں سے پوشیدہ ہو گئے تو آنحضرت بھی وہاں سے اٹھے اس وقت ایک درہم بھی باقی نہیں رہا تھا۔

قتادہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جب مرتد ہو کر مشرکوں سے مل گیا تو یہ آیت نازل ہوئی "ان یُرِیدوا خیانتك فقد خانوا اللّٰه من قبلُ" یہ عبداللہ بن سعد وہی ہے جو مسلمان ہو کر کچھ دنوں تک کاتب وحی رہا اور بعد میں مرتد ہو کر مدینہ سے مکہ جا کر مشرکین مکہ سے جا ملا، فتح مکہ کے وقت جن آٹھ مردوں اور چھ عورتوں کو قتل کرنے کا حکم ہوا تھا ان میں عبداللہ بن سعد بھی تھا لیکن یہ حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا دور کے رشتہ کا بھائی تھا، اسلئے حضرت عثمان نے اس کی سفارش کی اور آنحضرت ﷺ نے سفارش منظور فرما کر عبداللہ کا اسلام قبول فرما لیا، آیت کے الفاظ عام ہیں لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ عبداللہ بن سعد کی طرح جو کوئی اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ خیانت کرے گا وہ بدعہدی کے جرم میں پکڑا جائیگا۔

فائدہ: حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حضرت عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عقیل، جعفر اور حارث کی اولاد کو بنی ہاشم کہتے ہیں۔

اِنَّ الذین ھاجروا وَجَاھَدُوا باموالِھم وانفسھم فی سبیل اللّٰه الخ، مدینہ میں آپ ﷺ کے ساتھ دو قسم کے مسلمان تھے ایک تو وہ لوگ تھے جنہوں نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو اپنا وطن بنا لیا تھا یہ مہاجر کہلائے ہیں اور دوسرے وہ لوگ جو مدینہ کے اصل باشندے تھے اور آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے تھے، ان لوگوں نے ہجرت سے پہلے آنحضرت ﷺ کو مکہ میں آکر مدینہ آنے کی دعوت دی تھی اور ہر طرح کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا کہ جان و مال سے دریغ نہ کریں گے،

اگر کفار آپ پر حملہ آور ہوں گے تو ہم آپ کا دفاع کریں گے، یہ لوگ انصار کہلائے ہیں، ان حضرات نے اپنے دینی بھائی مہاجرین کی جان و مال سے خوب مدد کی اپنے گھروں میں جگہ دی جن کی بیویاں نہ تھیں ان کے نکاح کرائے ان دونوں گروہ انصار و مہاجرین کی شان میں مذکورہ آیتیں نازل ہوئی ہیں، ان ہی کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں، اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات یعنی بھائی بندی کرادی تھی یہ دینی رشتہ خونی اور نسبی رشتہ سے بھی زیادہ مضبوط ثابت ہوا، جب آیت ''اولوا الارحام بعضھم اولی ببعض'' نازل ہوئی تو وراثت کا یہ عارضی انتظام ختم ہوگیا اور وراثت کا قانون نسبی اور ازدواجی رشتہ پر مقرر ہوگیا، یہ روایت بخاری شریف میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے۔

ترکہ کا اصل مالک کون؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ کی وجہ سے مرنے والے انسان کے چھوڑے ہوئے مال کا مستحق اسی کے قریبی عزیزوں رشتہ داروں کو قرار دیا ہے حالانکہ اصل حقیقت یہ تھی کہ جس کو جو کچھ دنیا میں ملا ہے وہ سب اللہ کی ملک حقیقی تھا، اس کی طرف سے زندگی بھر استعمال کرنے، نفع اٹھانے کے لئے انسان کو دے کر عارضی مالک بنادیا گیا تھا، اس لئے تقاضائے عقل وانصاف تو یہ تھا کہ مرنے والے کا ترکہ اللہ تعالیٰ کی ملک کی طرف لوٹ جاتا، جس کی عملی صورت اسلامی بیت المال میں داخل کرنا تھا، جس کے ذریعہ مخلوق خدا کی پرورش اور تربیت ہوتی ہے مگر ایسا کرنے میں ایک تو ہر انسان کے طبعی جذبات کو ٹھیس لگتی جبکہ وہ جانتا کہ میرا مال میرے بعد نہ میری اولاد کو ملے گا نہ ماں باپ اور بیوی کو اور پھر اس کا نتیجہ بھی طبعی طور پر لازمی تھا کہ کوئی شخص اپنا مال بڑھانے اور اس کو محفوظ رکھنے کی فکر نہ کرتا صرف اپنی زندگی کی حد تک ضروریات جمع رکھنے سے زائد کوئی شخص محنت و جانفشانی نہ کرتا، اور یہ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ پورے انسانوں اور شہروں کے لئے ملکی اور قومی پیداوار گھٹ جانے کی وجہ سے پوری قوم اور پورے ملک کے لئے تباہی کا باعث ہوتا، اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے میراث کو انسان کے رشتہ داروں کا حق قرار دیدیا، بالخصوص ایسے رشتہ داروں کا حق جن کے فائدہ ہی کے لئے وہ اپنی زندگی میں مال جمع کرتا اور طرح طرح کی محنت مشقت اٹھاتا تھا۔

اسلام میں دوقومی نظریہ:

اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے اس اہم مقصد کو وراثت کی تقسیم میں سامنے رکھا جس کے لئے انسان کی تخلیق ہوئی، یعنی اللہ کی اطاعت وعبادت اور اس کے لحاظ سے پورے عام انسان کو دو الگ الگ قومیں قرار دے دیا مومن اور کافر قرآنی آیت ''خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمنٌ'' کا یہی مطلب ہے، اسی دوقومی نظریہ نے نسبی اور خاندانی رشتوں کو میراث کی حد تک قطع کردیا

کہ کسی مسلمان کو کسی کافر رشتہ دار کی میراث سے کوئی حصہ نہ ملے گا اور نہ کسی کافر کو کسی مسلمان رشتہ دار کی وراثت میں کوئی حق ہوگا، پہلی دو آیتوں میں یہی مضمون بیان ہوا ہے، اور یہ حکم دائمی اور غیر منسوخ ہے۔

اس کے علاوہ ایک دوسرا حکم مسلمان مہاجر اور غیر مہاجر دونوں کے آپس میں وراثت کا ہے جس کے متعلق پہلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مسلمان جب تک مکہ سے ہجرت نہ کرے اس وقت تک اس کا تعلق بھی ہجرت کرنے والے مسلمانوں سے وراثت کے بارے میں منقطع ہے، نہ مہاجر مسلمان اپنے غیر مہاجر مسلمان رشتہ دار کا وارث ہوگا اور نہ غیر مہاجر کسی مہاجر مسلمان کی وراثت سے کوئی حصہ پائیگا، ظاہر ہے کہ یہ حکم اس وقت تک تھا جب تک کہ مکہ فتح نہیں ہوا تھا فتح مکہ کے بعد تو خود رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمادیا تھا، 'لا هجرة بعد الفتح، یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور اہل تحقیق کے نزدیک یہ حکم بھی دائمی اور غیر منسوخ ہے مگر حالات کے تابع بدلا جا سکتا ہے، جن حالات میں نزول قرآن کے وقت یہ حکم آیا تھا اگر کسی زمانہ میں یا کسی ملک میں پھر ویسے ہی حالات پیدا ہو جائیں تو پھر یہی حکم جاری ہو جائیگا۔ (معارف)

توضیح مزید:

مزید توضیح اس کی یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہر مسلمان مرد و عورت پر مکہ سے ہجرت کو فرض عین قرار دیا گیا تھا، اس حکم کی تعمیل میں بجز معدود چند مسلمانوں کے سب ہی مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے، اور اس وقت مکہ مکرمہ سے ہجرت نہ کرنا اس بات کی علامت بن گیا تھا کہ وہ مسلمان نہیں، اسی لئے اس وقت غیر مہاجر کا اسلام بھی مشتبہ تھا، جسکی وجہ سے مہاجر و غیر مہاجر کی باہمی وراثت کو قطع کر دیا گیا تھا۔

اس تقریر سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ مہاجر و غیر مہاجر میں قطع وراثت کا حکم درحقیقت کوئی جداگانہ حکم نہیں بلکہ وہ پہلا حکم ہے جو مسلم اور غیر مسلم میں قطع وراثت کو بیان کرتا ہے فرق اتنا ہے کہ اس علامتِ کفر کی وجہ سے وراثت سے تو محروم کر دیا گیا مگر محض اتنی علامت کی وجہ سے اس کو کافر نہیں قرار دیا جب تک کہ اس سے صریح اور واضح طور پر کفر کا ثبوت نہ ہو جائے۔

اور غالباً اسی مصلحت کے پیش نظر یہاں غیر مہاجر کا ایک اور حکم ذکر کر دیا گیا ہے کہ اگر وہ مسلمان سے امداد و نصرت کے طالب ہوں تو مہاجر مسلمان کو ان کی امداد کرنا ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ غیر مہاجر مسلمانوں کو بالکل کافروں کی صف میں نہیں رکھا بلکہ ان کا یہ اسلامی حق باقی رکھا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت ان کی امداد کی جائے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں اور ہر قوم کے مقابلہ میں ان کی امداد کرنا مسلمان پر لازم کر دیا گیا ہے، اگر چہ وہ قوم کہ جس

کے مقابلہ پر ان کو امداد مطلوب ہے اس سے مسلمانوں کا کوئی ناجنگ معاہدہ بھی ہو چکا ہو، حالانکہ اصول اسلام میں عدل وانصاف اور معاہدہ کی پابندی ایک اہم فریضہ ہے اس لئے اسی آیت میں ایک استثنائی حکم یہ بھی ذکر کر دیا گیا کہ اگر غیر مہاجر مسلمان مہاجر مسلمانوں سے کسی ایسی قوم کے مقابلہ پر مدد طلب کریں جس سے مسلمانوں نے ناجنگ معاہدہ کر رکھا ہے تو پھر اپنے دینی بھائی مسلمان کی امداد بھی معاہدہ کفار کے مقابلہ میں جائز نہیں۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا جس وقت رسول اللہ ﷺ نے کفار مکہ سے صلح کر لی اور شرائط صلح میں یہ بھی داخل تھا کہ مکہ سے جو شخص اب مدینہ جائیگا اس کو رسول اللہ ﷺ واپس کر دیں عین اسی معاملہ میں صلح کے وقت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو کفار مکہ نے قید کر کے طرح طرح کی تکلیفوں میں ڈالا ہوا تھا کسی طرح حاضر خدمت ہو گئے اور اپنی مظلومیت کا اظہار کر کے رسول اللہ ﷺ سے مدد کے طالب ہوئے آنحضرت ﷺ جو رحمت عالم بن کر آئے تھے ایک مظلوم مسلمان کی فریاد سے کتنے متاثر ہوئے ہوں گے، اس کا اندازہ کرنا بھی ہر شخص کے لئے آسان نہیں مگر اس تاثر کے باوجود آیت مذکورہ کے حکم کے مطابق ان کی مدد کرنے سے عذر فرما کر واپس کر دیا۔

والذین آمنوا ولم یهاجروا ، مہاجر وانصار کے علاوہ یہ تیسرے فریق کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمان تو ہو گئے مگر ہجرت نہیں کی، مہاجر اور غیر مہاجر کے مابین مالی وراثت جاری نہ ہوگی، البتہ ہجرت کرنے کے بعد آپس میں مالی وراثت جاری ہوگی ہجرت کا وجوب گو بعد فتح مکہ باقی نہیں رہا، تاہم دارالکفر سے ہجرت کرنا، ہمیشہ اولی اور موجب اجر ہے وقد کانت الهجرة فرضًا حین هاجر النبی ﷺ الی ان فتح النبی ﷺ مکة. (حصاص، ماجدی)

وَالذین کفروا بعضهم اولیاء بعض ، یہاں ولایت کے معنی اشتراک عداوت کے ہیں کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین قریش آپس میں شدید دشمن تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں سب ایک ہو گئے تھے اور یہ صورت حال آج تک چلی آرہی ہے غیر قومیں کیسی ہی ایک دوسرے کی دشمن ہوں لیکن اسلام کے مقابلہ میں سب ایک ہو جاتی ہیں۔ (ماجدی)

لفظ ولی چونکہ ایک عام مفہوم رکھتا ہے جس میں وراثت بھی داخل ہے اور معاملات کی ولایت وسرپرستی بھی اسلئے اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث سمجھے جائیں گے اور تقسیم وراثت کا جو قانون ان کے مذہب میں رائج ہے ان کے درمیان اسی کو نافذ کیا جائیگا، نیز ان کے یتیم بچوں کا ولی، لڑکیوں کے نکاح کا ولی بھی ان ہی میں سے ہوگا، مطلب یہ کہ ان کے عائلی مسائل اسلامی حکومت میں محفوظ رکھے جائیں گے۔

اِلّا تفعلوهُ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر ، اگر اس فقرے کا تعلق، والذین کفروا بعضهم اولیاء بعض سے مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح کفار ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں اگر تم اے اہل ایمان، آپس میں ایک

دوسرے کی حمایت نہ کروگے تو زمین میں فتنہ وفساد عظیم برپا ہوگا، الا تفعلوہ تکن فتنة الخ کا تعلق اگر مذکورہ تمام احکام کے ساتھ ہو جو آیت ۷۲ سے یہاں تک بیان ہوئے ہیں تو اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا مثلاً یہ کہ مہاجرین وانصار کو آپس میں ایک دوسرے کا ولی ہونا چاہئے جس میں باہمی امداد واعانت بھی داخل ہے اور وراثت بھی، دوسرے یہ کہ اس وقت کے مہاجر وغیر مہاجر کے درمیان وراثت کا تعلق نہ ہونا چاہئے مگر دینی رشتہ کی بنیاد پر امداد ونصرت کا تعلق اپنی شرائط کے ساتھ باقی رہنا چاہئے، تیسرے یہ کہ کفار آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں ان کے قانون ولایت ووراثت میں کسی قسم کی دخل اندازی مسلمان کو نہیں کرنی چاہئے۔

اگر ان احکام پر عمل نہ کیا گیا تو زمین میں فتنہ وفساد پھیل پڑے گا، یہ تنبیہ غالباً اس لئے کی گئی ہے کہ جو احکام اس جگہ بیان ہوئے ہیں وہ عدل وانصاف اور امن عامہ کے لئے بنیادی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں، کیونکہ ان آیات نے یہ واضح کردیا کہ باہمی امداد واعانت اور وراثت کا تعلق جیسے رشتہ داری پر مبنی ہے ایسے ہی اس میں مذہبی اور دینی رشتہ بھی قابل لحاظ ہے بلکہ نسبی رشتہ پر دینی رشتہ کو ترجیح حاصل ہے اسی وجہ سے مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ آپس میں نسبی رشتہ سے باپ اور بیٹے یا بھائی ہی کیوں نہ ہوں، اس کے ساتھ ہی مذہبی تعصب اور عصبیت جاہلیت کی روک تھام کرنے کے لئے یہ بھی ہدایت دے دی گئی ہے کہ مذہبی رشتہ اگرچہ قوی اور مضبوط ہے مگر معاہدہ کی پابندی اس سے بھی زیادہ مقدم اور قابل ترجیح ہے، مذہبی تعصب کے جوش میں معاہدہ کی خلاف ورزی جائز نہیں اسی طرح یہ ہدایت بھی دیدی گئی کہ کفار آپس میں ایک دوسرے کے ولی اور وارث ہیں ان کی شخصی ولایت ووراثت میں مداخلت نہ کی جائے دیکھنے میں تو یہ جزئی احکام اور فروعی مسائل ہیں مگر درحقیقت امن عالم کے لئے عدل وانصاف کے بہترین اور جامع بنیادی اصول ہیں اسی لئے اس جگہ ان احکام کو بیان فرمانے کے بعد ایسے الفاظ سے تنبیہ فرمائی گئی جو عام طور پر دوسرے احکام کے لئے نہیں کی گئی کہ اگر تم نے ان احکام پر عمل نہ کیا تو زمین میں فتنہ اور فساد برپا ہوجائیگا، ان الفاظ میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ یہ احکام فتنہ وفساد روکنے میں خاص دخل واثر رکھتے ہیں، تیسری آیت میں مکہ سے ہجرت کرنے والے مہاجرین اور ان کی مدد کرنے والے انصار کی تعریف کی گئی ہے اور ان کے سچا مسلمان ہونے کی شہادت اور ان کی مغفرت اور باعزت روزی کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

چوتھی آیت والذین آمنوا من بعد وهاجروا الخ مہاجرین کے مختلف طبقات کا حکم بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ ان میں بعض لوگ مہاجرین اولین ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے ہجرت کی اور بعض دوسرے درجہ کے مہاجر ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کی جس کی وجہ سے ان کے اخروی درجات میں فرق ہوگا مگر احکام دنیا میں ان کا حکم بھی وہی ہے جو مہاجرین اولین کا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔

واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض یہ سورۂ انفال کی آخری آیت ہے اس میں قانون میراث کا ایک جامع ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے جس کے ذریعہ اسی عارضی حکم کو منسوخ کر دیا گیا جو اوائل ہجرت میں مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات کے ذریعہ ایک دوسرے کا وارث بننے کے متعلق جاری ہوا تھا۔

الحمد اللہ سورۂ انفال کی تفسیر وتشریح آج بروز جمعہ بوقت نو بجے صبح بتاریخ یکم شعبان ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو پوری ہوئی، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ سورۂ توبہ کی تفسیر وتشریح کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

یکم شعبان ۱۴۲۵ھ جمعہ

محمد جمال

استاذ دارالعلوم دیوبند ہند

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ او اِلَّا الاٰيتين اخرها مائة وثلثون او اِلَّا اية.

سورۂ توبہ مدنی ہے مگر دو آیتیں یا ایک آیت جو کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت ہے کل ایک سو تیس آیتیں ہیں۔

وضاحت: بعض نسخوں میں پہلا او نہیں ہے جیسا کہ جمل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، از روئے تحقیق یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔

مطلب: مطلب یہ ہے کہ پوری سورۂ توبہ مدنی ہے مگر علی اختلاف القولین سورت کی آخری دو آیتیں یا ایک آیت مکّی ہے آخری دو آیتیں "لقد جاء کم رسول من انفسکم الخ ہیں" بعض حضرات نے الّا آیة کو مائة وثلثون سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کل ایک سو تیس آیتیں ہیں مگر ایک کم یعنی ایکسو انتیس آیتیں ہیں اس صورت میں ترکیب واضح ہیں چنانچہ ایک روایت ۱۲۹ کی بھی ہے۔

فائدہ: جن نسخوں میں پہلا او نہیں ہے اس صورت میں دو قول ہونگے ① پوری سورت مدنی ہے یا آخری دو آیتوں کے سوا پوری سورت مدنی ہے اور جن نسخوں میں او ہے اس کے اعتبار سے تین قول ہوں گے ② پوری سورت مدنی ③ پوری سورت مدنی مگر آخری دو آیتیں ④ پوری سورت مدنی مگر آخری ایک آیت، حالانکہ قول صرف دو ہی ہیں، معلوم ہوا کہ پہلا او سبقت قلم یا کتابت کی غلطی ہے۔

ترکیب: سورة التوبة بترکیب اضافی مبتداء، مدنیّة مستثنیٰ منہ الّا حرف استثناء، الآیتین ذوالحال، آخرھا بترکیب اضافی حال، حال ذوالحال سے مل کر معطوف علیہ، اَوْ حرف عطف الّا حرف استثناء آیةً معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر مبتداء کی خبر اوّل، مائة و ثلثون ممیز آیة تمیز محذوف، ممیز اپنی تمیز سے مل کر مبتداء کی خبر ثانی، مبتداء اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ولم تُكْتَبْ فيها البسملةُ لانه صلى الله عليه وسلم لَمْ يَأْمُرْ بذلك كما يُؤْخَذُ من حديثٍ رَوَاهُ الحاكمُ واَخْرَجَ فى معناه عن على رضى الله تعالى عنه ان البسملةَ اَمَانٌ وہى نَزَلَتْ لِرَفْعِ الْاَمْنِ بالسيف وعن

حذيفة انكم تسمونها سورة التوبة وهي سورة العذاب وروى البخارى عن البراء انها اخر سورة نزلت، بذه **بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ** واصلة **اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ** ① عهدا مطلقا اودون اربعة اشهر اوفوقها ونقض العهد بما يذكر فى قوله **فَسِيْحُوْا** سيروا امنين ايها المشركون **فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ** اولها شوال بدليل ما سياتي ولا امان لكم بعدها **وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ** اى فائتى عذابه **وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ** ② مذلهم فى الدنيا بالقتل والأخرى بالنار **وَاَذَانٌ** اعلام **مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ** يوم النحر **اَنَّ** اى بان **اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ** وعهودهم **وَرَسُوْلُهٗ** برئ ايضا وقد بعث صلى الله عليه وسلم عليا من السنة وهى سنة تسع فاذن يوم النحر بمنى بهذه الايات وان لا يحج بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان، رواه البخارى **فَاِنْ تُبْتُمْ** من الكفر **فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ** عن الايمان **فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَبَشِّرِ** اخبر **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ** ③ مؤلم وهو القتل والاسر فى الدنيا والنار فى الاخرة **اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا** من شروط العهد **وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا** يعاونوا **عَلَيْكُمْ اَحَدًا** من الكفار **فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى** انقضاء **مُدَّتِهِمْ** التى عاهدتم عليها **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ** ④ باتمام العهود **فَاِذَا انْسَلَخَ** خرج **الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ** وهى اخر مدة التاجيل **فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ** فى حل اوحرم **وَخُذُوْهُمْ** بالاسر **وَاحْصُرُوْهُمْ** فى القلاع والحصون حتى يضطروا الى القتل اوالاسلام **وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ** طريق يسلكونه ونصب كل على نزع الخافض **فَاِنْ تَابُوْا** من الكفر **وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ** ولا تتعرضوا لهم **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ⑤ لمن تاب **وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ** مرفوع بفعل يفسره **اسْتَجَارَكَ** استامنك من القتل **فَاَجِرْهُ** امنه **حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ** القران **ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ** اى موضع امنه وهو دار قومه ان لم يؤمن لينظر فى امره **ذٰلِكَ** المذكور **بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ** ⑥ دين الله فلا بد لهم من سماع القران ليعلموا.

ترجمہ: اس سورت کے آغاز میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی اسلئے کہ اس کا آنحضرت ﷺ نے حکم نہیں فرمایا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس کو حاکم نے روایت کیا ہے، اور اسی کے ہم معنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورت تلوار (جہاد) کے ذریعے رفع امن کے لئے نازل ہوئی ہے اور (حضرت) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تم اس سورت کو سورۂ توبہ کہتے ہو حالانکہ یہ سورۂ عذاب ہے اور (امام) بخاری نے (حضرت) براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بن عازب) سے روایت کیا ہے کہ یہ آخری سورت ہے جو نازل ہوئی، یہ اللہ اور اسکے رسول کی جانب سے بیزاری کا اعلان ہے (جو کہ) ان مشرکوں کے متعلق ہے جن سے تم نے مطلق (یعنی غیر میعادی) یا چار ماہ سے کم وبیش کا عہد کیا ہوا اور (مشرکوں نے)

نقضِ عہد کیا ہو (اظہارِ بیزاری) اللہ تعالیٰ کے قول (فسیحوا الخ) میں مذکور ہے (یعنی) اے مشرکو! تم چار ماہ تک ملک میں امن کے ساتھ اور چل پھر لو، جس کی ابتداء شوال سے ہوگی آئندہ دلیل کی رو سے اور اس مدت کے بعد تمہارے لئے امن نہ ہوگا، یاد رکھو تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی اسکے عذاب سے بچکر نہیں نکل سکتے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ منکرین (حق) کو رسوا کرنے والا ہے (یعنی) ان کو دنیا میں قتل کے ذریعہ اور آخرت میں آگ کے ذریعہ ذلیل کرنے والا ہے اور اعلان عام ہے اللہ اور اسکے رسول کی جانب سے تمام لوگوں کے لئے حج اکبر (یعنی) قربانی کے دن بایں طور کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں اور انکے معاہدوں سے بری ہے اور اسکا رسول بھی بری ہے اور آپ ﷺ نے اسی سال حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو (مکّہ) بھیجا اور یہ (ہجرت کا) نواں سال تھا، چنانچہ حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے یوم نحر میں منٰی کے میدان میں ان آیات کا اعلان فرمایا، اور یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا اور نہ کوئی بیت اللہ کا بحالت عریاں طواف کرے گا، (رواہ البخاری) پس اگر تم کفر سے توبہ کرلو، تو یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے اور اگر تم ایمان سے روگردانی کرو گے تو یاد رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور کافروں کو دردناک عذاب کی خبر دیدو اور وہ قتل وقید ہے دنیا میں اور آگ ہے آخرت میں. بجز ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدے کئے ہوں پھر انہوں نے تمہارے معاہدہ کی کسی شرط کو نہ توڑا ہو اور نہ تمہارے خلاف کسی کافر کی مدد کی ہو تو ایسے (لوگوں) کے ساتھ تم بھی ان سے کئے ہوئے معاہدہ کی مدت پوری ہونے تک وفا کرو اسلئے کہ اللہ تعالیٰ وفاء کرنے والے متقیوں کو پسند کرتا ہے، پس جب (اشہرحرم) حرام مہینے گذر جائیں اور وہ معاہدہ کی آخری مدت ہے تو مشرکوں کو قتل کرو جہاں پاؤ حل میں یا حرم میں، اور ان کو قید کرلو اور ان کو قلعوں میں اور گڑھوں میں محصور کردو یہاں تک کہ قتال یا اسلام کے لئے مجبور ہو جائیں اور ان کی خبر لینے کے لئے ہر گھات میں تاک لگا کر بیٹھو (یعنی) انکی گذرگاہوں پر بیٹھو اور کلَّ کا نصب حذف جار کی وجہ سے ہے پھر اگر وہ کفر سے توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، اور ان سے تعرض نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ چاہے (یعنی) قتل سے آپ سے پناہ چاہے تو اس کو قتل سے امن دیدو (اَحَدٌ) اس فعل (محذوف) کی وجہ سے مرفوع ہے جس کی تفسیر استجارك کررہا ہے تاکہ وہ اللہ کا کلام قرآن سنے پھر اس کو اس کے مأمن (یعنی) پناہ گاہ تک پہنچا دو، یعنی اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دو، اور وہ اس کی قوم کا علاقہ ہے تاکہ وہ اپنے معاملہ میں غور کرسکے یہ مذکورہ بات اسلئے ضروری ہے کہ یہ لوگ پوری طرح باخبر نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: عن حذیفة، اس اضافہ کا مقصد حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے قول کی تائید ہے۔

قَوْلُہٗ: ھذہ، اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ برآءة، ھذہٖ مبتدا محذوف کی خبر ہے اس سے رد ہوگیا ان حضرات کا جنھوں نے کہا ہے کہ برآءة مبتداء ہے اور الی الّذین عَاهَدْتم الخ، برآءة کی خبر ہے، اس لئے کہ براءة نکرہ

ہے جس کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

قولہ: واصلة مفسر علام نے واصلة محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ مِنَ اللّٰہ میں من ابتدائیہ ہے جو واصلة محذوف سے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے هذه براءة واصلة الى الذين عاهدتم من الله ورسوله.

قولہ: فسيحوا الخ، یہاں قولوا محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے فقولوا لهم سيحوا، سيحوا میں امر اجازت کے لئے ہے یعنی تم کو صرف چار ماہ تک امن کے ساتھ یہاں رہنے کی اجازت ہے۔

قولہ: بدليل مَاسَيَاتى یہاں امر اجازت واباحت کے لئے ہے اس کی دلیل آئندہ آنے والی آیت "فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ" ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قول "فسيحوا اربعه اشهر" شوال میں نازل ہوئی تھی اور اشہر حرم کا آخری مہینہ محرم ہے شوال کے شروع سے محرم کے آخر تک چار مہینے ہوتے ہیں۔

قولہ: يوم النحر.

سوال: یوم الحج الاکبر کی تفسیر یوم النحر سے کیوں کی؟

جواب: عمرہ کو چونکہ حج اصغر کہتے ہیں حج کو عمرہ سے ممتاز کرنے کے لئے حج اکبر کی تفسیر یوم النحر سے کردی اسلئے کہ یوم النحر حج ہی میں ہوتا ہے نہ کہ عمرہ میں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی جسکو ترمذی نے روایت کیا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حج اکبر سے مراد حج ہی ہے۔

قولہ: برئٌ ایضًا اس میں اشارہ ہے کہ رَسُوْلُه مبتداء ہے اور برئٌ اسکی خبر محذوف ہے لفظ ایضًا سے یہ فائدہ ہوگیا کہ رسوله کا عطف برئٌ کی ضمیر مستتر پر ہے نہ کہ اَنَّ کے اسم کے محل پر اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ أنَّ کے اسم کے محل پر عطف ہے اور وہ باء محذوفہ کے تحت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے حالانکہ وہ مرفوع ہے۔

قولہ: اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ، اس میں دو وجہ ہیں اول یہ کہ الّا الذين الخ کو مستثنیٰ منقطع قرار دیا جائے اور الّا بمعنی لکن ہو اس صورت میں فالّذين مبتداء اور فاتمّوا اليهم الخ جملہ ہوکر مبتداء کی خبر ہوگی، دوسری صورت یہ ہے کہ الّا الّذين الخ کو مستثنیٰ متصل قرار دیا جائے تو اس صورت میں بَرَاءَةٌ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ الى الذين عٰهدتم من المشركين، میں مذکور المشركين سے مستثنیٰ ہوگا، مگر اس صورت میں فصل بالاجنبی لازم آئیگا جو کہ ممنوع ہے، اگر المشركين میں الف لام کو عہد کا لے لیا جائے تو مشرکین خاص سے وہ مشرکین مراد ہوں گے جنہوں نے نقض عہد نہیں کیا۔

قولہ: وهى مدة التاجيل اس عبارت کے اضافہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اشهر حرم سے معروف اشهر الحرم مراد نہیں ہیں، جو کہ رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں بلکہ اربعة اشهر سے وہ چار مہینے مراد ہیں جن میں مشرکین کو قیام کرنے کی اجازت دی گئی تھی، مطلب یہ کہ مذکورہ آیت کے نزول کے وقت سے جن چار ماہ تک مکہ میں قیام کرنے کی اجازت دی گئی تھی بایں طور کہ شوال سے لیکر آخر محرم تک مشرکین مکہ کو مکہ میں قیام کی اجازت ہے اس کے بعد اگر کوئی پایا جائیگا تو اس کو گرفتار

اور قتل کر دیا جائیگا اشہر حرم سے یہی چار مہینے مراد ہیں۔

قولہ: مرفوع بفعل یفسرہ استجارك یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: اِنْ احدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ میں اِنْ اسم پر داخل ہے حالانکہ ان اسم پر داخل نہیں ہوتا۔

جواب: یہاں اِنْ کے بعد استجارك فعل محذوف ہے اور اس کی تفسیر بعد والا استجارك کر رہا ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

تفسیر وتشریح

اس سورت کے تیرہ نام منقول ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

① براءۃ ② المقشقشۃ ③ المبعثرۃ ④ المشردۃ ⑤ المخزیۃ ⑥ الفاضحۃ ⑦ المثیرۃ ⑧ الحافرۃ ⑨ المدمدمۃ ⑩ سورۃ العذاب ⑪ المنکلۃ ⑫ البحوث ⑬ التوبۃ، ان تمام ناموں کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں یعنی رسوا اور ذلیل کرنا، ان میں پہلا اور آخری نام زیادہ مشہور ہے، اسکا نام توبہ اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اس میں اہل ایمان کی معافی کا ذکر ہے اور برآءۃ اس لئے نام رکھا گیا کہ اس کے آغاز ہی میں کفار ومشرکین سے برآءۃ کا اعلان ہے۔

سورۂ برآءۃ کی خصوصیت:

اس سورت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی جاتی اور نہ پڑھی جاتی ہے جبکہ قراءت کا سلسلہ پیچھے سے چلا آرہا ہو البتہ اگر سورۂ براءۃ ہی سے قراءت کی ابتداء کی جائے تو بسم اللہ پڑھی جائے گی، اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کی متعدد وجوہات مفسرین نے نقل کی ہیں مگر ان سب میں سے وہی صورت راجح ہے جس کو علامہ سیوطی نے اختیار کیا ہے، یعنی اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نازل نہیں ہوئی اس کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ نازل ہوئی ہے اور نہ آپ ﷺ نے سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ لکھنے کا حکم فرمایا، حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کوئی آیت لے کر آتے تو بحکم خداوندی یہ بھی بتاتے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھو اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیات اور سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے، جب بھی کوئی سورت نازل ہوتی تو اس کے ساتھ اس کے شروع میں بسم اللہ بھی نازل ہوتی مگر جب سورۂ توبہ نازل ہوئی تو اس کے ساتھ بسم اللہ نازل نہیں ہوئی اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے شروع میں بسم اللہ لکھنے کا حکم فرمایا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی خلافت کے زمانہ میں قرآن مجید کو کتابی صورت میں ترتیب دیا تو دیگر سورتوں

کے برخلاف سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ تھی اس لئے یہ شبہ ہوا کہ شاید مستقل سورت نہ ہو بلکہ کسی سورت کا جزء ہو مضامین کے اعتبار سے سورۂ انفال اس کے مناسب معلوم ہوئی اسی وجہ سے سورۂ توبہ کو سورۂ انفال کے آخر میں رکھا گیا، چونکہ سورۂ توبہ کے بارے میں دو احتمال تھے ایک یہ کہ اول سورت کا جزء ہو دوسرے یہ کہ مستقل سورت ہو دونوں احتمالوں کی رعایت اس طریقہ پر کی گئی کہ بسم اللہ تو نہ لکھی گئی مگر بسم اللہ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی اس ترکیب سے دونوں احتمالوں کی رعایت ہوگئی۔

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کی جو یہ وجہ منقول ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور سورۂ توبہ میں کفار کے امان اور عہد و پیمان کو ختم کرنے کا اعلان کیا گیا ہے لہٰذا مناسب یہی تھا کہ اس کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھی جائے اور نہ پڑھی جائے، یہ محض ایک نکتہ اور لطیفہ تو ہوسکتا ہے مگر یہ علت نہیں ہے۔

اس سورت کے مضامین کو کما حقہ سمجھنے کے لئے ان چند واقعات کا سمجھ لینا ضروری ہے جن کا ذکر اس سورت میں آیا ہے، سورۂ توبہ میں چند غزوات اور ان کے متعلق احکام و مسائل کا بیان ہوا ہے مثلاً تمام قبائل عرب سے معاہدات کا ختم کر دینا، فتح مکہ، غزوۂ حنین، غزوۂ تبوک، ان واقعات میں فتح مکہ سب سے پہلے ۸ھ میں پھر غزوۂ حنین پھر اسی سال غزوۂ تبوک رجب ۹ھ میں پھر تمام قبائل عرب سے معاہدات ختم کرنے کا اعلان ذی الحجہ ۹ھ میں ہوا۔

معاہدات ختم کرنے کی تفصیل:

۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کا قصد فرمایا اور قریش مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا اور مقام حدیبیہ میں ان سے صلح ہوئی اس صلح کی مدت دس سال تھی، قریش کے علاوہ دیگر قبائل بھی مکہ میں رہتے تھے، معاہدۂ صلح کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ قریش کے علاوہ دوسرے قبائل میں سے جس کا جی چاہے وہ قریش کا حلیف اور ساتھی بن جائے اور جس کا جی چاہے وہ آنحضرت ﷺ کا حلیف ہو کر انکے ساتھ مل جائے، چنانچہ قبیلۂ خزاعہ نے آپ ﷺ کا حلیف بننا پسند کیا اور قبیلۂ بنی بکر قریش کا حلیف بنکر قریش کے ساتھ ہوگیا، اس معاہدہ کی رو سے یہ لازمی تھا کہ دس سال کے اندر نہ باہمی جنگ ہوگی اور نہ کسی حملہ آور کی کسی قسم کی مدد کی جائے گی اور جو قبیلہ جس کا حلیف ہے وہ بھی اس معاہدہ میں شریک سمجھا جائیگا اس پر حملہ کرنا یا حملہ آور کی مدد کرنا معاہدہ کی خلاف ورزی سمجھا جائیگا، یہ معاہدہ ۶ھ میں ہوا ۷ھ میں معاہدہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ مع صحابہ کرام کے عمرہ کی قضا کے لئے مکہ تشریف لے گئے اور تین روز قیام فرما کر حسب معاہدہ واپس تشریف لے آئے، اس وقت تک کسی فریق کی جانب سے معاہدہ کی کسی قسم کی خلاف ورزی نہیں ہوئی، اس کے بعد پانچ یا چھ ماہ گذرے تھے کہ قبیلہ بنی بکر نے قبیلہ خزاعہ پر رات کے وقت شب خون مارا ان دونوں قبیلوں کے درمیان زمانہ جاہلیت سے اَن بَن چلی آرہی تھی اسکا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ مالک بن عباد حضرمی مال تجارت لے کر بنوخزاعہ کے علاقہ سے گذر رہا تھا کہ بنوخزاعہ کے لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اور تمام مال و سامان لوٹ لیا، بنوبکر نے موقع پا کر حضرمی کے بدلے میں بنوخزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا قبیلہ خزاعہ نے اپنے ایک آدمی کے بدلے میں بنوبکر کے تین سرداروں ذؤیب اور سلمی اور کلثوم کو میدان عرفات میں حدودِ حرم کے قریب قتل کر ڈالا۔

حدیبیہ میں ایک میعادی صلح ہو جانے کی وجہ سے فریقین ایک دوسرے سے مامون اور بے خوف ہو گئے بنو بکر نے اپنی دشمنی نکالنے کا موقع غنیمت سمجھا چنانچہ بنو بکر میں سے نوفل اور معاویہ نے اپنے مددگاروں کے ساتھ ملکر بنو خزاعہ پر شب خون مارا رات کا وقت تھا خزاعہ کے لوگ پانی کے ایک چشمہ پر سوئے ہوئے تھے۔

قریش میں سے صفوان بن امیہ اور شیبہ بن عثمان وغیرہ نے پوشیدہ طور پر بنو بکر کی جانی اور مالی مدد کی۔ بنو خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی مگر ان کو حرم میں بھی قتل کر دیا گیا قریش یہ سمجھے ہوئے تھے کہ دور کا معاملہ ہے اور رات کا وقت ہے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع نہ ہوگی اگر چہ قریش کو اپنی حرکت پر بعد میں ندامت ہوئی اور عہد شکنی پر بہت پچھتائے۔

ادھر ہوا یہ کہ عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا ایک وفد لے کر مدینہ منورہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا، آنحضرت ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، عمرو بن سالم نے آپ ﷺ کے روبرو کھڑے ہو کر اشعار میں درد بھرے انداز میں واقعہ کی پوری روداد سنائی آپ ﷺ نے غداری اور عہد شکنی کی روداد سنکر فرمایا "لا نُصرتُ اِن لم انصر کم" اگر میں تمہاری مدد نہ کروں تو میری مدد نہ کی جائے۔

یا ربِّ اِنی ناشدٌ محمدًا حِلْفَ ابِیْنا وابیہ الاتلدا

اے میرے پروردگار! میں محمد ﷺ کو اپنے باپ اور ان کے باپ (عبدالمطلب) کا قدیم عہد یاد دلانے آیا ہوں، زمانۂ جاہلیت میں خزاعہ حضرت عبدالمطلب کے حلیف تھے مطلب یہ کہ ہمارا اور تمہارا تحالف کا رشتہ قدیم ہے،

اِنَّ قریشًا اخلفُوْكَ الموعدا وَنَقَضُوْا میثاقَكَ المؤکّدا

بلاشبہ قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی اور آپ کے پختہ عہد و پیمان کو توڑ ڈالا۔

هم بیّتونا بالوتیرة هجّدا وقتلونا رُکّعًا و سُجّدًا

ان لوگوں نے چشمہ وتیرہ پر سوتے ہوئے ہم پر شب خون مارا اور رکوع اور سجدہ کی حالت میں ہم کو قتل کر دیا۔

آنحضرت ﷺ نے قریش کی عہد شکنی کی خبر پا کر قریش کے خلاف جنگ کی خفیہ تیاری شروع کر دی قریش کو بدر، احد اور احزاب کے معرکوں میں مسلمانوں کی غیبی امداد اور تہور و شجاعت کا اندازہ ہو کر اپنی قوت و طاقت کا نشہ اتر چکا تھا جس کی وجہ سے اپنی غلطی کا شدید احساس ہو رہا تھا، مجبور ہو کر ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ وہ خود جا کر حالات کا اندازہ لگائیں اگر حالات بگڑے ہوئے دیکھیں تو عذر معذرت کر کے آئندہ کے لئے معاہدہ کی تجدید کر لیں، ابوسفیان نے مدینہ پہنچ کر نا گفتہ حالات دیکھے تو تجدید معاہدہ کی درخواست کی اور اکابر صحابہ سے سفارش کرنے کے لئے کہا مگر سب نے سابقہ اور لاحقہ حالات کی وجہ سے انکار کر دیا اور ابوسفیان ناکام واپس چلا گیا جس کی وجہ سے قریش پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔

تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباس رَضِوَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا کے قول کے مطابق آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ پاک نے ان

لوگوں کے ساتھ چار مہینے کی مدت مقرر کردی تھی جن لوگوں نے رسول ﷺ سے معاہدہ کیا تھا جیسے قبیلۂ خزاعہ اور قبیلۂ مدلج اور بنو ضمرہ اور جن لوگوں سے کوئی معاہدہ نہیں تھا ان لوگوں سے پچاس راتوں کی حد مقرر فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا کہ جن کفار سے تمہارا معاہدہ نہیں ہے ان سے دسویں ذی الحجہ سے لیکر آخر محرم تک نہ لڑو، اگر یہ لوگ اسلام قبول کرلیں تو بہتر ہے ورنہ ان کے ساتھ قتال کرو اور جن کافروں سے معاہدہ ہے ان کا حکم یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ سے ربیع الآخر کی دسویں تاریخ تک قتال نہ کرو اس مدت میں اگر یہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو فبہا ورنہ ان سے جہاد کرو جمہور کے قول کے مطابق ۶ھ میں حج فرض ہوا لیکن فتح مکہ سے پہلے تو آنحضرت ﷺ نے اس وجہ سے حج نہیں کیا کہ بیت اللہ اور صفا مروہ پر بت رکھے ہوئے تھے۔

فائدہ: اس مقام پر یہ جان لینا فائدہ سے خالی نہیں کہ فتح مکہ کے بعد دور اسلامی کا پہلا حج ۸ھ میں قدیم طریقہ پر ہوا پھر ۹ھ میں دوسرا حج مسلمانوں نے اپنے طریقہ پر کیا اسکے بعد تیسرا حج ۱۰ھ میں ہوا اور یہی وہ مشہور حج ہے جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں آپ ﷺ پہلے دو حجوں میں تشریف نہیں لے گئے تیسرے حج میں جبکہ جزیرۃ العرب سے کفر کا مکمل استیصال ہو گیا تب آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو امیر الحج بنا کر بھیجا اس دوران مذکورہ آیات نازل ہوئیں، اور ابوبکر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے پیچھے حضرت علی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو سورۂ برآۃ کی دس آیتیں دیکر روانہ فرمایا کہ مشرکین کو جا کر یہ آیتیں سنادیں اور یہ بھی اعلان کردیں کہ ۱۰ھ سے کوئی مشرک یا ننگا شخص طواف نہ کر سکے گا۔

اعلان براءۃ کا مقصد:

اس اعلان براءت سے عرب میں شرک اور مشرکوں کا وجود گویا عملاً خلاف قانون قرار دیدیا گیا، اور ان کے لئے پورے ملک میں کوئی جائے پناہ نہ رہی، یہ لوگ تو اس بات کے منتظر تھے کہ روم اور فارس کی طرف سے اسلامی سلطنت کو جب کوئی خطرہ ہو یا نبی (ﷺ) وفات پاجائیں تو یکایک نقض عہد کر کے خانہ جنگی برپا کردیں، لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کی ساعت منتظر آنے سے پہلے ہی بساط ان پر الٹ دی اور اعلان براءت کر کے ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہ چھوڑا کہ یا تو لڑنے پر تیار ہو جائیں اور اس اسلامی طاقت سے ٹکرا کر صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں یا ملک چھوڑ کر نکل جائیں یا پھر اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو امن کی آغوش میں دیکر اسلامی نظم وضبط کے تابع ہو جائیں۔

فتح مکہ کے وقت مشرکین کی چار قسمیں اور ان کے احکام:

اس وقت مکہ پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہو چکا تھا اور ''لا تثریب علیکم الیوم'' کہہ کر مکہ میں رہنے والے تمام مشرکوں کو جان و مال کا امان دیدیا گیا تھا، اس وقت مشرکین مکہ کے مختلف حالات تھے۔

پہلی قسم:

ایک قسم تو وہ تھی جن سے حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا اور انہوں نے خود اس کو توڑ دیا اور وہی فتح مکہ کا سبب بنا۔

دوسری قسم:

کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن سے معاہدۂ صلح ایک خاص مدت کے لئے کیا گیا تھا، اور وہ اس معاہدہ پر قائم رہے جیسے بنی کنانہ کے دو قبیلے بنی ضمرہ اور بنی مدلج ان قبیلوں سے ایک خاص مدت کیلئے معاہدۂ صلح ہوا تھا اور سورۂ برآءت نازل ہونے کے وقت بقول خازن ان کی میعادِ صلح کے نو مہینے باقی تھے۔

تیسری قسم:

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن سے معاہدۂ صلح غیر میعادی ہوا تھا۔

چوتھی قسم:

چوتھے وہ لوگ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا۔

پہلی قسم کا حکم:

پہلی قسم جو قریش مکہ کی تھی جنہوں نے معاہدۂ صلح حدیبیہ کو خود توڑ دیا اب یہ مزید مہلت کے مستحق نہ تھے، مگر چونکہ یہ زمانہ اشھر حرم کا تھا جن میں جنگ و قتال من جانب اللہ ممنوع تھا اس لئے ان کے متعلق وہ حکم آیا جو سورۂ توبہ کی پانچویں آیت میں مذکور ہے "فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین الآیة" اگرچہ مشرکین مکہ نے عہد شکنی کر کے اپنا کوئی حق باقی نہیں چھوڑا تھا مگر اشھر حرم کا احترام بہر حال ضروری تھا، اسلئے اشھر حرم ختم ہوتے ہی وہ یا تو جزیرۃ العرب سے نکل جائیں یا مسلمان ہو جائیں ورنہ ان سے جنگ کی جائے گی۔

دوسری قسم کا حکم:

دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جن سے کسی خاص مدت کے لئے معاہدہ کیا گیا تھا اور وہ اس پر کاربند رہے ان کا حکم سورۂ توبہ کی چوتھی آیت میں یہ آیا ہے اِلَّا الَّذِین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم الآیة یعنی وہ مشرک لوگ جن سے تم نے معاہدۂ صلح کر لیا پھر انہوں نے معاہدہ پر قائم رہنے میں کوئی کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے مقابلہ میں تمہارے کسی دشمن کی مدد کی تو تم

ان کے معاہدہ کو اس کی مدت تک پورا کرو یہ حکم بنوضمرہ اور بنومدلج کا تھا، جس کی رو سے ان کو نو ماہ کی مہلت مل گئی۔

تیسری اور چوتھی جماعت کا حکم:

ان دونوں جماعتوں کا ایک ہی حکم نازل ہوا، جو سورۂ توبہ کی پہلی اور دوسری آیت میں مذکور ہے، براءۃ من اللہ و رسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین، فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر الخ، یعنی اعلان دست برداری کے بعد تم کو صرف چار ماہ جزیرۃ العرب میں قیام کی اجازت ہے اس کے بعد یا تو تم اپنا ٹھکانہ اور کہیں تلاش کرلو یا اسلام کی پناہ میں آجاؤ بصورت دیگر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، خوب سمجھ لو تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

خلاصہ: خلاصہ یہ کہ پہلی اور دوسری آیت کی رو سے ان لوگوں کو جن سے غیر میعادی معاہدہ تھا یا جن کے ساتھ سرے سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا چار ماہ کی مہلت مل گئی، اور چوتھی آیت کی رو سے ان لوگوں کو جن کے ساتھ کسی قسم کا میعادی معاہدہ تھا تا اختتام مدتِ معاہدہ مہلت مل گئی، اور پانچویں آیت کی رو سے مشرکین مکہ کو اشہر حرم ختم ہونے تک مہلت مل گئی۔

مذکورہ پانچ آیات سے متعلق چند مسائل وفوائد:

فائدہ: ① یہ کہ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے قریش مکہ اور دوسرے دشمن قبائل کے ساتھ جو عفو و درگذر اور رحم و کرم کا معاملہ فرمایا اس نے مسلمانوں کو عملی طور پر یہ درس دیا کہ جب تمہارا کوئی دشمن تمہارے قابو میں آئے اور تمہارے سامنے عاجز ہو جائے تو اس سے گذشتہ عداوتوں اور ایذاؤں کا انتقام نہ لو بلکہ عفو و کرم سے کام لے کر اسلامی اخلاق کا ثبوت دو۔

فائدہ: ② یہ کہ دشمن پر قابو پانے کے بعد اپنے غصہ کے جذبات کو دبا دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی لڑائی اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ محض اللہ کے لئے تھی اور یہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جو اسلامی جہاد اور عام بادشاہوں کی جنگ میں امتیاز اور فساد و جہاد میں فرق کرتا ہے۔

فائدہ: ③ یہ ہے کہ دشمن جب مقہور و مغلوب ہو جانے کے بعد ان اخلاق فاضلہ کا مشاہدہ کرے گا تو شرافت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو اسلام اور مسلمانوں سے محبت پیدا ہوگی جو اس کیلئے کلید کامیابی ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ، (الآیۃ) حرمت والے مہینوں سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے ایک رائے تو وہی ہے کہ اس سے معروف حرمت والے چار مہینے مراد ہیں یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہاں اشھر حرم سے مراد وہ حرمت والے مہینے نہیں ہیں بلکہ ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۰ ربیع الثانی تک کے چار مہینے مراد ہیں انھیں اشہر حرم اسلئے کہا گیا ہے کہ اعلان براءۃ کی رو سے ان چار مہینوں میں ان مشرکین سے لڑنے اور ان کے خلاف اقدام کی کسی کو اجازت نہیں تھی، اعلان براءت کی رو سے یہ تاویل زیادہ مناسب ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ، اس آیت میں مذکورہ حربی کافروں کے بارے میں ایک رخصت دی گئی

ہے کہ اگر کوئی کافر پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دیدو یعنی اس کو امان میں رکھو تا کہ کوئی مسلمان اس کو قتل نہ کر سکے، اور اس کو قرآن سننے اور اسلام کو سمجھنے کا موقع ملے ممکن ہے کہ اس طرح اسے توبہ اور قبول اسلام کی توفیق مل جائے لیکن اگر وہ کلام اللہ سننے کے باوجود مسلمان نہیں ہوتا تو اسے اسکی جائے پناہ تک پہنچادو۔

مَسْئَلَہ: وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ، مخصوص یہی دو عمل مراد نہیں ہیں یہ دونوں عمل بطور نمونہ کے ہیں، مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ کام کرنے لگیں، فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قتل سے بچنے کے لئے واقعۃً نماز پڑھنا اور زکوۃ دینا ضروری نہیں ہے صرف ان اعمال کے وجوب کا اعتقاد رکھنا ہے اسلئے کہ نماز کا وجوب اپنے وقت پر ہوتا ہے اور زکوۃ مالک نصاب پر سال گذرنے کے بعد واجب ہوتی ہے۔

مَسْئَلَہ: فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جزیہ نہ لینا کفار عرب کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے یہ عدم اَخذ وحصر اور تخلیۂ سبیل کا حکم ان ہی کے ساتھ مخصوص رہے گا، باقی عام کفار و مشرکین کے لئے گرفتار ہونے کے بعد غلامی میں آجانے کا مسئلہ اپنی جگہ ثابت اور مسلّم ہے۔

كَيْفَ اى لا **يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ** وہم كافرون بهما غادِرِيْنَ **اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** يوم الحُدَيْبِيَةِ وہم قريشٌ المُسْتَثْنَوْنَ من قبلُ **فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ** اقاموا على العهدِ ولم يَنْقُضُوْهُ **فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ** على الوَفَاءِ به وما شَرْطِيَّةٌ **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑦** وقد اسْتَقَامَ صلى الله عليه وسلم على عهدِهم حتى نَقَضُوْا باِعَانَةِ بَنِىْ بَكْرٍ على خُزَاعَةَ **كَيْفَ** يَكُوْنُ لهم عَهْدٌ **وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ** يَظْفَرُوْا بكم **لَا يَرْقُبُوْا** يُرَاعُوْا **فِيْكُمْ اِلًّا** قرابةً **وَّلَا ذِمَّةً** عهدًا بل يُؤْذُوْكم مَا اسْتَطَاعُوْا وجملةُ الشرطِ حالٌ **يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ** بكلامِهم الحَسَنِ **وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ** الوَفَاءَ به **وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑧** ناقضون للعهدِ **اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** القران **ثَمَنًا قَلِيْلًا** من الدنيا اى تَرَكُوْا اِتِّبَاعَهَا للشَّهَوَاتِ والهَوٰى **فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ** دينِه **اِنَّهُمْ سَآءَ** بِئْسَ **مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑨** عملهم هذا **لَا يَرْقُبُوْنَ فِىْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ** اى فهم اِخْوَانُكُمْ **فِى الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ** نُبَيِّنُ **الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑪** يَتَدَبَّرُوْنَ **وَاِنْ نَّكَثُوْٓا** نَقَضُوْا **اَيْمَانَهُمْ** مَوَاثِيْقَهُم **مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ** عَابُوْهُ **فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ** رُؤَسَاءَهٗ، فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ المضمرِ **اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ** عهود **لَهُمْ** وفى قراءةٍ بالكسرِ **لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫** عن الكفرِ **اَلَا** لِلتَّحْضِيْضِ **تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا** نَقَضُوْا **اَيْمَانَهُمْ** عُهُوْدَهم **وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ** من مكةَ لما تَشَاوَرُوْا فيه بدارِ الندوةِ **وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ** بالقتالِ **اَوَّلَ مَرَّةٍ** حيثُ قَاتَلُوْا خزاعةَ حلفاءَكم مع بنى بكرٍ فما يَمْنَعُكُمْ اَنْ تُقَاتِلُوْهم **اَتَخْشَوْنَهُمْ** اتخافونهم **فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ** فى تركِ قتالِهم **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬**

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بقتلهم بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ يُذِلُّهم بالاسر والقهر وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ مما فُعِلَ بهم هم بنو خزاعة وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ كَرْبَهَا وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ بالرجوع الى الاسلام كابى سفيانَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ بمعنى همزة الانكار حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا لم يَعْلَمِ اللّٰهُ علم ظهورٍ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ باخلاصٍ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً بطانةً واولياءَ المعنى ولم يَظْهَرِ المخلصون وهم الموصوفون بما ذُكِرَ من غيرهم وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

تَرْجَمَہ: مشرکوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد کیسے ہو سکتا ہے؟ یعنی نہیں ہو سکتا، مراد وہ مشرکین ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ (عہد شکنی کرکے) غداری کی، البتہ جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام (حرم) کے قریب حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ کیا اور وہ قریش ہیں جن کا ماقبل میں استثنا ہو چکا ہے، تو جب تک وہ تمہارے ساتھ عہد پر قائم رہیں اور معاہدہ کو نہ توڑیں، تو تم بھی ان کے ساتھ وفاء عہد پر قائم رہو، اور ما شرطیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت رکھتا ہے، اور رسول ان کے ساتھ عہد پر قائم رہے یہاں تک کہ قریش نے خزاعہ کے خلاف بنی بکر کی مدد کرکے عہد کو توڑ دیا ان مشرکوں کے ساتھ عہد کیسے باقی رہ سکتا ہے جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تمہارے اوپر غلبہ حاصل کرلیں (یعنی) فتح مند ہو جائیں تو نہ تمہاری قرابت داری کا لحاظ کریں اور نہ عہد کا، بلکہ حتی المقدور تم کو ایذاء پہنچائیں اور جملہ شرطیہ حال ہے وہ اپنی باتوں سے یعنی (زبانی) خوش کن باتوں سے تم کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان کے دل وفاء عہد سے انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر نقض عہد کرکے حد سے تجاوز کرنے والے ہیں ان لوگوں نے اللہ کی آیات کے بدلے دنیا کی حقیر قیمت قبول کرلی ہے یعنی آیات کی اتباع کو شہوتوں اور خواہشوں کے بدلے ترک کر دیا ہے، پھر اللہ کے راستہ یعنی دین کے راستہ میں سدِ راہ بن کر کھڑے ہو گئے ہیں، بہت برے کرتوت ہیں جو یہ کرتے رہے ہیں یعنی انکے یہ اعمال، کسی مومن کے معاملہ میں نہ یہ قرابتداری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ (عہد کی) ذمہ داری کا، یہ ہیں ہی زیادتی کرنے والے پس اگر یہ لوگ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور جاننے والوں (یعنی) غور و فکر کرنے والوں کے لئے ہم احکام واضح کر دیتے ہیں، اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں (عہدوں) کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی (عیب جوئی) کریں تو تم ان کفر کے پیشواؤں سے قتال کرو اس میں اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے، (یعنی قاتلوهم کے بجائے قاتلوا أئمة الكفر کہا گیا ہے) اس لئے کہ ان کی قسموں (معاہدوں) کا کوئی اعتبار نہیں اور ایک قراءت میں ایمان کسرہ کے ساتھ ہے، (یعنی ان کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں) ممکن ہے کہ وہ اس طرح کفر سے باز آجائیں، کیا تم ایسے لوگوں سے نہ لڑو گے کہ جنہوں نے اپنے عہد توڑ دیئے اور رسول کو مکہ سے نکال دینے کا قصد کیا، جبکہ انہوں نے دار الندوہ میں اسی سلسلہ میں مشورہ کیا، اور ان ہی نے اول مرتبہ تم پر قتال کی ابتداء کی، اس طریقہ پر کہ خزاعہ سے جو کہ تمہارے حلیف تھے بنی بکر کے ساتھ

مل کر قتال کیا، پس تمہارے لئے کیا چیز مانع ہے کہ تم ان سے قتال نہ کرو کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ یعنی خوف کھاتے ہو اگر تم مومن ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم ان سے ترک قتال کے بارے میں اس سے ڈرو، تم ان سے لڑو اللہ تمہارے ہاتھوں قتل کرا کے ان کو سزا دے گا اور قید و غلبہ کے ذریعہ ان کو رسوا کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا، اور جو کچھ ان کے ساتھ کیا جائیگا اس کے ذریعہ بہت سے مومنوں کے دلوں کو ٹھنڈا کر دیگا اور وہ بنوخزاعہ ہیں اور ان کے قلوب کی بے چینی کو دور کر دے گا، اور اللہ جسے چاہے گا اسلام کی طرف مائل کر کے توبہ کی توفیق دیگا، جیسا کہ ابوسفیان کو اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ اَمْ ہمزہ استفہام انکاری کے معنی میں ہے حالانکہ اللہ نے ابھی یہ ظاہر کیا ہی نہیں کہ تم میں سے وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اخلاص کے ساتھ جہاد کیا؟ (اور کس نے) اللہ اور اسکے رسول ﷺ اور مومنوں کے سوا کسی کو راز دار جگری دوست نہیں بنایا، مطلب یہ کہ مخلصوں کو غیر مخلصوں سے ابھی ممتاز نہیں کیا، اور مخلصین وہ ہیں جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں اور اللہ تمہارے کاموں سے بخوبی واقف ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: ای لا اس میں اشارہ ہے کہ کَیْفَ استفہام تعجبی بمعنی نفی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد اِلّا سے استثناء درست ہے کَیْفَ، یکون کی خبر مقدم ہے اور عهدٌ اسم مؤخر ہے کَیْفَ کو صدارت کلام کا مقتضی ہونے کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے للمشرکین ثابتًا یا باقیًا کے متعلق ہو کر عهدٌ کا حال مقدم ہے اور اگر للمشرکین عهد سے مؤخر ہوتا تو اس کی صفت ہوتا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یکونُ، تامہ ہو اور کَیْفَ حال ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہو۔

قَوْلُهٗ: ماشرطیة ما شرطیہ ہے نہ کہ موصولہ اور فَاسْتَقَامُوا لَهُمْ، جزاء ہے۔

قَوْلُهٗ: کیفَ، کیفَ کے بعد یکون فعل محذوف ہے جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے ماقبل کے قرینہ کی وجہ سے فعل کو حذف کر دیا گیا ہے۔

سَوَالٌ: کیفَ کو مکرر کیوں لائے ہیں؟

جَوَابٌ: مشرکین کے عہد پر قائم رہنے کے استبعاد کو ظاہر کرنے کے لئے اور عدم ثبات کی علت کو بیان کرنیکے لئے، اور علت، وانْ یَظْهَرُوْا ہے۔

قَوْلُهٗ: اِلّا، اِلٌّ کے معنی متعدد ہیں، قرابت، عہد، پڑوس، عداوت، کینہ، حسد۔

قَوْلُهٗ: وجملة الشرط حالٌ، یعنی وانْ یظفروا علیکم شرط ہے اور لا یرقبوا الخ جزاء جملہ شرطیہ کَیْفَ یکون لھم سے حال ہے لہٰذا اب یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ جملہ شرطیہ کا عطف جملہ حملیہ پر درست نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: ای فھم اخوانکم یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤال: یہ ہے کہ فھم مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے۔

جَوَاب: یہ ہے کہ اخوانکم چونکہ فإن تابوا کی جزاء ہے اور جزاء کے لئے جملہ ہونا شرط ہے مفسر علام نے ھم محذوف مان کر جملہ تامہ بنادیا۔

قَوْلُہٗ: خزاعة حلفاء کم. خزاعہ موصوف ہے اور حلفاء کم اس کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: ھم بنو خزاعة اس کا مقصد مومنین کا مصداق متعین کرنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بنوخزاعہ غائبانہ طور پر ایمان لے آئے تھے۔

قَوْلُہٗ: وَلِيْجَةً یہ ولوج سے ماخوذ ہے بمعنی دخول، جگری رازدار دوست، مفسر علام نے ولیجة کا ترجمہ بطانة سے کیا ہے بطانة استر کو کہتے ہیں جو کہ پوشیدہ رہتا ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

اللہ اور رسول ﷺ کی جانب سے براءت کی حکمت:

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ، یہ استفہام نفی کے لئے ہے یعنی جن مشرکوں سے تمہارا معاہدہ ہے ان کے علاوہ اب کسی سے معاہدہ باقی نہیں رہا، سابقہ آیات میں براءت کی حکمت یہ ہے کہ اُن مشرکوں سے معاہدہ کس طرح قائم رہ سکتا ہے اور معاہدہ سے کیا فائدہ؟ کہ جن کا حال یہ ہے کہ اگر کسی وقت تم پر قابو حاصل کرلیں تو ایذاء رسانی میں ہرگز نہ قرابت کا خیال کریں اور نہ قول وقرار کا، چونکہ اتفاق سے تم پر غلبہ حاصل نہیں ہے اسلئے محض زبانی عہد و پیمان کرکے تمکو خوش رکھنا چاہتے ہیں ورنہ تو ان کے دل اس عہد پر ایک منٹ کے لئے بھی راضی نہیں ہر وقت عہد شکنی کا موقع تلاش کرتے رہتے ہیں خلاصہ یہ کہ ایسی دغاباز اور غدار قوم سے خدا اور رسول ﷺ کا کیا عہد ہوسکتا ہے؟ البتہ جن قبائل سے تم معاہدہ کرچکے ہو اور بالخصوص مسجد حرام یعنی حرم کے قریب حدیبیہ میں معاہدہ کیا ہے تو تم اپنی طرف سے عہد شکنی نہ کرو جب تک وہ وفاداری کے راستہ پر چلیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے طریقہ پر رہو تم اپنے دامن کو عہد شکنی کی گندگی سے محفوظ رکھو خدا کو ایسے ہی لوگ محبوب ہیں، چنانچہ بنوکنانہ وغیرہ نے مسلمانوں سے عہد شکنی نہیں کی تھی اور مسلمانوں نے بھی نہایت احتیاط اور دیانتداری کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا، اعلان براءت کے وقت بنوکنانہ کی مدت معاہدہ نو ماہ باقی تھی ان کے ساتھ مسلمانوں نے مکمل طور پر معاہدہ کی پابندی کی۔

بعض مفسرین کے نزدیک پہلا كَيْفَ مشرکین کے لئے ہے اور دوسرے سے مراد یہودی ہیں اسلئے کہ ان کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو حقیر دنیا کے لئے فروخت کردیتے ہیں اور یہ خصلت یہود ہے بار بار وضاحت سے مقصد مشرکین اور یہود کی اسلام دشمنی اور ان کے سینوں میں مخفی عداوت کے جذبات کو بے نقاب کرنا ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ الخ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اگر مشرکین مکہ اپنا عہد توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی اور عیب جوئی کریں تو ائمہ کفر، پیشوایان شرک کو چُن چُن کر قتل کرو اسلئے کہ پورا فساد ان ہی کی وجہ سے ہے ان ہی لوگوں نے آپ ﷺ سے عہد کر کے اس کو توڑ ڈالا، اور نبی ﷺ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا (واقعہ اور مسائل کی پوری تفصیل سابق رکوع میں گذر چکی ہے)۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ بالافرادِ والجمع بدُخُولِه والقُعُودِ فيه شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ بَطَلَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ لعدمِ شرطِها وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝١٧ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ احدًا اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝١٨ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اى اہلَ ذلك كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ فى الفضل وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٩ الكافرين نَزَلَتْ ردًّا على من قالَ ذلك وہو العبّاسُ او غيرُه اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً رُتبةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ من غيرِہم وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝٢٠ الظافِرُونَ بالخير يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝٢١ۙ دائمٌ خٰلِدِيْنَ حالٌ مقدرةٌ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٢٢ ونَزَلَ فِيمَن تَرَكَ الهجرةَ لِاَجلِ اہلِه وتجارتِه يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا اختارُوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٢٣ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ اقرباؤُكم وفى قراءةٍ عَشِيراتُكم وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا اكتسبتُمُوہا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا عدمَ نفاقِها وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فقعدتُم لاجلِه عن الهجرةِ والجهادِ فَتَرَبَّصُوْا انتظِرُوا حَتّٰي يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ تہديدٌ لهم وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٢٤ۧ

ترجمہ: مشرکین اس لائق ہی نہیں کہ مساجد میں آمد و رفت کے ذریعہ مساجد کو آباد کر سکیں (مساجد) مفرد اور جمع کے ساتھ ہے، حال یہ ہے کہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی گواہی دے رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے اعمال (شرائط صحت) نہ پانے کی وجہ سے ضائع ہو گئے اور وہ دوزخ ہی میں ہمیشہ پڑے رہیں گے، مساجد کا آباد کرنا تو بس ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور زکوۃ ادا کرتے ہوں اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈرتے ہوں امید ہے کہ ایسے لوگ راہ یاب ہو جائیں گے، کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد رکھنے والوں کے عمل کو اس شخص کے عمل کے (برابر) قرار دے لیا ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد بھی کیا ہے یہ لوگ اللہ کے نزدیک فضل میں برابر

نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالموں (یعنی) کافروں کی رہنمائی نہیں کرتا، برابری کے قائل کے قول کو رد کرنے کے لئے (آئندہ) آیت نازل ہوئی اور وہ قائل حضرت عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یا ان کے علاوہ ہے جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہ خدا میں اپنی جان ومال سے جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک دوسروں سے مرتبہ میں بڑے ہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں اور ان کو ان کا رب اپنی طرف سے رحمت کی اور رضامندی کی اور ایسے باغوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہوں گی خوشخبری دیتا ہے یہ ان میں ہمیشہ ہمیش کے لئے رہیں گے بے شک اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے اور آئندہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے ہجرت کو اپنے اہل وعیال اور تجارت کی وجہ سے چھوڑ دیا، اے ایمان والو تم اپنے آباء کو اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں، اور تم میں سے ان کو جو دوست رکھے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں (اے نبی) کہہ دو کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب اور ایک قراءت میں عشیرا تکم ہے اور تمہارے وہ اموال جن کو تم نے کمایا ہے اور تمہاری وہ تجارت جس کے ماند پڑ جانے کا تم خوف کرتے ہو، اور تمہارے وہ گھر جو تمکو پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنا فیصلہ لے آئے یہ ان کے لئے تہدید ہے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ، کَانَ فعل ناقص للمشركين، ينبغى محذوف کے متعلق ہو کر خبر مقدم اور ان يَعْمروا مسجدا للّٰه جملہ ہو کر کان کا اسم مؤخر شاهدين، يعمرُوْا کی ضمیر سے حال اور شاهدين على الكافرين کا متعلق اول ہے اور بالكافرين متعلق ثانی ای ما كان ينبغى للمشركين ان يعمروا مسجد الله شاهدين على انفسهم بالكفر.

جمہور کے نزدیک يَعْمُرُوا ہے عَمَرَ يَعْمُر سے یعنی آباد کریں اور ابن السمیفع نے يُعْمِرُوا باب افعال سے پڑھا ہے حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا وغیرہ نے مَسْجِدَ افراد کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے مساجد، جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔

(فتح القدير شوكانی)

قِوْلَہٗ: اى اَهْلُ ذلك، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: عمارة اور سقاية دونوں مصدر ہیں جو کہ ایک معنوی شئ ہے لہٰذا ان کو جسم اور شئ کے ساتھ تشبیہ دینا درست نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ دونوں مصادر کو مَنْ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو کہ شئ مجسم ہے۔

جَوَاب: یہ ہے کہ العمارة اور السقاية سے پہلے مضاف محذوف ہے اور وہ اهل ہے یعنی اهل العمارة واهل السقاية لہٰذا اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا۔

قَوْلُہٗ: نزلت ردًا علی مَنْ قال اس میں اشارہ ہے کہ اَجَعَلْتُمْ سقایة میں ہمزہ استفہام انکاری کا ہے اور اسی سے آئندہ آیت کے شان نزول کی طرف اشارہ بھی ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: ذلك کا مشار الیہ مہاجرین اور مجاہدین کو ان کے غیر کے مساوی قرار دینا ہے۔

قَوْلُہٗ: من غیرهم اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مذکورہ صفات کو جامع نہیں ہیں، جن میں اہل سقایہ اور اہل عمارہ بھی شامل ہیں، لفظ اعظم سے شبہ ہوتا ہے کہ اہل سقایہ وعمارہ اگرچہ اعظم درجہ کے مستحق نہ ہوں مگر عظیم درجہ کے مستحق ہوں گے حالانکہ ایمان کے بغیر کسی بھی نیکی کرنے والے کے لئے آخرت میں کوئی درجہ نہیں ہوگا۔

قَوْلُہٗ: نَفَاقها نَفَاق بفتح النون، رواج، یقال السکة النافقة، رائج سکہ۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ، مَسَاجِدْ سے مراد مسجد حرام (بیت اللہ) ہے، مَسَاجِد جمع اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ مسجد حرام تمام مساجد کا قبلہ ومرکز ہے، یا اس لئے کہ عرب واحد کے لئے بھی جمع کا لفظ استعمال کرتے ہیں یقال فلان کثیر الدراهم، وکقولهم فُلَان یُجَالِسُ الملوكَ وَلَعلّه لم یجالِسْ الّا مَلِكًا واحدًا اور یہ بھی درست ہے کہ مساجد سے تمام مسجدیں مراد ہوں اور تعمیر سے تولیت اور نظم ونسق مراد ہو، مطلب یہ ہے کہ اللہ کے گھر (یعنی مسجد حرام) کو تعمیر یا آباد کرنا یہ ایمان والوں کا کام ہے نہ کہ ان کا جو کفر وشرک کا ارتکاب اور اس کا اعتراف کریں جیسا کہ مشرکین تلبیہ میں کہا کرتے تھے، لَبَّيْكَ لاشريك لك، اِلّا شريكا هو لك، تملكه و ما ملك (صحیح بخاری باب التلبیہ) یا اس سے مراد وہ اعتراف ہے جو ہر مذہب والے کرتے ہیں، یہودی اپنے آپ کو یہودی اور نصرانی خود کو نصرانی کہتے ہیں۔ (فتح القدیر)

مطلب یہ ہے کہ جو مسجدیں خدائے واحد کی عبادت کے لئے بنی ہوں ان کے متولی اور منتظم اور خادم وآباد کار بننے کے لئے وہ لوگ کسی طرح موزوں نہیں ہوسکتے جو خدا کے ساتھ خداوندی صفات، حقوق واختیارات میں دوسروں کو شریک کرتے ہوں، اور خود بھی توحید کی دعوت قبول کرنے سے انکار کرتے ہوں اور انہوں نے صاف صاف کہد یا ہو کہ ہم اپنی بندگی وعبادت کو ایک خدا کے لئے مخصوص کردینا قبول نہیں کرسکتے اور نہ یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ ایک ذات اتنے بڑے کارخانہ قدرت کو تنہا چلا سکے ،لہٰذا یہ کسی حالت میں درست نہیں کہ وہ کسی ایسی عبادت گاہ کے متولی بنے رہیں جو صرف خدا کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہو۔

عمارت مسجد سے کیا مراد ہے؟

''عمارت مسجد'' کا جو لفظ مذکورہ آیت میں آیا ہے اس کے کئی معنی مراد ہوسکتے ہیں ایک ظاہری درودیوار کی تعمیر، دوسرے مسجد کی حفاظت ونگرانی اور صفائی وغیرہ اور دیگر ضروریات کا انتظام، تیسرے عبادت کے لئے مسجد میں حاضر ہونا، عمرہ کو عمرہ اسی مناسبت سے کہتے ہیں کہ اس میں بیت اللہ کی زیارت اور عبادت کے لئے حاضری ہوتی ہے۔

مشرکین مکہ تینوں اعتبار سے اپنے آپ کو معمار بیت اللہ اور عمارت مسجد حرام کا ذمہ دار سمجھتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ مشرکین کو اللہ کی مسجدوں کی تعمیر کا کوئی حق نہیں، جبکہ وہ خود اپنے کفر کی عمل و اقرار کے ذریعہ شہادت دیتے ہیں، ان لوگوں کے اعمال حبط اور ضائع کردیئے گئے ہیں یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

مسجدوں کی آبادکاری کا حق صرف مومنین باعمل کو ہے:

دوسری آیت میں عمارت مساجد کا مثبت پہلو اس طرح ارشاد فرمایا ہے، "اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ".

یعنی مسجدوں کو آباد کرنا انہی لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ ادا کریں، بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں، ایسے لوگوں کے متعلق امید ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔

مذکورہ آیات سے متعلق بعض مسائل:

مَسْئَلَۃ: کافروں کے لئے جس عمارت مسجد سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد مساجد کی تولیت اور انتظامی ذمہ داری ہے رہی ظاہری درودیوار کی تعمیر سو اس میں غیر مسلم سے بھی کام لیا جا سکتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مسجد کے تعمیر میں غیر مسلم کے چندہ کا حکم:

اگر کوئی غیر مسلم مسجد کی تعمیر کرادے اور تعمیر مسجد کے لئے چندہ دیدے تو اسکا قبول کر لینا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس سے کسی دینی یا دنیوی نقصان کا یا آئندہ اس پر قبضہ کر لینے کا یا احسان جتلانے کا اندیشہ نہ ہو۔ (در المختار، شامی، مراغی)

شان نزول:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ (الآية) مشرکین حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال کا جو کام کرتے تھے اس پر انہیں بڑا فخر تھا، اس کے مقابلہ میں وہ ایمان و جہاد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے جس کا اہتمام مسلمانوں کے اندر تھا، اس غلط فہمی اور زعم باطل کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَجَعَلْتُمْ سقاية الحاج الخ کیا تم سقایۃ حاج اور عمارت مسجد حرام کو ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر سمجھتے ہو؟ یاد رکھو یہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں بلکہ مشرک کا کوئی عمل بھی عند اللہ مقبول نہیں۔

اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں تین واقعات نقل کئے گئے ہیں۔

پہلا واقعہ:

ایک روایت میں اس کا شان نزول مسلمانوں کی ایک آپسی گفتگو کو بتایا گیا ہے اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز کچھ مسلمان منبر نبوی کے پاس جمع ہوئے ان میں سے ایک نے کہا اسلام لانے کے بعد میرے نزدیک سب سے بڑا عمل حاجیوں کو پانی پلانا ہے، دوسرے نے کہا مسجد کو آباد کرنا ہے، تیسرے نے کہا میرے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ سب سے بڑا عمل ہے، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب لوگوں کو آپس میں اس طرح بحث وتکرار اور اختلاف کرتے سنا تو انہیں ڈانٹا اور فرمایا کہ منبر رسول کے پاس آوازیں بلند نہ کرو یہ جمعہ کا دن تھا، راوی حدیث حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ میں جمعہ کے بعد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی آپس کی گفتگو کے بارے میں آپ سے استفسار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(صحیح مسلم كتاب الامارة باب فضل الشهادة في سبيل الله)

دوسرا واقعہ:

بہت سے مشرکین مسلمانوں کے مقابلہ میں اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ ہم مسجد حرام کی آبادی اور حجاج کو پانی پلانے کا انتظام کرتے ہیں اس سے بڑھ کر کسی کا کوئی عمل نہیں ہو سکتا اسلام لانے سے پہلے حضرت عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ غزوۂ بدر میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کی قید میں آئے اور ان کے مسلم عزیزوں نے ان کو اس پر ملامت کی کہ آپ نعمت ایمان سے محروم ہیں تو حضرت عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بھی یہی جواب دیا تھا کہ آپ لوگ ایمان وہجرت کو اپنا بڑا سرمایۂ فضیلت سمجھتے ہو مگر ہم بھی تو مسجد حرام کی عمارت اور حجاج کرام کو پانی پلانے کی اہم خدمت انجام دیتے ہیں جس کے برابر کسی کا کوئی عمل نہیں ہو سکتا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

تیسرا واقعہ:

مصنف عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ حضرت عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مسلمان ہو جانے کے بعد طلحہ بن شیبہ اور حضرت عباس اور حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی آپس میں گفتگو ہو رہی تھی حضرت طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا مجھے وہ فضیلت حاصل ہے جو تم میں سے کسی کو حاصل نہیں کہ بیت اللہ کی چابی میرے ہاتھ میں ہے، اگر میں چاہوں تو بیت اللہ کے اندر جا کر رات گذار سکتا ہوں حضرت عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا میں حجاج کو پانی پلانے کا متولی اور منتظم ہوں اور مسجد حرام میں میرے اختیارات ہیں، حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ حضرات کس چیز پر فخر کر رہے ہیں، میرا حال تو یہ ہے کہ میں نے تم سب لوگوں سے چھ مہینہ پہلے بیت اللہ کی طرف نمازیں پڑھی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ کوئی عمل خواہ کتنا ہی اعلیٰ اور

افضل ہو ایمان کے بغیر اللہ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں۔

تینوں واقعات کے سبب نزول ہونے میں کوئی بعد نہیں کہ اصل آیات کا نزول مشرکین کے فخر وتکبر کے جواب میں ہوا ہو، پھر اس کے بعد جو واقعات مسلمانوں کے باہم پیش آئے ان میں بھی ان ہی آیات کو استدلال کے لئے پیش کیا گیا ہو جس سے سننے والوں کو یہ محسوس ہوا کہ یہ آیات اس واقعہ میں نازل ہوئی ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَ کُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ، یہ خطاب قیامت تک آنے والے اہل ایمان کے لئے ہے اس کا مقصد مومنین اور کافرین کے درمیان قطع ولایت کو بیان کرنا ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایمان والوں کو چاہئے کہ ان کے ماں باپ اور بھائی بہن وغیرہ اگر کفر پر قائم ہوں تو انکو اپنا رفیق اور دوست نہ بنائیں اگر کوئی اسکے خلاف کرے گا تو وہ ظالموں اور نافرمانوں میں شمار ہوگا، اگرچہ والدین کے حقوق کے بارے میں قرآن اور احادیث میں بڑی تاکید آئی ہے اسی طرح عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت وتاکید بار بار آئی ہے مگر اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر تعلق کی ایک حد ہے ان میں سے ہر تعلق خواہ والدین اور اولاد کا ہو یا حقیقی بھائی بہن کا اللہ اور اسکے رسول کے تعلق کے مقابلہ میں نظر انداز کرنے کے قابل ہے جس موقع پر یہ دونوں رشتے ٹکراتے ہوں تو پھر رشتہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ ہی کا باقی رکھنا چاہئے۔

شان نزول:

مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے کہ یہ آیت بھی ماقبل میں مذکور حضرت عباس اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قصہ سے متعلق ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں حضرات ابتداءً نہ ہجرت میں شریک تھے اور نہ ایمان میں بلکہ ان کو اپنے سقایہ وحجابہ پر فخر وغرور تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا تو بعض حضرات ان میں ایسے بھی تھے کہ ان کے بیوی بچے ان سے چمٹ گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم تم کو اللہ کی قسم دیتے ہیں تم ہم کو ضائع نہ کرو، ان حضرات کا اپنے اہل وعیال کی گریہ وزاری کی وجہ سے دل نرم ہو گیا جسکی وجہ سے ہجرت سے باز رہے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل نے کہا ہے مذکورہ آیت ان نو لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جو مرتد ہو کر مکہ چلے گئے تھے تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ تعلقات اور دوستی رکھنے سے منع فرما دیا تھا یہ آیت اسی سلسلہ میں نازل ہوئی، مگر اس آیت کو ہجرت کے واقعہ سے متعلق کرنے میں یہ قباحت لازم آتی ہے کہ یہ سورت نزول کے اعتبار سے آخری سورتوں میں سے ہے تو پھر ان آیات کا تعلق ہجرت نہ کرنے والوں سے کیسے ہو سکتا ہے اس سورت کا نزول تو فتح مکہ کے بعد ہوا ہے جبکہ ہجرت کی فرضیت منسوخ ہو چکی تھی، لہٰذا زیادہ مناسب اور قرین قیاس واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ مشرکین

سے اظہار بیزاری کریں اور ان سے دلی اور رازدارانہ دوستی نہ رکھیں تو بعض لوگوں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان اپنے والدین نیز عزیز وا قارب سے قطع تعلق کرلے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ للحرب كَثِيْرَةٍ كبدرٍ وقريظة والنضير وَ اذكر يَوْمَ حُنَيْنٍ وَادٍ بَيْنَ مكة والطائفِ اى يَوْمَ قتالكُمْ فِيْهِ هَوَازِنَ وذلك في شوال سنة ثمان إِذْ بدلٌ من يوم أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَقُلْتُمْ لن نُغْلَبَ اليومَ من قِلَّةٍ وكانوا اِثْنَيْ عشرَ الفًا والكفارُ اَرْبَعَةُ آلافٍ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ما مصدرية اى مَعَ رَحْبِهَا اى سَعَتِهَا فلم تَجِدُوْا مكانًا تَطْمَئِنُّوْنَ اليه لشدة ما لَحِقَكُمْ من الخوفِ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ منهزمين وثبتَ النبي صلى الله عليه وسلم على بَغْلَتِهِ البيضاءِ وليس معه غيرُ العباسِ وابوسفيانَ اٰخِذٌ بِرِكَابِهِ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ طمانينتَهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ فرَدُّوْا الى النبي صلى الله عليه وسلم لما نَادَاهم العباسُ بِإِذْنِهِ وقاتلُوْا وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ملائكةً وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بالقتلِ والاسرِ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ منهم بالاسلامِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ قذرٌ لِخُبْثِ باطنِهم فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اى لا يدخُلُوا الحرمَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا عام تِسْعٍ من الهجرةِ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فقرًا بانقطاعِ تجارتِهم عنكم فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ وقد اَغْنَاهم بالفُتُوحِ والجزيةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٨﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ والا لاٰمنُوْا بالنبيِّ صلى الله عليه وسلم وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ كالخمرِ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ الثابتِ الناسخِ لغيرِه من الاديانِ وهو الاسلامُ مِنَ بيانٌ للذين الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اى اليهودِ والنصارٰى حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ الخَرَاجَ المضروبَ عليهم كُلَّ عامٍ عَنْ يَّدٍ حالٌ اى مُنْقَادِيْنَ اَوْ بِاَيْدِيْهِمْ لا يُوَكِّلُوْنَ بها وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾ اَذِلَّاءُ مُنْقَادُوْنَ لِحُكْمِ الاسلامِ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے لڑائی کے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی ہے مثلاً بدر و (بنو) قریظہ اور (بنو) نضیر (کے مقابلہ میں) اور حنین کے دن کو یاد کرو، یہ مکہ اور طائف کے درمیان وادی ہے، یعنی اس دن میں ہوازن کے ساتھ جنگ کو یاد کرو، اور یہ شوال ٨ھ میں پیش آئی جبکہ تم کو تمہاری کثرت پر ناز ہو گیا تھا سو تم نے کہا تھا کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے، اور (مسلمانوں کی تعداد) بارہ ہزار تھی اور کفار چار ہزار تھے، اِذْ یَوْمَ سے بدل ہے، لیکن اس (کثرت) نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا، اور زمین اپنی کشادگی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، مَا، مصدریہ ہے یعنی اپنی وسعت کے باوجود، تم کو کوئی ایسی جگہ نہ ملی کہ تم اس میں اس شدید خوف کی وجہ سے جو تم کو لاحق ہو گیا تھا پناہ لے سکو، پھر تم شکست خوردہ ہو کر پیٹھ پھیر کر بھاگ

کھڑے ہوئے، اور نبی ﷺ اپنے سفید خچر پر اپنی جگہ جمے رہے حالانکہ آپ ﷺ کے ساتھ سوائے عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو آپ ﷺ کے خچر کی رکاب تھامے ہوئے تھے کوئی باقی نہیں رہا تھا اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر سکینت (تسلی) نازل فرمائی چنانچہ جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے کہنے سے تم لوگوں کو آواز دی تو تم نبی ﷺ کی طرف لوٹ آئے اور (مشرکین سے) قتال کیا اور فرشتوں کا وہ لشکر نازل فرمایا جو تم کو نظر نہیں آرہا تھا اور (اللہ نے) کافروں کو قتل وقید کی سزا دی اور یہی کافروں کی سزا ہے، پھر اس کے بعد ان میں سے اللہ جس کو چاہے اسلام کی توفیق دیکر توبہ نصیب کردے اللہ بڑا مغفرت والا رحم والا ہے، اے ایمان والو مشرکین اپنے خبث باطن کی وجہ سے سراپا نجس ہیں لہٰذا اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں یعنی مسجد حرام میں داخل نہ ہوں اور ۹ھ میں یہ حکم نازل ہوا، اور اگر تم کو ان کے ساتھ تجارت منقطع ہو جانے کی وجہ سے فقر کا اندیشہ ہو سو اگر اللہ چاہے گا تو اپنے فضل سے تم کو ان سے عنقریب بے نیاز کردے گا، چنانچہ (اللہ نے) مسلمانوں کو فتح اور جزیہ کے ذریعہ بے نیاز کر دیا، اللہ خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ہے، ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اگر وہ (اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے) تو نبی ﷺ پر ایمان لے آتے اور نہ اس چیز کو حرام سمجھتے ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے مثلاً شراب (نوشی) اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں جو کہ دائمی اور دیگر ادیان کے لئے ناسخ ہے اور وہ اسلام ہے اور وہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہیں مِـــــنْ، بیانیہ ہے، اَلَّذین کا بیان ہے، تا آں کہ وہ عائد کردہ سالانہ ٹیکس (جزیہ) تابع ہو کر بدست خود بغیر کسی کو سپرد کئے ادا کریں حال یہ کہ وہ ذلیل ہوں (یعنی) اسلام کے حکم کے تابع ہوں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: مَوَاطِنَ، مَوْطِنٌ کی جمع ہے بمعنی موقع، مقامات، مفسر علام نے للحرب کا اضافہ کرکے اشارہ کر دیا کہ موطن سے مراد جائے سکونت نہیں ہے بلکہ میدان حرب ہے۔

قَوْلُہٗ: اذکر، مفسر علام نے اذکر فعل محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ یَوْمَ فعل محذوف کا مفعول ہے نہ کہ مواطن پر عطف جیسا کہ کہا گیا ہے اس لئے کہ یَوْمَ حُنَیْنٍ ظرف زمان ہے اور مَوَاطِنَ ظرف مکان ہے اور زمان کا عطف مکان پر درست نہیں ہے دوسری وجہ یہ کہ اِذْ اعجبتکم، یَوْمَ حنین سے بدل ہے اگر یَوْمَ حُنَیْنٍ کا عطف مواطن پر کیا جائے تو اِذْ اَعْجَبَتْکم کو بھی مواطنَ سے بدل ماننا ہوگا اور یہ باطل ہے اسلئے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمام مواقع پر عجب ہوا تھا۔

قَوْلُہٗ: ھوازن، تیراندازی میں مشہور ایک قبیلہ کا نام ہے جو کہ حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ ہے۔

قَوْلُہٗ: حُنَیْن مکہ اور طائف کے درمیان۔ مکہ سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ایک وادی کا نام ہے۔

قَوْلُہٗ: بما رَحُبَتْ، رُحبة بضم الراء، بمعنی کشادگی وسعت، اور رَحبة بالفتح کشادہ مکان، اور باء بمعنی مع 'ما'

مصدر یہ ہے لہٰذا عدم عائد کا اعتراض نہیں ہوگا۔

قولہ: فَلَمْ تَجِدُوا مکانًا اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہوگئی حالانکہ زمین اپنی حالت پر باقی تھی۔

جواب: یہ ہے کہ زمین کی تنگی سے مراد مجازاً عدم وجود المکان المطمئن ہے۔

قولہ: لخُبث باطنِهم یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ نَجَسٌ مصدر ہے اور مصدر کا حمل ذات پر درست نہیں ہے۔

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ نَجَسٌ سے مراد ذو نجس ہے یا بطور مبالغہ حمل ہے بیان نجاست میں مبالغہ کرنے کے لئے، گویا کہ مشرک عین نجاست ہیں۔

دوسرا سوال: یہ ہے کہ المشرکون جمع ہے اور نجس مفرد ہے جس کی وجہ سے مبتداء خبر میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ نجس مصدر ہونے کی وجہ سے واحد تثنیہ اور جمع سب پر بولا جاتا ہے یقال رَجُلٌ نجسٌ رجلان نجس، رجال نجسٌ، بعض ظاہریہ اور زیدیہ مشرک کو نجس العین مانتے ہیں۔

قولہ: عَيْلَةً، الفقر، یہ عَالَ يَعِيلُ (ض) کا مصدر ہے محتاج ہونا۔

قولہ: والّا لآمنوا بالنبی ﷺ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ اس سے اہل کتاب سے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کی نفی کی گئی ہے حالانکہ یہ دونوں فرقے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

جواب: کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ لوگ صحیح معنی میں اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تو محمد ﷺ پر ضرور ایمان لاتے جب آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے تو ان کا ایمان اللہ اور یوم آخرت پر بھی نہیں ہے۔

قولہ: دین الحق ای الدین الحق اس میں اضافت الموصوف الی الصفت ہے۔

قولہ: عَنْ يَّدٍ حال، يُعْطُوْا کی ضمیر سے حال ہے، يَدٌ کی تفسیر منقادین سے تفسیر باللازم ہے کہا جاتا ہے اعطی فلان بیده ای اَسْلَمَ و انقاد.

قولہ: بایدیکم، اس میں اشارہ ہے کہ عن ید میں عن بمعنی باء ہے اور یہ عن ید کی دوسری تفسیر ہے۔

قولہ: يُوَكِّلُوْنَ یہ توکیل سے مضارع جمع مذکر غائب ہے بمعنی سپرد کرنا وکیل بنانا۔

قولہ: وَهُمْ صاغرون اس حال میں کہ وہ اپنی زیردستی کا احساس رکھتے ہوں، الصاغر الراضی بالمنزلة الدنية (راغب) امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا ہے صغار قانون اسلام کی بالادستی قبول کرنا ہے۔

تفسیر وتشریح

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ اس سے پہلے سورت انفال میں فتح مکہ اوراس کے متعلقات کا ذکر تھا، اس سورت میں غزوۂ حنین کے واقعات، شکست وفتح کا اوران کے ضمن میں بہت سے اصولی اور فروعی مسائل اور فوائد کا بیان ہے اس رکوع کی پہلی آیت میں حق تعالی نے اپنے انعام واحسان کا ذکر فرمایا ہے عمومی احسان کا ذکر فرمانے کے بعد خصوصی انعام واحسان کے طور پر غزوۂ حنین میں اپنی نصرت کا ذکر فرمایا، مسلمان اس سے پہلے بار بار نصرت غیبی اور تائید ایزدی کا مشاہدہ کر چکے تھے جن کی تعداد علماء تاریخ وسیرت اسی تک گناتے ہیں۔

غزوۂ حنین کو خاص طور پر ذکر کرنے کی وجہ:

غزوۂ حنین کو خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے ذکر فرمایا کہ اس میں بہت سے واقعات اور حالات خلاف توقع عجیب انداز سے ظاہر ہوئے جن میں غور کرنے سے انسان کے ایمان میں قوت اور عمل میں ہمت پیدا ہوتی ہے۔

غزوۂ حنین کا تفصیلی ذکر:

حُنَین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان مکہ سے اٹھارہ میل سے زیادہ فاصلہ پر واقع ہے لیکن ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے حال ہی میں موقع پر جاکر جو تحقیق کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حنین اوطاس کی ایک وادی کا نام ہے اور اوطاس طائف کے شمال مشرق میں تقریباً ۳۰، ۴۰ میل کے فاصلہ پر ہے، بہر حال اس کا محل وقوع جو بھی ہو، رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوجانے اور قریش مکہ کے ہتھیار ڈالدینے کے دو ہفتہ کے بعد قدیم جاہلی نظام نے آخری حرکت مذبوحی حنین کے میدان میں کی اس کی صورت یہ پیش آئی کہ عرب کا ایک بہادر اور تیراندازی میں مشہور، جنگجو اور مالدار قبیلہ ہوازن جس کی ایک شاخ طائف کے رہنے والے بنوثقیف بھی تھے ان میں ہل چل مچ گئی انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ مکہ فتح ہوجانے کے بعد مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہوگئی ہے اس سے فارغ ہونے کے بعد لازمی ہے کہ ان کا رخ ہماری طرف ہوگا اس لئے دانشمندی کی بات یہ ہے کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے پہلے ہم خود ان پر حملہ کردیں، اس کام کے لئے قبیلۂ ہوازن نے اپنی سب شاخوں کو جو مکہ سے طائف تک پھیلی ہوئی تھیں جمع کرلیا، قبیلۂ ہوازن کی تمام شاخیں جن کی تعداد سو کے قریب تھی سوائے بنوکعب اور بنوکلاب کے جو قبیلۂ ہوازن کے خیال سے متفق نہیں تھے جمع ہوگئے، بنوکعب اور بنوکلاب کو اللہ تعالی نے کچھ بصیرت عطا فرمادی تھی انہوں نے کہا اگر مشرق سے مغرب تک ساری دنیا محمد ﷺ کے خلاف جمع ہوجائے گی تو وہ ان سب پر غالب آجائیں گے ہم خدائی طاقت کے ساتھ جنگ نہیں کرسکتے، حنین کے معرکہ میں قبیلۂ ہوازن اور اس کے حلیفوں نے اپنی پوری قوت جھونک

دی تا کہ اس اصلاحی انقلاب کو روک دیں جو فتح مکہ کے بعد تکمیل کے مرحلہ میں پہنچ چکا تھا لیکن یہ حرکت بھی ناکام ہوئی اور حنین کی شکست کے ساتھ عرب کی قسمت کا قطعی فیصلہ ہو گیا کہ اب اسے دارالاسلام بن کر رہنا ہے۔

مشرکین کی فوج کی کمان مالک بن عوف کے ہاتھ میں تھی جو بعد میں مسلمان ہو گئے، مالک بن عوف نے ان سب کو پوری قوت سے جنگ پر قائم رکھنے کی یہ تدبیر کی کہ ہر شخص کے تمام اہل وعیال بھی ساتھ چلیں اور اپنا تمام مال بھی ساتھ لیکر نکلیں جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے لگیں تو بیوی بچے ان کے پیروں کی زنجیر بن جائیں مشرکین کی فوج کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں علامہ ابن حجر نے ۲۴ یا ۲۸ ہزار کی تعداد کو راجح قرار دیا ہے بعض حضرات نے ۴ ہزار تعداد بتائی ہے ممکن ہے کہ باقاعدہ فوجی چار ہزار ہوں اور ان کے اہل وغیرہ سب مل کر ان کی تعداد ۲۴ یا ۲۸ ہزار تک پہنچ گئی ہو۔

آنحضرت ﷺ کو ان کے خطرناک عزائم کی اطلاع:

جب آنحضرت ﷺ کو قبیلہ ہوازن اور اس کے حلیفوں کے خطرناک عزائم کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے مقابلہ پر جانیکا عزم فرمالیا، مکہ مکرمہ پر حضرت عتاب بن اسید رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو امیر بنایا اور حضرت معاذ بن جبل رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو ان کے ساتھ اسلامی تعلیمات سکھانے کے لئے چھوڑا اور قریش مکہ سے کچھ اسلحہ اور سامانِ جنگ عاریت پر لیا، امام زہری کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ چودہ ہزار صحابہ کا لشکر لے کر حنین کی طرف متوجہ ہوئے جن میں بارہ ہزار انصار مدینہ تھے جو فتح مکہ کے لئے آپ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے، اور دو ہزار وہ نو مسلم تھے جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گئے تھے جن کو طلقاء کہا جاتا ہے ۶ شوال بروز ہفتہ ۸ھ مطابق یکم فروری آپ اس غزوہ کے لئے روانہ ہوئے اور آپ نے فرمایا کل انشاء اللہ ہمارا قیام خیف بنی کنانہ کے اس مقام پر ہوگا جہاں جمع ہو کر قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ کے لئے عہد نامہ لکھا تھا، بہت سے نو مسلم اور منافقین بھی تماشائی کے طور پر اسلامی لشکر کے ساتھ ہو لئے ان کا مقصد صورت حال کے مطابق حالات سے فائدہ اٹھانا تھا۔

حنین کے مقام پر اسلامی لشکر کا ورود:

مقام حنین پر پہنچ کر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت سہیل بن حنظلہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے آپ ﷺ کو یہ خبر دی کہ ایک گھوڑ سوار شخص ابھی دشمن کی طرف سے آیا ہے، وہ بتلا رہا ہے کہ قبیلہ ہوازن مسلح ہو کر مع اپنے ساز وسامان کے مقابلہ پر آ گیا ہے آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا "پرواہ نہ کرو یہ پورا ساز وسامان مسلمانوں کے لئے ہے جو مال غنیمت ہو کر تقسیم ہوگا"۔

عبداللہ بن ابی حدرد رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی بطور جاسوس روانگی:

اس مقام پر ٹھہر کر آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی حدرد رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو بطور جاسوس دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا عبداللہ بن ابی حدرد رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے اس قوم میں جا کر دو روز رہ کر حالات کا جائزہ لیا ان کے لیڈر مالک بن عوف کو دیکھا کہ

وہ اپنے لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ محمد ﷺ کو ابتک کسی بہادر تجربہ کار قوم سے سابقہ نہیں پڑا مکہ کے بھولے بھالے قریشیوں کا مقابلہ کرکے ان کو اپنی طاقت کا زعم ہو گیا ہے اب ان کو پتہ چلے گا، تم صبح ہوتے ہی اس طرح صف بندی کرو کہ ہر ایک کے پیچھے اس کے بیوی بچے اور مال ہو اور اپنی تلواروں کی میانوں کو توڑ ڈالو اور سب مل کر یکبارگی ہلّہ بولدو یہ لوگ چونکہ جنگی معاملات کے بڑے تجربہ کار تھے اسلئے اپنی فوج کے چند دستوں کو مختلف گھاٹیوں میں چھپا دیا تھا۔

مسلمانوں کے لشکر کی صورتِ حال:

یہ تو لشکر کفار کی تیاریوں کا ذکر تھا، اسلامی لشکر کی صورت حال یہ تھی کہ یہ پہلا موقع تھا کہ چودہ ہزار مجاہد مقابلہ کے لئے نکلے تھے، اور سامان جنگ بھی ہمیشہ کی بہ نسبت زیادہ تھا مسلمان یہ دیکھ چکے تھے کہ بدر میں صرف تین سو تیرہ لوگوں نے ایک ہزار کے لشکر جرار پر فتح پائی تو آج اپنی کثرت اور تیاری پر نظر کرتے ہوئے بعض لوگوں کی زبان سے یہ نکل گیا کہ ''آج تو ممکن نہیں کہ ہم کسی سے مغلوب ہو جائیں'' چنانچہ اول اول مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو مشرکوں میں بھگ دڑ مچ گئی اور مسلمان مال غنیمت حاصل کرنے میں لگ گئے معاً نصرت الٰہی نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا مشرکین موقع دیکھ کر پلٹ پڑے۔

خداوند قدوس کو مسلمانوں کی یہ بات ناپسند آئی کہ مسلمان خدا کی ذات پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنی کثرتِ تعداد اور تیاری پر بھروسہ کریں چنانچہ مسلمانوں کو اس کی سزا اس طرح ملی کہ جب قبیلہ ہوازن نے طے شدہ پروگرام کے مطابق یکبارگی ہلّہ بولا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چاروں طرف سے گھیرا ڈال دیا اور گرد وغبار نے دن کو رات بنا دیا تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عام طور پر پیر اکھڑ گئے اور بھاگنے پر مجبور ہو گئے صرف نبی ﷺ اپنی سواری پر سوار پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے تھے، اور صرف چند صحابہ جمے رہے، وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ آگے نہ بڑھیں، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی سواری کی رکاب تھامے ہوئے تھے آپ ﷺ کے ساتھ رہنے والوں میں حضرت ابوبکر حضرت عمر وعباس اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنھم اجمعین، آپ کے چچازاد بھائی حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میدان جنگ میں رہ گئے، آپ ﷺ تھے کہ اپنی صداقت پر مطمئن دشمن کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے اور بار بار پکار کر فرما رہے تھے، **اَنَا النَّبِیّ لا کَذِب اَنَا ابْنُ عَبْد المطلب**، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں اس میں ذرہ برابر جھوٹ نہیں **الیَّ عباد اللّٰہ انی رسول اللّٰہ** (ﷺ) آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ باآواز بلند صحابہ کو پکاریں آپ نے مہاجرین وانصار کو پکارا اور راہ فرار پر غیرت دلائی آخر کار مسلمانوں کو غیرت آئی دوبارہ سب نے جمع ہو کر بے جگری کے ساتھ مقابلہ شروع کیا، آسمان سے فرشتوں کی مدد نازل ہوئی مشرکوں کی فوج کے سپہ سالار نے اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی اور طائف کے قلعہ میں رو پوش ہو گیا، یہ صورت حال دیکھ کر دشمن کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اس معرکہ میں دشمن کے ستر آدمی مارے گئے، بعض مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ بچے زخمی ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا، غرضیکہ دشمن کو بڑی ذلت آمیز شکست ہوئی جس میں چھ ہزار قیدی بنائے گئے ۲۴ ہزار اونٹ ۴۰ ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی ہاتھ آئی، اس معرکہ میں ۱۲ مسلمان شہید ہوئے۔

وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اس سے مراد عمومی رویت کی نفی ہے احاد وافراد کی رویت اس کے منافی نہیں ہے اوپر کافروں کی دنیوی سزا کا ذکر تھا آئندہ آیت میں اخروی سزا کا بیان ہے۔

ہوازن اور ثقیف کے سرداروں کا مسلمان ہو کر حاضر ہونا اور قیدیوں کی رہائی:

جیسا کہ سابق میں بیان لیا گیا ہے کہ قبیلۂ ہوازن کے کچھ سردار تو مارے گئے تھے اور کچھ بھاگ کھڑے ہوئے تھے، ان کے ساتھ جو اہل وعیال اور اموال تھے وہ مسلمانوں کے قیدی اور مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسفیان بن حرب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو مال غنیمت کا نگران مقرر فرمایا۔

شکست خوردہ ہوازن اور ثقیف نے مختلف مقامات پر مسلمانوں کے خلاف اجتماع کیا مگر ہر مقام پر شکست ہوئی، بے حد خوف زدہ اور مرعوب ہو کر طائف کے ایک مضبوط قلعہ میں قلعہ بند ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے پندرہ بیس روز اس قلعہ کا محاصرہ کیا محصور دشمن قلعہ کے اندر ہی سے تیر برساتے تھے مگر سامنے آنے کی کسی کی ہمت نہیں ہوئی، صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ان کے لئے بددعاء فرمادیں مگر آپ نے بددعاء کے بجائے ان کے لئے ہدایت کی دعاء فرمائی، صحابہ سے مشورہ کے بعد آپ نے واپسی کا قصد فرمایا، مسلمانوں کی فتح وکامرانی دیکھ کر وہ لوگ بھی جو تماشائی بن کر آئے تھے اور موقع سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں تھے مسلمان ہو گئے۔

جعرانہ کے مقام پر مال غنیمت کی تقسیم کا انتظام کیا گیا، ابھی مال غنیمت تقسیم ہو ہی رہا تھا کہ اچانک قبیلۂ ہوازن کے چودہ سرداروں کا ایک وفد زہیر بن صرد کی قیادت میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں آپ ﷺ کے رضاعی چچا ابو برقان بھی تھے انہوں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں، اور یہ درخواست بھی کی کہ ہمارے اہل وعیال اور اموال ہمیں واپس کر دیئے جائیں۔

آپ کے لئے دوہری مشکل:

رحمۃ للعالمین کے لئے یہ موقع دوہری مشکل کا تھا، ایک طرف ان لوگوں پر رحم وکرم کا تقاضہ یہ تھا کہ ان کے سب قیدی رہا اور تمام اموال انہیں واپس کر دیئے جائیں، اور دوسری طرف یہ کہ اموال غنیمت میں مجاہدین کا حق ہوتا ہے ان سب کو ان کے حق سے محروم کر دینا از روئے انصاف درست نہیں اس لئے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے ان کے جواب میں فرمایا میرے ساتھ کس قدر مسلمانوں کا لشکر ہے جو ان اموال کا حقدار ہے، میں سچی اور صاف بات پسند کرتا ہوں اسلئے آپ لوگوں کو اختیار دے رہا ہوں کہ یا تو اپنے قیدی واپس لے لو یا مال غنیمت، ان دونوں میں سے جس کو تم اختیار کرو گے وہ تمہیں دیدیا جائیگا سب نے قیدیوں کی واپسی کو پسند کیا تو آپ ﷺ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس میں حمد وثناء کے بعد فرمایا۔

یہ تمہارے بھائی تائب ہوکر آئے ہیں میں چاہ رہا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو واپس دیدیئے جائیں تم میں سے جو لوگ خوش دلی کے ساتھ اپنا حصہ واپس دینے کے لئے تیار ہوں وہ احسان کریں اور جو اس کیلئے تیار نہ ہوں تو ہم ان کو آئندہ اموال فئی میں سے اس کا بدلہ دیدیں گے ہر طرف سے آواز آئی کہ ہم خوش دلی سے تیار ہیں۔

حقوق العباد کے معاملہ میں رائے عامہ معلوم کرنے کیلئے عوامی جلسوں کی آوازیں کافی نہیں ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ رائے معلوم کرنا چاہئے، جب آپ ﷺ نے لوگوں کو قیدی آزاد کرنے کی ترغیب کی تو ہر طرف سے آواز آئی کہ ہم سب قیدی آزاد کرنے کے لئے تیار ہیں مگر عدل وانصاف اور حقوق کے معاملہ میں احتیاط کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اسطرح کی مختلف آوازوں کو کافی نہ سمجھا اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کون لوگ اپنا حق چھوڑنے کے لئے خوش دلی سے تیار ہیں اور کون ایسے ہیں کہ شرما شرمی خاموش رہے، معاملہ حقوق العباد کا ہے اس لئے ایسا کیا جائے کہ ہر جماعت اور خاندان کے سردار اپنی اپنی جماعت کے لوگوں سے الگ الگ صحیح بات معلوم کر کے مجھے بتائیں، اس کے مطابق سرداروں نے ہر ایک سے الگ الگ اجازت حاصل کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو بتلایا کہ سب لوگ خوش دلی سے اپنا حق چھوڑنے کے لئے تیار ہیں تب رسول اللہ ﷺ نے یہ سب قیدی ان کو واپس کر دیئے۔

یہی لوگ ہیں جن کی توبہ کی طرف "ثُمَّ یتوب اللّٰہ من بعد ذلك" میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

احکام ومسائل:

آیات مذکورہ میں سب سے بڑی ہدایت تو یہ دی گئی ہے کہ مسلمانوں کو کسی وقت بھی اپنی طاقت پر ناز وغرور نہیں ہونا چاہئے نظر ہر حال میں اللہ کی نصرت پر رہنی چاہئے۔

غزوہ حنین میں مسلمانوں کی عددی کثرت اور ساز وسامان حرب کے کافی ہونے کی وجہ سے بعض صحابہ کرام کی زبان پر جو بڑا بول آگیا تھا کہ آج تو کسی کی مجال نہیں کہ جو ہم سے بازی لیجا سکے اللہ کو اپنی اس محبوب جماعت کی زبان سے ایسے کلمات پسند نہ آئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدائی حملہ کے وقت مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور پشت پھیر کر بھاگنے لگے، پھر اللہ ہی کی غیبی مدد سے یہ میدان فتح ہوا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ (الآیة) مشرکوں کے نجس ہونے کا مطلب عقائد واعمال کے لحاظ سے نجس ہونا ہے، بعض کے نزدیک مشرک ظاہر وباطن دونوں اعتبار سے ناپاک ہیں اسلئے کہ وہ اس طہارت وصفائی کا لحاظ نہیں کرتے جس کا حکم شریعت نے دیا ہے، بعض ناپاک چیزوں کو مثلاً گائے کا پیشاب اور گوبر وغیرہ کو ناپاک نہیں سمجھتے اور معنوی نجاست مثلاً غسل جنابت وغیرہ بھی ضروری نہیں سمجھتے اسی لئے مشرکوں کو آیت مذکورہ میں نجاست محض قرار دیکر فلا یقربوا المسجد الحرام الخ میں مشرکوں کو مسجد حرام کے پاس آنے سے منع کیا گیا ہے، مسجد حرام عام طور پر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جو بیت اللہ کے چاروں طرف چہار دیواری سے گھری ہوئی ہے، لیکن قرآن وحدیث میں بعض اوقات پورے حرم مکہ کیلئے بھی استعمال ہوا ہے جو کئی

مربع میل کا رقبہ ہے اور چاروں طرف حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قائم کردہ حدود سے گھرا ہوا ہے جیسا کہ واقعۂ معراج میں من المسجد الحرام سے بالاتفاق یہی معنی مراد لئے گئے ہیں اسلئے کہ واقعہ معراج معروف مسجد حرام کے اندر سے نہیں بلکہ ام ہانی کے مکان سے ہوا اسی طرح "اِلَّا الَّذِیْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" میں مسجد حرام سے پورا حرم ہی مراد ہے اسلئے کہ جس واقعہ کا اس آیت میں ذکر ہے وہ مقام حدیبیہ میں پیش آیا تھا جو حدود حرم سے باہر اس سے متصل واقع ہے۔

(معارف، جصاص)

لہٰذا اب آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اس سال کے بعد مشرکین کا داخلہ حدود حرم میں ممنوع ہے اس سال سے بعض حضرات نے ۱۰ھ مراد لیا ہے مگر جمہور کے نزدیک ۹ھ راجح ہے اسلئے کہ آپ ﷺ نے اعلان براءت حضرت ابوبکر صدیق اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ذریعہ موسم حج میں ۹ھ میں کرایا تھا اسلئے ۹ھ سے ۱۰ھ تک مہلت کا سال ہے ۱۰ھ سے یہ قانون نافذ ہوا۔

مسجد حرام میں مشرکین کے داخلہ کی ممانعت کا مطلب اور خصوصیت یا عدم خصوصیت کا مسئلہ:

آیت مذکور میں مشرکوں کو حرم میں داخل نہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے اس میں تین باتیں غور طلب ہیں۔

1. یہ حکم مسجد حرام کے ساتھ مخصوص ہے یا دنیا کی کسی بھی مسجد میں مشرک کے داخلہ پر پابندی ہے؟
2. مشرکین کے داخلہ پر پابندی مطلقاً ہے یا صرف حج وعمرہ کے لئے داخلہ پر پابندی ہے؟
3. یہ کہ اس حکم میں کفار اہل کتاب بھی شامل ہیں یا نہیں؟

روایات کو سامنے رکھ کر ائمہ مجتہدین نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق احکام بیان کئے ہیں۔

امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اور فقہاء اہل مدینہ کا مسلک:

فرمایا کہ مشرکین ہر معنی کے اعتبار سے نجس ہیں خواہ ظاہری ہو یا معنوی اسلئے یہ حکم تمام مساجد کیلئے ہے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مسلک:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ حکم مشرکین اور کفار اہل کتاب سب کے لئے عام ہے مگر مسجد حرام کیلئے مخصوص ہے، دیگر مساجد میں ان کا داخلہ ممنوع نہیں ہے (قرطبی) دلیل یہ کہ ثمامہ بن اُثال جب اسلام لانے سے پہلے گرفتار ہو کر آئے تھے تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں ایک ستون سے باندھ دیا تھا۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا مسلک:

فرمایا کہ مسجد حرام کے قریب نہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ سال سے ان مشرکوں کو مشرکانہ طرز پر حج وعمرہ کرنے کی اجازت نہ ہوگی دلیل یہ پیش فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت علی کے ذریعہ اعلان براءت کرا دیا گیا تو اس میں اعلان اسی کا تھا کہ ''لایحجنَّ بعد العام مشرك'' اسلئے فلایقربوا المسجد الحرام کے معنی بھی یہی ہوں گے دیگر کسی ضرورت سے امیر المومنین کی اجازت سے داخل ہوسکتے ہیں وفد ثقیف کا واقعہ اس کا شاہد ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب ان کا وفد رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا تھا، حالانکہ یہ لوگ اس وقت کافر تھے صحابہ کرام نے عرض بھی کیا یا رسول اللہ یہ نجس قوم ہے تو آپ نے فرمایا کہ مسجد کی زمین پر ان لوگوں کی نجاست کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (جصاص)

وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰهُ الخ، حرم میں مشرکین کے داخلہ پر پابندی سے بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ حج کے موسم میں زیادہ اجتماع کی وجہ سے جو تجارت ہوتی تھی وہ متاثر ہوگی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کاروباری نقصان کی وجہ سے فقر وفاقہ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے فضل سے تمہیں غنی کر دے گا چنانچہ فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں کو بکثرت مال حاصل ہوا اور پھر بتدریج سارا عرب بھی مسلمان ہوگیا اور موسم حج میں حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے تجارتی نقصان کی کمی بھی پوری ہوگئی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوگئی اور یہ سلسلہ روز افزوں ہی ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ، مشرکین سے قتال عام کے حکم کے بعد اس آیت میں یہود ونصاریٰ سے قتال کا حکم دیا جارہا ہے (اگر وہ اسلام قبول نہ کریں) یا پھر وہ جزیہ دینا قبول کرکے مسلمانوں کی بالادستی قبول کرلیں، جزیہ ایک متعین رقم ہے جو سالانہ ایسے غیر مسلموں سے لی جاتی ہے جو کسی اسلامی مملکت میں رہائش پذیر ہوں، اسکے بدلے انکے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی مملکت کی ہوتی ہے۔

جزیہ کی غایت اسلام نہیں:

قتال وجہاد کی غایت یہ نہیں ہے کہ وہ ایمان لے آئیں اور دین حق کے پیرو بن جائیں بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ اسلام کی بالادستی قبول کریں وہ خود حاکم اور صاحب امر بن کر نہ رہیں بلکہ نظام زندگی کی باگ ڈور اور امامت کے اختیارات متبعین دین حق کے ہاتھوں میں ہوں مطلب یہ ہے کہ قتال اس وقت تک جاری رہے گا جبتک وہ ماتحت بن کر جزیہ دینا قبول نہ کرلیں۔

جزیہ امان وحفاظت کا بدل ہے نہ کہ اسلام کا:

جزیہ بدل ہے اس امان وحفاظت کا جو ذمیوں کو اسلامی حکومت میں عطا کی جاتی ہے نیز یہ اس بات کی علامت ہے کہ انہوں نے اسلامی حکومت کی تابع داری قبول کرلی ہے، ہاتھ سے دینے کا مطلب یہ ہے کہ سیدھے طریقہ سے بغیر کسی حیلہ وحجت کے مطیعانہ شان سے جزیہ ادا کریں۔

جزیہ کی مقدار:

جزیہ کی مقدار کا تعین اگر باہمی مصالحت اور رضامندی سے ہو تو شرعاً اس کی کوئی تحدید نہیں جیسا کہ رسول ﷺ نے اہل نجران کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرمایا تھا کہ انکی پوری جماعت سے سالانہ دو ہزار حلے (جوڑے، دو چادریں) جوڑوں کی قیمت کا تخمینہ بھی طے ہو گیا تھا اسی طرح نصاری بنی تغلب سے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس پر معاہدہ ہوا کہ ان کا جزیہ اسلامی زکوۃ کے حساب سے وصول کیا جائیگا مگر زکوۃ سے دوگنا، ابتداء یہ حکم یہود و نصاری کے لئے تھا لیکن بعد میں خود رسول اللہ ﷺ نے مجوس سے جزیہ لے کر انھیں ذمیوں میں شامل فرمالیا اور اس کے بعد بالاتفاق صحابہ کرام نے بیرون عرب کی تمام قوموں پر اس حکم کو عام کر دیا۔

بذریعہ جنگ مفتوحہ قوموں کا حکم:

اگر مسلمانوں نے کسی ملک کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا اور وہاں کے باشندوں کو ان کی جائیدادوں پر برقرار رکھا، اور وہ اسلامی مملکت کی رعیت بن کر رہنے پر رضامند ہو گئے تو ان کے جزیہ کی مقدار کی شرح وہ ہوگی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں نافذ فرمائی کہ مالداروں سے چار درہم ماہوار اور متوسط الحال لوگوں سے اس کا نصف اور غریب لوگوں سے جو تندرست ہوں اور محنت و مزدوری کر سکتے ہوں ان سے صرف ایک درہم ماہوار اور جو بالکل مفلس اور اپاہج ہوں ان سے کچھ نہ لیا جائیگا اسی طرح عورتوں، بوڑھوں، بچوں، تارک الدنیا راہبوں سے بھی کچھ نہ لیا جائے گا۔

جزیہ پر اعتراض اور معذرت خواہانہ جواب:

جزیہ کے متعلق بعض حضرات نے انیسویں صدی عیسوی کے دور ذلت میں مسلمانوں کی طرف سے بڑی بڑی معذرتیں پیش کی ہیں اور اس دور کی کچھ یادگار شخصیتیں، نام نہاد دانشور آج بھی موجود ہیں جو صفائی دینے میں لگے ہوئے ہیں، لیکن خدا کا دین اس سے بہت بالا و برتر ہے کہ اسے خدا کے باغیوں کے سامنے معذرت پیش کرنے کی کوئی حاجت ہو سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے دین کو اختیار نہیں کرتے اور اپنی یا دوسروں کی نکالی ہوئی غلط راہوں پر چلتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ بس اتنی ہی آزادی کے مستحق ہیں کہ خود جو غلطی کرنا چاہتے ہیں کریں، لیکن انھیں اس کا قطعاً کوئی حق نہیں ہے کہ خدا کی زمین پر کسی جگہ اقتدار و فرماں روائی کی باگیں ان کے ہاتھوں میں ہوں اور وہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کا نظام اپنی گمراہیوں کے مطابق قائم کریں اور چلائیں، یہ چیز جہاں ہوگی وہاں فساد برپا ہوگا، اہل ایمان پر فرض اور ضروری ہے کہ خدا کی زمین سے خدا کے باغیوں کو بے دخل کر کے نظام صالح قائم کریں جس سے زمین کا فساد ختم ہو کر امن و امان قائم ہو اور خدا کی مخلوق خدا کی زمین پر امن و امان کے ساتھ رہ سکے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ عيسى ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ لا مُستَنَدَ
لهم عليه بل يُضَاهِئُوْنَ يُشابِهُونَ به قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ من اٰبائهم تقليدًا لهم
قَاتَلَهُمُ لعنهم اللّٰهُ اَنّٰى كيف يُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٠﴾ يُصرَفُونَ عن الحقّ مع قيام الدليل اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ
علماء اليهودِ وَرُهْبَانَهُمْ عُبّاد النصارى اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ حيث اتَّبعُوهم في تحليل ما حَرَّمَ
وتحريم ما احلّ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا في التورٰة والانجيل اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اي بان يَعْبُدُوا
اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ تنزيهًا له عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٣١﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ
شرعَهٗ وبراهينَهٗ بِاَفْوَاهِهِمْ باقوالهم فيه وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ يُظهِر نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٣٢﴾ ذلك
هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ محمدًا بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ يُعلِيَه عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ جميع الاديان
المخالِفةِ له وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ ذلك يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ
يَاْخُذُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ كالرشى في الحُكم وَيَصُدُّوْنَ الناسَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دِينِه وَالَّذِيْنَ
مُبتدأٌ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا اي الكنوزَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اي لا يُؤَدُّوْنَ منها حقّهٗ من الزكوٰةِ
والخير فَبَشِّرْهُمْ اي اَخبِرهم بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣٤﴾ مُؤلمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى تُحرَقُ
بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ تُوسَّعُ جلودُهم حتّٰى تُوضَعَ عليه كلُّها ويُقال لهم
هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿٣٥﴾ اي جزاءَه اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ المُعتَدِّ بها للسنةِ
عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اللوح المحفوظ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اي
الشهور اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ محرّمةٌ ذوالقعدة وذوالحجة والمحرم ورجبُ ذٰلِكَ اي تحريمها الدِّيْنُ الْقَيِّمُ
المستقيم فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اي الاشهر الحُرُم اَنْفُسَكُمْ بالمعاصي فانها فيها اعظمُ وزرًا وقيل
في الاشهر كلها وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً اي جميعًا في كلّ الشهور كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٦﴾ بالعون والنصر اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ اي التاخير لحرمة شهر الى اٰخر كما
كانت الجاهلية تفعلُه من تاخيرِ حرمةِ المحرم اذا اَهلَّ وهم في القتال الى صفر زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ لكفرهم
بحكم الله فيه يُضَلُّ بضم الياء وفتحها بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ اي النسيَّ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا
يُوافِقوا بتحليل شهرٍ وتحريم اٰخرَ بدلَه عِدَّةَ عددَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ من الاشهر فلا يزيدون على تحريم اربعةٍ
ولا ينقصون ولا ينظرون الى اعيانها فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ فظنُّوه حسنًا
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصاریٰ نے کہا عیسیٰ مسیح، اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کے منہ سے نکلی ہوئی (بے حقیقت) باتیں ہیں جن پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، یہ بھی ان لوگوں کی تقلید میں ان ہی کی سی باتیں کرتے ہیں جو ان کے آباء (واجداد) میں سے پہلے کافر ہو چکے ہیں اللہ کی ان پر مار (لعنت) ہو دلیل قائم ہونے کے باوجود کہاں بھٹکے چلے جا رہے ہیں؟ یہود نے اپنے علماء کو اور نصاریٰ نے اپنے درویشوں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا ہے، اس طریقہ پر کہ حرام کو حلال کرنے میں اور حلال کو حرام کرنے میں ان کی اتباع کی، اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی (رب بنا لیا ہے) اور تورات و انجیل میں ان کو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ فقط ایک معبود (برحق) کی بندگی کریں وہ معبود کہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے (یہ کافر) یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو پھونکوں سے بجھا دیں یعنی اس کی شریعت اور اس کے براہین میں قیل و قال کر کے مشکوک کر دیں اور اللہ اس (روشنی) کو مکمل طور پر ظاہر کئے بغیر ماننے گا نہیں، اگرچہ کافروں کو یہ بات ناپسند ہو (چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہے کہ جس نے اپنے رسول محمد ﷺ کو (اس نور کی تکمیل کیلئے) ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا ہے، تا کہ اس دین کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں کو یہ بات ناپسند ہو اے ایمان والو (یہود و نصاریٰ کے) اکثر علماء و رہبان لوگوں کے مالوں کو باطل طریقہ سے کھاتے، لیتے، ہیں مثلاً فیصلہ میں رشوت کے ذریعہ اور لوگوں کو اللہ کے دین سے باز رکھتے ہیں اور وہ لوگ اَلَّذِیْنَ مبتداء ہے جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس جمع کردہ مال میں سے اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے یعنی زکوٰۃ کے ذریعہ اس کا حق ادا نہیں کرتے فبشرھم مبتداء کی خبر ہے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو جس دن کہ اس جمع کردہ مال کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائیگا پھر اس کے ذریعہ ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائیگا، انکی کھالوں کو وسیع کر دیا جائیگا تا کہ ان پر اس تمام مال کو رکھا جا سکے، اور انکو یہ جتا دیا جائیگا کہ یہ وہی مال ہے جس کو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا یعنی یہ اس کی سزا ہے لو، اب اپنے جمع کئے ہوئے خزانہ کا مزا چکھو حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کی تعداد جن کے ذریعہ سال کا حساب لگایا جاتا ہے اللہ کے نزدیک لوح محفوظ میں بارہ مہینے ہیں جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے بارہ ہی ہیں ان مہینوں میں چار مہینے محترم ہیں ذوالقعدہ اور ذوالحجہ اور محرم اور رجب، یہ یعنی ان مہینوں کی حرمت ہی دین کا صحیح طریقہ ہے، لہٰذا ان چار مہینوں (کے باب) میں معاصی کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم نہ کرو اس لئے کہ ان چار مہینوں کی بے حرمتی گناہ عظیم ہے اور کہا گیا ہے کہ پورے بارہ مہینے مراد ہیں اور تمام مشرکوں سے تمام مہینوں میں لڑو جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ مدد اور نصرت کے ذریعہ متقیوں کے ساتھ ہے اور نسیئ یعنی مہینہ کی حرمت کو دوسرے مہینہ کی طرف مؤخر (منتقل) کر دینا جیسا کہ جاہلیت ماہ محرم کی حرمت کو دوسرے مہینے یعنی ماہ صفر کی طرف منتقل کر دیتی تھی جبکہ ماہ محرم کا چاند ان کی جنگ کی حالت میں نظر آ جاتا تھا، یہ (حرکت) کفر میں ایک اضافہ ہے اس ماہ کے بارے میں اللہ کے

حکم کا انکار کرنے کی وجہ سے جس کے ذریعہ یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا کئے جاتے ہیں (یُضَلُّ) یاء کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے اس نسیٔ یعنی مؤخر کو کسی سال حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال حرام تاکہ ایک مہینہ کو حلال کر کے اور دوسرے کو اس کے بدلے میں حرام کر کے اللہ کے حرام کئے ہوئے یعنی اللہ کے محرّم کئے ہوئے مہینوں کی تعداد پوری کر دیں چنانچہ چار محرم مہینوں میں نہ زیادتی کرتے تھے اور نہ کمی، البتہ ان کی تعیین کی رعایت نہیں کرتے تھے (چنانچہ) وہ اس طرح اللہ کا حرام کیا ہوا (مہینہ) حلال کر لیتے ہیں ان کے برے اعمال ان کے لئے خوشنما کر دیئے گئے ہیں جس کی وجہ سے وہ ان اعمال کو حسن ہی سمجھتے تھے، اللہ منکرین حق کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: عُزَیْر، ایک مشہور اسرائیلی بزرگ کا نام ہے جن کے متعلق بعض عرب کا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے فرزند ہیں عُزَیْر کو بعض نے منصرف اور بعض نے غیر منصرف پڑھا ہے، ان کے نبی ہونے میں اختلاف ہے، روح المعانی میں ہے "اختلف فی عزیر ھل ھو نبی ام لا وَالا کثرون علی الثانی" علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اَلِاتقان فی علوم القرآن میں اسی کو ترجیح دی ہے، مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ عزیر سے مراد عزراء کاہن ہے جس نے تورات کو اپنے اعجاز سے دوبارہ زندہ کیا تھا۔

قولہ: یُضَاھِئُون یہ مُضَاھَاۃ (مفاعلة) سے مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے، مشابہت پیدا کر رہے ہیں، ضَہِی مثل، مانند، شبیہ ضَھْیًا مصدر (س) ناقص یائی، عورت کا مرد کے مانند ہو جانا نہ حیض آئے اور نہ پستان ابھریں اور نہ حمل رہے، ضَھْیَاءُ مرد نما عورت۔

قولہ: یُؤْفکون، افكٌ (ض) سے جمع مذکر غائب مضارع، کہاں پھرے جاتے ہیں۔

قولہ: بان یعبدوا، اس میں اشارہ ہے کہ لِیَعْبُدُوا میں لام بمعنی باء ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ الامر کا صلہ لام نہیں آتا۔

سوال: اَنْ کو کیوں مقدر مانا۔

جواب: تاکہ حرف جر کا داخل ہونا صحیح ہو جائے۔

قولہ: شَرْعَهٗ.

سوال: نور کی تفسیر شرع اور برھان سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: اس سے بھی ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے۔

سوال: یہ ہے کہ نور تو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے تو وہ اس نور کو بجھانے کا ارادہ کس طرح کر سکتے ہیں حالانکہ وہ عقلاء ہیں۔

جَوَابِ: یہ ہے کہ نور سے مراد اللہ کی شریعت ہے۔

قَوْلُہٗ: بافواھھم فیه اس میں اشارہ ہے کہ محل بول کر حال مراد ہے اسلئے کہ منہ سے شریعت کو بجھانے کا کوئی مطلب نہیں ہے مراد اقوال ہیں یعنی نکتہ چینی اور طعنہ زنی۔

قَوْلُہٗ: ذلك. ذلك کَرِهَ کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: یاخذون. یاکلون کی تفسیر یاخذون سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کلام میں استعارہ ہے یعنی اکل سے اخذ مراد ہے اکل کی تخصیص مقصود اعظم ہونے کی وجہ سے ہے۔

قَوْلُہٗ: ای الکنوز، اس میں اشارہ ہے کہ یُنفقونَهَا کی ضمیر کنوز کی طرف راجع ہے جو کہ یکنزون سے مفہوم ہے یہ شبہ ختم ہوگیا کہ ماقبل میں ذَهَبٌ اور فضة دو چیزوں کا ذکر ہے لہٰذا ینفقونھما ہونا چاہئے۔

قَوْلُہٗ: ای لا یُؤَدُّوْنَ منها حقّه من الزکوة یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ لاینفقونَهَا فی سبیل اللّٰه، میں مطلقاً عدم انفاق فی سبیل اللّٰه پر وعید ہے اس میں انفاق کی مقدار بیان نہیں کی گئی معلوم ہوا کہ تمام مال خرچ نہ کرنے پر بھی وعید ہے حالانکہ تمام مال خرچ کرنا ضروری نہیں ہے اسی سوال کے جواب کی طرف لا یُؤَدُّون الخ سے اشارہ کردیا کہ کل بول کر جزء مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ، ای أنَّ النار توقد علیها وهی ذات حمی وحر شدید ولو قال یوم یحمی ای الکنوز لم یعطی هذا المعنی فجعل الاحماء للنار مبالغة ثم حذف النار واسند الفعل الی الجار.

قَوْلُہٗ: اخبرهم، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ فبشرهم، مبتداء کی خبر واقع ہے حالانکہ انشاء کا خبر واقع ہونا درست نہیں ہے جواب کا حاصل جس کی طرف مفسر علام نے واخبرهم کہہ کر اشارہ کیا ہے یہ ہے کہ فبشرهم فی حقهم کی تاویل میں ہوکر مبتداء کی خبر ہے، (نوٹ) پیش نظر جلالین کے نسخے میں الخَیْر ہے جو کہ کتابت کی غلطی ہے اصل میں الخبر ہے۔

قَوْلُہٗ: تُکْوٰی، داغا جائیگا (ض) یہ کَیٌّ سے مضارع مجہول واحد مؤنث غائب ہے۔

قَوْلُہٗ: ای جزاءُه حذف مضاف سے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ کنز چکھنے کی چیز نہیں ہے مراد عدم انفاق کی سزا بھگتنا ہے۔

قَوْلُہٗ: للسنة، ای المعتد بها لحساب السَنَةِ، یہاں دراصل الحساب مضاف محذوف ہے، یعنی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں جن کے ذریعہ سال کا حساب ہوتا ہے، قمری سال ٣٥٥ دن کا ہوتا ہے اور شمسی سال کا ٣٦٥ دن کے ذریعہ حساب ہوتا ہے، قمری سال شمسی سال سے دس دن چھوٹا ہوتا ہے۔

قولہ: محرّمة.

سوال: حُرُمٌ مصدر ہے لہٰذا اس کا حمل اربعة پر درست نہیں ہے۔

جواب: حُرُمٌ، محرّمة اسم مفعول کے معنی میں ہے لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں۔

قولہ: النسئُ، یہ نَسأً کا مصدر ہے مؤخر کرنا ہٹادینا، یقال نَسأہ نَسأً و نَسِیئاً و نَساءً اس کو مؤخر کیا جیسا کہ کہا جاتا ہے مَسَّہٗ مَسًّا و مَسَاسًا و مَسِیْسًا چھونا مس کرنا، بعض حضرات نے نسئ بمعنی منسوءٌ بروزن فعیل بمعنی مفعول بھی لیا ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

گذشتہ آیات میں مشرکین کے قبائح کا بیان تھا، اب اہل کتاب کے قبائح اور عقائد شرکیہ کا بیان ہے، اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اہل کتاب گو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے مگر حقیقت میں جسطرح ایمان رکھنا چاہئے اس طرح نہیں رکھتے تھے جس کی وجہ سے ایمان رکھنا نہ رکھنا برابر تھا، اسی لئے گذشتہ آیت میں اہل کتاب کے متعلق "لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یدینون دین الحق" فرمایا تھا کہ وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر اور نہ وہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ تورات کے تلفظ میں عزرا (UZRA) ہے المتوفی ۴۵۸ ق،م اور بعض نے ۴۵۰ ق م لکھا ہے، یہود ان کو اپنے دین کا مجدد مانتے ہیں یہود کے مذہبی نوشتوں میں نبی سے زیادہ مجدد کے نام سے مشہور ہیں، بخت نصر ۶۰۴ تا ۵۸۴ ق م، کے یروشلم پر حملے اور اس کی کامل تباہی کے بعد، نہ صرف یہ کہ تورات دنیا سے گم ہوگئی تھی بلکہ بابل کی اسیری نے اسرائیلی نسلوں کو اپنی شریعت، اپنی روایات اور اپنی قومی زبان عبرانی تک سے ناآشنا کردیا تھا، آخر کار انہی عزراء نے اپنی یادداشت سے بائبل کے پرانے عہد نامے کو مرتب کیا اور انکی شریعت کی تجدید کی، اسی وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں، یہود کے بعض فرقے تعظیم میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ ان کے بارے میں ابن اللہ تک کا عقیدہ بنالیا، ابن اللہ کا انگریزی میں ترجمہ (Child of God & Son of God) کی اصطلاح الگ الگ ہیں جیسا کہ اردو میں لڑکے اور بیٹے کے الگ الگ مفہوم ہیں اسی طرح عربی میں بھی ابن اور ولد دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے (Child of God) کے معنی صلبی یا حقیقی فرزند کے نہیں ہیں، بلکہ خدا کا لاڈلا یا چہیتا یا فرزند معنوی مجازی کے ہیں جیسا کہ قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ اہل کتاب ہی کی زبان سے استعمال ہوا ہے قالوا نحن ابنآءُ اللّٰہِ وَاَحِبّآءُہٗ یہاں ابناء کے معنی مجازی اور معنوی اولاد کے ہیں۔

(تفسیر ماجدی ملخصاً)

وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ، مسیحیت کی دو گمراہیاں تھیں پہلی شدید اور دوسری شدید تر، ایک یہ حضرت مسیح کو للہ کا ولد (Son of God) قرار دینا اس کا ذکر قرآن مجید میں جہاں آیا ہے اکثر بہت سخت وعید کے ساتھ آیا ہے مثلاً تکاد السمٰوات یتفطّرن" وغیرہ دوسری گمراہی حضرت مسیح کو خدا کا فرزند مجازی (child of god) قرار دینا قرآن نے اس عقیدہ کو ابن اللّٰھیت سے تعبیر کیا ہے یہ عقیدہ تو بجائے خود شدید ہے پھر بھی ولد اللّٰھیت کا عقیدہ اس سے شدید تر ہے (ماجدی) ہمارے بعض قدیم مفسرین بھی اس نکتہ تک پہنچ گئے ہیں، کہ یہاں ابنیت سے مراد ابنیت نسبی نہیں ہے بلکہ لاڈ پیار الی ابنیت ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

قال ابن عطیة ویقال اِنّ بعضهم یعتقدونها بنوة حُنو ورحمة وهذا المعنی ایضا لا یحل ان تطلق لبنوة علیه وهو کفرٌ (قرطبی) ویقال اَنّ بعضهم یعتقدونها بنوة حنوٍّ رحمة.

ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ، یعنی بے سند محض زبان سے بک دینے والی بات ہے یعنی ان مہمل عقائد پر نہ ان کے پاس عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی، یہ تو محض ان جاہلی مشرک قوموں کی تقلید ہے جو باری تعالیٰ کی تجسیم کی قائل تھیں اور عقیدۂ حلول اور اوتار کے ماننے والی تھیں یہ اشارہ خاص یونان کے مشرکوں کی جانب ہے کہ ان کے حکماء و فلاسفہ کے اقوال سے پہلی صدی عیسوی کے یہود و نصاریٰ دونوں ہی متاثر ہو گئے تھے۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ، اس کی تفسیر حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے، عدی فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ آیت سنکر عرض کیا کہ یہود و نصاریٰ نے تو اپنے علماء کی بھی عبادت نہیں کی پھر یہ کیوں کہا گیا کہ انہوں نے ان کو رب بنالیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی مگر یہ بات تو ہے نا، کہ ان کے علماء نے جس کو حلال قرار دیدیا اس کو انہوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کر دیا اس کو حرام ہی سمجھا یہی ان کی عبادت کرنا ہے، (ترمذی) کیونکہ حلال حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ کو ہے یہی حق اگر غیر اللہ کو دیدیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب بنالیا۔

مذکورہ دونوں الزام یعنی کسی کو خدا کا بیٹا قرار دینا اور کسی کو شریعت سازی کا حق دے دینا، اس بات کے ثبوت میں پیش کئے گئے ہیں کہ یہ لوگ ایمان باللہ کے دعوے میں جھوٹے ہیں چاہے یہ خدا کی ہستی کو مانتے ہوں مگر ان کا تصور خدائی اس قدر غلط ہے کہ اس کی وجہ سے ان کا خدا کو ماننا نہ ماننے کے برابر ہے۔

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ الخ یعنی اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو جو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا ہے یہود و نصاریٰ و مشرکین چاہتے ہیں کہ اپنے جدال و افتراء سے اسے مٹادیں ان کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص سورج کی شعاعوں کو اور چاند کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کرے جس طرح یہ ناممکن ہے اسی طرح جو دین حق اللہ نے اپنے رسول کو دے کر بھیجا ہے اس کو مٹانا بھی ناممکن ہے، وہ تمام دینوں پر غالب ہو کر رہے گا، دلائل و براہین کے اعتبار

سے تو یہ غلبہ ہر وقت حاصل ہے تاہم جب مسلمانوں نے دین پر عمل کیا تو انھیں بے دینوں پر غلبہ بھی حاصل ہوا، اور اب بھی اگر مسلمان اپنے دین کے صحیح معنی میں عامل بن جائیں تو غلبہ ان کا یقینی ہے اس لئے کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ حزب اللہ ہی غالب اور فاتح ہوگا بشرطیکہ مسلمان حزب اللہ بن جائیں۔

ربط آیات:

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّھْبَانِ الخ متبعین کے عقائد واوصاف بیان کرنے کے بعد اب ان کے رؤساء اور متبوعین کے اخلاق وصفات بیان فرماتے ہیں، احبار علماء یہود اور رہبان زہاد نصاریٰ کو کہتے ہیں احبار "حبر" کی جمع ہے ایسے شخص کو کہتے ہیں جو خوبصورت طریقہ سے بات پیش کرنے کا سلیقہ رکھتا ہو، "محبّر" خوبصورت اور منقش کپڑے کو اسی مناسبت سے کہتے ہیں، "رہبان" بعض کے نزدیک صوفیاء نصاریٰ کو کہتے ہیں اور علماء نصاریٰ کو "قسیسین" کہا جاتا ہے، یہ دونوں گروہ ایک تو کلام میں تحریف وتغیر کرکے لوگوں کی خواہشات کے مطابق مسئلے بتاتے تھے اس طرح لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے تھے، دوسرے یہ کہ لوگوں کا مال ناجائز اور باطل طریقہ سے اینٹھتے تھے، غرضیکہ یہ ظالم صرف یہی ستم نہیں کرتے تھے کہ فتوے بیچ کر رشوتیں لیتے تھے نذرانے بٹورتے تھے بلکہ ایسے ایسے مذہبی ضابطے اور مراسم ایجاد کرتے تھے کہ جن سے لوگ اپنی نجات ان سے خریدیں اور ان کا مرنا جینا اور شادی اور غم کچھ بھی ان کو کھلائے پلائے بغیر نہ ہو سکے اور اپنی قسمتیں بنانے بگاڑنے کا ٹھیکیدار ان کو سمجھ لیں اور تاریخ گواہ ہے جب کبھی کوئی دعوت حق اصلاح کے لئے اٹھتی ہے تو سب سے پہلے یہی لوگ اپنی عالمانہ فریب کاریوں اور مکاریوں کے حربے لے لے کر اس کا راستہ روکنے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایسے ناخدا ترس اور خود غرض لوگ ہر زمانہ میں رہے ہیں اور آج بھی ہیں جو خدا کی بھولی بھالی مخلوق کو اپنے دام مکر وفریب میں پھنسائے رہتے ہیں اور ان کے خون پسینے کی کمائی کا بڑا حصہ اپنی عیش وعشرت وعیاشی میں اڑاتے ہیں۔

اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ، یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے چاند سورج اور زمین پیدا کئے ہیں اسی وقت سے یہ حساب چلا آتا ہے کہ سال کے بارہ مہینے ہی ہوتے ہیں اور چاند ایک ماہ میں ایک مرتبہ ہی طلوع ہوتا ہے یہ بات اس لئے فرمائی گئی ہے کہ عرب اپنی ضرورتوں اور مصلحتوں کی خاطر مہینوں کی تعداد ۱۳ یا ۱۴ کر لیتے تھے۔

اپنے اوپر ظلم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جن مہینوں میں جنگ کرنا حرام کیا گیا ہے ان کو ضائع نہ کرو اور ان ایام میں بدامنی پھیلا کر اپنے اوپر ظلم نہ کرو محترم مہینوں کو مقدم ومؤخر کر دینا یہ کافرانہ دستوروں میں ایک اور دستور کا اضافہ ہے، ہندوستان میں سنہ فصلی حساب سے رائج ہے اس کے مہینوں میں حساب کو پورا کرنے کے لئے ہندو پنڈت کبھی کبھی ایک مہینے کو دُہرا دیتے ہیں مثلاً اس سال دو اساڑھ ہیں اس کو اصطلاح میں لوند کا مہینہ کہتے ہیں ایسا حسابی ضرورتوں سے کرتے تھے، مگر عرب اور ان کے رؤساء محض اپنی ضرورتوں اور مصلحتوں کے لئے سنہ قمری کے جس مہینے کو چاہتے مقدس قرار دے دیتے اور جس مقدس مہینے کو چاہتے غیر مقدس قرار

دیدیتے اس سے تمام نظام تقویمی میں خلل پڑتا تھا۔

عرب میں نسیئ (تاخیر) دوطرح کی تھی۔ اس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ جنگ وجدال اور غارت گری اور خون کا انتقام لینے کے لئے کسی حرام مہینے کو حلال قرار دے لیتے اور اس کے بدلے میں کسی حلال مہینے کو حرام قرار دے کر حرام مہینوں کی تعداد پوری کردیتے مگر ترتیب باقی نہیں رہتی تھی دوسری صورت یہ تھی کہ قمری سال کو شمسی کے مطابق کرنے کیلئے اس میں کبیسہ کا مہینہ بڑھادیتے یہ طریقہ یہود سے سیکھا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اس زمانہ میں قمری مہینوں کا امتیاز ہی دشوار ہوگیا تھا ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ فتح ہوا اور ۹ھ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کو موسم حج میں اعلان براءت کرنے کے لئے بھیجا تو پرانے دستور کے مطابق اس سال ان کے نزدیک حج کا مہینہ بجائے ذی الحجہ کے ذی القعدہ تھا پھر ۱۰ھ میں جب رسول اللہ ﷺ حج کے لئے تشریف لے گئے تو قدرتی طور پر ایسا نظام بن گیا کہ یہ مہینہ اصلی ذی الحجہ کا تھا اور اہل عرب کے حساب میں بھی ذی الحجہ قرار پایا تھا، اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ باوجودیکہ نیکی اور خیر کی طرف بہت زیادہ سبقت کرنے والے تھے مگر آپ نے ۹ھ میں خود حج کو جانے کے بجائے حضرت ابوبکر کو امیر الحج بنا کر بھیجا تاکہ آپ کا حج اپنے صحیح وقت پر ادا ہو ۱۰ھ میں جب آپ نے حج ادا فرمایا تو منیٰ کے مقام پر آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا "الا انّ الزمان قد استدار کھیئتہٖ یوم خلق اللہ السمٰوات والارض" یعنی زمانہ پھر پھرا کر اپنی اصلی ہیئت پر آگیا جس پر اس کو اللہ نے زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت رکھا تھا۔

عبادات کو شمسی مہینے کے بجائے قمری مہینہ پر رکھنے کی حکمت:

اہل جاہلیت نے جو نسیئ (تاخیر تقدیم) کا طریقہ اختیار کیا تھا اس کی دو اغراض تھیں ایک تو غارتگری اور جنگ وجدال اور انتقام لینے کی خاطر حلال مہینہ کو حرام اور حرام کو حلال کرلیتے تھے، دوسری غرض قمری کو شمسی سال کے مطابق کرنے کیلئے اس میں کبیسہ کا مہینہ بڑھادیتے تھے، تاکہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں آئے اور وہ ان زحمتوں سے بچ جائیں جو قمری حساب کے مطابق مختلف موسموں میں حج کے گردش کرتے رہنے سے پیش آتی ہیں، اس طرح ۳۳ سال تک حج اپنے اصلی وقت کے خلاف دوسری تاریخوں میں ہوتا رہتا تھا اور صرف چونتیسویں مرتبہ اصل ذی الحجہ کی ۹۔۱۰ کو ادا ہوا تھا، اس آیت کے ذریعہ جہلاء عرب کی دونوں اغراض کو باطل قرار دیدیا، دوسری غرض گو بظاہر مبنی بر مصلحت ہوتی ہے لیکن درحقیقت یہ بھی خدا کے قانون سے بدترین بغاوت تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے عائد کردہ فرائض کے لئے شمسی حساب کے بجائے قمری حساب جن اہم مصالح کی بنا پر اختیار فرمایا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے بندے زمانہ کی تمام گردشوں میں ہر قسم کے حالات وکیفیات میں اس کے احکام کی اطاعت کے خوگر ہوں، مثلاً رمضان ہے تو کبھی گرمی میں اور کبھی سردیوں اور کبھی برسات میں آتا ہے اور اہل ایمان ان سب بدلتے ہوئے حالات میں روزہ رکھ کر فرمانبرداری کا ثبوت بھی دیتے ہیں، اور بہترین اخلاقی تربیت بھی پاتے ہیں اسی طرح حج بھی قمری

حساب سے مختلف موسموں میں آتا ہے اور ان سب طرح کے اچھے برے حالات میں خدا کی رضاء کے لئے سفر کر کے بندے اپنے خدا کی آزمائش میں پورے بھی اترتے ہیں، اور بندگی میں پختگی بھی حاصل کرتے ہیں، اگر کوئی گروہ یا قوم اپنی تجارتی یا دیگر مصلحتوں اور سہولتوں کے پیش نظر کسی ایک ہی خوشگوار موسم میں ہمیشہ کے لئے قائم کردے تو خدائی قانون کے ساتھ بڑی جسارت اور بغاوت ہے اور اسی کا نام کفر ہے۔

علاوہ ازیں ایک عالم گیر دین جو سب انسانوں کے لئے ہے اگر کسی شمسی مہینہ کو روزے اور حج کے لئے مقرر کردے جو مہینہ بھی مقرر کیا جائیگا وہ زمین کے تمام باشندوں کے لئے یکساں سہولت کا موسم نہیں ہوسکتا کہیں وہ گرمی کا زمانہ اور کہیں سردی کا تو کہیں برسات کا کہیں فصلیں کاٹنے کا موسم ہوگا تو کہیں بونے کا، لہٰذا ایک عالم گیر دین ومذہب کے لئے ضروری ہے کہ تمام انسانوں کیلئے یکساں طور پر مختلف موسموں میں عبادت کرنے کا موقع ملے تاکہ ہر شخص مختلف موسموں میں خواہ موافق ہوں یا مخالف فرائض واحکام ادا کرنے کا خوگر اور عادی ہو۔

وَنَزَلَ لَمَّا دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم الناسَ الی غَزْوَةِ تَبُوْكَ و كانوا فی عُسْرَةٍ وشِدَّةِ حَرٍّ فَشَقَّ علیهم **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ** بِاِدْغَامِ التاءِ فی الاصلِ فی المثلثةِ واجتلابِ ہَمْزَةِ الوَصْلِ ای تَبَاطَئْتُمْ ومِلْتُمْ عن الجهادِ **اِلَى الْاَرْضِ** والقعودِ والاستفهامُ للتوبيخ **اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** ولَذَّاتِها **مِنَ الْاٰخِرَةِ** ای بَدَلَ نَعِيْمِها **فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي** جَنْبِ متاعِ **الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ** ﴿۳۸﴾ حقيرٌ **اِلَّا** بادغامِ نونِ اِن الشرطيةِ فی لا فی المَوْضِعَيْنِ **تَنْفِرُوْا** تَخْرُجُوْا مع النبیِّ صلی اللّٰه علیه وسلم للجهاد **يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا** مؤلمًا **وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ** ای يَأْتِ بِهم بَدَلَكُم **وَلَا تَضُرُّوْهُ** ای اللّٰهَ او النبیَّ **شَيْـًٔا** بتَرْكِ نَصْرِهٖ فان اللّٰهَ ناصِرُ دِيْنِهٖ **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۳۹﴾ ومنه نَصْرُ دِيْنِهٖ ونَبِيِّهٖ **اِلَّا تَنْصُرُوْهُ** ای النبیَّ **فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ** حينَ **اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** من مكةَ ای اَلْجَأَهُ الی الخروجِ لَمَّا اَرَادُوْا قَتْلَهٗ او حَبْسَهٗ او نَفْيَهٗ بدارِ الندوةِ **ثَانِيَ اثْنَيْنِ** حالٌ ای اَحَدَ اثنين والاٰخرُ ابوبکر رضی اللّٰه تعالی عنه المعنٰی نَصَرَهٗ فی مثلِ تلك الحالةِ فلا يُخْذِلُهٗ فی غيرِها **اِذْ** بَدَلٌ من اذ قبلَهٗ **هُمَا فِي الْغَارِ** نَقْبٌ فی جَبَلِ ثَوْرٍ **اِذْ** بَدَلٌ ثانٍ **يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ** ابی بکر وقد قالَ له لمّا رَاٰی اَقْدَامَ المشرکين لو نَظَرَ اَحَدُهُم تحتَ قَدَمَيْهِ لَاَبْصَرَنَا **لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا** بنَصْرِهٖ **فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ** طمانينتَهٗ **عَلَيْهِ** قيل علی النبیِّ صلی اللّٰه علیه وسلم وقيل علی ابی بکر **وَاَيَّدَهٗ** ای النبیَّ صلی اللّٰه علیه وسلم **بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا** ملٰئكةٍ فی الغارِ ومواطنَ قتالِه **وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا** ای دَعْوَةَ الشركِ **السُّفْلٰى** المغلوبةَ **وَكَلِمَةُ اللّٰهِ** ای كلمةُ الشهادةِ **هِيَ الْعُلْيَا** الظاهرةُ الغالبةُ **وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ** فی مُلْكِهٖ **حَكِيْمٌ** ﴿۴۰﴾ فی صُنْعِهٖ **اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا**

نَشَاطًا وغير نشاطٍ وقيل اقوياءَ وضعفاءَ اواغنياءَ وفقراءَ وہی منسوخۃٌ بآیۃ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ انہ خيرٌ لكم فلا تَثَاقَلُوا، ونَزَلَ في المنافقين الذين تَخَلَّفُوا لَوْ كَانَ ما دَعَوْتَهُمْ اليه عَرَضًا من الدنيا قَرِيْبًا سَهْلَ المَاخَذِ وَّسَفَرًا قَاصِدًا وَسَطًا لَّاتَّبَعُوْكَ طلبًا للغنيمةِ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ المسافةُ فتَخَلَّفُوْا وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِذا رَجَعْتُمْ اليهم لَوِ اسْتَطَعْنَا الخروجَ لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ بالحلفِ الكاذبِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ في قولهم ذلك.

ترجمہ: اور (آئندہ) آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے غزوۂ تبوک کے لئے نکلنے کے لئے کہا، حال یہ ہے کہ لوگ بڑی تنگی میں تھے اور سخت گرمی کا موسم تھا تو ان کے لئے (نکلنا) گراں محسوس ہوا، اے ایمان والو تمہیں کیا ہوگیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا گیا تو تم زمین پر چمٹ کر رہ گئے تــاء کو اصل میں ثاء مثلثہ میں ادغام کر کے اور شروع میں ہمزۂ وصل کا اضافہ کر کے (اِثَّاقَلْتُم اصل میں تَثَاقَلْتُم تھا) تاء کو ثاء مثلثہ سے بدل کر ثاء کو ثاء میں ادغام کر کے ہمزہ وصل شروع میں لے آئے یعنی تم سست پڑ گئے اور جہاد کے مقابلہ میں وطن میں بیٹھ رہنے کو ترجیح دی، (مالکم) میں استفہام توبیخ کے لئے ہے کیا تم نے دنیوی زندگی اور اس کی لذتوں کو آخرت کے مقابلہ میں یعنی اس کی نعمتوں کے بدلے میں پسند کرلیا ہے؟ (تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے) کہ دنیا کا یہ سامان عیش آخرت کے سامان عیش کے مقابلہ میں نہایت قلیل حقیر ہے (اِلَّا) میں ان شرطیہ کا لا میں ادغام ہے دونوں جگہ (یہاں اور آئندہ) اگر تم نبی ﷺ کے ساتھ نہ نکلو گے تو (اللہ) تمکو دردناک عذاب دیگا، اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو بدل دیگا یعنی دوسری قوم کو تمہارے بجائے لے آئے گا، اور تم اس کی نصرت چھوڑ کر اس کا یا نبی کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے، اس لئے کہ اللہ اپنے دین کا خود ناصر ہے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور اسی میں اس کے دین کی اور اپنے نبی کی نصرت بھی شامل ہے، اگر تم اس کے نبی کی مدد نہ کرو گے (تو کچھ پرواہ نہیں) اللہ اس کی اس وقت مدد کر چکا ہے جبکہ کافروں نے اس کو مکہ سے نکال دیا تھا یعنی اس کو نکلنے پر مجبور کر دیا تھا، جبکہ دار الندوہ میں اس کے قتل یا قید کر دینے کا یا جلا وطن کر دینے کا (مشورہ) کیا تھا، جب وہ دو میں کا دوسرا تھا یہ حال ہے، اور دوسرے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے مطلب یہ کہ اس کی اس (نازک) وقت میں مدد کی تو اس کو دوسرے وقت میں رسوا نہ کرے گا جب وہ جبل ثور کی غار میں تھے دوسرا اِذْ، پہلے اِذْ سے بدل ہے جبکہ وہ اپنے ساتھی ابوبکر سے کہہ رہے تھے یہ اِذْ، دوسرا بدل ہے، اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین کے قدموں کو دیکھا تو رسول ﷺ سے کہا اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں کے نیچے کی طرف دیکھے گا تو یقیناً ہم کو دیکھ لے گا غم نہ کر یقیناً اللہ اپنی مدد کے ذریعہ ہمارے ساتھ ہے اس وقت اللہ نے اس پر اپنا سکون (یعنی) اطمینان قلبی نازل فرمایا، (عَلَیْـــہِ) کی ضمیر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی طرف راجع ہے اور کہا گیا ہے کہ ابوبکر کی طرف راجع ہے، اور اس کی (یعنی) نبی ﷺ کی

مدد غار میں یا میدان قتال میں فرشتوں کے ایسے لشکر سے کی جوتم کو نظر نہیں آرہے تھے اور کافروں کا بول یعنی ان کے دعوائے شرک کو نیچا کر دیا (یعنی) مغلوب کر دیا، اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے، (یعنی غالب) کلمہ شہادت، اللہ اپنے ملک میں زبردست ہے باحکمت ہے اپنی صنعت میں، نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل یعنی خوش ہو یا ناخوش اور کہا گیا ہے کہ قوی ہو یا ضعیف یا مالدار ہو یا نادار یہ حکم آیت "لَيْسَ عَلَى الضعفاء" سے منسوخ ہے، اور اللہ کے راستہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم اس بات سے واقف ہو کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، تو تم بوجھل نہ بنو، (یعنی جی نہ چراؤ) اور آئندہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو شریک غزوہ نہیں ہوئے، (اے نبی) اگر وہ بات جس کی آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں دنیوی متاع سہل الحصول ہوتا اور سفر متوسط ہوتا تو وہ مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے ضرور آپ کے ساتھ چلتے مگر ان پر تو یہ راستہ بہت کٹھن (دشوار) ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ پیچھے رہے، جب آپ لوٹ کر ان کے پاس آئیں گے تو وہ اللہ کی قسم کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم نکل سکتے (نکلنے کی پوزیشن میں ہوتے) تو آپ کے ساتھ ضرور نکلتے وہ اپنے آپ کو جھوٹی قسمیں کھا کر ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَهُ: بادغام التاء فی الاصل فی المثلثة اصل میں ادغام کا مطلب ہے تعلیل سے پہلے تاء کو ثاء کیا اور ثاء کو ثاء میں ادغام کر دیا اور ابتداء بالسکون لازم آنے کی وجہ سے ہمزۂ وصل ابتداء میں لے آئے۔

قَوْلَهُ: اِثَّاقَلْتُمْ اصل میں تَثَاقَلْتُمْ تھا، مذکورہ عبارت کے اضافہ کا مقصد اثاقلتم میں ثاء کی تشدید اور شروع میں ہمزہ وصل لانے کی وجہ بیان کرنا ہے باوجودیکہ یہ باب تفاعل سے ہے۔

قَوْلَهُ: تَبَاطَأْتُمْ، بطوء سے ماخوذ ہے بمعنی سستی کرنا یہ سرعت کی ضد ہے۔

سُئَوَالٌ: مفسر علام نے اِثَّاقَلْتُمْ کی تفسیر مِلْتُمْ سے کیوں کی؟

جَوَابٌ: چونکہ تثاقل کا صلہ الی نہیں آتا اس لئے مفسر علام نے ملتم کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ تثاقل، مَيْلٌ کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلَهُ: والقعود فیها، یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُئَوَالٌ: القعود فیها کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: اس اضافہ کا فائدہ یہ ہے کہ اگر جہاد میں شریک ہوتے تو تب بھی زمین ہی پر ہوتے شریک جہاد نہ ہونے کی صورت میں زمین پر رہنے کے کیا معنی ہیں؟ مفسر علام نے القعود فیها کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں اِثَّاقَلْتُمْ الی الارض کے معنی بزدلی دکھانا ہیں۔

قَوْلُہٗ: ای بدل نعیمھا، اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ من الآخرۃ میں من مقابلہ کے لئے ہے نہ کہ ابتدائیہ لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ آخرت سے حیات دنیا کے ابتداء کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں، **نعیمھا** کے اضافہ سے اشارہ کردیا کہ مطلقاً آخرت کو چھوڑنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے اس کی نعمتوں کو چھوڑنا مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: جنب متاع اس میں اشارہ ہے کہ، فَمَا، میں فاء مقابلہ کے لئے ہے نہ کہ ظرفیت کے لئے لہٰذا متاع دنیا کے لئے آخرت کا ظرف واقع ہونے کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: حال یعنی ثانی اثنین آپ ﷺ کی طرف راجع ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: ای احد الاثنین، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جب ثانی کی اضافت عدد کی جانب کی جاتی ہے تو غیر مضاف الیہ مراد ہوتا ہے اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ آپ دو کے علاوہ تیسرے تھے حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے، **احد الاثنین** کہہ کر بتادیا کہ مراد دو میں سے ایک ہیں نہ کہ دو کے تیسرے۔

قَوْلُہٗ: جبل ثور جبل ثور مکہ کی دائیں جانب ایک گھنٹہ کی مسافت پر واقع ہے۔

قَوْلُہٗ: انہ خیر لکم یہ تعلمون کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: فلاتثاقلوا یہ شرط کی جزاء ہے۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَالَکُمْ الخ یہاں سے لے کر اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ تک پورے دو رکوع غزوۂ تبوک اور اس میں شریک نہ ہونے والے منافقین کے بارے میں نازل ہوئے ہیں۔

غزوۂ تبوک:

روم کے عیسائی بادشاہ ہرقل کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہا ہے چنانچہ نبی ﷺ نے بھی اس کے لئے تیاری کا حکم دیدیا یہ شوال ۹ھ کا واقعہ ہے، موسم سخت گرمی کا تھا اور سفر بہت لمبا تھا بعض مسلمانوں اور منافقوں پر یہ حکم گراں گذرا جس کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے اور انھیں زجر وتوبیخ کی گئی ہے یہ جنگ تبوک کہلاتی ہے اس غزوہ میں معرکہ پیش نہیں آیا بیس روز تک مسلمان ملک شام کے قریب قیام کرکے واپس آگئے اس غزوہ کو "جیش العسرۃ" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس سفر میں مسلمانوں کے لشکر کو کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

غزوۂ تبوک کے اسباب پر اجمالی نظر:

رومی سلطنت کے ساتھ کشمکش کی ابتداء تو فتح مکہ سے پہلے ہی ہو چکی تھی نبی ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی دعوت دینے کے لئے عرب کے مختلف حصوں میں جو وفود روانہ فرمائے تھے ان میں سے ایک وفد شمال کی طرف سرحد شام سے متصل قبائل میں بھی گیا تھا، یہ لوگ زیادہ تر عیسائی تھے اور رومی سلطنت کے زیر اثر تھے ان لوگوں نے ذات الطلح کے مقام پر اس وفد کے پندرہ آدمیوں کو قتل کر دیا صرف وفد کے رئیس کعب بن عمیر غفاری بچ کر واپس آئے، اسی زمانہ میں آپ ﷺ نے بُصریٰ کے رئیس شرحبیل بن عمرو کے نام بھی دعوت اسلام کا پیغام دے کر حارث بن عمیر کو بھیجا تھا جن کو شرحبیل نے قتل کر دیا تھا یہ رئیس عیسائی تھا اور براہ راست قیصر روم کے احکام کا تابع تھا ان وجوہ کی بنا پر آپ ﷺ نے جمادی الاولی ۸ ھ میں تین ہزار مجاہدین کی ایک فوج سرحد شام کی طرف روانہ کی تاکہ آئندہ کے لئے یہ علاقہ مسلمانوں کے لئے پرامن ہو جائے اور یہاں کے لوگ مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر ان پر زیادتی کرنے کی جرأت نہ کریں، یہ فوج جب معان کے قریب پہنچی تو معلوم ہوا کہ شرحبیل بن عمرو ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلہ پر آرہا ہے اور خود قیصر بھی حمص کے مقام پر موجود ہے اور اس نے اپنے بھائی کی قیادت میں مزید ایک لاکھ فوج روانہ کی ہے، لیکن اس خوفناک اطلاع کے باوجود تین ہزار سرفروشوں کا یہ مختصر لشکر آگے بڑھتا چلا گیا اور موتہ کے مقام پر شرحبیل کی ایک لاکھ فوج سے جا ٹکرایا، اس کا نتیجہ تو بظاہر یہ ہونا چاہئے تھا کہ مجاہدین اسلام بالکل پس جاتے لیکن سارا عرب اور تمام شرق اوسط یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہ ایک اور ۳۳ کے اس مقابلہ میں کفار مسلمانوں پر غالب نہ آسکے، یہی چیز تھی جس نے شام اور اس سے متصل رہنے والے نیم آزاد قبائل کو بلکہ عراق کے قریب رہنے والے نجدی قبائل کو جو کسریٰ کے زیر اثر تھے اسلام کی طرف متوجہ کر دیا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔

رومی لشکر کے ایک کمانڈر کا قبول اسلام:

اسی زمانہ میں سلطنت روم کی عربی فوج کا ایک کمانڈر فروہ بن عمرو الجذامی مسلمان ہو گیا اور اس نے اپنے پختگی ایمان کا ایسا ثبوت دیا کہ سارے علاقے دنگ رہ گئے، قیصر کو جب فروہ کے قبول اسلام کی خبر ملی تو اس کو گرفتار کرا کر اپنے دربار میں حاضر کر لیا اور اس سے کہا دو چیزوں میں سے ایک منتخب کر لو ترک اسلام جس کے نتیجے میں تم کو نہ صرف یہ کہ رہا کر دیا جائیگا بلکہ تمہارے عہدے پر بھی بحال کر دیا جائیگا یا اسلام، جس کے نتیجے میں تم کو سزائے موت دی جائیگی، اس نے زندگی اور عہدے کے مقابلہ میں موت اور آخرت کی راحت کو منتخب کر لیا اور راہ حق میں جان دیدی، یہی واقعات تھے جنھوں نے قیصر کو اس خطرہ کی حقیقی اہمیت کو محسوس کرا دیا جو عرب سے اٹھ کر اسکی سلطنت کی طرف بڑھ رہا تھا۔

غزوۂ تبوک کی تفصیل:

معجم طبرانی میں عمران بن حصین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ نصارائے عرب نے ہرقل شاہ روم کے پاس یہ خط لکھ بھیجا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے اور لوگ قحط سالی کی وجہ سے بھوکے مر رہے ہیں لہٰذا عرب پر حملہ کے لئے نہایت مناسب موقع ہے، ہرقل نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا چالیس ہزار رومیوں کا لشکر جرار آپ ﷺ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔

شام کے نبطی سوداگر جو زیتون کا تیل فروخت کرنے کیلئے مدینہ آیا کرتے تھے ان سے بھی اس امر کی تصدیق ہو گئی اور مزید یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رومیوں کا لشکر بلقاء کے مقام تک پہنچ گیا ہے اور ہرقل نے تمام لشکر کو ایک سال کی پیشگی تنخواہ بھی دیدی ہے۔

غزوۂ تبوک کے زمانے کا عرب

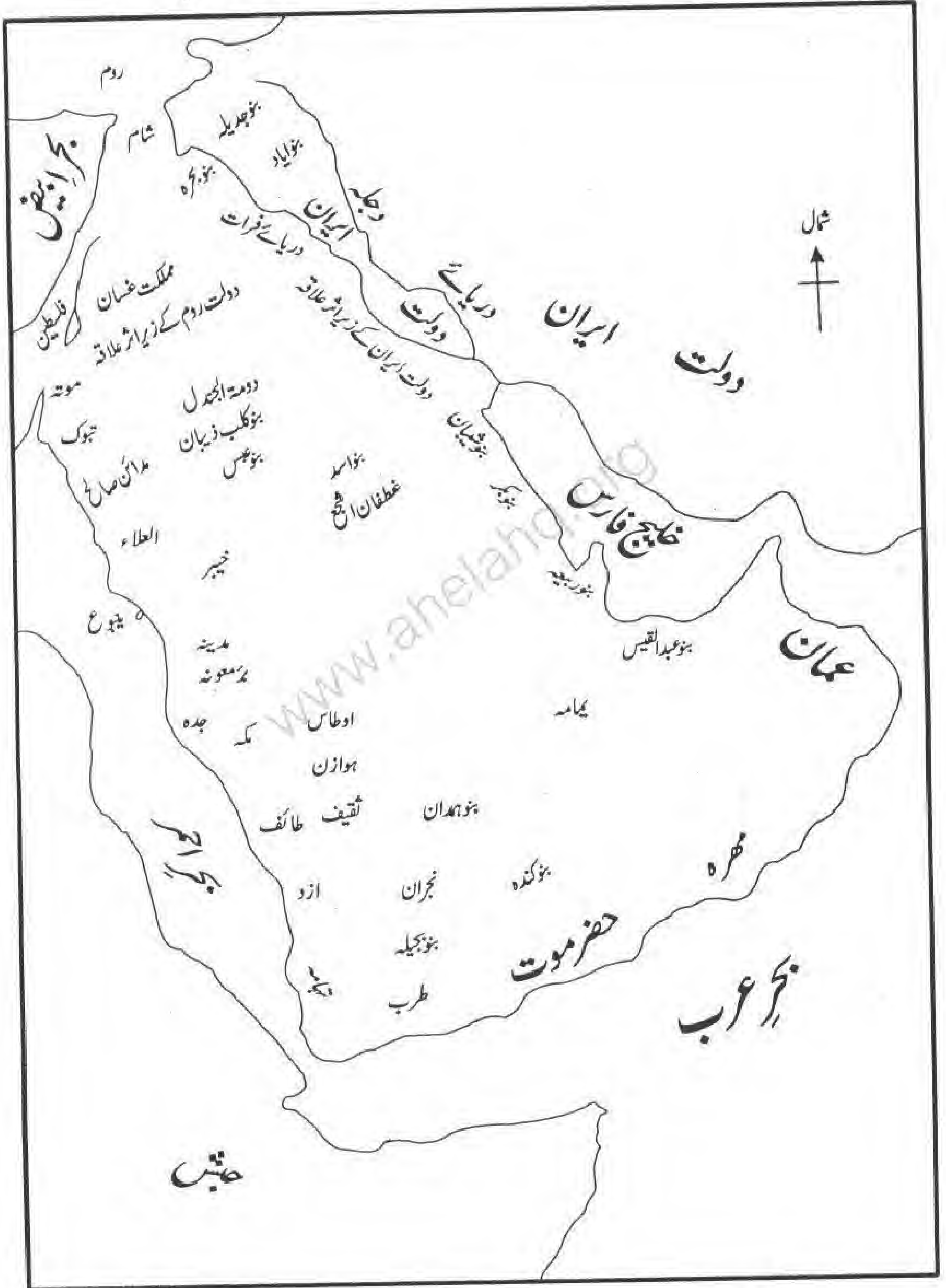

قیصر روم کا جذبۂ انتقام:

دوسرے ہی سال یعنی ۹ھ میں مسلمانوں سے غزوۂ موتہ کا انتقام لینے کے لئے اور رسوائی و پسپائی کی خفت مٹانے کے لئے سرحد شام پر فوجی تیاریاں شروع کر دیں اور اس کے ماتحت غسانی اور دوسرے سردار بھی فوجیں جمع کرنے لگے، نبی ﷺ بھی اس سے بے خبر نہ تھے آپ ہر وقت اس چھوٹی بڑی بات سے باخبر رہتے تھے جس کا اسلامی تحریک پر موافق یا مخالف اثر پڑتا ہو آپ نے ان تیاریوں کے معنی فوراً سمجھ لئے اور بغیر کسی تامل و تردد کے قیصر کی عظیم الشان طاقت سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا، اس موقع پر ذرہ برابر بھی اگر کمزوری دکھائی جاتی تو سارا بنا بنایا کام بگڑ جاتا، ایک طرف عرب کی جان بلب جاہلیت جس پر حنین میں کاری ضرب لگائی جا چکی تھی پھر جی اٹھتی دوسری طرف منافقین جو ابو عامر راہب کے واسطہ سے غسان کے عیسائی بادشاہ اور خود قیصر کے ساتھ ساز باز کئے ہوئے تھے اور جنہوں نے اپنی ریشہ دوانیوں پر دین داری کا پردہ ڈالنے کے لئے مدینہ سے متصل ہی مسجد ضرار تعمیر کر رکھی تھی، بغل میں چھرا گھونپ دیتے اور سامنے سے قیصر جس کا دبدبہ ایرانیوں کو شکست دینے کی وجہ سے تمام دور و نزدیک علاقوں پر چھایا ہوا تھا حملہ آور ہو جاتا، اور ان تین زبردست خطروں کی متحدہ یورش میں اسلام کی جیتی ہوئی بازی یکا یک مات کھا جاتی، اس لئے اس کے باوجود کہ قحط سالی تھی، مسافت بعید تھی، شدید گرمی کا موسم تھا، گرانی، فقر و فاقہ اور بے سروسامانی کا دور تھا، فصلیں پکنے کے قریب تھیں غرضیکہ بڑا نازک وقت تھا جنگ کے لئے کسی طرح بھی بظاہر حالات ساز گار نہیں تھے خدا کے نبی نے یہ سوچ کر کہ دعوتِ حق کے لئے یہ موت اور حیات کے فیصلے کی گھڑی ہے اسی حال میں جنگ کی تیاری کا اعلان عام کر دیا، اور دیگر غزوات کے برخلاف اس غزوہ میں آپ نے صاف صاف بتا دیا کہ روم سے مقابلہ ہے اور شام کی طرف جانا ہے تاکہ اپنی وسعت کے مطابق ہر شخص تیاری کر سکے، منافق اس اعلان کو سن کر گھبرا اٹھے کہ ان کا پردہ فاش ہوا جاتا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے خود بھی جان چرائی اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر بہکانے لگے لا تنفروا فی الحر ایسی گرمی میں مت نکلو۔

مؤمنین صادقین اور غزوۂ تبوک:

ادھر مومنین صادقین کو بھی پورا احساس تھا کہ جس تحریک کے لئے ۲۲ سال سے وہ سر بکف رہے ہیں اس وقت اس کی قسمت ترازو میں ہے اس وقت پر جرأت دکھاتے اور ہمت سے کام لینے کے معنی یہ ہیں کہ اس تحریک کے لئے ساری دنیا پر چھا جانے کا دروازہ کھل جائے، اور کمزوری دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ عرب میں بھی اس کی بساط الٹ جائے چنانچہ اس احساس کے ساتھ مخلصین سمعًا وطاعةً کہہ کر جان و مال سے تیاری میں مصروف ہو گئے سب سے پہلے صدیق اکبر نے کل مال لاکر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی آپ نے دریافت فرمایا کیا اہل و عیال کیلئے کچھ چھوڑا ہے؟ تو کہا صرف اللہ اور اس کے رسول کو، فاروق اعظم نے نصف مال پیش کیا عبد الرحمٰن بن عوف نے دو سو اوقیہ چاندی پیش کی حضرت عثمان غنی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار لاکر بارگاہ نبوی میں پیش کئے آپ بہت خوش ہوئے اور

بار بار ان کو پلٹتے اور یہ فرماتے جاتے کہ اس عمل صالح کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا، اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو، حضرت عاصم بن عدی نے ستر وسق کھجوریں آپ کی خدمت میں پیش کیں، غریب صحابیوں نے محنت ومزدوری کر کے جو کچھ کمایا تھا لا کر حاضر کر دیا، عورتوں نے اپنے زیور اتار اتار کر دیدیئے غرضیکہ فدائیان حق نے انتہائی جوش وخروش کے ساتھ جنگ کی تیاری کی سرفروش رضا کاروں کے گروہ کے گروہ امڈ امڈ کر آنے شروع ہو گئے اور انہوں نے تقاضہ کیا کہ اسلحہ اور سواریوں کا انتظام ہو تو ہماری جانیں قربان ہونے کے لئے حاضر ہیں، جن کو سواری نہ مل سکی وہ روتے رہ گئے یہ موقع عملا ایمان ونفاق کے امتیاز کی کسوٹی بن گیا تھا حتی کہ اس وقت پیچھے رہ جانے کے معنی یہ تھے کہ اسلام کے ساتھ تعلق کی صداقت ہی مشتبہ ہو جائے چنانچہ تبوک کی طرف جاتے ہوئے دوران سفر جو شخص پیچھے رہ جاتا تھا صحابۂ کرام نبی ﷺ کو اس کی اطلاع دے دیتے تھے، اور جواب میں آپ ﷺ برجستہ فرماتے تھے ''**دعوه فان يك فيه خير فسيلحقه الله بكم وان يك غير ذلك فقد اراحكم الله منه**'' جانے دو اگر اس میں کچھ بھلائی ہے تو اللہ اسے پھر تمہارے ساتھ لا ملائے گا، اور اگر کچھ دوسری بات ہے تو شکر کرو کہ اللہ نے اس کی جھوٹی رفاقت سے تمہیں خلاصی بخشی۔

محمد بن مسلمہ انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا:

روانگی کے وقت آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری کو اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر فرمایا، اور حضرت علی کو اہل وعیال کی حفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑا حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھکو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں، اس پر آپ نے فرمایا، کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم کو مجھ سے ایسی نسبت ہو جو ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

مسئلۂ خلافت بلافصل اور حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ:

اس حدیث سے شیعہ حضرات حضرت علی کی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد خلافت حضرت علی کا حق ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سفر پر روانگی کے وقت حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اہل وعیال کی دیکھ بھال اور خبر گیری کے لئے مدینہ میں چھوڑا تھا کہ میری واپسی تک ان کی خبر گیری اور دیکھ بھال رکھنا اس سے حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی امانت ودیانت اور قرب واختصاص تو بے شک معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ اپنے اہل وعیال کی نگرانی اسی کے سپرد کرتے ہیں کہ جس کی امانت ودیانت پر اطمینان ہو فرزند اور داماد اس کام کے لئے زیادہ مناسب ہوتے ہیں، رہا یہ امر کہ میری وفات کے بعد تم ہی میرے خلیفہ ہوگے حدیث کو اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ چونکہ نہایت جری اور بہادر تھے اسی مناسبت سے آپ کا لقب ''اسد اللہ'' تھا، نہیں چاہتے

تھے کہ دیگر حضرات میدان کارزار میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں اور میں عورتوں اور بچوں میں معذوروں کی طرح مدینہ میں بیٹھا رہوں اس کے علاوہ کچھ منافقین نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ہمراہ لے جانا چونکہ پسند نہیں کرتے اسلئے ان کو اہل وعیال کی نگرانی کا بہانہ بنا کر مدینہ میں چھوڑ دیا ہے اس طعنہ زنی سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور بھی زیادہ رنج ہوا چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تسلی کے لئے فرمایا "انت منی بمنزلة هارون من موسی" اس سے مستقل اور دائمی خلافت پر استدلال کسی طرح مناسب اور صحیح نہیں ہے جس طرح حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوہ طور سے واپسی تک وقتی اور عارضی تھی اسی طرح حضرت علی کی نیابت وقائم مقامی بھی وقتی اور عارضی تھی اس وقتی اور عارضی خلافت کے علاوہ دونوں خلافتوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے، حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال پہلے ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال بعد میں ہوا، ادھر آپ ﷺ کا انتقال پہلے ہوا اور حضرت علی کا انتقال بعد میں ہوا حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑے تھے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام چھوٹے ادھر اس کا عکس ہے آپ ﷺ عمر میں حضرت علی سے بڑے تھے اور حضرت علی چھوٹے، اسکے علاوہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت علی کو خلافت عامہ تو دور کی بات ہے مدینہ پر بھی حاکم نہیں بنایا تھا اسلئے کہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو مدینہ کا حاکم واپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کی نیابت صرف اہل خانہ کی نگرانی کیلئے تھی۔

یوم پنجشنبہ ماہ رجب ۹ ھ کو آپ کی تبوک کیلئے روانگی:

جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ رومی لشکر بلقاء کے مقام تک پہنچ چکا ہے تو آپ نے حکم دیا کہ فوراً سفر کی تیاری شروع کی جائے تاکہ دشمن کی سرحد (تبوک) پر پہنچ کر مقابلہ کریں، آپ ﷺ ۳۰ ہزار مجاہدین کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے جن میں دس ہزار سوار تھے اونٹوں کی اتنی کمی تھی کہ ایک ایک اونٹ پر کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے اس پر گرمی کی شدت پانی کی قلت مستزاد، مگر جس عزم صادق کا ثبوت اس نازک موقع پر مسلمانوں نے دیا اس کا ثمرہ تبوک پہنچ کر انہیں نقد مل گیا، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصر اور اس کے حلیفوں نے مقابلہ پر آنے کے بجائے اپنی فوجیں سرحد سے ہٹالی ہیں، اور اب کوئی دشمن موجود نہیں کہ اس سے جنگ کی جائے، اس کی وجہ یہ تھی کہ رومی غزوۂ موتہ میں تین ہزار مجاہدوں کی ایک لاکھ مسلح اور تربیت یافتہ فوج کے مقابلہ میں جو شان دیکھ چکے تھے اس کے بعد ان میں یہ ہمت ہی نہ ہوئی کہ ۳۰ ہزار مجاہدوں کے مقابلہ میں لاکھ دو لاکھ فوج لے کے آجائیں، جبکہ ۳۰ ہزار مجاہدوں کی قیادت خود آپ ﷺ فرما رہے تھے، غزوۂ موتہ کے موقع پر جب ایک لاکھ فوج صرف تین ہزار مجاہدوں کا کچھ نہ بگاڑ سکی تو بھلا تیس ہزار کے مقابلہ کی ہمت کیسے کر سکتے تھے؟ یہی وجہ تھی کہ رومی فوج میدان چھوڑ کر بھاگ گئی۔

مسلمانوں کی اخلاقی اور سیاسی فتح:

قیصر کے یوں طرح دے جانے سے جو اخلاقی اور سیاسی فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی آپ ﷺ نے اس مرحلہ پر اس کو کافی سمجھا، اور بجائے اس کے کہ تبوک سے آگے بڑھکر سرحد شام میں داخل ہوتے آپ نے اس بات کو ترجیح دی کہ اس فتح سے انتہائی ممکن سیاسی وحربی فائدہ حاصل کیا جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے تبوک میں بیس روز قیام کر کے ان بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو سلطنت روم اور دارالاسلام کے درمیان واقع تھیں اور اب تک رومیوں کے زیر اثر تھیں فوجی دباؤ سے اسلامی سلطنت کا باج گذار اور تابع امر بنالیا، اسی سلسلہ میں دومۃ الجندل کے عیسائی رئیس اکیدر بن عبدالملک کندی، ایلہ کا عیسائی رئیس یوحنا بن رؤبہ ان کے علاوہ اور کئی سرداروں نے جزیہ دے کر مدینہ کی تابعیت قبول کرلی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی حدود اقتدار براہ راست رومی سلطنت کی حد تک پہنچ گئے۔

مالکم اذا قیل لکم الخ یہ کلمہ ملامت وتوبیخ ہے، یعنی آخر تمہیں کیا ہوگیا ہے! فقہاء نے اس آیت سے یہ حکم نکالا ہے کہ جب جہاد کی نفیر عام ہوجائے تو ہر شخص پر جو معذور شرعی نہ ہو جہاد فرض ہوجاتا ہے۔

امام جصاص تحریر فرماتے ہیں، اقتضی ظاهر الآیة وجوب النفیر علی من لم یستنفر. (جصاص)

قَوْلُہٗ: لا تضروه، کی ضمیر اللہ کے دین کی طرف راجع ہے، خود اللہ اور اس کے رسول کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے۔ (قرطبی)

اِذھما فی الغار الخ یہ اشارہ واقعہ ہجرت کی طرف ہے مشرکین مکہ آپ کے قتل پر تل گئے تھے اور آپ ﷺ حضرت علی کو اپنے بستر پر سلا کر راتوں رات حضرت ابوبکر کے ساتھ غار ثور میں چھپتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے، آپ دونوں حضرات غار ثور میں موجود ہی تھے کہ مشرکوں کی تلاش کرنے والی پارٹی نقش قدم کے نشانات کی مدد سے غار ثور کے دہانے تک پہنچ گئی، نشان شناس نے بتایا کہ قدموں کے نشانات یہیں تک ملتے ہیں، اسی غار کے اندر ہوں گے، کون انسان ہوسکتا ہے کہ ایسے موقع پر خود کو جانی دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار دیکھ کر پریشان اور مضطرب نہ ہوجاتا؟ حضرت ابوبکر صدیق کو طبعاً اضطراب پیدا ہوا، مگر آپ ﷺ اس وقت بھی اللہ کے فضل وکرم سے بالکل مطمئن رہے، بلکہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کو تسلی دی اور سمجھایا کہ ابوبکر گھبرانے کی کیا بات ہے؟ ہم دو تنہا نہیں ہیں ہمارے ساتھ تو اللہ کی تائید ونصرت موجود ہے۔

اِذھما فی الغار، غار ثور مکہ کے مضافات میں مدینہ کے عام راستہ سے ہٹ کر چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے، سفر ہجرت میں آپ نے حضرت ابوبکر کی معیت میں اس غار میں تین روز قیام فرمایا تھا، اس غار کا دہانہ اتنا تنگ ہے کہ لیٹ کر بمشکل انسان اس میں داخل ہوسکتا ہے، بعض علماء نے آیت سے حضرت ابوبکر صدیق کے خلیفہ اول ہونے کا بھی اشارہ سمجھا ہے۔ (قرطبی)

فائدہ: علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص ابوبکر صدیق کی صحابیت کا انکار کرتا ہے وہ نص قرآنی کا انکار کرتا ہے اس سے اس کا کفر لازم آتا ہے یہ بات دوسرے صحابیوں کے لئے نہیں ہے۔ (مدارك)

جب بعض لوگوں نے تبوک کی طرف نکلنے سے جان چرائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا رسول کو تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے اگر تم مدد نہ کرو گے تو کچھ پرواہ نہیں اللہ اپنے رسول کی اس سے پہلے مختلف موقعوں پر مدد کر چکا ہے اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے اذهما فی الغار کہہ کر واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ فرمایا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ ہجرت کو قدرے تفصیل سے لکھ دیا جائے۔

واقعہ ہجرت کی تفصیل:

ہجرت کے واقعہ کی تفصیل حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی روایتوں سے اس طرح منقول ہے، ہجرت سے پہلے آپ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ دو پہاڑوں کے درمیان کنکریلی زمین ہے اور اس سرزمین پر کھجوریں بکثرت ہیں وہاں کے لئے ہجرت کا حکم ہوا ہے، آنحضرت ﷺ کا یہ خواب سنکر کچھ لوگ مدینہ کو اور کچھ حبشہ کو چلے گئے، جب حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو کافروں نے بہت تنگ کیا تو انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک چبوترہ مسجد کی طرح بنالیا تھا اسی پر نماز پڑھتے اور تلاوت فرماتے جب کفار نے اس سے بھی منع کیا تو مدینہ کا قصد کیا اور آپ ﷺ سے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کچھ روز اور ٹھہر جاؤ شاید مجھ کو بھی ہجرت کی اجازت مل جائے، ایک روز خلاف عادت ٹھیک دوپہر کے وقت آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھ کو بھی مدینہ کی ہجرت کا حکم ہو گیا ہے حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں کیا اس ناچیز کو بھی ہم رکابی کا شرف حاصل ہو سکے گا فرمایا: ہاں، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ یہ خوشخبری سنکر فرط مسرت سے رو پڑے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں اس سے پہلے نہیں جانتی تھی کہ انسان فرط مسرت میں بھی رو پڑتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں ایک آپ کے لئے ہے آپ نے فرمایا ٹھیک ہے وہ اونٹنی میں قیمتاً لیلوں گا۔

چنانچہ جب رات کے وقت قرارداد کے مطابق آپ کے مکان کو گھیر لیا کہ جب آپ سو جائیں تو آپ پر حملہ کر دیا جائے آپ نے حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو حکم دیا کہ میری سبز چادر اوڑھ کر میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور ڈرو مت یہ لوگ تم کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا سکیں گے۔

قریش کی امانتوں کو واپسی کا حکم:

قریش اگرچہ آپ کے دشمن تھے مگر آپ کو "صادق الامین" سمجھتے تھے آپ نے وہ سب امانتیں حضرت علی کے سپرد کیں اور حکم دیا کہ صبح کو یہ امانتیں لوگوں کو پہنچا دینا آپ ﷺ گھر میں سے ایک مشت خاک لے کر برآمد ہوئے اور اس مشت خاک پر سورۂ یٰسین کی شروع کی تین آیتیں "فاغشیناهم فهم لا یُبصرون" تک پڑھ کر ان کے سروں پر ڈال دی، اللہ نے ان کی آنکھوں

پر پردہ ڈال دیا اور آپ ان کے سامنے سے گذر گئے اور کسی کو نظر نہیں آئے، آپ کا شانۂ مبارک سے نکل کر ابوبکر صدیق کے مکان پر تشریف لے گئے، حضرت ابوبکر صدیق کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہا نے سفر کے لئے ناشتہ تیار کیا عجلت میں رسی نہ ملنے پر اپنا پٹکا پھاڑ کر ناشتہ دان باندھا اسی روز سے حضرت اسماء ''ذات النطاقین'' کے نام سے موسوم ہوئیں، عبداللہ بن ابوبکر دن بھر مکہ میں رہتے اور رات کو آکر قریش کی خبریں بیان کرتے، عامر بن فہیرہ ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے آزاد کردہ غلام عشاء کے وقت آپ دونوں حضرات کو بکری کا دودھ پلاتے جو دن بھر آس پاس ہی بکریاں چرایا کرتے تھے، عبداللہ بن اریقط نے مزدوری پر رہبری کے فرائض انجام دیئے۔

غار ثور کی طرف روانگی:

الغرض دونوں حضرات رات ہی میں غار ثور کی طرف روانہ ہوئے، جب آپ دونوں حضرات غار ثور پر پہنچے تو حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ذرا ٹھہریں میں پہلے اندر جا کر غار کو صاف کردوں۔

حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی افضلیت:

دلائل بیہقی میں ضبۃ بن محصن سے مروی ہے کہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سامنے جب حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ذکر آتا تو یہ فرماتے کہ ابوبکر کی ایک رات اور ایک دن عمر کی تمام عمر کی عبادت سے کہیں بہتر ہے رات تو غار ثور کی اور دن وہ کہ جب نبی ﷺ کی وفات ظاہری ہوئی تو عرب کے بہت سے قبائل زکوٰۃ کی ادائیگی کا انکار کر کے مرتد ہو گئے اور ابوبکر نے ان سے لڑنے کا ارادہ کیا تو میں اس وقت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خیر خواہانہ عرض کیا اے خلیفۂ رسول آپ ذرا نرمی کیجئے اور تالیف سے کام لیجئے تو ابوبکر نے غصہ ہو کر فرمایا **جَبَّارٌ فی الجاهلية و خوار فی الاسلام**، اے عمر زمانۂ جاہلیت میں تو بہادر تھا اب کیا اسلام میں آکر بزدل ہو گیا۔

حضرت ابوبکر نے اول غار کو صاف کیا بعد ازاں آپ ﷺ غار میں تشریف لے گئے۔

اور باذن الٰہی غار کے دہانے پر مکڑی نے جالا تنا، یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی مذکور ہے۔ (سیرت مصطفی)

مشرکین مکہ غار ثور کے دہانے پر:

جب مشرکین مکہ نشان شناسوں کی مدد سے غار ثور کے دہانے تک پہنچ گئے اور نشان شناس نے کہہ دیا کہ قدموں کے نشان یہیں تک ہیں، اسی غار میں ہونگے، تلاش کرنے والی پارٹی نے جب غار ثور کے دہانے پر مکڑی کا جالا دیکھا تو نشان شناس کو بے وقوف بنایا اور کہا اگر اس غار میں کوئی داخل ہوا ہوتا تو کیا یہ مکڑی کا جالا باقی رہ سکتا تھا۔

فَرَأ وعلی بابه نسيج العنكبوت فقالوا لو دخل هنا لم يكن نسيج العنكبوت علی بابه. تو غار کے دروازے پر مکڑی کا جالا دیکھ کر کہا کہ اگر کوئی اس میں جاتا تو غار کے دہانہ پر مکڑی کا جالا باقی نہ رہتا (حافظ عسقلانی اور ابن کثیر نے اس روایت کو حسن کہا ہے)۔

مشرکین مکہ کی جانب سے دوسو اونٹوں کے انعام کا اعلان:

جب مشرکین مکہ مایوس ہوگئے تو انہوں نے آپ دونوں کو گرفتار کرنے والے کے لئے دوسو اونٹوں کے انعام کا اعلان کردیا، اس انعام کی لالچ میں ایک شخص سراقہ بن مالک بن جعشم نے گھوڑے پر چڑھ کر آپ کا پیچھا کیا اور وہ جب آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو اس کا نصف گھوڑا زمین میں دھنس گیا، آپ ﷺ سے امان چاہی تو آپ نے امان دیدی اور اس کا گھوڑا زمین سے نکل گیا سراقہ ایمان لاکر اور امان لے کر واپس ہوگیا اسی سفر ہجرت کے دوران ام معبد کا واقعہ پیش آیا۔

ام معبد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا واقعہ:

راستہ میں ام معبد کے خیمہ پر گذر ہوا، ام معبد ایک نہایت شریف اور مہمان نواز خاتون تھیں، قافلہ نبوی نے ام معبد سے گوشت اور کھجوریں خریدنے کی غرض سے کچھ دریافت کیا مگر کچھ نہ پایا نبی ﷺ کی نظر خیمہ میں ایک بکری پر پڑی فرمایا یہ کیسی بکری ہے؟ ام معبد نے عرض کیا یہ بکری لاغر اور دبلی ہونے کی وجہ سے بکریوں کے گلے کے ساتھ جنگل نہیں جاسکتی، آپ نے فرمایا اس میں کچھ دودھ ہے ام معبد نے عرض کیا اس میں دودھ کہاں؟ آپ نے فرمایا مجھے اس کا دودھ دوہنے کی اجازت دو، کہا اجازت ہے، آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اس کے تھن پر اپنا دست مبارک رکھا تھن دودھ سے بھر گئے آپ نے دودھ نکالا ایک بڑا برتن جس سے آٹھ دس آدمی پی سکیں بھر گیا، اول آپ نے ام معبد کو دودھ پلایا اس کے بعد اپنے ساتھیوں کو پلایا اور آخر میں آپ نے نوش فرمایا، اس کے بعد آپ نے پھر دودھ دوہا یہاں تک کہ وہ بڑا برتن دوبارہ بھر گیا وہ برتن ام معبد کو عطا کیا اور ام معبد کو بیعت کر کے روانہ ہوئے شام کے وقت جب ام معبد کے شوہر ابو معبد بکریاں چرا کر آئے تو دیکھا کہ ایک بڑا برتن دودھ سے بھرا ہوا رکھا ہے، بہت تعجب سے معلوم کیا اے ام معبد یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ اس بکری میں تو کہیں دودھ کا نام تک نہیں، ام معبد نے عرض کیا آج یہاں سے ایک مرد مبارک گذرا خدا کی قسم یہ سب اسی کی برکت ہے اور پورا واقعہ بیان کیا، ابو معبد نے کہا ذرا ان کا کچھ حلیہ تو بیان کرو، ام معبد نے آپ کا حلیہ مبارک بیان کیا، پوری تفصیل مستدرک میں مذکور ہے۔

ابو معبد نے کہا میں سمجھ گیا واللہ یہ وہی قریشی شخص ہے میں بھی ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا، مگر تلاش بسیار کے بعد بھی آپ سے ملاقات نہ ہوسکی، راستہ میں بریدۃ الاسلمی اپنے ٧٠ آدمیوں کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے، اور آپ کے ساتھ جھنڈا ہاتھ میں لیکر آگے آگے چل رہے تھے، آپ کی روانگی کی خبر اہل مدینہ کو مل چکی تھی اہل مدینہ کا ہر فرد بشر آپ کے شوق دیدار میں روزانہ مقام حرہ پر آکر کھڑا ہوجاتا جب دوپہر ہوجاتا تو مایوس ہوکر واپس چلا جاتا یہ روزانہ کا معمول تھا، ایک روز انتظار کے

بعد واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے ایک ٹیلے پر سے آپ کو آتے ہوئے دیکھا بے اختیار پکار کر یہ کہا یا بنی قیلہ هذا جد کم، اے بنی قیلہ یہ ہے تمہاری خوش نصیبی کا سامان، اس خبر کے سنتے ہی انصار والہانہ و بے تابانہ آپ کے استقبال کے لئے دوڑ پڑے اور نعرۂ تکبیر سے بنی عمرو اور بنی عوف کی تمام آبادی گونج اٹھی۔

مسجد قبا کا قیام:

مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک آبادی ہے جسے قبا کہتے ہیں، یہاں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے جب آپ قبا پہنچے تو آپ نے قبیلہ کے سردار کلثوم بن ہدم کے مکان پر قیام فرمایا، اور ابوبکر صدیق خبیب بن اساف کے مکان پر ٹھہرے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مشرکین مکہ کی امانتیں واپس کر کے مقام قبا میں آ ملے اور آپ ﷺ کے پاس قیام فرمایا، قبا میں سب سے پہلے جو کام آپ نے کیا وہ ایک مسجد کی بنیاد تھی، سب سے پہلے آپ نے اپنے دست مبارک سے ایک پتھر لاکر قبلہ رخ رکھا آپ کے بعد ابوبکر نے اور ان کے بعد عمر نے ایک پتھر رکھا اس کے بعد دیگر حضرات نے پتھر لا کر رکھنے شروع کئے اور تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا، (مزید تفصیل کے لئے کتب سیرت کی طرف رجوع کریں)۔ (سیرت مصطفی)

وكانَ صلى الله عليه وسلم اَذِنَ لجماعةٍ في التخلُّفِ باجتهادٍ منه فَنَزَلَ عِتابًا له وَقَدَّمَ العفوَ تَطْمِيْنًا لقَلْبِهِ **عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ** في التخلفِ وهلّا تركتهم **حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا** في العذرِ **وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾** فيه **لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** في التخلفِ عن **اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ** اى في التخلُّفِ **الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ** شَكَّتْ **قُلُوْبُهُمْ** في الدينِ **فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾** يَتَحَيَّرُوْنَ **وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ** معك **لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً** أُهْبَةً من الآلةِ والزادِ **وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ** اى لم يُرِدْ خُرُوْجَهم **فَثَبَّطَهُمْ** كسلهم **وَقِيْلَ** لهم **اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾** المَرْضى والنساءِ والصِّبْيانِ اى قَدَّرَ اللّٰهُ ذلك **لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا** فسادًا بتَخْذِيْلِ المؤمنين **وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ** اى اَسْرَعُوْا بينكم بالمشي بالنَّمِيْمَةِ **يَبْغُوْنَكُمُ** اى يَطْلُبُوْنَ لكم **الْفِتْنَةَ ۚ** بالقاءِ العداوةِ **وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ** ما يَقُوْلُوْنَ سَمَاعَ قبول **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ** لك **مِنْ قَبْلُ** اول ما قَدِمْتَ المدينةَ **وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ** اى اَجالُوْا الفكرَ في كيدِكَ وابطالِ دينِكَ **حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ** النصرُ **وَظَهَرَ** عَزَّ **اَمْرُ اللّٰهِ** دِيْنُهُ **وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٤٨﴾** له فَدَخَلُوْا فيه ظاهرًا **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ** في التخلفِ **وَلَا تَفْتِنِّيْ ۗ** وهو الجَدُّ بنُ قَيْسٍ قالَ له النبيُّ هل لك في جِلادِ بني الاصفرِ فقال اني مُغْرَمٌ بالنساءِ وَاَخْشى اِن رايتُ نساءَ بني الاصفرِ لا اَصْبِرُ عنهن فَاَفْتَتِنُ قالَ

تعالى أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا بالتخلف وقرئ سَقَطَ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٤٩﴾ لا مَحِيصَ لهم عنها إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ كنصر وغنيمة تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ شدة يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا بالحزم حين تخلفنا مِنْ قَبْلُ قبل هذه المصيبة وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ بما أصابك قُلْ لهم لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا إصابته هُوَ مَوْلَانَا ناصرنا ومتولي أمورنا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ فيه حذف إحدى التائين في الأصل أي تنتظرون أن يقع بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ العاقبتين تثنية حسنى تأنيث أحسن، النصر أو الشهادة وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ ننتظر بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ بقارعة من السماء أَوْ بِأَيْدِينَا بأن يأذن لنا بقتالكم فَتَرَبَّصُوا بنا ذلك إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾ عاقبتكم قُلْ أَنْفِقُوا في طاعة الله طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ما أنفقتموه إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٣﴾ والأمر هنا بمعنى الخبر وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ بالتاء والياء مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ فاعل منعهم وأن تقبل مفعوله كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَى متثاقلون وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿٥٤﴾ النفقة لأنهم يعدونها مغرمًا فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ أي لا تستحسن نعمنا عليهم فهي استدراج إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ أي أن يعذبهم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا بما يلقون في جمعها من المشقة وفيها من المصائب وَتَزْهَقَ تخرج أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٥٥﴾ فيعذبهم في الآخرة أشد العذاب وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ أي مؤمنون وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿٥٦﴾ يخافون أن تفعلوا بهم كالمشركين فيحلفون تقية لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً يلجئون إليه أَوْ مَغَارَاتٍ سراديب أَوْ مُدَّخَلًا موضعًا يدخلونه لَوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿٥٧﴾ يسرعون في دخوله والانصراف عنكم إسراعًا لا يرده شيء كالفرس الجموح وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ يعيبك فِي قسم الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ من الغنائم ونحوها وَقَالُوا حَسْبُنَا كافينا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ من غنيمة أخرى ما يكفينا إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿٥٩﴾ أن يغنينا وجواب لو، لكان خيرًا لهم.

ترجمہ: آپ ﷺ نے اپنے اجتہاد سے ایک جماعت کو جہاد (غزوۂ تبوک) میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیدی تھی، تو اظہار ناراضگی کے طور پر (آئندہ آیت) نازل ہوئی، اور آپ کے اطمینان قلبی کے لئے معافی کو پہلے ہی بیان کردیا، (اے نبی) اللہ تمہیں معاف کرے، تم نے ان کو عدم شرکت کی کیوں اجازت دیدی؟ اور آپ نے ان کو کیوں نہ اپنی حالت پر چھوڑ دیا؟ تا کہ آپ پر کھل جاتا کہ کون لوگ عذر میں سچے ہیں؟ اور عذر کے معاملہ میں جھوٹوں کو بھی جان لیتے جو لوگ اللہ پر اور

یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو آپ سے کبھی یہ درخواست نہ کریں گے کہ انھیں اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے، ایسی عدم شرکت کی درخواست تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور ان کے قلوب دین کے معاملہ میں شک میں مبتلا ہیں اور وہ اپنے شک ہی میں حیران ہو رہے ہیں اگر ان کا (واقعی) آپ کے ساتھ نکلنے کا کچھ ارادہ ہوتا تو وہ اس کے لئے آپ کے ساتھ نکلنے کے آلات اور زادِ راہ کے ذریعہ کچھ تو تیاری کرتے لیکن اللہ کو (جہاد کیلئے) ان کا اٹھنا پسند نہیں تھا، یعنی اللہ ہی نے ان کا (جہاد کیلئے) نکلنا نہ چاہا، اسلئے اللہ نے انھیں سست کر دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں (یعنی) مریضوں اور عورتوں اور بچوں کے ساتھ بیٹھے رہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر دیا ہے، اگر وہ تم میں شامل ہو کر نکلتے تو تمہارے اندر مومنین کو ذلیل کر کے (بزدلی دکھا کر) فساد کے علاوہ کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کے لئے خوب گھوڑے دوڑاتے تمہارے درمیان فتنہ ڈال کر یعنی تمہارے درمیان چغل خوری کے لئے خوب دوڑ دھوپ کرتے، اور ان کی باتوں کو ماننے والے خود تمہارے اندر موجود ہیں، اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے اس سے پہلے بھی (یعنی) جب آپ مدینہ میں آئے ہی تھے انہوں نے فتنہ انگیزی کی کوششیں کی ہیں آپ کے لئے مکر کرنے اور آپ کے دین کو باطل کرنے کیلئے یہ ہر طرح کی تدبیروں کا الٹ پھیر کر چکے ہیں یہاں تک کہ حق یعنی نصرت آ گیا یہاں تک کہ اور اللہ کا امر (یعنی) اسکا دین غالب ہو گیا حالانکہ وہ اس کو ناپسند کر رہے تھے لیکن وہ اس (اسلام) میں بظاہر داخل ہو گئے اور ان میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے شریک (جہاد) نہ ہونے کی اجازت دیدیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے، اور وہ جد بن قیس ہے اس سے نبی ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم بنی اصفر کے ساتھ قتال (جہاد) کے لئے تیار ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں عورتوں کا دلدادہ ہوں مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں بنی اصفر کی عورتوں کو دیکھوں گا تو میں ضبط نہ کر سکوں گا جس کی وجہ سے میں فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا خوب سن لو وہ شرکت نہ کر کے فتنہ میں مبتلا ہو چکے ہیں اور سُقِطَ، بھی پڑھا گیا ہے، یقین جانو کافروں کا جہنم نے احاطہ کر رکھا ہے، ان کو اس سے نجات نہیں، اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے، مثلاً نصرت اور مال غنیمت تو ان کو ناگوار گذرتی ہے اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم نے اپنا معاملہ شریک نہ ہو کر احتیاطاً پہلے ہی درست کر لیا، یعنی اس مصیبت کے پیش آنے سے پہلے ہی اور آپ کی مصیبت پر خوش ہوتے ہوئے رخ پھیر کر چل دیتے ہیں ان سے کہو ہم کو کوئی (بھلائی یا برائی) ہرگز نہیں پہنچتی مگر وہی پہنچتی ہے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے وہی ہمارا مولا (یعنی) مددگار اور ہمارے امور کا والی ہے اور اہل ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے آپ ان سے کہو تم جس چیز کے ہمارے بارے میں منتظر ہو وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ہے (الحُسْنَیَیْن) حسنیٰ اَحْسَنُ کی تانیث کا تثنیہ ہے (اور وہ دو چیزیں) غلبہ یا شہادت ہے اور ہم تمہارے معاملہ میں جس چیز کے منتظر ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تم کو آسمانی بجلی کے ذریعہ خود سزا دیتا ہے یا ہمارے ہاتھوں دلواتا ہے بایں طور کہ ہم کو تمہارے قتل کی اجازت دیتا ہے، تم اس کا ہمارے بارے میں انتظار کرو ہم تمہارے ساتھ تمہارے انجام کا انتظار کر رہے ہیں تَرَبَّصُوْنَ میں اصل میں حذف تاء ہے، یعنی تم وقوع کا انتظار کر

رہے ہو تم ان سے کہو تم اللہ کی اطاعت میں خواہ بخوشی خرچ کرو یا بکراہت وہ تمہارے خرچ کرنے کو ہرگز قبول نہ کرے گا کیونکہ تم فاسق لوگ ہو اور یہاں امر خبر کے معنی میں ہے ان کے خرچ کئے ہوئے مال کو قبول نہ کرنے کی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے (یقبل) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، الا انهم منعهم کا فاعل ہے اور ان تقبل اسکا مفعول ہے نماز کو آتے ہیں تو کسمساتے ہوئے سستی کے ساتھ آتے ہیں، اور (راہ خدا میں) وہ بادل ناخواستہ خرچ کرتے ہیں اس لئے کہ وہ اسے تاوان سمجھتے ہیں ان کے اموال اور ان کی اولاد (کی کثرت) تم کو تعجب (دھوکہ) میں نہ ڈالے، یعنی ہمارا ان کو خوش حالی دینا آپ کو بھلا معلوم نہ ہو اسلئے کہ یہ ڈھیل ہے اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعہ ان کو دنیا کی زندگی میں لیعذبهم کی تقدیر اَن یعذبهم ہے گرفتار عذاب رکھے ان مشقت و مصائب کے ذریعہ جو وہ مال جمع کرنے میں اٹھاتے ہیں اور یہ جان بھی دیں تو انکار حق کی حالت میں دیں جسکی وجہ سے اللہ ان کو آخرت میں شدید ترین عذاب دے، وہ خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں یعنی مومنوں میں سے حالانکہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں ہیں، اصل میں وہ ایسے لوگ ہیں جو تم سے خوف زدہ ہیں، وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں تم ان کے ساتھ بھی مشرکوں جیسا معاملہ کرو تو تقیہ (دکھاوے) کے طور پر قسم کھاتے ہیں اگر وہ کوئی ایسی جائے پناہ پالیں جس میں وہ پناہ لے سکیں یا کوئی سرنگ پالیں یا کوئی گھسنے کی جگہ پالیں تو وہ اس میں جلدی سے جا گھسیں یعنی داخل ہونے میں عجلت سے کام لیں ایسی عجلت کے ساتھ تم سے پھر جائیں کہ کوئی چیز ان کو تمہاری طرف نہ لوٹا سکے جیسا کہ سرکش گھوڑا (ہوتا ہے) اور (اے نبی) ان میں کے بعض لوگ صدقات کی تقسیم کے بارے میں آپ پر اعتراضات کرتے ہیں (عیب لگاتے ہیں) پس اگر صدقات میں سے (انکی مرضی کے مطابق) انھیں مل جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان صدقات میں سے (ان کی خواہش کے مطابق) نہیں ملتا تو وہ ناخوش ہو جاتے ہیں کیا اچھا ہوتا کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے غنائم وغیرہ میں سے ان کو دیا اس پر راضی ہوتے اور کہتے کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے عنقریب اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول دوسرے مال غنیمت وغیرہ میں سے اتنا دے گا جو ہمارے لئے کافی ہوگا، تحقیق ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں اور لَوْ کا جواب لکانَ خیرًا لهم محذوف ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ، جملہ دعائیہ ہے، مقام ناراضگی میں اظہار شفقت کے لئے مقدم کر دیا گیا ہے۔

قَوْلَہٗ: لِمَ، یہ دراصل لِمَا، جار مجرور تھا، اس قاعدہ سے کہ جب حرف جر ما استفہامیہ پر داخل ہوتا ہے تو الف گر جاتا ہے، لہٰذا الف گر گیا ہے لِمَ میں لام تعلیلیہ ہے اور لهم تبلیغیہ لہٰذا دونوں کا اَذِنتَ کے متعلق ہونا درست ہے۔

قَوْلَہٗ: الّذین صدقوا یتبیَّنَ کا فاعل ہے، جملہ صدقوا اصلہ ہے، تعلم کا یَتَبَيَّنَ پر عطف ہے کاذبین مفعول لہ ہے۔

قَوْلَہٗ: لم یرد خروجهم. "کراهة" انقباض النفس للعلم بنقصانه کو کہتے ہیں اور یہ حق تعالیٰ کیلئے محال ہے لہٰذا

کرہ اللّٰہ میں کراہت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف درست نہیں ہے۔

جَوَابِ: مفسر علام نے کَرِہَ کی تفسیر لم یرد خروجھم سے کر کے اسی سوال کا جواب دیا ہے کہ یہاں کراہت کے لاز معنی مراد ہیں اسلئے کہ جو شئی مکروہ اور ناپسند ہوتی ہے اس کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔

قَوْلُہٗ: ثَبَّطَھُمْ، (تفعیل) تثبیطًا، باز رکھنا، روکے رکھنا، ماضی واحد مذکر غائب، ھم ضمیر جمع مذکر غائب۔

جَوَابِ: تثبیط کے معنی روکنے کے ہیں اور اللہ کیلئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ بندوں کو فرائض سے باز رکھے، لہٰذا مجازاً امر کی نسبت کسل کی جانب کردی کہ تقدیر خداوندی کے مطابق ان کے کسل نے ان کو باز رکھا۔

قَوْلُہٗ: ای قدّر اللّٰہ ذلك.

سَوَال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اقعدوا مع القاعدین'' اس میں قعود عن الجھاد کا حکم دیا گیا ہے اور مامور محمود ہوتا ہے نہ کہ مذموم۔

جَوَابِ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ مراد تقدیر ازلی ہے اسی جواب کی طرف اشارہ کرنے کیلئے قَدّر اللّٰہ تعالی ذلك کا اضافہ فرمایا، بعض حضرات نے ایک اور جواب دیا ہے۔

دُوسرا جَوَاب: یہ ہے کہ یہ امر تہدیدی، اعملوا ما شئتم کے قبیل سے ہے اور قرینہ مع القاعدین ہے۔

قَوْلُہٗ: الّا خبالا، یہ مستثنیٰ مفرغ ہے، یعنی مستثنیٰ منہ محذوف ہے، ای ما زادو کم شیئًا الا خبالا.

قَوْلُہٗ: خبالا، بمعنی فساد، شر، یہ خَبَلَ یخبُلُ سے ماخوذ ہے ایسا شر و فساد جس کی وجہ سے کسی جاندار میں جنون یا اضطراب پیدا ہو جائے، خَبَالًا مستثنیٰ متصل ہے۔

قَوْلُہٗ: اوضعوا ای لَسَعَوا بینکم بالنمیمۃ، ایضاع بمعنی اسراع، جلدی کرنا بولا جاتا ہے، وَضَعَ البعیر وضعًا اِذا اَسْرَعَ معلوم ہوا کہ یہاں وضع بمعنی نہادن، نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: وفیکم سَمّاعون، خوب کان لگا کر سننے والے، جاسوس سمّاعٌ کبھی تو جاسوس کے معنی میں اور کبھی فرماں بردار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہاں دونوں ہی معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: بنی الاصفر، اصفر روم کے اطراف کے رئیس کا نام تھا اس نے ایک رومی عورت سے نکاح کرلیا تھا اس سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ بنی اصفر کہلائی یہ نسل کافی حسین و جمیل پیدا ہوئی، یہ اسی نسل کی جانب اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: جلاد، کوڑے مارنے والا، تلوار مارنے والا، اسی سے جلّاد ہے، یہاں قتال بالسیف مراد ہے، بعض نسخوں میں جلاد کے بجائے جہاد ہے جو کہ واضح ہے۔

قَوْلُہٗ: انفقوا طوعًا او کرھًا الخ، یہ امر بمعنی خبر ہے معنی یہ ہیں کہ نفقتکم طوعًا او کرھًا غیر مقبولة.

قَوْلُہٗ: فاعل مَنَعَهُمْ، یعنی اِلَّا انّھم، مَنَعَ کا فاعل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ماَ مَنَعَهُمْ قبولَ نفقاتِھم اِلّا کُفْرُھم، دل مفعول ثانی ہے اور مَنَعَهُمْ میں ھم مفعول اول ہے۔

قَوْلُہٗ: استدراج، بتدریج قریب کرنا، بتدریج ڈھیل دینا۔

قَوْلُہٗ: تقیةً باطن کے خلاف ظاہر کرنا، یہ لفظ اہل تشیع کی اصطلاح ہے یعنی اپنے مذہبی عقیدہ کے خلاف ظاہر کرنا۔

قَوْلُہٗ: سرادیب، یہ سرداب کی جمع ہے، بمعنی تہہ خانہ، سرنگ۔

قَوْلُہٗ: مُدّخلاً، اصل میں مُدْتخلاً تھا، تاء کو دال سے بدل کر دال کو دال میں ادغام کردیا، موضع دخول۔

قَوْلُہٗ: یَجْمحون، یہ جمحٌ سے ماخوذ ہے اس سرکش گھوڑے کو کہتے ہیں جو لگام سے بھی قابو میں نہ آئے اور تیزی سے دوڑا چلا جائے یہاں مطلقاً تیز چلنا، دوڑنا مراد ہے۔

تَفسیر وتشریح

شانِ نزول:

عَفَا اللّٰہ عنكَ لِمَ اَذِنتَ لھم الخ جس طرح بدر کے قیدیوں سے وحی نازل ہونے سے پہلے فدیہ لے لیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے خفگی کا اظہار فرمایا تھا، اسی طرح تبوک کی لڑائی کے وقت بعض منافقوں نے بناوٹی عذر پیش کرکے نبی ﷺ سے رخصت چاہی تھی، اور آپ ﷺ نے اپنے طبعی حلم کی بنا پر یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ محض بہانہ بنا رہے ہیں رخصت عطا فرمائی تھی، اس کو اللہ نے پسند نہیں فرمایا، اور آپ ﷺ کو تنبیہ فرمائی کہ ایسی نرمی مناسب نہیں ہے، اس رخصت کی وجہ سے ان منافقوں کو اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کا موقع مل گیا، اگر ان کو رخصت نہ دی جاتی اور پھر یہ گھر بیٹھے رہتے تو ان کا جھوٹا دعوائے ایمان بے نقاب ہوجاتا۔

مگر خفگی کا یہ اظہار پیار بھرا ہے کہ خفگی سے پہلے معافی کا ذکر فرمادیا، مطلب یہ ہے کہ اجازت میں اس قدر عجلت سے کام نہیں لینا چاہئے تھا تھوڑا انتظار کرتے تو ان کے جھوٹے عذر کی حقیقت ظاہر ہوجاتی۔

بعض حضرات نے اس آیت کو سورۂ نور کی آیت فأذن لمن شئت منھم، سے منسوخ مانا ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اسلئے کہ دونوں آیتوں میں سچے عذر والوں کو اجازت کا حکم ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ اس آیت میں حکم مجمل ہے اور سورۂ نور کی آیت میں صاف ہے، اس صورت میں ایک آیت دوسری آیت کا بیان ہوگی۔

لا یَستَاذِنُكَ الَّذِینَ یؤمنون باللّٰہ الخ جب منافقوں نے جہاد میں عدم شرکت کی اجازت چاہی اور آپ نے اجازت دیدی جیسا کہ اوپر مذکور ہے، اب اس کے بعد مومنین مخلصین کا ذکر فرمایا، کہ جو مومنین مخلصین ہیں آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ کبھی گھر میں بیٹھے رہنے کی اجازت نہیں چاہتے۔

انھیں تو یہی پسند ہے کہ جس طرح ممکن ہو جان سے مال سے جہاد میں شریک ہوں بلکہ اگر ان کو رخصت دیدی جائے تو ان پر شاق گذرتی ہے، چنانچہ صحیح بخاری کے حوالہ سے سعد بن عبادہ کی حدیث گذر چکی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت نے غزوۂ تبوک ہی میں حکم دیا کہ تم مدینہ ہی رہ کر اہل وعیال کی نگرانی کرو حضرت علی پر یہ حکم نہایت گراں گذرا، جب آنحضرت ﷺ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے علی کیا تم کو مجھ سے وہ نسبت پسند نہیں جو حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے نیابت کی تھی، یہ سنکر حضرت علی مدینہ میں رہ جانے پر رضامند ہوئے۔

منافقوں کی حالت کا بیان:

وَلَوْ ارادوا الخروج لَاعدّوا لَهٗ عُدَّةً، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا حال بیان فرمایا ہے، کہ ان لوگوں کا ارادہ اس لڑائی میں شریک ہونے کا پہلے ہی سے بالکل نہیں تھا، اگر ان کا ارادہ ہوتا تو دیگر لوگوں کی طرح یہ بھی کچھ نہ کچھ تیاری کرتے، اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی ان لوگوں کا شریک ہونا پسند نہیں تھا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر بزدلی اور سستی پیدا فرمادی، ان لوگوں کے جہاد میں شریک نہ ہونے میں بڑی مصلحت تھی، اسلئے کہ اگر یہ لوگ لڑائی میں شریک ہوتے تو مدد کے بجائے فتنہ برپا کرتے مسلمانوں کو خوف دلاتے ایسی ایسی باتیں اور حرکتیں کرتے کہ مسلمانوں کے دل ٹوٹنے لگتے ان میں بزدلی اور پست ہمتی پیدا ہوتی، اس لئے کہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو تمہاری جاسوسی کرتے ہیں اور تمہاری پوشیدہ خبریں دشمن کو پہنچاتے ہیں، قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے مطابق اگر چہ بعض مفسرین نے وفیکم سمّاعون لھم، کی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو ان منافقوں کی باتیں سنتے اور مانتے ہیں لیکن حافظ ابوجعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں قتادہ کے اس قول کو ضعیف ٹھہرایا ہے، اسلئے مجاہد کے صحیح قول کے مطابق پہلی تفسیر صحیح معلوم ہوتی ہے۔

منافقوں نے ہمیشہ نازک موقع پر دھوکا دیا ہے:

غزوۂ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تین سو مسلمانوں کی جمعیت کو میدان سے واپس لے آیا تھا، اسی عبداللہ بن ابی نے غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر اپنے قبیلے کے انصار کو بہکایا تھا اور کہا تھا کہ واپس مدینہ جانے کے بعد مہاجروں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

لَقَد ابتغوا الفتنة مِن قبلُ الخ اس آیت میں بھی منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غدر وغل کچھ اسی لڑائی کے ساتھ خاص نہیں ہے ان کا تو شیوہ ہی یہ ہے اس سے پہلے بھی جب آپ شروع شروع میں مدینہ تشریف لائے تھے اس وقت بھی یہ لوگ آمادۂ جنگ و پیکار ہو گئے تھے اور انہوں نے یہود مدینہ کے ساتھ سازباز کر کے مسلمانوں اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

شانِ نزول:

وَمِنْهُمْ مَنْ يقولُ ائذن لی وَلَا تَفْتِنِي، طبرانی اور ابن ابی حاتم میں اس آیت کا جو شانِ نزول بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ منافقین مدینہ میں ایک شخص قبیلۂ بنی سلمہ کا سردار تھا جس کا نام جد بن قیس تھا اور اس کی کنیت ابو وہب تھی، تبوک کی لڑائی پر جانے اور نصرانیوں سے لڑنے کا جب آنحضرت ﷺ نے ذکر فرمایا تو اس نے کہا کہ میں ایک حسن پرست آدمی ہوں میری قوم کے لوگ میری اس کمزوری سے واقف ہیں کہ عورت کے معاملہ میں مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا میں بے قابو ہو جاتا ہوں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں رومی عورتوں کو دیکھ کر میرا قدم نہ پھسل جائے لہٰذا آپ مجھے فتنے میں نہ ڈالیں، اور اس جہاد کی شرکت سے مجھے معاف رکھیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی، اور فرمادیا کہ بڑا فتنہ نفاق کا ہے جس میں یہ پڑے ہوئے ہیں اسی فتنہ کے سبب یہ ایسی باتیں کر رہے ہیں اس فریب اور مکر کا ہو سکتا ہے کہ دنیا میں کچھ فائدہ اٹھالیں آخر ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

شانِ نزول:

ان تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِن تصبك مصيبة الخ تفسیر ابن ابی حاتم میں جابر بن عبداللہ کی روایت سے جو شانِ نزول ان آیات کا بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقین لڑائی کے وقت بناوٹی عذر کر کے جس لڑائی میں شریک نہیں ہوئے تھے اگر اس لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوتی اور مالِ غنیمت ہاتھ آتا تو دو طرح سے ان منافقوں پر یہ امر شاق گذرتا تھا ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے دلوں میں مسلمانوں کی عداوت تھی اسلئے مسلمانوں کی فتح و کامرانی انکو اچھی نہیں لگتی تھی دوسرے ان کو یہ افسوس ہوتا تھا کہ ہم کیوں نہ شریک ہوئے! ہمارے ہاتھ بھی مال لگتا، اور اگر کسی لڑائی میں مسلمانوں کو ضرر پہنچتا تو یہ منافق اپنی دور اندیشی اور دانشمندی پر نازاں ہو کر کہتے ہم تو ضرر سے بچنے کے لئے پہلے ہی سے عذر کر کے شریک نہیں ہوئے ورنہ ہم بھی اس مصیبت میں مبتلا ہو جاتے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں منصوبوں کے جواب میں یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

شانِ نزول:

قُل انفقوا طوعًا او كرهًا لن يُتقبل منكم، تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے اس آیت کا شانِ نزول یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ بنی سلمہ کے سردار جد بن قیس منافق نے تبوک کی لڑائی میں جانے سے جب یہ عذر کر دیا کہ میں وہاں جا کر رومی خوبصورت عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا لہٰذا میں جنگی خدمت دینے سے تو معذور ہوں البتہ میں مالی مدد کرنے کو تیار ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ جب ان کا عقیدہ ہی درست نہیں ہے تو ان کی کوئی عبادت خواہ مالی ہو یا بدنی قبول نہیں ہے۔

فلا تعجبك اموالهم ولا اولادهم الخ اس مال و دولت کی محبت میں گرفتار ہو کر جو منافقانہ رویہ انہوں نے اپنایا ہے جیسا کہ جد بن قیس نے کہا تھا کہ جنگی خدمات سے مجھے معذور رکھئے اگر آپ چاہیں تو میں کچھ مالی مدد کیلئے حاضر ہوں، اس لئے ان آیتوں میں فرمایا کہ اے محمد ﷺ لوگوں کی مال و دولت اور کثرت اولاد کو دیکھ کر تعجب میں نہ پڑیں، یہ مال و دولت خدا کی طرف سے ایک ڈھیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ہی چیزوں کے ذریعہ جن کی کمائی کے لئے انہوں نے بڑی بڑی مشقتیں اور مصیبتیں اٹھائی ہیں ان پر دنیوی اور اخروی عذاب مسلط کریگا، اس مال کی بدولت یہ لوگ ہمیشہ عذاب اور تکلیف ہی میں مبتلا رہیں گے کہ حاصل کرنے میں بھی تکلیف اٹھائی اور جب کوئی مالی نقصان ہوتا ہے تو وہ مالی نقصان کی مصیبت بھی ان کیلئے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

اس کیفیت کا ایک دلچسپ واقعہ:

دلچسپ واقعہ یہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں پیش آیا، قریش کے چند بڑے شیوخ جن میں سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام جیسے لوگ بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے گئے وہاں یہ صورت پیش آئی کہ انصار اور مہاجرین میں کوئی معمولی آدمی بھی آتا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے اپنے پاس بٹھاتے اور ان شیوخ سے کہتے کہ اس کے لئے جگہ خالی کرو تھوڑی دیر میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہ حضرات سرکتے سرکتے مجلس کے بالکل آخر میں پہنچ گئے، باہر نکل کر حارث بن ہشام نے کہا تم لوگوں نے دیکھا آج ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوا ہے؟ سہیل بن عمرو نے کہا اس میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کچھ قصور نہیں قصور ہمارا ہے، جب ہمیں اس دین کی دعوت دی گئی تو ہم نے منہ موڑا اور یہ لوگ اس کی طرف دوڑ کر آئے پھر یہ دونوں صاحب حضرت عمر کے پاس گئے اور عرض کیا آج ہم نے آپ کا سلوک دیکھا اور ہم جانتے ہیں کہ یہ ہماری اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے مگر کیا اب اس کی تلافی کی کوئی صورت ہے، حضرت عمر نے زبان سے کچھ جواب نہ دیا اور صرف سرحد روم کی طرف اشارہ کر دیا، مطلب یہ تھا کہ اب میدان جہاد میں جان و مال کھپاؤ تو شاید اس کی تلافی ہو جائے۔

شان نزول:

ویحلفون باللہ اِنَّھم لمنکم، مدینہ میں منافقین زیادہ تر مالدار اور سن رسیدہ تھے ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ان کی فہرست دی ہے اس میں صرف ایک نوجوان کا ذکر ملتا ہے یہ لوگ مدینہ میں جائداد اور پھیلے ہوئے کاروبار رکھتے تھے اور جہاندیدگی نے ان کو مصلحت اندیش اور موقع پرست بنا دیا تھا اسلام جب مدینہ پہنچا تو آبادی کے ایک بڑے حصہ نے پورے اخلاص اور ایمانی جوش کے ساتھ قبول کر لیا تو ان لوگوں نے اپنے آپ کو ایک عجیب مخمصہ میں مبتلا پایا، انہوں نے دیکھا کہ ایک طرف تو خود ان کے قبیلے کی اکثریت بلکہ خود ان کے بیٹوں اور بیٹیوں تک کو ایمان کے نشہ نے سرشار کر دیا ہے، ان کے خلاف اگر یہ کفر و انکار پر قائم رہتے ہیں تو ان کی یہ ریاست، عزت، شہرت سب خاک میں مل جاتی ہے دوسری

طرف اس دین کا ساتھ دینے کے یہ معنی ہیں کہ وہ سارے عرب بلکہ اطراف ونواح کی قوموں اور سلطنتوں سے بھی لڑائی مول لینے کے لئے تیار رہیں، اس لئے انھیں اپنے مفاد کے تحفظ کی بہترین صورت یہی نظر آئی کہ ایمان کا دعوی کریں اور ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو جائیں، تا کہ اپنی قوم میں اپنی ظاہری عزت اور اپنے کاروبار کو برقرار رکھ سکیں مگر مخلصانہ ایمان نہ اختیار کریں تا کہ ان خطرات ونقصانات سے دوچار نہ ہوں جو اخلاص کی راہ اختیار کرنے سے لازماً پیش آنے تھے، ان کی اسی ذہنی کیفیت کو یہاں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حقیقت میں یہ لوگ تمہارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ نقصانات کے خوف نے انھیں زبردستی تمہارے ساتھ باندھ دیا ہے جو چیز ان کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ اپنے کو مسلمان کہیں وہ صرف یہ خوف ہے کہ مدینہ میں رہتے ہوئے علانیہ غیر مسلم بن کر رہیں تو ان کی جاہ ومنزلت ختم ہو جاتی ہے۔

ومنهم مَنْ يَلمِزُكَ في الصدقات، اس آیت کے شان نزول کا واقعہ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے اس طرح بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت کچھ مال لوگوں میں تقسیم فرما رہے تھے کہ بنی تمیم کا ایک شخص جس کا نام حرقوص تھا اور ذوالخویصرہ کے لقب سے مشہور تھا آپ کی خدمت میں آیا اور کہا تقسیم میں ذرا عدل وانصاف سے کام لیجئے، آپ نے فرمایا اگر میں ہی ناانصافی کروں گا تو انصاف کون کریگا؟ حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے عرض کیا اگر ارشاد ہو تو میں ابھی اس شخص کی گردن ماردوں آپ نے فرمایا جانے دو اس کی نسل سے واجب القتل لوگ پیدا ہوں گے چنانچہ اسی شخص کی نسل سے خارجی لوگ پیدا ہوئے، اگرچہ بعض مفسرین نے اس آیت کے دیگر شان نزول بھی بیان کئے ہیں مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کا مضمون دوسری آیتوں پر بھی صادق آتا ہے ورنہ صحیح شان نزول کا یہی واقعہ ہے جو صحیحین کی روایت میں موجود ہے۔

خارجی فرقہ کا تعارف اور اس کے عقائد:

اس فرقہ کے وجود میں آنے کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کی شہادت کے دوسرے روز جب لوگوں نے حضرت علی رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اس زمانہ میں حضرت عائشہ صدیقہ حج کے ارادہ سے مکہ گئی ہوئی تھیں، مکہ سے واپسی کے وقت کچھ لوگوں نے حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حضرت علی کو قاتلانِ عثمان کا پتہ لگانے پر مجبور کریں اگر حضرت علی اس سے انکار کریں تو ان سے جنگ کی جائے، یہ حضرات حضرت عائشہ کو بصرہ لے گئے بصرہ میں حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا کے ساتھ بہت سے لوگ جمع ہو گئے حضرت علی رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے جب یہ خبر سنی تو وہ بھی فوج لے کر بصرہ کے ارادہ سے نکلے ۳۶ھ میں حضرت علی اور حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا کی بڑی لڑائی ہوئی جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے، اس لڑائی میں حضرت عائشہ چونکہ اونٹ پر سوار تھیں اور اونٹ کو عربی میں جمل کہتے ہیں اسلئے یہ جنگ، جنگ جمل کے نام سے مشہور ہوئی، یہ جنگ ایک اجتہادی غلطی کی وجہ سے برپا ہوئی تھی، اس میں حضرت علی کو فتح حاصل ہوئی، حضرت عائشہ کی شکست کا حال سن کر حضرت عثمان کے قاتلوں کا پتہ لگانے کا معاملہ حضرت امیر معاویہ نے دوبارہ شروع کیا حضرت امیر معاویہ جو کہ حضرت عثمان رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے چچازاد بھائی ہوتے تھے اس لئے انہوں نے اس مسئلہ کو اٹھانا اپنا حق سمجھا۔

جنگ صفین:

۳۷ھ میں اسی مسئلہ پر حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے درمیان ایک بڑی جنگ ہوئی جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے صفین ملک عراق اور شام کے درمیان ایک مقام کا نام ہے یہ لڑائی تقریباً ایک ماہ چلی اگر چہ اس لڑائی میں پلڑا حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا بھاری رہا لیکن حضرت عمرو بن العاص کے مشورہ سے صلح کے لئے پنچ مقرر کئے گئے، حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص پنچ مقرر ہوئے اس پنچایت کی صلح سے ناراض ہوکر ان الحکم الا للّٰہ کہتے ہوئے آٹھ ہزار آدمیوں کا ایک گروہ حضرت علی سے منحرف ہوکر ان کے لشکر سے جدا ہوگیا اسی فرقہ کو ''خارجی'' کہتے ہیں یہ لوگ حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کے متبعین کو اسلام سے خارج مانتے ہیں، اسی فرقہ کو ''حروریہ'' بھی کہتے ہیں، یہ مقام حرورکی جانب منسوب ہے، عبدالرحمٰن بن ملجم اسی فرقے سے تعلق رکھتا تھا جس نے موقع پا کر حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو شہید کردیا تھا۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ الزكواتُ مَصْرُوفَةٌ **لِلْفُقَرَآءِ** الذين لَا يَجِدُوْنَ ما يقعُ موقعًا من كفايتِهِمْ **وَالْمَسٰكِيْنِ** الذين لا يَجِدُوْنَ ما يَكْفِيْهِمْ **وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا** اى الصدقاتِ من جابٍ وقاسمٍ و كاتبٍ وحاشرٍ **وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ** لِيُسْلِمُوْا اويثبتَ اسلامُهم او يُسْلِمَ نُظَرَاؤُهم او يَذُبُّوْا عن المسلمينَ اقسامٌ والاولُ والاخيرُ لا يُعْطَيَانِ اليومَ عندَ الشافعيِّ لِعِزِّ الاسلامِ بخلافِ الأخرَيْنِ فيُعْطَيَانِ على الاصحِّ **وَفِي** فَكِّ **الرِّقَابِ** اى المكاتبين **وَالْغٰرِمِيْنَ** اَہلِ الدَّيْنِ ان اسْتَدَانُوْا لغيرِ مَعْصِيَةٍ اوتَابُوْا ولَيْسَ لهم وَفَاءٌ او لإصْلاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ ولو اَغْنِيَاءَ **وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اى القائمين بالجهادِ مِمَّنْ لَا فَيْءَ لهم ولو اغنياءَ **وَابْنِ السَّبِيْلِ** المنقطعِ فى سفرِه **فَرِيْضَةً** نُصِبَ لفعله المقدرِ **مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بخلقِه **حَكِيْمٌ**۝ فى صُنْعِه فلا يجوزُ صَرْفُها لغيرِ ہٰؤُلاءِ ولا مَنْعُ صِنْفٍ منهم اذا وُجِدَ فيَقْسِمُها الامامُ عليهم على السواءِ ولهُ تفضيلُ بَعْضِ آحَادِ الصِّنْفِ على بَعْضٍ وَأفادَتِ اللّامُ وُجُوْبَ استغراقِ اَفْرَادِهِ لكن لا يَجِبُ على صاحبِ المالِ اِذَا قَسَمَ لِعُسْرِهِ بل يَكْفِيْ اِعْطَاءُ ثَلاثَةٍ من كُلِّ صِنْفٍ ولَا يَكْفِيْ دُوْنَها كَمَا اَفَادَتْهُ صِيْغَةُ الجَمْعِ وَبَيَّنَتِ السنةُ ان شرطَ المُعْطٰى منها الاسلامُ وأنْ لَا يَكُوْنَ ہاشميًا ولا مُطَّلِبِيًّا **وَمِنْهُمُ** اى المنافقينَ **الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ** بِعَيْبِهِ وَنَقْلِ حَدِيْثِه **وَيَقُوْلُوْنَ** اذا نُهُوْا عن ذٰلكَ لئلا يُبْلِغَهُ **هُوَ اُذُنٌ** اى يَسْمَعُ كُلَّ قيلٍ ويَقْبَلُهُ فاذا حَلَفْنَا له انا لَمْ نَقُلْ صَدَّقَنَا **قُلْ** ہو **اُذُنُ** مستمعٍ **خَيْرٍ لَّكُمْ** لا مستمعِ شرٍّ **يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ** يُصَدِّقُ **لِلْمُؤْمِنِيْنَ** فيما اَخْبَرُوْهُ به لا لغيرِہم واللامُ زائدةٌ للفرقِ بَيْنَ ايمانِ التَّسْلِيْمِ وغيرِه **وَرَحْمَةٌ** بالرَّفعِ عطفًا على اُذنٍ والجرِّ عطفًا على خيرٍ **لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ** **وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ**۝ **يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ** ايها المؤمنونَ فيما بَلَغَكُمْ عنهم

مِنْ أذى الرَّسُوْلِ أَنَّهُمْ مَا آتَوْهُ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوْهُ بالطَّاعة إِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ حقًا وتوحيد الضمير لِتَلَازُمِ الرِّضَائَيْنِ او خبرُ اللّٰهِ أوْرَسُوْلِهٖ محذوفٌ أَلَمْ يَعْلَمُوْا أَنَّهٗ اى الشان مَنْ يُّحَادِدِ يُشَاقِق اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَأَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ اى جَزاءً خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ اى يَخَافُ الْمُنٰفِقُوْنَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ اى المؤمنين سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ من النِّفاقِ وهم مع ذٰلِكَ يَسْتَهْزِؤُن قُلِ اسْتَهْزِءُوْا امرُ تَهْدِيدٍ إِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مُظْهِرٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اخراجه من نفاقِكم وَلَئِنْ لامُ قَسَمٍ سَأَلْتَهُمْ عن استهزائهم بك وَالقُرآن وهم سَائِرُوْنَ معكَ اِلٰى تَبُوْكَ لَيَقُوْلُنَّ مُعْتَذِرِيْنَ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ فى الحديثِ لِنَقْطَعَ به الطَّرِيْقَ ولم نَقْصِدْ ذٰلِكَ قُلْ لهم أَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا عنه قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ اى ظَهَرَ كُفْرُكُمْ بَعْدَ اِظْهَارِ الإيْمَانِ إِنْ نَّعْفُ بالياءِ مَبْنِيًّا للمفعولِ والنون مَبْنِيًّا للفاعِلِ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ باخلاصِها وَتَوْبَتِهَا كَمَخْشِيٍّ بن حمير نُعَذِّبْ بالتاءِ والنونِ طَآئِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ مُصِرِّيْنَ عَلَى النفاقِ والاستهزاءِ.

ترجمہ: صدقات (واجبہ) (مثلاً) زکوٰۃ فرض صرف ان فقراء کے لئے ہیں جو اتنی مقدار بھی نہ پائیں جو اپنی حاجت میں صرف کرسکیں (یعنی ان کے پاس مال بالکل نہ ہو) اور مساکین کے لئے ہے جو بقدر کفایت مال نہ پائیں، اور صدقات کے کارکنوں کے لئے اور صدقات (زکوٰۃ) وصول کرنے والوں کے لئے ہے، اور (مستحقین) پر تقسیم کرنے والوں کے لئے ہے، اور کاتبین کے لئے ہے اور (ارباب اموال کو) جمع کرنے والوں کے لئے ہے، اور ان لوگوں کیلئے ہے جن کی تالیف قلب مقصود ہے تاکہ وہ اسلام لے آئیں یا اپنے اسلام پر ثابت قدم رہیں یا ان کے امثال اسلام لے آئیں یا مسلمانوں کا دفاع کریں، یہ (چار) قسمیں ہیں پہلی اور آخری قسم کو آج کل امام شافعی رَحَمُہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک نہیں دیا جائیگا، اسلئے کہ اسلام قوی ہو گیا ہے، بخلاف باقی دونوں قسموں کے صحیح مذہب کے مطابق ان کو دیا جائے گا، اور مکاتبین کو آزاد کرانے میں اور قرضداروں کے لئے ہے جنہوں نے غیر معصیت کے لئے قرض لیا ہو، یا (معصیت کے لئے لیا ہو مگر) معصیت سے توبہ کرلی ہو، اور ان کے پاس قرض ادا کرنے کے لائق مال نہ ہو، اور آپس میں صلح کرانے کے لئے اگرچہ وہ مالدار ہوں، اور مجاہدین کے لئے ہے یعنی ایسے مجاہدین کے لئے جو جہاد میں مشغول ہوں اور وہ ان لوگوں میں سے ہوں جن کا مال غنیمت میں حصہ نہ ہو، اگرچہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں، اور ایسے مسافروں کے لئے ہے کہ جن کیلئے مال سے منقطع ہونیکی وجہ سے سفر جاری رکھنا دشوار ہوگیا ہو اور یہ اللہ کی طرف سے فرض کردہ حکم ہے (فَرِيْضَة) فعل مقدر (فَرَضَ) کی وجہ سے منصوب ہے، اللہ اپنی مخلوق (کی ضرورتوں) سے بخوبی واقف ہے اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے لہٰذا مذکورہ مصارف کے علاوہ میں صرف کرنا جائز نہیں ہے اور مذکورہ اصناف کے موجود ہوتے ہوئے ان میں سے کسی کو محروم نہیں کیا جائیگا، لہٰذا امام وقت کو چاہئے کہ ان میں برابر تقسیم کرے اور امام کو اختیار

ہے کہ کسی ایک صنف کو دوسری صنف پر ترجیح دیدے اور لام سے تمام افراد کے استغراق کا وجوب مستفاد ہوتا ہے، لیکن صاحب مال پر بوقت تقسیم تمام افراد کا احاطہ کرنا دشوار ہونے کی وجہ سے واجب نہیں ہے، بلکہ (اصناف ثمانیہ میں سے) ہر صنف کے تین افراد کو دینا کافی ہے اس سے کم میں کافی نہ ہوگا، جیسا کہ جمع کے صیغوں سے مستفاد ہوتا ہے، اور سنت نے اس بات کو واضح کردیا ہے کہ جس کو زکوۃ کا مال دیا جائے اس کا مسلمان ہونا شرط ہے، اور یہ بھی شرط ہے کہ ھاشمی اور مُطلبی سید نہ ہو، اور ان منافقین میں وہ لوگ بھی ہیں جو نکتہ چینی کر کے اور (رازوں کو) افشا کر کے نبی کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اور جب ان کو نکتہ چینی سے آپس میں اس خیال سے منع کیا جاتا ہے مبادا ایسا نہ ہو کہ آپ کو اطلاع ہوجائے تو کہتے ہیں وہ تو کان ہیں ہر بات کو سن لیتے ہیں اور (سچ) مان لیتے ہیں اور جب ہم (بھی) ان سے قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم نے ایسی بات نہیں کہی تو ہماری بات کو بھی سچ مان لیں گے، (ان سے) کہو تمہار بھلے کی باتیں سنتے ہیں نہ کہ تمہارے نقصان کی باتیں، اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنین کی اس بات میں تصدیق کرتے ہیں جس کی اس کو خبر دیتے ہیں نہ کہ دوسروں کی، اور (للمؤمنین) میں لام زائدہ ایمان تسلیم اور ایمان تصدیق میں فرق کرنے کیلئے ہے اور تم میں سے جو ایمان لائے ہیں ان کے لئے رحمت ہے رحــــمة رفع کے ساتھ ہے اذنٌ پر عطف کرتے ہوئے، اور جر کے ساتھ ہے خیـــــر پر عطف کرتے ہوئے، اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے اے ایمان والو! رسول کو ایذا کی اس بات کے بارے میں جو ان کی طرف سے تم کو پہنچی ہے تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھا جاتے ہیں کہ ہم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی، تاکہ وہ تم کو خوش کردیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ ان کو طاعت کے ذریعہ خوش کریں، اگر وہ سچے مومن ہیں دونوں کی رضامندی کے لازم ملزوم ہونے کی وجہ سے (یرضوہ) کی ضمیر کو واحد لائے ہیں، یا اللہ کی یا رسول کی خبر محذوف ہے، کیا انھیں معلوم نہیں ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتا ہے کہ ان کی سزا نار جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے بڑی رسوائی کی بات ہے منافق اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان مومنین پر کوئی سورت نازل ہوجائے جو ان پر اس نفاق کو ظاہر کردے جو ان کے دل میں ہے اور وہ اس کے باوجود استہزاء کرتے ہیں (اے نبی) کہہ دو (اور) مذاق اڑاؤ یہ امر تہدید کے لئے ہے، اللہ اس نفاق کو ظاہر کرنے والا ہے جس کے ظاہر کرنے سے تم ڈرتے ہو اور اگر آپ ان سے آپ کے اور قرآن کے استہزاء کے بارے میں دریافت فرمائیں حال یہ کہ وہ آپ کے ساتھ تبوک کی طرف جا رہے ہوں قسمیہ بات ہے کہ وہ عذر پیش کرتے ہوئے یقیناً کہہ دیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے، تاکہ ہنسی مذاق میں سفر کٹ جائے اور یہ (یعنی استہزاء) ہمارا مقصد نہیں تھا آپ ان سے کہو کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرتے ہو اس کے بارے میں عذر نہ بیان کرو تم نے ایمان کے بعد کفر کیا یعنی ایمان کے اظہار کے بعد تمہارا کفر ظاہر ہوگیا اگر تم میں کی ایک جماعت کو اس کے اخلاص اور توبہ کی وجہ سے معاف کردیا جائے جیسا کہ مخشی بن حمیر کو تو ایک جماعت کو ہم ضرور سزا دیں گے اس لئے کہ وہ مجرم ہیں تعذب تا اور نون کے ساتھ ہے اور ن (نعفُ) یاء کے ساتھ مبنی للمفعول ہے اور نون کے ساتھ مبنی للفاعل ہے، (یعنی) نفاق اور استہزاء پر مصر ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: اِنَّمَا الصَّدقات للفقراء والمساكين، اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے، یہاں قصر موصوف علی الصفت کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی صدقات (زکوٰۃ) کا مصرف صرف مذکورین ہیں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں، لِلْفقراء میں لام سے متعلق بڑی قیل وقال ہوئی ہے، بعض نے کہا کہ لام تملیک کے لئے ہے جیسا کہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا یہی مسلک ہے، اور بعض نے کہا کہ اختصاص واستحقاق کے لئے ہے اس کے قائل امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ ہیں، (بحر) الفقراء والمساکین، دونوں لفظوں کی تعبیر وتفسیر میں متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ ''فقیر'' وہ نادار ہے جو سوال نہ کرے اور ''مسکین'' وہ نادار ہے جو سوال کرے، اور ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا حسن بصری، جابر بن زید، مجاہد، زہری سے بھی یہی منقول ہے، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا قول ان حضرات کے قول کے مطابق ہے (جصاص) لفظ فقیر اور مسکین کی تشریح وتعبیر میں خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو مسئلہ زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا زکوٰۃ دونوں کو دینا جائز ہوگا، البتہ وصیت کے مسئلہ میں فرق پڑے گا، اگر فقراء کے لئے وصیت کی ہے تو وہی مستحق ہوں گے اور اگر مساکین کے لئے کی ہے تو صرف وہ مستحق ہوں گے۔

مصارف ثمانیہ کے بارے میں ایک ازہری عالم کی مفید بحث:

زکوٰۃ کے مصارف آٹھ ہیں:

❶ فقیر وہ شخص ہے کہ جو اتنے مال کا مالک نہ ہو جو اس کی ضرورت کے لئے کافی ہو، بایں طور کہ اپنی ضرورت کی مقدار سے نصف سے کافی کم کا مالک ہو، مثلاً اس کی ضرورت دس درہم کی ہے مگر اس کے پاس صرف دو یا تین درہم ہیں۔

❷ المسکین، مسکین وہ شخص ہے کہ جس کے پاس مال تو ہو مگر بقدر ضرورت نہ ہو، مثلاً اس کو دس درہم کی حاجت ہے مگر اس کے پاس سات درہم ہیں۔

❸ العاملین علیها، یعنی زکوٰۃ وصولی کے سلسلہ کے کارندے مثلاً کاتب، حاسب وغیرہ۔

❹ المؤلفة قلوبهم وہ نومسلم جن کا اسلام ابھی راسخ نہیں ہوا ہے یا وہ لوگ کہ جن کو تالیف قلوب کے طور پر دینے سے دیگر حضرات کے اسلام کی توقع کی جاسکتی ہو۔

❺ الرقاب، مکاتبین کو آزاد کرانے میں۔

❻ الغارم، وہ شخص کہ جس نے جائز مقصد کے لئے قرض لیا اور اب وہ ادائیگی پر قادر نہیں ہے یا اصلاح ذات البین کی وجہ سے مقروض ہوگیا اگرچہ وہ غنی ہو۔

❼ اهل السبيل وہ مالدار کہ جو جہاد میں شرکت کے خواہشمند ہیں۔
❽ ابن السبيل، مباح سفر کا مسافر جو اپنے شہر سے دور ہو ایسا شخص بھی زکوٰۃ کا مستحق ہے تا کہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ سکے۔ (اعراب القرآن للدرويش ملخصًا)

تفسیر و تشریح

مؤلفة القلوب، سے مراد ایسے غیر مسلم ہیں جن کے مسلمان ہو جانے کی امید ہو یا ان کے شر و فساد سے بچنا مقصود ہو، اور ایسے مسلمان جو ضعیف الایمان ہوں اور اس طریقہ سے ان کے ایمان کے قوی ہونے کی امید ہو، غرض یہ کہ انسان کا ہر وہ گروہ جس کی طرف سے اسلامی حکومت کو کوئی خطرہ درپیش ہو۔

مورخ ابن حبیب نے سولہ شخصوں کے نام کی ایک فہرست دی ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے مؤلفۃ القلوب قرار دیکر ان میں سے چودہ کو سو سو (۱۰۰،۱۰۰) اونٹ اور باقی کو پچاس پچاس اونٹ عطا کئے تھے، اس فہرست کا آغاز ابوسفیان بن حرب اموی اور معاویہ بن ابی سفیان کے نام سے ہوتا ہے (کتاب المحبّر ص ۴۷۳، بحوالہ ماجدی) اکثریت کا قول ہے کہ یہ حکم آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے لئے مخصوص تھا، اور اس رائے میں حنفیہ کے ساتھ مالکیہ اور امام ثوری اور امام اسحٰق بن راہویہ اور امام شعبی اور عکرمہ تابعی بھی ہیں۔ (بیضاوی، ماجدی)

علماء محققین کی رائے دربارۂ مؤلفۃ القلوب:

بعض علماء محققین نے کہا ہے کہ تعامل صحابہ سے یہ حکم منسوخ نہیں ہوا تھا بلکہ محض بہ سبب عدم ضرورت وقتی رفع حکم تھا اور استغناء اور حکم کا اجرا ہر دور میں امام المسلمین کی رائے اور مصلحت کے تابع رہے گا۔

والصحيح انّ هذا الحكم غير منسوخ وان للامام ان يتالّفَ قوماً على هذا الوصف ويدفع اليهم، هم المؤلفة لانّه لادليل على نسخه البتة. (کبیر، ماجدی)

فاضل گیلانی کی تحقیق:

انہی مصارف میں ایک مد اُن لوگوں کی بھی ہے جو محض مالی کمزوریوں کی وجہ سے اسلامی حکومت اور اسلام کی مخالفت کرتے ہیں، جیسا کہ اس زمانہ میں سیاسی شورش پسندوں کے ایک گروہ کی یہی حالت ہے، ان لوگوں کو خاموش کرنے کے لئے بھی صدقات کے مصارف میں قرآن نے مؤلفۃ القلوب کی ایک مد رکھی ہے، اگرچہ عام طور پر فقہاء کہتے ہیں کہ مصرف صرف ابتداء اسلام کی حد تک محدود تھا، اور اب ساقط ہو گیا، دلیل میں حضرت عمر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کا اثر پیش کرتے ہیں کہ آپ نے مؤلفۃ القلوب کے بعض افراد کو دینے سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا کہ اب اسلام اتنا قوی ہو چکا ہے کہ ان لوگوں کی

ضرورت نہیں رہی نبی ﷺ کی رحلت کے بعد عُیَیْنہ بن حصن اور اقرع بن حابس حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے انہوں نے آپ سے ایک زمین طلب کی آپ نے عطیہ کا فرمان لکھ دیا انہوں نے چاہا کہ مزید پختگی کے لئے اعیان صحابہ سے بھی دستخط کرالیں چنانچہ گواہیاں ہوگئیں مگر جب یہ لوگ گواہی کے لئے حضرت عمر کے پاس پہنچے تو انہوں نے فرمان پڑھ کر ان کے روبرو اسے پھاڑ دیا اور ان سے کہہ دیا کہ بے شک تم لوگوں کی تالیف قلوب کے لئے آپ ﷺ تمکو دیا کرتے تھے مگر اب اللہ نے اسلام کو تم جیسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے اس پر وہ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شکایت لے کر گئے اور طعنہ بھی دیا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ لیکن نہ ابو بکر ہی نے اس پر کوئی نوٹس لیا نہ دوسرے صحابہ نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے اختلاف کیا حالانکہ قصہ صرف اس قدر ہے کہ چند خاص لوگوں کو دینے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا تھا کہ، اِنَّ اللّٰہ اَعزّ الاسلام فاذهَبَا. اب اللہ نے اسلام کو عزت عطا فرمادی لہٰذا تم دونوں جاؤ (کچھ نہ ملیگا) لیکن اس کا یہ مطلب قرار نہیں دیا جاسکتا کہ ہر شخص کے لئے حضرت عمر نے اس مد کو ساقط کر دیا غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن نے جس مصرف کو منصوص کیا ہے اس کو اولاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منسوخ ہی کیسے کر سکتے ہیں؟ نیز ایک ایسی خبر واحد سے قرآن کے ایک قانون پر خط نسخ نہیں پھیرا جاسکتا، بلکہ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ امام اور حکومت وقت کی صواب دید پر موقوف ہے، جس وقت لوگوں کے لئے اس کی ضرورت سمجھے دے اور جن کے لئے ضرورت نہ سمجھے نہ دے۔ (اسلامی معاشیات بحوالہ ،ماجدی)

فقیہ ابن عربی نے دونوں قول نقل کر کے ترجیح دوسرے ہی قول کو دی ہے، اور کہا ہے کہ اسلام جس طرح اس دور میں قوی اور معزز ہوگیا تھا اب پھر ضعیف ہوگیا ہے۔

مقروضوں کے ساتھ اسلام کی ہمدردی:

دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے مقروضوں کے ساتھ عملی ہمدردی کا سبق دیا ہے اور اس گروہ کو بھی فقراء اور حاجت مند سمجھ کر زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا ہے۔

مقروض دنیا کا وہ مظلوم ہے جس کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک تو بڑی بات ہے اس وقت تک دنیا کی حکومتوں نے ان کو ستانے والوں اور ان پر تشدد کے پہاڑ توڑنے والے قرض خواہوں کو صرف مالی نہیں بلکہ قانونی امداد وتعاون کو اپنا فریضہ قرار دے رکھا ہے ہر حکومت کی پولیس فورس اور فوجی وعسکری قوت اس کے لئے تیار رہتی ہے کہ مقروضوں کے ذمہ قرض خواہوں کا جو قرض ہے صرف اصل ہی نہیں بلکہ سود در سود کے ساتھ اس سے وصول کرایا جائے، خواہ مقروض کی ساری جائداد اور گھر کا سارا اثاثہ ہی کیوں نہ نیلام ہو جائے یہ ایک واقعہ ہے۔

وفی الرقاب، فكُّ رقاب کہتے ہیں مکاتب کی گردن چھڑانے (آزاد کرنے میں مدد کرنا) اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہہ دیا کہ تو اگر اتنی رقم لا کر دیدے تو تو آزاد ہے اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں ایسے غلام کو مال زکوٰۃ دے کر مدد کی جاسکتی ہے اس پر

علماء متفق ہیں اور اعتاق کا مطلب ہوتا ہے غلام خرید کر آزاد کرنا، زکوۃ کے مال کو اس صورت میں خرچ کرنے میں اختلاف ہے، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سعید بن جبیر، لیث، ثوری، ابراہیم نخعی، حنفیہ، شافعیہ ناجائز کہتے ہیں اور ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا، حسن بصری، امام مالک، امام احمد جائز کہتے ہیں۔

وفی سبیل اللّٰہ، لفظی معنی کے اعتبار سے اس مد میں ہر وہ خرچ آجاتا ہے جو اللہ کی رضاجوئی کے لئے ہو لیکن مفسرین نے احادیث نبوی اور آثار صحابہ کی روشنی میں خرچ کی اس مد کو عموماً مجاہدین تک محدود رکھا ہے۔

اراد بها الغزاة فلهم سهم من الصدقة (معالم) فمنهم الغزاة الذى لا حقّ لهم فى الديوان (ابن كثير) اور بعض حضرات نے اس میں دینی طالب علموں کو بھی شامل کیا ہے، **قيل المراد طلبة العلم واقتصر عليه فى الفتاوىٰ ظهيريه.**

مصارف ثمانیہ میں سے ہر صنف کو دینا ضروری ہے یا بعض کو دینا بھی کافی ہوسکتا ہے؟

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا مسلک:

ایک مرتبہ زیاد بن حارث آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صدقہ میں سے کچھ مجھے بھی عنایت فرما دیجئے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے صدقات میں کسی نبی کا حکم پسند نہیں کیا ہے بلکہ اس نے خود ہی آٹھ مصرف بتلا دیئے ہیں اگر تم ان آٹھوں میں سے ایک بھی ہو تو صدقہ کے مستحق ہو گے ورنہ نہیں، علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مصارف ثمانیہ قرآن میں بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو زکوۃ دی جائے یا ان میں سے بعض کو دینا بھی کافی ہوسکتا ہے؟ زیاد بن حارث کی مذکورہ حدیث کی بنا پر امام شافعی اور ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ان آٹھوں قسموں پر صدقہ تقسیم کرنا چاہئے یہ حدیث ابوداؤد میں ہے اور اسکی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی کو اکثر علما نے ضعیف قرار دیا ہے۔

مصارف صدقات میں امام ابوحنیفہ و امام مالک رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی کا مسلک:

مذکورہ حدیث کی سند میں چونکہ عبدالرحمٰن بن زیاد ضعیف ہے اس لئے ان حضرات نے فرمایا کہ مذکورہ آٹھ اصناف میں سے سبکو دینا ضروری نہیں ہے اگر ایک کو بھی دیدیا جائے تو کافی ہوگا، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصد زکوۃ کے اصناف ثمانیہ بیان کرنے سے مصرف زکوۃ کو بیان کرنا ہے نہ کہ تعداد کو۔

زکوۃ وصدقہ واجبہ آپ ﷺ کی آل کے لئے جائز نہیں:

صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ آنحضرت ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کی آل کے لئے حلال نہیں ہے، ظاہر روایت کے اعتبار سے یہ مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے البتہ نفلی صدقہ کو آل محمد کے حق میں جائز قرار دیا ہے، یہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک ہے۔

سادات میں کون لوگ شامل ہیں؟

امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک فقط ہاشم بن عبد مناف کی اولاد آل محمد ہے، اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور ایک روایت میں امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک بنی مطلب بھی آل محمد میں شامل ہیں۔

زکوۃ کے علاوہ دیگر صدقات غیر مسلم کو بھی دیئے جاسکتے ہیں:

زکوۃ کے علاوہ عام صدقات غیر مسلموں کو بھی دیئے جاسکتے ہیں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "تصدقوا علی اھل الادیان کلّھا" یعنی ہر مذہب والے پر صدقہ کرو، لیکن صدقہ زکوۃ کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو یمن بھیجنے کے وقت یہ ہدایت فرمائی تھی کہ زکوۃ مالدار مسلمانوں سے لی جائے اور غریب مسلمانوں کو دی جائے اس سے صاف ظاہر ہے کہ زکوۃ کے مستحق صرف مسلمان ہی ہیں۔

ایک مفید بحث:

قرآن مجید میں تیسرا مصرف العاملین علیھا، بیان فرمایا ہے یہاں عاملین سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوۃ اور عشر وغیرہ لوگوں سے وصول کرکے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں مشغول کرتے ہیں اسلئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے قرآن کریم کی اس آیت نے مصارف زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھ کر یہ متعین کردیا کہ ان کا حق الخدمت اسی مد زکوۃ سے دیا جائیگا۔

اس میں اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات کی وصولی کا فریضہ براہ راست نبی ﷺ کو "خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صدقۃً" کہہ کر سپرد فرمایا ہے، اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے امیر پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے صدقات وصول کرے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ امیر بذات خود بغیر معاونین کے یہ کام انجام نہیں دے سکتا لہٰذا اس کو معاونین اور مددگاروں کی ضرورت ہوگی ان ہی معاونین کو والعاملین عَلَیْھَا کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے، اسی حکم کی تعمیل میں حضور ﷺ نے بہت سے صحابہ کو

صدقات وصول کرنے کیلئے مختلف خطوں میں بھیجا تھا، اور مذکورہ ہدایت کے مطابق زکوۃ ہی کی حاصل شدہ رقم میں سے ان کو حق الخدمت دیا ہے، حالانکہ ان حضرات میں وہ صحابہ بھی شامل ہیں جو اغنیاء تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ صدقہ کسی غنی کے لئے حلال نہیں بجز پانچ شخصوں کے ① ایک وہ جو جہاد کے لئے نکلا ہوا اور وہاں اس کے پاس بقدر ضرورت مال نہیں اگر چہ اس کے گھر مال موجود ہو ② دوسرے عاملِ صدقہ جو صدقہ وصول کرنے کی خدمت انجام دیتا ہو، ③ وہ شخص کہ اگر چہ اس کے پاس مال ہے مگر موجودہ مال سے زیادہ کا قرضہ ہے ④ وہ شخص جو صدقہ کا مال کسی غریب مسکین سے خرید لے، ⑤ وہ مالدار شخص جسکو کسی غریب شخص نے صدقہ سے حاصل شدہ مال بطور ہدیہ دے دیا ہو۔

عاملین صدقہ کو جو رقم دی جاتی ہے وہ صدقہ کے طور پر نہیں بلکہ معاوضۂ خدمت کے طور پر دی جاتی ہے اسی لئے مالدار ہونے کے باوجود عاملین کے لئے اس کا لینا جائز ہے اس مد کے علاوہ اگر صدقہ کا مال دوسرے کسی کام کے معاوضہ میں دیا گیا تو وہ جائز نہ ہوگا، مصارف ثمانیہ میں عاملین ہی کی صرف ایک مد ہے جس میں حق الخدمت دینا جائز ہے۔

دوسوال اوران کے جواب:

اب یہاں دوسوال پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ مال زکوۃ کو معاوضۂ خدمت کے طور پر کیسے دیا گیا؟ دوسرے یہ کہ مالدار کے لئے یہ مال حلال کیسے ہوا؟ ان دونوں سوالوں کا ایک ہی جواب ہے وہ یہ کہ عاملین حضرات فقراء کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے، جب عاملین نے زکوۃ کی رقم فقراء کے وکیل ہونے کی حیثیت سے وصول کر لی تو زکوۃ دینے والوں کی زکوۃ ادا ہوگئی، اب یہ پوری رقم ان فقراء کی ملک ہے جن کی طرف سے بطور وکیل انہوں نے وصول کی ہے، اب جو رقم حق الخدمت کے طور پر دی جاتی ہے وہ مالداروں کی طرف سے نہیں بلکہ فقراء کی طرف سے ہے اور فقراء کو اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار ہے۔

ایک اہم سوال:

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ فقراء نے تو ان کو وکیل ومختار بنایا نہیں، یہ ان کے وکیل کیسے بن گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ جس کو امیر کہا جاتا ہے وہ قدرتی طور پر من جانب اللہ پورے ملک کے فقراء کا وکیل ہوتا ہے کیونکہ ان سب کی ضروریات کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے امیر الملک جن کو صدقات کی وصولی پر عامل بنادے وہ سب ان کے نائب اور وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ عاملین کو جو کچھ حق الخدمت کے طور پر دیا گیا ہے وہ درحقیقت زکوۃ نہیں بلکہ زکوۃ جن فقراء کا حق ہے ان کی طرف سے معاوضۂ خدمت دیا گیا ہے۔

فائدۂ جلیلہ:

تفصیل مذکورسے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آجکل جو اسلامی مدارس اور مکاتب وانجمنوں کے مہتمم حضرات یاان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفراء صدقات وزکوۃ وغیرہ مدارس وانجمنوں کے لئے وصول کرتے ہیں ان کا وہ حکم نہیں ہے جو عاملین صدقہ کا ہے لہٰذا سفراء حضرات کی تنخواہ مال زکوۃ سے دینا جائز نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقراء کے وکیل نہیں ہیں بلکہ اصحاب زکوۃ مالداروں کے وکیل ہیں ان کی طرف سے مال زکوۃ، زکوۃ کے مصرف میں لگانے کا اختیار دیا گیا ہے، اسی لئے ان کا قبضہ ہوجانے کے بعد بھی زکوۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جبتک وہ اپنے مصرف میں صرف نہ ہوجائے سفراء کا حقیقۃً فقراء کا وکیل نہ ہونا تو ظاہر ہے کہ ان کو کسی فقیر نے وکیل بنایا ہی نہیں ہے اور امیر المومنین کی طرف سے ولایت عامہ جو عاملین کو حاصل ہوتی ہے وہ بھی ان کو حاصل نہیں ہے لہٰذا بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان کو اصحاب زکوۃ مالداروں کا وکیل قرار دیا جائے، اور جبتک وکیل کا قبضہ رہے وہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ خود مؤکل کا لہٰذا مصرف زکوۃ میں خرچ نہ ہونے تک زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

وَمِنْهُمْ ای المنافقین الذین یؤذون النبیَّ، یہ بھی منافقوں کی ہرزہ سرائی اور بیہودہ بکواس کا ذکر ہے جس کا مقصد آنحضرت ﷺ کو تکلیف پہنچانا ہے، جو باتیں منافقین آپ ﷺ کے بارے میں کہا کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ محمد ﷺ تو کان کے کچے ہیں یعنی جو سنتے ہیں اس کو سچ مان لیتے ہیں اس پر غور نہیں کرتے اگر کوئی مسلمان ان کی باتیں جاکر کہہ دیتا ہے تو اس کو سچ مان لیتے ہیں اور جب ہم قسم کھا کر اس کا انکار کردیتے ہیں ہماری بات کو سچ مان لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ تم انھیں (کان کا کچا) کہتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ انھیں جھوٹ اور سچ کی تمیز نہیں ہے، ایسا نہیں ہے انہیں جھوٹ اور سچ کی خوب تمیز ہے مگر تمہاری طرف سے تغافل اور چشم پوشی کرتے ہیں اور اہل نفاق کے حق میں رحمت ہیں کہ اپنی زبان سے کچھ کہکر ان کا پردہ فاش نہیں کرتے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ ایسی باتیں کرکے آپ ﷺ کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں عبداللہ بن مسعود کی ایک روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حُنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت جب ایک منافق جس کا نام معتب بن قشیر تھا اس نے مال غنیمت کے بارے میں اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا اللہ موسیٰ پر رحمت نازل کرے کہ انہوں نے امت کے لوگوں کے ہاتھوں اس سے بھی زیادہ اذیتیں برداشت کی تھیں۔

(صحیح بخاری)

یحلفون باللّٰہ لکم لِیُرضوکم الخ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے منافقوں کے پوشیدہ راز کو ظاہر فرمادیا کہ یہ لوگ خلوتوں میں آنحضرت ﷺ اور مومنوں پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اور اس کی اطلاع آپ کو ہوجاتی ہے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر جھوٹی قسمیں کھا کر انکار کردیتے ہیں، اس جھوٹی قسم سے ان کا منشا آپ کو اور مومنوں کو خوش کرنا ہوتا ہے حالانکہ ہونا یوں

چاہئے تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنے کی فکر کرتے اور نفاق چھوڑ کر مخلص مومن ہو جاتے، کیا انھیں معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے وہ ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہے گا۔

شانِ نزول:

لئن سالتهم، تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس اور قتادہ سے اس آیت کا جو شانِ نزول مروی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک جماعت منافقین کی تھی کبھی تو وہ آپ ﷺ کی شان میں خفیہ طور پر بدگوئی کرتے اور کبھی قرآن کے بارے میں نکتہ چینی کرتے اور جب ان سے کہا جاتا تو فوراً مکر جاتے اور قسمیں کھانے لگتے، اور کہہ دیتے کہ ہم تو آپس میں یوں ہی ہنسی مذاق کر کے ٹائم پاس کر رہے تھے، ان کے حال کو ظاہر کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔

اِنْ یُّعْفَ یاء کے ساتھ بصیغۂ مجہول اور نون کے ساتھ بصیغۂ معروف، اگر تم میں کی کوئی جماعت اس حرکت سے باز آ جائے اور دل سے توبہ کر لے تو معاف کر دیا جائیگا، جیسا کہ مخشی بن حُمیّر اور بعض نسخوں میں جحش بن حمیر ہے یہ شخص بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو اللہ کے رسول اور قرآن کا مذاق اڑایا کرتے مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے سچے دل سے توبہ کر لی اور جنگ یمامہ میں شہید ہوا، اس نے دعاء کی تھی کہ اے اللہ تو مجھے اپنے راستہ میں شہادت نصیب فرما، کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے غسل دیا گیا یا مجھے کفنایا گیا یا مجھے دفن کیا گیا چنانچہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ ان کی جائے شہادت کہاں تھی اور کس نے ان کو کفن دیا؟

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ای مُتَشَابِهُوْنَ فی الدِّیْنِ کَاَبْعَاضِ الشَّیْءِ الْوَاحِدِ **یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ** الكُفْرِ وَالْمَعَاصِیْ **وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ** الایمان والطاعةِ **وَیَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَهُمْ** عن الانفاقِ فی الطاعةِ **نَسُوا اللّٰهَ** تَرَكُوْا طاعتَهٗ **فَنَسِیَهُمْ** تَرَكَهُمْ مِنْ لُطْفِهٖ **اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ** ﴿٦٧﴾ **وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ هِیَ حَسْبُهُمْ** جَزَاءً وعِقَابًا **وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ** اَبْعَدَهُمْ عن رَحْمَتِهٖ **وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ** ﴿٦٨﴾ دائمٌ انتم ایها المنافقونَ **كَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا** تَمَتَّعُوْا **بِخَلَاقِهِمْ** نَصِیْبِهِم من الدُّنْیَا **فَاسْتَمْتَعْتُمْ** ایها المنافقونَ **بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ** فی الباطلِ وَالطَّعْنِ فی النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم **كَالَّذِیْ خَاضُوْا ۭ** ای كَخَوْضِهِمْ **اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ** ﴿٦٩﴾ **اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ** خَبَرُ **الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ** قومِ هُوْدٍ **وَّثَمُوْدَ ڏ** قَوْمِ صالحٍ **وَقَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ** قومِ شُعَیْبٍ **وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ** قُرٰی قَوْمِ لوطٍ ای اَهْلِهَا **اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ** بالمُعْجِزَاتِ فَكَذَّبُوْهم فَاُهْلِكُوْا

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ بِاَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۷۰ بارتكاب الذُّنُوْب وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ لا يُعْجِزُهٗ شيءٌ عَنْ اِنْجازِ وَعْدِهٖ وَوَعِيْدِهٖ حَكِيْمٌ ۝۷۱ لا يَضَعُ شيئًا الا فِيْ مَحَلِّهٖ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ اِقَامَةٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ اَعْظَمُ مِن ذٰلِكَ كُلِّهٖ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۷۲

ترجمہ: منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہیں، یعنی دین کے معاملہ میں ایک شئ کے اجزاء کے مشابہ ہیں، برائی کا (یعنی) کفر و معاصی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی (یعنی) ایمان و طاعت سے روکتے ہیں اور طاعت میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھوں کو روکے رکھتے ہیں اللہ کو بھول گئے ہیں یعنی اسکی اطاعت کو ترک کردیا ہے، تو اللہ نے بھی انھیں بھلا دیا ہے یعنی ان کو اپنے کرم سے محروم کردیا ہے، یقیناً یہ منافق ہی فاسق ہیں ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے اللہ نے آتش دوزخ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہی جزا و سزا کے اعتبار سے ان کے لئے ہے، اللہ نے ان پر لعنت کی ہے یعنی ان کو اپنی رحمت سے دور کردیا ہے، اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے اے منافقو! تمہارے رنگ ڈھنگ ویسے ہی ہیں جیسے تم سے پہلے والوں کے تھے، وہ تم سے زیادہ زور آور تھے اور مال و اولاد میں تم سے بڑھے ہوئے تھے انہوں نے دنیا میں اپنے حصہ کے مزے لوٹ لئے پھر اے منافقو! تم نے بھی اپنے حصہ کے مزے اسی طرح لوٹے جس طرح تمہارے پیش روؤں نے اپنے حصہ کے مزے لوٹے، اور تم بھی نبی ﷺ پر طعن کرنے اور باطل کی بحثوں میں اسی طرح پڑ گئے جس طرح وہ پڑ گئے تھے یہی ہیں وہ لوگ جن کے اعمال (خیر) دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہی خسارے میں ہیں، کیا ان کے پاس ان لوگوں کی تاریخ نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں، (مثلاً) قوم نوح اور عاد جو کہ ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم تھی اور ثمود (کی تاریخ) جو صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم تھی، اور قوم ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اور اصحاب مدین کی جو قوم شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام تھی، اور ان بستی والوں کی جنہیں الٹ دیا گیا تھا (اور وہ) قوم لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بستیوں والے تھے ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں معجزات لے کر آئے تھے، مگر انہوں نے ان کی تکذیب کی چنانچہ انھیں ہلاک کردیا گیا، یہ اللہ کا کام نہیں تھا کہ وہ ان پر ظلم کرے بایں طور کہ بلاوجہ ان کو عذاب دے مگر (حقیقت یہ ہے کہ) وہ خود ہی گناہوں کا ارتکاب کرکے اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی وہ لوگ جن پر اللہ عنقریب رحم کرے گا یقیناً اللہ تعالیٰ غالب ہے اس کو اپنا وعدہ پورا کرنے، وعید کو نافذ کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا با حکمت

ہے، ہر شئی کو اس کے محل (وموقع) پر کرتا ہے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ایسی جنت عطا کرے گا جس میں نہریں جاری ہوں گی اسمیں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان باغوں میں انکے لئے پاکیزہ قیام گاہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انھیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی جو کہ ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: ترکوا طاعته، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ نسیان پر کسی سے مؤاخذہ نہیں ہوتا اور نہ نسیان قابل مذمت، اسلئے کہ یہ من جانب اللہ ہوتا ہے تو پھر اس کو مقام مذمت میں کیوں ذکر فرمایا؟

جَوَابٌ: یہاں اور آئندہ نسیان سے اس کے لازم معنی مراد ہیں اسلئے کہ نسیان کے لئے ترک لازم ہے اللہ تعالیٰ کے بھلانے کا مطلب ہے اپنی رحمت خاصہ سے محروم کر دینا۔

قَوْلُهُ: انتم ایّها المنفقون، انتم محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ کالذینَ مِن قَبْلکم مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے نہ کہ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب اسلئے کہ اس صورت میں کثرت حذف لازم آئیگا حالانکہ حذف میں تقلیل اولیٰ ہے۔

قَوْلُهُ: نصیبهم، اس میں خلاق کے معنی کی طرف اشارہ ہے، یہ خلق سے مشتق ہے بمعنی تقدیر۔

سَوَال: فکذبوهم کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: تاکہ "فَمَا کانَ اللّٰه لِیظلمهم" کا عطف فاءِ تعقیبیہ کے ذریعہ درست ہو جائے۔

قَوْلُهُ: اِقامَةٍ اس میں اشارہ ہے کہ عَدْن بمعنی خلود، ہے لہٰذا تکرار کا اعتراض دفع ہو گیا۔

قَوْلُهُ: رضوانٌ من اللّٰه، رضوانٌ میں تنوین تنکیر کی ہے یعنی اللہ کی ادنیٰ رضامندی بھی بڑی چیز ہے۔

تفسیر و تشریح

المنفقونَ والمنفقٰت بعضهم من بعض، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تین سو منافق مرد اور ۱۷۰ منافق عورتیں تھیں آپ ﷺ کے زمانہ میں وہ لوگ منافق کہلاتے تھے جو مسلمانوں کے ہاتھ سے اپنی جان اور اپنا مال بچانے کی غرض سے ظاہر میں تو اسلام قبول کر لیتے تھے مگر ان کے دل میں کفر جما رہتا تھا اگر چہ دل کا حال سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا مگر آپ ﷺ کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آپ کو ان کے نفاق کی اطلاع کر دیتا تھا، البتہ عملی منافق کا اسکے اعمال سے اور انکی علامات سے جو آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں علم ہو جاتا ہے وہ شرعی احکام میں سستی کرتا ہے، اکثر جھوٹ بولتا ہے، بات بات پر لڑائی جھگڑے کرتا ہے، گالیاں منہ سے نکالتا ہے، امانت میں خیانت اس کا شیوہ ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ عملی منافق کہلاتے ہیں ایسے

لوگ اس زمانہ میں بھی ہیں اور ہر زمانہ میں رہیں گے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کا حال بیان فرمایا ہے کہ ان کے اعمال ایک جیسے ہیں، تمام منافقوں کی مشترکہ خصوصیت یہ ہے کہ ان سب کو برائی سے دلچسپی اور بھلائی سے نفرت وعداوت ہے، اگر کوئی شخص برائی کرتا ہے تو ان کی ہمدردیاں، ان کے مشورے اس کے ساتھ ہوتے ہیں، ان کی ہر ادا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برائی کے پروان چڑھنے سے ان کو راحت قلبی نصیب ہوتی ہے اور اسی میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کے برخلاف ان کو ہر بھلے کام سے صدمہ پہنچتا ہے ان کی روح بے چین ہونے لگتی ہے، ایک مشترکہ خاصیت ان کی یہ بھی ہے کہ نیکی کے کام میں خرچ کرنے کیلئے ان کا ہاتھ کبھی نہیں کھلتا، بدی میں خرچ کرنے کیلئے چاہے وہ اپنے وقت کے قارون ہوں خوب خرچ کرتے ہیں۔ مگر نیکی میں خرچ کرنے کیلئے ان سے زیادہ کوئی مفلس نہیں۔

فما كان الله ليظلمهم الخ یعنی ان کی تباہی و بربادی اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ اللہ کو ان کے ساتھ کوئی دشمنی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ انھیں تباہ کرے، بلکہ دراصل انہوں نے خود ہی اپنے لئے وہ طرز زندگی پسند کیا جو انھیں بربادی کی طرف لیجانیوالا تھا، اللہ نے تو انھیں سوچنے سمجھنے اور غور وفکر کرنے کا پورا موقع دیا، انکی فہمائش کیلئے رسول بھیجے رسولوں نے نہایت واضح طریقہ سے بتادیا کہ کامرانی اور فلاح کا راستہ کونسا ہے؟ اور ہلاکت وناکامی کا راستہ کونسا ہے؟

والمؤمنون والمؤمنات، جس طرح منافقین ایک الگ امت ہیں اسی طرح اہل ایمان بھی ایک الگ امت ہیں، اگرچہ ایمان کا ظاہری اقرار اور اسلام کی پیروی کا خارجی اظہار دونوں گروہوں میں مشترک ہے، لیکن ان کے مزاج، اخلاق، اطوار اور طرز فکر وعمل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ بالسَّيفِ وَالْمُنٰفِقِيْنَ باللِّسَانِ والحُجَّةِ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ بالانتهارِ والمَقْتِ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ المَرجِعُ هِيَ يَحْلِفُوْنَ اي المنافقونَ بِاللهِ مَا قَالُوْا مَا بَلَغَكَ عنهم مِنَ السَّبِّ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ اَظْهَرُوا الكُفرَ بَعدَ اِظْهَارِ الاِسْلَامِ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا مِنَ الفتكِ بالنبيِّ صلى الله عليه وسلم لَيْلَةَ العَقَبَةِ عِندَ عَوْدِهٖ مِن تَبُوْكَ وهم بِضْعَةَ عَشَرَ رَجُلاً فَضَرَبَ عَمَّارُ بنُ ياسرٍ وُجُوْهَ الرَّوَاحِلِ لَمَّا غَشُوْهُ فَرُدُّوْا وَمَا نَقَمُوْٓا اَنْكَرُوْا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ بالغنائمِ بَعْدَ شِدَّةِ حَاجَتِهِم، المعنى لَمْ يَنَلْهُمْ منه الاهذا وليسَ مِمَّا يُنْقَمُ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا عن النفاقِ و يُؤْمِنُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا عن الايمانِ يُعَذِّبْهُمُ اللهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا بالقتلِ وَالْاٰخِرَةِ بالنارِ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ يَحفَظُهم منه وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ يَمْنَعُهُمْ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ فيه ادغامُ التاءِ في الاصلِ في الصادِ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ وهو ثعلبةُ بنُ حاطبٍ سَأَلَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم اَنْ يَدْعُوَ له اَنْ يَرْزُقَهُ اللهُ مَالاً ويُؤَدِّيَ منه كُلَّ ذِي حقٍّ حَقَّه فَدَعَا له فَوُسِّعَ عليه فَانْقَطَعَ عَنِ الجُمُعَةِ والجماعةِ وَمَنَعَ الزكوٰةَ كما قالَ تعالىٰ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا عن طاعةِ اللهِ

تعالٰی وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ ای فصَیَّرَ عاقِبَتَهُمْ نِفَاقًا ثابتًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ ای اللّٰہ وہو یومُ القیٰمۃِ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ فیہ فَجاءَ بعدَ ذٰلِکَ الی النبیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بزکاتِہٖ فقالَ اِنَّ اللّٰہَ مَنَعَنِیْ اَنْ اَقْبَلَ منک فجَعَلَ یَحْثُوا التُّرَابَ علی راسِہٖ ثُمَّ جاءَ بہا الی ابی بکر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ فلَمْ یَقْبَلْہا ثم الٰی عمرَ فلَمْ یَقْبَلْہا ثم الٰی عُثْمَانَ فلم یَقْبَلْہا ثم مَاتَ فی زمانِہٖ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا ای المنافقونَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ مَا اَسَرُّوْہُ فی انفسِہم وَنَجْوٰىهُمْ مَاتَنَاجَوْا بہ بینَہُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۷۸﴾ مَا غَابَ عَنِ العِیَانِ ولَمَّا نَزَلَتْ اٰیۃُ الصَّدَقَۃِ جاءَ رَجُلٌ فتَصَدَّقَ بشیْءٍ کثیرٍ فقال المنافقون مُرَاءٍ وجَاءَ رَجُلٌ فتَصَدَّقَ بصَاعٍ فقَالُوْا ان اللّٰہَ لغنیٌّ عن صَدَقَۃِ ہٰذا فنَزَلَ اَلَّذِیْنَ مُبْتَدَأٌ یَلْمِزُوْنَ یَعِیْبُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ المُتَنَفِّلِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ طاقتَہُمْ فیاتُوْنَ بہ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ والخبرُ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ جَازَاہُمْ عَلٰی سُخْرِیَّتِہِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ یامُحَمَّدُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ تخییرٌ لہ فی الاستغفار وتَرْکِہٖ قَالَ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِنِّیْ خُیِّرْتُ فَاخْتَرْتُ یعنی الاستغفارَ رواہ البخاری اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ قیل المرادُ بالسبعینَ المبالغۃُ فی کثرۃِ الاستغفار وفی البخاری حدیثُ لَوْ اَعْلَمُ انی لَوزِدْتُ علی السبعِیْنَ غُفِرَ لَزِدْتُ علیہا وقیل المرادُ العددُ المخصوصُ لِحَدِیْثِہٖ ایضًا وسأزیدُ علی السبعینَ فبَیَّنَ لَہٗ حَسْمَ المغفرۃِ بایۃِ سَوَآءٌ عَلَیْہِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَہُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَہُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۸۰﴾ ع ۸ / ۱۶

ترجمہ: اے نبی کافروں کے ساتھ تلوار سے اور منافقوں کے ساتھ زبان و برہان سے جہاد کیجئے، اور ان منافقوں کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ اور خفگی کے ذریعہ سختی سے پیش آیئے، (آخرکار) ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے اور منافق اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ گالی کی جو بات ہماری طرف سے آپ کو پہنچی ہے وہ ہم نے نہیں کہی، حالانکہ یقیناً وہ کافرانہ بات انہوں نے کہی، اور اسلام لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے یعنی اسلام ظاہر کرنے کے بعد انہوں نے کفر ظاہر کیا، اور انہوں نے اس میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا جو وہ نبی ﷺ کو قتل کے ارادہ سے تبوک سے لوٹتے وقت لیلۃ العقبہ میں کرنا چاہتے تھے اور وہ دس سے کچھ زائد لوگ تھے، اور عمار بن یاسر نے ان کی سواریوں کے منہ پر مار مار کر ان کا رخ پھیر دیا، جب وہ ڈھاٹے مار کر آپ ﷺ پر یکبارگی چڑھ آئے اور ان (منافقوں کو) جو بات ناپسند آئی وہ صرف یہ تھی کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل (وعنایت) سے مال غنیمت کے ذریعہ ان کی شدید حاجت کے وقت غنی کر دیا حاصل یہ ہے کہ ان (منافقوں) کو اس کی طرف سے جو کچھ پہنچا وہ اس کے سوا کچھ نہیں تھا، اور یہ ایسی بات نہیں کہ جس سے اظہار ناراضگی کیا جائے، اگر یہ لوگ نفاق سے توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں تو ان کے لئے بہتر ہوگا اور اگر یہ لوگ ایمان سے اعراض کریں گے تو اللہ ان کو دنیا میں قتل کے

ذریعہ اور آخرت میں آگ کے ذریعہ دردناک عذاب دے گا اور دنیا میں ان کا نہ کوئی یار ہوگا جو ان کی (اس کے عذاب سے) حفاظت کر سکے اور نہ مددگار جو ان کو بچا سکے اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر ہمیں (اللہ) اپنے فضل سے (دولت) عطاء کرے گا تو ہم ضرور صدقہ (وخیرات کیا) کریں گے (لَنَصَّدَّقَنَّ) میں دراصل تاء کا صاد میں ادغام ہے اور صالحین میں سے ہو جائیں گے اور یہ شخص ثعلبہ بن حاطب تھا کہ اس نے نبی ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ میرے لئے دعاء فرمادیں کہ اللہ مجھے خوب دولتمند کردے، اور میں اس مال سے ہر حقدار کا حق ادا کردوں، چنانچہ آپ نے دعاء فرمادی جس کی وجہ سے اس کے لئے فراخی کردی گئی تو وہ جمعہ و جماعت کا بھی تارک ہوگیا، اور زکوۃ دینی بند کردی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، جب ان کو اس نے اپنے فضل سے (مال) عطا کردیا تو اس میں بخیلی کرنے لگے اور اللہ کی اطاعت سے بھی روگردانی کرنے لگے حال یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اعراض کرنے والے ہی ہیں (اس بخل) کا انجام یہ ہوا کہ ان کے قلوب میں اللہ کے روبروپیشی کے وقت تک کیلئے نفاق پیوست کردیا گیا، اور وہ قیامت کا دن ہے، اور یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی اور اس وجہ سے کہ وہ عہد کے بارے میں جھوٹ بولتے رہے پھر اس کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں زکوۃ (کا مال) لیکر حاضر ہوا، تو آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے منع کردیا ہے کہ میں تیرا مال قبول کروں، تو اس نے اپنے سر پر خاک ڈالنی شروع کردی، پھر اس (مال زکوۃ) کو ابوبکر صدیق کے پاس لے گیا تو انہوں نے بھی اسے قبول کرنے سے انکار کردیا پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں (مال زکوۃ لے کر) حاضر ہوا، آپ نے بھی قبول نہ کیا، اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار کردیا، اس کا انتقال حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا، کیا منافق جانتے نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی راز کی باتوں کو جن کو وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور ان سرگوشیوں کو جن کو وہ آپس میں کرتے ہیں جانتا ہے، یقیناً اللہ ان مغیبات کو بھی جانتا ہے جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں، اور جب آیت (خُذْ مِنْ اَمْوالِهِم) نازل ہوئی تو ایک شخص (حضرت عبدالرحمٰن بن عوف) آئے اور بڑی مقدار (چار ہزار دینار) صدقہ کیا تو منافقوں نے کہا ریاکار ہے، اور ایک دوسرے شخص (حضرت ابوعقیل انصاری) آئے انہوں نے ایک صاع کھجور صدقہ کیا تو (منافقوں) نے کہا اللہ تو اس (قلیل صدقہ) سے مستغنی ہے، تو آئندہ آیت (الذین یلمزون الخ) نازل ہوئی، اور ان (دولتمند منافقوں) کو بھی خوب جانتا ہے (الذین) مبتداء ہے، جو خوش دلی سے دینے والے اہل ایمان کی مالی قربانیوں (صدقات) پر باتیں بگھارتے ہیں (نکتہ چینی) کرتے ہیں اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس (راہ خدا میں دینے کے لئے) اس کے سوا کچھ نہیں جو وہ محنت مزدوری کرکے لاتے ہیں تو یہ (دولتمند) ان کا مذاق اڑاتے ہیں اللہ نے بھی ان کا مذاق اڑایا یعنی ان کے مذاق اڑانے کا بدلہ دیا، (سخر اللہ منهم) مبتداء کی خبر ہے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اے محمد ﷺ تم ایسے لوگوں کیلئے معافی طلب کرو یا نہ کرو یہ آپ ﷺ کو استغفار کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے، آپ نے فرمایا مجھے (استغفار کرنے یا نہ کرنے) کا اختیار دیا گیا تو میں نے استغفار کو اختیار کیا، (رواہ البخاری) اگر تم ستر مرتبہ بھی ان لوگوں کو معاف کرنے کی

درخواست کرو گے تو اللہ انھیں ہرگز معاف نہ کرے گا اور ستر کے عدد سے کثرت استغفار میں مبالغہ کرنا مقصود ہے اور بخاری شریف میں ایک حدیث ہے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اگر میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں تو وہ معاف کر دے گا تو میں اس سے زیادہ کرتا، اور کہا گیا ہے کہ (ستر کا) عدد مخصوص مراد ہے بخاری کی حدیث کی وجہ سے کہ میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا، آپ ﷺ کو سواء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم، کے ذریعہ بتادیا گیا کہ ان سے مغفرت کو کاٹ دیا گیا ہے، اور یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہنمائی نہیں فرماتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: المنفقون، (مفاعلة) اسم فاعل جمع مذکر غائب مرفوع، دورخی کرنے والا شریعت کی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جو زبان سے اسلام کا اقرار کرے مگر دل میں اس کے برخلاف ہو، نفق کے اصل معنی خرچ ہوجانے اور چلے جانے کے ہیں، نَفَقَتِ الدراھمُ، روپیہ سب ختم ہوگیا، نافقاء (ضَبّ) گوہ کا بل، سوراخ، جس کے کم از کم دو دہانے ہوتے ایک دہانے سے داخل ہوتی ہے شکاری اس سوراخ کی طرف متوجہ رہتا ہے گوہ دوسرے سوراخ سے نکل کر باہر چلی جاتی ہے منافق بھی زبانی اقرار سے اسلام میں داخل ہوتا ہے مگر دلی عقیدہ کی وجہ سے اسلام سے خارج ہوجاتا ہے آپ ﷺ کے زمانہ میں منافق مردوں کی تعداد (٣٠٠) اور منافق عورتوں کی تعداد (١٧٠) تھی۔ (جمل)

قولہ: بعضھم من بعض، بعضھم مبتداء ہے اور من بعض اس کی خبر ہے اور مِنْ اتصالیہ ہے۔

قولہ: یقبضون ایدیھم، قبض ید، بخل سے کنایہ ہے حقیقۃً مٹھی بند کرنا مراد نہیں ہے اسی طرف مفسر علام نے عن الانفاق فی الطاعة کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

قولہ: ترکوا طاعتهٗ دونوں جگہ نسیان سے اس کے لازم معنی یعنی ترک مراد ہیں، اول جگہ اس لئے کہ نسیان پر مؤاخذہ نہیں ہے اور نہ قابل مذمت اور دوسری جگہ اس لئے کہ نسیان کی نسبت اللہ کی طرف محال ہے لہٰذا لازم معنی یعنی محروم کرنا مراد ہیں۔

قولہ: انتم ایّھا المنافقون، اس میں اشارہ ہے کہ کاف، کالذین میں مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے نہ کہ فعل محذوف کی وجہ سے محل نصب میں۔

قولہ: کخوضھم یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: منافقین کے خوض کو کفار کی ذوات کے ساتھ تشبیہ درست نہیں ہے اسلئے کہ خوض صفت ہے اور کفار ذوات۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور وہ مصدر ہے، ای خضتم خوضًا کخوضھم.

قولہ: المؤتفکت، یہ مؤتفکة کی جمع ہے ایتفاك، (افتعال) مصدر ہے، اِفكٌ مادہ ہے الٹی ہوئی، زیروزبر کی ہوئی مراد قوم لوط کی بستیاں ہیں، جو بحر مردار کے ساحل پر آباد تھیں، جس کا مرکزی شہر سندوم یا سدوم تھا۔

قَوْلُہٗ: فکذبوھم اس اضافہ کا مقصد فما کان اللّٰہ لیظلمھم کے عطف کو درست کرنا ہے تاکہ فاء تعقیبیہ کے ذریعہ عطف درست ہوجائے۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

سابقہ آیات میں منافقوں کا حال اور ان کا انجام اس کے بعد مومنوں کے اوصاف اور آخرت میں ان کے لئے درجات عالیہ کا بیان تھا، اب آپ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کفار اور منافقوں سے جہاد کرو، خطاب اگرچہ آپ ﷺ کو ہے مگر حکم پوری امت کو ہے اور یہ بھی حکم فرمایا کہ اپنی عادت کے خلاف ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے اطوار بیان فرمائے کہ ان کی عادت یہ ہے کہ ایک بات کہہ کر مکر جاتے ہیں، اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ اور کافرانہ کلمے نکالے جب اس کی خبر آپ ﷺ کو پہنچی تو صاف انکار کردیا، اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں مفسرین نے کئی سبب بیان کئے ہیں۔

پہلا سبب:

کہا گیا ہے کہ مذکورہ آیت جلاس بن سوید بن صامت اور ودیعہ بن ثابت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کی صورت یہ ہوئی کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر منافقین کی مذمت کے بارے میں بکثرت آیات کا نزول ہونے لگا تو منافقوں نے کہا کہ اگر محمد کا کہنا ہمارے بھائیوں کے بارے میں کہ جو غزوہ میں شریک نہیں ہوئے ہیں صحیح ہے اگر وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں تو پھر تو ہم گدھے ہیں، عامر بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا اس میں کیا شک ہے واللہ محمد ﷺ صادق ومصدوق ہیں اور تو گدھے سے بھی بدتر ہے، اور عامر بن قیس نے اسکی اطلاع آپ ﷺ کو بھی کردی، جب جلاس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنی کہی ہوئی بات سے مکر گیا اور قسم کھا گیا کہ عامر بن قیس جھوٹا ہے اور عامر نے قسم کھائی کہ واللہ اس نے ایسا ہی کہا تھا اور دعاء کی اَللّٰھم انزل علی نبیك شیئًا'' فنزلت، عامر بن قیس نے اللہ سے دعاء کی کہ یا اللہ تو اس بارے میں اپنے نبی پر کچھ نازل فرما، چنانچہ مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس بات کے سننے والے عاصم بن عدی تھے اور بعض نے کہا ہے حذیفہ بن یمان تھے۔

دوسرا سبب:

کہا گیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جبکہ اس نے غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی کے وقت یہ بات کہی تھی کہ ہماری مثال تو محمد کے بارے میں ایسی ہے جیسی کہ کسی نے کہا ہے سَمِّنْ کلبك

یا کلك "لئن رجعنا الی المدینة لیخرجنّ الاعزّ منها الاذلّ". کہاوت مشہور ہے کہ کتے کو کھلا پلا کر موٹا کر اور تجھ ہی کو کاٹنے کو آئے، وطنی زبان میں کہا جاتا ہے "ہماری بلّی ہم ہی کو میاؤں" مدینہ پہنچ کر عزت دار ذلت دار کو نکال دے گا، اس کی اطلاع آپ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا تو صاف انکار کر دیا اور قسم کھا گیا کہ اس نے یہ بات ہر گز نہیں کہی۔

تیسرا سبب:

ایک روایت میں ہے کہ تبوک کے سفر میں آپ ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی مسلمان اس کو تلاش کر رہے تھے اس پر منافقوں کے ایک گروہ نے اپنی مجلس میں بیٹھکر خوب مذاق اڑایا اور کہا کہ یہ حضرت آسمان کی خبریں تو خوب سناتے ہیں مگر اپنی اونٹنی کی کچھ خبر نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟

وهمّوا بما لم ینالوا الخ یہ اشارہ ان سازشوں کی طرف ہے جو منافقوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر کی تھیں، ان میں ایک سازش کے واقعہ کو محدثین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ تبوک سے واپسی پر مسلمانوں کا لشکر جب ایسے مقام پر پہنچا کہ جہاں سے راستہ پہاڑوں کے درمیان درّے سے گذرتا تھا تو بعض منافقین نے طے کیا کہ رات کے وقت کسی گھاٹی میں گذرتے ہوئے نبی ﷺ کو گڑھے میں پھینک دیں گے، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہو گئی آپ نے تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ وادی کے راستہ سے نکل جائیں اور آپ ﷺ عمار بن یاسر اور حذیفہ بن یمان کو ساتھ لیکر گھاٹی کے اندر سے ہو کر چلے اثناء راہ یکا یک معلوم ہوا کہ دس بارہ آدمی ڈھاٹے باندھے ہوئے پیچھے پیچھے آرہے ہیں یہ دیکھ کر حضرت حذیفہ ان کی طرف لپکے تا کہ ان کے اونٹوں کو مار مار کر ان کے منہ پھیر دیں مگر وہ دور ہی سے حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آتے دیکھ کر ڈر گئے اور اس خوف سے کہ کہیں پہچان نہ لئے جائیں فوراً بھاگ نکلے۔

دوسری سازش:

جس کا اس سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے یہ ہے کہ منافقوں کو رومیوں کے مقابلے سے نبی ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بخیریت بچ کر واپس آنے کی امید نہیں تھی اس لئے انہوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ جوں ہی اُدھر کوئی سانحہ پیش آئے اِدھر مدینہ میں عبداللہ بن ابی کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا جائے، مطلب یہ ہے کہ مذکورہ سازشیں جن مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے کی گئی تھیں ان میں سے ایک مقصد بھی ان کو حاصل نہیں ہوا؟ رکوع کے آغاز ہی میں ایک اہم ہدایت ہے کہ کفار ومنافقین سے تلوار اور زبان سے جہاد کرو اور سختی سے پیش آؤ جس کا حکم مسلمانوں کو دیا جانا ضروری تھا اس کے بغیر اسلامی معاشرہ کو تنزل وانحطاط کے اندرونی اسباب سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا تھا، کوئی جماعت جو اپنے اندر منافقوں اور غداروں کو پرورش کرتی ہو اور جس میں گھریلو سانپ عزت اور تحفظ کے ساتھ آستین میں بٹھائے جاتے ہوں اخلاقی زوال اور بالآخر

کامل تباہی سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی نفاق کا حال طاعون کا سا ہے اور منافق وہ چوہا ہے جو اس وبا کے جراثیم لئے پھرتا ہے اس کو آزادی سے چلنے پھرنے کا موقع دینا گویا پوری آبادی کو موت کے خطرہ میں ڈالتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس گروہ کے ساتھ سختی کا معاملہ کرکے ان کو مخلصین سے بالکل الگ تھلگ کردیا جائے۔

وَمَا نقموا اِلَّا اَنْ اغنٰهم اللّٰه ورسوله من فضله نبی ﷺ کی ہجرت سے پہلے مدینہ عرب کے قصبات میں سے ایک معمولی قصبہ تھا، اور اوس اور خزرج کے قبیلے مال یا جان کے لحاظ سے کوئی خاص اہمیت نہ رکھتے تھے، مگر جب آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور انصار نے آپ کا ساتھ دیکر اپنے آپ کو خطرات میں ڈال دیا تو آٹھ نو سال کے اندر یہی متوسط قصبہ تمام عرب کا دارالسلطنت بن گیا، وہی اوس وخزرج کے کاشتکار سلطنت کے اعیان اور اکابر بن گئے، اور ہر طرف سے فتوحات، غنائم اور تجارت کی برکات اس کے مرکزی شہر پر بارش کی طرح برسنے لگیں، اللہ تعالیٰ منافقین کو اسی پر شرم دلا رہا ہے کہ ہمارے نبی پر تمہارا یہ غصہ کیا اسی قصور کی پاداش میں ہے کہ اس کی بدولت یہ نعمتیں تمہیں بخشی گئیں، یہ کلمہ بطور طنز فرمایا گیا ہے یعنی تم احسان فراموش ہو، احسان مند ہونے کے بجائے عداوت رکھتے ہو۔

الذین یلمزون المطوعین من المؤمنین، غزوۂ تبوک کے موقع پر جب نبی ﷺ نے ہنگامی چندے کی اپیل کی تو بڑے بڑے مالدار منافقین ہاتھ روک کر بیٹھے رہے، مگر جو مخلصین اہل ایمان تھے بڑھ چڑھ کر دینے لگے تو ان لوگوں نے ان پر آوازیں کسنی شروع کردیں، اگر کوئی ذی استطاعت مسلمان (مثلاً عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ) اپنی حیثیت کے مطابق بڑی رقم پیش کرتا تو اس پر ریاکاری کا الزام لگاتے اور اگر کوئی غریب مسلمان (مثلاً ابوعقیل وغیرہ) اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر کوئی چھوٹی رقم پیش کرتا یا رات بھر محنت مزدوری کرکے کچھ کھجوریں حاصل کرتا اور وہی لاکر پیش کرتا یہ اس پر آوازیں کستے کہ لو یہ ٹڈی کی ٹانگ بھی آگئی تاکہ اس سے روم کے قلعے فتح کئے جائیں، تبوک سے واپسی پر کچھ زیادہ مدت نہیں گذری تھی کہ عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کا انتقال ہوگیا اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ جو مخلص مسلمان تھے آپ ﷺ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کفن میں لگانے کے لئے آپ کا کرتہ مانگا، آپ نے کمالِ فراخ دلی کے ساتھ عنایت کردیا، پھر انہوں نے درخواست کی کہ آپ ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائیں آپ اسکے لئے بھی تیار ہوگئے حضرت عمر نے باصرار عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ اس شخص کی نماز جنازہ پڑھائیں گے جو ایسا ایسا کرچکا ہے مگر آپ ان کی یہ سب باتیں سنکر مسکراتے رہے، اور اس رحمت کی بنا پر جو سب کیلئے عام تھی آپ نے اس بدترین دشمن کے حق میں دعاء مغفرت کرنے میں بھی تامل نہ کیا آخر جب آپ ﷺ نماز پڑھانے کھڑے ہو ہی گئے تو آیت نازل ہوئی اور براہ راست حکم خداوندی سے آپ کو نماز پڑھانے سے روک دیا گیا۔

اِستغفر لھم او لا تستغفر لھم الخ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی ہے کہ ان منافقوں کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے اور ایسے لوگوں کی مغفرت نہ ہونے کا اللہ کا وعدہ ہے اسلئے یہ لوگ ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ ان کیلئے دعاء مغفرت کی جائے، لہٰذا اگر آپ ان کیلئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تو بھی خدا ان کو معاف نہ کرے گا، اسلئے کہ استغفار تو گنہگاروں کے حق میں سودمند ہوتا ہے نہ کہ اس کے لئے جو خدا اور رسول کے ساتھ کفر کرکے بغیر توبہ کے

مر گیا اور نہ ان کے زندوں کو توبہ پر مجبور کیا جائیگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے حق میں استغفار کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا ہے تو آپ نے فرمایا میں ستر بار سے زیادہ ان کیلئے استغفار کروں گا شاید خدا انھیں معاف کردے، اس پر اللہ تعالیٰ نے خفگی کے ساتھ فرمایا کہ استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے خاتمہ کا حال معلوم ہے لہٰذا انکی مغفرت نہ ہوگی یہ خفگی کی آیت سورۂ منافقون میں ہے۔

ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ شعبی سے یوں روایت کی ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی قریب المرگ ہوا تو اس کا بیٹا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس سے معلوم کیا تیرا کیا نام ہے اس نے کہا حباب بن عبداللہ آپ نے فرمایا حباب شیطان کا نام ہے اب تیرا نام عبداللہ بن عبداللہ ہے اور پھر آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور اپنا کرتہ اسے پہنایا، اور آپ نے اسکے واسطے مغفرت کی دعاء فرمائی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ عَنْ تبوكَ بِمَقْعَدِهِمْ بقُعُودِہم خِلٰفَ اى بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا اى قال بعضُہم لِبعضٍ لَا تَنْفِرُوْا لا تخرُجُوا الى الجِهادِ فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا مِن تبوكَ فالاَولٰى اَنْ تَتَّقُوها بترْكِ التَّخلُّفِ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱ يَعلَمُونَ ذٰلكَ ما تَخلَّفُوا فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا فِي الدُّنيا وَّلْيَبْكُوْا فِي الآخرةِ كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲ خَبرٌ عن حالِهِم بصِيغةِ الأمرِ فَاِنْ رَّجَعَكَ رَدَّكَ اللّٰهُ مِن تبوكَ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ مِمَّنْ تَخلَّفَ بالمدينةِ من المُنافِقِينَ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ معكَ الى غَزوةٍ اُخرى فَقُلْ اى لهم لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝۸۳ المُتَخَلِّفِينَ عَنِ الغَزْوِ مِنَ النِّساءِ وَالصِّبيانِ وغيرِہم ولَمَّا صَلَّى النبيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ على ابنِ اُبَيٍّ نَزَلَ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ لِدَفْنٍ اوزِيارةٍ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸۴ كافرونَ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ تَخرُجَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۸۵ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اى طائفةٌ مِنَ القُرآنِ اَنْ اى بِاَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ ذوو الغِنٰى مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۸۶ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ جمعُ خالِفةٍ اى النساءِ اللّاتي تَخلَّفْنَ في البيوتِ وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۷ الخيرَ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ في الدُّنيا والآخرةِ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸۸ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۸۹ ع ۱۱/۹/۱۷

ترجمہ: غزوۂ تبوک سے پیچھے چھوڑے گئے لوگ رسول اللہ ﷺ کے (نکلنے) کے بعد اپنے (گھروں) میں بیٹھ

رہنے پرخوش ہوئے، اورانھیں یہ بات ناگوار گذری کہ وہ اپنی جان ومال سے اللہ کے راستہ میں جہاد کریں، اورانہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا گرمی میں جہاد کے لئے نہ نکلو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ تبوک کی گرمی سے زیادہ سخت ہے لہٰذا بہتر ہے کہ تم ترک تخلف کرکے اس آگ سے بچو، اگر وہ اس حقیقت کو سمجھتے (تو غزوہ میں شرکت سے) پیچھے نہ رہتے، تھوڑے دنوں دنیا میں ہنس لیں آخرت میں بہت روئیں گے اور یہ رونا ان کے اعمال کی بدولت ہوگا یہ (خبر) بصیغۂ امران کی حالت کی خبر ہے پس اگر اللہ آپ کو تبوک سے ان منافقوں کے درمیان جو مدینہ میں پیچھے رہ گئے تھے (بخیر) واپس لائے اوران میں سے کوئی کسی دوسرے غزوہ میں آپ کے ساتھ شرکت کی اجازت طلب کرے تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ ہرگز کبھی بھی نہیں نکل سکتے اور نہ میری معیت میں کسی دشمن سے کبھی ہرگز لڑ سکے ہو تم نے پہلی مرتبہ بیٹھ رہنے کو پسند کیا تو اب پیچھے رہنے والی عورتوں بچوں وغیرہ ہی کے ساتھ بیٹھ رہو اور جب آپ ﷺ نے (عبداللہ) بن اُبی پر نماز جنازہ پڑھنی چاہی تو یہ آیت نازل ہوئی، اور آئندہ ان میں سے کوئی مرے تو اس کی نماز جنازہ تم ہرگز نہ پڑھنا اور دفن یا زیارت کے لئے اس کی قبر پر بھی مت کھڑے ہونا ان لوگوں نے اللہ اوراس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور حالت کفر ہی میں مرے ہیں، اوران کے مال اور اولاد (کی کثرت) آپ کو تعجب میں نہ ڈالے اللہ ارادہ کرچکا ہے کہ ان کو (اس مال واولاد) کے ذریعہ ہی دنیا میں عذاب دے اوران کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں، اور جب کبھی قرآن کا کوئی حصہ اس مضمون کا نازل ہوا کہ اللہ پر ایمان لاؤ اوراس کے رسول کے ساتھ جہاد کرو تو آپ نے دیکھا کہ ان میں سے جو مقدرت والے تھے وہی آپ سے (غزوہ) میں شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کرنے لگے کہ انھیں جہاد کی شرکت سے معاف رکھا جائے ان لوگوں نے گھر بیٹھنے والیوں میں شامل رہنا پسند کیا، خوالف، خالفۃ کی جمع ہے یعنی وہ عورتیں جو گھروں میں بیٹھ رہیں، اوران کے قلوب پر ٹھپہ لگا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ خیر کی بات کو نہیں سمجھتے اس کے برخلاف رسول نے اوران لوگوں نے جو آپ کے ساتھ ایمان لائے اور اپنی جان ومال سے جہاد کیا دنیا اور آخرت میں ساری بھلائیاں ان ہی کے لئے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ ہے عظیم الشان کامیابی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَلْمُخَلَّفُوْنَ (تفعیل) اسم مفعول جمع مذکر غائب، پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ، تخلیف کسی کو پیچھے کر دینا، پیچھے چھوڑ دینا، یہاں وہ بارہ آدمی مراد ہیں جو غزوۂ تبوک میں اپنی کسلمندی اور نفاق کی وجہ سے آپ ﷺ کے ہمراہ نہیں گئے تھے۔

قَوْلُہٗ: خِلٰفَ رسولِ اللّٰہ ای خلْفَہٗ، خِلٰفَ یا تو مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای قَعَدُوا لمخالفتہٖ یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای مخالفین لہ، اور فعل مقدر کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے ای تخلّفوا خلاف رسول اللّٰہ اور یہ بھی جائز ہے کہ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہو ای بعد رسول اللّٰہ علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی

نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے۔

قولہ: بقعودهم اس سے اشارہ کر دیا کہ مقعد مصدر میمی ہے نہ کہ ظرف۔

قولہ: وكَرِهوا ان يُجاهِدُوا کا عطف فَرِحَ المخلفونَ پر ہے اور اَنْ يُجاهدوا، كرِهوا کا مفعول ہے۔

قولہ: ما تخلّفوا یہ لَوْ کا جواب ہے جو کہ محذوف ہے۔

قولہ: خبرٌ عن حالهم، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ ضحک (ہنسنے) کا حکم نہیں فرماتے حالانکہ یہاں فليضحكوا امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضحك (ہنسنے) کا حکم فرمایا۔

جواب: جواب یہ ہے کہ امر بمعنی خبر ہے، یعنی ان کی حالت کی خبر دینا مقصود ہے نہ کہ ضحك کا حکم کرنا۔

قولہ: طائفة من القرآن یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں سورت سے پوری سورت مراد نہیں ہے بلکہ قرآن کا ایک حصہ مراد ہے اس میں پوری اور اس سے کم دونوں داخل ہیں۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

فَرِحَ الْمخلّفُوْنَ، اوپر سے منافقوں کے حالات کے بیان کا سلسلہ چل رہا ہے، یہاں بھی ان منافقوں کی مذمت بیان کی جاری ہے جو غزوۂ تبوک میں نفیر عام ہونے کے باوجود اپنے نفاق اور کسل مندی کی وجہ سے آپ ﷺ کے ہمراہ شریک غزوہ نہیں ہوئے تھے اور جھوٹے اعذار بیان کرکے شریک غزوہ نہ ہونے کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے ان کو اجازت بھی دیدی، یہاں ان کو یہ وعید بھی سنائی جارہی ہے کہ ان کا نام مجاہدین کی فہرست سے کاٹ دیا گیا ہے اب آئندہ بھی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوسکیں گے۔

خِلَافَ رَسُولِ اللّٰه، لفظ ''خلاف'' کے معنی یہاں پیچھے اور بعد کے بھی ہو سکتے ہیں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہی معنی لئے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے جہاد پر چلے جانے کے بعد آپ سے پیچھے رہ جانے پر خوش ہو رہے ہیں یہ درحقیقت خوشی کی بات نہیں۔

دوسرے معنی یہاں خلاف کے مخالفت کے بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرکے گھر میں بیٹھے رہے اور صرف خود ہی نہیں بیٹھے بلکہ دوسروں کو بھی ''لا تنفروا فی الحر'' کہہ کر پست ہمت کرکے روکنے کی کوشش کی، غزوۂ تبوک نہایت شدید گرمی کے زمانہ میں ہوا تھا، حق تعالیٰ نے ان کی بات کا جواب آپ ﷺ کی معرفت یہ دیا کہ ''قُلْ نار جهنم اشدُّ حرًّا''، یعنی یہ بدنصیب اس وقت کی گرمی کو تو دیکھ رہے ہیں اور اس سے بچنے کی فکر کر رہے ہیں مگر آخرت میں نار جہنم کی ابدالآباد کی گرمی کو اپنے اوپر لازم کر رہے ہیں اعذار باردہ بیان کرکے مدینہ میں بیٹھ رہنے پر یہ خوشیاں منا رہے ہیں حالانکہ یہ موقع خوشی

منانے اور ہنسنے کا نہیں ہے بلکہ خون کے آنسو رونے کا ہے اپنے مصنوعی اور جھوٹے اعذار کے ذریعہ چند روز کی گرمی سے اگر بچ بھی گئے تو ہمیشہ ہمیش کی گرمی اپنے اوپر لازم کرلی، دنیا کی گرمی کی نار جہنم کی گرمی کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں ہے دنیا کی آگ بھی دوزخ کی آگ سے پناہ مانگتی ہے۔

غزوۂ تبوک میں جو لوگ شریک نہیں ہوئے تھے ان میں سب ہی منافق نہیں تھے بعض حقیقی عذر کی وجہ سے اور بعض آجکل امروز وفردا کرتے کرتے شریک نہیں ہو سکے، اور آنحضرت ﷺ نے واپس آنے کے بعد ان کے اعذار کو قبول بھی فرمالیا تھا اور بعضوں کو کچھ دنوں کی مہلت بھی ملی تھی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توبہ قبول فرمالی تھی جس کا ذکر آئندہ آئیگا۔

فإن رَّجَعَكَ اللّٰه الى طائفة منهم سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تھی تفسیر ابن ابی حاتم میں قتادہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالىٰعَنْهُ کا قول ہے کہ ان منافقوں کی تعداد صرف بارہ تھی جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے صحیح بخاری میں انس بن مالک اور صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ تبوک کے سفر سے واپسی کے وقت آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ بعضے لوگوں نے گھر بیٹھے وہی ثواب حاصل کیا جو اور لوگوں نے سفر کر کے پایا، صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیونکر؟ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ مجبوری کے سبب سے مدینہ میں رہ گئے تھے ورنہ وہ اس سفر میں ضرور شریک ہوتے ان حدیثوں سے اس بات کی پوری تائید ہوتی ہے کہ جو لوگ تبوک میں شریک نہیں ہوئے وہ سب منافق نہیں تھے۔

وَلا تصلِّ على احدٍ منهم مات الخ احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن اُبی ابن سلول کی موت اور اس پر نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی، اور صحیحین کی روایت سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھی، پڑھنے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی، اس کے بعد آپ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، آپ ﷺ کے عبداللہ بن ابی ابن سلول کے جنازہ کی نماز پڑھنے اور اپنا پیراہن مبارک اس کے کفن میں شامل کرنے نیز حضرت عمر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالىٰعَنْهُ کے بہ اصرار منع کرنے کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے۔

واقعہ مذکورہ سے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات:

پہلا سوال: عبداللہ بن ابی ایک ایسا منافق تھا کہ جس کا نفاق جگ ظاہر تھا صرف یہی نہیں بلکہ منافقوں کا سردار مانا جاتا تھا، اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا یہ امتیازی سلوک کس بنا پر ہوا؟ کہ اس کے کفن کے لئے اپنا قمیص مبارک بھی عطا فرمادیا!

جواب: اس کے دو سبب ہو سکتے ہیں اول اس کے صاحبزادے جو کہ مخلص صحابی اور بدریین میں سے تھے محض ان کی دلجوئی کیلئے ایسا کیا، دوسرا سبب ایک اور بھی ہوسکتا ہے، جو بخاری شریف میں بروایت حضرت جابر منقول ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب کچھ قریشی سردار گرفتار ہوکر آئے تھے تو آپ ﷺ کے چچا عباس بھی ان میں تھے آپ نے دیکھا کہ ان کے بدن پر کرتہ نہیں ہے تو صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ انھیں قمیص پہنا دیا جائے حضرت عباس چونکہ دراز قد تھے عبداللہ بن ابی کے سوا کسی کا کرتہ ان کے بدن پر

درست نہ آیا تو عبداللہ بن اُبی کا کرتہ لے کر آپ نے اپنے چچا کو پہنا دیا، اس کے اسی احسان کا بدلہ ادا کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے اپنا کرتہ اس کو عطا فرما دیا۔ (قرطبی، معارف)

دوسرا سوال: یہ کہ جب حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافق کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے یہ کس بنا پر کہا؟ کیونکہ اس سے پہلے صراحت کے ساتھ آپ کو منافق کی نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسی سورت کی سابقہ آیت استغفر لھم او لاتستغفر لھم سے ممانعت کا مضمون سمجھا تو آپ ﷺ نے اس سے کیوں نہ ممانعت قرار دی، بلکہ آپ نے یہ فرمایا کہ اس آیت میں مجھے اختیار دیا گیا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ درحقیقت الفاظ آیت کا ظاہری مفہوم اختیار ہی دینا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ستر کا ذکر تحدید کے لئے نہیں ہے بلکہ کثرت بیان کرنے کے لئے ہے، تو اس کا ظاہری مفہوم یہ ہوگا کہ منافق کی مغفرت تو نہ ہوگی خواہ آپ کتنی ہی مرتبہ استغفار کرلیں لیکن اس میں صراحت کے ساتھ آپ کو استغفار سے روکا نہیں گیا۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ بِاِدْغَامِ التاءِ فی الاصلِ فی الذَّالِ ای المُعْتَذِرُوْنَ بمعنی المَعْذُوْرِیْنَ وقرئ به **مِنَ الْاَعْرَابِ** الی النبیّ صلی اللہ علیه وسلم **لِيُؤْذَنَ لَهُمْ** فی القعودِ لعُذْرِہِمْ فَاَذِنَ لهم **وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** فی ادِّعَاءِ الایمانِ مِن مُنَافِقِی الاَعْرَابِ عَنِ المجیْ لِلاعْتِذَارِ **سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ** کالشیوخ **وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى** کالعمی والزَّمنٰی **وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ** فی الجهادِ **حَرَجٌ** اِثْمٌ فی التخلُّفِ عنه **اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ** فی حالِ قُعُوْدِہم بعدمِ الإرجافِ والتثبیطِ والطاعةِ **مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ** بذٰلك **مِنْ سَبِيْلٍ** طریقٍ بالمؤاخذةِ **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ** لهم **رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾** بهم فی التوسعةِ فی ذٰلِكَ **وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ** معك الی الغزوِ وهم سبعةٌ مِن الانصارِ وقیلَ بَنُوْ مُقرِن **قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ** حالٌ **تَوَلَّوْا** جوابُ اِذَا ای اِنْصَرَفُوا **وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ** تَسِیلُ **مِنَ** لِلبیانِ **الدَّمْعِ حَزَنًا** لِاَجْلِ **اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾** فی الجهادِ **اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ** فی التخلفِ **وَهُمْ اَغْنِيَآءُ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾** تقدَّمَ مِثْلُه.

ترجمہ: اور آئے عذر کرنے والے آپ ﷺ کے پاس عرب کے کچھ بدّو، اصل میں تاء کو ذال میں ادغام کرکے یعنی مُعْتَذِرُوْنَ میں (اور معتذرون) معنی میں معذورین کے ہے، اور ایک قراءت میں معتذرون بھی پڑھا گیا ہے تاکہ ان کو (مدینہ ہی میں) بیٹھ رہنے کی اجازت مل جائے ان کے عذر کی وجہ سے چنانچہ ان کو اجازت دیدی گئی، اور بدّو منافقین میں سے جنہوں نے دعوائے ایمان میں اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی وہ تو عذر کرنے سے بھی بیٹھ گئے (یعنی عذر کرنے بھی نہ آئے)

ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان کو دردناک عذاب لاحق ہوگا اور کمزوروں مثلاً بوڑھے اور مریضوں پر مثلاً اندھے اور اپاہج پر اور ان لوگوں پر جن کو جہاد کا خرچ میسر نہ ہو جہاد سے پیچھے رہجانے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خلوص رکھیں یعنی (گھر) بیٹھ رہنے کی صورت میں فتنہ پردازی نہ کریں اور لوگوں کو جہاد سے نہ روکیں اور اطاعت میں لگے رہیں، ان نکوکاروں پر اس بیٹھ رہنے کی وجہ سے کوئی الزام کی راہ نہیں ہے (مؤاخذہ نہیں) اور اللہ ان کو معاف کرنے والا ہے اس معاملہ میں ان کو وسعت دیکر ان پر رحم کرنے والا ہے اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی الزام عائد نہیں ہوتا جو آپ کے پاس آئے تا کہ آپ ان کو سواریاں بہم پہنچا کر اپنے ساتھ غزوہ میں لے چلیں اور وہ سات انصاری تھے اور کہا گیا ہے کہ بنومُقرن کے لوگ تھے آپ نے ان سے کہدیا کہ میرے پاس سواریاں نہیں ہیں اور قُلْتَ، اتوكَ کی ضمیر سے حال ہے تو وہ (مجبوراً) واپس چلے گئے حال یہ کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے مِن بیانیہ ہے اور انھیں اس بات کا بڑا غم تھا کہ انھیں وہ (وسعت) میسر نہیں کہ جس کو جہاد میں خرچ کریں، البتہ الزام ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہیں پھر بھی آپ سے پیچھے رہنے کی درخواست کرتے ہیں، انہوں نے گھر بیٹھنے والیوں میں شامل ہونا پسند کیا ہے، اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اسلئے اب یہ کچھ جانتے نہیں ہیں ایسی ہی آیت سابق میں گذر چکی ہے۔

تَحقیق وتَرکیب وتَسہیل وتَفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: اَلْمُعَذِّرُوْنَ (تَعْذِیر، تفعیل سے) اسم فاعل جمع مذکر، جھوٹا عذر پیش کرنے والے، مفسر علام نے مُعَذِّرُون، کی اصل مُعتذرون بتا کر اشارہ کردیا کہ مُعَذِّرونَ باب افتعال سے ہے، اس وقت اس کے معنی ہوں گے حقیقت میں معذور، المعذّرون کو باب افتعال سے قرار دینے کے دو مقصد ہیں اول یہ کہ باب تفعیل متعدی ہوتا ہے حالانکہ یہاں غیر متعدی استعمال ہوا ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ مُعَذِّرُوْنَ باب افتعال ہی سے ہے اس میں تاء کو ذال سے بدل کر ذال کو ذال میں ادغام کردیا گیا ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔ دوسرے یہ شبہ بھی دفع ہوگیا کہ عَذَّرَ (تفعیل) کے معنی ہیں جھوٹا عذر ظاہر کرنا، حالانکہ آنے والے حقیقت میں معذور تھے اس شبہ کو المعتذرون بمعنی معذورین کا ذکر آگے جملہ "وقَعَدَ الّذین کذبوا" الخ میں آرہا ہے۔

قَوْلَہٗ: الزَّمنٰی یہ زَمانَہ سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں اپاہج، عاجز۔

قَوْلَہٗ: اِرجَاف، افواہ پھیلانا، فتنہ پردازی کرنا مومنوں میں بری خبر کی اشاعت کرنا۔

قَوْلَہٗ: بعدمِ الارجاف، نصحوا، کے متعلق ہے۔

قَوْلَہٗ: التثبیط، روکنا، باز رکھنا۔

قَوْلَہٗ: والطاعةِ، اس کا عطف عدم الارجاف پر ہے نہ کہ ارجاف پر لہٰذا اب معنی درست ہوگئے۔

قَوْلَہٗ: حالٌ یعنی قلتَ لااجدُ، اَتَوْكَ کے کاف سے تقدیر قد کے ساتھ حال ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ ماضی بغیر قد

کے حال واقع نہیں ہوتا۔

تفسیر و تشریح

وَجَاءَ المعذّرون من الاعراب الخ، ان معذرین کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ شہر سے دور رہنے والے وہ اعرابی تھے جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کرکے اجازت حاصل کی، ان میں دوسری قسم وہ تھی جنہوں نے آپ کی خدمت میں آکر عذر پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی، اور بیٹھے رہے، اس طرح آیت میں گویا منافقین کے دو گروہوں کا تذکرہ ہے اور عذابٌ الیم کی وعید میں دونوں شامل ہیں، اور منهم سے بھی دونوں گروہ مراد ہیں، اور دوسرے مفسرین نے مُعَذِّرُوْنَ سے بادیہ نشین (بدوی) مسلمان مراد لئے ہیں جنہوں نے معقول عذر پیش کرکے اجازت چاہی تھی، اور مُعَذِّرُوْنَ ان کے نزدیک اصل میں مُعْتَذِرُوْنَ تھا تاء کو ذال کرکے ذال کو ذال میں مدغم کردیا گیا ہے اور مُعْتَذِرٌ کے معنی ہیں واقعی عذر رکھنے والا، اس اعتبار سے آیت کے اگلے جملے میں منافقین کا تذکرہ ہے اور آیت میں دو گروہوں کا ذکر ہے، پہلے جملے میں ان مسلمانوں کا جن کے پاس واقعی عذر تھے اور دوسرے میں ان منافقین کا جو بغیر عذر پیش کئے بیٹھے رہے اور آیت کے آخری حصہ میں جو وعید ہے وہ اسی دوسرے گروہ کے لئے ہے۔

یہ عذر بیان کرنے والے کون تھے:

مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے عذر کیا تھا بعضوں نے کہا کہ یہ لوگ قبیلہ بنی اسد اور غطفان کے لوگ تھے انہوں نے یہ عذر کیا تھا کہ ہمارے اہل وعیال ہیں جن کے لئے ہمیں بڑی محنت ومشقت کرنی پڑتی ہے آپ ہمیں گھر ہی پر رہ جانے کی اجازت دیدیں اور بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ عامر بن طفیل کے قبیلے کے یہ لوگ تھے انہوں نے آپ ﷺ سے آکر یہ بات کہی تھی کہ اگر ہم آپ کے ساتھ چلیں اور شریک غزوہ ہوجائیں تو ہمارے بیوی بچے اور مویشی اکیلے رہ جائیں گے اور قبیلہ بنی طے کے بدّو آکر ہمارے پیچھے انھیں برباد کردیں گے اور سب مال لوٹ کرلے جائیں گے، آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ خیر خدا نے میرے لئے تمہاری ضرورت نہیں رکھی ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ قبیلہ غفار کے چند لوگوں نے کہا تھا، صحیح قول یہ ہے کہ اطراف مدینہ میں چند قبیلے رہتے تھے ان میں سے بعضے لوگ جھوٹے عذر بیان کرکے اور بعضے بغیر عذر بیان کئے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے اور اس غزوہ میں لشکر اسلام کا ساتھ نہیں دیا۔

شان نزول:

لَيْس على الضعفاء ولا على المرضٰى الخ تفسیر ابن ابی حاتم اور مغازی محمد بن اسحٰق میں زید بن ثابت کی روایت سے ان آیات کا جو شانِ نزول بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ توانا وتندرست اور مالدار لوگ جو بلا کسی معقول عذر کے

شریک غزوہ نہیں ہوئے تھے جب مذکورہ آیات میں ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی خفگی اور وعید ظاہر کی گئی تو ناتواں بوڑھے، بیمار اور ایسے مفلس صحابہ کہ جن کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا کہ سواری اور زادراہ کا خرچ برداشت کر سکیں، اور آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب ہوسکیں، وہ لوگ بہت ہراساں ہوئے کہ شاید ہم لوگ بھی اس خفگی اور وعید میں داخل ہیں تو ان کی تسکین کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

صحیح بخاری میں انس بن مالک اور صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ کی روایتیں موجود ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا بہت سے ہمارے ساتھی مدینہ میں ایسے ہیں کہ ہر کام میں گویا ہمارے ساتھ ہیں جو راستہ ہم نے طے کیا ہے انہوں نے بھی گویا وہی راستہ طے کیا ہے اسلئے کہ عذر کے سبب وہ ہمارے ساتھ نہیں آسکے، ایسے معذورین سے اللہ تعالیٰ نے سرزنش اٹھالی ہے، مگر اس کے ساتھ ایک شرط بھی لگادی ہے کہ اس طرح کا معذور آدمی گھر بیٹھے کوئی فساد کی ایسی بات نہ نکالے جس سے معلوم ہو کہ وہ دین کا خیر خواہ نہیں ہے۔

شانِ نزول:

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ، صحیح بخاری میں ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے اس آیت کا جو شان نزول معلوم ہوتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے شرکت جہاد کے لئے سواری کی درخواست کی اس وقت آپ کسی وجہ سے غصہ میں تھے آپ نے سواری دینے سے قسم کھا کر انکار کر دیا اس وجہ سے ابوموسیٰ اشعری اور ان کے ساتھی بچشم گریاں اور بدل بریاں مایوس ہو کر واپس چلے گئے، اتنے میں آپ ﷺ کے پاس مال غنیمت کے کچھ اونٹ آگئے، تو آپ نے ان لوگوں کو واپس بلایا اور چھ اونٹ ان کو عنایت فرمائے، جب یہ لوگ اونٹ لے کر واپس چلے گئے تو ان کو راستہ میں خیال آیا کہ شاید آپ ﷺ کو اپنی قسم یاد نہیں رہی، واپس چل کر آپ کو قسم یاد دلانی چاہئے چنانچہ یہ لوگ واپس آئے اور آپ کو قسم یاد دلائی تو آپ نے فرمایا، جاؤ تمہیں اللہ نے سواری دیدی، میں جب قسم کھاتا ہوں اور جس کام پر وہ قسم ہو اس کام سے بہتر اگر کوئی کام مجھے نظر آئے تو قسم کا کفارہ دیکر میں اس کام کو کر لیتا ہوں۔

(احسن التفاسیر)

بلاغة:

لِتَحْمِلَهُمْ، محاورہ میں اس کے معنی ہیں کہ آپ ان کے لئے سواری کا انتظام کر دیں، احملنی ای اعطنی ظهرًا اركبهٗ. (تاج)

اَعْيُنُهم تفيض من الدمع، یہ طرز زیادہ بلیغ ہے يفيض دمعها سے اس لئے کہ اس میں آنکھ ہی کو بہتا آنسو بنا دیا ہے یہ زید عدلٌ کے قبیل سے ہے۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ على الَّذِيْنَ يَسْتَأذِنُونَكَ الخ اوپر کی آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو اپاہج، بوڑھے، ضعیف، معذور، مریض یا مفلس ہونے کے سبب غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اور ان لوگوں کو معذور قرار دیکر یہ فرمایا تھا کہ یہ لوگ سرزنش کے قابل نہیں، ان آیتوں میں فرمایا کہ اصل سرزنش کے قابل وہ لوگ ہیں جو ہٹے کٹے اور دولتمند ہونے کے باوجود اللہ کے رسول کا ساتھ چھوڑ کر گھروں میں بیٹھے رہے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ فی التخلف اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ من الغزو قُلْ لهم لَا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ نُصدِّقکم قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ای اخبرنا باحوالکم وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ بالبعث اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ای اللّٰہ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۹۴﴾ فیُجازیکُم علیہ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ رجَعتُم اِلَيْهِمْ من تبوك انهم مَعْذُورُوْنَ فی التخلف لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ بترك المعاتبة فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ قذرٌ لخبث باطنِهم وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴿۹۶﴾ ای عنهم ولا ينفعُ رضاكم مع سخطِ اللّٰہ اَلْاَعْرَابُ اہلُ البدو اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا من اہلِ المدن لِجفائہم وغلظ طباعہم وبُعدہم عن سماع القراٰن وَّاَجْدَرُ اَوْلٰى اَلَّا ای بِاَنْ يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ من الاحكام والشرائع وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بخلقہ حَكِيْمٌ﴿۹۷﴾ فی صُنعہ بہم وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ فی سبیل اللّٰہ مَغْرَمًا غرامة وخُسرانًا لانّہ لا يرجوا ثوابہ بل يُنفق خوفًا وہُم بنُوْ أسدٍ وغطفان وَّيَتَرَبَّصُ ينتظر بِكُمُ الدَّوَآئِرَ دوائر الزمان ان ينقلب عليكم فيتخلص عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ بالضم والفتح ای يدورُ العذابُ والہلاكُ عليہم لا عليكم وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ لِاقوال عبادہ عَلِيْمٌ﴿۹۸﴾ بافعالِہم وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ كجهينةَ ومُزينةَ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ فی سبیلہ قُرُبٰتٍ تقرّبہ عِنْدَ اللّٰهِ وَ وسيلةً الٰی صَلَوٰتِ دعوات الرَّسُوْلِ لہم اَلَآ اِنَّهَا ای نفقتہم قُرْبَةٌ بضم الراء وسكونہا لَّهُمْ عندہ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ جنّتہ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لاہلِ طاعتہ رَّحِيْمٌ﴿۹۹﴾ بہم۔

ترجمہ: جب آپ غزوہ سے لوٹ کر ان کے پاس جائیں گے تو وہ پیچھے رہ جانے کے (طرح طرح) کے اعذار پیش کریں گے (مگر) آپ کہہ دینا بہانے نہ کرو، ہم تمہاری بات کا ہرگز اعتبار نہ کریں گے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے حالات بتادیئے ہیں، یعنی تمہارے حالات کی خبر دیدی ہے، اب اللہ اور اس کا رسول تمہارے طرز عمل کو دیکھے گا پھر بعث کے بعد تم ایسی ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے یعنی اللہ کی طرف اور وہ تمہیں بتادیگا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے

ہو جس کی جزاء وہ تم کو دے گا، اب جب تم تبوک سے لوٹ کر ان کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ ہم پیچھے رہنے میں وہ معذور تھے تاکہ تم اظہار ناراضگی کو ترک کر کے ان سے صرف نظر کرو تو تم ان سے صرفِ نظر کر ہی لو (یعنی ان سے ترک تعلق کرلو) وہ لوگ بالکل گندے ہیں یعنی خبث باطن کی وجہ سے وہ نجس ہیں، اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ ان کے اعمال کی سزا ہے یہ اس لئے قسم کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو اللہ فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوگا یعنی ان سے تمہاری رضامندی خدائی غضب کی موجودگی میں کوئی فائدہ نہیں دے گی اعرابی (یعنی) بدو کفر و نفاق میں اپنی قساوت قلبی اور اپنی طبیعت کی سختی اور قرآن کے سننے سے دور ہونے کی وجہ سے بہ نسبت شہریوں کے زیادہ سخت ہوتے ہیں، اور یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ وہ ان حدود (احکام) سے واقف نہ ہوں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کئے ہیں (یعنی) احکام و شرائع سے، اور اللہ اپنی مخلوق سے واقف اور ان کے ساتھ اپنی صنعت کے معاملہ میں باحکمت ہے اور ان بدؤں میں بعض ایسے ہیں کہ جو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں اس کو جرمانہ اور نقصان سمجھتے ہیں اسلئے کہ وہ اس کے ثواب کی امید نہیں رکھتے بلکہ ڈر کی وجہ سے خرچ کرتے ہیں اور وہ بنو اسد اور غطفان ہیں، اور وہ تمہارے لئے برے وقت کے منتظر رہتے ہیں یعنی گردش ایام کا زمانہ تمہارے اوپر (مصائب کیساتھ) پلٹ پڑے تو وہ (خرچ کرنے سے) چھٹکارا پا جائیں، بُرا وقت ان ہی پر پڑنے والا ہے (السَّوْء) ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے یعنی عذاب اور ہلاکت ان پر پڑے گی نہ کہ تمہارے اوپر اور اللہ اپنے بندوں کی باتوں کو سننے والا اور ان کے اعمال کو جاننے والا ہے اور بعض بادیہ نشین ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ جہینہ اور مُزینہ اور جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اس کو عند اللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعاء کا وسیلہ بناتے ہیں، یاد رکھو ان کا یہ خرچ کرنا ان کے لئے اللہ کے نزدیک بے شک موجب رحمت ہے ان کو اللہ ضرور اپنی جنت میں داخل کرے گا، اللہ تعالیٰ اہل طاعت کو بڑا معاف کرنے والا (اور) ان پر رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یعتذرُوْنَ اِلیکم اِذا رجعتم الیھم یہ جملہ مستانفہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس جملہ میں منافقین کے آئندہ حالات کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی ہے کہ جب منافقوں سے تمہاری ملاقات ہوگی تو وہ اعذار باردہ بیان کریں گے، یہاں قُل کے مخاطب اگر رسول اللہ ﷺ ہی ہیں جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو کُمْ ضمیر جمع احترامًا و تعظیمًا لائی گئی اور اگر ضمیر کُمْ سے اصحاب رسول مراد ہوں تو خطاب میں آپ کی تخصیص سربراہ ہونے کی حیثیت سے ہوگی۔

قولہ: نصدقکم، سے اشارہ کردیا کہ لکم میں لام زائدہ ہے۔

قولہ: ورسولہ اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے اور درمیان میں رؤیت کے مفعول کو یہ ظاہر کرنے کے لئے لائے کہ اجر و ثواب زجر و عقاب کا تعلق رؤیت حق تعالیٰ سے ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْاَعْرَاب، یہ اسم جمع بصورت جمع ہے یہ عرب کی جمع نہیں ہے اسلئے کہ عرب عربی بولنے والے کو کہتے ہیں خواہ دیہاتی ہو یا شہری، اور اَعراب، أعرابی کی جمع ہے دیہاتی کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: جفاءٌ، قساوت قلبی، ظلم وستم۔

قَوْلُہٗ: الدوائر، دائرَة کی جمع ہے بمعنی بلا، مصیبت، دوائر الزمان، حوادث زمانہ، مصائب۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

ربط آیات:

اوپر کی آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو درحقیقت معذور تھے یا مفلس اور نادار ہونے کی وجہ سے شریک غزوہ نہیں ہو سکے تھے، ان لوگوں کو معذور قرار دیکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ قابل سرزنش نہیں ہیں، ان آیتوں میں فرمایا کہ اصل سرزنش کے لائق وہ لوگ ہیں جو باوجود دولتمند اور تندرست وتوانا ہونے کے اللہ کے رسول کو چھوڑ کر بیٹھ رہے۔

متخلفین کی تین قسمیں:

آئندہ آیات میں متخلفین کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے جھوٹے عذر کئے، ان کے بارے میں فرمایا کہ اللہ ان سے راضی نہیں اور اللہ نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، دوسرے وہ کہ جنہوں نے اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے خود کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ لیا تھا، جن کی توبہ جلدی ہی قبول ہوگئی تیسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے آنحضرت کے مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ کے روبرو اپنے قصور کا سچا اقرار کیا اور کوئی جھوٹا عذر نہیں تراشا، ان کی توبہ پونے دو ماہ بعد قبول ہوئی، ان آیات میں پہلی قسم کے لوگوں کا ذکر ہے باقی دونوں قسموں کا ذکر آئندہ آئیگا۔

آگے یہ بیان فرمایا کہ اے ہمارے رسول! جب تم غزوہ سے فارغ ہو کر مدینہ جاؤ گے تو یہ تمہارے سامنے مختلف قسم کے جھوٹے عذر بیان کریں گے تو آپ ان لوگوں کو یہ جواب دینا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ہم کو تمہارے حالات کی خبر دیدی ہے اسلئے اب ہم تمہارے عذروں کی تصدیق نہیں کر سکتے، البتہ تمہاری آئندہ کی حالت پر اللہ اور اس کے رسول کی نظر رہے گی کہ آئندہ تم اسلام کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہو؟ جیسا معاملہ تم اسلام کے ساتھ کرو گے قیامت میں اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائیں گے۔

آگے فرمایا تمہاری واپسی کے وقت قسمیں کھا کھا کر عذر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم ان کو سرزنش نہ کرو، ان لوگوں کے قلوب بداعتقادی اور نفاق کے سبب ایسے نجس ہو چکے ہیں کہ اب کوئی نصیحت ان کو پاک نہیں کر سکتی، لہٰذا تم ان کو ان کے

حال پر چھوڑ دو اور اگر بالفرض وہ تم کو اپنی جھوٹی قسموں کے ذریعہ راضی کر بھی لیں تو اللہ ان سے راضی ہونے والا نہیں ہے اس لئے کہ اللہ کو ان کے حالات کا علم ہے اور اللہ کے علم ازلی میں دوزخی قرار دیئے جا چکے ہیں، لہٰذا تمہاری رضامندی ان کے کچھ کام آنے والی نہیں ہے۔

اَلاعرابُ اَشد کفرًا و نفاقًا، تحقیق وترکیب کے زیر عنوان جیسا کہ سابق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ یہاں اعراب سے مراد دیہاتی وصحرائی عرب ہیں، جو مدینہ کے اطراف میں رہتے تھے، یہ لوگ، مدینہ میں ایک مضبوط اور منظم طاقت کو اٹھتے دیکھکر اول تو مرعوب ہوئے، پھر اسلام اور کفر کی آمیزش کے ذریعہ ایک مدت تک موقع شناسی اور ابن الوقتی کی روش پر چلتے رہے پھر جب اسلامی حکومت کا اقتدار حجاز و نجد کے ایک بڑے حصے پر قائم ہو گیا، اور مخالفوں کا زور اس کے مقابلہ میں ٹوٹنے لگا تو ان لوگوں نے مصلحتِ وقت اسی میں دیکھی کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں، بہت کم لوگ ایسے تھے جو اسلام کو دین حق سمجھ کر اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور مخلصانہ طور پر اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے پر آمادہ ہوں، ان کے ایمان اور اسلام کی حیثیت محض ایک مصلحت اور پالیسی کی تھی، ان کی خواہش یہ بھی تھی کہ ان کے حصہ میں وہ فوائد آجائیں جو برسرِ اقتدار جماعت کی رکنیت اختیار کرنے سے حاصل ہوا کرتے ہیں انھیں جو کچھ بھی دلچسپی تھی وہ اپنے معاشی مفاد، اپنی آسائش، اپنی زمینوں، اپنی اونٹ بکریوں اور اپنے خیموں کی آس پاس کی محدود دنیا سے تھی۔

ان کی اسی حالت کو یہاں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ شہریوں کی بہ نسبت یہ دیہاتی اور صحرائی لوگ زیادہ شدید منافقانہ رویہ رکھتے ہیں، پھر اسکی وجہ بھی بتادی کہ شہری لوگ تو اہل علم اور اہل حق کی صحبت سے مستفید ہو کر کچھ دین کو اور اس کے حدود و احکام کو جان بھی لیتے ہیں مگر یہ بدو چونکہ اپنی ساری زندگی معاشی فکر میں ایک حیوان کی طرح زندگی کی ضروریات سے بلندتر کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کر سکتے، اس لئے دینی حدود واحکام سے ناواقف رہتے ہیں۔

ان آیات کے نزول کے تقریباً دو سال بعد حضرت ابو بکر کی خلافت کے ابتدائی دور میں ارتداد اور منع زکوۃ کا جو طوفان برپا ہوا تھا اس کے اسباب کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا جس کا ذکر سابق میں ہوا۔

وَمِنَ الاعراب مَنْ یتخذ ماینفق مغرمًا اس آیت میں بدوؤں اور صحرانشینوں کی دوسری قسم کا بیان ہے یہ ایسے لوگ ہیں کہ راہ خدا میں خرچ تو کرتے ہیں مگر ناخوشی اور تنگدلی سے کرتے ہیں ان کو ہمہ وقت یہ خیال لگا رہتا ہے کہ زمانہ ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتا ممکن ہے کہ گردش زمانہ سے مشرکین غالب آجائیں یا اور کوئی حادثہ پیش آجائے اور برے دن دیکھنے پڑیں اسلئے احتیاط ضروری ہے، دراصل اس آیت میں بنو اسد اور غطفان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ لوگ خرچ تو کرتے تھے مگر ان کے دلوں میں وہ خدشہ لگا رہتا تھا جس کا ذکر اوپر ہوا، یعنی ان سے جو زکوۃ وغیرہ وصول کی جاتی ہے اسے تاوان اور جرمانہ سمجھتے ہیں۔

وَمِنَ الْاَعراب من یؤمن باللّٰه و الیوم الآخر الخ یہ صحرائی اور بادیہ نشینوں کی تیسری قسم کا ذکر ہے جو اللہ پر اور روز قیامت پر سچے دل سے ایمان لا چکے ہیں اور خدا کی راہ میں اس امید پر خرچ کر رہے ہیں کہ خدا کا قرب اور آپ کی دعاء

حاصل ہو کیونکہ آپ ﷺ راہ خدا میں خرچ کرنے والوں کیلئے دعاء فرمایا کرتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن مغفل فرماتے ہیں کہ ہم مقرن کے دس بیٹے تھے، یہ آیت ہماری شان میں نازل ہوئی ہے، مجاہد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے بھی آیت کا یہی شان نزول بیان کیا ہے، عبدالرحمٰن بن مغفل ثقہ تابعی ہیں بعضے علماء نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے کلبی کا قول ہے کہ اسلم، غفار، جہینہ، مزینہ کے لوگ اسی امید پر خرچ کرتے تھے کہ ان کو خدا کا تقرب حاصل ہو اور آپ ﷺ ان کے لئے دعاء خیر فرمائیں، مقرن قبیلۂ مزینہ سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا کلبی اور مجاہد کے قول میں کوئی تعارض نہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ کی روایت ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی نیک کمائی میں سے معمولی چیز بھی راہ خدا میں صدقہ و خیرات کرے تو اللہ اس کو اپنے دست راست میں لیتا ہے اور اور اس کے اجر کو احد پہاڑ کے برابر کر دیتا ہے اگر چہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہی ہاتھ سیدھے ہیں لیکن نیک کمائی کے صدقہ و خیرات کی شان بڑھانے کیلئے سیدھے، ہاتھ کا لفظ حدیث میں فرمایا۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وہم مَن شَهِدَ بدرًا أو جميعُ الصحابةِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ الی یوم القيٰمةِ بِاِحْسَانٍ فی العملِ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بطاعتِه وَرَضُوْا عَنْهُ بثوابه وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ وفی قراءةٍ بزيادةِ مِنْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ یا اہلَ المدینۃ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ كاسلمَ واشجعَ وغفارٍ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ منافقون ایضًا مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَجُّوا فیہ واستمرُّوا لَا تَعْلَمُهُمْ خطابٌ للنبیِّ صلی اللّٰہ علیه وسلم نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ بالفضیحةِ اوالقتلِ فی الدُنیا وعذابِ القبرِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ فی الاٰخرۃِ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠١﴾ ہُوَ النارُ وَ قوم اٰخَرُوْنَ مبتدأٌ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ مِن التخلفِ نَعْتُہٗ والخبرُ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وہو جہادُہم قبلَ ذلكَ اواعترافُہم بذُنوبِہم او غیرُ ذلكَ وَّاٰخَرَ سَيِّئًا وہو تخلُّفُہم عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٢﴾ نزلتْ فی اَبی لُبابةَ وجماعةٍ اَوْثَقُوْا اَنْفُسَہم فِیْ سواری المسجدِ لَمَّا بلغہم ما نزلَ فی المتخلِّفین وحلفُوْا اَنْ لا یُحُلَّہم الا النبیُّ صلی اللّٰہ علیه وسلم فحلَّہم لَمَّا نزلتْ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا مِنْ ذنوبِہم فاخذَ ثُلُثَ اموالِہم وتصدَّقَ بہا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ادعُ لہُمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ رحمةٌ لَّهُمْ وقیلَ طمانینةٌ بقبولِ توبتِہم وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ يقبلُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ على عبادِہ بقبولِ توبتِہم الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾ بہِمْ والاستفہامُ للتقریرِ والقصدُ بہ تہییجُہم الی التوبةِ والصدقةِ وَقُلِ لہُمْ اوللناسِ اعْمَلُوْا ما شئتُمْ فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ

بالبعث اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اى الله فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ فيجازيكم به وَاٰخَرُوْنَ من المتخلفين مُرْجَوْنَ بالهمزةِ وتركه مؤخَّرُوْنَ عن التوبةِ لِاَمْرِ اللهِ فيهم بما يشاءُ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ بان يُميتهم بلا توبةٍ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاللهُ عَلِيْمٌ بخلقِهٖ حَكِيْمٌ فى صُنعِهٖ بهم وهم الثلاثة الاٰتُوْنَ بعدُ مرارةُ بْنُ الربيع و كعبُ بْنُ مالكٍ وهلالُ بْنُ اُمَيَّةَ تخلَّفُوْا كسلاً وميلاً الى الدعةِ لانفاقًا ولم يعتذرُوْا الى النبى صلى الله عليه وسلم كغيرهم فوقف امرهم خمسينَ ليلةً وهجرهُمُ النَّاسُ حتى نزلتْ توبتُهم بعدُ وَ منهم الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا وهم اثنا عشرَ من المنافقينَ ضِرَارًا مضارة لاہلِ مسجدِ قباءَ وَّكُفْرًا لانهم بَنَوْهُ بامرِ اَبِىْ عامرٍ الراهبِ ليكونَ معقلاً لَهٗ يَقدمُ فيه مَنْ ياتِىْ مِنْ عندِه وكان ذهبَ لِياتِىْ بجنودٍ مِنْ قيصرَ لقتالِ النبىِّ صلى الله عليه وسلم وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الذينَ يُصَلُّوْنَ بقباءَ بصلوةِ بعضِهِمْ فى مسجدِهم وَاِرْصَادًا ترقبا لِّمَنْ حَارَبَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ اى قبلِ بنائِه وهو اَبُو عامرٍ المذكورُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ ما اَرَدْنَآ ببنائِه اِلَّا الفعلةَ الْحُسْنٰى من الرفقِ بالمسكينِ فى المطرِ والحرِّ والتوسعةِ على المسلمِينَ وَاللهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ فى ذلكَ وكانوا سألُوا النبى صلى الله عليه وسلم اَنْ يُصَلِّيَ فيه فنزلَ لَا تَقُمْ تُصلِّ فِيْهِ اَبَدًا فارسلَ جماعةً هدمُوْهُ وحرّقوه وجعلُوا مكانَهٗ كُناسةً تُلقى فيها الجيفُ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ بُنِيَتْ قواعِدُهٗ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ وضعَ يومَ حللتَ بدارِ الهجرةِ وهو مسجدُ قباءَ كما فى البخارى اَحَقُّ منه اَنْ اى بأنْ تَقُوْمَ تصلّىَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ هم الانصارُ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ اى يُثيبُهم وفيه ادغامُ التاءِ فى الاصلِ فى الطاءِ روى ابنُ خزيمةَ فى صحيحه عن عويمر بن ساعدةَ انه صلى الله عليه وسلم اَتاہُم فى مسجدِ قُباءَ فقالَ اِنَّ اللهَ تعالٰى قد احسنَ عليكُمُ الثناءَ فى الطهورِ فى قصةِ مسجدِكم فما ہذا الطهورُ الذى تَطَهَّرُوْنَ به فقالُوْا وَاللهِ يا رسولَ اللهِ ما نعلمهٗ شيئاً اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ لنا جيرانٌ من اليهودِ فكانوا يغسلُوْنَ أدبارہم من الغائطِ فغسلْنا كما غسلُوا وفى حديثٍ رواه البزارُ فقالُوا كُنَّا نتبعُ الحجارةَ بالماءِ فقال ہُوَ ذالكَ فعليكُمُوْهُ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مخافةٍ مِنَ اللهِ وَ رجاءِ رِضْوَانٍ منه خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا طرفِ جُرُفٍ بضمِّ الراءِ وسكونِها جانبِ هَارٍ مُشرفٍ على السقوطِ فَانْهَارَ بِهٖ سقطَ مع بانيه فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ خيرٌ تمثيلٌ للبناءِ على ضدِّ التقوٰى بما يؤُلُ اليه والاستفهامُ للتقرير اى الاولُ خيرٌ وہُوَ مثالُ مسجدِ قباءَ والثانى مثالُ مسجدِ الضرارِ وَاللهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً شكا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ تنفصلَ قُلُوْبُهُمْ بان يموتُوا وَاللهُ عَلِيْمٌ بخلقِه حَكِيْمٌ فى صنعِهٖ بہم.

ترجمہ: وہ مہاجر وانصار جنہوں نے (دعوت ایمان کی طرف) سب سے پہلے (لبیک) کہنے میں سبقت کی اور وہ، وہ

لوگ ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے یا جمیع صحابہ مراد ہیں نیز وہ لوگ جو عمل میں راستبازی کے ساتھ تا قیامت ان کے نقش قدم پر چلیں گے، اللہ ان کی طاعت سے راضی ہوا اور وہ اللہ کے اجر سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات مہیا کر رکھے ہیں جن میں نہریں جاری ہوں گی، اور ایک قراءت میں مِــنْ کی زیادتی کے ساتھ ہے، اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہی عظیم الشان کامیابی ہے، اے اہل مدینہ تمہارے گرد و پیش جو بدّو رہتے ہیں ان میں (بہت سے) منافق ہیں جیسا کہ اسلم اور اشجع، اور غفار، اور مدینہ کے باشندوں میں بھی منافق موجود ہیں، جو نفاق میں مشاق اور طاق ہیں تم انھیں نہیں جانتے یہ نبی ﷺ کو خطاب ہے ہم ان کو جانتے ہیں ہم عنقریب ان کو رسوائی یا قتل کا دنیا میں اور عذاب قبر کا دوہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑی سزا کے لئے آخرت میں لائے جائیں گے وہ آگ ہے، اور کچھ لوگ دوسرے بھی ہیں جنہوں نے پیچھے رہ جانے کے قصور کا اعتراف کرلیا ہے (آخرون) مبتداء ہے (اعترفوا بذنوبھم) صفت ہے (خلطوا عَمَلا صالحًا) خبر ہے، ان کا عمل مخلوط ہے کچھ نیک ہے اور وہ (عمل نیک) اس سے پہلے ان کا جہاد میں شریک ہونا ہے اور اپنے قصور کا اعتراف وغیرہ ہے اور کچھ بد اور وہ انکا (جہاد سے) پیچھے رہ جانا ہے، اللہ سے امید ہے کہ ان کی توبہ قبول فرمائیگا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والا اور بڑی رحمت والا ہے، (یہ آیت) ابولبابہ اور ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے خود کو مسجد (نبوی) کے ستونوں سے باندھ لیا تھا جب ان کو اس کی اطلاع ہوئی کہ یہ آیت پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی، اور انہوں نے قسم کھالی کہ ان کو سوائے نبی ﷺ کے کوئی اور نہ کھولے، چنانچہ جب آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے انکو کھولا، اور جب (خُذْ مِن اموالھم الآیۃ) نازل ہوئی، کہ آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجئے آپ اس کے ذریعہ ان کو ان کے گناہوں سے پاک صاف کردیں گے چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے اموال میں سے ایک تہائی لے لیا اور اس کو صدقہ کردیا، اور آپ ان کے لئے دعا کیجئے، یقیناً آپ کی دعاء ان کے لئے (باعث) تسکین ہے (یعنی) باعث رحمت ہے، اور ان کی توبہ کی قبولیت کے لئے اطمینان ہے اللہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو قبول کرتا ہے؟ اور بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرکے ان پر بڑا رحم کرنے والا ہے، اور استفہام تقریر کے لئے اور اس سے مقصد ان کو توبہ اور صدقات پر آمادہ کرنا ہے اے نبی! تم ان (منافقوں) سے یا عام لوگوں سے کہو کہ تم جو چاہو عمل کرو اللہ اور اس کا رسول اور مومنین سب دیکھیں گے کہ طرز عمل اب تمہارا کیا رہتا ہے؟ اور بعث کے ذریعہ تم عالم الغیب والشہادہ یعنی اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تم کو بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو، اور وہ تمہارے عمل کی جزاء دے گا، اور متخلفین میں سے کچھ لوگ اور بھی ہیں جن کا معاملہ خدا کا حکم آنے تک ملتوی ہے ان کے بارے میں وہ جو چاہے حکم دے (مُرْجَئون) ہمزہ اور ترک ہمزہ دونوں طرح ہے یعنی ان کی توبہ مؤخر کردی گئی ہے یا تو بغیر توبہ کے موت دیکر ان کو عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں خوب جاننے والا ہے اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے کے بارے میں باحکمت ہے اور وہ تین ہیں جن کا ذکر آئندہ آتا ہے مرارہ بن ربیع اور کعب بن مالک، اور ہلال بن امیہ (یہ تینوں حضرات) سستی اور راحت پسندی کی وجہ سے پیچھے

رہ گئے تھے نہ کہ نفاق کی وجہ سے، اور نہ دوسروں کے مانند انہوں نے نبی ﷺ کے سامنے (جھوٹے) عذر پیش کئے جس کی وجہ سے ان کا معاملہ پچاس راتوں تک معلق رہا، اور لوگوں نے بھی ان سے قطع تعلق کرلیا (بائیکاٹ کر دیا) یہاں تک کہ بعد میں ان کی توبہ کی (قبولیت) نازل ہوئی اور ان میں کچھ لوگ اور ہیں وہ بارہ منافقین ہیں جنہوں نے اہل مسجد قباء کو نقصان پہنچانے اور کفر کرنے کے لئے ایک مسجد بنائی، اسلئے کہ منافقوں نے وہ مسجد ابو عامر راہب کے کہنے سے بنائی تھی تا کہ اس کے لئے جائے پناہ ہو اور اس کی طرف آنے والا اس میں قیام کرے اور وہ نبی ﷺ سے لڑنے کے لئے قیصر روم کا لشکر لانے کے لئے چلا گیا تھا، اور مومنوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے کیلئے کہ جو ان میں سے مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں اپنی کچھ نمازیں ان کی مسجد (ضرار) میں پڑھیں (اسطرح مومنین کی جمعیت منتشر ہو جائے) اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس مسجد کے بنانے سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ برسرِ پیکار رہا ہے اور یہ شخص وہی ابو عامر مذکور ہے اور وہ ضرور قسم کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مقصد تو صرف بھلائی ہے کہ وہ مسکین کے ساتھ بارش اور گرمی میں سہولت کرنا ہے اور مسلمانوں پر وسعت کرنا ہے، مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ اس معاملہ میں قطعی جھوٹے ہیں اور ان لوگوں نے نبی ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ اس مسجد میں نماز پڑھ دیں، تو یہ آیت نازل ہوئی، آپ اس میں ہرگز نماز نہ پڑھیں، چنانچہ آپ نے کچھ لوگوں کو بھیجا جنہوں نے اس کو منہدم کر دیا اور نذر آتش کر دیا اور اس جگہ کو کوڑی بنا دی تا کہ اس میں مردار ڈالے جائیں جو مسجد اول روز سے تقوے پر بنائی گئی ہے اس روز اس کی بنیاد رکھی گئی جس روز آپ ﷺ دار ہجرت میں نزول فرما ہوئے، وہ مسجد قباء ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے وہ اس کے لئے زیادہ مناسب ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں یعنی ان کو اجر عطا کرے گا، اور اس میں تاء کا طاء میں ادغام ہے اصل میں، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں عویم بن ساعدہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ (انصار) کے پاس مسجد قباء میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد کے قصہ میں تم لوگوں کی طہارت کی تعریف فرمائی ہے تو بتاؤ وہ طہارت کیا ہے جس کو تم اختیار کرتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا واللہ یا رسول اللہ ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے (نہیں کرتے) کہ ہمارے پڑوسی کچھ یہود تھے کہ وہ پانی سے استنجا کیا کرتے تھے تو ہم بھی ان کی طرح کرنے لگے اور ایک حدیث میں جس کو بزار نے روایت کیا ہے (انصار) نے کہا کہ ہم پتھر وغیرہ سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا وہ بات یہی ہے، تم اس کو لازم پکڑے رہو، پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے کہ جس نے اپنی بنیاد خوف خدا اور اس کی رضامندی کی امید پر رکھی یا وہ کہ جس نے اپنی بنیاد ندی کے ایسے کھوکھلے کنارہ پر رکھی جو گرنے ہی والا ہے (جُــــرُف) راء کے ضمہ اور سکون کے ساتھ ہے بمعنی کنارہ، تو وہ کنارہ اپنے بانی کو لیکر نار جہنم میں گر پڑا یہ تقوے پر بناء کی تمثیل ہے اپنے انجام کے اعتبار سے اور استفہام تقریر کے لئے ہے یعنی پہلا شخص بہتر ہے، اور وہ مسجد قباء کی مثال ہے اور دوسری مثال مسجد ضرار کی ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ہمیشہ ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی (شبہ پیدا کرتی رہے گی) سوائے اس کے کہ ان کے قلوب ہی پارہ پارہ ہو جائیں بایں طور کہ وہ مر جائیں،

اللہ اپنی مخلوق کے حالات سے بخوبی واقف اور ان کے معاملات میں حکمت والا ہے۔

تَحقیق وتَرکیب وتَسہیل وتَفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (الآية) اس جملہ کی ترکیب جو راجح اور ظاہر ہے وہ یہ ہے، السَّابقون موصوف الاولون صفت دونوں مل کر مبتداء من المهاجرين والانصار حال، والذين معطوف السَّابقون پر، اتبعوهم، الذين کا صلہ اور باحسان محذوف سے متعلق ہو کر حال، رضی الله عنهم ورضوا عنه، جملہ ہو کر اَلسَّابقونَ مبتداء کی خبر۔ اس کے علاوہ بعض حضرات نے دو ترکیبیں اور کی ہیں مگر صاحب اعراب القرآن نے ان کو ضعیف بلکہ غلط کہا ہے۔

پہلی: السابقون مبتداء اور اَلْاَوَّلونَ اس کی خبر۔

دوسری: السابقون مبتداء اور من المهاجرين والانصار اس کی خبر۔

قَوْلُہٗ: مَنْ شَهِدَ بَدْرًا اَوْ جميع الصحابة، اس عبارت میں سابقین اولین میں دو قولوں کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: وفي قراءة بزيادةِ مِنْ اى تجرى مِنْ تحتها الانهرُ.

قَوْلُہٗ: مَرَدوا ماضی جمع مذکر غائب ای تمرّنوا عليه، وہ مشاق ہو گئے، ہر خیر سے خالی ہو گئے، اسی سے الشيطان المارد ہے، یعنی برائی پر ڈٹ گیا۔

قَوْلُہٗ: قوم لفظ قوم مقدر مان کر اس سوال کا جواب دیا ہے کہ مبتداء کے لئے ذات ہونا ضروری ہے حالانکہ آخَرُوْنَ ذات نہیں بلکہ وصف ہے قوم محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ الآخرون صفت ہے اور اس کا موصوف جو کہ مبتداء ہے قوم محذوف ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: نعته یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ قومٌ آخرون نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے اس کا جواب دیا کہ اعترفوا بذنوبهمْ، قومٌ کی صفت ہے جس کی وجہ سے قوم نکرہ نہیں رہا لہٰذا مبتداء واقع ہونا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: سواری یہ سَارِية کی جمع ہے ستون کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: صدقة تطهرهم، تُطَهِّرُهم، صَدَقَةٌ کی صفت ہے تُطَهِّر کی ضمیر صدقہ کی طرف راجع ہے تطهّر مضارع واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور اگر تطهر حاضر کا صیغہ ہو اور مخاطب آپ ﷺ ہوں تو بها کا تعلق تُطَهِّرُ اور تُزَكِّيهِمْ دونوں سے ہوگا، ای تُطَهِّرهم بها وتزكيهم بها.

قَوْلُہٗ: مرجُونَ اس میں دوسری قراءت بغیر ہمزہ کے ہے، ای مُرْجَوْنَ ای مؤخرون وموقوفون، مُرْجَوْن اِرْجاء سے اسم مفعول جمع مذکر غائب، وہ لوگ جن کا معاملہ ٹال دیا گیا ہو، یا معلق کر دیا گیا ہو۔

قَوْلُہٗ: ابی عامر یہ حضرت حنظلہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ غسیل ملائکہ کے والد ہیں انہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس نے آپ ﷺ کے ساتھ مناظرہ کیا تھا۔

قَوْلُہٗ: مَعْقِلًا، ٹھکانہ، جائے پناہ۔

قَوْلُہٗ: الفِعلة اس میں اشارہ ہے کہ الحسنٰی صفت ہے اور اس کا موصوف الفعلة یا الخصلة وغیرہ محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: بالمسکین، بعض نسخوں میں بالمسکین کے بجائے بالمسلمین ہے جو کہ زیادہ مناسب ہے۔

قَوْلُہٗ: شفا، طرف، کنارہ۔

قَوْلُہٗ: جُرُفٍ، کنویں کا کچا کنارہ، ندی وغیرہ کا کنارہ جس کو پانی نے خالی کر دیا ہو۔

قَوْلُہٗ: ھارٍ، اسم فاعل۔ گرنے کے قریب، مادہ ھَوْرٌ، ھارٍ کی اصل ھَاوِرٌ یا ھَائِرٌ تھی ھاوِرٌ کے واؤ کو یا ھائِرٌ کے ہمزہ کو قلب مکانی کر کے راء کے بعد کر دیا ھاوِرٌ یا ھائِرٌ ہو گیا پھر واؤ اور ہمزہ کو یاء سے بدل کر ھَاوِیٌ کر دیا حالت جر کی وجہ سے یاء ساقط ہو گئی، بعض حضرات نے کہا ہے کہ ھَاوِرٌ کے واؤ اور ھائر کے ہمزہ کو بغیر قلب مکانی کے تخفیفاً حذف کر دیا۔

قَوْلُہٗ: مع بانیه اس میں اشارہ ہے کہ بِہٖ میں باء بمعنی مع ہے نہ کہ سببیہ۔

قَوْلُہٗ: خیرٌ، یہ مَنْ کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: تمثیل للبناء بما یؤل الیه، الیه کا مرجع سقوط ہے، یہ اس بناء کی تمثیل ہے جو تقوے کی ضد پر بنائی گئی ہو، یعنی مشبہ بہ وہ عمارت ہے جو ایسی جگہ بنائی گئی ہو کہ جو گرنے اور دھسنے کے قریب ہو اور مشبہ دینی احکام و اعمال کو کفر و نفاق پر مرتب کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: ریبة ای سبب رِیْبةٍ.

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ (الآیة) سابق میں بدوی عربوں کا ذکر تھا یہاں شہری عربوں کا ذکر ہے اس میں اختلاف ہے کہ سابقین سے کون لوگ مراد ہے، عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے شاگردوں میں سے جہاں مجاہد کا قول نہ ہو تو سعید بن مسیّب کے قول کے مطابق رفع اختلاف کیا جاتا ہے، سعید بن مسیّب کے قول کے مطابق سابقین میں مہاجرین و انصار میں سے وہ صحابہ ہیں جو بیت المقدس اور بیت اللہ دونوں قبلوں کی طرف آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک تھے۔

عطاء بن ابی رباح کے قول کے مطابق وہ صحابہ سابقین الاولین میں داخل ہیں جو غزوۂ بدر سے پہلے ایمان لائے اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، دونوں قبلوں کی طرف نماز اور غزوۂ بدر چونکہ ایک ہی سال ۲ھ کے واقعے ہیں اسلئے سعید بن مسیّب اور عطاء بن ابی رباح کے قول میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا، لیکن سعید بن مسیّب عطاء بن ابی رباح سے زیادہ ثقہ ہیں اس لئے اس تفسیر میں ان ہی کا قول راجح ہوگا، مطلب یہ ہے کہ اس قول کی بناء پر وَالَّذِیْنَ اتبعوھم باحسان سے دونوں صورتوں میں باقی صحابہ مراد ہوں گے، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر چہ صحابہ کے آپس میں درجات مختلف ہیں مگر اللہ تعالیٰ تمام صحابہ سے اور تمام صحابہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں، اور ان کے لئے جنت کا وعدہ ہے اور خدا کا وعدہ سچ ہے لہٰذا یہ لوگ قطعی جنتی ہیں، جس کے دل میں ان کی

طرف سے بغض ہو یا ان میں سے کسی کو برا سمجھے اس کا ایمان باقی نہیں رہا، اس تفسیر کے مطابق اس آیت میں صرف صحابہ کا ذکر ہے، صحیح بخاری میں ابوسعید خدری کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ”میرے صحابہ کے حق میں کوئی شخص کسی طرح کی کوئی بری بات منہ سے نہ نکالے میرے صحابہ کا بڑا درجہ ہے ان کا تھوڑا عمل دوسروں کے زیادہ عمل سے بہتر ہے“۔

صحابہ مقتدایانِ امت ہیں:

محققین اہل سنت نے یہیں سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اصحاب نبی مقتدایانِ امت ہیں، مشاجرات صحابہ کی جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں ان کی وجہ سے ہمارے لئے یہ روا نہیں کہ ہم ایک کی اتباع کے زور میں دوسرے کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کرنے لگیں، امیر المومنین حضرت علی تو اجل صحابہ اور خلفاء راشدین میں سے ہیں امیر معاویہ جو کہ یہ فضیلت نہیں رکھتے ہیں وہ بھی بہر حال صحابی ہیں ان کے حق میں بھی زبان طعن کھولنا درست نہیں۔

وممن حولکم من الاعراب (الآیة) حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت رسول خدا ﷺ نے جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے چار پانچ آدمیوں سے فرمایا کہ تم منافق ہو نکل جاؤ، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مسجد کی طرف آرہے تھے ان لوگوں کو مسجد سے آتے دیکھ کر سمجھے کہ شاید نماز ہو چکی اور چھپ گئے ان لوگوں نے بھی حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو دیکھ لیا وہ بھی چھپ گئے تاکہ ان کا حال حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر ظاہر نہ ہو، جب حضرت عمر مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ ابھی نماز نہیں ہوئی، ایک شخص بولا کہ آج تو منافق بڑے ذلیل ہوئے خدا نے ان کو مسجد سے نکلوا دیا، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ ایک عذاب تو یہی ہے کہ مسلمانوں کی مسجد سے یہ لوگ نکالے گئے اور بھری محفل میں رسوائی ہوئی اور دوسرا عذاب قبر کا اور پھر آخرت کا۔

مدینہ کے اطراف و مضافات میں قبیلۂ جہینہ، مزینہ، اسلم، اشجع، اور غفار رہتے تھے ان میں بھی کچھ لوگ منافق تھے اور مدینہ میں عبد اللہ بن ابی اور اس کی جماعت کے لوگ منافق تھے، کچھ لوگوں کے نفاق کا علم تو آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ہو گیا تھا اور کچھ کا نفاق کی علامات کے ذریعہ آپ کو علم ہو گیا تھا، مگر بعض اپنے نفاق کو چھپانے میں بڑے مشاق تھے کہ نبی ﷺ کو بھی کمال درجہ فراست اور دانشمندی کے باوجود ان کے نفاق کا علم نہ ہو سکا، اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا **”لا تعلمھم نحن نعلمھم“**۔

اس آیت میں آپ ﷺ کے علم غیب کلی کی بصراحت نفی ہے:

اس آیت میں آپ ﷺ کے علم غیب کلی کی صریح نفی موجود ہے جس کا دعویٰ ہمارے زمانہ میں بعض عالم نما جاہلوں نے کیا ہے۔

وَآخرونَ اعترفوا بذنوبھم، تفسیر ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابوالشیخ میں جو شان نزول ان آیتوں کا بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس گروہِ صحابہ نے اپنے قصور کا اعتراف کر کے آپ ﷺ کے تبوک سے مدینہ آنے سے پہلے

خود کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک ان کی توبہ قبول نہ ہوگی وہ نہ کھلیں گے، جب ان کی توبہ قبول ہوگئی تو انہوں نے اپنا تمام مال آپ ﷺ کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کر دیا کہ یا رسول اللہ جس مال کی محبت نے ہم کو غزوہ کی شرکت سے باز رکھا آپ اس کو قبول فرمائیں یہ راہِ خدا میں صدقہ ہے آپ نے پورا مال قبول کرنے سے انکار کر دیا البتہ ایک تہائی مال قبول فرما کر صدقہ کر دیا، پونے دو ماہ بعد ان حضرات کی توبہ قبول ہوئی۔

محدثین نے ان آیات کے شان نزول میں جو واقعہ بیان کیا ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ غیر منافق سے غیر مخلصانہ عمل کے صدور کے باوجود کس کو محض گنہگار مومن سمجھا جائے؟ تو اس کے لئے قرآن کی سابقہ آیات میں تین معیار بتائے گئے ہیں۔

❶ اپنے قصور کے لئے اعذار لنگ اور تاویلات و توجیہات پیش نہیں کریگا، بلکہ جو قصور سرزد ہوا ہے اسے صاف صاف اور سیدھی طرح مان لے گا۔

❷ اس کے سابق طرز عمل کو نگاہ ڈال کر دیکھا جائیگا کہ یہ عدم اخلاص کا عادی مجرم تو نہیں ہے اگر پہلے وہ جماعت کا ایک صالح فرد رہا ہے اور اس کے کارنامۂ زندگی میں مخلصانہ خدمات، ایثار و قربانی اور سبقت الی الخیرات کا ریکارڈ موجود ہے تو باور کر لیا جائیگا کہ اس وقت جو قصور اس سے سرزد ہوا ہے وہ عدم ایمان و اخلاص کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ محض ایک کمزوری ہے جو وقتی طور پر رونما ہوگئی ہے۔

❸ اس کے آئندہ طرز عمل پر نظر رکھی جائے گی کہ آیا اس کا اعتراف قصور محض زبانی ہے یا فی الواقع اس کے اندر کوئی گہرا احساسِ ندامت موجود ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے قصور کی تلافی کے لئے بیتاب ہے۔

محدثین کا بیان کردہ شان نزول:

محدثین نے ان آیات کے شان نزول کا جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیات ابولبابہ بن عبد المنذر راور ان کے چھ ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں ابولبابہ ان لوگوں میں سے تھے جو بیعت عقبہ کے موقع پر ہجرت سے پہلے اسلام لائے تھے پھر جنگ بدر اور جنگ احد اور دوسرے معرکوں میں برابر شریک رہے مگر غزوۂ تبوک میں کسی عذر شرعی کے بغیر شریک نہ ہوئے، ایسے ہی مخلص ان کے ساتھی تھے، جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے، اور ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ غزوہ میں شریک نہ ہونے والوں کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کی کیا رائے ہے، تو انھیں سخت ندامت ہوئی، قبل اس کے کہ ان سے کوئی باز پرس ہوتی انہوں نے خود ہی اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیا اور اس وقت تک کھولے جانے پر راضی نہ ہوئے جب تک کہ انکی توبہ قبول نہ ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کو آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے ایک روز صبح کی نماز کے بعد کھول دیا اور ان کو توبہ کی قبولیت کی خوشخبری سنائی، ان حضرات نے اس کی خوشی اور صدقہ میں اپنا تمام مال آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا مگر آپ نے ثلث مال ہی قبول فرمایا۔

ملے جلے اعمال نیک و بد کیا تھے؟

خَلَطُوْا عَمَلًا صالحًا و آخر سیّئًا، اس آیت میں فرمایا کہ ان لوگوں کے کچھ اعمال نیک اور کچھ بد تھے، ان کے نیک اعمال تو ان کا ایمان، روزہ نماز کی پابندی اور تبوک سے پہلے جہاد و غزوات میں شرکت اور اس واقعۂ تبوک میں اپنے جرم کا اعتراف اور اس پر ندامت اور توبہ کرنا وغیرہ ہیں، اور برے اعمال عذر شرعی کے بغیر غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونا اور منافقوں کے ساتھ عملی موافقت تھی۔

جن مسلمانوں کے اعمال ملے جلے، اچھے برے ہوں وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں:

اگرچہ یہ آیت ایک مخصوص جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر حکم اس کا قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے عام ہے بشرطیکہ وہ اپنے گناہوں سے تائب ہو جائیں، یعنی ان کے لئے بھی معافی اور مغفرت کی امید ہے۔

ابو عثمان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کریم کی یہ آیت اس امت کے لئے بڑی امید دلانے والی ہے، اور صحیح بخاری میں بروایت سمرہ بن جندب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ معراج نبوی کی ایک تفصیلی حدیث میں ہے کہ ساتویں آسمان پر جب آپ ﷺ کی ملاقات حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے ہوئی تو آپ نے ان کے پاس کچھ لوگ دیکھے جنکے چہرے روشن تھے اور کچھ ایسے کہ ان کے چہروں پر کچھ داغ تھے، یہ دوسرے قسم کے لوگ ایک نہر میں داخل ہوئے اور جب غسل کرکے واپس آئے تو ان کے چہرے بھی صاف تھے، جبرائیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے آپ کو بتایا کہ یہ سفید چہرے والے وہ لوگ ہیں کہ جو ایمان لائے اور گناہ سے اجتناب کیا "اَلَّذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانَھم بظلمٍ" اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ملے جلے اچھے برے عمل کئے اور پھر توبہ کرلی، اور اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ (معارف)

وَالَّذین اتخذوا مَسْجدًا ضرارًا (الآیۃ) اس آیت میں منافقین کی ایک اور نہایت قبیح حرکت کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک مسجد بنائی تھی، مدینہ میں دو مسجدیں تو پہلے سے تھیں ایک مسجد قُباء اور دوسری مسجد نبوی منافقوں نے ایک تیسری مسجد بنائی جس کو قرآن میں "مسجد ضرار" کہا گیا ہے اور نبی ﷺ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ بارش اور گرمی و سردی اور اس قسم کے موقعوں پر بیماروں اور کمزوروں کو زیادہ دور ہونے کی وجہ سے مسجد نبوی آنے میں دقت پیش آتی ہے ان کی سہولت کے لئے ہم نے یہ مسجد بنائی ہے، آپ وہاں چل کر برکت کے طور پر نماز پڑھ دیں۔

اس مسجد کے بنانے کا واقعہ جس کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ میں قبیلۂ خزرج کا ایک شخص جس کا نام ابو عامر تھا جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی راہب بن گیا تھا اس کا شمار علماء اہل کتاب میں ہوتا تھا اور رہبانیت کی وجہ سے اس کی درویشی کا سکہ بھی مدینہ کے اطراف کے جاہلوں میں خوب چل رہا تھا، جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو اس کی مشیخت خوب چل رہی تھی یہ شخص آپ ﷺ کو اپنا حریف سمجھ کر مخالفت پر آمادہ ہو گیا، دو سال تک تو اسے یہ امید رہی کہ قریش کی

طاقت ہی اسلام کو مٹانے کے لئے کافی ہوگی، لیکن جنگ بدر میں جب مشرکین مکہ نے شکست فاش کھائی تو اس سے ضبط نہ ہو سکا اور اسلام کے خلاف قریش اور دیگر قبائل میں تبلیغ شروع کر دی اور تمام معرکوں میں یہ خود بھی دشمنوں کی جانب سے شریک جنگ رہا آخر کار جب اس کو اس بات سے مایوسی ہوگئی کہ عرب کی کوئی طاقت اسلام کے سیلاب کو روک سکے گی، اس نے عرب کو چھوڑ کر روم کا رخ کیا تاکہ قیصر کو اس خطرہ سے آگاہ کرے جو عرب سے اٹھ رہا تھا یہ وہی موقع تھا کہ جب مدینہ میں یہ اطلاع پہنچی کہ قیصر عرب پر چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہا ہے اس کی روک تھام کے لئے آپ ﷺ کو تبوک کی مہم پر جانا پڑا۔

ابو عامر راہب کی ان تمام سرگرمیوں میں مدینہ کے منافقین کا ایک گروہ شریک سازش تھا، جب ابو عامر راہب روم روانہ ہونے لگا تو اس کے اور مدینہ کے منافقوں کے درمیان یہ تجویز منظور ہوئی کہ مدینہ میں اپنی ایک الگ مسجد بنائی جائے تاکہ اس میں اپنی منافقانہ سرگرمیوں کو جاری رکھا جا سکے اس طرح آسانی سے ان پر کوئی شبہ بھی نہ کرے گا، اور ابو عامر کے جو ایجنٹ مدینہ آیا کریں گے وہ بھی اس مسجد میں آسانی سے ٹھہر سکیں گے، یہ تھی وہ ناپاک سازش جس کے تحت وہ مسجد تیار کی گئی تھی، جب مسجد تیار ہوگئی تو اشرار و منافقین کی ایک جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بطور برکت اس میں نماز پڑھنے کی درخواست کی مگر آپ نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں اس وقت جنگ کی تیاری میں مشغول ہوں آئندہ دیکھوں گا، اس کے بعد آپ تبوک کی طرف روانہ ہو گئے، واپسی پر جب آپ ﷺ مدینہ کے قریب ذی اوان کے مقام پر پہنچے تو مذکورہ آیات نازل ہوئیں، آپ نے اسی وقت چند آدمیوں کو مدینہ بھیج دیا تاکہ آپ کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے وہ اس مسجد ضرار کو مسمار کر دیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بان يبذلوها في طاعته كالجهاد **بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ** جملةُ استينافٍ بيانٌ للشراءِ وفي قراءةٍ بتقديمِ المبني للمفعولِ اي فيُقتَلُ بعضُهم ويُقاتِلُ الباقي **وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا** مصدران منصوبانِ بفعلِهما المحذوفِ **فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ** اَلْبَيْعُ **مِنَ اللّٰهِ** اي لا احدَ اَوْفى منه **فَاسْتَبْشِرُوْا** فيه التفاتٌ عن الغيبةِ **بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾** النيلُ غايةَ المطلوبِ **اَلتَّآئِبُوْنَ** رفعٌ على المدحِ بتقديرِ مبتدأ من الشركِ والنفاقِ **الْعٰبِدُوْنَ** المُخلِصُوْنَ العبادةَ لِلّٰهِ **الْحٰمِدُوْنَ** له على كلّ حال **السَّآئِحُوْنَ** الصائمُوْنَ **الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ** اي المُصلُّون **الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ** لاحكامِه بالعملِ بها **وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾** بالجنةِ ونزلَ في استغفارِه صلى الله عليه وسلم لعمِّه ابي طالبٍ واستغفارِ بعضِ الصحابةِ لِاَبَوَيْهِ المُشركَيْن **مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى** ذوي قرابةٍ **مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾** النارِ بأنْ ماتوا على الكفرِ **وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ** بقولِه سأستغفرُ

لك رَبِّى رجاءَ ان يُسلِم **فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ** بموتِه على الكفر **تَبَرَّاَ مِنْهُ** وترك الاستغفار له **اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ** كثيرُ التضرّع والدعاءِ **حَلِيْمٌ** ﴿۱۱۴﴾ صَبورٌ على الاذٰى **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ** للاسلام **حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ** اى من العمل فلا يتَّقُوْهُ فيستحِقُّوا الاضلال **اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۱۱۵﴾ ومنه مستحِقُ الاضلال والهداية **اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَمَا لَكُمْ** ايُّها الناسُ **مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غيرِه **مِنْ وَّلِيٍّ** يحفظُكم منه **وَّلَا نَصِيْرٍ** ﴿۱۱۶﴾ يمنعُ عنكم ضررَه **لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ** اى ادَامَ توبتَه **عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ** اى وقتِها وهى حالُهم فى غزوةِ تبوكٍ كان الرجلان يقتسمان تمرةً والعشرةُ يَعْتَقِبُوْنَ البعيرَ الواحدَ واشتد الحرُ حتى شربوا الفرثَ **مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ** بالتاءِ والياءِ تَميلُ **قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ** عن اتباعِه الى التخلف لمابهم فيه من الشدةِ **ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ** بالثباتِ **اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۱۱۷﴾ **وَّ** تاب **عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا** عن التوبةِ عليهم بقرينةِ **حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ** اى مع رحبِها اى سعتِها فلا يجدونَ مكانًا يطمئنون اليه **وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ** قلوبُهم للغم والوحشةِ بتاخيرِ توبتِهم فلا يسعها سرورٌ ولا انسٌ **وَظَنُّوْٓا** ايقنوا **اَنْ** مخففةٌ **لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ** وفقهم للتوبةِ **لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ** ﴿۱۱۸﴾ ع ۱۴

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنین سے ان کی جانوں اور مالوں کا جنت کے بدلے سودا کرلیا ہے اس طریقہ پر کہ وہ ان کو اس کی اطاعت میں مثلاً جہاد میں خرچ کریں وہ اللہ کے راستہ میں قتال کرتے ہیں مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں (یُقاتلُ) بیان شراء کے لئے جملہ مستانفہ ہے، اور ایک قراءت میں یُقتَلُونَ (مجہول) مقدم ہے (اور یُقاتلُ) معروف مؤخر ہے، یعنی انمیں سے بعض قتل کئے جاتے ہیں اور باقی قتال کرتے ہیں، ان سے اللہ کی جانب سے (جنت) کا تورات اور انجیل اور قرآن میں پختہ وعدہ ہے (وعدًا اور حقًّا) دونوں اپنے فعل محذوف کی وجہ سے مصدر منصوب ہیں، اور اللہ سے بڑھکر کون اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے؟ یعنی اس سے بڑھ کر کوئی وعدہ پورا کرنے والا نہیں، لہٰذا تم اپنے اس بیع کے معاملہ پر جو تم سے کیا ہے خوشیاں مناؤ اس میں غیبت سے (خطاب) کی جانب التفات ہے، یہ عظیم کامیابی ہے (یعنی) انتہائی مقصد کا حصول ہے، (وہ مجاہدین) شرک و نفاق سے توبہ کرنے والے ہیں (التائبون) مرفوع بالمدح ہے مبتداء کی تقدیر کے ساتھ عبادت کرنے والے ہیں، یعنی اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں، اور ہر حال میں اسکی حمد بیان کرنے والے ہیں روزہ رکھنے والے ہیں رکوع سجدہ کرنے والے ہیں یعنی نماز پڑھنے والے ہیں، نیکی کا حکم کرنے والے اور بدی سے روکنے والے ہیں، اور اللہ کے احکام پر عمل کرکے اللہ کے حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور (اے نبی) ان مومنوں کو جنت کی خوشخبری سنادو اور

(آئندہ آیت) نبی ﷺ کے اپنے چچا ابو طالب کیلئے اور بعض صحابہ کے اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کرنے کے بارے میں نازل ہوئی نبی کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں زیبا نہیں کہ مشرکوں کے لئے استغفار کریں اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں، اس وجہ سے کہ وہ کفر پر مرے ہیں، ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے جو اپنے والد کیلئے دعاء مغفرت کی تھی وہ اس وجہ سے کی تھی کہ انہوں نے اپنے قول "ساستغفر لك ربّی" سے استغفار کا وعدہ کیا تھا، اس امید پر کہ وہ ایمان لے آئیں گے، مگر جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ ان کے والد انکے کفر پر مرنے کی وجہ سے اللہ کے دشمن ہیں تو انہوں نے اس سے اظہار بیزاری کر دیا، اور ان کے لئے دعاء مغفرت کرنی ترک کر دی، حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام بہت زیادہ عاجزی کرنے والے اور دعاء کرنے والے اور بردبار تکلیف پر صبر کرنے والے تھے، اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ لوگوں کو اسلام کی ہدایت دینے کے بعد گمراہ کرے جب تک کہ صاف صاف ان کو یہ نہ بتا دے کہ ان کو کن کاموں سے بچنا چاہئے پھر (بھی) اگر وہ اس سے نہ بچیں تو وہ گمراہی کے مستحق ہو جاتے ہیں، درحقیقت اللہ ہر شئ کا علم رکھتا ہے اور اسی میں سے استحقاق اضلال وہدایت ہے یہ بھی واقعہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کے قبضے میں ہے وہی جلاتا اور مارتا ہے، اے لوگو اللہ کے سوا اب نہ تمہارا کوئی حامی ہے جو اس سے تمہاری حفاظت کر سکے اور نہ مددگار کہ تم کو اس کے ضرر سے بچا سکے اللہ نے نبی کے حال پر اور مہاجرین وانصار کے حال پر توجہ فرمائی یعنی ان کی توبہ کو دوام بخشا، جنہوں نے تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا ان کی یہ حالت غزوۂ تبوک کے وقت تھی کہ دو آدمی ایک کھجور کو آدھا آدھا کرتے تھے اور دس آدمی ایک اونٹ پر باری باری سے سوار ہوتے تھے اور سخت گرمی کا موسم تھا، یہاں تک کہ اوجھ (کا پانی) بھی پی گئے، اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل آپ کی اتباع سے کجی یعنی تخلف کی طرف مائل ہو چلے تھے (تــزیــغ) یاء اور تاء کے ساتھ ہے اسلئے کہ وہ اس وقت بڑی تکلیف میں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ثابت قدمی عطا فرما کر ان کی طرف توجہ فرمائی بے شک اللہ تعالیٰ ان پر بڑا شفیق بڑا مہربان ہے اور ان تینوں حضرات کی طرف بھی توجہ فرمائی جن کی توبہ کو مؤخر کر دیا گیا تھا، یہ معنی حتی اذا ضاقت کے قرینہ کی وجہ سے ہیں، جب زمین اپنی تمام تر وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی تو وہ کوئی ایسی جگہ نہ پاتے تھے جس میں ان کو اطمینان حاصل ہو سکے اور تاخیر (قبولیت) توبہ اور وحشت نیز غم کی وجہ سے خود ان کی اپنی جانیں بھی ان کو بار معلوم ہونے لگیں جس کی وجہ سے نہ ان کے قلوب میں سرور تھا اور نہ انس، اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کیلئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے پھر اللہ ان کی طرف متوجہ ہوا یعنی ان کو توبہ کی توفیق بخشی تاکہ وہ توبہ کریں یقیناً اللہ بڑا معاف کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بِاَنْ یبذلوھا فی طاعتہ، یہ ایک تمثیل ہے، یعنی مجاہدین کے اپنی جانوں اور مالوں کو راہ خدا میں قربان کرنے کے عوض جنت دینے کو شراء سے تعبیر کیا ہے، لہٰذا حقیقۃً بیع وشراء ہونا ضروری نہیں ہے۔

قَوْلَهُ: جملة استيناف، یہ ماسبق سے عدم وصل کی علت کا بیان ہے۔

قَوْلَهُ: فَيُقْتَلُ بعضهم ويقاتلُ الباقي، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ مجہول کے مقدم ہونے کی صورت میں جب وہ مقتول ہوجاتے ہیں تو پھر وہ قتال کیسے کرتے ہیں؟

جَوَابٌ: کا حاصل یہ ہے کہ مسندالیہ جمیع مؤمنین ہیں، یعنی جب ان میں سے بعض مقتول ہوجاتے ہیں تو باقی پست ہمت ہوکر راہ فرار اختیار نہیں کرتے بلکہ قتال کرتے ہیں۔

قَوْلَهُ: مصدران منصوبان بفعلهما المحذوف، یعنی وعدًا اور حقًّا دونوں اپنے اپنے فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہیں تقدیر عبارت یہ ہے وَعَدَهم وَعْدًا وَحقَّ الوعدُ حَقًّا، اور اسکا قرینہ شراء بمعنی وَعد ہے۔

قَوْلَهُ: رفعٌ على المدح، نہ یہ کہ مبتدا ہونے کیوجہ سے مرفوع ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے اسلئے کہ اس صورت میں بلا فائدہ حذف خبر کی ضرورت ہوگی، مرفوع بالمدح ہونیکی صورت میں بھی اگرچہ حذف لازم آتا ہے مگر وہ فائدہ سے خالی نہیں ہے کما هو ظاهر.

قَوْلَهُ: بتقدير المبتدأ، اور وہ هم ہے۔

قَوْلَهُ: من الشرك والنفاق یہ دونوں التائبون سے متعلق ہیں۔

قَوْلَهُ: الصائمون، یہ السّائحون کے معنی کا بیان ہے آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا،، سَياحة امتى الصوم".

قَوْلَهُ: ونزل في استغفاره ﷺ لعمه ابى طالب، خواجہ ابوطالب جب زیادہ بیمار ہوئے تو آپ ﷺ نے خواجہ ابوطالب سے کہا یہ کلمہ (شہادت) کہہ لو تاکہ میں اسکے ذریعہ اللہ کے روبرو حجت پیش کرسکوں مگر خواجہ ابوطالب نے انکار کردیا، تو اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا "لا ازالُ استغفرلكَ ما لم انُهَ عنه" (رواہ الشیخان) اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک شخص کو سنا کہ وہ اپنے والدین کیلئے دعاء مغفرت کررہا ہے تو میں نے اس کو کہا کہ تو اپنے والدین کے لئے دعاء مغفرت کررہا ہے حالانکہ وہ کافر تھے، تو اس شخص نے جواب دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی اپنے والد کے لئے دعاء استغفار کی تھی حالانکہ ان کے والد مشرک تھے، یہ واقعہ آپ ﷺ کے روبرو ذکر کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(رواہ الترمذی)

قَوْلَهُ: اوّاهٌ، یہ فَعّالٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے، بہت آہ کرنیوالا، نرم دل۔

قَوْلَهُ: ادامَ توبته، یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ قبولیت توبہ کے لئے اول ارتکاب معصیت لازم ہے اس لئے کہ قبولیت توبہ ارتکاب معصیت کی فرع ہے حالانکہ آپ ﷺ معصوم ہیں اور صحابہ نے بھی اس واقعہ میں کسی معصیت کا ارتکاب نہیں کیا تو پھر توبہ کی قبولیت کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابٌ: دوام اور ثبات على التوبة مراد ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں جہاد سے بلا عذر بیٹھ رہنے کا بیان تھا، ان آیات میں جہاد میں شریک ہوکر اپنی جان ومال کی قربانی پیش کرنے والوں کی فضیلت کا بیان ہے۔

شان نزول:

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳ نبوی میں ستر شرفاء مدینہ نے مکہ میں آکر آپ ﷺ سے بیعت کی اس کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے اس وفد کے قائد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن رواحہ تھے، جب وفد کے شرکاء آپ ﷺ سے بیعت کررہے تھے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ "اشترط لربك ولنفسك" آپ ﷺ اپنے رب اور اپنے لئے شرط لگائیے! آپ نے فرمایا "اشترط لربی أن تعبدوہ ولا تشرکوا بہ شیئًا" میرے رب کی شرط یہ ہے کہ اس کی بندگی کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور میرے لئے شرط یہ ہے کہ جس طرح تم اپنی جان ومال کی حفاظت کرتے ہو میری بھی حفاظت کرو، حضرت عبداللہ بن رواحہ نے عرض کیا تو اے اللہ کے رسول اسکے عوض ہمیں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "جنت" تو حضرت عبداللہ نے فرمایا "ربح البیع لا نقیل ولا نستقیل" سودا نفع کا ہے نہ ہم اس بیع کو توڑیں گے اور نہ توڑنے کی درخواست کریں گے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

وَعْدًا عَلَیْه حقًا فی التوراۃ والانجیل قرآن مجید تو اس مضمون کی تکرار سے بھرا پڑا ہے، قرآن کے ساتھ تورات اور انجیل کے ناموں کا اضافہ بیان کی تاکید کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔

اعتراض اور جواب:

اس بات پر بہت سے اعتراضات کئے گئے ہیں کہ جس وعدہ کا یہاں ذکر ہے وہ تورات اور انجیل میں موجود نہیں ہے۔

جواب: تورات میں تحریفات اور ترمیمات دوست ودشمن سب کے نزدیک مسلم ہیں، اگر موجودہ تورات میں اس قسم کا مضمون نہ ملے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں جہاں تک انجیل کا تعلق ہے تو یہ اعتراضات بے بنیاد ہیں تمام تر تحریفات کے باوجود جو اناجیل اس وقت دنیا میں موجود ہیں ان میں حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کے متعدد اقوال ایسے ملتے ہیں جو اس آیت کے مضمون کے ہم معنی ہیں مثلاً۔

"جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں سے یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتیوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو

سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا''۔ (متی ۱۹: ۲۹)

''مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت ان ہی کی ہے''۔ (متی ۵: ۱)

کعب بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی کہانی خود ان کی زبانی:

وعلی الثلثة الّذین خُلّفُوا، یہ وہی تین آدمی ہیں جن کی طرف مذکورہ آیت میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی مرارہ بن ربیع، کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، جن کی توبہ قبول کرنے میں پچاس روز کی مہلت دی گئی تھی، اس کا تفصیلی ذکر صحیح بخاری اور مسلم میں خود کعب بن مالک کی روایت سے اس طرح ہے، فرماتے ہیں کہ میں سوائے تبوک اور بدر کے ہر لڑائی میں شریک رہا ہوں حالانکہ غزوۂ تبوک کے وقت میں بہت آسودہ حال تھا، آپ ﷺ کی عادت مبارکہ اگرچہ مصلحتاً اپنے جنگی سفر کی تفصیلات اور رخ کو پوشیدہ رکھنے کی تھی، تبوک کا سفر چونکہ بعید اور دشوار تھا اسلئے آپ نے مسلمانوں کو صاف صاف بتا دیا کہ میرا ارادہ تبوک جانیکا ہے تم دشمن کے مقابلہ کے لئے تیاری کرو، میں چونکہ خوشحال تھا اسلئے میں نے سوچا کہ جب چاہوں گا سامان سفر تیار کرلوں گا مگر آج کل کرتے کرتے وقت گذر گیا اور آپ ﷺ سفر پر روانہ ہو گئے، پھر بھی میں یہ سوچتا رہا ان کو جانے دو میں ایک دو روز میں ان سے جا کر مل جاؤنگا، حتی کہ اسلامی لشکر منزل مقصود پر پہنچ کر اور وہاں کچھ روز قیام کر کے واپس بھی آ گیا، مگر میں شریک نہ ہوسکا، مجھے اس بات کا بڑا رنج تھا، جب میں مدینہ میں گھر سے باہر نکلا کرتا تھا تو مجھے سوائے معذورین اور منافقوں کے کوئی نظر نہ آتا تھا آپ ﷺ نے تبوک پہنچنے پر لوگوں سے میرے بارے میں دریافت کیا کہ کعب کیوں نہیں آئے، بنی سلمہ کے ایک شخص نے کہا وہ آجکل کرتے کرتے رہ گئے جب آپ واپس تشریف لائے تو میں پیش بندی کے طور پر حیلے بہانے سوچنے لگا بلکہ اس سلسلہ میں اپنے گھر والوں اور دیگر حضرات سے بھی مشورہ کرتا مگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی، آخر یہ بات سمجھ میں آئی کہ چاہے جو کچھ ہو میں سچ بات کہہ دونگا، اگر نجات ہوگی تو اسی میں ہوگی، آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ جب سفر سے تشریف لاتے تو اول مسجد نبوی میں تشریف فرما ہوتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے اس مرتبہ بھی آپ مسجد میں تشریف فرما ہوئے، تقریباً اسی آدمی تھے جنہوں نے اپنے عذر بیان کئے اور آپ نے ان کا عذر قبول فرمالیا اور انکے لئے مغفرت کی دعاء کی جب میرا نمبر آیا میں نے سلام کیا اور آپ مسکرائے اور غصہ میں فرمایا، آجا میں سامنے بیٹھ گیا آپ ﷺ نے فرمایا تو کیوں رہ گیا تھا؟ کیا تو نے سواری نہیں خریدی تھی، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آج اگر میں کسی اور کے سامنے ہوتا تو جھوٹ بولکر عذر و حیلہ کر لیتا اگر آپ کے سامنے جھوٹ بولوں گا تو اصل حقیقت اللہ آپ پر ظاہر کر دے گا، اور اگر سچ بولوں گا تو آپ اگر خفا بھی ہونگے تو مجھے امید ہے کہ اللہ کے یہاں انجام بخیر ہوگا، واللہ مجھے کوئی عذر نہیں تھا، اور میں پہلے کی بہ نسبت خوشحال بھی تھا، آپ نے فرمایا ''تو نے سچ کہا'' اچھا جاؤ اللہ تمہارے بارے میں کچھ فیصلہ کرے گا میں چلا آیا لوگ کہنے لگے تو نے یہ کیا کیا؟ تو بھی دوسروں کی طرح عذر بیان کر دیتا، آپ ﷺ کی مغفرت کی دعاء تیرے لئے کافی تھی، میں نے ان لوگوں سے معلوم کیا کہ میرے بعد اور کون کون آیا

تھا؟ بتایا گیا کہ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ آئے تھے انہوں نے بھی تمہاری طرح سچ کہا آپ ﷺ نے ان سے بھی وہی فرمایا جو تم سے فرمایا، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو ہم تینوں سے بات کرنے سے منع فرمادیا غرضیکہ سب لوگوں نے ہم سے بات چیت بند کردی پچاس روز اسی حالت میں گذرے اور بیچارے وہ دونوں تو اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے رویا کرتے تھے میں نماز کے لئے مسجد میں جایا کرتا تھا تو آنحضرت ﷺ میری طرف سے منہ پھیر لیا کرتے تھے، ابوقتادہ جو میرے چچازاد بھائی تھے میں جب ان کو سلام کرتا تو وہ بھی جواب نہیں دیتے تھے، جب چالیس راتیں گذر گئیں تو آپ ﷺ نے پیغام بھیجا کہ اپنی بیوی سے الگ ہوجائیں میں نے اس کو میکے چلے جانے کو کہدیا ہلال بن امیہ ایک ضعیف آدمی تھے ان کی بیوی نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ کوئی خادم نہیں ہے ان کو بہت تکلیف ہوگی آپ ﷺ نے ہلال کی بیوی کو خدمت کی اجازت دیدی اور فرمایا کہ اسکے پاس نہ جانا (مباشرت نہ کرنا) جب پچاس راتیں پوری ہو گئیں اور میں فجر کی نماز اپنے مکان کی چھت پر پڑھ رہا تھا، یہ آواز میرے کانوں میں آئی خوش ہوجاؤ اے کعب بن مالک پھر تو میں سجدے میں گر پڑا، اور سمجھ گیا کہ میری توبہ قبول ہوگئی صبح کو لوگ میرے اور ان دونوں کے پاس مبارک باد دینے کے لئے آنے لگے جب میں مسجد میں آیا تو طلحہ بن عبید اللہ نے مجھ سے مصافحہ کرکے مبارک باد دی پھر میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا پھر آپ نے توبہ کی خوش خبری سنائی، میں نے عرض کیا میں اس خوشی میں اپنا سارا مال خدا کی راہ میں دیتا ہوں آپ نے سارا مال قبول نہیں فرمایا بلکہ ایک تہائی قبول فرمایا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ بترك معاصيه **وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ** ﴿۱۱۹﴾ في الايمان والعهود بان تلزموا الصدق **مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ** اذا غزا **وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ** بان يصونوها عمّا رضيهُ لنفسِه من الشدائدِ وهو نهيٌ بلفظِ الخبر **ذٰلِكَ** اي النهيُ عن التخلفِ **بِاَنَّهُمْ** بسببِ انهم **لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ** عطش **وَّلَا نَصَبٌ** تعبٌ **وَّلَا مَخْمَصَةٌ** جوعٌ **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا** مصدرٌ بمعنى وطئًا **يَّغِيْظُ** يغضبُ **الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ** للّٰه **نَّيْلًا** قتلًا او اسرًا او نهبًا **اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ** ليجازوا عليهِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۱۲۰﴾ اي اجرهم بل يثيبُهم **وَلَا يُنْفِقُوْنَ** فيه **نَفَقَةً صَغِيْرَةً** ولو تمرةً **وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا** بالسيرِ **اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ** ذلك **لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۲۱﴾ اي جزاءَهُ ولمّا وُبّخوا على التخلفِ وارسلَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم سريةً نفروا جميعًا فنزلَ **وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا** الى الغزوِ **كَآفَّةً فَلَوْلَا** فهلّا **نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ** قبيلةٍ **مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ** جماعةٌ ومكثَ الباقُوْنَ **لِّيَتَفَقَّهُوْا** اي الماكثونَ **فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ** من الغزوِ بتعليمِ ما تعلموه مِنَ الاحكامِ **لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ** ﴿۱۲۲﴾ عقابَ اللّٰهِ بامتثالِ امرِه ونهيِه قال ابنُ عباسٍ رضي الله تعالى عنهما فهذهِ مخصوصةٌ بالسرايا والّتي قبلها بالنّهي عن تخلُّفِ احدٍ فيمَا اِذا خرجَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: اے ایمان والو ترک معصیت کر کے اللہ سے ڈرو اور ایمان اور معاہدوں میں سچوں کے ساتھ رہو بایں صورت کہ سچ کو لازم پکڑے رہو، مدینہ والوں کے لئے اور اسکے اطراف کے دیہاتی باشندوں کے لئے ہرگز یہ مناسب نہیں تھا کہ غزوہ کے وقت رسول ﷺ سے پیچھے رہتے اور نہ یہ زیبا کہ اپنی جانوں کو آپ ﷺ کی جان سے عزیز سمجھیں بایں صورت کہ اپنی جانوں کو ان شدائد سے بچائیں کہ جن کو آپ ﷺ نے اپنے لئے پسند فرمایا ہے، (لایرغبون) بصورت نہی خبر ہے، یہ یعنی تخلف سے ممانعت اس وجہ سے ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو جسمانی مشقت اٹھانی پڑی اور جو بھوک اللہ کی راہ میں ان کو لگی اور جو کسی ایسی جگہ چلے کہ جو کفار کے لئے موجب غضب ہو مَوْطِئًا مصدر بمعنی وطأ ہے اور جو کچھ ان کو دشمن کی طرف سے قتل یا قید یا لوٹ کی شکل میں پیش آیا (ان سب پر) ان کے نام نیک عمل لکھا گیا تاکہ ان (اعمال) پر ان کو جزا دی جائے، یقیناً اللہ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتا (اجر المحسنین، ای اجرھم) بلکہ ان کو اجر عطا کرے گا اور راہ خدا میں جو کچھ انہوں نے قلیل یا کثیر خرچ کیا اگر چہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو اور جو وادیاں ان کو طے کرنی پڑیں مگر یہ کہ اس کو (ان کے اعمال ناموں میں) لکھ دیا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا اچھے سے اچھا بدلہ دے یعنی ان کی جزاء اور جب پیچھے رہ جانے والوں کو ان کے پیچھے رہ جانے پر ڈانٹ پلائی گئی اور آپ ﷺ نے سریہ روانہ فرمایا تو سب کے سب نکل پڑے تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی، اور مومنین کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب غزوہ کے لئے نکل کھڑے ہوں سوایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے اور باقی ٹھہرے رہیں تاکہ یہ ٹھہرے رہنے والے دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب غزوہ سے وہ لوگ ان کے پاس واپس آئیں تو ان کو وہ تعلیم دیکر جو انہوں نے احکام کی حاصل کی ہے ڈرائیں تاکہ وہ اللہ کے عذاب سے اسکے امر و نہی کی اتباع کر کے ڈر جائیں ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا یہ (حکم) سرایا کے ساتھ خاص ہے، اور سابقہ آیت جو کسی کے پیچھے رہ جانے کی ممانعت کے بارے میں ہے وہ اس وقت ہے جبکہ آپ ﷺ بھی غزوہ کیلئے نکلے ہوں۔

تَحقیق وتَرکیب وتَسہیل وتَفسیری فَوائد

قَوْلُہٗ: فی الایمان والعھود، اس میں اشارہ ہے کہ مع الصادقین میں معیت سے معیت فی الایمان مراد ہے نہ کہ معیت فی المعاملات والمکان، اسلئے کہ اس معیت سے کوئی فائدہ نہیں ہے جب تک کہ ایمان نہ ہو۔

قَوْلُہٗ: تلزموا الصدق یہ معیت کے طریقہ کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: بان یصونوا الخ یہ حاصل معنی کا بیان ہے، بانفسھم، میں باء تعدیہ کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ جن شدائد ومصائب میں خود کو ڈالا ہے آپ کو جو تکالیف پیش آرہی ہیں تم اس سے خود کو بچانے کی کوشش نہ کرو۔

قَوْلُہٗ: وهو نهيٌ بلفظ الخبر، یہ بطور مبالغہ کے ہے۔

قَوْلُہٗ: ای النهی، یہ ذلك کے مرجع کا بیان ہے اور نہی سے وہ نہی مراد ہے جو ما کان لاهل المدینة الخ سے مفہوم ہے۔

قَوْلُہٗ: مصدرٌ بمعنی وطئًا یعنی مَوْطِئاً، وطأً کے معنی میں مصدر میمی ہے نہ کہ ظرف۔

قَوْلُہٗ: ولاینالونَ ای لا یُصیبونَ، پیش آنا یعنی دقت اور پریشانی کا پیش آنا۔

قَوْلُہٗ: نَیْلاً، ای اصابَةً، ای یُصیبون اصابة یہ ہر تکلیف اور مصیبت کو عام ہے۔

قَوْلُہٗ: ای اجرهم اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ المحسنین، ضمیر، هم، کی جگہ ان کی صفت احسان کو بیان کرنیکے لئے لایا گیا ہے، ورنہ تواجرهم کہنا کافی ہوتا مگر اس میں دلالت علی الاحسان نہ ہوتی۔

قَوْلُہٗ: ذلك، اس میں اشارہ ہے کہ کتب کی ضمیر، انفاق اور قطع وادی دونوں کی طرف بتاویل مذکور لوٹ رہی ہے لہٰذا عدم مطابقت کا شبہ ختم ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: لمّا وُبّخوا علی التخلّف اس میں آئندہ آیت (وما کان) کے سبب نزول کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: قبيلة، فرقة کی تفسیر قبيلة سے کرکے اشارہ کر دیا کہ فرقہ سے بڑی جماعت مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: مکث الباقُونَ، اس میں اشارہ ہے کہ لیتفقهوا کی ضمیر محذوف کے متعلق ہے نہ کہ نَفَرَ کے لہٰذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ غزاۃ جہاد میں کس طرح فقہ حاصل کریں گے۔

قَوْلُہٗ: والّتی قبلها بالنهی عن التخلف الخ اس اضافہ کا مقصد دونوں آیتوں میں تعارض کو دفع کرنا ہے، ما کانَ لِاَهْلِ المدینة الخ میں فرمایا گیا کہ کسی شخص کو بھی غزوہ میں شرکت سے بیٹھنا جائز نہیں ہے اور وما کان المؤمنون لِیَنْفِروا الخ میں سب کو نکلنے سے منع فرمایا گیا ہے دونوں آیتوں کے مفہوم میں تعارض ہے، الّتی قبلها الخ سے اسی شبہ کا جواب ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ماقبل میں جو نہی ہے وہ اس صورت میں ہے، جبکہ نفیر عام ہو اور آپ ﷺ بذات خود نکلیں اور قلیل جماعت کے نکلنے اور بڑی جماعت کے مدینہ میں رہنے کا حکم سرایا کا ہے جبکہ اعلان عام نہ ہو اور آپ بذات خود شریک نہ ہوں۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

اس آیت کا سابقہ آیت سے ربط یہ ہے بعض لوگ جو مدینہ میں رہتے تھے اور بعض وہ جو مدینہ کے اطراف میں رہتے تھے جو غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے ان پر اظہار ناراضگی کے طور پر یہ آیت نازل ہوئی اس میں فرمایا کہ ان لوگوں کو یہ بات زیبا نہیں تھی کہ اپنی جان کو آپ ﷺ کی جان سے عزیز رکھتے، اگر یہ شریک ہوتے تو ان کی بھوک پیاس ساری

مشقتیں اور خدا کی راہ میں ایک ایک قدم دشمنوں کو ڈرانا دھمکانا ان کو قتل کرنا اور قتل وقید ہونا، سب نیکی میں شمار کئے جاتے گھر بیٹھ کر انہوں نے خود اپنا ہی نقصان کیا۔

خلاصہ یہ کہ یہ ہرگز مناسب نہیں تھا کہ لوگ اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے رہیں اور خدا کے رسول راہ خدا میں مشقتیں اور صعوبتیں اٹھائیں، فقہاء مفسرین نے اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ یہ معیت اور نصرت صرف عرب تک محدود یا شان رسالت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ نصرت دین مقصود ہے، اسلئے ہر مسلم پر ہر زمانہ میں واجب ہے کہ امام وقت کی اطاعت وحفاظت میں مستعد رہے آیت میں کلام اگرچہ بصیغۂ خبر ہے مگر مراد نہی ہے مطلب یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے۔ (ماجدی)

وَمَا کان المؤمنون لینفروا کافّة الخ بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت کا تعلق بھی حکم جہاد سے ہے مطلب یہ ہے کہ پچھلی آیت میں جب پیچھے رہ جانے والوں کے لئے سخت وعید اور زجر وتوبیخ بیان کی گئی تو صحابہ کرام بڑے محتاط ہو گئے اور جب بھی جہاد کا موقع آتا تو سب کے سب اس میں شریک ہونے کی کوشش کرتے، اس آیت میں ان کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ ہر جہاد اس نوعیت کا نہیں ہوتا کہ ہر شخص کی شرکت ضروری ہو (جیسا کہ تبوک میں ضروری تھا) بلکہ ایک جماعت ہی کی شرکت کافی ہے، ان مفسرین کے نزدیک لیتفقھوا کا مخاطب پیچھے رہ جانے والا گروہ ہے یعنی ایک گروہ جہاد میں چلا جائے اور ایک گروہ مدینہ میں مقیم رہے (ومکث الباقون) سے اسی کی طرف اشارہ ہے، مدینہ میں مقیم رہنے والا گروہ علم دین حاصل کرے اور جب مجاہدین واپس آجائیں تو انھیں بھی احکام دین سے آگاہ کرے اور انھیں معصیت اور خلاف ورزی سے ڈرائیں۔

آیت کی دوسری تفسیر:

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق جہاد سے نہیں بلکہ اس میں علم دین سیکھنے کی اہمیت کا بیان اور اس کے طریقے کی وضاحت ہے اور وہ یہ کہ ہر بڑی جماعت اور قبیلہ میں سے کچھ لوگ دین کا علم حاصل کرنے کیلئے اپنا گھر بار چھوڑیں اور مدارس ومراکز علم میں جا کر علم حاصل کریں اور پھر آ کر اپنی قوم میں وعظ ونصیحت کے ذریعہ دین پھیلائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ ای الاقرب فالاقرب منہم وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً شدۃً ای اغلظوا علیہم وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۳﴾ بالعون والنصر وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ من القرآن فَمِنْهُم ای المنافقین مَّن يَقُولُ لا صحابہ استہزاءً أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا تصدیقًا قال تعالی فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا لتصدیقہم بہا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۲۴﴾ یفرحون بہا وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ ضعف اعتقادٍ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ کفرًا الی کفرہم لکفرہم بہا وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۱۲۵﴾ أَوَلَا يَرَوْنَ بالیاءِ ای المنافقون والتاءِ ایہا المؤمنون أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ یبتلون فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ بالقحط والامراض ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ من نفاقہم وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۲۶﴾

يتعظُونَ ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ﴾ فيها ذِكرُهم وقرأها النَّبِيُّ ﴿نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ يريدون الهربَ يقولونَ ﴿هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ﴾ إذا قُمتُم فإن لَم يَرَهم احدٌ قاموا والاثبتُوا ﴿ثُمَّ انْصَرَفُوْا﴾ على كفرِهِم ﴿صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ عن الهُدى ﴿بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ الحقَّ لعدمِ تدبُرِهِم ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ اي منكم محمدٌ صلى الله عليه وسلم ﴿عَزِيْزٌ﴾ شديدٌ ﴿عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ اي عَنَتُكُم اي مَشَقَّتُكُم ولقاؤُكم المكروهَ ﴿حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ﴾ ان تهتدُوا ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ﴾ شديدُ الرحمةِ ﴿رَّحِيْمٌ﴾ يريدُ لهم الخيرَ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ عن الايمان بكَ ﴿فَقُلْ حَسْبِيَ﴾ كافِي ﴿اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ به وثقتُ لا بغيرِهِ ﴿وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ﴾ الكرسي ﴿الْعَظِيْمِ﴾ خصَّه بالذكرِ لأنَّهُ اعظمُ المخلوقاتِ روى الحاكمُ في المستدرَكِ عن أُبي بن كعبٍ قال آخرُ آيةٍ نزلت لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ الى آخرِ السورةِ.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے آس پاس والے منکرین (کفار) سے قتال کرو یعنی ان سے الاقرب فالاقرب کے قاعدہ کے مطابق بالترتیب، اور چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں یعنی تم ان کے ساتھ سخت رویہ رکھو، اور یقین رکھو اللہ مدد اور نصرت کے ذریعہ متقیوں کے ساتھ ہے، اور جب (نئی) سورت قرآن کی نازل ہوتی ہے تو ان منافقین میں سے کچھ لوگ آپ ﷺ کے اصحاب سے استہزاء کرتے ہیں (بتاؤ) اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں تصدیق کا اضافہ کیا سو (سنو) جو لوگ اہل ایمان ہیں (اس سورت نے) ان کے ایمان میں ان کے اس کی تصدیق کرنے کی وجہ سے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں یعنی اس سورت کے نزول سے خوش ہو رہے ہیں، اور جن لوگوں کے دلوں میں ضعف اعتقاد کا مرض ہے (اس سورت نے ان) کی گندگی میں مزید گندگی کا اضافہ کر دیا اس سورت کا انکار کرنے کی وجہ سے ان کے کفر میں مزید کفر کا اضافہ کر دیا ہے اور وہ حالت کفر ہی پر مر گئے کیا یہ منافق نہیں دیکھتے (یَــرَوْنَ) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، اے مومنو ان کو ہر سال ایک یا دو مرتبہ خشک سالی اور امراض کے ذریعہ آزمایا جاتا ہے مگر یہ لوگ پھر بھی نفاق سے باز نہیں آتے اور نہ وہ سبق لیتے ہیں اور جب کوئی (نئی) سورت نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں (یعنی آنکھوں کے اشارہ سے باتیں کرنے لگتے ہیں) (دراصل) وہ کھسک جانا چاہتے ہیں حال یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ تم کو کھسکتے ہوئے کوئی دیکھ تو نہیں رہا اگر انھیں کوئی دیکھ نہیں رہا ہوتا تو اٹھ کر چلے جاتے ہیں، ورنہ بیٹھے رہتے ہیں، پھر یہ لوگ کفر کی طرف پلٹ گئے اللہ ان کے قلوب کو ہدایت سے پھیر دے اور یہ اس لئے ہوا کہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں یعنی ان کے عدم تدبر کی وجہ سے حق کو سمجھتے نہیں، تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں، یعنی تم ہی میں سے ہیں (اور) وہ محمد ﷺ ہیں، تمہارا نقصان میں پڑنا ان پر شاق ہے یعنی تمہاری تکلیف مشقت اور تم کو ناپسندیدہ چیز کا پیش آنا (اس پر شاق ہے) تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے یہ کہ تم ہدایت پر آجاؤ اور ایمان والوں کے لئے وہ شفیق اور مہربان ہے، ان کے لئے خیر چاہتے ہیں اب اگر یہ لوگ تم پر ایمان لانے سے اعراض کرتے ہیں تو تم

کہہ دو میرے لئے اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے، یعنی اسی پر اعتماد کیا ہے نہ کہ کسی اور پر، اور عرش عظیم کرسی کا مالک ہے عرش کے ذکر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ وہ اعظم مخلوقات میں سے ہے، حاکم نے مستدرک میں ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت "لقد جاء کم رسول، آخر سورت تک ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَهُ: یَلُونکُمْ، وَلْیٌ سے جمع مذکر غائب، وہ جو تم سے قریب ہیں۔

قَوْلَهُ: ای اغْلظوا عَلَیْهِمْ، یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: یہ ہے کہ وَلْیَجِدُوْا، یہ کفار کو امر ہے کہ وہ مسلمانوں میں غلظت اور سختی پائیں حالانکہ کفار پر وجدانِ غلظت واجب نہیں ہے۔

جَوَابٌ: یہ ہے کہ گو بظاہر امر کفار کو ہے مگر حقیقت میں امر مومنین کو ہے، آیت میں سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

قَوْلَهُ: یقولون الخ.

سُوَالٌ: یقولون مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَابٌ: چونکہ هل یَرا کم، کا ماقبل یعنی نَظَر بَعْضُهم الی بعض میں بظاہر کوئی ربط نہیں ہے اسلئے کہ هل یرا کم حاضر ہے اور نَظَر بَعْضُهمْ الی بعض غائب ہے، اس میں ربط پیدا کرنے کے لئے یقولون محذوف ماننے کی ضرورت پیش آئی۔

قَوْلَهُ: من احد، ای من المسلمین.

قَوْلَهُ: صَرَفَ اللّٰه علیهم دراصل منافقین کے لئے بددعاء ہے اسلئے کہ یہ مقام کے مناسب ہے نہ خبر۔

قَوْلَهُ: بانهم قوم لایفقهون یہ انصرفوا کے متعلق ہے نہ کہ صَرَفَ اللّٰه، کے اسلئے کہ یہ جملہ معترضہ دعائیہ ہے۔

قَوْلَهُ: منکم ای من جنسکم، ای عربی، قریشیٌ مثلکم.

قَوْلَهُ: ای عنتکم اس میں اشارہ ہے کہ ماعَنِتم میں ما مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ اس میں عائد کی ضرورت نہیں ہوتی لہٰذا عدم عائد کا شبہ ختم ہوگیا۔

تفسیر و تشریح

یاَیّها الذین آمنوا قاتلوا الَّذِیْنَ یلونکم من الکفار الخ اس آیت میں منکرین حق سے لڑنے کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے یعنی الاول فالاول اور الاقرب فالاقرب کے مطابق کافروں سے جہاد کرنا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے پہلے

جزیرۃ العرب کے عربوں سے جہاد کیا جب ان سے فارغ ہو گئے اور مکہ، طائف یمن، یمامہ، ہجر، خیبر، حضرموت وغیرہ اقالیم پر مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا اور عرب کے تمام قبائل اسلام میں فوج در فوج داخل ہو گئے تو پھر اہل کتاب سے قتال کا آغاز فرمایا اس کے بعد ۹ھ میں رومیوں سے قتال کے لئے تبوک تشریف لے گئے جو جزیرۃ العرب کے قریب ہے اسی کے مطابق آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین نے روم کے عیسائیوں سے قتال کیا اور ایران کے مجوسیوں سے جنگ کی۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سورۃ الخ اس سورت میں منافقین کے کردار کی نقاب کشائی کی گئی ہے یہ آیت اسی کا تتمہ ہے، اس میں بتلایا جارہا ہے کہ جب ان کی غیر موجودگی میں کوئی سورت نازل ہوتی ہے اور ان کے علم میں بات آتی ہے تو وہ استہزا اور مذاق کے طور پر آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس سے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے؟

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعُ اٰيَاتٍ وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ الا فاِنْ كنتَ فى شكٍّ الاٰيتينِ او الثلٰثَ او ومنهم مَنْ يُؤْمِنُ به الاٰ يةَ مائةٌ وتسعٌ او عشرُ اياتٍ.

سورۂ یونس مکی ہے سوائے فان كنت فى شكٍّ دوآیتیں یا تین آیتیں، یا ومنهم من يؤمنُ به، ایک آیت، ایک سونو یا ایک سو دس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓرٰ اللّٰهُ اعلمُ بمرادِه بذٰلِكَ تِلْكَ اى بٰذه الاياتُ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ القراٰن والاضافةُ بمعنٰى مِنْ الْحَكِيْمِ ① المحكم اَكَانَ لِلنَّاسِ اى اہلِ مكةَ استفهامُ انكار والجارُّ والمجرُورُ حالٌ من قولِهٖ عَجَبًا بالنصبِ خبرُ كانَ وبالرفع اسمُها والخبرُ وہو اسمُها على الأُولٰى اَنْ اَوْحَيْنَآ اى ايحاؤنا اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ محمدٍ صلى الله عليه وسلم اَنْ مفسّرةٌ اَنْذِرِ خوّف النَّاسَ الكافرينَ بالعذابِ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ اى بانّ لَهُمْ قَدَمَ سلفَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ اى اجرًا حسنًا بما قدّمُوا من الاعمالِ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا القراٰنَ المشتمل على ذٰلِكَ لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② بيّنٌ وفى قراءةٍ لساحرٌ والمشارُ اليه النبيُّ صلى الله عليه وسلم اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ من ايامِ الدُّنيا اى فى قدرِہا لانه لم يكن ثمه شمسٌ ولا قمرٌ ولوشاءَ لخلقهنّ فى لمحةٍ والعدولُ عنه لتعليم خلقِهِ التثبتَ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ استواءً يليقُ به يُدَبِّرُ الْاَمْرَ بينَ الخلائقِ مَا مِنْ زائدةٌ شَفِيْعٍ يشفعُ لاحدٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ردٌّ لقولِهم اِنَّ الاصنامَ تشفعُ لهم ذٰلِكُمُ الخالقُ المدبرُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ وحدوه اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③ بادغام التاءِ فى الاصلِ فى الذالِ اِلَيْهِ تعالى مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا مصدرانِ منصوبان بفعلِهما المقدرِ اِنَّهٗ بالكسرِ استينافا والفتح على تقديرِ اللامِ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ اى بَدأه بالانشاءِ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ بالبعثِ لِيَجْزِيَ ليُثيبَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ماءٍ بالغِ نهايةِ الحرارة وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ مؤلمٌ

بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٤﴾ ای لیثیب بسبب کفرہم هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً ذات ضیاء ای نور وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ من حیث سیرہ مَنَازِلَ ثمانیة وعشرین منزلاً فی ثمان وعشرین لیلة من کل شہر ویستتر لیلتین ان کان الشہر ثلاثین یومًا، ولیلة ان کان تسعة وعشرین یومًا لِتَعْلَمُوْا بذلك عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ المذکور اِلَّا بِالْحَقِّ لاعبثًا تعالی عن ذلك يُفَصِّلُ بالیاء والنون يُبين الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٥﴾ یتدبرون اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ بالذہاب و المجئ والزیادة والنقصان وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ من ملائکة وشمس وقمر ونجوم وغیر ذلك وَ فِي الْاَرْضِ من حیوان وجبال وبحار وانہار واشجار وغیرہا لَاٰيٰتٍ دلالات علی قدرته تعالی لِقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ﴿٦﴾ فیؤمنون خصہم بالذکر لانہم المنتفعون بہا اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا بالبعث وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بدل الاخرة لانکارہم لہا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا سکنوا الیہا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا دلائل وحدانیتنا غٰفِلُوْنَ ﴿٧﴾ تارکون النظر فیہا اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨﴾ من الشرك والمعاصی اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ یرشدہم رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ به بان یجعل لہم نورًا یہتدون به یوم القیمة تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٩﴾ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا طلبہم لما یشتہونه فی الجنة ان یقولوا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ ای یا اللہ فاذا ما طلبوہ بین ایدیہم وَتَحِيَّتُهُمْ فیما بینہم فِيْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ مفسرة الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠﴾

تَرجَمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے الٓر، اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہ محکم کتاب (یعنی) قرآن کی آیتیں ہیں (آیت الکتاب) میں اضافت بمعنی من ہے کیا ان لوگوں کو یعنی اہل مکہ کو اس بات سے تعجب ہوا، استفہام انکاری ہے اور جار مجرور اس کے قول عجبًا سے حال ہے، عَجَبًا نصب کے ساتھ کانَ کی خبر ہے اور رفع کے ساتھ کان کا اسم ہے اور خبر أن اَوْحَيْنَا الخ ہے اور اَوْحَيْنَا اسم ہے پہلی (یعنی نصب کی) صورت میں أن اَوْحينا، اِيحاؤنا مصدر کے معنی میں ہے، کہ ہم نے ان میں کے ایک شخص محمد ﷺ کے پاس وحی بھیج دی کہ لوگوں یعنی کافروں کو عذاب سے ڈرائیے أن مفسرہ ہے اور جو ایمان لے آئے ہیں ان کو خوشخبری سنائیے، کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس سچی عزت ہے یعنی ان کے کئے ہوئے اعمال کا اچھا بدلہ ہے، کافر کہنے لگے یہ قرآن جو انذار و تبشیر پر مشتمل ہے بلاشبہ کھلا جادو ہے اور ایک قراءت میں لسَاحرٌ ہے (اس صورت میں) ذلک کا مشارٌ الیہ آپ ﷺ ہوں گے، حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو دنیا کے دنوں کے اعتبار سے چھ دنوں میں یعنی ان کی مقدار میں پیدا فرمایا اس لئے کہ اس وقت سورج اور چاند نہیں تھے، اور اگر خدا چاہتا تو ایک لمحہ میں ان کو پیدا فرما دیتا مگر اس سے عدول کرنے میں اپنی مخلوق کو عدم عجلت کی تعلیم دینی مقصود تھی پھر تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا جیسا کہ

اس کی شایان شان ہے، وہ مخلوق کے ہر امر کی تدبیر کرتا ہے کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت سے، (مـن شفیع میں) مِن زائدہ ہے، یہ (کفار) کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ بت ان کی سفارش کریں گے، یہی خالق مدبر اللہ تمہارا رب ہے صرف اسی کی بندگی کرو کیا تم (ان دلائل کے سننے کے بعد بھی) نہیں سمجھتے، (تذکرون) میں دراصل تاء کا ذال میں ادغام ہے، تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانا ہے اس نے سچا وعدہ کر رکھا ہے، (وعدًا اور حقًا) دونوں مصدر ہیں جو اپنے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہیں بے شک (اَنّــه) کسرہ کے ساتھ ہے استیناف کی وجہ سے اور فتحہ تقدیر لام کی صورت میں ہے، وہی ابتداء پیدا کرتا ہے یعنی اس نے پیدائش کی ابتداء کی، پھر بعث کے ذریعہ دوبارہ پیدا کرے گا، تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے انصاف کے ساتھ بدلہ دے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کو پینے کے لئے انتہائی گرم پانی ملے گا یعنی حرارت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہوگا، اور دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کی وجہ سے یعنی ان کے کفر کے سبب ان کو سزا دی جائے گی وہی ذات ہے جس نے سورج کو روشن بنایا یعنی روشنی والا یعنی چمکدار بنایا اور چاند کو نور عطا کیا اور چاند کے لئے اس کی رفتار کے اعتبار سے ہر ماہ میں اٹھائیس راتوں میں اٹھائیس منزلیں بنائیں اور دو راتیں پوشیدہ رہتا ہے اگر مہینہ تیس دنوں کا ہو اور ایک رات پوشیدہ رہتا ہے اگر مہینہ ۲۹ دنوں کا ہو، تاکہ تم اس کے ذریعہ برسوں اور تاریخوں کا حساب معلوم کرو اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ با مقصد بنایا ہے نہ کہ (عبث) بے مقصد اللہ اس سے وراء الوراء ہے وہ نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے غور و فکر کرنے والی قوم کے لئے یقیناً رات اور دن کے اُلٹ پھیر میں (یعنی) آنے اور جانے میں بڑھنے اور گھٹنے میں اور ہر اس چیز میں جو اس نے آسمانوں میں پیدا فرمائی مثلاً فرشتے، سورج چاند ستارے وغیرہ اور زمین میں پیدا فرمائیں مثلاً حیوان، پہاڑ، دریا اور نہریں اور درخت وغیرہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں خدا کا ڈر رکھنے والوں کے لئے کہ وہ ایمان لے آئیں، مخصوص طور پر متقیوں کا ذکر فرمایا اس لئے کہ یہی لوگ ان نشانیوں سے نفع اٹھاتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کو بعث کے ذریعہ ہماری ملاقات کی توقع نہیں ہے اور وہ آخرت کا انکار کرنے کی وجہ سے آخرت کے بدلے دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور اسی پر اطمینان کر لیا ہے (یعنی) اس سے دل لگا بیٹھے ہیں، اور وہ لوگ جو ہماری وحدانیت پر دلالت کرنے والی ہماری آیتوں سے غافل ہیں (یعنی) ان میں غور و فکر کے تارک ہیں، ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے شرکیہ اعمال اور معاصی کی وجہ سے جہنم ہے یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کا رب ان کے ایمان کی بدولت ان کی رہنمائی کرے گا بایں صورت کہ ان کے لئے نور مہیا کرے گا جس کے ذریعہ وہ قیامت کے روز اپنے مقصد تک رسائی حاصل کریں گے، بھری جنتوں باغوں میں ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان کی طلب (کا طریقہ) جنت میں جس چیز کی ان کو خواہش ہوگی سبحانك اللّٰھم کہنا ہوگا یعنی اے اللہ، اور جب وہ اس کو طلب کریں گے تو وہ شئ ان کے سامنے موجود ہوگی، اور ان کا آپسی سلام جنت میں السلام علیکم ہوگا اور ان کی آخری بات الحمد للہ رب العلمین ہوگی، أن، مفسرہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: حالٌ من قوله عَجَبًا، لِلنَّاسِ دراصل محذوف سے متعلق ہوکر عجبًا کی صفت ہے اور صفت جب موصوف پر مقدم ہوتی ہے تو وہ حال کہلاتی ہے اس لئے کہ صفت کا موصوف پر مقدم ہونا درست نہیں ہے، اور نہ للناس، عجبًا کے متعلق ہے اسلئے کہ مصدر عامل ضعیف ہوتا ہے اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا، عَجَبًا کان کی خبر مقدم ہے اور أن اَوْحَيْنَا، کان کا اسم مؤخر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، أكانَ اِيْحاؤُنا عَجَبًا للناسِ، اور عجبٌ رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں عجبٌ کان کا اسم ہوگا، اور أن اَوْحَيْنَا جو نصب کی صورت میں اسم تھا وہ رفع کی صورت میں خبر ہوگا، اور ابن مسعود نے عجبٌ کو مرفوع کان کو تامہ مانتے ہوئے پڑھا ہے اور أن اَوْحَيْنَا کو عجبٌ سے بدل قرار دیا ہے۔

قولہ: قَدَمَ صدقٍ، یہ اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے جیسا کہ مسجد الجامع میں، قَدَم بمعنی مرتبہ، عزت، گذشتہ نیک کام کا اچھا اجر، مفسر علام نے قدم کی تفسیر سلف، سے کر کے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے، علامہ سیوطی نے اجرًا حَسَنًا بما قدموا من الاعمال کہہ کر یہی معنی مراد لئے ہیں۔

فائدہ: سبقت چونکہ قدم کے ذریعہ ہوتی ہے سابقہ کو قدم کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ نعمت کو ید کہہ دیا جاتا ہے قدم کی صدق کی طرف اضافت زیادتی فضل کے لئے ہے، یا اس لئے کہ مقام صدق قول صادق سے حاصل ہوتا ہے۔

قولہ: مذکور، ذلك کی تفسیر مذکور سے کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے۔

سوال: یہ ہے کہ ماقبل میں شمس و قمر کا ذکر ہے لہٰذا اسم اشارہ تثنیہ لانا چاہئے حالانکہ ذلك مفرد لائے ہیں۔

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ مذکور کے معنی میں لے کر ذلك مفرد لائے ہیں۔

قولہ: اِنَّ الَّذِيْنَ آمنوا الخ يَهديهم، اِنَّ کی خبر اول ہے اور تجری من تحتها الانهار خبر ثانی ہے اور فی جنّٰتِ نعیم خبر ثالث ہے۔

قولہ: سبحٰنكَ اللهُمَّ یعنی جنتی جب کسی پسندیدہ شئ کی خواہش کریں تو طلب کا طریقہ یہ ہوگا کہ اللّٰهُمَّ کہیں گے تو فوراً ہی مطلوبہ شئ موجود ہو جائے گی، اَللّٰهُمَّ چونکہ کلمہ نداء ہے لہٰذا دعاء بمعنی طلب ہوگی۔

قولہ: اِذَا ما طلبوہ بین اَيديهم، اِذا مفاجاتیہ ہے یعنی اہل جنت جب کسی شئ کی خواہش کریں گے تو وہ سبحٰنك اللّٰهُمَّ کہیں گے فوراً ہی وہ شئ حاضر ہو جائے گی۔

قولہ: ذات ضیاءٍ اس اضافہ کا مقصد الشمس ضیاءً کے حمل کو درست قرار دینا ہے اسلئے کہ ضیاء مصدر ہے اس کا حمل ذات پر درست نہیں ہے۔

تفسیر و تشریح

سورت کا نام:

اس سورت کا نام ''یونس'' موضوع کے طور پر نہیں ہے بلکہ اثناء کلام میں چونکہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام آگیا ہے اسلئے اسم الکل باسم الجزء کے طریقہ پر اس کا نام سورۂ یونس رکھا گیا ہے۔

مقام نزول:

روایات سے معلوم ہوتا ہے اور نفس مضمون سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے البتہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں دو یا تین آیتیں مدنی ہیں۔

فضائل:

حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ آیت حسبی اللّٰہ الخ صبح اور شام سات سات مرتبہ پڑھ لے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہموم اور تفکرات کے لئے کافی ہوجائیگا۔

أکان لِلناسِ عجبًا الخ استفہام انکار تعجبی کے لئے ہے جس میں توبیخ کا پہلو بھی شامل ہے، یعنی اسبات پر تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں ہی میں سے ایک شخص کو وحی رسالت کے لئے چن لیا، کیونکہ اس کے ہم جنس ہونے کی وجہ سے صحیح معنی میں وہ ان کی رہنمائی کرسکتا ہے اور اگر وہ کسی اور جنس سے ہوتا مثلاً فرشتہ یا جن ہوتا تو دونوں ہی صورتوں میں رسالت کا مقصد فوت ہوجاتا، اسلئے کہ انسان اس سے مانوس ہونے کے بجائے وحشت محسوس کرتا دوسرے یہ کہ انسانوں کے لئے ان کا دیکھنا بھی ممکن نہ ہوتا اور اگر کسی جن یا فرشتے کو انسانی قالب میں بھیجا جاتا تو وہی اعتراض لازم آتا کہ یہ تو ہمارے جیسا انسان ہے اسلئے ان کے اس تعجب میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔

قدم صدق، اس کا مطلب ہے بلند مرتبہ، اجر حسن، اور وہ اعمال صالحہ کہ جن کو ایک مومن آگے بھیج چکا ہے۔

قال الکافرون اِنّ ھذا لسحرٌ مبین کافروں کو جب انکار کے لئے کوئی اور بات نہ ملتی تو جادوگر یا جادو کی پھبتی کس دیتے مگر یہ نہ سوچتے کہ وہ چسپاں بھی ہوتی ہے یا نہیں۔

اِنَّ ربکم اللّٰہ الّذی خلقَ السمٰوٰتِ والارض فی ستۃ ایام، اس آیت میں توحید کو اس ناقابل انکار حقیقت کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے کہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور پھر پورے عالم کی تدبیر کرنے میں جب اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں تو پھر عبادت و بندگی میں کوئی دوسرا کیسے شریک ہوسکتا ہے؟ اس آیت میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں

پیدا فرمایا مگر عرف میں دن طلوع شمس سے غروب شمس تک کی مدت کو کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ آسمان و زمین اور سیاروں کے پیدا کرنے سے پہلے آفتاب ہی کا وجود نہیں تھا تو طلوع و غروب کا حساب کیسے ہوا؟ اس لئے یہاں طلوع و غروب سے وقت کی وہ مقدار مراد ہے جو طلوع و غروب کے اعتبار سے اس دنیا میں ہونے والی تھی۔

چھ دن کی قلیل مدت میں اتنے بڑے جہان کو جو آسمانوں اور زمین اور سیارات اور تمام کائنات عالم پر مشتمل ہے بنا کر تیار کر دینا اسی ذات قدوس کا مقام ہے جو قادر مطلق ہے اور یہ چھ دن کی مدت بھی ایک خاص مصلحت و حکمت کی بنا پر ہے ورنہ اس خالق مطلق کے لئے تخلیق کا صرف ارادہ بھی کر لینا کافی ہے جس کو قرآن میں کن فیکون سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

ثم استوٰی علی العرش، پھر وہ عرش پر متمکن ہوا، اتنی بات تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ عرش رحمٰن کوئی ایسی مخلوق ہے جو تمام آسمانوں اور زمین اور تمام کائنات پر محیط ہے، سارا جہان اس کے اندر سمایا ہوا ہے، اس سے زائد اس کی حقیقت کا معلوم کرنا انسان کے بس کی بات نہیں، جو انسان اپنی سائنسی انتہائی ترقی کے زمانہ میں بھی صرف نیچے کے سیاروں تک پہنچنے کی تیاری میں ہے اور بہت سے سیارے ایسے بھی ہیں جن کی شعاع اپنی تخلیق کے وقت سے ابتک زمین تک نہیں پہنچی جبکہ روشنی کی رفتار فی منٹ ۱۸۶۰۰۰ میل کی ہے جب ستاروں اور سیاروں تک انسان کی رسائی کا یہ حال ہے تو آسمان جو ان سب ستاروں اور سیاروں سے اوپر ہے اس کا یہ مسکین انسان کیا حال معلوم کر سکتا ہے اور پھر جو ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر ہو اور سب پر حاوی اور محیط ہو وہ عرش رحمٰن ہے اس کی حقیقت تک رسائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن　　　که جاہا سپر باید انداختن

جن متاخرین علماء نے ان چیزوں کے جو معنی بیان کئے ہیں وہ صرف تخمینی اور احتمالی درجہ رکھتے ہیں نہ کہ یقینی اور حتمی، اس لئے صاف اور بے غبار مسلک سلف صالحین اور صحابہ و تابعین ہی کا ہے جنہوں نے ان چیزوں کی حقیقت کو علم الٰہی کے حوالہ کیا ہے۔

وقَدَّرَہٗ مَنَازِلَ لِتعلموا عَدَدَ السنین، قَدَّرہٗ منازل ماسبق میں سورج اور چاند دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں میں شمار فرمایا تھا مگر یہاں قدّرہ کی ضمیر چاند کی طرف لوٹ رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منزلیں صرف چاند ہی کی ہیں حالانکہ منزلیں دونوں کی ہیں۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرآنی احکامات پوری نوع انسانی کے لئے ہیں خواہ دیہاتی ہو یا شہری عالم ہو یا جاہل، چاند کے ذریعہ ماہ و سال کا حساب لگانا اور تاریخوں کو معلوم کرنا ہر شخص کے لئے آسان ہے چاند کو دیکھ کر ہر شخص چاند کی تاریخ کا اندازہ لگا سکتا ہے بخلاف شمسی تاریخوں کے کہ ان کا معلوم کرنا دیہاتی اور جاہل تو کیا پڑھے لکھے کے لئے بھی آسان نہیں ہے شمسی تاریخ معلوم کرنے کے لئے تقویم، جنتری، کیلنڈر کا سہارا لینا ضروری ہوتا ہے بخلاف چاند کی تاریخوں کے کہ رات کو چاند دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے، شمسی تاریخوں کا حساب رصد گاہوں اور آلات پر موقوف ہے جو ہر شخص کو نہ میسر ہیں اور نہ آسان، یہی وجہ ہے کہ شریعت کے بہت سے احکام مثلاً روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ قمری تاریخوں سے متعلق ہیں۔

مَنَازِل، منزل جائے نزول، پڑاؤ کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے شمس وقمر دونوں کے لئے حدود مقرر فرمائی ہیں چاند چونکہ اپنا دورہ ہر مہینہ میں پورا کر لیتا ہے اسلئے اس کی منزلیں ۲۹ یا ۳۰ ہیں، مگر چونکہ ہر مہینہ میں چاند ایک یا دو دن ضرور غائب رہتا ہے جس کو محاق کہتے ہیں اسلئے عموماً چاند کی منزلیں ۲۸ کہی جاتی ہیں، آفتاب کا دورہ ایک سال میں پورا ہوتا ہے اس کی منزلیں ۳۶۵ ہوتی ہیں۔

فائدۂ جلیلہ:

زمین سے چاند کی اوسط دوری ۲۸۰۰۰۰ میل ہے، اس کا حجم زمین کے حجم کا ۱/۴۹ حصہ ہے اور وزن زمین کے وزن کا ۱/۸۱ حصہ ہے، چاند کی سطحی کشش زمین کی سطحی کشش کا تقریباً ۱/۶ حصہ ہے لہٰذا جس چیز کا وزن سطح زمین پر ۶ پونڈ ہے سطح قمر پر اس کا وزن ایک پونڈ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ آدمی چاند پر بغیر وزن لئے نہیں چل سکتا۔

چاند زمین کے اردگرد ۲۷ دن ۷ گھنٹے ۴۳ منٹ میں دورہ پورا کرتا ہے، مگر زمین کی سالانہ حرکت کے سبب سے ایک نئے چاند سے دوسرے نئے چاند تک ساڑھے انتیس دن لگتے ہیں، چاند کا دن تقریباً ہمارے ۱۴ دنوں کے برابر ہوتا ہے اسی طرح چاند کی ایک رات ہماری ۱۴ راتوں کے برابر ہوتی ہے۔ (فلکیات جدیدہ)

ونزل لَمَّا استعجل المشركونَ العذابَ ﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ﴾ اى كاستعجالهم ﴿بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ﴾ بالبناءِ للمفعول والفاعِل ﴿إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ﴾ بالرفع والنصب بأن يُهلكهم ولكن يُمهلهم ﴿فَنَذَرُ﴾ نترك ﴿الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ يتردّدون متحيّرين ﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ﴾ الكافرَ ﴿الضُّرُّ﴾ المرضُ والفقرُ ﴿دَعَانَا لِجَنْبِهِ﴾ اى مضطجعًا ﴿أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا﴾ اى في كل حال ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ﴾ على كفره ﴿كَأَنْ﴾ مخففةٌ واسمُها محذوفٌ اى كأنّه ﴿لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَسَّهُ كَذَٰلِكَ﴾ كما زُيِّنَ له الدعاءُ عند الضُرِّ والاعراضُ عند الرخاءِ ﴿زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ﴾ المشركين ﴿مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ﴾ الامم ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ يا اهل مكةَ ﴿لَمَّا ظَلَمُوا﴾ بالشرك ﴿وَ﴾ قد ﴿جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ الدالاتِ على صدقهم ﴿وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا﴾ عطفٌ على ظلَمُوا ﴿كَذَٰلِكَ﴾ كما اهلكنا اولئك ﴿نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ﴾ الكافرين ﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ﴾ يا اهلَ مكةَ ﴿خَلَائِفَ﴾ جمعُ خليفةٍ ﴿فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾ فيها وهل تعتبرُون بهم فتصدّقوا رسلنا ﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا﴾ القرآن ﴿بَيِّنَاتٍ﴾ ظاهراتٍ حالٌ ﴿قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا﴾ لا يخافونَ البعثَ ﴿ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا﴾ ليس فيه عيبُ آلهتنا ﴿أَوْ بَدِّلْهُ﴾ من تلقاءِ نفسِكَ ﴿قُلْ مَا يَكُونُ﴾ ينبغي ﴿لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ﴾ قبلِ ﴿نَفْسِي إِنْ﴾ ما ﴿أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي﴾ بتبديله

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ ہو یوم القیمۃ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ اعلمکم بِهٖ ولا نافیۃ عطف علی ما قبلہ وفی قراءۃ بلام جواب لو ای لا علمکم بہ علی لسان غیری فَقَدْ لَبِثْتُ مکثت فِيْكُمْ عُمُرًا سنینا اربعین مِّنْ قَبْلِهٖ لا احدثکم بشیء اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ انہ لیس من قبلی فَمَنْ ای لا احد اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بنسبۃ الشریک الیہ اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ القراٰن اِنَّهٗ ای الشان لَا يُفْلِحُ یسعد الْمُجْرِمُوْنَ ۝ المشرکون وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ای غیرہ مَا لَا يَضُرُّهُمْ ان لم یعبدوہ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ان عبدوہ وہو الاصنام وَيَقُوْلُوْنَ عنہا هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ لہم اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ تخبرونہ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ استفہام انکار ای لو کان لہ شریک لعلمہ اذ لا یخفی علیہ شیء سُبْحٰنَهٗ تنزیہا لہ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ معہ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً علی دین واحد وہو الاسلام من لدن ادم الی نوح وقیل من عہد ابراہیم الی عمرو بن لحی فَاخْتَلَفُوْا بان ثبت بعض و کفر بعض وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بتاخیر الجزاء الی یوم القیمۃ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ای الناس فی الدنیا فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ من الدین بتعذیب الکافرین وَيَقُوْلُوْنَ ای اہل مکۃ لَوْلَآ ہلا اُنْزِلَ عَلَيْهِ علی محمد اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ کما کان للانبیاء من الناقۃ والعصا والید فَقُلْ لہم اِنَّمَا الْغَيْبُ ما غاب عن العباد ای امرہ لِلّٰهِ ومنہ الایات فلا یاتی بہا الا ہو وانما علیّ التبلیغ فَانْتَظِرُوْا العذاب ان لم تؤمنوا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝

ترجمہ: اور (آئندہ) آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ مشرکین نے عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کیا، اور اگر اللہ لوگوں کے لئے شر کے معاملہ میں جلدی کرتا جیسا کہ یہ خیر کے معاملہ میں جلدی کرتے ہیں تو ان کا وعدہ پورا کر دیا گیا ہوتا قُضِيَ مجہول اور معروف دونوں طرح پڑھا گیا ہے، (اَجَلُهُمْ) رفع اور نصب کے ساتھ ہے بایں صورت کہ ان کو ہلاک کر دیا گیا ہوتا، لیکن وہ ان کو مہلت دیتا ہے سو ہم ان کو جن کو ہمارے پاس آنے کی توقع نہیں ہے ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے رہتے ہیں، (یعنی) تردد کے ساتھ حیران رہتے ہیں، اور جب کافر انسان کو مرض اور فقر وغیرہ کی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے، لیٹے بھی بیٹھے بھی، کھڑے بھی، یعنی ہر حال میں، پھر جب ہم اس کی وہ تکلیف ہٹا دیتے ہیں، تو پھر اپنے کفر کی سابقہ حالت پر آ جاتا ہے گویا کہ جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کو ہٹانے کے لئے کبھی ہم کو پکارا ہی نہیں تھا (کان) مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے کانّہ، جس طرح کہ ان کے لئے بوقت تکلیف ہم سے دعاء کرنا اور بوقت خوشحالی اعراض کرنا خوشنما بنا دیا گیا ہے اسی طرح مشرکوں کے اعمال کو ان کے لئے خوشنما بنا دیا گیا ہے اے مکہ والو بلا شبہ ہم نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا ہے جبکہ انہوں نے شرک کر کے ظلم کیا، حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر اپنی سچائی پر دلائل لے کر آئے تھے اور وہ ایسے کہاں تھے کہ ایمان لے

آتے؟ اس کا عطف ظلموا پر ہے، جس طرح ہم نے ان لوگوں کو ہلاک کیا اسی طرح ہم کافروں مجرموں کو سزا دیتے ہیں اے مکہ والو اب ان کے بعد ہم نے تم کو ان کی جگہ زمین میں جگہ دی ہے (خلائف) خلیفة کی جمع ہے تاکہ ہم دیکھیں تم اس میں کیسے عمل کرتے ہو؟ آیا تم ان سے عبرت حاصل کرتے ہو کہ ہمارے رسولوں کی تصدیق کرو، جب انھیں ہماری صاف صاف قرآنی باتیں سنائی جاتی ہیں بیناتٍ حال ہے، تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے یعنی بعث کا خوف نہیں رکھتے کہتے ہیں اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ جس میں ہمارے معبودوں کی عیب جوئی نہ ہو یا اسی میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کردو (اے محمد) ان سے کہہ دو میرا یہ کام نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے کچھ تغیر تبدل کروں میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے، اگر میں اس میں ترمیم کرکے اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے کہ وہ قیامت کا دن ہے، اور کہہ دو کہ اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی تو میں تمہیں یہ قرآن کبھی نہ سناتا اور اللہ تم کو اس کی خبر تک نہ دیتا، اور لا نافیہ ہے اپنے ماقبل (یعنی لوشاء اللہ ماتلوته الخ) پر عطف ہے اور ایک قراءت میں لام کے ساتھ ہے جواب لَوْ واقع ہونے کی وجہ سے یعنی میرے علاوہ کسی اور کی زبانی تم کو بتادیتا، آخر میں اس (قرآن کے نزول) سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر یعنی چالیس سال گذار چکا ہوں کہ میں نے تم سے (اپنی طرف سے) کوئی چیز بیان نہیں کی، کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے کہ یہ (قرآن) میری طرف سے نہیں ہے، پھر اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ کوئی نہیں، جس نے اللہ پر اس کی طرف شرک کی نسبت کرکے جھوٹا بہتان لگایا اس کی آیات یعنی قرآن کو جھٹلایا یقیناً شان یہ ہے کہ مجرم (مشرک) کبھی فلاح نہیں پاسکتے یہ لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی بندگی کررہے ہیں جو کہ نہ ان کو نقصان پہنچاسکتے ہیں اگر یہ ان کی بندگی نہ کریں، اور نہ ان کو کوئی فائدہ پہنچاسکتے ہیں اگر یہ ان کی بندگی کریں، اور وہ بت ہیں، اور ان بتوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بت اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں (اے محمد) تم ان سے کہو کیا تم اللہ کو اس کی خبر دیتے ہو کہ وہ اسے آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں استفہام انکاری ہے یعنی اگر اس کا کوئی شریک ہوتا تو وہ اس کو ضرور جانتا اسلئے کہ اس سے کوئی شئی پوشیدہ نہیں ہے وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جس کو یہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں (ابتداء) سارے لوگ ایک ہی امت تھے، یعنی ایک ہی دین پر تھے اور وہ اسلام ہے، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام تک اور کہا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے لیکر عمرو بن لُحَی کے زمانہ تک، بعد میں انہوں نے اختلاف کیا بایں طور کہ بعض اسلام پر ثابت قدم رہے اور بعض نے انکار کردیا، اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات کا (یعنی) قیامت تک تاخیر عذاب کا فیصلہ نہ کرلیا گیا ہوتا تو لوگوں کے درمیان دنیا ہی میں کافروں کو عذاب کا فیصلہ کردیا گیا ہوتا جس دین کے بارے میں اختلاف کررہے ہیں، اور اہل مکہ کہتے ہیں محمد پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ جیسی کہ انبیاء سابقین پر اتاری گئی تھی، کہ وہ اونٹنی، عصا اور ید بیضاء ہیں، تو ان سے کہو کہ غیب کا یعنی جو چیز بندوں سے غائب ہے یعنی اللہ کا حکم، مالک و مختار تو صرف اللہ ہی ہے ان (نشانیوں کو) صرف وہی لاسکتا ہے میرے ذمہ تو صرف تبلیغ ہے اگر تم ایمان نہیں لاتے تو عذاب کا انتظار کرو، میں بھی تمہارا انتظار کرتا ہوں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ای کا سْتِعْجَالِھِمْ.

سُوَال: استعجالھم کی تفسیر کاستعجالھم سے کاف کے اضافہ کے ساتھ کرنے کا کیا فائدہ؟

جَوَاب: استعجال بالخیر بعینہٖ استعجال بالشر نہیں ہے، حرف تشبیہ کاف کا اگر اضافہ نہ کیا جائے تو دونوں کا ایک ہونا لازم آتا ہے اسی فرق کو واضح کرنے کے لئے استعجالھم کی تفسیر کاستعجالھم سے کی اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا استعجالھم، منصوب بنزع الخافض ہے۔

قَوْلُہٗ: بالرفع والنصب رفع قُضِیَ کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے اور نصب قضیٰ کے معروف ہونے کی صورت میں مفعول ہونے کی وجہ سے، اس صورت میں فاعل اللہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: یُمھلھم.

سُوَال: یُمھِلُھُمْ، کو محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَاب: فَنَذَرُ، میں فاء عاطفہ ہے اس کو معطوف علیہ کی ضرورت ہے حالانکہ اس کا معطوف علیہ ماسبق میں مذکور نہیں ہے اور نہ اس کا عطف قُضِیَ پر صحیح ہے نہ لفظاً اور نہ معناً، لفظاً اس وجہ سے کہ لَقُضِیَ جواب لو ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اگر فَنَذَرُ کا عطف لَقُضِیَ پر ہو تو فَنَذَرَ مجزوم ہونا چاہئے حالانکہ مجزوم نہیں ہے معنی کے اعتبار سے عطف درست نہ ہونا فساد معنی کی وجہ سے ظاہر ہے، لہٰذا فَنَذَرُ کا عطف اس نفی پر ہوگا جو لَوْ شرطیہ سے مفہوم ہے اسلئے کہ لَوْ یُعَجِّل، نفی تعجیل کے معنی کو متضمن ہے اسی نفی تعجیل کے مفہوم بیان کرنے کے لئے مفسر علام نے ولکن یمھلھم کا اضافہ فرمایا ہے، خلاصہ یہ ہوا کہ فَنَذَر کا عطف یمھلھم محذوف پر ہے نہ کہ فَقُضِیَ پر۔

قَوْلُہٗ: وَقد جاء تْھم.

سُوَال: وَجَاء تْھُمْ ظَلَموا سے حال ہے حالانکہ ماضی بغیر قد کے حال واقع نہیں ہو سکتا۔

جَوَاب: اسی اعتراض کو دفع کرنے کے لئے مفسر علام نے قَدْ محذوف مانا ہے۔

قَوْلُہٗ: حالٌ یعنی بیّنٰتٍ، ایٰتُنَا سے حال ہے نہ کہ صفت اسلئے کہ آیتنا اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے اور بیّنٰت نکرہ ہے حالانکہ موصوف و صفت میں مطابقت ضروری ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: وفی قراءۃ بلام یعنی لا ادراکم کے بجائے لَاَدْرَاکُم ہے یعنی لام تاکید کے ساتھ۔

قَوْلُہٗ: جواب لَوْ، یعنی جواب لَوْ پر عطف ہے جو مَاتَلَوْتُہٗ ہے۔

تَفسیر وتَشریح

آیت کے دو مفہوم:

وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰہ للناس الشرَّ (الآیۃ) اس آیت کے دو مفہوم ہیں ایک یہ کہ انسان جس طرح خیر کے طلب کرنے میں جلدی کرتا ہے اسی طرح وہ شر (عذاب) کے طلب کرنے میں بھی جلدی مچاتا ہے گویا کہ یہ اس کی فطرت جلد بازی کا اثر ہے اسی جلد بازی کا نتیجہ ہے کہ اللہ کے نبی سے کہتا ہے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس سے تم ہمکو ڈراتے ہو، ولَوْ یُعَجِّلُ اللّٰہ للناس میں اگرچہ عام انسانوں کی یہ فطرت بیان کی گئی ہے مگر مراد یہاں منکرین بعث ہیں جب ان کو عذاب آخرت سے ڈرایا جاتا تھا تو وہ کہا کرتے تھے کہ وہ عذاب جس سے تم ڈراتے ہو کہاں ہے؟ اگر سچے ہو تو وہ عذاب جلدی لے آؤ جیسا کہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں ابن اسحٰق سے اور مقاتل نے اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے کہ یہ قول نضر بن الحارث کا ہے کہ اس نے ایک موقع پر کہا تھا "اللّٰھُمَّ ان کان ھٰذا ھو الحق مِنْ عندکَ فامطر عَلَیْنَا حجارۃً مِنَ السماءِ" یا اللہ اگر یہ بات (نزول قرآن کی) سچی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے، مذکورہ آیت میں اسی کا جواب دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم ان کے مطالبے کے مطابق جلدی عذاب بھیج دیتے تو یہ کبھی کے موت وہلاکت سے دوچار ہوگئے ہوتے لیکن ہم مہلت دیکر انھیں پورا موقع دیتے ہیں کہ اب بھی اپنی سرکشی سے باز آجائیں مگر یہ اپنی روش بدلنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ ابھی کچھ ہی مدت پہلے کا وہ مسلسل اور سخت بلا خیز قحط ختم ہوا تھا جس کی مصیبت سے اہل مکہ چیخ اٹھے تھے، اس قحط کے زمانے میں قریش کے متکبروں کی اکڑی ہوئی گردنیں کافی حد تک ڈھیلی پڑ گئی تھیں بت پرستی میں بھی کمی آگئی تھی خدائے واحد کی طرف رجوع بھی بڑھ گیا تھا نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ آخر کار ابوسفیان نے آکر نبی ﷺ سے درخواست کی کہ آپ خدا سے اس بلا کو ٹالنے کے لئے دعاء فرمائیں آپ ﷺ نے دعاء فرمائی اور جب قحط ختم ہوگیا، بارش ہونے لگی اور خوشحالی کا دور دورہ شروع ہوگیا، تو ان لوگوں کی وہی سرکشیاں اور بداعمالیاں اور دین حق کے خلاف وہی سابقہ سرگرمیاں پھر شروع ہوگئیں، جو دل خدا کی طرف رجوع ہونے لگے تھے وہ اپنی سابقہ غفلتوں میں پھر ڈوب گئے۔

آیت کا دوسرا مفہوم:

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح انسان اپنے لئے خیر اور بھلائی کی دعائیں مانگتا ہے جنہیں ہم قبول کرتے ہیں اسی طرح انسان جب غصے یا تنگی میں ہوتا ہے تو اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اور اپنے مال وغیرہ کے لئے بددعائیں کرتا ہے جنہیں ہم اس لئے نظر انداز کردیتے ہیں کہ یہ زبان سے ہلاکت مانگ رہا ہے مگر دل میں اس کے ایسا ارادہ نہیں ہے، لیکن اگر ہم انسانوں کی بددعاؤں کے مطابق انھیں فوراً ہلاکت سے دوچار کرنا شروع کردیں تو پھر جلدی ہی یہ لوگ موت اور

تباہی سے ہمکنار ہو جایا کریں اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ تم اپنے لئے، اپنی اولاد کے لئے اور اپنے مال و کاروبار کے لئے بددعاء مت کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بددعائیں اس گھڑی کو پالیں جس میں اللہ کی طرف سے دعاء قبول کی جاتی ہے پس وہ تمہاری بددعاء قبول فرمالے۔ (سنن ابی داؤد کتاب الوتر، مسلم کتاب الزهد)

وَاِذَا مَسَّ الانسانَ الضُرُّ دعانَا، (الآیۃ) اس آیت میں منکرین توحید و آخرت بلکہ انسان کی اس حالت کا تذکرہ ہے جو انسان کی اکثریت کا شیوہ ہے بلکہ بہت سے اللہ کے ماننے والے بھی اس کوتاہی کا عام ارتکاب کرتے ہیں، مصیبت کے وقت تو خوب اللہ اللہ ہوتی ہے دعائیں کی جاتی ہیں نمازوں کی پابندی بھی ہوتی ہے مسجدیں خوب آباد نظر آتی ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ مصیبت کا وہ سخت وقت اپنی رحمت سے نکال دیتا ہے تو پھر انسان بارگاہ الٰہی میں دعاء و تضرع تو کجا فرائض سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَکْنَا القرونَ الاولی مِنْ قبلکم (الآیۃ) اس آیت میں کفار مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی ڈھیل سے یہ نہ سمجھنا کہ دنیا میں عذاب آ ہی نہیں سکتا پہلی بہت سی امتوں کو ان ہی اسباب کی وجہ سے جو تم میں بدرجۂ اتم موجود ہیں ہلاک کیا جا چکا ہے، ایسا نہ ہو کہ کہیں تم بھی پہلی امتوں کی طرح ہلاکت سے دوچار ہو جاؤ۔

قوموں کی ہلاکت کی دوسری صورت:

قرآن کریم میں ''قرون'' کا لفظ استعمال ہوا ہے قرون قرن کی جمع ہے جس سے عربی زبان میں عام طور پر ایک عہد کے لوگ مراد ہوتے ہیں، لیکن قرآن نے جس انداز سے مختلف قوموں پر اس لفظ کا استعمال کیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرن سے مراد وہ قوم ہے جو اپنے دور میں برسرِ عروج اور کلّی یا جزوی طور پر امامتِ عالم پر سرفراز رہی ہو ایسی قوم کی ہلاکت کے لازماً یہی معنی نہیں کہ اس کی نسل کو بالکل غارت ہی کر دیا جائے، بلکہ اس کو مقام عروج و امامت سے گرا دیا جانا، اس کی تہذیب و تمدن کا تباہ ہو جانا، اس کے تشخص کا مٹ جانا اور اس کے اجزاء کا پارہ پارہ ہو جانا، یہ بھی ہلاکت ہی کی ایک صورت ہے۔

ثم جَعَلْنٰکم خَلٰئِفَ فی الارض، اس آیت میں خطاب خاص طور پر اہل مکہ کو اور عام طور پر اہل عرب کو ہے ان سے یہ کہا جارہا ہے کہ پچھلی قوموں کو اپنے اپنے زمانہ میں کام کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا موقع دیا گیا تھا مگر انہوں نے نہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کی اور نہ کار مفوضہ کو انجام دیا بلکہ بغاوت و سرکشی کی روش اختیار کی، اور جو انبیاء علیہم السلام ہم نے ان کو راہِ راست دکھانے کے لئے بھیجے تھے ان کی بھی ایک نہ سنی آخر کار وہ امتحان میں ناکام ہوئے اور انھیں میدان سے ہٹا دیا گیا، اے اہل مکہ! اور اہل عرب! اب تمہاری باری آئی ہے تمہیں ان کی جگہ کام کرنے کا موقع دیا جاتا ہے تم اسی امتحان گاہ میں کھڑے ہو جس سے تمہارے پیش رو ناکام ہونے کی وجہ سے نکالے جا چکے ہیں اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہارا بھی انجام وہی ہو جو ان کا ہوا تو اس موقع سے جو تم کو دیا گیا ہے صحیح فائدہ اٹھاؤ، پچھلی قوموں کی تاریخ سے سبق لو اور ان غلطیوں کا اعادہ نہ کرو جو ان کی تباہی و ہلاکت کی موجب ہوئیں۔

مشرکین مکہ کی ناروا فرمائش اور اس کی تردید:

وإذا تتلی علیهم آیاتنا بینٰتٍ (الآیة) ان چار آیتوں میں مشرکین کی ناروا فرمائش کی تردید ہے مشرکین مکہ کی ناروا فرمائش یہ تھی کہ یہ قرآن تو ہمارے عقائد و نظریات کے خلاف ہے جن بتوں کی ہمارے باپ دادا ہمیشہ تعظیم کرتے آئے ہیں اور ان کو حاجت روا مانتے آئے ہیں قرآن ان سب کو باطل اور لغو قرار دیتا ہے اور بہت سی چیزیں جنہیں ہم استعمال کرتے چلے آئے ہیں قرآن ان سب کو حرام قرار دیتا ہے اور قرآن کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور حساب کتاب دینا ہوگا، یہ سب چیزیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں ان کو ہم ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں اس لئے آپ یا تو ایسا کریں کہ اس قرآن کے بجائے کوئی دوسرا قرآن بنادیں جس میں یہ چیزیں نہ ہوں یا کم از کم اسی میں ترمیم کرکے ان چیزوں کو نکالدیں، مشرکین مکہ کا یہ خیال اول تو اس مفروضہ پر مبنی تھا کہ محمد ﷺ جو کچھ پیش کررہے ہیں یہ خدا کی طرف سے نہیں ہے بلکہ ان کے اپنے دماغ کی تصنیف ہے اس کو خدا کی طرف منسوب کرکے صرف اس لئے پیش کیا ہے کہ ان کی بات کا وزن بڑھ جائے۔

قُل مایکونُ لِیْ اَنْ اُبَدِّلَهٗ، یہ مذکورہ دونوں باتوں کا جواب ہے اس میں یہ بات صاف کردی گئی ہے کہ اس کتاب کا مصنف میں نہیں ہوں بلکہ یہ تو وحی کے ذریعہ میرے پاس آئی ہے جس میں کسی رد و بدل کا مجھے اختیار نہیں اور نہ اس معاملہ میں مصالحت کا قطعاً کوئی امکان ہے، قبول کرنا ہو تو اس پورے دین کو قبول کرو ورنہ پورے کو رد کردو۔

قُل لَوْ شاء اللّٰه ما تَلَوْتُه علیکم ولا ادراکم به، یعنی سارا معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ چاہتا تو میں نہ تمہیں پڑھ کر سناتا نہ تمہیں اس کی کوئی اطلاع ہی ہوتی، بعض حضرات نے "ما ادراکم به" کے معنی کئے ہیں اَعْلَمَکم به علی لسانی، کہ وہ تم کو میری زبانی اس قرآن کی بات کچھ نہ بتلاتا، میری کیا طاقت کہ میں اپنی طرف سے کلام بنا کر پیش کردوں اور کہہ دوں کہ یہ اللہ کا کلام ہے، آخر میری عمر کے چالیس سال تمہارے درمیان گذرے ہیں، اس قدر طویل مدت میں تمہیں میرے حالات سے متعلق ہر قسم کا تجربہ ہو چکا ہے میری دیانت اور صدق و عفاف تم میں ضرب المثل ہے، میرا امّی ہونا اور کسی ظاہری معلم کے سامنے زانوئے ادب تہ نہ کرنا ایک معروف و مسلّم واقعہ ہے پھر چالیس سال تک جس نے نہ کوئی قصیدہ لکھا ہو اور نہ شاعروں میں شریک ہوا ہو نہ کبھی کتاب کھولی ہو اور نہ کبھی قلم ہاتھ میں پکڑا ہو اور نہ کسی درسگاہ میں بیٹھا ہو دفعۃً ایسا کلام بنالائے جو اپنی فصاحت و بلاغت، شوکت و جزالت، جدّت اسلوب اور سلاست و روانی سے جن و انس کو عاجز کردے یہ بات کسی کی سمجھ میں آسکتی ہے؟ تم کو سوچنا چاہئے کہ جس پاک سرشت انسان نے چالیس سال تک کسی انسان پر جھوٹ نہ لگایا ہو وہ ایک دم ایسی جسارت کرسکتا ہے کہ معاذ اللہ خداوند قدوس پر جھوٹ باندھے ناچار ماننا پڑے گا کہ جو کلام الٰہی تم کو سنایا جارہا ہے یہ خدائی کلام ہے اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اس کے ایک زیر یا زبر کو بھی تبدیل کرسکے۔

وَیقولونَ لَوْلا اُنزِلَ علیه آیةٌ من ربّه، اس سے مراد کوئی بڑا اور واضح معجزہ ہے، جیسے قوم ثمود کے لئے اونٹنی کا ظہور ہوا، ان کے لئے صفا پہاڑی کو سونے کا یا مکہ کے پہاڑوں کو ختم کرکے ان کی جگہ نہریں اور باغات بنانے کا یا اور کوئی اس قسم کا معجزہ

صادر کر کے دکھلایا جائے، خدا تعالیٰ کو اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ ان کی خواہشات کے مطابق معجزہ ظاہر فرمادے لیکن اس کے بعد بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو اللہ کا قانون یہ ہے کہ ایسی قوم کو فوراً ہلاک کر دیتا ہے اس لئے اس بات کا علم صرف اسی کو ہے کہ ان کے مطلوبہ معجزے اگر ان کو دکھائے گئے تو انھیں کتنی مہلت دی جائے گی؟ اسی لئے آگے فرمایا تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

دراصل یہ منکرین کی مریض ذہنیت کا بیان ہے کہ ان کو تسلی تو کسی معجزے یا کسی نشانی یا کسی آیت سے نہیں ہوتی اور ان کو تسلی مقصود نہیں بلکہ ہر اعجازی واقعہ کی کوئی نہ کوئی مادی توجیہ وتاویل کر لیتے ہیں اور فوراً ہی دوسرے معجزے کی فرمائش کر دیتے ہیں۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ ای کفار مکة **رَحْمَةً** مطرًا وخصبًا **مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ** بؤس وجدب **مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْٓ اٰیَاتِنَا** بالاستهزاءِ والتكذيبِ **قُلِ** لهم **اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا** مجازاةً **اِنَّ رُسُلَنَا** الحفظة **یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ**﴿۲۱﴾ بالتاءِ والياءِ **هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ** وفى قراءةٍ يَنْشُرُكم **فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ** السفنِ **وَجَرَیْنَ بِهِمْ** فيه التفاتٌ عن الخطاب **بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ** لينةٍ **وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ** شديدةُ الهبوب تكسِرُ كلَّ شئٍ **وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ** اى أُهلِكُوا **دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ** الدعاءَ **لَئِنْ** لامُ قسم **اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ** الاهوالِ **لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ**﴿۲۲﴾ الموحِّدِين **فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ** بالشرك **یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ** ظلمُكم **عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ** لاَنَّ اثمهُ عليها هو **مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا** تتمتَّعُونَ فيها قليلاً **ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ** بعدَ الموتِ **فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ**﴿۲۳﴾ فنُجازيكم عليه وفى قراءةٍ بنصبِ متاع اى تتمتَّعُونَ **اِنَّمَا مَثَلُ** صفةُ **الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ** مطرٍ **اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ** بسببه **نَبَاتُ الْاَرْضِ** واشتبكَ بعضُه ببعضٍ **مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ** من البُرِ والشعيرِ وغيرِهما **وَالْاَنْعَامُ** من الكلأ **حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا** بهجتَها من النباتِ **وَازَّیَّنَتْ** بالزهرِ واصله تزَيَّنتْ أبدِلَتْ التاءُ زاءً وأُدغِمتْ فى الزاء ثمّ اجْتُلِبتْ همزةُ الوصلِ **وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَآ** متمكّنُونَ من تحصيلِ ثمارِها **اَتٰىهَآ اَمْرُنَا** قضاؤُنا اوعذابُنا **لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا** اى زرْعَها **حَصِیْدًا** كالمحصودِ بالمَناجلِ **كَاَنْ** مخففةٌ اى كأنَّها **لَّمْ تَغْنَ** تكُنْ **بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ** نُبيِّنُ **الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ**﴿۲۴﴾ **وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ** اى السلامةِ وهى الجنة بالدعاءِ الى الايمانِ **وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ** هدايته **اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ**﴿۲۵﴾ دينِ الاسلامِ **لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا** بالايمان **الْحُسْنٰى** الجنةُ **وَزِیَادَةٌ** هى النظرُ اليه تعالى كما فى حديثِ مسلمٍ **وَلَا یَرْهَقُ** يغشى **وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ** سوادٌ **وَّلَا ذِلَّةٌ** كآبةٌ **اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ**﴿۲۶﴾ **وَالَّذِیْنَ** عطفٌ على الذين احسنُوا اى و الذين **كَسَبُوا السَّیِّاٰتِ** عملُوا الشركَ **جَزَآءُ سَیِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ** زائدةٌ **عَاصِمٍ** مانعٍ **كَاَنَّمَآ اُغْشِیَتْ** أُلبِسَتْ

وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا بفتح الطاء جمع قِطعةٍ واسكانِها اى جزأ مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَ اذكُرْ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ اى الخلق جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِيْنَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ نصبٌ بالزمُوا مقدرًا أَنْتُمْ تاكيدٌ للضميرِ المستترِ في الفعلِ المقدرِ ليُعطفَ عليه وَشُرَكَآؤُكُمْ اى الاصنامُ فَزَيَّلْنَا مَيَّزنا بَيْنَهُمْ وبين المؤمنين كما في اٰيةِ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ وَقَالَ لهم شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٨﴾ ما نافيةٌ وقُدِّمَ المفعولُ للفاصلةِ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ مخففة اى إنَّا كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ اى ذلك اليومَ تَبْلُوْا من البَلْوٰى وفي قراءةٍ بِتَائَيْنِ من التِلاوةِ كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ قدّمتْ من العملِ وَرُدُّوْا إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ الثابتِ الدائمِ وَضَلَّ غابَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾ عليه من الشُركاءِ.

ترجمہ: اور لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب ان کو یعنی کفار مکہ کو تکلیف اور قحط سالی کے بعد جوان کو پیش آچکی ہوتی ہے رحمت یعنی بارش اور خوشحالی کا مزا چکھادیتے ہیں تو وہ ہماری آیتوں کے بارے میں استہزاء اور تکلیف کے ذریعہ چالبازیاں کرنے لگتے ہیں ان سے کہو کہ اللہ چالبازی کا جواب دینے میں تم سے زیادہ تیز ہے (اور) بلاشبہ ہمارے فرشتے ان کی مکاریوں کو قلمبند کررہے ہیں (تمکرون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، وہ اللہ ہی ہے کہ جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے اور ایک قراءت میں یَنشرون ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ ان کو نرم (موافق) ہوا کے ذریعہ لے کر چلتی ہیں اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں تو (اچانک) ہوا کا ایک شدید بگولا آتا ہے جو ہر شئی کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے، اور ہر طرف سے موجیں آنے لگتی ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ (برے) آگھرے یعنی وہ اب ہلاک کئے گئے، اس وقت یہ لوگ دین کو اللہ کے لئے خالص کرکے (اخلاص کے ساتھ) اللہ سے دعاء کرنے لگتے ہیں اور قسمیہ کہتے ہیں (لئن میں) لام قسمیہ ہے اگر تو نے ہم کو ان ہولناکیوں سے نجات دیدی تو ہم تیرے شکر گذار موحد بندوں میں سے ہو جائیں گے مگر جب ہم نے ان کو بچالیا تو پھر وہی لوگ زمین پر شرک کرکے ناحق سرکشی کرنے لگے، لوگو یہ سرکشی تمہارے ہی خلاف پڑ رہی ہے اس لئے کہ اس کا گناہ تمہارے اوپر ہے دنیا کے چند روزہ مزے ہیں، چند روز لوٹ لو موت کے بعد تم کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے اس وقت ہم تمہیں بتادیں گے کہ تم (دنیا میں) کیا کچھ کیا کرتے تھے، پھر ہم تم کو اس کا بدلہ دیں گے اور ایک قراءت میں مَتَاعٌ کے نصب کے ساتھ ہے، (ای تتمتعون متاعَ الحیٰوۃ الدنیا) دنیوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے پانی برسا جس کی وجہ سے زمین کی پیداوار خوب گھنی ہوگئی، جس میں سے انسان کھاتے ہیں مثلاً گندم، جو وغیرہ، اور جانور کھاتے ہیں مثلاً گھاس وغیرہ، پھر عین اس وقت جبکہ زمین اپنی پوری بہار پر تھی یعنی ہریالی کی وجہ سے پر رونق تھی، اور اس کی رونق کی وجہ سے خوب زیبائش ہوگئی (اِزَّیَّنَتْ) کی اصل تَزَیَّنَتْ تھی، تاء کو زاء سے بدل کر زاء کو زاء میں مدغم کردیا پھر اس کے شروع میں ہمزہ وصل کا اضافہ کردیا گیا، اور اس کے مالک سمجھ رہے تھے کہ اب ہم اس (سے فائدہ حاصل کرنے) پر قادر ہیں یعنی اس کے پھلوں (پیداوار) سے فائدہ اٹھانے پر قادر

ہیں یکا یک رات میں یا دن میں ہمارا حکم یعنی فیصلہ یا عذاب اس پر آپڑا تو ہم نے اس کھیتی کو صاف کر دیا جیسا کہ درانتی سے کٹی ہوئی کھیتی، ایسی جیسا کہ کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں، اسی طرح کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں اور اللہ ایمان کی دعوت دے کر سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور وہ جنت ہے اور وہ جس کی ہدایت چاہتا ہے اس کی صراط مستقیم (یعنی) دین اسلام کی جانب رہنمائی کرتا ہے جن لوگوں نے ایمان کے ساتھ نیکی کی ان کے لئے خوبی (یعنی) جنت ہے، اور مزید برآں بھی، اور وہ (مزید) اللہ کا دیدار ہے جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے، اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت مشقت، یہی لوگ جنتی ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور جن لوگوں نے بدی کی ہوگی اس (الذین) کا عطف اَلـذِین اَحسَنُوا پر ہے (تقدیر عبارت) وَلِـلَّذِیْنَ کَسَبُوا ہے، ان کی بدی کی سزا ان کی بدی کے مثل ہوگی اور ان پر ذلت چھائی ہوگی ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا، مِـــن زائدہ ہے گویا کہ ان کے چہروں پر سیاہ رات کا ایک حصہ ڈال دیا گیا ہوگا (قِـطَعًا) طاء کے فتحہ کے ساتھ، قِـطَعًا قِطعة کی جمع ہے، اور سکون طاء کے ساتھ بمعنی حصہ ہے یہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس دن ہم تمام مخلوق کو جمع کریں گے پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک بت اپنی جگہ ٹھہرو (مـکـانـکـم) الْـزمـوا مقدر کی وجہ سے منصوب ہے (انـتـم) فعل مقدر (الْـــزمــوا) میں ضمیر مستتر کی تاکید ہے تاکہ (ضمیر مستتر) پر عطف درست ہو سکے، تو ہم ان کے اور مومنوں کے درمیان پھوٹ ڈالدیں گے جیسا کہ (آیت) وَامْتَازُوا الیومَ ایُّها المجرمونَ، میں ہے، اور ان سے وہ شرکاء کہیں گے تم ہماری بندگی نہیں کرتے تھے مَـا، نافیہ ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے مفعول (ایّـانـا) کو مقدم کر دیا گیا ہے، سو ہمارے اور تمہارے درمیان گواہ کے طور پر اللہ کافی ہے اِنْ مخففہ عن المثقلہ ہے ای اِنَّـا، ہم تو تمہاری اس عبادت سے بالکل بے خبر تھے اس دن ہر شخص اپنے کئے کا مزا چکھ لے گا تبـلـوا، بلوی، سے ماخوذ ہے اور ایک قراءت میں دو تاؤں کے ساتھ ہے (اس وقت) یہ تـلاوۃ سے ماخوذ ہوگا، اور یہ لوگ اللہ کی طرف جو ان کا مولائے حقیقی ہے ثابت و دائم ہے، لوٹائے جائیں گے اور جو جھوٹ انہوں نے شرکاء کے بارے میں گھڑ رکھے تھے غائب ہو جائیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَاِذَا اَذَقْنَا النَّاسَ ...... الی ...... اِذَا لَهُمْ مکرفی آیتنا، واو استینافیة اِذَا ظرفية متضمن بمعنی شرط، اِذَا لَهُمْ، جزاءِ شرط ہے اِذَا مفاجاتیہ ہے۔

قَوْلُهُ: مجازاۃ.

سُؤَال: مکرٌ کی تفسیر مجازاۃ سے کرنے کا کیا مقصد ہے؟

جَوَاب: چونکہ مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مناسب نہیں ہے اسلئے مکر کی تفسیر جزاءِ مکر سے کی ہے۔

قَوْلُہٗ: السفن، فُلْكٌ کا صیغہ چونکہ مفرد اور جمع کے لئے مشترک ہے اسلئے فُلك کی تفسیر سُفُنٌ سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں جمع مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: فیه التفاتٌ عن الخطاب، سابق میں خطاب کے صیغے استعمال ہوئے ہیں جَرَیْنَ بھم میں غائب کی ضمیر لائی گئی ہے ایسا زیادتی تقبیح کو بیان کرنے کے لئے کیا گیا ہے جَـرَیْـنَ ماضی جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے وہ چلیں، وہ جاری ہوئیں، متعدی بالباء کی وجہ سے اس کے معنی ہیں وہ کشتیاں ان کو لے کر چلیں۔

قَوْلُہٗ: ریحٌ، الهَواء المسخر بینَ السّماءِ وَالارض۔ ریح فضاء میں معلق ہوا کو کہتے ہیں (المصباح) رِیحٌ اصل میں رِوْحٌ تھا واؤ کو ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے یاء سے بدل دیا رِیحٌ ہوگیا اس کی جمع اَرواحٌ اور ریاحٌ آتی ہے ریحٌ مؤنث سماعی ہے۔

قَوْلُہٗ: وظَنّوا انّهم اُحِیْطَ بِهِمْ اس کا عطف جَاءَ هُمْ پر ہے اور اِنَّ اور جو اس کے ماتحت ہے وہ ظَنّوا کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور اُحِیْطَ بِهِمْ اَنَّ کی خبر ہے اور جملہ دَعَوُا اللّٰه الخ ظَنّوا سے بدل الاشتمال ہے اسلئے کہ ان کی دعاء ان کے ہلاکت کے گمان کے لوازم میں سے ہے، اور سوال مقدر کا جواب ہونے کی صورت میں جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے (یعنی) ماذا صَنَعُوا؟ قیلَ دَعَوُا اللّٰه مخلصین له الدین۔

قَوْلُہٗ: اصله تَزَیَّنَتْ، باب تَفَعُّل۔

قَوْلُہٗ: زَرْعَها۔

سَوَال: یہاں حذف مضاف سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: اگر زرع مضاف محذوف نہ مانا جائے تو نفس ارض کو کاٹنا لازم آئیگا حالانکہ زمین کے کاٹنے کا کوئی مطلب نہیں ہے اس لئے زرع مضاف محذوف مانا، اور اظہار مبالغہ کے لئے مضاف کو حذف کردیا یعنی کھیتی کو کاٹ کر ایسا صاف کردیا گویا زمین ہی کو کاٹ کر صاف کردیا۔

قَوْلُہٗ: عطفٌ علی الَّذِیْنَ احسنوا، یہ ان لوگوں کے قول کے مطابق ہے جو فی الدار زید والحجرة عمرو کی ترکیب کو جائز کہتے ہیں۔

تَفسِیر وَتَشریح

وَاِذَا اَذَقْنَا النّاسَ رحمةً (الآیة) یہ اسی سات سالہ خشک سالی کے ابتلاء کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر ابھی آیت نمبر ۱۱-۱۲ میں گذرا ہے جس میں وہ درختوں کے پتے اور سوکھا چمڑا کھانے پر مجبور ہوگئے تھے ضعف اور کمزوری کا یہ عالم تھا کہ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا اور آسمانوں پر دھواں نظر آنے لگا تھا اور جس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اپنے معبودوں سے مایوس ہوکر جن کو مشرکوں نے اللہ کے یہاں سفارشی ٹھہرا رکھا تھا، ابو سفیان نے آپ ﷺ کی خدمت میں مدینہ آکر باران رحمت

کی دعاء کرائی تھی اور آپ کی دعاء کی بدولت ان کی یہ سات سالہ مصیبت دور ہوئی تھی اور جب یہ مصیبت دور ہوگئی تو بجائے اس کے کہ اللہ وحدہ پر ایمان لاتے اور آپ ﷺ کی رسالت کو قبول کرتے اس خشک سالی کی مختلف تاویل و توجیہ کر کے کہنے لگے کہ یہ خشک سالی کوئی نئی بات نہیں ہے خشک سالی تو دنیا میں کہیں نہ کہیں ہوتی ہی رہتی ہے اور ہمارے یہاں بھی اس سے پہلے بارہا خشک سالی ہوئی ہے البتہ اتنی بات ہے کہ اس مرتبہ ذرا طویل ہوگئی، مشرکین کی اسی حرکت کو مکر و چالبازی سے تعبیر کیا ہے۔

قُلِ اللّٰہ اسرعُ مکرًا، عربی لغت کے اعتبار سے مکر خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں جو اچھی بھی ہوسکتی ہے اور بری بھی یہاں اردو محاورہ کا مکر مراد نہیں ہے جو کہ دھوکہ اور فریب کو کہتے ہیں، جس سے حق تعالیٰ بری ہے، بلکہ یہاں جزاء مکر مراد ہے اور وہ اس طرح کہ اگر تم اپنا رویہ درست نہیں کرتے تو وہ تمہیں اسی باغیانہ روش پر چلتے رہنے کی چھوٹ دے گا اور جیتے جی اپنے رزق اور اپنی نعمتوں سے نوازتا رہے گا جس سے تمہارا نشۂ زندگانی تمہیں یوں ہی مست رکھے گا، اور اس مستی کے دوران جو کچھ تم کرو گے وہ سب اللہ کے فرشتے خاموشی کے ساتھ بیٹھے لکھتے رہیں گے حتی کہ اچانک موت کا پیغام آجائیگا اور تم اپنے کرتوتوں کا حساب دینے کے لئے گرفتار کر لئے جاؤ گے۔

وَاللّٰہ یدعوآ الی دار السلام، یہاں دار السلام سے مراد جنت ہے جنت کو دار السلام اسلئے کہا گیا ہے کہ وہاں سلامتی ہی سلامتی ہے نہ وہاں کسی قسم کا غم اور نہ تکلیف نہ بیماری کا خطرہ اور نہ موت کا غم جنت کا دار السلام نام رکھنے کی ایک دوسری وجہ احادیث میں یہ بھی وارد ہوئی ہے کہ جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیز فرشتوں کی طرف سے سلام پہنچتا رہے گا۔

جنت میں خدا کا دیدار:

لِلَّذِیْنَ اَحسنوا الحسنٰی وزیادۃ، زیادۃ سے مراد حق تعالیٰ کا دیدار ہے جو اہل جنت کو حاصل ہوگا، صحیح مسلم میں حضرت صہیب کی روایت سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو حق تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ کیا تمہیں اور کسی چیز کی ضرورت ہے؟ اگر ہو تو بتلاؤ ہم اسے پورا کریں گے، اہل جنت جواب دیں گے کہ آپ نے ہمارے چہرے روشن کئے، ہمیں جنت میں داخل فرمایا، جہنم سے نجات دی، اس سے زیادہ اور کیا چیز طلب کریں؟ اس وقت درمیان سے حجاب اٹھا دیا جائیگا اور سب اہل جنت حق تعالیٰ کا دیدار کریں گے، تب معلوم ہوگا کہ جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت تھی جس کی طرف ان کا دھیان بھی نہیں گیا تھا جو رب العٰلمین نے محض اپنے فضل و کرم سے بے مانگے عطا فرمائی۔

قُلْ لہم مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ بالمطر وَالْاَرْضِ بالنباتِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ بمعنی الاسماع ای خلقها وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ بین الخلائق فَسَيَقُوْلُوْنَ هو اللّٰهُ فَقُلْ لہم اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٣١﴾ فتؤمنون فَذٰلِكُمُ الفعّال لهذه الاشیاء اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ الثابتُ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ استفهامُ تقریر ای لیس بعدَهُ غیرُه فمَنْ اخطاءَ الحقَ وهو عبادةُ اللّٰهِ وَقع فی الضلالِ فَاَنّٰى كیف تُصْرَفُوْنَ ﴿٣٢﴾

عن الايمانِ مع قيامِ البرہانِ كَذٰلِكَ كما صُرِفَ ہؤلاءِ عن الايمان حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْآ كفرُوْا وہی لا مُلأنَّ جہنم الاٰيةَ اَوْ ہی اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٤﴾ تُصرفُوْنَ عن عبادتِه مع قيامِ الدليل قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ بنصبِ الحججِ وخلقِ الاہتداءِ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وہو اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ يَہتدِى اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى احقُّ اَن يُّتبعَ استفہامُ تقريرٍ وتوبيخٍ اى الاولُ احقُّ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٥﴾ ہذا الحكمَ الفاسدَ من اتّباعِ مَالا يحِقُّ اتباعُه وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ في عبادةِ الاصنام اِلَّا ظَنًّا حيثُ قلّدُوْا فيه اٰبائَہم اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا فيما المطلوبُ منه العلمُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ فيُجازيہم عليه وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى اى افتراءً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيره وَلٰكِنْ انزلَ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ من الكتبِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ تبيينَ ما كَتبَ اللّٰهُ من الاحكام وغيرِہا لَا رَيْبَ شكَّ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾ متعلقٌ بتصديقٍ او بأنزلَ المحذوفِ وقُرِئَ برفعِ تصديقٍ وتفصيلٍ بتقديرِ ہُوَ اَمْ بَلْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ اِختلقه محمدٌ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ في الفصاحةِ والبلاغةِ على وجهِ الافتراءِ فانّكم عربيُّونَ فُصَحاءُ مثلي وَادْعُوْا للاعانةِ عليه مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيره اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ في انّه افتراءٌ فلم يقدِرُوْا على ذٰلك قال تعالٰى بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ اى بالقراٰن ولم يتدبَّرُوْه وَلَمَّا لم يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ عاقبةُ ما فيه من الوعيدِ كَذٰلِكَ التكذيبِ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ رُسلَہم فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾ بتكذيبِ الرسلِ اى اٰخرُ امرِہم من الہلاكِ فكذٰلك يہلِكُ ہؤلاءِ وَمِنْهُمْ اى اہلِ مكةَ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ لعلمِ اللّٰه ذٰلك منه وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ابدا وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾ تہديدٌ لہم.

ترجمہ: ان سے پوچھو آسمان سے بارش کے ذریعہ اور زمین سے نباتات کے ذریعہ تم کو کون رزق دیتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ سَمْعٌ بمعنی اَسْمَاعٌ ہے یعنی کس نے ان کو پیدا کیا ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو مخلوق کے معاملات کا نظم کرتا ہے ضرور وہ یہی کہیں گے وہ اللہ ہے تو ان سے کہو کہ پھر اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے کہ ایمان لے آؤ، سو یہ جو ان تمام چیزوں کا کرنے والا ہے اللہ ہے جو تمہارا حقیقی رب ہے، پھر حق کے بعد بجز گمراہی کے اور باقی رہ ہی کیا گیا؟ استفہام تقریری ہے یعنی اس کے بعد کچھ باقی نہیں رہا، لہٰذا جو حق سے ہٹا کہ وہ اللہ کی عبادت ہے گمراہی میں گرا، تو پھر دلیل قائم ہونے کے باوجود ایمان سے کہاں بھٹکے جارہے ہو؟ اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے فاسقوں کے حق میں ثابت ہوگئی، وہ بات لا ملأنّ جهنم الخ یا انّهم لا یؤمنون ہے، آپ کہیے کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ جو پہلی بار بھی پیدا کرے اور دوبارہ بھی پیدا کرے آپ

کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی پیدا کرے گا، تو تم قیام دلیل کے باوجود اس کی عبادت سے کہاں بھٹکے جا رہے ہو؟ آپ ان سے کہئے کہ تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو دلائل کے ساتھ اور ہدایت کی تخلیق کے ساتھ راستہ بتاتا ہو؟ آپ کہئے کہ صرف اللہ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے، آپ کہئے کہ وہ ذات جو حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے؟ یا وہ جس نے خود ہی ہدایت نہیں پائی بجز اس کے کہ اس کی رہنمائی کی جائے زیادہ حق دار ہے کہ اس کی اتباع کی جائے، استفہام تقریر و توبیخ کے لئے ہے، یعنی اول زیادہ حق دار ہے آخر تمہیں ہو کیا گیا کہ تم غیر حق دار کی اتباع کے کیسے غلط فیصلے کرتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ ان میں کی اکثریت بت پرستی کے بارے میں محض خیال و گمان کی پیروی کرتی ہے اسلئے کہ انہوں نے اس معاملہ میں اپنے آباء کی تقلید کی ہے حالانکہ گمان حق، یعنی علم مطلوب کی ضرورت کو ذرا بھی پورا نہیں کرتا یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے لہٰذا وہ ان کے اعمال کی جزاء دے گا، اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ کی وحی کے بغیر اپنی طرف سے گھڑ لیا گیا ہو، بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کے لئے نازل کیا گیا ہے جو اس سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور احکام وغیرہ جو اللہ نے فرض کئے ہیں ان کی تفصیل کرنے والا ہے اس میں کوئی شبہ کی بات نہیں کہ رب العلمین کی طرف سے نازل ہوا ہے (من رّب العٰلمین) تصدیق یا انزل محذوف کے متعلق ہے، اور تصدیق و تفصیل کے رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے ھُوَ کی تقدیر کے ساتھ، کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کو محمد ﷺ نے گھڑ لیا ہے؟ آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ تم بھی فصاحت و بلاغت میں اس کے جیسی ایک سورت گھڑ کر لے آؤ اس لئے کہ تم بھی میرے جیسے عربی ہو فصحاء ہو اور اس میں مدد کے لئے غیر اللہ میں سے جس کو بلا سکو بلا لو اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ گھڑا ہوا ہے چنانچہ وہ یہ نہ کر سکے، بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کا وہ علمی احاطہ نہ کر سکے یعنی قرآن کا اور نہ انہوں نے اس میں غور و فکر کیا، اور ہنوز ان کو اس کا اخیر نتیجہ کہ وہ وعید ہے نہیں ملا اسی طرح انہوں نے جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی سو دیکھ لو رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ان ظالموں کا کیا انجام ہوا؟ یعنی ان کا آخری انجام ہلاکت ہوئی تو اسی طرح یہ لوگ ہلاک کئے جائیں گے ان میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے علم میں ہونے کے وجہ سے جو اس پر ایمان لے آئیں گے اور بعض ایسے ہیں جو اس پر کبھی ایمان نہ لائیں گے اور تیرا رب ان مفسدوں کو خوب جانتا ہے یہ ان کے لئے تہدید ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یمعنی الاسماع، اس میں اشارہ ہے کہ السمعُ پر الف لام استغراق کا ہے تاکہ الابصار کا تقابل صحیح ہو سکے۔

سوال: یملك کی تفسیر مفسر علام نے خلقها سے کیوں فرمائی؟

جواب: اس لئے کہ کانوں اور آنکھوں میں ملکیت آنکھ و کان والوں کی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ارش کا صاحب اذن و سمع ہی مالک ہوتا ہے، اس شبہ کو دور کرنے کے لئے ملك کی تفسیر خَلَقَهَا سے فرمائی۔

قَوْلُہٗ: هو اللّٰه.

سَوَال: هو، مقدر ماننے کی کیا وجہ ہے۔

جَوَاب: چونکہ یہاں لفظ اللہ جو کہ مقولہ واقع ہو رہا ہے مفرد ہے حالانکہ مقولہ جملہ ہوا کرتا ہے مفسر علام نے ھُوَ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ ھو محذوف ہے جس کی وجہ سے مقولہ جملہ ہے نہ کہ مفرد۔

قَوْلُہٗ: اَوْھِیَ اَنَّھُمْ لایؤمنون، اس اضافہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کَلِمَتُ رَبِّكَ سے دو صورتیں مراد ہو سکتی ہیں ایک تو اللہ تعالیٰ کا قول لاملئن جھنم الخ اور دوسری اَنَّھُمْ لایؤمنون، اگر پہلی صورت مراد ہو تو، انّھم لایؤمنون علت ہوگی ای لِاَنَّھم لا یؤمنون.

قَوْلُہٗ: بنصب الحجج اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ہدایت سے مراد محض اراءۃ الطریق نہیں ہے اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں ہے کیوں کہ دیگر بھی رہنمائی کا کام انجام دیتے ہیں، بخلاف ایصال الی المطلوب کے جو کہ یہاں مراد ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

قَوْلُہٗ: یھتدی، اس اضافہ کا مقصد یَھِدّی کی اصل بتانا ہے کہ یَھِدّی اصل میں یھتدی باب افتعال سے ہے تاء کو دال میں قلب کے بعد ادغام کر دیا اور ہاء کو التقاء ساکنین کی وجہ سے کسرہ دیدیا۔

قَوْلُہٗ: اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ، یہ ام مَن لایھِدّی مبتداء کی خبر ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

مشرکین سے چند سوالات:

قُلْ مَنْ یرزقکم مِنَ السّماءِ والارضِ، یہ تمام سوالات مشرکین سے بطور جرح ہو رہے ہیں، ان سوالات میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ سوالات میں ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے، پہلا سوال رزق سے متعلق ہے جو سلسلہ ربوبیت میں اول نمبر پر ہے پھر انسان کے حواس ظاہرہ سے متعلق سوال ہے جن کے بغیر انسان اور جماد برابر ہیں، پھر حیات و موت سے متعلق سوال ہے اور آخر میں انتظام امور سے متعلق ہے۔

آیت ۳۲ میں خطاب عام لوگوں سے کیا جا رہا ہے، سوال یہ نہیں ہے کہ تم کدھر پھرے جا رہے ہو بلکہ یہ ہے کہ کدھر پھرائے جا رہے ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی ایسا گمراہ کن شخص یا گروہ موجود ہے جو لوگوں کو صحیح رخ سے ہٹا کر غلط رخ پر لے جا رہا ہے اسی بنا پر عام لوگوں سے اپیل کی جا رہی ہے کہ تم اندھے بن کر غلط رہنمائی کرنے والوں کے پیچھے کیوں چلے جا رہے ہو؟ اپنی عقل سے کام لے کر آخر کیوں نہیں سمجھتے کہ جب حقیقت یہ ہے تو تم کو کسی خاص مقصد سے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت غلط راستہ پر لیجایا جا رہا ہے ایسے موقعوں پر عام طور پر قرآن کریم میں گمراہ کن گروہ یا شخص کا نام لینے کے بجائے مجہول کا صیغہ استعمال کیا

گیا ہے تاکہ ان کے معتقدین اپنے معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرسکیں اور کسی کو یہ کہکر انھیں اشتعال دلانے اور دماغی توازن بگاڑنے کا موقع نہ ملے کہ دیکھو یہ تمہارے بزرگوں اور پیشواؤں پر چوٹیں کسی جارہی ہیں، اس طرز میں حکمتِ تبلیغ کا ایک اہم نکتہ پوشیدہ ہے جس سے ایک مبلغ کو کسی حال میں غافل و بے خبر نہ رہنا چاہئے۔

کذلك حقت کلمتُ رَبكَ الخ مطلب یہ ہے کہ ایسی کھلی کھلی اور عام فہم دلیلوں کے ذریعہ بات سمجھائی جارہی ہے کہ ہر انصاف پسند کے دل میں اتر جائے، لیکن جنہوں نے نہ ماننے ہی کا فیصلہ کرلیا ہے وہ اپنی ضد کی وجہ سے کسی طرح مان کر نہیں دیتے۔

قل هل من شر کاء کم مَنْ یَبْدَؤا الخلق الخ تخلیق کی ابتداء کے متعلق تو مشرکین مانتے ہی تھے کہ یہ صرف اللہ کا کام ہے ان کے شریکوں میں سے اس کام میں کسی کا کوئی حصہ نہیں، وہاں تخلیق کے اعادہ کا مسئلہ تو ظاہر ہے کہ جو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے وہ ہی دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے مگر جو ابتداءً ہی پیدا کرنے پر قادر نہ ہو وہ کس طرح اعادۂ تخلیق پر قادر ہوگا؟ یہ بات اگرچہ صریحًا ایک معقول بات ہے اور خود مشرکین کے دل بھی اندر سے اس کی گواہی دیتے تھے کہ بات بالکل پتے کی ہے لیکن انھیں اس کا اقرار کرنے میں اس بنا پر تامل تھا کہ اسے مان لینے کے بعد انکار آخرت مشکل ہوجاتا، یہی وجہ ہے کہ اوپر کے سوالات کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ خود کہیں گے کہ یہ کام اللہ کے ہیں، مگر یہاں اس کے بجائے نبی ﷺ سے ارشاد ہوا کہ تم علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ کہدو کہ یہ ابتداءِ خلق اور اعادۂ خلق کا کام بھی اللہ ہی کا ہے، جب یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ تمہاری ابتداء اور انتہا کے دونوں سرے اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں تو ذرا اپنے ہی خیر خواہ بن کر یہ سوچو کہ آخر تمہیں یہ کیا باور کرایا جارہا ہے کہ ان دونوں سروں کے بیچ میں تمہاری نیاز مندیوں اور بندگیوں کا حق اللہ کے سوا کسی اور کو پہنچتا ہے؟

قل هل من شر کاء کم من یهدیٓ الی الحق الخ یعنی گم گشتۂ راہ اور ہدایت سے برگشتہ لوگوں کو ہدایت کی طرف پھیرنے والا بھی اللہ ہی ہے ان کے شرکاء میں کوئی ایسا نہیں کہ یہ کام کرسکے جب یہ حقیقت اور امر واقعہ ہے تو پھر سوچو کہ وہ شخص جو دیکھتا سنتا ہے اور لوگوں کی حق کی جانب رہنمائی کرتا ہے وہ پیروی کے زیادہ لائق ہے یا وہ جو اندھے اور بہرے ہونے کی وجہ سے خود بھی راستہ پر نہ چل سکتا ہو جبتک کہ دوسرے لوگ اسے راستہ پر نہ ڈالدیں یا ہاتھ پکڑ کر نہ لیجائیں؟ تمہاری عقلوں کو کیا ہوگیا ہے؟ کہ تم اللہ کو اور اس کی مخلوق کو برابر ٹھہراتے ہو جبکہ ان دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی ایک اللہ کو معبود مانا جائے اور اسی کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھا جائے، لیکن بات یہ ہے کہ لوگ اٹکل پچو محض ظن و تخمین پر چلتے ہیں، حالانکہ جانتے ہیں کہ دلائل کے مقابلہ میں اوہام و خیالات اور ظن و گمان کی کوئی حیثیت نہیں۔

وَاِنْ کَذَّبُوْكَ فَقُلْ لہم لِّیْ عَمَلِیْ وَلَکُمْ عَمَلُکُمْ ای لکل جزاء عمله اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۴۱﴾ وہذا منسوخ بایۃ السیف وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ اذا قرأتَ القرآن اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ شبّههم بهم فی عدمِ الانتفاع بما یُتلی علیهم وَلَوْ کَانُوْا مع الصمم لَا یَعْقِلُوْنَ﴿۴۲﴾ یتدبّرون وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْظُرُ اِلَیْكَ

اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ﴿٤٣﴾ شبّههم بهم في عدم الاهتداء بل هم اعظمُ فانها لا تعمى الابصارُ ولكن تعمى القلوبُ التي في الصدور اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴿٤٤﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ اي كانّهم لَّمْ يَلْبَثُوْٓا في الدُّنيا او القبور اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ لهولِ ما رَأَوْا وجملةُ التشبيه حالٌ من الضمير يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ يعرفُ بعضُهم بعضًا اذا بُعثوا ثم ينقطعُ التعارفُ لشدةِ الاهوال والجملةُ حالٌ مقدرةٌ اومتعلقُ الظرفِ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ بالبعث وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴿٤٥﴾ وَاِمَّا فيه ادغامُ نون اِن الشرطيةِ في ماالزائدةِ نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ به من العذاب في حياتِك وجوابُ الشرط محذوفٌ اي فذاكَ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ قبل تعذيبهم فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ مُطّلعٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ﴿٤٦﴾ من تكذيبهم وكفرهم فيُعذّبُهم اشدَّ العذابِ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ من الامم رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ اليهم فكذّبوه قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ بالعدل فيعذَّبوا ويُنجّى الرسولُ ومن صدَّقه وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴿٤٧﴾ بتعذيبهم بغير جُرْم فكذلكَ يُفعلُ بهؤلاءِ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ بالعذاب اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿٤٨﴾ فيه قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا ادفعُه وَّلَا نَفْعًا اَجْلبُهُ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ان يُقدرني عليه فكيف امْلكُ لكم حُلولَ العذابِ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ مدةٌ معلومةٌ لهلاكهم اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ يتاخّرُوْن عنه سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴿٤٩﴾ يتقدَّمُوْن عليه قُلْ اَرَءَيْتُمْ اَخبرُوني اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ اي اللّٰهِ بَيَاتًا ليلا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا اَيُّ شيءٍ يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ اي العذابِ الْمُجْرِمُوْنَ﴿٥٠﴾ المشركُوْن فيه وضعُ الظاهرِ موضعَ المضمرِ وجملةُ الاستفهامِ جوابُ الشرطِ كقولِك اِن اتيتُك ما ذا تُعطيني والمرادُ به التهويلُ اي مَا اعظمَ ما استَعْجَلُوه اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ حَلَّ بكم اٰمَنْتُمْ بِهٖ اي اللّٰهِ او العذاب عند نُزولِه والهمزةُ لإنكارِ التاخيرِ فلا يُقبلُ منكم ويُقالُ لكم اٰلْئٰنَ تؤمنون وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴿٥١﴾ استهزاءً ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ اي الذي تخلدون فيه هَلْ ما تُجْزَوْنَ اِلَّا جزاءً بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ يستخبرونك اَحَقٌّ هُوَ اي ما وعدتَنا به من العذابِ والبعثِ قُلْ اِيْ نعمْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴿٥٣﴾ بفائتين العذابَ.

ترجمہ: اگر یہ تجھے جھٹلا رہے ہیں تو ان سے کہہ دیں کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے یعنی ہر شخص کو اسی کے عمل کی جزاء ہے، جو کچھ میں کرتا ہوں اس کی ذمہ داری سے تم بری اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی ذمہ داری سے میں بری اور یہ آیت سیف کے ذریعہ منسوخ ہے، اور ان میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو تیری بات سنتے ہیں جب تو قرآن پڑھتا ہے، مگر کیا تو بہروں کو سنائیگا کفار کو قرآن سے فائدہ نہ اٹھانے میں بہروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے خواہ وہ بہرے ہونے کے ساتھ کچھ سمجھتے بھی نہ ہوں (یعنی) غور و فکر نہ کرتے ہوں، اور ان میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو آپ کو دیکھتے ہیں تو پھر کیا

آپ اندھوں کو راستہ دکھلانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو، ان (کفار) کو اندھوں کے ساتھ عدم ہدایت میں تشبیہ دی ہے، بلکہ یہ ان سے بھی بڑھ کر ہیں اسلئے کہ یہ آنکھوں کے اندھے نہیں ہیں، بلکہ دل کے اندھے ہیں جو کہ ان کے سینوں میں ہے، یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن وہ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کرتے ہیں، (ان کو وہ دن یاد دلاؤ) کہ جس دن اللہ ان کو اس کیفیت سے جمع کرے گا (کہ وہ منظر کی ہولناکی کی وجہ سے سمجھیں گے) کہ گویا وہ دنیا میں یا قبروں میں دن کی ایک گھڑی ہی رہے ہیں، اور جملۂ تشبیہ (یحشرھم) کی ضمیر مفعول سے حال ہے، آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے جبکہ ان کو (قبروں سے) اٹھایا جائیگا، پھر ہولناکی کی شدت کی وجہ سے یہ تعارف ختم ہو جائیگا، اور جملہ (یحشرھم) کی ضمیر ھم سے حال مقدرہ ہے یا (یوم) ظرف کے متعلق ہے، واقعی سخت خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے بعث کے ذریعہ اللہ کی علامات کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے اور جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں (اِمّا) میں نون شرطیہ کا مازائدہ میں ادغام ہے اس کا کچھ حصہ آپ کی زندگی میں آپ کو دکھا دیں، اور جوابِ شرط محذوف ہے یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے، یا ان کو عذاب دینے سے پہلے ہی ہم آپ کو وفات دیدیں بہر حال ان کو ہمارے پاس تو آنا ہی ہے پھر اللہ ان کے سب افعال سے باخبر ہے خواہ وہ ان کی تکذیب کے قبیل سے ہو یا کفر وانکار کے قبیل سے، لہٰذا وہ ان کو شدید عذاب دے گا اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے جب کسی امت کے پاس اس کا رسول آجاتا ہے اور وہ اس کو جھٹلا دیتے ہیں تو اس کا فیصلہ پورے انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے چنانچہ ان کو عذاب دیا جاتا ہے اور رسول اور اس کی تصدیق کرنے والوں کو نجات دی جاتی ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا کہ ان کو بغیر ظلم کے سزا دیدی جائے پس ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائیگا، یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ عذاب کا وعدہ کب ہوگا؟ اگر تم وعدہ میں سچے ہو، (اے نبی) کہہ دو کہ میرے اختیار میں خود اپنا نقصان نہیں کہ اس کو دفع کرسکوں یا حاصل کرسکوں، مگر اتنا ہی جتنا اللہ چاہے، یہ کہ میں اس پر قادر ہوں، تو مجھے تم پر عذاب نازل کرنے کی قدرت کہاں ہوگی؟ ہر امت کی ہلاکت کی ایک مدت مقررہ ہوتی ہے جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو اس سے گھڑی بھر بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوسکتی ان سے کہو مجھے بتاؤ اگر اللہ کا عذاب رات میں یا دن میں تم پر آپڑے (تو تم کیا کر سکتے ہو) آخر عذاب ایسی کونسی چیز ہے جس کے لئے مجرم مشرک جلدی مچائیں، اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے جملہ استفہامیہ جواب شرط ہے، جیسا کہ اس مثال میں، "ان اتیتك ما ذا تعطینی" اور مراد اس سے ہولناکی کو بیان کرنا ہے یعنی جس کی یہ لوگ جلدی مچار ہے ہیں کس قدر عظیم ہے!! کیا جب وہ عذاب ان پر آپڑے گا اس وقت اس پر ایمان لائیں گے یعنی اللہ پر یا عذاب پر اس کے نزول کے وقت، اور ہمزہ انکار تاخیر کے لئے ہے تو تمہارا وہ ایمان مقبول نہ ہوگا، اور تم سے کہا جائے گا اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم خود ہی استہزاءً اس کے جلدی لانے کا تقاضا کرتے تھے پھر ظالموں سے کہا جائیگا کہ اب دائمی عذاب کا مزا چکھو یعنی ایسے عذاب کا کہ جس میں تم ہمیشہ رہوگے، تم کو تمہارے ہی کئے کا بدلہ ملا ہے آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ عذاب کیا واقعی امر ہے؟ یعنی جس عذاب اور بعث کا تم نے وعدہ کیا ہے (کیا وہ امر واقعی ہے) آپ کہہ دیجئے ہاں قسم ہے میرے رب کی وہ واقعی امر ہے اور تم کسی طرح خدا کو عاجز نہیں کر سکتے یعنی اس کے عذاب سے بچ کر نہیں جا سکتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: هذا منسوخ بآية السيف، فهي قولهٗ تعالى، فاقتلوهم حيث وجدتموهم الخ.

قَوْلُہٗ: بل هم اعظم، کفار کو اندھوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اندھے مشبہ بہ ہیں اور کفار مشبہ، عدم البصیرۃ بہ نسبت عدم البصر کے زیادہ شدید ہوتی ہے، کفار چونکہ عدم البصیرۃ ہیں لہٰذا کفار ضلالت و گمراہی میں اندھوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔

قَوْلُہٗ: کانّهم، اس میں اشارہ ہے کہ کانْ مخففہ عن المثقلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وجملة التشبيه حالٌ من الضمير اس لئے کہ یوم کی صفت قرار دینے کی صورت میں تقدیر یہ ہوگی، حال کونهم مشبهين بمَنْ لم يلبثْ الا ساعةً الخ.

قَوْلُہٗ: والجملة حال مقدرة، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَالْ: يتعارفون، يحشرهم کی ضمیر، هم سے حال ہے اور حال وذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے حالانکہ حشر پہلے ہوگا اور تعارف بعد میں ہوگا لہٰذا دونوں کا زمانہ ایک نہ ہوا۔

جَوَابْ: یہ حال مقدرہ ہے کہ کفار کو جمع کیا جائیگا حال یہ ہے کہ ان کیلئے تعارف مقدر کردیا گیا ہے، ای حَالَ کونهم مقدرين التعارف لاانَّهُمْ متعارفون بالفعل.

قَوْلُہٗ: او متعلق الظرف، اور وہ یَوْمَ ہے تقدیر یہ ہے يتعارفونَ يومَ يحشره.

قَوْلُہٗ: وجواب الشرط محذوف، ای فذاك یہ اضافہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالْ: اِمَّا نُرِیَنَّكَ اور اَوْنتوفينّكَ، دو شرط ہیں اور جزاء ایک ہے اور وہ فَالَیْنَا مرجعهم، ہے، حالانکہ اِمَّا نرینك پر فَالَیْنَا مرجعهم کا ترتب فساد معنی کی وجہ سے درست نہیں ہے۔

جَوَابْ: کا حاصل یہ ہے کہ فالينا مرجعهم دونوں شرطوں کی جزاء نہیں ہے بلکہ اِمَّا نرینّكَ، کی جزاء محذوف ہے جس کی طرف مفسر علام نے فذاك، محذوف مان کر اشارہ کردیا ہے۔

سَوَالْ: فذاك جزاء ہے حالانکہ جزاء مفرد نہیں ہوتی۔

جَوَابْ: فذاك کی اصل فَذَاك حقٌ ہے۔

قَوْلُہٗ: وضع الظاهر موضع المضمر.

سَوَالْ: يستعجل منه المجرمون فرمایا يستعجلون منه نہیں فرمایا حالانکہ یہ اس کے مقابلہ میں اخصر ہے۔

جَوَابْ: اخصر کے مقابلہ میں مختصر تعبیر کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مختصر میں سبب ترک استعجال پر دلالت ہے اور وہ جرم ہے، اس کے علاوہ اس میں ان کی صفت قبیح پر بھی دلالت ہے۔

قَوْلُہٗ: وجملة الاستفهام جواب الشرط ہے اور ان اَتٰکم عذابه شرط ہے اور مَاذا يستعجلُ تقدیر فاء کے ساتھ،

جواب شرط ہے اسلئے کہ جملہ استفہامیہ بغیر فاء کے جزاء واقع نہیں ہوتا۔

قَوْلُهُ: اِنْ اَتَیْتُكَ مَاذا تعطینی یہ مثال استبعاد کو دور کرنے کے لئے ہے یعنی یہ بتانے کے لئے کہ کلام عرب میں جملہ استفہامیہ بغیر فاء کے بھی جزاء واقع ہوتا ہے لہذا کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُهُ: والمراد به التهويل یعنی استفہام سے مراد استعلام نہیں ہے بلکہ ہولنا کی کو بیان کرنا ہے۔

قَوْلُهُ: ویقال لکم، اس عبارت کی تقدیر ایک سوال کے جواب کے لئے ہے۔

سُوَال: ثم قیل لهم، کا عطف آلْئٰنَ وقد کنتم به تستعجلون پر ہے حالانکہ معطوف علیہ جملہ اسمیہ اور معطوف جملہ فعلیہ ہے۔

جَوَاب: معطوف علیہ کے ماقبل فعل محذوف ہے جس کو مفسر علام نے ویقال لکم کہہ کر ظاہر کر دیا ہے لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں۔

قَوْلُهُ: تؤمنون.

سُوَال: آلْئٰنَ، یقال لکم کا مقولہ ہے حالانکہ مقولہ جملہ ہوا کرتا ہے اور آلْئٰنَ مفرد ہے۔

جَوَاب: عبارت محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے آلْئٰنَ یؤمنون، جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيح

وَاِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِی عَمَلِی وَلَكُمْ عملكم یعنی تمام تر سمجھانے اور دلائل پیش کرنے کے بعد بھی اگر وہ جھٹلانے سے باز نہ آئیں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ خواہ مخواہ جھگڑنے اور کج بحثی کرنے کی اس میں کیا ضرورت ہے اگر میں افتراء پردازی کر رہا ہوں تو اپنے عمل کا میں خود ذمہ دار ہوں، تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں، اور اگر تم سچی بات کو جھٹلا رہے ہو تو میرا کچھ نہیں بگاڑتے اپنا ہی کچھ بگاڑتے ہو، میرا کام دعوت و تبلیغ ہے میں وہ کر چکا سب کو خدا کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، وہاں ہر شخص سے اس کے اچھے اور برے عمل کے بارے میں باز پرس ہوگی، یہی وہ بات ہے جو سورۂ کافرون میں "لکم دینکم ولی دین" میں فرمائی گئی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ یستمعون اِلَیْكَ الخ یعنی ظاہری طور پر قرآن سنتے ہیں لیکن سننے کا مقصد چونکہ طلب ہدایت نہیں اس لئے انھیں اسی طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا جس طرح ایک بہرے کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا بالخصوص جبکہ بہرا غیر عاقل بھی ہو اسلئے کہ عقلمند بہرا بھی اشاروں سے کچھ نہ کچھ سمجھ لیتا ہے، اس طرح تو جانور بھی سن لیتے ہیں مگر جس طرح جانوروں کو معنی کی طرف توجہ نہیں ہوتی ان کو بھی توجہ نہیں ہوتی جو لوگ کسی تعصب میں مبتلا ہوں اور جنہوں نے پہلے سے فیصلہ کر لیا ہو کہ وہ اپنے موروثی عقیدوں اور طریقوں کے خلاف اور اپنے نفس اور دلچسپیوں کے خلاف کوئی بات خواہ وہ کیسی ہی معقول کیوں نہ ہو،

مان کر نہ دیں گے وہ سب کچھ سنکر بھی کچھ نہیں سنتے ، اسی طرح وہ لوگ بھی کچھ سنکر نہیں دیتے جو دنیا میں جانوروں کی طرح غفلت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور چرنے چگنے کے سوا کسی چیز سے دلچسپی نہیں رکھتے یا نفس کی خواہشوں اور لذتوں کے پیچھے ایسے مست ہوتے ہیں کہ انہیں اس بات کی کوئی فکر نہیں ہوتی کہ ہم یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ صحیح بھی ہے یا نہیں ایسے ہی سب لوگ کانوں کے تو بہرے نہیں ہوتے مگر دل کے بہرے ہوتے ہیں۔

یتعارفون بینهم یعنی قبروں سے نکلنے کے بعد لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے جیسے کسی سے طویل زمانہ کے بعد ملاقات ہوئی ہو تو پہچان لیا ہے مگر بعد میں محشر کی ہولناکیوں کی وجہ سے ذہول ہو جائیگا اور یادداشت منقطع ہو جائے گی جس طرح کہ دنیا میں بھی کسی بڑی مصیبت کے وقت یادداشت غائب ہو جاتی ہے، بعض روایات میں ہے کہ پہچان تو رہے گی مگر ہیبت کی وجہ سے بات نہ کرسکیں گے۔

أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ آلْئٰنَ مشرکین سے کہا جارہا ہے کیا تم ایمان اس وقت لاؤ گے جب تم پر عذاب واقع ہو جائیگا مگر اس وقت تمہارے ایمان کے جواب میں یہ کہا جائیگا "آلْئٰنَ" کیا اب ایمان لائے ہو جبکہ ایمان کا وقت گذر چکا جیسے غرق ہونے کے وقت فرعون نے کہا تھا "آمنتُ انّه لا اِلٰهَ اِلا الّذِیْ اٰمَنَتْ به بنو اسرائیل" تو جواب میں کہا گیا تھا "آلْئٰنَ" اور اس کا یہ ایمان قبول نہیں کیا گیا، کیونکہ حدیث شریف میں آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا ہی رہتا ہے جبتک کہ وہ غرغرۂ موت میں گرفتار نہ ہو جائے" اسی طرح دنیا میں وقوع عذاب سے پہلے توبہ قبول ہو سکتی ہے جب عذاب آپڑا تو پھر یہ قبول نہیں ہوتی، آگے حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ آرہا ہے کہ ان کی قوم کی توبہ قبول کرلی گئی اور وہ اس ضابطہ کے ماتحت ہے کہ انہوں نے عذاب کو دور سے آتا ہوا دیکھ کر سچے دل سے الحاح وزاری کے ساتھ توبہ کرلی اس لئے عذاب ہٹالیا گیا اگر عذاب ان پر واقع ہو جاتا تو پھر توبہ قبول نہ ہوتی۔ (معارف)

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ كفرت **مَا فِي الْاَرْضِ** جميعًا من الاموال **لَافْتَدَتْ بِهٖ** من العذاب يوم القيمة **وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ** على ترك الايمان **لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ** اي اخفاها رؤساؤهم عن الضعفاء الَّذِيْنَ اَضلُّوهم مخافة التعيير **وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ** بين الخلائق **بِالْقِسْطِ** بالعدل **وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ**۝ شيئًا **اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بالبعث والجزاء **حَقٌّ** ثابت **وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ** اي الناس **لَا يَعْلَمُوْنَ**۝ ذلك **هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ**۝ في الاخرة فيجازيكم باعمالكم **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ** اي اهل مكة **قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ** كتاب فيه ما لكم وعليكم وهو القراٰن **وَشِفَآءٌ** دواء **لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ** من العقائد الفاسدة والشكوك **وَهُدًى** من الضلالة **وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ**۝ به **قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ** الاسلام **وَبِرَحْمَتِهٖ** القراٰن **فَبِذٰلِكَ** الفضل والرحمة **فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ**۝ من الدنيا بالياء والتاء **قُلْ اَرَءَيْتُمْ** اخبروني **مَّآ اَنْزَلَ** خلق **اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا** كالبحيرة والسائبة والميتة **قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ** في ذلك التحريم والتحليل لا **اَمْ** بل **عَلَى**

اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴿۵۹﴾ تُكَذِّبُوْنَ بِنِسْبَةِ ذٰلِكَ اِلَيْهِ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اى اَىُّ شَيْءٍ ظَنُّهُم بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهٗ لَا يُعَاقِبُهُم لا اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ بِاَمْهَالِهِم والانعام عليهم وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اگر ہر اس شخص کے پاس کہ جس نے کفر کرکے ظلم کیا روئے زمین کی پوری دولت ہو تو وہ قیامت کے دن عذاب سے رہائی حاصل کرنے کے لئے فدیہ میں دینے پر آمادہ ہو جائے اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ترک ایمان پر ندامت کو چھپائیں گے، یعنی ان کے پیشوا عار دلانے کے خوف سے ندامت کو ان کمزور لوگوں سے چھپائیں گے جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہوگا مگر ان کے یعنی مخلوق کے درمیان پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائیگا اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائیگا، سنو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے، سن رکھو کہ بعث اور جزاء کا اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن اکثر لوگ اس سے واقف نہیں ہیں وہی زندگی عطاء کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور آخرت میں اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزاء دے گا، اے لوگو! یعنی مکہ والو تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نصیحت نامہ آگیا کہ اس میں فائدے اور نقصان کی چیزوں کا بیان ہے، وہ قرآن ہے اور دل کی بیماریوں کے لئے یعنی عقائد فاسدہ اور شکوک (شبہات) کے لئے شفاء ہے اور گمراہی سے ہدایت ہے اور اس پر یقین رکھنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے (کہو) کہ اللہ کے فضل یعنی اسلام سے اور اس کی رحمت یعنی قرآن سے (خوشی منانی چاہئے) اس پر تو خوش ہونا چاہئے یہ دنیا کی ان سب چیزوں سے بہتر ہے جس کو یہ سمیٹ رہے ہیں (یجمعون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، (اے نبی) ان سے کہو کیا تم نے کبھی سوچا کہ اللہ نے جو رزق تمہارے لئے اتارا ہے اس میں سے تم نے خود ہی کسی کو حرام اور کسی کو حلال ٹھہرالیا جیسا کہ بحیرہ اور سائبہ اور مردار، ان سے پوچھو کیا اللہ نے تم کو اس تحریم و تحلیل کی اجازت دی تھی، نہیں، بلکہ تم اللہ پر اس کی طرف نسبت کرکے بہتان لگا رہے ہو، جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان لگاتے ہیں ان کا کیا گمان ہے کہ قیامت کے روز ان کے ساتھ کیسا معاملہ ہوگا؟ کیا ان کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو سزا نہ دے گا؟ ایسا نہیں ہے، اللہ تو لوگوں کو مہلت دے کر اور ان پر انعام فرما کر ان پر رحم کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

ترکیب: لَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَافِى الارضِ لافتدَتْ بِهٖ، لَوْ شرطیہ امتناعیہ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل، نفس ظلمت موصوف صفت سے مل کر اَنَّ کی خبر مقدم ما اسم موصول محلاً منصوب اَنَّ اپنے ماتحت کے ثَبَتَ فعل محذوف کا فاعل، ما موصولہ صلہ سے مل کر جملہ ہو کر اَنَّ کا اسم لافتدت به جواب شرط ای لَوْ ثَبَتَ ذٰلك لافتدتْ به.

قَوْلُہٗ: ای اَخفَاھَا، اَسَرُّوا کی تفسیر اَخفَاھَا سے بیان معنی کے لئے ہے کہ اَسَرّوا، اضداد میں سے ہے اسلئے کہ اس کے معنی اَظْھَر کے بھی ہیں اور اَخفَا کے بھی دوسرے معنی زیادہ مشہور ہیں اگرچہ احتمال دونوں معنی کا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَیُّ شَیْءٍ ظَنّھم بہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مَاظَنُّ الَّذِینَ، میں ما بمعنی ایُّ شیٔ مبتداء ہے اور ظَنَّ الذین یفترون علی اللہ اس کی خبر ہے، اور یومَ ظَنَّ کی وجہ سے منصوب ہے، ای ظن واقع فیہ.

تَفسِیر وتشریح

وَلَوْ اَنَّ لِکُلِّ نفسٍ ظَلَمَتْ الخ یعنی اگر دنیا بھر کا خزانہ دے کر وہ عذاب سے چھوٹ جائے تو دینے کے لئے آمادہ ہوگا، لیکن وہاں کسی کے پاس ہوگا ہی کیا؟ خلاصہ یہ کہ عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

وشفاء لما فی الصدور، شفاء کے معنی بیماری دور ہونے کے ہیں اور صدور صدر کی جمع ہے جس کا معنی سینہ کے ہیں مراد قلب ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید دل کی بیماریوں کا کامیاب علاج ہے اور صحت وشفاء کا نسخۂ اکسیر ہے حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ قرآن کی اس صفت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن خاص دلوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے نہ کہ جسمانی بیماریوں کیلئے (روح المعانی) مگر دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ درحقیقت قرآن ہر بیماری کی شفاء ہے خواہ قلبی ہوں یا روحانی، مگر چونکہ روحانی بیماری انسان کے لئے جسمانی بیماری کی بہ نسبت زیادہ تباہ کن اور ہلاکت خیز ہوتی ہے اسلئے خاص طور پر قلبی بیماری کا ذکر فرمایا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جسمانی بیماریوں کے لئے شفاء نہیں ہے۔

روایات حدیث اور علماء امت کے بیشمار تجربات اس پر شاہد ہیں کہ قرآن کریم جیسے روحانی علاج کے لئے اکسیر اعظم ہے اس طرح جسمانی بیماریوں کے لئے بھی بہترین علاج ہے۔

حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سینہ میں درد کی شکایت کی آپ نے فرمایا قرآن پڑھا کرو کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "شفاء لمافی الصدور". (روح المعانی)

علماء امت نے کچھ روایات اور آثار سے آیات قرآنی کے خواص اور فوائد مستقل کتابوں میں جمع بھی کر دیئے ہیں امام غزالی کی کتاب "خواص قرآنی" اس موضوع پر معروف ومشہور ہے جس کی تلخیص حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے "اعمال قرآنی" کے نام سے فرمائی ہے اور مشاہدات وتجربات اتنے ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ نزول قرآن کا اصل مقصد قلب وروح ہی کی بیماریوں کو دور کرنا ہے اور ضمنی طور پر جسمانی بیماریوں کا بھی بہترین علاج ہے۔

قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلك فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون "خوشی" اس کیفیت کا نام ہے جو کسی مطلوب چیز کے حصول پر انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے، اہل ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ یہ قرآن اللہ کا خاص فضل اور اس کی رحمت ہے اس پر اہل ایمان کو خوش ہونا چاہئے۔

فجعلتم منه حرامًا و حلالًا الخ اس سے مراد ہی بعض جانوروں کا حرام کرنا ہے جو مشرکین اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ کر کیا کرتے تھے جس کی تفصیل سورۂ انعام میں گذر چکی ہے مثلاً بحیرہ، اس جانور کو کہتے ہیں کہ جس کا کان چیر کر بتوں کے نام پر آزاد کر دیتے تھے، سائبہ اس جانور کو کہا جاتا تھا کہ جس کو اہل جاہلیت مویشی میں سے بت کے نام آزاد کر دیتے تھے اور اس سے کوئی کام نہیں لیتے تھے اور اس کا جدھر جی چاہے پھرے اس کے لئے کوئی روک نہیں ہوتی تھی۔

وَمَا تَكُوْنُ یا محمدُ فِىْ شَاْنٍ امر وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ ای من الشان اوالله مِنْ قُرْاٰنٍ انزله علیك وَّلَا تَعْمَلُوْنَ خاطبه وامته مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا رُقباءَ اِذْ تُفِیْضُوْنَ تاخذون فِیْهِ ؕ ای العمل وَمَا یَعْزُبُ یغیب عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ وزن ذَرَّةٍ اصغر نملةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝٦١ بَیِّنٍ ہو اللوحُ المحفوظُ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝٦٢ فی الاخرةِ ہُم اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝٦٣ اللّٰهَ بامتثالِ امرِه ونهیه لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فُسِّرَتْ فی حدیثٍ صحّحه الحاكمُ بالرُّؤیا الصالحةِ یَراها الرجلُ المؤمنُ اوتُرٰى له وَفِى الْاٰخِرَةِ ؕ بالجنةِ والثواب لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ لا خلفَ لمواعیده ذٰلِكَ المذكورُ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝٦٤ وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ لكَ لستَ مُرسَلًا وغیرَه اِنَّ استیناف الْعِزَّةَ القوةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ؕ هُوَ السَّمِیْعُ للقول الْعَلِیْمُ ۝٦٥ بالفعل فیُجازِیهم وینصرُك اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ ؕ عبیدًا وملكًا وخلقًا وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یعبدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ای غیره اصنامًا شُرَكَآءَ ؕ له علی الحقیقةِ تعالٰی عن ذٰلكَ اِنْ ما یَّتَّبِعُوْنَ فی ذٰلكَ اِلَّا الظَّنَّ ای ظنَّهم انها الهةٌ تشفعُ لهم وَاِنْ ما هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ۝٦٦ یكذِبُوْنَ فی ذلك هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اسنادُ الابصارِ الیه مجازٌ لانه مُبصرٌ فیه اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ دلالاتٍ علی وحدانیّته تعالٰی لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝٦٧ سماعَ تدبرٍ واتعاظٍ قَالُوا ای الیهودُ والنصارٰی وَمَنْ زعمَ اَنَّ الملئكةَ بناتُ اللّٰهِ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا قال تعالٰی لهم سُبْحٰنَهٗ ؕ تنزیهًا له عن الولدِ هُوَ الْغَنِىُّ ؕ عن كل احدٍ وانما یطلبُ الولدَ مَن یحتاجُ الیه لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ ملكًا وخلقًا وعبیدًا اِنْ ما عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ حجةٍ بِهٰذَا ؕ ای الذی تقولُونه اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٦٨ استفهامُ توبیخٍ قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ بنسبةِ الولدِ الیه لَا یُفْلِحُوْنَ ۝٦٩ لا یَسعدون لهم مَتَاعٌ قلیلٌ فِى الدُّنْیَا یتمتَّعُوْنَ به مدةَ حیاتِهم ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ بالموتِ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بعد الموتِ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ۝٧٠

وقف لازم

ترجمہ: اور اے محمد ﷺ تم جس شان (حال) میں بھی ہوتے ہو اور اس شان (حال) کی وجہ سے قرآن سے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے، جو کچھ تلاوت کرتے ہو، یا من جانب اللہ جو قرآن تلاوت کرتے ہو، اور تم جو بھی عمل کرتے ہو یہ آپ

ﷺ کو اور آپ کی امت کو خطاب ہے ہم (اس عمل سے) باخبر ہوتے ہیں جبکہ تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو، ذرہ برابر کوئی چیز (ایسی نہیں) نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (اور نہ اس مقدار سے) چھوٹی اور نہ بڑی کہ وہ کتاب مبین (یعنی) لوح محفوظ میں موجود نہو، ذرّہ چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں، یادرکھو یہ امر واقعہ ہے کہ اللہ کے دوستوں کے لئے آخرت میں نہ کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ ان کو کوئی غم اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اس کے امر و نہی پر عمل کر کے اللہ سے ڈرے ان لوگوں کے لئے دنیوی زندگی میں خوشخبری ہے، ایک حدیث میں جس کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے (خوشخبری) کی تفسیر اچھے خوابوں سے کی ہے جن کو انسان دیکھتا ہے یا اس کے لئے دکھایا جاتا ہے اور آخرت میں جنت اور ثواب (کی خوشخبری ہے) اللہ کی باتوں یعنی اس کے وعدوں میں تخلف نہیں ہوا کرتا یہی مذکورہ بات بڑی کامیابی ہے آپ کو ان کی باتیں یہ کہ آپ نبی نہیں ہیں وغیرہ، غم میں نہ ڈالیں امر واقعہ یہ ہے کہ تمام تر قوت اللہ کے لئے ہے یہ جملہ مستانفہ ہے وہ (تمام) باتوں کو سنتا ہے اور کاموں کو جانتا ہے وہ ان کو جزاء دے گا اور آپ کی مدد کرے گا، یادرکھو زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے غلام اور ملک اور تخلیق کے اعتبار سے اللہ کا ہے، جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے علاوہ اس کے شرکاء کی بندگی کرتے ہیں امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ اس سے وراء الوراء ہے یہ لوگ اس معاملہ میں محض گمان کی پیروی کرتے ہیں یعنی ان کا یہ گمان ہے کہ یہ بت ان کے معبود ہیں ان کی سفارش کریں گے، یہ لوگ محض اٹکل سے باتیں کرتے ہیں یعنی اس معاملہ میں دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون (راحت) حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا ان کی طرف ابصار کی اسناد مجازی ہے اس لئے کہ دن میں دیکھا جاتا ہے بلاشبہ اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو نصیحت اور غور و فکر کے طور پر سنتے ہیں یہود اور نصاریٰ اور جن کا یہ عقیدہ ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا سبحان اللہ وہ تو اولاد سے پاک ہے وہ تو ہر چیز سے مستغنی ہے ولد کی حاجت تو اس کو ہوتی ہے جو اس کا محتاج ہو زمین میں اور آسمانوں میں جو کچھ ہے وہ اسی کی ہے ملک ہونے کے اعتبار سے مخلوق ہونے کے اعتبار سے اور غلام ہونے کے اعتبار سے جو کچھ تم کہتے ہو تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کیا تم اللہ کے متعلق ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہارے پاس علم نہیں استفہام توبیخ کے لئے ہے، (اے محمد) کہہ دو کہ جو لوگ اس کی طرف ولد کی نسبت کر کے اللہ پر بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح پانیوالے نہیں ان کے لئے دنیا میں چند دن کے مزے ہیں تا حیات ان کو لوٹ لیں پھر موت کے ذریعہ ان کو ہمارے پاس آنا ہے پھر ہم ان کو ان کے کفر کے بدلے موت کے بعد شدید عذاب کا مزا چکھائیں گے۔

تَحقِيق وَتَركِيب وَتَسهِيل وَتَفسِيرِي فَوائِد

قَوْلُهُ: وَمَا تَكُونُ فِي شَأنٍ اس میں خطاب آپ ﷺ کو ہے، شان کے معنی حال، کام، فکر، اہم معاملہ کے ہیں، جمع شئون ہے واؤ عاطفہ، ما نافیہ، تکونُ فعل مضارع ناقص اس کے اندر ضمیر انت اس کا اسم، فی شان کائنا کے متعلق ہو کر

تکونُ کی خبر، وَمَا تَتْلُوْا واوَ عاطفہ، ما نافیہ، تتلوا فعل مضارع اس کے اندر ضمیر انت اس کا فاعل، مِنه تتلوا سے متعلق، منهُ کی ضمیر قرآن کی طرف یا شأن کی طرف راجع ہے، اگر شأن کی طرف راجع ہو تو مِنْ تعلیلیہ ہوگا اور من القرآن میں مِن زائد قرآن محلاً مفعول بہ ہے۔

سُوَال: اس صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آئیگا۔

جَوَاب: تفخیم اور تعظیم کی وجہ سے اضمار قبل الذکر جائز ہوتا ہے، مِــنــهُ کی ضمیر شان بھی ہوسکتی ہے اور اللہ کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے جیسا کہ مفسر علام نے دونوں احتمالوں کی طرف ''اى من الشان او الله'' کہہ کر اشارہ کردیا ہے۔ یعنی آپ کسی حال میں نہیں ہوتے اور نہ شان (حال) تلاوت میں ہوتے ہو مگر یہ کہ اللہ اس حال سے باخبر ہوتا ہے۔

قَوْلُهٗ: خاطَبَه و امته یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ ماقبل میں خطاب تنہا آپ ﷺ سے تھا یہی وجہ ہے کہ ضمیر مفرد لائے اور یہاں تـعـمـلـون میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو کہ سیاق کے خلاف ہے۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ یہاں خطاب میں امت بھی شامل ہے۔

قَوْلُهٗ: الّا كنا عليهم شهودًا یہ مخاطبین کے عموم احوال سے استثناء مفرغ ہے۔

قَوْلُهٗ: وزن ذرّة اس اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ مثقال ایک متعین مقدار کا نام ہے حالانکہ یہاں مخصوص مقدار کے معنی مراد نہیں ہیں۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ مفسر علام نے مثـقـال کی تفسیر وزن سے کرکے اسی اعتراض کے جواب کیطرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں معین مخصوص مقدار مراد نہیں بلکہ مطلقاً وزن مراد ہے۔

قَوْلُهٗ: هم، اشارہ کردیا کہ اَلَّذِيْنَ آمَنُوا الخ هم مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

قَوْلُهٗ: لانّهٗ مبصر فيه، اس عبارت سے مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ والـنـهـار مُبصرًا میں علاقہ ظرفیت کا ہے۔ جیسا کہ نهارهٗ صائمٌ وليلهٗ قائمٌ میں علاقہ ظرفیت کا ہے۔

تفسیر و تشریح

وَمَـا تـكـونُ فی شان (الآية) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور مومنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تمام مخلوقات کے احوال سے واقف ہے اور ہر لحظہ اور ہر گھڑی پوری مخلوق پر اس کی نظر ہے، زمین و آسمان کی کوئی بڑی چھوٹی چیز ایسی نہیں کہ اس سے مخفی ہو، یہ مضمون متعدد آیات میں مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے سورۂ انعام آیت ۵۹ اور ۳۸ اور سورۂ ہود کی آیت ٦ میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے، جب واقعہ یہ ہے تو وہ انسانوں اور جنوں کی حرکات سے کیوں کرنا

واقف ہوسکتا ہے؟ جبکہ یہ مکلّف و مامور بھی ہیں۔

اسی ضابطہ کے مطابق آپ ﷺ اور امت کو مخاطب کرکے فرمایا اے نبی! تم جس حال و شان میں بھی ہوتے ہو، یا قرآن پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوتے ہو اس کا کوئی جز ہم سے مخفی نہیں، اسی طرح تمام انسان جو کچھ کرتے ہیں وہ بھی ہماری نظروں کے سامنے ہوتا ہے غرضیکہ آسمان و زمین کا کوئی ذرہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہوتا۔

اَلا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، سابق میں نافرمانوں کا ذکر تھا، اب یہاں فرماں برداروں کا ذکر فرما رہے ہیں، اور وہ ہیں اولیاء اللہ، اولیاء ولیّ کی جمع ہے جس کے معنی لغت میں قریب کے ہیں اس اعتبار سے اولیاء اللہ کے معنی ہوں گے وہ سچے اور مخلص مومن جنہوں نے اللہ کی اطاعت اور معاصی سے اجتناب کرکے اللہ کا قرب حاصل کرلیا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مخلصین مومنین کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی، جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا، اور ایمان اور تقویٰ ہی قرب الی اللہ کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

فَائِدَة: خوف کا تعلق آئندہ ہونے والے نقصان سے ہوتا ہے اور حزن و ملال کا تعلق مافات سے ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے زندگی خدا خوفی سے گذاری ہوتی ہے، اس لئے قیامت کی ہولناکیوں کا اتنا خوف ان کو نہیں ہوگا جتنا ناخدا ترس لوگوں کو ہوگا۔

اولیاء اللہ کی شناخت:

اولیاء اللہ کی علامت اور شناخت تفسیر مظہری میں ایک حدیث قدسی کے حوالہ سے یہ نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”میرے اولیاء میرے بندوں میں سے وہ لوگ ہیں جو میری یاد کے ساتھ یاد آئیں اور جن کی یاد کے ساتھ میں یاد آؤں“۔ اور ابن ماجہ میں حضرت اسماء بنت یزید کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اولیاء اللہ کی پہچان یہ بتلائی کہ جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔

ولی سے کرامات کا صدور ضروری نہیں:

جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کا متبع نہ ہو وہ درجہ ولایت سے محروم ہے چاہے اس سے کشف و کرامات کتنی ہی کیوں نہ صادر ہوں۔

وَاتْلُ یا محمدُ **عَلَيْهِمْ** ای کفار مکة **نَبَأَ** خبر **نُوْحٍ** ویبدلُ منه **اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ** شق **عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ** لبثي فيكم **وَتَذْكِيْرِيْ** وعظي اِيَّاكُمْ **بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ** اعزِمُوا على امرٍ تفعلونهُ بيْ **وَشُرَكَآءَكُمْ** الواوُ بمعنى مع **ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً** مستورًا بل اظهِرُوْهُ وجاهِرُوْنِي به **ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ** امضُوا في ما اردتُمُوْهُ **وَلَا تُنْظِرُوْنِ** (۷۱) تُمهِلُون فاني لستُ مُباليًا بكم **فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ** عَنْ

تذكيرى فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِّنْ أَجْرٍ ثواب عليه فتولّوا إِنْ ما أَجْرِيَ ثوابى إِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ السفينة وَجَعَلْنٰهُمْ اى من معه خَلٰٓئِفَ فى الارض وَأَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا بالطوفان فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ من اهلاكهم فكذلك نفعل من كذّب ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ اى نوح رُسُلًا إِلٰى قَوْمِهِمْ كابراهيم وهود وصالح فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ بالمعجزات فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ اى قبل بعث الرسل اليهم كَذٰلِكَ نَطْبَعُ نختم عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٧٤﴾ فلا تقبل الايمان كما طبعنا على قلوب اولئك ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَإِيْهٖ قومه بِاٰيٰتِنَا التسع فَاسْتَكْبَرُوْا عن الايمان بها وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا إِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٦﴾ بيّن ظاهر قَالَ مُوْسٰٓى أَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ انه لسحر أَسِحْرٌ هٰذَا وقد افلح من اتى به وابطل سحر السحرة وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿٧٧﴾ والاستفهام فى الموضعين للانكار قَالُوْٓا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا لتردّنا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ الملك فِي الْأَرْضِ ارض مصر وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٨﴾ مصدقين وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾ فائق فى علم السحر فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى بعد ما قالوا له اِمّا ان تلقى واما ان نكون نحن الملقين اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا حبالهم وعصيّهم قَالَ مُوْسٰى مَا استفهامية مبتدأ خبره جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ بدل وفى قراءة بهمزة واحدة اخبار فما موصولة مبتدأ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ سيمحقه اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ يثبت ويظهر اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ بمواعيده وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨٢﴾

ترجمہ: اے محمد ﷺ ان کفار مکہ کو نوح علیہ السلام کا اس وقت کا واقعہ سناؤ اِذْ قال، نبا نوح سے بدل ہے، جب نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو اگر تم پر میرا تمہارے درمیان قیام کرنا اور اللہ کی آیتوں کے ذریعہ تم کو نصیحت کرنا گراں گذرتا ہے (تو گذرا کرے) میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے، تو تم اپنی تدبیروں کو جو تم میرے خلاف کرنا چاہتے ہو اپنے شرکاء کے ساتھ مل کر پختہ کرلو، یعنی جو تدبیریں تم میرے خلاف کرنا چاہتے ہو ان کو خوب مضبوط کرلو، (وشرکاء) میں واؤ بمعنی مع ہے پھر تمہاری تدبیر کا کوئی پہلو تم سے مخفی نہ رہنا چاہئے بلکہ اس کو ظاہر کردو اور مجھے بھی اس سے باخبر کردو، پھر جو کچھ تمہارا ارادہ ہو وہ میرے ساتھ کر گذرو اور مجھے مہلت نہ دو مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں پھر بھی اگر تم میری نصیحت سے روگردانی کرتے ہو تو میں نے تم سے کسی اجرت کا (یعنی) اس پر ثواب کا تو سوال کیا نہیں ہے جس کی وجہ سے تم بے رخی کرتے ہو میرا اجر و ثواب تو محض اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تابع فرمان رہوں (نوح علیہ السلام کی قوم نے) ان کو جھٹلایا تو ہم نے نوح علیہ السلام کو اور کشتی میں جو ان کے ساتھ تھے بچالیا اور جو لوگ (حضرت نوح علیہ السلام) کے ساتھ تھے ان ہی کو زمین میں خلیفہ بنایا اور بقیہ سب لوگوں کو طوفان میں غرق کردیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا سو دیکھ لو جن

لوگوں کو ہلاکت سے ڈرایا تھا ان کا کیا انجام ہوا! چنانچہ ہم ان لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی کریں گے جو تم کو جھٹلائیں گے پھر ہم نے نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد ان کی قوم کی طرف بہت سے رسول بھیجے جیسا کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ہود علیہ الصلاۃ والسلام اور صالح علیہ الصلاۃ والسلام سو وہ ان کے پاس کھلے معجزات لے کر آئے مگر جس چیز کو انہوں نے پہلے یعنی انکی طرف رسول بھیجنے سے پہلے جھٹلا دیا پھر مان کر نہ دیا، ہم اسی طرح حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں، پھر وہ ایمان کو قبول نہیں کرتے جیسا کہ ہم نے اُن کے قلوب پر مہر لگا دی، پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کو ہماری نونشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا مگر انہوں نے ایمان کے مقابلہ میں تکبر کیا، اور وہ مجرم لوگ تھے پھر جب ہماری طرف سے حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا جادو ہے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا کہ کیا تم حق کے بارے میں جب وہ تمہارے پاس آیا کہتے ہو کہ یہ جادو ہے، کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جو اس کو لے کر آیا ہے وہ کامیاب ہو گیا، اور جادوگروں کے جادو کو باطل کر دیا اور ساحر (جادوگر) فلاح نہیں پا سکتا، اور استفہام دونوں جگہ انکار کے لئے ہے، انہوں نے جواب دیا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ تو ہم کو اس طریقہ سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ اور ملک مصر میں حکومت تم دونوں کی ہو جائے، اور ہم تم دونوں کی تصدیق کرنے والے نہیں اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس یعنی علم سحر میں ہر فائق جادوگر کو لاؤ جب جادوگر آ گئے تو جادوگروں کے یہ کہنے کے بعد کہ تم پہلے ڈالو یا ہم پہلے ڈالیں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے کہا جو تم کو ڈالنا ہے وہ ڈالو چنانچہ جب جادوگروں نے اپنی رسیوں کو اور اپنی لاٹھیوں کو ڈالا، موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا جو تم لائے ہو وہ جادو ہے، **ما** استفہامیہ مبتداء ہے اور (**جئتم به السحر**) اس کی خبر ہے **اَلسِّحر** **مَا جئتم** سے بدل ہے اور ایک قراءت میں ایک ہمزہ کے ساتھ خبر ہے اور **ما** موصولہ مبتدأ ہے اللہ ابھی اسے باطل کئے دیتا ہے اللہ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا اور اللہ اپنے وعدوں کے ذریعہ حق کو حق کر دکھاتا ہے خواہ مجرموں کو وہ کتنا ہی ناپسند ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہُ: **وَاتْلُ**، فعل امر مبنی بر حذف حرف علت اصل میں **وَاتلو** تھا آخر سے واؤ حذف ہو گیا، **عَلَیھم اُتْلُ** سے متعلق ہے **نَبَأَ نوحٍ** بترکیب اضافی **اُتْلُ** کا مفعول بہ ہے، **اِذ قال**، **اذ** ظرفیہ برائے ماضی **نَبَأَ** سے بدل الاشتمال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، **اذ قال نَبَأَ** کے متعلق بھی ہو سکتا ہے **نوحٍ** پر وقف لازم ہے اس لئے کہ **اِذ قال** کا تعلق **اُتْلُ** سے فساد معنی کی وجہ سے جائز نہیں ہے اسلئے کہ **اُتْـلُ** مستقبل ہے اور ظرف ماضی ہے اس صورت میں ترجمہ یہ ہو گا تم اس وقت سناؤ جب نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا تھا حالانکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

قَوْلُہُ: **لِقومِه**، میں لام برائے تبلیغ ہے **مَقَام بالفتح موضع قیام** "مکان" مرتبہ، مراد خود اپنا وجود ہے اور **مُقام بالضم** مصدر ہے قیام کرنا، ٹھہرنا **القیام علی الدعوة خلال مدة اللبث**، اسلئے کہ دعوت و تبلیغ کا کام عام طور پر

کھڑے ہو کر ہی کیا جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَعَلی اللّٰہ توکلتُ، یہ اِنْ کانَ کَبُرَ کی جزاء ہے اور اگر فَعَلی اللّٰہ توکلتُ، کو جملہ معترضہ مانا جائے تو فَاَجْمعوا اَمْرَ کم جواب شرط ہوگا۔

قَوْلُہٗ: فاجمِعوا امر کم کی تفسیر اعزموا عَلی امرٍ سے کرکے اشارہ کردیا ہے کہ اَجْمَعَ متعدی بنفسہ بھی مستعمل ہے اور متعدی بالحرف بھی۔

قَوْلُہٗ: غمّة گھٹن، تاریک، مشتبہ، پوشیدہ، دشوار، جب چاند چھپ جاتا ہے تو عرب غم الھلال بولتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: الواؤ بمعنی مع، یعنی شرکاء مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اس سے اس شبہ کو دور کردیا کہ شرکاء کا بظاہر عطف اجمعوا کی ضمیر فاعل پر ہے یعنی تم شرکاء اپنی تدبیروں کو مضبوط کرلو اس اعتبار سے شرکاء مرفوع ہونا چاہئے۔

قَوْلُہٗ: قال موسیٰ أتقولون للحق لَماجاء کم، انّه لَسحر أسحْرٌ ھذا. قال موسیٰ فعل بافاعل ہے، أتقولونَ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے تقولون فعل مضارع بافاعل ہے اَنتم للحق متعلق تقولون سے ہے لَمّا جاء کم تقولون کا ظرف ہے، اِنّه لَسِحْر، تقولون کا مقولہ ہے جو کہ محذوف ہے پورا جملہ قال موسیٰ کا مقولہ حکائی ہے (یعنی موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرعونیوں کا مقولہ نقل کیا ہے)۔

قَوْلُہٗ: اَسحْرٌ ھذا یہ قولِ موسیٰ محذوف کا مقولہ ہے ہمزہ استفہام انکاری ہے سِحْرٌ خبر مقدم ہے اور ھذا مبتدأ مؤخر ہے ولا یُفلح السّٰحرون جملہ حالیہ ہے۔

وضاحت:

مفسر علام نے اِنّہٗ لَسحْرٌ ھذا، محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ اللہ تعالیٰ کا قول اَسِحْرٌ ھذا. یقولون کا مقولہ نہیں ہے بلکہ اس کا مقولہ محذوف ہے اور وہ اِنّہٗ لَسِحْرٌ مبین ہے اس حذف کا قرینہ یہ ہے کہ فرعونیوں نے قطعیت کے ساتھ بطریق اخبار نہ کہ بطریق استفہام موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے معجزہ کو سحر قرار دیتے ہوئے کہا تھا "اِنّ ھذا لَسِحْرٌ مبین" اور اللہ تعالیٰ کا قول "أسِحْرٌ ھذا" یہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا مقولہ ہے مطلب یہ کہ اے فرعونیو! کیا تم ایسی کھلی اور واضح حقیقت کو سحر قرار دیتے ہو؟ تم کو تو ایسی بات جو واقعہ کے خلاف ہو ہرگز منہ سے نہ نکالنی چاہئے۔

مذکورہ ترکیب بطریق سوال وجواب:

سَوَال: موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرعونیوں کے قول کی حکایت بطریق استفہام یعنی "أتقولون للحق لَمّا جاء کم أسحْرٌ ھذا" سے کیوں کی؟ حالانکہ فرعونیوں نے بطریق جزم و اخبار کے قطعیت کے ساتھ اپنے کلام کو انّ اور لام سے مؤکد کرتے ہوئے کہا تھا "کما قال اللّٰہ تعالی فلَمّا جاء ھم الحق من عند نا قالوا اِنّ ھذا لَسِحْرٌ مبین"۔

جواب: اس میں فرعونیوں کا مقولہ حکائی محذوف ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے "أتقولون للحق لمّا جاء کم انّ ھذا لَسِحْرٌ مبین" اس کے جواب میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے قول پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا اَسِحْرٌ ھذا؟ کیا یہ جادو ہے؟ تم کو حقیقت کے خلاف ایسی بات منہ سے نکالنی بھی نہ چاہئے۔

قولہ: بدلٌ یعنی اَسحر، ما جئتم بہ سے حذف مبتدأ کے ساتھ بدل ہے ای اَھو السّحْرُ لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ مفرد جملہ سے بدل واقع نہیں ہوتا۔

قولہ: فی قراءۃ یعنی ابوعمرو کی قراءت میں أسحْر ھذا، میں ایک ہمزہ استفہامیہ ہے، اس قراءت کے مطابق مَا جئتم میں مَا استفہامیہ ہوگا، اور اَلسّحْرُ، ما سے بدل ہوگا، ای اَیّ شیٔ جئتم بہ أھو السحر اور دوسروں کی قراءت میں ایک ہمزۂ اخبار کے ساتھ ہے اس صورت میں مَا موصول مبتداء ہوگا، اور جئتم بہ صلہ ہوگا، اور السحْرُ اس کی خبر ہوگی، ای الذی جئتم بہ السّحْرُ لا الّذِی جئتُ بہ.

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

سابق میں معقول اور دل لگتے دلائل اور شفقت آمیز نصائح سے سمجھایا گیا تھا کہ ان کے طریقہ اور عقائد وخیالات میں کیا غلطی ہے، اور وہ کیوں غلط ہیں، اور اس کے مقابلہ میں صحیح راہ کیا ہے؟

اب ان کے اس طرز عمل کی طرف توجہ منعطف فرمائی جو وہ اس سیدھی اور صاف راہ کے جواب میں اختیار کر رہے تھے، دس گیارہ سال سے مشرکین مکہ کی روش یہ تھی کہ وہ بجائے اس کے کہ معقول تنقید اور صحیح رہنمائی پر غور کر کے اپنی گمراہیوں پر نظر ثانی کرتے الٹے اس شخص کی جان کے دشمن ہو گئے تھے جو ان باتوں کو اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے نہیں بلکہ انہی کے بھلے کیلئے پیش کر رہا تھا، وہ دلیلوں کا جواب پتھروں سے اور نصیحتوں کا جواب گالیوں سے دے رہے تھے، اپنی بستی میں ایسے شخص کا وجود ان کے لئے سخت ناگوار تھا بلکہ ناقابل برداشت ہو گیا تھا، گویا کہ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ ہم اندھوں کے درمیان جو آنکھوں والا پایا جاتا ہے وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے بجائے اپنی بھی آنکھیں بند کرلے ورنہ ہم زبردستی اس کی آنکھیں پھوڑ دیں گے تاکہ بینائی جیسی چیز ہماری سرزمین میں نہ پائی جائے، یہ طرز عمل جو انہوں نے اختیار کر رکھا تھا اس پر مزید کچھ اور فرمانے کے بجائے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ انھیں نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ سنادو، اسی قصہ میں وہ اپنے اور تمہارے معاملہ کا جواب بھی پالیں گے، اس پر بھی جب اہل مکہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ان کو چیلنج دیدیا کہ میں اپنے کام سے باز نہ آؤں گا، تم میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر گزرو، اور جن کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے ان کی بھی مدد لے لو اگر وہ تمہارے عقیدے کے مطابق تمہاری مدد کرسکتے ہیں، غُمَّۃً کے ایک معنی ابہام اور پوشیدگی کے بھی ہیں، یعنی میرے خلاف تمہاری تدبیر واضح اور غیر مبہم ہونی چاہئے، جو کچھ کرنا

ہے کھلم کھلا کرو چرانے چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس قطعیت اور جرأت کے لب ولہجہ کے ساتھ دشمنوں سے گفتگو وہی کر سکتا ہے جس کا رشتہ اللہ سے تمام تر جڑا ہوا ہو، اور جو مخلوق کی قوتِ ضرر رسانی اور خوف نفع رسانی سے یکسر بے نیاز ہو چکا ہو۔

فَکَذَّبُوْهُ فَنَجَّیْنَاهُ وَمَنْ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ، یعنی قوم نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے تمام تر وعظ ونصیحت کے باوجود تکذیب کا راستہ نہیں چھوڑا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ الصلاۃ والسلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ایک کشتی میں بٹھا کر بچا لیا اور باقی سب کو حتی کہ نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے ایک بیٹے کو بھی غرق کر دیا، اور ان بچنے والوں کو پہلے لوگوں کا جانشین بنایا، پھر آئندہ نسل انہی لوگوں سے بالخصوص نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے تین بیٹوں حام، سام، یافث سے چلی اسی لئے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔

طوفان نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے بقیہ آثار:

اس طوفان نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے آثار ماہرین سائنس کو آج بھی ارض نوح علیہ الصلاۃ والسلام میں مل رہے ہیں یہ طوفان ملک عراق میں دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیانی علاقہ میں آیا تھا اس علاقہ کا رقبہ موجودہ ماہرین اثریات کے تخمینہ کے مطابق چار سو میل طول میں اور ۱۰۰ میل عرض میں تھا (ماجدی) کشتی نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا طول تورات کی تصریح کے مطابق تین سو ہاتھ اور عرض پچاس ہاتھ کا اور بلندی تیس ہاتھ کی تھی۔ (ماجدی)

قوم نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی غرق آبی کے بعد مخلصین ومومنین پھر اسی علاقہ میں آباد ہو گئے اور ان ہی سے سلسلہ نسل آدم چلا، نوع انسانی کی آبادی تاریخ کے اس ابتدائی دور میں صرف اسی سرزمین کی حدود تک محدود تھی، اسی لئے جن مفسرین نے طوفان نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے عالم گیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے انہوں نے کچھ غلط نہیں کہا، دنیا کی آبادی اس دور میں اسی خطۂ عراق تک محدود تھی، اس لئے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ سے اب تک کل دس پشتیں ہی ہوئی تھیں۔

غرق آبی عام اور عالم گیر تھی یا اسی امت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ مخصوص تھی، یہ سوال متقدمین مفسرین کے سامنے بھی آ چکا ہے اور محققین کی اکثریت شق ثانی ہی کی طرف گئی ہے اور ظواہر قرآن وحدیث بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ (روح)

فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ، اس آیت میں حد سے گذر جانے والوں کے قلوب پر ٹھپہ لگانے کی بات کہی گئی ہے، حد سے گذر جانے والے یہ وہ لوگ ہیں جو ایک مرتبہ غلطی کر جانے کے بعد پھر اپنی بات کی پچ اور ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنی اسی غلطی پر اڑے رہتے ہیں اور جس بات کا ایک بار انکار کر دیتے ہیں اسے پھر کسی فہمائش، کسی تلقین اور کسی معقول سے معقول دلیل سے بھی مان کر نہیں دیتے، اہل ضلال کی یہ ذہنیت آج تک چلی آ رہی ہے، جہاں ایک بار شروع میں بے سوچے سمجھے زبان سے ''نہیں'' نکل گئی بس آخر تک اسی پر قائم رہیں گے، ایسے لوگوں پر اللہ کی ایسی پھٹکار پڑتی ہے کہ انھیں پھر راہ راست پر آنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُجْرِمِیْنَ الخ یعنی فرعون نے اپنی دولت وحکومت اور شوکت وحشمت کے نشے میں مدہوش ہو کر اپنے آپ کو بندگی کے مقام سے بالاتر سمجھ لیا اور اطاعت کے لئے سر جھکانے کے بجائے اکڑ دکھانی شروع کر دی۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ طائفةٌ مِّنْ اولادِ قَوْمِهٖ اى فرعونَ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ يصرفَهم عن دينهم بتعذيبهم وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ متكبرٌ فِى الْاَرْضِ ارض مصرَ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٨٣﴾ المتجاوزين الحدَّ بادعاءِ الربوبيةِ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٥﴾ اى لا تظهرهم علينا فيظنُّوا انّهم على الحق فيفتِنُوا بنا وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ اتخذا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً مصلى تصلُّونَ فيه لِتأمنُوا من الخوفِ وكانَ فرعونُ منعهم من الصلوةِ وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اتموها وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٧﴾ بالنصرِ والجنةِ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا اٰتيتَهم ذلك لِيُضِلُّوْا في عاقبته عَنْ سَبِيْلِكَ دينك رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ امسخها وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اطبَعْ عليها واستوثِقْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٨٨﴾ المؤلمَ دَعَا عليهم وَاَمَّنَ هٰرونُ على دعائِه قَالَ تعالى قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فمُسِخَتْ اموالُهم حجارةً ولم يُؤمنْ فرعونُ حتى أدركَه الغرقُ فَاسْتَقِيْمَا على الرسالةِ والدعوةِ الى أن يأتيهم العذابُ وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾ فى استعجالِ قضائى رُوى انه مكثَ بعدَها اربعين سنةً وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ لَحِقَهم فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا مفعولٌ له حَتّٰىٓ اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ اى بأنّه وفي قراءةٍ بالكسرِ استينافًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩٠﴾ كرَّره ليُقبلَ منه فلم يُقبلْ ودسَّ جبريلُ في فِيه من حمأةِ البحرِ مخافةَ أن تنالَه الرحمةُ وقالَ لهُ آٰلْئٰنَ تؤمنُ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٩١﴾ بضلالِكَ واضلالِك عن الايمانِ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ نُخرِجُكَ من البحرِ بِبَدَنِكَ جسدِك الذى لا روحَ فيه لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ بعدَك اٰيَةً عبرةً فيعرِفُوا عبوديتَك ولا يُقدِمُوا على مثلِ فعلِك وعن ابن عباس رضى اللّٰه تعالى عنهما انَّ بعضَ بَنِي اسرائيلَ شكُّوا فى موته فأُخرجَ لهم ليَرَوْه وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ اى اهلِ مكةَ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾ لا يعتبرُوْن بها.

ع ٩ ١٤

ترجمہ: فرعون کی قوم کے نوجوانوں میں سے ایک مٹھی بھر نوجوانوں کے علاوہ کسی نے فرعون اور اپنے سرداروں کے خوف کی وجہ سے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات نہیں مانی کہ وہ ان کو تکلیف دیکر ان کے دین سے پھیر دیں گے اور اس میں شک نہیں کہ فرعون ملک مصر میں (زور وتکبر میں) بہت چڑھا ہوا تھا، اور وہ تھا ہی دعوائے ربوبیت کرکے حد سے تجاوز کرنے والوں میں اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم

فرمانبردار ہو، انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے پروردگار تو ہم کو ظالموں کے لئے تختۂ مشق نہ بنا یعنی تو ان کو ہم پر غالب نہ فرما کہ وہ یہ سمجھنے لگیں کہ وہ حق پر ہیں پھر ہم کو تختۂ مشق بنائیں، اور تو ہم کو اپنی رحمت سے کافر قوم سے نجات عطا فرما اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کو وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو اور اپنے گھروں کو قبلہ (یعنی) جائے نماز بنالو کہ ان میں نماز پڑھو تا کہ تم خوف سے مامون رہو اور فرعون نے ان کو نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا، اور نماز کو مکمل طریقہ پر قائم کرو اور اے موسیٰ تم نصرت اور جنت کی مسلمانوں کو خوشخبری سنادو، اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان زینت اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں دیئے اے ہمارے پروردگار یہ چیزیں تو نے ان کو عطا کیں تا کہ وہ اس کے نتیجے میں تیرے راستہ سے (لوگوں کو) گمراہ کرے، اے ہمارے رب ان کے مالوں کو نیست ونابود کر دیجئے اور ان کے قلوب کو (اور زیادہ) سخت کر دیجئے ان کے قلوب پر مہر لگا دیجئے اور مسدود کر دیجئے کہ پھر وہ ایمان نہ لاسکیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لئے بددعاء کی اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی بددعاء پر آمین کہی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تمہاری دعاء قبول کر لی گئی"، جس کی وجہ سے ان کے مال (سیم وزر) پتھروں میں تبدیل کر دیئے گئے، اور فرعون ایمان نہ لایا حتی کہ وہ غرق کر دیا گیا، اور تم دونوں تبلیغ ودعوت پر قائم رہو یہاں تک کہ ان پر دردناک عذاب آجائے، اور تم ایسے لوگوں کے طریقہ کی پیروی نہ کرو جو قضا کے معاملہ میں جلد بازی کے انجام کو نہیں جانتے روایت کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بددعاء کے بعد ان میں چالیس سال مقیم رہے، اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا پھر فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم وزیادتی کے ارادہ سے ان کا پیچھا کیا بغیًا وعدوا (اتبعهم کا) مفعول لہٗ ہے حتی کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو بول اٹھا کہ میں نے مان لیا کہ معبود حقیقی اس کے سوانہیں ہے کہ جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے، أنّه اصل میں بأنّه ہے، اور ایک قراءت میں إنّـه کسرہ کے ساتھ ہے جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے، اور میں بھی سرِ طاعت خم کر دینے والوں میں ہوں، اس نے ایمان اور تسلیم کو مکرر ذکر کیا تا کہ قبول کر لیا جائے، مگر قبول نہیں کیا گیا، اور جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے منہ میں دریا کی کیچڑ ٹھونس دی اس اندیشہ سے کہ کہیں اس کی طرف رحمت متوجہ نہ ہو جائے (جبرائیل نے) اس کو جواب دیا اب ایمان لاتا ہے حالانکہ تو اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو خود گمراہ ہوا اور دوسروں کو ایمان سے گمراہ کرنے کی وجہ سے، فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا، اب تو ہم تیری لاش ہی کو کہ جو بے روح ہے دریا سے نکالیں گے تا کہ تو بعد کی نسلوں کے لئے نشانِ عبرت بنے تا کہ وہ تیرے بندہ ہونے کو جان لیں، اور تیرے جیسے اقدام کی جرأت نہ کریں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ بعض بنی اسرائیل نے فرعون کی موت میں شک کیا تو اس کی لاش نکالی گئی تا کہ اس کو دیکھ لیں، اور واقعہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ اہل مکہ ایسے ہیں جو ہماری آیتوں (قدرت کی نشانیوں) سے غفلت برتتے ہیں، یعنی ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: فَمَا اٰمَنَ لِموسٰی اِلَّا ذُرِّیَّة من قومِهٖ، فاء عاطفہ ہے معطوف علیہ محذوف ہے جو سیاق سے مفہوم ہے اور وہ "فالقٰی موسٰی عَصَاه فإذَا هِیَ تلقفُ مَا یأفکونَ" ہے، (اعراب القرآن) فما اٰمَنَ لموسٰی کے معنی ہیں موسیٰ علیہ السلام کی بات نہیں مانی، اس کو ایمان بالتسلیم کہتے ہیں، یہ متعدی بالام ہوتا ہے اور ایک ایمان بالتصدیق ہوتا ہے وہ متعدی بالباء ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے یؤمن باللّٰہ ویؤمن للمؤمنین۔

قولہ: ذرّیة، ذرّیة بتثلیث الذال، ذریة الرجل، اولاد، نسل جمع ذراری وذُرّیات، ذرّیة، یہاں قلتِ عدد کے معنی میں مستعمل ہے مفسر علام نے ذرّیّة کی تفسیر طائفة سے کر کے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی مٹھی بھر لوگ، تفسیر کبیر میں ہے "ههُنا معنا ها التقلیل" (کبیر) حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ ذرّیّة کا لفظ جب کسی قوم پر بولا جاتا ہے تو مقصود اس کی تحقیر یا تصغیر ہوتی ہے۔

قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لفظ الذریة یعبر به عن القوم علی وجه التحقیر والتصغیر (کبیر) چونکہ یہاں تحقیر کا کوئی قرینہ نہیں اس لئے مقصود تصغیر عدد ہی ہے۔

قولہ: من قومهٖ، قومهٖ، کی ضمیر نے دو مختلف معنی پیدا کر دیئے ہیں مراد قوم موسیٰ بھی ہو سکتی ہے اور قوم فرعون بھی، پہلی صورت میں مراد یہ لی جائے گی کہ فرعون اور فرعونیوں کے ڈر سے ابتداء میں اسرائیلیوں کے بہت تھوڑے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات کی تصدیق کی، اور دوسری شق کی صورت میں فرعونیوں کی ایک جماعت مراد ہوگی، جس میں وہ جادوگر شامل ہیں جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے آئے تھے ان کے علاوہ فرعون کی بیوی آسیہ اور فرعون کا خازن اور اس کی بیوی اور بنت فرعون کی مشاطہ (بال سنوارنے والی) اور رجل من آل فرعون بھی، مفسر علام نے دوسری شق کو اختیار کر کے قومهٖ کی ضمیر فرعون کی طرف لوٹائی ہے۔

قولہ: ارض مصر، اس سے اشارہ کر دیا کہ فی الارض میں الف لام عہد کا ہے۔

قولہ: وأمَّنَ هارون علی دعاءہٖ، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ بددعا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی تو پھر "قد أُجیبت دعوتکما" میں تثنیہ کا صیغہ کیوں استعمال ہوا ہے؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ دعاء کرنا اور دعاء پر آمین کہنا ایک ہی درجہ میں ہیں۔

قولہ: حمأة، کالی مٹی، کیچڑ۔

تفسیر وتشریح

فَمَا اٰمَنَ لِمُوْسٰی اِلَّا ذُرِّیَّۃٌ مِّنْ قَوْمِہٖ، قومہٖ کے ضمیر کے مرجع میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض نے اس کا مرجع حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرار دیا ہے اسلئے کہ آیت میں ماقبل میں ان ہی کا ذکر ہے، مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم میں سے بہت تھوڑے آدمی ایمان لائے، لیکن امام ابن کثیر وغیرہ نے اس کا مرجع فرعون کو قرار دیا ہے یعنی فرعون کی قوم میں سے بہت تھوڑے آدمی ایمان لائے، ان کی دلیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگ ایک رسول اور نجات دہندہ کے انتظار میں تھے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں ان کو مل گیا اس اعتبار سے تمام بنی اسرائیل (سوائے قارون کے) ان پر ایمان رکھتے تھے اسلئے صحیح اور راجح بات یہی ہے ذرّیۃ من قومہٖ سے فرعون کی قوم کے تھوڑے لوگ مراد ہیں جن میں فرعون کی بیوی آسیہ اور فرعون کا خازن اور اس کی بیوی، اور بنتِ فرعون کی مشاطہ (بال سنوارنے والی) اور رجل من آل فرعون شامل ہیں۔

وَاجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قِبْلَۃً، پہلی امتوں کو عبادت خانوں کے علاوہ میں عبادت کرنے کی اجازت نہیں تھی مگر فرعون نے عبادت خانوں میں نماز پڑھنے پر پابندی عائد کردی تھی اس لئے بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ گھروں ہی میں نماز پڑھ لیا کرو۔

فرعون کے زروجواہر کا پتھروں میں تبدیل ہوجانا:

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فرعون کی اصلاح سے مایوس ہوگئے اور اس کے مال ودولت سے دوسروں کے گمراہ ہونے کا خطرہ محسوس کیا تو ربنا اطمس علی اموالھم کہہ کر بد دعاء کردی یعنی اے میرے پروردگار اس کے اموال کی صورت بدل کر مسخ کردے۔

حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ اس دعاء کا اثر یہ ہوا کہ قوم فرعون کے تمام زیورات اور زروجواہر اور نقد سکے اور باغوں اور کھیتوں کی سب پیداوار پتھروں کی شکل میں تبدیل ہوگئے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں ایک تھیلہ دستیاب ہوا جس میں فرعون کے زمانہ کی چیزیں تھیں ان میں انڈے اور بادام بھی تھے جو بالکل پتھر تھے۔ (معارف)

بنی اسرائیل کا خروج اور فرعون کا تعاقب:

جب فرعون نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام معجزوں کو جھٹلا دیا اور وہ کسی طرح بھی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات ماننے کیلئے تیار نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ تم بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر اپنے آباء واجداد کی سرزمین فلسطین کی طرف نکل جاؤ مصر سے فلسطین جانے کے دو راستے ہیں ایک خشکی کا راستہ ہے اور وہ قریب کا راستہ ہے اور دوسرا راستہ بحر احمر (قلزم) کا راستہ ہے اس راستہ میں دریا عبور کرکے صحراء سینا (تیہ) سے گذرنا ہوتا ہے، اور یہ راستہ دور کا ہے، مگر خدا کی مصلحت کا تقاضا یہی ہوا کہ

قریب اور آسان راستہ چھوڑ کر دور کا اور دشوار گذار راستہ اختیار کریں، اس طویل راستہ کی حکمتوں اور مصلحتوں میں سے ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ فرعون کو غرق دریا کیا جائے۔

غرض یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات بحر احمر کے راستہ سے روانہ ہو لئے اور روانہ ہونے سے پہلے مصری عورتوں کے زیورات اور قیمتی پارچہ جات جو ایک تہوار کے بہانہ مستعار لئے تھے وہ بھی واپس نہ کر سکے، فرعون کو جب بنی اسرائیل کے نکلنے کا علم ہوا تو فرعون نے ایک زبردست فوج کے ساتھ بنی اسرائیل کا تعاقب کیا اور صبح ہونے سے پہلے ہی ان کے سروں پر جا پہنچا، تورات کے مطابق بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی، صبح ہونے کے بعد جب بنو اسرائیل نے فرعون کو اپنے سروں پر دیکھا تو گھبرا گئے اور اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں کا سارا الزام موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو دینے لگے۔

فرعون کا غرق ہونا:

موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے بنی اسرائیل کو تسلی دی اور فرمایا خوف نہ کرو خدا کا وعدہ سچا ہے وہ تم کو ضرور نجات دیگا، اور پھر بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم دیا کہ اپنا عصا دریا پر مارو چنانچہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے دریائے قلزم پر اپنا عصا مارا تو پانی پھٹ کر دونوں جانب پہاڑوں کے مانند کھڑا ہو گیا، اور حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل درمیانی راستہ سے بخیر عافیت نکل گئے۔

جب فرعون نے دریا کو دولخت دیکھا تو اپنی قوم سے کہنے لگا یہ میری کرشمہ سازی ہے کہ دریا نے راستہ دیدیا لہٰذا بڑھے چلو، چنانچہ وہ اور اس کا پورا لشکر بنی اسرائیل کے پیچھے اسی راستہ پر ہولیا جب بنی اسرائیل کا ہر فرد دریا پار ہو گیا تو پانی بحکم الٰہی اپنی پہلی حالت پر آ گیا، اسی میں فرعون اور اس کا پورا لشکر غرق ہو گیا۔

جب فرعون غرق ہونے لگا اور ملائکہ عذاب نظر آنے لگے تو پکار کر کہنے لگا ''میں اسی وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے، اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں''، مگر یہ ایمان چونکہ مضطربانہ حالتِ نزع کا تھا اس لئے خدا کی جانب سے جواب ملا ''آلآنَ وقد عصیتَ قبلُ وکنت من المفسدین'' یعنی خدا کو خوب معلوم ہے کہ تو مسلمین میں سے نہیں ہے بلکہ مفسدین میں سے ہے۔

مصری عجائب خانہ میں فرعون کی لاش:

فالیوم نُنَجّیکَ ببَدَنِكَ لِتکونَ لِمَنْ خلفكَ آیة، یہ معلوم ہی ہے کہ فرعون کسی خاص شخص کا نام نہیں ہے بلکہ شاہانِ مصر کا لقب ہے، جس طرح چین کے بادشاہ کو خاقان اور روس کے بادشاہ کو زار اور روم کے بادشاہ کو قیصر اور ایران کے بادشاہ کو کسریٰ کہتے تھے اسی طرح مصر کے بادشاہ کو فرعون کہتے تھے۔

فرعون اصل میں فارا، اَوْہ تھا، مصری زبان میں فاراَ محل کو کہتے ہیں اوراَوْ ہ کے معنی اونچا کے ہیں فارااوہ کے معنی ہوئے اونچا محل، اس سے شاہ مصر کی ذات مراد ہوتی تھی، جیسے خلافتِ عثمانی کے زمانہ میں بابِ عالی سے مراد خلیفہ کی ذات ہوتی تھی، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس فرعون نے پرورش کیا تھا اس کا نام رعمیس یا رعمسیس دوم تھا اور رعمیس کے بیٹے منفتاح کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوئی اور اسی سے مقابلہ ہوا اور یہی ۱۴۹۱ قبل مسیح میں غرق ہوا، (لغات القرآن، عبدالدائم جلالی) جب فرعون غرق کردیا گیا تو اس کی موت کا بہت سے لوگوں کو یقین نہیں آیا، اللہ نے سمندر کو حکم دیا کہ فرعون کی لاش کو دریا کے کنارے پرڈال دے چنانچہ دریا نے فرعون کی لاش کو دریا کے کنارہ پرڈال دیا، اس وقت لوگوں نے اس کی لاش کا مشاہدہ کیا اور اس کے مرنے کا یقین آگیا، مشہور ہے کہ آج بھی وہ لاش مصر کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔ (واللّٰہ اعلم بالصواب)

مصری مقالہ نگار کی رائے:

اگر مصری مقالہ نگار کی رائے صحیح ہے کہ منفتاح (رعمیس یا رعمیس ثانی) ہی فرعون موسیٰ تھا تب تو بلاشبہ اس کی لاش آج تک مصری عجائب خانہ میں محفوظ ہے اور سمندر میں تھوڑی دیر غرق رہنے کی وجہ سے اس کی ناک کو مچھلی نے کھالیا ہے۔

آج تک وہ مقام جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے جہاں فرعون کی لاش سمندر میں تیرتی ہوئی ملی تھی، اس کا نام موجودہ زمانہ میں جبل فرعون ہے، اور اسی کے قریب ایک گرم چشمہ ہے جس کو مقامی آبادی نے حمام فرعون کے نام سے موسوم کررکھا ہے اس کی جائے وقوع ابوزنیمہ سے چند میل اوپر شمال کی جانب ہے اور علاقہ کے باشندے نشاندہی کرتے ہیں کہ فرعون کی لاش اسی جگہ پڑی ملی تھی۔

اگر یہ ڈوبنے والا ہی فرعون منفتاح ہے جس کو زمانہ حال کی تحقیق نے فرعون موسیٰ قرار دیا ہے تو اس کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب خانہ میں موجود ہے، ۱۹۰۷ء میں سرگرافٹن الیٹ سمتھ نے جب اس کی ممی سے پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی تھی جو کھارے پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔

فَائِدَة: رعمیس، رعمسیس اور رعیس اور عیمسس یہ شخص کے نام میں تلفظ کا فرق ہے۔

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا انزلنا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ منزلَ كرامةٍ وهو الشامُ ومصرُ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا بانْ اٰمَنَ بعضٌ وَكَفَرَ بعضٌ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ من امرِ الدينِ بانجاءِ المؤمنين وتعذيبِ الكفرين فَاِنْ كُنْتَ يا محمدُ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ من القصصِ فرضًا فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ التوراةَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ فانه ثابتٌ عندهم يُخبِرُوْنَكَ بصدقِه قال صلى الله عليه وسلم لا اَشُكُّ ولا اَسْاَلُ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ الشاكين فيه وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ وجبتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ بالعذابِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾

وَلَوْجَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴿٩٧﴾ فلا ينفعهم حينئذٍ فَلَوْلَا فهلا كَانَتْ قَرْيَةٌ اريد اهلها اٰمَنَتْ قبل نزولِ العذاب بها فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا لكن قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا عند رؤيةِ اماراتِ العذاب الموعودِ ولم يؤخروا الى حلوله كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴿٩٨﴾ انقضاء اٰجالهم وَلَوْشَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ بما لم يشاء الله منهم حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴿٩٩﴾ لا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ بارادته وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ العذاب عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴿١٠٠﴾ يتدبرون اياتِ الله قُلِ لكفار مكة انْظُرُوْا مَاذَا اي الذي فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ من الاياتِ الدالةِ على وحدانيةِ الله تعالى وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ جمع نذير اي الرسلُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴿١٠١﴾ في علم الله اي ما تنفعهم فَهَلْ ما يَنْتَظِرُوْنَ بتكذيبك اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ من الامم اي مثل وقائعهم من العذاب قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا ذلك اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ المضارعُ لحكايةِ الحالِ الماضيةِ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا من العذابِ كَذٰلِكَ الانجاءِ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿١٠٣﴾ النبيَّ صلى الله عليه وسلم واصحابه حين تعذيبِ المشركين.

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانہ دیا اور وہ شام اور مصر تھا، اور ہم نے ان کو پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں، پھرانہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس وقت جبکہ علم ان کے پاس آچکا بایں طور کہ بعض لوگ ایمان لائے اور بعض نے انکار کیا، یقیناً تیرارب قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کردے گا جس امر دین میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں مؤمنین کونجات دے کر اور کافروں کو عذاب دیکر، پس اے محمد! بالفرض اگر تم ان قصوں کے بارے میں جو ہم نے تمہاری طرف نازل کئے ہیں، شک میں ہوتو ان لوگوں سے پوچھ دیکھئے جوتم سے پہلی کتاب تورات کو پڑھتے ہیں اس لئے کہ وہ نازل کردہ (واقعات) ان کے نزدیک ثابت ہیں وہ ان کی صداقت کی تم کو خبر دیں گے، آپ ﷺ نے جواب دیا کہ نہ مجھے شک ہے اور نہ میں پوچھتا ہوں، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا ہے لہٰذا تم اس میں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو اور نہ ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا کہیں آپ زیاں کاروں میں نہ ہو جائیں، یقیناً وہ لوگ جن پر تمہارے رب کے عذاب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ہے وہ ایمان نہ لائیں گے اگر چہ ان کے سامنے تمام نشانیاں کیوں نہ آجائیں یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں مگر اس وقت ان کو (ایمان سے) کوئی فائدہ نہ ہوگا، چنانچہ کسی بستی والے بستی سے بستی والے مراد ہیں، ایمان نہ لائے ان پر عذاب نازل ہونے سے پہلے کہ ایمان لانا ان کے لئے نافع ہوا ہو سوائے یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے کہ جب وہ عذاب موعود کے دیکھنے کے وقت ایمان لائے اور انہوں نے عذاب کے نزول تک (ایمان) کو مؤخر نہیں کیا تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے عذاب کو ٹال دیا اور ان کو ایک (خاص وقت) تک کے لئے زندگی سے فائدہ

ٹھانے کا موقع دیا (یعنی) ان کی مدت عمر پوری ہونے تک، اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں کو اس چیز پر مجبور کر سکتے ہیں جو اللہ ان سے نہ چاہے یہاں تک وہ مومن ہی ہو جائیں ایسا نہیں ہو سکتا، حالانکہ کسی شخص کے لئے ممکن نہیں کہ خدا کے ارادہ کے بغیر ایمان لے آئے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر عذاب ڈال دیتا ہے جو لوگ اللہ کی آیتوں میں غور و فکر نہیں کرتے آپ کفار مکہ سے کہہ دیجئے کہ تم غور کرو کہ کیا کیا چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی نشانیوں میں سے اور جو لوگ اللہ کے علم میں ایمان لانے والے نہیں ہیں، ان کو نشانیاں اور ڈرانے والے یعنی رسول کوئی فائدہ نہیں دیتے نُذُر نذیر کی جمع ہے یعنی مرسلین سو اب یہ لوگ تیری تکذیب کر کے اس کے سوا اور کس چیز کے منتظر ہیں کہ ویسے ہی (برے) دن دیکھیں جو ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگ دیکھ چکے ہیں، تو ان سے کہو اس کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں، پھر ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہوں عذاب سے بچا لیتے ہیں (نُنجی) حالتِ ماضیہ کی حکایت کرنے کے لئے مضارع کا صیغہ ہے، اسی طرح ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو بچا لیا کرتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بَوَّأنا، تَبوِئَۃً، سے ماضی جمع متکلم، ٹھکانہ دینا، مناسب جگہ فروکش کرنا۔

قولہ: مُبوَّأ، صِدق، مُبَوَّأ اسم مکان ہے یا مصدر ہے اور صدق کی جانب اضافت عرب کی عادت کے مطابق ہے عرب جب کسی شئ کی تعریف کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کی اضافت صدق کی جانب کر دیتے ہیں، مثلاً ھذا رجل صدقٍ، قدم صدقٍ، مراد یہاں منزل محمود ہے، مقام صدق سے بعض حضرات نے مصر اور بعض نے اردن و فلسطین اور بعض نے شام مراد لیا ہے۔

قولہ: المضارع لحکایۃ الحال الماضیۃ، یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ نُنَجِّی مضارع کا صیغہ ہے جو کہ حال و استقبال پر دلالت کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو نجات زمانۂ حال میں دی جا رہی ہے یا آئندہ دی جائے گی حالانکہ نجات زمانۂ ماضی میں دی جا چکی ہے۔

جواب: یہ حکایت حال ماضیہ کے طور پر فرمایا گیا ہے گویا کہ حالات ماضیہ کی فی الحال منظر کشی کی جا رہی ہے۔

تفسیر و تشریح

ربطِ آیات:

وَلَقَدْ بَوَّأنا الخ یہ کلام مستانف ہے نعمت نجات کے بیان کے بعد ان نعمتوں کا بیان ہے جو فرعون سے نجات کے بعد بنی اسرائیل پر پانی کی طرح بہائی گئیں، ان ہی میں سے ایک نعمت مقام محمود میں سکونت پذیری عطاء کرنا ہے، بعض مفسرین نے جائے

سکونت مصر کو قرار دیا ہے مگر مشہور یہ ہے کہ بنی اسرائیل غرقِ فرعون کے بعد مصر واپس نہیں آئے، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ظاہری اور معنوی بہت سی نعمتوں سے نوازا تھا، ملک شام میں سکونت عطاء کی جو کہ اپنی سرسبزی اور شادابی کے لئے آجتک مشہور ہے تورات میں بھی شام اور اس اطراف کے علاقوں کی شادابی کا ذکر ہے۔

میں نازل ہوا ہوں کہ انھیں مصریوں سے چھڑاؤں اور
اس زمین سے نکال کر اچھی وسیع زمین میں جہاں دودھ
اور شہد موج مارتا ہے کنعانیوں کی جگہ میں لاؤں۔

(خروج ۳۰ء ۸)

ان میں سے بہت سے لوگوں نے اقتدار پانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی اور اس کی اطاعت سے پھر گئے تورات میں جو نشانیاں رسول کریم ﷺ کی یہ لوگ پڑھتے تھے اس کا تقاضا یہ تھا کہ آپ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد سے پہلے یہی لوگ ایمان لاتے مگر یہ عجیب بات ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے تو یہ سب لوگ نبی آخر الزمان پر اعتقاد رکھتے تھے اور آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعائیں کیا کرتے تھے، مگر جب آخری نبی اپنی پوری شہادت اور تورات کی بتلائی ہوئی نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے تو یہ لوگ آپس میں اختلاف کرنے لگے، کچھ لوگ ایمان لائے اور باقی نے انکار کردیا، اس آیت میں آپ ﷺ کے تشریف لانے کو **جاء هم العلم** سے تعبیر کیا ہے یہاں علم سے مراد یقین بھی ہوسکتا ہے یعنی مشاہدہ کے ساتھ یقین کے اسباب بھی جمع ہوگئے تو یہ لوگ اختلاف کرنے لگے، بعض مفسرین نے علم سے معلوم مراد لیا ہے، یعنی جب وہ ہستی آگئی جو تورات کی پیشین گویوں کے ذریعہ معلوم تھی تو اختلاف کرنے لگے۔ (یعنی محمد ﷺ)۔

فان کنت فی شك، اگرچہ بظاہر خطاب محمد ﷺ کو ہے مگر مخاطب امت ہے اس لئے کہ آپ کو وحی میں شک ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے۔

فَلَوْلَا، فَهَلَّا، لَوْلَا یہاں تخصیصیہ ہلّا کے معنی میں ہے، یعنی جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا ان میں کوئی ایک بستی بھی ایسی کیوں نہ ہوئی جو ایمان لے آتی جو اس کے لئے فائدہ مند ہوتا۔ ہاں صرف یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم ایسی ہوئی ہے کہ عذاب کی علامات دیکھنے کے بعد ایمان لے آئی تو اللہ نے اس سے عذاب ٹال دیا۔

اس کا مختصر حال یہ ہے کہ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دیکھا کہ ان کی تبلیغ ودعوت سے ان کی قوم متاثر نہیں ہورہی تو اپنی قوم میں اعلان کردیا کہ فلاں فلاں دن تم پر عذاب آجائیگا اور خود وہاں سے نکل گئے جب عذاب بادل کی طرح امڈ آیا تو وہ بچوں، عورتوں حتی کہ جانوروں کو لیکر ایک میدان میں جمع ہوگئے اور بارگاہ الٰہی میں عاجزی وانکساری اور توبہ واستغفار شروع کردی، اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور عذاب کو ٹال دیا، تو حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تکذیب کے بعد اپنی قوم میں جانا پسند نہیں کیا، بلکہ ان سے ناراض ہوکر کسی دوسری طرف نکل گئے، جس پر کشتی کا واقعہ پیش آیا۔

مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ قوم یونس علیہ الصلاۃ والسلام ایمان کب لائی؟ عذاب دیکھ کر لائی؟ جبکہ ایمان نافع نہیں ہوتا، یا ابھی عذاب کا وہ مرحلہ نہیں آیا تھا کہ جب ایمان نافع نہیں ہوتا، لیکن قرآن کریم نے قوم یونس علیہ الصلاۃ والسلام کا الّا کے ساتھ جو استثناء کیا ہے وہ پہلی تفسیر کی تائید کرتا ہے۔

قرآن کریم نے دنیوی عذاب کے دور کرنے کی صراحت تو کی ہے اخروی عذاب کی بابت صراحت نہیں کی اسلئے بعض مفسرین کے قول کے مطابق ان سے اخروی عذاب ختم نہیں کیا گیا، لیکن قرآن نے جب یہ وضاحت کردی کہ دنیوی عذاب ایمان کی وجہ سے ٹالا گیا تھا، تو پھر اخروی عذاب کی بابت صراحت کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی، اسلئے کہ اخروی عذاب کا فیصلہ تو ایمان اور عدم ایمان ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے اگر ایمان لانے کے بعد قوم یونس علیہ الصلاۃ والسلام اپنے ایمان پر قائم رہی ہوگی، (جس کی صراحت یہاں نہیں ہے) تو یقیناً وہ اخروی عذاب سے بھی محفوظ رہے گی، البتہ بصورت دیگر عذاب سے بچنا صرف دنیا کی حد تک ہی ہوگا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کا عذاب سامنے آجانے کے بعد بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا، البتہ آخرت کا عذاب سامنے آجانے کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی، اور عذاب آخرت کا سامنے آجانا قیامت کے روز ہوگا یا پھر موت کے وقت خواہ طبعی موت ہو یا کسی دنیوی عذاب میں مبتلا ہو کر جیسے فرعون کو پیش آیا۔

اس لئے قوم یونس علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ قبول ہوجانا عام ضابطۂ الٰہیہ کے خلاف نہیں بلکہ ضابطہ کے تحت ہی ہے کیونکہ انہوں نے اگرچہ عذاب کو دیکھ کر توبہ کی مگر عذاب میں مبتلا ہونے اور موت سے پہلے توبہ کرلی بخلاف فرعون کے جس نے موت کے وقت غرغرہ کی حالت میں توبہ کی اور ایمان کا اقرار کیا اسلئے اس کا ایمان معتبر نہ ہوا اور توبہ قبول نہ ہوئی۔

حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کا مفصل واقعہ:

حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ اجمالاً سابق میں بیان کیا جا چکا ہے اس واقعہ کا کچھ حصہ تو قرآن میں مذکور ہے اور کچھ روایات حدیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ یونس علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم عراق میں موصل کے مشہور مقام نینوی میں رہتی تھی، ان کی تعداد قرآن کریم میں ایک لاکھ سے زیادہ بتائی گئی ہے، ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو بھیجا تھا مگر قوم نے ایمان لانے سے انکار کردیا اللہ نے حکم دیا کہ ان کو آگاہ کردو کہ تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آنے والا ہے، حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کا اعلان کردیا، قوم یونس نے آپس میں مشورہ کیا تو اس پر سب کا اتفاق ہوگیا کہ ہم نے کبھی یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا اسلئے ان کی بات نظر انداز کرنے کے لائق نہیں، مشورہ میں یہ بھی طے ہوا کہ یہ دیکھا جائے کہ یونس علیہ الصلاۃ والسلام رات کو ہمارے درمیان اپنی جگہ مقیم رہتے ہیں تو سمجھ لو کہ کچھ نہیں ہوگا اور اگر وہ یہاں سے کہیں چلے جاتے ہیں تو یقین کرلو کہ صبح کو ہمارے اوپر عذاب آئیگا، حضرت یونس رات کو اس بستی سے نکل گئے، جب صبح ہوئی تو عذاب کا ایک سیاہ بادل دھوئیں کی شکل میں سروں پر منڈلانے لگا، اور یہ دیکھ کر حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو تلاش کیا کہ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوجائیں اور کفر وانکار سے توبہ کرلیں مگر یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو نہ پایا تو خود ہی اخلاص نیت

کے ساتھ توبہ واستغفار میں لگ گئے بستی سے ایک میدان میں نکل آئے عورتیں بچے اور جانور سب اس میدان میں جمع کر دیئے گئے ٹاٹ کے کپڑے پہن کر عجز وزاری کے ساتھ اس میدان میں توبہ کرتے اور عذاب سے پناہ مانگنے میں اس طرح مشغول ہوئے کہ پورا میدان آہ وبکاء سے گونجنے لگا، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور عذاب کو ان سے ٹال دیا جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے روایات میں آیا ہے کہ یہ عاشورہ یعنی دس محرم کا دن تھا۔

ادھر حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام بستی سے باہر اس انتظار میں تھے کہ اب اس قوم پر عذاب نازل ہوگا قوم کو ان کی توبہ واستغفار کا حال معلوم نہ تھا، جب عذاب ٹل گیا تو ان کو فکر ہوئی کہ مجھے جھوٹا قرار دیا جائے گا کیونکہ میں نے اعلان کیا تھا کہ تین دن کے اندر عذاب آجائیگا، اس قوم میں قانون یہ تھا کہ جس شخص کا جھوٹ ثابت ہوجائے اور وہ اپنے کلام پر کوئی شہادت پیش نہ کرے تو اس کو قتل کردیا جاتا تھا، یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو فکر ہوئی کہ مجھے جھوٹا قرار دیکر قتل کردیا جائیگا۔

انبیاء علیہم السلام ہر گناہ سے معصوم ہوتے ہیں:

مگر انبیاء انسانی فطرت وطبیعت سے جدا نہیں ہوتے اس وقت یونس علیہ الصلاۃ والسلام پر طبعی طور پر یہ ملال ہوا کہ میں نے بحکم الٰہی اعلان کیا تھا اور اب میں اعلان کی وجہ سے جھوٹا قرار دیا جاؤں گا، اپنی بستی میں واپس جاؤں تو کس منہ سے جاؤں اور قومی قانون کے مطابق گردن زدنی بنوں اس رنج وغم اور پریشانی کے عالم میں اس شہر سے نکل جانے کا ارادہ کرکے چلدیئے یہاں تک کہ بحر روم کے کنارہ پر پہنچ گئے وہاں ایک کشتی دیکھی جس میں لوگ سوار تھے، یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو ان لوگوں نے پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے سوار کرلیا، کشتی روانہ ہوکر جب وسط دریا میں پہنچی تو وہ دفعۃً ٹھہر گئی نہ آگے بڑھتی ہے اور نہ پیچھے ہٹتی ہے کشتی والوں نے منادی کرا دی کہ ہماری کشتی کی منجانب اللہ یہی شان ہے کہ جب اس میں کوئی ظالم گنہگار یا بھاگا ہوا غلام سوار ہوجاتا ہے تو یہ کشتی خود بخود رک جاتی ہے اس آدمی کو ظاہر کردینا چاہئے تاکہ ایک آدمی کی وجہ سے سب پر غضب نہ آئے۔

حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام بول اٹھے کہ وہ بھاگا ہوا گنہگار غلام میں ہوں بغیر اذن خداوندی بستی چھوڑ کر چلے آنا پیغمبرانہ شان کی وجہ سے گناہ قرار دیا کہ پیغمبر کی کوئی نقل وحرکت بغیر اذن خداوندی کے نہ ہونی چاہئے تھی اسلئے فرمایا کہ مجھے دریا میں ڈال دو کشتی والے اس پر تیار نہ ہوئے بلکہ انہوں نے قرعہ اندازی کی تاکہ قرعہ میں جس کا نام نکل آئے اس کو دریا میں ڈال دیا جائے اتفاق سے قرعہ حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام ہی کے نام سے نکل آیا، ان لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تو کئی مرتبہ قرعہ اندازی کی ہر مرتبہ حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام ہی کے نام قرعہ نکلتا رہا، قرآن کریم میں بھی اس قرعہ اندازی کا ذکر موجود ہے، ''فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ'' یونس علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہ معاملہ ان کے مخصوص پیغمبرانہ مقام کی وجہ سے تھا کہ اگرچہ انہوں نے اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی جس کو گناہ اور معصیت کہا جائے اور کسی پیغمبر سے اس کا امکان بھی نہیں ہے اس لئے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں لیکن بغیر اجازت چلے جانا پیغمبرانہ شان بلند کے مناسب نہیں تھا اس خلاف شان عمل پر بطور عتاب یہ معاملہ کیا گیا۔

ادھر حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو دریا میں ڈالنے کا انتظام ہو رہا تھا دوسری طرف ایک بہت بڑی مچھلی بحکم خداوندی کشتی کے قریب منہ پھیلائے لگی ہوئی تھی کہ یہ دریا میں آئیں تو ان کو اپنے پیٹ میں جگہ دے جس کو حق تعالیٰ نے پہلے سے حکم دے رکھا تھا، اور بتا دیا تھا کہ یونس علیہ الصلاۃ والسلام تیری غذا نہیں ہے بلکہ تیرا پیٹ اس کا مسکن ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے، بعض حضرات نے سات دن اور بعض نے پانچ اور بعض نے ایک دن چند گھنٹے مدت بتائی ہے، اس حالت میں حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ دعاء کی "لا الٰہ الا انت سبحانك انی کنتُ من الظّٰلمین" اللہ تعالیٰ نے اس دعاء کو قبول فرمالیا اور بالکل صحیح سالم حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو دریا کے کنارے ڈال دیا۔

مچھلی کے پیٹ کی گرمی سے آپ کے بدن پر کوئی بال نہیں رہا تھا، اللہ نے ان کے قریب ایک کدو کا درخت اگا دیا جس کے پتوں کا سایہ حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے درخت کا سایہ بن گیا، اور ایک جنگلی بکری کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ وہ صبح و شام ان کے پاس جا کر کھڑی ہو جایا کرے چنانچہ وہ ایسا ہی کرتی اور حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام اس کا دودھ پی لیتے تھے، اس طرح حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو اس لغزش پر تنبیہ ہوگئی اور بعد میں ان کی قوم کو بھی پورا حال معلوم ہو گیا۔

اس قصہ کے جتنے اجزاء قرآن میں مذکور ہیں یا مستند روایات سے ثابت ہیں وہ تو یقینی ہیں باقی اجزاء تاریخی روایات کے ہیں جن پر کسی شرعی مسئلہ کا مدار نہیں رکھا جا سکتا۔ (معارف القرآن)

فائدہ: حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کو تنبیہ کسی معصیت یا فرائض منصبی میں کوتاہی کا نتیجہ نہیں تھی جیسا کہ بعض مفسرین کو دھوکا ہوا ہے، اس لئے کہ یہ بات بالاتفاق طے ہے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ صغائر سے بھی معصوم ہوتے ہیں یا نہیں اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ صغائر سے بھی معصوم ہوتے ہیں، البتہ خلاف اولیٰ کا صدور ہو سکتا ہے مگر اس کو معصیت نہیں کہا جا سکتا اور نہ اس پر مواخذہ ہوتا ہے البتہ انبیاء کی شان بلند کی نسبت سے ان کو تنبیہ کر دی جاتی ہے، حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق یہ خیال کہ انہوں نے رسالت کے فرض منصبی میں کوتاہی کی تھی جس کی وجہ سے ان کو سزا دی گئی یہ کسی طرح بھی اہل سنت والجماعت کے مسلک سے میل نہیں کھاتا۔

قُلْ يَآيُّهَا النَّاسُ ای اہلَ مکۃَ **اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ** انّہ حقٌ **فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** ای غیرہ وہو الاصنامُ لِشَکّکم فیہ **وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ** بقبضِ ارواحِکم **وَاُمِرْتُ اَنْ** ای بانْ **اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۰۴﴾ وَ** قِیلَ لی **اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا** مائلا الیہ **وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ** تعبدُ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ** اِنْ عبدتَہ **وَلَا يَضُرُّكَ** اِن لم تَعْبُدہ **فَاِنْ فَعَلْتَ** ذٰلك فرضًا **فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ** يُصِبْكَ **اللّٰهُ بِضُرٍّ** کفقرٍ و مرض **فَلَا كَاشِفَ** رافعَ **لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ** دافعَ **لِفَضْلِهٖ** الذی ارادَك بہ **يُصِيْبُ بِهٖ** ای بالخیر **مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يَآيُّهَا النَّاسُ**

ای اہلَ مکۃ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ لِاَنَّ ثوابَ اہتدائہ لہ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا لاَنَّ وبالَ ضلالہٖ علیہا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ﴿١٠٨﴾ فاجبرکم علی الھدٰی وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ علی الدعوۃِ واَذَاہُمْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ فیہم بامرہٖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴿١٠٩﴾ اَعدلُہم وقد صبرَ حتی حکمَ علی المشرکین بالقتالِ واہلِ الکتابِ بالجزیۃِ.

ترجمہ: (اے محمد) کہہ دو کہ اے مکہ کے لوگو اگر تم میرے دین کے حق ہونے کے بارے میں شک (وتردد) میں ہو تو (تم کو معلوم ہونا چاہئے) کہ میں تمہارے دین میں شک کرنے کی وجہ سے ان معبودوں کی بندگی نہیں کرتا جن کی تم خدا کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہو اور وہ بت ہیں، لیکن میں تو اس خدا کی بندگی کرتا ہوں جو تمہاری روح قبض کرتا ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ مومنوں میں رہوں، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنا رخ دین کی طرف مائل رکھنا اور ہرگز شرک کرنے والوں میں نہ ہونا (اور یہ حکم ہوا ہے) کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی چیز کی بندگی نہ کرنا کہ اگر تم اس کی بندگی کرو تو تم کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے اور اگر تم اس کی بندگی نہ کرو تو تم کوئی نقصان نہ پہنچا سکے بالفرض اگر تم نے ایسا کیا تو اس صورت میں تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے (اور مجھ سے یہ کہا گیا ہے) کہ اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے مثلاً فقر اور مرض تو اس کے سوا اس تکلیف کا کوئی دور کرنے والا نہیں، اور اگر وہ تیرے ساتھ خیر کا ارادہ کرے تو اس فضل کا جس کا اس نے تمہارے لئے ارادہ کیا ہے اس کا کوئی روکنے والا نہیں (بلکہ) وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے مبذول فرمائے وہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے آپ کہہ دیجئے کہ اے مکہ کے لوگو تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے پہنچ چکا ہے لہٰذا جو شخص راہِ راست پر آئے گا وہ اپنے ہی واسطے راہِ راست پر آئیگا، اس لئے کہ راستی کا اجر اسی کو ملے گا، اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کی بے رہ روی کا وبال اسی پر پڑے گا، اس لئے کہ اس کی گمراہی کا نقصان اسی کو ہوگا، اور میں تم پر مسلط کیا ہوا نہیں ہوں کہ تم کو میں ہدایت پر مجبور کروں (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ) آپ اس وحی کا اتباع کرتے رہیں جو آپ کی طرف بھیجی گئی ہے اور دعوت اور ان کی تکلیف پر صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کردے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے اور آپ نے صبر فرمایا یہاں تک کہ مشرکین کے ساتھ قتال کا اور اہل کتاب پر جزیہ کا حکم نازل فرمایا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: اَنَّهُ حق، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ شک کا تعلق مفرد سے نہیں ہوتا اسی وجہ سے مفسر علام نے اَنَّهُ حق محذوف مانا ہے تاکہ شک کا تعلق جملہ سے ہو جائے۔

قِوْلَہٗ: يَتَوَفّٰكُمْ واحد مذکر غائب مضارع معروف تَوَفِّی (تفعل) کُمْ ضمیر مفعول، تم کو پورا پورا لیتا ہے، تمہاری روح

قبض کرتا ہے۔

قِوْلَہُ: قیل لی، اس کا اضافہ ماقبل کے ساتھ ربط قائم کرنے کے لئے کیا ہے اس لئے کہ ماقبل میں اُمِرْتُ ہے اب تقدیر عبارت یہ ہوگی و اُمِرْتُ اَن اکونَ من المؤمنین وقیل لی ان اَقم وَجْهَكَ للدین حنیفًا.

قِوْلَہُ: ذلك فرضًا یہ اس سوال کا جواب ہے کہ غیر اللہ کی عبادت نبی سے محال ہے پھر کیوں اس طرح خطاب کیا گیا، مفسر علام نے جواب دیا کہ یہ علی سبیل الفرض والتقدیر ہے۔

قِوْلَہُ: علی الدعوة اس قید کا اضافہ ماقبل سے ربط قائم کرنے کیلئے کیا ہے۔

تفسیر وتشریح

قُلْ یاایّھا الناس اِنْ کنتم فی شكٍ الخ، آپ مکہ کے لوگوں سے کہہ دو اگر تم کو میرا طریقہ سمجھ میں نہیں آتا جس کی وجہ سے تم شک وتردد میں پڑے ہوئے ہو تو سنو میں تم کو اپنے دین کا اصل اصول (جو توحید خالص ہے) سمجھائے دیتا ہوں، خلاصہ یہ ہے کہ میں تمہارے ان فرضی معبودوں سے سخت بیزار اور نفور ہوں جسکے اختیار کرنے کا کبھی امکان بھی میری طرف سے دل میں نہ لانا، میری عبادت اس خداوند وحدہ لاشریک لہٗ کے لئے ہے جس کے قبضے میں تمہاری جانیں ہیں، کہ جب تک چاہے انھیں جسموں میں چھوڑے رکھے اور جب چاہے کھینچ لے مطلب یہ کہ موت وحیات کا رشتہ جس کے دست قدرت میں ہے وہی عبادت کا سزاوار ہے یہاں اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ مشرکین مکہ یہ جانتے تھے اور آج بھی ہر قسم کے مشرک یہ تسلیم کرتے ہیں کہ موت صرف اللہ رب العٰلمین ہی کے قبضہ واختیار میں ہے اس پر کسی دوسرے کا قابو واختیار نہیں حتی کہ جن دیوی دیوتاؤں اور بزرگوں کو یہ مشرکین خدائی صفات واختیارات میں شریک کرتے ہیں ان کے متعلق بھی وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو بھی خود اپنی موت کے بارے میں اختیار نہیں وہ بھی اپنی موت کا وقت نہیں ٹال سکے ہیں، پس بیان مدعا کے لئے اللہ تعالیٰ نے بے شمار صفات میں سے کسی دوسری صفت کا ذکر کرنے کے بجائے یہ خاص صفت "اَلَّذِیْ یتوفّکم" وہ ذات کہ جو تم کو موت دیتی ہے یہاں اس لئے منتخب کی ہے کہ بیان مدعا کے ساتھ ساتھ اس کے صحیح ہونے کی دلیل بھی ہوجائے، یعنی سب کو چھوڑ کر میں اس کی بندگی اسلئے کرتا ہوں کہ زندگی اور موت پر تنہا اسی کا اقتدار ہے اور اس کے سوا دوسروں کی بندگی آخر کیوں کروں؟ جب وہ خود اپنی موت وحیات پر بھی اقتدار نہیں رکھتے کجا کہ دوسروں کی موت وحیات پر۔

وَاِنْ یَمْسَسْكَ اللّٰہ بضر فلا کاشِفَ له اِلا ھو الخ جب ان چیزوں کے پکارنے سے منع کیا گیا کہ جن کے قبضے میں تمہارا بھلا برا کچھ نہیں تو مناسب معلوم ہوا کہ ان کے بالمقابل مالک علی الاطلاق کا ذکر کیا جائے کہ تکلیف وراحت موت وحیات بھلے اور برے غرضیکہ آرام وتکلیف کے تمام سلسلوں پر کامل اختیار رکھتا ہے، جس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو کوئی نہیں ہٹا سکتا، اور جس پر وہ اپنا فضل ورحمت کرنا چاہے کسی کی طاقت نہیں کہ اسے محروم کرسکے۔

قل یایّها الناس قد جاء کم الحق من ربکم الخ، یعنی حق واضح طور پر براہین ودلائل کیساتھ پہنچ چکا ہے، اب قبول نہ کرنے کا کوئی معقول عذر کسی کے پاس نہیں خدا کی آخری حجت بندوں پر قائم ہوچکی ہے، اب ہر ایک اپنا نفع نقصان سوچ لے جو خدا کی بتلائی ہوئی راہ پر چلے گا وہ دنیا وآخرت میں کامیاب ہوگا اور جو اسے چھوڑ کر ادھر اُدھر بھٹکے گا وہ خود پریشان اور ذلیل وخوار ہوگا، پیغمبر کو کوئی مختار بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ جو تمہارے افعال کا ذمہ دار ہو اس کا کام صرف آگاہ کر دینا اور راستہ بتلا دینا ہے اس پر چلنا یا نہ چلنا خود چلنے والے کے اختیار میں ہے۔

واصبر حتی یحکم اللّٰہ الخ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ حق کو قبول نہ کریں تو آپ خود کو اس کے غم میں نہ گھلائیں، آپ خدا کے احکام کی پیروی کرتے رہئے اور تبلیغ واصلاح کے کام میں لگے رہئے اور جو تکالیف اس راستہ میں آپ کو پہنچیں ان پر صبر کیجئے، مخالفین کی ایذا رسانیوں کا تحمل کرتے رہنا چاہئے یہاں تک کہ خدا آپ کے درمیان فیصلہ کر دے۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَثَلٰثٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ الا اقم الصلوٰة الاٰية او الا فلعلك تارك الآية واولٰئك يؤمنون به الآية.

سورۂ ہود مکی ہے مگر اَقِمِ الصَّلٰوة (الآية) یا مگر فلعلَّكَ تارك (الآية) اور اُولٰئكَ يؤمنون بهٖ (الآية) ۱۲۲ یا ۱۲۳ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الٓرٰ اللّٰه اعلمُ بمرادِه بذلك هٰذا **كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ** بعجيب النظم و بديع المعاني **ثُمَّ فُصِّلَتْ** بينت بالاحكام و القصص و المواعظ **مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ** اى اللّٰهِ **اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ** اى بأن بالعذاب اِنْ كفرتُمْ **وَّبَشِيْرٌ** بالثواب ان آمنتم **وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ** من الشركِ **ثُمَّ تُوْبُوْٓا** ارجعُوا **اِلَيْهِ** بالطاعةِ **يُمَتِّعْكُمْ** في الدنيا **مَّتَاعًا حَسَنًا** بطيبِ عيشٍ وسعةِ رزقٍ **اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى** هو الموتُ **وَّيُؤْتِ** في الاخرةِ **كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ** في العملِ **فَضْلَهٗ** جزاءَهٗ **وَاِنْ تَوَلَّوْا** فيه حذف احدى التائينِ اى تُعرِضوا **فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ** هو يومُ القيٰمةِ **اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ومنه الثوابُ والعذابُ ونَزَلَ كما رواه البخاريُّ عن ابنِ عباسٍ رضى اللّٰه تعالى عنهما فيمَنْ كان يَستحيىُ اَنْ يتخلّى اويجامعَ فَيُفْضِيَ الى السماء وقيل في المنافقينَ **اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ** اى اللّٰهِ **اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ** يَتغطونَ بها **يَعْلَمُ** تعالى **مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ** فلا يُغنِيْ استخفاؤُهم **اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** اى بما في القلوبِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے الٓر، اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیات عجیب نظم اور انوکھے معانی کے ذریعہ محکم کی گئی ہیں، پھر حکیم باخبر یعنی اللہ کی طرف سے

احکام اور واقعات اور نصائح کے اعتبار سے صاف صاف بیان کی گئی ہیں، یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو میں اس کی طرف سے تم کو عذاب سے ڈرانے والا ہوں اگر تم کفر کرو گے اور ثواب کی خوشخبری دینے والا ہوں اگر تم ایمان لاؤ گے اور یہ کہ تم اپنے رب سے شرک سے مغفرت طلب کرو پھر طاعت کے ذریعہ اس کی طرف رجوع کرو وہ دنیا میں تم کو معینہ مدت تک اچھا سامان عیش اور وسعت رزق دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ اجر دے گا اور اگر تم اعراض کرو گے (تولوا) میں دو تاؤں میں سے ایک تاء حذف کردی گئی ہے تو مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کہ وہ قیامت کا دن ہے، کے عذاب کا اندیشہ ہے تم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر شئ پر قادر ہے اور اسی ہر شئ میں ثواب اور عقاب بھی ہے، اور (آئندہ آیت) جیسا کہ امام بخاری نے اس کو حضرت ابن عباس رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کیا ہے، اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو اس خیال سے کہ میرا یہ عمل آسمان (یعنی اللہ) تک پہنچ رہا ہے قضائے حاجت کرنے اور (بیوی سے) مجامعت کرنے میں شرم محسوس کرتا تھا، اور کہا گیا ہے کہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی یاد رکھو وہ لوگ اپنے سینوں کو دہرا کئے ہیں (یعنی جھکے جاتے ہیں) تاکہ اللہ سے اپنی باتیں چھپا سکیں یاد رکھو کہ وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹ لیتے ہیں (یعنی) ان میں چھپ جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ (اس وقت بھی) اس چیز کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں لہٰذا ان کے چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں، بلاشبہ وہ تو دلوں کے اندر کی باتوں کو جانتا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: سورة هود بترکیب اضافی مبتداء مكية خبر اول مائة الخ خبر ثانی، مكية مستثنیٰ منہ ہے الّا حرف استثناء اقم الصلوة (الآية) مستثنیٰ یعنی پوری سورت مکی ہے سوائے ایک آیت واقم الصلوة (الآية) کے یہ قول ابن عباس رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوْ اِلَّا فَلَعَلَّكَ تاركٌ بعضَ ما يوحٰى اِلَيْكَ (الآية) یہ دوسرے قول کی طرف اشارہ ہے اس قول کے مطابق پوری سورت مکی ہے مگر دو آیتیں، ایک تو فَلَعَلَّكَ اور دوسری أولئكَ يؤمنون به (الآية) یہ قول مقاتل کا ہے۔

قَوْلُہٗ: هذا، اس میں اشارہ ہے کہ کتابٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے نہ کہ خود مبتداء اس لئے کہ نکرہ محضہ مبتداء واقع نہیں ہوتا، اُحكمتْ آياته، جملہ ہوکر کتاب کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: ثُمَّ فصلت، ثُمَّ میں دو احتمال ہیں اول یہ اِخبارِ محض کے لئے ہے، اور معنی ہوں گے اللہ نے ہم کو خبر دی کہ قرآن غایت درجہ باحسن وجوہ محکم ہے اور بہترین تفصیل کے ساتھ مفصل ہے، جیسا کہ عرب بولتے ہیں، "فلان كريم الاصل ثم كريم الفصل" دوسرا احتمال یہ ہے کہ ثُمَّ نزول کے اعتبار سے ترتیب زمانی کے ہو بایں طور کہ نزول اول یعنی عرش سے لوح محفوظ پر نزول کے وقت محکم کیا گیا پھر حسب موقع تفصیل کے ساتھ نازل ہوا۔

قولہ: من لدن حکیم خبیر یہ کتابٌ کی دوسری صفت ہے۔

قولہ: بانْ اس میں اشارہ ہے کہ أن مصدریہ ہے، أن تفسیریہ بھی ہوسکتا ہے، أن کے تفسیریہ ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس سے پہلے قول یا قول کے ہم معنی کوئی لفظ ہو یہاں اگرچہ لفظ قول نہیں مگر اس کا معنی فصلت، موجود ہے لہٰذا أن کا مفسرہ ہونا بھی درست ہے، اور یہاں تفسیریہ ہی بہتر ہے۔ (صاوی)

قولہ: قیل فی المنافقین، اگر منافقین سے معروف منافقین مراد ہیں تو اس میں نظر ہے اس لئے کہ معروف منافقین کا وجود مکہ میں نہیں تھا اور آیت مکی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہ منافقین مکہ میں سے تھا یہ شخص چرب زبان حسین المنظر تھا اور رسول اللہ ﷺ کو خوش کن خبریں سنایا کرتا تھا اور دل میں اس کے خلاف پوشیدہ رکھتا تھا اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

قولہ: یثنون، الثنی الطّی چھپانے کے لئے لپیٹنا، یَثْنُوْنَ کی اصل یَثْنِیُوْنَ تھی ضمہ یاء پر دشوار رکھ کر نون کو دیدیا، یاء اور واو کے درمیان التقاء ساکنین کی وجہ سے یاء کو حذف کر دیا، یثنُون ہو گیا۔

تفسیر و تشریح

سورۂ ہود کے مضامین:

اس سورت میں بھی اُن ہی قوموں کا تذکرہ ہے جو آیات الٰہی اور پیغمبروں کی تکذیب کر کے عذاب الٰہی کا نشانہ بنیں اور تاریخ کے صفحات سے یا تو حرف غلط کی طرح مٹادی گئیں، یا تاریخ کے اوراق میں عبرت کا نمونہ بن کر موجود ہیں، اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا، کیا وجہ ہے کہ آپ بوڑھے ہوئے چلے جا رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا "مجھے ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا"۔

ابن مردویہ اور ابن عساکر وغیرہما نے مسروق کی سند سے حضرت ابوبکر صدیق سے روایت کیا ہے۔

قال، قلتُ، یارسول اللّٰہ لَقَدْ اَسْرَعَ الیك الشیبُ فقال شَیَّبَتْنی هود والواقعة والحاقة والمرسلات وعمّ یتسألون وإذا الشمس کورت. (تفسیر فتح القدیر)

کتاب اُحکمت آیاته، قرآنی آیات نظم و معانی کے اعتبار سے اتنی محکم اور پختہ ہیں کہ نہ ان کی ترکیب لفظی میں کوئی خلل ہے اور نہ ترکیب معنوی میں، اس کے علاوہ اس میں احکام و شرائع، مواعظ و قصص، عقائد و ایمانیات، عقائد و اخلاقیات جس طرح وضاحت و تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں کتب سابقہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ محکم اس جگہ منسوخ کے مقابلہ میں ہے مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے مجموعی حیثیت سے محکم غیر منسوخ بنایا ہے یعنی جس طرح سابقہ کتابیں تورات انجیل وغیرہ مجموعی اعتبار سے منسوخ ہو

گئیں یہ کتاب تا قیامت منسوخ نہ ہوگی اسلئے کہ نبوت و رسالت کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے بعض قرآنی آیات کا بعض کے ذریعہ منسوخ ہونا اس کے منافی نہیں، ثم فُصِّلَتْ کی تفسیر تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے ملاحظہ کرلیا جائے۔

یُمَتِّعْکُمْ مَتَاعًا حَسَنًا، دنیوی سامانِ عیش کو قرآن میں دوسری جگہ ''متاع غرور'' کہا گیا ہے یعنی دھوکے کا سامان اور یہاں اسے ''متاع حَسَن'' قرار دیا گیا ہے دونوں میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ جو آخرت سے غافل ہوکر متاع دنیا سے استفادہ کرے گا اس کے لئے یہ متاع غرور ہے اور جو آخرت کی تیاری کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اس کیلئے یہ چندروزہ متاع، متاع حسن ہے۔

شانِ نزول:

اَلَا اِنَّھُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَھُمْ (الآیۃ) اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے اسی لئے اس کے مفہوم میں بھی اختلاف ہے۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ ہود) میں بیان کردہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو غلبۂ حیا کی وجہ سے قضائے حاجت اور بیوی سے ہمبستری کے وقت برہنہ ہونا اور ستر کھولنا پسند نہیں کرتے تھے کہ اللہ جل شانہٗ ہمیں دیکھ رہا ہے اس لئے ایسے موقع پر شرم گاہ کو چھپانے کے لئے اپنے سینوں کو دہرا کر لیتے تھے، اللہ نے فرمایا رات کو جب وہ اپنے بستروں میں اپنے کپڑوں میں خود کو ڈھانپ لیتے ہیں اس وقت بھی وہ ان کو دیکھتا ہے مطلب یہ ہے کہ شرم و حیا کا جذبہ اپنی جگہ بہت اچھا ہے لیکن اس میں اتنا غلو اور افراط بھی صحیح نہیں، اسلئے کہ جس ذات کی خاطر تم ایسا کرتے ہو، اس سے تو تم پھر بھی نہیں چھپ سکتے تو اس طرح کے تکلف سے کیا فائدہ۔

وَمَا مِنْ زائدۃٌ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ ھی مَادَبَّ علیھا اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا تکفَّلَ بہ فضلاً منہ وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا مَسْکَنَھا فی الدُنیا او الصُّلب وَمُسْتَوْدَعَھَا بعدَ الموتِ او فی الرحم کُلٌّ مما ذُکر فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ بیِّن ھو اللوحُ المحفوظُ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ اَوَّلُھا الاحدُ واٰخِرھا الجمعۃُ وَّکَانَ عَرْشُہٗ قبلَ خلقِھما عَلَی الْمَآءِ وھو علی متنِ الریحِ لِیَبْلُوَکُمْ متعلقٌ بخلق ای خلقَھما و مَا فیھما منافعُ لکم و مصالحُ لِیَختبرکم اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ای اَطوَع لِلّٰہِ وَلَئِنْ قُلْتَ یا محمدُ لَھم اِنَّکُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْآ اِنْ ما ھٰذَآ القرآنُ الناطقُ بالبعثِ او الّذی تقولُہ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ بیِّنٌ و فی قراءۃٍ ساحرٌ والمشارُ الیہ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْھُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓی مجیْ اُمَّۃٍ جماعۃِ اوقاتٍ مَّعْدُوْدَۃٍ لَّیَقُوْلُنَّ استھزاءً مَا یَحْبِسُہٗ یَمنَعُہ من النزولِ قال تعالیٰ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْھِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا مدفوعًا عَنْھُمْ وَحَاقَ نزلَ بِھِمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ ۝ من العذاب.

ترجمہ: زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے، مِنْ زائدہ ہے (دَابَّة) اس جاندار کو کہتے ہیں جو زمین پر چلتا ہے، یعنی اللہ ہی ان کی روزی کا اپنے فضل سے کفیل ہے وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے آیا دنیا میں ہے یا پشت پدر میں اور مرنے کے بعد اس کے سپرد کئے جانے کی جگہ کو یا رحم مادر میں ہے (اس کے مقام) کو جانتا ہے اور ہر چیز کا جو مذکور ہوئی وہ کتاب مبین میں ہے اور وہ لوح محفوظ ہے، اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا ان کا پہلا دن یکشنبہ تھا اور آخری دن جمعہ کا اور آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا اور پانی ہوا کے دوش پر تھا، تاکہ تم کو آزمائے (لِيَبْلُوَكُم) خَلَقَ کے متعلق ہے یعنی ان دونوں کو اور ان میں جو کچھ ہے تمہارے منافع اور تمہاری مصلحتوں کے لئے پیدا کیا تاکہ تم کو آزمائے، کہ تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے؟ یعنی کون اللہ کا زیادہ تابع فرمان ہے، اور اگر (اے محمد) تم کہو کہ تم کو مرنے کے بعد (زندہ کرکے) اٹھایا جائیگا، تو منکرین فوراً بول اٹھیں گے کہ یہ قرآن جو بعث بعد الموت کی بات کرتا ہے یا جو بات تم کرتے ہو وہ کھلا ہوا جادو ہے، اور ایک قراءت میں (سِحر) کے بجائے ساحِرٌ ہے اور اس کے مصداق نبی ﷺ ہوں گے، اور اگر ہم ان سے متعین عذاب کو کچھ مدت کے لئے ملتوی کر دیتے ہیں تو بطور استہزاء کہنے لگتے ہیں کہ اس عذاب کو آنے سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یاد رکھو جس دن وہ (عذاب) ان پر آپڑے گا تو ٹالے نہ ٹلے گا اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہی ان کو آگھیرے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: تكفل به فضلاً منه یہ اضافہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے کہ اِلَّا علی اللّٰه رزقها سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر رزق رسانی واجب ہے، حالانکہ وجوب اللہ پر محال ہے۔

جَوَابُ: کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق کے لئے رزق رسانی کا اللہ پر لزوم وجوباً نہیں ہے بلکہ محض فضلاً وشفقةً ہے۔

قَوْلُهُ: كل مِمَّا ذكرَ اس میں اشارہ ہے کہ كلٌّ، کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔

قَوْلُهُ: بَيِّنٌ، مبين کی تفسیر بَيِّنٌ سے کرکے اشارہ کر دیا کہ متعدی بمعنی لازم ہے۔

قَوْلُهُ: جماعة اوقاتٍ اس میں اشارہ ہے کہ اُمَّة سے مراد لوگوں کی جماعت نہیں ہے بلکہ اس سے اوقات کا محدود مجموعہ مراد ہے، اُمة اصل میں لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں ای طائفة من الناس، یہاں طائفة من الازمنة مراد ہے جیسا کہ شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے لفظ اوقات کا اضافہ کرکے اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلُهُ: معدودة، معدودة سے مراد قليلة ہے اس لئے کہ حصر بالعدد قلت پر دلالت کرتا ہے۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

پچھلی آیات میں حق تعالیٰ کے علم محیط کا ذکر تھا جس سے کائنات کا کوئی ذرہ اور دلوں کا کوئی راز بھی پوشیدہ نہیں، تو بھلا وہ جانداروں کو ان کی روزی کے معاملہ میں کیسے فراموش کرسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جانداروں کی روزی کی کفالت اپنے ذمہ محض اپنے فضل سے لے لی ہے اللہ تعالیٰ پر کسی کی طرف سے نہ کوئی شئ واجب ہے اور نہ کسی کا دباؤ، اور روزی رسانی کا انتظام اسی وقت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر جاندار کا مقام ومستقر معلوم ہو ورنہ روزی رسانی کا نظام ممکن ہی نہیں ہوسکتا، تو کفار کے یہ ارادے کہ اپنے کسی کام کو اللہ تعالیٰ سے چھپالیں جہالت اور بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں۔

رزق سے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب:

سَوَال: یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب روزی رسانی کی ذمہ داری اللہ رب العلمین کی ہے تو پھر ہزار ہا جاندار بھوک اور پیاس سے کیوں مرجاتے ہیں؟

جَوَاب: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کی موت کے اسباب اپنے علم ازلی کے مطابق متعین فرمادیئے کہ فلاں مرض کی وجہ سے مرے گا اور فلاں جل کر مرے گا اور فلاں ڈوب کر مرے گا اور فلاں قتل ہوکر مرے گا ایسے ہی اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ بھوک سے مرے گا اسی سبب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی روزی بند کردی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدانخواستہ اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں کوئی کمی آگئی ہے یا اس کے یہاں غذائی اسٹاک ختم ہوگیا ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

آیت میں ''مستقر'' اور ''مستودع'' کے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں ان کی تعریف میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک منتہائے سیر کا نام مستقر ہے اور جس کو ٹھکانہ بنائے وہ مستودع ہے اور بعض کے نزدیک رحم مادر مستقر اور صلب پدر مستودع ہے، اور بعض کے نزدیک انسان یا حیوان جہاں بود و باش رکھتا ہے وہ مستقر ہے اور جہاں مرنے کے بعد دفن ہوگا وہ مستودع ہے (ابن کثیر) بہر حال جو معنی بھی لئے جائیں مفہوم واضح ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کا مستقر ومستودع معلوم ہے اس لئے وہ ہر ایک کو روزی پہنچانے پر قادر ہے۔

اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں:

علی اللہ رزقھا، اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کی روزی رسانی کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی ہے لہٰذا اب نہ کچھ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اسباب اختیار کرنے کی ضرورت، اسلئے کہ شریعت اسلامی کی تعلیم ترک اسباب کی نہیں ہے اور نہ اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسباب کو اگر اس اعتقاد کے ساتھ اختیار کیا جائے کہ مسبب الاسباب اللہ ہی ہے اور یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ بغیر اسباب کے رزق حاصل ہو ہی نہیں سکتا، تو یہ توکل کے منافی نہیں ہے، بلکہ اس عالم میں اسبابِ ظاہری کی پوری رعایت کر کے پھر توکل کیا جائے، عارف رومی نے اپنی مثنوی میں توکل کے صحیح طریقہ کی ایک حکایت بیان کی ہے۔

حکایت: بیان فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی آپ کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا، آپ نے دریافت فرمایا اونٹنی کو کیا کیا؟ اس نے کہا خدا کے توکل پر یوں ہی چھوڑ دیا ہے، آپ نے فرمایا اسے باندھ دو اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔

گفت پیغمبر بآواز بلند بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

وھو الذی خَلَقَ السمٰوٰت و الارض فی ستة ایام و کان عرشه علی الماء، اس آیت میں حق تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت ظاہرہ کا ایک اور مظہر ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا اور ان چیزوں کے پیدا کرنے سے پہلے عرش رحمان پانی پر تھا، آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے ان کے چھ دن میں پیدا کرنے کی تفصیل سورۂ حٰمٓ سجدہ میں اس طرح آئی ہے کہ دو دن میں زمین بنائی گئی اور دو دن میں زمین کے پہاڑ دریا درخت اور جانداروں کی غذا پیدا فرمائی اور دو دن میں سات آسمان بنائے۔

کائنات کو چھ دن میں پیدا کرنے کا مطلب:

تفسیر مظہری میں ہے کہ آسمان سے مراد تمام علویات ہیں اور زمین سے مراد تمام سفلیات ہیں اور دن سے مراد وقت کی وہ مقدار ہے جو آسمان و زمین میں پیدا کرنے کے بعد آفتاب کے طلوع و غروب تک ہوتا ہے، اگرچہ آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت نہ آفتاب تھا اور نہ اس کا طلوع و غروب۔

حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ میں یہ بھی تھا کہ ان تمام کو ایک دن میں پیدا کر دے مگر اس نے اپنی حکمت سے اس عالم کے نظام کو تدریجی بنایا ہے جو انسانی مزاج کے مناسب ہے، اس آیت کے آخر میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کا مقصد بیان فرمایا ہے، لِیَبْلُوَکم ایکم اَحْسَنُ عملاً، یعنی یہ سب چیزیں اس لئے پیدا کی گئیں کہ ہم تمہارا امتحان لیں کہ کون تم میں سے زیادہ اچھا عمل کرتا ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش مقصود بالذات نہیں تھی بلکہ اس کو عمل کرنے والے انسان کے لئے بنایا گیا تاکہ وہ ان چیزوں سے اپنے معاش کا فائدہ بھی حاصل کریں، اور ان میں غور و فکر کر کے اپنے رب حقیقی کو بھی پہچانیں۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرتا ہے بلکہ فرمایا کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے اچھا عمل وہ ہوتا ہے جو رضائے الٰہی کے لئے ہو اور یہ کہ سنت کے مطابق ہو اگر مذکورہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں گی تو وہ اچھا عمل نہیں رہے گا چاہے وہ کتنا بھی زیادہ عمل کیوں نہ ہو اللہ کے یہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

کان عرشهٗ علی الماء، یہ جملہ معترضہ ہے جو اس سوال کا جواب ہو سکتا ہے کہ آسمان اور زمین جب نہیں تھے تو اس وقت کیا تھا؟ اس سوال کا جواب مختصر انداز میں یہ دیا گیا کہ پہلے پانی تھا، نہیں کہا جا سکتا کہ پانی سے کیا مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ موجودہ عالم کو پیدا کرنے سے پہلے عالم آب تھا اور اسی پر اللہ تعالیٰ کی حکومت تھی عرش کے پانی پر ہونے کا مطلب اس کی حکومت کا پانی پر ہونا ہے۔ (ماجدی)

وَحَاقَ بهم ما كانوا به يَستهزءون، یہاں استعجال یعنی جلدی طلب کرنے کو استہزاء سے تعبیر کیا گیا ہے، کہ وہ استعجال بطور استہزاء ہی ہوتا تھا یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاخیر پر انسان کو غفلت میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے اس کی گرفت کسی وقت بھی آسکتی ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ الكافرَ **مِنَّا رَحْمَةً** غنًى وصحةً **ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ** قنوطٌ من رحمةِ اللهِ **كَفُوْرٌ** ⑨ شديدُ الكفرِ به **وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ** فقرٍ وشدةٍ **مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ** المصائبُ **عَنِّیْ** ولم يتوقَّعْ زوالَها ولا يشكُرُ عليها **اِنَّهٗ لَفَرِحٌ** فرحٌ بطرٌ **فَخُوْرٌ** ⑩ على الناسِ بما أُوتِيَ **اِلَّا** لكن **الَّذِيْنَ صَبَرُوْا** على الضراءِ **وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** في النعماءِ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ** ⑪ هو الجنةُ **فَلَعَلَّكَ** يا محمدُ **تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ** فلا تُبلِّغُهم اياهُ لتهاوُنِهم به **وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ** بتلاوتِه عليهم لاجلِ **اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ** بلا **اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ** يصدِّقُه كما اقترحْنا **اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ** فلا عليكَ الا البلاغُ لا الاتيانُ بما اقترحُوه **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ** ⑫ حفيظٌ فيُجازيهم **اَمْ** بل أ **يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ** اى القرانَ **قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ** في الفصاحةِ والبلاغةِ **مُفْتَرَيٰتٍ** فانكم عربيّون فُصحاءُ مِثلِي تحدَّاهم بها اولاً ثم بسورةٍ **وَّادْعُوْا** للمعاونةِ على ذلكَ **مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غيره **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ⑬ في انَّهُ افتراه **فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ** اى مَن دَعوتُموهم للمُعاونةِ **فَاعْلَمُوْٓا** خطابٌ للمشركينَ **اَنَّمَآ اُنْزِلَ** متلبسًا **بِعِلْمِ اللّٰهِ** وليسَ افتراءً عليه **وَاَنْ** مخففةٌ اى انَّهُ **لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ** ⑭ بعدَ هذهِ الحجةِ القاطعةِ اى اسلِمُوا **مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا** بانْ اصرَّ على الشركِ وقيل هي في المرائين **نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ** اى جزاءَ ما عمِلُوه من خيرٍ كصدقةٍ وصلةِ رحمٍ **فِيْهَا** بان نُوسِعَ عليهم رزقَهم **وَهُمْ فِيْهَا** اى الدنيا

لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ ينقصون شيئًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ بطل مَا صَنَعُوْا فِيْهَا اى الآخرةِ فلا ثوابَ لهم وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ بيانٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وهو النبيُّ صلى الله عليه وسلم او المؤمنون وهى القراٰنُ وَيَتْلُوْهُ يَتبعه شَاهِدٌ يُصَدِّقهُ مِّنْهُ اى من اللهِ وهو جبرئيلُ وَمِنْ قَبْلِهٖ اى القراٰنِ كِتٰبُ مُوْسٰٓى التوراةُ شاهدٌ له ايضًا اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۚ حالٌ كمَنْ ليس كذلك لا اُولٰٓئِكَ اى من كان على بينةٍ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ فلهُمُ الجنةُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ جميع الكفار فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ شكٍ مِّنْهُ من القراٰن اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اى اهلَ مكةَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ اى لا احدَ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ بنسبةِ الشريكِ والولدِ اليه اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ يومَ القيمةِ فى جملةِ الخَلقِ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ جمع شاهد وهم الملائكةُ يشهدون للرسل بالبلاغ وعلى الكفار بالتكذيبِ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ المشركينَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دينِ الاسلام وَيَبْغُوْنَهَا يطلبونَ السبيلَ عِوَجًا ۭ معوَّجة وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ تاكيدٌ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ اللهَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيره مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ انصارٍ يمنعونهم عذابه يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ باضلالِهم غيرَهُم مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ للحق وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اى لفرطِ كراهتِهم له كانَّهم لم يستطيعُوا ذلك اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ لمصيرِهم الى النار المؤبدةِ عليهم وَضَلَّ غابَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ على اللهِ مِن دعوى الشرِكِ لَا جَرَمَ حقًا اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا سكَنُوا واطمأنُّوا وَأَنابُوا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ صفةُ الْفَرِيْقَيْنِ الكفار والمؤمنين كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ هذا مثلُ الكافرِ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هذا مثلُ المؤمنِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ لا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فيه ادغامُ التاءِ فى الاصلِ فى الذالِ تتعظون.

وقف لازم

ع ۲

ترجمہ: اور اگر ہم کافر انسان کو اپنی رحمت (مثلاً) مالداری اور صحت سے نوازنے کے بعد اس کو رحمت سے محروم کردیتے ہیں تو وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہوکر اس رحمت کی بے حد ناشکری کرنے لگتا ہے، اور اگر اس مصیبت کے بعد جو اس پر آپڑی تھی (مثلاً) فقر اور سختی، ہم اس کو نعمتوں کا مزا چکھا دیتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرے سب دکھ دور ہوگئے اور ان نعمتوں کے زوال کا خیال بھی نہیں کرتا اور نہ ان پر شکر ادا کرتا ہے (اور) وہ اترانے لگتا ہے اور جو کچھ اس کو دیا گیا ہے اس کی وجہ سے لوگوں پر شیخی بگھارنے لگتا ہے، مگر جو لوگ مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں میں نیک عمل کرتے ہیں یہی ہیں وہ لوگ ہیں کہ جن کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے وہ جنت ہے، تو اے محمد ایسا نہ ہو کہ قرآن سے ان کی بے توجہی کی وجہ سے اس وحی کے کچھ حصے کو جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے ان تک پہنچانے کو چھوڑ دیں اور آپ ان کو قرآن سنانے سے ان کی اس بات کی وجہ سے تنگ

دل ہوتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ کس لئے ان پر ہماری تجویز کے مطابق خزانہ نازل نہیں کیا گیا یا کس لئے ان کے ساتھ فرشتہ نہیں آیا جو ان کی تصدیق کرتا، آپ تو صرف آگاہ کرنے والے ہیں آپ کی ذمہ داری تو صرف پہنچا دینا ہے نہ کہ وہ سب کچھ کر دکھانا جس کا انہوں نے مطالبہ کیا ہے اور اللہ ہر شئ پر پورا اختیار رکھنے والا ہے تو وہ ان کو سزا دے گا کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن خود گھڑ لیا ہے تو (جواب میں) آپ کہئے کہ تم بھی فصاحت و بلاغت میں میرے جیسے فصیح عرب ہو لہٰذا اس کے جیسی دس سورتیں گھڑ کر لے آؤ، اولاً ان کو دس سورتوں سے چیلنج دیا (اور) پھر ایک سورت سے۔ اور اس کام میں مدد کے لئے اللہ کے سوا جس کو تم بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ اس کو اس نے خود گھڑ لیا ہے۔ پس اگر وہ غیر جن کو تم نے مدد کے لئے پکارا ہے تمہاری پکار کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو خطاب مشرکوں کو ہے کہ یہ (قرآن) خدا ہی کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے اور اس پر افتراء نہیں ہے اور یہ بھی یقین کر لو أنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو کیا تم اس حجت قاطعہ کے بعد بھی مسلمان ہوتے ہو؟ یعنی مسلمان ہو جاؤ، جس شخص نے دنیوی زندگی اور اس کی رونق ہی کو مقصد بنا لیا ہے بایں طور کہ اس نے شرک پر اصرار کیا، اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت ریا کاروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو ہم ان کے اعمال خیر مثلاً صدقہ اور صلہ رحمی کا صلہ (دنیا ہی میں) پورا پورا دیتے ہیں بایں طور کہ ہم ان کے رزق میں وسعت کر دیتے ہیں اور دنیا میں ان کے صلہ میں کچھ کمی نہیں کی جاتی (سو) یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں نار جہنم کے سوا کچھ نہیں، اور جو کچھ انہوں نے عمل خیر کیا آخرت میں سب ضائع ہوگا تو ان کو کچھ اجر نہ ملے گا اور جو (عمل خیر) وہ کرتے رہے ہیں سب باطل ہو جائیگا، کیا وہ شخص جو اپنے رب کی جانب سے دلیل پر ہو اور وہ (دلیل) قرآن ہے اور وہ شخص نبی ﷺ یا مومنین ہیں اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف سے شاہد بھی ہو کہ جو اس کی تصدیق کرتا ہو اور وہ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام ہیں اور قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی کتاب تورات بھی اس کی شاہد ہے، حال یہ ہے کہ وہ پیشوا اور رحمت ہے اس شخص کے برابر جو ایسا نہیں ہے، ہو سکتا ہے؟ نہیں ہو سکتا اور یہی لوگ جو دلیل پر ہیں قرآن پر ایمان رکھتے ہیں تو ان کے لئے جنت ہے اور تمام کفار میں سے جو فریق بھی اس کا منکر ہوگا تو اس کے لئے جس جگہ کا وعدہ ہے وہ دوزخ ہے تو قرآن کے بارے میں کسی شک میں نہ رہ بالیقین قرآن تیرے رب کی جانب سے سراسر حق ہے لیکن اکثر لوگ (یعنی) اہل مکہ یقین کرنے والے نہیں ہیں اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا کہ جو اللہ کی طرف شریک اور ولد کی نسبت کر کے اللہ پر جھوٹا بہتان لگاتا ہے؟ کوئی نہیں ہوگا ایسے لوگ منجملہ دیگر لوگوں کے قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے پیش کئے جائیں گے (اشھاد) شاھد کی جمع ہے مراد فرشتے ہیں رسولوں کے بارے میں پیغام رسانی کی اور کفار کے بارے میں جھٹلانے کی گواہی دیں گے گواہ کہیں گے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھوٹی باتیں کہی تھیں، سب سن لو ایسے ظالموں مشرکوں پر اللہ کی لعنت ہے جو اللہ کے راستے سے دین اسلام سے روکتے تھے اور ٹیڑھے راستہ کی جستجو میں لگے رہتے تھے اور یہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے، ھُمْ سابق ھم کی تاکید ہے یہ لوگ روئے زمین پر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے تھے اور نہ کوئی غیر اللہ ان کا مددگار ہوگا جو ان سے اللہ کے عذاب کو دفع کر سکے، دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے ایسوں کو دوگنی سزا ہوگی یہ لوگ

نفرت کی وجہ سے نہ حق بات سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے اس سے شدید کراہت کی وجہ سے گویا کہ ان میں اس کی طاقت ہی نہیں تھی یہ وہ لوگ ہیں جو دائمی آگ کی طرف لوٹنے کی وجہ سے خود کو برباد کر بیٹھے اللہ پر جو دعوائے شریک گھڑا تھا سب بھول جائیں گے یقینی بات ہے کہ آخرت میں یہی لوگ سب سے زیادہ خسارہ میں ہوں گے، بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور (دل سے) اپنے رب کی جانب جھکے اور ان کو اطمینان ہوا اور (اسکی طرف) رجوع کیا، ایسے لوگ اہل جنت ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے دونوں فریقوں یعنی کافروں اور مومنوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک شخص اندھا اور بہرا ہو یہ مثال کافر کی ہے اور ایک شخص ایسا ہو کہ جو دیکھتا بھی ہو اور سنتا بھی ہو یہ مثال مومن کی ہے، کیا دونوں شخص حالت میں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہو سکتے، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ اس میں اصل میں تاء کا ذال میں ادغام، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنسَانَ مِنَّا رحمةً (الآیة) لَئِنْ میں لام قسمیہ ہے، اَنَّہٗ لَیَئُوسٌ کفور، جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف ہے مِنّا حال ہے رحمةً اَذَقْنا کا مفعول ثانی ہے، مِنّا اصل میں رحمةً کی صفت ہے مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہوگئی۔

قَوْلُہٗ: لیئوس اور کفورٌ، یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور یہ دونوں اِنَّ کی خبریں ہیں۔

قَوْلُہٗ: الکافر، اس میں اشارہ ہے کہ الانسان میں الف لام عہد کا ہے۔

قَوْلُہٗ: شدید الکفر بہ یہ کفور کے صیغۂ مبالغہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ولم یتوقع زوَالَھا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذَھَبَ السیئات میں مصائب کے صرف ختم ہونے ہی کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ قائل نے ان مصائب کے عدم عود کا ارادہ کیا ہے، یعنی اب حاصل شدہ نعمتوں کے زوال کا اندیشہ نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: لکن اِلّا کی تفسیر لکن سے کرکے اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اسلئے کہ لئن اَذقنا الانسانَ میں انسان سے مراد انسان کافر ہے لہٰذا الّذینَ صبروا اس میں داخل نہ ہوں گے۔

قَوْلُہٗ: بیانٌ، بیّنة کی تفسیر بیانٌ سے کرکے ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سَوَال: اللہ تعالیٰ کے قول یتلوہ کی ضمیر بینة کی طرف راجع ہے ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ بینة معنیٰ میں بیان کے ہے۔

قَوْلُہٗ: ھو النبی ﷺ اوالمؤمنون یہ مَنْ کانَ علی بَیِّنَةٍ میں مَنْ کے مصداق کی وضاحت ہے مَن کے مصداق میں دو احتمال ہیں ایک تو آپ ﷺ اور دوسرا مؤمنون اور وھی القرآن، بینة کے مصداق کا بیان ہے۔

قولہ: حَالٌ، ای هما حالان من کتابِ موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام.

قولہ: کمن لیسَ کذلك، مفسر علام نے اس جملہ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ اَفَمَنْ کانَ الخ مبتداء کی خبر محذوف ہے اور وہ کمنْ لیسَ کذلك ہے۔

قولہ: لا اس میں اشارہ ہے کہ اَفَمَنْ کان علی بینة میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔

قولہ: یَطلبُون السبیل یہ اس سوال کا جواب ہے کہ یَبْغونها کی ضمیر سبیل کی طرف لوٹ رہی ہے حالانکہ ضمیر مؤنث ہے اور سبیل مذکر ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ لفظ سبیل مذکر اور مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے۔

تفسیر و تشریح

وَلَئِنْ اَذقنَا الْانسَانَ (الآیة) پہلی اور دوسری آیت میں بشری طبیعت اور ایک طبعی عادت قبیحہ کا ذکر ہے، اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کی ہدایت ہے، ارشاد ربانی ہے کہ اگر ہم انسان کو کوئی نعمت چکھا دیتے ہیں اور پھر اس سے واپس لے لیتے ہیں تو نا امید اور ناشکرا ہو جاتا ہے، اور اگر کسی تکلیف کے بعد کسی نعمت کا مزا چکھا دیتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرے سب دکھ درد دور ہوگئے، اور وہ اترانے اور دوسروں پر فوقیت جتانے اور شیخی بگھارنے لگتا ہے مطلب یہ کہ انسان فطرۃ عجلت پسند اور رزو درنج واقع ہوا ہے گذشتہ پر ناشکری اور آئندہ سے مایوسی یہی اسکی زندگی کا حاصل ہے، اگر خدا چند روز اپنی مہربانی سے عیش و آرام میں رکھنے کے بعد کسی تکلیف سے دوچار کر دیتا ہے تو پچھلی مہربانیاں بھی بھلا دیتا ہے اور ناامید ہو کر آئندہ کے لئے آس توڑ بیٹھتا ہے۔

اِلا الذین صَبَروا وعملو الصّلحٰت (الآیة) اوپر جو عام لوگوں کا حال بیان ہوا ہے اس سے اللہ کے وہ بندے مستثنیٰ ہیں جو تکلیف و مصیبت کا مقابلہ صبر و استقامت سے کرتے ہیں اور امن و راحت کے وقت شکرگذاری کے ساتھ عمل صالح میں مستعدی سے لگے رہتے ہیں، مذکورہ صفات کے حاملین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کی خطائیں بخشدی جائیں گی اور ان کو ان کے اعمال کا بڑا اجر ملے گا۔

شان نزول:

فَلَعلَّكَ تارِكٌ بعض مایوحیٰ اِلیكَ یہ آیت ایک واقعہ میں نازل ہوئی ہے واقعہ یہ تھا کہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کے سامنے مختلف قسم کی فرمائشیں پیش کیں جن میں ایک یہ کہ اس قرآن میں چونکہ ہمارے بتوں کو برا کہا گیا ہے اس لئے ہم اس پر ایمان نہیں لا سکتے اسلئے آپ یا تو کوئی دوسرا قرآن لائیں یا اسی میں ترمیم کر کے ہمارے بتوں کی مذمت نکال دیں، "اِئْتِ بقرآن غیر هذا او بدّلهُ".

دوسرے یہ کہ ہم آپ کے رسول ہونے پر جب یقین کریں گے کہ یا تو دنیا کے بادشاہوں کی طرح آپ پر کوئی خزانہ نازل ہو جائے جس سے سب لوگ استفادہ کریں، یا پھر کوئی فرشتہ آسمان سے آجائے وہ آپ کے ساتھ یہ تصدیق کرتا پھرے کہ بے شک

یہ اللہ کے رسول ہیں۔

رسول اللہ ﷺ ان کی بیہودہ فرمائشوں سے بہت دل تنگ ہوتے تھے اسلئے کہ یہ فرمائشیں محض بے عقلی پر مبنی تھیں، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دل جوئی اور تسلی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی جس میں کہا گیا ہے کہ کچھ باتیں جو آپ کی جانب وحی کی گئی ہیں اور وہ مشرکین کو گراں گذرتی ہیں، ممکن ہے کہ آپ وہ باتیں انھیں سنانا پسند نہ کریں آپ کا کام صرف انذار و تبلیغ ہے وہ آپ ہر صورت میں کئے جائیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي أي بأنّي وفي قراءة بالكسر على حذف القول **لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ** ﴿٢٥﴾ بيّن الانذار **أَن** أي بأن **لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ** إن عبدتم غيره **عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ** ﴿٢٦﴾ مؤلم في الدنيا والآخرة **فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ** وهم الاشراف **مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا** ولا فضل لك علينا **وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا** أسافلنا كالحاكة والاساكفة **بَادِيَ الرَّأْيِ** بالهمزة وتركه أي ابتداءً من غير تفكر فيك ونصبه على الظرف أي وقت حدوث أول رأيهم **وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ** فتستحقون به الاتباع منّا **بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ** ﴿٢٧﴾ في دعوى الرسالة ادرجوا قومه معه في الخطاب **قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ** اخبروني **إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ** بيان **مِّن رَّبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً** نبوة **مِّنْ عِندِهِ فَعُمِّيَتْ** خفيت **عَلَيْكُمْ** وفي قراءة بتشديد الميم والبناء للمفعول **أَنُلْزِمُكُمُوهَا** أنجبركم على قبولها **وَأَنتُمْ لَهَا كَارِهُونَ** ﴿٢٨﴾ لا نقدر على ذلك **وَيَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ** على تبليغ الرسالة **مَالًا** تعطونيه **إِنْ** ما **أَجْرِيَ** ثوابي **إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا** كما أمرتموني **إِنَّهُم مُّلَاقُو رَبِّهِمْ** بالبعث فيجازيهم ويأخذ لهم ممّن ظلمهم وطردهم **وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ** ﴿٢٩﴾ عاقبة أمركم **وَيَا قَوْمِ مَن يَنصُرُنِي** يمنعني **مِنَ اللَّهِ** أي عذابه **إِن طَرَدتُّهُمْ** أي لا ناصر لي **أَفَلَا** فهلّا **تَذَكَّرُونَ** ﴿٣٠﴾ بادغام التاء الثانية في الاصل في الذال تتعظون **وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ** بل انا بشر مثلكم **وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي** تحتقر **أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنفُسِهِمْ** قلوبهم **إِنِّي إِذًا** ان قلت ذلك **لَّمِنَ الظَّالِمِينَ** ﴿٣١﴾ **قَالُوا يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا** خاصمتنا **فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا** به من العذاب **إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ** ﴿٣٢﴾ فيه **قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُم بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ** تعجيله لكم فإنّ أمره اليه لا اليّ **وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ** ﴿٣٣﴾ بفائتين الله **وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ** أي إغوائكم وجواب الشرط دلّ عليه فلا ينفعكم نصحي **هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ** ﴿٣٤﴾ قال تعالى **أَمْ** بل **يَقُولُونَ** أي كفار مكة **افْتَرَاهُ** اختلق محمد القرآن **قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي** أي عقوبته **وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ** ﴿٣٥﴾ من اجرامكم في نسبة

الافتراءِ اِلیّ۔

ترجمہ: یقیناً ہم نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کی طرف واضح طور پر آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا (اَنِّی) اصل میں بِاَنّی ہے اور ایک قراءت میں حذف قول کے وجہ سے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ کہ تم خدا کے علاوہ کسی کی بندگی نہ کرو، اگر تم نے غیر اللہ کی بندگی کی تو مجھے تم پر دنیا اور آخرت میں دردناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، اس کی کافر قوم کے سرداروں نے کہا اور وہ شرفاءِ قوم تھے، ہم تجھے اپنے جیسا انسان سمجھتے ہیں تجھے ہم پر کوئی فضیلت (فوقیت) حاصل نہیں، اور تیری اتباع کرنے والوں کو بھی دیکھتے ہیں کہ وہ ہماری قوم کے نیچ لوگ ہیں جیسا کہ جلاہے اور موچی، جو سطحی رائے والے ہیں، (اَلرّای) ہمزہ اور ترک ہمزہ کے ساتھ ہے، یعنی تیرے بارے میں بغیر سوچے سمجھے عمل کرنے والے ہیں، اور (بَادِیَ) کا نصب ظرفیت کی بنا پر ہے، یعنی پہلے ظاہر ہونے والی رائے پر (بغیر غور و فکر) عمل کرنے والے، اور ہم تو اپنے اوپر تمہاری کسی قسم کی برتری نہیں سمجھتے کہ جس کی وجہ سے تم ہماری اطاعت کے مستحق ہو، بلکہ ہم تو تم کو دعوائے رسالت میں جھوٹا سمجھتے ہیں خطاب میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کو بھی شامل کر لیا ہے (ورنہ **نظنکم** کے بجائے **نظنكَ** ہوتا) نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو تم مجھے بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل پر ہوا اور اس نے مجھے اپنے فضل سے رحمت (یعنی) نبوت عطا کی اور تم پر وہ مخفی رہی، اور ایک قراءت میں (عُمِّیَتْ) میم کی تشدید اور مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے، کیا میں اس رحمت کو زبردستی تمہارے سر منڈھ سکتا ہوں؟ یعنی کیا میں اس کو قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہوں؟ حال یہ کہ تم اس رحمت کو ناپسند کرتے ہو، ہم اس پر قادر نہیں ہیں، اور اے میری قوم کے لوگو میں اس پیغام رسانی پر تم سے مال کا مطالبہ نہیں کرتا کہ جس کو تم مجھے دیتے ہو، میرا اجر و ثواب تو اللہ پر ہے اور نہ میں تمہارے کہنے کے مطابق ایمان لانے والوں کو (اپنے پاس سے) نکال سکتا ہوں انھیں دوبارہ زندہ ہو کر اپنے رب سے ملنا ہے وہ ان کو جزاء دے گا اور ان لوگوں سے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہوگا اور ان کو دھتکارا ہوگا بدلہ لے گا، لیکن تم کو اپنے انجام سے بے خبر لوگ سمجھتا ہوں، اور اے میری قوم کے لوگو اگر میں ان کو (اپنے پاس سے) نکال دوں تو مجھے اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا؟ یعنی میرا کوئی بچانے والا نہیں ہوگا، تم کس لئے نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ تاء ثانیہ کو اصل میں ذال میں ادغام کر کے بمعنی تتعظون، اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں عالم الغیب ہوں، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں بلکہ میں تو تمہارے جیسا بشر ہوں، اور میں ان لوگوں کے بارے میں جن کو تم حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ ان کو اجر نہ دے گا، جو کچھ ان کے دل میں ہے، اللہ اس کو خوب جانتا ہے، اگر میں ایسا کہوں تو میں بلاشبہ ظالموں میں شمار ہوں گا، (قوم کے لوگوں نے) کہا اے نوح تو نے ہم سے بحث کر لی اور خوب بحث کر لی، اب تو جس عذاب کی ہم کو دھمکی دیتا ہے وہ عذاب ہمارے پاس لے آ اگر تو اس دھمکانے میں سچا ہے، (حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) جواب دیا اسے اللہ ہی لائیگا اگر اس کو تمہارے اوپر جلدی لانا چاہے گا اس کا اختیار اسی کے پاس

ہے نہ کہ میرے پاس، تم اللہ سے بچ کر نہیں نکل سکتے تمہیں میری نصیحت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اگر اللہ کو تمہاری گمراہی مقصود ہو، گو میں تم کو کتنی ہی نصیحت کروں، اور جواب شرط (محذوف ہے) جس پر لا ینفعکم نصحی، دلالت کر رہا ہے، وہی تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا کفار مکہ کہتے ہیں کہ قرآن محمد ﷺ نے از خود تصنیف کرلیا ہے (اے محمد) کہہ دو کہ اگر اس قرآن کو میں نے از خود تصنیف کیا ہے تو اس کا جرم یعنی اسکی سزا میرے اوپر ہے اور میری طرف تصنیف کی نسبت کر کے جو جرم تم کرتے ہو میں اس سے بری ہوں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: فیه اِدغام التاء الخ، یعنی تذکّرُونَ باب تفعّل سے ہے نہ کہ تفعیل سے۔

قَوْلَہٗ: بیّن الانذار، مبین کی تفسیر بیّن سے کرکے اشارہ کر دیا کہ مبین یہاں لازم ہے۔

قَوْلَہٗ: عذابَ یوم الیم، یوم کی صفت اَلیمٌ کے ساتھ اسناد مجازی کے طور پر ہے علاقۂ ظرفیت کی وجہ سے۔

قَوْلَہٗ: کالحاکةِ یہ حائك کی جمع ہے، بمعنی جلاہا۔

قَوْلَہٗ: اَساکفة یہ اِسکافٌ کی جمع ہے بمعنی موچی، کفش دوز۔

قَوْلَہٗ: بالھمزۃ وترکه، یعنی ہمزہ کو باقی رکھ کر (الرأی) اور ہمزہ کو ساقط کر کے (الرای).

قَوْلَہٗ: ابتداء الخ اس میں اشارہ ہے کہ بادی بَدَأَ سے ہے بمعنی ابتداء نہ کہ بدوٌّ سے جو کہ بمعنی ظہور ہے۔

قَوْلَہٗ: نصبُهٗ علی الظرفیة، یعنی بادِیَ، اِتبعَكَ کا ظرف ہے۔

قَوْلَہٗ: وقت حدوث اولِ رایھم، وقت مضاف محذوف مان کر ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ ظرف یا تو زمان ہوتا ہے یا مکان اور بادی نہ زمان اور نہ مکان۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ بادی سے پہلے وقت محذوف ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلَہٗ: ادرجوا قومَه معه یہ اس سوال کا جواب ہے کہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام تو فرد واحد تھے پھر ان کے لئے نظنکم، جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ کذب کی نسبت میں حضرت نوح کے ساتھ ان پر ایمان لانے والوں کو بھی شریک کرلیا اسی وجہ سے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

قَوْلَہٗ: وَالبناء للمفعول ای اُخْفِیَتْ.

قَوْلَہٗ: علی تبلیغ الرسالةِ اس اضافہ کا مقصد عَلَیهِ کی ضمیر کا مرجع بیان کرنا ہے۔

سَوَال: ماقبل میں تبلیغ الرسالہ کا کہیں ذکر نہیں ہے لہٰذا اس میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ تبلیغ رسالت کا ماقبل میں اگرچہ صراحۃً ذکر نہیں ہے مگر فحوائے کلام سے مفہوم ہے لہٰذا اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا۔

قَوْلُہٗ: اِنّی مفسر علام نے اِنّی مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ لا اَعلمُ کا عطف عندی خزائن اللّٰہ پر ہے نہ کہ اقول پر اسلئے مراد، اِنی لا اقولُ لك أنی اعلم الغیب ہے۔

قَوْلُہٗ: تزدری، اِزدراء (افتعال) یہ زری یزری سے مشتق ہے اس کے معنی عیب لگانا زری علیه ای عابهٗ اس کی اصل تزتری تھی تاء کو دال سے بدل دیا۔

قَوْلُہٗ: به اس میں اشارہ ہے کہ ما موصولہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: اِغوائکم اس میں اشارہ ہے کہ أن یغویکم میں أن مصدریہ ہے۔

قَوْلُہٗ: وجواب الشرط دَلَّ علیه، ولاینفعکم نصحی، ثانی شرط یعنی ان کان اللّٰہ الخ کا جواب محذوف ہے جس پر ولا ینفعکم دلالت کر رہا ہے، اور ثانی شرط اپنے جواب شرط سے مل کر اول شرط یعنی ان اردتُ الخ کا جواب ہے اور یہ ترکیب بصریین کے مذہب کے مطابق ہے اور کوفیین کے نزدیک اول شرط کی جزاء" ولا ینفعکم مقدم ہے اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی، "ان کان اللّٰہ یُرید أن یغویکم فانْ اردتُ أن أنصح لکم فلا ینفعکم نصحی" اور یہ ترکیب اس وجہ سے ہے کہ جب دو شرطیں اور ایک جواب جمع ہو جائیں تو جواب ثانی شرط کا قرار دیا جاتا ہے اور شرط ثانی اپنے جواب سے مل کر اول شرط کی جزاء ہوتی ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیح

قوم نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے شبہات اور ان کے جوابات:

حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے جب اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دی تو قوم نے ان کی نبوت اور رسالت پر چند شبہات واعتراضات پیش کئے اور حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے جوابات دیئے جن کے ضمن میں بہت سے اصولی اور فروعی مسائل دیانت اور معاشرت کے بھی آگئے ان آیات میں یہی مکالمہ بیان کیا گیا ہے۔

اعتراضات کا خلاصہ:

قوم نوح نے پہلا اعتراض یہ کہہ کر کیا "مَا نَرَاكَ اِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا" یعنی تم تو ہم جیسے انسان ہو ہماری ہی طرح کھاتے پیتے چلتے پھرتے ہو، سوتے جاگتے ہو، فرشتے نہیں ہو بشر ہو اور بشر بھی ایسے کہ تم کو کوئی ہمارے مقابلہ میں امتیازی شان حاصل نہیں ہے مثلاً آپ کوئی دولتمند یا جاہ وحکومت کے مالک ہوتے، اور جو لوگ آپ کے پیرو ہوئے وہ بھی ماشاء اللہ سب کے سب مفلس ونادار رذیل وپست ادنیٰ طبقے کے لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنا بھی ہم جیسے شریفوں کے لئے ننگ وعار کی بات ہے، کیا ساری

خدائی میں خدا کو منصب نبوت و رسالت پر فائز کرنے کیلئے صرف تم ہی ملے تھے، آخر ہم تم سے حسب ونسب، مال و دولت خلق وخُلق کس بات میں کم تھے؟ جو ہمارا انتخاب اس عہدہ کے لئے نہ کیا گیا؟ کم از کم آپ کے پیروکار ہی کچھ مقتدر اور باعزت لوگ ہوتے بھلا ان رذیل اور نیچ لوگوں کا پیرو ہونا آپ کے لئے کیا موجب فضل وشرف ہوسکتا ہے، ایسے سطحی لوگوں کا بے سوچے سمجھے ایمان لے آنا آپ کا کونسا کمال ہے، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی سب جھوٹے ہو بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک نئی بات پیش کی اور چند بے وقوف گھٹیا قسم کے لوگوں نے ہاں میں ہاں ملا دی تاکہ اس طرح ایک نئی تحریک کھڑی کر کے مالی منفعت اور سیاسی فائدہ اٹھایا جا سکے۔ (یہ ہے ان ملعونوں کی تقریر کا خلاصہ)

حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے جوابات کا خلاصہ:

یا قومِ أرأیتم إن کنت علی بینۃٍ من ربّی الخ یہاں سے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے جوابات کی تقریر شروع ہو رہی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول کا بشر ہونا نبوت و رسالت کے منافی نہیں ہے بلکہ اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ انسانوں کے رسول کا انسان ہونا ہی ضروری ہے تاکہ انسان کے لئے اس سے استفادہ آسان ہو، انسان اور فرشتے کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے، اگر فرشتہ کو رسول بنا کر بھیج دیا جاتا تو انسان کے لئے اس سے استفادہ نہایت دشوار ہوتا کیونکہ فرشتہ کو نہ تو بھوک لگتی ہے اور نہ پیاس نہ نیند آتی ہے اور نہ تھکان ہوتی ہے اور نہ اس کو انسانی ضروریات وحوائج پیش آتی ہیں، جس کی وجہ سے اس کو انسانی کمزوری اور ضرورت کا احساس نہیں ہوتا، یہ مضمون قرآن کی دوسری آیتوں میں صراحۃً وکنایۃً آچکا ہے یہاں اس کا ذکر کرتے کے بجائے یہ بتلایا کہ اگر عقل سے کام لو تو رسول کے لئے یہ تو ضروری نہیں کہ وہ بشر نہ ہو البتہ یہ ضروری ہے کہ اللہ کی طرف سے کوئی بینہ اور حجت اس کے پاس ہو، جس کو دیکھ کر لوگوں کو یہ تسلیم کرنا آسان ہو جائے کہ یہ خدا ہی کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے اور بینہ اور حجت عام لوگوں کے لئے انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہوتے ہیں اسی لئے نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ میں اپنے ساتھ بینہ اور حجت اور رحمت لیکر آیا ہوں اگر تم اس کو دیکھتے اور اس میں غور کرتے تو انکار نہ کرتے مگر تمہارے انکار وعناد نے تمہاری نگاہوں کو اس سے اندھا کر دیا کہ تم انکار اور ضد پر جمے رہے۔

مگر خدا کی یہ رحمت پیغمبر کے ذریعہ آتی ہے ایسی چیز نہیں کہ زبردستی لوگوں کے سر ڈال دی جائے جب تک وہ خود اس کی طرف رغبت نہ کریں، اس میں اشارہ پایا گیا کہ دولتِ ایمان کہ جو میں لے کر آیا ہوں اگر میرا بس چلتا تو تمہارے انکار اور ضد کے باوجود تمہیں دے ہی دیتا، مگر یہ قانون قدرت کے خلاف ہے، یہ نعمت زبردستی کسی کے سر نہیں ڈالی جا سکتی، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زبردستی کسی کو مومن ومسلمان بنانا کسی دور نبوت میں جائز نہیں رہا، بزور شمشیر اسلام پھیلانے کا سفید جھوٹ گھڑنے والے خود بھی اس حقیقت سے بے خبر نہیں، مگر ایک بات ہے جو ناواقفوں کے دلوں میں تردد پیدا کرنے کے لئے چلتی کی جاتی ہے۔

اعتراض کا دوسرا جزء:

دوسرا جزء جس کو "وَمَا نراكَ اتبعَكَ اِلا الذين هم اَراذلنا بادیَ الرأی" سے بیان کیا ہے یعنی دیکھئے کہ آپ کی پیروی کرنے والے اور آپ پر ایمان لانے والے سب حقیر و ذلیل لوگ ہیں ان میں کوئی شریف اور بڑا آدمی نظر نہیں آتا۔

ایک مطلب تو اس کا یہ ہے کہ اگر تمہاری بات حق ہوتی تو قوم کے بڑے لوگ اس کو قبول کرتے ان ذلیل اور کمزور لوگوں کا قبول کرنا اس کی علامت ہے کہ آپ کی دعوت ہی قبول کرنے کے لائق نہیں اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے لئے آپ کی دعوتِ ایمان قبول کرنے سے رکاوٹ یہ ہے کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو بحیثیت مسلمان ہم بھی ان کے برابر سمجھے جائیں گے نمازوں کی صفوں اور دوسرے مجالس میں ہمیں ان کے ساتھ ان کے برابر بیٹھنا پڑے گا یہ ہم سے نہیں ہوسکتا۔

تجربہ شاہد ہے کہ جاہ و مال کا ایک نشہ ہوتا ہے جو انسان کو بہت سی معقول اور صحیح باتوں کو قبول کرنے سے روک دیتا ہے، کمزور اور غریب آدمی کے سامنے یہ رکاوٹیں نہیں ہوتیں، یہی وجہ ہے کہ زمانہ قدیم سے عادۃ اللہ یہی رہی ہے کہ پیغمبروں پر اول ایمان لانے والے غرباء اور کمزور طبقے کے لوگ ہی ہوتے ہیں، اور پچھلی آسمانی کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں، اسی وجہ سے جب ہرقل بادشاہ روم کے پاس آنحضرت ﷺ کا دعوتی نامۂ مبارک پہنچا تو اس کو یہ فکر ہوئی کہ معاملہ کی تحقیق کرے چونکہ وہ تورات و انجیل میں انبیاء علیہم السلام کی علامات پڑھے ہوئے تھا اسلئے عرب کے جو لوگ جن میں ابوسفیان بھی شامل تھے ملک شام میں آئے ہوئے تھے ان کو اپنے دربار میں بلا کر ان سے مدعی نبوت ﷺ کے بارے میں چند سوالات کئے۔

ان سوالات میں ایک یہ بھی تھا کہ ان کی اتباع کرنے والے قوم کے کمزور طبقہ کے لوگ ہیں یا وہ جو قوم کے بڑے کہلاتے ہیں، ان لوگوں نے بتلایا کہ کمزور اور غریب لوگ ہیں، اس پر ہرقل نے اقرار کیا کہ یہ علامت تو سچے نبی ہونے کی ہے اسلئے کہ انبیاء علیہم السلام کے پیرو اول یہی کمزور اور غریب لوگ ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ غرباء و مساکین کو نیچ اور ذلیل سمجھنا ان کی جہالت تھی حقیقت میں ذلیل و رذیل تو وہ شخص ہے جو اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے کو نہ پہچانے اس کے احکام سے روگردانی کرے۔

یا قوم لا أسئلکم علیه مالاً الخ جب حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح الفاظ میں یہ بات صاف کردی کہ میں اس پیغام رسانی کے عوض تم سے کوئی اجرت و مالی منفعت نہیں چاہتا میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے لہٰذا تمہارے دماغوں میں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ اس دعوائے نبوت سے کہیں ان کا مقصد دنیا کی دولت تو جمع کرنا نہیں ہے تمہاری دولت تم کو مبارک ہو میرا اجر تو اللہ پر ہے۔

وَمَا انا بطارد الذین آمنوا انهم ملقوا رَبِّهِمْ الخ یعنی اللہ اور رسول کے پیروکاروں کو حقیر سمجھنا پھر ان کو قرب نبوت سے دور کرنے کا مطالبہ کرنا یہ تمہاری جہالت ہے یہ لوگ تو اس لائق ہیں کہ انھیں سر آنکھوں پر بٹھایا جائے، نہ یہ کہ دھتکارا جائے۔

وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ تحزن بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ من الشرك فدعا عليهم بقوله رب لا تذر الخ فاجاب الله تعالى دعاءه وقال وَاصْنَعِ الْفُلْكَ السفينة بِأَعْيُنِنَا بمرأى منا وحفظنا وَوَحْيِنَا امرنا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا بترك اهلاكهم إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٣٧﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ حكاية حال ماضية وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ جماعة مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ استهزءوا به قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٨﴾ اذا نجونا وغرقتم فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن موصولة مفعول العلم يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ ينزل عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٩﴾ دائم حَتَّىٰ غاية للصنع إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا باهلاكهم وَفَارَ التَّنُّورُ للخباز بالماء وكان ذلك علامة لنوح قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا في السفينة مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اي ذكر وانثى اي من كل انواعهما اثْنَيْنِ ذكرا وانثى وهو مفعول وفي القصة ان الله حشر لنوح السباع والطير وغيرهما فجعل يضرب بيديه في كل نوع فتقع يده اليمنى على الذكر واليسرى على الانثى فيحملهما في السفينة وَأَهْلَكَ اي زوجته واولاده إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ اي منهم بالاهلاك وهو زوجته وولده كنعان بخلاف سام وحام ويافث فحملهم وزوجاتهم ثلثة وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٤٠﴾ قيل كانوا ستة رجال ونساءهم وقيل جميع من كان في السفينة ثمانون نصفهم رجال ونصفهم نساء وَقَالَ نوح ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا بفتح الميمين وضمهما مصدران اي جريها ورسوها اي منتهى سيرها إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٤١﴾ حيث لم يهلكنا وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ في الارتفاع والعظم وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ كنعان وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ عن السفينة يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ سَآوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي يمنعني مِنَ الْمَاءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ عذابه إِلَّا لكن مَن رَّحِمَ الله فهو المعصوم قال تعالى وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴿٤٣﴾ وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ الذي نبع منك فشربته دون ما نزل من السماء فصار انهارا وبحارا وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي امسكي عن المطر فامسكت وَغِيضَ نقص الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ تم امر هلاك قوم نوح وَاسْتَوَتْ وقفت السفينة عَلَى الْجُودِيِّ جبل بالجزيرة بقرب الموصل وَقِيلَ بُعْدًا هلاكا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٤﴾ الكافرين وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي كنعان مِنْ أَهْلِي وقد وعدتني بنجاتهم وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ الذي لا خلف فيه وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ﴿٤٥﴾ اعلمهم واعدلهم قَالَ تعالى يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ الناجين او من اهل دينك إِنَّهُ سؤالك اياي بنجاته عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فانه كافر ولا نجاة للكافرين وفي قراءة بكسر ميم عمل فعل ونصب غير فالضمير لابنه فَلَا تَسْأَلْنِ بالتخفيف والتشديد مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ من انجاء ابنك إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٤٦﴾ بسؤالك ما لم تعلم قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ من

أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي ما فرط منى وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٤٧﴾ قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ انزل من السفينة بِسَلَامٍ بسلامة او بتحية مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ خيرات عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّن مَّعَكَ في السفينة اى من اولادهم وذريتهم وهم المؤمنون وَأُمَمٌ بالرفع ممن معك سَنُمَتِّعُهُمْ في الدنيا ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٨﴾ في الأخرة وهم الكفار تِلْكَ اى هذه الأيات المتضمنة قصة نوح مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ اخبار ما غاب عنك نُوحِيهَا إِلَيْكَ يا محمد مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا القران فَاصْبِرْ على التبليغ واذى قومك كما صبر نوح إِنَّ الْعَاقِبَةَ المحمودة لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: اور نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ان کے سوا اب کوئی ایمان لانے والا نہیں لہٰذا تم ان کے شرکیہ کرتوتوں پر غم نہ کرو چنانچہ نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے لئے رَبِّ لا تذر الخ کہہ کر بددعاء کردی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بددعاء کو قبول فرمالیا اور حکم دیا کہ ہماری نگرانی اور حفاظت میں ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بناؤ اور دیکھو جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو ہلاک نہ کرنے کے بارے میں مجھ سے کوئی سفارش نہ کرنا یقیناً وہ غرق ہونے والے ہیں (نوح علیہ الصلاۃ والسلام) کشتی بنا رہے تھے یہ حال ماضی کی حکایت ہے اور جب کبھی ان کے پاس سے ان کی قوم کے لوگ گذرتے تو اس کا مذاق اڑاتے (نوح علیہ الصلاۃ والسلام) نے کہا اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو (عنقریب) ہم تم پر ہنسیں گے جس طرح تم ہنستے ہو جب ہم نجات پائیں گے اور تم غرق ہو گے، عنقریب تم کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ رسوا کن عذاب کس پر آتا ہے؟ مَنْ موصولہ تعلمون کا مفعول ہے اور وہ دائمی عذاب کس پر نازل ہوتا ہے؟ یہاں تک کہ ان کی ہلاکت کا ہمارا حکم آ گیا اور تنور نے پانی ابال دیا اور یہ نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے علامت تھی، ہم نے حکم دیا کہ (حیوانات) میں سے ہر قسم کا ایک جوڑا کشتی میں چڑھا لو، یعنی نر و مادہ کا (اثنین) احمل کا مفعول ہے قصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے درندوں اور پرندوں کو جمع کر دیا چنانچہ جب حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام ہر نوع پر ہاتھ ڈالتے تو حضرت نوح کا دایاں ہاتھ نر پر اور بایاں ہاتھ مادہ پر پڑتا، اور ان کو کشتی میں سوار کر لیتے، اور اپنے گھر والوں یعنی بیوی اور بچوں کو باستثناء اس کے کہ ان میں سے جس پر ہلاکت کا حکم نافذ ہو چکا ہے، اور وہ ان کی بیوی اور ان کا بیٹا کنعان تھا بخلاف سام، حام، یافث کے کہ ان کو اور ان تینوں کی بیویوں کو سوار کر لیا، اور (ان کے علاوہ) ان کو بھی جو ایمان لائے اور بجز قلیل آدمیوں کے ان کے ساتھ کوئی ایمان نہیں لایا کہا گیا کہ چھ مرد اور ان کی بیویاں تھیں اور کہا گیا ہے کہ کشتی میں سوار ہونے والوں کی کل تعداد اسی تھی ان میں نصف مرد تھے اور نصف ان کی بیویاں، نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا اس میں سوار ہو جاؤ، اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا بھی ہے اور ٹھہرنا بھی (مجريها اور مرسٰها) دونوں میم کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ مصدر ہیں یعنی اس کا چلنا اور ٹھہرنا یعنی اپنے انتہاء سفر پر جا کر ٹھہر جانا (اللہ ہی کے حکم سے ہے) میرا رب بڑا غفور و رحیم ہے کہ

اس نے ہم کو ہلاک نہیں کیا، اور کشتی ان کو لے کر عظیم اور بلند ہونے میں پہاڑ جیسی موجوں کے درمیان چل رہی تھی اور نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے بیٹے کنعان سے آواز دیکر کہا اور وہ کشتی سے فاصلہ پر تھا، اے میرے پیارے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا، اور کافروں کے ساتھ نہ رہ (اس نے) جواب دیا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لئے لیتا ہوں جو مجھے پانی میں غرق ہونے سے بچالے گا (نوح علیہ الصلاۃ والسلام) نے کہا آج کوئی چیز اللہ کے عذاب سے بچانے والی نہیں بجز اس کے کہ اس پر اللہ رحم فرمائے صرف وہی بچ سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، (اتنے میں) ایک موج ان کے درمیان حائل ہوگئی اور وہ ڈوبنے والوں میں شامل ہو گیا، حکم ہوا اے زمین تو اپنا پورا پانی جو تجھ سے نکلا ہے نگل لے (جذب کر لے) چنانچہ زمین نے پورا پانی جذب کر لیا سوائے اس پانی کے جو آسمان سے برسا، سو (زمین سے نکلا ہوا پانی) نہروں اور دریاؤں میں شامل ہو گیا، اور اے آسمان (بادل) تو پانی برسانا بند کر دے، چنانچہ اس نے بند کر دیا اور پانی کم ہو گیا، اور قوم نوح کی ہلاکت کے فیصلے پر عمل درآمد کر دیا گیا، اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی (جودی) موصل کے قریب جزیرہ کا ایک پہاڑ ہے اور کافروں کی ہلاکت کا حکم دیدیا گیا اور نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب میرا بیٹا کنعان میرے اہل سے ہے اور تو نے میرے اہل کی نجات کا وعدہ فرمایا ہے اور بلاشبہ تیرا وعدہ سچ ہے کہ اس میں تخلف نہیں ہے، اور تو سب حاکموں سے بہتر حاکم ہے یعنی سب سے زیادہ علم والا اور سب سے زیادہ انصاف والا ہے، اللہ کی طرف سے جواب ملا کہ اے نوح وہ تیرے نجات پانے والے اہل سے نہیں ہے یا تیرے اہل دین سے نہیں ہے، بلاشبہ مجھ سے اس کی نجات کا تیرا سوال نامناسب ہے اسلئے کہ وہ کافر ہے اور کافر کی نجات نہیں ہے، اور ایک قراءت میں عَمِلَ فعل کے ساتھ اور غیر کے نصب کے ساتھ ہے اس صورت میں ضمیر ابن کی طرف راجع ہوگی، لہٰذا تو مجھ سے اس بات کی درخواست نہ کر (تسئلن) نون کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، جس بات کا تجھے علم نہیں ہے اور وہ بات تیرے بیٹے کی نجات کا سوال ہے، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جس چیز کو تو نہیں جانتا اس کا سوال کر کے خود کو نادانوں میں شامل نہ کر، (نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے) عرض کیا اے میرے رب میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں تجھ سے کسی ایسی چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر آپ میری غلطی کو معاف نہ فرمائیں گے اور رحم نہ فرمائیں گے تو میں زیاں کاروں میں شامل ہو جاؤں گا، حکم ہوا اے نوح تم کشتی سے ہمارے امن یا سلام کے ساتھ اور اپنے اور ان جماعتوں پر جو کشتی میں تیرے ساتھ ہیں یعنی ان کی اولاد کے ساتھ اور وہ مومنین ہیں برکت کے ساتھ اترو اور کچھ لوگ تمہارے ساتھ ایسے بھی ہیں جن کو ہم دنیا میں سامان عیش بخشیں گے اور پھر آخرت میں ہماری طرف سے ان کو دردناک عذاب پہنچے گا اور وہ کافر ہیں، یہ آیات جو نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے قصہ پر مشتمل ہیں اے محمد تمہاری طرف غیب کی خبریں ہیں یعنی ان چیزوں کی خبریں ہیں جو تم سے مخفی ہیں اور نزول قرآن سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے اور نہ تیری قوم، لہٰذا تم تبلیغ پر اور اور اپنی قوم کی ایذا رسانی پر صبر کرو جس طرح نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے صبر کیا، بہتر انجام متقیوں ہی کے لئے ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: وَاُوحِیَ اِلٰی نوحٍ اَنَّهُ لَنْ یؤمِنَ مِنْ قومِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ ، اُوْحِیَ فعل ماضی مجھول اَنَّهُ لن یؤمِنَ نائب فاعل ای اوحي الیه عدمُ ایمان بعض قومِه.

قولہ: تبتئس (ابتئاس افتعال) سے مضارع واحد مذکر حاضر یہاں چونکہ حرف نہی داخل ہے اس لئے نہی ہے، تو رنج نہ کر۔

قولہ: بمرأیً، مِنَّا وحفظنا، یہ اضافہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ باَعْیُنِنَا سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اعضاء ہیں اور جس کے اعضاء ہوں وہ مجسم ہوتا ہے لہٰذا اللہ کے لئے جسم ہونا ثابت ہوا جیسا کہ مجسمیہ کا عقیدہ ہے۔

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ بأعیننا یہ حفظ اور رویت سے کنایہ ہے جیسا کہ بُسط اللّٰه یده ، جود وسخاوت سے کنایہ ہے، باعْیِنِنَا محلاً حال ہے، تقدیر یہ ہے متلبسًا باَعْیُنِنَا.

قولہ: حکایة حالٍ ماضیة، یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ یَصْنَعُ، مضارع کا صیغہ ہے جو حال اور استقبال پر دلالت کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشتی بنانا خبر دینے کے بعد ہے حالانکہ کشتی زمانۂ ماضی میں بنائی جا چکی تھی۔

جواب: جواب یہ ہے کہ زمانہ ماضی کی حالت کی حکایت ہے، یعنی کشتی بنانے کی منظر کشی کی جاری ہے۔

قولہ: مَنْ موصولة مفعول العلم مَنْ یاتیهِ میں مَنْ موصولہ ہے اور تعلمون کا مفعول بہ ہے ترکیب سے یہ شبہ ختم ہو گیا کہ مَنْ استفہامیہ ہے اس کو صدارت کی ضرورت ہے۔

قولہ: غایة للصنع ، یعنی حَتّٰی صنع کی غایت ہے یأتیه یا یحلُّ کی غایت نہیں ہے جیسا کہ قریب کی وجہ سے شبہ ہوتا ہے، حتّٰی ابتدائیہ ہے جو کہ جملہ شرطیہ پر داخل ہے اور و اصنع الفلك کی غایت ہے۔

قولہ: فی السفینةِ ، اس اضافہ میں اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ فیھا کی ضمیر ماقبل میں مذکور الفلكَ کی طرف راجع ہے جو کہ مذکر ہے حالانکہ فیھا ضمیر مؤنث ہے جواب یہ ہے کہ فلك، سفینة کے معنی میں ہے فلا شبهة.

قولہ: اِنَّهُ سؤالك ایایَ بنجاتِه، مفسر علام نے اِنَّهُ کی ضمیر کے مرجع کی تعیین کرتے ہوئے فرمایا کہ مرجع اپنے بیٹے کنعان کی نجات کے بارے میں سوال ہے یعنی تمہارا سوال مناسب نہیں ہے، جمہور مفسرین نے ، ہٗ، ضمیر کا مرجع ابن کو قرار دیا ہے یعنی کنعان تمہارے اہل میں سے نہیں ہے، اس سے مجاز لازم آتا ہے اسلئے کہ حقیقۃً اہل سے نفی درست نہیں ہے جس کی وجہ سے مجازی معنی یعنی دینی اہل مراد لینے ہوں گے۔

قَوْلُہٗ: وفی قراءة بکسر میمِ عَمِلَ فعل ونصبِ غیرَ فالضمیر لابنہٖ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد، عمل کے اعراب کو بتانا ہے، جمہور کی قراءت میں عَمَلٌ مصدر ہے اور غیرُ صالح اس کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارا اپنے بیٹے کنعان کی نجات کی سفارش عمل نامناسب ہے، اسلئے کہ وہ کافر ہے اور کافر کی نجات نہیں ہے، اور ایک قراءت میں عَمِلَ فعل ماضی کا صیغہ ہے اس صورت میں غَیْرَ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنَّہٗ عَمِلَ عَمَلاً غیرَ صالحٍ، اس صورت میں اِنَّہٗ کی ضمیر ابن کی طرف راجع ہوگی یعنی کنعان نے عمل غیر صالح کئے، مفسر علام نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے کہ نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنے کافر بیٹے کی نجات کی سفارش عمل نامناسب ہے اسلئے کہ آگے فرمایا گیا ہے "انی اعظك ان تکونَ مِن الجاھلین" اس سے نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف جہل کی نسبت لازم آتی ہے۔

قَوْلُہٗ: فلا تَسْئَلنِ بالتخفیف والتشدید یعنی نون کی تشدید کے ساتھ ماقبل کے فتحہ کے ساتھ اور یہ نافع کی قراءت ہے اور ابن کثیر اور ابن عامر اور باقیوں نے لام کے سکون اور نون کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور حالت وصل میں نون کے بعد یاء کو باقی رکھا ہے نہ وقف میں، اور ورش وابوعمرو نے وقف اور وصل دونوں صورتوں میں یاء کو باقی رکھا ہے۔

قَوْلُہٗ: بسلامةٍ اَوْ بتحیةٍ اس اضافہ کا مقصد سلامٌ کے دو معنی کو بیان کرنا ہے بسلامة کہہ کر امن وسلامتی کے معنی کی طرف اشارہ کردیا اور بتحیةٍ کہہ کر سلام وتحیہ کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے یہاں دونوں معنی درست ہیں۔

قَوْلُہٗ: وَاُمَمٌ بالرفع ممن مَعَكَ، اُمَمٌ رفع کے ساتھ ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور سَنُمَتِّعُھُمْ اس کی خبر ہے، نہ کہ امم سابق پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور، اسلئے کہ یہ لوگ سلامتی اور برکت میں داخل نہیں ہیں۔

سَوَال: اُمَمٌ کا نکرہ ہونے کی وجہ سے مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے؟

جَوَاب: اُمَمٌ موصوف ہے اور ممن معك اس کی صفت ہے لہٰذا اُمَمٌ کا نکرہ موصوفہ ہونے کی وجہ سے مبتداء بننا صحیح ہے مفسر علام نے ممن معك کا اضافہ کرکے اسی تقدیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: ای ھذہ الآیات المتضمنة الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ تلك اسم اشارہ مؤنث مبتداء ہے حالانکہ اس کی تین خبریں ہیں اور تینوں مذکر ہیں، ① من انباء الغیب، ② نوحیھا الیك، ③ ما کنت تعلمھا، لہٰذا خبر کی رعایت کی وجہ سے مبتداء بھی مذکر ہونا چاہئے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ھذہ کا مشارٌ الیہ مذکورہ خبریں نہیں ہیں، بلکہ اس کا مشارٌ الیہ الآیات، محذوف ہے جس کی طرف مفسر علام نے اشارہ کیا ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

تَفْسِیر وتَشْرِیح

قرآن عزیز میں حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا تذکرہ:

قرآن کریم کے معجزہ نما نظم کلام کی یہ سنت ہے کہ وہ تاریخی واقعات میں سے جب کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اپنے مقصد "وعظ وتذکیر" کے پیش نظر واقعہ کی ان ہی جزئیات کو بیان کرتا ہے جو مقصد کے لئے ضروری ہوں چنانچہ اسی اسلوب کے پیش نظر

قرآن عزیز نے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے واقعہ کا اجمالی وتفصیلی ذکر سولہ جگہ کیا ہے۔ (قصص القرآن سیوهاروی)

حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو حق تعالیٰ نے تقریباً ایک ہزار سال کی عمر دراز عطا فرمائی تھی، آپ اس طویل مدت میں ہمیشہ اپنی قوم کو دین حق اور کلمۂ توحید کی دعوت دیتے رہے، قوم کی طرف سے سخت ایذاؤں کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ اپنی قوم کے لئے یہ دعاء کرتے کہ یا اللہ میری قوم کو معاف کر دے یہ بے وقوف و جاہل ہیں جانتے نہیں، آپ ہدایت کی امید پر ایک نسل کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری کو ہدایت کی دعوت دیتے رہے مگر بہت قلیل لوگوں کے علاوہ کوئی ایمان نہ لایا۔

جب اس پر صدیاں گذر گئیں تو اللہ رب العزت کے سامنے ان کی حالت زار کی شکایت کی جو سورۂ نوح میں مذکور ہے، "رَبِّ انی دعوتُ قومی لَیْلاً ونهارا، فلم یزدهم دعائی اِلّا فرارا" اتنے طویل زمانہ تک اپنی قوم کے ہاتھوں مصائب برداشت کرنے کے بعد اس مرد خدا کی زبان پر یہ دعاء آئی "ربِّ انصرنی بما کذبون" اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے "وَاُوْحِیَ الی نوحٍ اَنَّهٗ لن یؤمِنَ مِنْ قومِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ الخ" یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری قوم میں جس کو ایمان لانا تھا لا چکے اب کوئی شخص ایمان نہ لائیگا، اب آپ اس قوم کا غم نہ کھائیں اور ان کے ایمان قبول نہ کرنے پر پریشان نہ ہوں۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ اب ہم اس قوم پر پانی کے طوفان کا عذاب بھیجنے والے ہیں اس لئے آپ ہماری نگرانی میں وحی کے حکم کے مطابق ایک کشتی تیار کریں جس میں آپ کے اہل وعیال اور مومنین مع اپنی ضروریات کے سماسکیں حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے حکم کے مطابق کشتی بنائی، پھر جب طوفان کے ابتداء کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں کہ زمین سے پانی ابلنے لگا تو حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم دیا گیا کہ خود مع اپنے اہل وعیال اور ان لوگوں کے جو ایمان لا چکے ہیں کشتی میں سوار ہو جائیں، اور انسانی ضروریات جن جانوروں سے متعلق ہیں مثلاً گائے، بیل، بکری، گھوڑا، گدھا وغیرہ کا ایک ایک جوڑا رکھ لیں۔

کشتی کی وسعت اور پیمائش:

یہ کشتی کس ساخت کی تھی اور اس کی پیمائش کیا تھی اس کی تفصیلات بائبل میں ہیں قرآن نے ان سے یکسر صرف نظر کر لی ہے اس لئے کہ ان تفصیلات سے حاصل کچھ بھی نہیں اور نہ ان تفصیلات کے درپے ہونا کوئی مفید خدمت ہے بس اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ کشتی میں اتنی گنجائش تھی کہ اس وقت مومن آبادی جس کی تعداد بہ اختلاف روایات ۴۰ یا ۸۰ تھی اور ضروری جانوروں کے جوڑے اس میں سما گئے تھے۔

کشتی سازی کا حکم:

غرضیکہ حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاء قبول ہوئی اور اپنے قانون جزاء اعمال کے مطابق سرکشوں کی سرکشی اور متمردوں کے تمرد کی سزا کا اعلان کر دیا اور حفظ ماتقدم کے لئے کشتی بنانے کا حکم دیا، جب نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے کشتی بنانی

شروع کی تو کفار نے ہنسی اڑانا اور مذاق بنانا شروع کردیا، کہ پانی پینے اور دیگر ضروریات کے لئے تو میسر نہیں بھلا کشتی چلنے کے لئے پانی کہاں سے آئیگا، معلوم ہوتا ہے اب کشتیاں صحراء کے ریت میں چلا کریں گی، ادھر کشتی بن کر تیار ہوئی اُدھر طوفان کی ابتدائی علامات کا ظہور ہونے لگا، ''حتی اذا جاء امرنا وفار التنور'' لفظ تنور کئی معنی میں مستعمل ہے سطح زمین کو بھی تنور کہتے ہیں روٹی پکانے کے تنور کو بھی تنور کہا جاتا ہے، زمین کے بلند حصہ کو بھی تنور کہا جاتا ہے بعض حضرات نے تنور سے سطح زمین مراد لی اور بعض نے معروف تنور، کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا تنور ملک شام میں مقام عین الوادہ میں تھا بعض نے کہا کہ نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا تنور کوفہ میں تھا وہ مراد ہے اکثر مفسرین مثلاً حضرت حسن، مجاہد، شعبی اور حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ نے آخری قول کو اختیار کیا ہے، غرضیکہ پانی ہر جگہ سے ابل پڑا جس میں روئے زمین کے علاوہ معروف تنور بھی شامل ہے اور آسمان سے موسلا دھار بارش ہونے لگی تمام منکرین حق غرق ہوگئے اور کشتی پانی پر تیرنے لگی اور طوفان ختم ہوگیا تو کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی، جودی پہاڑ آج بھی اسی نام سے موجود ہے اس کا محل وقوع حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے وطن اصلی عراق، موصل کے شمال میں جزیرہ ابن عمر کے قریب آرمینیہ کی سرحد پر ہے یہ ایک کوہستانی سلسلہ ہے جس کے ایک حصہ کا نام جودی ہے اسی کے ایک حصہ کو ارارط کہا جاتا ہے موجودہ توارت میں کشتی ٹھہرنے کا مقام کوہِ ارارط بتایا گیا ہے ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

کشتی کے بعض حصے موجود ہیں:

قدیم تاریخوں میں مذکور ہے کہ بعض مقامات پر اس کشتی کے ٹکڑے اب تک موجود ہیں جن کو تبرک کے طور پر رکھا گیا ہے۔

تاریخ بغوی میں ہے کہ نوح علیہ الصلاۃ والسلام ماہ رجب کی دس تاریخ کو کشتی میں سوار ہوئے تھے، چھ ماہ تک کشتی پانی پر تیرتی رہی جب بیت اللہ پر پہنچی تو سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا پھر ۱۰ محرم کو طوفان مکمل طور پر ختم ہوا اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام اور مومنین نے شکرانہ کے طور پر اس روز، روزہ رکھا۔

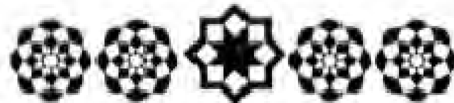

قومِ نوح کا علاقہ اور جبل جُودی

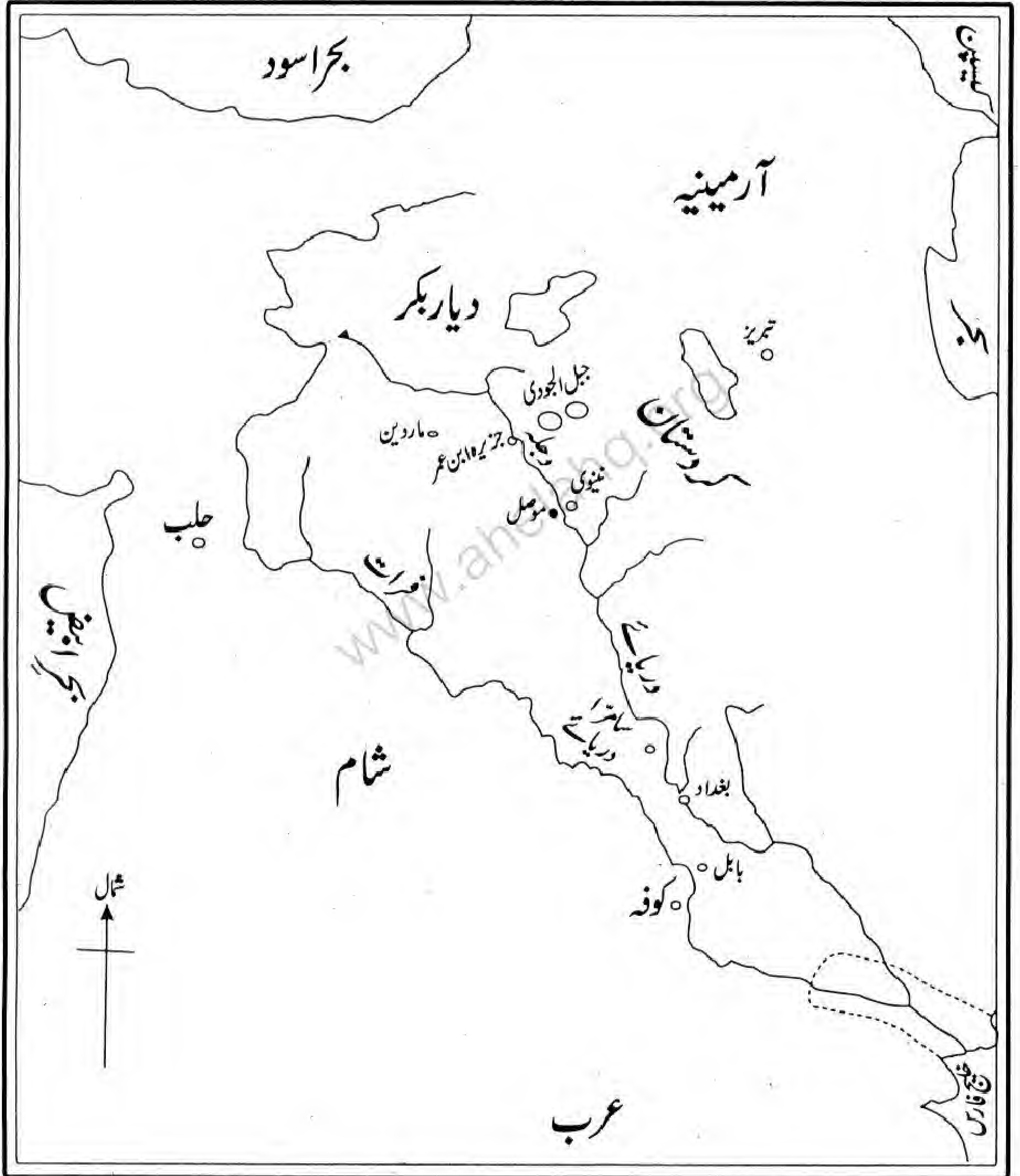

کشتی کی پیمائش:

بعض تاریخی روایات سے کشتی نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیمائش یہ معلوم ہوئی ہے کہ لمبائی تین سو گز اور چوڑائی ۵۰ گز اور اونچائی ۳۰ گز تھی اور یہ سہ منزلہ تھی اس میں روشندان اور دروازے بھی تھے۔

وَ اَرْسَلْنَا اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ من القبيلة هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْه مَا لَكُمْ مِّنْ زائدة اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنْ ما اَنْتُمْ في عبادتكم الاوثانَ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ كاذبونَ على اللهِ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ على التوحيدِ اَجْرًا اِنْ ما اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ خلقني اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ من الشرك ثُمَّ تُوْبُوْٓا ارجعُوا اِلَيْهِ بالطاعةِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ المطر وكانوا قد مُنعوه عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا كثيرَ الدرور وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی مع قُوَّتِكُمْ بالمال والولدِ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ مشركين قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ ببرهان على قولك وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ اى لقولك وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ ما نَّقُوْلُ في شانك اِلَّا اعْتَرٰىكَ اصابك بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ فخبلك بسبك اياها فانت تهذي قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ عليَّ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ به مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ احتالوا في هلاكي جَمِيْعًا انتم واوثانكم ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ تمهلون اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ زائدة دَآبَّةٍ نسمةٍ تدبُّ على الارض اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اى مالكها وقاهرها فلا نفعَ ولا ضررَ الا باذنه وخُصَّ الناصية بالذكر لانَّ مَنْ أُخِذَ بناصيةٍ يكونُ في غايةِ الذُّلِّ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ اى طريق الحق والعدل فَاِنْ تَوَلَّوْا فيه حذفُ احدى التائين اى تُعرضوا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا باشراكِكم اِنَّ رَبِّيْ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝ رقيبٌ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا عذابنا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ هداية مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ شديد وَتِلْكَ عَادٌ اشارةٌ الى آثارهم اى فَسِيْحُوْا في الارض وانظرُوا اليها ثم وصفَ احوالَهم فقال جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ جُمِعَ لِاَنَّ مَنْ عصٰى رسولاً عصٰى جميعَ الرسلِ لاشتراكِهم في اصلِ ما جاءُوا به وهو التوحيدُ وَاتَّبَعُوْٓا اى السفلة اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ مُعاندٍ مُعارضٍ للحق من رؤسائِهم وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً من الناس وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لعنةً على رؤسِ الخلائقِ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا جحدوا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا من رحمةِ اللهِ لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝

ترجمہ: اور ہم نے عاد کی جانب ان کے خاندانی بھائی ہود کو بھیجا، ہود نے کہا اے میری قوم کے لوگو اللہ کی بندگی کرو (یعنی) اس کی توحید کا اقرار کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، مِنْ زائدہ ہے تم بتوں کی بندگی کر کے اللہ پر بہتان لگاتے ہو، اے میری قوم میں تم سے توحید کی (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں چاہتا میرا اجر تو اس پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، کیا تم عقل سے

کام نہیں لیتے؟ اے میری قوم کے لوگو تم اپنے رب سے شرک کی معافی مانگو پھر اطاعت کے ذریعہ اس کی طرف رجوع کرو وہ تم کو زوردار بارش عطا کریگا (حال یہ کہ) ان سے بارش کو روک لیا گیا تھا، اور تمہاری (موجودہ) قوت میں مال اور اولاد کے ذریعہ مزید قوت کا اضافہ کرے گا، اور مشرک بنکر بے رخی مت کرو، ان لوگوں نے جواب دیا اے ہود تو ہمارے پاس اپنے دعوے پر کوئی صریح دلیل لے کر نہیں آیا اور ہم تیرے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے اور تجھ پر ہم ایمان لانے والے نہیں ہیں اور ہم تو تمہارے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ تو ہمارے معبودوں میں سے کسی کی جھپٹ میں آگیا ہے چنانچہ تیرے اس کو برا کہنے کی وجہ سے اس نے تجھکو باؤلا بنا دیا ہے، اسی وجہ سے تو بیہودہ باتیں کر رہا ہے، (ہود علیہ الصلاۃ والسلام نے) جواب دیا میں تو اپنے اوپر اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو میں تو غیر اللہ سے جن کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو بیزار ہوں تم اور تمہارے بت، سب مل کر میرے ساتھ مکر کرلو میری ہلاکت کی تدبیر کرلو، اور پھر مجھے ذرا بھی مہلت مت دو میرا بھروسہ تو اللہ پر ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی چوٹی اس کے ہاتھ میں نہ ہو، یعنی وہ اس کا مالک اور اس پر غالب ہے، لہذا کوئی نفع نقصان اس کی اجازت کے بغیر نہیں، ناصیة (چوٹی) کا خاص طور پر ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ جس کی چوٹی پکڑی گئی وہ غایت ذلت میں ہوتا ہے، بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے یعنی حق و انصاف کے راستہ پر ہے، اگر تم روگردانی کرو گے تو جو پیغام دے کر میں بھیجا گیا تھا وہ میں تم کو پہنچا چکا اور میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم لائیگا اور شرک کر کے تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگراں ہے، اور جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے ہود علیہ الصلاۃ والسلام کو اور ان کو جو اس پر ایمان لائے اپنی (خصوصی) رحمت سے بچالیا اور ان کو ایک سخت عذاب سے نجات دی اور یہ ہے قوم عاد، یہ اشارہ ان کے آثار (وخرابات) کی طرف ہے سو تم زمین میں سفر کرو اور ان آثار کو دیکھو، پھر ان کے احوال کو بیان کیا جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی (رُسُل) کو جمع لائے ہیں اس لئے کہ جس نے ایک رسول کی نافرمانی کی اس نے تمام رسولوں کی نافرمانی کی، تمام رسولوں کے ان اصولوں میں شریک ہونے کی وجہ سے جن کو وہ لائے ہیں اور وہ توحید ہے، اور یہ احمق اپنے رؤساء میں سے ہر جبار اور دشمن حق کی پیروی کرتے رہے (آخرکار) اس دنیا میں بھی لوگوں کی ان پر لعنت پڑی اور قیامت کے روز بھی سب مخلوق کے سامنے (ان پر لعنت ہوگی) سنو، عاد نے اپنے رب کا انکار کیا، سنو، ہود علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم عاد کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَاَرْسَلْنَا الخ اس کا عطف نوحًا الی قومہٖ پر ہے، اس کو عطف قصہ علی القصہ کہتے ہیں۔

قولہ: ھودًا یہ اَخَاھم کا عطف بیان ہے۔

قولہ: ای لقولك عن کی تفسیر لام سے کر کے اشارہ کردیا کہ عن تعلیلیہ ہے۔

قولہ: اِعتَرٰكَ (اعتراءٌ افتعال) ماضی واحد مذکر غائب پیش آنا، قصد کرنا، لاحق ہونا، مصیبت میں مبتلا کرنا۔

قولہ: بسُوءٍ، میں باء تعدیہ کے لئے ہے۔

سوال: اِیَّاھا کی ضمیر لفظ بعض کی طرف راجع ہے، حالانکہ لفظ بعض مذکر ہے ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب: مضاف الیہ کی رعایت کرتے ہوئے ایاھا مؤنث کی ضمیر لائے ہیں۔

قولہ: اشارة اِلیٰ آثارھم، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ تِلكَ عَادٌ مبتداء خبر ہے عادٌ مذکر ہے لہٰذا تلك کے بجائے هذا ہونا چاہئے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس کی خبر آثار ہے جو کہ محذوف ہے ای تلك الآثار آثار عادٍ.

قولہ: عنید، عناد رکھنے والا، سرکش ضدی، جمع عُنُدٌ.

تفسیر و تشریح

آنحضرت ﷺ کے معاصر کفار و مشرکین کے سامنے توحید و رسالت نیز حشر و نشر پر روشن اور واضح دلائل پیش کرنے کے بعد تاکید و تفنن کے طور پر انبیاء سابقین کے ساتھ ان کی قوم کے معاملات و واقعات بیان فرمائے ہیں، یہاں حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قوم عاد کا بھائی بتایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی قوم کے ایک فرد تھے باہر سے آئے ہوئے نہیں تھے۔

اس رکوع کی پہلی گیارہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا ہے اور ان ہی کے نام سے یہ سورت موسوم ہے اس سورت میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر سات انبیاء اور ان کی قوم کے واقعات مذکور ہیں، جن میں عبرت اور موعظت کے ایسے مظاہر موجود ہیں کہ جس کے دل میں ذرا بھی حیات اور شعور باقی ہے وہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی طرف مبعوث فرمایا یہ قوم اپنے ڈیل ڈول اور زور و قوت میں پورے عالم میں ممتاز تھی، مگر یہ قوم اتنی بہادر اور قوی ہونے کے باوجود اپنی عقل و فکر کھو بیٹھی تھی، جس کی وجہ سے خود تراشیدہ پتھر کی مورتیوں کو اپنا معبود بنا رکھا تھا۔

ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کی تین اصولی باتیں:

حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دعوت میں تین اصولی باتیں پیش کیں اول دعوتِ توحید اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں غیر اللہ کو لائق عبادت سمجھنا اللہ پر بہتان اور افتراء ہے دوسرے یہ کہ تم میری بات پر سنجیدگی سے غور نہیں کرتے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم عقل سے کام نہیں لیتے اگر تم عقل سے کام لیتے ہوتے تو تم ضرور سوچتے کہ جو شخص اپنی کسی ذاتی غرض کے بغیر دعوت و تبلیغ کی یہ سب مشقتیں جھیل رہا ہے اور اس نے تذکیر و نصیحت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر رکھا

ہے نہ کچھ اجرت طلب کرتا ہے نہ مدح وستائش کا طالب آخر ضرورت کیا تھی کہ وہ تمہیں دعوت دینے اور تمہاری اصلاح کرنے میں اتنی محنت برداشت کرتا۔

وعظ ونصیحت اور دعوت دین پر اجرت:

قرآن کریم نے یہ بات تقریباً تمام انبیاء کی زبان سے نقل کی ہے کہ ہم تم سے اپنی دعوت ومحنت کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دعوت وتبلیغ کا معاوضہ لیا جائے تو دعوت مؤثر نہیں رہتی، اس بات پر تجربہ شاہد ہے کہ وعظ ونصیحت پر اجرت لینے والوں کی بات سامعین پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

تیسری بات یہ فرمائی کہ گذشتہ زندگی میں تم سے جو قصور اور کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان سے معافی مانگو، اور آئندہ کے لئے پختہ ارادہ اور عہد کرو کہ اب ان کے پاس نہ جائیں گے، اس کے نتیجے میں آخرت کی دائمی فلاح تو ملے گی ہی دنیا میں بھی اس کے بڑے فوائد وبرکات کا مشاہدہ کرو گے۔

اِنْ نقول الّا اعتراك الخ قوم نے حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کی دل دوز اور دل سوز نصیحتوں کا جواب یہ دیا کہ ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دیوی دیوتاؤں اور ہمارے معبودوں کی برائی وعیب جوئی کرنے کی وجہ سے تو ہمارے کسی دیوتا کی جھپٹ میں آ گیا ہے اور اسی کی مار کا نتیجہ ہے کہ تو بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ہے۔

اِنّی توکلت علی اللّٰہ الخ یہ قوم کی اس بات کا جواب ہے کہ چونکہ تو ہمارے معبودوں کی برائی کرتا ہے اور ان کی نکتہ چینی کرتا ہے جس کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ تو ہمارے کسی دیوتا کی جھپٹ میں آ گیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ میرے خلاف تم سے جتنی ہو سکے مکر وسازشیں کرو اور ساتھ اپنے معبودوں کو بھی بلا لو اور سب مل کر میرے خلاف تدبیر کرو تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اس لئے کہ میرا توکل اور بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر ہے۔

وَ ارسلنا **اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ** من القبيلة **صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ** وحدوه **مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ هُوَ اَنْشَاَكُمْ** ابتدأ خلقكم **مِّنَ الْاَرْضِ** بخلقِ ابيكم آدم منها **وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا** جعلكُم عُمَّارًا تسكنونَ بها **فَاسْتَغْفِرُوْهُ** من الشركِ **ثُمَّ تُوْبُوْٓا** ارْجِعُوْا **اِلَيْهِ** بالطاعةِ **اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ** من خلقه بعلمِه **مُّجِيْبٌ** (۶۱) لِمَنْ سالَه **قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا** نَرجُوْا ان تكون سيدًا **قَبْلَ هٰذَآ** الذى صدرَ منك **اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا** من الاوثان **وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ** من التوحيدِ **مُرِيْبٍ** (۶۲) موقعٍ فى الريبِ **قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ** بيانٍ **مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً** نبوةً **فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ** يمنعني **مِنَ اللّٰهِ** اى عذابهٖ **اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ** بامركم لى بذلك **غَيْرَ تَخْسِيْرٍ** (۶۳) تضليلٍ **وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً** حالٌ عاملُه الاشارة **فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ** عقرٍ **فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ** (۶۴) ان عقرتُموها **فَعَقَرُوْهَا** عقرَها قُدارٌ بامرِهم **فَقَالَ** صالحٌ **تَمَتَّعُوْا** عِيْشوا **فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ** ثم

تهلكون ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿٦٥﴾ فيه فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا باهلاكهم نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وهُمْ اربعةُ الافٍ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ نَجَّينا هُمْ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ بكسر الميم اعرابًا وفتحها بناءً لاضافته الى مَبنيٍّ وهوالاكثرُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَالْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾ الغالبُ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ باركينَ على الركبِ مَيّتينَ كَاَنْ مخففةٌ واسمُها محذوفٌ اى كانَّهم لَّمْ يَغْنَوْا يُقيمُوا فِيْهَا في دارهم اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۠ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾ بالصرفِ وتركه على معنى الحيِ والقبيلةِ.

ترجمہ: اور ہم نے ثمود کے پاس ان کے خاندانی بھائی صالح علیہ الصلاۃ والسلام کو رسول بنا کر بھیجا، اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو (یعنی) اس کی توحید کا اقرار کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اس نے تم کو پیدا کیا یعنی تمہاری تخلیق ابتداء مٹی سے کی تمہارے دادا آدم کو مٹی سے پیدا کر کے اور اسی نے تم کو زمین میں بسایا یعنی تم کو (زمین کا) باشندہ بنایا تا کہ تم اس میں سکونت اختیار کرو پس تم اس سے معافی طلب کرو شرک سے اور پھر طاعت کے ذریعہ اس کی طرف رجوع کرو بے شک میرا رب اپنی مخلوق سے باعتبار علم کے قریب ہے اور جو اس سے سوال کرتا ہے اس کا قبول کرنے والا ہے ان لوگوں نے جواب دیا اے صالح اس بات کے کہنے سے پہلے ہم تم سے بہت کچھ امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے ہمیں امید تھی کہ تم (ہمارے) سردار بنو گے کیا تم ہم کو بتوں کی بندگی کرنے سے روکتے ہو جن کی بندگی ہمارے آباء (واجداد) کرتے تھے؟ جس توحید کی طرف تم ہم کو دعوت دے رہے ہو اس میں ہمیں حیران کن تردد ہے (صالح علیہ الصلاۃ والسلام نے) کہا اے میری قوم کے لوگو کیا تم نے اس بات پر غور کیا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی رحمت نبوت سے نوازا تو اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو مجھے اللہ کے عذاب سے کون بچائیگا؟ تم تو اس بات کا حکم کر کے میری گمراہی، (یعنی) خسارہ میں اضافہ کر رہے ہو اے برادران قوم یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے (آیۃً) حال ہے اس کا عامل اسم اشارہ ہے، اس کو چھوڑ دو اللہ کی زمین میں چرتی پھرے اور اس کو برے (یعنی) ہلاک کرنے کے ارادہ سے ہاتھ مت لگانا، اگر تم نے اس کو ہلاک کر دیا تو تم پر بہت جلد عذاب آجائیگا چنانچہ ان لوگوں نے اس کو ہلاک کر دیا یعنی ان کے حکم سے قدار نے اس کو ہلاک کر دیا، اس پر صالح نے کہا اپنے گھروں میں تین دن اور رہ لو پھر تم کو ہلاک کر دیا جائیگا یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہو سکتا چنانچہ جب ان کو ہلاک کرنے کا ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے بچالیا اور وہ چار ہزار تھے، اور ہم نے ان کو اس دن کی رسوائی سے بچالیا (یومئذٍ) میم کے کسرہ کے ساتھ معرب ہونے کی صورت میں اور میم کے فتحہ کے ساتھ مبنی ہونے کی وجہ سے مبنی کی جانب اضافت کی وجہ سے اور یہی اکثر کا قول ہے، یقیناً تیرا رب وہی قوی اور غالب ہے اور ظالموں کو ایک چنگھاڑ نے آدبوچا تو وہ اپنے گھروں میں مردہ ہو کر اوندھے پڑے رہ گئے ایسے کہ گویا وہ کبھی اپنے گھروں میں آباد ہی نہ تھے (کَاَنْ) مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے ای کَاَنَّھُمْ، آگاہ رہو! ثمودیوں نے اپنے رب کا کفر کیا، سن لو کہ ثمودیوں کے لئے پھٹکار ہے

(ثمود) منصرف ہے حَیّ کے معنی میں ہونے کی وجہ سے اور غیر منصرف بھی ہے قبیلہ کے معنی میں ہونے کی وجہ سے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ثــمــود، ثمود ایک قوم کا نام ہے جو اپنے جد اعلیٰ ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح کی طرف منسوب ہے حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کا تعلق اسی قوم سے تھا اور اسی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔

قولہ: جَعَلَکُمْ عُمَّارًا تسکنونَ بھا اس میں اشارہ ہے کہ استعمَرَ، میں س، ت، تصییر کے لئے ہے یعنی ہم نے تم کو اس کو آباد کرنے والا بنایا، اور بعض حضرات نے عمر یعمُرُ سے لیا ہے اس وقت اس کے معنی ہوں گے تم کو باشندہ بنایا بسایا اس صورت میں س، ت زائدہ ہوں گے۔

قولہ: صالح علیہ الصلاۃ والسلام مشاہیر انبیاء میں سے ہیں قرآن مجید میں ان کا نام نو جگہ آیا ہے قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

قولہ: حالٌ یعنی آیۃً، ناقۃٌ سے حال ہے اور اس میں عامل ھذہ بمعنی اشیرُ ہے۔

قولہ: فعَقَرُوھا، (ض) عَقْرًا کونچیں کاٹنا عرب میں یہ دستور تھا کہ جب کسی اونٹ کو ہلاک کرنا ہوتا تو اس کی کونچیں کاٹ دیتے تھے کونچیں کاٹنے کے لئے ہلاکت لازم تھی۔

قولہ: بناءً لاضافۃِ یعنی یومَ کی اضافت جب اِذْ کی طرف ہوگی تو یَومئذٍ مبنی برفتحہ ہوگا اس لئے کہ ظرف جب اسم مبہم کی طرف مضاف ہوتا ہے تو مضاف الیہ سے بناء حاصل کر لیتا ہے، یومَ، اِذْ کی طرف مضاف ہے جس کی وجہ سے مبنی بر فتحہ ہو گیا ہے۔

تفسیر و تشریح

حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کا نسب نامہ:

حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کو ثمود کہتے ہیں اور ثمود کا ذکر قرآن کریم کی نو سورتوں میں آیا ہے، اعراف، ھود، حجر، نمل، فصّلت، النجم، القمر، الحاقہ، الشمس علماء انساب حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کے نسب نامہ میں مختلف نظر آتے ہیں مشہور حافظ حدیث امام بغوی نے آپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے صالح بن عبید بن آسف بن ماشح بن عبید بن حادر بن ثمود اس نسب نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کو ثمود اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس قوم کا جد اعلیٰ ثمود ہے، ہر نسب نامہ آخر میں جا کر سام بن نوح پر مل جاتا ہے بہر حال تمام روایتوں سے یہ باتفاق ثابت ہوتا ہے کہ قوم ثمود بھی سامی اقوام ہی کی ایک شاخ ہے اور یہی وہ قوم ہے جو عاد اولیٰ (قوم ہود علیہ الصلاۃ والسلام) کی ہلاکت کے بعد حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ بچ گئے تھے، اور یہی نسل عاد ثانیہ کہلائی۔

ثمود کی بستیاں:

اس کے متعلق یہ طے ہے کہ ان کی آبادیاں حجر میں تھیں حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ تک جو میدان ہے یہ پورا علاقہ ان کا مقام سکونت تھا، آج کل فج الناقہ کے نام سے مشہور ہے ثمود کی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات آج تک موجود ہیں اور اس زمانہ میں بعض مصری اہل تحقیق نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، ان کا بیان ہے کہ وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جو شاہی حویلی کہلاتی ہے اس میں متعدد کمرے ہیں اور اس حویلی کے ساتھ ایک بہت بڑا حوض ہے اور یہ پورا مکان پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے۔

عرب کا مشہور مورخ مسعودی لکھتا ہے، وَرَ ممهم باقية و آثارهم بادية في طريق مَنْ وَرَدَ مِنَ الشام، جو شخص شام سے حجاز کو آتا ہے اس کی راہ میں ان کے مٹے ہوئے نشان اور بوسیدہ کھنڈرات پڑتے ہیں۔ (قصص القرآن سیوهاروی)

قوم ثمود نے بھی اپنے پیش رو قوم ہود کے مانند اپنے نبی صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی تکذیب کی اور ان سے مطالبہ کیا کہ ہمارے سامنے اس پہاڑ سے ایک اونٹنی ایسی اور ایسی صفات کی نکلے تو ہم تمہارے اوپر ایمان لاسکتے ہیں، صالح علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو ڈرایا کہ تمہارا منہ مانگا معجزہ اگر اللہ تعالیٰ نے ظاہر کردیا اور پھر بھی تم ایمان نہ لائے تو عادۃ اللہ کے مطابق تم پر عذاب آجائیگا اور سب ہلاک کردیئے جاؤ گے، مگر وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے، اللہ تعالیٰ نے ان کا مطلوبہ معجزہ اپنی قدرت کاملہ سے ظاہر فرمادیا، پہاڑ کی چٹان شق ہوکر ان کے بتائے ہوئے اوصاف کے مطابق اونٹنی پہاڑ سے برآمد ہوئی، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس اونٹنی کو تکلیف نہ پہنچائیں ورنہ تم پر عذاب نازل ہوجائیگا مگر وہ اس پر بھی قائم نہ رہے اور اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔

اونٹنی کو ہلاک کرنے کی تفصیل:

حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام نے تمام لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ دیکھو یہ اونٹنی تمہاری طلب پر بھیجی گئی ہے خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر ہوا ایک دن اس اونٹنی کا اور ایک دن پوری قوم کے جانوروں کا، قوم نے اگرچہ اس اونٹنی کو حیرت انگیز معجزہ سمجھ کر ایمان قبول نہ کیا مگر اس کو آزار پہنچانے سے باز رہے چنانچہ مقرر کردہ اصول کے مطابق کچھ دنوں تک عمل ہوتا رہا مگر آہستہ آہستہ یہ بات ان کو کھٹکنے لگی اور آپس میں اس کو ہلاک کرنے کے صلاح مشورے ہونے لگے تاکہ اس باری والے قصہ سے نجات ملے، مگر کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اونٹنی پر ہاتھ ڈالے، مگر ایک حسین وجمیل مالدار عورت نے جس کا نام صدقہ بنت محیا تھا خود کو ایک شخص مصدع کے سامنے اور ایک مالدار عورت عنیزہ نے اپنی خوبصورت لڑکی کو قدار کے سامنے پیش کیا کہ اگر وہ دونوں ناقہ کو ہلاک کردیں تو تمہاری ملک ہیں تم ان کو بیوی بنا کر عیش کرو آخر قدار بن سالف اور مصدع اس کام کے لئے آمادہ ہوگئے، اور یہ طے کرلیا گیا کہ وہ راستہ میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور ناقہ جب چراگاہ جانے لگے گی تو اس پر حملہ کردیں گے اور دیگر چند آدمیوں نے بھی مدد کا وعدہ کیا۔

غرضیکہ ناقہ کو قتل کر ڈالا، اور آپس میں حلف کیا کہ رات ہوتے پر صالح اور ان کے اہل وعیال کو بھی قتل کر دیں گے اور ان کے اولیاء کو قسمیں کھا کر یقین دلا دیں گے کہ یہ کام ہمارا نہیں ہے۔

اونٹنی کا بچہ یہ صورت حال دیکھ کر بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور چیختا چلاتا پہاڑ میں غائب ہو گیا، صالح علیہ الصلاۃ والسلام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو حسرت وافسوس کے ساتھ قوم کو مخاطب ہو کر فرمایا آخر وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا اب خدا کے عذاب کا انتظار کرو جو تین دن کے بعد تم کو ہلاک کر دے گا، اور پھر بجلی کی چمک اور کڑک کا عذاب آیا، اور سب کو ہلاک کر دیا اور بعد میں آنے والے انسانوں کو تاریخی عبرت کا سبق دے گیا۔

سید آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ثمود پر عذاب آنے کی علامات اگلی صبح سے شروع ہو گئیں یعنی پہلے روز ان سب کے چہرے اس طرح زرد پڑ گئے جیسے خوف کی ابتدائی حالت میں ہوا کرتا ہے اور دوسرے روز سب کے چہرے سرخ تھے گویا کہ یہ خوف کا دوسرا درجہ تھا، اور تیسرے دن ان سب کے چہرے سیاہ ہو گئے یہ خوف ودہشت کا تیسرا درجہ تھا جس کے بعد موت ہی کا درجہ باقی رہ جاتا ہے۔

ایک طرف ثمود پر یہ عذاب نازل ہوا اور دوسری طرف صالح علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کے پیروکار مسلمانوں کو خدا نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور ان کو اس عذاب سے محفوظ رکھا، (حاشیہ، قصص القرآن سیوہاروی) مذکورہ پوری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود سخت آواز کے ذریعہ ہلاک کی گئی تھی لیکن سورۂ اعراف میں ان کے متعلق یہ آیا ہے "فاخذتهم الرجفة" یعنی پکڑ لیا ان کو زلزلہ نے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر زلزلہ کا عذاب آیا تھا، قرطبی نے کہا کہ اس میں کوئی تضاد نہیں، ہو سکتا ہے کہ پہلے زلزلہ آیا ہو اور پھر سخت آواز کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے ہوں۔

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرٰهِيمَ بِالْبُشْرٰى اى باسحاق ويعقوب بعده **قَالُوا سَلٰمًا** مصدرٌ **قَالَ سَلٰمٌ** عليكم **فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ** ﴿۶۹﴾ مشوى **فَلَمَّا رَاٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ** بمعنى انكرهم **وَأَوْجَسَ** اضمر في نفسه **مِنْهُمْ خِيفَةً** خوفًا **قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلٰى قَوْمِ لُوطٍ** ﴿۷۰﴾ لنهلكهم **وَامْرَأَتُهُ** اى ابراهيم سارة **قَائِمَةٌ** تخدمهم **فَضَحِكَتْ** استبشارًا بهلاكهم **فَبَشَّرْنٰهَا بِإِسْحٰقَ وَمِنْ وَرَاءِ** بعد **إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ** ﴿۷۱﴾ ولده تعيش الى ان تراه **قَالَتْ يٰوَيْلَتٰى** كلمةٌ تُقالُ عند امرٍ عظيمٍ والالفُ مبدّلةٌ من ياء الاضافةِ **ءَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ** لى تسعٌ وتسعون سنةً **وَهٰذَا بَعْلِي شَيْخًا** له مائةٌ وعشرون سنةً ونصبُه على الحالِ والعاملُ فيه مَافِى ذا من الاشارةِ **إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ** ﴿۷۲﴾ اَنْ يُولدَ ولدٌ لهرمينِ **قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ** قدرتِه **رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهُ عَلَيْكُمْ** يا **أَهْلَ الْبَيْتِ** بيتِ ابراهيمَ **إِنَّهُ حَمِيدٌ** محمودٌ **مَجِيدٌ** ﴿۷۳﴾ كريمٌ **فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرٰهِيمَ الرَّوْعُ** الخوفُ **وَجَاءَتْهُ الْبُشْرٰى** بالولد اخذ **يُجَادِلُنَا** يجادلُ رُسلَنا **فِي** شانِ **قَوْمِ لُوطٍ** ﴿۷۴﴾ **إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَحَلِيمٌ** كثيرُ الاناةِ **أَوَّاهٌ مُنِيبٌ** ﴿۷۵﴾ رجّاعٌ فقالَ لهم اتهلكون قريةً فيها ثلاثمائةِ مؤمنٍ قالُوا لا، قالَ افتهلكونَ قريةً فيها مائتا

مؤمنٍ قالُوْا لا قالَ افتهلكونَ قريةً فيها اربعونَ مؤمنًا قالُوْالا، قال افتهلكونَ قريةً فيها اربعة عشرَ مؤمنًا قالو لا قال افرأيتمُ اِنْ كان فيها مؤمنٌ واحدٌ قالوا لا قالَ اِنَّ فيها لوطًا قالوا نحنُ اعلمُ بمَنْ فيها الخ فلما اطالَ مُجادَلتهم قالوا **يَاإِبْرٰهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا** الجدال **إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ** بهلاكهم **وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ﴿٧٦﴾ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ** حزنَ بسببهم **وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا** صدرًا لانهم حِسان الوجوهِ في صورةِ اضيافٍ فخافَ عليهم قومَه **وَقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ﴿٧٧﴾** شديدٌ **وَجَاءَهُ قَوْمُهُ** لمّا علِمُوْا بهم **يُهْرَعُونَ** يسرعونَ **إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ** قبلَ مجيئهم **كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ** هي اتيانُ الرجالِ في الادبار قالَ لوطٌ **قَالَ يَاقَوْمِ هٰؤُلَاءِ بَنَاتِي** فتزوّجوهن **هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُونِ** تفضحوني **فِي ضَيْفِي** اضيافي **أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ﴿٧٨﴾** يامرُ بالمعروفِ وينهىٰ عن المنكرِ **قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ** حاجةٍ **وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ﴿٧٩﴾** مِنْ اتيانِ الرجالِ **قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً** طاقةً **أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ﴿٨٠﴾** عشيرةٍ تنصرُني لبطشتُ بكم فلما رأت الملئكةُ ذلكَ **قَالُوا يَالُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ** بسوءٍ **فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ** طائفةٍ **مِنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ** لئلا يَرىٰ عظيمَ ما يَنزِلُ بهم **إِلَّا امْرَأَتُكَ** بالرفع بدلٌ من احدٍ وفي قراءةٍ بالنصبِ استثناءً من الاهلِ اي فلا تُسرِبها **إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ** فقيل انه لم يَخرُجْ بها وقيلَ خرجت والتفتتْ فقالتْ واقوماه فجاء ها حجرٌ فقتلها وسألهم عن وقتِ هلاكِهم فقالُوْا **إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ** فقال أريدا عجلَ مِن ذٰلكَ قالُوْا **أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ﴿٨١﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا** باهلاكِهم **جَعَلْنَا عَالِيَهَا** اي قُراهم **سَافِلَهَا** بان رفعها جبرئيلُ الى السماءِ واسقطها مقلوبةً الى الارضِ **وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ** طينٍ طُبخَ بالنارِ **مَنْضُودٍ﴿٨٢﴾** متتابعٍ **مُسَوَّمَةً** مُعلمةً عليها اسمُ من يُرمٰى بها **عِنْدَ رَبِّكَ** ظرفٌ لها **وَمَا هِيَ** الحجارةُ اوبلادُهم **مِنَ الظَّالِمِينَ** اي اهلِ مكة **بِبَعِيدٍ﴿٨٣﴾**

ترجمہ: ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اسحٰق اور اس کے بعد یعقوب کی خوشخبری لے کر پہنچے، کہا تم پر سلام ہو **سلامًا** مصدر ہے ابراہیم نے کہا تم پر بھی سلام ہو کچھ (زیادہ) دیر نہیں گذری کہ ابراہیم بھنا ہوا بچھڑا لے آئے مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو ان کو اجنبی محسوس کیا **نَکِرَ** بمعنی **اَنکَرَ** ہے تو ان کی طرف سے اپنے دل میں ابراہیم نے خوف محسوس کیا فرشتوں نے کہا خوف نہ کرو، ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ ہم اس کو ہلاک کریں اور ابراہیم کی بیوی سارہ ان کی خدمت میں لگی ہوئی تھی تو وہ قوم کی ہلاکت (اور لوط) کی (نجات کی) بشارت سنکر ہنس پڑیں، تو ہم نے اس کو اسحٰق اور اس کے بعد اس کے بیٹے یعقوب کی خوشخبری دی اور وہ زندہ رہے گی حتی کہ وہ بھی اس کو دیکھے گی، وہ کہنے لگی ہائے میری کم بختی یہ ایک کلمہ ہے جو امر عظیم کے وقت بولا جاتا ہے اور (وَیْلَتٰی) کا الف یاء اضافت سے بدلا ہوا ہے کیا میرے اولاد

ہوگی؟ حالانکہ میں ۹۹ سال کی بوڑھی پھونس ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں ان کی عمر ۱۲۰ سال ہے (شیخًا) حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا عامل ہذا بمعنی اشیر ہے، یہ یقیناً بڑی عجیب بات ہے کہ بوڑھے خاوند اور بیوی کے اولاد ہو، فرشتوں نے کہا کیا تو اللہ کی قدرت اور اس کی رحمت اور اپنے اوپر برکتوں سے تعجب کرتی ہے، اے ابراہیم کے گھرانے والو بے شک وہ قابل ستائش کریم ہے جب ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا خوف ختم ہوگیا، اور اس کو جب لڑکے کی خوشخبری پہنچ گئی تو وہ قوم لوط کے معاملہ میں ہم سے (یعنی) ہمارے فرشتوں سے کہنے سننے لگے یقیناً ابراہیم بہت تحمل کرنے والے بہت صبر کرنے والے نرم دل (اللہ کی طرف) جھکنے والے تھے، (ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام) نے ان سے کہا تم ایسی بستی والوں کو ہلاک کردو گے جس میں تین سو مومن موجود ہیں، فرشتوں نے جواب دیا نہیں، (پھر) کہا تم ایسی بستی کو ہلاک کردو گے جس میں دو سو مومن موجود ہیں، کہا نہیں، (پھر) کہا کیا تم ایسی بستی کو تباہ کردو گے جس میں چالیس مومن موجود ہیں، جواب دیا نہیں (پھر کہا) کیا تم ایسی بستی کو تباہ کردو گے جس میں چودہ مومن موجود ہیں؟ جواب دیا نہیں، (پھر ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام) نے کہا کیا تم ایسی بستی کو تباہ کرنا مناسب سمجھو گے جس میں ایک مومن ہو، جواب دیا، نہیں، (پھر) ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا اس بستی میں لوط علیہ الصلاۃ والسلام ہیں، فرشتوں نے جواب دیا ہمیں خوب معلوم ہے جو اس بستی میں ہے، جب ان کے درمیان کہا سنی طویل ہوگئی تو فرشتوں نے کہا، اے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اس بحث و تکرار کو چھوڑ دو ان کی ہلاکت کے لئے تیرے رب کا حکم آچکا ہے اور ان پر نہ ٹلنے والا عذاب ضرور آنے والا ہے، اور جب ہمارے فرستادے لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچے تو ان کی وجہ سے غمگین ہوئے اور دل ہی دل میں کڑھنے لگے اسلئے کہ وہ خوبصورت مہمانوں کی شکل میں تھے، جس کی وجہ سے ان کے بارے میں اپنی قوم سے اندیشہ کیا، اور کہنے لگے آج کا دن بڑی مصیبت کا دن ہے، جب قوم کو مہمانوں کی آمد کا علم ہوا تو دوڑتے ہوئے لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آئے اور وہ (ان مہمانوں کی آمد سے) پہلے ہی بدکاریوں میں مبتلا تھے اور وہ (بدکاری) مردوں کے ساتھ ہم جنسی کا فعل تھی، لوط علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا اے میری قوم کے لوگو یہ ہیں میری بیٹیاں ان سے نکاح کرلو یہ تمہارے لئے پاکیزہ تر ہیں اللہ سے ڈرو مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں؟ جو بھلی بات کا حکم کرے اور بری بات سے روکے انہوں نے جواب دیا کہ تم بخوبی جانتے ہو کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں کی کوئی حاجت نہیں ہے اور ہم جو چاہتے ہیں اس سے تم بخوبی واقف ہو یعنی ہم جنسی کا عمل، لوط علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا کاش کہ مجھ میں تمہارا مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا میں کسی طاقتور قبیلے کا سہارا پکڑتا جو میری مدد کرتا تو میں تمہارا مقابلہ کرتا، جب فرشتوں نے یہ صورت حال دیکھی تو کہا ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ ایذا رسانی کی نیت سے تیرے پاس ہرگز نہیں پہنچ سکتے، پس تو اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر کچھ رات رہے نکل جا، تم میں سے کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہئے تاکہ وہ اس عظیم عذاب کو نہ دیکھے جو ان پر نازل ہونے والا ہے، سوائے تیری بیوی کے رفع کے ساتھ احدٌ سے بدل ہے اور ایک قراءت میں نصب ہے اھل سے استثناء کی وجہ سے یعنی تو اس کو اپنے ساتھ نہ لیجانا اس لئے کہ اسے بھی وہی پہنچنے والا ہے جو ان کو پہنچے گا کہا گیا کہ لوط علیہ الصلاۃ والسلام اپنی بیوی کو اپنے ہمراہ نہیں لے گئے اور کہا گیا ہے کہ وہ بھی نکلی تھی اور اس نے پیچھے کی

طرف مڑ کر دیکھا اور کہا ہائے میری قوم، چنانچہ ایک پتھر اس کو آکر لگا اور اس کو قتل کر دیا (حضرت) لوط علیہ الصلاۃ والسلام نے فرشتوں سے ان کی ہلاکت کا وقت معلوم کیا انہوں نے بتایا کہ ان کی ہلاکت صبح کے وقت ہے لوط علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کیا میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں تو جواب دیا کہ کیا صبح بالکل قریب نہیں ہے جب ان کی ہلاکت کا ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے ان کی بستیوں کو زیر وزبر کر دیا بایں صورت کہ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے ان بستیوں کو اوپر کی طرف اٹھایا اور پلٹ کر زمین پر ڈالدیا اور ہم نے ان بستیوں پر آگ میں پکے ہوئے مسلسل کنکر برسائے جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے یعنی اس پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس کو اس کے ذریعہ ہلاک کیا جانا تھا عند ربك، مسومة کا ظرف ہے اور وہ پتھریا ان کی بستیاں ظالموں یعنی اہل مکہ سے دور نہیں تھیں (شام آتے جاتے وہاں سے گذر ہوتا تھا)۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مصدرٌ اس میں اشارہ ہے کہ سلامًا سلّمنا فعل محذوف کا مصدر ہے اس میں اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا کہ سلامًا، قالوا کا مقولہ ہے حالانکہ مقولہ مفرد نہیں ہوا کرتا، اس اضافہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلامًا مفرد نہیں ہے بلکہ سلّمنا سے مل کر جملہ ہے۔

قولہ: علیکم، مفسر علام نے علیکم محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ سلامٌ مبتداء ہے اور علیکم اس کی خبر محذوف ہے۔

سوال: سلامٌ نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ سلامٌ میں تنوین تعظیم کی ہے ای سلامٌ عظیمٌ لہٰذا سلام کا مبتداء واقع ہونا درست ہو گیا یہ شرٌّ اَھرَّ ذاناب کے قبیل سے ہے نیز یہاں بھی مقولہ کے مفرد ہونے کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قولہ: بشریٰ خوش کن خبر، خوش کن خبر کا اثر چونکہ چہرۂ بشر پر ہوتا ہے اسلئے اس کو بشریٰ کہتے ہیں، بشریٰ سے یہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو اسحٰق اور ابن اسحٰق یعنی یعقوب کی خوش خبری مراد ہے جس کو آئندہ "فبشرناها باسحق الخ" سے بیان کیا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ بشریٰ سے عام خوشخبری مراد ہو تو اس میں حضرت لوط وغیرہ کی نجات اور اس کی بدکار قوم کی ہلاکت کی خوشخبری بھی شامل ہو گی، مفسر علام نے یہی آخری معنی مراد لئے ہیں۔

سوال: حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے جواب میں جملہ اسمیہ استعمال کیا اور فرشتوں نے جملہ فعلیہ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ سلام کے جواب کو سلام سے بہتر ہونا چاہئے اسلئے کہ شریعت کا یہی اصول ہے جواب سلام سلام سے جب ہی احسن ہو گا کہ جب جواب میں جملہ اسمیہ استعمال کیا جائے جملہ اسمیہ جملہ فعلیہ سے احسن ہوتا ہے اسلئے کہ جملہ اسمیہ دوام اور ثبات پر دلالت کرتا ہے۔

قولہ: اَنکَرَھم، نکرَھم کی تفسیر انکرھم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ لازم بمعنی متعدی ہے۔

قَوْلُہٗ: یاوَیْلَتَا، اصل میں یا ویلتِی تھا یاء اضافت کو الف سے بدل دیا۔

قَوْلُہٗ: رحمة اللّٰہ الخ یہ کلام مستانف ہے اور انکار تعجب کی علت ہے، یعنی تو اس سے تعجب نہ کر اسلئے کہ یہ تمہارے اوپر اللہ کی رحمت اور برکت ہے۔

قَوْلُہٗ: اَخَذَ یُجَادِلُنَا، یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ لَمَّا، کا جواب ماضی ہوتا ہے نہ کہ مضارع اور یہاں لَمَّا کا جواب یُجادلنا مضارع واقع ہورہا ہے جواب یہ ہے کہ یہاں اَخَذَ ماضی محذوف ہے اور وہی لَمَّا کا جواب ہے، اگرچہ ماضی مجازاً بھی لَمَّا کا جواب واقع ہوسکتا ہے بایں طور کہ مضارع پر لَمْ یا لَمَّا داخل ہوجائے مگر بہتر یہی ہے کہ حقیقةً ماضی جواب واقع ہو۔

قَوْلُہٗ: شانِ چونکہ لفظ قوم میں ظرف بننے کی صلاحیت نہیں ہے اسلئے لفظ شان محذوف مان لیا تاکہ، فی کا ظرف بننا صحیح ہوجائے۔

قَوْلُہٗ: لَبطشتُ بکم اس میں اشارہ ہے کہ لَوْ کا جواب محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: بالرفع بدل الخ اس لئے کہ استثناء کلام غیر موجب میں بدل مختار ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: استثناء من الاهل یعنی اِلَّا امرأتك، مِنَ الاهل سے استثناء ہے نہ کہ احدٌ سے اس لئے کہ اَحَدٌ سے استثناء قرار دینے میں امرأة کو التفات کا حکم دینا لازم آئے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

فَائِدَہ: اِلَّا امرأتكَ، نصب کے ساتھ یہ جمہور کی قراءت ہے اور ابوعمرو اور ابن کثیر کے نزدیک احدٌ سے بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، پہلی قراءت کی صورت میں اِمْراته، فاسرِ باهلك، سے مستثنیٰ ہوگا، ای اسرِ باهلك جمیعًا اِلَّا امرأتك فلا تُسربها، رفع کی قراءت کا ایک جماعت نے انکار کیا ہے، ان میں ابوعبید بھی شامل ہیں۔

(فتح القدیر شوکانی)

تَفسِیر وتَشرِیح

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنا اِبراهیمَ بالبشریٰ، یہ دراصل حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے قصے کا ایک حصہ ہے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابرہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برادرزادہ یعنی اپنے بھائی ہاران کے بیٹے ہیں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر سایہ گذرا تھا اور ان کی تربیت حضرت ابراہیم کی آغوش میں ہوئی تھی اسی لئے انہوں نے اور حضرت سارہ نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی تصدیق کی یہ دونوں حضرات ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرتوں میں بھی ہمیشہ ساتھ رہے، مصر کے سفر میں بھی یہ دونوں حضرات ساتھ تھے۔

حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بستی بحیرۂ میت (SeaDead) کے جنوب مشرق میں واقع تھی جبکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام فلسطین میں مقیم تھے، جب حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کی ہلاکت کا فیصلہ کرلیا گیا تو ان کی طرف فرشتے بھیجے

گئے، یہ فرشتے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ٹھہرے اور انھیں بیٹے کے بشارت دی۔

قالوا سلامًا قال سلامٌ الخ، ای سلّمنا علَیْكَ سَلامًا، یعنی ہم آپ کو سلام کرتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہتر طریقہ سے ان کے سلام کا جواب دیا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اول وہلے میں یہ نہ سمجھ پائے کہ یہ فرشتے ہیں اور انسانی شکل میں آئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ بڑے مہمان نواز تھے اس لئے فوراً ہی ان کے کھانے کا انتظام کیا اور بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لیکر حاضر ہو گئے مگر کھانا سامنے ہونے کے باوجود انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا ابراہیم کو اس سے اندیشہ ہوا کہ یہ مہمان نہیں معلوم ہوتے ممکن ہے کہ کسی غلط ارادہ سے آئے ہوں فرشتے اس اندیشے کو سمجھ گئے اور یہ کہتے ہوئے کہ ہم انسان نہیں فرشتے ہیں اندیشہ کو دور کر دیا ہم آپ کو فرزند کی بشارت دینے کے علاوہ ایک اور کام کیلئے بھیجے گئے ہیں، کہ قوم لوط پر عذاب نازل کر دیں حضرت سارہ یہ ساری گفتگو سن رہی تھیں، حضرت سارہ اولاد کی خوشخبری سنکر ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ کیا مجھ بڑھیا کے اولاد ہوگی اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں فرشتوں نے جواب دیا اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے تم اس سے تعجب نہ کرو آپ لوگوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے۔

ان فرشتوں کی تعداد کیا تھی اس میں اقوال مختلف ہیں حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے کہ تین فرشتے تھے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ فرشتے ہیں اگر اس خیال کو درست مان لیا جائے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ پھر ان کے سامنے کھانا کیوں لائے جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ فرشتے کھانا نہیں کھاتے۔

حضرت سارہ علیہا السلام کولڑکے کی خوشخبری:

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بجائے حضرت سارہ کولڑکے کی خوشخبری سنائی، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سارہ ہی اولاد کی زیادہ متمنی اور خواہشمند تھیں اسلئے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہاں تو حضرت ہاجرہ کے بطن سے پہلے ہی سیدنا اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہو چکے تھے حضرت سارہ بے اولاد تھیں ان کو خوش کرنے کے لئے فرشتوں نے حضرت سارہ کو خوشخبری سنائی اور خوشخبری صرف بیٹے اسحٰق ہی کی نہیں سنائی بلکہ ساتھ ہی پوتے یعقوب کی بھی خوشخبری سنائی جس وقت یہ خوشخبری سنائی اس وقت حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر تیرہ سال تھی اور اس خوشخبری کے ایک سال بعد حضرت سارہ کے یہاں حضرت اسحٰق پیدا ہوئے۔

حضرت سارہ علیہا السلام کیوں ہنسیں:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ قوم لوط کی فساد انگیزیوں اور بدکاریوں سے وہ بھی واقف تھیں ان کی ہلاکت کی خبر سنکر ان کو بھی مسرت ہوئی، بعض کہتے ہیں کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے اور ہنسنے کا تعلق اسی اولاد کی بشارت سے ہے جو فرشتوں نے

اس بوڑھے جوڑے کو دی۔

اہل بیت میں بیوی بھی شامل ہے:

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ کو فرشتوں نے اہل بیت میں شمار کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اہل بیت کی اولین مصداق اہلیہ ہوتی ہے لہٰذا اس سے اہل تشیع کے اس عقیدہ کی تردید ہوتی ہے کہ اہل بیت میں ازواج داخل نہیں، اہل تشیع اپنے دعوے پر لفظ علیکم سے استدلال کرتے ہیں کہ علیکم جمع مذکر کا صیغہ ہے جس میں مؤنث داخل نہیں حالانکہ سورۂ احزاب آیت ۳۳ میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت کہا گیا ہے اور انھیں بھی علیکم کے لفظ سے خطاب کیا ہے اور لفظ کی رعایت سے علیکم کہا گیا ہے۔

یجادلنا فی قوم لوط یہاں مجادلہ سے وہ کہا سنی مراد ہے جو قوم لوط کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اور فرشتوں کے درمیان ہوئی تھی، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرشتوں سے کہا جس بستی کو تم ہلاک کرنے جا رہے ہو اس میں لوط علیہ الصلاۃ والسلام اور دیگر مومنین موجود ہیں ان کا کیا ہوگا؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ بات ہمیں معلوم ہے لیکن ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو سوائے ان کی بیوی کے بچالیں گے، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے واقعہ کا بیان تو حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے قصہ کے لئے بطور تمہید کے ہے۔

وَلَمَّا جاءت رُسُلنا لوطاً سِیْءَ بھم الخ حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی اس سخت پریشانی کی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ فرشتے جو مہمانوں کی شکل میں آئے تھے، نوعمر، بے ریش، نہایت خوبرو تھے، جس سے حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم کی عادت خبیثہ کے پیشِ نظر سخت خطرہ محسوس کیا کیونکہ حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کو ابھی تک پتہ نہیں تھا کہ یہ نو وارد مہمان فرشتے ہیں اور اسی قوم کو ہلاک کرنے کیلئے آئے ہیں۔

اِدھر یہ ہوا کہ حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی بیوی جو کافرہ تھی اس نے قوم کے اوباشوں کو اپنے یہاں خوبرو مہمانوں کی آمد کی اطلاع کردی چنانچہ حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کا اندیشہ سامنے آگیا اور قوم کے لوگ حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے مکان پر چڑھ آئے، لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم کے لوگ اغلام بازی کی مخصوص شناعت کے علاوہ اور بھی بہت سی بری عادتوں میں مبتلا تھے، اور اجنبیوں اور پردیسیوں کے ساتھ تو ان کی بدسلوکی خاص طور پر بڑھی ہوئی تھی۔

قال یٰقوم ھٰؤلاءِ بناتی الخ بناتی کی تشریح اور مراد کی تعیین میں مفسرین کی کافی بحث ہوئی ہے آیا اس سے حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی صلبی بیٹیاں مراد ہیں یا امت کی عورتیں، ایک فریق نے صلبی بیٹیاں مراد لی ہیں یعنی حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے مہمانوں کی عزت و آبرو کا دفاع کرنے کیلئے اپنی بیٹیاں قوم کے سامنے پیش کردیں کہ تم میری ان بیٹیوں سے نکاح کرلو مگر مجھے اور میرے مہمانوں کو رسوا نہ کرو مگر قوم نے حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی ایک نہ سنی اور کہہ دیا کہ تم کو معلوم ہے کہ ہم کس چیز کے خواہشمند ہیں لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی شریعت میں مومنہ کا نکاح کافر سے جائز تھا اسلام کے ابتدائی زمانہ تک یہی حکم تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے

اپنی دو صاحبزادیوں کے نکاح کافروں سے کئے تھے ایک کا عتبہ بن ابی لہب سے اور دوسری کا ابوالعاص بن ربیع سے حالانکہ یہ دونوں کافر تھے، بعد میں کافر کے ساتھ مومنہ کے نکاح کی حرمت نازل ہوئی۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں بنات سے قوم کی عورتیں مراد ہیں اسلئے کہ نبی قوم کے لئے بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے اور امت بمنزلہ اولاد کے قرین قیاس بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بنات سے صلبی بیٹیاں مراد نہیں ہوسکتیں اسلئے کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کل دو یا تین بیٹیاں تھیں اور گھر پر چڑھ آنیوالا ایک کثیر مجمع تھا، دو یا تین لڑکیوں سے دو یا تین آدمیوں کا نکاح ہوسکتا تھا باقی لوگوں کا کیا ہوتا؟ بعض حضرات نے یہ تاویل کی ہے کہ ان کے دو سردار تھے ان کے لئے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح کی پیش کش کی تھی تا کہ وہ اپنی قوم کو مہمانوں کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے روکیں مگر یہ تاویل دل کو نہیں لگتی اس لئے کہ مزاج پوری قوم کا فاسد ہو چکا تھا وہ اس فعل شنیع سے باز آنیوالے نہیں تھے اور نہ اس میں کسی قسم کی قباحت محسوس کرتے تھے چنانچہ مندرجہ ذیل مفسرین نے امت کی عورتیں ہی مراد ہیں۔

المرادنساء امتِہٖ (کبیر عن مجاہد وسعید بن جبیر) وھذا القول عندی ھو المختار (کبیر) اخرج ابوالشیخ عن ابن عباس۔

قولہٗ "ھٰؤلاء بناتی قال ما عَرَضَ لوطٌ بناتَہٗ علی قومِہٖ لاسفاحًا وَلا نکاحًا، انما قال ھٰؤلاءِ نسائکم، واَخرجَ ابن جریر وابن ابی حاتم عن سعید بن جبیر نحوہ، واخرج ابن ابی الدنیا وابن عساکر عن السّدی نحوہ. (فتح القدیر شوکانی)

جب حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم سے ہر طرح عاجز ہو گئے اور قوم نے ان کی ایک نہ سنی تو حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر یہ کلمات آگئے "لَوْ أنَّ لی بکم قوۃ اَوْ آوی الی رکن شدید" یعنی کاش مجھ میں اتنی قوت ہوتی کہ میں اس پوری قوم کا خود مقابلہ کر سکتا یا پھر میرا کوئی جتھا ہوتا تو مجھے ان ظالموں کے ہاتھوں سے نجات دلاتا فرشتوں نے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اضطراب دیکھ کر بات کھول دی اور کہا گھبرایئے نہیں آپ کی جماعت بڑی قوی اور مضبوط ہے، ہم اللہ کے فرشتے ہیں ان کے قابو میں آنے والے نہیں ان پر عذاب واقع کرنے کے لئے آئے ہیں۔

اس موقع پر تورات کی عبارت:

"شہر کے مردوں یعنی سدوم کے مردوں نے جوان سے لے کر بوڑھوں تک سب لوگوں نے ہر طرف سے اس گھر کو گھیر لیا ورانہوں نے لوط کو پکار کر اس سے کہا وہ مرد جو آج کی رات تیرے یہاں آئے ہیں کہاں ہیں؟ انھیں ہمارے پاس باہر لا تا کہ ہم ان سے صحبت کریں تب لوط دروازہ سے ان کے پاس باہر گیا اور کواڑ اپنے پیچھے بند کیا اور کہا کہ اے بھائیو ایسا برا کام نہ کیجیو اب دیکھو میری دو بیٹیاں ہیں جو مرد سے واقف نہیں مرضی ہو تو ان کو تمہارے پاس نکال لاؤں، اور جو تمہاری نظر میں

پسند ہواں سے نکاح کرلو مگران مردوں سے کچھ کام نہ رکھو کیونکہ وہ اسی واسطے میری چھت کے سایہ میں آئے ہیں"۔

(پیدائش ۱۹:۴-۸)

قوم لوط کا مسکن:

شہر سدوم اور عمورہ بحر مردار کے ساحل پر واقع تھے اور قریش مکہ اپنے شام کے سفر میں برابر اسی راستہ سے آتے جاتے تھے ان آبادیوں کی ہلاکت کا زمانہ جدید تحقیق کے مطابق ۲۰۶۱ ق م ہے۔ (ماجدی)

وَ ارسلنا اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وحّدوه مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ نعمةٍ تغنيكم عن التطفيف وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ ان لم تؤمنوا عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿٨٤﴾ بكم يهلككم ووصفُ اليوم به مجازٌ لوقوعه فيه وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اَتمّوهما بِالْقِسْطِ بالعدلِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ لا تنقصوهم من حقّهم شيئًا وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٨٥﴾ بالقتلِ وغيرِه من عثي بكسرِ المُثلّثةِ افسدَ ومُفسدينَ حالٌ مُؤكّدةٌ لمعنى عاملها تَعثوا بَقِيَّتُ اللّٰهِ رزقه الباقي لكم بعدَ ايفاءِ الكيلِ والوزنِ خَيْرٌ لَّكُمْ من البخس اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿٨٦﴾ رقيبٍ أجازيكم باعمالكم انّما بُعثتُ نذيرًا قَالُوْا له استهزاءً يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ بتكليفنا اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ من الاصنام اَوْ نترك اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ المعنى هذا امرٌ باطلٌ لا يَدعُو اليه دَاعي خيرٍ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿٨٧﴾ قالُوا ذلكَ استهزاءً قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ حلالًا افأشُوبُه بالحرام من البخسِ والتطفيفِ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ واذهبَ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ فارتكبه اِنْ ما اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ لكم بالعدلِ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ قدرتي على ذلك وغيره من الطاعاتِ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿٨٨﴾ ارجعُ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ يكسبنّكم شِقَاقِيْٓ خلافي فاعلُ يجرمُ والضميرُ مفعولٌ اوّلٌ والثاني اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ من العذاب وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ اى منازلُهم اوز من هلاكهم مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٩﴾ فاعتبروا وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ بالمؤمنينَ وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾ محبٌ لهم قَالُوْا ايذانًا بقلةِ المبالاةِ يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ نفهمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ ذليلًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ عشيرتُك لَرَجَمْنٰكَ ؗ بالحجارةِ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾ كريمٍ عن الرجم وانما رهطُك هم الاعزةُ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ فتتركونَ قتلِي لاجلهم ولا تحفظوني للهِ

وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ ای اللّٰہ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا منبوذًا خلف ظهوركم لا تُراقِبُوْنَه اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ علمًا فيجازيكم وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ حالتِكم اِنِّیْ عَامِلٌ علی حالتی سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ موصولةٌ مفعولُ العلم يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْۤا اِنْتظِرُوا عاقبةَ امرِكم اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ منتظرٌ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا باهلاكهم نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ صاحَ بهم جبريلُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ باركينَ على الركبِ ميّتينَ كَاَنْ مخففةٌ ای كانّهم لَّمْ يَغْنَوْا يُقيموا فِيْهَا اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾

۸ ع ۱۴ ۸

ترجمہ: اور ہم نے اہل مدین کی جانب ان کے بھائی شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا میرے برادران قوم اللہ کی بندگی کرو یعنی اس کو ایک سمجھو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں، اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو، میں تم کو خوش حالی میں دیکھ رہا ہوں جس کی وجہ سے تم کم تولنے اور کم ناپنے سے مستغنی ہو، اگر تم ایمان نہ لائے تو مجھے تمہارے بارے میں تم کو گھیرنے والے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جو تم کو ہلاک کردے گا، اور یوم کی صفت مـحیط مجاز ہے عذاب کے اس میں واقع ہونے کی وجہ سے، اور اے میرے برادران قوم تم انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں نقصان نہ پہنچاؤ، (یعنی) ان کے حق میں کچھ بھی کمی نہ کرو، اور قتل وغیرہ کے ذریعہ ملک میں فساد پھیلاتے مت پھرو، (تَعْثَوْا) عَثِیَ، ثاء کے کسرہ کے ساتھ ہے، بمعنی اَفْسَدَ، اور مفسدین اپنے عامل تَعْثَوْا کے معنی سے حال مؤکدہ ہے، پورا تولنے اور ناپنے کے بعد اللہ کا دیا ہوا جو تمہارے پاس بچ جائے وہ کم دینے سے بہت بہتر ہے اگر تمہیں یقین آوے اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں کہ تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دوں مجھے تو آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے تو انہوں نے شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استہزاء کے طور پر کہا اے شعیب کیا تیری نماز تجھ کو اس بات کا حکم کرتی ہے کہ تو ہم کو اس بات کا مکلّف بنائے کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباو اجداد بندگی کرتے تھے یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں اپنی منشا کے مطابق تصرف کرنا چھوڑ دیں، مطلب یہ کہ یہ غلط بات ہے کوئی خیر کی دعوت دینے والا اس کی دعوت نہیں دے سکتا، واقعی تم بڑے عقلمند دین پر چلنے والے ہو، انہوں نے یہ بات تمسخر کے طور پر کہی، شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا اے میری قوم کے لوگو! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل لئے ہوئے ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے بہترین حلال روزی دے رکھی ہے کیا میں اس میں حرام کی جو کہ وہ نجس اور کم ناپ تول ہے آمیزش کر دوں اور میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمہاری مخالفت کروں اور میں جس چیز سے تمہیں منع کرتا ہوں اس کی مخالفت کر کے اسی کی طرف چلا جاؤں یعنی خود اس کا ارتکاب کرلوں اور میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر انصاف کے ساتھ تمہاری اصلاح کرنے ہی کا ہے اور میری توفیق یعنی میری قدرت اس پر اور اس کے علاوہ پر اللہ ہی کی مدد سے ہے اور اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اے میری قوم کے لوگو کہیں ایسا نہ ہو کہ میری مخالفت تم کو مجرم بنادے (شِقَاقِی) یَجْرِمُ کا فاعل ہے اور کُمْ ضمیر مفعولِ

اول ہے اور دوسرا مفعول اَنْ یُّصیبَکم الخ ہے، اور تم کو ویسا ہی عذاب پہنچ جائے جیسا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو پہنچا تھا، اور قوم لوط یعنی اس کے مکانات یا ان کی ہلاکت کا زمانہ تم سے دور نہیں ہے، لہٰذا عبرت حاصل کرو اور اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو، یقین مانو میرا رب مومنین پر بڑا مہربان اور ان سے بہت محبت کرنے والا ہے بے توجہی کو ظاہر کرنے کے لئے ان لوگوں نے کہا اے شعیب تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں، اور ہم تو تجھ کو اپنے اندر کمزور ذلیل پاتے ہیں، اگر تیرے قبیلہ کا خیال نہ ہوتا تو یقیناً ہم تجھے سنگسار کردیتے اور تجھ کو سنگسار کردینا ہمارے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا البتہ تیرا قبیلہ عزت دار ہے، شعیب علیہ الصلاۃ والسلام نے جواب دیا اے میری قوم کے لوگو کیا میرا قبیلہ تمہارے نزدیک اللہ سے بھی زیادہ ذی عزت ہے؟ کہ جن کی وجہ سے تم میرے قتل سے باز رہتے ہو، اور اللہ کے لئے میری حفاظت نہیں کرتے ہو اور تم نے اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے یعنی تم نے اس کو پسِ پشت ڈالا ہوا سمجھ لیا ہے جس کی وجہ سے تم اس کی نگہداشت نہیں کرتے ہو بلاشبہ میرا رب تمہارا اعلیٰ احاطہ کئے ہوئے ہے لہٰذا وہ تم کو جزاء دے گا، اور اے میری قوم کے لوگو تم اپنے طریق پر عمل کئے جاؤ اور میں اپنے طور پر عمل کررہا ہوں تمہیں عنقریب معلوم ہوجائیگا کہ مَن موصولہ تعلمون کا مفعول ہے کون ہے وہ کہ جس کے پاس رسوا کن عذاب آئیگا؟ اور جھوٹا کون ہے؟ اور تم اپنے معاملہ کے انجام کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں، اور جب ان کو ہلاک کرنے کا ہمارا حکم آگیا تو ہم نے شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے اپنی رحمت سے بچا لیا اور ظالموں کو ایک چیخ نے جس کو جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام نے مارا تھا پکڑ لیا تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مردہ ہوکر پڑے رہ گئے (کَاَنْ) مخففہ ہے یعنی اصل میں کَاَنَّھُمْ تھا گویا کہ وہ ان گھروں میں کبھی رہتے ہی نہ تھے، خوب سن لو (اہل) مدین کو (رحمت سے) دوری ہوئی جیسی دوری ثمود کو ہوئی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: مَدْیَنَ، ای اھلَ مدینَ، شعیب علیہ الصلاۃ والسلام اسی قوم کے ایک فرد تھے جو ان کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، مدین حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے ایک بیٹے کا نام ہے جو ہاجرہ اور سارہ کے علاوہ ایک تیسری بیوی قطورا کے بطن سے تھے ان ہی کے نام پر ایک شہر کا نام مدین رکھا گیا، اس کا محل وقوع عقبہ سے شرقی جانب تھا آج کل اس کو ''معان'' کہتے ہیں یہ لوگ تجارت پیشہ تھے مصر فلسطین اور لبنان سے تجارت کرتے تھے۔

قَوْلُہٗ: وصف الیوم بہ مجازٌ لوقوعه فیه، یہ عبارت اس سوال کا جواب ہے کہ محیط، عذاب کی صفت ہے نہ کہ یوم کی حالانکہ محیط کی اضافت یوم کی جانب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس میں مجاز ہے چونکہ عذاب یوم میں واقع ہوگا اور یوم عذاب کا ظرف ہوگا اسی مناسبت کی وجہ سے مظروف کی اضافت ظرف کی جانب کردی ہے۔

قَوْلُہٗ: حال مؤكدة، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تَعْثَوْا کے معنی فساد کے ہیں اور مفسدین کے معنی بھی فساد کے ہیں لہٰذا اس میں تکرار ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ تکرار نہیں بلکہ باعتبار معنی کے تاکید ہے۔

قَوْلُہٗ: لا تَعْثَوْا عِثِیٌّ اور عُثِیٌّ سے نہی جمع مذکر حاضر، تم فساد برپا نہ کرو۔

قَوْلُہٗ: لمعنی عاملها، یعنی مفسدین اپنے عامل لا تَعْثَوْا کے معنی سے حال ہے اور معنی فساد ہیں۔

قَوْلُہٗ: بَقِيَّتُ اللّٰه لمبی تاء (تاء مطولہ) کے ساتھ اور ابوعمرو، کسائی اور باقیوں نے تاء مدورہ کے ساتھ پڑھا ہے، بَقِيَّة بچی ہوئی چیز، فعيلة کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے یعنی پورا تولنے اور حقوق ادا کرنے کے بعد جو بچے وہ تمہارے لئے اس سے بدرجہا بہتر ہے جو تم کم ناپ تول کر لوگوں کے حقوق مار کر بچا کر اور جمع کرتے ہو، بقیت کی اضافت اللہ کی طرف اس لئے ہے کہ اس ہی نے رزق عطاء کیا ہے یہاں طاعت اور اعمال صالحہ کے معنی میں نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: بتكليفنا اى بتكليفك ايّانا، بتكليفنا مقدر مان کر مفسر علام نے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ ترک، کفار کا فعل ہے اور مامور اَصَلٰوتك تامرك میں شعیب عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلامُ ہیں ترک کا ترجمہ یہ ہوگا اے شعیب کیا تیری نماز تجھ کو یہ حکم کرتی ہے کہ ہم بتوں کی بندگی ترک کر دیں، اور یہ ممکن نہیں ہے کہ ترك کا حکم تو شعیب عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلامُ کو ہو اور عمل اس پر کافر کریں۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور وہ بتكليفنا ہے، اب ترجمہ یہ ہوگا کہ اے شعیب کیا تیری نماز تجھ کو اس بات کا حکم کرتی ہے کہ تو ہم کو بتوں کی بندگی کو ترک کا مکلّف بنائے۔

قَوْلُہٗ: نَتْرك، اس سے اشارہ کر دیا کہ اَنْ نفعل کا بتاویل مصدر ہو کر مَا پر عطف ہے۔

قَوْلُہٗ: افأشوبه اس کے حذف میں اشارہ ہے اِنْ شرطیہ کا جواب محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاَذْهَبُ.

سَوَال: اَذْهَبُ مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَاب: اس لئے کہ یہاں اُخَالِفَ کا صلہ اِلٰی لایا گیا ہے حالانکہ اخالف کا صلہ الٰی نہیں آتا بلکہ عن آتا ہے اذهب محذوف مان کر بتا دیا کہ اخالف اَذْهَبَ کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا الٰی صلہ لانا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: ظِهْرِيًّا پس پشت ڈالا ہوا، الظهری ظَهْر کی جانب منسوب ہے، عرب کی یہ عادت ہے کہ کسی چیز کی طرف نسبت کرتے ہوئے تلفظ میں تغیر کر لیتے ہیں مگر اس پر دوسرے لفظ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ یہ تغیر کسی قاعدہ کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ غیر قیاسی ہوتا ہے مثلاً بِصریٌّ کسرہ کے ساتھ بولتے ہیں حالانکہ قیاس فتحہ کے ساتھ ہے اسی طریقہ پر ظِهریٌّ ہے حالانکہ قیاس ظَهْرِیٌّ فتحہ ظاء کے ساتھ تھا۔

تَفسِیر وتَشرِیح

حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر قرآن میں:

وَاِلَی مَدْیَنَ أخاهم شُعَیبًا، حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام اوران کی قوم کا تذکرہ اعراف اور ہود اور شعراء میں قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے اور حجر وعنکبوت میں اجمالی طور پر، قرآن کریم میں حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر دس جگہ آیا ہے۔

قوم شعیب:

حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت مدین یا مدیان میں ہوئی تھی، مدین کسی مقام کا نام نہیں بلکہ ایک قبیلہ کا نام ہے یہ قبیلہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے بیٹے مدین کی نسل سے تھا جو ان کی تیسری بیوی قطورا سے پیدا ہوا تھا، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ خاندان بنی قطورا کہلایا، مدین اپنے اہل وعیال کے ساتھ علاتی بھائی حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کے قریبی علاقہ حجاز ہی میں آباد ہوگیا تھا یہی خاندان آگے چل کر ایک بڑا قبیلہ بن گیا اور شعیب علیہ الصلاۃ والسلام بھی چونکہ اسی نسل اور اسی قبیلہ سے تھے اس لئے ان کی بعثت کے بعد یہ قبیلہ قوم شعیب کہلایا۔

اصحاب مدین یا اصحاب ایکہ:

یہ قبیلہ کس جگہ آباد تھا؟ اس کے متعلق عبدالوہاب نجار لکھتے ہیں کہ یہ حجاز میں شام کے متصل ایسی جگہ آباد تھا کہ جس کا عرض البلد افریقہ کے جنوبی صحراء کے عرض البلد کے مطابق پڑتا ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ شام کے متصل معان کے خطۂ زمین پر آباد تھا۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ مدین اور اصحابِ ایکہ دونوں ایک ہی قبیلہ کے نام ہیں یا الگ الگ قبیلہ تھے بعض کا خیال ہے کہ دونوں جدا جدا قبیلہ تھے، مگر راجح یہی ہے کہ دونوں ایک قبیلے کے نام ہیں حافظ عمادالدین ابن کثیر کا خیال ہے کہ یہاں ایکہ نام کا ایک درخت تھا اہل قبیلہ چونکہ اس درخت کی پوجا کرتے تھے لہٰذا اسی نسبت سے مدین کو اصحاب ایکہ کہا گیا، اصحاب الایکہ نسبی نام نہیں بلکہ مذہبی نام ہے، نسبی نسبت سے یہ قبیلہ مدین کہلایا اور مذہبی نسبت سے اَصحاب الایکہ کہلایا، مذکورۃ الصدر آیات میں حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام اوران کی قوم کا واقعہ مذکور ہے، ان کی قوم کفر وشرک اور ناپ تول میں کمی کے مرض میں مبتلا تھی، حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا اور اس کے انجام بد سے بھی آگاہ کیا مگر قوم اپنے انکار اور سرکشی پر قائم رہی تو پوری قوم کو ایک سخت عذاب کے ذریعہ ہلاک کردیا گیا، یہ عذاب سخت زلزلہ اور آگ کی شکل میں نازل ہوا تھا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ برهان بين ظاهر اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ سديد يَقْدُمُ يتقدم قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فيتبعونه كما اتّبعوه في الدّنيا فَاَوْرَدَهُمُ ادخلهم النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ هي وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ اى الدنيا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ لعنة بِئْسَ الرِّفْدُ العونُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ رفدهم ذٰلِكَ المذكور مبتدأ خبره مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ يا محمدُ مِنْهَا اى القرى قَاۗىِٕمٌ هلك اهله دونه وَّ منها حَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ هلك باهله فلا اثر له كالزرع المحصود بالمناجل وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ باهلاكهم بغير ذنب وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بالشرك فَمَآ اَغْنَتْ دفعت عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ يعبدون مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيره مِنْ زائدة شَيْءٍ لَّمَّا جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ عذابه وَمَا زَادُوْهُمْ بعبادتهم لها غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ تخسير وَكَذٰلِكَ مثل ذلك الاخذ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى اُريد اهلها وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ بالذنوب اى فلا يُغني عنهم من اَخذه شيءٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ روى الشيخان عن ابي موسى الاشعريّ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اِنّ اللّٰه ليُملي للظالم حتى اِذا اخذه لم يُفلِته ثم قرأ صلى الله عليه وسلم وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ الاية اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ المذكور من القصص لَاٰيَةً لعبرة لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ اى يوم القيمة يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ فيه النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ يشهده جميع الخلائق وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ لوقت معلوم عند الله يَوْمَ يَاْتِ ذلك اليوم لَا تَكَلَّمُ فيه حذف احدى التائين نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ تعالى فَمِنْهُمْ اى الخلق شَقِيٌّ وَّ منهم سَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ كُتِبَ كلُّ ذلك في الازل فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا في علمه تعالى فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ صوت شديد وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ صوت ضعيف خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اى مدة دوامهما في الدنيا اِلَّا غيرَ مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ من الزيادة على مدتهما مما لا منتهى له والمعنى خلدين فيها ابدا اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا بفتح السين وضمها فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا غيرَ مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ كما تقدم ودل عليه فيهم قوله عَطَاۗءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ مقطوع وما تقدم من التاويل هو الذي ظهر لي وهو خالٍ عن التكلف والله اعلم بمراده فَلَا تَكُ يا محمد فِيْ مِرْيَةٍ شك مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ من الاصنام انا نعذبهم كما عذبنا من قبلهم وهذا تسلية للنبي صلى الله عليه وسلم مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُهُمْ اى كعبادتهم مِّنْ قَبْلُ ۭ وقد عذبناهم وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ مثلهم نَصِيْبَهُمْ حظهم من العذاب غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ اى تامًا.

ع ۱۴ ۹ ۹

تَرجَمہ: اور یقیناً ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (بھی) اپنے معجزات اور روشن دلیلوں یعنی واضح دلیلوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا مگر انہوں نے فرعون ہی کی بات مانی حالانکہ فرعون کی بات درست نہیں تھی قیامت کے

دن (فرعون) اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور یہ لوگ اس کے پیچھے پیچھے ہوں گے جیسا کہ دنیا میں اس کی اتباع کرتے تھے، پھر ان (سب) کو دوزخ میں جا اتارے گا اور (دوزخ) بہت ہی بری جگہ ہے اترنے کی جس میں یہ لوگ اتارے جائیں گے اور اس دنیا میں بھی ان پر لعنت پڑی اور قیامت کے دن بھی پڑے گی، برا انعام ہے جو ان کو دیا گیا یہ مذکور چند بستیوں کی سرگذشت ہے جو ہم اے محمد تم کو سنا رہے ہیں ان بستیوں میں سے بعض تو (اب بھی) قائم ہیں کہ ان کے مکین ہلاک ہو گئے مگر بستیاں موجود ہیں اور ان میں سے بعض مع اپنے مکینوں کے ختم ہو گئیں کہ درانتی سے کٹی ہوئی کھیتی کے مانند ان کا نام ونشان بھی نہیں رہا، بغیر جرم کے ہم نے ان کو ہلاک کر کے ان پر ظلم نہیں کیا، لیکن شرک کر کے انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا سو ان کے وہ معبود جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر بندگی کیا کرتے تھے ان کا کچھ بھی دفاع نہ کر سکے، جب تیرے رب کا عذاب آگیا، اور ان کو بتوں کی عبادت نے بربادی کے سوا کچھ فائدہ نہیں پہنچایا اس پکڑ کے مانند تیرے رب کی پکڑ کا طریقہ ہے جبکہ وہ بستیوں کے ظالم باشندوں کو گناہوں کی وجہ سے پکڑتا ہے بستیوں سے بستیوں کے رہنے والے مراد ہیں یعنی اس کی پکڑ سے ان کو کوئی چیز نہیں بچا سکتی ہے بے شک اس کی پکڑ بڑی دردناک ہے اور بخاری ومسلم نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو اس کو چھوڑتا نہیں ہے پھر آپ ﷺ نے وکذلك اَخْذُ ربك الخ تلاوت فرمائی، یقیناً ان مذکورہ قصوں میں ان لوگوں کے لئے نشانِ عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں، یہ یعنی قیامت کا دن وہ دن ہے کہ جس میں سب لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ دن حاضری کا دن ہوگا اس دن میں تمام مخلوق حاضر ہوگی، اور ہم اس کو صرف تھوڑی مدت کے لئے جو اللہ کو معلوم ہے ملتوی کئے ہوئے ہیں (پھر) جس وقت وہ دن آئے گا تو کوئی شخص خدا کی اجازت کے بغیر بات تک نہ کر سکے گا (تَـكَـلَّمُ) میں ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے، پھر مخلوق میں سے بعض بدنصیب ہوں گے اور بعض ان میں سے خوش نصیب ہوں گے اور یہ سب کچھ روز ازل میں لکھا جا چکا ہے، سو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم میں بدنصیب ہیں وہ دوزخ میں ایسے حال میں ہوں گے کہ ان کی آگ میں زور کی اور آہستہ چیخ پکار ہوگی (اور) وہ اسی حالت میں ہمیشہ رہیں گے جبتک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں، دنیا میں ان کے دوام کی مدت تک (یہ دوام کے لئے ایک محاورہ ہے) سوائے (مـع) اس مزید مدت کے جو تیرا رب چاہے زمین وآسمان کی مدت پر کہ جس کی کوئی انتہا نہیں ہے، اور معنی (آیت) کے یہ ہیں کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، یقیناً میرا رب جو کچھ چاہے کر گذرتا ہے لیکن جو لوگ نیک بخت کئے گئے، سین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، وہ جنت میں ہوں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین قائم رہیں گے مگر جو تیرا رب چاہے جیسا کہ سابق میں گذرا، اور اس پر ان کے بارے میں باری تعالیٰ کا قول عـطـاء غیر مجذوذ دلالت کر رہا ہے یہ سب بے انتہا بخشش ہے (یعنی) ختم نہ ہونے والی، اور جو تاویل سابق میں بیان ہوئی (یعنی اِلَّا بمعنی غیر کی) یہ وہ ہے جو میرے سمجھ میں آئی، اور یہ تکلف سے خالی ہے، اور اللہ اپنی مراد خود ہی بہتر جانتا ہے، لہٰذا اے محمد جن بتوں کی یہ پرستش کر رہے ہیں اس سے شک میں نہ پڑیں ہم ان کو یقیناً عذاب دیں گے جیسا کہ ان سے پہلوں کو عذاب دے چکے ہیں، اور یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے ان کی پوجا پاٹ تو ایسی ہی ہے

جیسی کہ اس سے پہلے ان کے باپ دادا نے کی تھی اور ہم نے ان کو عذاب دیا، اور ہم ان کو عذاب کا بغیر نقصان کے پورا پورا حصہ دینے والے ہیں یعنی مکمل۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: بآیٰتِنَا و سُلطان مبینٍ، آیات سے مراد تورات اور سلطان مبین سے مراد معجزات ہیں۔ (فتح القدیر)

قِوْلَهُ: المرفود، بمعنیٰ عطاء، انعام، عون، مدد، المعاون، لعنت کو مرفود استہزاء کہا ہے۔

قِوْلَهُ: الورد اترنے کی جگہ، گھاٹ۔

قِوْلَهُ: مِنها، علامہ سیوطی نے منھا محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ حصید کا عطف قائمٌ پر ہے حصیدٌ مبتداء مؤخر اور منھا خبر مقدم ہے۔

قِوْلَهُ: حصید، فعیل صفت مشبہ بمعنی مفعول کٹی ہوئی کھیتی۔

قِوْلَهُ: یُفلتهٗ، اِفلات (افعال) چھوڑنا۔

قِوْلَهُ: فیهِ، اس میں اشارہ ہے کہ لَهٗ، میں لام بمعنی فی ہے۔

قِوْلَهُ: یَشهَدُهٗ ای یشهدُ فیه.

قِوْلَهُ: غیرَ ما شاء رَبُّكَ میں الا بمعنی غیر ہے، سوال اِلَّا بمعنی غیر لینے میں کیا مصلحت ہے؟ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: سوال یہ ہے کہ اِلَّا کے ذریعہ اگر استثناء خلود سے ہے جیسا کہ بعض نے کیا ہے تو یہ کافروں کے جہنم میں عدم خلود پر دلالت کرے گا حالانکہ امر واقعہ ایسا نہیں ہے اور اگر حکم اصلی سے استثناء ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا قول ففی النار ہے تو اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کفار جہنم میں داخل ہونے کے بعد بعض اوقات جہنم سے نکلیں گے حالانکہ یہ بھی خلاف واقعہ ہے۔

جَوَابٌ: حاصل جواب یہ ہے کہ اِلَّا بمعنی غیر ہے اور یہ عرب کے قول "عَلَیَّ الف اِلَّا الفان المتقدمان" یعنی میرے اوپر فلاں شخص کے ایک ہزار ہیں مع سابق دو ہزاروں کے یعنی ایک ہزار دو ہزار کے ساتھ مل کر تین ہزار ہیں اس وقت آیت کے معنی یہ ہوں گے اَنَّ لهم عذابٌ مدة دوام السمٰوٰتِ والارض فی الدنیا مع الزیادة التی لا آخر لَهَا علی مدة بقاءِ السمٰوات والارض.

قِوْلَهُ: کما تقدّمَ من قوله من الزیادة علی مدتهما مما لا منتهٰی له، یعنی جو تاویل ماقبل میں ہوئی ہے وہی یہاں ہوگی۔

قِوْلَهُ: انا نعذبهم الخ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ شک حکم کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور مِریة، حکم نہیں ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے ای لَا تك یا محمد فی مریة اِنا نعذبهم الخ.

قِوْلَهُ: کعبادتهم اس میں اشارہ ہے کہ ما یعبدون میں ما مصدریہ ہے یعنی یہ لوگ اپنے آباء کے عبادت کرنے کے

مطابق عبادت کرتے ہیں۔
قِوْلِہٗ: تامًا کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بعض اوقات کل بول کر بعض مراد ہوتا ہے مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا موسیٰ بآیتنا وَسُلطان مبین، اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی نشانیوں اور کھلی سند ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کی طرف بھیجا، آیات سے مراد بعض حضرات کے نزدیک تورات اور سلطان مبین سے معجزات مراد ہیں، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ آیات سے آیات تسعہ اور سلطان مبین (روشن دلیل) سے عصا مراد ہے، عصا اگرچہ آیات تسعہ میں شامل ہے لیکن یہ معجزہ چونکہ نہایت عظیم الشان تھا اس لئے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سلطان مبین سے وہ روشن دلائل مراد ہوں جو توحید وغیرہ کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعون اور اس کی قوم کے سامنے پیش کئے تھے۔

وَمَا امر فرعون برشید، یعنی کھلے معجزات دیکھ کر بھی فرعونیوں نے پیغمبر خدا (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بات نہ مانی اسی دشمن خدا کے حکم پر چلتے رہے حالانکہ اس کی کوئی بات ٹھکانے کی نہیں تھی جسے مان کر انسان بھلائی حاصل کرسکتا، فرعون جس طرح دنیا میں کفر وتکذیب کا امام تھا قیامت کے دن بھی امام رہے گا۔

فرعون چونکہ دنیا میں بدی اور بدکاری کا لیڈر تھا دوزخ میں بھی اس کی یہ لیڈری قائم رہے گی اور یہ حکم فرعون کے ساتھ خاص نہیں محققین نے کہا ہے کہ جو کوئی مفسدوں کا پیشوا ہوگا وہ اپنے متبعین اور ذریت کو لے کر ہی جہنم میں داخل ہوگا، اور یہی وہ گھاٹ ہے جہاں ٹھنڈے پانی کے بجائے بھسم کردینے والی آگ ملے گی، **وِرد** پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں جہاں پیاسے جاکر اپنی پیاس بجھاتے ہیں، لیکن یہاں جہنم کو ورد کہا گیا ہے۔

وَاتبعوا فی هذه لعنة الخ لعنت سے مراد پھٹکار اور رحمت الٰہی سے دوری ومحرومی ہے یعنی رہتی دنیا تک ان پر لعنت پڑتی رہے گی اور قیامت میں بھی فرشتے اور اہل موقف ان پر لعنت کریں گے۔

ذلك من انباء القریٰ، یعنی پچھلی قوموں کے قصے جو ہم تم کو سنا رہے ہیں ان میں دو قسم کی بستیاں تھیں ایک تو وہ کہ جن کو بالکل صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا یہاں تک کہ روئے زمین پر ان کا کوئی نشان تک نہیں چھوڑا مثلاً امت لوط کا مسکن کہ ان کا اب دنیا میں کوئی نشان بھی موجود نہیں دوسرے وہ جن کی آبادی ہلاک کردی گئی باقی وہ زمین اور علاقے قائم ہیں جیسے عاد وثمود کے مکانوں کے کھنڈر۔

وَاَمَّا الذین شقوا ففی النار الخ ان آیات کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ جس قدر مدت آسمان اور زمین دنیا میں باقی رہے اتنی ہی مدت اشقیا (بدکار) دوزخ میں اور سعداء (نیکوکار) جنت میں رہیں گے مگر جو اور زیادہ چاہے تیرا رب، وہ اسی کو معلوم ہے اسلئے کہ جب طویل سے طویل زمانہ کا تصور کرتے ہیں تو اپنے ماحول کے اعتبار سے بڑی مدت یہی خیال میں آتی ہے

اس لئے مادامت السموٰات والارض وغیرہ الفاظ محاورات عرب میں دوام کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں، باقی دوام وابدیت کا اصلی مدلول جسے لامحدود زمانہ کہنا چاہئے وہ حق تعالیٰ کے علم غیر متناہی کے ساتھ مختص ہے جس کو ماشاء ربّك سے ادا کیا ہے۔

دوسرے معنی آیت کے یہ ہو سکتے ہیں کہ لفظ مادامت السموٰات والارض کو کنایہ دوام سے مانا جائے یا آسمان و زمین سے آخرت کی زمین مراد لی جائے جیسے فرمایا "یوم تبدّل الارض غیر الارض والسموٰات (سورۂ ابراہیم) مطلب یہ ہوا کہ اشقیاء دوزخ اور سعداء جنت میں اس وقت تک رہیں گے جب تک آخرت کی زمین و آسمان باقی رہیں گے یعنی ہمیشہ، مگر جو چاہے تیرا رب تو موقوف کر دے، وہاں ہمیشہ نہ رہنے دے کیونکہ دوزخیوں اور جنتیوں کا خلود بھی اسی کی مشیت اور اختیار سے ہے لیکن وہ چاہ چکا کہ کفار و مشرکین کا عذاب اور اہل جنت کا ثواب کبھی موقوف نہ ہوگا۔ (فوائد عثمانی)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ التوراة **فَاخْتُلِفَ فِيهِ** بالتصديق والتكذيب كالقرآن **وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ** بتاخير الحساب والجزاء للخلائق الى يوم القيمة **لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ** في الدنيا فيما اختلفوا فيه **وَإِنَّهُمْ** اى المكذبين به **لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ** ⑪⓪ موقع الريبة **وَإِنَّ** بالتشديد والتخفيف **كُلًّا** اى كل الخلائق **لَمَّا** ما زائدة واللام موطئة لقسم مقدر او فارقة وفي قراءة بتشديد لمّا بمعنى الّا فإن نافية **لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ** اى جزاءها **إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ** ⑪① عالم ببواطنه كظواهره **فَاسْتَقِمْ** على العمل بامر ربك والدعاء اليه **كَمَا أُمِرْتَ وَ** ليستقم **مَنْ تَابَ** آمن **مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا** تجاوزوا حدود الله **إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ** ⑪② فيجازيكم به **وَلَا تَرْكَنُوا** تميلوا **إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا** بموادة او مداهنة اورضى باعمالهم **فَتَمَسَّكُمُ** تصيبكم **النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ** اى غيره **مِنْ** زائدة **أَوْلِيَاءَ** يحفظونكم منه **ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ** ⑪③ تمنعون من عذابه **وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ** الغداة والعشى اى الصبح والظهر والعصر **وَزُلَفًا** جمع زلفة اى طائفة **مِنَ اللَّيْلِ** اى المغرب والعشاء **إِنَّ الْحَسَنَاتِ** كالصلوات الخمس **يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ** الذنوب الصغائر نزلت فيمن قبّل اجنبية فاخبره صلى الله عليه وسلم فقال الى هذا قال لجميع امتى كلهم رواه الشيخان **ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ** ⑪④ عظة للمتعظين **وَاصْبِرْ** يا محمد على اذى قومك اوعلى الصلوة **فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ** ⑪⑤ بالصبر على الطاعة **فَلَوْلَا** فهلّا **كَانَ مِنَ الْقُرُونِ** الامم الماضية **مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ** اصحاب دين وفضل **يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ** المراد به النفي اى ما كان فيهم ذلك **إِلَّا** لكن **قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ** نهوا فنجوا ومن للبيان **وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا** بالفساد وترك النهي **مَا أُتْرِفُوا** نعموا **فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ** ⑪⑥ **وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ** منه لها **وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ** ⑪⑦ مؤمنون

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً اہلَ دینٍ واحدٍ وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿١١٨﴾ فی الدین اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ اراد لهم الخیرَ فلا یختلفون فیه وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ای اهلَ الاختلافِ له واهلَ الرحمةِ لها وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ وهی لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ الجن وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَكُلًّا نصبٌ بنَقُصُّ وتنوینهُ عوضٌ عن المضافِ الیه ای كلَّ ما یحتاجُ الیه نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا بدلٌ من كلا نُثَبِّتُ نطمئنُ بِهٖ فُؤَادَكَ قلبكَ وَجَآءَكَ فِىْ هٰذِهِ الانباءِ اوالآیاتِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾ خُصُّوا بالذکرِ لانتفاعِهم بها فی الایمانِ بخلافِ الکفار وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ حالتِكم اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿١٢١﴾ علی حالتنا تهدیدٌ لهم وَانْتَظِرُوْا عاقبةَ امرِكم اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ ذلكَ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ای علمُ ما غابَ فیهما وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ بالبناءِ للفاعلِ یعودُ وللمفعول یُرَدُّ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فینتقمُ مِمَّنْ عصٰی فَاعْبُدْهُ وحِّدْه وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ثِقْ به فانّه كافِیْكَ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٣﴾ وانما یؤخِّرُهم لوقتِهم وفی قراءةٍ بالفوقانیةِ.

ترجمہ: امر واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو (بھی) کتاب تورات دی تھی اس میں بھی قرآن کے مانند تصدیق وتکذیب کرکے اختلاف کیا گیا تھا، اگر قیامت کے لئے مخلوق کے حساب وجزاء کی تاخیر کا تیرے رب کی طرف سے فیصلہ نہ کرلیا گیا ہوتا تو جس معاملہ میں وہ اختلاف کررہے ہیں دنیا ہی میں فیصلہ کردیا گیا ہوتا، اور یہ (قرآن) کی تکذیب کرنے والے قرآن کی طرف سے شک میں ڈالنے والے خلجان میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ (بھی) واقعہ ہے (ان) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے کہ پوری مخلوق کو جب وہ (اس کے حضور حاضر کرے گا) تو تیرا رب ان کے اعمال کی پوری پوری جزاء دیگا (لَمَا) میں ما زائدہ ہے اور لام قسم مقدر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے اور لام فارقہ ہے اور ایک قراءت میں لَمّا تشدید کے ساتھ بمعنی اِلّا ہے اور اِنْ نافیہ ہے بالیقین وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کے ظاہر اور باطن سے باخبر ہے لہٰذا اپنے رب کے حکم سے عمل اور دعوت الی الحق پر حکم کے مطابق ثابت قدم رہئے اور وہ بھی ثابت قدم رہیں جو آپ کے ساتھ ایمان لاچکے ہیں اور اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرو وہ یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہے لہٰذا وہ اس کی جزاء دے گا، (اور دیکھو) ظالموں کی طرف مت جھکنا ان کے ساتھ دوستی کرکے یا نرمی کرکے یا ان کے اعمال پر رضامندی ظاہر کرکے (ورنہ) تمہیں بھی آتش دوزخ لگ جائے گی، اور اللہ کے سوا دوسرا کوئی تمہارا حمایتی نہ ہوگا جو تم کو اللہ سے بچا سکے اور نہ تم اس کے عذاب سے بچائے جاؤ گے، اور (اے محمد) دن کے دونوں طرفوں صبح اور شام یعنی فجر کی اور ظہر کی اور عصر کی نمازوں کی پابندی رکھئے اور رات کے ایک حصہ میں (بھی) یعنی مغرب اور عشاء کی (زُلَفًا) زُلفة کی جمع ہے اس کے معنی حصہ کے ہیں، بلاشبہ نیکیاں مثلاً پنجوقتہ نماز صغیرہ گناہوں کو ختم کردیتی ہیں (مذکورہ آیت اس شخص ابوالیسر) کے بارے میں نازل ہوئی جس نے ایک اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا تھا، پھر اس کی اطلاع نبی ﷺ کو دی تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، تو اس شخص نے کہا کیا یہ (حکم) میرے لئے خاص ہے آپ نے فرمایا، میری پوری امت کے لئے

ہے، شیخین نے اس کو روایت کیا ہے، یہ ایک نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے، اور اے محمد اپنی قوم کی ایذا رسانی پر یا نماز کی پابندی پر صبر کرو طاعت پر صبر کے ذریعہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرماتے پس کس لئے تم سے پہلے سابقہ امتوں میں کیوں ایسے دیندار اور اصحاب فضل نہ ہوئے جو (لوگوں کو) فساد فی الارض سے روکتے؟ مراد (استفہام سے) نفی ہے یعنی ان میں ایسے لوگ نہیں ہوئے، لیکن بہت کم جن کو ہم نے ان میں سے نجات دی، کہ انہوں (برائی سے) روکا جس کی وجہ سے وہ نجات پا گئے، مِنْ بیانیہ ہے اور جن لوگوں نے فساد کے ذریعہ یا ترک نہی کر کے ظلم کیا وہ تو اسی سامانِ عیش کے پیچھے پڑے رہے جو ان کو دیئے گئے تھے اور وہ مجرم ہی رہے، اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلماً ہلاک کر دے حالانکہ اس بستی والے مومن ہوں، اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک دین پر کر دیتا اور وہ دین کے معاملہ میں مسلسل اختلاف ہی کرتے رہے، سوائے اس کے کہ جس پر تیرے رب نے رحم کیا کہ ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا تو انہوں نے دین میں اختلاف نہیں کیا اور اسی کے لئے ان کو یعنی اہل اختلاف کو اختلاف کے لئے اور اہل رحمت کو رحمت کے لئے پیدا فرمایا اور تیرے رب کی یہ بات پوری ہوگی اور وہ یہ کہ میں جہنم کو جنوں سے اور انسانوں سے بھر دوں گا، اور ہم رسولوں کے قصوں میں سے یہ تمام (مذکورہ) قصے سنا رہے ہیں (کلًّا) نَقُصُّ کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی ہر وہ قصہ جس کے سنانے کی ضرورت ہو مَا، کلًّا سے بدل ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ آپ کے دل کو تقویت (تسلی) دیں اور ان واقعات یا آیات میں بھی حق آپ کے پاس پہنچ چکا ہے اور مومنین کے لئے وعظ و نصیحت ہے مومنین کو اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ وہ ان پند و نصائح سے اپنے ایمان میں فائدہ اٹھاتے ہیں، بخلاف کفار کے آپ ایمان نہ لانے والوں سے کہدو تم اپنے طور پر عمل کئے جاؤ ہم اپنے طور پر عمل کر رہے ہیں (یہ) ان کے لئے تہدید (دھمکی) ہے تم اپنے عمل کے انجام کا انتظار کرو میں (بھی) اس کا انتظار کر رہا ہوں زمین اور آسمانوں کی پوشیدہ چیزوں کا علم صرف اللہ ہی کو ہے یعنی ان چیزوں کا علم جو ان میں مخفی ہیں، اور تمام امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے (یرجع) معروف اور مجہول دونوں طرح ہے لہٰذا وہ نافرمانی کرنے والے سے انتقام لے گا، تو آپ صرف اسی کی بندگی کیجئے اور اسی پر بھروسہ کیجئے اسلئے کہ وہ تمہارے لئے کافی ہے اور آپ کا رب ان باتوں سے غافل نہیں جو تم لوگ کر رہے ہو (یہ اور بات ہے) کہ ان کو اس نے ان کے وقت مقرر تک کے لئے مہلت دے رکھی ہے، اور ایک قراءت میں (تاء) فوقانیہ کے ساتھ ہے۔

تَحْقِیق و تَرکیب و تَسْہِیل و تَفْسِیْری فَوائد

قَوْلُہٗ: وَاِنَّ بالتشدید والتخفیف کُلًّا ای کلّ الخلائقِ لَمَّا، اِنَّ اور لَمَّا میں کل چار قراءتیں ہیں، ① اِنْ اور لَمَا دونوں مخفف، ② دونوں مشدد، ③ اِنْ مخففہ اور لَمَّا مشددہ، ④ اِنَّ مشددہ اور لَمَا مخففہ، یہ چاروں قراءتیں متواترہ ہیں۔

چاروں قراءتوں میں کُلًّا اسمِ اِنَّ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، اور اِنَّ کی خبر جملہ قسمیہ لَیُوَفِّیَنَّھُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَھُمْ ہوگی، اور لَمَّا مشددہ ہونے کی صورت میں لَیُوَفِّیَنَّھُمْ الخ جملہ ہو کر اِنَّ کی خبر ہوگی۔

قَوْلُهُ: الخلائق، لفظ خلائق محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ کُلٌّ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔

قَوْلُهُ: مَا زائدة، لَمَا مخففہ کی صورت میں مَا زائدہ ہے اگر مَا زائدہ کو حذف کر دیا جائے تو لفظ واحد پر دو لاموں کا داخل ہونا لازم آئیگا جو کہ موجب ثقل ہوگا اور تقدیر عبارت لَلَیُوَفِّیَنَّھُمْ ہوگی۔

قَوْلُهُ: وَالَّلام موطئة لقسم مقدرٍ یعنی لیوفینّھُمْ میں لام قسم کے حذف پر دال ہوگا، یعنی اس بات پر دلالت کرے گا کہ قسم محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: اَو فارقة، یعنی لَیُوَفِّیَنَّھُمْ میں لام فارقہ ہے یہ لیوفینّھُمْ کے لام میں دوسرے مذہب کی طرف اشارہ ہے، لام فارقہ کا مطلب ہے ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کرنے والا یعنی اگر خبر پر لام داخل ہو تو اس سے معلوم ہو جائیگا کہ اِنْ مخففہ عن المثقلہ ہے۔

تَنْبِیْہ: یہ بات یاد رہے کہ لام فارقہ اِن مخففہ کی خبر پر اس وقت داخل ہوتا ہے جب اِنْ مخففہ کو عمل سے روک دیا گیا ہو (یعنی اہمال کی صورت میں) جیسے اِنْ زیدٌ لَقائمٌ اور اگر ان زیدًا لقائم پڑھا تو التباس نہ ہونے کی وجہ سے لام فارقہ کی ضرورت نہ ہوگی، اور آیت کریمہ اِنَّ کُلًّا لَمَّا لَیُوَفِّیَنَّھُمْ میں چونکہ اِنَّ عاملہ ہے، لہٰذا لام کو فارقہ قرار دینا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اِن نافیہ اور مخففہ میں اسی وقت التباس ہوتا ہے جب ان کو عمل سے روک دیا گیا، اور بعض حضرات نے مذکورہ عبارت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ واللام مؤطیة کا تعلق اِنَّ مشددہ کی صورت سے ہے اور فارقہ کا تعلق مخففہ سے ہے۔

قَوْلُهُ: کُلًّا نصبٌ بنقصٌ یعنی کُلًّا سے پہلے نقصٌ محذوف ہے جو کُلًّا کا ناصب ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ قرآن کے بارے میں لوگوں کی نکتہ چینیوں اور چہ میگویوں سے رنجیدہ اور خاطر برداشتہ نہ ہوں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ہر نبی اور ہر کتاب کے بارے میں لوگوں نے یہی معاملہ کیا ہے جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو تورات دی گئی تھی تو اس کے بارے میں بھی اختلاف کیا گیا تھا، بے شک خدا کو یہ قدرت تھی کہ یہ اختلاف و تفریق پیدا نہ ہونے دیتا اور پیدا ہونے کے بعد دم زدن میں فیصلہ کرتا مگر اس کی حکمت تکوینی کے تحت یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ انسان کو ایک خاص حد تک کسب و اختیار کی آزادی دیکر آزمائے کہ وہ کس راستہ پر چلتا ہے آیا وہ خالق و مخلوق کا حق پہچان کر رحمت خداوندی کا مستحق بنتا ہے یا کجروی اور غلط کاری سے خدا کے غیظ و غضب کا مستحق قرار پاتا ہے، غرضیکہ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر انسان کی ساخت ایسی بنائی کہ وہ نیکی یا بدی کے اختیار کرنے میں بالکل مجبور و مضطر نہ ہو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں خیر و شر نیکی و بدی کی ہمیشہ آمیزش جاری

رہے گی، اور وقت آنے پر ہر ایک کے اعمال کا پورا پورا بدلہ چکا دیا جائیگا، عام لوگ ان حکمتوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خلجان وتردد میں پڑے ہوئے ہیں کہ آئندہ بھی ان اختلافات کا فیصلہ ہوگا یا نہیں۔

فَاسْتَقِمْ کما اُمِرتَ الخ اس آیت میں آپ ﷺ اور اہل ایمان کو ایک تو استقامت کی تلقین کی جارہی ہے جو دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک بہت بڑا ہتھیار ہے دوسرے طغیان وسرکشی سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے، جو اہل ایمان کی اخلاقی قوت اور رفعتِ کردار کے لئے بہت ضروری ہے حتی کہ یہ تجاوز دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے وقت بھی جائز نہیں۔

وَلَا تَرکَنوا الی الذین ظلموا الخ سابقہ آیت میں خود کو تعدی اور عدوان سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے اب اس آیت میں ظالموں اور سرکشوں کی جانب میلان سے روکا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ظالموں کے ساتھ بے جا نرمی اور مداہنت کرتے ہوئے ان سے مدد کے طالب نہ ہو، ان کو اس سے یہ تاثر ملے گا کہ گویا تم ان کی دوسری باتوں کو بھی پسند کرتے ہو، اس طرح تمہارا یہ کام بڑا جرم بن جائے گا جس کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ آتش دوزخ کی کوئی لپٹ آپ کو بھی لگ جائے۔

وَاقم الصلٰوۃ طرفی النھار الخ دونوں سروں سے مراد بعض مفسرین نے فجر اور مغرب اور بعض نے صرف عشاء اور بعض نے عشاء اور مغرب دونوں کا وقت لیا ہے، امام ابن کثیر فرماتے ہیں ممکن ہے یہ آیت معراج سے پہلے نازل ہوئی جس میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں، کیونکہ اس سے قبل صرف دو ہی نمازیں ضروری تھیں ایک طلوع شمس سے قبل اور غروب سے قبل اور رات کے آخری حصہ میں تہجد کی نماز، پھر تہجد کی نماز امت سے معاف کردی گئی، پھر اس کا وجوب بقول بعض آپ ﷺ سے بھی ساقط ہوگیا، (ابن کثیر) یہ چار نمازوں کے اوقات کا بیان ہوگیا ظہر کی نماز کا وقت "اقم الصلوۃ لدلوك الشمس" میں آیا ہے، زُلَفًا، زُلفَة کی جمع ہے جس کے معنی ایک حصہ کے ہیں۔

ایک عظیم فائدہ:

اس آیت میں نمازوں کے اوقات کے بیان کے بعد بتلایا گیا ہے کہ "اِنَّ الحسناتِ یُذھبنَ السّیات" یعنی نیک کام برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں، نیک کاموں سے ہر قسم کے نیک کام مراد ہیں مگر نمازوں کو ان سب میں اولیت حاصل ہے اسی طرح سیآت کا لفظ تمام برے کاموں کو شامل ہے خواہ وہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ لیکن قرآن مجید کی ایک دوسری آیت نیز رسول اللہ ﷺ کے متعدد ارشادات نے اس کو صغیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ "اِنْ تَجْتَنِبُوا کبائرَ مَا تُنْھَونَ عنه نکفر عنکم سیآتکم" یعنی اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا خود کفارہ کردیں گے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کہ پانچ نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ان تمام گناہوں کا کفارہ ہوجاتے ہیں جو ان کے درمیان صادر ہوئے ہوں، جبکہ یہ شخص کبیرہ گناہوں سے بچا رہا ہو" مطلب یہ کہ بڑے گناہ تو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے مگر چھوٹے گناہ دوسرے نیک کاموں سے

معاف ہو جاتے ہیں، مگر تفسیر بحر محیط میں محققین علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صغیرہ گناہ بھی نیک کام کرنے سے جب ہی معاف ہوتے ہیں جبکہ آدمی ان کے کرنے پر نادم ہو اور آئندہ نہ کرنے کا ارادہ کرے ان پر اصرار نہ کرے۔

اِلَّا من رحم ربك ولذلك خلقهم الخ یعنی اللہ کی تقدیر اور قضاء میں یہ بات طے ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جنت کے اور کچھ ایسے ہوں گے جو جہنم کے مستحق ہوں گے اور دوزخ و جنت کو انسانوں اور جنوں سے بھر دیا جائیگا، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا "جنت اور دوزخ آپس میں جھگڑ پڑے، جنت نے کہا کیا بات ہے کہ میرے اندر وہی لوگ آئیں گے جو کمزور اور معاشرہ کے گرے پڑے لوگ ہوں گے؟ جہنم نے کہا میرے اندر تو بڑے بڑے جبار اور متکبر قسم کے لوگ ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت کی مظہر ہے تیرے ذریعہ سے میں جس کو چاہوں گا جزا دوں گا، اللہ تعالیٰ دوزخ اور جنت دونوں کو بھر دے گا، جنت میں ہمیشہ اس کا فضل ہوگا، حتی کہ اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو جنت کے باقی ماندہ رقبے کو بھر دے گی اور جہنم، جہنمیوں کی کثرت کے باوجود "هَلْ مِنْ مزید" کا نعرہ بلند کرے گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھے گا جس پر جہنم کہہ اٹھے گی قَط قَط وَعزتك "بس بس تیری عزت وجلال کی قسم"۔ (صحیح بخاری کتاب التوحید، باب النار)

بحمد اللہ تم

سُوْرَۃُ یُوْسُفَ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّاِحْدٰی عَشْرَۃَ اٰیَۃً وَّاثْنَا عَشَرَ رُکُوْعًا

سُوْرَۃُ یُوْسُفَ مَکِّیَّۃٌ مائۃ واِحْدٰی عَشْرَۃَ آیۃً.

سورۂ یوسف مکی ہے (۱۱۱) ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ الٓرٰ اللّٰہُ اعلمُ بمرادِہ بذلک تِلْکَ ھذہ الاٰیت اٰیٰتُ الْکِتٰبِ القراٰنِ والا ضافۃُ بمعنی من الْمُبِیْنِ ① المُظہر للحق من الباطل اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا بلغۃِ العربِ لَعَلَّکُمْ یا اھلَ مکۃَ تَعْقِلُوْنَ ② تفھمون معانیہ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ بایحائنا اِلَیْکَ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ مخففۃ ای وانّہ کُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ③ اُذکُرْ اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یعقوبَ یٰٓاَبَتِ بالکسر دلالۃً علیٰ یاء الاضافۃ المحذوفۃِ والفتح دلالۃً علی الف محذوفۃٍ قُلِبَتْ عن الیاء اِنِّیْ رَاَیْتُ فی المنام اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُھُمْ تاکیدٌ لِیْ سٰجِدِیْنَ ④ جُمِعَ بالیاءِ والنون للوصفِ بالسجود الذی ھو من صفاتِ العقلاء قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاکَ عَلٰٓی اِخْوَتِکَ فَیَکِیْدُوْا لَکَ کیدًا یَحْتالُوا فی ھلاکِکَ حسدًا لعلمِھم بتاویلھا من اَنّھم الکواکبُ والشمسُ اُمُّکَ والقمرُ ابوک کَیْدًا اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ⑤ ظاھرُ العداوۃِ وَکَذٰلِکَ کما رایتَ یَجْتَبِیْکَ یختارُکَ رَبُّکَ وَیُعَلِّمُکَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ تعبیر الرُّؤیَا وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکَ بالنبوۃ وَعَلٰٓی اٰلِ یَعْقُوْبَ اَوْلادِہ کَمَآ اَتَمَّھَا بالنبوۃِ عَلٰٓی اَبَوَیْکَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبَّکَ عَلِیْمٌ بخلقِہ حَکِیْمٌ ⑥ فی صُنعِہ بھم.

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، الٓر، اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہ آیتیں کتاب مبین حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کتاب کی ہیں (آیات الکتاب) میں اضافت بمعنی مِنْ ہے ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنا کر نازل کیا ہے تاکہ اے اہل مکہ تم اس کے معانی کو (پہلے) سمجھو، ہم نے اس قرآن کی وحی آپ کی طرف کر کے آپ کو ایک بہت عمدہ قصہ سنانا چاہتے ہیں اور امر واقعہ یہ ہے کہ آپ اس سے پہلے بالکل

بے خبر تھے اور اِنْ مخففہ ہے ای وانَّـہ وہ وقت قابل ذکر ہے کہ جب یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے ابا یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا تھا اے اباجان (أبَتِ) کی تاء کے کسرہ کے ساتھ جو کہ یاء اضافت محذوفہ پر دال ہے، اور تاء کے فتحہ کے ساتھ، جو کہ الف محذوفہ پر دال ہے جو کہ یاء سے بدلا ہوا ہے میں نے خواب میں گیارہ ستاروں کو اور شمس و قمر کو اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے (ساجدین) یاء نون کے ساتھ جمع لائی گئی ہے ستاروں کے سجدہ کے وصف سے متصف ہونے کی وجہ سے جو کہ عقلاء کی صفت ہے (یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے) کہا اے میرے پیارے بیٹے تم اپنے اس خواب کا تذکرہ اپنے بھائیوں سے نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی فریب کاری کریں حسد کی وجہ سے تیری ہلاکت کی کوئی تدبیر کریں ان کے اس خواب کی تعبیر سے واقف ہونے کی وجہ سے کہ کواکب سے مراد وہ خود ہیں اور شمس سے تیری والدہ اور قمر سے مراد تیرے والد ہیں شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے یعنی اس کی دشمنی ظاہر ہے، اور اس کے مطابق جو تو نے (خواب میں) دیکھا تیرا رب تجھ کو منتخب کرے گا، اور تجھ کو تعبیر رؤیا کا علم سکھائیگا اور تجھے تیرا رب نبوت کے ذریعہ بھرپور نعمتیں عطا کرے گا اور آل یعقوب یعنی اس کی اولاد کو بھی جیسا کہ اس سے پہلے نبوت کے ذریعہ تیرے باپ دادا ابراہیم و اسحٰق کو نعمتیں عطا فرمائیں، بے شک تیرا رب اپنی مخلوق سے باخبر ہے اور ان کے ساتھ انکی تدبیر کے بارے میں باحکمت ہے۔

تَحْقِیق وَتَرکِیب وَتَسْہِیل وَتَفْسِیری فَوائِد

قَوْلُہٗ: ھذہ الآیات، اس میں تلك اسم اشارہ مونث لانے کی وجہ کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: المظھر للحق اس میں اشارہ ہے کہ مبین اَبَانَ سے متعدی ہے۔

قَوْلُہٗ: بایحائنا، اس میں اشارہ ہے کہ مَا مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ کہ اسکے صلہ میں عائد کی ضرورت ہو۔

قَوْلُہٗ: مخففة ای اِنَّہٗ اس میں اشارہ ہے کہ اِنْ مخففہ عن المثقلہ اور اِنْ کا اسم ضمیر شان محذوف ہے ای اِنہٗ، اور لَمِنَ الغفلین میں لام فارقہ ہے۔

قَوْلُہٗ: دلالة علی الفٍ محذوفة، اسلئے کہ اسکی اصل یـا اَبَتَا تھی الف حذف کر دیا گیا فتحہ باقی رہ گیا تاکہ حذف الف پر دلالت کرے۔

قَوْلُہٗ: فی المنام، اس اضافہ میں اشارہ ہے کہ رأیتُ رؤیا سے بدل ہے نہ کہ رؤیت سے۔

قَوْلُہٗ: تاکیدٌ، رأیتُھُمْ رأیتُ کی تاکید ہے لہٰذا بے فائدہ تکرار کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: یحتالوا، کا اضافہ اس بات کا جواب ہے کہ کیدًا متعدی بنفسہ ہوتا ہے حالانکہ یہاں متعدی باللام لایا گیا ہے جواب کا حاصل یہ ہے کیدٌ کا احتیال کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی بالام لانا درست ہے۔

تفسیر وتشریح

آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد:

آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی ہوتی ہے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے کہ جب وہ کتاب اس قوم کی زبان میں ہو جو اس کے اولین مخاطب ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر آسمانی کتاب اسی قوم کی زبان میں نازل ہوئی جس قوم کی ہدایت کے لئے وہ نازل کی گئی، قرآن کریم کے اولین مخاطب چونکہ عرب تھے اس لئے قرآن عربی زبان میں نازل ہوا، علاوہ ازیں اپنی فصاحت وبلاغت اور اعجاز اور ادائے مافی الضمیر کے اعتبار سے دنیا کی بہترین زبان ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس اشرف کتب کو اشرف اللغات (عربی) اشرف الرسل (محمد ﷺ) پر اشرف الملائکہ (جبرئیل) کے ذریعہ نازل فرمایا۔

شان نزول:

شان نزول کے سلسلہ میں جو روایت ملتی ہے ایک ان میں سے وہ ہے جس کو ابن مردویہ اور ابونعیم اور بیہقی نے جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک یہودی بستانی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے محمد آپ مجھے ان ستاروں کے بارے میں بتلائیے جن کو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا، آپ ﷺ اس وقت خاموش رہے اس کے بعد حضرت جبرائیل نازل ہوئے ان گیارہ ستاروں کے نام بتائے آپ ﷺ نے اس یہودی بستانی کو بلایا اور اس سے کہا اگر میں ان کے نام بتادوں تو کیا تو ایمان لائیگا اس نے کہا ہاں، تو آپ نے ستاروں (بھائیوں) کے نام بتائے۔

① الذیال ② الوثاب ③ الطارق ④ فلیق ⑤ الصبح ⑥ القابس ⑦ الضروح ⑧ الخرثان ⑨ الکتفان ⑩ العمودان ⑪ ذوالفرغ۔ یہودی نے کہا صدقت یا محمد اور وہ اسلام نہیں لایا، مگر اس روایت کی سند میں کئی راوی متکلم فیہ ہیں اور ابن جوزی نے کہا یہ روایت موضوع ہے (اعراب القرآن للدرویش) بعض روایتوں میں ناموں کا اختلاف بھی ہے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مرحوم نے قصص القرآن میں سورۂ یوسف کا شان نزول اس طرح تحریر فرمایا ہے، لکھتے ہیں کہ سورۂ یوسف کے شان نزول کے سلسلہ میں حدیثی روایات اور مفسرین کے اقوال کا حاصل یہ ہے کہ کفار مکہ نے ایک مرتبہ نبی ﷺ کے متعلق گفتگو کی اور اپنی درماندگی اور پریشانی اور عاجزی کا اظہار کیا، اس

پر یہود نے ان سے کہا اس مدعی نبوت کو زچ کرنے اور جھوٹا ثابت کرنے کے لئے تم ان سے یہ سوال کرو کہ یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد شام سے مصر کیوں منتقل ہوئی؟ اور یوسف علیہ الصلاۃ والسلام سے متعلق جو واقعات ہیں ان کی تفصیل کیا ہے؟ اگر یہ نبی نہیں ہے تو ہرگز نہ بتا سکے گا۔

کفار نے یہود کی ہدایت کے مطابق ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دونوں سوال کئے اور آپ نے وحی کے ذریعہ ان کو سب کچھ بتا دیا جو سورۂ یوسف میں موجود ہے۔ (قصص القرآن)

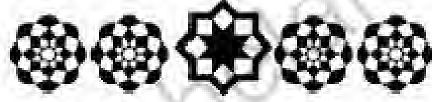

نقشہ قصّہ یُوسُف علیہ الصلاۃ والسلام

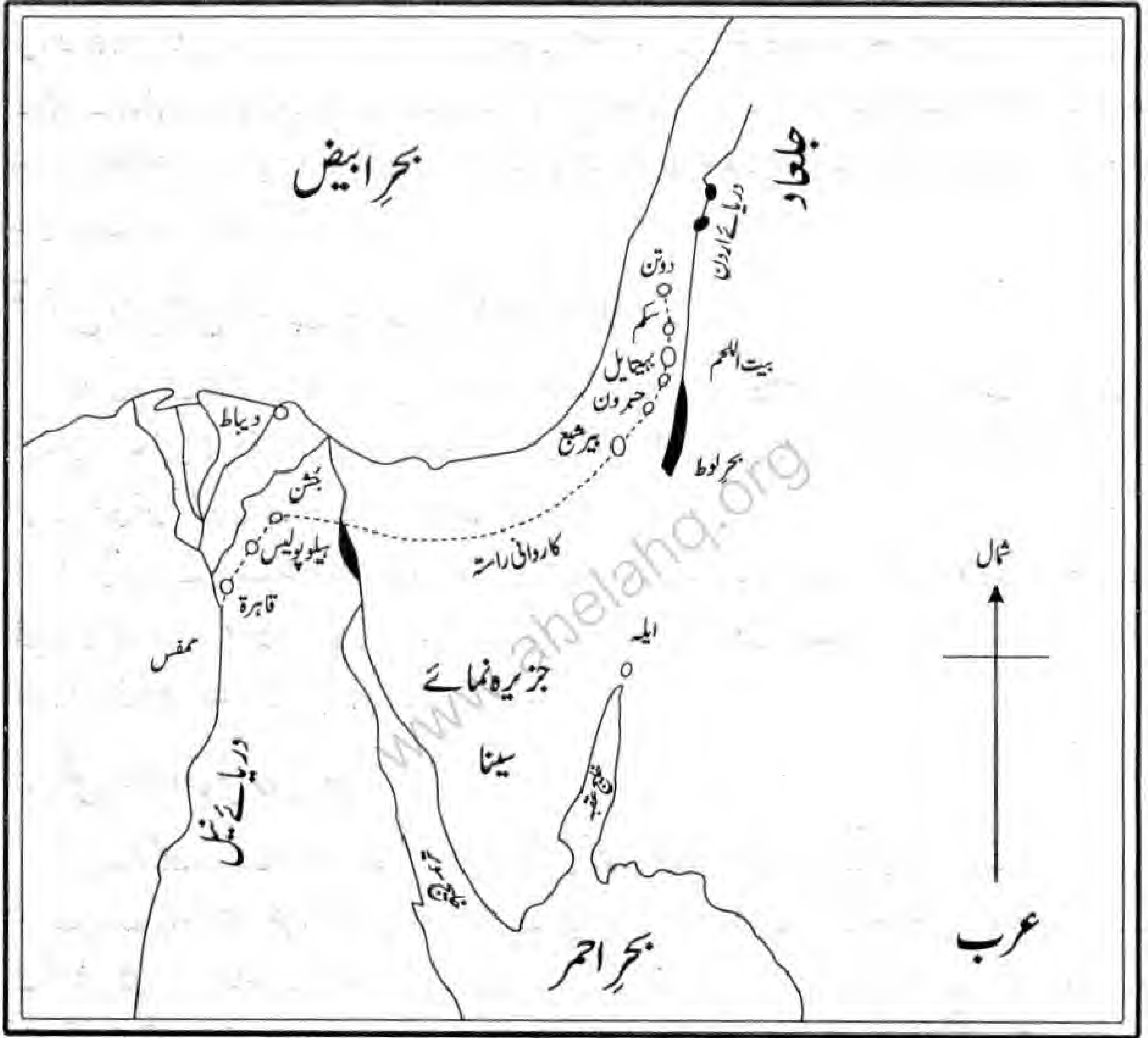

دوتن: وہ مقام جہاں بائبل کے بیان کے مطابق برادران یوسف نے حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو کنوئیں میں پھینکا۔

سِکم: وہ مقام جہاں حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی آبائی جائداد تھی اب اس مقام کا نام نابلس ہے۔

حبرون: وہ مقام جہاں حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام رہتے تھے اس کو الخلیل بھی کہتے ہیں۔

ممفس: مصر کا قدیم پایہ تخت اب اہل مصر اس کو منف کہتے ہیں۔

جُشن: وہ علاقہ جہاں حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے مصر میں بنی اسرائیل کو آباد کیا۔

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا نسب نامہ:

یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام اس طرح یوسف علیہ الصلاۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے پڑپوتے ہیں ان کی والدہ کا نام راحیل بنت لیّان یا لایان ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی والدہ کا انتقال ان کے چھوٹے بھائی بن یامین کی ولادت کے وقت مدت نفاس ہی میں ہو گیا تھا ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی خالہ لیا بنت لیان سے نکاح کر لیا تھا بن یامین حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے حقیقی بھائی تھے اور باقی بھائی علاتی (باپ شریک) تھے جن کے نام اوپر مذکور ہوئے۔

قرآن عزیز میں حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر:

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا نام قرآن کریم میں ۳۶ مرتبہ آیا ہے جن میں سے ۲۴ مرتبہ صرف سورۂ یوسف میں آیا ہے اور بقیہ مرتبہ دیگر سورتوں میں، اور حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی طرح ان کے نام کی بھی قرآن کی ایک سورت (سورۂ یوسف) نازل ہوئی۔

قرآن عزیز نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے واقعہ کو احسن القصص کہا ہے اس لئے کہ اس واقعہ میں جس قدر نوعیت کے اعتبار سے عجیب دل کش اور زمانۂ عروج و زوال کی زندہ یادگار ہے، یہ ایک فرد کے ذریعہ قوموں کے بننے اور بگڑنے، گرنے اور ابھرنے کی ایسی بولتی ہوئی تصویر ہے جو کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں۔

تاریخی وجغرافیائی حالات:

اس قصہ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ مختصراً اس کے متعلق کچھ تاریخی وجغرافیائی معلومات بھی ناظرین کے پیش نظر رہیں، حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کے بیٹے اور اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام کے پوتے اور حضرت ابراہیم کے پڑپوتے تھے، فلسطین میں حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی جائے قیام حبرون کی وادی میں تھی، حضرت اسحٰق اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا مسکن بھی یہی تھا، اس کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی کچھ زمین سکّم (موجودہ نابلس) میں بھی تھی، بائبل کے علماء کی تحقیق اگر درست مان لی جائے تو یوسف کی پیدائش ۱۹۰۶ ق م کے لگ بھگ ہوئی اور ۱۸۹۰ ق م میں خواب کا واقعہ پیش آیا جس سے اس قصہ کی ابتداء ہوتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا خواب اور واقعہ کی ابتداء:

اِذْقال یوسف لابیہِ یٰاَبَتِ اِنّی رأیتُ اَحَدَ عَشَرَ کوکبًا والشمس والقمر رأیتُھُمْ لی ساجدین حضرت یعقوب اپنی اولاد میں حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام سے بیحد محبت کرتے تھے یہ بات برادران یوسف کے لئے بے حد شاق اور

ناقابل برداشت تھی اور وہ ہر وقت اس فکر میں لگے رہتے تھے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کے دل سے اس کی محبت نکال ڈالیں یا پھر یوسف ہی کو راستہ سے ہٹادیں تاکہ قصہ ہی پاک ہوجائے۔

ان بھائیوں کے حاسدانہ تخیل پر تازیانہ یہ ہوا کہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج، چاند ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں، یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے جب یہ خواب سنا تو سختی کے ساتھ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو منع کردیا کہ اپنا یہ خواب کسی سے بیان نہ کریں ایسا نہ ہو کہ تیرے بھائی تیرے ساتھ برائی سے پیش آئیں اور تیرے خواب کی تعبیر بہت صاف ہے، جس وقت حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ خواب دیکھا تھا اس وقت حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی عمر باختلاف روایات ۱۳،۱۴یا۱۷سال تھی۔

خواب کا مطلب:

خواب کا صاف مطلب یہ تھا کہ سورج سے مراد حضرت یعقوب اور چاند سے مراد ان کی بیوی یعنی حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی سوتیلی والدہ اور گیارہ ستاروں سے گیارہ بھائی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس سے مراد والدہ اور قمر سے والد مراد ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا گیارہ ستاروں سے مراد یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے گیارہ بھائی اور چاند سورج سے مراد ان کے ماں باپ ہیں، والدہ راحیل کا اگرچہ انتقال ہوچکا تھا مگر اس وقت حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی خالہ لیّا حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کے نکاح میں تھیں خالہ اور سوتیلی ماں چونکہ حقیقی ماں کے قائم مقام ہوتی ہے اسلئے خالہ کو والدہ سے تعبیر کیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ خبرِ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖٓ وهم احدَ عشرَ اٰيٰتٌ عبر لِّلسَّآئِلِيْنَ ⑦ عن خبرهم أذكُرْ اِذْ قَالُوْا اى بعض اخوة يوسف لبعضهم لَيُوْسُفُ مبتدأ وَاَخُوْهُ شقيقه بنيامين اَحَبُّ خبرٌ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ جماعة اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ خطاءٍ مُّبِيْنٍ ⑧ بيِّنٍ بايثارهما علينا اِۨقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا اى بارض بعيدةٍ يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ بان يُقبلَ عليكم ولا يلتفتَ لغيركم وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ اى بعد قتل يوسف اوطرحه قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ⑨ بان تتوبُوا قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ هويهوذا لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ اطرَحُوه فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ مظلمِ البيرِ وفي قراءةٍ بالجمع يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ المسافرينَ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ⑩ ما اردتُم من التفريق فاكتفوا بذلك قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَالَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪ لقائمون بمصالحه اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا الى الصحراءِ يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ بالنون والياءِ فيهما ننشط ونتّسع وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑫ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا اى ذهابكم بِهٖ لفراقه وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ والمرادبه الجنسُ وكانت ارضُهم كثيرةَ الذئاب وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬ مشغولونَ قَالُوْا لَئِنْ لامُ قسمٍ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ جماعةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ⑭ عاجزونَ فارسَله

معهم فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا عزموا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ وجوابُ لمّا محذوفٌ اي فعلوا ذلك بأن نزعوا قميصه بعد ضربه واهانته وارادة قتله وادلوه فلما وصل الى نصف البئر القوه ليموت فسقط في الماء ثم اوى الى صخرةٍ فنادوه فاجابهم لظن رحمتهم فارادوا رضخه بصخرةٍ فمنعهم يهوذا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ في الجب وحيَ حقيقةٍ وله سبع عشرة سنةً اودونها تطميناً لقلبه لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بعد اليوم بِاَمْرِهِمْ بصنيعهم هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ بك حال الانباء وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً وقت المساء يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ نرمي وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا ثيابنا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ مصدقٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ عندك لاتهمتنا في هذه القصة لمحبة يوسف فكيف وانت تسيءُ الظن بنا وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ محلُّه نصبٌ على الظرفية اي فوقه بِدَمٍ كَذِبٍ اي ذي كذبٍ بأن ذبحوا سخلةً ولطخوه بدمها وذهلوا عن شقه وقالوا انه دمه قَالَ يعقوبُ لمّا راه صحيحًا وعلم كذبهم بَلْ سَوَّلَتْ زينت لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ففعلتموه به فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ لا جزع فيه وهو خبرُ مبتدأ محذوفٍ اي امري وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ المطلوبُ منه العونُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ تذكرون من امر يوسف وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ مسافرون من مدين الى مصر فنزلوا قريباً من جُبِّ يوسف فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ الذي يَرِدُ الماءَ ليستقي منه فَاَدْلٰى ارسل دَلْوَهٗ في البير فتعلّق بها يوسفُ فاخرجه فلمّا راه قَالَ يٰبُشْرٰى وفي قراءةٍ بشرى ونداؤها مجازٌ اي احضري فهذا وقتك هٰذَا غُلٰمٌ فعلم به اخوته فاتوهم وَاَسَرُّوْهُ اي اخفوا امره جاعليه بِضَاعَةً بأن قالوا هو عبدنا ابق وسكت يوسف خوفاً ان يقتلوه وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ اي باعوه منهم بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ ناقص دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ عشرين اواثنين وعشرين وَكَانُوْا اي اخوته فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ فجاءت به السيارةُ الى مصر فباعه الّذي اشتراهُ بعشرين دينارًا وزوجَي نعلٍ وثوبين۔

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں کہ وہ گیارہ تھے سوال کرنے والوں کے لئے بڑی عبرتیں ہیں، اس وقت کا تذکرہ کرو کہ جب یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائیوں نے آپس میں کہا کہ یوسف اور اس کا حقیقی بھائی بن یامین ہمارے ابا جان کے لئے ہمارے مقابلہ میں زیادہ چہیتے ہیں، لَیُوسف مبتدا ہے اور اَحَبُّ اس کی خبر ہے، حالانکہ ہمارا ایک جتھا ہے، ہمارے ابا جان ان دونوں کو ہم پر ترجیح دینے کے معاملہ میں کھلی غلطی پر ہیں (ایسا کرو) کہ یوسف کو قتل کر دو یا کسی دور ملک میں پہنچا دو (اس تدبیر سے) تمہارے ابا جان کی توجہ خالص تمہاری طرف ہو جائے گی، اس طریقہ پر کہ تمہاری طرف متوجہ رہیں گے تمہارے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ نہ کریں گے، یوسف کو قتل کرنے یا دور پہنچانے کے بعد، پھر توبہ کر کے نیک بن جانا ان میں سے ایک بولا یوسف کو قتل نہ کرو (بلکہ) کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دو، اور ایک قراءت میں

(غیابات) جمع کے ساتھ ہے، (ابا جان سے) جدا کرنے کے سلسلہ میں اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اسی پر اکتفا کرو، اسے مسافروں کا کوئی قافلہ نکال لے جائیگا (اس تجویز کے مطابق) انہوں نے (جا کر) کہا ابا جان کیا وجہ ہے کہ آپ یوسف کے معاملہ میں ہمارے اوپر اعتماد نہیں کرتے؟ حالانکہ ہم اس کے سچے خیر خواہ ہیں، یعنی اس کی مصلحتوں کا خیال رکھنے والے ہیں، کل اس کو ہمارے ساتھ جنگل کی طرف بھیج دیجئے تا کہ مزے سے کھائے کھیلے (اور ایک قراءت میں) دونوں (فعل) نون کے ساتھ ہیں تا کہ ہم تیر اندازی کریں اور کھیلیں کودیں، اور اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں، یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ تمہارا اس کو لیجانا اس کی جدائی کی وجہ سے مجھے بہت رنجیدہ کرے گا اور مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ کھا جائے اور (ذئب سے) جنس ذئب مراد ہے، اور ان کے علاقہ میں بھیڑیئے بکثرت تھے، اور تم اس سے غافل رہو یعنی کھیل کود میں مشغول رہو ان لوگوں نے جواب دیا واللہ اگر اسے بھیڑیا کھا جائے حال یہ کہ ہم ایک (بڑی) جماعت ہیں تب تو ہم ناکارہ ہی ٹھہرے، القصہ (یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے ساتھ بھیج دیا، چنانچہ جب اس کو لے گئے اور پختہ ارادہ کرلیا کہ اس کو کسی اندھے کنویں میں ڈال دیں (لَمَّا) کا جواب محذوف ہے اور وہ (فَعَلوا ذلك) ہے یعنی انہوں نے یہ کیا کہ اس کی قمیص اتارنے اور اس کو زدوکوب کرنے اور اس کی تذلیل کرنے کے بعد اس کو قتل کے ارادہ سے کنویں میں لٹکا دیا، جب یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام درمیان کنویں تک پہنچ گئے تو اس کو چھوڑ دیا تا کہ مرجائے، غرضیکہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پانی میں جا گرے پھر اس نے ایک پتھر کا سہارا لیا، تو بھائیوں نے اس کو آواز دی (یوسف نے) ان کی آواز پر یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید ان کو رحم آگیا ہو لبیک کہا، تو انہوں نے پتھر سے سر کچلنے کا ارادہ کیا، مگر یہودا نے ان کو اس حرکت سے منع کیا، اور ہم نے کنویں ہی میں یوسف کے پاس اطمینان قلبی کے لئے حقیقۃً وحی بھیجی اور یوسف اس وقت سترہ سال یا اس سے کچھ کم کے تھے کہ (اے یوسف) تو مستقبل میں ان کی اس حرکت کی خبر دے گا حال یہ کہ خبر دیتے وقت وہ تجھ کو نہ پہچان سکیں گے، اور شام کے وقت سب بھائی اپنے ابا جان کے پاس روتے ہوئے آئے کہا اے ہمارے ابا جان ہم تو تیر اندازی کے مقابلہ بازی میں مشغول ہوگئے تھے اور یوسف کو ہم نے اپنے کپڑے وغیرہ سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا اس کو تو بھیڑیا کھا گیا، آپ تو ہماری بات کا یقین کرنے والے ہیں نہیں اگرچہ ہم تمہارے نزدیک سچے ہیں مگر تم اس معاملہ میں یوسف کی محبت کی وجہ سے، ہمیں یقیناً متہم کرو گے، اور آپ ہماری بات کا یقین کر بھی کیسے سکتے ہو؟ جبکہ آپ ہمارے بارے میں بدگمانی رکھتے ہیں، اور برادران یوسف، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا لائے علی قمیصه ظرفیت کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے، ای فوق قمیصه، یعنی جھوٹا خون اس طریقہ پر کہ ایک بھیڑ کے بچہ کو ذبح کیا اور اس قمیص کو اس کے خون میں آلودہ کرلیا مگر قمیص کو پھاڑنا ان کے خیال سے نکل گیا اور کہد یا کہ یہ یوسف کا خون ہے، یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قمیص کو صحیح سالم دیکھا تو ان کے جھوٹ کو سمجھ گئے (یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کہا (جو تم کہہ رہے ہو) بات ایسی نہیں ہے بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات گھڑ لی جس کو تم نے اس کے ساتھ عملی جامہ پہنایا ہے، (اب تو) میرے لئے صبر ہی بہتر ہے صبر جمیل وہ ہے کہ جس میں کوئی شکوہ شکایت نہ ہو (آہ وفغاں نہ ہو) فصبرٌ جمیلٌ،

امری مبتداء محذوف کی خبر ہے اور یوسف کے معاملہ میں جو تم باتیں بنا رہے ہو اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے یعنی اسی سے مدد مطلوب ہے اور مدین کے مسافروں کا ایک قافلہ مصر جانے کے لئے آیا اور اس کنویں کے قریب پڑاؤ کیا جس میں یوسف علیہ الصلاۃ والسلام پڑے ہوئے تھے، اور اہل قافلہ نے اپنے سقے کو پانی لانے کے لئے بھیجا جس کی ذمہ داری پانی کا نظم کرنے کی تھی تاکہ اس سے سیرابی حاصل کریں، سو سقے نے جب کنویں میں ڈول ڈالا تو اس سے لٹک گئے اور یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو سقے نے نکال لیا، اور (وہ سقا) چلا اٹھا مبارک ہو اور ایک قراءت میں بُشْرىٰ ہے اور اس کو ندا مجازاً ہے، اے میری خوشخبری تو حاضر ہو جا یہ تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے، یہ تو ایک لڑکا ہے، چنانچہ اس کا علم اُس (یوسف) کے بھائیوں کو بھی ہو گیا، چنانچہ وہ قافلہ والوں کے پاس آئے، اور بھائیوں نے یوسف کو مال تجارت قرار دیتے ہوئے (واقعہ) کی اصل حقیقت کو چھپایا، اس طریقہ پر کہ انہوں نے کہا ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے اور یوسف اس خیال سے خاموش رہے کہ کہیں ان کو قتل نہ کر دیں، حالانکہ وہ جو کچھ کر رہے تھے اللہ اس سے باخبر تھا اور یوسف کے بھائیوں نے یوسف کو قافلے والوں میں سے ایک شخص کے ہاتھ بہت ہی قلیل قیمت یعنی گنتی کے چند درہموں یعنی بیس یا بائیس درہم کے عوض فروخت کر دیا، اور یوسف کے بھائی یوسف سے کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے، چنانچہ قافلہ یوسف کو مصر لے آیا، اور جس شخص نے یوسف کو خریدا تھا اس نے بیس دینار اور دو جوڑی جوتوں اور دو جوڑے کپڑوں میں یوسف کو بیچ دیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: خبر مفسر علام نے خبر مضاف محذوف مان کر ایک سوال کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ آیت میں یوسف علیہ الصلاۃ والسلام فی کا ظرف واقع ہے حالانکہ یوسف چونکہ ذات ہے اس لئے اس میں ظرف بننے کی صلاحیت نہیں جواب کا حاصل یہ ہے کہ یوسف ظرف نہیں ہے بلکہ یوسف سے پہلے خبر محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: مبتدأ، اس میں اشارہ ہے کہ لَیوسف پر لام ابتدائیہ ہے نہ کہ قسمیہ۔

قَوْلُهُ: شقيقهُ، اس میں اشارہ ہے کہ بنیامین حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے حقیقی بھائی تھے اور بقیہ تمام بھائی علاتی بھائی تھے۔

قَوْلُهُ: بارض بعيدة، بعيدة کے اضافہ میں اشارہ ہے کہ ارضاً کی تنوین تعظیم کے لئے ہے۔

قَوْلُهُ: غيابة الجُبِّ، تاریک کنواں، کنویں کی اندھیری، گہرائی۔

قَوْلُهُ: فاكتفوا بذلك، یہ ان كنتم کا جواب ہے جو محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: يرتع مضارع واحد مذکر غائب (فتح) پھل کھائے، مزے اڑائے، راتع چرنے والا۔

قَوْلُهُ: فعلوا ذلك یہ لَمَّا کا جواب ہے۔

قَوْلُہٗ: بـأن نـزعـوا قـمـيـصَـهٗ، باء تصویر یہ ہے کہ جو کہ صورت فعل کو بتانے کے لئے ہے، یعنی کنویں میں یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس طرح ڈالا؟

قَوْلُہٗ: بـالنون والياء فيها ننشط ونتسع اس اضافہ کا مقصد يرتع ويلعب میں دو قراءتوں کو بیان کرنا ہے یعنی يرتع اور يلعب واحد مذکر غائب اور جمع متکلم دونوں قراءتیں ہیں، اور ننشط نلعب کی تفسیر ہے یعنی تاکہ ہم تیراندازی میں مسابقت کریں اور نتسع یہ نرتعْ کی تفسیر ہے یعنی تاکہ ہم کھائیں اور مزے اڑائیں، اس تفسیر میں لف ونشر غیر مرتب ہے۔

قَوْلُہٗ: الـمراد به الجنس اس اضافہ سے یہ بتانا مقصود ہے الذئب میں الف لام عہد کا نہیں ہے اسلئے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذہن میں کوئی متعین بھیڑیا نہیں تھا بلکہ الف لام جنس کا ہے یعنی بھیڑیئے کا کوئی بھی فرد اس کو کھا جائے۔

قَوْلُہٗ: انّا اذًا لخاسرون، جواب قسم ہے۔

قَوْلُہٗ: جـوابُ لَمَّا محذوف یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ کلام تام نہیں ہے اسلئے کہ فَلَمَّا ذهبوا کا جواب مذکور نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ لَمَّا کا جواب محذوف ہے اور وہ فعلوا ذلك ہے۔

قَوْلُہٗ: رَضخَهٗ (ف) رَضخًا پتھر سے کچلنا، ٹکرانا۔

قَوْلُہٗ: ولو كنّا صادقين، اى فرضًا.

قَوْلُہٗ: لا تَّهَمْتَنَا یہ لو كنا کا جواب محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: مـحلّه نصبٌ على الظرفية، يعنى على قميصه ظرف ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے "وجاء وفوق قميصه بدمٍ كذبٍ".

قَوْلُہٗ: اى ذى كـذبٍ اس اضافہ کا مقصد اس اعتراض کو دفع کرنا ہے کہ بـدمٍ كـذبٍ میں مصدر کا حمل ذات پر ہے جو کہ درست نہیں ہے ذی کا اضافہ کر کے بتا دیا کہ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں، اور اگر ذی محذوف نہ مانا جائے تو بطور مبالغہ حمل درست ہوگا جیسا کہ زید عدل میں ہے۔

قَوْلُہٗ: الـذی یـرد الـمـاء یہ وارِدٌ کی تفسیر ہے یعنی وہ شخص جو پانی کا انتظام کرتا ہے جس کو سقا کہتے ہیں اس سقے کا نام مالک ابن ذعر خزاعی تھا۔

قَوْلُہٗ: ليستـسـقـى منه تاکہ کنویں سے پانی لائے، بعض نسخوں میں ليستقى ہے دونوں کا صلہ مِن آتا ہے، استقى من النهر، نہر سے پانی لایا۔

قَوْلُہٗ: فـى قراءة بُشرِىْ میری خوشخبری، بشارت کو نـداء مجازًا کہہ دیا ہے اس لئے کہ بشارت میں مخاطب بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَاِخوتِهٖ آيات للسائلين، اس آیت میں اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ قصہ یوسف کو محض ایک قصہ مت سمجھو بلکہ اس میں تحقیق کرنے والوں اور سوال کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

سائلین کون تھے؟

سورہ یوسف کے شان نزول کے سلسلہ میں یہ بات گذر چکی ہے کہ پوری سورہ یوسف مشرکین مکہ کے ایک سوال کے جواب میں بیک وقت نازل ہوئی تھی، مکہ میں جب آپ ﷺ کی نبوت کا چرچا ہوا تو مشرکین مکہ نے اس کی بڑی شدت سے مخالفت کی اور ایذا رسانی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا اور کوشش کی (بزعم خویش) اس فتنہ کو بہر صورت ختم کر دیا جائے، مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے اور اسلامی تحریک دن بدن ترقی کرتی رہی آخر کار مشرکین نے تنگ آکر یہودِ مدینہ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور اپنی پریشانی اور لاچاری کا اظہار کیا اس پر یہود نے کہا کہ تم اس مدعی نبوت سے دو سوال کرو ایک یہ کہ یعقوب کی اولاد شام سے مصر کیوں منتقل ہوئی؟ دوسرے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق واقعات کی تفصیل کیا ہے؟ اگر نبی نہیں ہے تو ہرگز نہ بتا سکے گا۔

کفار نے یہود کی ہدایت کے مطابق آپ ﷺ سے یہ دونوں سوال کئے اور آپ نے وحی الٰہی کے ذریعہ وہ سب کچھ ان کو سنا دیا جو سورہ یوسف میں موجود ہے۔

یہ واقعہ یہودیوں نے اس لئے منتخب کیا تھا کہ نہ اس واقعہ کی کوئی عام شہرت تھی اور نہ مکہ میں اس واقعہ سے کوئی واقف تھا اور اس وقت مکہ میں اہل کتاب میں سے بھی کوئی موجود نہیں تھا کہ ان کے ذریعہ تورات کے حوالہ سے یہ واقعہ معلوم ہو سکتا آپ ﷺ کا اس تفصیل سے واقعۂ یوسف کو بیان کر دینا یہ آپ کا معجزہ اور نبوت کی کھلی دلیل ہے اس لئے کہ ایک امّی کے لئے اس بسط وتفصیل سے واقعہ کو بیان کر دینا کہ تورات میں بھی اتنی تفصیل نہیں ہے یہ وحی الٰہی سے ہی ہو سکتا تھا۔

قطع نظر یہود کے سوال کے خود یہ واقعہ ایسے امور پر مشتمل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی بڑی نشانیاں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے بڑی ہدایتیں اور احکام ومسائل موجود ہیں کہ جس بچہ کو بھائیوں نے ہلاکت کے لئے کنویں میں ڈالا تھا اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اس کو کہاں سے کہاں پہنچایا، اس واقعہ کو سنکر قلوب میں حق تعالیٰ کی عظیم قدرت وحکمت کا نقش جم جاتا ہے، نبی کریم ﷺ کی صداقت کا بین ثبوت ملتا ہے، اس واقعہ میں خصوصاً مشرکین مکہ کیلئے جو یہود کے اکسانے پر آپ ﷺ سے سوال کر رہے تھے بڑی عبرت ہے کہ جس طرح یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھائیوں نے گھر سے نکالا از راہ حسد قتل اور جلاوطن کرنے کے مشورہ کئے قسم قسم کی اذیتیں پہنچائیں، اہانت اور استخفاف میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا آخر ایک وقت آیا کہ یوسف کی طرف نادم محتاج ہو کر آئے، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے دین ودنیا کے اعلیٰ مناصب پر فائز کیا اور انہوں نے اپنے عروج واقتدار کے

وقت بھائیوں کے جرائم سے چشم پوشی کی اور نہایت دریا دلی سے سب کے قصور معاف کردیئے ٹھیک اسی طرح محمد ﷺ کی برادری نے آپ کے متعلق ناپاک منصوبے بنائے اذیتیں پہنچائیں آپ ﷺ کی عزت وآبرو پر حملے کئے حتی کہ وطن چھوڑنے پر مجبور کیا، لیکن جلد ہی وہ دن آگیا کہ وطن سے علیحدہ ہوکر آپ کی کامیابی اور رفعت شان کا آفتاب چمکا اور چند ہی سالوں کے بعد فتح مکہ کا وہ تاریخی دن آگیا کہ جب آپ نے اپنے وطنی اور قومی بھائیوں اور جانی دشمنوں کی تمام تقصیرات پر بعینہ حضرت یوسف والے کلمات "لا تثریب علیکم الیوم" فرما کر قلم عفو پھیر دیا۔

واقعہ کی تفصیل:

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے بھائیوں کے واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کل بارہ بیٹے تھے ان میں سے ہر لڑکا صاحب اولاد ہوا ہے اور سب کے خاندان خوب پھلے پھولے، چونکہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لقب اسرائیل تھا اسلئے یہ بارہ خاندان بنی اسرائیل کہلائے، (معارف) ان بارہ بیٹوں میں سے دس بیٹے یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی بیوی لیا بنت لیان کے بطن سے تھے، ان کی وفات کے بعد یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لیا کی بہن راحیل بنت لیان سے نکاح کرلیا ان کے بطن سے دو لڑکے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بنیامین پیدا ہوئے، بن یامین حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی بھائی تھے اور باقی دس علاتی بھائی تھے جن کے ناموں کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ راحیل کا انتقال بھی ان کے بچپن میں بنیامین کی ولادت کے وقت ہوگیا تھا۔

دوسری آیت سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ شروع ہوا ہے کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائیوں نے اپنے والد صاحب کو دیکھا کہ وہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے غیر معمولی محبت رکھتے ہیں، اس پر ان کو حسد ہوا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی طرح بھائیوں کو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب کا علم ہوگیا ہو جس سے انہوں نے محسوس کیا ہو کہ یوسف کی بڑی شان ہونے والی ہے اس سے حسد ہوا اور وہ سمجھتے ہوں کہ محبت تو ہم سے زیادہ ہونی چاہئے اس لئے کہ ہم ایک بڑی اور طاقتور جماعت ہیں وقت پڑنے پر ہم ہی کام آسکتے ہیں یہ بچے کیا کام آسکتے ہیں؟ اسلئے ہمارے والد صاحب کی یہ کھلی ناانصافی ہے اس کے علاج کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو یوسف کو قتل کردو تاکہ قصہ پاک ہوجائے یا پھر ان کو کسی دور دراز ملک میں پہنچا دو اس طرح والد صاحب کی توجہ اور محبت تمہارے ساتھ مخصوص ہوجائیگی، رہا قتل یا کنویں میں ڈالنے کا گناہ تو بعد میں توبہ کرکے تم نیک بن سکتے ہو۔

وتکونوا من بعدہ قومًا صالحین، کے ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ یوسف کو راستہ سے ہٹانے کے بعد تمہارے حالات درست ہوجائیں گے کیونکہ باپ کی توجہ کا یہ مرکز ختم ہوجائیگا۔

قال قائل منھم، ان ہی بھائیوں میں سے ایک بھائی نے جو کہ ان میں سب سے زیادہ صائب الرائے تھے جس کا نام بعض مفسرین نے یہوذا اور بعض نے روبیل اور بعض نے شمعون بتایا ہے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اگر کچھ کرنا ہے تو اسے کنویں میں ایسی جگہ ڈال دو جہاں یہ زندہ رہے اور جب مسافر اس کنویں پر آئیں تو اس کو نکال کرلے جائیں، اس طرح تمہارا مقصد بھی پورا

ہو جائیگا اور اس کو لے کر تمہیں کہیں دور مقام پر جانا بھی نہ پڑے گا۔

قالوا یا ابانا مالك لاتأمنا علی یوسف جب بھائیوں کے درمیان مشورہ میں یہ بات طے ہوگئی کہ یوسف کو کسی اندھیرے کنویں میں ڈالدیا جائے تو اپنے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خیر خواہانہ انداز میں یہ درخواست پیش کی کہ ابا جان یہ کیا بات ہے کہ آپ کو یوسف کے بارے میں ہم پر اطمینان نہیں حالانکہ ہم اس کے پورے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں، کل آپ اس کو ہمارے ساتھ سیر وتفریح کے لئے بھیج دیجئے کہ وہ بھی آزادی کے ساتھ کھائے پیئے اور کھیلے کودے، اور ہم اس کی پوری طرح حفاظت کریں گے، حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا میں اس کو تمہارے ساتھ بھیجنا دو وجہ سے پسند نہیں کرتا اول مجھے اس نور نظر کے بغیر چین نہیں آتا دوسرے یہ کہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری غفلت کی وجہ سے اسے کوئی بھیڑیا کھا جائے۔

یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کو بھیڑیئے کا خطرہ محسوس ہونے کی وجہ:

یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے بھیڑیئے کا خطرہ یا تو اس وجہ سے محسوس کیا کہ سرزمین کنعان میں بھیڑیئے زیادہ تھے، اور یا اس وجہ سے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک خواب دیکھا تھا کہ وہ خود ایک پہاڑ کے اوپر ہیں اور یوسف علیہ الصلاۃ والسلام پہاڑ کے دامن میں ہیں اچانک دس بھیڑیوں نے یوسف پر حملہ کرنا چاہا مگر ان میں سے ایک بھیڑیئے نے مدافعت کر کے چھڑا دیا، پھر یوسف علیہ الصلاۃ والسلام زمین کے اندر چھپ گئے، جس کی تعبیر بعد میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ دس بھیڑیئے یہ دس بھائی تھے اور جس بھیڑیئے نے مدافعت کر کے ان کو ہلاکت سے بچایا وہ بڑے بھائی یہوذا تھے، اور زمین میں چھپ جانا کنوئیں کے گہرائی کی تعبیر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک روایت میں منقول ہے کہ یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کو اس خواب کی بنا پر خود ان بھائیوں سے خطرہ تھا ان ہی کو بھیڑیا کہا تھا مگر مصلحتًا پوری بات ظاہر نہیں کی۔

امام قرطبی نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو کنوئیں میں ڈالنے کا واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ جب ان کو کنوئیں میں ڈالنے لگے تو وہ کنوئیں کی من سے چمٹ گئے بھائیوں نے ان کے ہاتھ باندھ دیئے تاکہ کسی چیز کو پکڑ نہ سکیں، اس وقت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے پھر ان سے فریاد کی مگر بجائے ان پر رحم کرنے کے جواب یہ ملا کہ گیارہ ستارے جو تجھے سجدہ کرتے ہیں ان کو بلا، وہی تیری مدد کریں گے، پھر ایک ڈول میں رکھ کر کنویں میں لٹکایا اور درمیان ہی میں رسی کاٹ دی اللہ تعالی نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی حفاظت فرمائی اور قریب ہی ایک پتھر کی چٹان جو باہر کو نکلی ہوئی تھی صحیح سالم اس پر بیٹھ گئے، بعض روایات میں ہے کہ جبرائیل نے ان کو چٹان پر بٹھا دیا۔

یوسف علیہ الصلاۃ والسلام تین روز کنوئیں میں رہے ان کا بھائی یہوذا دوسرے بھائیوں سے چھپ کر روزانہ ان کے لئے کھانا لاتا اور ڈول کے ذریعہ ان تک پہنچا دیتا۔

شام کو بھائیوں کا روتے ہوئے آنا:

وجاء و اباھم عشاءً یبکون، یعنی عشاء کے وقت یہ بھائی روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس پہنچے حضرت یعقوب ان کے رونے کی آواز سنکر باہر آئے، معلوم کیا کیا حادثہ پیش آیا ہے کیا تمہاری بکریوں پر کسی نے حملہ کیا ہے؟ اور یوسف کہاں ہے؟ تو بھائیوں نے کہا، ہم آپس میں دوڑ لگانے میں مشغول ہو گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا، اس درمیان یوسف کو بھیڑیا کھا گیا، اور ہم کتنے ہی سچے ہوں آپ کو ہمارا یقین تو آئیگا نہیں۔

شریعت میں جائز کھیلوں کا حکم:

ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ باہمی مسابقت (دوڑ) شریعت میں مشروع اور اچھی بات ہے جو جنگ و جہاد میں کام آتی ہے، خود رسول اللہ ﷺ سے بنفس نفیس مسابقت کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، صحابہ کرام میں سے سلمہ بن اکوع نے ایک شخص کے ساتھ دوڑ میں مسابقت کی تو سلمہ غالب آ گئے تھے۔

وجاء وعلی قمیصہ بدم کذب، یعنی یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے بھائی یوسف کے کرتے پر ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے اس کا خون لگا لائے تا کہ والد صاحب کو یقین دلائیں کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا جھوٹ ظاہر کرنے کے لئے ان کو اس بات سے غافل کر دیا کہ کرتے پر خون لگانے کے ساتھ اس کو پھاڑ بھی دیتے تا کہ بھیڑیئے کا کھانا ثابت ہو جاتا، یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے کرتہ کو صحیح سالم دیکھ کر فرمایا، بیٹو! یہ بھیڑیا کیسا حکیم اور عقلمند تھا کہ اس نے یوسف کو اس طرح کھایا کہ کرتہ کہیں سے نہیں پھٹا؟

اس طرح حضرت یعقوب پر ان کی جعل سازی کا راز فاش ہو گیا، تو فرمایا "بل سوّلت لکم انفسکم امراً فصبرٌ جمیل"۔

فائدہ: حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے کرتہ کے صحیح سالم ہونے سے برادران یوسف کے جھوٹ پر استدلال کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قاضی یا حاکم کو فریقین کے دعوے اور دلائل کے ساتھ حالات اور قرائن پر بھی نظر کرنا چاہئے۔ (قرطبی، معارف)

قافلہ کا ورود اور یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو کنوئیں سے نکالنا:

اتفاقاً ایک قافلہ اس سرزمین پر آنکلا یہ قافلہ شام سے مصر جا رہا تھا اور راستہ بھٹک کر اس غیر آباد میدان میں پہنچ گیا اور پانی کیلئے پانی کے منتظم سقے کو کنوئیں پر بھیجا، گو لوگوں کی نظر میں یہ اتفاقی واقعہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت تکوینی میں کوئی بخت و اتفاق نہیں، حق تعالیٰ شانہ، جس کی شان فَعّالٌ لما یرید ہے مخفی حکمتوں کے تحت ایسے حالات پیدا فرما دیتے ہیں کہ ظاہری واقعات سے ان کا جوڑ سمجھ میں نہیں آتا تو انسان ان کو اتفاقی حوادث قرار دیتا ہے۔

بہر حال قافلہ والوں نے اپنے ایک شخص کو جس کے ذمہ پانی کی فراہمی کی ذمہ داری تھی اس کا نام مالک بن ذعر بتلایا جاتا ہے پانی لانے کیلئے بھیجا، جب اسنے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے ڈول پکڑ لیا اور جو ڈول نکالا تو ایک کمسن نہایت ہی خوبرو بچہ برآمد ہوا بچہ کو دیکھ کر وہ فوراً ہی چلا اٹھا ''یا بشری هذا غلام'' بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا، جب یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے بھائیوں کو معلوم ہوا کہ قافلہ والوں نے یوسف کو کنوئیں سے نکال لیا ہے تو دوڑے ہوئے پہنچے، اس مقام پر بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ برادران یوسف نے یوسف کو قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا مگر مفسرین کے اس قول کی تائید نہ تورات سے ہوتی ہے اور نہ روایات سے اور نہ قرآن عزیز کی آیات سے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قافلے والوں ہی نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو کنوئیں سے نکالا اور غلام بنالیا، اور مال تجارت کے ساتھ ان کو مصر لے گئے۔

وَشَرَوْهُ بثمن بخس دَرَاهم مَعْدُوْدة، لفظ شراء عربی زبان میں خرید و فروخت دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے، یہاں دونوں ہی معنی کا احتمال ہے، ضمیر اگر برادران یوسف کی طرف لوٹائی جائے تو فروخت کرنے کے معنی ہوں گے اور اگر قافلہ والوں کی طرف لوٹائی جائے تو خریدنے کے معنی ہوں گے، ابن کثیر نے بروایت عبداللہ بن مسعود لکھا ہے کہ بیس درہم میں سودا ہوا اور دس بھائیوں نے دو دو درہم آپس میں تقسیم کر لئے، تعداد کے سلسلہ میں ۲۲ اور ۴۰ دراہم کی روایات بھی ہیں۔

وکانوا فیه من الزاهدین، زاهدین، زاهد کی جمع ہے جو زهد سے مشتق ہے زهد کے لفظی معنی بے رغبتی اور بے توجہی کے ہیں محاورات میں دنیا کے مال و دولت سے بے رغبتی کے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں کہ برادران یوسف اس معاملہ میں دراصل مال کے خواہشمند نہ تھے ان کا اصل مقصد یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو باپ سے جدا کرنا تھا اس لئے قلیل دراہم میں معاملہ کر لیا۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ وهو قطفيرُ العزيز لِامْرَاَتِهٖٓ زليخا اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ مقامه عندنا عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وكان حصورًا وَكَذٰلِكَ كما نجيناه من القتل والجب وعطفنا قلبَ العزيز مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ارض مصر حتى بلغ مابلغ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ تعبير الرؤيا عطفٌ على مقدرٍ متعلقٌ بمكّنا اى لِنُمكّنه اوالواو زائدة وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ تعالى لا يُعجزه شيء وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وهم الكفار لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ذلك وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ وهو ثلثون سنةً او وَ ثلثٌ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا حكمةً وَّعِلْمًا ؕ فقهًا في الدين قبلَ ان يُبعثَ نبيًا وَكَذٰلِكَ كما جزيناه نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ لا نفسهم وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا هي زليخا عَنْ نَّفْسِهٖ اى طلبتْ منه ان يُواقِعَها وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ للبيت وَقَالَتْ له هَيْتَ لَكَ ؕ اى هلمّ واللامُ للتبيين وفي قراءة بكسر الهاء وأُخرى بضم التاء قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اعوذُ باللّٰهِ من ذلك اِنَّهٗ اى الذي اشتراني رَبِّيْٓ سيّدي اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ مقامي فلا اخونه في اهله اِنَّهٗ اى الشان لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ الزناة وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ قصدتْ منه الجماعَ وَهَمَّ بِهَا قصد ذلك لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ قال ابنُ عباس رضى اللّٰه تعالى عنهما مُثّل له يعقوبُ فضربَ صدرَه فخرجتْ شهوتُه من اناملِه وجوابُ لولا

لجامعها كَذٰلِكَ اريناه البرهان لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ الخيانة وَالْفَحْشَآءَ الزنا اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ في الطاعة وفي قراءة بفتح اللام اي المختارين وَاسْتَبَقَا الْبَابَ بادرا اليه يوسف للفرار وهي للتشبث به فامسكت ثوبه وجذبته اليها وَقَدَّتْ شقت قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا وجدا سَيِّدَهَا زوجها لَدَا الْبَابِ فنزهت نفسها ثم قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا زنا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اي يحبس اي السجن اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ مؤلم بأن يضرب قَالَ يوسف متبرئا هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ابن عمها روي انه كان في المهد فقال اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ قدام فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ خلف فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ زوجها قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ اي قولك ما جزاء من اراد الخ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ ايها النساء عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ثم قال يا يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا الامر ولا تذكره لئلا يشيع وَاسْتَغْفِرِيْ يا زليخا لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ الآثمين واشتهر الخبر وشاع.

ترجمہ: اور اس مصری شخص نے جس نے یوسف کو خریدا تھا جس کا نام قطفیر اور (لقب) عزیز تھا، اپنی بیوی زلیخا سے کہا اس کو عزت اور احترام کے ساتھ رکھنا (یعنی اس کو عزت کا مقام دینا اور اچھی طرح دیکھ بھال کرنا) بعید نہیں کہ ہمارے لئے نفع بخش ثابت ہو یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں اور عزیز عنین (نامرد) تھا، اور جس طرح ہم نے یوسف کو قتل اور کنویں سے نجات دی اور عزیز مصر کے دل کو اس کی طرف مائل کیا، اسی طرح ہم نے یوسف کو ملک مصر میں اقتدار عطا کیا حتی کہ وہ پہنچے جس مرتبہ پر پہنچے، (اور ہم نے ان کو قدرت دی) تاکہ ہم اس کو خوابوں کی تعبیر سکھائیں (لِنعلّمهٗ) کا عطف لِنملکهٗ محذوف پر ہے جو مکّنا سے متعلق ہے (تقدیر یہ ہے) اي مكّنا لِنُعلّمهٗ، یا واؤ زائدہ ہے، اور اللہ اپنے ارادہ پر غالب ہے اس کو کوئی شیٔ عاجز نہیں کرسکتی، لیکن اکثر لوگ کہ وہ کافر ہیں اس سے بے خبر ہیں اور جب یوسف پختہ عمر کو پہنچ گئے اور وہ ۳۰ یا ۳۳ سال ہے، تو ہم نے ان کو حکمت اور تفقه في الدين منصب نبوت پر فائز کرنے سے پہلے عطا کئے اور ہم اپنے اعمال میں نیکوکاروں کو اسی طرح کی جزاء دیتے ہیں اور وہ عورت کہ جس کے گھر میں وہ تھے اور وہ زلیخا تھی ان پر ڈورے ڈالنے لگی (یعنی پھنسانے کی کوشش کرنے لگی) یعنی اس سے اپنا مقصد پورا کرنے کا مطالبہ کرنے لگی، اور (ایک روز) دروازے بند کرکے بولی جلدی آجاؤ، (اے یوسف) تم ہی سے کہتی ہوں، لك کا لام تبیین کے لئے ہے اور ایک قراءت میں (هيتَ) ہاء کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور ایک دوسری قراءت میں تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے (یوسف علیہ الصلاۃ والسلام) نے کہا خدا کی پناہ (یعنی) میں زنا سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں، وہ جس نے مجھے خریدا اور عزت بخشی میرا مالک ہے اس کی ناموس میں خیانت نہیں کرسکتا، بات یہ ہے کہ ظالم (یعنی) زناکار فلاح نہیں پایا کرتے اور وہ پختہ ارادہ کرچکی تھی یعنی اس سے زنا کا پختہ قصد کرچکی تھی، یوسف بھی اس کا ارادہ کرلیتے اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یوسف کے سامنے یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی صورت کردی گئی (یعقوب

علیہ الصلاۃ والسلام نے) ان کے سینے پر (ہاتھ) مارا جس کی وجہ سے ان کی شہوت انگلیوں کے ذریعہ نکل گئی، اور لو لا کا جواب لجامعھا محذوف ہے، ہم نے برہان اسلئے دکھائی کہ ہم اس کو خیانت اور زنا سے باز رکھیں درحقیقت وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے، یعنی اطاعت میں اور ایک قراءت میں (مخلصین) کے لام کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی برگزیدہ (بندوں میں) اور دونوں (آگے پیچھے) دروازہ کی طرف بھاگے یوسف فرار کے لئے اور وہ اس کو پکڑنے کے لئے چنانچہ عورت نے یوسف کا کپڑا پکڑ لیا اور اس کو اپنی طرف کھینچا آخر کار عورت نے یوسف کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ دیا، اور دونوں نے اس کے شوہر کو دروازہ پر پایا تو عورت نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کیا سزا ہے اس شخص کی جو تیری بیوی سے زنا کا ارادہ کرے؟ سوائے اس کے کہ اس کو جیل میں قید کر دیا جائے یا یہ کہ اس کو زدوکوب کی سخت سزا دی جائے، یوسف نے اپنی براءت ظاہر کرتے ہوئے کہا اسی نے مجھے اپنے ساتھ پھانسنے کی کوشش کی، تو اس عورت کے خاندان والوں میں سے ایک گواہ نے یعنی اس کے چچازاد بھائی نے جو کہ گہوارہ میں تھا گواہی دی، کہا اس کا کرتہ اگر آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے، چنانچہ جب اس کے شوہر نے یوسف کے کرتے کو پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا، کہا تیرا یہ کہنا "مَا جَزَاءُ مَنْ اَرَادَ الخ"، تم عورتوں کا مکر ہے اے عورت بلاشبہ تمہارا مکر بھی غضب کا ہے پھر کہا اے یوسف تم اس بات کو جانے دو اور اس کا تذکرہ نہ کرو تاکہ اس کی شہرت نہ ہو، اور اے زلیخا تو اپنی خطاء کی معافی مانگ بلاشبہ تو ہی خطا کاروں میں سے ہے اور یہ خبر پھیل کر مشہور ہوگئی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وقال واؤ عاطفہ ہے، معطوف علیہ "فاشتراهُ عزیز مِصْرَ" ہے، ای فاشتراهُ وقال لِامْرَأتِهِ الَّذِی اشْتَرَاهُ، قال کا فاعل ہے مِنْ مصرَ کائنًا کے متعلق ہو کر فاعل سے حال ہے بعض حضرات نے لفظ مصر سے پہلے اہل محذوف مانا ہے تقدیر یہ ہوگی الذی اشتراہ من اھل مصر اور بعض نے من کو فی کے معنی میں لیا ہے ای اشتراہ فی مصر، اس صورت میں کوئی التباس نہیں رہتا۔ (تفسیر ماجدی)

لامرأتہ قال کے متعلق ہے، اور اکرمی مثواہ مقولہ ہے۔

قَوْلُہٗ: قطفیر، بروزن قندیل، مصر کے وزیر خزانہ کا نام ہے اس کا لقب عزیز ہے۔

قَوْلُہٗ: اکرمی مقامہ عندنا یعنی ان کو اپنے یہاں عزت و احترام سے رکھو۔

قَوْلُہٗ: حصورا یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، جماع پر قدرت نہ رکھنے والا۔

قَوْلُہٗ: لنعلمہ فعل مضارع ہے جو کہ لام کے بعد أن مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے، علامہ سیوطی نے ولنعلمہ میں دو ترکیبوں کی طرف اشارہ کیا ہے اول یہ کہ واؤ عاطفہ ہو اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی، مکناہ فی الارض لنملکہ ما

فیھا ولنعلمه من تاویل الاحادیث اس صورت میں لنعلمه کا عطف لنملکه محذوف پر ہوگا مفسر کے قول عطف علی مقدر کا یہی مطلب ہے دوسری صورت یہ کہ واؤ زائدہ ہو اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی، مکنا له فی الارض لنعلمه تاویل الاحادیث، نملکه اگر ملک بکسر المیم سے مشتق ہو تو معنی ہوں گے تا کہ ہم اس کو مالک بنائیں اور اگر ملک بضم المیم سے مشتق ہو تو معنی ہوں گے تا کہ اس کو بادشاہ بنائیں۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: اشده یہ واحد بروزن جمع ہے۔

تَنْبِیْہ: احقر کے پیش نظر جلالین کے نسخے میں عبارت لنمکنه ہے صحیح نسخہ لنملکه ہے۔

قَوْلُہٗ: راودته، اس عورت نے اس کو پھسلایا، ماضی واحد مؤنث غائب اور ضمیر واحد مذکر غائب کی ہے۔

قَوْلُہٗ: طلبت منه سے اشارہ کر دیا کہ مفاعلہ یہاں طرف واحد کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: هیت لك یہ کلمہ دو لفظوں سے مرکب ہے هیت اور لك، هیت اسم فعل بمعنی امر ہے بمعنی آ، لك میں لام جارہ ہے اور کاف مجرور ہے جار مجرور اقول فعل محذوف سے متعلق ہیں، اس کے معنی ہیں، میں تجھ ہی سے کہتی ہوں جلدی آ (روح) سراج میں خطیب نے لکھا ہے کہ هیت لك پورا اسم فعل ہے یہ ھلم کے معنی میں ہے جس کے معنی ہیں آ، اور هیت کے تاء میں تینوں اعراب ہیں لك میں لام مخاطب کی وضاحت کے لئے ہے، یعنی هیت میں جو مخاطب ہے اسی کو لك سے واضح کر دیا ہے کاف مخاطب کی ضرورت نہ ہونے کے باوجود وضاحت کے لئے لایا گیا ہے اسلئے کہ هیت کے معنی وہی ہیں جو هیت لك کے ہیں، جیسا کہ سقیالك بولتے ہیں حالانکہ سقیًا کاف خطاب کا محتاج نہیں ہے اسلئے کہ سقیًا کے معنی سقاك اللّٰه سقیا کے ہیں، لك کو محض تاکید کیلئے لایا گیا ہے۔ (اعراب القرآن للدرویش)

قَوْلُہٗ: معاذ اللّٰه یہ عاذ یعوذ کے مصادر میں سے ایک ہے۔

قَوْلُہٗ: وجواب لولا لجامعها یہ اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لولا کا جواب محذوف ہے نہ کہ ماقبل میں مذکور هم بها، اس لئے کہ لولا کا جواب لولا پر مقدم نہیں ہوتا۔

قَوْلُہٗ: اریناه اس میں اشارہ ہے کہ کذلك محذوف کا مفعول ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے، ای أریناه کذلك اور لنصرف کا لام ارینا محذوف کے متعلق ہے۔

تَفسِیر وتشریح

یوسف اور غلامی:

سلسلۂ واقعہ کی اگلی کڑی یہ ہے کہ یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک اسماعیلی مدیانی قافلے کے ہاتھوں ایک قلیل قیمت میں غلام گریختہ قرار دے کر فروخت کر دیا، یہ قافلہ شام سے مصر کو بخورات، بلسان اور مسالہ جات لے کر

جا رہا تھا، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یوسف کو خود ان کے بھائیوں نے ہی کنویں سے نکال کر قافلہ کے ہاتھوں فروخت کیا تھا، مگر مفسرین کے اس قول کی تائید و موافقت نہ تو تورات کرتی ہے اور نہ قرآن عزیز، بلکہ دونوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قافلے والوں ہی نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کنویں سے نکالا اور اپنا غلام بنالیا، اور مال تجارت کے ساتھ اس کو بھی مصر لے گئے۔

حضرت یوسف کی زندگی اور عظمتیں:

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا یہ پہلو اپنے اندر کس قدر عظمتیں پنہاں رکھتا ہے اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو چشم بصیرت رکھتا ہے، چھوٹی سی عمر ہے، والدہ کا انتقال ہو چکا ہے، باپ کی آغوش محبت تھی وہ بھی چھوٹی، وطن چھوٹا، بھائیوں نے بے وفائی کی، آزادی کی جگہ غلامی نصیب ہوگئی، مگر ان تمام باتوں کے باوجود نہ آہ وزاری ہے اور نہ جزع وفزع، قسمت پر شاکر، مصائب پر صابر اور قضائے الٰہی پر راضی برضاء سر نیاز خم کئے ہوئے بازار مصر میں فروخت ہونے کیلئے جا رہے ہیں، کسی نے خوب کہا ہے۔

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

یوسف مصر میں:

تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح مصر تمدن و تہذیب کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا یہاں کے حکمراں عمالقہ (ہکیسوس) تھے مصر کے حکمراں کا لقب فرعون ہوا کرتا تھا، جس وقت حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک غلام کی حیثیت سے مصر میں داخل ہوئے، مصر کا دارالسلطنت رعمیس تھا یہ غالباً اسی جگہ واقع تھا جہاں آج صان کی بستی واقع ہے، ان دنوں مصر کا حکمراں ریّان بن ولید تھا اور بعض نے ریان بن اسید بتایا ہے، اتفاق کی بات ہے کہ ملک مصر کا وزیر مالیات جس کو تورات نے فوطیفار یا قطفیر اور قرآن نے عزیز بتایا ہے ایک روز بازار مصر سے گذر رہا تھا کہ اس کی نظر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑی جن کی بولی لگ رہی تھی، لوگ بڑھ چڑھ کر قیمت لگا رہے تھے یہاں تک کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وزن کے برابر سونا اور اسی کے برابر مشک اور اتنے ہی ریشمی کپڑے قیمت لگ گئی، یہ دولت اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کے لئے مقدر کی تھی اس نے بڑی بھاری قیمت دیکر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خرید لیا۔

خدا کی قدرت وحکمت:

خدائے تعالیٰ کی کارسازی دیکھئے کہ ایک بدوی اور وہ بھی غلام ایک متمدن اور صاحب شوکت وحشمت رئیس کے یہاں جب پہنچتا ہے تو اپنی عصمت مآب زندگی، حلم و وقار اور امانت وسلیقہ مندی کے پاک اوصاف کی بدولت اس کی آنکھوں کا تارا اور دل کا دُلارا بن جاتا ہے اور وہ اپنی بیوی سے جس کا نام راعیل یا زلیخا بتایا جاتا ہے کہتا ہے اکرمی مثواہ عسی ان ینفعنا او نتخذہ

ولدا دیکھو، اسے عزت سے رکھو کچھ عجب نہیں کہ یہ ہم کو فائدہ بخشے یا اس کو ہم اپنا بیٹا بنالیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ جو کچھ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ہورہا ہے یہ کوئی اتفاقی واقعات نہیں ہیں بلکہ رب العلمین کی بنائی ہوئی مستحکم تدبیر کے اجزاء ہیں جس کے تحت ایک بدوی یتیم بچہ کو جو حضارت و مدنیت سے یکسر نا آشنا ہے جہانداری اور جہانبانی کے لئے تیار کیا جارہا ہے جو عنقریب سپرد کی جانے والی ہے، گویا اس کی تمہید ہے اسی لئے ارشاد ہوا، و کذلك مكنا ليوسف في الارض ولنعلمه من تاويل الاحاديث. (الآية).

عزیز مصر کی بیوی اور یوسف علیہ الصلاۃ والسلام:

ایک مشہور مقولہ ہے "ربما كمنت المنن في المحن" اللہ تعالیٰ کے اکثر احسانات وکرم مصائب میں مستور ہوتے ہیں، یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی ساری زندگی ہو بہو اس کا مصداق ہے، بچپن کی پہلی مصیبت یا آزمائش نے کنعان کی بدوی زندگی سے نکال کر تہذیب و تمدن کے گہوارہ مصر کے ایک بڑے گھرانے کا مالک بنادیا، غلامی میں آقائی اسی کو کہتے ہیں۔

اب زندگی کی سب سے بری اور کٹھن آزمائش شروع ہوتی ہے، وہ یہ کہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا جوانی کا عالم تھا حسن وخوبروئی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو ان کے اندر موجود نہ ہو، جمال ورعنائی کا پیکر مجسم، رخ روشن شمس وقمر کی طرح منور، عصمت وحیا کی فراوانی سونے پر سہاگہ، اور ہر وقت کا ساتھ، عزیز مصر کی بیوی دل پر قابو نہ رکھ سکی دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ گیا، یوسف پر بہ ہزار جان پروانہ وار قربان ہونے لگی، مگر ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا پوتا اسحٰق و یعقوب کا نورِ دیدہ، خانوادۂ نبوت کا چشم وچراغ اور منصب نبوت کے لئے منتخب بھلا اس سے یہ کس طرح ممکن تھا کہ ناپاکی اور فحش میں مبتلا ہو اور عزیز مصر کی بیوی کے ناپاک عزم کو پورا کرے۔

زلیخا کا جادو نہ چل سکا:

لیکن مصر کی اس آزاد عورت نے جب اس طرح جادو چلتے نہ دیکھا تو ایک روز بے قابو ہوکر مکان کے دروازے بند کر دیئے اور اصرار کرنے لگی کہ مجھے شاد کام کر، حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے یہ وقت سخت آزمائش کا تھا، شاہی خاندان کی نوجوان عورت، شعلۂ حسن سے لالہ رو، محبوب نہیں بلکہ عاشق، آرائش حسن کی بے پناہ نمائش، عشوہ طرازیوں کی بارش، ادھر یوسف علیہ الصلاۃ والسلام خود نوجوان، دروازے بند کسی کا نہ خوف اور نہ ڈر، مالکہ خود ذمہ دار، حالات ہر طرح سازگار، مگر کیا حالات کی سازگاری سے یوسف نے ایک لحہ کے لئے بھی عزیز مصر کی بیوی کی حوصلہ افزائی کی، کیا اس کے دل نے قرار چھوڑ کر بے قراری کی، کیا نفس نے ثبات قلب کو ایک لحہ کے لئے بھی متزلزل کیا؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اس کے برعکس اس پیکر عصمت، امین نبوت مہبط وحی الٰہی نے دو ایسے معقول ومحکم دلائل سے اس مصری حسینہ کو سمجھانے کی کوشش کی جو ایک ایسی ہستی ہی سے ممکن تھے جس کی تربیت براہ راست آغوش الٰہی میں ہوئی ہو، فرمایا یہ ناممکن ہے، پناہ بخدا، میں اور اس کی

نافرمانی کروں جس کا اسم جلالت اللہ ہے اور وہ تمام کائنات کا مالک ومولا ہے، اور کیا میں اپنے اس مربی عزیز مصر کی امانت میں خیانت کروں جس نے غلام سمجھنے کے بجائے مجھے یہ عزت وحرمت بخشی، اگر میں ایسا کروں تو ظالم ٹھہروں گا اور ظالموں کے لئے انجام ومآل کے اعتبار سے کبھی فلاح نہیں ہے۔

مگر عزیز مصر کی بیوی پر اس نصیحت کا مطلق اثر نہ ہوا، اور اس نے اپنے ارادہ کو عملی شکل دینے پر اصرار کیا، تب یوسف نے اپنے اس برہان ربی کے پیش نظر جس کو وہ دیکھ چکے تھے صاف انکار کر دیا۔

وراودتہ التی ھو فی بیتھا عن نفسہ وغلقت الابواب وقالت ھیت لک قال معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای انہ لایفلح الظلمون ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا أن رابرھان ربہ کذلک لنصرف عنہ السوء و الفحشاء انہ من عبادنا المخلصین.

اور پھسلایا یوسف کو اس عورت نے جس کے گھر میں وہ رہتے تھے اس کے نفس کے بارے میں اور دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی آ میرے پاس آ، یوسف نے کہا خدا کی پناہ بلاشبہ (عزیز مصر) میرا مربی ہے جس نے مجھے عزت سے رکھا، بلاشبہ ظالم فلاح نہیں پاتے اور البتہ اس عورت نے یوسف سے ارادہ کیا اور وہ بھی ارادہ کرتے اگر اپنے پروردگار کی برہان نہ دیکھ لیتے، اور اس طرح ہوا تاکہ ہٹائیں ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں ہے۔

ولقد ھمت بہ وھم بھا کی تفسیر:

مفسرین نے آیت مذکورہ کی مختلف تفسیریں کی ہیں، لیکن اوپر آیت کے جو معنی کئے گئے ہیں وہی مقام وموقع کے لحاظ سے زیادہ موزوں ومناسب ہیں، مطلب یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے برہان رب سن لینے کے بعد بھی اپنی ہٹ سے باز نہ آئی اور اپنا ارادہ روبکار لانے پر مصر رہی یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے ارادہ کو قطعاً رد کر دیا اور اس کے سامنے اس کے ارادہ کی بالکل پرواہ نہیں کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ یوسف اس سے بچنے کے لئے دروازہ کی طرف بھاگے اور عزیز مصر کی بیوی نے ان کا پیچھا کیا۔

بعض مفسرین نے اس تفسیر پر یہ اعتراض کیا ہے کہ نحوی قواعد کا تقاضا ہے کہ لولا، کلام کے شروع میں استعمال ہوا ہے اسلئے کہ عربی قاعدہ کے لحاظ سے اس کا درمیان کلام میں استعمال درست نہیں ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی "**وھم بھالولاأن رای برھان ربہ**" یوسف بھی گناہ کا ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کے برہان کو نہ دیکھ لیتے مگر یہ اعتراض اس لئے درست نہیں ہے کہ اس مقام پر بھی لولا کا استعمال شروع کلام ہی میں ہوا ہے دال علی الجواب مقدم ہے اور لولا کا جواب جو بعد میں مذکور ہوتا اس دال علی الجواب کی وجہ سے محذوف ہے، علامہ سیوطی نے بھی **لجامعھا** محذوف مان کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس قاعدہ کی نظیر قرآن مجید میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کے تذکرہ سے متعلق یہ آیت ہے، **ان کادت لتبدی بہ لولا ان ربطنا علی قلبھا** (قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کر دے اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے) یہاں بھی لولا کا جواب تبدی بہ

محذوف ہے اور دال علی الجواب مقدم ہے، اسی طرح یہاں بھی یہ معنی ہیں، اگر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو برہان رب حاصل نہ ہوتا تو وہ بھی ارادہ کر لیتا لیکن انہوں نے ارادہ نہیں کیا کیونکہ وہ برہان رب دیکھ چکے تھے۔

وہ برہان رب کیا تھا؟

جس برہان رب کو دیکھ کر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام بدی کے ارادہ سے بھی باز رہے وہ کیا تھا؟ قرآن کریم نے یہ واضح نہیں کیا کہ وہ برہان رب کیا تھا؟ قرآن مجید نے اپنی بلیغانہ اور معجزانہ خطابت میں خود ہی اس کو اس طرح بیان کر دیا ہے کہ اس کے بعد سوال کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی دروازہ بند ہو جانے پر عزیز کی بیوی کو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا ایسے مقام کے لحاظ سے اس سے بہتر جواب کیا ہو سکتا تھا، سو یہی وہ برہان رب تھا جو یوسف کو عطا ہوا اور جس نے عصمت یوسف کو بے داغ رکھا، یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اسے اس کے بعد بڑے شد و مد سے بیان کیا، ''کذلك'' یوں ہی ہوا۔

''تاکہ ہٹا دیں ہم اس سے برائی اور بے حیائی، بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے''۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب کی صورت کا نظر آنا اور ان کا اشارہ سے منع کرنا یا فرشتہ کا ظاہر ہو کر ان کو اس سے روکنا یا عزیز کے گھر میں رکھے ہوئے بت پر عزیز مصر کی بیوی کا پردہ ڈالنا، اور حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس سے عبرت حاصل کرنا ان تمام اقوال کے مقابلہ میں ''برہان رب'' کی وہی تفسیر بہتر ہے جو قرآن عزیز کی نظم و ترتیب سے ثابت ہے یعنی ① ایمان باللہ کا حقیقی تصور ② مربی مجازی کے احسان کی احسان شناسی اور وصف امانت۔

بہر حال حضرت یوسف جب دروازے کے طرف بھاگے تو عزیز کی بیوی نے پیچھا کیا دروازہ کسی طرح کھل گیا سامنے عزیز مصر اور عورت کا چچا زاد بھائی کھڑے ہوئے تھے عورت ان کو دیکھکر سٹپٹا گئی اور اصل حقیقت کو چھپانے کے لئے غیظ وغضب میں آ کر کہنے لگی کہ ایسے شخص کی سزا قید خانہ یا دردناک سزا کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے جو تیرے اہل کے ساتھ ارادۂ بد رکھتا ہو، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے مکر و فریب کو سنا تو فرمایا، یہ اس کا بہتان ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ خود اس نے میرے ساتھ ارادۂ بد کیا تھا مگر میں نے کسی طرح نہ مانا اور بھاگ کر باہر نکل جانا چاہتا تھا کہ اس نے پیچھا کیا اتفاقاً سامنے آپ نظر آ گئے تو اس نے یہ جھوٹ گھڑ لیا۔

عزیز کی بیوی کا چچا زاد بھائی ذکی یعنی سمجھدار اور ہوشیار تھا اس نے کہا یوسف کا پیراہن دیکھنا چاہئے اگر وہ سامنے سے چاک ہے تو عورت راستباز ہے اور اگر پیچھے سے چاک ہے تو یوسف صادق القول ہے اور عورت جھوٹی ہے جب دیکھا گیا تو یوسف کا پیراہن پیچھے سے چاک تھا عزیز مصر نے اصل حقیقت کو سمجھ لیا مگر اپنی عزت و ناموس کی خاطر معاملہ کو ختم کرتے ہوئے کہا، یوسف سچے تم ہی ہو اور اس عورت کے معاملہ سے درگذر کرو اور اس کو یہیں ختم کر دو اور پھر بیوی سے کہا یہ سب تیرا مکر ہے اور تم عورتوں کا مکر و فریب بہت ہی بڑا ہوتا ہے بلاشبہ تو ہی خطا کار ہے لہٰذا اپنی اس حرکت بد کے لئے استغفار کر اور معافی مانگ۔

بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ یہ شہادت پیش کرنے والا ایک شیر خوار بچہ تھا خدا نے اسے قوت گویائی عطا فرمائی اور اس بچہ نے یہ شہادت دی، لیکن یہ روایت کسی صحیح قوی سند سے ثابت نہیں ہے اور نہ اس معاملہ میں خواہ مخواہ معجزہ سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اس شاہد نے جس قرینہ کی بنیاد پر جس شہادت کی طرف توجہ دلائی ہے وہ سراسر ایک معقول شہادت ہے اور اس کو دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ شخص ایک معاملہ فہم اور جہاندیدہ آدمی تھا جو صورت معاملہ سامنے آتے ہی معاملہ کی تہ تک پہنچ گیا، مفسرین کے یہاں شیر خوار بچہ کا قصہ دراصل یہودی روایات سے آیا ہے۔ (ملاحظه هو تلمود)

تفسیروں میں ایک مرفوع روایت کے حوالہ سے آتا ہے کہ یہ گواہ ایک شیر خوار بچہ تھا جو بطور خرق عادت حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفائی میں بول اٹھا تھا، لیکن بہت سے ائمہ تفسیر نے اس کے علاوہ کہا ہے کہ یہ شخص زلیخا کا چچازاد بھائی تھا جو شاہی درباریوں میں سے تھا، ماکان بصبی ولکن کان رجلا حکیما (ابن جریر عن عکرمه) یہاں شہادت سے عرفی اور اصطلاحی شہادت مراد نہیں ہے جس کے لئے عاقل بالغ مسلمان عادل اور موقع پر موجود ہونا شرط ہے یہ اصطلاحات بعد کی پیداوار ہیں، یہ گواہی تو صرف اس معنی میں تھی کہ اس نے فریقین کے متضاد بیانات کے درمیان فیصلے کا ایک عاقلانہ طریقہ سمجھا دیا۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ مدینة مصر امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عبدها عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا تمییز ای دخل حبه شغاف قلبها ای غلافه اِنَّا لَنَرٰهَا فِیْ ضَلٰلٍ خطأ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ بین بحبها ایاه فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ غیبتهن لها اَرْسَلَتْ اِلَیْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ اعدت لَهُنَّ مُتَّكَاً طعا مایقطع بالسكین للاتكاء عنده وهو الاترج وَّاٰتَتْ اعطت كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّیْنًا وَّقَالَتِ لیوسف اخْرُجْ عَلَیْهِنَّ فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ اعظمنه وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ بالسكاكین ولم یشعرن بالالم لشغل قلبهن بیوسف وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ تنزیهاله مَا هٰذَا ای یوسف بَشَرًا اِنْ ما هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ﴿۳۱﴾ لما حواه من الحسن الذی لا یكون عادة فی النسمة البشریة وفی الصحیح انه اعطی شطر الحسن قَالَتْ امرأة العزیز لما رأت ماحل بهن فَذٰلِكُنَّ فهذا هو الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ فی حبه بیان لعذرها وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ امتنع وَلَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ به لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ الذلیلین فقلن له اطع مولا تك قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ امِل اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ اصر مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ المذنبین والقصد بذلك الدعاء فلذا قال تعالی فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ دعاءه فَصَرَفَ للقول عَنْهُ كَیْدَهُنَّ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ للقول الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ بالفعل ثُمَّ بَدَا ظهر لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ الدالات علی براءة یوسف ان یسجنوه دل علی هذا لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی الی حِیْنٍ ﴿۳۵﴾ یقطع فیه كلام الناس فسجن.

تَرْجَمَہ: اور شہر مصر کی عورتیں آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کے پیچھے پڑی ہوئی

ہے محبت نے اس کو بے قرار کر رکھا ہے، اس کی محبت اس کے دل کے نہاں خانوں میں پیوست ہوگئی ہے، ہمارے نزدیک تو وہ اس سے محبت کرنے کے معاملہ میں صریح غلطی پر ہے جب عزیز کی بیوی نے ان کی مکارانہ باتیں یعنی انکی بدگوئی کی باتیں سنیں تو ان کو بلوا بھیج دیا اور ان کے لیے چھری سے کاٹ کر کھایا جانے والا کھانا تیار کرایا اس کھانے کو متکئا اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کو کھاتے وقت تکیہ لگا لیتے ہیں۔

دُوسرا ترجمہ: اور ان کے لئے مسندوں سے آراستہ مجلس تیار کرائی اور وہ کھانا ترنج تھا، اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دیدی اور یوسف سے کہہ دیا کہ ذرا ان کے سامنے نکل آؤ چنانچہ جب ان کی نظر یوسف پر پڑی تو دنگ رہ گئیں اور چھری سے اپنے ہاتھ کاٹ لئے، اور ان کے دلوں کے یوسف کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے ان کو تکلیف کا احساس بھی نہ ہوا اور پکار اٹھیں حاشاللہ پاکی اللہ کیلئے ہے، یہ یعنی یوسف انسان نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے اس لئے کہ اس کو ایسے حسن نے گھیر لیا ہے کہ عادۃً کسی فرد بشر میں نہیں ہوتا، اور صحیح حدیث میں ہے کہ (حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو مجموعی) حسن کا نصف حصہ عطا کیا گیا تھا، عزیز کی بیوی نے جب ان کی حالت غیر دیکھی تو کہا یہی تو ہے وہ جس کی محبت کے بارے میں تم مجھکو طعنے دیتی تھیں، یہ اپنے عذر کا بیان ہے، اور بے شک میں نے اس کو رجھانے کی کوشش کی تھی مگر یہ بچ نکلا، اور اگر یہ وہ کام نہیں کرے گا جو اس سے میں چاہتی ہوں تو یقیناً قید کیا جائیگا اور بہت ذلیل وخوار ہوگا، تو ان عورتوں نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا اپنی مالکن کی بات مان لے، یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے دعاء کی اے میرے پروردگار مجھے جیل منظور ہے اس کام کے مقابلہ میں جس کی طرف یہ مجھے بلا رہی ہے اور اگر تو نے مجھ سے ان کی چال بازیوں کو دفع نہ کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤنگا، اور گنہگاروں میں شامل ہو جاؤں گا اور (الا تصرف) سے مقصد دعاء ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فاستجاب فرمایا تو اس کے رب نے اس کی دعا قبول کرلی کہ اس سے ان کے مکر کو دفع کر دیا بلاشبہ وہ باتوں کا سننے والا عمل کا دیکھنے والا ہے پھر اس نے یہ طے کیا کہ اس کو واللہ جیل میں ڈالدیں گے ایک مدت کے لئے باوجودیکہ وہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی پاکدامنی پر دلالت کرنے والی نشانیاں دیکھ چکے تھے، اس (حذف فاعل) پر لیسجننه دلالت کر رہا ہے تاکہ اس بات کا چرچا ختم ہو جائے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: نسوۃ عورتوں کی جماعت، یہ اسم جمع ہے اس کا لفظوں میں واحد نہیں ہے اور باعتبار معنی کے امرأۃ اس کا واحد ہے نسوۃ مؤنث غیر حقیقی ہے اس کے فعل کا مذکر اور مؤنث دونوں لانا جائز ہے اسی وجہ سے قالت کے بجائے قال لائے ہیں۔

قَوْلُہٗ: مدینة مصر، اس میں اشارہ ہے کہ المدینة میں الف لام عہد کا ہے۔

قَوْلُہٗ: امرأۃ العزیز مبتداء ہے اور تراود، اس کی خبر ہے، تراود مضارع واحد مؤنث غائب ہے (مفاعلة) وہ بہلاتی ہے وہ پھسلاتی ہے۔

قولہ: تمییز یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ شغف متعدی بیک مفعول ہے حالانکہ یہاں اس کے دو مفعول میں اول ھا اور دوسرے حبًا، جواب یہ ہے کہ حبًا تمییز ہے نہ کہ مفعول، یہ فاعل سے منتقل ہو کر آتی ہے اصل عبارت یہ تھی دخل حبه فی شغاف قلبها.

قولہ: شغاف، شغاف القلب، وہ جھلی جو قلب کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔

قولہ: اعتدت یہ اعتاد سے بمعنی تیار کرنا ماضی واحد مؤنث غائب۔

قولہ: متكأ اسم مکان ٹیک لگانے کی جگہ، گاؤ تکیہ، مسند، عرب مُتكأ اس چیز کو کہتے ہیں جس پر کھانے پینے یا باتیں کرنے کے وقت سہارا لگایا جاتا ہے امام رازی نے کہا ہے کہ وہ کھانا جس کو کھانے کیلئے چھری کی ضرورت پڑے، (تفسیر کبیر) جس طرح آجکل کھانے کے لئے میز کرسیاں لگائی جاتی ہے اسی طرح پہلے مہذب دسترخوانوں کے اردگرد گاؤ تکیہ لگائے جاتے تھے، اور جس طرح آجکل میز لگانے اور دسترخوان لگانے سے مراد کھانا چننا اور میز یا دسترخوان پر بیٹھنے سے مراد ہوتا ہے کھانے کیلئے بیٹھنا، اسی طرح اس زمانہ میں گاؤ تکیہ لگانے سے مراد کھانا کھانے کے لئے بیٹھنا ہوتا تھا، اسی معنی میں جمیل کا شعر ہے۔

فَظَلِلْنَا بِنِعْمَةٍ وَاتَّكَأْنَا وَشَرِبْنَا الْحَلَالَ مِنْ قُلَلِهْ

''ہم نے عیش میں دن گذارا اور کھانا کھایا، اور مٹکوں سے نکال کر شراب پی''۔

علامہ سیوطی نے متكأ کی تفسیر طعاما یقطع بالسكين سے کی ہے، اور یہی قول امام رازی کا ہے، لیکن اس کے بعد لکھا ہے وهو الاترج (ترنج) علامہ سیوطی نے ایسا وہب کی اتباع میں کیا ہے ابو عبیدہ اور دیگر اہل لغت نے اس کا انکار کیا ہے، اسلئے کہ ترنج کو مُتْك یا مُتكة کہا جاتا ہے ضرار بن نہشل نے بھی متكة بمعنی ترنج استعمال کیا ہے، فاهدت متكة لبنی أبيها، اس نے اپنے چچازاد بھائیوں کے لئے ترنج ہدیہ میں بھیجے۔ (لغات القرآن)

قولہ: لـلاتكاء یہ کھانے کو متكأ کہنے کی وجہ سے تسمیہ ہے چونکہ عرب کھانے کے وقت ٹیک لگایا کرتے تھے اسی مناسبت سے اس کھانے ہی کو استعارہ کے طور پر متكأ کہہ دیا گیا ہے۔

قولہ: حاش لله، حاشا حرف تنزیہ ہے اس وقت یہ اسم ہوگا اور اس کا استعمال استثناء کے طور پر ہوتا ہے اس وقت حرف ہوگا۔

قولہ: بیان لعذرها، یہ اس کا جواب ہے کہ مصری عورتوں کو تو معلوم تھا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام پر فریفتہ ہوگئی ہے پھر فذالکن الذی لمتننی فیه یہ ہے وہ جسکے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی ہو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس کا مقصد خبر دینا نہیں ہے بلکہ اپنی مجبوری اور لاچاری کو بیان کرنا ہے کہ جس کو تم ایک نظر دیکھ کر دنگ رہ گئیں اور اپنے ہاتھ زخمی کر بیٹھیں تو تم خود ہی بتاؤ کہ جب وہ ہر وقت میرے ساتھ میرے گھر میں رہتا ہے تو میرا کیا حال ہوگا؟ لہٰذا تم مجھے اس معاملہ میں معذور سمجھو۔

قَوْلُہٗ: به یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ آمرہٗ کی ضمیر بظاہر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف راجع ہے اگر ایسا ہے تو ما موصولہ بغیر عائد کے رہ جائیگا۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ آمرہٗ کی ضمیر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نہیں بلکہ ما موصولہ کی طرف راجع ہے اور آمرہٗ اصل میں آمر بہ تھا باء کو حذف کر دیا جیسا کہ امرتك الخیر اصل میں امرتك بالخیر تھا۔

قَوْلُہٗ: لھم، ای للعزیز و اھله.

قَوْلُہٗ: ان یسجنوه، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ بدا فعل ہے اس کا فاعل لیسجننه ہے حالانکہ فعل بغیر فاعل کے واقع نہیں ہوا کرتا لہٰذا فعل بغیر فاعل کے رہ گیا جو کہ جائز نہیں ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ بدا کا فاعل لیسجننه نہیں ہے بلکہ فاعل مقدر ہے اور وہ ان یسجنوه ہے ان یسجنوه ، أن مصدریہ کی وجہ سے بتاویل مصدر ہو کر بدا کا فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے بدا تسجینهٗ.

تفسیر وتشریح

وقال نسوة عزیز مصر نے اگر چہ فضیحت ورسوائی سے بچنے کے لئے اس معاملہ کو یہیں ختم کر دیا مگر بات پوشیدہ نہ رہ سکی ، اور شدہ شدہ شاہی خاندانوں کی عورتوں میں یہ چرچا ہونے لگا کہ عزیز مصر کی بیوی کس قدر بے حیا ہے کہ اپنے غلام پر ریجھ گئی ، اتنے بڑے مرتبہ کی عورت اور غلام سے اختلاط کا ارادہ؟ آہستہ آہستہ اس طعن وتشنیع کی خبر عزیز کی بیوی تک بھی پہنچ گئی ، اس کو یہ طعن بیحد شاق گذرا ، اور اس نے چاہا کہ اس کا انتقام لے ، اور ایسا انتقام لے کہ جس بات پر وہ مجھ پر طعن کرتی ہیں اسی میں ان کو مبتلا کیا جائے یہ سوچ کر ایک روز شاہی خاندان اور عمائدین شہر کی عورتوں کے کھانے کی دعوت دی اور جب کھانا کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھ گئیں اور سب نے ترنج یا گوشت وغیرہ کاٹنے کے لے چھریاں ہاتھ میں لے لیں تب عزیز کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ وہ باہر آئیں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام مالکہ کے حکم سے باہر نکلے تو تمام عورتیں جمال یوسف کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں اور رخ انور کی تجلّی وتابانی سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ چیزیں کاٹنے کے بجائے بیخودی میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور بے ساختہ کہنے لگیں کہ کون کہتا ہے یہ انسان ہے؟ بخدا یہ تو نور کا پتلا اور بزرگ فرشتہ ہے یہ دیکھ کر عزیز کی بیوی بیحد محظوظ ہوئی اپنی کامیابی اور ان کی شکست پر فخر کرتے ہوئے کہنے لگی یہی تو وہ غلام ہے جس کے عشق ومحبت کے بارے میں تم نے مجھ کو مطعون کر رکھا ہے ، اب اس کو دیکھ کر خود تمہارا حال کیا ہے؟ اب تم خود ہی بتاؤ میرا یہ عشق بجا ہے یا بے جا ، اور تمہاری ملامت برمحل ہے یا بے محل؟

مصری عورتوں کی یہ مدہوشی دیکھ کر اس کو مزید حوصلہ ہو گیا اور شرم وحیا کے سارے حجاب درکنار کر کے اس نے اپنے برے ارادہ کا ایک مرتبہ پھر اظہار کیا ، اور یہ بھی کہا کہ بے شک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا مگر وہ قابو میں نہ ہوا ، مگر یہ کہے دیتی ہوں اگر اس نے میرا کہنا نہ مانا تو اس کو جیل جانا پڑے گا اور بہت ذلیل وخوار ہوگا۔

قال رب السجن احب الی الخ ذرا ان حالات کا اندازہ کیجئے جن حالات میں یوسف مبتلا تھے، انیس بیس سال کا ایک خوبصورت نوجوان ہے جو بدویانہ زندگی سے بہترین تندرستی اور بھری جوانی لے کر آیا ہے جلاوطنی اور جبری غلامی کے مراحل سے گذرنے کے بعد قدرت اسے رئیس اور رکن سلطنت کے گھر لے آئی ہے، یہاں پہلے تو خود گھر کی بیگم ہی اس کے پیچھے پڑ جاتی ہے جس سے اس کا شب وروز کا سابقہ ہے پھر اس کے حسن کا چرچا پورے دار السلطنت میں ہونے لگتا ہے اور شہر بھر کے امیر گھرانوں کی عورتیں اس پر فریفتہ ہو جاتی ہیں، اب ایک طرف وہ اور دوسری طرف سینکڑوں خوبصورت جال ہیں جو ہر وقت ہر جگہ اسے پھانسنے کے لئے پھیلے ہوئے ہیں، اس حالت میں یہ خدا پرست نوجوان جس کامیابی کے ساتھ ان شیطانی ترغیبات کا مقابلہ کرتا ہے وہ بجائے خود کچھ کم قابل تعریف نہیں ہے مگر اس پر بھی وہ اپنی بشری کمزوریوں کا خیال کر کے کانپ اٹھتا ہے اور نہایت عاجزی کے ساتھ خدا سے دل ہی دل میں مدد کی التجا کرتا ہے کہ اے رب میں ایک کمزور انسان ہوں میرا اتنا بل بوتا کہاں کہ ان بے پناہ ترغیبات کا مقابلہ کر سکوں تو مجھے سہارا دے اور مجھے اپنی پناہ میں رکھ، ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے قدم نہ پھسل جائیں۔

یوسف علیہ الصلاۃ والسلام زندان میں:

بہر حال یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو قید خانہ بھیج دیا گیا اور ایک بے خطا کو خطاوار، معصوم کو مجرم بنا دیا گیا تاکہ بیوی فضیحت و رسوائی سے بچ جائے اور مجرم کو کوئی مجرم نہ کہہ سکے عزیز مصر اور اس کے دوستوں کو اگرچہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی پاکدامنی کی کھلی نشانیاں دیکھ کر یقین ہو گیا تھا مگر شہر میں اس واقعہ کا چرچا ہونے لگا اس کو ختم کرنے کے لئے مصلحت اسی میں نظر آئی کہ کچھ عرصہ کے لئے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو جیل بھیج دیا جائے اور یہ مصلحت بھی پیش نظر ہو سکتی ہے کہ اس بہانے سے یوسف کو اپنی بیوی سے الگ کر دیا جائے تاکہ وہ دوبارہ اس قسم کی حرکت نہ کر سکے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ غلامان للملك احدهما ساقيه والأخر صاحب طعامه فرأياه يعبر الرؤيا فقالا لنختبرنه **قَالَ اَحَدُهُمَآ** الساقي **اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا** اي عنبا **وَقَالَ الْاٰخَرُ** صاحب الطعام **اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا** خبرنا **بِتَاْوِيْلِهٖ** بتعبيره **اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ** لهما مخبرا انه عالم بتعبير الرؤيا **لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ** في منامكما **اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ** في اليقظة **قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا** تاويله **ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ** فيه حث على ايمانهما ثم قواه بقوله **اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ** دين **قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ** تاكيد **كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مَا كَانَ** ينبغي **لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ** زائدة **شَيْءٍ** لعصمتنا **ذٰلِكَ** التوحيد **مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** وهم الكفار **لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾** الله فيشركون ثم صرح بدعائهما الى الايمان فقال **يٰصَاحِبَيِ** ساكني

السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ خيرٌ استفهام تقرير مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اى غيره اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ سميتم بها اصناما اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا بعبادتها مِنْ سُلْطٰنٍ حجة و برهان اِنِ ما الْحُكْمُ القضاء اِلَّا لِلّٰهِ وحده اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ التوحيد الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وهم الكفار لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٠﴾ ما يصيرون اليه من العذاب فيشركون يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا اى الساقى فيخرج بعد ثلاث فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ سيده خَمْرًا على عادته هذا تاويل رؤياه وَاَمَّا الْاٰخَرُ فيخرج بعد ثلاث فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ هذا تاويل رؤياه فقالا ما رأينا شيئا فقال قُضِيَ تم الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿٤١﴾ عنه سالتما صدقتما ام كذبتما وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ ايقن اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا وهو الساقى اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ سيدك فقل له ان فى السجن غلاما محبوسا ظلما فخرج فَاَنْسٰهُ اى الساقى الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ يوسف عند رَبِّهٖ فَلَبِثَ مكث يوسف فِى السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿٤٢﴾ قيل سبعا وقيل اثنى عشر.

ترجمہ: چنانچہ (یوسف کو) جیل میں ڈال دیا گیا اور اس کے ساتھ دو اور نوجوان بھی جیل خانہ میں داخل ہوئے جو بادشاہ کے غلام تھے، ایک ان میں سے بادشاہ کا ساقی تھا اور دوسرا شاہی مطبخ کا ذمہ دار، ان دونوں کو معلوم ہوا کہ (یوسف) خوابوں کی تعبیر بتاتے ہیں تو دونوں نے مشورہ کیا کہ ہم اس کو ضرور آزمائیں گے، ان میں سے ایک نے جو کہ ساقی تھا کہا میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے مطبخ کے ذمہ دار نے کہا میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اس میں سے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں آپ اس کی تعبیر بتائیے، ہم آپ کو نیک آدمی سمجھتے ہیں، (یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے) ان کو یہ بتاتے ہوئے کہ وہ خوابوں کی تعبیر سے واقف ہیں کہا کہ جو کھانے (پینے کی چیز) تم کو خواب میں کھلائی جاتی ہے بیدار ہونے کے بعد میں نے اس کی تعبیر بتا دی اس کی تعبیر خارج میں ظاہر ہونے سے پہلے، یہ وہ علم ہے کہ جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے اس مقولہ میں ان دونوں کو ایمان پر آمادہ کرنا ہے پھر اسی کی تائید اپنے قول "انی ترکت ملة الخ" سے کی ہے میں نے تو ان لوگوں کا دین چھوڑ رکھا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں دوسرا ھم پہلے ھم کی تاکید ہے اور میں نے تو اپنے آباواجداد ابراہیم اور اسحق اور یعقوب کا دین اختیار کر رکھا ہے، ہمارے لئے ہماری عصمت کی وجہ سے کسی طرح زیبا نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں، یہ توحید ہمارے اور تمام لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ کہ وہ کافر ہیں اللہ کی شکر گذاری نہیں کرتے جس کی وجہ سے وہ شرک کرتے ہیں پھر صراحت کے ساتھ ان کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے کہا اے میرے قید خانہ کے رفیقو (تم خود ہی سوچو) کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا ایک کہ وہ اللہ ہے بہتر ہے، کہ جو (سب پر) غالب ہے استفہام تقریر کے لئے ہے اس کے علاوہ جن کی تم بندگی کرتے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں اور اللہ نے ان کی عبادت پر کوئی سند اور دلیل نازل نہیں کی حکم (فیصلہ) صرف اللہ وحدہٗ

لاشریک لہ کا ہے اسی نے حکم دیا کہ صرف اسی کی بندگی کرو اور یہ توحید ہی صحیح دین ہے، لیکن اکثر لوگ اور وہ کافر ہیں اس عذاب کو نہیں جانتے جس کی طرف وہ جا رہے ہیں، اسی وجہ سے وہ شرک کرتے ہیں، اے میرے زندان کے ساتھیو! تم میں سے ایک یعنی ساقی تین دن کے بعد (جیل سے) رہا کیا جائیگا، تو وہ حسب سابق اپنے مالک کو شراب پلائیگا یہ اسکے خواب کی تعبیر ہے، اور دوسرا (بھی) تین دن کے بعد (جیل سے) رہا کیا جائیگا تو وہ سولی چڑھایا جائیگا پرندے اس کے سر کو (نوچ نوچ کر) کھائیں گے یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے، تو ان دونوں نے کہا ہم نے کوئی خواب واب نہیں دیکھا، تو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا جس کا تم نے سوال کیا اس کا فیصلہ کر دیا گیا خواہ تم نے سچ بولا یا جھوٹ بولا، اور دونوں میں سے جس کے بارے میں بری ہونے کا یقین تھا اس سے کہا اور وہ ساقی تھا، اپنے مالک سے میرا ذکر کرنا اور اس سے کہنا ایک غلام زندان میں ظلما بند ہے، چنانچہ وہ (قید خانہ سے) رہا ہو گیا مگر شیطان نے ساقی کو اپنے مالک سے یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا جس کی وجہ سے یوسف قید میں کئی سال رہے کہا گیا ہے کہ سات سال رہے اور کہا گیا ہے کہ بارہ سال رہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: فسجن اس حذف میں اشارہ ہے کہ واؤ عاطفہ ہے اور دخل کا عطف محذوف پر ہے اور محذوف سجن ہے۔

قولہ: الملك اس بادشاہ کا نام ریان بن الولید تھا۔

قولہ: ای عنبا یہ مایول الیہ کے اعتبار سے مجاز ہے لہٰذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ خمر نچوڑنے کی چیز نہیں ہے۔

قولہ: مخبرا انه عالم بتعبير الرؤيا، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب، سوال کے مطابق نہیں ہے۔

قولہ: فی منامکما، اس اضافہ کا مقصد اس تفسیر کو دفع کرنا ہے جو بعض مفسرین نے طعام ترزقانه کی اس کھانے سے کی ہے جو کہ قیدیوں کو دیا جاتا تھا، اسلئے کہ اس تفسیر کے مطابق دونوں قیدیوں کے سوال اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب میں مطابقت باقی نہیں رہتی اسلئے کہ سوال خواب میں کھانے کی اشیاء کے بارے میں تھا اور جواب بیداری میں کھانے کے بارے میں ہے۔

قولہ: ذلکما یہ اسم اشارہ بعید کے لئے ہے اور مراد خواب کی تعبیر کا علم ہے۔

قولہ: ذلك التوحيد اسم اشارہ بعید کے بجائے اسم اشارہ قریب کا لانا علو مرتبہ اور عظمت توحید کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

قولہ: ثم صرح بدعائهما الى الايمان یعنی ماقبل میں توحید کی دعوت کنایۃ اشارۃ تھی یہاں صراحۃ ہے لہٰذا تکرار کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قولہ: صاحبی یہ صاحب کا تثنیہ ہے اصل میں صاحبین تھا منادی مضاف ہونے کی وجہ سے آخر سے نون ساقط ہوگیا۔

قولہ: لعصمتنا اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا کہ ہمارے لئے ہرگز مناسب نہیں کہ ہم کسی کو خدا کا شریک ٹھہرائیں، یہ نامناسب ہونا صرف حضرت یوسف اور ان کے اباء واجداد ہی کیلئے نامناسب اور نازیبا نہیں ہے بلکہ یہ تو تمام انسانوں کے لئے نامناسب ہے پھر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے ساتھ خاص کرنا کہاں تک صحیح ہے؟

جواب: لعصمتنا کا اضافہ کرکے اسی سوال کا جواب دیا ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ کفر وشرک کا نامناسب ہونا ہمارے لئے اس لئے نہیں ہے کہ وہ حرام ہے بلکہ اس لئے نامناسب ہے کہ ہم کو اس سے پاک وصاف اور محفوظ رکھا گیا ہے بخلاف غیر انبیاء کے ان کو کفر سے پاک وصاف اور محفوظ نہیں رکھا گیا ہے اگرچہ کفر وشرک کو ان کے اوپر حرام کیا گیا ہے۔

قولہ: سمیتم بها، سمیتموها کی تفسیر سمیتم بها سے کرنے کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ ھا ضمیر کا مرجع اسماء ہے لہٰذا ترجمہ ہوگا کہ وہ چند نام ہیں جن کا تم نے نام رکھ لیا ہے اس طرح اسماء کے لئے اسماء کا ہونا لازم آتا ہے جو کہ درست نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ حرف جر ضمیر منصوب سے پہلے محذوف ہے تقدیر عبارت سمیتم بها ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے سمیته زیدا ای سمیت زیدا.

قولہ: مایصیرون یہ یعلمون کا مفعول ہے۔

تفسیر وتشریح

یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پس دیوار زندان اور دونو جوانوں کا جیل خانہ میں دخول:

ودخل معه السجن فتيان، حسن اتفاق کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دونو جوان بھی قید خانہ میں داخل ہوئے، یہ دونوں نوجوان شاہی دربار سے وابستہ تھے ایک ان میں سے بادشاہ کا ساقی تھا اور دوسرا شاہی باورچی خانہ کا ذمہ دار، جس زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا اس زمانہ کے فرعون کا نام ریان بن الولید تھا، اور اس ساقی کا نام ابروہایا ادیونا تھا اور دوسرے کا نام مخلب یا غالب تھا، نام کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔

ان دونوں جوانوں کے جیل میں جانے کی وجہ:

بیان کیا گیا ہے کہ مصر کے کچھ لوگوں نے جو بادشاہ سے کسی وجہ سے ناراض تھے بادشاہ کو راستہ سے ہٹانے کی سازش کی اور اس کا آلہ کار ان دونوں نوجوانوں کو بنایا ان کو یہ لالچ دیا کہ اگر تم بادشاہ کے کھانے یا پانی میں زہر ڈال کر بادشاہ کو ہلاک کردوگے تو تمہیں بہت سا مال دیں گے، یہ دونوں نوجوان اس پر آمادہ ہوگئے مگر بعد میں ساقی اس معاملہ سے الگ ہوگیا

لیکن نان بز اس پر قائم رہا اور بادشاہ کے کھانے میں اس نے زہر ملا دیا جب کھانا بادشاہ کے سامنے آیا تو ساقی نے عرض کیا کہ آپ اس کھانے کو نہ کھائیں اس لئے کہ یہ کھانا زہر آلود ہے اور خباز نے جب یہ صورت حال دیکھی تو کہا بادشاہ سلامت آپ یہ مشروب نہ پئیں اس لئے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے بادشاہ نے ساقی سے کہا تم اس مشروب کو پیو چنانچہ ساقی نے پی لیا اور اس کو کوئی نقصان نہیں ہوا اس کے بعد نان بز سے کہا تم یہ کھانا کھاؤ اس نے انکار کر دیا، وہ کھانا ایک جانور کو کھلا کر تجربہ کیا گیا چنانچہ وہ جانور مسموم کھانا کھا کر مر گیا، بادشاہ نے دونوں کو قید خانہ بھیج دیا ساقی کو ابتداءً شریک سازش ہونیکی وجہ سے اور خباز کو مجرم ہونے کی وجہ سے۔ (حاشیہ جلالین)

قید خانہ میں دعوت و تبلیغ:

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کے پیغمبر تھے دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت تقویٰ و طہارت راستبازی و حسن کرداری کے لحاظ سے قید خانہ میں ممتاز تھے تمام قیدی آپ کی عزت و احترام کرتے تھے حتی کہ قید خانہ کا داروغہ بھی آپ کا معتقد ہو گیا تھا غرضیکہ آپ کی نیک نامی کی شہرت عام تھی زندانیاں اپنی ضرورتوں میں بھی حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف رجوع کرتے تھے آپ ان کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آتے اگر ان کے بس میں ہوتا تو ان کی مدد کرتے یا داروغہ سے سفارش کر کے مدد کرتے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعبیر رؤیا کا خصوصی علم بھی عطا کیا تھا ایک روز وہ دونوں نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں آپ نیک آدمی معلوم ہوتے ہو ہم نے خواب دیکھا ہے آپ اس کی تعبیر بتائیں، یہاں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ان نوجوانوں نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا محض یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آزمائش کے لئے انہوں نے فرضی خواب بیان کئے تھے علامہ سیوطی کی رائے بھی یہی ہے مگر دیگر اکثر مفسرین کی رائے اس کے خلاف ہے۔

خلاصہ یہ کہ دونوں نوجوانوں نے اپنے خواب بیان کئے اول ساقی نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں شراب کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیوں کا خوان ہے اور پرندے اس سے کھا رہے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی اور نبی زاد تھے دین کی تبلیغ کا ذوق ان کے رگ و ریشہ میں پیوست تھا، اسلئے دین حق کی اشاعت ان کی زندگی کا نصب العین تھا، گو قید میں تھے مگر مقصد حیات کیسے فراموش کر سکتے تھے؟ موقع کو غنیمت جانا اور ان سے نرمی اور محبت سے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ نے جو باتیں مجھے تعلیم فرمائی ہیں منجملہ ان کے تعبیر رؤیا کا علم بھی اس نے مجھے عطا کیا ہے، میں اس سے پہلے کہ تمہارا مقررہ کھانا تم تک پہنچے تمہارے خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا، مگر میں تم سے ایک بات کہتا ہوں ذرا اس پر بھی غور کرو اور سمجھو۔

میں نے ان لوگوں کی ملت کو اختیار نہیں کیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں میں نے اپنے آباء و اجداد یعنی ابراہیم، اسحٰق، اور یعقوب علیہم السلام کی ملت کی پیروی کی ہے ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک ٹھہرائیں،

یہ اللہ کا ایک فضل ہے جو اس نے ہم پر کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔

اے دوستو! تم نے اس پر بھی غور کیا کہ جدا جدا معبودوں کا ہونا بہتر ہے یا یکتا اللہ کا جو سب پر غالب ہے، تم اس کے علاوہ جن کی بھی بندگی کرتے ہو ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ چند نام ہیں جن کو تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں برہان وسند نہیں اتاری حکومت تو صرف اللہ ہی کی ہے اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو یہی راہ مستقیم ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں جس کی وجہ سے وہ شکر گذار بھی نہیں ہیں۔

رشد و ہدایت کی تبلیغ کے بعد حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعبیر خواب کی طرف متوجہ ہونا:

یاصاحبی السجن اما احدکما، توحید کی نصیحت کرنے کے بعد ان کے خوابوں کی تعبیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا دوستو! جس نے یہ دیکھا ہے کہ وہ انگور نچوڑ رہا ہے وہ قید سے رہا ہو کر حسب سابق بادشاہ کے ساقی کی خدمت انجام دے گا اور جس نے روٹیوں والا خواب دیکھا ہے اسے سولی دی جائیگی اور پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے، جن باتوں کے بارے میں تم نے سوال کیا تھا وہ فیصل ہو چکیں اور فیصلہ یہی ہے۔

احکام ومسائل

آیات مذکورہ سے مفہوم چند احکام ومسائل:

❶ جیل خانہ عام طور پر مجرموں اور بدمعاشوں کی بستی سمجھی جاتی ہے، مگر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ساتھ بھی حسن اخلاق اور حسن معاشرت کا معاملہ کیا جس سے یہ سب لوگ گرویدہ ہو گئے، اس سے معلوم ہوا کہ مصلحین کے لئے ضروری ہے کہ مجرموں اور بدمعاشوں کو بھی حسن معاشرت کے ذریعہ مانوس ومربوط کریں ان سے نفرت کا اظہار نہ کریں۔

❷ انا نراك من المحسنین سے یہ معلوم ہوا کہ خواب کی تعبیر ایسے ہی لوگوں سے دریافت کرنا چاہئے جن کے نیک اور ہمدرد ہونے پر اعتماد ہو۔

❸ یہ بھی معلوم ہوا کہ اصلاح خلق کی خدمت کرنے والوں کو چاہئے کہ اپنے عمل واخلاق کے ذریعہ لوگوں کا اپنے اوپر اعتماد بحال کریں خواہ اس میں ان کو کچھ اپنے کمالات کا اظہار کرنا پڑے، جیسا کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقع پر اپنا معجزہ بھی ذکر کیا اور اپنا خاندان نبوت کا ایک فرد ہونا بھی ظاہر کیا، اگر یہ اظہار اخلاص کے ساتھ ہو تو فلا تزکوا انفسکم کی ممانعت میں نہیں آتا۔

❹ چوتھی بات یہ بتلائی گئی کہ داعی اور مصلح کا فرض ہے کہ ہر حال میں اپنے وظیفۂ دعوت وتبلیغ کو مقدم رکھے، جب بھی کوئی موقع میسر ہو خواہ انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر اس کو ہاتھ سے نہ جانے دے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس یہ قیدی

خواب کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے آئے تو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے دعوت وتبلیغ کے ذریعہ ان کو رشد وہدایت کا تحفہ عطا فرمایا، یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دعوت وتبلیغ کے کام کے لئے کسی جلسے یا منبر اور اسٹیج ہی درکار ہوتے ہیں، شخصی اور نجی ملاقاتوں کے ذریعہ یہ کام زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

❺ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جیل سے رہائی کے لئے اس قیدی سے جس کا دوبارہ اپنی ملازمت پر بحال ہونا یقینی تھا کہا کہ جب تم بادشاہ کے پاس جاؤ تو میرا بھی ذکر کرنا کہ ایک بے قصور جیل میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی مصیبت سے خلاصی کے لئے کسی شخص کی کوشش کو واسطہ بنانا توکل کے خلاف نہیں۔

وَقَالَ الْمَلِكُ مصر الريان بن الوليد اِنِّیْۤ اَرٰى اى رأيت سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ يبتلعهن سَبْعٌ من البقر عِجَافٌ جمع عجفاء وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ اى سبع سنبلات يٰبِسٰتٍ قد التوت على الخضر وعلت عليها يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْيَایَ بينوا لى تعبيرها اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ فاعبروها قَالُوْۤا هذه اَضْغَاثُ اخلاط اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا اى من الفتيين وهو الساقى وَادَّكَرَ فيه ابدال التاء فى الاصل دالا واد غامها فى الدال اى تذكر بَعْدَ اُمَّةٍ حين حال يوسف اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ فارسلوه اليه فاتى يوسف فقال يا يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ الكثير الصدق اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ اى الملك واصحابه لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ تعبيرها قَالَ تَزْرَعُوْنَ اى ازرعوا سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا بسكون الهمزة وفتحها متتابعة وهي تاويل السبع السمان فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ اتركوه فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ لئلا يفسد اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ فدوسوه ثُمَّ يَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اى السبع المخصبات سَبْعٌ شِدَادٌ مجدبات صعاب وهى تاويل السبع العجاف يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ من الحب المزروع فى السنين المخصبات اى تاكلونه فيهن اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ تدخرون ثُمَّ يَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اى السبع المجدبات عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ بالمطر وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ الاعناب وغيرها لخصبه وَقَالَ الْمَلِكُ لما جاءه الرسول واخبره بتاويلها ائْتُوْنِیْ بِهٖ اى بالذى عبرها فَلَمَّا جَآءَهُ اى يوسف الرَّسُوْلُ وطلبه للخروج قَالَ قاصدا اظهار براءته ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ ان يسال مَا بَالُ حال النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّیْ سيدى بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ فرجع فاخبر الملك فجمعهن قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ شانكن اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ هل وجدتن منه ميلا اليكن قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ وضح الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ فى قوله هى راودتنى عن نفسى فاخبر يوسف بذلك فقال ذٰلِكَ اى طلب البراءة لِيَعْلَمَ العزيز اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ فى أهله بِالْغَيْبِ حال

وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿٥٢﴾

ترجمہ: مصر کے بادشاہ ریان بن ولید نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات فربہ گایوں کو سات دبلی گائیں کھارہی ہیں (عجاف) عجفاء کی جمع ہے اور سات ہری بالیں ہیں اور دوسری سات خشک بالیں ہیں اور سوکھی بالیں ہری بالوں پر لپٹی ہوئی ہیں اور سوکھی بالیں ہری بالوں پر غالب آگئی ہیں، اے درباریو تم میرے خواب کی تعبیر بتاؤ، اگر تم تعبیر بتاسکتے ہو تو بتاؤ درباریوں نے جواب دیا یہ منتشر خیالات کے خواب ہیں اور ہم منتشر خیالات کے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے، اور اس نوجوان نے جو دونو جوانوں میں سے (جیل سے) رہا ہوا تھا اور وہ ساقی تھا جس کو ایک مدت دراز کے بعد یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا حال یاد آگیا کہا (وادکر) میں اصل میں تاء دال سے بدلی ہوئی ہے اور دال کا دال میں ادغام ہے، یعنی یاد آیا، اس نے کہا میں تمہیں اس کی تعبیر بتلادوں گا، مجھے اجازت دیجئے چنانچہ اس کو یوسف کے پاس جانے کی اجازت دیدی، اس نے (جاکر) کہا اے سراپا راستی، یوسف، آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلائیے کہ سات فربہ گائیں ہیں جنہیں سات دبلی گائیں کھارہی ہیں اور سات ہری بالیں ہیں اور سات دوسری خشک، تاکہ میں لوگوں یعنی بادشاہ اور اسکے درباریوں کے پاس جاکر خواب کی تعبیر بتاؤں تاکہ وہ خواب کی تعبیر جان لیں یوسف نے کہا کہ تم سات سال تک مسلسل کھیتی کرو (دأبا) ہمزہ کے سکون اور فتحہ کے ساتھ بمعنی مسلسل یہ سات فربہ گایوں کی تعبیر ہے اور جو فصل تم کاٹو اسکو خوشوں (بالوں) میں ہی رہنے دینا تاکہ غلہ خراب نہ ہو، صرف کھانے کی ضرورت کے مطابق ہی غلّہ (خوشہ) سے نکالو، پھر ان شادابی کے سات سالوں کے بعد سات سال نہایت خشک سالی یعنی تکلیف کے آئیں گے اور یہ سات دبلی گایوں کی تعبیر ہے، شادابی کے سالوں کا اگایا ہوا غلہ جس کو تم نے خشکی کے سالوں کے لئے جمع کیا ہے وہ (خشکی کے سال) اس کو کھا جائیں گے، یعنی تم ان سالوں میں اس (ذخیرہ شدہ) غلہ کو کھا جاؤ گے مگر اس میں بہت تھوڑا سا جس کو تم بحفاظت بچاسکو (باقی رہیگا) پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا یعنی خشک سالی کے سات سالوں کے بعد کہ اس میں لوگوں پر بارش کے ذریعہ فریادرسی کی جائے گی (یعنی خوب بارش برسائی جائے گی) اور اس سال میں لوگ شادابی کی وجہ سے (خوب) انگور وغیرہ نچوڑیں گے، جب قاصد (واپس) آیا اور بادشاہ کو اس کے خواب کی تعبیر بتائی تو بادشاہ نے کہا جس نے خواب کی تعبیر بتائی ہے اسے میرے پاس لاؤ جب قاصد یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آیا اور ان سے جیل سے باہر آنے کی درخواست کی تو (یوسف) نے قاصد سے اپنی اظہار براءت کے طور کہا اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ میرا آقا (عزیز) ان عورتوں کے مکر سے بخوبی واقف ہے چنانچہ قاصد واپس گیا اور بادشاہ سے صورت حال بیان کی چنانچہ بادشاہ نے ان عورتوں کو جمع کیا (اور) ان سے پوچھا تمہارا کیا معاملہ تھا کہ تم نے یوسف کو اس کے نفس کے بارے میں رجھانے (پھسلانے) کی کوشش کی تھی، کیا تم نے اس کا ادنی میلان بھی تمہاری طرف پایا؟ انہوں نے جواب دیا معاذ اللہ (حاشا وکلا) ہم نے اس کے اندر کوئی برائی نہیں پائی عزیز کی بیوی بولی اب تو

یہی بات ظاہر ہوگئی میں نے ہی اس کو اس کی ذات کے بارے میں رجھانے کی کوشش کی تھی وہ یقیناً اپنے قول "ھی راودتنی عن نفسی" میں سچا ہے، یوسف کو اس کی اطلاع دی گئی، اور یہ بے گناہی ثابت کرنا اسلئے تھا کہ عزیز جان لے کہ پیٹھ پیچھے اس کی اہل میں خیانت نہیں کی (بالغیب) (اخنہ کے) فاعل یا مفعول سے حال ہے، اور یہ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے مکر کو چلنے نہیں دیتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: رأیت، اس میں اشارہ ہے کہ مضارع ماضی کے معنی میں ہے حالت ماضیہ کی منظر کشی کے طور پر مضارع سے تعبیر کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: عجاف جمع عجفاء، عجاف، عجفاء کی جمع ہے نہ کہ عجیف کی اس لئے کہ یہ بقرۃ کی صفت ہے۔

سَوَالٌ: افعل اور فعلاء کی جمع فعال کے وزن پر نہیں آتی، قیاس کے مطابق عجف ہونا چاہئے جیسا کہ حمراء کی جمع حمر آتی ہے۔

جَوَابٌ: یہ حمل النقیض علی النقیض کے قبیل سے ہے عجاف چونکہ سمان کی ضد ہے اسلئے عجاف کو سمان پر قیاس کرکے عجاف جمع لائے ہیں۔

قَوْلُہٗ: سبع سنبلات کو سبع بقرات پر قیاس کرتے ہوئے سنبلات میں سبع کو حذف کردیا ہے جس کو مفسر علام نے ظاہر کردیا ہے۔

سَوَالٌ: گایوں کی حالت کو بیان کیا کہ سات دبلی گائیں سات فربہ گایوں کو کھا گئیں مگر سنبلات کی حالت بیان نہیں کی جس کو مفسر علام نے التوت سے بیان کیا ہے۔

جَوَابٌ: بقرات کی حالت پر قیاس کرتے ہوئے سنبلات کی حالت کے بیان کو ترک کردیا۔

قَوْلُہٗ: فاعبروھا، یہ حذف جزا کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ھذہ اس میں اشارہ ہے کہ اضغاث مبتداء محذوف کی خبر ہے لہٰذا کلام کے غیر مفید ہونے کا شبہ ختم ہوگیا، اضغاث، ضغث کی جمع ہے گھاس کے مٹھے کو کہتے ہیں جس میں تر و خشک ہر قسم کی گھاس ہو یہاں خوابہائے پریشان مراد ہیں جن میں وسوسوں اور حدیث نفس کا دخل ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: احلام، حلم کی جمع ہے خواب کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: امۃ، امت سے یہاں لوگوں کی جماعت مراد نہیں ہے بلکہ جماعت ایام یعنی مدت طویلہ مراد ہے مفسر علام نے امۃ کی تفسیر حین سے کرکے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُهٗ: حال یوسف اس میں اشارہ ہے کہ وادکر میں واؤ حالیہ ہے لہٰذا عامل قال، اور معمول أنا انبئکم کے درمیان فصل کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قَوْلُهٗ: یوسف یہ ادکر کا مفعول ہے۔

قَوْلُهٗ: بالمطر اس میں اشارہ ہے کہ یغاث، غیث سے ہے نہ کہ غوث سے۔

قَوْلُهٗ: سیدی، ربی کی تفسیر سیدی سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ربی سے سردار عزیز مراد ہے نہ کہ خالق، اللہ۔

تَفسِیر وتشریح

پردۂ غیب سے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی رہائی کی صورت:

آیات مذکورہ میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پردۂ غیب سے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی رہائی کی صورت پیدا فرمائی، کہ بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ بہت پریشان ہوا اور اپنی مملکت کے تعبیر دانوں، کاہنوں اور نجومیوں کو بلایا تاکہ ان سے خواب کی تعبیر دریافت کرے۔

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ فراعنۂ مصر کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے، فراعنہ کا خاندان نسلی اعتبار سے عمالقہ میں سے تھا، مصر کی تاریخ میں ان کو ہکسوس کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ان کی اصلیت کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ چرواہوں کی ایک قوم تھی، جدید تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ یہ قوم عرب سے آئی تھی دراصل یہ عرب عاربہ ہی کی ایک شاخ تھی۔

مصر کے مذہبی تخیل کی بنا پر ان کا لقب فاراع (فرعون) تھا اسلئے کہ مصری دیوتاؤں میں سب سے بڑا اور مقدس دیوتائے امن، راع (سورج دیوتا) تھا اور بادشاہ وقت اس کا اوتار (یعنی) فاراع کہلاتا تھا یہی فاراع عبرانی میں فارعن ہوا اور عربی میں فرعون کہلایا، حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ کے فرعون کا نام ریان بن ولید بتایا گیا ہے اور مصری جدید تحقیقات آثار میں آپوفی کے نام سے موسوم ہے۔

بہر حال یوسف علیہ الصلاۃ والسلام ابھی زندان ہی میں تھے کہ وقت کے فرعون نے ایک خواب دیکھا، فرعون نے تعبیر دانوں نجومیوں اور کاہنوں کو خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے بلایا مگر خواب سنکر سب نے کہہ دیا کہ یہ تو اضغاث احلام ہیں ہم ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے اگر کوئی صحیح خواب ہوتو ہم اس کی تعبیر بتا سکتے ہیں، بادشاہ کو کاہنوں اور تعبیر دانوں کے جواب سے اطمینان نہ ہوا، اسی اثناء میں ساقی کو اپنا خواب اور یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی تعبیر کا واقعہ یاد آ گیا، اس نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر

اجازت ہو تو میں اس کی تعبیر لا سکتا ہوں، بادشاہ کی اجازت سے وہ اسی وقت قید خانہ پہنچا اور یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو بادشاہ کا خواب سنایا اور کہا کہ آپ اس کو حل کیجئے کیوں کہ آپ سچائی اور تقدس کے پیکر ہیں، آپ ہی اس کو حل کر سکتے ہیں اور کیا عجب ہے کہ جن لوگوں نے مجھے بھیجا ہے جب میں صحیح تعبیر لے کر ان کے پاس واپس جاؤں تو وہ آپ کی حقیقی قدر و منزلت سمجھ لیں۔

خواب کی حقیقت:

تفسیر مظہری میں ہے کہ واقعات کی جو صورتیں عالم مثال میں ہوتی ہیں وہی انسان کو خواب میں نظر آتی ہیں، اس عالم میں اس کے خاص معنی ہوتے ہیں فن کا تمام تر مدار اس بات کے جاننے پر ہے کہ فلاں صورت مثالی سے اس عالم میں کیا مراد ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ فن مکمل عطا فرمایا تھا آپ نے خواب سنکر سمجھ لیا کہ سات فربہ گائیں (بیل) اور سات ہرے بھرے خوشوں سے خوشحالی کے سات سال مراد ہیں کہ جن میں معمول کے مطابق بلکہ کچھ زیادہ ہی پیداوار ہوگی کیونکہ بیل کو زمین کے ہموار کرنے نیز جوتنے اور بونے سے خاص تعلق ہے، اور سات دبلے اور کمزور بیلوں اور سات خشک خوشوں سے مراد یہ ہے کہ پہلے خوشحالی کے سات سالوں کے بعد سات سال نہایت خشک سالی کے آئیں گے، اور دبلی گایوں کے فربہ گایوں کے کھانے کا مطلب کہ سات سالوں کا ذخیرہ کیا ہوا غلہ بعد کے سات سالوں میں خرچ ہو جائیگا صرف بیج وغیرہ کے لئے کچھ غلہ بچے گا۔

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا کمال صبر:

حضرت یوسف کے کمال صبر و استقلال کا اندازہ کیجئے اور جلالت قدر کا اندازہ لگائیے کہ جن ظالموں نے مجھ بے قصور کو زندان میں ڈالا ہے وہ اگر تباہ ہو جائیں اور اس خواب کا حل نہ پا کر برباد ہو جائیں تو اچھا ہے ان کی یہی سزا ہے، ایسا کچھ بھی نہیں بلکہ اس سلسلہ میں صحیح تدبیر بھی بتلادی اور ساقی کو پوری طرح مطمئن کر کے فرمایا اس خواب کی تعبیر اور اس کی بنا پر جو کچھ تم کو کرنا چاہئے وہ یہ کہ تم سات سال تک لگاتار کھیتی کرتے رہو اور یہ تمہاری خوشحالی کے سال ہوں گے جب کھیتی کٹنے کا وقت آئے تو جو مقدار تمہارے سال بھر کھانے کے لئے ضروری ہو اس کو الگ کر لو اور باقی غلہ کو ان کے خوشوں میں رہنے دو تا کہ محفوظ رہے اور گلے سڑے نہیں اس کے بعد سات سال سخت قحط سالی کے آئیں گے وہ تمہارا جمع کیا ہوا تمام ذخیرہ ختم کر دیں گے، اس کے بعد پھر ایک سال ایسا آئیگا کہ خوب بارش ہوگی کھیتیاں ہری بھری ہوں گی اور لوگ پھلوں اور دانوں سے عرق اور تیل بہتات کے ساتھ نکالیں گے۔

ساقی نے دربار میں جا کر پورا واقعہ بادشاہ کو سنا دیا خواب کی تعبیر سن کر بادشاہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے علم و دانش اور جلالت قدر کا قائل ہو گیا اور نادیدہ مشتاق بنکر کہنے لگا ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ۔

بادشاہ کا قاصد یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں:

جب بادشاہ کا قاصد یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچا اور بادشاہ کی طلب و اشتیاق کا حال سنایا تو حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے قید خانہ سے باہر آنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اس طرح تو میں جانے کو تیار نہیں ہوں تم اپنے آقا کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ یہ تحقیق کرے کہ ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ پہلے یہ بات صاف ہو جائے کہ انہوں نے کیسی کچھ مکاریاں کی تھیں اور میرا مالک تو ان مکاریوں سے بخوبی واقف ہے۔

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ کی تحقیق کا مطالبہ:

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام بے قصور اور بے خطا برسوں جیل میں رہے بلا وجہ ان کو زندانی بنا کر رکھا اب جبکہ بادشاہ نے مہربان ہو کر رہائی کا مژدہ سنایا تو چاہئے تھا کہ وہ مسرت اور خوشی کے ساتھ زندان سے باہر نکل آتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور گزشتہ معاملہ کی تحقیق کا مطالبہ شروع کر دیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام خانوادۂ نبوت سے ہیں اور خود بھی نبی ہیں اس لئے غیرت و حمیت اور عزت نفس کے بدرجہ اتم مالک ہیں انہوں نے سوچا کہ اگر بادشاہ کی اس مہربانی پر میں رہا ہو گیا تو یہ بادشاہ کا رحم و کرم سمجھا جائیگا اور میرا بے قصور ہونا پردۂ خفا میں رہ جائے گا اس طرح صرف عزت نفس ہی کو ٹھیس نہیں لگے گی بلکہ دعوت و تبلیغ کے اس اہم مقصد کو بھی نقصان پہنچے گا جو میری زندگی کا عین مقصد ہے، لہٰذا اب بہترین وقت ہے کہ معاملہ کی اصل حقیقت سامنے آجائے، اور حق ظاہر اور واضح ہو جائے۔

صحیحین میں واقعۂ یوسف کا ذکر:

بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے صبر و ضبط کو بہت سراہا اور کسر نفسی کی حد تک اس کو بڑھا کر یہ ارشاد فرمایا۔

لو لبثت فی السجن مالبث یوسف لأجبت الداعی. (بخاری کتاب الانبیاء)

اگر میں اس قدر دراز مدت تک قید میں رہتا جس قدر یوسف رہے تو بلانے والے کی دعوت فوراً قبول کر لیتا۔

اس جگہ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگر چہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا معاملہ براہ راست عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ پیش آیا تھا مگر حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کا ذکر نہیں کیا بلکہ ان مصری عورتوں کا حوالہ دیا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی دو وجہ تھیں ایک یہ کہ حضرت یوسف کو اگر چہ عزیز کی بیوی سے زیادہ تکلیف پہنچی تھی مگر قید کے معاملہ میں ان عورتوں کی بھی سازش تھی ان سب نے مل کر عزیز مصر کی بیوی کو قید کے مشورہ کو عملی جامہ پہنانے پر آمادہ کیا یہی وجہ ہے کہ زندان کا معاملہ ان عورتوں کے قضیہ کے بعد پیش آیا۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام سمجھتے تھے کہ عزیز مصر نے میرے ساتھ ہر ممکن حسن سلوک برتا ہے اس لئے مناسب نہیں کہ میں ان کی بیوی کا نام لے کر اس کی رسوائی کا باعث بنوں۔

غرضیکہ بادشاہ نے جب یہ سنا تو ان عورتوں کو بلوایا اور ان سے کہہ دیا کہ صاف صاف اور صحیح صحیح بتاؤ کہ اس معاملہ کی اصل حقیقت کیا ہے، جب تم نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے تاکہ تم اس کو اپنی طرف مائل کرلو تو وہ ایک زبان ہو کر بولیں۔

قلن حاش للّٰہ ما علمنا علیہ من سوء.

''بولیں حاشا اللہ ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں پائی''۔

مجمع میں عزیز مصر کی بیوی بھی موجود تھی اس نے جب یہ دیکھا کہ یوسف کی خواہش ہے کہ حقیقت حال سامنے آجائے تو بے اختیار بول اٹھی۔

الئٰن حصحص الحق انارا ودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصّٰدقین.

''جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہوگئی ہاں وہ میں ہی تھی جس نے یوسف پر ڈورے ڈالے کہ اپنا دل ہار بیٹھی بلاشبہ وہ (اپنے بیان میں) بالکل سچا ہے''۔

ثم تواضع لِلّٰہ فقال **وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ** من الزلل **اِنَّ النَّفْسَ** الجنس **لَاَمَّارَةٌ** کثیرۃ الامر **بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا** بمعنی من **رَحِمَ رَبِّیْ** فعصمہ **اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ** اجعلہ خالصا لی دون شریک فجاء ہ الرسول وقال اجب الملک فقام وودع اہل السجن ودعالہم ثم اغتسل ولبس ثیابا حسانا ودخل علیہ **فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ** لہ **اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ﴿۵۴﴾** ذومکانۃ وامانۃ علی امرنا فما ذاتری ان نفعل قال اجمع الطعام وازرع زرعا کثیرا فی ہذہ السنین المخصبۃ وادخر الطعام فی سنبلہ فیاتی الیک الخلق لیمتاروا منک فقال من لی بہذا **قَالَ** یوسف **اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ** ارض مصر **اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴿۵۵﴾** ذو حفظ وعلم بامرہا وقیل کاتب وحاسب **وَكَذٰلِكَ** کانعامنا علیہ بالخلاص من السجن **مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ** ارض مصر **یَتَبَوَّاُ** ینزل **مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ** بعد الضیق والحبس وفی القصۃ ان الملک توجہ وختمہ وولاہ مکان العزیز وعزلہ ومات بعد فزوجہ امرأتہ زلیخا فوجدہا عذراء وولدت لہ ولدین واقام العدل بمصر ودانت لہ الرقاب **نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ** من اجر الدنیا **لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴿۵۷﴾**

ترجمہ: پھر اللہ کے لئے تواضع کی اور پھر (یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے) کہا میں اپنے نفس کی لغزشوں سے پاکیزگی بیان

نہیں کرتا جنس نفس تو بلاشبہ کثرت سے برائی کا حکم کرنے والا ہی ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی رحم کرے تو اس کو بچالیتا ہے مــا بمعنی مــن ہے، بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ تاکہ میں اسے اپنے لئے مخصوص کرلوں، یعنی میں اس کو بغیر کسی شریک کے حاصل کرلوں، چنانچہ قاصد یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آیا اور کہا بادشاہ کا حکم مانو، تو حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام اٹھے اور رفقاء زندان کو رخصت کیا اور ان کو دعاء دی، پھر غسل کیا اور عمدہ لباس پہنا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، چنانچہ جب آپس میں گفتگو ہوئی تو بادشاہ نے کہا اب آپ ہمارے یہاں قدر ومنزلت رکھتے ہیں اور آپ کی امانتداری پر پورا بھروسہ ہے یعنی آپ ہمارے معاملات میں بااقتدار اور امین ہیں، اب آپ کا کیا مشورہ ہے؟ ہم کو کیا کرنا چاہئے؟ (حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے) فرمایا غلہ کا ذخیرہ کرواور ان سرسبزی اور شادابی کے سالوں میں کثرت سے کھیتی کراؤ اور غلہ کو اس کے خوشوں ہی میں رہنے دو لوگ آپ کے پاس غلہ لینے آئیں گے، تو بادشاہ نے کہا میری طرف سے اس کی کون ذمہ داری لے گا، یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا ملک مصر کے خزانے میرے سپرد کیجئے میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں، (یعنی) محافظ بھی ہوں اور اس کے معاملات (طریق کار) سے واقف بھی ہوں، کہا گیا ہے کہ میں لکھنا بھی جانتا ہوں اور حساب دان بھی ہوں، جس طرح ہم نے جیل سے رہائی دے کر اس پر انعام کیا، اسی طرح ہم نے یوسف کو ملک مصر میں تنگی اور قید کے بعد اقتدار بخشا اس طریقہ پر کہ (ملک میں) جہاں چاہے رہے قصہ یہ کہ بادشاہ نے اس کی تاج پوشی کی اور اس کو اپنی (شاہی) مہر سونپ دی، اور عزیز کے منصب پر ان کو مقرر کردیا، اور عزیز کو معزول کردیا، اس کے بعد عزیز کا انتقال ہوگیا تو بادشاہ نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا نکاح عزیز کی بیوی زلیخا سے کردیا، حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کو کنواری پایا حضرت یوسف کے اس سے دو بچے پیدا ہوئے اور (یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے) مصر میں ایسا عدل قائم کیا کہ گردنیں ان کے سامنے جھک گئیں ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے، نیکوکاروں کے اعمال کو ضائع نہیں کرتے اور یقیناً ایمان والوں اور پرہیزگاروں کا آخرت کا اجر دنیا کے اجر سے بدرجہا بہتر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وما ابرئُ نفسی یہ جملہ، ذلك لیعلم سے حال ہے، یعنی ذلك کے عامل مقدر یعنی اطلب البراء ۃ لیعلم الخ سے حال ہے، مطلب یہ ہے کہ اطلب البراء ۃ سے جو تنزیہ نفس مفہوم ہو رہی اس سے عزیز مصر کی بیوی کے معاملہ میں تنزیہ اور بے گناہی مراد ہے نہ کہ مطلقاً لغزشوں اور خطاؤں سے، خلاصہ یہ ہے کہ ما قبل میں جو میں نے طلب براءت کی ہے سے تنزیہ نفس مراد نہیں۔

قَوْلُہٗ: الجنس، ای الذی فی ضمن جمیع الافراد، اگر مفسر علام جنس کے بجائے استغراق سے تعبیر کرتے تو بہتر ہوتا۔

قَوْلُہٗ: ما بمعنی من ہے اس لئے کہ نفس سے مراد ذوالعقول ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مارحم معنی میں زمان کے ہوتو اس صورت میں ما کو من کے معنی میں لینے کی ضرورت نہ ہوگی، ای الا وقت رحمۃ ربی تقدیر عبارت یہ ہوگی، انہا امارۃ فی کل وقت الا وقت العصمۃ.

قَوْلُہٗ: اجعلہ، اس میں اشارہ ہے کہ استخلصہ معنی میں تصییر کے ہے اسلئے کہ طلب کے معنی درست نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: فقال من لی بھذا، ای من یضمن ھذا لاجلی.

قَوْلُہٗ: ومات بعدہ ای بعد العزل.

تَفسیر وتَشریح

ایتونی بہ استخلصہ لنفسی، اس کو (جلد) میرے پاس لاؤ کہ میں اس کو اپنے کاموں کے لئے مخصوص کرلوں یوسف علیہ الصلاۃ والسلام جب بایں رعنائی ودلبری، بایں عصمت وپاکبازی، اور بایں عقل ودانش زندان سے نکل کر بادشاہ کے دربار میں تشریف لائے، بات چیت ہوئی تو بادشاہ حیران رہ گیا کہ اب تک جس کی راستبازی، امانت داری، اور وفاءعہد کا تجربہ کیا تھا وہ عقل ودانش اور حکمت وفطانت میں بھی اپنی نظیر آپ ہے اور مسرت کے ساتھ کہنے لگا، "انک الیوم لدینا مکین امین" پھر اس نے دریافت کیا کہ میرے خواب میں جس قحط سالی کا ذکر ہے اس کے متعلق مجھ کو کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں؟ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے جواب دیا۔

قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم، یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا اپنی مملکت کے خزانوں پر آپ مجھے مختار کیجئے میں حفاظت کرسکتا ہوں اور اس کام کا کرنے والا ہوں۔

چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنی تمام مملکت کا امین وکفیل بنادیا اور شاہی خزانوں کی کنجیاں ان کے حوالہ کرکے مختار عام کردیا۔

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی زلیخا سے شادی:

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی زمانہ میں زلیخا کے شوہر عزیز مصر (قطفیر) کا انتقال ہوگیا تو بادشاہ نے زلیخا کی شادی یوسف علیہ الصلاۃ والسلام سے کردی اس وقت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سے فرمایا کہ کیا یہ صورت اس سے بہتر نہیں ہے جو تو چاہتی تھی زلیخا نے اعتراف کرکے اپنا عذر بیان کیا۔

اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت اور شان کے ساتھ ان کی مراد پوری فرمائی اور عیش ونشاط کے ساتھ زندگی گذری تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دولڑکے بھی پیدا ہوئے جن کا نام افرائیم اور میشا تھا۔

مصر میں قحط کی ابتداء:

غرض جب قحط سالی کا زمانہ شروع ہوا تو مصر اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ میں بھی سخت کال پڑا، اور کنعان میں خاندان یعقوب بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا جب حالت نزاکت اختیار کر گئی تو حضرت یعقوب نے صاحبزادوں سے کہا کہ مصر میں عزیز مصر نے اعلان کیا ہے کہ اس کے پاس غلہ محفوظ ہے، تم سب جاؤ اور غلہ خرید کر لاؤ چنانچہ باپ کے حکم کے مطابق یہ کنعانی قافلہ عزیز مصر سے غلہ لینے کے لئے مصر روانہ ہوا، خدا کی قدرت دیکھئے کہ برادران یوسف کا یہ قافلہ اسی بھائی سے غلہ لینے چلا ہے جس کو اپنے خیال میں وہ کسی مصری گھرانے کا معمولی اور گمنام غلام بنا چکے تھے مگر اس یوسف فروش قافلہ کو کیا معلوم کہ وہ کل کا غلام آج مصر کے تاج وتخت کا مالک ومختار ہے اور اس کو اسی کے سامنے عرض حال کرنا ہے بہرحال کنعان سے چلے اور مصر جا پہنچے، اور جب دربار یوسفی میں پیش ہوئے تو یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو پہچان لیا البتہ وہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو نہ پہچان سکے۔

ودخلت سنو القحط واصاب ارض كنعان والشام **وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ** الا بنيامين ليمتا روالما بلغهم ان عـزيز مصريعطى الطعام بثمنه **فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ** انهم اخوته **وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ** لا يعرفونه لبعد عهـدهم به وظنهم هلاكه فكلموه بالعبرانية فقال كالمنكر عليهم ما اقدمكم بلادى فقالوا للميرة فـقـال لـعلكم عيون قالوا معاذالله قال فمن اين انتم قالوا من بلاد كنعان وابونا يعقوب نبى الله قال ولـه اولاد غيركـم قـالـوا نعم كنا اثنى عشر فذهب اصغرنا هلك فى البرية وكان احبنا اليه وبقى شقيقـه فـاحتبسه ليتسلى به عنه فامر بانزالهم واكرامهم **وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ** وفى لهم كيلهم **قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ** اى بنيامين لا علم صدقكم فيما قلتم **اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ** اتـمـه من غير بخس **وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ** اى ميرة **وَلَا تَقْرَبُوْنِ ۝** نهى اوعطف على محل فلا كيل اى تحرموا ولا تقربوا **قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ** سنجتهد فى طلبه منه **وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝** ذلك **وَقَالَ لِفِتْيٰنِهٖ** وفى قراءة لفتيانه غلمانه **اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ** التى اتـوابهـا ثمن الميرة وكانت دراهم **فِيْ رِحَالِهِمْ** اوعيتهم **لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ** وفرغوا اوعيتهم **لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝** الينا لانهم لا يستحلون امساكها **فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ** ان لم ترسل معنا اخانا اليه **فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ** بالنون والياء **وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ** ما **اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ** يوسف **مِنْ قَبْلُ** وقد فعلتم به مافعلتم **فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا** وفى قراءة حافظا تمييز كقولهم لله دره فارسا **وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝** فارجوان

یمن بحفظه وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ما استفهامية اى اى شئ نطلب من اكرام الملك اعظم من هذا وقرئ بالفوقانية خطابا ليعقوب و كانوا ذكروا له اكرامه لهم هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلَنَا ناتى بالميرة لهم وهى الطعام وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ لاخينا ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿۶۵﴾ سهل على الملك لسخائه قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا عهدا مِّنَ اللَّهِ بان تحلفوا لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَن يُحَاطَ بِكُمْ اى تموتوا اوتغلبوا فلا تطيقوا لاتيان به فاجابوه الى ذلك فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ بذلك قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ نحن وانتم وَكِيلٌ ﴿۶۶﴾ شهيد وارسله معهم وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مصر مِن بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ لئلا تصيبكم العين وَمَا أُغْنِي ادفع عَنكُم بقولى ذلك مِّنَ اللَّهِ مِن زائدة شَيْءٍ قدره عليكم وانما ذلك شفقة إِنِ ما الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ وحده عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ به وثقت وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۶۷﴾ قال تعالى وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُم اى متفرقين مَّا كَانَ يُغْنِي عَنْهُم مِّنَ اللَّهِ اى قضائه مِن شَيْءٍ إِلَّا لكن حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا وهى ارادة دفع العين شفقة وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ لتعليمنا اياه وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ وهم الكفار لَا يَعْلَمُونَ ﴿۶۸﴾ الهام الله لا وليائه.

تَرْجَمَہ: اور قحط کے سال شروع ہوگئے اور (اس کے اثرات) ملک کنعان اور شام تک پہنچ گئے، جب اہل کنعان کو یہ اطلاع پہنچی کہ عزیز مصر قیمۃً غلہ دیتا ہے تو یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے بھائی سوائے بنیامین کے غلہ لینے کے لئے (مصر) آئے چنانچہ جب بھائی یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یوسف نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا اور بھائی یوسف کو نہ پہچان سکے، (اسکی جدائی کو) مدت دراز گذر جانے کی وجہ سے اور اس کے بارے میں یہ گمان ہونے کی وجہ سے کہ وہ ہلاک ہوگیا ہوگا، بھائیوں نے یوسف سے عبرانی زبان میں گفتگو کی، یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے انجان بنکر ان سے معلوم کیا کہ میرے ملک آنے کا تمہارا کیا سبب ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ غلہ لینے کے لئے آئے ہیں، حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم جاسوس ہو، کہنے لگے اللہ کی پناہ (پھر ان سے) پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا بلاد کنعان سے اور ہمارے والد یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام اللہ کے نبی ہیں، یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے معلوم کیا کہ تمہارے علاوہ بھی اس کی کوئی اولاد ہے جواب دیا ہاں ہم کل بارہ بھائی تھے ہمارا چھوٹا بھائی تو جنگل میں گیا تھا ہلاک ہوگیا وہ ہمارے والد کو ہم سب میں زیادہ پیارا تھا، اور اس کا حقیقی بھائی موجود ہے اس کو ہمارے والد صاحب نے اپنے پاس روک لیا ہے تاکہ اس سے تسلی حاصل کرے، تو یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو اکرام کے ساتھ ٹھہرانے کا حکم دیا، اور جب ان کا ساز وسامان تیار کرادیا اور ان کو خوب پیمانہ بھر بھر کے دیدیا، تو فرمایا کہ تم (آئندہ) اپنے علاتی بھائی کو بھی لے کر آنا یعنی بنیامین کو تاکہ تمہاری بات کی سچائی کو میں جان سکوں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں یعنی بغیر کمی پورا بھرتا ہوں، اور میں بہترین میز بانی کرنے والوں میں سے ہوں، اگر تم اس کو

میرے پاس نہ لاؤ گے تو میرے پاس تمہارے لئے کوئی غلہ (وَلَا) نہیں ہے اور میرے پاس بھی مت آنا (لاتقربون) نہی ہے فلا کیل کے محل پر عطف ہے یعنی تم کو محروم کر دیا جائیگا اور تم قریب (بھی) مت آنا، تو بھائیوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے باپ کو اس کے بارے میں پھسلائیں گے (سمجھائیں گے) اور ان سے لینے کے لئے پوری کوشش کریں گے اور ہم یہ کام ضرور کریں گے اور (یوسف نے) اپنے خادموں سے کہا اور ایک قراءت میں لفتیانہ ای لغلمانہ ہے کہ تم ان کی پونجی کو جس کو وہ غلہ خریدنے کے لئے لائے ہیں اور وہ دراہم تھے ان کی بوریوں میں رکھدو شاید کہ جب وہ اپنے گھر پہنچیں اور اپنی بوریوں کو خالی کریں تو اپنی پونجی کو پہچان لیں تو ممکن ہے کہ وہ ہمارے پاس واپس آئیں اسلئے کہ وہ اس (پونجی) کو اپنے پاس رکھنا حلال نہ سمجھیں گے، چنانچہ جب وہ اپنے اباجان کے پاس واپس پہنچے تو کہا اے ہمارے اباجان (آئندہ) ہم کو غلہ دینے سے منع کر دیا گیا ہے، اگر آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی (بنیامین) کو اس کے پاس نہ بھیجیں گے، لہٰذا آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم غلہ حاصل کر سکیں، (نکتل) نون اور یاء کے ساتھ ہے، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے (یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کہا میں تمہارے اوپر بنیامین کے بارے میں اعتماد نہیں کر سکتا مگر ویسا ہی جیسا کہ اس کے بھائی یوسف کے بارے میں اس سے پہلے اعتماد کیا تھا، اور اس کے ساتھ تم نے وہی کیا جو تم نے کیا، لہٰذا اللہ ہی بہترین محافظ ہے اور ایک قراءت میں (حفظ) کے بجائے حافظا ہے یہ تمیز ہے جیسا کہ ان کے قول للّٰہ درہٗ فارسا میں اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، مجھے امید ہے کہ وہ اس کی حفاظت کر کے احسان کریگا اور جب بھائیوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کو پونجی ان ہی کو لوٹا دی گئی ہے اور بھائیوں نے کہا اے ہمارے اباجان بادشاہ کی طرف سے اس سے زیادہ ہمیں اور کیا اکرام چاہئے؟ (مانبغی) میں ما استفہامیہ ہے اور (نبغی) کو تاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے حضرت یعقوب کو خطاب کرتے ہوئے، اور بھائیوں نے اپنے اباجان سے بادشاہ کے ان کے اکرام کرنے کا تذکرہ کیا تھا، دیکھئے یہ ہمارا سرمایہ بھی ہمیں لوٹا دیا گیا ہے اور ہم اپنے اہل خانہ کے لئے غلہ لائیں گے اور میرہ غلہ کو کہتے ہیں، اور اپنے بھائی کی حفاظت رکھیں گے اور ہم اپنے بھائی کا ایک اونٹ بوجھ مزید لائیں گے اور یہ مقدار بادشاہ کے لئے اس کی سخاوت کی وجہ سے آسان ہے (یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا میں اس کو ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا تا آں کہ تم اللہ کی قسم کھا کر عہد نہ کرو کہ تم اس کو ضرور میرے پاس (واپس) لاؤ گے الا یہ کہ تم گھیر لیے جاؤ یعنی مر جاؤ یا مغلوب کر دیئے جاؤ جس کی وجہ سے تم اسے میرے پاس نہ لا سکو، چنانچہ بھائیوں نے شرطیں منظور کر لیں، جب بھائیوں نے اپنے اباجان سے اس کا عہد و پیمان کر لیا تو یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہم اور تم جو عہد و پیمان کر رہے ہیں اللہ اس پر گواہ ہے اور یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا اے میرے بچو تم سب مصر میں ایک دروازہ سے مت داخل ہونا (بلکہ) متفرق دروازوں سے داخل ہونا تاکہ تم کو نظر نہ لگ جائے، میں اپنے اس قول سے اللہ کی طرف سے کسی ہونے والی چیز کو نہیں ٹال سکتا مــن زائدہ ہے (یعنی) جو چیز اس نے تمہارے لئے مقدر کر دی ہے (اس کو نہیں ٹال سکتا) یہ تو محض شفقت (پدری) ہے حکم صرف اللہ وحدہٗ کا چلتا ہے میرا بھروسا تو اسی پر ہے یعنی اسی پر اعتماد کیا ہے، اور ہر بھروسا کرنے والے کو

اسی پر بھروسا کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جب بھائی اپنے ابا جان کے کہنے کے مطابق متفرق دروازوں سے داخل ہوئے تو اللہ کی تقدیر سے انھیں کوئی چیز نہیں بچا سکی لیکن یعقوب کے دل میں ایک خیال (پیدا ہوا) جسے انہوں نے پورا کیا (ظاہر کیا) اور وہ شفقۃً نظر بد دفع کرنے کا ارادہ تھا، بلاشبہ وہ ہمارے سکھلائے ہوئے علم کا عالم تھا لیکن اکثر لوگ اور وہ کفار ہیں، اپنے اولیاء پر اللہ کے الہام کو نہیں جانتے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وجاء اخوۃ یوسف واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف محذوف پر ہے جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے یعنی فراغت اور خوشحالی کے سال ختم ہو کر جب قحط اور تنگی کے سال شروع ہوئے اس کے اثرات کنعان وشام وغیرہ میں بھی محسوس کئے گئے جس سے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اہل خانہ کو بھی تنگی لاحق ہوئی تو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ مصر کا نیک دل بادشاہ مناسب قیمت پر غلہ فروخت کر رہا ہے لہٰذا تم بھی جاؤ اور اپنی حاجت کی بقدر لے کر آؤ چنانچہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی آئے۔ (ای، وجاء اخوۃ یوسف).

قَوْلُہٗ: یمتاروا ای لیشتروا المیرۃ، میرۃ اس غلہ کو کہا جاتا ہے جس کو ایک شہر سے دوسرے شہر کو لایا جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: لا تقربون یا تو نہی ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اس کا نون وقایہ کا ہے، یا فلا کیل پر عطف ہے اس صورت میں محل جزاء پر عطف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوگا۔

قَوْلُہٗ: تحرموا یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: فلا کیل لکم کی تفسیر تحرموا سے کیوں کی ہے؟

جَوَاب: اس لئے کہ لاتقربوا کا عطف لا کیل لکم پر ہے اور یہ عطف الفعل علی الاسم کے قبیل سے ہے جو کہ جائز نہیں ہے لہٰذا لا کیل لکم کو تحرموا کی تاویل میں کر دیا تاکہ فعل کا عطف فعل پر ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: لتعلیمنا، اس میں اشارہ ہے کہ لما کا ما مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ۔

تفسیر وتشریح

وجاء اخوۃ یوسف فدخلوا (الآیۃ) غرض جب قحط سالی کا زمانہ شروع ہوا تو مصر کے قرب وجوار کے علاقہ میں بھی سخت کال پڑا، کنعان میں خاندان یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا جب حالت نزاکت اختیار کر گئی تو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاحبزادوں سے کہا کہ مصر میں عزیز مصر نے اعلان کیا ہے کہ اس کے پاس غلہ محفوظ ہے تم سب جاؤ اور غلہ خرید کر لاؤ چنانچہ والد صاحب کے حکم سے یہ کنعانی قافلہ غلہ خریدنے کے لئے مصر کے لئے روانہ ہوا خدا کی قدرت دیکھئے کہ برادران یوسف کا یہ قافلہ اسی بھائی سے غلہ لینے چلا ہے جس کو اپنے خیال میں وہ کسی مصری گھرانے کا معمولی غلام بنا چکے تھے مگر

اس یوسف فروش قافلہ کو کیا معلوم کہ وہ کل کا ''غلام'' آج مصر کے تاج وتخت کا مالک ومختار ہے اور اس کو اسی کے سامنے عرض حال کرنا ہے، بہرحال جب دربار یوسفی میں پیش ہوئے تو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو پہچان لیا، البتہ وہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ پہچان سکے کیونکہ جب یوسف کو کنویں میں ڈالا تو اس وقت ان کی عمر دس بارہ سال رہی ہوگی اور اب چالیس سال کا عرصہ گذر چکا ہے اتنی مدت میں ہر چیز میں تبدیلی آجاتی ہے اور اگر کسی طرح شبہ کرتے بھی تو کس طرح؟ ان کے وہم وگمان میں بھی بات نہیں آسکتی تھی کہ یوسف، اور تخت شاہی۔!

برادران یوسف پر جاسوسی کا الزام:

تورات کا بیان ہے کہ برادران یوسف پر جاسوسی کا الزام لگایا گیا اور اسی وجہ سے ان کو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روبرو پیش کیا گیا جس کی وجہ سے ان کو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بالمشافہ گفتگو کرنے کا موقعہ ملا، غرض یہ کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے والد، حقیقی بھائی اور گھر کے حالات کو خوب کرید کرید کر معلوم کیا اور آہستہ آہستہ سب کچھ معلوم کرلیا، اور پھر ان کی حسب مرضی غلہ بھر دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ قحط اس قدر شدید ہے کہ تم کو دوبارہ یہاں آنا پڑے گا اسلئے یاد رکھو اب کی مرتبہ اگر تم آؤ تو اپنے چھوٹے بھائی کو ضرور ساتھ لانا اگر تم اس کو ساتھ نہ لائے تو ہرگز غلہ نہیں ملے گا۔

برادران یوسف نے کہا کہ ہم اپنے والد کو سمجھائیں گے اور ہر طرح ترغیب دیں گے کہ وہ بنیامین کو ہمارے ساتھ یہاں بھیجنے پر راضی ہوجائیں پھر جب وہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے الوداعی ملاقات کرنے آئے تو انہوں نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ خاموشی کے ساتھ ان کے کجاوؤں میں ان کی وہ پونجی بھی رکھ دو جو انہوں نے غلہ کی قیمت کے نام سے دی ہے تو عجب نہیں کہ وہ اس پونجی کو مصری بیت المال کا مال ہونیکی وجہ سے اپنے لئے حلال نہ سمجھتے ہوئے واپس کرنے کے لئے آئیں، ابن کثیر نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عمل میں کئی احتمال بیان کئے ہیں ایک تو یہی جو اوپر بیان ہوا، دوسرا یہ کہ شاید یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خیال ہوا ہو کہ ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس اس نقدی کے علاوہ اور نقدی نہ ہو جس کی وجہ سے دوبارہ غلہ لینے کے لئے نہ آسکیں تیسرے یہ کہ اپنے والد، اور بھائیوں سے کھانے کی قیمت لینا گوارہ نہ کیا ہو اور اس غلہ کی قیمت شاہی خزانہ میں اپنے پاس سے جمع کرادی ہو۔

بہرحال یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ انتظامات اس لئے کئے کہ آئندہ بھی بھائیوں کے آنے کا سلسلہ جاری رہے اور چھوٹے حقیقی بھائی بنیامین سے ملاقات بھی ہوجائے۔

برادران یوسف واپس کنعان میں:

برادران یوسف کا قافلہ جب واپس کنعان پہنچا تو انہوں نے سفر کی پوری روداد اپنے والد یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سنائی اور ان سے کہا کہ مصر کے والی نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اس وقت تک آئندہ غلہ کے لئے یہاں ہرگز نہ آنا جب تک کہ

اپنے علاتی بھائی بنیامین کو ساتھ نہ لاؤ، لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ آپ اسے ہمارے ساتھ مصر بھیج دیں ہم اس کی ہر طرح نگرانی اور حفاظت کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کیا تم پر اسی طرح اعتماد کروں جس طرح اس کے بھائی یوسف کے بارے میں کر چکا ہوں اور تمہاری حفاظت ہی کیا اصل حفاظت اللہ بڑے رحم کرنے والے کی ہے۔

اس گفتگو سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے اپنا سامان کھولنا شروع کیا تو دیکھا کہ ان کی پونجی ان ہی کو واپس کر دی گئی ہے، یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے، ابا جان اس سے زیادہ اور ہم کو کیا چاہئے؟ دیکھئے غلہ بھی ملا اور ہماری پونجی بھی جوں کی توں لوٹادی گئی، اس نے تو ہم سے قیمت بھی نہ لی اب ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم دوبارہ اس کے پاس جائیں اور گھر والوں کے لئے رسد لائیں، اور بنیامین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجئے اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں، اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لائیں گے، اسلئے کہ یہ غلہ جو ہم لائے ہیں کافی نہیں ہے۔

یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کا بن یامین کو ساتھ بھیجنے سے انکار:

بہر حال یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ میں بنیامین کو ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کے نام پر مجھ سے عہد نہ کرو اور یہ کہ جب تک ہم خود نہ گھیر لئے جائیں اور ہر طرح سے مجبور نہ کر دیئے جائیں ہم اس کو ضرور آپ کے پاس واپس لائیں گے، جب سب نے متفقہ طور پر اپنے والد کے سامنے عہد کیا اور ہر طرح اطمینان دلایا تب حضرت یعقوب نے فرمایا کہ جو کچھ ہوا محض اسباب ظاہری کی بنا پر ہے ورنہ کیا تم اور کیا تمہاری حفاظت، اور کیا ہم اور کیا ہمارا عہد ہم سب کو خدا کی نگہبانی چاہئے۔

قال یا بنی لاتدخلوا من باب واحد وادخلوا من ابواب متفرقة حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے بیٹوں کو رخصت کرتے وقت نصیحت فرمائی کہ دیکھو سب ایک ہی دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا، اور یہ بھی فرمایا کہ اس نصیحت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم اپنی تدابیر پر مغرور ہو بیٹھو، کیونکہ میں تمہیں کسی ایسی بات سے ہرگز نہیں بچا سکتا جو اللہ کے حکم سے ہونے والی ہو، حکم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا چلتا ہے اسلئے میں نے جو کچھ کہا ہے وہ صرف احتیاطی تدابیر کے طور پر ہے اور احتیاطی تدابیر کو استعمال کرنا خدا پرستی کے خلاف نہیں ہے۔

ولما دخلوا من حیث امرھم ابوھم الخ یعنی برادران یوسف مصر میں اپنے والد محترم کی نصیحت کے مطابق ہی داخل ہوئے مگر ضروری نہیں کہ احتیاطی تدابیر ہر جگہ راست ہی آجائیں، اگر خدا تعالیٰ کی مشیت اس کے برعکس مصلحت دیکھتی ہے تو پھر وہی ہو کر رہتا ہے اور سب تدابیر بیکار ہو کر رہ جاتی ہیں۔

مسائل وفوائد:

یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے اس واقعہ سے اس بات کا جواز معلوم ہوا کہ جب کسی ملک میں اقتصادی حالات ایسے خراب ہو جائیں کہ اگر حکومت نظم قائم نہ کرے تو بہت سے لوگ اپنی ضروریات زندگی سے محروم ہو جائیں گے تو حکومت ایسی چیزوں کو اپنے نظم اور کنٹرول میں لیکر مناسب قیمت مقرر کر سکتی ہے حضرات فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (معارف)

یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنے والد کو اپنے حالات سے باخبر نہ کرنا امر الٰہی سے تھا:

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے اس واقعہ میں ایک بات نہایت حیرت انگیز یہ ہے کہ ایک طرف تو ان کے والد صاحب جو خدا کے پیغمبر بھی تھے ان کی مفارقت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے نابینا ہو گئے، اور دوسری طرف یوسف علیہ الصلاۃ والسلام خود بھی نبی ہیں، باپ سے فطری اور طبعی محبت کے علاوہ ان کے حقوق سے بھی پوری طرح باخبر ہیں لیکن چالیس سال کے طویل زمانہ میں ایک مرتبہ بھی یہ خیال نہ آیا کہ میرے والد میری جدائی سے بے چین ہیں اپنی خیریت کی خبر کسی طرح ان تک پہنچا دیتے لیکن یوسف علیہ الصلاۃ والسلام سے کہیں منقول نہیں کہ انہوں نے اس کا ارادہ بھی کیا ہو، اور بھائیوں کو بھی اظہار واقعہ کے بغیر ہی رخصت کر دیا۔

یہ تمام حالات کسی ادنی انسان سے بھی متصور نہیں ہو سکتے اللہ کے برگزیدہ رسول سے یہ صورت کیسے برداشت ہوئی؟ حقیقت یہ کہ اللہ نے ہی وحی کے ذریعہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو اظہار حال سے روک دیا تھا کہ اپنے گھر کسی قسم کی کوئی خبر نہ دیں تفسیر قرطبی میں اس کی صراحت موجود ہے کون اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ کر سکتا ہے؟ اللہ اپنی حکمتوں کو خود ہی خوب جانتا ہے، بظاہر اس کی اصل حکمت اس امتحان کی تکمیل تھی جو یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کا لیا جا رہا تھا۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى ضم **اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ** تحزن **بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾** من الحسد لنا وامره ان لا يخبرهم وتواطأ معه على انه سيحتال على ان يبقيه عنده **فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ** هي صاع من ذهب مرصع بالجواهر **فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ** بنيامين **ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ** نادى منادٍ بعد انفصالهم عن مجلس يوسف **اَيَّتُهَا الْعِيْرُ** القافلة **اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَ** قد **اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا** ما الذي **تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ** صاع **الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ** من الطعام **وَّاَنَا بِهٖ** بالحمل **زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾** كفيل **قَالُوْا تَاللّٰهِ** قسم فيه معنى التعجب **لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾** ما سرقنا قط **قَالُوْا** اي المؤذن واصحابه **فَمَا جَزَآؤُهٗٓ** اي السارق **اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾** في قولكم ما كنا سارقين ووجد فيكم **قَالُوْا جَزَآؤُهٗ** مبتدأ خبره **مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ** يسترق ثم اكد بقوله **فَهُوَ** اي السارق **جَزَآؤُهٗ** اي

المسروق لا غير وكانت سنة آل يعقوب كَذٰلِكَ الجزاء نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ بالسرقة فصرفوا الى يوسف لتفتيش اوعيتهم فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ ففتشها قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ لئلا يتهم ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا اى السقاية مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ قال تعالى كَذٰلِكَ الكيد كِدْنَا لِيُوْسُفَ علمناه الاحتيال فى اخذاخيه مَا كَانَ يوسف لِيَاْخُذَ اَخَاهُ رقيقا عن السرقة فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ حكم ملك مصر لان جزاؤه عنده الضرب وتغريم مثلى المسروق لا الاسترقاق اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اخذه بحكم ابيه اى لم يتمكن من اخذه الابمشية الله تعالىٰ بالهامه سوال اخوته وجوابهم بسنتهم نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ بالاضافة والتنوين فى العلم كيوسف وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ من المخلوقين عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اعلم منه حتى ينتهى الى الله تعالىٰ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ اى يوسف وكان سرق لابى امه صنما من ذهب فكسره لئلا يعبده فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا يظهرها لَهُمْ والضمير للكلمة التى فى قوله قَالَ فى نفسه اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا من يوسف واخيه لسرقتكم اخاكم من ابيكم وظلمكم له وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عالم بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ تذكرون فى امره قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا يحبه اكثر منا ويتسلى به عن ولده الهالك ويحزنه فراقه فَخُذْ اَحَدَنَا استعبده مَكَانَهٗ بدلا منه اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ فى افعالك قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ نصب على المصدر حذف فعله واضيف الى المفعول اى نعوذ بالله من اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ لم يقل من سرق تحرزا من الكذب اِنَّآ اِذًا ان اخذنا غيره لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: اور جب (برادران یوسف) یوسف کے حضور پہنچے تو (یوسف نے) اپنے بھائی (بنیامین) کو اپنے پاس ٹھہرایا اور کہا میں تیرا وہی بھائی ہوں (جوگم ہو گیا تھا) لہٰذا اب تم اس حرکت پر جو یہ ہم سے حسد کی بنا پر کرتے رہے ہیں رنجیدہ نہ ہو، اور اس سے یہ بھی کہہ دیا کہ تم اس کی خبر ان کو نہ دینا، اور دونوں نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ عنقریب کوئی ایسا حیلہ کیا جائیگا کہ اس کے ذریعہ اس کو اپنے پاس روک لے اور جب یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بھائیوں کو سامان ٹھیک ٹھاک کر کے دیا تو اپنے بھائی بنیامین کے سامان میں پیالہ رکھ دیا وہ پیالہ سونے کا تھا اور اس پر جواہر جڑے ہوئے تھے، پھر ایک آواز دینے والے نے ان کے یوسف کی مجلس سے جدا ہونے کے بعد آواز دی، اے قافلے والو تم لوگ چور ہو، انہوں نے پلٹ کر پوچھا تمہاری کیا چیز کھوئی گئی؟ جواب دیا شاہی پیانہ گم ہے، اور جو شخص لا کر دیگا اس کو ایک بار شتر غلہ انعام ملے گا اور اس بار شتر کا میں ضامن ہوں، تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم اس قسم میں تعجب کے معنی ہیں، تم خوب جانتے ہو کہ ہم ملک میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں، یعنی ہم نے ہرگز چوری نہیں کی، اعلان کرنے والے اور اس کے ساتھیوں نے کہا چور کی (تمہارے نزدیک) کیا سزا ہے اگر تم اپنی بات "ما کنا سارقین" میں جھوٹے نکلے اور چور تمہارے اندر ہی سے نکلا، انہوں نے کہا اس کی جزاء خود وہ ہے جس کے سامان میں

وہ پیالہ نکلے (یعنی) اس کو غلام بنالیا جائے (جزاؤہ) مبتداء ہے من وجد الخ اس کی خبر ہے، پھر اس کو اپنے قول فھو جزاؤہٗ سے مؤکد کیا، یعنی وہی چور اس مال مسروق کی جزاء ہے نہ کہ دوسرا اور آل یعقوب کا یہی دستور تھا، ہم تو ایسے ظالموں کو چوری کی ایسی ہی سزا دیتے ہیں، چنانچہ ان کو یوسف کے پاس ان کے سامان کی تلاشی کے لئے لایا گیا، چنانچہ اپنے حقیقی بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسروں کے سامان کی تلاشی شروع کی تاکہ تہمت کا شک نہ ہو پھر اس پیالے کو اپنے (حقیقی) بھائی کے سامان سے برآمد کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے یوسف کے لئے ایسی ہی تدبیر کی یعنی اپنے بھائی کو روکنے کے لئے (یوسف کو) ایسی تدبیر سکھائی، یوسف کے لئے ملک مصر کے قانون کی رو سے یہ ممکن نہ تھا کہ چوری کے بدلے میں اپنے بھائی کو غلام بنالے اس لئے کہ چور کی سزا اُن کے نزدیک زدوکوب کرنا اور مال مسروق کی دوگنی مقدار تاوان ڈالنا تھا نہ کہ غلام بنانا، مگر یہ کہ اللہ ہی یوسف کے والد کے قانون کے مطابق اس کو پکڑ کر رکھنا چاہے، یعنی یوسف اپنے بھائی کو روکنے پر محض اللہ کی مشیت ہی سے قادر ہوئے یوسف کو اپنے بھائیوں سے سوال کا الہام کے ذریعہ اور ان کے اپنے قانون کے مطابق جواب کے ذریعہ، ہم جس کے چاہیں علم میں درجات بلند کردیں جیسا کہ یوسف کے (درجات من) میں اضافت اور تنوین (دونوں درست ہیں) مخلوق میں سے ہر ذی علم پر دوسرا ذی علم فوقیت رکھنے والا موجود ہے یعنی ہر ذی علم کے اوپر عالم موجود ہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ پر منتہی ہوتا ہے۔

قالوا ان یسرق فقد سرق اخ له من قبل، بھائیوں نے کہا اگر یہ چوری کرے تو کچھ تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کا بھائی یوسف بھی چوری کرچکا ہے (یعنی) اس نے اپنے نانا کا سونے کا بت چرا کر توڑ دیا تھا تاکہ وہ اس کی بندگی نہ کرے، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کو اپنے دل ہی میں رکھا (یعنی اس بات کو پی گئے) ان کے سامنے اس کو ظاہر نہ کیا اور (ھا) ضمیر اس کلمہ کی طرف راجع ہے جو ان کے قول سے مفہوم ہے (بس زیر لب) اتنا کہہ کر رہ گیا کہ تم تو یوسف اور اس کے بھائی سے بدتر ہو تمہارے اپنے بھائی کو اپنے باپ سے چرانے کی وجہ سے اور اس پر ظلم کرنے کی وجہ سے اور جو کچھ تم کہہ رہے ہو اللہ اس کی حقیقت کو خوب جانتا ہے بھائیوں نے کہا اے سردار ذی اقتدار اس کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے ہماری بہ نسبت اس سے زیادہ پیار کرتا ہے اور اپنے ہلاک ہونے والے بیٹے کے بجائے اسی سے دل بہلاتا ہے، اور اس کی جدائی اس کو غم زدہ کردے گی، لہٰذا اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو غلام بنالیجئے، ہم برتاؤ میں آپ کو بڑا ہی نیک نفس سمجھتے ہیں، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا (ایسی ناانصافی سے) اللہ بچائے (معاذ اللّٰہ) مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا فعل (نعوذ) حذف کردیا گیا ہے اور مفعول کی جانب اضافت کردی گئی ہے (ای نعوذ باللّٰہ) یعنی اللہ ہمیں اس بات سے بچائے کہ ہم اس کے علاوہ کہ جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہو کسی دوسرے کو پکڑ کر رکھ لیں (حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) جھوٹ سے بچنے کے لئے من سرق کا لفظ استعمال نہیں کیا، اگر ہم نے کسی دوسرے کو پکڑ کر رکھ لیا تو اس صورت میں ہم بڑے ناانصاف کہلائیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تواطأمعه، تواطأ، ای توافق دونوں نے اتفاق کرلیا۔

قولہ: السقاية، پانی پلانے کا برتن پانی پلانے کی جگہ، پانی پلانا، یہاں پانی کا پیالہ مراد ہے، بعد میں اس پیالہ کو کیل کے طور پر استعمال کیا جانے لگا، صاع اس میں ایک لغت صواع بھی ہے۔

قولہ: لئلا یتھم، تاکہ سازش کی تہمت نہ لگے۔

قولہ: علمناہ الاحتیال، یہ کدنا لیوسف کی تفسیر ہے اس تفسیر کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف کید کی نسبت کی نفی مقصود ہے، کدنا کے معنی ہیں علمنا الکید، ہم نے یوسف کو حیلہ سکھایا۔

قولہ: بحکم ابیه، یعنی یوسف کے والد یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی شریعت کے مطابق ان کی شریعت میں چوری کی سزا غلام بنالینا تھی۔

قولہ: بالھامه سوال اخوته وجوابھم بسنتھم، مصری قانون کی رو سے بنیامین کو غلام بنا کر نہیں روک سکتے تھے، اسلئے کہ مصری قانون میں چوری کی سزا زدوکوب کرنا اور مال مسروقہ کی دوگنی مقدار تاوان وصول کرنا تھا، اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے دل میں بذریعہ الہام یہ بات ڈالی کہ خود ان ہی سے سوال کرو کہ چوری کی سزا کیا ہونی چاہئے تاکہ وہ اپنے قانون کے مطابق جواب دیں کنعانی قانون میں چوری کی سزا استرقاق (غلام بنانا تھی) اس طرح برادران یوسف نے خود ہی بنیامین کی سزا یعنی غلام بنالینا تجویز کردیا۔

قولہ: من المخلوقین بعض حضرات نے جن میں فلاسفہ اور معتزلہ بھی شامل ہیں اللہ تعالیٰ کے قول "فوق کل ذی علم علیم" سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم بالذات ہے نہ کہ عالم بالصفات اسلئے کہ اگر اللہ تعالیٰ عالم بالصفت ہوتو ہر ذی علم کے اوپر اعلم ہے اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ سے بڑھ کر بھی کوئی اعلم ہو حالانکہ یہ باطل ہے۔

جواب: مفسر علام نے من المخلوقین کا اضافہ کرکے اسی سوال کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ذی علم پر فوقیت مخلوق کے اعتبار سے ہے نہ کہ خالق کے اعتبار سے، من المخلوقین کی قید کے بعد پھر حتی ینتھی کی قید کی ضرورت نہیں رہتی۔

قولہ: والضمیر للکلمة التی فی الخ اس میں ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کی طرف اشارہ ہے، خازن میں ہے کہ فاسرّھا کی ضمیر مفعولی میں تین اقوال ہیں۔

1. ضمیر بعد والے کلمہ یعنی انتم شر مکانا کی طرف راجع ہے۔
2. فقد سرق اخ له کی طرف راجع ہے۔
3. ضمیر حجۃ کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہوگا کہ یوسف نے اس احتجاج کو ترک کردیا۔

تفسیر و تشریح

فلما دخلوا علی یوسف الخ جب برادران یوسف شہر مصر میں داخل ہوئے، اور حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات ہوئی تو حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے دیکھا کہ یہ وعدہ کے مطابق اُن کے حقیقی چھوٹے بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لے آئے ہیں تو یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی کافی آؤ بھگت کی اور شاہی اکرام کے ساتھ ان کو ٹھہرانے کا انتظام کیا، دو دو بھائیوں کو ایک ایک کمرہ میں ٹھہرایا چونکہ برادران یوسف گیارہ تھے دو دو ایک ایک کمرہ میں ٹھہرنے کے بعد بنیامین تنہا رہ گئے تو ان کو تنہا ایک کمرہ میں ٹھہرایا اس میں مصلحت یہ تھی کہ موقع نکال کر بنیامین سے تنہائی میں باتیں ہوسکیں چنانچہ آپس میں تنہائی میں خوب باتیں ہوئی ہوں گی دونوں حقیقی بھائیوں کی ملاقات ایک مدت دراز یعنی بیس اکیس سال بعد ہو رہی ہے، حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے بتایا ہوگا کہ وہ کن کن حالات سے گذرتے ہوئے اس مرتبہ پر پہنچے ہیں، بنیامین نے سنا ہوگا کہ ان کے سوتیلے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا کیا بدسلوکیاں کیں ہیں پھر حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے تسلی دی ہوگی کہ اب گھبرانے کی بات نہیں ہے مصیبتوں کے دن ختم ہوچکے ہیں اب تم میرے ہی پاس رہوگے، یقیناً یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی یہ دلی خواہش رہی ہوگی کہ کسی طرح اپنے عزیز بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لے اور یقیناً اس کیلئے کوئی تدبیر بھی ضرور سوچی ہوگی، مگر انتہائی خواہش کے باوجود یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا اسلئے کہ مصری قانون میں کسی غیر مصری کو بغیر کسی معقول وجہ کے روک لینا سخت منع تھا اور حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام یہ کسی طرح نہیں چاہتے تھے کہ اس وقت لوگوں پر یا ان کے بھائیوں پر اصل حقیقت منکشف ہو۔

بنیامین کو روک لینے کی تدبیر:

فلما جهزهم بجهازهم جعل السقاية فی رحل اخيه آیات مذکورہ میں اس کا بیان ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو اپنے پاس روکنے کے لئے یہ حیلہ اور تدبیر اختیار کی کہ جب سب بھائیوں کو قاعدہ کے موافق غلہ دیدیا گیا تو ہر بھائی کا غلہ الگ الگ اونٹ پر رکھا گیا۔

بنیامین کے لئے جو غلہ اونٹ پر لادا گیا اس میں ایک برتن چھپا دیا گیا، اس برتن کو قرآن مجید نے ایک جگہ لفظ ''سقایہ'' سے اور دوسری جگہ ''صواع الملک'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے سقایہ کے معنی ہیں پانی پینے کا برتن اور صواع بھی اسی قسم کا ایک برتن ہوتا ہے اور ناپنے کے برتن کو بھی صواع یا صاع کہتے ہیں ہوسکتا ہے یہ بادشاہ کے پانی پینے کا کوئی مخصوص برتن ہو مگر برکت کے طور پر اسے غلہ ناپنے کے کام میں لیا جانے لگا ہو البتہ صواع الملک میں ملک کی جانب نسبت کرنے سے اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ یہ کوئی قیمتی برتن تھا خواہ سونے کا ہو یا چاندی کا یا کسی اور قیمتی چیز کا، بہرحال وہ برتن بنیامین کے سامان میں چھپا دیا گیا تھا، قیمتی برتن ہونے کے علاوہ وہ ملک مصر سے کوئی اختصاص بھی رکھتا تھا۔

ثم اذن مؤذن الخ یعنی کچھ دیر کے بعد منادی نے پکارا کہ اے قافلہ والو! تم چور ہو منادی دینے والا کوئی مطبخ وغیرہ کا ذمہ دار رہا ہوگا اور اس طے شدہ حیلہ کا علم نہ ہوگا اور جب سرکاری ساز وسامان کی جانچ پڑتال کی ہوگی تو وہ مخصوص برتن نہ ملنے کی وجہ سے برادران یوسف پر شبہ ہوا ہوگا اس لیے کہ شاہی محل میں ان کے سوا اور کوئی نہ ٹھہرا تھا جس کی وجہ سے ان پر چوری کا الزام لگایا برادران یوسف کارندوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے ہم پر خواہ مخواہ کیوں الزام لگاتے ہو، آخر معلوم تو ہو کہ تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے؟ کارندے کہتے لگے شاہی پیمانہ (پیالہ) گم ہوگیا ہے اور ان میں سے ایک نے کہا کہ جو شخص اس چوری کا پتہ لگا دے گا اس کو ایک اونٹ غلہ انعام دیا جائیگا، اور میں اس بات کا ضامن ہوں، برادران یوسف نے کہا خدا جانتا ہے کہ ہم مصر میں فساد اور شرارت کی غرض سے نہیں آئے اور تم جانتے ہو کہ ہم اس سے پہلے بھی غلہ لینے آچکے ہیں، کارندوں نے کہا اچھا جس کے پاس سے یہ چوری نکلے اس کی سزا کیا ہونی چاہئے انہوں نے جواب دیا کہ وہ خود آپ اپنی سزا ہے یعنی وہ تمہارے حوالہ کر دیا جائیگا ہمارے یہاں چوری کی یہی سزا ہے، جب کارندوں نے برادران یوسف کا یہ جواب سنا تو تلاشی لینی شروع کی ابتداء دوسرے بھائیوں سے کی اور جب ان کے سامان میں پیالہ نہ نکلا تو آخر میں بنیامین کے سامان کی تلاشی لی تو پیالہ برآمد ہوا اور قافلہ کو واپس لوٹا کر عزیز مصر یوسف کی خدمت میں معاملہ پیش کیا، حضرت یوسف نے معاملہ کی نوعیت کو سنا تو دل میں بیحد مسرور ہوئے اور خدا تعالیٰ کی کارسازی کا شکر ادا کیا اور خاموش رہے اور یہ ظاہر نہ کیا کہ یہ پیالہ میں نے خود رکھا تھا، ادھر بنیامین خاموش رہے چونکہ یہ واقعہ ان کی مرضی کے عین موافق تھا۔

برادران یوسف نے جب دیکھا کہ مسروقہ پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد ہوا ہے تو کہنے لگے اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو کیا تعجب ہے اس سے پہلے اس کا بڑا بھائی یوسف بھی چوری کر چکا ہے۔

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف منسوب چوری کے واقعہ کی حقیقت:

ابن کثیر نے بحوالہ محمد بن اسحٰق، مجاہد سے نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی ولادت کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد بنیامین کی ولادت ہوئی تھی اور اسی ولادت کے سلسلہ میں ان کی والدہ راحیل کا انتقال ہو گیا تھا اب یہ دونوں بچے بغیر ماں کے رہ گئے جس کی وجہ سے انکی تربیت ان کی پھوپھی کی گود میں ہوئی اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو کچھ ایسی شان عطا فرمائی تھی کہ جو دیکھتا ان سے بیحد محبت کرنے لگتا تھا پھوپھی کا بھی یہی حال تھا کہ کسی وقت بھی ان کو نظروں سے غائب کرنے پر قادر نہیں تھیں، دوسری طرف حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کا بھی ایسا ہی حال تھا مگر بہت چھوٹا ہونے کی وجہ سے ضرورت اس کی تھی ان کو ابھی کسی عورت ہی کی نگرانی میں رکھا جائے، اس لئے پھوپھی کے حوالہ کر دیا جب یوسف علیہ الصلاۃ والسلام چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تو حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے چاہا کہ یوسف کو اپنے پاس رکھیں جب پھوپھی سے کہا تو انہوں نے عذر کر دیا جب زیادہ اصرار کیا تو مجبور ہو کر ان کے والد کے حوالہ کر دیا ایک تدبیر ان کو واپس

لینے کی یہ کی کہ پھوپھی کے پاس ایک پٹکا تھا جو حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ان کو ملا تھا اور اس کی بڑی قدر و قیمت سمجھی جاتی تھی یہ پٹکا پھوپھی نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑوں کے نیچے کمر پر باندھ دیا۔

یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانے کے بعد یہ شہرت کر دی کہ میرا پٹکا چوری ہو گیا ہے جب تلاشی لی گئی تو یوسف کے پاس سے برآمد ہوا، شریعت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے مطابق اب پھوپھی کو یہ حق ہو گیا کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے پاس غلام بنا کر رکھ سکیں چنانچہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر پھوپھی کے حوالہ کر دیئے گئے اور جبتک پھوپھی زندہ رہیں یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس رہے۔

یہ واقعہ تھا جس میں یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پر چوری کا الزام لگا تھا، اس واقعہ کی حقیقت اسی وقت سب لوگوں پر عیاں ہو گئی تھی کہ پھوپھی نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے پاس روکنے کے لئے یہ سازش رچائی تھی جس کو کسی طرح بھی چوری نہیں کہا جا سکتا مگر یوسف کے بھائیوں نے یہ جاننے کے باوجود کہ یہ چوری کا واقعہ نہیں تھا بددیانتی کی وجہ سے اس کو یوسف کے منہ ہی پر چوری کا واقعہ بنا کر پیش کیا، **ان یسرق فقد سرق اخ له من قبل** میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے بعض مفسرین نے نانا کے گھر سے سونے کی مورتی چرانے کی بات کہی جیسا کہ صاحب جلالین نے بھی نقل کیا ہے مگر یہ بات کسی مستند روایت سے ثابت نہیں ہے

و کان ابو امه کافراً یعبدالاصنام فامرته امه بان یسرق تلك الاوثان ویکسرها ففعل. (کبیر)

جب یوسف نے دیکھا کہ خود ان کے منہ پر جھوٹ بول رہے ہیں تو ضبط سے کام لیا اور غصہ کو پی کر رہ گئے اور دل میں کہا کہ تمہارے لئے نہایت بری جگہ ہے کہ جھوٹا الزام لگا رہے ہو حالانکہ اللہ اس کی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

برادران یوسف کا آپس میں مشورہ:

برادران یوسف نے جب یہ صورت حال دیکھی تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کس طرح بنیامین کو حاصل کیا جائے؟ جب کوئی صورت نظر نہ آئی تو کہنے لگے اب صرف ایک صورت باقی ہے کہ خوش آمدانہ عرض معروض کر کے عزیز مصر کو بنیامین کو واپسی کی ترغیب دلائیں، کہنے لگے اے سردار با اقتدار ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے اس کو اس سے پہلے بھائی کا بھی غم ہے آپ اس پر رحم کیجئے اور آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو روک لیجئے آپ بلاشبہ پاک نفس اور با اخلاق شخص ہیں عزیز مصر (یوسف) نے کہا، خدا کی پناہ یہ کیسے ممکن ہے اگر ہم ایسا کریں گے تو ہمارا شمار ظالموں میں ہوگا۔

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا یئسوا **مِنْهُ خَلَصُوْا** اعتزلوا **نَجِيًّا** مصدر یصلح للواحد وغیرہ ای یناجی بعضهم بعضا **قَالَ كَبِيْرُهُمْ** سنّا روبیل اورأیا یهودا **اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا** عهدا **مِّنَ اللّٰهِ** فی اخیکم **وَمِنْ قَبْلُ مَا** زائدة **فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ** وقیل ما مصدرية مبتدأ خبره من قبل **فَلَنْ اَبْرَحَ** ارض مصر **الْاَرْضَ** بالعود الیه **حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ** بالعود إلیه **اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ** بخلاص أخی **وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ**⑧ أعدلهم

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ عليه اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا تيقنا من مشاهدة الصاع في رحله وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ لما غاب عنا حين اعطاء الموثق حٰفِظِيْنَ ﴿٨١﴾ ولو علمنا انه يسرق لم ناخذه وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا هي مصر اي ارسل الى اهلها فاسالهم وَالْعِيْرَ اى اصحاب العير الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وهم قوم من كنعان وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٨٢﴾ في قولنا فرجعوا اليه وقالوا له ذلك قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ زينت لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ ففعلتموه اتهمهم لما سبق منهم في امر يوسف فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ صبري عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ بيوسف واخويه جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ بحالي الْحَكِيْمُ ﴿٨٣﴾ في صنعه وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ تاركا خطابهم وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى الالف بدل من ياء الاضافة اى ياحزني عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ انمحق سوادهما وبدل بياضا من بكائه مِنَ الْحُزْنِ عليه فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٨٤﴾ مغموم مكروب لايظهر كربه قَالُوْا تَاللّٰهِ لاتَفْتَؤُا تزال تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا مشرفا على الهلاك لطول مرضك وهو مصدر يستوى فيه الواحد وغيره اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿٨٥﴾ الموتى قَالَ لهم اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ هو عظيم الحزن الذى لايصبر عليه حتى يبث الى الناس وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ لاالى غيره فهو الذى تنفع الشكوى إليه وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ مِنْ أَنَّ رؤيايوسف صدق و هو حي ثم قال يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ اطلبوا خبرهما وَلَا تَايْـــَٔسُوْا تقنطوا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ رحمته اِنَّهٗ لَا يَايْـــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٧﴾ فانطلقوا نحو مصر ليوسف فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ الجوع وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ مدفوعة يدفعها كل من رآها لرداءتها وكانت دراهم زيوفا اوغيرها فَاَوْفِ أتم لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ بالمسامحة عن رداءة بضاعتنا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿٨٨﴾ يثيبهم فَرَقَّ عليهم وأدركته الرحمة ورفع الحجاب بينه وبينهم ثم قَالَ لهم توبيخا هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ من الضرب والبيع وغيرذلك وَاَخِيْهِ من هضمكم له بعد فراق اخيه اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿٨٩﴾ مايؤل اليه امر يوسف قَالُوْٓا بعد ان عرفوه لما ظهر من شمائله مستثبتين ءَاِنَّكَ بتحقيق الهمزتين وتسهيل الثانية وادخال الف بينهما على الوجهين لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ انعم اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ بالاجتماع اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ يخف الله وَيَصْبِرْ على مايناله فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٠﴾ فيه وضع الظاهر موضع المضمر قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ فضلك اللّٰهُ عَلَيْنَا بالملك وغيره وَاِنْ مخففة اى انا كُنَّا لَخٰطِــِٕيْنَ ﴿٩١﴾ اثمين في امرك فاذلنا لك قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عتب عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ خصه بالذكر لانه مظنة التثريب فغيره اولى يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٩٢﴾ وسألهم عن ابيه فقالوا ذهبت عيناه فقال اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا وهو قميص ابراهيم الذى لبسه حين القى

في النار كان في عنقه في الجب وهو من الجنة اسره جبرئيل بارساله له وقال ان فيه ريحها ولا يلقى على مبتلى الاعوفى فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ يصر بَصِيْرًا وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ

ترجمہ: جب برادران یوسف، یوسف کی طرف سے بالکل ناامید ہو گئے تو ایک گوشہ میں جا کر مشورہ کرنے لگے (نجیا) مصدر واحد اور غیر واحد سب پر اس کا اطلاق صحیح ہے، یعنی انہوں نے آپس میں مشورہ کیا، ان میں جو عمر کے لحاظ سے یا رائے کے اعتبار سے بڑا تھا جس کا نام روبیل یا یہودا تھا بولا کیا تم جانتے نہیں ہو کہ تمہارے والد تم سے تمہارے بھائی کے بارے میں خدا کے نام پر پختہ عہد لے چکے ہیں اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم زیادتی کر ہی چکے ہو وہ بھی تم کو معلوم ہے، ما، زائدہ ہے، اور کہا گیا ہے کہ ما مصدر یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر من قبل ہے، اب میں تو ملک مصر کو ہرگز نہ چھوڑوں گا تا آں کہ ابا جان ہی مجھے اپنے پاس واپس آنے کی اجازت نہ دیدیں، یا اللہ ہی میرے بھائی کو رہائی دلا کر میرے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، تم اپنے ابا جان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ آپ کے صاحبزادے نے چوری کر لی ہے (اس لئے گرفتار ہوئے ہیں) اور ہم وہی شہادت دے رہے ہیں جن کا ہم کو یقینی علم ہوا ہے، اس کے کجاوہ سے پیالہ برآمد ہوتے دیکھنے کی وجہ سے، اور قول و قرار کرتے وقت کچھ ہم غیب کے جاننے والے تو تھے نہیں اور اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ یہ چوری کرے گا تو ہم (ہرگز) عہد نہ کرتے، اور اس بستی والوں سے معلوم کر لیں جس میں ہم تھے اور وہ بستی مصر ہے یعنی اس بستی والوں کے پاس کسی کو بھیج کر تحقیق کرا لیجئے اور اس قافلے والوں سے دریافت کر لیجئے جس میں ہم آئے ہیں، اور وہ کنعانی لوگ ہیں، اور عیر سے اصحاب عیر مراد ہیں، اور ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں چنانچہ (نو بھائی) حضرت یعقوب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مذکورہ تمام باتیں ابا جان سے کہیں (یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے) کہا (حقیقت ایسی نہیں ہے) بلکہ تم نے اپنی طرف سے ایک بات گھڑ لی جس کو تم نے عملی جامہ پہنا دیا، ان کو متہم کرنے کی وجہ بھائیوں کی وہ حرکت تھی جو وہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے معاملہ میں کر چکے تھے، لہٰذا اب صبر ہی بہتر ہے، (تقدیر عبارت یہ ہے) فصبری صبر جمیل، مجھے امید ہے کہ اللہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام اور اس کے دونوں بھائیوں (بنیامین اور یہودا) کو میرے پاس پہنچا دے گا وہی میری حالت سے واقف (اور) اپنی صنعت میں باحکمت ہے اور ان سے سلسلہ گفتگو ختم کر کے ان کی طرف منہ پھیر لیا، اور کہا ہائے یوسف! اسفی کا الف یاء اضافت سے بدلا ہوا ہے، معنی میں یا حزنی کے ہے، یوسف کے غم میں روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں (یعنی) آنکھوں کی سیاہی زائل ہو کر سفیدی میں تبدیل ہو گئی تھی، وہ دل ہی دل میں گھٹ رہے تھے (یعنی) مغموم بے چین تھے، اپنی بے چینی کا اظہار نہیں کر رہے تھے، بیٹوں نے کہا واللہ تم تو ہمیشہ یوسف ہی کو یاد کرتے رہو گے یہاں تک کہ اپنے طول مرض کی وجہ سے لب جان ہو جاؤ گے (حرضا) مصدر ہے اس میں واحد اور غیر واحد سب برابر ہیں، یا ہلاک ہی ہو جاؤ گے (یعقوب) نے ان سے کہا میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں نہ کہ کسی اور سے (بث) اس شدید غم کو کہتے ہیں کہ جس پر صبر نہ

کیا جاسکے یہاں تک کہ لوگوں کو بھی اس کا علم ہو جائے ایک وہی ذات ایسی ہے کہ اسی سے فریاد فائدہ دے سکتی ہے اور اللہ سے جیسا میں واقف ہوں تم واقف نہیں ہو اس بات سے کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خواب سچا ہے اور وہ زندہ ہے (یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کہا میرے پیارے بچو! جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو پوری طرح تلاش کرو (یعنی) ان کی خبر نکالو، اور اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو یقیناً اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں، چنانچہ برادران یوسف مصر کی طرف روانہ ہوئے، جب یہ لوگ یوسف کے حضور حاضر ہوئے تو عرض کیا اے سردار بااقتدار ہم اور ہمارے بچے بھوک (فاقہ) میں مبتلا ہو گئے ہیں، اور ہم کچھ حقیری سی پونجی لے کر آئے ہیں جس کو اس کے کھوٹے ہونے کی وجہ سے ہر وہ شخص رد کرتا ہے جو اس کو دیکھتا ہے اور وہ کھوٹے دراہم یا ان کے علاوہ تھے، آپ ہم کو بھرپور غلہ دیجئے اور ہماری کھوٹی پونجی سے چشم پوشی کرتے ہوئے ہمارے اوپر خیرات کیجئے، اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو جزائے خیر عطا کرتا ہے، یعنی ان کو اجر عطا کرتا ہے، چنانچہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان پر ترس آگیا، اور یوسف کا دل ان پر نرم ہو گیا اور یوسف اور اس کے بھائیوں کے درمیان جو حجاب تھا وہ ہٹا دیا، پھر زجر و توبیخ کے طور پر ان سے کہا جانتے بھی ہو کہ تم نے یوسف کے ساتھ زدوکوب اور فروخت وغیرہ کا کیا سلوک کیا تھا؟ اور اس کے بھائی کے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا تھا اس کے بھائی سے جدا ہونے کے بعد اس وقت جبکہ تم کو معلوم نہیں تھا کہ یوسف کس رتبہ کو پہنچے گا، یوسف کی پہچان کے بعد جب یوسف کے خصائل ظاہر ہو گئے تو اقرار کرتے ہوئے کہنے لگے کیا تم سچ مچ یوسف ہی ہو؟ (ءانك) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف داخل کر کے، انہوں نے کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی (بنیامین) ہے بلاشبہ اللہ نے جمع کر کے ہمارے اوپر انعام فرمایا، واقعی جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور پیش آنے والے مصائب پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتا، اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر رکھا ہے، کہنے لگے بخدا اللہ نے آپ کو ہم پر ملک وغیرہ میں فضیلت دی ہے اور بے شک ہم تیرے معاملہ میں خطا اور گنہگار رہے ان مخففه عن الثقیله ہے سو ہم کو (اللہ نے) تمہارے سامنے ذلیل کر دیا، (یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کہا آج تم پر کوئی ملامت (الزام) نہیں، عدم ملامت کے لئے الیوم کو خاص کیا اسلئے کہ وہ دن ملامت کا دن تھا لہٰذا دیگر ایام ملامت میں بطریق اولی داخل ہوں گے، اللہ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، اور (یوسف نے) اپنے والد کے بارے میں دریافت کیا تو کہا ان کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئی ہیں، (یعنی نابینا ہو گئے ہیں) اب تم میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور یہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہی کرتہ تھا جو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آگ میں ڈالتے وقت پہنا تھا، اور کنویں میں بھی (یوسف) اس کو پہنے ہوئے تھے، اور وہ جنتی لباس تھا، اور جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کرتہ کو یعقوب کے پاس بھیجنے کے لئے کہا تھا، اور کہا تھا کہ اس میں ایک قسم کی خوشبو ہے، اور جب بھی کسی مبتلائے مصیبت پر ڈالا جاتا ہے اس کو عافیت نصیب ہوتی ہے، تم اس کو میرے اباجان کے چہرے پر ڈال دو ان کی بینائی لوٹ آئی گی اور تم اپنے سب گھر والوں کو بھی میرے پاس لے آؤ۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: استیئسوا، وہ ناامید ہوگئے (استیاس) سے ماضی مذکر غائب۔

قَوْلُہٗ: یئسوا اس میں اشارہ ہے کہ استفعل معنی میں فعل کے ہے اور سین وتاء مبالغہ کے لئے ہیں، ای یئسوا یأسا کاملا.

قَوْلُہٗ: مصدر صالح الخ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ خلصوا جمع ہے اور نجیا واحد ہے اور واحد کا حمل جمع پر جائز نہیں ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ نجیا مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق واحد وجمع سب پر ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: ای یناجی بعضهم بعضا، اس میں اشارہ ہے کہ نجیا حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے خلصوا متناجین.

قَوْلُہٗ: صبری اس میں اشارہ ہے کہ فصبر جمیل، صبری مبتداء محذوف کی خبر ہے، بعض حضرات نے صبری کے بجائے امری محذوف مانا ہے۔

قَوْلُہٗ: انمحق انمحاق (انفعال) یہ محق سے ماخوذ ہے بمعنی مٹانا اور باطل کرنا۔

قَوْلُہٗ: لا، اس میں اشارہ ہے کہ تفتئوا سے پہلے حرف نفی لا محذوف ہے، ورنہ تو ترجمہ یہ ہوگا کہ تم بھول جاتے ہو اور یاد کرتے رہتے ہو، حالانکہ اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے، دوسری بات یہ کہ تفتئوا جواب قسم ہے اور جواب قسم جب ماضی مثبت واقع ہوتا ہے تو اس پر لام اور نون کالانا ضروری ہوتا ہے حالانکہ یہاں یہ دونوں نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: حرضا، حرضا مصدر ہے لہٰذا جمع پر حمل درست ہے۔

قَوْلُہٗ: مزجاة ازجیت سے ماخوذ ہے ازجیته ای دفعته.

قَوْلُہٗ: مستثبتین اور بعض نسخوں میں متثبتین ہے، اس میں اشارہ ہے کہ هل علمتم اور مافعلتم بیوسف میں ما استفہام تقریری ہے۔

قَوْلُہٗ: فاذلنا لك الخ ای جَعَلَنَا ذَلِیْلاً. (ترویح الارواح)

تفسیر وتشریح

فلما استیئسوا منه خلصوا نجیا الخ جب برادران یوسف بنیامین کی رہائی سے مایوس ہوگئے تو خلوت میں بیٹھکر مشورہ کرنے لگے ان میں سے علم وفضل میں بڑے بھائی نے جس کا نام یہودا تھا یا عمر میں بڑے بھائی تھے جس کا نام روبیل تھا کہا میں تو یہیں رہوں گا آپ سب لوگ ابا جان کے پاس جائیں اور ان کو بتلائیں کہ آپ کے صاحبزادے نے چوری کی جس کی پاداش میں ان کو روک لیا گیا ہے، اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ چشم دید حالات ہیں کہ مسروقہ مال ہمارے سامنے بنیامین کے سامان سے برآمد ہوا، اور ہمیں کوئی غیب کا علم تو تھا نہیں کہ یہ چوری کرے گا ورنہ ہم ہرگز اس کو واپس لانے کی ذمہ داری نہ لیتے۔

چونکہ برادرانِ یوسف اس سے پہلے ایک فریب یوسف کے بارے میں دے چکے تھے اور یہ جانتے تھے کہ ہمارے مذکورہ بیان سے والد صاحب کو ہرگز اطمینان نہ ہوگا، اس لئے مزید تاکید کے لئے کہا کہ آپ کو ہماری بات کا یقین نہ آئے تو آپ مصر کے لوگوں سے تحقیق کرالیں، اور آپ اس قافلے سے بھی تحقیق کر سکتے ہیں جو ہمارے ساتھ ہی مصر سے کنعان آیا ہے اور ہم اس بیان میں بالکل سچے ہیں۔

قال بل سولت لکم انفسکم الخ غرضیکہ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے برادران یوسف کے بیان کی تصدیق نہ کی چونکہ یوسف کے معاملہ میں ان بھائیوں کا جھوٹ ثابت ہو چکا تھا اس لئے اس مرتبہ ان کی سچی بات کا بھی یقین نہیں کیا، اور کہہ دیا" **بل سولت لکم انفسکم امرًا، فصبر جمیل** " یعنی تم نے یہ بات اپنی طرف سے گھڑی ہے میرے لئے صبر ہی بہتر ہے، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھے ملا دے گا۔

وتولی عنھم وقال یا اسفیٰ علی یوسف الخ اس دوسرے صدمہ کے بعد صاحبزادوں سے اس معاملہ میں گفتگو موقوف کردی اور اپنے رب کے سامنے فریاد شروع کردی، اور اسی غم میں روتے روتے ان کی بینائی جاتی رہی مقاتل نے کہا ہے کہ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حالت چھ سال رہی، حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے بعد زیادہ تر خاموش رہنا شروع کردیا دل ہی دل میں گھٹتے رہتے تھے کسی سے کچھ نہ کہتے تھے۔

یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتنی شدید آزمائش کس وجہ سے ہوئی؟

امام قرطبی نے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس شدید ابتلا و امتحان کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے، بعض روایات میں آیا ہے کہ ایک روز حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سامنے سو رہے تھے، اچانک حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ خراٹے کی آواز نکلی تو یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف چلی گئی ایسا تین مرتبہ ہوا تیسری مرتبہ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا دیکھو یہ میرا دوست مجھ سے ہمکلامی کے وقت غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے میری عزت و جلال کی قسم کہ ان کی دونوں آنکھیں نکال لونگا اور جس کی طرف توجہ کی ہے اس کو مدت دراز کے لئے اس سے جدا کردوں گا۔ (معارف)

فلما دخلوا علیه قالوا یا اَیھا العزیز مسنا و اھلنا الضر، جب برادران یوسف والد کے حکم کے مطابق مصر پہنچے اور عزیز مصر سے ملاقات ہوئی تو خوش آمدانہ گفتگو شروع کی، اپنی محتاجی اور بیکسی کا اظہار کیا کہ اے عزیز ہمکو اور ہمارے گھر والوں کو قحط کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچ رہی ہے، یہاں تک کہ اب ہمارے پاس غلہ خریدنے کیلئے بھی مناسب قیمت موجود نہیں ہم مجبور ہو کر کچھ نکمی نخالص چیزیں غلہ خریدنے کیلئے لے کر آئے ہیں آپ اپنے کریمانہ اخلاق سے انہی نکمی چیزوں کو قبول فرمالیں اور غلہ

پورا عنایت فرمادیں ہماری کھوٹی پونجی کی وجہ سے غلہ میں کمی نہ کریں، ظاہر ہے کہ ہمارا استحقاق نہیں ہے مگر آپ خیرات سمجھ کر دیدیجئے اللہ تعالیٰ خیرات دینے والوں کو جزاء خیر عطا کرتا ہے۔

یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب بھائیوں کے یہ مسکنت آمیز الفاظ سنے اور شکستہ حالت دیکھی تو طبعی طور پر حقیقت حال ظاہر کردینے پر مجبور ہوئے اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پر منجانب اللہ اظہار حال کی جو پابندی لگی ہوئی تھی اب اس کے خاتمہ کا وقت آگیا تھا۔

یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عزیز مصر کے نام خط:

تفسیر مظہری اور قرطبی میں بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نقل کیا ہے کہ اس موقع پر یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عزیز مصر کے نام ایک خط لکھ کر دیا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

''منجانب یعقوب صفی اللہ بن اسحٰق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ، بخدمت عزیز مصر اما بعد! ہمار پورا خاندان بلاؤں اور آزمائشوں میں معروف ہے میرے دادا ابراہیم خلیل اللہ کا آتش نمرود میں امتحان لیا گیا، پھر میرے والد اسحٰق کا شدید امتحان لیا گیا، پھر میرے لڑکے کے ذریعہ میرا امتحان لیا گیا، جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا، یہاں تک کہ اس کی مفارقت میں میری بینائی جاتی رہی اس کے بعد اس کا ایک چھوٹا بھائی مجھ غم زدہ کی تسلی کا سامان تھا جس کو آپ نے چوری کے الزام میں گرفتار کرلیا، اور میں بتلاتا ہوں کہ ہم اولاد انبیاء ہیں نہ ہم نے کبھی چوری کی اور نہ ہماری اولاد میں کوئی چور پیدا ہوا، والسلام''۔

جب یوسف نے خط پڑھا تو کانپ گئے، اور بے اختیار رونے لگے اور اپنے راز کو ظاہر کردیا اور تعارف کی تمہید کے طور پر بھائیوں سے یہ سوال کیا کہ تم کو کچھ یہ بھی یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا جبکہ تمہاری جہالت کا زمانہ تھا اور یوسف کی اس شان سے بھی ناواقف تھے جو اس کو حاصل ہونے والی تھی۔

برادران یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ سوال سنا تو چکرا گئے کہ عزیز مصر کو یوسف کے قصہ سے کیا واسطہ پھر ادھر بھی دھیان گیا کہ یوسف نے جو بچپن میں خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر یہی تھی کہ اس کو کوئی بلند مرتبہ حاصل ہوگا کہ ہم سب کو اس کے سامنے جھکنا پڑے گا، کہیں یہ عزیز مصر خود یوسف ہی نہ ہو پھر جب اس پر غور و تامل کیا تو کچھ علامات سے پہچان لیا اور مزید تحقیق کے لئے ان سے کہا۔

ائنک لانت یوسف کیا تو سچ مچ یوسف ہے، تو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ بنیامین میرا حقیقی بھائی ہے سوال کے جواب میں اقرار واعتراف کے ساتھ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر اور صبر وتقوے کے نتائج حسنہ بھی بیان کرکے بتلادیا کہ تم نے مجھے ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن یہ اللہ کا فضل واحسان ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ مجھے کنویں سے نجات عطا فرمائی بلکہ مصر کی فرماں روائی بھی عطا فرمادی، اور یہ نتیجہ ہے اس صبر وتقوی کا جس کی توفیق اللہ نے مجھے عطا فرمائی۔

بھائیوں کا اعتراف جرم:

بھائیوں نے جب یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ شان دیکھی تو انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی پیغمبرانہ عفوودرگذر سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ جو ہوا سو ہوا آج تمہیں کوئی سرزنش اور ملامت نہیں کی جائے گی، فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے بھی مکہ کے ان کفار اور سرداران قریش کو جو آپ کے خون کے پیاسے تھے اور آپ کو طرح طرح ایذائیں پہنچائی تھیں قتل کی سازشیں کیں معاشرتی اور معاشی بائیکاٹ کیا حتی کہ وطن عزیز سے نکلنے پر مجبور کردیا اور مدینہ میں بھی چین سے نہ رہنے دیا یہی "لاتثریب علیکم الیوم" کے الفاظ فرما کر معاف فرمادیا تھا۔

اذھبوا بقمیصی ھذا الخ یعنی میں بحالت موجودہ شام کا سفر نہیں کرسکتا تم جاؤ اور والدین اور اپنے سب متعلقین کو یہاں لے آؤ چونکہ والد بزرگوار کی نسبت معلوم ہو چکا تھا کہ ان کی بینائی جاتی رہی ہے اس لئے اپنا کرتہ دے کر فرمایا یہ ان کی آنکھوں کو لگا دینا بینائی بحال ہو جائے گی۔

ادھر یہ قمیص لے کر قافلہ مصر سے روانہ ہوا ادھر یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشبو آنے لگی یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ کے پیغمبر کو بھی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع نہ پہنچے پیغمبر بے خبر ہوتا ہے، خدا کی قدرت، یوسف قریب ہی چاہ کنعان میں موجود ہیں کبھی نہ کہا کہ یوسف کی خوشبو آتی ہے کیونکہ خدا کو امتحان پورا کرنا تھا، مگر جب خدا کو منظور ہوا تو ادھر صدہا میل دور مصر سے قافلہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کرتہ لے کر چلا ادھر پیراہن یوسفی کی خوشبو یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشام جان کو معطر کرنے لگی، کرتہ کی وجہ سے بینائی کا عود کرآنا ظاہر ہے کہ کوئی مادی سبب نہیں ہوسکتا بلکہ یہ ایک معجزہ تھا، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باذن خداوندی معلوم ہو گیا تھا کہ جب ان کا کرتہ والد کے چہرے پر ڈالا جائیگا تو اللہ تعالیٰ ان کی بینائی بحال کردیں گے۔

جنتی کرتہ کی خصوصیت:

ضحاک اور مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ اس کرتے کی خصوصیت تھی اسلئے کہ یہ کرتہ عام کپڑوں کی طرح نہ تھا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جنت سے اس وقت لایا گیا تھا جب نمرود نے آپ کو برہنہ کر کے آگ میں ڈالا تھا، پھر یہ جنتی کرتہ ہمیشہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رہا حضرت ابراہیم کے بعد حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رہا ان کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رہا آپ نے اس کرتے کو ایک متبرک شئ سمجھ کر ایک نلکی میں بند کر کے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گلے میں بطور تعویذ ڈال دیا تھا تاکہ نظر بد سے محفوظ رہیں، برادران یوسف نے جب دھوکا دینے کے لئے ان کا کرتہ اتارلیا اور حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو برہنہ کر کے کنویں میں ڈالنے لگے تو جبرئیل امین تشریف لائے اور گلے میں پڑی ہوئی نلکی سے کرتا نکال کر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنا دیا اور یہ کرتہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس محفوظ تھا، اس وقت بھی جبرئیل ہی نے

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ مشورہ دیا تھا کہ یہ جنت کا لباس ہے اس کی خاصیت یہ ہے کہ اگر نابینا کی آنکھوں سے لگا دیا جائے تو بینائی عود کر آتی ہے۔ (معارف)

حضرت مجدد الف ثانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی تحقیق:

حضرت مجدد الف ثانی کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسن و جمال اور ان کا وجود خود جنت ہی کی ایک چیز تھی اسلئے ان کے جسم کے متصل ہونے والے ہر کرتہ کی یہ خاصیت ہو سکتی ہے۔ (مظھری)

مادی سبب:

یہ بات قابل توجہ اور قرین عقل و قیاس ہے کہ کسی شدید صدمہ کی وجہ سے جس طرح بینائی جا سکتی ہے اسی طرح بیحد مسرت اور خوشی کی وجہ سے عود بھی کر سکتی ہے، چنانچہ واقعات و مشاہدات کی وجہ سے یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ کسی سخت صدمہ یا غیر معمولی خوشی کے اثر سے بعض نابینا دفعۃً بینا ہو گئے ہیں۔ (فوائد عثمانی)

قرطبی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ برادران یوسف میں سے یہودا نے کہا کہ یہ کرتہ میں لے کر جاؤں گا کیونکہ ان کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر بھی میں ہی لے کر گیا تھا جس سے والد صاحب کو صدمہ پہنچا تھا، اب اس کی مکافات بھی میرے ہی ہاتھ سے ہونی چاہئے۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ خرجت من عريش مصر **قَالَ اَبُوْهُمْ** لمن حضر من بنيه واولادهم **اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ** اوصلته اليه الصبا باذنه تعالى من مسيرة ثلاثة ايام اوثمانية اواكثر **لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ**﴿۹۴﴾ تسفهوني لصدقتموني **قَالُوْا** له **تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ** خطائك **الْقَدِيْمِ**﴿۹۵﴾ من افراطك في محبته ورجاء لقائه على بُعد العهد **فَلَمَّآ اَنْ** زائدة **جَآءَ الْبَشِيْرُ** يهودا بالقميص وكان قد حمل قميص الدم فاحب ان يفرحه كما احزنه **اَلْقٰىهُ** طرح القميص **عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ** رجع **بَصِيْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ**﴿۹۶﴾ **قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ**﴿۹۷﴾ **قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ**﴿۹۸﴾ اخر ذلك الى السحر ليكون اقرب الى الاجابة وقيل الى ليلة الجمعة ثم توجهوا الى مصر وخرج يوسف والاكابر لتلقيهم **فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ** في مَضربه **اٰوٰٓى** ضم **اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ** اَباه وأمّه اوخالته **وَقَالَ** لهم **ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ**﴿۹۹﴾ فدخلوا وجلس يوسف على سريره **وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ** اجلسهما معه **عَلَى الْعَرْشِ** السرير **وَخَرُّوْا** اي ابواه واخوته **لَهٗ سُجَّدًا** سجود انحناء لاوضع جبهة وكان تحيتهم في ذلك الزمان **وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ** الى **اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ** لم

يقل من الجب تكرمًا لئلا يخجل اخوته وَجَآءَ بِكُم مِّنَ الْبَدْوِ البادية مِنْ بَعْدِ أَن نَّزَغَ افسد الشَّيْطٰنُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ بخلقه الْحَكِيمُ ﴿١٠٠﴾ في صنعه واقام عنده ابوه اربعا وعشرين سنة اوسبع عشرة سنة وكانت مدة فراقه ثمان عشرة اواربعين أوثمانين سنة و حضره الموت فوصى يوسف أن يحمله ويد فنه عندأبيه فمضى بنفسه ودفنه ثمه ثم عاد الى مصر واقام بعده ثلاثا وعشرين سنة ولما تم امره وعلم انه لا يدوم تاقت نفسه الى الملك الدائم فقال رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ تعبير الرؤيا فَاطِرَ خالق السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَنتَ وَلِيِّي متولى مصالحى فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِينَ ﴿١٠١﴾ من ابائى فعاش بعد ذلك اسبوعا اواكثر ومات وله مائة وعشرون سنة وتشاح المصريون فى قبره فجعلوه فى صندوق مرمر ودفنوه في اعلى النيل لتعم البركة جانبيه فسبحان من لاانقضاء لملكه ذٰلِكَ المذكور من امر يوسف مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ اخبار ما غاب عنك يا محمد نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ لدى اخوة يوسف إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ فى كيده اى عزموا عليه وَهُمْ يَمْكُرُونَ ﴿١٠٢﴾ به اى لم تحضرهم فتعرف قصتهم فتخبربها وانما حصل لك علمها من جهة الوحى وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ اى اهل مكة وَلَوْ حَرَصْتَ على ايمانهم بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ اى القران مِنْ أَجْرٍ تاخذه إِنْ ما هُوَ اى القران إِلَّا ذِكْرٌ عظة لِّلْعٰلَمِينَ ﴿١٠٤﴾ ع ١١ ٥

ترجمہ: اور جب یہ قافلہ مصر کی آبادی سے باہر نکلا تو ان کے والد نے حاضرین میں سے ان سے جوان کے بیٹے اور پوتوں میں سے موجود تھے کہا میں یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں اگر تم مجھے سٹھیایا ہوا قرار نہ دو تو تم میری تصدیق کرو گے، یادصبا نے باذن خداوندی یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی خوشبو کو یعقوب تک تین دن کی یا آٹھ دن کی یا اس سے زیادہ کی مسافت سے پہنچا دیا تھا، تو حاضرین نے ان سے کہا واللہ تم تو اپنے پرانے خبط میں مبتلا ہو اس سے بیحد محبت کرنے اور اس سے ملاقات کی (شدید) خواہش کی وجہ سے باوجود عرصہ دراز گذر جانے کے، چنانچہ جب خوشخبری دینے والا یہودا کرتہ لے کر آیا اور یہودا ہی خون آلود کرتہ لے کر گیا تھا لہٰذا اس نے چاہا کہ جس طرح میں نے ابا جان کو رنج پہنچایا تھا اسی طرح میں ہی ان کو پیغام مسرت سناؤں (اور) یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کے چہرے پر کرتہ ڈالا تو ان کی بینائی لوٹ آئی، یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا میں تم سے نہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، انہوں نے کہا ابا جان ہمارے لئے ہماری خطاؤں کی معافی طلب کیجئے بے شک ہم قصوروار ہیں، فرمایا میں عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے معافی مانگوں گا وہ بہت بڑا بخشنے والا بہت بڑا مہربان ہے، اس استغفار کو صبح (صادق) تک مؤخر کیا تاکہ قبولیت کے زیادہ قریب ہو جائے، اور کہا گیا ہے کہ جمعہ کی رات تک مؤخر کیا پھر مصر کی طرف متوجہ ہوئے، اور یوسف اور عمائدین سلطنت ان کی ملاقات کے لئے (شہر سے) باہر نکلے،

جب (برادران یوسف کا) پورا گھرانا یوسف کے پاس خیمہ میں پہنچ گیا تو اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی (یعنی) اپنے والد اور والدہ کو یا اپنی خالہ کو، اور کہا بمشیئت خداوندی تم لوگ امن وامان کے ساتھ مصر میں آؤ، چنانچہ یہ لوگ داخل ہوئے اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام تخت پر بیٹھے اور اپنے والدین کو بھی اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا اور ان کے والدین اور ان کے بھائی یوسف کے سامنے سجدہ میں گر گئے اور یہ سجدہ جھکنے کے طور پر تھا نہ کہ زمین پر پیشانی رکھ کر، اور اس زمانہ میں ان لوگوں کو سلام کا یہی طریقہ تھا، تب (یوسف نے) کہا ابا جان یہ میرے سابق خواب کی تعبیر ہے میرے پروردگار نے اسے سچ کر دکھایا، اس نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا جبکہ اس نے مجھے جیل سے نکالا اور یہ نہیں کہا کہ کنویں سے نکالا بھائیوں کے اکرام کی وجہ سے تاکہ وہ شرمندہ نہ ہوں اور آپ لوگوں کو اس اختلاف کے بعد کہ جو شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ڈالدیا تھا، صحرا سے آئے میرا رب جو چاہے اس کے لئے بہترین تدبیر کرنے والا ہے اور وہ اپنی مخلوق کے بارے میں بہت علم والا (اور) اپنی صنعت کے بارے میں حکمت والا ہے اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والدین کو اپنے پاس ۲۴ سال یا ۲۷ سال مقیم رکھا، اور جدائی کی مدت ۱۸ سال یا ۴۰ سال یا ۸۰ سال تھی مصر ہی میں یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہوا اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وصیت کی کہ ان (کے تابوت) کو اٹھا کر لیجائیں اور ان کے والد (اسحٰق) کے پاس دفن کریں، چنانچہ یوسف بذات خود اس کو لے گئے اور ان کو (وصیت کے مطابق) دفن کیا، پھر مصر واپس آگئے، اور اس کے بعد مصر میں ۲۳ سال رہے، اور جب ان کا کام (مصر میں) مکمل ہوگیا اور سمجھ گئے کہ وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں اور ان پر ملک بقاء کا شوق غالب آگیا، تو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا اے میرے پروردگار تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور خوابوں کی تعبیر سکھلائی، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا مصلحتوں کا والی ہے دنیا اور آخرت میں تو مجھے اسلام کی حالت میں وفات دے اور تو مجھے صالحین (یعنی) میرے آباء (واجداد) کے ساتھ ملادے اس کے بعد حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہفتہ یا اس سے (کچھ) زائد بقید حیات رہے اور ان کی عمر ۱۲۰ سال ہوئی اور اہل مصر نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام دفن میں اختلاف کیا چنانچہ ان کو ایک سنگ مرمر کے صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کے اوپر کی جانب دفن کردیا تاکہ دونوں جانب کو برکت حاصل ہو، پاک ہے وہ ذات جس کے ملک کا کبھی اختتام نہیں ہے، یوسف کا یہ واقعہ غیب کی ان خبروں میں سے ہے اے محمد جو تجھ سے مخفی ہیں، جس کی ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اور آپ یوسف کے بھائیوں کے پاس نہیں تھے جبکہ انہوں نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں سازش کی تھی، یعنی اس کا پختہ ارادہ کرلیا تھا، حال یہ کہ وہ یوسف کے ساتھ مکر کر رہے تھے یعنی (اے محمد) تم برادران یوسف کے پاس موجود نہیں تھے کہ ان کے قصہ سے واقف ہوتے کہ اس واقعہ کی خبر دیتے، آپ کو اس کا علم بذریعہ وحی ہوا ہے اور اکثر لوگ یعنی اہل مکہ اگرچہ آپ ان کے ایمان کے خواہشمند ہیں قرآن پر ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور آپ قرآن پر ان سے اجرت کا سوال نہیں کر رہے ہیں کہ آپ اس کو وصول کرتے ہوں، یہ یعنی قرآن تو تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہی نصیحت ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: خرج من عریش مصر، عریش ایک قول کے مطابق ملک مصر وشام کی سرحد پر ایک مشہور شہر کا نام ہے دوسرا قول یہ ہے کہ عریش آبادی کو کہتے ہیں مراد مصر کی آبادی ہے۔

قولہ: من بنیه و اولادهم اس سے معلوم ہوا ہے کہ برادران یوسف میں سے کچھ اپنے والد کے پاس بھی رہ گئے تھے حالانکہ سابق میں معلوم ہو چکا ہے کہ تمام بھائی مصر چلے گئے تھے، تفسیر خازن میں ہے من اولادبنیه، اور شیخ زادہ کی عبارت ہے "من ولد ولده".

قولہ: اوصلته الیه الصبا، ای ریح الصبا مضاف محذوف ہے ای بادصبا، یہاں ایک قوی شبہ یہ ہے کہ صبا مشرق سے جانب مغرب چلنے والی ہوا کو کہتے اور مغرب سے مشرق کی جانب چلنے والی ہوا کو دبور کہتے ہیں اور شام مصر سے جانب مشرق میں واقع ہے لہٰذا شام کی طرف سے آنیوالی ہوا صبا کہلائے گی لہٰذا صبا شام (کنعان) سے مصر کی طرف خوشبو کو لا تو سکتی ہے مگر لیجا نہیں سکتی البتہ دبور مصر سے شام کی طرف خوشبو لیجا سکتی ہے مناسب ہوتا کہ مفسر علام صبا کے بجائے دبور فرماتے۔ (واللہ اعلم)

قولہ: تفندون (تفعیل، تفنید) صیغہ جمع مذکر حاضر درازی عمر کی وجہ سے عقل کا کمزور ہو جانا، سٹھیا جانا، عقل میں فتور یا نقصان کا آجانا۔

قولہ: لصد قتمونی یہ لولا کا جواب ہے۔

قولہ: فی مضربة بڑا خیمہ۔

سوال: مضربة محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: اس لیے کہ دخلوا علی یوسف کہنے کے بعد ادخلوا مصر کہنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی اسلئے کہ دخول کے بعد دخول کا کوئی مطلب نہیں ہوتا اس لئے فی مضربة محذوف مانا تاکہ اول دخول سے خیمہ میں دخول مراد ہو جو استقبال کے لئے شہر سے باہر بنایا تھا اس کے بعد دوسرا دخول شہر مصر میں ہوا۔

قولہ: امه او خالته اس میں اس اختلاف کی طرف اشارہ ہے کہ آیا یوسف کی والدہ راحیل اس وقت زندہ تھیں یا نہیں، بعض حضرات کا قول ہے کہ بقید حیات تھیں، لیکن جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ بنیامین کی ولادت کے وقت انتقال ہو گیا تھا ان کے انتقال کے بعد حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے راحیل کی بہن لیا سے نکاح کر لیا تھا اور مجازاً خالہ کو بھی ماں کہہ دیا جاتا ہے جس طرح چچا کو مجازاً ابا کہہ دیا جاتا ہے عبرانی میں بنیام دردزہ کو کہتے ہیں اسی مناسبت سے بنیامین نام رکھا گیا تھا یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ (حاشیہ جلالین)

قولہ: آمنین، ای آمنین من القحط وسائر المکاره.

قَوْلُہٗ: الی اس میں اشارہ ہے کہ یاء بمعنی الی ہے۔

تفسیر و تشریح

ولما فصلت العیر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا ہم سب کو یہ داستان فراموش کر دینی چاہئے میں درگاہ الٰہی میں دعاء کرتا ہوں کہ وہ تمہاری غلطی معاف فرمادے کیونکہ وہی سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

اب تم کنعان واپس جاؤ اور میرے پیراہن کو لیتے جاؤ یہ والد کی آنکھوں پر ڈال دینا انشاء اللہ شمیم یوسف ان کی آنکھوں کو روشن کر دے گی، اور تمام خاندان کو مصر لے آؤ۔

برادران یوسف کا کاروان کنعان کے لئے روانہ:

ادھر برادران یوسف کا کاروان پیراہن یوسفی ساتھ لے کر کنعان کے لئے روانہ ہوا ادھر خدا کے برگزیدہ پیغمبر یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شمیم یوسف نے مہکا دیا فرمانے لگے اے خاندان یعقوب اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے میں اس کی عقل ماری گئی ہے تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے یوسف کی مہک آرہی ہے، سب کہنے لگے واللہ تم تو اپنے اسی پرانے خبط میں پڑے ہو، یعنی اس قدر عرصہ گذر جانے کے بعد بھی جبکہ یوسف کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تمہیں یوسف ہی کی رٹ لگی ہوئی ہے۔

غرضیکہ یہ کنعانی قافلہ بخیر و عافیت کنعان پہنچ گیا، اور برادران یوسف نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے مطابق ان کا پیراہن یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں پر ڈال دیا یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھیں فوراً روشن ہو گئیں، فرمانے لگے دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

برادران یوسف کے لئے یہ وقت بڑا کٹھن تھا، شرم و ندامت میں غرق سر جھکائے ہوئے بولے اے ابا جان آپ ہمارے لئے جناب باری میں گناہوں کی مغفرت کی دعاء کر دیجئے کیونکہ اب یہ تو ظاہر ہو ہی چکا ہے کہ بلاشبہ ہم سخت خطا کار اور قصوروار ہیں، یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **سوف استغفر لکم ربی انه هو الغفور الرحیم** میں عنقریب تمہارے لئے دعاء کروں گا بلاشبہ وہ غفور الرحیم ہے۔

یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوراً دعا کرنے کے بجائے وعدہ فرمایا کہ عنقریب دعاء کروں گا، اسکی وجہ عام مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ اس وعدہ کا مقصد یہ تھا کہ رات یا آخر شب میں اہتمام سے دعاء کروں گا، ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اصل معاملہ حضرت یوسف کے ساتھ زیادتی کا تھا گو بالواسطہ حضرت یعقوب کو بھی تکلیف پہنچی تھی، حضرت یوسف چونکہ اصل صاحب معاملہ تھے اس لئے انہوں نے فوراً دعاء مغفرت کر دی مگر چونکہ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا براہ راست معاملہ نہیں تھا اسلئے وعدہ کر لیا تاکہ اصل صاحب معاملہ سے بھی مشورہ ہو جائے۔ (قصص القرآن)

خاندان یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام مصر میں:

غرض یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام اپنے پورے خاندان کو لیکر مصر پہنچے، جس وقت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کا خاندان مصر پہنچا تو اس کی تعداد بائبل کے بیان کے مطابق ۶۷ یا ۷۰ تھی اس وقت حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی عمر ۱۳۰ سال تھی اور اس کے بعد وہ مصر میں ۱۷ سال زندہ رہے۔

جب یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو اطلاع ہوئی کہ ان کے والد مع خاندان شہر کے قریب پہنچ گئے ہیں تو وہ فوراً استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے، جب دونوں نے ایک دوسرے کو مدت دراز کے بعد دیکھا تو فرط محبت میں یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو سینہ سے لگالیا، اور جب یہ پر مسرت اور رقت آمیز ملاقات ہو چکی تو حضرت یوسف نے والد سے عرض کیا کہ اب تو آپ عزت واحترام اور امن وحفاظت کے ساتھ شہر میں تشریف لے چلیں۔

اس وقت مصر کا دار السلطنت رعمیس تھا، حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام اپنے والد ماجد اور تمام دیگر افراد خاندان کو بڑے کرّ وفر اور تزک واحتشام کے ساتھ شاہی سواریوں میں بیٹھا کر شہر میں لائے اور شاہی محل میں قیام کرایا۔

جب ان تمام باتوں سے فراغت پائی تو اب ارادہ کیا کہ دربار منعقد کریں تاکہ اہل مصر کا بھی حضرت یعقوب اور ان کے خاندان سے تعارف ہوجائے اور تمام درباری ان کے عزت واحترام سے واقف ہوجائیں، دربار منعقد ہوا تمام درباری اپنی مقررہ نشستوں پر بیٹھ گئے، یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے حکم سے ان کے والدین کو تخت شاہی پر جگہ دی گئی اور باقی تمام خاندان نے حسب مراتب نیچے جگہ پائی، جب یہ سب انتظامات مکمل ہوگئے تب حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام شاہی محل سے باہر تشریف لائے اور شاہی تخت پر جلوہ افروز ہوئے، اسی وقت تمام درباری حکومت کے دستور کے مطابق تخت شاہی کے سامنے تعظیم کے لئے سجدہ میں گر پڑے موجودہ صورت کو دیکھ کر خاندان یوسف نے بھی یہی عمل کیا، یہ دیکھ کر یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو فوراً اپنے بچپن کا خواب یاد آ گیا اپنے والد سے کہنے لگے **وقال یا ابت ھذا تاویل رء یای من قبل الخ**.

تورات میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا تمام خاندان مصر میں آباد ہو گیا کیونکہ اس وقت کے فرعون ریان نے اصرار کے ساتھ یہ کہا تھا کہ تم اپنے خاندان کو مصر ہی میں آباد کرو، میں ان کو بہت عمدہ زمین دوں گا اور ہر طرح ان کی عزت کروں گا۔

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات:

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا انتقال ایک سو بیس سال کی عمر میں ہوا اور دریائے نیل کے کنارے دفن کئے گئے، ابن اسحٰق نے عروہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل جائیں تو بذریعہ وحی یہ بھی کہا گیا کہ ان ہڈیوں کو اپنے ساتھ لے کر ملک شام چلے جائیں اور ان کے آباواجداد کے پاس دفن کریں اس حکم

کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے تفتیش کر کے ان کی قبر دریافت کی جو ایک سنگ مرمر کے تابوت میں تھی اس کو اپنے ساتھ ارض فلسطین (کنعان) میں لے گئے اور حضرت اسحٰق و یعقوب کے برابر دفن کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد قوم عمالیق کے فراعنہ مصر پر مسلط ہوگئے اور بنو اسرائیل ان کی حکومت میں رہتے ہوئے دین یوسف علیہ الصلاۃ والسلام پر قائم رہے مگر ان کو غیر ملکی سمجھ کر طرح طرح کی ایذائیں دی جانے لگیں یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس عذاب سے نجات دی۔ (مظہری)

حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات:

تفسیر قرطبی میں اہل تاریخ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ مصر میں ۲۴ سال رہنے کے بعد یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات ۱۴۷ سال کی عمر میں ہوئی، حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کو سال کی لکڑی کے تابوت میں رکھکر بیت المقدس کی طرف ان کی وصیت کے مطابق منتقل کیا گیا۔

وَكَأَيِّنْ وكم مِّنْ آيَةٍ دالة على وحدانية الله فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا يشاهدونها وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴿۱۰۵﴾ لايتفكرون فيها وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ حيث يقرون بانه الخالق الرازق إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴿۱۰۶﴾ به بعبادة الاصنام ولذا كانوا يقولون في تلبيتهم لبيك لاشريك لك الا شريكا هو لك تملكه وما ملك يعنونها أَفَأَمِنُوْا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ نعمة تغشاهم مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً فجأة وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴿۱۰۷﴾ بوقت اتيانها قبله قُلْ لهم هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ وفسرها بقوله أَدْعُوْا إِلَى دين اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ حجة واضحة أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ آمن بي عطف على انا المبتدأ المخبر عنه بما قبله وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ تنزيها له عن الشركاء وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴿۱۰۸﴾ من جملة سبيله ايضا وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ وفي قراءة بالنون وكسر الحاء إِلَيْهِمْ لاملائكة مِّنْ أَهْلِ الْقُرٰى الامصار لانهم اعلم واحلم بخلاف اهل البوادي لجفائهم وجهلهم أَفَلَمْ يَسِيْرُوْا اي أهل مكة فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اي اخر امرهم من اهلاكهم بتكذيبهم رسلهم وَلَدَارُ الْآخِرَةِ اي الجنة خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا الله أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۱۰۹﴾ بالياء والتاء يا اهل مكة هذا فتومنون حَتّٰى غاية لما دل عليه وما ارسلنا من قبلك الا رجالا اي فتراخى نصرهم حتى إِذَا اسْتَيْأَسَ يئس الرُّسُلُ وَظَنُّوْا ايقن الرسل أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوْا بالتشديد تكذيبا لاايمان بعده والتخفيف اي ظن الامم ان الرسل اخلفوا ما وعدوا به من النصر جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ بنونين مشددا ومخففا وبنون مشدد اماض مَنْ نَّشَاءُ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عذابنا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ﴿۱۱۰﴾ المشركين لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ اي الرسل

عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ اصحاب العقول مَا كَانَ هذا القران حَدِيثًا يُّفْتَرَىٰ يختلق وَلَٰكِن كان تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ قبله من الكتب وَتَفْصِيلَ تبيين كُلِّ شَيْءٍ يحتاج اليه في الدين وَهُدًى من الضلالة وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾ خصوا بالذكر لانتفاعهم به دون غيرهم.

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں خدا کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی بے شمار نشانیاں ہیں ان کو دیکھتے ہوئے منہ موڑ کر گذر جاتے ہیں ان میں غور وفکر نہیں کرتے اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان رکھنے یعنی اس کو خالق ورازق تسلیم کرنے کے باوجود بتوں کی بندگی کر کے مشرک ہیں اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے تلبیہ میں کہا کرتے تھے **لبیك لا شریك لك الاشریكا هو لك تملكه وما ملك** (ترجمہ) ہم تیرے حضور میں حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے کہ اس کا تو مالک ہے اور اس کا بھی تو مالک ہے جس کا وہ مالک ہے اور وہ **الا شریکا** سے اصنام مراد لیتے تھے، کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ کے عذابوں میں سے کوئی چھا جانے والا عذاب آجائے یا ان پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑے اور وہ پہلے سے اس کے آنے کا احساس نہ کر سکیں، آپ ان سے کہہ دو یہ ہے میرا طریقہ اور طریقہ کی تفسیر اپنے قول **ادعوا الی اللہ الخ** سے کی ہے، کہ میں اور میری اتباع کرنے والے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں اللہ کے دین کی طرف **علی وجه البصیرت حجة واضحه** کے ساتھ دعوت دیتے ہیں **من** کا عطف، **أنا** مبتداء پر ہے جس کی خبر اس کا ماقبل (یعنی **علی وجه البصیرة**) ہے اور اللہ پاک ہے وہ شریک کے نقص سے بری ہے، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں یہ بھی آپ کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے، آپ سے پہلے بستی والوں میں ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے نہ کہ فرشتے (اور عورت) ایک قراءت میں (نوحی) نون اور حاء مکسورہ کے ساتھ ہے، یعنی شہروں کے رہنے والے تھے، اس لئے کہ شہری بہ نسبت بدویوں کے زیادہ جاننے والے اور زیادہ بردبار ہوتے ہیں، نہ کہ بادیہ نشین اپنے جہل وظلم کی وجہ سے، کیا مکہ والوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا؟ کہ ان سے پہلے والوں کا ان کے اپنے رسولوں کو جھٹلانے کی وجہ سے کیسا انجام ہوا؟ ان کو ہلاک کر کے یقیناً آخرت کا گھر یعنی جنت اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے اے اہل مکہ! کیا تم اسے سمجھتے نہیں ہو کہ ایمان لے آؤ (**یعقلون**) یاء اور تاء کے ساتھ ہے **حتی** اس کی غایت کیلئے ہے جس پر **وما ارسلنا من قبلك الا رجالا** دلالت کرتا ہے، یعنی ان کی نصرت مؤخر ہوگئی، یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے اور رسولوں نے یقین کر لیا کہ ان کو جھٹلایا گیا (**کذبوا** کے ذال کی) تشدید کے ساتھ ایسی تکذیب کہ اس کے بعد ایمان (کی توفیق) نہیں اور (ذال) کی تخفیف کے ساتھ بھی، یعنی امتوں نے گمان کر لیا کہ رسولوں نے اس نصرت کی وعدہ خلافی کی جس کا انہوں نے وعدہ کیا تھا، تو ان کے پاس ہماری نصرت آپہنچی تو جس کو ہم چاہتے ہیں نجات دیتے ہیں (**ننجی**) دو نونوں اور جیم مشدد کے ساتھ ہے اور جیم کی تخفیف کے ساتھ (بھی ہے) اور ایک نون اور جیم مشدد کے ساتھ ماضی مجہول کا صیغہ، اور ہمارا عذاب مشرکوں سے ہٹایا نہیں

جائے گا، بلاشبہ ان رسولوں کے قصوں میں عقلمندوں کے لئے عبرت ہے یہ قرآن گھڑی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ سابقہ کتب کی تصدیق ہے، اور ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والا ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے رحمت ہے (مومنین) کا ذکر خاص طور پر اس لئے ہے کہ وہی اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: كَأَيِّن، یہ دراصل کای تھا تنوین کو نون سے بدل دیا کاین ہو گیا یہ کاف تشبیہ اور أی سے مرکب ہے، یہ اکثر کم خبریہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جو تکثیر کے معنی دیتا ہے مثلاً کأی من رجل رأیت میں نے بہت سے آدمی دیکھے، اور کبھی کبھی استفہام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابی بن کعب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معلوم کیا کأی تقرأسورة الاحزاب تم نے سورۂ احزاب کتنی مرتبہ پڑھی، کاین مبتداء ہے اور من آية تمیز مجرور بمن ہے۔

قَوْلُهٗ: فی السموات والارض آية کی صفت ہے۔

قَوْلُهٗ: يمرون عليها جملہ ہو کر کأین کی خبر ہے اور وهم عنها معرضون جملہ ہو کر يمرون کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُهٗ: المخبر عنه بما قبله، أنا اور من مبتداء مؤخر اور على بصيرة خبر مقدم، کما صرح المفسر۔

قَوْلُهٗ: بخلاف اهل البواد اس میں اشارہ کہ اهل القرى سے شہروں کا مقابل مراد ہے لہٰذا اب یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ انبیاء زیادہ تر شہر ہی میں مبعوث ہوئے ہیں۔

قَوْلُهٗ: يئس استيئس میں (س ت) طلب کے لئے نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: تكذيبا لا ايمان بعده، اس میں اس شبہ کا جواب ہے کہ تکذیب تو پہلے ہی سے موجود تھی یعنی اب ایسی تکذیب کردی کہ اس کے بعد ایمان کی توقع ختم ہو گئی اور ظنوا کا ترجمہ ایقن الرسل، قد كُذِّبُوْا کی تشدید کی صورت میں ہوگا اور تخفیف کی صورت میں ظنوا اپنے معنی پر ہوگا۔

قَوْلُهٗ: فننجی جیم کی تشدید کے ساتھ، تَنْجِيَةٌ (تفعیل) سے ہم بچا لیتے ہیں، فَنُنْجِى مخففا (افعال) مضارع جمع متکلم، نجی ماضی مجہول واحد مذکر غائب (تَنْجِية تفعيل) سے اس کو بچایا گیا (مشددا) کا تعلق ہر قراءت میں جیم کے ساتھ ہے، ماضی مجہول کی صورت میں من نشاء نائب فاعل ہوگا پہلی دونوں صورتوں میں مفعول بہ ہوگا، بعض حضرات نے مشددا کو نون کی صفت قرار دیا ہے جو کہ سہو ہے۔

تفسیر و تشریح

وكاين من آية الخ، آسمان اور زمین کی پیدائش اور ان میں بے شمار چیزوں کا وجود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خالق اور صانع ایک ہے جس نے ان چیزوں کو وجود بخشا ہے اور ایک مدبر ہے جو ان کا انتظام کر رہا ہے کہ صدیوں سے یہ نظام چل رہا

ہے اوران میں آپس میں کبھی ٹکراؤ و تصادم نہیں ہوتا، لیکن لوگ ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے یوں ہی گذر جاتے ہیں نہ ان میں غور وفکر کرتے ہیں اور نہ ان سے رب کی معرفت حاصل کرتے ہیں، یہ ایسے لوگوں کا بیان تھا جو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی حکمت وقدرت ہی کے قائل نہیں تھے، آگے ان لوگوں کا بیان ہے کہ جو وجود باری کے قائل تو ہیں مگر اس کی خدائی میں دوسروں کو شریک قرار دیتے ہیں، فرمایا۔

وما یؤمن اکثرھم باللّٰہ الا وھم مشرکون، یعنی ان میں جو ایمان لاتے ہیں وہ بھی شرک کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت وغیرہ اوصاف میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو سراسر ظلم اور جہل ہے، قرآن اس کو بوضاحت بیان کرتا ہے کہ یہ مشرکین یہ تو مانتے ہیں کہ آسمان وزمین کا خالق و مالک، ورازق ومدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اس کے باوجود عبادت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک ٹھہراتے ہیں آج کے قبر پرستوں کا بھی شرک یہی ہے کہ وہ قبروں میں مدفون بزرگوں کو صفات الوہیت کا حامل سمجھ کر انھیں مدد کے لئے پکارتے ہیں۔

امام المفسرین ابن کثیر نے فرمایا، کہ اس آیت کے مفہوم میں وہ مسلمان بھی داخل ہیں کہ جو ایمان کے باوجود مختلف قسم کے شرک میں مبتلا ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے تم پر جس چیز کا خطرہ ہے ان سب میں سب سے زیادہ خطرناک شرک اصغر ہے، صحابہ کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ ریا شرک اصغر ہے اسی طرح ایک حدیث میں غیر اللہ کی قسم کھانے کو شرک فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی منت اور نذر و نیاز ماننا بھی باتفاق فقہا اس میں داخل ہے۔

وما ارسلنا من قبلك الا رجالا الخ یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ تمام نبی مرد ہی ہوئے ہیں نہ فرشتے اور نہ عورت، اسی طرح انبیاء کا مقام بعثت قریہ تھا جو قصبہ دیہات اور شہر کو شامل ہے ان میں سے کوئی بھی صحرا نشینوں میں سے نہیں تھا اسلئے کہ اہل بادیہ نسبۃً طبیعت کے سخت اور اخلاق کے کھردرے ہوتے ہیں، یہ خیال بے بنیاد اور لغو ہے کہ اللہ کا رسول فرشتہ ہونا چاہئے نہ کہ انسان بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے انسانوں کا رسول ہمیشہ انسان ہی ہوتا چلا آیا ہے، البتہ عام انسانوں سے اس کو امتیاز حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ اس کی طرف بارگاہ الٰہی کی طرف سے براہ راست وحی آتی ہے، نبوت کسی کی سعی وعمل کا نتیجہ نہیں ہوتی، البتہ اللہ خود ہی اپنے بندوں میں سے جس کو مناسب سمجھتا ہے اس کام کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔

حتی اذا استیئس الرسل الخ رسولوں کو یہ مایوسی اپنی قوم کے ایمان نہ لانے سے ہوئی۔

وظنوا انھم قد کذبوا الخ اس آیت کی مختلف قراءتوں کی وجہ سے اس آیت کے مختلف مفہوم بیان کئے گئے ہیں لیکن زیادہ مناسب مفہوم یہ ہے کہ **ظنوا** کا فاعل قوم کفار کو قرار دیا جائے یعنی کفار نے جب دیکھا کہ رسولوں نے جس عذاب کی دھمکی دی تھی جب اس کے آنے میں تاخیر ہوئی اور اس کے آنے کے آثار بھی دور دور تک نظر نہ آئے تو کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ نبیوں سے بھی یوں ہی جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے اس آیت میں لفظ **کُذِبُوا** مشہور قراءت کے مطابق پڑھا گیا، مطلب یہ ہوگا کہ عذاب موعود کے آنے میں بہت زیادہ تاخیر ہونے کی وجہ سے پیغمبر یہ خیال کر کے مایوس ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کے اجمالی وعدۂ عذاب

کا جو وقت ہم نے اپنے اندازہ کے مطابق اپنے ذہنوں میں مقرر کر رکھا تھا وقت پر عذاب نہ آئیگا اور وعدۂ الٰہی کا وقت مقرر کرنے میں ہم سے غلط فہمی ہوئی ہے جس کی وجہ سے مایوسی ہوئی، اسی مایوسی کی حالت میں ان کو ہماری مدد پہنچی اور وہ یہ کہ وعدہ کے مطابق کفار پر عذاب آیا، پھر ہم نے اس عذاب سے مومنین کو بچالیا اور کفار ہلاک ہوگئے اسلئے کہ ہمارا عذاب مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا، بلکہ ضرور آکر رہتا ہے اسلئے کفار مکہ کو چاہئے کہ عذاب میں تاخیر ہونے سے دھوکہ میں نہ رہیں۔

بعض قراءتوں میں **کذبوا** تشدید کے ساتھ بھی آیا ہے یہ **مصدر تکذیب** سے مشتق ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ انبیاء نے اندازہ سے جو عذاب کا وقت مقرر کردیا تھا اس عذاب کے بروقت نہ آنے پر ان کو یہ خطرہ ہوگیا کہ اب جو مسلمان ہیں وہ بھی ہماری تکذیب نہ کرنے لگیں کہ جو کچھ ہم نے کہا تھا وہ پورا نہیں ہوا، ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب، قرآن کریم میں جو قصہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر قوموں کے واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کو گھڑا نہیں بلکہ یہ پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں دین کے بارے میں ساری ضرورتیں اجمالی یا تفصیلی یا اصولی طور پر موجود ہیں اور یقین رکھنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كفروا، الآية، ويقول الذين كفروا لَسْتَ مُرْسَلًا، الآية، اَوْ مَدنِيَّةٌ اِلَّا ولَوْ انَّ قرآنا الآيتين ثلٰثٌ اَوْ اَرْبعٌ اَوْ خمسٌ او سِتٌّ وَاَرْبَعُوْنَ آيةً.

سورۂ رعد مکی ہے، علاوہ وَلا يزالُ الذين كفروا پوری آیت کے، اور يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرسلًا پوری آیت کے، یا مدنی ہے سوائے وَلَوْ انَّ قرآنًا دو آیتوں کے ۴۳ یا ۴۴ یا ۴۵ یا ۴۶ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓمّٓرٰ اللّٰهُ اعلمُ بمرادِه بذلك تِلْكَ هٰذه الاٰياتُ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ القرآن والاضافة بمعنٰى مِنْ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اى القرآنُ مبتدأٌ خبرُه الْحَقُّ لاشكَّ فيه وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اى اهلَ مكةَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① بانَّه مِنْ عندِه تعالٰى اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا اى العمدَ جمعُ عمادٍ وهو الأُسطوانة وهو صادقٌ بأنْ لاعمدَ اصلاً ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ استواءً يليقُ به وَسَخَّرَ ذلل الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ منهما يَّجْرِيْ فى فَلَكِه لِاَجَلٍ مُّسَمًّى يومَ القيٰمةِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يقضي امرَ ملكِه يُفَصِّلُ يُبيِّنُ الْاٰيٰتِ دلالاتِ قدرتِه لَعَلَّكُمْ يا اهلَ مكةَ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ بالبعثِ تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ بَسَطَ الْاَرْضَ وَجَعَلَ خلقَ فِيْهَا رَوَاسِيَ جبالاً ثوابتَ وَّاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ المذكورِ لَاٰيٰتٍ دلالات على وحدانيتِه تعالٰى لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③ فى صُنعِ اللّٰهِ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ بقاعٌ مختلفةٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ مُتلاصِقاتٌ فمنها طيبٌ وسبخٌ وقليلُ الرَيع وكثيرُه وهو مِنْ دلائلِ قدرتِه تعالٰى وَّجَنّٰتٌ بساتينُ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ بالرفع عطفًا على جناتٌ والجرِ على اعنابٍ وكذا قوله وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ جمع

صِنو وہی النخلاتُ یجمعُها اصلٌ واحدٌ وتتشعبُ فروعها وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ منفردة يُّسْقٰى بالتاءِ اى الجناتُ وما فيها والياءِ اى المذكورُ بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بالنون والياءِ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ بضم الكافِ وسكونِها فمن حُلوٍ وحامضٍ وہو من دلائلِ قدرتِه تعالى اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ المذكورِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ يتدبَّرُوْنَ وَاِنْ تَعْجَبْ يا محمدُ من تكذيبِ الكفارِ لك فَعَجَبٌ حقيقٌ بالعجبِ قَوْلُهُمْ منكرِيْنَ للبعثِ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ لِاَنَّ القادرَ على انشاءِ الخلقِ وماتقدَّمَ على غيرِ مثالٍ سَبَقَ قادرٌ على اعادتِهم وفى الهمزتينِ فى الموضعينِ التحقيقُ وتحقيق الأُولىٰ وتسهيلُ الثانيةِ وادخالُ الفٍ بينهما على الوجهين وتركِها وفى قراءةٍ بالاستفهام فى الاول والخبر فى الثانى واخرى عكسه اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِىْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۵﴾ ونزل فى استعجالِهم العذابَ استهزاءً وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ العذابِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ الرحمةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ جمعُ المَثُلَةِ بوزنِ السَّمُرَةِ اى عقوباتُ امثالِهم من المُكذِّبينَ أفلا يَعتبرُوْنَ بها وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى مع ظُلْمِهِمْ والَّالم يتركْ على ظهرِها دابةً وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۶﴾ لِمَنْ عَصَاهُ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ هلّا اُنْزِلَ عَلَيْهِ على محمدٍ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ كالعصا واليدِ والناقةِ قال تعالى اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ مخوِّفُ الكافرينَ وليس عليكَ اِتيانُ الأياتِ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿۷﴾ نبيٌّ يَدعُوہم الى ربِّهم بما يعطيه من الأياتِ لابما يقترحونَ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جونہایت مہربان بڑا رحم والا ہے، الٓمّرٰ، اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ آیتیں قرآن کریم کی آیتیں ہیں اور (آیاتُ الکتاب) میں اضافت بمعنی مِنْ ہے اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اتارا جاتا ہے سب حق ہے (یعنی) اس میں کوئی شک نہیں ہے، (وَالَّذِیْ اُنزلَ اِلیك الخ) مبتداء ہے اور الحقُّ اس کی خبر ہے، لیکن اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے کہ یہ منجانب اللہ ہے اور وہ اہل مکہ ہیں، اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر بلند فرمایا جو تم کو نظر آتے ہوں، العَمَد، عمادٌ کی جمع ہے اور وہ ستون ہیں اور عدم رویت اس وقت بھی صادق آتی ہے جبکہ ستون ہی نہ ہوں پھر وہ تخت شاہی پر جلوہ فرما ہوا ایسی جلوہ فرمائی کہ جو اس کے شایان شان ہے اور اس نے شمس وقمر دونوں کو قانون کا پابند بنایا ان میں سے ہر ایک اپنے مدار پر ایک مدت (یعنی) قیامت تک کے لئے جاری ہے (وہی اللہ) ہر کام کی تدبیر کرتا ہے (یعنی) اپنے ملک کے معاملات طے کرتا ہے اور وہ اپنی قدرت کی دلالتوں کو خوب کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ اے اہل مکہ بعث کے ذریعہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو اور وہ ایسی ذات ہے کہ اس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں نہ ہلنے والے پہاڑ پیدا کئے اور نہریں پیدا کیں اور زمین میں ہر قسم کے پھلوں کے دُہرے دُہرے جوڑے پیدا

کئے وہ رات کی تاریکی کے ذریعہ دن کو چھپادیتا ہے یقیناً اس مذکور میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی بہت سی نشانیاں ہیں اللہ کی صنعت میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے، اور زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں، ان میں زرخیز بھی ہیں اور بنجر بھی اور قلیل النفع بھی ہیں اور کثیر النفع بھی، یہ بھی خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اور انگور کے باغات ہیں، اور کھیتیاں ہیں (زرعٌ) رفع کے ساتھ جنات پر عطف کی وجہ سے اور جر کے ساتھ بھی اعناب پر عطف کی وجہ سے، اور کھجور کے درخت ہیں (صنوان) صنوٌ کی جمع ہے کھجور کے ان درختوں کو کہتے ہیں جن کی جڑ ایک ہو اور اوپر اس میں متعدد شاخیں ہوں اور کچھ اکہرے بھی ہیں سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے (تسقٰی) کی ضمیر مذکور کی طرف راجع ہوگی مگر مزے میں ہم بعض کو بہتر بنا دیتے اور بعض کو کمتر (نفضل) نون اور یاء کے ساتھ ہے (الاُکُلُ) کاف کے ضمہ اور اس کے سکون کے ساتھ (دو قراءتیں ہیں) بعض ان میں شیریں اور بعض ترش ہوتے ہیں یہ بھی خدا کی قدرت کے دلائل میں سے ہے، بلا شبہ ان مذکورہ باتوں میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور اگر اے محمد آپ کو کفار کے آپ کی تکذیب کرنے سے تعجب ہوتا ہے تو درحقیقت منکرین بعث کا یہ قول قابل تعجب ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے؟ اس لئے کہ جو ذات سابقہ نمونے کے بغیر از سرِ نو پیدا کرنے اور مذکورہ چیزوں پر قادر ہے وہ ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے، اور دونوں ہمزوں میں دونوں جگہ تحقیق اور پہلے کی تحقیق اور ثانی کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کر کے اور ادخال کو ترک کر کے (سب جائز ہے) اور ایک قراءت اول میں استفہام اور ثانی میں خبر اور دوسری قراءت میں اس کا برعکس یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا کفر کیا اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی گردنوں میں طوق ہے، یہ جہنمی ہیں اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، اور ان کے بطور استہزاء عذاب کے بارے میں جلدی مچانے کے بارے میں (آئندہ) آیت نازل ہوئی یہ لوگ نیکی یعنی رحمت سے پہلے برائی کے لئے جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ ان سے پہلے عبرتناک مثالیں گذر چکی ہیں مَثلات، مَثلة کی جمع ہے سَمُرَة کے وزن پر، یعنی ان جیسے تکذیب کرنے والوں کی سزائیں (گذر چکی ہیں) کیا اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے؟ حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب لوگوں کی زیادتی کے باوجود ان کو معاف بھی کرتا ہے ورنہ تو وہ روئے زمین پر کوئی چلنے والا (یعنی ذی روح) نہ چھوڑے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تیرا رب اپنی نافرمانی کرنے والوں کو سخت سزا دینے والا ہے اور کافر کہتے ہیں کس لئے محمد ﷺ پر نہیں اتاری گئی اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی جیسا کہ عصا (موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام) اور ید (بیضاء) اور اونٹنی (ناقۂ صالح علیہ الصلاۃ والسلام) اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ تو کافروں کو محض آگاہ کرنے والے ہیں (یعنی) ڈرانے والے ہیں، معجزات کا لانا آپ کے ذمہ نہیں ہے، اور ہر قوم کے لئے رہنما ہوتا ہے (یعنی) نبی ہوتا ہے جو لوگوں کو ان معجزات کے ذریعہ جو اس کو اللہ عطا کرتا ہے ان کے رب کی طرف بلاتا ہے نہ کہ ان معجزات کے ذریعہ جن کو وہ تجویز کرے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: سورة الرعد مكية سورة الرعد مبتداء ہے مكية خبر اول ہے اور ثلث الخ خبر ثانی ہے، مکی مدنی ہونے کے بارے میں پانچ قول ہیں ① پوری سورت مکی سوائے "ولا یزال الذین کفروا (الآیة) کے ② پوری سورت مکی ہے سوائے هو الذی یریکم البرق، الی قوله. له دعوة الحق ③ پوری سورت مدنی ہے سوائے وَلَوْ انَّ قرآنا (دو آیتیں) ④ کہا گیا ہے کہ پوری سورت مدنی ہے، ⑤ کہا گیا ہے کہ پوری سورت مکی ہے۔

قَوْلُہٗ: الاضافة بمعنی من، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ آیات الکتاب میں اضافت الشیٔ الی نفسه لازم آرہی ہے اس لئے کہ آیات اور کتاب ایک ہی شیٔ ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ اضافت الشی الی نفسہ اس وقت لازم آتی جب اضافت بمعنی لام ہوتی یہاں اضافت بمعنی من ہے فلا حرج۔

قَوْلُہٗ: بانّه مِن عنده یہ جملہ یؤمنون کا مفعول بہ ہے۔

سَوَال: یُؤْمِنُ متعدی بالی استعمال ہوتا ہے نہ کہ متعدی بالباء۔

جَوَاب: یؤمنون، یقرّون کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا تعدیہ بالباء درست ہے۔

قَوْلُہٗ: اللّٰه الذی رفع السمٰوات الخ اللّٰه مبتداء ہے اور الَّذِیْ الخ اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: وهو صادق بان لا عَمَدَ اصلًا یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ جمع کی نفی بطور مفہوم کے ثبوت واحد پر دلالت کرتی ہے یعنی ایک ستون ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ مقید کی نفی مطلق کی نفی پر دلالت کرتی ہے، یہاں نفی موصوف اور صفت دونوں کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: جَعَلَ، یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ جعل متعدی بدو مفعول ہوتا ہے حالانکہ یہاں دو مفعول نہیں ہیں۔

جَوَاب: جَعَلَ بمعنی خَلَقَ ہے نہ کہ بمعنی صَیَّرَ۔

قَوْلُہٗ: من کل نوعٍ میں من کُلِّ الثمرات کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: یغشی الَّیلَ النهارَ یہ جملہ مستانفہ ہے اور ماقبل میں مذکور افعال کے فاعل سے حال بھی ہوسکتا ہے، یُغشِی کا فاعل ضمیر هو مستتر ہے جو اللہ کی طرف راجع ہے، الَّیلَ مفعول اول ہے اور النهارَ مفعول ثانی یعنی اللہ تعالیٰ رات کے ذریعہ دن کو چھپا دیتا ہے۔

قَوْلُہٗ: صِنوان، بالتثلیث، نخلة لها رأسان و اصلها واحد، ایسا کھجور کا درخت کہ جس کی جڑ ایک ہو سر دو ہوں۔

قَوْلُہٗ: بالتاء والیاء تُسْقٰی مؤنث کی صورت میں اس کا نائب فاعل الجنات ہوگا اور یُسْقٰی مذکر کی صورت میں اس کا فاعل مذکور ہوگا۔

قولہ: بالیاء، یعنی نُفصّلُ میں یاء اور نون دونوں جائز ہیں مذکر غائب کی صورت میں یُدَبّرُ کے ساتھ مطابقت ہوگی۔

قولہ: حقیق بالعجب.

سوال: فعجبٌ کی تفسیر حقیق سے کس مقصد کے پیش نظر کی ہے؟

جواب: اس کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: کیا ہے؟ سوال یہ ہے کہ عجبٌ خبر مقدم ہے اور قولُھم مبتداء مؤخر ہے، اور عجبٌ مصدر ہے اور مصدر کا حمل قولُھم پر درست نہیں۔

جواب: حقیق محذوف مانا تا کہ حمل درست ہو جائے۔

تفسیر وتشریح

فضائل سورۂ رعد:

سورۂ رعد کا محتضر (قریب المرگ شخص) کے پاس پڑھنا مستحب ہے اس سے روح نکلنے ہونے میں آسانی ہوتی ہے، ابن ابی شیبہ نے جابر بن زید سے روایت کیا ہے، **قال! کان یستحب اذا احتضر المیت أن یقرأ عندهُ سورة الرعد فاِن ذلك یخفف عن المیت واِنه اهون لِقبضه وأیسرُ لشانِهِ.** (فتح القدیر شوکانی)

الٓمٓرٰ، تلك ایٰت الکتٰب (الآیة) حروف مقطعات کے متعلق الٓم کے شروع میں بحث گذر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے احوط اور مناسب طریقہ یہی ہے کہ اس کے بارے میں زیادہ بحث نہ کی جائے اور اس کی حقیقی مراد کو اللہ کے حوالہ کیا جائے، اس سورت میں جو کچھ پڑھا جانے والا ہے وہ اس عظیم الشان قرآن کی آیتیں ہیں، یہ کتاب جو آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتاری گئی ہے یقیناً حق وصواب ہے، لیکن تعجب کا مقام ہے کہ ایسی صاف اور واضح حقیقت کے ماننے سے بھی لوگ انکار کرتے ہیں۔

سورت کا مرکزی مضمون:

پہلی آیت میں مرکزی مضمون کی مناسبت سے تمہیدی مضمون تھا دوسری آیت سے اصل مضمون شروع ہو رہا ہے، یہ بات پیش نظر رہے کہ نبی ﷺ اس وقت جس چیز کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے تھے وہ تین بنیادی باتوں پر مشتمل تھی ایک یہ کہ خدائی پوری کی پوری اللہ ہی کی ہے اس کے علاوہ کوئی مستحق بندگی نہیں، دوسرے یہ کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جس میں سب کو اپنے اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہوگی تیسرے یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں جو کچھ پیش کر رہا ہوں وہ اپنی طرف سے نہیں

بلکہ خدا کی طرف سے ہے یہی تین باتیں ہیں جنہیں لوگ ماننے سے انکار کر رہے ہیں۔

دوسری آیت (اللّٰہ الذی رفع السمٰوات بغیر عمدٍ ترونھا) میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کے دلائل مذکور ہیں کہ اس کی مخلوقات اور مصنوعات کو ذرا غور سے دیکھو تو یقین کرنا پڑے گا کہ اس کو بنانے والی کوئی ایسی ذات ہے کہ جو قادر مطلق اور تمام مخلوقات و کائنات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

کیا آسمان کا جِرم آنکھوں سے نظر آتا ہے؟

عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ نیلا رنگ جو ہم کو نظر آتا ہے آسمان کا رنگ ہے، مگر فلاسفہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ رنگ روشنی اور اندھیرے کی آمیزش سے محسوس ہوتا ہے جیسا کہ گہرے پانی پر روشنی پڑتی ہے تو وہ نیلا نظر آتا ہے، مگر ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے دونوں باتیں ایک جگہ جمع ہوسکتی ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰی علی العرش پھر تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوگیا جیسی جلوہ فرمائی کہ اس کی شایان شان ہے اس جلوہ فرمائی کی کیفیت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا، اتنا اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ جس طرح کا استویٰ شان الٰہی کے لائق ہے وہ مراد ہے۔

وسخر الشمس والقمر، سورج اپنا دورہ ایک سال اور چاند ایک ماہ میں پورا کرتا ہے، لِاَجلٍ مُسَمًّی کے معنی اگر وقت مقرر تک کے لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ چاند سورج قیامت تک اسی طرح چلتے رہیں گے کائناتی دلائل کو پیش کرنے اور ان میں غور و فکر کی دعوت دینے کا مقصد یہ ہے کہ جو ذات اتنی عظیم الشان مخلوق پیدا کرسکتی ہے اس کے لئے تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟!

شمس و قمر کو مسخر کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جس ضابطہ کا پابند بنا دیا ہے ہزار ہا سال گذر گئے مگر اسی ضابطہ کی پابندی کے ساتھ رفتار میں کمی بیشی کے بغیر چل رہے ہیں نہ تھکتے ہیں اور نہ اپنے کام سے انحراف کرتے ہیں یہ نظام قدرت بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ اس کائنات کو بنانے اور چلانے والی کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جو انسان کے ادراک و شعور سے بالاتر ہے۔

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ، اللہ ہر امر کا انتظام حکمت اور مصلحت کے ساتھ کرتا رہتا ہے یعنی وہ محض صانع اور خالق ہی نہیں کہ جو ایک مرتبہ تخلیق کے بعد معطل ہو کر بیٹھ گیا ہو جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے بلکہ حاکم اور متصرف بھی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ مد الارض کرۂ ارض جو کہ دیگر بہت کروں کے مقابلہ میں مثل ذرہ کے ہے پھر بھی اس کی وسعت کا اندازہ لگانا ایک عام آدمی کے لئے نہایت دشوار ہے، اور بلند و بالا پہاڑوں کے ذریعہ زمین میں گویا میخیں گاڑ دی ہیں، نہروں، دریاؤں اور چشموں کا ایسا سلسلہ قائم کیا ہے کہ جس سے انسان خود بھی مستفید ہوتے ہیں اور کھیتوں کو بھی سیراب کرتے ہیں جن سے انواع واقسام کے غلّے اور پھل پیدا ہوتے ہیں جن کی شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف اور ذائقے بھی جداگانہ ہوتے ہیں اور ان میں

مختلف انواع واقسام کے ساتھ ساتھ جوڑے بھی پیدا کئے، اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ نر اور مادہ دونوں بنائے جیسا کہ جدید تحقیق نے بھی اس کی تصدیق کردی ہے اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جوڑے سے مراد میٹھا اور کھٹا، سرد اور گرم، سیاہ وسفید، ذائقہ دار اور بدذائقہ اس طرح ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد قسمیں پیدا کیں۔

وفی الارض قطع متجاورات یعنی صانع حکیم نے پوری روئے زمین کو یکساں نہیں بنایا، بلکہ اس میں بے شمار خطے پیدا کئے جو متصل ہونے کے باوجود شکل میں، رنگ میں، مادۂ ترکیب میں، خاصیتوں میں، قوتوں اور صلاحیتوں میں، کیمیاوی یا معدنی خزانوں میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، ان مختلف خطوں کی پیدائش اور ان کے اندر طرح طرح کا تفاوت واختلاف کی موجودگی اپنے اندر اتنی حکمتیں اور مصلحتیں رکھتی ہے کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری کائنات کی تخلیق یقیناً کسی حکیم مطلق کے سوچے سمجھے اور اس کے دانشمندانہ ارادہ کا نتیجہ ہے اسے محض ایک اتفاقی حادثہ قرار دینا ایک بڑی جرأت اور ہٹ دھرمی کی بات ہے۔

کھجور کے درختوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جڑ سے ایک ہی تنا نکلتا ہے اور بعض میں ایک جڑ سے دو یا زیادہ نکلتے ہیں، ان باتوں سے خدا کی قدرت اور حکمت کے نشانات ملتے ہیں جو اس کی توحید اور قادر مطلق ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

جو شخص ان باتوں پر غور کرے گا وہ کبھی دیکھ کر پریشان نہ ہوگا کہ انسانی طبائع اور میلانات اور مزاجوں میں اتنا اختلاف کیوں ہے؟ اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ہر حیثیت سے یکساں بنادیتا مگر جس حکمت پر اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے وہ یکسانی نہیں بلکہ تنوع اور رنگارنگی کی متقاضی ہے، سب کو یکساں بنادینے کے بعد تو یہ سارا ہنگامۂ ہست وبود ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا، چمن اسی کو کہتے ہیں جس میں ہمہ قسم کے پھول ہوں ہر پھول کا رنگ اور مہک الگ ہو، گویا کہ یہ کارخانہ قدرت ایک چمن ہے جس میں بیلا بھی ہے اور چنبیلی بھی، جوہی بھی ہے اور موگھرا بھی، گلاب بھی ہے اور گلِ ہزارہ بھی، رات کی رانی بھی ہے اور دن کا راجہ بھی غرضیکہ ہر ایک اپنی مہک سے مشام جان کو معطر کررہا ہے اور اپنی خوش رنگی سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور بخش رہا ہے، اگر کسی باغ میں گلاب ہی گلاب ہوں جو کہ پھولوں کا راجہ ہے تو اس کو چمن نہیں کہا جاسکتا البتہ اس کو گلاب کا کھیت کہہ سکتے ہیں چمن نہیں۔

وَاِنْ تعجب فعجبٌ قولھم أاِذا کنا تُرَابًا ءَ انا لفی خلقٍ جدید، اس آیت میں خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے کہ کفار آپ کے کھلے معجزات اور آپ کی نبوت پر کھلی نشانیاں دیکھنے کے باوجود آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں، اس کے برخلاف ایسے پتھروں کو پوجتے ہیں کہ جن میں نہ حس ہے اور نہ حرکت اور نہ عقل ہے نہ شعور وہ خود اپنے نفع نقصان کے بھی مالک نہیں یہ قابل تعجب بات ہے۔

اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہوجائیں گے تو ہمیں دوبارہ پیدا کیا جائیگا؟ حالانکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ پہلی مرتبہ تمام کائنات کو بیشمار حکمتوں کے ساتھ اسی نے پیدا کیا ہے، پھر دوبارہ پیدا

کردینا اس کے لئے مشکل اور عقل کے اعتبار سے اس میں کیا استحالہ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی قدرت کو پہچانا نہیں ہے اس کی قدرت کو اپنی قدرت پر قیاس کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کھلی ہوئی نشانیوں کے باوجود جس طرح ان کا ثبوت سے انکار قابل تعجب ہے اس سے زیادہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حشر کے دن سے انکار تعجب کی چیز ہے۔

باوجودیکہ قوموں اور بستیوں کی تباہی کی مثالیں پہلے گذر چکی ہیں اور اپنے سفر کے دوران ان کی ہلاکت کی نشانیاں دیکھتے ہیں مگر ایک بے عقل وشعور حیوان کی طرح چشم عبرت بند کر کے گذر جاتے ہیں اس کے باوجود جلدی عذاب مانگتے ہیں، یہ کفار کے اس سوال کے جواب میں کہا گیا کہ اے پیغمبر اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب ہم پر لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے۔

وَيَقول الذين كفروا لو لا انزل عليه آية من ربّه، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر نبی کو حالات اور ضروریات اور اپنی منشا کے مطابق کچھ نشانیاں اور معجزات عطا فرمائے، لیکن کافر اپنے حسب منشا معجزات کے طالب ہوتے رہے ہیں جیسا کہ کفار مکہ آپ ﷺ سے کہتے تھے کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے یا پہاڑوں کی جگہ نہریں اور چشمے جاری ہو جائیں وغیرہ وغیرہ، جب ان کے مطلوبہ معجزے نہ دکھائے جاتے تو کہتے کہ ان پر کوئی نشانی نازل کیوں نہیں کی گئی؟ اللہ نے فرمایا اے پیغمبر تمہارا کام صرف انذار وتبلیغ ہے وہ تم کرتے رہو کوئی مانے یا نہ مانے اس سے تم کو کوئی غرض نہیں اسلئے کہ ہدایت دینا ہمارا کام ہے تمہارا کام راستہ دکھانا ہے۔

وَلِكل قوم هادٍ گذشتہ ہر قوم میں ہادی ہوتے چلے آئے ہیں اور ہر نبی کا وظیفہ اور کار منصبی یہ تھا کہ وہ قوم کو ہدایت کریں، اللہ کے عذاب سے ڈرائیں، معجزات کا ظاہر کرنا کسی نبی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا یہ سب اللہ کے اختیار وقدرت میں ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى من ذكرٍ وأنثى وواحدٍ ومتعددٍ وغيرِ ذلك **وَمَا تَغِيْضُ** تنقصُ **الْاَرْحَامُ** من مدةِ الحملِ **وَمَا تَزْدَادُ** منه **وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ** ﴿۸﴾ بقدرٍ واحدٍ لايتجاوزُه **عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** ماغابَ وماشُوهِدَ **الْكَبِيْرُ** العظيمُ **الْمُتَعَالِ** ﴿۹﴾ على خلقِه بالقهرِ بياءٍ ودونِها **سَوَآءٌ مِّنْكُمْ** في علمِه تعالى **مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ** مستترٌ **بِالَّيْلِ** بظلامِه **وَسَارِبٌۢ** ظاهرٌ بذهابِه في سربِه اي طريقِه **بِالنَّهَارِ** ﴿۱۰﴾ **لَهٗ** للانسانِ **مُعَقِّبٰتٌ** ملائكةٌ تعتقبُه **مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ** قدامَه **وَمِنْ خَلْفِهٖ** ورائَه **يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ** اي بامرِه من الجنِ وغيرِهم **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ** لا يسلُبهم نعمتَه **حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ** من الحالةِ الجميلةِ بالمعصيةِ **وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا** عذابًا **فَلَا مَرَدَّ لَهٗ** من المعقباتِ ولا غيرِها **وَمَا لَهُمْ** لِمَنْ ارادَ اللّٰهُ تعالى بهم سوءً **مِّنْ دُوْنِهٖ** اي غيرِ اللّٰهِ **مِنْ** زائدة **وَّالٍ** ﴿۱۱﴾ يمنعُه عنهم **هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا** للمسافرِ

من الصواعقِ وَّطَمَعًا لـلمقيم فى المطرِ وَّيُنْشِئُ يخلقُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ بالمطر وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ هو مَلَكٌ مُوَكَّلٌ بالسحابِ يسوقُه مُتلبِّسًا بِحَمْدِهٖ اى يقولُ سبحانَ اللّٰهِ وبحمدِه وَ تسبحُ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ اى اللّٰهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ وهى نارٌ تخرجُ من السحابِ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ فتحرقُه نزلَ فى رجلٍ بعثَ اليهِ النبىُّ صلى اللّٰه عليه وسلم مَنْ يَدعُوه فقالَ مَنْ رسولُ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ امِن ذهبٍ هُوَ اَمْ مِنْ فضةٍ ام نحاسٍ فنزلتْ به صاعقةٌ فذهبتْ بقحفِ رأسِه وَهُمْ اى الكفارُ يُجَادِلُوْنَ يُخاصِمُونَ النبىَّ فِى اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ القوةِ اوالاخذِ لَهٗ تعالى دَعْوَةُ الْحَقِّ اى كلمتُه وهى لا الٰهَ الااللّٰهُ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ بالياءِ والتاءِ يعبدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اى غيره وهم الاصنامُ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ مما يطلُبونَه اِلَّا استجابةً كَبَاسِطِ اى كاستجابةِ باسطٍ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ على شفيرِ البيرِ يدعوه لِيَبْلُغَ فَاهُ بارتفاعِه من البيرِ اليه وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ اى فاهُ ابدًا فكذلكَ ماهم بمُستجيبينَ لهم وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ عبادتُهم الاصنامَ اوحقيقةُ الدعاءِ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ ضياعٍ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا كالمؤمنين وَّكَرْهًا كالمنافقينَ ومن أُكرِهَ بالسيفِ وَّ يَسْجُدُ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ البكرِ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ العشايا قُلْ يا محمدُ لقومِكَ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ اِنْ لم يقولوه لاجوابَ غيرُه قُلْ لهم اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اى غيره اَوْلِيَآءَ اصنامًا تعبدُونَها لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا وتركتم مالِكَهما استفهامُ توبيخٍ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ الكافرُو المؤمنُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ الكفر وَالنُّوْرُ الايمانُ لا اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ اى خلقُ الشركاءِ بخلقِ اللّٰهِ تعالى عَلَيْهِمْ فاعتقدُوا استحقاقَ عبادتِهم بخلقِهم استفهامُ انكارٍ اى ليس الامرُ كذلكَ ولايستحقُ العبادةَ الا الخالقُ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لا شريكَ له فيه فلا شريكَ له فى العبادةِ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ لعبادِه ثم ضربَ مثلاً للحقِ والباطلِ فقالَ تعالى اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مطرًا فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا بمقدارِ ملئِها فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا عالياً عليه هو ماعلى وجهه من قذرٍ ونحوه وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ بالتاءِ والياءِ عَلَيْهِ فِى النَّارِ من جواهرِ الارض كالذهبِ والفضةِ والنحاسِ ابْتِغَآءَ طلبَ حِلْيَةٍ زينةٍ اَوْ مَتَاعٍ يُنتفعُ به كالاوانِى اذا أُذِيبَتْ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ اى مثلُ زبدِ السَّيْلِ وهوخبثُه الذى ينفيه الكيرُ كَذٰلِكَ المذكورُ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ اى مثلهما فَاَمَّا الزَّبَدُ من السيلِ وما اوقدَ عليه من الجواهرِ فَيَذْهَبُ جُفَآءً باطلاً مرسيا به وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ من الماءِ والجواهرِ فَيَمْكُثُ يبقى فِى الْاَرْضِ زمانًا كَذٰلِكَ الباطلُ يضمحلُّ ويمحقُ وانْ عَلَا على الحقِ فى بعضِ الاوقاتِ والحقُ ثابتٌ باقٍ كَذٰلِكَ المذكورُ يَضْرِبُ يُبَيِّنُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ اجابُوه بالطاعةِ الْحُسْنٰى الجنةُ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ وهم

الکفار لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ من العذاب اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وهو المواخذۃ بکلِ ما عَمِلُوْہ ولا یُغفر منه شیٔ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ الفراش ہی.

ترجمہ: اللہ بخوبی جانتا ہے کہ مادہ کس چیز سے حاملہ ہے؟ آیا لڑکا ہے یا لڑکی اور ایک ہے یا متعدد وغیرہ وغیرہ اور مدت حمل میں جو کمی بیشی ہوتی ہے اس کو بھی جانتا ہے ہر چیز اس کے نزدیک مقدار اور تحدید کے ساتھ ہے کہ اس (مقررہ مقدار) سے تجاوز نہیں ہوتا، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے وہ عظیم اور اپنی مخلوق پر قوت کے ذریعہ غالب ہے، (المتعال میں) یاء اور بغیر یاء دونوں قراءتیں ہیں تم میں سے کوئی شخص خواہ آہستہ بات کرے یا زور سے، اللہ تعالیٰ کے علم میں سب برابر ہے اور وہ جو رات کی تاریکی میں چھپا ہو اور (یا) دن میں راستہ میں چلنے (پھرنے) کی وجہ سے ظاہر ہو ہر انسان کے ساتھ آگے پیچھے (نگرانی) کے لئے رات دن کی ڈیوٹی والے فرشتے لگے رہتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی نگرانی کرتے ہیں، یعنی اس کے حکم سے جن وغیرہ سے حفاظت کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حالات کو نہیں بدلتا یعنی اس کی نعمتوں کو سلب نہیں کرتا تا آں کہ وہ خود ان صفات کو نہ بدل دے جو اس میں ہیں یعنی اپنی صفات جمیلہ کو معصیت سے نہ بدل دے، اور جب کسی قوم کے بارے میں عذاب کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اسے کوئی نہیں ٹال سکتا خواہ نگران فرشتے ہوں یا اور کوئی اللہ تعالیٰ جن کو سزا دینے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے مقابلہ میں ان کا کوئی حامی نہیں ہوتا کہ ان کو عذاب سے بچا سکے (مِنْ والٍ) میں مِنْ زائدہ ہے وہی ہے جو تمہارے سامنے بجلی چمکاتا ہے جس سے مسافروں کو اندیشہ لاحق ہوتا ہے اور مقیمین کو بارش کی امید ہوتی ہے وہی ہے جو پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو پیدا کرتا ہے اور بادلوں کی گرج کہ وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں کے چلانے پر مقرر ہے حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتا ہے یعنی وہ سبحان اللّٰہ و بحمدہ کہتا ہے اور فرشتے اس کی یعنی اللہ کی ہیبت سے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ بجلیوں کو بھیجتا ہے اور وہ ایک قسم کی آگ ہے جو بادلوں سے نکلتی ہے سو وہ جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے تو وہ اس کو جلا ڈالتی ہے (آئندہ آیت) اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس کو دعوت دینے کے لئے آپ ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا، تو اس شخص نے کہا اللہ کا رسول کون؟ اور اللہ کیا؟ آیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا ہے یا تانبے کا ہے تو اس پر (آسمانی) بجلی گری اور اس کی سر کی کھوپڑی کو اچک لے گئی اور کفار اللہ کے بارے میں نبی ﷺ سے جھگڑ رہے ہوتے ہیں فی الواقع وہ زبردست قوت والا یا پکڑ والا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ برحق ہے اور اس کا کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" ہے اور وہ ہستیاں جن کو وہ پکارتے ہیں اس کے علاوہ اور وہ بت ہیں، بندگی کرتے ہیں ان کو کچھ بھی جواب نہیں دے سکتیں، اس چیز کے بارے میں جس کو وہ طلب کر رہے ہیں ان کو پکارنا تو قبولیت کے بارے میں ایسا ہے کہ کوئی پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر کنویں کے کنارے کھڑے ہو کر پانی سے کہے کہ اے پانی تو کنویں سے نکل کر میرے منہ میں پہنچ جا، حالانکہ وہ پانی اس کے منہ تک کبھی پہنچنے والا نہیں، اسی طرح وہ (اصنام) بھی ان کی پکار کا جواب دینے والے نہیں ہیں اور کافروں کا بتوں کی بندگی کرنا یا حقیقۃً ان کو پکارنا اکارتِ محض ہے (یعنی تیر بے ہدف ہے) (اور

اللہ ہی ہے) کہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز بخوشی جیسا کہ مومنین اور ناخوشی جیسا کہ منافقین اور وہ جس کو تلوار کے ذریعہ مجبور کر دیا گیا ہو اور سب چیزوں کے سایہ صبح و شام (اللہ کو) سجدہ کرتے ہیں، اے محمد ﷺ اپنی قوم سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ اور اگر وہ جواب نہ دیں تو خود ہی بتا دو کہ وہ اللہ ہے، اس لئے کہ اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں، (پھر) ان سے کہو کہ (جب حقیقت یہ ہے) تو کیا تم نے اللہ کے غیر (یعنی) بتوں کو کارساز بنا لیا جن کی تم بندگی کرتے ہو جو اپنے بھی نفع نقصان کے مالک نہیں اور تم نے نفع نقصان کے مالک کو چھوڑ دیا؟! یہ استفہام توبیخی ہے، (ان سے پوچھو) کیا نابینا اور بینا یعنی کافر اور مومن (اور) کفر کی تاریکی اور ایمان کی روشنی یکساں ہوتی ہے، نہیں ہوتی، اور اگر ایسا نہیں تو کیا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک ٹھہرا رکھے ہیں کہ جنہوں نے اللہ کے مانند کچھ پیدا کیا ہے جس کی وجہ سے شرکاء کی پیدا کردہ اللہ کی پیدا کردہ شئ ان پر مشتبہ ہوگئی؟ کہ ان کی تخلیق کی وجہ سے ان کو مستحق عبادت یقین کر لیا، یہ استفہام انکاری ہے، یعنی بات ایسی نہیں ہے اور خالق (حقیقی) کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں ہے، کہو ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں، لہٰذا عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں، وہ یکتا ہے (اور) اپنے بندوں پر غالب ہے، پھر حق و باطل کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا تو ندی (نالے) اپنی گنجائش کے مطابق اس کو لے کر بہہ نکلے پھر اس سیلاب نے پانی پر چڑھے جھاگوں کو اٹھا لیا وہ سطح آب پر آنے والا کوڑا کرکٹ وغیرہ ہے اور ارضیاتی دھاتوں میں سے مثلاً سونا اور چاندی، اور تانبا جس کو آگ میں تپاتے ہیں زیور بنانے کے لئے یا ساز و سامان بنانے کے لئے تاکہ ان سے استفادہ کیا جائے مثلاً برتن جبکہ اس کو پگھلایا جائے اسی طرح کے یعنی سیلاب کے جھاگوں کے مانند جھاگ ہیں اور وہ، وہ میل ہوتا ہے جس کو بھٹی الگ کر دیتی ہے، مذکورہ مثال کے مانند اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے، سیلاب اور پگھلائی ہوئی دھات کے جھاگ تو وہ ناکارہ ہو کر ختم ہو جاتے ہیں یعنی بیکار سمجھ کر پھینک دیا جاتا ہے، اور جس سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں کہ وہ پانی اور دھات ہے تو وہ زمین پر ایک زمانہ تک ٹھہر جاتا ہے، اور حق ثابت اور باقی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ مذکورہ مثال کی طرح مثالیں بیان کرتا ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی حکم برداری کی یعنی اطاعت کے ذریعہ فرمانبرداری کی، ان کے لئے جنت ہے، اور جن لوگوں نے کہ وہ کافر ہیں اس کی حکم برداری نہیں کی اگر ان کے لئے زمین میں جو کچھ ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو اس کو عذاب کے عوض میں دیدیں گے یہی ہیں وہ لوگ جن کے لئے برا حساب ہے اور وہ ان کے تمام اعمال کا مواخذہ ہے اس میں سے کچھ بھی معاف نہیں کیا جائیگا، اور جن کا ٹھکانہ جہنم ہے جو بُری جگہ ہے وہ برا بچھونا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَلْمُتَعَال اسم فاعل واحد مذکر غائب، (تَفَاعُلٌ سے) مصدر تَعَالِیٌ، اَلْمُتَعَال اصل میں المتعالی تھا آخر سے یاء حذف ہوگئی، مادہ عُلُوٌّ ہے، یہاں ثلاثی مجرد کو ثلاثی مزید میں لیجانے کا مقصد معنی میں زیادتی کو بیان کرنا ہے، اس کے معنی ہیں

برتر، بزرگ تر، المتعال میں دوقراءتیں ہیں یاء کے ساتھ یعنی المتعالی اور بغیر یاء کے یعنی المتعال.

قَوْلُهٗ: سوآء منکم الخ اس میں دوترکیبیں ہیں، ① سواءٌ خبر مقدم اور مَنْ اَسَرَّ و مَنْ جَھَرَ مبتداء مؤخر۔

سُوَال: جب مبتداء دو ہیں تو خبر بھی تثنیہ لانی چاہئے تھی یعنی سواء ان کہنا چاہئے تھا۔

جَوَاب: سواء چونکہ مصدر بمعنی مستو ہے لہٰذا اس میں واحد تثنیہ جمع سب برابر ہیں، ② سواء مبتداء اور اَسَرَّ القولَ الخ اس کی خبر۔

سُوَال: سواء نکرہ ہے اس کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: سواء کی صفت چونکہ منکم موجود ہے لہٰذا اس میں تخصیص پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے سواءٌ کا مبتداء بننا درست ہوگیا۔

قَوْلُهٗ: سارِبٌ یہ سربٌ سے اسم فاعل ہے بمعنی، راہ میں چلنے والا، گلیوں میں پھرنے والا، سارب کی جمع سَرْبٌ ہے جیسا کہ راکبٌ کی جمع رَکْبٌ آتی ہے سارِبٌ کا عطف من ھو مستخفٍ پر ہے نہ کہ مستخفٍ پر۔

قَوْلُهٗ: معقّبات یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور مُعَقِّبَةٌ کی جمع ہے (تفعیل) سے تعقیب مصدر ہے، باری باری سے روز وشب میں آنے والے فرشتے۔ (بیضاوی، وکبیر)

قَوْلُهٗ: تَعْتَقِبُ اس میں اشارہ ہے کہ مُعَقِّبَاتٌ اِعْتَقَبَ سے ہے، اصل میں مُتَعَقِّبَاتٌ تھا تاء کو قاف میں ادغام کردیا وہ ملائکہ جو آمد ورفت میں ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہیں، مراد وہ ملائکہ ہیں جو شب وروز میں ڈیوٹی بدلتے ہیں۔

قَوْلُهٗ: مَرَدَّ، اسم فعل، ٹالنا، لوٹانا۔

قَوْلُهٗ: مِنْ والٍ، مِنْ زائدہ ہے وَال اسم فاعل اصل میں والیٌ تھا (ض) یاء حذف کردی گئی، مددگار، حمایتی۔

قَوْلُهٗ: خوفًا وطمعًا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دونوں مصدریت کی وجہ سے منصوب ہیں تقدیر عبارت یہ ہے، لتخافوا خوفًا، وَلتطمعوا طمعًا، اور کہا گیا ہے یہ دونوں یُریکم کے کاف سے حال ہیں، ای حَالَ کو نکم خائفین و طامعین، ابوالبقاء نے کہا ہے کہ یہ دونوں اپنے اپنے فعلوں کے مفعول بھی ہوسکتے ہیں، (مگر زمخشری نے انکار کیا ہے) اور بعض حضرات نے اَلْبَرْقَ سے بھی حال قرار دیا ہے۔ (اعراب القرآن للدرویش)

قَوْلُهٗ: تُسَبِّحُ اس میں اشارہ ہے کہ الملائکة کا عطف الرَّعد پر ہے نہ کہ قریب پر۔

قَوْلُهٗ: بقحف، قُحف کھوپڑی، کاسۂ سر (جمع) اقحاف، قُحوف.

قَوْلُهٗ: ای کلمة اس میں اشارہ ہے کہ دعوت دعاء کے معنی میں نہیں ہے اور نہ بمعنی اَلدَّعوة المجابة کے معنی میں ہے۔

قَوْلُهٗ: اِستجابةً.

سُوَال: استجابة مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَاب: دو وجہ سے اول یہ کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوجائے اسلئے کہ مستثنیٰ متصل ہی اصل ہے، اور مستثنیٰ منہ استجابة

ہے جو یستجیبون سے مفہوم ہے اسلئے کہ فعل مصدر پر دلالت کرتا ہے دوسرے یہ کہ اگر استجابة کو مقدر نہ مانا جائے تو تشبیہ العرض بالذات لازم آئے گی جو کہ جائز نہیں ہے، اسلئے کہ استجابة عرض ہے اور باسط کفیه ذات، بتوں سے مراد مانگنے والے کو اس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو پانی سے کہہ رہا ہو کہ اے پانی تو میرے منہ میں آجا ظاہر ہے کہ یہ حماقت وسفاہت ہے اسلئے کہ پانی جماد ہے اس میں کسی کی فریاد سننے کی صلاحیت نہیں ہے، اسی طرح وہ شخص جو بتوں سے مرادیں مانگ رہا ہے وہ بھی سفیہ اور احمق ہے اسلئے کہ بت بھی جماد بے حس ہیں۔

قَوْلُهُ: غُدُوٌّ، غداة کی جمع ہے، صبح کا وقت۔

قَوْلُهُ: الآصال، یہ اصیل کی جمع ہے شام کا وقت۔

قَوْلُهُ: جُفَاءٌ بروزن غُرابٌ، باطل، بے فائدہ یقال، جَفَا الوادی و القدرُ یعنی وادی (ندی) اور ہانڈی نے جھاگ باہر نکال دیئے۔

قَوْلُهُ: اجابوه بالطاعة اس میں اشارہ ہے کہ استجابوا (استفعال) افعال کے معنی میں ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ یہاں طلب کے معنی مقصود نہیں ہیں۔

قَوْلُهُ: الجنة، اس کے اضافہ سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے الحُسْنٰی الجنة محذوف کی صفت ہے الجنةُ الحُسْنٰی، مبتداء مؤخر اور للذین الخ خبر مقدم ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

اَللّٰهُ یَعْلَمُ ما تَحمِلُ کُلُّ اُنثٰی (الآیة) رحم مادر میں کیا ہے؟ نر ہے یا مادہ، خوبصورت ہے بدصورت، خوش نصیب ہے یا بدنصیب، نیک ہے یا بد، طویل العمر ہے یا قصیر العمر، ناقص تولّد ہوگا یا کامل، یہ سب باتیں صرف اللہ ہی جانتا ہے اس کا علم بلا واسطہ ہے، نہ کسی آلہ کا محتاج اور نہ ذریعہ کا۔ غرضیکہ وہ ہر ذرہ کے بدلتے ہوئے حالات سے واقف ہے، قرائن اور تخمینہ سے کوئی حکیم یا ڈاکٹر جو کچھ اس معاملہ میں رائے دیتا ہے اس کی حیثیت ایک گمان اور اندازہ کی ہوتی ہے بسا اوقات واقعہ اس کے خلاف نکلتا ہے، الٹرا ساؤنڈ یا ایکسرے مشین کے ذریعہ حاصل ہونے والی معلومات بھی یقینی نہیں ہوتیں ان کا غلط ہونا بھی تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے اس کے علاوہ مشینوں کے ذریعہ معلومات حاصل کرنا ایک قسم کے مشاہدہ سے حاصل ہونے والا علم ہے جیسا کہ کوئی آپریشن کر کے نر و مادہ ہونے کو متعین کر لے، اس کا علم غیب سے کوئی تعلق نہیں غیب سے مراد وہ چیز ہے جو انسانی حواس سے غائب ہو یعنی نہ آنکھوں سے اور نہ آلات سے اس کو دیکھا جا سکے اور نہ کانوں اور آلات سے اسے سنا جا سکے اور نہ ناک سے سونگھا جا سکے اور نہ زبان سے چکھا جا سکے اور نہ ہاتھوں سے چھوا جا سکے، اور شہادت سے اس کے بالمقابل وہ چیزیں مراد ہیں کہ جو انسانی حواس مذکورہ کے ذریعہ معلوم کیا جا سکے مطلب یہ ہے کہ اس قسم کا علم غیب خاص اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ غائب کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح حاضر و مشاہد کو جانتا ہے، عمومی حالات میں بچہ کے رحم مادر میں رہنے کی مدت ۲۸۰ دن ہوتی اگر

کوئی عارض پیش نہ آئے۔

لہ مُعَقِّبٰتٌ مِنْ بینِ یَدَیْہِ وَمِنْ خلْفِہٖ (الآیۃ) یعنی بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو ہر حال میں براہِ راست خود دیکھ رہا ہے اور ہر ذرہ کی تمام حرکات وسکنات سے واقف ہے، بلکہ مزید براں اللہ کے مقرر کئے ہوئے نگرانِ کار بھی ہر شخص کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور اس کے پورے کارنامۂ زندگی کا رکارڈ محفوظ کرتے جاتے ہیں، بخاری شریف کی روایت ہے کہ رات اور دن کے نگران فرشتے الگ الگ ہیں ان کی ڈیوٹی صبح فجر کی نماز کے بعد اور عصر کے بعد تبدیل ہوتی ہے۔

فَلا مَرَدَّ لہ وَمَا لَھُمْ من دونِہٖ من والٍ، یعنی کسی کو بھی اس غلط فہمی میں نہ رہنا چاہئے کہ کوئی پیر یا فقیر یا کوئی جن یا فرشتہ ایسا زور آور ہے کہ تم خواہ کچھ بھی کرتے رہو وہ تمہاری نذروں اور نیازوں کی رشوت لے کر تم کو تمہارے برے اعمال کی پاداش سے بچالے گا۔

اِنَّ اللّٰہ لا یغیر ما بقومٍ حتی یغیّروا ما بانفسھِمْ (الآیۃ) اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی کفرانِ نعمت کا راستہ اختیار کرکے اور اللہ کے اوامر ونواہی سے اعراض کرکے اپنے احوال واخلاق کو نہیں بدل لیتا اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کا دروازہ بند نہیں فرماتے یعنی ان کے امن وعافیت کو آفت ومصیبت میں اس وقت تک تبدیل نہیں کرتے جب تک وہ قوم خود ہی اپنے اعمال واحوال کو برائی اور فساد میں تبدیل نہ کرے ورنہ تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا طرز عمل بدل دیتے ہیں۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں تغیر احوال سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی قوم اطاعت وشکر گذاری چھوڑ کر اپنے حالات میں بری تبدیلی پیدا کرلے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا حفاظت ورحمت کا طرز بدل دیتے ہیں۔

اس آیت کا عام طور پر جو یہ مفہوم بیان کیا جاتا ہے کہ کسی قوم میں اچھا انقلاب اس وقت تک نہیں آتا جبتک وہ خود اچھے انقلاب کے لئے اپنے حالات کو درست نہ کرے، اسی مفہوم میں یہ شعر مشہور ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

یہ بات اگرچہ ایک حد تک صحیح ہے مگر آیت مذکور کا یہ مفہوم نہیں ہے، اور اس کا صحیح ہونا بھی ایک عام قانون کی حیثیت سے ہے جو شخص خود اپنے حالات کی اصلاح کا ارادہ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کی امداد ونصرت کا وعدہ نہیں، بلکہ یہ وعدہ اسی حالت میں ہے کہ جب خود اصلاح کی فکر کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہدایت کے راستے تب ہی کھلتے ہیں جب خود ہدایت کی طلب موجود ہو، لیکن انعاماتِ الٰہیہ اس قانون کے پابند نہیں بسا اوقات اس کے بغیر بھی عطا ہوجاتے ہیں۔ (معارف)

ھو الَّذِیْ یُرِیکمُ البرق (الآیۃ) یعنی اللہ ہی کی ذات پاک ہے کہ جو تم کو برق وبجلی دکھلاتی ہے جو انسان کے لئے خوف بھی بن سکتی ہے کہ جس جگہ پڑجائے سب کچھ خاک کرڈالے، اور طمع وامید بھی ہوتی ہے کہ بجلی کی چمک کے بعد بارش آئے گی، جو انسانوں کی زندگی کا سہارا ہے۔

لہٗ دعوۃ الحق (الآیۃ) یعنی امید وبیم کے وقت اسی ایک خدا کو پکارنا چاہئے کیونکہ وہی ہر ایک کی پکار سنتا ہے اور قبول کرتا

ہے یہاں دعوت عبادت کے معنی میں ہے یعنی اس کی عبادت حق اور صحیح ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، کیونکہ کائنات کا خالق و مالک اور مدبر و متصرف صرف وہی ہے اس لئے عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے، اور دعوۃ کے معنی کلمہ کے بھی ہیں جیسا کہ مفسر علام نے صراحت کی ہے۔

اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لئے پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کنویں کی مَن (کنارے) پر کھڑا ہو کر اور دونوں ہاتھ پھیلا کر پانی سے کہے کہ اے پانی تو میرے منہ تک آجا! ظاہر بات ہے کہ پانی جامد اور لاشعور چیز ہے اسے یہ پتہ ہی نہیں کہ ہاتھ پھیلانے والا پیاسا ہے اور نہ اسے یہ پتہ کہ یہ ہاتھ پھیلانے والا مجھ سے اپنے منہ تک پہنچنے کا مطالبہ کر رہا ہے، اور نہ اس میں یہ قدرت کہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے اس کے منہ تک پہنچ جائے، اسی طرح یہ مشرک اللہ کے سوا جن بتوں کو پکارتے ہیں انھیں نہ یہ پتہ کہ کوئی انھیں پکار رہا ہے اور اس کی فلاں حاجت ہے اور نہ اس حاجت روائی کی ان میں قدرت ہی ہے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِیَۃٌ بقدرھا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تشبیہ و تمثیل کے پیرایہ میں حق و باطل کی حقیقت واضح کی ہے سورۂ بقرہ کے آغاز میں بھی منافقین کے لئے مثالیں بیان فرمائی ہیں، مثال سے مقصد بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرانا ہے۔

حق و باطل کی مثال:

اس آیت میں مذکورہ مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ نزول قرآن کو جو ہدایت اور بیان جامع ہے بارش کے نزول سے تشبیہ دی ہے، اسلئے کہ قرآن کا نفع بھی بارش کے نفع کی طرح عام ہے اور وادیوں کو دل سے تشبیہ دی ہے اسلئے کہ بارش کا پانی وادیوں اور ندی نالوں میں جا کر جمع ہوتا ہے اور بقدر وسعت پانی لے کر رواں ہو جاتا ہے جس طرح قرآن مومنوں کے دلوں میں قرار پکڑتا ہے۔

دونوں مثالوں کا حاصل یہ ہے کہ جیسا ان مثالوں میں میل کچیل برائے چندے (وقتی طور پر) اصلی چیز کے اوپر چڑھا ہوا نظر آتا ہے لیکن انجام کار وہ پھینک دیا جاتا ہے اور اصلی چیز رہ جاتی ہے اسی طرح باطل گو چند روز حق کے اوپر نظر آئے لیکن آخر کار باطل محو اور مغلوب ہو جاتا ہے اور حق باقی اور ثابت رہتا ہے۔

اسی طرح جب سونے چاندی وغیرہ کو بھٹی میں تپایا جاتا ہے تو میل کچیل اوپر آ کر اچھل کود شروع کر دیتا اور بڑی شان کے ساتھ کچھ دیر کے لئے اصل دھات پر چڑھ جاتا ہے اور سطح پر وہی نظر آتا ہے مگر کچھ ہی دیر کے بعد کوڑے دان کی نذر ہو جاتا ہے، اسی طرح باطل بظاہر کچھ دیر کے لئے حق کو مغلوب کر لیتا ہے مگر کچھ مدت کے بعد حق باطل سے اس طرح ٹکراتا ہے کہ باطل کا بھیجہ پاش پاش کر دیتا ہے۔

اُولٰئِكَ لھم سوء الحساب، بُری حساب فہمی یا سخت حساب فہمی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی خطاء اور کسی لغزش کو معاف نہ کیا جائے اور ہر قصور پر مواخذہ کیا جائے۔

قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کا محاسبہ اپنے ان بندوں سے کرے گا جو اس کے باغی بن کر دنیا میں رہے ہیں، بخلاف ان کے جنہوں نے اپنے خدا سے وفاداری کی ہے ان سے حساب یسیر یعنی ہلکا حساب لیا جائیگا، اور ان کی خدمات کے مقابلہ میں ان کی خطاؤں کو درگذر کیا جائیگا اور ان کے مجموعی طرز عمل کی بھلائی کو ملحوظ رکھ کر ان کی بہت سی کوتاہیوں سے صرف نظر کرلیا جائیگا اس کی مزید توضیح اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عائشہ رَضِحَالِلّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا سے ابوداؤد میں مروی ہے، حضرت عائشہ رَضِحَالِلّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے نزدیک کتاب اللہ میں سب سے زیادہ خوفناک آیت وہ ہے جس میں ارشاد ہے "**من یعمل سوءً ا یجزبه**" جو شخص کوئی برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائیگا، اس پر حضور نے فرمایا، عائشہ، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا کے مطیع وفرمانبردار بندے کو دنیا میں جو تکلیف بھی پہنچتی ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی کانٹا بھی اس کو چبھتا ہے تو اللہ اسے اس کے کسی قصور کی سزا قرار دیکر دنیا ہی میں اس کا حساب صاف کر دیتا ہے، آخرت میں تو جس سے بھی محاسبہ ہوگا وہ سزا پا کر رہے گا، حضرت عائشہ نے عرض کیا پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے؟ "**فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَسِیْرًا**" جس کا اعمال نامہ اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائیگا اس سے ہلکا حساب لیا جائیگا، حضور نے جواب دیا اس سے مراد صرف پیشی ہے مگر جس سے باز پرس ہوئی وہ تو مارا گیا۔

ونَزَلَ فی حمزةَ وابی جہل **اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ** فآمنَ به **كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى** لا یعلمه ولا یؤمن به لا **اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ** یَتعظُ **اُولُوا الْاَلْبَابِ**﴿۱۹﴾ اصحابُ العقولِ **الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ** الماخوذِ علیهم وهم فی عالمِ الذرِّ اَوْ كُلُّ عهدٍ **وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ**﴿۲۰﴾ بترکِ الایمان اوالفرائضِ **وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ** من الایمانِ والرحمِ وغیرِ ذلك **وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ** ای وعیدَه **وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ**﴿۲۱﴾ تقدَّمَ مثلُه **وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا** علی الطاعةِ والبلاءِ وعن المعصیةِ **ابْتِغَآءَ** طلبَ **وَجْهِ رَبِّهِمْ** لاغیرِه مِنْ اغراضِ الدُّنیا **وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا** فی الطاعةِ **مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ** یدفعونَ **بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ** كالجهلِ بالحلمِ والاذی بالصبرِ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ**﴿۲۲﴾ ای العاقبةُ المحمودةُ فی الدارِ الاٰخرةِ هی **جَنّٰتُ عَدْنٍ** اقامةٍ **یَّدْخُلُوْنَهَا** هم **وَمَنْ صَلَحَ** آمنَ **مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ** وان لم یعمَلُوْا بعملِهم یَكُوْنُوْنَ فی درجاتِهم تكرمةً لهم **وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ**﴿۲۳﴾ من ابوابِ الجنةِ او القصورِ اولَ دخولِهم للتهنیةِ یقولونَ **سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ** هذا الثوابُ **بِمَا صَبَرْتُمْ** بصبرِكُمْ فی الدنیا **فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ**﴿۲۴﴾ عُقباكم **وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ** بالكفرِ والمعاصِیْ **اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ** البعدُ من رحمةِ اللّٰهِ **وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ**﴿۲۵﴾ ای العاقبةُ السیئةُ فی الدارِ الاٰخرةِ وهی جهنمُ **اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ** یوسّعُه **لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ** یُضیقُه لِمَنْ یشاءُ **وَفَرِحُوْا** ای اهلُ مكةَ فرحَ بطرٍ **بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا** ای بما نالُوْه فیها **وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی** جنبِ حیوةِ **الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ**﴿۲۶﴾ شئٌ قلیلٌ یتمتّعُ به ویذهبُ.

ترجمہ: اور (آئندہ آیت) (حضرت) حمزہ اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی، کیا وہ شخص کہ جو یہ علم رکھتا ہو کہ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے جو اتارا گیا ہے وہ حق ہے اور اس پر ایمان بھی رکھتا ہے اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جو اندھا ہو، کہ نہ اس کو جانتا ہو اور نہ اس پر یقین رکھتا ہو، نہیں، نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہوتے ہیں، جو اللہ کے عہد (پیمان) کو پورا کرتے ہیں جو ان سے اس وقت لیا گیا تھا کہ جب وہ عالم ذر (یعنی چیونٹیوں) کی شکل میں تھے یا مطلقاً کسی عہد کو نہیں توڑتے، اور وہ ایمان یا فرائض کو ترک کرکے عہد کو توڑتے نہیں ہیں، اور جو اس کو جوڑتے ہیں جس کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور وہ (جس کا حکم دیا ہے) ایمان لانا ہے اور صلہ رحمی کرنا ہے وغیرہ وغیرہ، اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں یعنی اس کی وعید سے، اور بُرے حساب سے ڈرتے ہیں (اس جیسی آیت) سابق میں گذر چکی ہے، اور وہ اپنے رب کی رضامندی کی طلب کے لئے نہ کہ دنیاوی کسی غرض کے لئے طاعت پر اور مصیبت پر اور معصیت سے باز رہنے پر صبر کرتے ہیں اور نمازوں کو برابر قائم رکھتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے طاعت میں ظاہر اور پوشیدہ طور پر خرچ کرتے ہیں، اور بُرائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں مثلاً جہل کو بردباری سے اور تکلیف کو صبر سے یہی تو ہیں وہ جن کے لئے آخرت کا گھر ہے، یعنی دار آخرت میں اچھا انجام وہ جنت ہے جس میں وہ مقیم رہیں گے جہاں وہ خود بھی جائیں گے اور ان کے آباء اور ازواج اور اولاد میں سے جو ایمان لائے ہوں گے وہ بھی جائیں گے اگرچہ انہوں نے ان کے جیسا عمل نہ کیا ہو وہ بھی ان ہی کے درجوں میں ہوں گے اور یہ ان کے اکرام کے طور پر ہوگا، اور فرشتے ان کے پاس جنت کے ہر دروازہ سے آئیں گے یا محفلوں کے ہر دروازہ سے آئیں گے، فرشتوں کا دخول اوّلی مبارکبادی کے لئے ہوگا وہ کہیں گے تمہارے اوپر سلامتی ہو یہ اجر وثواب تم کو اس صبر کے بدلے میں ہے کہ جو تم نے دنیا میں کیا، کیا ہی اچھا بدلہ ہے تمہارے لئے دار آخرت کا اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں اور جس کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، اسے توڑتے ہیں، اور کفر ومعاصی کے ذریعہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے اوپر لعنت ہے (یعنی) اللہ کی رحمت سے دوری ہے، اور ان کے لئے برا گھر ہے، یعنی آخرت میں ان کے لئے برا انجام ہے اور وہ جہنم ہے، اللہ جس کی روزی چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے گھٹا دیتا ہے اور اہل مکہ تو دنیوی زندگی میں اترا کر مست ہوگئے، یعنی اس پر جو ان کو دنیوی زندگی میں حاصل ہوا اور دنیوی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں نہایت حقیر پونجی ہے، اس سے استفادہ کرتا ہے اور (پھر) چھوڑ کر (دنیا سے) رخصت ہوجاتا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اَفَمَنْ یَعْلَمُ ہمزہ فعلِ محذوف پر داخل ہے اور فاء عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے أیَستوی المؤمن والکافر فمن یعلم الخ.

قَوْلُہٗ: لا اس میں اشارہ ہے کہ استفہام انکاری بمعنی نفی ہے۔

قَوْلُہٗ: اُولٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدار یہ جملہ الذین صبروا مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: هِیَ اس میں اشارہ ہے کہ جنّٰتُ عدنٍ مبتداء محذوف کی خبر ہے نہ کہ عُقْبَى الدار سے بدل جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے۔

قَوْلُہٗ: یدخلونها هم.

سُؤال: هم مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَواب: تاکہ مَنْ صَلَحَ کا عطف یدخلونها کی ضمیر پر درست ہو جائے، اسلئے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کے لئے ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید لانا ضروری ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: یقولون، یقولون کو مقدر ماننا تاکہ کلام مربوط و منظم ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: بما نالوا فیها، یعنی دنیوی زندگی تو ہر شخص کو حاصل ہے نفس زندگی پر اترانا مراد نہیں ہے بلکہ دنیاوی زندگی میں ان کو جو کچھ حاصل ہوا اس پر اترانا اور بے جا فخر کرنا مراد ہے۔

تفسیر و تشریح

اَفَمَنْ یَعْلَمُ اَنَّمَا انزلَ الیك الخ یعنی ایک وہ شخص جو قرآن کی حقانیت اور صداقت پر یقین رکھتا ہو اور دوسرا اندھا ہو یعنی اسے قرآن کی صداقت میں شک ہو، کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟! استفہام انکار کے لئے ہے یعنی یہ اسی طرح برابر نہیں ہو سکتے جس طرح جھاگ پانی کے، اور سونا چاندی اور ان کا میل کچیل برابر نہیں ہو سکتے۔

اور جن کے پاس عقلِ سلیم اور قلبِ صحیح نہ ہو اور انہوں نے اپنے دلوں کو گناہوں کی کثافت سے آلودہ اور اپنی عقلوں کو خراب کر لیا ہو وہ اس قرآن سے نصیحت حاصل نہیں کر سکتے، الذین یؤمنون بعهد اللّٰه الخ یہ اہل دانش کی صفات بیان کی جا رہی ہیں۔

سُؤال: اللہ کے عہد سے کیا مراد ہے۔

جَواب: اللہ کے عہد سے مراد اس کے احکام (اوامر و نواہی) ہیں جنہیں وہ بجا لاتے ہیں، یا وہ عہد ہے جو عہد الست کہلاتا ہے، اور عہد و پیمان میں وہ قول و قرار بھی داخل ہیں جنہیں لوگ آپس میں کرتے ہیں۔

اور اہل دانش کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ کسی سے بھی کئے گئے عہد و میثاق کی خلاف ورزی نہیں کرتے ان میں وہ عہد و پیمان بھی شامل ہیں جو اللہ سے کئے ہیں اور وہ بھی جو اللہ کے رسول کے لئے ہوں اور آپسی عہد و معاہدے بھی۔

وَالذین یَصِلون ما اَمر اللّٰه به الخ یعنی رشتوں اور قرابتوں کو توڑتے نہیں ہیں بلکہ ان کو جوڑتے اور قائم رکھتے ہیں

مشہور تفسیر تو یہی ہے کہ رشتہ داری کے تعلقات کو قائم رکھتے ہیں اور ان کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان کے ساتھ عمل صالح کرتے ہیں یا آنحضرت ﷺ اور قرآن پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ پچھلے انبیاء اور ان کی کتابوں پر ایمان کو ملا دیتے ہیں۔ (معارف)

اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے بچتے ہیں تکلیفوں اور آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں، اور حدود اللہ سے تجاوز کر کے من مانی زندگی بسر نہیں کرتے، اور جب خرچ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اپنوں اور بیگانوں میں امتیاز کئے بغیر علانیہ اور پوشیدہ طور پر خرچ کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کے ساتھ برائی سے پیش آتا ہے وہ بھلائی سے پیش آتے ہیں یا عفو درگذر اور صبر جمیل سے کام لیتے ہیں۔

یدخلونھا ومن صلح (الآیۃ) یعنی اس طرح اللہ تعالیٰ قرابتداروں کو جمع کردے گا تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں حتی کے ادنیٰ درجہ کے جنتی کو اعلیٰ درجہ عطا فرمادے گا تاکہ وہ اپنے قرابتداروں کے ساتھ جمع ہو جائیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نیک رشتہ داروں کو جمع فرمادے گا اور جس کے پاس ایمان کو پونجی نہیں ہوگی وہ جنت میں نہیں جائیگا خواہ وہ جنتی کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا من اهل مكة **لَوْلَا** هلا **أُنزِلَ عَلَيْهِ** على محمد **آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ** كالعصا واليد والناقة **قُلْ** لهم **إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ** اضلاله فلا تغني الآيات عنه شيئًا **وَيَهْدِي** يُرشد **إِلَيْهِ** الى دينه **مَنْ أَنَابَ** ﴿۲۷﴾ رجع اليه ويُبدل مِن مَن **الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ** تسكن **قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ** اى وعده **أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ** ﴿۲۸﴾ اى قلوبُ المؤمنين **الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** مبتدأ خبره **طُوبَىٰ** مصدرٌ من الطيب اوشجرةٌ في الجنةِ يسيرُ الراكبُ في ظلها مائةَ عام ما يقطعُها **لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ** ﴿۲۹﴾ مرجع **كَذَٰلِكَ** كما ارسلنا الانبياءَ قبلك **أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ** تقرأ **عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ** اى القرآنَ **وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ** حيثُ قالوا لمّا أُمروا بالسجودِ لهُ وما الرحمنُ **قُلْ** لهم يا محمدُ **هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ** ﴿۳۰﴾ ونزلَ لمّا قالُوا له ان كنتَ نبيًّا فسيّرْ عنّا جبالَ مكةَ واجعلْ لنا فيها انهارًا وعيونًا لِنغرسَ ونزرعَ وابعثْ لنا آبائَنا الموتىٰ يُكلِّمونا انّك نبيٌّ **وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ** نُقلتْ عن اماكنِها **أَوْ قُطِّعَتْ** شُققتْ **بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ** بأنْ يحيوا لما آمنُوا **بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا** لا بغيره فلا يُؤمِنُ الّا مَنْ يشاءُ اللّهُ ايمانَه دونَ غيره وان أُوتوا ما اقترحُوا ونزلَ لما ارادَ الصحابةُ اظهارَ مااقترحُوا طمعًا في ايمانِهم **أَفَلَمْ يَيْأَسِ** يَعلَمْ **الَّذِينَ آمَنُوا أَن** مخففة اى أنّهُ **لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا** الى الايمانِ من غيرِ آيةٍ **وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا** من اهلِ مكةَ **تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا** بصُنعهم اى بكُفرِهم **قَارِعَةٌ** داهيةٌ تقرعُهم بصنوفِ البلاءِ من القتلِ والاسرِ والحربِ

والجدب اَوْتَحُلُّ یا محمدُ بجیشك قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ مکةَ حَتّٰی یَاْتِیَ وَعْدُ بالنصرِ علیهم اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿٣١﴾ وقد حلّ بالحُدَیبیةِ حتی اتٰی فتحُ مکةَ.

ترجمہ: اور اہل مکہ میں سے کافر کہتے ہیں کہ محمد ﷺ پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی (معجزہ) عصا اور ید بیضاء اور ناقۂ صالح جیسی کیوں نہیں اتاری گئی؟ ان سے کہہ دو کہ اللہ جس کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس کو بے راہ کر دیتے ہیں نشانیاں (معجزات) اس کو کچھ بھی فائدہ نہیں دیتے، اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کی اپنے دین کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور مَنْ سے اَلَّذِیْنَ آمنوا، بدل ہے، جو لوگ ایمان لائے ان کے قلوب اللہ کے ذکر یعنی اس کے وعدہ سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی مومنوں کے دلوں کو تسلی ہوتی ہے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کئے ان کے لئے خوشحالی ہے اور بہترین ٹھکانہ ہے (اَلَّذِیْنَ آمنوا) مبتداء ہے اور (طوبٰی) اس کی خبر ہے (طوبٰی) الطیب سے مصدر ہے یا جنت میں ایسا درخت ہے کہ (گھوڑ) سوار اس کے سایہ میں سو سال تک چلے گا تب بھی اس کی مسافت طے نہ کر سکے گا، یعنی جس طرح آپ سے پہلے ہم نے انبیاء بھیجے اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں بھیجا ہے کہ جس سے پہلے بہت سی امتیں گذر چکی ہیں تاکہ آپ ﷺ ان کو وہ قرآن پڑھ کر سنائیں جس کو ہم نے آپ کی طرف بذریعہ وحی بھیجا ہے، یہ رحمٰن کے منکر ہیں اسلئے کہ جب ان سے کہا گیا کہ رحمٰن کو سجدہ کرو، تو انہوں نے کہا رحمٰن کیا چیز ہے؟ آپ کہئے کہ میرا پروردگار تو وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے، اور (آئندہ آیت اس وقت) نازل ہوئی کہ جب کفار مکہ نے آپ ﷺ سے کہا اگر تم نبی ہو تو مکہ کے پہاڑوں کو ہمارے یہاں سے ہٹا دو اور ہمارے لئے مکہ میں نہریں اور چشمے جاری کر دو، تاکہ ہم درخت لگائیں اور کھیتی کریں اور ہمارے مردہ آباء و اجداد کو زندہ کر دو تاکہ وہ ہمیں بتائیں کہ تم اللہ کے نبی ہو، اور اگر بالفرض کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ جس کے ذریعہ پہاڑ اپنی جگہ سے منتقل کر دیئے جاتے یا زمین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے یا اس کے ذریعہ مُردوں سے باتیں کرا دی جاتیں بایں طور کہ ان کو زندہ کر دیا جاتا، تو پھر بھی یہ ایمان نہ لاتے، بلکہ پورا اختیار اللہ ہی کو ہے نہ کہ کسی اور کو، تو بھی کوئی ایمان نہ لاتا مگر وہی جس کے ایمان کو اللہ چاہتا نہ کہ دوسرا، اگرچہ ان کی مطلوبہ نشانیاں دکھا دی جاتیں، اور (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جبکہ صحابہ نے اہل مکہ کے ایمان کی خواہش کرتے ہوئے ان کی مطلوبہ نشانیوں کو ظاہر کرنے کی تمنا کی تو کیا ایمان والے اس بات کو نہیں جانتے کہ بات یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو بغیر نشانی کے سب لوگوں کو ایمان کی ہدایت دیدیتا اور کافروں (یعنی) اہل مکہ پر ان کے کرتوتوں یعنی کفر کی بدولت مختلف قسم کے ایسے حوادث مسلسل پہنچتے رہیں گے جو ان کو جھنجوڑتے رہیں گے مثلاً قتل اور قید اور جنگ اور خشک سالی اے محمد آپ اپنے لشکر کے ساتھ مکہ کے قریب (حدیبیہ میں) نزول فرمائیں گے یہاں تک ان کے خلاف اللہ کا نصرت کا وعدہ آجائے یقیناً اللہ (اپنے) وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور آپ نے حدیبیہ میں نزول فرمایا یہاں تک کہ مکہ کی فتح آگئی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ھَلَّا، لَوْلَا کی تفسیر ھَلَّا سے کرکے اشارہ کردیا کہ لولا تحضیضیہ ہے۔
قولہ: ویبدل مِنْ مَنْ یعنی مَنْ اناب سے اَلَّذِیْنَ آمنوا الخ جملہ ہوکر بدل الکل ہے۔
قولہ: الذین آمنوا میں ترکیب کے اعتبار سے پانچ صورتیں ہوسکتی ہیں ① الذین آمنوا مبتداء اور بعد میں آنے والا اَلَّذِیْنَ آمنوا جملہ ہوکر اس کی خبر اور درمیان میں وتطمئنُّ قلوبھم بذکر اللّٰہ، جملہ معترضہ، ② اَلَّذِیْنَ آمنوا، مَنْ اناب سے بدل الکل، ③ اَلَّذِیْنَ آمنوا، مَنْ کا عطف بیان ہو، ④ مبتداء محذوف کی خبر ہو، ای ھم الذین آمنوا ⑤ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہو ای امْدَحُ اَلَّذِیْنَ آمنوا.
قولہ: ای وعدہ، ذکر اللّٰہ کی تفسیر وعدہ سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں عام بول کر خاص مراد ہے ورنہ ذکر اللہ وعدہ اور وعید دونوں کو شامل ہے اور وعید سے قلوب مطمئن ہونے کے بجائے مضطرب ہوتے ہیں مفسر علام نے ای وعدہ سے اسی سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔
قولہ: طوبیٰ، خوبی، خوش حالی، جنت کے درخت کا نام، علامہ آلوسی نے طوبی کو طاب یطیبُ (ض) کا مصدر بتایا ہے جیسا کہ بشریٰ، زُلفیٰ اور یاء ساکن اپنے ماقبل ضمہ ہونے کی وجہ سے واؤ سے بدلی ہوئی ہے اصل میں طیبیٰ تھا۔
قولہ: فَسَیِّر عنا، ای سیِّر بقراء تِکَ عنا جبالَ مکۃ.
قولہ: شُقِّقَتْ یعنی آپ کی قراءت کی وجہ سے زمین شق ہوکر اس میں سے چشمے اور نہریں جاری ہوجاتیں، اور بعض نے کہا ہے قُطعت کا مطلب ہے قرآن کے ذریعہ طیّ الارض یعنی سرعت کے ساتھ آناً فاناً مسافت طے ہوجایا کرے۔
قولہ: لَمَا آمنوا یہ لَوْ کا جواب ہے جو کہ محذوف ہے۔
قولہ: لا بغیرہ اس میں اشارہ ہے کہ لِلّٰہ الامر جمیعا، اصل عبارت ہے الامر جمیعا لِلّٰہ جار مجرور کو اختصاص کے لئے مقدم کردیا جس کو مفسر علام نے لا بغیرہ کہہ کر ظاہر کردیا ہے۔
قولہ: یعلم، یَیْئَس کی تفسیر یعلمُ سے کی ہے یعنی لم یَیْئَسو کی تفسیر لم یعلموا سے لغت بنی نخع یا ہوازن کے مطابق ہے اور یا یــــأس کے علم کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے کی ہے اس لئے کہ جو شخص مایوس ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ کام ہونے والا نہیں ہے۔
قولہ: بصنعھم ما صنعوا کی تفسیر بصنعھم سے کرکے اشارہ کردیا کہ ما، مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ، لہٰذا عدم عائد کا اعتراض واقع نہ ہوگا۔
قولہ: الدّاھیۃ، الامر العظیم.

تفسیر وتشریح

ویقول الذین کفروا یعنی یہ مشرکین مکہ از راہ طعن وعناد کہتے تھے کہ یہ صاحب جو مدعی نبوت پیدا ہوئے ہیں آخر اپنے خدا کے یہاں سے کوئی معجزہ ہماری پسند کا کیوں نہیں لا دیتے؟

الذِیْنَ آمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللّٰہ، ذکر اللّٰہ سے مراد توحید کا بیان ہے جس سے مومنوں کے دلوں میں انشراح اور کافروں کے دل میں انقباض پیدا ہوتا ہے یا خدا کی بندگی، تلاوت قرآن، نوافل اور دعاء ومناجات مراد ہیں جو اہل ایمان کے دلوں کی خوراک ہے، یا اس کے احکام وفرائض کی بجا آوری مراد ہے جس کے بغیر اہل ایمان وتقویٰ بے قرار رہتے ہیں، یعنی ذکر الٰہی کی خاصیت ہی یہ ہے کہ یہ انسان کے قلب کو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے الجھاوے سے بچا دیتا ہے، اور شرک سے جو انتشار ذہنی پیدا ہوتا ہے یقیناً توحید اس کے لئے تریاق کا کام دیتی ہے، البتہ اس اطمینان کے بھی مختلف درجے ہیں جس درجہ کا ذکر الٰہی ہوتا ہے اسی نسبت سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔

ذکر الٰہی کے آثار میں سے ایک اثر خوف وخشیت کا ہے "اِذَا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم" لیکن یہ ماسوا کی طرف سے اطمینان اور فراغت، خوف خدا کے منافی بالکل نہیں بلکہ یہ دونوں کیفیتیں تو عین ایک دوسرے کی متمم اور مکمل ہیں۔

کذالك اَرْسلنٰكَ فی امّۃ الخ جس طرح ہم نے آپ کو تبلیغ رسالت کے لئے بھیجا ہے اسی طرح پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے، ان کی بھی اسی طرح تکذیب کی گئی تھی اور جس طرح تکذیب کے نتیجہ میں وہ قومیں عذاب الٰہی سے دوچار ہوئیں انہیں بھی اس انجام سے بے فکر نہیں رہنا چاہئے۔

مشرکین مکہ "رحمٰن" کے لفظ سے بہت بدکتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی جب بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم کے الفاظ لکھے گئے تو انہوں نے کہا تھا کہ یہ رحمٰن اور رحیم کیا ہے؟ ہم نہیں جانتے۔ (ابن کثیر)

شانِ نزول:

لَوْ اَنَّ قرآنًا سُیِّرت بہ الجبال الخ مشرکین مکہ نے یہود کی تعلیم وترغیب سے اس قسم کی فرمائشیں کی تھیں کہ دعویٰ تو پیغمبری کا ہے مگر داؤد علیہ الصلاۃ والسلام پیغمبر کی طرح پہاڑوں کی تسخیر کا تماشا کیوں نہیں دکھا دیتے، یا سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام بن داؤد کی طرح ہوا کے دوش پر سفر کیوں نہیں کرواتے یا عیسیٰ نبی اللہ کی طرح مردوں سے کیوں گفتگو نہیں کرا دیتے۔ مذکورہ آیت ان ہی بیہودہ فرمائشوں کے جواب میں نازل ہوئی، تفسیر بغوی میں اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

مشرکین مکہ جن میں ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن امیہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، ایک روز بیت اللہ کے پیچھے جا کر بیٹھ گئے اور عبداللہ بن امیہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، اس نے کہا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ قوم اور ہم سب آپ کے رسول ہونے کو تسلیم کرلیں تو ہمارے چند مطالبات ہیں اپنے قرآن کے ذریعہ ان کو پورا کر دیجئے تو ہم سب اسلام قبول کرلیں گے۔

مطالبات میں ایک تو یہ تھا کہ شہر مکہ کی زمین بڑی تنگ ہے چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے اور زمین بھی سنگ لاخ ہے جس میں نہ کاشت وزراعت کی گنجائش نہ باغات کی اور دوسری ضروریات کی، آپ معجزے کے ذریعہ ان پہاڑوں کو دور ہٹا دیجئے، تاکہ مکہ کی زمین کشادہ ہوجائے آخر آپ کے کہنے کے مطابق داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے پہاڑ مسخر کردیئے گئے تھے، اور داؤد علیہ الصلاۃ والسلام تسبیح پڑھتے تو پہاڑ بھی تسبیح پڑھتے، آپ بقول خود اللہ کے نزدیک داؤد علیہ الصلاۃ والسلام سے کم تو نہیں ہیں۔

دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ جس طرح سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے آپ کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہوا کو مسخر کرکے زمین کے بڑے بڑے فاصلوں کو مختصر کردیا تھا آپ بھی ہمارے لئے ایسا ہی کردیں کہ ہمارے لئے شام ویمن وغیرہ کے سفر آسان ہوجائیں۔

تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ جس طرح عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مردوں کو زندہ کردیتے تھے آپ ان سے کچھ کم تو ہیں نہیں آپ بھی ہمارے لئے ہمارے دادا قصی کو زندہ کردیجئے تاکہ ہم ان سے یہ دریافت کرسکیں کہ آپ کا دین سچا ہے یا نہیں۔

(معارف، مظهری، بحواله بغوی و ابن ابی حاتم و ابن مردویه)

مذکورہ آیت میں تسییر جبال سے مراد پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا اور **قطعت به الارض** سے مراد مختصر وقت میں طویل مسافت طے کرنا جس کو طی الارض کہا جاتا ہے، اور کلم به الموتی سے مردوں کو زندہ کرکے ان سے کلام کرنا مراد ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر قرآن کے ذریعہ بطور معجزہ ان کے یہ مطالبات پورے کرا دیئے جائیں تب بھی وہ ایمان لانے والے نہیں کیونکہ وہ ان مطالبات سے پہلے ایسے معجزات کا مشاہدہ کرچکے ہیں جو ان کے مطلوبہ معجزات سے بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہوجانا، پہاڑوں کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے سے اور تسخیر ہوا سے کہیں زیادہ حیرت انگیز ہے، اسی طرح بے جان کنکریوں کا آپ کے دست مبارک میں بولنا اور تسبیح کرنا کسی مردہ انسان کے دوبارہ زندہ ہوکر بولنے سے کہیں زیادہ عظیم معجزہ ہے، لیلۃ المعراج میں مسجد اقصیٰ اور وہاں سے آسمانوں کا سفر اور بہت مختصر وقت میں واپسی تسخیر ہوا اور تخت سلیمانی کے اعجاز سے بہت زیادہ عظیم ہے مگر یہ ظالم یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی جب ایمان نہ لائے تو اب ان مطالبات سے بھی ان کی نیت محض دفع الوقتی معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ جب ہمارے مطلوبہ معجزے پیش نہ کئے جائیں گے تو ہمیں یہ کہنے کا موقع مل جائیگا کہ یہ اللہ کے نبی نہیں ہیں اسلئے کہ اگر یہ اللہ کے سچے نبی ہوتے تو ہمارے مطلوبہ معجزے دکھا دیتے۔

اَفَلَمْ یایئس الذین آمنوا الخ امام بغوی نے نقل کیا ہے کہ صحابۂ کرام نے جب مشرکین کے یہ مطالبات سنے تو یہ تمنا کرنے لگے کہ بطور معجزہ کے یہ مطالبات پورے کردیئے جائیں تو بہتر ہے سارے مکہ والے مسلمان ہوجائیں گے، اور اسلام کو بڑی قوت حاصل ہوجائے گی اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کے معنی یہ ہیں کہ کیا اہل ایمان ان مشرکوں کی حیلہ جوئی اور معاندانہ بحثوں کو دیکھنے اور جاننے کے باوجود اب تک ان کے ایمان لانے سے مایوس نہیں ہوئے ہیں کہ ایسی تمنا کرنے لگے جبکہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب ہی انسانوں کو ایسی ہدایت دیدیتا کہ وہ ایمان لائے بغیر نہ رہ سکتے مگر حکمت کا تقاضا یہ نہ تھا کہ سب کو ایمان واسلام پر مجبور کردیا جائے بلکہ حکمت یہی تھی کہ ہر شخص کا اپنا اختیار باقی رہے اپنے

اختیار سے اسلام کو پسند کرے یا کفر کو۔

وَلَا یزالُ الذین کفروا الخ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قارعة کے معنی مصیبت اور آفت کے ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں کے مطلوبہ معجزے اس لئے پورے نہیں کئے گئے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ مطلوبہ معجزے دیکھنے کے بعد بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے، تو اللہ کے نزدیک یہ اسی کے مستحق ہیں کہ ان پر دنیا میں بھی آفتیں اور مصیبتیں آئیں جیسا کہ اہل مکہ پر کبھی قحط کی مصیبت آئی اور کبھی اسلامی غزوات، بدر وغیرہ میں ان کے قتل وقید ہونے کی آفت نازل ہوئی، کسی پر بجلی گری اور کوئی کسی بلا میں مبتلا ہوا۔ (معارف)

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ كما استُهزِئَ بكَ وهذا تسليةٌ للنبي صلى الله عليه وسلم فَأَمْلَيْتُ امهلتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ بالعقوبةِ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اى هو واقعٌ موقعه فكذلك افعلُ بمَن استهزأ بك أَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ عَمِلَتْ من خيرٍ وشرٍ وهو اللّٰهُ كمَنْ ليس كذلكَ من الاصنام لا، دلَّ على هذا وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ قُلْ سَمُّوْهُمْ له مَن هم اَمْ بَلْ أ تُنَبِّئُوْنَهٗ تُخبِرونَ اللّٰهَ بِمَا اى بشريكٍ لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ استفهامُ انكارٍ اى لا شريكَ له اِذ لو كان لَعَلِمَهُ تعالى عن ذلك اَمْ بل أتُسمُّونهم شركاءَ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بظنٍ باطلٍ لا حقيقةَ له فى الباطن بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ كفرُهم وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ طريقِ الهدى وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بالقتلِ والاسر وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ اشدُّ منه وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ اى عذابه مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مانعٍ مَثَلُ صفةُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ مبتدأٌ خبرُه محذوفٌ اى فيما نقصُّ عليكم تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُكُلُهَا ما يُؤكَلُ فيها دَآئِمٌ لا يفنى وَّظِلُّهَا دائمٌ لا تنسخه شمسٌ لعدمِها فيها تِلْكَ اى الجنةُ عُقْبَى عاقبةُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا الشركَ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ كعبدِ اللّٰه بنِ سلامٍ وغيرِه من مُؤمِنى اليهودِ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ لموافقتِه ما عندَهم وَمِنَ الْاَحْزَابِ الذينَ تحزَّبوا عليك بالمعاداتِ مِنَ المشركينَ واليهودِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ كذكرِ الرحمٰنِ وما عدا القصصِ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ فيما أُنزلَ اليَّ اَنْ اى بأنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ مرجعي وَكَذٰلِكَ الانزالُ اَنْزَلْنٰهُ اى القرآنَ حُكْمًا عَرَبِيًّا بلغةِ العربِ تحكُم به بينَ الناسِ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ اى الكفارَ فيما يَدْعُوْنَكَ اليه من ملتِهم فرضًا بَعْدَمَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ بالتوحيدِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ زائدةٌ وَّلِىٍّ ناصرٍ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ مانعٍ من عذابه۔

ترجمہ: یقیناً آپ سے پہلے (بھی) رسولوں کا مذاق اڑایا گیا جیسا کہ آپ کا مذاق اڑایا گیا، اور یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے، تو میں نے کافروں کو ڈھیل دی پھر میں نے ان کو سزا میں پکڑ لیا پس میرا عذاب کیسا رہا یعنی وہ اپنے محل میں واقع ہوا، تو

میں ہر اس شخص کے ساتھ ایسا ہی کروں گا جو آپ کا مذاق اڑائیگا، کیا وہ ذات جو ہر متنفس کے اچھے برے عمل کی نگراں ہے اور وہ اللہ ہے، اس کے مانند ہوگا کہ جو ایسا نہیں ہے کہ وہ بت ہیں نہیں، اس (حذفِ جواب) پر **وَجَعَلُوا لِلّٰہِ الخ** دلالت کر رہا ہے، آپ ان سے کہئے کہ ان کے نام تو بتاؤ وہ کون ہیں؟ بلکہ تم اللہ کو اس کے شریک کی خبر دے رہے رہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا، استفہام انکاری ہے یعنی اس کا کوئی شریک نہیں اسلئے کہ اگر (شریک) ہوتا تو وہ اس کے علم میں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے، یا تم نے یوں ہی یہ بات گمان باطل سے کہی ہے کہ واقع میں اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کافروں کے لئے ان کے مکر کو یعنی کفر کو آراستہ کر دیا گیا ہے، اور ان کو راہِ ہدایت سے روکدیا گیا ہے اور اللہ جس کو گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ان کے لئے دنیوی زندگی میں قتل وقید کا عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو اس سے بہت ہی زیادہ سخت ہے اور انھیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں اس جنت کی صفت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے، (**الجنة التی الخ**) مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے، اور وہ **فیما نقصُّ علیکم** ہے، اس میں نہریں جاری ہوں گی اور اس کے پھل دائمی ہوں گے (یعنی) جنت کے ماکولات دائمی ہوں گے وہ کبھی فنا نہ ہوں گے اور اس کا سایہ بھی دائمی ہوگا، اس کو سورج ختم نہ کر سکے گا، اس لئے کہ جنت میں سورج نہیں ہوگا یہ یعنی جنت ان لوگوں کا انجام ہوگا جو شرک سے بچتے رہے ہوں گے اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگی اور وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے جیسا کہ عبداللہ بن سلام مومنین یہود میں سے اس سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا جاتا ہے اس کے مطابق ہونے کی وجہ سے جو ان کے پاس ہے اور یہود و مشرکین کے کچھ گروہ جو دشمنی کی وجہ سے متحدہ محاذ بنا کر آپ پر حملہ آور ہوئے وہ ہیں جو قرآن کی بعض باتوں کا انکار کرتے ہیں اور قصوں کے علاوہ (احکام) کا انکار کرتے ہیں آپ اعلانیہ کہہ دیجئے کہ جو چیز مجھ پر نازل کی گئی ہے مجھے تو اس میں حکم دیا گیا ہے کہ میں (صرف) اللہ کی بندگی کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں، میں اسی کی طرف بلا رہا ہوں، اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے اور اسی طرح ہم نے قرآن کو عربی کا فرمان بنا کر عربی زبان میں نازل کیا تاکہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان فیصلے کریں، اور اگر آپ کے پاس توحید کا علم آنے کے بعد آپ نے کفار کی خواہشات کی بالفرض اگر ان باتوں میں جس کی طرف وہ آپ کو دعوت دے رہے ہیں اتباع کرلی تو اللہ کی جانب سے نہ آپ کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ اس کے عذاب سے کوئی بچانے والا، مِن زائدہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَولہ: کیف کان عقابِ، ای علی ایِّ حالةٍ کان عِقابی؟ ھل کان ظلمًا لھُمْ او کان عَدْلاً؟ یعنی میرا عقاب ظالمانہ رہا یا عادلانہ، اس کا جواب شارح نے اپنے قول "ھُوَ واقعٌ موقِعهٗ" سے دیدیا۔

قَولہ: کمن لیسَ کذلك یہ أفَمَنْ ھو قائمٌ مبتداء کی خبر محذوف ہے، قرینۂ مقابلہ سے چونکہ خبر کا حذف مفہوم ہے اسلئے کلام بے فائدہ ہونے کا اعتراض نہیں ہوگا۔

قَوْلَهُ: دَلّ علی ھذا، یعنی مذکور پر وَجَعَلوا لِلّٰہ شرکاء دلالت کر رہا ہے اور مذکورہ سے مراد استفہام کا انکاری ہونا اور خبر محذوف پر دلالت کا ہونا، یعنی اجعلوا الخ دونوں باتوں پر دلالت کر رہا ہے۔

قَوْلَهُ: مثل جنۃ التی وُعِدَ المتقون جملہ ہو کر مبتداء اس کی خبر محذوف ہے اور وہ فیما نقص علیکم ہے تجری من تحتھا الانھارُ ضمیر محذوف سے حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، "مَثَلُ الجنۃ التی وُعِدَھَا المتقون تجری من تحتھا الانھرُ.

قَوْلَهُ: اُکُلُھا دَائمٌ، وظلُّھا دائمٌ، یہ دونوں جملے بھی مبتداء خبر ہو کر حال ہیں، اور ظِلُّھا مبتداء کی خبر دائمٌ ماقبل کے قرینہ کی وجہ سے محذوف ہے۔

قَوْلَهُ: مایو کل فیھا.

سُؤَالْ: اُکُلُھا کی تفسیر ما یو کلُ سے کس مقصد سے کی ہے۔

جَوَابْ: اس کا مقصد دو اعتراضوں کو دفع کرنا ہے، ① اگر اُکُلُھا کو مصدر مانا جائے تو دائمٌ کا حمل اس پر درست نہیں اور اگر اُکُلٌ بمعنی ما کولٌ لیا جائے تو ماکول تو کھانے کے بعد معدوم ہو جاتا ہے لہٰذا دوام کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

جَوَابْ: اُکُلٌ سے مراد ما مِنْ شانہ انْ یو کل ہے اس تفسیر سے دونوں اعتراض ختم ہو گئے۔

قَوْلَهُ: فیھا، اس میں اشارہ ہے کہ اُکُلُھا میں اضافت بمعنی فی ہے اور یہ اسناد مجازی ہے، اور اس میں علاقہ ظرفیت کا ہے۔

قَوْلَهُ: حُکمًا عربیًا، یہ دونوں انزلناہ کی ضمیر یعنی قرآن سے حال ہیں حالانکہ حُکمًا اور عربیًا کا قرآن پر حمل درست نہیں ہے۔

جَوَابْ: کا حاصل یہ ہے کہ حکمًا مصدر بمعنی مفعول یعنی ما یحکم بہ بین الناس.

تَفسِیر وتَشریح

وَلَقَدِ استُھزِئَ بِرُسُلٍ من قبلك، اے محمد ﷺ یہ حالات جو آپ کو درپیش ہیں صرف آپ ہی کو پیش نہیں آئے آپ سے پہلے انبیاء کو بھی اسی قسم کے حالات سے سابقہ پڑتا رہا ہے کہ انبیاء کے ساتھ تمسخر کرتے رہے ہیں مگر مجرموں اور منکروں کی فوراً پکڑ نہیں کی گئی جب حد اور بس ہو گئی اور مجرموں کا جرم انتہاء کو پہنچ گیا تو پھر ان کو عذاب الٰہی نے پکڑ لیا اور کیسا پکڑا؟ کہ کسی کو اس کے مقابلہ کی تاب نہ رہی۔

حدیث میں آتا ہے "اِنَّ اللّٰہ لَیُمْلِیْ للظالم حتّٰی اذا اخذَہٗ لَمْ یُفْلِتْہُ" اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیئے جاتا ہے حتی کہ جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں اس کے بعد نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، وکذلك اَخذُ رَبِّكَ اِذَآ اخذ القریٰ وھی ظالمۃ اِنَّ اخذہ الیم شدید" (سورۂ ہود) اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ ظلم کی مرتکب بستیوں کو پکڑتا ہے یقیناً اس کی پکڑ بہت الم ناک اور سخت ہے۔ (صحیح بخاری)

اَفَمَنْ هو قائمٌ علی کل نفسٍ، اس آیت میں مشرکین کی جہالت اور بے عقلی کو اس طرح واضح فرمایا ہے کہ یہ کیسے بے وقوف ہیں کہ بے جان و بے شعور بتوں کو اس ذات پاک کے برابر ٹھہراتے ہیں جو ہر نفس پر نگراں اور اس کے اعمال وافعال کا محاسبہ کرنے والی ہے، پھر فرمایا کہ اصل سبب اس کا یہ ہے کہ شیطان نے ان کی اس جہالت ہی کو ان کی نظروں میں مزین کر رکھا ہے وہ اسی کو بڑا کمال اور کامیابی سمجھتے ہیں۔ (معارف)

قُلْ سَمُّوْهم، لهٗ ای قل یا محمد ﷺ جعلتم لهٗ شرکاء فسمُّوهم، مَنْ هم؟ یعنی اے محمد آپ مشرکوں سے کہیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے جو شریک ٹھہرا رکھے ہیں تم ان کا نام تو لو وہ کون ہیں؟ یعنی ہمیں بھی تو بتاؤ تاکہ انھیں پہچان سکیں، اسلئے کہ ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے یعنی ان کا وجود ہی نہیں ہے اسلئے کہ اگر زمین میں ان کا وجود ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ضرور ہوتا اس پر تو کوئی شئ مخفی نہیں ہے۔

اہل کتاب صحابہ اور صحابیات کی تعداد:

اَلَّذین آتینا هم الکتاب، اس آیت میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے کہ جو مشرف باسلام ہوکر اصحاب رسول کی مبارک جماعت میں شامل ہوئے، ان کی تعداد ۶۳ بتائی گئی ہے اور ۷ نام کتابیات کے ان کے علاوہ ہیں کل تعداد ۷۰ ہوتی ہے۔

(ماجدی، ملخصًا)

وَکَذالك انزلناهُ حکمًا عربیًا (الآیة) جس طرح انبیاء سابقین پر کتابیں ان کی مقامی زبان میں نازل کیں اسی طرح آپ پر قرآن ہم نے عربی زبان میں نازل کیا اس لئے کہ قرآن کے اولین مخاطب عرب ہی ہیں جو صرف عربی زبان ہی جانتے ہیں اگر یہ قرآن کسی اور زبان میں نازل کیا جاتا تو ان کی سمجھ سے بالا ہوتا اور قبول ہدایت میں ان کے لئے عذر بن جاتا ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کرکے ان کا یہ عذر بھی دور کر دیا۔

آپ ﷺ کو مشرکین مکہ اور اہل کتاب کی خواہشات کی اتباع کرنے سے منع کیا گیا ہے مثلاً اہل کتاب کی خواہش تھی کہ بیت المقدس کو ہمیشہ کے لئے قبلہ رہنے دیا جائے اور ان کے معتقدات کی مخالفت نہ کی جائے اسی طرح مشرکین کی خواہش تھی کہ ہمارے بتوں کی تنقیص نہ کی جائے بلکہ ان کی شان میں کچھ توصیفی کلمے فرمائے جائیں، یا یہ کہ ایک سال ہم تمہارے معبود کی بندگی کریں اور ایک سال تم ہمارے معبودوں کی بندگی کرو وغیرہ وغیرہ۔

ونَزَلَ لـمـا عَيَّرُوْه بكثرةِ النساءِ **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً** اولادًا وانتَ مثلُهم **وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ** منهم **اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** لانهم عبيدٌ مَرْبُوْبُوْنَ **لِكُلِّ اَجَلٍ** مدة **كِتَابٌ**۝۳۸ مكتوبٌ فيه تحديدُه **يَمْحُوا اللّٰهُ** منه **مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ** بالتخفيفِ والتشديدِ فيه ما يشاءُ من الاحكامِ وغيرِها **وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ**۝۳۹ اصلُه الذي لا يُغيَّر منه شئٌ وهو ما كَتَبَه في الازلِ **وَاِنْ مَّا** فيه ادغامُ نونِ اِن

الشرطيةِ في ما المزيدةِ نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ به من العذابِ في حياتِك وجوابُ الشرطِ محذوفٌ اى فذاك أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ قبلَ تعذيبهم فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ لا عليك الا التبليغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴿۴۰﴾ اذا صارُوا الينا فنُجازيُهم أَوَلَمْ يَرَوْا اى اهلُ مكة أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نقصدُ ارضَهم نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا بالفتحِ على النبيِ صلى الله عليه وسلم وَاللَّهُ يَحْكُمُ في خلقِه بما يشاءُ لَا مُعَقِّبَ رادَّ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ من الامم بانبيائِهم كما مَكرُوا بك فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا وليس مكرُهم كمكرِه لانَّه تعالى يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ فيُعِدُّ لها جزائَها وهٰذا هو المكرُ كلُّه لانّه ياتيهم به من حيثُ لا يشعرونَ وَسَيَعْلَمُ الْكُفَّارُ المرادُ به الجنسُ وفي قراءةٍ الكُفَّارُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ﴿۴۲﴾ اى العاقبةُ المحمودةُ في الدارِ الاٰخرةِ أَلَهُمْ ام للنبي صلى الله عليه وسلم واصحابِه وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لك لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ لهم كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ على صِدقِي أَفَلَمْ يَايْئَسِ من مُؤمني اليهودِ والنَّصارىٰ.

ترجمہ: آئندہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ جب انہوں نے آپ ﷺ کو کثرت ازواج پر عار دلائی، ہم آپ سے پہلے بھی رسول بھیج چکے ہیں، ہم نے ان میں سے ہر ایک کو بیوی بچوں والا بنایا، اور آپ بھی ان کے مثل ہیں ان میں سے کسی رسول کی یہ طاقت نہ تھی کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لا سکے، اس لئے کہ وہ تربیت یافتہ بندے ہیں، ہر دور کے لئے ایک کتاب ہے وہ اسی (دور) کے لئے محدود ہے اللہ جس چیز کو چاہتا ہے اس میں سے مٹا دیتا ہے اور جن احکام وغیرہ کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے ام الکتاب (اصل) اسی کے پاس ہے اصل کتاب کہ اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کرتا اور وہ وہی ہے جس کو اس نے ازل میں لکھا اور جس عذاب کی دھمکیوں کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے (اِمَّا) میں اِنْ شرطیہ کا ما زائدہ میں ادغام ہے ان میں سے بعض ہم آپ کو دکھا دیں (یعنی) آپ کی زندگی ہی میں (ان پر) وہ عذاب آجائے اور جواب شرط محذوف ہے، ای فذاك، یعنی ایسا بھی ہو سکتا ہے، یا ان کو عذاب دینے سے پہلے ہی آپ کو وفات دیدیں آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے اور بس یعنی آپ پر تبلیغ کے علاوہ کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور ہمارے ذمہ ان کا حساب ہے جب ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان کو بدلہ دیں گے کیا اہل مکہ نہیں دیکھتے کہ ہم نبی ﷺ کو فتح دیکر زمین اس کے اطراف سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں اور اللہ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ٹالنے والا نہیں وہ جلد حساب لینے والا ہے، ان سے پہلے امتوں نے بھی اپنے انبیاء کے ساتھ مکاریاں کی ہیں جیسا کہ آپ کے ساتھ مکاریاں کی ہیں، لیکن تمام تدبیریں اللہ ہی کی ہیں اور ان کی تدبیریں اس کی تدبیر جیسی نہیں ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر متنفس کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ کیا کرے گا لہٰذا اس کے لئے اس کی جزاء تیار رکھتا ہے اور یہی اس کی مکمل تدبیر ہے، اسلئے کہ اس کو اس طرح بروئے کار لاتا ہے کہ ان کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا، اور کافروں کو عنقریب معلوم ہو جائیگا اور کافر سے مراد جنس کافر ہے، اور ایک قراءت میں (کافر کے بجائے) کفار ہے کہ دار آخرت کس کے

لئے ہے (یعنی) دار آخرت میں بہتر انجام کس کا ہے، ان کا یا نبی ﷺ کا اور ان کے اصحاب کا یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں آپ ان سے کہئے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری صداقت پر اللہ گواہ کے اعتبار سے کافی ہے اور وہ کہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے (اور وہ) یہود و نصاری میں سے مومنین ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: فَذاك، مبتداء ہے اور شافیك اس کی خبر محذوف ہے مبتداء خبر سے مل کر جملہ ہو کر (امَّا) کا جواب شرط ہے۔

قولہ: نتوفینك بھی شرط سابق پر معطوف ہونے کی وجہ سے شرط ہے اس کا بھی جواب محذوف ہے اور وہ فلا تقصیر منك ہے فانما عَلَیْكَ اس محذوف کی علت ہے شاید مفسر علام نے شرط ثانی کے جواب کے حذف کی طرف اول پر اعتماد کرتے ہوئے یا علت پر اعتماد کرتے ہوئے اشارہ نہیں کیا بخلاف پہلی شرط کے جواب کے کہ اس کی علت بیان نہیں کی گئی۔

قولہ: المراد به الجنس.

سوال: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ الکافر میں الف لام عہد کا ماننے کا تو کوئی قرینہ نہیں ہے اسلئے کہ کوئی متعین ومخصوص کافر مراد نہیں ہے نہ مطلقاً ایک کافر مراد ہے تو پھر الکافر کو مفرد لانے کا کیا مقصد ہے؟

جواب: الکافر میں الف لام جنس کا ہے جو جمع کے معنی پر مشتمل ہے فلا اعتراض۔

تفسیر و تشریح

تمام انبیاء ورسل بشر ہی تھے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا الخ یعنی مع آپ کے جتنے بھی رسول اور نبی آئے سب بشر ہی تھے جن کا اپنا خاندان تھا، قبیلہ تھا، بیوی بچے تھے، نہ وہ فرشتے تھے نہ انسانی شکل میں کوئی نوری مخلوق بلکہ جنس بشر ہی میں سے تھے، کیونکہ اگر وہ فرشتے ہوتے تو انسانوں کے لئے ان سے مانوس ہونا اور ان سے قریب ہونا ناممکن تھا، جس سے ان کے بھیجنے کا اصل مقصد جو اصلاح وتہذیب ہے فوت ہو جاتا اور اگر وہ فرشتے بشری جامہ میں بشری خصوصیات کے ساتھ ہوتے تو وہی اعتراض ہوتا جو اب ہو رہا ہے اور بشری خصوصیات کے بغیر آتے تو نہ ان کا دنیا میں کوئی خاندان ہوتا اور نہ قبیلہ اور نہ ان کے بیوی بچے ہوتے اس صورت میں وہ امت کے لئے نمونہ نہ ہوتے کہ ان کی اقتداء واطاعت کی جاتی، اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء بحیثیت جنس کے بشر ہی تھے بشری شکل میں فرشتے یا کوئی نوری مخلوق نہیں تھے مذکورہ آیت میں ازواجًا سے رہبانیت کی تردید ہوتی ہے اور ذریة سے خاندانی منصوبہ بندی کی تردید ہوتی ہے اسلئے کہ ذریة جمع ہے جس کا کم از کم تین پر اطلاق ہوتا ہے۔

نبیوں اور رسولوں کے متعلق کفار ومشرکین کا عام تصور:

کفار ومشرکین کا رسول اور نبی کے متعلق ایک عام تخیل یہ تھا کہ وہ جنس بشر کے علاوہ کوئی دوسری مخلوق مثل فرشتوں کے ہونی چاہئے جس کی وجہ سے عام انسانوں سے ان کی برتری واضح ہو جائے، قرآن کریم نے ان کے اس خیالِ فاسد کا جواب متعدد آیات میں دیا ہے کہ تم نے نبوت ورسالت کی حقیقت اور حکمت کو ہی نہیں سمجھا، اس لئے تمہارے ذہن میں اس قسم کے واہی خیالات پیدا ہوئے، کیونکہ رسول کو حق تعالیٰ ایک نمونہ بنا کر بھیجتے ہیں تاکہ امت کے سارے انسان ان کی پیروی کریں، انہی جیسے اعمال واخلاق سیکھیں، اور یہ ظاہر ہے کہ انسان اپنے ہم جنس انسان ہی کی پیروی کر سکتا ہے، جو اس کی جنس کا نہ ہو اس کی پیروی انسان سے ناممکن ہے، مثلاً فرشتے کو نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس اور نہ نفسانی خواہشات سے ان کو کوئی واسطہ نہ اس کو نیند آئے نہ اونگھ نہ تکان لاحق ہو نہ کسل اب اگر انسان کو ان کی پیروی کا حکم دیا جاتا تو یہ ان کی قدرت سے زائد تکلیف ہو جاتی۔

آپ ﷺ اور تعدد ازواج:

آپ ﷺ کے متعلق بھی لوگوں کو یہی اعتراض اور شبہ ہوا، اور آپ ﷺ کے تعدد ازواج سے ان کا یہ شبہ اور بڑھ گیا، اس کا جواب آیت کے پہلے جملہ میں یہ دیا گیا ہے کہ ایک یا اس سے زائد نکاح کرنے اور بیوی بچوں والا ہونے کو تم نے کس دلیل سے نبوت ورسالت کے منافی سمجھ لیا اللہ تعالیٰ کی تو ابتداء آفرینش سے یہی سنت رہی ہے کہ اپنے پیغمبروں کو صاحب اولاد بناتے ہیں جتنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پہلے گذرے ہیں اور ان میں سے بعض کی نبوت کے تو تم بھی قائل ہو وہ سب متعدد بیویاں رکھتے تھے اور صاحب اولاد تھے۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تین سو بیویاں اور سات سو باندیاں تھیں:

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تین سو بیویاں آزاد اور سات سو باندیاں تھیں اور ان کے والد حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سو بیویاں تھیں اور کثرت ازواج سے ان کی نبوت میں نہ کوئی نقص تھا اور نہ قباحت لہٰذا یہ آپ کی نبوت کے لئے قادح اور عیب کیسے ہو سکتا ہے؟

آپ ﷺ کی اولاد کی تفصیل:

آپ ﷺ کی سات اولاد تھیں چار لڑکیاں اور تین لڑکے ان کی ترتیب اس طرح تھی، سب سے بڑے قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے بعد زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، پھر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کے بعد عبد اللہ جن کا لقب طیب وطاہر تھا، ان کے بعد ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سب حضرت خدیجہ سے تھے سوائے ابراہیم

کے کہ وہ ماریہ قبطیہ سے تھے اور سوائے فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے سب کا انتقال آپ کی حیات ہی میں ہو گیا تھا، البتہ حضرت فاطمہ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد چھ ماہ بقید حیات رہیں۔

کفار ومشرکین کے معاندانہ سوالات:

ہر زمانہ میں کفار مشرکین اپنے زمانہ کے نبی کے سامنے معاندانہ سوالات پیش کرتے رہے ہیں، آپ ﷺ کے زمانہ کے مشرکین نے آپ سے بھی اسی قسم کے سوالات کئے تھے، ان میں دو سوال بہت عام ہیں ایک یہ کہ اللہ کی کتاب میں ہماری خواہش کے مطابق احکام نازل ہوا کریں جیسا کہ سورۂ یونس میں ان کا مطالبہ مذکور ہے "اِئْتِ بِقُرآنٍ غَیْرِ ھٰذَا اَوْ بَدِّلْہُ"، یعنی یا تو اس موجودہ قرآن کے بجائے بالکل ہی دوسرا قرآن لادیجئے جس میں ہمارے بتوں کی عبادت کو منع نہ کیا گیا ہو یا پھر آپ اس قرآن میں کچھ ردوبدل اور ترمیم کر کے ان آیتوں کو نکال دیجئے جن سے ہمارے بتوں کی مذمت نکلتی ہے یا جن میں عذاب کی دھمکی دی گئی ہے یعنی حلال کی جگہ حرام اور حرام کی جگہ حلال کر دیجئے۔

موجودہ اعداءِ اسلام کی ذہنیت آج بھی یہی ہے:

مغربی صیہونی ذہن میں یہ بات آپ کی بعثت کے روز اول ہی سے کھٹک رہی ہے ان کی طرف سے بار بار مطالبہ ہوتا ہے کہ قرآن سے ان آیتوں کو حذف کر دیا جائے جن سے یہودیت اور نصرانیت کی مذمت ثابت ہوتی ہے، مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دی جاتی ہے کبھی مالی لالچ دیا جاتا ہے تو کبھی اقتصادی پابندی کی دھمکی دی جاتی ہے ایسی کوششیں ماضی میں بھی متعدد بار ہو چکی ہیں جو ناکام رہی ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی ناکام رہیں گی اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنی کتاب کی حفاظت کا تاکیدی وعدہ فرمایا ہے، حال ہی میں اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ امریکہ اور اسرائیل نے اپنی مشترکہ کوششوں سے ایک نیا قرآن، "فرقان الحق" کے نام سے شائع کیا ہے جس سے وہ تمام آیتیں جو یہود و نصاریٰ کی مذمت پر دلالت کرتی ہیں نکال دی ہیں، دنیا کا مسلمان صیہونیوں کی اس سازش سے واقف اور باخبر ہے اور ان کے ناپاک عزائم کو ناکام کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار ہے۔

دوسرا مطالبہ نت نئے معجزات طلب کرنے کا ہے کہ اگر فلاں قسم کا معجزہ دکھا دیا جائے تو ہم اسلام قبول کرلیں گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کھلا اعلان ہے کہ کسی نبی یا رسول کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جب چاہے اور جس طرح کا چاہے معجزہ ظاہر کر سکے۔

لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ، اجل کے معنی مدت متعینہ کے ہیں اور کتاب اس جگہ مصدر کے معنی میں ہے، یعنی تحریر، معنی یہ ہیں کہ ہر چیز کی میعاد اور مقدار اللہ تعالیٰ کے پاس لکھی ہوئی ہے، اس نے ازل میں لکھ دیا ہے کہ فلاں شخص فلاں وقت پیدا ہوگا اور اتنے دن زندہ رہے گا، کہاں کہاں جائے گا اور کہاں مرے گا۔

اس طرح یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ فلاں زمانہ میں فلاں پیغمبر پر کیا وحی اور کیا احکام نازل ہوں گے اسلئے کہ احکام ہر قوم اور ہر زمانہ کے مناسب آتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ فلاں پیغمبر سے فلاں فلاں معجزہ کس کس وقت ظہور پذیر ہوگا کس نبی کی شریعت کتنی مدت کے لئے ہے۔

احکام قرآنی میں محو واثبات کا مطلب:

یمحوا اللّٰہ ما یشاء وَیثبتُ وعندہ ام الکتاب ، اُمُّ الکتاب کے لفظی معنی ہیں اصل کتاب، مراد اس سے لوح محفوظ ہے جس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔

آیت کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے جس حکم کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس حکم کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اس محو واثبات کے بعد جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے جس پر نہ کسی کی دست رس ہے نہ اس میں کوئی کمی بیشی ہوسکتی ہے۔

ائمۂ تفسیر میں سے حضرت سعید بن جبیر اور قتادہ وغیرہ نے اس آیت میں محو واثبات سے احکام کا محو واثبات مراد لیا ہے اور آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے مختلف رسولوں کے ذریعہ قوموں کے حالات اور زمانوں کے تغیرات کے مناسب احکام بھیجتے ہیں اور قوموں کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق احکام میں بھی محو واثبات کرتے رہتے ہیں اور اصل کتاب بہر حال اس کے پاس محفوظ ہے جس میں محو واثبات کی پوری تفصیل لکھی ہوئی ہے اور جو احکام شرائط کے ساتھ مشروط ہوتے ہیں وہ بھی اس میں لکھے ہوتے ہیں، اور کچھ احکام علم الٰہی کے مطابق میعادی ہوتے ہیں مگر ان کو مطلق بیان کیا جاتا ہے جس کو بندہ اپنی لاعلمی کی بنا پر دائمی سمجھ لیتا ہے حالانکہ جب ان کی میعاد پوری ہوجاتی ہے تو وہ حکم ختم ہوجاتا ہے اور بندہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہوگیا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔

مذکورہ آیت کی دوسری تفسیر:

سفیان ثوری، وکیع وغیرہ نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے اس آیت کی ایک دوسری تفسیر نقل کی ہے جس میں آیت کا تعلق نوشتۂ تقدیر سے قرار دیا ہے اور آیت کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق مخلوقات کی تقدیریں اور ہر شخص کی عمر اور زندگی بھر میں ملنے والا رزق اور پیش آنے والی راحت یا مصیبت اور ان سب چیزوں کی مقداریں اللہ تعالیٰ نے ازل میں مخلوقات کی پیدائش سے بھی پہلے لکھ دی ہیں پھر بچہ کی پیدائش کے وقت فرشتوں کو بھی لکھوا دیا جاتا ہے اور ہر سال شب قدر میں اس سال کے اندر پیش آنے والے معاملات کا چٹھا فرشتوں کے سپرد کردیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر فرد مخلوق کی عمر، رزق، حرکات وسکنات سب متعین ہیں اور لکھے ہوئے ہیں مگر اللہ اس نوشتۂ تقدیر میں سے جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے، "وعندہ ام الکتاب" یعنی اصل کتاب جس کے مطابق محو واثبات

کے بعد انجام کار عمل ہوتا ہے وہ اللہ کے پاس ہے اس میں کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا۔

تشریح اس کی یہ ہے کہ بہت سی احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اعمال سے انسان کی عمر اور رزق بڑھ جاتے ہیں اور بعض سے گھٹ جاتے ہیں، صحیح بخاری میں ہے کہ صلہ رحمی عمر میں زیادتی کا سبب بنتی ہے غرضیکہ اسی قسم کی بہت سی احادیث محو واثبات پر دلالت کرتی ہیں۔

مذکورہ آیت کے مضمون کا ماحصل یہ ہے کہ کتابِ تقدیر میں لکھی ہوئی عمر یا رزق وغیرہ میں ردوبدل کسی عمل یا دعاء کی وجہ سے ہوتا ہے اس سے مراد وہ کتاب تقدیر ہے جو فرشتوں کے ہاتھ یا ان کے علم میں ہے اس میں بعض اوقات کوئی حکم کسی شرط پر معلق ہوتا ہے جب وہ شرط نہ پائی جائے تو وہ حکم بھی نہیں پایا جاتا یہ تقدیر معلق کہلاتی ہے جس میں اس آیت کی تصریح کے مطابق محو واثبات ہوتا رہتا ہے لیکن آیت کے آخری جملہ میں ''وَمَن عنده علم الكتاب'' نے بتلادیا کہ اس تقدیر معلق کے اوپر ایک تقدیر مبرم ہے، جوام الکتاب میں لکھی ہوئی اللہ کے پاس ہے وہ صرف علم الٰہی کے لئے مخصوص ہے اس میں وہ احکام لکھے جاتے ہیں جو شرائطِ اعمال یا دعاء کے بعد آخری نتیجہ کے طور پر ہوتے ہیں اسی لئے وہ محو واثبات اور کمی بیشی سے بالکل پاک ہے۔

(ابن کثیر، معارف)

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بعض الذى نعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ، اس آیت میں آپ ﷺ کو تسلی دینے اور مطمئن کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے آپ سے کئے ہیں کہ اسلام کی مکمل فتح ہوگی اور کفر اور کافر ذلیل ہوں گے یہ تو ہوکر رہے گا مگر آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ یہ فتح مکمل کب ہوگی، ممکن ہے کہ آپ کی زندگی میں ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ہو، اور آپ کے اطمینان کے لئے تو اتنا کافی ہے آپ برابر دیکھ رہے ہیں کہ ہم کفار کی زمینوں کو ان کے اطراف سے برابر گھٹاتے چلے آرہے ہیں یعنی یہ اطراف لگا تار مسلمانوں کے قبضے میں آتے جارہے ہیں اس سے ایک دن اس فتح کی تکمیل بھی ہو جائے گی، حکم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَۃُ اِبْرٰھِیْمَ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰیَۃً وَّسَبْعُ رُکُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْمَ مَكِّيَّةٌ اِلَّا، المر تَرَ الى الذين بدّلوا نعمة اللّٰه (الآيتين) احدیٰ او ثنتانِ او اربعٌ او خمسٌ وخمسون آيةً.

سورۂ ابرہیم مکی ہے، مگر الم تر الی الذین الخ دو آیتیں ۵۱، ۵۲، ۵۴، ۵۵ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ الٓرٰ اللّٰه اعلم بمراده بذلك هذا القران كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ يا محمد لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ الكفر اِلَى النُّوْرِ الايمان بِاِذْنِ بامر رَبِّهِمْ ويبدل من الى النور اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الغلب الْحَمِيْدِ ۝ المحمود اللّٰهِ بالجربدل اوعطف بيان وما بعده صفة والرفع مبتدأ خبره الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ملكا وخلقا وعبيدا وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝ الَّذِيْنَ نعت يَسْتَحِبُّوْنَ يختارون الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ الناس عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دين الاسلام وَيَبْغُوْنَهَا اى السبيل عِوَجًا معوجة اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۝ عن الحق وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ بلغة قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ليفهمهم ما اتى به فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ فى ملكه الْحَكِيْمُ ۝ فى صنعه وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ التسع وقلنا له اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ بنى اسرائيل مِنَ الظُّلُمٰتِ الكفر اِلَى النُّوْرِ الايمان وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ بنعمه اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ التذكير لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ على الطاعة شَكُوْرٍ ۝ للنعم وَ اذكر اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ المولودين وَيَسْتَحْيُوْنَ يستبقون نِسَآءَكُمْ لقول بعض الكهنة ان مولودا يولد فى بنى اسرائيل يكون سبب ذهاب ملك فرعون وَفِيْ ذٰلِكُمْ الانجاء اوالعذاب بَلَآءٌ انعامٌ اوابتلاء مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، الرٰ، اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا

ہے یہ قرآن عظیم الشان کتاب ہے اے محمد اس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو کفر کی ظلمتوں سے انکے رب کے حکم سے ایمان کی روشنی کی طرف نکالیں، اور الی النور سے الی صراط العزیز بدل ہے یعنی غالب اور قابل ستائش اللہ کے راستہ کی طرف (لائیں) (اللّٰہ) کا جر (العزیز) سے بدل یا عطف بیان ہونے کی وجہ سے ہے، اس کا مابعد (یعنی الذی لہ الخ) اللہ کی صفت ہے اور (اللہ) کے رفع کی صورت میں اللّٰہ مبتداء ہوگا اور الذین لہ اس کی خبر ہوگی وہ اللہ کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے، ملک اور تخلیق اور مملوک ہونے کے اعتبار سے، اور کافروں کے لئے تو شدید عذاب کی وجہ سے ہلاکت (و بربادی) ہے جو دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرتے ہیں (الذین الکافرین کی صفت ہے، اور لوگوں کو اللہ کے راستہ یعنی دین اسلام سے روکتے ہیں اور اس راستہ میں کجی نکالتے ہیں یہی لوگ پرلے درجہ کی گمراہی میں ہیں (یعنی) حق سے دور ہیں ہم نے ہر نبی کو اس کی قومی زبان ہی میں بھیجا ہے تاکہ وہ جو کچھ لے کر آیا ہے اسے ان کو سمجھائے اب اللہ جسے چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے ہدایت بخشے، وہ اپنے ملک میں غلبہ والا اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو اپنے نو معجزے دیکر بھیجا اور ان سے کہا یہ کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو کفر کی ظلمت سے ایمان کی روشنی کی طرف نکال اور انھیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلا بلاشبہ اس تذکیر میں طاعتوں پر ہر صبر کرنے والے اور نعمتوں پر شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں اور اس وقت کا ذکر جبکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قوم سے کہا تم اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو جبکہ تم کو قوم فرعون سے نجات دی وہ تم کو شدید تکلیف پہنچا رہا تھا اور تمہارے نومولود لڑکوں کو قتل کر رہا تھا اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ رہا تھا اور اس نجات یا عذاب میں ہمارے رب کی طرف سے بڑا انعام یا بڑی آزمائش تھی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ھذا القرآن، اس تقدیر میں اشارہ ہے کہ کتاب انزلناہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، نہ کہ کتاب مبتداء اور انزلناہ اس کی خبر، اسلئے کہ کتاب نکرۂ محضہ ہے جس کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

قولہ: ویبدل من الی النور، الی صراط العزیز، الی صراط العزیز، الی النور سے اعادۂ عامل کے ساتھ بدل ہے۔

قولہ: بالجر بدل او عطف بیان، یعنی لفظ اللہ، العزیز سے بدل ہے یا عطف بیان ہے۔

سوال: اللہ علم ہے اور العزیز صفت ہے علم کا صفت سے بدل واقع ہونا صحیح نہیں ہے۔

جواب: العزیز صفت مختصہ ہونے کی وجہ سے بمنزلہ علم کے ہے لہٰذا لفظ اللہ کا اس سے بدل واقع ہونا درست ہے۔

قاعدۂ معروفہ:

صفت معرفہ اگر موصوف پر مقدم ہو تو صفت کا اعراب حسب عامل ہوتا ہے اور موصوف بدل یا عطف بیان واقع ہوتا ہے، اصل عبارت اس طرح ہے، "الی صراط اللّٰہ العزیز الحمید الذی له مافی السمٰوات وما فی الارض" لفظ اللہ کی تین صفات ہیں ان میں سے دو مقدم ہیں اور ایک مؤخر ہے العزیز اور الحمید مقدم ہیں اور الذی له مافی السموات الخ مؤخر ہے۔

اسی معروف قاعدہ کے اعتبار سے لفظ اللہ، العزیز سے بدل یا عطف بیان واقع ہے، دوسری صورت لفظ اللہ میں رفع کی ہے، اس میں لفظ اللہ مبتداء اور الذی له مافی السموات الخ اس کی خبر ہوگی۔

قَوْلُہٗ: نعت، یعنی الذین یستحبون الخ جملہ ہو کر للکافرین کی صفت ہونے کی وجہ سے محلا مجرور ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مبتداء ہونے کی وجہ سے محلا مرفوع ہے اور اولئك فی ضلال بعید اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: بنعمه۔ ایام اللّٰہ سے نعمت مراد اس طرح ہے کہ یہ ظرف بول کر مظروف مراد لینے کے قبیل سے ہے نعمتیں اور احسانات چونکہ ایام میں حاصل ہوتے ہیں اسلئے ایام بول کر انعامات اور احسانات مراد لئے ہیں۔

قَوْلُہٗ: یستبقون، یستحیون کی تفسیر یستبقون سے کرکے اشارہ کر دیا کہ یستحیون کے معنی موضوع لہ مراد نہیں ہیں بلکہ لازم معنی مراد ہیں۔

تَفْسِیر وَتَشرِیح

سورۂ ابراہیم ترتیب کے لحاظ سے چودھویں سورت ہے، باختلاف تعداد چند آیتوں کے علاوہ پوری سورت مکی ہے، سورت کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مکہ کے آخری دور کی سورتوں میں سے ہے اس سورت کے مرکزی مضامین میں ان لوگوں کو فہمائش اور تنبیہ کرنا ہے کہ جو نبی ﷺ کی رسالت کو ماننے سے انکار کر رہے تھے، اور آپ کی دعوت کو ناکام کرنے کے لئے ہر طرح کی تدبیریں اور بدتر سے بدتر چالیں چل رہے تھے۔

اس سورت کی شروع میں رسالت اور نبوت اور ان کی کچھ خصوصیات کا ذکر ہے، پھر توحید کا بیان ہے اور اس کے شواہد کا ذکر ہے اسی سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، اور اسی کی مناسبت سے سورت کا نام سورۂ ابراہیم ہے۔

الٓرٰ، کتٰب انزلناہ الیك لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربھم. الٓرٰ ان حروف مقطعات میں سے ہیں جن کے متعلق بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس میں اسلم اور محتاط طریقہ سلف صالحین کا ہے کہ اس پر ایمان ویقین رکھیں کہ جو کچھ اس کی مراد ہے وہ حق ہے لیکن اس کے معنی کی تحقیق وتفتیش کے درپے نہ ہوں۔

تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے کا مطلب شیطانی راستوں سے ہٹا کہ خدا کے راستہ پر لانا ہے یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص خدا کی راہ پر نہیں وہ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہے خواہ وہ اپنے آپ کو کتنا ہی روشن خیال سمجھ رہا ہو، بخلاف اس کے کہ جس نے خدا کا راستہ پالیا وہ علم کی روشنی میں آ گیا خواہ وہ ان پڑھ دیہاتی ہی کیوں نہ ہو۔

ہدایت صرف خدا کا فعل ہے:

لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور باذن ربهم، ناس سے تمام عالم کے انسان مراد ہیں، ظلمٰت، ظلمة کی جمع ہے یہاں ظلمت سے کفروشرک اور بداعمالیوں کی ظلمت مراد ہے اور نور سے مراد ایمان کی روشنی ہے، چونکہ کفروشرک کی بہت سی انواع واقسام ہیں اسلئے ظلمات کو جمع لایا گیا ہے اور ایمان اور حق ایک ہی ہے اسلئے نور کو مفرد کے صیغہ کے ساتھ لایا گیا ہے، اس آیت میں تاریکی سے نکال کر روشنی میں لانے کو اگرچہ آپ ﷺ کا فعل قرار دیا گیا ہے مگر حقیقت میں ہدایت دینا اللہ کا کام ہے یہ اسناد مجازی نسبت الی السبب کے قبیل سے ہے اس لئے کہ ہدایت دینا محض اللہ کا کام ہے آپ کا کام صرف رہنمائی کرنا ہے "انك لاتهدی من احببت" آپ اپنے مہربان چچا خواجہ ابوطالب کو تمام تر خواہش کے باوجود ایمان پر نہ لا سکے اسی آیت کے آخر میں الا باذن ربهم کا لفظ بڑھا دیا تاکہ یہ شبہ ختم ہو جائے کہ کفر وشرک کی ظلمتوں سے نکالنا آپ کا کام ہے، اس میں دراصل اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی مبلغ خواہ وہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو راہ راست پیش کر دینے سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔

اللہ کے راستہ سے روکنے کا مطلب:

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں لوگوں کو بدظن کرنے کے لئے مین میکھ نکالتے ہیں اور اسلام کی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنی اغراض وخواہشات کے مطابق اس میں تبدیلی کرنا چاہتے ہیں،

جب اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا پر احسان فرمایا کہ ان کی ہدایت کے لئے کتابیں نازل کیں اور کتابوں پر عمل کر کے دکھانے کے لئے رسول بھیجے تو اس احسان کی تکمیل اس طرح فرمائی کہ ہر رسول کو اُس کی قومی زبان میں بھیجا تا کہ کسی کو ہدایت کا راستہ سمجھنے میں دشواری نہ ہو لیکن اس کے باوجود ہدایت ملے گی اس کو جس کو اللہ چاہے گا۔

جس طرح ہم نے اے محمد آپ کو اپنی قوم کی طرف بھیجا اور کتاب نازل کی تاکہ آپ اپنی قوم کو کفروشرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لائیں اسی طرح ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معجزات ودلائل دے کر ان کی قوم کی طرف بھیجا تاکہ وہ انھیں کفروجہل کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی سے روشناس کرائیں۔

ان فی ذلك لاٰیات لکل صبار شکور، صبر اور شکر یہ دو بڑی خوبیاں ہیں اسلئے یہاں صرف ان ہی دو کا ذکر کیا گیا ہے یہاں دونوں مبالغہ کے صیغے استعمال ہوئے ہیں "صبار" بہت صبر کرنے والا "شکور" بہت شکر کرنے والا، رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ جس شخص کو شکر ادا کرنے کی توفیق مل گئی وہ کبھی نعمتوں اور برکتوں سے محروم نہ ہوگا، اور اللہ نے فرمایا اگر تم میری نعمتوں کی ناشکری کروگے تو میرا عذاب بھی سخت ہے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ اعلم **رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ** نعمتی بالتوحید والطاعة **لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ** جحدتم النعمة بالکفر والمعصیة لاعذبنکم دل علیه **اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ**⑦ **وَقَالَ مُوْسٰى** لقومه **اِنْ تَكْفُرُوْا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ** عن خلقه **حَمِيْدٌ**⑧ محمود فی صنعه بهم **اَلَمْ يَاْتِكُمْ** استفهام تقریر **نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ** قوم هود **وَّثَمُوْدَ** قوم صالح **وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ** لکثرتهم **جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** بالحجج الواضحة علی صدقهم **فَرَدُّوْا** ای الامم **اَيْدِيَهُمْ فِيْ اَفْوَاهِهِمْ** ای الیها لیعضوا علیها من شدة الغیظ **وَقَالُوْا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ** علی زعمکم **وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَا اِلَيْهِ مُرِيْبٍ**⑨ موقع للریبة **قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ** استفهام انکار ای لاشك فی توحیده للدلائل الظاهرة علیه **فَاطِرِ** خالق **السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ** الی طاعته **لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ** من زائدة فان الاسلام یغفر به ما قبله اوتبعیضیة لاخراج حقوق العباد **وَيُؤَخِّرَكُمْ** بلا عذاب **اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى** اجل الموت **قَالُوْٓا اِنْ** ما **اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا** من الاصنام **فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ**⑩ حجة ظاهرة علی صدقکم **قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ** ما **نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** کما قلتم **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ** بالنبوة **وَمَا كَانَ** ما ینبغی **لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** بامره لانا عبید مربوبون **وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ**⑪ یثقوا به **وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ** ای لامانع لنا من ذلك **وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا** علی اذاکم **وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ**⑫

ترجمہ: اور جب تمہارے رب نے آگاہ کر دیا کہ اگر تم توحید اور اطاعت کے ذریعہ میری نعمتوں کا شکر کروگے تو میں بے شک تم کو مزید دوں گا، اور اگر تم کفر و معصیت کے ذریعہ (میری) نعمتوں کی ناشکری کروگے تو میں تم کو ضرور عذاب دوں گا، **لا عذبنکم**، (جواب محذوف پر) **ان عذابی لشدید** دلالت کر رہا ہے، یقیناً میرا عذاب نہایت سخت ہے، اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم اور روئے زمین کے تمام باشندے ناشکری کریں تو بھی اللہ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے اور اپنی صنعت میں قابل ستائش ہے کیا تمہارے پاس استفہام تقریری ہے تم سے پہلے لوگوں کی (یعنی) قوم نوح کی اور عاد کی اور قوم ہود اور ثمود کی اور قوم صالح کی اور ان لوگوں کی جو ان کے بعد ہوئے خبریں نہیں آئیں جن کی تعداد ان کی کثرت کی وجہ سے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان کے پاس ان کے رسول اپنی صداقت پر واضح دلائل لیکر آئے تو ان امتوں نے اپنے ہاتھ شدت غضب کی وجہ سے کاٹنے کے لئے اپنے منہ میں دبائے اور کہہ دیا کہ بزعم خود جس چیز کو تم دے کر بھیجے گئے ہو اس کے ہم

منکر ہیں اور ہم تو یقیناً اس کے بارے میں جس کی تم دعوت دے رہے ہو الجھن میں ڈالنے والے شک میں ہیں، ان کے رسولوں نے ان سے کہا کیا تم حق تعالیٰ کے بارے میں شک میں ہو استفہام انکاری ہے، توحید پر واضح دلائل موجود ہونے کی وجہ سے اس کی توحید میں کسی شک (کی گنجائش) نہیں ہے وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے وہ تم کو اپنی اطاعت کی طرف بلا رہا ہے تا کہ تم سے تمہارے گناہوں کو معاف کرے مــن زائــدہ ہے یہ امر واقعہ ہے کہ اسلام کی وجہ سے اسلام سے پہلے کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں یا (مـن تبعیضیـه) ہے حقوق العباد کو خارج کرنے کے لئے اور یہ کہ ایک مقررہ وقت تک کے لئے تمہیں مہلت عطا فرمائے یعنی موت تک ان لوگوں نے جواب دیا تم تو ہمارے جیسے انسان ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان معبودوں بتوں سے روک دو جن کی بندگی ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں اچھا تو ہمارے سامنے اپنی صداقت پر کوئی کھلی دلیل پیش کرو ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا یہ تو سچ ہے کہ ہم تمہارے ہی جیسے انسان ہیں جیسا کہ تم نے کہا لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نبوت عطا کر کے اپنا فضل کرتا ہے اور ہماری مجال نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ لا کر تم کو دکھا سکیں اسلئے کہ ہم تربیت یافتہ بندے ہیں، اور ایمان والوں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے، آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں یعنی ہمارے لئے اس سے کوئی مانع نہیں ہے جبکہ اسی نے ہمیں ہماری راہیں دکھائیں واللہ جو ایذائیں تم ہمیں دو گے ہم ضرور اس پر صبر کریں گے (یعنی) تمہاری ایذا رسانی پر، توکل کرنے والوں کیلئے یہی لائق ہے کہ اللہ پر توکل کریں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اعلم، تاذن کی تفسیر اعلم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ تأذن باب تفعل اپنی خاصیت کے اعتبار سے تکلف پر دلالت کرتا ہے جو شان باری تعالیٰ کے مناسب نہیں ہے لہٰذا تأذن بمعنی اذن ہے۔

قولہ: لاعـذبنكم یہ شرط کی جزاء ہے جو محذوف ہے، نہ کہ ان عـذابی لشدید لہٰذا ان عذابی کے شرط پر عدم ترتب کا اعتراض ختم ہو گیا، اور حذف جواب پر ان عذابی لشدید دلالت کر رہا ہے۔

قولہ: ای اليها، اس میں اشارہ ہے کہ فی بمعنی الی ہے، ایدیھم اور افواھھم، دونوں کی ضمیریں کفار کی طرف راجع ہیں یعنی کفار نے اپنے ہاتھ شدید غصہ کی وجہ سے اپنے منہ میں دبائے اور یہ تفسیر عـضـوا عـليكم الانامل من الغيظ کے مطابق ہے، اور بعض حضرات نے ثانی ھم کی ضمیر رسل کی طرف لوٹائی ہے، مطلب یہ بیان کیا ہے کہ امت کے لوگوں نے اپنے ہاتھ رسولوں کے منہ پر رکھ دیئے تا کہ حق بات نہ بول سکیں، یہ خلاف ظاہر ہے۔

قولہ: بزعمکم یہ اس سوال کا جواب ہے کہ بـمـا ارسلتم سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مـاجـاء بـه الرسل کے قائل تھے حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں تو تمہارا رسول ہونا تسلیم نہیں مگر بقول شما بھی ہم تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

قولہ: لاشك فی توحیدہ ایک شبہ کا جواب ہے کہ شبہ یہ ہے کہ ہمزہ انکاری کا حق یہ ہے کہ شک (مظروف) پر داخل ہونہ کہ ظرف پر اور یہاں اللہ پر داخل ہے جو کہ ظرف ہے حاصل جواب یہ ہے کہ کلام شک میں نہیں ہے بلکہ مشکوک میں ہے فتدبر.

تفسیر وتشریح

اذ تأذن ربکم، **تأذن**، **اعلم** کے معنی میں ہے، بولا جاتا ہے **تأذن بوعدہ لکم**، ای **اعلمکم بوعدہ لکم**، اس نے اپنے وعدہ سے تمہیں آگاہ کیا، **ان عذابی لشدید**، سے معلوم ہوتا ہے کہ کفرانِ نعمت اللہ کوسخت ناپسند ہے اسی وجہ سے اس نے ناشکری پر سخت عذاب کی وعید بیان کی ہے، آپ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا'' کہ عورتوں کی اکثریت اپنے خاوندوں کی ناشکری کرنے کی وجہ سے جہنم میں جائے گی''۔ (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ شکر گذاری میں خود بندہ ہی کا فائدہ ہے اور اگر ناشکری کرے گا تو اس میں اللہ کا کوئی نقصان نہیں ہے وہ تو بے نیاز ہے اگر سارا جہان ناشکرا ہو جائے تو اس کا کیا بگڑے گا؟

ایک حدیث قدسی:

ایک حدیث قدسی میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''یا عبادی! لو ان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی اتقی قلب رجل منکم مازاد ذلك فی ملکی شیئا، یاعبادی! لو ان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی افجر قلب رجل منکم مانقص ذلك فی ملکی شیئا، یا عبادی! لو أن اولکم واخرکم وانسکم وجنکم قاموا فی صعید واحد، فسالونی فاعطیت کل انسان مسألته مانقص ذلك من ملکی شیئا الا کما ینقص المخیط اذا ادخل فی البحر''.

(صحیح مسلم کتاب البر)

ترجمہ: اے میرے بندو! اگر تمہارے اول وآخر اور روئے زمین کے تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں اضافہ نہیں ہوگا، اے میرے بندو! اگر تمہارے اول وآخر اور تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کے طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا نافرمان اور فاجر ہو تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، اے میرے بندو! اگر تمہارے اول وآخر اور انسان وجن سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور مجھ سے سوال کریں، پس میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کروں تو اس سے میرے خزانے اور بادشاہی میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے

سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔ (فسبحانه و تعالی الغنی الحمید).

فردوا ایدیهم فی افواههم، مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان کئے ہیں:

❶ انہوں نے ہاتھ اپنے منہ میں رکھ لئے اور کہا ہمارا تو صرف ایک ہی جواب ہے کہ ہم تمہاری رسالت کے منکر ہیں۔

❷ انہوں نے اپنی انگلیوں سے اپنے موہنوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خاموش رہو اور یہ جو پیغام لے کر آئے ہیں ان کی طرف توجہ مت کرو۔

❸ انہوں نے اپنا ہاتھ استہزاء اور تعجب کے طور پر اپنے منہ پر رکھ لئے جس طرح کوئی شخص ہنسی ضبط کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے۔

❹ انہوں نے اپنا ہاتھ رسول کے منہ پر رکھ کر کہا خاموش رہو۔

❺ بطور غیظ و غضب کے اپنے ہاتھ اپنے موہنوں پر رکھ لئے جس طرح منافقین کی بابت دوسرے مقام پر آتا ہے "عضوا علیکم الانامل من الغیظ" وہ غیظ و غضب کی وجہ سے تم پر اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں، اکثر مفسرین نے اس آخری معنی کو پسند کیا ہے ان میں طبری اور شوکانی بھی شامل ہیں۔

قالوا انا کفرنا بما ارسلتم به و انا لفی شك مما تدعوننا الیه مریب یعنی جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے اور جس چیز کی تم دعوت دے رہے ہو اس کی طرف سے ہم سخت خلجان آمیز شک میں پڑے ہوئے ہیں، یعنی ایسا شک کہ جس کی وجہ سے اطمینان رخصت ہو گیا ہے۔ (باقی آیات کی تفسیر واضح ہے)۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ ای لتصیرن فِيْ مِلَّتِنَا دیننا فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٣﴾ الکافرین وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ ارضهم مِنْۢ بَعْدِهِمْ بعد هلاكهم ذٰلِكَ النصر وایراث الارض لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ ای مقامه بین یدی وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿١٤﴾ بالعذاب وَاسْتَفْتَحُوْا استنصر الرسل بالله علی قومهم وَخَابَ خسر كُلُّ جَبَّارٍ متکبر عن طاعة الله عَنِيْدٍ ﴿١٥﴾ معاند للحق مِّنْ وَّرَآئِهٖ ای امامه جَهَنَّمُ یدخلها وَيُسْقٰى فیها مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿١٦﴾ هو ماء یسیل من جوف اهل النار مختلطا بالقیح والدم يَّتَجَرَّعُهٗ یبتلعه مرة بعد مرة لمرارته وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ یزدرده لقبحه و کراهته وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ ای اسبابه المقتضية له من انواع العذاب مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ بعد ذلك العذاب عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿١٧﴾ قوی متصل مَثَلُ صفة الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ مبتدأ ویبدل منه اَعْمَالُهُمْ الصالحة کصلة وصدقة فی عدم الانتفاع بها كَرَمَادِ ﹰاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ شدید هبوب الریح فجعلته هباء منثورا لا یقدر علیه والمجرور خبر المبتدأ لَا يَقْدِرُوْنَ ای الکفار مِمَّا كَسَبُوْا عملوا فی الدنیا عَلٰی شَيْءٍ ای لا یجدون له ثوابا لعدم شرطه ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿١٨﴾ الهلاك اَلَمْ تَرَ تنظر یا مخاطبا استفهام تقریر اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ

متعلق بخلق اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ؁ بدلكم وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ؁ شديد وَبَرَزُوْا اى الخلائق والتعبير فيه وفيما بعده بالماضى لتحقق وقوعه لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا الاتباع لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا المتبوعين اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا جمع تابع فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ دافعون عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ من الاولى للتبيين والثانية للتبعيض قَالُوْا اى المتبوعون لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ لدعونا كم الى الهدى سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ زائدة مَّحِيْصٍ ؁ ملجأ.

ترجمہ: اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تم کو یقیناً ملک بدر کر دیں گے الا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں داخل ہو جاؤ، تو ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کافروں ہی کو غارت کر دیں گے اور ان کی ہلاکت کے بعد تم کو ان کی زمین پر بسا دیں گے، یہ مدد اور وراثت ارضی اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر رکھے گا اور عذاب کی وعید کا ڈر رکھے گا اور رسولوں نے اپنی قوم کے مقابلہ میں اللہ سے مدد طلب کی اور اللہ کی اطاعت کے مقابلہ میں ہر سرکشی کرنے والا ضدی حق کا دشمن نامراد ہو گیا، اس کے سامنے جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوگا جہاں وہ پیپ کا پانی پلایا جائیگا، اور وہ ایسا پانی ہے کہ جو جہنمیوں کے اندر سے نکلے گا جو پیپ اور خون کا آمیزہ ہوگا جس کو وہ مجبوراً پیئے گا (یعنی) اس کی تلخی کی وجہ سے تھوڑا تھوڑا کر کے پیئے گا اس کی قباحت اور کراہت کی وجہ سے اس کو نگل نہ سکے گا، اور اس کو ہر طرف سے موت آتی نظر آئے گی یعنی موت کے اسباب جو موت کے متقاضی ہوں گے مختلف اقسام کے عذابوں سے، مگر وہ مرے گا نہیں اور اس عذاب کے بعد ایک نہ ختم ہونے والا سخت عذاب ہوگا اور اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والے لوگوں کے اعمال صالحہ مثلاً صلہ رحمی اور صدقہ کی مثال ان سے منتفع نہ ہونے میں الذین کفروا مبتداء (مبدل منہ) اور اعمالهم بدل ہے اس راکھ کی سی ہے کہ جس پر آندھی کے دن تیز و تند ہوا چلی ہو (اور) اس کو اڑتا ہوا غبار کر دیا ہو کہ اس کے اجر کے پانے پر قادر نہ ہونگے (یعنی اپنے اعمال صالحہ کا اجر پانے پر قادر نہ ہو) اور مجرور (کرماد) مبتداء کی خبر ہے، جو بھی انہوں نے دنیا میں عمل (صالح) کیا کفار اس پر یعنی اس کا اجر پانے پر اس کی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے قادر نہ ہوں گے یہی دور کی گمراہی ہلاکت ہے، اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا استفہام تقریری ہے، کہ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو با مقصد پیدا کیا، بالحق، خلق کے متعلق ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو ختم کر دے اور تمہارے بجائے ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور اللہ کے لئے یہ کوئی مشکل نہیں ہے، اور پوری مخلوق (روز محشر) اللہ کے روبرو حاضر ہوگی اور تعبیر یہاں اور آئندہ صیغۂ ماضی کے ذریعہ یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ہے اس وقت کمزور لوگ یعنی تابعین سربراہوں (یعنی) متبوعین سے کہیں گے ہم تو تمہارے تابعدار تھے تبعا، تابع کی جمع ہے تو کیا تم اللہ کے عذاب میں سے کچھ ہم سے دفع کر سکتے ہو پہلا مِنْ تبیین کے لئے ہے اور دوسرا تبعیض کے لئے ہے، مخدومین جواب دیں گے اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی تمہاری رہنمائی کرتے (یعنی) ہم تم کو ہدایت کی طرف دعوت دیتے، اب ہم خواہ واے

ویلا کریں یا صبر کریں دونوں ہمارے لئے برابر ہیں (اب) ہمارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے من زائدہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لتصیرن مفسر علام نے لتعودن کی تفسیر لتصیرن سے کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

سَوَال: سوال یہ ہے کہ عود کے لئے پہلے اس حالت پر ہونا ضروری ہے جس سے عود کرے اس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پہلے اپنی امت کے دین پر ہوتے تھے بعد میں اس سے نکل کر دین حق پر آتے تھے حالانکہ امر واقعہ ایسا نہیں ہے نبی ابتداء ہی سے دین حق پر ہوتے ہیں؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے تعودن، تصیرن کے معنی میں ہے، یعنی تم ہمارے دین پر ہو جاؤ۔

قَوْلُہٗ: بعدھلاکھم، اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: یدخلھا، یدخلھا محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ یسقی کا عطف محذوف پر ہے تاکہ عطف فعل علی الاسم لازم نہ آئے۔

قَوْلُہٗ: فیھا.

سَوَال: (فیھا) مقدر ماننے کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: جب معطوف جملہ واقع ہوتا ہے تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو معطوف علیہ کی طرف راجع ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: یتجرعہ، ای یتکلف.

قَوْلُہٗ: یزدردہ، الازدراد خوشگواری اور سہولت سے کسی چیز کا حلق میں اتارنا۔

قَوْلُہٗ: اسبابه المقتضية للموت، اس میں اشارہ ہے کہ جہنم میں موت نہیں ہوگی اسلئے کہ موت کے لئے تو ایک ہی سبب کافی ہوتا ہے چہ جائے کہ بہت سے اسباب موجود ہوں اور پھر بھی موت نہ آئے، یہ موت نہ آنے کی دلیل ہے۔

قَوْلُہٗ: ویبدل منه یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: مبتداء اور خبر کے درمیان (اعمالھم) کا فصل بالاجنبی لازم آ رہا ہے جو درست نہیں ہے۔

جَوَاب: یہ فصل اجنبی نہیں ہے بلکہ وہ مبتداء سے بدل ہے اور بدل مبدل منہ سے اجنبی نہیں ہوتا۔

قَوْلُہٗ: فی یوم عاصف، عاصف کی یوم کی طرف اسناد مجاز کے طور پر ہے اور یوم عاصف، نہارہ صائم ولیلہ قائم کے قبیل سے ہے۔

قَوْلُہٗ: من الاولی للتبیین یعنی من اپنے بعد واقع ہونے والے لفظ شئ کے بیان کے لئے ہے بیان جو کہ عذاب اللہ ہے مبین یعنی شئ پر مقدم ہے تقدیر عبارت یہ ہے، "ھل انتم مغنون عنا بعض الشئ ھو بعض عذاب اللّٰہ".

تفسیر وتشریح

قال الذین کفروا لرسلھم الخ حضرات انبیاء کے وعظ وتذکیر سے بجائے اس کے کہ منکرین کے دل کچھ نرم پڑتے اور ٹھنڈے دل سے اپنے رسول کی بتائی باتوں پر غور کرتے الٹے انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ تم ہی ہمارے دھرم میں آجاؤ ورنہ ہم تمہیں ملک بدر کردیں گے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انبیاء علیہم السلام منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے گمراہ لوگوں کے دین دھرم میں شامل ہوا کرتے تھے اور وحی ہدایت آنے کے بعد دین باطل کو ترک کرکے دین حق کی طرف آتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ نبوت سے پہلے چونکہ وہ ایک طرح خاموش زندگی بسر کرتے تھے کسی دین کی تبلیغ اور رائج الوقت دین کی تردید نہیں کرتے تھے اس لئے ان کی قوم یہ سمجھتی تھی کہ وہ بھی ہماری ملت میں ہیں، اور کار نبوت شروع کرنے کے بعد ان پر یہ الزام لگایا جاتا تھا کہ وہ ملت آبائی سے نکل گئے ہیں، حالانکہ وہ نبوت سے پہلے بھی کبھی مشرکوں کی ملت میں شامل نہیں ہوئے تھے کہ ان پر اس سے خروج کا الزام عائد کیا جائے۔

ولنسکننکم الارض الخ اسی وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی مدد فرمائی، اگرچہ آپ ﷺ کو بادل ناخواستہ مکہ سے نکلنا پڑا لیکن چند سالوں کے بعد ہی آپ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کو نکلنے پر مجبور کرنے والے ظالم مشرکین سر جھکائے کھڑے آپ کے اشارۂ ابرو کے منتظر تھے، لیکن آپ نے خلق عظیم کا مظاہرہ کرتے ہوئے **لا تثریب علیکم الیوم** کہہ کر سب کو معاف فرمادیا۔

مثل الذین کفروا بربھم اعمالھم کرماد الخ یعنی جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ بے وفائی، خود مختاری نافرمانی اور سرکشی کی روش اختیار کی اور اطاعت وبندگی کا وہ طریقہ اختیار کرنے سے انکار کردیا کہ جس کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے، ایسے لوگوں کی زندگی بھر کا سرمایۂ عمل ایسا لا حاصل اور بے معنی ثابت ہوگا جیسا کہ راکھ کا ایک ڈھیر تھا، مگر صرف ایک ہی دن کی آندھی نے اس کو ایسا اڑادیا کہ اس کا ایک ایک ذرہ منتشر ہوکر رہ گیا، حتی کہ ان کی عبادتیں اور ان کی ظاہری نیکیاں اور ان کے خیراتی اور رفاہی کارنامے بھی جن پر ان کو فخر وناز تھا سب کے سب آخرکار راکھ کا ڈھیر ہی ثابت ہوں گے جسے یوم قیامت کی آندھی بالکل صاف کردے گی اور عالم آخرت میں اس کا ایک ذرہ بھی ان کے پاس اس لائق نہ رہے گا کہ اسے خدا کی میزان میں رکھ کر کچھ وزن پاسکیں۔

دوزخیوں کی آپس میں گفتگو:

جہنمی آپس میں گفتگو کرتے ہوئے کہیں گے کہ جنتیوں کو جنت اس لئے ملی کہ وہ اللہ کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے تھے آؤ ہم بھی اللہ کی بارگاہ میں آہ وزاری کریں چنانچہ وہ رو رو کر خوب آہ وزاری کریں گے لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، پھر کہیں گے جنتیوں کو جنت ان کے صبر کی وجہ سے ملی چلو ہم بھی صبر کرتے ہیں پھر وہ صبر کا بھرپور مظاہرہ کریں گے لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ

نہیں ہوگا، تو اس وقت کہیں گے کہ ہم صبر کریں یا جزع وفزع اب رہائی کی کوئی صورت نہیں یہ ان کی گفتگو جہنم کے اندر ہوگی۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ ابليس لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ وادخل اهل الجنة الجنة واهل النار النار واجتمعوا عليه اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ بالبعث والجزاء فصدقكم وَوَعَدْتُّكُمْ انه غير كائن فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ قوة وقدرة اقهركم على متابعتي اِلَّآ لكن اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ على اجابتي مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ بمغيثكم وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ بفتح الياء وكسرها اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ باشراككم اياى مع اللّٰه مِنْ قَبْلُ في الدنيا قال تعالى اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ الكافرين لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٢﴾ مؤلم وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ اى حال مقدرة فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا من اللّٰه من الملئكة وفيما بينهم سَلٰمٌ ﴿٢٣﴾ اَلَمْ تَرَ تنظر كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا ويبدل منه كَلِمَةً طَيِّبَةً اى لا اله الا اللّٰه كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ هي النخلة اَصْلُهَا ثَابِتٌ في الارض وَّفَرْعُهَا غصنها فِي السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِيْٓ تعطي اُكُلَهَا ثمرها كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا بارادته كذلك كلمة الايمان ثابتة في قلب المؤمن وعمله يصعد الى السماء وينالـه بركته وثوابه كل وقت وَيَضْرِبُ يبين اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾ يتعظون فيؤمنون وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ هي كلمة الكفر كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ هي الحنظلة اجْتُثَّتْ استوصلت مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾ مستقر وثبات كذلك كلمة الكفر لاثبات لها ولا فرع ولابركة يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ هو كلمة التوحيد فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ اى في القبر لما يسالهم الملكان عن ربهم ودينهم ونبيهم فيجيبون بالصواب كمافي حديث الشيخين وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ الكفار فلا يهتدون للجواب بالصواب يقولون لاندرى كما في الحديث وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: اور جب فیصلہ چکا دیا جائیگا، اور اہل جنت، جنت میں، دوزخی دوزخ میں داخل کردیئے جائیں گے اور دوزخی شیطان کے پاس جمع ہوں گے تو ابلیس ان سے کہے گا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے بعث اور جزاء کے جتنے وعدے تم سے کئے تھے وہ سب سچے تھے اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا کہ (بعث وغیرہ) کچھ ہونے والا نہیں ہے میں نے اس کو پورا نہیں کیا (یعنی اس کا جھوٹ ہونا ظاہر ہوگیا) اور میری تم پر کوئی زور زبردستی تو تھی نہیں کہ جس کے ذریعہ میں تم کو اپنی اطاعت پر مجبور کرتا البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے تم کو دعوت دی تو تم نے میری بات پر لبیک کہہ دیا، لہٰذا اب تم میری دعوت پر لبیک کہنے پر مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔

میں نہ تمہاری فریادرسی کرسکتا ہوں اور نہ تم میری (مصرخي) یاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے اس سے پہلے دنیا میں جو تم نے مجھے خدا کا شریک ٹھہرا رکھا تھا میں اس سے بری الذمہ ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے ظالموں کے لئے دردناک سزا یقینی ہے (بخلاف) ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کو ایسے باغوں میں داخل کیا جائیگا کہ جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی جن میں وہ اپنے رب کی اجازت سے ہمیشہ رہیں گے اس میں ان کے لئے اللہ اور فرشتوں کی طرف سے اور خود آپس میں بھی سلامتی کی مبارک بادی ہوگی خالدین (جنّت) سے حال مقدرہ ہے، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ یعنی لا الہ الا اللّٰہ کو اور کلمة طيبة. مثلا سے بدل ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ اچھی نسل کا درخت ہو اور وہ کھجور کا درخت ہے، کہ اس کی جڑیں زمین میں (گہری) جمی ہوئی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں ہر آن وہ اپنے رب کے حکم و ارادہ سے پھل دے رہا ہے کلمۂ ایمان کی مثال ایسی ہی ہے کہ قلب مومن میں جما ہوا ہے اور اس کا عمل آسمان کی طرف چڑھتا ہے اور مومن اپنے عمل کی برکت اور ثواب ہر آن پاتا ہے، یہ مثالیں اللہ تعالیٰ اس لئے دیتا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت (سبق) حاصل کریں اور ایمان لے آئیں، اور کلمہ خبیثہ کی مثال کہ وہ کلمۂ کفر ہے برے نسل کے درخت کی سی ہے اور وہ حنظل کا درخت ہے کہ اس کو سطح زمین سے جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور اس کے لئے کوئی استحکام نہیں ہے کلمہ کفر ایسا ہی ہے کہ نہ اس کیلئے استحکام ہے اور نہ اس کی شاخیں ہیں اور نہ برکت ایمان والوں کے لئے اللہ تعالیٰ ایک قول ثابت کی بنیاد پر کہ وہ کلمۂ توحید ہے دنیا اور آخرت کی (یعنی) قبر کی زندگی میں ثبات عطا کرتا ہے جبکہ دو فرشتے ان کے رب اور ان کے دین اور ان کے نبی کے بارے میں سوال کریں گے تو وہ درست جواب دیں گے، جیسا کہ شیخین کی حدیث میں ہے، اور ظالموں کافروں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ درست جواب تک رسائی نہیں پاتے بلکہ وہ کہتے ہیں (هاء هاء لاندري) ہائے افسوس کہ ہم نہیں جانتے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، اور اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔

تَحقِیق وتَرکیب وتَسہِیل وتَفسِیری فوائد

قِوْلَهُ: وعدالحق، ای وعدا من حقه ان ينجز، یعنی ایسا وعدہ کہ جس کا حق یہ ہے کہ اس کو پورا کیا جائے اور اضافت موصوف الی الصفت بھی قرار دیا جاسکتا ہے الی الوعد الحق.

قِوْلَهُ: لکن اس میں اشارہ ہے کہ الا ان دعوتكم، دعوتكم، مستثنیٰ منقطع ہے، اسلئے کہ دعاء سلطان کی جنس سے نہیں ہے۔

قِوْلَهُ: بالفتح یعنی مصرخي میں یاء پر فتحہ اور کسرہ دونوں قراءتیں ہیں فتحہ تخفیف کے لئے ہے اور کسرہ اصل کے مطابق، مصرخ اسم فاعل مذکر، فریادرسی کرنے والا (افعال) اصراخ، اضداد میں سے ہے اس کے معنی فریادرسی کرنے والا، اور فریادخواہ یعنی دادرس اور دادخواہ۔

قِوْلَهُ: حال مقدرة یعنی مقدرين خلودهم، خالدين، جنّت سے حال ہے جنت کا وجود مقدم ہے اور دخول جنت بعد

میں ہوگا معلوم ہوا کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک نہیں ہے حالانکہ ایک ہونا ضروری ہے، جواب یہ ہے کہ حال مقدرہ ہے ای مقدرین خلودھم.

قَوْلُہٗ: تعطی اس میں اشارہ ہے کہ تؤتی ایتاء سے ہے نہ اتیان سے۔

قَوْلُہٗ: اجتثت اس کو اکھاڑا گیا ماضی مجہول واحد مؤنث غائب، مصدر اجتثاث (افتعال).

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

اللہ کا وعدہ:

وقالَ الشیطان لما قضی الامر (الآیۃ) یہاں فیصلے سے مراد یہ ہے کہ مطیع جنت میں اور نافرمان دوزخ میں پہنچ چکیں گے، اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ ایک روز جزاء اور سزا کا آنے والا ہے، اہل ایمان کو اس روز نجات نصیب ہوگی اور اہل کفر کو ہلاکت۔

شیطان کا وعدہ:

شیطان کا وعدہ یہ ہے کہ کفر پر ایمان کو ترجیح نہیں، جنت اور دوزخ سب ڈھکوسلے ہیں، آخرت میں جزا سزا کسی کو نہیں ہوگی۔ دوزخ میں جب دوزخی سارا الزام ابلیس پر ڈالیں گے تو شیطان کہے گا کہ تمہارے گلے شکوے اس حد تک تو صحیح ہیں کہ اللہ سچا تھا اور میں جھوٹا تھا، اس سے مجھے ہرگز انکار نہیں، اللہ کے وعدے اور اس کی وعید میں تم دیکھ رہے ہو کہ اس کی ہر بات اور ہر وعدہ صدق صحیح نکلا، اور میں خود یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جو بھروسے میں نے تمہیں دنیا میں دلائے اور خوشنما باغ تم کو دکھائے اور پرفریب توقعات کے جال میں میں نے تم کو پھانسا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں نے یہ یقین جو تمہیں دلایا کہ اول تو آخرت کچھ ہے ہی نہیں، سب ڈھکوسلے ہیں اور اگر بالفرض ہوئی بھی تو فلاں حضرت کے تصدق سے تم صاف بچ نکلو گے، بس ان کی خدمت میں نذرونیاز کی رشوت پیش کرتے رہو اور پھر جو چاہو کرتے پھرو نجات دلانے کا ذمہ ان کا، یہ ساری باتیں جو میں تم سے کہتا رہا یا اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ کہلواتا رہا سب دھوکا اور فریب تھا۔

وما کان لی علیکم من سلطان الخ جہنم میں ابلیس جہنمیوں کے الزام کا جواب دیتے ہوئے کہے گا کہ میں کب تمہارا ہاتھ پکڑ کر زبردستی غلط راستے پر کھینچ کر لایا نہ میرا تم پر کوئی دباؤ تھا نہ زور زبردستی، میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ دعوت حق کے مقابلہ میں اپنی دعوت باطل تمہارے سامنے پیش کی سچائی کے مقابلہ میں جھوٹ کی طرف بلایا، باقی ماننے اور نہ ماننے کا اختیار تو آپ حضرات کو ہی حاصل تھا میرے پاس آپ کو مجبور کرنے کی کوئی طاقت نہیں تھی لہٰذا اس غلط انتخاب کی ذمہ داری مجھ پر ڈالنے کے بجائے خود تمہیں اٹھانی چاہئے، اسلئے کہ اس انتخاب میں تمام تر قصور تمہارا ہی ہے تم نے عقل وشعور سے ذرا کام نہ لیا دلائل واضحہ کو تم نے نظر انداز کیا اور دعوائے محض کے پیچھے لگے رہے جس کی پشت پر کوئی دلیل نہیں تھی لہٰذا نہ تم کو اس قہر وغضب سے

نکلوا سکتا ہوں جس میں تم مبتلا ہو اور نہ تم اس عذاب سے مجھے نکلوا سکتے ہو، کہ جس میں میں مبتلا ہوں، اور مجھے اس بات سے بھی انکار ہے کہ میں اللہ کا شریک ہوں اگر تم مجھے یا کسی اور کو اللہ کا شریک سمجھتے رہے تو تمہاری اپنی غلطی اور نادانی تھی، جس اللہ نے ساری کائنات بنائی اس کی تدبیر وہی کرتا رہا بھلا اس کا شریک کوئی کیونکر ہو سکتا ہے؟

الم تر کیف ضرب اللّٰہ مثلا الخ اس کا مطلب ہے کہ مومن کی مثال اس درخت کی طرح ہے کہ جو گرمی سردی غرضیکہ ہر موسم میں پھل دیتا ہے، اسی طرح مومن کے اعمال صالحہ شب و روز کے لمحات میں ہر آن اور ہر وقت آسمان کی طرف جاتے رہتے ہیں۔ کلمہ طیبہ سے اسلام یا لا الہ الا اللّٰہ اور شجرۂ طیبہ سے کھجور کا درخت مراد ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔

کلمۂ خبیثہ سے مراد کفر اور شجرۂ خبیثہ سے مراد حنظل (اندرائن) کا درخت ہے، جس کی جڑیں زمین میں اوپر ہوتی ہیں اور ذرا سے اشارہ میں اکھڑ جاتی ہیں، یعنی کافر کے اعمال نیک بالکل بے حیثیت ہیں نہ وہ آسمان پر چڑھتے ہیں نہ اللہ کی بارگاہ میں وہ قبولیت کا درجہ پاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ تنظر اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اى شكرها كُفْرًا هم كفار قريش وَّاَحَلُّوْا انزلوا قَوْمَهُمْ باضلالهم اياهم دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ الهلاك جَهَنَّمَ عطف بيان يَصْلَوْنَهَا يدخلونها وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ المقرهى وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا شركاء لِّيُضِلُّوْا بفتح الياء وضمها عَنْ سَبِيْلِهٖ دين الاسلام قُلْ لهم تَمَتَّعُوْا اى بدنيا كم قليلا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ مرجعكم اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ اى فداء فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ مخالة اى صداقة تنفع هو يوم القيمة اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ السفن لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بالركوب والحمل بِاَمْرِهٖ باذنه وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ جاريين فى فلكهما لا يفتران وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ لتسكنوا فيه وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ لتبتغوا فيه من فضله وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ على حسب مصالحكم وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ بمعنى انعامه لَا تُحْصُوْهَا لا تطيقوا عدها اِنَّ الْاِنْسَانَ الكافر لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ كثير الظلم لنفسه بالمعصية والكفر لنعمة ربه.

ترجمہ: کیا آپ نے ان پر نظر نہیں ڈالی جنہوں نے اللہ کی نعمتوں یعنی ان کے شکر کو ناشکری سے بدل دیا اور وہ کفار قریش ہیں، اور اپنی قوم کو گمراہ کر کے ہلاکت کے گھر میں لا اتارا یعنی جہنم میں یہ عطف بیان ہے جس میں یہ سب داخل ہوں گے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے اور انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرا لئے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ دین اسلام سے بہکائیں یاء کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اپنی دنیا میں (چند دن) مزے اڑا لو، تمہاری جائے بازگشت تو آخر جہنم ہی ہے (اے نبی) میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے ہیں کہہ دیجئے کہ نماز کی پابندی کریں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں

سے ظاہر اور پوشیدہ طور پر خرچ کریں قبل اس کے کہ وہ دن آجائے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی (نہ ان کے پاس کچھ ہوگا کہ جس کو وہ فدیہ میں دے سکیں) اور وہ دن قیامت کا ہوگا، اللہ وہ ذات ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور بادلوں سے پانی برسایا اس پانی کے ذریعہ تمہارے رزق کے لئے پھل پیدا کئے اور کشتیوں کو تابع کر دیا کہ دریا میں سواریوں اور بوجھ کو اللہ کی اجازت سے لے کر چلتی ہیں اور اسی نے دریا تمہارے اختیار میں کر دیئے اور سورج و چاند کو تمہارے لئے مسخر کر دیا (یعنی تمہارے کام میں لگا دیا) کہ اپنی منزلوں میں رواں دواں ہیں (ذرہ برابر) سستی نہیں کرتے اور رات کو بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو بھی تاکہ تم اس میں اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو اور جو چیز تم نے اس سے طلب کی اس میں سے تمہاری مصلحت کے مطابق عطا کی، اگر تم اللہ کے انعامات کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے یعنی تمہارے اندر ان کو شمار کرنے کی طاقت نہیں یقیناً کافر انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے یعنی اپنی رب کی نعمتوں کی ناشکری اور معصیت کر کے اپنے اوپر بڑا ہی ظلم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: ای شکرها، یہ اضافہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ بدلوا نعمة الله کفرا کے معنی ہیں کہ ان لوگوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل لیا، حالانکہ نعمت عین ہے اور کفر وصف ہے اور تبدیل عین بالوصف کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

جَوَاب: مضاف محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ نعمت کے شکر کو ناشکری سے بدل دیا، یعنی شکر کرنے کے بجائے ناشکری کی۔

قِوْلَهُ: لیضلوا.

سَوَال: جعلوا لله اندادا، کی غرض اضلال اور ضلال کو قرار دیا ہے حالانکہ شریک قرار دینے سے مشرکین کی غرض اضلال اور ضلال نہیں تھی۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اضلال اور ضلال اگرچہ انداد کی غرض نہیں ہے مگر نتیجہ ضرور ہے لہٰذا نتیجہ کو غرض قرار دیا ہے۔

قِوْلَهُ: قل لعبادی الذین آمنوا یقیموا الصلوة الخ.

سَوَال: یقیموا الصلوة الخ کا مقولہ واقع ہونا درست نہیں ہے اسلئے کہ اقامت صلوة مخاطب کا عمل ہے نہ کہ قائل کا مقولہ، حالانکہ مقولہ کے لئے قائل کا ہی مقولہ ہونا ضروری ہے۔

جَوَاب: قل کا مقولہ محذوف ہے اور جواب امر جو کہ یقیموا الصلوة ہے حذف پر دال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے قل لعبادی الذین آمنوا أقیموا و أنفقوا، لیقیموا الصلوة وینفقوا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ امر مقولہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے قل لهم لیقیموا الخ قُلْ کی دلالت کی وجہ سے لام کو حذف کر دیا گیا ہے یقیموا ہو گیا اور اگر ابتداء حذف کے

ساتھ یقیموا کو مقولہ قرار دیا جائے تو درست نہ ہوگا۔

قِوْلَہٗ: سرا وعلانیة دونوں أنفقوا امر کی ضمیر سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں، ای ینفقون مسرین ومعالنین۔

قِوْلَہٗ: السفن، اسد کے وزن پر جمع ہے لہٰذا تجری فعل کا مؤنث لانا درست ہے۔

قِوْلَہٗ: دائبین، ایک دستور پر چلنے والے یہ دائبٌ کا تثنیہ ہے، بمعنی حال، عادت، رسم، دستور، (ف) دأب یدأب، دأبا لگاتار کسی کام میں لگنا۔

تَفسِیر وَتَشریح

الم تر الی الذین بدلوا نعمة اللّٰه کفرا، یہ ذکر سرداران کفر اور پیشوایان ضلالت کا ہو رہا ہے، اس کی تفسیر صحیح بخاری میں اس طرح ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ ہیں جنہوں نے رسالت محمدیہ کا انکار کر کے اور جنگ بدر میں مسلمانوں سے لڑ کر اپنے لوگوں کو ہلاک کر دیا اگرچہ یہ آیت شان نزول کے اعتبار سے خاص ہے مگر اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمة للعالمین اور لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، سو جس نے اس نعمت کی قدر کی اسے قبول کیا تو اس نے اس کا شکر ادا کیا اور وہ جنتی ہوگیا، اور جس نے اسے رد کر دیا اور کفر اختیار کئے رکھا وہ مستحق دوزخ ہوا۔

نعمة کا لفظ اگرچہ مفرد استعمال ہوا ہے مگر مراد اس سے جنس کے طور پر عام ہے اس سے دنیا کی تمام نعمتیں جو محسوس ومشاہد ہیں جن کا تعلق انسان کے ظاہری منافع سے ہے مراد ہو سکتی ہیں اور معنوی وروحانی نعمتیں بھی جن کا تعلق انسان کے رشد وہدایت کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے انبیاء اور آسمانی کتابوں اور نشانیوں کی شکل میں نازل ہوتی ہیں مراد ہو سکتی ہیں، اور دونوں بھی۔

دونوں قسم کی نعمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ انسان اللہ کی عظمت اور قدرت کو پہچانتا اس کی نعمتوں کا شکر گذار ہوتا اس کی فرمانبرداری اختیار کرتا مگر کفار ومشرکین نے نعمتوں کا مقابلہ شکر کے بجائے کفران نعمت سے اور اس کے احسانات کا مقابلہ سرکشی اور نافرمانی سے کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت وبربادی کے مقام میں ڈال دیا اور خود بھی ہلاک ہوئے۔

قل تمتعوا، تمتعوا کے معنی کسی چیز سے چند روزہ عارضی فائدہ حاصل کرنے کے ہیں، اس آیت میں مشرکین کو بتلا دیا گیا ہے کہ چند روز دنیا میں عیش کر لو اور دنیا کی نعمتوں سے چند روز فائدہ اٹھا لو مگر انجام کار تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔

قل لعبادی، سابقہ آیت میں نافرمان بندوں، کفار ومشرکین کی مذمت اور ان کے انجام بد کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں اپنے فرمانبردار اور شکر گذار مومن بندوں کا ذکر ہے اور ان کو ادائے شکر کے طریقوں کی ہدایت ہے جس میں سب سے پہلی ہدایت اقامت صلوة کی ہے اقامت صلوة کا مطلب ہے کہ اسے اپنے وقت پر تعدیل ارکان کے ساتھ اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کیا جائے، صلہ رحمی کی جائے، ضرورت مندوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے مالی فرائض ادا کئے جائیں۔

لابیع فیه ولا خلال لفظ خلال خلة کی جمع ہے جس کے معنی بے غرض مخلصانہ دوستی کے ہیں، نیز اس لفظ کو باب مفاعله

کا مصدر بھی کہہ سکتے ہیں جیسے، قتال، دفاع وغیرہ اس صورت میں اس کے معنی دو شخصوں کے درمیان مخلصانہ دوستی کے ہوں گے، یہ سب نیکیاں دنیا ہی میں موت سے پہلے پہلے کر لینی چاہئیں، اس کے بعد قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ جہاں نہ خرید وفروخت ممکن ہوگی اور نہ ہی خود غرضی کی دوستی کسی کے کام آئیگی۔

اللہ الذی خلق السمٰوات والارض الخ اس آیت سے آخر رکوع تک اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی بڑی نعمتوں کی یاد دہانی کرا کے انسان کو اپنی عبادت اور اطاعت کی دعوت وترغیب دی ہے، غرضیکہ اللہ کی نعمتیں ان گنت اور بے شمار ہیں انہیں کوئی حیطۂ شمار میں نہیں لاسکتا چہ جائے کہ ان نعمتوں کے شکر کا حق ادا کر سکے، ایک اثر میں حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ذکر کیا گیا ہے، انہوں نے کہا "اے رب میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں؟ جبکہ شکر بجائے خود تیری طرف سے میرے اوپر ایک نعمت ہے" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے داؤد اب تو نے میرا شکر ادا کر دیا جبکہ تو نے یہ اعتراف کر لیا کہ اے اللہ تیری نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں"۔ (ابن کثیر)

وَ اذکر اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ مكة اٰمِنًا ذا امن وقد اجاب الله تعالى دعاءه فجعله حرما لا يسفك فيه دم انسان ولا يظلم فيه احد ولا يصاد صيده ولا يختلى خلاه وَّاجْنُبْنِيْ بعدني وَبَنِيَّ عن اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اى الاصنام اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بعبادتهم لها فَمَنْ تَبِعَنِيْ على التوحيد فَاِنَّهٗ مِنِّيْ من اهل ديني وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ هذا قبل علمه انه تعالى لا يغفر الشرك رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ اى بعضها وهو اسمٰعيل مع امه هاجر بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ هو مكة عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ الذى كان قبل الطوفان رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً قلوبا مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ تميل وتحن اِلَيْهِمْ قال ابن عباس لو قال افئدة الناس لحنت اليه فارس والروم والناس كلهم وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وقد فعل بنقل الطائف اليه رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ ما نسر وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ زائدة شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ يحتمل ان يكون من كلامه تعالى او كلام ابراهيم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ اعطاني عَلَى مع الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ ولد وله تسع وتسعون سنة وَاِسْحٰقَ وله مائة وثنتا عشرة سنة اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ اجعل مِنْ ذُرِّيَّتِيْ من يقيمها واتى بمن لاعلام الله تعالى له ان منهم كفارا رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ المذكور رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ قبل ان يتبين له عداوتهما لله وقيل اسلمت امه وقرئ والدي مفردا وَولدي وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ يثبت الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

ع ۶ / ۷ / ۱۸

ترجمہ: اور اس وقت کا ذکر کرو کہ جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعاء کی کہ اے میرے پروردگار تو اس شہر مکہ کو امن

والا بنادے اور بلاشبہ اللہ نے ان کی دعاء قبول فرمائی اور اس کو محترم بنادیا، کہ وہاں نہ کسی انسان کا خون بہایا جاتا ہے اور نہ وہاں کسی پر ظلم کیا جاتا ہے اور نہ اس کے جانور کا شکار کیا جاتا ہے اور نہ اس کی ہری گھاس اکھاڑی جاتی ہے، اور تو (اے میرے پروردگار) مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ ہم بت پرستی کریں دور رکھ، اے میرے پروردگار ان بتوں نے بہت سے انسانوں کو ان کے ان کی بندگی کرنے کی وجہ سے گمراہ کردیا، پس جس نے توحید کے معاملے میں میری اتباع کی تو وہ میرا یعنی میرے اہل ملت میں ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی تو آپ بہت ہی معاف کرنے والے اور نہایت رحم کرنے والے ہیں (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی) یہ دعا اس علم سے پہلے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک معاف نہ فرمائیں گے، اے ہمارے پروردگار، میں نے اپنی بعض اولاد کو کہ وہ اسماعیل ہیں مع اس کی والدہ ہاجرہ کے بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس کہ وہ طوفان (نوح) سے پہلے گھر تھا بسادیا ہے، اے ہمارے پروردگار یہ اس لئے کیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں تو کچھ لوگوں کے دلوں کو (اس گھر کی طرف) مائل و مشتاق کردے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام **افئدة الناس** کہتے تو اس کی طرف فارس اور روم اور تمام لوگ مائل ہوجاتے، اور تو انہیں پھلوں (ہر قسم کی پیداوار) کی روزی عطا فرما تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں اور خطۂ طائف کو منتقل کرکے یہ دعاء قبول کرلی گئی، اے ہمارے پروردگار تو بخوبی جانتا ہے جسے ہم چھپائیں یا ظاہر کریں اور اللہ پر زمین اور آسمان کی کوئی شئ پوشیدہ نہیں مِنْ زائدہ ہے، مذکورہ کلام میں احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام ہو، اللہ کا شکر ہے کہ جس نے اس بڑھاپے میں اسماعیل بیٹا عطا کیا اسماعیل کی پیدائش اس وقت ہوئی جبکہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر ۹۹ سال تھی، اور اسحٰق عطا کیا (اسحٰق) کی پیدائش اس وقت ہوئی جبکہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر ۱۱۲ سال تھی، اس میں کوئی شک نہیں کہ میرا رب دعاء کا سننے والا ہے اے میرے پروردگار تو مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد میں بھی ایسے لوگ پیدا فرما کہ جو نماز قائم کریں، اور لفظ مِنْ استعمال فرمایا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتلادیا کہ ان میں کچھ کافر بھی ہوں گے، اے ہمارے پروردگار تو مذکورہ دعاء کو قبول فرما، اے ہمارے پروردگار تو مجھے اور میرے والدین کو بخشدے اور دیگر مومنوں کو بھی جس دن حساب ہونے لگے اور والدین کے لئے یہ دعاء اللہ سے ان کی عداوت ظاہر ہونے سے پہلے کی تھی اور کہا گیا ہے کہ ان کی والدہ ایمان لے آئی تھیں اور ایک قراءت میں **والدی** اور **ولدی** افراد کے ساتھ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سُؤال: سورۂ بقرہ میں بلدا نکرہ استعمال ہوا ہے اور یہاں البلد معرفہ اس میں کیا حکمت ہے؟

جَواب: سورۂ بقرہ میں تعمیر بلد سے پہلے دعاء فرمائی کہ یا اللہ تو یہاں ایک شہر تعمیر فرمادے اور یہاں جو دعاء ہے وہ تعمیر بلد کے بعد اس کے مامون ہونے کی ہے۔

قولہ: ذا امن.

سوال: آمنًا کی تفسیر ذا امن سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: یہ ہے کہ آمن نسبت کا صیغہ ہے نہ کہ اسم فاعل کا، جیسا کہ تامر تمر بیچنے والا، آمن کے معنی ہیں امن والا، نہ کہ امن دینے والا، اسلئے کہ آمن اسم فاعل بمعنی امن دینے والا درست نہیں ہے اس لئے کہ بلد غیر ذی روح اور غیر ذوی العقول میں سے ہے لہٰذا اس میں امن دینے کی صلاحیت نہیں ہے اور نہ امن کی نسبت بلد کی طرف مناسب اس لئے کہ امن دینا درحقیقت اللہ کا کام ہے۔

قولہ: یختلی، یہ اختلاء (افتعال) سے ہے معنی سبز گھاس وغیرہ اکھاڑنا۔

قولہ: اجنبنی (ن) امر واحد مذکر حاضر اصل میں اجنب ہے اس میں نون وقایہ یاء متکلم کی ہے تو مجھے بچا، تو مجھ کو دور رکھ۔

قولہ: عن أن نعبدالاصنام، لفظ عن کا اضافہ کر کے بتادیا کہ ان نعبد میں ان مصدریہ ہے نہ کہ تفسیریہ اسلئے کہ أن تفسیر کے لئے ماقبل میں لفظ قول یا اس کے ہم معنی ہونا ضروری ہے جو یہاں نہیں ہے۔

قولہ: اضللن کثیرا، اضلال کی اسناد بتوں کی طرف مجازی ہے یہ اسنادالشئ الی سببه کے قبیل سے ہے چونکہ یہ بت لوگوں کے گمراہ ہونے کا سبب ہیں اسلئے اضلال کی نسبت انہی کی طرف کردی۔

قولہ: الذی کان قبل الطوفان، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ عند بیتك المحرم فرمانا کیسے درست ہے جبکہ وادی غیر ذی ذرع میں کوئی بیت تھا ہی نہیں۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے بیت کہنا یا تو ما کان کے اعتبار سے ہے یا ما یکون کے اعتبار سے، یعنی طوفان نوح علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے وہاں بیت تھا اور آئندہ بھی موجود ہوگا۔

قولہ: تحن، ای تشتاق وتمیل.

قولہ: افئدة الناس یعنی اگر بغیر من تبعیضیہ کے کہتے تو ہر انسان کی رغبت ہوتی۔

قولہ: اسمٰعیل، اسحٰق، اسمٰعیل کا نام اسماعیل اس لئے ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام جب اللہ تعالیٰ سے اولاد کے لئے دعاء فرماتے تھے تو فرماتے تھے، اسمع یا ایل، اسمع امر بمعنی سن اور ایل عبرانی میں اللہ کو کہتے ہیں، اب اسمٰعیل کا ترجمہ ہوا اے خدا تو سن! اور جب اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاء سن لی اور فرزند عطا کردیا تو اس کا نام اسمٰعیل رکھ دیا، اور اسحٰق کو عبرانی میں اضحاک کہتے ہیں۔

قولہ: اجعل، اس میں اشارہ ہے کہ ومن ذریتی کا عطف اجعلنی کی ضمیر منصوب پر ہے۔

قولہ: من یقیمها یہ اشارہ ہے کہ اجعلنی کا مفعول ثانی محذوف ہے۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

واذقال ابراهيم الخ، گذشتہ آیات میں عقیدۂ توحید کی معقولیت اور اہمیت کا اور شرک و جہالت کی مذمت کا بیان تھا، اب یہاں اسی مناسبت سے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ ذکر فرمایا، اس قصہ کے ضمن میں اہل مکہ کو یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ اے اہل مکہ! تمہارا دعویٰ ہے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے ہو اور تمہارا رشتۂ نسب حضرت خلیل اللہ سے ملتا ہے، مگر ذرا غور تو کرو کہ تمہارے جد امجد کا عقیدہ اور عمل کیا تھا؟ توحید کے معاملہ میں زمرۂ انبیاء علیہم السلام میں سب سے زیادہ کامیاب جہاد حضرت خلیل اللہ کا جہاد تھا، اسی لئے ملت ابراہیمی کو دین حنیف کا نام دیا جاتا ہے تاکہ اہل مکہ تقلید آبائی کے خوگر شاید اپنے جد امجد کے عقیدہ و عمل پر نظر کر کے کفر و شرک سے باز آجائیں، اسی مصلحت سے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ سنایا گیا ہے۔

دعاء ابراہیمی کی تاثیر:

وارزقهم من الثمرات لعلهم يشكرون، دعاء ابراہیمی کی تاثیر کس قدر عیاں ہے کہ مکہ جیسی بے آب و گیاہ سرزمین میں جہاں کوئی پھلدار درخت نہیں، دنیا بھر کے پھل اور میوے نہایت فراوانی کے ساتھ مہیا ہیں اور حج کے موقع پر بھی جبکہ لاکھوں افراد کا اضافی اجتماع ہوتا ہے پھلوں کی فراوانی میں کمی نہیں آتی، نہ صرف پھل بلکہ دنیا بھر کی مصنوعات مکہ میں بآسانی دستیاب ہوتی ہیں۔

رب اجعلني مقيم الصلوة ومن ذريتي، اس دعاء میں اپنے ساتھ اپنی اولاد کو بھی شریک فرمایا اور اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لئے بھی نماز کی پابندی کی دعاء کی، اور اپنی مغفرت اور اپنے والدین کے لئے بھی مغفرت کی دعاء فرمائی حالانکہ والد یعنی آذر کا کافر ہونا قرآن میں مذکور ہے ہوسکتا ہے کہ یہ ممانعت سے پہلے کی دعاء ہو، اور جب آذر کا عدو اللہ ہونا معلوم ہوگیا تو دعاء ترک کردی۔

قال تعالى ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ الكافرون من اهل مكة ﴿اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ﴾ بلاعذاب ﴿لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ﴾ لهول ماترى يقال شخص بصر فلان اى فتحه فلم يغمضه ﴿مُهْطِعِيْنَ﴾ مسرعين حال ﴿مُقْنِعِيْ﴾ رافعي ﴿رُءُوْسِهِمْ﴾ الى السماء ﴿لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ﴾ بصرهم

وَاَفْئِدَتُهُمْ قلوبهم هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ خالية من العقل لفزعهم وَاَنْذِرِ خوف يا محمد النَّاسَ الكفار يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ هو يوم القيمة فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا كفروا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ بان تردنا الى الدنيا اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ بالتوحيد وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ فيقال لهم توبيخا اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ حلفتم مِّنْ قَبْلُ في الدنيا مَا لَكُمْ مِّنْ زائدة زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ عنها الى الاخرة وَّسَكَنْتُمْ فيها فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بالكفر من الامم السابقة وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ من العقوبة فلم تنزجروا وَضَرَبْنَا بينا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ في القران فلم تعتبروا وَقَدْ مَكَرُوْا بالنبي صلى الله عليه وسلم مَكْرَهُمْ حيث ارادوا قتله اوتقييده اواخراجه وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ اى علمه اوجزاؤه وَاِنْ ما كَانَ مَكْرُهُمْ وان عظم لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ المعنى لا يعبأبه ولا يضر الاانفسهم والمراد بالجبال هنا قيل حقيقتها وقيل شرائع الاسلام المشبهة بها فى القرار والثبات وفى قراءة بفتح لام لتزول ورفع الفعل فان مخففة والمراد تعظيم مكرهم وقيل المراد بالمكر كفرهم ويناسبه على الثانية تكاد السموات يتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدًا وعلى الاولى ماقرئ وما كان فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ بالنصر اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غالب لا يعجزه شئ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ ممن عصاه اذكر يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ هو يوم القيمة فيحشر الناس على ارض بيضاء نقية كما فى حديث الصحيحين وروى مسلم حديث سئل صلى الله عليه وسلم اين الناس يومئذ قال على الصراط وَبَرَزُوْا خرجوا من القبور لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى يا محمد تبصر الْمُجْرِمِيْنَ الكافرين يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ مشدودين مع شياطينهم فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ القيود اوالاغلال سَرَابِيْلُهُمْ قمصهم مِّنْ قَطِرَانٍ لانه ابلغ لاشتعال النار وَّتَغْشٰى تعلوا وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ متعلق ببرزوا اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ من خير وشر اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ يحاسب جميع الخلق فى قدر نصف نهار من ايام الدنيا لحديث بذلك هٰذَا القران بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ اى انزل لتبليغهم وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا بما فيه من الحجج اَنَّمَا هُوَ اى الله اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ بادغام التاء فى الاصل فى الذال يتعظ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ اصحاب العقول.

ع ۷ / ۱۱ / ۱۹

ترجمہ: مکہ کے کافر جو کچھ کرتے ہیں اس سے تم خدا کو ہرگز غافل نہ سمجھو، وہ تو ان کو عذاب سے اس دن تک کے لئے مہلت دیئے ہوئے ہے کہ جس دن منظر کی ہولناکی کی وجہ سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، کہا جاتا ہے شخص بصر فلان، یعنی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جس کو وہ بند نہ کرسکا، حال یہ کہ وہ آسمان کی طرف اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے (داعی کی آواز کی طرف) تیزی سے دوڑے چلے جارہے ہوں گے (ایک لمحہ کے لئے بھی) ان کی پلک نہ جھپکے گی اور ان کے قلوب ان کے خوف کی وجہ سے عقل سے خالی ہوں گے اور اے محمد ﷺ آپ کافر لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جس دن ان پر

عذاب آویگا اور وہ قیامت کا دن ہوگا، اور ظالم کافر کہیں گے اے ہمارے پروردگار، تو ہمیں تھوڑے وقت کی مہلت دے بایں صورت کہ تو ہمیں دنیا کی طرف لوٹا دے تاکہ ہم تیری توحیدی دعوت قبول کرلیں اور تیرے رسولوں کی اتباع کریں تو ان سے جھڑکی کے طور پر کہا جائیگا، کیا تم اس سے پہلے دنیا میں قسم کھا کرنہیں کہا کرتے تھے کہ ہمارے لئے تو دنیا سے آخرت کی طرف ٹلنا ہی نہیں ہے حالانکہ تم دنیا میں ان کی بستیوں میں رہ چکے ہو کہ جنہوں نے امم سابقہ میں سے کفر کرکے اپنے اوپر ظلم کیا اور تمہارے لئے ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ عذاب کا کیسا معاملہ کیا تھا؟ پھر بھی تم باز نہیں آئے، اور ہم نے تمہارے (سمجھانے) کے لئے قرآن میں طرح طرح کی مثالیں بیان کیں مگر تم نے عبرت حاصل نہ کی، اور یہ لوگ نبی ﷺ کے ساتھ اپنی چالیں چل رہے ہیں اس طریقہ پر کہ ان لوگوں نے آپ کے قتل کا یا قید کرنے کا یا وطن سے نکالنے کا ارادہ کیا اور اللہ کو ان کے مکر کا علم ہے یا اللہ کے پاس ان کی سزا ہے، اور ان کی چالیں اگرچہ کتنی ہی عظیم ہوں ایسی نہ تھیں کہ ان سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکیں، معنی یہ ہیں کہ ان کی چالیں قابل توجہ نہ تھیں اور وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور پہاڑوں سے مراد حقیقۃً پہاڑ ہی ہیں، یا اسلامی احکام ہیں جن کو ثبات وقرار میں پہاڑوں کے ساتھ تشبیہ دی اور ایک قراءت میں (لتزول) کے لام کے فتحہ اور فعل کو رفع کے ساتھ ہے اور اِن مخففہ ہے اور مقصد ان کے مکر کے عظیم ہونے کو بیان کرنا ہے اور کہا گیا ہے کہ مکر سے مراد ان کا کفر ہے اور تکاد السمٰوات یتفطرن (الآیة) ثانی قراءت کے مناسب ہے، اور پہلی قراءت کے مناسب وہی ہے جو پڑھا گیا ہے، (یعنی) وما کان مکرهم الخ آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں سے نصرت کے بارے میں وعدہ خلافی کرے گا اللہ تعالیٰ غالب ہے اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی اور اپنے نافرمانی کرنے والے سے بدلہ لینے والا ہے (اور) اس دن کو یاد کرو کہ موجودہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور وہ قیامت کا دن ہوگا، تو لوگوں کو ایک صاف ستھری سفید زمین پر جمع کیا جائیگا، جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے، اور روایت کی مسلم نے ایک حدیث جس میں سوال کیا گیا رسول ﷺ سے کہ (تبدیلی ارض) کے دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا پل صراط پر، اور (سب لوگ) قبروں سے نکل کر خدائے واحد غالب کے روبرو حاضر ہوں گے اور اے محمد آپ اس دن مجرموں کافروں کو بیڑیوں میں یا طوقوں میں شیاطین کے ساتھ جکڑے ہوئے دیکھو گے حال یہ ہے کہ ان کا لباس گندھک (یا تارکول) کا ہوگا، اسلئے کہ گندھک آگ بھڑکانے والی بہت زیادہ ہوتی ہے اور آگ ان کے چہروں پر بھی چھائی ہوئی ہوگی تاکہ اللہ ہر شخص کو اس کے اعمال نیک وبد کا بدلہ دے، لیجزی، برزوا کے متعلق ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے اللہ تعالیٰ پوری مخلوق کا حساب دنیا کے دنوں کے اعتبار سے نصف دن میں لے لیگا اس مضمون کی حدیث کی وجہ سے یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے اطلاع نامہ ہے یعنی لوگوں کی تبلیغ کے لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ ان کو آگاہ کردیا جائے اور تاکہ لوگ ان دلائل کو جان لیں جو قرآن میں ہیں کہ اللہ ایک اکیلا معبود ہے اور تاکہ اہل عقل (وبصیرت) اس سے نصیحت حاصل کریں، (لیذکر) اصل میں یا ذال میں ادغام کے ساتھ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تشخص (ف) مضارع واحد مؤنث غائب، مصدر شخوص، ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا، آنکھوں کا کھلا رہ جانا، آنکھوں کا چڑھ جانا۔

قولہ: مهطعين یہ مهطع اسم فاعل کی جمع ہے (افعال) اهطاع سر جھکا نا تیزی سے دوڑنا مهطعين، اصحاب مضاف محذوف سے حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے، اصحاب الابصار مهطعين.

قولہ: مقنعی، اقناع سے اسم فاعل اٹھائے ہوئے، (افعال) اصل میں مقنعين تھا، نون اضافت کی وجہ سے حذف ہو گیا، مادہ قنع ہے۔

قولہ: افئدتهم، افئدة، فؤاد کی جمع ہے بمعنی دل۔

قولہ: هواء یہ اسم ہے بمعنی خالی، خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے دل کا خالی ہونا ہر بھلائی سے خالی، ہواء اس فضاء کو کہتے ہیں جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے، محاورہ میں ڈرپوک دل کی صفت واقع ہوتی ہے۔

قولہ: نجب یہ اخرنا امر کا جواب ہے۔

قولہ: یقال لهم، ماقبل سے ربط پیدا کرنے کے لئے اس کے محذوف ماننے کی ضرورت پیش آئی۔

قولہ: تبين، اس کا فاعل دلالت کلام کی وجہ سے مضمر ہے اور وہ حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے تبين لكم كيف فعلنا بهم؟

قولہ: ان ما، اس میں اشارہ ہے کہ ان نافیہ ہے اور لتزول میں لام تاکید نفی کے لئے ہے، وفی قراءت بفتح لام الاولی ورفع الاخيرة ای لتزول، اس صورت میں ان مخففہ عن الثقيله ہوگا، مطلب یہ ہوگا کہ ان کا مکر اتنا شدید تھا کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے، (لتزول) کا لام، مخففہ اور نافیہ کے درمیان فارقہ ہے۔

خلاصہ: ثانی قراءت یعنی اَن مخففہ کی صورت میں (لتزول) سے کفار کے مکر کو عظیم اور شدید ہونے کو بیان کرنا مقصود ہے، اور پہلی قراءت یعنی ان نافیہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ (لتزول) سے ان کے مکر کے ضعف کو بیان کرنا مقصود ہے یعنی ان کا مکر خدائی تدبیر کے مقابلہ میں اتنا ضعیف اور کمزور ہے کہ وہ قابل توجہ بھی نہیں ہے اور نہ وہ تمہارا کچھ بگاڑ سکتا ہے، دوسری قراءت کے اللہ تعالیٰ کا قول تكاد السمٰوات يتفطرن الخ مناسب ہے اور پہلی قراءت کے اللہ تعالیٰ کا قول: ماكان مكرهم لتزول منه الجبال" مناسب ہے۔

قولہ: قطران، قطران ایک سیال سیاہ غلیظ مادہ ہوتا ہے جس میں حدت ہوتی ہے، اگر اس کی خارشی اونٹوں کے مالش کر دی جائے تو خارش ختم ہو جاتی ہے یہ مادہ آگ بہت جلدی پکڑتا ہے اور بدبودار ہوتا ہے، بعض حضرات نے اس کا ترجمہ گندھک

اور بعض نے تارکول کیا ہے۔

قولہ: متعلق بِبَرَزُوْا، یعنی لیجزی، برزوا کے متعلق ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: انزل لتبلیغھم، ھذا بلاغ میں چونکہ وصف کا حمل ذات پر لازم آرہا ہے اس لئے شارح رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے مذکورہ عبارت مقدر مانی تاکہ حمل درست ہوجائے، یعنی یہ ہذا کی خبر نہیں ہے بلکہ خبر محذوف ہے خبر کی علت کے قائم مقام کردیا ہے۔

تفسیر وتشریح

سورۂ ابراہیم عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کے اس آخری رکوع میں، خلاصہ کے طور پر انہی اہل مکہ کو پچھلی قوموں کی سرگذشت سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین ہے اور اب بھی ہوش میں نہ آنے کی صورت میں قیامت کے ہولناک عذابوں سے ڈرایا گیا ہے

ولا تحسبن اللّٰہ غافلا عمایعمل الظّلمون، پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ اور ہر مظلوم کو تسلی اور ظالم کے لئے سخت عذاب کی دھمکی ہے کہ ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل دینے سے بےفکر نہ ہوجائیں اور یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے جرائم کی خبر نہیں اسلئے کوئی عذاب اور مصیبت ان پر نہ آئیگا، بلکہ اللہ کی نظر سے ان کا کوئی عمل مخفی نہیں مگر اس نے اپنی رحمت اور حکمت کے تقاضے سے ڈھیل دے رکھی ہے۔

تشخص فیہ الابصار، یعنی قیامت کا ہولناک نظارہ ان کے سامنے ہوگا اور ٹکٹکی لگائے اسے دیکھ رہے ہوں گے اس طرح کہ ان کے دیدے پتھرا گئے ہیں نہ پلک جھپکے گی اور نہ نظر ہٹے گی۔

اولم تکونوا اقسمتم من قبل مالکم من زوال، یعنی دنیا میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ نہ کوئی حساب کتاب ہے اور نہ دوزخ وجنت اور نہ کسی کو دوبارہ زندہ ہونا ہے، ان کی عبرت کے لئے گذشتہ قوموں کے حالات وواقعات بیان کردیئے جن کے گھروں میں اب تم چل پھر رہے ہو اور ان کے کھنڈر بھی تمہیں دعوت غور وفکر دے رہے ہیں، اگر تم ان سے عبرت نہ پکڑو اور ان کے انجام سے بچنے کی فکر نہ کرو تو تمہاری مرضی، پھر تم بھی اس انجام کے لئے تیار رہو، حالانکہ تم دیکھ چکے تھے کہ تمہاری پیش رو قوموں نے قوانین الٰہی کی خلاف ورزی کے نتائج سے بچنے اور انبیاء کی دعوت کو ناکام کرنے کے لئے کیسی کیسی زبردست چالیں چلیں اور یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ اللہ کی ایک ہی چال سے وہ کس طرح مات کھا گئے، مگر پھر بھی تم حق کے خلاف چالبازیاں کرنے سے باز نہ آئے، اور یہی سمجھتے رہے کہ ہماری چالیں ضرور کامیاب ہوں گی۔

وقد مکروا مکرھم الخ اس آیت میں مخالفانہ تدبیروں کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی ان لوگوں نے دین حق کو مٹانے اور مسلمانوں کو ستانے کے لئے بھرپور تدبیریں کیں اور اللہ تعالیٰ ان کی مخفی اور ظاہر تدبیروں سے واقف ہے اللہ ان کے ناکام بنادینے پر قادر ہے اگرچہ ان کی تدابیر اتنی عظیم وشدید تھیں کہ ان کے مقابلہ پر پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جاتے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے ساری تدبیریں گرد وغبار کی طرح ہباءً منثورا ہوگئیں، یہ مطلب ان مخففہ عن المثقلہ کی صورت میں ہوگا اور

ان کو نافیہ قرار دے کر یہ معنی ہوں گے، اگر چہ انہوں نے بہت سی تدبیریں اور چالیں چلیں، لیکن ان کی تدبیروں اور چالوں سے یہ ممکن نہ تھا کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں، اور پہاڑ سے مراد آپ ﷺ کا عزم واستقلال ہے۔

فلا تحسبن اللّٰه مخلف وعده، اگر چہ اس میں روئے سخن آپ ﷺ کی طرف ہے مگر مراد مخالفین ہیں یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے جو وعدے فتح ونصرت اور کامیابی کے کیے ہیں وہ ان کے خلاف کرے گا اللہ بڑا زبردست ہے وہ ضرور دشمنوں سے انتقام لے گا اور اپنے پیغمبروں سے جو وعدے کئے ہیں ان کو ضرور پورا کرے گا۔

یوم تبدل الارض غیر الارض والسمٰوات (الآیة) اس آیت میں موجودہ زمین وآسمان کی تبدیلی کا ذکر ہے یہ تبدیلی ذات کے اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے اور صفات کے اعتبار سے بھی اور دونوں طریقوں سے بھی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ارض وسماء کی تبدیلی کے وقت مخلوق پل صراط پر ہوگی، غرضیکہ موجودہ نظام طبعی درہم برہم کر دیا جائیگا اور نفخۂ اولی اور ثانیہ کی مدت کے درمیان زمین وآسمان کی موجودہ ہیئت بدل ڈالی جائیگی، اور ایک دوسرا نظام طبیعت دوسرے قوانین فطرت کے ساتھ بنا دیا جائیگا پھر نفخۂ ثانیہ کے ساتھ ہی تمام وہ انسان جو تخلیق آدم سے لے کر قیامت تک پیدا ہوئے تھے از سر نو زندہ کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کئے جائیں گے اسی کا نام حشر ہے، قرآنی اشارات اور حدیث کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ حشر اسی زمین پر ہوگا یہیں عدالت قائم ہوگی یہیں میزان عدل قائم کی جائی گی، اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ ہماری وہ دوسری زندگی جس میں یہ معاملات پیش آئیں گے محض روحانی نہیں ہوگی، بلکہ ٹھیک اسی طرح جسم وروح کے ساتھ ہم زندہ کئے جائیں گے جس طرح آج زندہ ہیں۔

تمّ بحمد اللہ

سُوْرَۃُ الْحِجْرِ مَکِّیَّۃٌ وَّهِیَ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰیَةً وَّ سِتُّ رُکُوْعَاتٍ

سُوْرَۃُ الحِجْرِ مَکِّیَّۃٌ تِسْعٌ وَ تِسْعُوْنَ اٰیَۃً.

سورۂ حجر مکی ہے ۹۹ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ الٓرٰ الله اعلم بمراده بذلك تِلْكَ هذه الايات اٰيٰتُ الْكِتٰبِ القران والا ضافة بمعنى من وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ① مظهر للحق من الباطل عطف بزيادة صفة رُبَمَا بالتشديد والتخفيف يَوَدُّ يتمنى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يوم القيمة اذا عاينوا حالهم وحال المسلمين لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ② ورب للتكثير فانه يكثر منهم تمنى ذلك وقيل للتقليل فان الاهوال تدهشهم فلا يفيقون حتى يتمنوا ذلك الافى احيان قليلة ذَرْهُمْ اترك الكفار يا محمد يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا بدنياهم وَيُلْهِهِمُ يشغلهم الْاَمَلُ بطول العمر وغيره عن الايمان فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ③ عاقبة امرهم وهذا قبل الامر بالقتال وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ زائدة قَرْيَةٍ اريد اهلها اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ اجل مَّعْلُوْمٌ④ محدود لهلاكها مَا تَسْبِقُ مِنْ زائدة اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ⑤ يتاخرون عنه وَقَالُوْا اى كفار مكة للنبى صلى الله عليه وسلم يٰاَيُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ القران فى زعمه اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ⑥ لَوْمَا هلا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ⑦ فى قولك انك نبى وان هذا القران من عندالله تعالى قال تعالى مَا نُنَزِّلُ فيه حذف احدى التائين الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ بالعذاب وَمَا كَانُوْٓا اِذًا اى حين نزول الملائكة بالعذاب مُّنْظَرِيْنَ⑧ مؤخرين اِنَّا نَحْنُ تاكيد لاسم ان اوفصل نَزَّلْنَا الذِّكْرَ القران وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ⑨ من التبديل والتحريف والزيادة والنقص وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رسلا فِیْ شِيَعِ فرق الْاَوَّلِيْنَ⑩ وَمَا كان يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ⑪ استهزاء قومك بك وهذا تسلية للنبى صلى الله عليه وسلم كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ اى مثل ادخالنا التكذيب فى قلوب اولئك ندخله فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ⑫ اى كفار مكة لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ بالنبى صلى الله عليه وسلم وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ⑬ اى سنة الله فيهم من تعذيبهم بتكذيبهم انبيائهم

وهؤلاء مثلهم ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ﴾ في الباب ﴿يَعْرُجُوْنَ﴾ ﴿١٤﴾ يصعدون ﴿لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ﴾ سدت ﴿اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ﴾ ﴿١٥﴾ يخيل الينا ذلك. ع ۵

ترجمہ: الٓـر، اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ آیات قرآن کی آیتیں ہیں، اور اضافت بمعنی مِن ہے اور قرآن مبین کی (آیتیں ہیں) جو حق کو باطل سے ممتاز کرنے والا ہے یہ زیادتی صفت کے ساتھ عطف ہے بعید نہیں کہ کافر لوگ قیامت کے دن جب اپنے حال کو اور مسلمانوں کے حال کو دیکھیں تو تمنا کریں کاش ہم سر تسلیم خم کر دیتے (ربما) تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے، رُبَ تکثیر کے لئے ہے بایں صورت کہ ان کی جانب سے اس کی کثرت سے تمنا ہو اور کہا گیا ہے کہ (رُب) تقلیل کے لئے ہے امر واقعہ یہ ہے کہ (قیامت کی) ہولناکیاں ان کو مدہوش کئے ہوں گی جس کی وجہ سے ان کو ہوش ہی نہ ہوگا کہ وہ اس کی تمنا کریں، الا یہ کہ بہت قلیل وقت کے لئے اے محمد ﷺ ان کافروں کو چھوڑ دو کہ اپنی دنیا میں کھائیں (پئیں) اور مزے کریں اور درازی عمر کی امید ان کو ایمان وغیرہ سے غفلت میں ڈالے رہے، اپنے عمل کا انجام انھیں عنقریب معلوم ہو جائیگا اور یہ حکم قتال سے پہلے کا ہے، اور ہم نے کسی بستی کو یعنی بستی والوں کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لئے مقررہ نوشتہ تھا (یعنی) اس کی ہلاکت کا وقت مقرر تھا مِن زائدہ، اور قریہ سے اہل قریہ مراد ہیں، کوئی (متنفس) اپنی موت کے وقت مقررہ سے نہ آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ اس سے پیچھے ہٹ سکتا ہے، مِن زائدہ ہے کفار مکہ نبی ﷺ سے کہتے ہیں کہ اے وہ شخص کہ جس پر بزعم خود ذکر (یعنی) قرآن نازل کیا گیا ہے بلاشبہ تو دیوانہ ہے اگر تو اپنے اس دعوے میں کہ تو نبی ہے اور یہ کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لاتا اور ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ ہی اتارتے ہیں (یعنی) عذاب کے ساتھ اور جب فرشتے عذاب لے کر اترتے ہیں تو پھر ان کو مہلت نہیں دی جاتی ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے (نحن) ان کے اسم کی تاکید ہے یا ضمیر فصل ہے اور ہم ہی تبدیل وتحریف اور زیادتی ونقصان سے حفاظت کرنے والے ہیں اور ہم نے آپ سے پہلے گذشتہ قوموں میں (بھی برابر) رسول بھیجے اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ان کے پاس رسول آیا ہو اور اس نے تیری قوم کے تیر انداق اڑانے کے مانند مذاق نہ اڑایا ہو اور یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے اور اسی طرح یعنی ان لوگوں کے دلوں میں تکذیب (استہزاء) ڈالنے کے مانند مجرموں یعنی کفار مکہ کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں (جس کی وجہ سے) یہ لوگ نبی ﷺ کی (رسالت) کی تصدیق نہیں کرتے اور یہ دستور پہلے ہی سے چلا آتا ہے یعنی ان کی تکذیب کی وجہ سے ان کو سزا دینے کا اللہ کا دستور پہلے ہی سے چلا آتا ہے، اور یہ بھی (تکذیب میں) ان جیسے ہیں اور اگر ہم ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھول بھی دیں اور یہ اس دروازہ سے چڑھ بھی جائیں تب بھی یہ یہی کہیں گے کہ ہماری تو نظر بندی کر دی گئی بلکہ ہمارے اوپر جادو کر دیا گیا یعنی یہ (آسمان پر چڑھنا) ہمارے خیال میں ڈال دیا گیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: هذه الآيات.

سوال: تلك کی تفسیر هذه سے کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: قرب حسی کو بیان کرنا مقصود ہے۔

سوال: تو پھر هذه ہی کیوں نہ استعمال کیا گیا۔

جواب: تلك سے علو رتبی کو بیان کرنا مقصود ہے، تلك کو هذه کے معنی میں لینے سے دونوں فائدے حاصل ہو گئے علو رتبی اور قرب حسی اگر تلك کی جگہ هذه استعمال ہوتا تو صرف قرب حسی ہی کا فائدہ حاصل ہوتا۔

قولہ: اضافت بمعنی من ای آیات من الکتاب.

قولہ: مظهر الحق.

سوال: مفسر علام عام طور پر مبین کی تفسیر بین سے کرتے ہیں اور یہ قرین قیاس بھی ہے اسلئے کہ متعدی بمعنی لازم لینا مقصود ہوتا ہے مگر یہاں مبین سے متعدی معنی ہی مراد ہیں نہ کہ لازم اسی لئے مفسر علام نے مبین کی تفسیر **مظهر** سے کی ہے۔

قولہ: عطف بزيادة الصفة.

سوال: اس اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ قرآن کا عطف کتاب پر ہو رہا ہے اور دونوں کا مصداق ایک ہی ہے لہٰذا یہ **عطف الشئ على نفسه** کے قبیل سے ہو گیا حالانکہ عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔

جواب: کتاب جو کہ معطوف علیہ ہے مطلق ہے اور قرآن صفت مبین کے ساتھ مقید ہے لہٰذا یہ **عطف مقيد على المطلق** کے قبیل سے ہے اور دونوں میں مغایرت ظاہر ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں، مفسر علام نے عطف بزيادة الصفة سے اسی سوال کا جواب دیا ہے۔

قولہ: يتاخرون عنه یہ بھی ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: ہے کہ يستاخرون باب استفعال ہے جو طلب پر دلالت کرتا ہے حالانکہ یہاں طلب کے معنی مقصود نہیں ہیں؟

جواب: استفعال بمعنی تفعل ہے۔

قولہ: انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون یہ مشرکین کے رد و انکار کا جواب ہے جو مشرکین نے بھی "انك لمجنون" کہہ کر نزول ذکر کا تاکید کے ساتھ انکار کیا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نزول ذکر کا اثبات بھی تاکید کے ساتھ انا نحن نزلنا الذكر الخ کہہ کر فرمایا۔

قولہ: تاکید او فصل یعنی نحن اسم ان کی تاکید ہے یا یہ کہ فصل ہے نحن کو فصل قرار دینے کی صورت میں یہ سوال ہوگا کہ فصل دو اسموں کے درمیان ہوتا ہے نہ کہ اسم اور فعل کے درمیان جیسا کہ یہاں ہے اور دوسرا سوال یہ ہوگا کہ فصل ضمیر غائب سے ہوتا ہے نہ کہ اس کے علاوہ سے البتہ جرجانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اسم اور فعل کے درمیان بھی فصل کو جائز کہا ہے غالباً مفسر علام نے جرجانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے مسلک پر عمل کیا ہے۔

قولہ: کان، کان کا اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ ما حالیہ اس مضارع پر داخل ہوتا ہے جو حال کے معنی میں ہو یا اس ماضی پر داخل ہوتا ہے جو قریب الی الحال ہو مفسر علام نے کان مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ ما حالیہ ماضی قریب الی الحال پر داخل ہے۔

قولہ: ندخلہ، ای الاستھزاءَ، ہٗ ضمیر کا مرجع استہزاء ہے۔

تفسیر وتشریح

سورت کا نام:

اس سورت کا نام حجر ہے جو کہ آیت ٨٠ کے فقرہ کذب اصحب الحجر المرسلین سے ماخوذ ہے۔

مقام حجر کا مختصر تعارف:

حجر یہ قوم ثمود کا مرکز تھا اس کے کھنڈر مدینہ سے شمال مغرب میں موجودہ شہر العلا سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہیں، مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے یہ شہر شاہ راہ عام پر پڑتا ہے اور قافلے اس وادی سے ہو کر گذرتے ہیں ۹ھ میں آنحضرت ﷺ تبوک جاتے ہوئے اس علاقہ سے گذرے تھے مگر آپ نے اس معذب بستی سے جلدی سے گذرنے کا حکم فرمایا تھا دولت عثمانیہ کے زمانہ میں یہ حجاز ریلوے کا اسٹیشن تھا۔

آٹھویں صدی ہجری میں ابن بطوطہ حج کو جاتے ہوئے یہاں پہنچا تھا، وہ لکھتا ہے کہ یہاں سرخ رنگ کے پہاڑوں میں قوم ثمود کی تراشی ہوئی عمارتیں موجود ہیں جو انہوں نے پہاڑوں کو تراش کر ان کے اندر بنائی تھیں ان کے نقش و نگار اس وقت تک ایسے تازہ ہیں جیسا آج یہ بنائے گئے ہوں، ان مکانات میں اب گلی سڑی ہڈیاں پڑی ہوئی ملتی ہیں۔

الٓرٰ اس کی حقیقی مراد تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ آیتیں ہیں ایک کامل کتاب کی، کتاب مبین سے مراد قرآن کریم ہی ہے قرآن کی تنوین تفخیم کے لیے ہے یعنی یہ قرآن کامل اور نہایت عظمت وشان والا ہے۔

ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین، کفار ومشرکین یہ آرزو کس وقت کریں گے؟ موت کے وقت جب فرشتے انھیں جہنم کی آگ دکھاتے ہیں، یا جہنم میں داخل ہونے کے بعد، یا میدان حشر میں جہاں حساب کتاب ہو رہا ہوگا اور کافر مسلمانوں کو جنت میں اور کافروں کو جہنم میں جاتا ہوا دیکھیں گے، اس وقت یہ کافر آرزو کریں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے "ربما" اکثر

تو تکثیر کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر کبھی قلت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے رُب بغیر ما کے فعل پر داخل نہیں ہوتا۔

ذرهم یا کلوا و یتمتعوا (الآیة) یہ کافروں کے لئے تہدید و توبیخ ہے یعنی اگر یہ کافر کفر و شرک سے باز نہیں آتے تو انھیں اپنی حالت پر چھوڑ دیجئے، یہ دنیوی لذتوں سے محظوظ ہوں اور خوب داد عیش دیں، عنقریب انھیں اپنے کفر و شرک کا انجام معلوم ہو جائیگا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانے پینے کو مقصد اصلی اور مشغلہ بنالینا اور دنیوی عیش و عشرت کے سامان میں موت سے بے فکر ہو کر طویل منصوبہ سازی کرتے رہنا کفار ہی کا شیوہ ہو سکتا ہے جن کا آخرت اور اس کے حساب و کتاب اور جزاء و سزا پر ایمان نہیں، مومن بھی کھاتا پیتا ہے، اور معاش کا بقدر ضرورت سامان بھی کرتا ہے اور آئندہ کاروبار کے منصوبے بھی بناتا ہے مگر موت اور فکر آخرت سے خالی ہو کر یہ کام نہیں کرتا۔

ما تسبق من امة اجلها و ما یستاخرون، جس بستی کو بھی ہم نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں، تو فوراً ہلاک نہیں کر ڈالتے، بلکہ ہم ایک وقت مقرر کئے ہوئے ہیں اس وقت تک اس بستی والوں کو مہلت دی جاتی ہے لیکن جب وہ مقررہ وقت آجاتا ہے تو انھیں ہلاک کر دیا جاتا ہے پھر وہ اس سے آگے پیچھے نہیں ہوتے۔

قرآن اور حفاظت قرآن:

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون، اس آیت میں پیشین گوئی کردی گئی ہے کہ قرآن کریم قیامت تک اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہے گا، دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹانے یا اس میں تحریف و ترمیم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی، ہم نے مقدمہ میں حفاظت قرآن کے زیر عنوان گفتگو کی ہے وہاں آپ نے غالباً پڑھ لیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پیشین گوئی کو عملی طور پر کس طرح سچا کر کے دکھایا، اور ہر دور میں اس کی کس طرح حفاظت کی، چنانچہ آج یہ بات پورے وثوق اور دعوے کے ساتھ بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ قرآن کریم ہمارے پاس اسی شکل میں موجود ہے جس شکل میں آنحضرت ﷺ نے اسکی تعلیم دی تھی، اور اس میں آجتک کسی ایک نقطہ یا شوشے کا بھی فرق نہیں ہوسکا، معاندین اسلام نے ماضی میں بھی قرآن میں تحریف و ترمیم کی کوششیں کی ہیں اور آج بھی یہ کوششیں جاری ہیں مگر مایوسی اور ناکامی کے علاوہ ان کے کچھ ہاتھ نہیں لگا۔

حفاظت قرآن غیروں کی نظر میں:

قرآن محفوظ ہونے کا عقیدہ صرف مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ منصف مزاج غیر مسلموں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے اور اس سے انکار کی جرأت نہیں کی، لیکن جب نگاہوں پر تعصب کا پردہ پڑ جائے تو ایک شفاف چشمہ بھی گدلا نظر آنے لگتا ہے حفاظت قرآن کا وعدۂ الٰہی جس حیرت انگیز طریقہ پر پورا ہو کر رہا اسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب و مغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے ''میور'' کہتا ہے۔

''جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں کہ جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو''۔

ایک اور یوروپین لکھتا ہے۔

''ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہ محمد ﷺ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں''۔

حفاظت قرآن کے سلسلہ میں مامون رشید کے دربار کا ایک واقعہ:

قرطبی نے اس جگہ سند متصل کے ساتھ ایک واقعہ امیر المومنین مامون کے دربار کا نقل کیا ہے کہ مامون گاہے بگاہے علمی مسائل پر بحث ومباحثے اور مذاکرے کرایا کرتا تھا، ایسے ہی ایک مباحثہ میں ایک یہودی بھی ایک مرتبہ آگیا، جب مجلس ختم ہوگئی تو مامون نے بلاکر دریافت کیا، کیا تم اسرائیلی ہو؟ اس نے کہا ہاں، مامون نے امتحاناً کہا اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔

اس نے جواب دیا کہ میں اپنے آباء واجداد کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا، پھر اسی شخص نے ایک سال بعد مسلمان ہوکر دربار میں مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں، مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اس کو بلاکر کہا کہ تم وہی شخص ہو جو سال گذشتہ آئے تھے اس نے کہا ہاں وہی ہوں، مامون نے دریافت کیا اس وقت تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا تھا پھر اب مسلمان ہونے کا سبب کیا ہوا؟

اس نے جواب دیا کہ سال گذشتہ جب یہاں سے واپس گیا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط اور خوش نویس آدمی ہوں، کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں، اچھی قیمت سے فروخت ہوجاتی ہیں، میں نے آزمائش اور امتحان کے طور پر تورات کے تین نسخے کتابت کئے جن میں میں نے بہت سی جگہ اپنی طرف سے حذف واضافہ کردیا اور میں وہ نسخے لے کر کنیسہ میں پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے حذف واضافہ کے ساتھ کتابت کئے اور نصاریٰ کے پاس لے گیا وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر ومنزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لئے، پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کئے جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کردی پھر ان کو لے کر میں فروخت کے لئے نکلا تو جس مسلمان کے پاس لے کر گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہیں یا نہیں جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے وہ نسخے واپس کردیئے۔

اس واقعہ سے میں نے سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ ہی نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے، اسی وجہ سے میں مسلمان ہوگیا۔

واقعات بتلاتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ایک بڑی تعداد علماء کی ایسی رہی ہے کہ جس نے قرآن کریم کے علوم اور مطالب کی حفاظت کی ہے، کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز ادا اور تلفظ کی، حافظوں نے اس کے الفاظ اور عبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے لے کر آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت نہیں بتلائی جاسکتی کہ جس میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد حفاظ قرآن کی موجود نہ رہی ہو آٹھ دس سال کا بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جز کا رسالہ یاد کرنا دشوار ہے وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب کس طرح فرفر سنا دیتا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا اثنى عشر الحمل والثور والجوزاء والسرطان والاسد والسنبلة والميزان والعقرب والقوس والجدى والدلو والحوت وهى منازل الكواكب السبعة السيارة المريخ وله الحمل والعقرب والزهرة ولها الثور والميزان وعطارد وله الجوزاء والسنبلة والقمر وله السرطان والشمس ولها الاسد والمشترى وله القوس والحوت وزحل وله الجدى والدلو وَّزَيَّنّٰهَا بالكواكب لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا بالشهب مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ مرجوم اِلَّا لكن مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ خطفه فَاَتْبَعَهٗ لحقه شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ كوكب مضئ يحرقه اويثقبه اويخبله وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا بسطناها وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ جبالا ثوابت لئلا تتحرك باهلها وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ معلوم مقدر وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ بالياء من الثمار والحبوب وجعلنا لكم وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ من العبيد والدواب والانعام فانما يرزقهم الله وَاِنْ ما مِّنْ زائدة شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ مفاتيح خزائنه وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ على حسب المصالح وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ تلقح السحاب فيمتلئ ماء فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ السحاب مَآءً مطرا فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ اى ليست خزائنه بايديكم وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ الباقون نرث جميع الخلق وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ اى من تقدم من الخلق من لدن آدم وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ المتاخرين الى يوم القيمة وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ فى صنعه عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ بخلقه.

ترجمہ: اور بے شک ہم نے آسمان میں بڑے بڑے بارہ برج بنائے (۱) حمل (۲) ثور (۳) جوزاء (۴) سرطان (۵) اسد (۶) سنبلہ (۷) میزان (۸) عقرب (۹) قوس (۱۰) جدی (۱۱) دلو (۱۲) حوت، یہ سات

سیاروں کی بارہ منزلیں ہیں مریخ کے لئے حمل اور عقرب ہیں اور زہرہ کے لئے ثور اور میزان ہیں اور عطارد کے لئے جوزاء اور سنبلہ ہیں اور قمر کے لئے سرطان ہے اور شمس کے لئے اسد ہے، اور مشتری کے لئے قوس اور حوت ہیں اور ہم نے آسمان کو دیکھنے والوں کے لئے تاروں سے سجایا اور آسمانوں کو ہم نے ستاروں کے ذریعہ ہر شیطان مردود سے محفوظ کیا، الا یہ کہ کوئی چوری سے سن بھاگے تو اس کے تعاقب میں ایک روشن ستارہ ہوتا ہے، (جو) اس کو جلا ڈالتا ہے یا بیندھ ڈالتا ہے یا بدحواس بنا دیتا ہے اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں ہم نے نہ ہلنے والے پہاڑ ثبت کر دیئے تا کہ زمین اپنے باشندوں کو لے کر (اضطرابی) حرکت نہ کرے اور ہم نے اس میں ہر چیز ایک مقررہ اندازہ سے اگائی، اور ہم نے تمہارے لئے معاش کے سامان پیدا کئے (معایش) یاء کے ساتھ ہے اور وہ سامان پھل اور غلے ہیں، اور تمہارے لئے وہ چیزیں بھی بنائیں جن کو تم (حقیقت میں) روزی نہیں دیتے اور وہ غلام اور چوپائے اور مویشی ہیں ان کو (درحقیقت) اللہ روزی دیتا ہے، اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان کے خزانے ہمارے پاس ہیں مِن زائدہ ہے یعنی ان خزانوں کے سرچشمے (ہمارے پاس ہیں) اور ہم ہر چیز کو مصلحت کے مطابق مقررہ انداز سے اتارتے ہیں اور ہم ہی بھر دینے والی ہواؤں کو چلاتے ہیں جو بادلوں کو (پانی سے) بھر دیتی ہیں جس کی وجہ سے بادل پانی سے بھر جاتے ہیں، ہم بادلوں سے پانی برساتے ہیں اور وہ پانی تمہیں پلاتے ہیں، اور تم اس کا ذخیرہ کرنے والے نہیں تھے، یعنی اس کے خزانے تمہارے قدرت میں نہیں ہیں اور بلاشبہ ہم ہی جلاتے ہیں اور مارتے ہیں اور (بالآخر) ہم ہی وارث ہیں، باقی رہنے والے ہیں کہ تمام مخلوق کے وارث ہوں گے، اور تمہارے پیش رو ہمارے علم میں ہیں یعنی اولاد آدم میں سے جو مخلوق آگے جا چکی ہے وہ ہمارے علم میں ہے، اور پس ماندگان بھی ہمارے علم میں ہیں (یعنی) قیامت تک بعد میں آنے والے اور یقیناً آپ کا رب تمام انسانوں کو جمع کر دے گا یقیناً وہ اپنی صنعت میں باحکمت (اور) اپنی مخلوق کے بارے میں باخبر ہے۔

تَحقِیق وتَرکیب وتَسہِیل وتَفسِیری فَوائد

قَوْلُہٗ: بروجا، بروج، برج کی جمع ہے جس کے معنی ظہور کے ہیں اسی معنی میں تبرج ہے عورت کے اظہار زینت کو کہتے ہیں، یہاں آسمان کے ستاروں کو برج کہا گیا ہے اس لئے کہ وہ بھی بلند اور ظاہر ہوتے ہیں، اور بعض مفسرین کا خیال ہے کہ سبع سیارہ کی بارہ منزلوں کا نام برج ہے علم ہیئت میں یہی مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: المریخ، یہ سبع سیارہ کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: المریخ وله الحمل والعقرب، حمل اور عقرب کے مریخ کی منزل ہونے کا مطلب ہے کہ مریخ ان دونوں منزلوں میں داخل ہوتا ہے اور کتب تفاسیر اور حکمت میں جو یہ درج ہے کہ بارہ برج شمس کے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ شمس ان کی محاذات میں واقع ہوتا ہے نہ یہ کہ شمس ان میں داخل ہوتا ہے دیگر سیاروں کا بھی یہی حال ہے لہٰذا دونوں نظریوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: مرجوم، اس میں اشارہ ہے کہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: لکن، الا کی تفسیر لکن سے کرکے اشارہ کردیا کہ استثناء منقطع ہے اسلئے کہ استراق جنس حفظ سے نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: خطفه، استرق کی تفسیر خطفه سے کرکے ایک اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے، اعتراض یہ ہے کہ سمع ایک صفت ہے جو سامع کے ساتھ قائم ہے لہٰذا اس کا انتقال ممکن نہیں ہے، لہٰذا استرق السمع کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابٌ: استرق بمعنی الاختلاس سرا یعنی چپکے سے اچک لینا اور یہ بطور تشبیہ کے ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

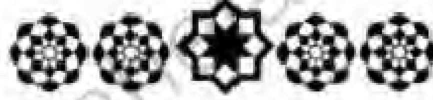

نقشہ تسع سیارات

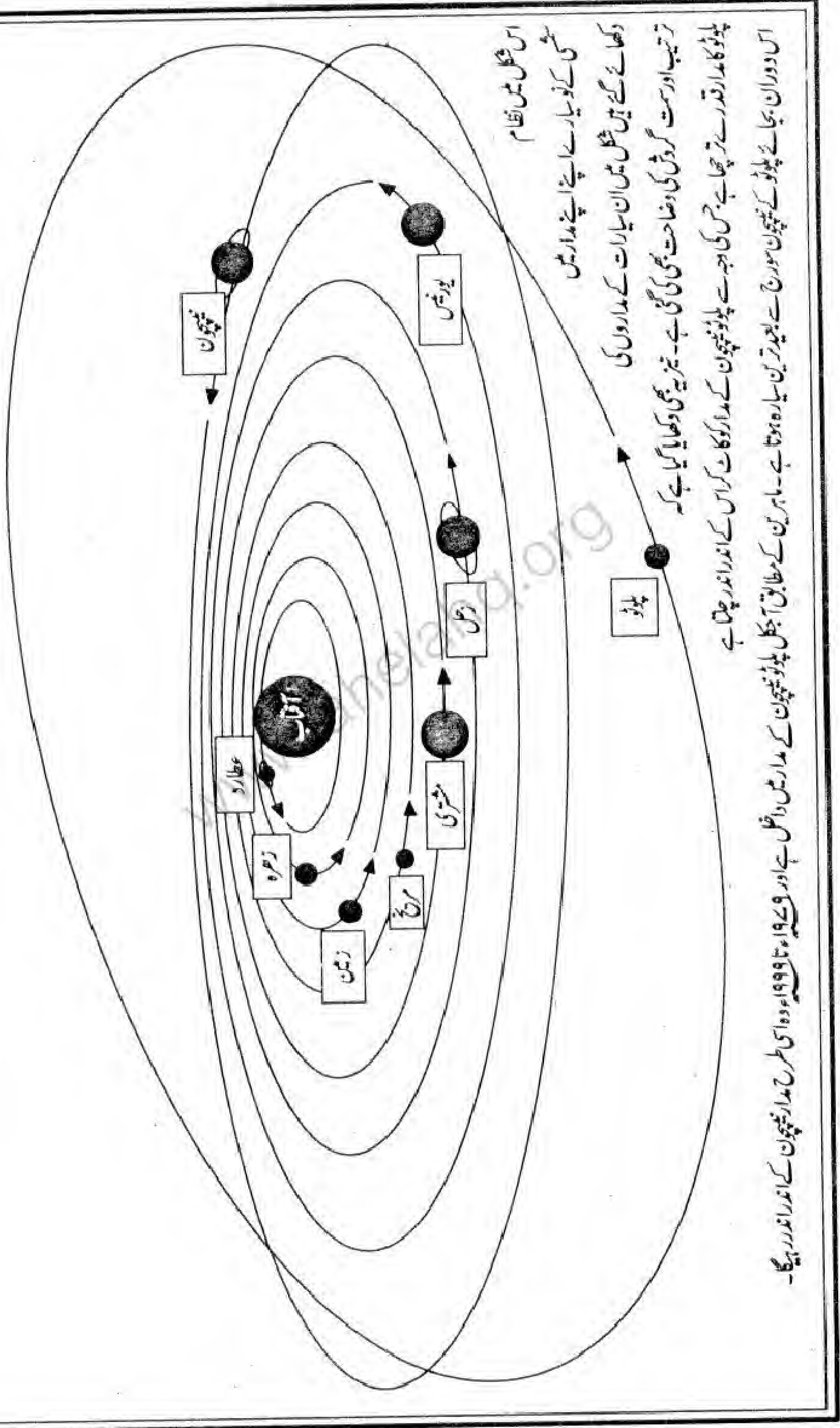

قِوْلَهُ: لحقه، اتبعه کی تفسیر لحقه سے کرکے اشارہ کردیا کہ افعال بمعنی مجرد لازم ہے لہٰذا معنی درست ہیں۔

قِوْلَهُ: یخبله یہ خبل سے ہے اس کے معنی ہیں بدحواس کرنا، باؤلا بنانا، شیطان شہاب کی مارے سے بدحواس ہوکر غول یعنی جنگلی بھوت ہوجاتا ہے جو لوگوں کو جنگل میں ڈراتا ہے اور بہکاتا ہے۔

قِوْلَهُ: وجعلنالکم، اس میں اشارہ ہے کہ من لستم کا عطف معایش پر ہے لہٰذا یہ شبہ ختم ہوگیا کہ من لستم کا عطف لکم کی ضمیر مجرور پر ہے اور ضمیر مجرور پر عطف بغیر اعادۂ جار درست نہیں ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

''برج'' عربی زبان میں قلعے، قصر اور مستحکم عمارت کو کہتے ہیں، قدیم علم ہیئت میں برج کا لفظ اصطلاحاً ان بارہ منزلوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جن پر سورج کے مدار کو تقسیم کیا گیا ہے اس وجہ سے بعض مفسرین نے یہ سمجھا کہ قرآن کا اشارہ بھی انہی برجوں کی طرف ہے بعض دیگر مفسرین نے اس سے سیارے مراد لئے ہیں، **وجعلنا فی السماء بروجا**، یہاں آسمان کے تاروں کو برج کہا گیا ہے کیونکہ وہ بھی بلند اور ظاہر ہوتے ہیں، بعض نے کہا ہے کہ بروج سے مراد شمس وقمر اور دیگر سیاروں کی منزلیں ہیں جو ان کے لئے مقرر ہیں، سیارے سات ہیں اور ان کی منزلیں بارہ ہیں تقسیم اس طرح ہے شمس وقمر کے لئے ایک ایک منزل ہے اور باقی پانچ کے لئے دو دو منزلیں ہیں اس طرح سات سیاروں پر بارہ منزلیں تقسیم ہیں۔

حفظنا ها من کل شیطان رجیم، رجیم، مرجوم کے معنی میں ہے رجم کے معنی سنگسار کرنے کے ہیں شیطان کو رجیم اسلئے کہا جاتا ہے کہ جب وہ آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتا ہے تو آسمانی شہاب ثاقب ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں، رجیم ملعون کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک قوی اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فضائے آسمانی میں شہابوں کا وجود اور ان کا ٹوٹنا کوئی نئی بات نہیں ہے یہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے، آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے، تو پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ شہاب ثاقب شیاطین کو مارنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں جو کہ عہد نبوی کی خصوصیت ہے، فلاسفہ کا خیال ہے کہ آفتاب کی گرمی سے جو دھنی اجزاء زمین سے اٹھتے ہیں ان میں آتش گیر مادہ بھی ہوتا ہے اوپر جاکر جب ان کو مزید گرمی ملتی ہے تو وہ سلگ اٹھتے ہیں دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا ہے کہ ستارہ ٹوٹا۔

جَوَابٌ: جواب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض واختلاف نہیں زمین سے اٹھنے والے بخارات مشتعل ہوجائیں یہ بھی ممکن ہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ کسی تارے یا سیارے سے کوئی شعلہ نکل کر گرے بعثت نبوی سے پہلے ان شعلوں سے کوئی خاص

کام نہیں لیا جاتا تھا، آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد ان شہابی شعلوں سے یہ کام لیا گیا کہ شیاطین جو فرشتوں کی باتیں چوری سے سننا چاہیں ان کو شعلوں سے مارا جائے۔ (علامہ آلوسی نے بھی یہی توجیہ فرمائی ہے)۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بروایت ابن عباس خود آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ایک شب آپ ﷺ صحابہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ تم زمانہ جاہلیت میں اس ستارہ ٹوٹنے کو کیا سمجھتے تھے؟ لوگوں نے جواب دیا ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی بڑا حادثہ رونما ہونے والا ہے، یا تو کوئی بڑا شخص پیدا ہونے والا ہے یا مرنے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ لغو خیال ہے اس کا کسی کے مرنے جینے سے کوئی تعلق نہیں، یہ شعلے تو شیاطین کو دفع کرنے کے لئے پھینکے جاتے ہیں۔

وجعلنا لکم فیھا معایش، اس سے مراد نوکر چاکر، غلام اور جانور ہیں، یعنی جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا جن پر تم سواری بھی کرتے ہو اور بار برداری بھی اور بعض کو ان میں سے ذبح کر کے کھاتے بھی ہو، یہ اگرچہ تمہارے ماتحت ہیں اور تم ان کے چارہ خوراک وغیرہ کا انتظام بھی کرتے ہو لیکن حقیقت میں ان کا رازق اللہ تعالیٰ ہے تم نہیں ہو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ آدم **مِن صَلْصَالٍ** طین یابس تسمع له صلصلة ای صوت اذا نقر **مِّنْ حَمَإٍ** طین اسود **مَّسْنُونٍ** ﴿۲۶﴾ متغیر **وَالْجَانَّ** ابا الجن وھو ابلیس **خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ** ای قبل خلق آدم **مِن نَّارِ السَّمُومِ** ﴿۲۷﴾ ھی نار لادخان لھا تنفذ فی المسام **وَ** اذکر **إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ** ﴿۲۸﴾ **فَإِذَا سَوَّيْتُهُ** اتممتہ **وَنَفَخْتُ** اجریت **فِيهِ مِن رُّوحِي** فصار حیا واضافة الروح الیه تشریف لآدم **فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ** ﴿۲۹﴾ سجود تحیة بالانحناء **فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ** ﴿۳۰﴾ فیه تاکیدان **إِلَّا إِبْلِيسَ** ابوالجن کان بین الملائکة **أَبَىٰ** امتنع من **أَن يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ** ﴿۳۱﴾ **قَالَ** تعالٰی **يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ** مامنعك **أَلَّا** زائدة **تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ** ﴿۳۲﴾ **قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ** لاینبغی لی ان اسجد **لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ** ﴿۳۳﴾ **قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا** ای من الجنة وقیل من السموات **فَإِنَّكَ رَجِيمٌ** ﴿۳۴﴾ مطرود **وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ** ﴿۳۵﴾ الجزاء **قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ** ﴿۳۶﴾ ای الناس **قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ** ﴿۳۷﴾ **إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ** ﴿۳۸﴾ وقت النفخة الاولٰی **قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي** ای باغوائك لی والباء للقسم وجوابه **لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ** ای المعاصی **وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ** ﴿۳۹﴾ **إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ** ﴿۴۰﴾ ای المؤمنین **قَالَ** تعالٰی **هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ** ﴿۴۱﴾ وھو **إِنَّ عِبَادِي** ای المؤمنین **لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ** قوة **إِلَّا** لکن **مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ** ﴿۴۲﴾ الکافرین **وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ** ﴿۴۳﴾ ای من اتبعك معك **لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ** اطباق **لِّكُلِّ بَابٍ** منھا **مِّنْهُمْ جُزْءٌ** نصیب **مَّقْسُومٌ** ﴿۴۴﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے انسان (یعنی) آدم کو کالی سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا یعنی ایسی خشک مٹی سے کہ جب اس کو بجایا جائے تو اس کی آواز سنی جائے اور اس سے پہلے (یعنی) تخلیق آدم سے پہلے ہم نے جنات (یعنی) ابوالجن کو کہ وہ ابلیس ہے شعلے سے کہ جس میں دھواں نہ ہو اور وہ مسامات (یعنی بدن کے مسامات) میں نفوذ کر جائے پیدا کیا اور اس وقت کا تذکرہ کرو کہ جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں انسان کو کالی سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں تو جب میں اس کو مکمل کر چکوں اور اس میں اپنی روح ڈال چکوں اور وہ زندہ ہو جائے اور روح کی نسبت اللہ کی طرف آدم کے لئے کرامت کے طور پر ہے، تو تم سب اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا، یعنی جھک کر تعظیم کرنا، چنانچہ تمام فرشتوں نے مجموعی طور سجدہ کیا مگر ابلیس نے اور وہ ابوالجن تھا جو فرشتوں کے درمیان رہتا تھا، سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے (صاف) انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا لا زائدہ ہے وہ بولا کہ میں ایسا کرنے والا نہیں (یعنی) میرے لئے ہرگز مناسب نہیں کہ میں ایسے انسان کو سجدہ کروں کہ جس کو تو نے کالی سڑی ہوئی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا (اللہ نے) فرمایا جنت سے نکل جا اور کہا گیا ہے کہ آسمانوں سے نکل جا، بلاشبہ تو مردود ہے اور تجھ پر میری پھٹکار ہے روز جزاء تک، کہنے لگا مجھے اس دن تک ڈھیل دیدے کہ لوگوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے (اللہ نے) فرمایا اچھا تو تجھے وقت مقرر تک مہلت ہے یعنی نفخۂ اولی تک، (شیطان نے) کہا اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے یعنی تیرے مجھ کو گمراہ کرنے کی وجہ سے، اور باء قسمیہ ہے اور اس کا جواب لا زیننه ہے، مجھے بھی قسم ہے کہ میں بھی زمین میں ان کے لئے معاصی کو مزین کروں گا، اور ان سب کو بہکاؤں گا بھی سوائے تیرے ان بندوں کے کہ جو مومنین ہیں ارشاد ہوا یہی مجھ تک پہنچنے کی سیدھی راہ ہے، میرے مخلص بندوں یعنی مومن بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا، سوائے ان گمراہ کافر لوگوں کے جو تیری پیروی کریں یقیناً ان سب کے وعدہ کی جگہ جہنم ہے یعنی اس شخص کی جو تیرے ساتھ تیری پیروی کرے، جس کے سات طبقے ہیں ہر طبقے کے لئے ان میں سے ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: آدم، الانسان کی تفسیر، آدم، سے کر کے اشارہ کر دیا کہ الانسان میں الف لام عہد کا ہے۔

قولہ: حماء، کیچڑ، گارا، سیاہ مٹی۔

قولہ: تنفذ فی المسام، اس میں سموم کی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ: فقعوا، وقع یقع، سے امر جمع مذکر حاضر ہے، تم سب گر جاؤ۔ فا، جواب شرط ہونے کی وجہ سے داخل ہے۔

قولہ: تاکید ان اول تاکید نے اطلاق الجمع علی البعض کے احتمال کو ختم کر دیا جیسا کہ "اذقالت الملائکة

یامریم" میں جمع کا اطلاق بعض پر ہوا ہے مگر ابھی احتمال انفراد باقی ہے اس کو اجمعون کہہ کر ختم کردیا، اب آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ہے گویا کہ حکم موجودین کو ہوا جن میں ابلیس بھی داخل ہے۔

قولہ: باغوائك اس میں اشارہ ہے کہ بما اغویتنی میں ما مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ کہ عائد کی ضرورت ہو اور باء قسمیہ ہے، یعنی قسم ہے تیرے مجھے گمراہ کرنے کی۔

قولہ: ازینن، یہ تزیین (تفعیل) سے مضارع واحد متکلم بانون تاکید ثقیلہ ہے میں زینت دوں گا، آراستہ کروں گا۔

قولہ: المعاصی اس میں اشارہ ہے کہ ازینن متعدی ہے، اور اس کا مفعول معاصی محذوف ہے۔

قولہ: مخلصین، ای اخلصته لعبادتك.

قولہ: هذا ای تخلص المؤمنین من اغوائك.

قولہ: صراط علی، ای حق علی.

قولہ: وھو، اس میں اشارہ ہے کہ ھو کا مرجع ان عبادی الخ ہے، اور ان عبادی، صراط مستقیم کا بیان ہے۔

قولہ: اطباق یہ طبق کی جمع ہے یعنی وہ درجات جن میں حسب اتباع مراتب شیطان جہنمیوں کو داخل کیا جائیگا، اور جہنم کے حسب ترتیب سات درجے ہیں، ① جهنم ② لظی ③ الحطمه ④ السعیر ⑤ السقر ⑥ الجحیم ⑦ الهاویه.

تفسیر وتشریح

انسان کی اصل آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہے نہ کہ بندر یا کوئی حیوان:

ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حماء مسنون، یہاں قرآن اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ انسان کا پہلا فرد آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہے اور آدم کی اصل مٹی ہے، ایسا نہیں کہ انسان بندر یا کسی اور حیوان سے ترقی کے منازل طے کرتا ہوا انسان بنا ہو جیسا کہ ڈارون کا نظریۂ ارتقاء ہے اور بعض ڈارون زدہ ذہنیت کے لوگ قرآن کی صراحت کے باوجود اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اپنا جد امجد بندر یا کسی اور جانور کو ثابت کریں، حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق براہ راست ارضی مادہ سے ہوئی ہے جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ نے صلصال من حماء مسنون کے الفاظ سے بیان فرمائی ہے حماء عربی زبان میں ایسی سیاہ کیچڑ کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر بو پیدا ہوگئی ہو، یا بالفاظ دیگر خمیر اٹھ آیا ہو "مسنون" کے دو معنی ہیں، ایک معنی ہیں، متغیر، منتن اور املس یعنی ایسی سڑی ہوئی مٹی کہ جس میں سڑنے کی وجہ سے چکناہٹ پیدا ہوگئی ہو، اس کا مصدر سَنٌّ ہے، (ن) متغیر، سڑا ہوا، علامہ سیوطی نے یہی معنی مراد لئے ہیں، دوسرے معنی ہیں مصور، یعنی سانچے میں ڈھلی ہوئی جس کو کوئی خاص شکل دیدی گئی ہو،

''صلصال'' اس سوکھے گارے کو کہتے ہیں کہ جو خشک ہوجانے کے بعد بجنے لگے، ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خمیر اٹھی ہوئی مٹی کا ایک پتلا بنایا گیا تھا جو بننے کے بعد خشک ہوا اس کے بعد اس میں روح پھونکی گئی۔

روح کی حقیقت کیا ہے؟

روح کوئی جسم لطیف ہے یا جوہر مجرد؟ اس میں علماء اور حکماء کا اختلاف قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے، ہمارے محققین علماء نے روح کو جسم لطیف تسلیم کیا ہے۔

الروح جسم لطیف. (قرطبی)

الروح جسم لطیف یحیابه الانسان. (معالم)

واجمع اهل السنة علی انها جسم لطیف یخالف الاجسام بالماهیة والصفة متصرف فی البدن حال فیه حلول الزیت فی الزیتون او النار فی الفحم، یعبر عنه بانا وانت والی ذلك ذهب امام الحرمین. (روح)

ترجمہ: جمہور اہل السنّت کا مسلک یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے ماہیت اور صفت میں اجسام کے عکس ہے بدن میں متصرف ہے، روح جسم میں اس طرح حلول کئے ہوئے ہے جس طرح زیتون کا تیل زیتون میں اور آگ کوئلہ میں، اس کو میں اور تو، سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لیکن بعض کی تحقیق جن میں امام غزالی بھی شامل ہیں یہ ہے کہ روح ایک جوہر مجرد ہے جو نہ جسم میں داخل ہے نہ خارج، نہ اس سے متصل نہ اس سے منفصل۔

مولانا عبد الماجد دریابادی اپنی تفسیر ماجدی میں لکھتے ہیں کہ ''احقر کے نزدیک روح کی ماہیت وحقیقت کے باب میں زیادہ کھود کرید کچھ مناسب نہیں، مسلمان کے لئے صرف اس قدر عقیدہ کافی ہے کہ روح موہبت الٰہی میں سے کوئی خاص چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ براہ راست انسان کو منتقل کردیتا ہے اور اس سے انسان، انسان بن جاتا ہے اور جوں ہی وہ اپنے اس عطیہ کو واپس لے لیتا ہے انسان مردہ بے جان ہوجاتا ہے،'' (اسی حقیقت کی جانب اللہ تعالیٰ نے ''قل الروح من امر ربی'' سے اشارہ فرمایا ہے)۔

انسان کی پیدائش میں اگرچہ عنصر غالب مٹی ہے اور اسی لئے قرآن عزیز میں انسان کی پیدائش کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن انسان درحقیقت دس چیزوں کو جامع ہے جن سے پانچ عالم خلق کی ہیں اور پانچ عالم امر کی۔ عالم خلق کی چیزوں میں چار تو عناصر اربع آگ، پانی، مٹی، ہوا ہیں اور پانچواں ان چاروں سے پیدا ہونے والا بخار لطیف جس کو روح سفلی یا نفس کہا جاتا ہے اور عالم امر کی پانچ چیزیں یہ ہیں قلب، روح، سر، خفی، اخفی، اسی جامعیت کی وجہ سے انسان خلافت الٰہیہ کا

مستحق بنا اور نور معرفت اور نار عشق و محبت کا متحمل ہوا، جس کا نتیجہ بے کیف محبت الٰہیہ کا حصول ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "المرء مع من احب".

اور انسان تجلیات الٰہیہ کی قابلیت اور محبت الٰہیہ کا جو درجہ اس کو حاصل ہے اسی وجہ سے حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ ہوا کہ اس کو مسجود ملائکہ بنایا جائے ارشاد ہوا "فقعوا له ساجدین". (معارف)

آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو سجدہ کے حکم میں ابلیس شامل تھا یا نہیں؟

سورۂ اعراف میں ابلیس کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا، "**مامنعك ان لا تسجد اذ امرتك** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم فرشتوں کے ساتھ ابلیس کو بھی دیا گیا تھا، مذکورہ آیات جن سے بظاہر اس حکم کا فرشتوں کے لئے مخصوص ہونا معلوم ہوتا ہے اس کا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ اصالۃً حکم فرشتوں کو دیا گیا مگر ابلیس بھی چونکہ فرشتوں میں موجود تھا اسلئے تبعاً وہ بھی اس حکم میں شامل تھا، اس لئے کہ جب فرشتوں کو جو کہ اللہ کے نزدیک بزرگ ترین مخلوق اور ابلیس سے بہر حال افضل ہیں حکم دیا گیا تو دوسری مخلوق جو کمتر ہے اس کا حکم میں تبعاً داخل ہونا ظاہر تھا، اسی لئے ابلیس نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ مجھے سجدہ کا حکم دیا ہی نہیں گیا تو عدم تعمیل کا جرم مجھ پر عائد ہی نہیں ہوتا۔

قال فاخرج منها فانك رجيم الخ اللہ تعالیٰ نے جب ابلیس کا جواب سنا تو فرمایا "اچھا تو یہاں سے نکل جا کیونکہ تو مردود ہے" اور اب تجھ پر روز جزاء تک لعنت ہے، یعنی قیامت تک تو ملعون رہے گا اور اس کے بعد جب روز جزاء قائم ہوگا تو تجھے تیری نافرمانیوں کی سزا دیجائیگی۔

قال رب بما اغويتني لازينن لهم في الارض (الآية) یعنی جس طرح تو نے اس حقیر اور کم تر مخلوق کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر مجھے مجبور کر دیا کہ تیرا حکم نہ مانوں، اسی طرح اب میں ان انسانوں کے لئے دنیا کو ایسا دلفریب بنا دوں گا کہ یہ سب اس سے دھوکا کھا کر تیرے نافرمان بن جائیں گے۔

اغوا اور اضلال کا یہ انتساب ذات باری تعالیٰ کی جانب جس حد تک بھی صحیح ہے صرف تکوینی حیثیت سے یا علت العلت کے معنی میں ہے، 'بما' میں باء سببیہ ہے **اى بسبب اغوائك اياى.**

هذا صراط على مستقيم، اس فقرہ کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ "راستہ ہے جو مجھ تک سیدھا پہنچاتا ہے" اور راستہ سے مراد اخلاص کا راستہ ہے، دوسرے معنی یہ ہیں **هذا طريق حق على أن اراعيه** "یعنی یہ بات درست ہے میں بھی اس کا پابند رہوں گا"۔ (بیضاوی)

ان عبادى ليس لك عليهم سلطان (الآية) شیطان کا منتہائے قوت بس یہ ہے کہ شیطان دم دلاسا خوب دیتا ہے انسان کو فوری لذتوں کی چاٹ خوب چٹاتا ہے بس اس سے زیادہ اس کو کوئی اختیار نہیں، انسان گناہ کرنے پر مجبور و مضطر نہیں، جب

توفیق الٰہی ساتھ چھوڑ دیتی ہے تب خود انسان شیطان کے دام فریب میں پھنس جاتا ہے امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ شیطان نے جو اوپر دعویٰ کر دیا کہ میں لوگوں کو گمراہ کروں گا اور خوب سبز باغ دکھاؤں گا، تو اس سے یہ گمان پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید شیطان کو کچھ نہ کچھ قوت و اقتدار حاصل ہے اس آیت میں اسی غلط فہمی کی تردید ہے، اور اعلان ہے کہ شیطان کی راہ پر چلنے لگے تو سے اختیار ہے، غرض اس آیت سے حق تعالیٰ نے خود شیطان کی بھی غلط فہمی دور کر دی۔ (کبیر، ملخصا)

لھا سبعة ابواب (الآیة) دوزخ کے دروازوں یا طبقات کی یہ تعداد ممکن ہے کہ استحقاق عذاب کے اظہار کے لئے ہو لان صلها سبع فرق (بیضاوی) ای سبعة اطباق. (ابن جریر، عن عکرمة)

اور یہ بھی ممکن ہے کہ محض تعداد مراد ہو، اور اس سے مراد دوزخ میں داخل ہونے والوں کی کثرت تعداد کا اظہار ہو۔ (روح)

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ بساتین وَّعُیُوْنٍ ﴿۴۵﴾ تجری فیها ویقال لهم اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ای سالمین من كل خوف اومع سلام ای سلموا وادخلوا اٰمِنِیْنَ ﴿۴۶﴾ من كل فزع وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ حقد اِخْوَانًا حال من هم عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾ حال ایضا ای لاینظر بعضهم الی قفا بعض لدوران الاسرة بهم لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ تعب وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ﴿۴۸﴾ ابدا نَبِّئْ خبر یا محمد عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ للمؤمنین الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ بهم وَاَنَّ عَذَابِیْ للعصاة هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾ المؤلم وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ﴿۵۱﴾ وهم ملائكة اثنا عشر اوعشرة اوثلاثة منهم جبرئیل اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ای هذا اللفظ قَالَ ابراهیم لما عرض علیهم الاكل فلم یاكلوا اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ خائفون قَالُوْا لَا تَوْجَلْ لاتخف اِنَّا رسل ربك نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۵۳﴾ ذی علم كثیر هو اسحاق كما ذكر فی هود قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ بالولد عَلٰۤی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ حال ای مع مسه ایای فَبِمَ فبای شیء تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ استفهام تعجب قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ بالصدق فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ ﴿۵۵﴾ آئسین قَالَ وَمَنْ ای لا یَّقْنَطُ بكسر النون وفتحها مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ الكافرون قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ شانكم اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ كافرین ای قوم لوط لاهلاكهم اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۹﴾ لایمانهم اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَاۤ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۶۰﴾ الباقین فی العذاب لكفرها.

ترجمہ: (شرک و کفر سے) بچنے والے (متقی) باغوں اور چشموں میں ہوں گے جو باغوں میں جاری ہوں گے، ان سے کہا جائیگا ہر گھبراہٹ سے سلامتی اور امن کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ، (یعنی) حال یہ کہ تم ہر خطرہ سے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یا سلام کے ساتھ، یعنی سلام کرو اور داخل ہو جاؤ، ان کے دلوں میں جو تھوڑی بہت کھوٹ کپٹ ہوگی ہم اس کو

نکالدیں گے وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر مسہریوں پر آمنے سامنے بیٹھیں گے (اخوانا) هم ضمیر سے حال ہے (متقابلین) بھی اخوانا سے حال ہے یعنی کوئی کسی کی گدی (پشت) کو نہ دیکھے گا، اسلئے کہ ان کے تخت دائرہ کی شکل میں ہوں گے، نہ وہاں انھیں کسی مشقت سے پالا پڑے گا اور نہ وہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے اے محمد میرے بندوں کو بتادو کہ میں مومنوں کے لئے درگذر کرنے والا اور ان پر بہت مہربان ہوں (اور ساتھ ہی یہ بھی بتادو کہ) نافرمانوں کے لئے میرے عذاب بڑے دردناک ہیں، اور انہیں ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے مہمانوں کا قصہ بھی سنادو اور وہ (مہمان) بارہ یا دس یا تین فرشتے تھے ان میں جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام بھی تھے جب وہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آئے اور ان کو سلام کیا یعنی انہوں نے لفظ سلاما کہا، جب ان کے سامنے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے کھانا پیش کیا اور انہوں نے نہ کھایا تو ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا، ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں ایک ذی علم فرزند کی آپ کو خوشخبری دیتے ہیں یعنی زیادہ علم والے فرزند کی، وہ فرزند اسحاق ہیں جیسا کہ سورۂ ہود میں ذکر کیا گیا، (ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام) نے کہا کیا تم بڑھاپا لاحق ہونے کی حالت میں مجھے لڑکے کی خوش خبری دے رہے ہو؟! (علی ان الخ) حال ہے یعنی حال یہ ہے کہ مجھے بڑھاپا لاحق ہوگیا ہے یہ خوش خبری تم کس بنا پر دے رہے ہو؟ استفہام تعجبی ہے، فرشتوں نے جواب دیا ہم آپ کو بالکل سچی خوش خبری سنا رہے ہیں، لہٰذا آپ مایوس ہونے والوں میں نہ ہوں، (ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے) فرمایا اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ کافر لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں (یقنط) نون کے کسرہ اور اس کے فتحہ کے ساتھ ہے، ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے دریافت کیا اے (خدائی) فرستادو آپ کس مہم پر تشریف لائے ہو وہ بولے ہم ایک مجرم کافر قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں یعنی قوم لوط کی جانب ان کو ہلاک کرنے کے لئے، صرف لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے گھر والے مستثنیٰ ہیں، ہم ان سب کو ان کے ایمان کی وجہ سے بچالیں گے سوائے اس کی بیوی کے جس کے لئے (اللہ فرماتا ہے) کہ ہم نے مقدر کردیا ہے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں شامل رہے گی یعنی اپنے کفر کی وجہ سے عذاب میں پھنسنے والوں میں رہے گی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: سالمین، سلام کی تفسیر سالمین سے کرنے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ سلام مصدر ہے اس کا حمل ھا، ضمیر پر درست نہیں ہے اسلئے کہ ضمیر سے مراد جنت ہے جو ذات ہے اور مصدر کا حمل ذات پر درست نہیں ہوتا۔

جَوَاب: یہ ہے کہ مصدر بتاویل مشتق سالمین ہو کر حال ہے لہٰذا حمل درست ہے۔

قَوْلُهُ: مع سلام اس میں اشارہ ہے کہ بسلام میں باء بمعنی مع ہے نہ کہ سببیہ۔

قَوْلُهُ: ای سلموا ای سلم علیکم الملائکة.

قولہ: ادخلوا.

سوال: ادخلوا مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: اس میں اشارہ ہے آمنین ادخلوا کی ضمیر سے حال ثانیہ ہے نہ کہ بسلام سے اسلئے کہ عمل میں اصل فعل ہے نہ کہ مصدر۔

قولہ: حال من، هم، یعنی اخوانا، هم سے حال ہے نہ کہ صفت سے۔

سوال: حال مضاف سے ہوا کرتا ہے نہ کہ مضاف الیہ سے اور یہاں اخوانا، هم ضمیر سے حال واقع ہے جو کہ مضاف الیہ ہے۔

جواب: مضاف الیه جب مضاف کا جز ہو تو حال واقع ہونا درست ہوتا ہے یہاں چونکہ مضاف الیه مضاف کا بعض ہے لہٰذا حال واقع ہونا درست ہے اور ادخلوا کی ضمیر سے حال واقع ہونا بھی درست ہے اور متقابلین، اخوانا سے بھی حال واقع ہوسکتا ہے جبکہ اخوانا متصافین یامتحابین کے معنی میں ہو اور اخوانا کی صفت بھی واقع ہوسکتا ہے۔

قولہ: کما ذکر فی الهود ای فبشرنها باسحق.

قولہ: بکسر النون ای من باب ضرب، وبفتح النون ای من باب فتح.

تفسیر و تشریح

ان المتقین فی جنات وعیون (الآیة) قرآن کریم کا ایک خاص اسلوب بیان ہے کہ وہ متقابلین کو بیان کرتا ہے تاکہ دونوں کا فرق خوب واضح ہوجائے یہاں وہی اسلوب اختیار کیا ہے پچھلی آیتوں میں جہنم اور اہل جہنم کا ذکر تھا اب اس کے بعد جنت اور اہل جنت کا تذکرہ ہے تاکہ جنت کی رغبت اور دوزخ سے نفرت پیدا ہو، اور متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر و شرک سے بچتے رہے اور بعض کے نزدیک وہ اہل ایمان مراد ہیں جو ہر قسم کے معاصی سے بچتے رہے غرضیکہ اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو شیطان کی پیروی سے بچے رہے ہوں اور انہوں نے اللہ سے ڈرتے ہوئے عبدیت کی زندگی گذاری ہو۔

متقی اور پرہیزگار لوگ ہر حزن وملال سے بے خوف اور ہر مصیبت وآفت سے مامون اور ہر تعب ومشقت سے محفوظ سلامتی کے ساتھ آپس میں مبارک بادی دیتے ہوئے اور سلامتی کی دعائیں دیتے اور لیتے ہوئے اور خود ذات خداوندی کی طرف سے دائمی سلامتی کا اعلان سنتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔

ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین، یعنی جن لوگوں کے درمیان آپس کی غلط فہمیوں کی بنا پر دنیا میں اگر کچھ رنجشیں اور کدورتیں رہی ہوں گی تو جنت میں داخل ہوتے وقت وہ دور کردی جائیں گی اور ان کے دل آپس میں ایک دوسرے کے لئے بالکل صاف شفاف کردیئے جائیں گے۔

اسی آیت کو پڑھ کر حضرت علی نے فرمایا تھا، کہ مجھے امید ہے کہ اللہ میرے اور طلحہ اور زبیر کے درمیان بھی صفائی کرادے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو سب سے پہلے ان کے سامنے پانی کے دو چشمے پیش کئے جائیں گے پہلے چشمے سے جب وہ پانی پئیں گے تو ان سب کے دلوں سے باہمی رنجش وکدورت جو کبھی دنیا میں پیش آئی تھی اور طبعی طور پر اس کا اثر آخرت تک موجود رہا وہ سب ڈھل جائے گا اور سب کے دلوں میں باہمی محبت والفت پیدا ہو جائیگی کیونکہ باہمی رنجش بھی ایک تکلیف اور عذاب ہے اور جنت ہر تکلیف سے پاک ہے۔

کینہ کے ہوتے ہوئے جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب:

حدیث میں وارد ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کسی مسلمان کی طرف سے کینہ ہوگا وہ جنت میں نہ جائیگا، اس سے مراد وہ کینہ ہے جو دنیوی غرض سے اور اپنے قصد واختیار سے ہو اور اس کی وجہ سے یہ شخص اس کے درپے رہے کہ جب موقع ملے اپنے دشمن کو تکلیف اور نقصان پہنچائے، طبعی انقباض جو خاصۂ بشری اور غیر اختیاری ہے وہ اس میں داخل نہیں، اسی طرح جو کسی شرعی بنیاد پر مبنی ہو، وہ بھی اس کینہ اور بغض میں داخل نہیں۔

قال انا منکم وجلون الخ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو ان فرشتوں سے ڈر اس لئے محسوس ہوا کہ انہوں نے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کا تیار کیا ہوا کھانا نہیں کھایا، اور عرب میں یہ بات مشہور تھی کہ اگر آنے والا مہمان میزبان کے یہاں کھانا نہ کھائے تو سمجھا جاتا تھا کہ آنے والے مہمان کی نیت اچھی نہیں ہے، اس کا تکلیف پہنچانے کا ارادہ ہے، حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو کوئی غیب کا علم تو تھا نہیں کہ وہ سمجھ جاتے کہ انسانی شکل میں آنے والے فرشتے ہیں اور ان کے لئے کھانا تیار نہ کرائے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔

حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو بڑھاپے کی عمر میں اولاد ہونے پر جو تعجب اور حیرت تھی وہ صرف اپنے بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے تھی نہ یہ کہ وہ خدا کی رحمت سے ناامید یا خدانخواستہ ان کو خدا کی قدرت میں شک تھا۔

حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے فرشتوں کی گفتگو سے اندازہ لگایا کہ یہ صرف اولاد کی بشارت دینے ہی نہیں آئے بلکہ ان کی آمد کا اصل مقصد کچھ اور ہے چنانچہ ان سے پوچھا، فما خطبکم ایھا المرسلون؟

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ای لوطا اِلْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ لهم اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ لا اعرفکم قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا ای قومك فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ یشکون وهو العذاب وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فی قولنا فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ امش خلفهم وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ لئلا یری عظیم ما ینزل بهم وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وهو الشام وَقَضَيْنَآ اوحینا اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ وهو اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ حال ای یتم استیصالهم فی الصباح وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مدینة سدوم وهم قوم لوط لما اخبروا ان فی بیت لوط مردًا

حسانا وهم الملائكة **يَسْتَبْشِرُوْنَ**﴿۶۷﴾ حال طمعا فی فعل الفاحشة بهم **قَالَ** لوط **اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِىْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ**﴿۶۸﴾ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ**﴿۶۹﴾ بقصدكم اياهم بفعل الفاحشة بهم **قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ**﴿۷۰﴾ عن اضافتهم **قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِىْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ**﴿۷۱﴾ ماتريدون من قضاء الشهوة فتزوجوهن قال تعالى **لَعَمْرُكَ** خطاب للنبي صلى الله عليه وسلم اى وحياتك **اِنَّهُمْ لَفِىْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ**﴿۷۲﴾ يترددون **فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ** صيحة جبرئيل **مُشْرِقِيْنَ**﴿۷۳﴾ وقت شروق الشمس **فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا** اى قراهم **سَافِلَهَا** بان رفعها جبريل الى السماء واسقطها مقلوبة الى الارض **وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ**﴿۷۴﴾ طين طبخ بالنار **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ** المذكور **لَاٰيٰتٍ** دلالات على وحدانيته تعالى **لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ**﴿۷۵﴾ للناظرين المعتبرين **وَاِنَّهَا** اى قرى قوم لوط **لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ**﴿۷۶﴾ طريق قريش الى الشام لم يندرس افلا يعتبرون بهم **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً** لعبرة **لِّلْمُؤْمِنِيْنَ**﴿۷۷﴾ **وَاِنْ** مخففة اى انه **كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ** هى غيضة شجر بقرب مدين وهم قوم شعيب **لَظٰلِمِيْنَ**﴿۷۸﴾ بتكذيبهم شعيبا **فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ** بان اهلكنا هم بشدة الحر **وَاِنَّهُمَا** اى قرى قوم لوط والايكة **لَبِاِمَامٍ** طريق **مُّبِيْنٍ**﴿۷۹﴾ واضح افلا يعتبرهم اهل مكة.

ترجمہ: پھر جب یہ فرستادے آل لوط یعنی لوط (علیہ الصلاۃ والسلام) کے پاس پہنچے تو لوط علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے کہا تم لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہو، میں تم کو نہیں پہچانتا، فرشتوں نے جواب دیا، نہیں، بلکہ ہم تمہارے پاس وہی چیز لے کر آئے ہیں جس (کے آنے) میں تمہاری قوم شک کر رہی تھی اور وہ عذاب ہے، اور ہم تمہارے پاس صریح حق لے کر آئے ہیں اور ہم اپنی بات میں بالکل سچے ہیں، اب تم رات کے کسی حصہ میں اپنے اہل کو لے کر نکل جانا، اور تم ان کے پیچھے رہنا، یعنی ان کے پیچھے (پیچھے) چلنا، اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے تاکہ اس عظیم ہولناک (عذاب) کو نہ دیکھے جو ان پر نازل ہو رہا ہو، اور جہاں جانے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور وہ شام ہے (سیدھے) چلے جاؤ اور ہم نے انہیں اپنا یہ فیصلہ پہنچا دیا اور وہ یہ کہ صبح ہوتے ہوتے ان کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی (مصبحین) حال ہے، یعنی صبح ہوتے ہوتے ان کی جڑیں اکھاڑ دی جائیں گی، اور شہر والے (یعنی) سدوم کے باشندے اور وہ لوط (علیہ الصلاۃ والسلام) کی قوم کے لوگ تھے، جب ان کو یہ خبر ملی کہ لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے گھر میں خوبصورت امرد (بے ریش) لڑکے ہیں حالانکہ وہ فرشتے تھے (یستبشرون) حال ہے، ان کے ساتھ بدفعلی کی خواہش کرتے ہوئے خوش ہوتے ہوئے آئے، لوط علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا (بھائیو) یہ میرے مہمان ہیں تم مجھے ان کے بارے میں رسوا نہ کرو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کے ساتھ بدفعلی کا ارادہ کر کے میری فضیحت نہ کرو وہ کہنے لگے کیا ہم نے تم کو دنیا بھر کی ٹھیکیداری یعنی ان کی مہمان نوازی کرنے سے منع نہیں کیا لوط (علیہ الصلاۃ والسلام) نے کہا اگر تمہیں قضاء شہوت کرنی ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں ان سے نکاح کر لو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری عمر کی قسم یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے یعنی تیری زندگی کی قسم، وہ تو اپنی بدمستی میں بھٹک رہے تھے

آخر صبح ہوتے ہوتے ان کو ایک چیخ نے (یعنی) جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام کی چیخ نے پکڑ لیا یعنی سورج طلوع ہونے کے وقت بالآخر ہم نے اس شہر کو تہ و بالا کر دیا اس طریقہ پر کہ ان بستیوں کو جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام نے اوپر کی طرف اٹھایا اور زمین پر پلٹ کر پھینک دیا اور ان لوگوں پر کنکریلے پتھر برسائے یعنی آگ میں پکی ہوئی مٹی کے پتھر بلاشبہ ان مذکورہ (واقعات) میں اہل بصیرت عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں اور قوم لوط کی یہ بستیاں قریش کے شام جانے والی شاہ راہ پر واقع تھیں اور (ابھی تک) ان کے نشانات مٹے نہیں تھے تو کیا یہ لوگ ان سے نصیحت حاصل نہیں کرتے بے شک اس (مذکور) میں مومنین کے لئے عبرت ہے اور ان مخففہ ہے یعنی انہ کان اور اصحاب ایکہ کہ وہ (ایکہ) مدین کے قریب کہ وہ شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم تھی ایک جھاڑی تھی یہ بھی حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی تکذیب کی وجہ سے بڑے ظالم تھے جن سے ہم نے انتقام لے ہی لیا کہ ہم نے ان کو سخت گرمی کے ذریعہ ہلاک کر دیا اور یہ دونوں یعنی قوم لوط کی بستیاں اور ایکہ شاہ راہ پر واقع تھیں کیا یہ اہل مکہ ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ای لوطا، اس میں اشارہ ہے کہ آل لوط سے صرف لوط علیہ الصلاۃ والسلام مراد ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے قول "ولقد جاءت رسلنا لوطا" سے بھی یہی مفہوم ہے۔

قولہ: لا اعرفکم، تم انجان ہو اسلئے کہ نہ تو تم مقامی ہو ورنہ میں تم کو ضرور پہچانتا، اور نہ تم مسافر معلوم ہوتے ہو اسلئے کہ تمہارے اوپر سفر کی کوئی علامت نہیں ہے۔

قولہ: اوحینا، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ قضینا کا صلہ الیٰ نہیں آتا حالانکہ یہاں صلہ، الی استعمال ہوا ہے جواب یہ ہے کہ قضینا، اوحینا کے معنی کو متضمن ہے اور اوحینا کا صلہ الیٰ آتا ہے۔

قولہ: ذلك الامر یہ مبہم ہے، اس کی تفصیل، أن دابر هؤلاء مقطوع مصبحين سے کی ہے۔

قولہ: حال یعنی هؤلاء سے حال ہے اور بعض حضرات نے مقطوع کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے اور مقطوع معنی میں مقطوعین کے ہوگا۔

قولہ: مردا یہ امرد کی جمع ہے، بے ریش نوجوان کو کہتے ہیں۔

قولہ: حال یعنی یستبشرون، اهل المدينة سے حال ہے نہ کہ صفت اسلئے کہ جملہ نکرہ ہونے کی وجہ سے معرفہ کی صفت واقع نہیں ہوسکتا۔

قولہ: عن اضافتهم، ای ضيافتهم، میزبانی کرنا۔

قَوْلُہٗ: یترددون ای یتحیرون فکیف یسمعون نصیحتك.

قَوْلُہٗ: وقت شروق الشمس عذاب کی ابتداء طلوع فجر کے وقت ہوئی اور تکمیل حضرت جبرائیل کی چیخ کے ذریعہ طلوع شمس کے وقت ہوئی لہٰذا کوئی منافات نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: تندرس، اندراس، خراب شدن، مٹنا۔

قَوْلُہٗ: طریق، اس میں اشارہ ہے کہ امام سے یہاں معروف معنی مراد نہیں ہیں ای مایؤتم بہ بلکہ یہاں راستہ مراد ہے اسلئے کہ راستہ کی بھی مسافر اقتداء کرتا ہے راستہ جدھر جاتا ہے مسافر بھی اسی طرف جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: متوسمین، متوسم اسم فاعل کی جمع ہے (تفعل) توسم مصدر ہے، اہل فراست، گہرائی سے دیکھنے والے وسم مادہ ہے، علامت۔

تَفسِیر وتَشرِیح

فلما جاء آل لوط ن المرسلون، یہاں بات بہت مختصر بیان ہوئی ہے سورۂ ہود میں اس واقعہ کو مفصل بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان فرستادوں کی آمد سے حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام بہت گھبرائے اور ان کو دیکھتے ہی اپنے دل میں کہنے لگے آج بڑا سخت دن آیا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ فرشتے نہایت ہی خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے یہاں آئے تھے اور حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام اپنی قوم کی بدکرداری سے واقف تھے، مہمانوں کو واپس بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور انھیں بدمعاشوں سے بچانا بھی مشکل تھا۔

وجاء اھل المدینة یستبشرون، ادھر تو لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے گھر میں قوم کی ہلاکت کا فیصلہ ہو رہا تھا، ادھر قوم لوط کو پتہ چلا کہ لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے گھر چند خوش شکل نوجوان مہمان آئے ہیں تو وہ اپنی امرد پرستی کی وجہ سے بہت خوش ہوئے اور حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے گھر پر چڑھ آئے اور ان نوجوان کو سپرد کرنے کا مطالبہ کیا۔

حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام نے انھیں بہت سمجھانے کی کوشش کی اور اپنی رسوائی اور بے عزتی کے حوالہ سے بہت کچھ کہا مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اسلئے کہ وہ اپنی بدمستی اور شہوت پرستی کے جوش میں شراب کے نشے کی مانند دھت تھے۔

وانھا لبسبیل مقیم، سبیل مقیم سے شاہ راہ مراد ہے یعنی قوم لوط کی بستیاں مدینہ سے شام جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی تھیں ہر آنے جانے والا ان بستیوں سے گذرتا تھا، کہتے ہیں کہ یہ پانچ بستیاں تھیں ان کا مرکزی مقام سدوم تھا۔

وان اصحاب الایکة لظلمین، ایکہ گھنے درخت کو کہتے ہیں چونکہ یہ لوگ زراعت پیشہ تھے اور جانور بھی بکثرت رکھتے

تھے اسلئے یہ لوگ اس آب و گیاہ والے مقام پر رہتے تھے، کہا گیا ہے کہ اس سے مراد قوم شعیب ہے ان کا زمانہ لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد ہے ان کا علاقہ حجاز اور شام کے درمیان قوم لوط کی بستیوں کے قریب ہی تھا۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ وادبين المدينة والشام وهم ثمود الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ بتكذيبهم صالحا لانه تكذيب لباقي الرسل لاشتراكهم في المجئ بالتوحيد وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا في الناقة فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ لايتفكرون فيها وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ وقت الصباح فَمَآ اَغْنٰى دفع عَنْهُمْ العذاب مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾ من بناء الحصون وجمع الاموال وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لامحالة فيجازى كل احد بعمله فَاصْفَحِ يا محمد عن قومك الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿٨٥﴾ اعرض عنهم اعراضا لاجزع فيه وهذا منسوخ بآية السيف اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ لكل شئ الْعَلِيْمُ ﴿٨٦﴾ بكل شئ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ قال صلى الله عليه وسلم هي الفاتحة رواه الشيخان لانها تثنى في كل ركعة وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا اصنافا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ان لم يؤمنوا وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ الن جانبك لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ من عذاب الله ان ينزل عليكم الْمُبِيْنُ ﴿٨٩﴾ البين الانذار كَمَآ اَنْزَلْنَا العذاب عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿٩٠﴾ اليهود والنصارى الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ اى كتبهم المنزلة عليهم عِضِيْنَ ﴿٩١﴾ اجزاء حيث آمنوا ببعض وكفروا ببعض وقيل المراد بهم الذين اقتسموا طرق مكة يصدون الناس عن الاسلام وقال بعضهم في القرآن سحر وبعضهم كهانة وبعضهم شعر فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٢﴾ سوال توبيخ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَاصْدَعْ يامحمد بِمَا تُؤْمَرُ اى اجهر به وامضه وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾ هذا قبل الامر بالجهاد اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿٩٥﴾ بك بان اهلكنا كلامنهم بآفة وهم الوليدبن المغيرة والعاص بن وائل وعدى بن قيس والاسود بن المطلب والاسود بن عبد يغوث الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ صفة وقيل مبتدأ ولتضمنه معنى الشرط دخلت الفاء في خبره وهو فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾ عاقبة امرهم وَلَقَدْ للتحقيق نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ من الاستهزاء والتكذيب فَسَبِّحْ متلبسا بِحَمْدِ رَبِّكَ اى قل سبحان الله وبحمده وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾ المصلين وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾ الموت.

تَرجَمہ: اور حجر والوں نے حجر، مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی ہے اور وہ ثمود تھے صالح (علیہ الصلاۃ والسلام) کی

تکذیب کر کے (سب) رسولوں کی تکذیب کی، اسلئے کہ صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب باقی رسولوں کی بھی تکذیب ہے اسلئے کہ توحید کے لانے میں سب مشترک ہیں اور ہم نے ان کو ناقہ کی شکل میں اپنی نشانیاں بھی دیں مگر وہ اس سے اعراض ہی کرتے رہے یعنی انہوں نے ان نشانیوں میں غور وفکر نہیں کیا، اور لوگ بے خوف ہو کر پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے آخر انھیں بھی صبح ہوتے ایک زوردار آواز نے آپکڑا پس ان کی کسی تدبیر وعمل نے ان کو عذاب دفع کرنے میں کوئی فائدہ نہیں دیا یعنی ان کے قلعوں نے اور مال جمع کرنے نے ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے حق کے ساتھ (یعنی با مقصد) پیدا کیا ہے اور قیامت ضرور بالضرور آنے والی ہے ہر شخص کو اس کے عمل کی جزاء دی جائے گی اے محمد تم اپنی قوم سے حسن وخوبی کے ساتھ درگذر کرو، یعنی ان سے آپ صرف نظر کرلیں اس طور پر کہ اس میں جزع فزع نہ ہو اور یہ حکم آیت سیف سے منسوخ ہے، یقیناً تیرا رب ہر شئ کا پیدا کرنے والا (اور) ہر شئ کا جاننے والا ہے اور یقیناً ہم نے آپ کو سات آیتیں دے رکھی ہیں (یعنی) سبع مثانی آپ ﷺ نے فرمایا وہ سورۂ فاتحہ ہے (رواہ الشیخان) اسلئے کہ اس کو ہر رکعت میں دہرایا جاتا ہے، اور قرآن عظیم بھی عطا کیا ہے اور آپ ہرگز اپنی نظریں ان چیزوں کی طرف نہ اٹھائیں جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہیں اور اگر وہ ایمان نہ لائیں تو آپ ان پر غم نہ کریں اور مومنوں کے لئے اپنے بازو جھکائے رہیں (یعنی) ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں، اور کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ کے عذاب سے کھلا ڈرانے والا ہوں یہ کہ تمہارے اوپر عذاب نازل ہو جائے جیسا کہ ہم نے ان تقسیم کرنے والے یہود ونصاریٰ پر نازل کیا جنہوں نے قرآن کو یعنی ان کتابوں کو جو ان پر نازل کی گئی تھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اس طور پر کہ بعض (حصہ) پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر دیا اور کہا گیا ہے کہ مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ کے راستوں کو (آنیوالے) لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے تقسیم کرلیا تھا اور بعض نے قرآن کے بارے میں سحر کہا اور بعض نے کہانت کہا اور بعض نے شعر کہا، قسم ہے تیرے رب کی ہم ان سب سے ان کے اعمال کے بارے میں ضرور باز پرس کریں گے اور یہ سوال توبیخ کے لئے ہوگا، پس اے محمد اس حکم کو جو آپ کو دیا جا رہا ہے کھول کر سنا دیجئے اور نافذ کر دیجئے اور مشرکین سے صرف نظر کر لیجئے یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے آپ سے جو لوگ استہزاء کرتے ہیں ہم ان کے لئے آپ کی طرف سے کافی ہیں اس طریقہ پر کہ ہم ان سب کو کسی آفت کے ذریعہ ہلاک کر دیں گے، اور وہ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور عدی بن قیس، اور اسود بن المطلب اور اسود بن عبد یغوث ہیں، جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود مقرر کرتے ہیں انھیں عنقریب اس کا انجام معلوم ہو جائے گا کہا گیا ہے کہ صفت ہے اور کہا گیا ہے کہ مبتدا متضمن بمعنی شرط ہے اور اسی وجہ سے اس کی خبر پر فا داخل ہے اور وہ (خبر فسوف تعلمون ہے) اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے اور وہ باتیں استہزاء اور تکذیب ہیں، آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید بیان کرتے رہیں یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کہتے ہیں اور سجدہ کرنے (نماز پڑھنے) والوں میں شامل رہیں اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کا یقینی (موت کا) وقت آجائے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: فی الناقۃ، مفسر علام نے فی الناقۃ کہہ کر اس سوال کا جواب دیا ہے کہ آیتنا جمع ہے اور اس کی تفسیر الناقۃ مفرد سے کی ہے جو کہ درست نہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ ناقۃ کئی آیات کو مشتمل تھی اونٹنی کا پہاڑ سے نکلنا، آکر فوراً بچہ دینا، اور اپنی باری میں تمام پانی پی جانا اور زیادہ مقدار میں دودھ دینا، لہٰذا آیتنا کی تفسیر ناقۃ سے درست ہے۔

قولہ: اصنافا، ازواجا کی تفسیر اصنافا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ازواجا کے معروف معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اصناف واقسام مراد ہیں مثلاً کافر یہود، نصاریٰ، مجوس، بت پرست وغیرہ۔

قولہ: کتبھم قرآن کی تفسیر کتبھم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ قرآن سے یہاں معروف قرآن مراد نہیں ہے۔

قولہ: اجزاء، یہ عضین کے لغوی معنی کو بیان کرنے کے لئے اضافہ کیا ہے عضین، عضۃ کی جمع ہے اس کی اصل عُضْوَۃ بروزن فُعْلۃ تھی یہ عضی الشاۃ سے ماخوذ ہے یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔

قولہ: صفۃ یعنی الذین، مستھزئین کی صفت ہے لہٰذا فصل بالاجنبی نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

ولقد کذب اصحٰب الحجر المرسلین، حجر قوم ثمود کا مرکزی شہر تھا اس کے کھنڈر مدینہ کے شمال مغرب میں موجودہ شہر العلاء سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہیں مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے یہ شہر شاہ راہ عام پر پڑتا ہے، قافلوں کی آمد ورفت اسی وادی سے ہوتی ہے ۹ھ میں تبوک جاتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ اسی بستی سے گذرے تو آپ نے سر پر کپڑا لپیٹ لیا اور اپنی سواری کو تیز کر لیا اور صحابہ سے فرمایا کہ روتے ہوئے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس بستی سے گذرو (ابن کثیر، بخاری ومسلم) آٹھویں صدی ہجری میں ابن بطوطہ حج کو جاتے ہوئے یہاں سے گذرا تھا، وہ لکھتا ہے کہ یہاں سرخ رنگ کے پہاڑوں میں قوم ثمود کی عمارتیں موجود ہیں جو انہوں نے چٹانوں کو تراش کر ان کے اندر بنائی تھیں، ان کے نقش ونگار اس وقت تک ایسے تازہ ہیں جیسے آج ہی بنائے گئے ہوں۔

ولقد آتینٰک سبعا من المثانی والقرآن العظیم سبع مثانی سے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے راجح قول یہ ہے کہ اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے جو ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے۔ (مثانی کے معنی بار بار دہرانے کے ہیں)۔

لا تمدن عینیك (الآیۃ) یعنی ہم نے سورۂ فاتحہ اور قرآن جیسی عظیم نعمتیں آپ کو عطا کی ہیں اس لئے دنیا اور اس کی زینت اور دنیا داروں اور سرمایہ داروں کی طرف آپ طلب وحسرت کی نظر نہ اٹھائیں یہ سب عارضی اور فانی چیزیں ہیں، اور آپ اپنی تکذیب پر غم نہ کریں اسلئے کہ ہر نبی کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوا ہے، اور مومنین کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔

کما انزلنا علی المقتسمین ، بعض مفسرین کے نزدیک انزلنا کا مفعول العذاب محذوف ہے معنی یہ ہیں کہ میں تمہیں واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں مثل اس عذاب کے جو مقتسمین پر نازل ہوا، مقتسمین سے کیا مراد ہے؟ بعض کا کہنا یہ ہے کہ اس سے وہ مراد ہیں جنہوں نے کتاب الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، بعض نے کہا کہ اس سے قریشی قوم مراد ہے، جنہوں نے اللہ کی کتاب کو تقسیم کر دیا، بعض کہتے ہیں مقتسمین سے اہل کتاب اور قرآن سے تورات اور انجیل مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے وہ افراد مراد ہیں جنہوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم رات کو صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے گھر والوں کو قتل کر دیں گے اور بعض۔ نے کہا ہے جن میں علامہ سیوطی بھی شامل ہیں کہ مکہ کے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے مکہ کی طرف آنے والے راستے تقسیم کر لئے تھے اور ہر شخص اپنے متعین راستہ پر حج کے موسم میں جا کر بیٹھ جاتا تھا کہ آنے والوں کو محمد ﷺ سے ملنے سے روکے۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ النَّحْلِ مكية اِلَّا وَاِنْ عاقَبْتُمْ الى آخرها مأة وثمانٌ وعشرون آيةً.

سورۂ نحل مکی ہے، سوائے وان عاقبتم سے آخر تک ۱۲۸ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ لَمّا استبطأ المشركونَ العذابَ نزل اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ اى الساعةُ واَتٰى بصيغةِ الماضى لتحقق وقوعِه اى قَرُب فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ تطلُبوه قبلَ حينِه فانه واقعٌ لامحالةَ سُبْحٰنَهٗ تنزيهاً له وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ① به غيرَه يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اى جبرئيلَ بِالرُّوْحِ بالوحي مِنْ اَمْرِهٖ بارادتِه عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ وهم الانبياءُ اَنْ مفسرةٌ اَنْذِرُوْۤا خوِّفُوا الكافرينَ بالعذابِ واَعْلِموهم اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② خافونِ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اى مُحقًّا تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③ به من الاصنامِ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ منيٍّ الى اَنْ صيَّرهُ قوياً شديدًا فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ شديدُ الخصومةِ مُّبِيْنٌ ④ بيِّنُها فى نفيِ البعثِ قائلاً مَنْ يُحيِ العظامَ وهى رميمٌ وَالْاَنْعَامَ الابلَ والبقرَ والغنمَ ونصبُه بفعلٍ يُفسِّرُه خَلَقَهَا لَكُمْ فى جملةِ الناسِ فِيْهَا دِفْءٌ ماتستدفِئُونَ به من الاكسيةِ والارديةِ من اشعارِها واصوافِها وَّمَنَافِعُ من النسلِ والدرِ والركوبِ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤ قُدِّمَ الظرفُ للفاصلةِ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ زينةٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ تردُّونَها الى مراحِها بالعشِيِّ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ⑥ تُخرجونَها الى المرعى بالغداةِ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ احمالَكم اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ واصلينَ اليه على غيرِ الابلِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ بجهدِها اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑦ بكم حيثُ خلقَها لكم وَّ خلقَ الْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً مفعولٌ له والتعليلُ بهما لتعريفِ النعمِ لايُنافى خلقَها لغيرِ ذلكَ كالاكلِ فى الخيلِ الثابتِ بحديثِ الصحيحينِ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ⑧ من الاشياءِ العجيبةِ

الغريبة وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ اى بيان الطريقِ المستقيم وَمِنْهَا اى السَّبِيلِ جَآئِرٌ حائدٌ عن الاستقامة وَلَوْشَآءَ هدايتكم لَهَدٰىكُمْ الى قصدِ السبيلِ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩﴾ فتهتدونَ اليه باختيارٍ مِّنْكُم.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب مشرکوں نے عذاب آنے میں تاخیر دیکھی (تو عذاب کا مطالبہ کیا) اس وقت (آئندہ آیت) نازل ہوئی، اللہ کا حکم آ گیا یعنی قیامت اور قیامت کے یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے (أتیٰ) ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اور أتیٰ بمعنی قَرُبَ، ہے یعنی قیامت کا وقت قریب آ گیا، تو تم اس کے وقت سے پہلے طلب میں جلدی مت مچاؤ وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے، اللہ پاک ہے، اور جس غیر اللہ کو وہ اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہیں اللہ اس سے بالا و برتر ہے (اللہ) فرشتوں (یعنی) جبرئیل کو وحی دیکر اپنے حکم اور ارادہ سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا یہ نازل کرتا ہے اور وہ انبیاء ہیں، یہ کہ لوگوں کو آگاہ کردو أن مفسرہ ہے، کافروں کو عذاب سے ڈراؤ اور ان کو یہ بتاؤ کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں لہٰذا مجھ ہی سے ڈرو، اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق یعنی با مقصد پیدا کیا وہ ان بتوں سے وراء الوراء ہے جس کو یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، انسان کو نطفۂ منی سے پیدا کیا یہاں تک کہ اس کو قوی اور مضبوط کر دیا، تو وہ بعث (بعد الموت) کا انکار کر کے (صریح) جھگڑالو بن گیا یہ کہتے ہوئے کہ بوسیدہ ہڈیوں کو (بھلا) کون زندہ کر سکتا ہے؟ اور تمہارے لئے جانوروں کو (مثلاً) اونٹ اور گائے (بیل) اور بکریاں پیدا کیں اور (اَنْعَامَ) کا نصب اس فعل مقدر کی وجہ سے، ہے جس کی تفسیر خلقها لکم کر رہا ہے، منجملہ دیگر لوگوں کے تمہارے لئے وہ مویشی پیدا کئے کہ ان کی اون اور بالوں سے بنی ہوئی (گرم) چادروں اور لباسوں میں سردی سے حفاظت ہے (اس کے علاوہ) نسل، دودھ، اور سواری کے منافع (بھی) ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے (بھی) ہو اور ظرف (منها) کو فواصل کی رعایت کی وجہ سے مقدم کیا ہے، اور تمہارے لئے وہ باعثِ زینت بھی ہوتے ہیں جب کہ تم ان کو شام کے وقت ان کے باڑوں کی طرف واپس لاتے ہو اور اس وقت بھی (باعث زینت ہوتے ہیں) کہ جب تم انہیں صبح کے وقت ان کی چراگاہ کی طرف لے جاتے ہو، اور وہ تمہارے سامان کا بوجھ اٹھا کر ایسے شہروں تک لیجاتے ہیں کہ تم وہاں اونٹوں کے بغیر نہیں پہنچ سکتے مگر سخت جانفشانی کے بعد، حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق و مہربان ہے، اس لئے کہ اس نے تمہارے لئے ان جانوروں کو پیدا کیا، اور اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے تمہاری سواری کے لئے اور زینت کے لئے دونوں مفعول لہ ہیں، اور (رکوب وزینت) کو علت قرار دینا نعمتوں کے تعارف کے لئے ہے، لہٰذا اس کے علاوہ کیلئے تخلیق کے منافی نہیں، جیسا کہ گھوڑا کھانے کے لئے (بھی) جو کہ صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے اور وہ بہت سی عجیب و غریب چیزیں پیدا کرتا ہے جن کو تم جانتے بھی نہیں، اور سیدھا راستہ بتانا اللہ کے ذمہ ہے جبکہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں، اگر وہ تمہاری ہدایت چاہتا تو سب کو ہدایت دیدیتا تو تمہارے اختیار سے اس تک رسائی ہو جاتی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: ای قَرُبَ، ای قَرُبَ وقوعُہٗ، تطلبوہ، ای تَطْلبوا وقوعَہٗ.

قولہ: سبحانَہٗ، یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، ای سَبِّحْ سبحانَہٗ.

قولہ: بِہٖ اس میں اشارہ ہے کہ عَمَّا میں ما موصولہ ہے جس کے صلہ میں عائد کا ہونا ضروری ہے، اور اگر ما مصدریہ ہو تو عائد کی ضرورت نہ ہوگی۔

قولہ: عَمَّا میں سبحانہ اور تعالی دونوں فعل تنازع کر رہے ہیں ہر ایک عَمَّا میں ما کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے یہ باب تنازع فعلان سے ہے، بصریین کے نزدیک ثانی فعل کو اور کوفیین کے نزدیک اول فعل کو عمل دیں گے۔

قولہ: ای جبرئیل.

سوال: اَلملائکۃ صیغہ جمع بول کر واحد مراد لیا ہے ایسا کیوں؟

جواب: ایسا مجازًا کیا ہے جیسا کہ اذقالتِ الملائکۃ یا مریم میں ملائکہ سے مراد جبرئیل امین ہی ہیں، واحدی نے کہا ہے کہ جب فرد جماعت کا رئیس ہو تو اس پر جمع کا اطلاق درست ہے، جبرئیل چونکہ ملائکہ کے سردار ہیں لہٰذا ان پر جمع کا اطلاق صحیح ہے۔

قولہ: بارادتہ اس میں اشارہ ہے کہ مِنْ اَمرہٖ میں مِنْ بمعنی باء ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ من امرہٖ میں مِنْ نہ بیانیہ ہو سکتا ہے اور نہ تبعیضیہ اور نہ ابتدائیہ۔

قولہ: اَنْ مفسرہ.

سوال: اَن مفسرہ قال یا قال کے مشتقات یا قال کے ہم معنی کے بعد واقع ہوتا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

جواب: یہاں روح چونکہ وحی کے معنی میں ہے اور وحی قال کے معنی میں ہے لہٰذا أن مفسرہ ہونا درست ہے۔

قولہ: وَاعلموھم، یہ اضافہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: انذار متعدی بیک مفعول ہے اور وہ محذوف ہے ای انذروا المشرکین، لہٰذا أنّہٗ لا الٰہ میں اَنَّ کے فتحہ کی کیا وجہ ہے؟ قیاس کا تقاضا ہے کہ اِنَّ بکسر الھمزہ ہو۔

جواب: یہ ہے کہ یہاں اعلموا مقدر ہے اور أنّہٗ لا اِلٰہ الا انا، مفعول ثانی ہے، اسی وجہ سے أنّہٗ لایا گیا ہے۔

قولہ: محقًّا، اس میں اشارہ ہے کہ بالحق حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: شدید الخصومۃ اس میں اشارہ ہے کہ خصیم (فعیل) مبالغہ کے لئے ہے۔

قولہ: نصبُہٗ بفعلٍ یفسرہ خلقَھا، یعنی یہ ما اضمر عاملہ کے قبیل سے ہے، تقدیر عبارت یہ ہے خَلَقَ الانعام خلقَھا لکم.

قولہ: دفءٌ جاڑے کی پوشاک، گرم کپڑا، گرمی حاصل کرنے کا سامان، اونٹوں کی پیداوار اور ان سے جو نفع حاصل ہو، (س

ک) دَفْأً، دُفُوءً ا، دَفَاءَ ةً، گرم ہونا گرمی محسوس کرنا، استدفاءٌ، گرم کپڑا پہننا۔

قَوْلَهُ: مِن اشعارها و اصوافها یہ مَا تستَدْفِئونَ، میں ما کا بیان ہے، دِفْءٌ کی تفسیر ما تَستَدْفِئونَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ دِفْءٌ مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے، اس طرح دِفْءٌ کا حمل بھی درست ہو گیا۔

قَوْلَهُ: قدّم الظرف للفاصلة یعنی ومنها تاكلون اصل میں تاكلون مِنها تھا، فواصل کے رعایت کی وجہ سے ظرف کو مقدم کر دیا۔

قَوْلَهُ: مُراح بضم المیم، آرام کی جگہ، ٹھکانہ، جانوروں کا باڑا۔

قَوْلَهُ: و خَلَقَ، خَلَقَ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ الخیل کا عطف الانعام پر ہے، ای خَلَقَ الانعامَ و خلق الخیل الخ.

قَوْلَهُ: مفعولٌ لَهٗ، زینةً مفعول لہ ہے، اور لتر كبوها کے محل پر عطف ہے یعنی تر كبوها اور زینةً دونوں خَلَقَ کے مفعول لہ ہیں۔

سُؤَالُ: دونوں مفعول لہ ہیں مگر دونوں کو ایک طرز پر نہیں لایا گیا۔

جَوَابُ: دونوں میں فرق ہے کہ رکوب مخاطبین کا فعل ہے اور زینة خالق کا فعل ہے۔

قَوْلَهُ: والتعلیلُ بهما لتعریف النعم الخ، یہ احناف کے استدلال کا جواب ہے، احناف کا استدلال اس آیت سے اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کی تخلیق کی علت زینت بیان فرمائی ہے اور ان تینوں کی تخلیق کو کھانے کی علت قرار نہیں دیا جیسا کہ انعام میں تخلیق کی علت اکل بیان فرمائی ہے حالانکہ منفعتِ اکل دیگر منفعتوں سے اعلیٰ ہے اور آیت بیان نعمت ہی کے لئے لائی گئی ہے اور یہ بات ہرگز مناسب نہیں ہے کہ احسان جتانے کے موقع پر ادنیٰ نعمت کا ذکر کیا جائے اور اعلیٰ کو چھوڑ دیا جائے۔

قَوْلَهُ: قصد السبیل، یہ اضافت صفت الی الموصوف ہے، ای السبیل القصد، اور قصد بمعنی قاصد ہے تاکہ حمل درست ہو جائے قصد سیدھے راستہ کو کہتے ہیں، یقال سبیلٌ قصدٌ و سبیلٌ قاصدٌ سیدھا راستہ۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

سورت کا نام:

اس سورت کا نام سورۂ نحل اس مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ اس میں نحل یعنی شہد کی مکھیوں کا ذکر قدرت کی عجیب و غریب صفت کے بیان کے سلسلے میں ہوا ہے، اس کا دوسرا نام سورۂ نِعَمْ بھی ہے (قرطبی) نِعَمْ نعمت کی جمع ہے، اس لئے کہ اس سورت میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

موضوع اور مرکزی مضمون:

مرکزی مضمون شرک کا بطلان اور توحید کا اثبات، دعوت پیغمبر کو نہ ماننے کے برے نتائج پر تنبیہ اور فہمائش، اور حق کی ممانعت ومزاحمت پر زجروتوبیخ ہے۔

اس سورت کو بغیر کسی خاص تمہید کے ایک شدید وعید اور ہیبت ناک عنوان سے شروع کیا گیا ہے جس کی وجہ مشرکین کا یہ کہنا تھا کہ محمد ﷺ ہمیں قیامت سے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہتے ہیں، اور یہ دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو غالب کرنے اور مخالفوں کو مغلوب کرنے اور سزا دینے کا وعدہ کیا ہے، ہمیں تو یہ کچھ بھی ہوتا نظر نہیں آتا، اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''آپہنچا حکم اللہ کا تم جلد بازی نہ کرو'' (معارف) یعنی عنقریب پہنچے والا ہے جس کو تم خود عنقریب بچشم سر دیکھ لوگے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں حکم اللہ سے مراد قیامت ہے اس کے آپہنچنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کا وقوع دنیا کی گذشتہ مدت کے اعتبار سے قریب ہے۔

مذکورہ آیت کا خلاصہ ایک وعید شدید کے ذریعہ توحید کی دعوت دینا ہے، دوسری آیت میں دلیل نقلی سے توحید کا اثبات ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر خاتم الانبیاء ﷺ تک دنیا کے مختلف خطوں، مختلف زمانوں میں جو بھی رسول آیا، ہے اس نے یہی عقیدۂ توحید پیش کیا ہے حالانکہ ایک کو دوسرے کے حال اور تعلیم کے اسباب سے کوئی اطلاع بھی نہ تھی، غور کرو کہ کم از کم ایک لاکھ بیس ہزار حضرات عقلاء جو مختلف اوقات میں مختلف ملکوں مختلف خطوں میں پیدا ہوں اور وہ سب کے سب ایک ہی بات کے قائل ہوں تو فطرۃً انسان یہی سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ بات غلط نہیں ہو سکتی، ایمان لانے کیلئے تنہا یہی دلیل کافی ہے، لفظ روح سے مراد اس آیت میں بقول ابن عباس وحی اور بقول بعض دیگر مفسرین ہدایت ہے۔

عقیدۂ توحید کا عقلی طور پر اثبات:

خَلَقَ السمٰوات والارض بالحق (الآیۃ) ان آیتوں میں تخلیق کائنات کی عظیم نشانیوں سے حق تعالیٰ کی توحید کا اثبات ہے، اول تو سب سے پہلی مخلوق آسمان اور زمین کا ذکر فرمایا اس کے بعد تخلیق انسانی کا ذکر فرمایا، جس کو اللہ تعالیٰ نے مخدوم کائنات بنایا، انسان کی ابتداء ایک حقیر نطفہ سے ہونا بیان کر کے فرمایا، **فَاِذَا هُوَ خصیم مبین** یعنی جب اس ضعیف الخلقت کو طاقت اور قوت گویائی عطا ہوئی تو خدا ہی کی ذات وصفات میں جھگڑنے لگا۔

انسانی تخلیق کے بعد ان اشیاء کی تخلیق کا ذکر فرمایا جو انسان کے فائدے کے لئے خصوصی طور پر بنائی گئی ہیں، اور قرآن کے سب سے اول مخاطب چونکہ عرب تھے اور عرب کی معیشت کا بڑا دارومدار پالتو جانوروں میں سے اونٹ، گائے، بکری پر تھا اس لئے پہلے ان کا ذکر فرمایا، ''**وَالانعام خلقها**'' پھر جانوروں سے جو فوائد انسان کو حاصل ہوتے ہیں ان میں سے دو فائدے خاص طور سے بیان کردیئے۔

فائدہ: ❶ ایک لکم فیھا دِفْءٌ یعنی ان جانوروں کی اون سے انسان اپنے گرم کپڑے اور کھال سے پوستین وغیرہ تیار کرکے سردی کے موسم میں گرمائش حاصل کرتا ہے۔

فائدہ: ❷ ومنھا تاکلون، یعنی انسان جانوروں میں سے بعض کو ذبح کرکے اپنی خوراک بھی بنا سکتا ہے، غرضیکہ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے دو یعنی خوراک اور پوشاک کی ضرورت جانوروں سے پوری ہو سکتی ہیں، اور ان کے دودھ سے اپنی بہترین غذا تیار کر سکتا ہے اور باقی عام فوائد کے لئے فرمایا "ومنافع للناس" اور بے شمار فوائد انسان کے جانوروں کے گوشت چمڑے، ہڈی، اور بالوں سے وابستہ ہیں، اس ابہام واجمال میں ان سب نئی سے نئی ایجادات کی طرف بھی اشارہ ہے جو حیوانی اجزاء سے انسان کی غذا، لباس، دواء استعمالی اشیاء کے لئے ابتک ایجاد ہو چکی ہیں یا آئندہ قیامت تک ہوں گی۔ (معارف)

ولکم فیھا جمالٌ حین تریحون، اس میں ایک فائدہ عرب کے ذوق کے مطابق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ تمہارے لئے جمال اور زینت کا ذریعہ ہیں خصوصاً جب وہ شام کو چراگاہوں سے اپنی آرام گاہوں کی طرف آتے ہیں یا صبح کو جب وہ آرام گاہوں سے نکل کر چراگاہوں کی طرف جاتے ہیں، کیونکہ اس وقت مویشیوں سے ان کے مالکان کی خاص شان وشوکت کا مظاہرہ ہوتا ہے، آخر میں ان جانوروں کا ایک اور فائدہ یہ بیان کیا کہ یہ جانور تمہارے بوجھل سامان دور دراز شہروں تک پہنچا دیتے ہیں جہاں تمہاری اور تمہارے سامان کی رسائی جان جوکھوں میں ڈالے بغیر ممکن نہ تھی، آج ریل گاڑیوں اور ٹرکوں اور ہوائی جہازوں کے زمانہ میں بھی انسان ان جانوروں سے مستغنی نہیں۔

کھائے جانے والے حلال جانوروں کا ذکر کرنے کے بعد اب ان جانوروں کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوا جن کی تخلیق ہی سواری اور بار برداری کے لئے ہے ان کے دودھ یا گوشت سے انسان کا فائدہ متعلق نہیں کیونکہ از روئے شرع وہ اخلاقی بیماریوں کا سبب ہونے کی وجہ سے ممنوع ہیں، فرمایا، "والخیلَ والبغال والحمیر لترکبوھا وزینةً، یعنی ہم نے گھوڑے، خچر، گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہارے لئے باعثِ زینت بھی ہوں۔

مسئلہ: قرآن کریم نے اول انعام یعنی اونٹ، گائے، بکری، کا ذکر فرمایا، اور ان کے فوائد میں سے ایک اہم فائدہ ان کا گوشت کھانا بھی قرار دیا، پھر اس سے الگ کرکے فرمایا، والخیل والبغال والحمیر ان کے فوائد میں ان سے سواری لینے اور ان سے اپنی زینت حاصل کرنے کا ذکر ہے مگر گوشت کھانے کا یہاں ذکر نہیں کیا اس میں یہ دلالت پائی جاتی ہے کہ گھوڑے، خچر، گدھے کا گوشت حلال نہیں، گدھے اور خچر کا گوشت حرام ہونے پر تو جمہور فقہاء کا اتفاق ہے اور ایک مستقل حدیث میں ان کی حرمت کا صراحۃً بھی ذکر ہے مگر گھوڑے کے معاملہ میں حدیث کی دو روایتیں متعارض آئی ہیں ایک سے حلت اور دوسری سے حرمت معلوم ہوتی ہے اسی لئے فقہاء امت کے اقوال اس میں مختلف ہو گئے بعض نے حلال قرار دیا اور بعض نے حرام، امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اسی تعارض دلائل کی وجہ سے گھوڑے کے گوشت کو گدھے اور خچر کی طرح حرام نہیں کہا مگر مکروہ قرار دیا۔

(احکام القرآن جصاص)

مَسْئَلہ: اس آیت سے جمال اور زینت کا جواز معلوم ہوتا ہے، اگرچہ تفاخر و تکبر حرام ہیں فرق یہ ہے کہ جمال و زینت کا حاصل اپنے دل کی خوشی یا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ (معارف)

وعلی اللّٰہ قصد السبیل، یہ آیت درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے لائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ قدیمہ کی بنا پر اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ لوگوں کے لئے وہ صراط مستقیم واضح کردے جو اللہ تک پہنچانے والا ہے۔

لیکن اس کے برخلاف کچھ لوگوں نے دوسرے ٹیڑھے راستے بھی اختیار کر رکھے ہیں وہ ان تمام واضح آیات اور دلائل سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ گمراہی میں بھٹکتے رہتے ہیں، پھر ارشاد فرمایا کہ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ جبر نہ کیا جائے، دونوں راستے سامنے کردیئے جائیں چلنے والا جس راستہ پر چلنا چاہے چلا جائے، صراط مستقیم اللہ تعالیٰ اور جنت تک پہنچائیگا اور ٹیڑھے راستے جہنم پر پہنچائیں گے۔

هُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ تشربُونَه وَّمِنْهُ شَجَرٌ ینبتُ بسببه فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ⑩ ترعَون دوابکم یُنْۢبِتُ لَکُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ المذکور لَاٰیَةً دالةً علی وحدانیته تعالی لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ⑪ فی صنعه فیؤمنون وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ بالنصب عطفاً علی ماقبله والرفع مبتدأ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ بالوجهین مُسَخَّرٰتٌ بالنصب حالٌ والرفع خبرٌ بِاَمْرِهٖ بارادته اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ⑫ یتدبرون وَ سخرلکم مَاذَرَاَ خلق لَکُمْ فِی الْاَرْضِ من الحیوان والنباتِ وغیرِ ذلك مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ کاحمرَ واخضرَ واصفرَ وغیرِها اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ ⑬ یتعظون وَهُوَالَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ ذللهٗ لرکوبه والغوص فیه لِتَاْکُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا هو السمكُ وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا هی اللؤلؤُ والمرجانُ وَتَرَی تُبصِرُ الْفُلْکَ السفنَ مَوَاخِرَ فِیْهِ تمخرُ الماءَ ای تشقُّه بجریها فیه مقبلةً ومدبرةً بریحٍ واحدة وَلِتَبْتَغُوْا عطفٌ علی لتأکلوا تطلبُوا مِنْ فَضْلِهٖ تعالی بالتجارةِ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ⑭ اللّٰهَ علی ذلك وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ جبالاً ثوابتَ ل اَنْ لا تَمِیْدَ تتحرك بِکُمْ وَ جعل فیها اَنْهٰرًا کالنیل وَّسُبُلًا طرقا لَّعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ⑮ الی مقاصدِکم وَعَلٰمٰتٍ تستدلون بها علی الطرق کالجبال بالنهار وَبِالنَّجْمِ بمعنی النجوم هُمْ یَهْتَدُوْنَ ⑯ الی الطُّرق والقبلةِ باللیل اَفَمَنْ یَّخْلُقُ وهو اللّٰه کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ وهو الاصنامُ حیث تشرکونها معه فی العبادة لا اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ⑰ هذا فتؤمنون وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا تضبطوها فضلاً ان تطیقوا شکرها اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑱ حیث ینعمُ علیکم مع تقصیرکم وعصیانکم وَاللّٰهُ

يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿١٩﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ بالتاءِ والياءِ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وهو الاصنامُ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿٢٠﴾ يُصَوَّرُوْنَ مِنَ الحجارةِ وغيرِها اَمْوَاتٌ لا روحَ فيهم خبرٌ ثانٍ غَيْرُ اَحْيَاۤءٍ تاكيدٌ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اى الاصنامُ اَيَّانَ وقتَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٢١﴾ اى الخلقُ فكيفَ يَعْبُدُوْنَ اذلا يكونُ الٰهًا الاالخالقُ الحيُّ العالِمُ بالغيبِ.

ترجمہ: (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے فائدہ کے لئے آسمان بادلوں سے پانی برسایا اسی کو تم پیتے ہو اور اسی سے نباتات اگتی ہیں جس کو چرنے کے لئے تم اپنے جانوروں کو چھوڑتے ہو، اسی (پانی) سے تمہارے لئے کھیتی زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتی ہے بے شک ان تمام مذکورہ چیزوں میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لئے جو اس کی صنعت میں غور و فکر کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ ایمان لے آتے ہیں، اور اسی نے رات اور دن کو اور شمس و قمر کو اور ستاروں کو (اپنی قدرت سے) تمہارے کام میں لگا رکھا ہے (الشمس) پر نصب کے ساتھ اس کے ماقبل پر عطف کرتے ہوئے، اور رفع کے ساتھ مبتداء ہونے کی وجہ سے اور (القمر اور النجوم) میں بھی مذکورہ دونوں اعراب ہیں، (مسخراتٍ) نصب کے ساتھ ہے، حال ہونے کی وجہ سے اور رفع ہے خبر ہونے کی وجہ سے بلاشبہ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں (یعنی) غور و فکر کرتے ہیں، بہت سی چیزوں کو اس نے زمین میں تمہارے لئے پیدا کیا جن کے رنگ روپ مختلف قسم کے ہیں جیسا کہ سرخ، سبز اور زرد وغیرہ، وہ حیوان اور نبات وغیرہ ہیں یقیناً ان (مذکورہ) چیزوں میں نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے بہت سی نصیحتیں ہیں اور دریا بھی اس نے تمہاری سواری کے لئے اور اس میں غوطہ زنی کے لئے بس میں کر دیئے ہیں تاکہ تم اس میں سے نکال کر تازہ گوشت کھاؤ وہ مچھلی ہے، اور اس میں سے زیور نکالو کہ جن کو تم پہنو اور وہ موتی اور مونگے ہیں، اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، یعنی ایک ہی ہوا سے آتے جاتے دریا میں پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، اور تاکہ تم تجارت کے ذریعہ اللہ کا فضل (روزی) طلب کرو (لِتبتغوا) کا عطف لِتاکلوا پر ہے، اور تاکہ اس پر تم اللہ کا شکر ادا کرو اور اس نے زمین میں نہ ہلنے والے پہاڑ ثبت کر دیئے تاکہ تم کو لے کر نہ ہلے (یعنی اضطرابی) حرکت نہ کرے اور زمین میں نیل کے، مانند نہریں بنائیں اور راستے بنائے تاکہ تم اپنے مقاصد تک رسائی حاصل کر سکو اور بہت سی ایسی نشانیاں بنائیں جن سے تم رہنمائی حاصل کرتے ہو جیسا کہ پہاڑوں سے دن میں اور ستاروں کے ذریعہ اور نجم بمعنی نجوم ہے راستہ کی اور قبلے کی، رات میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں کیا وہ اللہ جو پیدا کرتا ہے اس کے برابر ہے جو (کچھ) پیدا نہیں کرتا اور وہ بت ہیں، کہ جن کو تم عبادت میں اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، نہیں (یعنی برابر نہیں ہو سکے) کیا تم اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے کہ ایمان لے آؤ، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے، چہ جائیکہ تم ان کا شکر ادا کر سکو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے اسلئے کہ وہ تمہاری کوتاہیوں اور نافرمانیوں کے باوجود تمہیں اپنی نعمتوں

سے نوازتا ہے اور جو تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو اللہ اس کو جانتا ہے اور جن کو یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں (بندگی) کرتے ہیں اور وہ بت ہیں، وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ تو خود مخلوق ہیں، یعنی پتھر وغیرہ سے تراشے ہوئے ہیں، بے جان ہیں یہ خبر ثانی ہے ان میں جان نہیں یہ تاکید ہے، اور ان بتوں کو تو یہ بھی شعور نہیں کہ مخلوق کو کب اٹھایا جائیگا؟ تو پھر ان کی کیوں بندگی کی جائے؟ اسلئے کہ معبود تو وہی ہوسکتا ہے جو خالق ہو، زندہ ہو، عالم الغیب ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بالنصب حالٌ (مُسَخَّرات) الشمس پر نصب کی صورت میں حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور ماقبل میں مذکور سب سے حال ہوگا اور عامل سَخَّر کی ضمیر ہوگی، اور الشمسُ پر رفع کی صورت میں مسخّراتٌ مبتداء کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

قولہ: ماذَرَأَ اس کا عطف اللیلَ پر ہے مفسر علام نے سخّر محذوف نکال کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ: مَوَاخِرَ یہ ماخِر کی جمع ہے (ف) مَخرًا، مخورًا، پانی کو چیرنا۔

قولہ: عطفٌ علی لِتاکلوا (یعنی) تبتغوا اس کا عطف لتاکلوا پر ہے، درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: وجعلَ فیھا، اس کا عطف رواسِیَ پر ہے اسلئے کہ القٰی کے اندر جعل کے معنی ہیں۔

قولہ: خبرٌ ثان، یعنی اَموَاتٌ، الذین یدعون کی خبر ثانی ہے اور اول خبر مِنْ دون اللّٰہ ہے۔

قولہ: تاکید، یعنی غیر اَحیاء، اموات کی تاکید ہے، لہٰذا عدم حاجت کا اعتراض ختم ہوگیا۔

تفسیر و تشریح

منه شجرٌ فیه تسیمون، شجر کا لفظ اکثر تنے دار درخت کے لئے بولا جاتا ہے، اور کبھی زمین سے اگنے والی ہر چیز کیلئے بھی بولا جاتا ہے، جیسا گھاس، بیلیں وغیرہ اس آیت میں یہی معنی مراد ہیں اسلئے کہ آگے جانوروں کے چرانے کا ذکر ہے اس کا تعلق زیادہ تر گھاس ہی سے ہے۔

تسیمون، اسامت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں جانوروں کو چراگاہ میں چرنے کے لئے چھوڑنا۔

انَّ فی ذلك لآیة لقوم یتفکرون، ان تمام آیات میں نعماء الٰہیہ اور عجیب و غریب حکمت کے ساتھ تخلیق کائنات کا ذکر ہے جس میں غور و فکر کرنے والوں کو ایسے دلائل و شواہد ملتے ہیں کہ ان سے حق تعالیٰ کی توحید کا گویا مشاہدہ ہونے لگتا ہے اسی لئے ان آیتوں میں ذکر کرتے کرتے بار بار درمیان میں فرمایا کہ اس میں سوچنے والوں کے لئے دلیل ہے، کیونکہ کھیتی اور درخت اور

ان کے پھل پھول وغیرہ کا تعلق اللہ جل شانہ کی صنعت وحکمت کے ساتھ غور وفکر چاہتا ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ دانہ یا گٹھلی زمین کے اندر ڈالنے سے اور پانی دینے سے تو خود بہ خود یہ نہیں ہوسکتا کہ اس میں سے ایک عظیم الشان درخت نکل آئے اور اس پر رنگا رنگ پھول لگنے لگیں یہ سب قادر مطلق کی صنعت وحکمت ہے۔

وسخر لکم الّیل والنهار الخ خدائی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے رات اور دن کا ایک دوسرے کے پیچھے چلے آنا بھی ہے، تاکہ لوگوں کا کاروبار چلے اور ان کو سکون وراحت بھی ملے، اسی طرح چاند اور سورج بھی ایک معینہ نظام کے ساتھ نکلتے اور چھپتے ہیں رات اور دن کی آمد ورفت اور شمس وقمر کے طلوع وغروب کے ساتھ انسانوں کے بے شمار فوائد وابستہ ہیں بلکہ غور سے دیکھا جائے تو ان کے بغیر انسانی زندگی محال ہے خداتعالی نے اپنے اقتدار کامل سے چاند سورج اور تمام ستاروں کو ایک ادنی خادم کی طرح ہمارے کاموں میں لگا رکھا ہے، مجال نہیں کہ ذرا بھی سستی یا سرتابی کرسکیں۔

هو الذی سخّرَ البحر لتاکلوا، آسمان اور زمین کی مخلوقات اور ان میں انسان کے فوائد ومنافع بیان کرنے کے بعد سمندروں کے اندر حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ سے انسان کے لئے کیا کیا فوائد ہیں ان کا بیان ہے کہ اس سے تم کو مچھلی کا تازہ گوشت ملتا ہے، اور دریا کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں غوطہ لگا کر انسان اپنے لئے زینت کا سامان نکال لیتا ہے، مراد موتی مونگے اور جواہرات ہیں جو سمندر سے نکلتے ہیں اگرچہ زیورات کے پہننے کی نسبت مردوں کی طرف کی گئی ہے مگر مراد عورتیں ہیں، اس لئے کہ دراصل عورتوں کی زیب وزینت مردوں ہی کے لئے ہے، اس کے علاوہ انگوٹھی وغیرہ کی صورت میں مرد بھی استعمال کرتا ہے۔

وَتَرَی الفلك مواخر فیه الخ دریاؤں کا یہ تیسرا فائدہ بتایا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دریا کو بلاد بعیدہ کے سفر کا راستہ بنایا ہے ہوائی جہاز کی ایجاد سے پہلے دور دراز ملکوں کے سفر کا سب سے آسان طریقہ دریا کے راستہ سفر کرنا تھا اور تجارتی مال کی درآمد برآمد کا آسان وسیلہ بھی۔

والقٰی فی الارض رواسیَ أن تمید بکم، رواسِیَ، راسیة کی جمع ہے بھاری پہاڑ کو کہتے ہیں، تمیدَ، میدٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ڈگمگانے اور اضطرابی حرکت کرنے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ کرۂ ارض کو حق تعالیٰ شانہ نے اپنی بہت سی حکمتوں کے تحت ٹھوس اور متوازن اجزاء سے نہیں بنایا اس لئے وہ کسی جانب سے بھاری اور کسی جانب سے ہلکی واقع ہوئی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ زمین کو عام فلاسفروں کی طرح ساکن مانا جائے یا حرکت متدیرہ کے ساتھ متحرک قرار دیا جائے اور دونوں صورتوں میں زمین میں ایک اضطرابی حرکت ہوتی اس اضطرابی حرکت کو روکنے کے لئے اور اجزاء زمین کو متوازن کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کا وزن رکھ دیا تاکہ وہ اضطرابی حرکت نہ کرسکے باقی رہا سوال حرکت متدیرہ کا تو دیگر سیارات جیسے حرکت کرتے ہیں زمین بھی ویسی ہی حرکت کرتی ہے اور قدیم فلاسفہ میں سے فیثاغورث کی بھی یہی تحقیق ہے اور جدید فلاسفہ سب اس پر متفق ہیں اور نئے تجربات نے اس کو اور بھی زیادہ واضح کردیا ہے، تو قرآن کریم میں نہ اس کا اثبات ہے

اور نہ اس کی کہیں نفی بلکہ یہ اضطرابی حرکت جس کو پہاڑوں کے ذریعہ بند کیا گیا ہے اس کی حرکت مستدیرہ کے لئے اور زیادہ معین ہوگی جو دیگر سیارات کی طرح زمین کے لئے ثابت ہے۔ (معارف)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اور تخلیق کائنات کا مفصل ذکر کرنے کے بعد اس بات پر تنبیہ فرمائی جس کے لئے ان سب نعمتوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے وہ ہے حق تعالیٰ کی توحید کہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اسلئے فرمایا کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ نے تمہاز مین وآسمان بنائے کوہ ودریا بنائے، نباتات اور حیوانات بنائے، درخت اور ان کے پھل پھول بنائے کیا وہ ذات کہ جو ان سب چیزوں کی خالق ومالک ہے ان بتوں کی مانند ہو جائے گی جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے، تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے ؟؟؟۔

اِلٰهُكُمْ المستحقُ للعبادةِ منكم **اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** لا نَظِيْرَ لَه في ذاتِه ولا في صفاتِه وهو اللّٰهُ تعالى **فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ** جاحدةٌ للوحدانيّةِ **وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ**﴿۲۲﴾ مُتكَبِّرُوْنَ عن الايمانِ بها **لَا جَرَمَ** حقًا **اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ** فيُجازِيهم بذٰلك **اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ**﴿۲۳﴾ بمعنى انه يُعاقِبُهم وَنَزَلَ في النضرِ بنِ الحارثِ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّا** استفهاميةٌ **ذَآ** موصولةٌ **اَنْزَلَ رَبُّكُمْ** على محمدٍ **قَالُوْٓا** هو **اَسَاطِيْرُ** اكاذيبُ **الْاَوَّلِيْنَ**﴿۲۴﴾ اِضلالًا للناسِ **لِيَحْمِلُوْٓا** في عاقبةِ الامرِ **اَوْزَارَهُمْ** ذُنُوْبَهم **كَامِلَةً** لم يُكفَّرْ منها شئٌ **يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ** بعضِ **اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ** لانهم دَعَوْهم الى الضَّلالِ فاتَّبَعُوْهم فاشتَرَكُوا في الاثمِ **اَلَا سَآءَ** بئسَ **مَا يَزِرُوْنَ**﴿۲۵﴾ يَحْمِلُوْنَه حِمْلُهم هٰذا.

ترجمہ: تمہاری عبادت کا مستحق تو صرف ایک معبود ہے، ذات وصفات میں اس کی کوئی نظیر نہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے قلوب وحدانیت کے منکر ہیں اور وہ وحدانیت پر ایمان لانے سے تکبر کرنے والے ہیں یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس بات کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں، لہٰذا وہ اس کی جزاء ان کو دے گا، وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا بایں معنی کہ ان کو سزا دے گا، اور نضر بن الحارث کے بارے میں (آئندہ) آیت نازل ہوئی، اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے محمد ﷺ پر کیا نازل کیا؟ (ما) استفہامیہ اور (ذا) موصولہ ہے تو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے جواب دیا، پہلے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انجام کار یہ لوگ اپنے تمام گناہوں کے ساتھ کہ جن میں سے کچھ بھی کم نہ کیا گیا ہوگا قیامت کے دن اٹھائے ہوئے ہوں گے اور ان لوگوں کے گناہوں کا بھی کچھ حصہ جن کو ان لوگوں نے ان کی لاعلمی کی وجہ سے گمراہ کیا ہوگا اس لئے کہ ان لوگوں نے اُن کو گمراہی کی طرف بلایا تو انہوں نے ان کی اتباع کی جس کی وجہ سے گناہ میں دونوں شریک ہوگئے، دیکھو تو کیسا بُرا بوجھ ہے؟ جس کو یہ اٹھا رہے ہیں، یعنی ان کا یہ اٹھانا نہایت برا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: متکبرون، مستکبرون کی تفسیر متکبرون سے کرکے اشارہ کردیا کہ استفعال تفعُّل کے معنی میں ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ یہاں طلب کے معنی درست نہیں ہے۔

قولہ: بمعنی انّهٗ یُعاقبُهم یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہے اسلئے کہ حُبّ کا تعلق قلب سے ہے اور قلب مجسم ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔

جواب: عدم حب کے لازم معنی مراد ہیں یعنی سزا، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ: هو.

سوال: (هو) مقدر ماننے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اسا طیر الاولین چونکہ قال کا مقولہ ہے اور مقولہ کے لئے جملہ ہونا ضروری ہے حالانکہ اساطیر الاولین مفرد ہے یعنی جملہ تام نہیں ہے، مفسر علام نے ھو محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ اساطیر الاولین مبتداء محذوف کی خبر ہوکر جملہ تام ہے۔

قولہ: فی عاقبة الامر اس میں اشارہ ہے کہ لیحملوا میں لام عاقبت کا ہے۔

قولہ: حملهم هذا یہ مخصوص بالذم ہے۔

تفسیر و تشریح

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ واحدٌ (الآیة) یعنی ایک اِلٰہ کا تسلیم کرنا منکرین و مشرکین کے لئے بہت مشکل ہے وہ کہتے ہیں "اَجَعَلَ الآلِهَةَ اِلٰهًا واحِدًا اِنَّ هٰذا لشَئٌ عُجابٌ" اس نے تمام معبودوں کا ایک ہی معبود کردیا ہے یہ تو بڑی عجیب بات ہے، سورۂ زمر میں فرمایا گیا "وَاِذا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ اشمأزتْ قُلوبُ الّذین لا یؤمنون بالآخرة وَاِذا ذُكِرَ الذین مِنْ دونِهٖ اِذاهُمْ یَسْتَبْشِرُونَ" جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو منکرین کے دل تنگ ہوجاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں۔

وَاِذا قیل لَهُمْ ماذا انزل ربكم الخ گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی گمراہی اور اپنے انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا اب مشرکین کے دوسروں کو گمراہ کرنے کا ذکر ہے، نبی ﷺ کی دعوت کا چرچا جب اطراف و اکناف میں پھیلا تو مکے کے لوگ جہاں کہیں جاتے تھے ان سے جب پوچھا جاتا کہ تمہارے یہاں جو صاحب نبی بنکر اٹھے ہیں وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟ قرآن کس قسم کی کتاب ہے؟ اس کے مضامین کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ، اس قسم کے سوالات کا جواب کفار مکہ ہمیشہ ایسے الفاظ میں

دیتے تھے کہ جن سے سائل کے دل میں نبی ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی کتاب کے متعلق کوئی نہ کوئی شک بیٹھ جائے یا کم از کم اس کو آپ سے اور آپ کی دعوت سے کوئی دلچسپی نہ رہے، جو بات مشرکین سوالوں کے جواب میں کہا کرتے تھے ان میں سے ان کا ایک جملہ یہ بھی تھا "قالوا اساطیرُ الاولین" گذشتہ لوگوں کے گھڑے ہوئے قصے ہیں قرآن کریم نے اس پر یہ وعید سنائی کہ یہ ظالم قرآن کو کہانیاں بتلا کر دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اس کا نتیجہ ان کو بھگتنا پڑے گا، روز قیامت ان کے گناہوں کا پورا بوجھ تو ان پر پڑنا ہی ہے، جن کو یہ لوگ گمراہ کررہے ہیں ان کا بھی وبال ان پر پڑے گا، اور پھر فرمایا کہ گناہوں کے جس بوجھ کو یہ لوگ اپنے اوپر لاد رہے ہیں وہ بہت برا بوجھ ہے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وہو نمرود بنی صرحًا طویلاً لیصعد منه الی السماء لیُقاتِل اہلَہا **فَأَتَى اللّٰهُ** قصد **بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ** الاساس فارسل علیه الریحَ والزلزلةَ فهدمتها **فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ** ای وہم تحتَہ **وَأَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ** ﴿۲۶﴾ من جهةٍ لا یخطر ببالِهم وقیل ہذا تمثیلٌ لِافسادِ ما أبرمُوہُ من المکر بالرُّسُل **ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيهِمْ** یُذِلُّهم **وَيَقُولُ** لهم اللّٰهُ علی لسان الملائکة توبیخًا **أَيْنَ شُرَكَآءِيَ** بزعمِکم **الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَآقُّونَ** تُخالِفُون المؤمنینَ **فِيهِمْ** فی شانِهم **قَالَ** ای یقول **الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ** من الانبیاءِ والمؤمنین **إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوٓءَ عَلَى الْكٰفِرِينَ** ﴿۲۷﴾ یَقُولُونَہٗ شماتةً بهم **الَّذِينَ تَتَوَفّٰهُمُ** بالتاءِ والیاءِ **الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ** بالکفر **فَأَلْقَوُا السَّلَمَ** انقادُوا واستسلمُوا عند الموتِ قائلینَ **مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوٓءٍ** شرکٍ فتقولُ الملائکةُ **بَلٰىٓ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ** ﴿۲۸﴾ فیُجازیکُم به ویُقالُ لهم **فَادْخُلُوٓا أَبْوٰبَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى** ای مأوی **الْمُتَكَبِّرِينَ** ﴿۲۹﴾ **وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا** الشرکَ **مَاذَآ أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرًا لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا** بالایمان **فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ** حیاةٌ طیّبةٌ **وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ** ای الجنةُ **خَيْرٌ** من الدنیا وما فیها قالَ تعالٰی فیها **وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ** ﴿۳۰﴾ ہی **جَنّٰتُ عَدْنٍ** اقامةٍ مبتدأٌ خبرُہٗ **يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآءُونَ كَذٰلِكَ** الجزاء **يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِينَ** ﴿۳۱﴾ **الَّذِينَ** لهم نعتٌ **تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِينَ** طاہرینَ من الکفر **يَقُولُونَ** لهم عند الموتِ **سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ** ویُقالُ لهم فی الآخرةِ **ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ** ﴿۳۲﴾ **هَلْ** ما **يَنْظُرُونَ** ینتظرُ الکفار **إِلَّآ أَنْ تَأْتِيَهُمُ** بالتاءِ والیاءِ **الْمَلٰٓئِكَةُ** لقبضِ أرواحِهم **أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ** العذابُ اوالقیامةُ المشتملةُ علیه **كَذٰلِكَ** کما فعلَ ہؤلاءِ **فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ** من الأمم کذَّبُوا رُسلَهم فأہلِکُوا **وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ** باہلاکِهم بغیرِ ذنبٍ **وَلٰكِنْ كَانُوٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ** ﴿۳۳﴾ بالکفر **فَأَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوا** ای جزاؤہا **وَحَاقَ** نزلَ **بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُونَ** ﴿۳۴﴾ ای العذابُ.

ترجمہ: ان سے پہلے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا، اور وہ نمرود تھا جس نے ایک بہت اونچا منارہ بنایا تھا تاکہ اس پر چڑھ کر آسمان والوں سے قتال کرے، آخر اللہ تعالیٰ نے ان بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ دیا کہ ان پر آندھی اور زلزلہ بھیج کر ان کو منہدم کر دیا، اور ان کے سروں پر ان کی چھتیں اوپر سے آپڑیں جس وقت وہ ان کے نیچے تھے اور ان پر عذاب وہاں سے آگیا جہاں کا انھیں وہم وگمان بھی نہ تھا، یعنی ایسی جہت سے کہ ان کے خیال وخواب میں بھی نہ تھا، اور کہا گیا ہے کہ یہ تمثیل ہے ان منصوبوں کو ناکام کرنے کی جن کو انہوں نے رسول کے خلاف استوار کیا تھا، پھر روز قیامت بھی اللہ انھیں رسوا کرے گا اور فرشتوں کے ذریعہ اللہ ان سے توبیخاً کہے گا بزعم شما میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم مومنین سے جھگڑتے تھے یعنی مومنین سے اختلاف کرتے تھے، اور جن کو علم عطا کیا گیا یعنی انبیاء اور مومنین کہیں گے یقیناً آج رسوائی اور بدبختی کافروں کے لئے ہے، اور یہ بات ان کی مصیبت پر اظہار مسرت کے طور پر کہیں گے جن کافروں کی جان فرشتے حالت کفر پر قبض کرتے ہیں (آخر وقت تک) کفر کر کے اپنے اوپر ظلم کرتے رہے، اس وقت یہ لوگ ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور موت کے وقت تسلیم ورضا کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں ہم تو کوئی شرک نہیں کرتے تھے، تو فرشتے کہیں گے ہاں کیوں نہیں اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے تھے، وہ تم کو اس کی سزا دے گا اور ان سے کہا جائیگا پس تم جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ، وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا، اور جو لوگ شرک سے بچتے ہیں ان سے (فرشتے) پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا نازل کیا؟ تو وہ جواب دیتے ہیں خیر ہی خیر (نازل کی) یعنی جن لوگوں نے ایمان کے ذریعہ اس دنیا میں نیکی کی ان کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے یعنی پاکیزہ زندگی ہے اور دار آخرت یعنی جنت بہت ہی بہتر ہے دنیا اور مافیہا سے اللہ تعالیٰ نے دار آخرت کے بارے میں فرمایا، جنت متقیوں کے لئے کیا ہی خوب گھر ہے، ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں (جنّت عدن) مبتداء ہے یدخلونها، اس کی خبر ہے جن میں وہ داخل ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جو کچھ یہ لوگ اس میں طلب کریں گے وہ ان کو ملے گا پرہیزگاروں کو اللہ اسی طرح جزاء عطا فرماتا ہے وہ پرہیزگار کہ جن کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ کفر سے پاک صاف ہوتے ہیں (فرشتے) ان سے موت کے وقت کہتے ہیں تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے، اور آخرت میں ان سے کہا جائیگا اپنے اعمال کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ انھیں صرف اسی بات کا انتظار ہے کہ فرشتے ان کے پاس ان کی روح قبض کرنے کے لئے آجائیں (یاتیهم) یاء اور تاء کے ساتھ، یا تیرے رب کا حکم یعنی عذاب یا قیامت کا دن جو عذاب پر مشتمل ہوگا آجائے، اسی طرح جس طرح انہوں نے کیا ان سے پہلی امتوں نے بھی کیا (یعنی) اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو وہ ہلاک کر دیئے گئے، ان کو بغیر جرم کے ہلاک کر کے اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ کفر کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے پس ان کے برے اعمال کے نتیجے انھیں مل گئے یعنی ان کے اعمال کی سزا ان کو مل گئی، اور جس عذاب کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے وہی عذاب ان پر ٹوٹ پڑا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: قَصَدَ، اتیان کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے چونکہ محال ہے اسلئے اتیان کی تفسیر مجازاً قَصَدَ سے کی ہے۔

قولہ: بُنیانہم اس سے پہلے مضاف محذوف ہے، ای قَصَدَ استیصال بُنیانِہِمْ۔

قولہ: لِافساد مَا ابْرَموہ، یعنی تمثیل مراد لینے کی صورت میں ان کے منصوبوں کو جن کو وہ استوار کر چکے تھے ناکام بنانا مراد ہوگا نہ کہ نمرود کی تعمیر کردہ عمارت کو منہدم کرنا۔

قولہ: ای یقول اس میں اشارہ ہے کہ ماضی بمعنی مضارع ہے تحقق وقوع کی وجہ سے مضارع کو ماضی سے تعبیر کردیا ہے۔

قولہ: قائلین، قائلین کا اضافہ کلام کو مربوط و مسلسل بنانے کے لئے کیا ہے، اس کے بغیر ماقبل و مابعد میں ربط نہیں رہتا۔

قولہ: نعت یعنی المتقین موصوف ہے اور تتوفّٰھم اس کی صفت ہے اور طیبین، تتوفّٰھُمْ کی ضمیر سے حال ہے۔

تفسیر و تشریح

وَقد مکر الـذین من قبلھم فاتی اللّٰہ بنیانھم من القواعد، بعض مفسرین اسرائیلی روایات کی بنیاد پر کہتے ہیں اس سے مراد نمرود یا بخت نصر ہے جنہوں نے بلند و بالا محل یا منارے بنا کر آسمانوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اور لوگوں کو بے وقوف بنایا کہ ہماری آسمانی مخلوق سے جنگ ہوئی جس میں ہمیں فتح اور ان کی شکست ہوئی لہٰذا اب ہمارا کوئی سہیم و شریک نہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ناکام و نامراد کردیا اور ان کا تعمیر کردہ محل چشم زدن میں زمین بوس ہوگیا، اور یہ واقعہ عراق کے شہر بابل کا بتایا جاتا ہے۔

مگر بعض دیگر مفسرین نے فرمایا کہ یہ محض ایک تمثیل ہے، جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ کے ساتھ کفر و شرک کرنے والوں کے عمل اسی طرح برباد ہوں گے جس طرح کسی مکان کی بنیادیں متزلزل ہوجائیں اور وہ چھت کے بل گر پڑے، مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس تمثیل سے مقصود ان قوموں کے انجام کی طرف اشارہ ہے جن قوموں نے پیغمبروں کی تکذیب پر اصرار کیا اور ان کے خلاف منصوبہ سازیاں کیں بالآخر عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور اپنے گھروں سمیت تباہ ہوگئے، مثلاً قوم عاد اور قوم لوط و ثمود وغیرہ۔

اَلَّذِیْنَ تتوفّٰھُمُ الملائکۃ (الآیۃ) یہ مشرک ظالموں کی اس وقت کی کیفیت بیان کی جارہی ہے جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو وہ صلح کی بات کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور فرشتوں کے سامنے سر تسلیم خم کردیتے ہیں، اور طاعت و عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو برائی (شرک) نہیں کرتے تھے، مشرکین میدان حشر میں بھی اللہ تعالیٰ کے روبرو

جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور کہیں گے "وَاللّٰہ ربنا ما کنا مشرکین".

فرشتے جواب دیں گے کیوں نہیں؟ یعنی تم جھوٹ بولتے ہو، تمہاری عمر برائیوں میں گذری ہے اور اللہ کے پاس تمہارے تمام اعمال کا رکارڈ موجود ہے تمہارے اس انکار سے کچھ نہیں ہوگا، امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ان کے انتقال کے بعد فوراً ان کی روحیں جہنم میں پہنچ جاتی ہیں اور جسم قبر میں رہتے ہیں۔

دفع تعارض:

سورۂ اعراف کی آیت ۴۳ کے تحت یہ حدیث گذر چکی ہے کہ کوئی شخص بھی محض اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائیگا، جبتک کہ اللہ کی رحمت نہ ہوگی، لیکن یہاں فرمایا جارہا ہے کہ تم اپنے عملوں کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ، دراصل ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اللہ کی رحمت کے حصول کے لئے اعمال صالحہ ضروری ہیں گویا کہ عمل صالح اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ ہیں اس لئے عمل کی اہمیت بھی بجائے خود مسلم ہے اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا، نہ اس کے بغیر آخرت میں اللہ کی رحمت مل سکتی ہے۔

وَاَصَابھم سیّئاتُ ما عملوا (الآیة) یعنی جب رسول اللہ ﷺ ان سے کہتے کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر اللہ کا عذاب آجائیگا تو وہ استہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ جا اپنے اللہ سے جاکر کہہ کہ عذاب بھیج کر ہمیں تباہ کردے، چنانچہ اس عذاب نے انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے، پھر ان کے پاس بچاؤ کا کوئی راستہ نہ رہا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا من اهلِ مكةَ لَوْشَاۤءَ اللّٰهُ مَاعَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَاۤ اٰبَاۤؤُنَا وَلَاحَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ من البحائرِ والسوائبِ فاشراكُنا وتحريمُنا بمشيتِه فهو راضٍ به قال تعالى كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اى كَذَّبُوْا رُسُلَهم فيما جَاؤُوا به فَهَلْ فما عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٥﴾ الابلاغُ البَيِّنُ وليس عليهم هِدَايَةٌ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا كما بَعَثْنَاكَ فى هٰؤُلَاءِ اَنِ اى بان اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ الاوثانَ ان تَعْبُدُوْهَا فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فى علمِ اللّٰهِ فَلَمْ يُؤْمِنْ فَسِيْرُوْا يا كفارَ مكةَ فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٦﴾ رُسُلَهم من الهلاكِ اِنْ تَحْرِصْ يا محمدُ عَلٰى هُدٰىهُمْ وقد اَضَلَّهم اللّٰهُ لا تَقْدِرُ على ذٰلِكَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَايَهْدِيْ بالبناءِ للمفعول والفاعلِ مَنْ يُّضِلُّ مَنْ يُرِيْدُ اِضلالَه وَمَالَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ مانِعينَ من عذابِ اللّٰهِ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اى غايةَ اجتهادِهم فيها لَايَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ قال تعالى بَلٰى يَبْعَثُهم وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا مصدرانِ مُؤَكِّدانِ منصوبانِ بفعلِهما المقدرِ اى وعد ذٰلِكَ وعدًا وحقه حقًا

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اى اہلَ مكۃ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ ذلك لِيُبَيِّنَ متعلقٌ بيبعثہم المقدر لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ مع المؤمنين فِيْهِ من امرِ الدينِ بتعذيبہم واثابۃِ المؤمنين وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ فى انكارِ البعثِ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اى اردنا ايجادَہ وقولُنا مبتدأٌ، خبرُہ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ اى فهو يكونُ وفى قراءۃٍ بالنصبِ عطفًا على نقول والأيۃُ لتقريرِ القدرۃِ على البعثِ.

ترجمہ: اور مکہ کے مشرکوں نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرتے اور نہ بحائر اور سوائب میں سے کسی کو اس کی مرضی کے بغیر حرام ٹھہراتے، تو معلوم ہوا کہ ہمارا شرک کرنا اور حرام ٹھہرانا اسی کی مشیت سے ہے اور وہ اس سے راضی ہے، اور اسی طرح (کی حرکت) ان سے پہلے لوگوں نے کی، یعنی رسول جو حکم لیکر آئے تھے اس میں انہوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا، تو کیا رسولوں پر صاف صاف بات پہنچانے کے علاوہ اور کوئی ذمہ داری ہے؟ (یعنی) واضح طور پر پہنچانے کی، اور ان پر ہدایت دینے کی ذمہ داری نہیں ہے جس طرح ہم نے ان میں آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اے (لوگو) صرف اللہ ہی کی بندگی کرو اس کی توحید کا عقیدہ رکھو، اور بتوں سے بچو (یعنی) ان کی بندگی سے بچو تو ان میں سے کچھ ایسے بھی ہوئے کہ جن کو اللہ نے ہدایت دیدی تو وہ ایمان لے آئے، اور ان میں کچھ ایسے بھی ہوئے کہ جن پر اللہ کے علم میں گمراہی ثابت ہو چکی تھی جس کی وجہ سے وہ ایمان نہ لائے، لہٰذا اے مکہ کے کافرو تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اپنے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا ہلاکت کے ذریعہ کیسا کچھ انجام ہوا؟! اے محمد آپ ان کی ہدایت کے خواہ کتنے ہی خواہشمند ہوں اور اللہ نے ان کو گمراہ کر دیا تو آپ ان کی ہدایت پر قادر نہیں، اس لئے کہ اللہ جس کی گمراہی کا فیصلہ فرما لیتے ہیں تو پھر اس کو ہدایت نہیں دیا کرتے، (یَھْـــدِی) مجہول اور معروف (دونوں قراءتیں ہیں) اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوتا ہے یعنی اللہ کے عذاب سے بچانے والا، وہ لوگ بڑی زوردار قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں یعنی انتہائی مؤکد قسمیں کہ اللہ ہرگز مردوں کو زندہ نہ کریگا، کیوں نہیں ضرور زندہ کرے گا، یہ تو اس کا برحق وعدہ ہے (وعدًا اور حقًا) دونوں مصدر تاکیدی ہیں جو اپنے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہیں، تقدیر عبارت یہ ہے وَعَدَ ذلك وَعْدًا وَحَقَّهٗ حَقًّا لیکن اکثر لوگ یعنی اہل مکہ اس کو جانتے نہیں ہیں، ایسا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اللہ ان کے سامنے اس حقیقت کو کھول دے کہ جس دین کی بات میں یہ مومنوں کے ساتھ جھگڑ رہے ہیں، ان کو عذاب دے کر اور مومنین کو ثواب دے کر، اور اسلئے بھی ضروری ہے کہ کافر جان لیں کہ وہ بعث بعد الموت سے انکار کے بارے میں غلطی پر ہیں، (لِيُبَيِّنَ) يَبْعَثُهُم مقدر کے متعلق ہے جب ہم کسی شی کے ایجاد کا ارادہ کر لیتے ہیں تو ہم اس کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے، قولنا مبتداء ہے ان نقول له الخ اس کی خبر ہے اور ایک قراءت میں (یکون) کے نصب کے ساتھ ہے نَقُوْلَ پر عطف کی وجہ سے، اور آیت مرنے کے بعد زندہ کرنے پر قدرت کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: فَهُـــوَ راضٍ یہ اضافہ اس شبہ کا جواب ہے کہ کفار و مشرکین کا یہ کہنا ہے کہ ہمارا شریک کرنا اور کسی چیز کو حرام کرنا اللہ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے ہے یہ بات تو بالکل درست ہے اسلئے کہ اللہ کی مشیت اور ارادہ کے بغیر تو کچھ نہیں ہوتا پھر اس پر نکیر کرنے اور اس کو رد کرنے کا کیا مقصد ہے؟

جواب: فهو راضٍ به سے اسی شبہ کا جواب ہے خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ان کا مقصد اللہ کی رضا مندی اور پسندیدگی ہے، حالانکہ مشیت اور ارادہ کے لئے رضا ضروری نہیں ہے۔

قولہ: الابلاغ البین، البلاغ المبین کی تفسیر الابلاغ البین سے کر کے اشارہ کر دیا کہ دونوں معنی میں متعدی کے ہیں۔

قولہ: أن تعبدوها اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ نفس اوثان سے اجتناب کا کوئی مقصد نہیں ہے۔

قولہ: امَنَ اس میں اشارہ ہے کہ ہدایت سے مراد ایصال الی المطلوب ہے، لہٰذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ اللہ کی ہدایت و رہنمائی تو عام ہے تو پھر تخصیص کا کیا مطلب ہے؟

قولہ: لاتقدرُ اس میں اشارہ ہے کہ ان تحرص کی جزاء محذوف ہے اور وہ لا تقدرُ علی ذلك ہے۔

قولہ: بالبناء للمفعول اس کی وجہ یہ ہے کہ مَنْ یُّضلُّ، مبتداء ہے اور لا یهدی اس کی خبر ہے، معنی یہ ہیں مَنْ یضل اللّٰه لا یُهدیٰ الیه لعدم تغییر فعل اللّٰه تعالیٰ.

قولہ: من یرید اضلاله الخ یعنی اگر من یُضلُّ سے حقیقة ضلالة مراد ہے تو پھر ہدایت کی نفی کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ: لِیُبَیِّنَ متعلق بیبعثهم المقدر اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ (لِیُبیِّن) کا تعلق یَبْعَثُهُمْ سے ہے نہ کہ لا یعلمون سے لہٰذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ وَلِیُبَیِّنَ کا، لا یعلمون کی علت بننا صحیح نہیں ہے، اب تقدیر عبارت یہ ہوگی انهم یُبعثونَ لِیبَیّنَ لهم الذی یختلفون فیه.

قولہ: ای فهو یکونُ اس میں اشارہ ہے کہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور جملہ ہو کر محل میں نصب کے ہے اور جن حضرات نے یکون کو جواب امر قرار دیکر منصوب قرار دیا ہے درست نہیں ہے اسلئے کہ دونوں مصدر متحد ہیں حالانکہ جواب امر میں یہ شرط ہے کہ اول ثانی کے لئے سبب ہو اور یہ تغایر کو چاہتا ہے، نصب کی صورت بھی صحیح ہے اگر نقولَ پر عطف ہو نہ کہ جواب امر ہونے کی وجہ سے، ورنہ تو ایک موجود (مکون) کے لئے (دو وجودوں) یعنی دو کونوں کا ہونا لازم آئے گا کہ ان میں ایک دوسرے کا سبب ہوگا۔

قولہ: والآیة لتقریر القدرة علی البعث اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس اعتراض کو دفع کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا

قول "کُــنْ" یا تو موجود سے ہوگا اس صورت میں تحصیل حاصل لازم آئے گا یا یہ معدوم سے خطاب ہوگا تو معدوم کو خطاب لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔ جواب کا حاصل یہ کہ (کـن) کا مقصد قدرت علی البعث کا اثبات ہے اور سرعت فی الایجاد ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

تفسیر وتشریح

وَقَالَ الَّذِیْنَ اشرکوا (الآیۃ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایک وہم اور مغالطہ کو دور فرمایا ہے، وہ کہتے تھے کہ ہم جو اللہ کو چھوڑ کو دوسروں کی بندگی کرتے ہیں یا اس کے حکم کے بغیر ہی کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ کو حرام ٹھہرا لیتے ہیں اگر ہماری یہ باتیں غلط ہیں تو اللہ اپنی قدرت کاملہ سے ہمیں زبردستی روک کیوں نہیں دیتا؟ اگر وہ نہ چاہے تو ہم ان کاموں کو کر ہی نہیں سکتے، جب وہ نہیں روکتا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ اس سے راضی ہے اور وہ کام اس کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

مشرکین کے مذکورہ مغالطہ کا یہ کہہ کر ازالہ فرمادیا، کہ تمہارا خیال صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے روکا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں [illegible] مشرکانہ امور سے بڑی سختی اور تاکید کے ساتھ روکا ہے اسی لئے اس نے ہر قوم میں رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں اور ہر نبی [illegible] کر سب سے پہلے شرک ہی سے بچانے کی کوشش کی ہے اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ زبردستی ہاتھ پکڑ کر ان کاموں سے روک کیوں نہیں دیتا، اس کی قدرت میں تو سب کچھ ہے۔

اس شبہ بلکہ حماقت اور عناد کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم دنیا کا نظام ہی اس بنیاد پر قائم فرمایا ہے کہ انسان کو بالکل مجبور نہیں رکھا بلکہ انسان کو ایک گونہ اختیار دیا گیا ہے، اب وہ اس اختیار کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کرے تو اجر وثواب کا مستحق قرار پائے اور اگر نافرمانی میں استعمال کرے تو زجر وتوبیخ وعید اور عذاب کا مستحق قرار پائے، اسی کے پس منظر میں قیامت اور حشر ونشر کے سارے ہنگامے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کو اپنی اطاعت پر مجبور کردے کس کی مجال کہ اطاعت وفرمانبرداری سے سرِ مو انحراف کرسکے، مگر بتقاضائے حکمت مجبور کردینا درست نہ تھا اس لئے انسان کو اختیار دیدیا گیا، تو اب کافروں کا یہ کہنا کہ اگر اللہ کو ہمارا طریقہ پسند نہ ہوتا تو ترک کرنے پر ہمیں مجبور کیوں نہیں کردیتا ایک احمقانہ اور معاندانہ سوال ہے۔

وَلَقَد بعثنا فی کل امۃ رسولاً، یعنی تم اپنے شرک اور اپنی خود مختارانہ تحلیل وتحریم کے حق میں ہماری مشیت کو کیسے سند جواز بنا سکتے ہو جبکہ ہم نے ہر امت میں اپنے رسول بھیجے اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کو صاف صاف بتادیا کہ تمہارا کام صرف ہماری بندگی کرنا ہے، طاغوت کی بندگی کے لئے تمہیں پیدا نہیں کیا گیا اب ہماری مشیت کی آڑ لیکر اپنی گمراہیوں کو جائز ٹھہرانا کسی طرح بھی معقولیت نہیں رکھتا۔

اِنْ تحرص علٰی ھداھم (الآیۃ) اب پھر خطاب نبی ﷺ کو ہے آپ کی افراط شفقت علی الخلق کی بنا پر آپ کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ جو لوگ خود اپنی ہدایت کی پرواہ نہیں رکھتے ان کے لئے قانون تکوینی بدلا نہیں جائیگا وہ

یوں ہی بدستور گمراہی میں پڑے رہیں گے اور اپنے آخری انجام کو پہنچ کر ہی رہیں گے جہاں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

أن نقول له كن فيكون، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حق تعالیٰ اس کلمہ ''کن'' کا (جو خود ایک دو حرفی حادث لفظ ہے) تلفظ بھی کرتے ہوں، مراد صرف اس قدر ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی بھی شئی ہو اس کی تکوین کے لئے اس کے وجود میں آجانے کے لئے حق تعالیٰ کا محض ارادہ کافی ہے، ادھر ارادۂ الٰہی اس سے متعلق ہوا اور ادھر وہ شئی معاً عدم سے وجود میں آگئی، شئی کا اطلاق موجود فی الخارج ہونے سے پہلے وجود ذہنی پر بھی درست ہے اسلئے کہ علم الٰہی میں شئی کے وجود سے پہلے اس کا علم ہوتا ہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ لا قامةِ دينه مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا بالاذى من اهلِ مكة وهم النبيُّ صلى الله عليه وسلم، واصحابُه لَنُبَوِّئَنَّهُمْ نُنزِلَنَّهم فِي الدُّنْيَا دارًا حَسَنَةً هي المدينةُ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اي الجنةِ اَكْبَرُ اعظمُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ اي الكفارُ اوالمتخلفونَ عن الهجرةِ ما للمُهاجرينَ من الكرامةِ لَوَا فَقُوهم، هم الَّذِيْنَ صَبَرُوْا على اذى المشركينَ وَالهجرةِ لِاظهار الدين وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٤٢﴾ فيرزقُهم من حيثُ لا يحتسِبُوْن وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ لا ملائكةً فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ العلماءَ بالتورةِ والانجيلِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٣﴾ ذلك فإنَّهُمْ يعلمونه وانتم الى تصديقهم اقربُ من تصديقِ المؤمنينَ بمحمدٍ صلى الله عليه وسلم بِالْبَيِّنٰتِ متعلقٌ بمحذوفٍ اي ارسلناهم بالحجج الواضحةِ وَالزُّبُرِ الكتبِ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ القرانَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ فيه من الحلالِ والحرامِ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٤﴾ في ذلك فيعتبرونَ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا المكراتِ السَّيِّاٰتِ بالنبي صلى الله عليه وسلم في دارالندوةِ من تقييدِه اوقتلِه اواخراجِه كما ذُكِرَ في الانفالِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ كقارونَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٤٥﴾ اي من جهةٍ لا تخطرُ ببالِهم وقد أُهلِكُوا ببدرٍ ولم يكونوا يقدِرِ واذلِكَ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ في اَسفارِهم للتجارةِ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٤٦﴾ بفائتينَ العذابَ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ تنقُّصٍ شيئًا فشيئًا حتى يهلِكَ الجميعُ حالٌ من الفاعلِ اوالمفعولِ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٤٧﴾ حيثُ لم يُعاجِلْهم بالعقوبةِ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ له ظلٌّ كشجرٍ وجبلٍ يَّتَفَيَّؤُا يميلُ ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ جمعُ شمالٍ اي عن جانبَيها اوّلَ النهارِ واٰخرَه سُجَّدًا لِّلّٰهِ حالٌ اي خاضعينَ بما يُرادُ منهم وَهُمْ اي الظلالُ دٰخِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ صاغرونَ نُزِّلوا منزلةَ العقلاءِ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ اي نسمةٍ تدبُّ عليها اي يخضَعُ له بما يُرادُ منه وغُلِّبَ في الاتيانِ بما، مالايعقِلُ لكثرتِه وَالْمَلٰٓئِكَةُ خصَّهم بالذكرِ تفضيلًا وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ يتكبَّرونَ عن عبادتِه يَخَافُوْنَ اي الملائكةُ حالٌ من ضميرِ يستكبرونَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ حالٌ من هم اي عالياً عليهم بالقهرِ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ السجدة به.

ترجمہ: اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے اہل مکہ کی اذیتوں کے ظلم سہنے کے بعد ترک وطن کیا، اور وہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب ہیں، ہم ان کو دنیا میں بہترین ٹھکانہ عطا کریں گے وہ ٹھکانہ مدینہ ہے، اور آخرت کا اجر یعنی جنت بہت ہی بڑا ہے کاش کافر یا ہجرت نہ کرنے والے اس بات کو جان لیتے کہ مہاجروں کے لئے کس قدر اعزاز ہے تو ضرور مہاجرین کی (ہجرت میں) موافقت کرتے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مشرکوں کی اذیتوں اور اظہار دین کے لئے ہجرت پر صبر کیا اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں تو وہ ان کو ایسے طریقہ سے رزق دیتا ہے کہ ان کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا، اور آپ سے پہلے بھی ہم مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجتے رہے ہیں، کہ جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے نہ کہ فرشتوں کو، سو تم اہل علم یعنی تورات اور انجیل کے عالموں سے معلوم کرلو اگر تم اس بارے میں نہیں جانتے، اسلئے کہ وہ اس بارے میں جانتے ہیں، اور تم ان کی تصدیق کے قریب تر ہو بہ نسبت رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں کی تصدیق کے (اور ہم نے ان کو) دلائل کے ساتھ بھیجا (بالبینٰت) محذوف کے متعلق ہے، یعنی ہم نے ان کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور کتابوں کے ساتھ اور ہم نے آپ پر ذکر قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ احکام واضح طور پر بیان کردیں جو ان کے لئے اس قرآن میں حلال وحرام کے احکام نازل کئے گئے ہیں اور تاکہ وہ اس میں غور وفکر کریں اور عبرت حاصل کریں، کیا وہ لوگ جو نبی کے ساتھ دارالندوہ میں آپ ﷺ کو قید کرنے یا قتل کرنے یا ان کو وطن سے نکالنے کے بارے میں بدترین چالیں چل رہے ہیں، جیسا کہ سورۂ انفال میں ذکر کیا گیا ہے، اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں قارون کے مانند زمین میں دھنسا دے یا ان پر عذاب ایسی جگہ سے آجائے کہ انہیں وہم وگمان بھی نہ ہو، یعنی ایسی جہت سے کہ اس کا ان کے دل میں کبھی خطرہ بھی نہ گذرا ہو، اور ان کو بدر میں ہلاک کردیا گیا، اور انہوں نے کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا یا انہیں ان کے تجارتی سفر کے دوران چلتے پھرتے پکڑ لے، اور وہ اسے عاجز نہیں کرسکتے یعنی اس کے عذاب سے بچ کر نہیں نکل سکتے، یا ان کی بتدریج گرفت کرے یہاں تک کہ سب کو ہلاک کردے (علیٰ تخوفٍ) فاعل یا مفعول سے حال ہے یقیناً تمہارا پروردگار، اعلیٰ شفقت والا اور بڑا مہربان ہے اس لئے کہ ان کی فوری گرفت نہیں کرتا کیا ان لوگوں نے ان چیزوں کو نہیں دیکھا کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے سایہ دار پیدا کیا ہے جیسا کہ درخت اور پہاڑ کہ ان کے سائے دائیں بائیں جھک جھک کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، شمائل، شمال کی جمع ہے یعنی شئ اپنی دائیں بائیں دن کے اول حصے اور آخر حصے میں (سُجَّدًا) ظلالہ کی ضمیر سے حال ہے، یعنی جو ان سے مطلوب ہے اس کے لئے سر تسلیم خم کئے رہتے ہیں، اور وہ یعنی سائے اظہار عاجزی کرتے ہیں اور سایوں کو ذوی العقول کے درجہ میں اتارلیا، اور آسمانوں اور زمین کا ہر جاندار جو زمین پر چلتا پھرتا ہے اللہ کو سجدہ کرتا ہے یعنی جو اس سے مطلوب ہے اس کے لئے سر تسلیم خم کرتا ہے اور 'ما' لانے میں غیر ذوی العقول کو ان کی کثرت کی وجہ سے (ذوی العقول پر) غلبہ دیا گیا ہے اور فرشتے بھی سجدہ کرتے ہیں، ان کی فضیلت کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے، اور وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور فرشتے حال یہ ہے کہ

اپنے رب سے جو غلبہ کے ساتھ ان کے اوپر ہے لرزہ براندام رہتے ہیں اور ان کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: لِاقامة دینِهٖ ،اس اضافہ میں اس سوال کا جواب ہے کہ فِی اللّٰہ میں، اللّٰہ، مہاجرت کا ظرف واقع ہو رہا ہے حالانکہ اللّٰہ کے ظرف ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ فی بمعنی لام ہے اور مضاف محذوف ہے فی اللّٰہ، ای لدین اللّٰہ.

قولہ: لَنُبَوِّئَنَّهُمْ (تفعیل) سے مضارع جمع متکلم لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ، ہم ان کو ضرور اتاریں گے، ضرور ٹھکانہ دیں گے مادہ بَوْءٌ ہے، هم، ضمیر جمع مذکر غائب کی ہے۔

قولہ: دارًا، اس اضافہ میں حسنة کی تانیث کی علت کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ: ای الکفار او المتخلفون عن الهجرة، اس میں یعلمون کی ضمیر میں دو احتمالوں کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ: مَاللمهاجرین، یہ یعلمون کا مفعول ہے۔

قولہ: لَوَافقوهم اس میں اشارہ ہے کہ لَوْ کا جواب محذوف ہے۔

قولہ: فانهم لیعلمونه، یہ اِنْ شرطیہ کا جواب ہے جو کہ محذوف ہے۔

قولہ: متعلق بمحذوف ، یعنی بالبینٰت، اَرْسلنا محذوف کے متعلق ہے نہ کہ ما اَرْسَلْنَا مذکور کے اور نہ نوحی کے اور نہ تعلمون کے اس لئے کہ پہلی دو صورتوں میں متعلق اور متعلَق کے درمیان فصل بالاجنبی لازم آتا ہے اور وہ فاسئلوا اهل الذکر ہے اور تیسری صورت میں شرط تبکیت اور الزام کے لئے ہے اسلئے کہ ان کے عالم ہونے کی نفی متحقق ہے۔

قولہ: المکرات یہ السیئات کی وجہ تانیث کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ: یَتَفَیَّؤُ، مضارع واحد مذکر غائب مصدر تَفَیُّئٌ (تفعُّل) مادہ فَيْءٌ جھک جاتے ہیں۔

قولہ: تَـنَقُّصْ، تخوُّف کی تفسیر تـنقص سے بیان معنی کے لئے ہے، اسلئے کہ تخوُّف کے معنی خوف اور ڈر کے بھی آتے ہیں اور بتدریج کم کرنے کے بھی، کمی خواہ نفس میں ہو یا اموال میں مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں، یـقـال تُخَوّف الشئ ای تَنَقّصُه.

قولہ: حالِ من الفاعل او المفعول یعنی عَلٰی تخوفٍ یاتو یاخذُ، کی ضمیر فاعل سے حال ہے، یا هم ضمیر سے۔

قولہ: جمع شمالٍ یہ انسان کے یمین وشمال سے کنایہ ہے اور غالبًا یمین کو مفرد لانے میں 'ما' کے لفظ کی اور شمائل کو جمع لانے میں 'ما' کے معنی کی رعایت کی ہے جیسا کہ ظلاله میں 'ما' کے لفظ کی رعایت ہے اور سُجَّدًا میں ما کے معنی کی۔

قولہ: نُـزّلـوا منزلة العقلاء اس میں اس شبہ کا جواب ہے کہ واؤ نون کے ساتھ جمع ذوی العقول کی لائی جاتی ہے اور ظلال ذوی العقول سے نہیں ہے، حالانکہ اس کی جمع داخرون، واؤ نون کے ساتھ لائی گئی ہے۔

جواب: چونکہ ظلال کی طرف دخور (عاجزی کرنا) کی نسبت کی گئی ہے جو کہ ذوی العقول کی صفت ہے، اس لیے واؤ نون کے ساتھ جمع لائی گئی ہے۔

قولہ: من دابۃٍ، یہ مافی السمٰوات و ما فی الارض کا بیان ہے اور اس میں اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ دابۃ اس کو کہتے ہیں جو زمین پر چلے لہٰذا اس میں وہ مخلوق شامل نہیں ہے جو آسمانوں یا فضا میں حرکت کرتی اور چلتی ہے، اس کا جواب دیا کہ اِنَّ الدبیب ھی حرکۃ جسمانیۃ سواء کان فی الارض اوفی السماء لہٰذا یہ کہنا کہ دابۃ، ما یدب علی الارض ہی کو کہتے ہیں جس میں ملائکہ وغیرہ داخل نہیں ہیں درست نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِی اللّٰہِ الخ ھاجروا ہجرت سے مشتق ہے، ہجرت کے لغوی معنی ہیں ترک وطن، اصطلاح میں ہجرت کہتے ہیں دین کی خاطر اللہ کی رضا جوئی کیلئے اپنے وطن، اپنے عزیز و اقارب، دوست واحباب وغیرہ کو چھوڑ کر ایسے علاقہ میں چلے جانا جہاں آسانی سے اللہ کے دین پر عمل ہو سکے، ہجرت اللہ کی راہ میں بڑی عبادت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، الھجرۃ تَھْدِمُ ما کان قبلھا، یعنی ہجرت ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو انسان نے ہجرت سے پہلے کئے ہوں۔

ہجرت بعض صورتوں میں فرض اور بعض میں واجب اور بعض میں مستحب وافضل ہوتی ہے اس کے مفصل احکام سورۂ نساء کی آیت نمبر ۹۷ کے تحت بیان ہو چکے ہیں، اس جگہ صرف ان وعدوں کا بیان ہے جو اللہ نے مہاجرین سے کئے ہیں۔

یہ آیت عام ہے جو تمام مہاجرین کو شامل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ خاص ہو اور ان مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی ہو جو اپنی قوم کی ایذاؤں سے تنگ آکر حبشہ ہجرت کر گئے تھے ان کی تعداد عورتوں سمیت ایک سو یا اس سے کچھ زیادہ تھی، جن میں حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور آپ کی زوجہ دختر رسول حضرت رقیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا بھی تھیں۔

کیا ہجرت دنیا میں فراخی کا سبب ہوتی ہے؟

آیات مذکورہ میں چند شرائط کے ساتھ مہاجرین کے لئے دو عظیم الشان وعدے کئے گئے ہیں اول دنیا ہی میں اچھا ٹھکانہ دینے کا، دوسرے آخرت میں بے حساب اجر عظیم کا، دنیا میں اچھا ٹھکانہ ایک نہایت جامع لفظ ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ مہاجرین کو سکونت کے لئے مکان اور اچھے پڑوسی ملیں اور یہ بھی شامل ہے کہ رزق اچھا ملے دشمنوں پر فتح وغلبہ نصیب ہو عزت وشرف ملے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے یہ وعدے ان مہاجرین کے لئے ہیں جنہوں نے پہلی ہجرت یعنی ہجرت حبشہ میں حصہ لیا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہجرت حبشہ اور اس کے بعد کی ہجرت الی المدینہ دونوں اس میں داخل ہوں چنانچہ اللہ تعالی نے مہاجرین سے کئے

ہوئے وعدے مکمل اور احسن طریقہ پر پورے فرما دیئے۔

ہجرت کے فضائل اور فوائد ان ہی مہاجرین کے لئے ہیں جنہوں نے مطلوبہ شرائط پوری کردی ہوں ان شرائط میں پہلی شرط ''فی اللہ'' ہے یعنی ہجرت کرنے کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہو اس میں دنیوی منافع تجارت، ملازمت وغیرہ نفسانی فوائد پیش نظر نہ ہوں دوسری شرط مہاجرین کا مظلوم ہونا ہے جیسا کہ **من بعد ما ظلموا** سے معلوم ہوتا ہے، تیسری شرط ابتدائی تکلیف و مصائب پر صبر کرنا اور ثابت قدم رہنا ہے، جس کی طرف ''اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْا'' سے اشارہ ہے چوتھی شرط تمام مادی تدبیروں کا اہتمام کرتے ہوئے بھی بھروسہ صرف اللہ پر رکھنا، **وعلی ربھم یتوکلون** سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابتدائی مشکلات و تکالیف تو ہر کام میں ہوا ہی کرتی ہیں ان کو عبور کرنے کے بعد بھی اگر کسی مہاجر کو اچھا ٹھکانا اور اچھے حالات نہ ملے تو قرآن کے وعدہ میں کوئی شبہ کرنے کی بجائے اپنی نیت اخلاص اور اس کے حسن عمل کا جائزہ لینا چاہئے جس پر یہ وعدے کئے گئے ہیں تو اس کو معلوم ہوگا کہ قصور اپنا ہی تھا، کہیں نیت میں کھوٹ ہوتا ہے اور کہیں صبر و ثبات و توکل میں کمی ہوتی ہے۔ (معارف)

ترک وطن کی مختلف قسمیں اور ان کے احکام:

امام قرطبی نے بحوالہ ابن عربی لکھا ہے کہ وطن سے نکلنا اور سفر کرنا کبھی تو کسی چیز سے بچنے کے لئے ہوتا ہے اور کبھی کسی چیز کی طلب کے لئے پہلی قسم کے سفر کو جو کسی چیز سے بچنے کے لئے ہو اس کو ہجرت کہتے ہیں اور اسکی چھ قسمیں ہیں۔

❶ دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف جانا، یہ سفر ہجرت بشرط استطاعت فرض ہے (جبکہ دارالکفر میں اپنے جان و مال اور آبرو کا امن نہ ہو یا دینی فرائض کی ادائیگی ممکن نہ ہو) ایسی صورت میں دارالکفر میں مقیم رہنے سے گنہگار ہوگا۔

❷ دارالبدعت سے سفر کرنا، ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے سنا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے اس مقام پر قیام کرنا حلال نہیں جس میں سلف صالحین پر سب و شتم کیا جاتا ہو، ابن عربی یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اگر تم کسی منکر کا ازالہ نہیں کر سکتے تو تم پر لازم ہے کہ تم خود وہاں سے زائل ہو جاؤ۔

❸ تیسرا سفر وہ ہے کہ جس جگہ حرام کا غلبہ ہو وہاں سے نکل جانا، کیونکہ طلب حلال ہر مسلمان پر فرض ہے۔

❹ چوتھا جسمانی اذیتوں سے بچنے کیلئے سفر، یہ سفر جائز ہے کہ انسان جس جگہ دشمنوں سے جسمانی اذیت محسوس کرے وہاں سے نکل جائے تاکہ اس خطرہ سے نجات حاصل ہو، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی ایذاؤں سے نجات حاصل کرنے کے لئے عراق سے شام کا سفر کیا تھا، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی اسی قسم کا سفر مصر سے مدین کا کیا تھا، ''فَخَرَجَ منھا خائفا یترقب''۔

❺ پانچواں سفر آب و ہوا کی خرابی اور وبائی امراض کے خطرہ سے بچنے کے لئے سفر کرنا ہے، شریعت اسلام نے اس کی اجازت دی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل عُرینہ کو مدینہ سے باہر جنگل میں قیام کرنے کی اجازت دی تھی، اسی طرح

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ابوعبیدہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو حکم دیا تھا کہ دارالخلافہ اردن سے منتقل کر کے کسی مرتفع سطح پر لے جائیں جہاں کی آب و ہوا خراب نہ ہو۔

وبائی امراض کے مقام پر جانے یا وہاں سے آنے کا حکم:

جہاں وبا پھیلی ہو اس کا حکم یہ ہے کہ جو لوگ اس جگہ پہلے سے موجود ہیں وہ تو وہاں سے نہ بھاگیں اور جو باہر ہیں وہ وہاں نہ جائیں، جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو سفر شام کے وقت پیش آیا تھا، کہ سرحد شام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے تو آپ کو اس ملک میں داخل ہونے میں تردد پیش آیا صحابۂ کرام سے مسلسل مشوروں کے بعد آخر میں جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کو یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

اِذا وقع بارضٍ وانتم بها فلا تخرجوا منها واِذا وقع بارضٍ ولستم بها فلا تهبطوا عَلَيْها.

(رواہ الترمذی)

جب کسی خطہ میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو اب وہاں سے نہ نکلو اور جہاں تم پہلے سے موجود نہیں وہاں طاعون پھیلنے کی خبر سنو تو اس میں داخل نہ ہو۔

اس وقت فاروق اعظم نے حکم حدیث کی تعمیل کرتے ہوئے پورے قافلہ کو لے کر واپسی کا اعلان کر دیا، بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث شریف کے اس حکم میں ایک خاص حکمت یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس جگہ مقیم ہیں جہاں کوئی وبا پھیل چکی ہے یہاں کے لوگوں میں وبائی جراثیم کا موجود ہونا ظن غالب ہے، وہ اگر یہاں سے بھاگیں گے تو جس میں وہ وبائی مادہ سرایت کر چکا ہے وہ تو بچے گا نہیں اور جہاں یہ جائیگا وہاں کے لوگ اس سے متاثر ہوں گے اسلئے یہ حکیمانہ فیصلہ فرمایا۔

❻ چھٹا سفر اپنے مال کی حفاظت کے لئے ہے جب کوئی شخص کسی مقام میں چوروں ڈاکوؤں کا خطرہ محسوس کرے تو وہاں سے منتقل ہو جائے، شریعت میں اس کی اجازت ہے۔

سفر کی یہ چھ قسمیں تو کسی چیز سے بچنے اور بھاگنے کی ہیں، اور جو سفر کسی چیز کی طلب و جستجو کے لئے کیا جائے اس کی نو قسمیں ہے۔

❶ سفر عبرت یعنی دنیا کی سیاحت اس لئے کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور قدرت کاملہ کا اور اقوام سابقہ کے آثار کا مشاہدہ کر کے عبرت حاصل کرے قرآن کریم نے ایسے سفر کی ترغیب دی ہے فرمایا "اَوَلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الَّذِيْنَ من قبلهم.

❷ سفر حج اس کا چند شرائط کے ساتھ فرضِ اسلامی ہونا سب کو معلوم ہے۔

❸ سفر جہاد، اس کا فرض یا واجب یا مستحب ہونا سب کو معلوم ہے۔

❹ سفر معاش، جب کسی کو اپنے وطن میں ضرورت کے مطابق معاشی سامان حاصل نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہاں سے سفر کر کے دوسری جگہ تلاش روزگار کرے۔

❺ سفر تجارت یعنی قدر ضرورت سے زائد حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا یہ بھی شرعاً جائز ہے حق تعالیٰ نے فرمایا "لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم" ابتغاء فضل سے مراد اس آیت میں تجارت ہے۔

❻ طلب علم کے لئے سفر، علم دین کا بقدر ضرورت فرض عین ہونا اور زائد از ضرورت کا فرض کفایہ ہونا معلوم و معروف ہے لہٰذا اس کی طلب بھی اسی درجہ میں ہے۔

❼ کسی مقام کو مقدس اور متبرک سمجھ کر اس کے لئے سفر کرنا، یہ بجز تین مسجدوں کے درست نہیں مسجد حرام (مکہ مکرمہ) مسجد نبوی (مدینہ طیبہ) مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) یہ قرطبی اور ابن عربی کی رائے ہے دوسرے اکابر علماء سلف وخلف نے عام مقامات متبرکہ کی طرف سفر کرنے کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ (معارف)

❽ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے سفر، جس کو رباط کہا جاتا ہے احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

❾ عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کے لئے سفر، حدیث میں اس کو بھی باعث اجر وثواب قرار دیا گیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں اقرباء واحباب کی ملاقات کے لئے سفر کرنے والے کے لئے فرشتوں کی دعاء کا ذکر فرمایا گیا ہے یہ اس وقت ہے جب اس ملاقات سے اللہ کی رضا مقصود ہو، کوئی مادی غرض نہ ہو۔ (واللہ اعلم)۔ (قرطبی، ملخصًا)

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قبلكَ اِلَّا رجالاً (الآیۃ) روح المعانی میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مشرکین مکہ نے اپنے قاصد مدینہ کے یہود کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجے کہ کیا یہ بات واقعی ہے کہ پہلے بھی سب انبیاء جنس بشر سے ہوتے آئے ہیں۔

اس آیت میں "اہل ذکر" سے مراد اہل کتاب یہود ونصاریٰ ہیں:

ائمہ مجتہدین کی تقلید غیر مجتہدین پر واجب ہے؟

آیت مذکورہ کا یہ جملہ "فَسْئَلُوا اَهْلَ الذكر ان كنتم لا تعلمون" اس جگہ اگرچہ ایک خاص مضمون کے بارے میں آیا ہے، مگر الفاظ عام ہیں جو تمام معاملات کو شامل ہیں، اس لئے قرآنی اسلوب کے اعتبار سے درحقیقت یہ اہم ضابطہ ہے جو عقلی بھی ہے اور نقلی بھی کہ جو لوگ احکام نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں اسی کا نام تقلید ہے یہ قرآن کا واضح حکم بھی ہے اور عقلاً بھی اس کے سوا عمل کو عام کرنے کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی، امت میں عہد صحابہ سے لے کر آج تک بلا اختلاف اسی ضابطہ پر عمل ہوتا آیا ہے جو تقلید کے منکر ہیں وہ بھی اس تقلید کا انکار نہیں کرتے کہ جو لوگ عالم نہیں وہ علماء سے فتویٰ لے کر عمل کریں، اور یہ ظاہر ہے کہ ناواقف عوام کو علماء اگر قرآن وحدیث کے دلائل بتلا بھی دیں تو وہ ان دلائل کو بھی ان ہی علماء کے اعتماد پر قبول کریں گے ان میں خود دلائل کو سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت تو ہوتی نہیں، اور تقلید اسی کا نام ہے کہ نہ جاننے والا کسی جاننے والے کے اعتماد پر کسی حکم کو شریعت کا حکم قرار دے کر عمل کرے، یہ

تقلید وہ ہے جس کے جواز بلکہ وجوب میں کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں البتہ وہ علماء کہ جو خود قرآن و حدیث کو اور مواقع اجماع کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کو ایسے احکام میں جو قرآن و حدیث میں صریح اور واضح طور پر مذکور ہیں، اور علماء و تابعین کے درمیان ان مسائل میں کوئی اختلاف بھی نہیں ان احکام میں وہ علماء براہ راست قرآن و حدیث اور اجماع پر عمل کریں ان میں علماء کو کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں لیکن وہ احکام و مسائل جو قرآن و حدیث میں صراحۃً مذکور نہیں یا جن میں آیات قرآن اور روایات حدیث میں اختلاف پیش آیا ہے یہ احکام و مسائل محل اجتہاد ہوتے ہیں ان کو اصطلاح میں ''مجتہد فیہ'' کہا جاتا ہے ان کا حکم یہ ہے کہ جس عالم کو درجۂ اجتہاد حاصل نہیں اس کو بھی ان مسائل میں کسی امام مجتہد کی تقلید ضروری ہے، محض اپنی ذاتی رائے کے بھروسہ پر ایک آیت یا روایت کو ترجیح دیکر اختیار کرنا اور دوسری آیت یا روایت کو مرجوح قرار دے کر چھوڑ دینا اس کے لئے جائز نہیں۔

اسی طرح جو احکام قرآن وسنت میں صراحۃً مذکور نہیں ان کو قرآن وسنت کے بیان کردہ اصول سے نکالنا اور ان کا حکم شرعی متعین کرنا یہ بھی ان ہی مجتہدین امت کا کام ہے جن کو عربی زبان عربی لغت اور محاورات اور طریق استعمال کا نیز قرآن وسنت سے متعلقہ تمام علوم کا معیاری علم اور ورع وتقویٰ کا اونچا مقام حاصل ہو، جیسے امام اعظم ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل یا اوزاعی، فقیہ ابواللیث رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ جن میں حق تعالیٰ نے قرب زمانہ نبوت اور صحبت صحابہ اور تابعین کی برکت سے شریعت کے اصول و مقاصد سمجھنے کا خاص ذوق اور منصوص احکام سے غیر منصوص کو قیاس کرکے حکم نکالنے کا خاص سلیقہ عطا فرمایا تھا، ایسے مجتہد فیہ مسائل میں عام علماء کو بھی ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید لازم ہے، ائمہ مجتہدین کے خلاف کوئی نئی رائے اختیار کرنا خطاء ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امت کے اکابر علماء، محدثین وفقہاء، امام غزالی، رازی، ترمذی، طحاوی، مزنی، ابن ہمام، ابن قدامہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور اسی معیار کے لاکھوں علماء سلف وخلف باوجود علوم عربیت اور علوم شریعت کی اعلیٰ مہارت حاصل ہونے کے اجتہادی مسائل میں ہمیشہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کے پابند رہے ہیں ان سب مجتہدین کے خلاف اپنی رائے سے کوئی فتویٰ دینا جائز نہیں۔

البتہ ان حضرات کو علم وتقویٰ کا وہ معیاری درجہ حاصل تھا کہ مجتہدین کے اقوال و آراء کو قرآن وسنت کے دلائل سے جانچتے پرکھتے تھے پھر ائمہ مجتہدین کے مسلک سے خروج اور ان سب کے خلاف کوئی رائے قائم کرنا ہرگز جائز نہ جانتے تھے، تقلید کی اصل حقیقت اتنی ہی ہے۔

اس کے بعد علم کا معیار دن بدن گھٹتا گیا اور تقویٰ اور خدا ترسی کے بجائے اغراض نفسانی غالب آنے لگیں ایسی حالت میں اگر یہ آزادی دیدی جائے کہ جس مسئلہ میں چاہیں کسی ایک امام کا قول اختیار کرلیں اور جس میں چاہیں کسی دوسرے امام کا قول لے لیں، تو اس کا لازمی اثر یہ ہونا تھا کہ لوگ اتباع شریعت کا نام لے کر اتباع ہویٰ میں مبتلا ہو جائیں، کہ جس امام کے قول میں اپنی غرض نفسانی پوری ہوتی نظر آئے اس کو اختیار کرلیں، اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا کوئی

دین وشریعت کا اتباع نہیں ہوگا بلکہ اپنی اغراض وہویٰ کا اتباع ہوگا جو باجماع امت حرام ہے، علامہ شاطبی نے موافقات میں اس پر بڑی تفصیل سے کلام کیا ہے اور ابن تیمیہ نے بھی عام تقلید کی مخالفت کے باوجود اس طرح کے اتباع کو اپنے فتاویٰ میں باجماع امت حرام کہا ہے، اس لئے متاخرین فقہاء نے یہ ضروری سمجھا کہ عمل کرنے والوں کو کسی ایک ہی امام مجتہد کی تقلید کا پابند کرنا چاہئے یہیں سے تقلید شخصی کا آغاز ہوا جو درحقیقت ایک انتظامی حکم ہے جس سے دین کا انتظام قائم رہے، اور لوگ دین کی آڑ میں اتباع ہویٰ کا شکار نہ ہو جائیں، اس کی مثال بعینہ وہ ہے جو حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے باجماع صحابہ قرآن کے سبعۃ احرف (یعنی سات لغات) میں سے صرف ایک لغت کو مخصوص کر دینے میں کیا، اگرچہ ساتوں لغات قرآن ہی کے لغات تھے، جبرئیل امین کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق نازل ہوئے مگر جب قرآن کریم عجم میں پھیلا اور مختلف لغات میں پڑھنے سے تحریف قرآن کا خطرہ محسوس کیا گیا تو باجماع صحابہ مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا کہ صرف ایک ہی لغت میں قرآن کریم کو لکھا اور پڑھا جائے، حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسی ایک لغت کے مطابق تمام مصاحف کو لکھوا کر اطراف عالم میں بھجوایا، اور آج تک پوری امت اسی کی پابند ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ دوسرے لغات حق نہیں تھے بلکہ انتظام دین اور حفاظت قرآن از تحریف کی بنا پر صرف ایک لغت کو اختیار کر لیا گیا اسی طرح ائمہ مجتہدین سب برحق ہیں ان میں سے کسی ایک کو تقلید کے لئے معین کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ جس امام معین کی تقلید کسی نے اختیار کی ہے اس کے نزدیک دوسرے ائمہ قابل تقلید نہیں، بلکہ اپنی صواب دید اور اپنی سہولت جس امام کی تقلید میں دیکھی اس کو اختیار کر لیا اور دوسرے ائمہ کو بھی اسی طرح قابل احترام سمجھا۔

اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا بیمار آدمی کو شہر کے حکیم اور ڈاکٹروں میں سے کسی ایک ہی کو اپنے علاج کے لئے متعین کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے کیونکہ بیمار اپنی رائے سے کبھی کسی ڈاکٹر سے پوچھ کر دوا استعمال کرے کبھی کسی دوسرے سے پوچھ کر یہ اس کی ہلاکت کا سبب ہوگا وہ جب کسی ڈاکٹر کا انتخاب اپنے علاج کے لئے کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ دوسرے ڈاکٹر ماہر نہیں یا ان میں علاج کی صلاحیت نہیں، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کی جو تقسیم امت میں قائم ہوئی اس کی حقیقت اس سے زائد کچھ نہ تھی، اس میں فرقہ بندی اور گروہ بندی کا رنگ اور باہمی جدال وشقاق کر کے گرم بازاری نہ کوئی دین کا کام ہے اور نہ کبھی اہل بصیرت علماء نے اسے اچھا سمجھا، بعض علماء کے کلام میں علمی بحث وتحقیق نے مناظرانہ رنگ اختیار کر لیا اور بعد میں طعن وطنز تک نوبت آگئی پھر جاہلانہ جنگ وجدال نے وہ نوبت پہنچا دی جو آج عموماً دینداری اور مذہب پسندی کا نشان بن گیا۔

تَنْبِیْہ: مسئلہ تقلید واجتہاد پر جو کچھ یہاں لکھا گیا وہ اس مسئلہ کا بہت مختصر خلاصہ ہے مزید تحقیقات وتفصیلات اصول فقہ کی کتابوں میں مفصل موجود ہیں خصوصاً کتاب ''الموافقات'' علامہ شاطبی جلد رابع باب الاجتہاد اور علامہ سیف الدین آمدی کی کتاب ''الاحکام'' جلد ثالث القاعدۃ الثالثۃ فی المجتہدین، حضرت شاہ ولی اللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی کتابیں، حجۃ اللہ البالغہ اور رسالہ عقد الجید اور آخر میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی کتاب الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد اس مسئلہ میں خاص

طور سے قابل دید ہیں اہل علم ان کی طرف رجوع فرمائیں۔

قرآن فہمی کے لئے حدیث رسول ضروری ہے:

وَانزلنا اِلَیْکَ الذکر لتبیّن للناس ، اس آیت میں ذکر سے مراد بالاتفاق قرآن ہے اور رسول اللہ ﷺ کو اس آیت میں مامور فرمایا گیا ہے کہ آپ قرآن کی نازل شدہ آیات کا بیان اور وضاحت لوگوں کے سامنے کردیں یہ آیت بھی متعدد دیگر آیتوں کی طرح اس باب میں نص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت محض حامل وحی یا پیغام رساں کی نہیں بلکہ شارح اور بیان کرنے والے کی بھی ہے قرآن مجید کے حقائق واسرار کے حل کرنے کا حق سب سے زیادہ آپ ﷺ ہی کو حاصل ہے اور رسول کا فرض جس طرح تبلیغ وحی ہے تبیین وحی بھی اس کے فرائض میں داخل ہے اور جو لوگ سنت وحدیث رسول سے بے نیازی برتتے ہیں وہ فہم قرآن سے اپنے کو محروم رکھ رہے ہیں، اگر ہر انسان صرف عربی زبان وادب سے واقف ہو کر قرآن کے احکام کو حسب منشاء خداوندی سمجھنے پر قادر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو بیان وتوضیح کی خدمت سپرد کرنے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

اَفَامِنَ الذین مکروا السّیئاٰت الخ اس سے پہلی آیت میں کفار کو عذاب آخرت سے ڈرایا گیا تھا، ان آیات میں ان کو اس سے ڈرایا گیا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں بھی اللہ کے عذاب میں پکڑے جاؤ، جیسے غزوۂ بدر میں ایک ہزار بہادر مسلح نوجوانوں کو چند بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں سے ایسی سزا ملی جس کا ان کو کبھی وہم وگمان بھی نہ ہوسکتا تھا یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چلتے پھرتے کسی عذاب الٰہی میں پکڑے جاؤ کہ کوئی بیماری جان لیوا آ کھڑی ہو اور عذاب کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ دفعۃً عذاب نہ آئے مگر مال، صحت اور تندرستی اور اسباب راحت وسکون گھٹتے چلے جائیں اسی طرح گھٹاتے گھٹاتے اس قوم کا خاتمہ ہوجائے۔

لفظ تـخـوّف آیت میں بظاہر خوف سے مشتق ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے اسی معنی کے اعتبار سے یہ تفسیر کی ہے کہ ایک جماعت کو عذاب میں پکڑا جائے تاکہ دوسری جماعت ڈر جائے اسی طرح دوسری کو اور پھر تیسری جماعت کو پکڑا جائے یوں ڈراتے ڈراتے سب کا خاتمہ ہوجائے۔

مگر مفسر قرآن حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر نے یہاں لفظ تـخوف کو تَـنَقُّص کے معنی میں لیا ہے اور اسی معنی کے اعتبار سے ترجمہ گھٹاتے گھٹاتے کیا ہے۔

حضرت سعید بن مسیّب نے فرمایا کہ حضرت فاروق اعظم کو بھی اس لفظ کے معنی میں تردد پیش آیا تو آپ نے برسرِ منبر صحابہ کو خطاب کرکے فرمایا کہ لفظ تخوف کے آپ لوگ کیا معنی سمجھتے ہیں؟ تمام مجمع خاموش رہا مگر قبیلہ ہذیل کے ایک شخص نے عرض کیا امیر المومنین یہ ہمارے قبیلہ کا خاص لفظ ہے ہمارے یہاں یہ لفظ تنقص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی بتدریج کم کرنا، اس پر حضرت فاروق اعظم نے سوال کیا کہ کیا عرب اپنے اشعار میں یہ لفظ تنقص کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اس نے عرض کیا کہ ہاں اور اپنے قبیلہ کے شاعر ابو کبیر ہذلی کا ایک شعر پیش کیا جس میں یہ لفظ بتدریج گھٹانے کے معنی میں استعمال کیا گیا تھا۔

تَخَوَّفَ الرحلُ منها تامِكاً قَرِدًا كما تخوّفُ عودَ النَبْعَةِ السَّفَنُ

ترجمہ: کجاوہ نے اونٹنی کے فربہ کوہان کو بتدریج کم کر دیا جیسا کہ نبعہ کی لکڑی کو رندہ بتدریج کم کر دیتا ہے۔

اس پر حضرت عمر فاروق نے فرمایا، لوگو تم اشعار جاہلیت کا علم حاصل کرو کیونکہ تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معنی کا فیصلہ اسی سے ہوتا ہے۔

قرآن فہمی کے لئے معمولی عربی دانی کافی نہیں:

اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ معمولی طور پر عربی زبان بولنے، لکھنے کی قابلیت قرآن فہمی کے لئے کافی نہیں بلکہ اس میں اتنی مہارت اور واقفیت ضروری ہے جس سے قدیم عربِ جاہلیت کے کلام کو پورا سمجھا جا سکے کیونکہ قرآن کریم اسی زبان اور انہی کے محاورات میں نازل ہوا ہے اس درجہ کا عربی ادب مسلمان پر سیکھنا لازم ہے۔

وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ ما فی السمٰوات وما فی الارض، یسجد یہاں اپنے اصلی لغوی معنی میں ہے یعنی فرمانبردار جیسا کہ ہر مخلوق کو اپنے خالق اور حکیم کے روبرو ہونا چاہئے، مطلب یہ ہے کہ مخلوق چھوٹی ہو یا بڑی عالم ارواح میں ہو یا عالم اجساد میں جہاں کہیں بھی ہو سب کے سب عظمت الٰہی کے آگے سرنگوں ہیں۔

وَمَا فی الارض من دابّۃ، دَابۃ کے معنی یہاں جاندار کے بھی کئے گئے ہیں اور متحرک کے بھی اور پھر انقیاد کے بھی ایک سرے پر دابہ اور دوسرے سرے پر ملائکہ کو لا کر گویا یہ بتا دیا ہے کہ ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ہر ذی حیات زنجیر انقیاد میں یکساں جکڑا ہوا ہے۔

نیز مِن دابۃ کا تعلق جس طرح ارض سے ہے اسی طرح سمٰوات (اجرام فلکی) سے بھی ہے اسلئے بالکل جائز ہے کہ فرشتوں کے علاوہ متحرک و جاندار مخلوق انسان کی طرح سیاروں یا آسمانوں پر بھی ہو۔

یخافون ربھم من فوقھم، یہاں فوق سے فوقیت معنوی مراد ہے یا غلبہ ورنہ جہت فوق سے تو خوف پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں، اور نہ خدا کے شایان شان۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ تاكيدٌ **اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** اَتٰى بـه لاثباتِ الالٰهيةِ والوحدانيةِ **فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾** خافون دُونَ غيري وفيه التفاتٌ عن الغيبةِ **وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ملكًا وخلقًا وعبيدًا **وَلَهُ الدِّيْنُ** الطاعةُ **وَاصِبًا** دائمًا حال من الدين والعامل فيه معنى الظرف **اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾** وهو الاله الحق ولا اِله غيره والاستفهام للانكار اوالتوبيخ **وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ** اى لا يَاتِي بها غيرُه وما شرطيةٌ اوموصولةٌ **ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ** اَصابكم **الضُّرُّ** الفقرُ والمرضُ **فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿٥٣﴾** ترفعونَ اصواتكم بالاستغاثةِ والدعاءِ ولا

تدعُون غيره ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ من النعمة فَتَمَتَّعُوا باجتماعكم على عبادة الاصنام امرُ تهديدٍ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾ عاقبة ذلك وَيَجْعَلُونَ اي المشركون لِمَا لَا يَعْلَمُونَ انها لاتضرُّ ولا تنفعُ وهي الاصنامُ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ من الحرثِ والانعام بقولهم هذا لِلّٰه وهذا لشركائنا تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ سؤالَ توبيخٍ وفيه التفاتٌ عن الغيبة عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿٥٦﴾ على اللّٰه من انّهُ امرَكم بذلك وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ بقولهم الملائكةُ بناتُ اللّٰه سُبْحَانَهُ تنزيهًا له عمّا زعموا وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ ﴿٥٧﴾ اي البنونَ والجملةُ في محلِ رفعٍ اونصبٍ بيجعلُ المعنى يجعلون له البناتِ التي يكرهونها وهو مُنزّهٌ عن الولدِ ويجعلونَ لهم الابناءَ الذين يختارونها فيختصونَ بالابناءِ لقوله فَاسْتَفْتِهِم أَلِرَبِّكَ البناتُ ولهم البنونَ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ تُولَدُ له ظَلَّ صار وَجْهُهُ مُسْوَدًّا متغيرًا تغيرَ مُغتمٍّ وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾ ممتلئٌ غمًّا فكيف تُنسبُ البناتُ اليه تعالى يَتَوَارَىٰ يختفي مِنَ الْقَوْمِ اي قومه مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ خوفًا من التعيير مترددًا فيما يَفعلُ به أَيُمْسِكُهُ يتركُه بلاقتلٍ عَلَىٰ هُونٍ هوانٍ وذلٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ بان يئده أَلَا سَاءَ بئس مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾ حكمهم هذا حيث نسبوا لخالقهم البناتِ اللاتي هن عندهم بهذا المحلِ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ اي الكفارُ مَثَلُ السَّوْءِ اي الصفةُ السُّوْى بمعنى القبيحة وهي وأْدُهم البناتِ مع احتياجهم اليهن للنكاح وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ الصفةُ العليا وهو انّهُ لا اله الّا هو وَهُوَ الْعَزِيزُ في مُلكه الْحَكِيمُ ﴿٦٠﴾ في خلقه.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے کہ دو معبود نہ بناؤ (اثنین) الٰهین کی تاکید ہے معبود تو صرف وہی اکیلا ہے اس کو الوہیت اور وحدانیت کو ثابت کرنے کے لئے لائے ہیں، پس تم سب میرا ہی خوف (ڈر) رکھو، (یعنی) مجھ ہی سے ڈرو نہ کہ کسی اور سے، اس میں غیبت سے تکلم کی جانب التفات ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے ملک اور مخلوق اور غلام ہونے کے اعتبار سے اور طاعت دائماً اسی کی لازم ہے، واصبًا، دینٌ سے حال ہے اور اس میں عامل معنیٔ ظرف ہیں (ای ثبت لہ الدین) کیا پھر بھی تم غیر اللہ سے ڈرتے ہو؟ معبود برحق وہی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور استفہام انکار یا توبیخ کے لئے ہے اور تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اللہ ہی کی دی ہوئی ہیں یعنی ان نعمتوں کو اس کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا، اور ما شرطیہ یا موصولہ ہے، پھر اب بھی جب تمہیں کوئی فقر و مرض وغیرہ کی مصیبت پیش آجاتی ہے تو تم اسی سے نالہ وفریاد کرتے ہو، یعنی فریادرسی اور دعاء کے لئے اسی کو زور زور سے پکارتے ہو اور اس کے غیر کو نہیں پکارتے ہو، اور جہاں اس نے تمہاری مصیبت دور کی تو تم میں کا ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتا ہے تاکہ ان نعمتوں کی ناشکری کرے جو ہم نے ان کو دی ہیں، اچھا تو بتوں کی عبادت پر اجتماعیت کے ساتھ کچھ مزے اڑالو، اس کا انجام تمہیں معلوم ہو ہی جائیگا اور مشرک ان کے لئے

کہ جن کو نہیں جانتے کہ وہ نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور وہ بت ہیں ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے کہ وہ کھیتی اور جانور ہیں یہ کہہ کر حصہ لگاتے ہیں کہ یہ اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے شرکاء (بتوں) کے لئے ہے واللہ جو تم اللہ پر یہ بہتان لگاتے ہو کہ اسی نے ہمیں (شرک کا) حکم دیا ہے تم سے ضرور باز پرس ہوگی اور اس میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے، اور وہ اللہ کے لئے یہ کہکر کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں بیٹیاں ثابت کرتے ہیں یہ جو عقیدہ رکھتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے اور اپنے لئے وہ ثابت کرتے ہیں جو ان کو پسند ہیں یعنی لڑکے، جملہ (ما یشتھون) محل میں رفع کے ہے یا جَعَلَ کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے (آیت کے) معنی یہ ہیں کہ اللہ کے لئے لڑکیاں پسند کرتے ہیں جنہیں خود (اپنے لئے) ناپسند کرتے ہیں حالانکہ وہ تو اولاد ہی سے پاک ہے، اور اپنے لئے بیٹے ثابت کرتے ہیں جنہیں اپنے لئے پسند کرتے ہیں، (یعنی) بیٹوں کو اپنے لئے مخصوص کرتے ہیں، دلیل اللہ کا قول ہے، آپ ان سے پوچھئے کیا تیرے رب کے لئے لڑکیاں ہیں اور ان کے لئے لڑکے ہیں، اور جب ان میں سے کسی کو (اس کے یہاں) لڑکی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے یعنی ایسا متغیر ہو جاتا ہے جیسا کسی غم زدہ کا، اور وہ (دل ہی دل میں) گھٹنے لگتا ہے یعنی غم سے بھر جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف لڑکیوں کی کیوں نسبت کی جاتی ہے؟ اور اس بری خبر کی وجہ سے مارے شرم کے اپنی قوم سے چھپا چھپا پھرتا ہے اور اس شش و پنج میں پڑ جاتا ہے کہ وہ اس نومولود کے بارے میں کیا کرے؟ آیا ذلت کے ساتھ بغیر قتل کئے اس کو تھامے رہے (یعنی زندہ رہنے دے) یا اس کو مٹی میں دفن کر دے یعنی اسے زندہ درگور کر دے، آہ! یہ کیسے بُرے فیصلے کرتے ہیں! یعنی ان کا یہ حکم کہ اپنے خالق کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے ہیں جو خود ان کے نزدیک (حقارت) میں اس (انتہائی) درجہ کی ہیں ان کافروں کی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بُری مثال ہے یعنی بری صفت ہے اور (السوٓیٰ) معنی میں قبیحہ کے ہے اور وہ (بری صفت) ان کا لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا ہے ان سے نکاح کی حاجت کے باوجود اور اللہ کی تو بہت ہی بلند صفت ہے (ای **الصفة العُلیا**) اور وہ یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اپنے ملک میں غالب ہے (اور) اپنی مخلوق کے بارے میں باحکمت ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تاکیدٌ، یعنی اِثْنَیْنِ، اِلٰھَیْنِ کی تاکید ہے، **لا تتخذوا اِلٰھَیْنِ اثْنَیْن** کی ترکیب میں دو قول ہیں اور لفظ **اثنین** کے بارے میں دو احتمال ہیں، ① یہ کہ **اِثْنَیْنِ اِلٰھَینِ** کی تاکید ہے اس صورت میں **لا تتخذوا** متعدی بیک مفعول ہوگا اور **لا تتخذوا** معنی میں **لا تعبدوا** کے ہوگا دوسرا احتمال یہ کہ **لا تتخذوا** متعدی بدو مفعول ہے مفعول ثانی محذوف ہے ای **لا تتخذوا اِلٰھَینِ اِثنینِ معبودًا، اِلٰھین** مفعول اول ہے اور **اثنین** اس کی تاکید ہے اور **معبودًا** مفعول ثانی ہے جو کہ محذوف ہے۔

دوسرا قول: یہ کہ **اثنین**، **لا تتخذوا** کا مفعول اول ہے مگر اس کو مؤخر کر دیا ہے اور **اِلٰھَیْنِ** مفعول ثانی ہے جو کہ لفظاً

مقدم ہے، اصل عبارت یہ ہے لا تتخذوا اثنین الٰھین.

عجیب اتفاق: تقریباً تمام مفسرین نے اثنَیْنِ کو اِلٰھینِ کی تاکید قرار دیا ہے حالانکہ اِثْنَیْنِ نہ تاکید لفظی میں سے ہے اور نہ تاکید معنوی میں سے یہ عجیب اتفاق ہے، صحیح یہ ہے کہ اثنین اِلٰھینِ کی صفت ہے، ہوسکتا ہے کہ جن حضرات نے اثنین کو تاکید قرار دیا ہے معنی وصفی کی وجہ سے تاکید قرار دیا ہو اس لئے کہ صفت میں بھی تاکید کے معنی ہوتے ہیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے، اصل عبارت اس طرح ہے، لا تتخذوا اثنین الٰھین انما ھو اللّٰہ واحد (اعراب القرآن) بعض حضرات نے اثنین کو اس تثنیہ کی تاکید قرار دیا ہے جو الٰھین سے مفہوم ہے (جمل) اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ تکرار مبالغہ فی التنفیر کے لئے ہے اسلئے کہ کثرت حروف کثرت معانی پر دلالت کرتے ہیں۔

قولہ: اِلٰھین اثنین.

سوال: اِلٰھین، تثنیہ ہونے کی وجہ سے خود دو پر دلالت کرتا ہے اس میں معدود کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح اِلٰہٌ واحد میں بھی معدود کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اسلئے کہ الٰھین اور اِلٰہٌ عدد اور معدود دونوں پر دلالت کرتے ہیں، البتہ اثنین سے اوپر کے لئے معدود لانا ضروری ہوتا ہے مثلاً رجلٌ ایک آدمی، رجل واحدٌ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اسی طرح رجلین دو آدمی اس میں رجلین اثنین کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی، بخلاف رجال ثلثۃ و نساء ثلث کہ ان میں معدود کے ذکر کی ضرورت ہے اسلئے کہ رجال اور نساء مبہم ہیں اس کے ابہام کو دور کرنے کے لئے معدود کی ضرورت ہوتی ہے۔

جواب: اس سوال کا جواب چند طریقہ پر ہے، ① عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر یہ ہے لا تتخذوا اثنین اِلٰھینِ، ② شئ جب مستنکر اور قبیح ہوتی ہے اور اس کی قباحت میں مبالغہ مقصود ہوتا ہے تو اس کو کثیر عبارت سے تعبیر کرتے ہیں تاکہ کثرت حروف کثرت معانی پر دلالت کریں۔

قولہ: أتیٰ بہٖ لِاثباتِ الوحدانیۃِ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اِلٰہ خود واحد پر دلالت کرتا ہے پھر واحدٌ لانے کی کیا ضرورت؟

جواب: صرف اِلٰہٌ ذکر کرنے سے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید صرف الوہیت کو ثابت کرنا مقصود ہو، اس لئے واحدٌ کا اضافہ کر دیا تاکہ الوہیت اور وحدانیت دونوں پر دلالت ہوجائے۔

لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ لفظ اِلٰہٌ، جنسیت اور وحدت دونوں پر دلالت کرتا ہے لہٰذا واحدٌ کے ساتھ تاکید کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ: الطاعۃ اس میں اشارہ ہے کہ دین بمعنی طاعت ہے نہ کہ بمعنی جزاء اسلئے کہ جزاء دائماً نہیں ہے چونکہ جزاء

دار آخرت میں ہوگی۔

قَوْلُہٗ: واصب، یہ وُصُوبٌ (ض) سے اسم فاعل واحد مذکر غائب ہے قائم رہنے والا، ہمیشہ رہنے والا۔

قَوْلُہٗ: حالٌ، یعنی واصبًا، دینٌ سے حال ہے نہ کہ صفت اس لئے کہ نکرہ معرفہ سے صفت واقع نہیں ہوتا اور عامل اس میں وہ فعل ہے جو جار مجرور سے مفہوم ہے ای استقرَّ، یا ثَبَتَ، اور بعض نے ثَبَتَ یا استقرَّ کی ضمیر مستتر سے حال قرار دیا ہے، معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہیں، تقدیر عبارت یہ ہے، استقر الدین وَثَبَتَ له حال کو نه دائمًا.

قَوْلُہٗ: تَجْأَرُوْنَ تم فریاد کرتے ہو، تم آواز بلند کرتے ہو، الجُوَار، رفع الصوت فی الدعاء مضارع جمع مذکر حاضر۔

قَوْلُہٗ: ولا تدعون غیره، اس اضافہ کا مقصد الیه تجأرون میں ظرف کی تقدیم کے فائدہ (یعنی تخصیص) کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: امر تهدید، یعنی فَتَمَتَّعوا میں امر تہدید کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: لِما لا یعلمونَ انَّها، یعلمون کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے، اور ما کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے جس کو علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے انَّهــــا، سے ظاہر کر دیا ہے، لہٰذا عدم عائد کا اعتراض ختم ہو گیا تقدیر عبارت یہ ہے لا یَعلمونها انَّهم الِهة ویعتقدون فیها انَّها تضّر و تنفع ولیس کذلك لِاَنّها جماد لا تنفع ولا تضرّ.

قَوْلُہٗ: والجملة فی محلِ رفعٍ او نصبٍ بیجعل یعنی "ولَهُمْ ما یَشتهون" میں دو اعراب جائز ہیں اول ما یشتهون جملہ ہو کر محل میں رفع کے اور لَهُمْ محذوف ثابتٌ وغیرہ کے متعلق ہو کر خبر مقدم، اور البنات پر عطف کی وجہ سے یجعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب ہے۔

قَوْلُہٗ: سبحانه، یہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے، نہ کہ فصل بالاجنبی۔

قَوْلُہٗ: یختارونها، نسخ متداولہ میں یہی ہے اور ظاہر یہ ہے یختارونهم، ہونا چاہئے اس لئے کہ ضمیر ابناء کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: الَّذِیْنَ یختارون یہ اضافہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ یجعلون کی ضمیر فاعل جو کہ کفار کی طرف راجع ہے اور مفعول کی ضمیر جو کہ لَهُمْ ہے، دونوں کا مصداق ایک ہے اور وہ کفار ہیں، حالانکہ علم نحو کا قاعدہ ہے کہ فاعل اور مفعول کی ضمیروں کا متعدد ہونا نفس کے واسطہ کے بغیر جائز نہیں ہے سوائے باب ظنَّ اور اس کے اخوات کے یہی وجہ ہے کہ زید ضربه جائز نہیں ہے البتہ زید ظنه قائماً ای نفسه کہنا درست ہے۔

جَوَاب: الذین یختارون سے اسی سوال کا جواب دیا ہے کہ یجعلون بمعنی یختارون ہے اس لئے کہ اختیار

دومفعولوں کا تقاضا نہیں کرتا اور ایک مفعول ما یشتھون ہے، لہٰذا لام اجل کے معنی میں ہوگا۔

قولہ: یَئِدُ، (ض) وَأدَ یَئِدُ، زندہ درگور کرنا۔

قولہ: بمعنی القبیحة یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مثل بمعنی صفت مؤنث ہے اور السَّوْء مذکر ہے حالانکہ موصوف صفت میں مطابقت ضروری ہے، جواب کا حاصل یہ ہے اَلسَّوْء، السُّوای، قبیحة کے معنی میں ہے لہٰذا موافقت موجود ہے۔

قولہ: الصفة العلیا یہ اضافہ بھی اسی قسم کے سوال کا جواب ہے۔

تفسیر وتشریح

قال اللّٰہ لا تتخذُوا اِلٰھَیْنِ اثنینِ، قرآن مجید جس طرح ہر قسم کے شرک کی نفی کرتا ہے اسی طرح ثنویت کی بھی نفی کرتا ہے جس طرح بہت سے فرقے متعدد معبودوں کے قائل ہیں اسی طرح ایک مجوسی فرقہ دوخداؤں کا قائل ہے ایک یزدان یعنی خدائے نور وخیر، دوسرا اہرمن خدائے ظلمت وشر۔ ہندوستان میں ان ہی لوگوں کو پارسی اور آتش پرست کہتے ہیں اس کا بڑا مرکز بمبئی میں ہے جہاں ان کی بڑی تعداد ہے یہ لوگ اپنی نسبت زرتشت کی جانب کرتے ہیں زرتشت ان کے عقیدہ کے مطابق پیغمبر تھے ان کا زمانہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قبل کا ہے یہ لوگ خیر کا خالق یزدان کو اور شر کا خالق اہرمن کو مانتے ہیں ان کے مذہب واخلاق کو مزدک نے بری طرح مسخ کردیا تھا حتی کہ حقیقی بہن سے بھی ان کے یہاں نکاح جائز تھا، مسلمانوں میں بھی تقریباً آٹھ سو سال پہلے ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جو باطنی فرقہ کے نام سے مشہور تھا اس کو قرامطہ بھی کہتے تھے اس فرقہ کا ایک مشہور پیشوا گذرا ہے جس کا نام عبیداللہ بن حسن قیروانی ہے اس کے یہاں بھی سگی بہن سے نکاح جائز تھا۔

غرضیکہ اس آیت میں مجوس کے عقیدۂ ثنویت کی تردید کی گئی ہے اس کے ضمن میں عقیدۂ تثلیث اور عقیدۂ تعدد کی خود بخود نفی ہوجاتی ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہوتا تو یہ نظام عالم قائم ہی نہیں رہ سکتا تھا ''لو کان فیھما اٰلِھَةٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتا'' (سورۂ انبیاء) اس لئے تعدد الٰہ کا عقیدہ باطل ہے، جب خالق کائنات ایک ہے اور وہی بلا شرکت غیر تمام کائنات کا نظام چلا رہا ہے تو معبود بھی صرف وہی ہے جو اکیلا ہے۔

وَلَہ الدین واصبًا، اسی کی اطاعت دائمی اور لازم ہے، وَاصب کے معنی ہمیشگی اور دائمی کے ہیں، ولھم عذاب واصب ان کے لئے ہمیشہ کا عذاب ہے۔ (الصافات)

جب سب نعمتوں کا دینے والا اللہ ہی ہے تو پھر بندگی کسی اور کی کیوں؟ اس کے علاوہ اللہ کے ایک ہونے کا عقیدہ قلب ووجدان کی گہرائیوں میں فطری طور پر راسخ اور توحید کی ایک صریح شہادت تمہارے نفس میں موجود ہے جو اس وقت ابھر کر سامنے آجاتی ہے جب ہر طرف سے مایوسی کے بادل گھرے ہوجاتے ہیں اور سخت مصیبت کے وقت اصل فطرت نمودار

ہونے لگتی ہے جو اللہ کے سوا کسی الٰہ کسی رب، اور کسی مالک ذی اختیار کو نہیں جانتی، تخلیق کی ابتداء کے متعلق عرب کے مشرکین اور ہر جگہ کا ہر مشرک جانتا ہی ہے کہ یہ صرف اللہ ہی کا کام ہے اس کے شریکوں میں سے اس کام میں کسی کا کوئی حصہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ نہایت مصیبت کے وقت جب ہر طرف سے مایوسی اور ناامیدی ہو جاتی ہے تو اس وقت صرف معبود حقیقی ہی یاد آتا ہے اور اسی سے فریاد کرتا ہے۔

ثم اذا کشفَ الضر عنکم الخ، لیکن انسان بھی کتنا ناشکرا ہے کہ تکلیف و مصیبت کے دور ہوتے ہی پھر رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔

ویجعلون لما لا یعلمون نصیبًا الخ یعنی جس کو یہ حاجت روا مشکل کشا سمجھتے ہیں وہ پتھر کی مورتیاں ہیں یا جنات وشیاطین ہیں جن کی حقیقت کا ان کو علم ہی نہیں، اسی طرح قبروں میں مدفون لوگوں کی حقیقت بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ان کے ساتھ وہاں کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ وہ اللہ کے پسندیدہ افراد ہیں یا کسی دوسری فہرست میں ہیں؟ ان باتوں کو کوئی نہیں جانتا، لیکن ان ظالموں نے ان کے لئے نذر و نیاز چڑھاوا اور پرشاد کے طور پر حصہ مقرر کر لیا ہے، بلکہ اگر اللہ کا حصہ رہ جائے تو رہ جائے، ان کے حصہ میں کمی نہیں کر سکتے، جیسا کہ سورۂ انعام میں بیان کیا گیا ہے۔

ویجعلون للّٰہ البنات، عرب کے بعض قبیلے (خزاعہ اور کنانہ) فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، یعنی ایک ظلم تو یہ کہ اللہ کی اولاد قرار دی جبکہ اس کی کوئی اولاد نہیں اور پھر اولاد میں مؤنث جسے وہ خود اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

وَاِذَا بُشِّرَ احدھم بالانثٰی ظل وجھہ مُسْوَدًّا وھو کظیم یعنی لڑکی کی ولادت کی خبر سن کر ان کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ رنگ فق ہو جاتا ہے چہرے پر سیاہی چھا جاتی ہے اور شرم کے مارے لوگوں سے چھپا پھرتا ہے، اور اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں یہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں؟

یہاں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بھی لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کو حقیر اور کم تر سمجھتا ہے، نہیں، اللہ کے یہاں جنس کی بنیاد پر حقارت کا کوئی تصور نہیں ہے یہاں تو صرف عربوں کی اس ناانصافی اور سراسر غیر معقول رویے کی وضاحت مقصود ہے، جو انہوں نے اللہ کے ساتھ اختیار کر رکھا تھا۔

لِلَّذِیْنَ لا یؤمنون بالآخرۃِ، کافروں کے برے اعمال بیان کئے گئے ہیں یہ ان ہی کی بری مثال یا صفت ہے یعنی جہل و کفر کی صفت، یا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بیوی اور اولاد جو یہ لوگ ٹھہراتے ہیں یہ بری مثال ہے جو یہ منکرین آخرت اللہ کے لئے بیان کرتے ہیں، یعنی اللہ کی ہر صفت مخلوق کے مقابلہ میں اعلیٰ و برتر ہے، مثلاً اس کا علم وسیع ہے، اس کی قدرت لامتناہی ہے، اس کی جود و عطا بے نظیر ہے۔

وَلَوْيُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ ای بالمعاصی مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا ای الارض مِنْ دَآبَّةٍ نسمۃٍ تدبُّ علیھا

وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ عنه سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾ عليه وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ لانفسهم من البنات والشريك في الرياسة واہانة الرسل وَتَصِفُ تقول اَلْسِنَتُهُمُ مع ذلك الْكَذِبَ وهو اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ عند الله اي الجنة كقوله وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى قال تعالى لَا جَرَمَ حقا اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾ متركون فيها او مقدمون اليها وفي قراءة بكسر الراء متجاوزون الحد تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ رسلا فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ السيئة فراوها حسنة فكذبوا الرسل فَهُوَ وَلِيُّهُمُ متولي امورهم الْيَوْمَ اي في الدنيا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ مولم في الاخرة وقيل المراد باليوم يوم القيمة على حكاية الحال الاتية اي لا ولي لهم غيره وهو عاجز عن نصر نفسه فكيف ينصرهم وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ يا محمد الْكِتٰبَ القران اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ للناس الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ من امر الدين وَهُدًى عطف على لتبين وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾ به وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بالنبات بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ يبسها اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ المذكور لَاٰيَةً دالة على البعث لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾ سماع تدبر۔

ترجمہ: اگر معاصی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں کی گرفت کرتا تو زمین پر ایک بھی چلنے والا (جاندار) نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک مقررہ وقت تک ڈھیل دیتا ہے، سو جب ان کا وقت (مقرر) آجاتا ہے تو وہ اس سے نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹتے ہیں اور نہ آگے بڑھتے ہیں، اور اللہ کے لئے وہ چیز ثابت کرتے ہیں جسے وہ خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں، اور وہ چیزیں بیٹیاں اور ریاست میں شرکت اور اہانت رسول ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ جھوٹ بولتے ہیں اور وہ یہ کہ ان کے لئے اللہ کے نزدیک اچھا بدلہ ہے یعنی جنت جیسا کہ وہ کہتے ہیں اگر مجھے میرے رب کی طرف لوٹایا گیا تو یقیناً میرے لئے اس کے پاس اچھا بدلہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یقینی بات تو یہ ہے کہ ان کے لئے آگ ہے، اور ان کو آگ میں ڈال کر چھوڑ دیا جائیگا یا ان کو سب سے پہلے آگ (دوزخ) کی طرف بڑھایا جائیگا اور ایک قراءت میں راء کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، واللہ ہم نے آپ سے پہلے کی امتوں کی طرف رسول بھیجے مگر شیطان نے ان کے لئے ان کے برے اعمال کو آراستہ کرکے پیش کیا جس کی وجہ سے وہ ان اعمال کو اچھے (نیک) سمجھنے لگے تو انہوں نے رسولوں کو جھٹلا دیا، وہ شیطان آج بھی (یعنی) دنیا میں ان کا رفیق یعنی ان کے امور کا کارساز بنا ہوا ہے اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے کہا گیا ہے کہ الیوم سے آئندہ کی حالت کو بیان کے طور پر قیامت کا دن مراد ہے یعنی (روز قیامت) ان کا شیطان کے علاوہ کوئی رفیق نہ ہوگا حالانکہ وہ (شیطان) خود اپنی مدد سے بھی عاجز ہوگا، تو کیسے ان کی مدد کرے گا؟ اور اے محمد ہم نے اس کتاب قرآن کو آپ پر اس لئے اتارا ہے کہ آپ لوگوں کے لئے امر دین کی ہر اس چیز کو کھول کھول کر بیان کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اور وہ (قرآن) رہنما ہے اس کا لتبینَ پر عطف ہے اور ان لوگوں کے لئے رحمت ہے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور

اس پانی سے نباتات اگا کر زمین کو زندہ کر دیا اس کے مردہ (یعنی) خشک ہونے کے بعد یقیناً ان مذکورہ چیزوں میں ایسے لوگوں کے لئے جو غور وفکر کے ساتھ سنتے ہیں بعث بعد الموت پر دلالت کرنے والی نشانی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: الارض.

سوال: عَلَيْهَا کی ضمیر کا مرجع الارض کو قرار دیا ہے حالانکہ ماقبل میں الارض مذکور نہیں ہے اس میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔

جواب: چونکہ ناس اور دابّة ارض پر دلالت کرتے ہیں لہٰذا الارض اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں ہے مگر دلالۃً مذکور ہے لہٰذا اضمار قبل الذکر کا اعتراض وارد نہیں ہوگا۔

قولہ: نسمة، شخص، روح، (جمع) نَسَمٌ و نَسَماتٌ.

قولہ: تقول، تصفُ کی تفسیر تقولُ سے کرنے کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ تصفُ کا لفظ موصوف اور صفت کا تقاضا کرتا ہے حالانکہ یہاں نہ موصوف ہے اور نہ صفت۔

جواب: یہاں تصف بمعنی تقول ہے لہٰذا موصوف اور صفت کی حاجت نہ ہوگی۔

قولہ: هو اس کی تقدیر میں اشارہ ہے کہ اَنَّ مع اپنے مدخول کے جملہ ہو کر هو مبتداء محذوف کی خبر ہے، نہ کہ تصِفُ کا مفعول اسلئے کہ تصف کا مفعول الكذبَ موجود ہے۔

قولہ: مُقدَّمون آگے کئے ہوئے یہ اَفرطته فی طلب الماء سے ماخوذ ہے، ای قدَّمتُه لهٗ میں نے اس کو پانی کے لئے آگے بھیجا۔

تفسیر و تشریح

وَلَوْ يؤاخذ الله الناس (الآية) یہ اللہ کا حکم اور اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی نافرمانی دیکھتا ہے لیکن پھر بھی وہ نعمتیں سلب نہیں کرتا، اور نہ فوری مواخذہ کرتا ہے، اگر وہ ارتکاب معصیت پر گرفت کرنا شروع کر دے تو ظلم و معصیت اور کفر وشرک اتنا عام ہو گیا ہے کہ روئے زمین پر کوئی ذی روح باقی نہ رہے، اس لئے کہ جب برائی عام ہوتی ہے تو اس کا عذاب بھی عام ہوتا ہے اس عذاب عام میں نیک لوگ بھی ہلاک کر دیئے جاتے ہیں گو وہ آخرت میں سرخ رو رہیں گے۔

الیـــوم سے یا تو زمانۂ دنیا مراد ہے تب تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے اور اگر یوم سے مراد یوم فریب وتزیین ہے تو اس وقت حکایت حال ماضیہ کی تاویل کرنی ہوگی اور اگر یوم سے یوم آخرت مراد ہے تو حکایت حال آتیہ کی تاویل کرنی ہوگی جیسا کہ

مفسر علام نے اشارہ کیا ہے۔

وَمَا انزلنا عليك الكتاب (الآية) اس میں آپ ﷺ کا یہ منصب بیان کیا گیا ہے کہ عقائد و احکام شرعیہ کے سلسلہ میں یہود و نصاریٰ کے درمیان اور اسی طرح مجوسیوں اور مشرکوں کے درمیان اور دیگر اہل ادیان کے درمیان جو باہم اختلافات ہیں اس کی اسطرح تفصیل بیان فرمائیں کہ حق اور باطل واضح ہو جائے تاکہ لوگ حق کو اختیار کریں اور باطل سے اجتناب کریں۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً اعتبارًا نُسْقِيْكُمْ بيانٌ للعبرةِ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ اى الانعامِ مِنْ للابتداء متعلقةٌ بنسقيكم بَيْنِ فَرْثٍ ثفلِ الكرشِ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا لا يشوبُه شيٌ من الفرث والدم من طعمٍ اولونٍ اوريحٍ وهو بينهما سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ سهلَ المُرورِ فى حلقِهم لا يَغَصُّ به وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ ثمرٌ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا خمرًا تُسكِرُ سُمّيت بالمصدرِ وهذا قبلَ تحريمِها وَّرِزْقًا حَسَنًا كالتمرِ والزبيبِ والخلِّ والدِّبسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ المذكورِ لَاٰيَةً على قدرتِه تعالى لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ يتدبَّرون وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ وحيَ الهامٍ اَنِ مفسرةٌ اومصدريةٌ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا تاوى اليها وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ اى الناسُ يبنُوْنَ لك من الاماكنِ والّا لم تاوِاليها ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ اُدخُلِيْ سُبُلَ رَبِّكِ طرقَه فى طلبِ المَرعى ذُلُلًا جمعُ ذَلولٍ حالٌ من السبلِ اى مسخرةً فلا تعسرُ عليكِ وان توعّرتْ ولا تَضِلِي عن العودِ منها وان بَعُدَتْ وقيلَ حالٌ من الضميرِ فى اُسلُكِي اى مُنقادةً لما يُرادُ منك يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ هو العسلُ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ من الاوجاعِ قيل لبعضها كما دلَّ عليه تنكيرُ شفاءٍ اولكُلِّها بضميمةٍ الى غيرِه اَقولُ وبدونِها بنيةٍ اَمرَبه صلى الله عليه وسلم مَنْ استطلقَ بطنُه رواه الشيخان اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ فى صنعِه تعالى وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ولم تكونوا شيئًا ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ عندَ انقضاءِ آجالِكم وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ اى اَخسِّه من الهرمِ والخرفِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا قال عكرمةُ مَن قرأَ القرآنَ لم يَصِر بهذهِ الحالةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بتدبير خلقه قَدِيْرٌ على ما يُريدُه.

ترجمہ: اور امر واقعہ یہ ہے کہ چوپایوں میں (بھی) تمہارے لئے بڑی عبرت ہے چوپایوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے ہم اسی گوبر (یعنی) معدہ کے فضلے اور خون کے درمیان سے، (نسقیکم) عبرۃ کا بیان ہے، مِنْ ابتدائیہ ہے نسقیکم کے متعلق ہے، ہم پینے والوں کو خوشگوار (خوش ذائقہ) صاف دودھ پلاتے ہیں جو حلق میں بآسانی اترنے والا اور حلق میں نہ پھنسنے والا ہے، جس میں نہ گوبر اور خون کے مزے کی آمیزش ہے اور نہ رنگ و بو کی، حالانکہ وہ ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے اور انگوروں اور کھجوروں کے پھلوں میں بھی (تمہارے لئے عبرت ہے) کہ جن سے تم شراب بناتے ہو، جونشہ آور ہوتی ہے خمر کا نام

سَکَر (بطور مبالغہ) مصدر کے ساتھ رکھا گیا ہے اور یہ (امتنان) شراب کو حرام کرنے سے پہلے کی بات ہے، اور کھانے کی عمدہ چیزیں بناتے ہو مثلاً چھوارے اور کشمش اور سرکہ اور شیرہ، جو لوگ عقل (سلیم) رکھتے ہیں (یعنی) غور وفکر کرتے ہیں ان کے لئے ان مذکورہ چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں وحی الہامی کے ذریعہ یہ بات ڈال دی (أن) مفسرہ یا مصدریہ ہے، کہ پہاڑوں میں گھر (چھتے) بنائے تا کہ اس میں پناہ لے سکے اور درختوں پر بھی گھر (چھتے) بنائے اور ان ٹہنیوں میں بھی جن کو لوگ تیرے لئے ٹھکانے بناتے ہیں ورنہ تو تو اس میں پناہ نہیں لے سکتی تھی، اور ہر طرح پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی آسان راہوں میں اپنی غذا کی جستجو کے لئے داخل ہو کر چلتی پھرتی رہ ذُلُلًا، ذَلول کی جمع ہے اور (ذُلُلًا) سُبُلٌ سے حال ہے (یعنی) حال یہ ہے کہ تیرے لئے (راستوں کو) آسان کر دیا جس کی وجہ سے تیرے لئے کوئی دشواری نہیں ہوتی اگرچہ وہ راہیں (دوسروں کیلئے) کتنی ہی دشوار گذار کیوں نہ ہوں، اور تو راستہ بھٹکتی نہیں ہے اگرچہ وہ راہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہو، اور کہا گیا ہے کہ (ذُلُلًا) اُسْلُکِی کی ضمیر سے حال ہے، یعنی اس کے (حکم) کے تابع فرمان ہو کر داخل ہو جو تجھ سے مطلوب ہے، اور اس کے پیٹ سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے اور وہ شہد ہے، اس میں لوگوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے کہا گیا ہے کہ بعض بیماریوں کے لئے شفاء ہے جیسا کہ (لفظ) شفاء کی تنکیر اس پر دلالت کرتی ہے یا تمام بیماریوں کے لئے شفاء ہے دیگر دواؤں کے ساتھ مل کر میں کہتا ہوں بغیر ملائے بھی (ہر مرض کی شفاء ہے) بشرطیکہ نیت خالص ہو، اور آپ ﷺ نے شہد کے استعمال کا اس شخص کو حکم فرمایا جس کا پیٹ چل رہا تھا (یعنی دست آرہے تھے) رواہ الشیخان اور اللہ کی صنعت میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت بڑی نشانی ہے، اور اللہ نے تم کو پیدا فرمایا حالانکہ تمہارا کوئی وجود نہیں تھا اور تمہاری (مدت عمر) پوری ہونے کے بعد تم کو موت دے گا، تم میں کے بعض وہ ہیں جن کو نکمی عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے، بعض گھٹیا ترین عمر کو اور وہ بڑھاپے اور سٹھیا جانے کی عمر ہے کہ بہت کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہ جانے، (حضرت) عکرمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کا مشغلہ رکھتا ہے اس کی ایسی حالت نہیں ہوتی، بے شک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی تدبیر سے واقف ہے اور جو چاہے اس پر قادر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: مما فی بطونہ، من تبعیضیہ، ابتدائیہ ہے۔

قِوْلُہٗ: من بین فرثٍ، لبنًا سے حال مقدم ہے یا ما سے حال ہے جو اس سے مقدم ہے۔

سَوَال: بطونہ کی ضمیر انعام کی طرف راجع ہے اور انعام جمع ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر مذکر ہے دونوں میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَاب: لفظ انعام کی رعایت سے ضمیر مذکر کی لائے ہیں اور سورۃ المؤمنون میں معنی کی رعایت سے مؤنث لائے ہیں سیبویہ

نے کہا ہے کہ **انعام** بروزن افعال مفرد ہے۔

قولہ: **وهو بينهما**، یہ لبنًا سے حال ہے۔

قولہ: **من ثمراتِ النخيل**، یہ نسقیکم، محذوف کے متعلق ہے اور اس کا عطف **و ان لكم في الانعام الخ** پر ہے۔

قولہ: **سُميت للمصدر**، یعنی سَکَرًا اگرچہ مصدر ہے مگر معنی میں **خمرًا** کے ہے ای **تتخذون منه خمرًا**، اب حمل کے بارے میں کوئی اشکال نہیں اور خمر کا نام سَکَر مبالغۃً ومجازاً رکھا ہے۔

قولہ: **هذا قبل تحريمها**، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ **تتخذون منه سكرًا** (احسان) جتانے کے طور پر بیان ہوا ہے حالانکہ شراب حرام ہے اور حرام چیز کے ساتھ احسان جتانا درست نہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ امتنان حرمت نازل ہونے سے پہلے ہے آیت مکی ہے اور شراب کی حرمت مدینہ میں نازل ہوئی۔

قولہ: **مما يَعْرِشون ای ما بين الناس بيوتا للنحل التي تتعسَّلُ فيها**، یعنی **يعرشون** سے مراد وہ ٹٹیاں ہیں جو لوگ شہد کی مکھیاں پالنے کے لئے چھتے بناتے ہیں۔

قولہ: **جمع ذلول**، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ **سُبُلٌ** جمع ہے جو کہ ذوالحال ہے اور **ذُلُلاً** مفرد ہے اور وہ حال ہے لہٰذا حال و ذوالحال میں مطابقت نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ **ذُلُلاً** مفرد نہیں ہے بلکہ ذلول کی جمع ہے لہٰذا عدم مطابقت کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قولہ: **وان توعَّرت، الوعر، ضد السهل**، دشوار۔

تَفْسِیر وتَشریح

وَاِنَّ لكم في الأنعام لعبرة (الآية) انعام چوپائے سے اونٹ، گائے بکری اور بھیڑ دنبہ وغیرہ مراد ہوتے ہیں چوپائے جو کچھ کھاتے ہیں، معدے میں جاتا ہے، اسی خوراک سے دودھ، خون، گوبر اور پیشاب بنتا ہے، خون رگوں میں اور دودھ تھنوں میں اسی طرح گوبر اور پیشاب اپنے اپنے مخرج میں منتقل ہوجاتے ہیں اور دودھ میں نہ خون کی رنگت شامل ہوتی ہے نہ گوبر و پیشاب کی بدبو، سفید اور شفاف دودھ باہر آتا ہے جو نہایت آسانی سے حلق سے نیچے اتر جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جہاں سے گوبر اور خون وغیرہ گندی چیزیں اور فضلے پیدا ہوتے ہیں وہیں سے اللہ تعالیٰ دودھ جیسی نفیس اور پاکیزہ خوشگوار اور مفید نعمت انسان کے لئے تیار کردیتا ہے جس کے آگے بڑے بڑے کیمیادان دنگ رہ جائیں یہ دلیل ایک صناع اعظم کے وجود کی نہیں تو اور کیا ہے؟

بطونه، کی ضمیر واحد مذکر غائب انعام کی طرف مذکور کے معنی میں لوٹ رہی ہے کسائی اور مبرد نے یہی کہا ہے، نیز لفظ کی رعایت سے بھی مذکر کی ضمیر لانا جائز ہے، اگر معنی جمع کی رعایت ہو تو ضمیر مؤنث کی ہوگی جیسا کہ سورۂ مومنون میں ہے۔

اَوْحى ربُّكَ الى النحل، وحی کے یہاں اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں وہ یہ کہ مخاطب کو کوئی

خاص بات مخفی طور پر اس طرح سمجھا دے کہ دوسرا شخص اس کو نہ سمجھ سکے۔
النحل شہد کی مکھی اپنی عقل و فراست اور حسن تدبیر کے لحاظ سے تمام حیوانات میں ممتاز جانور ہے۔

شہد کی مکھی کی فہم و فراست:

شہد کی مکھیوں کی فہم و فراست کا اندازہ ان کے نظام حکومت سے بخوبی ہوتا ہے اس ضعیف جانور کا نظام زندگی انسانی سیاست و حکمرانی کے اصول پر چلتا ہے، تمام نظم ایک بڑی مکھی جس کو یعسوب (رانی) کہتے ہیں کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو تمام مکھیوں کی حکمراں اور ملکہ ہوتی ہے اس کی تنظیم اور تقسیم کار کی وجہ سے پورا نظام صحیح سمت میں چلتا رہتا ہے، اس کے عجیب وغریب نظام اور مستحکم قوانین کو دیکھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے، خود یہ ملکہ تین ہفتوں میں چھ ہزار سے بارہ ہزار تک انڈے دیتی ہے ملکہ (رانی) اپنی قد وقامت اور وضع وقطع کے لحاظ سے دوسری مکھیوں سے ممتاز ہوتی ہے یہ ملکہ تقسیم کار کے اصول پر اپنی رعایا کو مختلف امور پر مامور کرتی ہے ان میں سے بعض دربانی کے فرائض انجام دیتی ہیں، اور کسی نامعلوم خارجی فرد کو اندر داخل نہیں ہونے دیتیں، بعض انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں، بعض نابالغ بچوں کی تربیت کرتی ہیں بعض معماری اور انجینیر کے فرائض انجام دیتی ہیں، ان کے تیار کردہ چھتوں کے خانے بیس ہزار تک ہوتے ہیں، بعض موم جمع کر کے معماروں کے پاس پہنچاتی رہتی ہیں جس سے وہ اپنے مکانات تعمیر کرتی ہیں، یہ مختلف پارٹیاں اور جماعتیں اپنے اپنے مفوضہ امور کو نہایت سرگرمی سے انجام دیتی ہیں اور اپنی ملکہ کے حکم کو دل سے قبول کرتی ہیں ان کی ڈیوٹی کی تبدیلی کا نظام بھی بڑی استواری کے ساتھ چلتا ہے، نظافت و پاکیزگی کا اس قدر اہتمام کرتی ہیں کہ اگر کوئی مکھی کسی گندی یا مضر چیز پر بیٹھ جائے تو چھتے کے دربان اس کو باہر ہی روک لیتے ہیں اور تفتیش و تحقیق کے بعد اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا لایا ہوا مادہ مضر و نقصان دہ ہے تو ملکہ اس کو قتل کر دیتی ہے ان کے اس حیرت انگیز نظام اور حسن کارکردگی کو دیکھ کر انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے، ماہرین حیوانات نے شہد کی مکھی کے نظام حیات اور طریق کار اور ضابطۂ حکمرانی کے متعلق مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں اور ایسے ایسے بڑے عجیب وغریب انکشافات کئے ہیں کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

شہد کے منافع و فضائل:

شہد کے منافع طب یونانی اور طب ہندی (ویدک) طب افرنگی (ڈاکٹری) سب کو مسلم ہیں اس کے فوائد شروع سے مسلم چلے آتے ہیں طب یونانی اور طب ہندی کی کتابوں میں ہزارہا سال سے برابر درج ہیں، ادھر چند سالوں سے یورپ بھی ادھر زیادہ متوجہ ہوا ہے، اور جرمن، سوئٹزرلینڈ، فرانس اور روس کے ڈاکٹروں نے بالخصوص اس کے معالجاتی تجربے کئے ہیں ان سے ثابت ہوا ہے کہ امراض دوران خون، امراض تنفس، امراض جگر، امراض صدر، امراض شرائین، امراض امعاء، امراضِ چشم، امراض جلد وغیرہ میں نہایت درجہ مفید ہے، اور ڈاکٹر زکی علی مبارک ایک طبی مقالہ میں لکھتے ہیں کہ دراصل شہد ایک قدرتی نعمت

ہے جو بہت سی ایسی ضرورتوں میں کام آتا ہے جسے پوری طرح بیان نہیں کیا جا سکتا۔

أن اتخذی من الجبال بیوتا تقریباً ہر جاندار اپنے رہنے سہنے کے لئے ٹھکانہ بناتا ہے مگر شہد کی مکھی کو خاص طور پر اپنے گھر بنانے کی نہ صرف ہدایت دی ہے بلکہ بنانے کا طریقہ اور جائے وقوع کی نشان دہی بھی فرمادی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے علاوہ مکھی کے چھتے پر بیت کا اطلاق فرمایا جو عموماً انسانی رہائش گاہوں کے لئے بولا جاتا ہے، اس سے اشارہ ایک تو اس طرف کر دیا کہ مکھیوں کو جو شہد تیار کرنا ہے اس کے لئے پہلے سے ایک محفوظ گھر بنالیں اور دوسرا اس طرف اشارہ کر دیا کہ جو گھر یہ بنائیں گی وہ عام جانوروں کے گھروں کی طرح نہیں ہوں گے بلکہ ان کی ساخت اور بناوٹ غیر معمولی قسم کی ہوگی چنانچہ ان کے گھر دیگر جانوروں کے گھر سے ممتاز ہوتے ہیں، جن کو دیکھ کر انسانی عقل بھی حیران و ششدر رہ جاتی ہے، ان کے گھر مسدس شکل کے ہوتے ہیں پرکار اور مسطر سے بھی اگر ان کی پیائش کی جائے تو بال برابر بھی فرق نہیں نکلتا مسدس شکل کے علاوہ دوسری کسی شکل مثلاً مربع، مخمس وغیرہ کو اس لئے اختیار نہیں کرتی کہ ان کے بعض گوشے بے کار رہ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے صرف گھر بنانے ہی کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کا محل وقوع بھی بتلا دیا کہ وہ کسی بلندی پر ہونا چاہئے کیونکہ ایسی جگہ پر شہد گندگی اور آلودگی سے محفوظ رہتا ہے اور صاف اور تازہ ہوا ملتی ہے جس کی وجہ سے شہد صاف اور شفاف رہتا ہے، نیز توڑ پھوڑ سے بھی محفوظ رہتا ہے، چنانچہ فرمایا "من الجبال ومن الشجر ومما یعرشون" یعنی ان کے گھروں کی تعمیر پہاڑوں درختوں اور بلند عمارتوں پر ہونی چاہئے تاکہ شہد بالکل محفوظ طریقہ پر تیار ہو سکے۔

ثم کلی من کلّ الثمرات، یہ دوسری ہدایت ہے جس میں مکھی کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی رغبت اور پسند کے مطابق پھلوں، پھولوں سے رس چوسے من کل الثمرات دنیا بھر کے پھل پھول مراد نہیں ہیں بلکہ وہ پھل پھول مراد ہیں جن تک بآسانی رسائی ہو سکے، معلوم ہوا کہ کل سے کل استغراقی مراد نہیں ہے بلکہ ان کی تمام ضروریات و مناسبات مراد ہیں۔

یہ مکھیاں پھلوں اور پھولوں کے ایسے قیمتی اور مفید اجزاء چوستی ہیں کہ آج کے سائنسی دور میں مشینوں سے بھی وہ جوہر نکالا نہیں جا سکتا۔

فاسلکی سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلاً، شہد کی مکھی کو یہ تیسری ہدایت ہے کہ اپنے رب کے ہموار کئے ہوئے راستوں پر چلے، شہد کی مکھی جب اپنے گھر سے دور دراز مقامات پر پھلوں اور پھولوں کا رس چوسنے کے لئے کہیں جاتی ہے تو بظاہر اس کا اپنے گھر واپس آنا مشکل ہونا چاہئے تھا لیکن اللہ نے اس کے لئے راہوں کو آسان بنا دیا ہے، چنانچہ وہ میلوں دور نکل جاتی ہے اور بغیر بھولے بھٹکے اپنے گھر واپس پہنچ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فضا میں اس کے لئے راستے بنا دیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس حقیر و ناتواں مکھی کے لئے فضا کو مسخر کر دیا ہے تاکہ وہ کسی روک ٹوک کے بغیر اپنے گھر آسانی سے آجا سکے۔

فیہ شفاءٌ للناس، اس کی کچھ تشریح سابق میں گذر چکی ہے شہد خالص قوت بخش غذا ہے اور امراض کے لئے نسخۂ شفاء بھی، بلغمی امراض میں تو بلا واسطہ اور دیگر امراض میں دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر بطور دوا شہد کا استعمال ہوتا ہے، اطباء معجونوں میں خاص طور پر استعمال کرتے ہیں، اس کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ خود بھی خراب نہیں ہوتا اور

دوسری اشیاء کی بھی طویل عرصہ تک حفاظت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہزاروں سال سے اطباء اس کو الکحل کی جگہ استعمال کرتے آئے ہیں۔

شہد کے متعلق ایک صحابی کا واقعہ:

اخرج البخاری ومسلم وغیرهما من حدیث ابی سعید، انّ رجلاً اتی رسول اللّٰه ﷺ فقال یا رسول اللّٰه! ان اخی استطلق بطنه، فقال "اسقه عسلاً" فسقاه عسلاً، ثم جاء فقال سقیتهٗ عسلاً فما زاد الا استطلاقًا، قال اذهب فاسقه عسلاً فذهب فسقاه فقال ما زاده الا استطلاقًا فقال، رسول اللّٰه ﷺ صدق اللّٰه و کذب بطن اخیك، اذهب فاسقه عَسَلاً فذهبَ فسقاه عَسلاً فبریٔ.

شہد مسہل ہے اور پیٹ سے فاسد مادہ نکالنے میں بہت مفید ہے:

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک صحابی نے اپنے بھائی کے استطلاق بطن، یعنی دستوں کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے شہد پلانے کا مشورہ دیا دوسرے دن اس نے آکر بتلایا بیماری بدستور ہے آپ نے پھر شہد پلانے کا مشورہ دیا تیسرے دن جب اس نے کہا اب بھی کوئی فرق نہیں ہے تو آپ نے فرمایا "صدق اللّٰه و کذب بطن اخیك" یعنی اللہ کا قول بلا ریب سچا ہے تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، مطلب یہ ہے کہ دواء کا قصور نہیں ہے بلکہ مریض کے مزاج خاص کی وجہ سے جلدی اثر نہیں ہوا یا یہ کہ فاسد مادہ زیادہ مقدار میں تھا جب تمام فاسد مادہ نکل گیا تو فائدہ ہو گیا۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ فمنكم غنیٌّ وفقیرٌ ومالكٌ ومملوكٌ **فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا** ای الموالیْ **بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ** ای بجاعلیْ ما رزقناهم من الاموالِ وغیرها شرکةً بینهم وبینَ ممالیکهم **فَهُمْ** ای الممالیكُ والموالیْ **فِيْهِ سَوَآءٌ** شرکاءُ المعنٰی لیس لهم شرکاءُ من ممالیکِهم فی اموالِهم فکیف یَجعلُوْنَ بعضَ ممالیكِ اللّٰهِ شرکاءَ له **اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ**(۷۱) یکفُرُوْنَ حیث یجعلونَ له شرکاءَ **وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا** فخلقَ حوّاءَ من ضلعِ آدمَ وسائرَ الناسِ من نُطَفِ الرجالِ والنساءِ **وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً** اولادَ الاولادِ **وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ** من انواعِ الثمارِ والحبوبِ والحیوانِ **اَفَبِالْبَاطِلِ** الصنمِ **يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ**(۷۲) باشراکِهم **وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** ای غیرِه **مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ** بالمطرِ **وَالْاَرْضِ** بالنباتِ **شَيْئًا** بدلٌ من رزقًا **وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ**(۷۳) یقدِرونَ علی شیٔ وهو الاصنامُ **فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ** لاتجعلُوْا لِلّٰهِ اَشباهًا تُشرِکونهم به **اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ** اَنْ لَا مِثْلَ له **وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ**(۷۴) ذٰلِكَ **ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا** وَیُبدَلُ مِنْهُ **عَبْدًا مَّمْلُوْكًا** صفةٌ تمیّزه من الحُرِ

فانہ عبدُ اللّٰہِ تعالٰی **لَا یَقۡدِرُ عَلٰی شَیۡءٍ** لعدم ملکہ **وَّمَنۡ** نکرۃ موصوفۃ ای حرًّا **رَّزَقۡنٰہُ مِنَّا رِزۡقًا حَسَنًا فَھُوَ یُنۡفِقُ مِنۡہُ سِرًّا وَّجَھۡرًا** ای یتصرّفُ فیہ کیفَ یشاءُ والاولُ مَثلُ الاصنامِ والثانی مَثلُہ تعالٰی **ھَلۡ یَسۡتَوٗنَ** ای العبیدُ العَجزۃُ والحرُ المتصرّفُ لا **اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ** وحدہ **بَلۡ اَکۡثَرُھُمۡ** ای اہلُ مکۃ **لَا یَعۡلَمُوۡنَ** ما یَصیرُونَ الیہ من العذابِ فیُشرِکونَ **وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا** ویُبدَلُ منہ **رَّجُلَیۡنِ اَحَدُھُمَا اَبۡکَمُ** وُلِدَ اخرسَ **لَا یَقۡدِرُ عَلٰی شَیۡءٍ** لانہ لا یَفہمُ **وَّھُوَ کَلٌّ** ثقیلٌ **عَلٰی مَوۡلٰہُ** ولیّ امرہ **اَیۡنَمَا یُوَجِّھۡہُّ** یُصرّفہ **لَا یَاۡتِ** منہ **بِخَیۡرٍ** بنُجحٍ وہٰذا مثلُ الکافرِ **ھَلۡ یَسۡتَوِیۡ ھُوَ** ای الابکم المذکورُ **وَمَنۡ یَّاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ** ای ومَن ہو ناطقٌ نافعٌ للناسِ حیثُ یامرُ بہ ویحثُّ علیہ **وَھُوَ عَلٰی صِرَاطٍ** طریقٍ **مُّسۡتَقِیۡمٍ** وہو الثانیُ المؤمنُ لا وقیل ہٰذا مَثلُ اللّٰہِ تعالٰی، والابکمُ للاصنامِ والذی قبلَہ فی الکافرِ والمؤمنِ.

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے رزق میں بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے تو تم میں مالدار اور غریب اور مالک و مملوک (دونوں قسم کے لوگ) ہیں، یعنی جو مال وغیرہ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں اپنے اور اپنے غلاموں کے درمیان شرکت کرنے والے نہیں ہیں اس طریقہ پر کہ آقا و غلام اس میں برابر کے شریک ہو جائیں مطلب یہ ہے کہ ان کے غلاموں میں سے کوئی غلام ان کے مالوں میں شریک نہیں ہے تو پھر خدا کے غلاموں میں سے بعض کو اس کا کس طرح شریک ٹھہراتے ہیں؟ تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کے منکر ہو رہے ہیں اس طریقہ پر کہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہاری ہی جنس کی تم کو بیویاں عطا فرمائیں چنانچہ حوا کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسلی سے پیدا فرمایا اور تمام انسانوں کو مردوں اور عورتوں کے نطفہ سے پیدا فرمایا اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے عطا کئے، یا اولاد کی اولاد عطا فرمائی اور تمہیں اچھی اچھی چیزیں یعنی قسم قسم کے پھل اور غلے اور جانور رزق کے طور پر عطا فرمائے کیا پھر بھی یہ لوگ باطل بت پر ایمان لائیں گے اور کیا وہ لوگ خدا کا شریک ٹھہرا کر اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے اور اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی بندگی کریں گے، اور وہ بارش کے ذریعہ آسمان سے اور نباتات کے ذریعہ زمین سے رزق دینے کے کچھ بھی مختار نہیں ہیں (شیئًا) رزقًا سے بدل ہے، اور نہ کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور وہ بت ہیں، تو تم اللہ کے لئے مثالیں مت گھڑو (یعنی) اللہ کی کسی کو شبیہ قرار نہ دو کہ ان کو تم اس کا شریک ٹھہراؤ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ اس کا کوئی مثل نہیں، اور تم اس کو نہیں جانتے اللہ نے عبد مملوک کی ایک مثال بیان فرمائی (عبدًا مملوکًا) مَثَلًا سے بدل ہے (مملوکًا) عبدًا کی صفت ہے جس کی وجہ سے غلام آزاد سے ممتاز ہو گیا، اسلئے کہ آزاد (بھی) اللہ کا بندہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے کسی شئ پر قدرت نہیں رکھتا اور ایک شخص وہ ہے کہ جس کو ہم نے اپنے پاس سے معقول (خوب) روزی دے رکھی ہے (مَن) نکرۂ موصوفہ ہے (ای عبدًا حرًّا) اور وہ پوشیدہ طور پر اور ظاہر طور پر اس میں سے خرچ کرتے ہیں یعنی جس طرح چاہتے ہیں اس میں تصرف کرتے ہیں، پہلی بتوں کی مثال ہے اور دوسری اللہ کی مثال

ہے، تو کیا عبد عاجز اور آزاد خود مختار (ومتصرف) برابر ہو سکتے ہیں نہیں ہو سکتے، سب تعریفیں اللہ وحدہ کے لئے ہیں بلکہ ان میں کے اکثر یعنی اہل مکہ اس عذاب کو نہیں جانتے کہ جس کی طرف وہ چلے جا رہے ہیں (اسی عدم واقفیت) کی وجہ سے وہ شرک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کی ایک اور مثال بیان فرماتا (رجلین) مثلاً سے بدل ہے ایک ان میں سے پیدائشی گونگا ہے وہ کسی کرت کا نہیں اسلئے کہ وہ نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ سمجھا سکتا ہے (بلکہ) وہ تو اپنے صاحب پر بوجھ ہے جہاں بھی وہ اسے بھیجے وہ کوئی ٹھیک کام کر کے نہیں لاتا، یعنی کامیابی حاصل نہیں کرتا، یہ کافر کی مثال ہے کیا ایسا یعنی مذکورہ گونگا شخص اور وہ شخص جو انصاف کا حکم دیتا ہے یعنی وہ شخص جو بول سکتا ہے اور لوگوں کو نفع پہنچانے والا ہے اس طریقہ پر کہ وہ عدل کا حکم دیتا ہے اور اس پر آمادہ کرتا ہے برابر ہو سکتے ہیں حال یہ کہ وہ خود راہ مستقیم پر ہے اور یہ دوسرا مومن ہے برابر نہیں ہو سکتے اور کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مثال ہے اور گونگا بتوں کی مثال ہے اور اس سے پہلی مثال کافر اور مومن کی ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بِرَادِّی، باء جارہ ہے، رادّی اصل میں رَادِّیْنَ تھا، پھیر دینے والے، لوٹا دینے والے، دینے والے، مادہ رَدٌّ ہے نونِ جمع اضافت کی وجہ سے گر گیا۔

قَوْلُہٗ: بجاعلی یہ جَعَلَ سے اسم فاعل جمع مذکر غائب بحالت جر ہے، نون جمع اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: المعنی لیس لھم شرکا یہ جملہ جواب نفی کے مقام میں واقع ہے اور یہ رد ہے مشرکین پر کہ وہ اپنے غلاموں کو اپنی ملکیت میں مساوی طریقہ پر شریک کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور خدا کے بعض غلاموں کو اس کی الوہیت میں شریک کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: یکفرون، یجحدون کی تفسیر یکفرون سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یجحدون، یکفرون کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا اس کا متعدی بالباء ہونا درست ہے ورنہ تو یجحدون متعدی بنفسہ ہے۔

قَوْلُہٗ: بدلٌ من رزقًا بہتر ہوتا کہ مفسر علام شیئًا کو رزقًا سے بدل قرار دینے کے بجائے مفعول بہ قرار دیتے رزقًا کو خواہ مصدر مانیں یا اسم مصدر، اسلئے کہ بدل دو معنی میں سے ایک معنی کے لئے آتا ہے یا تو بیان کے لئے یا تاکید کے لئے اور یہاں یہ دونوں درست نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: ولا یستطیعون یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: یہاں جمع کا صیغہ لایا گیا ہے اور ما لا یملكُ میں واحد کا حالانکہ مرجع دونوں کی ضمیروں کا ایک ہے اور وہ ہیں شرکاء۔

جَوَاب: یملك میں ما کے لفظ کی رعایت ہے اور یستطیعون میں ما کے معنی کی۔

قَوْلُہٗ: یُصَرِّفُهٗ ای یُصرِفُهٗ.

قَوْلُہٗ: نُجحٌ بضم النون ای الظفر بالشئ.

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ علی بعض فی الرزق، سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم وقدرت کے اہم مظاہر کا تذکرہ فرما کر اپنی توحید کے فطری دلائل بیان فرمائے ہیں، جن کو دیکھ کر ادنی سمجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی کسی مخلوق کو حق تعالیٰ کے ساتھ اس کی صفات اور قدرت میں شریک نہیں مان سکتا، اس آیت میں اسی مضمون کو ایک باہمی معاملہ کی مثال سے واضح کیا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے انسانی مصالح کے پیش نظر رزق میں سب انسانوں کو برابر نہیں کیا، بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے کسی کو ایسا غنی بنادیا کہ جو بہت سے ساز وسامان کا مالک ہے بہت سے خدمتگار اور نوکر چاکر رکھتا ہے وہ خود بھی اپنی منشاء کے مطابق خرچ کرتا ہے اور خدمتگاروں اور نوکروں کو بھی اپنے ہاتھ سے رزق پہنچاتا ہے اور کسی کو اس کے برعکس غلام اور خدمتگار بنا دیا کہ وہ دوسروں پر تو کیا خرچ کرتا خود اپنے خرچ میں بھی دوسروں کا دست نگر ہوتا ہے، اور کسی کو متوسط الحال بنادیا نہ اتنا غنی کہ دوسروں پر خرچ کر سکے نہ اتنا فقیر محتاج کہ اپنی ضروریات میں بھی دوسروں کا دست نگر ہو۔

اس قدرتی تقسیم کا یہ اثر تو سب کے مشاہدہ میں ہے کہ جس کو رزق میں فضیلت دی گئی اور غنی بنادیا گیا وہ کبھی اس کو گوارا نہیں کرتا ہے کہ اپنے مال کو اپنے غلاموں اور خدمتگاروں میں اس طرح تقسیم کردے کہ وہ بھی مال میں اس کے برابر ہوجائیں، اس مثال سے یہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب مشرکین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ بت اور دوسری مخلوقات جن کی وہ پرستش کرتے ہیں سب اللہ کی مخلوق ومملوک ہیں تو وہ یہ کیسے تجویز کرتے ہیں کہ یہ مخلوق ومملوک اپنے خالق ومالک کے برابر ہوجائیں، یہی مضمون سورۂ روم کی اس آیت میں ارشاد ہوا ہے "ضَرَبَ لکم مثلا من انفسکم هل لکم مما ملکت ایمانکم من شرکاء فیما رزقنا کم فانتم فيه سواء" اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ تم اپنے مملوک وغلاموں کو اپنے برابر کرنا پسند نہیں کرتے تو اللہ کے لئے یہ کیسے پسند کرتے ہو کہ وہ اور اس کی مخلوق ومملوک اس کے برابر ہوجائیں۔

مذکورہ آیت سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوگئی کہ مال ودولت میں عدم مساوات فطری اور طبعی ہے اور تقسیم دولت میں کامل مساوات کا دعویٰ بجائے خود خلاف فطرت ہے۔

اشتراکیوں کا اصل مغالطہ:

اشتراکیین کے استدلال میں اصل مغالطہ یہ ہے کہ خود افراد کو جن کے درمیان دولت تقسیم ہوتی ہے باہم مساوی سمجھ لیا گیا ہے اور یہ مفروضہ ہی سرے سے غلط ہے، قوم کے افراد آپس میں یکساں اور مساوی ہیں کہاں؟ نہ عمر، صحت، جثہ اور جسمانی قویٰ

کے لحاظ سے اور نہ عقل وفہم، ہنرمندی اور دماغی صلاحیتوں کے لحاظ سے غرضیکہ کسی بھی معیار سے باہم مساوی نہیں ہیں، اور یہ فرق فطری اور قدرتی ہے مصنوعی نہیں پھر آخر تقسیم دولت میں مساوات کا مطالبہ خود عقلی حیثیت سے کیا معنی رکھتا ہے۔

قرآن مجید جہاں ایک طرف نظام سرمایہ داری کا حامی نہیں اور ہرگز دیکھنا نہیں چاہتا کہ ملک کے اندر کچھ لوگ تو انتہا درجہ کے امیر وکبیر ہوں اور ملک کی بڑی آبادی اپنی بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم ہو، دوسری طرف تقسیم دولت میں مساوات کاملہ کا بھی حامی نہیں جیسا کہ سوشلزم کا نظریہ ہے۔

اسلام کا معاشی نظام عادلانہ ہے:

افراط اور تفریط سے بچکر اس کا اپنا ایک مستقل معاشی نظام ہے جو توازن واعتدال پر مبنی ہے جس میں امیر وغریب کی درجہ بندی قائم رہے گی لیکن ایک طرف ظلم وتمکنت، بیجا عیش پرستی، اور دوسری طرف تنگدستی اور مذلت کا وجود بھی باقی نہ رہیگا۔

اسلام اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ دولت کے خزانوں اور کسب معاش کے مرکزوں پر چند افراد یا کوئی خاص جماعت قبضہ کرلے اور دوسرے اہل صلاحیت کے کام کا میدان ہی باقی نہ رہے اس کے لئے قرآن مجید نے سورۂ حشر میں ارشاد فرمایا ''کَیْلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم'' یعنی ہم نے تقسیم دولت کا قانون اس لئے بنایا ہے کہ دولت صرف سرمایہ داروں میں محصور ہوکر نہ رہ جائے۔

آج کل دنیا کے معاشی نظاموں میں جو افراتفری پھیلی ہوئی ہے وہ اس ربانی قانون حکمت کو نظر انداز کرنے ہی کا نتیجہ ہے ایک طرف سرمایہ دارانہ نظام ہے جس میں دولت کے مرکزوں پر سود اور قمار کے راستوں سے چند افراد یا جماعتیں قابض ہوکر باقی ساری مخلوق کو اپنا معاشی غلام بنانے پر مجبور کردیتی ہیں۔

سرمایہ داروں کے اس ظلم وجور کے ردعمل کے طور پر ایک متضاد نظام اشتراکیت کمیونزم یا سوشلزم کے نام سے وجود میں آتا ہے جس کا قدرے تعارف اور خلاف فطرت وعقل ہونا اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔

قرآن حکیم نے ظالمانہ سرمایہ داری اور احمقانہ اشتراکیت کی دونوں انتہاؤں کے درمیان افراط وتفریط سے پاک ایک نظام متعارف کرایا ہے کہ رزق ودولت میں فطری تفاوت کے باوجود کوئی فرد یا جماعت کسی کو غلام نہ بنا سکے۔

غیر فطری مساوات کا نعرہ لگانے والے بھی چند قدم چلنے کے بعد اس مساوات کے دعوے کو چھوڑنے اور معیشت میں تفاوت کرنے پر مجبور ہوگئے روس میں حال ہی میں اشتراکی نظام ساٹھ (۶۰) ستر (۷۰) سال اپنی عمر پوری کرنے کے بعد ناکام ہوگیا۔

روس کے سابق صدر خروشیف کا اعلان ناکامی:

خروشیف نے ۵ مئی ۱۹۶۰ء کو سپریم سویت کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا ''ہم اجرتوں میں فرق مٹانے کی تحریک کے سخت سے مخالف ہیں'' ہم اجرتوں میں مساوات قائم کرنے اور ان کے ایک سطح پر لانے کے کھلے بندوں مخالف ہیں۔ (معارف)

لیوشیڈ ولکھتا ہے:

شاید ہی کوئی ترقی یافتہ سرمایہ دار ملک ایسا ہو جہاں مزدوروں کی اجرتوں میں اتنا تفاوت ہو جتنا روس میں ہے۔

(معارف)

واقعات کی ان مثالوں نے آیت مذکورہ **واللّٰہ فَضَّل بعضکم علی بعض فی الرزق** کی جبری تصدیق منکرین کی زبانی کرادی۔ (**واللّٰہ یفعل ما یشاء**).

فلا تضربوا للّٰہ الامثال میں ایک اہم حقیقت کو واضح فرمایا ہے جس سے غفلت برتنا ہی تمام کافرانہ شکوک وشبہات کو جنم دیتا ہے، وہ یہ کہ عام طور پر لوگ حق تعالیٰ کو اپنے بنی نوع انسان پر قیاس کر کے ان میں سے اعلیٰ ترین انسان مثلاً بادشاہ وفرمانروا کو اللہ کی مثال قرار دیتے ہیں، اور پھر اس غلط بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت کو بھی انسان بادشاہوں کے نظام پر قیاس کر کے کہنے لگتے ہیں کہ جس طرح کسی سلطنت وحکومت میں اکیلا بادشاہ سارے ملک کا انتظام نہیں چلا سکتا بلکہ اپنے ماتحت وزراء اور دوسرے افسروں کو اختیارات سپرد کر کے ان کے ذریعہ نظم مملکت چلاتا ہے اسی طرح یہ بھی ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے ماتحت کچھ اور معبود ہوں جو اللہ کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹائیں بت پرستوں اور مشرکوں کا عام نظریہ یہی ہے، اس جملہ نے ان کے شبہات کی جڑ کاٹ دی کہ اللہ کے لئے مخلوق کی مثال پیش کرنا خود بے عقلی ہے۔

آخری دو آیتوں میں انسان کی جو دو مثالیں دی گئی ہیں ان میں سے پہلی مثال میں تو آقا اور غلام یعنی مالک ومملوک کی مثال دے کر بتلایا کہ جب یہ دونوں ایک ہی جنس ایک ہی نوع کے ہوتے ہوئے آپس میں برابر نہیں ہو سکتے تو کسی مخلوق کو خالق کے ساتھ کیسے برابر ٹھہراتے ہو۔

اور دوسری مثال میں ایک طرف ایک انسان ہے جو لوگوں کو عدل وانصاف اور اچھی باتیں سکھاتا ہے جو اس کی قوت علمیہ کا کمال ہے اس علمی اور عملی قوت میں مکمل انسان کے بالمقابل وہ انسان ہے جو نہ خود اپنا کام کر سکتا ہے نہ کسی دوسرے کا کوئی کام درست کر سکتا ہے یہ دونوں قسم کے انسان ایک ہی جنس ایک ہی نوع کے ہونے کے باوجود آپس میں برابر نہیں ہو سکتے۔ تو خالق ومالک کائنات جو حکیم مطلق اور قادر مطلق اور علیم وخبیر ہے اس کے ساتھ کوئی مخلوق کیسے برابر ہو سکتی ہے؟

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ای علمُ ما غابَ فیہما **وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ** منه لانّهٗ بلفظِ کُنْ فیکونُ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۷۷﴾ **وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا** الجملةُ حالٌ **وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ** بمعنَی الاسماعِ **وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ** القُلوبَ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ﴿۷۸﴾ علی ذٰلكَ فتؤمنونَ **اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ** مذللاتٍ للطیرانِ **فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ** ای الهواءِ بینَ السماءِ والارضِ **مَا يُمْسِكُهُنَّ** عندَ قبضِ اَجنحتِهن وبسطِها اَنْ یقعنَ **اِلَّا اللّٰهُ** بقدرتِه **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ** ﴿۷۹﴾ ہی خَلقُہا

بحيث يُمكنها الطيرانُ وخلق الجو بحيث يمكن الطيرانُ فيه وامساكُها **وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا** موضعًا تسكنونَ فيه **وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا** كالخيامِ والقبابِ **تَسْتَخِفُّوْنَهَا** للحملِ **يَوْمَ ظَعْنِكُمْ** سفرِكم **وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا** اى الغنمِ **وَاَوْبَارِهَا** اى الابلِ **وَاَشْعَارِهَا** اى المعزِ **اَثَاثًا** متاعًا لبيوتِكم كبُسطٍ واكسيةٍ **وَّمَتَاعًا** تتمتعونَ به **اِلٰى حِيْنٍ**⑧٠ اى تبلى فيه **وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ** من البيوتِ والشجرِ والغمامِ **ظِلٰلًا** جمع ظل تقيكم حرَّ الشمسِ **وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا** جمع كِن وهو ما يستكنُ فيه كالغارِ والسردابِ **وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ** قُمُصًا **تَقِيْكُمُ الْحَرَّ** اى والبردَ **وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ** حربَكم اى الطعنَ والضربَ فيها كالدروعِ والجواشنِ **كَذٰلِكَ** كما خلق هذه الاشياءَ **يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ** في الدنيا **عَلَيْكُمْ** بخلقِ ما تحتاجونَ اليه **لَعَلَّكُمْ** يا اهلَ مكةَ **تُسْلِمُوْنَ**⑧١ تُوحِّدُونَه **فَاِنْ تَوَلَّوْا** اعرَضُوا عن الاسلامِ **فَاِنَّمَا عَلَيْكَ** يا محمدُ **الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ**⑧٢ الابلاغُ البيّنُ وهذا قبلَ الامرِ بالقتالِ **يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ** اى يُقرّونَ بانّها مِنْ عندِه **ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا** باشراكِهم **وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ**⑧٣ ع

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا علم اللہ ہی کو ہے یعنی ان دونوں میں مخفی چیزوں کا علم، قیامت کا معاملہ تو بس ایسا ہوگا جیسا کہ پلک کی ایک جھپک یا اس سے بھی جلدی، اسلئے کہ وہ لفظ کُن سے ہوگا، تو وہ ہو جائے گی، یقیناً اللہ ہر شئی پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حال میں پیدا کیا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے (**لا تعلمون شیئًا**) کم ضمیر سے حال ہے، اور اس نے تمہیں کان دیئے **سمع**، اسماعٌ کے معنی میں ہے اور آنکھیں دیں اور دل دیئے تاکہ تم ان کا شکر یہ ادا کرو، اور ایمان لے آؤ، کیا لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا؟ کہ وہ پرواز کے لئے آسمان کی فضاء میں مسخر ہو رہے ہیں یعنی آسمان اور زمین کی درمیانی فضاء میں، ان کے بازوؤں کو بند کرتے اور کھولنے کی حالت میں اللہ ہی کی قدرت ہے جو ان کو گرنے سے تھامے ہوئے ہے ایمان والوں کے لئے اس میں (قدرت) کی چند نشانیاں ہیں یعنی اس نے ان کو ایسا بنایا کہ ان کے لئے پرواز ممکن ہو اور فضا کو ایسا بنایا کہ اس میں پرواز اور ٹھہرنا ممکن ہو، اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لئے جائے سکون بنایا یعنی ایسی جگہ کہ جس میں تم سکون حاصل کرو، اور تمہارے لئے جانوروں کی کھالوں کے گھر بنائے جیسا کہ خیمے اور قبے، کہ سفر کے وقت تم ان کو اٹھانے میں ہلکا پھلکا پاتے ہو اور قیام کے دوران (بھی) اور (بھیڑ) بکری کی اون اور اونٹ کے رووں اور بکری کے بالوں سے اپنے گھروں کا سامان بناتے ہو جیسا کہ بچھونے اور چادریں، اور ایسا سامان کہ جس سے تم ایک مدت تک کہ جس میں وہ بوسیدہ ہوں فائدہ حاصل کرتے ہو اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے جیسا کہ گھر اور درخت اور بادل تمہارے لئے سائے بنائے ظِلال، ظلٌّ کی جمع ہے جو تم کو دھوپ کی گرمی سے بچاتے ہیں اور تمہارے لئے

پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں (اکنان) کِنٌّ کی جمع ہے اور وہ وہ ہے کہ جس میں چھپایا جا سکے مثلاً غار اور تہہ خانے اور تمہارے لئے ایسا لباس بنایا کہ جو تم کو گرمی اور سردی سے بچاتا ہے اور ایسا لباس (زرہ) بنایا کہ تم کو تمہاری آپس کی لڑائی میں نیزہ اور تلوار کی زد سے بچائے، جیسا کہ زرہ اور سینہ بند، اسی طرح جس طرح کہ اس نے یہ چیزیں پیدا فرمائیں، وہ دنیا میں بھی تمہاری ضرورت کی چیزیں پیدا فرما کر تمہارے اوپر اپنی نعمتوں کو مکمل فرماتا ہے تاکہ تم اے اہل مکہ فرمانبردار ہو جاؤ یعنی اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ، اگر یہ لوگ اسلام سے اعراض کریں تو اے محمد ﷺ آپ کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے یعنی واضح طور پر بیان کر دینا، اور یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے (یہ لوگ) خدا کی نعمتوں کو تو پہچانتے ہیں یعنی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں پھر بھی شرک کر کے ان نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور زیادہ تر ان میں ناشکرے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: علم ما غابَ، ای ما غاب عن العباد.

قِوْلُہٗ: کلمح البصر، ای کرجع الطرف من اعلی الحدقةِ الی اسفلها.

قِوْلُہٗ: او هُوَ اقرب او للتخيير او بمعنی هل.

قِوْلُہٗ: الجملة حال لا تعلمون جملہ ہو کر کُمْ ضمیر سے حال ہے اور شیئًا مفعول بہ ہے۔

قِوْلُہٗ: جعل لکم اس کا عطف اخرجکم پر ہے اس کا فاعل اس میں مستتر ہے۔

قِوْلُہٗ: بُسُطٌ، بستر، فرش، بچھونا (واحد) بساط.

قِوْلُہٗ: اکسية، (واحد) کساءٌ، چادر۔

قِوْلُہٗ: ظعنکم، ظعن، سفر، کوچ (ف) ظعنًا کوچ کرنا، سفر کرنا۔

قِوْلُہٗ: قباب، یہ قُبّةٌ کی جمع ہے بمعنی قبہ، گنبد۔

قِوْلُہٗ: سرابیل کرتے قمیص، یہ سربال کی جمع ہے، مطلقاً لباس کے معنی میں بھی مجازاً مستعمل ہے۔

قِوْلُہٗ: الجواشن یہ جوشن کی جمع ہے، زرہ، بکتر، سربال عام ہے لوہے کی ہو یا کسی اور چیز کی، یا یہاں خود مراد ہے۔

تفسیر و تشریح

لا تعلمون شیئًا اس میں اشارہ ہے کہ علم انسان کا ذاتی ہنر نہیں ہے، بچہ پیدائش کے وقت کوئی علم و ہنر نہیں رکھتا، پھر اس کی ضرورت کے مطابق اس کو کچھ کچھ علم سکھایا جاتا ہے سب سے پہلے اس کو رونا سکھایا جاتا ہے اس کی یہی صفت اس کی تمام ضروریات مہیا کرتی ہے، اگر بچہ پیدائش کے وقت روئے نہیں تو والدین فکرمند ہو جاتے ہیں، بچہ اپنی تمام ضرورتوں سے والدین

کورو کرہی آگاہ کرتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ الہامی طور پر بچہ کو ماں کی پستانوں سے دودھ چوسنا سکھاتا ہے اس سکھانے میں نہ ماں باپ کا کوئی دخل ہوتا ہے اور نہ کسی معلم، کا یہ فطری تعلیم ہے جو بلا واسطہ ہوتی ہے، کسی معلم کی کیا مجال تھی کہ وہ تو مولود بچہ کو منہ چلانا اور مسوڑوں سے پستانوں کو دبا کر دودھ چوسنا سکھادیتا۔

وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالابصار وَالافئِدة لعلکم تشکرون، یعنی یہ صلاحیتیں اور قوتیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے عطا کی ہیں کہ انسان اعضاء وجوارح کو اس طرح استعمال کرے کہ جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے ان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کرے یعنی اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا عملی شکر ادا کرے، حدیث میں آتا ہے، میرا بندہ جن چیزوں کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا ہے ان میں سب سے محبوب وہ چیزیں ہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں علاوہ ازیں وہ نوافل کے ذریعہ بھی میرا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور مجھ سے کسی چیز سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری)

اس حدیث کا غلط مفہوم لے کر بعض لوگ اولیاء اللہ کو خدائی اختیارات کا حامل باور کراتے ہیں، حالانکہ حدیث کا واضح اور صحیح مطلب یہ ہے کہ جب بندہ اپنی عبادت اور اطاعت اللہ کے لئے خالص کر لیتا ہے تو اس کا ہر کام صرف اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے، اپنے کانوں سے وہی بات سنتا اور آنکھوں سے وہی چیز دیکھتا ہے جس کی اللہ نے اجازت دی ہے جس چیز کو ہاتھ سے پکڑتا ہے یا پیروں سے چل کر اس کی طرف جاتا ہے تو وہ وہی چیز ہوتی ہے جس کو شریعت نے روا رکھا ہے، وہ ان کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہیں کرتا بلکہ صرف اطاعت میں استعمال کرتا ہے۔

من جلود الانعام وقوله من اَصْوافها واَوْبارها، سے ثابت ہوا کہ جانوروں کی کھال اور بال اور اون سب کا استعمال انسان کے لئے جائز ہے اس میں یہ بھی قید نہیں کہ جانور مذبوح ہو یا مردار اور نہ یہ قید ہے کہ اس کا گوشت حلال ہو یا حرام، ان سب قسم کے جانوروں کی کھال دباغت دیکر استعمال کرنا جائز ہے اور بال اور اون پر تو جانور کی موت کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا وہ تو بغیر کسی خاص صنعت وتبدیلی کے جائز ہے، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا یہی مذہب ہے البتہ خنزیر کی کھال اور اس کے تمام اجزاء ہر حال میں نجس اور ناقابل انتفاع ہیں۔

سرابیل تقیکم الحرّ، یہاں کرتے کی غرض گرمی سے بچانا قرار دیا ہے حالانکہ کرتہ انسان کو گرمی اور سردی دونوں سے بچاتا ہے، اس کا ایک جواب تو قرطبی اور دیگر مفسرین نے یہ دیا ہے کہ قرآن حکیم عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس کے اولین مخاطب عرب ہیں اس میں عرب کی عادات اور ضروریات کا لحاظ رکھ کر کلام کیا گیا ہے عرب ایک گرم ملک ہے وہاں برف باری اور شدید سردی کا تصور ہی مشکل ہے اسلئے گرمی سے بچانے کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔ (معارف)

وَ اذكُر يَوْمَ نَبْعَثُ مِن كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيدًا هو نبيها يشهد لها وعليها وهو يوم القيمة ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا في الاعتذار وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾ لا تطلب منهم العُتبٰى اى الرجوعُ الى ما يرضى اللّٰهُ وَإِذَا رَاَ الَّذِينَ ظَلَمُوا كفروا الْعَذَابَ النار فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾ يُمهلون عنه اذا راوه وَإِذَا رَاَ الَّذِينَ اَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ من الشياطين وغيرها قَالُوا رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا نعبدهم مِنْ دُونِكَ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اى قالوا لهم اِنَّكُمْ لَكٰذِبُونَ ﴿٨٦﴾ في قولكم انكم عبدتمونا في اٰيةٍ اُخرى مَا كَانُوٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ سيكفرون بعبادتهم وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ السَّلَمَ اى استسلموا لحكمه وَضَلَّ غاب عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾ من ان الهتهم تشفع لهم اَلَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا الناس عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ دينه زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ الذى استحقوه بكفرهم قال ابنُ مسعودٍ رضى الله تعالى عنه عقاربُ اَنيابُها كالنخلِ الطوالِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾ بصدّهم الناسَ عن الايمان وَ اذكر يَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ هو نبيُّهم وَجِئْنَا بِكَ يا محمدُ شَهِيدًا عَلٰى هٰؤُلَاءِ اى قومِك وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ القرانَ تِبْيَانًا بيانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ يحتاجُ الناسُ اليه من امرِ الشريعةِ وَّهُدًى من الضلالةِ وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى بالجنةِ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾ الموحّدين.

ترجمہ: اور یاد کرو اس دن کو کہ جس دن میں ہم ہر امت میں سے گواہ کھڑا کریں گے اور وہ اس امت کا نبی ہوگا، وہ ان کے ایمان وکفر کی شہادت دے گا، اور وہ قیامت کا دن ہوگا، پھر کافروں کو نہ عذر خواہی کی اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے خوشنودی طلب کرنے کے لئے کہا جائیگا یعنی نہ ان سے اس چیز کی طرف رجوع کرنے کے لئے کہا جائیگا جس سے اللہ راضی ہو جائے، اور جب کافر عذاب دیکھ لیں گے تو نہ ان سے (عذاب میں) تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی ان کو اس عذاب سے مہلت (ڈھیل) دی جائیگی جب وہ اس کو دیکھ لیں گے، اور جب مشرکین شیاطین وغیرہ سے اپنے شرکاء کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار یہی ہیں ہمارے شرکاء جن کی ہم تیرے علاوہ بندگی کیا کرتے تھے تو وہ انھیں جواب دیں گے تم اپنے اس قول میں کہ تم ہماری بندگی کیا کرتے تھے بالکل ہی جھوٹے ہو جیسا کہ دوسری آیت میں ہے "ما کانوا ایانا یعبدون" وہ ہماری بندگی نہیں کیا کرتے تھے (یعنی) عنقریب (روز قیامت) ان کی عبادت سے انکار کردیں گے، اور اس دن اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کردیں گے اور ان کا یہ جھوٹ کہ ان کے معبودان کی شفاعت کریں گے گم ہو جائیگا (رفو چکر ہو جائیگا) اور جنہوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کے دین سے روکا ہم ان کے اس عذاب پر کہ جس کے وہ اپنے کفر کی وجہ سے مستحق ہیں عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے، (حضرت) عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا کہ ایسے بچھوں گے کہ ان کے دانت لمبائی میں کھجور

کے درخت کے برابر ہوں گے، اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو ایمان سے روک کر فساد برپا کرتے تھے اور یاد کرو اس دن کو کہ جس دن ہر امت میں ان ہی میں سے ہم ایک گواہ کھڑا کریں گے وہ ان کا نبی ہوگا، اور اے محمد ہم آپ کو ان پر یعنی آپ کو قوم پر گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن نازل کی جس میں ضروریات شرعیہ میں سے ہر ضرورت کا شافی بیان ہے جن کی لوگوں کو حاجت ہوتی ہے اور گمراہی سے ہدایت ہے اور رحمت ہے مسلمانوں توحید پرستوں کے لئے جنت کی خوشخبری ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلِہٗ: یُسْتَعْتَبُونَ، اِسْتِعتاب (استفعال) سے مضارع جمع مذکر غائب خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کہنا، رضامند کرنے کی خواہش کرنا، بعض مفسرین نے لا یُسْتَعْتَبُوْن کا ترجمہ کیا ہے نہ ان کے عذر قبول کئے جائیں گے، علامہ محلّی نے اس لفظ کی تشریح میں لکھا ہے لا یُطلَبُ منهم ان يرضوا رَبَّهم بالتوبة وَالطاعة لِاَنَّهَا لا تنفعُ يومَئذ، ان سے اس بات کی طلب نہیں کی جائے گی کہ توبہ اور طاعت کے ذریعہ اپنے رب کو رضامند کرلیں کیونکہ اس روز یہ چیزیں مفید نہ ہونگی۔

قِوْلِہٗ: اَلذین کفروا الخ مبتداء ہے اور زِدْناهم اس کی خبر ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الذین کفروا، الخ یفترون کا فاعل ہو، اور زِدْناهم جملہ مستانفہ ہو۔

قِوْلِہٗ: بما کانو یفسدون باء سببیہ ہے اور ما مصدریہ ہے ای بسبب کونهم مفسدین.

قِوْلِہٗ: ای قــــومك، یہ ایک تفسیر ہے یعنی ہر نبی اپنی اپنی امت کے متعلق شہادت دے گا آپ ﷺ بھی اپنی امت کے بارے میں شہادت دیں گے، بیضاوی نے ایسا ہی کہا ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ هؤلاء سے مراد انبیاء ہیں یعنی آپ انبیاء کے بارے میں شہادت دیں گے، اسلئے کہ ہر نبی کا اپنی امت کے بارے میں شہادت دینا جن میں آپ ﷺ بھی شامل ہیں یوم نبعث فی کل اُمّة شهيدًا عليهم من انفسهم سے مفہوم ہے اس بات کو آپ کے بارے میں دوبارہ ذکر کرنا تکرار بلا فائدہ ہے، لہٰذا شهيدًا علــى هؤلاء سے شہادت علی الانبیاء ہی مراد ہوگی، اور ابوسعود کی عبارت یہ ہے، علــى هؤلاء الامم وَشهدائهم.

تفسیر وتشریح

مــنْ کــل اُمّةٍ شهيدًا ہر امت کا شاہد اس کا نبی ہوگا اور نبی کے گذر جانے کے بعد نائبین انبیاء شاہد ہوں گے جنہوں نے خالص توحید اور خدا پرستی کی دعوت دی ہوگی، یہ گواہان اس بات کی گواہی دیں گے کہ ہم نے پیغام حق ان تک پہنچا دیا، اور امة سے مراد ظاہر ہے کہ امت دعوت ہے یعنی وہ قوم جو نبی کے پیغام کی مخاطب رہی ہو امت اجابت مراد نہیں ہے۔ (ماجدی)

فَالقوا اِليهم القول انكم لكذِبون اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ واقعۂ پرستش کا انکار کردیں گے، بلکہ وہ دراصل اس واقعۂ

پرستش و بندگی کے متعلق اپنے علم واطلاع اور اس پر اپنی رضامندی کا انکار کریں گے، وہ کہیں گے کہ نہ ہم نے تم سے کبھی یہ کہا کہ تم خدا کو چھوڑ کر ہمیں پکارا کرو اور نہ ہم تمہاری اس حرکت پر راضی تھے، بلکہ ہمیں تو خبر تک نہ تھی کہ تم ہمیں پکارتے ہو، اگر تم نے ہمیں سمیع الدعاء اور مجیب الدعوات اور دستگیر وفریادرس قرار دیا تھا تو یہ قطعی ایک جھوٹی بات تھی جو تم نے گھڑ لی تھی اور اس کے ذمہ دار تم خود تھے، اب ہمیں اس کی ذمہ داری میں لپیٹنے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟

وَضَلَّ عنهم ما كانوا يفترون یعنی وہ سب سہارے جن پر دنیا میں بھروسہ کئے ہوئے تھے سب گم ہو جائیں گے کسی فریادرس کو وہاں فریادرسی کے لئے موجود نہ پائیں گے، کوئی مشکل کشا ان کی مشکل حل کرنے کے لئے نہ ملے گا، کوئی آگے بڑھ کر یہ کہنے والا نہ ملے گا کہ یہ میرے متوسلین میں سے ہیں لہٰذا انھیں کچھ نہ کہا جائے۔

وَنَزَّلنا عَلَيْكَ الكتاب تبيانًا لكل شيء، ارشاد فرمایا کہ قرآن میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس پر ہدایت وضلالت اور فلاح وخسران کا مدار ہے اور اس کا جاننا راست روی کے لئے ضروری ہے جس سے حق و باطل کا فرق نمایاں ہوتا ہے غرضیکہ اس سے مراد دین وشریعت کی باتیں ہیں اس لئے معاشی فنون اور ان کے مسائل کو قرآن میں تلاش کرنا غلط ہے، اگر کہیں کوئی ضمنی اشارہ آجائے تو وہ اس کے منافی نہیں۔

بعض لوگ غلط فہمی کی وجہ سے تبيانًا لكل شيء کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ قرآن میں سب کچھ بیان کر دیا گیا ہے، پھر وہ اپنے اس دعوے کو نبھانے کے لئے قرآن سے سائنس اور فنون کے عجیب عجیب مضامین نکالنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ قرآن میں تو دین وشریعت کے بھی سب مسائل مفصل مذکور نہیں تو **تبيانًا لكل شيء** کہنا کیسے درست ہوگا؟ حالانکہ بہت سے دینی مسائل کا بھی واضح طور پر بیان نہیں ہے مثلاً تعداد رکعت، مقدار زکوۃ وغیرہ، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اصول تو تمام مسائل کے موجود ہیں ان ہی کی روشنی میں احادیث رسول ان مسائل کو بیان کرتی ہیں اور یہ قرآن ہی کی ہدایت کے مطابق ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَمَا آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا" اگر کوئی حکم صراحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں نہیں ہے تو اس کو قرآن نے اجماع پر محول کر دیا ہے، ارشاد فرمایا "ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبيّن له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين" الخ، اور اگر کسی مسئلہ میں اجماع امت بھی نہ ہو تو قرآن نے قیاس واجتہاد کرنے کا حکم دیا ہے "قال الله تعالى فاعتبروا يا اولي الابصار" مسائل واحکام معلوم کرنے کے یہ چار طریقہ ہیں کوئی حکم اور کوئی مسئلہ ان سے خارج نہیں اور یہ چاروں کتاب اللہ میں مذکور ہیں، اس طریقہ پر تبيانًا لكل شيء کہنا درست ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ التوحيدِ اوالانصافِ **وَالْاِحْسَانِ** اداءِ الفرائضِ اوانْ تعبدَ اللّٰهَ كانّكَ تراه كما في الحديثِ **وَاِيْتَآئِ** اعطاءِ **ذِي الْقُرْبٰى** القرابةِ خصَّه بالذكرِ اهتمامًا به **وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ** الزِنا **وَالْمُنْكَرِ** شرعًا من الكفرِ والمعاصِي **وَالْبَغْيِ** الظلمِ للناسِ خصَّه بالذكرِ اهتمامًا كما بدأ بالفحشاءِ لذلكَ **يَعِظُكُمْ**

بالامر والنهی لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ تتعظون وفيه ادغام التاء في الاصل في الذال وفي المستدرك عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه بهذه اجمع آية في القرآن للخير والشر وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ من البيعة والايمان وغيرهما إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا توثيقها وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا بالوفاء حيث حلفتم به والجملة حال إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝ تهديد لهم وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ افسدت غَزْلَهَا ما غزلته مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ إحكام له وبرم أَنْكَاثًا حال جمع نكث وهو ما ينكث اى يحل إحكامه وهي امرأة حمقاء من مكة كانت تغزل طول يومها ثم تنقضه تَتَّخِذُونَ حال من ضمير تكونوا اى لا تكونوا مثلها في اتخاذكم أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا هو ما يدخل في الشيء وليس منه اى فسادًا اوخديعةً بَيْنَكُمْ بان تنقضوها أَنْ اى لان تَكُونَ أُمَّةٌ جماعة هِيَ أَرْبَىٰ اكثر مِنْ أُمَّةٍ وكانوا يحالفون الحلفاء فاذا وجدوا اكثر منهم واعز نقضوا حلف اولئك وحالفوهم إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ يختبركم اللَّهُ بِهِ اى بما امر به من الوفاء بالعهد لينظر المطيع منكم والعاصي اوتكون امة اربى لينظر اتفون ام لا وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ في الدنيا من امر العهد وغيره بأن يعذب الناكث ويثيب الوافي وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً اهل دين واحد وَلَٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَلَتُسْأَلُنَّ يوم القيامة سوال تبكيت عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ لتجازوا عليه وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ كرره تاكيدًا فَتَزِلَّ قَدَمٌ اى اقدامكم عن محجة الاسلام بَعْدَ ثُبُوتِهَا استقامتها عليها وَتَذُوقُوا السُّوءَ العذاب بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اى بصدكم عن الوفاء بالعهد او بصدكم غيركم عنه لانه يستن بكم وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ في الآخرة وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا من الدنيا بأن تنقضوه لاجله إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ من الثواب هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ مما في الدنيا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ ذلك فلا تنقضوا مَا عِنْدَكُمْ من الدنيا يَنْفَدُ يفنى وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ دائم وَلَنَجْزِيَنَّ بالياء والنون الَّذِينَ صَبَرُوا على الوفاء بالعهود أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ اى احسن بمعنى حسن مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً قيل هي حياة الجنة وقيل في الدنيا بالقناعة والرزق الحلال وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ اى اردت قراءته فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ اى قل اعوذ بالله من الشيطان الرجيم إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ تسلط عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ بطاعته وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ اى الله تعالى مُشْرِكُونَ ۝

تَرجَمہ: بلا شبہ اللہ تعالیٰ عدل (یعنی) توحید یا انصاف اور احسان (یعنی) اداء فرائض کا یا (اس طرح) عبادت

کرنے کا گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، اور قرابتداروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اہتمام کرنے کی وجہ سے خاص طور پر قرابتداروں کا ذکر کیا ہے حالانکہ احسان کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں حکم دیتا ہے اور (اللہ) فحش یعنی زنا اور شرعاً منکرات سے مثلاً کفر و معاصی، اور لوگوں پر ظلم کرنے سے منع کرتا ہے (ممانعت ظلم کو اہتمام کی وجہ سے خاص طور پر ذکر کیا ہے ورنہ تو نھی عن الفحش میں ظلم بھی داخل ہے) امر و نہی کی تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو، (تذکرون) میں تاء کو دراصل ذال میں ادغام کر دیا ہے اور مستدرک میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ قرآن کی آیات میں سے یہ آیت (بیان) خیر و شر کے لئے جامع ترین آیت ہے اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو خواہ بیعت کے طور پر ہو خواہ ایمان وغیرہ کے طور پر ہو، جبکہ تم آپس میں معاہدہ کرو اور قسموں کو ان کے پختہ کرنے کے بعد مت توڑو حالانکہ اللہ کو تم نے اپنے اوپر گواہ بنالیا ہے عہد پورا کرنے پر، اسلئے کہ تم نے اس کی قسم کھائی ہے، اور (وقد جعلتم) جملہ حال ہے، اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو یہ ان کے لئے دھمکی ہے، اور تم اس عورت کے مانند نہ ہو جاؤ کہ جس نے سوت کو مضبوط اور دُہرا کرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے ادھیڑ ڈالا (انکاثا) حال ہے (اور) نِکث کی جمع ہے اُدھیڑ کر جس کی مضبوطی کو ختم کر دیا گیا ہو، (یہ واقعہ) مکہ کی ایک پاگل عورت کا ہے جو دن بھر سوت کاتا کرتی تھی، اور پھر (شام) کو توڑ کر (خراب کر دیتی تھی) تم اپنی قسموں کو آپس میں فریب کا ذریعہ بناتے ہو، (تتخذون) تکونوا کی ضمیر سے حال ہے دخلاً اجنبی چیز کو کہتے ہیں جو اس جنس سے نہ ہو یعنی تم اپنی قسموں کو فساد اور دھوکا نہ بناؤ، بایں صورت کہ ان کو توڑ دو، تاکہ تم میں کی ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھ جائے اور وہ لوگ اپنے حلیفوں سے معاہدہ کرتے تھے اور جب ان سے بڑی جماعت یا زیادہ باعزت پاتے تو پہلے حلیفوں کا حلف ختم کر دیتے اور دوسروں کے حلیف ہو جاتے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ آزما رہا ہے یعنی وفاء عہد کا حکم دے کر تم کو جانچ رہا ہے تاکہ تم میں سے فرمانبردار اور نافرمان کو ظاہر کرے یا ایک جماعت بڑی ہوتا کہ اللہ دیکھے آیا تم وفاء عہد کرتے ہو یا نہیں، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے جس عہد وغیرہ کے معاملہ میں تم دنیا میں اختلاف کر رہے تھے کھول کھول کر بیان کر دے گا، یہ کہ عہد شکن کو سزا دے گا اور وفا کرنے والے کو جزا دے گا، اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت (یعنی) ملت والا بنا دیتا، لیکن (اللہ) جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اس کے بارے میں یقیناً قیامت کے دن لا جواب کرنے کے لئے تم سے سوال کیا جائیگا اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فریب کاری کا ذریعہ نہ بناؤ، تاکید کے لئے مکرر لایا گیا ہے پھر تمہارے قدم شاہراہ اسلام سے اس پر جم جانے کے بعد پھسل جائیں گے، اور تم بدترین عذاب کا مزا چکھو گے تمہارے اللہ کے راستہ سے روکنے کی وجہ سے یعنی تمہارے وفاء عہد سے باز رہنے کی وجہ سے یا وفاء عہد سے دوسرے کو باز رکھنے کی وجہ سے اس لئے کہ وہ تمہارے نقش قدم پر چلا، اور تم کو آخرت میں بڑا عذاب ہوگا اور تم اللہ کے عہد کو دنیا کی قلیل پونجی کے لئے نہ بیچ دیا کرو بایں طور کہ اس کے لئے نقض عہد کرو بلاشبہ اللہ کے پاس اس کا اجر تمہارے لئے بہتر ہے اس سے کہ جو کچھ دنیا میں ہے اگر تمہیں اس بات کا علم ہو تو تم نقض عہد نہ کرو اور دنیا کی جو متاع تمہارے پاس ہے وہ فنا ہونے والی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ دائمی

ہے اور ہم (لیجزین) یاء اور نون کے ساتھ ہے، یقیناً وفاء عہد پر صبر کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دیں گے، احسن بمعنی حسن ہے اور جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ باایمان بھی ہو تو ہم اس کو ضرور اچھی زندگی عطا کریں گے کہا گیا ہے کہ وہ جنت کی زندگی ہے اور کہا گیا ہے کہ دنیا ہی میں قناعت اور رزق حلال ہے اور ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہم ضرور بالضرور دیں گے اور جب آپ قرآن پڑھو (یعنی) پڑھنے کا ارادہ کرو تو شیطان مردود سے پناہ طلب کرو (یعنی) اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم کہہ لیا کرو، یقینی بات ہے کہ ایمان والوں پر اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرنے والوں پر اس کا مطلقاً زور نہیں چلتا ہاں اس کا زور ان پر ضرور چلتا ہے جو شیطان کو اس کی اطاعت میں اپنا سرپرست بناتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: القربیٰ، اسم مصدر ہے رشتہ داری۔

قولہ: تخصیص بعد التعمیم، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، احسان میں داخل ہے مگر اس کی اہمیت کے پیش نظر دوبارہ خاص طور پر ذکر فرمایا۔

قولہ: کما بَدَأ با لفحشاء لِذلك یعنی اہتمام ہی کی وجہ سے سب سے پہلے فحشاء یعنی زنا کو بیان فرمایا اسلئے کہ زنا کی وجہ سے نسب محفوظ نہیں رہتا اور اللہ کے غضب کا بھی موجب ہے۔

قولہ: من البیعة، ای بَیْعة الرسول علی الاسلام، اس سے بیعت رضوان مراد نہیں ہے اسلئے کہ یہ سورت مکی ہے اور بیعت رضوان ہجرت کے بعد ہوئی۔

قولہ: کفیلاً، ای شاهدًا.

قولہ: والجملة حالٌ یعنی (وقد جعلتم) جملہ ہو کر تنقضوا کی ضمیر سے حال ہے نہ کہ معطوف، ورنہ تو عطف خبر علی الانشاء لازم آئے گا۔

قولہ: تهديدلهم یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ (اِنَّ اللّٰه يعلم ما تفعلون) معطوف علیہ لا تنقضوا، اور معطوف لا تكونوا کے درمیان فصل بالاجنبی ہے، جواب کا حاصل یہ ہے (اِنَّ اللّٰه يعلم ما تفعلون) جملہ تہدیدیہ ہے جو کہ اجنبی نہیں ہے۔

قولہ: ما غزلَتْه، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ غزل مصدر ہے اس کی جانب نقض (توڑنے) کی نسبت درست نہیں ہے مفسر علام نے غزل کی تفسیر ما غزلَتْه سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی جس کو اس نے کاتا اس کو توڑ دیا۔

قولہ: بعد قوة بعض حضرات نے بعدقوة کے معنی، مضبوط کرنے کے بعد کے لئے ہیں مفسر علام نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں اور بعض دیگر مفسرین نے بعد قوةٍ، کے معنی محنت سے کاتنے کے بعد، کے لئے ہیں۔

قَوْلُہٗ: غزلها، یہ (ض) سے مصدر ہے جو کہ، ھا ضمیر کی طرف مضاف ہے، اس کے معنی سوت کاتنا اس جگہ بمعنی اسم مفعول ہے یعنی کاتا ہوا سوت، مکہ میں ایک بے وقوف عورت تھی جو صبح سے شام تک اپنی باندیوں کے ساتھ سوت کاتتی تھی اور شام کو کاتا ہوا تمام سوت توڑ کر ضائع کر دیتی تھی اس عورت کا نام رَیطہ بنتِ عمر تھا یہ اسد بن عبد العزیٰ کی ماں اور سعد کی بیٹی تھی (بلاذری) بعض نے کہا ہے کہ اس کا نام رَیطَۃُ بنت سعد بن تیم القرشیہ ہے مطلب یہ ہے کہ تم نے اللہ سے جو معاہدہ کر رکھا ہے اس کو نہ توڑو ورنہ تمہاری کری کرائی محنت بیکار ہو جائے گی۔

قَوْلُہٗ: برم استوار کرنا سوت کو دُہرا کاتنا (صراح)۔

قَوْلُہٗ: حال من ضمیر تکونوا، یعنی تتخذون، تکونوا کی ضمیر سے حال ہے نہ کہ مفعول ثانی اسلئے کہ تکون متعدی بدو مفعول نہیں ہوتا الا یہ کہ تصییر وغیرہ کے معنی کو متضمن ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: انکاثا یہ نکث کی جمع ہے، پرانی روئی وغیرہ کو دوہرا کاتنے کے لئے توڑ ڈالنا۔

قَوْلُہٗ: وھو ما ینکث اس میں اشارہ ہے کہ نکث بمعنی منکوث (منقوض) ہے۔

قَوْلُہٗ: دَخَلًا یہ لا تکونوا کی ضمیر سے حال ہے ای لا تکونوا مشابھین بامرأۃ شانھا ھذا.

قَوْلُہٗ: دَخَلًا، بہانہ، فریب، دغا، فساد، دراندازی، اجنبی۔

قَوْلُہٗ: اَرْبٰی، چڑھا ہوا، بڑھا ہوا، (ن) یہ رِبًا سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔

قَوْلُہٗ: أتفونَ، ھمزہ، استفہام کا ہے، تفون یہ وَفٰی سے مضارع جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے، تم وفا کرتے ہو۔

قَوْلُہٗ: ای اقــدام، قدم کی تفسیر اقدام سے کر کے اشارہ کر دیا کہ جب ایک قدم کا پھسلنا باعث ننگ و عار اور موجب عقاب ہے تو اگر دونوں قدم پھسل جائیں تو کیا حال ہوگا؟

قَوْلُہٗ: محجة درمیانی راستہ، شاہراہ۔

قَوْلُہٗ: یصدکم عن الوفاء اس میں اشارہ ہے کہ صدٌّ لازم ہے۔

قَوْلُہٗ: بصدکم غیرکم اس میں اشارہ ہے کہ صدَّ منع کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی بھی استعمال ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: فلا تنقضوا یہ انْ شرطیہ کا جواب ہے۔

تَفْسِیر وَتَشرِیح

عدل کے معنی شریعت کی نظر میں:

اِنَّ اللّٰہ یامُرُ بالعدل وَالِاحسان وَ اِیتاء ذِی القربٰی (الآیۃ) یہ آیت قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے، جس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے، اسلئے سلف صالحین کے عہد مبارک سے آج تک دستور چلا آ رہا ہے کہ جمعہ

اور عیدین کے خطبوں کے آخر میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ قرآن مجید کی جامع ترین آیت سورۂ نحل میں یہ ہے اِنَّ اللّٰہ یامر بالعدل (الآیۃ). (ابن کثیر)

اس آیت میں تین ایسی چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر پورے انسانی معاشرہ کی درستی کا انحصار ہے، پہلی چیز عدل ہے جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو دوسرے یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ پر دیا جائے، ''عدل'' کے مشہور معنی انصاف کے ہیں یعنی اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ انصاف کیا جائے، کسی کے ساتھ دشمنی یا عناد یا محبت یا قرابت کی وجہ سے انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہوں، ایک دوسرے معنی اعتدال کے ہیں یعنی کسی معاملہ میں افراط یا تفریط کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

''احسان'' کسے کہتے ہیں:

آیت میں مذکور دوسری چیز احسان ہے جس سے مراد نیک برتاو، فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، رواداری، خوش خلقی، درگذر باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس لحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا، یہ عدل سے زائد ایک چیز ہے، جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے، عدل اگر معاشرہ کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور اس کا کمال ہے، عدل معاشرہ کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوشگواری اور حلاوت پیدا کرتا ہے، کوئی معاشرہ صرف اس بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا کہ اس کا ہر فرد ہر وقت ناپ تول کو دیکھتا رہے کہ اس کا کیا حق ہے؟ اور اسے وصول کر کے چھوڑے اور دوسرے کا کتنا حق ہے اسے بس اتنا ہی دیدے، ایک ٹھنڈے اور کھرے معاشرہ میں کشمکش تو نہ ہوگی مگر محبت اور شکر گذاری اور عالی ظرفی اور ایثار و اخلاص و خیر خواہی کی قدروں سے محروم رہے گا جو دراصل زندگی میں لطف و حلاوت پیدا کرتے ہیں۔

احسان کے ایک معنی اخلاص عمل اور حسن عبادت کے ہیں جس کو حدیث میں أن تعبد اللّٰہ کأنک تراہُ (عبادت تم اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تیسری چیز جس کا اس آیت میں ذکر ہے وہ صلہ رحمی ہے، جو رشتہ داروں کے معاملہ میں احسان کی ایک خاص قسم ہے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انسان صرف اپنے رشتہ داروں ہی کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کا معاملہ کرے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر صاحب استطاعت اپنے مال پر صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کے حقوق نہ سمجھے بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے، شریعت الٰہی ہر خاندان کے خوشحال افراد کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑیں، خدا کی نظر میں ایک معاشرہ کی اس سے بدتر کوئی حالت نہیں ہے کہ خاندان کے اندر ایک شخص عیش کر رہا ہو اور اسی کے خاندان میں اس کے اپنے بھائی بند روٹی کپڑے تک کے محتاج ہوں۔

ہر خاندان کے خوشحال افراد پر پہلا حق ان کے اپنے غریب رشتہ داروں کا ہے اس کے بعد دوسروں کے حقوق اس پر عائد ہوتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اسی کو احادیث میں مختلف انداز سے بیان فرمایا ہے، آپ نے فرمایا کہ انسان کے حسن سلوک کے اولین حقدار اس کے والدین، اس کی بیوی بچے اور اس کے بھائی بہن ہیں پھر وہ جو ان کے بعد قریب تر ہوں علی ہذا القیاس، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس معاشرہ کا ہر واحدہ (Unit) اس طرح اپنے اپنے افراد کو سنبھال لے اس میں معاشی حیثیت سے کتنی خوشحالی، معاشرتی حیثیت سے کتنی حلاوت اور اخلاقی حیثیت سے کتنی پاکیزگی اور بلندی پیدا ہو جائے گی۔

تین ایجابی حکموں کے مقابلہ میں تین سلبی احکام:

تینوں منکرات میں فحشاء کو اس کے اہم ہونے کی وجہ سے پہلے بیان کیا ہے یہاں ''فحشاء'' سے بے حیائی کے کام مراد ہیں آجکل بے حیائی اتنی عام ہوگئی ہے کہ اس کا نام تہذیب، ترقی، آرٹ، فن لطیف قرار پا گیا ہے تفریح کے نام پر اس کا جواز تسلیم کر لیا گیا ہے، مگر خوشنما لیبل لگا دینے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل سکتی، فحشاء کا اطلاق بیہودہ کام اور شرمناک افعال پر ہوتا ہے ہر وہ برائی جو اپنی ذات میں نہایت قبیح ہو فحش ہے، مثلاً زنا اور اس کے مقدمات، عریانیت، عمل قوم لوط، محرمات سے نکاح، چوری، رقص وسرود، فیشن پرستی، اور مرد وزن کا بے باکانہ اختلاط اور مخلوط معاشرت، شراب نوشی، پیشے کے طور پر بھیک مانگنا، گالی گلوچ کرنا علی الاعلان برے کام کرنا، اور برائیوں کو پھیلانا بھی فحشاء میں شامل ہے مثلاً جھوٹا پروپیگنڈہ، الزام تراشی، پوشیدہ جرائم کی تشہیر، بدکاریوں پر ابھارنے والے افسانے اور ڈرامے، اور فلمی عریاں تصاویر، عورتوں کا بن سنور کر منظر عام پر آنا اور اسٹیج پر عورتوں کا ناچنا تھرکنا و مٹکنا، اور دیگر اسی قسم کی خرافات کو شریعت نے بے حیائی ہی قرار دیا ہے خواہ ان کا کتنا ہی اچھا نام کیوں نہ رکھ لیا جائے، مغرب سے درآمد شدہ ان خباثتوں کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دوسری چیز ''منکر'' میں تمام گناہ، ظاہری اور باطنی، عملی اور اخلاقی سب داخل ہیں۔

تیسری چیز ''بغی'' ہے، اس کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا اور دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرنا خواہ حقوق خالق کے ہوں یا مخلوق کے، اس میں ظلم و زیادتی، قطع رحمی سب داخل ہیں، ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ قطع رحمی اور بغی یہ دونوں جرم اللہ کو اتنے ناپسند ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (آخرت کے علاوہ) دنیا میں بھی ان کی فوری سزا کا امکان غالب رہتا ہے۔

وَاَوْفُوا بعهد الله اِذا عاهدتم (الآیة) یہاں تین قسم کے معاہدوں کو ان کی اہمیت کے لحاظ سے الگ الگ بیان کر کے ان کے پابندی کا حکم دیا گیا ہے ① ایک وہ عہد جو انسان نے خدا کے ساتھ باندھا ہو، اور یہ اپنی اہمیت میں سب سے بڑھ کر ہے، ② دوسرا وہ عہد جو ایک انسان نے دوسرے انسان سے یا ایک گروہ نے دوسرے گروہ سے کیا ہو اور اس پر اللہ کی قسم کھائی ہو، یا کسی نہ کسی طرح اللہ کا نام لے کر اپنے قول کی پختگی کا یقین دلایا ہو، یہ عہد دوسرے درجہ کی اہمیت رکھتا ہے، ③ تیسرا وہ عہد و پیمان ہے کہ اللہ کا نام درمیان میں لائے بغیر کیا گیا ہو یہ تیسرے درجہ کا عہد ہے اور اس کی اہمیت پہلے دو کے بعد ہے، لیکن پابندی ان سب کی ضروری ہے، خلاف ورزی ان میں سے کسی کی بھی روا نہیں۔

عہد شکنی حرام ہے:

لفظ ''عہد'' ان تمام معاملات ومعاہدات کو شامل ہے جس کا زبان سے یا تحریر سے التزام کیا جائے خواہ اس پر قسم کھائے یا نہ کھائے خواہ وہ کسی کام کے کرنے سے متعلق ہو یا نہ کرنے سے۔ یہ آیات درحقیقت آیتِ سابقہ کی تشریح وتکمیل ہیں آیت سابقہ میں عدل کا حکم تھا لفظ کے مفہوم میں ایفاء عہد بھی داخل ہے۔ (قرطبی)

کسی سے معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی کرنا بڑا گناہ ہے مگر اس کے توڑنے پر کوئی کفارہ نہیں بلکہ آخرت کا مواخذہ ہے، حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز عہد شکنی کرنے والے کی پشت پر ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا جو میدان حشر میں اس کی رسوائی کا سبب بنے گا۔

لا تکونوا کالتی نقضت غَزْلَهَا (الآیة) اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ عہد شکنی کی اس بدترین قسم پر ملامت کی گئی ہے جو دنیا میں سب سے بڑھکر موجب فساد ہوتی ہے اور جسے بڑے بڑے اونچے درجے کے لوگ بھی کارِ ثواب سمجھ کر کرتے اور اپنی قوم سے داد لیتے ہیں، قوموں اور گروہوں کی سیاسی، معاشی اور مذہبی کشمکش میں یہ آئے دن ہوتا رہتا ہے، ایک قوم کا لیڈر ایک وقت میں دوسری قوم سے ایک معاہدہ کرتا ہے اور دوسرے وقت میں محض اپنے قومی مفاد کی خاطر یا تو اسے علانیہ توڑ دیتا ہے یا در پردہ اس کی خلاف ورزی کر کے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے، یہ حرکتیں ایسے لوگ بھی کر گذرتے ہیں جو اپنی ذاتی زندگی میں بڑے راستباز ہوتے ہیں اور اس قسم کی چالبازیوں کو ڈپلومیسی (سیاست) کا کمال سمجھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر متنبہ فرماتا ہے ہر معاہدہ دراصل معاہدہ کرنے والے شخص اور قوم کے اخلاق ودیانت کی آزمائش ہے اور جو لوگ اس آزمائش میں ناکام ہوں گے وہ اللہ کی عدالت میں مؤاخذہ سے نہ بچ سکیں گے۔

کسی کو دھوکا دینے کے لئے قسم کھانے میں سلبِ ایمان کا خطرہ ہے:

لا تتخذوا اَیمانکم دَخَلاً، اس آیت میں ایک اور عظیم گناہ سے بچانے کی ہدایت ہے وہ یہ کہ قسم کھاتے وقت ہی سے اس قسم کے خلاف کرنے کا ارادہ ہو اور صرف مخاطب کو فریب دینے کے لئے قسم کھائی جائے، یہ قسم عام قسموں سے زیادہ خطرناک گناہ ہے جس کے نتیجہ میں یہ خطرہ ہے کہ ایمان کی دولت ہی سے محروم ہو جائے فتزل قدم بعد ثبوتها، کا یہی مطلب ہے (معارف)

رشوت لینا سخت حرام اور اللہ سے عہد شکنی ہے:

ولا تشتروا بعهد اللّٰه ثمنًا قليلا، یعنی اللہ کے عہد کو قلیل قیمت کے لئے نہ توڑو یہاں قلیل قیمت سے مراد دنیا اور دنیوی منافع ہیں یہ مقدار میں خواہ کتنے ہی بڑے ہوں آخرت کے منافع کے مقابلہ میں پوری دنیا اور اس کی تمام دولتیں بھی قلیل

ہیں، جس نے آخرت کے بدلے میں دنیا لے لی اس نے نہایت خسارے کا سودا کیا، اسلئے کہ دائمی نعمت و دولت کو بہت جلد فنا ہونے والی گھٹیا چیز کے عوض بیچ ڈالا، اور یہ کام کوئی سمجھدار شخص نہیں کر سکتا۔

ابن عطیہ نے لکھا ہے کہ جس کام کا پورا کرنا کسی شخص کے ذمہ واجب ہو اللہ کا عہد اس کے ذمہ ہے اس کے پورا کرنے پر کسی سے معاوضہ لینا اور بغیر لئے نہ کرنا اللہ کا عہد توڑنا ہے، اسی طرح جس کام کا نہ کرنا کسی کے ذمہ واجب ہو اُس پر کسی سے معاوضہ لے کر اس کو کرنا یہ بھی اللہ کا عہد توڑنا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رشوت کی مروجہ قسمیں سب حرام ہیں، جیسے کوئی سرکاری ملازم کسی کام کی تو تنخواہ حکومت سے پاتا ہے تو اس نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ یہ تنخواہ لے کر مفوضہ خدمت پوری کروں گا، اب اگر وہ اس کام کے کرنے پر معاوضہ طلب کرے اور بغیر معاوضہ اس کام کو نہ کرے یا معمول سے تاخیر کرے تو یہ اللہ کے عہد کو توڑ رہا ہے، اسی طرح جس کام کا اس کو محکمہ کی طرف سے اختیار نہیں اس کو رشوت لے کر کر ڈالنا بھی اللہ سے عہد شکنی ہے۔

رشوت کی جامع تعریف:

اخذ الاموال علیٰ فعل ما یجب علی الآخذ فعله او فعل ما یجب علیه ترکه.

یعنی جس کام کا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے اس کے کرنے پر معاوضہ لینا اور جس کام کا نہ کرنا واجب ہے اس کے کرنے پر معاوضہ لینا رشوت ہے۔ (تفسیر بحر محیط ص ٥٣٢ ج ٥)

فلنحیینّه حیوۃ طیبة، حیات طیبہ سے مراد دنیا کی زندگی ہے اسلئے کہ آخرت کی زندگی کا ذکر اگلے جملے میں ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک مومن باکردار کو صالحانہ اور متقیانہ زندگی گذارنے اور اللہ کی عبادت و اطاعت اور زہد و قناعت میں جو لذت و حلاوت محسوس ہوتی ہے وہ ایک کافر اور نافرمان کو دنیا بھر کی آسائشوں اور سہولتوں کے باوجود میسر نہیں آتی، بلکہ وہ ایک گونہ قلق و اضطراب کا شکار رہتا ہے، (**ومن اَعْرَضَ عن ذکری فاِن له معیشة ضنکا**) جس نے میری یاد سے اعراض کیا اس کا گذران تنگی والا ہے۔

فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللّٰه من الشیطان الرجیم.

ربط آیات:

سابقہ آیت میں اول ایفاء عہد کی تاکید تھی اب مطلقاً اعمال صالحہ کی تاکید و ترغیب کا بیان ہے انسان کی احکام میں غفلت اغواء شیطانی سے پیدا ہوتی ہے اس لئے آیت میں شیطان رجیم سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے، جس کی ضرورت ہی نیک عمل میں ہے یہاں اگرچہ خاص طور پر قراءت قرآن کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اس تخصیص کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ تلاوت قرآن ایک ایسا عمل ہے

جس سے خود شیطان بھاگتا ہے، اور بعض خاص آیات اور سورتیں بالخاصہ شیطان کے اثرات زائل کرنے کے لئے مجرب ہیں جن کا مؤثر و مفید ہونا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے۔ (بیان القرآن)

مسئلہ: نماز میں تعوذ امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف پہلی رکعت کے شروع میں پڑھا جائے، امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ ہر رکعت کے شروع میں پڑھنے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

مسئلہ: تلاوت قرآن نماز میں ہو یا خارج نماز دونوں صورتوں میں تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے مگر شروع میں ایک دفعہ پڑھنا کافی ہے، البتہ تلاوت کے درمیان اگر تلاوت موقوف کرکے کسی اور کام میں لگ گیا اور پھر تلاوت شروع کی تو اس وقت اعوذ باللہ دوبارہ پڑھنی چاہئے۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ بنسخِها وانزالِ غيرِها لمصلحةِ العبادِ **وَّاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوٓا** اى الكفارُ للنبيّ صلى الله عليه وسلم **إِنَّمَآ أَنتَ مُفْتَرٍ** كذابٌ تقولُه مِن عندِك **بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** (١٠١) حقيقةَ القرانِ وفائدةَ النسخ **قُلْ** لهم **نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ** جبرئيل **مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ** متعلقٌ بنزّل **لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا** بايمانِهم به **وَهُدًى وَّبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ** (١٠٢) **وَلَقَدْ** للتحقيقِ **نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ** القرانَ **بَشَرٌ** وهو قينٌ نصرانيٌّ كان النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَدخلُ عليه قال تعالى **لِّسَانُ** لغة **الَّذِي يُلْحِدُونَ** يميلون **إِلَيْهِ** انه يُعلِّمُه **أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا** القرانُ **لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ** (١٠٣) ذوبيانٍ وفصاحةٍ فكيف يُعلِّمُهُ اعجميٌّ **إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ** (١٠٤) مؤلمٌ **إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ** القرانِ بقولِهم هذا من قولِ البشرِ **وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ** (١٠٥) والتاكيدُ بالتكرارِ وانَّ وغيرِهما ردٌّ لقولِهم انما انتَ مفترٍ **مَن كَفَرَ بِاللّٰهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ** على التلفُّظِ بالكفرِ فتلفَّظ به **وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ** ومَن مبتدأٌ او شرطيةٌ والخبرُ اوالجوابُ لهم وعيدٌ شديدٌ دَلَّ عليه هذا **وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا** له اى فتحه ووَسَّعه بمعنى طابَتْ به نفسُه **فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ** (١٠٦) **ذَٰلِكَ** الوعيدُ لهم **بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا** اختاروها **عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ** (١٠٧) **أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ** (١٠٨) عما يُرادُبهم **لَا جَرَمَ** حقا **أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ** (١٠٩) لِمصيرِهم الى النارِ المؤبَّدةِ عليهم **ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا** الى المدينةِ **مِن بَعْدِ مَا فُتِنُوا** عُذِّبُوا وتَلفَّظُوا بالكفرِ وفى قراءةٍ بالبناءِ للفاعلِ اى كَفرُوا او فَتَنُوا الناسَ عن الايمانِ **ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا** على الطاعةِ **إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا** اى الفتنةِ **لَغَفُورٌ** لهم **رَّحِيمٌ** (١١٠) بهم وخبرُ إنّ الاُولى دَلَّ عليه خبرُ الثانيةِ.

ترجمہ: اور جب ہم کوئی آیت منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسری آیت بندوں کی مصلحت کیلئے نازل کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نازل کرتا ہے اسے وہ خوب جانتا ہے تو کفار نبی ﷺ سے کہتے ہیں تم تو افترا پرداز ہو جھوٹے ہو، قرآن اپنی طرف سے گھڑ کر لاتے ہو، (ایسا نہیں ہے) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں کے اکثر لوگ قرآن کی حقیقت اور نسخ کے فائدہ سے واقف نہیں ہیں آپ ان کو بتا دیجئے کہ اس کو جبرئیل آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کرتے ہیں (بالحق) نَزَّلَ کے متعلق ہے تا کہ اہل ایمان کو اس کے ذریعہ ایمان پر ثابت رکھے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہو، ہمیں بخوبی علم ہے کہ کافر کہتے ہیں اسے تو قرآن ایک شخص سکھاتا ہے (لقد) تحقیق کے لئے ہے اور وہ ایک نصرانی لوہار ہے، نبی ﷺ اس کے پاس جایا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص کی زبان کہ جس کی طرف یہ لوگ اشارہ کرتے ہیں کہ فلاں ان کو سکھاتا ہے، عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی زبان میں ہے جو بلیغ و فصیح ہے تو (بھلا) اس کو ایک عجمی (غیر عربی) کیسے سکھا سکتا ہے؟ جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے ان کو اللہ کی طرف سے ہدایت نہیں ملتی، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، جھوٹ تو وہ لوگ بولتے ہیں جو اللہ کی آیتوں (قرآن) پر ایمان نہیں رکھتے ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ یہ تو انسانی کلام ہے، درحقیقت جھوٹے یہی لوگ ہیں، اور تکرار اور اِنَّ وغیرہ کے ذریعہ تاکید ان کے قول "اِنَّمَا انت مفترٍ" کو رد کرنے کے لئے ہے اور جو شخص ایمان کے بعد اللہ کا منکر ہوا، تو ان کے لئے شدید وعید ہے البتہ وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہے کہ جس کو کفریہ کلمات کہنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے زبان سے کفریہ کلمہ کہہ بھی دیا حال یہ کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، اور مَنْ مبتداء یا شرطیہ ہے اور خبر یا جواب، لهم وَعيدٌ شديدٌ ہے، جس کے (حذف پر) یہ آیت عليهم غضب من الله الخ دلالت کر رہی ہے لیکن جو لوگ شرح صدر کے ساتھ کفر کے مرتکب ہوں (یعنی) کھلے دل اور وسعت قلبی کے ساتھ کفر اختیار کریں، یعنی کفر سے ان کا دل خوش ہو تو ان پر اللہ کا غضب ہے، اور ان کے لئے اللہ کا بڑا عذاب ہے ان کے لئے عذاب کی یہ وعید اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کیا ہے، یعنی اس کو اختیار کر لیا ہے، اور اللہ کافروں کی رہنمائی نہیں فرماتا یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے اور جو ان سے مقصود ہے اس سے یہی لوگ غافل ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ یہی لوگ آخرت میں دائمی آگ کی طرف لوٹنے کی وجہ سے خسارہ میں ہیں، پھر یقیناً تیرا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے بعد اس کے کہ وہ ستائے گئے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور کلمۂ کفر زبان سے نکالنے کے بعد، اور ایک قراءت میں (فَتَنُوا) صیغۂ معروف کے ساتھ ہے یعنی مشرکین نے کفر کرنے اور لوگوں کو ایمان سے روکنے کے بعد پھر انہوں نے جہاد کیا اور طاعت پر صبر کیا بے شک تیرا رب ان آزمائشوں کے بعد ان کو معاف کرنے والا ان پر رحم کرنے والا ہے اور پہلے اِنَّ کی خبر (محذوف) ہے جس پر اِنَّ ثانی کی خبر دلالت کر رہی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اِذا، شرطیہ ہے، قَالُوا اِنما اَنْتَ مُفْتَرٍ، جوابِ شرط ہے۔

قولہ: وَاللّٰه اعلم بما یُنَزِّلُ، شرط وجزاء کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: روح القدس یہ اضافت موصوف الی الصفت ہے ای الروح المقدس، القدس کے دال پر ضمہ اور سکون دونوں جائز ہیں۔

قولہ: متعلق بنزّل یعنی متلبسًا سے متعلق ہوکر نزلہٗ کی ضمیر مفعولی سے حال ہے، ای نزّله متلبسًا بالحق.

قولہ: هدًی وَبشری.

سَوال: ان کا عطف لِیثبِتَ پر ہے، حالانکہ یہ عطف درست نہیں ہے اسلئے کہ یہ دونوں معطوف علیہ کے ساتھ نہ اعراب میں متحد ہیں اور نہ علت میں حالانکہ یہ دونوں باتیں ضروری ہیں۔

جواب: هدیٰ اور بشریٰ کا عطف لیثبِّتَ کے محل پر ہے، لِیثبّتَ میں لام تعلیلیہ ہے جس کے بعد أن مصدریہ مقدر ہے جس کی وجہ سے مضارع مصدر کے معنی میں ہے یثبّت کے اندر ھو ضمیر فاعل ہے جس کا مرجع قرآن ہے، اور لِیثبّتَ مفعول لاجلہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، اور ھدًی اور بشریٰ دونوں مصدر ہیں جن کا عطف لِیثبّتَ کے محل پر ہے ای تثبیتًا وهداية وبشارةً لہٰذا اب عدم مطابقت کا اعتراض نہیں۔

قولہ: للتحقیق، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ قدْ جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو عمومًا تقلیل کے لئے ہوتا ہے حالانکہ یہاں تقلیل کے معنی نہ تو نعلمر سے میل کھاتے ہیں اور نہ شان باری کے مناسب ہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ قد یہاں تحقیق کے لئے ہے، لَقَدْ میں لام قسمیہ ہے۔

قولہ: قَیْنٌ، آہنگر، لوہار، (جمع) قُیُونَ واقیان.

قولہ: یمیلون الیه ای یشیرون الیه.

قولہ: اَعجمیٌّ، جو فصیح اللسان نہ ہو اگرچہ عربی ہو، اور عجمی، منسوب الی العجم، جو لغت عرب سے واقف نہ ہو اگرچہ فصیح ہو۔

قولہ: والتاکید بالتکرار واِنَّ وغیرهما چونکہ کفار مکہ نے متعدد تاکیدات کے ساتھ، اِنّما انتَ مفترٍ، کہتے ہوئے نزول قرآن کا انکار کیا تھا، ان کا جواب بھی متعدد تاکیدات کے ساتھ دیا گیا ہے، اول تکرار سے مراد اِنَّ الذین لا یؤمنون کا تکرار ہے اور اِنَّ کا تکرار ہے اور غیرھما سے مراد ضمیر فصل ہے اور تعریف مسند اور جملہ کا اسمیہ ہونا ہے، لہٰذا ظاہر نظر میں تکذیب کا حصر جو قریش میں معلوم ہو رہا تھا وہ ختم ہو گیا۔

قولہ: مَن مبتداء او شرطية، من کفر باللّٰه کے مَنْ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ من موصولہ مبتدا ہو نہ کہ الذین لا

یؤمنون بآیات اللّٰه سے بدل، اس لئے کہ بدل اور مبدل منہ کے درمیان فصل بالاجنبی جائز نہیں ہے اور یہاں "اولئك هم الکافرون" کا فصل موجود ہے، مَن کو موصولہ مبتداء ماننے کی صورت میں کَفَرَ اس کا صلہ ہوگا اور موصول صلہ سے مل کر مبتداء ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی اور وہ لَهُمْ وَعید شدیدٌ ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مَنْ شرطیہ ہو اور جزاء مقدر ہو اور وہ لهم وعیدٌ شدیدٌ ہے، جیسا کہ علامہ سیوطی نے ظاہر کردیا ہے، اور دال برحذف آئندہ جملہ، فعلیهم غضب من اللّٰه، یا ولَهم عذابٌ شدید، ہے۔

قِوْلَہُ: صدرًا لَهٗ، لَهٗ کا اضافہ اس شبہ کا جواب ہے کہ شَرَحَ کا صلہ باء نہیں آتا حالانکہ یہاں بالکفر میں باء صلہ واقع ہورہا ہے، جواب یہ ہے کہ باء بمعنی لام ہے۔

قِوْلَہُ: بمعنی طابت یہ اس شبہ کا جواب ہے یہاں فتحه کے کوئی معنی نہیں ہیں، جواب یہ ہے کہ فتحه بمعنی طاب ہے اور اسباب کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ صَدرًا، مفعول سے منقول ہو کر تمیز واقع ہے۔

قِوْلَہُ: اختاروها، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ استحبّوا کا صلہ علیٰ نہیں آتا حالانکہ یہاں علیٰ صلہ واقع ہورہا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ استحبّوا، اختاروا کے معنی میں ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قِوْلَہُ: وفی قراءة بالبناء للفاعل، یعنی فتنوا میں دو قراءتیں ہیں مجہول اور معروف، مجہول ہونے کی صورت میں مہاجرین نائب فاعل ہوں گے اور کفروا کے فاعل بھی اور معروف کی صورت دونوں فعلوں کے فاعل کفار ہوں گے، یعنی مشرکین نے کفر کیا اور لوگوں کو ایمان سے روکا۔

قِوْلَہُ: خبر انَّ الاولی الخ یعنی پہلے اِنَّ کی خبر کو حذف کردیا گیا ہے اسلئے اِنَّ ثانیہ کی خبر حذفِ خبر پر دال ہے۔

تَفسِیر وتشریح

ربط آیات:

سابقہ آیت میں بوقت تلاوت اعوذ باللّٰه پڑھنے کا حکم تھا اس لئے کہ تلاوت قرآن کے وقت شیطان مختلف قسم کے وسوسے دل میں ڈالتا ہے، اس آیت میں شیطان کے مختلف وسوسوں کا ذکر اور ان کا جواب ہے۔

نبوت پر کفار کے شبہات کا جواب مع تہدید:

ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرنے سے مراد ایک حکم کے بعد دوسرا حکم بھیجنا بھی ہوسکتا ہے، یعنی ایک آیت کے لفظ یا معنی منسوخ کرکے دوسرا حکم بھیج دیتے ہیں حالانکہ جو حکم اللہ تعالیٰ پہلی مرتبہ یا دوسری مرتبہ بھیجتا ہے اس کی مصلحت اور حکمت وہی

خوب جانتا ہے کہ جن کو یہ حکم دیا گیا ہے ان کے حالات کے اعتبار سے ایک وقت میں مصلحت کچھ تھی پھر حالات بدل جانے سے مصلحت اور حکمت دوسری ہوگئی تو یہ لوگ کہتے ہیں معاذ اللہ آپ افترا کرتے ہیں کہ اپنے کلام کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں ورنہ اگر اللہ کا حکم ہوتا تو اس کے بدلنے کی کیا ضرورت تھی کیا اللہ کو پہلے حالات بدلنے کا علم نہ تھا یا اللہ اس بات پر قادر نہیں کہ ایسا حکم بھیجے جو ہر حال میں اور ہر زمان میں قابل عمل ہو، یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ بعض اوقات تمام حالات کا علم ہونے کے باوجود پہلی حالت پیش آنے پر پہلا حکم دیا جاتا ہے اور دوسری حالت پیش آنے کا اگرچہ اس کو علم ہوتا ہے مگر بتقاضائے مصلحت اس دوسری حالت کا حکم اس وقت بیان نہیں کیا جاتا، بلکہ جب وہ حالت پیش آجاتی ہے اس وقت بیان کیا جاتا ہے جیسے طبیب یا ڈاکٹر ایک وقت ایک دوا تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کے استعمال سے حالت بدلے گی اور اس وقت دوسری دوا دی جائے گی، مگر مریض کو ابتداءً سب تفصیل نہیں بتاتا، یہی حقیقت نسخ احکام کی ہے جو قرآن وسنت میں ہوتا ہے جو حقیقت سے واقف نہیں وہ باغواء شیطانی نسخ کا انکار کرنے لگتے ہیں، اسی لئے اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ رسول اللہ مفتری نہیں ہے بلکہ انہی میں اکثر لوگ جاہل ہیں کہ نسخ کو بلا دلیل کلام الٰہی ہونے کے خلاف سمجھتے ہیں۔

البتہ جو لوگ مومن ہیں وہ کہتے ہیں کہ ناسخ اور منسوخ دونوں رب کی طرف سے ہیں علاوہ ازیں نسخ کے مصالح جب ان کے سامنے آتے ہیں تو ان کے اندر مزید ثبات قدمی اور ایمان میں رسوخ پیدا ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن مسلمانوں کے لئے ہدایت اور بشارت کا ذریعہ ہے کیونکہ قرآن کی مثال بارش کی سی ہے جس سے بعض زمینیں خوب شاداب ہوتی ہیں اور بعض میں خاروخس کے سوا کچھ نہیں اگتا، مومن کا دل طاہر اور شفاف ہوتا ہے جو قرآن کی برکت اور ایمان کے نور سے منور ہو جاتا ہے، اور کافروں کا دل زمین شور کی طرح ہوتا ہے جو کفر وضلالت کی تاریکیوں سے بھرا رہتا ہے جہاں قرآن کی ضیا پاشیاں بھی بے اثر رہتی ہیں۔

وَلَقَدْ نعلم اَنَّھُمْ یقولون اِنما یعلمه بَشَر، مشرکین مکہ کا یہ کہنا تھا کہ محمد ﷺ کو فلاں شخص سکھاتا ہے اور محمد اس کلام کو خدا کی طرف منسوب کر کے خدائی کلام کہتے ہیں ایک روایت میں اس کا نام جبر بیان کیا گیا ہے جو عامر بن الحضرمی کا ایک رومی غلام تھا دوسری روایت میں حویطب بن عبدالعزّیٰ کے ایک غلام کا نام آیا ہے جسے عائش یا یعیش کہتے تھے، ایک اور روایت میں یسار کا نام لیا گیا ہے جس کی کنیت ابوفُکیہہ تھی جو مکہ کی ایک عورت کا یہودی غلام تھا، اور ایک روایت میں بلعان یا بلعام نامی ایک رومی غلام کا ذکر ہے، بہر حال ان میں سے جو بھی ہو، کفار مکہ نے محض یہ دیکھکر کہ ایک شخص توراۃ وانجیل پڑھتا ہے اور محمد ﷺ کی اس سے ملاقات اور دید شنید ہے بے تکلف یہ الزام گھڑ دیا کہ اس قرآن کو دراصل وہ تصنیف کر رہا ہے اور محمد ﷺ اسے اپنی طرف سے خدا کا نام لے کر پیش کر رہے ہیں، اس سے نہ صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مخالفین آپ کے خلاف افتراء پردازیاں کرنے میں کس قدر بے باک تھے، بلکہ یہ سبق بھی ملتا ہے کہ لوگ اپنے ہم عصروں کی قدر وقیمت پہچاننے میں کتنے بے انصاف ہوتے ہیں۔

ان کے لوگوں کے سامنے تاریخ انسانی کی ایک عظیم شخصیت تھی جس کی نظیر نہ اس وقت دنیا بھر میں کہیں تھی اور نہ آج تک پائی

گئی، مگر ان عقل کے اندھوں کو اس کے مقابلہ میں ایک عجمی غلام، جو کچھ توراۃ، انجیل پڑھ لیتا تھا بہت قابل نظر آ رہا تھا۔

مَنْ کفر باللّٰہ من بعد ایمانہ (الآیۃ) اس آیت میں ان مظلوم مسلمانوں کا تذکرہ ہے کہ جن پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے، کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ ان میں سے ایک نہ ایک دست ستم سے زخم خوردہ ہو کر نہ آتا ہو، اور انھیں ناقابل برداشت اذیتیں دے کر کفر پر مجبور نہ کیا جاتا ہو، انھیں بتایا گیا ہے کہ اگر تم کسی وقت ظلم سے مجبور ہو کر محض جان بچانے کیلئے کلمۂ کفر زبان سے ادا کرو اور تمہارا دل عقیدۂ کفر سے محفوظ ہو تو معاف کر دیا جائیگا، لیکن اگر دل سے تم نے کفر قبول کر لیا تو دنیا میں چاہے جان بچا لو، خدا کے عذاب سے نہ بچ سکو گے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جان بچانے کے لئے کلمۂ کفر کہہ دینا چاہئے، بلکہ صرف رخصت ہے البتہ مقام عزیمت یہی ہے کہ خواہ آدمی کا جسم تکا بوٹی کر ڈالا جائے مگر وہ کلمۂ حق ہی کا اعلان کرتا رہے دونوں قسم کی نظیریں آپ ﷺ کے عہد مبارک میں پائی جاتی ہیں، ایک طرف خباب بن ارت ہیں جن کو آگ کے انگاروں پر لٹا دیا گیا یہاں تک کہ ان کی چربی پگھلنے سے آگ بجھ گئی مگر وہ سختی کے ساتھ اپنے ایمان پر جمے رہے، دوسرے بلال حبشی ہیں جن کو لوہے کی زرہ پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کر دیا جاتا تھا، پھر تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر گھسیٹا جاتا تھا مگر وہ ''احد احد'' ہی کہتے رہتے تھے، ان ہی مظلوم ومجبور لوگوں میں حبیب بن زید بن عاصم ہیں جن کے بدن کا ایک ایک عضو مسیلمہ کذاب کے حکم سے کاٹا جاتا تھا اور پھر مطالبہ کیا جاتا تھا کہ مسیلمہ کو نبی مان لیں مگر وہ ہر مرتبہ اس کے دعوائے رسالت کی تصدیق سے انکار کرتے تھے یہاں تک کہ اسی حالت میں کٹ کٹ کر انہوں نے جان دیدی اور دوسری طرف عمار بن یاسر ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے والد اور ان کی والدہ کو سخت عذاب دے کر شہید کر دیا گیا پھر ان کو اتنی ناقابل برداشت تکلیفیں دی گئیں کہ آخر کار انہوں نے جان بچانے کے لئے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کفار ان سے کہلوانا چاہتے تھے پھر وہ روتے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ما تُرِکتُ حتی سببتك و ذکرتُ آلِھَتَھُمْ بخیر، یا رسول مجھے اس وقت تک نہ چھوڑا گیا جب تک کہ میں نے آپ کو برا اور ان کے معبودوں کو اچھا نہ کہہ دیا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ''کیف تجد قلبكَ'' اپنے دل کا کیا حال پاتے ہو عرض کیا ''مطمَئِنًّا بالایمان'' ایمان پر پوری طرح مطمئن اس پر حضور نے فرمایا ''اِن عادوا فعد'' اگر وہ پھر اس طرح ظلم کریں تو پھر وہی باتیں کہہ دینا۔

ثم اِنَّ رَبَّكَ للذین ھاجروا (الآیۃ) یہ مکہ کے ان مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو کمزور تھے اور قبول اسلام کی وجہ سے کفار کے ظلم وستم کا نشانہ بنے رہے بالآخر ان کو ہجرت کا حکم دیا گیا، تو اپنے خویش واقارب، وطنِ مالوف اور مال وجائیداد سب کچھ چھوڑ کر حبشہ یا مدینہ چلے گئے، پھر جب کفار کے ساتھ معرکہ آرائی ہوئی تو مردانہ وار جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور اس کی راہ کی شدتوں اور تکالیف کو صبر کے ساتھ برداشت کیا، ان تمام باتوں کے بعد یقیناً تیرا رب ان کے لئے غفور رحیم ہے۔

سُوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۂ نحل مکی ہے پھر اس میں ہجرت وجہاد کا ذکر کیسا، اس کا کیا مطلب ہے؟

جَواب: اول تو ابن عطیہ کی روایت کے مطابق یہ آیت مدنی ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہجرت سے مراد

ہجرت حبشہ ہے اس صورت میں بھی کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، تیسرا جواب یہ ہے کہ صیغۂ ماضی کے ذریعہ اخبار مستقبل کی مثالیں قرآن میں بکثرت موجود ہیں۔

اُذكُر **يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ** تُحاجُّ **عَنْ نَّفْسِهَا** لا يهمُّها غيرُها وهُوَ يوم القيمةِ **وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ** جزاء **مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾** شيئًا **وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا** ويُبدلُ منه **قَرْيَةً** هِيَ مكة والمرادُ اهلُها **كَانَتْ اٰمِنَةً** من الغاراتِ لاتهاج **مُّطْمَئِنَّةً** لاتحتاجُ الى الانتقالِ عنها لضيقٍ اوخوفٍ **يَّأْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا** واسعًا **مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ** بتكذيبِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم **فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ** فقُحِطوا سبعَ سنينَ **وَالْخَوْفِ** بسرايا النبيِّ صلى الله عليه وسلم **بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ** محمدٌ صلى الله عليه وسلم **فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ** الجوعُ والخوفُ **وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا** ايُّها المؤمنونَ **مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ** اي لوَصفِ السنتِكُمْ **الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ** لمالم يُحلَّه اللهُ ولم يُحرِّمْه **لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ** بنسبتِهِ ذلِكَ اليه **اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾** لهُمْ **مَتَاعٌ قَلِيْلٌ** في الدنيا **وَّلَهُمْ** في الاخرةِ **عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾** مؤلِمٌ **وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا** اي اليهودُ **قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ** في اية وعلى الذين هادوا حرَّمنا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ الى اخرِها **وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ** بتحريمِ ذلك **وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾** بارتكابِ المعاصي المُوجبةِ لذلك **ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ** الشرك **بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا** رجعُوا **مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا** عملَهُمْ **اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا** اي الجهالةِ او التوبةِ **لَغَفُوْرٌ** لهم **رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾** بهم.

۱۵ ع ۲۱

ترجمہ: اس دن کو یاد کرو جس دن ہر شخص اپنے ہی لئے دلیل وحجت کرتا ہوا آئیگا، اسے کسی دوسرے کا کچھ غم نہ ہوگا اور وہ قیامت کا دن ہوگا، اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائیگا اور ان پر مطلقاً ظلم نہ کیا جائیگا اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں قریۃً، مثلاً سے بدل ہے (اور) وہ بستی مکہ ہے اور مراد مکہ کے رہنے والے ہیں، کہ وہ تاخت وتاراج سے مامون ومطمئن تھے، کسی تنگی یا خوف کی وجہ سے ان کو وہاں سے منتقل ہونے کی ضرورت نہیں تھی اس بستی والوں کا رزق بافراغت ہر جگہ سے چلا آرہا تھا پھر انہوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کر کے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک کا محیط عذاب کہ سات سال تک قحط میں مبتلا کئے گئے اور آپ ﷺ کے سرایا کے خوف کا مزا چکھایا یہ سب کچھ ان کے

کرتوتوں کی وجہ سے ہوا، ان کے پاس انہی میں کا ایک رسول محمد ﷺ پہنچا، پھر بھی انہوں نے اسے جھٹلایا تو انہیں بھوک اور خوف کے عذاب نے آدبوچا، اور وہ تھے ہی ظالم اے ایمان والو اللہ نے جو تمہیں حلال طیب روزی دے رکھی ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو، تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا جائے حرام کیا گیا ہے پھر جو شخص (فاقہ کی وجہ سے) بالکل ہی بے قرار ہو جائے بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ (حد) ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو (تو ان کے اس کھانے کو) اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور کسی چیز کو جو تمہاری زبان سے نکلتا ہے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اسلئے کہ اللہ نے نہ اس کو حلال کیا ہے اور نہ اس کو حرام کہ اس (حلت و حرمت) کی نسبت اس کی طرف کر کے اللہ پر بہتان بازی کرو، یقیناً وہ لوگ جو اللہ پر بہتان تراشی کرتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پاتے ان کے لئے دنیا میں چندروزہ عیش ہے اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا بیان ہم آپ سے اس سے پہلے کر چکے ہیں "وعلى الذين هادوا حرّمنا كل ذى ظفر" (الى آخر الآية) میں یعنی ہم نے یہودیوں پر ہر ناخون والے جانور کو حرام کر دیا تھا، ان چیزوں کو حرام کر کے ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ ان معاصی کا ارتکاب کر کے جو اس سزا کی موجب تھیں خود ہی انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا، پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے نادانی کی وجہ سے شرک کیا پھر انہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لی تو آپ کا رب (ان کی) جہالت یا توبہ کے بعد بڑی مغفرت والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تحاجُّ، تجادل کا صلہ چونکہ عن نہیں آتا اسلئے مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ تجادلُ، تحاجّ کے معنی میں ہے۔

قولہ: لا يهمُّها غيرها، یعنی کسی کو کسی کا کوئی غم نہ ہوگا، بلکہ ہر شخص نفسی نفسی پکار رہا ہوگا۔

قولہ: جزاء اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ توفی عمل کے کوئی معنی نہیں ہیں چونکہ اعراض کا انتقال نہیں ہوا کرتا۔

قولہ: لا تهاج، یہ اَهَاجَ الغبارَ سے ماخوذ ہے یعنی غبار اڑایا، (اور فارسی میں) بمعنی تاراج شد۔

قولہ: لباس الجوع، بھوک اور خوف کو لباس کے ساتھ تشبیہ دی ہے، دونوں میں وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح بھوک اور خوف جسم انسانی کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے اس لئے کہ ان دونوں کا اثر پورے جسم پر ہوتا ہے اسی طرح لباس بھی پورے جسم کو گھیر لیتا ہے اسی وجہ سے بھوک اور خوف کے اثر کو لباس سے تشبیہ دی ہے، اور ادراک کو چکھنے سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ چکھنے سے بھی بعض چیزوں کا ادراک ہوتا ہے۔

قَوْلُهٗ: لو صفِ السنتکم اس میں اشارہ ہے کہ لما تصف میں ما، مصدریہ ہے۔

قَوْلُهٗ: الکذبَ، لا تقولوا کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُهٗ: ھذا حلال وھذا حرام یہ الکذب سے بدل ہے۔

قَوْلُهٗ: لَھُمْ، متاع، متاعٌ قلیل مبتداء مؤخر اور لھم خبر مقدم ہے۔

سَوْال: یوم تاتی کل نفسٍ تجادل عن نفسھا، یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عن نفسِھا میں نفس کی اضافت نفس کی جانب ہو رہی ہے حالانکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تغایر ضروری ہے ورنہ تو اضافة الشئ الی نفسہ لازم آئے گی۔

جَوَاب: اول نفس سے پورا جسم انسانی مراد ہے اور ثانی نفس سے ذات عبارت ہے کل انسانٍ یجادل عن ذاتِہٖ ولا یھم غیرھا، مجادلة کے معنی عذرخواہی کے ہیں۔

تَفْسِیر وتَشْریح

یوم تاتی کل نفسٍ تُجَادِلُ عن نفسِھا، یعنی ہر شخص اپنی فکر میں ہوگا اس وقت نہ کوئی کسی کی حمایت کرے گا اور نہ سفارش بلکہ آپس میں تعارف اور جان پہچان اور نسبی وصہری رشتہ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بھاگیں گے، بھائی بھائی سے، بیٹے ماں باپ سے، شوہر بیوی سے بھاگے گا کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا، اور لکلِّ امرئٍ منھم یومئذٍ شان یغنیه ہر شخص کو اس دن اپنی پڑی ہوگی، وَضَرَبَ اللّٰہ مثلا قریة الخ اکثر مفسرین اس قریہ سے مراد مکہ لیا ہے یعنی اس میں اہل مکہ کا حال بیان کیا گیا ہے اور یہ اس وقت ہوا جب اللہ کے رسول نے ان کے لئے یہ بددعا فرمائی اللّٰھُمَّ اشددْ وطأتکَ علی مُضَرَ واجعلھا علیھم سنین کسنی یوسفَ، (بخاری شریف) اے اللہ مضر قبیلہ پر اپنی سخت گرفت فرما اور ان پر اس طرح قحط سالی مسلط فرما جس طرح حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں مصر میں ہوئی تھی، چنانچہ اللہ نے مکہ کے امن کو خوف سے اور خوشحالی کو بھوک سے بدل دیا حتی کہ اس کا یہ حال ہوگیا کہ ہڈیاں، درختوں کے پتے کھانے پڑے اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ غیر معین بستی ہے اور تمثیل کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کفران نعمت کرنے والوں کا یہ حال ہوگا وہ جہاں بھی ہوں، نزول کا سبب اگر خاص بھی ہو تب بھی جمہور مفسرین کو عموم سے انکار نہیں، العبرةُ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب.

انما حرّمَ علیکم المیتة وَالدَّم ولحم الخنزیر وَمَا اُھِلَّ لغیر اللّٰہ به الخ یہ آیت اس سے پہلے تین مرتبہ گذر چکی ہے، سورۂ بقرہ میں، سورۂ انعام میں، سورۂ مائدہ میں، یہ چوتھا مقام ہے اس میں لفظ اِنّما حصر کے لئے ہے لیکن یہ

حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے یعنی مخاطبین کے عقیدے اور خیال کے مطابق حصر لایا گیا ہے ورنہ دوسرے جانور اور درندے وغیرہ بھی حرام ہیں، البتہ ان آیات سے واضح ہے کہ ان میں جن چار محرمات کا ذکر ہے ان سے مسلمانوں کو نہایت تاکید کے ساتھ بچانا چاہتا ہے۔

وَمَا اُهِلَّ لغیر اللّٰه به، جو جانور غیر اللہ کے نام زد کر دیا جائے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے تقرب اور اس کی خوشنودی کے لئے اسے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح اسی غیر اللہ کا نام لیا جائے جس کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہے دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود تو غیر اللہ کا تقرب ہی ہو لیکن ذبح اللہ کے نام پر ہی کیا جائے جیسا کہ بعض جاہل، جانور کو بزرگوں کے لئے نام زد کرتے ہیں مثلاً یہ کہ یہ فلاں پیر کا بکرا ہے یہ بکرا گیارہویں شریف کا ہے وغیرہ وغیرہ اور ان کو وہ بسم اللہ پڑھ کر ہی ذبح کرتے ہیں، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ پہلی صورت تو یقیناً حرام ہے لیکن یہ دوسری صورت حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے کیونکہ یہ غیر اللہ کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا، حالانکہ فقہاء نے اس صورت کو بھی حرام قرار دیا ہے، اس لئے کہ یہ "**مَا اُهِلَّ لغیر اللّٰه به**" میں داخل ہے چنانچہ حاشیہ بیضاوی میں ہے، ہر وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے حرام ہے اگرچہ ذبح کرتے وقت اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو، اس لئے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے جانور ذبح کرے گا تو وہ مرتد ہو جائیگا، اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا درمختار میں ہے کسی حاکم یا کسی بڑے کی آمد پر (حسن خلق یا شرعی ضیافت کی نیت سے نہیں بلکہ اس کی رضامندی اور اس کی تعظیم کے طور پر) جانور ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہوگا، اس لئے وہ "**ما اهل لغير اللّٰه به**" میں داخل ہے اگرچہ بوقت ذبح اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو، اور علامہ شامی نے اس کی تائید کی ہے (**کتاب الذبائح**)، البتہ بعض فقہاء اس دوسری صورت کو "**وما اُهِلَّ لغير اللّٰه به**" کا مدلول نہیں مانتے اور اشتراک علت (**تقرب بغير اللّٰه**) کی وجہ سے اسے حرام سمجھتے ہیں گویا حرمت میں کوئی اختلاف نہیں صرف استدلال کے طریقہ میں اختلاف ہے باقی تفصیل سورۂ مائدہ میں "**وَمَا ذبح على النصب**" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً اماما قُدْوَةً جامعا لخصال الخير **قَانِتًا** مطيعا **لِّلّٰهِ حَنِيْفًا** مائلا الى الدين القيم **وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** ﴿۱۲۰﴾ **شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اجْتَبٰىهُ** اصطفاه **وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** ﴿۱۲۱﴾ **وَاٰتَيْنٰهُ** فيه التفاتٌ عن الغَيبةِ **فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً** هي الثناءُ الحسنُ في كلِّ اهلِ الاديان **وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ** ﴿۱۲۲﴾ الذين لهم الدَّرجاتُ العُلى **ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ** يا محمدُ **اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ** دِينَ **اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** ﴿۱۲۳﴾ كُرِّرَ ردًّا على زعمِ اليهودِ والنصارىٰ أنَّهم على دينِه **اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ** فُرِضَ تعظيمُه **عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ** على نبيِّهم وهم اليهودُ أُمِرُوا أن يتفرَّغوا للعبادةِ يومَ الجمعةِ فقالوا لا نُرِيدُه واختاروا السبتَ فشدَّ عليهم

فيه وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ مِن امرِه بِاَنْ يُثِيبَ الطائعَ ويعذِّبَ العاصيَ بانتهاكِ حرمتِه اُدْعُ الناسَ يا محمد اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ دينِه بِالْحِكْمَةِ بالقرآن وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ مواعظِه اوالقول الرفيق وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ اى بالمجادلةِ التِيْ هِيَ اَحْسَنُ كالدعاءِ الى اللّٰهِ باياتِه والدعاءِ الى حُججِه اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ اى عالِمٌ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ فيُجازيهم وهٰذا قبلَ الامرِ بالقتالِ ونزلَ لَمَّا قُتِلَ حمزةُ ومُثِّلَ به فقالَ صلى اللّٰه عليه وسلم وقد راٰه لامثلن بسبعين منهم مكانكَ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ عن الانتقام لَهُوَ اى الصبرُ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فكفَ صلى اللّٰه عليه وسلم و كَفَّرَ عن يمينِه رواه البزّارُ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ بتوفيقِه وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اى الكفّارِ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوْا لحرصِكَ على ايمانِهم وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اى لاتهتمّ بمكرِهِمْ فَانَا ناصِرُكَ عليهم اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا الكُفرَ والمعاصِيَ وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ بالطاعةِ والصبرِ بالعونِ والنصرِ.

ترجمہ: بے شک ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام امام، پیشوا تھے کہ جو تمام اچھی خصلتوں کے جامع تھے اللہ کے فرمانبردار دین قیم کی طرف رخ کرنے والے تھے وہ مشرکوں میں سے نہ تھے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر گذار تھے اللہ نے ان کو برگزیدہ بنایا تھا اور انھیں راہ راست سمجھادی تھی، اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بہتری دی تھی اور ہر مذہب (وملت) کے لوگوں میں ان کا ذکر جمیل ہے، اس میں غیبت سے (تکلم) کی جانب التفات ہے اور وہ آخرت میں بھی نیکوکاروں میں ہوں گے ایسے لوگوں میں کہ ان کے لئے بلند درجات ہوں گے پھر اے محمد ﷺ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں اور ابرہیم مشرکوں میں سے نہ تھے اس آیت کو یہود ونصاریٰ کے اس دعوے کو رد کرنے کے لئے مکرر لایا گیا ہے کہ وہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی ملت پر ہیں ہفتہ کے دن کی عظمت ان ہی لوگوں پر فرض کی گئی تھی جنہوں نے اپنے نبی سے اختلاف کیا تھا اور وہ یہود ہیں، ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ عبادت کے لئے جمعہ کے دن فارغ رہیں تو انہوں نے کہا ہم اس کا ارادہ نہیں رکھتے (یعنی ہم اس کو پسند نہیں کرتے) اور انہوں نے ہفتہ کے دن کو پسند کرلیا، تو اللہ نے ہفتہ کے دن میں سختی فرمائی، اور یقیناً آپ کا رب جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں قیامت کے روز اس کے بارے میں فیصلہ کردے گا اس طریقہ پر کہ فرمانبردار کو ثواب دے گا، اور یوم السبت کی بے حرمتی کرکے نافرمانی کرنے والوں کو عذاب دیگا اے محمد ﷺ آپ لوگوں کو اپنے رب کے دین کی طرف حکمت (یعنی) قرآن کے ذریعہ اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ دعوت دیجئے یا نرم گفتاری کے ساتھ دعوت دیجئے، اور ان سے بہتر طریقہ سے بحث کیجئے مثلاً اللہ کی آیات کے ذریعہ اللہ کی

طرف بلانا اور اس کے دلائل کی طرف دعوت دینا، یقیناً آپ کا رب ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں سے بھی بخوبی واقف ہے لہٰذا وہ ان کو سزا دے گا، اور یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب حضرت حمزہ قتل کر دیئے گئے اور ان کو مسخ کر دیا گیا، تو آپ ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو فرمایا کہ میں ان کے بدلے میں ان کے ستر آدمیوں کو ضرور مثلہ (مسخ) کروں گا، اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی جتنا تمہیں صدمہ پہنچا ہے اور اگر تم انتقام سے صبر کرو تو یہ صبر، صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے چنانچہ آپ ﷺ اپنے ارادہ سے رک گئے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا (رواہ البزار) آپ صبر کریں اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور آپ کے ان کے ایمان کے بارے میں شدید حریص ہونیکی وجہ سے اگر وہ ایمان نہ لائیں تو آپ غم زدہ نہ ہوں اور ان کے مکر سے آپ تنگدل نہ ہوں یعنی ان کے مکر سے رنجیدہ نہ ہوں اسلئے کہ ہم یقیناً ان کے مقابلہ میں آپ کے مددگار ہیں بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو کفر و معاصی سے بچتے ہیں اور مدد و نصرت کے ذریعہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو طاعت و صبر کے ذریعہ نیکوکار ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اُمَّۃ، لفظِ اُمَّۃ کے بارے میں مفسرین سے متعدد اقوال منقول ہیں، اس آیت میں حضرت ابرہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اُمَّۃ کا اطلاق کیا گیا ہے، یا تو اس لئے کہ حضرت ابرہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تنہا صفات کمالیہ کے جامع ہونے کے اعتبار سے ایک امت کے قائم مقام تھے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

لیس من اللّٰہ بمستنکر ان یجمعَ العالمَ فی واحد

دوسری وجہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امت کہنے کی یہ ہوسکتی ہے کہ آپ اپنے زمانہ میں تنہا مومن تھے باقی سب کفار تھے اسی وجہ سے آپ کو امت کہا گیا ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ امّۃ بمعنی مأموم یعنی مقتداء وامام جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنّی جاعلک للناس اماما" مذکورہ تینوں توجیہوں کی روشنی میں یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ امّۃ کا اطلاق حضرت ابرہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درست نہیں ہے اسلئے کہ حضرت ابراہیم واحد تھے اور امۃ کا اطلاق جمع پر ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اجتباہ، ای للنبوۃ.

قَوْلُہٗ: فُرِضَ، اس میں اشارہ ہے کہ جُعِلَ بمعنی فُرِضَ ہے۔

قَوْلُہٗ: تعظیمہ، اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے، اسلئے کہ فرض کا تعلق فعل سے ہوتا ہے نہ کہ اشیاء اور ازمان سے

اور سبت زمان ہے۔

قولہ: القول الرفیق، رفیق، رِفق سے ماخوذ ہے اس کے معنی نرمی اور سہولت کے ہیں مطلب یہ ہے کہ دین کی دعوت نرم گفتاری، شیریں بیانی سے دیجئے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں اصول شرک وکفر یعنی انکار توحید ورسالت پر رد اور حلت وحرمت کے بعض فروعی احکام کا ذکر تھا، مشرکین مکہ قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے اپنے کفر وبت پرستی کے باوجود دعویٰ یہ کرتے تھے کہ ہم ملتِ ابراہیمی کے پابند ہیں اور ہم جو کچھ کرتے ہیں یہ سب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات ہیں، اس لئے ان مذکورہ چار آیتوں میں ان کے اس دعوے کی تردید کی گئی ہے۔

اِنَّ ابراھیمَ کان اُمَّۃً، یعنی وہ اکیلا انسان بجائے خود اپنی ذات میں ایک امت تھا، جب دنیا میں کوئی مسلمان نہ تھا تو ایک طرف وہ اکیلا اسلام کا علمبردار تھا اور دوسری طرف ساری دنیا کفر کی علمبردار تھی اس اکیلے بندۂ خدا نے وہ کام کیا جو ایک امت کے کرنے کا تھا وہ ایک شخص نہ تھا بلکہ پوری ایک امت تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقتداء ہونے کا تو یہ عالم ہے کہ پوری دنیا کے تمام مشہور مذاہب کے لوگ سب آپ پر اعتماد کرتے ہیں اور آپ کی اتباع کو عزت اور فخر جانتے ہیں، یہود ''نصاریٰ'' مسلمان تو ان کی تعظیم کرتے ہی ہیں مشرکین عرب بت پرستی کے باوجود اس بت شکن کے معتقد اور ان کی ملت پر چلنے کو فخر سمجھتے تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قانت ومطیع ہونے کا خاص امتیاز ان امتحانات سے واضح ہو جاتا ہے جن سے اللہ کے یہ خلیل گذرے ہیں، آتش نمرود، اہل وعیال کو لق ودق میدان میں چھوڑ کر چلے آنے کا حکم، پھر بڑی آرزوں، اور تمناؤں اور دعاؤں سے ہونے والے بیٹے کی قربانی پر آمادگی یہ سب وہ امتیازات ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان القاب سے معزز فرمایا۔

غرضیکہ جتنی خوبیاں ہو سکتی ہیں وہ سب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں جمع ہو گئی تھیں، صاحب مال، صاحب اولاد، پاکیزہ رو، پسندیدہ خو، حوصلہ مند، فیاض، مہمان نواز، صابر وشاکر سب ہی کچھ آپ تھے۔

اِنما جعل السبتُ علی الّذین اختلفوا فیہ، اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے، اس میں چند اقوال ہیں، بعض کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لئے جمعہ کا دن عبادت کے لئے فارغ رکھنے کے لئے فرمایا تھا لیکن بنی اسرائیل نے ان سے اختلاف کیا اور ہفتہ کا دن اپنے اس اجتہاد سے کہ ہفتہ کے دن اللہ نے بھی چھٹی رکھی تھی اس لئے ہمیں بھی یہی

دن رکھنا چاہئے، حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا اے موسیٰ انہوں نے جو دن پسند کیا ہے وہی دن رہنے دو اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن میں مچھلی کا شکار کرنے سے ممانعت فرما کر ان کی آزمائش فرمائی اور مچھلیاں دیگر دنوں کی بہ نسبت ہفتہ کے دن زیادہ نمودار ہوتی تھیں، اور نصاریٰ نے یہود کی ضد میں اتوار کا دن عبادت کے لئے فارغ کیا اور دلیل یہ دی کہ کائنات کی تخلیق کی ابتداء چونکہ اللہ تعالیٰ نے اتوار سے فرمائی تھی اسلئے ہمیں اس روز چھٹی رکھنی چاہئے اور مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا دن مقرر کردیا۔

اُدع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة (الآیة) اس آیت میں تبلیغ ودعوت کے اصول بیان کئے گئے ہیں جو حکمت، موعظۂ حسنہ اور رفق وملائمت پر مبنی ہیں، جدال بالاحسن، درشتی وتلخی سے بچتے ہوئے نرم ومشفقانہ لب ولہجہ اختیار کرنا ہے، یعنی آپ کا کام مذکورہ اصولوں کے مطابق وعظ وتبلیغ ہے، ہدایت کے راستہ پر چلا دینا یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہدایت قبول کرنے والا کون ہے اور کون نہیں؟

وَاِنْ عَاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ بدلہ لینے کی اجازت ہے بشرطیکہ تجاوز نہ ہو ورنہ یہ خود ظالم ہوجائیگا، تاہم معاف کردینے اور صبر اختیار کرنے کو زیادہ بہتر قرار دیا گیا ہے۔

بحمد اللہ تمّ

سُوْرَةُ الْاِسْرَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاَحَدَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّاِثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ الْاِسْرَآءِ مكية اِلَّا وَاِنْ كَادُوا ليفتنونكَ الْاٰيات الثمان، مائة وَعشرُ آيات اَوْ اِحدىٰ عَشَرَة آية.

سورۂ اسراء مکی ہے سوائے وَاِنْ كادوا ليفتنونكَ آٹھ آیتوں کے، ۱۱۰ یا ۱۱۱ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **سُبْحٰنَ** تنزيهَ **الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ** محمدٍ **لَيْلًا** نصبٌ على الظرفِ والاسراءُ سيرُ الليل وفائدةُ ذكرهِ الاشارةُ بتنكيرهِ الى تقليلِ مدّتهِ **مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** اَىْ مكة **اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا** بيتِ المقدسِ لِبُعْدِهِ منهُ **الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ** بالثمارِ والانهارِ **لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا** عجائبَ قدرَتِنا **اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ**① اَىْ العالمُ باقوالِ النبىِّ صلى الله عليه وسلم وافعالِه فانعَمَ عليه بالاسراءِ المشتمِلِ على اجتماعِهِ بالانبياءِ وعُرُوْجِه الى السّمَاءِ ورؤيَتِهِ عجائِبَ الملكوتِ ومناجاتِهِ تعالى فانّهُ صلى الله عليه وسلم قالَ اتيتُ بالبراقِ وهو دابّةٌ ابيضُ فوقَ الحمارِ ودونَ البغلِ يضعُ حافِرَهُ عندَ منتهى طرفِهِ فركبتُهُ فسارَبِىْ حتى اتيتُ بيتَ المقدسِ فربطت الدابةَ بالحلقةِ التى يربط فيها الانبياء ثم دخلتُ فصليتُ فيه ركعتينِ ثم خرجتُ فجاءَنِىْ جبرئيلُ عليه السلامُ باناءٍ مِنْ خمرٍ واناء من لبن فاخترتُ اللبنَ قال جبرئيلُ اصبتَ الفطرَةَ قالَ ثم عَرَجَ بى الى السّماءِ الدُّنيا فاستفتَحَ جبريلُ قيلَ لَهُ من انتَ فقالَ جبريلُ قيلَ ومَنْ مَعَكَ قالَ محمّدٌ قيلَ وقد اُرسِلَ اليه قالَ قد اُرسلَ اليهِ ففَتَحَ لَنا فاذا أنا بادَمَ فرحّبَ بي وَدَعالي بخيرٍ ثم عَرَجَ بنا الى السَّماءِ الثانيهِ فاستفتحَ جبريلُ فقيلَ مَنْ اَنتَ فقال جبريلُ قيلَ ومَنْ مَعكَ قالَ محمدٌ صلى الله عليه وسلم قيلَ وقد بُعثَ اليه قالَ قد بُعثَ اليه فَفَتحَ لَنا فاذَا اَنَا بِابْنَىِ الخالَةِ يَحْيٰى وعِيْسٰى فرحّبابى ودعَوالى بخيرٍ ثم عرَجَ بنا الى السماءِ الثالثةِ فاستفتحَ

جبریلُ فقیلَ مَنْ انتَ قالَ جبریلُ فقیلَ ومَنْ مَعَكَ قال محمدٌ فقیلَ وَقَدْ أرسلَ الیه قَالَ قد أرسلَ الیه فَفَتَحَ لَنَا فَإذَا اَنَا بِیُوْسُفَ واذَا ہو قد أُعطی شطرَ الحُسْنِ فرحَّبَ بی ودَعَالی بخیرٍ ثم عَرَجَ بِنَا الی السماءِ الرَّابعةِ فاستفتحَ جبریلُ فقیلَ مَنْ انتَ قالَ جبریلُ فقیلَ ومَنْ مَعَكَ قال محمدٌ فقیلَ وقد بُعثَ الیه قال قد بُعثَ الیه فَفَتَحَ لَنَا فإذَا اَنَا بادْریس علیه السلام فرحَّبَ بی ودَعَالی بخیرٍ ثم عَرَجَ بنا الی السماءِ الخامسةِ فاستفتحَ جبریلُ فقیلَ مَنْ انتَ قالَ جبریلُ فقیلَ ومَنْ مَعَكَ قال محمدٌ فقیلَ وقد بُعثَ الیه قال قد بُعثَ الیه فَفَتَحَ لَنَا فإذَا اَنَابِہارُوْنَ فرحَّبَ بی ودَعَالی بخیرٍ ثم عرَجَ بنا الی السَّماءِ السَّادسَةِ فاستفتحَ جبریلُ فقیلَ مَنْ انتَ قالَ جبریلُ فقیلَ ومَنْ مَعَكَ قال محمدٌ فقیلَ وقد بُعثَ الیه قال قد بُعثَ الیه فَفَتَحَ لَنَا فإذَا اَنَابِمُوْسٰی علیه السلام فرحَّبَ بی ودَعَالِیْ بخیرٍ ثم عَرَجَ بِنَا اِلی السماءِ السابعةِ فاستفتحَ جبریلُ فقیلَ مَنْ انتَ قالَ جبریلُ فقیلَ ومَنْ مَعَكَ قال محمدٌ فقیلَ وقد بُعثَ الیه قال قد بُعثَ الیه فَفَتَحَ لَنَا فإذَا اَنَابابراہیم علیه السلام فاذَا ہو مستندٌ الَی البیتِ المعْمورِ واذَا ہو یدخلُه کلَّ یومٍ سبعُوْنَ الفَ ملَكٍ ثم لا یعُودُوْنَ الیه ثم ذہبَ بی الٰی سدرَةِ المنتہیٰ فاذَا ورقہا کاذانِ الفیلةِ واذا ثمرُہا کالقلالِ فلما غشِیہا من امرِ اللّٰه ما غشِیہا تغیَّرتْ فما احدٌ من خلقِ اللّٰہِ یستطیعُ ان یصفَہا من حسنہا قالَ فاوحٰی الَیَّ ما اَوْحٰی وفرَضَ علَیَّ فی کلِّ یوم ولیلةٍ خمسینَ صلاة فنزلتُ حتی انتہیتُ الٰی موسٰی فقالَ ما فَرَضَ ربُّكَ علی امَّتِكَ قلتُ خمسینَ صلاةً کلَّ یوم ولیلةٍ قال ارجعْ الٰی ربِّكَ فسلْهُ التخفیفَ فانَّ امتَكَ لا تُطیقُ ذٰلكَ وانی قد بلوتُ بنی اسرائیلَ وخبَرتُہم قالَ فرجعتُ الٰی ربِّیْ فقلْتُ ای رَبِّ خفِّفْ عن امَّتِیْ فحطَّ عنِّیْ خمسًا فرجعْتُ الٰی موسٰی قالَ ما فعلت قلتُ قد حطَّ عنی خمسًا قال اِنَّ امتَكَ لا تُطیقُ ذٰلكَ فارجِعْ اِلی ربِّكَ فسَلْه التخفیفَ لامتِكَ قالَ فلَمْ ازَلْ ارجعُ بینَ رَبِّیْ وبینَ مُوسٰی ویحطُّ عنِّیْ خمسًا خمسًا حتی قال یا محمدُ (صلی اللّٰه علیه وسلم) ہی خمسُ صلوَاتٍ فی کلِّ یومٍ ولیلةٍ بکلِّ صلوةٍ عشر فتلكَ خمسونَ صلاة ومن ہمَّ بحسنةٍ فلم یعمَلْہا کتبتُ لہٗ حسنَةً فان عَمِلَہا کتبتُ له عشرًا ومَنْ ہَمَّ بسیئةٍ ولم یَعْملہَا لم تکتَبْ فان عَمِلہا کتبتْ سیئةٌ واحدةٌ فنَزَلتُ حتّٰی انتہَیْتُ الٰی مُوسٰی علیه السلام فاخبرْتُہٗ فقَالَ اِرْجعْ الٰی ربِّكَ فاسْألْهُ التخفیفَ لامّتِكَ فإنَّ امتك لا تُطیقُ ذٰلكَ فقلْتُ قد رجعتُ الٰی ربِّیْ حتّٰی استحیَیْتُ، رواهُ الشیخان واللفظ لمسلم وروٰی الحاکمُ فی المستدركِ عن اِبْنِ عبّاس رضی اللّٰه تعالٰی عنہما قالَ قالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللّٰه علیه وسلم رأیتُ رَبِّیْ عزَّوَجلَّ قالَ تعالٰی **وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ** التورٰة **وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ** لِ **اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا** ﴿٢﴾ یُفوضُوْنَ الیه امرَہم وَفی قراءةٍ تتخِذُوا بالفوقانیَةِ التفاتا فَانْ زائدةٌ والقولُ مضمرٌ یا **ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ**

فی السفینۃ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ كثیر الشکر لنا حامدًا فی جمیع احوالہ وَقَضَيْنَآ اوحینا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ التورٰۃ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ ارض الشام بالمعاصی مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ تبغون بغیًا عظیمًا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا اولی مرّتی الفساد بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ اصحاب قوّۃ فی الحرب والبطش فَجَاسُوْا ترددوا لطلبکم خِلٰلَ الدِّيَارِ وسط دیارکم لیقتلوکم ویسبوکم وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ وقد افسدوا الاولی بقتل زکریا فبعث علیہم جالوت وجنودہ فقتلوہم وسبوا اولادہم وخربوا بیت المقدس ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ الدولۃ والغلبۃ عَلَيْهِمْ بعد مائۃ سنۃ بقتل جالوت وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ عشیرۃ وقلنا اِنْ اَحْسَنْتُمْ بالطاعۃ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ لان ثوابہ لہا وَاِنْ اَسَاْتُمْ بالفساد فَلَهَا ط اساءتکم فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ المرۃ الْاٰخِرَةِ بعثناہم لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ یحزنوکم بالقتل والسبی حزنًا یظہر فی وجوہکم وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ بیت المقدس فیخربوہ كَمَا دَخَلُوْهُ وخربوہ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا یہلکوا مَا عَلَوْا غلبوا علیہ تَتْبِيْرًا ۝ اہلاکًا وقد افسدوا ثانیًا بقتل یحیٰی فبعث علیہم بخت نصر فقتل منہم الوفا وسبی ذریتہم وخرب بیت المقدس وقلنا فی الکتٰب عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ بعد المرۃ الثانیۃ ان تبتم وَاِنْ عُدْتُّمْ الی الفساد عُدْنَا الی العقوبۃ وقد عادوا بتکذیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فسلط علیہم بقتل قریظۃ ونفی النضیر وضرب الجزیۃ علیہم وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ محبسًا وسجنًا اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ ای للطریقۃ هِيَ اَقْوَمُ اعدل واصوب وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ وَ یخبر اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا اعددنا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ مؤلمًا ہو النار۔

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے محمد ﷺ کو لیلاً ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے، اور اسراء رات کے سفر کو کہتے ہیں، اور لَیل کو ذکر کرنے کا فائدہ لیل کی تنکیر سے مدت سیر کی قلت کی طرف اشارہ ہے مسجد حرام یعنی مکہ سے مسجد اقصیٰ (یعنی) بیت المقدس تک (بیت المقدس کا نام مسجد اقصیٰ) اس کے مسجد حرام سے دور ہونے کی وجہ سے ہے جس کے اطراف میں ہم نے پھلوں اور نہروں کے ذریعہ برکت رکھی ہے تاکہ ہم محمد ﷺ کو اپنی قدرت کے عجائبات دکھائیں بلاشبہ وہ سننے والا دیکھنے والا ہے یعنی وہ نبی ﷺ کے اقوال وافعال سے واقف ہے، تو اللہ نے آپ پر سفر شب کا انعام فرمایا جو انبیاء کی ملاقات اور آسمان پر آپ کے تشریف لیجاتے اور عالم بالا کے عجائبات کو دیکھنے اور آپ کے اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے پر مشتمل تھا، خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس ایک سفید جانور لایا گیا جو حمار سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، وہ اپنا قدم اپنے منتہائے نظر پر رکھتا تھا، چنانچہ میں اس پر سوار ہوا تو وہ مجھے لے کر

روانہ ہوا، یہاں تک کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا اور میں نے اس جانور کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے، پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا اور میں نے اس میں دو رکعت نماز پڑھی، پھر میں باہر آیا تو جبرائیل میرے پاس دو برتن لے کر آئے ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ، میں نے دودھ پسند کیا، جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا آپ نے فطرت کو اختیار کیا، آپ نے فرمایا پھر مجھے آسمانِ دنیا (قریبی آسمان) کی طرف لے کر روانہ ہوئے تو جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دستک دی، ان سے معلوم کیا گیا کہ آپ کون ہیں؟ تو جواب دیا میں جبرائیل ہوں (پھر) سوال کیا گیا آپ کے ساتھ کون صاحب ہیں؟ فرمایا محمد ﷺ ہیں پھر معلوم کیا گیا کیا وہ مدعو ہیں؟ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا ہاں مدعو ہیں اس کے بعد ہمارے لئے دروازہ کھولدیا تو دفعتہً ہماری ملاقات (حضرت) آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی تو حضرت آدم نے مجھے مرحبا کہا اور مجھے دعاء خیر دی، پھر (جبرائیل) مجھے دوسرے آسمان کی طرف لے کر چلے چنانچہ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دستک دی آپ سے سوال کیا گیا آپ کون ہیں؟ جواب دیا جبرائیل ہوں، سوال کیا گیا آپ کے ساتھ کون صاحب ہیں؟ فرمایا محمد ﷺ ہیں معلوم کیا گیا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ جواب دیا ہاں بلایا گیا ہے، چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھولدیا، تو میں اچانک یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دو خالہ زاد بھائیوں کے پاس تھا، دونوں نے مجھے مرحبا کہا اور دعاء خیر دی، پھر جبرائیل مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے کر روانہ ہوئے تو جبرائیل نے دستک دی سوال کیا گیا آپ کون ہیں؟ جواب دیا جبرائیل ہوں سوال ہوا آپ کے ساتھ کون صاحب ہیں؟ جواب دیا محمد ﷺ ہیں سوال کیا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ جواب دیا ہاں بلائے گئے ہیں تو ہمارے لئے دروازہ کھولدیا گیا تو اچانک ہماری ملاقات یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی (دیکھا تو) معلوم ہوا کہ انھیں (مجموعی حسن کا) نصف حصہ دیا گیا ہے، تو انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور مجھے دعاء خیر دی پھر (جبرائیل) مجھے چوتھے آسمان کی طرف لے کر چلے تو جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دستک دی سوال کیا گیا کہ آپ کون ہیں؟ جواب دیا جبرائیل ہوں سوال کیا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں معلوم کیا وہ مدعو ہیں؟ جواب دیا (جی ہاں) مدعو ہیں تو ہمارے لئے دروازہ کھولدیا تو اچانک ہماری ملاقات ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوگئی تو انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور دعاء خیر دی، اس کے بعد ہم کو پانچویں آسمان کی طرف لے کر چلے تو جبرائیل نے دستک دی، سوال کیا گیا آپ کون ہیں؟ جواب دیا جبرائیل ہوں پھر سوال کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ جواب دیا ہاں بلایا گیا ہے تو ہمارے لئے دروازہ کھولدیا تو اچانک ہماری ملاقات ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوگئی تو انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور دعاء خیر دی پھر ہم کو چھٹے آسمان کی طرف لے کر چلے (وہاں پہنچ کر) جبرائیل نے دستک دی، سوال کیا گیا تم کون ہو؟ جواب دیا میں جبرائیل ہوں پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد ﷺ ہیں سوال کیا گیا ان کو بلایا گیا ہے؟ جواب دیا ہاں بلایا گیا ہے تو ہمارے لئے (دروازہ) کھول دیا، تو اچانک ہماری ملاقات موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی تو انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور مجھے دعاء خیر دی، پھر ہم کو ساتویں آسمان کی طرف لے کر چلے (دروازہ پر) جبرائیل نے دستک دی سوال ہوا آپ کون ہیں؟ جواب دیا میں جبرائیل ہوں، سوال کیا گیا آپ کے ساتھ کون

ہیں؟ کہا محمد ﷺ ہیں سوال ہوا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ جواب دیا (ہاں) بلایا گیا ہے تو ہمارے لئے دروازہ کھولا، تو اچانک (حضرت) ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات ہوئی تو وہ بیت معمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اور اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اس کے بعد دوبارہ ان کا نمبر نہیں آتا، پھر مجھے سدرۃ المنتہٰی کے پاس لے گئے (تو دیکھا) کہ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر ہیں اور اس کے پھل ٹھلیوں کے برابر ہیں، جب اس درخت کو اللہ کے حکم سے ڈھانپ لیا جس چیز (نور) نے ڈھانپ لیا تو اس درخت کی حالت ایسی بدل گئی کہ اللہ کی کوئی مخلوق اس کے حسن کی تعریف نہیں کر سکتی، نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا اس کے بعد اللہ نے میری جانب جو چاہی وحی بھیجی اور میرے اوپر پچاس وقت کی نماز فرض فرمائی، چنانچہ جب میں نیچے اترا اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچا تو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے مجھ سے دریافت فرمایا آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض فرمایا؟ میں نے کہا یومیہ پچاس نمازیں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا واپس جاؤ اور اللہ سے تخفیف کا سوال کرو اسلئے کہ آپ کی امت اس کی متحمل نہ ہوگی اور میں بنی اسرائیل کو خوب جانچ پرکھ چکا ہوں، نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا، کہ میں اپنے پروردگار کے پاس واپس گیا تو عرض کیا اے میرے پروردگار میری امت کے لئے تخفیف فرما دے تو مجھ سے پانچ نمازیں کم کر دیں اس کے بعد پھر میں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے دریافت فرمایا آپ نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ مجھ سے پانچ نمازیں کم کر دی گئیں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا آپ کی امت اس کی بھی متحمل نہ ہوگی اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اپنی امت کے لئے تخفیف کا سوال کرو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے رب اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے درمیان مسلسل چکر لگاتا رہا اور اللہ تعالیٰ مجھ سے ہر بار پانچ پانچ نمازیں کم کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ رات اور دن میں یہ پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز کے عوض دس نمازوں (کا ثواب) ہے اس طرح یہ کل پچاس نمازیں ہوئیں اور جس شخص نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور ہنوز عمل نہیں کیا تو میں اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہوں اور اگر اس نے عمل کر لیا تو میں اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دیتا ہوں اور جو شخص کسی بدی کا ارادہ کرتا ہے اور ہنوز اس کو عملی جامہ نہیں پہناتا تو میں اس کو نہیں لکھتا، اور اگر وہ اسے کر لیتا ہے تو میں ایک بدی لکھتا ہوں، اس کے بعد میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچا اور میں نے ان کو صورت حال کی اطلاع دی تو (پھر) موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا اپنے رب کے پاس جاؤ اور اپنی امت کے لئے تخفیف کا سوال کرو، اسلئے کہ آپ کی امت اس کی (بھی) متحمل نہ ہوگی، تو آپ نے فرمایا میں بار بار اپنے رب کے حضور حاضر ہوا یہاں تک کہ مجھے شرم آنے لگی، (رواہ الشیخان، اور الفاظ مسلم کے ہیں) اور حاکم نے مستدرک میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میں نے اپنے رب عز وجل کو دیکھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو کتاب تورات عطا کی اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لئے رہنما بنایا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنانا کہ اس کو اپنے معاملات سونپ دو، اور ایک قراءت میں (تتخذوا) بطور التفات تاء فوقانیہ کے ساتھ ہے، أن زائدہ اور (لفظ) قول مضمر ہے اے ان لوگوں کی اولاد کہ جن کو ہم نے نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ کشتی میں

سوار کیا تھا وہ ہمارا بڑا شکر گذار بندہ تھا یعنی ہمارا بہت زیادہ شکر کرنے والا، اور ہر حال میں تعریف کرنے والا، اور ہم نے بنی اسرائیل سے وحی کے ذریعہ تورات میں صاف کہہ دیا تھا کہ تم ملک شام میں معاصی کے ذریعہ دو مرتبہ فساد برپا کرو گے اور تم بڑی زبردست زیادتیاں کرو گے یعنی بڑا ظلم کرو گے، اور جب ان دونوں موقعوں میں سے یعنی فساد کے دو موقعوں میں سے پہلا موقع آیا تو ہم نے تمہاری سرکوبی کے لئے اپنے ایسے بندے بھیج دیئے جو بڑی شدید قوت والے تھے (یعنی) حرب واخذ میں بڑے زور آور تھے تو وہ تمہاری تلاش میں (تمہارے) گھروں میں گھس گئے تاکہ وہ تم کو قتل وقید کریں، اور (اللہ کا یہ) وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا، اور ان لوگوں نے پہلا فساد (حضرت) زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کو قتل کرکے برپا کیا تو اللہ نے ان کے اوپر جالوت اور اس کے لشکر کو بھیج دیا (جس نے) ان کو قتل کیا اور ان کی اولاد کو قیدی بنالیا اور بیت المقدس کو ویران کردیا، پھر ہم نے تمہارا جالوت کے قتل کے سو سال بعد ان پر دبدبہ اور غلبہ لوٹا دیا، یعنی (تمہارے دن پھیر دیئے) اور مال واولاد سے تمہاری مدد کی اور ہم نے تم کو بڑے جتھے والا بنا دیا اور ہم نے کہا اگر تم نے طاعت کے ذریعہ اچھے کام کئے تو اپنے فائدہ کے لئے اس لئے کہ ان کا اجر تم ہی کو ملے گا، اور اگر فساد کے ذریعہ تم نے برے اعمال کئے تو انکی سزا بھی تمہارے لئے ہوگی، اور جب (فساد کا) دوسرا موقع آیا تو (پھر) ہم نے ان کو بھیج دیا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں، یعنی وہ تم کو قتل وقید کے ذریعہ تاراج کردیں کہ جس کا اثر تمہارے چہروں پر ظاہر ہوجائے اور تاکہ وہ مسجد یعنی بیت المقدس میں داخل ہوجائیں اور اس کو ویران کردیں، یا جس طرح وہ پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے اور بیت المقدس کو ویران کردیا تھا، اور تاکہ وہ پوری طرح تہس نہس کردیں جس پر انہوں نے غلبہ حاصل کیا ہے اور انہوں نے (حضرت) یحیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو قتل کرکے دوسری مرتبہ فساد برپا کیا تو اللہ نے ان پر بخت نصر کو بھیج دیا تو اس نے ان میں سے ہزاروں کو قتل کردیا اور ان کی اولاد کو قید کرلیا اور بیت المقدس کو ویران کردیا، اور ہم نے کتاب (تورات) میں کہا دوسری مرتبہ کے بعد (بھی) اگر تم نے توبہ کرلی تو امید ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے گا اور اگر تم نے پھر فساد برپا کیا تو ہم پھر سزا دیں گے چنانچہ محمد ﷺ کی تکذیب کرکے پھر فساد برپا کیا تو اللہ نے ان پر قریظہ کو قتل کرکے اور بنو نضیر کو جلاوطن کرکے اور ان پر جزیہ عائد کرکے محمد ﷺ کو ان پر مسلط کردیا، اور جہنم کو ہم نے کافروں کے لئے قید خانہ بنادیا بلاشبہ یہ قرآن راہ راست یعنی درمیانی اور ٹھیک راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیک عمل کرنے والے مومنوں کو اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انھیں اس بات کی خبر دیتا ہے کہ ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ آگ ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: سُبْحَانَ، یہ فعل محذوف کا مصدر ہے ای سَبَّحتُ اللّٰہَ سُبحَانًا.

قَوْلُہٗ: لیلاً نصبٌ علی الظرفیۃ، یعنی لَیْلًا، اسریٰ کا ظرف زمان ہے نہ کہ مفعول اسلئے کہ اسراء اور سرا دونوں

لازم ہیں۔

سُوَال: اسریٰ، سیر فی اللیل کو کہتے ہیں پھر لیلاً کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جَوَاب: یہ ہے کہ سیر فی اللیل اگرچہ اسریٰ میں داخل ہے مگر لیلاً کو نکرہ ذکر کرکے قلیل مدت کی طرف اشارہ ہے اور لیلاً کی تنوین یہاں قلت کے لئے ہے۔

قولہ: لِبُعدہٖ منہ، یہ مسجد اقصیٰ کی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے درمیان ایک ماہ کی مسافت ہے یا اس لئے کہ اس وقت مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے درمیان کوئی مسجد نہیں تھی اسی وجہ سے اس کا مسجد اقصیٰ نام رکھا گیا۔

قولہ: کا لقلال، قِلال، قُلّة کی جمع ہے بمعنی مٹکا، ٹھلیا۔

قولہ: لاتتخذوا، أن مصدریہ ہے اور لام تعلیل مقدر ہے جسے شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ظاہر کردیا ہے لاتتخذوا حذف نون کے ساتھ منصوب ہے اور لا نافیہ ہے اور یہ ترکیب یاء تحتانیہ کی صورت میں ہے اور تاء فوقانیہ کی صورت میں حذف نون کے ساتھ مجزوم ہوگا اور لا، ناہیہ ہوگا اور أن زائدہ ہوگا۔

قولہ: القول مضمر، ای مقولاً لهم لا تتخذوا، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ أن کا مفسرہ ہونا راجح ہے اسلئے کہ آتینَا، قلنا کے معنی میں ہے جو کہ أن مفسرہ کے لئے شرط ہے۔

قولہ: نفیرًا یہ نَفَرٌ کی جمع ہے، بمعنی خاندان، جمعیة.

قولہ: وَاِنْ اَسَأتم فَلَها.

سُوَال: نقصان کے لئے صلہ میں علی استعمال ہوتا ہے حالانکہ یہاں لام استعمال ہوا ہے جو کہ نفع کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

جَوَاب: یہ ازدواج یعنی مقابلہ کے طور پر علی کی جگہ لام استعمال ہوا ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

واقعہ اسراء ومعراج کی تاریخ:

واقعہ معراج کی تاریخ میں روایات بہت مختلف ہیں بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت مدینہ سے چھ ماہ قبل پیش آیا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج آپ کی بعثت کے سات سال بعد پیش آیا اسلئے کہ حضرت خدیجہ کی وفات نماز کی فرضیت سے قبل ہوئی ہے اور حضرت خدیجہ کی وفات بعثت کے ساتویں سال ہے تمام روایات سے یہ تو بالاتفاق معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج ہجرت سے پہلے پیش آیا حربی کہتے ہیں کہ واقعہ اسراء ومعراج ربیع الثانی کی ستائیسویں شب میں ہجرت سے پہلے پیش آیا ہے اور عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ماہ رجب کی ستائیسویں شب میں پیش آیا۔

واقعۂ معراج:

یہ سورۂ بنی اسرائیل شروع ہوئی اور یہیں سے پندرھواں پارہ شروع ہوتا ہے اس کی پہلی آیت میں واقعۂ اسراء کا غیر معمولی انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے، عرف عام میں اسی واقعہ کو معراج کہا جاتا ہے، معراج کا واقعہ آپ حضرات نے کتابوں میں پڑھا ہوگا اور سنا ہوگا، قرآن مجید میں اس کا ذکر بہت اجمال کے ساتھ آیا ہے، ہاں حدیثوں میں واقعہ کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، اکثر روایات کے مطابق یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے مکہ معظمہ میں پیش آیا تھا، معراج کی حقیقت اور نوعیت کو یوں سمجھنا آپ حضرات کے لئے کچھ آسان ہوگا کہ جس طرح اللہ کے حکم سے فرشتے آسمان سے زمین پر آتے ہیں اور یہاں سے آسمانوں پر چلے جاتے ہیں اور ایک لمحہ میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق پہنچ سکتے ہیں، اسی طرح ایک رات میں بلکہ رات کے بھی بہت تھوڑے سے حصے میں بس چند لمحات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت سے رسول اللہ ﷺ کو پہلے مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک اور پھر وہاں سے آسمانوں سے بھی اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا اور اپنی قدرت کی خاص نشانیوں اور بہت سی غیبی حقیقتوں کا مشاہدہ کرایا اور یہ مشاہدہ کرانا ہی اس سفرِ معراج کا خاص مقصد تھا، اسی آیت میں فرمایا گیا ہے "لِنُرِيَهُ مِنْ آيٰتِنَا" یعنی ہم نے یہ سفر اسی لئے کرایا کہ اپنے بندے محمد ﷺ کو اپنے عجائباتِ قدرت کا مشاہدہ اور نظارہ کرائیں۔

اس سفر کے دو حصے ہیں ایک مکہ مکرمہ کی مسجد حرام سے فلسطین کی مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک، اور دوسرا حصہ سفر کا ہے وہاں سے آسمانوں اور ان کے بھی اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک، عرف عام میں اس پورے سفر کو معراج کہا جاتا ہے، اور اہل علم کی خاص اصطلاح میں پہلے حصہ کو "اسراء" اور دوسرے کو معراج سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہاں سورۂ بنی اسرائیل کی اس پہلی آیت میں صرف پہلے حصہ کا ذکر ہے یعنی مسجد حرام سے بیت المقدس تک کے آپ کے سفر کا ذکر ہے، اور چونکہ یہ سفر ایسا تھا کہ عام عقلیں اس کو سمجھ نہیں سکتیں اور باور نہیں کرسکتیں کہ رات کے ذرا سے حصہ میں مکہ سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر ہوگیا، اس لئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کی بے انتہا قدرت کی طرف اشارہ کرکے یہ صراحت کردی گئی کہ یہ محیر العقول سفر خود محمد ﷺ کا فعل نہیں تھا بلکہ اُس خداوند قدوس کا فعل تھا جس کی قدرت کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے اور جو "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" ہے، آیت کے سب سے پہلے لفظ "سُبْحَانَ الَّذِيْ" سے اسی طرف اشارہ کیا گیا۔

اگر یہ کہا جاتا کہ یہ سفر خود رسول اللہ ﷺ نے کیا جو اپنی ذات سے ایک بشر اور پیغمبر تھے تو شک وشبہ کی گنجائش تھی کہ ایک انسان اور آدم زاد کے لئے بظاہر یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ چند لمحوں میں حرم مکہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے آسمانوں کے بھی اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک جائے اور واپس آجائے، لیکن اس آیت میں اس سفر معراج کو رسول اللہ ﷺ کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل بتلایا گیا ہے، ارشاد فرمایا گیا ہے "سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ" (یعنی وہ خداوند قدوس ہر نقص اور کمزوری سے پاک ہے جو

اپنے خاص بندے (محمد ﷺ) کو رات کے ایک حصہ میں مکہ کی مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک لے گیا جس کے آس پاس اور ماحول کو ہم نے اپنی خاص برکتوں سے مالا مال کیا ہے) قرآن مجید نے اس آیت میں اِسراء اور معراج کو اللہ تعالیٰ کا فعل بتلا کر منکرین اور مخالفین کے تمام اعتراضات اور شکوک وشبہات کا جواب دے دیا اور ہم مسلمانوں کو بھی اس مشرکانہ گمراہی سے بچا دیا جس میں عیسائی مبتلا ہوئے، انہوں نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کو اُن کا ذاتی فعل اور اُن کا تصرف سمجھا اور اُن کو خدائی اور خداوندی صفات میں شریک مان لیا، اگر وہ حضرت مسیح کے ان معجزات کو خدا کا فعل اور خداوندی تصرف سمجھتے تو اس شرک میں مبتلا نہ ہوتے۔

ظاہری اور باطنی برکتوں کی سرزمین:

اس آیت میں مسجد اقصیٰ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے اس کے ماحول اور اطراف کو برکتوں سے نوازا ہے، مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس جس سرزمین اور جس علاقہ میں واقع ہے اُس کی سب سے بڑی برکت اور عظمت تو یہ ہے کہ وہ انبیاء بنی اسرائیل کے تقریباً پورے سلسلہ کا مرکزِ دعوت وہدایت اور اُن کا قبلہ رہا ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے جلیل القدر انبیاء ورسل اس میں مدفون ہیں، اس کے علاوہ یہ علاقہ دنیوی اور مادّی برکتوں اور نعمتوں سے مالا مال ہے، بہترین آب وہوا ہے، پھلوں کی پیداوار کے لحاظ سے تو گویا جنت کا ایک خطہ ہے، الغرض بیت المقدس کا یہ علاقہ دینی اور دنیوی، روحانی اور مادّی ہر قسم کی برکتوں سے مالا مال ہے، "بَارَكْنَا حَوْلَهُ" میں غالباً ان ہی سب برکتوں کی طرف اشارہ ہے۔ (واللہ اعلم)۔

مقصدِ سفر:

آگے اس سفرِ معراج کا مقصد اور اس کی غرض وغایت بیان فرمائی گئی ہے، ارشاد ہے "لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا" یعنی ہم نے اپنے اس بندے محمد ﷺ کو یہ سفر اس لئے کرایا کہ اپنی قدرت کی کچھ خاص نشانیاں اس کو دکھلا دیں اور بعض اُن حقائق کا مشاہدہ کرا دیں جو اس دُنیا کے دائرہ سے باہر پردۂ غیب میں ہیں، آگے ارشاد فرمایا گیا ہے "اِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ" یعنی وہ اللہ اپنی ذات سے سمیع وبصیر ہے سارا عالم غیب وشہادت ہر وقت اس کی نگاہ میں ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں ہے، اور وہ عالم غیب وشہادت کی ہر آواز سنتا ہے اور یہ سننا اور دیکھنا اُس کی ذاتی صفت ہے (اِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ) پھر یہ بھی اُس کے اختیار میں ہے کہ اپنے جس بندہ کو اور جس مخلوق کو جو چاہے دکھلا دے اور جو آواز چاہے سنوا دے، اور جس بندے اور مخلوق کو وہ اپنی قدرت سے عالمِ غیب وشہادت کی کچھ چیزیں دکھلا دے یا سنوا دے تو وہ ہرگز اُس کے برابر اور اُس صفت میں اس کا شریک نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ تو اپنی ذات سے سمیع وبصیر ہے اور یہ اس کی ذاتی اور قدیم ازلی صفت ہے "اِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ".

یہاں تک سورت کی پہلی آیت کی تشریح ہوئی اور اسراء کا بیان اسی پر ختم ہو گیا، آگے دوسرا مضمون شروع ہے جس کا خاص تعلق بنی اسرائیل سے ہے۔

کچھ سوالات کچھ بحثیں:

اسراء اور معراج سے متعلق کچھ مشہور سوالات اور اشکالات ہیں اور کچھ بحثیں ہیں جن کے بارے میں کتابوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، ایک اہم سوال اور بحث تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کا اسراء اور معراج کا یہ سفر خواب تھا یا عالمِ بیداری کا واقعہ؟

اسی طرح کا دوسرا سوال اور دوسری بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سفر صرف آپ کی روح کو کرایا تھا یا آپ کا یہ سفر جسم عنصری کے ساتھ ہوا تھا، مختصر لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ معراج روحانی تھی یا جسمانی؟

صحابۂ کرام اور تابعین سے لے کر اس وقت تک اُمّت کی غالب اکثریت بلکہ کہنا چاہئے کہ جمہور امّت اس کے قائل ہیں کہ معراج خواب کی بات نہیں بلکہ عالمِ بیداری کا واقعہ ہے اور وہ صرف روحانی نہیں بلکہ جسم عنصری کے ساتھ ہوئی، حدیث کی عام روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور قرآن مجید کے الفاظ اور خاص اندازِ بیان سے بھی یہی سمجھا جاتا ہے۔

اس آیت میں اِسراء اور معراج کے اس واقعہ کو "أَسْرىٰ بِعَبْدِهٖ" کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے خواب یا صرف روحانی سیر کی تعبیر ان الفاظ سے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی، اس کے علاوہ مضمون کو "سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی" کے الفاظ سے شروع کیا گیا ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ کسی بہت ہی غیر معمولی قسم کے اور محیر العقول واقعہ کا ذکر کیا جا رہا ہے، حالانکہ ایسے خواب تو ہم آپ بھی دیکھ سکتے ہیں اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں، اور جس کو روحانی سیر کہا جاتا ہے وہ بھی خواب سے ملتی جلتی ایک کیفیت ہوتی ہے، الغرض ان دونوں میں سے کوئی بھی ایسی اہم اور غیر معمولی بات نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب پاک میں غیر معمولی انداز میں اور "سُبْحَانَ الَّذِیْ" کے شاندار عنوان سے بیان فرمائیں، جس شخص کو عربی زبان اور محاورات سے ذرا سی بھی واقفیت ہو وہ سمجھ سکتا ہے اس انداز اور اس اہتمام سے ایسے ہی واقعہ کو بیان کیا جاتا ہے جو بہت غیر معمولی ہو اور لوگوں کی عقل میں آنا مشکل ہو، الغرض قرآن مجید کے خاص اندازِ بیان اور الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسراء اور معراج حضور کا خواب نہیں تھا، بلکہ عالمِ بیداری کا واقعہ تھا، اور یہ صرف روحانی سیر اور روحانی مشاہدہ نہیں تھا، ہاں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ اس طرح کا سفر بھی نہیں تھا جس طرح کے سفر ہم اس دنیا میں کرتے ہیں۔

ہماری اس دُنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے، اس لئے اس کی حقیقت اور نوعیت کو ہم پوری طرح سمجھ نہیں سکتے، جس طرح خود نبوت اور وحی کا معاملہ ہے کہ ہمارا اس پر ایمان تو ہے لیکن ہم اس کی نوعیت اور حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے، میرا خیال ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اور حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وغیرہ بعض صحابہ کے متعلق روایات میں جو یہ مذکور ہے کہ وہ حضرات اسراء اور معراج کو "خواب" کا واقعہ کہتے تھے تو میرے خیال میں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کو ہماری اس دُنیا کے سفروں جیسا سفر نہیں مانتے تھے بلکہ اس کو دوسرے عالم کا ایک معاملہ سمجھتے تھے اور اس کو "رؤیا" سے تعبیر کرتے تھے، یہ بات بالکل

سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ اس کو حضور کا صرف ایک خواب سمجھتے ہوں، قرآن پاک نے اس کو جس غیر معمولی انداز میں بیان کیا ہے اُس کو پیش نظر رکھتے ہوئے عربی زبان ومحاورات سے واقفیت رکھنے والا کوئی آدمی بھی اُس کو ''خواب کی بات'' نہیں کہہ سکتا، پھر صحیح روایات میں یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے معراج کا واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کیا تو ابوجہل اور دیگر کفار نے اس پر خوب مذاق اڑایا اور اس واقعہ کو معاذ اللہ حضور کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا اور پروپیگنڈہ کیا کہ یہ ایسی بات کا دعویٰ کررہے ہیں جو بالکل ناممکن ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی آدمی ایک رات میں اتنا طویل سفر کر کے واپس آجائے، تو اگر صرف خواب کی بات ہوتی تو اس میں کسی کے لئے بھی تعجب اور اعتراض کا موقع نہ ہوتا، الغرض ابوجہل وغیرہ نے معراج کے بارے میں جو شور وغوغا مچایا اور اس سلسلہ میں حضور کے خلاف جس طرح کا پروپیگنڈہ کیا وہ بھی اس کی واضح دلیل ہے کہ حضور نے معراج کے واقعہ کو خواب کے طور پر یا صرف روحانی سیر کے طور پر بیان نہیں فرمایا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ایک غیر معمولی انعام اور معجزہ کے طور پر بیان فرمایا تھا جو اُن کے نزدیک ناممکن اور خلاف عقل تھا اور معجزہ کی شان یہی ہوتی ہے، ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کسی صحابی یا تابعی نے اسراء اور معراج کو حضور کے دوسرے خوابوں کی طرح صرف ایک خواب قرار دیا ہو، اس لئے قریب قریب یقین کے ساتھ میرا یہ خیال ہے کہ جن بعض صحابہ یا تابعین سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے اسراء اور معراج کو ''رؤیا'' کہا اُس سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس طرح کا سفر نہیں تھا جس طرح کے سفر ہم اپنی اس دنیا میں مختلف قسم کی سواریوں پر کرتے ہیں بلکہ وہ ایک دوسرے عالم کا معاملہ تھا جس کی کوئی مثال اس دنیا کے ہمارے حالات اور واردات میں نہیں مل سکتی، اسی کو اُن بزرگوں نے ''رؤیا'' کے لفظ سے تعبیر کردیا ہے۔

مرحوم حضرت علّامہ انور شاہ صاحب کی رائے گرامی:

علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ جنہوں نے قدیم آسمانی کتابوں کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس مقصد کے لئے عبرانی اور سریانی زبانوں سے بھی واقفیت حاصل کی تھی، فرماتے تھے کہ انبیاء سابقین کے صحیفوں میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خاص واردات ومعاملات کو بکثرت ''رؤیا'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس سے مراد وہ نہیں ہوتا جس کو ہم لوگ ''خواب'' کہتے ہیں، اور اسی سورۂ بنی اسرائیل میں چند رکوع کے بعد ''رؤیا'' کا جو لفظ آیا ہے ''**وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ الخ**'' تو بظاہر اس واقعۂ اسراء اور معراج ہی کو اس آیت میں ''رؤیا'' کہا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے ''**رؤیا عین اُریھا رسول اللّٰہ** ﷺ'' میرے نزدیک یہ بالکل وہی بات ہے جو ہمارے استاذ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے، پس جن صحابہ یا تابعین نے معراج کو ''رؤیا'' کہا ہے اُس کا مطلب یہی سمجھنا چاہئے۔!

اسراء اور معراج کے بارے میں ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ اب سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس پہلے جبکہ ہوائی جہاز اور راکٹ جیسی تیز رفتار کوئی چیز ایجاد نہیں ہوئی تھی ایک رات بلکہ اس کے بھی تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر کیسے ہوگیا؟ لیکن یہ

اور اس طرح کے سارے اشکالات کا یہ جواب کافی ہے کہ قرآن پاک نے اس کو رسول اللہ ﷺ کا فعل نہیں بلکہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ کا فعل بتلایا ہے اور اس کیلئے کچھ بھی مشکل نہیں، اس کے حکم اور اس کی قدرت سے فرشتے ایک آن میں آسمان سے زمین پر اور زمین سے آسمان پر آتے اور جاتے ہیں، بس اسی قادر مطلق نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کو یہ سفر اس طرح کرایا دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیجئے کہ یہ سفر ایک خاص معجزہ تھا اور معجزہ تو وہی ہوتا ہے جو اس عالم اسباب کے لحاظ سے عام عقلوں کے لئے ناقابل فہم ہو، اور ہر معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اگرچہ اس کے نبی و رسول کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے، اسی لئے اس آیت میں اسراء کو اللہ تعالیٰ کا فعل قرار دیا گیا ہے اور فرمایا گیا، اَسْریٰ بِعَبْدِہٖ۔

معجزہ کے بارے میں ہمارے عقائد کی کتابوں میں بھی بنیادی عقیدہ کے طور پر یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو پیغمبر کی تصدیق کے لئے اس کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح کرامت کے بارے میں عقائد کی کتابوں میں صاف صاف لکھا ہے کہ وہ ولی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو کسی متقی اور صالح بندہ کی عند اللہ مقبولیت ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے، اسی لئے معجزہ اور کرامت نبی یا ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی کہ جب چاہیں ظاہر کریں اور دکھائیں بلکہ اللہ ہی کے اختیار میں ہوتی ہے، قرآن پاک میں جا بجا بیان فرمایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے منکرین نے ان سے جب معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ معجزات ہمارے اختیار کی چیز نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے "اِنَّمَا الْآیَاتُ عِنْدَ اللّٰہِ" بہر حال معراج کا واقعہ بھی ایک عظیم معجزہ ہی تھا اور جو کچھ ہوا براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوا، اس لئے اس طرح کے سوال اور اشکال کی گنجائش ہی نہیں۔

جن امتوں اور گروہوں نے اس بات کو ذہن میں نہیں رکھا اور معجزوں اور کرامتوں کو خود نبیوں اور ولیوں کا فعل اور تصرف سمجھا وہ شرک میں مبتلا ہو گئے، عیسائیوں میں بھی شرک یہیں سے آیا، افسوس ہے کہ بہت سے مسلمان کہلانے والے بھی اس معاملہ میں گمراہ ہوئے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہم کو اور آپ کو اس سے محفوظ رکھا ہے، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔

واقعۂ معراج سے متعلق ایک غیر مسلم کی شہادت:

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حافظ ابو نعیم اصبہانی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں محمد بن عمر واقدی کی سند سے بروایت محمد بن کعب قرظی یہ واقعہ نقل کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے شاہ روم قیصر کے پاس اپنا نامۂ مبارک دے کر حضرت دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا، شاہ روم ہرقل نے نامۂ مبارک پڑھنے کے بعد آنحضرت ﷺ کے حالات کی تحقیق کرنے کے لئے عرب کے ان لوگوں کو جمع کیا جو اس وقت ان کے ملک میں بغرض تجارت آئے ہوئے تھے، شاہی حکم کے مطابق ابو سفیان بن حرب اور ان کے رفقاء جو ملک شام میں تجارت کی غرض سے آئے ہوئے تھے وہ حاضر کئے گئے شاہ ہرقل نے ان سے وہ سوالات کئے جن

کی تفصیل بخاری ومسلم میں موجود ہے، ابوسفیان کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ اس موقع پر آپ ﷺ کے متعلق کچھ ایسی باتیں بیان کریں جن سے آپ کی حقارت اور بے توقیری ظاہر ہو، ابوسفیان کا بیان ہے کہ مجھے اس ارادہ سے کوئی چیز اس کے سوا مانع نہیں تھی کہ مبادا میری زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس کا جھوٹ ہونا ظاہر ہو جائے اور میں بادشاہ کی نظروں میں گر جاؤں اور میرے ساتھی بھی ہمیشہ مجھے جھوٹا ہونے کا طعنہ دیا کریں، البتہ مجھے اس وقت خیال آیا کہ بادشاہ کے سامنے واقعۂ معراج بیان کروں جس کا جھوٹ ہونا بادشاہ خود سمجھ لے گا تو میں نے کہا میں اس کا ایک واقعہ آپ سے بیان کرتا ہوں جس سے آپ کو خود معلوم ہو جائیگا کہ وہ جھوٹ ہے ہرقل نے پوچھا وہ کیا واقعہ ہے؟ ابوسفیان نے کہا اس مدعی نبوت کا کہنا یہ ہے کہ وہ ایک رات میں مکہ مکرمہ سے نکلے اور آپ کی اس مسجد بیت المقدس میں پہنچے اور اسی رات میں صبح سے پہلے ہمارے پاس مکہ مکرمہ میں پہنچ گئے ایلیا (بیت المقدس) کا سب سے بڑا عالم اس وقت شاہ روم کے پاس موجود تھا، اس نے کہا کہ میں اس رات سے واقف ہوں، شاہ روم اس کی طرف متوجہ ہوا اور معلوم کیا آپ کو اس کا علم کیسے ہوا؟ اس نے عرض کیا کہ میری عادت تھی کہ رات کو اس وقت تک سوتا نہیں تھا کہ جبتک بیت المقدس کے تمام دروازے بند نہ کردوں اس رات میں نے حسب عادت تمام دروازے بند کردیئے، مگر ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہوسکا تو میں نے اپنے عملے کے لوگوں کو بلایا مگر ان سے بھی دروازہ بند نہ ہوسکا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم کسی پہاڑ کو ہلا رہے ہیں میں نے عاجز ہو کر کاریگروں کو بلایا، انہوں نے دیکھکر کہا اس دروازہ پر عمارت کا وزن پڑ گیا ہے اب صبح سے پہلے اس کے بند ہونے کی کوئی صورت نہیں، ہم صبح کو دیکھیں گے، کہ کیا کیا جائے؟ میں مجبور ہو کر لوٹ آیا اور اس دروازہ کے دونوں کواڑ اسی طرح کھلے رہے، صبح ہوتے ہی میں اس دروازہ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ مسجد کے دروازہ کے پاس ایک پتھر کی چٹان میں سوراخ کیا ہوا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں کوئی جانور باندھا گیا ہے اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آج اس دروازہ کو اللہ نے شاید اسی لئے بند ہونے سے روکا ہے کہ کوئی نبی یہاں آنیوالے تھے۔

بنی اسرائیل کی ایک سرگزشت:

میں نے عرض کیا تھا کہ اسراء اور معراج کے معجزانہ سفر کا ذکر اس سورت کی صرف پہلی ایک آیت میں کیا گیا ہے، آگے دوسری آیت سے دوسرا مضمون شروع ہے جس کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے، اس مضمون کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کے لئے کتاب ہدایت (یعنی تورات) نازل کی تھی تو جب تک انہوں نے ہماری اس ہدایت کی پیروی کی اور نیکی اور فرمانبرداری کے راستے پر چلتے رہے وہ دُنیا میں بھی عزت اور اقبال کے ساتھ رہے، اور جب انہوں نے اطاعت کے بجائے نافرمانی اور بندگی وسرافگندگی کے بجائے سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو ان پر اُن کے بدترین دشمنوں کو مسلط کردیا گیا جنہوں نے ان کو بہت ذلیل وخوار کیا اور بالکل تباہ وبرباد کر ڈالا، اور یہ ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار ہوا اور اس کے باوجود ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اس کے بارے میں اسی کتابِ ہدایت میں کھلی آگاہی دی تھی، آخر میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ نافرمانی اور سرکشی کی یہ سزا تو ان کو دنیا میں دی گئی، اور آخرت میں نہ ماننے والوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے، اللہ کی پناہ۔

ارشاد فرمایا گیا ہے "وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا" یعنی ہم نے اپنے بندے اور پیغمبر موسیٰ کو کتاب یعنی تورات دی تھی اور اس کو ہم نے بنی اسرائیل کے لئے اپنا ہدایت نامہ قرار دیا تھا اور اس میں خاص ہدایت یہ دی گئی تھی کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہراؤ، صرف مجھ کو ہی کارساز اور مختار کل مانو اور میرے ہی ساتھ عبادت و بندگی کا وہ معاملہ کرو جو کسی کارساز ہستی کے ساتھ ہونا چاہئے، "اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا" کا یہی مطلب ہے۔

آگے فرمایا گیا ہے "ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا" حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کی قوم کا واقعہ سورۂ ہود میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے، نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے سینکڑوں سال تبلیغ کی اور اس کی کوشش کی کہ ان کی قوم کفر و شرک کا راستہ چھوڑ کر ایمان اور عمل صالح والی زندگی اختیار کر لے، لیکن قوم کے بہت بڑے حصہ نے آپ کی بات نہیں مانی، بہت تھوڑے لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کر لیا، آخری نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہلاکت خیز طوفان کی شکل میں خدا کا عذاب آیا اور وہ سب لوگ ہلاک و برباد کر دیئے گئے جنہوں نے نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی ہدایت کے مقابلہ میں انکار اور سرکشی کا راستہ اختیار کیا تھا، اور جن تھوڑے سے بندوں نے آپ کی ہدایت کو قبول کیا تھا وہ خدا کے حکم سے نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ان کی کشتی پر سوار ہو کر اس عذاب سے بچ گئے، انہی میں سے کچھ لوگوں کی نسل سے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پیدا ہوئے اور ان کے پوتے حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام سے بنی اسرائیل کا سلسلہ چلا، تو اس آیت (ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ) میں اس قدیم تاریخی واقعہ کو یاد دلا کر بنی اسرائیل سے فرمایا گیا ہے کہ تم ہمارے ان بندوں کی نسل ہو جن کو ہم نے ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے اپنے پیغمبر نوح کے ساتھ جو ہمارے بڑے شکر گزار بندے تھے، ان کی کشتی پر اپنے حکم سے سوار کرا کے طوفان کے عذاب سے بچا لیا تھا، تو اگر اپنے ان آباء واجداد کی طرح تم نے بھی ہماری نازل کی ہوئی ہدایت کی پیروی اور ایمان اور اعمال صالحہ والی زندگی اپنائی تو تم پر بھی ہمارا ایسا ہی فضل و کرم ہوگا، اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ اگر تم نے نہ ماننے کا اور سرکشی کا وہ رویہ اختیار کیا جو قوم نوح کی اکثریت نے اختیار کیا تھا تو تم بھی خدا کے عذاب اور اس کی مار سے نہ بچ سکو گے، خدا کا قانون بے لاگ ہے، کسی سے اس کی رشتہ داری نہیں ہے۔

آگے کی آیتوں میں انہی بنی اسرائیل کے بارے میں جو بیان فرمایا گیا ہے وہ بڑا ہی سبق آموز بلکہ لرزہ خیز ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے سبق لینے کی توفیق دے، جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے دراصل ہماری یعنی امت محمد یہ ﷺ کی تنبیہ اور سبق آموزی کے لئے بیان کیا جا رہا ہے، ارشاد ہے۔

"وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ...... الى قوله ...... وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا" یعنی ہم نے اس کتاب یعنی تورات میں بنی اسرائیل کو آگاہی دے دی تھی کہ یہ ہونے والا ہے کہ تم اپنی بداعمالیوں اور شیطانی حرکتوں سے علاقہ میں دو دفعہ فساد برپا کرو گے اور خباثت پھیلاؤ گے اور خدا کی بندگی اور فرمانبرداری کا راستہ چھوڑ کر سرکشی کا راستہ اختیار کرو گے، قرآن پاک میں یہاں صراحت کے ساتھ

صرف اتنی ہی آگاہی کا ذکر فرمایا گیا لیکن جو لوگ قرآن مجید کے طرزِ بیان سے کچھ آشنا ہیں وہ سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اسی میں یہ آگاہی بھی مضمر ہے کہ جب تم فساد و بدعملی اور سرکشی کا راستہ اختیار کرو گے تو ہماری طرف سے تم پر عذاب کا تازیانہ پڑے گا، آگے کی آیتوں میں بنی اسرائیل کے فساد کے ساتھ ان پر خداوندی عذاب کے تازیانوں کے پڑنے کا جس طرح ذکر کیا گیا ہے اس سے بھی یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ فساد اور سرکشی کی آگاہی کے ساتھ خداوندی سزا اور عذاب کی آگاہی بھی دی گئی تھی، اور "کان وعدًا مفعولاً" (اور یہ پورا ہو کر رہنے والا وعدہ تھا) کے الفاظ سے تو یہ بات گویا صراحت ہی کے ساتھ معلوم ہو جاتی ہے کہ عذاب کی آگاہی بھی ساتھ ہی ساتھ دی گئی تھی۔

پیشین گوئی نہیں آگاہی:

یہاں ایک بات یہ بھی قابلِ ذکر اور قابلِ لحاظ ہے کہ بنی اسرائیل کو دی جانے والی جس آگاہی کا یہاں قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے وہ صرف ایک "پیشین گوئی" نہیں تھی، بلکہ بنی اسرائیل کے لئے ایک اہم تنبیہ اور آگاہی تھی، اس کو بالکل اُسی طرح کی آگاہی سمجھنا چاہئے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام اور اُمّت کو بہت سے فتنوں کے بارے میں حدیثوں میں آگاہی دی ہے، حدیث کی کتابوں میں ایسی پچاسوں حدیثیں ہیں جن کو محدثین نے اپنی مرتب کی ہوئی کتابوں میں "کتاب الفتن" میں درج کیا ہے، تو حضور ﷺ کے ان ارشادات کا مقصد نجومیوں اور کاہنوں کی طرح پیشین گوئی سنانا ہرگز نہیں تھا، بلکہ امت کو باخبر کرنا تھا، تاکہ ان حدیثوں کی روشنی میں اپنے کو ان فتنوں میں ملوث ہونے سے بچائیں، الغرض تورات میں بنی اسرائیل کو جو آگاہی دی گئی تھی اور جس کا ذکر اس آیت میں بھی کیا گیا ہے وہ اسی طرح کی تھی۔

پہلی آگہی کا ظہور:

آگے کی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جب بنی اسرائیل میں پہلی دفعہ فساد آیا جس کے بارے میں ان کو آگاہی دی جا چکی تھی اور انہوں نے ہماری ہدایت اور آگاہی کو پسِ پشت ڈال کر شیطنت اور سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے ایسے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا جو "اُوْلِی بَأْسٍ شَدِیْدٍ" یعنی نہایت خوفناک اور بڑے جلاد تھے، وہ ان بنی اسرائیل کی بستیوں میں اور ان کے گھروں میں گھس گئے اور بالکل تباہ کر ڈالا، فرمایا گیا، فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا"۔

بہت سے مفسرین نے جن کی بنی اسرائیل کی تاریخ پر اچھی نظر ہے، یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس سے بابل کے بادشاہ بُخت نصر کا حملہ مراد ہے جو حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام سے تقریباً چھ سو سال پہلے بنی اسرائیل کی بستیوں پر ہوا تھا، اس نے بنی اسرائیل کو بری طرح تباہ و برباد کیا تھا، ان کی بہت بڑی تعداد قتل ہوئی اور بہت بڑی تعداد میں قیدی بنا کر بابل لے جایا گیا

اوران کی بستیاں بالکل اُجاڑ دی گئیں۔

آگے بیان فرمایا گیا ہے کہ پھر ایک مدت کے بعد اللہ نے ان پر رحم فرمایا ان کی مدد فرمائی اور خدا کی اس مدد نے پانسہ پلٹ دیا، بنی اسرائیل کو غلبہ نصیب ہوا، پھر ان کے مال واولاد میں بھی برکت ہوئی اور ان کا ایک نیا دور شروع ہوا، ارشاد ہے، "ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنَاكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنَاكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا".

یہاں قرآن مجید میں بنی اسرائیل کی توبہ وانابت اور رجوع الی اللہ کا بظاہر کوئی ذکر نہیں فرمایا گیا لیکن تورات میں اور بنی اسرائیل کی تاریخ میں اس کا ذکر ہے اور قرآن مجید کے خاص طرز بیان کے مطابق یہاں اس کو مضمر سمجھنا چاہئے، آیت کا مطلب یہی ہے کہ "بُخت نصر" کے لشکر کے ہاتھوں پامال اور تباہ و برباد ہونے کے بعد ان میں انابت پیدا ہوئی، جیسا کہ عام طور سے ہوا کرتی ہے۔

"جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا"۔

بابل میں جب وہ قیدیوں والی ذلت وخواری کی زندگی گزار رہے تھے، ان میں انابت پیدا ہوئی، انہوں نے نافرمانی کی زندگی سے توبہ کی اور فرمانبرداری والی زندگی کا خدا سے عہد کیا تو اللہ تعالیٰ کا ان پر فضل ہوا اور اس کی خاص مدد سے ان کو دشمنوں پر غلبہ بھی نصیب ہوگیا اور ان کی نسل اور دولت میں بھی خدا تعالیٰ نے خوب اضافہ کیا، اور بنی اسرائیل پھر سے ایک خوش حال اور طاقتور قوم بن گئے۔

آگے فرمایا گیا ہے "اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَأْتُمْ فَلَهَا" یعنی ہم نے ان بنی اسرائیل کے اس دوسرے دور میں پھر ان کو جتادیا تھا اور آگاہ کردیا تھا کہ دیکھو آئندہ بھی یہی ہوگا کہ اگر تمہارا رویہ اچھا رہا جیسا کتاب وپیغمبر والی اُمت کا ہونا چاہئے تو تم کو ہماری طرف سے اس کا بہترین صلہ ملتا رہے گا، لیکن اگر تم نے بدعملی اور شرارت کی راہ اختیار کی تو سابق کی طرح اس کا بُرا نتیجہ بھی تمہیں بھگتنا ہوگا، جزا وسزا کا ہمارا یہ قانون اٹل ہے، "اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَأْتُمْ فَلَهَا".

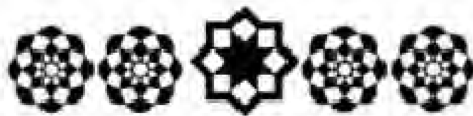

فلسطین حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل نے فلسطین کے پورے علاقے کو فتح کر لیا مگر انہوں نے متحد ہو کر اپنی کوئی ایک منظم سلطنت قائم نہ کی۔ بلکہ اس علاقے کو مختلف اسرائیلی قبیلوں نے آپس میں بانٹ کر اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں اس نقشے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ فلسطین یہ مختصر سا علاقہ کس طرح بنی اسرائیل کے قبائل بنی یہودہ، بنی شمعون، بنی دان، بنی بن یمین، بنی افرائیم، بنی روبن، بنی جد، بنی منستی بنی اشکار، بنی زبولون، بنی نفتالی، اور بنی آشر میں تقسیم ہو گیا تھا۔ اس طرح ہر قبیلے کی ریاست اپنی اپنی جگہ کمزور رہی اور لوگ توراۃ کے منشا کو پورا نہ کر سکے کہ اس علاقے کی مشرک قوموں کا استیصال کر دیا جائے۔ اسرائیلی قبائل کے ان علاقوں میں جگہ جگہ مشرک کنعانی قوموں کی شہری ریاستیں بدستور قائم رہیں۔ بائبل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ طالوت کے عہد تک صیدا، صورا، دور مجدو، بیت شان، اجر حرا یروشلم وغیرہ شہر مشرکوں کے قبضے میں رہے اور ان شہروں کی مشرکانہ تہذیب کا بنی اسرائیل پر گہرا اثر پڑتا رہا۔ مزید براں اسرائیلی قبائل کی سرحدوں، پر فلسطیوں، دومیوں، اموآبیوں اور رگمونیوں کی طاقت اور ریاستیں بھی بدستور قائم رہیں اور انہوں نے بعد میں پے در پے حملے کر کے بہت سا علاقہ اسرائیلیوں سے چھین لیا تھی کہ یہ نوبت آ گئی کہ فلسطین سے بنی اسرائیل بیک بینی و دو گوش نکال دیے جاتے اگر عین وقت پر اللہ تعالیٰ طالوت کی قیادت میں اسرائیلیوں کو جمع نہ کر دیتا۔

دوسری بار کی تباہی:

آگے فرمایا گیا ہے "فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ" الخ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل وکرم کے بعد جس کا ذکر اوپر کی آیت میں کیا گیا ہے، بنی اسرائیل نے پھر خدا کو اور اس کی ہدایت کو بھلا دیا اور نفس پرستی اور سرکشی کا وہ راستہ پھر اختیار کرلیا جس کے بارے میں ان کو آگاہی دی جاچکی تھی "(لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِیْرًا)" تو خدا کی طرف سے ان پر ان کے دوسرے نہایت خراب اور خونخوار دشمن مسلط کردیئے گئے، وہ خدا کا عذاب بن کر ان پر نازل ہوئے، انہوں نے ان کو ایسی مار دی کہ صورتیں تک بگاڑ دیں اور جس طرح بُخت نصر کے لشکر نے ان کے دینی اور قومی مرکز اور ان کی عزت اور عظمت کے نشان بیت المقدس کو تباہ وبرباد کیا تھا ان کے نئے حملہ آور دشمنوں نے بھی ایسا ہی کیا اور اس کے علاوہ بھی جہاں تک قابو پایا سب برباد کردیا، اور یہ خدائے ذوالجلال کے عذاب کے طور پر ہوا، خدا نے بنی اسرائیل کی شرارت اور سرکشی کی سزا دینے ہی کے لئے ان دشمنوں کو ان پر اس طرح مسلط کیا، اس کی طرف سے پہلے ہی جتادیا گیا تھا "وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا" (کہ اگر تم نے بد کرداری اختیار کی تو تم کو اس کی سزا ضرور بھگتنی ہوگی) اکثر واقف مفسرین نے طیطوس رومی کے حملہ (۷۰ء) کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

آگے فرمایا گیا ہے، عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا" یعنی بنی اسرائیل کی اس دوسری دفعہ کی بربادی کے بعد بھی ان کو اس کی امید دلائی گئی تھی کہ اگر اب بھی معصیت کوشی اور سرکشی کا راستہ چھوڑ کے نیکی اور فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرلو گے تو تمہارا پروردگار پھر تم کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے گا اور تم کو پھر ایک نئی زندگی عطا کردی جائے گی، اور اگر اس کے برخلاف تم نے پھر شرارت اور شیطنت کا راستہ اختیار کیا تو ہم پھر وہی کریں گے جو پہلے ہم نے کیا تھا، یعنی جس طرح پہلے تم پر ہمارے عذاب کے کوڑے برسے تھے اسی طرح پھر برسیں گے۔ (وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا).

اور پھر آخرت کی سزا:

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے "وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا" بنی اسرائیل سے متعلق جو سلسلۂ کلام سورت کی دوسری آیت سے شروع ہوا تھا وہ یہاں ختم ہوگیا، یہ اس سلسلہ کی آخری آیت ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر اس بار بار کی تنبیہ اور ہمارے قہر وعذاب کے بار بار کے تجربے کے بعد بھی تم نے ہدایت کی پیروی اور فرمانبرداری کا راستہ اختیار نہیں کیا اور کفر وطغیان ہی کی راہ پر چلتے رہے تو ایسے مجرموں کے لئے دنیوی عذاب کے ان تازیانوں کے علاوہ آخرت کی کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی میں جہنم کا شدید عذاب ہے اور پھر جہنم کا جیل خانہ ہی اُن کا دائمی ٹھکانا ہے، وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا.

ان آیتوں کا سبق:

یہاں ہمارے آپ کے لئے سوچنے سمجھنے کی خاص بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی یہ سرگزشت ہم کو یعنی اُمت محمد یہ ﷺ کو کیوں سنائی گئی اور اس کو قرآن مجید میں کیوں شامل کیا گیا؟ قرآن پاک نہ تو تاریخ کی کتاب ہے اور نہ قصہ کہانیوں کی، وہ تو کتابِ ہدایت ہے، اس میں بنی اسرائیل کے اور دوسری قوموں اور ان کے نبیوں رسولوں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں، سب ہماری ہدایت اور سبق آموزی کے لئے بیان کئے گئے ہیں، ان آیتوں کا کھلا سبق ہمیں اور آپ کو اور حضور ﷺ کی ساری اُمت کو یہ ہے کہ کسی قوم، کسی نسل اور کسی اُمت سے اللہ تعالیٰ کی رشتے داری نہیں ہے، اس کا قانون بے لاگ ہے، بنی اسرائیل حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام جیسے جلیل القدر پیغمبروں کی اولاد تھے، اور یہ ایسی نسل تھی جس میں اللہ کے ہزاروں پیغمبر آئے، لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ بندوں کے ساتھ ایسے بے لاگ ہے کہ جب تک یہ سیدھے چلیں اور ان کی زندگی ایمان اور عمل صالح والی زندگی رہی ان پر نعمتوں کی بارشیں ہوتی رہیں اور ان کو عزت اور سربلندی نصیب رہی، لیکن جب انہوں نے خدا اور اس کے پیغمبروں کا بتایا ہوا راستہ چھوڑ کر نفس پرستی اور سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو اللہ کی رحمت سے محروم ہو گئے، اور پھر نہایت خبیث قسم کے کفار ان پر مسلط کر دیئے گئے جنھوں نے ان کو بری طرح تہس نہس کیا اور ان کے قبلے بیت المقدس تک کو برباد کر ڈالا، اور یہ سب اللہ کے حکم سے اور اس کی طرف سے ہوا۔

امتِ محمد یہ ﷺ کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہی ہوا ہے، جب تک اس کی عام زندگی ایمان وعمل صالح اور تقوے والی رہی روم و فارس جیسی عظیم الشان اور نہایت طاقتور حکومتوں کے مقابلہ میں انکو غلبہ حاصل رہا اور "اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ" کا ظہور ہوتا رہا، لیکن جب ایمان اور تقویٰ کے بجائے اُمت میں نفاق اور فسق و فجور کا غلبہ ہو گیا تو اُن پر تاتاریوں جیسی وحشی اور خونخوار قوم مسلط کر دی گئی اور پھر وہی ہوا جو بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا تھا، "فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا" اس کے بعد بھی دُنیا کے مختلف حصوں میں اللہ تعالیٰ کے اس بے لاگ قانون کا ظہور ہوتا رہا ہے، اور ہم اور آپ خود بھی کسی نہ کسی رنگ میں اس کا تجربہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو سبق لینے کی توفیق دے اور ہم پر رحم فرمائے، ہمارے لئے بھی اللہ تعالیٰ کا اور قرآن مجید کا پیغام یہی ہے، "عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا". (درس القرآن)

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ على نفسه واهله اذا ضَجِرَ **دُعَآءَهٗ** اى كدعائه له **بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ** الجنسُ **عَجُوْلًا**⑪ بالدعاءِ على نفسِه وعدمِ النظر في عاقبته **وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ** دالَّتينِ على قدرتنا **فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ** طمسنا نورَها بالظلام لِتَسْكُنُوْا فيه والاضافةُ للبيان **وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً** اى مُبصرًا فيها بالضوءِ **لِّتَبْتَغُوْا** فيه **فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ** بالكسب **وَلِتَعْلَمُوْا** بهما **عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ** للاوقاتِ **وَكُلَّ شَيْءٍ** يحتاج اليه **فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا**⑫ اى بَيَّنَّاه تبيينًا **وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ** عملَهُ يحملُه **فِيْ عُنُقِهٖ**

خصَّ بالذكر لِاَنَّ اللزومَ فيه اشدُّ وقال مجاهدٌ ما من مولودٍ يولَدُ اِلّا وفی عنقه ورقةٌ مُكتوبٌ فيها
شقی او سعيدٌ **وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا** مكتوبا فيه عمله **يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا﴿۱۳﴾** صفتان لكتابا ويُقالُ له **اِقْرَاْ كِتٰبَكَ**
كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴿۱۴﴾ ای مُحاسِبًا **مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ** لانَّ ثوابَ اهتدائِه له
وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا لِاَنَّ اثمَه عليها **وَلَا تَزِرُ** نفسٌ **وَازِرَةٌ** آثمةٌ ای تحمِلُ **وِّزْرَ** نفس **اُخْرٰى**
وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ احدًا **حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴿۱۵﴾** يُبيِّنُ له ما يَجبُ عليه **وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا** مُنعميها
بمعنى رؤسائها بالطاعةِ على لسان رُسلِنا **فَفَسَقُوْا فِيْهَا** خرجُوا عن امرنا **فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ** بالعذاب
فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴿۱۶﴾ اَہلكناہا باہلاكِ اہلِہا وتخريبِہا **وَكَمْ** ای كثيرًا **اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ** الاُمم **مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ**
وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا﴿۱۷﴾ عالمًا ببواطنِها وظواہرِہا وبه يتعلَّقُ بذنوب **مَنْ كَانَ يُرِيْدُ** بعمله
الْعَاجِلَةَ ای الدُّنيا **عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ** التعجيلَ له بدلٌ من له باعادةِ الجار **ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ** فی الآخرة
جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا يَدخُلُها **مَذْمُوْمًا** مَلُوْمًا **مَّدْحُوْرًا﴿۱۸﴾** مطرودًا عن الرحمةِ **وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا** عَمِلَ عملَها
اللائقَ بها **وَهُوَ مُؤْمِنٌ** حالٌ **فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴿۱۹﴾** عندَ اللّٰه ای مقبولاً مُثابًا عليه **كُلًّا** من الفريقَيْنِ **نُّمِدُّ**
نُعطِی **هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ** بدلٌ **مِنْ** متعلقٌ بنُمِدُّ **عَطَآءِ رَبِّكَ** فی الدُّنيا **وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ** فيها **مَحْظُوْرًا﴿۲۰﴾** ممنوعًا عن
احدٍ **اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** فی الرزق والجاهِ **وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ** اعظمُ **دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴿۲۱﴾** من الدنيا
فينبغی الاعتناءُ بها دونَها **لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا﴿۲۲﴾** لا ناصِرَ لَكَ.

ترجمہ: اور انسان جب تنگ دل ہوجاتا ہے تو اپنے اہل وعیال کے لئے اسی طرح بددعاء کرتا ہے جس طرح وہ ان
کے لئے دعاء خیر کرتا ہے اور ہر انسان اپنے لئے بددعاء کرنے میں جلد باز اور ناعاقبت اندیش واقع ہوا ہے اور ہم نے رات اور
دن کو ہماری قدرت پر دلالت کرنے والی نشانیاں بنایا، تو ہم نے رات کی نشانی کو تاریک بنایا یعنی ہم نے اس کے نور کو ظلمت سے
مٹا دیا، تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرسکو اور (آیة اللیل) میں اضافت بیانیہ ہے، اور ہم نے دن کی نشانی کو روشن بنایا، یعنی ایسی
کہ اس میں روشنی کی وجہ سے نظر آسکے، تاکہ تم کسب کے ذریعہ اس میں اپنے رب کا فضل تلاش کرسکو، اور تاکہ تم انکے ذریعہ
سالوں کی گنتی اور اوقات کا حساب کرسکو اور ہم نے ہر ضرورت کی چیز کو پوری تفصیل سے بیان کردیا ہے یعنی کھول کھول کر بیان
کردیا ہے، اور ہم نے ہر انسان کے عمل کو اس کے گلے کا ہار بنادیا ہے جس کو وہ اٹھائے ہوئے ہے (گلے) کو خاص طور پر ذکر کیا
ہے اس لئے کہ گلے میں لزوم شدید تر ہوتا ہے اور مجاہد نے کہا ہے کہ کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا الا یہ کہ اس کی گردن میں ایک نوشتہ ہوتا
ہے جس میں لکھا ہوتا ہے کہ وہ بدنصیب ہے یا خوش نصیب ہے اور قیامت کے دن ہم اس کا اعمال نامہ نکال کر اس کے سامنے رکھ
دیں گے جس میں اس کے عمل لکھے ہوں گے، جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا (**یلقاہ اور منشورا**) کتاب کی صفت ہیں اور

اس سے کہا جائیگا تو اپنا نامۂ عمل خود پڑھ لے آج تو خود ہی اپنا محاسب ہونے کے اعتبار سے کافی ہے جس نے ہدایت پائی وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے ہدایت پاتا ہے اس لئے کہ اس کی ہدایت کا ثواب اسی کے لئے ہے اور جو راہ سے بھٹکا تو بھٹکنے کا نقصان اسی کے لئے ہے اس لئے کہ گمراہی کا گناہ اسی پر ہے اور کوئی گنہگار شخص کسی دوسرے شخص کا بوجھ نہ اٹھائیگا اور ہماری سنت نہیں ہے کہ ہم کسی کو، رسول بھیجنے سے پہلے کہ جو اس کے واجبات کو بتائے عذاب کرنے لگیں اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اس بستی کے خوشحال لوگوں یعنی اس بستی کے سرداروں کو اپنے رسول کے ذریعہ طاعت کا حکم کرتے ہیں تو وہ اس طاعت کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں یعنی ہماری حکم عدولی کرنے لگتے ہیں تو ان پر عذاب کا فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے تو ہم ان کو پوری طرح نیست و نابود کر دیتے ہیں، یعنی اس بستی کے باشندوں کو ہلاک کر کے، اور اس بستی کو برباد کر کے نیست و نابود کر دیتے ہیں، اور نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا اور تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہوتے اور سب کچھ دیکھنے کے اعتبار سے کافی ہے یعنی ظاہر اور پوشیدہ گناہوں سے واقف ہے اور خبیر اور بصیر کے ساتھ بذنوب متعلق ہے، پیش نظر نسخہ میں ایسا ہی ہے (غالبًا یہ سہو ہے، اصل عبارت یہ ہونی چاہئے، "وبذنوب یتعلق بخبیرًا وبصیرًا) اور جو شخص اپنے عمل کا بدلہ دنیا ہی میں چاہتا ہے تو ہم جتنا چاہتے ہیں اور جس کو فوری دینا چاہتے ہیں تو سرِ دست دیدیتے ہیں، لمن نرید، لَـهٗ سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل ہے پھر اس کے لئے آخرت میں جہنم مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ ذلیل و مردود ہو کر داخل ہوگا اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور اس نے اس کے لائق عمل بھی کیا ہو حال یہ کہ وہ مومن بھی ہو یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال کی اللہ کے نزدیک قدر ہے یعنی مقبول اور ماجور ہیں، اور ہم دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو اِن کو بھی اور اُن کو (سامان زیست) دیئے جا رہے ہیں (هؤلاء وهؤلاء) کلًّا سے بدل ہے اور مِنْ، نمدُّ کے متعلق ہے دنیا میں یہ تیرے رب کا عطیہ ہے اور دنیا میں تیرے رب کی عطا کو کوئی روکنے والا نہیں یعنی کسی سے (کوئی) روکنے والا نہیں، دیکھ لو ہم نے رزق اور مرتبہ میں بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت تو درجات کے اعتبار سے دنیا سے فضیلت میں بہت بڑی ہے لہٰذا آخرت کی طرف توجہ کی ضرورت ہے نہ کہ دنیا کی طرف تو اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرا ورنہ ملامت زدہ اور بے یار و مددگار ہو کر بیٹھا رہ جائے گا، کہ تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: الجنس، اس میں اشارہ ہے کہ الانسان میں الف لام جنس کا ہے نہ کہ استغراق کا، لہٰذا اب یہ اعتراض واقع نہیں ہوگا کہ سب انسان بددعاء میں عجول نہیں ہوتے۔

قَوْلُهٗ: الاضافة للبیان یعنی آیة اللَّیل میں اضافت بیانیہ ہے، یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ مضاف، مضاف الیہ کا غیر ہوا کرتا ہے حالانکہ آیةَ اللَّیل میں مضاف اور مضاف الیہ ایک ہی ہیں جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ اضافت بیانیہ ہے

اور یہ اضافتِ عدد الی المعدود کے قبیل سے ہے جیسا کہ عشر سنین میں اضافت بیانیہ ہے، آیۃَ النھارِ میں بھی یہی صورت ہے۔

قِوْلُہٗ: ای مُبْصَرًا فیھا، اس میں مجاز عقلی ہے، اسلئے کہ دن نہیں دیکھتا بلکہ دن میں دیکھا جاتا ہے علاقہ ظرفیت کی وجہ سے دیکھنے کی اضافت نہار کی طرف کردی گئی ہے، یعنی اسم فاعل بول کر ظرف مراد ہے۔

قِوْلُہٗ: بالضوء ای بسبب الضوء ہے۔

قِوْلُہٗ: اَلزمناہ طائرہ فی عنقہٖ، شدت لزوم کو بیان کرنے کے لئے یہ ایک عربی تعبیر ہے، عرب کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی اہم کام درپیش ہوتا تو وہ پرندہ سے شگون لیتے تھے، اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ پرندہ از خود اڑے یا اڑایا جائے اگر وہ اڑ کر دائیں جانب گیا تو اس کو نیک فالی سمجھتے تھے اور اس کام کو کرتے تھے جب عرب میں یہ رواج عام ہو گیا تو نفس خیر وشر ہی کو طائر سے تعبیر کرنے لگے اور یہ تسمیۃ الشئ باسم لازمہ کے قبیل سے شمار ہوتا۔

قِوْلُہٗ: خصَّ بالذکر الخ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اعمال پورے انسان کے لئے لازم ہوتے ہیں نہ کہ صرف گردن کے لئے حالانکہ یہاں اعمال کو گردن کے لئے لازم کہا گیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح قلادہ (گلے کا ہار) گلے کے لئے عام طور پر لازم غیر منفک ہوتا ہے اسی طرح انسان کے اعمال انسان کے لئے لازم ہوتے ہیں، اس تعبیر میں شدت لزوم اور لزوم دوام کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلُہٗ: وقال مجاھد الخ مجاھدِ کے قول کے مطابق اس میں مجاز عقلی نہیں ہوگا۔

قِوْلُہٗ: صفتان لکتابًا، یلقٰہُ جملہ ہو کر کتابًا کی صفت اول ہے اور منشورًا صفت ثانی ہے اور یہ بھی درست ہے کہ منشورًا یلقاہ کی ضمیر مفعولی سے حال ہو۔

قِوْلُہٗ: ویقال لہٗ ماقبل سے نظم وربط قائم کرنے کے لئے یقال کو محذوف مانا ہے۔

قِوْلُہٗ: نفسٌ یہ تزرُ کی وجہ تانیث کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلُہٗ: لا تحملُ لا تَزِرُ کی تفسیر ہے۔

قِوْلُہٗ: وبہٖ کی ضمیر علی سبیل الانفراد خبیرًا اور بصیرًا کی طرف راجع ہے، بہتر ہوتا کہ عبارت اس طرح ہوتی "وبذنوب یَتَعَلَّقُ بخبیرًا وبصیرًا"۔

قِوْلُہٗ: بدلٌ من لہٗ الخ یعنی لمن نرید، لہٗ سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل البعض من الکل ہے۔

تفسیر وتشریح

وَیَدْعُ الِانسان الخ انسان چونکہ جلد باز اور بے حوصلہ واقع ہوا ہے، اس لئے جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو اپنی ہلاکت کے لئے اسی طرح بددعاء کرتا ہے جس طرح بھلائی کے لئے اپنے رب سے دعاء کرتا ہے، یہ تو رب کا فضل وکرم ہے کہ وہ اس کی

بددعاؤں کو قبول نہیں کرتا۔

وجعلنا اللّیل والنھار الخ یعنی رات کو تاریک بنایا تا کہ تم لوگ آرام وسکون حاصل کرو اور تمہاری دن بھر کی تکان دور ہو جائے، اور دن کو روشن بنایا تا کہ کسب معاش کے ذریعہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اس کے علاوہ رات اور دن کا ایک فائدہ اور بھی ہے کہ اس طرح ہفتوں مہینوں اور برسوں کا شمار اور حساب تم کر سکو اس حساب کے بھی بے شمار فائدے ہیں اگر رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات نہ آتی بلکہ ہمیشہ رات ہی رات رہتی یا دن ہی دن رہتا تو تمہیں آرام وسکون کا یا کاروبار کرنے کا موقع نہ ملتا اور اس طرح مہینوں اور سالوں کا حساب بھی ممکن نہ ہوتا۔

وکلَّ انسان الزمناہ طٰئرَہٗ فی عنقہٖ (الآیۃ) یعنی ہر انسان کی نیک بختی و بدبختی اور اس کے انجام کی بھلائی اور برائی کے اسباب و وجوہ خود اس کی اپنی ذات ہی میں موجود ہیں، اپنے اوصاف اپنی سیرت و کردار اور اپنی قوت تمیز و انتخاب کے استعمال سے ہی وہ اپنے آپ کو سعادت و شقاوت کا مستحق بناتا ہے، نادان لوگ اپنی قسمت کے شگون باہر سے لیتے پھرتے ہیں اور ہمیشہ خارجی اسباب ہی کو اپنی بدبختی اور خوشبختی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا پروانہ خیر و شر ان کے اپنے گلے کا ہار ہے، وہ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں تو دیکھ لیں کہ جس چیز نے ان کو تباہی اور ہلاکت کے راستہ پر ڈالا جس کا نتیجہ اور انجام خسران اور حرمان ہوا وہ ان کے اپنے ہی برے اوصاف تھے نہ کہ باہر سے آنیوالی کوئی چیز۔

وَمَن اھتدیٰ فانما یھتدی لِنفسہ یعنی راہ راست اختیار کر کے کوئی شخص خدا یا رسول پر یا اصلاح کی کوشش کرنے والوں پر کوئی احسان نہیں کرتا بلکہ خود اپنے ہی حق میں بھلا کرتا ہے، اور اسی طرح گمراہی اختیار کر کے یا اس پر اصرار کر کے وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑتا، اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

وَلا تزرُ وازرۃ وِزرَ اخریٰ (الآیۃ) یہ ایک اہم اور اصولی حقیقت ہے جس کو قرآن کریم میں جگہ جگہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے، اسلئے کہ اسے سمجھے بغیر ان کا طرز عمل کبھی درست نہیں ہو سکتا اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کی اپنی ایک مستقل ذمہ داری ہے کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے اور اس کو جو کچھ بھی جزاء یا سزا ملے گی اس عمل کی ملے گی جس کا وہ خود اپنی انفرادی حیثیت میں ذمہ دار ثابت ہوگا۔

بعثت رسل کے بغیر عذاب نہ ہونے کی تشریح:

اس آیت کی بناء پر بعض ائمہ فقہاء کے نزدیک ان لوگوں کو کفر کے باوجود کوئی عذاب نہیں ہوگا جن کے پاس کسی نبی اور رسول کی دعوت نہیں پہنچی اور بعض ائمہ کے نزدیک جو اسلامی عقائد عقل سے سمجھے جا سکتے ہیں مثلاً خدا کا وجود اس کی توحید وغیرہ پس جو لوگ اس کے منکر ہوں گے ان کو کفر پر عذاب ہوگا اگر چہ ان کو کسی نبی یا رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو البتہ عام معاصی اور گناہوں پر سزا بغیر دعوت و تبلیغ انبیاء کے نہیں ہوگی، اور بعض حضرات نے اس جگہ رسول سے مراد عام لی ہے خواہ رسول و نبی ہوں خواہ انسانی عقل کہ وہ بھی ایک حیثیت سے اللہ کا رسول ہے۔

مشرکوں کی نابالغ اولاد کو عذاب نہ ہوگا:

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین و کفار کی اولاد جو بالغ ہونے سے پہلے مر جائیں ان کو عذاب نہ ہوگا کیونکہ ماں باپ کے کفر سے وہ سزا کے مستحق نہ ہوں گے (مظہری) اس مسئلہ میں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں، بعض توقف کے قائل ہیں اور بعض جنت میں جانے کے اور بعض جہنم میں جانے کے، ابن کثیر نے کہا ہے کہ میدان حشر میں ان کا امتحان لیا جائیگا جو اللہ کے حکم کی اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو نافرمانی کرے گا وہ دوزخ میں جائیگا مگر صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے بچے بھی جنت میں جائیں گے۔

(صحیح بخاری ۳: ۱۲،۲۵۱: ۳۴۸ مع الفتح الباری)

ربط آیات:

وَاِذَا اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً (الآیة) اس سے پہلی آیت میں اس کا بیان تھا کہ حق تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جب تک کسی قوم کے پاس انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اللہ کی ہدایت نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس پر عذاب نہیں بھیجتے، مذکورہ آیات میں اس کے دوسرے رخ کا بیان ہے کہ جب کسی قوم کے پاس اللہ کی ہدایت پہنچ گئی پھر بھی انہوں نے سرکشی کی تو اس پر عذاب عام بھیج دیا جاتا ہے، اس آیت میں ایک اصول یہ بتلایا گیا ہے کہ جس کی رو سے قوموں کی ہلاکت کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ان کا خوشحال طبقہ اللہ کے حکموں کی نافرمانی شروع کر دیتا ہے اور انہی کی تقلید دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں اس طرح اس قوم میں اللہ کی نافرمانی عام ہو جاتی ہے اور وہ مستحق عذاب قرار پاتی ہے۔

بدعت اور ریا کاری کا عمل کتنا ہی اچھا نظر آئے مقبول نہیں:

وَمَن كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُّرِيدُ اس آیت میں سعی و عمل کے ساتھ لفظ سَعْيَهَا بڑھا کر یہ بتلا دیا کہ ہر عمل اور ہر کوشش نہ مفید ہوتی ہے اور نہ عند اللہ مقبول بلکہ عمل اور سعی وہی معتبر ہے جو مقصد یعنی آخرت کے مناسب ہو اور مناسب اور نامناسب ہونا صرف اللہ اور اس کے رسول سے ہی معلوم ہو سکتا ہے اسلئے جو نیک اعمال ریا کاری اور منگھڑت (بدعت) سے کئے جاتے ہیں جن میں بدعات کی عام رسمیں شامل ہیں وہ دیکھنے میں خواہ کتنے ہی بھلے اور مفید نظر آئیں مگر آخرت کے لئے سعی مناسب نہیں اسلئے نہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہیں اور نہ آخرت میں کارآمد اور تفسیر روح المعانی میں سَعْيَهَا کی تشریح میں سنت کے مطابق ہونے کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس عمل میں استقامت بھی ہو۔

اعمال کی قدردانی کی تین شرطیں:

اس آیت میں اللہ نے اعمال کی قدردانی اور مقبولیت کی تین شرطیں بیان فرمائی ہیں، ① ارادۂ آخرت یعنی اخلاص اور اللہ کی رضا جوئی، ② ایسی کوشش جو آخرت کے مناسب ہو یعنی سنت کے مطابق ہو، ③ ایمان، اسلئے کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل بھی قابل قبول نہیں ہوتا۔

کلًّا نمدُّ هٰؤلاء وهٰؤلاء الخ یعنی دنیا کا رزق اور اس کی آسائشیں ہم بلاتفریق مومن اور کافر طالب دنیا اور طالب آخرت سب کو دیتے ہیں اللہ کی نعمتیں دنیا میں کسی سے روکی نہیں جاتیں۔

تاہم دنیا کی یہ نعمتیں کسی کو کم اور کسی کو زیادہ ملتی ہیں اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق یہ روزی تقسیم فرماتا ہے، تاہم آخرت میں درجات کا تفاضل زیادہ واضح اور نمایاں ہوگا اور وہ اس طرح کہ اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر جہنم میں جائیں گے۔

وَقَضٰى اَمَرَ رَبُّكَ ای بانْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ ان تحسنوا بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا بان تبرّوهما اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ فاعلٌ اَوْ كِلٰهُمَا وفی قراءةٍ يَبْلُغان فاحدهما بدلٌ من الفِه فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ بفتح الفاءِ وكسرها منوّنًا وغير منوّن مصدرٌ بمعنى تبًا وقبحًا وَّلَا تَنْهَرْهُمَا تزجرهما وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۝ جميلاً ليّنًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ الِنْ لهما جانبك الذليل مِنَ الرَّحْمَةِ ای لرقّتك عليهما وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رحماني حين رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ من اضمار البرّ والعقوق اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ طائعين لله تعالىٰ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ الرجّاعين الى طاعته غَفُوْرًا۝ لما صدر منهم فی حقّ الوالدين من بادرةٍ وهم لا يضمرون عقوقًا وَاٰتِ اعطِ ذَا الْقُرْبٰى القرابةِ حَقَّهٗ من البرّ والصلة وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۝ بالانفاق فی غير طاعةِ اللهِ تعالىٰ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ای علی طريقتهم وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۝ شديدَ الكفر لنعمه فكذلك اخوه المبذّرُ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ای المذكورين من ذی القربٰى وما بعده فلم تعطِهم ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا ای لطلب رزقٍ تنتظرُهٗ ياتيك فتعطيهم منه فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا۝ ليّنا سهلاً بانْ تعِدهم بالاعطاءِ عند مجيء الرزق وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ ای لا تمسكها عن الانفاق كلَّ المسْكِ وَلَا تَبْسُطْهَا فی الانفاق كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا راجعٌ للاول مَّحْسُوْرًا۝ منقطعًا لا شيءَ عندك راجعٌ للثانی اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يوسّعه لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ يضيّقه لمن يشاءُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا۝ عالمًا ببواطنهم وظواهرهم فرزقهم على حسب مصالحهم.

ترجمہ: اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ بجز اُس کے کسی کی بندگی نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا اس طریقہ پر کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں (اَحَدُهما، یَبْلُغَنَّ) کا فاعل ہے اور ایک قراءت میں یَبْلُغان ہے، (اس صورت میں) احدهما، یَبْلُغان کے الف سے بدل ہوگا، تو تم ان سے، اُف، تک نہ کہنا، (اُفٍّ) فاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ یا تنوین اور بغیر تنوین مصدر ہے، معنی میں تبًّا اور قُبْحًا کے ہے، (یعنی تیرا ناس ہو اور برا ہو) اور نہ ان کو جھڑکنا، اور ان سے احترام کے ساتھ نرمی سے بات کرنا، اور نرمی اور شفقت سے ان کے سامنے جھکے رہنا (یعنی) اپنی انکساری کے بازوؤں کو ان کے لئے جھکائے رکھنا تیرے ان پر شفقت کی وجہ سے، اور یوں دعاء کرتے رہنا اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کے وقت میرے اوپر شفقت فرمائی فرمانبرداری سے جو کچھ تمہارے دلوں میں پوشیدہ ہے اس کو تمہارا رب خوب جانتا ہے اگر تم صالح رہو گے یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہو گے تو بے شک وہ اس کی طاعت کی طرف رجوع کرنے والوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والا ہے، (یعنی) جلد بازی میں جو کچھ ان سے حقوق والدین کے بارے میں سرزد ہو گیا ہے، اس کو معاف کرنے والا ہے، بشرطیکہ ان سے دل میں نافرمانی پوشیدہ نہ ہو، اور قرابتداروں کو حسن سلوک اور صلہ رحمی سے ان کا حق دیتے رہنا اور محتاج اور مسافروں کو (ان کا حق دیتے رہنا) اور اللہ کی نافرمانی میں مال میں فضول خرچی نہ کرنا بلاشبہ بے موقع مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں، یعنی شیطانوں کے طریقہ پر ہوتے ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے، یعنی اس کی نعمتوں کی بہت زیادہ ناشکری کرنے والا ہے، اسی طرح فضول خرچ کرنے والے اس کے بھائی ہیں، اور اگر تجھے مذکور میں سے یعنی قرابتداروں اور ان سے جو اس کے بعد مذکور ہیں اپنے رب کی اس رحمت کی امید کی طلب میں جس کی تو امید رکھتا ہے پہلو تہی کرنی پڑے یعنی اس رزق کی طلب میں کہ جس کے حاصل ہونے کا تجھے انتظار ہے تاکہ اس میں سے ان کو دے تو ان سے نرمی اور سہولت کی بات کہہ دینا، اس طریقہ پر کہ مال حاصل ہونے کی صورت میں ان کو دینے کا وعدہ کر لینا اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن ہی سے باندھ لو یعنی نہ تو ہاتھ کو خرچ کرنے سے پوری طرح بند کر لو اور نہ خرچ کے لئے پوری طرح کھول دو کہ تم ملامت زدہ ہو کر یہ اول صورت کی طرف راجع ہے اور تہی دست ہو کر بیٹھ رہو یعنی تمہارے پاس کچھ نہ رہے یہ دوسری صورت کی طرف راجع ہے، بے شک تیرا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں فراخی کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگی کر دیتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں (کی حالت) سے بخوبی دانا و بینا ہے، یعنی ان کے باطن اور ظاہر سے بخوبی باخبر ہے، ان کی مصلحت کے مقتضی کے مطابق ان کو رزق عطا کرتا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بِأنْ، اس تقدیر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ أن مصدر یہ ہے اس صورت میں لا نافیہ ہوگا اور تعبدو ن عِبَادةٌ، کے معنی میں ہے، یعنی تیرے رب نے یہ بات تاکیداً فرمائی ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ، أنْ، مفسرہ ہو اسلئے کہ قضٰی، قالَ کے معنی میں ہے اس صورت میں 'لا' ناہیہ ہوگا۔

قولہ: يَبْلُغَنَّ واحد مذکر غائب مضارع با نون ثقیلہ۔

قولہ: وَأن تحسنوا یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: أن تحسِنوا مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: بالوالدین جار مجرور ہو کر اِحساناً مؤخر کے متعلق نہیں ہو سکتے اس لئے کہ مصدر کا متعلق مقدم نہیں ہوا کرتا، اس لئے مجبوراً أن تحسنوا، مقدر ماننا پڑا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر أن تحسنوا، مقدر نہ مانا جائے تو بالوالدین کا عطف لا تعبدوا پر ہوگا یہ عطف جملہ اسمیہ علی جملہ فعلیہ ہوگا جو کہ درست نہیں ہے اور جب أن تحسنوا مقدر مان لیا تو عطف جملہ فعلیہ علی الجملة الفعلیہ ہو گیا۔

قولہ: عندكَ اى فى كفالتكَ وحرزكَ.

قولہ: فاعل یعنی اَحدُهما فاعل ہے اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے يَبْلُغَنَّ میں فاعل کی ضمیر مستتر نہیں ہے کہ تکرار فاعل کا اعتراض واقع ہو بلکہ احدهما فاعل ہے۔

قولہ: فاحدهما بدل من الفِهِ، یہ دوسری قراءت کی ترکیب کی طرف اشارہ ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک قراءت میں يَبْلُغَنَّ، کے بجائے يَبْلُغَانِّ ہے، اس صورت میں تکرار فاعل کا اعتراض ضرور واقع ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ يَبلغانِّ میں الف فاعل کا ہے اور اَحدُهما اس سے بدل ہے نہ کہ يبلغانِّ کا فاعل، لہٰذا اس قراءت کی صورت میں بھی تکرار فاعل کا اعتراض نہ ہوگا۔

قولہ: ألِن لهما جانبكَ الخ یعنی جناح سے مجازاً جانب کا ارادہ کیا ہے اور یہ ذکر خاص اور ارادۂ عام کے قبیل سے ہے۔

قولہ: الذليل، اس میں اشارہ ہے کہ جناح کی اضافت، الذّل کی جانب بیانیہ ہے۔

قولہ: اى لرقتكَ اس میں اشارہ ہے کہ مِن الرحمةِ میں مِن اجل کے لئے ہے۔

قولہ: رَحمانى اس اضافہ کا مقصد تشبیہ کو درست کرنا ہے۔

قولہ: وهم لا يضمرون الخ یہ جملہ حالیہ ہے۔

قولہ: فى غير طاعة اللّٰه تعالىٰ، اس میں اشارہ ہے کہ کار خیر میں اگر افراط کے ساتھ بھی خرچ کیا جائے تو بھی فضول خرچی میں شمار نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

والدین کے حقوق واحترام:

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعبُدُوا اِلّا ایاه وبالوالدین اِحسانا اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، جس سے والدین کی اطاعت، ان کی خدمت اور ان کے ادب واحترام کی اہمیت واضح ہے، گویا توحید اور ربوبیت الٰہی کے تقاضوں کے ساتھ، اطاعت والدین کے تقاضوں کی ادائیگی ضروری ہے احادیث میں اس کی اہمیت اور تاکید کو خوب واضح کر دیا گیا ہے، پھر بڑھاپے میں بطور خاص ان کے سامنے ''ہاں'' کے بجائے ''ہُوں'' تک کہنے اور ڈانٹنے جھڑکنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ بڑھاپے میں والدین کمزور بے بس اور لاچار ہو جاتے ہیں، جبکہ اولاد جوان اور وسائل معاش پر قابض ومتصرف ہوتی ہے علاوہ ازیں جوانی کے دیوانی جذبات اور بڑھاپے کی سرد وگرم چشیدہ تجربات میں تصادم ہوتا ہے، ان حالات میں والدین کے ادب واحترام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا بہت ہی مشکل مرحلہ ہوتا ہے، تاہم اللہ کے یہاں شادکام اور سرخ رو وہی ہوگا جو ان تقاضوں کو ملحوظ رکھے گا، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص خاک میں مل گیا جس نے اپنے والدین کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی، ایک دوسری حدیث میں فرمایا، جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

بُڑھاپے میں خدمت کی زیادہ تاکید کی وجہ یہ ہے کہ بڑھاپے میں خدمت کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے اور بعض اوقات زیادہ پیرانہ سالی میں ہوش وحواس بھی ٹھکانے نہیں رہتے جس کی وجہ سے اہل خانہ بھی اکتا جاتے ہیں بڑی سعادتمند اولاد کا کام ہے کہ اس وقت بوڑھے والدین کی خدمت گذاری اور فرمانبرداری سے جی نہ ہارے، قرآن نے تنبیہ کی ہے کہ جھڑکنا اور ڈانٹنا تو کجا، ان کے مقابلہ میں ہُوں بھی مت کرو بلکہ بات کرتے وقت ادب وتعظیم کو ملحوظ رکھو، ابن مسیّب نے فرمایا، اس طرح بات کرو کہ جیسے ایک خطاوار غلام سخت مزاج آقا سے کرتا ہے، غرضیکہ والدین نے جس طرح تیری ناتوانی کے وقت تیری تربیت ونگہداشت میں خون پسینہ ایک کر دیا اور اپنی مقدور بھر تیری راحت وحفاظت کی فکر کی، ہر آفت ومصیبت سے تجھے بچانے کی کوشش کرتے رہے، آج ان کی ضعیفی کا وقت آیا ہے جو کچھ تیری قدرت میں ہے ان کی خدمت اور تعظیم کر، اس کے باوجود تو ان کی خدمت کا حق ادا نہیں کر سکتا، پرندہ جب اپنے بچوں کو اپنے سایۂ شفقت میں لیتا ہے تو ان کے لئے اپنے بازو پھیلا کر پست کر دیتا ہے، تو تو بھی والدین کے ساتھ اسی طرح رحمت وشفقت کا برتاؤ کر اور ان کی اسی طرح کفالت کر جس طرح انہوں نے بچپن میں تیری کفالت کی، اور ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے دعاء مغفرت کرتا رہ، اور یہ سب کچھ اخلاص اور نیک نیتی سے ہونا چاہئے نہ کہ ریاکاری اور دکھاوے کے لئے، اگر فی الواقع تم اخلاص کے ساتھ ان کی خدمت کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں اور لغزشوں کو معاف کر دے گا۔

وَآتِ ذَاالقربٰی حقہٗ الخ، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غریب رشتہ داروں، مسکینوں اور ضرورت مند مسافروں کی امداد کر کے ان پر احسان نہیں جتلانا چاہئے، اسلئے کہ یہ ان پر احسان نہیں بلکہ یہ وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے مالداروں پر ضرورتمندوں اور رشتہ داروں کا رکھا ہے، اگر صاحب مال یہ حق ادا نہ کرے گا تو عنداللہ مجرم ہوگا معلوم ہوا کہ یہ حق کی ادائیگی ہے نہ کہ کسی پر احسان۔

مال میں فضول خرچی منع ہے:

مال خدا کی بڑی نعمت ہے اس سے عبادت میں دلجمعی حاصل ہوتی ہے اسی سے بہت سی اسلامی خدمات اور نیکیاں کمانے کا موقع ملتا ہے اس کو بے جا اڑانا ناشکری ہے جو شیطان کے اغواء وتحریک سے واقع ہوتی ہے اور انسان اس طرح ناشکری کر کے شیطان کا بھائی یعنی اس کا پیروکار بن جاتا ہے۔

فضول خرچی کو قرآن مجید نے دو لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے ایک ''تبذیر'' اور دوسرے ''اسراف'' تبذیر کی ممانعت تو اس آیت میں مذکور ہے اور اسراف کی ممانعت و لا تسرفوا سے بیان فرمائی ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں یعنی بے موقع اور بے محل خرچ کرنے کو تبذیر و اسراف کہا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ کسی گناہ میں یا بالکل بے موقع خرچ کرنے کو تبذیر کہتے ہیں اور جہاں خرچ کرنے کا جائز موقع ہو مگر ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے اس کو اسراف کہتے ہیں اسلئے تبذیر بہ نسبت اسراف کے شدید تر ہے اور اس کے مرتکب کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

امام تفسیر حضرت مجاہد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنا تمام مال راہ حق میں خرچ کر دے تو وہ تبذیر نہیں، اور باطل کے لئے اگر ایک مد (آدھ سیر) بھی خرچ کرے تو یہ تبذیر ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ غیر حق میں بے موقع خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے۔

بدرجہ مجبوری معذرت کا طریقہ:

وَاِمَّا تعرضنَّ عنھم الخ یعنی مالی استطاعت کے فقدان کی وجہ سے جس کے دور ہونے اور کشائش رزق کی تو اپنے رب سے امید رکھتا ہے اگر تجھے غریبوں، رشتہ داروں، مسکینوں، اور ضرورتمندوں سے اعراض کرنا پڑے یعنی اظہار معذرت کرنی پڑے تو نرمی اور عمدگی کے ساتھ معذرت کر، یعنی پیار و محبت کے لہجے میں نرمی اور خوش اسلوبی سے جواب دینا چاہئے نہ کہ ترش روئی اور بداخلاقی کے ساتھ۔

شان نزول:

مذکورہ آیت کے شان نزول میں ابن زید کی روایت یہ ہے کہ کچھ لوگ آپ ﷺ سے مال کا سوال کیا کرتے تھے، اور آپ کو معلوم تھا کہ اگر ان کو دیا جائے تو فساد میں خرچ کریں گے اس لئے آپ ﷺ ان کو دینے سے انکار فرما دیا کرتے

تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (معارف، قرطبی) مسند سعید بن منصور میں بروایت صبا بن حکم مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ کپڑا آیا تھا آپ نے اس کو مستحقین میں تقسیم فرمادیا اس کے بعد کچھ اور لوگ آئے جبکہ آپ سارا کپڑا تقسیم فرما چکے تھے، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

خرچ کرنے میں راہ اعتدال کی ہدایت:

ولا تجعل یدك مغلولة الخ یعنی نہ تو اس قدر بخیلی کرے کہ لوگ ''کنجوس مکھی چوس'' کہنے لگیں اور نہ اتنا دے کہ خود محتاج اور دوسروں کا دست نگر ہو کر بیٹھ رہے غرضیکہ ہر معاملہ میں اعتدال اور توسط ملحوظ رکھنا چاہئے، حدیث شریف میں ہے، ''مَا عَالَ مَنْ اقْتَصَدَ'' جس نے میانہ روی اختیار کی محتاج نہیں ہوا۔

اس آیت میں مخاطب براہ راست آپ ﷺ ہیں، اور آپ کے واسطے سے پوری امت مخاطب ہے اور مقصود اقتصاد کی ایسی تعلیم ہے کہ جو دوسروں کی امداد میں حائل بھی نہ ہو اور خود اپنے لئے بھی زحمت و مصیبت نہ بنے، اس آیت کے شان نزول میں ابن مردویہ نے بروایت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بغوی نے بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

واقعہ: واقعہ یہ ہے کہ ایک روز آپ ﷺ کی خدمت میں ایک لڑکا حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ میری والدہ نے آپ سے ایک کرتے کا سوال کیا ہے، اس وقت آپ ﷺ کے پاس اس کرتے کے علاوہ کوئی کرتہ نہیں تھا جو آپ کے بدن مبارک پر تھا، آپ نے لڑکے سے کہا پھر کسی وقت آؤ کہ جب ہمارے پاس اتنی وسعت ہو کہ تمہاری والدہ کا سوال پورا کر سکیں لڑکا گیا اور واپس آیا اور کہا میری والدہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کے بدن مبارک پر جو کپڑا ہے وہی عنایت فرمادیں، آپ نے کرتہ اتار کر اس لڑکے کے حوالہ کر دیا آپ ننگے بدن رہ گئے، نماز کا وقت آ گیا، حضرت بلال نے اذان دی مگر آپ باہر تشریف نہ لائے تو لوگوں کو فکر ہوئی، بعض لوگ اندر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ کرتہ کے بغیر ننگے بدن بیٹھے ہوئے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدۂ جلیلہ:۔

لا تجعل مع اللّٰہ الٰھًا آخر سے **فتلقی فی جھنم ملومًا مدحورًا.** تک (۲۵) احکام بیان کئے گئے جن کو بالترتیب لکھا جاتا ہے۔

❶ ولا تجعل مع اللّٰه الٰهاً آخر.
❷،❸ وقضٰی ربك الخ اس آیت میں دو حکم ہیں۔
① عبادة اللّٰه، ② نہی عن عبادة الغیر.

❹ وبالوالدین احسانا.	❺ فلا تقل لهما افٍ.
❻ ولا تنهرهما.	❼ وقل لهما قولاً كريما.
❽ واخفض لهما جناح الذل.	❾ وقل رّب ارحمهما.
❿ وآتِ ذاالقربی حقهٗ.	⓫ والمسكين.
⓬ وابن السبيل.	⓭ ولا تبذر تبذيرًا.
⓮ وقل لهما قولاً كريما.	⓯ ولا تجعل يدك مغلولة.
⓰ ولا تبسطها كل البسط.	⓱ ولا تقتلوا اولادكم.
⓲ ولا تقربوا الزنی.	⓳ ولا تقتلوا النفس.
⓴ فلا يُسرف فی القتل.	㉑ واوفوا بالعهد.
㉒ واوفوا الكيلَ.	㉓ وزنوا بالقسطاس المستقيم.
㉔ ولا تقف ماليس لك به علم.	㉕ ولا تمشِ فی الارض مرحا.

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ بالوَأْدِ خَشْيَةَ مخافة اِمْلَاقٍ فقر نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً اثما كَبِيْرًا﴿۳۱﴾ عظيمًا وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى ابلغُ مِن لا تأتوهُ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً قبيحا وَسَآءَ بئس سَبِيْلًا﴿۳۲﴾ طريقًا هو وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ لوارثه سُلْطٰنًا تسلُّطًا على القاتِلِ فَلَا يُسْرِفْ يتجاوز الحدّ فِّي الْقَتْلِ بأنْ يَقتلَ غيرَ قاتله او بغيرِ ما قُتِلَ به اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اذا عاہدتُمُ اللّٰهَ او الناسَ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا﴿۳۴﴾ عنه وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اَتِمُّوهُ

اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ الميزان السّوىّ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا مالاً وَلَا تَقْفُ تَتبعُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ القلبَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا صاحبُه ما ذا فُعِلَ به وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اى ذامَرَحٍ بالكبرِ والخيلاءِ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ تَشُقَّها حتى تَبلُغَ اخِرَها بكبرِك وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا المعنى اَنَّكَ لا تَبلغُ ہذا المبلغَ فكيف تَختالُ كُلُّ ذٰلِكَ المذكور كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ يا محمدُ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ الموعظةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا مَطرودًا عن رحمةِ اللّٰهِ اَفَاَصْفٰكُمْ اَخلصكم يا اہلَ مكةَ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا بناتًا لنفسِه بزعمكم اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ بذلك قَوْلًا عَظِيْمًا

ترجمہ: اور تم اپنی اولاد کو افلاس کے خوف سے زندہ درگور کر کے قتل نہ کرو ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی، اور بلاشبہ ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو (یہ تعبیر) تم زنا نہ کرو کی تعبیر سے زیادہ بلیغ ہے، بلاشبہ وہ بہت برا فعل ہے اور نہایت برا راستہ ہے اور قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلوما قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے وارث کو قاتل سے قصاص کے مطالبہ کا حق عطا کیا ہے تو اس کو قتل میں (حد شرع) سے تجاوز نہ کرنا چاہئے بایں طور کہ غیر قاتل کو قتل کرے یا اس آلہ کے علاوہ سے قتل کرے کہ جس کے ذریعہ قتل کیا گیا ہے بے شک اس کی مدد کی گئی ہے، اور مال یتیم کے پاس بھی نہ پھٹکو مگر ایسے طریقہ سے جو (شرعاً) احسن ہے یہاں تک کہ وہ سن شعور کو پہنچ جائے اور جب تم اللہ سے یا لوگوں سے کوئی عہد کرو تو اس عہد کو پورا کرو، بلاشبہ عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور جب ناپنے لگو تم بھرپور پیمانہ سے ناپو اور (تولو) تو ٹھیک ترازو سے تولو یہ اچھا طریقہ ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے اور کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو کہ جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً کان اور آنکھ اور دل سب ہی کی باز پرس ہوگی (یعنی) (کان، آنکھ اور دل) والے سے باز پرس ہوگی کہ ان سے کیا کام لیا، اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو (یعنی) مغرورانہ اور متکبرانہ انداز سے نہ چلو، یہ امر واقعہ ہے کہ نہ تو تم اپنے تکبر کی وجہ سے زمین کو پھاڑ سکتے ہو یہاں تک کہ تم اس کی تہہ تک پہنچ جاؤ اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو مطلب یہ ہے کہ تم اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتے، تو پھر کیوں اکڑ کر چلتے ہو؟ ان سب کاموں کی برائی تیرے رب کے نزدیک (سخت) ناپسندیدہ ہے اور اے محمد ﷺ یہ حکمت نصیحت کی وہ باتیں ہیں تیرے رب نے تیری طرف وحی کے ذریعہ اتاری ہیں اور تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنا (ورنہ) ملامت زدہ اور اللہ کی رحمت سے دور کر کے جہنم میں ڈال دیا جائیگا، اے اہل مکہ، کیا تمہارے رب نے بیٹوں کے لئے تمہیں منتخب کرلیا ہے، اور خود اپنے لئے فرشتوں کو لڑکیاں بنالیا (یعنی) بقول شما لڑکیاں اپنے لئے پسند کرلیں، تم یہ بات کہہ کر یقیناً بہت بڑا بول، بول رہے ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: إمْلَاق (افعال) افلاس، فقر۔

قولہ: الوأد (ض) سے مصدر ہے زندہ دفن کرنا۔

قولہ: خِطأً، خطا، چوک، گناہ، (س) خِطأً مصدر ہے۔

قولہ: ابلغُ من لاتاتوہ یعنی لا تقربوا الزنی تعبیر اور معنویت میں لا تاتوہ سے ابلغ ہے، اسلئے کہ لا تقربوا میں زنا کے قریب جانے سے بھی منع کیا گیا ہے جس میں دواعی زنا اور مقدمات زنا سے ممانعت بھی شامل ہے بخلاف لاتاتوہ کے۔

قولہ: اِنَّہٗ کان منصورًا، ضمیر ولی مقتول کی طرف راجع ہے، ولی مقتول اسلئے منصور ہے کہ شریعت نے اس کو قصاص کا حق دیا ہے۔

قولہ: مسئولاً، عنه یعنی روز قیامت عہد شکنی سے عہد شکن کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

قولہ: لاتَقْفُ، تو پیچھے نہ چل، تو اتباع نہ کر (ن) قَفْوًا پیچھے چلنا، پیروی کرنا مضارع واحد مذکر حاضر فعل نہی۔

قولہ: ذامرح مضاف محذوف مان کر اس سوال کا جواب دیدیا کہ مرحًا، لاتمش کی ضمیر سے حال ہے حالانکہ مرحًا کا حمل مصدر ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ مضاف محذوف ہے ای ذامرحٍ، ای مارحًا.

تفسیر و تشریح

وَلا تقتلوا اَوْلادکم خشیة اِمْلاق (الآیة) زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی اولاد کو خاص طور پر لڑکیوں کو ولادت کے وقت اس خوف سے قتل کر دیتے تھے کہ ان کے مصارف اور کھانے پینے کا بار ہم پر پڑے گا، نبی ﷺ نے شرک کے بعد جس گناہ کو سب سے بڑا اقرار دیا ہے وہ یہی ہے آپ نے فرمایا "وان تقتل وَلَدَكَ خشية ان يَطْعَمَ معكَ" کہ تو اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ بقرہ، مسلم شریف کتاب التوحید)

آج کل قتل اولاد کا گناہِ عظیم نہایت منظم طریقہ سے خاندانی منصوبہ بندی کے عنوان سے پوری دنیا میں ہو رہا ہے، مرد حضرات بہتر تعلیم و تربیت کے نام پر اور خواتین اپنے حُسن کو برقرار رکھنے کے لئے اس جرم کا عام ارتکاب کر رہے ہیں۔

ضبط تولید اور قرآن حکیم:

آیت مذکورہ نے ان معاشی بنیادوں کو یکسر منہدم کر دیا جن پر قدیم زمانہ سے آج تک مختلف ادوار میں ضبط ولادت کی تحریک اٹھتی رہی ہے، افلاس کا خوف قدیم زمانہ میں قتلِ اطفال اور اسقاط حمل کا محرک ہوا کرتا تھا، اور موجودہ دور میں وہ ایک تیسری تدبیر یعنی منع حمل کی طرف دنیا کو دھکیل رہا ہے، دور جاہلیت میں اندیشۂ افلاس کے ساتھ ایک سبب عار دامادی

بھی ہوا کرتا تھا صنف نازک ہر دور میں مختلف اسباب اور وجوہ کی بنا پر مظلوم رہی صنف نازک کی مظلومیت کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود ظلم کی، اس ترقی یافتہ دور میں بھی اس مظلوم صنف نازک کی مصیبت کم نہیں ہوئی بلکہ کچھ اضافہ ہی ہوا ہے، جدید آلات کی مدد سے حمل کی جنس معلوم کرلی جاتی ہے اگر معلوم ہو جائے کہ رحم مادر میں لڑکی ہے تو کوشش کی جاتی ہے کہ اس کو ولادت سے پہلے ختم کر دیا جائے زمانہ جاہلیت میں صنف نازک کی مصیبتوں کے اسباب جو بھی رہے ہوں موجودہ دور میں دو سبب نمایاں اور سرِ فہرست ہیں، تعلیم وتربیت اور جہیز، جس طرح زمانہ جاہلیت میں گھر میں لڑکی کی ولادت کی خبر سنکر چہرے اداس اور بے رونق ہو جاتے تھے آج گھر میں بیٹی کی پیدائش کی خبر سنکر اہلِ خانہ اور عزیز اقارب فکر مند ہو جاتے ہیں، اور بیٹی کی آمد کو مصیبت کی آمد تصور کرتے ہیں۔

قانون اسلامی کی یہ دفعہ انسان کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ کھانے والوں کی تخریبی کوشش چھوڑ کر ان تعمیری کوششوں میں اپنی قوتیں اور قابلیتیں صرف کریں جن سے اللہ کے بنائے ہوئے قانون فطرت کے مطابق رزق کی افزائش ہوا کرتی ہے، قرآنی مذکورہ دفعہ کی رو سے یہ بات انسان کی بڑی غلطیوں میں سے ایک ہے کہ وہ بار بار معاشی ذرائع کی تنگی کے اندیشہ سے افزائش نسل کا سلسلہ روک دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے، قرآن کی یہ دفعہ انسان کو متنبہ کرتی ہے کہ رزق رسانی کا کام تیرے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اس خدا کے ہاتھ میں ہے جو تجھے بھی روزی دیتا ہے، جس طرح وہ پہلے آنے والوں کو روزی دے رہا ہے بعد میں آنے والوں کو بھی روزی دے گا، تاریخ کا تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں میں کھانے والی آبادی جتنی بڑھتی گئی ہے اتنے ہی بلکہ بارہا اس سے بہت زیادہ معاشی ذرائع وسیع ہوتے چلے گئے ہیں لہٰذا خدا کی تخلیقی انتظامات میں انسان کی بے جادخل اندازی حماقت کے سوا کچھ نہیں۔

وَلا تقربوا الزنا الخ اسلام میں زنا چونکہ جرم عظیم ہے اتنا بڑا جرم کہ اگر کوئی شادی شدہ مرد یا عورت اس کام کا ارتکاب کرے تو اسے اسلامی معاشرہ میں زندہ رہنے کا حق نہیں ہے اسلئے یہاں فرمایا کہ فعل زنا تو دور کی بات ہے اس کے دواعی اور اسباب کے پاس بھی مت جاؤ، مثلاً غیر محرم عورت کو دیکھنا، ان سے اختلاط کی راہیں نکالنا، اسی طرح عورتوں کا بے پردہ اور بن سنور کر گھروں سے باہر نکلنا وغیرہ ان تمام امور سے اجتناب ضروری ہے تاکہ اس بے حیائی سے بچا جا سکے۔

زنا کے حرام ہونے کی دو وجہ بیان کی گئی ہیں، اول یہ کہ وہ بے حیائی ہے اور جب انسان میں حیا ہی نہ رہی تو وہ انسانیت ہی سے محروم ہو جاتا ہے پھر اس کے لئے کسی بھلے برے کی تمیز نہیں رہتی اسی معنی کو حدیث شریف میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے "اِذا فاتك الحياءُ فافعل ما شئتَ" یعنی تیری حیاء ہی جاتی رہی تو اب کسی برائی کے کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے حیاء کو ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا ہے، الحياء شعبة من الايمان. (بخاری)

اور دوسری وجہ معاشرتی فساد ہے جو زنا کی وجہ سے اتنا پھیلتا ہے کہ اس کی کوئی حد باقی نہیں رہتی اور اس کے نتائج بدبعض اوقات قبیلوں اور قوموں کو برباد کر دیتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین شادی شدہ زنا کار پر لعنت کرتی ہیں اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ زنا کرنے والا زنا کرتے وقت مومن نہیں رہتا۔

ولا تقربوا الزنا، قرآنی منشور کی یہ دفعہ اسلامی نظام زندگی کے ایک وسیع باب کی بنیاد بنی اس کی منشاء کے مطابق زنا اور تہمت زنا کو فوجداری جرم قرار دیدیا گیا، پردے کے احکام جاری کئے گے، فواحش کی اشاعت کو سختی کے ساتھ روک دیا گیا، شراب اور موسیقی اور رقص وسرود وتصاویر پر جو زنا کے قریب ترین رشتہ دار ہیں بندشیں لگائی گئیں اور ایک ایسا ازدواجی قانون بنایا گیا جس سے نکاح آسان ہو گیا اور زنا کے معاشرتی اسباب کی جڑ کٹ گئی۔

وَلا تقتلوا النفس التی حرّم اللّٰہ اِلّا بالحق، قتل ناحق کا جرم عظیم ہونا دنیا کے تمام مذاہب اور فرقوں میں مسلم ہے قتل نفس سے مراد صرف دوسرے انسان کا قتل ہی نہیں ہے بلکہ خودکشی بھی اس میں شامل ہے، اس لئے کہ نفس جس کو اللہ نے ذی حرمت ٹھہرایا ہے اس کی تعریف میں دوسرے نفسوں کی طرح انسان کا اپنا نفس بھی داخل ہے لہٰذا جتنا بڑا جرم اور گناہ قتل انسان ہے اتنا ہی بڑا جرم اور گناہ خودکشی ہے، انسان کی بڑی غلط فہمیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنی جان کا مالک سمجھتا ہے حالانکہ اس جان کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، ہم اس کے اتلاف کے مختار تو درکنار اس کے بے جا استعمال کے بھی مجاز نہیں، دنیا کی اس امتحان گاہ میں اللہ تعالیٰ جس طرح بھی ہمارا امتحان لے اسی طرح ہمیں آخر وقت تک امتحان دیتے رہنا چاہئے پرچہ پورا کئے بغیر پرچہ پھینک کر امتحان گاہ سے بھاگ نکلنے کی کوشش بجائے خود غلط ہے، امتحان گاہ سے بھاگ نکلنے کا مطلب یہ ہوگا کہ آدمی دنیا کی چھوٹی چھوٹی تکلیفوں اور ذلتوں اور رسوائیوں سے، بچکر عظیم اور ابدی تکلیف ورسوائی کی طرف بھاگتا ہے۔

قتل ناحق کی تفسیر:

قتل بالحق کی صرف پانچ صورتیں ہیں ایک قتل عمد کے مجرم سے قصاص، دوسرے دین حق کے راستہ میں مزاحمت کرنے والوں سے جنگ، تیسرے نظام اسلامی کو الٹنے کی کوشش کرنے والوں کو سزا، چوتھے شادی شدہ مرد یا عورت کو ارتکاب زنا کی سزا، پانچویں ارتداد کی سزا، صرف یہی پانچ صورتیں ہیں جن میں انسانی جان کی حرمت مرتفع ہو جاتی ہے اور اسے قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ سب قتل ناحق ہے۔

قصاص لینے کا حق کس کو ہے؟

آیت مذکورہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ حق مقتول کے ولی کا ہے اگر کوئی ولی موجود نہ ہو تو اسلامی حکومت کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہوگا اسلئے کہ وہ ایک حیثیت سے تمام مسلمانوں کا ولی ہے اور مقتول کے ولی کے حق کا مطلب یہ ہے کہ وہ قصاص کا مطالبہ کر سکتا ہے قصاص کے مستحق ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مقتول کا ولی از خود قاتل سے قصاص لینا شروع کر دے اس سے اسلامی قانون کا یہ اصول نکلتا ہے کہ قتل کے مقدمے میں اصل مدعی حکومت نہیں بلکہ اولیاء مقتول ہیں اور وہ قاتل کو معاف کرنے یا قصاص کے بجائے خون بہا لینے پر راضی ہو سکتے ہیں۔

ظلم کا جواب ظلم نہیں انصاف ہے؟

فلا یسرف فی القتل، اسلامی قانون کی ایک خاص ہدایت یہ ہے کہ ظلم کا بدلہ ظلم سے لینا جائز نہیں، بدلہ میں بھی انصاف کی رعایت ضروری ہے، انتقام میں بھی حد مجاز سے تجاوز کرنا درست نہیں ہے جب تک ولی مقتول انصاف کے ساتھ اپنے مقتول کا انتقام شرعی قصاص کے ساتھ لینا چاہے تو شریعت اس کے حق میں ہے اور اللہ اس کا مددگار ہے یعنی اسلامی قانون اس کا معاون ومددگار رہے، اور اگر اس نے جوش انتقام میں شرعی قصاص سے تجاوز کیا تو اب یہ مظلوم کے بجائے دوسرے فریق کی مدد کرے گا، کہ اس کو ظلم سے بچائے، لہٰذا جوش انتقام میں ایسا نہ ہونا چاہئے کہ مجرم کے علاوہ کسی اور کو قتل کردے یا مجرم کو عذاب دے دیکر مار ڈالے یا قتل کرنے کے بعد اس کی لاش پر غصہ نکالتے ہوئے اس کے ناک کان کاٹ کر مثلہ کردے یا خون بہا لینے کے بعد بھی قتل کردے یا ایک کے بدلے کئی لوگوں کو قتل کردے یہ سب چیزیں اسلامی قصاص کی حد سے زائد اور حرام ہیں اس لئے آیت فلا یسرف فی القتل میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

یتیموں کے مال میں احتیاط:

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن، اس آیت میں یتیموں کے مال کی حفاظت اور اس میں احتیاط کا بڑا تاکیدی حکم فرمایا ہے، یعنی یتیموں کے مال میں بیجا تصرف تو دور کی بات ہے برے ارادہ سے اس کے پاس بھی نہ جانا، یہ حکم محض ایک اخلاقی ہدایت ہی نہیں تھی بلکہ آگے چل کر جب اسلامی حکومت قائم ہوگئی تو یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے لئے انتظامی اور قانونی دونوں طرح کی تدابیر اختیار کی گئیں جو کہ فقہ اسلامی کا ایک مستقل باب ہے پھر اسی سے یہ اصول اخذ کیا گیا کہ اسلامی ریاست اپنے ان تمام شہریوں کے مفاد کی محافظ ہے جو اپنے مفاد کی خود حفاظت کے قابل نہ ہوں، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے "انا ولی من لا ولی له" میں ہر اس شخص کا سرپرست ہوں جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔

اسلام میں معاہدات کا حکم:

عہد دو طرح کے ہیں ایک وہ جو بندہ اور اللہ کے درمیان ہے جیسا کہ عہد الست کہ بے شک اللہ ہمارا رب ہے یہ عہد تو ہر انسان نے ازل میں کیا ہے خواہ کافر ہو یا مومن اس کو پورا کرنا فطری طور پر انسان پر واجب ہے دوسرا عہد مومن ہے جو "شھادت ان لآ اِلٰہَ الا اللّٰہ" کے ذریعہ کیا گیا ہے جس کا حاصل احکام الٰہی کا مکمل اتباع اور اس کی رضا جوئی ہے۔

دوسری قسم کا عہد وہ ہے جو انسان کسی دوسرے انسان سے کرتا ہے جس میں ہر قسم کے معاہدات سیاسی تجارتی معاملاتی سب شامل ہیں جو افراد اور جماعتوں اور ملکوں اور قوموں کے درمیان دنیا میں ہوتے ہیں، پہلی قسم کے تمام معاہدات کا پورا کرنا انسان پر

واجب ہے، اور دوسری قسم میں جو معاہدات خلاف شرع نہ ہوں ان کا پورا کرنا واجب ہے اور جو خلاف شرع ہوں ان کی فریق ثانی کو اطلاع کر کے ختم کر دینا واجب ہے جس معاہدہ کا پورا کرنا واجب ہے اگر کوئی فریق عہد کی پاسداری نہ کرے تو فریق ثانی کو حق ہے کہ عدالت میں مرافعہ کر کے اس کو پورا کرنے پر مجبور کرے۔

اور اگر کوئی شخص کسی سے یکطرفہ وعدہ کر لیتا ہے اس کا پورا کرنا بھی واجب ہے مگر وعدہ خلافی کرنے والے کو فریق ثانی بذریعہ عدالت وعدہ پورا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، البتہ بلا عذر شرعی اگر کوئی شخص وعدہ کرنے کے بعد پورا نہ کرے گا وہ شرعاً گنہگار ہوگا، حدیث میں اس کو عمل نفاق قرار دیا گیا ہے۔

وَاَوْفوا الکیل اِذَا کلتم، یہ حکم ناپ تول پورا کرنے کی ہدایت اور اس میں کمی کرنے کی ممانعت کا ہے جس کی پوری تفصیل سورۃ المطففین میں مذکور ہے پورا تولنے اور ناپنے کا مطلب یہ ہے کہ حقدار کو اس کا پورا حق دیا جائے اس میں کمی کرنا حرام ہے اسلئے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی ملازم اپنے مفوضہ اور مقررہ کام میں کمی کرے یا جتنا وقت دینا چاہئے اس سے کم دے یا مزدور اپنی مزدوری میں کام چوری کرے۔

صحیح ناپ تول کی ہدایت بھی صرف افراد کے باہمی معاملات تک محدود نہ رہی بلکہ یہ بات اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل ہوگئی کہ وہ منڈیوں میں بازاروں میں اوزان اور پیمانوں کی نگرانی کرے اور تطفیف کو بزور بند کرے۔

لا تقفُ ما لَیسَ لَکَ بہٖ علم (الآیۃ) یعنی بغیر تحقیق کے زبان سے کوئی بات نہ نکالو اور نہ کسی بات کی بغیر تحقیق پیروی کرو، انسان کو چاہئے کہ آنکھ، کان، اور دل سے کام لے کر اور بقدر ضرورت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے اور اس پر عمل کرے، قیامت کے دن تمام اعضاء اور قویٰ کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

ولا تمش فی الارض مرحا، متکبروں کی چال چلنا زیبا نہیں نہ تو، تو زمین پر زور سے پاؤں مار کر زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ سینہ تان کر چلنے سے بلندی میں پہاڑوں کے برابر ہو سکتا ہے پھر ایسے ضعف و عجز کے باوجود کھینچ تان کر قد لمبا کرنے سے کیا فائدہ؟

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا بَیَّنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ من الامثالِ والوعدِ والوعیدِ لِیَذَّکَّرُوْا یَتَّعِظُوا وَمَا یَزِیْدُهُمْ ذلِکَ اِلَّا نُفُوْرًا﴿۴۱﴾ عن الحقِ قُلْ لهم لَّوْ کَانَ مَعَهٗ ای اللّٰہ اٰلِهَةٌ کَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا طَلَبُوا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ ای اللّٰہِ سَبِیْلًا﴿۴۲﴾ طریقًا لیُقاتِلُوہ سُبْحٰنَهٗ تنزیهًا له وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ من الشرکاءِ عُلُوًّا کَبِیْرًا﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ تنزِّهُہٗ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ وَاِنْ ما مِّنْ شَیْءٍ من المخلوقاتِ اِلَّا یُسَبِّحُ مُتلبسًا بِحَمْدِهٖ ای یَقولُ سُبحانَ اللّٰہِ وبحمدِہ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تفهمُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ لانَّهٗ لَیسَ بلُغَتِکم اِنَّهٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا﴿۴۴﴾ حیثُ لم یُعاجِلکم بالعقوبۃِ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا﴿۴۵﴾ ای ساتِرًا لک عنهم فلا یَرَوْنَکَ ونزَلَ فیمن ارادَ الفَتْکَ بہ

صلى الله عليه وسلم ﴿وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ اغطيةً ﴿اَنْ يَّفْقَهُوْهُ﴾ من ان يفهموا القرآن اى فلا يفهمونه ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ ثقلاً فلا يسمعونه ﴿وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا﴾ عنه ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ﴾ بسببه من الهزءِ ﴿اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ﴾ قراءتك ﴿وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى﴾ يتناجون بينهم اى يتحدثون ﴿اِذْ﴾ بدلٌ من اِذ قبلَهُ ﴿يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ في تناجيهم ﴿اِنْ﴾ ما ﴿تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ مخدوعًا مغلوبًا على عقله قال تعالى ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ﴾ بالمسحور والكاهن والشاعر ﴿فَضَلُّوْا﴾ بذلك عن الهدى ﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾ طريقًا اليه ﴿وَقَالُوْٓا﴾ منكرين للبعث ﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا﴾ ﴿قُلْ﴾ لهم ﴿كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ﴾ يعظم عن قبول الحيوة فضلاً عن العظام والرفات فلا بُدَّ من ايجادِ الروح فيكم ﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا﴾ الى الحيوة ﴿قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ﴾ خلقكم ﴿اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ولم تكونوا شيئًا لأنّ القادرَ على البدءِ قادرٌ على الاعادةِ بل هي اَهونُ ﴿فَسَيُنْغِضُوْنَ﴾ يُحرِّكون ﴿اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ﴾ تعجُّبًا ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ استهزاءً ﴿مَتٰى هُوَ﴾ اى البعثُ ﴿قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ﴾ يُناديكم من القبور على لسان اسرافيلَ ﴿فَتَسْتَجِيْبُوْنَ﴾ فتجيبونَ من القبورِ ﴿بِحَمْدِهٖ﴾ بامره وقيلَ وله الحمدُ ﴿وَتَظُنُّوْنَ اِنْ﴾ ما ﴿لَّبِثْتُمْ﴾ في الدنيا ﴿اِلَّا قَلِيْلًا﴾ لهولِ ما ترون.

ترجمہ: ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کی مثال اور وعدہ وعید بیان کرکے سمجھایا تاکہ لوگ سمجھیں نصیحت حاصل کریں، لیکن اس سے تو ان کی حق سے نفرت ہی بڑھتی گئی (اے محمد ﷺ) ان سے کہو اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اب تک یہ لوگ عرش کے مالک اللہ کی طرف ضرور راہ ڈھونڈ نکالتے تاکہ اس سے جنگ کریں، جن شرکا کی یہ بات کرتے ہیں وہ ان سے پاک اور بہت بالا و برتر ہے ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور ہر مخلوق حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتی ہے یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کہتی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے کہ وہ تمہاری زبان میں نہیں ہے بلاشبہ وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ تمہاری سزا میں جلدی نہیں کرتا، اور جب تم قرآن کی تلاوت کرتے ہو تو ہم تمہارے اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے درمیان حجاب ساتر ڈالدیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ تم کو دیکھ نہیں سکتے اور (آئندہ آیت) اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے آپ ﷺ کو اچانک قتل کرنے کا ارادہ کیا، اور ان کے دلوں پر ایسا غلاف چڑھادیتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے (یعنی) ایسا غلاف جو قرآن فہمی سے مانع ہوتا ہے، یعنی اس کو نہیں سمجھتا اور ان کے کانوں میں ثقل پیدا کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اس کو سنتے نہیں ہیں، اور جب تم قرآن میں اپنے ایک ہی رب کا ذکر کرتے ہو تو وہ اس سے نفرت سے منہ موڑ لیتے ہیں اور جب وہ کان لگا کر آپ کی قراءت استہزاء کے لئے سنتے ہیں تو ہمیں تب بھی معلوم ہے کہ وہ کیا سنتے ہیں، اور جب یہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں تب بھی، اور اِذ، ماقبل کے

اذ سے بدل ہے، اور تب بھی کہ جب یہ ظالم آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم تو ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو (یعنی) ایسے شخص کی کہ جو مسحور اور مغلوب العقل ہے، دیکھو تو سہی آپ کے بارے میں کیسی کیسی مثالیں دیتے ہیں؟ (یعنی) سحر زدہ اور کاہن اور شاعر کی مثال، اسی وجہ سے یہ لوگ ہدایت سے بھٹک رہے ہیں انھیں (خدا تک رسائی کا) راستہ نہیں ملتا اور منکرین بعث کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہڈی اور چورہ ہو کر رہ جائیں گے تو کیا ہم کو نئے سرے سے پیدا کیا جائیگا آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا یا کوئی ایسی مخلوق جو قبول حیات میں تمہارے خیال میں ہڈیوں اور ریزوں سے بھی بعید تر ہو، ہو جاؤ تو بھی تمہارے اندر وہ روح ڈال کر ہی رہے گا، تو وہ ضرور پوچھیں گے کہ وہ کون ہے جو ہم کو زندگی کی طرف لوٹائیگا (جواب میں) کہو، وہی جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا، حالانکہ تم کچھ بھی نہیں تھے اسلئے کہ جو ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے بلکہ دوبارہ پیدا کرنا آسان تر ہے تو وہ تعجب سے آپ کی طرف سر مٹکائیں گے اور پوچھیں گے، اچھا تو، یہ دوبارہ زندہ ہونا، ہوگا کب؟ تم کہو ہو سکتا ہے کہ وہ وقت قریب ہی آلگا ہو، جس روز وہ تمہیں اسرافیل کی زبانی قبروں سے پکارے گا تو تم اس کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے قبروں سے نکل آؤ گے اور کہا گیا ہے کہ **لہ الحمد**، کہتے ہوئے نکل آؤ گے جس منظر کو تم دیکھو گے اس کی ہولناکی کی وجہ سے تمہارا گمان یہ ہوگا کہ تم دنیا میں بہت کم مدت رہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فی ھذا القرآن، واؤ عاطفہ ہے لام قسمیہ، صرّف، متعدد معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں بَیَّنا واَوْضحنا کے معنی میں مستعمل ہے، اس کا مفعول محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے ''وَلَقَدْ صَرَّفْنَا اَمثالاً''۔

قِوْلُہٗ: ساترًا، اس میں اشارہ ہے کہ مفعول بمعنی فاعل ہے اسلئے کہ حجاب ساتر ہوتا ہے نہ کہ مستور۔

قِوْلُہٗ: اَلفتك، بتثلیث الفاء القتل علی الغفلة، اچانک غفلت کی حالت میں قتل کر دینا۔

قِوْلُہٗ: من ان یفهموا، اس میں اشارہ ہے کہ اَنْ مصدریہ ہے نہ کہ تفسیریہ، مِن اَن یفهموا، میں من کا اضافہ یہ بتانے کے لئے کہ اَنْ یفقهوہ تقدیر من کے ساتھ اَکِنّة کا صلہ ہے اور اَکِنّة، مَنَعَ کے معنی کو مشتمل ہے، نہ یہ کہ أن یفقهوہ مفعول لہٗ ہے کہ حذف مضاف کی ضرورت ہو اور تقدیر عبارت یہ ہو ''کراھةَ اَنْ یفقهوہُ۔

قِوْلُہٗ: وَحْدَہٗ، مصدر ہے موقع حال میں واقع ہے۔

قِوْلُہٗ: نفورًا مصدر ہے جو کہ ولّوا کا مفعول لہٗ واقع ہو رہا ہے۔

قِوْلُہٗ: اِذ یستمعون الخ اور اِذھم نجوىٰ یہ دونوں اَعْلَمُ کے ظرف ہیں۔

قِوْلُہٗ: قراءتك، مضاف محذوف مان کر بتا دیا کہ استماع کا مفعول قراءت محذوف ہے اس لئے کہ ذات کا سننا محال ہے اور نہ ذات سننے کی چیز ہے۔

قولہ: مخدوعًا، ای مسحورًا یعنی ایسا مسحور کہ سحر کی وجہ سے اس کی عقل زائل ہوگئی ہو۔

قولہ: رُفاتًا، رُفات وہ شئ جو خشک ہو کر چورہ چورہ ہو جائے۔

قولہ: ینغضون اِنغاض (افعال) سے مضارع جمع مذکر غائب، وہ سر ہلاتے ہیں نَغض (ض ن) اوپر سے نیچے کو سر ہلانا۔

تفسیر وتشریح

ولقد صرّفنا فی ھٰذا القرآن (الآیۃ) طرح طرح سے بیان کرنے کا مطلب ہے، وعظ ونصیحت، دلائل وبینات، ترغیب وترہیب، اور امثال وواقعات، غرض ہر طریقہ سے بار بار سمجھایا گیا ہے تاکہ وہ ہوش میں آئیں اور سمجھیں لیکن وہ کفر شرک کی تاریکیوں میں اس طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ وہ حق کے قریب ہونے کے بجائے اس سے اور زیادہ دور ہوگئے ہیں، اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ یہ قرآن، جادو، کہانت اور شاعری ہے، ایسی حالت میں وہ اس قرآن سے کہاں راہ یاب ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ قرآن کی مثال بارش کی سی ہے، زرخیز زمین پر پڑے تو وہ بارش سے سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے اور اگر سنگلاخ اور بنجر زمین پر پڑے تو خاروخس اگاتی ہے اور اگر گندی زمین پر پڑے تو اس کی گندگی اور بدبو میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

قل لَوْ کان معہ اٰلِھۃ کما یقولون (الآیۃ) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر لشکر کشی کر کے غلبہ حاصل کر لیتا ہے، اسی طرح یہ دوسرے معبود بھی اللہ پر غلبہ کی کوئی تدبیر نکالتے، اور اب تک ایسا ہوا نہیں جبکہ ان معبودوں کو پوجتے ہوئے صدیاں گذر گئیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہی نہیں اور نہ کوئی با اختیار ہستی اور نہ کوئی نافع وضار، مطلب یہ ہے کہ اگر معبود حقیقی کے علاوہ دیگر معبود حقیقی ہوتے تو وہ خود مالک عرش بننے کی کوشش کرتے اس لئے کہ چند ہستیوں کا خدائی میں شریک ہونا دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا، یا تو وہ سب اپنی جگہ مستقل خدا ہوں یا ان میں سے ایک اصل خدا ہو اور باقی اس کے تابع، پہلی صورت میں یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ یہ سب آزاد وخود مختار خدا، ہمیشہ ہر معاملہ میں ایک دوسرے کے ارادہ سے موافقت کر کے اس عظیم کائنات کے نظم کو اتنی مکمل ہم آہنگی ویکسانیت اور تناسب وتوازن کے ساتھ چلا سکتے، ناگزیر تھا کہ ان کے منصوبوں اور ارادوں میں قدم قدم پر تصادم ہوتا اور ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا دوسری صورت تو بندہ کا ظرف، خدائی اختیارات تو درکنار خدائی کے ذرا سے وہم اور شائبہ تک کا تحمل نہیں کر سکتا۔

تُسبح لہ السمٰوات السبع والارض (الآیۃ) کائنات میں انسانوں، فرشتوں اور جنوں کی تسبیح کا مطلب تو واضح ہے مذکورہ تینوں نوعوں کے علاوہ کی تسبیح کے بارے میں بعض علماء نے کہا ہے کہ ان کی تسبیح سے مراد تسبیح حالی ہے۔

مگر دوسرے اہل تحقیق علماء کا قول یہ ہے کہ تسبیح اختیاری تو صرف فرشتے اور مومن جن وانس کے لئے مخصوص ہے مگر تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ذرہ ذرہ کو تسبیح خواں بنا رکھا ہے مگر ان کی اس تکوینی اور غیر اختیاری تسبیح کو عام لوگ نہیں سنتے قرآن

کریم کا ارشاد ہے "ولٰکن لا تفقھون تسبیحھُمْ" اس سے معلوم ہوا کہ تمام کائنات کی تسبیح حالی نہیں بلکہ حقیقی ہے مگر ہمارے فہم وادراک سے بالاتر ہے۔

کائنات کی ہر شئ تسبیح وتحمید میں مشغول ہے:

کائنات کی ہر شئی اپنے اپنے انداز میں تسبیح وتحمید میں مصروف ہے گو ہم اس کو نہ سمجھ سکیں، اس کی تائید بعض آیات قرآنی سے بھی ہوتی ہے، حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں آتا ہے "اِنّا سخرنا الجبالَ معه یُسبّحنَ بالعشیّ والاشراق" (سورۂ ص) ہم نے پہاڑوں کو داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے تابع کر دیا بس وہ شام اور صبح کو اس کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، بعض پتھروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَاِنَّ منھا لما یَھْبِطُ من خشیة اللّٰه" (بقرہ) اور بعض (پتھر) اللہ تعالیٰ کے خوف کے مارے گر پڑتے ہیں۔

کھانے کا تسبیح پڑھنا:

عبداللہ بن مسعود بیان فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ انہوں نے کھانے کی تسبیح کی آواز سنی۔

اسطوانۂ حنانہ کا رونا:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسجد نبوی میں منبر بننے سے پہلے آپ کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے جب لکڑی کا منبر تیار ہو گیا تو اس تنے کو آپ نے چھوڑ دیا تو وہ تنا بچے کی طرح زور زور سے رونے لگا آپ کے تسلی دینے کے بعد خاموش ہوا۔ (بخاری شریف)

پتھر کا آپ ﷺ کو سلام کرنا:

مکہ میں ایک پتھر تھا جو رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا کرتا تھا (مسلم شریف) صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں کہ جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا اور میں اب بھی اسے پہچانتا ہوں بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد حجر اسود ہے۔ (معارف)

مذکورہ روایات کے بعد اس میں کیا بُعد اور استحالہ رہ جاتا ہے کہ زمین وآسمان کی ہر چیز میں شعور وادراک ہے، اور ہر چیز حقیقی طور پر اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ اگر تسبیح سے مراد تسبیح حالی ہوتو مذکورہ آیت میں حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی کیا تخصیص ہوگی اس سے ظاہر یہی ہے کہ یہ تسبیح قولی تھی، جیسا کہ خصائص الکبریٰ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کنکریوں کا تسبیح پڑھنا معجزہ نہیں وہ تو ہر حال میں اور ہر وقت عام ہے آنحضرت ﷺ کا معجزہ یہ تھا کہ آپ کے دست مبارک میں آنے کے بعد ان کی تسبیح اس طرح ہوگئی کہ عام لوگوں نے اپنے کانوں سے سنی۔

کیا پیغمبر پر جادو کا اثر ہوسکتا ہے:

کسی نبی اور پیغمبر پر جادو کا اثر ہو جانا ایسا ہی ممکن ہے جیسا کہ کسی مرض کا اثر ہو جانا، اس لئے کہ انبیاء بشری خواص سے الگ نہیں ہوتے، جیسے ان کو زخم لگ سکتا ہے، بخار اور درد ہوسکتا ہے، قے آسکتی ہے ایسے ہی جادو کا اثر بھی ہوسکتا ہے، اسلئے کہ وہ بھی خاص اسباب طبعیہ جنات وغیرہ کے اثر سے ہوتا ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ پر جادو کا اثر ہوگیا تھا، آخری آیت میں جو کفار نے آپ کو مسحور کہا اور قرآن نے اس کی تردید کی اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کو مسحور کہنے کا مطلب مجنون کہنا تھا، اسی کی تردید قرآن نے فرمائی ہے اس لئے حدیث سحر اس آیت کے معارض نہیں ہے۔

وَاذا قرأت القرآن الخ آیات مذکورہ میں سے پہلی دوسری آیت میں جو مضمون آیا اس کا ایک خاص شان نزول ہے، جو قرطبی نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ جب قرآن میں سورۂ تبت یدا ابی لھب، نازل ہوئی جس میں ابولہب کی بیوی کی مذمت مذکور ہے تو اس کی بیوی آپ ﷺ کی مجلس میں گئی اس وقت حضرت ابوبکر صدیق مجلس میں موجود تھے اس کو آتے دیکھ کر آپ ﷺ سے صحابہ نے عرض کیا کہ آپ یہاں سے ہٹ جائیں تو بہتر ہے کیونکہ یہ عورت بڑی بدزبان ہے یہ ایسی باتیں کہے گی جس سے آپ کو تکلیف ہوگی آپ نے فرمایا نہیں اس کے اور میرے درمیان اللہ تعالیٰ پردہ حائل کردیں گے، چنانچہ وہ آپ کی مجلس میں پہنچی مگر رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھ سکی، تو صدیق اکبر کو مخاطب ہوکر کہنے لگی کہ آپ کے ساتھی نے ہماری ہجو کی ہے، صدیق اکبر نے کہا واللہ وہ تو کوئی شعر ہی نہیں کہتے جس میں عادۃً ہجو کی جاتی ہے تو وہ یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ تم بھی اس کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو، اس کے چلے جانے کے بعد صدیق اکبر نے عرض کیا، کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں آپ نے فرمایا جبتک وہ یہاں رہی میرے اور اس کے درمیان ایک فرشتہ پردہ کرتا رہا۔ (معارف)

اَکِنَّۃ، کنان کی جمع ہے، ایسا پردہ جو دلوں پر پڑ جائے، وَقْرٌ، گراں گوشی، ثقل سماعت، ڈاٹ، بہرا پن، جو قرآن سننے سے مانع ہو مطلب یہ ہے کہ ان کے دل قرآن کے سمجھنے سے قاصر اور کان قرآن سنکر ہدایت قبول کرنے سے عاجز ہیں، اور اللہ کی توحید سے تو ان کو اتنی نفرت ہے کہ توحید کا نام سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

وَقَالُوا ءَ اِذَا کُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوثُونَ مشرکین وکفار کا کہنا یہ تھا کہ اول تو مر کر دوبارہ زندہ ہونا ہی مشکل ہے اسلئے کہ مردہ جسم میں زندگی کی صلاحیت نہیں رہتی اور جب وہ جسم پھول پھٹ کر ریزہ ریزہ ہوکر منتشر بھی

ہو جائے تو اس کے زندہ ہونے کو کون مان سکتا ہے، آپ ان کے جواب میں فرما دیجئے کہ تم تو ہڈیوں ہی کی حیات کو مستبعد سمجھتے ہو ہم کہتے ہیں کہ تم پتھر یا لوہا یا کوئی ایسی چیز جو تمہاری نظر میں حیات قبول کرنے میں پتھر اور لوہے سے بھی سخت ہو، ہو کر دیکھ لو، دیکھو کہ زندہ کئے جاتے ہو یا نہیں، پتھر اور لوہے کو بعید از حیات قرار دینا اس لئے ظاہر ہے کہ ان میں کسی وقت بھی حیات حیوانی نہیں آتی بخلاف ہڈیوں کے کہ ان میں پہلے کچھ وقت تک حیات رہ چکی ہے تو جب لوہے اور پتھر کو زندہ کرنا اللہ کے نزدیک مشکل نہیں تو اعضاء انسانی کو دوبارہ زندگی بخشنا کیا مشکل ہوگا۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ المؤمنین یَقُوْلُوا للکفار الکلمة اَلَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ یفسد بَیْنَهُمْ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا﴿۵۳﴾ بَیِّنَ العداوةِ والکلمةُ التی ہی اَحسنُ ہی رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ بالتوبةِ والایمانِ اَوْ اِنْ یَّشَاْ تَعذِیبَکم یُعَذِّبْکُمْ بالموتِ علی الکفر وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ وَکِیْلًا﴿۵۴﴾ فتجبرُہم علی الایمان وہذا قبلَ الامر بالقتال وَرَبُّکَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فیَخُصُّہم بماشاء علی قدرِ احوالِہم وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ بتخصیصِ کلٍ منہم بفضیلةٍ کموسٰی بالکلام وابراہیمَ بالخُلَّةِ ومحمدٍ علیہ وعلیہما السلامُ بالاسراءِ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴿۵۵﴾ قُلِ لہم ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ انّہم الٰہةٌ مِّنْ دُوْنِهٖ کالملائکةِ وعیسٰی وعُزیر فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا﴿۵۶﴾ لہ الی غیرِکم اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ ہم الٰہةٌ یَبْتَغُوْنَ یَطلُبونَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ القربة بالطاعةِ اَیُّهُمْ بدلٌ من واوِ یبتغونَ ای یَبْتَغِیْہا الذی ہو اَقْرَبُ الیہ فکیف بغیرہ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ کغیرِہم فکیف یدعونہم الٰہةً اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا﴿۵۷﴾ وَاِنْ ما مِّنْ قَرْیَةٍ اُرِیدَ اَہلُہا اِلَّا نَحْنُ مُهْلِکُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ بالموتِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا بالقتلِ وغیرہ کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ اللوحِ المحفوظِ مَسْطُوْرًا﴿۵۸﴾ مکتوبًا وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ التی اقترحہا اہلُ مکةَ اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ لمَّا اَرسَلْنَاہا فاَہلَکْنَاہم وَلَوْ اَرسلناہا الی ہؤلاءِ لَکَذَّبُوابہا وَاستَحَقُّوا الاہلاکَ وقد حکمنَا بامہالِہم لاتمامِ امرِ محمد وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ ایة مُبْصِرَةً بینة واضحة فَظَلَمُوْا کفروا بِهَا فاُہلِکوا وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ المعجزاتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا﴿۵۹﴾ للعبادِ لیُؤمنوا وَ اذکر اِذْ قُلْنَا لَکَ اِنَّ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ علمًا وقدرةً فہم فی قَبضَتِہ فبلِّغہم ولا تخف احدًا فہو یَعصِمُکَ منہم وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ عیانًا لیلةَ الاسراءِ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ اہلِ مکةَ اذ کَذَّبُوا بہا وارْتَدَّ بعضُہم لما اَخبرَہم بہا وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ وہی الزَّقُّومُ التی تَنبتُ فی اصلِ الجحیم جعلنَاہا فتنةً لہم اِذْ قالوا النارُ تُحرِقُ الشجرَ فکیف تُنبتُہ وَنُخَوِّفُهُمْ بہا فَمَا یَزِیْدُهُمْ تخویفُنا اِلَّا طُغْیَانًا کَبِیْرًا﴿۶۰﴾

ترجمہ: اور میرے مومن بندوں سے کہہ دو کہ کفار سے اچھی بات کہو بلاشبہ شیطان ان کے درمیان فساد ڈلواتا

ہے، یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، یعنی اس کی عداوت بالکل ظاہر ہے، اور وہ کلمہ جو بہتر ہے وہ یہ کہ "تمہارا رب تمہارے بارے میں تمہاری بہ نسبت بہت زیادہ جانتا ہے، اگر وہ چاہے تو توبہ اور ایمان کے ذریعہ تمہارے اوپر رحم فرمائے یا اگر تم کو عذاب دینا چاہے تو تم کو کفر پر موت دے کر تم کو عذاب دے اور ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ان کو ایمان پر مجبور کریں اور یہ حکم، جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، اور وہ آسمانوں اور زمین کی مخلوقات کے بارے میں بخوبی جانتا ہے اور ان کے احوال کے مطابق جو چاہتا ہے ان کے ساتھ خاص کرتا ہے، اور یقیناً ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے ہر ایک کو ایک مخصوص فضیلت دے کر، مثلاً موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو شرف ہمکلامی بخش کر، اور ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو دوستی کا مرتبہ عطا کر کے اور محمد ﷺ کو ان دونوں پر سفر اسراء کے ذریعہ (فضیلت دیکر) اور داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو ہم نے زبور عطا کی آپ ﷺ ان سے کہہ دو کہ جن کو تم اس کے علاوہ معبود سمجھتے ہو مثلاً ملائکہ اور عیسیٰ اور عزیر ان کو پکارو لیکن وہ نہ تو تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ (بدل کر) کسی دوسرے پر ڈال سکتے ہیں اور جنہیں یہ لوگ معبود سمجھ کر پکارتے ہیں وہ خود طاعت کے ذریعہ اپنے رب سے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون ہے جو اس کے زیادہ قریب ہو جائے ؟ تو غیر اقرب کا کیا حال ہوگا؟ (ایّھم) یتبعون کے واؤ سے بدل ہے یعنی جو اس کے قریب ہے وہ (قریب تر ہونے کا) وسیلہ تلاش کرتا ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور دوسروں کے مانند اس کے عذاب سے ترساں رہتے ہیں تو پھر یہ لوگ ان کو معبود ہونے کی حیثیت سے کیوں پکارتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے لائق اور کوئی بستی ایسی نہیں مراد بستی والے ہیں کہ ہم اس کو موت کے ذریعہ قیامت سے پہلے ہلاک نہ کر دیں یا قتل وغیرہ کے ذریعہ اس کو سخت عذاب نہ دیں، یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے ہمیں نشانات یعنی اہل مکہ کے فرمائشی معجزات بھیجنے سے صرف اس بات نے روک رکھا ہے کہ جب ہم نے ان (فرمائشی معجزوں) کو بھیجا تھا تو ان کو پہلے لوگوں نے جھٹلا دیا تھا اور اگر ہم ان کے فرمائشی معجزے ان کے پاس بھیجتے تو یہ بھی انکو جھٹلاتے جس کی وجہ سے مستحق ہلاکت ہو جاتے اور ہم محمد ﷺ کے مشن کو پورا کرنے کے لئے ان کو مہلت کا حکم دے چکے ہیں اور ہم نے ثمودیوں کو واضح معجزہ کے طور پر اونٹنی عطا کی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا (یعنی اس کی) ناشکری کی تو وہ ہلاک کر دیئے گئے، اور ہم تو لوگوں کو دھمکانے ہی کے لئے نشانیاں معجزات بھیجتے ہیں تاکہ وہ ایمان لے آئیں اور یاد کرو جب ہم نے آپ سے فرمایا تھا کہ بلاشبہ تیرے رب نے لوگوں کا علم اور قدرت کے اعتبار سے احاطہ کر رکھا ہے تو وہ اس کے قبضہ میں ہیں، آپ ان کو تبلیغ کرتے رہیے اور کسی کا خوف نہ کیجئے، وہ تمہاری ان سے حفاظت کرے گا، رات کے سفر میں جو کچھ ہم نے آپ کو بچشم سر دکھایا وہ اہل مکہ کے لئے محض آزمائش ہے اس لئے کہ انہوں نے اس کی تکذیب کر دی اور جب ان کو (واقعہ کی) خبر دی گئی تو بعض (ضعیف الایمان) ان میں سے مرتد ہو گئے اور اس درخت کو بھی کہ جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے اور وہ زقوم (تھوہر) کا درخت ہے کہ جو جہنم کے نچلے طبقہ میں اگا ہے اس کو بھی ہم نے ان کے لئے آزمائش بنا دیا جبکہ انہوں نے کہا

آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے تو پھر اس کو کس طرح اگائے گی، ہم ان کو اس کے ذریعہ ڈرا رہے ہیں مگر ہمارا ڈرانا انھیں (اور) بڑی سرکشی پر ابھار رہا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: الکلمة التی ھِیَ احسن، اَلّتی اسم موصول ھِیَ مبتداء اَحسن اس کی خبر مبتداء خبر سے مل کر جملہ ہو کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر صفت الکلمة محذوف کی، موصوف صفت سے مل کر مقولہ۔

قولہ: یقولوا کا، مفسر علام نے الکلمة محذوف مان کر اَلّتی کی وجہ تانیث کی طرف اشارہ کر دیا۔

قولہ: ھِیَ ربکم اعلم الخ الکلمة التی ھی احسن کی تفسیر ہے، اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے، لہٰذا مفسر اور مفسر کے درمیان فَصل کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قولہ: بما شاء، ای بالنبوة و غیرھا.

قولہ: و آتینا داؤد زبورًا، اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ ان پر بذریعہ وحی زبور نازل کی گئی نہ کہ ان کے ملک و مال کی وجہ سے۔

قولہ: اولئك الذین یدعون ھم، اولئك اسم اشارہ موصوف، الّذین اسم موصول، یدعون فعل بافاعل ھم ضمیر صلہ مفعول محذوف آلھةً، ھم سے تمیز، یدعون اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر جملہ ہو کر اولئك موصوف کی صفت موصوف صفت سے مل کر مبتداء یبتغون الی ربھم الوسیلة جملہ ہو کر مبتداء کی خبر۔

دوسری ترکیب: اولئك مبدل منہ اور الذین یدعون بدل، بدل مبدل منہ سے مل کر مبتداء اور یبتغون جملہ ہو کر اس کی خبر۔

قولہ: اَیُّھُمْ، اقربُ، مبتداء خبر ہیں، اور یہ بھی درست ہے کہ اَیُّھُمْ یبتغون کی ضمیر سے بدل ہو، ای یبتغی مَنْ ھو اقربُ الیه تعالی الوسیلةَ فکیف من دونَه: مفسر علام سیوطی نے یہی ترکیب اختیار کی ہے۔

قولہ: مبصرة، مبصِرَةً آیة موصوف محذوف کی صفت ہے نہ کہ الناقة کی لہٰذا موصوف وصفت میں عدم مطابقت کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قولہ: عیانا، اس میں اشارہ ہے کہ رؤیا معنی میں رویت بصری کے ہے۔

قولہ: الشجرة، اس کا عطف الرؤیا پر ہے، یعنی ہم نے دونوں کو وجہ آزمائش بنایا۔

قولہ: الشجرة الملعونة، اس میں مجاز ہے یعنی لعنت شجر پر نہیں بلکہ شجر کے کھانے والے پر ہوگی اسلئے کہ شجر پر لعنت کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

تفسیر وتشریح

بدزبانی اور تلخ کلامی کفار کے ساتھ بھی جائز نہیں:

زبان کی ذرا سی بے اعتدالی سے شیطان جو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے تمہارے درمیان فساد ڈلوا سکتا ہے، آپس میں گفتگو کرتے وقت زبان کو احتیاط سے استعمال کریں، زبان سے اچھے اور مہذب کلمات نکالیں شیریں کلامی اور نرم گفتاری سے انسان دشمن کے دل کو بھی جیت سکتا ہے، اگر کفار ومشرکین اور اہل کتاب سے گفتگو کی ضرورت پیش آئے تو ان سے بھی مشفقانہ اور نرم لہجے میں گفتگو کریں، زبان کی ذرا سی بے احتیاطی کفار ومشرکین کے دلوں میں تمہارے لئے زیادہ بغض وعناد پیدا کر سکتی ہے، گالی گلوچ اور سخت کلامی سے نہ کوئی قلعہ فتح ہوتا ہے اور نہ کسی کو ہدایت ہوتی ہے اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔

شان نزول:

امام قرطبی نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ایک واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو گالی دی اس کے جواب میں حضرت عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بھی اس کو سخت جواب دیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا اس کے نتیجے میں دو قبیلوں کے درمیان جنگ چھڑ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلقد فضلنا بعض النبیین علی بعض یہ مضمون تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض میں بھی گذر چکا ہے اسی مضمون کو یہاں کفار مکہ کے جواب میں دہرایا گیا ہے، جو کہتے تھے کہ کیا اللہ کو رسالت کے لئے یہی (محمد ﷺ) ملا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کسی کو رسالت ونبوت کے لئے منتخب کرنا اور کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت دینا یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

قلِ ادعوا الذین زعمتم من دونہٖ الخ، اس آیت میں من دونہٖ سے مراد فرشتوں اور بزرگوں کے وہ مجسمے ہیں جن کی وہ بندگی کیا کرتے تھے، یا حضرت عزیر ومسیح علیہما السلام ہیں جنہیں یہودی اور عیسائی ابن اللہ کہتے اور انھیں صفات الوہیت کا حامل مانتے تھے یا وہ جنات ہیں جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے، اس لئے اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ یہ تو خود اپنے رب کا قرب حاصل کرنے کی جستجو میں رہتے ہیں اور اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

وَمَا مَنَعَنَا أن نرسِلَ بالآیاتِ اِلا أن كذّبَ بها الاولون یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار مکہ نے مطالبہ کیا کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے یا مکہ کے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے، تا کہ وہاں کاشت ہو سکے، اس پر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ ان کے مطالبات ہم پورے کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائے تو ان کی ہلاکت یقینی ہے، اور پھر انھیں مہلت نہیں دی جائے گی، نبی ﷺ نے بھی اس بات کو پسند فرمایا کہ ان کا مطالبہ پورا نہ کیا جائے تا کہ یہ یقینی ہلاکت سے بچ جائیں۔ (مسند احمد)

وَمَا جعلنا الرؤيا التى اريٰنك الا فتنة للناس صحابہ اور تابعین نے اس رؤیا کی تعبیر رویت بصری سے کی ہے، اور مراد اس سے معراج کا واقعہ ہے جو کمزور ایمان والوں کے لئے فتنے کا باعث بن گیا، جس کی وجہ سے وہ مرتد ہو گئے، اور درخت سے مراد زقوم (تھوہر) کا درخت ہے جس کا مشاہدہ نبی ﷺ نے شب معراج جہنم میں کیا، الملعونة سے مراد کھانے والوں پر لعنت ہے۔

وَ اذكُرْ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سجودَ تحيةٍ بالانحناءِ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ نصبٌ بنزعِ الخافضِ اى مِنْ طينٍ قَالَ اَرَءَيْتَكَ اى اَخبِرْنى هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ فَضَّلْتَ عَلَىَّ بالامرِ بالسجودِ له وانا خيرٌ منه خلقتَنى من نارٍ لَئِنْ لامُ قسمٍ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ لَاَستأصِلَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ بالاغواءِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ منهم مِمَّنْ عَصَمْتَه قَالَ تعالٰى له اذْهَبْ مُنظَرًا الى وقتِ النفخةِ الاُوْلٰى فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ انتَ وهم جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وافرًا كاملًا وَاسْتَفْزِزْ استَخِفَّ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ بدُعائِكَ بالغناءِ والمزاميرِ وكلِّ داعٍ الى المعصيةِ وَاَجْلِبْ صِحْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وهم الرُّكَّابُ والمُشاةُ فى المَعاصِى وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ المُحرَّمةِ كالربوا والغصبِ وَالْاَوْلَادِ من الزِنَا وَعِدْهُمْ بانْ لا بَعْثَ ولا جزاءَ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ بذلكَ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ باطلًا اِنَّ عِبَادِىْ المؤمنينَ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ تسلُّطٌ وقوةٌ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾ حافظًا لهم منكَ رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَكُمُ الْفُلْكَ السُفنَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ تعالٰى بالتجارةِ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾ فى تسخيرِها لكم وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ الشدةُ فِى الْبَحْرِ خوفُ الغرقِ ضَلَّ غابَ عنكم مَنْ تَدْعُوْنَ تعبدونَ من الألهةِ فلا تدعونَه اِلَّآ اِيَّاهُ تعالٰى فانَّكم تدعُونَه وحدَه لِانَّكُمْ فى شدةٍ لا يَكشِفُها اِلَّا هُوَ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ من الغرقِ واوصَلَكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ عن التوحيدِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ جحودًا للنِعَمِ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اى الارضَ كقارونَ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا اى يَرْمِيكم بالحصباءِ كقومِ لوطٍ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾ حافظًا منه اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ اى البحرِ تَارَةً مرةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ اى ريحًا شديدةً لا تَمُرُّ بشئٍ الا قَصَفَتْه فتَكسِرُ فُلكَكم فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ بكفرِكم ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ نصيرًا اوتابعًا يُطالِبُنا بما فَعَلْنَا بكم وَلَقَدْ كَرَّمْنَا فضَّلْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ بالعلمِ والنطقِ واعتدالِ الخلقِ وغيرِ ذٰلِكَ ومنه طهارتُهم بعدَ الموتِ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ على الدوابِ وَالْبَحْرِ على السفنِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا كالبهائمِ والوحوشِ تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ فَمَنْ بمعنٰى مَا اوعلى بابِها وتَشمَلُ الملائكةَ والمرادُ تفضيلُ الجنسِ ولا يَلزمُ تفضيلُ افرادِه اذهم افضلُ من البشرِ غيرِ الانبياءِ.

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو کہ جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے تعظیم کے طور پر جھکو تو سب جھکے سوائے ابلیس کے، اس نے کہا کیا میں اس کو جھکوں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا؟ (طینًا) حذف حرف جر کی وجہ سے منصوب ہے، ای من طینٍ (ابلیس نے) کہا بھلا دیکھ تو سہی کیا یہ اس قابل تھا کہ تو نے مجھے اس کو (جھکنے) سجدہ کا حکم دیکر مجھ پر فضیلت دی، حالانکہ میں اس سے بہتر ہوں اسلئے کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، مجھے قسم ہے لام قسمیہ ہے اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی تو میں بھی اغواء کر کے اس کی پوری نسل کی بیخ کنی کر ڈالوں گا ان میں سے بہت کم لوگ بچ سکیں گے جن کو تو بچائے، اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا (اچھا) جا، تجھے نفخۂ اولیٰ تک مہلت ہے، تو جو ان میں سے تیری پیروی کرے گا تم سب کی پوری سزا جہنم ہے، لہٰذا تو جس جس کو ان میں سے گاجے باجے اور ہر ذریعہ معصیت سے دعوت دے کر پھسلا سکتا ہے پھسلا لے اور ان پر تو اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا (یعنی ہر حربہ استعمال کر لے) اور خیل سے مراد گھوڑ سوار اور مشاۃ سے مراد پیادے ہیں، اور حرام مال میں مثلاً سود کا مال اور غصب کا مال اور زنا کی اولاد میں اپنا حصہ لگا لے اور ان سے وعدے کر لے کہ نہ مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے اور نہ کوئی حساب کتاب ہے اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں، میرے مومن (مخلص) بندوں پر تیرا قابو اور زور نہ چلے گا اور آپ کا رب ان کی حفاظت کے لئے تیری طرف سے کافی ہے، تمہارا رب تو وہ ہے کہ جو دریا میں تمہاری کشتی چلاتا ہے تاکہ تم تجارت کے ذریعہ اس کا فضل (روزی) تلاش کرو حقیقت یہ ہے کہ وہ کشتیوں کو تمہارے تابع کر کے تمہارے حال پر مہربان ہے اور جب سمندر میں تم پر غرق ہونے کے خوف کی مصیبت آتی ہے تو اس وقت تم سے وہ سب غائب ہو جاتے ہیں جن جن معبودوں کی تم بندگی کرتے تھے تو اس وقت تم اسی ایک معبود کو پکارتے ہو (یعنی) اس وقت تم اسی ایک وحدہٗ (لاشریک) کو پکارتے ہو اسلئے کہ (اس وقت) تم ایسی مصیبت میں ہوتے ہو کہ اس کو صرف وہی دور رکھ سکتا ہے پھر جب تم کو ڈوبنے سے بچا لیتا ہے اور تم کو خشکی میں پہنچا دیتا ہے تو تم توحید سے رخ پھیر لیتے ہو اور انسان ہے ہی نعمتوں کا ناشکرا تو کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ تم کو قارون کے مانند زمین میں دھنسا دے یا تم پر کنکریلی تیز ہوا چلا دے یعنی قوم لوط کے مانند تم پر سنگباری کر دے، پھر تم اس سے بچانے والا کوئی حمایتی نہ پاؤ، اور کیا تم اس بات سے بے فکر ہو گئے کہ وہ پھر تم کو دریا میں لیجائے اور تم پر طوفانی ہوا چلا دے یعنی ایسی تند ہوا کہ جس پر بھی گذرے اس کو توڑ کر رکھ دے، اور تمہاری کشتیوں کو بھی توڑ دے، پھر تم کو تمہارے کفر کے سبب غرق کر دے پھر تم کو اس بات پر کوئی ہمارا پیچھا کرنے والا بھی نہ ملے یعنی کوئی مددگار، یا ایسا حمایتی کہ جو کچھ ہم نے تمہارے ساتھ کیا ہے اس سلسلہ میں ہم سے باز پرس کر سکے، اور ہم نے اولاد آدم کو علم نطق کے ذریعہ اور اعتدال خلق وغیرہ کے ذریعہ عزت بخشی اور اسی میں تم کو موت کے بعد پاک کرنا بھی ہے اور ہم نے ان کو خشکی میں جانوروں پر سوار کیا اور دریا میں کشتیوں پر سوار کیا، اور ان کو پاکیزہ چیزیں عطا کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی جیسا کہ پالتو اور

وحشی جانور، مَنْ بمعنی ما ہے یا اپنے حال پر ہے اور یہ فوقیت فرشتوں پر بھی شامل ہے اور مراد فضیلت جنس علی الجنس ہے، اور اس لئے اسکے افراد کی فضیلت لازم نہیں اسلئے کہ ملائکہ انبیاء کے علاوہ ہر بشر سے افضل ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اَخبرنی، اَرَاَیْتَكَ، کاف حرف خطاب ہے نہ کہ اسم بلکہ فاعل مخاطب کی اسناد کی تاکید ہے لہٰذا اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہے، اور هذا، أرايتك کا مفعول اول ہے اور الذی کرّمْتَ هذا کی صفت ہے اَر أيتك کا مفعول ثانی محذوف ہے اور وہ لِمَ کرّمْتَ عَلَیَّ ہے اس حذف پر صفت دلالت کر رہی ہے۔

قَوْلُهُ: فضَّلْتَ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: کرّمْتَ کی تفسیر فضَّلْتَ سے کیوں کی؟

جَوَاب: اسلئے کہ تکریم کا صلہ علی واقع نہیں ہوتا۔

قَوْلُهُ: مُنْظَرًا، ای مُمَهّلًا، اِذهَبْ، ذهاب سے نہیں ہے جو المجیء کی ضد ہے، بلکہ اس کے معنی ہیں امضِ لشانك الذی اخترتهٗ یعنی جو تو نے ارادہ کیا ہے تو وہ کر گذر۔

قَوْلُهُ: انتَ وهم یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ منهم میں هم جمع غائب کی ضمیر ہے اور جزاء کم میں کم جمع حاضر کی، دونوں میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ اصل اِنَّ جهنم جزاء كَ وجزاءُ هم تھا پھر مخاطب کو غائب پر غلبہ دیدیا، لہٰذا دونوں ضمیروں میں مخالفت کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قَوْلُهُ: استفزِز (استفعال) امر واحد مذکر حاضر، تو گھبرا لے۔

قَوْلُهُ: لَاحْتَنِكَنَّ (اِحتناك افتعال) میں ضرور ڈھاٹی لونگا، میں ضرور قابو میں کروں گا، میں ضرور لگام لگاؤں گا، صیغہ واحد متکلم مضارع با نون تاکید ثقیلہ۔

قَوْلُهُ: لاستاصلنَّ میں پوری طرح بیخ کنی کر دوں گا، جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔

قَوْلُهُ: اَوْصَلكم.

سُؤَال: نجاكم کی تفسیر اوصلكم سے کیوں کی؟

جَوَاب: چونکہ نجاكم کا صلہ الی نہیں آتا اور یہاں صلہ اِلٰی واقع ہو رہا ہے جو کہ درست نہیں ہے جس کی وجہ بتادی کہ نجاكم، اوصلكم کے معنی کو متضمن ہے، جس کا صلہ اِلٰی آتا ہے۔

قَوْلُهُ: الحصباء ای الحصاة.

قولہ: بکفر کم اس میں اشارہ ہے کہ بما کفر تم میں ما مصدریہ ہے لہٰذا عدم عائد کا اعتراض واقع نہ ہوگا۔

قولہ: اعتدال الخلق، اور اعتدال ہی کی وہ بات ہے جو ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے ذکر کی ہے، کہ ہر حیوان منہ جھکا کر کھاتا ہے مگر انسان کھانے کی طرف منہ جھکانے کے بجائے کھاتے کو منہ کی طرف اٹھاتا ہے۔

قولہ: المراد تفضیل الجنس، یہ اضافہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ مطلقاً تمام بنی آدم مطلقاً تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔

جواب: جنس بنی آدم کی جنس ملائکہ پر فضیلت مراد ہے یعنی خاص فرشتے عام انسانوں سے افضل ہیں نہ کہ خاص انسانوں سے مثلاً انبیاء سے۔

تنبیہ: اگر لفظ "عَلٰی کثیرٍ" کو مد نظر رکھا جائے تو یہ اعتراض ہی پیدا نہیں ہوگا۔

تفسیر و تشریح

وَاسْتفزِزْ مَنِ اسْتطعتَ منھم بصوتكَ (الآیة) شیطانی آواز سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ گانے بجانے اور مزامیر اور لہو ولعب کی آوازیں یہی شیطان کی آوازیں ہیں جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو حق سے دور لا تعلق کرتا ہے (قرطبی) اس سے معلوم ہوا کہ مزامیر، موسیقی اور رقص و سرود سب حرام ہیں، آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وابلیس کا قصہ سورۂ بقرہ، اعراف اور حجر میں گذر چکا ہے یہاں چوتھی مرتبہ آیا ہے، علاوہ ازیں سورۂ کہف، طٰہٰ، اور سورۂ ص میں بھی اس کا ذکر آئیگا۔

ابلیس نے حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو سجدہ سے انکار کرتے وقت دو باتیں کہی تھیں، اول یہ کہ آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مٹی سے پیدا کئے گئے، اور میں آگ کی مخلوق ہوں، آپ نے مٹی کو آگ پر فوقیت و فضیلت کیوں دیدی؟ یہ امر الٰہی کے مقابلہ میں حکم کی حکمت معلوم کرنے کے متعلق سوال تھا جس کا کسی مامور کو حق نہیں ہوتا یہ سوال ہی قابل التفات نہیں تھا اسلئے کہ غلام کو آقا سے کسی حکم کی علت یا حکمت معلوم کرنے کا اختیار نہیں ہوتا یہی وجہ ہے اس سوال کو ناقابل التفات سمجھ کر جواب نہیں دیا گیا دوسری بات یہ ہے کہ فوقیت و فضیلت دینے کا حق اسی ذات کو ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور ان کی تربیت کی ہو، دوسری بات یہ کہی تھی کہ اگر تا قیامت زندگی ملنے کی میری درخواست منظور کر لی گئی تو میں آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی ساری اولاد کو بجز قدر قلیل کے گمراہ کر ڈالوں گا، حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ میرے مخلص بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا چاہے تو اپنا سارا لاؤ لشکر لے کر ان پر چڑھ دوڑے، باقی رہے غیر مخلص اگر وہ تیرے قابو میں آ گئے تو ان کا بھی وہی حال ہوگا جو تیرا ہے، کہ عذاب جہنم میں دونوں گرفتار ہونگے شیطانی لاؤ لشکر کے لئے یہ ضروری نہیں کہ حقیقت میں اس کا سوار و پیادوں کا کوئی لشکر ہو یہ تو ایک محاورہ ہے جو پورا زور صرف کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

وشارکھم فی الاموال والاولاد، لوگوں کے مال اور اولاد میں شیطان کی شرکت کا مطلب حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے یہ بیان فرمایا کہ اموال میں جو مال ناجائز و حرام طریقوں سے حاصل ہو یا حرام کاموں میں صرف کیا

جائے یہی شیطان کی اس میں شرکت ہے اور اولاد میں شیطان کی شرکت، اولاد کے حرام ہونے سے بھی ہے اور یہ بھی کہ اولاد کے مشرکانہ نام رکھے، مثلاً عبد العزیٰ، پیر بخش، نبی بخش وغیرہ یا ان کی حفاظت کے لئے مشرکانہ رسوم ادا کرے یا ان کی پرورش کے لئے حرام ذرائع آمدنی اختیار کرے۔

وَلَقد کرمنا بنی آدمَ (الآیة) بنی آدم کا یہ شرف وفضل بہ حیثیت انسان کے ہر انسان کو حاصل ہے خواہ مومن ہو یا کافر، کیونکہ یہ شرف دوسری مخلوقات، حیوانات، جمادات ونباتات وغیرہ کے مقابلہ میں ہے اور یہ شرف متعدد اعتبار سے ہے، جس طرح کی شکل وصورت، قد وقامت اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے وہ کسی دوسری مخلوق کو عطا نہیں فرمائی، جو عقل انسان کو دی گئی ہے جس کے ذریعہ اس نے اپنے آرام وراحت کے لئے بے شمار چیزیں ایجاد کیں حیوان وغیرہ اس سے محروم ہیں۔

اذکر **يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ** بنبيّهم فيُقالُ يا اُمَّةَ فلانٍ اوبكتاب اعمالهم ويُقال ياصاحِبَ الخيرِ وياصاحِبَ الشرِ وهو يومُ القيامةِ **فَمَنْ اُوْتِيَ** منهم **كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ** وهم السُعداءُ اُولُوا البصائرِ في الدُنيا **فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ** يُنقَصُونَ من اَعمالِهم **فَتِيْلًا** قدرَ قشرةِ النَّواةِ **وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ** اى الدنيا **اَعْمٰى** عن الحقِ **فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى** عن طريقِ النَجاةِ وقراءةِ الكتابِ **وَاَضَلُّ سَبِيْلًا** اَبعَدُ طريقًا عنه ونزلَ في ثقيفٍ وقد سَألُوه صلى الله عليه وسلم اَنْ تُحَرِّمَ وَادِيَهُمْ وَاَلَحُّوا عليه **وَاِنْ** مخففةٌ **كَادُوْا** قارَبُوا **لَيَفْتِنُوْنَكَ** يَستزِلُّونَكَ **عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا** لوفعلتَ ذلكَ **لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا** **وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ** على الحقِ بالعصمةِ **لَقَدْ كِدْتَّ** قارَبتَ **تَرْكَنُ** تَميلُ **اِلَيْهِمْ شَيْئًا** ركونًا **قَلِيْلًا** لِشدةِ احتِيالِهم والحاحِهم وهو صريحٌ في اَنَّهٗ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَرْكَنْ ولاقارَبَ **اِذًا** لوركَنتَ **لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ** عذابِ **الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ** عذابِ **الْمَمَاتِ** اى مِثلَي ما يُعذَّبُ غيرُك في الدنيا والآخرةِ **ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا** مانعًا منه ونزلَ لَمَّا قال له اليهودُ اِنْ كنتَ نَبِيًّا فالحقْ بالشام فاِنَّها اَرضُ الانبياءِ **وَاِنْ** مخففةٌ **كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ** ارضِ المدينةِ **لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا** لو اَخرَجُوكَ **لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ** فيها **اِلَّا قَلِيْلًا** ثم يُهلَكُونَ **سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا** اى كسُنَّتِنا فيهم من اِهلاكِ مَنْ اَخرجَهم **وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا** تبديلاً.

ترجمہ: اس دن کو یاد رکھنا چاہئے کہ جس دن ہم ہر گروہ (امت) کو اس کے نبی کے ساتھ بلائیں گے، یوں کہا جائے گا اے فلاں نبی کی امت یا ان کو ان کے نامۂ عمل کے ساتھ بلایا جائیگا، یوں ندا دی جائے گی اے صاحب خیر اور اے

صاحب شراور وہ قیامت کا دن ہوگا، تو ان میں سے جس کے دائیں ہاتھ میں نامہ عمل دیا جائیگا تو یہ لوگ خوش نصیب اور دنیا میں صاحب بصیرت تھے تو وہ لوگ اپنے اعمال ناموں کو (خوشی خوشی) پڑھیں گے اور ان کے اعمال میں سے گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کمی نہ کی جائے گی اور جو اس دنیا میں حق (بینی) سے اندھا رہا ہوگا تو وہ آخرت میں بھی راہ نجات اور نامہ عمل کے پڑھنے سے اندھا رہے گا اور زیادہ گم کردہ راہ ہوگا، یعنی راہ راست سے بہت دور ہوگا، اور (آئندہ) آیت بنی ثقیف کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے نبی ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ان کی وادی (طائف) کو حرم بنادیں اور اس بات پر اصرار کیا اور بلاشبہ قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو اس وحی سے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہٹادیں (بچلادیں) تاکہ آپ ہماری طرف اس کے علاوہ کی گھڑ کر نسبت کردیں اگر آپ ان کے کہنے کے مطابق کر لیتے تب تو یہ لوگ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے اور اگر حفاظت کے ذریعہ ہم آپ کو حق پر قائم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی شدید حیلہ گری اور ان کے اصرار کی وجہ سے ان کی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہوجاتے یہ اس بات میں صریح ہے کہ نہ تو آپ مائل ہوئے اور نہ مائل ہونے کے قریب ہوئے اور اگر آپ مائل ہوجاتے تو ہم آپ کو ضرور چکھاتے دوگنا عذاب دنیا میں اور دوگنا عذاب مرنے میں اس کا دوگنا جو دوسروں کو دنیا و آخرت میں دیا جاتا پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے یعنی اس عذاب سے بچانے والا، اور (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی کہ جب یہود نے آپ ﷺ سے کہا کہ اگر آپ نبی ہیں تو شام چلے جاؤ اسلئے کہ وہ انبیاء کی سرزمین ہے اور بلاشبہ یہ بات قریب تھی کہ یہ لوگ آپ کے قدم ارض مدینہ سے اکھاڑ دیں تاکہ آپ کو مدینہ سے نکال دیں، اگر یہ لوگ آپ کو نکال دیتے تو یہ خود بھی آپ کے بعد مدینہ میں نہ ٹھہر پاتے مگر بہت کم مدت پھر ان کو ہلاک کردیا جاتا ایسا ہی دستور ان رسولوں کا تھا جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا، یعنی ان لوگوں کو ہلاک کرنے کے ہمارے دستور کے مطابق جنہوں نے ان (انبیاء) کو نکالا، اور آپ ہمارے دستور میں تبدیلی نہ پائیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اُناس، لوگ، نَوْسٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی حرکت کرنے کے ہیں، یہ انسانٌ کی جمع بغیر لفظہ ہے مصباح میں ہے کہ انسان ناس سے ماخوذ ہے اور یہ اسم جنس ہے اس کا اطلاق مذکر اور مؤنث واحد اور جمع سب پر ہوتا ہے۔

قَوْلُهٗ: یا صاحب الشر، اس میں مضاف محذوف ہے ای یا صاحب کتاب الشر.

قَوْلُهٗ: یقرء ون ای یقرء ون سُرورًا، خوشی خوشی پڑھیں گے۔

قَوْلُهٗ: قدر قشرۃ النواۃ، مفسر علام نے فتیلاً، کی تفسیر قشرۃ النواۃ سے کی ہے، بہتر ہوتا کہ الخیط الذی فی نقرۃ النواۃ طـــولاً، سے کرتے اس لئے کہ کھجور کی گٹھلی میں تین چیزیں ہوتی ہیں، ① فتیل ② قطمیر ③ نقیر فتیل اس دھاگے یا

ریشے کو کہتے ہیں جو گٹھلی کی پشت میں طولا ایک شق میں ہوتا ہے اور گٹھلی کے اوپر جو جھلی کے مانند ایک غلاف ہوتا ہے اسے قطمیر کہتے ہیں اور گٹھلی کی پشت میں ایک سوراخ ہوتا ہے اس میں جو ریشہ یا دھاگا ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں۔

(اعراب القرآن للدرویش)

قِوْلَہٗ: ابعد طریقا عنه ای ابعد طریقًا عن الاعمٰی فی الدنیا، یعنی اندھا جس طرح راستہ دیکھنے سے بعید ہوتا ہے کافر آخرت میں راہ نجات دیکھنے میں بعید تر ہوگا۔

قِوْلَہٗ: رکونًا، اس میں اشارہ ہے کہ شیئًا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے اسلئے کہ ترکنُ لازم ہے نہ کہ متعدی، شیئًا کا موصوف رکونًا محذوف ہے۔

قِوْلَہٗ: یستفزونکَ، ای لیزعجونکَ، (استفز از استفعال) سے مضارع جمع مذکر غائب ك ضمیر مفعول، تمہارے قدم اکھاڑ دیں۔

تفسیر و تشریح

یوم ندعوا کل اُناسٍ بامامِھم، امام کے معنی پیشوا، لیڈر، قائد کے ہیں، یہاں اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ اس سے مراد پیغمبر ہے یعنی ہر امت کو اس کے نبی کے حوالہ سے پکارا جائیگا، اے فلاں نبی کی امت، بعض نے کہا اس سے آسمانی کتاب مراد ہے، یعنی آسمانی کتاب کے حوالہ سے پکارا جائے گا، اے توریت والو، اے زبور والو، اے انجیل والو، اے قرآن والو، وغیرہ وغیرہ، بعض نے کہا ہے کہ یہاں امام سے مراد اعمال نامہ ہے یعنی ہر شخص کو جب بلایا جائیگا تو اس کا اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اسی کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائیگا، اس رائے کو ابن کثیر نے ترجیح دی ہے۔

وَاِن کادوا لَیَفتنونك عن الذی اَوْحَینَا اِلیك، یہ ان حالات کی طرف اشارہ ہے جو پچھلے دس بارہ سال سے نبی ﷺ کو مکہ میں پیش آرہے تھے کفار مکہ اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ جس طرح بھی ہو آپ کو توحید کی اس دعوت سے ہٹا دیں جسے آپ کررہے ہیں اور کسی نہ کسی طرح آپ کو مجبور کردیں کہ آپ ان کے شرک اور رسوم جاہلیت سے کچھ نہ کچھ سمجھوتہ کرلیں اس غرض سے انہوں نے آپ کو ڈرانے کی ہر کوشش کی، فریب بھی دیئے اور لالچ بھی، دھمکیاں بھی دیں اور وعدے بھی کئے، جھوٹا طوفان بھی اٹھایا اور ظلم وستم بھی کیا؟ معاشی دباؤ بھی ڈالا، اور سماجی مقاطعہ بھی، غرضیکہ وہ سب کچھ کرڈالا جو کسی انسان کے عزم وحوصلہ کو شکست دینے کے لئے کیا جاسکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس ساری روداد پر تبصرہ کرتے ہوئے دو باتیں ارشاد فرمائیں ہیں، ایک یہ کہ اگر تم حق کو جان لینے کے بعد باطل سے کوئی سمجھوتا کرلیتے تو یہ بگڑی ہوئی قوم تو ضرور خوش ہوجاتی، مگر خدا کا غضب تم پر بھڑک اٹھتا، اور تمہیں دنیا و آخرت میں دوہری سزا دی جاتی، اور دوسرے یہ کہ انسان خواہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو خود اپنے بل بوتے پر باطل کے طوفانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا

جبتک کہ اللہ کی مدد اور اس کی توفیق شامل حال نہ ہو، یہ سراسر اللہ کا بخشا ہوا صبر و ثبات تھا جس کی بدولت نبی ﷺ حق وصداقت کے موقف پر پہاڑ کی طرح جمے رہے اور کوئی سیلابِ بلا آپ کو بال برابر بھی جگہ سے نہ ہٹا سکا۔

وَاِنْ کادوا لیستفزونك من الارض لِیخرجوك منها، یعنی مشرکین مکہ کی پوری کوشش یہ ہے کہ آپ کو تنگ کر کے مکہ سے نکالدیں لیکن یہ یاد رکھیں کہ اگر ایسا کیا تو وہ خود بھی زیادہ دنوں تک یہاں نہ رہ سکیں گے، چنانچہ اہل مکہ کا ظلم وستم آپ کی ہجرت کا سبب بنا آپ کا مکہ سے تشریف لیجاتا تھا کہ اس کے ڈیڑھ دو سال بعد ہی مکہ کے بڑے نامور ستر سردار گھروں سے نکال کر میدان بدر میں ہلاک کر دیئے گئے اور اتنے ہی قیدی بنائے گئے اور اس کے صرف پانچ چھ سال بعد مکہ پر اسلام کا قبضہ ہو گیا بالآخر قلیل مدت میں پورا جزیرۃ العرب مشرکوں سے پاک ہو گیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ کا ہے کہ یہود مدینہ ایک روز آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے ابو القاسم، اگر آپ اپنی نبوت کے دعوے میں سچے ہیں تو آپ کو چاہئے کہ آپ ملک شام جا کر رہیں کیونکہ ملک شام ہی انبیاء کی سرزمین ہے اور شام ہی محشر کی زمین ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر ان کے کلام کا کچھ اثر ہوا اور غزوۂ تبوک کے وقت جو ملک شام کا سفر ہوا تو آپ کا قصد یہ ہوا کہ ملک شام کو اپنا مستقر بنالیں مگر یہ آیت نازل ہوئی "وان کادوا لیستفزونك" جس نے آپ کو اس ارادہ سے روک دیا، مگر ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کر کے ناقابل اطمینان قرار دیا ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ای من وقتِ زوالِها اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ اقبال ظُلمتِه ای الظهرِ والعصرِ والمغربِ والعشاءِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ صلوةِ الصبحِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿٧٨﴾ تشهده ملائكةُ الليلِ وملائكةُ النهارِ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ فصلِّ بِهٖ بالقراٰن نَافِلَةً لَّكَ فريضةً لك دونَ اُمّتِك او فضيلةً على الصلواتِ المفروضةِ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ يُقيمكَ رَبُّكَ فى الأخرةِ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿٧٩﴾ يحمَدُك فيه الاَوّلُوْنَ والاٰخِرُوْنَ وهو مقامُ الشفاعةِ فى فَصلِ القضاءِ ونزل لَمّا اُمِرَ بالهجرةِ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ المدينةَ مُدْخَلَ صِدْقٍ اِدخالًا مَرْضِيًّا لا اَرىٰ فيه ما اَكرهُ وَّاَخْرِجْنِیْ من مكةَ مُخْرَجَ صِدْقٍ اخراجًا لا اَلتفتُ بقلبِی اليها وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿٨٠﴾ قوة تنصُرُنى بها على أعدائِك وَقُلْ عند دخولك مكةَ جَآءَ الْحَقُّ الاسلامُ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ بطلَ الكفرُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿٨١﴾ مُضمَحِلًّا زَائِلًا وقد دَخلَها صلى الله عليه وسلم وحولَ البيتِ ثلاثُ مائةٍ وستُّونَ صنمًا فجعَلَ يَطعَنُها بعُودٍ فى يدِه ويقُول جاءَ الحقُّ الخ حتى سَقَطَتْ رواه الشيخان وَنُنَزِّلُ مِنَ للبيانِ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ من الضلالةِ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ به وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ الكافرينَ اِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾ لكفرِهم به وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ الكافرِ اَعْرَضَ عن الشكرِ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ثَنى عِطفَه مُتبَختِرًا وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ الفقرُ والشدةُ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿٨٣﴾ قنوطًا من رحمةِ اللهِ قُلْ كُلٌّ منا ومنكم يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ طريقتِه فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿٨٤﴾ طريقًا فيُثيبُه.

ترجمہ: سورج ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی چھا جانے تک رات کی تاریکی کے آنے تک نماز قائم کرو یعنی ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نماز، اور فجر کا قرآن یعنی فجر کی نماز قائم کرو، یقیناً فجر کی نماز (کا وقت) حاضری کا وقت ہے جس میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور رات کے کسی قدر حصے میں (نماز پڑھیں) نماز تہجد قرآن کے ساتھ پڑھا کریں یہ آپ ہی کے لئے اضافی فریضہ ہے آپ کی امت کے لئے نہیں یا زائد ہے فرض نمازوں پر (یعنی نفل ہے) امید ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو آخرت میں مقام محمود پر فائز کرے گا کہ جہاں اولین اور آخرین آپ کی ستائش کریں گے اور وہ مقام شفاعت ہے مقدمات کے فیصل کرنے میں، اور (آئندہ) آیت اس وقت نازل ہوئی کہ جب آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا، اور دعاء کرو کہ اے میرے پروردگار مجھے مدینہ میں سچائی کے ساتھ داخل فرمائیں یعنی پسندیدہ داخل کرنا کہ میں اس میں کوئی ناگوار چیز نہ دیکھوں اور مکہ سے مجھے سچائی کے ساتھ نکالیں، ایسا نکالنا کہ میں دل سے اس کی طرف متوجہ نہ ہوں اور مجھے اپنے فضل سے ایسا غلبہ عطا فرما جس کے ساتھ (آپکی) مدد ہو یعنی ایسی قوت کہ جس کے ذریعہ تو مجھے اپنے دشمنوں پر غلبہ عطا کرے، اور مکہ میں داخل ہونے کے وقت کہو حق یعنی اسلام آگیا اور باطل (یعنی) کفر چلا گیا یقیناً باطل تو زائل اور مضمحل ہونے ہی والا ہے اور جس وقت آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو بیت اللہ کے چاروں طرف ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے، تو آپ اس لکڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی اشارہ کرتے جاتے تھے اور جاء الحق الخ پڑھتے جاتے تھے، یہاں تک کہ وہ گرتے جاتے تھے (رواہ الشیخان) اور یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں گمراہی سے شفاء ہے اور اس پر یقین رکھنے والوں کے لئے رحمت ہے اور ظالموں کافروں کے لئے ان کے کفر کی وجہ سے نقصان ہی میں اضافہ ہوتا ہے اور جب ہم انسان کافر پر اپنا انعام کرتے ہیں تو (اس کے) شکر سے اعراض کرتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے یعنی تکبر کے ساتھ کروٹ پھر لیتا ہے اور جب اسے فقر و شدت کی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے آپ کہہ دیجئے ہم اور تم میں سے ہر شخص اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے جو لوگ پوری ہدایت کے راستہ پر ہیں انہیں تمہارا رب خوب جانتا ہے تو وہ اس کو اجر دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: من وقتِ زوالِها، اس میں اشارہ ہے کہ لِدلوك الشمس میں لام بمعنی من ہے اسلئے کہ وقت کے لئے نماز پڑھنے کا کوئی مطلب نہیں ہے، صلوۃ فجر کو قرآن کہا گیا ہے اس لئے کہ قرآن (قراءۃ) صلوۃ کا رکن ہے جس طرح سجدہ بول کر صلوۃ مراد ہوتی اور رکوع بول کر نماز مراد ہوتی ہے اسی طرح قرآن بول کر صلوۃ مراد ہوتی ہے، اور قرآن کا عطف الصلوۃ پر ہے ای اقم الصلوۃ واقم القرآن.

قولہ: من اللیل ای بعض اللیل.

قَوْلُهُ: دلوك سورج کا ڈھلنا، غروب ہونا، عبداللہ بن مسعود رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ ''دلوک'' کے معنی غروب کے ہیں، عبداللہ بن عباس ابن عمر اور جابر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے زوال شمس کے معنی بتائے ہیں، زوال شمس کے معنی اکثر حضرات سے منقول ہیں اور یہی معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے، نیز جب دلوک کے معنی زوال کے لیتے ہیں تو آیت پانچوں نمازوں کو جامع ہوگی دلوك الشمس ظہر اور عصر کو شامل ہے اور الی غسقِ اللیل مغرب اور عشاء کو شامل ہے اور قرآن الفجر نماز صبح کو شامل ہے۔

قَوْلُهُ: غَسَقِ اللیل، الغسق ظلمت، اور کہا گیا ہے اولِ لیل کا داخل ہونا۔

قَوْلُهُ: فتهجد، الهجود، ترك النوم للصلوة.

قَوْلُهُ: نافلة، بمعنی زائدہ۔

تَفسِیر وتَشریح

اقم الصلوة لدلوك الشمس، ''دلوک'' کے معنی زوالِ شمس کے ہیں اور ''غسق'' کے معنی تاریکی کے ہیں آفتاب ڈھلنے کے بعد ظہر اور عصر کی نماز اور رات کی تاریکی تک سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہیں اور ''قرآن الفجر'' سے مراد فجر کی نماز ہے، یہاں قرآن نماز کے معنی میں ہے اس کو قرآن سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ فجر میں قراءت طویل ہوتی ہے، اس طرح اس آیت میں پانچوں فرض نمازوں کا اجمالی ذکر آ گیا جن کی تفصیلات احادیث میں موجود ہیں اور امت کے عملی تواتر سے بھی ثابت ہے، کان مشهودًا یعنی اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں بلکہ رات اور دن کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ جب رات والے فرشتے اللہ کے پاس جاتے ہیں تو اللہ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ اسے سب معلوم ہے، تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے کہتے ہیں جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس سے آئے ہیں تو انھیں نماز پڑھتے ہوئے ہی چھوڑ کر آئے ہیں۔ (بخاری کتاب المواقیت)

وَمِنَ اللیل فتهجد به نافلة لك، بعض حضرات نے کہا ہے کہ تہجد اضداد میں سے ہے جس کے معنی سونے کے بھی ہیں اور نیند سے بیدار ہونے کے بھی، اور یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں کہ رات کو سو کر اٹھیں اور نوافل پڑھیں، بعض حضرات نے کہا ہے هجود کے اصل معنی تو رات کو سونے ہی کے ہیں لیکن باب تفعّل میں جانے کی وجہ سے اس میں تجنب کے معنی پیدا ہوگئے، جیسے تأثم کے معنی ہیں گناہ سے اجتناب کرنا، اسی طرح تہجد کے معنی ہیں سونے سے بچنا۔

نافلة، بعض حضرات نے اس کے معنی ایک زائد فرض کے کئے ہیں یعنی امت کی بہ نسبت آپ پر ایک فرض یعنی تہجد زائد تھا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ نافلة کے معنی زائد کے ہیں یعنی نہ آپ پر فرض اور نہ آپ کی امت پر فرض دونوں کے لئے ایک زائد عبادت ہے مقامًا محمودًا، یہ وہ مقام ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو عطا فرمائیگا اور اس مقام پر ہی آپ شفاعت عظمیٰ فرمائیں گے جس کے بعد لوگوں کا حساب شروع ہوگا۔

وقل رّبِ ادخلنی مدخل صدقٍ (الآیۃ) یہ دعاء کرو، اے میرے رب جہاں مجھے پہنچانا ہے (مثلاً مدینہ میں) نہایت آبرو اور خوبی وخوش اسلوبی سے پہنچا کہ حق کا بول بالا رہے اور جہاں سے نکالنا ہو (مثلاً مکہ سے) تو وہ بھی آبرو اور خوبی وخوش اسلوبی سے ہو، دشمن ذلیل خوار ہو اور دوست شاداں وفرحاں ہوں، بہرصورت سچائی کا بول بالا اور جھوٹ کا منہ کالا۔

قل جاء الحق وزھق الباطل الخ یہ عظیم الشان پیش گوئی مکہ میں کی گئی تھی جہاں بظاہر کوئی سامان غلبۂ حق کا نہیں تھا، یعنی کہہ دو قرآن کریم مومنین کو بشارتیں سناتا ہوا باطل کو رلاتا ہوا آپہنچا، بس سمجھ لو کہ دین حق جاگا اور کفر و باطل بھاگا، نہ صرف مکہ سے بلکہ جزیرۃ العرب سے بوریا بستر باندھا اور یہ اعلان بھی کردیا کہ جو کفر کعبہ سے نکل بھاگا ہے آئندہ کبھی واپس نہ آئیگا۔ والحمد للّٰہ علی ذلک.

وننزل من القرآن ماھو شفاء، قرآن کریم کا قلوب کے لئے شفاء ہونا شرک وکفر اور اخلاق رذیلہ اور امراض باطنہ سے نفوس کی نجات کا ذریعہ ہونا تو کھلا ہوا معاملہ ہے اور تمام امت اس پر متفق ہے اور بعض علماء کے نزدیک قرآن جس طرح امراض باطنہ کے لئے شفاء ہے امراض ظاہرہ کے لئے بھی شفاء ہے کہ آیات قرآن پڑھکر مریض پر دم کرنا اور پلانا بھی ذریعۂ شفاء ہے، روایات حدیث اس پر شاہد ہیں تمام کتب حدیث میں ابوسعید خدری کی یہ حدیث موجود ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت سفر میں تھی کسی گاؤں کے رئیس کو بچھو نے کاٹ لیا تھا، لوگوں نے حضرات صحابہ سے معلوم کیا کہ آپ اس کا کچھ علاج کر سکتے ہیں انہوں نے سات مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھکر اس پر دم کیا مریض اچھا ہوگیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ آیا تو آپ نے صحابۂ کرام کے اس عمل کو جائز قرار دیا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ ای الیھودُ عَنِ الرُّوْحِ الذی یَحْیٰی بہ البدنُ قُلِ لھم الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ای عِلمِہ لا تَعْلَمُوْنَہ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۝ بالنسبۃِ الٰی عِلمِہ تعالٰی وَلَئِنْ لامُ قسم شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ای القراٰنَ بِأنْ نَمْحُوہ من الصُّدُورِ والمصاحفِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا۝ اِلَّا لکن اَبقیناہ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا۝ عظیمًا حیثُ اَنزلہ علیک واَعطاک المقامَ المحمودَ وغیرَ ذلک من الفضائلِ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ فی الفصاحۃِ والبلاغۃِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝ مُعِینًا نزل رَدًّا لقولھم لو نشاءُ لَقُلْنَا مثلَ ھٰذا وَلَقَدْ صَرَّفْنَا بَیَّنّا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ صفۃٌ لمحذوفٍ ای مَثَلاً من جنسِ کلِّ مَثَلٍ لِیَتَّعِظُوا فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ ای اھلُ مکۃَ اِلَّا كُفُوْرًا۝ جحودًا للحقِ وَقَالُوْا عطفٌ علی اَبٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا۝ عینًا یَنْبُعُ منھا الماءُ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ بستانٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا وَسْطَھا تَفْجِيْرًا۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا قِطَعًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا۝ مقابلۃً وعیانًا فنراھم اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ ذھبٍ اَوْ تَرْقٰى تصعدُ فِي السَّمَآءِ بسُلَّمٍ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ لو رَقیتَ فیھا حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا

ستها ﴿كِتٰبًا﴾ فيه تصديقك ﴿نَّقْرَؤُهٗ قُلْ﴾ لهم ﴿سُبْحَانَ رَبِّيْ﴾ تعجبٌ ﴿هَلْ﴾ ما ﴿كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ كسائر الرُّسل ولم يكونُوْا يَاْتُوْا بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ.

ترجمہ: یہود آپ سے روح کے بارے میں جس کے ذریعہ جسم انسانی زندہ ہوتا ہے سوال کرتے ہیں آپ ان کو جواب دیجئے کہ روح میرے رب کا حکم ہے جس کی حقیقت وہ جانتا ہے تم نہیں جانتے، اور اس کے علم کی نسبت سے تمہیں بہت ہی کم دیا گیا اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے یعنی قرآن کو سلب کرلیں باین طور کہ اس کو سینوں سے اور مصاحف سے مٹا دیں پھر آپ کو اس کے لئے ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی میسر نہ ہو لیکن اس کو تیرے رب کی طرف سے رحمت کے طور پر باقی رکھا ہے یقیناً آپ پر اس کا بڑا ہی فضل ہے، اس لئے کہ اس نے اس کو آپ پر نازل کیا اور مقام محمود آپ کو عطا کیا اور اس کے علاوہ دیگر فضائل بھی (عطا فرما کر) آپ کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جنات اس بات پر متفق ہو جائیں کہ فصاحت و بلاغت میں اس قرآن کا مثل لے آئیں تو وہ اس کا مثل نہیں لا سکتے اگرچہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں، (یہ آیت) ان کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی کہ، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام لا سکتے ہیں، ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کردی ہیں (من کل مثل) مثلاً، محذوف کی صفت ہے ای مثلاً من جنس کل مثلٍ تاکہ اس سے نصیحت حاصل کریں، (ہر نوع کے عمدہ عمدہ مضامین بیان کئے ہیں) مگر اہل مکہ میں سے اکثر لوگ حق کے انکار سے باز نہیں آتے، انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان لانے والے نہیں تاوقتیکہ آپ زمین سے ہمارے لئے کوئی چشمہ جاری نہ کردیں ایسا چشمہ کہ اس سے پانی جاری ہو یا خود آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے درمیان آپ نہریں جاری کر دکھائیں یا تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہمارے اوپر گرا دیں جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے روبرو لے آؤ جن کو ہم بچشم سر دیکھیں یا تیرے لئے سونے کا ایک گھر ہو یا تو آسمان پر سیڑھی کے ذریعہ چڑھ جائے اور اگر تو آسمان پر چڑھ بھی جائے تو ہم تیرے چڑھنے کا یقین نہ کریں گے تاوقتیکہ تو ایک تحریر نہ لے آئے جس میں تیرے (چڑھنے کی) تصدیق ہو جس کو ہم پڑھیں، (اے محمد ﷺ) تم ان سے کہو پاک ہے میرا پروردگار یہ اظہار تعجب ہے میں تو صرف دیگر رسولوں کی طرح پیغام لانے والا ایک انسان ہوں اور وہ بھی کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں لائے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: عن الروح، اى عن حقيقة الروح.

قولہ: عَلِمَهٗ، يعنى الروح من الامور التى خصَّ اللّٰه نفسهٗ بعلمِهٖ، فالامر بمعنى الشان، اى الروح من شان ربى.

قولہ: بالنسبة الی علمه تعالٰی یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ومن یُؤتَ الحکمة فقد اُوتی خیرًا کثیرًا اور یہاں فرمایا "ما اوتیتم من العلم الا قلیلاً"، دونوں میں تعارض ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ پوری کائنات کا علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں قلیل ہے۔

قولہ: لام قسمٍ یہ حذف قسم پر دال ہے لَنَذْهَبَنَّ جواب قسم ہے جو کہ جوابِ شرط کے قائم مقام بھی ہے، اور بعض حضرات نے ذهبنا به جواب شرط محذوف مانا ہے۔

قولہ: لکن ابقیناہ اِلَّا کی تفسیر لکن سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے نہ کہ متصل اسلئے کہ اِلَّا کا ماقبل رحمت کی جنس سے نہیں ہے۔

قولہ: ابقیناہ، ابقیناہ محذوف مانا تاکہ کلام تام ہو جائے اس لئے کہ اس کے بغیر کلام ناتمام ہے۔

قولہ: صفة لمحذوفٍ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ بیّنا، متعدی بنفسہ ہے اس کو من کے ذریعہ متعدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ اس کا مفعول محذوف ہے اور وہ مثلاً ہے اور من کلّ مثلٍ، کائنًا کے متعلق ہو کر مفعول محذوف کی صفت ہے۔

قولہ: اِلَّا کفورًا.

سوال: جب ضربت اِلَّا زیدًا جائز نہیں تو پھر ابی اکثر الناس اِلَّا کفورًا، کیوں درست ہے؟ یہ تو مثبت میں مستثنیٰ مفرغ واقع ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

جواب: ابیٰ نفی کا فائدہ دے رہا ہے گویا کہ کہا گیا فلم یرضوا اِلَّا کفورا، (فارسی میں ترجمہ) پس قبول نہ کرد بیشتر مردماں مگر ناسپاسی را۔

قولہ: عطف علی قالوا، یعنی مستثنیٰ پر عطف نہیں ہے جس کی وجہ سے معنی کا فساد لازم آئے۔

تفسیر وتشریح

روح کیا ہے؟

روح وہ لطیف شئ ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی لیکن ہر جاندار کی قوت و توانائی اسی روح کے اندر مضمر ہے، اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہود نے بھی روح کے متعلق آپ ﷺ سے سوال کیا تھا تو آیت **یسئلونك عن الروح** الخ نازل ہوئی۔

یہاں روح سے کیا مراد ہے:

قرآن کریم میں روح کا اطلاق متعدد معنی پر ہوا ہے ایک معنی تو معروف ہیں یعنی جس پر کسی بھی حیوان کی زندگی کا مدار ہوتا ہے، دوسرے حضرت جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے استعمال ہوا ہے قال اللّٰہ تعالی نَزَّل به الروح الامین علی قلبك، تیسرے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے بھی روح کا لفظ کئی آیات میں بولا گیا ہے، اور قرآن کے لئے بھی روح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ اَوْحینا الیك روحًا من امرنا میں بعض مفسرین نے سیاق وسباق کی رعایت سے یہ سوال وحی اور قرآن یا وحی لانے والے فرشتے جبرائیل کے متعلق قرار دیا ہے اسلئے کہ اس سے پہلے "نُنَزِّلُ من القرآن" میں قرآن کا ذکر تھا اور بعد کی آیات میں پھر قرآن کا ذکر ہے اس سیاق وسباق کی مناسبت سے یہ سمجھا کہ اس آیت میں مذکور روح سے بھی وحی، قرآن، یا جبرائیل ہی مراد ہیں، اور مطلب سوال کا یہ ہوگا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ کون لاتا ہے؟ قرآن کریم نے اس کے جواب میں اس پر اکتفا کیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وحی آتی ہے تفصیلات اور کیفیات کا ذکر نہیں کیا۔

مرفوع حدیث میں مذکور شان نزول:

احادیث صحیحہ مرفوعہ میں جو شان نزول مذکور ہے وہ اسبات میں صریح ہے کہ سوال روح حیوانی کے بارے میں تھا کہ وہ کیا چیز ہے؟ بدن انسانی میں کس طرح آتی ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ایک روز مدینہ کے غیر آباد حصہ میں چل رہے تھے میں بھی آپ کے ساتھ تھا، آپ کے دست مبارک میں کھجور کی سوکھی شاخ تھی آپ کا گذر چند یہودیوں پر ہوا، یہ لوگ آپس میں کہنے لگے محمد (ﷺ) آرہے ہیں ان سے روح کے متعلق سوال کرو بعض نے منع کیا مگر ایک شخص نے سوال کر ہی ڈالا، یہ سوال سنکر رسول اللہ ﷺ لکڑی پر ٹیک لگا کر خاموش کھڑے ہو گئے جس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ آپ پر وحی نازل ہونے والی ہے کچھ دیر کے بعد وحی نازل ہوئی تو آپ نے آیت "یسئلونك عن الروح" پڑھ کر سنائی یہاں ظاہر ہے کہ قرآن یا وحی کو روح کہنا یہ قرآن کی ایک خاص اصطلاح ہے، مشرکین کے سوال کو اس پر محمول کرنا بہت بعید ہے، البتہ روح حیوانی وانسانی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کا سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہی ہے، اسلئے جمہور مفسرین، ابن کثیر، ابن جریر، قرطبی روح المعانی سب ہی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ سوال روح حیوانی ہی کی حقیقت کے متعلق تھا، رہا یہ سوال کہ سیاق وسباق میں ذکر قرآن کا چلا آرہا ہے، درمیان میں روح کا سوال بے جوڑ ہے تو اس کا جواب واضح ہے کہ اس سے پہلے آیات میں کفار مشرکین کی مخالفت اور معاندانہ سوالات کا ذکر آیا ہے جن کا مقصد رسول اللہ ﷺ کا دربارۂ رسالت امتحان کرنا تھا یہ سوال بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے اس لئے بے جوڑ نہیں، خصوصًا شان نزول کے متعلق ایک دوسری صحیح روایت منقول ہے اس میں یہ بات زیادہ وضاحت سے آئی ہے کہ سوال کرنے والوں کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا امتحان لینا تھا، چنانچہ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قریش مکہ جو رسول اللہ ﷺ سے جا اور بے جا ہر قسم کے

سوالات کرتے رہتے تھے انہوں نے سوچا کہ یہود اہل علم ہیں ان کو گذشتہ کتابوں کا بھی علم ہے ان سے کچھ سوالات حاصل کئے جائیں جن کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کا امتحان لیا جائے اسلئے قریش نے یہود سے سوالات دریافت کرنے کے لئے اپنے آدمی بھیجے انہوں نے کہا کہ تم ان سے روح کے متعلق سوال کرو (ابن کثیر) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے سوال میں یہ بھی کہا تھا کہ آپ ہمیں یہ بتلائیں کہ روح پر عذاب کس طرح ہوتا ہے، اس وقت تک رسول اللہ ﷺ پر اس بارے میں کوئی بات نازل نہ ہوئی تھی اسلئے اس وقت فوری جواب نہیں دیا پھر جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے "قل الروح من امر ربی". (معارف، ابن کثیر)

واقعۂ سوال، مکہ میں پیش آیا یا مدینہ میں:

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کے مطابق یہ واقعۂ سوال مدینہ میں پیش آیا اسلئے بعض مفسرین نے اس آیت کو مدنی قرار دیا ہے، اور ابن عباس کی روایت کا تعلق مکہ سے ہے ابن کثیر نے اسی احتمال کو راجح قرار دیا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول مدینہ میں دوسری مرتبہ ہوا ہو۔

سوال مذکور کا جواب:

مذکورہ سوال کا جواب قرآن مجید نے یہ دیا ہے "قل الروح من امر ربی" اس جواب کی تشریح میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ ہے کہ اس جواب میں جتنی بات کا بتلانا ضروری تھا اور جو عام لوگوں کی سمجھ میں آنے کے قابل ہے صرف وہ بتلادی گئی اور روح کی مکمل حقیقت جس کا سوال تھا اس کو اسلئے نہیں بتلایا گیا کہ وہ عوام کی سمجھ سے بالاتر تھی اور اس کی کوئی ضرورت اس کے سمجھنے پر موقوف بھی نہیں تھی، یہاں آپ ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ آپ ان کے جواب میں یہ فرمادیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے یعنی وہ عام مخلوقات کی طرح نہیں کہ جو مادہ کے قطروں اور توالد وتناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہے بلکہ وہ بلاواسطہ حق تعالیٰ کے حکم "کن" سے پیدا ہونے والی چیز ہے۔

روح کی حقیقت کا علم کسی کو ہوسکتا ہے یا نہیں؟

قرآن کریم نے اس سوال کا جواب مخاطب کی ضرورت اور فہم کے مطابق دیدیا، حقیقت روح کو بیان نہیں فرمایا، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح کی حقیقت کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا، اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہیں تھی، صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت اس کی نہ نفی کرتی ہے اور نہ اثبات، اگر کسی نبی یا رسول کو وحی کے ذریعہ، کسی ولی کو کشف والہام کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہوجائے تو اس آیت کے خلاف نہیں، بلکہ عقل اور فلسفہ کی رو سے بھی اس پر کوئی بحث وتحقیق کی جائے تو اس کو فضول اور لایعنی تو کہا جاسکتا ہے مگر ناجائز نہیں کہا جاسکتا، اسی لئے بہت سے علماء متقدمین اور متاخرین نے روح کے متعلق مستقل کتابیں

لکھی ہیں آخر دور میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ایک مختصر رسالے میں اس مسئلہ کو بہترین انداز سے لکھا ہے اور اس میں جس قدر حقیقت عام انسان کی لئے سمجھنا ممکن ہے وہ سمجھا دی ہے جس پر ایک تعلیم یافتہ انسان قناعت کر سکتا ہے اور شبہات واشکالات سے بچ سکتا ہے۔

روح عقل ونقل کی روشنی میں:

ویسئلونك عَن الروح: ''اور سوال کرتے ہیں تجھ سے روح کی نسبت''۔

یعنی روح انسانی کیا چیز ہے، اس کی ماہیت وحقیقت کیا ہے: یہ سوال صحیحین کی روایت کے موافق یہودِ مدینہ نے آنحضرت ﷺ کے آزمانے کو کیا تھا اور ''سیر'' کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''قریش'' نے یہود سے یہ سوال کیا تھا، اسی لئے آیت کے ''مکی'' اور ''مدنی'' ہونے میں اختلاف ہے، ممکن ہے کہ نزول مکرر ہوا ہو، واللہ اعلم، یہاں اس سوال کے درج کرنے سے غالبًا یہ مقصود ہوگا کہ جن چیزوں کے سمجھنے کی ان لوگوں کو ضرورت ہے، اُدھر سے تو اعراض کرتے ہیں اور غیر ضروری مسائل میں از راہ تعنت وعناد جھگڑتے رہتے ہیں، ضرورت اس کی تھی کہ وحی قرآنی کی روح سے باطنی زندگی حاصل کرتے اور اس نسخۂ شفا سے فائدہ اُٹھاتے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (شوریٰ)، يُنَزِّلُ الْمَلٰئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ. (نحل)

(مگر انہیں دور از کار اور معاندانہ بحثوں سے فرصت کہاں؟)

روح کیا ہے، جوہر ہے یا عرض؟ مادی ہے یا مجرد؟ بسیط ہے یا مرکب؟ اس قسم کے غامض اور بے ضرورت مسائل کے سمجھنے پر نہ نجات موقوف ہے، نہ یہ بحثیں انبیاء کے فرائض تبلیغ میں داخل ہیں، بڑے بڑے حکماء اور فلاسفر آج تک خود ''مادہ'' کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے، روح جو بہر حال مادّہ سے کہیں زیادہ لطیف وخفی ہے اس کی ماہیت وکنہ تک پہنچنے کی پھر کیا اُمید کی جا سکتی ہے؟ مشرکین مکہ کی جہالت اور یہود مدینہ کی اسرائیلیات کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ جو قوم موٹی موٹی باتوں اور نہایت واضح حقائق کو نہیں سمجھ سکتی وہ ''روح'' کے حقائق پر دسترس پانے کی کیا خاک استعداد واہلیت رکھتی ہوگی۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ، کہہ دے روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

موضح القرآن میں ہے کہ حضرت کے آزمانے کو یہود نے پوچھا سو اللہ تعالیٰ نے (کھول کر) نہ بتایا کیونکہ ان کو سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا، آگے پیغمبروں نے بھی مخلوق سے ایسی باریک باتیں نہیں کہیں، اتنا جاننا کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی وہ جی اُٹھا، جب نکل گئی وہ مر گیا۔

الفاظِ قرآنی کی سطح کے نیچے عمیق حقائق مستور ہیں:

حق تعالیٰ کا کلام اپنے اندر عجیب وغریب اعجاز رکھتا ہے، روح کے متعلق یہاں جو کچھ فرمایا اس کا سطحی مضمون عوام اور قاصر الفہم یا کج رومعاندین کے لیے کافی ہے، لیکن اسی سطح کے نیچے، ان ہی مختصر الفاظ کی تہ میں روح کے متعلق وہ بصیرت افروز حقائق مستور ہیں جو بڑے سے بڑے عالی دماغ نکتہ رس فلسفی اور ایک عارفِ کامل کی راہِ طلب وتحقیق کیلئے چراغِ ہدایت کا کام دیتی ہیں۔

''روح'' کے متعلق عہد قدیم سے جو سلسلہ تحقیقات کا جاری ہے وہ آج تک ختم نہیں ہوا اور نہ شاید ہو سکے، روح کی اصلی کنہ وحقیقت تک پہنچنے کا دعویٰ تو بہت ہی مشکل ہے، کیونکہ ابھی تک کتنی ہی محسوسات ہیں جن کی کنہ وحقیقت معلوم کرنے سے ہم عاجز رہے ہیں، تاہم میرے نزدیک آیاتِ قرآنیہ سے روح کے متعلق چند نظریات پر صاف روشنی پڑتی ہے۔

روح قرآنی کے متعلق چند نظریات:

❶ انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے، جسے روح کہتے ہیں، وہ ''عالم امر'' کی چیز ہے اور خدا کے حکم سے فائض ہوتی ہے۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (بنی اسرائیل)، خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (آلِ عمران)، ثُمَّ اَنْشَأنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ، فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ (المؤمنون) اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نقولَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ. (نحل).

❷ روح کی صفاتِ علم وشعور وغیرہ بتدریج کمال کو پہنچتی ہیں اور ارواح میں حصولِ کمال کے اعتبار سے بیحد تفاوت اور فرق مراتب ہے حتیٰ کہ خداتعالیٰ کی تربیت سے ایک روح ایسے بلند اور اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں دوسری ارواح کی قطعاً رسائی نہ ہو سکے جیسے روح محمدی ﷺ کی نسبت ہمارا اعتقاد ہے۔

محققین کہتے ہیں کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ میں امر کی اضافت رب کی طرف اور رب کی یاء متکلم کی طرف جس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں اس طرف مشیر ہے کیونکہ امام راغب رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کی تصریح کے موافق رب اُس ہستی کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو بتدریج حدِّ کمال تک پہنچائے جہاں تک پہنچنے کی اس میں استعداد پائی جاتی ہو، چنانچہ دیکھ لو نبی کریم ﷺ کی اعلیٰ استعداد کے موافق اللہ نے آپ کو حسّی ومعنوی حیثیت سے کس قدر بلند مقام پر پہنچایا، آپ کو علوم ومعارف سے بھری ہوئی وہ کتاب مرحمت فرمائی جس کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ. (الآية). (سورۂ بنی اسرائیل)

اور حسی طور پر آپ کو شبِ معراج میں میں سدرۃ المنتہیٰ سے بھی اُوپر لے گئے جہاں تک کسی نبی یا فرشتے کو عروج میسر نہ ہوا تھا۔

۳ مگر روح کے یہ کمالات ذاتی نہیں، وہاب حقیقی کے عطا کئے ہوئے اور محدود ہیں چنانچہ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا سے معلوم ہوا کہ علم کسی اور کا دیا ہوا ہے اور جو علم تم کو دیا گیا وہ سب، دینے والے کے علم کے سامنے نہایت قلیل اور محدود ہے، قُلْ لَوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمَاتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تنفد کَلِمَاتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (کهف) وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ کَلِمَاتُ اللّٰهِ (لقمان) اسی طرح آگے مشرکین کے قول لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا کے جواب میں قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا، فرمانا اس کی دلیل ہے کہ علم کی طرح بشر کی قدرت بھی بہر حال محدود و مستعار ہے۔

''خلق'' کیا ہے؟

اس مثال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا اُس کے پرزوں کا ٹھیک انداز رکھنا، پھر فٹ کرنا ایک سلسلہ کے کام ہیں جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لئے ایک دوسری چیز بجلی یا اسٹیم اس کے خزانہ سے لانے کی ضرورت ہے اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے اول آسمان و زمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو ''خلق'' کہتے ہیں، ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیار کیا جس کو ''تقدیر'' کہا گیا ہے قَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا سب کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جسے ''تصویر'' اور ''تسویہ'' کہتے ہیں خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ اور فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے۔

''امر'' کیا ہے؟

اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے، لگا دیا جائے مشین کو چالو کرنے کیلئے، ''امرالٰہی'' کی بجلی چھوڑ دی گئی شاید اس کا تعلق اسم باری سے ہے اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ وفی الحدیث فَلَقَ الْحَبَّةَ وبَرأ النسمة وفی سورۃ الحدید مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَأَهَا ای النفوس کما هو مروی عن ابن عباس وقتادۃ والحسن.

غرض ادھر سے حکم ہوا ''چل'' فوراً چلنے لگی، اسی ''امرالٰہی'' کو فرمایا اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ دوسری جگہ نہایت وضاحت کے ساتھ امر کن کو خلق جسد پر مرتب کرتے ہوئے ارشاد ہوا خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ بلکہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ''کُنْ فَیَکُوْنُ'' کا مضمون جتنے مواضع میں آیا عموماً خلق

اور ابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے جس سے خیال گذرتا ہے کہ کلمہ "کن" کا خطاب "خلق" کے بعد تدبیر وتصرف وغیرہ کیلئے ہوتا ہوگا۔ (واللہ اعلم)

روح کا مبدأ صفت کلام ہے:

بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ "امر" کے معنی یہاں حکم کے ہیں اور وہ حکم یہی ہے جسے لفظ "کن" سے تعبیر کیا گیا، اور کن جنس کلام سے ہے جو حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے جس طرح ہم اس کی تمامی صفات (مثلاً حیات، سمع، بصر وغیرہ) کو بلا کیف تسلیم کرتے ہیں، کلام اللہ اور کلمۃ اللہ کے متعلق بھی یہی مسلک رکھنا چاہئے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ "روح" کے ساتھ اکثر جگہ قرآن میں "امر" کا لفظ استعمال ہوا ہے مثلاً قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ، وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِنْ اَمْرِنَا، يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ، يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اور پہلے گذر چکا کہ "امر" عبارت ہے کلمۂ کن سے یعنی وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی تدبیر وتصریف اس طریقہ پر کی جائے جس سے غرض ایجاد وتکوین مرتب ہو، لہٰذا ثابت ہوا کہ روح کا مبدأ حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ کلام ہے جو صفت علم وحیات کے ماتحت ہے، شاید اسی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ میں اُسے اپنی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ "کلام" اور "امر" کی نسبت متکلم وآمر سے صادر ومصدر کی ہوتی ہے مخلوق وخالق کی نہیں ہوتی، اسی لئے الا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ میں امر کو خلق کے مقابل رکھا ہاں یہ امر "کن" باری تعالیٰ شانہٗ سے صادر ہو کر ممکن ہے کہ جوہر مجرد کے لباس میں یا ایک ملک اکبر اور روح اعظم کی صورت میں ظہور پکڑے جس کا ذکر بعض آثار میں ہوا ہے اور جسے ہم کہربائیہ روحیہ کا خزانہ کہہ سکتے ہیں۔

گویا یہیں سے روح حیات کی لہریں دنیا کی ذوی الارواح پر تقسیم کی جاتی ہیں اور الْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ الخ کے بیشمار تاروں کا یہیں سے کنکشن ہوتا ہے، اب جو کرنٹ چھوٹی بڑی مشینوں کی طرف چھوڑا جاتا ہے وہ ہر مشین سے اسکی بناوٹ اور استعداد کے موافق کام لیتا اور اس کی ساخت کے مناسب حرکت دیتا ہے، بلکہ جن لیمپوں اور قمقموں میں یہ بجلی پہنچتی ہے انہی کے مناسب رنگ وہیئت اختیار کر لیتی ہے۔

روح کا مبدأ صفت کلام ہے پھر وہ جوہر مجرد و جسم لطیف کیونکر بن گئی؟

رہی یہ بات کہ "کن" (ہوجا) کا حکم جو قسم کلام سے ہے جوہر مجرد جسم نورانی لطیف کی شکل کیونکر اختیار کر سکتا ہے، اسے یوں سمجھ لو کہ تمام عقلاء اس پر متفق ہیں، کہ ہم خواب میں جو اشکال وصور دیکھتے ہیں بعض اوقات وہ محض ہمارے خیالات ہوتے ہیں جو دریا، پہاڑ، شیر، چیتے وغیرہ کی شکلوں میں نظر آتے ہیں۔

اب غور کرنے کا مقام ہے کہ خیالات جو اعراض ہیں اور دماغ کے ساتھ قائم ہیں، وہ جواہر واجسام کیونکر بن گئے، اور کس طرح ان میں اجسام کے لوازم وخواص پیدا ہو گئے، یہاں تک کہ بعض مرتبہ خواب دیکھنے والے سے بیدار ہونے کے بعد بھی آثار ولوازم جدا نہیں ہوتے۔

خواب کی مثال سے مطلب کی تفہیم:

فی الحقیقت خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو خواب کے ذریعہ سے بڑی بھاری ہدایت کی ہے کہ جب ایک آدمی کی قوتِ مصوّرہ میں اُس نے اس قدر طاقت رکھی ہے کہ وہ اپنی بساط کے موافق غیر مجسّم خیالات کو جسمی سانچہ میں ڈھال لے اور ان میں وہی خواص و آثار باذن اللہ پیدا کر لے جو عالمِ بیداری میں اجسام سے وابستہ تھے، پھر تماشہ یہ ہے کہ وہ خیالات خواب دیکھنے والے کے دماغ سے ایک منٹ کو علیحدہ بھی نہیں ہوئے ان کا ذہنی وجود بدستور قائم ہے، تو کیا اس حقیر سے نمونہ کو دیکھ کر ہم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ممکن ہے قادر مطلق اور مصوّر برحق جل وعلا کا امرِ بے کیف (کن) باوجود صفتِ قائمہ بذاتہ تعالیٰ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہو جائے ان صورتوں کو ہم ارواح یا فرشتے یا کسی اور نام سے پکاریں۔

روح حادث ہے اور اس کا مبدأ (امرِ رب) قدیم ہے:

وہ ارواح ملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں اور امرِ الٰہی بحالہٖ قائم رہے، امکان وحدوث کے احکام وآثار ارواح وغیرہ تک محدود ہیں اور ''امرِ الٰہی'' ان سے پاک برتر ہو جیسے جو صورت خیالیہ بحالت خواب مثلاً آگ کی صورت میں نظر آتی ہے اس صورت ناریہ میں احراق، سوزش، گرمی وغیرہ سب آثار ہم محسوس کرتے ہیں، حالانکہ اسی آگ کا تصوّر سالہا سال بھی دماغوں میں رہے تو ہمیں ایک لحہ کے لئے یہ آثار محسوس نہیں ہوتے۔

ظاہر اور مظہر کے احکام جُدا جُدا ہیں:

پس کوئی شبہ نہیں کہ روح انسانی (خواہ جوہر مجرد ہو یا جسم لطیف نورانی) امر ربی کا مظہر ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ مظہر کے تمام احکام وآثار ظاہر پر جاری ہوں کما ہو الظاہر واضح رہے کہ جو کچھ ہم نے لکھا اور جو مثالیں پیش کیں ان سے مقصود محض تسہیل وتقریب الی الفہم ہے ورنہ ایسی کوئی مثال دستیاب نہیں ہو سکتی جو ان حقائق غیبیہ پر پوری طرح منطبق ہو۔

روح جوہر مجرد ہے یا جسم لطیف؟

رہا یہ مسئلہ روح جوہر مجرد ہے جیسا کہ اکثر حکماء قدیم اور صوفیہ کا مذہب ہے یا جسم نورانی لطیف جیسا کہ جمہور اہلحدیث کی رائے ہے اس میں میرے نزدیک قول فیصل وہی ہے جو بقیۃ السلف بحر العلوم حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

نے فرمایا کہ بالفاظِ عارف جامی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یہاں تین چیزیں ہیں۔

❶ وہ جواہر جن میں مادہ اور کمیّت دونوں ہوں جیسے ہمارے ابدان مادیہ۔

❷ وہ جواہر جن میں مادّہ نہیں صرف کمیّت ہے جنہیں صوفیہ ''اجسام مثالیہ'' کہتے ہیں۔

❸ وہ جواہر جو مادّہ اور کمیّت دونوں سے خالی ہوں جن کو صوفیہ ''ارواح'' یا حکماء جواہر مجردہ کے نام سے پکارتے ہیں۔

پس جمہور اہل شرع جس کو ''روح'' کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک بدن مثالی سے موسوم ہے جو بدنِ مادی میں حلول کرتا ہے اور بدن مادّی کی طرح آنکھ ناک ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔

روح کا بدن سے جُدا ہونا موت کو مستلزم نہیں:

یہ روح بدن سے کبھی جُدا ہو جاتی ہے اور اس جدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیف علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھتی ہے جس سے بدن پر حالتِ موت طاری نہیں ہونے پاتی، گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے موافق جو بغوی نے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا کی تفسیر میں نقل کیا ہے اس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقاء حیات کا سبب بنتی ہے جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے یا جیسا کہ حال ہی میں فرانس کے محکمہ پرواز نے ہوا بازوں کے بغیر طیارے چلا کر خفیہ تجربے کئے ہیں اور تعجب خیز نتائج رونما ہوئے، اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حال میں ایک خاص بم پھینکنے والا طیارہ بھیجا گیا تھا جس میں کوئی شخص سوار نہ تھا لیکن لاسلکی کے ذریعہ سے وہ منزل مقصود پر پہنچایا گیا، اس طیارہ میں بم بھر کر وہاں گرائے گئے اور پھر وہ مرکز میں واپس لایا گیا، دعویٰ کیا جاتا ہے کہ لاسلکی کے ذریعہ سے ہوائی جہاز نے خود بخود جو کام کیا وہ ایسا ہی مکمل ہے جیسا کہ ہوا باز کی مدد سے عمل میں آتا۔

آج کل یورپ میں جو سوسائٹیاں روح کی تحقیقات کر رہی ہیں انہوں نے بعض ایسے مشاہدات بیان کئے ہیں جن میں روح جسم سے علیحدہ تھی اور روح کی ٹانگ پر حملہ کرنے کا اثر جسم مادی کی ٹانگ پر ظاہر ہوا، بہر حال اہل شرع جو روح ثابت کرتے ہیں صوفیہ کو اس کا انکار نہیں بلکہ وہ اس کے اوپر ایک اور روح مجرد مانتے ہیں جس میں استحالہ نہیں بلکہ اس روح مجرد کی بھی اگر کوئی اور روح ہو اور آخر میں کثرت کا سارا سلسلہ سمٹ کر امر ربی کی وحدت پر منتہی ہو جائے تو انکار کی ضرورت نہیں۔

روح ہر چیز میں ہے اور ہر چیز کو ایک حیثیت سے زندہ یا مُردہ کہہ سکتے ہیں:

مذکورہ بالا تقریر سے یہ نکلتا ہے کہ ہر چیز میں جو ''کن'' کی مخاطب ہوئی روحِ حیات پائی جائے بیشک میں یہی سمجھتا ہوں کہ مخلوق کی ہر نوع کو اس کی استعداد کے موافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے یعنی جس کام کیلئے وہ چیز پیدا کی گئی ڈھانچہ تیار کر کے اس کو حکم دینا ''کن'' (اس کام میں لگ جا) بس یہی اُس کی روح حیات ہے، جبتک اور جس حد تک یہ اپنی غرض ایجاد کو پورا کریگی اُسی حد تک زندہ سمجھی جائے گی، اور جس قدر اس سے بعید ہو کر معطل ہوتی جائے گی، اسی قدر موت سے

نزدیک یا مردہ کہلائے گی۔

یہ مضمون بہت طویل اور محتاج بسط وتفصیل ہے، ہم نے اہل علم وفہم کیلئے اپنی بساط کے موافق کچھ اشارے کردیئے ہیں، شاید قرآن مجید پر نکتہ چینی کرنے والے اصحاب اتنا سمجھ لیں کہ روح کے متعلق بھی قرآن حکیم میں وہ رموز وحقائق بیان ہوئے ہیں جنکا عشر عشیر دوسری آسمانی کتاب میں بیان نہیں ہوا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم وهو الملهم للصواب. (خطبات عثمانی ملخصًا)

فائدۂ جلیلہ:

امام بغوی نے اس مقام پر حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک مفصل روایت اس طرح نقل فرمائی ہے کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جبکہ مکہ کے قریشی سرداروں نے جمع ہوکر مشورہ کیا کہ محمد ﷺ ہمارے اندر پیدا ہوئے اور جوان ہوئے ان کی امانت ودیانت اور سچائی میں کبھی کسی کو شبہ نہیں ہوا اور کبھی ان کے متعلق جھوٹ بولنے کی تہمت بھی کسی نے نہیں لگائی اور اس کے باوجود اب جو دعوائے نبوت وہ کررہے ہیں وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے ایسا کرو کہ اپنا ایک وفد مدینہ کے علماء یہود کے پاس بھیج کر ان سے ان کے بارے میں تحقیقات کرو چنانچہ قریش کا ایک وفد علماء یہود کے پاس مدینہ پہنچا، علماء یہود نے ان کو مشورہ دیا کہ تمہیں تین چیزیں بتلاتے ہیں تم ان سے ان تینوں کا سوال کرو اگر انہوں نے تینوں کا جواب دیدیا تو وہ نبی نہیں اسی طرح اگر تینوں میں سے کسی کا جواب نہ دیا تو بھی نبی نہیں، اور اگر دو کا جواب دیا اور تیسری کا نہ دیا تو سمجھ لو کہ وہ نبی ہیں اور وہ تین سوال یہ بتلائے ایک تو تم ان سے ان لوگوں کا حال معلوم کرو جو قدیم زمانہ میں شرک سے بچنے کے لئے کسی غار میں چھپ گئے تھے کیونکہ ان کا واقعہ عجیب ہے، دوسرے اس شخص کا حال معلوم کرو جس نے زمین کے مشرق ومغرب کا سفر طے کیا کہ اس کا کیا واقعہ ہے، تیسرے روح کے متعلق سوال کرو کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ وفد آپکی خدمت میں واپس آیا اور مذکورہ تینوں سوال آپ ﷺ کے سامنے پیش کردیئے، آپ نے فرمایا کہ میں ان کا جواب کل دوں گا مگر اس پر انشاء اللہ نہیں کہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز تک وحی کا سلسلہ بند ہوگیا بارہ پندرہ سے لے کر چالیس دن کی روایات ہیں جن میں سلسلہ وحی بند رہا، قریش مکہ کو طعن وتشنیع کا موقع ملا، کہ کل جواب دینے کو کہا تھا آج اتنے دن گذر گئے جواب نہیں ملا رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی پریشانی ہوئی پھر حضرت جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے "ولا تقولَنَّ لشئٍ انی فاعل ذلك غدًا الا ان يشاء الله"، جس میں آپ کو یہ تلقین کی گئی کہ آئندہ کسی کام کے کرنے کا وعدہ کیا جائے تو انشاء اللہ کہہ کر کیا جائے اور اس کے بعد روح کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی جو اوپر گذر چکی ہے اور غار میں چھپنے والوں کے متعلق اصحاب کہف کا واقعہ اور مشرق سے مغرب تک سفر کرنے والے ذوالقرنین کا واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ جواب میں بیان فرمایا گیا اور روح کے متعلق جو حقیقت کا سوال تھا اس کا جواب نہیں دیا گیا، جس سے یہود کی بتلائی ہوئی علامت صدق نبوت کی ظاہر ہوگئی، اس واقعہ کو ترمذی نے مختصراً بیان کیا ہے۔ (مظہری)

بے سروپا معاندانہ سوالات کا پیغمبرانہ جواب:

وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنامن الارض ينبوعًا، آیات مذکورہ میں جو سوالات اور فرمائشیں رسول اللہ ﷺ سے اپنے ایمان لانے کی شرط قرار دیکر کی گئیں وہ سب ایسی ہیں کہ ہر انسان ان کو سنکر ایک قسم کا تمسخر اور ایمان نہ لانے کے بیہودہ بہانے کے سوا کچھ نہیں سمجھ سکتا، ایسے سوالات کے جواب میں انسان کو فطرۃً غصہ آتا ہے اور جواب بھی اسی انداز کا دیتا ہے مگر ان آیات میں ان کے بیہودہ سوالات کا جو جواب حق تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تلقین فرمایا وہ قابل نظر اور مصلحین امت کے لئے ہمیشہ یادگار اور لائحۂ عمل بنانے کی چیز ہے کہ ان سب کے جواب میں نہ ان کی بے وقوفی کا اظہار کیا گیا نہ ان کی معاندانہ شرارت کا، نہ ان پر کوئی فقرہ کسا گیا، بلکہ نہایت سادہ الفاظ میں اصل حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ تم لوگ شاید یہ سمجھتے ہو کہ جو شخص خدا کا رسول ہو کر آئے وہ سارے خدائی اختیارات کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہونا چاہئے یہ تخیل غلط ہے، اور رسول کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی رسالت کو ثابت کرنے کے لئے بہت سے معجزات بھی بھیجتے ہیں مگر وہ سب کچھ محض اللہ کی قدرت واختیار سے ہوتا ہے، رسول تو ایک انسان ہی ہوتا ہے اور انسانی قوت وقدرت سے باہر نہیں ہوتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کی امداد کے لئے اپنی قوت قاہرہ کو ظاہر کر دے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا ای قولهم منكرين اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ ولم يبعث ملكا قُلْ لهم لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ بدل البشر مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ اذ لا يُرْسَلُ الى قوم رسولٌ الا من جنسهم لِيُمْكِنَهم مُخَاطَبَتُه والفهم عنه قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ على صِدْقِي اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ عالمًا ببواطنهم وظواهرهم وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ يهدونهم مِنْ دُوْنِهٖ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ماشين عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ سَكَنَ لهبها زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ تلهبًا واشتعالاً ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا منكرين للبعث ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا يعلموا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مع عظمها قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ اى الاناسى فى الصغر وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا اى للموت والبعث لَّا رَيْبَ فِيْهِ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ اى جحودًا له قُلْ لهم لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ من الرزق والمطر اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ لبخلتم خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ خوف نفادها بالانفاق فتفتقروا وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ بخيلاً

النصف ع ۱۱

ترجمہ: لوگوں کے پاس ہدایت پہنچنے کے بعد ایمان سے روکنے والا منکرین کا ان سے صرف یہی کہنا رہا کہ کیا

انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا، اور فرشتہ کو نہ بھیجا، آپ کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتے اس لئے کہ قوم کے پاس ان ہی کی جنس کا رسول بھیجا جاتا ہے تاکہ ان کے لئے اس کی گفتگو اور افہام و تفہیم ممکن ہو، آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری صداقت پر اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے وہ اپنے بندوں (کے حالات) سے خوب آگاہ ہے، اور بخوبی دیکھنے والا ہے (یعنی) ان کے پوشیدہ اور ظاہر تمام حالات سے واقف ہے، اور اللہ جس کی رہنمائی کرے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ راہ سے بھٹکا دے ناممکن ہے کہ تو ان کے مددگار پائے جو ان کی رہنمائی کریں ایسے لوگوں کو ہم قیامت کے دن منہ کے بل گھسیٹ کر جمع کریں گے حال یہ کہ وہ اندھے گونگے، بہرے ہوں گے ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور جب وہ بجھنے لگے گی تو ہم اس کو مزید بھڑکا دیں گے وہ مزید شعلہ زن اور مشتعل ہونے لگے گی یہ ان کی اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور منکرین نے کہا، کیا جب ہم ہڈی رہ جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم کو نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھایا جائیگا، کیا انہوں نے اس بات میں غور نہیں کیا کہ بلاشبہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو ان کی عظمت کے باوجود پیدا کیا (وہ) اس پر قادر ہے کہ ان جیسے صغیر انسانوں کو پیدا کرے اسی نے ان کے لئے موت اور بعث کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، لیکن ظالم لوگ انکار کئے بغیر رہتے ہی نہیں ہیں، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم میرے رب کی رحمت رزق اور بارش کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے اندیشہ سے اس میں بخیلی کرتے یعنی خرچ کرنے سے ختم ہونے کے خوف سے کہ پھر تم محتاج ہو جاؤ گے اور انسان ہے ہی تنگ دل۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ای قولھم اس میں اشارہ ہے کہ أن مصدریہ ہے، یعنی ان کے لئے قرآن اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بارے میں کوئی شبہ اور کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی سوائے منکرین بعث کے جو مومنین سے یہ کہتے ہیں کہ کیا اللہ کو رسول بنا کر بھیجنے کے لئے انسان ہی رہ گیا تھا۔

قَوْلُہٗ: مطمئنین اسم فاعل جمع مذکر منصوب، وطن بنانے والے، قیام کرنے والے۔

قَوْلُہٗ: لَوْ انتم

سُوَالٌ: لَوْ شرطیہ ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے مگر یہاں اسم پر داخل ہے۔

جَوَابٌ: انتم سے پہلے فعل محذوف ہے اور مابعد کا فعل اس کی تفسیر کر رہا ہے تقدیر عبارت یہ ہے لَوْ تملکون انتم تملکون خزائنَ رحمۃ ربی، انتم، تملکون کے اندر ضمیر فاعل کی تاکید ہے یہ ما اضمر عاملہ کے قبیل سے ہے۔

تَفسیر وتَشریح

مَا مَنَعَ النَّاسَ الخ، عام مشرکین کا خیال تھا کہ اللہ کا رسول بشر نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ تو ہماری طرح ضروریات انسانی کا عادی ہوتا ہے پھر اس کو ہم پر کیا فوقیت حاصل ہوگی کہ ہم اسے اللہ کا رسول سمجھیں اور اپنا مقتدا بنالیں آج کل کے اہل بدعت کا آپ ﷺ کی بشریت سے انکار کرنے میں بھی یہی جذبہ کارفرما ہے یعنی جس طرح مشرکین رسالت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے اسی طرح یہ لوگ بھی بشریت اور رسالت میں تضاد وتنافی سمجھتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ مشرکین آپ کی بشریت کے قائل ہونے کی وجہ سے رسالت کی نفی کرتے اور آج کل کے اہل زیغ وضلال آپ کی رسالت کے قائل ہونے کی وجہ سے آپ کی بشریت کی نفی کرتے ہیں۔

مشرکین مکہ کے سوال کا جواب قرآن نے یہ دیا ہے کہ اللہ کا رسول جن لوگوں کی جانب بھیجا جائے وہ ان ہی کی جنس سے ہونا ضروری ہے اگر مبعوث الیہم انسان ہیں تو مبعوث کا بھی انسان ہونا ضروری ہے اسلئے کہ غیر جنس سے باہم مناسبت نہیں ہوتی اور بلا مناسبت کے رشد وہدایت کا فائدہ نہیں ہوتا اگر انسانوں کی طرف کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیا جائے جو نہ بھوک کو جانتا ہے نہ پیاس کو نہ جنسی خواہشات کو اور نہ سردی گرمی کے احساس کو اور نہ اس کو کبھی محنت اور تکان لاحق ہوتی ہے، تو وہ انسانوں سے بھی ایسے عمل کی توقع رکھتا انسانوں کی کمزوری ومجبوری کا احساس نہ کرتا اسی طرح انسان جب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو فرشتہ ہے ہم ان کے کاموں کے نقل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو ان کی اتباع کیسے کریں گے رشد وہدایت کا فائدہ اور اصلاح صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ اللہ کا رسول جنس بشر سے ہو جو تمام انسانی جذبات اور خواہشات کا حامل ہو، مگر ساتھ ہی اس کو ایک شان ملکیت بھی حاصل ہوتا کہ عام انسانوں اور فرشتوں کے درمیان واسطہ اور رابطہ کا کام کرسکے وحی لانے والے فرشتوں سے وحی حاصل کرے اور اپنے ہم جنس انسانوں کو پہنچادے۔

قل لو انتم تملکون خزائن رحمۃ ربی (الآیۃ) اس آخری آیت میں جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم لوگ اللہ کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہو جاؤ تو تم بخل کرو گے، کسی کو نہ دو گے اس خطرہ سے کہ اگر لوگوں کو دیتے رہے تو یہ خزانہ ختم ہو جائیگا اگر چہ رحمت حق کا خزانہ ختم ہونے والا نہیں، مگر انسان اپنی طبیعت سے تنگ دل اور کم حوصلہ واقع ہوا ہے اس کو فراخی کے ساتھ لوگوں کو دینے کا حوصلہ نہیں ہوتا، اس میں خزائن رحمت ربی سے عام مفسرین نے مال اور دولت کے خزانے مراد لئے ہیں اور اس کا ربط ماسبق سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے اس کی فرمائش کی تھی کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو آپ مکہ کے اس خشک ریگستان میں نہریں جاری کر کے اس کو سرسبز باغات میں تبدیل کردیں جیسا کہ ملک شام کا خطہ ہے جس کا جواب پہلے آچکا ہے کہ تم نے تو مجھے گویا خدا ہی سمجھ لیا، کہ خدائی اختیارات کا مجھ سے مطالبہ کر رہے ہو میں تو صرف ایک رسول ہوں خدا نہیں کہ جو چاہوں کردوں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے بیان القرآن میں اس جگہ رحمتِ رب سے مراد نبوت ورسالت اور خزائن سے مراد کمالاتِ نبوت لئے ہیں اس تفسیر کے مطابق اس کا ربط آیاتِ سابقہ سے یہ ہوگا کہ تم نبوت ورسالت کے لئے بے سروپا اور بیہودہ مطالبات کر رہے ہو اس کا حاصل یہ ہے کہ میری نبوت کو ماننا نہیں چاہتے تو کیا پھر تمہاری خواہش یہ ہے کہ نبوت کا نظام تمہارے ہاتھوں میں دیدیا جائے جس کو تم چاہو نبی بنالو، اگر ایسا کرلیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کسی کو بھی نبوت ورسالت نہ دو گے بخل کرکے بیٹھ جاؤ گے۔ (معارف)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ واضحاتٍ وہی الیدُ والعصا والجرادُ والقُمَّلُ والضفادعُ والدمُ والطمسُ والسِّنینَ ونقصٌ من الثمراتِ **فَسْـَٔلْ** یا محمدُ **بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** عنه سوالَ تقریرٍ للمشرکینَ علی صدقِك او فقلنا له اِسْأَلْ وفی قراءةٍ بلفظِ الماضی **اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا**﴿۱۰۱﴾ مخدوعًا مغلوبًا علی عقلِك **قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ** الآیاتِ **اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ** عِبَرًا ولکنَّك تعاندُ وفی قراءةٍ بضمِّ التاءِ **وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا**﴿۱۰۲﴾ ہالکًا أو مصروفًا عن الخیر **فَاَرَادَ** فرعونُ **اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ** یُخرجَ موسیٰ وقومَه **مِّنَ الْاَرْضِ** ارضِ مصرَ **فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا**﴿۱۰۳﴾ **وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ** ای الساعةِ **جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا**﴿۱۰۴﴾ جمیعًا أنتم وہم **وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ** ای القرآنَ **وَبِالْحَقِّ** المشتملِ علیه **نَزَلَ** کما أُنزِلَ لم یعترِه تبدیلٌ **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ** یا محمدُ **اِلَّا مُبَشِّرًا** مَنْ آمنَ بالجنةِ **وَّنَذِيْرًا**﴿۱۰۵﴾ مَنْ کفرَ بالنَّارِ **وَقُرْاٰنًا** منصوبٌ بفعلٍ یُفسِّرُه **فَرَقْنٰهُ** نزَّلناهُ مُفرَّقًا فی عشرینَ سنةً او وثلاثٍ **لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ** مَهَلٍ وتؤدةٍ لیفهَموه **وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا**﴿۱۰۶﴾ شیئًا بعدَ شیءٍ علی حَسَبِ المصالح **قُلْ** لکفارِ مکةَ **اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا** تہدیدٌ لہم **اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ** قبلَ نزولِه وہم مؤمنوا اہلِ الکتابِ **اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا**﴿۱۰۷﴾ **وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ** تنزیہًا له عن خلفِ الوعدِ **اِنْ** مخففةٌ **كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا** بنزولِه وبعثِ النبیِّ **لَمَفْعُوْلًا**﴿۱۰۸﴾ **وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ** عطفٌ بزیادةِ صفةٍ **وَيَزِيْدُهُمْ** القرآنُ **خُشُوْعًا**﴿۱۰۹﴾ تواضعًا لِلّٰہِ وکان صلی اللہ علیه وسلم یقولُ یا اللّٰہُ یا رحمٰنُ فقالُوا اِنَّه یَنہانا اَنْ نَعبُدَ الٰہین وہو یدعوا الٰہًا آخرَ معه فنزلَ **قُلِ** لہم **ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ** ای سَمُّوہُ بأیِّہما او نادُوہ بأنْ تقولُوا یا اللّٰہُ یا رَحمٰنُ **اَيًّا** شرطیةٌ **مَّا** زائدةٌ ای ایَّ شیءٍ مِنْ ہٰذینِ **تَدْعُوْا** فہو حسنٌ دلَّ علی ہٰذا **فَلَهُ** ای لِمُسمَّاہما **الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى** وہٰذانِ منہا فانَّہا کما فی الحدیثِ اللّٰہُ الذی لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الرَّحمٰنُ الرَّحیمُ المَلِکُ القُدُّوسُ السَّلامُ المُؤمِنُ المُہیمِنُ العَزیزُ الجَبَّارُ المُتکبِّرُ الخالِقُ البارِئُ المُصوِّرُ الغَفَّارُ القَہَّارُ الوَہَّابُ الرَّزَّاقُ الفَتَّاحُ العَلیمُ القابِضُ الباسِطُ الخافِضُ الرَّافِعُ المُعِزُّ المُذِلُّ السَّمیعُ البَصیرُ الحَکَمُ العَدْلُ

اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ الْحَلِيْمُ الْعَظِيْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ الْحَفِيْظُ الْمُقِيْتُ الْحَسِيْبُ الْجَلِيْلُ الْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْمُجِيْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِيْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيْدُ الْحَقُّ الْوَكِيْلُ الْقَوِيُّ الْمَتِيْنُ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ الْمُحْصِي الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْمُحْيِي الْمُمِيْتُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِيُ الْمُتَعَالِ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤُفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمُغْنِي الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِيْ الْبَدِيْعُ الْبَاقِيْ الْوَارِثُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرُ (رواه الترمذيُّ) قال تعالى **وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ** بقراءتك فيها فيسمَعُكَ المشركون فيسبُّوكَ ويسبُّوا القرآنَ ومَنْ اَنزلَهُ **وَلَا تُخَافِتْ** تُسِرَّ **بِهَا** لِيَنتفع اصحابُكَ **وَابْتَغِ** اِقصِدْ **بَيْنَ ذٰلِكَ** الجهر والمُخافتةِ **سَبِيْلًا** طريقًا وسطًا **وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ** الالوهية **وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ** ينصرُه **مِّنَ** اَجْلِ **الذُّلِّ** اى لم يَذِلَّ فيحتاجُ الى ناصرٍ **وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا** عَظِّمْه عظمةً تامةً عن اتّخاذِ الولدِ والشريكِ والذل وكلِّ ما لا يليقُ به وترتيبُ الحمدِ على ذٰلكَ للدلالةِ على اَنَّهُ الْمُسْتَحِقُّ لجميعِ المحامدِ لكمالِ ذاتِه وتفرُّدِهِ في صفاتِه روى الامامُ احمدُ في مسندِه عن معاذٍ الجُهَنِيِّ عنه صلى اللّٰه عليه وسلم اَنَّهُ كانَ يقولُ آيةُ العزِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا الى آخرِ السورةِ. (واللّٰهُ اَعْلَمُ).

قال مُؤَلِّفُه بهٰذا آخِرُ ما كَمَّلْتُ به تفسيرَ القرآنِ العظيمِ الذي اَلَّفَهُ الامامُ العلامةُ المُحَقِّقُ جلالُ الدينِ المحليُّ الشافِعِيُّ رضى اللّٰه عنه وقد افرغتُ فيه جهدي وبذلتُ فيه فِكرِيْ في نفائِسَ اَرَاها ان شاءَ اللّٰهُ تُجدِي وَاَلَّفْتُه في مُدةٍ قدر ميعادِ الكليمِ وجعلته وسيلةً للفوزِ بجناتِ النعيمِ وهو في الحقيقةِ مستفادٌ من الكتابِ المُكَمَّلِ وعليه في الآي المُتَشابِهةِ الاعتمادُ والمُعَوَّلُ فرحِمَ اللّٰهُ امرأً نَظَرَ بعينِ الانصافِ اليه ووقفَ فيه على خطأٍ فاطلَعَنِيْ عليه وقد قلتُ شعرًا.

حمدتُ اللّٰهَ ربِّيْ اِذْ هَدَانِيْ — لما اَبْدَيْتُ مع عَجْزِيْ وضُعْفِيْ

فَمَنْ لِيْ بالخطأ فَاَرُدَّ عنه — وَمَنْ لِيْ بالقبولِ ولو بحرفٍ

هٰذا ولم يَكُنْ قَطُّ في خَلَدي ان اَتَعَرَّضَ لذلك لِعِلْمِيْ بالعَجْزِ عن الخوضِ في هٰذهِ المسالكِ وعسى اللّٰهُ اَنْ يَنْفَعَ به نفعًا جمًّا ويفتحَ به قلوبًا غُلفًا وَاَعينًا عُمْيًا وآذانًا صُمًّا وكاَنِّيْ بِمَنْ اعْتَادَ بالمُطَوَّلاتِ وقداضرب عن هٰذهِ التكملةِ واصلها حسمًا وعدلَ الى صريحِ العنادِ ولم يُوَجِّه الى دقائقِهما فهمًا ومَنْ كان في هٰذه اَعمٰى فهو في الآخرةِ اعمٰى رزقنا اللّٰهُ به هدايةً الى سبيلِ الحقِ وتوفيقًا واطلاعًا

علی دقائقِ کلماتِہ وتحقیقًا وجَعَلَنا بہ مع الذِیْنَ انعمَ اللّٰہُ علیہم من النبیینَ والصدِیْقِیْنَ والشہداءِ والصالحینَ وحسنَ اولئِکَ رفیقًا والحمدُ للّٰہِ وحدَہٗ وصلی اللّٰہ علی سیدنا محمدٍ والِہ وصحبِہ وسلم تسلیمًا کثیرًا وحسبُنَا اللّٰہُ ونِعْمَ الوکیلُ قَالَ مُؤلِّفہٗ عَاملَہ اللّٰہُ بلُطفِہ فرغتُ من تالیفِہ یومَ الاحدِ عاشرَ شہرِ شوال سنۃَ سبعینَ وثمان مائۃٍ وکان الابتداءُ فیہ یومَ الاربعاءِ مستھلَّ رمضانَ من السنۃ المذکورۃ وفرغ من تبییضہ یوم الاربعاءِ سادس صفر سنۃ احدٰی وسبعینَ وثمان مائۃ.

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو ہم نے نو معجزے بالکل واضح عطا کئے تھے اور وہ یہ ہیں ① ید بیضاء، ② عصا، ③ طوفان، ④ ٹڈیاں، ⑤ جوئیں، ⑥ مینڈک، ⑦ خون، ⑧ ہلاکت اموال، ⑨ خشک سالی اور پھلوں کی کمی (اے محمد) تم خود موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں بنی اسرائیل سے پوچھ لو یہ سوال آپ کی صداقت کا مشرکین سے اقرار کرانے کے طور پر ہے یا ہم نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا کہ فرعون سے بنی اسرائیل کی رہائی کا سوال کرو اور ایک قراءت میں (سَئَلَ) ماضی کے صیغہ کے ساتھ ہے، (یعنی سوال کیا) جب وہ ان کے پاس آئے تو فرعون نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا کہ اے موسیٰ میں تو تم کو سحر زدہ (یعنی) مغلوب العقل سمجھتا ہوں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا (اے فرعون) تو خوب سمجھ رہا ہے کہ بصیرت افروز نشانیاں آسمانوں اور زمین کے مالک ہی نے نازل فرمائی ہیں لیکن تو عناد پر اتر آیا ہے اور ایک قراءت میں تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے، اے فرعون میں تو خوب سمجھ رہا ہوں کہ تو یقیناً ہلاک کیا جائیگا یا ہر خیر سے محروم کر دیا جائیگا، آخر فرعون نے ارادہ کر لیا کہ موسیٰ اور اس کی قوم کو ملک مصر سے نکال باہر کرے تو ہم نے اس کو اور اس کے سب ساتھیوں کو غرق کر دیا، اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ تم اسی سرزمین میں رہو سہو، پھر جب آخرت یعنی قیامت کا وعدہ آئیگا تو ہم تم کو اور ان کو سب کو حاضر کریں گے اور ہم نے قرآن کو راستی کے ساتھ اتارا اور راستی ہی کے ساتھ وہ اترا جیسا کہ اتارا، یعنی حق پر مشتمل ہو کر، اس میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوا، اور ہم نے آپ کو اے محمد ایمان لانے والوں کے لئے جنت کی خوشخبری سنانے والا اور کافروں کو آگ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور ہم نے قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۰ یا ۲۳ سال میں نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کو تھوڑا تھوڑا سنائیں یعنی ٹھہر ٹھہر کر اور وقفہ کے ساتھ تا کہ وہ اسے سمجھیں اور ہم نے اس کو بتدریج نازل کیا یعنی یکے بعد دیگرے مصلحت کے مطابق، آپ کفار مکہ سے کہہ دو تم اس کو مانو یا نہ مانو یہ ان کے لئے تہدید ہے، بلاشبہ وہ لوگ جن کو قرآن کے نزول سے پہلے علم عطا کیا گیا ہے اور اہل کتاب میں سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جب ان کو (قرآن) پڑھکر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے یعنی وعدہ خلافی سے اس کے لئے پاکی ہے ہمارے رب کا یہ قرآن کے نزول اور نبی کی بعثت کا وعدہ بلاشبہ پورا ہو کر رہنے والا ہے اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں زیادتی صفت کے ساتھ (ماقبل میں) (یعنی) یخرون پر زیادتی صفت کے ساتھ عطف ہے، اور قرآن اللہ کے لئے ان کی عاجزی اور

خشوع وخضوع بڑھادیتا ہے، اور اللہ کے رسول، یا اللہ یا رحمٰن کہا کرتے تھے، تو مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم کو تو دو معبودوں کی بندگی سے منع کرتے ہیں اور خود اللہ کے ساتھ دوسرا معبود پکارتے ہیں، تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی، آپ ان سے کہیے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو یعنی اس کا دونوں میں سے جو بھی چاہو نام رکھو اس کو تم یا اللہ (یا) یا رحمٰن کہہ کر پکارو ان دونوں میں سے جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی مسمّٰی کے ہیں اَیًّا شرطیہ ہے، ما زائدہ ہے یہ دونوں نام بھی ان ہی میں سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور نہ تو اپنی نماز بہت بلند آواز سے پڑھ یعنی نماز میں اپنی قراءت، اس لئے کہ تیری قراءت کو مشرکین سنیں گے تو وہ تجھے اور قرآن کو برا بھلا کہیں گے، اور اس کو (بھی) جس نے اس کو نازل کیا ہے اور نہ (بہت) پست آواز سے پڑھ تاکہ تیرے ساتھی استفادہ کریں، بلند اور پست دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کر، اور کہہ کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کی الوہیت میں کوئی شریک ہے اور نہ وہ کمزور ہے کہ جس کی وجہ سے اسے مددگار کی ضرورت ہو یعنی وہ کمزور نہیں ہے کہ اسے کسی مددگار کی حاجت ہو، اور تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ (یعنی) تو اس کی اولاد رکھنے سے اور شریک سے اور کمزوری سے اور ہر اس شئی سے جو اس کی شایان شان نہیں پوری پوری عظمت بیان کر، اور (صفات عدمیہ پر) حمد کا مرتب کرنا اس دلالت کی وجہ سے ہے کہ وہ تمام محامد کا اپنے کمال ذات، اور صفات میں منفرد ہونے کی وجہ سے مستحق ہے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں معاذ جہنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی سند سے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آیت عزت الحمد للّٰہ الّذی لم یتخذ وَلَدًا آخر سورت تک ہے۔ (واللہ اعلم)۔

اس کے مؤلف نے فرمایا "یہ آخری جز ہے جس پر قرآن عظیم کی وہ تفسیر مکمل ہوگئی جس کو امام علامہ محقق جلال الدین المحلی شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے تالیف فرمایا، اور میں نے اس میں اپنی پوری طاقت لگادی اور میں نے اس کی نکتہ چینی میں اپنی پوری ذہنی توانائی صرف کردی اے مخاطب! میں سمجھتا ہوں کہ تو اس سے مستفید ہوگا، انشاء اللہ اور میں نے اس کو موسیٰ کلیم اللہ (کے قیام کی) مقدار یعنی ۴۰ دن میں تالیف کیا، اور میں نے اس کو جنت نعیم میں کامیابی کا ذریعہ بنایا، اور یہ حصہ (نصف اول) درحقیقت کتاب کے اس حصہ (نصف ثانی) سے مستفاد ہے جو مکمل ہوا ہے، اور آیات متشابہات کے بارے میں اسی (نصف ثانی) پر اعتماد اور بھروسہ کیا ہے، اللہ اس شخص پر رحم کرے کہ جو اس کی طرف انصاف کی نظر سے دیکھے، اور وہ اگر اس میں کسی غلطی پر واقف ہو تو مجھے اس سے مطلع کرے، اور میں نے یہ شعر کہا (بعض نسخوں میں لفظ شعر نہیں ہے)۔

ترجمہ: میں نے اپنے رب کی حمد بیان کی اس لئے کہ اس نے مجھے اس چیز کی توفیق بخشی جس کو میں نے اپنی عاجزی اور کمزوری کے باوجود شروع کیا۔ جو میری غلطی کو ظاہر کرے گا تو میں رجوع کروں گا (یعنی اصلاح کروں گا) اور جو مجھے اس کی قبولیت (عنداللہ) کی خوشخبری دے گا اگرچہ ایک حرف ہی کیوں نہ ہو (میں اس کا شکریہ ادا کروں گا)۔

(ھذا) ای خذ ھذا، اور یہ بات میرے دل میں ہرگز نہیں تھی کہ میں اس کام کو شروع کروں گا ان راہوں میں غور و خوض کرنے

سے عجز سے واقف ہونے کی وجہ سے، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس کے ذریعہ نفع کثیر عطا فرمائیگا، اور وہ اس کے ذریعہ بند دلوں کو اور اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو کھول دے گا، گویا کہ میں اس شخص کے مانند ہوں جس کو مطولات (بڑی بڑی کتابوں کے مطالعہ) کی عادت ہو اور حال یہ ہے کہ اس کے تکملہ اور اس کی اصل (یعنی مکمّل اور مکمِّل) سے اعراض کیا ہو، اور صریح عناد کی طرف اعراض کیا ہو اور سمجھنے کے لئے ان دونوں کی طرف متوجہ نہ ہوا ہو، تو جو اس سے اندھا رہا تو وہ دوسرے سے بھی اندھا رہے گا اللہ نے ہمیں اس (قرآن) کے ذریعہ راہ حق کی توفیق بخشی اور اس (قرآن) کے کلمات کی باریکیوں سے واقف ہونے کی اور تحقیق کرنے کی توفیق عطا کی، (اور اللہ سے دعاء ہے) کہ ہمیں اس کی بدولت ان لوگوں کے ساتھ رکھے جن پر اللہ نے انعام فرمایا اور وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں، اور یہ حضرات رفیق ہونے کے اعتبار سے بہترین رفیق ہیں، اور سب تعریفیں اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کے لئے ہیں، اور ہمارے سردار محمد ﷺ پر اللہ کی جانب سے بے شمار درود وسلام ہو، اور اللہ ہمارے لئے کافی بہترین کارساز ہے، مولف رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے، اللہ ان کے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ کرے، کہا میں اس کی تالیف سے ماہ شوال ۸۷۰ھ بروز اتوار فارغ ہوا اور (تالیف کی) ابتداء شروع رمضان بروز چہارشنبہ مذکورہ سال میں ہوئی اور اس کی تبییض سے فراغت ٦ صفر بروز چہارشنبہ ۸۷۱ھ کو ہوئی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: تقریر، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ آپ ﷺ کو تو معلوم تھا پھر سوال کرنے کا کیا فائدہ؟

جَوَابٌ: یہ سوالِ استفہام نہیں ہے بلکہ سوال تقریر ہے۔

قَوْلُہٗ: قبل نزولہ، نزول مضاف محذوف مان کر مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ قبل القرآن کا مطلب ہے قبل نزول القرآن اور یہ ممکن نہیں اسلئے کہ قرآن قدیم ہے لہٰذا اس سے قبل علم دینے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: عطف بزیادۃ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ یَخِرُّوْنَ للاذقان کا عطف سابق یَخِرُّوْنَ للاذقان پر ہے جس کی وجہ سے معطوف اور معطوف علیہ متحد ہیں حالانکہ ان دونوں میں مغائرت ضروری ہے۔

جَوَابٌ: معطوف میں یَبکون صفت کا اضافہ ہے جس کی وجہ سے اتحاد باقی نہیں رہا۔

قَوْلُہٗ: ایّ شئً اس میں اشارہ ہے کہ ایًّا، میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے نہ کہ ندا کے معنی میں۔

قَوْلُہٗ: فھو حسنٌ اس میں اشارہ ہے کہ ایًّا ما، شرط کی جزاء محذوف ہے اور دال برحذف فَلَہُ الأسماء الحسنیٰ ہے۔ جزاء کو حذف کرکے دال برجزاء کو اس کے قائم مقام کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: لِمُسَمَّاھما اس میں اشارہ ہے کہ فلہ کی ضمیر مسمّٰی محذوف کی طرف راجع ہے نہ کہ اسم کی طرف ورنہ تو اسم کے لئے اسم کا ہونا لازم آئے گا۔

قولہ: ترتیب الحمد علی ذلك للدلالۃِ علی انّه المستحق الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ حمد کہتے ہیں کسی کے اچھے اختیاری فعل کی تعریف کرنے کو (الحمد هو الثناء على الجميل الاختياری) مذکورہ آیت "قل الحمد للّٰه الذی لم يتخذ ولدًا ولم يكن له شريك فی الملك، ولم يكن له ولی من الذلّ" اس آیت میں تین اوصاف مذکور ہیں اور تینوں سلبی ہیں نہ کہ ایجابی حالانکہ حمد وصف ایجابی پر ہوتی ہے نہ کہ سلبی پر اس لئے کہ سلبی پر تنزیہہ ہوتی ہے۔

جواب: لکمال ذاته سے اس اعتراض کا جواب ہے کہ مذکورہ تینوں سلبی صفات اس امکان کی نفی کرتی ہیں جو احتیاج کا مقتضی ہو اور واجب الوجود لذاتہ پر دلالت کرتی ہیں، یعنی سب اسکے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں لہٰذا وہی حمد کا مستحق ہے (جمل) جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح صفات کی وجہ سے مستحق حمد ہوتا ہے اسی طرح ذات کی وجہ سے بھی مستحق حمد ہوتا ہے اور تمثیل کے طریقہ پر جواب یہ ہے کہ مذکورہ تینوں سلبی صفات میں نعمت یہ ہے کہ بادشاہ کے جب بیوی بچے ہوں تو غلاموں پر بیوی بچوں سے بچا ہوا خرچ کرتا ہے اور جب اس کے بیوی بچے نہ ہوں تو بادشاہ تمام احسانات اور انعامات کو غلاموں پر خرچ کرتا ہے اس طرح ولد کی نفی غلاموں پر زیادتی انعام کی مقتضی ہوتی ہے اور نفی شریک میں نعمت یہ ہے کہ شریک ہونے کی بہ نسبت شریک نہ ہونے کی صورت میں بادشاہ انعام عطا کرنے پر مزاحم نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ قادر ہوتا ہے اور نفی نصیر کی صورت میں نعمت یہ ہوتی ہے کہ نصیر کی نفی قوت اور استغناء پر دلالت کرتی ہے اور یہ دونوں زیادہ انعام پر قادر ہونے پر دلالت کرتی ہیں، اس طریقہ سے مذکورہ تینوں سلبی صفات ایجابی بن جاتی ہیں لہٰذا ان پر حمد بیان کرنا درست ہے۔

قولہ: آیت العز یعنی الحمد للّٰه الذی لم يتخذ ولدًا (الآیة) یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو آیت عزت فرمایا ہے کہ جو شخص اس آیت کو پابندی سے روزانہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے عز و شرف سے نوازیں گے، پڑھنے کا طریقہ مندرجہ ذیل ہے کہ اول تو **کلّت علی الحیّ الّذی لا یموت** پڑھے اس کے بعد ۳۵ مرتبہ روزانہ **قل الحمد للّٰه الذی لم يتخذ ولدًا ولم يكن له شريك فی الملك ولم يكن له ولی من الذل وكبره تكبيرًا** پابندی سے پڑھے۔

(حاشیہ جلالین، صاوی)

قولہ: قد افرغت فيه جهدی ای فی ما كمّلتُ به، یعنی فیه کی ضمیر ما كمّلتُ کی طرف راجع ہے اسی طرح رزقنا اللّٰه به تک تمام ضمیریں ما كمّلتُ کی طرف راجع ہیں۔

قولہ: فی نفائس یہ فيه سے بدل ہے یا پھر فی نفائس میں فی بمعنی مع ہے ای مع نفائس، اور نفائس سے دقائق وحقائق اور نکات نفیسہ پسندیدہ مراد ہیں۔

قولہ: أُراها، ہمزہ پر فتحہ اور ضمہ دونوں جائز ہیں، بمعنی اَعلَمُ واظنُّ، تجدی، اَریٰ کا مفعول ثانی ہے اور ها مفعول اول ہے ای اُراها تجدی ان شاء اللّٰه جدوها، یعنی اے مخاطب میں سمجھتا ہوں کہ یہ نکات تجھ کو نفع پہنچائیں گے اگر اللہ

چاہے گا کہ یہ تجھے نفع پہنچائیں، تجدی بمعنی تنفع.

قَوْلُہٗ: وَالَفتُهُ فی مدّة قدر میعاد الکلیم یعنی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جتنے روز کوہ طور پر مقیم رہے اور وہ چالیس دن کی مدت ہے، تالیف کی ابتداء یکم رمضان سے ہوئی اور دس شوال پر تکمیل ہوگئی، اور اس مدت کا اظہار مفسر علام سیوطی نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا، اسلئے کہ عام طور پر اتنی قلیل مدت میں اتنا بڑا کام خلاف عادت ہے جبکہ اس وقت علامہ سیوطی کی عمر ۲۲ سال سے بھی کم تھی (کما ذکرہ الکرخی) یعنی وہ حصہ جو علامہ سیوطی نے تالیف کیا۔

قَوْلُہٗ: وهو مستفاد من الکتاب المکمَّل علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے یہ کسر نفسی کے طور پر فرمایا۔

قَوْلُہٗ: علیه یعنی علامہ محلّی کا تالیف کردہ۔

قَوْلُہٗ: اذهدانی، اذ تعلیلیه ہے ای لِاَجل هدایتِهٖ لِلذی اَبدَیتُهٗ وَاظهرتُهٗ، اور وہ تکملہ مذکورہ ہے۔

قَوْلُہٗ: فمن لی بالخطاء ای من اَظهر لی الخطاء یعنی جو میری غلطی کو اجاگر کرے گا میں اس غلطی سے رجوع کرلوں گا یعنی اس کی اصلاح کروں گا۔

قَوْلُہٗ: اَضرَبَ، حسمًا، ای اَعرضَ اعراضًا.

قَوْلُہٗ: من کان فی هذه، فی بمعنی عن ہے ای من کان عن هذه اعمٰی یعنی جو جلالین کے سابقہ اور لاحقہ دونوں حصوں سے بے بہرہ اور ناواقف ہوگا وہ دوسری کتابوں سے بھی بے بہرہ اور ناواقف رہے گا فهو فی الآخرة اعمٰی، یہاں بھی فی بمعنی عن ہے اور آخرة سے مراد مطولات ہیں مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس مختصر سے ناواقف اور بے بہرہ رہے گا وہ مطولات سے بھی محروم رہے گا۔

قَوْلُہٗ: رزقنا اللّٰه به ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اس کے بعد کی ضمیریں بھی قرآن کی طرف راجع ہیں، مگر زیادہ مناسب سیاق کلام کے مطابق یہ ہے کہ یہ ضمیر اور بعد کی ضمیریں لما کمل به یعنی حصہ لاحقہ کی طرف راجع ہوں۔

قَوْلُہٗ: فرغتُ من تالیفهٖ الخ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نصف اول کی تسوید سے ۱۰ شوال بروز یکشنبہ ۸۷۰ھ میں فارغ ہوا، اور تالیف کی ابتداء یکم رمضان ۸۷۰ھ میں ہوئی، اور اس تبییض سے فراغت ٦ صفر بروز چہارشنبہ ۸۷۱ھ کو ہوئی۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ اٰتینا موسیٰ تسع اٰیات، ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نو معجزے عطا کئے وہ یہ ہیں، ہاتھ، لاٹھی، قحط سالی، نقص ثمرات، طوفان، ٹڈی، قُمّل (جوں) ضفادع (مینڈک) خون، حسن بصری فرماتے ہیں خشک سالی اور نقص ثمرات ایک ہی چیز ہے اور نواں معجزہ عصا کا جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل جانا ہے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے علاوہ اور بھی معجزے دیئے گئے تھے مثلاً پتھر پر لاٹھی مارنے سے پتھر سے بارہ چشموں کا بہ نکلنا، لاٹھی مارنے سے دریا کا دولخت ہوجانا، بادلوں کا سایہ فگن

ہونا، من وسلویٰ کا ظاہر ہونا لیکن آیات تسع سے صرف وہی نو معجزے مراد ہیں جن کا مشاہدہ فرعون اور اس کی قوم نے کیا، اسی طرح حضرت ابن عباس نے انفلاق بحر (دریا پھٹنے کو) بھی نو معجزوں میں شمار کیا ہے اور قحط سالی و نقص ثمرات کو ایک معجزہ شمار کیا ہے، ترمذی میں آیات تسعہ کی تفصیل اس سے مختلف بیان کی گئی ہے مگر وہ روایت ضعیف ہے۔

وقلنا من بعده لبنی اسرائیل اسکنوا الارض، بظاہر اس سرزمین سے مراد مصر ہے جس سے فرعون نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا، مگر تاریخ بنی اسرائیل کی شہادت یہ ہے کہ وہ مصر سے نکلنے کے بعد دوبارہ مصر نہیں گئے، بلکہ چالیس سال میدان تیہ میں گذار کر فلسطین میں داخل ہوئے، اس کی شہادت سورۂ اعراف وغیرہ میں قرآن کے بیان سے بھی ملتی ہے اسلئے صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد فلسطین کی سرزمین ہے، سورۂ بنی اسرائیل کی شروع آیات میں حق تعالیٰ کی تنزیہ اور توحید کا بیان تھا، ان آخری آیات میں بھی توحید و تنزیہ کا بیان ہے۔

شان نزول:

ان آیات کے شان نزول میں چند واقعات ہیں۔

پہلا واقعہ:

آپ ﷺ نے ایک روز دعاء میں یا اللہ یا رحمٰن کہہ کر پکارا تو مشرکین نے سمجھا کہ یہ دو خداؤں کو پکارتے ہیں، اور کہنے لگے کہ ہمیں تو ایک کے سوا کسی اور کو پکارنے سے منع کرتے ہیں اور خود دو معبود پکارتے ہیں، اس کا جواب آیت کے پہلے حصہ میں دیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ کے دو ہی نام نہیں اور بہت سے اچھے نام ہیں کسی نام سے بھی پکاریں مراد ایک ہی ذات ہوتی ہے۔

دوسر واقعہ:

جب مکہ مکرمہ میں نبی ﷺ نماز میں باآواز بلند قراءت کرتے تو مشرکین تمسخر اور استہزاء کرتے اور قرآن اور جبرئیل امین اور خود حق تعالیٰ کی شان میں گستاخانہ باتیں کرتے تھے، اس کے جواب میں اسی آیت کا آخری حصہ نازل ہوا جس میں آپ کو جہر و اخفاء میں میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

تیسرا واقعہ:

یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد قرار دیتے تھے اور عرب بتوں کو اللہ کا شریک سمجھتے تھے، اور صابی اور مجوسی کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص مقرب بندے نہ ہوں تو اس کی قدر و منزلت میں کمی آجائے، ان تینوں فرقوں کے جواب میں آخری آیت نازل ہوئی جس میں تینوں کی نفی کردی گئی ہے۔

آخری آیت قل الحمد للّٰہ الخ، کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ یہ آیتِ عزت ہے تفصیل، تحقیق وترکیب کے زیرعنوان گذر چکی ہے اس آیت میں یہ ہدایت بھی ہے کہ کوئی انسان کتنی ہی اللہ کی عبادت اور تسبیح وتحمید کرے اپنے عمل کو اللہ کے حق کے مقابلہ میں کم سمجھنا اور قصور کا اعتراف کرنا اس کے لئے لازم ہے۔

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ بنی عبدالمطلب میں جب کوئی بچہ بولنے کے قابل ہو جاتا تھا تو آپ ﷺ اس کو یہ آیت سکھا دیتے تھے، قل الحمد للّٰہ الذی لم یتخذ ولدًا ولم یکن له شریك فی الملك ولم یکن له وَلِیٌّ من الذل وکبره تکبیرًا۔ (مظهری)

نسخۂ شفاء:

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلا اس طرح کہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھا، آپ کا گذر ایک ایسے شخص پر ہوا کہ بہت شکستہ حال اور پریشان تھا، آپ نے دریافت فرمایا تمہارا یہ حال کیسے ہوگیا؟ اس شخص نے عرض کیا کہ بیماری اور تنگدستی نے یہ حال کردیا، آپ نے فرمایا تمہیں چند کلمات بتلاتا ہوں وہ پڑھو گے تو تمہاری بیماری اور تنگدستی جاتی رہے گی وہ کلمات یہ ہیں، توکلتُ علی الحی الّذی لا یموت الحمد للّٰہ الذی لم یتخذ وَلَدًا (الآیة) اس کے کچھ عرصہ کے بعد پھر آپ اس طرف تشریف لے گئے تو اس کو اچھے حال میں پایا آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا اس نے عرض کیا جب سے آپ نے مجھے یہ کلمات بتلائے ہیں میں پابندی سے ان کو پڑھتا ہوں۔

(ابو یعلی وابن سنی، مظهری، معارف)

عرضِ شارح:

جیسا کہ احقر مقدمہ میں عرض کر چکا ہے کہ جلالین کی تشریح کی ابتداء جلالین کے طرز تصنیف کے مطابق سورۂ کہف سے آخر تک نصف ثانی کی تشریح تین جلدوں میں مکمل ہوئی اس کے بعد نصف اول کی تشریح جس کی تیسری جلد سورۂ اسراء کے آخر تک ہے بتاریخ ۲۶ ربیع الثانی بروز شنبہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۴، جون ۲۰۰۵ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچی، وَلِلّٰہِ الحمد۔

احقر محمد جمال سیفی بن شیخ سعدی

استاذ دارالعلوم دیوبند

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الکہف

سُوْرَةُ الكَهْفِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَاصْبِرْ نَفْسَكَ الآيَة مائة وعشر آيات او خمس عشرة آية

سورۂ کہف مکی ہے، سوائے وَاصْبِرْ نَفْسَكَ (الآیہ) کے ایک سو دس یا ایک سو پندرہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْحَمْدُ هو الوصفُ بالجميلِ ثابتٌ لِلّٰهِ وهَلِ المرادُ الإعلامُ بذلك الثناءُ به اَوْهما احتمالاتٌ اَفْيَدُهَا الثالثُ الَّذِىْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ مُحمدٍ الكِتٰبَ القرآنَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهٗ اى فيه عِوَجًا ○ اِختلافًا وتناقُضًا والجملةُ حالٌ من الكتاب.

ترجمہ

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، حمد صفات کمالیہ بیان کرنے کو کہتے ہیں، ہر قسم کی حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے، آیا جملہ خبریہ کے استعمال سے ثبوت حمد پر ایمان کی خبر دینا مقصود ہے یا (انشاء) ثناء مقصود ہے یا دونوں مقصود ہیں یہ کل تین احتمالات ہیں، ان میں تیسرا احتمال زیادہ مفید ہے جس نے اپنے بندے محمد پر کتاب قرآن نازل فرمائی اور اس میں کسی قسم کی کجی یعنی لفظی اختلاف اور معنوی تناقض نہیں رکھا، اور جملہ لَمْ يَجْعَلْ لَهٗ، کتابٌ سے حال ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

عَوَجٌ بالکسر فساد فی المعانی اور بالفتح فساد فی الاجسام یعنی عَوَج ایسی کجی جو جوارح سے محسوس ہو، اور عِوَج ایسی کجی جو عقل سے محسوس ہو، مگر یہ قاعدہ اکثری ہے کلیہ نہیں۔

وَهَلِ المرادُ الإعلامُ بذلك اس سوالیہ جملہ سے شارح علام کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جملہ خبریہ کے ذریعہ جو ثبوتِ حمد کی خبر دی گئی ہے اس سے تین مرادیں ہو سکتی ہیں (۱) یا تو اس بات کی خبر دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف کمالیہ ازلی وابدی ہیں، اس صورت میں جملہ لفظاً اور معناً خبریہ ہوگا، اور خبر دینے کے لئے ثابت محذوف نکال کر جملہ اسمیہ **اختیار** کرنے سے **مقصد** اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندوں کے لئے ضروری ہے کہ خداوند قدوس کے لئے کمالات کے ازلی وابدی ہونے **کا اعتقاد** رکھیں (۲) یا مقصد انشاء حمد ہے اسی کو مفسر علام نے او الثناء بہ سے تعبیر کیا ہے، اس صورت میں جملہ لفظاً خبریہ اور معناً انشائیہ ہوگا، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَحْمَدُ واُنشِئُ حمدًا لِنَفْسِيْ لعجزِ خلقي من

کنه حمدی (۳) یا دونوں مقصود ہیں اس کی طرف اپنے قول او همما سے اشارہ فرمایا ہے، یعنی اخبار حمد اور انشاء حمد دونوں مقصود ہوں گے، اس صورت میں جملہ کا استعمال خبر اور انشاء دونوں میں ہوگا، اور یہ حقیقت ومجاز کے اجتماع کے طور پر ہوگا، مگر خبر میں حقیقت اور انشاء میں مجاز ہوگا، اور مقصد ثبوت حمد پر ایمان کی خبر دینا اور انشاء حمد کرنا ہوگا۔

اَفْیَدُهَا ثالث شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں صورتوں میں تیسری صورت زیادہ مفید اور بہتر ہے، اس لئے کہ اس صورت میں اِخبار اور انشاء دونوں مقصود بالذات ہوجاتے ہیں، بخلاف پہلی دونوں صورتوں کے کہ ان میں ایک مقصود بالذات اور دوسرا مقصود بالتبع ہوتا ہے، اگر تو اعتراض کرے کہ انشاءِ ثناء اِخبار بالثناء کو مستلزم ہے، بایں طور کہ انشاء حمد کرنے والا بھی حمد کرنے والا ہوتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ مقصود بالذات اور مقصود بالتبع میں فرق ہوتا ہے، مثلاً اگر جملہ کو فقط خبریہ قرار دیا جائے تو اس صورت میں اخبار بالحمد قصداً ہوگی مگر انشاء ثناء تبعاً ہوگی اور اگر جملہ کو فقط انشائیہ قرار دیا جائے تو اس صورت میں انشاء حمد تو قصداً ہوگی مگر اخبار بالحمد ضمناً اور تبعاً ہوگی، اور اگر دونوں یعنی جملہ خبریہ اور انشائیہ قرار دیا جائے تو اخبار اور انشاء دونوں قصداً ہوں گے **قوله** اَلَّذِیْ اَنْزَلَ (الآیہ) ثبوت حمد کے لئے علت کے قائم مقام ہے اس لئے کہ موصول صلہ سے مل کر جب صفت واقع ہو اور صلہ مشتق ہو تو ایسی صفت موصوف کے لئے ثبوت حکم کی علت ہوا کرتی ہے، اسی قاعدہ کے مطابق الذی انزلَ، الحمد ثابت للّٰه کے لئے علت ہوگی، یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے حمد اس لئے ہے کہ اس نے قرآن نازل فرمایا۔

الحمد کے بعد هو الوصف بالجمیل کے اضافہ کا مقصد حمد کے معنی کو بیان کرنا ہے اور ثابت مقدر مان کر یہ بتانا ہے کہ الحمد مبتداء ہے اور للّٰه ثابت مقدر کے متعلق ہو کر مبتدا کی خبر ہے۔

سوال: ثَبَتَ کے بجائے ثابت اسم فاعل کا صیغہ محذوف ماننے میں کیا فائدہ ہے؟

جواب: ثابتٌ اسم فاعل استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے اس سے اشارہ کر دیا کہ باری تعالیٰ کے لئے ثبوت حمد دائمی اور ازلی ہے، بخلاف ثَبَتَ کے کہ یہ تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے **قوله** تناقضًا حذف مضاف کے ساتھ اختلافاً کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے اختلافًا ذا تناقُضٍ، لهٗ کی تفسیر فیه سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لام بمعنی فی ہے۔

تفسیر وتشریح

سورہ کہف کے فضائل

اس سورت کے پڑھنے سے گھر میں سکینت وبرکت نازل ہوتی ہے، ایک مرتبہ ایک صحابی نے سورۂ کہف پڑھی گھر میں ایک جانور بھی تھا وہ بدکنا شروع ہوگیا اور کودنے لگا، تو انہوں نے غور سے دیکھا کہ کیا بات ہے؟ تو انہیں ایک بادل

نظر آیا جس نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا، صحابی مذکور نے اس واقعہ کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا اسے پڑھا کرو، اس کے پڑھتے وقت سکینت نازل ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری فضل سورۃ الکہف)

تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن نازل کیا اور اس میں کسی قسم کی کمی باقی نہ چھوڑی۔

قَیِّمًا مُسْتَقِیمًا حالٌ ثانیةٌ مؤکّدة لِّیُنْذِرَ یُخوّفَ بالکتاب الکافرین بَاْسًا عَذابًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ من قِبَل اللّٰهِ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ مَّاکِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ۙ هو الجنةُ وَّیُنْذِرَ من جُملَةِ الکافرین الَّذِیْنَ قَالُوْا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَالَهُمْ بِهٖ بهٰذا القول مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ مَنْ قَبْلَهُمْ القائلین له کَبُرَتْ عَظُمَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ کلمةً تمیزٌ مُفَسِّرَةٌ للضمیر المُبْهَم والمخصوص بالذَّمِّ محذوف ای مقالتُهم المَذکورةُ اِنْ ما یَقُوْلُوْنَ فی ذٰلک اِلَّا مقولًا کَذِبًا ۝

ترجمہ

اور حال یہ ہے کہ وہ بالکل سیدھی مستقیم ہے قَیِّمًا کتاب سے حال ثانیہ ہے اور جملہ حالیہ کی تاکید ہے، تاکہ ڈرائے (اللہ) کتاب کے ذریعہ کافروں کو اپنے سخت عذاب سے، جو کہ اس کی طرف سے ہے اور تاکہ ان مومنین کو خوشخبری دے جو نیک عمل کرتے ہیں یہ کہ ان کے لئے اجر حسن ہے حال یہ ہے کہ وہ اس اجر حسن میں کہ وہ جنت ہے ہمیشہ رہیں گے، اور منجملہ کافروں سے ان کافروں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے اس قول کی نہ ان کے پاس کوئی سند ہے اور نہ ان کے آباء کے پاس جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں اور وہ بھی اسی بات کے قائل تھے اور یہ بات جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے بڑی بھاری ہے، کلمةً تمیز ہے جو کہ کَبُرَتْ کی ھی ضمیر مبہم کی تفسیر کر رہی ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ ان کا قول مذکور (اِتَّخذَ اللّٰهُ ولدًا ہے) اور وہ اس بارے میں جھوٹ کے سوا کچھ نہیں بکتے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قَیِّمًا صیغہ صفت ہے، اس کے دو معنی ہیں (۱) درست، مستقیم، جیسے ذٰلک دین القَیِّمة یہی طریقہ درست ہے (۲) درست کرنے والا یعنی ایسی کتاب جو انسانوں کے دنیوی اور اخروی تمام معاملات کو درست کرنے والی ہے، اس صورت میں قیمًا مقوِّمٌ کے معنی میں ہوگا قَیِّمًا یہ الکتاب سے حال ثانی ہے اس صورت میں حال مترادفہ ہوگا، پہلا حال جملہ وَلَمْ یَجْعَلْ لَهٗ عِوَجًا ہے، یا لَهٗ کی ضمیر سے حال ہوگا اس صورت میں حال متداخلہ ہوگا، اور یہ حالِ مؤکدہ کہلائے گا اس لئے کہ دوسرا حال پہلے حال کے مفہوم کی تاکید کرتا ہے، فعل محذوف کا مفعول ثانی بھی ہوسکتا ہے، تقدیر

عبارت یہ ہوگی جعلہٗ قیمًا ، **قولہ** لِیُنْذِرَ میں لام تعلیل یا عاقبت کا ہے اور اَنْزَلَ سے متعلق ہے اور لِیُنذِر کا مفعول اول یعنی الکافرین محذوف ہے اور بأسًا شدیدًا مفعول ثانی ہے، اور مِنْ لَدُنْہُ کائنًا محذوف کے متعلق ہوکر جملہ ہوکر بأسًا کی صفت ثانی ہے، ای بأسًا شدیدًا کائنًا منہ یُبَشِّرُ کا عطف یُنْذِرَ پر ہے اور لام کے تحت ہے، المؤمنین یُبَشِّرُ کا مفعول ہے، اور الذین یعملون الخ المؤمنین کی صفت ہے اَنَّ لَهُمْ کے پہلے بَ حرف جار محذوف ہے۔

قولہ ماکثینَ لَھُمْ کی ضمیر سے حال ہے اور فیہ کی ضمیر کا مرجع اجرٌ ہے دوسرے یُنذر کا عطف لِیُنْذِرَ پر ہے یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے اور اس کا مفعول ثانی محذوف ہے، ای بأسًا شدیدًا ، **مالھُمْ** جملہ مستانفہ ہے اور لَھُمْ خبر مقدم ہے مِنْ علمٍ مبتدا مؤخر ہے اور من زائدہ ہے اور لا لآبائھم کا خبر پر عطف ہے اور بہ کی ضمیر کا مرجع قول ہے کَبُرَتْ فعل ماضی انشاء ذم کیلئے ہے اس میں ضمیر ھی فاعل ہے جو کہ مقالتھم کی طرف راجع ہے کلمۃً تمیز ہے تخرج جملہ ہوکر کلمۃ کی صفت ہے اور مقالَتُھُمْ المذکورۃ مخصوص بالذم ہے۔

تفسیری فوائد

قیمًا کے بعد مستقیمًا کا اضافہ تعیین معنی کیلئے ہے اس لئے کہ قیمًا دو معنی کیلئے استعمال ہوتا ہے ایک مستقیم سیدھا اور دوسرے مقوّم سیدھا کرنے والا، بعض نسخوں میں بالکتاب کے بجائے یُخَوِّفُ الکتابُ ہے اس صورت میں یُنذرُ کا فاعل کتاب ہوگی، پیش نظر نسخہ میں بالکتاب ہے لہٰذا یُنذرُ کا فاعل اللہ ہوگا یا پھر محمد ہوں گے، مِنْ قبلِ اللّٰہِ کے اضافہ کا مقصد من کے ابتدائیہ ہونے کی طرف اشارہ ہے اور ھو الجنۃ کے اضافہ کا مقصد فیہ کی ضمیر کا مصداق متعین کرنا ہے، اس لئے کہ ہ ضمیر اجرٌ کی طرف راجع ہے، مَنْ قَبْلَھُمْ یہ لِآبائھِمْ کا بیان ہے اور مراد وہ آباء ہیں جو خدا کیلئے اولاد کے قائل تھے، الاّ کے بعد مقولاً کا اضافہ کرکے بتادیا کہ کذبًا کا موصوف مقولاً محذوف ہے۔

تفسیر وتشریح

اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں (۱) حمد باری اور قرآن کریم کی عظمت (۲) نزول قرآن کے تین مقاصد (۳) حامل قرآن کی ذمہ داری کس قدر ہے؟ (۴) اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات کس مقصد کے لئے پیدا فرمائی، اور اس کائنات کا انجام کیا ہوگا؟

اجمال کی تفصیل

تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لئے ہیں جس نے اپنے خاص بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب نازل فرمائی،

یعنی وہ ذات جس نے کتاب نازل فرمائی تمام خوبیوں ر ہے، اور تمام تعریفوں کے لائق اور بہتر سے بہتر شکر کی مستحق ہے، اور تمام عیوب ونقائص اور کمزوریوں سے منزہ ہے، وحدہ لاشریک ہے، اور اس کتاب میں ذرا بھی کجی نہیں باقی رکھی، نہ لفظی، کہ فصاحت وبلاغت کے خلاف ہو اور نہ معنوی، کہ اس کا کوئی حکم حکمت کے خلاف ہو، اور نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ کافروں کو اپنے سخت عذاب سے ڈرائے، اور اہل ایمان کو جو اعمال صالح بھی کرتے ہیں آخرت میں اچھے انجام یعنی اجر حسن کی خوشخبری سنائے، اور کافروں میں سے بالخصوص اُن لوگوں کو ڈرائے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کا عقیدہ رکھتے ہیں، اولاد کا عقیدہ رکھنے والے کافروں کا عام کافروں سے الگ ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس باطل عقیدہ میں عرب کے عام لوگ اور یہود ونصاریٰ سب مبتلا تھے، نہ اس کی کوئی دلیل ان کے پاس ہے اور نہ ان کے آباء واجداد کے پاس تھی عقیدۂ اولاد کے بارے میں جو بات ان کی زبان سے نکلتی ہے یہ بہت بھاری بات ہے ادنیٰ عقل رکھنے والا شخص بھی اس کا قائل نہیں ہوسکتا۔

لَمْ یجعل له عوجًا سے جس مفہوم کو منفی انداز میں بیان کیا گیا ہے اسی مضمون کو **قَیِّمًا** کے ذریعہ مثبت انداز میں بیان کیا گیا ہے، اس لئے کہ مستقیم وہی شئی ہوتی ہے جس میں کجی نہیں ہوتی۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ مُهْلِكٌ نَّفْسَكَ علٰى آثَارِهِمْ بَعْدَهُمْ اى بعد تَوَلِّيْهِمْ عنك اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ القرآن اَسَفًا ۝ غَيْظًا وحُزْنًا مِنكَ لِحِرْصِكَ علٰى اِيمانهم ونَصْبُه على المفعول له اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ من الحيوان والنباتِ والشجرِ والانهارِ وغيرِ ذٰلك زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ لِنَخْتَبِرَ النَّاسَ ناظرين الى ذٰلك اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ فيه اى اَزْهَدُ لهٗ وَاِنَّا لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا فُتَاتًا جُرُزًا ۝ يَابِسًا لَا يُنْبِتُ .

ترجمہ

شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ قرآن پر ایمان نہ لائے تو خود کو افسوس کی وجہ سے غم وغصہ میں ہلاک کرلیں گے یعنی ان کے آپ سے اعراض کرنے کے بعد آپ کے ان کے ایمان پر حریص ہونے کی وجہ سے، اور **اَسَفًا** مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے بے شک ہم نے **زمین پر** جو کچھ ہے حیوانات اور نباتات اور اشجار وانہار وغیرہ کو زمین کے لئے زینت بنایا ہے تاکہ ہم ان لوگوں کو آزمائیں یعنی ان لوگوں کو آزمائیں جو اس کی طرف مائل ہیں، کہ ان میں سے کون **ما علی الارض** کے بارے میں عمل کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے، یعنی ان میں سے کون دنیا سے زیادہ بے رغبتی کرنے والا ہے اور ہم زمین کی تمام چیزوں کو چٹیل میدان کردیں گے یعنی خشک سپاٹ میدان بنادیں گے جو زراعت کے لائق نہ ہو۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

مُهْلِكٌ کا اضافہ بیان معنی کے لئے ہے **قوله** بَعْدَهم یہ آثار کی تفسیر ہے اور بَعْدَ تولیهم تفسیر کی تفسیر ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ان کافروں کے ایمان نہ لانے پر اتنا غم نہ کیجئے کہ خود کو ہلاک کر ڈالیں لَعَلَّ ترجی اور اشفاق کے لئے آتا ہے، مگر یہاں نہی کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی آپ کو اس قدر زیادہ غم کرنے سے منع کرنے کے لئے آثار اثرٌ کی جمع ہے، ان کے پیچھے یعنی ان کی فکر میں آپ خود کو ہلاک نہ کریں **قوله** اِنْ لَمْ یومنوا اس کی دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں (۱) اِنْ لم یومنوا شرط ہے اور ماقبل پر اعتماد کرتے ہوئے جزاء محذوف ہے یعنی **فلا تهلك نفسك** (۲) اِنْ لم یومِنُوا شرط مؤخر اور فَلَعَلَّكَ با... اء مقدم **قوله** اَسَفًا باخع کا مفعول لہ ہے یا باخع کی ضمیر سے حال ہے **قوله** لِحرصِكَ یہ علۃ العلۃ ہے یعنی آپ کو اتنا زیادہ غم کیوں ہے اس لئے کہ آپ ان کے ایمان پر حریص ہیں **قوله** اِنا جعلنا یہ جملہ مستانفہ ہے اگر جَعَلَ صَیَّرَ کے معنی میں ہو تو زینۃً اس کا مفعول ثانی ہوگا، لَهَا کا لام زینۃً سے متعلق ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کائنۃً سے متعلق ہو کر زینۃً کی صفت ہو، ما علی الارض مفعول اول ہے اور اگر جَعَلَ بمعنی خَلَقَ ہو تو زینۃً یا تو حال ہوگا یا پھر مفعول لہ **قوله** ناظرین الی ذٰلك یہ مِنَ الناس سے حال ہے **قوله** جُرُزًا صعیداً کی صفت ہے اس میں اسناد مجازی ہے اسلئے کہ جُرُز کے اصل معنی ایسی زمین کے ہیں جس کی گھاس کاٹ دی گئی ہو یہ ما علی الارض کا وصف قرار دیا ہے حالانکہ یہ ارض کا وصف ہے لہٰذا علاقہ مجاورت کی وجہ سے اسناد مجازی ہوگی۔

قوله اَیُّهُمْ بترکیب اضافی مبتداء ہے اور اَحْسَنُ اس کی خبر اور عَمَلاً تمیز ہے جملہ ہو کر نبلوا کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے فیه کی ضمیر کا مرجع ما علی الارض ہے مراد دنیا و مافیہا ہے **قوله** اَزْهَدُ لَهٗ یہ اَحْسَنُ عملاً کی تفسیر ہے **قوله** اَسَفًا کی تفسیر غَیْظًا وحُزْنًا سے کرنے کا مقصد تعیین معنی ہے اس لئے کہ اَسَفًا متعدد معنی کے لئے آتا ہے **قوله** من الحیوان والنبات یہ ما علی الارض کا بیان ہے **قوله** ناظرین الی ذٰلك سے اشارہ ہے کہ هُمْ ذوالحال ہے اور ناظرین اس سے حال ہے۔

تفسیر وتشریح

کافروں کے ایمان نہ لانے پر آپ اس قدر غم نہ کریں کہ خود کو ہلاک ہی کر ڈالیں، اس آیت میں نفس حزن سے منع نہیں کیا گیا اس لئے کہ کفر پر نفس حزن تو ایمان کی علامت ہے، آپ کو حد سے زیادہ غم کرنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ دنیا عالم امتحان ہے اس میں کفر و ایمان، خیر و شر دونوں رہیں گے اسی امتحان کے لئے ہم نے زمین کی چیزوں کو زمین کے لئے رونق بنایا ہے، تاکہ ہم اس کے ذریعہ لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں سے زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے

یعنی کون دنیا سے اعراض کرتا ہے اور کون اس دنیا کی زینت اور رونق پر مفتون ہو کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، غرضیکہ یہ عالم ابتلا ہے تکوینی طور پر کوئی مومن رہے گا اور کوئی کافر پھر حد سے زیادہ غم کرنا بیکار ہے، آپ تبلیغ ورسالت کا اپنا کام کرتے رہئے اور باقی معاملہ ہمارے اوپر چھوڑ دیجئے، چنانچہ ایک دن ایسا آئے گا کہ ہم زمین کو چٹیل میدان کر دیں گے۔

اَمْ حَسِبْتَ ای اَظَنَنْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَهْفِ الغارِ فی الجبل وَالرَّقِیْمِ اللَّوحِ المکتوبِ فیه اَسْمَائُهُمْ وَاَنْسَابُهُمْ وقد سُئِلَ صلی اللّٰهُ علیه وسلم عن قِصَّتِهِمْ کَانُوْا فی قِصَّتِهِمْ مِنْ جُمْلَةِ آیاتِنَا عَجَبًا۝ خَبَرُ کانَ وما قَبْله حالٌ ای کانوا عَجَبًا دون بَاقِی الآیاتِ اَوْ اَعْجَبَهَا لیس الامرُ کذٰلك اُذْکُرْ اِذْ اَوَی الْفِتْیَةُ اِلَی الْکَهْفِ جمع فَتًی وهو الشابُ الکاملُ خَائِفِین علی اِیمانِهم مِنْ قَومِهم الکُفَّارِ فَقَالُوْا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ مِنْ قِبَلِكَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ اَصْلِحْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۝ هِدَایَةً فَضَرَبْنَا عَلٰی آذَانِهِمْ ای اَنَمْنَاهُمْ فِی الْکَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا۝ مَعْدُوْدَةً ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ ای اَیْقَظْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ الفریقینِ المُخْتَلِفَیْنِ فی مُدَّةِ لُبْثِهِمْ اَحْصٰی فِعْلٌ بمعنی ضَبَطَ لِمَا لَبِثُوْا لِلُبْثِهِمْ مُتَعَلِّق بما بعده اَمَدًا۝ غَایَةً.

ترجمہ

کیا آپ خیال کرتے ہیں یعنی گمان کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے کہف پہاڑ کے غار کو کہتے ہیں اور رقیم وہ تختی تھی جس میں اصحاب کہف کے نام اور ان کے اسماء کندہ تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا قصہ معلوم کیا گیا تھا، کہ وہ اپنے قصہ کے اعتبار سے ہماری آیات (قدرت) میں کچھ زیادہ عجیب تھے عجبًا کان کی خبر ہے اور اس کا ماقبل (یعنی من آیاتنا) کانوا کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ آیات قدرت میں عجیب تھے نہ کہ باقی آیات، یا عجائبات میں زیادہ عجیب تھے۔ حقیقت حال ایسی نہیں ہے، اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب چند نوجوانوں نے ایک غار میں پناہ لی تھی فِتیةٌ فَتًی کی جمع ہے یعنی کامل نوجوان جب کہ وہ اپنے ایمان کے بارے میں اندیشہ کرتے ہوئے اپنی کافر قوم کے پاس سے نکلے تھے تو اس وقت انہوں نے یہ دعا کی اے ہمارے پروردگار تو ہم کو اپنے پاس سے یعنی اپنی خصوصی عنایت سے رحمت عطا فرما اور ہمارے معاملہ کو درست فرما تو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال کے لئے پردہ ڈال دیا یعنی ان کو گہری نیند سلا دیا پھر ہم نے ان کو اٹھایا یعنی بیدار کیا تاکہ ہم علم مشاہدہ کے طور پر معلوم کریں کہ ان کی مدت قیام میں اختلاف کرنے والے دو فریقوں میں سے کس نے ان کے قیام کی مدت کو یاد رکھا؟ اَحْصٰی فعل ماضی ہے ضَبَطَ کے معنی میں لِمَا لَبِثُوْا اپنے مابعد سے متعلق ہے اور اَمَدًا بمعنی غایت ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَمْ حَسِبْتَ میں اَم منقطعہ بمعنی استفہام انکاری ہے، یعنی اے محمد آپ کو یہ خیال نہ کرنا چاہئے **قوله** أنّ اَصْحَابَ الکھفِ جملہ ہوکر حسِبْتَ کا مفعول بہ ہے، اور کانوا مِن آیاتِنَا عَجَبًا جملہ ہوکر أنَّ کی خبر ہے اور عجبًا (آیة) محذوف کی صفت ہوکر أنّ کی خبر ہے، اور اصحاب الکھف أنّ کا اسم ہے کہف مفرد ہے جمع کھوف واکھُف ہے بمعنی غار، کہف اور غار میں فرق یہ ہے کہ غار تنگ اور چھوٹی ہوتی ہے اور کہف کشادہ اور بڑی ہوتی ہے رقیم بمعنی مرقوم، لکھا ہوا، نوشتہ، رقیم کے بارے میں مفسرین کے چھ قول ہیں (۱) اس بستی کا نام جہاں سے اصحاب کہف نکلے تھے (۲) اس پہاڑ کا نام ہے جس میں وہ غار ہے (۳) اصحاب کہف کے کتے کا نام ہے (۴) اس میدان کا نام ہے جو اس غار کے دامن میں واقع ہے (۵) وہ تختی جس میں اصحاب کہف کے نام ونسب وحالات لکھے ہوئے ہیں اور غار کے دہانے پر نصب تھی (۶) سیسہ کی وہ لوح جس پر اصحاب کہف کے نام کندہ کر کے شاہی خزانہ میں محفوظ کر دی گئی تھی، امام بخاریؒ نے اس قول کو اپنی صحیح میں تعلیقاً ذکر کیا ہے، حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو بخاری کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے **هَيِّئ** هَيِّئ تَهیئۃً سے فعل امر، اصلاح کرنا، درست کرنا، مہیا کرنا اَحصٰی باب افعال کا فعل ماضی ہے نہ کہ اسم تفضیل اس لئے کہ ثلاثی مزید سے اسم تفضیل افعل کے وزن پر نہیں آتا اَیُّ الحزبین بترکیب اضافی مبتداء احصٰی جملہ ہوکر خبر، احصٰی کی ضمیر کا مرجع کل واحد من الحزبین ہے، لِمَا لَبِثُوْا بواسطہ حرف جر احصٰی کا مفعول بہ ہے اور اَمَدًا تمیز ہے **قوله** ضَرَبْنَا علی آذانِھِمْ ضَرَبْنَا کا مفعول حجاباً محذوف ہے، کلام میں مجاز ہے اسلئے کہ القاء نوم کو ضرب حجاب سے تشبیہ دی ہے اور ضَرَبْنَا بمعنی انَمْنَا ہے **قوله** عدَدًا بمعنی معدودًا سنین کی صفت ہے

تفسیر وتشریح

مذکورہ آیات میں اصحاب کہف کے واقعہ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تا کہ اجمال کے بعد تفصیل جاننے کا شوق پیدا ہو، کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے کچھ زیادہ عجیب چیز تھے یا ہمارے عجائبات قدرت میں سب سے زیادہ عجیب چیز تھے، یعنی عجائبات قدرت اور حیرت انگیز نشانیاں تو ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں یہ بے ستونوں والا آسمان اور یہ عظیم کرۂ ارض اور یہ فلک بوس پہاڑ اور ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا اور سمندر کیا کچھ کم عجائبات قدرت ہیں جو تم غار والوں اور رقیم والوں کی داستان پوچھتے ہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے نزدیک اس واقعہ سے زیادہ کوئی حیرت زا، بات نہیں ہے، حالانکہ یہ واقعہ تو واقعات قدرت میں سے ایک معمولی واقعہ ہے۔

فائدہ: اصحاب کہف کے بعد، الرقیم اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اصحاب کہف متعدد ہیں (۱) ضحاک فرماتے ہیں کہ روم کے ایک شہر میں ایک غار ہے جس میں اکیس آدمی لیٹے ہوئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سور ہے ہیں (۲) ابن

عطیہ نے ملک شام میں ایک غار کا ذکر کیا ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں اور اس غار کے پاس ایک مسجد بھی ہے (۳) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ساحل عقبہ کے پاس فلسطین سے نیچے ایلہ کے قریب ایک غار ہے (۴) ایک واقعہ افسوس شہر کا بیان کیا گیا ہے جس کا اسلامی نام طرطوس ہے، یہ شہر ایشیائے کوچک کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔

غرض کہ اپنے دین وایمان کو بچانے کے لئے غار میں پناہ لینے کے متعدد واقعات ہوئے ہیں، قرآن کریم نے ان واقعات میں سے اصحاب کہف کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جن کے نام اور حالات سیسے کی لوح پر کندہ کر کے شاہی خزانہ میں رکھ لئے گئے تھے، چونکہ یہ نوجوان اونچے خاندان کے چشم وچراغ تھے ان کی اچانک گمشدگی ان کے اہل خاندان اور خود حکومت کے لئے تشویش کا باعث تھی، یہ چند نوجوان زمانہ کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر اور کافر حکمرانوں کے ظلم وستم سے بھاگ کر دین کی حفاظت کے لئے شہر سے نکل گئے تھے اور جنگل میں ایک غار میں پناہ لی تھی، وہاں انہوں نے بارگاہ ایزدی میں گڑگڑا کر دعاء کی، خدایا تو اپنی خاص مہربانی سے ہم کو نواز دے اور ہمارے دین کی حفاظت فرما اس لئے کہ ہم آپ کی مدد کے بغیر راہ راست پر قائم نہیں رہ سکتے، مخالفت کی آندھیوں کے جھکڑ چل رہے ہیں دشمن ہاتھ دھو کر ہمارے قتل کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اپنی جان کا تو ہمیں فکر نہیں کہیں دین کی رسی ہمارے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے، اللہ تعالیٰ نے ان شکستہ دل بندوں کی دعاء کو شرف قبولیت بخشا اور ان کی حفاظت کا بہترین انتظام فرما دیا۔

نَحْنُ نَقُصُّ نَقْرأُ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ ط بالصِّدْقِ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ○ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ قَوَّيْنَاها عَلٰى قول الحق اِذْ قَامُوْا بَيْنَ يَدَيْ مَلِكِهِم وقد اَمَرَهُمْ بالسُّجُودِ لِلْاَصْنَامِ فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖ اى غَيْرِهٖ اِلٰهًا لَقَدْ قُلْنَا اِذًا شَطَطًا ○ اى قَوْلًا ذَا شَطَطٍ اى اِفْرَاطٍ فِي الْكُفْرِ اِنْ دَعَوْنَا اِلٰهًا غَيْرَ اللّٰهِ تعالٰى فَرْضًا هٰؤُلَاءِ مُبْتَدأٌ قَوْمُنَا عَطْفُ بَيَانٍ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ آلِهَةً ط لَوْ لَا هَلا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ عَلٰى عِبَادَتِهِم بِسُلْطٰنٍ ۢ بَيِّنٍ ط بِحُجَّةٍ ظَاهِرَةٍ فَمَنْ اَظْلَمُ اى لَا اَحَد اَظْلَم مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ط بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ اِلَيْهِ تعالٰى قال بعضُ الفِتْيَةِ لِبَعْضٍ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوُوْا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ○ بِكَسْرِ المِيمِ وفتح الفاء وبالعَكْسِ وماتَرْتَفِقُوْنَ به مِن غَدَاءٍ وعَشَاءٍ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزَاوَرُ بالتشديد والتخفيف تَمِيْلُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ نَاحِيَتَهُ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ تَتْرُكُهُمْ وتَتَجَاوَزُ عَنْهم فلا تُصِيْبُهُمْ اَلْبَتَّةَ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ط مُتَّسَعٍ مِنَ الكَهْفِ يَنَالُهُمْ بَرْدُ الرِّيحِ ونَسِيْمُهَا ذٰلِكَ المذكور مِنْ آيٰتِ اللّٰهِ ط دَلَائِلِ قُدْرَتِهٖ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ج وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ع

ترجمہ

ہم آپ کو ان کا صحیح قصہ سناتے ہیں وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی دی تھی اور ہم نے ان کے دل قوی کر دئے تھے یعنی حق بات کہنے کے لئے قوی کر دیئے تھے جب وہ اپنے بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور اس بادشاہ نے ان کو بتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، تو انہوں نے کہہ دیا کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے ہم اس کو چھوڑ کر کسی غیر کی ہرگز بندگی نہ کریں گے اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم نے نہایت ہی غلط بات کی یعنی حد سے گذری ہوئی حرکت کی یعنی بالفرض اگر ہم نے اللہ کے علاوہ کسی غیر کی بندگی کی تو ہم کفر میں حد سے تجاوز کرنے والے ہوں گے یہ ہماری قوم ہے جس نے معبود حقیقی کو چھوڑ کر دوسرے معبود ٹھہرائے ہیں **ھٰؤلاء** مبتداء ہے **قومنا** عطف بیان ہے وہ ان پر یعنی ان کے معبود ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ یعنی کوئی کھلی دلیل، اس سے بڑا ظالم کون ہوگا یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں، جو اس کی طرف شریک کی نسبت کر کے اللہ پر بہتان باندھے، نوجوانوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا جب تم نے ان عابدین کو اور اللہ کے علاوہ ان کے معبودوں کو چھوڑ دیا ہے تو اب کسی غار میں پناہ لو، تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے لئے تمہارے کام میں سہولت مہیا کر دے گا، **مرفقًا** میم کے کسرہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کا عکس بھی، وہ صبح وشام کا کھانا کہ جس سے تم فائدہ اٹھاؤ گے اور جب سورج طلوع ہوتا ہے تو (اے مخاطب) تو دیکھے گا کہ وہ ان کی غار کی دائیں جانب کتراتا ہوا نکل جاتا ہے **تَزَّاوُرُ** تشدید اور بلا تشدید دونوں (درست ہے) اور جب ڈھلتا ہے تو ان سے بائیں جانب بچ کر نکل جاتا ہے یعنی ان کو چھوڑ کر کترا کر نکل جاتا ہے، جس کی وجہ سے یقیناً ان پر دھوپ نہیں پڑتی، حال یہ ہے کہ وہ غار کے کشادہ مقام میں ہیں کہ جہاں ان کو ٹھنڈی ہوا اور باد نسیم پہنچتی رہتی ہے یہ یعنی مذکورہ حالات اس کی نشانیاں یعنی اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں، وہ جس کی چاہے رہبری فرمائے وہ راہ راست پر ہے اور وہ جسے گمراہ کر دے ناممکن ہے کہ آپ اس کا کوئی کارساز اور رہنما پا سکیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

فِتْيَةٌ فَتًى کی جمع ہے جیسا کہ صِبْيَةٌ صَبِيٌّ کی جمع۔ نوجوان **قولہ** بالحق متلبسًا کے متعلق ہو کر یا تو نَقُصُّ کے فاعل سے حال ہے یا نَبَأً مفعول سے حال ہے اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ جملہ مستانفہ ہے یعنی ما ھو الخبر الصادق کا جواب ہے آمنوا بِرَبِّهِمْ جملہ ہو کر فتیة کی صفت ہے **قولہ** ربطنا (ن) ربطًا باندھنا، قوی کرنا لَنْ نَدْعُوَا فعل مضارع منصوب بلن جمع متکلم آخر میں واؤ جمع کا نہیں ہے بلکہ لام کلمہ ہے واؤ جمع کے مشابہ ہونے کی وجہ سے رسم قرآنی کے مطابق اس کے آخر میں الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا اور نہ پڑھنے کی علامت کے طور پر اس کے اوپر ایک چھوٹا

سا گول دائرہ بنا دیا جاتا ہے (یعنی) ہرگز نہیں پکاریں گے **قولہ** شَطَطًا (ن،ض) شطًا حد سے تجاوز کرنا حق سے بعید ہونا اِذْقَامُوْا ، رَبَطْنَا کا ظرف ہے فَاْوٗا میں فا جزائیہ ہے اور اِذِا عْتَزَلْتُمُوْهُمْ الخ شرط ہے واو اشباع کا ہے **قولہ** قولاً ذا شطَطٍ کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کیا ہے کہ شططًا حذف مضاف کے ساتھ مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا موصوف قولاً محذوف ہے اور اگر ذَا محذوف نہ مانیں تو مصدر کا حمل مبالغۃ ہوگا جیسا کہ زیدٌ عدلٌ میں ہے **قولہ** فرضًا ،فرضًا کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیر اللہ کی بندگی کرنے کا کسی قسم کا امکان نہیں ہے نہ عقلی نہ شرعی اور نہ اخلاقی اگر بفرض المحال ایسا ہو بھی جائے تو یہ بڑی بے جابات ہوگی **قولہ** هٰؤلاء مبتداء ہے اور اِتَّخَذُوْا من دون اللّٰهِ اس کی خبر ہے لولاَ کی تفسیر هَلاَّ سے کرکے اشارہ کردیا کہ لَوْ لَا تحضیضیہ ہے قَوْمُنَا،هٰؤلاء سے عطف بیان ہے نیز بدل بھی ہوسکتا ہے **قولہ** تَزَاوَرُ اصل میں تَتَزَاوَرُ تھا ایک تا حذف کردی گئی (فعل مضارع واحد مؤنث غائب) قوم کا آپس میں ایک دوسرے کی زیارت کرنا اور اگر اس کا صلہ عَنْ ہو تو انحراف کرنا اور اگر اصل تَزَّاوَرُ ہو تو ایک تا کو زا کیا اور زا کو زا میں ادغام کردیا تَقْرِضُهُمْ مضارع واحد مؤنث غائب،قرضًا کاٹنا، کتراتا، بچ کر نکل جانا ذَاتَ ذو کا مؤنث ہے، آیت میں ذات کا لفظ زائدہ ہے زینت کلام کے لئے ہے **قولہ** ذات الیمین و ذات الشِّمال تَزَاوَرُ کا ظرف مکان ہے **قولہ** ناحیتہٗ اس کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ذات الیمین اور ذات الشمال ظرف مکان ہیں، ای جهت الیمین و جهت الشمال وهم فی فجوةٍ جملہ حالیہ ہے **قولہ** مَنْ یهد اللّٰه فهو المهتد یہ جملہ درمیان قصہ میں معترضہ ہے، مقصد آپ کو تسلی دینا ہے۔

تفسیر و تشریح

اولاً اصحاب کہف کا قصہ اجمالاً بیان فرمایا اب نحنُ نقُصُّ سے تفصیلاً بیان فرماتے ہیں، ارشاد فرمایا ہم آپ سے اصحاب کہف کا قصہ صحیح صحیح بیان کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآنی بیان میں کوئی بات خلاف واقعہ نہیں ہے، اور ہو بھی کیسے سکتی ہے قرآن تو خالق کائنات کا کلام ہے جو کائنات کے ہر ذرہ سے واقف ہے البتہ لوگوں میں اصحاب کہف کا واقعہ مختلف طریقوں سے مشہور ہے ان میں صحیح وہ ہے جو ہم بیان کرر ہے ہیں، وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی بخشی تھی، یہ چند نوجوان ایک ظالم بادشاہ دقیانوس کے زمانہ میں تھے، بادشاہ غالی متعصب اور بت پرست تھا، اور جبر و اکراہ کے ذریعہ بت پرستی کی اشاعت کرتا تھا ان نوجوانوں نے سچا دین قبول کرلیا تھا، ان نوجوانوں کا تعلق اونچے گھرانوں اور عمائدین سلطنت سے تھا، حق تعالیٰ نے ان کو ایمان کی دولت سے نوازا تھا، یہ نوجوان کس مذہب پر تھے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ دین مسیحی پر تھے، لیکن علامہ ابن کثیر نے

مختلف قرائن سے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ مسیح علیہ السلام سے پہلے کا ہے مگر ترجیح اور راجح بات یہ ہے کہ یہ واقعہ پہلی صدی عیسوی کا ہے۔ (مزید تحقیق کے لئے قصص القرآن کی طرف رجوع کریں)

غرض کہ ان نوجوانوں کو شاہی دربار میں طلب کیا گیا ان نوجوانوں نے بے جھجک بغیر کسی خوف و ہراس کے ظالم بادشاہ کے روبرو اپنے ایمان کا اعلان کر دیا، اور اپنی ایمانی جرأت سے لوگوں کو حیرت زدہ کر دیا، ارشاد ربانی ہے "اور ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیئے جب وہ دربار میں بادشاہ کے روبرو جواب دہی یا دعوت دین دینے کے لئے کھڑے ہوئے تھے، تو انہوں نے اپنے پروردگار سے یوں دعاء کی، اے ہمارے پروردگار تو ہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے ہم تجھ کو چھوڑ کر کسی غیر کی بندگی نہ کریں گے، اور اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً بہت بے جا بات کرنے والے ہوں گے۔

یہ ہماری قوم جو معبود حقیقی کو چھوڑ کر دوسرے فرضی معبودوں کو اختیار کئے ہوئے ہے یہ ان کے معبود حقیقی ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں پیش نہیں کرتی؟ لہٰذا اس سے بڑا ظالم کوئی ہو ہی نہیں سکتا جو اللہ پر بہتان باندھے نوجوانوں کی یہ بات سن کر بادشاہ کو ان کی نوجوانی پر کچھ رحم آیا اور کچھ دیگر مشاغل مانع ہوئے اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ عمائدین سلطنت اور بڑے گھرانوں کے چشم چراغ تھے اس لئے یک لخت ان پر ہاتھ ڈالنا مصلحت کے خلاف تھا اس لئے ان کو چند روز کی مہلت دیدی، تاکہ وہ اپنے معاملہ میں غور کر لیں۔

ادھر یہ نوجوان دربار سے نکل کر مشورہ کے لئے بیٹھ گئے، اور یہ طے کیا کہ اب اس شہر میں قیام خطرہ سے خالی نہیں، مناسب یہ ہے کہ کسی قریبی غار میں روپوش ہو جائیں، اور واپسی کے لئے کسی مناسب وقت کا انتظار کریں۔

وَتَحْسَبُهُمْ لَوْ رَأَيْتَهُمْ أَيْقَاظًا اى مُنْتَبِهِيْنَ لِاَنَّ اَعْيُنَهُمْ مُفَتَّحَةٌ جمع يَقِظٍ بكسر القاف وَّهُمْ رُقُوْدٌ نِيَامٌ جمع رَاقِدٍ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ لِئَلَّا تَأْكُلَ الْاَرْضُ لُحُوْمَهُمْ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ يَدَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ بفناءِ الكهف وكانُوْا اِذَا انْقَلَبُوْا اِنْقَلَبَ وَهُوَ مِثْلُهُمْ فِي النوم واليَقْظَةِ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ بالتخفيف والتشديد مِنْهُمْ رُعْبًا بسُكون العين وضمها مَنَعَهُمُ اللّٰهُ بالرُّعب مِنْ دُخولِ اَحَدٍ عليهم وَكَذٰلِكَ كما فعلنا بهم ماذكرنا بَعَثْنٰهُمْ اَيْقَظْنَاهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ عَنْ حَالِهِمْ ومُدَّةِ لُبْثِهِمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۚ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ لِاَنَّهُمْ دخلُوا الكهفَ عندَ طلوعِ الشمس وبُعِثُوْا عند غُروبها فظَنُّوْا اَنَّهُ غروبُ يومِ الدُّخول ثم قَالُوْا مُتَوَقِّفِيْنَ فى ذٰلك رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۚ فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ بسكون الراء وكسرها بِفِضَّتِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ يقال اِنَّها المُسَمَّاةُ الآنَ طَرْطُوس

بفتح الراء فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا اَىُّ اَطْعِمَةِ المدينة اَحَلُّ فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا۝ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا يَطَّلِعُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ يَقْتُلُوْكُمْ بِالرَّجْمِ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِىْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اى اِنْ عُدْتُمْ فِى مِلَّتِهِمْ اَبَدًا۝

ترجمہ

اور اگر آپ ان کو دیکھیں تو بیدار محسوس کریں یعنی بیدار سمجھیں گے اس لئے کہ آنکھیں ان کی کھلی ہوئی ہیں (اَیقاظ) یَقِظٌ بکسر قاف کی جمع ہے حالانکہ وہ سو رہے ہیں رُقُود راقد کی جمع ہے اور ہم ان کو دائیں بائیں کروٹ بدلتے رہتے ہیں تاکہ زمین ان کے گوشت کو نہ کھا جائے اور ان کا کتا غار کے دہانے پر ہاتھ پھیلائے ہوئے بیٹھا ہے یعنی غار کے صحن میں اور جب اصحاب کہف کروٹ لیتے ہیں تو وہ بھی کروٹ لیتا ہے، یعنی نیند اور بیداری میں وہ کتا انہیں کے مانند ہے اور اگر آپ ان کو جھانک کر دیکھیں تو وہاں سے الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوں اور آپ کے اوپر دہشت غالب آ جائے (لملئتَ) لام کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے (رُعْبًا) عین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ نے رعب کے ذریعہ ان کی حفاظت فرمائی ہے تاکہ ان کے پاس کوئی داخل نہ ہو سکے اور اسی طرح یعنی جس طرح ہم نے ان کے ساتھ مذکورہ معاملات کئے اسی طرح ہم نے ان کو بیدار کر دیا تاکہ وہ اپنے احوال کے بارے میں اور غار میں قیام کی مدت کے بارے میں آپس میں پوچھ تاچھ کریں ان میں سے ایک سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ تم (غار میں) کتنی مدت ٹھہرے ہوگے، تو وہ کہنے لگے کہ ہم ایک دن یا اس سے بھی کم ٹھہرے ہوں گے اس لئے کہ وہ غار میں طلوع شمس کے وقت داخل ہوئے تھے، اور غروب کے وقت بیدار ہوئے تو وہ سمجھے کہ یہ دخول ہی کے دن کا غروب ہے، پھر کچھ غور کرنے کے بعد بولے تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے، اب کسی کو یہ چاندی کا روپیہ (سکہ) دیکر شہر بھیجو (بِوَرِقِكُمْ) میں راء کے سکون اور کسرہ دونوں درست ہیں، کہا جاتا ہے کہ اب اس شہر کو طرطوس فتحہ را کے ساتھ کہتے ہیں اور وہ اس بات کا خیال رکھے کہ کونسا کھانا ستھرا ہے یعنی شہر کا کونسا کھانا حلال ہے پھر اس میں سے وہ تمہارے لئے کچھ کھانا لے آئے اور اس کو چاہئے کہ بیدار مغزی سے کام لے اور ہرگز کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے اگر وہ تمہاری خبر پالیں گے تو یقیناً وہ تم کو یا تو سنگسار کر دیں گے یا اپنے دھرم میں واپس لے جائیں گے اور اس صورت میں تم ہرگز کامیاب نہ ہوگے، یعنی اگر تم ان کے دھرم میں واپس چلے گئے تو تم کبھی کامیاب نہ ہوگے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

الوَصِيْدُ دہلیز، آستانہ، چوکھٹ، شارح نے کشادہ جگہ یا صحن کے معنی مراد لئے ہیں، باسطٌ ذراعیہ، حکایت حال ماضیہ ہے اس لئے کہ اسم فاعل اگر ماضی کے معنی میں ہو تو عمل نہیں کرتا، بالوصید باسط سے متعلق ہے اور

ذِراعَیه باسطٌ کا مفعول بہ ہے فِرَارًا وَلَّیْتَ کا مفعول بغیر لفظہ ہے نیز وَلَّیتَ سے حال اور مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے رُعْبًا ای خوفًا تمیز کی وجہ سے منصوب ہے یا پھر وَلَّیْتَ کا مفعول ثانی ہے کَمَا فَعَلْنَا کے اضافہ کا مقصد کذٰلك کے مرجع کو ظاہر کرنا ہے **قولہ** بَعَثْنَا کی تفسیر اَیْقَظْنَا سے تعیین معنی کے لئے ہے اس لئے کہ بعثنا مختلف معنی میں مستعمل ہے یہاں بیدار ہونے کے معنی مراد ہیں لِیَتَسَاءَلُوْا میں لام عاقبۃ یا سببیہ کا ہے کَمْ ظرفیت کی وجہ سے محلًا منصوب ہے اس کا ممیز محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے کَمْ مدةً لبثتم قال قائل منهم، لیتساءلوا کا بیان ہے **قولہ** اَیُّهَا ازکٰی اَیُّهَا مرکب اضافی مبتداء ہے ازکٰی اس کی خبر ہے طعامًا تمیز ہے مضاف الیہ سے منقول ہے ای ازکی الطعامِ پھر جملہ ہو کر یَنْظُرُ کا مفعول بہ ہے اور اَیُّهَا کی ضمیر کا مرجع الاطعمه ہے جو کہ باہمی گفتگو کے وقت معہود فی الذہن ہے (دوسری ترکیب) اَیُّهَا میں ہا ضمیر کا مرجع مدینہ کو قرار دیا جائے اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی ای ینظرُ ایُّ اَهْلِهَا اَطْیَبُ طعامًا شہر کے باشندوں میں سے کھانے کے معاملہ میں کون پاکیزہ لوگ ہیں (فتح القدیر شوکانی)

قولہ اِذًا کے بعد اِنْ عُدتُّمْ نکال کر اشارہ کر دیا کہ اِذًا متضمن بمعنی شرط ہے اور لن تفلحوا اس کا جواب ہے

تفسیر وتشریح

اور اگر آپ یا کوئی بھی شخص ان کو دیکھتا تو بیدار محسوس کرتا حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے، کیونکہ اللہ نے اپنی قدرت سے ان کو نیند کے آثار وعلامات سے محفوظ رکھا تھا، اور وہ اس نیند کی مدت میں ہر چھ ماہ میں کروٹ لیتے تھے، اسی طرح ان کا کتا جو کہ ان کے ساتھ آگیا تھا ہر چھ ماہ میں کروٹ بدلتا تھا، اور وہ دہلیز یا فناء غار میں ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا، اصحاب کہف کے خداداد رعب وجلال کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ان کو جھانک کر دیکھتا تو مارے خوف کے ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا اور اس کے اندر دہشت سما جاتی، اور یہ تمام سامان حق تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے لئے جمع کر دئے تھے۔

فائدہ: حدیث کی رو سے بلا ضرورت کتا پالنا ممنوع ہے، البتہ ضرورت مثلاً شکار کے لئے یا گھر اور جانوروں کی حفاظت کے لئے کتا پالا جا سکتا ہے ورنہ اس کے ثواب میں دو قیراط یومیہ کمی ہو جائے گی، اصحاب کہف کا کتا از خود ساتھ ہو گیا تھا، یا ہو سکتا ہے اصحاب کہف کی شریعت میں مطلقاً کتا پالنا جائز ہو۔

وَكَذٰلِكَ كَمَا بَعَثْنَاهُمْ **اَعْثَرْنَا** اَطْلَعْنَا **عَلَيْهِمْ** قَوْمَهُمْ وَالْمُؤْمِنِيْنَ **لِيَعْلَمُوْا** اى قَوْمُهُمْ **اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِالْبَعْثِ **حَقٌّ** بِطَرِيْقِ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى اِنَامَتِهِمُ الْمُدَّةَ الطَّوِيْلَةَ وَاِبْقَائِهِمْ عَلٰى حَالِهِمْ بِلَا غِذَاءٍ قَادِرٌ عَلٰى اِحْيَاءِ الْمَوْتٰى **وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهَا ۚ اِذْ** معمول لِاَعْثَرْنَا **يَتَنَازَعُوْنَ** اى المؤمنون والكفار **بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ** اَمْرَ الْفِتْيَةِ فِي الْبِنَاءِ حَوْلَهُمْ **فَقَالُوْا** اى الْكُفَّارُ **ابْنُوْا عَلَيْهِمْ** اى حَوْلَهُم **بُنْيَانًا** يَسْتُرُهُمْ **رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ** اَمْرِ الْفِتْيَةِ وهم المؤمنون **لَنَتَّخِذَنَّ**

عَلَيْهِمْ حَوْلَهُمْ مَسْجِدًا۝ يُصَلّٰى فيه وفُعِلَ ذٰلك على باب الكهف سَيَقُوْلُوْنَ اى المتنازِعُون فِى عَدَدِ الفِتيَةِ فِى زَمَنِ النبى صلى اللّٰهُ عليه وسلم اى يقول بعضهم، هُمْ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ج وَيَقُوْلُوْنَ اى بعضهم خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ والقولانِ لِنصارىٰ نَجْرانَ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ج اى ظَنًّا فى الغَيْبَةِ عَنهم وهو رَاجِعٌ الى القَوْلَيْنِ مَعًا ونَصْبُه على المفعول له اى لِظَنِّهِمْ ذٰلك وَيَقُوْلُوْنَ اى المؤمنون سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ط الجُمْلَةُ مِنْ مُبْتَدَإٍ وَخَبرٍ صِفَةُ سَبْعَةٍ بِزِيَادَةِ الوَاوِ وقِيل تاكيدٌ اَوْ دلالةٌ على لُصُوقِ الصفة بالموصوف ووصفُ الاَوَّلَيْنِ بالرجم دون الثالث يدُلُّ على أنه مَرْضِيٌّ وصحيح قُلْ رَّبِّىْ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ۝ قف قال ابن عباس رضى اللّٰه عنه اَنَا مِنَ القليلِ وذَكَرَ،هُمْ سبعةٌ فَلَا تُمَارِ تُجَادِلْ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا بما اُنزل عليك وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ تَطْلُبِ الفُتْيَا مِنْهُمْ مِنْ اهلِ الكتٰبِ اليهودِ اَحَدًا۝ ع وساله اهلُ مكةَ عن خبرِ اهلِ الكهفِ فقال اُخبرُكم به غدًا ولم يقلْ ان شاء اللّٰه فنزَلَ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اى لِاَجْلِ شَيْءٍ اِنِّىْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا لا اى فيما يَسْتَقْبِلُ من الزمانِ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ز اى اِلَّا مُتَلَبِّسًا بِمَشِيَّةِ اللّٰهِ بِاَنْ تقولَ ان شاء اللّٰه وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اى مَشِيَّتَهُ مُعَلِّقًا بها اِذَا نَسِيْتَ التعليقَ بها ويكون ذِكْرُها بعدَ النِّسيانِ كَذِكرِهَا مع القولِ قال الحسَنُ وغيرُه ما دامَ فِى المجلسِ وَقُلْ عَسٰى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّىْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا مِنْ خبرِ اهلِ الكهفِ فى الدَّلالةِ على نبوَّتى رَشَدًا۝ هدايةً وقَدْ فعل اللّٰهُ تعالٰى ذٰلك وَلَبِثُوْا فِى كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ بالتَّنوِينِ سِنِيْنَ عَطْفُ بَيانٍ لِثلاثِ مِائَةٍ وهٰذه السِّنونَ الثلاثُ مائةٍ عند اهلِ الكتابِ شمسيةٌ وتَزِيدُ القمريةُ عليها عند العربِ تِسْعَ سنين وقد ذُكِرتْ فى قوله وَازْدَادُوْا تِسْعًا۝ اى تِسْعَ سنين فالثلاثُ مائةِ الشَّمْسِيَّةُ ثلاثُ مائةٍ وتسعٌ قمريةٌ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ج مِمَّنِ اختلفوا فيه وهو ما تقدَّم ذكرُهُ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اى عِلمُه اَبْصِرْ بِهٖ اى باللّٰهِ هى صِيغةُ تعجُّبٍ وَاَسْمِعْ ط بهٖ كذالك بمعنى ما ابصرهُ ومَا اَسْمَعَهُ وهما على جهةِ المَجازِ والمراد انه تعالٰى لايَغِيبُ عن بَصرِهِ وسمعِهِ شيٌ مَالَهُمْ لِاَهْلِ السَّمٰواتِ والاَرْضِ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ج ناصرٍ وَّلَايُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖ اَحَدًا۝ لانه غنىٌّ عن الشريك.

ترجمہ

اور ہم نے اسی طرح جس طرح کہ ان کو بیدار کیا، ان کے حالات پر ان کی قوم کو اور مومنین کو مطلع کر دیا تا کہ ان کی قوم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا بعث بعد الموت کا وعدہ حق ہے، اس طریقہ پر کہ جو ذات اصحاب کہف کو ایک طویل زمانہ

تک سلانے اور ان کو بغیر غذا کے اپنے حال پر باقی رکھنے پر قادر ہے وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں ہے اِذْ، اَعْثَرْنَا کا معمول ہے اور جبکہ مومنین اور کفار آپس میں ان نوجوانوں کے لئے (یادگار کے طور پر) عمارت کے بنانے میں اختلاف کر رہے تھے، چنانچہ کفار نے کہا ان کے اردگرد کوئی یادگاری عمارت بنا دو کہ جوان کو مستور کر دے ان کا رب ان کے احوال سے خوب واقف ہے (آخر کار) ان لوگوں نے جوان نوجوانوں کے معاملہ میں غالب رہے اور وہ مومنین تھے کہا ہم تو ان کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائیں گے تا کہ اس میں نماز پڑھی جائے، چنانچہ غار کے دہانے پر مسجد بنوادی گئی، نوجوانوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف کرنے والوں کا قصہ جب آپ کے زمانہ میں (لوگوں) کو سنایا جائے گا تو ان میں سے بعض لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور بعض کہیں گے پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا اور یہ دونوں قول نجران کے نصاریٰ کے ہیں اور یہ لوگ بلا تحقیق انکل سے ہانک رہے ہیں (یعنی) ان کے بارے میں اندازے سے کہہ رہے ہیں اور رجمًا بالغیب کا تعلق مذکورہ دونوں قولوں سے ہے، اور رجماً کا نصب مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ہے ای نَظُنُّھُمْ لذلِکَ اور مومن کہیں گے سات تھے آٹھواں ان کا کتا تھا جملہ مبتداء اور خبر سے مل کر واؤ کی زیادتی کے ساتھ سبعۃ کی (بلا لحاظ تاکید) صفت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واؤ زائدہ ہے تاکیدی معنی کے ساتھ، صفت کے موصوف کے ساتھ لاحق ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اول دونوں قولوں کا رجم بالغیب کے ساتھ متصف ہونا نہ کہ تیسرے کا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تیسرا قول ہی پسندیدہ اور صحیح ہے (تاکیدًا اَوْ دلالۃً میں اَوْ بمعنی مع ہے) آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کی تعداد کو بخوبی جانتا ہے اور ان کی صحیح تعداد بہت کم لوگ جانتے ہیں، ابن عباسؓ نے فرمایا میں ان کم لوگوں میں سے ہوں اور فرمایا کہ وہ سات ہیں لہٰذا آپ اس معاملہ میں بجز سرسری بحث کے زیادہ بحث نہ کیجئے جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور آپ اصحاب کہف کے معاملہ میں ان میں سے کسی سے یعنی اہل کتاب سے کچھ معلوم نہ کیجئے اور اہل مکہ نے اصحاب کہف کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کیا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا اس کے بارے میں کل جواب دوں گا مگر آپ ﷺ نے ان شاء اللہ نہیں کہا تھا تو اس بارے میں آئندہ آیات نازل ہوئیں اور آپ کسی کام کی نسبت ہرگز یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کر دوں گا یعنی زمانہ آئندہ میں کسی بھی کام کے بارے میں (نہ کہا کریں کہ کل کر دوں گا) مگر یہ کہ آپ ان شاء اللہ کہہ لیا کریں یعنی ان شاء اللہ کہتے ہوئے اللہ کی مشیت کو شامل فرما لیا کریں اور اگر آپ ان شاء اللہ کہنا بھول جائیں تو آپ اپنے رب کو یعنی اس کی مشیت کو یاد کر لیا کریں اس طریقہ پر کہ وعدہ کو مشیت سے معلق کر دیا کریں اور نسیان کے بعد یہ ان شاء اللہ کہہ لینا اس کے بروقت (ان شاء اللہ) کہنے کے مانند ہوگا، حضرت حسن وغیرہ نے فرمایا کہ یہ اس وقت صحیح ہوگا کہ (قائل) اسی مجلس میں موجود ہو (یعنی مجلس نہ بدلی ہو) اور آپ کہہ دیں کہ مجھ کو امید ہے کہ میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ (نبوت پر دلالت کرنے والی) دلیل کی طرف میری رہنمائی فرمائے گا، یعنی اصحاب کہف کی خبر سے بھی زیادہ میری نبوت پر دلالت کرنے والی اور اللہ

تعالیٰ نے ایسا کر (بھی) دیا اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو برس ٹھہرے، مأۃٍ تنوین کے ساتھ ہے سنین ثلاث مأۃٍ کا بیان ہے اور یہ تین سو سال اہل کتاب کے نزدیک شمسی حساب سے ہیں اور قمری حساب سے عرب کے نزدیک تین سو پر نو سال اور مزید ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قول وازدادوا تسعا میں ذکر کئے گئے ہیں لہٰذا تین سو سال شمسی حساب سے ہیں اور تین سو نو سال قمری حساب سے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قیام کی مدت کو خوب جانتا ہے یعنی ان لوگوں سے جو ان کی تعداد میں اختلاف کر رہے ہیں، اس کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے اسی کو آسمانوں اور زمین کے پوشیدہ راز معلوم ہیں وہ ان مغیبات کے علم کو کیسا کچھ دیکھنے والا اور کیسا کچھ جاننے والا ہے اَبْصِرْ بہٖ ای باللہِ (بہ میں با فاعل پر داخل ہے) یہ صیغہ تعجب ہے اور اَسمِع بہ بھی صیغہ تعجب ہے اور معنی میں ما ابصرہ اور ما اسمعہٗ کے ہے اور ان دونوں صیغوں کا استعمال باری تعالیٰ کے لئے بطور مجاز ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سمع و بصر (یعنی علم ازلی) سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے اور لوگوں کے لئے یعنی اہل الارض والسماء کے لئے اس کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے اس لئے کہ وہ شریک سے مستغنی ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ اَعْثَرْنَا اِعْثَارًا (افعال) واقف کرنا، مطلع کرنا **قولہ** قومَھُم والمومنونَ یہ اَعْثرنا کا مفعول بہ محذوف ہے **قولہ** لِیَعلَمُوْا اعثَرْنَا کے متعلق ہے وانَّ السَّاعۃَ کا عطف، انَّ وَعدَ اللّٰہ پر ہے **قولہ** یَسترھم جملہ ہوکر بنیانًا کی صفت ہے ثلثۃٌ ھُمْ مبتداء محذوف کی خبر ہے، کما اشارہ الیہ الشارح **وقولہ** رابِعُھُمْ کلبُھُمْ مبتداء خبر سے مل کر ثلثۃ کی صفت ہے ایسی ہی ترکیب بعد میں آنے والے دونوں جملوں میں ہوگی، **قولہ** رجمًا بالغیب یَرْمُوْنَ کا مفعول مطلق ہے ای یَرْمُوْنَ رَمیًا حال بھی ہوسکتا ہے ای راجمین بالغیب **قولہ** رابِعُھُمْ کلبھم حال ہونے کی وجہ سے محلًا منصوب ہے ای حالَ کون کلبھم جاعِلَھُمْ اربعۃً بانضمامہٖ الیھم وثامِنُھُمْ واؤ زائدہ ہے تاکیدی معنی کا لحاظ کئے بغیر، یا تاکیدی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے، یعنی اتصاف موصوف بالصفت کی تاکید کے لئے یعنی دلالت کے لئے ہے، اس لئے کہ موصوف جب صفت کے ساتھ متصف ہوگا تو موصوف کا وجود لازمی ہوگا کیونکہ صفت موصوف کے بغیر موجود نہیں ہوسکتی، مطلب یہ ہوا کہ اصحاب کہف کتے کے ساتھ مل کر آٹھ ہوگئے یعنی وہ سات تھے کتا آٹھواں ہوا **قولہ** اَوْ دلالۃً میں او عاطفہ تفسیریہ (بمعنی) ای ہے، یعنی تاکیدٗ بمعنی دلالۃً ہے تاکید یعنی دلالۃ علی لصوق الصفۃ بالموصوف پر دلالت کرنے کے لئے (لہٰذا یہ دو قول ہوئے) **قولہ** ربِّی اعلم بہ یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے **قولہ** فی الدلالۃ، اَقْرَبُ سے متعلق ہے رَشَدًا، لَیَھْدِیَن کا مفعول مطلق بغیر لفظہٖ ہے اور اقرَبُ سے تمیز واقع ہونا بھی صحیح ہے ای لِاَقرَبَ ھدایۃً مِن ھذا مأۃ، ثلث کی تمیز ہے اور سنین مأۃ کا

عطف بیان یا بدل ہے اس لئے کہ مأۃ کی تمیز عام طور پر مفرد مجرور ہوتی ہے ایک قرأۃ میں **ماۃ سنین** اضافت کے ساتھ ہے اس صورت میں **سنین** ، **ماۃ** کی تمیز ہوگی اور جمع محل میں مفرد کے ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول **بالأخسرین أعمالاً** میں۔

تفسیر وتشریح

ان آیات پر اصحاب کہف کا قصہ ختم ہو رہا ہے ان آیات میں پانچ باتیں بتائی گئی ہیں جو اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عرصۂ دراز کے بعد اصحاب کہف کے بیدار ہونے میں اور لوگوں کو ان کا حال معلوم ہونے میں کیا حکمت تھی؟

(۲) لوگوں میں اصحاب کہف کے بارے میں بعض باتوں میں اختلاف رونما ہوا ایک فریق غار پر ایک یادگاری عمارت بنانا چاہتا تھا اور دوسرا مسجد، دوسرا فریق غالب آیا اور مسجد تعمیر کر دی گئی۔

(۳) اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں اختلاف رونما ہوا، اس سلسلہ میں مختلف اقوال ذکر کر کے صحیح تعداد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۴) آخر میں یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ اصحاب کہف کا جس قدر واقعہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے اسی پر اکتفا کیا جائے، مزید بحث نہ کی جائے، نیز اس سلسلہ میں دوسروں سے قطعاً معلومات حاصل نہ کی جائیں اور اگر ان کی کوئی بات آئندہ بتانے کا وعدہ کیا جائے تو انشاء اللہ کہہ لیا جائے۔

(۵) اصحاب کہف کتنی مدت تک سوتے رہے؟

وکذٰلک أعثرنا علیھم یعنی جس طرح ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے اصحاب کہف کو سالہا سال سلایا اور بیدار کیا اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حالات سے مطلع بھی کر دیا۔

اصحاب کہف کو سالہا سال تک سلانے اور پھر بیدار کرنے میں حکمت کیا تھی؟

اصحاب کہف کا راز اہل شہر پر اس لئے منکشف کیا گیا تھا کہ ان کا عقیدۂ آخرت مضبوط ہو اور یقین آجائے کہ مرنے کے بعد قیامت کے روز سب کو دوبارہ زندہ ہونا ہے۔

اصحاب کہف کا بیدار ہونا

تفسیر قرطبی میں اس کا مختصر قصہ اس طرح لکھا ہے: جس بادشاہ کے عہد میں اصحاب کہف شہر سے نکلے تھے اس کا نام دقیانوس تھا اور ظالم اور مشرک تھا وہ مر چکا تھا اور اس پر صدیاں گذر گئیں تھیں اور جس زمانہ میں اصحاب کہف بیدار ہوئے

تھے شہر پر اہل حق کا قبضہ تھا اور ان کا بادشاہ ایک نیک صالح آدمی تھا جس کا نام بیدوسیس تھا (مظہری) قیامت کے بارے میں اور مردوں کو زندہ ہونے کے بارے میں شدید اختلاف چل رہا تھا ایک فرقہ اس بات کا قطعاً منکر تھا کہ جسم کے گلنے سڑنے اور ریزہ ریزہ ہوجانے کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہوجائے گا، بادشاہ ان گمراہ لوگوں کے بارے میں بہت فکر مند تھا کہ کس طرح ان کے شکوک وشبہات دور کئے جائیں جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو اس نے ٹاٹ کے کپڑے پہن کر اور راکھ کے ڈھیر پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ التجا کی کہ خدایا آپ ہی کوئی ایسی صورت پیدا فرمادیں کہ ان لوگوں کا عقیدہ درست ہوجائے اور یہ راہ راست پر آجائیں۔

اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ اصحاب کہف بیدار ہوئے، بیدار ہونے کے بعد ان میں یہ بحث چھڑ گئی کہ ہم کتنی مدت سوئے ہیں؟ کوئی کہتا تھا کہ ایک دن سوئے ہوں گے دوسرا کہتا کہ ایک دن سے بھی کم سوئے ہوں گے، بحث نے جب طول پکڑا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا اس فضول بحث کو چھوڑو اور کام کی بات کرو بھوک لگ رہی ہے لہٰذا کچھ کھانے پینے کی بات کرو، چنانچہ انہوں نے اپنے ایک شخص کو جس کا نام تملیخا بتایا جاتا ہے بازار میں کھانا لانے کے لئے بھیج دیا، اور یہ تاکید کردی کہ ہوشیاری اور بیدار مغزی سے کام لے، اور کسی کو ہماری خبر نہ ہونے دے اور اس بات کا بھی خیال رکھے کہ کھانا حلال اور پاکیزہ ہو اس لئے کہ اہل شہر کی اکثریت بت پرستوں کی ہے ایسا نہ ہو کہ غیر شرعی طور پر ذبح کیا ہو، چنانچہ تملیخا نے ایک دوکان سے کھانا خرید کر تین سو سال پہلے کا سکہ نکال کر دکاندار کو دیا تو دکاندار حیران رہ گیا کہ یہ سکہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ بازار کے دیگر دکانداروں کو بھی دکھلایا سب نے یہ کہا کہ اس شخص کو کہیں سے پرانا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے، اس شخص نے انکار کیا کہ مجھے کوئی خزانہ نہیں ملا بلکہ یہ روپیہ میرا ہے، بات بڑھ گئی بازار والوں نے اس کو بادشاہ کے سامنے پیش کردیا، یہ بادشاہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ نیک صالح اور اللہ والا تھا اور اس نے سلطنت کے خزانہ میں وہ تختی بھی دیکھی تھی کہ جس میں اصحاب کہف کے نام اور ان کے فرار ہونے کا واقعہ لکھا ہوا تھا بادشاہ نے اس تختی کی روشنی میں حالات کی تحقیق کی تو اس کو اطمینان ہوگیا کہ یہ انہی لوگوں میں سے ہے، بادشاہ نے کہا میں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ مجھے ان لوگوں سے ملادے جو دقیانوس کے زمانہ میں اپنا ایمان بچا کر بھاگے تھے، بادشاہ اس سے بہت خوش ہوا اور کہا شاید اللہ تعالیٰ نے میری دعاء قبول فرمالی ہے، اور اس شخص سے کہا کہ ہم کو اس غار پر لے چلو جہاں سے تم آئے ہو، بادشاہ ایک بڑے مجمع کے ساتھ غار پر پہنچا اور جب غار قریب آیا تو تملیخا نے کہا کہ آپ ذرا ٹھہریں میں جا کر اپنے ساتھیوں کو حقیقت حال سے باخبر کردوں تاکہ وہ گھبرا نہ جائیں، اس کے بعد روایات میں اختلاف ہے، ایک روایت میں یہ ہے کہ تملیخا نے غار میں جا کر ساتھیوں کو تمام حالات سنائے کہ اب بادشاہ مسلمان ہے اور قوم بھی مسلمان ہے وہ سب ملاقات کے لئے آئے ہیں، اصحاب کہف اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کا استقبال کیا پھر وہ اپنے غار میں واپس چلے گئے، اکثر روایات میں یہ ہے کہ جس وقت اس ساتھی نے غار میں

پہنچ کر باقی حضرات کو یہ پورا واقعہ سنایا اسی وقت سب کی وفات ہوگئی بادشاہ سے ملاقات نہ ہوسکی، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ملاقات کے بعد اصحاب کہف نے بادشاہ اور اہل شہر سے کہا اب ہم آپ سے رخصت چاہتے ہیں اور غار کے اندر چلے گئے اسی وقت اللہ نے ان کو وفات دیدی، واللہ اعلم بالصواب۔ (قرطبی بحوالہ معارف القرآن ملخصاً)

بہرحال جب اہل شہر کے سامنے قدرت الٰہی کا یہ عجیب واقعہ ظاہر ہوگیا تو سب کو یقین ہوگیا کہ جس ذات کی قدرت میں یہ داخل ہے کہ تین سو سال تک انسانوں کو بغیر غذا اور دیگر سامان زندگی کے زندہ رکھ سکتا ہے اور طویل عرصہ تک سلانے کے بعد پھر صحیح سالم قوی اور تندرست اٹھا سکتا ہے تو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ مرنے کے بعد بھی ان کو مع اجسام کے زندہ کردے، اس واقعہ سے ان کے انکار کا سبب دور ہوگیا کہ حشر اجساد کو مستبعد اور خارج از قدرت سمجھتے تھے اب معلوم ہوا کہ مالک الملکوت کی قدرت کو انسانی قدرت پر قیاس کرنا خود جہالت ہے، اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا لِيَعْلَمُوْا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حق وَاَنَّ السَّاعَةَ لَارَيْبَ فِيهِ۔

اس واقعہ کے بعد تمام شہر والے اصحاب کہف کی بزرگی اور تقدس کے قائل ہوگئے تھے، اب ان میں اس بات میں اختلاف ہوا کہ ان کی یادگار کے طور پر غار پر کیا بنایا جائے؟ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ غار کے پاس کوئی یادگاری عمارت تعمیر کردی جائے کہ جو لوگوں کے لئے تفریح گاہ بھی ہو اور ان بزرگوں کے لئے یادگار بھی، اور کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ایک مسجد تعمیر کردی جائے تاکہ زائرین کے لئے سہولت ہو اور ان اہل اللہ کو اجر بھی پہنچے۔

مسئلہ: اگر کسی نیک آدمی کی قبر پر زائرین بکثرت آتے ہوں تو ان کے قیام اور نماز نیز دیگر سہولتوں کے لئے قریب میں مسجد بنانا جائز ہے بشرطیکہ وقف قبرستان میں نہ بنائی جائے اور جن احادیث میں انبیاء کی قبروں پر مسجد بنانے پر لعنت آئی ہے ان سے مراد خود قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ہے جو بالاتفاق شرک اور حرام ہے۔

مسئلہ: کسی مسجد کے پاس یا کسی مکان میں کسی کی تدفین جائز نہیں مردوں کی تدفین قبرستانوں ہی میں ہونی چاہئے، حدیث شریف میں ہے صَلُّوْا فِي بُيُوْتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا (ترمذی شریف، ج۱، ص۶۰) یعنی اپنے گھروں میں نماز پڑھو، ان کو قبریں نہ بناؤ، آپ ﷺ کی تدفین جو مکان میں ہوئی یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

اصحاب کہف کی تعداد کیا تھی؟

سیقولون ثلثة رابعهم کلبهم اصحاب کہف کی تعداد میں اختلاف کرنے والوں میں دو احتمال ہیں، اول یہ کہ یہ وہی لوگ ہوں جن کا اختلاف اصحاب کہف کے زمانہ میں ان کے نام ونسب کے بارے میں ہوا تھا جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں آیا ہے (کمافی البحر) اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ سیقولون کی ضمیر نصاری نجران کی طرف راجع ہو جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں مناظرہ کیا تھا ان کے تین فرقے تھے ایک فرقہ ملکانیہ کے نام سے موسوم تھا اس نے تعداد کے متعلق پہلا قول کیا یعنی تین کا عدد بتایا، اور دوسرا فرقہ یعقوبیہ تھا اس نے دوسرا قول

یعنی پانچ ہونا بتایا، تیسرا فرقہ نسطوریہ تھا اس نے تیسرا قول یعنی سات ہونا اختیار کیا، بعض حضرات جن میں مفسر علام بھی شامل ہیں اس بات کے قائل ہیں کہ تیسرا قول مسلمانوں کا تھا اور پہلے دونوں نصاریٰ نجران کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور قرآن کریم کے اشارہ سے تیسرے قول کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ (بحر محیط)

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میں ان کم لوگوں میں سے ہوں کہ جن کو اصحاب کہف کی صحیح تعداد معلوم ہے، اصحاب کہف سات تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دونوں قول رجماً بالغیب فرما کر رد کر دئے ہیں اور تیسرے قول کی تردید نہیں فرمائی۔

وثامنهم كلبهم قرآن کریم نے اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں تین قول نقل کئے ہیں، تین، پانچ، سات، اور ہر ایک کے بعد کتے کو شمار کیا گیا ہے لیکن پہلے دو قول میں ان کی تعداد اور کتے کے شمار میں واؤ عاطفہ نہیں لایا گیا، ثلثة رابعهم كلبهم، خمسة سادسهم كلبهم یہ دونوں قول بلا واؤ عاطفہ کے آئے ہیں اور تیسرا قول سبعة وثامنهم كلبهم واؤ کے ساتھ لایا گیا ہے، اس کی وجہ حضرات مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ عرب کے لوگوں میں عدد کی پہلی گرہ سات کی ہوتی تھی، سات کے بعد جو عدد آئے وہ الگ شمار ہوتا تھا، قرآن کریم میں بھی اس کا استعمال متعدد جگہ ہوا ہے، کما فی قوله تعالیٰ وفتحت ابوابها وقوله تعالیٰ ثيبات وابكارا، جیسا کہ آج کل نو کا عدد اس کے قائم مقام ہے کہ نو تک اکائی ہے اور دس سے دہائی شروع ہوتی ہے گویا کہ یہ دونوں الگ الگ عدد ہیں اس لئے تین سے سات تک واؤ عاطفہ کے ساتھ الگ کر کے بتلاتے تھے اور اسی لئے اس واؤ کو واؤ ثمان کا لقب دیا تھا یہ واؤ محض زائدہ بھی ہوسکتا ہے اور زائدہ مع التاکید بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ یہ واؤ الصاق موصوف بالصفت اور تاکید پر دلالت کرتا ہے بایں طور کہ جب کسی موصوف کو یقین کے ساتھ متصف بالصفت کیا جائے تو موصوف کا وجود یقینی ہوگا اس لئے کہ صفت موصوف کے بغیر موجود نہیں ہوسکتی ثامنهم یہ سبعة کی صفت ہے یعنی وہ سات کہ جن کو آٹھ کرنے والا کتا ہے یعنی اصحاب کہف سات ہیں اور ان کو آٹھ کرنے والا کتا ہے، ثامنهم كلبهم واؤ کے ساتھ مستقل جملہ کی صورت میں ذکر کرنا یہ عزم اور پختگی کو ظاہر کرتا ہے یعنی آٹھواں کتا ہونا یقینی ہے تو اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اصحاب کہف سات تھے، مفسر کے قول قيلَ تاكيدٌ اَوْ دلالةٌ على لصُوقِ الصفةِ بالموصوفِ میں اَوْ عاطفہ تفسیریہ ہے یعنی معطوف علیہ اور معطوف کا مفہوم ایک ہی ہے۔

اصحاب کہف کے اسماء

کسی صحیح حدیث سے اصحاب کہف کے نام صحیح صحیح ثابت نہیں ہیں تفسیری اور تاریخی روایات میں نام مختلف بیان کئے گئے ہیں ان میں اقرب وہ روایت ہے جس کو طبرانی نے معجم اوسط میں بسند صحیح حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کیا

ہے کہ ان کے نام یہ ہیں: ۱ مُکْسَلْمِینَا ۲ تَمْلِیْخا ۳ مَرْطُونَسْ ۴ سَنُوْنَسْ ۵ سَارِیْنُوتَسْ ۶ ذُو
نَوَاسْ ۷ کَعَسْطَطْیُوْنُسْ.

اسماء اصحاب کہف بعض حضرات نے یہ بتائے ہیں، جیسا کہ صاوی وحاشیہ علی الجلالین میں مذکور ہیں:

۱ مَکْسَلْمِیْنَا ۲ تَمْلِیْخا ۳ مَرْطونَسْ ۴ یَنُوْنَسْ ۵ سَارْبُولَسْ ۶ ذُو نواس
۷ فَلْیَسْتَطْیُونَسْ یہ آخری شخص چرواہا تھا جو کہ راستہ سے ساتھ ہو گیا تھا اس کے ساتھ ایک کتا بھی تھا جس کا نام قطمیر بتا
گیا ہے، نیشاپوری نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے حاشیہ جلالین پر اصحاب کہف کے نو فوائد درج کئے ہیں نیز حاشیہ
صاوی پر بھی درج ہیں طلب وہرب (بھاگنے) کے لئے آگ بجھانے کے لئے، اگر کسی کاغذ وغیرہ پر لکھ کر آگ میں
ڈالدیا جائے تو اللہ کے حکم سے وہ آگ بجھ جائے گی، بچوں کے رونے کے لئے اور تیسرے دن کے بخار کے لئے اور
دردسر کے لئے دائیں بازو پر باندھیں، اور ام صبیان اور دریائی یا خشکی کے سفر اور مال و پھلوں کی حفاظت کے لئے اور تر
ذہن کے لئے اور قتل سے نجات کے لئے حاشیہ جلالین پر استعمال کی مندرجہ ذیل ترکیب لکھی ہے، بچہ کے رونے کے لئے
تکیہ کے نیچے رکھا جائے اور کھیتی کی حفاظت کے لئے کسی کاغذ وغیرہ پر لکھ کر کھیت کے درمیان کسی اونچی لکڑی پر آویزاں
کردیا جائے، شدید درد، تیسرے دن کے بخار سر کے درد اور حاکم یا سلاطین کے پاس جانے کے وقت دائیں ران پر
باندھا جائے اور عسر ولادت کے لئے بائیں ران پر باندھا جائے۔

فلا تُمار الا مراء ظاهرا الخ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور امت کو ان دونوں جملوں سے یہ ہدایت دی گئی
ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف پیش آئے تو جس قدر ضروری بات ہے اس کو واضح کر کے بیان کردیا جائے اس کے
بعد بھی لوگ غیر ضروری بحث میں الجھیں تو ان کے ساتھ سرسری گفتگو کر کے بات ختم کردی جائے اپنے دعویٰ کے اثبات
اور ان کی بات کی تردید میں بہت زور لگانے سے گریز کیا جائے اور وقت کو ضائع نہ کیا جائے، اس لئے کہ اس کا کوئی
خاص فائدہ نہیں ہوگا، اس سے باہم تلخی پیدا ہونے کا بھی خطرہ ہے، دوسرے جملہ میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وحی الٰہی کے
ذریعہ قصہ اصحاب کہف کی جتنی معلومات آپ کو دیدی گئی ہیں ان پر قناعت فرمائیں کہ وہ بالکل کافی ہیں زائد کی تحقیق اور
لوگوں سے سوال وغیرہ کے چکر میں نہ پڑیں۔

قوله تعالیٰ ولاتقولن لشایئ الخ ای لِاَجل شیٍٔ تعزم علیه فیما یستقبل من الزمان، فعبّر بالغد
لاجل شئ کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ کہیں مخاطب غدًا سے محض غد ہی نہ سمجھ لے جس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو جائے کہ
بعد الغد کے لئے بغیر انشاء اللہ کے کہہ سکتا ہے، لاجل شئ کا مطلب ہے لمدت شئ فی المستقبل۔

اگر لوگ آپ سے کوئی بات قابل جواب دریافت کریں اور آپ جواب کا وعدہ فرمائیں تو اس کے ساتھ انشاء اللہ
اس کے ہم معنی کوئی لفظ ضرور ملالیا کریں اور وعدہ کی بھی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر کام میں اس کا لحاظ رکھئے، اور آئندہ ایسا

ہو جیسا اس واقعہ میں پیش آیا کہ آپ سے لوگوں نے روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے بغیر انشاء اللہ کے ان سے کل جواب دینے کا وعدہ کرلیا پھر پندرہ روز تک وحی نازل نہیں ہوئی اور آپ کو بڑا غم ہوا، اس ہدایت اور تنبیہ کے ساتھ لوگوں کے سوالوں کا جواب بھی نازل ہوا۔ (کذا فی الباب عن ابن عباسؓ)

اور اگر آپ اتفاقاً انشاء اللہ کہنا بھول جائیں پھر کبھی یاد آئے تو اسی وقت انشاء اللہ کہہ کر اپنے رب کو یاد کرلیا کیجئے، اور ان لوگوں سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھ کو نبوت کی دلیل بننے کے اعتبار سے اس واقعہ سے بھی نزدیک (واضح تر) بات بتلا دے، مطلب یہ ہے کہ تم نے میری نبوت کا امتحان لینے کے لئے اصحاب کہف وغیرہ کے قصے دریافت کئے جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے بتلا کر تمہارا اطمینان کردیا مگر اصل بات یہ ہے کہ ان قصوں کے سوال وجواب اثبات نبوت کے لئے کوئی بہت بڑی دلیل نہیں ہوسکتی یہ کام تو غیر نبی بھی جو تاریخ عالم سے بخوبی واقف ہو کرسکتا ہے، مگر مجھے تو اللہ تعالیٰ نے میری نبوت کے اثبات کے لئے اس سے بڑے اور قطعی دلائل اور معجزات عطا فرمائے ہیں جن میں سب سے بڑی دلیل خود قرآن ہے جس کی ایک آیت کی بھی ساری دنیا مل کی نقل نہ اتار سکی، اس کے علاوہ حضرت آدم سے لیکر قیامت تک کے وہ واقعات بذریعہ وحی مجھے بتلا دئے گئے جو زمانہ کے اعتبار سے بھی بہ نسبت واقعہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین زیادہ بعید ہیں اور ان کا علم بھی کسی کو بجز وحی کے ممکن نہیں، خلاصہ یہ کہ تم نے تو اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعات کو سب سے زیادہ عجیب سمجھ کر اسی کو امتحان نبوت کے طور پیش کیا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بھی زیادہ عجیب عجیب چیزوں کے علوم عطا فرمائے ہیں، اور جیسا اختلاف اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں ہے ایسا ہی اختلاف ان کے سونے کی مدت میں بھی ہے ہم اس میں صحیح بات بتلاتے ہیں:

اصحاب کہف کے غار میں سونے کی مدت

وَلَبِثُوْا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِاْئَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا اصحاب کہف غار میں تین سو سال مزید براں نو سال رہے، قرآن کے ظاہر نسق سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کے تین سو سال سونے کی مدت کا بیان حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، ابن کثیر نے اسی کو جمہور سلف وخلف کا قول قرار دیا ہے، مگر حضرت ابوقتادہ وغیرہ سے اس میں ایک دوسرا قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ یہ تین سو نو سال کا قول بھی انہیں اختلاف کرنے والوں میں سے بعض کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول صرف وہ ہے جو بعد میں فرمایا یعنی (اَللّٰهُ اعلم بِمَا لَبِثُوْا) مگر جمہور مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں جملے حق تعالیٰ کا کلام ہیں پہلے میں حقیقت واقعہ کا بیان ہے اور دوسرے میں اس سے اختلاف کرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ جب اللہ کی طرف سے مدت کا بیان آگیا تو اب اس کو تسلیم کرنا لازم ہے وہی جاننے والا ہے محض تخمینوں اور اندازوں سے اس کی مخالفت بے عقلی ہے۔

ایک سوال

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے بیان مدت میں پہلے تین سو سال بیان کئے اس کے بعد فرمایا ان تین سو پر نو اور زیادہ ہو گئے عام دستور کے مطابق پہلے ہی تین سو نو نہیں فرمایا، اس کا جواب حضرات مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ میں چونکہ شمسی سال کا رواج تھا اس حساب سے تین سو سال ہی ہوئے ہیں اور اسلام میں قمری سال کا ہے اور قمری حساب سے ایک سال میں دس دن اور ہر تین سال میں ایک ماہ اور ہر چھتیس سال میں ایک سال کا اضافہ ہو جاتا ہے، اس حساب سے ہر سو سال میں تقریباً تین سال کا اضافہ ہو جاتا ہے، اس حساب سے تین سو سال شمسی کے تقریباً ۳۰۹ سال قمری ہوں گے، یہ حساب تقریبی ہے یعنی کسر کو ترک کر دیا گیا ہے اس لئے کہ بڑی گنتی میں عام طور پر کسر کو چھوڑ دیتے ہیں، شمسی اور قمری حسابوں میں امتیاز بتانے کے لئے تعبیر کا مذکورہ عنوان اختیار کیا گیا ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن میں تفسیر حقانی کے حوالہ سے اصحاب کہف کا مقام اور مقام کی تاریخی تحقیق یہ نقل کی ہے کہ یہ ظالم بادشاہ کہ جس کے خوف سے بھاگ کر اصحاب کہف نے غار میں پناہ لی تھی اس کا زمانہ ۲۵۰ء تھا پھر تین سو سال تک یہ لوگ سوتے رہے تو مجموعہ ۵۵۰ء ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ ۵۷۰ء میں ہوئی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بیس سال پہلے ان کے بیدار ہونے کا یہ واقعہ پیش آیا اور تفسیر حقانی میں بھی ان کا شہر اسوس یا طرسوس کو قرار دیا ہے جو ایشیائے کوچک میں واقع ہے اب بھی اس کے کھنڈرات موجود ہیں

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَامُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا○ ملجأ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ اِحْبِسها مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ بعبادتهم وَجْهَهٗ ط تعالٰی لَاشَیْئًا مِنْ اَغْرَاضِ الدنیا وهم الفُقَراء وَلَا تَعْدُ تَنْصَرِفْ عَیْنَاكَ عَنْهُمْ ۚ عُبِّرَ بِهِما عن صاحبِهما تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَلَاتُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا ای القرآن وهو عُیَیْنَةُ بن حِصن واصحابُه وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فی الشِّرْكِ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا○ اِسرافا وَقُلْ لَهٗ وَلِاَصحابه هٰذا القرآن الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ قف وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۚ تَهْدِیْدٌ لَهُمْ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ ای الكافرین نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ط ما اَحاطَ بها وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ كَعَكَرِ الزَّیْتِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ط مِنْ حَرِّهٖ اِذا قُرِّبَ الیها بِئْسَ الشَّرَابُ ط هُوَ وَسَآءَتْ ای النَّارُ مُرْتَفَقًا○ تمییزٌ منقولٌ من الفاعل ای قَبُحَ مُرْتَفَقُها وهو مقابل لقوله الآتی فی الجنة وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا وَاِلَّا فَاَیُّ اِرْتفاقٍ فی النار اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَانُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا○ الجملةُ خبرُ اِنَّ الذین وفیها اِقامة الظاهر مقام المضمر والمعنی اَجْرَهُمْ اَیْ

يُثِيبَهم بِمَا تَضَمَّنَه اُولٰئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ اِقَامةٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ اَسَاوِرَ قِيلَ مِنْ زَائدةٌ وقِيلَ لِلتَّبْعِيضِ وهي جمعُ اَسْوِرَةٍ كَاَحْمِرةٍ جمع سِوَارٍ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ مَا رَقَّ مِنَ الدِّيباجِ وَّاِسْتَبْرَقٍ مَا غَلُظَ منه وفي آية الرحمٰن بَطَائِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيهَا عَلَى الاَرَآئِكِ ط جمع اَرِيكَةٍ وهي السريرُ في الحَجْلة وهي بَيْتٌ يُزَيَّنُ بالثياب والسُّتُور للعَرُوْسِ نِعْمَ الثَّوَابُ الجزاءُ الجنةُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ع

اور آپ کے پاس جو آپ کے رب کی کتاب وحی کے ذریعہ آئی ہے آپ اس کو تلاوت کیا کیجئے، اس کی باتوں کو کوئی نہیں بدل سکتا، اور آپ خدا کے سوا کہیں جائے پناہ نہ پائیں گے، اور آپ خود کو ان لوگوں کے ساتھ پابند مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام (ہمہ وقت) اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی عبادت کا مقصد محض اپنے رب کی خوشنودی ہے ان کی دنیوی کوئی غرض نہیں ہے، اور وہ فقراء ہیں، اور دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں (توجہ) ان سے ہٹنے نہ پائیں عین بول کر صاحب عین مراد ہے اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے یعنی قرآن سے، اور وہ عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھی ہیں اور وہ شرک میں اپنی نفسانی خواہشات پر چلتا ہے اور اس کا یہ حال حد سے گذر گیا ہے یعنی حد سے تجاوز کر گیا ہے اور آپ اس سے اور اس کے ساتھیوں سے (صاف صاف) کہہ دیجئے کہ یہ قرآن تمہارے رب کی جانب سے حق ہے سو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے، بلاشبہ ہم نے ظالموں کافروں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے کہ اس آگ کی قناتیں اس کو گھیرے ہوئے ہوں گی، وہ قناتیں کہ جن کے ذریعہ احاطہ کیا جائے گا اور اگر وہ (پیاس کی شدت) سے فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی کہ جو تیل کی تلچھٹ کے مانند ہوگا وہ پانی جب ان کے چہروں کے قریب کیا جائے گا تو اپنی حرارت کی وجہ سے چہروں کو بھون ڈالے گا اور کیا ہی برا پانی ہے وہ اور وہ آگ بھی کیا ہی بری آرام کی جگہ ہوگی مُرْتَفَقًا تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہوئی ہے، ای قَبُحَ مُرْتَفَقُهَا یعنی اس کا آرام نہایت ہی برا ہے اور یہ قول جنت کے بارے میں آنے والے قول حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا کے بالمقابل لایا گیا ہے ورنہ تو آگ میں کونسا آرام ہے؟ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو ایسے نیک عمل کرنے والوں کا ہم اجر ضائع نہ کریں گے جملہ یعنی (اِنَّا لَانُضِيعُ الخ) اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا کی خبر ہے اور جملہ خبریہ میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے اور اصل عبارت اَجْرَهُمْ ہے یعنی ہم ان کو اجر عطا فرمائیں گے ایسا اجر کہ وہ مذکورہ آراموں کو شامل ہوگا ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے قیام کرنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے کہا گیا ہے کہ مِن زائدہ ہے اور بعض مفسرین نے مِن کو تبعیضیہ کہا ہے، اَسَاوِرُ، اَسْوِرَةٌ کی جمع ہے اور اَسْوِرَةٌ سِوَارٌ کی جمع ہے، یعنی اساورُ سوارٌ کی جمع الجمع

ہے، اور ریشم کا باریک سبز رنگ کا لباس اور موٹے ریشم کا لباس پہنیں گے، اور سورہ رحمٰن کی آیت میں بطائنها من استبرق ہے (یعنی ان کا استر موٹے ریشم کا ہوگا) اور وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اَرَائِك اَرِيْكَةٌ کی جمع ہے سریر کو اریکۃ اس وقت کہتے ہیں جب وہ حجلہ میں ہو اور حجلہ اس مکان کو کہتے ہیں جس کو دلہن کے لئے کپڑوں اور پردوں وغیرہ سے آراستہ کیا جاتا ہے جنت کیا ہی اچھا صلہ ہے اور کیا آرام دہ جگہ ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله واتْلُ تو تلاوت کر (ن) تلاوۃً تلاوت کرنا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ تلوٌ سے مشتق ہو اس کے معنی اتباع کرنا پیچھے پیچھے چلنا مِن الكتاب من بیانیہ ہے ما موصولہ کا بیان ہے مُلْتحدًا (اسم ظرف، مصدر میمی ہے) (افتعال) پناہ گاہ یا پناہ لینا، **قوله** مِنْ كتابِ رَبِّكَ، مَا اُوحِیَ اِلَیْكَ کا بیان ہے **قوله** لاتَعْدُ واحد مؤنث غائب حرف نہی کی وجہ سے آخر سے حرف علت واؤ ساقط ہوگیا (ن) عَدْوًا کسی چیز سے تجاوز کرنا، دوڑنا، عَیْنَاكَ، لا تَعْدُ کا فاعل ہے اور جملہ تُرِیْدُ الخ عَیْنَاكَ کے کاف مضاف الیہ سے حال ہے اگر مضاف الیہ مضاف کا جز ہو تو مضاف الیہ سے حال واقع ہونا درست ہے، یا اس لئے کہ عین سے صاحب عین مراد ہے، لہٰذا فعل کی اسناد اگرچہ بظاہر مضاف الیہ کی طرف ہے مگر حقیقت میں مضاف ہی کی طرف ہے فُرُطًا (ن) حد سے تجاوز کرنا فَرَطَ فی الامر کوتاہی کرنا، **قوله** الحق یہ مبتداء محذوف هٰذا القرآن کی خبر ہے جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے اور الحقُ فعل محذوف کا فاعل بھی ہوسکتا ہے ای جاء الحقُ، مِنْ رَبِّكُمْ یا تو الحقُ سے حال ہے ای كائنًا من رَبِّكم یا هٰذا القرآن مبتداء محذوف کی خبر ثانی ہے ای كائن من رَّبكم اِنَّا اَعْتَدْنَا یہ لف ونشر غیر مرتب ہے یعنی اِنَّ اَعْتدنا کا تعلق وَمَنْ شاءَ فلیكفر سے ہے اور اِنَّ الذين آمنوا کا تعلق فمن شاء فلیومن سے ہے اَحَاطَ بِهِمْ سرادقُهَا، نارًا کی صفت ہے، سرَادق کی جمع سَرَادِقات ہے سرادق ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہو، خواہ چہار دیواری ہو یا شامیانہ اور قناتیں **قوله** یَسْتَغِیْثُوْا مصدر اِغاثةً مدد طلب کرنا یَسْتَغِیْثُوْا اصل میں یَسْتَغْوِثُوْا تھا، واؤ کا کسرہ ماقبل کو دیدیا گیا، اور واؤ کو ی سے بدل دیا یَسْتَغِیْثُوْا ہوگیا **قوله** اَلْمُهلُ (اسم) تلچھٹ، پیپ، کچلھو جملہ یشوِی، ماءٌ کی صفت بھی ہوسکتا ہے اور المهل سے حال بھی، عَكَرٌ گاد، تلچھٹ الشرابُ بئس کا فاعل ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ هُوَ ہے جس کا مرجع مستغاث بہ ہے، مُرْتفقًا نسبت سے تمیز ہے جو کہ فاعل سے منقول ہے ای قَبُحَ مُرْتَفَقُهَا المرتفق ظرف مکان، آرام کی جگہ، دوزخیوں کے لئے اس کا استعمال استہزاءً ہوا ہے یا مشاکلت کے طور پر بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ جنتیوں کے لئے حَسُنَتْ مُرتفقًا فرمایا گیا ہے **قوله** اِنَّا (ن) حرف مشبہ بالفعل اس کے اندر ضمیر وہ اس کا اسم لانضیع اجرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا جملہ

ہوکر اِنَّ کی خبر، اِنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر خبر ہوئی اِنَّ اول کی، اِنَّ اول اپنے اسم وخبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا اُولٰئکَ لَهُمْ جنّٰتُ عدنٍ لَهُمْ خبر مقدم ہے اور جنت عدن مبتداء مؤخر ہے پھر جملہ ہوکر اُولٰئکَ مبتدا کی خبر ہے **قوله** مِن اَسَاوِرَ مِن ابتدائیہ ہے یا مفعول بہ پر زائدہ ہے اور مِنْ ذهبٍ میں مِن بیانیہ ہے اور کائنة یا مصنوعة کے متعلق ہوکر اَسَاوِرَ کی صفت ہے اَسَاوِرُ سوار کی جمع ہے بمعنی کنگن متکئین فعل محذوف یجلسون کی ضمیر سے حال ہے فی الحجلة کائناً کے متعلق ہوکر السریر سے حال ہے۔

تفسیر وتشریح

اور آپ کا کام صرف اس قدر ہے کہ آپ کے پاس جو آپ کے رب کی کتاب وحی کے ذریعہ آتی ہے وہ لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا کیجئے، آپ کا فرض منصبی صرف اتنا ہی ہے آپ اپنے فرض منصبی کے انجام دہی میں مشغول رہئے، آپ اس فکر میں نہ پڑیئے کہ دنیا کے بڑے لوگ اگر اسلام کی مخالفت کرتے رہے تو دین کو ترقی کس طرح ہوگی؟ کیونکہ اس کا اللہ تعالیٰ نے خود وعدہ فرمالیا ہے، اس کے وعدوں کو بدلا نہیں جا سکتا یعنی اگر پوری دنیا بھی مل کر اللہ کو وعدہ پورا کرنے سے روکنا چاہے تو روک نہیں سکتی اور اگر آپ نے ان بڑے لوگوں کی دل جوئی اس طرح کی کہ جس سے احکام الٰہی ترک ہوجائیں تو پھر آپ خدا کے سوا کسی کو پناہ گاہ نہ پائیں گے اگرچہ آپ ﷺ سے احکام شرعیہ کا ترک بدلائل شرعیہ محال ہے مگر مبالغۃً اور تاکیداً بالفرض محال یہ کہا گیا ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فقراء صحابہؓ کی رعایت رکھنے اور ان ہی کے ساتھ بود وباش رکھنے اور خود کو ان کے ساتھ پابند رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

شان نزول

اس آیت کے شان نزول میں مختلف واقعات مذکور ہیں ممکن ہے کہ سب ہی واقعات نزول کا سبب ہوئے ہوں، سورہ انعام میں بھی آپ ﷺ کو فقراء مومنین کو اپنے پاس سے جدا کرنے کی ممانعت مذکور ہے کما قال اللہ تعالیٰ (**ولا تطرد الذین یدعُونَ ربهم**)

پہلا واقعہ: بغوی نے نقل کیا ہے کہ مکہ کا رئیس عیینہ بن حصن فزاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے پاس چند فقراء صحابہ بیٹھے ہوئے تھے ان کا لباس خستہ اور ہیئت فقیرانہ تھی عیینہ نے کہا کہ ہمیں آپ کے پاس آنے اور آپ کی بات سننے سے یہی لوگ مانع ہیں ایسے خستہ حال لوگوں کے پاس ہم نہیں بیٹھ سکتے آپ ان کو اپنی مجلس سے ہٹا دیں یا کم از کم ہمارے لئے علیحدہ مجلس رکھیں۔

دوسرا واقعہ: ابن مردویہ نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ امیہ بن خلف جمحی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ غریب فقیر شکستہ حال مسلمانوں کو آپ اپنے پاس نہ رکھیں بلکہ قریش کے سرداروں کو ساتھ لگائیں اگر یہ لوگ آپ کا دین قبول کرلیں گے تو دین کو ترقی ہوگی اس طرح کے واقعات پر وَاصْبِرْ نَفْسَكَ آیت نازل ہوئی، جس میں ان لوگوں کے مشورہ کو قبول کرنے سے سختی سے منع فرمایا گیا ہے اور صرف یہی نہیں کہ ان فقراء صحابہ کو اپنی مجلس سے ہٹانے سے منع فرمایا گیا ہے بلکہ یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ باندھ کر رکھیں، مطلب یہ ہے کہ خصوصی توجہات کے ذریعہ آپ ان فقراء کے ساتھ وابستہ رہیے، معاملات میں انہی سے مشورہ لیں اور انہی کی امداد واعانت سے کام کریں، اور اس کی وجہ اور حکمت ان الفاظ سے بتلا دی گئی ہے کہ یہ لوگ صبح وشام یعنی ہر حال میں اللہ کو پکارتے اور اسی کا ذکر کرتے ہیں ان کا جو عمل ہے وہ خالص اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہے اور یہ سب حالات وہ ہیں کہ جو اللہ کی امداد اور نصرت کو کھینچ کر لاتے ہیں اور رؤساء قریش کا مشورہ قبول نہ کیجئے اس لئے کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے غافل ہیں اور ان کے سب کام نفسانی خواہشات کے تابع ہیں اور یہ حالات اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نصرت سے ان کو دور کرنے والے ہیں۔

ایک سوال

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ ان کا یہ مشورہ تو قابل عمل تھا کہ ان کے لئے ایک مجلس الگ کردی جاتی مگر اس طرح کی تقسیم میں سرکش مالداروں کا ایک خاص قسم کا اعزاز تھا جس سے غریب مسلمانوں کی دل شکنی ہوسکتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو گوارہ نہ فرمایا اور اصول دعوت وتبلیغ یہی قرار دیا کہ اس میں کسی کا کوئی امتیاز نہ ہونا چاہئے۔

وقل الحق من ربكم فمن شاء الخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ اعلان کردیں کہ حق آچکا ہے اور اللہ کی حجت تام ہوچکی ہے اب لوگوں کی مرضی ہے کہ مانیں یا نہ مانیں اللہ تعالیٰ کو کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی کوئی پرواہ نہیں جو کچھ نفع ونقصان ہوگا لوگوں کا خود اپنا ہوگا، ارشاد فرمایا اب جس کا دل چاہے مان لے اور جس کا دل چاہے انکار کرے یہ تخییر نہیں ہے بلکہ تہدید ہے یعنی اب جو نہ مانے گا وہ سن لے ہم نے ظالموں کے لئے آتش دوزخ تیار کر رکھی ہے اس کی ہولناکی، خدا کی پناہ! اور اگر لوگ فریادرسی چاہیں گے تو ان کی ایسے پانی سے فریادرسی کی جائے گی جو (صورۃ) تیل کی تلچھٹ کی طرح ہے، جو ان کا منہ بھون ڈالے گا، یعنی جہنم میں جب گرمی کی شدت سے دوزخیوں کو پیاس لگے گی اور وہ فریاد کریں گے اور پانی پانی چلائیں گے تب تیل کی تلچھٹ یا پگھلی ہوئی دھات یا پیپ کی طرح کا پانی دیا جائے گا جو اس قدر گرم ہوگا کہ منہ کو بھون ڈالے گا، کیا برا مشروب ہے اور کیسی بری آرام گاہ ہے؟

ان الذين آمنوا بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے بے شک ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہ کریں گے

جوعمل کے اعتبار سے اچھے ہیں یعنی ان کی ادنیٰ نیکی بھی ضائع نہ کی جائے گی بلکہ ہم ان کے ہر اس عمل کا ثواب عطا کریں گے جو ثواب کے لائق ہوگا ایسے ہی لوگوں کے لئے دائمی جنت ہے، قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے کہ جب مشرکین وکافرین کے لئے عذاب کا ذکر کرتا ہے تو وہیں تقابل کے طور پر مومنین ومخلصین کے اجر وثواب کا بھی ذکر کرتا ہے اسی لئے فریقین کی جزاء وسزاء کا ذکر کیا ہے یُحَلَّوْنَ فیھا اس آیت میں جنتی مردوں کو بھی سونے کے کنگن پہنانے کا ذکر ہے اس پر سوال ہوسکتا ہے کہ مردوں کے لئے زیور پہننا نہ زیبا ہے اور نہ زینت، جواب: جمال وزینت عرف وعلاقہ کے تابع ہے، ایک علاقہ میں جو چیز جمال وزینت سمجھی جاتی ہے دوسرے علاقوں میں بسا اوقات قابل نفرت قرار دی جاتی ہے جنت میں مردوں کے لئے بھی زیور اور ریشمی کپڑے جمال وزینت قرار دیئے جائیں گے دنیا میں شریعت کا قانون یہ ہے کہ مردوں کے لئے سونے کا کوئی زیور یہاں تک کہ انگوٹھی اور گھڑی کی چین بھی جائز نہیں ہے، اسی طرح ریشمی کپڑے بھی جہاد کے علاوہ جائز نہیں ہیں، ہاں البتہ ساڑھے چار گرام تک چاندی کی انگوٹھی جائز ہے اللہ تعالیٰ نے زیورات کے لئے یُحَلَّوْنَ مجہول صیغہ اور کپڑوں کے لئے یلبسون معروف کا صیغہ استعمال فرمایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر عادت یہی ہے کہ زیور دوسرے پہناتے ہیں اور لباس آدمی خود پہنتا ہے وہ وہاں مسہریوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے یعنی نہایت عزت اور احترام کے ساتھ مسہریوں پر گاؤ تکیے لگائے بیٹھے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے، کیسا اچھا صلہ ہے اور کیسی اچھی آرام گاہ ہے، اللہ تعالیٰ ہر مومن کو یہ نعمتیں نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاضْرِبْ اِجْعَلْ لَهُمْ لِلْكُفَّارِ مع المؤمنين مَثَلًا رَّجُلَيْنِ بدلٌ وهُوَ ومابعده تفسيرٌ لِلْمَثَلِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا الكافرِ جَنَّتَيْنِ بُسْتَانَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا اَحْدَقْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا۝ يُقْتَاتُ به كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ كلتا مفردٌ يدُلُّ على التثنيةِ مُبْتَدأٌ اٰتَتْ خبرُه اُكُلَهَا ثَمَرَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ تَنْقُصْ مِنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا۝ يجري بينهما وَّكَانَ لَهٗ مع الجنتَيْنِ ثَمَرٌ بفتح الثاء والميم وضمِّهما وبضمِّ الاول وسكون الثاني وهو جمعُ ثَمَرة كشجرة وشجر وخشبة وخُشُب وبَدَنة وبُدْن فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ المؤمنِ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ يُفاخِره اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا۝ عَشِيْرةً وَّدَخَلَ جَنَّتَهٗ بِصَاحِبِه يَطُوف به فيها ويُرِيْه اثمارَها ولم يَقُل جَنَّتَيْهِ اِرادةً للرَّوْضَة وقيل اكتفى بالواحد وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ بالكفر قَالَ مَا اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ تنعدمَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ في الآخرة على زَعْمِك لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا۝ مَرجِعًا قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ يجاوِبه اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ لِاَنَّ آدمَ خُلِقَ منه ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ مَنِيٍّ ثُمَّ سَوّٰىكَ عَدَلَكَ وصَيَّرَكَ رَجُلًا۝ لٰكِنَّا اَصْلُه لكنْ انا، نُقِلَتْ حركةُ الهمزةِ الى النون

وحُذِفت الهمزَةُ ثم اُدغِمت النونُ فی مِثْلِها هُوَ ضمیر الشان یُفَسِّره الجُمْلَةُ بَعْده والمعنیٰ انا اَقُوْلُ اللّٰهُ رَبِّیْ وَلَا اُشرِكُ بِرَبِّی اَحَدًا○

ترجمہ

اور حال بیان کیجئے ان کافروں اور مومنوں کے لئے ان دو شخصوں کا رجلین مثلاً سے بدل ہے رجُلَین اور اس کا مابعد مثلاً کی تفسیر ہے ان دو میں سے ایک کو جو کافر تھا انگور کے دو باغ دئے تھے اور ہم نے دونوں باغوں کا کھجوروں کے درختوں کے ذریعہ احاطہ کر دیا تھا اور ان کے بیچ بیچ میں کھیتی بھی اگائی تھی جس کے ذریعہ غذا حاصل کی جاتی تھی دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اس میں بالکل کمی نہیں کرتے تھے کِلتا لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے (مگر معنی کے اعتبار سے) تثنیہ پر دلالت کرتا ہے اور کلتا مبتدا ہے اور آتت اس کی خبر ہے اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان نہریں جاری کر رکھی تھیں اور اس شخص کے لئے دو باغوں کے علاوہ اور بھی اموال تھے ثَمَرٌ ثا اور میم دونوں کے فتحہ کے ساتھ اور دونوں کے ضمہ کے ساتھ ثُمُرٌ اور اول کے ضمہ اور ثانی کے سکون کے ساتھ ثُمْرٌ اور ثَمَرٌ ثَمَرَةٌ کی جمع ہے جیسے شَجَرٌ شَجَرَةٌ کی جمع ہے اور خُشُبٌ خَشَبَةٌ کی جمع ہے اور بُدنٌ بَدَنَةٌ کی جمع ہے (تینوں میں مفرد ایک ہی وزن پر ہے البتہ تینوں کی جمع مختلف ہے) (ایک روز) اس کافر نے اپنے مومن ساتھی سے فخریہ انداز میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور افراد خاندان میں بھی اور اپنے ساتھی کو گھماتا ہوا اور باغ کے پھلوں کو دکھاتا ہوا ساتھ لیکر اپنے باغ میں داخل ہوا حال یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا تھا کفر کے ذریعہ، اور اس موقع پر جَنَّتَیه نہیں کہا یا تو اس لئے کہ جنت سے مراد روضہ ہے (جو کہ دونوں باغوں پر مشتمل ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے ایک باغ ہی دکھانے پر اکتفاء کیا تھا اور کہنے لگا میں تو نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا اور نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ قیامت آئے گی اور اگر تیرے خیال کے مطابق (قیامت آ بھی گئی) اور میں اپنے رب کے پاس پہنچا دیا گیا تو ضرور اس باغ سے بھی بہتر جگہ مجھے ملے گی اس کے (مومن) ساتھی نے اس کی (ان کفریہ) باتوں کے جواب میں کہا کہ کیا تو اس ذات کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا؟ اسلئے کہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے پھر تجھ کو نطفہ منی سے پیدا کیا اور پھر تجھ کو صحیح سالم یعنی (تجھ کو معتدل الاعضاء) مرد بنایا لکِنَّا اس کی اصل لکِنْ اَنَا تھی ہمزہ کی حرکت نون کو دیدی اور ہمزہ کو حذف کر دیا پھر نون کو نون میں ادغام کر دیا هُوَ ضمیر شان ہے اس کے بعد کا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے اور معنی یہ ہیں کہ میں کہتا ہوں (یعنی عقیدہ رکھتا ہوں) کہ میرا رب تو اللہ ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

ضَرَبَ کا استعمال جب مثل کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کے دو مفعول ہوتے ہیں، یہاں ایک مفعول مثلاً ہے اور

دوسرا رَجُلَیْنِ دونوں مفعول درحقیقت ایک ہی ہیں اور رجلین حذف مضاف کے ساتھ مثلاً سے بدل بھی ہوسکتا ای مثلاً مثل الرجلین **قولہ** من اَعْنابٍ میں مِن بیانیہ ہے، مافی الجنتین مبیّن ہے مِن اعنابٍ بیان ہے **قولہ** حَفَفْنَا حَفٌّ سے ماضی جمع متکلم (ن) حفًّا گھیرنا کِلتا چونکہ لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اسی کا اعتبار کرتے ہوئے اٰتَتْ کو مفرد لائے ہیں اور خِلالَھُمَا خبر ہے معنی کے اعتبار سے تثنیہ لائی گئی ہے کِلتا الجنتینِ مرکب ہو کر مبتداء ہے اور جملہ اٰتَتْ خبر ہے **قولہ** ثَمَرٌ سے باغات کے علاوہ دیگر اموال مراد ہیں خواہ وہ نقود کی شکل میں ہوں یا مویشیوں کی شکل میں **قولہ** یُحاوِرُ (مفاعلۃ) مُحَاوَرَۃً وحِوَارًا گفتگو کرنا، جواب دینا، یُحَاوِرُ کی تفسیر یُفَاخِرُ سے قرینۂ مقام کی وجہ سے ہے، **قولہ** مالاً ونفرًا یہ نسبت سے تمیز ہیں، **قولہ** اثمارَھا بعض نسخوں میں اثمارھا کے بجائے آثارھا ہے بمعنی رونق وشادابی **قولہ** أن تَبِیْدَ بتاویل مصدر ہو کر اَظُنُّ کا مفعول ہے **قولہ** سَوّٰاكَ تسویۃً برابر کرنا، متناسب الاعضاء بنانا، یہاں سَوّٰی جَعَلَ اور صَیَّرَ کے معنی میں ہے، جعل کا كَ مفعول اول اور رجلاً مفعول ثانی ہے، لکِنَّا اصل میں لکن اَنا تھا، اَنَا کے ہمزہ کو خلاف قیاس حذف کر کے نون کا نون میں ادغام کر دیا گیا ہے **قولہ** لکِنَّا میں لکن غیر عامل ہے، اس کے اندر ضمیر مبتداء اول ہے اور ھُوَ مبتداء ثانی ہے اور اللّٰہ مبتدا ثالث ہے، رَبِّی خبر ہے۔

تفسیر وتشریح

مذکورہ آیات میں جن دو شخصوں کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں شخص فرضی ہیں اور بطور تمثیل ان کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے یا حقیقی اور واقعی ہیں، جو حضرات واقعی ہونے کے قائل ہیں ان کے درمیان ان کی تعیین میں اختلاف ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے دو بھائی تھے اور بعض کا قول ہے کہ وہ دونوں مکہ کے مخزومی قبیلہ کے دو بھائی تھے ان میں سے ایک کا نام عبداللہ بن عبدالاسود تھا اور وہ مومن تھا اور دوسرا اسود ابن عبدالاسود تھا یہ کافر تھا اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ وہی دو شخص ہیں کہ جن کا ذکر سورہ الصافات میں اللہ تعالیٰ کے قول قال قائل منھم انی کان لی قرین میں ہے، مذکورہ دونوں بھائیوں کے واقعہ کو ذکر کرنے کا مقصد دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائیداری کو بیان کرنا ہے، آپ، ان دو شخصوں کا جن کے درمیان دوستی یا قرابت کا تعلق تھا، بیان کیجئے عطاء خراسانی کے بیان کے مطابق ان کا قصہ اس طرح تھا، دو شریک یا دو بھائی تھے ان میں سے ایک مومن اور دوسرا کافر تھا ان دونوں کے پاس آٹھ ہزار دینار مشترکہ تھے بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان کے والد کے ترکہ سے آٹھ ہزار دینار ان کے حصہ میں آئے تھے، چار چار ہزار دونوں نے تقسیم کر لئے تھے ان میں سے کافر بھائی نے ایک ہزار دینار کی زمین خریدی جب مومن بھائی کو اس کا علم ہوا تو اس نے کہا یا اللہ میرے بھائی نے ہزار دینار کی زمین خردی ہے اور میں تجھ

سے ہزار دینار کے بدلے جنت میں زمین خرید تا ہوں اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں صرف کر دئے، پھر کافر بھائی نے شادی کی اور اس پر اس نے ہزار دینار خرچ کئے جب اس مومن بھائی کو معلوم ہوا تو اس نے کہا یا اللہ میرے بھائی نے ہزار دینار صرف کر کے ایک عورت سے شادی کی ہے میں بھی ایک ہزار دینار کے عوض جنت کی حور سے شادی کرتا ہوں اور یہ کہہ کر اس نے ہزار دینار راہ خدا میں خرچ کر دئے پھر اس کے کافر بھائی نے ایک ہزار دینار کے عوض کچھ غلام اور گھریلو سامان خریدا جب اس مومن بھائی کو معلوم ہوا تو اس نے کہا یا اللہ میں بھی ایک ہزار دینار کے عوض تجھ سے جنت میں خدام اور سامانِ راحت خرید تا ہوں یہ کہہ کر اس نے ایک ہزار دینار راہ خدا میں صدقہ کر دیئے اب اس کے پاس کچھ باقی نہ رہا اور شدید حاجت مند ہو گیا، اس نے سوچا اگر میں اپنے بھائی کے پاس جاؤں اور اس سے اپنی حاجت کا سوال کروں تو وہ ضرور میری مدد کرے گا، چنانچہ وہ ایک روز اس راستہ پر جا کر بیٹھ گیا جہاں سے اس کے بھائی کی آمد و رفت تھی جب اس کا بھائی بڑی شان و شوکت کے ساتھ وہاں سے گذرا تو اپنے اس غریب مومن بھائی کو دیکھ کر پہچان لیا اور کہا فلاں؟ اس نے کہا ہاں، اس نے حالت دیکھ کر کہا تیرا یہ کیا حال ہے؟ تو مومن بھائی نے جواب دیا مجھے حاجت شدیدہ پیش آ گئی ہے مدد کے لئے تیرے پاس آیا ہوں، کافر بھائی نے معلوم کیا تیرا وہ مال کیا ہوا جو تیرے حصہ میں آیا تھا؟ تو اس مومن بھائی نے پوری صورت حال بیان کی تو اس کے کافر بھائی نے کہا میں کچھ نہ دوں گا تو تو بڑا احمق ہے پھر کافر بھائی نے مومن بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے باغوں میں گھمایا تو ان کے بارے میں آیت واضرب لهم مثلاً نازل ہوئی۔

وَلَوْ لَا هَلَّا اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ عِنْدَ اِعْجَابِكَ بِهَا هٰذَا مَا شَآءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ج فى الحديث مَنْ اُعطِىَ خيرًا من اهلٍ او مالٍ فيقول عند ذٰلك ماشآءَ اللّٰه لاقُوَّةَ الا باللّٰهِ لَمْ يَرَ فِيه مَكروهًا اِنْ تَرَنِ اَنَا ضميرُ فَصْلٍ بَيْنَ المفعولين اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ج فَعَسٰى رَبِّىْ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ جوابُ الشرط وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا جمع حُسبانةٍ اى صواعق مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَرْضًا مَلْسَاء لايَثبُتُ عليها قَدَمٌ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا بمعنى غَائِرًا عطف على يُرْسِلَ دُوْنَ تُصْبِحَ لِاَنَّ غَوْرَ المَاءِ لايَتَسَبَّبُ عن الصَّواعِقِ فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝ حِيْلَةً تُدْرِكُهُ بِها وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ بِاَوْجُه الضَّبْط السابقة مع جَنَّتِه بالهلاكِ فَهَلَكَتْ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ نَدَمًا وتَحَسُّرًا عَلٰى مَا اَنْفَقَ فِيْهَا فى عِمارة جَنَّتِه وَهِىَ خَاوِيَةٌ سَاقِطَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا دَعَائِمِها للكَرْمِ بِاَنْ سَقَطَتْ ثُمَّ سَقَطَ الكَرْمُ وَيَقُوْلُ يَا لِلتَّنْبِيهِ لَيْتَنِىْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّىْٓ اَحَدًا ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ بالتاء والياء فِئَةٌ جماعةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِند هَلاكِها وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ عند هلاكها بِنَفْسِه هُنَالِكَ اى يوم القيٰمةِ الْوَلَايَةُ بفتح الواو النُّصْرةُ وبكسرِها المُلْكُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ط بالرفع

صِفَةُ الولايةِ وبالجرِّ صفةُ الجلالَةِ هُوَ خيرٌ ثَوَابًا مِنْ ثوابِ غيرِهِ لَوْ كانَ يُثِيْبُ وَّخَيرٌ عُقُبًا ۝ ٤٤ بضمّ القاف وسكونها عاقِبَةٌ للمؤمنين ونصبُهما على التمييز

ترجمہ

اور جب تو باغ میں داخل ہوا تھا تو تو نے اس باغ پر تعجب (پسندیدگی) کے وقت کیوں نہ کہا کہ یہ وہی ہے جو اللہ نے چاہا خدا کی مدد کے بغیر کوئی قوت نہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جس کو بہترین مال یا اولاد عطا کیا گیا ہو اور اس نے ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ کہہ لیا تو اس مال میں اس کو ناپسندیدہ حالت پیش نہیں آئے گی اور اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ میں مال اور اولاد میں تجھ سے کم ہوں کچھ بعید نہیں کہ میرا رب مجھ کو تیرے باغ سے اچھا باغ دیدے (اَنَا) دو مفعولوں کے درمیان ضمیر فصل ہے اور فعسیٰ جواب شرط ہے اور اس (تیرے باغ) پر کوئی آسمانی آفت بھیج دے حُسْبَانٌ حُسْبَانَۃٌ کی جمع ہے (یعنی) بجلیاں تو وہ باغ دفعتاً ایک صاف (چٹیل) میدان ہو کر رہ جائے، ایسی چکنی سپاٹ زمین کر دے کہ اس پر قدم نہ ٹھہر سکے یا اس کا پانی بالکل اتر جائے غَوْرًا (مصدر) بمعنی غائر ہے یُرْسِلَ پر عطف ہے نہ کہ تصبح پر اس لئے کہ پانی کے اترنے کا سبب صواعق (بجلیاں) نہیں ہوتیں پھر تو اس کو حاصل کرنے کی کوشش بھی نہ کر سکے یعنی کوئی ایسی تدبیر بھی تیرے بس میں نہ رہے کہ جس کے ذریعہ تو (پانی) دوبارہ حاصل کر سکے اور اس شخص کے مال کو تو آفت نے آگھیرا مع اس کے باغ کے ہلاک ہو گیا ثمر میں سابق میں مذکور، تینوں قرأتیں ہیں، تو حسرت اور ندامت سے ہاتھ ملتا رہ گیا اس پر جو اس نے باغ پر (یعنی اس کی شجرکاری پر) خرچ کیا تھا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا یعنی انگوروں کے لئے (نصب کردہ) ٹٹیوں پر بایں طور کہ وہ ٹٹیاں گر گئیں (ان پر) انگور کی بیلیں گر پڑیں اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا، یا تنبیہ کے لئے ہے اور لَمْ یَکُن میں یا اور تا دونوں قرأتیں ہیں اور نہ ہوئی اس کے لئے کوئی جماعت کہ جو ہلاکت کے وقت اس کی مدد کرتی اللہ کے سوا اور وہ خود بھی ہلاکت کے وقت اپنی مدد نہ کر سکا، اور وہاں یعنی قیامت کے دن حکومت اللہ برحق کے لئے ہوگی وَلَایَۃ واؤ کے فتحہ کے ساتھ بمعنی نصرت اور واؤ کے کسرہ کے ساتھ بمعنی حکومت الحقُّ رفع کے ساتھ ہو تو ولایۃ کی صفت ہوگی اور اگر جر کے ساتھ ہو تو لفظ اللہ کی صفت ہوگی وہی ثواب دینے کے اعتبار سے بہتر ہے دوسروں کے اجر سے، بالفرض اگر دوسرے اجر دینے والے ہوں اور (مومنین کے لئے) انجام کے اعتبار سے بہتر ہے عُقُبًا قاف کے ضمہ کے ساتھ اور سکونِ قاف دونوں درست ہیں اور اس کا نصب تمیز کی وجہ سے ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله لَوْلَا تحضیضیہ ہے آمادہ کرنے، ورغلانے کے لئے ہے اِذْ، دَخَلْتَ کا ظرف مقدم ہے **ماشاء اللہ** موصول

صلہ سے ملکر، مبتداء محذوف کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے الْاَمْرُ ماشاء اللّٰہ یا ماشاء اللّٰہ مبتداء ہے، اوراس کی خبر کائنٌ محذوف ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ ماشرطیہ ہواور جواب شرط محذوف ہو ای ایُّ شیئ ما شاء اللّٰہ کانَ ، باللّٰہ محذوف سے متعلق ہوکرلائے نفی جنس کی خبر ہے **قولہ** اِنْ تَرَنِ اِنْ حرف شرط تَرَنِ مضارع مجزوم واحد مذکر حاضر، نون سے پہلے یٰ لام کلمہ محذوف ہے نون وقایہ یٰ ضمیر متکلم مفعول اول محذوف ہے نون کا کسرہ اس کی علامت ہے اور رویت سے رویت قلبی مراد ہے اَنَا دومفعولوں کے درمیان ضمیر فصل برائے تاکید ہے اَقَلَّ مفعول ثانی ہے مالاً اور ولداً تمیز ہیں، فعسٰی جواب شرط ہے اور اگر تَرَنِ سے رویت بصری مراد ہوتو اَقلَّ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا **قولہ** یُؤْتِینِ اس کے آخر میں یٰ ضمیر متکلم محذوف ہے آتٰی یُؤْتِی اِیْتَاءً سے فعل مضارع واحد مذکر غائب بمعنی دینا **قولہ** حُسْبَانٌ گرم ہوا کا بگولہ، عذاب حسبان (ن) سے بروزن غفران مصدر ہے بمعنی حساب ای مقدارٌ قدّرہ اللّٰہ تعالٰی علیھا اس کا واحد حسبانۃ ہے قول تُصْبِحَ فعل ناقص ھِیَ اس میں ضمیر اس کا اسم صعیدًا زلقًا موصوف صفت سے مل کر خبر **قولہ او** یُصْبِح کا عطف جملہ سابقہ یُرْسِلَ پر ہے نہ کہ تُصبحَ صعیدًا زَلَقًا پر، اگر حسبان کی تفسیر مطلق عذاب سے کی جائے تو اس صورت میں یُصْبِحَ کا عطف فَتُصْبِحَ پر بھی درست ہوگا، اس لئے کہ عذاب الٰہی باغ کو چٹیل میدان کرنے اور پانی کو گہرائی میں چلے جانے کا سبب ہوسکتا ہے غورًا بمعنی غائر ہے تاکہ حمل درست ہوسکے، ورنہ تو مبالغۃً زید عدل کے مانند حمل ہوگا **قولہ** علٰی ما ، یقلّب کے متعلق ہے **قولہ** باَوجُہ الضبط السابقۃ کا مطلب یہ ہے کہ ماسبق میں مذکور ثمرٌ میں جو تین قرأتیں ہیں وہ یہاں بھی ہیں **قولہ** نَدَمًا و تحسُّرًا کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یقلب کا صلہ علیٰ اس لئے درست ہے کہ یقلّبُ ندمًا و تحسُّرًا کے معنی میں ہے ورنہ تو یقلب کا صلہ بعلٰی مستعمل نہیں ہے، تحسُّرًا یقلّبُ کی ضمیر سے حال ہے خاویَۃ اسم فاعل بمعنی اسم مفعول گری ہوئی چیز عُرُوش عَرْشٌ کی جمع ہے ٹٹی، شاخوں کی چھت، **دعائم دعامۃ** کی جمع ہے ٹیکی، ستون **قولہ** ینصرونہ جملہ ہوکر فِئۃ کی صفت اول ہے اور من دون اللّٰہ کائنۃ کے متعلق ہوکر صفت ثانی ہے، **قولہ** هُنَالكَ خبر مقدم الولایۃ مبتدا موخر، للّٰہ خبر ثانی الحقُّ ، الولایۃُ کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اگر الحقِ پر کسرہ پڑھا جائے تو اللہ کی صفت ہوگی، عقبًا تمیز ہے عقب بمعنی بدلہ ثواب۔

تفسیر وتشریح

اور جب تو باغ میں داخل ہوا تھا اور باغ کی سرسبزی اور شادابی نے تجھ کو تعجب میں ڈالدیا تو تونے یہ کیوں نہ کہا کہ اللہ کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے بغیر اللہ کی مدد کے کسی کو نہ کوئی طاقت اور نہ قوت؟ یعنی مال اللہ کی بڑی نعمت ہوتی ہے شکر گذاری سے اس کی پائیداری ہوتی ہے اور ناشکری سے آفت آتی ہے، حدیث شریف میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ

جس شخص کو بہترین مال اور اولاد عطا کئے جائیں تو اگر وہ شخص ماشاء اللہ ولاقوۃ الا باللہ کہہ لے تو وہ مال اور اولاد آفت پہنچنے سے محفوظ رہتا ہے۔

اگرچہ تو مال اور اولاد میں مجھے اپنے سے کمتر پاتا ہے مگر کچھ بعید نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تیرے باغ سے بہتر دنیا ہی میں دیدے آخرت میں تو انشاء اللہ عطا کرے ہی گا اور تیرے باغ پر کوئی ایسی آسمانی آفت بھیج دے جس سے وہ صاف چٹیل میدان ہو کر رہ جائے یا اس آفت سے اس کا پانی اتنا گہرا اتر جائے کہ پھر تو اسے کسی تدبیر سے نہ نکال سکے، یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ مومن شخص نے باغ پر فخر کرنے کا جواب تو دیا مگر اولاد پر فخر کرنے کا جواب نہیں دیا حالانکہ کافر بھائی نے مال اور اولاد دونوں پر فخر کیا تھا، اس لئے کہ اولاد کی کثرت جب ہی اچھی معلوم ہوتی ہے جب مال و دولت خوب ہو ورنہ تو کثرت اولاد وبال جان معلوم ہوتی ہے۔

تو اس کا سارا سامان عیش مع اس کے باغ کے تباہ و برباد ہو گیا اور باغ کی آبادکاری پر لگائی ہوئی لاگت کے ضائع ہونے پر کف افسوس ملتا رہ گیا اور جس طرح مکان کی چھت گر جاتی ہے اور پھر اس پر دیواریں بھی گر جاتی ہیں تو وہ مکان بالکل برباد ہو جاتا ہے اسی طرح اس کا باغ بھی گر کر تباہ و برباد ہو گیا اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس شخص کی یہ ندامت اور حسرت دنیوی نقصان پر تھی توبہ اور رجوع الی اللہ یا عقیدۂ کفریہ پر ندامت کی وجہ سے نہیں تھی اس لئے اس کے اس قول کی وجہ سے اس کو مومن نہیں کہہ سکتے اور نہ یہ اس کی نجات کے لئے کافی ہے۔

اور اس کے پاس اس کے معاونین کی کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی کہ جو خدا کے سوا اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہم سے بدلہ لے سکا ایسے موقع پر مدد کرنا خدائے برحق ہی کا کام ہے اور آخرت میں بھی اسی کا اجر سب سے بہتر ہے اور دنیا میں بھی اسی کا نتیجہ اچھا ہے۔

وَاضْرِبْ صَيِّرْ لَهُمْ لِقَوْمِكَ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مفعولٌ اول كَمَآءٍ مفعول ثان اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ تَكَاثَفَ بِسَبَبِ نزول الماءِ نَبَاتُ الْاَرْضِ وامتزج الماءُ بالنَّبَاتِ فروىَ وحَسُنَ فَاَصْبَحَ فصار النباتُ هَشِيْمًا يابسًا مُتفرِّقةً اجزاؤه تَذْرُوْهُ تُثِيْرُهُ وتُفَرِّقُه الرِّيٰحُ ؕ فتذهب به المعنى شبَّه الدنيا بنباتٍ حَسُنَ فَيَبِسَ وَتكسَّرَ ففرَّقَتْهُ الرِّيَاحُ وفى قراءة الريحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ قادرًا اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ يُتجمَّل بهما فيها وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ هى سبحان اللّٰه والحمد للّٰهِ ولا اله الا اللّٰهُ واللّٰه اكبر وزاد بعضُهم ولاحول ولاقوة الا باللّٰهِ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ اى مَا يَأْمُلُهُ الانسانُ ويَرْجوه عند اللّٰه تعالىٰ

ترجمہ

آپ اپنی قوم کے لئے دنیوی زندگی کی مثال بیان کیجئے، مَثَلَ (اضرب بمعنی صَیّر) کا مفعول اول ہے کماءٍ مفعول ثانی ہے (دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے) جیسے ہم نے بادلوں سے پانی برسایا اس (پانی) کی وجہ سے زمین کا سبزہ (آپس) میں اس پانی برسنے کی وجہ سے گتھ گیا اور سبزہ پانی کی وجہ سے رل مل گیا اور سرسبز و بارونق ہوگیا پھر وہ سبزہ سوکھ کر ایسا چورا چورا ہوگیا کہ اس کے ذرّے متفرق ہوگئے جن کو ہوا اڑائے پھرتی ہے یعنی ریزہ ریزہ کرکے ہوا اس کو اڑائے پھرتی ہے حتی کہ اس کا نام ونشان مٹا دیا، مطلب یہ ہے کہ آپ دنیا کو ایسے خوشنما سبزے سے تشبیہ دیجئے جو آخرکار خشک ہوکر چورا ہوگیا ہو اور پھر ہوا نے اس کو منتشر کردیا ہو اور ایک قرأت میں الریاح کے بجائے الریح ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں مال اور اولاد دنیوی زندگی کی رونق ہے دنیا میں ان دونوں سے زینت حاصل کی جاتی ہے اور باقی رہنے والے اعمال صالحہ ہیں وہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں اور بعض حضرات نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا اضافہ کیا ہے یہ اعمال تیرے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی یعنی جس چیز کی انسان آس اور امید رکھتا ہے، اللہ کے پاس ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

کماءٍ میں کاف بمعنی مثل ہے اور اضرب کا مفعول ثانی ہے اور مَثَل الحیوۃ الدنیا مفعول اول ہے اور اضرب معنی میں صَیّر کے ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کماءٍ ھی مبتداء محذوف کی خبر ہو، اور انزلناہ جملہ ہوکر ماء کی صفت ہو **قولہ الھشیم** (ض) ھَشْمًا ریزہ ریزہ کرنا ھَشِیْمٌ بمعنی مَھْشُومٌ رَوِی (س) رِوًا تروتازہ ہونا، خوش منظر ہونا وتَفَرَّقَہٗ میں عطف تفسیری ہے شَبِّہْ فعل امر ہے اس کا فاعل آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں زینۃ مصدر بمعنی اسم مفعول ہے، جس میں واحد تثنیہ جمع سب برابر ہیں اسی وجہ سے زینۃ، المال اور البنون دونوں کی خبر واقع ہوئی ہے اِضْرِب کی تفسیر صَیِّرْ سے کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اِضرب کا استعمال جب مثل کے ساتھ ہوتا ہے تو متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اس مثال میں دنیوی زندگی کی ابتداء اور انتہاء کو بارش میں اگنے والی گھاس کے آغاز اور انجام سے تشبیہ دی گئی ہے **قولہ** المال والبنون ایسا قیاس ہے کہ جس کا کبریٰ اور نتیجہ محذوف ہے قیاس کی ترتیب یہ ہے: المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا، وکل ما ھُوَ زینتھا فھو ھالك فالمال والبنون ھالکان پھر کہا جائے گا، کل ما ھُوَ ھالك لا یُفتخر بہ، فالمال والبنون لایفتخر بھما۔

قولہ الباقیات صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے اور وہ الکلمات یا الاعمال ہے خیرٌ اسم تفضیل ہے مگر اپنے حقیقی معنی میں مستعمل نہیں ہے شارح نے بسبب النزول کہہ کر اشارہ کردیا کہ بہٖ میں باسببیہ ہے **قولہ** اِمْتَزَجَ الماء سے اِختلطَ کی دوسری تفسیر کی طرف اشارہ ہے اور اِمتزاج چونکہ جانبین سے ہوتا ہے لہٰذا

امتزاج کی نسبت پانی کے بجائے نبات کی طرف کرنا درست ہے، اگرچہ عرف اور استعمال اس کا عکس ہے عرف اور لغت میں باؔ کثیر غیر طاری پر داخل ہوتی ہے جیسا کہ اِمتزجَ الماء باللبن پانی دودھ میں مل گیا، نہ کہ دودھ پانی میں مل گیا، اور یہاں کثیر طاری پر با داخل ہے، یہ پانی کی کثرت میں مبالغہ کرنے کے لئے ہے اگر دودھ کم اور پانی زیادہ ہو تو کہیں گے امتزج اللبن بالماء دودھ پانی میں مل گیا، اسی طرح مذکورہ مثال میں یہ بتانا مقصود ہے کہ پانی اتنا زیادہ ہے کہ گویا وہ ہی اصل ہے **قوله** اَمَلًا اَمَلًا کی تفسیر ما یاملہ سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اَمَلًا مصدر بمعنی اسم مفعول مال کے معنی میں ہے۔

تفسیر وتشریح

پہلی مثال میں دنیوی زندگی اور اس کے سامان کی ناپائیداری ایک شخصی اور جزوی مثال سے بیان فرمائی تھی اس میں بھی یہی مضمون، عام اور کلی مثال سے واضح فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے کہ آپ سرکشان قریش سے دنیوی زندگی کی حالت بیان فرمائیے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو پھر اس پانی سے زمینی نباتات خوب گنجان ہو گئی ہوں اور چند ہی دن کے بعد خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائے کہ اس کو ہوا اڑائے پھرتی ہو بس یہی حال دنیا کا ہے کہ آج بڑی شاداب اور خوشنما معلوم ہوتی ہے کل اس کا نام ونشان بھی نہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں کہ جب چاہیں ایجاد کریں اور جب چاہیں فنا کریں اور جب پوری دنیا کا یہ حال ہے تو مال اور اولاد بھی جو کہ دنیا کا ایک جز ہے دنیوی زندگی کی ایک رونق ہے ان دونوں کے ذریعہ دنیا میں زینت حاصل کی جاتی ہے اس لئے یہ بھی سریع الزوال ہے اور اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں اور وہ اعمال سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں، اور بعض حضرات نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کا بھی اضافہ کیا ہے وہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر اور امید کے اعتبار سے بھی بہتر ہے یعنی اعمال صالحہ سے جو امیدیں وابستہ ہوئی ہیں وہ آخرت میں ضرور پوری ہوں گی اور اس کی امید سے بھی ثواب زیادہ ملے گا بخلاف متاع دنیا کے کہ اس سے دنیا میں بھی انسانی امیدیں پوری نہیں ہوتیں اور آخرت میں تو کوئی سوال ہی نہیں۔

فائدہ: اس آیت میں مال اور اولاد کو دنیوی زندگی کی زیب وزینت کہا گیا ہے یہ حکم فی نفسہ محض مال اور اولاد ہونے کے اعتبار سے ہے لیکن اگر انہی کو خدا پرستی اور دین طلبی کا ذریعہ بنا لیا جائے اور ان سے طاعت الٰہی اور خدمت دین کا کام لیا جائے تو یہی مال واولاد مقصود اور مطلوب بن جاتے ہیں اور ان کا شمار بھی باقیات الصالحات میں ہونے لگتا ہے **حدیث شریف** میں ہے کہ جب انسان کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ موقوف ہو جاتا ہے مگر تین عمل ایسے ہیں کہ ان کے ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے: ۱ صدقۂ جاریہ ۲ وہ علم کہ جس سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہو ۳

نیک اولاد جو مرنے والے کیلئے دعا کرے (رواہ مسلم) تفسیر قرطبی میں عبید بن عمیر کا قول نقل کیا گیا ہے کہ باقیات صالحات نیک لڑکیاں ہیں وہ اپنے والدین کیلئے سب سے بڑا ذخیرہ ہیں اور دلیل میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کو جہنم میں لیجانے کا حکم دیدیا گیا تو اس کی نیک لڑکیاں اس کو چمٹ گئیں اور رونے چلانے لگیں اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگیں کہ یا اللہ انہوں نے دنیا میں ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور ہماری پرورش میں بڑی محنت اٹھائی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرما کر بخش دیا۔

وَاذكر يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ يَذْهَبُ بِهَا عن وجه الارض فتصِيرُ هباءً مُنبثًّا وفى قراءة بالنون و كسر الياء ونَصْبِ الجبال وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ظاهرةً ليس عليها شئٌ مِنْ جبلٍ ولاغيره وَّحَشَرْنٰهُمْ المؤمنين والكافرين فَلَمْ نُغَادِرْ نَتْرُكْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ حالٌ اى مُصْطَفِيْنَ كُلُّ اُمَّةٍ صَفٌّ ويقالُ لهم لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اى فُرَادٰى حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ويقال لِمُنْكِرى البَعْثِ بَلْ زَعَمْتُمْ اَنْ مخففةٌ مِنَ الثقيلة اى اَنَّهُ لَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ لِلْبَعْثِ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ اى كتابُ كُلِّ امرِئٍ فى يَمِيْنِه من المؤمنين وفى شِمالِه من الكافرين فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ الكافرين مُشْفِقِيْنَ خائفين مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ عند مُعايَنَتِهِمْ مافيه من السَّيِّئَاتِ يا للتَّنْبِيْه يٰوَيْلَتَنَا هَلَكَتَنَا وهو مصدر لافعل له من لفظه مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً مِنْ ذُنوبنا اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ عَدَّها واَثْبَتَها تعجَّبُوْا منه فى ذٰلك وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا مُثْبَتًا فى كتابهم وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ لايُعاقِبُهُ بغير جُرْمٍ ولاينقص مِن ثوابِ مؤمنٍ.

ترجمہ

اور یاد کرو اس دن کو کہ وہ (اللہ) چلادے گا پہاڑوں کو یعنی اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو روئے زمین سے اکھاڑ دیں گے اور پہاڑ پراگندہ غبار ہو جائیں گے اور ایک قرأت میں نُسَیِّرُ نون اور ی کے کسرہ اور جبال کے نصب کے ساتھ ہے اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھے گا کہ ایک کھلا میدان ہے کہ اس پر پہاڑ وغیرہ کچھ نہ رہیں گے اور ہم تمام انسانوں کو خواہ مومن ہوں یا کافر سب کو جمع کریں گے ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑیں گے اور سب کے سب تیرے رب کے روبرو صف بستہ حاضر کئے جائیں گے صفًّا حال ہے (اور معنی میں) مصطفین کے ہے ہر امت کی ایک صف ہوگی اور ان سے کہا جائے گا کہ دیکھو آخر کار تم ہمارے پاس آئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا یعنی تن تنہا برہنہ پا، ننگے دھڑ نگے غیر مختون اور منکرین بعث سے کہا جائے گا تم یہ سمجھتے رہے تھے کہ ہم تمہارے بعث کے لئے کوئی وقت موعود نہ لائیں گے اَنْ مخففہ عن المثقلہ ہے یعنی اَنَّهُ اور نامۂ عمل سامنے رکھ دیا جائے گا یعنی ہر شخص کا نامۂ

عمل، اگر مومن ہوگا تو دائیں ہاتھ میں اور اگر کافر ہوگا تو بائیں ہاتھ میں دیدیا جائے گا تو اے مخاطب تو دیکھے گا مجرموں کافروں کو کہ اس تحریر سے جو اس میں ہوگی خوف زدہ ہو رہے ہوں گے اور اس (نامۂ اعمال) میں لکھی ہوئی بداعمالیوں کو دیکھ کر کہیں گے ہائے ہماری بدنصیبی وَیْلَتَنَا، ھَلَکَتَنَا کے معنی میں ہے اور ویل ایسا مصدر ہے کہ اس کا فعل (اس مادہ) سے مستعمل نہیں ہے یہ (نامۂ عمل) کیسی عجیب کتاب ہے کہ جس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا اور نہ بڑا جس کا احاطہ نہ کیا ہو؟ یعنی ہر گناہ کو شمار کر کے قلمبند کرلیا اور مجرمین نامۂ اعمال کی اس کیفیت سے تعجب کریں گے اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا موجود پائیں گے یعنی اپنے اعمال ناموں میں لکھا ہوا پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا یعنی ناکردہ گناہ کی سزا نہ دے گا اور نہ کسی مومن کا اجر کم کرے گا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ تعالیٰ حَشَرْنَا وعُرِضُوْا ووُضِعَ مذکورہ تینوں افعال ماضی کے صیغہ ہیں مگر معنی میں استقبال کے ہیں، وقوع یقینی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ماضی لایا گیا ہے لَمْ نُغادر کا عطف حَشَرْنَا پر ہے اس لئے کہ لم نغادر لَمْ کی وجہ سے ماضی منفی کے معنی میں ہے **قولہ** صَفًّا عُرِضُوْا کی ضمیر سے حال ہے مصدر ہونے کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے یُسَیِّرُ کی تفسیر یذھَبُ بھا سے کرنے میں اشارہ ہے کہ یُسَیِّرُ متعدی بالباء ہے اور الجبالُ اس کا مفعول اول ہے **قولہ** نُغادِرُ کی تفسیر نَتْرُكُ سے کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نُغادِرُ باب مفاعلہ اگرچہ طرفین سے فعل کا تقاضہ کرتا ہے مگر یہاں طرفین سے فعل مراد نہیں ہے بلکہ غادرَ بمعنی غدرَ ہے، ای نترکُ اور عاقبتُ اللصَّ کے قبیل سے ہے **قولہ** مصطفین سے اشارہ کر دیا کہ صفًّا اگرچہ مفرد ہے مگر مصدر ہونے کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے **قولہ** کماءِ یا تو مفعول مطلق ہے یا ضمیر مرفوع سے حال ہے، پہلی صورت میں کماء مصدر محذوف کی صفت ہوگا ای فَجِئْتُمُوْنَا کائنًا کماءِ الخ **قولہ** اَنْ لَنْ یہ دو حرف ہیں اول اَنْ مخففہ عن المثقلہ ہے اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے ای اَنَّہٗ اور جملہ لَنْ نَجْعَلَ اس کی خبر ہے دوسرا کلمہ لَنْ حرف ناصب ہے اَنْ کا نون لَنْ کے لام میں مدغم کردیا گیا ہے اور قرآنی رسم الخط میں نون کو حذف کر دیا گیا لَکُمْ نجعل کا مفعول ثانی ہے اور موعدًا مفعول اول ہے **قولہ** کتاب کلّ امرِئٍ مفسر علام نے الکتاب کی تفسیر کتاب کل امرئ سے کرکے اشارہ کر دیا کہ الکتاب کا الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے **قولہ** مشفقین کی تفسیر خائفین سے کرنے کا مقصد تعیین معنی ہیں اس لئے کہ مشفقین مختلف معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں خوف کے معنی مراد ہیں، حسن اور ابن کثیر اور ابو عمر نے تُسَیَّرُ الجبالُ مجہول پڑھا ہے اور الجبالُ کو نائب فاعل قرار دیا ہے اور ابن محیصؒ نے تَسِیْرُ الجبالُ پڑھا ہے اور الجبالُ کو فاعل قرار دیا ہے، اور امام باقون نے نُسَیِّرُ الجبالَ پڑھا ہے اور جبال کو مفعول قرار دیا ہے، اور فاعل

اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے یادر ہے کہ نُسَيِّرُ فعل محذوف اُذکر کا ظرف ہے **قولہ** مال ھذا الکتاب میں ما استفہامیہ مبتدا ہے یہ استفہام توبیخی ہے لام جارہ ہے ھذا اسم اشارہ الکتاب مشار الیہ لھذا کا لام یہاں پر رسم الخط قرآنی کے مطابق ھذا سے الگ لکھا جاتا ہے مصحف عثمانی میں اسی طرح لکھا ہوا ہے **قولہ** صغیرۃ و کبیرۃ کا موصوف ھَنَةً یا فعلةً محذوف ہے معصیۃ بھی مقدر مان سکتے ہیں۔

تفسیر وتشریح

وَاِنَّ نُسَيِّرُ الجبال سے اللہ تعالیٰ قیامت کی ہولناکیوں کو بیان فرما رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ یہ باغ و بہار زندگی اور سرسبز وشاداب زمین کس طرح ویران ہو جائے گی اور آخرت کی گھڑی کافروں کے لئے کس قدر حسرت ناک ہوگی ارشاد فرمایا اس دن کو یاد کرو کہ جس دن ہم پہاڑوں کو چلتا کر دیں گے اور یہ پہاڑ دھنی ہوئی روئی اور بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے سورہ النمل آیت ۸۸ میں فرمایا کہ تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ بڑی مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں مگر وہ اس طرح چلیں گے جس طرح بادل چلتے ہیں اور آپ اے محمد یا ہر مخاطب زمین کو ایک کھلا میدان دیکھے گا اس دن پہاڑ، دریا اور ٹیلے، عمارتیں، درخت غرضیکہ ہر چیز ناپید ہو جائے گی اور کہیں کوئی نشیب وفراز نہ رہے گا سورہ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں معلوم کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ میرا پروردگار ان کو بالکل اڑا دیگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام انسانوں کو سفید بھوری زمین پر جمع کیا جائے گا جو میدے کی روٹی کی طرح ہوگی اس میں کسی بھی انسان کی کوئی علامت باقی نہیں رہے گی اور ہم سب انسانوں کو جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے یعنی اولین وآخرین چھوٹے بڑے کافر مومن سب کو جمع کریں گے کوئی زمین کی تہہ میں یا کسی گوشے میں پڑا نہ رہ جائے گا اور نہ قبر سے نکل کر کہیں چھپ سکے گا صَفًّا کے معنی کھڑے ہونے کی حالت میں بھی ہو سکتے ہیں یعنی بارگاہ خداوندی میں سب کی حاضری حالت قیام میں ہوگی کوئی بیٹھا ہوا نہ ہوگا اور صفًّا کے معنی صفوفاً کے بھی ہیں یعنی قطار در قطار کے بھی ہو سکتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ اہل محشر کی ۱۲۰ صفیں ہوں گی جن میں سے اسّی صفیں اس امت کی ہوں گی اور جو لوگ قیامت کا انکار کرتے تھے ان سے کہا جائے گا کہ لو دیکھ لو آ گئے نا تم ہمارے پاس اسی طرح کہ جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا یعنی جان ومال، آل واولاد اور اپنی ہر اس چیز سے خالی ہاتھ ہو کر جس پر تم دنیا میں ناز کیا کرتے تھے ننگ دھڑنگ ہماری بارگاہ میں حاضر ہو گئے بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم قیامت میں اپنے رب کے سامنے ننگے پاؤں ننگے بدن اور غیر مختون حالت میں جمع کئے جاؤ گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ انبیاء کی آیت ۱۰۴ تلاوت فرمائی اور قیامت میں سب سے اول جس کو لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیم علیہ السلام ہوں گے (متفق علیہ عن ابن عباس) ایک دوسری روایت میں ہے کہ

مذکورہ حدیث سن کر حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا یا رسول اللہ کیا سب مرد وزن ننگے ہوں گے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے، آپ نے فرمایا اس وقت معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہوگا کہ کوئی کسی کو دیکھے یعنی اس روز ہر ایک کو ایسی فکر دامن گیر ہوگی کہ کسی کو کسی طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہ ہوگا سب کی نظریں اوپر کو اٹھی ہوئی ہوں گی اور منکرین قیامت سے یہ بھی کہا جائے گا بلکہ تم نے تو یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہارے لئے کوئی وعدہ کا وقت مقرر نہیں کیا بتاؤ تم دوبارہ پیدا ہو گئے یا نہیں؟ اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا پھر آپ دیکھیں گے کہ مجرم لوگ اس کے مندرجات سے ڈر رہے ہوں گے اپنے گناہوں کی فہرست پڑھ کر خوف کھا رہے ہوں گے اور سوچ رہے ہوں گے کہ دیکھئے اب کیسی سزا ملتی ہے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری کمبختی یہ کیسی عجیب کتاب ہے کہ اس نے نہ ہماری چھوٹی بات چھوڑی اور نہ بڑی مگر اس نے سب احاطہ کرلیا ہے یعنی کوئی بات ایسی نہیں رہی کہ جو اس میں درج نہ ہوگئی ہو اور جو کچھ بھی انہوں نے دنیا میں کیا تھا وہ سب موجود پائیں گے اور آپ کا پروردگار کسی پر ظلم نہ کرے گا، اس کا مفہوم عام طور پر حضرات مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ اپنے کئے ہوئے اعمال کی جزاء کو موجود پائیں گے اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے تھے کہ اس تاویل کی ضرورت نہیں بے شمار روایات حدیث اس بات پر شاہد ہیں کہ یہی اعمال آخرت کی جزاء سزاء بن جائیں گے ان اعمال کی شکلیں وہاں بدل جائیں گی نیک اعمال جنت کی نعمتوں کی شکل اختیار کرلیں گے اور برے اعمال جہنم کی آگ اور سانپ اور بچھوؤں کی شکل اختیار کرلیں گے، اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کا مال قبر میں ایک بڑے سانپ کی شکل میں آکر اس کو ڈسے گا، اور کہے گا أنا مالك (میں تیرا مال ہوں) اور نیک اعمال ایک حسین عورت کی شکل میں انسان کی قبر کی تنہائی میں وحشت دور کرنے کے لئے آئیں گے وغیرہ وغیرہ، ان تمام روایات کو عموماً مجاز پر محمول کیا جاتا ہے اور اگر مذکورہ تحقیق کو لیا جائے تو پھر مجاز کی ضرورت نہیں رہتی۔

قرآن کریم نے یتیم کے مال کو ناجائز طریقہ سے کھانے کو آگ فرمایا (إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِي بُطُوْنِهِمْ نَارًا) مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اس وقت بھی آگ ہے مگر اس کے آثار محسوس کرنے کے لئے اس دنیا سے گذرنا شرط ہے جیسے کہ کوئی ماچس کے بکس کو آگ کہے تو صحیح ہے مگر اس کے آگ ہونے کے لئے رگڑنا شرط ہے، خلاصہ یہ کہ انسان جو کچھ نیک یا بد عمل دنیا میں کرتا ہے یہ عمل ہی آخرت میں جزاء یا سزاء کی شکل اختیار کرے گا، اس وقت اس کے آثار وعلامات اس دنیا میں مختلف ہوں گے۔

وَ اِذْ منصوبٌ بِاُذْكُرْ **قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ** سجودَ انحِنَاءٍ لاوَضْعِ جَبْهةٍ تَحِيَّةً له **فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ** قيل هم نوعٌ من الملئكة فالِاسْتِثْنَاءُ مُتَّصِلٌ وقيل هو منقطع وابليس **اَبُو الجنِّ** وله ذريةٌ ذُكِرَتْ معَهُ بَعْدُ والملئكة لاذُرِّيَّةَ لَهُمْ **فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ** اى خَرَجَ عَنْ طاعَتِهِ بتَرْكِ السُّجود **اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ** الخطابُ لِاٰدَمَ وذُرِّيَّتِهِ والهاءُ فى الموضعين لِاِبْلِيْسَ

اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ تُطِیْعُوْنَھُمْ وَھُمْ لَکُمْ عَدُوٌّ ط ای اَعْدَاء حال بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا ○ اِبْلِیْسُ وذریتہ فی اطاعتھم بَدَلَ اِطَاعَۃِ اللّٰہِ تعالٰی مَا اَشْھَدْتُّھُمْ ای ابلیس وَذُرِّیَّتَہٗ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَاخَلْقَ اَنْفُسِھِمْ ص ای لم اُحْضِر بعضھم خَلْقَ بعْضٍ وَمَا کُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّیْنَ الشیاطین عَضُدًا ○ اَعْوَانًا فی الخلقِ فَکَیْفَ تُطِیْعُوْنَھم وَیَوْمَ منصوب بِاُذْکر یَقُوْلُ بالیاء والنون نَادُوْا شُرَکَآئِیَ الْاَوْثَانَ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ لِیَشْفَعُوْا لَکُمْ بِزَعْمِکُمْ فَدَعَوْھُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَھُمْ لَمْ یُجِیْبُوْھم وَجَعَلْنَا بَیْنَھُمْ بَیْنَ الْاَوْثَانِ وَعَابِدِیْھَا مَوْبِقًا ○ وَادِیًا مِنْ اَوْدِیَۃِ جَھَنَّمَ یَھْلِکُوْنَ فیھا جمیعًا وھو مِنْ وَبَقَ بالفتح ھَلَکَ وَرَاَی الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْا ای اَیْقَنُوْا اَنَّھُمْ مُّوَاقِعُوْھَا ای وَاقِعُوْنَ فیھا وَلَمْ یَجِدُوْا عَنْھَا مَصْرِفًا ○ ع مَعْدِلًا.

ع ۵

ترجمہ

وَاِذْقلنا یہ اذکر فعل محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو یعنی آدم کی تعظیم کے لئے تم اس کے سامنے جھکو نہ یہ کہ زمین پر پیشانی رکھو چنانچہ ابلیس کے علاوہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا کیونکہ (ابلیس) جنات میں سے تھا، کہا گیا ہے کہ جنات ملائکہ کی اقسام میں سے ایک قسم ہیں، تو اس صورت میں مستثنیٰ متصل ہوگا اور (یہ بھی) کہا گیا ہے کہ اِلَّا ابلیس مستثنیٰ منقطع ہے اور ابلیس جنات کا جدِ اعلیٰ ہے اس کی ذریت بھی ہے جس کا ذکر بعد والی آیت میں آرہا ہے، اور ملائکہ کی ذریت نہیں ہوتی اسی سبب (یعنی جنی ہونے کے سبب سے) اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی یعنی ترک سجدہ کرکے اپنے رب کی اطاعت سے خارج ہوگیا کیا تم پھر بھی اس کو اور اس کی ذریت کو (یہ) خطاب آدم اور ان کی ذریت کو ہے مجھے چھوڑ کر دوست بناتے ہو یعنی ان کی اطاعت کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں عَدُوٌّ بمعنی اَعْدَاءٌ ہے اور حال یہ ہے کہ (یہ) ظالموں کے لئے بہت برا بدل ہے یعنی ابلیس اور اس کی ذریت کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے بجائے نہایت برا بدل ہے، اور میں نے ان کو یعنی ابلیس اور اس کی ذریت کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت اور خود ان کی تخلیق کے وقت حاضر نہیں رکھا یعنی خود ان میں سے بعض کی تخلیق کے وقت ان میں سے کسی کو حاضر نہیں رکھا اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا نہیں یعنی تخلیق میں اپنا معاون بنانے والا نہیں تو پھر ان کی اطاعت کیوں کرتے ہو؟ اور یوم اذکر (محذوف) کی وجہ سے منصوب ہے یقولُ ی اور ن کے ساتھ ہے اور جس دن وہ کہے گا کہ تمہارے خیال میں جو میرے شریک تھے (یعنی بت) ان کو پکارو تاکہ تمہارے خیال کے مطابق وہ تمہاری شفاعت کریں چنانچہ یہ ان کو پکاریں گے لیکن ان میں سے کوئی بھی جواب نہ دے گا اور ان کے یعنی بتوں اور ان کے عابدین کے درمیان جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی متعین کردیں گے تو وہ سب

اس میں ہلاک ہوجائیں گے مَوْبِقًا وَبَقَ بالفتح سے مشتق ہے بمعنی ھَلَكَ اور مجرم جہنم کو دیکھ کر سمجھ لیں گے (یقین کرلیں گے) کہ وہ اس میں جھونکے جانے والے ہیں یعنی اس میں داخل ہوں گے اور اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله تحیةً له یہ اسجدوا کا معمول ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ کان بمعنی صارَ ہے ای صارَ من الجن، کان من الجن جملہ مستانفہ ہے اور لم یسجد کی علت ہے **قوله** فَفَسَقَ عن امرِ ربِّه فا تعلیلیہ اور سببیہ دونوں ہوسکتی ہے فَسَقَ بمعنی خَرَجَ ہے عرب بولتے ہیں فَسَقَتِ الرطبة عن قشرها جبکہ کھجور اپنے چھلکے سے نکل جائے اسی طرح یہ بھی بولتے ہیں فَسَقَتِ الفَارة من اُجْحَرِها چوہا اپنے بل سے نکل گیا (ض ن ک) اس کے اصطلاحی معنی ہیں حق وصلاح کے راستے سے ہٹ جانا، نافرمان ہوجانا، حدود شریعت سے نکل جانا، **قوله** هم نوع من الملائکة یہ مستثنیٰ متصل کی توجیہ ہے اور ابلیس ابوالجن یہ مستثنیٰ منقطع کی توجیہ ہے افتتخذونهٗ میں ہمزہ انکار اور اظہار حیرت کے لئے ہے اور فا تعقیب کے لئے ہے ذریتهٗ کا عطف تتخذونهٗ کی ضمیر پر ہے مجاہد نے کہا ہے کہ ابلیس کی ذریت میں لاقس اور ولهان ہیں ان دونوں کا کام طہارت میں وسوسہ ڈالنا ہے **قوله** ذریّة یہ ابوالجن پر تفریع ہے فَسَقَ کی تفسیر خرج سے کرکے لغوی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور عن طاعته بترك السجود کا اضافہ کرکے اصطلاحی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قوله اَفَتتخذونَهٗ ہمزہ محذوف پر داخل ہے فا عاطفہ ہے معطوف علیہ فعل محذوف ہے، استفہام توبیخی ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَبَعْدَ مَاحَصَلَ منه ماحصَلَ من الاِباء والفسق یلیق منکم اتخاذهٗ و ذریتهٗ اولیاء **قوله** من دونی محذوف سے متعلق ہوکر اولیاء کی صفت ہے مِن دونی کا تعلق تتخذوا سے بھی ہوسکتا ہے وهم لکم عدوٌّ مفعول یا فاعل سے حال ہے عَدُوٌّ مصدر ہونے کی وجہ سے معنی میں اعداء کے ہے للظالمین بدلاً سے متعلق ہے اور بدلاً بئس کے فاعل ضمیر مستتر ھو سے تمیز واقع ہے اور ابلیس وذریّتهٗ مخصوص بالذم محذوف کا بیان ہے تقدیر عبارت یہ ہے بئس البدلُ بدلاً هو ابلیس وذریتهٗ **قوله** شرکائی شرکائی کے قرینہ سے زعمتمونی کے دونوں مفعول محذوف ہیں ای زعمتموهم شرکائی **قوله** رَءَ یَ کوفی رءی کے آخر یا لکھتے ہیں بصری نہیں لکھتے، رآی کی اصل رَاَیَ ہے یا متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے بدل گئی تو رآ ہوا عربی زبان میں کوفیوں کا رسم الخط رائج ہے لہٰذا را کے آخر میں یا لکھی گئی **قوله** مُوَاقِعُوْا اسم فاعل جمع مذکر اصل میں مُواقِعُونَ تھا، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، ایک دوسرے سے قریب ہونے والے، مصدر مواقعةٌ ہے، مصرف ظرف مکان ہے لوٹنے کی جگہ

تفسیر و تشریح

اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو یعنی اس کی تعظیم بجالاؤ تا کہ تمام مخلوق کا انقیاد ظاہر ہو جائے اور آدم خلافت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا یعنی ابلیس کے علاوہ سب نے آدم کی بڑائی کا اعتراف کیا مگر ابلیس نے نہ کیا اور گھمنڈ میں آکر کہنے لگا کہ میں آدم سے بہتر ہوں تو آدم کے سامنے کیوں جھکوں اس طرح وہ حکم خداوندی کا انکار کر کے کافروں میں شامل ہو گیا، اور وجہ اس کی یہ تھی کہ ابلیس جنات میں سے تھا فرشتہ نہ تھا ورنہ حکم عدولی نہ کرتا، اس صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب وہ فرشتہ نہیں تھا تو پھر وہ اللہ کے حکم کا مخاطب ہی نہیں تھا اس لئے کہ حکم کے مخاطب تو فرشتے تھے انہیں کو سجدہ کا حکم دیا گیا تھا صاحب روح المعانی نے کہا ہے کہ وہ فرشتہ یقیناً نہیں تھا لیکن وہ فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اور ان ہی میں شمار ہوتا تھا اس لئے وہ حکم خداوندی کا مخاطب تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (مَامَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ) واخرج ابن جریر ابن الانباری عنه قال ماکان من الملائکة طرفة عینٍ واخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن الحسن قال (قَاتَلَ اللّٰهُ اَقوامًا زَعَمُوْا اَنَّ ابلیسَ کانَ من الملائکةِ وَاللّٰهُ یقولُ کانَ مِنَ الجنِّ)

جنات، انسانوں ہی کی طرح بااختیار مخلوق ہیں، جنات اور انسان فرشتوں کے مانند پیدائشی فرمانبردار مخلوق نہیں ہے بلکہ کفر و ایمان اطاعت و معصیت دونوں پر قدرت دی گئی ہے چنانچہ ابلیس خود اپنے اختیار سے فسق و عصیان کی راہ اختیار کر کے حکم خداوندی کا منکر ہو گیا، فرشتوں کا یہ سجدہ ایک رمزی سجدہ، انقیاد و اطاعت کی علامت کے طور پر تھا اور اس قسم کا سجدہ امم سابقہ میں جائز تھا یہ سجدہ تحیۃ (سلامی کا سجدہ) تھا شریعت محمدیہ میں غیر اللہ کے لئے ہر قسم کا سجدہ حرام ہے، اور سجدہ کرنے کا حکم صرف جن و ملائکہ ہی کو نہیں تھا بلکہ تمام مخلوقات کو تھا اور روح المعانی میں ایک قول یہ لکھا ہے کہ صرف زمینی مخلوق کو تھا اور فرشتوں میں سے جو زمین پر رہتے تھے انہی کو تھا قرآن کریم میں یہ واقعہ متعدد جگہ آیا ہے مگر کسی جگہ کوئی لفظ ایسا نہیں ہے کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ حکم صرف فرشتوں کے لئے تھا بلکہ یہاں صراحت ہے کہ ابلیس کو بھی تھا اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سجدہ کا حکم ملائکہ کے علاوہ دیگر مخلوقات کو بھی دیا گیا تھا اور فرشتوں کا تذکرہ ہر جگہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اس وقت کی مخلوق میں سب سے بہتر مخلوق تھے اس لئے جب ان کو حکم ہوا تو دیگر مخلوقات کو بدرجہ اولیٰ حکم ہوگا، ابلیس کے بارے میں **جو یہ بات مشہور** ہے کہ وہ فرشتہ بلکہ فرشتوں کا استاد تھا یہ خیال اسرائیلی روایات کی پیداوار ہے اور (وکانَ مِنَ الجنِّ) سے **مقصد ابلیس کی اصل بتانا نہیں** ہے بلکہ اس بات کی علت بیان کرنا ہے کہ ابلیس نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اور وجہ یہ بتائی گئی ہے چونکہ وہ جنی تھا فرشتہ نہ تھا اس لئے اطاعت سے باہر ہو جانا اس کے لئے ممکن ہوا اگر فرشتہ ہوتا تو یہ بات ممکن نہ ہوتی اس لئے کہ فرشتے فطرۃً مطیع اور معصوم ہوتے ہیں۔ (دیکھئے سورہ تحریم)

وَذُرِّيَّتَهُ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے اولاد ہے توالد وتناسل کا سلسلہ جس طرح انسانوں میں ہے اسی طرح جنات میں بھی ہے البتہ فرشتوں میں یہ سلسلہ نہیں ہے اس لئے یہ بات تو طے ہے کہ ابلیس کی بھی اولاد ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ ان میں توالد وتناسل کی کیا صورت ہے، ایک صحیح حدیث جس کو حمیدی نے کتاب الجمع میں حضرت سلمان فارسی سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نصیحت فرمائی کہ تم ان لوگوں میں سے نہ بنو جو سب سے پہلے بازار میں داخل ہوتے ہیں یا سب سے آخر میں بازار سے نکلتے ہیں کیونکہ بازار ایسی جگہ ہے کہ جہاں شیطان نے انڈے بچے دے رکھے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی ذریت انڈوں بچوں سے پھیلتی ہے اور بعض حضرات نے اس جگہ ذریت سے مراد اس کے معاون ومددگار مراد لئے ہیں خواہ جن ہوں یا انس۔

ابلیس چونکہ جنات میں سے تھا اس لئے اس نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی کیا پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی ذریت کو اپنا کارساز بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں یہ شیاطین کارساز تو کیا ہوتے میں نے آسمان اور زمین پیدا کرتے وقت ان کو دکھلایا بھی نہیں، کیونکہ زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت یہ موجود ہی نہیں تھے اور نہ خود ان کی تخلیق ان کو دکھلائی گئی یعنی ان میں سے ایک کی تخلیق دوسرے کو نہیں دکھلائی گئی تھی اور میں ایسا نہیں کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست وباز و بناؤں اور اس دن کو یاد کرو جب حق تعالیٰ فرمائیں گے پکارو ان کو جن کو تم میرا شریک مانتے تھے لہٰذا وہ پکاریں گے تو وہ ان کو جواب ہی نہ دیں گے یعنی وہ ان کی کچھ مدد نہ کر سکیں گے اور ہم ان (عابدین ومعبودین) کے درمیان ہلاکت کی جگہ حائل کر دیں گے یعنی دونوں کے درمیان آگ کی وسیع خلیج حائل کر دی جائے گی جس کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب بھی نہ آسکیں گے کام آنا تو درکنار اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ کافر چالیس سال مسافت کے جہنم کو دیکھ لیں گے اور وہ یقین کر لیں گے کہ انہیں ضرور اس میں گرنا ہے یعنی ان کے لئے فرار کی کوئی راہ نہ ہوگی۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا بَيَّنَّا فِي هٰذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ط صِفَةٌ لمحذوفٍ اى مَثَلاً مِن جنسِ كُلِّ مثلٍ لِيَتَّعِظُوْا وَكَانَ الْإِنْسَانُ اى الكافرُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ○ خصومةً فى الباطلِ وهو تمييزٌ منقولٌ من اسمِ كانَ ، المعنى وكانَ جدلُ الانسانِ أكْثَرَ شيءٍ فيهِ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اى كُفَّارَ مكةَ أَنْ يُؤْمِنُوْا مفعولٌ ثانٍ إِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى اى القرآنُ وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِيْنَ فاعلٌ اى سُنَّتُنَا فيهم وهى الإهلاكُ المُقَدَّرُ عليهم أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا مُقابلةً وعِيانًا وهو القتلُ يومَ بَدْرٍ وفى قراءةٍ بضمتين جمعُ قَبِيلٍ اى أنواعًا وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا مُبَشِّرِيْنَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ج مُخَوِّفِين للكافرين وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ بقولِهم أبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ونحوِه لِيُدْحِضُوْا بِهِ لِيُبْطِلُوْا بجدالِهم الْحَقَّ القُرْآنَ وَاتَّخَذُوْا آيَاتِي القرآنَ وَمَا أُنْذِرُوْا

به من النار هُزُوًا○ سُخْرِيَةً وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ؕ مَا عَمِلَ مِنَ الكُفْرِ والمعاصي فَلَمْ يَتَفَكَّرْ في عَاقِبَتِهَا اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَغْطِيَةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ مِن اَنْ يفقهوا القرآنَ اى فَلا يَفْهَمُوْنَه وفي اٰذانِهِمْ وَقْرًا ؕ ثِقْلاً فلا يَسْمَعُوْنَه وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْا اِذًا اى بالجَعْلِ المذكور اَبَدًا○ وَرَبُّكَ الغَفُوْرُ ذُوالرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ في الدنيا بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ العَذَابَ ؕ فيها بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ وهو يومُ القيمة لَنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلاً○ مَلْجَأً مِنَ العذاب وَتِلْكَ القُرٰى اى اَهْلُها كَعَادٍ وثمودَ وغيرهما اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ج كَفَرُوْا وَجَعَلْنَا لِمُهْلَكِهِمْ لِاِهْلاكِهِمْ وفي قراءة بفتح الميم اى لِهَلاكِهِم مَوْعِدًا○ ع

ترجمہ

اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کے عمدہ مضامین مختلف انداز سے بیان کئے ہیں من کل مثلٍ موصوف محذوف مثلاً کی صفت ہے یعنی ہر قسم کی مثالیں تاکہ نصیحت حاصل کریں، اور کافر انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے یعنی خصومت میں باطل طریقہ اختیار کرتا ہے جَدَلاً کانَ کے اسم سے منقول ہو کر تمیز ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وکانَ جَدَلُ الانسان اکثرَ شیءٍ فیه اور لوگوں کو یعنی کفار مکہ کو ایمان لانے اور اپنے پروردگار سے معافی طلب کرنے سے ان کے پاس ہدایت قرآن پہنچنے کے بعد صرف اس انتظار نے روکا کہ ان کو بھی پہلی امتوں جیسا معاملہ پیش آجائے یا یہ کہ عذاب ان کے روبرو آ کھڑا ہو، سنۃُ الاولین تاتیَهُم کا فاعل ہے یعنی جو ہمارا قانون قدرت ان کے بارے میں ہے، اور وہ، وہ ہلاکت ہے جو ان کے حق میں مقدر ہو چکی ہے اَنْ یُؤمنوا (منع کا) مفعول ثانی ہے قِبَلاً بمعنی روبرو نظروں کے سامنے اور وہ (عذاب) یوم بدر میں قتل کی شکل میں پیش آیا، اور ایک قرأت میں قُبُلاً قاف اور فاء کے ضمہ کے ساتھ ہے جو کہ قبیل کی جمع ہے، انواع کے معنی میں اور ہم نے رسولوں کو مومنین کو بشارت دینے والے اور کافروں کو ڈرانے والے بنا کر بھیجا، اور کافر ایسی باتیں کہہ کر کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ ناحق جھگڑے کھڑے کرتے ہیں تاکہ وہ اس (باطل) طریقہ سے حق قرآن کو زیر کر دیں اور انہوں نے میری آیتوں قرآن اور اس عذاب نار کا جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا مذاق اڑایا اور اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی پھر اس نے منہ پھیر لیا؟ اور وہ ان کرتوتوں کو بھول گیا جو اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکا ہے یعنی وہ کفر و معصیت کے اعمال جن کو وہ کر چکا ہے بلاشبہ ہم نے ان کے قلوب پر پردے ڈال دیئے ہیں، اس بات سے کہ وہ قرآن کو سمجھیں اس وجہ سے وہ قرآن کو نہیں سمجھ سکتے اور ان کے کانوں کو بہرا کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن کو سنتے نہیں ہیں اور اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ اس وقت ہرگز راہ راست پر نہ آئیں گے یعنی جعل مذکور کی وجہ سے اور وہ قلوب پر پردے اور

کانوں میں ثقل (بہراپن) ہے اور آپ کے پروردگار بڑے ہی درگذر کرنے والے رحم کرنے والے ہیں اور اگر وہ دنیا میں ان کے کرتوتوں کے سبب مؤاخذہ کرنے لگے تو فوراً ہی ان پر دنیا ہی میں عذاب بھیج دے بلکہ ان کے لئے ایک وعدہ ہے اور وہ قیامت کا دن ہے اور وہ اس کے علاوہ کوئی پناہ گاہ ٹھکانہ نہ پائیں گے اور ہم نے ان بستیوں یعنی ان کے باشندوں مثلاً عاد و ثمود وغیرہ کو اس وقت ہلاک کردیا جب انہوں نے ناانصافی کی (کفر کیا) اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا تھا یعنی ان کو ہلاک کرنے کے لئے اور ایک قرأت میں میم کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی ان کی ہلاکت کے لئے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله لقد صَرَّفْنَا صرَّفَ تصريفًا مختلف طریقوں سے بیان کرنا اور مختلف انداز سے سمجھانا، مِنْ كُلِّ مثلٍ میں مِنْ زائدہ ہے، مِنْ كلِّ مثلٍ، مثلاً محذوف کی صفت ہو کر صرّفنا کا مفعول بہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے صرّفنا في هذا القرآن مثلاً كائنًا من كلِّ مثلٍ **قوله** جَدَلاً اكثرَ شيءٍ کی نسبت سے تمیز ہے، كان کے اسم سے منقول ہے، اي كان جدال الانسان اكثر شيءٍ فيه اي جداله اكثر من كل مجادلٍ مَنَعَ فعل ماضی (ف) الناس مفعول اول اور ان يومنوا جملہ بتاویل مصدر ہو کر مفعول ثانی ان سے پہلے مِنْ محذوف ہے **قوله** اذ جاء هم یومنوا کا ظرف ہے يستغفروا کا عطف يومنوا پر ہے **قوله** انْ تاتيَهم بتاویل مصدر ہو کر مَنَعَ کا فاعل ہے اِنتظار مضاف محذوف ہے اور انْ تاتيَهُمْ مضاف الیہ ہے جو کہ مضاف کے قائم مقام ہے اور ياتيَهم کا عطف تاتيَهُمْ پر ہے **قوله** قِبَلاً، العذابَ سے حال ہے بمعنی سامنے، روبرو اور ایک قرأت میں قُبُلاً ہے جو قبيل کی جمع ہے اس کے معنی انواع واقسام کے ہیں جیسے سُبُلٌ سبيلٌ کی جمع ہے بمعنی انواع **قوله** مبشرين ومنذرين مرسلين سے حال ہیں يُجادل کا مفعول المرسلين محذوف ہے لِيُدْحِضُوْا يجادلِ سے متعلق ہے اِدحاض (افعال) پھسلانا، مٹانا، **قوله** ما اُنْذِرُوْا میں ما موصولہ ہے اور اُنذِرُوْا جملہ ہو کر صلہ بہ عائد محذوف ہے یا ما مصدریہ ہے انذارهم کے معنی میں اُنذِرُوا کا عطف آياتي پر ہے هُزُوًا، اتخذوا کا مفعول ثانی ہے اور آياتي وما اُنذِرُوْا جملہ عاطفہ ہو کر اتخذوا کا مفعول اول ہے **قوله** مَنْ لفظاً مفرد ہے اور معناً جمع ہے لہٰذا اس کی طرف واحد اور جمع دونوں قسم کی ضمیریں لوٹ سکتی ہیں جیسا کہ آئندہ پانچ ضمیریں مفرد اور پانچ جمع کی مَن کی طرف لوٹ رہی ہیں **قوله** اَكِنَّةً یہ كِنانٌ کی جمع ہے بمعنی پردہ یہ جملہ اعراض اور نسیان کی علت ہے **قوله** بالجعل المذكور اس جملہ کا اضافہ اذًا کے مفہوم کی تعیین کے لئے ہے **قوله** رَبُّكَ مبتداء الغفور خبر اول ذو الرحمة خبر ثانی **قوله** مَوْئِل ظرف ہے بمعنی جائے پناہ (ض) وَالَ يئِلُ والاً، وال اليه، پناہ لی **قوله** تلك القرىٰ مبتداء اَهْلَكنَاهُمْ خبر تلك

القریٰ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں باب اشتغال سے ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی اَھلکنا تلك القریٰ اَھلکناھُم **قوله** مَھْلِكٌ مصدر میمی ہے، ہلاک کرنا یا ظرف زمان ہے ہلاک ہونے کا وقت جمع مھالك، مھلك میں تین قرأتیں ہیں (۱) میم کا ضمہ اور لام کا فتحہ مُھْلَك (۲) میم اور لام دونوں کا فتحہ مَھْلَكَ (۳) میم کا فتحہ اور لام مکسور مَھلِك.

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِی ھٰذا القرآن الخ اللہ تبارک وتعالیٰ نے گمراہ لوگوں کی ہدایت کے لئے قرآن پاک میں کیسے کیسے قیمتی مضامین بیان فرمائے اور مختلف قسم کی مثالوں اور عبرت آموز واقعات کے مضامین کو ذہن نشین کرانے کی کوشش فرمائی مگر جن لوگوں کی مت ہی ماری گئی ہو ان کا کیا علاج؟ وہ ہر خیر خواہی کو بدخواہی سمجھتے ہیں کفار کے رویّہ سے ان کی ہٹ دھرمی اور ضد روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے ورنہ جہاں تک دلیل کا تعلق ہے قرآن کریم نے حق واضح کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر کفار ٹس سے مس نہ ہوئے، غالباً اب صرف انہیں عذاب الہٰی کا ہی انتظار ہے جیسا کہ عذاب الہٰی نے پہلی قوموں کو بالکل تباہ وبرباد کرڈالا، مذکورہ آیات میں تین باتوں کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے (۱) انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے وہ جھوٹے جھگڑے کھڑا کرنے میں طاق ہے اللہ کی وعیدوں کا مذاق اڑاتا ہے مگر یاد رکھو حجت تام کردی گئی ہے، مؤثر انداز اور بہتر طریقہ سے بات پیش کی جاچکی ہے اب بس عذاب کا کوڑا برسنا باقی ہے، (۲) کفار کی حق بیزاری اور دین دشمنی کی وجہ سے ان سے حق بات سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سلب کرلی گئی ہے لہٰذا اب ان کے ایمان لانے کی امید نہ رکھی جائے (۳) اللہ تعالیٰ انسانوں کی حرکتوں پر فوراً گرفت نہیں کرتے ڈھیل پر ڈھیل دیتے ہیں تاکہ انسان راہ راست پر آجائے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے امہال کا قانون مقرر کر رکھا ہے مگر جب عذاب کا وقت موعود آئے گا تو اس وقت کوئی راہ فرار نہ ملے گی، ارشاد خداوندی ہے: اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے عمدہ مضامین مختلف طریقوں سے بیان کئے ہیں قرآن کریم میں مختلف عنوانوں سے اور قسم قسم کے دلائل وشواہد سے سچی باتیں سمجھائی گئی ہیں، فہمائش کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی مگر سرکش اور نافرمان انسان ماننے کے لئے تیار نہیں اور انسان بڑا جھگڑالو ہے کتنی ہی صاف اور سیدھی بات ہو وہ کٹ حجتی کے بغیر نہیں رہتا جب دلائل کا جواب نہیں بن پڑتا تو بیہودہ اور مہمل باتیں شروع کردیتا ہے، حدیث میں ایک جھگڑالو آدمی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرے گا، اسے بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ ہم نے جو رسول بھیجے تھے ان کے ساتھ تیرا کیا طرز عمل رہا؟ وہ کہے گا اے پروردگار میں آپ پر بھی ایمان لایا اور آپ کے رسول پر بھی اور عمل میں بھی اس کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ تیرا اعمال نامہ ہے اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے وہ کہے گا میں اس اعمال نامہ

کو نہیں مانتا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہمارے، یہ فرشتے جو تیری نگرانی کرتے تھے تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں وہ کہے گا میں ان کی شہادت بھی نہیں مانتا اور نہ ان کو پہنچانتا ہوں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو یہ لوح محفوظ ہے اس میں بھی تیرا یہی حال لکھا ہے وہ کہے گا کہ اے پروردگار کیا آپ نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بے شک تو ظلم سے ہماری پناہ میں ہے تب وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں ایسی بن دیکھی شہادتوں کو کیسے مان لوں؟ میں ایسی شہادت کو مان سکتا ہوں جو میرے اندر سے ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب ہم تیرے خلاف تیری ہی ذات میں سے گواہ کھڑا کرتے ہیں وہ سوچ میں پڑ جائے گا کہ اس کی ذات میں سے اس کے خلاف کون گواہی دے گا؟ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی (اور اس کی قوت گویائی اس کے اعضاء کی طرف منتقل کر دی جائے گی) اس کے ہاتھ پیر اس کے کفر و شرک کی گواہی دیں گے پھر اس کی مہر توڑ دی جائے گی اور اس کو جہنم رسید کر دیا جائے گا اس کا بعض حصہ بعض پر لعنت کرے گا، وہ اپنے اعضاء سے کہے گا تمہارا بیڑا غرق ہو میں تو تمہارے ہی لئے جھگڑا کر رہا تھا اس کے اعضاء جواب دیں گے تجھ پر خدا کی مار ہو کیا تو سمجھتا تھا کہ خدا سے کوئی بات چھپائی جا سکتی ہے؟ یہ روایت قرطبی سے لی ہے اور اس کا آخری حصہ مسلم شریف میں بروایت حضرت انسؓ مروی ہے۔ (ماخوذ از ہدایت القرآن)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤمِنُوْا یعنی ہدایت پہنچ جانے کے بعد ایمان نہ لانے اور توبہ نہ کرنیکا کوئی معقول عذر انکے پاس نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس اب ان کو اس بات کا انتظار ہے کہ گذشتہ اقوام کیطرح عام تباہی ان پر ڈال دیجائے یا وہ زندہ رہیں اور مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کر دیئے جائیں اور وہ ان عذابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہیں۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ یعنی رسولوں کی بعثت کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو فرمانبرداری کے اچھے نتائج اور نافرمانی کے برے انجام سے خبردار کر دیں ان کے پاس کوئی کوڑا نہیں ہوتا کہ وہ زبردستی لوگوں سے منوالیں اور نہ عذاب لیکر آنا ان کے اختیار میں ہے کہ جب مانگو عذاب لا کھڑا کریں، اور یہ کفار جھوٹے جھگڑے کھڑے کر کے اور کٹ حجتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کی آواز کو زیر کر دیں اور جھوٹ کے زور سے سچائی کا قدم ڈگمگا دیں مگر ایسا کبھی نہ ہوگا، آیات الٰہی اور تنبیہات خداوندی کے ساتھ ان کا برتاؤ دیکھئے، اور انہوں نے میری آیتوں کا اور اس عذاب کو جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا مذاق اڑایا یعنی تذکیر بالعذاب کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ ان کے دل دہل جاتے اور بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا اور اپنی غلط روش ترک کر دیتے مگر اس کے برعکس سنگ دل منکروں نے الٹا اسی عذاب کا مذاق اڑایا اور تمسخر کے انداز میں کہنے لگے کہ خدایا اگر واقعی یہ قرآن آپ کی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب ڈال دے (انفال آیت ۳۲) اور ان ظالموں سے ان کی بداعمالیوں کے سبب سے توفیق حق سلب کر لی گئی ہے اس لئے کہ ان کے ایمان سے اب مایوسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی پھر اس نے اعراض کیا اور وہ اپنے ان کرتوتوں کو بھول گیا جن کو وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکا ہے یعنی سب سے بڑا

ظالم اور ناانصاف وہ شخص ہے جس کو اللہ کا کلام سنایا گیا اور مختلف طریقوں سے اسے نصیحت کی گئی مگر پھر بھی بات پر کان نہ دھرا اور اونٹ کی طرح سر اٹھا کر چلدیا اس کو اس بات کا خیال تک نہ آیا کہ وہ کیسی کیسی حرکتیں کر رہا ہے، آخرت میں اسے کیسی کچھ سزا بھگتنی ہوگی، اس لئے کہ بندہ جب اپنے اختیار سے عرصہ تک حق کی مخالفت کرتا رہتا ہے اور خیر خواہانہ نصیحت کے مقابلہ پر جھگڑوں پر تل جاتا ہے اور حق کا مقابلہ مکر و فریب سے کرنے لگتا ہے تو اس سے حق کو سمجھنے اور سننے کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے دلوں پر پردے ڈالدئے جاتے ہیں اور کانوں میں ڈاٹ ٹھوک دی جاتی ہے۔

اور اب چونکہ ان کے کان اور دل ان کی ضد کی وجہ سے قبول حق کی استعداد کھو چکے ہیں تو اب ان بدبختوں کے راہ راست پر آنے کی کبھی توقع نہیں اس لئے آپ ان کا زیادہ غم نہ کریں۔

اور آپ ان کی فوری گرفت نہ کرنے سے یہ نہ سمجھیں کہ یہ عذاب الٰہی سے بچ جائیں گے بلکہ بات یہ ہے کہ مجرموں کی فوری گرفت ہماری سنت نہیں ہے ہم مجرموں کو سنبھلنے کی کافی مہلت دیتے ہیں، ارشاد ہے: اور آپ کے پروردگار بڑے ہی درگذر کرنے والے ہیں رحم فرمانے والے ہیں اگر وہ ان کی حرکتوں پر فوری گرفت کرنے لگیں تو فوراً ہی (دنیا میں) عذاب بھیج دیں یعنی حرکتیں تو ان کی ایسی ہیں کہ عذاب بھیجنے میں لحہ بھر کی بھی تاخیر نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جہاں کسی نے قصور کیا فوراً ہی سزا دیدی بلکہ وہ اپنی صفت غفاری اور ستاری اور شان رحیمی سے مجرموں کو سنبھلنے کا خوب موقعہ دیتا ہے اور ان کے لئے عذاب کا وقت موعود ہے اس سے کوئی ہرگز بچنے کی جگہ نہ پائے گا کہ اس میں چھپ چھپا کر خود کو محفوظ کر لے۔

اور ہم نے عاد و ثمود کی بستیوں کو اس وقت ہلاک کیا جب انہوں نے ناانصافی کی اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک میعاد مقرر کر رکھی تھی اے کفار مکہ تمہیں اس سے سبق لینا چاہئے اگر تم بھی ان کے نقش قدم پر چلتے رہے تو وقت مقررہ پر تمہیں بھی عذاب الٰہی آگھیرے گا اور اس وقت تمہارے لئے بھی کوئی راہ فرار نہ ہوگی۔

وَ اذْكُر اِذْ قَالَ مُوسٰى هو ابنُ عِمْرانَ لِفَتٰهُ يُوْشَعَ بنِ نونٍ و كان يَتْبَعُهُ ويخدِمه ويَاْخُذُ منه العلمَ لا اَبْرَحُ لا اَزال اَسِيْر حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ البَحْرَيْنِ مُلْتَقٰى بَحْرِ الرُّوْمِ وبَحْرِ فَارِسَ مِمَّا يَلِى المشرقَ اى المكان الجامع لِذٰلك اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا○ دَهْرًا طَوِيْلًا فى بُلُوْغِهِ اِنْ بَعُدَ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا بَيْنَ البَحْرَيْنِ نَسِيَا حُوْتَهُمَا نَسِىَ يُوشَعُ حَمْلَه عِنْدَ الرَّحِيْلِ ونَسِىَ مُوسٰى تَذْكِيْرَهُ فَاتَّخَذَ الحُوْتُ سَبِيْلَهُ فِى البَحْرِ اى جَعَلَهُ بِجَعْلِ اللّٰه سَرَبًا○ اى مِثْلَ السَّرَبِ وهو الشَّقُّ الطَّوِيْلُ لَا نَفَاذَ به وذٰلك بِاَنَّ اللّٰه تعالٰى اَمْسَكَ عن الحوتِ جَرْىَ الماءِ فَانْجَابَ عنه فَبَقِىَ كَالْكُوَّةِ لَمْ يَلْتَئِمْ وجَمَدَ مَا تَحْتَهُ منه فَلَمَّا جَاوَزَا ذٰلك المكانَ بِالسَّيْرِ الى وقتِ الغداءِ مِنْ ثانى يوم قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا هو مَا يُؤْكَل اَوَّلَ النهار لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا○ تَعَبًا وحصُوله بعد

الْمُجَاوَزَةِ قَالَ اَرَاَيْتَ اى تنبَّهْ اِذْ اَوَيْنَا اِلَى الصَّخْرَةِ بذلك المكان فَاِنِّى نَسِيْتُ الْحُوتَ وَمَا اَنْسَانِيْهُ اِلَّا الشَّيْطَانُ يُبْدَلُ مِنَ الهاءِ اَنْ اَذْكُرَهُ بَدَلَ اِشتمالٍ اى اَنْسانِى ذِكْرَه وَاتَّخَذَ الحوتُ سَبِيْلَهُ فِى الْبَحْرِ عَجَبًا○ مفعولٌ ثانٍ اى يَتَعَجَّبُ منه موسٰى وفتاه لِمَا تَقَدَّمَ فى بيانِه قَالَ موسٰى ذٰلِكَ اى فَقْدُنَا الحُوتَ مَا الذى كُنَّا نَبْغِ نَطْلُبُه فاِنَّه علامةٌ لنا على وجودِ مَنْ نَطْلُبُه فَارْتَدَّا رَجَعَا عَلٰى اٰثَارِهِمَا يَقُصَّانِهَا قَصَصًا○ فَاَتَيَا الصَّخْرَةَ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا هو الخضر اٰتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا نبوةً فى قولٍ وَوِلَايَةً فى آخر وعليه اكثرُ العُلَمَاءِ وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا مِنْ قِبَلِنَا عِلْمًا○ مفعولٌ ثانٍ اى معلوما مِنَ المَغِيْبَاتِ روى البخارى حديثَ اَنَّ موسٰى قامَ خَطِيْبًا فى بنى اسرائيل فَسُئِلَ اَىُّ الناسِ اَعْلَمُ فقال اَنَا فَعَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِذْ لَمْ يَرُدَّ العِلْمَ اليه فاَوْحَى اللّٰهُ اِليه اَنَّ لِى عبدًا بِمَجْمَعِ البحرين هو اَعلمُ مِنكَ قال موسٰى يا رَبِّ فكَيْفَ لِىْ به قال تَاخُذُ معك حوتا فتجعلُه فى مِكْتَلٍ فحيثما فقدت الحوتَ فهو ثَمَّ فَاَخَذَ حُوتًا فجعله فى مِكْتَلٍ ثم انطَلَقَ وانطلق معه فَتَاهُ يُوْشَع بنُ نونٍ حتى اَتَيَا الصخرةَ فوضعا رؤسَهما فنامَا واضْطَرَبَ الحوتُ فى المِكتل فخرج منه فسَقَطَ فى البحر فاتَّخذ سبيلَه فى البحر سربًا وَاَمْسَكَ اللّٰهُ عن الحوتِ جَرْيَةَ الماءِ فصَارَ عليه مثلُ الطاق فلَمَّا استيقظَ نَسِىَ صاحبُه ان يُخبره بالحوت فانطلقا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا ولَيْلَتَهُمَا حتى اذا كان من الغَدَاة قال موسٰى لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَ نا اِلٰى قولِه واتخذ سبيلَه فى البحرِ عَجَبًا قال وكان للحوتُ سَرَبًا وِلِمُوسٰى ولِفتاهُ عَجَبًا.

ترجمہ

اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے جو کہ عمران کے بیٹے ہیں اپنے خادم یوشع بن نون سے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی خدمت کے ساتھ ساتھ موسیٰ علیہ السلام سے تحصیل علم بھی کرتے تھے کہا کہ میں چلتا ہی رہوں گا سفر موقوف نہ کروں گا تا آنکہ میں دونوں دریاؤں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں یعنی مشرقی جانب سے بحر روم اور بحر فارس کے ملنے کی جگہ اور اگر میں منزل مقصود کو نہ پاؤں تو ایک وقت یعنی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا چنانچہ جب یہ دونوں حضرات دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو یہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے یوشع روانگی کے وقت مچھلی اٹھانا بھول گئے اور موسیٰ علیہ السلام یوشع کو یاد دلانا بھول گئے تو مچھلی نے دریا میں سرنگ نما راہ بنائی یعنی مچھلی نے قدرت خداوندی سے ایسا کیا اور سرنگ نما راستہ ایسا لمبا سوراخ تھا جو آر پار نہیں تھا اور یہ اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی رہ گذر سے پانی کا بہاؤ روک دیا جس کی وجہ سے پانی مچھلی کی راہ سے منقطع ہو گیا اس طریقہ سے وہ سوراخ طاق نما ہو گیا اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی

واپسی تک بند نہیں ہوا اور مچھلی جہاں سے گذرتی تھی پانی منجمد ہو جاتا تھا (جس کی وجہ سے رہ گذر سوراخ کی شکل اختیار کر لیتی تھی) چنانچہ جب یہ دونوں حضرات اس مقام موعود سے آگے بڑھ گئے اور دوسرے دن ناشتہ کے وقت تک سفر کرتے رہے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ غدا اس کھانے کو کہتے ہیں جو بوقت صبح کھایا جاتا ہے آج کے سفر میں تو ہم تھک گئے نَصَبٌ بمعنی تعبٌ ہے اور تکان منزل مقصود سے آگے بڑھنے کے بعد محسوس ہوئی تو یوشع نے کہا دیکھئے سنئے (میں آپ کو اس مچھلی کا واقعہ سناتا ہوں) جب ہم نے اس چٹان کے پاس قیام کیا تھا تو میں اس مچھلی کو بھول گیا تھا اور اس کی یاد مجھے شیطان نے بھلا دی تھی (أن أذکرہ) انسانیہ کی ضمیر مفعولٗہ سے بدل اشتمال ہے یعنی مجھے اس کا یاد رکھنا بھلا دیا اور اس مچھلی نے دریا میں عجیب طریقہ سے اپنی راہ بنالی عَجَبًا اِتَّخَذَ کا مفعول ثانی ہے، اس واقعہ سے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم تعجب میں پڑ گئے، جیسا کہ واقعہ سابق میں بیان ہو چکا ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مچھلی کے گم ہونے کی جگہ ہی وہ موقع ہے جس کی ہم کو تلاش تھی اور ہمارے مطلوب کے وجود کی علامت ہے چنانچہ دونوں حضرات اپنے نقش قدم کو تلاش کرتے ہوئے واپس لوٹے حتی کہ اس چٹان کے پاس پہنچے پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے خضر کو پایا جس کو ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے نوازا تھا یعنی ایک قول کے مطابق نبوت اور دوسرے قول کے مطابق ولایت سے اور اس دوسرے قول کے اکثر علماء قائل ہیں اور ہم نے اس کو ہماری جانب سے خاص علم دیا تھا عِلمًا، عَلَّمْنَاہُ کا مفعول ثانی ہے یعنی مغیبات کی معلومات کا علم دیا تھا، امام بخاری نے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل میں خطبہ دیا تو ان سے سوال کیا گیا کہ انسانوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا میں ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جواب کی وجہ سے ان پر عتاب فرمایا اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس مسئلہ کو (واللہ اعلم) کہہ کر اللہ کے حوالہ نہیں کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ میرا ایک بندہ ہے جو مجمع البحرین کے پاس ہے وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا الٰہ العالمین اس بندہ تک رسائی کی میرے لئے کیا صورت ہو سکتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی لو اور اس کو تھیلے میں رکھ لو اور جہاں کہیں وہ مچھلی گم ہو جائے (تو سمجھ لو) کہ وہ بندہ وہیں ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی لی اور اس کو تھیلے میں رکھ لیا اور سفر پر روانہ ہو گئے اور ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون بھی روانہ ہوئے حتی کہ یہ دونوں حضرات ایک چٹان کے پاس پہنچے اور وہاں لیٹنے کے بعد سو گئے اور مچھلی نے تھیلے میں حرکت کی اور تھیلے سے نکل کر دریا میں جا پڑی اور اس نے دریا میں سرنگ نما اپنا راستہ بنا لیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کی رہ گزر سے پانی کا سیلان روک دیا چنانچہ وہ رہ گذر طاق کے مانند ہو گئی جب موسیٰ کے خادم یوشع بیدار ہوئے تو مچھلی کا واقعہ حضرت موسیٰ کو بتانا بھول گئے اور بقیہ دن اور رات چلتے رہے یہاں تک کہ دوسرے دن جب ناشتہ کا وقت آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ الیٰ قولہ واتخذ سبیلہ فی البحر عجبًا محمد صلی اللہ علیہ

وسلم نے (اس آیت کی تفسیر میں) فرمایا کان للحوت سربًا ولموسٰی ولفتاہ عجبًا الخ (یعنی مچھلی کا پانی میں اس طرح جانا مچھلی کے لئے تو سرنگ تھی اور موسیٰ اور یوشع کے لئے تعجب خیز بات تھی)

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

فَتٰی نوجوان، خادم، غلام (ج) فِتْیَةٌ، مفسرین نے یہاں عام طور پر خادم مراد لیا ہے لَا اَبْرَحُ فعل ناقص بمعنی لَا اَزَالُ اس کا اسم انا اس میں وجوبًا مستتر ہے اس کی خبر حتی ابلغ کے قرینہ کی وجہ سے محذوف ہے اَیْ اَسِیْرُ اور اگر اس کو فعل تام مانا جائے تو اس کو خبر کی ضرورت نہیں مفسر علام نے موسیٰ کی تفسیر ابن عمران سے کر کے بعض لوگوں کے اس قول کی تردید کردی جو کہتے ہیں کہ موسیٰ سے مراد موسیٰ ابن عمران نہیں ہیں بلکہ موسیٰ بن میشٰی بن یوسف بن یعقوب ہیں **قوله** لَا اَبْرَحُ کی تفسیر لَا اَزَالُ اَسِیْرُ سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ اَبْرَحُ فعل ناقص ہے اور اس کی خبر اَسِیْرُ محذوف ہے اور حذف پر قرینہ حتّٰی ابلغَ ہے ای لا اَبْرَحُ سَائِرًا حُقُبًا حقب زمانہ دراز کو کہتے ہیں، ایک مقررہ مدت کو بھی کہتے ہیں، بعض حضرات نے ستر سال اور بعض نے اسّی سال، اور ایک قول تیس ہزار سال کا بھی ہے یہاں مجازاً مدت دراز مراد ہے سَرَب سرنگ، نالی، سوراخ سربًا اتخذ کا مفعول ثانی ہے اور سبیلهٗ مفعول اول ہے نَصَبًا اسم ہے بمعنی تکان، کوفت، تکلیف، نصبًا لَقِیْنَا کا مفعول بہ ہے اَرَاَیْتَ میں ہمزہ استفہامیہ تعجبیہ ہے یعنی موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو یہ بتانا مقصود ہے کہ ایسا واقعہ جو کہ عجیب ہونے کی وجہ سے ناقابل فراموش تھا مگر میں اس کو بھول گیا، أرأیت کا مفعول محذوف ہے أی أرأیتَ مانابنی فی ذٰلک الوقت محاورہ میں اخبرنیْ کے معنی میں مستعمل ہے جیسے اردو محاورے میں بولتے ہیں (بھلا بتلایئے) چونکہ یہاں کوئی دریافت طلب بات نہیں ہے اس لئے محض اظہار تعجب کے لئے ہے اَوَیْنَا ماضی جمع متکلم اَوٰی یاوی (ض) اَوِیًا واِوَاءً ٹھکانہ لینا، اترنا، اس لفظ کی پوری تحقیق سورہ کہف کی آیت ۱۶ میں گذر چکی ہے اَنْسَانِیْهُ اَنْسَا یُنْسِیْ اِنْسَاءً بھلا دینا نون وقایہ ی ضمیر واحد متکلم مفعول اول ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول ثانی ہٗ میں اصل یہ ہے کہ وہ مضموم ہو مگر جب اس کے ماقبل ی ساکنہ یا کسرہ آتا ہے تو ہٗ کو بھی کسرہ دیتے ہیں جیسے عَلَیْهِ، فیهِ، بهٖ مگر دو جگہ امام حفص نے اصل کے مطابق پڑھا ہے ایک یہاں اور دوسرے سورۃ الفتح آیت ۱۰ میں عَلَیْهُ اللّٰہ جس کو ملا علی قاری نے شاطبیہ کی شرح میں تفصیل سے لکھا ہے ص ۳۲۰، اَنْ اذکرهٗ میں اَنْ مصدریہ ہے جملہ اذکر بتاویل مصدر ہوکر انسانیه کے مفعول ثانی سے بدل اشتمال ہے ای ما اَنسانی ذِکرهٗ الا الشیطان، ذِکرٌ، دل میں یاد کرنا اور کسی کے سامنے ذکر کرنے کے لئے ذَکَرَ لهٗ استعمال ہوتا ہے عَجَبًا اتخذ کا مفعول ثانی بھی ہوسکتا ہے اور مفعول مطلق بھی اس صورت میں موصوف محذوف ہوگا ای اِتخاذًا عجبًا اور فی البحرِ بنا بر حال منصوب ہے ای کائنًا فی البحر اور اِتَّخذ سے متعلق بھی ہوسکتا تھا نَبْغِ اصل میں نَبْغِیْ تھا ی قرآنی رسم الخط میں

یہاں حذف کردی گئی ہے اور سورہ یوسف آیت ۶۵ میں لکھی گئی ہے، یٰ کا حذف اسماء میں تو شائع ذائع ہے جیسے قاضی میں، مگر افعال میں میں شاذ اور خلاف قیاس ہے قصصًا یا تو مصدر ہے (ن) قَصَصًا پیروی کرنا ای نَقُصُّ قَصَصًا یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای قاصِّینَ قصصًا مِن عندنا محذوف سے متعلق ہوکر رحمۃً کا حال ہے اور من لدنا بھی محذوف سے متعلق ہوکر علمًا سے حال ہے رعایت فواصل کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

سورہ کہف میں موسیٰ علیہ السلام اور خضر کے قصہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے یہود مدینہ کے سکھانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوال کئے تھے اور یہ کہہ دیا تھا کہ اگر ان سوالوں کا جواب دیدیں تو نبی ہیں اور اگر لاعلمی کا اظہار کریں تو سمجھنا کہ ان کا دعوۂ نبوت جھوٹا ہے، گویا کہ بعض باتوں کے عدم علم کو عدم نبوۃ کی دلیل قرار دیا تھا، حضرت موسیٰ وخضر کے قصہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ موسیٰ جن کو تم بھی نبی مانتے ہو ان کو بھی تمام چیزوں کا علم نہیں تھا بلکہ ان کو بعض چیزوں کا علم حاصل کرنے کے لئے غیر نبی (خضر) کے پاس جانا پڑا تھا، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعض باتوں کا فوری جواب نہ دے سکیں تو یہ کوئی نقص کی بات نہیں ہے حتی کہ غیر نبی کو نبی پر جزوی فضیلت حاصل بھی ہو تو اس سے کلی فضیلت کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت موسیٰ کو بھی بعض باتوں کا علم نہیں تھا جن کے حصول کے لئے خضر کے پاس جانا پڑا، موسیٰ وخضر کے دلچسپ واقعہ کو سنانے سے مذکورہ مقصد کے علاوہ اور متعدد مقاصد کے پیش نظر یہ قصہ سنایا گیا ہے دراصل یہ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلیمی سفرنامہ ہے جو کہ علوم ومعارف کا خزینہ ہے، جب یہ واقعہ پورا ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کاش موسیٰ کچھ اور صبر فرمالیتے تو دونوں کی اور خبریں معلوم ہوتیں۔

واقعہ کا آغاز

بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے سامنے وعظ کہا جس میں حاضرین کی آنکھیں نم ہوگئیں، اور دل نرم ہوگئے، لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا میں ہوں، اللہ تعالیٰ کو یہ جواب ناپسند آیا، اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو چاہئے تھا (واللہ اعلم) کہتے، یہ جواب واقع میں صحیح تھا ظاہر ہے کہ ان کے زمانہ میں اسرار شرعیہ کا علم ان سے زیادہ کس کو ہوسکتا تھا؟ لیکن حق تعالیٰ کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے (اس جواب پر تنبیہ کرنے کے لئے وحی آئی) ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین میں رہتا ہے وہ آپ سے زیادہ علم رکھتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا خدایا مجھے اس کا پتہ، نشان بتادیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی تل کر اپنے تھیلے میں رکھ لو اور مجمع البحرین کی طرف سفر کرو جس جگہ مچھلی

گم ہو جائے سمجھ لینا کہ اسی جگہ ہمارا وہ بندہ ہے، موسیٰ علیہ السلام نے حسب ہدایت سفر شروع کیا اور اپنے خادم یوشع بن نون کو اپنے ہمراہ لے لیا اور مچھلی والا تھیلا دیکر فرمایا مچھلی کا خیال رکھنا اور فرمایا کہ مجمع البحرین پہنچنے تک برابر سفر کرتا رہوں گا اگرچہ منزل مقصود تک پہنچنے میں ایک طویل زمانہ ہی کیوں نہ گذر جائے، مطلب یہ کہ میں منزل مقصود پر پہنچ کر ہی دم لوں گا۔

فائدہ: یہ ہے طلب صادق اور حصول علم کی سچی لگن، موسیٰ علیہ السلام کے اس مختصر ارشاد میں طالب علموں کے لئے بڑا سبق ہے علم کبھی سچی طلب کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور طلب علم کے لئے ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کرنا سنت انبیاء ہے۔

مجمع البحرین کی تعیین یقین کے ساتھ تو مشکل ہے موسیٰ علیہ السلام کو یہ سفر قیام مصر کے دوران پیش آیا تھا تو ملک سوڈان کے شہر خرطوم کے پاس جہاں دریائے نیل کی دو شاخیں ملتی ہیں وہ جگہ مراد ہو سکتی ہے، جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ واقعہ وادیٔ سینا میں اسارت کے زمانہ کا ہے اگر ایسا ہے تو بحر قلزم کے شمال میں دو شاخوں کے اتصال کی جگہ مراد ہے یعنی جہاں خلیج عقبہ اور خلیج سویز ملتی ہیں، صاحب فتح القدیر نے بحر فارس اور بحر روم مراد لیا ہے مگر یہ دونوں دریا ملتے نہیں ہیں، ملنے سے دونوں کا قرب مراد ہو سکتا ہے (فوائد عثمانی) اور بحر اردن اور بحر قلزم کا احتمال بھی پیش کیا ہے۔

جب دونوں حضرات دریاؤں کے سنگم پر پہنچے وہاں ایک بڑا بھاری پتھر تھا اور اس کے نیچے چشمہ آب حیات جاری تھا، اس کے قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام سو گئے تو حضرت یوشع نے دیکھا کہ مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر تھیلے سے نکل کر چلدی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ بناتی چلی گئی، حضرت یوشع کو اس واقعہ اور مچھلی کے پانی میں سرنگ سی بنانے کی کیفیت سے بڑا تعجب ہوا اور سوچا کہ جب موسیٰ بیدار ہوں گے تو پورا واقعہ سناؤں گا، جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو فوراً ہی چل کھڑے ہوئے اور یوشع واقعہ سنانا بھول گئے، روایات میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یوشع سے کہا تھا کہ مچھلی کا خیال رکھنا تو ان کی زبان سے نکلا تھا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں، لہٰذا مچھلی کی گمشدگی کے واقعہ کو بھلا کر اللہ تعالیٰ نے متنبہ کر دیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام کے بارے میں بھی اپنے اوپر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے، ہر چھوٹے بڑے کام میں اللہ ہی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ یہ دونوں حضرات آگے کے لئے سفر پر روانہ ہو گئے اور یوشع مچھلی والا تھیلا اٹھانا اور مچھلی کا واقعہ سنانا بھول گئے اور موسیٰ یاد دلانا بھول گئے اور باقی دن اور رات سفر کرتے رہے دوسرے روز موسیٰ علیہ السلام نے خادم سے ناشتہ مانگا اور یہ بھی فرمایا آج ہم بہت تھک گئے ہیں، اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو تھکان محسوس نہیں ہوئی مگر جب منزل مقصود سے آگے نکل گئے تو تھکان محسوس کی، یعنی با مقصد آدمی تھکتا نہیں بے مقصد سعی سے تھک جاتا ہے، اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ اب وہ بے مقصد سفر کر رہے ہیں مگر نفس الامری واقعات کا قلب نبوت پر انعکاس ہوا اور طبیعت نے اس کا اثر قبول کیا جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ کو تھکان

محسوس ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ نفس الامری واقعہ کا آپ کے قلب مبارک پر انعکاس ہوا ہے ایک مرتبہ کھانا کھایا جارہا تھا آپ نے بھی ایک بوٹی لی مگر وہ چبی نہیں آپ نے پھینک دی اور فرمایا یہ گوشت مجھ سے کہہ رہا ہے کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر لیا گیا ہے، ایک مرتبہ آپ نے جہری نماز کے بعد مقتدیوں سے دریافت فرمایا کہ کیا کسی نے میرے پیچھے قرأت کی؟ ایک صاحب نے عرض کیا جی ہاں، میں نے قرأت کی، تو آپ نے فرمایا میں سوچ رہا تھا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے جھگڑا کیوں کیا جارہا ہے؟ یعنی امر منکر کا قلب نبوت پر اثر پڑا اور آپ کے لئے قرأت دشوار ہوگئی۔

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد سے کہ ہم آج تھک گئے، معلوم ہوتا ہے کہ اپنی تکلیفوں کا اظہار جائز ہے یہ کمال کے منافی نہیں ہے البتہ بے صبری اور شکوہ وشکایت ممنوع ہے۔ (جصاص)

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کے ناشتہ طلب کرنے سے معلوم ہوا کہ نبیوں کو بھی بھوک پیاس لگتی ہے، زادراہ بھی ساتھ رکھتے ہیں اور تھکن بھی محسوس کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی چیز نبوت وولایت کے منافی نہیں ہے جو خوش عقیدہ مرید بزرگوں کی جانب بھوک پیاس اور دیگر بشری ضرورتوں کے انتساب کو بے ادبی سمجھتے ہیں ان کے لئے اس میں بڑا سبق ہے (تفسیر ماجدی) القصہ دونوں حضرات اگلی صبح تک چلتے رہے اور اس پورے سفر میں مچھلی والے تھیلے کا دونوں میں سے کسی کو بھی خیال تک نہ آیا یہاں تک کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ناشتہ مانگا تو خادم کو احساس ہوا کہ وہ مچھلی والا تھیلا تو میں وہیں بھول آیا ہوں اس وقت خادم نے مچھلی کے عجیب طریقہ سے پانی میں چلے جانے کا واقعہ بھی سنایا، یہ یوشع کا حسن ادب تھا کہ بھولنے کی نسبت صرف اپنی طرف کی اگرچہ سامان کا ذمہ دار خادم ہی ہوتا ہے مگر مخدوم کی بھی کچھ ذمہ داری ہوتی ہے اسی لئے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، اور ساتھ ہی خادم نے یہ بھی کہہ دیا کہ شیطان نے مجھے بھلادیا، شریعت کی اصطلاح میں ہر بری بات کا انتساب شیطان اور نفس کی طرف کیا جاتا ہے کیونکہ شیطان ہی تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے اور نفس ہی اس کے فریب میں آتا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس موقعہ کی تو ہم کو تلاش تھی سو دونوں اپنے نشان قدم کو دیکھتے ہوئے واپس پلٹے اور اس چٹان کے پاس پہنچے وہاں ہمارے ایک خاص بندے سے ملاقات ہوئی، یہ بندہ کون تھا؟ اس کا نام کیا تھا؟ یہ انسان تھے یا فرشتے اور اگر فرشتے تھے تو علوی یا سفلی اور اگر انسان تھے تو نبی تھے یا ولی؟ اس بارے میں یقین سے کچھ کہنا دشوار ہے، آراء مختلف ہیں علامہ عثمانی کی رائے یہ ہے کہ یہ نبی ہیں صحیح احادیث میں ان کو خضر کہا گیا ہے یہ ان کا وصفی نام ہے حدیث میں اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک بار حضرت خضر ایک سوکھی سفید زمین پر بیٹھے ہوئے تھے وہ یکایک سبزہ زار ہوگئی اسی وجہ سے ان کا لقب خضر (سبزہ) ہوگیا (رواہ البخاری والترمذی) اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو خصوصی رحمت سے نوازا تھا اور اسرار کونیہ سے وافر مقدار میں حصہ عطا فرمایا تھا، جو حضرات انسان ہونے کے قائل ہیں ان میں سے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ وہ

ولی ہیں، اور جو حضرات ان کو ملائکہ میں شمار کرتے ہیں وہ ملائکہ سفلی میں شمار کرتے ہیں جن کو اصطلاح میں رجال الغیب کہا جاتا ہے، بعض محققین کی رائے یہ بھی ہے کہ خضر ایک عہدہ ہے جس پر یکے بعد دیگرے فائز ہونے والے کو خضر کہا جاتا ہے

قَالَ لَهُ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رَشَدًا○ ای صَوَابًا اَرْشُدُ بِه وفی قراءة بضم الراء وسكون الشين وسأله ذلك لِاَنَّ الزيادة فی العلم مطلوبة قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِیَ صَبْرًا○ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِه خُبْرًا○ فی الحديث السابق عَقَبَ هذه الآية يا موسٰى انی علٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِيْهِ لَاتَعْلَمُه وَاَنْتَ علٰى عِلْمٍ مِن عِلْمِ الله عَلَّمَكَ اللهُ لَا اَعْلَمُهُ وقوله خُبْرًا مصدرٌ بمعنى لم تُحِطْ ای لَمْ تَخْبُرْ حقيقته قَالَ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللهُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِیْ ای وغيرُ عاصٍ لَكَ اَمْرًا○ تامرُنی به وقُيِّد بالمشيَّةِ لِاَنَّه لم يكن علٰى ثِقَةٍ من نَفْسِه فيما التزم وهذه عادةُ الانبياء والاولياء ان لَايَثِقُوْا علٰى اَنْفُسِهِمْ طَرفة عينٍ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ وفی قراءة بفتح اللام وتشديد النون عَنْ شَیْءٍ تُنْكِرُه مِنّی فی علمك واصبر حَتّٰى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا○ ای اَذْكُرُه لك بِعِلَّتِه فقبل موسٰى شرطه رعايةً لِاَدَبِ المتعلّم مع العالِم ع ۷

فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ علٰى ساحلِ البحرِ حَتّٰى اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِيْنَةِ التی مرَّتْ بهما خَرَقَهَا الخضرُ بِاَنِ اقْتَلَعَ لَوْحًا او لَوْحَيْنِ منها من جِهَةِ البحر بفاسٍ لَمَّا بَلَغَتِ اللُّجَّ قَالَ له موسٰى اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا وفی قراءة بفتح التحتانيةِ والرّاء ورفعِ اهلها لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا○ ای عظيمًا منكرًا رُوِیَ اَنَّ الماءَ لَمْ يَدْخُلْهَا.

ترجمہ

موسیٰ نے خضر سے کہا کیا میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہ سکتا ہوں کہ آپ اس علم مفید سے سکھائیں جس علم کی آپ کو تعلیم دی گئی ہے؟ رَشَدًا ای صوابًا جس کے ذریعہ میں درستگی حاصل کروں، اور ایک قراءۃ میں راء کے ضمہ کے ساتھ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر سے (علم کا) اس لئے سوال کیا کہ علم میں زیادتی مطلوب ہے اس بندے نے جواب دیا آپ میرے ساتھ قطعاً صبر نہیں کر سکتے، اور ایسی باتوں پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں جن کی حقیقت سے آپ پوری طرح واقف نہیں؟ سابق میں مذکور حدیث میں اس آیت کے بعد یہ بھی ہے کہ اے موسیٰ اللہ نے مجھے ایک ایسا علم دیا ہے جس کو آپ نہیں جانتے اور اللہ نے آپ کو ایک ایسا علم عطا فرمایا ہے کہ جس سے میں ناواقف ہوں اور اللہ تعالیٰ کا قول خُبْرًا مصدر ہے اور لَمْ تُحِطْ، لَمْ تُخْبِرْ حقیقتهٗ کے معنی میں ہے، موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا

انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا یعنی آپ جو حکم فرمائیں گے میں اس کی نافرمانی نہیں کروں گا، موسیٰ علیہ السلام نے (اپنے وعدے) کو مشیت خداوندی کے ساتھ مقید کر دیا، اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اوپر لازم کردہ پابندی کے بارے میں اعتماد نہیں تھا، اور یہ انبیاء اور اولیاء کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس پر پل بھر کے لئے بھی بھروسہ نہیں کرتے اس بندے خضر نے کہا اچھا اگر آپ میرے ساتھ چلنا ہی چاہتے ہیں تو آپ مجھ سے کسی بات کے بارے میں جس کو تم اپنے علم کے اعتبار سے منکر سمجھو سوال نہ کریں اور صبر کریں تا آنکہ میں خود ہی آپ کے سامنے بیان کردوں یعنی آپ کے سامنے اس کی علت میں خود ہی بیان نہ کردوں، ایک قرأت میں لام کے فتحہ اور نون کی تشدید کے ساتھ (تسالنّی) ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک متعلم کے مانند معلم کے ساتھ ادب کی رعایت کرتے ہوئے ان کی شرط قبول کر لی بعد ازاں یہ دونوں حضرات ساحل بحر پر چل پڑے یہاں تک جب دونوں حضرات کشتی میں سوار ہوئے جوان کے پاس سے گذری تو اس کشتی کو خضر نے پھاڑ دیا اس طریقہ پر کہ جب کشتی بیچ منجدھار میں پہنچی تو خضر نے دریا کی جانب سے کلہاڑے کے ذریعہ ایک یا دو تختے نکالدئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا آپ نے کشتی کو توڑ دیا تاکہ کشتی والوں کو غرق کردیں آپ نے یقیناً بڑی نامناسب حرکت کر ڈالی یعنی بڑی بھاری ناپسندیدہ حرکت کر ڈالی، روایت کیا گیا ہے کہ پانی اس کشتی میں داخل نہیں ہوا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله علیٰ اَنْ تُعَلِّمَنِ الخ اَتَّبِعُكَ کے کاف سے حال ہے ای حال کونكَ مُعَلِّمًا لی، رَشَدًا تُعَلِّمَنِ کا مفعول ثانی ہے ای تعلمنِ علمًا ذا رشدٍ، أن تعلّمَنِ میں أن مصدریہ اور آخر میں نون وقایہ ہے اور یا متکلم کی محذوف ہے نون کا کسرہ حذف یا کی علامت ہے، رَشَدًا و رُشُدًا (ن) ہدایت پانا **قوله** لَمْ تُحِطْ اَحَاطَ بِهٖ گھیرنا، اَحَاطَ به عِلمًا پوری طرح جاننا خُبْرًا یا تو فاعل سے منقول ہو کر نسبت سے تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یا مفعول مطلق برائے تاکید ہے اس لئے کہ لَمْ تُحِطْ بمعنی لَمْ تُخْبِرْ ہے اور خُبْرٌ بمعنی علم ہے، ای لَمْ تعلم عِلمًا **قوله** لَا اَعْصِی لَكَ اس کا عطف صابرًا پر ہے اور لا بمعنی غیر ہے **قوله** اَوْ غیرَ عَاصٍ سے مفسر علام نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ لا بمعنی غیر ہے اور اس کا عطف صابراً پر ہے **قوله** تَامُرُنِی سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امراً، تامُرُ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اِمراً عجیب بات وہ بات جو خلاف شرع اور خلاف عقل سلیم ہو فاسٌ کلہاڑا (ج) فؤوسٌ **قوله** اِصبر، اصبر محذوف مان کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ حتّٰی اُحْدِثَ لَكَ مغیا محذوف کی جزء ہے اور مغیا اصبر ہے۔

تفسیر وتشریح

قال لهٗ موسٰی هَلْ اَتَّبِعُكَ الخ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو میں چند روز آپ کے ساتھ رہ کر اس مخصوص علم کا کچھ حصہ حاصل کروں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجودیکہ جلیل القدر پیغمبر ہیں ان بزرگ سے درخواست کر رہے ہیں کہ اجازت ہو تو میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ سے اس مخصوص علم میں سے کچھ حاصل کروں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اس طلب اجازت میں کس قدر فروتنی اور حسن ادب ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ متعلم فضیلت وفوقیت کے باوجود معلم کے تابع ہوتا ہے اور جزوی فضیلت سے کلی فضیلت لازم نہیں آتی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاضل بھی مفضول سے وہ علم حاصل کر سکتا ہے جو اس کے پاس نہ ہو، موسیٰ علیہ السلام کا علم شرعی احکام کا علم تھا اور خضر کو بعض مغیبات کا علم اور بواطن کی معرفت حاصل تھی۔

خضر نے کہا آپ قطعاً میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے، اس لئے کہ جب آپ میرے کاموں کو ظاہر شریعت کے خلاف پائیں گے تو ان پر آپ ضرور روک ٹوک کریں گے، حضرت خضر نے اندازہ کر لیا تھا کہ میرے ساتھ ان کا نباہ نہ ہو سکے گا اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام جن علوم شرعیہ کے حامل تھے ان کا تعلق ظاہری تشریعی قوانین سے تھا اور خضر مامور تھے کہ واقعات کونیہ کے علم کے مطابق عمل کریں اور وہ علم تکوینی کے مطابق عمل کریں گے تو بظاہر علم تشریعی کے خلاف ہوگا جس پر موسیٰ روک ٹوک کئے بغیر نہ رہ سکیں گے جو کہ نبی کا فرض منصبی ہے انہی وجوہات کے بنا پر حضرت خضر نے کہا اور ایسی باتوں پر آپ صبر کیسے کر سکتے ہیں جن کی حقیقت سے آپ پوری طرح واقف نہ ہوں، ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرنا شان پیغمبری سے بعید اور فرض منصبی کے خلاف ہے۔

فائدہ: یہیں سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ جس طرح نبی کا قول وفعل حدیث ہوتا ہے اسی طرح اس کی تقریر (تائید) بھی حدیث ہوتی ہے یعنی اگر نبی کے سامنے کوئی شخص کوئی کام کرے اور نبی اس پر خاموشی اختیار کرے تو یہ خاموشی دلیل جواز ہوگی اس لئے کہ امر منکر پر خاموشی منصب نبوت کے خلاف ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے غرضیکہ موسیٰ نے شرائط کو قبول کرتے ہوئے صبر کرنے اور سکوت اختیار کرنے کا وعدہ کر لیا مگر وعدہ کرتے وقت موسیٰ علیہ السلام کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ایسے مقرب اور مقبول بندے سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئے گی جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ عام شرائع واخلاق کے بھی خلاف ہوگی اور وہ نکیر کرنے پر مجبور ہوں گے یہ تو غنیمت ہوا کہ موسیٰ نے ان شاء اللہ کہہ لیا تھا ورنہ قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا لازم آتا جو پیغمبر کی شایان شان نہ ہوتا۔

قال فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْئَلْنِي عَنْ شَيْءٍ یعنی اگر مجھ سے کوئی بات بظاہر نامناسب اور ناحق معلوم ہو تو مجھ سے

فوراً باز پرس نہ کریں جب تک کہ میں کسی مناسب وقت پر اپنے کام کی حقیقت اور علت خود ہی بیان نہ کر دوں اگر یہ بات منظور ہے تو اجازت ہے میرے ساتھ چلئے چنانچہ دونوں بزرگ چل دیئے اس واقعہ پر قرآن کریم نے حضرت یوشع کا ذکر نہیں کیا یا تو اس لئے کہ عام طور پر ایسے موقع پر متبوع کا ذکر کیا جاتا ہے نہ کہ تابع کا، کشتی کی تلاش میں ساحل سمندر پر چلے جا رہے تھے تو ایک کشتی نظر پڑی، کشتی والوں سے سوار ہونے کی درخواست کی اول تو کشتی والوں نے سوار کرنے سے انکار کر دیا چونکہ ان کے پاس کوئی سامان سفر وغیرہ نہیں تھا اس لئے ان کو چور ڈاکو سمجھا مگر ملاحوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور شکل وصورت سے بھی بھلے آدمی معلوم ہوئے تو بغیر کرایہ کے ان کو سوار کر لیا، جب یہ حضرات کشتی میں سوار ہو گئے تو خضر نے وہ کشتی نمایاں جگہ سے توڑ دی تاکہ عیب دار ہو جائے، حضرت موسیٰ سے یہ نازیبا حرکت دیکھ کر نہ رہا گیا تو فرمایا آپ نے کشتی کو توڑ دیا تاکہ کشتی میں سوار لوگوں کو غرق کر دیں آپ کی یہ حرکت شرعی واخلاقی طور پر کسی طرح مناسب نہیں ہے آپ نے یہ بہت ہی نازیبا حرکت کر ڈالی۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ اى غفلتُ عن التسليم لَكَ وتَرْكِ الانكارِ عليك وَلَا تُرْهِقْنِيْ تُكَلِّفْنِي مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا۝ مَشَقَّةً فِى صُحْبَتِى اِيَّاكَ اى عَامِلْنِى فيها بالعفوِ واليُسْرِ فَانْطَلَقَا بعد خروجهما من السَّفِينَةِ يَمْشِيَانِ حَتّٰى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا لم يَبْلُغِ الحِنْثَ يَلْعَبُ مع الصِّبْيَانِ اَحْسَنُهم وجْهًا فَقَتَلَهُ الخضرُ بِاَنْ ذَبَحَهُ بالسِّكِّين مُضْطَجِعًا او اقْتَلَعَ بِيَدِهِ اَوْ ضَرَبَ رَاْسَهُ بالجِدَارِ اقْوالٌ واُتِىَ هُنَا بالفَاءِ العَاطِفَةِ لاَنَّ القَتْلَ عَقِبَ اللِّقَاءِ وجوابُ اذا قَالَ له موسٰى اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَاكِيَةً اى طاهرة لم تَبْلُغْ حَدَّ التكليف وفى قراءة زَكِيَّةً بتشديد الياءِ بلا اَلِفٍ بِغَيْرِ نَفْسٍ اى لم تَقْتُلْ نفسًا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا۝ بسكون الكاف وضمها اى مُنْكَرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۝ زاد لك على ماقبلَهُ لِعَدَمِ العُذْرِ هُنا ولِهٰذا قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا اى بَعْدَ هٰذه المَرَّةِ فَلَا تُصَاحِبْنِيْ لاتتركنى اَتَّبِعُكَ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ بالتشديد والتخفيف مِنْ قِبَلِي عُذْرًا۝ فى مُفَارَقَتِكَ لِى فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةِ هى اِنْطَاكِيَّةُ اِسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا طَلَبَا منهم الطعامَ ضِيَافَةً فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا ارتفاعه مائةُ ذراعٍ يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ اى يَقْرُبُ اَنْ يسقطَ لِمَيَلَانِهِ فَاَقَامَهُ الخضرُ بِيَدِه قَالَ له موسٰى لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ وفى قراءة لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا۝ جُعْلًا حيثُ لم يُضَيِّفُوْنَا مع حاجتنا الى الطعام قَالَ له الخضرُ هٰذَا فِرَاقُ اى وقتُ فراقِ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ فيه اضافةُ بَيْنِ الى غير متعددٍ سَوَّغَهَا تكريرُهُ بالعطفِ بالواوِ سَاُنَبِّئُكَ قَبْلَ فِرَاقِيْ لَكَ بِتَاْوِيْلِ

مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا۝

ترجمہ

حضرت خضر نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکو گے تو موسیٰ نے کہا میری بھول چوک پر مجھ سے مواخذہ نہ فرمائیں یعنی مجھ سے آپ کی فرمانبرداری میں اور آپ پر اعتراض کو ترک کرنے میں غفلت ہوگئی اور آپ مجھ پر میرے معاملہ میں تنگی نہ ڈالیں یعنی کلفت میں مبتلا نہ کریں اور آپ اپنے ساتھ میری مصاحبت کے معاملہ میں دشواری پیدا نہ کیجئے یعنی میرے ساتھ درگذر اور سہولت کا معاملہ کیجئے پھر دونوں کشتی سے اترنے کے بعد پا پیادہ چلے یہاں تک کہ جب دونوں کی ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی جو کہ ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچا تھا بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور ان میں سب سے زیادہ خوبصورت تھا تو خضر نے اس لڑکے کو مار ڈالا، یا تو زمین پر لٹا کر چھری سے ذبح کر دیا یا ہاتھوں سے پکڑ کر سر اکھاڑ ڈالا یا اس کے سر کو دیوار سے ٹکرا دیا، یہ تین قول ہیں فقتله میں فا تعقیبیہ عاطفہ کا استعمال اس لئے ہوا ہے کہ قتل ملاقات کے بعد واقع ہوا تھا اور اذا کا جواب قَالَ لَهُ موسىٰ أقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے خضر سے کہا تم نے ایک بے گناہ شخص کو قتل کر دیا یعنی ایسے معصوم نفس کو جو کہ ابھی حد تکلیف (یعنی سن بلوغت کو بھی نہیں پہنچا) اور ایک قرأت میں زَكِيَّةً ی کی تشدید اور بغیر الف کے ہے جس نے کسی کا خون نہیں کیا یعنی وہ کسی نفس کا قاتل نہیں ہے (کہ اسے قصاصاً قتل کیا جائے) بلاشبہ تم نے بہت ہی برا کام کیا نُكْرًا سکون کاف اور ضمہ کاف کے ساتھ دونوں قرأتیں ہیں یعنی ناپسندیدہ حرکت خضر نے کہا کیا میں نے آپ سے کہا نہ تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے یہاں لَكَ کا اضافہ کیا بخلاف سابق کے اس لئے کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام نے سہو و نسیان کا عذر پیش نہیں کیا تھا موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں (اعتراض کروں) تو مجھے آپ اپنے ساتھ نہ رکھیں یعنی اپنے ساتھ رہنے کی اجازت نہ دیں یقیناً آپ نے میرے لئے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا لَدُنِّی نون کی تشدید اور تخفیف دونوں قرأتیں ہیں مِنْ لَّدُنِّی کے معنی مِنْ قِبَلِی کے ہیں یعنی آپ مجھے اپنے سے جدا کرنے کے معاملہ میں معذور ہیں پھر یہ دونوں حضرات چلے یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے وہ بستی انطاکیہ تھی بستی والوں سے ان حضرات نے کھانا طلب کیا یعنی ضیافت کے طور پر ان سے کھانا طلب کیا مگر بستی والوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا پھر ان دونوں حضرات نے اس بستی میں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی اور اس کی اونچائی سو ذراع تھی یعنی جھکاؤ کی وجہ سے گرنے کے قریب تھی تو خضر نے اس دیوار کو ہاتھ لگا کر درست کر دیا موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت یعنی مزدوری لے لیتے ایک قرأت میں لَتَخِذْتَ ہے اس لئے باوجودیکہ ہم کھانے کے حاجتمند تھے ان لوگوں نے ہماری میزبانی نہیں کی خضر نے کہا بس یہ (اعتراض) میرے اور تیرے درمیان جدائی کرنے والا یعنی جدائی کا سبب ہے فراق مصدر بمعنی اسم فاعل تفریق ہے اس میں بَيْنَ کی اضافت غیر متعدد کی طرف

ہے جس کی گنجائش واؤ عاطفہ کے ذریعہ بَین کی تکرار کی وجہ سے ہے، میں ان باتوں کی حقیقت تم کو جدا کرنے سے پہلے بتادیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کرسکے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ لَنْ تَسْتَطِیْعَ استطاعت سے مضارع واحد مذکر حاضر، تو ہرگز نہ کرسکے گا **قولہ** بِمَا نَسِیْتُ ما موصولہ ہے جار مجرور لا تُؤاخذنی سے متعلق ہے عائد محذوف ہے ای لاتاخذنی بامرِ الذی نسیتہُ بعض حضرات نے کہا ہے کہ نسیتُ بمعنی ترکتُ ہے جو کہ نسیتُ کے لازم معنی ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ما مصدریہ ہو ای لاتاخذنی بنسیانی، نَسِیْتُ کی تفسیر غفلتُ سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں نسیتُ کے لغوی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ لازم معنی جو کہ غفلت اور ترک کے ہیں مراد ہیں اس لئے کہ نسیان کے لئے ترک لازم ہے **قولہ** لاتُرھقنی مِنْ امرِ عُسرًا، عسرًا لاترھقنی کا مفعول ثانی ہے اور ترھقنی میں یا مفعول اول ہے یقال اَرْھَقَہٗ عُسرًا اس کو تکلیف میں ڈالا، اس کے ساتھ تنگی کا معاملہ کیا **قولہ** زاکیۃ وہ نفس جس نے ابھی تک گناہ نہ کیا ہو اور زکیۃ وہ نفس جس نے گناہ کرنے کے بعد توبہ کرلی ہو، کسائی نے کہا ہے کہ دونوں ہم معنی ہیں **قولہ** بغیر نفسٍ اس میں تین وجوہ اعراب ہیں ۱ قتلت کے متعلق ہے ۲ محذوف سے متعلق ہے اور فاعل یا مفعول سے حال ہے ای قتلتَہٗ ظالمًا او مظلومًا بغیر نفسٍ ۳ مصدر محذوف کی صفت ہو ای قتلتَ قتلاً مُتَلَبِّسًا بغیر نفسٍ **قولہ** لَمْ یبلغ الحنثَ میں مضاف محذوف ہے، ای وقتَ الحنثِ غلام کی تفسیر لم یبلغ الحنث سے کرنے کا مقصد تعیین معنی ہیں اس لئے کہ غلام کے مختلف معنی آتے ہیں مگر یہاں نابالغ لڑکا مراد ہے **قولہ** ھٰذا فراق یعنی ترک اجرت پر اعتراض فراق کا وقت فراق ہے **قولہ** بینی وبینک میں بین کی اضافت غیر متعدد کی طرف ہے حالانکہ بَین کی اضافت متعدد کی طرف ضروری ہوتی ہے، جیسے بیننا وبینکم میں اضافت متعدد کی طرف ہے **قولہ** وَاَتٰی ھُنَا بالفاءِ العاطفۃ عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کا جواب ہے یہاں یعنی فقتلَہٗ پر فا داخل ہے مگر سابق میں خرقھا پر فا داخل نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ غلام کا قتل چونکہ کشتی سے اترنے کے بعد واقع ہوا تھا اس لئے اس کے ساتھ فا تعقیبیہ لائے، بخلاف خرقھا کے کہ وہاں کشتی میں سواری کے دوران خرق واقع ہوا تھا اس لئے وہاں خرقھا کہا نہ کہ فخرقھا **قولہ** لَمْ تقتل نفسًا کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ بغیر نفسٍ میں مضاف محذوف ہے ای بغیر قتلِ نفسٍ **قولہ** منکرًا کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ نکرًا مصدر منکرًا مفعول کے معنی میں ہے، سابق میں چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی غلطی کم تھی اس لئے وہاں لَکَ نہیں کہا، یہاں چونکہ غلطی زیادہ ہے اس لئے لَکَ کے ذریعہ خطاب کیا **قولہ** یُرِیْدُ کی تفسیر یَقْرُبُ سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا

کہ یُرِیدُ کی جدار کی طرف نسبت اسناد مجازی ہے اس لئے کہ جدار ذوارادہ اشیاء میں سے نہیں ہے لَمْ تَسْتَطِعْ اصل میں تستطیع تھا، لم داخل ہونے کی وجہ سے آخر میں عین ساکن ہوگئی، التقاء ساکنین ہوا ی اور عین میں ی ساقط ہوگئی تستطع ہوگیا۔

تفسیر وتشریح

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ الخ حضرت خضر نے کہا کیا میں نے کہا نہ تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے اس لئے کہ ایسے حالات اور واقعات دیکھنے میں آئیں گے جن پر آپ خاموشی کے ساتھ صبر نہ کرسکو گے سو دیکھئے آخر وہی ہوا، اس صبر نہ کرنے اور نباہ نہ ہونے سے موسیٰ کی منقصت نہیں بلکہ منقبت نکلتی ہے اس لئے کہ آپ کا خضر علیہ السلام کو بظاہر خلاف شرع حرکات پر بار بار ٹوکنا عین منصب نبوت اور غیرت ایمانی کی بنا پر تھا، بلکہ اس کے خلاف اگر ہوتا تو منقصت کی بات ہوتی، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میری بھول چوک پر مواخذہ نہ کیجئے، یہاں نسیان سے حقیقی معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام حقیقت میں اپنے وعدہ یا خضر علیہ السلام کے قول **لاتسئلنی عن شیٔ** کو بھول گئے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھولے تو نہ ہوں مگر منصب نبوت کے تقاضہ اور ایمانی غیرت کی وجہ سے خاموش نہ رہ سکے ہوں مفسر علام نے ثانی معنی مراد لئے ہیں، **فانطلقا حتی لقیا غلامًا فقتل** عہد معاہدہ کرنے کے بعد جب یہ دونوں حضرات آگے چلے تو ایک بستی میں پہنچے اس بستی کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے ان میں ایک لڑکے کو جس کا نام جیسور بتایا جاتا ہے جو نہایت ہی خوبصورت اور عقلمند تھا قتل کر ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ نے ایک بے گناہ شخص کو قتل کردیا جو کسی کا قاتل بھی نہیں، وہ لڑکا بالغ تھا یا نابالغ دونوں قسم کے اقوال ہیں غلام کا اطلاق دونوں ہی پر ہوتا ہے، اکثر مفسرین اس کو نابالغ ہی بیان کرتے ہیں، مفسر علام کی بھی یہی رائے ہے، لفظ زَکِیَّۃً سے نابالغی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، اگرچہ اس میں تاویل کی گنجائش ہے جیسا کہ تحقیق وترکیب کے زیر عنوان گذر چکا ہے **بغیر نفس** یعنی اول تو نابالغ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا، یہاں تو قصاص کا بھی کوئی قصہ نہیں تھا پھر اس سے بڑھ کر نامعقول بات کونسی ہوسکتی ہے یعنی آپ کی پہلی حرکت ہی نازیبا تھی مگر اس بار تو آپ نے غضب ہی کردیا کشتی کے نقصان کا تدارک تو کسی حد تک ممکن بھی تھا یہ تو جان کا معاملہ ہے اس کی تلافی کی تو کوئی صورت ہی نہیں حضرت خضر نے کہا میں نے آپ سے کہا نہ تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے اس مرتبہ خفگی بڑھ گئی اسی لئے خطاب کرتے وقت لَکَ کا لفظ بڑھا دیا موسیٰ علیہ السلام نے اس مرتبہ بھول سے نہیں بلکہ قصداً اعتراض کیا تھا اس لئے کہ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر تحمل عام صالحین سے نہیں ہوسکتا تو موسیٰ علیہ السلام تو پیغمبر تھے وہ بھلا امر منکر پر خاموش کیسے رہ سکتے تھے اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے اس مرتبہ سہو ونسیان کا عذر بھی پیش نہیں کیا، بلکہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس کے بعد اگر میں آپ کی بات پر اعتراض کروں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں یقیناً

میرے لئے آپ نے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا، یعنی اب کی بار اور درگذر کیجئے، ایک موقع اور دیجئے آئندہ اگر اعتراض کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھیں آپ اس حد کو پہنچ جائیں گے کہ مجھے اپنے سے جدا کرنے میں معذور سمجھے جائیں گے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے وہ بات درگذر کردی، اور یہ دونوں حضرات آگے چلے اور ایک بستی میں پہنچے اور لوگوں سے ملے اور چاہا کہ بستی والے مسافر سمجھ کر مہمان نوازی کریں قدیم زمانہ میں چونکہ سراؤں اور مسافر خانوں کا رواج نہیں تھا نہ ہوٹلوں اور کھانے پینے کی دوکان کا سلسلہ تھا، مسافر بستی والوں پر اپنا حق سمجھتے تھے کہ بستی والے ان کی میزبانی کے فرائض انجام دیں اور ہر بستی والے بھی مہمان نوازی کو اپنا فرض سمجھتے تھے اس لئے کہ ہر شخص کو سفر کرنا پڑتا تھا اور ہر شخص کی یہ خواہش اور تمنا ہوتی تھی کہ اہل بستی ہماری میزبانی کے فرائض انجام دیں اور عموماً ہر بستی والے بڑی خوش دلی سے یہ فریضہ انجام دیتے تھے، مگر یہ سعادت اس بستی والوں کی قسمت میں نہیں تھی ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام جیسے مقربین کی مہمان نوازی سے انکار کردیا، یہ معاملہ دیکھ کر چاہئے تھا ایسے تنگ دل اور بے مروت لوگوں پر غصہ آتا مگر حضرت خضر نے غصہ کے بجائے ان پر احسان کیا، بستی میں ایک دیوار تھی جو اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ گرنے کے قریب تھی، لوگ اس کے پاس سے گذرتے ہوئے ڈرتے تھے، حضرت خضر نے معجزانہ طور پر اس دیوار پر ہاتھ لگا کر سیدھا کردیا، اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے سکتے تھے یعنی جس بستی والوں نے مسافروں کی مہمان نوازی کا حق ادا نہیں کیا ایسے لوگوں کی دیوار مفت درست کردینے کی کیا ضرورت تھی، اگر کچھ معاوضہ لیکر دیوار درست کرتے تو ہمارا ابھی کھانے پینے کا کام چلتا، اور ان تنگ دل بخیلوں کو تنبیہ بھی ہوجاتی، اس کے جواب میں حضرت خضر نے کہا بس اب میرا اور آپ کا ساتھ ختم اب میں ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کرسکے یعنی حسب وعدہ آپ مجھ سے جدا ہوجایئے آپ کا نباہ میرے ساتھ نہیں ہوسکتا لیکن جدا ہونے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ ان واقعات کے پوشیدہ اسرار ظاہر کردوں جن کو دیکھ کر آپ سے صبر وضبط نہ ہوسکا۔

حکمت: حضرت موسیٰ علیہ السلام وخضر علیہ السلام کے درمیان مذکورہ تین واقعات کے پیش آنے میں حکمت موسیٰ علیہ السلام کو تین باتوں پر تنبیہ مقصود تھی، جب موسیٰ علیہ السلام نے کشتی توڑنے پر اعتراض کیا اور دریا میں غرق ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا اور ظاہری اسباب کو اہمیت دی تو ندا آئی اے موسیٰ تیری تدبیر اس وقت کہاں تھی کہ تجھے ایک تابوت میں بند کرکے دریا میں ڈالدیا گیا تھا اور جب قتل غلام پر اعتراض کیا تو ندا آئی کہ تیرا اعتراض اس وقت کہاں تھا کہ جب تو نے ایک قبطی کو قتل کردیا تھا اور جب دیوار کو مفت درست کرنے پر اعتراض کیا تو ندا آئی اس وقت تیرا اعتراض کہاں گیا تھا جب کہ تو نے پتھر ہٹا کر شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی بکریوں کو بلا اجرت پانی پلایا تھا۔ (صاوی)

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ عشرة يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ بالسفينة مُوَاجَرَةً لها طَلَبًا لِلْكَسْب فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اَوْ اَمَامَهُمُ الْاٰنَ مَلِكٌ كافرٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ صالحةٍ

غَصْبًا نصبه على المصدر المُبَيِّنِ لِنَوْعِ الأخذ وَأَمَّا الغُلامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا فَإِنَّهُ كَمَا فِي حَدِيْثِ مُسْلِم طُبِعَ كافرًا ولَوْ عاشَ لأرْهَقَهُمَا ذٰلِكَ اى لِمُحَبَّتِهِمَا لَهُ يَتَّبِعَانِهِ فِي ذٰلِكَ فَأَرَدْنَا أَنْ يُّبْدِلَهُمَا بالتشديد والتخفيف رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً اى صَلاحًا وتُقًى وَّأَقْرَبَ منه رُحْمًا بسكون الحاء وضمها رَحْمَةً وهي البِرُّ بِوَالِدَيْهِ فأبدلهُمَا اللّٰهُ تعالى جارِيَةً تزوَّجَتْ نَبِيًّا فَوَلَدَتْ نَبِيًّا فهدى اللّٰه تعالى به أُمَّةً وَأَمَّا الجِدَارُ فَكَانَ لِغُلامَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي المَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ مالٌ مَدْفونٌ من ذَهَبٍ وفِضَّةٍ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوْهُمَا صَالِحًا فحُفِظَا بِصَلاحِهِ فِي أَنْفُسِهِمَا ومالِهِمَا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَّبْلُغَا أَشُدَّهُمَا اى إِينَاسَ رُشْدِهِمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ مفعول له عامله أراد وَمَا فَعَلْتُهُ اى ما ذُكِرَ مِن خَرْقِ السَّفِيْنَةِ وَقَتْلِ الغلامِ وإقامةِ الجدارِ عَنْ أَمْرِيْ اى اِخْتِيَارِيْ بَلْ بِأَمْرِ اِلْهَامٍ مِنَ اللّٰهِ تعالى ذٰلِكَ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا يقال اسطاع واستطاع بمعنى أطاق ففي هذا وما قبله جَمْعٌ بين اللُّغَتَيْنِ ونُوِّعَتِ العبارةُ في فَأَرَدْتُ فَأَرَدْنَا فَأَرَادَ رَبُّكَ

ترجمہ

بہر حال وہ کشتی چند یعنی دس غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں اس کشتی کو کرایہ پر چلا کر روزی کماتے تھے میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کردوں اور اس کے آگے ایک کافر بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو غصب کر لیتا تھا غصبًا کا نصب اَنِ مصدریہ کی بنا پر ہے جو کہ بیان نوعیت کے لئے ہے بہر حال لڑکا تو اس کے ماں باپ مومن تھے پس ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا ان دونوں پر سرکشی اور کفر سے چھا جائے گا مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ وہ لڑکا فطرت کفر پر پیدا کیا گیا تھا اگر وہ زندہ رہتا تو یقیناً وہ اپنے والدین پر غالب آجاتا اور وہ اس سے محبت کی وجہ سے کفر میں اس کی اتباع کرتے، اس لئے ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کے بدلے میں پاکیزگی صلاح وتقویٰ کے اعتبار سے اس سے بہتر اور محبت وشفقت میں اس سے بڑھ کر عطا فرمائے یُبْدِلَهُمَا دال کی تشدید اور تخفیف دونوں ہیں رُحْمًا میں ح کا سکون اور ضمہ دونوں ہیں بمعنی رحمت والدین کی اطاعت وفرمانبرداری ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو لڑکے کے بدلے میں ایک لڑکی عطا فرمائی جس نے ایک نبی سے شادی کی تو اس سے ایک نبی پیدا ہوئے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو ہدایت نصیب فرمائی۔

اب رہی دیوار تو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں رہتے تھے اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ سونے چاندی کی قسم کا مال مدفون تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا چنانچہ اس کے صلاح وتقویٰ کی وجہ سے ان کی جان ومال

محفوظ ہے اس لئے آپ کے پروردگار نے چاہا کہ دونوں بچے جوان ہو جائیں یعنی کمال قوت کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں آپ کے رب کی مہربانی سے رحمةً مفعول لہ ہے اس کا عامل اراد ہے اور میں نے یہ کام جو ماقبل میں مذکور ہوئے یعنی کشتی کو توڑنے غلام کو قتل کرنے اور دیوار کو درست کرنے کے اپنے اختیار سے نہیں کئے بلکہ منجانب اللہ الہام کے ذریعہ کئے تھے یہ ہے حقیقت ان کاموں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا اسطاع اور اِستطاع اطاق کے معنی میں مستعمل ہے اس میں اور ماقبل میں دونوں لغتوں کا اجتماع ہے، اور اَرَدْتُ وَاَرَادَ وَاَرَدْنَا میں تیرے رب نے عبارت میں تنوع اختیار کیا ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله السفینة (ج) سَفِیْنٌ وسَفَائِنُ **قوله** وَرَاءَ هُمْ یہ اضداد میں سے ہے اس کے معنی آگے اور پیچھے کے ہیں یہ دراصل مصدر ہے اس معنی ہیں آڑ، حد فاصل، اضمار قد کے ساتھ جملہ حالیہ ہے **قوله** غَصْبًا یاخذ کا مفعول مطلق بیان نوع کے لئے ہے یاخُذُ چونکہ غصب کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا تقدیر عبارت اس طرح ہوگی غَصَبَ غَصْبًا وارء هم کی تفسیر رجعوا اور امَامَهُم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ وراء اضداد میں سے ہے یہ دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے **قوله** سفینة اس کی صفت صالحة محذوف ہے ای کلَّ سفینةٍ صالحةٍ حضرت اُبَیؓ اور ابن عباسؓ کی قرأت میں صالحۃ کا لفظ موجود ہے **قوله** فخشینا ان یُرهِقَهُمَا ای یُرهِق الغلامُ اَبَوَیْهِ یقالُ رَهِقَهُ ای غشیهٗ طغیانا، یُرْهِقهما کا مفعول ہے، اور کفرًا کا عطف طغیاناً پر ہے رُحْمًا مصدر ہے بمعنی شفقت مہربانی (س) رحمةً ورُحْمًا مہربان ہونا زکوۃ اور رُحْمًا خیرًا سے تمیز واقع ہیں، خیرًا یہاں اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے **قوله** رحمة یا تو یبْلُغا اور یستخرجا کا مفعول لہ ہے یا فعل محذوف فعلتهٗ کا مفعول بہ ہے **قوله** اسطاع یسطیعُ حذف تا کے ساتھ اِستطاع یَسْتَطِیْعُ میں دوسری لغت ہے۔

تفسیر وتشریح

اَمَّا السفینة یعنی وہ کشتی جس کو توڑ دیا تھا چند نادار اور غریب آدمیوں کی تھی اور وہ کشتی جدھر جا رہی تھی اس طرف ایک ظالم کافر بادشاہ کی عملداری تھی جو ہر صحیح سالم کشتی کو غصب کر لیتا تھا اور ان غریبوں کا یہ کشتی ہی ذریعہ معاش تھی جس کے کرایہ کی آمدنی سے اپنا گذارہ کرتے تھے اگر میں اس کشتی میں سوراخ کر کے عیب دار نہ کرتا تو وہ بادشاہ اسے بھی چھین لیتا جس کی وجہ سے یہ بیچارے ذریعہ معاش سے بھی محروم ہو جاتے۔

مولانا رومیؒ نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے:

خضر در بحر کشتی را شکست ☆ صد درستی در شکست خضر ہست

ترجمہ: اگر خضر نے دریا میں کشتی توڑ دی تو کیا برا کیا، خضر کے کشتی توڑنے میں سینکڑوں مصلحتیں ہیں۔

اس ظالم بادشاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ غسانی تھا اور اس کا نام جیسور تھا۔

فائدہ: مسکین اور فقیر میں کیا فرق ہے؟ مسکین کی حالت زیادہ ابتر ہوتی ہے یا فقیر کی؟ امام شافعیؒ کے نزدیک فقیر، مسکین کی بہ نسبت زیادہ خستہ حال ہوتا ہے اس لئے کہ مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو اور اَمّا السفینۃُ فکانت لمساکین سے استدلال کرتے ہیں اس لئے کہ ان کے پاس کشتی ہونے کے باوجود ان کو مسکین کہا گیا ہے، امام صاحبؒ فرماتے ہیں عرف میں مسکین فقیر کی نسبت زیادہ خستہ حال سمجھا جاتا ہے، اس لئے کہ مسکین وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو اور فقیر وہ شخص جس کے پاس گذارہ کے قابل نہ ہو، سورہ بلد آیت ۱۶ میں اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ خاک نشین مسکین یعنی جس کے پاس بچھونا تک نہ ہو زمین پر پڑا رہتا ہو، رہا فَکَانَتْ لِمَسَاکِیْنَ سے استدلال تو اس کا، جواب یہ ہے کہ یہ نسبت ادنیٰ تعلق کی وجہ سے مجازاً ہے جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ کشتی ان کی ملک نہ تھی بلکہ کسی اور کی تھی ان کے پاس کرایہ یا عاریت پر تھی اسی وجہ سے کشتی کی نسبت ان کی طرف کردی ہے (شامی کتاب الزکوٰۃ باب المصرف) بحوالہ ہدایت القرآن۔

دوسرا واقعہ لڑکے کو قتل کرنے کا ہے حضرت خضر کو بذریعہ وحی معلوم ہوا کہ یہ لڑکا اپنی سرشت اور جبلت کے اعتبار سے کافر تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے والدین کے لئے فتنہ بنے گا، والدین اپنی طبعی محبت کی وجہ سے بے دینی میں بھی اس کا ساتھ دیں گے، اس لئے حضرت خضر نے اس کو قتل کردیا، اور یہ قتل اس کے والدین کے حق میں رحمت اور ان کے دین کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا اور طبعی طور پر ان کو جو صدمہ پہنچا تھا حق تعالیٰ نے اس کی تلافی ایسی اولاد سے کردی جو پاکیزگی میں مقتول لڑکے سے بہتر تھی اور ماں باپ پر شفقت اور مہربانی میں بڑھ کر تھی، کہتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک لڑکی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو ہدایت دی۔ (فوائد عثمانی) بعض حضرات نے کہا ہے کہ اب صالح بلا واسطہ اب تھا اور بعض نے کہا کہ اب ساتویں پشت میں دادا تھا کہتے ہیں کہ اس کا نام کاشحا اور اس کی والدہ کا نام دنیا تھا، اس واقعہ سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اصول کا تقویٰ فروع کے لئے نافع ہوتا ہے۔ (صاوی)

فائدہ: یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

پہلا سوال: یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ وہ لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوگا اور اپنے والدین کو بھی گمراہ کرے گا تو پھر علم الٰہی کے مطابق ایسا ہونا ضروری تھا اس لئے کہ علم الٰہی کے خلاف کوئی چیز نہیں ہو سکتی پھر وہ کیسے قتل کیا گیا اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف یہ واقعہ کیونکر رونما ہوا؟

دوسرا سوال: یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو اس کے والدین کو ایمان پر قائم رکھنا مقصود تھا اور اسی وجہ سے حکمت الٰہیہ متقتضی ہوئی کہ پیش آنے والی رکاوٹ کو دور کر دیا جائے اور خضر کو حکم دے کر اس لڑکے کو قتل کرا دیا تو اس سے بہتر تو یہ تھا کہ اس لڑکے کو پیدا ہی نہ کرتے یا کرتے تو اس کو کافر نہ ہونے دیتے یا جہاں لاکھوں کافر دنیا میں موجود ہیں اس کے والدین کو بھی کافر بن جانے دیتے دونوں سوالوں کے جوابات درج ذیل ہیں:

سوال اول کا جواب: یہ کہ علم ہمیشہ معلوم کے تابع ہوتا ہے نہ کہ معلوم علم کے، مثلاً کسی شخص نے دارالعلوم دیو بند کی مسجد رشید دیکھی، مسجد کو دیکھ کر اس کو ایک علم حاصل ہوا تو یہ علم معلوم یعنی مسجد کے تابع ہوگا یعنی جیسی مسجد ہے ویسا ہی اس کو علم حاصل ہوا ہے اور علم واقعہ کے مطابق ہے اور اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں مسجد رشید کی خیالی صورت بنا لے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ واقعی مسجد رشید کے مطابق ہو کیونکہ معلوم کبھی بھی علم کے تابع نہیں ہوتا بلکہ اس علم ہی کو خلاف واقعہ کہا جائے گا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ علم الٰہی اور علم مخلوق میں یہ فرق تو بہرحال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حضوری ہے یعنی معلوم کے وجود کا محتاج نہیں اور بندوں کا علم کسبی ہے یعنی معلومات کے وجود کا محتاج ہے، اگرچہ وہ وجود وجود ذہنی ہی کیوں نہ ہو مگر جہاں تک تبعیت کا تعلق ہے دونوں کا معاملہ یکساں ہے، لہٰذا سائل کی یہ تعبیر ہی صحیح نہیں ہے کہ اس لڑکے کا علم الٰہی کے مطابق کافر ہونا ضروری تھا یہ تعبیر تو اس وقت صحیح ہو سکتی تھی کہ جب معلوم علم کے تابع ہوتا بلکہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ازل سے جانتے ہیں کیونکہ اس کا علم حضوری ہے معلومات کے وجود سے پہلے بھی اس کو معلومات کا علم حاصل ہے مگر ازل میں اللہ تعالیٰ کے جاننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ویسا ہی ہو جائے کیونکہ معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا ہاں یہ بات ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں وہی بات جانے جو ہونے والی ہے کیونکہ اس کا علم خلاف واقعہ نہیں ہو سکتا ورنہ صفت علم میں کذب (خلاف واقعہ) لازم آئے گا جو محال ہے۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کے علم میں صرف یہی بات نہیں تھی کہ وہ لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوگا اور اس کے والدین اس کے فتنہ میں مبتلا ہوں گے بلکہ علم الٰہی میں پوری تفصیل موجود تھی کہ اگر وہ لڑکا بالغ ہوتا تو کافر ہوتا اور اپنے والدین کے لئے خطرہ بنتا مگر چونکہ وہ سن بلوغ سے پہلے ہی مر جائے گا اس لئے نہ وہ کافر ہوگا اور نہ اس کے والدین اس کے فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔

یہ درحقیقت تقدیر کا مسئلہ ہے تقدیر کا حاصل یہ ہے کہ بندے جو نیک و بد کام کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ازل سے جانتے ہیں مگر اس جاننے سے انسان ویسا کرنے پر مجبور نہیں ہو جاتا اس لئے کہ معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا بلکہ بندہ اپنے ارادہ اور مرضی سے جو نیک و بد کرنے والا ہے ان کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے اور یہ جاننا مطابق واقعہ ہے کیونکہ علم معلوم ہی سے ماخوذ ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ وہی جانتا ہے جو ہونے والا ہے اگر اس کے خلاف ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا علم واقعہ کے مطابق نہیں تھا۔ (تعالی اللہ عن

ذٰلك علوًا كبيرًا) اس مضمون کی تعبیر اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ تقدیر کے معنی ہیں پلاننگ کرنا، اللہ تعالیٰ نے ازل میں کائنات کے لئے جو اندازہ مقرر کیا ہے اس میں انسان کے لئے ایک جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق ہونا طے کیا گیا ہے، لہٰذا انسان اپنی مرضی سے جو کام کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں، اس کے برخلاف نہیں جانتے، علم الٰہی کے خلاف ہوسکتے یا نہ ہوسکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسرے سوال کا جواب: یہ ہے کہ تکوینیات کے بارے میں انسان کا علم نہ ہونے کے برابر ہے، حضرت خضر نے اس سے تو پردہ اٹھایا کہ اس لڑکے کو مار ڈالنے میں یہ حکمت تھی مگر یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ اس کو پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی مثلاً انسان کے بدن میں کئی جگہ بال اگتے ہیں ناخون بڑھتے ہیں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ان کو صاف کیا جائے اور یہ نظافت کا تقاضہ ہے، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کو کاٹنا ضروری ہے تو آخر اللہ تعالیٰ ان بالوں کو پیدا ہی کیوں فرماتے ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی حکمت اللہ ہی بہتر جانتے ہیں ہم نہیں جانتے البتہ ہم اجمالاً یہ بات جانتے ہیں کہ ان بالوں کو پیدا کرنے میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہے اسی طرح اس لڑکے کے پیدا کرنے میں کوئی مصلحت ضرور ہوگی جو ہم نہیں جانتے، خضر نے بھی اس رازِ سربستہ کو نہیں کھولا، اس لئے عقل انسانی کے لئے بجز اعتراف عجز و قصور کے کوئی راہ نہیں، ہمیں تو بس یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں جو چیزیں بظاہر خراب مہلک اور بری مضر اور نقصان دہ سمجھی جاتی ہیں ان میں بھی مجموعہ عالم کے لحاظ سے بے شمار فوائد ہیں۔ (ہدایت القرآن)

وَاَمَّا الجدار فكان اب تیسرے اور آخری واقعہ کی حقیقت سنئے ارشاد ہے، دیوار کے واقعہ کی **حقیقت یہ ہے کہ** اس شہر میں دو یتیم بچے رہتے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے، ان کا باپ بڑا **نیک اور صالح مخلص تھا تو** تیرے رب کی مرضی یہ تھی کہ دونوں یتیم بچے جوان ہوجائیں اور اپنا خزانہ تیرے رب کی مہربانی **اور رحمت سے** نکال لیں، میں نے اپنی رائے واجتہاد سے کوئی کام نہیں کیا، یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی۔

حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ اس دیوار کے نیچے سونے چاندی کا ذخیرہ تھا (**رواہ الترمذی والحاکم**) جوان کو ان کے باپ سے میراث میں پہنچا تھا، اگر دیوار گر جاتی تو وہ دفینہ ظاہر ہوجاتا اور بدنیت **لوگ** اس کو لیجاتے بچوں کا باپ چونکہ نیک آدمی تھا اس لئے اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کے مال کو اس کی اولاد کے لئے **محفوظ رکھا اور** حضرت خضر کے ذریعہ دیوار کی مرمت کرادی جس کی وجہ سے **مال محفوظ ہوگیا** اور یہ سب رحمت خداوندی تھی اور حضرت خضر کا دیوار کو درست کرنا یہ بامر خداوندی تھا، اور جو کام امر خداوندی سے کرنا ضروری ہو اس پر اجرت لینا درست نہیں، یہیں سے یہ ضابطہ بنا ہے کہ طاعت مقصودہ پر اجرت لینا باطل ہے، یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم کو صبر نہ ہوسکا، لہٰذا الوداع......

فائدہ: دنیا میں ہر کام خواہ اچھا ہو یا برا اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے خیر وشر سب اسی کی مخلوق ہے **مگر ادب** کا تقاضہ یہ ہے کہ شر اور حقیر و ذلیل چیزوں کی تخلیق کی نسبت اس کی طرف نہ کی جائے مثلاً یوں نہ کہا جائے، اے خالق

الشر یا اے خالق البعوضہ والذباب چنانچہ حضرت خضر نے جب کشتی توڑنے کا ذکر کیا تو چونکہ وہ کام بظاہر ایک برا کام تھا اس لئے اس کے ارادہ کی نسبت اپنی طرف کی اور اردت فرمایا اسی طرح لڑکے کو قتل کرنے اور اس کے بدلے میں اس سے بہتر اولاد دینے کا ذکر کیا تو اس کا قتل چونکہ برائی تھی اور بہتر اولاد دینا ایک بھلائی تھی اس لئے امر مشترک ہونے کی وجہ سے جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا تاکہ جتنا بظاہر شر ہے وہ اپنی طرف اور جو خیر ہے وہ اللہ کی طرف منسوب ہو جائے اور تیسرے واقعہ میں دیوار کو درست کر کے یتیموں کا مال محفوظ کر دینا سراسر خیر ہی خیر تھا، اس لئے اس کی پوری نسبت اللہ کی طرف کرتے ہوئے فاراد ربك فرمایا۔ (معارف القرآن)

وَيَسْئَلُوْنَكَ اى اليهودُ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ط اِسْمُهٗ اِسكندرُ ولَمْ يكن نبيًّا قُلْ سَاتْلُوْا سَاَقُصُّ عَلَيْكُمْ مِّنْهُ مِنْ حالِه ذِكْرًا○ خبرا اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ بتسهيل السَّيْرِ فيها واٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يَحْتَاجُ اِلَيهِ سَبَبًا○ طريقا يُوْصِلُ الى مُرادِه فَاَتْبَعَ سَبَبًا○ سَلَكَ طَرِيْقًا نحوَ المغربِ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ مَوْضِعَ غروبِها وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِىْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ ذَاتِ حَمْأَةٍ وهى الطينُ الاسْوَدُ وغُرُوْبُها فى العينِ فى رَأْىِ العَيْنِ وَاِلَّا فَهِىَ اَعْظَمُ من الدُّنيا وَّوَجَدَ عِنْدَهَا اى العينِ قَوْمًا ط كافرين قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ بِالْهَامِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ القومَ بالقتلِ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا بالاسْرِ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ بالشِّرْكِ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ نَقْتُلُه ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا بسكون الكاف وضمها شديدًا فى النار وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰى ج اى الجنة والاضافة للبيان وفى قراءةٍ بنصبِ جزاءٍ وتنوينِه قال الفراء نصبه على التفسير اى لجهة النسبة وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا○ اى نَامُرُه بما يَسْهُلُ عليه ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا○ نحوَ المشرقِ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ موضعَ طلوعِها وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ هم الزَّنجُ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا اى الشمسِ سِتْرًا لا من لِباسٍ ولا سَقْفٍ لِاَنَّ اَرْضَهُمْ لاتحملُ بناءً ولهم سروبٌ يَغِيْبُوْنَ فيها عند طلوعِ الشمسِ ويظهرون عند اِرْتفاعِها كَذٰلِكَ ط اى الامرُ كما قلنا وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ اى عند ذى القرنين من الآلاتِ والجُنْدِ وغيرِهما خُبْرًا○ عِلْمًا.

ترجمہ

یہود آپ سے ذوالقرنین کا واقعہ دریافت کرتے ہیں اس کا نام اسکندر ہے اور وہ نبی نہیں تھا آپ کہہ دیجئے میں تم کو اس کا کچھ حال سناتا ہوں زمین میں سفر آسان کر کے ہم نے اس کو زمین میں قدرت عطا فرمائی تھی اور ہم نے اس کو ہر قسم کے وسائل جن کی (بادشاہوں) کو ضرورت ہوتی ہے بخشے تھے ایسے وسائل کہ جن کے ذریعہ اس کو اپنے مقصد تک

رسائی حاصل ہو سکے، چنانچہ وہ مغرب کی جانب ایک راستہ پر ہولیا، یہاں تک کہ جب وہ انتہائے مغرب میں پہنچ گیا، تو اس کو آفتاب ایک گدلے چشمہ میں ڈوبتا ہوا نظر آیا، کالی مٹی والے چشمہ میں، حماۃ کالی مٹی اور آفتاب کا چشمہ میں غروب ہونا یہ دیکھنے والے کی نظر میں (محسوس ہوتا) تھا ورنہ آفتاب تو دنیا سے بہت بڑا ہے اور اس کو وہاں چشمہ کے پاس ایک کافر قوم ملی ہم نے بذریعہ الہام اس سے کہا یا تو تم اس قوم کو قتل کے ذریعہ سزا دو یا قید کر کے ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو تو کہا جو شخص شرک کر کے ظلم کرے گا تو اس کو قتل کی سزا دیں گے پھر وہ اپنے رب کی جانب لوٹایا جائے گا پس وہ اس کو اور بھی سخت سزا دے گا نُکُرًا کاف کے سکون اور ضمہ دونوں کے ساتھ ہے یعنی آگ کا شدید عذاب اور جو ایمان لائے گا اور نیک اعمال کرے گا تو اس کے لئے بدلے میں بھلائی ہوگی یعنی جنت اور اضافت بیانیہ ہے اور ایک قرأت میں جزاءً کے نصب اور تنوین کے ساتھ ہے، اور فرّاء نے کہا ہے اس کا نصب جہت نسبت کی تفسیر کی وجہ ہے اور ہم اسے اپنے کام میں بھی آسانی کا حکم دیں گے یعنی ایسی باتوں کا جو اس کے لئے آسان ہوں گی پھر وہ مشرق کی جانب (دوسرے) راستہ پر چل پڑا یہاں تک کہ جب وہ مطلع شمس یعنی طلوع آفتاب کے مقام (انتہائے مشرق) پر پہنچا تو اس نے آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا اور وہ زنجی قوم تھی کہ ہم نے ان کے لئے آفتاب سے بچاؤ کی کوئی آڑ جیسے لباس چھت وغیرہ نہیں رکھی تھی اس لئے کہ ان کی زمین عمارت کی متحمل نہیں تھی اور ان کے لئے بھٹ تھے جن میں وہ طلوع آفتاب کے وقت چھپ جاتے تھے اور غروب کے وقت نکلتے تھے بات ایسی ہی ہے جیسا کہ ہم نے کہا اور ہم نے اس کی یعنی ذوالقرنین کی تمام چیزوں کا علمی احاطہ کر رکھا ہے خواہ وہ آلات حرب کے قبیل سے ہوں یا لشکر وغیرہ کے قبیل سے۔

تحقیق، ترکیب و تفسیری فوائد

قولہ سأتلوا سین محض تاکید کے لئے ہے استقبال کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ پورا کلام مسلسل نازل ہوا ہے **قولہ** منہُ میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ من تبعیضیہ ہے اور ضمیر ذوالقرنین کی طرف راجع ہے اور مضاف محذوف ہے ای من اخبارہ جار مجرور درحقیقت ذکرًا کی صفت ہیں مگر مقدم ہونے کی وجہ سے حال واقع ہیں، دوسرا احتمال یہ ہے کہ منہُ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو اور من ابتدائیہ ہو یعنی میں اللہ کی طرف سے یہ احوال پڑھ کر سناتا ہوں، مگر یہ احتمال ضعیف ہے، ذِکْرًا سأتلوا کا مفعول بہ ہے اور اگر اتلوا أذکر کے معنی میں ہو تو ذکرًا مفعول مطلق ہوگا، ای سأذکر ذکرًا، ذکرًا پہلی صورت میں نبأ کے معنی میں ہوگا اور دوسری صورت میں قرآن کے معنی میں ہوگا منہُ کی تفسیر من حالہ سے کرنے کا مقصد مضاف محذوف کی طرف اشارہ کرنا ہے اس لئے کہ سوال احوال سے ہوتا ہے نہ کہ ذات سے **قولہ** مَكَّنَّا تمکین سے قدرت دینا، قدم جمانا **قولہ** سَبَبٌ رسی، ذریعہ، وسیلہ (ج) اسباب **قولہ**

وَجَدَ بمعنی رأی دیکھا، محسوس کیا حَمِئَةٍ حَمِیَ (س) سے صفت مشبہ حَمْئًا حمأ الماءُ پانی گدلا ہو گیا الحمئۃ کالی مٹی **قولہ** اِمَّا یہ اِنْ اور ما سے مرکب ہے اور یہ حرف تفصیل ہے اور اَنْ تُعَذِّبَ میں اَنْ مصدریہ ہے اور جملہ بتاویل مصدر ہو کر یا تو مبتداء ہے اور خبر محذوف ہے ای اِمَّا تعذیبُكَ واقعٌ یا خبر ہے اور مبتداء محذوف ہے ای اِمَّا اَمْرُكَ تعذِیْبُكَ یا فعل محذوف کا مفعول ہے ای اِمَّا تُوقِعُ تَعْذِیْبَكَ اور اِمَّا تتخذ میں بھی یہی احتمالات ہیں **قولہ** فی رأی العین کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ وَجَدَ اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے بلکہ نظر آنے یا محسوس کرنے کے معنی میں ہے اس لئے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ آفتاب زمین کے کسی چشمے میں غروب ہو اس لئے کہ آفتاب تیرہ لاکھ زمینوں کے مساوی ہے اور اس کا قطر چھیاسی لاکھ پینسٹھ ہزار (۸۶۶۵۰۰۰) میل ہے، (فلکیات جدیدہ) آفتاب کا چشمے میں غروب ہوتا نظر آنا ایسا ہی ہے جیسا کہ دیکھنے والے کو آسمان چاروں طرف افق سے متصل معلوم ہوتا ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، اسی طرح اگر آپ ریل کی لائن پر کھڑے ہو کر لائن کو دور دیکھیں تو آپ کو دونوں لائنیں آپس میں ایک دوسرے سے قریب ہوتی نظر آئیں گی حتی کہ آخر میں ملی ہوئی محسوس ہوں گی حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا

قولہ حُسْنًا اس کا مضاف محذوف ہے ای ذَا حسنٍ یا مصدر کا حمل مبالغۃ ہے **قولہ** اَمَّا مَنْ ظلم اَمَّا حرف تفصیل ہے مگر اس میں شرط کے معنی بھی ہیں اسی لئے اس کے جواب پر فا کا لانا ضروری ہے **قولہ** فَلَهٗ جزاءً، لَهٗ خبر مقدم ہے اور الحسنیٰ مبتداء مؤخر ہے، جزاءً حال ہے یا تمیز ہے ای لهُ الحسنیٰ جزاءً کمایقال لكَ هٰذا الثوبُ هبةً **قولہ** یُسْرًا کا مضاف محذوف ہے ای ذَا یُسْرٍ یا پھر مصدر کا حمل مبالغۃ ہے **قولہ** لم نجعل قوم کی صفت ہے **قولہ** کذٰلك مبتداء محذوف کی صفت ہے ای الامر کذٰلك **قولہ** اَحَطْنَا کے لئے سورہ کہف کی آیت ۶۸ دیکھئے اَحَطْنَا جملہ مستانفہ ہے خُبْرًا خَبُرَ کا مصدر ہے (ک ف) خبُرَ الشیَ وبه حقیقت حال سے واقف ہونا **قولہ** بالھام سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذوالقرنین نبی نہیں تھے بلکہ ایک صالح بادشاہ تھے **قولہ** سَنَقُوْلُ کی تفسیر نامرهٗ سے کرنے کا مقصد تعیین معنی ہے اس لئے کہ قول مختلف معنی میں مستعمل ہے۔

تفسیر و تشریح

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَيْنِ

آغاز واقعہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جب اسلام کی روشنی کی کرن نمودار ہوئی اور کفر کی ظلمت کے دبیز پردے چاک ہونے لگے تو کفر کے ظلمت کدہ مکہ میں ہنگامہ برپا ہو گیا اس بات کی متفقہ کوشش ہونے لگی کہ بہر صورت اس روشنی کو گل کر دیا جائے، مگر اس روشنی کو گل کرنے کی جس قدر زیادہ کوشش ہونے لگی روشنی اتنی ہی تیزی سے پھیلنے لگی، حتی کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مکہ کا کوئی گھر خالی نہ رہا کہ جہاں اس روشنی کی کرن نہ پہنچی ہو، جس کی وجہ سے

ہر گھر میں کفر و اسلام کا معرکہ بپا نہ ہوا ہو، گھر میں اگر باپ کافر ہے تو بیٹا مسلمان، ماں مسلمان ہے تو بیٹی کافرہ، اگر ایک بھائی مسلمان ہے تو دوسرا کافر، غرضیکہ کوئی گھر ایسا نہ تھا کہ جہاں کفر و اسلام کی محاذ آرائی نہ ہو، آخر مجبور ہو کر اہل مکہ نے یہ سوچا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئے نبوت کے بارے میں اہل کتاب سے معلوم کیا جائے کہ اس کی کیا حقیقت ہے، آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوئے نبوت میں سچے ہیں یا یہ کوئی مکروفریب ہے، چنانچہ قریش نے ایک وفد تشکیل دیا جس میں نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط کو علماء یہود کے پاس مدینہ یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ کے پاس انبیاء سابقین کا علم ہے اور آئندہ آنے والے انبیاء کے بارے میں پیشین گوئیاں ہیں لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بتاؤ کہ ان کے دعوۂ نبوت کے بارے میں آپ کی کتابوں میں کوئی تذکرہ ہے یا نہیں؟ علماء یہود نے جواب دیا کہ تم ان باتوں کو تو چھوڑو ہم تم کو تین سوال بتاتے ہیں اگر وہ ان کا جواب صحیح دیدیں تو سمجھ لینا کہ وہ اپنے دعوۂ نبوت میں برحق ہیں اور اگر جواب نہ دے سکیں تو سمجھ لینا کہ وہ دعوۂ نبوت میں کاذب و مفتری ہیں ۱ روح کی حقیقت کیا ہے؟ ۲ اصحاب کہف کون تھے؟ ۳ سکندر ذوالقرنین کون تھا؟ یہ قریشی وفد خوش و خرم مکہ واپس ہو گیا اور مکہ والوں سے جا کر کہا ہم ایک فیصلہ کن بات لیکر آئے ہیں اور مذکورہ تینوں سوالات ان کو بتائے چنانچہ مکہ کے سرداروں کا ایک نمائندہ وفد ان سوالوں کو لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کے سامنے مذکورہ تینوں سوالات رکھے، آپ نے فرمایا ان کا جواب میں کل دوں گا، دو کا ذکر سابق میں گذر چکا ہے روح کے بارے میں سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں اور اصحاب کہف کے بارے میں سورہ کہف میں آپ نے پڑھا یہاں سے تیسرے سوال کے جواب کا آغاز ہوتا ہے، یہ یہود آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں سوال کی نسبت علامہ جلال الدین نے یہود کی جانب کی ہے حالانکہ سوال کرنیوالے اہل مکہ تھے مگر چونکہ اہل مکہ نے سوالات یہود کے سکھانے سے کئے تھے اور اصل سائل یہود ہی تھے اسلئے یہود کی جانب نسبت کی ہے۔

اسکندر نام اور ذوالقرنین لقب کے کئی بادشاہ دنیا میں گذرے ہیں، ذوالقرنین کے معنی ہیں دو سینگوں والا، یہ لقب کیوں پڑا اس میں بہت اختلاف ہے، جس کا ذکر تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکا ہے، یہ لقب قرآن کریم کا دیا ہوا نہیں ہے بلکہ پہلے سے مشہور چلا آرہا تھا، چنانچہ یہود نے اسی نام سے سوال کیا، اس نام اور لقب کے دو بادشاہ زیادہ مشہور گذرے ہیں، ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر ہے جو نمرود کے بعد ہوا ہے یہ بادشاہ موحد اور دین حق کا پیرو تھا، حضرت ابراہیم پر ایمان لایا تھا اور تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم کے ساتھ حج بھی کیا تھا یہ بادشاہ ۲۰۰۰ قبل مسیح میں گذرا ہے، بعض حضرات اس کو یونانی کہتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ یہ فارسی ہے اس کو یونانی زبان میں سائرس اور عربی زبان میں کیخسرو اور فارسی میں گورش کہتے ہیں اور یہود اس کو خورس کہتے ہیں یہ نہایت خدا ترس اور عادل بادشاہ تھا۔

دوسرا بادشاہ سکندر رومی ہے جو سکندر یونانی، مقدونی، رومی کے لقب سے مشہور ہے، یہ تقریباً تین سو سال قبل مسیح گذرا ہے اس کا وزیر اور استاد ارسطو تھا جو کہ مشرک تھا اور یہ اسکندر بھی مشرک اور ظالم تھا بلکہ خود کو ایک دیوتا کا مظہر کہتا تھا

یہی وہ سکندر ہے جس نے دارا کو شکست دی تھی، بعض حضرات نے اس کو بھی قرآنی ذوالقرنین کہہ دیا ہے جو سراسر غلط ہے، اس لئے کہ یہ شخص آتش پرست تھا اور قرآن حکیم نے جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے اس کے نبی ہونے میں تو علماء کا اختلاف ہے مگر مومن، صالح ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔

قرآنی ذوالقرنین نے بہت طویل عمر پائی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے اسرائیلی نبی دانیال علیہ السلام کے زمانہ تک زندہ رہے، اسی نے بخت نصر کو شکست دیکر بنی اسرائیل کو اس کی قید سے آزاد کرایا، اور بیت المقدس کا جو سامان بخت نصر لوٹ کر لے گیا تھا اور بیت المقدس مسمار کر گیا تھا سامان واپس دلایا اور بیت المقدس کو دوبارہ آباد کیا، گویا کہ یہی ذوالقرنین بنی اسرائیل کا نجات دہندہ ہے اور اسی مناسبت سے یہودیوں نے سوال کے لئے اس کو منتخب کیا تھا، اس واقعہ کی طرف قرآن میں بھی سورہ بنی اسرائیل میں جو دو مرتبہ بنی اسرائیل کے فساد میں مبتلا ہونے اور دونوں مرتبہ کی سزا کا تفصیل سے ذکر آیا ہے اس میں بنی اسرائیل کے پہلے فساد کے موقع پر خود قرآن کریم نے فرمایا ہے بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لنا اولی باسٍ شدیدٍ فجاسوا خلل الدیار یعنی تمہارے فساد کی سزا میں ہم تم پر اپنے کچھ ایسے بندے مسلط کر دیں گے جو بڑی قوت اور شوکت والے ہوں گے وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑیں گے اس میں یہ قوت اور شوکت والے لوگ بخت نصر اور اس کے اعوان ہیں جنہوں نے بیت المقدس میں چالیس ہزار اور بعض روایات میں ستر ہزار بنی اسرائیل کو قتل کیا اور ایک لاکھ سے زیادہ بنی اسرائیل کو قید کر کے بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکا کر بابل لے گیا اور اس کے بعد قرآن کریم نے فرمایا ثم رَدَدنَا لکم الکرۃ علیھم (یعنی ہم نے پھر لوٹا دیا تمہارے غلبہ کو) یہ واقعہ اسی کیخسرو بادشاہ کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا، یہ مومن صالح تھا اس نے بخت نصر کا مقابلہ کر کے اس کے قیدی بنی اسرائیل کو اس کے قبضہ سے نکالا اور ان کو دوبارہ فلسطین میں آباد کیا اور بیت المقدس کو بھی جس کو ویران کر دیا تھا دوبارہ آباد کیا اور بیت المقدس کے خزائن و سامان ان کو جو بخت نصر لے گیا تھا وہ سب واپس بنی اسرائیل کے قبضہ میں دے اس لئے یہ شخص بنی اسرائیل کا نجات دہندہ ثابت ہوا۔

یہ بات قرین قیاس ہے کہ یہود مدینہ نے امتحان نبوت کے لئے قریش مکہ کے واسطہ سے جو سوالات متعین کئے ان میں ذوالقرنین کے سوال کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ یہود اس کو اپنا نجات دہندہ مان کر اس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی اس تحقیق پر موجودہ تورات کے حوالہ سے انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیوں اور تاریخی روایات سے اس پر کافی شواہد پیش کئے ہیں، اس کی مزید تفصیل مولانا کی معرکۃ الآراء کتاب قصص القرآن میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (معارف القرآن) قدیم مفسرین نے اس کا مصداق اسکندر رومی کو قرار دیا ہے جس کی فتوحات کا دائرہ مشرق و مغرب تک پھیلا ہوا تھا لیکن جدید مفسرین تاریخی معلومات کی روشنی میں اس سے اتفاق نہیں کرتے بالخصوص مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اس کی تحقیق و تفتیش میں جو داد تحقیق دی ہے وہ نہایت ہی قابل قدر ہے ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ

ہے کہ اس ذوالقرنین کی بابت قرآن نے صراحت کی ہے کہ وہ ایسا حکمراں تھا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اسباب و وسائل کی فراوانی سے نوازا تھا وہ مشرقی و مغربی ممالک فتح کرتا ہوا ایک ایسے پہاڑی درے پر پہنچا جس کی دوسری طرف یاجوج اور ماجوج تھے، اس نے وہاں یاجوج و ماجوج کا راستہ بند کرنے کے لئے ایک نہایت ہی محکم بند تعمیر کیا وہ عادل، اللہ کو ماننے والا اور آخرت پر ایمان رکھنے والا تھا وہ نفس پرست اور مال و دولت کا حریص نہیں تھا مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ ان خصوصیات کا حامل صرف فارس کا وہ عظیم حکمراں ہے جسے یونانی سائرس، عبرانی خورس اور عرب کیخسرو کے نام سے پکارتے ہیں اس کا دور حکمرانی ۵۳۹ قبل مسیح ہے نیز فرماتے ہیں ۱۸۳۸ میں سائرس کے ایک مجسمے کا بھی انکشاف ہوا جس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کی دونوں جانب عقاب کی طرح دو بازو نکلے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر ترجمان القرآن)

قُلْ سَأَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے اس جگہ ذکرہ کا مختصر لفظ چھوڑ کر منہُ ذکرًا کے دو کلمے کیوں اختیار کئے؟ آپ غور کریں گے تو ان دو کلموں میں اشارہ اس طرف کیا گیا ہے کہ قرآن نے ذوالقرنین کا پورا قصہ اور اس کی تاریخ ذکر کرنے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ اس کے ایک حصہ کو بیان کرنے کا وعدہ فرمایا جس پر حرف مِنْ اور ذِکْرًا کی تنوین بقواعد عربیت شاہد ہے اوپر جو تاریخی بحث ذوالقرنین کے نام و نسب اور زمانہ وغیرہ کی لکھی گئی ہے قرآن کریم نے اس کو غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دینے کا پہلے ہی اظہار کر دیا ہے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا یعنی مغربی مہم سے فارغ ہونے کے بعد مشرقی جانب مہم پر روانہ ہوا حتی کہ جب مشرقی جانب منتہائے آبادی پر پہنچ گیا (اسی کو قرآن نے مطلع شمس کہا ہے) جہاں ایسی قوم آباد تھی کہ جس کا حال یہ تھا کہ اس کے پاس دھوپ وغیرہ سے بچنے کے لئے بھی کوئی معقول سامان نہیں تھا نہ ان کے مکانات تھے اور نہ خیمے وغیرہ اور لباس کے طور پر وہ جانوروں کی کھال استعمال کرتے تھے، قرآن کریم نے ان کے مذہب و اعمال کا کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ یہ ذکر کیا کہ ذوالقرنین نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، ظاہر یہی ہے کہ یہ قوم بھی کافر تھی اور ذوالقرنین نے ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جو مغربی قوم کے ساتھ اوپر گذر چکا ہے، ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس قوم کے حالات کو بھی پچھلی قوم کے حالات پر قیاس کر کے ان کا بھی حال معلوم ہو سکتا ہے۔ (کذا فی بحر المحیط عن ابن عطیہ)

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ بفتح السین وضمها هُنا وبَعْدَهما جبلان بمُنْقَطِعِ بلادِ التُّرْكِ سَدَّ الاسكندر مابينهما كما سَيَأتِي وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا اى اَمَامَهُمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا اى لايفهمونه اِلَّا بَعْدَ بُطُوءٍ وفى قراءة بضم الياء وكسر القاف قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ بالهمزة وتركها اسمان اَعْجَمِيَّانِ لِقَبِيْلَتَيْنِ فَلَمْ يَنْصَرِفَا مُفْسِدُوْنَ

فِي الْاَرْضِ بالنَّهب والبَغْي عِنْدَ خروجهم اِلَيْنا فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا جُعْلاً مِن المال وفى قراءة خَرَاجًا عَلٰى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنا وبَيْنَهُمْ سَدًّا○ حاجزًا فلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْنا قَالَ مَامَكَّنِّى وفى قراءة بالنونين من غير ادغام فِيْهِ رَبِّىْ من المال وغيره خَيْرٌ من خَرْجِكُمْ الذى تَجْعلونه لى فلاحاجة لى اليه واَجْعَلُ لكم السَّدَّ تبرُّعًا فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ لَمَّا اَطْلُبُهٗ منكم اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا○ حَاجزا حَصِينًا آتُوْنِىْ زُبُرَ الْحَدِيْدِ قِطْعَةً على قَدْرِ الحِجَارَةِ التى يُبْنٰى بِهَا فَبُنِىَ بِها وجُعِلَ بينها الحطبُ والفحمُ حَتّٰى اِذَا ساوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ بضم الحرفين وفتحهما وضم الاول وسكون الثانى اى جَانِبَيِ الْجَبَلَيْنِ بِالبِنَاءِ ووُضِعَ المنافخُ والنارُ حَوْلَ ذٰلك قَالَ انْفُخُوْا فنفَخُوْا حَتّٰى اِذَا جَعَلَهٗ اى الحديدَ نَارًا اى كالنار قَالَ آتُوْنِىْ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا○ هو النُّحَاسُ الْمُذَابُ تَنَازَعَ فيه الفعلان وحُذف من الاول لِاِعْمالِ الثانى فَاَفْرَغَ النحاسَ المذابَ على الحديدِ الْمُحْمٰى فَدَخَلَ بين زُبُره فصارا شيئًا واحدًا فَمَا اسْطَاعُوْا اى ياجوجُ وماجوجُ اَنْ يَّظْهَرُوْهُ يَعْلُوْا ظهره لِاِرْتِفَاعِهٖ وملاسته وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا○ خرقًا لِصَلَابَتِهٖ وسَمْكِهٖ قَالَ ذوالقرنين هٰذَا اى السَّدُّ اى الاِقْدَارُ عليه رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ نعمة لِاَنَّهٗ مانع من خروجهم فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ بخروجهم القريبِ من البعثِ جَعَلَهٗ دَكَّاءَ مَدْكوكا مبسوطا وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ بخروجهم وغيرِهم حَقًّا○ كائنا .

ترجمہ

پھر اس نے ایک اور سفر کی تیاری شروع کی یہاں تک کہ جب وہ ایسے مقام پر پہنچا کہ جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا سین کا فتح اور ضمہ دونوں ہیں، یہاں بھی اور بعد میں بھی، بلاد ترک کے اختتام پر دو پہاڑ ہیں سکندر نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی کو بند کردیا تھا جیسا کہ عنقریب (اس کا ذکر) آرہا ہے، تو ان دونوں پہاڑوں کے اس پار یعنی ان کے سامنے ایک ایسی قوم کو پایا جو مشکل ہی سے کوئی بات سمجھتی تھی یعنی بڑی دیر کے بعد (اشارہ وغیرہ سے) ایک قرأت میں ضمۂ ی اور کسرۂ کاف کے ساتھ ہے تو انہوں نے کہا اے ذوالقرنین یاجوج وماجوج ہمزہ اور بدون ہمزہ دونوں قرأتیں ہیں یہ دو عجمی قبیلوں کے نام ہیں اسی وجہ (یعنی عجمہ اور علم ہونے کی وجہ) سے غیر منصرف ہیں، ہماری اس سرزمین میں آکر قتل وغارتگری کرتے ہیں فساد مچاتے ہیں کیا ہم آپ کے لئے کچھ خرچ کا انتظام کردیں یعنی چندے کے طور پر مال جمع کردیں اور ایک قرأت میں خَراجًا ہے اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنادیں یعنی ایک آڑ جس کی وجہ سے وہ ہم تک نہ پہنچ سکیں ذوالقرنین نے جواب دیا میری (قدرت) واختیار میں میرے

پروردگار نے جو مال وغیرہ دے رکھا ہے اس مال سے جسے تم میرے لئے جمع کرو گے بہت بہتر (کہیں زیادہ) ہے لہٰذا مجھے تمہارے **مال** وغیرہ کی ضرورت نہیں میں یوں ہی (بلا معاوضہ) تمہارے لئے دیوار بنادوں گا **مکّنی** میں ایک قرأت دونونوں کے ساتھ بغیر ادغام کے یعنی مَکَّنَنِیْ بھی ہے البتہ تم طاقت (محنت مزدوری) سے میری مدد کرو جب میں تم سے مطالبہ کروں، تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک دیوار یعنی ایک مضبوط آڑ کھڑی کردوں گا (اچھا تو) تم میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاؤ جن سے دیوار بنائی جا سکے، چنانچہ (ذوالقرنین) نے لوہے کے ٹکڑوں کے درمیان لکڑیاں اور کوئلہ رکھ دیا یہاں تک کہ جب اس دیوار کے ردّے دونوں پہاڑوں کے برابر کردیئے (صدفین میں کئی قرأتیں ہیں) ۱ صاد اور فا دونوں کے ضمہ کے ساتھ ۲ دونوں کے فتحہ کے ساتھ ۳ صاد کے ضمہ اور فا کے سکون کے ساتھ یعنی دونوں پہاڑوں کے درمیان کے خلاء کو تعمیر کرکے پُر کردیا اور اس کے اردگرد دم کشوں اور آگ کا نظم کردیا، تو حکم دیا دھونکو چنانچہ لوگوں نے دھونکا حتی کہ جب اس لوہے کو آگ یعنی آگ کے مانند سرخ کردیا تو حکم دیا اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تا کہ میں اس کو (گرم لوہے) پر ڈال دوں قطر پگھلا ہوا تانبا قطرًا میں دو فعلوں نے تنازع کیا ہے فعل ثانی کو عمل دینے کی وجہ سے اول فعل کا (مفعول قطرًا) حذف کردیا ہے، چنانچہ پگھلا ہوا تانبا گرم لوہے پر ڈالدیا تو وہ لوہے کے تختوں کے درمیان داخل ہو کر شئ واحد ہو گیا، چنانچہ یاجوج ماجوج اس دیوار پر اس کی بلندی اور چکناہٹ کی وجہ سے نہ چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے اس کی سختی اور مضبوطی کی وجہ سے ذوالقرنین نے کہا یہ دیوار یعنی اس کے بنانے پر قدرت دینا میرے رب کی رحمت یعنی نعمت ہے اس لئے کہ یہ ان کے خروج کے لئے مانع ہوگی چنانچہ جب میرے رب کا وعدہ یعنی قرب قیامت ان کے خروج کا وقت آئے گا تو میرا رب اس دیوار کو ریزہ ریزہ کرکے برابر کردے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ ان کے خروج وغیرہ کا حق ہے جو ہو کر رہے گا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

سَدٌّ مصدر (ن) بند کرنا **قوله** بین السدین بلغ کا مفعول ہے بَیْنَ چونکہ بائن کا مصدر ہے اس لئے ظروف متصرفہ میں سے ہے **یاجوج و ماجوج** یہ دونوں عجمی لفظ ہیں اور دو قبیلوں کے اجداد کے نام ہیں یہ دونوں قومیں حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے یافث کی نسل سے ہیں عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہیں خرج محصول بعض حضرات نے خَرج اور خراج میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ خرج زرفدیہ کو کہتے ہیں اور خراج عام ہے جس میں زرفدیہ، ٹیکس، محصول وغیرہ سب شامل ہیں **قوله** مُکّنی یہ دراصل مَکَّنَ نِی تھا، ماضی واحد مذکر غائب مصدر تمکین بااختیار و بااقتدار بنانا نِی میں نون وقایہ اور ی ضمیر متکلم مفعول بہ پھر لام کلمہ نون کو ساکن کرکے نون وقایہ میں ادغام کردیا

رَدْمً موٹی اور مضبوط دیوار ردم (ض) مصدر ہے سوراخ بند کرنا مگر یہاں مصدر بمعنی اسم مفعول ہے **صدف** پہاڑ کی چوٹی **قوله** اسطاعوا اصل میں استطاعوا تھا تا اور طا قریب المُخرج ہونے کی وجہ سے تخفیف کے لئے تا کو حذف کردیا **قوله** الوعد وقت یا مصدر بمعنی موعود ای القیامۃ **قوله** آتونی تم میرے پاس لاؤ زُبَرٌ زُبْرَۃٌ کی جمع ہے جیسے غُرَفٌ غُرْفَۃٌ کی جمع ہے لوہے کی پلیٹ **قوله** آتونی اُفرِغْ تنازع فعلان کے قبیل سے ہے قطرًا اُفرغ کا مفعول اول ہے آتونی کا مفعول محذوف ہے **قوله** یظْهَروہُ بتاویل مصدر ہوکر ما اسطاعوا کا مفعول ہے، **قوله** ای السَّدّ ای الاقدار علیه سے اول ھذا کا مشار الیہ متعین کیا پھر یہ بتادیا کہ دیوار سے مراد دیوار بنانے کی توفیق ہے جو درحقیقت رحمت خداوندی ہے، مطلب یہ ہے کہ دیوار تو اس قوم کے حق میں رحمت خداوندی ہے اور اس دیوار کے بنانے کی توفیق ذوالقرنین کے حق میں رحمت خداوندی ہے **قوله** بخروجهم مفسر علام نے بخروجهم کا اضافہ کرکے وعدہ کا مصداق متعین کردیا کہ وعدہ قرب قیامت میں ان کا خروج ہے، بعض حضرات نے وعدہ سے مراد اس دیوار کے شکست وریخت ہونے کا وقت مرادلیا ہے **قوله** یمُوجُ ترکنا کا مفعول ثانی ہے اور بعضهم مفعول اول ہے اور ترکنا بمعنی جعلنا ہے یومئذٍ یموج سے متعلق ہے۔

تفسیر وتشریح

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا یہ ذوالقرنین کے تیسرے سفر کا بیان ہے، ذوالقرنین نے مغرب ومشرق کے سفر سے فارغ ہونے کے بعد تیسرے سفر کی تیاری شروع کی، یہ تیسرا سفر کس جانب تھا اس بارے میں روایات مختلف ہیں مگر راجح یہ ہے کہ یہ سفر جانب شمال تھا۔

فائدہ: آیات کی مندرجہ ذیل تفسیر امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے عقیدۃ الاسلام صفحہ ۲۰۱ میں کی ہے، یہ بات ملحوظ رہے کہ ھذا رحمۃٌ من ربی جعلهٗ دَكَّاءَ وکانَ وعدُ ربّی حقًّا یہ ذوالقرنین کا اپنا قول ہے، اور کوئی قرینہ سیاق وسباق میں ایسا نہیں ہے جس سے دیوار کے ٹوٹنے کو علامات قیامت میں شمار کیا جائے بلکہ ذوالقرنین کا مقصد وَعْدُ رَبّی سے صرف اس دیوار کا کسی وقت میں ٹوٹ پھوٹ جانا ہے پس اس صورت میں ارشاد باری (وترکنا بعضهم یومئذ یموج فی بعض) استمرار تجددی پر دلالت کرتا ہے یعنی ایسا برابر ہوتا رہے گا کہ ان میں سے بعض قبائل بعض پر حملہ آور ہوتے رہیں یہاں تک کہ قیامت کا وقت آجائے گا، البتہ وہ ارشاد جو سورۂ انبیاء میں آیا ہے یعنی (حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج وهم من کل حدب ینسلون) تو یہ بلاشبہ علامات قیامت میں سے ہے مگر اس میں دیوار کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا اس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے یعنی سورۂ انبیاء کی آیت میں فتح سے عروج وخروج مراد ہے دیوار کا ٹوٹنا اور یاجوج وماجوج کا نکلنا مراد نہیں ہے اس لئے کہ اس آیت میں دیوار کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

فائدہ: سکندر ذوالقرنین نے جن دو پہاڑوں کے درمیان کے درہ کو بند کیا تھا وہ کونسے پہاڑ تھے اور وہ قوم کونسی تھی جن کی حفاظت کے لئے یہ دیوار بنائی گئی تھی اور ذوالقرنین نے جو دیوار بنائی تھی وہ اب تک باقی ہے یا ٹوٹ پھوٹ گئی یہ وہ سوالات ہیں کہ جن کے جوابات قرآن میں نہیں ہیں، اس لئے یقین کے ساتھ کوئی بات کہنا مشکل ہے، دنیا میں ایسی دیواریں وحشی لوگوں سے حفاظت کے لئے مختلف مقامات پر بنائی گئی ہیں جن میں سے بعض کے خرابات ونشانات آج بھی باقی ہیں، مؤرخین کے بیان کے مطابق وہ دیوار جس کا قرآن میں ذکر ہے وہ ایران سے جانب شمال بحر کاسپین (Causpian Sea) یعنی بحر قزوین اور بحر اسود کے درمیان جو سلسلہ کوہ ہے جس کو جبال کا کیشیا (چیچنیاں کے دامن میں) (Caucasus) جبال قَفْقَاز، کَفْقاس، اور تَفْلیس کہتے ہیں ان پہاڑوں میں ایک درّہ درّہ داریال کے نام سے ہے، ذوالقرنین نے وہاں دیوار بنائی تھی ان پہاڑوں کے مشرق میں بحر قزوین واقع ہے اور مغرب میں بحر اسود اور بیچ میں سلسلہ کوہ ہے اور گذرنے کا کوئی راستہ اس درہ کے علاوہ نہیں ہے، ذوالقرنین نے دیوار بنا کر اس کو بند کر دیا تھا، اور جن قبائل کی حفاظت کا یہ سامان کیا گیا تھا وہ ترک قبائل تھے اور یہ بات بھی خیال رہے کہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار اب باقی نہیں ہے البتہ سیاحوں نے اب وہاں آثار دیکھے ہیں اور ممکن ہے کہ اب بھی موجود ہوں، قرآن وحدیث میں کوئی صحیح اور صریح بات ایسی نہیں ہے جس سے قیامت سے کچھ پہلے تک اس دیوار کا بحالہ باقی رہنا ثابت ہوتا ہو۔

یاجوج ماجوج کون ہیں؟ اکثر علماء کی رائے یہ ہے وہ عام انسانوں کی طرح آدم کی اولاد ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں، علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ ج ۲/ص ۱۱۰ میں لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ عام بنی آدم کی طرح ہیں اور انسانوں ہی کی طرح شکل وصورت اور اوصاف رکھتے ہیں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ج ۶، ص ۳۸۶) میں تحریر فرمایا ہے کہ یاجوج ماجوج یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں، حضرت قتادہ سے بھی یہی بات مروی ہے اور روح المعانی میں ہے کہ یاجوج وماجوج یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں اور یہی رائے وہب بن منبہ کی ہے اور متاخرین میں سے اکثر کی یہی رائے ہے، بائبل کتاب پیدائش باب ۱۰ آیت ۲ میں بھی یافث کے ایک لڑکے کا نام یاجوج آیا ہے اور ماجوج کے بارے میں بائبل کا بیان مختلف ہے۔

غرضیکہ یاجوج ماجوج کوئی عجوبہ روزگار مخلوق نہیں ہیں اور نہ برزخی مخلوق ہیں اس قسم کی جو روایات ہیں ان کا اسلامی روایات سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے یہ سب اسرائیلیات کے بے سروپا ذخیرہ ہے، علامہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمنؒ نے قصص القرآن میں جلد سوم میں ان روایات کی تغلیط کی ہے اور سمجھنے کی بات ہے کہ یاجوج وماجوج جب بنی آدم اور نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں تو پھر وہ دیگر انسانوں سے اتنے مختلف کیوں ہیں جتنا ان روایات میں مذکور ہے مثلاً

۱۔ یاجوج ماجوج بالشت، ڈیڑھ بالشت یا زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ کا قد رکھتے ہیں اور بعض غیر معمولی طویل

القامت ہیں۔

۲۔ ان کے کان اتنے بڑے ہیں کہ ایک کان کو اوڑھ لیتے ہیں اور ایک کو بچھا لیتے ہیں۔

۳۔ ان کی غذا کے لئے قدرت سال بھر میں دو مرتبہ سمندر سے ایسی مچھلیاں پھینک دیتی ہے جن کے سر اور دم کا فاصلہ اس قدر طویل ہوتا ہے کہ دس رات دن اگر کوئی شخص چلتا رہے تب اس فاصلہ کو طے کر سکتا ہے۔

۴۔ وہ ایک برزخی مخلوق ہے جو آدم علیہ السلام کی پشت سے تو ہیں مگر حوا رضی اللہ عنہا کے بطن سے نہیں ہیں کیونکہ وہ آدم کے ایسے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں کہ جو احتلام کی حالت میں نکلا تھا اور مٹی میں رل مل گیا تھا۔ (**العیاذ باللہ**)

اس قسم کی تمام باتیں قطعاً بے دلیل و بے بنیاد ہیں اسلامی روایات سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

فائدہ: دنیا کی موجودہ اقوام میں سے یاجوج و ماجوج کون ہیں؟ اس کا جواب بھی یقین کے ساتھ دینا مشکل ہے اس لئے کہ یاجوج و ماجوج بہت قدیم نام ہیں اور مرور ایام کے ساتھ نام بدل جاتے ہیں آج دنیا میں کوئی قوم ان ناموں سے معروف نہیں ہے اس لئے اس کی تعیین دشوار ہے، تاہم علماء کی رائے یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج منگولیا (تاتار) کے ان وحشی قبائل کو کہا جاتا ہے جو یورپ امریکہ اور روس کی اقوام کے منبع اور منشاء ہیں ان کے دو بڑے قبیلے موگ اور یوجی کہلاتے تھے جو عربی زبان میں یاجوج و ماجوج بن گئے۔ (واللہ اعلم)

فائدہ: یاجوج ماجوج کے بارے میں اس قدر بے سر و پا روایتیں کیوں مشہور ہوئیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کا تذکرہ یہودیوں کی کتابوں میں بھی ہے، حزقی ایل باب ۳۹/۳۸ میں بھی ان کا تذکرہ آیا ہے اسی وجہ سے یہودیوں نے حسب فطرت یاجوج ماجوج کے بارے میں بعید از عقل کہانیاں تصنیف کر لیں اور کعب احبار کے ذریعہ جو یہودی النسل تھے اور ان کی کتابوں کے بڑے عالم تھے وہ سب کہانیاں مسلمانوں میں پھیل گئیں، مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے لکھا ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد یا تو تفریح کے طور پر ان کو سنایا کرتے تھے یا اس لئے کہ اس رطب و یابس میں سے جو دور از کار باتیں ہوں وہ رد کر دی جائیں اور جن کی قرآن اور احادیث نبوی سے تائید ہوتی ہو ان کو ایک تاریخی حیثیت میں لے لیا جائے مگر نقل کرنے والوں نے اس حقیقت پر نظر نہ رکھتے ہوئے اس پورے طومار کو اسی طرح نقل کرنا شروع کر دیا جس طرح حدیثی روایات کو نقل کیا جاتا ہے۔ (قصص القرآن جلد ۳/ص ۱۹۵)

فائدہ: یاجوج ماجوج کا خروج و عروج بھی دجال کے ظہور کی طرح علامات قیامت میں سے ہے، سورۃ الانبیاء کی آیت ۹۶ میں اس کا تذکرہ ہے، ارشاد ہے **حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاجُوجُ وَمَاجُوجُ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَنْسِلُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ** اس کا مطلب یہ ہے کہ نفخ صور سے پہلے قیامت کی علامات میں سے ایک نشانی یہ پیش آئے گی کہ یاجوج و ماجوج کے تمام قبیلے ایک ساتھ امنڈ آئیں گے اور دنیا میں عام غارت گری شروع کر دیں گے اور اپنی مقامی بلندیوں سے تیزی کے ساتھ اترتے ہوئے زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں گے، غرض آیت میں فتح سے مراد ان کا

یکبارگی دھاوا بولنا ہے دیوار توڑ کر نکلنا مراد نہیں ہے۔

فائدہ: یاجوج وماجوج کے بارے میں ایک مشہور حدیث یہ ہے کہ وہ روزانہ سد سکندر کو کھودتے ہیں شام کو دیوار جب اتنی پتلی رہ جاتی ہے کہ سورج کی کرنیں نظر آنے کے قریب ہوجاتی ہیں تو ان کا سردار کہتا ہے کہ اب کام ختم کرو کل اس کام کو پورا کردیں گے مگر اگلے روز جب کام پر واپس آتے ہیں تو دیوار پہلے سے بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم پاتے ہیں پھر وہ کھودنا شروع کردیتے ہیں یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا تا آنکہ مقررہ مدت آجائے گی اور جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ وہ انسانی دنیا پر چھا جائیں تو ان کا سردار کہے گا اب واپس چلو کل انشاء اللہ اس کو کھود ڈالو گے چنانچہ دوسرے دن اسی حالت میں ملے گی، اور وہ اس کو کھود ڈالیں گے اور لوگوں پر نکل پڑیں گے الخ یہ روایت ابو ہریرہؓ کا مضمون ہے اور کعب احبار سے مروی روایت میں یہ ہے کہ وہ روزانہ دیوار چاٹتے رہتے ہیں (یلحسونه) اور یہی روایت لوگوں میں مشہور ہے کعب احبار کی روایت عام کتابوں میں نہیں ہے، حافظ ابن حجرؒ نے **عبد بن حمید** کی سند کا حوالہ دیا ہے کہ کعب احبار کی روایت اس میں ہے اور ابو ہریرہؓ کی حدیث ترمذی شریف، **ابن ماجہ**، **مسند احمد**، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم وغیرہ کتابوں میں ہے اور سب کی ایک ہی سند ہے یعنی **قتادہ عن ابی رافع عن ابی ھریرہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم** پھر قتادہ کے نیچے اس کی متعدد سندیں ہیں اس حدیث کی ایک دوسری سند عاصم عن ابی صالح عن ابی ہریرہ بھی ہے مگر یہ روایت موقوف ہے مرفوع نہیں ہے، یہ سند عبد بن حمید کی کتاب میں ہے **کما ذکرہ الحافظ**.

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کو عام طور پر صحیح سمجھا جاتا ہے البانی نے بھی اس کو سلسلہ احادیث صحیحہ میں نمبر ۱۷۳۵ پر ذکر کیا ہے مگر ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس پر سخت تنقید کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند اگرچہ عمدہ ہے مگر آنحضرتؐ کی طرف اس کی نسبت غلط ہے **سندہ جید ولکن متنہ فی رفعه نکارة** نیز وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس قسم کی ایک اسرائیلی کہانی کعب احبار سے بھی مروی ہے اور ابو ہریرہ اکثر کعب احبار کے پاس بیٹھا کرتے تھے اس لئے ممکن ہے کہ ابو ہریرہ نے یہ مضمون کعب احبار سے سنا ہو اور ایک کہانی کے طور پر بیان کردیا ہو مگر نیچے کے کسی راوی نے غلط فہمی سے اس کو مرفوع کردیا ہو۔

اس کے علاوہ ابن کثیر نے درایۃً بھی اس پر دو اعتراض کئے ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے اور دوسرا یہ کہ یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے، تفصیل کے لئے ان کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں، مزید غور کیا جائے تو اس کی سند میں مندرجہ ذیل دو خرابیاں ہیں (۱) قتادہ مدلس ہیں حافظ فرماتے ہیں کہ ابن مردویہ کی روایت میں قتادہ اور ابو رافع کے درمیان ایک راوی کا واسطہ ہے۔ (فتح الباری، ج ۱۳، ص ۱۰۹)

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ قتادہ نے ابو رافع سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ (قال ابوداؤد بذل المجہود ج ۲۰، ص ۱۲۸، بحوالہ ہدایت القرآن ملخصاً)

قال تعالٰی وَتَرَکْنَا بَعْضَهُمْ یومئذٍ یَوْمَ خروجهم یَمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ یختلطُ به بکثرتهم وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ ای القرن لِلْبَعْثِ فَجَمَعْنَاهُمْ ای الخلائقَ فی مکانٍ واحدٍ یومَ القیٰمة جَمْعًا ۙ وَّعَرَضْنَا قَرَّبْنَا جَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ لِّلْکَافِرِیْنَ عَرْضًا ۙ اَلَّذِیْنَ کَانَتْ اَعْیُنُهُمْ بَدَلٌ من الکافرین فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِکْرِیْ ای القرآن فَهُمْ عُمْیٌ لایهتدون به وَکَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ۚ ای لایقدرون اَنْ یَّسْمَعُوْا من النبی مایَتْلُوْا علیهم بُغضًا له فلایؤمنون به اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ ای مَلائکتی وعیسٰی وعُزیرًا مِنْ دُوْنِیْ اَوْلِیَآءَ ؕ اَرْبَابًا مفعول ثانٍ لِیَتَّخِذُوْا والمفعولُ الثانی لِحَسِبَ محذوف المعنی اَظَنُّوْا اَنَّ الاتخاذَ المذکورَ لایُغْضِبُنِیْ ولااُعَاقِبُهُمْ علیه کَلَّا اِنَّا اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْکَافِرِیْنَ هؤلاء وغیرهم نُزُلًا ○ ای هی مُعَدَّةٌ لَهُمْ کالنُّزُلِ المُعَدِّ للضَّیْفِ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ○ تمییزٌ طَابَقَ المُمَیَّزَ وَبَیَّنَهُم بقوله اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا بَطَلَ عَمَلُهم وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ○ عَمَلًا یُجَازَوْنَ علیه اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیَاتِ رَبِّهِمْ بدلائلِ توحیدِهٖ مِنَ القُراٰن وغیره وَلِقَآئِهٖ ای وبالبعثِ والحساب والثواب والعقاب فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ بَطَلَتْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ○ ای لانجعلُ لهم قدرًا ذٰلِكَ ای الامرُ الذی ذکرتُ من حُبُوطِ اعمالهم وغیره وابتداءٌ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا کَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْا اٰیَاتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا ○ ای مَهْزُوًّا بهما اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَهُمْ فی عِلْمِ اللّٰهِ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ هو وَسَطُ الجنةِ واعلاها والاِضافةُ الیه لِلْبَیَانِ نُزُلًا ۙ مَنْزِلًا خَالِدِیْنَ فِیْهَا لَایَبْغُوْنَ یَطْلُبُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ○ تحوّلًا الٰی غیرها قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ ای ماؤهٗ مِدَادًا هو ما یُکْتَبُ به لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ الدَّالَّةِ علٰی حکمِهٖ وعجائبِهٖ بِاَنْ تُکْتَبَ به لَنَفِدَ الْبَحْرُ فی کتابتها قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ بالتاء والیاء تفرُغَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ ای البحرِ مَدَدًا ○ زیادةً فِیْهِ لَنَفِدَ وَلَمْ تَفْرُغْ هِیَ ونصبُه علی التمییز قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ آدمیٌّ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ اَنَّ المکفوفةُ بِمَا باقیةٌ علٰی مصدریتها والمعنی یُوحٰی اِلَیَّ وَحْدَانِیَّةُ الاِلٰهِ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا یَاْمَلُ لِقَآءَ رَبِّهٖ بالبعثِ والجزاءِ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَایُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ ای فیها بان یُرائی اَحَدًا ۧ ○ ع۱۰

ترجمہ

وقال تعالٰی، اللہ تعالٰی نے فرمایا اور ہم ان کے خروج کے دن ان کو آپس میں موجیں مارتے ہوئے یعنی گڈمڈ

ہوتے ہوئے چھوڑ دیں گے ان کی کثرت کی وجہ سے اور صور یعنی سینگ میں پھونک ماردی جائے گی بعث کے لئے اور ہم سب کو یعنی پوری مخلوق کو قیامت کے دن اکٹھا کر کے جمع کریں گے اور اس دن ہم جہنم کو ان کافروں کے روبرو پیش کریں گے جن کی آنکھوں پر یہ الکافرین سے بدل واقع ہے میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا یعنی قرآن سے غافل تھے، یہ لوگ اندھے ہیں قرآن سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتے اور وہ سن ہی نہیں سکتے تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعداوت کی وجہ سے ان کی باتوں کو سننا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے تو پھر ایمان لانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ تو کیا یہ کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ وہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو یعنی میرے فرشتوں اور عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو کارساز یعنی رب بنالیں گے، اولیاء، یتخذوا کا مفعول ثانی ہے اور حَسِبَ کا مفعول ثانی محذوف ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کیا یہ کافر اتخاذ مذکور کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات مجھے غضبناک نہیں کرے گی؟ اور یہ کہ میں اس بات پر ان کو سزا نہ دوں گا؟ ہرگز ایسا نہ ہوگا، ہم نے تو ان کافروں اور دوسرے کافروں کی ضیافت کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے، جس طرح دنیا میں مہمانوں کے لئے مہمان خانے تیار کئے جاتے ہیں آپ ان سے دریافت کیجئے کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل نقصان میں ہیں؟ اعمالاً تمیز ہے ممیز کے مطابق ہے، اور نقصان اٹھانے والوں کو اپنے قول الذین ضَلَّ سَعْیُھم فی الحیوٰۃ الدنیا سے بیان کیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کی کری کرائی محنت دنیا میں بیکار ہوگئی اور ضَلَّ سَعْیُھُمْ سے مراد بَطَلَ عَمَلُھُمْ ہے حال یہ ہے کہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں ایسے اعمال کر رہے ہیں کہ جن کا ان کو اجر دیا جائے گا، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں یعنی قرآن وغیرہ کے دلائل توحید کا اور اس کے حضور پیشی یعنی بعث وحساب ثواب وعقاب کا انکار کیا چنانچہ ان کے تمام اعمال حبط (باطل) ہوگئے پس قیامت کے دن ہم ان کے لئے ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے یعنی ہم ان کے اعمال کی ذرا بھی قدر وقیمت نہیں کریں گے یہ یعنی وہ امور جن کا ذکر کیا گیا ہے بطلان عمل وغیرہ ذٰلک یعنی حبط اعمال وغیرہ جن کا ذکر ہوا، اور جزاء ھم جملہ مستانفہ ہے ان کے کفر کرنے کی وجہ سے ان کی جزاء جہنم ہے اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا یعنی ان کا مذاق بنایا بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے اللہ کے علم میں جنت الفردوس کی ضیافت مہمانی ہے اور جنت الفردوس جنت کے بیچ میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور جنات الفردوس میں اضافت بیانیہ ہے اس جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہاں سے کسی اور جگہ کے لئے انتقال مکانی کی خواہش نہ کریں گے آپ فرمادیجئے اگر سمندر یعنی اس کا پانی روشنائی بن جائے جس سے لکھا جاتا ہے میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائیں گو ہم اسی جیسا سمندر اس کی مدد میں لے آئیں تو بھی ختم ہو جائیں ینفد تا اور یاء کے ساتھ ہے یعنی اس سمندر میں اضافہ کر دیں تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے وہ سمندر ختم ہو جائیں اور میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں اور مدداً تمیز کی بناء پر منصوب ہے آپ فرمادیجئے کہ میں تو تمہارے جیسا ہی انسان ہوں آدمی

ہوں البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے یہ کہ تم سب کا معبود صرف ایک معبود ہے أنَّ جس پر ما کافہ داخل ہے وہ اپنی مصدریت پر باقی ہے آیت کے معنی یہ ہیں کہ میری طرف وحدانیت الٰہ کی وحی کی جاتی ہے لہٰذا جو اپنے رب کی ملاقات کا آرزو مند ہو امیدوار ہو بعث اور جزاء کے ذریعہ تو اس کو چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے بایں طور کہ عبادت میں ریاکاری نہ کرے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قال تعالیٰ اس جملہ سے مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ ذوالقرنین کا کلام پورا ہوگیا اور اب **وترکنا** سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام شروع ہو رہا ہے **قولہ یَوْمَئِذٍ** کی تفسیر **یوم خروجھم** سے کرکے تعیین مراد کی طرف اشارہ کیا ہے، اس لئے کہ بعض مفسرین نے **یومئذٍ** سے وہ دن مراد لیا ہے جس دن ان کا راستہ بند کردیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ آپس میں لڑنے بھڑنے لگے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ **یومئذٍ** سے قرب قیامت قتل دجال کے بعد کا خروج مراد ہے، مفسر علام کے نزدیک چونکہ دوسرے معنی راجح ہیں اس لئے **یومئذ** کی تفسیر **یوم خروجھم** سے کرکے اپنے مختار مذہب کی طرف اشارہ کردیا اگرچہ محققین کے نزدیک راجح معنی اول ہیں **قولہ یَمُوْجُ** (ن) **موجاً** لہریں مارنا، موجوں کا اٹھنا **نفخ فی الصور** کی تفسیر **ای القرن للبعث** سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہاں نفخۂ ثانیہ مراد ہے اس لئے کہ نفخۂ اولیٰ تو کائنات کو فنا کرنے کے لئے ہوگا **فجمعنا** میں فاتعقیبیہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے **قولہ غطاء** اس کے معنی اگرچہ سرپوش کے ہیں مگر یہاں مرادی معنی غفلت کے ہیں **عرضنا** کی تفسیر **قرّبنا** سے کرنے کا مقصد **عرضنا** کے صلہ میں لام کو درست قرار دینا ہے ورنہ تو **عرضنا** کا صلہ علیٰ آتا ہے **کانوا** کا عطف **کانت** پر ہے پھر جملہ ہو کر **الکافرون** کی صفت ہے **الذین کفروا حسِبَ** کا فاعل ہے **اَفَحَسِبَ** پر ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فاعاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے **أکفروا فَحَسِبُوْا** اور یہ استفہام توبیخی ہے **قولہ اَنْ یتخذوا حسِبَ** کا مفعول بہ قائم مقام دو مفعولوں کے ہے **عبادی یتخذوا** کا مفعول اول ہے اور **اولیاء** مفعول ثانی ہے اور **من دونی**، **عبادی** سے حال ہے **حَسِبَ** کا مفعول ثانی محذوف بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ شارح کا خیال ہے **قولہ اَعمالاً** تمیز ہے، جمع یا تو مشاکلت کے طور پر ہے یا انواع اعمال کا خیال کرتے ہوئے جمع لائی گئی ہے حالانکہ تمیز میں اصل افراد ہے **قولہ الذین** مع صلہ مبتداء محذوف کی خبر ہے **ای ھم الذین** یہ جملہ مستانفہ ہے اور **مَن ھم؟** کے جواب میں واقع ہے **اَلَّذِیْنَ، الاخسرِینَ** کی صفت، بدل، اور عطف بیان بھی ہوسکتا ہے **وھم یحسبون** جملہ **ضَلَّ** کے فاعل سے حال ہے **قولہ ذٰلک، ذٰلک** کے بعد **ای الامر الذی ذکرت الخ** کا اضافہ کرنے کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ **ذٰلک** **الامر** مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور دوسرا مقصد **ذٰلک** کے مشارالیہ کو متعین کرنا ہے **قولہ ذٰلک جزاء ھم** میں

ترکیب کے اعتبار سے چار احتمال ہیں ۱ ذٰلک مبتدا محذوف الامر کی خبر ای الامر ذٰلک اور جزاء ھم مستقل جملہ ہے ۲ ذٰلک مبتداء اول اور جزاء ھم مبتداء ثانی اور جھنم اس کی خبر، مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ ہوکر خبر مبتداء اول کی اور عائد محذوف ہے ای جزاء ھم بہٖ ۳ ذٰلک مبتداء مبدل منہ اور جزاء ھم اس کا بدل یا عطف بیان بدل مبدل منہ یا مبین بیان سے مل کر مبتداء اور جہنم اس کی خبر ۴ ذٰلک مبتداء جزاء ھم مبدل منہ اور جہنم اس کا بدل یا بیان، جملہ ہوکر مبتداء کی خبر **قولہ** نُزُلاً کانت کی خبر ہے اور اگر لھُمْ خبر مقدم ہوتو نزلاً حال ہوگا خالدین حال مقدرہ ہے لایبغون دوسرا حال ہے حِوَلاً حول سے اسم مصدر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا **قولہ** لکلمات ربّی اس میں مضاف محذوف ہے ای لکتابۃ کلمات ربی **قولہ** اَن تنفدَ بتاویل مصدر ہوکر قبل کا مضاف الیہ ہے مَدَدًا تمیز ہے بمعنی زیادتی، اضافہ، اِنَّمَا میں مَا کافہ ہے جس نے اِنَّ کے عمل کو لفظوں میں روک دیا ہے، دونوں مل کر کلمہ حصر ہوگیا ہے، دونوں کا معنوی عمل باقی ہے اِنَّ کا عمل جملہ کی تاکید ہے اور اَنَّ جملہ کی تاکید کے ساتھ مابعد کو مفرد کی تاویل میں بھی کرتا ہے، ابن ہشام نحوی (متوفی ۷۶۱ھ) مغنی اللبیب ص ۵۹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ اَنَّ اِنَّ کی فرع ہے اور اسی وجہ سے زمخشری کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ اَنَّما اِنَّما کی طرح مفید حصر ہے اور مذکورہ دونوں کلمات حصر مذکورہ آیت میں جمع ہوگئے ہیں پہلا کلمہ صفت کو موصوف پر حصر کرنے کے لئے ہے اور دوسرا برعکس ہے اِنَّما اَنَا بَشَرٌ مثلکُمْ میں مخاطبین جیسی بشریت (صفت) مقصور ہے اور اَنَا موصوف مقصور علیہ ہے اور اَنَّما الٰھکم اِلٰہٌ وَاحِدٌ میں معبود برحق (موصوف) مقصور ہے اور وحدانیت (صفت) مقصور علیہ ہے، بس اب جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میں تو بس تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں اللہ کی ساری باتیں نہیں جانتا جیسا کہ تم نہیں جانتے ہو، صرف وہی باتیں جانتا ہوں جو میری طرف بذریعہ وحی بھیجی جاتی ہیں، اور دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ معبود برحق میں صرف وحدانیت کی صفت ہے تعدد کی صفت نہیں جیسا کہ مشرکین کا خیال ہے مثلکم، بشر کی صفت ہے اور اَنَّما الٰھکم بتاویل مفرد ہوکر یوحٰی کا نائب فاعل ہے لِیَعْمَلْ امر غائب کا صیغہ ہے **قولہ** ولقاءِہٖ ای بالبعثِ والحسابِ والثوابِ مفسر علام نے لقاءہٖ کی تفسیر مذکورہ کلمات سے کر کے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ لقاء کے معنی وصول اور اتصال کے ہیں اور یہ معنی خدا کے لئے محال ہیں اس لئے کہ وصول واتصال جسمانیات کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے لہٰذا مفسر علام نے لقاء کی تفسیر بعث و الحساب وغیرہ کلمات سے کردی **قولہ** لانجعل لھُمْ قدرًا سے فلا نقیم لھم وزنًا کی تفسیر کر کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ دوسری آیت میں سب کے اعمال کے وزن کرنے کا ذکر ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں وزن نہ کرنے سے مراد ان کے اعمال کی قدر و قیمت نہ کرنا ہے، اسی اعتراض کو دفع کرنے کے لئے بعض حضرات نے وزنًا کے بعد نافعاً صفت محذوف مانی ہے یعنی وزن تو ہوگا مگر نافع نہ ہوگا **قولہ** وابتدأ کا اضافہ کر کے مفسر علام نے

اشارہ کیا ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی جزاء ھم مبتداء اور جہنم اس کی خبر اس کا عکس بھی درست ہے، **قولہ** مَھْزُوًا، ھُزُوًا کی تفسیر مُھْزُوًّا سے کرکے اشارہ کردیا کہ مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے **قولہ فی علم اللّٰہ** کے اضافہ سے اس سوال کا جواب مقصود ہے کہ جنت میں دخول زمانۂ مستقبل میں ہوگا، یہاں کانت ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دخول جنت ہو چکا ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی اور واقعی دخول تو زمانۂ مستقبل ہی میں ہوگا مگر علم ازلی کے اعتبار سے ان کا دخول ہو چکا **قولہ** ماءہ سے اشارہ ہے کہ مضاف محذوف ہے **قولہ** لَنَفِدَ محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ لَوْ شرطیہ ہے اور اس کا جواب لَنَفِدَ ہے **قولہ** لَمْ تفرغ کے اضافہ سے بھی ایک سوال مقدر کا جواب مقصود ہے سوال یہ ہے کہ مذکورہ آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلماتِ رب بھی ختم ہو جائیں گے اگرچہ وہ سمندروں کے ختم ہونے کے بعد ہی ختم ہوں، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قبل بمعنی غیر ہے۔

تفسیر وتشریح

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوْجُ فِي بَعْضٍ الخ یومئذ سے اگرچہ دیگر مفسرین نے یوم السد مراد لیا ہے، مگر چونکہ مفسرؒ نے قربِ قیامت سے یوم خروج مراد لیا ہے، لہٰذا اسی کے مطابق تشریح کی جاتی ہے۔

بعضھم کی ضمیر میں بظاہر راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج کی طرف راجع ہے، اور اس آیت میں جوان کا حال بیان ہوا ہے وہ اس دن کی حالت کا بیان ہے جس روز ان کا راستہ کھلے گا ان کی کثرت کا یہ عالم ہوگا کہ وہ جلد بازی میں پہاڑیوں کی بلندیوں سے اتریں گے اور کثرت تعداد اور جلد بازی کی وجہ سے ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے معلوم ہوں گے جس طرح مضطرب اور غلاطم موجیں ایک دوسرے پر چھڑتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور جمعنٰھم میں ھم ضمیر عام مخلوق جن وانس کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ میدان حشر میں تمام مکلف مخلوق خواہ جن ہوں یا انس سب کو جمع کیا جائے گا، اور صور سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے، اور اس دن جہنم کو ان کافروں کے روبرو پیش کیا جائیگا جن کی آنکھوں اور کانوں پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا تھا کہ وہ دنیا میں اللہ کی یاد سے غافل رہے تھے اور ان کے کان اللہ کی باتوں سے بہرے تھے۔

مذکورہ آیات کے متعلق امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق

علامہ کی رائے میں وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يموجُ فِي بعضٍ میں اللہ تعالیٰ نے جو حالت یاجوج ماجوج کی بیان فرمائی ہے وہ قربِ قیامت ان کے خروج کی نہیں ہے بلکہ یہ اس حالت کا بیان ہے جو ان کا راستہ بند کرنے کے بعد ہوئی یعنی جب ان کا راستہ مسدود ہوگیا تو وہ قوم آپس ہی میں جنگ و پیکار میں مشغول ہوگئیں اور ان کی کثرت کا یہ حال

تھا کہ جب ان کی باہم جنگ ہوتی تھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سمندر موجیں مار رہا ہو، مذکورہ آیات کا سد سکندری کی شکست وریخت نیز قرب قیامت میں ان کے خروج سے کوئی تعلق نہیں ہے علامہ نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام ص ۲۰۱ پر جو تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ھٰذا رَحمةٌ مِن رَّبِی فاِذَا جاءَ وعدُ رَبِّ جَعلَهٗ دَکّاءَ وکانَ وَعْدُ رَبِّ حَقًّا ذوالقرنین کا اپنا قول ہے اور کوئی قرینہ سیاق وسباق میں ایسا موجود نہیں ہے جس سے دیوار کے ٹوٹنے کو علامات قیامت شمار کیا جائے اور شاید ذوالقرنین کو یہ معلوم بھی نہ ہو کہ اشراط قیامت میں خروج یاجوج وماجوج بھی ہے انہوں نے وَعْدُ رَبِّی سے صرف اس کا کسی وقت میں ٹوٹ پھوٹ جانا مراد لیا ہے پس اس صورت میں اَرادَ باری تعالیٰ وترکنا بَعْضهم یومئذ یموج فی بعض استمرار تجددی پر دلالت کرتا ہے یعنی برابر ایسا ہوتا رہے گا کہ ان میں سے بعض قبائل بعض پر حملہ آور ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کا وقت آ جائے گا، ہاں البتہ وہ ارشاد جو سورۂ انبیاء میں وارد ہوا ہے حَتّٰی اذا فُتِحَتْ یاجُوجُ وماجوجُ وھُمْ مِن کُلِّ حَدَبٍ ینسلون تو یہ بات بلاشبہ علامات قیامت میں سے ہے مگر اس میں دیوار کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے پس اس فرق کو ملحوظ رکھنا چاہئے، یعنی سورۃ الانبیاء میں فتح سے عروج وخروج مراد ہے دیوار کا ٹوٹنا یاجوج وماجوج کا نکلنا مراد نہیں ہے اس لئے کہ اس آیت میں دیوار کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔(ہدایت القرآن)

ابن خلدون کی رائے

مشہور مؤرخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اقلیم سادس کی بحث میں یاجوج وماجوج اور سد ذوالقرنین اور ان کے محل ومقام کے متعلق جغرافیائی تحقیق اس طرح بیان فرمائی ہے:

''ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جو قنجاق اور چرکس کہلاتے ہیں اور مشرق کی جانب یاجوج وماجوج کی آبادیاں ہیں اور ان دونوں کے درمیان کوہ قاف فاصل ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے کہ وہ بحر محیط سے شروع ہوتا ہے جو چوتھی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے اور اس کے ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے آخر تک چلا گیا ہے اور پھر بحر محیط سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہوا یعنی مغرب کی جانب جھکتا ہوا پانچویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے یہاں سے وہ پھر اپنی پہلی سمت کو مڑ جاتا ہے حتی کہ ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہاں پہنچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے اور اسی سلسلہ کوہ کے درمیان سد سکندری ہے اور ساتویں اقلیم کے نویں حصہ کے وسط میں سد سکندری جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں واقع ہے اور جس کی اطلاع قرآن نے بھی دی ہے اور عبداللہ بن خردازبہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں واثق باللہ خلیفہ عباسی کا وہ خواب نقل کیا ہے جس میں

اس نے یہ دیکھا تھا کہ سد کھل گئی ہے، چنانچہ وہ گھبرا کر اٹھا اور دریافت حال کے لئے سلام ترجمان کو روانہ کیا اس نے واپس آکر اسی سد کے حالات اور اوصاف بیان کئے'' ۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۷۹، بحوالہ معارف القرآن)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام میں یاجوج و ماجوج اور سد ذوالقرنین کا حال اگرچہ ضمنی طور پر فرمایا ہے مگر جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ تحقیق و درایت کے اعلیٰ معیار پر ہے آپ نے فرمایا کہ مفسد اور وحشی انسانوں کی تاخت و تاراج سے حفاظت کے لئے زمین پر ایک نہیں بہت سی جگہوں پر دیواریں بنائی گئی ہیں جو مختلف بادشاہوں نے مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں بنائی ہیں، ان میں سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے، جس کا طول ابوحیان اندلسی نے جو کہ دربار ایران کا شاہی مؤرخ ہے نے بارہ سو میل بتایا ہے اور یہ کہ اس کا بانی فغفور بادشاہ چین ہے اور اس کی بنانے کی تاریخ ہبوط آدم علیہ السلام کے تین ہزار چار سو ساٹھ سال بعد بتلائی جاتی ہے اور فرمایا کہ اسی طرح کی متعدد دیواریں مختلف مقامات پر بنائی گئی ہیں۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاری نے اپنی کتاب قصص القرآن میں حضرت علامہ کشمیریؒ کے بیان کی توضیح بڑی تفصیل سے کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

''یاجوج و ماجوج کی تاخت و تاراج اور شر و فساد کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ ایک طرف کاکیشیا کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم و ستم کا شکار رہتے تو دوسری جانب تبت چین کے باشندے بھی ہر وقت ان کی زد میں تھے، انہی یاجوج و ماجوج شر و فساد سے بچنے کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر متعدد سد کی تعمیر کی گئی، ان میں سب سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، دوسری سد وسط ایشیا میں بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے اور اس کے جائے وقوع کا نام دربند ہے، یہ سد مشہور مغل بادشاہ تیمور لنگ کے زمانہ میں موجود تھی اور شاہ روم کے خاص ہمنشین سیلا برجر جرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور اندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلافچو نے بھی اپنے سفر نامہ میں اس کا ذکر کیا ہے یہ ۱۴۰۳ء میں اپنے بادشاہ کا سفیر ہو کر جب تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس جگہ سے گذرا ہے، لکھتا ہے باب الحدید کی سد موصل کے اس راستہ پر ہے جو سمرقند اور ہندوستان کے درمیان ہے'' ۔ (از تفسیر جواہر القرآن طنطاوی ص ۱۹۸/ ج ۹، بحوالہ معارف القرآن)

تیسری سد روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے یہ بھی دربند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے، یعقوب حموی نے معجم البلدان میں اور ادریسی نے جغرافیہ میں اور بستانی نے دائرۃ المعارف میں اس کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

''داغستان میں دربند ایک روسی شہر ہے یہ شہر بحر خزر (کاسپین) کے غربی کنارے پر واقع ہے اس کا عرض البلد ۴۳-۳ شمالاً اور طول البلد ۱۵-۴۸ شرقاً ہے اور اس کو دربند نوشیرواں بھی کہتے ہیں اور باب الابواب کے نام سے بھی بہت

مشہور ہے''۔

چوتھی سد اسی باب الابواب سے **مغرب کی جانب** کاکیشیا کے بہت بلند حصوں میں ہے جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک درہ درہ داریال کے نام سے مشہور ہے اس جگہ پر چوتھی سد جو قفقاز یا جبل قوقاۃ یا کوہ کاف کی سد کہلاتی ہے، بستانی نے اس کے متعلق لکھا ہے اور اسی کے قریب ایک اور سد ہے، جو غربی جانب بڑھتی چلی گئی ہے غالباً اس کو اہل فارس نے شمالی بربروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا کیونکہ اس کے بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا بعض نے اس کی نسبت سکندر کی جانب کر دی ہے اور بعض نے کسریٰ اور نوشیرواں کی طرف اور یاقوت کہتا ہے کہ تانبا پگھلا کر اس سے تعمیر کی گئی ہے۔ (دائرۃ المعارف ۶۱ ۵ معجم البلدان جلد ۸/۹)

چونکہ دیواریں شمال ہی میں ہیں اور ایک ہی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے ان میں سد ذوالقرنین کونسی ہے اس کے متعین کرنے میں اشکالات پیش آئے ہیں اور بڑا اختلاط ان آخری سدوں کے بارے میں پیش آیا ہے، کیونکہ دونوں مقامات کا نام بھی دربند ہے اور دونوں جگہ سد بھی موجود ہے مذکورۃ الصدر چار سدوں میں سے دیوار چین جو سب سے زیادہ بڑی اور سب سے زیادہ مشہور ہے اور قدیم ہے اس کے متعلق تو سد سکندر ہونے کا کوئی قائل نہیں اور بجائے شمال کے مشرق اقصیٰ میں ہے اور قرآن کریم کے اشارہ سے اس کا شمال میں ہونا ظاہر ہے اب معاملہ باقی تین دیواروں کا رہ گیا جو شمال میں ہیں ان میں سے عام طور پر مؤرخین مسعودی، اصطخری، حموی وغیرہ اس دیوار کو سد سکندری بتاتے ہیں جو داغستان یا کاکیشیا کے علاقہ باب الابواب کے دربند میں بحر خزر پر واقع ہے، بخارا اور ترمذ کے دربند اور اس کی دیوار کو جن مؤرخین نے سد سکندری کہا ہے وہ غالباً لفظ دربند کے اشتراک کی وجہ سے ان کو اختلاط ہوا ہے اب تقریباً اس کا محل وقوع متعین ہوگیا ہے کہ علاقہ داغستان کاکیشیا کے دربند باب الابواب میں یا اس سے اوپر جبل القفقاز یا کوہ کاف کی بلندی پر ہے اور ان دونوں جگہوں پر سد کا ہونا مؤرخین کے نزدیک ثابت ہے۔

ان دونوں میں سے حضرت العلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے عقیدۃ الاسلام ص ۲۹۷ میں کوہ قاف کی سد کو ترجیح دی ہے کہ یہ سد ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے۔

سد ذوالقرنین اس وقت تک باقی ہے، اور قیامت تک رہے گی، یا وہ ٹوٹ چکی؟

آج کل تاریخ وجغرافیہ کے ماہرین اہل یورپ، اس وقت ان شمالی دیواروں میں سے کسی کا موجود ہونا تسلیم نہیں کرتے اور نہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اب بھی یاجوج ماجوج کا راستہ بند ہے اس بنا پر بعض اہل اسلام مؤرخین نے بھی لکھنا شروع کر دیا ہے کہ یاجوج ماجوج جن کے خروج کا قرآن وحدیث میں ذکر ہے وہ ہو چکا ہے، بعض نے چھٹی صدی ہجری میں طوفان بن کر اٹھنے والی قوم تاتاری کو اس کا مصداق قرار دیا ہے، بعض نے اس زمانہ میں دنیا پر غالب آجانے

والی قوموں روس اور چین اور یورپ کو یاجوج ماجوج کہہ کر اس معاملہ کو ختم کر دیا ہے، مگر یہ سراسر غلط ہے اور احادیث صحیحہ کے انکار کے بغیر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس خروج یاجوج ماجوج کو قرآن کریم نے بطور علامت قیامت بیان کیا ہے اور جس کے متعلق صحیح مسلم کی حدیث نواس بن سمعان وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ یہ واقعہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور قتل دجال کے بعد پیش آئے گا اور اور خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ اب تک نہیں ہوا۔

البتہ یہ بات قرآن کی نص صریح کے خلاف نہیں ہے کہ سد ذوالقرنین اس وقت ٹوٹ چکی ہو اور یاجوج وماجوج کی بعض قومیں اس طرف آچکی ہوں بشرطیکہ اس کو تسلیم کیا جائے کہ ان کا آخری اور بڑا حملہ جو پوری انسانی آبادی کو تباہ کرنے والا ثابت ہوگا وہ ابھی تک نہیں ہوا بلکہ قیامت کی ان بڑی علامات کے بعد ہوگا جن کا ذکر اوپر آچکا ہے یعنی خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام۔

علامہ کشمیریؒ کی تحقیق اس معاملہ میں یہ ہے کہ اہل یورپ کا یہ کہنا تو کوئی وزن نہیں رکھتا کہ ہم نے ساری دنیا چھان ماری ہے ہمیں کہیں اس دیوار کا پتہ نہیں لگا کیونکہ اول تو خود انہی لوگوں کی یہ تصریحات موجود ہیں کہ سیاحت اور تحقیق انتہائی معراج پر پہنچنے کے باوجود آج بھی بہت سے جنگل اور دریا اور جزیرے ایسے باقی ہیں جن کا ہمیں علم نہیں ہو سکا، دوسرے یہ احتمال بعید نہیں کہ اب وہ دیوار موجود ہونے کے باوجود پہاڑوں کے گرنے اور باہم مل جانے کے سبب ایک پہاڑ ہی کی صورت اختیار کر چکی ہو لیکن کوئی نص قطعی اس کے بھی منافی نہیں کہ قیامت سے پہلے یہ سد ٹوٹ جائے یا کسی دور دراز کے طویل راستہ سے یاجوج ماجوج کی کچھ قومیں اس طرف آسکیں۔

اس سد ذوالقرنین کے تاقیامت باقی رہنے پر بڑا استدلال تو قرآن کریم کے اس لفظ سے کیا جاتا ہے کہ فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّی جَعَلَهٗ دَكَّاءَ یعنی ذوالقرنین کا یہ قول کہ جب میرے رب کا وعدہ آپہنچے گا (یعنی خروج یاجوج ماجوج کا وقت آئے گا) تو اللہ تعالیٰ اس آہنی دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دیں گے اس آیت میں وَعْدُ رَبِّی کا مفہوم ان حضرات نے قیامت کو قرار دیا ہے حالانکہ قرآن کے الفاظ اس بارے میں قطعی نہیں ہیں کیونکہ وعدر بی کا صریح مفہوم تو یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کا راستہ روکنے کا جو انتظام ذوالقرنین نے کیا تھا یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہمیشہ اسی طرح موجود رہے جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے کہ ان کا راستہ کھل جائے تو یہ دیوار منہدم اور مسمار ہو جائے گی اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بالکل قیامت کے متصل ہو چنانچہ تمام حضرات مفسرین وَعْدُ رَبِّی کے مفہوم میں دونوں احتمال ذکر کرتے ہیں، تفسیر بحر محیط میں ہے "وَالوَعْدُ یَحْتَمِلُ اَنْ یُّرَادَ بِهٖ یَوْمُ القِیَامَةِ وَاَنْ یُّرَادَ بِهٖ وَقْتُ خُرُوْجِ یاجوجَ وماجوجَ"

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ شَآءَ (الی) وَلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا.

آپ فرما دیجئے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پس جو شخص اپنے پروردگار کی ملاقات کا آرزومند ہے اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے یعنی میں صاف اعلان کرتا ہوں کہ میں تمام انسانوں کی طرح ایک انسان ہوں کوئی فرشتہ یا غیبی مخلوق نہیں ہوں اور نہ خدائی صفت کا حامل ہوں اگر تمہارے سوالوں کا جواب میں نے حسب وعدہ دوسرے دن نہ دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جو کچھ بتاتا ہوں وحی سے بتاتا ہوں اور وحی میرے اختیار کی چیز نہیں ہے اور میرے پاس سب سے اہم وحی یہ آئی ہے کہ تمہارا معبود تو ایک ہی معبود ہے وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا اور بے ہمتا ہے تعدد اور شرکت کا اس کی بارگاہ میں کوئی گذر نہیں ہے آخرت کی کامیابی خالص توحید اور عمل صالح پر موقوف ہے پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا خواہشمند ہے اسے چاہئے کہ عمل صالح اختیار کرے اور عبادتوں کو شائبۂ شرک سے بھی بچائے۔

فائدہ: اس آیت میں صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر ہیں یعنی اپنی نوع کے اعتبار سے انسان ہیں، اور وہ بھی تم ہی جیسے یعنی ماہیت اور لوازم ماہیت میں آپ بھی جملہ انسانوں کی طرح ہیں البتہ اوصاف وکمالات میں آپ کا کوئی ثانی اور مثیل نہیں ہے، اس لئے آپ کا بشر ہونا آپ کے لئے طرۂ افتخار ہے جیسا کہ عبدیت آپ کا سب سے اشرف وصف ہے بلکہ آپ کے بشر ہونے پر خود بشریت رشکِ ملائکہ ہے لہٰذا جو شخص رسول اللہ کو بشر اور انسان نہیں مانتا اور بلا تاویل صاف انکار کرتا ہے وہ کافر ہے کیونکہ وہ قرآن کریم کی صریح نص کا منکر ہے۔

فائدہ: سیرت کی بعض کتابوں میں جو لکھا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا ہے یہ بات بھی صحیح نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا اور آپ پر دھوپ بھی پڑتی تھی، مسند احمد کی ایک روایت سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ ہونا ثابت ہے یہ روایت مسند احمد بن حنبل میں تین جگہ آئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: حجۃ الوداع کے سفر میں حضرت صفیہؓ کی سواری ہلاک ہوگئی آپ نے حضرت زینبؓ سے فرمایا تمہارے پاس ایک سواری زائد ہے صفیہ کو دیدو، انہوں نے انکار کر دیا اور ان کے منہ سے حضرت صفیہ کے لئے ایک سخت بات نکل گئی آپ حضرت زینب سے ناراض ہوگئے اور تقریباً تین ماہ ان کے پاس تشریف نہیں لے گئے تا آنکہ وہ مایوس ہوگئیں، جب ماہ ربیع الاول شروع ہوگیا تو آپ حضرت زینب کے پاس تشریف لائے تو حضرت زینب نے آپ کا سایہ دیکھا اور دل میں سوچنے لگیں کہ یہ کسی آدمی کا سایہ معلوم ہوتا ہے اور نبی کریم تو میرے پاس تشریف لاتے نہیں پھر یہ سایہ کس کا ہوسکتا ہے؟ وہ یہ سوچ ہی رہی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں داخل ہوئے الخ۔

اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ آپ کا سایہ تھا اور وہ زمین پر پڑتا بھی تھا۔

فائدہ: آخری آیت میں جس شرک کی ممانعت فرمائی گئی ہے وہ عام ہے خواہ شرک جلی ہو یا خفی، شرک جلی وہ ہے جو مشرکین کیا کرتے تھے اور شرک خفی ریا و نمود کا نام ہے اور جس طرح شرک جلی سے عمل باطل ہوجاتا ہے ریاکاری بھی

عمل کو خراب کر دیتی ہے کوئی عمل جو دنیوی غرض کے لئے کیا گیا ہو اور شہرت و جاہ اس سے مطلوب ہو اور لوگوں کو سنانے اور دکھانے کے لئے کیا گیا ہو وہ مقبول نہیں ہے ایسا عمل آخرت میں وبال جان بن جائے گا، یہ مضمون بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے۔

فائدہ: اخلاص اور ریا کے اعتبار سے عمل کے چار درجہ ہیں:

۱۔ **ازابتداء تا انتہا عمل خالص اللہ کے لئے ہو** اور عمل پورا ہونے کے بعد بھی اس کا کسی کو پتہ نہ چلے، یہ نہایت اعلیٰ درجہ کا عمل ہے قیامت کے روز جبکہ عرش کے سایہ کے علاوہ کہیں سایہ نہ ہوگا ایسے مخلص کو اللہ تعالیٰ سایہ عطا فرمائیں گے۔

۲۔ **ازابتداء تا انتہاء محض ریا اور نمود کے لئے ہو** ایسا عمل بے فائدہ اور ضائع بلکہ وبال جان ہوگا، حدیث شریف میں ایسے تین آدمیوں کا حال بیان کیا گیا ہے جن کو قیامت کے دن سب سے پہلے فیصلہ سنایا جائے گا ایک شہید دوسرا قاری تیسرا بڑا دولت مند تفصیل مسلم شریف اور ترمذی میں دیکھئے۔

۳۔ عمل شروع تو اخلاص سے ہوا ہو مگر پورا ہونے سے پہلے اس میں ریا ونمود شامل ہو گیا ہو یہ ریا بھی عمل کو ضائع کر دیتی ہے۔

۴۔ پورا عمل از اول تا آخر اخلاص پر مبنی ہو اور عمل پورا ہونے کے بعد نہ اس نے ظاہر کیا ہو اور نہ اس کی خواہش کی ہو مگر کسی وجہ سے خود بخود اس کے عمل کی شہرت ہوگئی اور لوگ تعریف کرنے لگے اور اس کو وہ تعریف اچھی معلوم ہونے لگی یہ بات عمل کے لئے مضر نہیں۔

تمت سورۃ الکہف بعونہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ مریم

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ اَوْ اِلَّا سِجْدَتَهَا فَمَدَنِيَّةٌ اَوْ اِلَّا فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِم خَلْفٌ الآيَتَيْنِ فَمَدَنِيَّتَان وهى ثَمَانٌ اَوْ تِسْعٌ وتِسْعُوْنَ آيَةً .

سورۂ مریم مکی ہے مگر آیت سجدہ مدنی ہے، یا فَخَلَفَ من بعدهم خلف دو آیتیں مدنی ہیں اور یہ کل ۹۸ یا ۹۹ آیتیں ہیں۔

توضیح : سورۂ مریم کے مکی یا مدنی ہونے میں تین قول ہیں ۱ پوری سورت مکی ہے ۲ وہ آیت جس میں سجدہ ہے مدنی ہے ۳ فخلف من بعدهم دو آیتیں مدنی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ كٓهٰيٰعٓصٓ ○ الله اعلم بمراده بذلك هٰذا ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ مفعول رحمة زَكَرِيَّا ۚ بيان له اِذْ مُتعلِّق برحمة نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً مُشْتَمِلاً على دُعاء خَفِيًّا ○ سِرًّا جوف الليل لانه اَسْرَعُ للاجابة قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ ضَعُفَ الْعَظْمُ جميعُه مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ منى شَيْبًا ○ تمييزٌ محوّلٌ عن الفاعل اى اِنْتَشَرَ الشيب فى شَعرِه كما يَنتشِرُ شُعَاعُ النارِ فى الحَطَب وانى اُرِيْدُ ان اَدْعُوكَ وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ اى بدُعائى اِيَّاكَ رَبِّ شَقِيًّا ○ اى خائبًا فيما مَضٰى فلا تُخَيِّبْنِى فيما ياتى وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ اى الذين يَلُوْنِى فى النَّسَبِ كَبَنِى العَمِّ مِنْ وَّرَآئِيْ بَعدُ موتى على الدّين اَنْ يُضيعوه كما شاهَدْتُه فى بنى اسرائيل من تَبديل الدين وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا لاتَلِدُ فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ من عندكَ وَلِيًّا ۙ اِبنًا يَّرِثُنِيْ بالجزم جواب الامر وبالرَّفع صِفَةُ وليًا وَيَرِثُ بالوَجْهَيْنِ مِنْ آلِ يَعْقُوْبَ ۖ جَدِّى العلمَ والنبوةَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ○ اى مَرْضِيًّا عندكَ قال تعالى فى اجابة طَلَبِه الابنَ الحاصلِ بها رَحمةً .

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے کھیعص اس سے اللہ کی کیا مراد ہے وہی خوب جانتا ہے یہ (متلو) اپنے بندے زکریا پر تیرے رب کی رحمت کا تذکرہ ہے عبدہٗ رحمت کا مفعول ہے زکریا، عبدہ کا بیان ہے جبکہ اس نے اپنے رب کو مخفی طور پر پکارا اِذْ رحمةً سے متعلق ہے، یعنی ایسا پکارنا کہ جو راز داری پر مشتمل تھا

رات کے درمیانی حصہ میں اس لئے کہ یہ (طریقہ) سریع القبول ہے عرض کیا اے میرے پروردگار میری تمام ہڈیاں کمزور ہوگئیں ہیں اور میرے سر میں بالوں کی سفیدی پھیل پڑی ہے شیبًا فاعل سے منقول ہوکر تمیز ہے یعنی جس طرح لکڑیوں میں آگ پھیل جاتی ہے اسی طرح سفیدی میرے سر کے بالوں میں پھیل گئی (اس کے باوجود) میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں (اور اس سے قبل بھی) میں آپ سے اے میرے رب درخواست کرکے کبھی محروم نہیں رہا ہوں یعنی میں آپ سے اپنی دعاء میں زمانہ گذشتہ میں بھی (ناکام نہیں رہا ہوں) لہٰذا آئندہ بھی مجھے محروم نہ فرمائیں اور مجھے میرے قریبی رشتہ داروں کی طرف سے یعنی ان لوگوں کی طرف سے کہ جو میرے نسبی رشتہ دار ہیں جیسا کہ چچازاد بھائی وغیرہ دین کے معاملہ میں اندیشہ ہے کہ میرے بعد یعنی میرے مرنے کے بعد دین کو ضائع کردیں گے جیسا کہ میں بنی اسرائیل میں مشاہدہ کرچکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے جس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی سو (اس صورت میں) آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے یعنی اپنی خصوصی رحمت سے (اسباب عادیہ کے مفقود ہونے کے باوجود) ایک وارث یعنی ایسا بیٹا دیدیجئے جو میرا اور میرے دادا یعقوب کے خاندان کے علم و نبوت کا وارث بنے یَرِثُنِیْ میں جواب امر ہونے کی وجہ سے جزم اور (جملہ ہوکر) ولیًّا کی صفت ہونے کی وجہ سے رفع ہے اور یَرِثُ میں بھی مذکورہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور اے میرے پروردگار اس کو پسندیدہ یعنی اپنے نزدیک مقبول بنادیجئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام سے اجابت دعاء کی وجہ سے بطور رحمت حاصل ہونے والے بیٹے کی درخواست کے جواب میں فرمایا یا زکریا الخ

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ کھیٰعص یہ متشابہات میں سے ہے جس کا واقعی علم اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے بندوں کے لئے اس کی تفتیش وجستجو بھی اچھی نہیں بعض اسلاف نے اس کی مراد بیان کی ہے، مگر وہ تخمینی ہے نہ کہ تحقیقی ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ اسماء الٰہیہ میں سے ایک اسم ہے اور قتادہؒ نے فرمایا یہ قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ اسم اعظم ہے وغیرہ وغیرہ ذِکْرُ رحمتِ ربِّكَ عبدَهٗ، عبدَهٗ رحمت کا مفعول بہ ہے اور بعض حضرات نے ذکرُ کا مفعول بہ کہا ہے زکریا عبدَهٗ سے بدل یا عطف بیان ہے ذِكْرُ رحمةِ میں ذکر مصدر اپنے مفعول کی جانب مضاف ہے اور مصدر کا فاعل محذوف ہے ای ذکر اللّٰہ رحمتهٗ اور رحمة مصدر کی اضافت رب کی جانب مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے اور جملہ ہوکر هٰذا مبتدا محذوف کی خبر ہے جیسا کہ مفسر علام نے هٰذا محذوف مان کر اشارہ کردیا ہے ای هٰذا المتلو ذکر رحمة ربك اور ایک ترکیب یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الخ مبتداء ہے اور اس کی خبر مقدم محذوف ہے ای فیما یُتلیٰ علَیْكَ ذکرُ رحمةِ ربِّكَ اور ذکر رحمت کا مطلب رحمت کا معاملہ کرنا ہے نہ وہ ذکر جو نسیان کے مقابلہ میں ہے اِذْ نادیٰ، رحمة کا ظرف ہے اور بعض حضرات نے ذکرٌ کا ظرف قرار دیا ہے

مفسر علام نے اِذْ کے بعد متعلِّقٌ بِرَحْمَۃِ کے اضافہ سے یہ بتادیا کہ اِذْ نادیٰ اگرچہ ذکر کا بھی ظرف ہوسکتا ہے مگر مفسر کے نزدیک رحمۃ کا ظرف بنانا بہتر ہے ای رحمۃ اللّٰہِ اِیَّاہُ وقتَ اَنْ ناداہُ **قولہ** وَھَنَ (س ض) وَھْنًا کمزور ہونا، ضعیف ہونا، حضرت زکریا علیہ السلام نے وَھَنَ العَظْمُ مِنِّیْ فرمایا حالانکہ وَھَنَ عظمی زیادہ مختصر ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب: وَھَنَ العظم منی میں تفصیل بعد الاجمال ہے اس لئے کہ العظم منی جنسیۃ مقصودہ پر واضح الدلالۃ ہے، اس لئے کہ وَھَنَ العظم مطلق ہے جس میں حضرت زکریا اور ان کے غیر کی ہڈیاں شامل ہیں منی کہہ کر خود کو دوبارہ شامل کرلیا اس طرح مِنِی، العظم کی تاکید ہوئی (روح) **قولہ** قال رَبّی یہ جملہ نادیٰ رَبَّہٗ کی تفسیر ہے، العظم میں الف لام استغراق جنسی کے لئے ہے مراد تمام ہڈیاں ہیں، العظم کو مفرد لایا گیا ہے نہ کہ جمع اس لئے کہ جمع کا اطلاق اس صورت میں بھی درست ہے جبکہ بعض ہڈیاں کمزور ہوگئیں ہوں **قولہ** اشتعال اصل میں اِنتشارُ شُعاعِ النارِ فی الحطب کو کہتے ہیں، شیبًا بوجہ تمیز منصوب ہے اور فاعل سے منقول ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِنتشر الشیبُ فی شعرہٖ (ض) شیبًا بوڑھا ہونا، بالوں کا سفید ہونا، بعض حضرات نے شیبًا کو مصدریت کی وجہ سے منصوب کہا ہے، بایں طور کہ اِشْتَعَلَ الرأسُ شَابَ کے معنی میں ہے لہٰذا اب عبارت ہوگی شابَ شیبًا اور بعض حضرات نے حال ہونے کی وجہ سے منصوب کہا ہے اور شیبًا بمعنی شائبًا کہا ہے (روح) مگر یہ دونوں قول مرجوح ہیں رأس کے بعد مِنّی کو ماقبل پر اعتماد کرتے ہوئے ترک کردیا **قولہ** الموالی جمع مولی، قریبی رشتہ دار، بنی عم وغیرہ عاقرًا بانجھ عاقر کے آخر سے ۃ حذف کردی گئی ہے جیسا کہ حائض سے، حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کا نام اشاع بنت فاقور ہے اور اشاع کی بہن کا نام حنہ ہے اشاع کے یحییٰ پیدا ہوئے اور حنہ کے مریم اور مریم کے عیسیٰ علیہ السلام، اس طرح عیسیٰ علیہ السلام یحییٰ کے خالہ زاد بھانجے ہوئے **قولہ** رَضِیًّا مصدر بمعنی مفعول پسندیدہ **قولہ** بدعائك کی تفسیر بدعائی سے کرکے اشارہ کردیا کہ دعاء مصدر ہے اور اپنے مفعول کی جانب مضاف ہے اور اس کا فاعل ی ضمیر متکلم محذوف ہے **قولہ** العلم والنبوۃ سے اشارہ کردیا کہ انبیاء کی میراث علم ہے نہ کہ مال و دولت۔

تفسیر وتشریح

نِداءً خفیًّا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعاء آہستہ اور خفیہ طور پر کرنا افضل ہے حضرت سعد بن وقاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ خیرَ الذکر الخفی و خیرُ الرزق ما یکفی یعنی بہترین ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہوجائے (ضرورت سے نہ گھٹے اور نہ بڑھے) ذکر خفی کے افضل ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ذکر خفی میں تضرع وانابت اور خشوع وخضوع زیادہ ہوتا ہے، ریا ونمود سے دور ہوتا ہے حضرت زکریا علیہ السلام کے خفیہ طور پر بیٹے کی دعاء میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ لوگ ان کو بے وقوف قرار نہ دیں کہ بڈھا اب بڑھاپے میں اولاد

مانگ رہا ہے جبکہ اولاد کے ظاہری تمام امکانات ختم ہو چکے ہیں۔

اِنِّی وَهَنَ العظْمُ مِنِّی الخ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے اپنی ہڈیوں کی کمزوری کا ذکر فرمایا ہے اس لئے کہ ہڈیاں ہی عمود بدن ہوتی ہیں جب ہڈیاں ہی کمزور ہو گئیں تو بقیہ چیزوں کے کمزور نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دعاء میں اپنی حاجت مندی کا اظہار مستحب ہے

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا سے پہلے اپنی کمزوری اور ضعف کا ذکر فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کرتے وقت اپنی بدحالی نیز ضعف اور کمزوری نیز حاجت مندی کا ذکر کرنا قبولیت کے لئے اقرب ہے اسی لئے علماء نے فرمایا کہ انسان کو چاہئے کہ دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنی حاجت مندی کا ذکر ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے اپنے ضعف اور کمزوری کا ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اولاد پیدا ہونے کے تمام ظاہری اسباب مفقود ہیں اب تو ہم دونوں بوڑھے ہو چکے ہیں جب دونوں جوان تھے اور اولاد کے ظاہری اسباب بھی موجود تھے اس وقت کچھ نہ ہوا تو اب تو ظاہری اسباب بھی مفقود ہو چکے ہیں، اس بات کا تقاضہ تو یہ تھا کہ میں آپ سے اولاد کی دعا نہ کروں مگر چونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے قریبی عزیز و قریب دین پر قائم نہ رہ سکیں خود ہی گمراہ ہو جائیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں، اس ضرورت اور مصلحت کی وجہ سے ظاہری اسباب نہ ہونے کے باوجود میں آپ سے ایک بیٹے کی درخواست کرتا ہوں کہ جو میرے اور خاندان یعقوب کے علمی اور نبوی ورثہ کا وارث ہو سکے۔

وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا اور میرا پورا سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکا ہے اس سے بھی ضعف و کبرسنی کا اظہار مقصود ہے، بالوں کی سفیدی کو آگ کی روشنی سے تشبیہ دے کر اس کا پورے سر پر پھیل جانا مقصود ہے۔

البلاغة

۱ **الْكِنايَة** (وَهَنَ العظم منی) كناية عن ذهاب القوة وضعف الجسم ۲ **الاستعارة** (اشتعل الرأس شيبًا) شَبَّهَ اِنتشارَ الشيب وكثرته باشتعال النار في الحطب واستعير الاشتعال للانتشار واشتق منه اِشْتَعَلَ بمعنى اِنْتَشَرَ ففيه استعارةٌ تَبَعِيَّةٌ.

يَرِثُني وَيَرِثُ مِنْ آلِ يعقوب الخ باتفاق جمہور علماء اس آیت میں وراثت سے وراثت مالی مراد نہیں ہے قال البيضاوي المراد وِرَاثة الشرع والعلم فإن الانبياء لايورثون المال ۱۴/۲، اول حضرت زکریا علیہ السلام کے پاس کوئی بڑی دولت ہونا ثابت نہیں کہ جس کی فکر ہو کہ اس کا وارث کون ہوگا؟ اور ایک پیغمبر کی شان سے بھی

ایسی فکر کرنا بعید ہے اس کے علاوہ وہ صحیح حدیث جس پر صحابہ کرام کا اجماع ثابت ہے اس میں ہے:

العلماءُ ورثۃُ الاَنبیاءِ واَنَّ الاَنبیاءَ لم یُوَرِّثُوْا دِینارًا ولاَ دِرْھَمًا اِنَّما ورَّثوا العِلمَ فمن اَخذَہ اَخذَ بحظٍّ وافرٍ (رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ والترمذی)

''بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء دینار ودرہم کی وراثت نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی وراثت علم ہوتا ہے جس نے علم حاصل کرلیا اس نے بڑی دولت حاصل کرلی''

یہ حدیث کلینی کی اصول کافی وغیرہ میں بھی موجود ہے اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاَ نُورِّثُ وَمَا نُورِثُ صَدَقَۃٌ

ہم انبیاء کی مالی وراثت کسی کو نہیں ملتی ہم جو مال چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ ہے۔

اور خود اس آیت میں یَرِثُنِیْ کے بعد وَیَرِثُ مِنْ آلِ یَعْقُوْبَ کا اضافہ اس کی دلیل ہے کہ وراثت سے وراثت مالی مراد نہیں ہے کیوں کہ جس لڑکے کی پیدائش کی دعا کی جارہی ہے اس کا آل یعقوب کے لئے مالی وارث بننا بظاہر ممکن نہیں اس لئے کہ آل یعقوب کے ورثاء ان کے عصبات قریبہ ہوں گے اور وہ وہی موالی ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے وہ بلاشبہ قرابت اور عصوبت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اقرب ہیں اقرب کے ہوتے ہوئے عصبہ بعید کو وراثت ملنا اصول وراثت کے خلاف ہے۔

روح المعانی میں کتب شیعہ سے یہ نقل کیا گیا ہے:

رَوَی الکلینی فی الکافی عن ابی البختری عن ابی عبداللّٰہ قال اِنَّ سلیمان وَرِثَ داؤد وأن محمدًا صلی اللّٰہ علیہ وسلم ورِثَ سلیمانَ.

سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے۔

یہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی مالی وراثت ملنے کا کوئی احتمال وامکان ہی نہیں اس سے مراد علوم نبوت کی وراثت ہے اس سے معلوم ہوا کہ وَرِثَ سلیمانُ داؤد میں بھی وراثت مالی مراد نہیں

وَاجْعَلْہُ رَبِّ رَضِیًّا اے پروردگار تو اس کو اپنے نزدیک مقبول اور پسندیدہ بنا اس سے معلوم ہوا کہ والدین کو اپنے بچوں کے لئے نیک صالح خوش اخلاق وخوش اطوار بننے کی دعاء کرنا طریقۂ انبیاء ہے۔

سوال حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا یَرِثُنِیْ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیدا ہونے والا لڑکا حضرت زکریاؑ کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے اور اس لئے کہ وارث بننے کا عام طور پر یہی مطلب ہوتا ہے حالانکہ تاریخی روایات سے

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام کی زندگی ہی میں قتل کردیئے گئے تھے۔

جواب: ۱ بقاء عام ہے بقاءِ ذات اور بقاءِ آثار کو لہٰذا اگر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ذات باقی نہیں رہی تو ان کے آثار باقی رہے ۲ یا فاستجبنا دعاء کے بعض اجزاء کے اعتبار سے ہے ۳ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قصہ قتل کی تقدیم ثابت نہ ہو۔ (بیان القرآن)

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ يرث كما سألتَ اِسْمُهٗ يَحْيٰى لم نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا○ اى مسمّٰى بيحيٰى قَالَ رَبِّ اَنّٰى كيف يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا○ من عَتَا يَبِسَ اى نهايةَ السّن مائةَ وعشرين سنة وبَلَغتْ امراتى ثمانى وتسعين سنة واصل عِتِيٍّ عُتُوٌّ وكُسِرَتْ التاء تَخْفِيْفًا وقُلِبَتْ الواو الاولٰى ياءً لِمُنَاسَبَة الكسرة والثانيةُ ياءً لِتُدْغَمَ فيها الياء قَالَ الامر كَذٰلِكَ من خلقِ غُلامٍ مِنكُما قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ اى بِاَنْ اَرُدَّ عليك قوة الجماع واُفْتِقُ رَحِمَ امرأتك للعُلوق وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا○ قبلَ خَلْقِكَ وَلِاظْهارِ اللّٰهِ تعالٰى هٰذه القدرةَ العظيمةَ اَلْهَمَهُ السؤالَ لِيُجابَ بما يَدُلُّ عليها ولَمّا تاقَتْ نَفْسُه الى سُرْعَةِ المُبَشَّرِ به قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً ط اى عَلامةً على حَمْلِ امرأتى قَالَ اٰيَتُكَ عليه اَنْ لَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ اى تَمْتَنِعَ مِن كلامِهم بخلافِ ذِكرِ اللّٰه تعالٰى ثَلٰثَ لَيَالٍ اى باَيّامِها كما فى آلِ عمرانَ ثلاثةَ اَيّامٍ سَوِيًّا○ حالٌ من فاعل تُكلّمَ اى بلا علّة فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ اى المسجدِ وكانوا يَنتظِرُوْن فَتْحَهٗ لِيُصَلُّوا فيه بامره على العادة فَاَوْحٰى اَشارَ اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا صَلُّوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا○ اَوائلَ النَّهار واَواخِرَهُ على العادةِ فعَلِمَ بِمَنْعِهِ مِنْ كلامِهم حَمْلَها بيحيٰى وبعدَ وِلادَتِه بِسَنَتَيْنِ قال تعالٰى له يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ اى التوراةَ بِقُوَّةٍ ط بجِدٍّ واٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ النبوةَ صَبِيًّا لا ابنَ ثلاثِ سنين وَّحَنَانًا رحمةً للناس مِّنْ لَّدُنَّا من عندنا وَزَكٰوةً ط صَدَقةً عليهم وَكَانَ تَقِيًّا لا رُوِىَ انه لم يَعْمَلْ خطيئةً قطُّ ولم يَهُمَّ بها وَّبَرًّا م بِوَالِدَيْهِ اى مُحْسِنًا اليهما وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا متكبّرًا عَصِيًّا○ عاصيًا لربه وَسَلٰمٌ مِّنَّا عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا○ ع اى فى هٰذه الايام المُخَوِّفَةِ التى يرىٰ فيها مالم يره قبلها فهو آمِنٌ فيها ع

ترجمہ

اے زکریا ہم تجھے ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جو تیری درخواست کے مطابق وارث ہوگا اس کا نام یحییٰ ہوگا اس کا ہمنام پہلے ہم نے کسی کو نہیں کیا یعنی یحییٰ کا ہم نام تو زکریا علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار میرے لڑکا

کس طرح ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہائی درجہ کو پہنچ گیا ہوں عِتِيًّا عَتَا سے ماخوذ ہے بمعنی یَبِسَ یعنی عمر کے آخری مرحلہ میں پہنچ چکا ہوں جو ایک سو بیس سال ہے اور میری بیوی ۹۸ سال کی ہو چکی ہے عِتِيٌّ اصل عُتُوْوٌ بروزن قُعُوْدٌ تخفیف کے لئے تا کو کسرہ دیدیا اور اول واو کو کسرہ کی مناسبت سے ی سے بدل دیا اور پھر دوسرے واو کو بھی ی سے بدل کر یا کو یا میں ادغام کر دیا پھر عین کلمہ کے ضمہ کو بھی تا کی موافقت کے لئے کسرہ سے بدل دیا عِتِيًّا ہو گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں سے لڑکے کی پیدائش کا معاملہ اسی (موجودہ) حالت میں ہوگا تیرے رب کا فرمان ہے کہ یہ (امر) میرے لئے آسان ہے یعنی یہ کہ میں تجھ میں قوت جماع لوٹا دوں اور استقرار حمل کے لئے تیری بیوی کے رحم کو کھول دوں اور میں نے تم کو پیدا کیا حالانکہ تمہارا اپنی پیدائش سے پہلے وجود بھی نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی قدرت عظیمہ کے اظہار کے لئے (بچے) کے سوال کا خیال حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں ڈالا تا کہ اس کے جواب میں ایسا معاملہ کرے جو اس کی قدرت پر دلالت کرے، اور جب زکریا علیہ السلام کا دل بعجلت مبشر بہ (فرزند) کے لئے مشتاق ہوا تو زکریا علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب میرے لئے کوئی علامت مقرر فرما دیجئے یعنی میری بیوی کے حاملہ ہونے کی کوئی نشانی (بتا دیجئے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا حاملہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تم لوگوں سے کلام نہ کر سکو گے یعنی تم تین دن اور تین راتوں تک لوگوں سے کلام کرنے پر سوائے ذکر اللہ کے صحیح سالم ہونے کے باوجود کلام کرنے پر قادر نہ ہو گے، جیسا کہ آل عمران میں ثلثة ایام کی (صراحت) موجود ہے سَوِيًّا تُكَلِّمُ کے فاعل سے حال ہے یعنی بلا کسی مرض کے (کلام نہ کر سکو گے) پس حجرے سے اپنی قوم کے روبرو برآمد ہوئے یعنی مسجد سے اور لوگ مسجد کے کھلنے کے منتظر تھے تا کہ حسب معمول ان کے حکم کے مطابق اس میں عبادت کی جا سکے، اور لوگوں سے اشارہ سے کہا کہ تم لوگ صبح و شام خدا کی پاکی بیان کیا کرو نماز پڑھا کرو، یعنی حسب معمول دن کے اول اور آخری حصہ میں اس کی بندگی کیا کرو چنانچہ لوگوں سے کلام نہ کر سکنے کی وجہ سے حضرت زکریا کو اپنی بیوی کے یحییٰ کے ساتھ حاملہ ہونے کا علم ہو گیا یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے دو سال بعد اللہ تعالیٰ نے یحییٰ سے فرمایا اے یحییٰ کتاب یعنی تورات کو مضبوطی سے تھام لو اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں حکمت نبوت عطا کی یعنی تین سال کی عمر میں اور خاص اپنے پاس سے لوگوں کے لئے رحم دلی عطا کی اور ان کو لوگوں کے لئے وقف کر دیا اور وہ (فطری طور پر) پرہیز گار تھے، اور روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کبھی جرم کا ارتکاب نہیں کیا اور نہ کبھی جرم کا قصد کیا اور اپنے والدین کے خدمت گذار تھے یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے تھے سرکش متکبر اور نافرمان نہیں تھے یعنی اپنے رب کی خلاف ورزی کرنے والے نہیں تھے اور اس پر ہماری طرف سے سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن ان کی وفات ہوگی اور جس دن ان کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، یعنی ان تینوں ہولناک دنوں میں کہ جن میں (انسان) وہ چیزیں دیکھتا ہے جو اس سے پہلے نہیں دیکھی ہوتیں (یعنی ان تینوں دنوں میں ایسی چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے کہ اس سے پہلے نہیں پڑا ہوتا)

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

یَحْییٰ (س) حَیَاۃ مضارع مثبت واحد مذکر غائب بمعنی جیتا رہے یحییٰ حضرت زکریا علیہ السلام کے صاحبزادے کا نام ہے چونکہ حضرت یحییٰ کی ولادت سے ان کی والدہ کا رحم زندہ ہوگیا (یعنی بانجھ پن ختم ہوگیا) اسی لئے ان کا نام یحییٰ رکھا، یحییٰ علمیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے **قوله** اسمه یحییٰ غلام کی صفت ہے لم نَجْعَلْهُ لَه الخ یا تو غلام کی صفت ثانی ہے یا پھر غلام سے حال ہے **قوله** عِتِیًّا یہ عَتَا یَعْتُوْ کا مصدر ہے، اس کے معنی اکڑ جانا، نہایت بوڑھا ہونا جوڑوں اور ہڈیوں میں خشکی کا پیدا ہوجانا ۱ عِتِیًّا بلغتُ کا مفعول بہ ہے ۲ بلغتُ کے معنی کے لئے مصدر مؤکد ہو اس لئے کہ بُلُوْغ الکِبَرِ عِتِیًّا کے معنی میں ہے ۳ عِتِیًّا مصدر موقع میں بلغت کے فاعل سے حال واقع ہے، ای بلغتُ عَاتِیًا ۴ تمیز ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے **قوله** هَیِّنٌ هَوْنٌ سے صفت مشبہ بمعنی آسان اَنّٰی بمعنی کیفَ یہ حصول ولد کی کیفیت سے سوال ہے نہ کہ بعید اور محال سمجھنے کی وجہ سے، اور استفہام تعجبی بھی ہوسکتا ہے **قوله** عِتِیًّا کی تفسیر نہایة السن سے تفسیر بالازم ہے **قوله** ثلث لیال کے بعد باَیَّامِها کے اضافہ کا مقصد اس آیت اور آل عمران کی آیت میں تطبیق دینا ہے اس لئے کہ وہاں ایام کا ذکر ہے اور یہاں لیال کا ذکر ہے **قوله** تاقت (ن) توقًا تُوْقًا وتَوَقَانًا مشتاق ہونا **قوله** وقد خَلَقْتُكَ علیّ کی ضمیر سے حال ہے، ولم تكُ خلقتكَ کے کاف سے حال ہے سَوِیًّا لاتکَلِّمُ کی ضمیر سے حال ہے **قوله** المحراب مسجد، شیطان سے لڑنے کی جگہ **قوله** حَنَانًا اس کا عطف الحکم پر ہے حنان بمعنی رحمت، رقتِ قلب **قوله** بعد ولادته الخ کے مقدر ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یا یحییٰ محذوف پر مرتب ہے اس لئے کہ یحییٰ کے علوق کی خوشخبری دینے کے بعد فوراً ہی یحییٰ کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تو معلوم ہوا کہ کلام میں حذف ہے، جس کو مفسر علام نے بعد ولادته سے ظاہر کردیا۔

یٰزَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ الآیة یہ خوشخبری ملائکہ کے ذریعہ دی تھی جیسا کہ سورۂ آل عمران میں فرمایا فَنَادَتْهُ الْمَلَائِکَةُ وَهُوَ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْییٰ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ ولادت فرزند کی خوشخبری سنائی بلکہ اس کا نام بھی خود ہی تجویز کردیا اور نام بھی ایسا نرالہ کہ ماضی میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔

نکتہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یکتا اور نرالا نام رکھنا محمود ہے بشرطیکہ اس کے معنی نامناسب نہ ہوں اس لئے کہ یہاں نام کی یکتائی کو مقام مدح میں بیان کیا گیا ہے سَمِیًّا کے دوسرے معنی مثل اور مشابہ کے بھی آتے ہیں اگر دوسرے معنی مراد لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ بعض صفات اور حالات ان کے ایسے ہیں جو انبیاء سابقین میں سے کسی کے نہیں تھے ان صفات خاصہ میں وہ بے مثیل تھے مثلاً ان کا **حصور** ہونا اس لئے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت یحییٰ تمام

انبیاء سابقین سے افضل ہوں کیونکہ ان میں حضرت خلیل اللہ اور حضرت کلیم اللہ کا ان سے افضل ہونا مسلم اور معروف ہے (مظہری) اس لئے کہ جزئی فضیلت سے کلی فضیلت لازم نہیں آتی۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ یہ استفہام تعجب و سرور ہے، یا حصول ولد کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے ہے یعنی میرے فرزند ہونے کی صورت کیا ہوگی آیا ہم دونوں کی جوانی لوٹا دی جائے گی یا مجھے نکاح ثانی کرنا ہوگا یا بحالت موجودہ ہی اولاد ہوگی حالانکہ ظاہری تمام اسباب مفقود ہیں اس کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی بیوی کے بانجھ ہونے اور اپنے ضعف اور پیری کا ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا قَالَ کَذٰلِکَ یعنی موجودہ حالت ہی میں اولاد ہوگی میری قدرت کے لئے اسباب عادیہ کی ضرورت نہیں ہے میری قدرت اسباب عادیہ سے وراء الوراء ہے، میرے لئے بغیر اسباب عادیہ کے فرزند عطا کر دینا بالکل آسان ہے، اور اسباب عادیہ کے ختم ہو جانے کے بعد دوبارہ لوٹا دینا بھی میرے لئے آسان ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام اشاع ہے جو کہ حضرت عمران کی صاحبزادی ہیں حضرت عمران کی دوسری صاحبزادی کا نام مریم ہے جو کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ ہیں اس طرح حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں اور حضرت زکریا حضرت عیسیٰ کے خالو ہوتے ہیں، یہ قول زیادہ راجح ہے گو اس کے علاوہ بھی ایک قول خالہ زاد بھانجہ ہونے کا ماسبق میں گذر چکا ہے مگر وہ مرجوح ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَةً اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ کے ذریعہ فرزند کی خوشخبری سن کر حضرت زکریا علیہ السلام مارے خوشی اور مسرت کے بیتاب ہو گئے تو سوال کر بیٹھے کہ اس کی علامت اور نشانی بتا دیجئے تا کہ اس علامت کو دیکھ کر میں سمجھ سکوں کہ اب فرزند کی ولادت کا وقت قریب آ گیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ٹھیک ٹھاک ہونے کے باوجود لوگوں سے تین دن اور تین رات گفتگو نہ کر سکو گے اور یہ کیفیت کسی مرض کی وجہ سے نہ ہوگی بلکہ یہ حالت معجزہ اور نشانی کے طور پر ہوگی یہی وجہ ہے کہ تم ذکر و تسبیح بلا کسی رکاوٹ کے کر سکو گے۔

چنانچہ جب مذکورہ علامت ظاہر ہوئی تو سمجھ گئے کہ اب فرزند کی ولادت کا زمانہ قریب ہے تو اپنے حجرے سے نکلے اور لوگ نماز پڑھنے کے لئے حجرے کا دروازہ کھلنے کے منتظر تھے، حضرت زکریا علیہ السلام نے اشارہ سے لوگوں سے کہا کہ تم لوگ حسب معمول صبح و شام یعنی فجر اور عصر کی نماز پڑھتے رہو (ان پر یہی دو نمازیں فرض تھیں)

یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّةٍ یہ محذوف پر مرتب ہے جیسا کہ مفسر علام نے تقدیر عبارت کی جانب اشارہ کر دیا ہے یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی وہ بڑے ہوئے اور ان کے اندر مخاطب بننے کی صلاحیت نمودار ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا **یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّةٍ** کتاب سے مراد تورات ہے اور قوت سے پکڑنے کا مطلب اس پر عمل کے لئے **پوری کوشش کرنا ہے۔**

وَآتَیْنَاهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا اور ہم نے اس کو بچپن ہی میں نبوت عطا فرمادی مفسر علام نے اعطاء نبوت کے وقت تین سال کی عمر بیان فرمائی ہے، حکم سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حکم سے مراد نبوت ہے، اور بعض حضرات نے فہم کتاب مراد لیا ہے اور بعض نے حکمت اب رہا یہ سوال کہ صرف تین سال کی عمر میں فہم کتاب اور علم حکمت کی باتیں کس طرح ممکن ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصلاً نبوت کا معاملہ ہی خرق عادت کے طور پر ہے لہٰذا صغر سنی، نبوت اور فہم کتاب کے لئے مانع نہ ہوگی، اور ہم نے ان کو اپنے والدین کے لئے اور دیگر لوگوں کے لئے مشفق اور رقیق القلب بنایا اور یہ سب کچھ ہمارے خصوصی فضل سے ہوا اور ہم نے اس کو نفس کی آلائشوں اور گناہوں کی نجاستوں سے پاکیزگی اور طہارت عطا فرمائی، اور وہ اپنے والدین کا فرمانبردار اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا تھا اور نہ تو وہ لوگوں کے لئے جبار اور متکبر تھا اور نہ اپنے پروردگار کا نافرمان وہ متقی اور صالح شخص تھا، حتی کہ اس کے پاکیزہ قلب میں معصیت اور نافرمانی کے وہم کا بھی گذر نہیں ہوا، تین مواقع انسان کے لئے سخت وحشتناک ہوتے ہیں ۱ جب انسان رحم مادر سے باہر آتا ہے ۲ جب موت کا شکنجہ اسے اپنی گرفت میں لیتا ہے ۳ جب اپنی قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان تینوں موقعوں میں ہماری طرف سے اس کے لئے سلامتی اور امان ہے بعض اہل بدعت اس آیت سے عید میلاد کا جواز ثابت کرتے ہیں اگر بالفرض اس آیت سے عید میلاد ثابت ہوتی ہے تو پھر عید وفات بھی ثابت ہوتی ہے یہ کیسی بات ہے کہ آیت کے ایک جز پر تو عمل کریں اور دوسرے جز کو نظر انداز کر دیں اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ

فائدہ: حضرت زکریا علیہ السلام کی بشارت کا ظہور بشارت کے تیرہ سال بعد ہوا تھا، اس لئے کہ حضرت مریم کے پاس جو کہ ابھی بچی تھیں اور حضرت زکریا کی پرورش میں تھیں، بے موسمی پھل دیکھے تو ان کو ہمت ہوئی کہ اگرچہ ہمارے اولاد ہونے کا موسم اور زمانہ ختم ہو گیا ہے مگر خدا کی قدرت سے بعید نہیں کہ مجھے بھی بے موسم لڑکا عطا فرمادے چنانچہ بارگاہ خداوندی میں دعا کی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی، حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ چھوٹے ہیں۔

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ القرآن **مَرْیَمَ** ای خبرها **اِذِ** حین **انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَکَانًا شَرْقِیًّا** ای اعتزلت فی مکان نحو الشرق من الدار **فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا** اَرْسَلَتْ سترا تستتر به لتفلی رَاْسَهَا او ثیابها او تغتسل من حیضها **فَاَرْسَلْنَا اِلَیْهَا رُوْحَنَا** جبرئیل **فَتَمَثَّلَ لَهَا** بعد لبسها ثیابها **بَشَرًا سَوِیًّا**○ تامّ الخلق **قَالَتْ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا**○ فتنتهی عنی بتعوّذی **قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ ۖ لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا**○ بالنبوة **قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ** بتزوّج **وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا**○ زانیة **قَالَ** الامر **کَذٰلِکِ ۚ** من خلق غلام منک من غیر اب **قَالَ رَبُّکِ**

هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ج اى بان يَّنْفُخَ بِامْرِى جِبْرَئِيلُ فيكِ فَتَحْمِلِىْ به ولكون ما ذُكِر فى معنى العلةِ عُطِفَ عليه ولِنَجْعَلَهُ اٰيَةً لِّلنَّاسِ على قُدْرَتِنا وَرَحْمَةً مِّنَّا ج لمنْ آمَنَ به وَكَانَ خَلْقُهٗ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۝ به فى عِلمى فنفخ جبرئيل فى جَيْبِ دِرْعِها فَاَحَسَّتْ بالحَمْلِ فى بَطْنِها مُصَوَّرًا فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ تَنَحَّتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا۝ بَعيدًا مِن اَهْلِها فَاَجَآءَهَا جاء بها المَخَاضُ وجعُ الوِلادَةِ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ج لتعْتَمِدَ عليه فوَلَدت وَالحَمْل والتصوير والوِلادةُ فى سَاعة قالَتْ يَا للتَّنْبِيْهِ لَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا الاَمر وكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۝ شَيْئًا مَتْرُوْكًا لايُعرف ولايُذكر فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَا اى جِبْرِيْلُ وكَانَ اَسفلَ منها اَنْ لَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا۝ نَهرَ مَاءٍ كان اِنْقَطَعَ وَهُزِّىْ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ كانت يَابِسَةً والباءُ زائدةٌ تُسَاقِطْ اصله بتائَيْن قُلِبَتْ الثانيةُ سينًا واُدْغِمَتْ فى السِّين وفى قراءةٍ بتركها عَلَيْكِ رُطَبًا تمييزٌ جَنِيًّا۝ صِفتُه

ترجمہ

اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب یعنی قرآن میں مریم کا یعنی ان کے واقعہ کا ذکر کیجئے جب کہ وہ اپنے اہل خانہ سے الگ ہو کر ایک ایسے مکان میں جو شرقی جانب تھا چلی گئیں یعنی دار (بیت المقدس) کے مشرقی جانب کسی جگہ تنہائی میں چلی گئیں اور اہل خانہ کی جانب سے پردہ ڈال لیا، یعنی پردہ لٹکا لیا تا کہ آڑ ہو سکے (اور) اپنے سر یا کپڑوں میں جوں دیکھ سکے یا حیض سے طہارت کے لئے غسل کر سکے تو ہم نے اس کے پاس اپنی روح جبرئیل کو بھیج دیا تو وہ ان کے سامنے کپڑے پہننے کے بعد مکمل مرد بن کر نمودار ہوا حضرت مریم کہنے لگیں کہ میں تجھ سے اپنے خدا کی پناہ طلب کرتی ہوں اگر تجھے کچھ بھی خوف خدا ہے تو تو یہاں سے میرے پناہ طلب کرنے کی وجہ سے ہٹ جائے گا حضرت جبرائیل نے جواب دیا میں تیرے رب کا قاصد ہوں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں اور اس کی پاکیزگی نبوت کی وجہ سے ہے تو حضرت مریم کہنے لگیں بھلا میرے بچہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا نکاح کر کے اور نہ میں بدکار زانیہ ہوں فرشتہ نے کہا امر تو ایسا ہی ہے کہ تجھ سے باپ کے بغیر لڑکا پیدا ہو تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ یہ میرے لئے بہت آسان ہے اس طریقہ پر کہ جبرائیل تجھ میں میرے حکم سے پھونک ماردیں گے پھر تو اس کی وجہ سے حاملہ ہو جائے گی، مذکور (یعنی هو علىّ هيّن) چونکہ علت کے معنی میں ہے لہٰذا اس پر لِنَجْعَلَهٗ کا عطف کیا گیا ہے اور تا کہ اس کو میں اپنی قدرت پر لوگوں کے لئے نشانی بناؤں اس شخص کے لئے جو ہماری کمال قدرت پر یقین رکھتا ہو اور اس (ولد) کی تخلیق طے شدہ بات ہے میرے علم میں، چنانچہ حضرت جبرائیل نے حضرت مریم کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماردی چنانچہ حضرت مریم نے اپنے پیٹ میں (حمل) متشکل محسوس کیا چنانچہ حضرت مریم فرزند سے حاملہ ہو گئیں اور اسی وجہ سے یکسو ہو کر اپنے اہل خانہ سے دور ایک مقام پر چلی گئیں پھر دردزہ اس کو ایک کھجور کے تنے کے پاس لے آیا

تاکہ اس سے ٹیک لگائے پھر اس نے (بچہ) جنا اور یہ حمل اور تشکل اور ولادت (سب کچھ) ایک ساعت میں ہو گیا کہنے لگیں کاش میں اس واقعہ سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور میں ایسی بھولی بسری متروک شئ ہو گئی ہوتی کہ نہ کوئی مجھے پہنچانتا اور نہ میرا تذکرہ کرتا اتنے میں اسے نیچے کی جانب سے جبرائیل نے جو کہ مریم سے بائیں جانب تھے آواز دی کہ تو آزردہ خاطر نہ ہو تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے یعنی ایسی نہر کو (جاری کر دیا) جس کا پانی خشک ہو گیا تھا اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا حالانکہ وہ درخت خشک تھا بجذع میں باء زائدہ ہے تر ے سامنے تر و تازہ پکی کھجوریں گرادے گا رَطَبًا تمیز ہے اور جَنِیًّا اس کی صفت ہے تَسَّاقَطَ اس کی اصل دو تاؤں کے ساتھ ہے دوسری تا سین سے بدل دی گئی اور سین کو سین میں ادغام کر دیا گیا اور ایک قراءۃ میں ترک تا کے ساتھ بھی ہے۔ (ای تسَاقَطْ)

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله وَاذکر فی الکتاب مریم اس کا عطف کلام سابق کے مضمون پر ہے تقدیر عبارت یہ ہے اعلم ذکرُ رحمةِ ربّکَ عبدہُ زکریا واذکر فی الکتاب مریم قصتها اذکر فی الکتاب مریم ای قصته مریم مضاف محذوف ہے مریَمْ بمعنی عابدہ، زاہدہ، اور خادمة الرب کے ہیں الکتاب میں الف لام عہد کا ہے مراد قرآن کریم ہے **قوله** اِذ انتبذت مضاف محذوف کا ظرف ہے جس کو مفسر علام نے خبرھا کہہ کر ظاہر کر دیا مریم سے بدل الکل یا بدل الاشتمال بھی ہو سکتا ہے (مظہری) **قوله** مکانًا شرقیًا موصوف صفت سے مل کر یا تو انتبذت کا ظرف ہے یا اس کا مفعول بہ ہے اس لئے کہ انتبذت اَتَتْ کے معنی کو مشتمل ہے ای اَتَتْ مکانًا اِنتبَذَتْ ای ابتعدت وتنحت ایک طرف ہونا بعید ہونا **قوله** بعد لبسِهَا ثیابًا یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جس گھر میں عورت کھلے سر ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے تو مریم اس جگہ برہنہ تھیں، کیسے داخل ہو گئے جواب دَخَلَ بعد لبسها **قوله** لِتفلِیْ مضارع واحد مؤنث غائب، تاکہ وہ جوں دیکھے **قوله** روحَنَا ای جبرائیل **قوله** لَمْ اَکُ بَغِیًّا بغیة نہیں فرمایا حالانکہ موقع بغیة کا تھا اس لئے کہ یہ صفت عام طور پر عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے تو یہ حائض اور عاقر کے قبیل سے ہونے کی وجہ سے تا کی ضرورت نہیں ہے **قوله** قال ربك هو علَیَّ هَیِّنٌ قال کذلك کی علت کے قائم مقام ہے، یعنی اسی طرح ہوگا، اس لئے کہ یہ ہمارے لئے آسان ہے، دراصل یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ یہاں جملہ تعلیلیہ کا عطف غیر تعلیلیہ پر ہو رہا ہے جو جائز نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ معطوف علیہ بھی جملہ تعلیلیہ ہے لہٰذا لنجعله آیة للناس کا اس پر عطف درست ہوگا، **قوله** رحمة کا عطف آیة پر ہے **قوله** المخاض دردزہ (س) **قوله** فتنتهی محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اِنْ کنتَ تقیًّا کا جواب شرط فتنتهی محذوف ہے **قوله** بتزوج مفسر علام نے بتزوج کا اضافہ کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال

جواب دیا ہے، سوال یہ ہے کہ لَمْ يَمْسَسْنِی یہ عدم جماع سے کنایہ ہے لہٰذا یہ جماع حلال اور حرام دونوں کو شامل ہے اس صورت میں لَمْ اَكُ بغيًا کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عرف میں مس وطی حلال ہی کو شامل ہے وطی حرام عرفاً اس سے خارج ہے وطی حرام اور حلال دونوں کی نفی کرنے کے لئے لَمْ اَكُ بَغِيًّا کا اضافہ فرمایا **قوله** اَجَاءَهَا کی تفسیر جاءَبها سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جاء اور اَجاء دونوں ایک ہی معنی میں ہیں یعنی دونوں متعدی بیک مفعول ہیں بظاہر یہ شبہ تھا کہ جب جاء کے شروع میں ہمزہ کا اضافہ کر دیا تو شاید متعدی بدو مفعول ہو گیا ہو اس شبہ کو مفسر علام نے اَجاءَهَا کی تفسیر جاءَبِها سے کر کے دفع کر دیا، دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَجاءَ اُلْجَاَ کے معنی میں ہے اور جب استعمال بدل گیا تو متعدی بیک مفعول ہو گیا۔ (جمل)

تفسیر وتشریح

وَاذْكُرْ فِی الكِتابِ مريم اس سورۃ میں مذکور قصوں میں سے یہ دوسرا قصہ ہے، اے محمد آپ قرآن کے اس حصہ میں حضرت مریم کا قصہ بھی ذکر کیجئے یہ قصہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے قصہ سے بھی زیادہ عجیب ہے اس لئے کہ بغیر مرد کے بچہ پیدا ہونا، بانجھ عورت اور بوڑھے شوہر سے بچہ پیدا ہونے کی بہ نسبت کہیں زیادہ عجیب ہے، یعنی انتہائی بڑھاپے میں بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونا لوگوں کے لئے عجیب ضرور ہے مگر بغیر شوہر کے بچہ کی پیدائش ہماری کمال قدرت پر اس سے بھی زیادہ دلالت کرنے والا ہے، اور یہ قصہ اس وقت واقع ہوا جب کہ وہ گھر سے الگ ہو کر ایک ایسے مکان میں جو کہ مشرق کی جانب تھا چلی گئیں یہ تنہائی یا تو غسل حیض کے لئے تھی یا عبادت میں یکسوئی کے لئے تاکہ گوشۂ تنہائی میں یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ خدا کی بندگی کر سکیں، لوگوں کی نظر پڑنے سے بچنے کے لئے ایک پردہ بھی ڈال لیا تاکہ اس کی آڑ میں غسل کر سکیں اور اپنے سر وغیرہ میں جوئیں دیکھ سکیں تو اس حالت میں ہم نے ان کے پاس حضرت جبرائیل کو بھیجا اور حضرت جبرائیل ان کے سامنے نہایت حسین وجمیل امرد جوان کی شکل میں ظاہر ہوئے اور ابو مسلم نے کہا ہے کہ روحنا سے حضرت عیسیٰ مراد ہیں، لقولہ تعالیٰ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (روح المعانی)

کیا عورت نبی ہو سکتی ہے؟

علماء اور مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت مریم نبیہ تھیں یا نہیں، یا عورت نبی ہو سکتی ہے یا نہیں، بعض حضرات اسی آیت سے عورت کے نبی ہونے پر استدلال کرتے ہیں، علماء جمہور فرماتے ہیں کہ مطلق وحی تو عورت کی جانب بھی آسکتی ہے البتہ وحی رسالت مردوں کے ساتھ خاص ہے حضرت مریم کی طرف جو حضرت جبرائیل کے ذریعہ

وحی بھیجی تھی وہ وحی بشارت تھی نہ کہ وحی رسالت۔

جب حضرت جبرئیلؑ ایک خوبصورت اور رعنا امرد نوجوان کی شکل میں حضرت مریم کے سامنے ظاہر ہوئے تو وہ گھبرا گئیں، گھبرا کر کہنے لگیں کہ میں تجھ سے اپنے خدا کی پناہ مانگتی ہوں اگر تجھے ذرا بھی خوف خدا ہے تو تو یہاں سے ہٹ جا اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں کہ اگر تو متقی نہیں ہے تو میں تجھ سے پناہ نہیں مانگتی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ متقی ہونے کی صورت میں پناہ طلب کی تو غیر متقی ہونے کی صورت میں تو بطریق اولیٰ پناہ طلب کرتی ہوں، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جبرائیل امین نے جب یہ کلمہ سنا تو اللہ کے نام کی تعظیم کے لئے کچھ پیچھے ہٹ گئے، اور کہا میں بشر نہیں ہوں کہ تم مجھ سے ڈرتی ہو، بلکہ میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں میں اس لئے آیا ہوں کہ تم کو باذن خدا ایک پاکیزہ بچہ دوں لِاَهَبَ میں ہبہ کی نسبت حضرت جبرئیلؑ نے اپنی طرف کی ہے یہ نسبت مجازی ہے اور اضافت الشئ الی السبب کے قبیل سے ہے چونکہ اعطاء ولد کا ظاہری سبب حضرت جبرئیلؑ تھے اس لئے اپنی جانب نسبت کردی ورنہ درحقیقت اعطاء ولد اللہ کا فعل ہے، یا حکایت حال کے طور پر جبرائیلؑ نے اپنی طرف نسبت کردی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ مریم سے کہہ دو کہ میں تم کو ایک پاکیزہ فرزند دینے والا ہوں، بعض قراءتوں میں لِاَهَبَ کے بجائے لِيَهَبَ ہے اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے اس لئے کہ اس قرأت کے مطابق اعطاء ولد کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے بعض حضرات لِاَهَبَ سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول بخش اور پیر بخش وغیرہ نام رکھنا درست ہے یہ نہایت نادانی اور ناسمجھی کی بات ہے۔

جب جبرئیلؑ نے یہ کہا کہ میں تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور تجھ کو ایک پاکیزہ بچہ دینے کے لئے آیا ہوں تو حضرت مریم کہنے لگیں کہ میرے بچہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہے؟

قَالَ كَذٰلِكِ الخ فرشتہ نے جواب دیا یہ بات صحیح ہے کہ تجھے مرد سے مقاربت کا کوئی موقع نہیں ملا ہے نہ جائز طریقہ سے اور نہ ناجائز طریقہ سے، جب کہ حمل کے لئے عادتاً یہ ضروری ہے، مگر تیرے رب کا فرمان ہے کہ میں اسباب عادیہ کا محتاج نہیں ہوں میرے لئے یہ بالکل آسان ہے اور میں اسے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو) اپنی قدرت تخلیق کے لئے ایک نشانی اور لوگوں کے لئے رحمت بنانا چاہتا ہوں اس سے قبل ہم نے تمہارے دادا آدمؑ کو مرد اور عورت کے بغیر اور تمہاری دادی حوا کو صرف مرد سے عورت کے بغیر پیدا کیا اور اب عیسیٰ علیہ السلام کو چوتھی شکل یعنی بغیر باپ کے محض بطن مادر سے پیدا کرکے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم تخلیق کی چاروں قسموں پر قادر ہیں اسی طرح ہم حضرت عیسیٰؑ کو نبوت عطا کرکے لوگوں کے لئے اپنی رحمت کی نشانی بھی بنانا چاہتے ہیں کیونکہ نبی اپنی امت کے لئے رحمت ہوتا ہے۔

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا یہ کلام سابق کا تتمہ ہے یعنی یہ اعجازی تخلیق تو اللہ کے علم اور اس کی قدرت میں مقدر ہو چکی

ہے اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا، اس گفتگو کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے مریم کے گریبان یا منہ میں پھونک ماردی جس کے نتیجے میں حضرت مریم کو حمل رہ گیا پھر حضرت مریم اس حمل کو لئے ہوئے شرم کے مارے اپنے گھر والوں سے کہیں دور مقام پر چلی گئیں، اور اس خیال سے کہ بچہ کے معاملہ میں لوگوں کو کس طرح مطمئن کرسکوں گی جب کہ میری بات کی تصدیق کرنے کیلئے کوئی تیار ہی نہیں ہوگا اور ساتھ ہی یہ تصور بھی روح فرسا تھا کہ کہاں میری شہرت ایک عابدہ اور زاہدہ کے طور پر اور اس کے بعد لوگوں کی نظر میں بدکار ٹھہروں گی، اس خیال سے مغلوب الحال ہوکر موت کی آرزو کرڈالی۔

تمنائے موت کا حکم

اگر یہ تمنائے موت غم دنیا سے تھی تب تو غلبۂ حال کو اس کا عذر کہا جائے گا جس میں انسان من کل الوجوہ مکلف نہیں رہتا، اور اگر غم دین سے تھا کہ لوگ بدنام کریں گے اور شاید مجھ سے اس پر صبر نہ ہوسکے تو بے صبری کی معصیت میں ابتلاء ہوگا موت کے ذریعہ معصیت سے حفاظت رہے گی تو ایسی تمنا ممنوع نہیں ہے۔

جب حضرت مریم علیہا السلام غلبہ حال کی وجہ سے موت کی تمنا کررہی تھیں تو زیریں جانب سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل نے پکار کر کہا کہ اے مریم تم بے سروسامانی یا خوف بدنامی کی وجہ سے مغموم مت ہو کیونکہ بے سروسامانی کا تو یہ انتظام ہوگیا ہے کہ تمہارے رب نے تمہارے پائیں (زیریں جانب) ایک نہر پیدا فرمادی ہے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیلؑ نے اپنا پیر زمین پر مارا جس کی وجہ سے شیریں پانی کا ایک چشمہ جاری ہوگیا، اور حضرت جبرائیلؑ نے یہ بھی فرمایا کہ تم اس کھجور کے تنے کو ہلاؤ یہ تیرے سامنے پکی تروتازہ کھجوریں گرائے گا یعنی خرق عادت اور کرامت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے پائیں جانب پینے کے لئے پانی اور کھانے کے لئے ایک سوکھے ہوئے کھجور کے درخت سے پکی اور تازہ کھجوروں کا انتظام فرمادیا۔

البلاغة: ولم يَمْسَسْنِى بشرٌ كناية عن المعاشرة الزوجية بالجماع.

فَكُلِى من الرُّطَبِ وَاشْرَبِى من السَّرِىِّ وَقَرِّى عَيْنًا بالوَلَدِ تمييزٌ مُحَوَّلٌ من الفاعل اى لِتَقِرَّ عينُكِ به اى تَسْكُنْ فلا تَطْمَحُ الى غيره **فَاِمَّا** فيه اِدْغَامُ نُونِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فى مَا المزِيْدَةِ **تَرَيِنَّ** حُذِفَتْ منه لامُ الفعلِ وعينُهُ وأُلْقِيَتْ حركتُها على الرَّاءِ وكُسِرَتْ ياء الضمير لِالْتقاءِ الساكنين **مِنَ البَشَرِ اَحَدًا فَيَسْاَلُكِ** عن وَلَدِكِ **فَقُوْلِى اِنِّى نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا** اى اِمْسَاكًا عن الكلام فى شَانِهِ وغيره مع الاَنَاسِىِّ بدليل **فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا** اى بَعْدَ ذلك **فَاَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ** حال **فَرَاَوْهُ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا** عظيمًا حيثُ اَتَيْتِ بِوَلَدٍ من غيرِ اَبٍ **يٰاُخْتَ هٰرُوْنَ** هو رجلٌ صالحٌ اى يا شَبِيْهَتَهُ فى العِفَّةِ **مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَءَ سَوْءٍ** اى زَانِيًا **وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ**

بَغِيًّا○ زانية فَمِنْ اين لكِ هذا الولدُ فَاَشَارَتْ لهم اِلَيْهِ ط انْ كَلِّمُوْه قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ اى وُجِدَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا○ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ط اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ اى الانجيل وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا لا وَّجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَمَا كُنْتُ اى نفّاعًا للناس اِخبارٌ بما كُتِبَ له وَاَوْصٰنِىْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ امرنى بهما مَا دُمْتُ حَيًّا○ لا وَّبَرًّا م بِوَالِدَتِىْ ز منصوبٌ بجعلنى مقدّرًا وَلَمْ يَجْعَلْنِىْ جَبَّارًا متعاظمًا شَقِيًّا○ عاصيًا لربّه وَالسَّلٰمُ مِن اللّٰه عَلَىَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا○ يُقَالُ فيه ما تقدّم فى السيّد يحيى قال تعالى ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ج قَوْلُ الْحَقِّ بالرفع خبرُ مبتدأ مُقدّرٍ اى قولُ ابن مَرْيَمَ وبالنصب بتقديرِ قلتُ والمعنىٰ القول الحق الَّذِىْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ○ من المِرْيَةِ اى يشكّون وهم النّصارىٰ قالوا ان عيسٰى ابنُ اللّٰهِ كذّبوا مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ ط تنزيهًا له عن ذٰلك اِذَا قَضٰى اَمْرًا اى اَرَادَ اَنْ يُحْدِثَهُ فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ○ ط بالرفع بتقديرِ هو وبالنصب بتقديرِ اَنْ ومِن ذٰلك خلقُ عيسٰى مِن غير ابٍ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط بفتح اَنَّ بتقديرِ اُذْكُرْ وبكسرِها بتقدير قُلْ بدليلِ ما قُلْتُ لهم اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِىْ به اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ هٰذَا المذكورُ صِرَاطٌ طريقٌ مُّسْتَقِيْمٌ○ مؤدٍ الى الجنة فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ج اى النّصارىٰ فى عيسٰى اَهو ابنُ اللّٰه او اِلٰهٌ معه او ثالثُ ثلٰثة فَوَيْلٌ شِدَّةُ عذاب لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بما ذُكِرَ وغيرِه مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ○ اى حُضورِ يوم القيٰمة واهوالِه اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ بهم صيغتا تعجّبٍ بمعنى ما اَسْمَعَهُمْ وما اَبْصَرَهم يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا فى الآخرةِ لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ من اقامة الظّاهر مَقَامَ المُضْمَرِ الْيَوْمَ اى فى الدُّنيا فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○ اى بيّنٍ به صَمُّوْا عن سماع الحق وعَمُوْا عن اَبصارِه اى اِعْجَبْ منهم يا مُخاطبًا فى سمعهم وابصارهم فى الآخرة بعد اَنْ كانوا فى الدُّنيا صُمًّا عُمْيًا وَاَنْذِرْهُمْ خوّف يا محمّدُ كفّار مكّة يَوْمَ الْحَسْرَةِ هو يومُ القيٰمة يتحسّرُ فيه المُسِيءُ على ترك الاحسان فى الدُّنيا اِذْ قُضِىَ الْاَمْرُ ط لهم فيه بالعذاب وَهُمْ فى الدُّنيا فِىْ غَفْلَةٍ عنه وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ○ به اِنَّا نَحْنُ تاكيدٌ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا من العُقلاءِ وغيرِهم باهلاكهم وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ○ ع فيه للجزاءِ

ع

ترجمہ

پھر پکی اور تازہ کھجوریں کھاؤ اور چشمہ کا پانی پیو اور بیٹے سے آنکھیں ٹھنڈی کرو عینًا تمیز ہے فاعل سے منقول ہے یعنی تو اس بچہ کو دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈا کر کے سکون حاصل کر دوسرے بچوں کی طرف التفات نہ کر فامّا میں

اِن شرطیہ کے نون کو ما زائدہ میں مدغم کر دیا گیا ہے تَرَیِنَّ اس کا لام کلمہ اور عین کلمہ حذف کر دیا گیا ہے عین کلمہ کی حرکت نقل کر کے را کو دیدی گئی اور یائے ضمیر کو التقاء ساکنین کی وجہ سے کسرہ دیدیا گیا اگر تو کسی بشر کو دیکھے اور وہ تیرے بچہ کے متعلق سوال کرے تو کہہ دینا کہ میں نے اس بچہ وغیرہ کے بارے میں لوگوں سے کلام کرنے سے رحمٰن کے لئے سکوت کا روزہ رکھ لیا ہے اور سکوت کا روزہ رکھنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول فَلَنْ اُکَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا ہے یعنی میں یہ خبر دینے کے بعد کسی انسان سے کلام نہ کروں گی تو اس بچہ کو لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں تَحْمِلُہٗ، اَتَتْ کی ضمیر سے حال ہے جب قوم نے بچہ کو دیکھا تو کہا اے مریم تو نے تو بڑا غضب کر دیا کہ بغیر باپ کے بچہ کو جنم دیا اے ہارون کی بہن وہ تو ایک صالح شخص تھا اور تو عفت میں اس جیسی ہے تیرا باپ (تو) بدکار زانی شخص نہیں تھا اور نہ تیری ماں بدکارہ زانیہ تھی تو پھر تیرے یہ بچہ کیسے پیدا ہوا، تو حضرت مریم نے ان کے لئے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس سے معلوم کرو، تو کہنے لگے ہم گود کے بچہ سے کیونکر بات کریں تو وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب انجیل دی اور مجھے نبی بنایا اور اس نے مجھے بابرکت یعنی لوگوں کے لئے نفع رساں بنایا ہے میں جہاں کہیں بھی رہوں حضرت عیسیٰ کے حق میں جو مقدر ہو چکا ہے یہ اس کی خبر ہے اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم فرمایا ہے اوصانی بمعنی امرنی ہے جب تک میں زندہ رہوں اور مجھے اپنی والدہ کا خدمت گذار بنایا ہے بَرًّا جَعَلَنِیْ مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور مجھے سرکش متکبر اور بدبخت اپنے رب کا نافرمان نہیں بنایا اور اللہ کا میرے اوپر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا ان تینوں مقامات کی تفسیر میں وہی بات کہی جائے گی جو حضرت سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں کہی گئی تھی یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم قول ابن مریم قول حق ہے جس کے بارے میں لوگ شک کر رہے ہیں قول اگر رفع کے ساتھ ہوگا تو مبتداء محذوف کی خبر ہوگا ای قولُ ابن مریم قولُ الحقِّ اور اگر قولَ پر نصب ہو تو اس صورت میں قلتُ فعل مقدر ہوگا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، اور (قول الحق کے معنی) القول الحق ہوں گے (یعنی اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے) یمترون مِرْیَۃٌ سے مشتق ہے اور یمترون کے معنی یشُکُّوْنَ کے ہیں (اور یہ شک کرنے والے) نصاریٰ ہیں جنہوں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں جو بالکل جھوٹ ہے اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ (کسی کو) اولاد بنائے وہ اولاد رکھنے سے بالکل پاک ذات ہے اس کی پاکی بیان کرتا ہوں وہ تو جب کسی کے کرنے (پیدا کرنے کا) ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے یَکُوْنُ کا اگر رفع پڑھیں تو رفع ھُوَ کی تقدیر کی وجہ سے ہوگا اور اگر نصب پڑھیں تو اَنْ کی تقدیر کی وجہ سے ہوگا اور اسی (کُنْ فَیَکُوْنُ) کے قبیل سے بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی ہے، بلاشبہ میرا اور تمہارا پروردگار صرف اللہ ہے سو اسی کی عبادت کرو اگر اَنَّ فتح کے ساتھ ہو تو اَنَّ سے پہلے اُذْکُرْ مقدر ہوگا اور اگر اِنَّ کسرہ کے ساتھ ہو تو اِنَّ سے پہلے قُلْ مقدر ماننا ہوگا اور قُلْ مقدر ماننے کی دلیل خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے مَا قُلْتُ

لَهُمْ اِلاَّ مَا اَمَرْتَنِیْ بِهٖ یہ مذکور صراط مستقیم ہے جو جنت تک پہنچانے والی ہے پھر یہ فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے یعنی نصاریٰ کے (ایک فریق) نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ وہ ابن اللہ ہے اور (دوسرے فریق) نے کہا کہ وہ خدا کے ساتھ دوسرا خدا ہے (اور تیسرے) نے کہا کہ وہ تین میں کا تیسرا ہے پس کافروں کے لئے مذکورہ وغیرہ (عقائد) کی وجہ سے بڑے دن کی حاضری کا سخت عذاب ہے یعنی قیامت کے دن حاضری اور اس دن کی ہولنا کی کا، اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْبِهِمْ دونوں تعجب کے صیغے ہیں معنی یہ ہیں کیا خوب سننے والے اور کیا خوب دیکھنے والے ہوں گے جس دن آخرت میں ہمارے سامنے حاضر ہوں گے لیکن آج دنیا میں یہ ظالم صریح گمراہی میں ہیں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے، مُبِیْن بمعنی بَیِّن ہے جس کی گمراہی کی وجہ سے (دنیا میں) حق بات سننے سے بہرے اور حق دیکھنے سے اندھے رہے، یعنی اے مخاطب تو آخرت میں ان کی شنوائی اور بینائی کی تیزی سے تعجب کرے گا حالانکہ یہ لوگ دنیا میں بہرے اندھے تھے اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ مکہ کے کافروں کو حسرت کے دن سے ڈرائیے اور وہ قیامت کا دن ہوگا جس دن بدکار دنیا میں نیکی نہ کرنے پر حسرت کرے گا جبکہ آخری فیصلہ کردیا جائے گا یعنی ان لوگوں کے لئے اس دن عذاب کا فیصلہ کردیا جائے گا حالانکہ یہ لوگ اس دن سے غافل ہیں اور یہ اس دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ہم ہی زمین کے اور جو کچھ اس پر ذوالعقول اور غیر ذوالعقول ہیں وارث ہوں گے ان کو ہلاک کرکے اور اس دن میں جزاء کے لئے ہمارے پاس لوٹائے جائیں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قَرِّیْ بروزن فِرِّیْ واحد مؤنث حاضر تو ٹھنڈی کر یہ قُرٌّ سے مشتق ہے اس کے معنی ہیں خنکی عَیْنًا تمیز ہے فاعل سے محول ہے اَیْ لتقرَّ عَیْنُكِ بہ رُؤْیَۃ اِرَائَۃٌ سے واحد مؤنث حاضر بانون تاکید ثقیلہ تو دیکھے فَرِیًّا یہ فَرِیٌّ فعیل بمعنی مفعول ہے گھڑنا، تراشنا، جلد کاٹنا وقیل معناہ عظیمٌ عجیبٌ مَنْ کَانَ میں کَانَ تامہ ہے صَبِیًّا کان کی ضمیر سے حال ہے اور اگر کان ناقصہ ہو تو صَبِیًّا اس کی خبر ہوگی ذٰلكَ عیسی ابنُ مریمَ قولُ الحقِ ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ مذکورہ اقرار عبدیت وغیرہ اوصاف کی حامل شخصیت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ذٰلِكَ مبتداء عیسیٰ موصوف ابن مریم بترکیب اضافی صفت موصوف صفت سے ملکر ذٰلِكَ مبتداء کی خبر قَولُ الحق بترکیب اضافی مبتداء محذوف کی خبر ای قولُهٗ قولُ الحقِ، قولُ الحق میں اضافت موصوف الی الصفت ہے یعنی قولُ الحقِ معنی میں القولُ الحقُّ کے ہے، اور اگر قَوْلَ الحق منصوب پڑھا جائے تو اَقولُ فعل محذوف کا مفعول ہوگا دونوں قراءتوں کی صورت میں قَوْلُ الحقِ اضافت موصوف الی الصفت ہوگی **قوله** فی المهد مہد سے مراد گہوارہ بھی ہوسکتا ہے اور اس سے ماں کی گود بھی مراد ہوسکتی ہے یَمْتَرُوْنَ اِمتراء سے مجرد مریۃ (افتعال) جمع مذکر غائب وہ شک کرتے ہیں اَلَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ

مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای عیسیٰ ابن مریم الذی فیہ یمترون ای یَتَرَدَّدُوْنَ ویَتَحَیَّرُوْنَ،أن یَّتَّخِذَ بتاویل مصدر ہو کر کان کا اسم ای مَا کانَ اِتِّخَاذُ الوَلَدِ مِنْ صفتِہٖ بَلْ ھُوَ مَحَالٌ عن ذٰلِكَ ای عن اِتِّخاذِ الولد ، مِنْ ولدٍ میں مِن زائدہ تاکید کے لئے ہے **قولہ** مِنْ ذٰلك خَلْقُ عِیسٰی اور کُنْ فَیَکُوْن کے قبیل سے بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق بھی ہے سُبْحَانَہٗ مصدر ہے فعل کو حذف کر کے اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے اَیْ اُسَبِّحُہٗ سُبْحَانًا یہ جملہ معترضہ ہے قُلْ مقدر ماننے کی صورت میں اِنَّ اللّٰہَ رَبِّی وَرَبُّکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہوگا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا مَا قُلْتُ لَھُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِی بِہٖ الخ تقدیر عبارت یہ ہے ھٰذا مِنْ کلَامِ عِیسٰیؑ بدلیلِ مَا قُلْتُ لَھُمْ الخ بہرحال اَنَّ دونوں قرأتوں کی صورت میں اَنَّ اللّٰہَ رَبِّی وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے **قولہ** تَرِیِنَّ اصل میں تَرْأَیِیْنَ تھا اس میں را فا کلمہ ہے اور ہمزہ عین کلمہ ہے اور یائے مکسورہ لام کلمہ ہے اور دوسری یائے ساکنہ یائے ضمیر ہے اور آخر میں نون اعرابی ہے یائے اولیٰ متحرک ما قبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف ہوگئی، اب الف اور یاء ضمیر ساکنہ کے درمیان التقاء ساکنین ہوا تو ہمزہ ساقط ہوگیا نون اعرابی کے جازم کی وجہ سے ساقط ہونے اور نون تاکید ثقیلہ کے داخل ہونے کے بعد التقاء ساکنین ہوا یاء ضمیر اور نون تاکید ثقیلہ کے نون اولیٰ کے ساتھ لہٰذا یاء ضمیر کو کسرہ دیدیا۔

خلاصہ: خلاصہ یہ کہ تَرْأَیِیْنَ کی تعلیل میں چھ عمل ہوئے ۱ ی کو الف سے بدلا ۲ الف کو حذف کیا ۳ ہمزہ کی حرکت را کو دی ۴ ہمزہ کو حذف کیا ۵ ان شرطیہ کی وجہ سے نون اعرابی ساقط ہوا ۶ یائے ضمیر کو کسرہ دیا **قولہ** اَناسِیَ یا تو اِنسِیّ کی جمع ہے یا انسان کی، اَناسی اصل میں اناسین تھا نون کو یا کیا اور یا کو یا میں ادغام کر دیا اناسی ہوگیا **قولہ** تحملہٗ اتت کی ضمیر سے حال ہے، بہٖ کی ضمیر سے بھی حال ہوسکتا ہے **قولہ** مِن مَشھد یوم عظیم فویل سے متعلق ہے ای من شھودِ یومٍ عظیمٍ اس صورت میں مشھد مصدر کے معنی میں ہوگا یا وقت شہود اور مکان شہود کے معنی میں ہوگا اس صورت میں مشھد ظرف زمان و مکان کے معنی میں ہوگا **قولہ** لٰکِنِ الظّٰلِمون مشرکین کی قباحت و شناعت کو بیان کرنے کے لئے اسم ضمیر لٰکنّھُم کے بجائے اسم ظاہر ظالمون فرمایا تاکہ ان کے اعمال قبیحہ شنیعہ پر دلالت ہو جائے۔

تفسیری فوائد: **قولہ** ای بعد ذٰلك اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب ہے کہ کلام میں تناقض ہے اس لئے کہ اوپر کہا گیا ہے انی نذرتُ للرحمٰن صومًا اس جملہ سے کلام نہ کرنے کی نذر ہوگئی اس کے بعد حضرت مریم نے کہا فلم اکلم الیوم انسیًا یہ کلام ہے، جواب یہ ہے کہ میں اس کے بعد کسی سے کلام نہ کروں گی، کان کی تفسیر وَجَدَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ کان تامہ ہے اور کان زائدہ بھی ہوسکتا ہے، اور صَبِیًّا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای کیف نکلم مَن فی المھد حال صباہ **قولہ** اخبارًا بما کتب لہ سے

جعلنی کی تفسیر کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جعلنی گو ماضی کا صیغہ ہے مگر مراد استقبال ہے۔

تفسیر وتشریح

فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ الخ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حضرت مریم کی تسلی کے اسباب ذکر کرنے کے وقت تو پہلے پانی کا ذکر فرمایا پھر کھانے کی چیز کھجور کا، اور جب استعمال کا ذکر آیا تو ترتیب بدل کر پہلے کھانے کا حکم فرمایا پھر پانی پینے کا یعنی کلی و اشربی فرمایا، وجہ غالبًا یہ ہے کہ انسان کی فطری عادت ہے کہ پانی کا اہتمام کھانے سے پہلے کرتا ہے مگر استعمال کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ پہلے غذا کھاتا ہے پھر پانی پیتا ہے۔ (روح المعانی)

اللہ تعالیٰ نے بطور کرامت اور خرق عادت حضرت مریم کے پاؤں تلے پینے کے لئے پانی کا اور کھانے کے لئے ایک سوکھے ہوئے درخت سے پکی تازہ کھجوروں کا انتظام فرمادیا، نداد ینے والے حضرت جبرائیل تھے جنہوں نے وادی کے نیچے سے آواز دی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سَرِیّ کے معنی سردار کے ہیں اور سردار سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں اور انہی نے نیچے سے حضرت مریم کو آواز دی تھی، یعنی کھجور کھا اور چشمہ کا پانی پی (چشمہ کا پانی اور تازہ کھجوریں زچہ کے لئے طبی اعتبار سے نہایت مفید غذا ہے) اور بچہ کو دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈا کر قَرِیْ قَرٌّ سے مشتق ہے بمعنی ٹھنڈک کرنا اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا یہ کنایہ ہے خوش ہونے سے اس لئے کہ رنج وغم اور دکھ تکلیف کی وجہ سے جو آنسو نکلتے ہیں وہ گرم ہوتے ہیں اور خوشی ومسرت کے وقت جو آنسو نکلتے ہیں وہ ٹھنڈے ہوتے ہیں، لہٰذا آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا یہ کنایہ ہے خوش ہونے سے جیسا کہ باکرہ سے اگر باپ نکاح کی اجازت طلب کرے اور لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آجائیں تو فقہاء فرماتے ہیں کہ رونا خوشی اور رنج دونوں وجہ سے ہوسکتا ہے لہٰذا دیکھا جائے کہ اگر آنسو ٹھنڈے ہیں تو وہ خوشی کے ہیں اور اجازت پر دلالت کرتے ہیں اور اگر گرم ہیں تو یہ رنج وغم کی وجہ سے ہیں جو عدم اجازت پر دلالت کرتے ہیں۔

یا اخت هارون سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون مراد نہیں ہوسکتے اس لئے کہ ان کا زمانہ حضرت مریم سے سینکڑوں سال پہلے ہے یہ بات اس حدیث سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو نجران کے نصاریٰ کے پاس بھیجا تھا تو انہوں نے سوال کیا تھا کہ تمہارے قرآن میں حضرت مریم کو اخت ہارون کہا گیا ہے حالانکہ ہارون علیہ السلام ان سے صدیوں پہلے گذرے ہیں چونکہ حضرت مغیرہؓ کو اس کا جواب معلوم نہیں تھا اس لئے خاموش رہے، واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ اہل ایمان کی عادت یہ ہے کہ تبرکاً انبیاء کے ناموں پر نام رکھتے ہیں اور ان کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ (رواہ احمد ومسلم والترمذی والنسائی)

اس حدیث کے مطلب میں دو احتمال ہیں ۱ کہ حضرت مریم کی نسبت حضرت ہارونؑ کی جانب اس لئے کردی گئی

ہے کہ وہ ان کی نسل سے تھیں اگرچہ زمانہ کتنا ہی بعید کیوں نہ گذر گیا ہو جیسا کہ عرب کی عادت ہے کہ تمیم کے قبیلہ کے آدمی کو اخا تمیم کہتے ہیں، اور عرب کے آدمی کو اخا عرب کہتے ہیں ۲ یہ کہ یہاں ہارون علیہ السلام سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی مراد نہیں ہیں بلکہ حضرت مریم علیہا السلام کے اپنے بھائی کا نام ہارون تھا اسی وجہ سے حضرت مریم کو اخت ہارون کہا اس وقت معنی حقیقی مراد ہوں گے اور ایک تیسرا احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہارون نام کا کوئی نہایت ہی نیک اور صالح شخص ہو اور حضرت مریم تو عابدہ زاہدہ نیکی میں مشہور و معروف تھیں ہی ایسی صورت میں اخت ہارون کہنا تشبیہ کے طور پر ہوگا کہ تو تو زہد و عبادت میں ہارون کے مثل ہے تو نے یہ کیا حرکت کر ڈالی، مفسر علام نے یہی تیسرے معنی مراد لئے ہیں۔

مَا كَانَ اَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ نہ تو تیرا باپ عمران برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں حنہ بدکار تھی تو کہاں سے ایسی پیدا ہوگئی، قرآن کے ان الفاظ سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ جو شخص اولیاء اللہ اور صالحین کی اولاد سے ہو پھر وہ کوئی برا کام کرتا ہے تو عام لوگوں کی بہ نسبت اس کو زیادہ برا سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اس سے اس کے بڑوں کی بدنامی اور رسوائی ہوتی ہے، اس لئے صالحین کی اولاد کو اعمال صالحہ اور تقویٰ کی زیادہ فکر رکھنی چاہئے۔

حضرت مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو کچھ معلوم کرنا ہے اس سے معلوم کرو جھنجلا کر کہنے لگے بھلا ہم گود کے بچہ سے کیسے باتیں کریں، چنانچہ شیر خوار ایک دن کا یا چالیس دن کا بچہ بول اٹھا اِنِّی عَبْدُ اللّٰهِ الخ ایک روایت میں ہے کہ جس وقت خاندان کے لوگوں نے حضرت مریم کو ملامت کرنی شروع کی تو اس وقت حضرت عیسیٰ اپنی ماں کا دودھ پی رہے تھے جب انہوں نے اہل خاندان کی ملامت کو سنا تو دودھ چھوڑ دیا اور اپنی کروٹ پر سہارا لیکر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے اِنِّی عَبْدُ اللّٰهِ الخ یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہلے ہی کلمہ میں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ اگرچہ میری پیدائش معجزانہ انداز سے ہوتی ہے مگر میں خدا نہیں خدا کا بندہ ہوں تاکہ لوگ میری بندگی میں مبتلا نہ ہو جائیں جیسا کہ نصاریٰ کی ایک جماعت مبتلا ہوگئی، یَوْمَ یُبْعَثُ تک حضرت عیسیٰ کا قول ہے۔

آتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا ان الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی شیر خوارگی کے زمانہ میں اللہ کی طرف سے نبوت اور کتاب ملنے کی خبر دی، حالانکہ کسی نبی کو چالیس سال کی عمر سے پہلے نبوت نہیں ملی، اس لئے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرما دیا ہے کہ مجھے اپنے وقت پر نبوت اور کتاب عطا فرمائیں گے اور بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے نبوت اس وقت دی گئی تھی جب کہ آدم علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعطاء نبوت کا وعدہ قطعی اور حتمی تھا اسی حتمی وعدہ کو ماضی سے تعبیر کر دیا گیا۔

اوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ جب کسی حکم کو زیادہ تاکید کے ساتھ کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کو لفظ وصیت سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ نے اس موقعہ پر فرمایا نماز اور زکوٰۃ ایسی عبادتیں ہیں کہ آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی کی امت پر فرض رہی ہیں البتہ ہر نبی اور رسول کی شریعت میں ان کی تفصیلات اور جزئیات مختلف رہی ہیں رہا عیسیٰ علیہ السلام پر زکوٰۃ کی فرضیت کا مسئلہ تو یہ حکم بھی نماز کی طرح عام ہے مگر جب کہ مال ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کبھی مال کے مالک نہیں ہوئے حتی کہ آپ نے نہ مکان بنایا اور نہ شادی کی۔

مَادُمْتُ حَیًّا حیات سے مراد زمینی حیات ہے کیونکہ یہ اعمال اسی زمین پر ہو سکتے ہیں، آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد سے نزول کے زمانہ تک رخصت کا زمانہ ہے (روح) بَرًّا بِوَالِدَتِی اس جگہ صرف والدہ کا ذکر کیا والدین نہیں کہا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میرا وجود معجزانہ طور پر والد کے بغیر ہوا ہے اور بچپن کا یہ معجزانہ کلام اس کے لئے کافی شہادت ہے، ورنہ تو حضرت یحییٰ کی طرح برا بوالدیہ کہتے۔

ذٰلِکَ عیسَی ابنُ مَرْیَمَ یہاں سے اللہ تعالیٰ کا کلام شروع ہے، سابق حضرت عیسیٰ کا کلام تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود و نصاریٰ کے بیہودہ خیالات میں افراط و تفریط کا یہ عالم تھا کہ نصاریٰ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں اتنا غلو کیا کہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا بنا دیا، اور یہود نے ان کی یہاں تک تذلیل و توہین کی کہ ان کو ولد الزنا یوسف نجار کا بیٹا کہہ دیا حق تعالیٰ نے دونوں فریقوں کی غلطی واضح کر کے صحیح حقیقت ان آیات میں بتادی۔

البلاغة: صيغة التعجب أَسمِعْ، وأَبصِرْ

وَاذْكُرْ لهم فِي الكِتَابِ اِبْرَاهِيمَ اى خَبَرَهُ اِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقًا مُبَالِغًا فى الصِّدْقِ نَبِيًّا ويُبْدَلُ من خبره اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ آزرَ يٰاَبَتِ التَّاءُ عِوَضٌ عن ياءِ الاِضافَةِ ولايُجمَعُ بينَهما وكان يَعْبُدُ الاَصْنَامَ لِمَ تَعْبُدُ مَالَايَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِى عَنْكَ لايَكْفِيكَ شَيْئًا من نَفْعٍ او ضَرٍّ يٰاَبَتِ اِنِّى قَدْ جَآءَنِى مِنَ العِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِى اَهْدِكَ صِرَاطًا طَرِيْقًا سَوِيًّا مُسْتَقِيمًا يٰاَبَتِ لاتَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ط بطاعَتِكَ اِيَّاهُ فِى عِبادَةِ الاَصْنَامِ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا كَثِيرَ العِصْيَانِ يٰاَبَتِ اِنِّى اَخَافُ اَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ ان لم تتب فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ناصِرًا وقَرِيْنًا فى النَّارِ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ آلِهَتِى يٰاِبْرَاهِيْمُ ج فتَعِيْبُهَا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ عن التَّعَرُّضِ لها لَاَرْجُمَنَّكَ بالحِجارَةِ او بالكَلامِ القَبِيحِ فاحْذَرْنِى وَاهْجُرْنِى مَلِيًّا دَهْرًا طَوِيْلًا قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ ج مِنِّى اى لا اُصِيْبُكَ بِمَكْرُوْهٍ وسَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّى ط اِنَّهُ كَانَ بِى حَفِيًّا من حَفِيَ اى بارًّا فيُجِيبُ دُعَائِى وقد وَفَى بوَعْدِهِ بقوله المَذْكُوْرِ فِى الشُّعَراءِ وَاغْفِرْ لِاَبِى وهذا قَبلَ اَنْ يَتَبَيَّنَ له

اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ كما ذُكِرَ فِي بَرَاءَةٍ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا اَعْبُدُ رَبِّيْ عَسٰى اَلَّا اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ بِعِبَادَتِهٖ شَقِيًّا۝ كما شَقِيْتُمْ بِعِبَادَةِ الاَصْنَامِ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بان ذَهَبَ الى الاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ وَهَبْنَا لَهٗ اِبْنَيْنِ يَاْنَسُ بهما اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا منهما جَعَلْنَا نَبِيًّا۝ وَوَهَبْنَا لَهُمْ الثَّلَاثَةِ مِّنْ رَّحْمَتِنَا المالَ والوَلَدَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۝ؑ رفِيْعًا وهو الثَّنَاءُ الحَسَنُ في جَمِيعِ اَهلِ الادْيَانِ

ع۲

ترجمہ

آپ کفار مکہ کو کتاب میں مذکور ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سنائیے یعنی اس کی خبر بیان کیجئے بے شک وہ بڑی راستی والے نبی تھے یعنی نہایت سچے نبی تھے اور اِذ قال لأبيه خبرہ سے بدل ہے (یعنی اس وقت کا قصہ بیان کیجئے) جب انہوں نے اپنے والد آزر سے عرض کیا تھا یا اَبَتِ اے ابا جان، تا یائے اضافت کے عوض میں ہے (عوض اور معوض) دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے اور آزر بت پرستی کرتا تھا آپ ان (بتوں) کی پوجا پاٹ کیوں کرتے ہیں؟ جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں یعنی نہ کفایت کرسکیں، نہ نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان کو دفع کرسکیں اے میرے مہربان باپ میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا لہٰذا آپ میری بات مانیں میں آپ کو صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ دکھاؤں گا اے ابا جان آپ شیطان کی پرستش نہ کریں بت پرستی میں اس کی اطاعت کرکے بے شک شیطان تو (حضرت) رحمان کا بڑا ہی نافرمان ہے یعنی بکثرت نافرمانی کرنے والا ہے اے ابا جان مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ پر عذاب الٰہی نہ آپڑے کہ کہیں آپ شیطان کے ساتھی نہ بن جائیں، یعنی معاون اور جہنم میں ساتھی نہ بن جائیں (یہ سن کر) باپ نے جواب دیا اے ابراہیم کیا تو ہمارے معبودوں سے روگردانی کر رہا ہے؟ جس کی وجہ سے تو ان پر نکتہ چینی کرتا ہے (کان کھول کر سن لے) اگر تو ان کی چھیڑ چھاڑ سے باز نہ آیا تو میں تجھ کو پتھروں سے کچل دوں گا یا تیرے ساتھ گالی گلوچ سے پیش آؤں گا جا ایک طویل زمانہ تک مجھ سے دور رہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اچھا تو میرا اسلام لو یعنی میں آپ کو تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا میں اپنے رب سے آپ کی مغفرت کے لئے درخواست کروں گا، بلاشبہ وہ مجھ پر حد درجہ مہربان ہے حَفِيًّا، حَفِيّ سے مشتق ہے اس کے معنی ہیں احسان کرنے والا، لہٰذا وہ میری درخواست کو شرف قبولیت بخشے گا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس وعدہ کو اپنے اس قول سے پورا فرمایا جو سورۂ شعراء میں مذکور ہے واغفِرْ لِاَبِيْ اور یہ دعاء کرنا اس وقت کی بات ہے جب تک یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ وہ دشمن خدا ہے، جیسا کہ سورۂ براءۃ میں مذکور ہے میں تو تم سے بھی اور ان (بتوں) سے بھی کنارہ کشی اختیار کر رہا ہوں جن کی تم خدا کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہو میں تو اپنے رب کی بندگی کرتا رہوں گا مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی بندگی کرکے محروم نہ رہوں گا جیسا کہ تم

بتوں کی بندگی کر کے محروم رہے، ہو چنانچہ جب ابراہیم ان کو اور اللہ کے سوا ان کے سب معبودوں کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے تو ہم نے ان کو دو بیٹے جن سے وہ انس حاصل کرے اسحٰق اور یعقوب عطا کیے اور ان کو نبی بنایا اور ہم نے ان تینوں کو اپنی رحمت سے مال و اولاد عطا کی اور ہم نے ان کو اعلیٰ درجہ کا ذکر جمیل عطا کیا اور وہ تمام اہل ادیان میں انکی اچھی تعریف ہے

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

واذکر فی الکتاب ابراھیم کا عطف **واذکر فی الکتاب مریم** پر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا عطف **وانذرھم یوم الحسرۃ** پر ہو، **قولہ** خبرہٗ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ابراہیم کے پہلے مضاف محذوف ہے اس لئے کہ خبر احوال کی ہوتی ہے نہ کہ ذات کی **قولہ** صِدّیقًا مبالغہ کا صیغہ ہے، بہت راست گو، نبی اور صدیق کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے ہر نبی صدیق ہوتا ہے مگر ہر صدیق کا نبی ہونا ضروری نہیں اسی طرح ولی اور صدیق میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے ہر صدیق ولی ہوتا ہے مگر ہر ولی کا صدیق ہونا ضروری نہیں مقام صدیقیت مقام کے اعتبار سے مقام نبوت سے نیچا ہے **قولہ** اِذ قال لِاَبیہ خبرہ سے بدل الاشتمال ہے **قولہ** اِنَّہٗ کان صدّیقا نبیا ماقبل کی علت ہے اور بدل اور مبدل منہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے صدیقًا کان کی خبر اول ہے اور نبیًا خبر ثانی ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی والد ہیں قرآن کے طرز بیان سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ آزر آپ کے چچا ہیں عرف کے اعتبار سے مجازاً اَبٌ کہہ دیا گیا ہے، ان کے والد کا نام تارخ ہے **قولہ** اَراغب مبتدا ہے اور اَنتَ قائم مقام فاعل خبر ہے، استفہام تعجبی ہے، چونکہ اَراغب استفہام پر اعتماد کیے ہوئے، لہٰذا نکرہ کا مبتداء بنانا صحیح ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ أراغبٌ خبر مقدم اور انت مبتدا مؤخر ہو **قولہ** لئن اس میں لام قسم ہے ای واللہ لئِن لم تنتہِ **قولہ** العصی والعاصی دونوں کے ایک ہی معنی ہیں عَصِیٌّ اصل میں عَصُوِیٌ تھا، واؤ کو یا کیا اور یا کو یا میں ادغام کر دیا پھر یا کی مناسبت سے صاد کو کسرہ دیدیا، عِصِیًّ ہو گیا **قولہ** واھجُرْنِی ملیا کا عطف واحذرنی محذوف پر ہے جس پر لارجمنك دلالت کر رہا ہے تاکہ دونوں جملے انشائیہ ہو جائیں، معطوف اور معطوف علیہ میں موافقت سیبویہ کے یہاں ضروری ہے **ملیًا** طویل زمانہ، ایک معنی اس کے صحیح سالم کے بھی ہیں، مطلب یہ کہ زمانہ دراز کے لئے تو میری نظروں کے سامنے سے ٹل جا، دوسرے معنی کے اعتبار سے ترجمہ یہ ہوگا کہ تو مجھے میری حالت پر چھوڑ دے مجھ سے چھیڑ چھاڑ نہ کر، ورنہ کہیں مجھ سے اپنے ہاتھ پیر نہ توڑ والینا، ملیًا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جیسا کہ مفسر علام نے دھرًا طویلاً مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے، واھجرنی کی ضمیر فاعل سے حال بھی ہو سکتا ہے **قولہ** ناصرًا وقرینًا مناسب تھا کہ مفسر علام قرینا پر اکتفاء کرتے اس لئے کہ دخول نار کے بعد کوئی کسی کا معاون نہیں ہوگا **قولہ** فتکون للشیطان ولیًا آیت کا ظاہر مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ

شیطان کے ساتھ ولایت مس عذاب پر مرتب ہے، یعنی مس عذاب کی وجہ سے شیطان کے ساتھ ولایت ہوگی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شیطان سے ولایت کی وجہ سے مس عذاب ہوگا، اس شبہ کا جواب مفسر علام نے **قرینًا فی النار** کا اضافہ کرکے دیدیا **قوله حَفِیًّا** صفت مشبہ ہے بڑا مہربان، اکرام میں مبالغہ کرنے والا **قوله کُلًّا جعلنا** کا مفعول اول ہے تخصیص کے لئے فعل پر مقدم کردیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

واذکُرْ فی الکتاب ابراهیم اس سورۃ میں مذکور قصوں میں سے یہ تیسرا قصہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کا خلاصہ

توارات اور تاریخی روایات کے اعتبار سے حضرت ابراہیمؑ کا نسب نو پشتوں کے واسطوں سے حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے سام سے ملتا ہے۔

حضرت ابراہیم کے والد کا نام

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا کیا نام ہے؟ توریت اور تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد صاحب کا نام تارخ ہے مگر قرآن عزیز نے آپ کے والد کا نام آزر بتایا ہے **وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْهِ آزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا آلِهَةً** بعض مفسرین نے اس اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں تارخ علم اسمی ہے اور آزر علم وصفی ہے ان میں سے بعض حضرات تطبیق اس طرح دیتے ہیں کہ آزر عبری زبان میں محب صنم کو کہتے ہیں اور چونکہ تارخ میں بت پرستی اور بت تراشی دونوں وصف موجود تھے اس لئے آزر کے لقب سے مشہور ہوا، اور بعض کا خیال ہے کہ آزر کے معنی **اَعْوَج** (کم فہم) یا خفیف العقل کے ہیں اور چونکہ تارخ میں یہ بات موجود تھی اس لئے اس کو اس وصف سے موصوف کیا گیا، قرآن عزیز نے اسی وصفی نام کو بیان کیا ہے۔

اور دوسرے علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آزر اس بت کا نام ہے، تارخ جس کا پجاری اور مہنت تھا مجاہدؒ سے روایت ہے کہ قرآن عزیز کی مسطورہ بالا آیت کا مطلب یہ ہے کہ **اَتَتَّخِذُ آزَرَ اِلٰهًا ای اتتخذ اَصنامًا آلِهَةً** کیا تو آزر کو خدا مانتا ہے یعنی بتوں کو خدا مانتا ہے غرضیکہ ان کے نزدیک آزر ابیه کا بدل نہیں ہے بلکہ ایک بت کا نام ہے اس طرح قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام مذکور نہیں ہے، ایک مشہور قول یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ

تھا اور چچا کا نام آزر اور چونکہ آزر ہی نے ان کی تربیت کی تھی اور بمنزلہ اولاد کے پالا تھا اس لئے قرآن عزیز میں آزر کو باپ کہہ کر پکارا گیا ہے جیسا کہ نبیؐ کا ارشاد ہے العم صنو ابیہ چچا باپ ہی کی طرح ہوتا ہے، عبدالوہاب نجار کی رائے یہ ہے کہ ان اقوال میں سے مجاہدؒ کا قول قرین قیاس ہے اس لئے کہ مصریوں کے قدیم دیوتاؤں میں ایک نام اَزُوْرِیس بھی آتا ہے جس کے معنی خدائے قوی اور معین کے ہیں اور اصنام پرست اقوام کا شروع سے یہ دستور رہا ہے کہ قدیم دیوتاؤں کے نام پر ہی جدید دیوتاؤں کے نام رکھ لیا کرتے تھے اس لئے اس دیوتا کا نام بھی قدیم مصری دیوتا کے نام پر آزر رکھا گیا ورنہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ تھا۔

ہمارے نزدیک یہ تمام تکلفات باردہ ہیں اس لئے کہ قرآن عزیز نے جب صراحت کے ساتھ آزر کو حضرت ابراہیمؑ کا باپ کہا ہے تو پھر علماء کو انساب اور بائبل کے تخمینی قیاسات سے متاثر ہو کر قرآن عزیز کی یقینی تعبیر کو مجاز کہنے یا اس سے بھی آگے بڑھ کر خواہ مخواہ قرآن عزیز میں نحوی مقدرات ماننے پر کونسی شرعی اور حقیقی ضرورت مجبور کرتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آدار کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں اور عربی زبان میں یہی آزر کہلایا، تارخ چونکہ بت تراش اور سب سے بڑا پجاری تھا اس لئے آزر ہی کے نام سے مشہور ہو گیا حالانکہ یہ نام نہ تھا بلکہ لقب تھا اور جب لقب نے نام کی جگہ لے لی تو قرآن عزیز نے بھی اسی نام سے پکارا۔ (ماخوذ از قصص القرآن ج ۱ ص ۱۵۱)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہل مکہ کو ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیے جن کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ ہم ان کی نسبی اولاد ہیں شاید ان کو اپنے جدامجد کے بت شکنی اور بت بیزاری کے حالات سن کر توحید و رسالت کا مسئلہ سمجھ میں آ جائے وہ اپنے ہر قول و فعل میں بڑے راستی والے پیغمبر تھے اور ان کا جو قصہ ہم بیان کرنا چاہتے ہیں وہ اس وقت پیش آیا تھا جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے جو کہ مشرک تھا کہا تھا اے میرے ابا جان آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہو کہ جو نہ کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ وہ تمہارے کچھ کام آسکیں، اے میرے ابا جان میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو آپ کے پاس نہیں پہنچا، تم میرے کہنے پر چلو میں تم کو سیدھا راستہ بتلاؤں گا اور اے ابا جان آپ شیطان کی پرستش نہ کریں یعنی اس کو اور اس کی بندگی کو خود تم بھی ناپسند کرتے ہو اور بت پرستی میں شیطان پرستی یقیناً لازم ہے اس لئے کہ وہی یہ حرکت کراتا ہے اسی کا نام شیطان پرستی ہے، بے شک شیطان رحمان کا بڑا نافرمان ہے وہ اطاعت کے لائق کیسے ہو سکتا ہے، اے ابا جان مجھے قوی اندیشہ ہے کہ کہیں تم پر رحمان کی طرف سے عذاب نہ آ پڑے پھر تم عذاب میں شیطان کے ساتھ مبتلا ہو جاؤ، اپنے صاحبزادے کی مذکورہ تمام باتیں سن کر کہنے لگا کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو اگر تم ان بتوں کی مذمت اور مجھے ان کی عبادت سے منع کرنے سے باز نہ آئے تو میں تم کو ضرور بالضرور پتھروں سے مار مار کر سنگسار کر دوں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے ادب و احترام کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت ہی

شفقت اور پیار کے لہجے میں اباجان کو توحید کا وعظ سنایا لیکن توحید کا سبق کتنے ہی شیریں اور نرم لہجے میں بیان کیا جائے مشرک کے لئے ناقابل برداشت ہی ہوتا ہے چنانچہ مشرک باپ نے اس نرمی اور پیار کے جواب میں نہایت ہی درشتی اور تلخی کے ساتھ موحد بیٹے سے کہا اگر تو میرے معبودوں سے روگردانی کرنے سے باز نہ آیا میں تجھے سنگسار کردوں گا ورنہ تو میری نظروں کے سامنے سے ٹل جا (دوسرا ترجمہ) ملیًا کے ایک معنی صحیح سالم کے بھی ہیں اس وقت ترجمہ یہ ہوگا یعنی مجھے میرے حال پر چھوڑ دے اور مجھے توحید کا سبق سکھانے سے باز آجا اگر تو باز نہ آیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تو مجھ سے اپنے ہاتھ پیر تڑوا بیٹھے، حضرت ابراہیمؑ نے کیا (بہتر) میرا اسلام لو اب تم سے کہنا سننا بے سود ہے اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا کہ وہ تم کو ہدایت کرے بے شک وہ مجھ پر حد درجہ مہربان ہے، جب تم میری حق بات کو نہیں مانتے تو تم میں میرا رہنا بھی فضول ہے اس لئے میں تم سے اور جن کی تم پوجا کرتے ہو کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں کہیں جا کر اطمینان سے اپنے رب کی بندگی کروں گا غرضیکہ اس گفتگو کے بعد ان سے اس طرح علیحدہ ہوئے کہ ملک شام کی طرف ہجرت کرکے چلے گئے اور ہم نے ان کو اسحٰق بیٹا اور یعقوب پوتا عطا کیا، اسماعیل علیہ السلام چونکہ پہلے پیدا ہو چکے تھے اس لئے ان کا اس جگہ ذکر نہیں اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ان کا ذکر مستقلاً عنقریب ان کے اوصاف کے ساتھ آرہا ہے اس وجہ سے یہاں ترک کر دیا گیا۔

صدیق کی تعریف

صدیق کے اصطلاحی معنی میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا کہ جس شخص نے عمر میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ صدیق ہے، اور بعض نے فرمایا کہ جو شخص اعتقاد اور قول وفعل ہر چیز میں صادق ہو اور جو دل میں ہو وہی زبان پر ہو ایسا شخص صدیق ہے، روح المعانی اور مظہری میں اسی آخری قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

صدیقیت کے درجات

صدیقیت کے درجات مختلف ومتفاوت ہیں اصل صدیق تو رسول اور نبی ہی ہوسکتا ہے اور ہر نبی اور رسول کے لئے صدیقیت وصف لازم ہے مگر اس کا عکس لازم نہیں کہ جو صدیق ہو اس کا نبی ہونا ضروری ہو بلکہ غیر نبی بھی صدیق ہوسکتا ہے، حضرت مریم کو خود قرآن کریم نے اُمُّهٗ صِدِّيقَةٌ کا خطاب دیا ہے حالانکہ جمہور امت کے نزدیک وہ نبی نہیں ہیں اور کوئی عورت نبی نہیں ہوسکتی۔

بڑوں کو نصیحت کرنے کے آداب اور طریقے

يَا اَبَتِ عربی لغت کے اعتبار سے یہ لفظ باپ کی تعظیم ومحبت کا خطاب ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ

نے جو مقام جامعیت اوصاف و کمالات کا عطا فرمایا تھا ان کی یہ تقریر اپنے والد کے سامنے ہو رہی ہے، اعتدال مزاج اور رعایت اضداد کی ایک بے نظیر تقریر ہے ایک طرف باپ کو شرک و کفر اور کھلی گمراہی میں نہ صرف مبتلا بلکہ اس کا داعی دیکھ رہے ہیں، جس کے مٹانے ہی کے لئے خلیل اللہ پیدا کیے گئے ہیں، دوسری طرف باپ کا ادب اور عظمت اور محبت ہے اور ان دونوں ضدوں کو خلیل اللہ نے کس طرح جمع فرمایا، اول تو یا اَبَتِ کا لفظ جو باپ کی مہربانی اور محبت کا داعی ہے ہر جملہ کے شروع میں اس لفظ سے خطاب کیا، پھر کسی جملہ میں باپ کی طرف کوئی لفظ ایسا منسوب نہیں کیا جس سے اس کی توہین یا دل آزاری ہو کہ اس کو گمراہ یا کافر کہتے بلکہ حکمت پیغمبرانہ کے ساتھ صرف ان بتوں کی بے بسی اور بے حسی کا اظہار فرمایا کہ ان کو خود اپنی غلط روش کی طرف توجہ ہو جائے، دوسرے جملہ میں اپنی اس نعمت کا اظہار فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو علوم نبوت کی عطا فرمائی تھی تیسرے اور چوتھے جملہ میں انجام بد سے ڈرایا جو اس کفر و شرک کے نتیجے میں آنے والا تھا، اس پر بھی باپ نے بجائے کسی غور و فکر کے ان کی فرزندانہ گذارش پر کچھ نرمی کا پہلو اختیار کرتے...... پورے تشدد کے ساتھ خطاب کیا انہوں نے تو خطاب یا ابت کے پیارے لفظ سے کیا جس کا جواب عرف میں یا بُنَیَّ کے لفظ سے ہونا چاہیے تھا مگر آزر نے ان کا نام لیکر یا ابراہیم سے خطاب کیا اور ان کو سنگسار کرکے قتل کرنے کی دھمکی اور گھر سے نکل جانے کا حکم دیا اس کا جواب خلیل اللہ کی طرف سے کیا ملتا ہے وہ سنئے، فرمایا:

سَلَامٌ عَلَیْکَ یہاں لفظ سلام دو معنی کے لئے ہو سکتا ہے اول یہ کہ سلام مقاطعہ ہو، یعنی کسی سے شریفانہ اور مہذب طریقہ سے قطع تعلق کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بات کا جواب دینے کے بجائے لفظ سلام کہہ کر علیحدہ ہو جائے جیسا کہ قرآن کریم نے اپنے مقبول اور صالح بندوں کی صفت میں بیان فرمایا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا یعنی جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ خطاب کرتے ہیں تو یہ ان کے دوبدو ہونے کے بجائے لفظ سلام کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ باوجود مخالفت کے میں تمہیں کوئی گزند اور تکلیف نہ پہنچاؤں گا، اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہاں سلام عرفی سلام ہی کے معنی میں لیا جائے، اس میں فقہی اشکال ہوتا ہے جس کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے۔

سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّی یہاں بھی ایک اعتراض ہوتا ہے، اعتراض یہ ہے کہ کسی کافر کے لئے استغفار کرنا شرعاً ممنوع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا تھا کہ وَاللّٰهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ مَالَمْ انه عنه بخدا میں آپ کے لئے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے منع نہ کر دیا جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ یعنی نبی اور ایمان والوں کے لئے جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اس آیت کے نازل ہونے پر آپ نے چچا کے لئے استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

اشکال کا جواب: یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ سے وعدہ کرنا کہ میں آپ کے لئے استغفار کروں گا یہ ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے اس کے بعد ممانعت کر دی گئی، سورۂ ممتحنہ میں حق تعالیٰ نے خود اس واقعہ کا بطور استثناء ذکر

فرما کر اس کی اطلاع دیدی ہے اِلاَّ قَوْلَ ابراھیمَ لِاَبِیْہِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ اور اس سے زیادہ واضح سورۂ توبہ میں آیت مذکورہ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا کے بعد دوسری آیت میں فرمایا ہے مَا کَانَ استغفار اِبْرَاھِیْمَ لِاَبِیْہِ اِلاَّ عَنْ مَّوْعِدَۃٍ وَّعَدَھَا اِیَّاہُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبَرَّأَ مِنْہُ جس سے معلوم ہوا کہ یہ استغفار اور اس کا وعدہ باپ کے کفر پر جمے رہنے اور خدا کا دشمن ثابت ہونے سے پہلے کا تھا جب باپ کے عدو اللہ ہونے کی حقیقت معلوم ہوگئی تو حضرت ابراہیمؑ نے بھی برأت کا اعلان فرمادیا۔

البلاغة: الكنايَة اللّطيفة : "لِسانَ صدق" كناية عن الذكر الحسن والثناء الجميل باللسان لأن الثناء يكون باللسان كما يكنى عن العطاء باليد.

واذْكُر فِي الكتابِ موسٰى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا بكَسْرِ اللاّمِ وفتحِها مَنْ اَخْلَصَ فِي عبادَتِه وَاَخْلَصَهُ اللّٰه من الدَّنَسِ وَّكَانَ رَسُوْلاً نَّبِيًّا ○ وَنَادَيْنَاهُ بقول يَامُوْسٰى اِنِّيْ اَنَا اللّٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ اِسْمُ جَبَلِ الْاَيْمَنِ اى الَّذِيْ يَلِي يَمِيْنَ مُوْسٰى حِيْنَ اَقْبَلَ مِنْ مَدْيَنَ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا مُنَاجِيًا بانْ اَسْمَعَهُ تَعَالٰى كَلاَمَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَا نِعْمَتِنَا اَخَاهُ هَارُوْنَ بَدْلٌ او عَطْفُ بَيَانٍ نَبِيًّا ○ حالٌ هي المَقْصُوْدَةُ بالهِبَةِ اِجابَةً لِسُوَالِه ان يُرْسِلَ اَخَاهُ معه و كان اَسَنَّ منه وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ لم يَعِدْ شَيْئًا الاوفٰى به وَانْتَظَرَ مَنْ وَعَدَهٗ ثلٰثَة اَيَّامٍ او حَوْلاً حتّٰى رَجَعَ اليه فِي مَكَانِه وَكَانَ رَسُوْلاً اِلٰى جُرْهَمَ نَّبِيًّا ○ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ اى قومَه بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ○ اَصْلُه مَرْضُوْوٌ قُلِبَتِ الوَاوَانِ يَائَيْنِ والضَّمَّةُ كَسْرَةً واذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ هو جَدُّ اَبِي نوحٍ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ وَّرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ○ هو حَيٌّ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ اوِ السَّادِسَةِ اَوِ السَّابِعَةِ او فِي الْجَنَّةِ اُدْخِلَهَا بَعْدَ انْ اُذِيْقَ الموتَ وَاُحْيِيَ ولم يُخْرَجْ منها اُولٰئِكَ مُبْتَدَاٌ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ صِفَةٌ له مِّنَ النَّبِيِّيْنَ بَيَانٌ لهم وهو فِي مَعْنَى الصِّفَةِ وما بعدَه اِلَى جملةِ الشَّرْطِ صِفَةٌ لِلنَّبِيِّيْنَ فقوله مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ اى اِدْرِيْسَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ فِي السَّفِيْنَةِ اى اِبْرَاهِيْمَ ابْنَ اِبْنِه سامٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اى اِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِسْرَآئِيْلَ وهو يعقوبُ اى مُوْسٰى وَهَارُوْنَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اى مِنْ جُمْلَتِهِم وخَبَرُ اُولٰئِكَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ○ جَمْعُ سَاجِدٍ وَبَاكٍ اى فَكُوْنُوْا مِثْلَهُم وَاَصْلُ بُكِيٍّ بُكُوْيٌ قُلِبَتِ الواو ياءً والضَّمَّةُ كَسْرَةً فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ بتَرْكِهَا كاليَهُوْدِ والنَّصَارٰى وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ مِنَ المَعَاصِي فَسَوْفَ

يَلْقَوْنَ غَيًّا هو وادٍ فی جَهَنَّمَ ای يَقَعُوْنَ فيه.

ترجمہ

کتاب میں مذکور موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیجئے وہ بلاشبہ بڑے مخلص منتخب بندے تھے کسرۂ لام اور فتحۂ لام کے ساتھ **مخلِص مَنْ اَخْلَصَ فِي عِبَادَتِهٖ** کو کہتے ہیں اور **مخلَص مَن اَخْلَصَهُ اللّٰه مِنَ الدنس** کو کہتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کر دیا) اور وہ نبی مرسل تھے اور ہم نے موسیٰ کو کوہ طور کی داہنی جانب سے یا **موسیٰ اِنِّی اَنَا اللّٰه** کہہ کر پکارا طور ایک پہاڑ کا نام ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی اس جانب سے (پکارا) جو مدین سے آتے ہوئے داہنی جانب پڑتی ہے اور ہم نے اس کو رازدارانہ گفتگو کے لئے اپنا مقرب بنایا، اس طریقہ پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا کلام سنایا اور ہم نے اس کو اپنی رحمت نعمت کے سبب سے اس کا بھائی ہارون نبی بنا کر عطا کیا ہارون (اخاہ) سے بدل یا عطف بیان ہے نبیًّا (ہارون) سے حال ہے اور وَهَبْنَا سے عطاء نبوت ہی مراد ہے موسیٰ کی اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے کہ اس کے ساتھ اس کے بھائی (ہارون) کو نبی بنا دیجئے اور ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔ اور کتاب میں مذکور اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کیجئے بلاشبہ وہ وعدے کے بڑے سچے تھے انہوں نے کوئی وعدہ نہیں کیا کہ اس کو پورا نہ کیا ہو اور جس شخص سے (انتظار) کا وعدہ کیا تھا اس کا تین دن یا ایک سال تک (اسی جگہ) انتظار کیا تا آں کہ وہ شخص کہ جس سے انتظار کا وعدہ کیا تھا آپ کے انتظار کی جگہ واپس آیا اور وہ جرہم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور وہ اپنے اہل یعنی اپنی قوم کو (برابر) نماز کا اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے مَرْضِيًّ کی اصل مَرْضُوْوٌ تھی، دونوں واؤ ی سے بدل گئے اور ضمہ کسرہ سے بدل گیا، اور اس کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کیجئے وہ نوح علیہ السلام کے والد کے دادا تھے بے شک وہ بڑی راستی والے نبی تھے اور ہم نے ان کو بلند مقام تک پہنچا دیا، وہ چوتھے یا چھٹے یا ساتویں آسمان یا جنت میں زندہ ہیں اور ان کو موت کا مزا چکھانے کے بعد جنت میں داخل کر دیا گیا اور زندہ کر دیا گیا اور وہ جنت سے نہیں نکلے اُولٰئِكَ مبتداء ہے یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے (خاص) انعام فرمایا الذين انعم اللّٰه عَلَيْهِمْ، اُولٰئِكَ (موصوف) کی صفت ہے اور مِنَ النبيين الذين کا بیان ہے اور یہ بیان صفت کے معنی میں ہے اور من النبيين سے لیکر جملہ شرطیہ تک نبیین کی صفت ہے (اور یہ مُنْعَم عليهم) آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں یعنی ادریس علیہ السلام اور ان میں سے بعض ان لوگوں کی نسل سے ہیں جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا یعنی ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح کے بیٹے سام کی نسل سے ہیں اور بعض ان میں سے ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں یعنی اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام بعض اسرائیل کی نسل سے ہیں اور وہ یعقوب ہیں موسیٰ اور ہارون اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ ہیں اور یہ سب (حضرات) ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور مقبول بنایا یعنی منجملہ ہدایت یافتہ مقبول لوگوں میں سے ہیں اور اُولٰئِكَ کی خبر اِذَا تُتْلٰى

عَلَيْهِم الخ سے سُجَدًا ساجد کی اور بُكِيًّا باكٍ کی جمع ہے (ان حضرات کی یہ کیفیت تھی کہ) جب ان کے سامنے (حضرت) رحمٰن کے آیتیں پڑھی جاتی تھی تو سجدہ کرتے ہوئے روتے ہوئے (زمین) پر گر جاتے تھے لہٰذا اے (اہل مکہ) تم بھی ان کے جیسے ہوجاؤ اور بُكِيٌّ کی اصل بُكُوْيٌ تھی واؤ کی سے اور ضمہ کسرہ سے بدل گیا پھر ان کے بعد کچھ ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز کو ترک کر کے ضائع کر دیا جیسا کہ یہود اور نصاریٰ اور معصیت میں خواہشات کی اتباع کی تو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے (غیًّا) جہنم میں ایک وادی ہے یعنی اس میں پڑیں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله واذكر فى الكتاب موسىٰ کا عطف واذكر فى الكتاب مريم پر عطف قصہ علی القصہ ہے، سورۂ مریم میں دس انبیاء علیہم السلام کے اسماء مذکور ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے کچھ اوصاف ومناقب بیان فرمائے ہیں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی توقیر وتعظیم لازم ہے، اسماء مذکورہ یہ ہیں ۱ زکریا علیہ السلام ۲ یحییٰ علیہ السلام ۳ ابراہیم علیہ السلام ۴ عیسیٰ علیہ السلام ۵ اسحٰق علیہ السلام ۶ یعقوب علیہ السلام ۷ اسماعیل علیہ السلام ۸ موسیٰ علیہ السلام ۹ ہارون علیہ السلام ۱۰ ادریس علیہ السلام مخلصًا اى موحّدًا اَخْلَصَ عبادتهٗ عن الشرك (افعال) سے اسم فاعل یا اسم مفعول کا صیغہ ہے اى اَخْلَصَهٗ الله تعالىٰ واختارهٗ وجعلهٗ مختارًا **قوله** الدنس میل (ج) ادناس وکان رسولًا نبيًّا رسولًا کانَ کی خبر اول ہے اور نبیًّا خبر ثانی، رسول کے لغوی معنی مراد ہیں اور نبی کے اصطلاحی، رسولًا نبیًّا میں مناسب یہ تھا کہ عام کو مقدم اور خاص کو مؤخر ذکر کرتے مگر فواصل کی رعایت کی وجہ سے عکس کر دیا، جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں رب هارون وموسىٰ ہیں، اور بعض حضرات نے رسول کے اصطلاحی معنی اور نبی کے لغوی معنی مراد لئے ہیں یعنی عالی مرتبہ رسول، اس وقت نبی نبوۃ سے مشتق ہوگا جس کے معنی رفعت اور بلندی کے ہیں **قوله** الطور مدین اور مصر کے درمیان مشہور پہاڑ ہے جس کا نام جبل زبیر بھی ہے **قوله** ایمن اگر یمین سے مشتق ہے تو اس کے معنی ہیں دایاں **قوله** نجيًّا قرّبنا کے مفعول یا فاعل کی ضمیر سے حال ہے اور اَلْاَيمن جانب کی صفت ہے اسی وجہ سے اعراب میں اس کے تابع ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ الايمن يُمنٌ سے مشتق ہے تو اس صورت میں طور کی صفت واقع ہوسکتا ہے یعنی مبارک پہاڑ کی جانب سے موسیٰ کو ندا دی وَهَبْنَا (ف) عطا کیا، **قوله** من رحمتنا مِن تعلیلیہ ہے اى من اجل رحمتنا اَخاه اس صورت میں وهبناه کا مفعول بہ ہوگا، اور هارون اخاه سے یا بدل ہوگا یا عطف بیان یا اعنى محذوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا نبیًّا ہارون سے حال ہے جرہم یمن کا ایک قبیلہ تھا جو پانی کی سہولت دیکھ کر وادی مکہ میں حضرت ہاجرہ کے پاس مقیم ہوگیا تھا، اور حضرت اسماعیل نے جوان ہو کر اسی قبیلہ میں شادی کر لی تھی، ادریس کا نام اخنوخ ہے اور یہ نوح علیہ السلام کے جدامجد ہیں **قوله** رَفَعْنَا بعض مفسرین نے کہا ہے کہ رفع

سے مراد شرف نبوت کی وجہ سے رفع مرتبہ ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ رفع آسمانی مراد ہے جیسا کہ مفسر علام کی یہی رائے ہے **قولہ خلف** سکون لام کے ساتھ ناخلف (نالائق) کے لئے اور فتحہ لام کے ساتھ لائق اخلاف کے لئے استعمال ہوتا ہے **قولہ یَلْقَوْنَ** مضارع جمع مذکر غائب (س) پڑیں گے، ملاقات کریں گے **قولہ غَیًّا** اسم فعل، گمراہی، عذاب۔

تفسیر وتشریح

وَاذْکُرْ فِی الکِتابِ مُوْسٰی اس سورت میں مذکور قصوں میں سے یہ چوتھا قصہ ہے، اور ذکر کرنے سے مراد سنانا ہے، اس لئے کہ ذکر کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں مُخْلَصًا بفتح اللام وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کرلیا ہو یعنی جس کو غیر اللہ کی طرف التفات نہ ہو یہ شان خصوصی طور پر انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّا اَخْلَصْنَاھُمْ بِخَالِصَۃٍ ذِکْرَی الدَّارِ یعنی ہم نے ان کو مخصوص کردیا ہے ایک خاص کام یعنی دار آخرت کی یاد کے لئے، امت میں جو حضرات کاملین انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم پر ہوں ان کو بھی اس مقام کا ایک درجہ ملتا ہے اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ قدرتی طور پر گناہوں سے بچادیئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

مِنْ جانِبِ الطُّورِ یہ مشہور پہاڑ ملک شام میں مصر اور مدین کے درمیان واقع ہے آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔

الاَیمن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب مراد ہے اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے چل کر جب طور کے بالمقابل پہنچے تو طور ان کی دائیں جانب تھا نَجِیًّا سے سرگوشی مراد ہے موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلامی کو راز اس لئے کہا گیا ہے کہ کلام کے وقت وہاں کوئی انسان موجود نہیں تھا گو بعد میں وہ گفتگو اور کلام سب کو معلوم ہوگیا

وَوَھَبْنَالَہٗ مِنْ رَّحْمَتِنَا اَخَاہُ ھارُوْنَ یہاں ہبہ سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا کرکے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاون و مددگار بنانا ہے اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ میرے بھائی کو میرا معاون و مددگار بنادیجئے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دعاء قبول فرمائی اور نبوت عطا کردی اسی کو ہبہ سے تعبیر کیا گیا ورنہ تو حضرت ہارونؑ موسیٰ سے عمر میں بڑے ہیں بڑا چھوٹے کو ہدیہ نہیں کیا جاسکتا۔

واذْکُرْ فِی الکتابِ اِسماعِیْلَ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ان کے والد ابراہیم اور بھائی اسحٰق کے ساتھ نہیں کیا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا درمیان میں ذکر آنے کے بعد ان کا ذکر فرمایا شاید اس سے مقصود ان کے ذکر کا خاص اہتمام ہو کہ ضمناً ذکر کرنے کے بعد مستقلاً ذکر فرمادیا، یہاں جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے ان کے درمیان

زمانۂ بعثت کی ترتیب نہیں رکھی گئی کیونکہ ادریس علیہ السلام جن کا ذکر سب کے بعد آرہا ہے وہ زمانہ کے لحاظ سے سب سے متقدم ہیں۔

كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ایفاء وعدہ ایک ایسا خلق حسن ہے کہ ہر شریف انسان اس کو ضروری سمجھتا ہے اور اس کے خلاف کرنے کو ایک رذیل حرکت قرار دیتا ہے حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی علامت قرار دیا گا ہے اس لئے ہر نبی صادق الوعد ہوتا ہے، مگر اس سلسلہ کلام میں خاص خاص انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کوئی خاص وصف بھی ذکر کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ وصف دوسروں میں نہیں بلکہ اشارہ اس طرف ہے کہ ان میں یہ وصف خاص امتیازی شان رکھتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخلص ہونا ذکر فرمایا گیا حالانکہ یہ صفت بھی تمام انبیاء علیہم السلام میں عام ہے مگر چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو اس میں ایک خاص امتیاز حاصل تھا اس لئے ان کے ذکر میں خصوصیت سے اس وصف کا ذکر کردیا گیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صادق الوعد امتیازی وصف اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے جس چیز کا وعدہ اللہ سے یا کسی بندے سے کیا اس کو بڑی مضبوطی اور اہتمام سے پورا کیا انہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں خود کو ذبح ہونے کے لئے پیش کردوں گا اور اس پر صبر کروں گا، اس وعدہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام پورے اترے، ایک مرتبہ ایک شخص سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا تھا وہ وقت پر نہ آیا تو اس کے انتظار میں تین دن اور بعض روایات میں ایک سال تک اس کا انتظار کرتے رہے۔ (مظہری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ترمذی میں بروایت عبداللہ ابن ابی الخنساء سے ایسا ہی واقعہ وعدہ کر کے تین دن تک اسی جگہ انتظار کرنے کا منقول ہے۔ (قرطبی)

كَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خصوصی اوصاف میں ایک وصف یہ بھی مذکور ہے کہ وہ اپنے اہل کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے یہ وصف اگرچہ ہر نبی میں مشترک ہے مگر حضرت اسماعیل علیہ السلام اس کے اہتمام میں امتیازی کوشش کرتے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال قبل حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں۔ (روح المعانی)

اور حضرت ادریس علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے تیس صحیفے نازل فرمائے، اور ادریس علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو علم نجوم اور علم حساب بطور معجزہ دیا گیا تھا (بحر محیط) اور سب سے پہلے انسان ہیں کہ جنہوں نے قلم سے لکھنا اور کپڑا سینا ایجاد کیا، اور انہیں نے ناپ تول کے طریقے بھی ایجاد کئے، اور آپ ہی نے اسلحہ ایجاد کر کے بنو قابیل سے جہاد کیا۔ (بحر محیط قرطبی، مظہری، روح)

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا مکان رفیع سے مراد مرتبہ کی بلندی ہے یعنی نبوت و رسالت اور قرب خداوندی کا خاص مقام عطا فرمایا گیا، بعض روایات میں جو آسمانوں پر رفع جسمانی منقول ہے اس کے متعلق ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:

هٰذا مِنْ اَخْبَارِ كَعْبِ الْاَحْبَارِ من الاسرائیلیات وفی بَعْضِهٖ نکارة

یہ کعب احبار کی اسرائیلی روایات میں سے ہے اور ان میں سے بعض میں نکارت ہے۔

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ اس سے مراد صرف حضرت ادریس ہیں اور ومن ذرية مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نوحٍ اس سے مراد صرف ابراہیمؑ ہیں وَمِنْ ذُرِّيَّةِ ابراهيم اس سے مراد اسماعیل واسحٰق ویعقوب علیہم السلام ہیں وَاسرائیل اس سے مراد حضرت موسیٰ وہارون اور حضرت زکریا و یحیٰ و عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا سابقہ آیات میں چند اکابر انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے جن میں ان کی عظمت شان کو بیان کیا گیا ہے چونکہ انبیاء علیہم السلام کی عظمت میں عوام سے غلو کرنے کا خطرہ تھا جیسے یہود نے حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ہی بنا دیا اس لئے اس مجموعہ کے بعد ان سب کا اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہونا اور خوف وخشیت سے بھرپور رہنا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے تاکہ افراط وتفریط کے درمیان رہیں۔ (معارف القرآن)

اِلَّا لٰكِن مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَايُظْلَمُوْنَ يُنْقَصُوْنَ شَيْئًا من ثَوَابِهِم جَنّٰتِ عَدْنٍ اِقامةٍ بَدَلٌ مِنَ الجنَّةِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ حالٌ اى غائبين عنها اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ اى مَوْعُوْدُهٗ مَاْتِيًّا بمعنى آتيًا واصله ما تُوِىٌّ او مَوْعُوْدُه هُنا الجنةُ يَاتِيهِ اهلُه لا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا مِنَ الكلام اِلَّا لٰكِن يَسْمَعُوْنَ سَلٰمًا مِنَ المَلٰئِكَةِ عليهم او مِن بَعضِهِم على بعضٍ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا اى على قَدْرِهما فى الدُّنيا وليس فى الجَنَّة نَهارٌ ولا لَيلٌ بل ضَوْءٌ ونُوْرٌ اَبَدًا تِلْكَ الجَنَّةُ الَّتِىْ نُوْرِثُ نُعْطِيْ ونُنْزِلُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا بطَاعَتِهٖ ونزلَ لَمَّا تَاَخَّرَ الوَحْيُ اَيَّامًا وقال النبى صلى الله عليه وسلم لِجِبْرِيْلَ مَا يَمْنَعُكَ ان تَزُوْرَنَا اَكْثَرَ مِمَّا تَزُوْرُنَا وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا اى اَمَامَنَا من اُمُوْرِ الآخرةِ وَمَا خَلْفَنَا من اُمُوْرِ الدُّنيا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ اى مايَكُوْنُ من هذا الوقتِ الى قِيَامِ السَّاعَةِ اى له عِلْمُ ذٰلك جميعه وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا بمعنى نَاسِيًا اى تارِكًا لك بتَاخِيْرِ الوَحْيِ عنك هو رَبُّ مالِكُ السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ وَمَابَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ اى اِصْبِرْ عليها هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا اى مُسَمًّى بِذٰلك.

ترجمہ

عنقریب خرابی دیکھیں گے ہاں مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کرنے لگا سو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا یعنی ان کے اجر وثواب میں (ذرہ برابر) کمی نہ کی جائے گی جَنّٰتُ عَدْنٍ ہمیشہ قیام کی جنت جَنّٰتُ عَدْنٍ ، الجنۃ سے بدل ہے وہ جنت کہ جس کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ کر رکھا ہے بالغیب حال ہے یعنی حال یہ ہے کہ ان بندوں نے اس جنت کو دیکھا نہیں ہے اور اس کے موعود (وعدہ کی ہوئی چیز) کو یہ لوگ ضرور جنت میں پہنچیں گے مَاتِیًّا بمعنی آتِیًا ہے اس کی اصل مَاتوِیٌ تھی یا اس کا موعود بہا، جنت ہے یعنی جنت کے مستحق اس میں داخل ہوں گے اور وہ لوگ جنت میں کوئی فضول بات نہ سنیں گے البتہ اپنے اوپر فرشتوں کا یا آپس میں ایک دوسرے کا سلام سنیں گے ان کو جنت میں صبح وشام کھانا ملا کرے گا یعنی دنیا میں عادت کے مطابق اور جنت میں لیل ونہار نہیں ہوں گے، بلکہ ہمیشہ روشنی اور نور ہوگا یہ ایسی جنت ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا ایسے شخص کو مالک بنائیں گے یعنی عطا کریں گے اور (اس میں) نازل کریں گے کہ جو متقی ہوگا اس کی طاعت کے ذریعہ اور جب وحی چند دن متاخر ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل سے فرمایا کہ کیا چیز مانع ہے اس بات سے کہ اس سے زیادہ ہماری ملاقات کرو جتنی تم کرتے ہو (فرمایا) ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے ہمارے آگے امور آخرت اور پیچھے امور دنیا اور اس کے درمیان یعنی وہ امور جو اس وقت سے قیامت تک ہوں گے اسی کی ملک ہیں یعنی ان تمام امور کا اسی کو علم ہے اور تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے نَسِیًّا بمعنی ناسیًا یعنی تاخیر وحی کی وجہ سے آپ کو چھوڑنے والا نہیں ہے وہ رب مالک ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور جو ان کے درمیان میں ہے لہٰذا آپ اسی کی بندگی کریں اور اسی کی عبادت پر جمے رہیں کیا آپ کے علم میں اس کا کوئی ہم نام ہے۔ (ہمسر)

البلاغۃ:

۱۔ الطباق (لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وبَيْنَ بُكْرَةً ...... وعَشِيًّا)

۲۔ السجع الحسن الرصیص (عَلِيًّا حَفِيًّا ونبِيًّا)

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ لٰکِنْ اِلَّا کی تفسیر لٰکِنْ سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے اس لئے کہ مستثنیٰ منہ کافرین ہیں اور مستثنیٰ مومنین ہیں کَانَ وَعْدُهُ ای مَوْعُوْدُهُ اور وہ موعود جنت ہے ای یَاتِیْهِ ویَدْخُلُهُ مَنْ وُعِدَ لَهُ بِهَا لَامَحَالَةَ اس صورت میں مأتِیًّا اتیان سے اسم مفعول ہوگا یا مَاتِیًّا بمعنی اسم

فاعل ہے ای آتِيًا البتہ وَعْدٌ اسم مصدر بھی ہے بمعنی وعدہ اور مصدر بھی ہے یعنی وعدہ کرنا مفسر علام نے اَوْ مَوْعُوْدُهٗ کا اضافہ کرکے دوسری تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے موعودهٗ سے مَا وُعِدَ بہٖ یعنی جنت مراد ہوگی اس صورت میں ماتِيًا اپنی حالت پر رہے گا اور وَعْدٌ اپنے مصدری معنی میں ہوتو ماتیًا بمعنی آتیا ہوگا، پہلی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا جنت کے مستحقین جن سے رحمٰن نے وعدہ کیا ہے وہ جنت میں البتہ داخل ہوں گے اور دوسری صورت میں یہ ترجمہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور آکر رہے گا۔

تفسیر وتشریح

سابق میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن کا خاتمہ کفر پر ہوا، اب اِلَّا مَنْ تَابَ سے ان خوش نصیب حضرات کا ذکر ہے کہ جنہوں نے کفر وشرک سے توبہ کی اور اعمال صالحہ کئے، ایسے لوگ وعدۂ خداوندی کی وجہ سے جنت عدن میں داخل ہوں گے جو کہ اعلیٰ قسم کی جنت ہے، اس میں بیہودہ اور باطل کلام نہ سنیں گے اور نہ ان کے کانوں میں کوئی ایسا کلمہ پڑے گا جو ان کی اذیت کا باعث ہو، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اہل جنت سے بیہودہ کلام کا صدور نہ ہوگا بلکہ وہاں ایسا کلام سنیں گے کہ جو بھلائی اور خوشی میں اضافہ کرے گا، اصطلاحی سلام بھی اس میں داخل ہے کہ آپس میں اہل جنت اور اللہ کے فرشتے ان کو سلام کریں گے۔

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا جنت میں یہ نظام شمسی اور طلوع وغروب یا لیل ونہار تو نہ ہوگا البتہ ایک قسم کی روشنی ہمہ وقت رہے گی مگر رات ودن اور صبح وشام کا پتہ کسی خاص انداز سے ہوگا مثلاً پردوں کے بند ہونے سے رات کا اندازہ ہوگا اور پردوں کے کھلنے سے دن کا اندازہ ہوگا اب رہا رزق کا صبح وشام ملنا تو یہ دنیوی زندگی کے عرف اور عادت کے طور پر ہوگا، ورنہ تو یہ بات ظاہر ہے کہ اہل جنت کو جس وقت جس چیز کی خواہش ہوگی وہ چیز اسی وقت بلا تاخیر مہیا ہوجائے گی، باری تعالیٰ کا فرمان ہے (وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُوْنَ) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ صبح وشام سے مراد عموم ہے جیسے رات دن بول کر ہمہ وقت مراد ہوتا ہے اور مشرق ومغرب بول کر پوری دنیا مراد ہوتی ہے۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ

شان نزول

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیلؑ سے یہ آرزو ظاہر فرمائی کہ آپ ذرا زیادہ آیا کریں اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے ہمارے آگے پیچھے اور ان کے درمیان کی کل چیزیں اسی کی ملک ہیں اور تیرا رب تجھ کو وحی میں تاخیر کرکے چھوڑنے والا نہیں ہے، سب کا رب وہی ہے تو

اسی کی بندگی کر اور اس پر جمارہ اور عبادت کے سلسلہ میں اگر کوئی تکلیف پڑے تو اس کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کر، کیا تیرے علم میں اس کا ہم صفت اور ہم پلہ کوئی ہے؟ اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر عبادت کے لائق بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔

وَيَقُوْلُ الاِنْسَانُ المُنْكِرُ لِلْبَعْثِ اُبَى بنُ خَلَفٍ اَوِ الوَلِيْدُ بنُ المُغِيْرَةِ النَّازِل فيه الآيَةُ ءَاِذَا بتَحْقِيْقِ الهَمْزَةِ الثَّانِيَةِ وتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا بوَجْهَيْهَا وبَيْنَ الاُخْرىٰ مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا○ من القَبْرِ كَمَا يقول مُحَمَّدٌ فَالاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ اى لا اُحْيٰى بَعْدَ المَوْتِ ومَا زَائِدَةٌ للتَّاكِيْدِ و كذا اللَّامُ ورُدَّ عليه بقوله تعالٰى اَوَلَا يَذَّكَّرُ الاِنْسَانُ اَصْلُهُ يَتَذَكَّرُ اُبْدِلَتِ التَّاءُ ذَالًا واُدْغِمَتْ فى الذَّالِ وفى قِرَاءَةٍ بتَرْكِهَا وسُكُوْنِ الذَّالِ وضَمِّ الكاف اَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا○ فَيُسْتَدَلُّ بالاِبْتِدَاءِ على الاِعَادَةِ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ اى المُنْكِرِيْنَ لِلْبَعْثِ وَالشَّيَاطِيْنَ اى نَجْمَعُ كُلًّا مِنهم وشَيْطَانَهٗ فى سِلْسِلَةٍ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ من خَارِجِهَا جِثِيًّا○ على الرُّكَبِ جَمْعُ جَاثٍ واَصْلُهُ جُثُوْوٌ او جُثُوِىٌّ من جَثٰى يَجْثُوْا ويَجْثِى لُغَتَان ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ فِرْقَةٍ منهم اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا○ جُرْءَةً ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا اَحَقُّ بِجَهَنَّمَ الاَشَدُّ وغَيْرُه منهم صِلِيًّا○ دُخُوْلًا واحْتِرَاقًا فَنُبْدِءُ بهم واَصْلُه صُلُوْىٌ من صَلِىَ بكسر اللام وفتحها وَاِنْ اى مَا مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا وَارِدُهَا اى دَاخِلُ جَهَنَّمَ كَانَ على رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا○ حَتَمَهٗ وقَضٰى به لايَتْرُكُهٗ ثُمَّ نُنَجِّى مُشَدَّدًا ومُخَفَّفًا الَّذِيْنَ اتَّقَوْا الشِرْكَ والكُفْرَ منها وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ بالشِّرْكِ وَالكُفْرِ فِيْهَا جِثِيًّا○ عَلَى الرُّكَبِ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اى المُؤْمِنِيْنَ والكٰفِرِيْنَ آيَاتُنَا من القُرآنِ بَيِّنٰتٍ واضِحَاتٍ حَالٌ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَىُّ الفَرِيْقَيْنِ نَحْنُ اوانْتُمْ خَيْرٌ مَّقَامًا مَنْزِلًا ومَسْكَنًا بالفَتْحِ مِنْ قَامَ وبالضم من اَقَامَ وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا○ بمعنى النَّادِىْ وهو مُجْتَمَعُ القَوْمِ يَتَحَدَّثُوْنَ فيه يَعْنُوْنَ نحن فنَكُوْنُ خَيْرًا منكم قال تعالٰى وَكَمْ اى كَثِيْرًا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ اى اُمَّةٍ مِنَ الاُمَمِ المَاضِيَةِ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا مَالًا ومَتَاعًا وَّرِئْيًا○ منظرًا مِنَ الرُّؤْيَةِ فَلَمَّا اَهْلَكْنَاهم لِكُفْرِهِم نُهْلِكُ هٰؤُلَاءِ قُلْ مَنْ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ شَرْطٌ جَوَابُهٗ فَلْيَمْدُدْ بمعنى الخَبَرِ اى يَمُدُّ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا○ فى الدُّنيا يَسْتَدْرِجُهٗ حَتّٰى اِذَا رَاَوْا مَايُوْعَدُوْنَ اِمَّا العَذَابَ كالقَتْلِ والاَسْرِ وَاِمَّا السَّاعَةَ المُشْتَمِلَةَ عَلٰى جَهَنَّمَ فيَدْخُلُوْنَهَا فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا○ اَعْوَانًا اَهُمْ اَمِ المُؤْمِنُوْنَ وجُنْدُهم الشَّيَاطِيْنُ وجُنْدُ المُؤْمِنِيْنَ عليهمُ المَلَائِكَةُ.

ترجمہ

اور انسان کہتا ہے جو بعث بعد الموت کا منکر ہے یعنی ابی بن خلف یا ولید بن مغیرہ جس کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے کہ کیا جب ثانی ہمزہ کی تحقیق اور اس کی تسہیل کے ساتھ اور ثانی (ہمزہ) اور پہلے ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے دونوں صورتوں میں (یعنی تسہیل اور تحقیق کی صورت میں) میں مرجاؤں گا تو پھر زندہ کر کے قبر سے نکالا جاؤں گا جیسا کہ محمد کہتے ہیں استفہام نفی کے معنی میں ہے (یعنی أئِذَا میں استفہام انکاری ہے) یعنی میں مرنے کے بعد زندہ نہ یا جاؤں گا مَا اور لام تاکید کے لئے زائدہ ہیں (اس انسان کافر کے قول کا جواب) اللہ تعالیٰ کے قول اَوَلَا يَذَّكَّرُ (الآیۃ) سے دیا گیا ہے کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا يَذَّكَّرُ اصل میں يَتَذَكَّرُ تھا ت کو ذال سے بدل دیا گیا اور ذال کو ذال میں ادغام کر دیا گیا اور ایک قرأۃ ترک تا اور سکون ذال اور کاف کے ضمہ کے ساتھ بھی ہے کہ ہم نے اس کو اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا کہ ابتداء سے اعادہ پر استدلال کرے تیرے پروردگار کی قسم کہ ہم ان کو یعنی منکرین بعث کو اور شیاطین کو البتہ ضرور جمع کریں گے یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کے شیطان کو ایک زنجیر میں جمع کریں گے پھر ہم ان کو جہنم کے گرد باہر سے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے پھر کافروں کے ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو جدا کریں گے جو رحمٰن کے مقابلہ میں سب سے زیادہ سخت ہیں سرکشی یعنی جرأۃ کے اعتبار سے پھر ہم ایسے لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہیں دخول کے اعتبار سے اور جلنے کے اعتبار سے یعنی جہنم کے زیادہ حقدار ہیں، سرکشی میں اشد اور غیر اشد سب کو خوب جانتے ہیں، لہٰذا ہم انہی (اشد) لوگوں سے ابتداء کریں گے اور صِلِيًّا اصل میں صُلُوْيٌ تھا یہ صَلِيَ بکسر اللام یا صَلَى بفتح اللام سے ماخوذ ہے اور تم میں کا کوئی ایسا نہیں کہ جس کا اس پر ورود نہ ہو یعنی داخل جہنم نہ ہو یہ تیرے پروردگار کے ذمہ قطعی فیصل شدہ امر ہے جس کو اس نے لازم کر لیا ہے اور اس کا فیصلہ کر لیا ہے اس کو ترک نہ کرے گا نُنَجِّي جیم کی تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے پھر ہم شرک و کفر سے بچنے والوں کو بچا لیں گے اور نافرمانوں کو یعنی شرک و کفر کرنے والوں کو جہنم میں گھٹنوں کے بل پڑا چھوڑ دیں گے اور جب ان کو یعنی مومنین و کافرین کو ہماری قرآنی روشن آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق مرتبہ یعنی منزل و مسکن کے اعتبار سے بہتر ہے ہمارا یا تمہارا اگر مَقَامًا فتح میم کے ساتھ ہو قَامَ سے مشتق ہوگا اور اگر ضمہ میم کے ساتھ ہو تو اَقَامَ سے مشتق ہوگا اور کس کی مجلس شاندار ہے نَدِيًّ نادِیٌ کے معنی میں ہے نادی چوپال (دارالمشورہ) کو کہتے ہیں جہاں لوگ جمع ہو کر باتیں کرتے ہیں (احسن نَدِيًّا) سے خود کو مراد لیتے ہیں لہٰذا ہم تم سے بہتر ہیں (اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں) اور ہم تو ان سے پہلے گذشتہ قوموں میں سے بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ساز و سامان اور نام و نمود (شان و شوکت) کے اعتبار سے (ان سے) بہتر تھیں، جب ہم نے ان کو ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیا تو ان کو بھی ہلاک کر دیں گے آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ گمراہی میں پڑے ہیں

(مَنْ كَانَ) شرط ہے اور اس کا جواب فَلْيَمْدُدْ ہے (صیغہ امر ہے) معنی میں خبر کے ہے یعنی يَمُدُّ لهُ کے معنی میں ہے یعنی رحمٰن اس کی رسی کو ڈھیلی کر دیتا ہے یعنی دنیا میں اس کو خوب ڈھیل دیتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے یا تو عذاب، جیسا کہ قتل وقید، یا قیامت جو جہنم پر مشتمل ہوگی تو اس میں داخل ہوں گے، تو ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کا ٹھکانہ برا ہے، اور کس کے مددگار کمزور ہیں، وہ یا مومنین، اور ان کا لشکر شیطان ہے، اور ان کے مقابلہ میں مومنین کا لشکر، فرشتے ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

ويقول الانسان کی تفسیر المنكر للبعث سے کر کے اشارہ کر دیا کہ انسان سے مخصوص شخص مراد ہے اور وہ ابی ابن خلف یا ولید بن مغیرہ ہے **قوله** أئذا ما مِتُّ مازائدہ ہے مِتُّ واحد متکلم ماضی معروف ہے مصدر موت ہے حرف شرط کی وجہ سے مستقبل کے معنی میں ہے **قوله** لَسَوْفَ میں لام زائدہ ہے الانسان میں الف لام عہد کا ہے، جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کر دیا ہے **قوله** اَئِذَا اخرج کا ظرف مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

سوال: لام تاکید کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا تو یہاں اُخْرَجُ کس طرح عمل کرے گا۔ **جواب**: یہ قاعدہ لام ابتداء کے لئے ہے اور لام زائدہ ہے۔ **سوال**: جو لام مضارع پر داخل ہوتا ہے وہ مضارع کو حال کے معنی میں کر دیتا ہے اور سوف مضارع کو استقبال کے معنی کے ساتھ خاص کر دیتا ہے، دونوں کے مقتضیٰ میں تعارض ہے۔ **جواب**: یہ لام محض تاکید کے لئے ہے تخصیص مضارع للحال کے معنی سے مجرد ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔ (روح البیان)

بعض مفسرین حضرات نے کہا ہے کہ اَئِذَا میں اُبْعَثُ فعل محذوف عامل ہے جس پر اخرج دلالت کر رہا ہے اس لئے اخرجُ کا ظرف بنانا درست نہیں **قوله** لَمْ يَكُ اصل میں لَمْ يكن تھا نون کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے **قوله** شيعة فرقہ، جماعت، حمایتی، طرفدار (ج) شِيَعٌ اس میں واحد تثنیہ جمع سب برابر ہے **قوله** جثيًّا یہ جاثٍ کی جمع ہے خوف کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گرنے والا اور ابن عباس نے فرمایا کہ جثيا جثْوَة کی جمع ہے، مفسر علام نے **وارِدُها** کی تفسیر داخل جہنم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ وارد مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے بعض اس کے معنی حضور اور بعض نے عبور اور بعض نے دخول اور بعض نے مرور مراد لئے ہیں مفسر علام نے دخول کے معنی کو ترجیح دی ہے، لہٰذا یہ تفسیر تعیین معنی کیلئے ہے **قوله** اَيُّهُمْ اسم موصول، اس کا صدر صلہ محذوف ہے ای هو اَشَدُّ اَيُّهُمْ اسم موصول بمعنی الذی یہ اضافت کی وجہ سے مبنی بر ضم ہے اس کا صدر صلہ محذوف ہے ای هُوَ اَشَدُّ هو مبتداء اشد اس کی خبر مبتدا خبر سے ملکر صلہ موصول کا، موصول صلہ سے ملکر مفعول نَنْزِعَنَّ کا عِتِيًّا تمیز منقول ہے مبتداء محذوف سے ای عُتُوُّه اَشَدُّ **قوله** عِتِيًّا اکڑنا، سرکشی کرنا عتا يَعْتُوْا کا مصدر ہے یہ دراصل عُتُوٌّ تھا ضمہ کو کسرہ سے بدلا تو واؤ یا ہو گیا عُتِيًّا ہوا پھر عین کے ضمہ کو بھی کسرہ سے بدلا تا کہ تبدیلی کی مزید تاکید ہو جائے اس طرح عتيًّا ہو گیا (لغات القرآن)

اور بعض حضرات نے عِتِیًّا کو عادِیْ کی جمع بنایا ہے یعنی سرکشی کرنے والے **قولہ** صِلِیًّا یہ صلی یَصلی کا مصدر سماعی ہے، داخل ہونا **قولہ** وارد پہنچنے والا مراد پل صراط سے گذرنا ہے شارح مسلم علامہ نووی نے اسی کو ترجیح دی ہے نَذَرُ ای نترکُ.

تفسیر و تشریح

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یہ منکر آخرت انسان استبعاد و انکار کے طور پر یوں کہتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا اور مٹی ہوجاؤں گا تو مجھے دوبارہ کس طرح زندہ کرکے قبر سے نکالا جائے گا؟ اگرچہ انسان سے مراد جنس انسان ہے ہر منکر بعث کا یہی قول ہے مگر اس آیت کے شان نزول کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایک روز ابی ابن خلف ایک بوسیدہ ہڈی لیکر آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس ہڈی کو رگڑ کر ہوا میں اڑاتے ہوئے کہا کہ اے محمد یہ کیسے ممکن ہے کہ اس بوسیدہ ہڈی کو دوبارہ زندہ کردیا جائے۔ (روح البیان) لہٰذا میں اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ میرے مرنے کے بعد مجھے زندہ کرکے دوبارہ قبر سے نکالا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس شخص کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ جب پہلی مرتبہ بغیر نمونہ کے جب کہ کہیں اس کا نام و نشان نہیں تھا تو ہم نے انسان کو پیدا کردیا تو دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لئے کیونکر مشکل ہوگا؟ بھلا اس سے پوچھو تو کہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے یا دوسری مرتبہ، انسان کتنا نادان اور خود فراموش ہے؟ اسی خود فراموشی نے اس کو خدا فراموش بنا دیا ہے۔

فَوَرَبِّكَ قسم ہے اے محمد تیرے پروردگار کی کہ ہم دوبارہ صرف انہی کو نہیں بلکہ ان شیاطین کو بھی زندہ کریں گے جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا یا جن کی وہ عبادت کرتے تھے پھر ہم ان کو اس حال میں جہنم کے گرد جمع کردیں گے یہ لوگ محشر کی ہولناکی اور حساب کے خوف سے گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے۔

ابتداءً حشر کے وقت مومنین اور کفار، سعداء اور اشقیاء سب جہنم کے گرد جمع کیے جائیں گے اور سب پر ہیبت طاری ہوگی سب گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے پھر مومنین اور سعداء کو جہنم سے عبور کرا کر جنت میں داخل کیا جائے گا تاکہ جہنم کے اس منظر کو دیکھنے کے بعد ان کو مکمل اور دائمی خوشی حاصل ہو، پھر ہم ہر گمراہ فرقہ کے بڑے بڑے سرکشوں اور لیڈروں کو الگ کرلیں گے اور ان کو جمع کرکے جہنم میں پھینک دیں گے کیونکہ یہ قائدین دوسرے جہنمیوں کے مقابلہ میں سزا کے زیادہ سزاوار ہیں۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا یعنی کوئی انسان مومن ہو یا کافر ایسا نہ رہے گا کہ جس کا گذر جہنم پر نہ ہو، ورود سے مراد مرور اور عبور ہے جیسا کہ ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں لفظ مرور آیا ہے اور اگر دخول مراد لیا جائے تو مومنین متقین کا دخول

اس طرح ہوگا کہ جہنم ان کے لئے بردوسلام بن جائے گی جیسا کہ (ابوسمیہ) کی روایت میں بھی مضمون وارد ہوا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے ورود سے مرور مراد لینے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کے اوپر ایک پل بنایا جائے گا جس پر سے ہر مومن وکافر کو گذرنا ہوگا مومن تو اپنے اعمال کے مطابق جلد یا بدیر گذر جائیں گے کچھ تو پلک جھپکنے میں اور کچھ بجلی اور ہوا کی طرح کچھ پرندوں کی طرح اور کچھ عمدہ گھوڑوں اور دیگر سواریوں کی طرح گذر جائیں گے کچھ بالکل صحیح سالم اور کچھ زخمی تاہم کسی نہ کسی طرح پل کو عبور کرلیں گے کچھ جہنم میں گر پڑیں گے بعد میں شفاعت کے ذریعہ نکال لیا جائے گا، لیکن کافر اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب نہ ہوں گے اور سب جہنم رسید ہوجائیں گے، اس حدیث کے مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں فرمایا ہے کہ جس کے تین بچے بلوغت سے پہلے وفات پاگئے اسے آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف قسم حلال کرنے کے لئے۔ (بخاری کتاب الجنائز ومسلم کتاب البر) یہ قسم وہی ہے کہ جس کو اس آیت میں حتماً مقضیاً (قطعی فیصل شدہ امر کہا گیا ہے) **یعنی ان** کا ورود صرف گذرنے کی حد تک ہوگا۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا جب ان منکروں اور کافروں کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن میں مومنین کا حق پر ہونا مدلل اور معقول طریقہ سے ثابت کردیا جاتا ہے اور کافر کھسیانے اور لاجواب ہوجاتے ہیں تو (کھسیانی بلی کھمبا نوچے) کے مطابق اپنی کھسیاہٹ مٹانے کے لئے بے جوڑ اور بے تکی باتیں کرنا شروع کردیتے ہیں **یعنی قرآنی دعوت کا** مقابلہ یہ کفار مکہ فقراء مسلمین اور اغنیاء قریش اور ان کی مجلسوں اور مکانوں کے باہمی موازنے سے کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں عمار، بلال، صہیب ؓ جیسے لوگ ہیں ان کا دارالمشورہ دارارقم ہے جب کہ کافروں میں ابوجہل، نضر بن حارث، عتبہ، شیبہ جیسے رئیس اور ان کی عالی شان کوٹھیاں اور مکانات ہیں اور ان کا دارالمشورہ (دارالندوہ) بہت عمدہ ہے، یعنی مال ودولت اور شان وشوکت میں ہم تم سے بڑھے ہوئے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ ہم محبوب اور مقبول ہیں اور تم مغضوب ومخذول ہو، آگے اللہ تعالیٰ ان کی اس دلیل کے دو جواب دیتے ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی، الزامی جواب کو اللہ تعالیٰ نے وَكَمْ اَهْلَكْنَا هُمْ سے بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی یہ چیزیں ایسی نہیں کہ ان پر فخر وناز کیا جائے یا ان کو دیکھ کر حق وباطل کا فیصلہ کیا جائے یہ چیزیں تو تم سے پہلی امتوں کے پاس بھی تھیں، لیکن تکذیب حق کی پاداش میں انہیں ہلاک کردیا گیا دنیا کا یہ مال واسباب انہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچاسکا۔

دوسرے تحقیقی جواب کو اللہ تعالیٰ اپنے قول قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ سے ارشاد فرماتے ہیں، اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ چیزیں گمراہوں کو مہلت اور ڈھیل کے طور پر ملتی ہیں اس لئے یہ کوئی حق وباطل کا معیار نہیں، **اصل اچھے** برے کا پتہ تو اس وقت چلے گا کہ جب مہلتِ عمل ختم ہوجائے گی، اور اللہ کا عذاب انہیں آگھیرے گا اور یا قیامت برپا ہوجائے گی، لیکن اس وقت کا علم کچھ فائدہ نہ دے گا، اس لئے کہ وہاں ازالے اور تدارک کی کوئی صورت نہیں رہے گی،

وہاں جہنم میں اپنا ٹھکانہ دیکھ کر یہ کافر خود ہی فیصلہ کرلیں گے کہ برا مکان کس کا ہے؟ اور جتھا کس کا کمزور ہے؟

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا بالایمان **هُدًى** بما ينزل عليهم من الآيات **وَالْبَاقِيَاتُ الصّٰلِحٰتُ** هى الطّاعات تبقى لصاحبها **خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا**○ اى مايرد اليه ويرجع بخلاف اعمال الكفار والخيرية هنا فى مقابلة قولهم اىّ الفريقين خير مقامًا **اَفَرَاَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا** العاص بن وائل **وَقَالَ** لخبّاب ابن الارت القائل له تبعث بعد الموت والمطالب له بمال **لَاُوْتَيَنَّ** على تقدير البعث **مَالًا وَّوَلَدًا**○ فاقضيك ، قال تعالى **اَطَّلَعَ الْغَيْبَ** اى اعلمه وان يؤتى ماقاله واستغنى بهمزة الاستفهام عن همزة الوصل فحذفت **اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا**○ بان يؤتى ماقاله **كَلَّا** اى لايؤتى ذلك **سَنَكْتُبُ** نامر بكتب **مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا**○ نزيده بذلك عذابا فوق عذاب كفره **وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ** من المال والولد **وَيَاْتِيْنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا**○ لامال له ولا ولد **وَاتَّخَذُوْا** اى كفار مكة **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** الاوثان **اٰلِهَةً** يعبدونهم **لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا**○ شفعاء عند الله بان لايعذبوا **كَلَّا** اى لامانع من عذابهم **سَيَكْفُرُوْنَ** اى الآلهة **بِعِبَادَتِهِمْ** اى ينفونها كما فى آية اخرى ما كانوا ايانا يعبدون **وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا**○ اعوانا واعداء. ع۵

ترجمہ

اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اللہ تعالیٰ اضافہ فرماتا ہے ان آیات کے ذریعہ جن کو ان پر نازل کرتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں تو وہ وہ طاعات ہیں جو طاعت گذار کے لئے باقی رہتی ہیں تیرے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے اور انجام کے لحاظ سے بہت ہی بہتر ہیں یعنی وہ **ثواب اور اجر** جو اس کو حاصل ہوگا وہ بہتر ہوگا بخلاف اعمال کفار کے اور یہاں (اسم تفضیل) خیرٌ کا استعمال ان کے قول **اىّ الفريقين خيرٌ** مقامًا کے مقابلہ میں ہوا ہے کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا؟ جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور وہ عاص ابن وائل ہے جس سے (حضرت) خباب ابن ارت نے کہا تھا کہ تو مرنے کے بعد (زندہ کرکے) اٹھایا جائے گا اور **خباب ابن ارت کا عاص بن وائل کے ذمہ (کچھ)** مالی مطالبہ تھا تو عاص ابن وائل نے (تقاضہ) کے جواب میں **کہا کہ بعث بعد الموت کی صورت میں مجھے تو مال اور اولاد** ضرور دی جائے گی تو اس وقت میں تیرا مطالبہ ادا کردوں گا، **اللہ تعالیٰ نے (جوابًا) فرمایا کیا یہ (شخص)** غیب پر مطلع ہوگیا ہے؟ یا اس کو یہ بتا دیا ہے کہ جو اس نے کہا ہے اس کو دیا جائے گا اور **ہمزہ استفہام** کی وجہ سے ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا حذف کردیا گیا، یا اس نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے یہ کہ جو اس نے کہا ہے وہ اس کو دیا جائے گا ایسا ہرگز نہیں

ہے یعنی یہ اس کو نہیں دیا جائے گا یہ جو بھی کہہ رہا ہے ہم اس کو ضرور لکھ لیں گے یعنی (ملائکہ) کو اس کے لکھنے کا حکم کریں گے اور اس کے لئے عذاب بڑھائے چلے جائیں گے یعنی ہم اس کے کفر کے عذاب پر اس کی (ان) باتوں کے عذاب کا اضافہ کردیں گے اور جن چیزوں یعنی مال اور اولاد کے بارے میں جو کہہ رہا ہے انہیں ہم اس کے (مرنے کے) بعد لے لیں گے اور قیامت کے دن ہمارے پاس تن تنہا آئے گا نہ اس کے پاس مال ہوگا اور نہ اولاد اور ان کفار مکہ نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنالیا ہے جن کی یہ بندگی کرتے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے باعث عزت ہوں یعنی وہ (بت) اللہ کے پاس سفارش کریں کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے لیکن ہرگز ایسا نہ ہوگا یعنی ان کو عذاب دینے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوگی وہ معبودان (باطلہ) تو ان کی پوجا کے بھی منکر ہوجائیں گے یعنی ان کی پوجا کا انکار کردیں گے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ "یہ لوگ ہماری پوجا کرتے ہی نہیں تھے" اور (الٹے) ان کے مخالف اور دشمن ہوجائیں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله وَيَزِيْدُ کا عطف فَلْيَمْدُدْ پر ہے معنی کے اعتبار سے ای يَمُدُّ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ الخ جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اَفَرَأَيْتَ میں استفہام تعجبی ہے **قوله** العاص بن وائل عاص ابن وائل فاتح مصر حضرت عمر کے والد ہیں اور عمر عبداللہ کے والد ہیں جو کہ مشہور عبادلہ اربعہ میں سے ایک ہیں ترتیب اس طرح ہے، عبداللہ بن عمر بن عاص بن وائل خباب بن ارت بدری ہیں اور فقراء صحابہ میں سے ہیں اُوْتَيَنَّ اِيْتَاءٌ سے مضارع واحد متکلم مجہول با نون تاکید ثقیلہ ہے، مجھے ضرور ملے گا لام قسمیہ ہے ای وَاللّٰهِ لَاُوْتَيَنَّ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اصل میں أَاطَّلَعَ تھا ان میں اول ہمزہ استفہام اور دوسرا ہمزہ وصل ہے، ہمزہ وصل کو تخفیفاً حذف کردیا گیا **قوله** كَلَّا نحویین کے اس میں چھ اقوال ہیں مگر راجح تر یہ ہے کہ یہ صرف زجر وردع ہے قرآن میں اس کلمہ کا استعمال تینتیس مقام پر ہوا ہے اور یہ سب کے سب نصف ثانی میں ہیں سَنَكْتُبُ میں سین تاکید کے لئے ہے **قوله** وَنَرِثُهٗ مَايَقُوْلُ ای نَسْلُبُهٗ وناخذهٗ منه یعنی جس مال واولاد پر فخر کر رہا ہے اس کو ہم سلب کرلیں گے اور دنیا سے وہ خالی ہاتھ جائے گا وَاتَّخَذُوْا الْاَوْثَانَ اتخذوا کا مفعول اول ہے اور آلِهَةً مفعول ثانی ہے ضِدًّا بمعنی اضداداً ہے یا مصدر بمعنی جمع ہے۔

تفسیر وتشریح

ویزید الظالمین اس میں ایک دوسرے اصول کا ذکر ہے کہ جس طرح جن کے دلوں میں کفر وشرک اور ضلالت کا روگ ہے قرآن کے ذریعہ ان کی شقاوت اور ضلالت میں اور اضافہ ہوجاتا ہے اسی طرح اہل ایمان کے دل ایمان اور

ہدایت میں اور پختہ ہو جاتے ہیں۔

والبقیٰت الصّٰلحٰتُ اس میں فقراء مسلمین کو تسلی ہے کہ کفار اور مشرکین جن مال واسباب پر فخر کرتے ہیں وہ سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے اور تم جو نیک اعمال کرتے ہو یہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں جن کا اجر وثواب تمہیں اپنے رب کے یہاں ملے گا اور ان کا بہترین صلہ اور نفع تمہاری طرف لوٹے گا۔

والبقیٰت الصّٰلحٰتُ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں جن کی تفصیل سورہ کہف میں گذر چکی ہے مگر مختار مذہب یہی ہے کہ ان سے مراد تمام طاعات اور نیک کام ہیں۔

شانِ نزول

اَفَرأیت الذی کفر بآیٰتنا ان آیات کے شان نزول میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ بن عاص کا والد عاص بن وائل جو اسلام کے شدید دشمنوں میں سے تھا اس کے ذمہ حضرت خباب ابن الارت کا قرضہ تھا جو آہنگری کا کام کرتے تھے حضرت خبابؓ نے ایک روز عاص ابن وائل سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر نہ کرے گا میں تجھے تیری رقم نہیں دوں گا، حضرت خباب ابن الارت نے جواب دیا کہ یہ کام تو اگر تو مر کر دوبارہ زندہ بھی ہو جائے تب بھی نہ کروں گا، اس نے جواب دیا اچھا پھر ایسے ہی سہی، جب مجھے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور وہاں بھی مجھے مال اور اولاد سے نوازا جائے گا تو وہاں میں یہ رقم ادا کردوں گا۔ (صحیح بخاری کتاب البیوع باب ذکر القین والحداد)

اَطَّلَعَ الغیبَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو دعویٰ کر رہا ہے کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہاں بھی اس کے پاس مال اور اولاد ہوگی؟ یا اللہ سے اس کا کوئی عہد ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے یہ صرف تعَلّی اور آیات الٰہی کا استہزاء اور تمسخر ہے یہ جس مال اور اولاد کی بات کر رہا ہے اس کے وارث تو ہم ہیں یعنی مرنے کے ساتھ ہی انسے اس کا تعلق ختم ہو جائے گا اور ہماری بارگاہ میں یہ اکیلا آئے گا نہ مال ساتھ ہوگا اور نہ اولاد نہ کوئی جتھہ، البتہ عذاب ہوگا جو اس کے لئے اور ان جیسوں کے لئے ہم بڑھاتے رہتے ہیں۔

عِزًّا کا مطلب یہ ہے کہ یہ معبودان کے لئے عزت کا باعث اور مددگار ہوں گے اور **ضِدًّا** کے معنی ہیں دشمن، جھٹلانے والے اور ان کے خلاف دوسروں کی مدد کرنے والے، یعنی یہ معبودان کے گمان کے برعکس ان کے حمایتی ہونے کی بجائے ان کے دشمن ان کو جھٹلانے والے اور ان کے خلاف دوسروں کے مددگار یعنی ان کے گمان کے برعکس ان کے مددگار ہونے کے بجائے الٹے ان کے دشمن اور ان کے مخالف ہوں گے۔

اَلَمْ تَرَاَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ سَلَّطْناھم عَلَی الکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّھم تھیجُھم الی المَعَاصِی اَزًّا فَلَا تَعْجَلْ

عَلَيْهِمْ ط بطلبِ العذاب اِنَّمَا نعُدُّ لَهُمُ الايَّامَ واللَّيَالِيَ او الانفاسَ عَدًّا○ الى وقتِ عذابِهم اذكر يَوْمَ نَحشُرُ المُتَّقِينَ بِاِيمانِهِم اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا لا جَمْعُ وَافِدٍ بمعنى رَاكِبٍ وَنَسُوْقُ المُجْرِمِيْنَ بِكُفرِهم اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا م جَمْعُ وَارِدٍ بمعنى مَاشٍ عَطْشَانَ لَا يَمْلِكُوْنَ اى النَّاسُ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا م اى شَهَادَةَ انْ لا اله الا اللّٰه ولا حول ولا قوة الا باللّٰهِ وَقَالُوْا اى اليَهُوْدُ والنَّصارىٰ ومن زَعَمَ اَنَّ الملائِكَةَ بناتُ اللّٰهِ اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا○ قال تعالىٰ لهم لَقَدْ جِئتُم شَيئًا اِدًّا لا اى مُنكَرًا عظِيمًا يَكَادُ بالتاءِ والياءِ السَّمٰوٰتُ يَتفَطَّرْنَ بالنُّون وفى قِرَاءَةٍ بالتَّاءِ وَتَشْدِيدِ الطَّاءِ بالاِنْشِقَاقِ منهُ من عَظْمِ هذا القول وَتَنْشَقُّ الاَرْضُ وتَخِرُّ الجِبَالُ هَدًّا لا اى تَنْطَبِقُ عليهم من اَجَلِ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا○ قال تعالىٰ ومَايَنْبَغِي لِلرَّحمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا○ اى ما يَلِيْقُ به ذٰلك اِنْ اى ما كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ اِلَّآ اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا○ ذَلِيلًا خَاضِعًا يوم القيٰمة منهم عُزَيْرٌ وعيسٰى لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا○ فلا يَخفٰى عليه مَبْلَغُ جَمِيْعِهم ولا وَاحِدٌ منهم وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ القِيٰمَةِ فَرْدًا○ بلا مالٍ ولا نَصيرٍ يَمْنَعُه اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا○ فيما بَيْنَهُم يَتَوادُّوْنَ ويَتحابُّوْنَ ويُحِبُّهم اللّٰه تعالىٰ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ اى القُرْاٰنَ بِلِسَانِكَ العَرَبِيِّ لِتُبَشِّرَ بِهِ المُتَّقِيْنَ النار بالايمان وَتُنْذِرَ تُخَوِّفَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا○ جَمْعُ اَلَدَّ اى ذُوْ جَدَلٍ بالبَاطِلِ وهم كُفَّارُ مَكَّةَ وَكَمْ اى كَثِيْرًا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ط اى اُمَّةٍ مِنَ الاُمَمِ المَاضِيَةِ بتكذِيبهم الرُّسُلَ هَلْ تُحِسُّ تَجِدُ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ع○ صَوْتًا خَفِيًّا فكما اَهْلَكْنَا اُولٰئِكَ نُهْلِكُ هٰؤلآءِ .

ترجمہ

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر مسلط کر رکھا ہے جو انہیں معصیت پر خوب اکساتے ابھارتے رہتے ہیں تو آپ ان پر عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کیجئے ہم تو خود ہی ان کے لیل ونہار یا سانس عذاب کے وقت تک (موت تک) شمار کر رہے ہیں، اس دن کا بھی تذکرہ کیجئے جس دن ہم متقیوں کو ان کے ایمان کی بدولت (بطور) مہمان سوار کر کے جمع کریں گے **وفدٌ وافد** کی جمع ہے معنی میں راکبٌ کے ہے اور مجرمین کو ان کے کفر کے سبب سے سخت پیاس کی حالت میں دوزخ کی طرف ہانکیں گے وِرْدٌ وارِدٌ کی جمع ہے پیاسے پیدل کسی شخص کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا بجز اس شخص کے جس نے رحمٰن کے پاس سے اجازت لی ہو (اور اجازت سے مراد) **شهادة ان لا اله الا**

اللّٰہ ولا حول ولاقوۃ الّا باللّٰہ کا اقرار ہے اور یہود ونصاریٰ نے اور ان لوگوں نے کہ جن کا عقیدہ ہے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں کہا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے یقیناً بڑی بھاری یعنی بڑی ناپسندیدہ بات کہی ہے تکادُ تا اور یا کے ساتھ ہے، قریب ہے کہ اس بات کی (نحوست) کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین ٹکڑے ہوجائے پھٹ کر اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر گر جائیں یعنی ان کے اوپر گر جائیں اس وجہ سے کہ انہوں نے رحمٰن کے لئے اولاد قرار دی ہے یَنْفَطِرْنَ نون کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں یَتَفَطَّرْنَ تا اور یا اور طا مشددہ کے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا شان رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے یعنی یہ اس کی شایان شان نہیں زمین وآسمانوں میں جو کچھ بھی ہے سب کے سب اللہ کے سامنے بندے بن کر حاضر ہونے والے ہیں یعنی ذلیل خوار ہوکر قیامت کے دن اور انہیں میں سے عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں ان سب کا اس نے احاطہ کر رکھا ہے اور سب کو پوری طرح شمار کر رکھا ہے لہٰذا نہ تو اس سے ان کی مجموعی تعداد مخفی ہے اور نہ ان کا کوئی فرد اور یہ سب کے سب اس کے پاس قیامت کے دن تن تنہا حاضر ہوں کے مال اور مددگار کے بغیر جو اس کی حفاظت کر سکے بے شک جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اللہ تعالیٰ ان کے درمیان (باہمی) محبت پیدا کردے گا وہ آپس میں مودّت اور محبت رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت رکھیں گے ہم نے اس قرآن کو آپ کی عربی زبان میں آسان کردیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ ایمان کی بدولت جہنم سے ڈرنے والوں کو خوشخبری سنائیں ایک نسخہ لِتُبَشِّرَ بِہٖ المتقین الجنۃ الفائزین بالایمان'' تاکہ آپ اس قرآن کی بدولت ایمان کے ذریعہ کامیاب ہونے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور جھگڑنے والی قوم کو اس کے ذریعہ ڈرائیں لُدًّا اَلَدُّ کی جمع ہے یعنی باطل کے ذریعہ بہت زیادہ خصومت کرنے والے کو، اور وہ کفار مکہ ہیں اور ہم نے اس سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کردیا ہے یعنی گذشتہ امتوں میں سے (بہت سی امتوں کو) رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے کیا ان میں سے آپ ایک کی بھی آہٹ پاتے ہیں یا ان کی آواز کی بھنک بھی آپ کے کان میں پڑتی ہے یعنی خفی آواز، نہیں، تو ہم نے جس طرح ان کو ہلاک کردیا ان کو بھی ہلاک کردیں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

تَؤُزُّ مضارع واحد مونث غائب (ن) اَزًّا ابھارنا اَزًّا تَؤُزُّ کا مفعول مطلق ہے اَلْاَزُّ فی الاصل الحرکۃ مع صوت متصل ماخوذ من آزیز القدر ای غلیانیہ والمراد تعجیب الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اقاویل الکفرۃ (روح البیان) **قولہ** او الأنفاس یہ نَعُدُّلَھُمْ کی دوسری تفسیر ہے اِنَّمَا نَعُدُّ لَھُمْ فلا تعجل کی علت ہے عَدًّا نَعُدُّ کا مفعول مطلق ہے یوم نَحْشُرُ اذکر فعل محذوف کا ظرف ہے یَوْمَ نَحْشُرُ کا عامل لَایَمْلِکُوْنَ ہے اور نَعُدُّ بھی ہوسکتا ہے وِرْدًا وارِد کی اسم جمع ہے، پیاسا، گھاٹ پر آنے والا لَایَمْلِکُوْنَ

المجرمِیْنَ سے جملہ ہوکر حال ہے اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ لایَمْلِکُوْنَ کی ضمیر سے مستثنیٰ متصل ہے یَتَفَطَّرْنَ تَفَطَّرَ سے مضارع جمع مونث غائب، وہ پھٹ پڑیں هَدًّا تخِرُّ کا مفعول مطلقاً بغیر لفظہٖ ہے تَخِرُّ بمعنی تھدّ ہے ای تَھُدُّ ھدًّا اور هَدًّا الجبالُ سے حال بھی ہوسکتا ہے مفسر علام نے من اَجل مقدر مان کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ اَنْ دَعَوْ لِلرحمٰنِ وَلَدًا تَنْشَقُّ اور تَخِرُّ کا مفعول لہٗ ہے اور محل میں نصب کے ہے اَن سے پہلے لام محذوف مان کر جملہ محلًا مجرور بھی ہوسکتا ہے محلًا مرفوع بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں اَنْ مصدریہ ہوگا، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی المُوجِبُ لِذٰلك دعاء ھم للرحمٰن ولَدًا اِن کل مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ میں مَنْ نکرہ موصوفہ ہے فی السمٰوٰت اس کی صفت ہے، موصوف باصفت کل سے ملکر مبتداء اِلا آتِي اس کی خبر، آتِي کلُّ کے لفظ کی رعایت سے واحد لایا گیا ہے وُدًّا محبت، دوستی (س) لُدًّا اَلَدُّ کی جمع ہے جھگڑا کرنے والے مراد کفار و مشرکین ہیں **قوله العربی** کے اضافہ سے مقصد یہ بتانا ہے کہ یہاں لسان سے مراد لغت عربی ہے نہ کہ زبان (یعنی آلہ) رِکْزًا اسم ہے بھنک، **آہٹ**

تفسیر و تشریح

اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الخ کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم کافروں کے پاس گمراہ کرنے اور بہکانے نیز معصیت میں مبتلا کرنے کے لئے شیاطین کو بھیجتے ہیں یہاں تک کہ وہ کافروں کو کفر و ضلال پر خوب ابھارتے ہیں، لہٰذا آپ ان کافروں کے لئے عذاب میں جلدی مبتلا ہونے کی درخواست نہ کریں ہم خود ہی ان کے شب و روز، اقوال و افعال حتی کہ ان کے انفاس بھی شمار کررہے ہیں جب ان کی تعداد پوری ہوجائے گی اور پانی سر سے گذر جائے گا اور پاپ کا گھڑا بھر جائے گا تو عذاب الٰہی اور قہر خداوندی میں مبتلا ہوجائیں گے۔

اُذْکُرْ یَوْمَ نَحْشُرُ المتقین اس دن کو یاد کرو کہ جس دن متقیوں کو اونٹوں گھوڑوں یا ان کی من پسند سواریوں پر سوار کرا کے مہمانوں کے مانند نہایت عزت و احترام سے جنت کی طرف لیجائیں گے اور اس کے برعکس مجرموں کو بھوکا پیاسا جہنم میں نہایت ذلت کے ساتھ ہانک دیں گے، اور وہاں ان کا کوئی حمایتی اور سفارشی بھی نہ ہوگا اس لئے کہ وہاں کسی کو کسی کی سفارش کرنے کا اختیار نہ ہوگا بجز اس کے کہ جس نے رحمٰن کے پاس سے اجازت لے لی ہو اور اجازت بھی انبیاء اور صلحا کو ملے گی اور یہ حضرات سفارش بھی صرف مومنین کی کریں گے وقالوا اتخذ الرحمٰن ولَدًا یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کر رکھی ہے یقیناً یہ عقیدہ ایسا خطرناک اور بھیانک ہے کہ بعید نہیں کہ اس قبیح اور مذموم عقیدہ کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں وَمَا ینبغی للرحمٰن الخ جب اللہ کے غلام اور اس کے عاجز بندے ہیں تو پھر اس کو اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے اور یہ اس کی شایان شان بھی نہیں ہے، اس نے سب کو احاطۂ قدرت میں لے رکھا ہے سب کے سب اس کے قابو اور

گرفت میں ہیں اور سب کو اس نے شمار کر رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ اس سے کوئی شئ مخفی نہیں ہے **و کلھم آتیہ یوم القِیَامَۃ فردًا** ہر شخص قیامت کے دن تن تنہا حاضر ہوگا نہ مال ساتھ آئے گا اور نہ حمایتی، جن کے بارے میں انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرے حمایتی اور مددگار ہوں گے وہاں سب غائب ہو جائیں گے **یَوم لایَنفَعُ مَالٌ وَّلابنون**.

اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وعَمِلوا الصّٰلِحٰت الخ ماقبل کی آیات میں مومنین کی نعمتوں اور کافرین کی نقمتوں کا ذکر تھا، اب آخر میں مومنین صالحین کی ایک بڑی نعمت کا ذکر فرماتے ہیں، اس لئے کہ نعمت کا اصل مقصد راحت قلبی ہے اور محبت سے بھی دل کو سکون اور راحت حاصل ہوتی ہے جو کہ حاصل ہے تمام نعمتوں کا، اللہ تعالیٰ صالحین کی الفت اور محبت اہل دنیا کے دل میں اس کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے ڈالدیتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی نیک بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر پس جبرائیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبرائیل آسمانوں میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں تو تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین میں اس کے لئے قبولیت رکھ دی جاتی ہے، "صحیح بخاری کتاب الادب باب المقت من اللّٰہ تعالیٰ" **فَاِنَّمَا یَسَّرْنَاہ الخ** قرآن کو آسان کرنے کا مطلب قرآن کو اس زبان میں نازل کرنا ہے جس کو پیغمبر جانتا ہو، نیز اس کے مضامین کا واضح اور کھلا ہوا ہونا، یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن اولاً مشکل تھا پھر اس کو آسان کر دیا تا کہ آپ اس کے ذریعہ پرہیزگاروں اور متقیوں کو خوشخبری سنائیں اور جھگڑالو یعنی کفار اور مشرکین کو عذاب آخرت سے ڈرائیں **اوتَسْمَعُ لَہٗ رِکْزًا** مطلب یہ ہے کہ سب حکومت وسلطنت نیز شان وشوکت اور قوت وطاقت والے جب اللہ کے عذاب میں پکڑے گئے تو ایسے ہو گئے کہ ان کی کوئی مخفی آواز اور حس وحرکت بھی سنائی نہیں دیتی۔

بحمد اللہ تم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُوْرَۃُ طٰـــہٰ

سُوْرَۃُ طٰـہٰ مَکِّیَّۃٌ ، مِائَۃٌ وخَمْسٌ وثلٰثونَ آیۃً اَوْ اَربعُوْنَ وَثِنْتَانِ

سورۂ طٰہٰ مکی ہے، ایک سو پینتیس یا ایک سو بیالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیْمِ○ طٰـہٰ اللّٰہُ اعلم بمراده بذٰلك مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ القُرْاٰنَ یا مُحَمَّدُ لِتَشْقٰیٓ○ لتتعَبَ بما فَعَلْتَ بعد نُزُوْلِه من طُولِ قِیَامِكَ بِصَلٰوۃِ اللَّیْلِ ای خَفِّفْ عن نَفْسِكَ اِلَّا لکن اَنْزَلْنَاه تَذْکِرَۃً به لِمَنْ یَّخْشٰی○ یخَافُ اللّٰہَ تَنْزِیْلًا بَدْلٌ مِنَ اللفظ بفعلِه النّاصبِ له مِّمَّنْ خَلَقَ الاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ العُلٰی○ جَمْعُ عُلْیَا ککُبْرٰی و کُبَرٌ هو الرَّحْمٰنُ علَی العَرْشِ وهو فی اللُّغةِ سَرِیْرُ المَلِكِ اسْتَوٰی○ استوَاءً یَلِیقُ به لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا من المَخْلُوْقَاتِ وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی○ هو التُّرَابُ النَّدِیُّ والمُرادُ الاَرْضُوْنَ السبعُ لانها تَحْتَهٗ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالقَوْلِ فی ذِکْرٍ او دُعَاءٍ فاللّٰه غَنِیٌّ عن الجَهْرِ به فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی○ منه ای ما حَدَّثَتْ به النَّفْسُ وما خَطَرَ ولم تُحدِّثْ به فلا تجهَدْ نفسَكَ بالجهرِاَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الاَسْمَآءُ الحُسْنٰی○ التِّسْعَةُ والتِّسعُوْنَ الوَارِدُ بها الحَدِیْثُ والحُسْنٰی مُؤَنَّثُ الاَحْسَنِ وَهَلْ قد اَتٰكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی○ اِذْ رَاٰی نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ لِامْرَأَتِه امْکُثُوْا هُنَا وذٰلِكَ فی مَسِیرِه من مَّدْیَنَ طَالِبًا مِصْرَ اِنِّیٓ اٰنَسْتُ اَبْصَرْتُ نَارًا لَّعَلِّی اٰتِیْکُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ شُعْلَةٍ فی رَاسِ فَتِیْلَةٍ اوعُودٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی○ ای هَادِیًا یَدُلُّنِی علی الطَّرِیْقِ وکانَ اَخْطَأَهَا لِظُلْمَةِ اللَّیْلِ وقَالَ لَعَلَّ لِعَدَمِ الجَزْمِ بوَفاءِ الوَعْدِ فَلَمَّآ اَتٰهَا وهی شجرۃ عَوْسَجٍ نُوْدِیَ یَا مُوْسٰی○ اِنِّیٓ بکسرِ الهمزۃِ بتاویلِ نُوْدِیَ بِقِیلَ وبفتحِهَا بِتَقْدِیْرِ البَاءِ اَنَا تَوْکِیْدٌ لیاءِ المُتَکَلِّمِ رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ اِنَّكَ بِالوَادِ المُقَدَّسِ المُطَهَّرِ او المُبَارَكِ طُوًی○ بَدْلٌ او عَطْفُ بَیَانٍ بالتَّنوِیْنِ وتَرْکِه مَصْرُوْفٌ بِاعْتِبَارِ المَکَانِ وغَیْرُ مَصْرُوفٍ للتَّانِیْثِ بِاِعْتِبَارِ البُقْعَةِ مَعَ العَلَمِیَّةِ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ من قومك فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی○ الیك مِنِّیْ اِنَّنِیٓ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ○ فیها.

ترجمہ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے طٰـہٰ اللہ کی اس سے کیا مراد ہے وہی بہتر

جانتا ہے اے محمد ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں یعنی تعب میں پڑ جائیں اس طرز عمل سے جو آپ نے نزول قرآن کے بعد اختیار کیا رات کی نماز (تہجد) میں طول قیام کے ذریعہ، مطلب یہ کہ (تخفیف کرکے) اپنے اوپر بار کم ڈالئے بلکہ ہم نے قرآن کو اس شخص کی نصیحت کے لئے نازل کیا ہے جو خوف خدا رکھتا ہو یہ اس ذات کی جانب سے نازل کردہ ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا۔ تنزیلاً اپنے فعل ناصب (انزلناہ) کے عوض میں ہے عُلیٰ عُلْیَا کی جمع ہے جیسے کُبَرْ کُبْریٰ کی جمع ہے وہ رحمٰن ہے عرش پر قائم ہے ایسا قیام جو اس کی شایان شان ہے اور عرش لغت میں شاہی تخت کو کہتے ہیں اسی کی ملک ہے جو کچھ مخلوق آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان ہے اور جو چیزیں تحت الثریٰ ہیں ثریٰ نمناک مٹی ہے اور مراد ساتوں زمینیں ہیں اس لئے کہ نمناک مٹی کے نیچے ہیں اور اگر آپ ذکر و دعا جہراً کریں تو اللہ جہر سے مستغنی ہے اس لئے کہ وہ تو پوشیدہ سے پوشیدہ تر چیز کو (بخوبی) جانتا ہے یعنی آہستہ سے کہی بات کو اور ان خیالات کو (جو صرف) دل میں آئے ہیں اور (ابھی) زبان پر نہیں آئے جانتا ہے لہٰذا جہر کے ذریعہ اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالئے وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ننانویں اس کے بہترین نام ہیں جن کے بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے اور حسنیٰ احسن کا مونث ہے اور کیا پہنچی ہے آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر جبکہ اس نے آگ دیکھ کر اپنی اہلیہ بیوی سے کہا تم یہاں ٹھہرو اور یہ مدین سے مصر جانے کے وقت کا قصہ ہے مجھے آگ دکھائی دی ہے بہت ممکن ہے کہ میں آگ کا تمہارے پاس کسی لکڑی یا رسی کے سرے میں شعلہ (لگاکر) لاؤں یا آگ کے پاس کوئی راستہ بتانے والا پاؤں یعنی کوئی ایسا رہنما جو رہنمائی کر سکے اور (موسیٰ علیہ السلام) رات کی تاریکی کی وجہ سے راستہ بھول گئے تھے اور موسیٰ نے ممکن یا شاید کا لفظ اس لئے استعمال فرمایا کہ ان کو ایفاء عہد کا پورا یقین نہیں تھا چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے اور وہ جھڑ بیری کا درخت تھا تو آواز دی گئی اے موسیٰ اِنِّی کے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ نُودِیَ کو قِیلَ کی تاویل میں لیکر اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے اس صورت میں اَنِّی سے پہلے با مقدر ہوگی (یعنی بِاَنِّی اَنَا یاءِ متکلم کی تاکید ہے بالیقین میں تیرا رب ہوں تو اپنے جوتے اتار دے کیونکہ تو مقدس پاک یا مبارک وادی طویٰ میں ہے طوًی بدل ہے یا عطف بیان ہے تنوین اور بغیر تنوین دونوں (جائز ہے) طُوًی اگر مکان کے معنی میں ہو تو منصرف ہوگا اور غیر منصرف ہوگا جب کہ طوًی کو بُقْعَۃٌ کے معنی میں لیکر مونث مانا جائے مع علمیۃ کے اور میں نے تجھ کو تیری قوم میں سے منتخب کر لیا ہے لہٰذا میری جانب سے تم کو جو وحی کی جا رہی ہے اس کو غور سے سن بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تو میری ہی عبادت کر اور نماز قائم کر نماز میں میرے ذکر کے لئے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ لتشقٰی ای لتتعَبَ معنی یہ ہیں کہ ہم نے قرآن کو اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ خود کو مشقت میں ڈالیں

زیادتیٔ غم کی وجہ سے قَبَسٌ آگ کا شعلہ، چنگاری طُوًی ایک وادی کا نام ہے شام میں، طٰہٰ مفسر علام نے اللّٰہ اعلم بمرادہ بذٰلك کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور اس کا حقیقی علم اللہ کے ساتھ خاص ہے، مفسر علام نے اِلَّا کی تفسیر لکنّ سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے ای لکن انزلناہ تذکرۃ اس لئے کہ تذکرۃً تشقی مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے تنزِیْلاً نزّلنا فعل مقدر کا مصدر ہے جو کہ اس کا ناصب ہے فعل کو حذف کرکے مصدر کو اس کے بدلے میں اس کی جگہ رکھ دیا گیا ہے اور یہ حذف واجب ہے اس لئے کہ مصدر معنی اور عمل میں فعل کی نیابت کرتا ہے یہاں بدل سے بدل اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ بدل لغوی مراد ہے یعنی عوض بدل مِنَ اللفظ کا مطلب یہ ہے کہ تنزِیْلاً تلفظ اور نطق میں اپنے فعل ناصب نزَّلْنا محذوف کے قائم مقام ہے ممن خَلَقَ تنزِیْلاً کے متعلق ہے خلق الارض والسمٰوٰت العُلیٰ میں عطف جنس علی الجنس ہے نہ کہ جمع کا عطف مفرد پر اب خلاف اولیٰ کا اعتراض نہیں ہوسکتا ھُو کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ الرحمٰن ھُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے بھی مرفوع ہے قوله وَهَلْ اَتَاكَ جملہ مستانفہ ہے خطاب آپ ﷺ کو ہے اور استفہام تشویق اور تقریر فی ذہن السامع کے لئے ہے اور ھل بمعنی قد ہے اِذْ رأیٰ حدیث موسیٰ کا ظرف ہے اُمْكُثُوا جمع اور مذکر کا صیغہ لایا گیا ہے حالانکہ مخاطب صرف آپ کی بیوی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ اَھل کی رعایت سے جمع مذکر کا صیغہ لایا گیا ہے یا پھر تعظیماً جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے یا پھر خادم اور اولاد جو کہ ہمراہ تھے کی رعایت سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے آنَسْتُ کی تفسیر اَبْصَرْتُ سے کرکے اشارہ کردیا کہ اِیْنَاس کے معنی کسی طریقہ سے بھی محسوس کرنا ہے مگر یہاں بصر سے محسوس کرنے کے معنی مراد ہیں قَبَسٌ چنگاری، آگ کا شعلہ فَتِیْلَةٌ بتی، رسی وغیرہ ھُدًی ای ھادٍ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے عَوْسج کانٹے دار درخت، جنگلی بیری، بعض حضرات نے عناب اور بعض نے امربیل مراد لی ہے، جس کو ہندی میں آکاش بیل بھی کہتے ہیں، فارسی میں عشق پیچاں کہتے ہیں، طب میں اس کا اصطلاحی نام افتیمون ہے، اس کی زمین میں جڑ نہیں ہوتی ہے یہ اپنی خوراک درخت سے حاصل کرتی ہے اور جس درخت پر چھا جاتی ہے اس کو خشک کردیتی ہے طُوًی وادٍ سے بدل یا عطف بیان ہے اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھنا درست ہے اگر مکان کے معنی میں ہو تو منصرف ہوگا اور اگر بُقعة کے معنی میں ہو تو علمیۃ اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا اِنَّنِیْ اَنا اللّٰہ مِمَّا یُوحٰی سے بدل ہے فیْھا ای فی الصلوٰۃ، اَللّٰہُ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای المنعوت بما ذُکِرَ مِنَ النعوتِ الجلیلة اللّٰہ (یعنی وہ ذات جو مذکورہ صفات کمالیہ سے متصف ہے وہ اللہ ہے لفظ جلالہ (اللہ) مبتداء اور لا الٰہ اِلَّا ھو اس کی خبر بھی ہوسکتی ہے۔

تفسیر و تشریح

طٰہٰ کی مراد کے سلسلہ میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ قرآن یا سورت کا

نام ہے یا اسماء حسنیٰ میں سے ایک ہے، بعض حضرات کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی میں سے ایک ہے، حسنؒ نے کہا ہے طٰہٰ بروزن ھَبْ یہ امر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یعنی آپ اپنے دونوں قدم زمین پر رکھئے، یہ اس وقت کی بات ہے کہ آنحضرتؐ عبادت میں بیحد مشقت اٹھاتے تھے پوری پوری رات نماز پڑھتے اور جب تھک جاتے تو ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھ کر نماز ادا فرماتے حتی کہ آپ کے پائے مبارک ورم کر جاتے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا طٰہٰ آپ دونوں قدم زمین پر رکھئے طٰہٰ اصل میں طَأْھَا وَطِیَ یَطَأُ سے آخری ہمزہ ھا سے بدل دیا طٰہٰ ہو گیا۔

مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ ہم نے قرآن کو آپؐ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپؐ مشقت اٹھائیں، اور قیام لیل میں اس قدر تلاوت فرمائیں کہ آپ کے قدم مبارک ورم کر جائیں، دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم نے قرآن کو اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ ان کافروں کے کفر پر اس قدر رنج وغم کریں کہ خود کو ہلاکت کے قریب کرلیں، جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰی آثَارِهِمْ اِنْ لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا پس اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کرڈالیں گے، بلکہ ہم نے اس قرآن کو نصیحت اور یاددہانی کے لئے اتارا ہے تاکہ ہر انسان کے تحت الشعور میں توحید کا جو جذبہ پوشیدہ ہے واضح اور نمایاں ہو جائے۔ (یہاں پر شقاءٌ، عناءٌ وتعبٌ کے معنی میں ہے)

عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی استواء علی العرش کے متعلق صحیح اور بے غبار بات وہی ہے جو جمہور سلف صالحین سے منقول ہے کہ اس کی حقیقت وکیفیت کسی کو معلوم نہیں متشابہات میں سے ہے اتنا عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ استواء علی العرش حق ہے اس کی کیفیت اللہ جلّ شانہ کی شان کے مطابق ومناسب ہوگی جس کا ادراک دنیا میں کسی کو نہیں ہوسکتا۔

وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ثریٰ نمناک مٹی کو کہتے ہیں، مخلوقات کا علم تو صرف ثریٰ پر ختم ہو جاتا ہے اس ثریٰ کے نیچے کیا ہے اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، نئی تحقیق وریسرچ اور نئے نئے آلات اور سائنس کی انتہائی ترقی کے باوجود اب سے چند سال پہلے زمین کو برما کر اس پار سے اس پار نکل جانے کوشش مدتوں تک جاری رہی ان سب تحقیقات اور انتھک کوششوں کا نتیجہ اخبارات میں سب کے سامنے آچکا ہے کہ صرف چھ میل کی گہرائی تک یہ آلات کام کرسکے، آگے ایک ایسا حجری غلاف ثابت ہوا جہاں کھدائی کے تمام آلات اور سائنس جدید کے سب افکار عاجز ہو گئے، انسان صرف چھ میل تک کا علم حاصل کرسکا جب کہ زمین کا قطر استوائی ۷۹۲۶ میل اور بعض کے نزدیک ۷۹۲۷ میل ہے، اور قطبی قطر ۷۹۰۰ میل ہے (فلکیات جدیدہ، ص ۷۳) اسلئے اس اقرار کے سوا چارہ نہیں کہ علم ماتحت الثریٰ حق تعالیٰ ہی کی مخصوص صفت ہے۔ (معارف القرآن)

یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی اس سے پہلی آیت میں عموم قدرت وتصرف کا بیان تھا اس آیت میں علم الٰہی کی وسعت کا

تذکرہ ہے یعنی جو بات زور سے پکار کر کہی جائے وہ اس علام الغیوب سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہے جس کو ہر کھلی چھپی بلکہ پوشیدہ سے بھی پوشیدہ باتوں کی خبر ہے، جو بات تنہائی میں آہستہ کہی جائے اور جو دل میں گذرے مگر ابھی زبان پر نہ آئی ہو اور ابھی دل میں بھی نہیں گذری آئندہ گذرنے والی ہو حق تعالیٰ کا علم ان سب کو محیط ہے اسی لئے بلا ضرورت بہت زور سے چلا کر بہت زور سے ذکر کرنے کو بھی علماء شریعت نے منع فرمایا ہے۔

آیات بالا میں حق تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں یعنی اس کا خالق الکل، مالک علی الاطلاق اور صاحب علم محیط ہونا اس کا مقتضی یہ ہے کہ صفت الوہیت بھی تنہا اسی کا خاصہ ہو اسی مضمون کو آئندہ آنے والی آیت **اللّٰہ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُو** میں بیان فرمایا ہے۔

وَھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بہت بسط و تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ سامعین سمجھ جائیں کہ نبی کریم محمد ﷺ کی طرف وحی بھیجنا کوئی انوکھی یا انہونی بات نہیں ہے جس طرح پیشتر موسیٰ علیہ السلام کو وحی مل چکی ہے آپ کو بھی ملی ہے، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی وحی توحید وغیرہ کی تعلیم پر مشتمل تھی آپ ﷺ کی وحی میں بھی انہی اصولوں پر زور دیا گیا ہے، حضرت موسیٰ نے تبلیغ حق میں صعوبتیں اور تکالیف برداشت کیں آپ ﷺ کو بھی برداشت کرنی پڑیں گی اور جس طرح آخر کار ان کو کامیابی اور غلبہ نصیب ہوا اور دشمن مقہور و مخذول ہوئے، آپ بھی یقیناً غالب و منصور ہوں گے اور آپ کے دشمن تباہ و ذلیل کیے جائیں گے، چونکہ سورت کا آغاز انزال قرآن کے ذکر سے کیا گیا تھا اس کے مناسب نبوت موسوی کے آغاز کا قصہ بیان فرماتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے مختلف اجزاء ہیں مگر یہاں قصہ کا صرف وہ جز بیان کیا گیا ہے جو مدین سے مصر واپسی کے وقت پیش آیا تھا۔

مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی جس کا نام صفورا یا **صفوریا** ہے اور بعض حضرات نے صفوریہ بھی بتایا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہو گیا تھا، کئی سال وہاں مقیم رہنے کے اور خدمت کی مدت پوری کرنے کے بعد جو کہ آٹھ سال یا دس سال تھی (غالب یہی ہے کہ ابعد الاجلین پوری کی ہوگی) اپنی والدہ اور دیگر اہل خانہ کی زیارت اور ملاقات کے لئے مصر جانے کی حضرت شعیب علیہ السلام سے اجازت چاہی حضرت شعیب علیہ السلام نے بخوشی اجازت دیدی اور سامان نیز کچھ بکریاں بھی ہمراہ کر دیں، حاملہ بیوی ساتھ ہے رات اندھیری ہے سردی کا شباب ہے، بکریوں کا بھی ساتھ ہے، اس حالت میں راستہ بھول جاتے ہیں بکریاں منتشر ہو جاتی ہیں، بیوی کو درد زہ شروع ہو جاتا ہے، سردی کی وجہ سے پریشان ہیں، سردی سے بچاؤ کے لئے آگ نہیں کہ تاپ سکیں چقماق رگڑنے پر بھی آگ نہ نکلی، ان مصائب کی تاریکیوں میں دفعتاً ایک آگ نظر آئی وہ درحقیقت دنیوی آگ نہ تھی بلکہ اللہ کا نور جلال تھا، مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے ظاہری آگ سمجھ کر اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میرے ساتھ آنے کی ضرورت نہیں ہے میں رسی وغیرہ میں لگا کر آگ کا شعلہ لاتا ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کوئی راستہ بتانے والا مل جائے، جب حضرت موسیٰ علیہ

السلام اس پاک اور مقدس وادی طویٰ میں پہنچے تو عجیب وغریب نظارہ دیکھا ایک درخت میں زور شور سے آگ لگ رہی ہے اور آگ جس قدر زیادہ بھڑکتی ہے، درخت اسی قدر زیادہ سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی وشادابی بڑھتی ہے، آگ کا اشتعال تیز ہوتا جاتا ہے، حضرت موسیٰ نے آگ کے قریب جانے کا قصد کیا کہ درخت کی کوئی شاخ جل کر گرے تو اٹھالائیں لیکن موسیٰ جس قدر آگ کے قریب جاتے ہیں آگ دور بھاگتی چلی جاتی ہے اور جب گھبرا کر پیچھے ہٹتے ہیں تو وہ تعاقب کرتی ہے اسی حیرت اور دہشت کی حالت میں آواز آئی اِنِّی انَا اللّٰہُ الخ امام احمد نے وہب سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ نے جب یا موسیٰ سنا تو کئی بار لبیک کہا اور عرض کیا کہ میں تیری آواز سنتا ہوں اور آہٹ پاتا ہوں مگر یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے؟ آواز آئی میں تیرے اوپر ہوں، تیرے ساتھ ہوں، تیرے سامنے ہوں، تیرے پیچھے ہوں اور تیری جان سے زیادہ تجھ سے قریب ہوں، کہتے کہ موسیٰ ہر جہت سے اور اپنے ایک ایک بال سے اللہ کا کلام سنتے تھے۔ (فوائد عثمانی)

فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ ادب اور احترام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جوتے اتار دو بلاشبہ تم ایک مقدس اور پاکیزہ مقام پر ہو، اور جوتے اتار کر برہنہ پا ہونے میں عاجزی اور انکساری کا ظہور بھی ہے، یا اس لئے کہ مردار کی کھال کے تھے جیسا کہ بعض روایات میں ہے اور حضرت علی اور حسن بصری اور ابن جریج سے اول ہی منقول ہے اور جوتا اتارنے کی مصلحت یہ بتائی گئی ہے کہ آپ کے قدم اس مبارک وادی کی مٹی سے مس کر کے برکت حاصل کریں، اور وادی کی پاکیزگی کے اثرات کو پیر زیادہ جذب کرسکیں۔

اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی حق تعالیٰ نے زمین کے خاص خاص حصوں کو اپنی حکمت سے خاص امتیازات اور شرف بخشا ہے، جیسے بیت اللہ، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی اور وادی طویٰ یہ وادی کوہ طور کے دامن میں واقع ہے، طُوًی ایک وادی کا نام ہے اسے بعض حضرات نے منصرف اور بعض نے غیر منصرف پڑھا ہے۔

وَاَنَا اخْتَرْتُکَ جب موسیٰ علیہ السلام کی عمر چالیس سال تھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو نبوت اور رسالت کے لئے منتخب فرمالیا اور حکم دیا کہ جو وحی تمہاری جانب کی جارہی ہے اس کو غور سے سنو، سب سے پہلا حکم تو یہ ہے کہ میری ہی بندگی کرو، میرے سوائے کوئی بندگی کے لائق نہیں، نماز اگرچہ بندگی میں داخل ہے مگر نماز کی اہمیت کے پیش نظر مستقل طور پر بھی نماز کا حکم دیا، اور یہ بھی بتادیا کہ نماز کا مقصد میری یادگاری ہے نماز سے غافل ہونا گویا کہ خدا کی یاد سے غافل ہونا ہے لِذِکْرِی کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب بھی میں تجھے یاد آجاؤں نماز پڑھ لیا کر یعنی اگر کسی وقت غفلت ذہول، یا نیند کا غلبہ ہو تو اس کیفیت سے نکلتے ہی اور میری یاد آتے ہی نماز پڑھ لیا کر، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب بھی یاد آئے تو پڑھ لے۔ (بخاری شریف کتاب المواقیت)

اِنَّ السَّاعَةَ آتِیَةٌ اَکَادُ اُخْفِیْهَا عَنِ النَّاسِ وَیُظْهِرُ لهم قُرْبُهَا بعلاماتِها لِتُجْزٰی فیها کُلُّ نَفْسٍ بِمَا

تَسْعٰی ۝ به من خَيْرٍ وَشَرٍّ فَلَايَصُدَّنَّكَ يَصْرِفَنَّكَ عَنْهَا اى عن الإِيْمَانِ بها مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فى اِنْكَارِهَا فَتَرْدٰى ۝ فَتَهْلِكَ ان انْصَدَدْتَّ عنها وَمَا تِلْكَ كَائِنَةً بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ الاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ لِيُرَتِّبَ عليه المُعْجِزَةَ فيها قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا اَعْتَمِدُ عَلَيْهَا عِنْدَ الوُثُوْبِ وَالمَشْيِ وَاَهُشُّ اَخْبِطُ وَرَقَ الشَّجَرِ بِهَا لِيَسْقُطَ عَلٰى غَنَمِيْ فَتَاكُلَهُ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ جَمْعُ مَارُبَةٍ مُثَلَّثُ الرَّاءِ اى حَوَائِجُ اُخْرٰى ۝ كَحَمْلِ الزَّادِ والسِّقَاءِ وطَرْدِ الهَوَامِّ زَادَ فى الجَوَابِ بَيَانَ حَاجَاتِهِ بها قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ ثُعْبَانٌ عَظِيْمٌ تَسْعٰى ۝ تَمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهَا سَرِيْعًا كَسُرْعَةِ الثُّعْبَانِ الصَّغِيْرِ المُسَمّٰى بالجَانِّ المُعَبَّرِ به عنها فى آيَةٍ اُخْرٰى قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ منها سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الخَافِضِ اى الٰى حَالَتِهَا الْاُوْلٰى ۝ فَاَدْخَلَ يَدَهُ فِى فَمِهَا فَعَادَتْ عَصًا وتَبَيَّنَ اَنَّ مَوْضِعَ الاِدْخَالِ مَوْضِعُ مَسْكِهَا بَيْنَ شُعْبَتَيْهَا واُرِيَ ذٰلك السَّيِّدُ مُوْسٰى لِئَلَّا يَجْزَعَ اذا انْقَلَبَتْ حَيَّةً لَدٰى فِرْعَوْنَ وَاضْمُمْ يَدَكَ اليُمْنٰى بمعنى الكَفِّ اِلٰى جَنَاحِكَ اى جَنْبِكَ الاَيْسَرِ تَحْتَ العَضُدِ الَى الاِبْطِ واخْرُجْهَا تَخْرُجْ خِلَافَ مَاكَانَتْ عليه مِنَ الاُدْمَةِ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اى بَرَصٍ تَضِيْئُ كَشُعَاعِ الشَّمْسِ تَغْشَى البَصَرَ اٰيَةً اُخْرٰى ۙ وهى بَيْضَاءُ حَالَانِ من ضَمِيْرِ تَخْرُجْ لِنُرِيَكَ بها اذا فَعَلْتَ ذٰلك لِاِظْهَارِهَا مِنْ اٰيٰتِنَا الآيَةَ الكُبْرٰى ۝ اى العُظْمٰى على رِسَالَتِكَ واذا اَرَادَ عَوْدَهَا الٰى حَالَتِهَا الاُوْلٰى ضَمَّهَا الٰى جَنَاحِهِ كما تَقَدَّمَ وَاَخْرَجَهَا اِذْهَبْ رَسُوْلًا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَنْ مَعَه اِنَّهُ طَغٰى ۝ ع جَاوَزَ الحَدَّ فِى كُفْرِهِ الٰى اِدِّعَاءِ الاِلٰهِيَّةِ ع

ترجمہ

قیامت یقیناً آنے والی ہے میں اس کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں اور اس کا قرب اس کی علامات سے ظاہر ہو جائے گا تا کہ ہر شخص کو اس (دن) میں اس کے اعمال نیک و بد کا بدلہ دیا جا سکے، تو تجھ کو اس پر یقین رکھنے سے کوئی ایسا شخص باز نہ رکھ سکے، نہ روک سکے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اس کے انکار میں اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے ورنہ تو تو ہلاک ہو جائے گا یعنی اگر تو اس پر یقین رکھنے سے باز رہا تو ہلاک ہو جائے گا اور اے موسیٰ تیرے داہنے ہاتھ میں یہ کیا ہے استفہام تقریر کے لئے ہے تا کہ اس پر معجزہ کا ترتب ہو سکے، کہا یہ میری لاٹھی ہے (جست) لگاتے وقت اور چلنے کے وقت اس پر سہارا دیتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں یعنی اس کے ذریعہ درخت کے پتے گراتا ہوں تا کہ وہ اس کو کھائیں اور اس سے میں دیگر کام بھی لیتا ہوں مَاٰرِبُ مَارُبَةٌ کی جمع ہے راء پر تینوں اعراب جائز ہیں مآرب بمعنی حوائج ہے مثلاً کھانا پانی لٹکا لینا اور موذی جانوروں کو دفع کرنا (وغیرہ) (مقدار) جواب میں بیان حاجت کا

اضافہ فرمایا ارشاد ہوا اے موسیٰ اس (عصاء) کو (زمین) پر ڈال دے چنانچہ اس کو ڈال دیا تو یکا یک وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گیا بڑا اژدہا وہ اپنے پیٹ کے بل چھوٹے سانپ (سپولیے) کے مانند دوڑتا تھا جس کو دوسری آیت میں جان کہا گیا ہے ارشاد ہوا اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں ہم اس کو (پکڑتے ہی) اس کی پہلی صورت پر لوٹا دیں گے سِیْرَتَهَا حرف جار کو حذف کرنے کی وجہ سے منصوب ہے ای الی حالتِها الاُولیٰ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اس کے منہ میں داخل کر دیا تو وہ عصاء بن گیا اور یہ بات ظاہر ہوگئی کہ (ہاتھ) داخل کرنے کی جگہ دونوں شاخوں کے درمیان پکڑنے کی جگہ تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ سب کچھ اس لئے دکھایا گیا تا کہ جب فرعون کے سامنے (یہ عصاء) سانپ (کی شکل) میں تبدیل ہو جائے تو (موسیٰ) خوف زدہ نہ ہوں اور تم اپنا داہنا ہاتھ یعنی ہتھیلی اپنے بازو سے ملا لو، یعنی بائیں بغل میں بازو کے نیچے داخل کر لو اور (پھر) نکالو، اپنی پہلی گندمی حالت کے برخلاف بغیر کسی مرض مثلاً برص کے سورج کے مانند چمکدار ہو کر نکلے گا، جو آنکھوں کو چکا چوند (خیرہ) کر دے گا یہ دوسری نشانی ہوئی آیة اخریٰ اور بیضاء یہ دونوں تخرُجْ کی ضمیر سے حال ہیں، تا کہ ہم تم کو جب تم نشانی (معجزہ) کے اظہار کے لئے یہ سب کچھ کر چکو تو اپنی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی دکھا دیں یعنی تیری رسالت کی بڑی نشانی اور جب تم اس (ہاتھ) کو سابقہ حالت پر لوٹانا چاہو تو سابق کی طرح اس کو اپنے پہلو سے ملا لینا اور نکال لینا (اب) تم رسول بن کر فرعون اور ان لوگوں کے پاس جاؤ جو اس کے ساتھ ہیں بے شک وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے اپنے کفر میں دعوئ الوہیت کر کے حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَكَادُ اُخْفِيْهَا ای اُرِيْدُ اِخْفَاءَ وَقْتِهَا یہ عرب کے اس محاورہ کے مطابق ہے کہ عرب جب کسی بات کے اخفاء میں مبالغہ کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں (کتمهٗ حتی من نفسی) ای لم اطلع احَدًا لِتُجزیٰ یا تو اُخْفِيْهَا سے متعلق ہے یا آتِيَةٌ سے متعلق ہے دوسری صورت میں متعلَّق اور متعلِّق کے درمیان اَكَادُ اُخْفِيْهَا جملہ معترضہ ہوگا بہٖ کو مقدر ماننے کی وجہ یہ ہے کہ صلہ جب جملہ ہوتا ہے تو عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے اسی لئے مفسر نے بہٖ کو محذوف مانا ہے مِنْ خَيْرٍ وشرٍّ میں مِنْ، ما کا بیان ہے يَصُدَّنَّكَ واحد مذکر غائب نہی با نون ثقیلہ، مادہ صَدٌّ، كَ ضمیر مفعول ہے تجھ کو باز نہ رکھنے پائے فَتَرْدیٰ اصل میں فان تردیٰ تھا فَتَرْدیٰ جواب نہی ہے وَمَا تِلْكَ ما اسم استفہام مبتداء تلك اسم اشارہ خبر اور بیمینكَ كائنةً مقدر کے متعلق ہو کر حال ہے اسم اشارہ بمعنی اشیرُ سے ما تلك میں ما استفہامیہ طلب فہم کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ یہ ذات باری کے لئے محال ہے بلکہ تقریر شئ کے لئے ہے یعنی اچھی طرح دیکھ لو یہ کیا ہے تا کہ مغالطہ نہ ہو اس لئے کہ عنقریب اسی عصاء کا سانپ کی شکل میں معجزہ ظاہر ہونے والا ہے حَيَّةٌ چھوٹے بڑے ہر قسم کے سانپ کو کہتے ہیں، اور جَانٌّ خاص طور پر چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور ثعبان بڑے سانپ کو جس کو اژدہا کہا

جاتا ہے، کہیں جَانٌ کہا گیا ہے اور کہیں ثُعْبانٌ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ جسم و جثہ کے اعتبار سے تو ثعبان تھا اور حرکت وسرعت کے اعتبار سے جان یا ابتداءً جانٌ رہتا تھا اور بعد میں ثعبان ہوجاتا تھا فَاِذَا هِیَ تَسعٰی اِذا مفاجاتیہ ہے هِیَ مبتداء ہے حیۃ خبر اول ہے اور تسعٰی خبر ثانی ہے، تسعٰی جملہ ہوکر حیۃ سے حال بھی ہوسکتا ہے، اور صفت بھی سِیْرَتَھَا اصل میں اِلَی سِیْرَتِھَا الْاُوْلٰی تھا حذف الٰی کی وجہ سے منصوب ہوگیا سِیْرَتَھَا الْاُوْلٰی یہ سَنُعِیْدُھَا کی ضمیر مفعول سے بدل الاشتمال بھی ہوسکتا ہے ای ھیئتھا الْاُوْلٰی بیضاء تخرجُ کی ضمیر سے حال ہے مِن غیر سُوْءٍ تخرج کے متعلق ہے بمعنی الکف کا اضافہ اس شبہ کو زائل کرنے کے لئے کیا ہے کہ یَدٌ عربی میں انگلیوں سے لیکر کندھے تک کو کہتے ہیں، اس کا بغل میں داخل کرنا ممکن نہیں ہے، جواب دیا کل بول کر جز مراد ہے یعنی صرف ہتھیلی الآیۃ محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ الکبریٰ، موصوف محذوف کی صفت ہے۔

تفسیر وتشریح

اَکَادُ اُخْفِیْھَا یعنی قیامت کے معاملہ کو میں تمام مخلوق سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں حتی کہ انبیاء اور فرشتوں سے بھی اَکَادُ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر لوگوں کو قیامت اور آخرت کی فکر دلا کر ایمان و عمل صالح پر ابھارنا مقصود نہ ہوتا تو اتنی بات بھی ظاہر نہ کی جاتی کہ قیامت آنے والی ہے، البتہ قیامت کی علامات قریبہ اور بعیدہ بتادوں گا تاکہ بندوں کو وقوع قیامت کا علم ہوجائے، علامات بعیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے، اور علامات قریبہ میں نزول عیسیٰ ظہور مہدیؑ اور خروج دجال اور سورج کا مغرب سے نکلنا وغیرہ ہیں۔

لِتُجْزیٰ الخ تاکہ ہر نفس کو اس کے عمل کی جزا دی جائے اگر اس جملہ کا تعلق آتیۃٌ سے ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ قیامت کے آنے کی حکمت و مصلحت یہ ہے کہ دنیا دار الجزاء نہیں بلکہ دار العمل ہے بعض اوقات دنیا میں بھی قدرے جزاء مل جاتی ہے مگر وہ جزاء کامل نہیں ہوتی بلکہ جزاء کا ایک نمونہ ہوتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت آئے کہ جہاں ہر نیک و بد عمل کی کامل جزاء دی جائے ورنہ تو یہ انصاف کے تقاضہ کے خلاف ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا قیام عقلاً بھی ضروری ہے قیامت اور موت کے وقت کو مخفی رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیام قیامت اور احتضار کے وقت توبہ کے قبول سے منع فرمایا ہے اگر لوگوں کو موت یا قیامت کا متعین وقت معلوم ہوجائے تو معصیت میں مبتلا رہیں گے پھر وقت سے کچھ پہلے توبہ و استغفار کرلیں گے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قیامت اور موت کے وقت کو مخفی رکھا ہے تاکہ بندہ ہمہ وقت ڈرتا رہے فَلَا یَصُدَّنَّكَ اس میں خطاب گو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہے مگر سنانا مقصود امت کو ہے اس لئے کہ نبی معصوم ہوتا ہے اس سے گناہ کبیرہ کا صدور نہیں ہوسکتا یا مقصد یہ ہے کہ اے موسیٰ جس طرح تم اب تک ایمان بالقیامۃ پر قائم رہے ہو آئندہ بھی اسی طرح قائم رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسا شخص جو قیامت پر ایمان نہ

رکھتا ہو اور اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے دوڑ رہا ہو آپ کو قیامت کے معاملہ میں غفلت میں ڈالدے اگر بالفرض ایسا ہوا تو تم بھی ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔

وَمَا تِلْكَ رب العالمین کی طرف سے یہ ایک دوستانہ انداز خطاب ہے تاکہ حیرت انگیز مناظر دیکھنے اور کلام ربانی سننے کے بعد جو ہیبت اور دہشت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طاری ہوگئی تھی وہ اس بے تکلفانہ کلام سے دور ہو جائے، اس کے علاوہ اس سوال میں یہ حکمت بھی ہے آئندہ چل کر اس عصا کو جو ان کے ہاتھ میں تھا ایک سانپ بنانا تھا اس لئے پہلے ان کو متنبہ کر دیا اور فرمایا اے موسیٰ کیا تیرے ہاتھ میں عصا نہیں ہے خوب اچھی طرح دیکھ لے جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھ لیا کہ لکڑی کا عصا ہے تب اس کو سانپ بنانے کا معجزہ ظاہر کیا گیا ورنہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ مغالطہ اور احتمال ہو سکتا تھا کہ کہیں رات کی تاریکی میں عصا کی بجائے سردی سے ٹھٹھرا ہوا سانپ نہ اٹھا لیا ہو اور اب گرمی پا کر حرکت کرنے لگا ہو۔

قَالَ هِيَ عَصَايَ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صرف اتنا سوال ہوا تھا کہ اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس کا اتنا جواب کافی تھا کہ لاٹھی ہے، مگر یہاں موسیٰ نے اصل جواب پر تین باتیں مزید فرمائیں جن کا جواب سے کوئی تعلق نہیں ہے، اول تو یہ کہ یہ میری لاٹھی ہے دوسرے یہ کہ اس سے بہت سے کام لیتا ہوں مثلاً یہ کہ میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں، نیز اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑ لیتا ہوں اس کے علاوہ بھی اس سے اور بہت سے کام لیتا ہوں مثلاً یہ کہ اگر کودنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو اس کے سہارے سے کود جاتا ہوں ضرورت کے وقت اس پر اپنا سامان بھی کندھے پر رکھ کر ٹانگ لیتا ہوں، موذی جانوروں کو دفع کرنے کا کام بھی اسی سے لیتا ہوں اور یہ عصا بکریاں ہانکنے کے کام بھی آتا ہے، اس طویل اور تفصیلی جواب میں عشق و محبت اور اس کے ساتھ رعایت ادب کی جامعیت کا کمال ظاہر ہوتا ہے، عشق و محبت کا تقاضہ ہے کہ جب محبوب مہربان ہو کر متوجہ ہو تو موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بات درازکی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ ہمکلامی کا شرف حاصل ہو سکے اور بے جا طوالت بھی نہ ہو جیسا کہ آخر میں موسیٰ نے فرمادیا **وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ** (معارف القرآن ملخصاً) فرعون کے پاس بھیجنے سے پہلے عصاء کے سانپ بننے کا عملی تجربہ بھی کرادیا تاکہ اچانک عصاء کے سانپ بننے کی وجہ سے بشری خوف غالب نہ آجائے، چنانچہ عملی تجربہ کے وقت ایسا ہی ہوا کہ حضرت موسیٰ اس خوفناک منظر کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا، **لَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ**

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول کو دو عظیم معجزوں سے مسلح کرنے کے بعد حکم دیا کہ اب فرعون سرکش کو دعوت ایمان دینے کے لئے چلے جائیں۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۙ وَسِّعْهُ لِتَحْمِلَ الرِّسَالَةَ وَيَسِّرْ سَهِّلْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝ لِاُبَلِّغَهَا وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۙ حَدَثَتْ مِنْ اِحْتِرَاقِهٖ بِجَمْرَةٍ وَضَعَهَا وَهُوَ صَغِيْرٌ بِفِيْهِ يَفْقَهُوْا يَفْهَمُوْا قَوْلِيْ ۝

عِندَ تَبْلِیغِ الرِّسَالَةِ وَاجْعَلْ لِّی وَزِیْرًا مُعِینًا عَلیها مِّنْ اَهْلِیْ ۙ هَارُوْنَ مفعُوْلٌ ثَان اَخِی ۙ عَطفُ بَیَانٍ اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِیْ ۝ ظَهرِی وَاَشْرِکْهُ فِیْ اَمْرِیْ ۙ ای الرِّسَالَةِ وَالفِعْلان بِصِیْغَتَی الاَمْرِ او المُضَارِعِ المَجْزُوْمِ وهو جَوَابٌ للطَّلَبِ کَیْ نُسَبِّحَکَ تَسْبِیْحًا کَثِیْرًا ۙ وَّنَذْکُرَکَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۝ اِنَّکَ کُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ۝ عَالِمًا فَاَنْعَمْتَ بالرِّسَالَةِ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی ۝ مَنًّا علیك وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْکَ مَرَّةً اُخْرٰٓی ۙ اِذْ لِلتَّعْلِیْلِ اَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّکَ مَنَامًا او اِلْهَامًا لَمَّا وَلَدَتْكَ وخَافَتْ اَنْ یَّقتُلَکَ فِرْعَوْنُ فی جُمْلَةِ مَنْ یُوْلَدُ مَا یُوْحٰی ۝ فی اَمرِكَ ویُبْدَلُ منه اَن اقْذِفِیْه اَلْقِیه فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ بِالتَّابُوْتِ فِی الیَمِّ بَحْرِ النِّیْلِ فَلْیُلْقِهِ الیَمُّ بِالسَّاحِلِ ای شَاطِئِه والاَمْرُ بمعنی الخَبَرِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّی وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وهو فِرْعَوْنُ وَاَلْقَیْتُ بَعْدَ اَنْ اَخَذَکَ عَلَیْکَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ لِتُحَبَّ مِنَ النَّاسِ فَاَحَبَّکَ فِرْعَوْنُ وکُلُّ مَنْ رَّآكَ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ۘ تُرْبٰی علٰی رِعَایَتِیْ وحِفْظِیْ لكَ اِذْ لِلتَّعْلِیْلِ تَمْشِیْ اُخْتُكَ مَرْیَمُ لِتَعْرِفَ خَبَرَكَ وقد اَحْضَرُوا مَرَاضِعَ وانْتَ لاتَقْبَلُ ثَدْیَ وَاحِدَةٍ منها فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی مَنْ یَّکْفُلُهٗ ؕ فَاُجِیْبَتْ فجاءَتْ بِاُمِّه فقَبِلَ ثَدْیَها فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓی اُمِّکَ کَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا بِلِقَائِكَ وَلَا تَحْزَنَ ؕ حِیْنَئِذٍ وَقَتَلْتَ نَفْسًا هو القِبْطِیُّ بِمِصْرَ فاغْتَمَمْتَ لِقَتْلِه مِنْ جِهَةِ فِرْعَوْنَ فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۝ اِخْتَبَرْنَاكَ بالاِیْقَاعِ فِی غَیْرِ ذٰلِكَ وَخَلَّصْنَاكَ منه فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ عَشْرًا فِیْ اَهْلِ مَدْیَنَ ۝ بعد مَجِیْئِكَ اِلیها من مِصْرَ عند شعیب النبی وتَزَوُّجِكَ بِابْنَتِه ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ فی عِلْمِیْ بِالرِّسَالَةِ وهو اَرْبَعُوْنَ سَنَةً من عُمْرِكَ یٰمُوْسٰی ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ اِخْتَرْتُكَ لِنَفْسِیْ ۚ ۝ بالرِّسَالَةِ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ الی النَّاسِ بِاٰیٰتِیْ التِّسْعِ وَلَاتَنِیَا تَفْتُرَا فِیْ ذِکْرِیْ ۚ ۝ بِتَسْبِیْحٍ وَغَیْرِهٖ.

ترجمہ

موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب میرا سینہ کھولدے (حوصلہ زیادہ کردے یعنی میرے سینہ کو وسیع کردے تاکہ (بار) رسالت کا متحمل ہو سکے، اور میرے لئے میرا یہ (تبلیغ) کا کام آسان فرمادے اور میری زبان کی گرہ کو کھولدے جو کہ اس چنگاری سے جلنے کی وجہ سے پڑ گئی تھی کہ جس کو بچپن میں منہ میں رکھ لیا تھا تاکہ لوگ پیغام رسانی کے وقت میری بات سمجھ سکیں، اور میرا کوئی وزیر کار رسالت میں معاون میرے خاندان میں سے مقرر کر دیجئے ہارون مفعول

ثانی ہے اور اَخِیْ ہارون سے عطف بیان ہے یعنی ہارون کو جو کہ میرے بھائی ہیں اس کے ذریعہ میری پیٹھ مضبوط کر دیجئے اور اس کو میرے معاملہ یعنی کار رسالت میں میرا شریک کر دے اور دونوں فعل (یعنی اُشْدُدْ اور اَشْرِکْہُ) امر کے صیغہ بھی ہو سکتے ہیں، اور مضارع مجزوم کے بھی، اور مضارع جواب امر (ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے) تا کہ ہم دونوں کثرت سے تیری تسبیح بیان کریں اور تیرا کثرت سے ذکر کریں بے شک آپ ہمارے حالات سے بخوبی واقف ہیں یہی وجہ ہے کہ تو نے رسول بنا کر انعام فرمایا ارشاد فرمایا اے موسیٰ تجھ پر احسان کرتے ہوئے ہم نے تیری درخواست کو قبول فرما لیا اور اے موسیٰ اس کے علاوہ بھی ہم تجھ پر احسان کر چکے ہیں اِذْ تعلیلیہ ہے جبکہ ہم نے تیری ماں کو خواب میں یا الہام کے ذریعہ تیرے بارے میں وہ بات بتا دی جو بذریعہ الہام بتانے کے لائق تھی جب کہ تیری ماں نے تجھ کو جنا تھا اور اس کو یہ خوف ہوا تھا کہ فرعون منجملہ (دیگر نومولود) بچوں کے تجھ کو قتل کر دے گا اور اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ، مَا یُوْحٰی سے بدل ہے وہ یہ کہ ان کو تابوت میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دے، پھر دریا ان کو ساحل پر ڈال دے گا یعنی اپنے کنارے پر اور (فَلْیُلْقِهِ) امر بمعنی خبر ہے، آخر کار اس کو ایسا شخص پکڑ لے گا جو کہ میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی اور وہ فرعون ہے، اور بعد اس کے کہ ان لوگوں نے تجھ کو پکڑ لیا میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی تا کہ تو لوگوں کے نزدیک محبوب ہو جائے اور پھر فرعون اور ہر وہ شخص جو تجھ کو دیکھے گا تجھ سے محبت کرنے لگے اور تا کہ تم میری نگرانی رعایت و حفاظت میں پرورش پاؤ اِذْ تعلیلیہ ہے (یہ اس وقت کی بات ہے) جب تیری بہن مریم تیری خبر گیری کے لئے چل رہی تھی اور ان لوگوں نے بہت سی دودھ پلانے والیوں کو بلایا تھا اور تو ان میں سے کسی کی پستانوں کو قبول نہیں کرتا تھا تو (مریم) کہنے لگی کیا میں تم لوگوں کو ایسا شخص بتا دوں جو اس کی کفالت کرے؟ چنانچہ اس کی بات منظور کر لی گئی بعد ازاں وہ اس کی ماں کو بلا لائی اور اس نے اس کی پستانوں کو قبول کر لیا، پھر ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تا کہ اس کی آنکھیں تیری ملاقات سے ٹھنڈی ہوں اور ان کو اس وقت کوئی غم نہ رہے (ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے) یعنی تو نے اپنی ماں کا دودھ قبول کر لیا تو اب تجھ کو کوئی غم نہ ہونا چاہئے، اور تو نے ایک قبطی شخص کو مصر میں قتل کر دیا تھا اور اس کے قتل کی وجہ سے تو فرعون کی طرف سے مغموم تھا پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی پھر ہم نے تم کو مختلف قسم کی آزمائشوں میں ڈالا (یعنی) اس کے علاوہ بھی ہم نے تم کو آزمائشوں میں مبتلا کیا اور پھر ان سے تجھ کو خلاصی دی پھر اہل مدین میں تم کئی (دس) سال رہے مصر سے مدین آنے کے بعد شعیب علیہ السلام کے پاس اور تم نے اس کی بیٹی سے نکاح کیا پھر تم ایک خاص عمر کو پہنچے جو کہ میرے علم میں رسالت کے لئے مقدر تھی اور وہ تیری عمر کے چالیس سال تھے اے موسیٰ میں نے تم کو اپنی رسالت کے لئے منتخب کر لیا لہٰذا (اب) تم اور تمہارے بھائی میری نو نشانیاں لیکر لوگوں کے پاس جاؤ اور میری یادگاری میں کوتاہی سستی سے کام نہ لینا (یعنی) تسبیح وغیرہ میں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

یَفْقَهُوْا جواب دعاء ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، وَزِیْرًا وَزْرٌ سے صیغہ صفت ہے، مددگار، ناصر، معین، بقول مفسر علام وَزِیْرًا اجعل کا مفعول اول ہے اور ہارون مفعول ثانی ہے، اس کا عکس اولیٰ ہے اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو مفعول جمع ہوں ان میں ایک معرفہ ہو اور دوسرا نکرہ، تو معرفہ کو مفعول اول بناتے ہیں اس لئے کہ مفعول اول مبتداء ہوتا ہے جس کو معرفہ ہونا چاہیے اور مفعول ثانی خبر ہوتی ہے جس کے لئے نکرہ ہونا مناسب ہے اور یہاں ہارون معرفہ اور وزیرًا نکرہ ہے مقصود بالعنایت اور اہم ہونے کی وجہ سے مفعول ثانی کو مقدم کر دیا گیا ہے۔

دوسری ترکیب: وزیرًا مفعول اول ہو اور لِیْ مفعول ثانی اور ہارون بدل یا عطف بیان ہو اُشْدُدْ، اُشْرِكْ یہ دونوں صیغے جب مضارع واحد متکلم ہوں گے تو اُشْدُدْ میں ہمزہ کا فتحہ ہوگا اور اُشْرِکْہُ میں ہمزہ کا ضمہ ہوگا اور جواب دعاء ہونے کی وجہ سے دال ثانی اور کاف ساکن ہوں گے اس صورت میں دونوں فعلوں کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہوگی مطلب یہ ہوگا تاکہ میں اس کے ذریعہ اپنی پیٹھ مضبوط کروں اور اس کو اپنا شریک کار بناؤں اور اگر دونوں امر کے صیغہ ہوں تو اُشْدُدْ ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہوگا (ن،ض) اور اَشْرِكْ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہوگا اس صورت میں دونوں فعلوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی یعنی اے اللہ تو میرے بھائی کے ذریعہ میری پیٹھ مضبوط کردے اور اس کو میرا شریک کار بنادے اُشْدُدْ کا جب اَخِی کے ساتھ وصل کریں گے تو ہمزہ ساقط ہو جائے گا اَزْرِیْ الْاَزر قوت، پشت سُؤْلَكَ سُؤْلٌ بروزن فُعْلٌ جیسا کہ خُبْزٌ بمعنی مَخْبُوْزٌ فُعْلٌ بمعنی مَفْعُوْلٌ ہے کاف کی طرف مضاف ہے بمعنی درخواست، تمنا، خواہش اِذْ اَوْحَینا مَنَنّا کا ظرف ہے اور اِذْ اَوْحَینا مَرَّۃً سے بدل بھی ہوسکتا ہے اور اِذْ تعلیلیہ بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ مفسرؒ نے صراحت کی ہے مفسرؒ کا منامًا اور الھامًا کا اضافہ کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ وحی رسالت نہیں تھی بلکہ وحی لغوی تھی اِقْذِفِیْ قَذْفٌ (ض) واحد مونث حاضر اس کے آخر میں ہ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول ہے (تو اس کو ڈال دے، رکھ دے) یُلْقِہِ اِلقاءٌ سے امر کا واحد مذکر غائب بمعنی خبر ہے ضمیر مفعولی ہے، اس کو ڈال دے، پھینک دے اَلْیَمُّ البحر مراد دریائے نیل ہے یَاْخُذْہُ جواب امر ہے مِنِّی اَلْقَیْتُ کے متعلق ہے اور کائنۃً محذوف کے متعلق ہو کر مُحبۃً کی صفت بھی ہوسکتی ہے **قولہ** لِتُحَبَّ یہ اَلْقَیْتُ کی علت ہے اس کو محذوف اس لئے مانا کہ لِتُصْنَعَ کا عطف درست ہو جائے ای لِتُحَبَّ وتُصْنَعَ اِذْ تمشی کا تعلق مذکور دونوں فعلوں میں سے کسی ایک سے ہوسکتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ اِذْ اولیٰ سے بدل ہو، اس لئے کہ بہن کا ساتھ ساتھ چلنا بھی احسان ہی تھا اور اذکر محذوف مان کر تقدیر عبارت یہ بھی ہوسکتی ہے اُذْکر اِذْ تمشی **قولہ** مَرَاضِعَ مُرْضِعَۃٌ کی جمع ہے دودھ پلانے والی کو کہتے ہیں فُتُوْنًا مفعول مطلق ہے ای اِبْتَلَیْنَاكَ اِبْتلاءً اور فِتْنَۃٌ کی جمع بھی ہوسکتی ہے جیسے

بَدْرۃ کی جمع بُدورٌ ای فتناك بِفُتُوْنٍ کثیرۃ مفسر علام نے فاجیبت کو محذوف مانا ہے تاکہ فرجعناك کا عطف درست ہوجائے اِصْطَنَعْتُكَ (افتعال) اِصْطِناعٌ درستگی میں مبالغہ کرنا، منتخب کرنا تَنِیَا وَنیٰ یَنِیٰ وَنْیًا سستی کرنا (ض) تثنیہ مذکر حاضر لَا تَنِیَا سستی نہ کرو الی الناس یہاں فرعون کو آئندہ پر قیاس کرتے ہوئے حذف کردیا گیا ہے جس طرح کہ وہاں آیاتی کو اس پر قیاس کرکے حذف کردیا گیا ہے اس کو صنعت احتباک کہتے ہیں یعنی نظیر کو نظیر پر قیاس کرتے ہوئے حذف کردینا **قوله** التِّسعُ مفسر علام التسع کے بجائے العصا و الید فرماتے تو مناسب ہوتا، اس لئے کہ ابتداءً صرف یہی دو معجزے عطا کیے گئے تھے باقی مدت کے دوران عطا کیے گئے اب رہا یہ سوال کہ دو معجزوں پر جمع کا اطلاق کیونکر درست ہے؟ **جواب**: یہ دونوں معجزے چونکہ متعدد معجزات پر مشتمل تھے اس لئے جمع سے تعبیر کرنا درست ہے۔

تفسیر وتشریح

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ حضرت موسیٰ کو جب کلام الٰہی کا شرف خاص حاصل ہوا اور منصب نبوت و رسالت عطا ہوا تو اپنی ذات پر بھروسہ کرنے کے بجائے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگئے اس وقت پانچ دعائیں مانگیں رب اشرح لی صدری اے میرے رب میرا سینہ کشادہ فرما دے یعنی اس میں ایسی وسعت عطا فرمادے کہ جو علوم نبوت کا متحمل ہوسکے اور دعوت و تبلیغ کے کام میں جو شدائد و مصائب پیش آتے ہیں ان کو برداشت کرسکے۔

دوسری دعاء: وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ یعنی میرا یہ کام آسان کردے اس لئے کہ کسی کام کا آسان یا دشوار ہونا سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اگر وہ چاہے تو آسان کو مشکل اور مشکل کو آسان کردے۔

تیسری دعاء: وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ الخ یعنی میری زبان کی بندش کھولدے تاکہ لوگ میری بات سمجھنے لگیں، اس بندش کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز ایسا ہوا فرعون حضرت موسیٰ کو اپنی گود میں لئے ہوئے تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک ہاتھ سے فرعون کی ڈاڑھی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے اس کے گال پر طمانچہ رسید کردیا، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کھیل رہے تھے ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے وہ کھیل رہے تھے اچانک فرعون کے سر پر ماردی فرعون کو غصہ آیا اور اس کے قتل کرنے کا اردہ کرلیا، غالباً فرعون کو یہ شک ہوگیا کہ ہوسکتا ہے یہ وہی اسرائیلی بچہ ہو جس کے ذریعہ میری سلطنت کا خاتمہ نجومیوں نے بتایا ہے، فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم نے کہا شاہا آپ بچہ کی بات کا خیال کرتے ہیں جس کو کسی چیز کی عقل و تمیز نہیں، اور اگر آپ چاہیں تو تجربہ کرلیں چنانچہ ایک طشت میں انگارے اور دوسرے میں جواہر پارے لاکر موسیٰ کے سامنے رکھدئے خیال یہ تھا کہ انگارے چونکہ جواہرات کے مقابلہ میں زیادہ روشن اور چمکدار ہوتے ہیں لہٰذا بچوں کی عادت کے مطابق حضرت موسیٰ بھی انگاروں کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے جس

سے فرعون کو یقین آجائے گا کہ موسیٰ نے جو کچھ کیا وہ بچپن کی نادانی کی وجہ سے کیا ہے مگر اتفاق کی بات کہ حضرت موسیٰ نے ہاتھ جواہرات کی طرف بڑھایا مگر جبرائیل امین نے ان کا ہاتھ آگ کے انگاروں کی طرف کردیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچوں کی عادت کے مطابق ایک چنگاری ہاتھ میں اٹھا کر منہ میں رکھ لی جس کی وجہ سے زبان جل گئی، فرعون کو اس بات کا یقین آگیا کہ موسیٰ کا یہ عمل کسی شرارت کا نتیجہ نہیں بلکہ بچپن کی نادانی کا نتیجہ ہے، آگ کی وجہ سے زبان کے جل جانے کو قرآن میں **عقدة** کہا گیا ہے اور اسی کو کھولنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی تھی، جو کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے قبول فرمائی مگر قلیل مقدار میں بستگی کا اثر باقی رہ گیا تھا یہ قبولیت دعا کے منافی نہیں ہے۔

چوتھی دعاء: وَاجْعَلْ وَزِيْرًا مِنْ اَهْلِیْ میرا ایک معاون میرے خاندان سے عطا فرما جو میرا شریک ہو کر میرا ہاتھ بٹا سکے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی اور ہارون علیہ السلام کو ان کا شریک کار بنادیا حضرت علیہ السلام اس وقت مصر میں تھے اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے ذریعہ ان کی نبوت کی اطلاع دیدی۔

پانچویں دعاء: وَاَشْرِكْهُ فِیْ اَمْرِیْ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو اپنا وزیر اور معاون بنانا چاہا یہ اختیار تو ان کو خود حاصل تھا صرف تبرکاً اس کام کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی مگر ساتھ ہی یہ بھی چاہتے تھے کہ نبوت اور رسالت میں شریک کردیں یہ اختیار کسی رسول یا نبی کو خود نہیں ہوتا، اس لئے اس کی **جداگانہ** مستقل دعاء کی، حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے اور تین ہی سال قبل وفات پائی۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ان نعمتوں کو یاد دلا رہے ہیں جو شروع پیدائش سے اب تک زندگی کے ہر دور میں آپ پر مبذول ہوتی رہیں، اور مسلسل آزمائشوں کے درمیان قدرت حق نے کن حیرت انگیز طریقوں سے ان کی حفاظت فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان نعمتوں کو یاد دلانے کے لئے **مَرَّةً اُخْرٰى** کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ نعمتیں بعد کی ہیں اور اس سے پہلے جو نعمتیں شمار کرائی ہیں وہ پہلی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اخریٰ کا لفظ کبھی مطلقاً دوسری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (روح المعانی)

اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّكَ یعنی جب وحی بھیجی ہم نے آپ کی والدہ کے پاس ایک ایسے معاملہ میں کہ جو صرف وحی ہی سے معلوم ہوسکتا تھا وہ یہ کہ فرعونی سپاہی جو کہ اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنے پر مامور تھے ان سے بچانے کے لئے آپ کی والدہ کو بذریعہ وحی بتلایا گیا کہ ان کو ایک تابوت میں بند کرکے دریا میں ڈالدیں اور ان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ کریں، ہم ان کی حفاظت کریں گے اور پھر آپ کے پاس ہی واپس پہنچادیں گے ظاہر ہے کہ یہ باتیں عقل وقیاس کی نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور ان کی حفاظت کا ناقابل قیاس انتظام صرف اسی کی طرف سے بتلانے پر ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ (معارف القرآن)

کیا وحی غیر نبی و رسول کی طرف بھی آسکتی ہے؟

صحیح بات یہ ہے کہ لفظ وحی کے لغوی معنی ایسے خفیہ کلام کے ہیں کہ جو صرف مخاطب کو معلوم ہو دوسرے اس پر مطلع نہ ہوں اس لغوی معنی کے اعتبار سے وحی کسی کے لئے مخصوص نہیں، نبی اور رسول بلکہ جانور تک اس میں شامل ہو سکتے ہیں اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ میں شہد کی مکھی کو بذریعہ وحی تلقین و تعلیم کرنے کا ذکر اسی معنی کے اعتبار سے ہے اور اَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّكَ بھی اس معنی لغوی کے اعتبار سے ہے اس سے ان کا نبی یا رسول ہونا لازم نہیں آتا جیسے حضرت مریم کو ارشادات ربانی پہنچے باوجودیکہ باتفاق جمہور امت وہ نبی یا رسول نہیں تھیں، اس طرح کی لغوی وحی عموماً بذریعہ الہام ہوتی ہے حق تعالیٰ کسی کے قلب میں کوئی مضمون ڈالدیں اور اس پر مطمئن کردیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے جیسے عموماً اولیاء اللہ کو اس قسم کے الہامات ہوتے رہتے ہیں، بلکہ ابوحیان اور بعض دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اس طرح کی وحی بعض اوقات کسی فرشتہ کے واسطہ سے بھی ہوسکتی ہے جیسے حضرت مریم کے واقعہ میں اس کی تصریح ہے کہ جبرائیل امین نے بشکل انسانی متشکل ہو کر ان کو تلقین فرمائی مگر اس کا تعلق صرف اس کی ذات سے ہوتا ہے جس کو یہ وحی الہام کی جاتی ہے اصلاح خلق اور تبلیغ دعوت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، بخلاف وحی نبوت کے کہ اس کا منشا ہی مخلوق کی اصلاح ہے اس کو وحی رسالت اور وحی نبوت کہتے ہیں، اس پر صاحب وحی کو خود بھی ایمان لانا ضروری ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنی وحی پر ایمان لانے کا حکم کرے۔

وحی الہامی یعنی وحی لغوی کا سلسلہ جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا اور وحی نبوت حضرت خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے بعض بزرگوں کے کلام میں اس کو وحی تشریعی اور غیر تشریعی سے تعبیر کیا گیا ہے جس کو مدعی نبوت قادیانی نے شیخ محی الدین ابن عربی کی بعض عبارتوں کے حوالہ سے اپنے دعوائے نبوت کے جواز کی دلیل بنایا ہے جو خود ابن عربی کی تصریحات سے باطل ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام

روح المعانی میں ہے کہ ان کا مشہور نام یُوحانِذ ہے اور اتقان میں ان کا نام لَحْیَانہ بنت یصمد بن لاوی لکھا ہے اور بعض لوگوں نے ان کا نام بارخا اور بعض نے بازخت بتلایا ہے، تعویذ گنڈے والے ان کے نام کی عجیب و غریب خصوصیات بیان کرتے ہیں، صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ ہمیں اس کی کوئی بنیاد معلوم نہیں ہوئی اور غالب یہ ہے کہ خرافات میں سے ہے۔

فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ، یَمّ بمعنی دریا ہے اور دریا سے بحر نیل مراد ہے آیت میں ایک حکم تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو دیا گیا ہے کہ اس بچہ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈالدے اور دوسرا حکم بصیغہ امر دریا کے نام ہے کہ وہ

اس تابوت کو دریا کے کنارے پر ڈال دے دریا چونکہ بظاہر بے حس اور بے شعور ہے اس کو حکم دینے کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا اسی لئے بعض حضرات نے یہ قرار دیا کہ اگرچہ یہاں صیغہ امر بمعنی الحکم استعمال ہوا ہے مگر مراد اس سے حکم نہیں ہے بلکہ خبر دینا ہے کہ دریا اس کو کنارے پر ڈال دے گا مگر محققین علماء کے نزدیک یہ امر اپنے ظاہر پر امر اور حکم ہی ہے اور دریا ہی اس کا مخاطب ہے کیونکہ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی شئ حتی کہ درخت اور پتھر بے شعور نہیں بلکہ سب میں عقل وادراک موجود ہے، اور یہی عقل وادراک ہے جس کے سبب یہ سب چیزیں حسب تصریح قرآن تسبیح میں مشغول ہیں، البتہ جنوں اور انسانوں کے علاوہ کسی میں عقل وشعور اتنا مکمل نہیں جن کو حلال وحرام کا مکلف بنایا جا سکے۔

یاخذہ عَدُوٌّ لِّی وعَدُوٌّ لَّهٗ یعنی اس بچہ کو ایسا شخص اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور موسیٰ کا بھی، مراد فرعون ہے، فرعون کا دشمن خدا ہونا تو اس کے کفر کی وجہ سے ظاہر ہے مگر موسیٰ علیہ السلام کا دشمن کہنا اس لئے محل غور ہے کہ اس وقت تو فرعون حضرت موسیٰ کا دشمن نہیں تھا بلکہ ان کی پرورش پر زر کثیر خرچ کر رہا تھا پھر اس کو حضرت موسیٰ کا دشمن فرمانا یا تو انجام کے اعتبار سے ہے کہ بالآخر فرعون ان کا دشمن ہو جائے گا کیونکہ فرعون کا موسیٰ کا دشمن ہو جانا اللہ کے علم میں تھا، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک فرعون کی ذات کا تعلق ہے وہ فی نفسہ اس وقت بھی دشمن ہی تھا اس نے حضرت موسیٰ کی تربیت صرف بیوی کی خاطر گوارہ کی تھی، اور جب اس میں بھی اس کو شبہ ہوا تو اسی وقت قتل کا حکم دے دیا تھا جو حضرت آسیہ کی تدبیر اور دانشمندی کے ذریعہ ختم ہوا۔ (روح ومظہری)

وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ محبةً مِّنِّی اس جگہ لفظ محبت مصدر بمعنی محبوبیت ہے اور مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی عنایت اور رحمت سے آپ کے وجود میں ایک محبوبیت کی شان رکھ دی تھی کہ جو آپ کو دیکھے گا آپ سے محبت کرنے لگے گا حضرت ابن عباسؓ اور عکرمہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔

وَلِتُصْنَعَ علیٰ عَیْنِی لفظ صنعت سے یہاں عمدہ تربیت مراد ہے جیسا کہ عرب میں صَنَعْتُ فَرَسی کا محاورہ اسی معنی میں معروف ہے کہ میں نے اپنے گھوڑے کی اچھی تربیت کی اور علیٰ عَیْنِیْ سے مراد علیٰ حفظی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا کہ موسیٰ کی بہترین تربیت براہ راست حق تعالیٰ کی نگرانی میں ہو اس لئے مصر کی سب سے بڑی ہستی یعنی فرعون کے ہاتھوں ہی اس کے گھر میں یہ کام اس طرح لیا گیا کہ وہ اس سے بے خبر تھا کہ میں اپنے ہاتھوں اپنے دشمن کو پال رہا ہوں۔ (مظہری)

اِذ تَمْشِیْ اُخْتُكَ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا اس تابوت کے تعاقب میں جانا اور اس کے بعد کا قصہ جس کا اجمال اس آیت میں آیا ہے جس کے آخر میں وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا یعنی ہم نے آپ کی آزمائش کی بار بار (قالہ ابن عباسؓ) یا آپ کو مبتلاء آزمائش کیا بار بار (قالہ ضحاکؒ) اس کی پوری تفصیل سنن نسائی کی ایک طویل حدیث میں بروایت ابن عباسؓ آئی

ہے۔(قصہ کی تفصیل کے لئے معارف القرآن جلد ششم کی طرف رجوع کریں)

اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ بِادِّعَاءِ الرُّبُوْبِيَّةِ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا فى رُجُوْعِهٖ عن ذٰلك لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ يَتَّعِظُ اَوْ يَخْشٰى ۝ اللّٰهَ فَيَرْجِعُ والتَّرَجِّى بالنِّسْبَةِ اليهما لِعِلْمِهٖ تعالٰى بانّه لايَرْجِعُ قَالَا رَبَّنَا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا اى يَعْجَلَ بالعُقُوْبَةِ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ علينا اى يَتَكَبَّرَ قَالَ لَاتَخَافَا اِنَّنِىْ مَعَكُمَا بِعَوْنِىْ اَسْمَعُ ما يَقُوْلُ وَاَرٰى ۝ ما يَفْعَلُ فَاْتِيَاهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْ اِسْرَآءِيْلَ ۙ الى الشَّامِ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ اى خَلِّ عنهم مِن اسْتِعْمَالِكَ اِيَّاهم فى اَشْغَالِكَ الشَّاقَّةِ كالحَفْرِ والبِنَاءِ وحَمْلِ الثَّقِيْلِ قَدْ جِئْنَاكَ بِاٰيَةٍ بِحُجَّةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ على صِدْقِنَا بالرِّسَالَةِ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ اى السَّلَامَةُ له مِنَ العَذَابِ اِنَّا قَدْ اُوْحِىَ اِلَيْنَا اَنَّ العَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ بما جِئْنَا به وَتَوَلّٰى ۝ اَعْرَضَ عنه فَاَتَيَاه وقَالَا له جَمِيْعَ ما ذُكِرَ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يَامُوْسٰى ۝ اِقْتَصَرَ عَلَيْه لانه الاَصْلُ ولِاِدْلَالِهٖ عليه بالتَّرْبِيَّةِ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ من الخَلْقِ خَلْقَهٗ الذى هو عليه مُتَمَيِّزٌ به عن غيرِه ثُمَّ هَدٰى ۝ الحَيْوَانَ منه الى مَطْعَمِه ومَشْرَبِه ومَنْكَحِهٖ وغيرِ ذٰلك قَالَ فِرْعَوْنُ فَمَا بَالُ حَالُ القُرُوْنِ الاُمَمِ الْاُوْلٰى ۝ كقَوْمِ نُوْحٍ وهُوْدٍ ولُوْطٍ وصَالِحٍ فى عِبَادَتِهم الاَوْثَانَ قَالَ موسٰى عِلْمُهَا اى عِلْمُ حَالِهِم مَحْفُوْظٌ عِنْدَ رَبِّىْ فِىْ كِتَابٍ ۚ هو اللَّوْحُ المَحْفُوْظُ يُجَازِيْهِم عليها يَوْمَ القِيٰمَةِ لَايَضِلُّ يَغِيْبُ رَبِّىْ عن شَىْءٍ وَلَا يَنْسٰى ۝ ربى شَيْئًا هو الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ فى جُمْلَةِ الخَلْقِ الْاَرْضَ مَهْدًا فِرَاشًا وَّسَلَكَ سَهَّلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا طُرُقًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ مَطَرًا قال تعالٰى تَتْمِيْمًا لما وَصَفه به موسٰى وخِطَابًا لِاَهْلِ مَكَّةَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا اَصْنَافًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ؕ صِفَةُ اَزْوَاجًا اى مُخْتَلِفَةَ الاَلْوَانِ والطُّعُوْمِ وغيرِهما وشَتّٰى جَمْعُ شَتِيْتٍ كمَرِيْضٍ ومَرْضٰى مِن شَتَّ الاَمْرُ تَفَرَّقَ كُلُوْا منها وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ فيها جَمْعُ نَعَمٍ هى الاِبلُ وَالبَقَرُ والغَنَمُ يقال رَعَتِ الاَنْعَامُ وَرَعَيْتُها والاَمْرُ للإبَاحَةِ وتَذْكِيْرِ النِّعْمَةِ والجُمْلَةُ حالٌ من ضَمِيْرِ اَخْرَجْنَا اى مُبِيْحِيْنَ لكم الاَكْلَ ورَعْىَ الاَنْعَامِ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ المَذْكُوْرِ منا لَاٰيٰتٍ لَعِبَرًا لِّاُولِى النُّهٰى ۝ع لِاَصْحَابِ العُقُوْلِ جَمْعُ نُهْيَةٍ كغُرْفَةٍ وغُرَفٍ سُمِّىَ به العَقْلُ لِاَنَّهٗ يَنْهٰى صَاحِبَهٗ عَنْ ع

اِرْتِکَابِ الْقَبَائِحِ.

ترجمہ

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے دعوائے ربوبیت کرکے بڑی سرکشی کی ہے دعوئے ربوبیت سے رجوع کرنے کے بارے میں اسے نرمی سے سمجھاؤ شاید کہ وہ سمجھ جائے یا اللہ سے ڈر جائے اور باز آجائے اور ترجی کا صیغہ حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی کے اعتبار سے ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم تھا کہ وہ باز نہیں آئے گا (پھر ترجی کے صیغہ کے استعمال کا کوئی مطلب نہیں رہتا) تو دونوں نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے اوپر زیادتی کر بیٹھے یعنی سزا میں جلد بازی کر بیٹھے یا ہمارے اوپر شرارت کرنے لگے یعنی تکبر سے پیش آئے، تو ارشاد ہوا اندیشہ نہ کرو کیونکہ میں مدد سے تم دونوں کے ساتھ ہوں جو کچھ وہ کہے گا اس کو میں سنوں گا اور جو کچھ وہ کرے گا میں اس کو دیکھوں گا اب اس کے پاس جاؤ اور کہو ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں لہٰذا بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ شام کی طرف جانے دے اور ان کو تکلیف مت پہنچا یعنی مشقت کے کاموں میں ان کا استعمال بند کردے، جیسا کہ کھدائی کا کام اور معماری کا کام اور بار برداری کا کام ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی یعنی دعوئے رسالت کی صداقت پر دلیل لیکر آئے ہیں اور ایسے شخص کے لئے سلامتی ہے جس نے ہدایت کا اتباع کیا یعنی ایسے شخص کے لئے عذاب سے سلامتی ہے ہمارے پاس وحی بھیجی گئی ہے کہ عذاب اس شخص پر ہوگا جس نے ہماری لائی ہوئی شئ کی تکذیب کی اور اس سے اعراض کیا چنانچہ دونوں بھائی اس کے پاس گئے اور جو کچھ مذکور ہوا سب کہہ دیا تو وہ کہنے لگا اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ (خطاب میں) موسیٰ پر اقتصار کیا اس لئے کہ موسیٰ ہی (رسالت) میں اصل تھے اور فرعون موسیٰ پر تربیت کا احسان جتانا چاہتا تھا موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شئ کو مخلوق میں سے اس کے مناسب صورت عطا فرمائی جس کی وجہ سے وہ غیر سے ممتاز ہے پھر ہر شئ میں سے حیوان کو اس کے کھانے پینے اور جفتی کرنے وغیرہ کی سمجھ عطا فرمائی فرعون نے کہا کہ اچھا تو پہلی امتوں کا کیا حال ہوا، جیسا کہ قوم نوح اور ہود اور صالح ان کے بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے، موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا ان کا یعنی ان کے حال کا علم میرے رب کے پاس کتاب لوح محفوظ میں محفوظ ہے قیامت کے دن ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا، نہ تو میرا رب کسی شئ کے بارے میں غلطی کرتا ہے اور نہ کسی شئ کو بھولتا ہے وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے منجملہ مخلوق کے زمین کو فرش بنایا اور زمین میں تمہارے لئے راستے بنائے اور آسمان سے پانی بارش برسائی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے کلام کو پورا کرنے کے لئے اہل مکہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ مختلف نباتات کی مختلف قسمیں پیدا کیں (من نباتٍ شتّٰی) ازواجاً کی صفت ہے یعنی مختلف رنگوں اور ذائقے وغیرہ کی، اور شتّٰی شتیت کی جمع ہے جیسا کہ مرضیٰ مریض کی جمع ہے اور یہ شتّٰی الامر بمعنی تفرق سے (ماخوذ ہے) اس میں سے خود بھی کھاؤ اور

اپنے جانوروں کو بھی کھلاؤ (انعام) نَعَمٌ کی جمع ہے اور وہ اونٹ اور گائیں اور بکریاں ہیں بولا جاتا ہے جانور چر گئے اور میں نے ان کو چرایا، صیغہ امر اباحت اور تذکیر نعمت کے لئے ہے اور جملہ اخرجنا کی ضمیر سے حال ہے یعنی حال یہ کہ ہم تمہارے لئے کھانا، اور جانوروں کو چرانا مباح کرنے والے ہیں، یہاں مذکور تمام چیزوں میں عبرت آمیز نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے یعنی نُھٰی نُھْیَۃٌ کی جمع ہے جیسا کہ غُرَفٌ غرفۃٌ کی جمع ہے بعض حضرات نے نُھٰی کو مفرد بھی کہا ہے عقل کا نام نُھٰی اس لئے رکھا گیا ہے کہ عقل، عقلمند کو قبائح کے ارتکاب سے روکتی ہے، نُھٰی اصل میں نُھَیٌ تھا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

سوال: اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ دونوں کو ایک صیغہ میں جمع کرنے میں کیا مصلحت ہے؟ جبکہ خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے بلکہ حضرت ہارونؑ تو اس وقت وہاں موجود بھی نہیں تھے بلکہ مصر میں تھے۔

جواب: ۱ حاضر کو غائب پر ترجیح دینے کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔

۲ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حجاب منکشف فرما دیا تھا جس کی وجہ سے ہارون علیہ السلام نے وہی کلام ربانی سنا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنا تھا، لیکن موسیٰؑ نے کلام ربانی بلا واسطہ سنا تھا اور ہارونؑ نے حضرت جبرائیل کے واسطہ سے سنا تھا **قوله** فی رجوعہ عن ذٰلك ای رجوع الفرعون عن اِدّعاءِ الربوبیۃ **قوله** فیرجعَ جواب ترجی کی وجہ سے منصوب ہے وَالترجی بالنسبۃ الیھما یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے کلمہ ترجی (شک کا کلمہ) کیوں استعمال فرمایا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں فرعون کا ایمان نہ لانا متعین تھا۔

جواب: کلمہ ترجی کا استعمال موسیٰ وہارون علیہما السلام کے اعتبار سے ہے نہ کہ اپنی ذات کے اعتبار سے۔

یَفْرُطَ (ن) فَرْطًا فُرُطًا جلدی کرنا، پیش دستی کرنا، پوری بات سنے بغیر سزا میں جلدی کرنا (روح) فاتیاہ اس کا عطف لاتخافا پر ہے اَسْمَعُ وارٰی اِنّنی معکما کی تاکید ہے، **قوله** بِعَوْنِی کا اضافہ کرکے معیت جسمانی کو باطل کر دیا ہے، یہاں معیت سے مراد اعانت اور نصرت ہے فَاْتِیَاہُ تم بذات خود اس کے پاس جاؤ، نہ یہ کہ کسی کے ذریعہ پیغام پہنچا دو **قوله** فأتیاہُ وقالَ لهٗ جمیعَ مَاذُکِرَ کو مقدر مان کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ فرعون کا قول قَالَ مَنْ رَّبُّکُما یَا مُوسٰی محذوف پر مرتب ہے **قوله** اِقْتَصَرَ عَلَیْهِ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے فَمَنْ رَّبُّکُمَا میں ہارون اور موسیٰ دونوں سے خطاب ہے اور یا موسٰی میں نداء صرف موسیٰ علیہ السلام کو ہے، مفسر علام نے اس کے دو جواب دئے ہیں، اول جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات میں اصل حضرت موسیٰ ہی ہیں حضرت ہارون تو معاون اور تابع ہیں لہٰذا اصل کو ندا کے لئے منتخب کیا، دوسرا جواب لاِدْلالِه سے دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے موسیٰ بچپن میں تیری پرورش تو میں نے کی ہے لہٰذا تیرا رب تو میں ہوں تو میرا رب کس کو قرار دیتا ہے گویا کہ احسان

جتانے اور عار دلانے کے لئے خاص طور پر موسیٰ کو ندا دی کہ تیرے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ تو میرا رب کسی اور کو قرار دے جبکہ خود تیرا رب میں ہوں بخلاف ہارونؑ کے ان پر فرعون کا کوئی احسان نہیں تھا **قوله** **اِدْلالٌ** احسان جتانا، ناز نخرے کرنا **رَبُّنا الذی اعطی الخ ربنا** مبتداء اور **الذی الخ** اس کی خبر ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ **ھُوَ** مبتداء محذوف ہو اور **ربنا** اس کی خبر مبتداء خبر سے مل کر موصوف اور **الذی الخ** اس کی صفت موصوف صفت سے مل کر مقولہ **اَعْطٰی کُلَّ شیئٍ خَلْقَه كُلَّ شيْ اعطی** کا مفعول اول ہے اور **خَلْقَهٗ** مفعول ثانی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ **خَلْقَهٗ** مفعول اول ہو اور **كُلَّ شيْ** مفعول ثانی، اہتمام کے لئے مفعول ثانی کو مقدم کردیا گیا ہے ای **اَعْطٰی خَلْقَهٗ كُلَّ شيْ قال فرعَوْن فمَا بالُ الخ** جب فرعون پر موسیٰ کا حق پر اور خود کا باطل پر ہونا ظاہر ہوگیا تو ایسی باتیں کرکے کہ جن کا رسالت سے کوئی تعلق نہیں تھا بات کا رخ موڑنے کی کوشش کی تاکہ اس کی ریاست خطرہ میں نہ پڑ جائے، موسیٰ علیہ السلام اس کی چالبازی کو سمجھ گئے اور بہت مختصر سا جواب دے کر اصل موضوع پر جمے رہے اور فرعون کو بھی موضوع سے نہ ہٹنے دیا اس لئے کہ ایک مناظر کی خوبی یہ ہے کہ مخالف کو موضوع سے ہٹنے نہ دے اس لئے کہ مخالف کے پاس جب کوئی دلیل نہیں رہتی تو وہ موضوع سے ہٹنے کی کوشش کرتا اور غیر متعلق باتیں کرنی شروع کردیتا ہے **قوله اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الارضَ** یہ فرعون کے سوالِ اول کے جواب ہی سے متعلق ہے **قوله لَایَضِلُّ** ای **لَایُخْطِیٔ** ابتداءً یعنی کوئی شئ اس سے چھوٹتی نہیں ہے **قوله وَلَاینسٰی** یعنی علم کے بعد ذہول ونسیان نہیں ہوتا **اَلَّذِیْ جَعَلَ لکم الارضَ مهدًا** اور **ثم هَدٰی** کے درمیان **مابال قرون الاولیٰ الخ** جملہ معترضہ ہے **عِلمها عند ربی فی الكتاب** **قوله ای علم حالهم محفوظ** سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ **ھا** ضمیر مضاف الیہ سے پہلے حال مضاف محذوف ہے اس لئے کہ کسی کے علم سے مراد اس شئ کے حالات کا علم ہوتا ہے نہ کہ ذات شئ کا، اور **محفوظ** کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ **علمها** مبتداء خبر محذوف ہے **عِلمها** بترکیب اضافی مبتداء ہے اور **عند ربی** خبر اول اور **فی الكتاب** خبر ثانی اور یہ بھی جائز ہے کہ **هٰذا حُلُوٌّ حامِضٌ** کے مانند دونوں ایک ہی خبر ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ **عند ربی** خبر ہو اور **فی الكتاب** ظرف کی ضمیر مستتر سے حال ہو۔

قال تعالیٰ تتمِیمًا لِمَا وَصَفَهٗ الخ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ **فاخرَجْنا بِهٖ الخ** یہ بطور حکایت ہے، موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس سے موسیٰ علیہ السلام کے کلام **وانزلنا من السماء ماءً** کو مکمل کرکے اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ سے خطاب کیا ہے اور اور ان پر اپنے احسانات جتاتے ہوئے انعامات کو شمار کرایا ہے اور یہ کلام **تارةً اخریٰ** پر ختم ہوا ہے **قوله شَتّٰی** یہ فعل ہے اس کا الف علامت تانیث ہے **شَتّٰی شَتِیْتٌ** کی جمع ہے جیسے **مریض** کی جمع **مرضٰی** اور **ازواجًا** کی صفت ہے نبات کی صفت بھی ہوسکتی ہے **كُلُوا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ** یہ تقدیر مبیحین کے ساتھ **اَخْرَجْنَا** کی ضمیر سے حال ہے ای **اَخْرَجْنَا اَصنافَ النبات مبیحِین لكم الاكلَ وَرَعْیَ**

الانعام مبیحین کے بجائے قائلین بھی مقدر مان سکتے ہیں **قولہ** رَعَتِ الْاَنْعَامُ وَرَعَیْتُھَا کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ رَعٰی لازم اور متعدی دونوں مستعمل ہے۔

تفسیر وتشریح

اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ دعوائے ربوبیت کر کے حد سے تجاوز کر گیا ہے اور اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا تاکہ وہ نصیحت قبول کر لے اور اس حرکت سے بخوشی باز آ جائے یا عذاب الٰہی سے ڈر کر ہی دعوائے ربوبیت سے باز آ جائے، اس آیت میں داعیان دین کے لئے ایک اہم اور ضروری اصول بیان کیا گیا ہے فرعون جو کہ خدائی کا دعویدار ظالم و جابر اور اپنی حفاظت کے لئے ہزار ہا بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا مجرم تھا، اس کے پاس جب اپنے خاص پیغمبروں کو بھیجا تو یہ ہدایت دیکر بھیجا کہ اس سے نرم گفتگو کریں تاکہ اس کو غور و فکر کا موقعہ ملے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ فرعون اپنی سرکشی اور گمراہی سے باز آنے والا نہیں ہے، مگر اپنے پیغمبروں کو اس اصول کا پابند کرنا تھا جس کے ذریعہ خلق خدا سوچنے سمجھنے پر مجبور ہو کر خدا کی طرف راجع ہو جائے فرعون کو ہدایت ہو یا نہ ہو مگر اصول وہ ہونا چاہئے جو ہدایت واصلاح کا ذریعہ بن سکے، آج کل جو بہت سے اہل علم اپنے اختلافات میں ایک دوسرے کے خلاف زبان درازی اور الزام تراشی کو اسلام کی خدمت سمجھ بیٹھے ہیں، انہیں اس پر بہت غور کرنا چاہئے۔

قَالَا رَبَّنَا اِنَّنَا نَخَافُ الخ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابتداء کلام میں جب موسیٰ علیہ السلام کو منصب نبوت پر سرفراز فرمایا گیا تھا تو اطمینان دلایا گیا تھا کہ ہم تم کو تقویت عطا کریں گے اور تم کو غلبہ عطا کریں گے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کے بعد پھر یہ خوف ہراس کیسا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ پہلا وعدہ کہ ہم تم کو غلبہ عطا کریں گے اور وہ لوگ آپ تک رسائی حاصل نہ کر سکیں گے یہ ایک مبہم اور مجمل وعدہ تھا اس لئے کہ غلبہ سے مراد حجت ودلیل کا غلبہ بھی ہو سکتا ہے اور مادی غلبہ بھی، نیز یہ خیال بھی ہو سکتا ہے کہ ان پر غلبہ تو جب حاصل ہوگا تب وہ دلائل سنیں گے اور معجزات دیکھیں گے مگر خطرہ یہ ہے کہ وہ بات سننے سے پہلے ہی ان پر حملہ کر بیٹھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ خوف کی چیزوں سے طبعی خوف تو تمام انسانوں کی فطرت ہے انبیاء بھی اس میں شامل ہیں نیز طبعی خوف نبوت کے منافی بھی نہیں ہے، یہ ہر نبی کو پیش آتا ہے، خود موسیٰ علیہ السلام اپنی ہی لاٹھی کے سانپ بن جانے کے بعد اس کے پکڑنے سے ڈرنے لگے تو حق تعالیٰ نے فرمایا لَا تَخَفْ ڈرو نہیں، غزوۂ احزاب میں بھی طبعی خوف سے بچنے کے لئے خندق کھودی گئی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ نصرت وغلبہ بار بار آ چکا تھا اس سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف نبوت کے منافی نہیں ہوتا۔

اِنَّنِیْ مَعَکُمَا الخ مدد اور نصرت سے میں تمہارے ساتھ ہوں اور تم فرعون سے جا کر جو کہو گے اور اس کے جواب

میں وہ جو کچھ کہے گا میں اس کو سنتا اور تمہارے اور اس کے طرز عمل کو دیکھتا رہوں گا اس کے مطابق میں تمہاری مدد اور اس کی چالوں کو ناکام کروں گا اس لئے تم بے خوف وخطر اس کے پاس جاؤ تردد کی کوئی ضرورت نہیں، اور اس سے کہنا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے، ان حضرات کو فرعون کے پاس جانے کے وقت اس سے چھ باتیں کہنے کا حکم فرمایا ۱۔ اَنا رسولُ ربِّكَ ۲۔ فَاَرْسِلْ معَنَا بنی اسرائیل ۳۔ ولاتعذّبهُمْ ۴۔ قد جئناكَ بآيةٍ من رَّبكَ ۵۔ سلام علی مَنْ اتبعَ الهدیٰ ۶۔ انا قد اوحیَ الینا انَّ العذابَ علی مَنْ كَذَّبَ وتَولّی ان مذکورہ چھ باتوں سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح خلق خدا کو ہدایت ایمان دینے کا منصب رکھتے ہیں اسی طرح اپنی امت کو دنیوی اور معاشی مصائب سے آزاد کرانا بھی ان کے فرض منصبی میں شامل ہوتا ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت فرعون میں دونوں چیزیں شامل ہیں۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْ اعطی كُلَّ شيءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هدیٰ ایک ہدایت خاصہ ہوتی ہے جو انبیاء علیہم السلام کا وظیفہ اور فرض منصبی ہے اس کے مخاطب انسان اور جنات ہوتے ہیں ایک دوسری ہدایت تکوینی ہوتی ہے یہ ہدایت ہر مخلوق کے لئے عام ہوتی ہے اللہ تبارک تعالیٰ نے ہر شئ کو کم وبیش ادراک وشعور عطا فرمایا ہے، جنات اور انسانوں کو کامل شعور عطا فرمایا ہے جس کی وجہ سے یہ احکام کے مکلف قرار دئے گئے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر شئ کو اس کے ادراک وشعور کے مطابق ہدایت کردی کہ تو کس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے اسی تکوینی ہدایت کے تابع زمین وآسمان اور ان کی تمام مخلوقات اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہے، غرضیکہ چاند سورج اور دیگر سیارے وثوابت اپنے کام میں اس طرح لگے ہوئے ہیں کہ سرمو بھی اس سے انحراف نہیں کرتے اور نہ ایک سکنڈ اپنے وقت سے مقدم ومؤخر ہوتے ہیں، ہر شئ اپنی منشائے پیدائش میں لگے ہوئی ہے، عام مخلوق کی ہدایت اجباری اور غیر اختیاری ہے اس پر ان کو کوئی اجر وثواب نہیں، اور اہل عقول کو جو ہدایت ہوتی ہے وہ اختیاری ہوتی ہے، اسی اختیار کے نتیجہ میں اس پر ثواب یا عذاب مرتب ہوتا ہے اَعطی كل شئ خَلْقَهٗ ثمَّ هدیٰ میں پہلی قسم کی ہدایت مذکور ہے، حضرت موسیٰ نے فرعون کو سب سے پہلے رب العالمین کا وہ کام بتلایا جو ساری مخلوق پر حاوی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کام ہم نے یا کسی دوسرے انسان نے کیا ہے، فرعون اس کا تو کوئی جواب نہ دے سکا، تو اِدھر اُدھر کی غیر متعلق باتیں کرنے لگا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو اصل موضوع سے ہٹایا جاسکے، اسی مقصد کے پیش نظر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک سوال کر ڈالا جس کا مقصد لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا تھا، فرعون نے کہا اے موسیٰ یہ بتاؤ کہ پچھلے دور کی تمام امتیں اور اقوام عالم جو بتوں کی پرستش کرتے رہے آپ کے نزدیک ان کا کیا حکم ہے؟ ان کا کیا انجام ہوا؟ مقصد یہ تھا کہ اس سوال کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ یہ سب گمراہ اور جہنمی ہیں تو مجھے یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ یہ تو ساری دنیا ہی کو گمراہ اور جہنمی سمجھتے ہیں اور لوگ یہ سن کر بدظن ہوں گے تو

ہمارا مقصد پورا ہوجائے گا مگر پیغمبر خدا موسیٰ علیہ السلام نے اس کا ایسا حکیمانہ جواب دیا کہ جس سے اس کا منصوبہ ناکام ہوگیا وہ حکیمانہ جواب ایسا تھا کہ بات بھی پوری ہوگئی اور فرعون کو بہکانے کا موقع بھی نہ ملا، آپ نے فرمایا اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے کہ ان کا کیا انجام ہوگا؟ میرا رب نہ بہکتا ہے اور نہ بھولتا ہے بہکنے اور غلطی کرنے کا مطلب یہ کہ کرنا کچھ چاہئے اور کچھ ہوجائے اور بھولنے کا مقصد واضح ہے، یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر پوری ہوگئی، آگے اللہ تعالیٰ اپنی شان ربوبیت کی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں جس کا ذکر اجمالاً موسیٰ علیہ السلام کے اس کلام میں تھا رَبُّنَا الذی اَعْطٰی الخ آگے اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کی تکمیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِن نَبَاتٍ شَتّٰی الخ پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ اقسام مختلفہ کی نباتات پیدا کیں اور تم کو اجازت دی کہ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی کھلاؤ، ان تمام مذکورہ چیزوں میں عقلمندوں کے لئے قدرت الٰہیہ کی نشانیاں ہیں، جس طرح اس نے خشک زمین سے پانی کے ذریعہ مختلف اقسام کی نباتات پیدا فرمائیں، اسی طرح وہ تمام مخلوق کو قیامت کے دن زمین سے نکالے گا۔

مِنْهَا ای الاَرضِ خَلَقْنٰكُمْ بخَلْقِ اَبِیكم آدمَ منها وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ مَقْبُوْرِیْنَ بَعْدَ المَوت وَمِنْهَا نُخْرِجُكُم عِنْدَ البَعْثِ تَارَةً مَرَّةً اُخْرٰی○ كما اَخْرَجْنَاكم عِنْدَ اِبْتِدَاءِ خَلْقِكُمْ وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ ای اَبْصَرْنَا فِرْعَوْنَ آیٰتِنَا كُلَّهَا التِسعَ فَكَذَّبَ بها وزَعَمَ اَنَّهَا سِحْرٌ وَاَبٰی○ ان یُّوَحِّدَ اللّٰهَ تعالیٰ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا مِصرَ ویَكُوْنَ لك المُلْكُ فیها بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰی○ فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ یُعَارِضُهُ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَكَ مَوْعِدًا لذٰلكَ لَّا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا اَنْتَ مَكَانًا منصُوبٌ بنَزْعِ الخَافِضِ فی سُوًی○ بكَسْرِ اَوَّلِهٖ وضَمِّهٖ ای وَسَطًا یَسْتَوِیْ الیه مَسَافَةُ الجَائِیْ مِنَ الطَّرَفَیْنِ قَالَ مُوسٰیٰ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ یَوْمُ عِیْدٍ لهم یَتَزَیَّنُوْنَ فِیهِ ویَجْتَمِعُوْنَ وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ یُجْمَعَ اهلُ مِصرَ ضُحًی○ وَقْتَهُ للنظرِ فیما یَقَعُ فَتَوَلّٰی فِرْعَوْنُ اَدْبَرَ فَجَمَعَ كَیْدَهٗ ای ذَوِی كَیْدِهٖ من السَّحَرَةِ ثُمَّ اَتٰی○ بهم المَوعِدَ قَالَ لَهُمْ مُوْسٰی وهم اِثْنَان وسَبْعُوْنَ اَلْفًا مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ حَبْلٌ وعَصا وَیْلَكُمْ ای اَلْزَمَكُمُ اللّٰه تعالیٰ الوَیْلَ لاتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا باِشْرَاكِ اَحَدٍ مَّعَهٗ فَیُسْحِتَكُمْ بِضَمِّ الیَاءِ وكَسْرِ الحَاءِ وبفَتْحِهِمَا ای یُهْلِكُكم بعَذَابٍ من عندِهٖ وَقَدْ خَابَ خَسِرَ مَنِ افْتَرٰی○ كَذَبَ علی اللّٰهِ فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ فی موسٰی واَخیه وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی○ ای الكَلَامَ بَیْنَهم فیهما قَالُوْا لاَنْفُسِهم اِنَّ هٰذَیْنِ لاَبی عَمْرٍو ولغَیرِهٖ هٰذان وهو موافقٌ لِلُغةِ مَن یَّاْتِیْ فی المُثَنّٰی بالالف فی اَحْوَاله الثَّلاثِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدَانِ اَنْ یُّخْرِجَاكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ

الْمُثْلٰی○ مُؤَنَّثُ اَمْثَل بمعنی اَشْرَف ای بَاَشْرَافِکُمْ بمَیْلهم الیهما لِغَلْبَتِهما فَاَجْمِعُوْا کَیْدَکُمْ مِنَ السِّحْرِ بِهَمْزَةِ وَصْلٍ وفَتْحِ المِیمِ مِنْ جَمَعَ ای لَمَّ وبِهَمْزَةِ قَطْعٍ وکَسْرِ المِیمِ مِن اَجْمَعَ اَحْکَمَ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا حَالٌ ای مُصْطَفِّیْنَ وَقَدْ اَفْلَحَ فَازَ الیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی○ غَلَبَ قَالُوْا یٰمُوْسٰی اِختَرْ اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ عَصَاكَ ای اَوَّلاً وَاِمَّآ اَنْ نَّکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی○ عصَاهُ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَالقوا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ اَصْلُه عُصُوْوٌ قُلِبَتِ الوَاوَانِ یَائَیْنِ وکُسِرَتِ العَیْنُ وَالصَّادُ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا حَیَّاتٌ تَسْعٰی○ عَلٰی بُطُوْنِهَا فَاَوْجَسَ اَحَسَّ فِیْ نَفْسِه خِیْفَةً مُّوْسٰی○ ای خَافَ مِنْ جهةِ اَنَّ سِحْرَهم مِن جِنْسِ مُعْجِزَتِه اَن یُّلْتَبَسَ اَمْرُه عَلَی النَّاسِ فلایُؤْمِنُوْا به قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی○ عَلَیْهِم بالغَلْبَةِ وَاَلْقِ مَافِیْ یَمِیْنِكَ وهی عَصَاه تَلْقَفْ تَبْتَلِعْ مَاصَنَعُوْا اِنَّ مَا صَنَعُوْا کَیْدُ سَاحِرٍ ای جِنْسُهُ وَلَایُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی○ بِسِحْرِه فَاَلْقٰی موسٰی عَصَاه فَتَلَقَّفَتْ کُلَّ مَاصَنَعُوْه فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا خَرُّوْا سَاجِدِیْنَ لِلّٰهِ تعالٰی قَالُوْا آمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی○

ترجمہ

اور ہم نے اس سے (یعنی) زمین سے تم کو پیدا کیا تمہارے باپ آدم کو اس سے پیدا کر کے اور اسی میں تم کو مرنے کے بعد لوٹادیں گے حال یہ کہ تم دفن کئے جاؤ گے اور اسی (زمین) سے تم کو بعث کے وقت دوسری مرتبہ نکالیں گے جیسا کہ ہم نے تم کو تمہاری ابتداء تخلیق کے وقت نکالا تھا اور ہم نے اس کو یعنی فرعون کو اپنی پوری نونشانیاں دکھلائیں سو وہ ان کو جھٹلاتا ہی رہا اور اس بات پر مُصر رہا کہ یہ جادو ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید سے انکار کرتا رہا اور کہنے لگا اے موسیٰ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمارے ملک مصر سے جادو کے زور سے ہم کو نکال دو اور اس میں تمہاری ملکیت (حکومت) ہو جائے؟ اچھا تو اب ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لائیں گے جو اس کا مقابلہ کرے گا، سو ہمارے اور اپنے درمیان اس کے لیے وقت مقرر کر لے جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں اور نہ تم کرو ایک ہموار میدان میں **مکانًا** منصوب ہے حرف جار **فی** کے حذف کرنے کی وجہ سے **سُوًی** سین کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہے یعنی درمیان میں کہ طرفین سے آنے والے کی مسافت برابر ہو تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وعدہ تمہارے جشن کا دن ہے جو کہ ان کی عید کا دن ہے اس دن میں وہ زینت کرتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں اور یہ کہ لوگ یعنی شہر والے دن چڑھے جمع ہو جائیں (یعنی) ضحیٰ کے وقت، جو کچھ اس وقت ہو اس کو دیکھنے کے لئے چنانچہ فرعون (اپنی جگہ) واپس چلا گیا اور اس نے اپنے ہتھکنڈوں (مکر) کو یعنی مکار جادوگروں کو جمع کر لیا پھر ان کو لیکر وقت مقررہ پر آ گیا تو (اس وقت) موسیٰ علیہ السلام نے ان (جادوگروں) سے کہا اور وہ بہتر ہزار تھے اور ہر ایک کے پاس رسیاں اور لکڑیاں تھیں ارے کمبختی کے

مارو یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ہلاکت لازم کردی ہے اللہ پر بہتان نہ لگاؤ، کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرا کر کہ وہ تم کو اپنے مخصوص عذاب سے نیست و نابود کردے فَيُسْحِتَكُمْ یا کے ضمہ اور حا کے کسرہ اور دونوں کے فتح کے ساتھ ہے یعنی تم کو ہلاک کردے اور یاد رکھو وہ شخص ناکام ہوا خسارہ میں رہا جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا چنانچہ وہ لوگ موسیٰ اور ان کے بھائی کے بارے میں اپنے مشوروں میں مختلف الرائے ہوگئے اور ان دونوں کے بارے میں خفیہ گفتگو کرنے لگے، آپس میں کہنے لگے یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں هٰذَيْنِ ابو عمر کے نزدیک ہے اور دوسروں کے نزدیک هٰذان ہے اور یہ ان کی لغت کے مطابق ہے جو تثنیہ میں تینوں حالتوں میں الف لاتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ تم کو اپنے جادو کے زور سے تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں، اور تمہارے بہترین مذہب کو برباد کردیں (دوسرا ترجمہ) تمہارے اشراف کو اپنی طرف مائل کرلیں) مُثْلٰى اَمْثَل کا مؤنث ہے اس کے معنی اشرف کے ہیں، یعنی تمہارے شرفاء کو اپنے فیور میں کرلیں، اُن کے اِن دونوں کی طرف مائل ہوجانے کی وجہ سے ان دونوں کے غلبہ کی بدولت لہٰذا تم بھی اپنی تدبیروں یعنی جادو کو یکجا کرلو فَاجْمَعُوْا ہمزۂ وصل اور فتحہ میم کے ساتھ جَمَعَ سے ماخوذ ہے بمعنی لَمَّ (ای جَمَعَ) اور ہمزۂ قطعی اور میم کے کسرہ کے ساتھ بھی ہے (اس صورت میں) اَجْمَعَ سے ماخوذ ہوگا اور معنی میں اَحْكَمَ کے ہوگا (یعنی اپنی تدبیروں کو مضبوط کرلو) اور پھر تم صف بستہ ہوکر (مقابلہ میں) آجاؤ صَفًّا حال ہے مُصْطَفِّيْنَ کے معنی میں ہے آج وہی بازی لے گیا جو غالب آگیا اِسْتَعْلٰى بمعنی غَلَبَ ان لوگوں نے کہا اے موسیٰ تم کو اختیار ہے چاہو تو تم اپنے عصا کو پہلے ڈالو یا ہم اپنے عصا کو پہلے ڈالنے والے بن جائیں (حضرت موسیٰ نے) فرمایا نہیں بلکہ تم ہی پہلے ڈالو چنانچہ انہوں نے ڈالا، پھر یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کی وجہ سے ان کے خیال میں ایسی محسوس ہونے لگیں کہ وہ لاٹھیاں اپنے پیٹ کے بل دوڑتے ہوئے سانپ ہیں عِصِيٌّ اصل میں عُصُوْوٌ تھا، دونوں واؤ، دو یاؤں سے بدل گئے اور عین اور صاد کو کسرہ دیدیا گیا (عِصِيٌّ ہوگیا) سو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں قدرے خوف محسوس کیا یعنی اس وجہ سے خوف محسوس کیا کہ ان کا سحر ان کے معجزے کی جنس کا ہے (ایسا نہ ہو) کہ اس کا معاملہ لوگوں پر مشتبہ ہوجائے اور پھر وہ اس (موسیٰ) پر ایمان نہ لائیں ہم نے اس سے کہا ڈرو نہیں تم ہی ان پر غلبہ کے ذریعہ یقیناً سربلند رہوگے، اور جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے اور وہ اس کی لاٹھی تھی ڈالدو، جو کچھ ان (جادوگروں) نے کاری گری کی ہے اس کو یہ نگل جائے گا چٹ کر جائے گا اور جو کچھ ان جادوگروں نے بنایا ہے بلاشبہ یہ جادوگر کا کرتب (یعنی ہاتھ کی صفائی) ہے جو کہ دیگر جادوگروں کی جنس کا ہے جادوگر کہیں سے بھی آئے (اور جو بھی کرے) کامیاب نہیں ہوتا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالدیا تو وہ ان کے سب دھندے کو نگل گیا اب سب جادوگر سجدہ میں گر پڑے یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے زمین پر گر پڑے اور پکار اٹھے کہ ہم تو موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَلَقَدْ اَرَیْنَاہُ الخ سے اس شبہ کا ازالہ ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ابتداءً صرف دو معجزے عصاء اور ید بیضاء عطا ہوئے تھے تو جاتے ہی نو معجزے کیسے دکھادیئے، مذکورہ جملہ سے اس کا جواب ہوگیا کہ پوری مدت دعوت میں نو معجزے دکھائے اس لئے کہ لَقَدْ اَرَیْنَاہُ آیَاتِنَا کُلَّھَا یہ جملہ خبریہ ہے مقصد اس کا یہ ہے کہ مدت دعوت میں ہم نے فرعون کو تمام معجزے دکھادیئے، لہٰذا شبہ ختم ہوگیا اَرَیْنَا کی تفسیر اَبْصَرْنَا سے کرکے اشارہ کردیا کہ رویت سے رویت بصری مراد ہے فَلَنَاتِیَنَّکَ میں لام جواب قسم پر داخل ہے اور قسم محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وعزتی و کبریائی فلناتینك بسحرٍ مثلہ، بِسِحْرٍ فَلَنَاتِیَنَّكَ کے متعلق ہے فا ترتیب مابعد علی ماقبل کے لئے ہے **قولہ** مَوْعِدًا ظرف زمان ہے اِجعل کا مفعول اول مؤخر ہے اور بَیْنَنَا وبَیْنَکم مفعول ثانی مقدم ہے سُوًی دونوں قراتیں ہیں مَوْعِدُکم مبتداء اور یومُ الزینۃ اس کی خبر ہے **قولہ** اَیْ ذَوِیْ کیدہٖ سے اشارہ کردیا کہ کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے اور ساحر مراد ہیں **قولہ** وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ یہ جملہ محل کے اعتبار سے مجرور اور مرفوع دونوں ہوسکتا ہے اگر الزِّیْنَۃُ پر عطف ہو تو مجرور ہوگا اور اگر یَوْمُ الزِّیْنَۃِ پر عطف ہو تو مرفوع ہوگا، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی مَوْعِدُکم یَوْمُ الزِّیْنَۃِ وَمَوْعِدُکم اَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ای حشرُھم **قولہ** وَیْلَکُمْ کی تفسیر اَلْزَمَکُمُ اللّٰہُ الوَیْلَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ وَیْلَکُمْ عامل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے **قولہ** بَاَشْرافِکُمْ، طَرِیْقَتِکم کی تفسیر ہے، طریقۃ کے متعدد معانی آتے ہیں ایک معنی اشراف قوم کے بھی ہیں **قولہ** اِنَّ ھٰذَیْنِ لَسٰحِرٰنِ جادوگروں کا یہ قول اَسَرُّوا النجوی کا نتیجہ ہے یعنی کافی بحث ومباحثہ کے بعد یہ طے ہوا کہ بالیقین یہ دونوں جادوگر ہیں ھٰذَیْنِ اِنَّ کا اسم اور لَسٰحِرٰنِ اس کی خبر ہے اور ایک قرأت میں ھٰذٰانِ ہے بلحارث بن کعب کی زبان میں ھٰذٰانِ اِنَّ کا اسم ہے یہ لوگ تثنیہ کو تینوں حالتوں میں الف کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اعراب کو تقدیری مانتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِنَّ کا اسم ضمیر شان محذوف ہے اَیْ اِنَّہٗ اور ھٰذٰانِ لَسٰحِرٰنِ اِنَّ کی خبر ہیں، فَاَجْمِعُوْا ہمزہ وصل اور میم کے فتح کے ساتھ ہو تو مطلب ہوگا تم اپنی تدبیروں کو جمع کرلو، اور اگر فَاَجْمِعُوْا ہمزہ قطعی اور میم کے کسرہ کے ساتھ ہو تو مطلب ہوگا تم اپنی تدبیروں کو مضبوط اور مستحکم کرلو **قولہ** صَفًّا یہ اِئْتُوْا کی ضمیر سے حال ہے صَفًّا چونکہ مصدر ہے لہٰذا ضمیر جمع سے حال واقع ہونا صحیح ہے اور معنی میں مُصْطَفِیْنَ کے ہے **قولہ** اِخْتَرْ محذوف مان کر مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ اَنْ مع اپنے مابعد کے بتاویل مفرد ہوکر اِخْتَرْ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے فَاِذَا حِبَالُھُمْ وَعِصِیُّھُمْ یہاں کلام میں حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَاَلْقَوْا فَاِذَا حِبَالُھُمْ فا فصیحہ اور اِذَا مفاجاتیہ ہے یُخَیَّلُ ایک قرأت میں تَخَیَّلُ بھی ہے اس لئے کہ **عصا** اور **حبال** مؤنث ہیں یخیل مبنی للفاعل بھی پڑھا گیا ہے مخیل کید کو قرار دیا ہے، عِصِیٌّ اصل

میں عُصُوْوٌ بروزن فلوسٌ اوّلاً واوثانیہ کو ی سے بدلا واو اور ی جمع ہوئے اول واؤ کو بھی ی سے بدل دیا پھر یا کو یا میں ادغام کردیا اس کے بعد صاد اور عین کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا حبالھم و عصیھم مبتداء ہے اور یُخَیّلُ الیہ اس کی خبر ہے فاِذا مفاجاتیہ خبر مقدم اور حِبالُھم وعِصیُّھم مبتدا موٴخر، اس صورت میں یخیل حال ہوگا یخیل ی کے ساتھ اس کی اسناد تَسْعٰی کی طرف ہوگی، اور یہ بھی جائز ہے کہ حِبُال کی ضمیر کی جانب مسند ہو حبال چونکہ موٴنث غیر حقیقی ہے اس لیے فعل کا مذکر لانا صحیح ہے یا یُخَیّلُ، المُلقٰی کی تاویل میں ہو کر اسناد ہوگی اَنھا تسعٰی یہ یُخیل سے بدل الاشتمال ہے **قولہ** اَیْ خافَ مِنْ جِھۃِ الخ یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ مناجات کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے عصا اور ید بیضاء جیسے معجزات باہرہ دکھائے تھے اور ہر طرح سے حفاظت اور مدد کا وعدہ فرمایا تھا تو پھر موسیٰ علیہ السلام مقابلہ کے وقت کیوں خوف زدہ ہوئے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خوف اور اندیشہ سانپوں سے نہیں تھا بلکہ اندیشہ اس بات کا تھا کہ جادوگروں کا جادو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کی جنس کا تھا جادوگروں نے بھی اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو بظاہر سانپ بنا دیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا بھی سانپ کی شکل اختیار کرلیتا تھا ایسی صورت میں اندیشہ یہ ہوا کہ کہیں حاضرین حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو بھی جادو نہ سمجھ بیٹھیں اور ایمان نہ لائیں اِنَّ ماصَنَعُوْا کَیْدُ ساحرٍ عام قرأت کیدُ کے رفع کے ساتھ ہے اس بنا پر کہ اِنَّ کی خبر ہے اور مَا موصولہ ہے اور صَنَعُوْا اس کا صلہ ہے اور عائد محذوف ہے تقدیر یہ ہے اِنَّ الذی صَنعوہُ کیدُ ساحرٍ اور اگر اَن مصدریہ مانیں تو عائد کی ضرورت نہ ہوگی اور اعراب علیٰ حالہ باقی رہے گا و لایفلح الساحر (سوال) اللہ تعالیٰ نے لایَفْلَحُ السَحَرۃُ جمع کے صیغہ کے ساتھ کیوں نہیں فرمایا جبکہ مقابلہ میں آنے والے بہت سے ساحر تھے نہ کہ ایک، مفسر علام نے ساحرٌ کی تفسیر جنسہ سے کرکے اسی اعتراض کے دفعیہ کی طرف اشارہ کردیا، مراد یہ ہے کہ ساحر سے ایک ساحر مراد نہیں ہے بلکہ جنس ساحر مراد ہے اگر جمع کا صیغہ لاتے تو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ عدد مراد ہے جنس ساحر نہیں فَاُلْقِیَ اِلقاءٌ سے ماضی مجہول کا واحد مذکر غائب ہے وہ ڈالا گیا فا فصیحہ یعنی طرفین سے لاٹھیاں ورسیاں وغیرہ ڈالنے کا عمل ہوا اور جو کچھ ہوا حاضرین نے دیکھا اس کے بعد جادوگر سجدہ میں گر گئے سُجّدًا بمعنی ساجدین ، آمَنّا بربِّ ھارُونَ ومُوسیٰ ہارون کی تقدیم فواصل کی رعایت کی وجہ سے ہے۔

تفسیر وتشریح

وَمِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ الخ یہ سابقہ مضمون ہی کا تمہ ہے یعنی جس طرح ہم نباتات وغیرہ کو زمین سے نکالتے ہیں اسی طرح ہم نے تم کو بھی اسی زمین سے پیدا کیا ہے چنانچہ دادا آدمؑ اسی زمین کی مٹی سے بنائے گئے، لہٰذا ان کے واسطہ سے تمام انسانوں کا مادہ بعیدہ خاک ہی ہے، اور اسی زمین میں تم کو لوٹا دیں گے چنانچہ کوئی مردہ کسی حالت میں ہو انجام کار اس

کو مٹی ہوتا ہے، اور اگر دیکھا جائے کہ انسان تو نطفہ سے پیدا ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان نطفہ سے اور نطفہ غذا سے پیدا ہوتا ہے اور غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ انسان مٹی سے پیدا ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والے انسان پر رحم مادر میں اس جگہ کی مٹی کا کچھ جز شامل کیا جاتا ہے جس جگہ اس کا دفن ہونا اللہ کے علم میں مقدر ہے، یہ حدیث ابو نعیم نے ابن سیرین کے تذکرہ میں روایت کر کے فرمایا **هٰذا حديث غريبٌ** اسی مضمون کی ایک روایت عبد اللہ بن مسعودؓ سے بھی منقول ہے تفسیر مظہری میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیدا ہونے والے ہر بچہ کی ناف میں ایک جز مٹی کا ڈالا جاتا ہے اور جب مرتا ہے تو اسی زمین میں دفن ہوتا ہے، جہاں کی مٹی اس کے خمیر میں ڈالی گئی ہے اور فرمایا کہ میں اور ابو بکر و عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے، یہ روایت خطیب نے نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ حدیث غریب ہے اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے مگر شیخ محدث مرزا محمد وارثی بدخشی نے فرمایا کہ اس حدیث کے بہت سے شواہد حضرت ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابو سعیدؓ، ابو ہریرہؓ سے منقول ہیں جن سے ان کی روایت کو تقویت حاصل ہوتی ہے اس لئے یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ سے کم نہیں۔ (مظہری بحوالہ معارف)

مکانًا سُوًی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے مقابلہ کے لئے یہ خود تجویز کیا کہ ایسے مقام پر ہونا چاہئے کہ جو فریقین کے لئے مسافت کے اعتبار سے برابر ہو تا کہ کسی فریق کو وہاں آتے میں زیادہ زحمت نہ ہو، اور صاف ہو نیز نشیب و فراز سے خالی ہو تا کہ لوگ بخوبی مقابلہ کا منظر دیکھ سکیں اور اس بات کا فیصلہ کہ کون ہارا اور کون جیتا علی وجہ البصیرت کر سکیں موسیٰ علیہ السلام نے اس کو قبول کر کے دن اور وقت کی تعیین اس طرح کر دی مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى یعنی یہ مقابلہ تمہارے (قومی) جشن کے دن ہو اور دن چڑھے ہو، تا کہ حاضرین ہار جیت کو روز روشن میں کھلی آنکھوں سے دیکھ سکیں یہ جشن اور عید کا دن کونسا تھا؟ اس میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ وہ نیروز کا دن تھا، کسی نے کہا یومُ السَّبْت تھا، بعض حضرات نے یوم عاشوراء بھی کہا ہے۔

جادو کی حقیقت اور اس کی اقسام اور شرعی احکام

یہ مضمون سورۂ بقرہ ہاروت ماروت کے قصہ میں معارف القرآن کی جلد اول میں ۲۱۷ سے ۲۲۳ تک بیان ہوا ہے، تفصیل کے لئے رجوع کریں، اور علامہ طنطاوی کی تفسیر جواہر الفقہ میں بھی اس مضمون کو بہت خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ دن اور وقت طے کرنے کے بعد مجلس برخاست ہوگئی اور فرعون بھی دربار سے اٹھ کر چلا گیا اور مقابلہ کی تیاری میں لگ گیا، چنانچہ اس نے جادوگروں کو ملک کے کونے کونے سے بلایا اور جادو میں کام آنے والے اسباب بھی جمع کر لئے اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ جادوگروں کے ہمراہ وقت موعود پر میدان میں پہنچا حضرت ابن

عباسؓ کی روایت میں جادوگروں کی تعداد بہتر مذکور ہے بعض روایتوں میں جادوگروں کی تعداد بہت زیادہ مذکور ہے، جو دل کو نہیں لگتی ایک روایت میں نو لاکھ تک کی تعداد بتائی گئی ہے۔

ادھر فرعون جادوگروں کو مقابلہ کی ترغیب دے رہا تھا اور ان کو انعامات اور قرب خصوصی سے نوازنے کا وعدہ کر رہا تھا اُدھر موسیٰ بھی جادوگروں کو وعظ فرما رہے تھے اور ان کے موجودہ رویئے پر ان کو عذاب الٰہی سے ڈرا رہے تھے، الفاظ یہ تھے وَیْلَکُم لَاتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا فَیُسْحِتَکُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وعظ و نصیحت کا جادوگروں پر یہ اثر ہوا کہ ان میں باہم کچھ اختلاف ہوگیا اور بعض دبی زبان سے کہنے لگے کہ کہیں یہ اللہ کا نبی ہی نہ ہو، اس کی گفتگو تو جادوگروں جیسی نہیں ہے بلکہ پیغمبرانہ معلوم ہوتی ہے، بعض نے اس کے برعکس رائے کا اظہار کیا فَتَنَازَعُوْا اَمْرَھُم بَیْنَھُمْ کا یہی مطلب ہے، پھر اس باہمی اختلاف کو دور کرنے اور کسی متفقہ رائے پر پہنچنے کے لئے خفیہ مشورے ہونے لگے، اسی کو وَاَسَرُّوْا النَّجْوٰی سے بیان فرمایا ہے آخر کار اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ ان کا مقابلہ ہونا چاہئے اس لئے کہ بلاشبہ یہ جادوگر ہی ہیں اور اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کر کے اپنا قبضہ جمانا چاہتے ہیں اور یہ کہ تمہارا طریقہ جو سب سے بہتر ہے اس کو مٹا دینا چاہتے ہیں مُثْلٰی اَمْثَلُ کا مؤنث ہے جس کے معنی افضل اور اعلیٰ کے ہیں۔

وَیَذْھَبَا بطریقتکم المثلٰی کی ایک تفسیر حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تمہاری قوم کے سرداروں اور باعزت لوگوں کو ختم کردیں اس لئے تم ان کا پوری طاقت سے مقابلہ کرو، تیسری تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ اگر دونوں بھائی اپنے جادو کے زور سے غالب آگئے تو سادات اور اشراف ان کی طرف مائل ہوجائیں گے، جس سے ہمارا اقتدار خطرے میں پڑ جائے گا اور ان کے اقتدار کا امکان بڑھ جائے گا۔

فَاَجْمَعُوْا کیدکم لہٰذا اپنی تدبیروں کو یکجا اور منظم کرلو یا یہ کہ مضبوط اور مستحکم کرلو اور صف بنا کر مقابلہ کے لئے نکلو تاکہ مخالف پر تمہارا رعب پڑے اور کوئی کسر اٹھا نہ رکھو اس لئے کہ آج جو غالب آگیا وہی بازی لے گیا۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰی اِمَّا اَنْ تُلْقِیَ الخ جادوگروں نے اپنی بے فکر اور بے پرواہی کا مظاہرہ کرنے کے لئے پہلے حضرت موسیٰ ہی سے کہا پہل آپ کرتے ہیں یا ہم کریں حضرت موسیٰ نے جواب دیا بَلْ اَلْقُوْا تم ہی پہل کرو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں پہلے اپنا کرتب دکھانے کے لئے اس لئے کہا کہ ان پر یہ واضح ہوجائے کہ وہ جادوگروں کی اتنی بڑی تعداد سے اور ان کے ساحرانہ کمال اور کرتبوں سے خوف زدہ نہیں ہیں، دوسرے ان کی ساحرانہ شعبدے بازیاں جب معجزے الٰہی سے چشم زدن میں هَبَاءً منثورًا ہوجائیں گی تو اس کا بہت اچھا اثر پڑے گا اور جادوگر یہ سوچنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ یہ جادو نہیں، واقعی اسے اللہ کی تائید حاصل ہے کہ آن واحد میں ان کی ایک لاٹھی ہمارے سارے کرتبوں کو نگل گئی۔

جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق اپنا کام شروع کردیا اور لاٹھیاں اور رسیاں جو بڑی تعداد میں تھیں بیک وقت زمین پر ڈالدیں یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا تَسْعٰی اب تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال گذرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں، جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے دل میں خوف محسوس کیا، یعنی یہ صورت حال دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری ہوا جس کو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں چھپائے رکھا یہ خوف اگر موسیٰ کو اپنی جان کی وجہ سے ہوا تو مقتضائے بشریت سے ایسا ہونا نبوت کے منافی نہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ خوف اپنی جان کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ خوف اس بات کا تھا کہ اگر اس مجمع کے سامنے ساحروں کا غلبہ محسوس کیا گیا تو دعوت کا جو مقصد ہے وہ پورا نہ ہو سکے گا، اسی لئے اس کے جواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے جو ارشاد ہوا اس میں یہ اطمینان دلایا گیا کہ جادوگر غالب نہ آسکیں گے آپ ہی کو فتح اور غلبہ حاصل ہوگا، یُخَیَّلُ کے قرآنی الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسیاں اور لاٹھیاں حقیقۃً سانپ نہیں بنی تھیں بلکہ جادو کے زور سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مسمریزم کے ذریعہ نظر بندی کردی جاتی ہے، بڑے سے بڑا جادو بھی شئ کی حقیقت کو تبدیل نہیں کرسکتا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح انبیاء کو دیگر انسانی عوارض لاحق ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں، اسی طرح وہ جادو سے بھی متاثر ہو سکتے ہیں، جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا جس کے کچھ اثرات آپ محسوس کرتے تھے اس سے بھی منصب نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا، کیونکہ اس سے کار نبوت متاثر نہیں ہوتا فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ پھر گر پڑے جادوگر یعنی جادوگروں نے جب یہ فعل فوق السحر دیکھا تو سمجھ گئے کہ بے شک یہ معجزہ ہے اور فوراً ہی اللہ کے لئے سجدہ میں گر گئے، اور پکار اٹھے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے، اس آیت میں ہارون کی تقدیم باوجودیکہ وہ تابع ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی تاخیر باوجودیکہ وہ اصل ہیں فواصل کی رعایت کی وجہ سے ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ ءَامَنْتُمْ بتحقیقِ الھمزتین وابدالِ الثانیۃِ الفًا لَہٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ اَنَا لَکُمْ اِنَّہٗ لَکَبِیْرُکُمُ مُعَلِّمُکم الَّذِیْ عَلَّمَکُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ حالٌ بمعنی مُخْتَلِفَۃً ای الایدی الیُمنٰی والاَرْجُلُ الیُسری وَّلَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۖ ای علیھا وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَا یعنی نفسَہٗ وربَّ موسٰی اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی ○ ادْوَمُ علٰی مُخالفتِہٖ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَکَ نَختارَکَ عَلٰی مَاجَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ الدَّالَّۃِ علٰی صِدْقِ موسٰی وَالَّذِیْ فَطَرَنَا خَلَقَنا قَسَمٌ او عَطْفٌ علٰی ما فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۖ ای اِصْنَعْ ما قُلْتَہٗ اِنَّمَا تَقْضِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ۖ النَّصْبُ علی الاِتِّساعِ ای فیھا ویُجْزٰی علیہ فی الآخرۃِ اِنَّا اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَلَنَا خَطٰیٰنَا مِنَ الاِشْراکِ وغیرِہٖ وَمَآ اَکْرَھْتَنَا عَلَیْہِ مِنَ السِّحْرِ ۖ تَعَلُّمًا وعَمَلاً لمُعارَضۃِ موسٰی وَاللّٰہُ خَیْرٌ مِنْکَ ثوابًا اِذا اُطِیْعَ وَّاَبْقٰی ○ منک عَذَابًا اِذا

عُصِیَ قال تعالٰی اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا کافِرًا کفِرْعَوْنَ فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَایَمُوْتُ فِیْهَا فَیَسْتَرِیْحَ وَلَا یَحْیٰی ۝ حَیَاۃً تَنْفَعُهٗ وَمَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ الفَرَائِضَ وَالنَّوَافِلَ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ العُلٰی ۝ جَمْعُ عُلْیَا مُؤَنَّثُ اَعْلٰی جَنّٰتُ عَدْنٍ ای اِقَامَةٍ بَیَانٌ له تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزآؤُ مَنْ تَزَکّٰی ۧ تَطَهَّرَ من الذُّنُوبِ.

ع

ترجمہ

فرعون نے کہا تم میری اجازت کے بغیر ہی اس پر ایمان لے آئے ء اٰمَنْتُمْ دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے کو الف سے بدل کر بلاشبہ وہ تمہارا بڑا گرو ہے جس نے تم کو سحر سکھایا ہے میں تم سب کے ہاتھ پیر جانب مخالف سے کٹواتا ہوں خلاف حال ہے معنی میں مختلفۃ کے ہے یعنی داہنے ہاتھوں کو اور بائیں پیروں کو اور تم سب کو کھجوروں کے تنوں پر لٹکوادوں گا فی جُذُوعِ النخلِ ای علیها اور تم کو پتہ چل جائے گا کہ ہم دونوں یعنی مجھ میں اور موسیٰ کے رب میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے، یعنی کس کی مخالفت شدید ہے اور دیرپا ہے ان لوگوں نے صاف جواب دیدیا کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے اختیار نہ کریں گے بمقابلہ ان دلائل کے جو موسیٰ کی صداقت پر دلالت کرنے والے ہم کو ملے ہیں اور بمقابلہ اس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا واو قسمیہ ہے یا ما جاءنا پر عطف ہے سو تیرا جو جی چاہے کر یعنی جو تو نے کہا ہے کر ڈال اور تو بجز اس کے کہ کچھ کر سکتا ہے وہ اسی دنیا میں کر سکتا ہے اور (الحیوۃ کا) نصب توسع کے طور پر ہے ای فیها اور (اللہ) اس پر آخرت میں جزاء دے گا ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ ہماری شرک وغیرہ کی خطاؤں کو معاف کردے اور اس سحر کو بھی معاف کردے کہ جس کے سیکھنے اور عملی طور پر موسیٰ کا مقابلہ کرنے کے لئے تو نے ہم کو مجبور کیا ہے اور اللہ بہتر ہے تجھ سے اجر کے اعتبار سے جب اس کی اطاعت کی جائے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے تجھ سے عذاب کے اعتبار سے جب اس کی نافرمانی کی جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم یعنی کافر ہو کر آئے گا جیسا کہ فرعون تو بے شک اس کے لئے جہنم ہے نہ اس میں مرے گا کہ راحت پائے گا اور نہ زندہ رہے گا ایسی زندگی کہ جس سے اس کو نفع ہو اور جو شخص اس کے پاس مومن ہو کر حاضر ہوگا اور اس نے نیک اعمال یعنی فرائض ونوافل کئے ہوں گے تو یہی ہیں وہ لوگ جن کے لئے اونچے درجات ہیں عُلٰی علیا کی جمع ہے اور اعلٰی کا مؤنث ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے یعنی اقامت کے قابل باغات ہیں جنّٰتُ عدن دَرَجٰتِ العُلٰی کا بیان ہے کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے یہ انعام ہے اس شخص کا جو گناہوں سے پاک ہوا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

أٰ آمَنْتُمْ لَهٗ ہمزہ استفہام انکاری توبیخ کے لئے ہے، اور حفص کے نزدیک آمَنْتُمْ جملہ خبریہ کے طور پر استعمال ہوا ہے ءٰ آمَنْتُمْ کا صلہ لام لایا گیا ہے اس لئے کہ آمَنْتُمْ اِتَّبَعْتُمْ کی معنی کو متضمن ہے، دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ پہلا استفہامیہ ہے اور ثانی فا کلمہ ہے اصل میں جمع مذکر حاضر ہے ءَ أَمَنْتُمْ بروزن اَکْرَمْتُمْ دوسرے ہمزہ کو قاعدہ کے مطابق الف سے بدلا پھر اس پر ہمزہ استفہام داخل کیا گیا، اب کلمہ میں دو ہمزے غیر منقلبہ ہو گئے، اب خواہ تحقیق ہمزتین کے ساتھ پڑھیں یا ہمزہ استفہام کے حذف کے ساتھ پڑھیں مفسر علام کا وابدال الثانیۃ الفًا کہنا غیر ظاہر ہے اس لئے کہ ثانیہ تو قرأت میں بغیر ابدال کے باقی ہے، البتہ ابدال الثالثۃ درست ہے **قوله** مِنْ خِلَافٍ مِنْ ابتدائیہ ہے اور خلاف مختلفہ کے معنی میں ہو کر حال ہے ای اَقْطَعُهَا مختلِفَاتٍ **قوله** فِی جذوعِ النَّخْلِ ای علیها اس میں اشارہ ہے کہ فِی بمعنی علی ہے وَلَتَعْلَمُنَّ میں لام قسمیہ ہے اَیُّنَا مبتداء اَشَدُّ وَاَبْقٰی معطوف ومعطوف علیہ سے مل کر خبر اور مبتداء خبر سے مل کر لتعلمُنَّ کا مفعول قائم مقام دو مفعولوں کے علی مخالفتہٖ کا تعلق اشدُّ وابقٰی دونوں سے ہے وَالَّذِی فطرَنا واو اگر قسمیہ ہو تو موصول صلہ سے مل کر قسم اور لانؤثرك علی الحق جواب قسم محذوف ای وحق الذی فطرنا لانؤثرك علی الحق اور اگر واو عاطفہ ہو تو معطوف علیہ مَا جاءنا ہوگا ای لَنْ نُؤثِرَكَ علی الذی جاءنا ولا الذی فَطَرَنا فَاقْضِ مَا اَنْتَ قاضٍ یہ جواب تہدید ہے هٰذہ الحیٰوۃ الدنیا هٰذہٖ مبدل منہ الحیٰوۃَ بدل یہ حذف حرف جر کی وجہ سے اتساعًا منصوب ہے تقدیر عبارت یہ اِنَّمَا تقضی فِی هٰذہِ الحیٰوۃ الدنیا فِی کو حذف کر دیا جس کی وجہ سے منصوب ہو گیا **قوله** اِنَّمَا مَا میں دو وجہ جائز ہیں اول وجہ یہ کہ مَا فعل پر اِنَّ کے دخول کو جائز کرنے کے لئے ہے اور الحیٰوۃ الدنیا تقضی کا ظرف ہے اور تقضی کا مفعول محذوف ہے ای تقضی غرضك دوسری وجہ یہ کہ ما مصدریہ اسم اِنَّ ہو اور ظرف خبر ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنَّ قَضَاءَكَ فی هٰذہ الحیٰوۃ الدنیا تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مَا بمعنی الذی موصول اسم اِنَّ تقضیہ اس کا صلہ عائد محذوف ای اِنَّ الَّذی تقضیہ کائنٌ فِی الحیٰوۃ الدنیا (جمل) وَمَا اَكْرَهْتَنَا کا عطف خطایانا پر ہے، تا کہ ہماری خطاؤں اور اس عمل سحر کو معاف کر دے جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا مِنَ السِّحرِ علیہ کی ضمیر سے یا ما موصولہ سے حال ہو سکتا ہے، مِنْ بیان جنس کے لئے بھی ہو سکتا ہے **قوله** قال تعالٰی سے اشارہ کر دیا کہ اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ جملہ مستانفہ ہے اس کے ماقبل ساحروں کا کلام تھا اور یہ اللہ سبحانہ کا کلام ہے خَالِدِیْنَ مَنْ کے معنی کی رعایت سے جمع لایا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

قَالَ آمَنْتُمْ لَهٗ جب جادوگروں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا حقیقت میں اژدہا بن کر ان کے خیالی

سانپوں کو نگل گیا، تو چونکہ یہ جادو کے ماہر اور جادو کی حقیقت سے واقف تھے تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ کام جادو کے ذریعہ نہیں ہو سکتا بلاشبہ خدائی معجزہ ہے اس لئے جادوگر سجدہ میں گر گئے اور برسرِ عام اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جادوگروں نے اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھایا جب تک اللہ تعالیٰ نے جنت میں ان کا مقام نہ دکھادیا، اس واقعہ سے فرعون کی برسرِ عام بہت رسوائی ہوئی تو اس نے اپنی خفت کو کم کرنے کے لئے تہدید آمیز لہجے میں کہا کہ تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ اور اس کے رب پر ایمان لے آئے اس جملہ سے لوگوں کو یہ تاثر بھی دینا مقصود تھا کہ میری اجازت کے بغیر کسی کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے اور اصل حقیقت سے توجہ ہٹانے کے لئے ان جادوگروں پر یہ الزام بھی لگا دیا کہ اب معلوم ہوا کہ تم موسیٰ کے شاگرد ہو اور وہ تم سب کا بڑا استاذ ہے اسی نے تم کو جادو سکھایا ہے اور استاد شاگردوں نے مل کر سازش کی ہے اور طے شدہ پروگرام کے مطابق شاگردوں نے اپنی ہار مان لی ہے کبیر بمعنی معلم بھی لغت عرب میں مستعمل ہے، کسائی نے کہا ہے کہ جب بچہ اپنے معلم (استاذ) کے پاس سے آتا ہے تو کہتا ہے جئتُ منْ عند کبیری فرعون نے یہ جملہ اِنہ لکبیر کم الذی علّمکُمْ السحرَ باوجودیکہ فرعون کو بھی معلوم تھا کہ ان کے درمیان استادی و شاگردی کا کوئی تعلق نہیں ہے مگر پھر بھی لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے اور لوگوں کو موسیٰ پر ایمان لانے سے روکنے کے لئے یہ بات قصداً کہی۔

فَلَاُقَطِّعَنَّ یہ قسم محذوف کا جواب ہے تقدیر عبارت یہ ہے وعزتی و کبریائی لَاَفْعَلَنَّ بکم ذٰلِکَ فرعون نے قسم کھا کر حاکمانہ انداز میں سخت سزا کی دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ میں تم سب کے جانب مخالف سے ہاتھ پیر کاٹ دوں گا تاکہ تم دوسروں کے لئے عبرت کا نمونہ بن جاؤ، اور کوئی دوسرا موسیٰ پر ایمان لانے کی جسارت نہ کر سکے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ تم کو اسی حالت میں کھجور کے تنوں پر لٹکا دوں گا تاکہ بھوکے پیاسے تمہاری جان نکل جائے فی جذوع النخل میں فی بمعنی علیٰ ہے اور علیٰ کے بجائے فی کے استعمال میں یہ مصلحت ہے کہ استقراء اور دوام کو ظاہر کرنا ہے یعنی تم اسی حالت میں ایک مدت تک لٹکے رہو گے، جیسا کہ مظروف کا استقرار ظرف میں ہوتا ہے۔

قَالُوا لَنْ نُؤثِرَکَ عَلٰی مَاجَاءَنَا الخ جادوگروں نے فرعون کی دھمکی سن کر اپنے ایمان پر بڑی پختگی کا ثبوت دیا کہنے لگے ہم تجھے یا تیرے کسی قول کو ان بینات و معجزات پر ترجیح نہیں دے سکتے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ہمارے سامنے آچکے ہیں نیز خالق کائنات کو چھوڑ کر تجھے اپنا رب نہیں مان سکتے حضرت عکرمہ کی روایت کے مطابق بینات سے مراد جنت کے وہ مقامات عالیہ اور نعم غالیہ بھی ہو سکتی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کو سجدہ کی حالت میں مشاہدہ کرایا تھا، اور ساتھ ہی جادوگروں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تو نے ہمیں سزا دی بھی تو وہ سزا اسی چند روزہ زندگی تک محدود رہے گی مرنے کے بعد تو تیرا ہمارے اوپر کوئی قبضہ نہیں رہے گا بخلاف حق تعالیٰ کے کہ اس کا قبضہ مرنے سے پہلے بھی ہے اور مرنے کے بعد بھی لہٰذا اسی کی سزا کی فکر مقدم ہے۔

اِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لانے کی غرض بیان کرتے ہوئے جادوگروں نے کہا ہم اس لئے ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سابقہ گناہوں کو معاف فرمادے اور جادو کے ذریعہ موسیٰ کے مقابلہ کے عمل کو بھی معاف فرمادے جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا ہے، یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جادوگر تو موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لئے خوشی خوشی آئے تھے حتی کہ فرعون سے انعام واکرام کے بارے میں سودے بازی بھی کی تھی کہ اگر ہم موسیٰ کے مقابلہ میں کامیاب ہوگئے تو ہمیں کیا انعام ملے گا فرعون نے انعام واکرام سے نوازنے نیز مزید براں اپنے مصاحبین میں شامل کرنے کا وعدہ بھی کرلیا تھا پھر جادوگروں کا یہ کہنا کہ تو نے ہمیں موسیٰ کا مقابلہ کرنے کے لئے مجبور کیا تھا کہاں تک درست ہوسکتا ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہوسکتا ہے کہ یہ جادوگر ابتداء تو برضا ورغبت اپنی خوشی سے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لئے آئے تھے مگر مقابلہ سے پہلے جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو خود اعتمادی کے ساتھ خوف خدا کی نصیحت کی تو جادوگر پیغمبرانہ خود اعتمادی اور پرتاثیر نصیحت سن کر تذبذب میں پڑ گئے اور موسیٰ کا مقابلہ کرنے سے کترانے لگے چنانچہ جب جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مشورہ کیا تو یہ لوگ مختلف الرائے ہوگئے، بعض ان کو جادوگر کہتے تھے اور بعض انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کی باتیں پیغمبرانہ معلوم ہوتی ہیں لہٰذا ان کا مقابلہ کرنا درست نہیں ہے فرعون کو جب ان کے تذبذب کا علم ہوا تو ان کو مجبور کیا اور مزید لالچ بھی دیا جس کی وجہ سے وہ مقابلہ کے لئے آمادہ ہوگئے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ فرعون کو کاہنوں کے ذریعہ جب یہ معلوم ہوا کہ ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھ پر تیری حکومت ختم ہوجائے گی اور اس نوعیت کے اس کے پاس علوم اور معجزات ہوں گے تو فرعون نے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے ملک میں جادو کی تعلیم کو جبری اور لازمی قرار دیدیا تھا جس کی وجہ سے جادوگروں کا یہ کہنا کہ تو نے ہمیں جادو پر مجبور کیا ہے صحیح اور درست ہے۔ (روح)

آسیہ فرعون کی بیوی کا ایمان

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حق وباطل کے اس معرکہ کے وقت فرعون کی بیوی آسیہ برابر خبر رکھتی رہیں کہ انجام کیا ہوا جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ موسیٰ اور ہارون غالب آگئے تو فوراً ہی اس نے بھی اعلان کردیا کہ میں بھی موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتی ہوں، فرعون کو جب اپنی بیوی آسیہ کے ایمان کا علم ہوا تو حکم دیا کہ ایک بھاری پتھر اس کے اوپر گرادیا جائے، آسیہ نے جب یہ دیکھا تو آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور اللہ سے فریاد کی حق تعالیٰ نے پتھر اس کے اوپر گرنے سے پہلے ہی اس کی روح قبض کرلی اور پتھر مردہ جسم پر گرا۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ بھمزۃ قَطْعٍ مِنْ اَسْرٰى او ھَمْزَۃِ وَصْلٍ و کَسْرِ النُّوْنِ مِنْ

سَرىٰ لُغتَانِ اَىْ سِرْ بهم لَيْلاً مِن اَرْضِ مِصْرَ فَاضْرِبْ اِجْعَلْ لَهُمْ بِالضَّرْبِ بِعَصَاكَ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا اى يَابِسًا فَامْتَثَلَ ما اُمِرَ به وَاَيْبَسَ اللّٰهُ الْاَرْضَ فَمَرُّوْا فيها لَاتَخَافُ دَرَكًا اى ان يُدرِكَكَ فِرْعَوْنُ وَّلَاتَخْشٰى○ غَرَقًا فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ وهو مَعَهُم فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ اى الْبَحْرِ مَاغَشِيَهُمْ ما غَرَّقَهم وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ بدعائِهم الى عِبَادَتِهٖ وَمَا هَدٰى○ بل اَوْقَعَهم فى الْهَلَاكِ خِلَافَ قَوْلِهٖ وَمَا اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ يَا بَنِى اِسْرَآئِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ فِرْعَوْنَ بِاِغْرَاقِهٖ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ فَنُؤتِى موسٰى التورٰةَ للعَمَلِ به وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى○ هما التَرَنْجَبِيْنُ والطَّيْرُ السَّمَانِيُّ بِتَخْفِيْفِ المِيمِ وَالْقَصْرِ وَالْمُنَادٰى مَنْ وُجِدَ مِنَ الْيَهُوْدِ زَمَنَ النَّبِىِّ مُحَمَّدٍ صلعم وخُوْطِبُوْا بما اُنْعِمَ به على اَجْدَادِهِم زَمَنَ النَّبِىِّ مُوْسٰى تَوْطِيَةً لِقَوْلِهٖ تعالٰى لهم كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَارَزَقْنٰكُمْ اى المُنْعَمِ به عليكم وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ بِاَنْ تَكْفُرُوْا المُنْعَمَ به فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِىْ ج بكَسْرِ الحَاءِ اى يَجِبُ وبِضَمِّهَا يَنْزِلُ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِىْ بكَسْرِ اللَّامِ وضَمِّها فَقَدْ هَوٰى○ سَقَطَ فى النَّارِ وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ مِنَ الشِّرْكِ وَاٰمَنَ وَحَّدَ اللّٰهَ وَعَمِلَ صَالِحًا يَصْدُقُ بالفَرْضِ والنفلِ ثُمَّ اهْتَدٰى○ بِاسْتِمْرَارِهٖ على مَا ذُكِرَ الى مَوْتِهٖ وَمَا اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ لِمَجِئِ مِيْعَادِ اَخْذِ التَّوْرٰةِ يَامُوْسٰى○ قَالَ هُمْ اُولَآءِ اى بالقُرْبِ مِنِّى يَاْتُوْنَ عَلٰى اَثَرِىْ ج وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى○ عَنِّى اى زِيَادَةً على رِضَاكَ وقَبْلَ الجَوابِ اَتٰى بالاعْتِذَارِ بِحَسْبِ ظَنِّه وتَخَلَّفَ المَظْنُوْنُ كما قَالَ تعالٰى فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ اى بَعْدَ فِرَاقِكَ لهم وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ○ فَعَبَدُوْا العِجْلَ فَرَجَعَ مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ من جِهَتِهِم اَسِفًا○ شَدِيْدَ الحُزْنِ.

ترجمہ

اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ اَسْرِ ہمزہ قطعی کے ساتھ ہے اَسْرىٰ سے ماخوذ ہے، یا ہمزہ وصل اور نون کے کسرہ کے ساتھ ہے اور سَرىٰ سے ماخوذ ہے یہ دو لغت ہیں، مطلب یہ کہ بنی اسرائیل کو رات کے وقت مصر سے لیکر نکل جا، پھر ان کے لئے عصا مار کر دریا میں خشک راستہ بنا دینا یَبَسًا بمعنی یابِسًا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے امتثال امر کیا اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو خشک کر دیا لہٰذا سب لوگ وہاں سے نکل گئے، نہ تو تم کو تعاقب کا اندیشہ ہوگا کہ فرعون تم کو پکڑ لے اور نہ تم کو غرق ہونے کا خوف ہوگا چنانچہ فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا حال یہ کہ وہ خود بھی ان کے ساتھ تھا، چنانچہ دریا ان پر چھا گیا جیسا کہ چھانے کو تھا پھر ان کو غرق کر دیا،

اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا ان کو اپنی عبادت کی دعوت دیکر اور ان کو سیدھی راہ نہ دکھائی بلکہ ان کو ہلاکت میں ڈالدیا اپنے قول وَمَا اَهْدِيكُم اِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ کے برخلاف اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن فرعون سے اس کو غرق کرکے نجات دی اور ہم نے تم سے طور کی دائیں جانب آنے کا وعدہ کیا کہ ہم موسیٰ کو تورات دیں گے اس پر عمل کرنے کے لئے اور ہم نے تمہارے لئے مَن اور سلویٰ نازل کیا اور وہ ترنجبین اور بٹیر ہیں سمانی میم کی تخفیف اور قصر کے ساتھ ہے اور (یا بنی اسرائیل) میں منادیٰ وہ یہود ہیں جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں موجود تھے اور وہی ان نعمتوں کے مخاطب ہیں جو ان یہود پر کی گئیں تھیں جو سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے اللہ تعالیٰ کے قول کُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ الخ کی تمہید کے لئے ہم نے جو پاکیزہ چیزیں تم کو دی ہیں ان سے کھاؤ یعنی ان چیزوں کو جو بطور انعام تم کو دی گئی ہیں اور اس میں حد (شرعی) سے تجاوز نہ کرو اس طریقہ سے کہ منعم کی ناشکری کرنے لگو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا غضب تمہارے اوپر واقع ہو جائے حا کے کسرہ کے ساتھ یعنی لازم ہو جائے اور حا کے ضمہ کے ساتھ یعنی نازل ہو جائے اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے یَحْلِلْ لام کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہے تو بلاشبہ وہ آگ میں گر گیا اور بے شک میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا ہوں جنہوں نے شرک سے توبہ کر لی اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائے اور نیک عمل کئے عمل صالح فرض اور نفل دونوں پر صادق آتا ہے (یا) (فرض اور نفل کے ذریعہ (ایمان کی) تصدیق کرتا ہے اس وقت یُصَدِّق پڑھا جائے گا) اور پھر مذکورہ چیزوں پر موت تک قائم بھی رہے (اللہ نے کہا) اے موسیٰ اپنی قوم کو چھوڑ کر جلدی آنے کا کیا سبب ہوا؟ تورات لینے کے وقت کے آجانے کی وجہ سے حضرت موسیٰ نے جواب دیا وہ یہ رہے میرے پیچھے یعنی میرے قریب ہی آرہے ہیں اور اے میرے پروردگار میں آپ کے پاس جلدی چلا آیا کہ آپ مجھ سے زیادہ خوش ہوں گے یعنی تیری زیادہ رضامندی حاصل کرنے کے لئے اور جواب سے پہلے اپنے گمان کے اعتبار سے عذر بیان کر دیا اور گمان خلاف واقعہ ثابت ہوا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے ان کو چھوڑ کر چلے آنے کے بعد ایک فتنہ میں مبتلا کر دیا اور ان کو تو سامری نے گمراہ کر دیا جس کی وجہ سے وہ گائے پرستی میں مبتلا ہو گئے غرض موسیٰ علیہ السلام ان کی وجہ سے غصہ اور سخت رنج میں بھرے ہوئے واپس آئے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا الخ یہ عطف قصہ علی القصہ کے قبیل سے ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً موسیٰ کو فرعون کے پاس رسول بنا کر بھیجنے کا قصہ معہ معجزات کے بیان فرمایا اور ثانیاً فرعون اور اس کے لشکر کے عبرت ناک انجام کا قصہ بیان فرمایا اس طرح یہ عطف قصہ علی القصہ ہے **قولہ** طَرِيقًا اِضْرِب کا مفعول بہ ہے اس لئے کہ اِضْرِب اِجْعَل کے معنی کو

متضمن ہے جیسا کہ مفسرؒ نے اشارہ کردیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اِضرب کا مفعول بہ محذوف ہو تقدیر یہ ہوگی اِضربْ موضعَ طریق اس صورت میں اِضرب کی نسبت طریق کی جانب مجازاً ہوگی موضع کو حذف کرکے طریق کو اس کے قائم مقام کردیا اِضرِبْ لھُم طریقًا ہوگیا طریق سے مراد جنس طریق ہے اس لئے کہ بنی اسرائیل کے قبیلوں کی تعداد کے اعتبار سے بارہ راستے بنائے تھے یَبَسًا مصدر ہے مصدر کا حمل طریق پر مبالغۃً ہے یا مصدر سے پہلے لفظ ذات محذوف ہے ای ذاتَ یَبَسٍ اور اگر با کے سکون کے ساتھ یَبْسًا ہو تو صیغہ صفت کا ہوگا ای یابسًا لاتخافُ رفع کے ساتھ حمزہؒ کے علاوہ تمام قراء کی یہی قرأت ہے اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہوگا اس وقت اس کا کوئی محل اعراب نہ ہوگا، یا اِضرِبْ کی ضمیر فاعل سے حال ہے، ای اِضرب لھُمْ طریقًا حَالَ کَوْنِکَ غیرَ خائفٍ اور حمزہؒ نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے اس وجہ سے کہ لا ناھیہ ہے تَخَفْ اس کی وجہ سے مجزوم ہے **وقولہ ولا تخشٰی** یہ باتفاق قراء الف کے ساتھ ہے رفع کی صورت میں لَا تخافُ پر عطف ظاہر ہے اور جزم کی صورت میں لاتخشٰی کا عطف لاتَخَفْ پر ہوگا اور علامت جزم لاتخشٰی میں حذف الف ہوگی اور موجودہ الف اشباع کا ہوگا فواصل کی رعایت کے لئے لایا گیا ہے **قولہ** بجُنُودِہٖ یہ موضع حال میں ہے اور مفعول ثانی محذوف ہے ای فَاَتْبَعَھُمْ فرعونُ عِقابَہٗ ومعہ جنودہٗ اور یہ بھی کہا گیا کہ اَتْبَعَ بمعنی اِتَّبَعَ ہے اس صورت میں بجُنُودِہٖ کی با تعدیہ کے لئے ہوگی **قولہ** وَھُوَ مَعَھُمْ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جار اَتْبَعَھُمْ کا صلہ نہیں ہے بلکہ موضع حال میں ہے اور اَتْبَعَھُمْ کا مفعول ثانی محذوف ہے اور معنی یہ ہیں اَتْبَعَھُمْ فرعون نفسہٗ مع جنودہٖ اور بیضاوی میں ہے والمعنی فَاَتْبَعَھُمْ فرعون نفسہ ومعہ جنُوْدُہٗ فَحُذِفَ مفعول ثانی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بجنودہٖ میں با زائدہ ہے ای اَتْبَعَھُمْ جنودہٗ وھو معھم فَغَشِیَّھُمْ مِنَ الیَمِّ ما غَشِیَھُمْ ای غرقھم من الیَمِّ ماغرقھم سمندر کی موجوں کی ہولنا کی کو ظاہر کرنے کے لئے ابہام رکھا گیا ہے یعنی وہ موجیں ہولنا کی میں ایسی تھیں کہ ان کی ہولنا کی کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا **قولہ** فنؤتی موسٰی التورٰۃ للعمل بھا کے اضافہ کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ وعدہ تو موسیٰ علیہ السلام سے تھا نہ کہ قوم سے تو پھر وواعدناکم میں وعدہ کی نسبت قوم کی طرف کیوں کی گئی ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ موسیٰ کو تورات دینے کا وعدہ قوم ہی کے عمل کے لئے اور ان ہی کی بہبودی کے لئے تھا اس لئے قوم کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے نسبت درست ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ موسیٰ کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی قوم کے ستر سرداروں کو بھی کوہ طور پر ساتھ لے آئیں اس طریقہ سے بھی قوم کی طرف وعدہ کی نسبت صحیح ہے **قولہ** اَلْمَنُّ اسم ہے شبنمی گوند ہے جو حلوے کی شکل کا تھا جو وادی تیہ میں بھٹکنے والے اسرائیلیوں کے کھانے کے لئے روزانہ درختوں کے پتوں پر اللہ تعالیٰ جما دیتا تھا سلوٰی ایک قسم کا پرندہ ہے جس کو بٹیر کہتے ہیں قاموس میں اس کا واحد سَلْوٰۃٌ مرقوم ہے اخفش سے منقول ہے کہ اس کا

واحد نہیں سنا گیا هَوَىٰ ماضی واحد مذکر حاضر (ض) مصدر هَوِیٌّ گر پڑنا **قوله** وَمَن يَحْلِلْ یہاں بھی کسرہ حا اور ضمہ حا دونوں صورتیں ہیں ثم اهتدىٰ کی تفسیر باستمراره علی ماذكر الی موته سے کر کے اس سوال کا جواب دینا مقصود ہے کہ اهتدىٰ کے ذکر سے کیا فائدہ ہے جب کہ آمَنَ کے عموم میں اهتدىٰ بھی داخل ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں ایمان پر استمرار اور دوام مراد ہے اس لئے کہ نجات تامہ اسی ایمان اور اعمال صالحہ پر موقوف ہے جو مرتے دم تک باقی رہے **قوله** وَمَا اَعْجَلَكَ عن قَوْمِكَ ما استفہامیہ مبتداء ہے اور اَعْجَلَكَ اس کی خبر ہے یہاں استفہام استفادۂ علم کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ خدا کو اس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ بات بتانے کے لئے ہے کہ تم جلد بازی کر کے اپنی قوم کو چھوڑ کر یہاں چلے آئے ہم نے تمہاری قوم کو ایک فتنہ میں مبتلا کر دیا **قوله** هُمْ اولاء هُمْ مبتدا ہے اُولاءِ بمعنیٰ الذی ہے اور علی أثری اس کا صلہ ہے **قوله** زيادةً علی رضاكَ کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے سبقت کرنے کی وجہ زیادتی رضا تھی نہ کہ نفس رضا اس لئے نفس رضا تو نبی کو حاصل ہوتی ہے البتہ زیادتی مطلوب ہوتی ہے **قوله** وقبل الجواب اَتٰی بالاعتذار الخ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ما اَعْجَلَكَ کا جواب عَجِلْتُ اليكَ ربِّ لِتَرضٰی ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اصل جواب دینے سے پہلے هُمْ اُولاءِ علی اَثَرِی کہہ کر یہ عذر بیان کر دیا کہ میں نے ان کو چھوڑا نہیں ہے بلکہ وہ قریب ہی میرے ساتھ ہیں اور یہ عذر اس خیال سے بیان کر دیا کہ موسیٰ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ واقعۃً وہ میرے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں حالانکہ وہ وہیں رک گئے تھے جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ کا گمان خلاف واقعہ تھا اور گمان کا خلاف واقعہ ہونا اس وقت معلوم ہوا جب اللہ تعالیٰ نے فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قومَكَ مِنْ بَعْدِكَ فرمایا لِمَا میں لام تعلیلیہ ہے گویا کہ یہ خلاف مظنون ہونے کی علت ہے **قوله** السامری بنی اسرائیل کے قبیلہ سامرہ کی طرف منسوب ہے بعض نے کہا ہے کہ سامرہ یہود میں ایک فرقہ ہے جو بعض باتوں میں بقیہ یہود سے مختلف ہے، بعض کہتے ہیں کہ کرمان کا ایک دہقانی کافر تھا اس کا نام موسیٰ بن ظفر ہے، یہ منافق تھا اس کی قوم گائے کی پوجا کرتی تھی موسیٰ سامری کی پرورش جبرائیلؑ نے کی تھی اس لئے کہ اس کو بھی اس کی والدہ نے ذبح کے خوف سے ایک غار میں چھپا دیا تھا، حضرت جبرائیلؑ اس کو اپنی انگلیاں چساتے تھے ایک سے دودھ اور دوسری سے شہد اور تیسری سے گھی نکلتا تھا، شعر: موسیٰ الذی ربّاهُ فرعونُ مرسَلُ ☆ موسیٰ الذی رباهُ جبرائیل کافر قرطبی کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ سامری ہندوستان کا رہنے والا تھا جو کہ گائے کی پوجا کرتا تھا (مزید تفصیل کے لئے لغات القرآن جلد سوم تالیف مولانا عبد الرشید نعمانی کی طرف رجوع کریں) موسیٰ علم معرفہ ہے بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر ہیں ان کی والدہ کا نام یوحانث تھا، اور والد کا نام عمران تھا، کہا جاتا ہے کہ عبرانی زبان میں مُوْ پانی کو کہتے ہیں اور شی درخت کو کہتے ہیں عربی میں شین کو سین سے بدل دیا ہے، حضرت موسیٰ کو پیدائش کے بعد چونکہ لکڑی کے ایک تابوت میں بند کر کے سمندر میں ڈال دیا گیا تھا اس

لئے موسیٰ نام ہو گیا۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْ جب فرعون اور فرعونیوں کو حق و باطل کے معرکہ میں شکست فاش ہوگئی اور بنو اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں جمع ہو گئے تو اب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہاں سے ہجرت کا حکم دیا چونکہ فرعون کو غرق کرنا تھا اس لئے حضرت موسیٰ کو دریا کی جانب کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا تاکہ فرعون حضرت موسیٰ کا تعاقب کرے اور غرق دریا ہو، حالانکہ شام ہو کر فلسطین کا خشکی کا بھی راستہ تھا، موسیٰ بنی اسرائیل کو لیکر شام کی جانب سے بھی جا سکتے تھے مگر مصلحت دریا کی طرف سے تھی اسی لئے یہ راستہ اختیار کیا، چونکہ فرعون کے تعاقب اور دریا میں غرق ہونے کا خطرہ تھا اس لئے دونوں خطروں سے حضرت موسیٰ کو مطمئن کر دیا گیا۔

اس آیت کے تحت میں مفسرین حضرات نے ابن عباسؓ کے حوالے سے یہ بات بھی لکھی ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ جب تم مصر سے جانے لگو تو میرا تابوت بھی ساتھ لیجانا، جب بنو اسرائیل ہجرت کرنے لگے تو خیال آیا کہ حضرت موسیٰ کے تابوت کو ساتھ لے لیں مگر کسی کو حضرت یوسف علیہ السلام کا مدفن معلوم نہیں تھا، البتہ ایک بڑھیا کو معلوم تھا، اس سے معلوم کر کے تابوت ہمراہ لے لیا، حضرت موسیٰ نے اس بڑھیا سے کہا کہ جو تجھے مانگنا ہے، مانگ لے، بڑھیا نے کہا میں چاہتی ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں، جب دیکھا کہ فرعون نہ تو ایمان لاتا ہے اور نہ بنی اسرائیل کو آزاد کرنے پر آمادہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خاموشی سے لیکر نکل جانے کا حکم فرمایا۔

تفسیر روح المعانی میں یہ تفصیل بھی ہے، کہ اسرائیلیوں نے ہجرت سے پہلے یہ شہرت کر دی تھی کہ کل ہماری عید ہے ہم عید منانے کے لئے باہر جائیں گے اور اس بہانے سے قبطیوں سے کچھ زیورات عاریتاً لے لئے تھے کہ آکر واپس کر دیں گے بنی اسرائیل کی اس وقت کتنی تعداد تھی روایات مختلف ہیں چھ اور سات لاکھ تک بیان کی گئی ہے، چونکہ یہ سب اسرائیلی روایات ہیں ہو سکتا ہے کہ ان میں کچھ مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہو، مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اسرائیلیوں کی تعداد لاکھوں سے کم نہیں تھی، اس لئے کہ ان کے بارہ قبیلے تھے اور ہر قبیلہ میں بڑی تعداد میں افراد تھے، موسیٰ علیہ السلام رات کے ابتدائی حصہ میں اپنی قوم بنی اسرائیل کو لیکر دریائے قلزم کی طرف نکل گئے۔

فرعون کو جب اسرائیلیوں کے اس طرح سے نکل جانے کی اطلاع ملی تو اس نے فوجوں کو جمع کیا جن میں ستر ہزار سیاہ گھوڑے تھے اور صرف مقدمۃ الجیش میں سات لاکھ سوار تھے، جب بنی اسرائیل نے آگے دریا اور پیچھے فوجی سیلاب دیکھا تو گھبرا اٹھے، اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے انا لمدرکون ہم تو پکڑے گئے موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو تسلی

دیتے ہوئے فرمایا اِنَّ معی ربی سَیَھْدِین کہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھے ضرور راستہ دے گا پھر بحکم ربانی دریا پر اپنا عصا مارا جس کی وجہ سے دریا میں خشک بارہ راستے بن گئے بنی اسرائیل کے چونکہ بارہ قبیلے تھے ہر قبیلہ ایک راستہ سے بخیر وخوبی واطمینان کے ساتھ نکل گیا، جب فرعون اور اس کا لشکر دریا کے کنارے پہنچا تو یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر سہم گیا کہ اسرائیلیوں کے لئے کس طرح دریا میں راستے بن گئے مگر فرعون نے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے کہا کہ یہ سب کچھ میری ہیبت کا کرشمہ ہے مگر دل ہی دل میں گھبرا رہا تھا اور دریائی راستوں میں داخل ہونے کے بارے میں تذبذب کا شکار تھا اس وقت فرعون ایک گھوڑے پر سوار تھا، حضرت جبرائیلؑ ایک گھوڑی پر سوار ہو کر فرعون کے گھوڑے کے سامنے آئے گھوڑا بے قابو ہو گیا اور فرعون کو لیکر دریا میں داخل ہو گیا اس کے پیچھے فرعونی لشکر بھی دریا میں داخل ہو گیا جب اسرائیلی دریا پار ہو گئے اور فرعونی پورا لشکر دریا میں داخل ہو گیا تو حق تعالیٰ نے دریا کو روانی کا حکم دیدیا جس کی وجہ سے سب غرق دریا ہو گئے، یہی مطلب ہے فغشیَھُمْ مِنَ الیمِّ مَا غشیَھُمْ کا۔

وَوَاعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطور الایمنِ فرعون سے نجات اور دریا میں پار ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے اور ان کے واسطہ سے تمام بنی اسرائیل سے یہ وعدہ فرمایا کہ وہ کوہ طور پر داہنی جانب چلے آئیں تاکہ موسیٰ کو تورات عطا کی جائے اور بنی اسرائیل خود بھی اس شرف ہمکلامی کا مشاہدہ کر لیں۔

ونزلنا علیکم المنَّ والسلوٰی یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب بنی اسرائیل عبور دریا کر کے آگے بڑھے اور ایک مقدس شہر میں داخل ہونے کا حکم ملا، انہوں نے خلاف ورزی کی اس کی یہ سزا دی گئی کہ اسی وادی میں جس کو وادی تیہ کہتے ہیں قید کر دئے گئے اور چالیس سال تک اسی وادی میں بھٹکتے رہے اس سزا کے باوجود حضرت موسیٰ کی برکت سے ان پر قید کے زمانہ میں بھی طرح طرح کے انعامات ہوتے رہے انہی میں سے من وسلویٰ کا انعام تھا۔

قوله والمنادی مَن وُجِدَ الخ یا بنی اسرائیل میں منادیٰ ہر وہ یہودی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا اور ذکر ان نعمتوں کا کیا گیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود یہودیوں کے آباء واجداد پر جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں موجود تھے گویا کہ یہ تمہید ہے اللہ تعالیٰ کے قول کُلُوا من طیّبٰتِ ما رزقنٰکُمْ الخ کی اس لئے کہ اگر حقیقت میں منادیٰ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے یہود ہوں اور حقیقت میں بھی روئے سخن ان کی طرف ہو تو کلوا من طیبٰت ما رزقنکم الخ کہنا صحیح نہیں رہے گا، اس لئے کہ جو لوگ صدیوں سال پہلے مر چکے ہیں ان کو کھانے پینے کا حکم کرنا اور ان کو سہو کشی سے ممانعت کرنا غیر معقول بات ہے۔

وَمَا اَعْجَلَکَ عَن قومِکَ جب بنی اسرائیل دریا میں اور فرعون سے نجات پانے کے بعد آگے بڑھے تو ان کا بت پرستوں کی ایک بستی پر گذر ہوا تو ان کی عبادت کا طریقہ ان کو بہت پسند آیا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لئے بھی کوئی محسوس خدا بنا دیجئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے احمقانہ سوال کے جواب میں فرمایا کہ تم

بڑے جاہل ہو یہ بت پرست تو سب ہلاک ہونے والے ہیں ان کا طریقہ باطل ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ فرمایا کہ اپنی قوم کے ساتھ کوہ طور پر آجایئے تو ہم آپ کو اپنی کتاب تورات عطا کریں گے جو آپ کے اور آپ کی قوم کے لئے دستور العمل ہوگی، مگر عطائے تورات سے پہلے آپ مسلسل تیس دن کے روزے رکھیں، اور پھر اس مقدار میں دس دن کا اضافہ کرکے چالیس کردیئے گئے، اس کے بعد موسیٰ کوہ طور کی طرف روانہ ہوگئے اور شوق کی زیادتی کی وجہ سے اپنی قوم کو یہ تاکیدی وصیت کرکے کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ میں آگے جاکر عبادت اور روزوں میں مشغول ہوتا ہوں، جس کی مقدار مجھے تیس روزے بتلائی گئی ہے، میری غیبت میں ہارون میرے نائب اور خلیفہ ہوں گے، حضرت ہارون اور بنی اسرائیل اپنی رفتار سے چلتے رہے اور حضرت موسیٰ جلدی کرکے آگے چلے گئے اور خیال یہ تھا کہ قوم کے لوگ بھی کوہ طور کے قریب ہی پہنچ گئے ہوں گے مگر وہاں سامری کا فتنہ گوسالہ پرستی پیش آگیا جس کی وجہ سے پیچھے پیچھے آنے کا معاملہ رک گیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا وَمَا اَعْجَلَكَ عن قومِكَ، مقصد استفہام نہیں ہے گو صیغہ استفہام کا ہے بلکہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ آپ کے منصب رسالت کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ قوم کے ساتھ رہتے اور ان پر نظر رکھتے، آپ کی عجلت کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کو سامری نے گمراہ کردیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اس سوال کا جواب سابق میں گذر چکا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۵ اى صِدْقًا اَنَّهُ يُعْطِيْكُمُ التَّوْرٰةَ **اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ** مُدَّةُ مُفَارَقَتِى اِيَّاكُم **اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ** يَجِبَ **عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ** بِعِبَادَتِكم العِجْلَ **فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ ۝ وَ**تَرَكْتُمُ المُجِيْءَ بعدى **قَالُوْا مَا اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا** مُثَلَّثُ المِيْمِ اى بِقُدْرَتِنَا او بِاَمْرِنا **وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَا** بِفَتْحِ الحَاءِ مُخَفَّفًا وبِضَمِّهَا و كَسْرِ المِيْمِ مُشَدَّدًا **اَوْزَارًا** اَثْقَالًا **مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ** اى حُلِىِّ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِسْتَعَارَهَا مِنْهم بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ بِعِلَّةِ عُرْسٍ فَبَقِيَتْ عِنْدَهم **فَقَذَفْنٰهَا** طَرَحْنَاها فى النَّارِ بِامْرِ السَّامِرِىِّ **فَكَذٰلِكَ** كَمَا اَلْقَيْنَا **اَلْقَى السَّامِرِىُّ ۝** مَا مَعَهُ مِنْ حُلِيِّهِم ومِنَ التُّرَابِ الذى اَخَذَهُ مِنْ اَثَرِ حَافِرِ فَرَسِ جِبْرَئِيْلَ على الوَجْهِ الآتِى **فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا** صَاغَهُ لهم مِنَ الحُلِىِّ **جَسَدًا** لَحْمًا وَدَمًا **لَّهٗ خُوَارٌ** اى صَوْتٌ يُسْمَعُ اى اِنْقَلَبَ كذٰلِكَ بِسَبَبِ التُّرَابِ الذى اَثَرُهُ الحَيَاةُ فِيْمَا يُوْضَعُ فيه وَوَضَعَهُ بعدَ صَوْغِهِ فى فَمِهِ **فَقَالُوْا** اى السامرى واَتْبَاعُهُ **هٰذَا اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِىَ ۝** موسى رَبَّهُ هُنا وذَهَبَ يَطْلُبُه قال تعالى **اَفَلَا يَرَوْنَ اَ** مُخَفَّفَةٌ من الثَّقِيْلَةِ واِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اى اَنَّهُ **لَّا يَرْجِعُ** العِجْلُ **اِلَيْهِمْ قَوْلًا** اى لا يَرُدُّ لهم جَوَابًا **وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا**

ای دَفْعَهُ وَّلَا نَفْعًا ای فکیف یتخذ الٰهًا .

تـــرجـــمـــہ

موسیٰ نے کہا اے میری قوم کیا تم سے میرے رب نے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ یعنی سچا وعدہ، یہ کہ وہ تم کو تورات عطا کرے گا، کیا تم پر میری جدائی کا زمانہ زیادہ طویل ہو گیا تھا؟ یا تم کو یہ منظور ہوا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واجب ہو جائے، تمہارے بچھڑے کی عبادت کرنے کی وجہ سے کہ تم نے میرے وعدہ کی خلاف ورزی کی کہ تم نے میرے پیچھے پیچھے آنے کو ترک کر دیا تو انہوں نے کہا ہم نے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی مَلْکِنَا کے میم میں تینوں حرکتیں درست ہیں، یعنی اپنی قدرت اور اپنے اختیار سے (خلاف ورزی نہیں کی) لیکن قوم کے زیورات کا بوجھ جو ہم پر لاد دیا گیا تھا ہم نے اس کو آگ میں ڈال دیا حَمَلْنَا فتحہ حا اور فتحہ میم مخفف کے ساتھ اور حا کے ضمہ اور کسرۂ میم مشدد کے ساتھ یعنی حُمِّلْنَا یعنی فرعون کی قوم (قبط) کے زیورات کا بوجھ جس کو بنی اسرائیل نے قبطیوں سے عید کے موقع پر عاریتاً لے لیا تھا پھر وہ انہی کے پاس رہ گیا، اور ہم نے ان زیورات کو سامری کے کہنے سے آگ میں ڈال دیا پس اسی طرح یعنی جس طرح ہم نے ڈالا تھا سامری نے بھی جو اس کے پاس ان کے زیورات تھے اور وہ مٹی جو اس نے حضرت جبرائیلؑ کے گھوڑے کے سم کے نیچے سے لے لی تھی (آئندہ) مذکور طریقہ کے مطابق ڈال دی پھر اس نے ان لوگوں کے لئے ایک بچھڑا بنایا یعنی زیورات کا قالب (ڈھانچہ) بنایا کہ اس کے لئے گوشت اور خون بھی تھا اور اس کی بیل کے مانند آواز تھی یعنی سنی جانے والی آواز اور یہ انقلاب اس مٹی کی وجہ سے ہوا جس کی تاثیر حیات تھی جس میں اس کو ڈال دیا جائے اور اس مٹی کو سامری نے قالب کو ڈھالنے کے بعد اس کے منہ میں ڈال دیا چنانچہ سامری اور اس کے متبعین نے کہا یہ ہے تمہارا اور موسیٰ کا خدا موسیٰ تو اپنے خدا کو یہاں بھول گئے اور اس کو تلاش کرنے چلے گئے کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ وہ بچھڑا ان کی کسی بات کو نہیں لوٹا سکتا یعنی ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا اَلَّا (یہ اَنْ اور لا سے مرکب ہے اَنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی اَنَّهُ اور نہ ان کے کسی ضرر کا مالک ہے کہ اس کو دفع کر سکے اور نہ نفع کا کہ اس کو حاصل کر سکے پھر کس طرح اس کو معبود بنایا جا سکتا ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَنَّهُ يُعْطِيْكُمُ التَّوْرَاةَ یہ جملہ يَعِدُكُم کا مفعول ثانی ہے اور کُم مفعول اول ہے اور وَعْدًا حَسَنًا مفعول مطلق ہے **اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ** گؤ پرستی اور میری مخالفت پر تم کو کس چیز نے آمادہ کیا؟ یا تو طویل زمانہ تک میری مفارقت نے حالانکہ ایسا نہیں ہوا یا اس بات نے کہ تمہارا مقصد ہی **غضب الٰہی کو دعوت دینا ہے**؟ یہ بھی نامناسب ہے اس لئے کسی

عاقل کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ غضب الٰہی کو دعوت دے فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے یہ وعدہ لیا تھا کہ تم میرے پیچھے پیچھے کوہ طور پر آ جاؤ گے مگر قوم نے وعدہ خلافی کی اور گئو پرستی میں مبتلا ہوگئی **قوله** عَلٰی وَجْهِ الآتی اس جملہ کا تعلق و مِنَ التُّرَابِ سے ہے ای اَلْقی التراب علٰی وَجْهِ الآتی اور وجہ آتی یہ ہے وَاَلْقٰی فیھا اَن آخذ قُبْضَةً مِن تُرابٍ فَاَخْرَجَ اس کا عطف وَاَضَلَّھُمُ السَّامِرِی پر ہے یہ خدا کا کلام ہے **قوله** جَسَدًا یہ العجل سے حال ہے ای اَخْرَجَ لھم صورۃَ عجلٍ حالَ کَوْنِھا جَسَدً **قوله** لَحْمًا ودَمًا کا اضافہ اس بات کو بتانے کے لئے کیا ہے کہ جَسَد کہتے ہیں اس کو جو گوشت پوست سے بنا ہو خُوَارٌ بیل کی آواز کو کہتے ہیں یعنی یہ انقلابِ ماہیت اس مٹی کے ڈالنے کی وجہ سے ہوئی، بسبب التراب ای بسبب وضع التراب مضاف محذوف ہے مفسر علام کا و وضعهٗ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ سبب سے پہلے وضع مضاف محذوف ہے **قوله** فَنَسِیَ اس کا فاعل موسیٰ بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ مفسرؒ نے صراحت کردی ہے لہٰذا یہ سامری کا کلام ہوگا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ موسیٰ اپنے رب کو یہاں بھول گئے ہیں اور اس کو کوہ طور پر تلاش کرنے گئے ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے نَسِیَ کا فاعل سامری ہو اس صورت میں یہ خدا کا کلام ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ سامری اپنے رب کو بھول گیا جس کی وجہ سے اس نے یہ حرکت کر ڈالی، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ سامری اس بات پر استدلال کرنا بھول گیا کہ بچھڑا معبود نہیں ہوسکتا اور اس کی دلیل آئندہ آنے والا قول اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلًا ہے اَلَّا اصل میں اَنَّهٗ لایَرْجِعُ تھا، اَنَّ کو مخفف کر کے اَنْ کیا اور ضمیر اسم کو حذف کر دیا اور نون کو لام میں ادغام کر دیا اَلَّا ہو گیا بعض حضرات نے یرجعَ نصب کے ساتھ پڑھا ہے مگر اس میں ضعف ہے اس لئے کہ اَن ناصبہ افعال یقین کے بعد واقع نہیں ہوتا اور رویتہٗ پہلی صورت میں علمیہ ہے اور دوسری صورت میں بصریہ دَفْعَةً محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ مضاف محذوف ہے **قوله** جَلْبَهٗ اس سے بھی مضاف محذوف کی طرف اشارہ کرنا ہے **قوله** لایملك لَھُمْ ضَرًّا وَّلا نَفْعًا اس کا عطف لایَرْجِعُ پر ہے۔

تفسیر وتشریح

اَلَمْ یَعِدْکُمْ ربکُمْ وَعْدًا حَسَنًا حضرت موسیٰ نے رنج وغم کے عالم میں واپس آ کر قوم سے خطاب کیا اولاً ان کو خدا کا وعدہ یاد دلایا جس کے لئے وہ قوم لیکر طور کی جانب ایمن کی طرف چلے تھے، کہ یہاں پہنچ کر اللہ اپنی کتاب ہدایت عطا فرمائیں گے جس کے ذریعہ دین ودنیا کے تمام مقاصد پورے ہوں گے۔

اَفَطَالَ عَلَیْکُمُ العَھْدُ یعنی اللہ کے اس وعدہ پر کوئی بڑی مدت بھی نہیں گذری کہ جس میں تمہارے بھول جانے کا احتمال ہو یا زمانہ دراز تک وعدہ کا انتظار کرتے کرتے مایوس ہو گئے ہوں اس لئے مجبوراً دوسرا طریقہ اختیار کرلیا ہو۔

اَمْ اَردتم أن یحلّ الخ یعنی بھول جانے یا انتظار سے تھک جانے کا کوئی احتمال نہیں تو اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ تم نے خود ہی اپنے قصد و اختیار سے اپنے رب کے غضب کو دعوت دی، اور مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کر بیٹھے قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو وعدہ کیا تھا وہ یا تو یہ تھا کہ ہم آپ کی واپسی تک اللہ کی عبادت اور اس کی طاعت پر قائم رہیں گے یا یہ وعدہ تھا کہ ہم آپ کے پیچھے پیچھے کوہ طور پر آرہے ہیں لیکن راستہ میں رک کر گوسالہ پرستی شروع کردی۔

قالوا ما اَخْلَفْنا الخ لفظ مُلْك دونوں کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم نے گوسالہ پرستی اپنے قصد و اختیار سے نہیں کی بلکہ سامری کے عمل کو دیکھ کر ہم مجبور ہو گئے، ظاہر ہے کہ ان کا یہ دعویٰ غلط اور بے بنیاد تھا وہ خود اپنے ارادہ اور اختیار ہی سے گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوئے تھے، سامری نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ موسیٰ تم سے تیس دن کا وعدہ کر کے گئے تھے اب ان کو زیادہ دن ہو گئے معلوم ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام تم سے ناراض ہو گئے ہیں اور ناراضی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ تم جو قبطیوں کا زیور عاریتاً لیکر آئے ہو اور واپس نہیں کیا یہ ان کو پسند نہیں ہے اس لئے کہ تمہارے لئے یہ مال بالکل حرام ہے لہٰذا تم ایسا کرو کہ یہ مال تم مجھے دیدو میں اس کو جلا دوں گا چنانچہ سب نے تمام زیورات سامری کو دیدئے اس نے وہ تمام زیورات ایک گڑھے میں ڈال کر پگھلا دئے اپنے پاس جو زیورات تھے وہ بھی اسی میں ڈالدئے اور ساتھ ہی وہ مٹی بھی ڈالدی جو حضرت جبرائیلؑ کے گھوڑے کے پیر کے نیچے سے اٹھائی تھی جس کی وجہ سے وہ بچھڑا بولنے لگا اور اسرائیلیوں نے اس کی پرستش شروع کردی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی میں تاخیر کی اصل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً تیس روزے کوہ طور پر آکر رکھنے کے لئے کہا تھا پھر ان میں دس دن کا اور اضافہ کردیا جس کی وجہ سے واپسی میں تاخیر ہو گئی۔

وَلٰکِنَّا حُمِّلْنَا اَوْزَارًا اَوْزار وِزْرٌ کی جمع ہے جس کے معنی بوجھ کے ہیں انسان کے گناہ بھی قیامت کے روز اس پر بوجھ بنا کر لادے جائیں گے اس لئے گناہ کو وزر کہا گیا ہے اور زینۃ سے مراد زیور اور قوم سے مراد قبطی، ان زیورات کو اوزار (گناہ) اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ زیورات عاریتاً لئے گئے تھے ان کے مالکوں کو واپس کرنے چاہئے تھے چونکہ واپس نہیں کئے اس لئے ان کو وزر (گناہ) کہا گیا ہے، حدیث فتون میں ہے کہ ہارونؑ نے بھی لوگوں کو زیورات کے گناہ ہونے پر متنبہ کیا تھا، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ سامری نے اپنا مقصد نکالنے کے لئے وہ ایک گڑھے میں ڈلوا دیا تھا تاکہ اس کو پگھلا کر بچھڑا بنا سکے۔

مسئلہ: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو کافر نہ مسلمانوں کا ذمی ہے اور نہ ان سے کوئی معاہدہ ہے جن کو فقہاء کی اصطلاح میں کافر حربی کہتے ہیں ان کے اموال تو مسلمانوں کے لئے مباح الاصل اشیاء کی طرح حلال ہیں پھر ہارونؑ نے ان کو وزر کیسے قرار دیا؟ اور ان کو گڑھے میں ڈالنے کا حکم کیسے دیا؟ اس کا ایک جواب تو مشہور ہے جو عامۃ المفسرین

نے لکھا ہے کہ کفار حربی کا مال لینا اگرچہ مسلمان کے لئے جائز ہے مگر وہ مال مالِ غنیمت کے حکم میں ہے اور مالِ غنیمت کا حکم شریعت اسلام سے پہلے یہ تھا کہ کافروں کے قبضہ سے نکال لینا تو جائز تھا مگر مسلمان کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں تھا مگر اس مال کو جمع کر کے ٹیلہ وغیرہ پر رکھ دیا جاتا تھا اور آسمانی آگ اس کو آکر جلا جاتی تھی یہ ان کے جہاد کے مقبول ہونے کی علامت تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں مالِ غنیمت کو حلال کر دیا گیا جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں صراحت موجود ہے۔

فائدۂ عظیمہ

فقہی نکتہ نظر سے اس مسئلہ کی تحقیق امام محمدؒ کی کتاب سیر اور اس کی شرح سرخسی میں بیان کی گئی ہے وہ بہت اہم اور اقرب الی الصواب ہے وہ یہ کہ کافر حربی کا مال بھی ہر حال میں مالِ غنیمت نہیں ہوتا بلکہ اس کی شرط یہ ہے کہ باقاعدہ جہاد وقتال کے ذریعہ بزور شمشیر ان سے حاصل کیا جائے اسی لئے شرح سیر میں مغالبہ بالمحاربہ شرط قرار دیا ہے اور اگر جہاد وقتال کے ذریعہ حاصل نہ ہوا س کو مالِ غنیمت نہیں کہیں گے بلکہ اس کو مالِ فئ کہتے ہیں مگر اس کے حلال ہونے میں ان کافروں کی رضا اور اجازت شرط ہے جیسے کوئی اسلامی حکومت ان پر کوئی ٹیکس عائد کر دے اور وہ راضی ہو کر یہ ٹیکس دیدیں تو یہ حلال ہوگا۔

مذکورہ صورت میں قبطیوں سے لئے ہوئے مال مذکورہ دونوں قسموں میں سے ایک قسم میں بھی داخل نہیں ہیں، کیونکہ یہ عاریتاً لئے گئے تھے اس لئے اسلامی شریعت کی رو سے بھی یہ مال ان کے لئے حلال نہ تھا۔

ہجرت کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہل مکہ کی بہت سی امانتیں تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امانتوں کو واپس کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو مکہ میں چھوڑا تھا اور حکم دیا تھا کہ جس کی امانت ہے اس کو واپس کر دی جائے، اس مال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کے تحت حلال قرار نہیں دیا۔

فقذفنٰھا یعنی ہم نے ان زیورات کو پھینک دیا، حدیث فتون کی رو سے یہ عمل حضرت ہارونؑ کے حکم سے کیا گیا اور بعض روایات میں ہے کہ سامری نے ان کو بہکا کر زیورات گڑھے میں ڈلوا دیئے، دونوں باتیں جمع ہو جائیں یہ بھی کوئی مستبعد نہیں۔

فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ حدیث فتون میں مذکور عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارونؑ نے جب بنی اسرائیل کے سب زیورات گڑھے میں ڈلوا دیئے اور اس میں آگ جلوادی تو سامری بھی مٹھی بند کئے ہوئے پہنچا اور حضرت ہارونؑ سے کہا میں بھی ڈال دوں، حضرت ہارونؑ نے یہ سمجھا کہ اس کے ہاتھ میں بھی کوئی زیور ہوگا فرمایا ڈال دو، اس وقت سامری نے حضرت ہارونؑ سے کہا میں جب ڈالوں گا کہ جب آپ یہ دعا کر دیں کہ جو کچھ میں

چاہتا ہوں وہ پورا ہو جائے ہارونؑ کو اس کا کفر و نفاق معلوم نہیں تھا دعا کر دی، اب جو اس نے اپنے ہاتھ سے ڈالا تو وہ زیور کے بجائے مٹی تھی جس کو اس نے جبرائیل امین کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھ کر اٹھالیا تھا کہ جس جگہ اس کا قدم پڑتا ہے وہیں مٹی میں نشو و نما اور آثار حیات پیدا ہو جاتے ہیں جس سے اس نے یہ سمجھا کہ اس مٹی میں آثار حیات رکھے ہوئے ہیں شیطان نے اس کو اس پر آمادہ کر دیا کہ اس کے ذریعہ ایک بچھڑا زندہ کر کے دکھلا دے، بہر حال مٹی کی یا حضرت ہارونؑ کی دعا کی تاثیر سے یہ بچھڑا بن کر بولنے لگا، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ سامری نے پگھلے ہوئے زیورات کا بچھڑے کا ایک ڈھانچہ بنادیا تھا اس کے بعد جبرائیلؑ کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی مٹی ڈالنے کی وجہ سے اس میں جان پیدا ہو گئی اور وہ بیلوں کی طرح بولنے لگا، یہ روایات قرطبی میں مذکور ہیں اور ظاہر ہے کہ اسرائیلی روایات ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا مگر ان کو غلط کہنے کی بھی دلیل موجود نہیں۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُوْنُ مِنْ قَبْلُ اى قبل اَنْ يَّرْجِعَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ج وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِىْ فى عِبَادَتِهٖ وَاَطِيْعُوْا اَمْرِىْ ○ فيها قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ نزال عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ على عبادته مُقِيْمِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ○ قَالَ مُوْسٰى بَعْدَ رُجُوْعِهٖ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا بعبادته اَلَّا تَتَّبِعَنِ ط لا زَائِدَةٌ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِىْ ○ باقامتك بَيْنَ مَنْ يَّعْبُدُ غيرَ اللّٰه قَالَ هٰرُوْنُ يَبْنَؤُمَّ بكسر الميم وفتحها اراد اُمِّىْ وذكرها اَعْطَفُ لقلبه لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِىْ وكان اخذها بشماله وَلَا بِرَاْسِىْ ج وكان اخذ شعره بيمينه غضبًا اِنِّىْ خَشِيْتُ لو اتبعتك ولابد ان يتبعنى جمعٌ ممن لم يعبد العجل اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وتغضب عَلَىَّ وَلَمْ تَرْقُبْ تنتظر قَوْلِىْ ○ فيما رأيته فى ذلك قَالَ فَمَا خَطْبُكَ شانك الداعى الى ما صنعت يٰسَامِرِىُّ ○ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ بالياء والتاء اى علمت ما لم يعلموه فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ تراب اَثَرِ حافر فرس الرَّسُوْلِ جبرئيل فَنَبَذْتُهَا القيتها فى صورة العجل المصاغ وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ زَيَّنَتْ لِىْ نَفْسِىْ ○ والقى فيها ان اخذ قبضة من تراب ما ذكر والقيها على ما لا روح له يصير له روح ورأيت قومك طلبوا منك ان تجعل لهم الهًا فحدثتنى نفسى ان يكون ذلك العجل الههم قَالَ له موسى فَاذْهَبْ من بيننا فَاِنَّ لَكَ فِى الْحَيٰوةِ اى مدة حياتك اَنْ تَقُوْلَ لمن رأيته لَا مِسَاسَ صلے اى لا تقربنى فكان يهيم فى البرية واذا مس احدًا او مسه احد حُمّا جميعًا وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لعذابك لَّنْ تُخْلَفَهٗ ج بكسر اللام اى لن تغيب عنه وبفتحها اى بل تبعث اليه وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِىْ ظَلْتَ اصله ظللت بلامين

اُوْلٰهما مَكْسُوْرَةٌ وحُذِفَتْ تَخْفِيْفًا اى دُمْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًاؕ اى مُقِيْمًا تعْبُدُه لَنُحَرِّقَنَّهٗ بِالنَّارِ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِى الْيَمِّ نَسْفًا○ لَنُذْرِيَنَّهٗ فى هَوَاءِ البَحْرِ وفَعَلَ مُوْسٰى بَعْدَ ذَبْحِهٖ مَا ذَكَرَه اِنَّمَا اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَؕ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا○ تَمِيْيزٌ مُحَوَّلٌ مِنَ الفَاعِلِ اى وَسِعَ عِلْمُهٗ كُلَّ شَيْءٍ كَذٰلِكَ اى كما قَصَصْنَا عَلَيْكَ هٰذِهِ القِصَّةَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ اَخْبَارِ مَا قَدْ سَبَقَۚ مِنَ الاُمَمِ وَقَدْ آتَيْنَاكَ اَعْطَيْنَاكَ مِنْ لَّدُنَّا مِنْ عِنْدِنَا ذِكْرًا○ قُرْآنًا مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَلَمْ يُؤْمِنْ به فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ القِيٰمَةِ وِزْرًاۙ○ حِمْلًا ثَقِيْلًا مِنَ الاِثْمِ خَالِدِيْنَ فِيْهِؕ اى فى عَذَابِ الوِزْرِ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ القِيٰمَةِ حِمْلًاۙ○ تَمْيِيزٌ مُفَسِّرٌ لِلضَّمِيْرِ فى سَاءَ وَالمَخْصُوْصُ بالذَّمِّ مَحْذُوْفٌ تقدِيْرُهٗ وِزْرُهُمْ واللام لِلْبَيَانِ ويُبْدَلُ مِنْ يَوْمَ القِيٰمَةِ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ القَرْنِ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ وَنَحْشُرُ المُجْرِمِيْنَ الكٰفِرِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًاۙ○ عُيُوْنُهُمْ مَعَ سَوَادِ وُجُوْهِهِمْ يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ يَتَسَارُّوْنَ اِنْ مَا لَبِثْتُمْ فى الدُّنْيَا اِلَّا عَشْرًا○ مِنَ اللَّيَالِىْ بِاَيَّامِهَا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فيه ذٰلك اى لَيْسَ كما قَالُوْا اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ اَعْدَلُهُمْ طَرِيْقَةً فيه اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًاۧ يَسْتَقِلُّوْنَ لُبْثَهُمْ فى الدُّنْيَا جِدًّا لِمَا يُعَايِنُوْنَهٗ فِى الآخِرَةِ من اَهْوَالِهَا. ع

تــرجــمــه

اور ہارون علیہ السلام نے ان سے پہلے یعنی موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے سے پہلے کہہ دیا تھا اے میری قوم تم اس گوسالہ کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کر دئے گئے ہو اور بلاشبہ تمہارا رب تو رحمٰن ہے لہٰذا تم اس کی عبادت کرنے میں میری اتباع کرو اور عبادت کے معاملہ میں میری بات مانو ان لوگوں نے جواب دیا ہم تو اسی پر جمے رہیں گے یعنی اسی کی عبادت پر قائم رہیں گے موسیٰ کے ہمارے پاس واپس آنے تک موسیٰ علیہ السلام نے واپسی کے بعد فرمایا اے ہارون جب تم نے ان کو دیکھا کہ یہ گمراہ ہو گئے بچھڑے کی عبادت کی وجہ سے تو میرے پاس چلے آنے سے کیا امر مانع ہوا؟ اَلَّا تَتَّبِعَنِ میں لا زائدہ ہے سو کیا تو نے میرے کہنے کے خلاف کیا؟ غیر اللہ کی بندگی کرنے والوں میں مقیم رہ کر ہارون علیہ السلام نے کہا اے میرے ماں جائے بھائی میری ڈاڑھی نہ پکڑ یا ابن اُمِّ میم پر کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے اور اُمّ سے مقصد اُمّی ہے (ی حذف کر دی گئی ہے یعنی منادی مرخم ہے) اور یا اُمّ کا ذکر کرنا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل کو زیادہ مہربان کرنے والا ہے، نہ یہ کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے ماں شریک (اخیافی) بھائی تھے اور (موسیٰ) نے اپنے بائیں ہاتھ سے ڈاڑھی پکڑ لی تھی اور نہ سر کے (بال) پکڑ اور موسیٰ نے غصہ میں اپنے داہنے ہاتھ سے ان کے سر کے

بال پکڑ لئے تھے مجھے تو یہ اندیشہ ہو گیا تھا کہ اگر میں آپ کے پیچھے چلا آتا تو ضروری بات تھی کہ ایک جماعت جس نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی میرے ساتھ آئی تو آپ کہتے ہیں کہ تو نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور آپ مجھ پر غصہ ہوتے اور تو نے میری بات کا لحاظ نہ رکھا اس معاملہ میں جو تو نے دیکھا (یعنی میں اصلاح کے لئے کہہ کر گیا تھا اور تو نے قوم میں تفریق ڈال دی) (پھر موسیٰ علیہ السلام اصل مجرم) کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے تو سامری نے جواب دیا مجھے وہ چیز نظر آئی جو دوسروں کو نظر نہیں آئی تَبْصُرُوْا یا اور تا کے ساتھ ہے یعنی جو بات میرے علم میں آئی دوسروں کے علم میں نہیں آئی پھر میں نے اس فرستادے (یعنی جبرائیل کے گھوڑے کے) نقش قدم سے ایک مٹھی (خاک) بھر لی پھر میں نے وہ مٹھی خاک اس ڈھلے ہوئے بچھڑے کے قالب میں ڈال دی اور میرے دل کو یہی بات پسند آئی اور میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ میں مذکورہ خاک میں سے ایک مٹھی خاک لوں اور اس ایک مٹھی خاک کو اگر بے جان چیز میں ڈال دوں تو اس میں جان پڑ جائے گی اور میں نے تیری قوم کو دیکھا تھا کہ اس نے تجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ تو ان کے لئے کوئی معبود بنادے تو میرے دل نے مجھے سمجھایا کہ یہ بچھڑا ان کا معبود ہو سکتا ہے موسیٰ نے فرمایا تو ہمارے درمیان سے چلا جا دنیوی زندگی میں تیری یہ سزا ہے کہ تو زندگی بھر ہر اس شخص سے جس کو تو دیکھے گا کہے گا کہ مجھے نہ چھونا یعنی میرے قریب نہ آنا چنانچہ وہ جنگلوں میں بھٹکتا پھرتا تھا اور جب وہ کسی کو چھولیتا تھا یا اسے کوئی چھولیتا تھا تو دونوں بخار میں مبتلا ہو جاتے تھے اور ایک وعدہ تیرے لئے عذاب کا اور ہے تو ہرگز نہ بچے گا تخلفہٗ لام کے کسرہ کے ساتھ یعنی تو اس سے نہ بچ سکے گا، اور فتحہ لام کے ساتھ یعنی تجھ کو اس عذاب تک ضرور پہنچایا جائے گا اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ کہ جس کی عبادت پر تو جما ہوا تھا ظَلْتَ اسکی اصل ظَلِلْتَ دو لاموں کے ساتھ تھی اول ان میں کا مکسور جس کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا اور معنی اس کے دُمْتَ کے ہیں یعنی تو اس کی بندگی میں ہمیشہ لگا رہا ہم اس کو آگ میں جلا دیں گے اور پھر ہم اس کو ریزہ ریزہ کر کے دریا میں اڑا دیں گے یعنی اس کو ہم دریا کی فضا میں اڑا دیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ذبح کرنے کے بعد ایسا ہی کیا پس تمہارا معبود (حقیقی) تو اللہ ہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا علم ہر شئ کو حاوی ہے عِلْمًا تمیز ہے فاعل سے منقول ہوئی ہے (اور تقدیر عبارت یہ ہے) ای وَسِعَ علمُہٗ کلَّ شيء یعنی جس طرح ہم نے آپ کو یہ قصہ سنایا ہم اسی طرح آپ کو سابقہ امتوں کی خبریں بھی سناتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ یعنی قرآن دیا ہے اور جو شخص اس سے اعراض کرے گا اس پر ایمان نہ لائے گا تو وہ قیامت کے دن گناہوں کا بڑا بھاری بوجھ اٹھائے گا اور وہ گناہوں کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بوجھ ان کے لئے قیامت کے روز برا ہوگا حِملاً تمیز ہے جو کہ ساء کی ضمیر کی تفسیر کر رہی ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اس کی تقدیر وِزْرَھم ہے اور (لَھم) میں لام بیانیہ ہے اور یَوْمَ یُنفَخُ فی الصُّورِ یومَ القیامَۃِ سے بدل ہے (اور صور سے مراد) سینگ ہے اور نفخ سے مراد نفخہ ثانیہ ہے اور ہم اس روز مجرموں کافروں کو جمع کریں گے اس حال

میں کہ وہ گربہ چشم ہوں گے یعنی ان کے چہروں کے سیاہ ہونے کے ساتھ ان کی آنکھیں بھی کنجی (نیلی) ہوں گی آپس میں خفیہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوں گے کہ تم لوگ دنیا میں صرف دس دن رات رہے ہو گے ہم خوب جانتے ہیں قیام کی اس (مدت) کو جس قیام کی مدت کے بارے میں یہ دس دن کی بات کہیں گے یعنی بات ایسی نہیں ہے جو یہ کہیں گے جبکہ ان میں کا اس معاملہ میں سب سے زیادہ صائب الرائے یوں کہے گا کہ تم تو صرف ایک ہی روز (قبر میں) رہے ہو یہ لوگ دنیا میں اپنے قیام کی مدت کو نہایت قلیل سمجھیں گے جب آخرت میں اس کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کریں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارون ولقد میں لام قسمیہ ہے ای وَاللّٰهِ لَقَد نَصَحَ هارون و نبّه على حقيقة الأمر من قبلَ رجوع موسىٰ اِلَيهِمْ **قوله** اِنَّما فُتِنتُمْ بهٖ یعنی تم بچھڑے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا کردیئے گئے ہو اِنَّما کلمہ حصر ہے جو حصر مستفاد ہو رہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بچھڑا تمہارے فتنہ کا سبب بنا ہے، نہ کہ ہدایت کا، یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بچھڑے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہوئے ہو نہ کسی اور وجہ سے رَبّكم الرحمٰن یہاں خاص طور پر رحمٰن کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لایا گیا کہ معلوم ہو جائے کہ اگر صدق دل سے توبہ کرلی جائے تو وہ توبہ قبول کرلیتا ہے اس لئے کہ وہ رحمٰن ہے **قوله** اَنْ لَّا تَتَّبِعَنِ لا زائدہ ہے جیسا کہ اَن لا تَسْجُدَ میں لا زائدہ ہے تاکید کے لئے ہے اَنْ لَا تَتَّبِعَنِي، مَنَعَ کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور مَنَعَكَ میں کاف مفعول اول ہے اِذ رَأَيْتَهُمْ منع کا ظرف ہے ای اَیُّ شيءٍ مَنَعَكَ حِيْنَ رُؤْيَتِكَ لِضَلَالِهِمْ مِنْ اِتباعِي **قوله** اَفَعَصَيْتَ میں ہمزہ استفہام انکاری توبیخ کے لئے ہے اور فا عاطفہ مقدر پر عطف کے لئے ہے **قوله** و كان اخذ شعرهٗ اى شعرَ راسِهٖ ولم ترقبُ کا عطف ان تقولَ پر ہے یعنی اس ڈر سے کہ تو کہے گا کہ میں نے قوم میں تفریق کردی اور اس ڈر سے کہ تو کہے گا کہ تو نے میری بات کا پاس لحاظ نہیں کیا **قوله** بالياء اى لم يَبْصُرُوْا اى بنواسرائيل وبالتاء اى اَنْتَ وقومكَ **قوله** المصاغ الاصح المصوغ كما فى بعض النسخ **قوله** فَقَبَضْتُ قبضًا معنی مٹھی بھرنا، اور بعض نسخوں میں فَقَبَصْتُ قبصًا صاد مہملہ کے ساتھ ہے چٹکی بھرنا **قوله** من اثر الرسول اى من محل اثر حافر فرس الرسول یعنی جبرائیل کے گھوڑے کے نقش قدم کی جگہ سے **قوله** وَاَلْقِيْ فيها اس کا سَوَّلَتْ لِيْ نفسِي پر عطف تفسیری ہے یعنی میرے نفس نے مجھے یہ بات سمجھائی اور میرے قلب میں یہ بات ڈالی گئی کہ میں اس مٹی میں سے ایک چٹکی اس میں ڈالدوں تو اس بے جان میں جان پڑ جائے گی **قوله** لا مِسَاس یہ باب مفاعلہ کا مصدر منصوب ہے یعنی نہ کوئی تجھے چھوئے اور نہ تو کسی کو چھوئے **قوله** وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا

مَوْعِدًا مصدر ہے اور معنی میں وَعْدًا کے ہے **قوله** نَنْسِفَنَّهٗ جمع متکلم مضارع بانون تاکید ثقیلہ ہم اس کو ہوا میں ضرور اڑا دیں گے (ض) **قوله** اِنَّما اِلٰهُكم اللّٰه الخ یہ جملہ مستانفہ ہے اور یہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا اختتام ہے **قوله** كَذٰلِكَ نقص عَلَيكَ الخ یہ بھی جملہ مستانفہ ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور تکثیر معجزات کے لئے ہے كَذٰلِكَ نَقُصُّ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے ای نقص قصصًا كذٰلك **قوله** مَنْ اَعْرَضَ عنهُ کی تفسیر فلم یومن بہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں اعراض سے مراد انکار ہے **قوله** فِيهِ ای فِي عذاب الوزر اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے **قوله** خالدين يحملُ کی ضمیر سے حال ہے جو کہ مَن کی طرف لوٹ رہی ہے يحمل میں لفظ اور خالدين میں مَن کے معنی کی رعایت سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے **قوله** زُرْقًا یہ المجرمین سے حال ہے ازرق کی جمع ہے صفت مشبہ ہے اس کے معنی ہیں گربہ چشم جسے کنجا کہتے نیلی آنکھوں والا، يتخافتون زُرقًا کی ضمیر سے حال ہے **قوله** اَعْدَلُهُمْ اَعْدَل سب سے زیادہ صحیح رائے رکھنے والا، یہ صحیح رائے اقرب الی الصواب کے اعتبار سے نہیں کہا ہے، بلکہ اقرب الی الھول کے اعتبار سے اَعْدَل کہا ہے یعنی اس کے قول میں اس دن کی ہولناکی کا زیادہ اظہار ہے۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هارونُ جب بنی اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے اور حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کی خلافت و نیابت کا حق ادا کرتے ہوئے قوم کو بڑے حکیمانہ انداز سے سمجھایا، حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر تشریف لیجانے کے بعد قوم تین فرقوں میں تقسیم ہو گئی ایک فرقہ حضرت ہارونؑ کے ساتھ رہا، گوسالہ پرستی کو گمراہی سمجھا ان کی تعداد بارہ ہزار بتلائی گئی ہے (كذا فی القرطبی) باقی دو فرقے گوسالہ پرستی میں تو مبتلا ہو گئے مگر فرق اتنا رہا کہ ایک فرقہ نے کہا کہ اگر موسیٰ آ کر منع کریں گے تو ہم باز آ جائیں گے مگر تیسرا فرقہ گوسالہ پرستی پر اس قدر پختہ ہو گیا تھا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی منع کریں گے تو ہم نہیں چھوڑیں گے بلکہ موسیٰ بھی اسی گوسالہ کو اپنا معبود بنا لیں گے ہارونؑ نے جب ان دونوں فرقوں کا یہ جواب سنا تو اپنے ہم عقیدہ بارہ ہزار لوگوں کو لیکر ان سے الگ تو ہو گئے مگر رہنے اور قیام کی جگہ وہی رہی گویا کہ تینوں فرقوں میں اشتراک مکانی باقی رہا حضرت موسیٰ نے آ کر اولاً تو بنی اسرائیل کو خطاب کیا جس کی تفصیل سابقہ آیات میں گذر چکی ہے پھر حضرت ہارونؑ کی طرف متوجہ ہو کر ان پر سخت ناراضی کا اظہار کیا حتی کہ ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچے اور فرمایا جب ان بنی اسرائیل کو تم نے دیکھ لیا کہ گمراہی اور شرک میں مبتلا ہو گئے تو تم نے میرا اتباع کیوں نہیں کیا؟ اور میرے حکم کی خلاف ورزی کیوں کی؟

مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ الخ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ اتباع سے مراد یہ

کہ جب تم نے قوم کی حالت دیکھی تو تم کو کوہ طور پر میرے پاس آنے سے کیا امر مانع ہوا؟ اور بعض مفسرین نے اتباع سے یہ مراد لی ہے کہ جب بنی اسرائیل گمراہ ہوگئے تھے تو تم نے ان کا مقابلہ کیوں نہیں کیا اس لئے کہ اگر میں موجود ہوتا تو یقیناً ان سے جہاد کرتا جب تم میرے نائب اور خلیفہ تھے تو تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ حضرت ہارونؑ نے ادب کی پوری رعایت رکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نرم کرنے کے لئے یا ابن اُمّ سے خطاب فرمایا اور کہا میں آپ کا بھائی ہی تو ہوں کوئی غیر یا دشمن تو نہیں ہوں اس لئے آپ پہلے میرا عذر سنیں اس کے بعد حضرت ہارونؑ نے عذر بیان کرتے ہوئے فرمایا **اِنِّی خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ الخ** مجھے خطرہ یہ ہوگیا کہ اگر آپ کی آمد سے پہلے ان لوگوں کے ساتھ مقابلہ ومقاتلہ کرنے پر اقدام کرتا یا ان کو چھوڑ کر بارہ ہزار ساتھیوں کو اپنے ساتھ لیکر آپ کے پاس آ گیا ہوتا تو بنی اسرائیل میں تفرقہ پیدا ہوکر خانہ جنگی کی شکل پیدا ہوجاتی، اور آپ نے چلتے وقت مجھے یہ ہدایت فرمائی تھی **اخلفني في قومي واصلح**، میں اس اصلاح کا مقتضا یہ سمجھا تھا کہ ان میں تفرقہ پیدا نہ ہونے دوں ممکن ہے کہ آپ کے واپس آنے کے بعد یہ سب سمجھ جائیں اور ایمان اور توحید پر واپس آجائیں، قرآن کریم میں دوسری جگہ سورۂ اعراف میں حضرت ہارونؑ کے عذر میں یہ قول بھی آیا ہے **اِنَّ القومَ استضعفوني وكادوا يقتلونني** یعنی بنی اسرائیل نے مجھے کمزور سمجھا اس لئے کہ میرے ساتھی دوسروں کے مقابلہ میں بہت کم تھے قریب تھے کہ مجھے قتل کردیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ہارونؑ نے اپنی ذمہ داری پوری طرح نبھائی اور قوم کو سمجھانے میں کسی مداہنت یا سستی سے کام نہیں لیا لیکن معاملہ کو اس حد تک نہیں جانے دیا کہ خانہ جنگی شروع ہوجائے، کیونکہ ہارونؑ کے قتل کا مطلب پھر ان کے حامیوں اور مخالفوں میں خونی تصادم ہوتا اور بنی اسرائیل دو گروہوں میں بٹ جاتے حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ خود موقعہ پر موجود نہیں تھے اس لئے صورت حال کی نزاکت ان کے سامنے نہیں تھی اس پر حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کو سخت سست کہا لیکن پھر اصل دشمن کی طرف متوجہ ہوئے، مذکورہ دونوں عذر ایک ساتھ جمع ہوسکتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ عذر سنا تو ہارون علیہ السلام کو چھوڑ دیا اور اصل مجرم اور فساد کے بانی سامری کی طرف متوجہ ہوئے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِیُّ اور فرمایا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟ تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ تو سامری نے جواب دیا کہ میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی اس سے مراد جبرائیلؑ ہیں، سامری حضرت جبرائیلؑ کو پہچانتا تھا اس لئے کہ سامری بھی اسی سال پیدا ہوا تھا جس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور وہ اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنے کا سال تھا، سامری کی والدہ نے جلادوں کے قتل کے ڈر سے پہاڑ کی ایک غار میں چھپا دیا تھا وہاں حضرت جبرائیلؑ نے اس کی پرورش فرمائی تھی جس کی وجہ سے سامری حضرت جبرائیلؑ سے مانوس تھا (کمافی روایت ابن عباسؓ ملخصاً) چنانچہ جب جبرائیلؑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو سامری نے پہچان لیا اور ان کے گھوڑے

کے نقش قدم سے اس کی عجیب وغریب تاثیر دیکھ کر ایک مٹھی خاک اٹھالی اور اس کی عجیب وغریب تاثیر سے یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ اگر اس کو بے جان شئ میں ڈالدیا جائے تو اس میں جان پڑ جائے گی چنانچہ بنی اسرائیل سے حاصل کردہ زیورات سے جو بچھڑے کا ایک ڈھانچہ (قالب) تیار کیا تھا اس کے منہ میں اس خاک میں سے ایک چٹکی خاک ڈالدی جس کی وجہ سے وہ بچھڑے کی طرح بولنے لگا، یہ پوری تفصیل روح المعانی سے ملخصا ماخوذ ہے، اور اس تفسیر پر ظاہر پرستوں نے جو اعتراضات کئے ہیں ان سب کا جواب بھی مذکور ہے۔

فَاِنَّ لَکَ فِی الحَیٰوۃِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے لئے دنیوی زندگی میں یہ سزا تجویز کی کہ سب لوگ اس سے بائی کاٹ (مقاطعہ) کریں کوئی شخص بھی اس سے کسی قسم کا سروکار نہ رکھے، مذکورہ سزا ہوسکتا ہے کہ موسیٰ نے قانونی طور پر نافذ کی ہو جس کی پابندی ہر شخص پر ضروری ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بددعاء سے اس میں یہ کیفیت پیدا ہوگئی ہو کہ نہ وہ کسی کو چھو سکے اور نہ دوسرا اس کو چھو سکے، چنانچہ حضرت موسیٰ کی بددعاء سے اس میں یہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی کہ اگر یہ کسی کو ہاتھ لگادے یا کوئی دوسرا اس کو ہاتھ لگادے تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا اس ڈر اور خوف کی وجہ سے وہ انسانوں سے دور جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہتا تھا جب وہ کسی شخص کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھتا تو دور ہی سے چلانے لگتا تھا لَامِسَاسَ یعنی کوئی مجھے نہ چھوئے۔

لَنُحَرِّقَنَّہٗ یعنی ہم اس کو آگ میں جلادیں گے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بچھڑا سونے چاندی کے زیورات کا ڈھلا ہوا تھا تو اس کو آگ میں جلانے کی کیا صورت ہوگی، جواب یہ ہے کہ اولاً تو خود اس بات میں اختلاف ہے کہ بچھڑے میں آثار حیات پیدا ہونے کے بعد بھی وہ چاندی سونے ہی کا رہا یا اس کی حقیقت تبدیل ہوکر گوشت پوست اور خون کا بن گیا (جیسا کہ مفسر علام کی رائے ہے) تب تو اس کے جلانے کا مطلب ظاہر ہے اور اگر وہ چاندی سونے ہی کا رہا تو اس کے جلانے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کو سوہان سے گھس کر ذرہ ذرہ کردیا جائے گا، یا کسی اکسیری (کیمیاوی) دوا کے ذریعہ اس کو خاکستر کردیا جائے گا جیسا کہ زمانہ قدیم سے سونے اور چاندی بلکہ ہر دھات کو کشتہ کرکے خاک کردی جاتی ہے۔

کَذٰلِکَ نَقُصُّ عَلَیْکَ اس صورت میں اصل بیان توحید، رسالت اور آخرت کے مسائل کا ہے، انبیاء علیہم السلام کے واقعات اسی سلسلہ میں بیان ہوئے ہیں حضرت موسیٰ کا قصہ بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے اس کے ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات بھی ہے اسی اثبات کا یہ حصہ بھی ہے، جو آئندہ آیات میں بیان ہوا ہے کہ ان واقعات اور قصص کا اظہار ایک نبی امی کی زبان سے خود دلیل نبوت ورسالت ہے جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا اسی طرح ہم تیرے سامنے پہلے کے گذرے ہوئے لوگوں کے قصے اور وارداتیں بیان فرمارہے ہیں تاکہ آپ لوگوں کو سنائیں اور وہ آپ کے لئے دلیل نبوت ثابت ہوں اس لئے کہ ہزارہا سال پہلے کے واقعات کا علم صرف وحی الٰہی ہی کے

ذریعہ ہوسکتا ہے خاص طور پر ایک امی شخص کو۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ كَيْفَ تَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقُلْ لَهُمْ يَنْسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا بان يُفَتِّتَها كالرَّمْلِ السَّائِلِ ثم يَطِيْرُها بِالرِّيَاحِ فَيَذَرُهَا قَاعًا مُنْبَسِطًا صَفْصَفًا مُسْتَوِيًا لَاتَرٰى فِيْهَا عِوَجًا اِنْخِفَاضًا وَّ لَآ اَمْتًا ارْتِفَاعًا يَوْمَئِذٍ اى يَوْمَ اِذَا نُسِفَتِ الْجِبَالُ يَّتَّبِعُوْنَ اى النَّاسُ بَعْدَ الْقِيَامِ مِنَ الْقُبُوْرِ الدَّاعِىَ الى الْمَحْشَرِ بِصَوْتِهٖ وهو اِسْرَافِيْلُ يَقُوْلُ هَلُمُّوْا الى عَرْضِ الرَّحْمٰنِ لَا عِوَجَ لَهٗ اى لِاتِّبَاعِهِمْ اى لا يَقْدِرُوْنَ ان لا يَتَّبِعُوْا وَخَشَعَتِ سَكَنَتْ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا صَوْتَ وَطْيِ الْاَقْدَامِ فى نَقْلِهَا الى الْمَحْشَرِ كَصَوْتِ اَخْفَافِ الْاِبِلِ فى مَشْيِهَا يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اَحَدًا اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ اَن يَّشْفَعَ لَهٗ وَرَضِىَ لَهٗ قَوْلًا بِاَنْ يَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ من امور الآخِرَةِ وَمَا خَلْفَهُمْ من اُمُوْرِ الدُّنْيَا وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا لايَعْلَمُوْنَ ذٰلك وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ خَضَعَتْ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ اى اللّٰهِ وَقَدْ خَابَ خَسِرَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا شِرْكًا وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ الطَّاعَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا بِزِيَادَةٍ فِى سَيِّاٰتِهٖ وَّلَا هَضْمًا بِنَقْصٍ مِّنْ حَسَنَاتِهٖ وكَذٰلِكَ مَعْطُوْفٌ عَلٰى كَذٰلِكَ نَقُصُّ اى مِثْلَ اِنْزَالِ مَاذُكِرَ اَنْزَلْنٰهُ اى القُرْاٰنَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا كَرَّرْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ الشِّرْكَ اَوْ يُحْدِثُ الْقُرْاٰنُ لَهُمْ ذِكْرًا بِهَلَاكِ مَنْ تَقَدَّمَهُمْ مِنَ الْاُمَمِ فَيَعْتَبِرُوْنَ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ عَمَّا يَقُوْلُ الْمُشْرِكُوْنَ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ اى بِقِرَاءَتِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ اى يَفْرُغَ جِبْرِيْلُ مِنْ اِبْلَاغِهٖ وقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا اى بِالْقُرْاٰنِ فكُلَّمَا اُنْزِلَ عَلَيه شَىْءٌ مِّنه زَادَ به عِلْمُه وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰى اٰدَمَ وَصَّيْنَاه اَنْ لَّا يَاْكُلَ مِنَ الشَّجَرَةِ مِنْ قَبْلُ اى قَبْلَ اَكْلِه مِنها فَنَسِىَ تَرَكَ عَهْدَنا وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا جَزْمًا وصَبْرًا عَمَّا نَهَيْنَاهُ عَنْهُ ع ۲

ترجمہ

اور (بعض) لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا؟ آپ فرما دیجئے میرا رب ان کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں منتشر کردے گا اس طریقہ سے کہ (اولاً) ان کو ریگ رواں کے مانند ریزہ ریزہ کرے گا پھر ان کو ہوا کے ذریعہ اڑا دے گا، پھر زمین کو ایک ہموار میدان کر کے رکھ دے گا کہ اے (مخاطب) تو اس میں نشیب و فراز نہ دیکھے گا اس دن یعنی جس دن پہاڑ ریزہ ریزہ کردئے جائیں گے تو لوگ قبروں سے

نکلنے کے بعد محشر کی جانب بلانے والے کی آواز کے پیچھے ہولیں گے اور وہ (داعی) اسرافیلؑ ہیں، کہیں گے رحمٰن کے سامنے پیش ہونے کے لئے آؤ اس میں کوئی کجی نہ ہوگی یعنی ان کی اتباع میں، مطلب یہ کہ کسی کو اتباع نہ کرنے پر قدرت نہ ہوگی اور تمام آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہوجائیں گی تو تو بجز پاؤں کی آہٹ کے کچھ نہ سنے گا (یعنی) محشر کی جانب چلنے کی رگڑ کی آواز کے علاوہ جیسا کہ چلتے وقت اونٹوں کے قدموں کی آواز ہوتی ہے اس دن کسی کو سفارش فائدہ نہ دے گی، بجز اس شخص کے کہ جس کے لئے (سفارش) کی رحمٰن نے اجازت دیدی ہو اور اس کی بات کو پسند کیا ہو اس طرح کہ وہ لاالٰہ الا اللہ کہے وہ جانتا ہے آنے والے آخرت کے تمام امور کو اور دنیا کے گذرے ہوئے تمام امور کو اور اس کی معلومات کو ان کا علم احاطہ نہیں کرسکتا یعنی ذات خداوندی کا کوئی علمی احاطہ نہیں کرسکتا اور (اس دن) الحی القیوم یعنی اللہ کے سامنے تمام چہرے جھکے ہوئے ہوں گے، اور ایسا شخص تو (ہر طرح) ناکام رہے گا جو ظلم شرک لیکر آئے گا اور جس نے نیک اعمال کئے ہوں گے اور وہ مومن بھی ہوگا تو اس کو ظلم کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا بایں طور کہ اس کے گناہوں میں اضافہ کردیا جائے اور نہ نقصان کا بایں طور کہ اس کی نیکیوں میں کمی کردی جائے اور اسی طرح اس کا عطف **کذٰلك نقصُّ** پر ہے، یعنی ماسبق میں مذکور نازل کرنے کے مانند اس قرآن کو عربی کا قرآن نازل کیا اور اس میں ہم نے طرح طرح سے وعیدیں بیان کیں تاکہ وہ شرک سے ڈرجائیں یا یہ قرآن ان کے لئے گذشتہ قوموں کی ہلاکت سے نصیحت (کا سامان) پیدا کرے جس سے یہ لوگ عبرت حاصل کریں سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے ان باتوں سے برتر ہے جو یہ مشرک کہتے ہیں اور آپ قرآن پڑھنے میں اس کے آپ پر مکمل ہونے سے پہلے جلدی نہ کیجئے یعنی جبرائیلؑ کے نازل کرنے سے فراغت سے پہلے اور یہ دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما دیجئے یعنی قرآن کے ذریعہ چنانچہ جب بھی آپ پر قرآن کا کچھ حصہ نازل ہوتا ہے تو اس سے آپ کے علم میں اضافہ ہوتا اور ہم نے پہلے ہی یعنی کھانے سے پہلے آدم کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ اس درخت سے نہ کھائیں تو آدم بھول گئے اور ہمارے عہد سے غفلت ہوگئی اور ہم نے ان کو پختہ ارادہ والا نہ پایا یعنی جس چیز سے ہم نے ان کو روکا تھا (اس میں) پختہ اور صابر نہ پایا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

نَسْفًا مصدر (ض) بکھیر کر اڑا دینا صَفْصَفًا چٹیل میدان، ہموار زمین (اسم) اَمْتًا ٹیلہ، نشیب وفراز **قولہ** ویسئلونَكَ عنِ الجِبَالِ ای حال الجبال مضاف محذوف ہے، مفسر علام نے کیف تکون سے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ سوال شئ سے نہیں بلکہ اس کے احوال سے ہوا کرتا ہے، بعض حضرات نے بطور استہزاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روز قیامت پہاڑوں کی حالت کے بارے میں سوال کیا تھا جیسا کہ ابن منذر اور ابن جریج نے

کہا کہ بعض قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا تھا کہ قیامت کے دن ان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا؟ تو اس کے جواب میں مذکورہ آیت نازل ہوئی **فقل** میں فاء شرط مقدر کے جواب میں ہے ای **اِن سالوك فقل** اس صورت میں کسی سائل کے سوال کا جواب نہ ہوگا **فَیَذَرُھا** کی ضمیر میں دو احتمال ہیں ①یہ کہ جبال کی طرف راجع ہو اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا ای **وَیَذَرُ مراکز الجبال** ②یہ کہ **ھا** ضمیر ارض کی طرف راجع ہو جو کہ صراحۃً ماقبل میں مذکور نہیں ہے مگر دلالت حال کی وجہ سے مقدر مان لیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ کے قول **مَاتَرَكَ علٰی ظَھرِھَا من دابّۃٍ قاعًا،** یذرُھا کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور **یَذَرُ تَصِیْرُ** کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہوگا **ھا** ضمیر مفعول اول ہے، **قاعًا** حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے اس صورت میں **صفصفًا** قاعًا کی صفت اول ہوگی اور **لا تریٰ فیھا عِوَجًا قاعًا** کی صفت ثانی ہونے کی وجہ سے محلًا منصوب ہے **قوله الداعی** بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی سے مراد حضرت اسرافیل ہیں جیسا کہ مفسر علام کی رائے ہے، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی حضرت جبرائیلؑ ہوں گے یہی قول راجح ہے البتہ نافخ حضرت اسرافیلؑ ہوں گے **لَا عِوَجَ لَهٗ** لَهٗ کی ضمیر میں تین احتمال ہیں ①مرجع اتباع مصدر محذوف ہے جو کہ **یتبعون** سے مفہوم ہے ②ضمیر داعی کی طرف راجع ہے یعنی داعی کی دعوت میں کوئی کمی نہیں ہوگی بلکہ تمام مخلوق بآسانی سنے گی ③کلام میں قلب ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے **لاعِوَج لھم عنہٗ قوله ھمسًا ھمس** پست آواز **قوله اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرحمن** اس میں تین صورتیں ہیں ①**مَنْ** منصوب ہے **تَنْفَعُ** کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ②محل میں رفع کے ہے اور شفاعۃ سے بدل ہے اس صورت میں حذف مضاف ضروری ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی **لاتنفع الشفاعۃ اِلا شفاعۃُ مَنْ اَذِنَ لَهٗ** ③شفاعۃ سے استثناء ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اس صورت میں مستثنیٰ متصل اور منقطع دونوں ہوسکتا ہے **قوله لا یعلمون** مفسر علام نے اس کلمہ سے اشارہ کردیا کہ **علمًا** مفعول مطلق ہے اور **یُحیطون یعلمون** کے معنی میں ہے ای **لایعلمون علمًا** اور اگر **یحیطون** اپنے معنی میں ہو تو **علمًا** نسبت سے تمیز بھی ہوسکتا ہے **قوله وَعَنَتْ (ن) عَنْوًا** ذلیل ہونا پست ہونا **قوله وَقد خَابَ** حال بھی ہوسکتا ہے اور جملہ مستانفہ بھی **قوله ھَضْمًا (ض) ھَضْمًا** توڑنا، کم کرنا **قوله کذٰلك اَنْزَلناہُ** کاف مصدر محذوف کی صفت ہے **اَیْ انزلناہُ اِنْزالًا مثلَ ذٰلك قوله عَزْمًا** ای **جزمًا** پختہ ارادہ **عزمًا**، **نَجِدْ** بمعنی **نَعْلَمْ** کا مفعول ہے **قوله لَهٗ** یا تو **عَزْمًا** سے حال ہے یا **نَجِدْ** سے متعلق ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ آیت کے معنی **لم نجد لهٗ قصدًا** کے ہیں، یعنی قصداً نہیں کھایا بلکہ نسیاناً کھایا۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات: سورۂ طٰہٰ میں اصل بیان توحید و رسالت کا ہے انبیاء علیہم السلام کے واقعات اس سلسلہ میں بیان

ہوئے ہیں حضرت موسیٰ کا قصہ تو بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے اور اس کے ضمن میں رسالت محمدیہ ﷺ کا اثبات بھی ہے، اسی اثبات رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حصہ ہے جو ان آیات میں بیان ہوا ہے اس لئے کہ ان واقعات اور قصص کا اظہار جو ہزارہا سال پہلے ہو چکے ہیں ایک امی کی زبان سے دلیل نبوت نہیں تو اور کیا ہے؟

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ اے نبی بعض لوگ قیامت کا حال سن کر آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا؟ آپ فرما دیجئے میرا رب ان کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیگا یعنی جن پہاڑوں کو تم بہت زیادہ مضبوط اور مستحکم سمجھ رہے ہو میرے رب کی قدرت کے سامنے ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور زمین کو ایسا ہموار اور صاف کر دے گا کہ اس میں کہیں نشیب و فراز نہ رہے گا، اور خوف اور دہشت کے مارے لوگوں کی آوازیں دب جائیں گی اور قدموں کی آہٹ کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دے گی، ایسے ہولناک وقت میں کسی کی شفاعت بھی کام نہ آئے گی ہاں البتہ اللہ تعالیٰ جس کو شفاعت کی اجازت دیدیں اور جس کے لئے دیدیں تو شفاعت سے فائدہ ہو سکتا ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بالقرآن صحیح حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ابتداء وحی میں جب جبرائیل امین کوئی آیت لیکر آتے تھے اور آپ ﷺ کو سناتے تو آپ ان کے ساتھ آیت کو پڑھنے کی کوشش کرتے کہیں ایسا نہ ہو کہ یاد سے نکل جائے اس میں آپ کو مشقت زیادہ ہوتی تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کی سہولت کے لئے فرمایا آپ کو پڑھنے میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ زبان کو حرکت دینے کی ضرورت ہے یاد کرا دینا ہماری ذمہ داری ہے آپ تو صرف اطمینان سے سنا کیجئے اور یہ دعا کیا کیجئے کہ اے میرے پروردگار آپ میرے علم میں اضافہ فرما دیجئے، آپؐ کی مخصوص دعاؤں میں سے ایک یہ بھی ہے اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ بِمَا يَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِی عِلْمًا والحمدُ للّٰہ علٰی کلِّ حالٍ (ابن ماجہ)

وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰی آدَمَ یہاں عَهِدْنَا اَمَرْنَا یا وَصَّيْنَا کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے آدمؑ کو تاکیدی طور پر بتا دیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے اور فرمایا دیکھو اس درخت کے قریب بھی مت جانا کھانا تو درکنار، باقی پوری جنت کے باغات اور نعمتیں تمہارے لئے کھلی پڑی ہیں ان کو جس طرح چاہو استعمال کرتے رہو، مگر آدم علیہ السلام بھول گئے، ان میں ارادہ کی پختگی نہ پائی گئی، یہاں نسیان سے مراد ترک ہے جو کہ نسیان کے لازم معنی ہیں اس لئے نسیان جس کو بھول کہتے ہیں اس پر مواخذہ نہیں ہوتا، آپ ﷺ نے بھی فرمایا ہے رُفِعَ عَنْ اُمتی الخطاءُ والنِّسیان اور قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا ہے لا یکلّفُ اللّٰہُ نفسًا اِلاَّ وُسْعَهَا مگر یہاں نسیان سے یہ معروف نسیان مراد نہیں ہے بلکہ یہاں مراد بیدار مغزی سے کام نہ لینا اور ان اسباب کا اختیار نہ کرنا ہے جن کو اختیار کر کے انسان بھول اور خطاء سے بچ سکتا ہے، انبیاء علیہم السلام چونکہ حق تعالیٰ کے خاص مقربین ہوتے ہیں ان سے اتنی بات پر مواخذہ ہو سکتا ہے کہ ان اسباب اختیاریہ سے کیوں کام نہیں لیا جن کے ذریعہ اس بھول سے بچ سکتے تھے یہ

بات اگر چہ کوئی جرم عظیم نہیں ہے مگر بقول حضرت جنید بغدادیؒ حسنات الابرار سیئات المقربین صالحین اور نیک لوگوں کے بہت سے نیک اعمال مقربان بارگاہ الٰہی کے حق میں سیئات اور لغزش قرار دی جاتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا یہ واقعہ اول تو قبل نبوت کا ہے جس میں کسی گناہ کا صدور انبیاء سے بعض علماء اہل سنت کے نزدیک عصمت انبیاء کے خلاف نہیں دوسرے یہ درحقیقت بھول ہے جو گناہ نہیں مگر حضرت آدم علیہ السلام کے مقام بلند کے لحاظ سے اس کو بھی ان کے حق میں لغزش قرار دیا گیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب بھی ہوا اور ان کو متنبہ کرنے کے لئے اس لغزش کو عصیان سے تعبیر کیا گیا جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

دوسرا لفظ عزم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَمْ نجد لہٗ عزمًا عزم کے معنی پختہ ارادہ کے ہیں آدم علیہ السلام حکم ربانی پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ کئے ہوئے تھے مگر شیطانی وسوسہ کی وجہ سے اس قصد کی مضبوطی میں فرق آگیا ان میں بغاوت اور سرکشی کا جذبہ نہیں تھا، یہ بھول اور ضعف ارادہ سے ہونے والی غلطی تھی جو کہ عصمت اور کمال نبوت کے منافی نہیں ہے اس لئے ایسی غلطی کے بعد انسان فوراً نادم اور شرمندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام جب متنبہ ہوئے تو فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک گئے اور اس قدر ندامت کے آنسو بہائے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ معاف فرمادیا بلکہ نبوت ورسالت جیسے بلند مقام پر بھی فائز فرمادیا۔

فائدہ: حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ دس چیزیں نسیان پیدا کرتی ہیں ۱ غم کی کثرت ۲ گدی پر پچھنے لگوانا ۳ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا ۴ کھٹے سیب کھانا ۵ دھنیا کا (بکثرت) استعمال ۶ چوہے کا جھوٹا استعمال کرنا ۷ قبر کے کتبات پڑھنا ۸ مصلوب کو دیکھنا ۹ تارکول لگے ہوئے دو اونٹوں کے درمیان چلنا ۱۰ جوں کو زندہ چھوڑنا (تم کلام علیؓ) واعلم من اشد اسباب النسیان العصیان فنسأل اللّٰہ العصمۃ والحفظ (روح البیان)

وَ اذْكُرْ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ وھُوَ ابو الجنِّ کانَ یَصْحَبُ المَلٰئِکَۃَ ویَعْبُدُ اللّٰہَ مَعَھم اَبٰی عَنِ السُّجُوْدِ لِاٰدَمَ قال انا خَیْرٌ منہ فَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اِنَّ ھٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ حَوَّاءَ بِالمَدِّ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۙ تَتْعَبُ بِالحَرْثِ والزَّرْعِ والحَصْدِ والطَّحْنِ والخُبْزِ وغَیْرِ ذٰلِكَ وَاقْتَصَرَ عَلٰی شَقَاہُ لِاَنَّ الرَّجُلَ یَسْعٰی عَلٰی زَوْجَتِہٖ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ بِفَتْحِ الھَمْزَۃِ وکَسْرِھَا عَطْفًا عَلٰی اِسْمِ اِنَّ وجُمْلَتِھا لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا تَعْطَشُ وَلَا تَضْحٰى ۝ لا یَحْصُلُ لَكَ حَرُّ شَمْسِ الضُّحٰی لِانْتِفَاءِ الشَّمْسِ فِی الجَنَّۃِ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ ای الَّتِیْ یَخْلُدُ مَنْ یَّاکُلُ منھا وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ لایَفْنٰی وھُوَ لَازِمُ الخُلُوْدِ فَاَكَلَا آدَمُ وحَوَّاءُ مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا ای ظَھَرَ لِکُلٍّ مِنْھما قُبُلُہٗ وقُبُلُ الآخَرِ ودُبُرُہٗ وسمی کُلٌّ منھما سَوْءَۃً لِاَنَّ انْکِشَافَہٗ یَسُوْءُ صَاحِبَہٗ وَطَفِقَا

يَخْصِفَانِ اَخَذَا يُلْزِقَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ لِيَسْتَتِرَا بِهِ وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ بِالْاَكْلِ مِنَ الشَّجَرَةِ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ قَرَّبَهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ قَبِلَ تَوْبَتَهٗ وَهَدٰى ۝ اَىْ هَدَاهُ اِلَى الْمُدَاوَمَةِ عَلَى التَّوْبَةِ قَالَ اهْبِطَا اَىْ اٰدَمُ وَحَوَّاءُ بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمَا مِنْهَا مِنَ الْجَنَّةِ جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ بَعْضُ الذُّرِّيَّةِ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ مِنْ ظُلْمِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا فَاِمَّا فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِىْ مَا الزَّائِدَةِ يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ اَىِ الْقُرْاٰنَ فَلَا يَضِلُّ فِى الدُّنْيَا وَلَا يَشْقٰى ۝ فِى الْاٰخِرَةِ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ اَىِ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ يُؤْمِنْ بِهٖ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا بِالتَّنْوِيْنِ مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى ضَيِّقَةٍ وَفُسِّرَتْ فِىْ حَدِيْثٍ بِعَذَابِ الْكَافِرِ فِىْ قَبْرِهٖ وَّنَحْشُرُهٗ اَىِ الْمُعْرِضَ عَنِ الْقُرْاٰنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ اَىْ اَعْمَى الْبَصَرِ اَوِ الْقَلْبِ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ فِى الدُّنْيَا وَعِنْدَ الْبَعْثِ قَالَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا تَرَكْتَهَا وَلَمْ تُؤْمِنْ بِهَا وَكَذٰلِكَ مِثْلَ نِسْيَانِكَ اٰيٰتِنَا الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝ تُتْرَكُ فِى النَّارِ وَكَذٰلِكَ وَمِثْلَ جَزَائِنَا مَنْ اَعْرَضَ عَنِ الْقُرْاٰنِ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ اَشْرَكَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ مِنْ عَذَابِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَاَبْقٰى ۝ اَدْوَمُ اَفَلَمْ يَهْدِ يَتَبَيَّنْ لَهُمْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ كَمْ خَبَرِيَّةٌ مَفْعُوْلُ اَهْلَكْنَا اَىْ كَثِيْرًا اِهْلَاكُنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَىِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ يَمْشُوْنَ حَالٌ مِّنْ ضَمِيْرِ لَهُمْ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ فِىْ سَفَرِهِمْ اِلَى الشَّامِ وَغَيْرِهَا فَيَعْتَبِرُوْا وَمَا ذُكِرَ مِنْ اَخْذِ اِهْلَاكِ مِنْ فِعْلِهٖ الْخَالِىْ عَنْ حَرْفٍ مَصْدَرِىٍّ لِرِعَايَةِ الْمَعْنٰى لَامَانِعَ مِنْهُ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لَعِبَرًا لِّاُولِى النُّهٰى ۝ لِذَوِى الْعُقُوْلِ.

ترجمہ

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے وہ جنوں کا باپ تھا فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اور ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا تھا آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا میں اس سے افضل ہوں پھر ہم نے آدم سے کہا بلاشبہ یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے حوا مد کے ساتھ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تم کو جنت سے نکلوا دے پھر تم مصیبت میں یعنی جوتنے، بوتنے، کاٹنے اور پینے اور پکانے وغیرہ کی مشقت میں پڑ جاؤ (یہاں) آدم کی مصیبت کے بیان پر اکتفا کیا ہے (بیوی کو شریک نہیں کیا) اس لئے کہ زوجہ کے لئے کسب معاش کی ذمہ داری اس کے شوہر کی ہوتی ہے اور یہاں تمہارے لئے یہ آرام ہے کہ یہاں تم نہ بھوکے ہوگے اور نہ ننگے اور نہ یہاں پیاسے ہوگے اَنَّكَ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اور اس کے کسرہ کے ساتھ اِنَّ کے اسم اور اس کے جملہ پر عطف کرتے ہوئے اور نہ دھوپ میں تپو گے یعنی نہ دوپہر کو گرمی لاحق ہوگی اس لئے کہ جنت میں سورج نہیں ہوگا پھر شیطان نے آدم کو بہکایا اور کہا اے

آدم! میں تم کو ہمیشگی کا درخت نہ بتادوں یعنی ایسا درخت کہ جو اس کو کھائے گا وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا اور ایسی بادشاہی کہ کبھی اس میں ضعف نہ آئے گا یعنی فنا نہ ہوگی اور یہ خلود کے لازم (معنی) ہیں چنانچہ آدم وحواء نے اس درخت سے کچھ کھالیا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کی قُبُل اور دُبُر ایک دوسرے سامنے ظاہر ہوگئی، شرم گاہ کو سَوْءۃٌ سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ شرم گاہ کا کھل جانا صاحب شرم گاہ کے لئے (تکلیف دہ اور) بری بات ہوتی ہے اور دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں) کے پتے چپکانے لگے تاکہ دونوں اس کے ذریعہ ستر پوشی کریں اور آدم سے اپنے رب کی خطا ہوگئی درخت سے کچھ کھانے کی وجہ سے بہک گئے پھر اس کے رب نے اس کو منتخب کرلیا یعنی مقرب بنالیا سو اس کی طرف متوجہ ہوئے یعنی ان کی توبہ قبول فرمالی اور ہدایت فرمائی یعنی توبہ پر ہمیشہ قائم رکھا (اللہ تعالیٰ) نے ارشاد فرمایا تم دونوں یعنی آدم وحواء معہ تمہاری اس ذریت کے جن پر تم مشتمل ہو جنت سے نکل جاؤ تمہاری اولاد بعض بعض کی دشمن ہوگی بعض کے بعض پر ظلم کرنے کی وجہ سے فَاِمَّا اس میں اِنْ شرطیہ کے نون کو مازائدہ میں ادغام کردیا گیا ہے پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت پہنچے تو (جو شخص) میری اس ہدایت یعنی قرآن کی اتباع کرے گا تو وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں شقی ہوگا اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا یعنی قرآن سے کہ اس پر ایمان نہ لائے گا تو اس کی زندگی تنگی میں رہے گی ضَنْکًا تنوین کے ساتھ ضَیِّقَة کے معنی میں مصدر ہے اس کی تفسیر حدیث شریف میں عذاب قبر سے کی گئی ہے اور قیامت کے دن ہم اس قرآن سے اعراض کرنے والے کو اندھا اٹھائیں گے یعنی آنکھوں یا دل کا اندھا تو وہ کہے گا اے میرے رب آپ نے مجھے اندھا کرکے کیوں اٹھایا؟ میں تو آنکھوں والا تھا دنیا میں بھی اور بعث کے وقت بھی ارشاد ہوگا معاملہ ایسا ہی ہونا تھا ہماری آیات تیرے پاس پہنچی تھیں مگر تو نے ان کو بھلادیا ترک کردیا اور ان پر ایمان نہیں لایا اور اسی طرح یعنی جس طرح تو نے ہماری آیتوں کو بھلادیا آج تجھ کو بھلادیا جائے گا یعنی جہنم میں چھوڑ دیا جائے گا اور اسی طرح یعنی اس شخص کی سزا کے مانند جس نے قرآن سے اعراض کیا (ہر) اس شخص کو سزا دیں گے جس نے (حد) سے تجاوز کیا شرک کرکے اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے اور واقعی آخرت کا عذاب دنیا اور عذاب قبر سے بڑا سخت اور بڑا دیرپا ہے دائمی ہے کیا ان مکہ کے کافروں کو اس سے بھی ہدایت نہیں ہوتی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی گذشتہ امتوں کو رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کردیا کم خبریہ ہے، اَھْلَکْنَا کا مفعول ہے یعنی ہمارا اہلاک کرنا بکثرت واقع ہوا حال یہ ہے کہ ان کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ بھی شام وغیرہ کے سفر کے دوران چلتے پھرتے ہیں کہ اس سے عبرت حاصل کریں اَھْلَکْنَا مذکور سے بغیر کسی حرف مصدری کے اہلاک مصدر مراد لینا معنی کی رعایت کی وجہ سے ممنوع نہیں ہے اس (امر مذکور) میں عقلمندوں کے لئے عبرت کے واسطہ کافی دلائل ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَاِذْ قلنا لِلملٰئکۃِ اسجدوا یہ قصہ قرآن کریم کی سات سورتوں میں مذکور ہے، اس قصہ کا عطف ماقبل پر عطف سبب علی المسبب کے قبیل سے ہے اس لئے کہ یہ قصہ ہی عداوت ابلیس کا سبب ہوا تھا **قولہ الاَّ ابلیس** مفسر علام کی یہ عادت ہے کہ جہاں مستثنیٰ منقطع ہوتا ہے وہاں اِلاَّ کی تفسیر لکن سے کرتے ہیں مگر یہاں چونکہ دونوں کا احتمال تھا اس لئے اِلاَّ کی تفسیر لکن سے نہیں کی اور کان یصحب الملائکۃ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ متصل بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ اب مطلب یہ ہوگا کہ حاضرین نے سجدہ کیا مگر حاضرین میں سے ابلیس نے نہیں کیا اور وھو ابو الجن کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ جن ملائکہ میں داخل نہیں ہے **قولہ اَبٰی عن السجود** یہ ماسبق کی تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ ابلیس کا انکار استثنیٰ ہی سے سمجھ میں آرہا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جملہ استثنیٰ کی علت ہو یعنی سجدہ نہ کرنے کی وجہ ابلیس کا استکبار واستنکاف تھا اس صورت میں اِبٰی کا مفعول محذوف ماننا جائز نہ ہوگا ورنہ تو تعلیل الشئ بنفسہ لازم آئے گی بلکہ اس صورت میں ابیٰ فعل لازم ہوگا اور معنی اَظْھَر الاِباءَ عن المطاوعۃِ ہوں گے **قولہ فقلنا** اس جملہ کا عطف جملہ مقدرہ پر ہے ای ادخلنا آدمَ الجنۃ فقلنا لہ یا آدم **قولہ حَوّاء** یہ اَحْویٰ صیغہ صفت کی مؤنث ہے سبزی یا سرخی مائل **قولہ فتشقٰی** یہ جواب نہی ہے (س) شقاوۃ مصدر ہے جس کے معنی بدبختی کے ہیں یہ مضارع واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے شقاوت سعادت کی ضد ہے جس طرح سعادت کی دو قسمیں ہیں دنیوی واخروی اسی طرح شقاوت کی بھی دو قسمیں ہیں شقاوت دنیوی واخری، پھر دنیوی کی چند قسمیں ہیں ان میں سے یہاں مشقت اور تعب میں پڑنے کے معنی مراد ہیں جیسے بولا جاتا ہے شَقَیْتُ فی کذا مجھے اس میں بڑی مشقت اٹھانی پڑی **قولہ اقتصر علٰی شقاہ** یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ درخت کے قریب جانے سے دونوں کو منع فرمایا فلا تقربا ھٰذہِ الشَّجرۃَ تو شقاوت اور محنت کا تعلق بھی دونوں سے ہونا چاہئے حالانکہ فَیَشْقٰی میں شقاوت کی نسبت آدمؑ کی طرف کی ہے ایک جواب تو یہ ہے چونکہ نان نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ہوتی ہے نہ کہ بیوی کی، محنت مشقت کرکے کما کر لانا شوہر کی ذمہ داری ہے نہ کہ بیوی کی اس لئے شقاوت کی نسبت آدم کی طرف کی ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے ایسا کیا ہے مراد دونوں ہیں مگر تغلیباً عورت کو مرد کے تابع کر دیا ہے۔ (روح البیان)

ضَنْکًا تنگ (ک) ضَنْکًا تنگ ہونا ضَنْکًا مَعِیْشَۃً کی صفت ہے مبالغۃً مصدر کو صفت لایا گیا ہے۔

سوال: موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں ہے؟

جواب: ضَنْکًا چونکہ مصدر ہے اور مصدر میں تذکیر وتانیث برابر ہوتی ہے لہٰذا ضَنْکَۃً کہنے کی ضرورت نہیں

ہے۔

قولہ عن القرآن مفسر علام عن القرآن کے بجائے عن الھدایۃ فرماتے تو زیادہ مناسب ہوتا **قولہ** ونَحْشُرُہ جملہ مستانفہ ہے اور اگر را کے سکون کے ساتھ ہو تو قائم مقام جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوگی تَوَالیِ حرکات کی وجہ سے بھی را مجزوم ہو سکتی ہے اَعْمٰی حال ہے نحشرہ کی ضمیر سے **قولہ** اَفَلَمْ یَھْدِلَھُمْ ہمزہ محذوف پر داخل ہے فا عاطفہ ہے جس کے ذریعہ محذوف پر عطف کیا گیا ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَعَمُوْا فَلَمْ یَھْدِلَھُمْ علامہ محلی نے یَھْدِ کی تفسیر یَتَبَیَّنَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یَھْدِ فعل لازم ہے اور معنی یہ ہیں اَعَمُوْا فَلَمْ یَظْھَرْ لَھُمْ اِھْلاکُنَا کثیرًا مِنْ قَبْلِھِمْ مِنَ القرون اور اَھْلَکْنَا کا مفعول بہٖ کَمْ مقدم ہے اور اس کم کی تمیز محذوف ہے اور من القرون تمیز کی صفت ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے ای کم اھلکنا کائنًا من القرون **قولہ** یمشونَ علامہ محلی نے یمشون کو قبلھم کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے اور بعض مفسرین نے اَھْلَکنا کی ھُمْ ضمیر سے حال قرار دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، حال یہ ہے کہ وہ اپنے مکانوں میں چلتے پھرتے تھے **قولہ** وماذِکرَ مبتداء ہے اور مِنَ الاَخذِ اس کا بیان ہے اور لرعایۃ المعنی اخذ مذکور کی علت ہے اور لا مَانِعَ مِنہُ مبتداء کی خبر ہے، مطلب یہ ہے کہ فعل مذکور (اَھلکنا) سے بغیر حرف مصدری کے معنی کی رعایت کی وجہ سے مصدر اخذ کرنے سے کوئی شئ مانع نہیں ہے۔

اسی بات کو سوال و جواب کی صورت میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں (سوال) اَھْلَکنا سے اِھلاكُ مصدر مراد لینا کس طرح درست ہے، جبکہ فعل پر کوئی ایسا حرف بھی داخل نہیں ہے کہ جو اس کو مصدر کے معنی میں کر سکے؟ (جواب) معنی کی رعایت کے لئے بغیر حرف مصدری کے بھی مصدر مراد لیا جا سکتا ہے **قولہ** فی ذٰلك ای فی الاِھلاكِ **قولہ** نُھٰی جمع نُھیۃ بمعنی عقل۔

تفسیر و تشریح

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰئِکَۃِ تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد تمام فرشتوں کو اور ان کے ضمن میں ابلیس کو بھی، کیونکہ اس وقت ابلیس فرشتوں کے ساتھ جنت میں رہتا تھا یہ حکم دیا گیا کہ سب آدم کو سجدۂ تحیہ کریں، تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ابلیس نے انکار کر دیا، جس کی وجہ دوسری آیت میں تکبر بیان کی گئی ہے خَلقتَنی مِن نارٍ و خلقتَہٗ مِنْ طینٍ اس تکبر کی وجہ سے ابلیس کو ملعون کر کے جنت سے نکال دیا گیا، حضرت آدم اور حواء کے لئے جنت کے سب باغات کے دروازے کھولدیئے گئے اور ہر چیز کے استعمال کی اجازت دیدی گئی، صرف ایک معین درخت کے لئے یہ ہدایت دیدی گئی کہ اس درخت کی کوئی چیز بھی نہ کھانا بلکہ اس کے قریب بھی نہ جانا، واقعہ کی پوری تفصیل سورہ بقرہ اور اعراف کی آیتوں میں آچکی ہے، یہاں تو اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ ارشاد ذکر فرمایا ہے جو اس عہد کو محفوظ رکھنے اور اس پر قائم رہنے کے سلسلہ میں فرمایا کہ دیکھو

شیطان ابلیس تم دونوں کا دشمن ہے جیسا کہ واقعۂ سجدہ کے وقت ظاہر ہو چکا ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ کسی مکر وحیلہ سے تم سے اس عہد کی خلاف ورزی کرادے، جس کا نتیجہ یہ ہو کہ تم جنت سے نکالے جاؤ فَلا یخرجَنّکما من الجنۃِ فتشقیٰ یعنی یہ شیطان کہیں تمہیں جنت سے نہ نکلوادے جس کی وجہ سے تم مصیبت میں اور مشقت میں پڑ جاؤ لفظ تشقیٰ شقاوت سے مشتق ہے، یہ دو معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک شقاوتِ آخرت اور دوسرے شقاوتِ دنیا یعنی جسمانی مشقت ومصیبت اس جگہ یہی معنی مراد ہیں، اس لئے کہ پہلے معنی میں کسی پیغمبر کے لئے تو کیا کسی نیک مسلمان کے لئے بھی نہیں بولا جا سکتا، اسی لئے فرّاء نے اس شقاوت کی تفسیر یہ کی ہے کہ ھو یاکُلُ مِنْ کَدِّ یدیہ یعنی اپنے ہاتھوں کی محنت سے خوراک حاصل کرنا (قرطبی) مفسرین نے لکھا ہے کہ امام قرطبی نے اس جگہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو جبرائیلؑ نے جنت سے کچھ دانے گندم، چاول وغیرہ کے لاکر دیئے کہ ان کو زمین میں کاشت کرو اور اس کے بعد جب کھیتی تیار ہو جائے تو اس کو کاٹو غلہ نکالو پھر اس کو پیسو غرضیکہ روٹی وغیرہ بنانے کی ترکیب بھی بتادی اس کے بعد حضرت آدمؑ نے روٹی تیار کی پہاڑ پر کھانے کے لئے روٹی لیکر بیٹھے تھے کہ روٹی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور پہاڑ سے لڑھک کر زمین پر گر گئی، آدم اس کے پیچھے چلے اور بڑی محنت سے اس کو واپس لائے تو اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا اے آدم! آپ کا اور آپ کی اولاد کا رزق زمین پر اسی طرح محنت ومشقت سے حاصل ہوگا۔ (قرطبی)

بیوی کا نان نفقہ ضروریہ شوہر کے ذمہ ہے

آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ شیطان تم دونوں کو جنت سے نکلوادے، مگر آخر آیت میں لفظ فتشقیٰ کو مفرد استعمال فرمایا، بیوی کو اس میں شریک نہیں کیا ورنہ بمقتضائے مقام فتشقیا کہا جاتا، امام قرطبی نے اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بیوی کی ضروریات زندگی شوہر کے ذمہ ہیں ان کے حصول میں جو محنت ومشقت ہو اس کا تنہا شوہر ذمہ دار ہے اسی لئے فتشقیٰ مفرد کا صیغہ لاکر اشارہ کر دیا کہ زمین پر اترنے کے بعد حواء کی ضروریاتِ زندگی کی تحصیل حضرت آدمؑ کی ذمہ داری ہے، امام قرطبی نے فرمایا کہ آیت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا جو نفقہ مرد پر واجب ہے وہ صرف چار چیزیں ہیں کھانا پینا اور لباس ومسکن اس کے علاوہ جو کچھ شوہر خرچ کرتا ہے وہ تبرع ہے، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیوی کے علاوہ جس کا بھی نفقہ کسی پر واجب ہوگا اس میں صرف یہی چار چیزیں ہیں۔

اِھْبِطَا مِنھا جمیعًا یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس دونوں کو بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں بعضکم لبعض عدوٌّ کا مضمون واضح ہے اس لئے کہ دنیا میں جا کر بھی شیطان کی انسان دشمنی جاری رہے گی، اور اگر یہ کہا جائے کہ شیطان کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی جنت سے نکال دیا گیا تھا اب اس کو اس خطاب میں شریک کرنے کا کیا مطلب ہے؟ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ مذکورہ خطاب حضرت آدم اور حواء ہی کو ہو، اس صورت میں باہمی عداوت سے مراد ابن آدم کے

اندر باہمی اختلاف وعداوت مراد ہوگی، اولاد کے باہمی اختلاف وعداوت سے ماں باپ کی زندگی بھی تلخ ہوجاتی ہے۔

فَاِنَّ لَہٗ معیشۃً ضنکًا الخ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اس کی زندگی تنگ ہوگی اور قیامت میں ان کو اندھا کرکے اٹھایا جائے گا پہلا عذاب تو اس کو دنیا ہی میں مل جائے گا اور اندھا ہونے کا عذاب قیامت میں ہوگا۔

دنیا میں زندگی تلخ ہونے کا مطلب

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں معیشت کی تنگی تو کفار وفجار کے لئے مخصوص نہیں ہے مومنین اور صالحین کو بھی پیش آتی ہے بلکہ انبیاء کو سب سے زیادہ شدائد ومصائب اس دنیا میں اٹھانے پڑتے ہیں، صحیح بخاری اور تمام کتب حدیث میں بروایت سعدؓ وغیرہ یہ حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی بلائیں اور مصیبتیں سب سے زیادہ انبیاء پر سخت ہوتی ہیں ان کے بعد جو جس درجہ کا صالح اور ولی ہے اسی کی مناسبت سے اس کو تکلیفیں پہنچتی ہیں اس کے بالمقابل عموماً کفار کو خوشحالی اور عیش وعشرت میں دیکھا جاتا ہے پھر قرآن کا یہ ارشاد کہ ان کی معیشت تنگ ہوگی آخرت کے لئے ہوسکتا ہے دنیا میں خلاف مشاہدہ معلوم ہوتا ہے، اس کا صاف اور بے غبار جواب تو یہ ہے کہ یہاں دنیا کے عذاب سے قبر کا عذاب مراد ہے، قبر (برزخ) میں ان کی زندگی تنگ کردی جائے گی خود قبر بھی ان کے لئے اس قدر تنگ کردی جائے گی کہ ان کی پسلیاں ٹوٹنے لگیں گی، حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث منقول ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **معیشۃً ضنکًا** کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ اس سے مراد قبر کا عالم ہے۔ (یعنی عالم برزخ)

حضرت سعید بن جبیر نے تنگی کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ان سے قناعت کا وصف سلب کرلیا جائے گا اور دنیا کی حرص بڑھا دی جائے گی (مظہری) جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے پاس کتنا ہی مال ودولت جمع ہوجائے اس کو کبھی قلبی سکون نصیب نہیں ہوگا، ہمیشہ مال بڑھانے کی فکر اور اس میں نقصان کا خطرہ اس کو بے چین رکھے گا، اور یہ بات عام مالداروں میں مشاہدہ اور معروف ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس سامان راحت تو بہت ہے مگر جس کا نام راحت ہے سکون قلبی ہے وہ نہیں ہے۔

اَفَلَمْ یَھْدِ لَھُمْ استفہام تفریع وتوبیخ کے لئے ہے، جملہ ماقبل کی تاکید کے لئے مستانفہ ہے اور **یَھْدِ** کا فاعل بعد میں آنے والا جملہ ہے یعنی **کم اَھْلکنا** الخ اور **اَھْلکنا** کا مفعول محذوف ہے ای **اَھْلکناھم** صاحب جلالین نے اسی کو اختیار کیا ہے، مگر بصریین نے اس ترکیب کا انکار کیا ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک جملہ فاعل نہیں ہوتا مگر ان کے علاوہ نے جائز قرار دیا ہے۔

بعض حضرات نے **یَھْدِ** کی ضمیر فاعل کو **ھُدیٰ** کی طرف راجع کیا ہے جو کہ **یَھْدِ** کے ضمن میں مذکور ہے اور ھدی سے مراد قرآن یا رسول ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کیا قرآن یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو یہ ہدایت

نہیں دی اور اس سے باخبر نہیں کیا کہ تم سے پہلے کتنی امتیں اور جماعتیں اپنی نافرمانی کی وجہ سے عذاب خداوندی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو چکی ہیں جن کے گھروں اور زمینوں میں اب تم چلتے پھرتے ہو۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیر فاعل قرآن یا رسول کے بجائے اللہ کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہدایت نہیں دی، بعض حضرات نے یمشون کو لھم کی ضمیر سے حال قرار دینے کے بجائے القرون سے حال قرار دیا ہے، مطلب یہ ہوگا کہ کیا کفار مکہ نے ہمارے امم سابقہ کو ہلاک کرنے سے بھی ہدایت نہیں کی حال یہ کہ وہ قومیں اپنے مکانوں میں چلتی پھرتی تھیں اور عیش و عشرت کے مزے لیتی تھیں۔

وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بِتَاْخِيْرِ الْعَذَابِ عَنْهُمْ اِلَى الْآخِرَةِ لَكَانَ الْاِهْلَاكُ لِزَامًا لَازِمًا لَّهُمْ فِى الدُّنْيَا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ط مَضْرُوْبٌ له مَعْطُوْفٌ عَلَى الضَّمِيْرِ الْمُسْتَتِرِ فِى كَانَ وَقَامَ الْفَصْلُ بِخَبَرِهَا مَقَامَ التَّاْكِيْدِ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ الْقِتَالِ وَسَبِّحْ صَلِّ بِحَمْدِ رَبِّكَ حَالٌ اى مُتَلَبِّسًا به قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ صَلٰوةَ الصُّبْحِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ج صَلٰوةَ الْعَصْرِ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ سَاعَاتِهٖ فَسَبِّحْ صَلِّ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ عَطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ مِنْ آنَاءِ الْمَنْصُوْبِ اى صَلِّ الظُّهْرَ لِاَنَّ وَقْتَهَا يَدْخُلُ بِزَوَالِ الشَّمْسِ فَهُوَ طَرَفُ النِّصْفِ الْاَوَّلِ وَطَرَفُ النِّصْفِ الثَّانِى لَعَلَّكَ تَرْضٰى ○ بما تُعْطٰى مِنَ الثَّوَابِ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا اَصْنَافًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۵لا زِيْنَتَهَا وبَهْجَتَهَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ط بِاَنْ يَطْغَوْا وَرِزْقُ رَبِّكَ فِى الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا اُوْتُوْهُ فِى الدُّنْيَا وَّاَبْقٰى ○ اَدْوَمُ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ اِصْبِرْ عَلَيْهَا ط لَا نَسْاَلُكَ نُكَلِّفُكَ رِزْقًا ط لِنَفْسِكَ وَلَا لِغَيْرِكَ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ط وَالْعَاقِبَةُ الْجَنَّةُ لِلتَّقْوٰى ○ لِاَهْلِهَا وَقَالُوْا اى الْمُشْرِكُوْنَ لَوْلَا هَلَّا يَاْتِيْنَا مُحَمَّدٌ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ط مِمَّا يَقْتَرِحُوْنَهُ اَوَلَمْ يَاْتِهِمْ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ بَيِّنَةُ بَيَانُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ○ الْمُشْتَمِلِ عليه الْقُرْاٰنُ مِنْ اَنْبَاءِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَاِهْلَاكِهِمْ بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ قَبْلَ مُحَمَّدِ الرَّسُوْلِ لَقَالُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَبَّنَا لَوْلَآ هَلَّا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ الْمُرْسَلَ بها مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ فِى الْقِيٰمَةِ وَنَخْزٰى ○ فِى جَهَنَّمَ قُلْ لهم كُلٌّ مِّنَّا وَمِنْكُمْ مُّتَرَبِّصٌ مُنْتَظِرٌ مَا يَؤُلُ اليه الْاَمْرُ فَتَرَبَّصُوْا ج فَسَتَعْلَمُوْنَ فِى الْقِيٰمَةِ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ الطَّرِيْقِ السَّوِىِّ الْمُسْتَقِيْمِ وَمَنِ اهْتَدٰى ع ○ مِنَ الضَّلَالَةِ اَنَحْنُ اَمْ اَنْتُمْ.

ترجمہ

اگر تیرے رب کی بات (حکم ازلی) یعنی ان سے عذاب کو قیامت تک مؤخر کرنے کی بات پہلے سے طے شدہ اور وقت معین نہ ہوتا تو ہلاکت دنیا ہی میں (فوری طور پر) آ چمٹتی **مُسَمًّى** مضروب لہ کے معنی میں ہے (یعنی مقرر کردہ) اور **اَجَلٌ مُسَمًّى** کا عطف کانَ کے اندر ضمیر مستتر پر ہے اور کان کی خبر کا فصل تاکید کے قائم مقام ہے، سو آپ ان باتوں پر صبر کیجئے یہ حکم آیت قتال سے منسوخ ہے، اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کرتے رہئے اور نماز پڑھتے رہئے یعنی ایسی تسبیح کرتے رہئے کہ جو حمد پر مشتمل ہو طلوع شمس سے پہلے فجر کی نماز اور غروب شمس سے پہلے عصر کی نماز اور رات کے اوقات میں تسبیح بیان کیجئے یعنی مغرب اور عشاء کی نماز پڑھئے اور دن کے اطراف میں اور اطراف النہار کا عطف **من آناء اللیل** کے محل پر ہے جو منصوب ہے یعنی ظہر کی نماز پڑھئے اس کا وقت زوال شمس سے داخل ہوتا ہے اور وہ (نہار) کے نصف اول کا (آخری) اور نصف ثانی کا (ابتدائی) کنارہ ہے تاکہ آپ عطا کردہ ثواب سے خوش ہوں اور آپ ہرگز ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جن سے ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے بایں طور کہ وہ سرکشی کریں یہ (محض) دنیوی زندگی کی زینت اور رونق ہے، اور جنت میں تیرے رب کا عطیہ اس سے جو ان کو دنیا میں دیا گیا ہے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے اور ہم آپ سے معاش کا سوال نہیں کرتے یعنی ہم آپ کو اپنے لئے اور دوسروں کے لئے معاش کا مکلف نہیں بناتے رزق تو آپ کو ہم دیں گے اور انجام یعنی جنت تو اہل تقویٰ کے لئے ہے اور مشرک کہتے ہیں کہ محمد ہمارے پاس اپنے رب کے پاس سے وہ نشانی کیوں نہیں لاتے جس کا وہ مطالبہ کرتے ہیں **اَوَلم یاْتِیھِمْ** تا اور یا کے ساتھ ہے کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کا بیان نہیں پہنچا وہ (بیان) کہ قرآن اس پر مشتمل ہے اور وہ بیان امم ماضیہ کی خبریں اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ان کو ہلاک کرنے کی خبریں ہیں اور اگر ہم ان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے کسی عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ قیامت کے دن یوں کہتے اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تھا؟ کہ ہم اس کے لائے ہوئے آپ کے احکام پر چلتے قبل اس کے کہ ہم قیامت میں جہنم میں ذلیل اور رسوا ہوتے تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ہم اور تم سب کے سب منتظر ہیں کہ انجام کیا ہوتا ہے؟ اور انتظار کر لو عنقریب قیامت کے دن تم کو معلوم ہو جائے گا کہ راہ راستی والے کون ہیں؟ اور ضلالت سے بچ کر کون ہدایت پر پہنچا؟ ہم یا تم (یعنی ہر ایک انجام کا منتظر ہے پس تم بھی انتظار میں رہو)

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله لَوْلاَ کلمة سَبَقَتْ الخ اگر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام میں آپ کی امت

سے عام عذاب کی تاخیر مقدر نہ ہوچکی ہوتی تو امم ماضیہ کے مانند اس امت پر بھی عام عذاب نازل ہوگیا ہوتا، لہٰذا یہ تاخیر امہال ہے نہ اہمال، تاکہ کفار بقیہ عمر میں گذشتہ کوتاہیوں کی تلافی کرسکیں۔

قوله معطوف علی الضمیر المستتر فی کان مطلب یہ ہے کہ **واجلٌ مسمّٰی** کا عطف کان کی ضمیر مستتر پر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے **کان الإهْلاك والاجل المعین لهٗ لزامًا** اور لزامًا مصدر بمعنی **لازماً** ہے۔

سوال: اِهْلاك اور اَجَلٌ مُسَمّٰی دونوں کَانَ کے اسم ہیں تو اس کی خبر بھی تثنیہ ہونی چاہئے لہٰذا لِزَامًا کے بجائے لازمین ہونی چاہئے۔

جواب: لزاماً اگرچہ یہاں لازمًا کے معنی میں ہے مگر اصل میں مصدر ہے لہٰذا اس کا تثنیہ کے معنی میں استعمال درست ہے **قوله قام الفصل** یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف ہوتا ہے تو ضمیر مرفوع کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ ضروری ہوتی ہے، یہاں کان کی ضمیر مستتر اهلاك پر **اجلٌ مسمّٰی** کا عطف ہورہا ہے حالانکہ یہاں ضمیر مستتر کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عطف کے جواز کی ایک صورت اور ہے اور وہ یہ ہے کہ ضمیر منفصل کے علاوہ اگر اور کسی چیز کا فصل واقع ہوجائے تب بھی عطف درست ہوجاتا ہے، یہاں کان کی خبر **لزامًا** کا فصل آنے کی وجہ سے عطف درست ہوگیا ہے۔

قوله واَجَلٌ مسمّٰی اجلٌ کے مرفوع ہونے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں ایک تو یہی کہ **اَجَلٌ** کا عطف کان کی ضمیر مستتر پر ہو، مفسر علام نے اسی کو اختیار کیا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اجلٌ کا عطف کلمۃٌ پر ہو اور **لولا** کے تحت میں داخل ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی **لولا** کلمة واَجَلٌ مسمّٰی لکان العذاب لازمًا لهم **قوله** فاصبر علٰی مایقولون **فاصبر** میں فا جزائیہ ہے شرط محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے ای اِذا کان الامر علی ماذکر من اَنّ تاخیر **عذابهم لیس باهمال بل هو امهال وهو لازم لهم البتة فاصبر علٰی ما یقولون من کلمات الکفر من** آناء اللیل آناء جمع اِنًا بمعنی وقت اور مِن بمعنی فی ای فی آناء اللیل **قوله** واَطراف النهار ای صلِّ **اطراف النهار من آناء اللیل** کے محل پر عطف ہونے کی وجہ سے **منصوب ہے** اور مِن آناء اللیل یسبّح کی وجہ سے منصوب ہے **وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ** کا عطف فاصبر پر ہے **قوله** ازواجًا **متّعنا** کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب **ہے اور** بِه کی ضمیر مجرور جو کہ مَا کی طرف راجع ہے سے حال واقع ہونے کی وجہ سے بھی ازواجًا منصوب ہوسکتا ہے **قوله زهرةَ الحیٰوةِ الدنیا** زهرةً کے منصوب ہونے کی چند وجوہ ہوسکتی ہیں ۱ مَتَّعْنَا کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے مفعول اول اَزْوَاجًا ہے اور **مَتَّعْنَا** چونکہ اعْطینا کے معنی کو متضمن ہے اس لئے متعدی بدو مفعول ہوگا ۲ ازواجًا سے بدل ہونے کی وجہ سے یا تو حذف مضاف کے ساتھ ای ذوی زهرةٍ یا مبالغۃً ۳ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہو جس پر مَتَّعْنَا دلالت کر رہا ہے ای جعلنا زَهْرَةً ۴ منصوب علی الذم ای اَذُمُّ زهرةَ الحیٰوةِ

الدنیا ان کے علاوہ پانچ وجوہ نصب اور ہوسکتی ہیں اختصاراً ترک کردیا گیا **قوله** بِاَنْ یَطْغَوْا باسببیہ ہے ای نَفْتِنَهُمْ بِسَبَبِ طُغْیَانِهِمْ بَهْجَة رونق خوبصورتی (س، ف، ک) یَقْتَرِحُوْنَهٗ اِقْتِرَاحٌ خواہش کرنا، تجویز پیش کرنا، مطالبہ کرنا **قوله** اَوَ لَمْ یَاْتِیْهِمْ ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور واو عاطفہ ہے ای اَعَمُوْا وَلَمْ تَاْتِیْهِمْ **قوله** وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ یہ جملہ مستانفہ ہے ماقبل کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے **قوله** فَنَتَّبِعَ لولا استفہامیہ کا جواب ہے اَن مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای فَاَنْ نَتَّبِعَ **قوله** مَنْ اَصْحَابُ الصراط مبتدا خبر ہیں، علامہ محلی نے مَنْ اهْتَدٰی کی تفسیر مِنَ الضَّلَالَةِ سے کرکے اصحٰب الصراط السویّ اور مَنِ اهْتَدٰی میں فرق کی جانب اشارہ کردیا، اصحاب الصراط وہ لوگ ہیں جو شروع ہی سے ہدایت پر ہوں جیسے آپ اور وہ لوگ جو اسلام کی حالت میں بالغ ہوئے جیسے حضرت علیؓ وغیرہ وَمَنِ اهْتَدٰی وہ لوگ جن پر کفر کا زمانہ گذرا اور بعد میں اسلام لائے وَمَنِ اهْتَدٰی میں مَنْ استفہامیہ ہے اور محل خبر میں بھی ہوسکتا ہے الصراط پر عطف کرتے ہوئے ای اصحاب من اهتدٰی.

تفسیر وتشریح

لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ یہ مشرکین ومکذبین مکہ دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے کئی امتیں گذر چکی ہیں جن کے یہ جانشین ہیں اور ان کی رہائش گاہوں سے گذر کر آتے جاتے ہیں، انہیں ہم اس تکذیب کی وجہ سے ہلاک کرچکے ہیں، جن کے عبرتناک انجام میں اہل عقل ودانش کے لئے بڑی نشانیاں ہیں، لیکن یہ اہل مکہ ان سے آنکھیں بند کئے ہوئے انہی کی روش اپنائے ہوئے ہیں، اگر اللہ نے پہلے سے یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا کہ وہ اتمام حجت کے بغیر اور اس مدت کے آنے سے پہلے جو وہ مہلت کے لئے کسی قوم کو عطا فرماتا ہے کسی کو ہلاک نہیں کرتا تو فوراً انہیں عذاب الٰہی آچمٹتا اور یہ ہلاکت سے دوچار ہوچکے ہوتے، مطلب یہ ہے کہ تکذیب رسالت کے باوجود اگر ان پر اب تک عذاب نہیں آیا تو یہ نہ سمجھیں کہ آئندہ بھی نہیں آئے گا، بلکہ ابھی ان کو اللہ کی طرف سے مہلت ملی ہوئی ہے جیسا کہ وہ ہر قوم کو دیتا ہے، مدت مہلت ختم ہوجانے کے بعد ان کو عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

فاصبر علی مایقولون اہل مکہ جو ایمان سے بھاگنے کے طرح طرح کے حیلے بہانے تلاش کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برے القاب سے یاد کرتے تھے کوئی ساحر کہتا تھا تو کوئی کاذب کہہ کر پکارتا تھا تو کوئی کاہن نام رکھتا تھا تو کوئی شاعر کے لقب سے نوازتا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فطری طور پر بڑی تکلیف ہوتی تھی، قرآن کریم نے ان اذیتوں کا علاج دو طریقہ سے تجویز فرمایا ہے اول یہ کہ ان کے کہنے کی طرف توجہ نہ دیں بلکہ صبر کریں، دوسری چیز اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں، فسبح بحمد ربك میں اسی دوسرے علاج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ تسبیح کے معنی اللہ کی پاکی بیان کرنے کے ہیں اور یہ عام ہے اس سے زبانی تسبیح وتحمید بھی

مراد ہوسکتی ہے اور نماز بھی مراد ہوسکتی ہے اس لئے کہ نماز قولی اور فعلی دونوں قسم کی تسبیح پر مشتمل ہوتی ہے بعض مفسرین نے آئندہ آیت سے نماز کے پانچ اوقات مراد لئے ہیں، اور دیگر حضرات نے مطلقاً وقت مراد لیا ہے، یعنی ہر وقت ذکر لسانی میں مشغول رہنا مراد ہے۔

لَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اس آیت میں اگر چہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر مراد امت ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مالداروں اور سرمایہ داروں کو قسم قسم کی دنیوی رونق اور طرح طرح کی نعمتیں حاصل ہیں، آپ ان کی طرف مطلقاً توجہ نہ کیجئے، یہ سب نعمتیں فانی اور چندروزہ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے ذریعہ مومنین کو عطا فرمائیں ہیں وہ کافروں کی ان چندروزہ رونقِ حیات سے بدر جہا بہتر ہیں۔

حدیث ایلاء میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ ایک کھرّی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور بے سروسامانی کا یہ عالم ہے کہ گھر میں چمڑے کی دو چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے، حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا عمر کیا بات ہے؟ روتے کیوں ہو؟ عرض کیا یارسول اللہ! قیصر و کسریٰ کس طرح آرام وراحت کی زندگی گذار رہے ہیں اور آپ کا باوجود اس بات کے کہ آپ افضل الخلق ہیں یہ حال؟ فرمایا عمر کیا تم اب تک شک میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے آرام کی چیزیں دنیا ہی میں دیدی گئی ہیں یعنی آخرت میں ان کے لئے کچھ نہیں۔ (بخاری شریف سورہ تحریم، مسلم باب الایلاء)

ابن ابی حاتم نے بروایت ابوسعید خدریؓ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اِنَّ اخوَفَ ما اَخافُ علیکم مَا یَفتَحُ اللہ لکم من زھرۃ الدنیا۔

مجھے تم لوگوں کے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ خوف اور خطرہ ہے وہ دنیا کی دولت اور زینت ہے جو تم پر کھولدی جائے گی۔ (ابن کثیر)

کاشفی نے مذکورہ آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں ابورافع سے ایک روایت نقل فرمائی ہے جس کا ماحصل حسب ذیل ہے، ابورافع فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک مہمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اتفاق سے گھر میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی کہ جس سے مہمان کی خاطر تواضع کی جاسکتی، حضرت ابورافع فرماتے ہیں کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کے پاس بھیجا، اور فرمایا کہ یہودی سے کہنا محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارے گھر مہمان آیا ہے اور گھر میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ مہمان کی تواضع کی جاسکے، لہٰذا اتنی مقدار (دوصاع) آٹا ادھار فروخت کردو، ماہ رجب کے شروع میں قیمت ادا کردی جائے گی، ابورافع فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام یہودی کو پہنچادیا، یہودی نے جواب دیا ہم ادھار معاملہ نہیں کرتے ہاں البتہ کوئی چیز رہن رکھ دو تو دے سکتے ہیں، ابورافع فرماتے ہیں کہ میں نے پوری صورت حال آپ ﷺ سے عرض کردی، آپ نے فرمایا وَاللہِ انی لَامِینٌ فی السماءِ واَمینٌ فِی الارضِ اگر وہ میرے

ساتھ معاملہ کرتا تو میں اس کا حق ادا کردیتا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ عنایت فرمائی اور میں نے وہ زرہ یہودی کے یہاں رہن رکھ کر دو صاع آٹا لے لیا، اس پر یہ آیت آپ ﷺ کی تسلی کے لئے نازل ہوئی۔ (روح البیان)

وَامُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ الخ اس آیت میں اہل سے مراد پوری امت ہے جس میں خاص اپنے اہل وعیال اور متعلقین بھی داخل ہیں، بظاہر اس آیت میں دو حکم ہیں ایک اپنے اہل وعیال کو نماز کی تاکید اور دوسرے خود پابندی، دراصل بات یہ ہے کہ انسان کی خود اپنی نماز کی پابندی کے لئے ضروری ہے کہ گھر کا ماحول دیندار ہو اور اہل خانہ اور متعلقین نماز کے پابند ہوں، اس لئے کہ اگر ماحول اس کے خلاف ہو تو طبعی طور پر انسان خود بھی کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے، جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح کو نماز کے وقت حضرت علیؓ اور فاطمہ کے مکان پر جا کر آواز دیتے تھے "اَلصَّلٰوةُ الصَّلٰوةُ" (قرطبی)

قوله لانسئلك رِزْقًا یعنی ہم تم سے یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ تم اپنا اور اپنے اہل وعیال کا رزق اپنے زور علم وعمل سے پیدا کرو بلکہ یہ معاملہ ہم نے اپنے دست قدرت میں رکھا ہے، انسان زیادہ سے زیادہ کسب معاش کے اسباب کو اختیار کرسکتا ہے اس کے آگے کچھ نہیں کرسکتا، ایک کاشتکار زمین کو قابل کاشت بنا کر اس میں بیج ڈالدیتا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا، آگے پورا کام قدرت کا ہے چاہے اس کو اگائے اور بار آور کرے یا زمین ہی میں سڑا کر مٹی کردے، غرضیکہ روزی کا مسئلہ قدرت نے اپنے اختیار میں رکھا ہے البتہ جو شخص عبادت خداوندی میں مشغول ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے یہ بار محنت بھی آسان فرمادیتے ہیں۔ (ترمذی)

قوله فستعلمون الخ یعنی آج تو اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو زبان دی ہوئی ہے ہر ایک اپنے طریقہ اور اپنے عمل کو بہتر اور صحیح ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے لیکن یہ دعویٰ کچھ کام آنے والا نہیں۔

بہتر اور صحیح طریقہ وہی ہوسکتا ہے جو اللہ کے نزدیک مقبول اور صحیح ہو اور اس کا پتہ قیامت کے روز سب کو لگ جائیگا کہ کون غلطی اور گمراہی پر تھا اور کون صحیح اور سیدھے راستہ پر؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الأنبیآء

سُوْرَۃُ الأنبیآءِ مَکِّیَّۃٌ وھِیَ مائۃٌ وَّاِحْدیٰ اَو اثْنَتا عَشَرَۃَ آیۃً.

سورۂ انبیاء مکی ہے ایک سو گیارہ یا ایک سو بارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ اِقْتَرَبَ قَرُبَ لِلنَّاسِ اَھْلِ مَکَّۃَ مُنْکِرِی البَعْثِ حِسَابُھُمْ یَوْمِ القِیٰمَۃِ وَھُمْ فِیْ غَفْلَۃٍ عنہ مُّعْرِضُوْنَ○ عنِ التَّاھُّبِ لہ بالاِیْمانِ مَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنْ رَّبِّھِمْ مُّحْدَثٍ شَیْئًا فَشَیْئًا ای لَفْظِ قُرْآنٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْہُ وَھُمْ یَلْعَبُوْنَ○ یَسْتَھْزِؤُنَ لَاھِیَۃً غَافِلَۃً قُلُوْبُھُمْ عن مَعْنَاہ وَاَسَرُّوا النَّجْوَی ای الکَلَامَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بَدَلٌ من وَاوِ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی ھَلْ ھٰذَا ای مُحَمَّدٌ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ فَمَا یَاتِی بہ سِحْرٌ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ تَتْبَعُوْنہ وَاَنْتُم تُبْصِرُوْنَ○ تَعْلَمُوْنَ انہ سِحْرٌ قٰلَ لھم رَبِّیْ یَعْلَمُ القَوْلَ کَائِنًا فِی السَّمَآءِ وَالاَرْضِ وَھُوَ السَّمِیْعُ لِمَا اَسَرُّوْہ العَلِیْمُ○ بہ بَلْ لِلاِنْتِقَالِ مِنْ غَرَضٍ اِلی آخَرَ فی المَوَاضِعِ الثَّلٰثۃِ قَالُوْا فیما اُتِیَ بہ مِن القُرْآنِ ھو اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ اَخْلَاطٌ رَاٰھَا فی النَّوْمِ بَلِ افْتَرَاہُ اِخْتَلَقَہٗ بَلْ ھُوَ شَاعِرٌ فما اُتِیَ بہ شِعْرٌ فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَۃٍ کَمَآ اُرْسِلَ الاَوَّلُوْنَ○ کَالنَّاقَۃِ والعَصَا والیَدِ قال تعالٰی مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَھُمْ مِّنْ قَرْیَۃٍ ای اَھْلِھَا اَھْلَکْنٰھَا بتَکْذِیْبِھا ما اَتَاھا مِنَ الاٰیاتِ اَفَھُمْ یُؤْمِنُوْنَ○ لا وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ اِلَّا رِجَالًا یُّوْحٰی وفی قِرَاءَۃٍ بالنُّوْنِ وکَسْرِ الحَاءِ اِلَیْھِمْ لا مَلَائِکَۃً فَاسْئَلُوْآ اَھْلَ الذِّکْرِ العُلَمَاءَ بالتَّوْرٰۃِ والاِنْجِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ○ ذٰلک فِانَّھم یَعْلمونَہ وانتم اِلی تَصْدِیْقِھم اَقْرَبُ مِن تَصْدِیْقِ المُؤْمِنِیْنَ بِمُحَمَّدٍ صلی اللّٰہُ علیہِ وسلَّمَ وَمَا جَعَلْنَاھُمْ اَیِ الرُّسُلَ جَسَدًا بمعنٰی اَجْسَادٍ لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ بَلْ یَاْکُلُوْنَہٗ وَمَا کَانُوْا خَالِدِیْنَ○ فی الدنیا ثُمَّ صَدَقْنَاھُمُ الوَعْدَ بِاِنجائِھم فَاَنْجَیْنٰھُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ ای المُصَدِّقِیْنَ لھم وَاَھْلَکْنَا المُسْرِفِیْنَ○ المُکَذِّبِیْنَ لھم لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ یا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ کِتٰبًا فِیہ ذِکْرُکُمْ لانہ بِلُغَتِکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○ فتؤمِنُوْنَ بہ.

ع

ترجمہ

لوگوں (یعنی) منکرین بعث اہل مکہ کے لئے ان کا حساب (یعنی) قیامت کا دن قریب آ گیا پھر بھی وہ اس سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس پر ایمان کے ذریعہ تیاری سے اعراض کئے ہوئے ہیں ان کے رب کے پاس سے ان

کے پاس کوئی نئی نصیحت بتدریج نہیں آتی (یعنی الفاظ قرآنی) مگر یہ کہ یہ لوگ اس کو کھیل کود میں استہزاء کے طور پر سنتے ہیں حال یہ ہے کہ ان کے قلوب اس کے معانی سے غافل ہوتے ہیں اور ان ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں الذین ظلموا اَسَرُّوْا کے واؤ سے بدل ہے کہ یہ یعنی محمد تمہارے جیسا ہی انسان ہے لہٰذا جو کچھ یہ پیش کرتا ہے وہ سحر ہے پھر بھی تم جادو کی بات سننے کے لئے اس کے پاس جاؤ گے؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ سحر ہے پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میرا رب ہر بات کو (خواہ) وہ آسمان میں ہو یا زمین میں جانتا ہے اور جس بات کو یہ چھپا رہے ہیں اس کو خوب سننے والا اور جاننے والا ہے بَلْ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لئے تینوں مقامات میں (یعنی جادو کہنے پر اکتفا نہیں کیا) بلکہ آپ جو قرآن لیکر آئے اس کے بارے میں کہا یہ پریشان خیالات ہیں یعنی خواب میں دیکھے ہوئے پراگندہ خیالات کا مجموعہ ہے بلکہ اس کو افتراء کیا ہے (یعنی) گھڑ لیا ہے بلکہ یہ تو شاعر ہے لہٰذا جو چیز یہ پیش کرتا ہے وہ شعر ہے لہٰذا (ان کو چاہئے) کہ ہمارے پاس کوئی بڑی نشانی لائیں جیسا کہ پہلے پیغمبر (نشانیاں دیکر) بھیجے گئے تھے مثلاً ناقہ اور عصاء اور ید بیضاء، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان سے پہلے جو بستی یعنی بستی والے ایمان نہیں لائے ہم نے ان کو ان آیات کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر دیا سو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟ نہیں ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کے پاس وحی بھیجی جاتی تھی اور ایک قرأت میں نون اور حا کے کسرہ کے ساتھ ہے (یعنی ہم وحی بھیجا کرتے تھے) نہ کہ فرشتوں کو اگر تم کو یہ بات معلوم نہ ہو تو اہل ذکر یعنی انجیل اور تورات کے علماء سے معلوم کر لو، اس لئے کہ وہ اس بات کو جانتے ہیں اور تم ان کی تصدیق کے زیادہ قریب ہو بہ نسبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کے اور ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں بلکہ کھاتے ہیں جسد بمعنی اجساد ہے اور یہ حضرات دنیا میں ہمیشہ نہیں رہے پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا اس کو سچا کر دیا یعنی پورا کر دیا یعنی ہم نے ان کو اور ان کی تصدیق کرنے والوں میں سے جس کو چاہا نجات دی اور حد سے گذرنے والوں یعنی ان کی تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا اے قریش کے لوگو! ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے اس لئے کہ وہ تمہاری زبان میں ہے پھر بھی تم نہیں سمجھتے کہ اس پر ایمان لے آؤ۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اِقْتَرَبَ قَرُبَ (س، ک) نزدیک آجانا اِقْتَرَبَ کی تفسیر قرب سے کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ اقترب اور قَرُبَ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں **قوله** للناس کی تفسیر اہل مکہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ اطلاق الجنس علی البعض کے قبیل سے ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ آئندہ جو صفات بیان کی جا رہی ہیں وہ مکہ کے مشرکوں پر صادق آ رہی ہیں، ورنہ تو حساب ہر شخص کا قریب آ گیا ہے **قوله** حِسَابُهُمْ ای وقت حسابهم مضاف محذوف ہے **قوله** وهم فی

غفلةٍ معرضونَ یہ جملہ حالیہ ہے ای قَرُبَ وقتُ حسابهم والحال انّهم غافلون معرضون هُمْ مبتداء معرضون اس کی خبر **قوله** فی غفلة معرضون کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے ای اعرضوا غافلین اور مبتداء کی خبر ثانی بھی ہوسکتی ہے **قوله** تاهب اَهَّبَ وتَاَهَّبَ بمعنی تیار ہونا، آمادہ ہونا **قوله** مَا یاتیهم من ذِکرٍ یہ ماقبل کی علت ہے مِنْ ذِکرٍ میں مِن فاعل پر زائدہ ہے **قوله** لفظ القرآن مفسر علام نے لفظ القرآن کا اضافہ کرکے اس شبہ کو زائل کردیا کہ یہاں ذکر سے مراد قرآن ہے اور قرآن اللہ کا کلام اور اس کی خاص صفت ہے اور اللہ کی ذات کے مانند اس کی صفات بھی قدیم ہیں تو پھر اس کو محدثٍ کیوں کہا گیا ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن الفاظ منزلہ کے اعتبار سے حادث ہے اور اپنے مدلول و معنی کے اعتبار سے قدیم ہے **قوله** وَاَسَرُّوْا النَّجویٰ الذین ظلموا اَسَرُّوْا کے واؤ سے بدل ہے اور محل میں رفع کے ہے اور الذین ظلموا، هم مبتداء محذوف کی خبر بھی ہوسکتی ہے ای هم الذین ظلموا اور اگر اعنی مقدر مان لیا جائے تو الذین ظلموا محلاً منصوب ہوگا، ای اَعْنِیْ الذین ظلموا **قوله** هل هٰذا الخ یہ النجویٰ سے بدل ہے یعنی ان ظالموں کی خفیہ گفتگو یہ تھی کہ یہ ہمارے جیسا بشر ہی ہے هَل هٰذا اِلَّا بشرٌ مثلکُمْ وَاَنْتُم تبصرون تاتون کی ضمیر سے حال ہے علامہ محلی نے کائناً کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ فی السماء والارض اَلْقَوْلَ سے حال ہے **قوله** اَضغاثُ احلامٍ یہ هٰذا یا هو مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ علامہ محلی نے هُوَ مقدر مان کر اشارہ کردیا ہے اور جملہ ہوکر قالوا کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اَضْغَاثُ بمعنی اخلاط جمع ضغثٍ وہ پراگندہ خیالات جن کو انسان خواب میں دیکھتا ہے **قوله** فَلْیَاْتِنا بآیةٍ یہ شرط محذوف کی جزاء ہے جو کہ سیاق و سباق سے مفہوم ہے ای کَاَنَّهٗ قیل وَاِنْ لم یکن کما قلنا بل کان رسولاً من عند اللّٰهِ فَلْیَاْتِنَا بِآیَةٍ **وقوله** کما اُرْسِلَ الاولون یہ آیةٍ کی صفت ہے ای اِئتنا بآیةٍ کائنةٍ مثل الآیة التی ارسل بها الاوَّلون **قوله** اَهْلکنٰها قَرْیَةٍ کی صفت ہے اَفَهُمْ یومِنُونَ کے بعد لا مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اَفَهُمْ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے **قوله** یُوْحٰی بالیاء مبنی للمفعول اِلَیْهِمْ نائب فاعل وفی قراءةٍ نُوْحِیْ بالنون و کسر الحاء اس صورت میں مفعول محذوف ہوگا ای نُوحِی اِلَیْهِم الاَمرَ والنَّهْیَ اِنْ کُنْتُمْ لاتعلمون یہ جملہ شرطیہ ہے اس کی جزاء فاسئلوهم محذوف ہے سابقہ جملہ حذف جزاء پر دلالت کررہا ہے یعنی تم اہل کتاب کی بات کی تصدیق کو اولیت دوگے بخلاف ان لوگوں کی بات کی تصدیق کے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے کہ اہل کتاب اسلام دشمنی میں تمہارے ہمنوا اور شریک ہیں **قوله** اَقْرَبُ مِن تصدیق المومنین اصل میں مِن تصدیقکم المومنینَ بمحمدٍ صلی اللّٰهُ علیهِ وسلَّمَ ہے جَسَدًا بمعنی اَجْسَادًا یہ اشارہ ہے کہ جَسَدًا مفرد بمعنی اجسادًا ہے یا اس سے پہلے مضاف محذوف ہے ای ذَوِی جسَدٍ جسدًا یا تو اس وجہ سے منصوب ہے کہ جَعَلنا کا مفعول ثانی ہے اگر جعل بمعنی صیر اور اگر جَعَلَ بمعنی خلق ہو تو جعلناهم کی ضمیر هم

سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا **قوله** **لایاکلون الطعام** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ جسدًا کی صفت ہے دراصل یہ جملہ مشرکین کے اس قول کا رد ہے کہ وہ کہتے تھے **مالِ هٰذا الرسول یاکل الطعام** **قوله** **لَقَدْ اَنْزَلْنَا** لقد میں لام قسمیہ ہے ای واللّٰہِ لقَدْ.

تفسیر وتشریح

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ سورۂ انبیاء بالاتفاق مکی ہے اس میں ایک سو گیارہ یا بارہ آیتیں ہیں چونکہ اس سورت میں متعدد انبیاء علیہم السلام کے واقعات مذکور ہوئے ہیں، اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء رکھا گیا ہے، سورہ کہف سورہ مریم سورہ طٰہٰ اور سورہ انبیاء نزول کے اعتبار سے ابتدائی سورتوں میں سے ہیں، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ میری قدیم دولت اور کمائی ہیں جن کی میں ہمیشہ حفاظت کرتا ہوں۔

حساب کے وقت کے قریب ہونے سے قیامت کا دن مراد ہے جو ہر گھڑی قریب سے قریب تر ہو رہا ہے، اور ہر وہ چیز جو آنے والی ہے وہ قریب ہی ہوتی ہے "**کل ما هو آتٍ فهو قریب**" اور ہر انسان کی موت بجائے خود اس کے لئے قیامت ہے اس لئے کہ ہر انسان کا حساب قبر ہی سے شروع ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں گذرے ہوئے زمانہ کے اعتبار سے بھی قیامت قریب ہے، اس لئے کہ گذشتہ زمانہ کے اعتبار سے آئندہ زمانہ کم ہی ہے حدیث شریف میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ گذشتہ زمانہ کی مقدار باقی زمانہ کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسا کہ صبح سے لیکر عصر کے وقت تک اور بقیہ زمانہ کی مقدار ایسی ہے جیسا کہ عصر سے غروب تک کا وقت، مقصد اس آیت سے غفلت شعار لوگوں کو متنبہ کرنا ہے جس میں مومن اور کافر سب داخل ہیں کہ دنیا کی خواہشات میں مشغول ہو کر اس حساب کے دن کو نہ بھلائیں کیوں کہ اس کو بھلا دینا ہی تمام خرابیوں اور برائیوں کی جڑ ہے۔

مَا یاتِیهِمْ مِن ذِکْرٍ الخ یہ آخرت اور عذاب قبر سے غفلت کرنے والوں کا مزید بیان ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کی کوئی نئی آیت نازل ہوتی ہے اور ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے تو وہ اس کا استہزاء کرتے ہیں اور ہنسی مذاق میں اڑا دیتے ہیں، آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن کی آیات سننے کے وقت یہ اپنے کھیل اور شغل میں اسی طرح لگے رہتے ہیں کہ قرآن کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ اس میں تدبر وغور وفکر کرتے ہیں۔

اَفَتاتون السِّحْرَ وانتم تُبصِرون یعنی یہ لوگ آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ شخص جو خود کو نبی اور رسول کہتا ہے یہ تو ہم جیسا انسان ہے کوئی فرشتہ تو ہے نہیں کہ ہم اس کی بات مان لیں، مطلب یہ کہ ان کو نبی کا بشر ہونا قابل قبول نہیں تھا جیسا کہ خود کو مسلمان کہلانے والے بعض فرقے بھی محمد ﷺ کی بشریت سے انکار کرتے ہیں۔

قرآن چونکہ اپنی حلاوت وبلاغت کے اعلیٰ مقام پر ہے جس کی تاثیر کا کوئی کافر بھی انکار نہیں کرسکتا تھا اس لئے کہ

مشرکین مکہ کے سرداروں نے یہ صورت نکالی کہ اس کلام کو سحر اور جادو قرار دیں اور پھر لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے یہ کہیں کہ جب تم سمجھ گئے کہ یہ جادو ہے اور اس کلام کا سنانے والا جادوگر ہے تو پھر اس کے پاس جانا اور اس کا کلام سننا دانشمندی کے خلاف ہے، شاید مشرکین مکہ نے رازدارانہ طور پر یہ گفتگو اس لئے کی ہو کہ اگر مسلمان سن لیں گے تو ان کی احمقانہ تلبیس کا پول کھول دیں گے۔

اضغاث، **ضِغثٌ** کی جمع ہے مختلف قسم کی گھاس کا مٹھا اسی مناسبت سے اضغاث ان خوابوں کو کہتے ہیں جن میں کچھ نفسانی اور شیطانی خیالات شامل ہو جاتے ہیں یعنی ان منکرین نے اول تو قرآن کو جادو کہا پھر پریشان خیالات کہنے لگے پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر کہنے لگے کہ یہ تو خدا پر افتراء اور بہتان ہے، پھر کہنے لگے یہ کوئی شاعر شخص ہے اس کے کلام میں شاعرانہ خیالات ہیں، خدا کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا میرا پروردگار ہر اس بات کو جو زمین اور آسمان میں ہے بخوبی جانتا ہے اور تمام بندوں کی گفتگو سنتا ہے اور ہر ایک کے عمل کو دیکھتا ہے، لہٰذا تم جو جھوٹ بک رہے ہو اسے وہ سن رہا ہے اور میری سچائی کو اور جو دعوت تمہیں دے رہا ہوں اس کی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

فَلیاتنا بآیۃٍ تو مشرکین کہنے لگے اگر یہ واقعی نبی ہے تو ہمارے طلب کئے ہوئے معجزے دکھلائیں اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ پچھلی امتوں میں اس کا بھی تجربہ اور مشاہدہ ہو چکا ہے کہ جس طرح کا معجزہ انہوں نے طلب کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھوں پر وہی معجزہ سامنے آ گیا مگر وہ پھر بھی ایمان نہ لائے اور منہ مانگے معجزے کو دیکھنے کے بعد بھی جو قوم ایمان سے گریز کرے اس کے لئے اللہ کا قانون یہ ہے کہ دنیا ہی میں عذاب نازل کر کے ختم کر دی جاتی ہے اور چونکہ امت مرحومہ کو حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں دنیا کے عام عذاب سے محفوظ کر دیا ہے اس لئے ان کے مطلوبہ معجزات دکھلانا مصلحت نہیں **اَفَھُمْ یومنون** کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ منہ مانگے معجزات دیکھ کر بھی یہ ایمان لے آئیں گے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی اس لئے مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا جاتا۔

وَمَا اَرْسَلْنا قبلکَ یعنی جتنے بھی ہم نے نبی اور رسول بھیجے وہ سب مرد اور انسان تھے نہ کوئی غیر انسان کبھی نبی آیا اور نہ غیر مرد، گویا کہ نبوت انسانوں کے ساتھ اور انسانوں میں سے مردوں کے ساتھ خاص رہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی اس لئے کہ نبوت بھی ان فرائض میں سے ہے کہ جو عورت کے طبعی اور فطری دائرہ عمل سے خارج ہے۔

فاسئلوا اَھْلَ الذِّکر میں اہل ذکر سے اس جگہ علماء تورات اور علماء انجیل مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو پچھلے انبیاء کا بشر اور مرد ہونا معلوم نہیں ہے تو علماء توریت و انجیل سے معلوم کر لو۔

کتابًا فیہ ذکرکم کتاب سے مراد قرآن ہے اور ذکر سے مراد شرف، فضیلت و شہرت ہے یہ قرآن چونکہ عربی زبان میں ہے لہٰذا تمہارے لئے بڑی عزت اور دائمی شہرت کی چیز ہے اس کی تمہیں قدر کرنا چاہئے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا اهلكنا مِنْ قَرْيَةٍ اى اَهْلِها كَانَتْ ظَالِمَةً كافِرَةً وَّاَنْشَانَا بَعْدَها قَوْمًا آخَرِيْنَ○ فَلَمَّا اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اى شَعَرَ اهلُ القَرْيَةِ بالاِهْلاكِ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ط يهربُوْنَ مُسرِعِينَ فَقالَتْ لَهُمُ المَلائِكَةُ اِسْتِهْزَاءً لاَتَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْآ اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ نُعِّمْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْاَلُوْنَ○ شَيْئًا مِنْ دُنْيَاكُم عَلَى العَادَةِ قَالُوْا يَا للتَّنْبِيْهِ وَيْلَنَا هَلاكَنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ○ بالكُفرِ فَمَا زَالَتْ تِّلْك الكَلِمَاتُ دَعْوٰهُمْ يَدْعُوْنَ بها ويُرَدِّدُوْنَها حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا اى كالزَّرْعِ المَحْصُوْدِ بالمَنَاجِلِ بانْ قُتِلُوْا بالسَّيْفِ خَامِدِيْنَ○ مَيِّتِيْنَ كَخُمُوْدِ النَّارِ اِذا طُفِيَتْ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لاَعِبِيْنَ○ عَابِثِيْنَ بَلْ دَالِّيْنَ عَلٰى قُدْرَتِنَا ونَافِعِيْنَ عِبَادَنَا لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا ما يُلْهٰى به مِنْ زَوْجَةٍ او وَلَدٍ لاَّتَّخَذْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا مِنْ عِنْدِنَا مِنَ الحُورِ العِيْنِ والمَلٰئِكَةِ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ○ ذٰلك لٰكِنَّا لم نَفْعَلْه فلم نُرِدْهُ بَلْ نَقْذِفُ نَرْمِيْ بالحَقِّ الاِيْمَان عَلَى البَاطِلِ الكُفرِ فَيَدْمَغُهُ يَذْهَبُهُ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط ذَاهِبٌ ودَمَغَهُ فى الاصلِ اَصَابَ دِمَاغَهُ بالضَّرْبِ وهو مَقْتَلٌ وَلَكُمُ يا كُفَّارَ مَكَّةَ الوَيْلُ العَذَابُ الشَّدِيْدُ مِمَّا تَصِفُوْنَ○ اللّٰهَ بِهٖ من الزَّوْجَةِ اَوِ الوَلَدِ وَلَهٗ تعالٰى مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ ط مِلْكًا وَمَنْ عِنْدَهٗ اى المَلائِكَةُ مُبْتَدأٌ خَبَرُهٗ لاَيَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلاَ يَسْتَحْسِرُوْنَ○ع لاَ يُعْيُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لاَيَفْتُرُوْنَ○ عنه فهو مِنهم كالنَّفَسِ مِنَّا لايُشْغِلُنَا عنه شَاغِلٌ اَمِ بمعنٰى بل لِلاِنْتِقَالِ وهَمْزَةُ الاِنْكَارِ اتَّخَذُوْا اٰلِهَةً كَائِنَةً مِّنَ الاَرْضِ كحَجَرٍ وذَهَبٍ وفِضَّةٍ اَهُمْ اَيِ الاٰلِهَةُ يُنْشِرُوْنَ○ اى يُحْيُوْنَ المَوْتٰى لاَ وَلاَيكونُ اِلٰهًا الاّمَن يُحْيِ المَوْتٰى لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اى السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ اٰلِهَةٌ اِلاَّ اللّٰهُ اى غَيْرُهٗ لَفَسَدَتَا ج خَرَجَتَا عَنْ نِظَامِهِمَا المُشَاهَدِ لِوُجُوْدِ التمَانُعِ بَيْنَهُم عَلٰى وَفْقِ العَادَةِ عِنْدَ تَعَدُّدِ الحَاكِمِ مِنَ التَّمَانُعِ فى الشَّيْئِ وعَدْمِ الاتِّفَاقِ عليه فَسُبْحَانَ تَنْزِيْهَ اللّٰهِ رَبِّ خَالِقِ العَرْشِ الكُرْسِيِّ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ اى الكُفَّارُ اللّٰهَ بِهٖ مِنَ الشَّرِيْكِ له وغَيرِهٖ لاَ يُسْاَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ○ عن اَفْعَالِهم .

ترجمہ

اور کتنی ہی بستیوں کو یعنی بستی والوں کو جو ظالم یعنی کافر تھے تباہ یعنی ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی تو ان ظالموں نے جب ہمارا عذاب آتا دیکھا یعنی بستی والوں نے جب ہلاکت کو محسوس کیا تو اس بستی سے تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا تو فرشتوں نے ان سے بطور استہزاء کے کہا بھاگو مت اور اپنے سامان کی طرف جس میں تم کو آسودگی دی گئی تھی اور اپنے مکانوں کی طرف واپس چلو تا کہ دنیا کے دستور کے مطابق تم سے کچھ پوچھ تاچھ کی جائے تو وہ

لوگ کہنے لگے ہائے ہماری کمبختی (یا تنبیہ کے لئے ہے) یعنی ہماری ہلاکت بے شک ہم کفر کے ذریعہ ظلم کرنے والے تھے پھر تو انہی کلمات کی رٹ لگاتے رہے اور انہی کلمات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے ان کو حَصِیْد کر دیا درانتی سے کٹی ہوئی کھیتی کے مانند کر دیا اس لئے کہ وہ سب تہہ تیغ کر دیئے گئے اور بجھی ہوئی آگ کے مانند مردہ کر دیا جیسا کہ آگ بجھ جاتی ہے جب اس کو گل کر دیا جائے اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے کھیلتے ہوئے نہیں بنایا یعنی بے فائدہ کام کرنے والے کے مانند نہیں بنایا بلکہ اس انداز پر بنایا کہ ہماری قدرت پر دلالت کریں اور ہمارے بندوں کے لئے نافع ہوں اور اگر ہم کو کھیل تماشہ کے طور پر بنانا مقصود ہوتا یعنی (کھلونا) جس سے تفریح طبع مقصود ہو مثلاً بیوی اور بچہ تو اسے اپنے پاس سے ہی بنا لیتے یعنی (اس مقصد کے لئے) اپنے پاس سے حور و ملائکہ کا انتخاب کر لیتے، اگر ہم کو ایسا کرنا ہوتا لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا لہٰذا اس کا ارادہ بھی نہیں کیا بلکہ ہم حق ایمان کو باطل یعنی کفر پر پھینک مارتے ہیں تو وہ بھیجہ نکال دیتا ہے (یعنی) نیست و نابود کر دیتا ہے تو وہ دفعۃً دم توڑ دیتا ہے زاھقٌ بمعنی ذاھبٌ ہے اور دَمَغَہٗ کے (معنی) اصل میں دماغ پر ضرب لگانے کے ہیں (یعنی سرکوبی کرنے کے) حال یہ ہے کہ وہ ضرب مہلک ہو اور تمہارے لئے اے کفار مکہ ہلاکت (یعنی) عذاب شدید ہے ان باتوں کی وجہ سے کہ جن کے ساتھ تم اللہ کو متصف کرتے ہو (یعنی) بیوی یا بچہ اور زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کی ملک ہے اور جو فرشتے اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے مَنْ عندہٗ مبتداء ہے اور لایستکبرون اس کی خبر ہے اور نہ وہ تھکتے ہیں (بلکہ) شب و روز اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور تسبیح سے (ذرا بھی) سستی نہیں کرتے پس وہ تسبیح ان کے لئے، ہمارے لئے سانس کے مانند ہے کہ ہم کو اس سانس سے کوئی عمل نہیں روکتا کیا ان لوگوں نے زمین کی مخلوق مثلاً پتھر، سونا اور چاندی سے معبود بنا رکھے ہیں کیا وہ یعنی معبودان باطلہ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں؟ نہیں اور معبود وہی ہو سکتا ہے جو مردوں کو زندہ کر سکے اگر ان دونوں یعنی آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ دونوں فاسد ہو جاتے یعنی اپنے نظام مشاہد سے نکل پڑتے (یعنی درہم برہم ہو جاتے) ان کے درمیان ٹکراؤ کی وجہ سے عادت کے مطابق تعدد حکام کے وقت کسی شئ میں ٹکراؤ اور عدم اتفاق کی وجہ سے (یعنی دنیوی حکام میں بھی عادت اور دستور یہی ہے کہ جب مساوی حیثیت کے چند حکام جمع ہو جاتے ہیں تو ان کے درمیان کسی نہ کسی بات میں ضرور اختلاف ہوتا ہے جو ٹکراؤ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور چونکہ کوئی کسی سے کم نہیں ہوتا اس لئے وہ شئ درہم برہم ہو جاتی ہے) پس اللہ عرش کرسی کا رب خالق ہے ہر اس چیز سے پاک جو یہ کافر بیان کرتے ہیں، یعنی کفار، شرک وغیرہ جن صفات سے اس کو متصف کرتے ہیں (پاک ہے) اور وہ اپنے کاموں کے لئے جواب دہ نہیں اور وہ اپنے افعال کے بارے میں جواب دہ ہیں۔

تحقیق، ترکیب و تفسیری فوائد

کَمْ خبریہ ہے اور قَصَمْنَا کا مفعول مقدم ہے مِنْ قَرْیَۃٍ کَمْ خبریہ کی تمیز ہے قَصَمْنَا (ض) ماضی جمع متکلم معروف قَصْمًا توڑنا، ریزہ ریزہ کر دینا، توڑ پھوڑ کر رکھ دینا، ہلاک کرنا قریہ سے یمن کا ایک قریہ مراد ہے جس کا نام

حضور اتھا اللہ تعالیٰ نے اس قریہ والوں کی طرف حضرت موسیٰ بن میشا بن یوسف بن یعقوب کو نبی بنا کر مبعوث کیا تھا اور بعض حضرات نے امم سابقہ مثلاً قوم نوح ولوط وصالح وغیرہ بھی مراد لی ہیں مگر اول قول راجح ہے۔

کانت ظالمة یہ قریة کی صفت ہے **قوله** اَحَسُّوْا ای ادرکُوْا بالحواسِ **قوله** اِذَاهُمْ یَرْکُضُوْنَ اِذَا مفاجاتیہ ہے هُمْ مبتداء یرکضون اس کی خبر ہے الرکض ضرب الدابة بالرجل (ایڑھ لگانا) یہاں مراد ہے تیزی سے بھاگنا اِذَا، یرکضون کا ظرف ہے **قوله** استهزاء اس لفظ سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، سوال یہ ہے کہ ملائکہ کذب وغیرہ سے معصوم ہیں تو پھر انہوں نے خلاف واقعہ بات کیوں کہی؟ کہ تم اپنے سامان آسودگی اور مکانوں کی طرف لوٹ آؤ حالانکہ ملائکہ کو معلوم تھا کہ ان میں سے ایک بھی بچنے والا نہیں ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ انہوں نے استہزاءً کہا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ العزیز الکریم **قوله** مَسَاكِنِكُم اس کا عطف ما پر ہے تلك الكلمات سے مراد ان کا قول یا وَیْلَنَا اِنَّا کُنَّا ظالمِیْنَ ہے **قوله** لاَعِبِیْنَ یہ خلقنا کی ضمیر فاعل سے حال ہے **قوله** دَعْواهم ای دُعائُهم وندائهم مِناجِلْ جمع مِنْجَل کھیت کاٹنے کا آلہ (درانتی) حصیدًا مصدر بمعنی محصُود کٹی ہوئی کھیتی، مصدر چونکہ واحد تثنیہ جمع سب پر بولا جاتا ہے اس لئے حصیدًا کو جمع نہیں لایا گیا **قوله** خامدین جعلناهم کی ضمیر هم سے حال ہے حصیدًا خامدین دونوں کا مجموعہ بمنزلہ مفعول واحد کے ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ جعل متعدی بسہ مفعول نہیں ہوتا اور یہاں متعدی بسہ مفعول ہے خامدین خَمَدَتِ النار سے مشتق ہے جبکہ آگ کی لپٹیں بجھ جائیں اسی سے خَمَدَتِ الحُمّٰی مشتق ہے جبکہ بخار کی تیزی کم ہوجائے اور هَمَدَتِ النَّار اس وقت بولتے ہیں جبکہ آگ بالکل بجھ کر راکھ ہوجائے **قوله** لاعبینَ ما خلقنَا میں مقصود نفی لاعبین ہے اس لئے کہ نفی جب مقید پر داخل ہوتی ہے تو قید کی نفی ہوتی ہے لہٰذا ماخلقنا میں تخلیق کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ لاعبین کی نفی مقصود ہے۔

قوله لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَتَّخِذَ لهوًا ، تخذناهُ منْ لدُنَّا کا جواب ہے، تالی کی نقیض کا استثناء مقدم کی نقیض کا نتیجہ دیتا ہے لہٰذا عبارت اس طرح ہوگی لَو تَعَلَّقَتْ اِرَادتُنَا باتخاذ اللهْوِ لاتخذناهُ مِنْ عِندنا لکنّالَمْ تتخذهُ فلمْ تتعلق به ارادتنا

قوله اِنْ کُنَّا فاعلین اِن شرطیہ ہے اور جواب شرط محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے ان کنّا فاعلین اَرَدْناه مفسر علام نے اپنے قول لکنا لم نفعله سے نقیض تالی کی طرف اشارہ کیا ہے، اور فَلَمْ نُرِدْهُ کا اضافہ کرکے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ان شرطیہ ہے، اِنْ کنّا فاعِلِیْنَ میں ان نافیہ بھی ہوسکتا ہے، ای ما کنا فاعلین **قوله** مِمَّا تَصِفُوْنَ مفسر علام نے بہٖ کا اضافہ کرکے اشارہ کر دیا کہ مِمَّا میں مَا موصولہ ہے اور تصِفُون جملہ ہوکر اس کا صلہ ہے اور عائد بہٖ محذوف ہے، ما مصدریہ بھی ہوسکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی ولکم الویل من اجل وصفکم ایاه بما

لایلیق مِمّا تصِفُوْنَ استقر کے متعلق ہے ای اِستقر لکم الویل من اجل ما تصفون اللّٰہ بہ مما لایلیق بعزتہ **قولہ** مَنْ عِندہٗ ای مکرمٌ عندہٗ **قولہ** لایَسْتحسِرونَ (استفعال) جمع مذکر غائب منفی، وہ نہیں تھکتے **قولہ** لایَفتُرُوْنَ (ن) جمع مذکر غائب منفی، سستی نہیں کرتے اِتَّخذُوْا آلِھَۃ کائنۃً مِن الارض مفسر علام نے کائنۃ مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ من الارض کائنۃ کے متعلق ہوکر آلِھَۃً کی صفت ہے اور اتخذوا کا مفعول ثانی بھی ہوسکتا ہے اور من الارض اتخذوا فعل کے متعلق بھی ہوسکتا ہے **قولہ** لَوْ کَانَ فِیْھِما آلِھَۃٌ لَفَسَدَتَا لَوْ حرف شرط ہے اور کان تامہ ہے شرط ہے آلِھۃ اس کا فاعل ہے اور فیھما کان کے متعلق ہے اور الا بمعنی غیر، آلِھۃ کی صفت ہے اس کا اعراب مابعد میں ظاہر ہوا ہے **قولہ** لَفَسَدَتا جواب شرط ہے۔

فعل شرط کو مقدم اور جواب شرط کو تالی کہتے ہیں تالی کی نقیض کا استثنا مقدم کی نقیض کا نتیجہ دیتا ہے مطلب یہ ہوا لکنَّھما لم تَفسُدَا فَلَمْ یکُنْ فیھِمَا آلِھَۃ غیر اللّٰہ۔

تفسیر وتشریح

وَکَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَۃٍ ان آیات میں جن بستیوں کی تباہی کا ذکر ہے، بعض مفسرین نے قوم ثمود وقوم عاد کی بستیاں مراد لی ہیں، اور بعض نے یمن کی حضوراء اور قلابہ بستیوں کو اس کا مصداق قرار دیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ایک رسول بھیجا تھا جس کے نام میں روایات مختلف ہیں بعض نے موسیٰ بن میشا اور بعض نے شعیب بیان کیا ہے مگر یہ شعیبؑ مدین والے شعیبؑ نہیں ہیں ان کے علاوہ کوئی اور ہیں ان بستی والوں نے اللہ کے رسول کو قتل کردیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک کافر بادشاہ بخت نصر کو مسلط کردیا جس نے پوری قوم کو تہ تیغ کردیا، قرائن سے دوسرا قول راجح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ قوم نوح اور قوم ثمود وعاد وغیرہ کو صاعقہ اور صیحہ وغیرہ کے عذاب کے ذریعہ ہلاک کیا گیا تھا اور ان بستی والوں کو عذاب کے سلسلہ میں قصمنا کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں کاٹ کر رکھ دینا اور یہ تلوار کے ذریعہ ہوگا، لہٰذا اس سے بخت نصر کا عذاب مراد ہے جس نے ان بستی والوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔

جب بستی والوں نے عذاب کے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور بخت نصر کی آمد کا علم ہوا تو بستی چھوڑ کر بھاگنے لگے تو فرشتوں نے بطور استہزاء کہا بھاگو نہیں اپنے مکانات اور جہاں تم کو آسودگی دی گئی تھی اور جہاں تم نے عیش کیا تھا، مزے اڑائے تھے یعنی جب عذاب الٰہی سامنے آگیا تو چاہا کہ وہاں سے نکل بھاگیں اور بھاگ کر جان بچالیں، اس وقت تکوینی طور پر زبان حال سے یا فرشتوں نے کہا بھاگتے کہاں ہو ٹھہرو اور ادھر ہی واپس چلو جہاں عیش کیا کرتے تھے اور جہاں بہت سامان تنعم جمع کر رکھے تھے شاید وہاں کوئی تم سے پوچھے کہ جناب وہ مال ودولت اور زر وقوت کا نشہ کیا ہوا؟ اور وہ سامان عیش کہاں گیا؟ یا یہ کہ آپ بڑے آدمی تھے جن کی ہر موقعہ پر پوچھ ہوتی تھی اب بھی وہیں چلئے بھاگنے کی

ضرورت نہیں تاکہ لوگ اپنے مہمات میں آپ سے مشورہ کر سکیں اور آپ کی رائے دریافت کر سکیں۔ (یہ سب باتیں تہکماً کہی گئیں ہیں)

جب عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تب اپنے جرموں کا اعتراف کیا اور برابر یہی چلاتے رہے کہ بے شک ہم ظالم اور مجرم ہیں وہ کلمہ جس کی وہ رٹ لگا رہے تھے **یا وَیْلَنَا اِنَّا کُنَّا ظَالِمِیْنَ** تھا لیکن

اب پچھتائے کا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

یہ وقت قبولیت توبہ کا نہ تھا، اعتراف اور ندامت سب بیکار ثابت ہوئیں، آخر اس طرح ختم کر دیئے گئے جیسے کھیتی ایک دم کاٹ کر ڈھیر کر دی جاتی ہے یا آگ میں جلتی ہوئی لکڑی بجھ کر راکھ رہ جاتی ہے۔ (العیاذ باللہ) (فوائد عثمانی)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ الخ یعنی ہم نے زمین و آسمان اور عالم کون و مکان کو یوں ہی عبث و بے فائدہ صرف تفریح طبع کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ اس کی تخلیق میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، اسی طرح جن بستیوں کو تباہ و برباد کیا گیا ان کا تباہ کرنا بھی عین حکمت تھا۔

اگر ہم کو تفریح طبع ہی مقصود ہوتی تو اپنے پاس سے ہی کچھ چیزیں بنا لیتے اور اپنا شوق پورا کر لیتے اتنی لمبی چوڑی کائنات بنانے کی کیا ضرورت تھی؟

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ الخ یعنی تخلیق کائنات کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ ہے کہ یہاں حق و باطل کی جو معرکہ آرائی اور خیر و شر کے درمیان جو تصادم ہے اس میں ہم حق اور خیر کو غالب اور باطل اور شر کو مغلوب کریں، چنانچہ ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں جس سے باطل کا سر پاش پاش ہو کر بھیجہ نکل جاتا ہے اور چشم زدن میں باطل بے نام و نشان نیست و نابود ہو جاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ دنیا محض کھیل تماشہ نہیں بلکہ میدان کارزار ہے جہاں حق و باطل کی جنگ ہوتی ہے حق حملہ آور ہو کر باطل کے سر کو کچل ڈالتا ہے اور رب کی جانب جو بے سر و پا باتیں منسوب کرتے ہو مثلاً یہ کہ یہ کائنات ایک کھیل ہے اور ایک کھلنڈرے کا فضول شوق ہے، وغیرہ وغیرہ، یہ سب باتیں تمہاری ہلاکت کا باعث ہیں، اس لئے کہ اسے کھیل تماشہ اور عبث سمجھنے کی وجہ سے تم حق سے گریز اور باطل کو اختیار کرنے میں کوئی تامل اور خوف محسوس نہیں کرتے جس کا نتیجہ بالآخر تمہاری ہلاکت اور بربادی ہے۔

فرشتے باوجود مقربین بارگاہ ہونے کے شیخی اور تکبر نہیں کرتے، اپنے پروردگار کی بندگی اور غلامی پر فخر کرتے ہیں، وظائف عبودیت ادا کرنے میں کبھی سستی یا کاہلی کو راہ نہیں دیتے، شب و روز اس کی تسبیح اور یاد میں لگے رہتے ہیں نہ تھکتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں بلکہ تسبیح و ذکر ہی ان کی غذا ہے جس طرح ہم ہر وقت سانس لیتے ہیں اور دوسرے کام بھی کرتے رہتے ہیں، یہی کیفیت ان کے ذکر و تسبیح کی ہے۔

عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے کعب احبار سے پوچھا کہ فرشتوں کو تسبیح کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں، اگر

ہے تو پھر دوسرے کاموں کے ساتھ ہر وقت تسبیح کیسے جاری رہتی ہے؟ کعب نے فرمایا اے میرے بھتیجے کیا تمہارا کوئی کام اور مشغلہ سانس لینے سے روکتا ہے اور کام کرنے میں مخل اور مانع ہوتا ہے؟ فرشتوں کے لئے تسبیح ایسی ہے جیسا کہ انسانوں کے لئے سانس۔

سوال: جو کام زبان کے علاوہ دیگر اعضاء سے ہوتے ہیں ان میں اور تسبیح لسانی میں کوئی تمانع اور تضاد نہیں ہے، مگر زبان سے بیک وقت دو قسم کے کام کیسے ہو سکتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا جاعل الملائکۃ رُسُلاً ظاہر ہے کہ کار رسالت کی انجام دہی میں زبان کو استعمال کی بھی ضرورت پڑتی ہے تو اس وقت وہ تسبیح کا عمل کیسے جاری رکھ سکتے ہیں، دوسری جگہ فرمایا گیا ہے اُولٰئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ و الملائِکَۃِ ظاہر ہے کہ ملعونین پر اللہ اور فرشتوں کی لعنت کا تقاضہ یہ ہے کہ لعنت کرتے وقت تسبیح کا کام موقوف رہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتوں کے اعضاء متعدد ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت جبرائیل امین کے چھ سو بازو بتائے گئے ہیں، اسی طرح فرشتوں کی زبانیں بھی ایک سے زیادہ ہو سکتی ہیں، لہٰذا اب کوئی تضاد باقی نہیں رہا۔

اَمِ اتخذوا آلِھَۃً الخ یعنی یہ مشرکین کس قدر جاہل اور احمق ہیں کہ معبود بھی بنایا تو ایسی چیزوں کو کہ جن کے اندر نہ زندہ کرنے کی قدرت ہے اور نہ مارنے کی، حالانکہ معبود کے لئے اس قدرت کا ہونا ضروری ہے، معبود وہی ہو سکتا ہے کہ مخلوق کی موت و حیات اس کے قبضہ و قدرت میں ہو۔

لَوْ کانَ فیھِمَا آلھۃٌ یہ توحید کی دلیل عادی ہے جو عام عادات کے اعتبار پر مبنی ہے اور تعدد الٰہ کے ابطال پر نہایت پختہ اور واضح دلیل ہے، اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ عبادت کامل تذلل کا نام ہے، اور کامل تذلل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جا سکتا ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر طرح کامل ہو۔

اس دلیل عادی کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زمین اور آسمانوں میں دو خدا ہوں اور دونوں مالک و مختار ہوں تو ظاہر یہ ہے کہ دونوں کے احکام پورے پورے زمین و آسمان میں نافذ ہونے چاہئے اور عادۃً یہ ممکن نہیں کہ جو حکم ایک دے دوسرا بھی وہی حکم دے یا جس چیز کو ایک پسند کرے دوسرا بھی وہی پسند کرے اس لئے کبھی نہ کبھی اختلاف رائے اور اختلاف احکام ہونا ناگزیر ہے، اور جب دو خداؤں کے احکام زمین و آسمان میں مختلف ہوئے تو نتیجہ ان دونوں کا فساد کے سوا کیا ہوگا؟ مثلاً ایک خدا چاہے کہ اس وقت دن ہو اور دوسرا چاہے کہ رات ہو ایک چاہے کہ بارش ہو اور دوسرا چاہے کہ نہ ہو تو دونوں کے متضاد احکام کس طرح جاری ہوں گے، اور اگر ایک مغلوب ہو گیا تو وہ مالک و مختار نہ رہا جو خدا نہیں ہو سکتا، اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ دونوں مشورہ کر کے احکام جاری کیا کریں تو اس میں کیا بعد ہے؟ اس کے جواب کے سلسلہ میں یہاں صرف اتنا سمجھنا کافی ہے کہ اگر دونوں مشورہ کے پابند ہوئے کہ ایک دوسرے کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کر سکے تو اس

سے یہ لازم آتا ہے کہ ان میں سے ایک بھی مالک ومختار نہ ہو لہٰذا دونوں ناقص ہیں اور ناقص خدا نہیں ہوسکتا، غالباً اگلی آیت لایُسْئَلُ عما یفعل وھم یُسْئَلُون میں اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، جو کسی قانون کا پابند ہو اور جس کے اعمال وافعال پر کسی کو مواخذہ کرنے کا اختیار ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا، اگر دو خدا ہوں اور دونوں مشورہ کے پابند ہوں تو ہر ایک کو دوسرے سے سوال کرنے اور ترک مشورہ پر مواخذہ کرنے کا حق ہے جو خود منصب خدائی کے منافی ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ تعالٰی ای سِوَاہُ آلِھَۃً فیہ اِسْتِفْھَامُ تَوْبِیْخٍ قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ علٰی ذٰلک ولاسَبِیْلَ اِلَیْہِ ھٰذَا ذِکْرُ مَنْ مَّعِیَ ای اُمَّتِیْ وھو القُرْآنُ وَذِکْرُ مَنْ قَبْلِیْ من الاُمَمِ وھو التورٰۃُ والاِنْجِیْلُ وغیرُھُمَا مِن کُتُبِ اللّٰہِ لَیْسَ فِی وَاحِدٍ منھا اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا مِمَّا قَالوا تعالٰی عَن ذٰلک بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ الحَقَّ ای تَوْحِیْدَ اللّٰہِ فَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ عَنِ النَّظْرِ المُوْصِلِ اِلیہِ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا یُوْحٰی وفی قِرَاءَۃٍ بالنُّونِ وکَسْرِ الحَاءِ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ای وَحِّدُوْنِیْ وَقَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا مِنَ المَلَائِکَۃِ سُبْحَانَہٗ بَلْ ھم عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ عِنْدَہٗ والعُبُوْدِیَّۃُ تُنَافِی الوِلَادَۃَ لَایَسْبِقُوْنَہٗ بالقَوْلِ لایَاتُوْنَ بِقَوْلِھِمْ اِلَّا بَعْدَ قَوْلِہٖ وَھُمْ بِاَمْرِہٖ یَعْمَلُوْنَ ای بَعْدَہٗ یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَاخَلْفَھُمْ ای مَاعَمِلُوْا ومَاھم عَامِلُوْنَ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی تعالٰی اَنْ یُشْفَعَ لہ وَھُمْ مِّنْ خَشْیَتِہٖ تعالٰی مُشْفِقُوْنَ ای خَائِفُوْنَ وَمَنْ یَّقُلْ مِنْھُمْ اِنِّیْ اِلٰہٌ مِّنْ دُوْنِہٖ ای اللّٰہِ ای غَیْرِہٖ وھو اِبْلِیْسُ دَعَا اِلٰی عِبَادَۃِ نَفْسِہٖ واَمَرَ بِطَاعَتِھَا فَذٰلِکَ نَجْزِیْہِ جَھَنَّمَ کَذٰلِکَ کما نَجْزِیْہِ نَجْزِیْ الظّٰلِمِیْنَ ای المُشْرِکِیْنَ ع۲

ترجمہ

کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور معبود بنا رکھے ہیں؟ اس میں استفہام توبیخی ہے ان سے کہہ دو کہ لاؤ اس بات (یعنی اتخاذ الٰہ پر) اپنی دلیل پیش کرو ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے (نہ عقلی نہ نقلی) یہ میرے ساتھیوں کی کتاب موجود ہے یعنی میری امت کی اور وہ قرآن ہے اور مجھ سے پہلی امتوں کی (کتابیں) موجود ہیں اور وہ تورات وانجیل وغیرہما ہیں اللہ کی کتابوں میں سے، ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر معبود ہیں جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں، اللہ تو اس سے وراء الوراء ہے بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے یعنی اللہ کی توحید کو اسی وجہ سے حق تک پہنچانے والی دلیل سے اعراض کررہے ہیں آپ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف بھی یہی وحی بھیجی گئی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا میری بندگی کرو یعنی میری توحید کا اقرار کرو، ایک قرأت میں یوحی کے بجائے نُوْحِیْ ہے نون کے ساتھ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ یہ مشرک کہتے ہیں کہ رحمٰن نے فرشتوں میں سے اولاد بنا رکھی ہے اس کی ذات پاک ہے بلکہ وہ تو اس کے باعزت بندے ہیں اور عبودیت ولادت کے منافی ہے وہ اس سے

بڑھ کر بات نہیں کرتے یعنی وہ ازخود کوئی بات نہیں کرتے مگر اجازت کے بعد اور وہ اس کے حکم کے بعد اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ ان کے اگلے پچھلے تمام امور سے واقف ہے یعنی جو کر چکے ہیں اور جو آئندہ کریں گے اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اس کے کہ جس کے لئے اللہ راضی ہو کہ اس کی سفارش کی جائے اور وہ خدا تعالیٰ کی ہیبت سے لرزاں وترساں رہتے ہیں یعنی خائف رہتے ہیں اگر ان میں سے کوئی بھی کہے کہ میں خدا کے سوا معبود ہوں وہ ابلیس ہے جس نے اپنی بندگی کی دعوت دی اور اپنی طاعت کا حکم دیا تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے ہم ایسی ہی جیسی کہ اس کو سزا دیں گے ظالموں یعنی مشرکوں کو بھی سزا دیں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَمْ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَمْ استفہام توبیخی بمعنی بل ہے اور ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال کے لئے ہے، یعنی تعدد الٰہ کے بطلان کو ثابت کرنے کے بعد اتخاذ الٰہ متعددہ کے بطلان کو ظاہر فرما رہے ہیں **قوله هٰذا ذِكْرُ مَنْ مَعِىَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِىْ** هٰذا اسم اشارہ مبتداء ہے مشارہ الیہ کتب ساویہ ہیں، هٰذا مبتدا کی دو خبریں ہیں، خبر اول سے قرآن مراد ہے اور خبر ثانی سے قرآن کے علاوہ کتب ساویہ مراد ہیں، جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے **قوله وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ** یہ ماقبل کے مضمون کی تاکید ہے **قوله قالوا** کی ضمیر فاعلی عرب کے بعض فرقوں کی طرف راجع ہے جو کہ ملائکہ کے بارے میں خدا کی بیٹیاں ہونے کے قائل تھے، ان میں مشہور یہ ہیں ۱ خزاعہ ۲ جہینۃ ۳ بنو سلمہ ۴ بنو ملیح **قوله يَعلم مابين ايدِيْهم الخ** یہ جملہ مستانفہ ہے ماقبل کی علت اور مابعد کی تمہید ہے **قوله وَمَنْ يقل منهم** ملائکہ کا یہ قول بالفرض والتقدیر ہے ورنہ فرشتوں میں معصیت کی صلاحیت نہیں ہے، اور اگر يقل کا فاعل ابلیس کو قرار دیا جائے تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ وہ درحقیقت ملائکہ میں سے نہیں ہے اور دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ ابلیس نے کبھی الوہیۃ کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ وہ تو اَعبد الملائکہ تھا البتہ رحمت خداوندی سے مایوس ہو گیا ہے **وَاَمَرَ بطاعتِها** کا مطلب یہ ہے کہ اس نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ وہ اس کی بات مانیں اور توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کریں، یہی اس کا اپنی بندگی اور اطاعت کی طرف بلانا ہے **قوله كَذٰلك نجزيهٖ ذٰلك** مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور نَجْزِيْهٖ اس کی خبر ہے اور پورا جملہ جواب شرط ہونے کی وجہ سے محلاً مجزوم ہے۔

تفسیر وتشریح

اَمْ اتَّخَذُوْا مِنْ دونِهٖ الخ ذِكْرُ مَنْ مَعِىَ سے قرآن اور دوسرے ذکر سے سابقہ کتب ساویہ مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ قرآن میں اور اس سے قبل کی دیگر کتابوں میں صرف ایک ہی معبود کی الوہیت وربوبیت کا ذکر ملتا ہے لیکن یہ

مشرکین حق کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں اور بدستور توحید سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے واحد اور معبود برحق ہونے کی میرے پاس عقلی اور نقلی اور واقعاتی دلیلیں موجود ہیں عقلی دلیل کی طرف **لو کان فیھما آلِھَةٌ لَفَسَدَتَا** سے اشارہ کردیا اور نقلی دلیل کی طرف **ھٰذا ذکرُ مَنْ معیَ الخ** سے اشارہ کردیا، اور واقعاتی دلیل کی طرف **وَمَا اَرْسَلْنا من قبلِكَ مِن رَّسولٍ اِلاَّ نوحی الیه اَنّه لا اله اِلاَّ اَنا فاعْبُدُنِ** سے اشارہ کردیا یعنی واقعہ یہ ہے کہ آپ سے پہلے جتنے بھی ہم نے رسول بھیجے ہیں ان سب کا بھی یہی پیغام تھا کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں ہی بندگی کے لائق ہوں اور تمہارے پاس اگر کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہو تو اس کو پیش کرو **قُل ھَاتُوا بُرھانَکم**۔

لایَسْبِقُوْنَهٗ بالقَولِ الخ اس آیت سے مشرکین کے **الملائکة بناتُ اللّٰہِ** کے دعوے کی تردید ہے، یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی اولاد تو کیا ہوتے وہ تو ایسے خائف اور مؤدب رہتے ہیں کہ نہ قول میں اللہ سے سبقت کرتے ہیں نہ عمل میں کبھی اس کا خلاف کرتے ہیں، قول میں سبقت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک حق تعالیٰ ہی کی طرف سے اشارہ نہ ہو خود کوئی کلام نہیں کرتے، اس آیت میں چھوٹوں کے لئے بڑوں کے ادب کی تعلیم کی طرف بھی اشارہ ہے۔

وَمَنْ یقُلْ مِنھُمْ اگر مَنْ سے مراد ملائکہ کا فرد مراد ہے تو علی سبیل الفرض ہوگا اس کا وقوع ضروری نہیں، مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر فرشتہ ایسی بات کہتے تو ہم اس کو بھی جہنم کی سزا دیں گے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابلیس مراد ہو اس لئے کہ وہ بھی فرشتوں میں شامل تھا مگر اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ ابلیس نے کبھی بھی الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کبھی اپنی بندگی کی دعوت دی تو پھر مفسر علام کا یہ فرمانا کہ ابلیس نے اپنی عبادت کی طرف لوگوں کو بلایا تو اس کا جواب یہ ہے اپنی بندگی کی دعوت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی اتباع اور بات ماننے کی دعوت دی تھی اسی کو شیطان کی عبادت سے تعبیر کردیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد صاحب سے کہا تھا **یَا اَبَتِ لاتَعبد الشیطان** حالانکہ آزر شیطان کی بندگی نہیں کرتا تھا بلکہ شیطان کے کہنے اور بہکانے سے بتوں کی بندگی کرتا تھا، بے چوں و چرا شیطان کی بات ماننے کو ہی شیطان کی بندگی کہا گیا ہے۔

اَوَلَمْ بواو وترکِھا **یَرَ یَعْلَمِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا** ای سَدًّا بمعنی مَسْدُوْدَةً **فَفَتَقْنٰھُمَا** ط ای جَعَلْنَا السَّماءَ سَبْعًا والاَرْضَ سَبْعًا او فَتْقُ السَّمَاءِ اَنْ کَانَتْ لَا تُمْطِرُ فَاَمْطَرَتْ وفَتْقُ الاَرْضِ اَن کَانَتْ لاتُنْبِتُ فَاَنْبَتَتْ **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ** النَّازِلِ مِنَ السَّماءِ والنَّابِعِ مِنَ الاَرْضِ **کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ** ط نَباتٍ وغَیرِہ ای فَالماءُ سَبَبٌ لِحَیٰوتِهٖ **اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ** ۝ بتَوحِیْدِی **وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ** جِبالاً ثَوابِتَ لِ اَنْ لَا **تَمِیْدَ** تَتَحَرَّكَ **بِھِمْ وَجَعَلْنَا فِیْھَا** ای الرَّوَاسِی

فِجَاجًا مَسَالِكَ سُبُلًا بَدَلٌ اى طُرُقًا نافِذَةً وَاسِعَةً لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ○ الى مقاصِدِهِمْ فى الاَسْفَارِ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا لِلْاَرْضِ كَالسَّقْفِ لِلْبَيْتِ مَحْفُوْظًا عَنِ الْوُقُوْعِ وهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا من الشَّمْسِ والقَمَرِ والنُّجُوْمِ مُعْرِضُوْنَ○ لايَتَفَكَّرُوْنَ فيها فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ خَالِقَهَا لَاشَرِيْكَ له وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالقَمَرَ ط كُلٌّ تَنْوِيْنُهُ عِوَضٌ عَنِ المُضَافِ اليه مِنَ الشَّمْسِ والقَمَرِ وتَابِعِهِ وهو النُّجُوْمُ فِىْ فَلَكٍ اى مُسْتَدِيْرٍ كالطَّاحُوْنَةِ فِى السَّمَاءِ يَّسْبَحُوْنَ○ يَسِيْرُوْنَ بِسُرْعَةٍ كالسَّابِحِ فِى الماءِ ولِلتَّشْبِيْهِ به اُتِىَ بِضَمِيْرِ جَمْعِ مَنْ يَّعْقِلُ ونَزَلَ لَمَّا قالَ الكُفَّارُ اَنَّ مُحَمَّدًا سَيَمُوْتُ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ط اى البَقَاءَ فِى الدُّنْيَا اَفَاْئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الخٰلِدُوْنَ○ فيها لا، فالجُمْلَةُ الاَخِيْرَةُ مَحَلُّ الاِسْتِفْهَامِ الاِنْكَارِىِّ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ المَوْتِ ط فى الدُّنْيَا وَنَبْلُوْكُمْ نَخْتَبِرُكُم بِالشَّرِّ وَالخَيْرِ كَفَقْرٍ وغِنًى وسَقْمٍ وصِحَّةٍ فِتْنَةً ط مَفْعُوْلٌ له اى لِنَنْظُرَ اَتَصْبِرُوْنَ وتَشْكُرُوْنَ اولا وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ○ فَيُجَازِيكم وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْآ اِنْ ما يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اى مَهْزُوًّا به يَقُوْلُوْنَ اَهٰذَا الَّذِىْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ج اى يَعِيْبُهَا وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ لهم هُمْ تاكيدٌ كٰفِرُوْنَ○ به اذ قَالُوْا ما نَعْرِفُه ونَزَلَ فى اِسْتِعْجَالِهِمُ العَذَابَ خُلِقَ الاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ط اى انه لِكَثْرَةِ عَجَلِهِ فِى اَحْوَالِهِ كَاَنَّهُ خُلِقَ منه سَاُرِيْكُمْ اٰيٰتِىْ مَوَاعِيْدِىْ بِالعَذَابِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ○ فيه فَاَرَاهُم القَتْلَ بِبَدْرٍ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الوَعْدُ بِالقِيٰمَةِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ فيه قَالَ تعالٰى لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ يدفعون عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَاهُمْ يُنْصَرُوْنَ○ يُمْنَعُوْنَ منها فى القِيٰمَةِ وجَوَابُ لو ماقالوا ذٰلك بَلْ تَاْتِيْهِمُ القِيٰمَةُ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ تُحَيِّرُهم فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ○ يُمْهَلُوْنَ لِتَوْبَةٍ او مَعْذِرَةٍ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فيه تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِىِّ صلى اللّٰهُ عليهِ وسَلَّمَ فَحَاقَ نَزَلَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ○ ع وهو العَذَابُ فكذا يَحِيْقُ بِمَنْ اِسْتَهْزَأَ بِكَ.

ترجمہ

کیا کافر یہ نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین (منہ) بند تھے؟ اَوَلَمْ میں واؤ اور ترک واؤ دونوں ہیں رَتْقًا بمعنی سَدًّا ہے اور سَدًّا بمعنی مَسْدُوْدًا ہے پھر ہم نے ان کو کھول دیا یعنی سات آسمان اور سات زمین بنا دیں یا فتق سماء کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے بارش نہیں ہوتی تھی پھر بارش ہونے لگی، اور فتق ارض کا مطلب یہ ہے کہ زمین اگاتی نہیں تھی پھر اگانے لگی اور ہم نے آسمان سے برسنے والے اور زمینی چشموں سے نکلنے والے پانی سے ہر جاندار کو بنایا گھاس وغیرہ

کو لہٰذا پانی ہر جاندار کے لئے سبب حیات ہے پھر بھی میری توحید پر ایمان نہیں لاتے اور ہم نے زمین پر ثابت رہنے والے پہاڑ بنائے تاکہ وہ مخلوق کو لیکر (اضطرابی) حرکت نہ کرے اور ہم نے ان میں یعنی پہاڑوں میں کشادہ راستے بنادیئے سُبُلاً، فجاجًا سے بدل ہے یعنی آر پار کشادہ راستے تاکہ لوگ سفر کے دوران اپنی منزل مقصود تک رسائی حاصل کر سکیں اور ہم نے آسمان کو زمین کے لئے گرنے سے محفوظ چھت بنادیا جیسا کہ گھر کی چھت ہوتی ہے اور یہ لوگ (آسمان میں موجود) شمس و قمر کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں یعنی آسمان کی نشانیوں میں غور فکر نہیں کرتے تاکہ ان کو اس بات کا علم ہو جائے کہ اس کا خالق وہ ہے کہ جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ وہ ذات ہے کہ اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے کُلٌّ کی تنوین مضاف الیہ یعنی شمس و قمر کے عوض میں ہے اور مضاف الیہ کے تابع کے عوض میں ہے اور وہ نجوم ہیں ان میں سے ہر ایک فلک میں یعنی چکی کے مانند اپنے آسمانی مدار میں تیر رہا ہے یعنی تیزی سے چل رہا ہے جیسا کہ تیرنے والا پانی میں تیزی سے چلتا ہے اور تیرنے والے کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ سے یَسْبَحُوْنَ واو نون کے ساتھ جمع لائے ہیں جو کہ ذوالعقول کے لئے ہے اور جب کافروں نے یہ کہا کہ محمد عنقریب مرجائیں گے تو وَمَا جَعَلْنَا لبشرٍ مِن قَبْلِكَ الخُلد نازل ہوئی یعنی ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کو دوام یعنی دنیا میں دائمی بقاء عطا نہیں کی، پس اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ دنیا میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے؟ نہیں، جملہ اخیرہ (یعنی فَاِن مِتَّ) ہمزہ استفہام انکاری کے محل میں ہے ہر جاندار کو دنیا میں موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تم کو پرکھنے کے لئے بری اور اچھی حالت مثلاً فقر اور غنا اور مرض اور صحت سے آزمائیں گے فِتنةً مفعول لہ ہے یعنی تاکہ ہم دیکھیں کہ تم صبر و شکر کرتے ہو یا نہیں، اور تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے تو ہم تم کو بدلہ دیں گے اور یہ کافر جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا مذاق اڑانے لگتے ہیں یعنی آپ کا مذاق بناتے ہیں، اور آپس میں کہتے ہیں کہ کیا یہی صاحب ہیں وہ جو تمہارے معبودوں کا ذکر برائی سے کیا کرتے ہیں؟ اور یہ لوگ رحمان کے ذکر کے منکر ہیں جبکہ ان لوگوں نے کہا ہم رحمٰن کو نہیں جانتے اور ان کے عذاب کو جلدی طلب کرنے کے بارے میں آیت خُلِقَ الانسان مِنْ عجلٍ نازل ہوئی یعنی انسان اپنے احوال کے بارے میں عجلت پسندی کی وجہ سے گویا کہ انسان عجلت (کے مادہ) سے بنا ہوا ہے، ہم عنقریب آپ کو اپنی نشانیاں یعنی میرے عذاب کے وعدے دکھائے دیتے ہیں لہٰذا اس بارے میں مجھ سے جلدی مت کرو چنانچہ ان کو بدر میں قتل کا عذاب دکھا دیا اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ وہ قیامت کا وعدہ کب آئے گا، اگر تم عذاب کے وعدے میں سچے ہو، کاش کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی کہ جب یہ کافر آگ کو نہ اپنے آگے سے روک سکیں دفع کر سکیں گے اور نہ پیچھے سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی یعنی وہ قیامت کے دن عذاب سے نہیں بچائے جائیں گے اور لَوْ کا جواب ماقالوا ذٰلك ہے بلکہ قیامت ان کو ایک دم آلے گی سو ان کو بدحواس متحیر کر دے گی پھر نہ ان کو اس کے ہٹانے کی قدرت ہوگی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی یعنی توبہ یا عذر خواہی کی مہلت نہ دی جائے گی آپ سے پہلے

جو پیغمبر گذر چکے ہیں ان کے ساتھ بھی تمسخر کیا گیا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے، سو ہنسی کرنے والوں کو ہی اس چیز نے گھیرلیا (نازل ہوگئی) جس کی وہ ہنسی اڑاتے تھے اور وہ عذاب ہے لہٰذا اسی طریقہ سے (عذاب) ان لوگوں کو بھی آگھیرے گا جو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله اَوَلَمْ يَرَ ہمزہ فعل محذوف پر داخل ہے اور واو عاطفہ کے ذریعہ یَرَ کا محذوف پر عطف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا وَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ السَّمٰوٰت والاَرْضِ كانَتَا رَتْقًا كانَتَا تثنیہ کا صیغہ ہے حالانکہ اس کی ضمیر سمٰوٰت والارض کی طرف راجع ہے جو کہ جمع ہیں لہٰذا مرجع اور ضمیر میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب: دونوع یا دو جنس مراد ہیں، اس لئے آسمان ایک نوع ہے اور زمین دوسری نوع ہے اور رویتہ سے رویت قلبی مراد ہے، واو کے ساتھ اور ترک واو کے ساتھ دونوں قرأتیں ہیں، **قوله** رَتْقًا كانَتَا کی خبر ہے مصدر ہونے کی وجہ سے مفرد استعمال ہوئی ہے، مبالغۃً حمل بھی درست ہے اور مضاف محذوف مان کر بھی حمل درست ہے ای ذوی رَتْقٍ ای كانتا شيئًا واحدًا مفسر علام نے بمعنی مسدودۃً مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ مصدر بمعنی اسم مفعول ہے رَتْقًا (ن) مصدر ہے منہ بند، ملا ہوا، جڑا ہوا، یہاں مصدر اسم مفعول یا اسم فاعل کے معنی میں ہے فَتْقًا (ن،ض) پھاڑنا، کھولنا، الگ کرنا **قوله** وَجَعَلْنَا مِنَ المَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اگر جَعَلَ بمعنی صَيَّرَ ہو تو متعدی بدو مفعول ہوگا، اور جار مجرور اپنے متعلق محذوف نَاشِيًا یا مُتَسَبِّبًا سے متعلق ہو کر مفعول ثانی مقدم ہوگا اور كُلَّ شَيْءٍ مفعول اول مؤخر ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی وجَعَلْنَا نَاشِيًا من الماءِ كُلَّ شيءٍ حَيّ اور اگر جعل بمعنی خَلَقَ ہو تو متعدی بیک مفعول ہوگا اور وہ كلَّ شيءٍ حَيٍّ ہے اور من الماء جار مجرور سے مل کر جعلنا کے متعلق ہے **قوله** رَوَاسِيَ رواسِيَ جمع راسِيَةٍ اَوْ راسي بمعنی راسخ وثابت اور مختار میں ہے کہ جبال ثابت کو بھی راسية کہتے ہیں، رَسَا الشَّيءَ سے ماخوذ ہے جبکہ شئ ثابت اور مستقر ہوجائے، مفسر علام نے، لَا، مقدر مانا ہے تاکہ ان تميدَ بِهَا کا علت بننا صحیح ہوجائے، اس لئے پہاڑوں کا قیام عدم تحرک کے لئے ہے نہ کہ تحرک کے لئے فِجَاجًا دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستہ فجاج کا واحد فَجٌّ ہے جیسے سِهَام کا واحد سَهْمٌ ہے **قوله** وللتشبيه به اَتٰى بضمير جمعِ مَنْ يَعْقِل اس پوری عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے يَسْبَحُون کا فاعل شمس وقمر اور نجوم ہیں جو کہ غیر ذوالعقول ہیں ان کے لئے جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہونا چاہئے نہ کہ جمع مذکر غائب کا اور واو نون کے ساتھ جمع تو ذوالعقول کی لائی جاتی ہے نہ کہ غیر ذوالعقول کی۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ شمس وقمر کی طرف يَسْبَحُوْنَ کی نسبت کی گئی ہے اور سَبْحٌ یعنی تیرنا

ذوالعقول کا فعل ہے تو اس مناسبت سے یَسْبَحُونَ کو واؤ نون کے ساتھ لایا گیا ہے، **عدم الخلد** کو بشر کے ساتھ خاص کیا حالانکہ دیگر ذی روح بلکہ کائنات کی کسی شئ کے لئے خلود فی الدنیا نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ ان کا سوال بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے موت کی توقع بشر ہونے کی حیثیت ہی سے تھی **قوله** فالجملة الاخيرة محل الاستفهام الانكاری اس عبارت کا مقصد بھی ایک شبہ کا ازالہ ہے، شبہ یہ ہے کہ ہمزہ استفہام انکاری فَاِنْ مُتَّ پر داخل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی موت کا بھی انکار ہے اور ان کے خلود کا بھی، حالانکہ مقصد ان کے خلود کا انکار ہے، جواب کا ماحصل یہ ہے کہ ہمزہ دراصل جملہ اخیرہ ہی پر داخل ہے مگر چونکہ ہمزہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لئے اس کو جملہ کے شروع میں لایا گیا ہے ورنہ اصل تقدیر عبارت یہ ہے اَفَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ اِنْ مُتَّ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ نفس سے مراد نفس ناطقہ ہے اور موت سے مراد قوتِ حیوانیہ کا زوال اور روح کا جسد سے انفصال ہے اور ذائقہ سے مراد یہاں ادراك بالقوة الذائقة نہیں ہے اس لئے کہ موت مطعومات کے قبیل نہیں ہے بلکہ مطلقاً ادراک مراد ہے، اور ادراک سے بھی موت کے مبادیاتِ موت مثلاً آلام وغیرہ کا ادراک مراد ہے اس لئے کہ موت کا ادراك دخول فی الجسد سے پہلے ممکن نہیں ہے اور دخول کے بعد انسان مردہ ہو جاتا ہے اس وقت ادراک ممکن نہیں رہتا **قوله** فِتْنَةً اس کے منصوب ہونے کی تین وجہ ہو سکتی ہیں ۱ نَبْلُوْكُم کا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ۲ مصدر موضع حال میں واقع ہونے کی وجہ سے ای نَبْلُوَكُم فاتنينَ ۳ نبلوكم کا مفعول مطلق بغیر لفظہ ہونے کی وجہ، اس لئے کہ تَبْلُو اور فتنةً دونوں متحد المعنی ہیں وَاِذَا رَآكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اس جملہ کا عطف ماسبق میں وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى پر ہے، اور شرط ہے أهٰذَا الَّذِیْ یذکر آلِهَتَكم اس کی جزاء ہے جزاء سے پہلے یقولون مقدر ہے اور اِن یتخذونك الاَّ هُزُوًا شرط وجزاء کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور هُزُوًا مصدر مفعول کے معنی میں ہے وهُمْ بِذِكْرِ الرحمٰنِ هُمْ كافرُوْنَ اول هم مبتداء ہے ثانی هم اس کی تاکید ہے کافرون اس کی خبر ہے اور بذکر الرحمٰن، کافرون سے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے هم كافرون بذكر الرحمٰن اور وهم بذكر الرحمٰن الخ جملہ حالیہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، مفسر علیہ الرحمۃ نے لَهُمْ کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ذکر مصدر کی اضافت رحمٰن کی جانب یہ اضافت مصدر الی الفاعل ہے، اور بعض حضرات نے اضافت مصدر الی المفعول بھی کہا ہے اس وقت تقدیر عبارت وذكرهم الرحمٰن بالتوحيدِ ہوگی (جمل) **قوله** خُلِقَ مِنْ عجلٍ ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جائے خُلِقَ مِنْ طِيْنٍ ہر انسان چونکہ فطرةً ہر معاملہ میں جلد باز واقع ہوا ہے گویا کہ اس کی پیدائش عجلت کے خمیر سے ہے اسی لئے بطور مبالغہ خُلِقَ من عَجَل کہا گیا ہے **قوله** لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لايَكُفُّوْنَ الآية لو شرطیہ ہے اور جواب محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے ای لَوْ يعلم ما قالوا ذٰلك (ای متی هٰذا الوعد) اور **قوله** حِيْنَ يعلم کا مفعول بہ ہے نہ ظرف، ترجمہ یہ ہوگا اگر یہ کافر اس وقت کو جان لیں کہ جب یہ عذاب دفع نہ کر سکیں گے

قوله ماکانوا به حاق کا فاعل ہے اور هو العذاب میں هو کا مرجع ما ہے۔

تفسیر وتشریح

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اس جگہ رویت سے مطلقاً علم مراد ہے خواہ وہ آنکھوں سے حاصل ہو یا استدلال اور عقل سے، اس لئے کہ آئندہ جو مضمون آرہا ہے اس میں سے کچھ کا تعلق مشاہدہ سے ہے اور کچھ کا علم استدلالی ہے، اس آیت میں رتق اور فتق کے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں، رتق کے معنی بند ہونے اور فتق کے معنی کھول دینے کے ہیں ان کے مجموعہ کو رتق وفتق کہتے ہیں، اس کا ایک مفہوم کسی کام کے انتظام اور اس کے پورے اختیار کے ہیں، رتق وفتق یعنی حل وعقد کا مختار ہونا، آیت کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے آسمان اور زمین بند تھے ہم نے ان کو کھولدیا، کھولنے اور بند ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس کی مراد میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں جمہور صحابہ اور جمہور مفسرین نے آسمان کے بند ہونے سے بارش کا نہ ہونا اور زمین کے بند ہونے سے پیداوار کا بند ہونا مراد لیا ہے اور کھولنے سے ان دونوں کا جاری ہونا مراد لیا ہے۔
بعض مفسرین نے رتق اور فتق کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ابتداء میں زمین وآسمان ایک تھے دونوں باہم ملے ہوئے تھے ہم نے دونوں کو الگ کردیا، علامہ شبیر احمد عثمانی نے مذکورہ دونوں تفسیروں کو بڑی خوبی سے جمع کردیا ہے، فرماتے ہیں کہ رتق کے اصل معنی ملنے اور ایک دوسرے میں گھسنے کے ہیں ابتداءً زمین وآسمان دونوں ظلمتِ عدم میں ایک دوسرے سے غیر متمیز پڑے تھے پھر وجود کے ابتدائی مراحل میں دونوں خلط ملط رہے، بعدۂ قدرت کے ہاتھ نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا اس تمیز کے بعد ہر ایک کے طبقات الگ الگ بنے اس پر بھی منہ بند تھے، نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے روئیدگی آخر خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے دونوں کے منہ کھول دیئے اوپر سے پانی کا دہانہ کھلا، نیچے سے زمین کے مسام کھل گئے اسی زمین سے حق تعالیٰ نے نہریں اور کانیں اور طرح طرح کے سبزے نکالے آسمان کو بے شمار ستاروں سے آراستہ کیا جن میں سے ہر ایک کا مدار اور چال جدا جدا ہیں، وَجَعَلْنَا مِنَ الماءِ کل شیءٍ حیٍّ اس جملہ سے پہلی تفسیر کا راجح ہونا معلوم ہوتا ہے، بحر محیط میں اسی کو اختیار کیا ہے، ہر جاندار کی تخلیق میں پانی کا دخل ضرور ہے، اور جاندار اور ذی روح اہل تحقیق کے نزدیک صرف حیوانات ہی نہیں ہیں بلکہ نباتات بلکہ جمادات میں بھی روح محققین کے نزدیک ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ پانی کو ان سب چیزوں کی تخلیق وارتقاء میں بڑا دخل ہے۔

زمین کو جب ابتداءً پیدا کیا گیا تو اس میں اضطرابی حرکت تھی قرآن میں اس کے لئے تمید کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، مَیْدٌ عربی میں اضطرابی حرکت کو کہتے ہیں، آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کا بوجھ اس کا توازن برقرار رکھنے کے لئے ڈالدیا ہے تاکہ اس کی لرزش اور اضطرابی حرکت موقوف ہوجائے اور حیوانوں کے لئے رہنے اور بسنے کے قابل ہوجائے۔ (مزید تفصیل کے لئے تفسیر کبیر کی طرف رجوع کریں)

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ فلک دراصل ہر دائرے اور گول چیز کو کہا جاتا ہے اسی وجہ سے چرخ میں جو گول چمڑا لگا رہتا ہے اس کو فلكة المغزل کہتے ہیں (روح) اسی مناسبت سے آسمان کو فلک کہتے ہیں، یہاں شمس وقمر کے مدار مراد ہیں جن پر وہ حرکت کرتے ہیں، الفاظ قرآن میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ مدار آسمان کے اندر ہیں یا باہر فضاء میں، حالیہ تحقیقات نے واضح کردیا ہے کہ یہ مدار خلا میں آسمان سے بہت نیچے ہیں، تمام سیارے اپنے اپنے مدار میں گردش کررہے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِن قبلكَ الخلد سابقہ آیات میں کفار ومشرکین کے باطل دعووں اور مشرکانہ عقیدوں کی جن میں حضرت مسیح وعزیر وغیرہ کو خدا کا شریک یا فرشتوں اور مسیح کو خدا کی اولاد کہا گیا ان گمراہ کن عقائد کی تردید واضح دلائل کے ساتھ آئی ہے جس کا مخالفین کے پاس کوئی جواب نہ تھا ایسے موقعہ پر جب مخالف حجت اور دلیل سے مغلوب ہوجاتا ہے تو جھنجلاہٹ میں بے تکی اور بے جوڑ باتیں کرنے لگتا ہے، اسی کا نتیجہ تھا کہ مشرکین مکہ اس کی تمنا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد وفات ہوجائے جیسا کہ بعض روایات میں ہے، قرآن عزیز نے بھی ان کے اس مقولہ کو ذکر کیا ہے جس میں انہوں نے آپ کی موت کی تمنا اور خواہش کا اظہار کیا ہے، مذکورہ آیت میں حق تعالیٰ نے ان کی اس بیہودہ تمنا اور آرزو کے دو جواب دئے ہیں وہ یہ کہ اگر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد ہی وفات ہوگئی تو تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟ اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ جب ان کی موت ہوجائے گی تو ہم لوگوں کو بتلائیں گے کہ یہ نبی اور رسول نہیں تھے ورنہ تو موت نہ آتی تو اس کا یہ جواب دیا کہ جن انبیاء کی نبوت کو تم بھی مانتے ہو کیا ان کو موت نہیں آئی؟ جب ان کی موت سے ان کی نبوت اور رسالت میں کوئی فرق نہیں آیا تو آپ کی موت سے آپ کی نبوت کے خلاف کوئی پروپیگنڈہ کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر تمہارا مقصد آپ کی وفات سے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنا ہے تو یاد رکھو کہ موت کا یہ مرحلہ تمہیں بھی درپیش ہے آخر تمہیں بھی مرنا ہے پھر کسی کی موت سے خوش ہونے کے کیا معنی؟ ؎

گر بمرد عدو جائے شادمانی نیست
زندگانی ما نیز جاودانی نیست

(سعدی)

كُلُّ نفسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ یعنی ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، یہاں ہر نفس سے نفوس ارضیہ مراد ہیں یعنی زمینی جانداروں کو موت آنا لازمی ہے، نفوس ملائکہ اس میں داخل نہیں ہیں، قیامت کے دن فرشتوں کو بھی موت آئے گی یا نہیں اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک لحظہ کے لئے تو سب پر موت طاری ہوجائے گی خواہ انسان اور نفوس ارضیہ ہوں یا فرشتے اور نفوس سماویہ، بعض مفسرین نے کہا ہے فرشتے اور جنت کے حور وغلمان مستثنیٰ ہیں۔ (روح المعانی)

ذائقة الموت سے اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ ہر نفس موت کی خاص تکلیف محسوس کرے گا کیونکہ مزہ چکھنے کا محاورہ ایسے ہی موقعہ پر استعمال ہوتا ہے۔

وَنَبْلُوكم بالشرو الخير فتنةً یعنی خیر و شر کے ذریعہ ہم انسان کی آزمائش کرتے ہیں، شر سے مراد ہر خلاف طبع چیز ہے، جیسے بیماری رنج و غم اور فقر و فاقہ اور خیر سے اس کے بالمقابل ہر مرغوب طبع چیز ہے جیسے صحت و عافیت خوشی وراحت مذکورہ دونوں قسم کی چیزیں اس دنیا میں آزمائش کیلئے دی جاتی ہیں یعنی اس بات کی آزمائش کرنا ہوتا ہے کہ خلاف طبع امور پر صبر کرکے اس کا حق ادا کرتا ہے یا نہیں اسی طرح مرغوب خاطر چیزوں پر شکر کرکے اس کا حق ادا کرتا ہے یا نہیں

خلق الانسان من عجل الخ یہ کفار کے مطالبہ عذاب کے جواب میں ہے، مطلب یہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں جس طرح کچھ کمزوریاں ہیں ان میں سے ایک کمزوری عجلت کی بھی ہے اور جو چیز طبیعت اور جبلت میں داخل ہوتی ہے عرب اس کو اسی عنوان سے تعبیر کرتے ہیں یعنی یہ شخص اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جیسے اگر کسی کے مزاج میں غصہ غالب ہو تو کہا جائے گا کہ یہ غصہ کا بنا ہوا آدمی ہے، چنانچہ کفار کی جلد بازی کا نتیجہ غزوہ بدر وغیرہ میں کفار کو کھلی آنکھوں دکھادیا۔

قُلْ لهم **مَنْ يَكْلَؤُكُمْ** يَحْفَظُكم **بالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحمٰنِ** ؕ من عَذَابِهٖ اِنْ نَزَلَ بكم اى لا اَحَدَ يَفْعَلُ ذٰلك والمُخَاطَبُوْنَ لايَخافُوْنَ عَذَابَ اللّٰهِ لِاِنْكارِهم له **بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ** اى القُرْاٰن **مُّعْرِضُوْنَ**۝ لايَتَفكَّرُوْنَ فيه **اَمْ** فيها مَعْنى الهَمْزَةِ الاِنْكارِيِّ اى **اَلَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ** مما يَسُوْؤُهُم **مِّنْ دُوْنِنَا** اى اَلَهُمْ مَنْ يَّمْنَعُهُم منه غَيْرُنا لا **لَايَسْتَطِيْعُوْنَ** اى الاٰلِهَةُ **نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ** فَلَا يَنْصُرُوْنَهُمْ **وَلَا هُمْ** اى الكُفَّارُ **مِّنَّا** من عَذَابِنَا **يُصْحَبُوْنَ**۝ يُجَارُوْنَ يُقال صَحِبَكَ اللّٰهُ اى حَفِظَكَ واَجَارَكَ **بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ** بما اَنْعَمْنَا عَلَيْهِمْ **حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ** ؕ فَاغْتَرُّوْا بذٰلِكَ **اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ** نَقْصُدُ اَرْضَهُمْ **نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا** ؕ بالفَتْحِ على النَّبِيِّ **اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ**۝ لا بَلِ النَّبِيُّ واَصْحَابُهٗ **قُلْ** لهم **اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ** مِنَ اللّٰهِ لا مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ **وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا** بتَحْقِيْقِ الهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بَيْنَها وبَيْنَ اليَاءِ **مَا يُنْذَرُوْنَ**۝ اى هم لِتَرْكِهم العَمَلَ بما سَمِعُوْهُ مِنَ الاِنْذارِ كالصُّمِّ **وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ** وَقْعَةٌ خَفِيْفَةٌ **مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰ** للتَّنْبِيْهِ **وَيْلَنَآ** هَلاكَنا **اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ**۝ بالاِشْرَاكِ وتَكْذِيْبِ مُحَمَّدٍ **وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ** ذَوَاتِ العَدْلِ **لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ** اى فيه **فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا** ؕ من نَقْصِ حَسَنَةٍ اوزِيَادَةِ سَيِّئَةٍ **وَاِنْ كَانَ** العَمَلُ **مِثْقَالَ** زِنَةَ **حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا** ؕ اى بِمَوْزُوْنِها **وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ**۝ مُحْصِيْنَ في كُلِّ شَيْءٍ **وَلَقَدْ اٰتَيْنَا**

مُوْسٰی وَهَارُوْنَ الفُرْقَانَ ای التَّوْرٰةَ الفَارِقَةَ بَیْنَ الحَقِّ والبَاطِلِ وَالحَلَالِ وَالحَرَامِ وَضِیَآءً بِهَا وَّذِکْرًا ای عِظَةً بِهَا لِّلْمُتَّقِیْنَ۝ۙ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالغَیْبِ عَنِ النَّاسِ ای فِی الخَلَاءِ عَنْهُمْ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ ای اَهْوَالِهَا مُشْفِقُوْنَ۝ ای خَائِفُوْنَ وَهٰذَا ای القُرْاٰنُ ذِکْرٌ مُّبَارَکٌ اَنْزَلْنَاهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْکِرُوْنَ۝ۧ الاِسْتِفْهَامُ فِیْهِ لِلتَّوْبِیْخِ.

ترجمہ

اے محمدؐ ان تمسخر کرنے والوں سے کہئے رحمان کے عذاب سے رات اور دن کون ہے جو تمہاری نگرانی حفاظت کرتا ہے اگر تم پر عذاب نازل ہونے لگے (اللہ کے سوا) ایسا کوئی نہیں کرتا، اور یہ مخاطبین عذاب الٰہی سے نہیں ڈرتے اس عذاب کے منکر ہونے کی وجہ سے بلکہ یہ لوگ اپنے رب کے ذکر یعنی قرآن سے اعراض کرتے ہیں یعنی اس میں غور و فکر نہیں کرتے اَمْ اس میں ہمزہ معنیٰ انکاری کے لئے ہے کیا ان کے پاس ہمارے علاوہ ایسے معبود ہیں جو ان کو (ان کی تکلیف) عذاب سے بچا سکیں؟ یعنی کیا ان کے پاس ہمارے علاوہ کوئی ایسی ذات ہے جو ان کو عذاب سے بچا سکے کوئی نہیں وہ معبودان (باطلہ) خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تو وہ ان کی کیا حفاظت کر سکیں گے اور نہ وہ کفار ہمارے عذاب سے بچائے جائیں گے صَحِبَكَ اللّٰه بولا جاتا ہے یعنی اللہ تیری حفاظت کرے اور تجھ کو (آفات) سے بچائے ہم نے ان کو اور ان کے آباء و اجداد کو ان پر اپنی نعمتوں کے ذریعہ خوب ساز و سامان عطا کئے یہاں تک کہ (اسی حالت) میں ان پر زمانہ دراز گذر گیا چنانچہ اسی وجہ سے وہ دھوکے میں پڑ گئے کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم ان کی زمین کا قصد کر رہے ہیں یعنی (ان کی) زمین کو چاروں طرف سے گھٹاتے چلے جا رہے ہیں آپ کو غلبہ عطا کر کے سو کیا یہ لوگ غالب آئیں گے نہیں بلکہ آپ اور ان کے اصحاب (ہی غالب رہیں گے) آپ ان سے کہہ دیجئے میں تو تم کو اللہ کی جانب سے نہ کہ اپنی جانب سے وحی کے ذریعہ آگاہ کرتا ہوں اور یہ بہرے بات نہیں سنتے جب ان کو آگاہ کیا جاتا ہے دونوں ہمزوں کو محقق کر کے اور ثانی ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ ہمزہ اور ی کے درمیان یعنی بہرے کے مانند سنی ہوئی تنبیہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے (گویا کہ حقیقت میں یہ بہرے ہیں) اگر ان کو تیرے رب کے عذاب کا ایک ہلکا سا جھونکا لگ جائے تو پکار اٹھیں ہائے ہماری کمبختی یعنی ہماری ہلاکت واقعی ہم شرک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی وجہ سے خطاوار تھے اور ہم قیامت کے دن درست میزان عدل قائم کریں گے تو کسی پر اصلاً ظلم نہ کیا جائے گا نیکیوں کو کم کر کے یا گناہوں میں اضافہ کر کے اور اگر عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو تو بھی ہم اس کو یعنی موزون کو حاضر کر دیں گے اور ہم ہر چیز کا حساب لینے والے کافی ہیں اور یہ بات بالکل سچ ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو تورات فرقان یعنی تورات حق و باطل اور حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے والی اور ان پرہیزگاروں کے لئے نصیحت کی کتاب عطا فرمائی جو اپنے رب سے

بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ لوگ قیامت یعنی اس کی ہولنا کیوں سے بھی ڈرتے ہیں اور یہ قرآن بھی کثیر الفائدہ نصیحت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے پھر بھی تم اس کے منکر ہو؟ اس میں استفہام توبیخ کے لئے ہے۔

تحقیق، ترکیب تفسیری فوائد

یَکْلَئُکُمْ (ف،س) مضارع واحد مذکر غائب مصدر کَلْأٌ کِلَاءٌ کِلَاءَۃً حفاظت کرنا آلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِنْ دُوْنِنَا مِنْ دونِنا ، آلهة کی صفت ہے کلام میں تقدیم وتاخیر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے آلِهَةٌ مِنْ دُوْنِنَا تَمْنَعُهُمْ **قوله مِمَّا یَسُوهم** ان چیزوں سے جوان کو تکلیف پہنچائیں لَایُصْحَبُوْنَ (س) جمع مذکر غائب منفی مجہول، ان کا ساتھ نہیں دیا جائے گا، وہ بچائے نہیں جائیں گے **قوله** المَوَازِیْنَ القِسْطَ موازین کو جمع، بیان عظمت کے لئے لائے ہیں ورنہ میزان ایک ہی ہوگی یا مایُوْزَنُ کے اعتبار سے جمع لائی گئی ہے یعنی چونکہ اعمال کثیرہ اور اعمال کے انواع کثیرہ تولے جائیں گے اس لئے جمع لایا گیا ہے قِسط کو مفرد لایا گیا ہے حالانکہ موازین کی صفت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ **القسط** مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق واحد اور جمع سب پر یکساں ہوتا ہے، مفسر علام نے لیوم القیامة کی تفسیر فیه سے کرکے اشارہ کردیا کہ لام بمعنی فی ہے **قوله** شیئًا یا مفعول ثانی ہے یا تظلم کے مفعول مطلق کی صفت ہے ای **لاتظلم** ظلمًا شیئًا **قوله** وإن کان کے بعد العملُ کو مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ کانَ ناقصہ ہے اس کے اندر ضمیر ہے جو کان کا اسم ہے اور وہ عمل ہے اور مِثقالَ اس کی خبر ہے اور نافع نے مثقالُ رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں کانَ تامہ ہوگا **قوله** بالغیبِ یخشَون کی ضمیر سے حال ہے ای یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ غائبین عن الناس یعنی جب وہ تنہائی میں ہوتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں مِنَ الساعة کے بعد اَھْوَالِهَا مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ مضاف محذوف ہے اور قیامت سے ڈرنے کا مطلب اس کی ہولنا کی سے ڈرنا ہے۔

تفسیر وتشریح

قُلْ مَنْ یَّکْلَئُکُمْ الخ یعنی تمہارے جو کرتوت ہیں وہ تو ایسے ہیں کہ دن رات کی کسی بھی گھڑی میں تم پر عذاب آسکتا ہے، اس عذاب سے رات دن تمہاری کون حفاظت کرتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا بھی کوئی اور ہے، جو عذاب الٰہی سے تمہاری حفاظت کرسکے؟ وَلَا هُمْ مِنَّا یُصْحَبُوْنَ کے معنی ہیں ولاهم یُجَارُوْنَ مِنْ عذَابِنَا نہ وہ خود ہی ہمارے عذاب سے محفوظ ہیں، یعنی وہ خود اپنی مدد پر اور عذاب الٰہی سے بچنے پر قادر نہیں ہیں، پھر ان کی طرف سے ان کی مدد کیا ہوسکتی ہے اور وہ انہیں عذاب سے کس طرح بچا سکتے ہیں۔

بَلْ مَتَّعْنَاهُمْ الخ یعنی ان کی کلاءت اور حفاظت اور بتوں کا عجز اور بیچارگی ایسی چیز نہیں کہ جس کو یہ لوگ سمجھ نہ

سکیں اصل بات یہ ہے کہ پشتہا پشت سے یہ لوگ بے فکری کی زندگی گذار رہے ہیں کوئی جھٹکا عذاب الٰہی کا نہیں لگا جس کی وجہ سے مغرور اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر حق تعالیٰ کے پیغام اور پیغمبروں کی نصیحت قبول کرنے سے منہ موڑ لیا ہے اَفَلَا یَرَوْنَ یعنی عرب میں اسلام پھیلنے لگا ہے اور کفر گھٹنے لگا ہے آہستہ آہستہ وہاں کی زمین کافروں پر تنگ ہوتی جارہی ہے ان کی حکومتیں اور سرداریاں ٹوٹتی جارہی ہیں، کیا ایسے کھلے ہوئے آثار وقرائن دیکھ کر بھی انہیں اپنا انجام نظر نہیں آتا، کیا ان مشاہدات کے باوجود اس کے امیدوار ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں پر غالب ہوں گے، اگر چشم عبرت ہے تو چاہئے کہ عقل سے کام لیں اور قرائن واحوال سے مستقبل کا اندازہ کریں، کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان کے گردو پیش کی بستیاں انبیاء کی تکذیب وعداوت کی سزا میں تباہ کی جاچکی ہیں وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَاحَولَكُمْ مِنَ الْقُرىٰ وَصَرَّفْنَا الآیَاتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ قُلْ اِنَّمَا اُنْذِرُكُمْ الخ یعنی ہمارا کام وحی الٰہی کے موافق نصیحت سنادینا اور انجام سے آگاہ کردینا ہے، دل کے بہرے اگر اس پکار کو نہ سنیں تو ہمارا قصور نہیں وہ خود اپنے بہرے پن کا خمیازہ بھگتیں گے وَلَئِنْ مَسَّتْهُمْ الخ یعنی یہ لوگ جو بہرے بنے ہوئے ہیں صرف اس وقت تک ہے کہ ذرا زور سے کھٹکھٹائے نہ جائیں اگر عذاب الٰہی کی ذراسی بھنک ان کے کان میں پڑگئی یا خدا کے قہر وانتقام کی ادنیٰ سی بھاپ ان کو چھوگئی تو آنکھ کان سب کھل جائیں گے اس وقت بدحواس ہو کر چلائیں گے کہ بے شک ہم بھاری مجرم تھے جو ایسی کمبختی آئی۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ الخ یعنی رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کا عمل ہو عدل وانصاف کی ترازو میں تلے گا ادھر اُدھر ضائع نہ ہوگا، نہ کسی پر ظلم زیادتی کی جائے گی، رتی رتی کا حساب ہوگا (تنبیہ) موازین میزان کی جمع ہے ہوسکتا ہے کہ بہت سی ترازو ہوں جو مختلف قسم کے اعمال کو تولنے کے لئے الگ الگ قسم کی ہوں جیسا کہ دنیا میں ہر چیز کو تولنے اور ناپنے کی الگ قسم کی ترازو ہوتی ہے، سیال اشیاء کے لئے الگ اور جامد کے لئے الگ پھر سیال میں بھی مختلف چیزوں کے لئے الگ الگ ترازو ہوتی ہیں، یا ایک ہی ترازو ہو مگر مختلف قسم کے اعمال کو تولنے کا کام دے اس وجہ سے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہو كَفٰى بِنَا حَاسِبِیْنَ کا مطلب ہے کہ ہمارا حساب آخری اور فیصلہ کن ہوگا جس کے بعد کوئی دوسرا حساب لینے والا نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرَاهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ ای هُدَاهُ قَبْلَ بُلُوْغِهٖ وَكُنَّا بِهٖ عَالِمِیْنَ۝ ای بِاَنَّهٗ اَهْلٌ لِذٰلِكَ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الْاَصْنَامُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ۝ ای عَلٰی عِبَادَتِهَا مُقِیْمُوْنَ قَالُوْا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا لَهَا عَابِدِیْنَ۝ فَاقْتَدَیْنَابِهِم قَالَ لهم لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ لِعِبَادَتِهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۝ بَیِّنٍ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ فِی قَوْلِكَ هٰذا اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ۝ فیه قَالَ بَلْ رَّبُّكُمُ الْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ رَبُّ مَالِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ خَلَقَهُنَّ عَلٰی غَیْرِ مِثَالٍ سَبَقَ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ الذی قُلْتُهٗ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ۝ بِهٖ وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ۝ فَجَعَلَهُمْ

بَعْدَ ذِهَابِهِمْ الٰى مُجْتَمَعِهِمْ فى يَوْمِ عِيْدٍ لهم جُذَاذًا بِضَمِّ الجيمِ وكَسْرِها فتاتًا بِفَاسٍ اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ عَلَّقَ الفاسَ فِى عُنُقِهِ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ اى الكبيرِ يَرْجِعُوْنَ○ فيرَوْنَ مافعَلَ بغيرِه قَالُوْا بعد رُجوعِهم ورُؤْيتِهم مَا فَعَلَ مَنْ فَعَلَ هٰذا بِاٰلِهَتِنَا اِنَّهُ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ○ فيه قَالُوْا اى بعضُهم لبعضٍ سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ اى يُعِيْبُهم يُقَالُ لَهٗ اِبْرَاهِيْمُ ط قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰى اَعْيُنِ النَّاسِ اى ظاهِرًا لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ○ عَلَيْهِ اَنَّهُ الفاعلُ قَالُوْا له بعدَ اِتْيَانِه ءَاَنْتَ بتحقيقِ الهمزتَيْنِ وابدالِ الثانيةِ اَلِفًا وتَسْهِيلِها وادْخالِ اَلِفٍ بين المُسَهَّلَةِ والاُخرٰى وتَرْكِهٖ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰآاِبْرَاهِيْمُ○ قَالَ ساكتًا عن فِعْلِه بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْاَلُوْهُمْ عَنْ فَاعِلِه اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ○ فيه تقديمُ جوابِ الشَّرطِ وفيما قبلَه تعريضٌ لَهُمْ بِاَنَّ الصَّنَمَ المعلومَ عِجْزُهٗ عن الفِعْلِ لايكونُ اِلٰهًا فَرَجَعُوْآ اِلٰى اَنْفُسِهِمْ بالتفكُّرِ فَقَالُوْا لِاَنْفُسِهِمْ اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ○ لا اى بِعِبَادَتِكُمْ مَنْ لَا يَنْطِقُ ثُمَّ نُكِسُوْا مِنَ اللّٰهِ عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ج اى رُدُّوْا اِلٰى كُفْرِهم وقالوا وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ○ اى فَكَيْفَ تَاْمُرُنا بِسُوَالِهِم قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى بَدْلَهٗ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا مِنْ رِّزْقٍ وغيرِه وَّلَا يَضُرُّكُمْ○ ط شيئًا اِنْ لَمْ تَعْبُدُوه اُفٍّ بكسرِ الفاءِ وفتحِها بمعنى مصدرٍ اى تَبًّا وقُبْحًا لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط اى غيرِه اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○ اى هٰذِهِ الاَصْنَامُ لاتَسْتَحِقُّ العبادةَ ولاتصلُحُ لها وانما يَسْتَحِقُّهَا اللّٰهُ تعالٰى.

ترجمہ

اور ہم نے پہلے ہی ابراہیم کو یعنی سن بلوغ کے پہنچنے سے پہلے ہوشمندی عطا فرمائی تھی اور ہم اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ وہ اس کا اہل ہے جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا یہ مورتیاں (بت) جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ یعنی ان کی بندگی میں لگے ہوئے ہو تو سب نے جواب دیا ہم نے اپنے آباو اجداد کو انہیں کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے لہٰذا ہم نے انہیں کی اقتداء اختیار کی ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا پھر تو تم اور تمہارے آباان کی بندگی کرنے کی وجہ سے کھلی گمراہی میں ہو، تو کہنے لگے کیا تم اپنے اس قول میں ہم سے سچ بات کہتے ہو؟ یا اس بات میں (یوں ہی) مذاق کرر ہے ہو؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا نہیں، بلکہ تمہارا رب جو کہ مستحق عبادت ہے وہ رب مالک ہے زمین اور آسمانوں کا جس نے ان کو بغیر کسی سابق نمونے کے پیدا فرمایا اور میں تو اس بات پر جو میں نے کہی ہے گواہ ہوں (قائل ہوں) اور خدا کی قسم میں تمہارے بتوں کے ساتھ تمہارے چلے جانے کے بعد

ضرور ایک چال چلوں گا تو ان کے اپنی عید کے دن اپنے میلے میں چلے جانے کے بعد ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا جُذَاذًا جیم کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ، تبر سے ٹکڑے ٹکڑے کردیا مگر ان میں کے بڑے کو (چھوڑ دیا) اور تبر اس کی گردن میں لٹکا دیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ان کے (میلے) سے لوٹنے اور ان کے ساتھ جو حرکت کی گئی تھی اس کو دیکھنے کے بعد کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شخص اس معاملہ میں ظالموں میں سے ہے تو ان لوگوں نے آپس میں کہا ہم نے ایک نوجوان کو جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے ان بتوں کی تنقیص (برائی) کرتے سنا ہے تو وہ لوگ کہنے لگے تو اچھا اس کو سب کے سامنے برسرِ عام حاضر کرو تاکہ لوگ اس کے خلاف اس بات کی گواہی دیں کہ یہی ہے (یہ حرکت) کرنے والا شخص تو اس کے آنے کے بعد لوگوں نے اس سے معلوم کیا کہ کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم؟ اپنے فعل سے سکوت اختیار کرتے ہوئے کہا نہیں بلکہ ان کے اس بڑے (گرو) نے کی ہے، یہ حرکت کرنے والے کے بارے میں ان ہی سے معلوم کرو اگر یہ بول سکتے ہوں؟ اس میں جواب شرط مقدم ہے اور ماقبل میں مشرکین کیلئے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بت جن کا عاجز عن الفعل ہونا معلوم اور متعین ہے وہ معبود نہیں ہوسکتے، چنانچہ یہ لوگ (حضرت ابراہیمؑ کی تقریر سن کر) سوچ میں پڑ گئے اور اپنے دلوں میں کہنے لگے تم ہی درحقیقت ظالم ہو ایسی چیز کی بندگی کرکے جو بول بھی نہ سکے پھر ان کی کھوپڑی اوندھی ہوگئی (یعنی جہل وعناد کی طرف پلٹ گئے) یعنی اپنے کفر کی طرف پلٹ گئے، اور کہنے لگے واللہ (اے ابراہیم) تم تو جانتے ہی ہو کہ یہ بولنے پر قادر نہیں ہیں یعنی پھر تم ہم کو ان سے سوال کرنے کیلئے کیوں کہتے ہو؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ تو کیا خدا کو چھوڑ کر یعنی اس کے عوض ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو کہ جو تم کو رزق وغیرہ کا کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی اور اگر تم ان کی عبادت نہ کرو تو تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی تف ہے تم پر، فا کے فتحہ اور کسرہ کیساتھ مصدر کے معنی میں یعنی تبًا و قُبحًا (کے معنی میں) اور ان پر بھی جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو کیا تمہیں اتنی سی بھی عقل نہیں؟ یعنی یہ بت عبادت کے مستحق نہیں اور نہ معبود بننے کی ان میں صلاحیت ہے عبادت کا مستحق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَلَقَدْ آتَیْنَا اِبْرَاهِیْمَ واو قسمیہ ہے ای وَعِزَّتِنَا وَجَلَالِنَا اٰتَیْنَا اِبراهیمَ رشدهٗ رُشْدٌ صلاحیت، ہوشیاری، ہدایت، حسن تدبیر مِنْ قَبْلُ مضاف الیہ محذوف ہے اَیْ قَبْلَ بُلُوْغِهٖ، قبلهٗ کی ضمیر حضرت موسیٰ وعیسیٰ ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے، التماثیلُ جمع تِمثال پتھر یا دھات وغیرہ کی مورتی عَاکِفُوْنَ جمع عاکفٌ ملازم، معتکف، مجاور **قوله لَهَا عَاکِفُوْنَ**، عَاکِفٌ کا صلہ علیٰ آتا ہے لیکن یہاں لام استعمال ہوا ہے مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ لام بمعنی علیٰ ہے اور اگر عاکف متضمن بمعنی عابدٌ لیا جائے تو اس وقت لام صلہ لانا درست ہوگا اور اگر لام تعدیہ کے

بجائے اختصاص کے لئے لے لیا جائے تو عاکف کا صلہ لام لانا بھی صحیح ہوگا جیسا کہ قالوا وَجَدْنَا آبائنا لَهَا عابدين میں عابدین کا صلہ لام استعمال ہوا ہے **قوله** فَجَعَلَهُمْ میں هم ضمیر مذکر ذو العقول کے لئے مشرکین کے گمان کے اعتبار سے استعمال ہوئی ہے **قوله** جُذاذًا مصدر ہونے کی وجہ سے جمع نہیں لایا گیا اور بعض حضرات نے جُذَاذ کو جُذَاذَة کی جمع کہا ہے جیسا کہ زُجَاجٌ زُجَاجَةٌ کی جمع ہے، اور بعض حضرات نے جُذاذٌ مصدر بمعنی مجذوذ کے لیا ہے **قوله** مَنْ فَعَلَ هٰذا مَنْ مبتداء ہے اور فَعَلَ هٰذا اس کی خبر ہے اور اِنَّهُ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ جملہ مستانفہ ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مَنْ موصولہ اپنے صلہ سے ملکر مبتداء اور اِنَّهُ لَمِنَ الظّٰلِمين اس کی خبر **قوله** سَمِعْنَا فَتًى يذكرُ، سمِعْنا، چونکہ ایسی شئ پر داخل ہے کہ جو مسموع نہیں ہوسکتی اور وہ فتٰی ہے اس لئے کہ فتٰی دیکھنے کی چیز ہے نہ کہ سننے کی ایسی صورت میں سَمِعَ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے، لہٰذا یہاں سَمِعْنَا متعدی بدو مفعول ہے مفعول اول فتًى ہے اور يذكرهم جملہ ہوکر مفعول ثانی ہے، اور اگر سَمِعَ شئ مسموع پر داخل ہو تو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے جیسا کہ تو کہے سَمِعْتُ كلامَ زيدٍ **قوله** يقال له ابراهيمُ یہ فتٰی کی صفت ثانیہ ہے ابراہیم کے مرفوع ہونے کی چند وجوہ ہوسکتی ہیں اول، يقال کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے يقال له ابراهيم اى يُسَمّٰى لهُ ابراهيمُ اس صورت میں ابراہیم سے مراد لفظ ابراہیم ہوگا نہ کہ مسمّی ابراہیم، دوسری وجہ یہ ہے کہ ابراہیم مبتدا محذوف کی خبر ہو اى يقال له هٰذا ابراهيم، یا ابراهيم مبتداء ہو اور اس کی خبر محذوف ہو اى يقال له ابراهيمُ فاعلُ ذٰلك **قوله** كبيرهم هٰذا، هٰذا كبيرهم سے بدل ہے یا صفت ہے **قوله** نُكِسُوْا عَلٰى رُؤُسِهِمْ جمہور کی قرأت میں نُكِسُوْا مبنی للمفعول ہے یعنی ان کی کھوپڑی الٹ دی گئی اور الٹنے والا اللہ تعالیٰ ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی تقریر سے بتوں کا عاجز اور بے بس ہونا سمجھ میں آگیا تھا اور قریب تھا کہ حق کی طرف رجوع کریں مگر ان کی کھوپڑی پھر گئی جس کی وجہ سے کفر کی طرف پلٹ گئے، مفسر علام نے مِنَ اللّٰهِ کا اضافہ فرما کر اسی قرأت کی طرف اشارہ کیا ہے اور شاذ قرأت میں نَكَّسُوْا نون کے فتحہ اور کاف کی تشدید کے ساتھ مبنی للفاعل بھی ہے اس صورت میں نَكَّسُوا کے فاعل خود مشرکین ہوں گے اور مطلب یہ ہوگا کہ مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ کی مدلل تقریر سن کر شرمندگی اور ندامت کی وجہ سے سر جھکا لیا مگر کچھ دیر کے بعد کفر کی طرف پلٹ گئے **قوله** قالوا واللّٰه یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ لَقَدْ عَلِمْتَ قسم محذوف کا جواب ہے **قوله** اَفَلَا تَعقِلونَ فا عاطفہ ہے معطوف علیہ فعل محذوف ہے جس پر ہمزہ داخل ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَجَهِلْتُمْ فَلا تَعقِلُونَ.

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ آتَيْنَا اِبراهيمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ، مِنْ قَبْلُ سے مراد یا تو یہ ہے کہ ابراہیمؑ کو رشد (ہدایت یا ہوشمندی) دینے

کا واقعہ آپ اور موسیٰ وہارون وعیسیٰ علیہم السلام سے پہلے کا ہے یا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو نبوت عطا کرنے سے پہلے ہی ہوشمندی عطا کردی گئی تھی، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ بلوغ سے پہلے ہی آپ کو ہوشمندی اور صلاحیت عطا کردی گئی تھی اور ہم اپنے علم ازلی کے اعتبار سے اس بات کو جانتے تھے کہ وہ اس رشد کا اہل ہے اور وہ اس کا صحیح استعمال کرے گا، جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ یعنی ذرا ان کی اصلیت اور حقیقت کو بیان کرو آخر پتھر کی خود تراشیدہ مورتیاں خدا کس طرح بن گئیں **قالوا وَجَدْنا آباءَنا الخ** یعنی عقل اور فطرت اور نقل معتد بہ کی کوئی شہادت ہماری تائید میں نہیں ہے نہ سہی لیکن سب سے بڑی اور بھاری دلیل بت پرستی کے حق وصواب ہونے کی یہ ہے کہ اوپر سے ہمارے باپ دادا انہیں کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں پھر ہم اپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں۔

قال لقد كنتم انتم الخ حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ اس دلیل سے تمہاری حقانیت اور عقلمندی ثابت نہیں ہوئی البتہ یہ ثابت ہوا کہ تمہارے باپ دادا بھی تمہاری طرح گمراہ اور بے وقوف تھے جنکی کورانہ تقلید میں تم گمراہ ہور ہے ہو۔

پوری قوم کے عقیدہ کے خلاف ابراہیم کی ایسی سخت اور مدلل گفتگو سن کر ان میں ہلچل مچ گئی کہنے لگے کیا سچ مچ تیرا عقیدہ یہی ہے یا ہنسی اور دل لگی کرتا ہے، حضرت ابراہیم نے جواب دیا، میرا عقیدہ ہی یہ ہے اور پورے یقین اور بصیرت کے ساتھ اس کی شہادت دیتا ہوں میرا تمہارا سب کا رب وہی ایک خدا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے۔

حضرت ابراہیم نے آہستہ سے کہا کہ تمہارے چلے جانے کے بعد تمہارے بتوں کا علاج کردوں گا، یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یا تو اپنے دل میں کہی یا کمزور قسم کے لوگوں کے سامنے آہستہ سے کہی، یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ زبانی نہی عن المنکر تو میں کر چکا اب نہی عن المنکر فعلی کروں گا، چنانچہ جب قوم جشن منانے کے لئے میلے میں باہر چلی گئی تو حضرت ابراہیم نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر سب بتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھدیا اور صرف بڑے بت کو جو جسم و جثہ کے اعتبار سے سب سے بڑا تھا چھوڑ دیا اور کلہاڑی اس کے گلے میں لٹکا دی، تا کہ وہ لوگ جب واپس آ کر یہ صورت حال دیکھیں تو قدرتی طور پر ان کا خیال اس بڑے بت کی طرف ہو، یا الزاماً اس کی طرف رجوع کرایا جا سکے، چنانچہ جب وہ لوگ میلے سے واپس آئے تو بڑا حیرت انگیز منظر دیکھا کہ سب بت ٹوٹے پڑے ہیں اور کلہاڑی بڑے بت کے گلے میں لٹکی ہوئی ہے تو کہنے لگے یہ گستاخی اور بے ادبی کی حرکت ہمارے معبودوں کے ساتھ کس نے کی ہے؟ یقیناً جس نے یہ حرکت کی ہے بڑا ظالم اور بے رحم ہے، چنانچہ بعض ان لوگوں نے جنہوں نے حضرت ابراہیم کا مقولہ تَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ سنا ہوگا کہنے لگے وہ نوجوان ابراہیم (علیہ السلام) ہے نا، وہ ہمارے بتوں کے خلاف باتیں کرتا ہے معلوم ہوتا ہے یہ اسی کی کارستانی ہے۔

پھر سب کہنے لگے اس کو مجمع عام کے سامنے لاؤ تا کہ سب لوگ دیکھیں چنانچہ حضرت ابراہیم کو مجمع عام میں لایا گیا

اوران سے معلوم کیا گیا، حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ یہ کام تو اس بڑے بت نے کیا ہے اگر یہ (ٹوٹے ہوئے بت) بول سکتے ہیں تو انہی سے معلوم کرو یہ خود ہی اپنے توڑنے والے کو بتا دیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات بطور تعریض وتبکیت کہی تا کہ لوگ یہ جان لیں کہ جو نہ بول سکتا ہو اور اپنی مصیبت کی فریاد بھی نہ کرسکتا ہو اور نہ خود اپنا دفاع کرسکتا ہو بلکہ پڑا پڑا مار کھاتا رہے وہ معبود نہیں ہوسکتا۔

ایک حدیث میں حضرت ابراہیمؑ کے اس قول بل فعله کبیرھم کو لفظ کذب سے تعبیر کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین جھوٹ بولے دو اللہ کے لئے ایک انی سقیم اور دوسرا بل فَعَله کبیرھم ھٰذا اور تیسرا حضرت سارہ کو اپنی بہن کہنا (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب واتخذ اللّٰه ابراهیمَ خلیلًا) زمانہ حال کے بعض مفسرین نے مرزا قادیانی اور کچھ دوسرے مستشرقین سے مغلوب مسلمانوں نے اس حدیث کو صحیح السند ہونے کے باوجود اس لئے غلط اور باطل کہہ دیا ہے کہ اس سے حضرت خلیل اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت ہوتی ہے اور سند کے تمام راویوں کو جھوٹا کہہ دینا اس سے بہتر ہے کہ خلیل اللہ کو جھوٹا قرار دیا جائے، کیونکہ وہ قرآن کے خلاف ہے لیکن ان کی یہ رائے صحیح نہیں ہے، یقیناً حقیقت کے اعتبار سے انہیں جھوٹ نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ توریہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا ذو معنیین لفظ بولا جائے کہ متکلم اس کا ایک معنی مراد لے اور مخاطب دوسرے معنی سمجھے، دینی ضرورت اور مصلحت کے لئے توریہ درست ہے، ظلم سے بچنے کے لئے باتفاق فقہاء بالکل جائز ہے۔

توریہ شیعوں کے تقیہ سے بالکل مختلف چیز ہے، تقیہ میں صریح جھوٹ بولا جاتا ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے، توریہ میں صریح جھوٹ نہیں ہوتا بلکہ جس معنی سے متکلم بول رہا ہے وہ بالکل صحیح ہوتے ہیں، جیسے اسلامی رشتہ سے بیوی اور شوہر کا بھائی بہن ہونا، سفر ہجرت کے دوران جب کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے سو اونٹ انعام رکھا ہوا تھا، ایک شخص کا راستہ میں ملنا اور حضرت ابوبکر صدیق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کرنا کہ یہ کون ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق کا رجل یھدینی السبیل توریہ کے طور پر فرمانا، یہدینی السبیل کے دو معنی ہیں دینی رہنمائی کرنے والا اور سفر کے لئے رہبری کرنے والا، حضرت ابوبکر کا مقصد آخرت اور دینی رہبری تھی اور مخاطب سفر کی رہبری سمجھا اسی کو توریہ کہتے ہیں صحابہ اور اسلاف کی زندگی میں اس قسم کی صدہا مثالیں آپ کو مل سکتی ہیں۔

حدیث شریف میں بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بارے میں کذبات ثلٰثہ کا ذکر ہے، ان کا پہلا کذب فعله کبیرھم ھٰذا ہے اس کی بہت سی توجیہات کی گئیں ہیں مگر ان میں سب سے صاف اور بے غبار توجیہ یہ ہے کہ یہ اسناد مجازی کے قبیل سے ہے، عربی میں اس کی بہت سی مثالیں مذکور ہیں مثلاً انبتَ الربیعُ البقلَ چونکہ موسم ربیع بقل کو اگانے کا بظاہر سبب ہے اس لئے انبات کی نسبت بقل کی جانب کردی گئی ہے، ورنہ حقیقت میں انبات اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، دوسری مثال بنی الامیر المدینةَ ہے چونکہ امیر کے حکم سے مدینہ کی تعمیر ہوئی ہے اس لئے بناء کی نسبت امیر کی

جانب کردی گئی ہے ورنہ بنانے والے تو درحقیقت معمار اور بنائین ہیں، اسی طرح فعلهٔ کبیرهم هٰذا میں بھی اسناد مجازی ہے، چونکہ مشرکوں نے بڑے بت کو خدا کا درجہ دے رکھا تھا اور رات دن اس کی بندگی کرتے تھے تو گویا کہ بتوں کو توڑنے پر اس بڑے بت نے ہی آمادہ کیا گویا کہ بڑا بت ہی ان بتوں کو توڑنے کا سبب بنا اسی سببیت کی وجہ سے فعل کی نسبت بڑے بت کی طرف کردی گئی ہے، دوسرا اِنِی سقیم ہے سقیم کے معنی جس طرح بیماری کے آتے ہیں اسی طرح دلی رنج و غم کے بھی آتے ہیں، اس میں شک کی کیا گنجائش ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اپنی قوم کی گمراہی کو دیکھ کر کس قدر رنجیدہ اور غم زدہ ہوں گے لہٰذا آپ کا اِنی سقیم کہنا اپنی جگہ درست اور بالکل صحیح تھا، تیسرا حضرت سارہ کو بہن بتانا تو یہ بھی کوئی خلاف واقعہ بات نہیں تھی اس لئے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ دونوں آپس میں دینی اور اسلامی بھائی بہن تھے اور حضرت ابراہیمؑ نے اس کی وضاحت بھی کردی تھی کہ میں نے ظالم بادشاہ کے سامنے تم کو اپنی بہن بتایا ہے لہٰذا تم بھی اس کے خلاف نہ کہنا اور ہم دونوں دینی اور اسلامی بھائی ہیں، ظالم بادشاہ کی دست درازی اور اس کے شل ہونے نیز حضرت سارہ کو صحیح سلامت رخصت کرنے کے واقعہ کے لئے تفسیر کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

حدیث میں کذبات ثلثہ کا ذکر جس ضمن میں آیا ہے وہ بھی قابل غور ہے اور وہ ہے میدان محشر میں اللہ کے روبرو جا کر سفارش کرنے سے اس لئے گریز کرنا کہ ان سے دنیا میں تین موقعوں پر لغزش کا صدور ہوا ہے درانحالیکہ وہ لغزشیں نہیں ہیں یعنی حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے وہ جھوٹ نہیں ہے مگر اللہ کی عظمت اور جلال کی وجہ سے اتنے خوف زدہ ہوں گے کہ یہ باتیں جھوٹ کے ساتھ ظاہری مماثلت کی وجہ سے قابل گرفت نظر آئیں گی گویا کہ حدیث کا مقصد حضرت ابراہیم کو جھوٹا ثابت کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کیفیت کا اظہار ہے جو قیامت کے دن خشیت الٰہی کی وجہ سے ان پر طاری ہوگی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے فوائد عثمانی میں بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کی توجیہ اس طرح فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے علیٰ سبیل الفرض فَعَلَهٗ کبیرهم هٰذا فرمایا تھا جیسا کہ مناظروں میں ہوتا ہے یعنی مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ فرض کرلیا جائے کہ اس بڑے گرو گھنٹال نے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور توڑنے کا آلہ بھی اس کے پاس موجود ہے یہ کام کیا ہوگا، لیجئے بحث و تحقیق کے وقت بطور الزام و تبکیت میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ بڑے بت نے سب چھوٹوں کو توڑ ڈالا اب آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ ایسا نہیں ہوا کیا دنیا میں ایسا ہوتا نہیں ہے کہ بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو بڑی مچھلی چھوٹی مچھلیوں کو نگل جاتی ہے، اور بڑے بادشاہ چھوٹی سلطنتوں کو تباہ کرڈالتے ہیں، اس لئے فیصلہ کی بہتر صورت میرے اور تمہارے درمیان یہ ہے کہ تم خود اپنے معبودوں ہی سے دریافت کرلو کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا اگر یہ کچھ بول سکتے ہیں، تو کیا ایسے اہم معاملہ میں بول کر میرے جھوٹ سچ کا فیصلہ نہ کردیں گے، مذکورہ تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ بَلْ فَعَلَهٗ کبیرهم هٰذا کہنا خلاف واقعہ خبر دینے کے طور پر نہ تھا جسے حقیقۃً جھوٹ کہا جائے بلکہ ان کی تجہیل و تحمیق کے لئے ایک فرضی احتمال کو بصورت دعویٰ لیکر بطور تعریض و الزام کلام کیا تھا جیسا کہ عموماً

بحث ومناظرہ میں ہوتا ہے توڑ پھوڑ کو بڑے بت کی جانب منسوب کرنے میں ایک مصلحت دینی یہ تھی کہ شاید لوگوں کو اس طرف توجہ ہو جائے کہ شاید اس بڑے بت کو اس پر غصہ آ گیا ہو کہ میرے ساتھ عبادت میں ان چھوٹے بتوں کو کیوں شریک کیا جاتا ہے اگر یہ خیال ان کے دلوں میں پیدا ہو تو توحید کا راستہ کھل جاتا ہے کہ جب ایک بڑا بت چھوٹے بتوں کی شرکت گوارا نہیں کرتا تو رب العالمین ان پتھروں کی شرکت اپنے ساتھ کیسے گوارہ کرے، اسی طرح بعض احادیث میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق صورتاً کیا گیا ہے، مفسرین نے اس کے علاوہ اس کی توجیہ میں اور بھی کئی محمل بیان کئے ہیں۔

فرجعوا الی انفسهم پھر وہ سوچ میں پڑ گئے، اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ واقعتاً تم ہی ظالم ہو ان بے زبان پتھروں کو پوجنے سے کیا حاصل؟ جو مصیبت کے وقت خود اپنی مدد بھی نہ کر سکیں اور پڑے ہوئے اپنے ہاتھ پیر تڑواتے رہیں جو خود اپنی مدد نہ کر سکے، وہ دوسروں کی کیا مدد کر سکتا ہے گویا کہ حق کی ایک کرن ان کے دل میں روشن ہوئی مگر پھر تسویل شیطانی کی وجہ سے پلٹ گئے اور کفر وضلالت کو حق وہدایت پر ترجیح دینے لگے، اور کہنے لگے کہ تو جان بوجھ کر ہم سے ایسی ناممکن بات کا مطالبہ کیوں کرتا ہے کہیں پتھر بھی بولتے ہیں؟ جب مشرکوں نے اپنے بتوں کی بے بسی اور عاجزی کا اقرار کر لیا تو حضرت ابراہیم کو گرفت کرنے اور الزام دینے کا موقع مل گیا، اور فرمایا پھر تو تم کو ڈوب مرنا چاہئے کہ جو بت اس قدر مجبور وبے بس ہوں کہ ایک لفظ نہ بول سکتے ہوں اور کسی آڑے وقت میں کچھ کام نہ آ سکتے ہوں ایسے بے اختیار بتوں کو خدائی کا درجہ دینا کس قدر حماقت اور بے عقلی کی بات ہے، کیا تم اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ ای ابراهیمَ **وَانْصُرُوْا اٰلِهَتَكُمْ** ای بتحریقِه **اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ**۝ نُصْرَتَها فجمعُوْا لَهٗ الحطبَ الكثيرَ واَضْرَمُوْا النّارَ فِی جميعِه واَوْثَقُوْا ابراهيمَ وجَعَلُوْه فی مَنْجَنيقٍ ورَمَوْهُ فِی النّار قال تعالٰی **قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِيْمَ**۝ۙ فلَمْ تَحْرِق منه غيرَ وَثَاقِه وَذَهَبَتْ حَرارتُها وبَقِيَتْ اِضاءَتُها وبقوله سلامًا سَلِم مِنَ المَوْتِ بِبَرْدِها **وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا** وهُوَ التحريق **فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ**۝ فِی مُرادِهِمْ **وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا** ابنَ اَخِيْهِ هَارَانَ مِنَ العِراقِ **اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ**۝ بكَثْرَةِ الاَنْهارِ والاَشْجارِ وهِیَ الشام نزل ابراهيمُ بِفِلَسْطِيْنَ ولوطٌ بالموتفكةِ وبينهما يومٌ **وَوَهَبْنَا لَهٗٓ** لِابراهيم وكان سَاَلَ ولدًا كما ذُكر فی الصافات **اِسْحٰقَ**ؕ **وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً**ؕ ای زيادةً علی المسئول او هو ولد الولد **وَكُلًّا** ای هُوَ وولَدَاهُ **جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ**۝ انبياء **وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً** بتحقيق الهمزتين وابدال الثانية ياءً يُقتدیٰ بهم فی الخير **يَّهْدُوْنَ** النّاسَ **بِاَمْرِنَا** الٰی دِيْنِنا **وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ**ۚ ای ان تُفعلَ وتُقامَ وتُوتٰی منهم ومِنْ اَتْبَاعِهِم وحُذف هاءُ اقامةٍ تخفيفا **وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ**۝ **وَلُوْطًا**

اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا فَصْلًا فَصْلًا بَیْنَ الْخُصُوْمِ وَعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ کَانَتْ تَّعْمَلُ ای اهلُها الاعمالَ الْخَبٰٓئِثَ ط مِنَ اللّوَاطَةِ وَالرَّمیِّ بِالْبُنْدُقَةِ وَاللَّعْبِ بالطُّیُوْرِ وغیر ذٰلك اِنَّهُمْ کَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ مصدرٌ سَاءَهٗ نَقِیضُ سَرَّهٗ فٰسِقِیْنَ ۙ وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ط بِاَنْ اَنْجَیْنَاهُ من قومِه اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۧ

ترجمہ

کہنے لگے اسے یعنی ابراہیم کو جلا دو اور اس کو جلا کر اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کو ان کی مدد کرنی ہی ہے چنانچہ ان لوگوں نے ابراہیمؑ کو جلانے کے لئے بہت ساری لکڑیاں جمع کیں اور ان تمام لکڑیوں میں آگ جلا دی اور ابراہیمؑ کو رسیوں میں مضبوط باندھا اور ان کو ایک گوپھن میں رکھ کر آگ میں پھینک دیا ہم نے آگ کو حکم دے کر کہا اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لئے سلامتی کی چیز بن جا، چنانچہ آگ نے ابراہیمؑ کے بندھنوں کے علاوہ کسی چیز کو نہیں جلایا اور آگ کی حدت ختم ہو کر صرف اس کی روشنی باقی رہ گئی، اور اللہ تعالیٰ کے سلاماً کہنے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ ٹھنڈ کی وجہ سے مرنے سے محفوظ رہے اور ان لوگوں نے تو ابراہیم کے ساتھ بدخواہی کا ارادہ کیا تھا اور وہ جلانا تھا چنانچہ ہم نے ان کو ان کے مقصد میں ناکام کر دیا اور ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو جو کہ ان کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے سرزمین عراق سے ایسی زمین (ملک) کی جانب نکال کر بچا لیا جس میں ہم نے دنیا والوں کے لئے برکتیں رکھیں ہیں انہار و اشجار کی کثرت کے ذریعہ اور وہ سرزمین شام ہے، حضرت ابراہیمؑ فلسطین میں فروکش ہوئے، اور لوطؑ موتفکہ میں اور ان دونوں مقاموں کے درمیان ایک دن کی مسافت تھی اور ہم نے ان کو یعنی ابراہیمؑ کو، حال یہ ہے کہ اس نے ایک لڑکے کی دعا کی تھی، جیسا کہ سورۂ صافات میں ذکر کیا گیا ہے، اسحٰق دیا اور یعقوب مزید برآں یعنی مطلوب سے زائد یا **نافلة** سے مراد ولد الولد (پوتا) ہے اور ہم نے ان سب (کو یعنی) ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے اور پوتے کو صالحین یعنی انبیاء میں شامل کیا اور ہم نے ان سب کو پیشوا بنایا **اَئِمَّةً** دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور ثانی ہمزہ کو یا سے بدل کر، کہ ان کی خیر میں اقتداء کی جائے، تاکہ ہمارے حکم سے لوگوں کی ہمارے دین کی جانب رہبری کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نماز قائم رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی بھیجی یعنی یہ تینوں اعمال عمل خیر، عمل صلوٰۃ، عمل زکوٰۃ کو یہ حضرات بھی انجام دیں اور ان کے متبعین بھی انجام دیں، اور **اِقامة** کی یاء تخفیفاً حذف کر دی گئی ہے اور وہ سب ہماری ہی بندگی کرنے والے بندے تھے اور ہم نے لوط کو (بھی) مخاصمین کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے حکم دیا اور علم عطا کیا، اور ہم نے اس کو اس بستی یعنی اس بستی والوں سے جو گندے کام کرتے تھے یعنی لواطت اور (راہ گیروں) کو ڈھیلے مارنا اور

مرغ بازی کرنا وغیرہ وغیرہ اور تھے بھی وہ برے فاسق لوگ سَوْءٌ مصدر ہے ساءَهُ سَرَّهُ کی نقیض ہے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا اس طریقہ سے کہ ہم نے اس کو اس کی قوم سے نجات دی بے شک وہ نیکوکار لوگوں میں سے تھا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اِنْ کُنْتُمْ فَاعِلِیْنَ نُصرتَها کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ **فاعلین** کا مفعول محذوف ہے، اِنْ کنتم یہ شرط ہے جو کہ جزاء سے مستغنی ہے ماقبل پر اعتماد کرتے ہوئے کونی بردًا ای ذاتَ بَرْدٍ سلامًا فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے ای سَلِّمنا سَلامًا اور سَلامًا سے پہلے بھی مضاف محذوف ہوسکتا ہے ای ذاتَ سلامٍ، بردًا وسلامًا میں مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو ان کے قائم مقام کردیا **قوله** من العراق اَخْرَجَ فعل محذوف کے متعلق ہے نافِلَةً بروزن عافیةً مصدر ہے یہ یعقوب سے حال ہے اور وَهَبْنَا فعل کا مفعول مطلق بغیر لفظہ بھی ہوسکتا ہے ائمۃ ثانی ہمزہ میں جمہور کے نزدیک تسہیل ہے گوابدال بھی جائز ہے، مفسر علام نے فعل الخیرات کی تفسیر ان تفعل وغیرہ سے کرکے اشارہ کردیا کہ اصل ترکیب اَنْ تُفْعَلَ الخیراتِ واَن تُقام الصلوٰۃ واَن توتی الزکوٰۃ ہے اس لئے کہ موحٰی (مااُمِرَ به) صیغہ امر کے ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ مصدر کے ذریعہ اِقَامَ الصَّلوٰۃ اقامة الصلوٰۃ کے بجائے اقام الصلوٰۃ فرمایا تاء مدورہ کو تخفیفاً حذف کردیا ہے **قوله لوطاً** فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ مااضمر عاملہ علی التفسیر کے قبیل سے ہے تقدیر عبارت یہ ہے آتینا لوطاً آتیناه من القریة اس قریہ کا نام سدوم تھا جو کہ موتفکہ میں بڑی آبادی تھی۔

تفسیر وتشریح

حضرت ابراہیم نے جب حجت تمام کردی اور ان کی ضلالت وگمراہی کو ایسے طریقہ سے ان پر واضح کردیا کہ وہ لاجواب ہوگئے تو چونکہ وہ توفیق وہدایت سے محروم تھے اور کفر وشرک نے ان کے دلوں کو بے نور کردیا تھا، اس لئے بجائے اس کے کہ وہ شرک سے تائب ہوتے الٹا ابراہیم کے خلاف سخت اقدام پر آمادہ ہوگئے اور اپنے معبودوں کی دہائی دیتے ہوئے انہیں آگ میں جھونک دینے کی تیاری شروع کردی، تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری قوم اور نمرود نے متفق ہوکر یہ فیصلہ کرلیا کہ ان کو آگ میں جلادیا جائے چنانچہ شہر کے تمام لوگ لکڑی وغیرہ جمع کرنے کے کام میں ایک مہینہ تک لگے رہے اور پھر اس میں آگ سلگا کر ایک ہفتہ تک اس کو دھونکتے رہے یہاں تک کہ اس کے شعلہ فضاء آسمانی میں اتنے بلند ہوگئے کہ اگر کوئی پرندہ اس پر گذرے تو جل جائے، اس کے بعد حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالنے کا پروگرام بنایا گیا مگر کس طرح ڈالا جائے؟ اتنے بڑے الاؤ میں ڈالنا تو دور کی بات تھی اس کے قریب جانا بھی آسان نہیں

تھا، چنانچہ شیطان نے ان کو منجنیق (گوپیا) میں رکھ کر پھینکنے کی تدبیر بتائی، جس وقت اللہ کے خلیل ابراہیمؑ کو آگ کے سمندر میں پھینکنے جا رہے تھے تو تمام فرشتے بلکہ زمین آسمان اور ان کی تمام مخلوق چیخ اٹھی کہ یا رب آپ کے خلیل پر کیا گذر رہی ہے؟ حق تعالیٰ نے ان سب کو ابراہیمؑ کی مدد کرنے کی اجازت دیدی فرشتوں نے مدد کرنے کے لئے حضرت ابراہیمؑ سے دریافت کیا تو حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے وہ میرا حال دیکھ رہا ہے، جبرائیل امین نے عرض کیا کہ آپ کو میری کسی مدد کی ضرورت ہے تو میں خدمت انجام دینے کے لئے تیار ہوں، حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ حاجت تو ہے مگر آپ کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ آگ کے حضرت ابراہیمؑ پر برد و سلام ہونے کی یہ صورت بھی ممکن ہے کہ آگ آگ ہی نہ رہی ہو بلکہ ہوا میں تبدیل ہوگئی ہو مگر ظاہر یہ ہے کہ آگ اپنی حقیقت میں آگ ہی رہی ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آس پاس کے علاوہ دوسری چیزوں کو جلاتی رہی بلکہ حضرت ابراہیمؑ کو جن رسیوں میں باندھ کر آگ میں ڈالا گیا تھا ان رسیوں کو بھی آگ ہی نے جلا کر ختم کیا مگر حضرت ابراہیمؑ کے بدن مبارک تک کوئی آنچ نہیں آئی۔

اخرج ابن جریر عن معتمر ابن سلیمان عن بعض اصحابہ قالَ جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کے لئے باندھ کر تیار کر دیا تو حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے اور فرمایا **یا ابراھیم اَلَكَ حاجة** اے ابراہیم کیا تم کو کچھ حاجت ہے؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا **اَمّا الیك فلا** ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور ابن منذر نے کعب سے نقل کیا ہے **مَا اَحْرَقَتِ النارُ من ابراھیم الاّ وثاقة** یعنی آگ نے ابراہیمؑ کے بندھنوں کے علاوہ کسی شیٔ کو نہیں جلایا۔

احمد و ابن ماجہ و ابن حبان وغیرہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو گرگٹ کے علاوہ کوئی جانور ایسا نہیں تھا کہ جس نے آگ بجھانے کی کوشش نہ کی ہو، گرگٹ ہی ایک ایسا جانور تھا کہ جو آگ کو بھڑکانے کے لئے پھونک مار رہا تھا، **فامر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بقتلهٖ** تو آپؐ نے اس کے قتل کرنے کا حکم فرمایا، حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو سب سے پہلا کلمہ جو ابراہیمؑ کی زبان مبارک سے نکلا وہ **حسبنا اللّٰه ونعم الوکیل** تھا، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے **لو لم یتبع بردھا سلامًا لمات ابراھیم من بردھا** یعنی اگر برداً کے ساتھ سلاماً نہ کہا جاتا تو حضرت ابراہیمؑ سردی سے مر جاتے۔

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ آگ میں سات روز رہے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے عمر بھر ایسی راحت نہیں ملی جتنی ان سات دنوں میں حاصل تھی۔ (مظہری)

وَنَجَّیْنٰهُ ولوطًا الی الارض التی الخ یعنی حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھ لوط علیہ السلام کو ہم نے اس زمین سے جس پر نمرود کا غلبہ تھا (یعنی عراق) نجات دیکر ایک ایسی سرزمین میں پہنچا دیا جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے

لئے برکت رکھی ہے مراد اس سے ملک شام کی سرزمین ہے کہ وہ اپنی ظاہری اور باطنی حیثیت سے تیری برکتوں کا مجموعہ ہے، باطنی برکت تو یہ ہے کہ یہ سرزمین مرکز انبیاء ہے، اور ظاہری برکت آب وہوا کا اعتدال۔

وَوَهَبْنَا لَهُ اسحٰق ويعقوبَ نافلةً یعنی ہم نے ابراہیم کو بیٹا اسحٰق ان کی دعا کے مطابق دیا اور اس پر مزید پوتا دیا، **یعقوب یعنی** دعا تو صرف بیٹے کی تھی مگر ہم نے مزید برآں پوتا بھی دیدیا اسی وجہ سے اس کو نافلہ فرمایا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کو جس بستی سے نجات دینے کا ذکر آیات میں آیا ہے اس بستی کا نام سدوم تھا اس کے تابع سات بستیاں اور تھیں جن کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے الٹ کر تہہ وبالا کر دیا تھا صرف ایک بستی جس میں حضرت لوط علیہ السلام رہتے تھے باقی چھوڑی تھی۔ (قالہ ابن عباس ؓ)

تعمل الخبائث خبائث خبیثہ کی جمع ہے بہت سی گندی اور خبیث عادتوں کو خبائث کہا جاتا ہے، یہاں ان کی سب سے خبیث اور گندی عادت جس سے جنگلی جانور بھی پرہیز کرتے ہیں لواطت تھی اور یہاں اسی ایک عادت کو اس کے بڑا جرم ہونے کی وجہ خبائث کہا گیا ہو تو یہ بھی بعید نہیں اور اس کے علاوہ بھی دوسری خبیث عادتوں کا ان میں ہونا روایات میں مذکور ہے، اس لحاظ سے بھی خبائث کہنا ظاہر ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم کے برادر زادے (بھتیجے) اور حضرت ابراہیم پر ایمان لانے والے اور ان کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے شام جانے والوں میں سے تھے اللہ نے ان کو بھی علم وحکمت یعنی نبوت سے **نوازا تھا** یہ جس علاقہ میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور اس کو عمورہ اور سدوم کہا جاتا ہے، یہ فلسطین کے بحر مردار سے **متصل بجانب اردن** ایک شاداب علاقہ تھا جس کا بڑا حصہ بحیرۂ مردار کا جز ہے ان کی قوم لواطت جیسے فعل شنیع، گذرگاہوں پر بیٹھ کر آنے جانے والوں پر آوازے کسنا اور انہیں تنگ کرنا کنکریاں پھینکنا وغیرہ میں ممتاز تھی جسے اللہ نے یہاں خبائث سے تعبیر کیا ہے، بالآخر حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کر کے یعنی انہیں اور ان کے متبعین کو بچا کر قوم کو تباہ کر دیا گیا۔

وَاذكر **نُوْحًا** وما بعدَه بَدَلٌ منه **اِذْ نَادٰی** اى دَعَا علٰى قومِه بقوله **ربِّ لَا تَذَرْ** الخ **مِنْ قَبْلُ** اى قَبلَ ابراهيمَ ولوطٍ **فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهُ** الَّذين فى سَفِينَتِه **مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ**۞ اى الغَرَقِ وتَكْذِيبِ قومِه له **وَنَصَرْنٰهُ** مَنَعْنَاهُ **مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا** الدالَّةِ على رِسَالَتِه اَنْ لَايَصِلُوْا اِلَيه بسُوْءٍ **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ**۞ **وَ**اذكر **دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ** اى قِصَّتَهُمَا ويُبْدَلُ منهما **اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ** هو زرعٌ او كَرْمٌ **اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ** اى رَعَتْهُ لَيْلًا بِلَا رَاعٍ بِاَنْ اِنْفَلَتَتْ **وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ**۞ فيه استعمالُ ضميرِ الجمعِ لِاثْنَيْنِ قال داوٗد عليه السلام لِصاحبِ الحرثِ رِقابَ الغنمِ وقال سليمانُ عليه السلام يَنْتَفِعُ بِدَرِّهَا ونَسْلِهَا وصُوْفِهَا الى اَنْ

يَعُوْدَ الحرْثُ كما كان بِاِصْلَاحِ صاحِبِها فيَرُدَّها اليه فَفَهَّمْنَاهَا اى الحكومة سُلَيْمَانَ وحُكْمُهما باجتهادٍ ورَجَعَ داوٗدُ الى سليمانَ وقيل بوَحْيٍ والثانى ناسخٌ لِلْاَوَّلِ وَكُلًّا مِنهُما اٰتَيْنا حُكْمًا نُبُوَّةً وَّعِلْمًا بِاُمُوْرِ الدين وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ كذٰلك سَخَّرْنَا لِلتَّسْبِيح معه لِاَمْرِهٖ بِهٖ اذا وَجَدَ فَتْرَةً لِيَنْشَطَ لَهٗ وَكُنَّا فَاعِلِيْنَ○ تَسْخِيْرَ تَسْبِيْحِهِمَا معه وان كان عَجَبًا عندكم اى مُجَاوِبَتُه لِلسَّيِّدِ داوٗدَ عليه السلام وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ وهى الدِّرْعُ لِاَنَّها تُلْبَسُ وهو اولُ مَنْ صَنَعَها وكانت قَبْلَها صَفَائِحَ لَّكُمْ فِى جُمْلَةِ الناسِ لِتُحْصِنَكُمْ بالنون لِلّٰهِ وبالتحتانية لِدَاوٗدَ وبالفوقانِيَةِ لِلَّبُوْسِ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ حَرْبِكم مع اَعْدَاءِكم فَهَلْ اَنْتُمْ يا اَهْلَ مَكَّةَ شٰكِرُوْنَ○ نِعَمِى بتَصْدِيْقِ الرُّسُلِ اى اشْكُرُوْنِى بذٰلك وَسَخَّرْنَا لِسُلَيْمَانَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً وفى اٰية اُخرىٰ رُخَاءً اى شَدِيْدَةَ الهُبُوْبِ وخَفِيْفَتَهٗ بحَسْبِ اِرَادتِهٖ تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وهى الشَّامُ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِيْنَ○ من ذٰلك عِلْمُه تعالٰى باَنَّ مَايُعْطِيْهِ سُلَيْمَانَ يَدْعُوْهُ الى الخُضُوْعِ لِرَبِّهٖ فَفَعَلَهٗ تعالٰى عَلٰى مُقْتَضٰى عِلْمِهٖ وَسَخَّرْنَا مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ يَدْخُلُوْنَ فى البَحْرِ فيُخْرِجُوْنَ مِنْهُ الجَوَاهِرَ لِسُلَيْمَانَ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ اى سِوَى الغَوْصِ من البناءِ وغَيْرِهٖ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ○ مِنْ اَنْ يُّفْسِدُوْا مَا عَمِلُوْا لِاَنَّهُمْ كَانُوْا اذا فَرَغُوْا مِنْ عَمَلٍ قَبْلَ اللَّيْلِ اَفْسَدُوْهُ اِنْ لَم يُشْتَغَلُوْا بِغَيْرِهٖ .

ترجمہ

اور یاد کیجئے نوح علیہ السلام کے اس وقت کو جب کہ انہوں نے اپنی قوم کے لئے ابراہیم اور لوط علیہما السلام سے پہلے اپنے قول رَبِّ لاتَذَرْ الخ کے ذریعہ بددعاء فرمائی تو ہم نے ان کی دعا قبول کی تو ہم نے ان کو اور ان کے اہل کو جو کہ اس کی کشتی میں (سوار) ہوئے کرب عظیم یعنی غرق ہونے سے اور اس کی قوم کے اس کی تکذیب کرنے سے نجات دی اور ہم نے اس کی مدد کی یعنی اس کی حفاظت کی اس قوم سے جس نے ہماری ان آیتوں کی تکذیب کی جو اس کی رسالت پر دلالت کرتی تھیں تاکہ برائی کے ساتھ اس تک رسائی نہ ہو سکے یقیناً وہ برے لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو غرق کردیا اور داؤد اور سلیمان یعنی ان کے قصہ کا ذکر کیجئے اور واذکر داؤد اور سلیمان سے اِذْ یحکمان فی الحرثِ بدل ہے، جبکہ وہ کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے وہ کھیتی یا تو غلہ کی تھی یا انگور کی جبکہ ایک قوم کی بکریاں اس میں جا گھسیں تھیں یعنی چرواہے کے بغیر رات کو چر گئیں تھیں اس طریقہ سے کہ اس میں پھیل گئیں تھیں اور ہم ان کے

فیصلہ کو دیکھ رہے تھے اس میں دو کے لئے جمع کی ضمیر کا استعمال ہوا ہے، داؤد علیہ السلام نے کھیتی والے کے لئے (نقصان) کے عوض بکریوں کا فیصلہ کیا، اور حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ کھیتی والا بکریوں کے دودھ اور ان کی نسل اور ان کی اون سے فائدہ اٹھائے یہاں تک کہ کھیتی بکریوں والے کی اصلاح سے اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے تو کھیتی کا مالک بکریاں بکریوں کے مالک کو واپس کردے، تو ہم نے سلیمانؑ کو فیصلہ کی سمجھ عطا فرمائی اور دونوں کا فیصلہ اجتہاد سے تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کی طرف رجوع فرمایا اور کہا گیا ہے کہ دونوں کے فیصلے وحی کے ذریعہ تھے لیکن ثانی فیصلہ اول کے لئے ناسخ ہے، اور ہم نے دونوں کو حکم یعنی نبوت اور امور دین کا علم عطا کیا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد علیہ السلام کے تابع کردیا تھا کہ وہ تسبیح کیا کرتے تھے اور اسی طرح پرندوں کو بھی تسبیح کے لئے داؤد علیہ السلام کے تابع کردیا تھا یعنی ان کے حکم کے تابع کردیا تھا کہ جب وہ سستی محسوس کرتے تھے تو ان کو تسبیح کا حکم دیتے تھے داؤدؑ کے ساتھ دونوں کی تسبیح خوانی کو مسخر کرنے والے ہم ہی تھے، اگرچہ داؤد علیہ السلام کے حکم پر (ان دونوں کا) لبیک کہنا تمہارے نزدیک عجیب تھا اور ہم نے تمہارے نفع کے لئے منجملہ دیگر لوگوں کے داؤد علیہ السلام کو مخصوص لباس سازی کا ہنر سکھایا اور وہ زرہ تھی (اس کو لبوس کہا جاتا ہے) اس لئے کہ وہ پہنی جاتی ہے، حضرت داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے زرہ بنائی اور اس سے قبل لوہے کی پلیٹوں کا رواج تھا تاکہ ہم تم کو دشمن کے ساتھ جنگ میں ایک دوسرے کی زد سے بچائیں لِنُحْصِنَكُمْ اگر نون کے ساتھ ہو تو لنحصنكم کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہوگی اور یائے تحتانیہ کے ساتھ ہو تو ضمیر حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف راجع ہوگی اور اگر تائے فوقانیہ کے ساتھ ہو تو ضمیر لبوس کی طرف راجع ہوگی، تو اے اہل مکہ کیا تم میری نعمتوں کا رسولوں کی تصدیق کرکے شکر گذار بنو گے یعنی رسولوں کی تصدیق کرکے میرا شکر ادا کرو اور ہم نے تابع کردیا سلیمانؑ کے تیز ہوا کو اور دوسری آیت میں رُخاءً ہے یعنی نرم ہوا کو یعنی تیز رفتار اور سست رفتار (دونوں قسم کو تابع کردیا) ان کے ارادہ کے مطابق وہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور وہ شام ہے اور ہم ہر چیز سے باخبر ہیں اور ان تمام چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ علم بھی ہے کہ وہ سلیمان علیہ السلام کو جو کچھ عطا کر رہا ہے وہ سلیمانؑ کو اپنے رب کے حضور خشوع وخضوع کی دعوت دے گا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقتضائے علم کے مطابق عمل کیا اور ہم نے بعض ایسے شیاطین کو تابع کردیا تھا کہ جو سلیمان کے لئے دریا میں غوطہ لگاتے تھے اور دریا سے سلیمان کے لئے جواہرات نکالتے تھے اور اس کے یعنی غوطہ خوری کے علاوہ تعمیر وغیرہ کا کام بھی کرتے تھے اور ان کی نگرانی کرنے والے ہم ہی تھے اس بات سے کہ جو کچھ وہ تیار کریں اس کو خراب نہ کردیں، اس لئے کہ ان کا یہ معمول تھا کہ جب وہ رات آنے سے پہلے کام سے فارغ ہوجاتے تھے تو اگر ان کو دوسرے کام میں مشغول نہ کیا جاتا تو جو کچھ کیا ہوا کام ہوتا تھا اس کو خراب کردیتے تھے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ نوحًا اس کے منصوب ہونے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں ۱ اس کا عطف **لوطاً** پر ہو اس صورت میں اس کا عامل ناصب وہی ہوگا جو **لوطاً** کا ہے اور وہ آتینا محذوف ہے جس کی تفسیر آتَیْنٰہُ مذکور کر رہا ہے اور اسی طرح داؤد وسلیمان میں بھی ہوگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی ونوحاً آتیناہ حکما وداؤد وسلیمان آتیناھُمَا حکمًا اس صورت میں اِذ نادیٰ نوحًا سے بدل الاشتمال ہوگا ۲ اذکر فعل محذوف اس کا ناصب ہو، جیسا کہ صاحب جلالین نے اشارہ کیا ہے نوحًا سے پہلے مضاف محذوف ہے ای اذکر قصتہٗ اس صورت میں اذ نادیٰ مضاف محذوف کی وجہ سے منصوب ہوگا ای خَبْرَھم الواقع فی وقت کان کَیْتَ وکَیْتَ **وقولہ** من قبلُ ای قبل ھٰؤلاءِ المذکورین، حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور ساڑھے نوسو سال تک قوم کو تبلیغ کی اور طوفان کے بعد ساٹھ سال بقید حیات رہے، اس حساب سے آپ کی عمر مبارک ایک ہزار پچاس سال ہوئی اِذا نادیٰ نوحًا سے بدل الاشتمال ہے نادیٰ کی تفسیر دَعًا علی قومہٖ سے کرکے اشارہ کردیا کہ نادیٰ بمعنی دعا علیہ ہے جو کہ بددعاء کے لئے مستعمل ہے **قولہ** ونصرناہُ کی تفسیر منعناہُ سے کرکے اشارہ کردیا کہ نَصَرَ مَنَعَ کے معنی کو متضمن ہے جس کی وجہ سے اس کا صلہ مِنْ لانا درست ہے ورنہ تو نصر کا صلہ علیٰ آتا ہے **قولہ** أن لایَصِلَ اِلَیہ ای لِئَلاَّ یَصِلَ الیہ بسوءٍ یہ منعناہ کی علت ہے وَ اذکر داؤد وسلیمان حضرت داؤد علیہ السلام سو سال بقید حیات رہے، حضرت داؤد اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچسو انہتر سال کا وقفہ ہے، اور حضرت سلیمان پانچسو انسٹھ سال بقید حیات رہے اور حضرت سلیمان اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ ہے (جمل) **قولہ** زرع غلہ کی کھیتی کَرْمٌ انگور کی کھیتی **قولہ** نَفَشَتْ النفش الرعی باللیل بلا راعٍ بغیر چرواہے کے بکریوں کا رات میں کھیتی کو چر کر خراب کردینا بابہٗ (ض، ن، س) اور ھَمَلٌ کہتے ہیں دن میں بغیر چرواہے کے کھیتی کو چر کر خراب کردینا، لِحُکْمِھِمْ میں تثنیہ کے بجائے جمع کی ضمیر یا تو مجازاً استعمال ہوتی ہے یا اَقَلِّ جمع کے طور پر رقاب الغنم ای عوضاً عمافات من حرثہٖ **قولہ** یُسَبِّحْنَ، الجبالَ سے حال ہے ای مُسَبِّحَۃً اور بعض حضرات نے جملہ مستانفہ بھی کہا ہے گویا کہ کسی سائل نے سوال کیا کیف سخرھُنَّ؟ فقال یُسَبِّحْنَ **قولہ** والطَّیْرَ الجبالَ پر عطف کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے اور مفعول معہ کی وجہ سے بھی، بعض قرأتوں میں والطیرُ مرفوع بھی ہے، اس صورت میں یا تو یہ مبتداء ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی ای والطیر مسخرات ایضًا یا یُسَبِّحْنَ کی ضمیر پر عطف ہوگا لیکن اس صورت میں ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید یا فصل ضروری ہوگا مگر یہ بصریین کے نزدیک ہے کوفیین کے نزدیک ضروری نہیں ہے **قولہ** لِاَمْرِہٖ بہٖ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور مفعول محذوف ہے ای لامر داؤد لھُمَا بہٖ ای

بالتسبیح اذا وَجَدَ داؤدُ فترةً یعنی داؤد علیہ السلام جب ذکر و تسبیح میں سستی محسوس کرتے تھے تو پہاڑوں اور پرندوں کو تسبیح کرنے کا حکم فرماتے تھے تاکہ ذکر و تسبیح کی فضا قائم ہوکر نشاط پیدا ہوجائے اور سستی ختم ہوجائے صَفَائِحُ جمع صَفِیْحَۃٍ ہر چوڑی چیز، پتھر کی ہو یا لوہے کی لَکُمْ عَلَّمنا کے متعلق ہے اور کائن محذوف سے متعلق ہوکر لبُوسٌ کی صفت بھی ہوسکتی ہے ای لبوسٌ کائنٌ لکم پہلی صورت میں لام تعلیل کے لئے ہوگا ای علمناه لاجلکم اور لیحصنکم اعادہ جار کے ساتھ بدل ہوگا ای لکم لاحصانکم اور دوسری صورت میں علمنا سے متعلق ہوگا **قوله** فی جملة الناس ای مع جملة الناس من جملة الناس سے اس شبہ کا جواب ہے کہ لکم کے مخاطب اہل مکہ ہیں حالانکہ اہل مکہ حضرت داؤد کے زمانہ میں موجود بھی نہیں تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسی نعمت ہے کہ جو بعد میں منجملہ دیگر لوگوں کے اہل مکہ کو بھی پہنچی **قوله** بحسب ارادته اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یہاں ریح کی صفت عاصفة لائی گئی ہے جس کے معنی ہیں تیز ہوا اور دوسری آیت میں رُخاءً کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں نرم ہوا، دونوں میں تنافی اور تضاد معلوم ہوتا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہوا کی شدت اور رخاءت حضرت سلیمان علیہ السلام کے ارادہ کے مطابق ہوتی تھی جیسا حکم فرماتے ہوا ویسی ہی چلتی تھی **قوله** من ذٰلك علمهٗ تعالیٰ یہ خبر مقدم ہے اور علمه بأنّ مایعطیه الخ مبتداء مؤخر ہے **قوله** من یغوصون له مَنْ موصولہ اور موصوفہ دونوں ہوسکتا ہے اور الریح پر عطف ہونے کی وجہ سے جملہ ہوکر محلاً منصوب ہوگا ای سخرنا له الریح عاصفةً ومن یغوصون له اور یغوصون کو جمع لانا مَنْ کے معنی کی رعایت کی وجہ سے ہے۔

تفسیر و تشریح

وَنُوْحًا اِذْنَادٰی مِنْ قَبْلُ، مِنْ قبلُ سے مراد ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام سے **پہلے** ہونا مراد ہے، اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی نداء (بددعاء) کا ذکر مجملاً واشارۃً آیا ہے، اس کا بیان سورۂ نوح میں صراحتاً اور تفصیلاً آیا ہے، اور وہ یہ ہے رَبِّ لاتَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا یعنی اے میرے پروردگار روئے زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑ، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا اس طرح قبول فرمائی، کہ پوری قوم کو غرق طوفان کردیا، کرب عظیم سے مراد کیا ہے؟ کرب عظیم سے یا تو وہ عمومی طوفان مراد ہے جس میں پوری قوم غرق ہوئی اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو نجات ملی یا کرب عظیم سے وہ ایذائیں مراد ہیں جو طوفان سے پہلے ان کی قوم ان کو اور ان کے مومن ساتھیوں کو پہنچاتے تھے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے فاستجبنا لهٗ فنجّینٰهٗ وأهلهٗ مِنَ الکَرْبِ العظیمِ سے بیان فرمایا ہے۔

وَاذکر داؤد وسلیمان حضرات مفسرین نے یہ قصہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے

شخص کے کھیت میں رات کے وقت جا گھسیں اور اس کی کھیتی کو چر کر صاف کر دیا حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس اپنا مقدمہ لیکر آئے حضرت داؤد علیہ السلام جو کہ پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ حکمراں بھی تھے، یہ فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیت والے کے حوالہ کردی جائیں تا کہ اس کے نقصان کی تلافی ہوجائے، غالبًا بکریوں کی قیمت کھیت کے نقصان کے برابر تھی، یہ دونوں مدعی اور مدعیٰ علیہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت سے واپس ہوئے تو داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی، حضرت سلیمانؑ دریافت فرمایا کہ تمہارے مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوا؟ ان لوگوں نے فیصلہ سنایا حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ اگر میں اس مقدمہ کا فیصلہ کرتا تو کچھ اور ہوتا جو فریقین کے لئے زیادہ نافع اور مفید ہوتا جب حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ بات معلوم ہوئی تو حضرت سلیمانؑ سے معلوم کیا کہ وہ فیصلہ کیا ہے جو دونوں فریق کے لئے اس فیصلہ سے بہتر ہے؟ تو حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ آپ تمام بکریاں کھیت والے کو دیدیں کہ وہ ان کے دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھائے اور کھیت بکریوں والے کے حوالہ فرمادیں کہ وہ کھیت میں کاشت کر کے کھیت کی اصلاح کرے اور جب کھیت اپنی سابقہ حالت پر آجائے تو کھیت کھیت والے کو اور بکریاں بکریوں والے کو دلوادیں، حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ فیصلہ پسند آیا اور فرمایا بس اب فیصلہ یہی رہنا چاہئے۔

امام تفسیر مجاہدؒ کا قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمانؑ دونوں کے فیصلے اپنی جگہ درست ہیں، حقیقت اس کی یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو فیصلہ فرمایا تھا وہ ضابطہ کا فیصلہ تھا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو فرمایا وہ درحقیقت مقدمہ کا فیصلہ نہیں تھا بلکہ فریقین میں صلح کرانے کا ایک طریقہ تھا، اور قرآن میں **وَالصُّلْحُ خَيْرٌ** کا ارشاد وارد ہوا ہے، اس لئے یہ دوسری صورت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ٹھہری۔ (مظہری)

حضرت عمرؓ نے اپنے قاضیوں کو ہدایت دے رکھی تھی کہ جب آپ کے پاس دونوں فریقوں کا مقدمہ آئے تو پہلے ان دونوں میں رضامندی کے ساتھ صلح کرانے کی کوشش کریں اگر یہ ناممکن ہوجائے تو اپنا شرعی فیصلہ جاری کریں، اور حکمت اس کی یہ ارشاد فرمائی کہ حاکمانہ عدالتی فیصلے سے وہ شخص جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہو دب تو جاتا ہے مگر ان دونوں کے درمیان بغض وعداوت کا بیج قائم ہوجاتا ہے جو دو مسلمانوں میں نہیں ہونا چاہئے، بخلاف مصالحت کی صورت کے کہ اس سے دلوں کی منافرت بھی دور ہوجاتی ہے۔ (از معین الاسلام بحوالہ معارف القرآن)

فیصلہ کرنے کے بعد قاضی کا فیصلہ بدلا جاسکتا ہے یا نہیں، یا کسی کے جانور دوسرے آدمی کی جان یا مال کو نقصان پہنچادیں تو فیصلہ کیا ہونا چاہئے؟ ان سب مسائل فقہیہ کی تفصیل کیلئے قرطبی یا معارف القرآن کی طرف رجوع کریں۔

وسخرنا مع داؤد الجبال الآیۃ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کے تسبیح پڑھنے کا یہ مقصد نہیں کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تو اس کی آواز بازگشت پہاڑوں سے سنائی دیتی تھی اس لئے کہ یہ بات تو ہر شخص کے ساتھ ہوسکتی ہے پھر داؤد علیہ السلام کی کیا خصوصیت رہی؟ حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اس صفت کو قرآن کریم

نے بطور خاص ذکر کیا ہے اور بطور معجزہ کے بتایا ہے اور معجزہ کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ پرندوں اور پہاڑوں میں حیات وشعور ہو بلکہ بطور معجزہ ہر غیر ذی شعور میں بھی شعور پیدا ہوسکتا ہے، اس کے علاوہ تحقیق بھی ہے کہ پہاڑوں اور پتھروں میں بھی ان کی حیثیت کے بقدر شعور موجود ہے۔

اِنَّا کُنَّا فَاعِلِیْنَ یعنی یہ تفہیم، ایتائے حکم اور تسخیر ان سب کے کرنے والے ہم ہی تھے اس لئے ان میں کسی کو تعجب یا انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ الآیۃ حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھانے کا سبب یہ ہوا کہ ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس سے دو فرشتے انسانی شکل میں گذرے ایک نے دوسرے سے کہا، داؤد کیا ہی خوب شخص تھا اگر بیت المال سے اپنا خرچ نہ لیتا، تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ یا الٰہ العالمین تو مجھے کوئی ایسی صنعت سکھادے جس کے ذریعہ میں اپنی روزی کما سکوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی پسندیدہ لوہے کی صنعت سکھائی اور ان کے لئے لوہے کو موم کے مانند نرم کردیا وہ بغیر گرم کئے جس طرح چاہتے لوہے کو موڑ لیتے تھے، حلقہ اور کڑیوں دار زرہ سب سے اول حضرت داؤد علیہ السلام ہی نے بنائی اگرچہ پلیٹ اور تختوں کی شکل میں زرہ کا استعمال پہلے سے بھی تھا۔

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی جہادی گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے عصر کی نماز قضا ہوگئی تو ان کو بہت غم وغصہ ہوا اور چونکہ بظاہر گھوڑے قضاء صلوٰۃ کا سبب ہوئے تھے، جس کی وجہ سے آپ کو اَلْغَضَبُ لِلّٰهِ کے قاعدہ سے گھوڑوں پر غصہ آیا جس کی وجہ سے آپ نے گھوڑوں کو ذبح کردیا، اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کے بجائے ان سے بھی تیز رفتار ہوا کو آپ کے حکم کے تابع کردیا، یعنی جس طرح پہاڑ اور پرندے ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے مسخر کردیئے گئے تھے اسی طرح ہوا کو حضرت سلیمانؑ کے تابع کردیا گیا تھا حضرت سلیمانؑ اپنے اعیان سلطنت سمیت تخت پر بیٹھ کر جہاں چاہتے مہینوں کی مسافت ساعتوں اور لمحوں میں طے کرکے وہاں پہنچ جاتے، ہوا آپ کے تخت کو اڑا کر لے جاتی۔

وَمِنَ الشَّیٰطِیْنِ الآیۃ یعنی جنات بھی حضرت سلیمان کے تابع تھے جو ان کے حکم سے سمندروں میں غوطے لگاتے اور موتی اور جواہرات نکال لاتے اسی طرح دیگر عمارتی کام بھی انجام دیتے جو آپ چاہتے تھے۔

وَکُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ مفسرین نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں ایک تو وہی ہے جو ترجمہ کے ضمن میں بیان ہوا ہے اور جس کی مفسر علام نے بھی صراحت کی ہے وہ یہ کہ رات آنے سے پہلے اگر وہ کام سے فارغ ہوجاتے تو کیا ہوا کام خراب کردیتے تھے، اس کے لئے یہ ضروری ہوتا تھا کہ اگر رات آنے سے پہلے وہ مفوضہ کام سے فارغ ہوجائیں تو ان کو دوسرا کام سپرد کردیا جائے، دوسرا مطلب مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ باوجودیکہ جنات میں سرکشی اور نافرمانی کا

عنصر زیادہ ہوتا ہے جس کا مقتضیٰ تھا کہ وہ حضرت سلیمانؑ کی نافرمانی کریں یا خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کو گزند پہنچائیں مگر ہم ہی ان کو قابو میں کئے ہوئے تھے جس کی وجہ سے وہ حکم عدولی و گزند پہنچانے پر قادر نہیں ہوتے تھے۔

وَاذْكُرْ اَيُّوْبَ ويُبْدَلُ منه اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ لَمَّا ابْتُلِىَ بفَقْدِ جَمِيْعِ مَالِهٖ وَوَلَدِه وتَمْزِيْقِ جَسَدِه وهَجْرِ جَمِيْعِ النَّاسِ له اِلَّا زَوْجَتَهٗ سِنِيْنَ ثَلَاثًا او سَبْعًا او ثَمَانِى عَشْرَةَ وَضِيْقِ عَيْشِهٖ اَنِّىْ بفَتْحِ الهَمْزَةِ بِتَقْدِيْرِ البَاءِ مَسَّنِىَ الضُّرُّ اى الشِّدَّةُ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ نِدَاءَهٗ فَكَشَفْنَا مَابِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ اَوْلَادَهُ الذُّكُوْرَ والاِنَاثَ بانْ اُحْيُوْا له وكُلٌّ مِنَ الصِّنْفَيْنِ ثَلَاثٌ او سَبْعٌ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ مِنْ زَوْجَتِهٖ وَزِيْدَ فِى شَبَابِهَا وكَانَ له اَنْدَرٌ لِلْقَمْحِ وَاَنْدَرٌ للشَّعِيْرِ فَبَعَثَ اللّٰهُ سَحَابَتَيْنِ اَفْرَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلٰى اَنْدَرِ القَمْحِ الذَّهَبَ والاُخْرٰى عَلٰى اَنْدَرِ الشَّعِيْرِ الوَرِقَ حَتّٰى فَاضَ رَحْمَةً مَفْعُوْلٌ له مِّنْ عِنْدِنَا صِفَةٌ وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ○ ليَصْبِرُوا فيُثَابُوْا وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ○ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ وعَنْ مَعَاصِيْهِ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِىْ رَحْمَتِنَا ؕ من النُّبُوَّةِ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ○ لَهَا وسُمِّىَ ذَالكِفْلِ لانه تَكَفَّلَ بِصِيَامِ جَمِيْعِ نَهَارِهٖ وبِقِيَامِ جَمِيْعِ لَيْلِهٖ وَاَنْ يَقْضِىَ بَيْنَ النَّاسِ ولَا يَغْضِبَ فوَفٰى ذٰلك وقِيلَ لم يَكُنْ نَبِيًّا وَاذْكُرْ ذَا النُّوْنِ صَاحِبَ الحُوْتِ وهو يُوْنُسُ بْنُ مَتّٰى ويُبْدَلُ منه اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا لقَوْمِهٖ اى غَضْبَانَ عَلَيْهِم مِمَّا قَاسٰى مِنْهم ولم يُؤْذَنْ له فى ذٰلك فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ اى نَقْضِىَ عليه مَا قَضَيْنَا مِنْ حَبْسِهٖ فى بَطْنِ الحُوْتِ او نُضَيِّقَ عليه بذٰلك فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ وظُلْمَةِ البَحْرِ وظُلْمَةِ بَطْنِ الحُوْتِ اَنْ اى بانْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ○ فى ذِهَابِى مِنْ بَيْنِ قَوْمِى بلَا اِذْنٍ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ بتلك الكَلِمٰتِ وَكَذٰلِكَ كما اَنْجَيْنَاه نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ○ مِنْ كُرَبِهِمْ اذا اسْتَغَاثُوْا بنَادَاعِيْنَ وَاذْكُرْ زَكَرِيَّا ويُبْدَلُ منه اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ بقَوْلِهٖ رَبِّ لَاتَذَرْنِىْ فَرْدًا اى بلَا وَلَدٍ يَرِثُنِىْ وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ○ البَاقِى بَعْدَ فَنَاءِ خَلْقِكَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ نِدَاءَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَلَدًا وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ فَاَتَتْ بالوَلَدِ بَعْدَ عُقْمِهَا اِنَّهُمْ اى مَنْ ذُكِرَ مِنَ الاَنْبِيَاءِ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ يُبَادِرُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ الطَّاعَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا فى رَحْمَتِنَا وَّرَهَبًا ؕ مِنْ عَذَابِنَا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ○ مُتَوَاضِعِيْنَ فى عِبَادَتِهِم وَاذْكُرْ مَرْيَمَ الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا حَفِظَتْهُ مِنْ اَنْ يُّنَالَ فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا اى جِبْرِيْلَ حَيْثُ نَفَخَ فِى جَيْبِ دِرْعِهَا فَحَمَلَتْ بِعِيْسٰى وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○ الاِنْسِ والجِنِّ والمَلَائِكَةِ حَيْثُ وَلَدَتْهُ مِنْ غَيْرِ فَحْلٍ اِنَّ هٰذِهٖٓ اى مِلَّةَ الاِسْلَامِ اُمَّتُكُمْ

دِیْنُکُمْ اَیُّھَا الْمُخَاطَبُوْنَ ای یَجِبُ اَنْ تَکُوْنُوْا عَلَیْھَا اُمَّۃً وَّاحِدَۃً حَالٌ لَازِمَۃٌ وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ○ وَحِّدُوْنِ وَتَقَطَّعُوْآ ای بَعْضُ الْمُخَاطَبِیْنَ اَمْرَھُمْ بَیْنَھُمْ ط ای تفرَّقُوْا اَمْرَ دِیْنِھِم مُتَخَالِفِیْنَ فیہ وھُمْ طَوَائِفُ الیَھُوْدِ والنَّصَارٰیٰ قال تعالٰی کُلٌّ اِلَیْنَا رَاجِعُوْنَ○ ع ای فنُجازِیْہِ بِعَمَلِہٖ.

ترجمہ

اور یاد کر ایوب علیہ السلام کی حالت کو اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اَیُّوْبَ سے بدل ہے، جبکہ ان کو ان کے تمام مال و اولاد کو ہلاک کر کے اور ان کے جسم کو پارہ پارہ کر کے اور ان کی بیوی کے علاوہ تمام لوگوں کے ان کو تین سالوں یا سات سالوں یا اٹھارہ سالوں تک چھوڑ دینے اور ان کو تنگ زندگی کے ذریعہ آزمایا گیا اَنِّیْ ہمزہ کے فتحہ اور با کی تقدیر کے ساتھ ہے، یعنی اس وقت کو یاد کرو جب ایوب علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو تکلیف لاحق ہو گئی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو جو تکلیف تھی وہ دور کر دی اور ہم نے ان کو ان کے اہل یعنی اولاد ذکور اور اناث عطا کئے اس طریقہ سے کہ وہ زندہ کر دیئے گئے دونوں جنسیں (مذکر و مؤنث) تین تین تھے یا سات سات اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی ان کی بیوی سے اور ان کی بیوی پر شباب لوٹا دیا گیا، اور ان کا ایک کھلیان گندم کا تھا اور ایک جو کا، تو اللہ تعالیٰ نے دو بدلیاں بھیجیں ایک بدلی نے گندم کے کھلیان پر سونا برسایا اور دوسری نے جو کے کھلیان پر چاندی برسائی یہاں تک کہ بہہ پڑے اپنی خصوصی رحمت کی وجہ سے رحمۃً آتیناہُ کا مفعول لہ ہے اور مِن عندنا (کائنۃً) سے متعلق ہو کر رحمۃً کی صفت ہے اور بندگی کرنے والوں کی نصیحت کے لئے تاکہ صبر کریں پس ان کو ثواب عطا کیا جائے، اور اسماعیل و ادریس و ذوالکفل علیہ السلام کا تذکرہ کیجئے یہ سب صابرین میں سے تھے اللہ کی اطاعت پر اور اس کی معصیت سے باز رہنے پر اور ہم نے ان سب حضرات کو اپنی رحمت یعنی نبوت میں داخل کر لیا تھا اور ان میں اس (نبوت) کی صلاحیت تھی اور ذوالکفل کا ذوالکفل اس وجہ سے نام رکھا گیا کہ انہوں نے دن میں روزہ رکھنے کو اور پوری رات نماز پڑھنے کو اور اس بات کو کہ لوگوں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کریں گے اور غصہ نہ کریں گے لازم کر لیا تھا چنانچہ انہوں نے اس ذمہ داری کو خوب نبھایا، کہا گیا ہے کہ ذوالکفل نبی نہیں تھے اور ذوالنون یعنی مچھلی والے کا تذکرہ کیجئے اور وہ یونس بن متّٰی ہیں اور اِذْ ذھَبَ مُغَاضِبًا ذاالنون سے بدل ہے یعنی اس وقت کو یاد کرو کہ جب مچھلی والا اپنی قوم سے ان کی طرف سے تکلیف اٹھانے کی وجہ سے ناراض ہو کر چل دیا حالانکہ اس کو جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی تو اس نے یہ سمجھا کہ ہم بغیر اجازت چلے جانے پر کچھ دار و گیر نہ کریں گے یعنی مچھلی کے پیٹ میں قید کرنے کا جو فیصلہ ہم نے کر لیا ہے وہ نہ کریں گے، یا اس کی وجہ سے ہم اس پر تنگی نہ کریں گے آخر کار وہ اندھیروں میں پکار اٹھا یعنی رات کی ظلمت اور دریا کی ظلمت اور مچھلی کے پیٹ کی ظلمت سے کہ اے الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں ظالموں میں سے ہو گیا بغیر اجازت قوم کے درمیان سے چلے جانے کی وجہ سے تو ہم نے اس کی دعا سن لی اور مذکورہ

کلمات دعاء کی بدولت اس کو غم سے نجات دیدی اور جس طرح اس کو بچالیا اسی طرح ہم ایمان والوں کو ان کے کرب سے بچالیا کرتے ہیں جب وہ ہم سے دعا کرتے ہوئے فریاد کرتے ہیں اور زکریا کا تذکرہ کرو اذ نادیٰ ربّہ زکریا سے بدل واقع ہے، جب اس نے اپنے رب کو ربِّ لاتذرنی فردًا کے الفاظ سے پکارا یعنی اے میرے پروردگار تو مجھے تنہا یعنی بلا ولد کے جو میرا وارث ہو نہ چھوڑیئے اور تو سب سے بہتر وارث ہے یعنی تیری تمام مخلوق کے فنا ہونے کے بعد تو ہی باقی رہنے والا ہے تو ہم نے اس کی دعا کو قبول کرلیا اور ہم نے اس کو یحییٰ لڑکا عطا کیا اور ہم نے اس کے لئے اس کی بیوی کو درست کردیا اور بانجھ رہنے کے بعد اس نے بچہ جنا اور بے شک وہ لوگ یعنی وہ انبیاء جن کا ذکر ہوا نیک کاموں یعنی طاعتوں میں جلدی سبقت کرتے تھے اور وہ ہم کو امید وبیم یعنی ہماری رحمت کی امید اور ہمارے عذاب کے خوف کے ساتھ ہم کو پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے یعنی اپنی عبادت میں خشوع وخضوع کرنے والے تھے اور بی بی مریم کا بھی تذکرہ کیجئے جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی یعنی اس تک رسائی دینے سے اس کی حفاظت کی اور ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونک دی یعنی جبرائیلؑ نے اس طریقہ سے کہ اس کے گریبان میں پھونک ماردی چنانچہ بی بی مریم عیسیٰ سے حاملہ ہوگئیں اور ہم نے خود ان کو اور ان کے بیٹے کو عالم والوں یعنی انسانوں اور جناتوں اور فرشتوں کے لئے نشانی بنادیا اس لئے کہ انہوں نے مرد کے بغیر بچہ جنا بے شک یہ یعنی ملت اسلامیہ اے مخاطبو! تمہاری ایک ہی ملت ہے تمہارے لئے ضروری ہے کہ اسی پر قائم رہو امۃً واحدۃً حال لازمہ ہے اور میں تم سب کا رب ہوں لہٰذا میری ہی بندگی کرو یعنی میری توحید کے قائل ہوجاؤ مگر بعض مخاطبین آپس میں اپنے دین میں فرقہ بندیاں کرلیں یعنی اپنے دینی معاملہ میں اختلاف کرنے کی وجہ سے متفرق ہوگئے اور وہ یہود ونصاریٰ کے گروہ تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سب کے سب ہماری طرف لوٹنے والے ہیں یعنی ہم ان میں سے ہر ایک کے عمل کا بدلہ دیں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

واذکر اَیُّوبَ ویُبْدَلُ منه اِذ نادیٰ رَبَّهٗ اِذْ نادیٰ رَبَّهٗ ایوب یعنی اس کے مضاف محذوف سے بدل ہے ای خَبَرَ اَیُّوب سے **قوله** لَمَّا ابتلی نادیٰ کے متعلق ہے **قوله** وضیق عیشه اور ضُیِّقَ مبنی للمفعول پڑھا جائے تو اُبْتُلِیَ پر عطف ہوگا، اور ضِیْق مصدر پڑھا جائے تو فَقْدِ پر عطف ہوگا اور با کے تحت ہوگا ای اُبْتلی بضِیقِ عَیْشِهٖ **قوله** سنین ثلاثاً یہ اُبْتُلِیَ کا ظرف ہے **قوله** اَنْدَرَ بروزن بَنْدَرْ کھلیان (ج) انادِرٌ اہل شام کی زبان بَیْدَرٌ بروزن خَیْبَرٌ کہتے ہیں موضع الذی یُدَاسُ فیه الطعام **قوله** رَحْمَةً یہ آتیناه کا مفعول لہ ہے، اور فعل مقدر کا مفعول مطلق بھی ہوسکتا ہے ای رَحِمناه رحمةً (والاول اظہر) **قوله** مِن عندنا رحمةً کی صفت ہے ای رَحْمَةً کائنةً من عندِنا اور ذکریٰ للعابدین میں عابدین کی تخصیص اس لئے ہے کہ اس قسم کے واقعات سے

عابدین ہی منتفع ہوتے ہیں **قولہ** لِیَصْبِرُوْا ای کما صَبَرَ ایوب فاثیبَ **قولہ** وَاَدْخَلْنٰھُمْ کا عطف فعل مقدر پر ہے ای فاَعْطیناھم ثوابَ الصابرینَ واَدْخَلْنٰھُمْ فی رحمتنا **قولہ** وذَا الکفلِ ان کا نام بشر ابن ایوبؑ ہے اور ذوالکفل ان کا لقب ہے ذوالنون یہ لقب ہے اصل نام یونس بن متّی بروزن شتّی ہے چونکہ یونس علیہ السلام چند ایام مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے اسی وجہ سے ان کا لقب ذوالنون ہوگیا **قولہ** مُغاضِبًا یہ ذَھَبَ کی ضمیر سے حال اور باب مفاعلہ سے ہے جو اکثر مشارکت کے لئے آتا ہے مگر یہاں مشارکت کے لئے نہیں ہے بلکہ عاقبت اللص کے قبیل سے ہے یعنی وہ قوم سے ناراض ہوکر چلے گئے مفسر علام نے ای غضبان کا اضافہ اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مشارکت کے لئے ہو یعنی یہ اپنی قوم سے ناراض ہوئے اور قوم ان سے ناراض تھی اس لئے کہ ابتداء امر میں قوم ایمان نہیں لائی تھی **قولہ** نقضی علیہ الخ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ لن نقدِرَ علیہ قَدْرٌ سے مشتق ہے نہ قدرۃ سے قدرٌ کے معنی فیصلہ کرنے یا تنگی کرنے کے ہیں، لہٰذا لن نقدِرَ علیہ کے معنی یا تو لن نقضی علیہ کے ہوں گے یعنی جو ہم فیصلہ کرچکے ہیں اس کا نفاذ نہ کریں گے، یا معنی یہ ہوں گے کہ ان پر تنگی نہ کریں گے، اور قدرۃ سے مشتق مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس پر قدرت نہیں رکھتے یہ کفریہ عقیدہ ہے ایک عام مسلمان بھی ایسا عقیدہ نہیں رکھ سکتا چہ جائیکہ نبی، **قولہ** أن لا الٰہ الاّ انتَ اس کی دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں ۱ اَنْ مخففہ عن المثقلہ ہو اور اس کا اسم محذوف ہو ای اَنَّہٗ اور اس کے بعد واقع ہونے والا جملہ منفیہ اس کی خبر ہو ۲ أن تفسیریہ ہو اس لئے کہ اَنْ تفسیریہ قول یا قول کے ہم معنی کے بعد واقع ہوتا ہے اور اس سے پہلے نادیٰ واقع ہے جو کہ قول کے ہم معنی ہے لہٰذا اَن کا تفسیریہ ہونا درست ہے **قولہ** یرِثنی ای اِرث نبوۃٍ وعلمٍ وحکمۃٍ **قولہ** وَاَنتَ خَیْرُ الوَارِثینَ یہ مقدر پر معطوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے فارزقنی وَارثا وَانت خیر الوارثین **قولہ** عُقْمٌ ای اِنسداد الرحم عن الولادۃ بالضمۃ والفتحۃ عقیم بانجھ جس میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہ ہو **قولہ** انھم کانوا یسارعون فی الخیرات یہ محذوف کی علت ہے ای نالوا ما نالوا لِاَنَّھُم کانوا یسارعون فیَ الخیرات یعنی ان حضرات کو جو فضائل ومراتب حاصل ہوئے اس کی علت تمام وجوہِ خیرات کی طرف سبقت کرنا تھا اصل خیرات میں ثبات واستقرار کے ساتھ ساتھ، یسارعون کا صلہ الیٰ کے بجائے فی لانے میں اسی کی طرف اشارہ ہے **قولہ** رَغَبًا ورَھَبًا یَدْعُوْنَ کے مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوسکتے ہیں اور مصدر موقع حال میں واقع ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتے ہیں ای یدعون راغبین وراھبین **قولہ** اَحْصنت فرجَھَا یہ موصوف محذوف کی صفت ہے جو کہ فعل محذوف اذکر کا معمول ہے جیسا کہ مفسر علام نے وضاحت کردی ہے ای اذکر مریَمَ التی الخ **قولہ** آیۃ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آیتین کہنا چاہئے تھا مگر چونکہ والدہ اور ولد دونوں مل کر آیت تھے اس لئے آیۃ کو واحد لایا گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک پر قیاس کرکے دوسرے کو حذف کردیا ہو اصل میں وجعلنھا آیۃ وابنھا آیۃ تھا، پہلی آیۃ

کو ثانی پر قیاس کرتے ہوئے حذف کردیا **قوله** اُمَّتُكُمْ اگر رفع کے ساتھ ہو تو اِنَّ کی خبر ہوگی اور اگر نصب کے ساتھ ہو تو بدل یا عطف بیان **قوله** اُمَّةً واحدةً یہ امتکم سے حال لازمہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس لئے کہ امت کے اندر خود وحدت اور جمعیت کے معنی موجود ہیں اور امة واحدة سے بھی یہی سمجھ میں آرہا ہے گویا کہ اُمَّةً واحدةً امتکم کے لئے معنی کے اعتبار سے لازم ہے **قوله** وهم طوائف اليهود والنصاریٰ اس کی تخصیص کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ مسلمانوں میں بھی تہتر فرقے ہوں گے **قوله** وَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ تَقَطَّعُوْا قَطَّعُوْا کے معنی میں ہے اور اَمْرَهُمْ اس کا مفعول بہ ہے اور اَمْرَهُمْ کے معنی فی امرِهِمْ کے ہیں۔

تفسیر وتشریح

حضرت ایوبؑ کا قصہ

حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ میں اسرائیلی روایات بڑی طویل ہیں، ان میں سے جن کو محدثین نے تاریخی درجہ میں قابل اعتماد سمجھا ہے وہ نقل کی جاتی ہیں، قرآن مجید سے تو صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کو کوئی شدید مرض لاحق ہوگیا تھا جس پر وہ صبر کرتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس مرض سے نجات ملی اور یہ کہ اس بیماری کے زمانہ میں ان کی اولاد واحباب سب غائب ہوگئے خواہ موت کی وجہ سے یا اور کسی دوسری وجہ سے پھر حق تعالیٰ نے ان کو صحت وعافیت عطا فرمائی اور جتنی اولاد تھی وہ سب ان کو دیدی بلکہ اتنی ہی اور بھی دیدی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ کے بعض اجزاء تو مستند احادیث میں موجود ہیں، زیادہ تر تاریخی روایات ہیں، خازن نے کہا ہے کہ ایوبؑ روم کے باشندہ تھے اور ان کا نسب عیص بن اسحٰق علیہ السلام سے ملتا ہے ان کی والدہ لوط بن ہاران کی اولاد میں سے تھیں جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادہ تھے حضرت ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ابتداء میں ہر قسم کے مال ودولت زمین جائداد مکانات اور سواریوں نیز اولاد وحشم وخدم سے نوازا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبرانہ آزمائش میں مبتلا کیا جس کی وجہ سے یہ سب چیزیں ختم ہوگئیں اور جسم میں بھی کوئی شدید قسم کی بیماری لگ گئی جس کی وجہ سے زبان اور قلب کے سوا کوئی حصہ صحیح سالم نہیں بچا اس حالت میں بھی زبان وقلب کو اللہ کی یاد میں مشغول رکھتے تھے اور اس کا شکر ادا کرتے رہتے تھے، اس شدید بیماری کی وجہ سے عزیزوں اور دوستوں اور پڑوسیوں نے ان کو الگ کرکے آبادی سے باہر ڈالدیا ان کے پاس ان کی بیوی جن کا نام رحمت بنت افرائیم بن یوسف بن یعقوب تھا کے سوا کوئی نہیں جاتا تھا، بعض حضرات نے حضرت ایوبؑ کی بیوی کا نام لیا بنت منشا بن یوسف بتایا ہے، وہی ان کی خبر گیری کرتی تھی، حضرت ایوب علیہ السلام آبادی سے دور کوڑے کچرے کی جگہ سات سال اور چند ماہ پڑے رہے، بعض مفسرین

نے اٹھارہ سال بیان کئے ہیں کبھی جزع فزع یا حرف شکایت زبان پر نہیں آیا، نیک بیوی نے **عرض بھی** کیا کہ آپ کی تکلیف بہت بڑھ گئی ہے، اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ تکلیف دور **ہو جائے تو فرمایا** کہ میں نے ستر سال صحیح تندرست اللہ کی بے شمار نعمت و دولت میں گذارے ہیں کیا اس کے مقابلہ میں **سات سال بھی مصیبت** کے گذارنے مشکل ہیں، پیغمبرانہ عزم وضبط اور صبر وثبات کا یہ عالم تھا کہ دعا کرنے کی بھی ہمت نہیں کرتے تھے کہ کہیں صبر کے خلاف نہ ہو جائے، بالآخر کوئی سبب پیش آیا کہ جس نے ان کو دعا کرنے پر مجبور کر دیا اور یہ دعا صرف دعا ہی تھی کوئی بے صبری نہیں تھی حق تعالیٰ نے ان کے کمال صبر پر اپنے کلام میں مہر ثبت فرما دی ہے، فرمایا اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب ایوب علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور ان کو حکم ہوا کہ زمین پر ایڑھ لگایئے یہاں **سے صاف** پانی کا چشمہ پھوٹے گا اس سے غسل کیجئے اور اس کا پانی پیجئے تو یہ تمام مرض ختم ہو جائے گا، حضرت ایوب علیہ السلام نے اس کے مطابق کیا تو پورا بدن یکا یک اپنی سابقہ **اصلی** حالت پر آ گیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت کا لباس بھیج دیا وہ زیب تن فرمایا، اور اس کوڑے کچرے سے الگ ہو کر ایک طرف بیٹھ گئے زوجہ محترمہ حسب عادت ان کی خبر گیری کے لئے آئیں تو ان کو اپنی جگہ نہ پا کر رونے لگیں، ایوب علیہ السلام جو ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان کو نہیں پہچانا اس لئے کہ حالت بدل چکی تھی، انہیں سے پوچھا کہ اے خدا کے بندے کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ بیمار جو یہاں پڑا رہتا تھا کہاں چلا گیا؟ کیا کتوں اور بھیڑیوں نے اسے کھا لیا، یہ سب سن کر حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہی ایوب ہوں **مگر** زوجہ محترمہ نے اب بھی نہیں پہچانا اور کہا اللہ کے بندے کیا آپ مجھ سے **تمسخر** کرتے ہیں تو ایوب علیہ السلام نے پھر فرمایا غور سے دیکھو میں وہی ایوب ہوں اللہ نے میری دعا قبول فرمائی اور میرا بدن درست فرما دیا، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا مال و دولت بھی ان کو واپس دیدیا اور اولاد بھی اور اولاد کی تعداد کے برابر مزید اولاد بھی دیدی۔ (ابن کثیر مع الحذف والاضافہ)

ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضرت ایوبؑ کے سات لڑکے اور سات لڑکیاں تھیں اس ابتلا کے زمانہ میں یہ سب فوت ہو گئے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت عطا فرما دی ان کو بھی دوبارہ زندہ کر دیا اور ان کی اہلیہ سے اتنی ہی اور اولاد پیدا ہو گئی جس کو قرآن کریم نے **ومثلہٗ معہٗ** فرمایا ہے، ثعلبی نے کہا ہے یہ قول ظاہر آیت قرآن کے ساتھ اقرب ہے۔ (قرطبی)

وَاذکر اسمٰعیل وادریس حق سبحانہ وتعالیٰ نے صبر ایوب کا تذکرہ فرمایا اس کے ساتھ ان حضرات کے صبر کا بھی تذکرہ فرما دیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کا خود کو ذبح کے لئے بخوشی پیش کر دینا ایک عظیم ابتلاء وآزمائش تھی جس میں آپ کامیاب رہے حضرت اسماعیلؑ ایک سو تیس سال بقید حیات رہے جس وقت حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا اس وقت اسماعیلؑ کی عمر ۸۳ سال تھی اور حضرت اسماعیلؑ کے برادر خورد اسحٰقؑ آپ سے چودہ سال چھوٹے تھے اور ۱۸۰ سال کی عمر پائی۔ (جمل)

اور حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے جد امجد ہیں حضرت آدمؑ کے انتقال سے سو سال قبل پیدا ہوئے تھے، یعنی حضرت آدمؑ کے انتقال کے وقت حضرت ادریس کی عمر سو سال تھی آدم کی وفات کے ۲۰۰ سال بعد مبعوث ہوئے اور بعثت کے بعد ایک سو پچاس سال زندہ رہے اس طرح آپ نے ۴۵۰ سال عمر پائی حضرت نوح اور حضرت ادریس کے درمیان ایک ہزار سال کا زمانہ ہے۔ (جمل)

ذا الکفل یہ لقب ہے اصل نام بشر ہے کہا گیا ہے کہ یہ حضرت ایوب ﷺ کے صاحبزادے ہیں، چونکہ انہوں نے دن میں روزہ رکھنا اور رات کو قیام کرنا اور کسی پر غصہ نہ کرنے کو اپنے ذمہ لازم کرلیا تھا اسی مناسبت سے ان کا لقب ذوالکفل ہوگیا، کہا گیا ہے کہ ذوالکفل نبی نہیں تھے بلکہ عبد صالح تھے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ نبی تھے اور قرآن کے اسلوب سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ قرآن کریم نے انبیاء کو شمار کراتے ہوئے درمیان میں ان کا ذکر بھی کیا ہے اس کے علاوہ اس سورت کا نام ہی سورۃ الانبیاء ہے، مگر بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی نہیں تھے بلکہ مرد صالح تھے (امام تفسیر) ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت یسع کا نبی ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے حضرت یسع جب بوڑھے اور ضعیف ہوگئے تو چاہا کہ کسی کو اپنا خلیفہ بنادیں جو دینی امور میں ان کی نیابت کا کام انجام دے۔

اس مقصد کے لئے حضرت یسع نے اپنے تمام اصحاب کو جمع کیا کہ اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں مگر اس کے لئے تین شرطیں ہیں جو شخص ان شرائط کا جامع ہوگا اس کو خلیفہ بناؤں گا، وہ تین شرطیں یہ ہیں وہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہو رات کو عبادت کے لئے بیدار رہتا ہو اور کبھی غصہ نہ کرتا ہو، مجمع میں سے ایک ایسا غیر معروف شخص کھڑا ہوا جس کو لوگ حقیر سمجھتے تھے اور کہا کہ میں اس کام کے لئے حاضر ہوں حضرت یسعؑ نے دریافت کیا کہ کیا تم یہ تینوں کام کرتے ہو جواب دیا میں ان تینوں کاموں کا عامل ہوں، غالباً حضرت یسعؑ کو اس کی بات کا یقین نہ آیا پھر دوسرے روز اسی طرح مجمع سے خطاب فرمایا مگر سب حاضرین خاموش رہے اور وہی شخص پھر کھڑا ہوگیا تو مجبوراً حضرت یسعؑ نے ان کو اپنا خلیفہ نامزد کردیا، جب شیطان نے دیکھا کہ ذوالکفل اس میں کامیاب ہوگئے تو اپنے اعوان شیاطین سے کہا کہ جاؤ کسی طرح اس شخص پر اثر ڈالو کہ یہ کوئی ایسا کام کر بیٹھے کہ جس کی وجہ سے اس کا یہ منصب سلب ہوجائے، اعوان شیطان نے عذر کردیا کہ وہ ہمارے قابو میں آنے والا نہیں ہے، شیطان نے کہا اچھا تم اس کو میرے اوپر چھوڑ دو اس سے میں خود نمٹ لوں گا، ذوالکفل اپنی عادت کے مطابق دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر بندگی خدا میں جاگتے رہتے تھے صرف دوپہر کو تھوڑی دیر آرام کرتے تھے، ایک روز شیطان دوپہر کو ان کے قیلولہ کے وقت آیا اور دروازہ پر دستک دی یہ بیدار ہوگئے اور فرمایا کون ہے؟ شیطان نے کہا میں ایک بوڑھا مظلوم ہوں ذوالکفل نے دروازہ کھول دیا شیطان نے اندر پہنچ کر ایک طویل داستان بیان کرنی شروع کردی اور ایک شخص کے ساتھ اپنے نزاع کا تفصیل سے ذکر کیا، یہاں تک کہ آرام کا وقت ختم ہوگیا، حضرت ذوالکفل نے فرمایا جب میں کچہری میں بیٹھوں تو میرے پاس آنا میں تمہارا حق دلوادوں گا، جب ذوالکفل باہر تشریف لائے تو عدالت میں

اس کا انتظار کرتے رہے مگر اس کو نہیں پایا، جب دوپہر کو قیلولہ کے لئے گھر تشریف لے گئے اور آرام کے لئے ابھی لیٹے ہی تھے کہ یہ شخص آیا اور دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا، معلوم کیا کون ہے؟ جواب دیا ایک مظلوم بوڑھا شخص ہے انہوں نے پھر دروازہ کھولدیا اور فرمایا کہ کیا میں نے کل تم سے نہیں کہا تھا کہ کچہری میں آنا، بوڑھے نے جواب دیا حضرت میرے مخالف بڑے خبیث لوگ ہیں جب انہوں نے دیکھا کہ آپ فیصلہ کے لئے اپنی مجلس میں بیٹھے ہیں اور میں حاضر ہوں تو آپ ان کو میرا حق دینے پر مجبور کردیں گے، تو اس وقت ان لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہم تیرا حق دیتے ہیں پھر جب آپ مجلس سے اٹھ گئے تو انکار کردیا، حضرت ذوالکفل نے پھر اس سے یہی فرمایا کہ اب جاؤ اور جب میں مجلس عدالت میں بیٹھوں تو آنا آج بھی دوپہر کا سارا وقت ختم ہوگیا اور آرام کا موقعہ نہ ملا جب باہر مجلس عدالت میں تشریف لے گئے تو اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے مگر بوڑھا شخص نہ آیا، اس طرح دوپہر کو آرام کئے بغیر دو روز گذر گئے جب تیسرا روز ہوا تو نیند کا بہت زیادہ غلبہ تھا اپنے اہل خانہ سے کہہ دیا کہ آج کسی کو اندر نہ آنے دینا، یہ بوڑھا پھر تیسرے روز اسی طرح آیا اور دروازہ پر دستک دینا چاہا تو لوگوں نے منع کردیا تو ایک روشندان کے ذریعہ اندر داخل ہوگیا اور اندر پہنچ کر دروازہ بجانا شروع کردیا، تیسرے روز بھی ذوالکفل کی نیند خراب ہوگئی اور دیکھا کہ ایک شخص گھر کے اندر ہے اور دروازہ بدستور بند ہے، اس سے معلوم کیا تو کس طرح اندر آگیا اس وقت ذوالکفل نے پہنچان لیا کہ یہ شیطان ہے اور فرمایا کیا تو خدا کا دشمن ابلیس ہے؟ اس نے اقرار کرلیا اور کہنے لگا کہ تو نے مجھے ہر تدبیر میں ناکام کردیا کبھی میرے جال میں نہیں آیا، اب میں نے یہ کوشش کی کہ کسی طرح تجھے غصہ دلا دوں تاکہ تو اپنے اقرار میں جھوٹا ہوجائے جو یسع نبی کے ساتھ کیا ہے اس لئے میں نے یہ سب حرکتیں کیں، اسی واقعہ کی وجہ سے ان کو ذوالکفل کا خطاب دیا گیا کیونکہ ذوالکفل کے معنی ہیں ایسا شخص جو اپنے عہد اور ذمہ داری کو پورا کرے۔ (ابن کثیر بحوالہ معارف القرآن)

وَاذکر ذاالنون ذوالنون اور صاحب الحوت یہ دونوں حضرت یونسؑ کے لقب ہیں اس کے معنی ہیں مچھلی والا، حضرت یونس علیہ السلام کو چونکہ چند روز مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا تھا اس لئے ان کا لقب ذوالنون یا صاحب الحوت پڑ گیا، اصل نام یونس ہے اور والد صاحب کا نام مَتّٰی بن شَتّٰی ہے بعض حضرات نے مَتّٰی ان کی والدہ کا نام بتایا ہے، جیسا کہ ابن کثیر نے فرمایا ہے اس صورت میں ان کی نسبت ماں کی طرف ہوگی جیسا کہ حضرت عیسٰیؑ کی نسبت ان کی والدہ مریم کی طرف ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کو موصل کی ایک بستی نینوا کی طرف لوگوں کو ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا، حضرت یونسؑ نے اپنی قوم کو ایمان اور عمل صالح کی دعوت دی مگر قوم تمرد اور سرکشی پر اتر آئی اور ایمان لانے سے صاف انکار کردیا حضرت یونسؑ اپنی قوم سے ناراض ہوکر اور تین دن کے اندر اندر عذاب آنے کی دھمکی دیکر بستی سے نکل گئے اب قوم کو فکر ہوئی کہ اب عذاب آہی جائے گا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کے بعض آثار نمایاں بھی ہوگئے تھے، تو قوم نے

اپنے شرک وکفر سے توبہ کی اور تمام مرد اور عورت جانور اور بچے توبہ واستغفار کے لئے جنگل میں نکل گئے اور حق تعالیٰ کے حضور خوب گریہ وزاری کی اور عذاب سے پناہ بھی طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کی الحاح وزاری کو دیکھ کر ان کی توبہ کو قبول کرلیا اور عذاب بھی ٹال دیا۔

جب حضرت یونس علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ قوم صحیح سلامت ہے **اور اللہ تعالیٰ** نے ان سے عذاب ٹال دیا ہے **تو ان** کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ میں تین روز کے اندر اندر عذاب کی دھمکی دے کر آیا ہوں اور عذاب آیا نہیں ہے لہٰذا لوگ مجھے جھوٹا خیال کریں گے جس کی وجہ سے اب میری دعوت ان پر اثر نہ کرے گی بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم میں جھوٹے کی سزا قتل تھی لہٰذا حضرت یونس علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ قوم مجھے قتل کر دے گی اسی اندیشہ کے پیش نظر حضرت یونسؑ نے اپنی قوم میں واپس جانے کے بجائے دوسری جگہ ہجرت کرنے کا ارادہ کرلیا راستہ میں ایک دریا پڑتا تھا دریا عبور کرنے کے لئے کشتی میں سوار ہو گئے اتفاق سے کشتی گرداب میں پھنس گئی، ملاحوں نے اپنے تجربہ کی بنیاد پر کہا کہ کشتی میں کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے مولیٰ سے فرار ہو کر آیا ہے، ملاحوں نے مفرور شخص کو متعین کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی بار بار قرعہ اندازی کرنے کے باوجود قرعہ حضرت یونسؑ کے نام ہی نکلا ملاحوں نے مجبور ہو کر حضرت یونسؑ کو دریا میں ڈالدیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ یونس کو فوراً اپنے پیٹ میں رکھ لے اور فرمایا کہ وہ اس کی غذا نہیں ہے، بلکہ چند روز کے لئے قید خانہ ہے حضرت یونسؑ باختلاف روایات تین دن، سات دن، بیس دن، چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں رہے، اسکے بعد مچھلی کو حکم ہوا کہ دریا کے کنارے پر ڈالدے، چنانچہ مچھلی نے کنارے پر ڈالدیا ادھر اللہ تعالیٰ نے ان کی غذا کا یہ انتظام کیا کہ ایک پہاڑی بکری کو حکم دیا کہ دونوں وقت ان کو دودھ پلایا کرے چنانچہ بکری حکم کے مطابق دونوں وقت دودھ پلاتی رہی یہاں تک کہ آپ تندرست ہو گئے۔ (ملخصاً من الجلال فی سورۃ الصافات بحوالہ جمل)

وکذٰلک ننجی المؤمنین یعنی جس طرح یونسؑ کو غم اور مصیبت سے نجات دی، اسی طرح ہم سب مومنین کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتے ہیں جبکہ وہ صدق واخلاص کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوں، ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ذوالنون کی وہ دعا جو انہوں نے بطن ماہی میں کی تھی یعنی **لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّی كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ** جو مسلمان اپنے کسی مقصد کے لئے ان کلمات کے ساتھ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائیں گے۔ (رواہ احمد والترمذی والحاکم، مظہری)

وَاذکر زکریا حضرت زکریا علیہ السلام کا بڑھاپے میں اولاد کے لئے دعا کرنا اور اللہ کی طرف سے اس کا عطا کیا جانا، اس کی ضروری تفصیل سورہ طٰہٰ میں گذر چکی ہے، یہاں بھی اس کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے، حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی بانجھ تھیں ہم نے اس کے اس نقص کا ازالہ کر کے اسے ایک نیک بچہ عطا فرمایا، اور اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ قبولیت دعا کے لئے ضروری ہے کہ ان باتوں کا اہتمام کیا جائے جن کا بطور خاص یہاں ذکر کیا گیا

ہے مثلاً الحاح وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاومناجات، نیکی کے کاموں میں سبقت، امید وبیم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ رب کو پکارنا اور اس کے سامنے عاجزی اور خشوع کا اظہار۔

یہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔

اُمَّۃ سے یہاں دین یا ملت مراد ہے یعنی تمہارا دین یا ملت ایک ہی ہے اور وہ دین دین توحید ہے جس کی دعوت تمام انبیاء نے دی ہے اور ملت ملت اسلام ہے جو تمام انبیاء کی ملت رہی ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ اى جُحُوْدَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ۝ بِاَنْ نَامُرَ الحَفَظَةَ بِكَتْبِهٖ فَنُجَازِيْهِ عليه وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اُرِيْدَ اَهْلُهَا اَنَّهُمْ لَا زَائدة يَرْجِعُوْنَ۝ اى مُمْتَنِعٌ رُجُوْعُهم الى الدُّنيا حَتّٰى غَايَةٌ لِامْتِنَاعِ رُجُوْعِهم اِذَا فُتِحَتْ بالتَّخْفِيْفِ والتَّشْدِيْدِ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ بالهَمْزَةِ وتَرْكِهٖ اِسْمَانِ اَعْجَمِيَّانِ لِقَبِيْلَتَيْنِ ويُقَدَّرُ قَبْلَهٗ مُضَافٌ اى سَدُّهما وذٰلك قُرْبَ القِيٰمَةِ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ مُرْتَفِعٍ مِنَ الاَرْضِ يَّنْسِلُوْنَ۝ يُسْرِعُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ اى يَوْمُ القِيٰمَةِ فَاِذَا هِيَ اى القِصَّةُ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ فى ذٰلك اليَوْمِ لِشِدَّتِهٖ يَقُوْلُوْنَ يَا لِلتَّنْبِيْهِ وَيْلَنَا هَلَاكُنَا قَدْ كُنَّا فى الدُّنيا فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا اليَوْمِ بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۝ اَنْفُسَنَا بتَكْذِيْبِنَا الرُّسُلَ اِنَّكُمْ يا اَهْلَ مَكَّةَ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غَيْرِهٖ من الاوثان حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ وَقُوْدُهَا اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ۝ دَاخِلُوْنَ فيها لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ الاَوْثَانُ اٰلِهَةً كما زَعَمْتُمْ مَّا وَرَدُوْهَا ؕ دَخَلُوْهَا وَكُلٌّ مِنَ العَابِدِيْنَ والمَعْبُوْدِيْنَ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝ لَهُمْ لِلْعَابِدِيْنَ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ۝ شَيْئًا لِشِدَّةِ غَلْيَانِهَا ونَزَلَ لَمَّا قَالَ ابْنُ الزِّبَعْرٰى عُبِدَ عُزَيْرٌ والمَسِيْحُ والمَلَائِكَةُ فهم فى النَّارِ عَلٰى مُقْتَضٰى مَا تَقَدَّمَ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا المَنْزِلَةُ الْحُسْنٰى ۙ ومِنْهُمْ مَنْ ذُكِرَ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ۝ ۙ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ صَوْتَهَا وَهُمْ فِيْمَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ من النَّعِيْمِ خٰلِدُوْنَ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَهُوَ اَنْ يُّؤْمَرَ بالعَبْدِ اِلَى النَّارِ وَتَتَلَقّٰهُمْ تَسْتَقْبِلُهم الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ عِنْدَ خُرُوْجِهِمْ مِنَ القُبُوْرِ يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۝ فى الدُّنيا يَوْمَ مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا قَبْلَهٗ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ اِسْمُ مَلَكٍ لِلْكُتُبِ ؕ صَحِيْفَةِ ابْنِ اٰدَمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ او السِّجِلِّ الصَّحِيْفَةِ والكِتَابُ بمعنى المكتوب بِهٖ واللامُ بمعنى على وفى قِرَاءَةٍ لِلْكُتُبِ جَمْعًا كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ عَنْ عَدَمٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ بَعْدَ اِعْدَامِهٖ فَالكَافُ مُتَعَلِّقَةٌ بنُعِيْدُ وضَمِيْرُه عَائِدٌ الى اَوَّلَ وما مَصْدَرِيَّةٌ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ منصوبٌ بِوَعَدْنَا مُقَدَّرًا قَبْلَهٗ وهو مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ مَا قَبْلَهٗ اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ۝ ما وَعَدْنَا وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ بمعنى الكِتَابِ اى كُتُبِ اللّٰهِ المُنَزَّلَةِ مِنْ ۢ بَعْدِ الذِّكْرِ

بمعنى أُمّ الكتٰب الذى عِندَ اللهِ انّ الارْضَ اَرْضَ الجنَّةِ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصَّالِحُوْنَ○ عامٌّ فِى كُلِّ صَالحٍ اِنَّ فِى هٰذا القُرْاٰن لَبَلَاغًا كِفَايَةً فِى دُخُولِ الجنَّةِ لِقَوْمٍ عَابِدِيْنَ○ عامِلِيْنَ به وَمَآ اَرْسَلْنَاكَ يا مُحَمَّدُ اِلَّا رَحْمَةً اى لِلرَّحْمَةِ لِّلْعَالَمِيْنَ○ الإنسِ والجِنِّ بك قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰى اِلَىَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اى مَا يُوْحٰى اِلَىَّ فِى اَمْرِ الإلٰهِ الا وَحْدَانِيَّتُهُ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○ مُنقَادُوْنَ لما يوحٰى اِلَىَّ مِن وَحْدَانِيَّتِه الإسْتِفْهَامُ بمَعْنَى الامرِ فَاِنْ تَوَلَّوْا عَنْ ذٰلك فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ اَعْلَمْتُكم بالحَرْبِ عَلٰى سَوَآءٍ حالٌ مِنَ الفَاعِلِ والمَفْعُوْلِ اى مُسْتَوِيْنَ فِى عِلْمِه لَا اَسْتَبِدُّ به دُوْنَكُم لِتَتَاَهَّبُوْا وَاِنْ ما اَدْرِىْ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ○ مِنَ العَذَابِ او القِيٰمَةِ المُشْتَمِلَةِ عَليه وَاِنَّمَا يَعْلَمُهُ اللّٰهُ اِنَّهُ تعالٰى يَعْلَمُ الجَهْرَ مِنَ القَوْلِ والفِعْلِ مِنْكُمْ ومن غَيْرِكم وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ○ اَنْتُمْ وَغَيْرُكم مِنَ السِّرِّ وَاِنْ ما اَدْرِىْ لَعَلَّهُ اى ما اَعْلَمْتُكُمْ به ولم يُعْلَمْ وَقْتُهُ فِتْنَةٌ اِخْتِبَارٌ لَّكُمْ لِيُرٰى كَيْفَ صُنْعُكم وَمَتَاعٌ تَمْتِيْعٌ اِلٰى حِيْنٍ○ اى انْقِضَاءِ اٰجالِكم وهٰذا مُقَابِلٌ لِلاَوَّلِ المُتَرَجّٰى بلَعَلَّ وَلَيْسَ الثَّانى مَحَلًّا للترجّى قُلْ وفِى قِرَاءَةٍ قَالَ رَبِّ احْكُمْ بَيْنِىْ وبَيْنَ مُكَذِّبِىْ بِالحَقِّ بالعَذَابِ لهم او النصرِ عليهم فعُذِّبُوْا ببَدْرٍ واُحُدٍ والاَحْزَابِ وحُنَيْنٍ والخَنْدَقِ ونُصِرَ عليهم وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ المُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ○ من كِذْبِكُمْ على اللهِ فِى قَوْلِكُمْ اتَّخَذُوْا وَلَدًا وَعَلَىَّ فِى قَوْلِكُمْ سَاحِرٌ وعلى القُرْاٰنِ فِى قَوْلِكُمْ شِعْرٌ.

ترجمہ

تو جو شخص نیک عمل کرے اور وہ مومن بھی ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی یعنی انکار نہیں کیا جائے گا اور ہم اس کی سعی کو لکھ لیتے ہیں یعنی ہم فرشتوں کو اس کے لکھنے کا حکم دیتے ہیں سو ہم اس کو اس کی سعی کا بدلہ دیں گے اور حرام ہے اس بستی پر یعنی بستی والوں پر جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے یہ کہ وہ لوٹ کر آئیں یعنی ان کا دنیا کی طرف لوٹ کر آنا ممتنع ہے اور لا یرجعون میں لا زائدہ ہے، یہاں تک کہ یہ امتناع رجوع کی غایت ہے کھول دیئے جائیں یاجوج اور ماجوج فُتِحَتْ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، یأجوج مأجوج ہمزہ کے ساتھ اور ترک ہمزہ کے ساتھ دو قبیلوں کے دو عجمی نام ہیں اور ان سے قبل مضاف محذوف ہے ای سَدُّھُما اور یہ قرب قیامت میں ہوگا اور وہ ہر بلندی یعنی ٹیلے سے تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے آئیں گے اور سچا وعدہ یعنی قیامت کا دن قریب آلگا ہوگا شان یہ ہے کہ اس وقت کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور سخت دن میں کہیں گے ہائے افسوس (ہماری ہلاکت) ہم تو دنیا میں اس دن سے غفلت میں تھے بلکہ رسولوں کی تکذیب کر کے ہم ظالم تھے اے اہل مکہ تم اور خدا کے علاوہ بت وغیرہ جن کی تم بندگی کرتے ہو جہنم کا ایندھن بنو گے اور تم سب اس (جہنم) میں وارد داخل ہو گے اگر یہ بت (حقیقی) معبود ہوتے

جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو اس میں داخل نہ ہوتے اور عابدین ومعبودین سب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور ان عابدین کے لئے جہنم میں چیخ پکار ہوگی اور وہ جہنم میں اس کے شدت جوش کی وجہ سے کچھ نہ سن سکیں گے، اور نازل ہوئی (آئندہ) آیت جب کہ زِبعریٰ نے کہا تھا کہ عزیر اور مسیح اور ملائکہ علیہم السلام کی (بھی) بندگی کی گئی ہے لہٰذا ما سبق کے بیان کے مطابق وہ بھی جہنم میں ہوں گے البتہ وہ لوگ جن کے لئے ہماری طرف سے درجات عالیہ مقدر ہو چکے ہیں اور انہیں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جن کا ذکر کیا گیا وہ لوگ جہنم سے دور رکھے جائیں گے وہ تو جہنم کی آہٹ (آواز) تک نہ سنیں گے اور وہ ہمیشہ اپنی من پسند نعمتوں میں ہوں گے اور ان کو بڑی گھبراہٹ بھی غم زدہ نہ کر سکے گی اور وہ اس وقت ہوگی جب بندہ کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہوگا، اور فرشتے ان سے ملاقات کریں گے یعنی قبروں سے نکلتے وقت ان کا استقبال کریں گے اور ان سے کہیں گے یہی ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا یَوْمَ سے پہلے اذکر مقدر کی وجہ سے یومَ منصوب ہے، اور وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح سجل نامی فرشتہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے اعمال نامہ کو لپیٹ دیتا ہے للکتاب میں لام زائدہ ہے یا سجل سے مراد صحیفہ ہے اور کتاب مکتوب بہ کے معنی میں ہے اور لام بمعنی علیٰ ہے یعنی جس طرح کاغذ کو مکتوب جانب سے لپیٹ دیا جاتا ہے اور ایک قرأت الکُتُبِ ہے جمع کے ساتھ، جیسے ہم اول دفعہ عدم سے وجود میں لائے اس کو معدوم کرنے کے بعد اس کا اعادہ کریں گے کاف نعید سے متعلق ہے اور اس کی ضمیر اول کی طرف راجع ہے اور ما مصدریہ ہے (یہ) ہمارے ذمہ وعدہ ہے ہم اپنے وعدہ کو ضرور (پورا) کریں گے وَعْدًا اپنے ماقبل وعدنا محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ اپنے ماقبل کے مضمون کی تاکید کرنے والا ہے، اور ہم زبور یعنی (مطلق) آسمانی کتابوں میں ذکر یعنی لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد جو کہ اللہ کے پاس ہے لکھ چکے ہیں کہ اس سرزمین جنت کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے اور یہ خوشخبری ہر نیک بندے کے بارے میں ہے بلاشبہ اس قرآن میں جنت میں داخل ہونے کے لئے کافی نصیحت ہے عابدین یعنی اس پر عمل کرنے والوں کے لئے اور اے محمد! ہم نے آپ کو تمام جہان والوں یعنی جن اور انس کے لئے رحمت بنا کر یعنی رحمت کے لئے بھیجا ہے آپ کہہ دیجئے میرے پاس تو یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے یعنی الوہیۃ کے معاملہ میں میرے پاس تو وحدانیت الٰہ کی وحی بھیجی جاتی ہے سو کیا تم سر تسلیم خم کرنے والے یعنی اس کی وحدانیت کی وحی جو میری طرف کی جاتی ہے کیا تم اس کے تابع فرمان ہو؟ استفہام بمعنی امر ہے پھر بھی اگر یہ لوگ اس سے سرتابی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تم کو واضح طور پر عذاب سے خبردار کر چکا ہوں علیٰ سواءٍ فاعل اور مفعول دونوں سے حال ہے یعنی اس کے علم کے بارے میں دونوں برابر ہیں نہ یہ کہ تنہا میں ہی واقف ہوں تم نہیں تاکہ تم تیاری کر و اور میں یہ نہیں جانتا کہ جس عذاب یا قیامت کا جو عذاب پر مشتمل ہوگی تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہی آ لگی ہے یا ابھی دور ہے اس بات کو تو اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو تمہارے اور دوسروں کے ظاہر اور

قول و فعل سے واقف ہے اور ان رازوں سے بھی واقف ہے جن کو تم اور دیگر لوگ چھپاتے ہو اور مجھے اس بات کا بھی علم نہیں یعنی جس بات کی میں نے تم کو خبر دی اور اس کا وقت نہیں بتایا گیا ممکن ہے کہ تمہارے لئے آزمائش ہو تاکہ وہ دیکھے کہ تمہارے اعمال کیسے ہیں اور ایک محدود یعنی موت تک فائدہ پہنچانا ہو اور یہ (یعنی متاع الیٰ حین) اول یعنی جس کی لَعَلَّ سے ترجی کی گئی ہے (اور وہ لعله فتنة ہے) کے بالمقابل ہے اور ثانی ترجی کا محل نہیں ہے، قُلْ اور ایک قرأۃ میں قالَ ہے کہئے اے میرے پروردگار میرے اور میری تکذیب کرنے والوں کے درمیان حق یعنی ان کے عذاب کا یا ان پر غلبہ کا فیصلہ کر دے چنانچہ بدر اور احد اور احزاب اور حنین و خندق میں عذاب میں مبتلا کئے گئے اور ان پر غلبہ عطا کیا گیا اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں کے مقابلہ میں جن کو تم بنایا کرتے ہو اور وہ اللہ پر تمہارا بہتان ہے تمہارے قول اتخذ ولدًا میں، اور مجھ پر (بہتان) ہے تمہارے قول سَاحِرٌ میں، اور قرآن پر بہتان ہے تمہارے قول شِعْرٌ میں۔

تحقیق، ترکیب و تفسیری فوائد

قوله فمن یعمل مِن الصّٰلحٰت مِنْ زائدہ یا تبعیضیہ ہوسکتا ہے کُفْرَانَ مصدر ہے بمعنی کُفْرٌ **قوله** لَهٗ ای للسعی ہٗ کا مرجع سعی ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ لَہٗ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع ہے **قوله** حرام خبر مقدم ہے اور **انهم لا یرجعون** مبتداء مؤخر ہے، مطلب یہ ہے کہ جس بستی والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے ان کے لئے دوبارہ دنیا میں لوٹ کر آنا ممتنع ہے اور بعض حضرات نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ان کا ایمان کی طرف رجوع کرنا ممتنع ہے اس لئے کہ ان کے لئے شقاوت کا فیصلہ ہو چکا ہے لا زائدہ ہے اور اگر حرام بمعنی واجبٌ لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کا دنیا میں نہ لوٹنا واجب ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ معنی آیت کے یہ ہیں ہماری طرف جزاء کے لئے عدم رجوع ممتنع ہے **قوله** حَتّٰی یہ عدم رجوع یعنی لا یرجعون کی غایت یعنی قیامت تک ان کا رجوع ممتنع رہے گا اور حَتّٰی ابتدائیہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا فاذا هِیَ، اِذا فُتِحَتْ کی جزاء ہے، **فتحت** میں اسناد مجازی ہے اس لئے کہ حقیقتاً مفتوح سد یاجوج ماجوج ہے نہ کہ یاجوج ماجوج **قوله** یاجوج وماجوج یہ الگ الگ دو گروہ ہیں یہ دونوں عجمی لفظ ہیں بقول ضحاک ترکوں کی نسل سے ہیں تمام اہل تاریخ نے ان کو یافث بن نوح کی نسل سے مانا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تاتاری ترک ہیں تورات کتاب پیدائش باب ۱۰: ۲ میں یافث کے ایک بیٹے کا نام ماغوغ آیا ہے عبری زبان میں غین کا تلفظ گاف سے کرتے ہیں اس لئے ماغوغ کا ماگوگ ہو گیا اور عربی میں گاف کو جیم سے بدل لیتے ہیں لہٰذا ماگوگ کا ماجوج ہو گیا۔ (لغات القرآن)

یاجوج وماجوج کے کھولنے سے مراد سد سکندری کا کھولنا ہے **قوله** حَدَبٌ بمعنی ٹیلہ جمع احداب **قوله**

واقترب الوعد اس کا عطف فتحت پر ہے یا وَیْلَنَا سے پہلے یقولون محذوف مان کر اشارہ کردیا ہے حصب ما یُحْصَبُ بہٖ ای یرمٰی بہٖ اینڈھن، **قولہ** وانتم لھا واردون جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور حصب جہنم سے بدل بھی، **قولہ** فی الزبور فی الزبور میں الف لام جنس کا ہے ای کتب اللّٰہ لکھ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ زبور سے مراد مطلقاً آسمانی کتاب ہے نہ کہ وہ کتاب جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی زبور کی جمع زُبُر، للکتب یہ یا السجل سے حال ہے ای السجل کائناً للکتب یا صفت ہے ای السجل الکائن للکتب **قولہ** کما بدانا تقدیر کلام یہ ہے کہ کما بدانا کل شیٍٔ فی اول خلقہ کذٰلك نعید کل شیٍٔ، کلَّ شیٍٔ بدانا کا مفعول مقدر ہے اور اوّل خلقٍ ظرف ہے اور نعید کی ضمیر کل شیٍٔ کی طرف راجع ہے **قولہ** للرحمۃ اس کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ رحمۃً مفعول لہ ہے اور رحمۃً مبالغۃ حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے **قولہ** والخندق خندق سہواً لکھا گیا ہے اس لئے کہ احزاب اور خندق ایک ہی ہے۔

تفسیر و تشریح

ان لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کرلیا مگر اس کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی لہٰذا سزا بھگتنے کے لئے ہمارے پاس ضرور آئیں گے آنے کے بعد ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ضرور ملے گا، لہٰذا جو شخص نیک عمل کرتا ہوگا اور ایمان والا بھی ہوگا تو اس کی محنت اکارت جانے والی نہیں اور ہم اس کو لکھ بھی لیتے ہیں۔

اور ہم نے جو کُلٌّ اِلَیْنَا رَاجِعُوْنَ کہا ہے اس میں منکرین کو اس لئے شبہ ہے کہ اب تک کسی کو زندہ کرکے حساب کتاب نہیں لیا گیا تو یہ شبہ بالکل واہی ہے کیونکہ رجوع موعود کے لئے ہم نے ایک خاص وقت معین کر رکھا ہے لہٰذا جب تک وہ وقت نہیں آتا اس وقت تک تو یہ بات ہے کہ جن بستیوں کو ہم فنا کرچکے ہیں ان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ دنیا میں حساب کتاب کے لئے لوٹ کر آجائیں مگر یہ عدم رجوع ابدی نہیں ہے جیسا کہ منکرین سمجھتے ہیں بلکہ صرف اس وقت موعود کے نہ آنے تک ہے یہاں تک کہ جب وہ وقت موعود آپہنچے گا جس کی ابتدائی علامت یہ ہوگی یاجوج ماجوج جو اب سد سکندری میں بند ہیں کھول دیئے جائیں گے اور وہ غایت کثرت کی وجہ سے ہر بلندی سے اترتے ہوئے معلوم ہوں گے یعنی جدھر دیکھو وہی نظر آئیں گے اور وہ رجوع اور بعث کا سچا وعدہ قریب ہی آپہنچا ہوگا تو بس اس کے واقع ہوتے ہی یہ قصہ ہوگا کہ منکرین کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور وہ یوں کہتے نظر آئیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی ہم اس حالت سے غفلت میں تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ رسول کی تکذیب کرکے ہم ہی قصوروار تھے۔

اِنکم وماتعبدون من دون اللّٰہ الآیۃ یعنی تم اور تمہارے معبود بجز اللہ کے جن کی دنیا میں ناجائز عبادت ہوئی ہوگی سب کے سب جہنم کا اینڈھن بنیں گے، اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ناجائز عبادت تو حضرت مسیح اور عزیر اور فرشتوں کی

بھی کی گئی ہے تو سب کے سب جہنم میں جانے کا کیا مطلب ہوگا؟

اس کا جواب حضرت ابن عباسؓ نے دیا ہے، ایک روز حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قرآن کی ایک آیت ایسی ہے جس میں لوگ شبہات کرتے ہیں مگر عجیب اتفاق ہے کہ اس کے متعلق لوگ مجھ سے سوال نہیں کرتے معلوم نہیں کہ شبہات کا جواب ان لوگوں کو معلوم ہوگیا ہے اس لئے سوال نہیں کرتے یا انہیں شبہ اور جواب کی طرف التفات ہی نہیں ہوا لوگوں نے عرض کیا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ آیت انکم وما تعبدون الآیۃ ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش کو سخت ناگواری ہوئی تو کہنے لگے اس میں تو ہمارے معبودوں کی سخت توہین کی گئی ہے، یہ لوگ (اہل کتاب کے ایک عالم) ابن الزبعریٰ کے پاس گئے اور اس سے شکایت کی اس نے کہا کہ اگر میں وہاں موجود ہوتا تو ان کو اس کا جواب دیتا ان لوگوں نے دریافت کیا آپ کیا جواب دیتے؟ اس نے کہا میں ان سے کہتا کہ نصاریٰ حضرت مسیح کی اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے کیا نعوذ باللہ وہ جہنم میں جائیں گے، کفار قریش یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ واقعی یہ بات تو ایسی ہے کہ محمدؐ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جو آگے آتی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ منا الحسنی اُولٰئِکَ عنھا مبعَدُوْنَ یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ جہنم سے دور رہیں گے اور اسی ابن زبعریٰ کے متعلق قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی ہے وَلَمَّا ضُرِبَ ابن مریم مثلاً اِذا قومکَ منہُ یصدُّوْنَ یعنی جب ابن زبعریٰ نے حضرت ابن مریم کی مثال پیش کی تو آپ کی قوم کے لوگ قریش خوشی سے شور مچانے لگے۔

ولا یحزنھم الفزع الاکبر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ فزع اکبر سے مراد صور کا نفخۂ ثانیہ ہے جس سے سب مردے زندہ ہو کر حساب کے لئے کھڑے ہوں گے بعض حضرات نے نفخۂ اولیٰ کو فزع اکبر کہا ہے، ابن عربی کا قول یہ ہے کہ نفخات تین ہوں گے پہلا نفخہ فزع ہوگا جس سے ساری دنیا کے لوگ گھبرا اٹھیں گے اسی کو یہاں فزع اکبر کہا گیا ہے، دوسرا نفخہ صعق ہوگا جس سے سب مر جائیں گے اور فنا ہو جائیں گے، تیسرا نفخہ بعث ہوگا جس سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے اس کی شہادت میں مسند ابو یعلیٰ اور بیہقی، عبد بن حمید، ابو الشیخ، ابن جریر طبری وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ (مظہری، معارف القرآن)

یَوْمَ نَطْوِی السَّمَاءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ یعنی جس طرح کاتب لکھنے کے بعد اوراق یا رجسٹر لپیٹ کر رکھ دیتا ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا (والسمٰوات مطویات بیمینہ) (الزمر) آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، سجل کے معنی صحیفہ یا رجسٹر کے ہیں، لِلکتب میں لام بمعنی علیٰ اور کتاب بمعنی مکتوب، مطلب یہ ہے کہ کاتب کے لئے لکھے ہوئے کاغذات کو لپیٹ لینا جس طرح آسان ہے اسی طرح اللہ کے لئے آسمان کی وسعتوں کو اپنے ہاتھ میں سمیٹ لینا کوئی مشکل نہیں۔

زبور سے مراد یا تو زبور ہی ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور ذکر سے مراد پند ونصیحت، یا پھر زبور سے مراد گذشتہ آسمانی کتابیں مراد ہیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی پہلے تو لوح محفوظ میں یہ بات درج ہے اس کے بعد آسمانی کتابوں میں بھی یہ بات لکھی جاتی رہی ہے کہ زمین کے وارث نیک بندے ہوں گے، زمین سے بعض مفسرین کے نزدیک ارض جنت مراد ہے، اور بعض کے نزدیک ارض کفار مراد ہے، یعنی اللہ کے نیک بندے زمین میں اقتدار کے مالک ہوں گے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان جب تک اللہ کے نیک بندے رہے وہ دنیا میں بااقتدار اور سرخرور ہے اور آئندہ بھی جب کبھی وہ اس صفت کے حامل ہوں گے اس وعدہ الٰہی کے مطابق زمین کا اقتدار انہی کے پاس ہوگا اس لئے مسلمانوں کی محرومی اقتدار کی موجودہ صورت کسی اشکال کا باعث نہ ہونی چاہئے، یہ وعدہ صالحیت عباد کے ساتھ مشروط ہے۔ (اذا فات الشرط فات المشروط) کے مطابق مسلمان جب اس صفت سے محروم ہوں گے تو اقتدار سے بھی محروم ہوں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورة الحج

سورةُ الحَجّ مكيّةٌ اِلَّا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُد اللّٰهَ الآيتين او الا هٰذان خصمان السِّتّ آيات فمدنيات وهى اربع اوخمس او ست او سبع او ثمان وسبعون آية

سورۂ حج مکی ہے مگر ومن الناس من يعبد الله دوآیتیں یا هٰذان خصمان چھ آیتیں یہ مدنی ہیں اور کل آیات ۷۴ یا ۷۵ یا ۷۶ یا ۷۷ یا ۷۸ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اى اهلَ مكةَ وغيرَهم اِتَّقُوْا رَبَّكُمْ ج اى عِقابَه بِاَنْ تُطِيعوه اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ اى الحَرَكَةَ الشديدةَ لِلْاَرْضِ التى يكونُ بعدَها طلوعُ الشمسِ مِنْ مَغْرِبِها الذى هُو قربُ الساعةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ○ فى اِزعاجِ الناسِ هو نَوْعٌ من العقابِ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ بِسَبَبِهَا كُلُّ مُرْضِعَةٍ بالفعلِ عَمَّا اَرْضَعَتْ اى تَنْسَاهُ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ اى حُبْلٰى حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى مِنْ شِدَّةِ الخوفِ وَمَاهُمْ بِسُكَارٰى من الشَّرابِ وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ○ فَهُمْ يخافونه ونزل فى النَضرِ بن الحارث وجماعةٍ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ قالوا الملائكةُ بناتُ اللّٰهِ وَالقرانُ اساطيرُ الاولين وانكرُوا البعثَ واِحْياءَ مَنْ صَارَ تُرَابًا وَّيَتَّبِعُ فى جِدَالِه كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ○ اى مُتَمَرِّدٍ كُتِبَ عَلَيْهِ قُضِىَ على الشيطانِ اَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ اى اِتَّبَعَهُ فَاَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيْهِ يَدْعوه اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ○ اى النَّار يٰاَيُّهَا النَّاسُ اى اهلَ مكةَ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ شَكٍّ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ اى اَصْلَكُمْ آدمَ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ خلقنا ذُرِّيَّتَهُ مِنْ نُّطْفَةٍ مَنِيٍّ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ وهى الدَّمُ الجامِدُ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ وهى لُحْمَةٌ قدرُما يُمْضَغُ مُّخَلَّقَةٍ مُصوَّرةٍ تامةِ الخلقِ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ اى غيرِ تامَّةِ الخلقِ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ كمالَ قُدرتِنَا لِتَسْتدِلُّوْا بها فى اِبتداءِ الخلقِ عَلٰى اِعادتِهِ وَنُقِرُّ مُسْتانِفٌ فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وقتِ خُروجِه ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ من بطونِ امهٰتِكم طِفْلًا بمعنى اطفالًا ثُمَّ نُعَمِّرُكُمْ لِتَبْلُغُوْا اَشُدَّكُمْ اى الكمالَ والقُوَّةَ وهو مابينَ الثلاثين الى الاربعين سَنَةً وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى يموتُ قبلَ بلوغِ الاَشُدِّ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ اَخسِّهِ من الهَرَمِ والخَرَفِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ط قال عكرمةُ مَنْ قرأ القرآن

لَمْ يَصِرْ بِهٰذه الحالةِ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً يَابِسَةً فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ تَحَرَّكَتْ وَرَبَتْ ارتفعَتْ وَزَادَتْ وَاَنْبَتَتْ مِنْ زائدة كُلِّ زَوْجٍ صِنْفٍ بَهِيْجٍ ○ حَسَنٍ ذٰلِكَ المذكورُ من بَدْءِ خَلْقِ الانسانِ الٰى آخِرِ اِحياءِ الارْضِ بِاَنَّ بِسَبَبِ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الثابتُ الدائمُ وَاَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَاَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ وَّاَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّارَيْبَ شَكَّ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ ونزلَ فى ابى جهل وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلاهُدًى مَعَهُ وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ○ لهُ نورٌ مَعَهُ ثَانِيَ عِطْفِهٖ حَال اى لَاوِيَ عُنُقِهٖ تكبُّرًا عن الاِيْمَانِ والعِطْف الجانبُ عن يمين او شمال لِيُضِلَّ بفتح الياء وضمها عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دِيْنِهٖ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ عذابٌ فقُتِلَ يومَ بدرٍ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○ اى الاِحراقِ بالنَّارِ ويقال له ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ اى قَدَّمْتَهُ عُبِّرَ عنه بهما دون غيرِهما لانّ اكثر الافعال تُزاوَلُ بهما وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ اى بِذِيْ ظُلْمٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ فيُعَذِّبُهُمْ بغير ذَنْبٍ. ع

ترجمہ

سب سے زیادہ مہربان بہت رحم والے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے مکہ وغیرہ کے لوگو اپنے رب یعنی اس کے عذاب سے ڈرو بایں طور کہ اس کی اطاعت کرو، بے شک قیامت کا زلزلہ یعنی زمین کی شدید حرکت جو کہ مغرب کی جانب سے طلوع شمس کے بعد ہوگی، اور وہ قرب قیامت ہوگا، لوگوں کو بے قرار کرنے (خوف زدہ کرنے) میں بڑی بھاری چیز ہوگی، وہ عذاب کی ایک قسم ہوگی، جس روز تم اس کو دیکھو گے اس (زلزلہ) کی وجہ سے بالفعل ہر دودھ پلانے والی عورت دودھ پیتے بچہ کو فراموش کردے گی، یعنی بھول جائے گی، اور ہر حمل والی یعنی حاملہ اپنے حمل کو ساقط کردے گی اور (اے مخاطب) تو لوگوں کو شدت خوف کی وجہ سے نشہ کی سی حالت میں دیکھے گا حالانکہ وہ شراب کی وجہ سے نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا جس کی وجہ سے لوگ خوف زدہ ہوں گے، اور نضر بن حارث اور ایک جماعت کے بارے میں آئندہ آیت نازل ہوئی، اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو اللہ کے بارے میں بے علمی کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں (اور) کہتے ہیں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور قرآن پچھلے لوگوں کے گھڑے ہوئے قصے ہیں، اور وہ بعث کے منکر ہیں، اور مٹی ہونے کے بعد زندہ ہونے کے منکر ہیں، اور اس جھگڑے میں ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور شیطان کی بابت یہ بات لکھی جا چکی ہے یعنی اس کے بارے میں فیصلہ کیا جا چکا ہے کہ جو کوئی اس کی رفاقت کرے گا یعنی اس کی اتباع کرے گا تو وہ اس کو گمراہ کردے گا، اور اس کو عذاب نار کی طرف لے جائے گا، اے مکہ کے لوگو اگر تم دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں شک میں ہو (تو ذرا غور کرو) ہم نے تم کو یعنی تمہاری اصل آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر

آدم کی ذریت نطفہ منی اور پھر علقہ سے اور وہ خون بستہ ہے اور پھر لوتھڑے سے اور وہ چبائے جانے کی مقدار گوشت کا ٹکڑا ہے (بوٹی) کہ خلقت کے اعتبار سے پوری بھی ہوتی ہے اور ادھوری بھی ہوتی ہے تاکہ ہم تم پر اپنی کمال قدرت کو ظاہر کردیں تاکہ تم ابتداء تخلیق پر قدرت سے اعادہ تخلیق پر استدلال کرو وَنُقِرُّ جملہ مستانفہ ہے، اور ہم رحم مادر میں جس کو چاہتے ہیں ایک معین مدت یعنی پیدائش کے وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر ہم تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں اور طفلاً اطفالاً کے معنی میں ہے پھر تم کو عمر دیتے ہیں تاکہ تم بھرپور جوانی کو یعنی کمال اور قوت کو پہنچ جاؤ اور وہ تیس سے چالیس سال کے درمیان ہے اور بعض تم میں کے وہ بھی ہیں جو بالغ ہونے سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اور بعض تم میں سے وہ ہیں جو نکمی عمر کو پہنچا دئے جاتے ہیں یعنی بڑھاپے کی وجہ سے عمر کے گھٹیا مرحلہ اور فساد عقل کی منزل کو پہنچ جاتے ہیں (جس کا اثر یہ ہوتا ہے) کہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد بے خبر ہو جاتے ہیں (حضرت) عکرمہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن خوانی کا شغف رکھتا ہے وہ اس حالت کو نہیں پہنچتا، اور اے مخاطب تو دیکھتا ہے زمین کو کہ خشک ہے اور جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ہلتی ہے یعنی حرکت کرتی ہے اور ابھرتی ہے مرتفع اور زیادہ ہوتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے یہ جو مذکور ہوا ابتداء آفرینش انسان سے احیاء ارض تک اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی ثابت اور دائم ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور ہر شئ پر قادر ہے اور قیامت یقیناً آنے والی ہے اس میں ذرہ برابر شک نہیں اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ کے بارے میں بدون واقفیت اور بدون دلیل کے کہ جو اس کے پاس ہو اور بغیر کسی روشن کتاب کے جو اس کے لئے ہو اور اس کتاب کے ساتھ نور (وحی) ہو پہلو تہی کرتے ہوئے (یہ یجادل کی ضمیر سے) حال ہے، یعنی ایمان سے متکبرانہ طور پر گردن موڑتے ہوئے اور عطف دائیں یا بائیں جانب کو کہتے ہیں، لِيُضِلَّ یا کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ تاکہ اللہ کے راستہ یعنی اس کے دین سے بہکا دے ایسے شخص کے لئے دنیا میں رسوائی عذاب ہے چنانچہ یوم بدر میں قتل کیا گیا اور قیامت کے دن بھی ہم اسے جلنے یعنی آگ میں جلانے کا عذاب چکھائیں گے، اور یہ تیرے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے یعنی ان اعمال کا جو تو نے کئے شخص (ذات) کو یدٌ سے تعبیر کیا ہے نہ کہ دیگر اعضاء سے اس لئے کہ اکثر اعمال کا صدور ہاتھوں ہی سے ہوتا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کہ ان کو بغیر کسی جرم کے سزا دے۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

قوله زلزلة الساعة قیامت کے دن کا زلزلہ اس میں اضافت الی الظرف کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ یاسارقَ اللیل میں، اور یہ اتساعاً ہے۔

قوله التي يكون بعدها طلوع الشمس مفسر علام کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ زلزلہ دنیا ہی میں ہوگا اور مغرب کی جانب سے سورج کا طلوع ہونے سے بعد ہوگا، اور اسی قول کی تائید اللہ تعالیٰ کے قول "تذهل كل مرضعة عما ارضعت" سے بھی ہوتی ہے، **قوله بالفعل** کا مطلب ہے دودھ پلانے کی حالت جب کہ ماں بچہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہوتی ہے ایسی حالت میں اس شدید زلزلہ کو دیکھ کر اپنے بچہ سے غافل ہو جائے گی، عَمَّا ارضعت میں ما مصدریہ بھی ہوسکتا ہے ای عن ارضاعها اور موصولہ بھی ہوسکتا ہے ای عن الذی اُرضَعَتْهُ، **قوله** يومَ تَرَونَهَا یومَ کے نصب میں چند وجوہ ہیں (۱) تذهل کی وجہ سے منصوب ہے (۲) اذکر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے (۳) الساعة سے بدل ہے (۴) عظيم کی وجہ سے منصوب ہے، **قوله** تذهَلُ ترونَها کی ضمیر سے حال ہے اور رویت بصری مراد ہے، **قوله** ولكنّ عذاب الله شديد یہ محذوف سے استدراک ہے فهٰذِهِ الاحوال المذكوره ليست بشديدة ولكن عذاب الله شديد، لکن کا مابعد ماقبل کے مخالف ہوا کرتا ہے، **قوله** وجماعة جماعت سے مراد ابوجہل اور اُبَیّ بن خلف وغیرہ ہیں، **قوله** كمالَ قدرتنا اس عبارت کو مقدر ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ لِنُبَيّنَ لَكُمْ کا مفعول محذوف ہے، **قوله** طِفلاً یہ نخرجكم کی کم ضمیر سے حال ہے اور طفلا چوں کہ مصدر ہے جس کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کردیا ہے، **قوله** ارذل العمر گھٹیا اور ناکارہ عمر، خَرَفْ دونوں کے فتحہ کے ساتھ، کبر سنی کی وجہ سے فساد عقل، جس کو اردو میں سٹھیانا کہتے ہیں، **قوله** لِكَيلا يَعْلَمُ اس کا تعلق يُرَدُّ سے ہے، **قوله** هامِدَةً یہ همَدَتِ النار سے مشتق ہے، اس کے معنی ہیں، بجھ جانا **قوله** ذٰلك بان الله اس میں تین وجہ اعراب ہوسکتی ہیں (۱) ذٰلك مبتدا اور مابعد اس کی خبر اور مشارالیہ ماقبل میں تخلیق بنی آدم وغیرہ ہے، (۲) ذٰلك مبتدا محذوف کی خبر ہے، ای الامر ذٰلك (۳) ذٰلك فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، ای فعلنا ذٰلك بسبب ان الله هو الحق، **قوله** يجادل في الله الخ یعنی یہ شخص اللہ کی ذات وصفات میں مجادلہ کرتا ہے حالانکہ نہ اس کے پاس علم ہے اور نہ دلیل اور نہ اس کے پاس کوئی روشن کتاب ہے کہ اس کو وحی کی تائید حاصل ہو، یعنی دلیل عقلی اور نقلی کے بغیر ہی خدا کی ذات وصفات کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے، وأن الساعة آتية، وانه يحيى الموتىٰ کی تاکید ہے، ونزل في ابي جهل اس کا نام عمر بن ہشام ہے اور ابوجہل کنیت ہے، اس کی ایک کنیت ابوالحکم بھی ہے، ومن يجادل في الله کا عطف پہلے مَنْ يُجادِلُ في اللّٰهِ بِغَيرِ علم پر ہے، **قوله** نورٌ معهٗ معہ کا تعلق کتاب سے ہے ای ولا وحي كائن معه، **قوله** حال ثاني عطفه يجادل کی ضمیر سے حال ہے اور ليضل کا تعلق يجادل سے ہے، **قوله** عذاب الحريق یہ اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے ای العذاب المحرق، **قوله** اى بذى ظلم یہ اشارہ ہے کہ ظلّام جو کہ مبالغہ کا صیغہ ہے ذی ظلم (اسم فاعل) کے معنی میں ہے۔

تفسیر و تشریح

سابقہ سورۃ سے ربط

سورہ انبیاء کے اختتام پر بعث بعد الموت کا ذکر تھا، اس سورۃ کو حق سبحانہ تعالیٰ نے قیامت اور اس کی ہولناکی کے بیان سے شروع فرمایا ہے، تاکہ انسان تقویٰ اختیار کرے جو کہ راہیٔ آخرت کے لئے بہترین زادراہ ہے، فرمایا یا ایھا الناس اتقوا ربکم.

سورہ حج کی خصوصیات

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، حضرت ابن عباسؓ سے دونوں قسم کی روایتیں منقول ہیں، جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ سورۃ آیات مکیہ اور مدنیہ سے مخلوط ہے، قرطبی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

اس سورۃ کے عجائب میں سے یہ بات ہے کہ اس کی آیات کا نزول بعض کا رات میں بعض کا دن میں، بعض کا سفر میں اور بعض کا حضر میں اور بعض کا مکہ میں اور بعض کا مدینہ میں اور بعض کا حالت جنگ و جہاد میں اور بعض کا صلح و امن کی حالت میں ہوا ہے اور اس میں بعض آیات ناسخ ہیں اور بعض منسوخ اور بعض محکم ہیں اور بعض متشابہ۔

زلزلہ قیامت کب ہوگا؟

قیامت قائم ہونے اور لوگوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد یا اس سے پہلے، بعض نے کہا ہے کہ یہ قیامت سے پہلے اسی دنیا میں ہوگا اور قیامت کی آخری علامت میں شمار ہوگا جس کا ذکر قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ زلزلہ حشر ونشر برپا ہونے کے بعد ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس زلزلہ قیامت کی جو کیفیت آگے آیت میں ذکر کی گئی ہے کہ تمام حمل والی عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور دودھ پلاتی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی، اگر یہ زلزلہ اسی دنیا میں وقوع قیامت سے پہلے ہے تو ایسا واقعہ پیش آنے میں کوئی اشکال نہیں اور حشر ونشر کے بعد ہے تو اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ جو عورتیں جس حالت میں مری ہوں گی، ان کا حشر اسی حالت میں ہوگا اور جن کا انتقال دودھ پلانے کی حالت میں ہوا ہوگا، وہ اسی طرح بچہ کے ساتھ اٹھائی جائیں گی، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت میں مجاز مراد ہے حقیقت سے اس کا تعلق نہیں ہے یعنی جس طرح "**یَوْمًا یَجْعَلُ الولدانَ شیبًا**" میں دن کی درازی مراد ہے اسی طرح یہاں روز قیامت کی ہولناکی مراد ہے، اگر حقیقی معنی مراد لئے جائیں تب بھی کوئی استحالہ

نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہر شئ پر قادر ہے۔

وَمِن الناس مَن یجادل فی اللّٰہ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بڑا جھگڑالو تھا، فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں اور قرآن کو گذشتہ لوگوں کے افسانے کہا کرتا تھا اور بعث بعد الموت کا منکر تھا۔

اِنا خلقنکم مِن تُراب ثم من نطفۃ اس آیت میں بطن مادر میں انسان کی تخلیق کے مختلف درجات کا ذکر ہے، اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے جو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کا مادہ رحم مادر میں چالیس روز تک جمع رہتا ہے پھر چالیس روز کے بعد علقہ یعنی منجمد خون بن جاتا ہے پھر چالیس ہی دن میں وہ مضغہ یعنی گوشت بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس کے متعلق چار باتیں اسی وقت فرشتہ کو لکھوادی جاتی ہیں (۱) یہ کہ اس کی عمر کتنی ہے (۲) یہ کہ رزق کتنا ہے (۳) عمل کیا کرے گا (۴) یہ کہ بد بخت ہوگا یا خوش بخت (قرطبی) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب نطفہ مختلف ادوار سے گذرنے کے بعد مضغہ بن جاتا ہے تو جو فرشتہ ہر انسان کی تخلیق پر مامور ہے اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہے یارب مخلقۃ او غیر مخلقۃ یعنی اس نطفہ سے آپ کا انسان کو پیدا کرنا مقدر ہے یا نہیں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ملتا ہے کہ یہ غیر مخلقہ ہے تو رحم اس کو ساقط کر دیتا ہے اور اگر حکم ہوتا ہے کہ یہ مخلقہ ہے تو پھر فرشتہ سوال کرتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ اور شقی یا سعید؟ اور اس کی عمر کیا ہے؟ اور اس کا عمل کیسا ہے؟ اور کہاں مرے گا؟ یہ سب باتیں اسی وقت فرشتہ کو بتلادی جاتی ہیں (ابن کثیر)

وَمِنْکُمْ مَنْ یُرَدُّ الی ارذل العمر یعنی وہ عمر کہ جس میں انسان کے عقل وشعور اور حواس میں خلل آنے لگے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عمر سے پناہ مانگی ہے نسائی شریف میں بروایت سعدؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب ذیل الفاظ پر مشتمل یہ دعا بکثرت مانگتے تھے اور راوی حدیث حضرت سعد یہ دعا اپنی سب اولاد کو یاد کرادیتے تھے، وہ دعا یہ ہے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبرِ. (قرطبی)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ ای شَکٍّ فی عبادتِہٖ شُبِّہَ بالحالِ علٰی حرفِ جَبلٍ فی عَدَمِ ثباتِہٖ فَاِنْ اَصَابَہٗ خَیْرُ صِحَّۃٌ وَسَلَامَۃٌ فی نفسِہٖ ومالِہٖ اِطْمَانَّ بِہٖ وَاِنْ اَصَابَتْہُ فِتْنَۃٌ مِحنۃٌ وسَقَمٌ فی نفسِہٖ ومالِہٖ اِنْقَلَبَ عَلٰی وَجْھِہٖ ای رَجَعَ الی الکفرِ خَسِرَ الدُّنْیَا بِفَوَاتِ مَا اَمَلَہٗ مِنْھَا وَالْآخِرَۃَط بالکُفْرِ ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۝ البیّنُ یَدْعُوْا یَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنَ الصَّنَمِ مَالَا یَضُرُّہٗ ان لم یعبُدْہ وَمَا لَا یَنْفَعُہٗط ان عبدہٗ ذٰلِکَ الدُّعاءُ ھُوَ الضَّلَالُ الْبَعِیْدُ ۝ عَنِ الحقِّ یَدْعُوْا لَمَنْ اللامُ زائدۃٌ ضَرُّہٗ لِعِبادَتِہٖ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِہٖ اِنْ نَفَعَ بتخیُّلِہٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰی ھُوَ ای النّاصرُ وَلَبِئْسَ

العَشِيْرُ ای الصَّاحِبُ هو وعُقِبَ ذِكْرُ الشَّاكِّ بِالخُسران بذكرِ المؤمنين بالثواب فی اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ من الفرضِ والنوافلِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَايُرِيْدُ مِنْ اِكرامِ مَنْ يُطِيعُه واهانَةِ من يَعْصِيْهِ مَنْ كانَ يَظُنُّ اَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللّٰهُ ای محمَّدًا نَبِيَّهُ فِی الدُّنيَا والآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ بِحَبْلٍ اِلَی السَّمَآءِ ای سقفِ بَيتِه يشدُّ فيه وفی عُنُقِه ثُمَّ لْيَقْطَعْ ای لِيَخْتَنِقْ بِهٖ بِاَنْ يَقْطَعَ نَفسَه من الارضِ كما فی الصِّحاحِ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ فی عَدَمِ نُصرةِ النبی صلی اللّٰه عليه وسلمَ مَا يَغِيْظُ مِنْهَا المعنی فَلْيَخْتَنِقْ غَيْظًا منها فلا بُدَّ منها وكَذٰلِكَ ای مثلَ اِنزالنا الآيٰتِ السابقةِ اَنْزَلْنٰهُ ای القرآنَ الباقی آيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ظاهراتٍ حالٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يُّرِيْدُ هُداه معطوف علٰی هاءِ اَنْزَلْناه اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وهُمُ اليهودُ وَالصَّابِئِيْنَ طَائفةٌ منهم وَالنَّصٰرٰی وَالمَجُوسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ القِيٰمَةِ بِاِدْخالِ المؤمنين الجنةَ وغيرَهُمُ النارَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مِنْ عَمَلِهِم شَهِيْدٌ عالمٌ به عِلْمَ مُشاهَدَةٍ اَلَمْ تَرَ تعلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ ای يَخْضَعُ له بما يُرادُ منه وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وهُمُ المؤمنون بزيادةٍ علی الخضوعِ فی سجودِ الصلاة وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ العَذَابُ وهُمُ الكافرون لِاَنَّهم اَبَوْا السجودَ المُتَوَقَّفَ علی الايمان وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ يُشْقِهٖ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ مُسْعِدٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ من الاهانةِ والاِكرامِ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ ای المؤمنون خصمٌ والكفارُ الخمسةُ خصم وهو يُطلق علی الواحدِ والجماعةِ اخْتَصَمُوْا فِی رَبِّهِمْ ای فی دينِهِ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يَلْبَسُوْنَهَا يعنی اُحِيْطَتْ بهم النارُ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الحَمِيْمُ الماءُ البالغُ نِهَايَةَ الحرارةِ يُصْهَرُ بِهٖ يُذَابُ مَا فِی بُطُوْنِهِمْ مِنْ شُحُوْمٍ وغيرها وَ تَشْوِیْ بِهِ الْجُلُوْدُ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ لِضَرْبِ رُءُوسِهم كُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا ای النارِ مِنْ غَمٍّ يَلْحَقُهم بها اُعِيْدُوْا فِيْهَا رُدُّوْا اِليها بالمَقامعِ وقيل لهم ذُوْقُوْا عَذَابَ الحَرِيْقِ ای البالغِ نهايةَ الاِحْراقِ. ع

ترجمہ

اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اللہ کی بندگی ایک کنارے پر کھڑے ہوکر کرتے ہیں یعنی اس کی عبادت

تذبذب کے ساتھ کرتے ہیں شک کے ساتھ عبادت کرنے والے کی حالت کو عدم ثبات میں اس شخص کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو پہاڑ کے کنارہ پر کھڑا ہو، لہٰذا اگر اس کو کوئی خیر پہنچ گئی یعنی اس کے جان و مال میں صحت و سلامتی تو اس دین پر مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی آفت یعنی اس کی جان و مال میں محنت اور مرض لاحق ہو گیا تو وہ منہ اٹھا کر چلدیتا ہے یعنی کفر کی جانب پلٹ جاتا ہے، جس دنیا کے ملنے کی امید تھی اس کے نہ ملنے کی وجہ سے دنیا کا نقصان ہوا اور کفر کی وجہ سے آخرت کا نقصان ہوا، یہی کھلا نقصان ہے اللہ کو چھوڑ کر بت کی بندگی کرتا ہے، اگر اس کی بندگی نہ کی جائے تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اگر اس کی بندگی کرے تو اس کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا یہ بندگی انتہا درجہ کی حق سے گمراہی ہے ایسے کی بندگی کر رہا ہے کہ اس کی عبادت کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے بالفرض اگر اس کے خیال کے مطابق نفع ہو، لَمَنْ میں لام زائدہ ہے، یقیناً ایسا مولیٰ یعنی ناصر برا ہے اور وہ برا رفیق ہے، شک کرنے والے کے نقصان کے ذکر کے بعد مومنین کے ثواب کا ذکر فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے اعمال صالحہ فرائض و نوافل کے (قبیل) سے کئے ہوں گے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جس میں نہریں جاری ہوں گی اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے خواہ اس کی اطاعت کرنے والے کا اکرام ہو یا اس کے نافرمان کی اہانت ہو اور جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا و آخرت میں مدد نہ کرے گا تو ایسے شخص کو چاہئے کہ اونچائی پر ایک رسہ باندھ لے، یعنی اپنے گھر کی چھت میں رسے کا (ایک سرا) باندھ لے اور (دوسرا) سرا اپنی گردن میں باندھ لے، پھر اس سے اپنا گلا گھونٹ لے خودکشی کر لے بایں طور کہ اپنا سانس دنیا سے منقطع کر لے (صحاح میں ایسا ہی) پھر غور کرے آیا اس کی یہ تدبیر خودکشی آپ کی عدم نصرت کے بارے میں اس چیز کو ختم کر سکتی ہے جس نے اس کو غصہ میں ڈال رکھا ہے، آیت کے معنی یہ ہیں اس کی وجہ سے خودکشی کر لینی چاہئے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت ضروری ہے اور اسی طرح یعنی جس طرح آیات سابقہ کو ہم نے نازل کیا ہے باقی قرآن کو بھی نازل کیا ہے حال یہ ہے کہ واضح آیتیں ہیں آیات، انزلناہ کی ضمیر سے حال ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ فرماتے ہیں ان کو ہدایت نصیب فرماتے ہیں اور انّ اللّٰہ یھدی الخ کا عطف انزلناہ کی ہ پر ہے (تقدیر عبارت یہ ہے انزلنا القرآن و اَنزلنا انّ اللّٰہ یھدی من یرید) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مومنین اور وہ لوگ جنہوں نے یہودیت اختیار کی اور وہ یہود ہیں اور صائبین جو کہ یہود ہی کی ایک جماعت ہے اور نصاریٰ اور مجوسی اور مشرکین اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان قیامت کے روز مومنین کو جنت اور غیر مومنین کو جہنم میں داخل کر کے فیصلہ کر دے گا بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال میں سے ہر چیز سے واقف ہے یعنی اس کو علم مشاہدہ حاصل ہے اے مخاطب کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں اور شمس و قمر ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے بھی یعنی ہر ایک اس کے حکم کے تابع ہے اس بات میں جو اس سے مطلوب ہے اور بہت سے آدمی بھی (عاجزی کرتے ہیں)

اور وہ مومنین ہیں، سجدۂ صلوٰۃ میں (عام) خضوع پر زیادتی کے ساتھ اور بہت سے ایسے ہیں کہ جن پر عذاب کا استحقاق ثابت ہوگیا ہے اور وہ کافر ہیں اس لئے کہ انہوں نے اس سجدہ کا انکار کردیا جو ایمان پر موقوف ہے، اور جس کو خدا ذلیل کرے شقی کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں یعنی سعید کرنے والا نہیں، اللہ اہانت اور اکرام سے جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ دو فریق ہیں مومنین ایک فریق ہیں اور کفار خمسہ دوسرا فریق اور خصم کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے، انہوں نے اپنے رب یعنی اس کے دین کے بارے میں جھگڑا کیا ہے سو کافروں کے لئے آگ کے کپڑے بیونت کر کاٹے جائیں گے اس کو پہنیں گے یعنی آگ ان کا احاطہ کرے گی اور ان کے سروں پر ماء حمیم یعنی نہایت شدید گرم پانی بہایا جائے اس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں پگھلا دی (گلادی) جائیں گی چربی وغیرہ، اور کھالیں اس گرم پانی کی وجہ سے بھون دی جائیں گی، اور ان (کی سزا) کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہیں یعنی ان کے سروں پر مارنے کے لئے اور جب بھی اس آگ سے ان کو غم لاحق ہونے کی وجہ سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے ہتھوڑوں کے ذریعہ اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا جلنے کا عذاب چکھو یعنی جلانے کی انتہائی حد کو پہنچا ہوگا۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

قوله علی حرفٍ یہ یَعْبُدُ کی ضمیر فاعل سے حال ہے ای یَعْبُدُ مُتَزَلْزِلاً، **قوله** شَبَّهَ بالحال علی حرف جبلٍ **فی عدم ثباته** اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آیت میں استعارۃ تمثیلیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آیت میں اس کی حالت کو جو بغیر یقین واعتقاد کے ساتھ اسلام میں داخل ہوا ہو تزلزل اور عدم ثبات میں اس شخص کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو کسی شئ کے کنارے پر کھڑا ہو ہر وقت اس کو بے اطمینانی کی کیفیت رہتی ہے، **قوله ما أمله** یہ ماضی کا صیغہ بھی ہوسکتا ہے اور اَمَل بمعنی امید بھی ہوسکتا ہے، **قوله اللام زائدة لَمَنْ** پر لام زائدہ ہے اور مَنْ یدعوا کا مفعول ہے ضرّہ مبتداء ہے اور اَقربُ اپنے متعلق سے مل کر اس کی خبر ہے اور پھر جملہ ہو کر مَنْ موصولہ کا صلہ ہے اور موصول صلہ سے ملکر یدعوا کا مفعول بہ ہے، **قوله بعبادته ای بسبب عبادته**، **قوله لَبِئْسَ المولی هُوَ**، هُوَ مخصوص بالذم ہے، الناصر مولیٰ کی تفسیر ہے، اسی طرح الصاحب، العشیر کی تفسیر ہے اور ھو مخصوص بالذم ہے **قول المفسر بالخسران متلبّسا** محذوف سے متعلق ہو کر شاك سے حال ہے **و كذا يقال فيما بعده**، **قول المفسر بذكر المومنين عَقَّبَ** سے متعلق ہے **قوله تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يدخِل الّذِيْنَ الخ** ذکر ثانی کی صفت ہے **ای الذكر الكائن فی هذه الآية، قول المفسر من اكرام من يُطِيعُهُ الخ** اس میں لف ونشر غیر مرتب ہے **ينصرهٗ** میں ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے معہود فی الذہن ہونے کی وجہ سے، **السماء** سر کے اوپر جو شئ ہو اس کو سماء کہہ سکتے ہیں، مقولہ ہے **كل ماهو علی رأسه فهو سماء**، **قوله فليمدد مَنْ كانَ** میں مَنْ اگر شرطیہ ہوتو

فلیمدد اس کی جزا ہوگی اور اگر مَنْ موصولہ ہوتو فا فلیمدد میں مشابہ جزاء ہونے کی وجہ سے ہوگی، **قوله** بان یَقْطَعَ نَفْسَهٗ نفسہ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ لیقطع کا مفعول محذوف ہے من الارض ارض سے مراد حیات دنیوی ہے جب کہ نفسهٗ فا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے اور اگر نفسہ فا کے سکون کے ساتھ ہو تو اس صورت میں نفس سے مراد خود اس کی ذات ہوگی، اور ارض سے مراد زمین ہوگی، مطلب یہ ہوگا کہ چھت وغیرہ میں رسی کا ایک سرا باندھ لے اور دوسرا سرا اپنی گردن میں باندھ لے اور کسی چیز پر کھڑے ہو کر زمین سے اپنا تعلق ختم کر لے تاکہ پھندے سے دم گھٹ کر اس کی موت واقع ہو جائے، مَا یَغِیْظُ مِنْهَا، منها، ما کا بیان ہے اور مراد اس سے نصرت ہے، مَا یَغیظ میں ما موصولہ بمعنی الذی ہے، یغیظ اس کا صلہ ہے عائد اس میں محذوف ہے، اور موصول صلہ سے مل کر یُذْهِبَنَّ کا مفعول ہے تقدیر عبارت یہ ہے هَلْ یُذْهِبَنَّ کَیْدُهٗ الشَّیْءَ الَّذِیْ یغیظه وهو نصرة النبی صلی الله علیه وسلم، یغیظه میں ضمیر فاعل الذی اسم موصول کی طرف راجع ہے، اور ضمیر مفعول من کان، یظن کی طرف راجع ہے، **قوله** غیظًا منها ای من اجلها، **قوله** فلابد منها ای من النصرة تقدیر عبارت یہ ہے فلیختنق لانه لابدّ مِنَ النُّصرةِ، **قوله** حال یعنی لفظ آیات انزلناهُ کی ضمیر سے حال ہے اور بینات آیات کی صفت ہے، **قوله** هَدَاهُ کا اضافہ اشارہ ہے یُرِیدُ کے مفعول محذوف کی طرف، **قوله** وَاَنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ اس کا عطف انزلناه کی ضمیر پر ہے، ای انزلناه وانزلنا انَّ اللّٰهَ یهدی من یرید، **قوله** وکثیرٌ مِنَ الناس کا عطف یسجد کے فاعل یعنی مَنْ فی السَّمٰوٰت پر ہے، یعنی تکوینی اور اضطراری خضوع کے علاوہ بعض انسان اختیاری یعنی سجدہ وغیرہ کے ذریعہ بھی خضوع کرتے ہیں، **قوله** هٰذان خصمان اوپر چھ فریقوں کا ذکر ہوا ہے ان میں ایک فریق مومن ہے اور بقیہ پانچ کافر ہیں، اس طریقہ سے کل دو نوع ہیں، ایک فریق مومن اور دوسرا کافر، اسی وجہ سے خصمان بصیغہ تثنیہ کہا گیا ہے، فریق مومن کے مقابل پانچ فریقوں کو خصم واحد کے صیغہ سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ خصم مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق واحد اور جماعت دونوں پر ہوتا ہے، **قوله** اِخْتَصَمُوْا یہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اس لئے کہ فریق چند افراد پر مشتمل ہوتا ہے، لہٰذا فریق لفظ کے اعتبار سے واحد اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے، جیسے قومٌ ورهطٌ **قوله** فی دینه یہ اشارہ ہے کہ مضاف محذوف ہے، **قوله** وتشویٰ به الجلودُ اس میں اشارہ ہے کہ جلود فعل محذوف کی وجہ سے مرفوع ہے، اس لئے کہ مافی بطونهم پر عطف درست نہیں کیوں کہ جلد پگھلنے کی چیز نہیں ہے، **قوله تعالیٰ** ولَهم مقامعُ لهم کی ضمیر میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ الذین کفروا کی طرف راجع ہو اس صورت میں لام استحقاق کے لئے ہوگا اور دوسرا احتمال یہ کہ هم ضمیر زبانیہ (دوزخ کے داروغہ) کی طرف راجع ہوگی اور یہ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے، **قوله** المقامعُ جمع مُقْمَعَةٍ ہتھوڑا۔

تفسیر و تشریح

شان نزول: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یعبد اللّٰہ علی حرفٍ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بخاری اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں مقیم ہو گئے تو بعض ایسے لوگ بھی آ کر مسلمان ہو جاتے تھے کہ جن کے دل میں ایمان کی پختگی نہیں ہوتی تھی، اگر اسلام لانے کے بعد اس کی اولاد و مال میں ترقی ہوگئی تو کہتا تھا کہ یہ دین اچھا ہے اور اگر اس کے خلاف ہوا تو کہتا تھا کہ یہ برا دین ہے، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ یہ لوگ ایمان کے ایک کنارہ پر کھڑے ہوتے ہیں اگر ان کو ایمان کے بعد دنیوی راحت و سامان مل گیا تو اسلام پر جم گئے اور اگر وہ بطور آزمائش کسی تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہو گئے تو دین سے پھر گئے۔

حرف کے معنی کنارہ کے ہیں، جس طرح کنارہ پر کھڑے ہونے والے کو قرار و ثبات نہیں ہوتا اسی طرح جو شخص دین کے بارے میں شک و ریب اور تذبذب کا شکار رہتا ہے اس کا حال بھی یہی ہے، ایسے شخص کو دین پر استقامت نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ اس کی نیت صرف دنیوی مفادات کی ہوتی ہے، حاصل ہوتے رہیں تو ٹھیک بصورت دیگر وہ پھر آبائی دین یعنی کفر و شرک کی طرف لوٹ جاتا ہے، اس کے برخلاف جو سچے مسلمان ہوتے ہیں اور ایمان و یقین سے سرشار ہوتے ہیں وہ عسر و یسر کی پرواہ کئے بغیر دین پر قائم رہتے ہیں، نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں تو شکر ادا کرتے ہیں اور اگر تکلیفوں سے دوچار ہوتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔

وَمَنْ کانَ یظن اَن لَّنْ یَّنْصُرَ اللّٰہَ الآیۃ اس آیت کے دو مطلب بیان کئے گئے، ایک یہ کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد نہ کرے کیونکہ اس کے غلبہ اور فتح سے اس کو تکلیف ہوتی ہے تو وہ اپنے گھر کی چھت میں رسی لٹکا کر اپنے گلے میں اس کا پھندا لیکر اپنا گلا گھونٹ لے، شاید یہ خودکشی اسے غیظ و غضب سے بچا لے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو دیکھ کر اپنے دل میں پاتا ہے اس صورت میں سماء سے مراد گھر کی چھت ہوگی، دوسرے معنی یہ ہیں کہ ایسا شخص ایک رسہ لیکر آسمان پر چڑھ جائے اور آسمان سے جو مدد اور وحی آتی ہے اس کا سلسلہ ختم کر دے (اگر وہ کر سکتا ہے) اور دیکھے کہ کیا اس کے بعد اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا؟ امام ابن کثیرؒ نے پہلے مفہوم کو پسند کیا ہے اور شوکانیؒ نے دوسرے مفہوم کو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ مذکورہ برحق اور باطل فرقوں کے درمیان قیامت کے دن عملی فیصلہ فرما دیں گے اور یہ فیصلہ حاکمانہ اختیارات کے زور پر نہیں ہوگا، بلکہ عدل و انصاف کے مطابق ہوگا، کیونکہ وہ باخبر ہستی ہے اسے ہر چیز کا علم ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ الآیۃ اس آیت میں تمام مخلوقات خواہ زندہ ذی روح ہوں یا جمادات و نباتات سب کا

حق سبحانہ تعالیٰ کے لئے مطیع اور فرمانبردار ہونا بعنوان سجدہ بیان فرما کر بنی نوع انسان کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک مطیع و فرمانبردار سجدہ میں سب کے ساتھ شریک اور دوسری قسم سرکش و باغی سجدہ کرنے سے منحرف، اور تابع فرمان ہونے کو سجدہ کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کا ترجمہ عاجزی کرنے سے کیا ہے تاکہ مخلوق کی ہر نوع اور ہر قسم کو شامل ہو جائے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا سجدہ اس کے مناسب حال ہوتا ہے، انسان کا سجدہ زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے، دوسری مخلوقات کا سجدہ اپنی اپنی خدمت جس کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے، اس کو انجام دینے کا نام ہے۔

تمام مخلوق کے فرمانبردار ہونے کی حقیقت

تمام کائنات کا اپنے خالق کے زیر حکم اور تابع مشیت ہونا ایک تو تکوینی اور تقدیری طور پر غیر اختیاری ہے جس سے مخلوق کا کوئی فرد مومن ہو یا کافر نباتات میں سے ہو یا جمادات میں سے مستثنیٰ نہیں، اس حیثیت سے سب کے سب یکساں طور پر حق تعالیٰ کے زیر حکم و مشیت ہیں، جہاں کا کوئی ذرہ یا پہاڑ اس کے اذن و مشیت کے بغیر کوئی ادنیٰ حرکت نہیں کر سکتا۔

دوسری طاعت و فرمانبرداری اختیاری ہے کوئی مخلوق اپنے قصد و اختیار سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرے اس سے مومن و کافر کا فرق ہوتا ہے کہ مومن اطاعت شعار و فرمانبردار ہوتا ہے، کافر اس سے منحرف اور منکر ہوتا ہے یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ اس میں سجدہ اور اطاعت سے مراد صرف تکوینی و تقدیری اطاعت نہیں بلکہ اختیاری اور ارادی اطاعت ہے، کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اختیاری اور ارادی اطاعت تو صرف ذوی العقول یعنی جن و انسان وغیرہ میں ہو سکتی ہے، حیوانات، نباتات، جمادات میں عقل و شعور ہی نہیں ہوتا تو پھر قصد و ارادہ کہاں اور اطاعت اختیاری کیسی؟ کیونکہ قرآن کریم کی بے شمار نصوص اور تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ عقل و شعور اور قصد و ارادہ سے کوئی مخلوق خالی نہیں، کمی بیشی کا فرق ہے، انسان اور جنات کو اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور کا کامل درجہ عطا فرمایا ہے اور اسی لئے ان کو امر و نواہی کا مکلّف بنایا گیا ہے، اس کے علاوہ باقی مخلوقات میں سے ہر نوع اور ہر صنف کو اس صنف کی ضرورت کے مطابق عقل و شعور دیا گیا ہے، انسان کے بعد سب سے زیادہ عقل و شعور حیوانات میں ہے، اس کے بعد نباتات میں، تیسرے درجہ میں جمادات میں، حیوانات کا عقل و شعور تو عام طور پر محسوس کیا جاتا ہے، نباتات کا عقل و شعور بھی ذرا سا غور کرنے سے پہچان لیا جاتا ہے لیکن جمادات کا عقل و شعور اتنا کم اور مخفی ہے کہ عام انسان اس کو نہیں پہچان سکتے، مگر ان کے خالق و مالک نے خبر دی ہے کہ وہ بھی عقل و شعور نیز قصد و ارادہ کے مالک ہیں۔

قرآن کریم نے آسمان اور زمین کے بارے میں فرمایا ہے "قَالَتَا اَتَیْنَا طَائِعِیْنَ" یعنی جب اللہ نے آسمان اور زمین کو حکم دیا کہ تم کو ہمارے تابع فرمان رہنا ہے اپنی خوشی سے فرمانبرداری اختیار کرو ورنہ جبراً و حکماً تابع رہنا ہی ہے تو

آسمان اور زمین نے عرض کیا کہ ہم اپنے ارادے اور خوشی سے اطاعت اور فرمانبرداری قبول کرتے ہیں، اور دوسری جگہ پہاڑوں کے پتھروں کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے "وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ" یعنی بعض پتھر ایسے کہ جو اللہ تعالیٰ کی خشیت اور خوف کے مارے اوپر سے نیچے لڑھک جاتے ہیں، اسی طرح احادیث کثیرہ میں پہاڑوں کی باہم گفتگو اور دوسری مخلوقات میں عقل وشعور کی شہادتیں بکثرت ملتی ہیں، اس لئے اس آیت میں فرمانبرداری کو سجدہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے اطاعت اختیاری وارادی مراد ہے، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ نوع انسان کے علاوہ (جن کے ضمن میں جنات بھی داخل ہیں) باقی تمام مخلوقات اپنے قصد وارادہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز یعنی تابع فرمان ہیں، صرف انسان اور جن ایسی مخلوق ہے جن میں دو حصے ہوگئے، ایک مومن ومطیع سجدہ گذار، دوسرے کافر ونافرمان، سجدہ سے منحرف جن کو اللہ نے ذلیل کردیا ہے ان کو سجدہ کی توفیق نہیں بخشی۔ (واللہ اعلم)

هٰذان خصمان جن کا ذکر اوپر آیت "اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا" میں ہوا ہے، یہ دو فریق ہیں ایک مومن دوسرا کافر، پھر کافروں کی پانچ قسمیں ہیں یہود، نصاریٰ صائبین، مجوس، بت پرست۔

جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں باہم اختلاف کیا اس اختلاف کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، یہ دو فریق جن کا ذکر اس آیت میں ہے عام مومنین اور ان کے مقابلہ میں تمام گروہ کفار ہیں خواہ قرن اول کے ہوں یا مابعد کے، البتہ اس آیت کا نزول دو فریقوں کے بارے میں ہوا ہے، جو میدان بدر کے مبارزہ میں ایک دوسرے کے مقابل نبرد آزما تھے، مسلمانوں میں سے حضرت علیؓ وحمزہؓ وابوعبیدہؓ اور کفار میں سے عتبہ ابن ربیعہ اور شیبہ ابن ربیعہ اور ولید ابن عتبہ تھے، جن میں سے کفار تو تینوں مارے گئے تھے اور مسلمانوں میں حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ صحیح وسالم واپس آئے اور ابوعبیدہ شدید زخمی ہوکر آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پہنچ کر دم توڑ دیا، آیت کا نزول ان مبارزین کے بارے میں ہونا بخاری ومسلم کی احادیث سے ثابت ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم ان کے ساتھ مخصوص نہیں پوری امت کے لئے عام ہے، خواہ کسی بھی زمانہ میں ہوں۔ (معارف)

وقال فِي المؤمنين اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا بالجرِّ اى مِنهما بِاَنْ يُرَصَّعَ اللُّؤلؤُ بالذهبِ وبالنصب عطف على محلِّ من اَسَاوِرَ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ○ هو المحرَّم لُبسُه على الرجال فى الدنيا وَهُدُوْا فى الدنيا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ القَوْلِ وهو لا اله الا اللّٰه وَهُدُوْا اِلٰى صِرَاطِ الحَمِيْدِ○ اى طريقِ اللّٰهِ المحمود ودينه اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ويَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طَاعَتِه وَ عن المَسْجِدِ الحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ مَنْسَكًا ومتعبَّدًا للنَّاسِ سَوَآءَ ۨالعَاكِفُ المقيمُ فِيْهِ وَالبَادِ ط الطارى وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ الباءُ زائدةٌ بِظُلْمٍ اى بِسَبَبِهٖ بِاَنْ ارتكب مَنهِيًّا ولو شَتمَ الخادِمِ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ

اَلِيْمٍ○ مُؤلِمٌ اى بَعْضَهُ ومِن هٰذا يُؤخَذُ خبرُ اِنَّ اى نُذيقُهم مِنْ عذابٍ اَلِيمٍ . ع۳

ترجمہ

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ایسے باغات میں داخل کرے گا جس میں نہریں جاری ہوں گی، ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، اور جنت میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا جس کا مردوں کے لئے دنیا میں پہننا حرام ہے، لؤلؤٍ جر کے ساتھ، یعنی کنگن سونے اور موتیوں سے بنے ہوں گے، اس طریقہ سے کہ موتی سونے میں جڑے ہوئے ہوں گے اور لؤلؤً نصب کے ساتھ بھی ہے اَساوِرَ کے محل پر عطف ہونے کی وجہ سے اور ان کو دنیا میں کلمہ طیب کی ہدایت کردی گئی تھی، اور وہ لاَ اله الاَّ اللّٰه ہے اور ان کو اس راستہ کی ہدایت کردی گئی تھی جو لائق تعریف ہے یعنی اللہ کا پسندیدہ راستہ اور اس کا دین ہے بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ کے راستہ سے یعنی اس کی اطاعت سے اور مسجد حرام سے جس کو ہم نے قربان گاہ اور عبادت گاہ کردیا، تمام لوگوں کے لئے اس میں مقیم اور مسافر سب برابر ہیں، جو بھی وہاں ظلم کے ساتھ بے راہ روی اختیار کرے گا تو ہم اس شخص کو دردناک عذاب یعنی اس کا بعض حصہ چکھائیں گے، بالحاد میں با زائدہ ہے، بظلمٍ اى بسبب الظلم بایں طور کہ کسی غیر مشروع چیز کا ارتکاب کرے گا اگرچہ خادم کو سب وشتم ہی کیوں نہ ہو، اور اسی نُذِقْه کے لفظ سے اِنَّ کی خبر اخذ کی جائے گی اى نُذِقْهُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ .

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله مِنْ اَسَاوِرَ مِن تبعیضیہ ہے اى بعض الاساور، مِن بیانیہ بھی ہوسکتا ہے اور زائدہ بھی، اور مِنْ مِن ذهبٍ میں بیان کے لئے ہے، **قوله** الاَسَاوِرَ اَسْوِرَة کی جمع ہے، اور اَسْوِرَة سِوَارٌ کی جمع ہے، بمعنی کنگن، سُوار ضمہ اور فتحہ دونوں لغت ہیں، لؤلؤٍ جر کے ساتھ اَساوِرَ پر عطف ہوگا اور لؤلؤً نصب کے ساتھ اَساوِرَ کے محل پر عطف ہوگا اى يُحَلَّوْنَ لُؤلُؤًا چونکہ لؤلؤًا الف کے ساتھ لکھا ہے، لہٰذا نصب رسم الخط کے مقتضیٰ کے مطابق ہوگا،

قوله اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ ، يَصُدُّوْنَ کے اعراب میں تین وجہ ہوسکتی ہیں (۱) يصدونَ کا عطف كفروا پر ہو، اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ مضارع کا عطف ماضی پر درست نہیں ہے، اس کے تین جواب ہیں اول جواب مضارع سے بعض اوقات حال یا استقبال کے معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ اس سے استمرار مراد ہوتا ہے، جس میں ماضی بھی شامل ہے، دوسرا جواب مضارع ماضی کی تاویل میں ہے، تیسرا جواب مضارع اپنے حال پر ہے، البتہ ماضی بمعنی مستقبل ہے، يصدون کے اعراب کی دوسری وجہ يَصُدُّوْنَ كفروْا کی ضمیر فاعل سے حال ہے، مگر یہ ظاہر البطلان ہے، اس لئے کہ مضارع مثبت اگر حال واقع ہو تو اس پر واؤ داخل نہیں ہوتا حالانکہ یہاں واؤ موجود ہے، يصدون کے اعراب کی

تیسری وجہ، ویصدون میں اِنَّ کی خبر پر واؤ زائدہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یصدُّوْنَ اور واؤ کی زیادتی کوفیین کا مذہب ہے، **قولہ** منسکًا یہ جعلناہ کے مفعول زمانی کی طرف اشارہ ہے **قولہ** سَوَاءً جعلنا کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور سواء بمعنی مستویًا ہوگا، اور العاکفُ اس کے ذریعہ مرفوع ہے، اور سواءً حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے، جمہور نے سواء کو مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے، اس کی خبر عاکفُ ہے یا اس کا عکس ہے، **قولہ** وَمَنْ یُرِدْ فِیہ بِالحادٍ بظلمٍ نُذِقْهُ مِن عذابٍ اَلِیمٍ یُرِدْ کا مفعول تعمیم کی غرض سے محذوف ہے تقدیر یہ ہے، وَمَنْ یرد فِیہِ مرادًا، الحاد لغت میں عدول اور میلان عن الحق کو کہتے ہیں، **قولہ** مِن ھٰذا ای نُذِقهُ یعنی نُذِقهُ کے لفظ سے اِنَّ کی خبر محذوف کو سمجھا جا سکتا ہے اور وہ نُذِقُهُمْ مِنْ عذابٍ اَلِیمٍ ہے۔

تفسیر وتشریح

سابقہ آیات میں جہنمیوں کا ذکر تھا، اِنَّ اللّٰہ یدخل الَّذِیْنَ آمَنُوْا سے مقابلہ کے طور پر جنتیوں کا اور ان نعمتوں کا تذکرہ ہے جو اہل ایمان کے لئے مہیا کی جائیں گی، یُحَلَّوْنَ فِیھا مِن اساورَ الخ جنتیوں کو کنگن پہنائے جائیں گے، یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ کنگن پہننا عورتوں کا کام اور ان کی زیبائش ہے، مردوں کے لئے نہ صرف یہ کہ زیبائش اور آرائش نہیں ہے بلکہ معیوب بھی سمجھا جاتا ہے، جواب یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کی یہ امتیازی شان رہی ہے کہ سر پر تاج اور ہاتھوں میں کنگن رکھتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سراقہ بن مالک کو جبکہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور سفر ہجرت میں آپ کو گرفتار کرنے کے لئے نکلے تھے جب ان کا گھوڑا باذن خداوندی زمین میں دھنس گیا اور سراقہ نے توبہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے گھوڑا نکل گیا، اس سراقہ بن مالک سے وعدہ فرمایا تھا کہ کسریٰ شاہ فارس کے کنگن مال غنیمت میں مسلمانوں کے پاس آئیں گے اور جب فاروق اعظم کے زمانہ میں ملک فارس فتح ہوا اور شاہ کسریٰ کے یہ کنگن دیگر اموال غنیمت کے ساتھ آئے تو سراقہ بن مالک نے مطالبہ کیا تو ان کو دیدیئے گئے، خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح سر پر تاج پہننا عام مردوں کا رواج نہیں شاہی اعزاز ہے اسی طرح ہاتھوں میں کنگن بھی شاہی اعزاز سمجھے جاتے ہیں، اس لئے اہل جنت کو کنگن پہنائے جائیں گے یہ کنگن سونے، چاندی اور موتی تینوں قسم کے بھی ہوسکتے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سونے چاندی کے کنگنوں میں موتی جڑے ہوئے ہوں۔

مردوں کے لئے ریشم کے کپڑوں کا حکم آیت مذکورہ میں ہے کہ جنت میں جنتیون کا لباس حریر (ریشم) کا ہوگا، مطلب یہ ہے کہ ان کے تمام ملبوسات اور فرش اور پردے وغیرہ ریشم کے ہوں گے جو دنیا میں سب سے بہتر لباس سمجھا جاتا ہے اور جنت کا ریشم ظاہر ہے کہ دنیا کے ریشم سے صرف نام کی شرکت رکھتا ہے ورنہ اس کی عمدگی اور بہتری کو دنیوی ریشم سے کوئی نسبت نہیں، ضرورت شرعی (مثلاً حالت جنگ میں یا بطور علاج کسی ماہر طبیب کے تجویز کرنے کی وجہ سے)

کے علاوہ اگر مرد ریشمی کپڑا پہنے گا تو اس کے لئے احادیث میں وعیدیں وارد ہوئی ہیں، تفسیر کی کتابوں کی طرف رجوع کریں، مثلاً تفسیر مظہری، قرطبی وغیرہ۔

امام نسائی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں ریشمی لباس پہنے گا وہ آخرت میں محروم رہے گا، اور جو دنیا میں شراب پیئے گا وہ آخرت کی شراب سے محروم رہے گا اور جو دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں میں کھائے پیئے گا وہ آخرت میں سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھائے گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تینوں چیزیں اہل جنت کے لئے مخصوص ہیں۔ (قرطبی بحوالہ نسائی)

مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں یہ کام کئے اور توبہ نہیں کی وہ جنت کی ان تینوں چیزوں سے محروم رہیگا اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں شراب پی، پھر اس نے توبہ نہیں کی وہ آخرت میں جنت کی شراب سے محروم رہے گا۔ (قرطبی)

شبہ: یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب ایک شخص جنت میں داخل کر لیا گیا پھر اگر وہ کسی چیز سے محروم کیا گیا تو اس کو حسرت اور افسوس رہے گا اور جنت اس کی جگہ نہیں، وہاں کسی شخص کو کسی شئ کا غم اور افسوس نہ ہونا چاہئے، اور اگر یہ حسرت اور افسوس نہ ہو تو پھر اس محرومی کا کوئی فائدہ نہیں رہتا، اس کا جواب قرطبی نے اچھا دیا ہے کہ اہل جنت کے جس طرح مقامات اور درجات مختلف متفاوت اعلیٰ اور ادنیٰ ہوں گے ان کے تفاوت کا احساس بھی سب کو ہوگا مگر اس کے ساتھ ہی حق سبحانہ تعالیٰ اہل جنت کے قلوب ایسے بنا دے گا کہ ان میں حسرت و افسوس کسی چیز کا نہ ہوگا۔

وَهُدُوْآ اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ ہے، بعض نے فرمایا قرآن مراد ہے (قرطبی) صحیح یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سبیل اللہ سے مراد اسلام ہے، معنی آیت کے یہ ہیں کہ یہ لوگ خود تو اسلام سے دور ہیں ہی دوسروں کو بھی اسلام سے روکتے ہیں **والمسجد الحرام** یہ ان کا دوسرا گناہ ہے کہ مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں، مسجد حرام دراصل اس مسجد کا نام ہے جو بیت اللہ کے گرد بنی ہوئی ہے اور یہ حرم مکہ کا ایک اہم جز ہے، لیکن بعض مرتبہ مسجد حرام بول کر پورا حرم بھی مراد لیا جاتا ہے، جیسا کہ خود اسی واقعہ یعنی مسلمانوں کو عمرہ کے لئے حرم میں داخل ہونے سے روکنے کی جو صورت پیش آئی وہ یہی تھی کہ کفار مکہ نے آپ کو صرف مسجد میں جانے سے نہیں بلکہ حدود حرم میں داخل ہونے سے روک دیا تھا جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور قرآن کریم نے اس واقعہ میں مسجد حرام کا لفظ بمعنی مطلق حرم استعمال فرمایا ہے "**وصدوکم عن المسجد الحرام**"

حرم مکہ میں تمام مسلمانوں کے مساوی حق کا مطلب

اس بات پر پوری امت اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسجد حرام اور حرم شریف کے وہ تمام حصے جن سے افعال حج کا تعلق

ہے جیسے صفا مروہ اور ان کے درمیان کا میدان جس میں سعی ہوتی ہے اسی طرح منیٰ کا پورا میدان، عرفات کا پورا میدان اور میدان مزدلفہ یہ زمینیں پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے وقف ہیں کسی شخص کی ذاتی ملکیت ان پر نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے، اس کے علاوہ مکہ مکرمہ کے عام مکانات اور باقی حرم کی زمینیں ان کے متعلق بھی بعض ائمہ فقہاء کا یہی قول ہے، کہ وہ بھی وقف عام ہیں، ان کا فروخت کرنا یا کرایہ پر دینا حرام ہے، ہر مسلمان ہر جگہ ٹھہر سکتا ہے، مگر دوسرے فقہاء کا مختار مسلک یہ ہے کہ مکہ کے مکانات ملک خاص ہو سکتے ہیں ان کی خرید و فروخت اور ان کو کرایہ پر دینا جائز ہے، حضرت عمر فاروقؓ سے ثابت ہے کہ انہوں نے صفوان بن امیہ کا مکان مکہ مکرمہ میں خرید کر اس کو مجرموں کے لئے قید خانہ بنایا تھا، امام ابوحنیفہؒ سے اس میں دو روایتیں منقول ہیں ایک پہلے قول کے مطابق اور دوسری دوسرے قول کے مطابق اور فتویٰ دوسرے قول پر ہے (کذا فی روح المعانی) مسجد حرام سے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک خاص مسجد حرام مراد ہے، امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی قول ہے، امام مالک و ابوحنیفہؒ و ثوریؒ و محمدؒ کے نزدیک پورا حرم مراد ہے، اس کا قرینہ "العاکف فیہ" ہے اس لئے کہ قیام نفس مسجد میں نہیں ہوتا بلکہ منازل میں ہوتا ہے، حضرت ابن عباسؓ بھی پورے حرم کو مسجد ہی سمجھتے تھے، اسی وجہ سے مکہ کی زمین کو فروخت کرنا یا کرایہ پر دینا مکروہ سمجھتے تھے، امام صاحب سے بھی ایک روایت ایسی ہی منقول ہے، ایک قول امام صاحب کا اس کے برعکس بھی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

وَمَنْ يُرِدْ فيه بالحادٍ بظلمٍ الحاد کے معنی لغت میں سیدھے راستہ سے ہٹ جانے کے ہیں اس جگہ الحاد سے مراد مجاہدؒ و قتادہؒ کے نزدیک کفر و شرک ہے، مگر دوسرے مفسرین نے اس کو اپنے عام معنی میں قرار دیا ہے جس میں ہر گناہ اور ہر نافرمانی داخل ہے، جو چیزیں شریعت میں ممنوع اور حرام ہیں وہ سبھی جگہ گناہ اور موجب عذاب ہیں، حرم کی تخصیص اس بنا پر کی گئی ہے کہ جس طرح حرم مکہ میں نیکی کا ثواب بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے اسی طرح گناہ کا عذاب بھی بڑھ جاتا ہے، اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے اس کی ایک تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ حرم کے علاوہ دوسری جگہوں میں محض گناہ کا ارادہ کرنے سے گناہ نہیں لکھا جاتا جب تک کہ اس پر عمل نہ کرے اور حرم میں صرف پختہ ارادہ کر لینے پر بھی گناہ لکھا جاتا ہے، قرطبی نے بھی تفسیر ابن عمرؓ سے یہی نقل کی ہے اور اس تفسیر کو صحیح کہا ہے۔

وَ اذكر اِذْ بَوَّأْنَا بَيَّنَّا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ لِيَبْنِيَهُ وكان قد رُفع زمَنَ الطوفان وَاَمَرْنَاه اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ مِنَ الاَوْثَان لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ المُقيمين به وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ○ جمعُ راكعٍ وساجدٍ اى المصلّين وَاَذِّنْ نَادِ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ فنادى على جبلِ ابى قُبيسٍ يـاَيُّها النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ بنى بَيتًا واَوْجَبَ عليكم الحجَّ اِليه فاَجيبُوْا ربَّكم وَالتفتَ بِوَجْهِهِ يمينًا وشِمالًا وشَرْقًا وغَرْبًا فاَجَابه كلُّ مَنْ كُتِبَ له اَنْ يَّحُجَّ مِنْ اَصْلابِ الرِّجالِ وَاَرْحامِ الاُمَّهاتِ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وجوابُ الاَمرِ يَاْتُوْكَ رِجَالًا مُشاةً جَمْعُ راجلٍ كقائمٍ وقيامٍ وَّ رُكْبَانًا عَلٰى كُلِّ

ضَامِرٍ ای بَعِیرٍ مهزولٍ وهو یُطلق علی الذکر والانثی یَّاْتِیْنَ ای الضَّوامِرُ حَمْلاً علی المعنی مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ○ طَرِیْقٍ بَعِیدٍ لِّیَشْهَدُوْا ای یَحْضُرُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ فی الدُّنیا بالتِّجارۃِ اَوْفی الأخرۃِ اَوْ فیهما اقوال وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ ای عَشْرِ ذی الحجۃِ او یومِ عَرَفَۃَ او یومِ النَّحرِ الی اخرِ اَیَّامِ التشریقِ اَقْوالٌ عَلٰی مَارَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ ج الاِبلِ والبقرِ والغنمِ التی تُنْحَرُ فی یومِ العیدِ ومابعده من الهَدایا والضحایا فَکُلُوْا مِنْهَا اذا کانت مُسْتَحَبَّۃً وَاَطْعِمُوْا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ○ ای الشدیدَ الفقرِ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ ای یُزِیْلُوْا اَوْسَاخَهُمْ وَشَعْثَهُمْ کَطُوْلِ الظُّفُرِ وَلْیُوْفُوْا بالتخفیف والتشدید نُذُوْرَهُمْ مِنَ الهَدایا والضَّحایا وَلْیَطَّوَّفُوْا طوافَ الاِفَاضَۃِ بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ○ ای القَدِیمِ لِاَنَّهٗ اَوَّلُ بیتٍ وُضِعَ ذٰلِکَ خبرُ مبتداءٍ مُقَدَّرٍ ای الامرُ او الشانُ ذٰلکَ المذکورُ وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ هی مالا یَحِلُّ اِنْتِهاکُه فَهُوَ ای تعظیمُها خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَرَبِّهٖ فی الأخرۃِ وَاُحِلَّتْ لَکُمُ الْاَنْعَامُ اَکْلاً بعد الذَّبحِ اِلَّا مَایُتْلٰی عَلَیْکُمْ تحریمُه فی حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ الأیۃِ فَالاِسْتِثْنَاءُ منقطعٌ ویجوز اَنْ یکونَ مُتَّصِلاً والتحریمُ لِمَا عَرَضَ مِنَ الموتِ ونحوِهٖ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ مِنْ لِلْبَیَانِ ای الذی هُو الاوثانُ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ○ ای الشِّرکَ فی تَلْبِیَتِهم اَوْ شهادۃَ الزُّورِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ مُسْلِمِیْنَ عادِلِیْنَ عن کُلِّ سِوٰی دِیْنِهٖ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِهٖ تَاکِیدٌ لِمَا قَبْلَه وهما حَالانِ مِنَ الوَاوِ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ سَقَطَ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ ای تَاْخُذُهٗ بِسُرْعَۃٍ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ ای تُسْقِطُهٗ فِیْ مَکَانٍ سَحِیْقٍ○ بَعِیدٍ ای فَهُوَ لَایُرْجٰی خَلاصُه ذٰلِکَ یُقَدَّرُ قَبْلَهُ الامْرُ مُبْتَدَأٌ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا ای فَاِنَّهَا تَعْظِیْمَهَا وَهِیَ البُدْنُ الَّتِیْ تُهْدیٰ لِلحرمِ بِاَنْ تُسْتَحْسَنُ وتُسْتَسْمَنُ مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ○ منهم وَسُمِّیَتْ شعائرَ لِاِشْعارِهَا بِمَا یُعْرَفُ بِهٖ اَنَّهَا هَدْیٌ کَطَعْنٍ حَدِیْدَۃٍ بِسَنَامِهَا لَکُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ کَرُکُوْبِهَا والحَمْلِ علیها مالا یَضُرُّهَا اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی وقتَ نَحْرِهَا ثُمَّ مَحِلُّهَا ای مَکَانُ حِلِّ نَحْرِهَا اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ○ ع ای عنده والمرادُ الحرمُ جمیعُه.

ترجمہ

اور اس واقعہ کا ذکر کیجئے جب ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ کی نشاندہی کردی تاکہ اس کی تعمیر کریں اور بیت اللہ کو طوفان (نوح) کے زمانہ میں اٹھالیا گیا تھا، اور ہم نے اس کو یہ حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا، اور میرے گھر کو بتوں سے طواف کرنے والوں کے لئے اور قیام اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا، رُکَّعٌ جمع

راکع اور سُجُود جمع ساجد اور مراد نماز پڑھنے والے ہیں، اور لوگوں میں حج کا اعلان کردے، چناں چہ (حضرت ابراہیمؑ نے) جبل ابی قبیس پر چڑھ کر اعلان فرمایا ''اے لوگو! تمہارے رب نے ایک گھر بنایا ہے اور تمہارے اوپر اس کا حج کرنا واجب کیا ہے لہٰذا تم اپنے رب کی ندا پر لبیک کہو اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چہرے کو دائیں بائیں اور شرقاً و غرباً گھمایا، چناں چہ حضرت ابراہیمؑ کی آواز پر مردوں کی پشت سے اور عورتوں کے ارحام سے ہر اس شخص نے لبیک کہا کہ جس کی قسمت میں حج لکھا ہوا تھا ''لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لبیكَ'' اور جواب امر ''یاتوك رجالا'' ہے رجالاً کے معنی پا پیادہ کے ہیں اور رجال رجل کی جمع ہے جیسے قائم کی جمع قیام ہے، چلے آئیں گے لوگ تیرے پاس پیدل اور سوار ہو کر دبلے اونٹوں پر، ضامر دبلے اونٹ کو کہتے ہیں اس کا اطلاق نر و مادہ دونوں پر ہوتا ہے آئیں گی وہ اونٹنیاں دور و دراز راستہ سے یاتین بصیغہ جمع ضامر کے معنی کی رعایت کی وجہ سے لایا گیا ہے تا کہ تجارت کے ذریعہ اپنے دنیوی فوائد کے لئے یا اخروی فوائد یا دونوں فوائد کے لئے اپنے منافع کی جگہ حاضر ہوں یہ تین قول ہیں اور (اس لئے آدیں) تا کہ ایام مقررہ یعنی عشرۂ ذی الحجہ یا یوم عرفہ یا یوم نحر میں ایام تشریق کے آخری دن تک، یہ تین قول ہیں، ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں وہ اونٹ اور گائے اور بکریاں ہیں جو کہ یوم نحر میں اور اس کے بعد ہدایا اور ضحایا میں سے ذبح کی جاتی ہیں پس تم خود بھی کھاؤ اگر وہ مستحب ہوں اور صاحب فقر کو یعنی شدید حاجت مند کو کھلاؤ پھر ان کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں، یعنی میل کچیل اور پراگندگی مثلاً بڑھے ہوئے ناخن (وغیرہ) دور کریں اور ہدی اور قربانی کے جانوروں کو (ذبح) کر کے نذر پوری کریں وَالْیُوْفُوْا فا کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، اور بیت عتیق کا طواف افاضہ (زیارت) کریں یعنی قدیم گھر کا، اس لئے کہ وہ پہلا گھر ہے جو بنایا گیا ذٰلك مبتداء محذوف کی خبر ہے (تقدیر عبارت یہ ہے) الامر ذلك المذکور یا الشان ذلك المذکور یعنی مذکورہ بات تو پوری ہوئی اور جو شخص اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے گا اور وہی وہ چیزیں ہیں کہ جن کی بے حرمتی جائز نہیں تو ان کی تعظیم اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک آخرت میں بہتر ہے اور تمہارے لئے جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد حلال کر دیا گیا ہے باستثناء ان جانوروں کے کہ جن کی حرمت تم کو حرمت علیکم المیتة (الآیہ) میں بتادی گئی ہے سو یہ مستثنیٰ منقطع ہے اور اس کا مستثنیٰ متصل ہونا بھی جائز ہے اور حرمت موت وغیرہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے ہے سو تم گندگی سے جو کہ وہ بت ہیں کنارہ کش رہو من بیانیہ ہے یعنی رجس جو کہ وہ بت ہیں اور جھوٹی بات سے بچتے رہو یعنی شرک فی التلبیہ سے اور جھوٹی گواہی سے بچتے رہو اس طور سے کہ اللہ کی طرف جھکے رہو تابع فرمان رہو، اس کے دین کے علاوہ ہر چیز سے اعراض کرتے رہو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ یہ ماقبل کی تاکید ہے اور یہ دونوں (حنفاء اور غیر مشرکین) اجتنبوا کے واؤ سے حال ہیں اور جس شخص نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا پھر یا تو پرندے اس کو اچک لیں گے یعنی جلدی سے اس کو پکڑ لیں گے یا ہوا اس کو دور دراز جگہ پر ڈال دے گی اور مکان بعید یہ ہے کہ اس کی خلاصی کی توقع نہیں کی

جاسکتی، یہ سن لیاؤ لک سے پہلے الامر مبتدا محذوف اور سنو جو شخص شعائر اللہ کی عزت و حرمت کرے گا بے شک ان کی تعظیم ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے اور وہ، وہ بدنے ہیں جو حرم کی جانب سے بطور ہدی بھیجے جاتے ہیں، اور شعائر اللہ کی تعظیم کی صورت یہ ہے کہ ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے اور ان کو (کھلا پلا کر) فربہ کرے، اور ان (قربانی کے جانوروں) کو شعائر اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے کوئی ایسی علامت لگا دی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ پہچانے جاتے ہیں جیسا کہ ان کی کوہان میں نیزہ سے زخم لگا دینا اور تمہارے لئے ان میں وقت مقرر یعنی ذبح ہونے تک کچھ منافع ہیں، مثلاً ان پر سوار ہونا اور ان پر کسی ایسی چیز کا لادنا کہ جو ان کے لئے مضرت رساں نہ ہو پھر ان کا مقام یعنی ان کے قربان کرنے کی جگہ بیت اللہ کے قریب ہے اور مراد پورا حرم ہے۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

قوله بَوَّأنَا بَوَّأ تَبْوِيةً سے ماضی جمع متکلم ہے، ہم نے جگہ دی ہے، زجاج نے کہا ہے بَوَّانا کے معنی بَيَّنَّا له مكان البيت لِيَبْنِيَهُ ويكون مباءَةً لهُ مفسر علام نے بَوَّانا کی تفسیر بَيَّنَّا سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ لِإبْرَاهِيْمَ میں لام زائدہ نہیں ہے بلکہ بطور صلہ تعدیہ کے لئے ہے اور اگر بَوَّانا، انزلنا کے معنی میں ہو تو لام کو زائدہ ماننا پڑے گا اس لئے کہ بَوَّأنَا اس وقت متعدی بنفسہٖ ہے، **قوله** امرناه کی تقدیر سے اشارہ کیا ہے کہ أن لاتشرك به محذوف کا معمول ہے اور اس محذوف کا عطف بوّانا پر ہے، وَطَهِّرْ بَيْتِيَ اس سے پہلے امرنا یا قلنا محذوف ہے

قوله ياتوك خطاب کا صیغہ یا تو اس وجہ سے استعمال فرمایا ہے کہ حجاج کی بیت اللہ میں حاضری حضرت ابراہیم ہی کے اعلان کے نتیجہ میں ہوتی ہے، یا پھر مضاف محذوف ہے ای یا تو بیتك اور بیت کی اضافت کاف خطاب کی جانب تعمیر کی وجہ سے ہے، **قوله** ضامر دبلا جس کی کمر پتلی ہو یہ ضمور سے مشتق ہے تضمیر کہتے ہیں گھوڑے کو فربہ کرنے کے بعد دوڑا کر دبلا کرنا تا کہ وہ تیز رفتار ہو جائے **قوله** یاتین یہ جمع کا صیغہ ہے ضامر کی صفت ہے حالانکہ ضامر مفرد ہے، کل ضامر جمع کے معنی میں ہے معنی ہی کی رعایت کی وجہ سے یاتین بصیغہ جمع لایا گیا ہے ورنہ تو یاتی واحد مذکر غائب کا صیغہ لانا چاہئے تھا **قوله** لِيَشْهَدُوْا اس کا تعلق اَذِّنْ اور یاتوك دونوں سے ہو سکتا ہے ثانی ظاہر ہے۔ اِذَا كَانَتْ مُسْتَحبَةً امام شافعیؒ کے یہاں چونکہ ضحایا واجبہ سے مالدار کے لئے کھانا درست نہیں ہے، اس لئے مفسر علام نے اذا كانت مستحبة کا اضافہ فرمایا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سوائے دم جنایت کے مالداروں کے لئے کھانا جائز ہے، جیسے دم تمتع اور دم قران۔ **قوله** طواف الافاضه یہ طواف رکن ہے، اسی کو طواف زیارت بھی کہتے ہیں اس کو افاضہ اس لئے کہا کہ اس کا وقت عرفات سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ **قوله** البيت العتيق عتیق دو معنی میں مستعمل ہے اول بمعنی قدیم چونکہ عبادتخانہ کے طور پر بیت اللہ کو سب سے اول بنایا گیا تھا، اس لئے اس کو عتیق یعنی

قدیم کہنا درست ہے اور دوسرے معنی، آزاد کے ہیں یعنی عتیق بمعنی معتق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس کو جبابرہ کے تسلط سے آزاد کردیا ہے، اس لئے اس کو عتیق کہا گیا ہے، اب رہا حجاج بن یوسف کا تسلط تو وہ حضرت زبیرؓ کو بیت اللہ سے نکالنے کے لئے تھا نہ کہ بیت اللہ کو منہدم کرنے کے ارادہ سے مقصد پورا ہونے کے بعد حجاج نے دوبارہ بیت اللہ کی تعمیر کرادی تھی، اور بعض حضرات نے عتیق کے معنی کریم کے بھی بیان کئے ہیں، ای البیت الکریم (جمل) **قوله تحریمه** تحریمہ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یُتلیٰ کا نائب فاعل محذوف ہے، مفسر علام اگر تحریمہ محذوف ماننے کے بجائے آیت التحریم محذوف مانتے تو زیادہ بہتر ہوتا اس لئے کہ متلو آیۂ تحریم ہے نہ کہ تحریم۔ **قوله** فالاستثناء منقطع الاّ ما یُتلیٰ علیکم یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ مستثنیٰ جو کہ المیتةُ والدمُ ولحم الخنزیر الآیۃ ہے مستثنیٰ منہ الانعام کی جنس سے نہیں ہے لہٰذا یہ مستثنیٰ منقطع ہے اور مستثنیٰ متصل بھی ہوسکتا ہے بایں طور کہ اِلاّ ما یُتلیٰ عَلَیْکُمْ میں ما سے مراد وہ مردار ہے جو عارض موت کی وجہ سے مر گیا ہو یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا، اس صورت میں چونکہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہے لہٰذا مستثنیٰ متصل ہوگا۔ **قوله** حُنَفَاءَ یہ اجتنبوا کی ضمیر واؤ سے حال ہے۔ **قوله** شعائر اللّٰه شعائر اعمال حج کو کہتے ہیں اس کا واحد شعیرةٌ یا شعارةٌ ہے اور مشاعر مواضع المناسک کے معنی میں ہے **قوله** هی البُدْن سیاق پر محمول کرتے ہوئے شعائر کی تفسیر بُدْنٌ سے کی ہے، بہتر یہ تھا کہ اس کو عام رکھتے جو دیگر شعائر کو بھی شامل ہو جاتا۔ **قوله** مِنْ تقوی القُلُوب **منهم** منہم کا اضافہ کر کے اشارہ کردیا کہ مَنْ یُّعَظِّمْ میں مَنْ موصولہ ہے اور من تقوی القلوب جملہ ہو کر صلہ ہے جس میں عائد کا ہونا ضروری ہے اور وہ منهم ہے، **قوله** طَعْنٌ نیزہ سے زخم لگانا سَنام اونٹ کی کوہان کو کہتے ہیں، **قوله** کر کوبِها یہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہے احناف کے نزدیک بغیر حالت اضطراری کے سوار ہونا درست نہیں ہے، **قوله** المراد الحرم قربِ شیٔ کو عین شیٔ کا حکم دیدیا گیا ہے، اس لئے کہ ہدی بیت اللہ میں ذبح نہیں کی جاتی بلکہ حدود حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے نہ کہ بیت اللہ یا مسجد حرام میں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہدی کا حدود حرم میں ذبح ہونا ضروری ہے، **قوله** مَحِلُّها الی البیت العتیق یعنی ہدایا اور ضحایا کے ذبح کرنے کی جگہ بیت اللہ کے قریب ہے یعنی حدود حرم میں خواہ مکہ میں ہو یا منیٰ میں۔

تفسیر وتشریح

بناء بیت اللہ کی ابتداء

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرَاهِیْمَ اس سے پہلی آیت میں مسجد حرام اور حرم سے روکنے والوں کے لئے شدید عذاب اور وعید شدید آئی ہے، آگے کی آیت میں بیت اللہ کے فضائل اور عظمت کا بیان ہے۔ بَوْءٌ لغت میں ٹھکانہ دینے کو کہتے ہیں، اس

میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم اوران کے صاحبزادے حضرت اسماعیل کو ملک شام سے ہجرت کرا کر مکہ میں قیام پذیر کردیا، اور مقام بیت اللہ کی نشاندہی بھی فرمادی تا کہ از سرنو اس کی تعمیر کی جاسکے، بیت اللہ کا وجود اگر چہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کے ساتھ ساتھ ہوا تھا مگر طوفان نوح میں اس کو اٹھالیا گیا، اور مدتوں تک بے نشان رہا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کے قریب قیام پذیر ہوگئے اور بیت اللہ کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ الٰہ العالمین تو مجھے مقام بیت اللہ کی نشاندہی فرمادے، کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک زوردار ہوا بھیجی جس کی وجہ سے بیت اللہ کی بنیادیں ظاہر ہوگئیں، ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ بیت اللہ کے بقدر ایک بدلی آئی اور مقام بیت اللہ پر سایہ فگن ہوگئی اس میں ایک سر نمودار ہوا جو یہ نداء کرتا تھا، اے ابراہیم تم میری حدود کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر شروع کرو، چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر فرمائی (جمل) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''سب سے پہلی مسجد جو روئے زمین پر تعمیر ہوئی وہ مسجد حرام (بیت اللہ) ہے اور اس کے چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی''۔
(مسند احمد ۵/۱۵۰، ۱۶۶، ۱۶۷، ومسلم کتاب المساجد)

قولہ أن لَّا تشرِك بي شيئًا یہ بناء بیت اللہ کی غرض کا بیان ہے، یعنی اس میں صرف میری عبادت کی جائے، مشرکین نے جو اس میں صدہا بت سجا رکھے ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں یہ ظلم عظیم ہے، **قولہ** وَطَهِّرْ بَيْتِيَ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا جارہا ہے کہ میرے گھر کو آپ ظاہری اور باطنی ہر قسم کی نجاست سے پاک رکھئے، بیت اللہ چونکہ محض چہار دیواری کا نام نہیں ہے بلکہ اس قطعہ ارضی کا نام ہے جہاں بیت اللہ بنا ہوا ہے لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بیت اللہ کی جگہ کو بھی پاک رکھئے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خطاب اگر چہ حضرت خلیل علیہ السلام کو ہے مگر مراد آئندہ آنے والی امت ہو۔

وَاَذِّن في الناس بالحج ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرضیت حج کے اعلان کا حکم ہوا تو حضرت ابراہیم نے عرض کیا، یہاں جنگل ہے جہاں آبادی ہے، وہاں میری آواز کس طرح پہنچے گی اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کی ذمہ داری صرف اعلان کرنے کی ہے پوری دنیا میں پہنچانے اور پھیلانے کی ذمہ داری ہماری ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر اور ایک روایت میں جبل ابی قبیس پر کھڑے ہوکر دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر یمیناً وشمالاً، شرقاً وغرباً ہر طرف یہ ندادی کہ اے لوگو! تمہارے رب نے اپنا گھر بنایا ہے اور تم پر اس کا حج فرض کیا تم سب اس کے حکم کی تعمیل کرو، اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ بطور معجزہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز پوری دنیا میں پہنچادی بلکہ ان تک بھی پہنچادی جو ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، بلکہ اصلاب آباء یا ارحام امہات میں تھے اور جس روح نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہا اور جتنی مرتبہ کہا وہ ضرور بیت اللہ حاضر ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نداء کی تاثیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز کو جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں تک جو پہنچایا تھا اس کی تاثیر قیامت تک کے لئے قائم ہوگئی اور وہ "**یاتوكَ رِجَالاً وَعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یاتینَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ**" یعنی اطراف عالم سے لوگ بیت اللہ کی طرف چلے آویں گے کوئی پیادہ تو کوئی سوار اور سواری سے آنے والے بھی دور دراز ملکوں سے آئیں گے، جس کی وجہ سے ان کی سواریاں بھی لاغر ہو جائیں گی چنانچہ ہزارہا سال گذر چکے ہیں مگر بیت اللہ کی طرف آنے والوں کی یہی کیفیت ہے۔

لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ یعنی ان کی یہ حاضری خود انہی کے منافع کے لئے ہے لفظ منافع کو نکرہ لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں دینی منافع تو بے شمار ہیں ہی دنیوی منافع بھی بے شمار ہیں، دوسرا فائدہ یہ بتلایا گیا ہے کہ **وَیَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ** (الآیۃ) تاکہ وہ اللہ کا نام لیں ایام معلومات میں ان چوپایوں پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں، اس میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قربانی کے گوشت اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد پر نظر نہ ہونی چاہئے بلکہ اصل چیز اللہ کا ذکر ہے جو ان دنوں میں جانور قربان کرتے کے وقت جانوروں پر لیا جاتا ہے اصل روح عبادت یہی ہے قربانی کا گوشت حلال کر دیا گیا یہ مزید انعام ہے، ایام معلومات سے وہی ایام مراد ہیں جن میں قربانی جائز ہے یعنی ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں، بارہویں تاریخیں اور چونکہ **مارزقهم من بهيمة الانعام** کے الفاظ عام ہیں اس میں ہر طرح کی قربانی داخل ہے، خواہ واجب ہو یا مستحب۔

فكلوا منها یہاں کلوا اگرچہ بصیغہ امر آیا ہے مگر مراد اس سے اباحت وجواز ہے جیسا کہ قرآن میں "**اِذَا حَلَلْتم فاصطادُوْا**" میں شکار کا حکم بمعنی اجازت ہے۔

مسئلہ: زمانہ حج میں مختلف وجوہ کی بنا پر جانور ذبح کئے جاتے ہیں ان میں ایک قسم وہ ہے جو کسی جرم کی سزا کے طور پر واجب ہوتی ہے، مثلاً حرم کے خلاف یا احرام کے خلاف کوئی عمل کر لیا، اس کی جزاء میں کسی جانور کی قربانی واجب ہوتی ہے، جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے، اس قربانی کو اصطلاح فقہ میں دم جنایت کہتے ہیں، اس میں کچھ تفصیل ہے بعض ممنوعات کے کر لینے سے گائے یا اونٹ ہی کی قربانی کرنا ضروری ہوتی ہے اور بعض کے لئے بکرا دنبہ کافی ہو جاتا ہے، بعض میں صدقہ سے ہی کام چل جاتا ہے، یہ سب مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں، جو قربانی دم جنایت کے طور پر واجب ہوتی ہے، وہ صرف فقراء ومساکین کا حق ہے، اس کا گوشت نہ خود کھانا درست ہے اور نہ مالداروں کے لئے، باقی قسمیں خواہ واجب ہوں یا نفل اس میں دم تمتع اور دم قران بھی داخل ہے، ان سب کا گوشت سب کے لئے کھانا درست ہے اس آیت میں اسی کا بیان ہے، اور کم از کم ایک تہائی حصہ فقراء ومساکین کو دیدیا جائے اسی امر مستحب کا بیان آیت کے اگلے جملہ میں اس طرح فرمایا ہے "**واطعموا البائس الفقير**" مطلب یہ کہ قربانی کے

گوشت میں سے فقیر اور تنگدست لوگوں کو بھی کھلانا اور دینا مستحب ہے۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ احرام باندھنے کے بعد سے چونکہ حجامت نہیں بنواتے اور نہ ناخن وغیرہ لیتے ہیں اور زیادہ مل دَل کر غسل بھی نہیں کر سکتے، جس کی وجہ سے بدن پر میل کچیل جم جاتا ہے جو کہ عاشقانہ اور مستانہ ایک کیفیت ہے، اب دس تاریخ کو یہ تمام قصے تمام ہو جاتے ہیں، حجامت بنوا کر غسل کر کے سلے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں اور طواف زیارت کو جاتے ہیں اور جس کو ذبح و قربانی کرنی ہوتی ہے وہ پہلے ہی کر لیتا ہے، اور منتیں پوری کرنے سے یہ مراد ہے کہ اللہ کے نام کی جو نذر مانی ہو اس کو پورا کرے اور اقرب الی الصواب نذر سے مراد مناسک حج ہیں۔

افعال حج میں ترتیب کا درجہ

افعال حج کی جو ترتیب قرآن اور حدیث میں آئی ہے اسی ترتیب سے حج کے ارکان ادا کرنا کم از کم سنت ضرور ہے، واجب ہونے میں اختلاف ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالک کے نزدیک واجب ہے جس کے خلاف کرنے سے دم واجب ہوتا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے، اس لئے ان کے نزدیک ترتیب ماثور کے خلاف کرنے سے اجر و ثواب میں کمی واقع ہو جاتی ہے مگر دم واجب نہیں ہوتا، حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث میں ہے "**مَنْ قَدَّمَ شَيْئًا من نسكه او اخر فليهرق دماً**" رواہ ابن ابی شیبہ موقوفاً وھو فی حکم المرفوع (مظہری) یعنی جس شخص نے افعال حج میں سے کسی کو مقدم یا مؤخر کیا تو اس پر دم دینا لازم ہے، یہ روایت طحاوی نے بھی مختلف طرق سے نقل کی ہے۔

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ اس سے طواف زیارت مراد ہے جو دسویں تاریخ کو رمی جمرہ اور قربانی سے فارغ ہونے کے بعد کیا جاتا ہے، یہ حج کا دوسرا رکن ہے پہلا رکن وقوف عرفہ ہے۔

احلت لكم الانعام الا ما يُتلى عليكم انعام سے مراد اونٹ، گائے، بکرا، مینڈھا، دنبہ وغیرہ ہیں، یہ جانور حالت احرام میں بھی حلال ہیں اور اِلَّا مایُتلی سے جن جانوروں کو مستثنیٰ کرنے کا ذکر ہے ان کا بیان دوسری آیت میں آیا ہے، وہ مردار جانور اور موقوذہ اور جس پر اللہ کا نام قصداً ترک کر دیا گیا ہو یا جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو یہ سب ہمیشہ کے لئے حرام ہیں حالت احرام ہو یا نہ ہو۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ ای جماعةٍ مؤمنةٍ سلفتْ قَبْلَكُمْ جَعَلْنَا مَنْسَكًا بفتح السين مصدر وبكسرها اسمُ مكانٍ ای ذبحا قُرْبَانًا او مكانَهُ لِيَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ عِنْدَ ذَبْحِهَا فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا انْقَادُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ۝ الْمُطِيْعِيْنَ المتواضعين الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ خَافَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ مِنَ البَلَايَا وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ فِي اَوْقَاتِهَا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝ يَتَصَدَّقُون وَالْبُدْنَ جمعُ بَدَنَةٍ وهي الإبلُ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ

اَعْلَامِ دِینِه لَكُمْ فِیْهَا خَیْرٌ نفعٌ فِی الدُّنیا كما تقدّمَ واجرٌ فی العُقبٰی فَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا عند نَحْرِهَا صَوَآفَّ قائمةً علٰی ثلٰثٍ معقولةَ الیَدِ الیسری فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا سقطتْ الی الارض بعدَ النحرِ وهو وقتُ الاكلِ منها فَكُلُوْا مِنْهَا انْ شِئْتُمْ وَاَطْعِمُوْا الْقَانِعَ الذی یَقْنَعُ بما یُعطٰی ولایَسْألُ ولایَتعرَّضُ وَالْمُعْتَرَّ السائلَ او المتعرضَ كَذٰلِكَ ای مثلَ ذٰلك التَّسْخِیْرِ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ بانْ تَنْحرَ وتَرْكبَ والّا لم تُطِقْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ انعامِی علیكم لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَادِمَآؤُهَا ای لایُرفعانِ الیه وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ ای یُرفعُ الیه منكم العملُ الصالحُ الخالصُ له مع الایمانِ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوْا اللّٰهَ عَلٰی مَاهَدٰكُمْ اَرْشَدَكُم لِمَعَالِمِ دینِه ومناسِكِ حَجِّه وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ای الْمُوَحِّدِیْنَ اِنَّ اللّٰهَ یُدَافِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا غوائلَ المشركین اِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ فی اَمَانتِه كَفُوْرٍ لِنِعْمَتِه وهم المشركون المعنٰی انّه یُعاقبُهم .

ترجمہ

اور ہم نے ہر امت کے لئے یعنی مومن جماعت کے لئے جو تم سے پہلے گذر چکی ہیں قربانی کرنا اس لئے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپایوں پر بوقت ذبح اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے مَنْسَكًا سین کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے اور کسرہ سین کے ساتھ اسم مکان ہے، یعنی بطور قربانی ذبح کرنا، یا مقام ذبح، سو تمہارا معبود ایک ہی خدا ہے سو اسی کے تابع فرمان رہو، اور آپ اطاعت کرنے والوں یعنی تواضع اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو ایسے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جو ان مصیبتوں پر کہ ان پر پڑتی ہیں صبر کرتے ہیں، اور جو نماز کی ان کے اوقات میں پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ خیرات کرتے ہیں اور بُدْنٌ بُدْنَةٌ کی جمع ہے اور وہ اونٹ ہے اور بدنہ کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر یعنی اس کے دین کی علامت بنا دیا اور ان جانوروں میں تمہارے لئے خیر یعنی دنیوی نفع ہے جیسا کہ سابق میں گذر چکا اور اجر آخرت بھی ہے سو تم ان پر نحر کے وقت اللہ کا نام لیا کرو، حال یہ کہ وہ تین پیروں پر کھڑے ہوں اور بایاں ہاتھ بندھا ہوا ہو پس جب وہ اپنی کسی کروٹ گر پڑیں یعنی جب وہ نحر کے بعد زمین پر گر پڑیں (اور ان کی روح پرواز کر جائے) تو وہ وقت ان میں سے کھانے کا ہے ان میں سے کھاؤ اگر تم چاہو اور ایسے قانع کو بھی کھلاؤ کہ اس کو جو کچھ دیدیا جائے اس پر قناعت کرتا ہے اور نہ وہ سوال کرتا ہے اور نہ تعرض کرتا ہے اور معتر کو بھی کھلاؤ یعنی جو سوال کرتا ہو یا تعرض کرتا ہو اور اسی طرح یعنی تسخیر مذکور کے مانند ہم نے تمہارے لئے ان جانوروں کو مسخر کر دیا بایں طور کہ (اے مخاطب) تو ان کو ذبح کرے اور ان پر سواری کرے ورنہ تو (یہ) تیرے بس کی بات نہیں تھی تا کہ تم اپنے اوپر میرے انعام کا شکریہ ادا کرو، اللہ کے پاس

ان جانوروں کا گوشت اور ان کا خون نہیں پہنچتا یعنی یہ دونوں چیزیں اللہ تک نہیں پہنچائی جاتیں ہاں البتہ تمہارا تقویٰ اس تک پہنچتا ہے یعنی ایمان کے ساتھ تمہارا نیک اور اللہ کے لئے خالص عمل اس تک پہنچتا ہے اور اسی طرح ان جانوروں کو تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو، اس بات پر کہ تم کو توفیق عطا کی یعنی تم کو اپنے دین کے شعائر ادا کرنے اور اپنے حج کے مناسک ادا کرنے کی توفیق فرمائی اور اے محمد ﷺ محسنین یعنی موحدین کو اس بات کی خوشخبری دیدو کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دفاع کرے گا، مشرکین کی مصیبت سے اللہ تعالیٰ کسی امانت میں خیانت کرنے والے اس کی نعمت کی ناشکری کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور وہ مشرک ہیں معنی یہ ہیں کہ وہ ان کو سزا دے گا۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

قوله منسَکًا فتحہ سین کے ساتھ مصدر ہے، قربانی کرنا، اور سین کے کسرہ کے ساتھ اسم مکان ہے یعنی قربان گاہ، منسکًا منسک اور نسک عربی زبان میں کئی معنی میں بولا جاتا ہے (۱) جانور کی قربانی (۲) تمام افعال حج (۳) مطلقاً عبادت، یہاں تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں، مجاہد وغیرہ نے اس جگہ منسک کو قربانی کے معنی میں لیا ہے، اس پر معنی یہ ہوں گے قربانی کا حکم جو اس امت کو دیا گیا ہے کوئی نیا حکم نہیں ہے، پہلی امتوں کو بھی یہ حکم دیا گیا تھا، قتادہ نے دوسرے معنی لئے ہیں اس صورت میں آیت کی مراد یہ ہوگی کہ افعال حج جس طرح اس امت پر عائد کئے گئے ہیں پچھلی امت پر بھی حج فرض تھا، ابن عرفہ نے تیسرے معنی مراد لئے ہیں اس صورت میں آیت کی مراد یہ ہوگی کہ ہم نے اللہ کی عبادت پچھلی تمام امتوں پر فرض کی تھی، **قوله** ذبحاً قرباناً یہ معنی مصدری کی وضاحت ہے اور قرباناً ذبحاً مصدر کا مفعول بہ ہے او **مکانهٗ** یہ دوسرے معنی یعنی اسم مکان کی وضاحت ہے، **قوله** المطیعین المتواضعین مطیعین مخبتین کے لازم معنی کا بیان ہے اور متواضعین اصل معنی کا بیان ہے، اس لئے کہ اخبات پست زمین میں اترنے کو کہتے ہیں، قولہ وہی الابل یہ امام شافعیؒ کا قول ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ابل اور بقر دونوں پر بدنہ کا اطلاق درست ہے اور یہی قول لغت اور شرع کے موافق ہے، قاموس میں ہے البدنة من الابل و البقر سنن ابی داؤد اور نسائی میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کا احرام باندھ کر نکلے تو آپ نے ہم کو ابل اور بقر میں سے ہر ایک بدنہ میں سات کے شریک ہونے کا حکم فرمایا اور صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ہم بدنہ کو سات کی طرف سے ذبح کرتے تھے، سوال کیا گیا اور بقر (گائے) میں، تو فرمایا وہ بھی بدنہ ہی ہے۔ (حاشیہ جلالین اختصاراً) **قوله** صواف جمع صاف بمعنی قائمات وجَبَتْ بمعنی سقطت، وجب الحائط سے مشتق ہے دیوار گر گئی، مراد ٹھنڈا ہو جانا **قوله** فکلوا منها ان شئتم ان شئتم کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کلوا امر وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ اباحت اور بیان جواز کے لئے ہے **قوله** غوائل، غوائل کو محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ یدافع کا مفعول محذوف

ہے **قوله علی ما هداکم** میں ما مصدریہ بھی ہوسکتا ہے ای علی هدایته ایاکم اور موصولہ بھی ہوسکتا ہے، ای علی ماهداکم الیه علیٰ کا تعلق لتکبروا اللّٰه سے ہے اور تکبروا تشکروا کے معنی کو متضمن ہے تا کہ اس کا صلہ علیٰ کے ساتھ درست ہو جائے۔

تفسیر وتشریح

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ یعنی نیاز وعبادت کے طور پر جانور کی قربانی ہر آسمانی دین میں عبادت قرار دی گئی ہے اگر یہ عبادت غیر اللہ کی نیاز کے طور پر کرو گے تو مشرک ہو جاؤ گے، جس سے بہت پرہیز کرنا چاہئے، موحد کا کام یہ ہے کہ قربانی صرف اسی کے نام پر کرے جس کے نام پر قربانی کرنے کا تمام شرائع میں حکم ہے اور ان لوگوں کو رضائے الٰہی کی بشارت سنا دیجئے جو صرف اسی ایک خدا کا حکم مانتے ہیں اسی کے سامنے جھکتے ہیں اسی پر ان کا دل جمتا ہے اور اسی کے جلال وجبروت سے ڈرتے رہتے ہیں، اور مصائب وشدائد کو صبر واستقلال سے برداشت کرتے ہیں اور کوئی بڑی سے بڑی مصیبت اور تکلیف ان کے قدموں کو راہ حق سے نہیں ڈگمگاتی۔

صواف تین پیروں پر کھڑا کر کے چوتھے کو باندھ کر یہ صورت صرف اونٹوں کے لئے مستحب ہے اونٹوں کو لٹا کر ذبح کرنا بھی درست ہے اور دیگر جانوروں کی لٹا کر ہی ذبح کرنا بہتر ہے، زمین پر پہلو کے بل گرنے کا مطلب ہے ان کا ٹھنڈا ہو جانا اس لئے کہ روح نکلنے سے پہلے مذبوح کا کوئی حصہ کاٹ کر کھانا درست نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے ما قطع من البهيمة هی حية فهو ميتة (ابوداؤد کتاب الصید، ترمذی شریف ابواب الصید) اِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عن الذين آمنوا اس آیت کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ ماقبل میں ان افعال کا ذکر تھا جو حج میں کئے جاتے ہیں اور مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے سال عمرہ سے روک دیا تھا اور جو مومنین مکہ میں تھے ان کو ایذا پہنچاتے تھے، یہ آیت مسلمانوں کی تسلی کے لئے نازل فرمائی ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ ای للمؤمنين ان يُقَاتِلُوْا وهذه اوَّلُ آية نزلتْ في الجهاد بِاَنَّهُمْ ای بسَبَب اَنَّهُمْ ظُلِمُوْا بِظُلْمِ الكافرينَ اِيَّاهُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۞ اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ فِی الاِخراجِ مَا اُخْرِجُوْا اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا ای بقَوْلِهم رَبُّنَا اللّٰهُ وحدَه وهذا القول حقٌّ والاخراجُ به اخراجٌ بغيرِ حقٍّ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بَدَلٌ بَعضٍ من الناسِ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ بالتشديد للتَّكْثِيرِ وبالتخفيفِ صَوَامِعُ للرُّهْبَانِ وَبِيَعٌ كنائِسُ للنصارٰى وَصَلَوٰتٌ كنائسُ لليهودِ بالعِبْرَانِيَّةِ وَمَسَاجِدُ للمسلمين يُذْكَرُ فِيْهَا ای المواضعِ المذكورةِ اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ط وتَنْقَطِعُ العباداتُ بِخَرابِهَا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ط ای يَنْصُرُ دِينه اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ علٰى

خَلْقِه عَزِيْزٌ○ مَنِيعٌ فِي سُلْطَانِهِ وَقُدْرَتِهِ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ بِنَصْرِهِمْ عَلٰى عَدُوِّهِمْ اَقَامُوْا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط جوابُ الشرطِ وهُوَ وَجَوابُهُ صِلَةُ الموصولِ ويُقدَّرُ قبله هُمْ مُبتدأً وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ○ اى اليه مَرْجِعُها فى الآخِرَةِ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ تَسْلِيَةٌ للنبى صلى اللّٰهُ عليه وسلم فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ تانيثُ قوم بِاِعْتبارِ المعنى وَّعَادٌ قوم هود وَّثَمُوْدُ○ قومُ صالحٍ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ○ وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ قومُ شُعَيْبٍ وَكُذِّبَ مُوْسٰى كَذَّبَهُ القِبْطُ لاقَوْمُه بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ اى كذَّب هٰؤُلاءِ رُسُلَهم فلَكَ اُسْوَةٌ بِهِم فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ اَمْهَلْتُهُمْ بتاخيرِ العقابِ لهم ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ بِالعَذَابِ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ○ اى انكارِىْ عليهم بتكذيبِهِمْ باِهْلاكِهم والاستفهامُ للتقرير اى هو واقع موقِعَه فَكَاَيِّنْ اى كم مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْتُهَا وفِى قراءةٍ اَهْلكنَاها وَهِىَ ظَالِمَةٌ اى اهلُهَا بكُفرِهِمْ فَهِىَ خَاوِيَةٌ سَاقِطَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا سُقُوفِها وكم مِن بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ مَتْرُوْكَةٍ بِمَوْتِ اهلها وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ○ رفيعٍ خالٍ بموت اهلِه اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا اى كفارُ مكةَ فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا ما نَزَلَ بالمكذِّبِيْن قبلَهم اَوْ آذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا اخبارَهم بالإهلاكِ وخرابِ الدِّيار فيعتبروا فَاِنَّهَا اى القصةُ لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ○ تاكيدٌ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهُ بِاِنْزَالِ العذابِ فَاَنْجَزَهُ يومَ بدرٍ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ من اَيامِ الآخرةِ بالعذابِ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ○ بالتاء والياء فى الدنيا وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا المرادُ اهلُها وَاِلَىَّ الْمَصِيْرُ○ المَرْجِعُ . ع

ترجمہ

اجازت دیدی گئی ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جاتی ہے یعنی مومنین کو، یہ کہ وہ قتال کریں اور یہ پہلی آیت ہے جو (اجازت قتال) کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس سبب سے کہ وہ مظلوم ہوئے کافروں کے ان پر ظلم کرنے کی وجہ سے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں جو اپنے گھروں سے بلاوجہ نکالے گئے یعنی ان کے اخراج کی کوئی وجہ نہیں تھی محض اتنی بات پر نکالے گئے کہ ان کا کہنا تھا کہ ہمارا رب اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور یہ قول حق ہے اور اس کی وجہ سے نکالنا ناحق نکالنا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہتا، بعضھم الناس سے بدل البعض ہے تو راہبوں کے خلوت خانے لَهُدِّمَتْ تشدید کے ساتھ ہے کثرت کو بیان کرنے کے لئے اور تخفیف کے ساتھ بھی ہے اور نصاریٰ کے عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے عبرانی میں صلوٰۃ عبادت خانہ کو

کہتے ہیں اور مسلمانوں کی مسجدیں مسمار کردی جاتیں جن میں یعنی مذکورہ مواضع میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے اور ان مقامات کے ویران ہوجانے کی وجہ سے عبادات منقطع ہوجاتیں، اور بے شک اللہ اس کی مدد کرے گا جو اس کی یعنی اس کے دین کی مدد کرے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر قوی ہے اپنی سلطنت اور قدرت میں غالب ہے یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں ان کے دشمن پر ان کو غلبہ دے کر تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم کریں اور برائی سے منع کریں، اور اقاموا الصلوٰۃ سے آخر تک جواب شرط ہے اور شرط اور جواب شرط مل کر موصول ہے الذین کا، اور الذین موصول اپنے صلہ سے مل کر، **ھم** مبتدا محذوف کی خبر ہے اور تمام کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے یعنی آخرت میں وہ تمام امور کا مرجع ہے اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے تو ان لوگوں سے پہلے قوم نوح قوم معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے اور عاد جو کہ قوم ہود تھی اور ثمود جو کہ صالح کی قوم تھی اور قوم ابراہیم اور قوم لوط اور اصحاب مدین نے جو کہ قوم شعیب تھی (اپنے اپنے نبیوں کی) تکذیب کرچکی ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی کاذب قرار دیا گیا موسیٰ کی تکذیب قبطیوں نے کی نہ کہ ان کی قوم بنی اسرائیل نے، یعنی ان لوگوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی، لہٰذا آپ کے لئے ان انبیاء کے طریقہ میں نمونہ ہے تو میں نے ان کافروں کو مہلت دی یعنی ان کے عذاب کو مؤخر کرکے ان کو مہلت دی پھر میں نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تو میرا عذاب ان پر کیسا ہوا ان کی تکذیب کی وجہ سے ان کو ہلاک کرکے اور استفہام تقریر کے لئے ہے یعنی میرا عذاب برمحل و برموقعہ واقع ہوا، غرضکہ کتنی ہی بستیاں ہیں کہ جن کو میں نے ہلاک کردیا اور ایک قرأت میں ہم نے ان کو ہلاک کردیا (یعنی ایک قرأۃ میں **اهلكتها** ہے اور ایک قرأۃ میں **اهلكناها** ہے، اور حال یہ ہے کہ وہ بستیاں ظالم تھیں یعنی ان بستیوں کے باشندے اپنے کفر کی وجہ سے ظالم تھے، اور اب وہ بستیاں اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی بے کار کنویں یعنی بستی والوں کی ہلاکت کی وجہ سے متروک پڑے ہوئے ہیں اور کتنے ہی عالی شان محل خالی پڑے ہیں بستی والوں کے ہلاک ہوجانے کی وجہ سے، کیا یہ لوگ یعنی مکہ کے کافر ملک میں چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ ان کے قلوب ایسے ہوجائیں کہ ان کے ذریعہ اس (عذاب) کو جو ان سے پہلے تکذیب کرنے والوں پر نازل ہوا سمجھیں یا ان کے کان ایسے ہوجائیں کہ ان کے ذریعہ ان کی ہلاکت اور ان کے گھروں کی بربادی کی خبروں کو سنیں بعد ازاں عبرت حاصل کریں بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ وہ قلوب اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں فی الصدور قلوب کی تاکید ہے، یہ لوگ آپ سے عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ عذاب نازل کرنے کے اپنے وعدہ کا خلاف نہ کرے گا، چناں چہ یوم بدر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا فرمادیا اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن آخرت کے دنوں میں سے عذاب کی وجہ سے ہزار سال کے برابر ہے تمہارے شمار کے اعتبار سے دنیا میں یعدّون یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور بہت سی بستیاں ہیں کہ جن کو میں نے مہلت دی تھی حال یہ ہے کہ وہ ظالم تھیں پھر میں نے ان بستیوں کو پکڑ لیا، اور

مراد بستی سے بستی والے ہیں اور میری ہی طرف لوٹ کر آتا ہے۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ اُذِنَ کا ماذون فیہ محذوف تھا مفسر علام نے أن یُقاتِلُوا کہہ کراس کو ظاہر کردیا اور حذف پر یقاتلونَ دلالت کررہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستر سے کچھ زیادہ آیات میں جہاد سے منع کرنے کے بعد ہجرت کے بعد یہ پہلی آیت ہے جس میں جہاد کی اجازت دی گئی ہے، یہ دن صحابہ کے لئے گویا کہ عید کا دن تھا، ایک قرأۃ میں یُقَاتِلون مبنی للفاعل بھی ہے مومنین کو قبل القتال مقاتل یا تو مایؤل کے اعتبار سے کہا گیا ہے یا اس لئے کہ مومنین کا قتال کا ارادہ تھا، **قوله** بأنهم ظلموا میں با سببیہ ہے گویا کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مومنین کو قتال کی اجازت کی وجہ ان پر ظلم کا کیا جانا ہے، امام رازیؒ نے فرمایا ہے اَنْ یَقَاتِلُوْا کا مطلب اَنْ یُقَاتِلُوْا فی المستقبل ہے اس صورت میں یہ اعتراض ختم ہوجائے گا کہ یہ صورت مکی ہے اور جہاد کی اجازت مدینہ میں نازل ہوئی ہے، وَاِنَّ اللّٰهَ علٰی نصرهم لقدیر یہ جملہ مستانفہ ہے اور اس آیت میں اشارہ کے طور پر نصرت کا وعدہ ہے **قوله** هم الذِیْنَ اُخْرِجُوْا مفسر علام نے هم مقدر مان کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ اسم موصول مبتداء محذوف کی صفت ہے، اس کے علاوہ بھی چند اور وجوہ اعراب ہوسکتے ہیں (۱) موصول اول کی صفت یا بیان یا بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہوسکتا ہے (۱) اعنی یا اَمْدَحُ وغیرہ محذوف کی وجہ سے جملہ ہوکر منصوب بھی ہوسکتا ہے، **قوله** اِلاّ أن یقولوا الآیہ مفسر علام نے مااخرجوا محذوف مان کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے، ای ما اُخرجوا بشئ من الاشیاء الا بقولهم ربنا اللّٰه یعنی مکہ سے مومنین کے نکالے جانے کا کوئی سبب نہیں تھا جو ان کو نکالنے کا موجب ہو سوائے اس کے کہ انہوں نے ربنا اللہ کہا، اور یہ سبب موجب اخراج نہیں بلکہ یہ تو سبب استقرار وتمکین ہے یہ دراصل مدح بمایشبہ الذم کے قبیل سے ہے یعنی جو شئ سبب مدح ہے وہ ان کے نزدیک سبب ذم ہے، جیسا کہ نابغہ کے قول میں ہے: ؎

لاعیب فیهم غیر اَنَّ سُیُوفهم بِهِنَّ فلول من قراع الکتائب

مجھ میں ایک عیب ہے بڑا کہ وفادار ہوں میں

اِلَّا اَنْ یقُولُوْا یہ مستثنیٰ منقطع بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ مستثنیٰ جو الا ان یقولوا ہے مستثنیٰ منہ جو کہ بغیر حق ہے کی جنس سے نہیں ہے، مگر مستثنیٰ منقطع ماننا درست نہیں ہے اس لئے کہ اگر یوں کہیں الَّذِینَ اخرجوا من دیارهم الا ان یقولوا ربنا اللّٰه تو یہ درست نہیں ہے اسی وجہ سے مفسر علام نے عامل محذوف مان کر مستثنیٰ متصل بنادیا ہے ای ما اخرجوا بشئ من الاشیاء الاَّ بقولهم ربنا اللّٰه اور مضارع بمعنی ماضی ہے مفسر علام نے ان یقولوا کی تفسیر بقولهم سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان مصدریہ ہے اور ان یقولوا، قول کے معنی میں ہے اور

بقولھم میں با سببیہ ہے **قولہ** ولو لا دفع اللّٰہ الناس الآیۃ لو لا امتناعیہ ہے اور لَھُدِّمَتْ جواب لولا ہے، دفعُ اللّٰہِ الناس بعضَھم لبعضٍ مبتداء ہے موجود محذوف اس کی خبر ہے اور دفعُ اللّٰہِ میں اضافت مصدر الی الفاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے لَوْلَا دفعُ اللّٰہِ الناس بعضھم ببعضٍ موجود لھُدِّمَتْ صَوَامِعُ (الآیۃ) صَوَامِعُ صومعۃ کی جمع ہے، خلوتخانہ جس میں راہب تنہائی میں ریاضت وعبادت کرتا ہے وَبِیَعٌ جمع بیعۃٍ نصاریٰ کے جماعت خانے جس میں اجتماعی طور پر عبادت کرتے ہیں، صَلَوٰاتٌ جمع صلوٰۃ، عبرانی زبان میں یہود کے عبادتخانوں کو صَلُوتا کہتے ہیں **قولہ** وتنقطع العبادات اس کا عطف لھُدِّمَتْ پر ہے **قولہ** الذینَ اِنْ مَکَّنّٰھُمْ فی الارض اس میں بھی وہ تمام صورتیں ممکن ہیں جو سابق موصول میں بیان ہو چکی ہیں مذکورہ صورتوں کے علاوہ اس میں یہ صورت بھی درست ہے کہ من ینصرُہ سے بدل ہو اِن مکناھم فی الارض شرط ہے اور اَقامُوا الصلوٰۃ مع اپنے معطوفات جزاء ہے، شرط اپنی جزاء سے مل کر الذین کا صلہ ہے، موصول اپنے صلہ سے مل کر ھم مبتداء محذوف کی خبر ہے اور ھم سے مراد ماذون لھم فی القتال ہیں اور وہ مہاجرین ہیں اور یہ آیت اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ اس آیت میں مہاجرین کے ان اوصاف کی خبر دی گئی ہے کہ جن پر وہ زمین پر قدرت اور حکومت دینے کے بعد ہوں گے، وَکُذِّبَ مُوْسٰی یہاں ماسبق کے برخلاف طرز بیان کو بدل دیا بایں طور کہ معروف کے صیغہ کے بجائے مجہول کا صیغہ اختیار فرمایا اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب ان کی قوم نے نہیں کی تھی بلکہ فرعون کی قوم قبط نے کی تھی بخلاف دیگر انبیاء مذکورین کی تکذیب کے کہ خود ان کی قوم نے کی تھی، **قولہ** فَاَمْلَیْتُ لِلْکٰفِرِیْنَ اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر اختیار فرمایا ہے تاکہ ان کی صفتِ کفر پر صراحت ہو جائے ورنہ تو فَاَمْلَیْتُھُمْ بھی کہا جاسکتا تھا، نکیر بمعنی عذاب مصدر بمعنی انکار ہے جیسے نذیر بمعنی انذار ہوتا ہے **قولہ** بتکذیبھم یہ انکاری کا مفعول ہے اور باھلاکھم انکاری سے متعلق ہے، اور استفہام تقریری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخاطبوں کو میرے عذاب کے برمحل ہونے کا اقرار کرنا چاہئے، **قولہ** فَکَاَیِّنْ اَیِّنْ بمعنی کم خبریہ مبتدا ہے اور من قریۃٍ تمیز ہے اور اَھْلَکْنٰھَا اس کی خبر ہے، کَاَیِّنْ دراصل کَاَیٍّ تھا قرآنی رسم الخط میں تنوین کو بصورت نون لکھا گیا، کاَیِّنْ ہمیشہ خبری صورت میں استعمال ہوتا ہے یہ لفظ مبہم طور پر کثرت پر دلالت کرنے کے لئے آتا ہے ابہام کو دور کرنے کے لئے، اس کے بعد بطور تمیز کوئی لفظ ضرور مذکور ہوتا ہے عموماً اس کی تمیز مِن کے ساتھ آتی ہے، جیسے کاَیِّن من قریۃٍ کائن ہمیشہ آغاز کلام میں آتا ہے اس کی خبر ہمیشہ مرکب ہوتی ہے، بعض اوقات کائن استفہام کے لئے بھی آتا ہے، اور ایک قرأت میں اھلکنا ہے اور کائن محل نصب میں بھی ہوسکتا ہے اھلکنا کی دلالت کی وجہ سے، اور وھی ظالمۃ جملہ حالیہ ہے ای اھلھا محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ مضاف محذوف ہے، **قولہ** وکم من بئرٍ معطّلۃٍ مفسر علام نے کم محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ بئر کا عطف قریۃ پر ہے اَفَلَمْ یسیروا ہمزہ، محذوف پر داخل ہے اور فا عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ

ہے أَغْفِلُوْا فلم یسیرُوْا و کَأَیِّنْ یہاں واؤ کے ساتھ لائے ہیں اور ماقبل میں فکاین فا کے ساتھ لائے ہیں اس لئے کہ ماقبل میں فا لانا مناسب ہے، اس لئے کہ اس کے ماقبل فکیف کان میں فا ہے اور یہاں واؤ مناسب ہے اس لئے کہ ماقبل میں واو ہے ولن یخلف اللہ وعدہ.

تفسیر وتشریح

کفار کے ساتھ جہاد کا پہلا حکم

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر کفار کے مظالم کا یہ حال تھا کہ کوئی دن خالی نہ جاتا تھا کہ کوئی مسلمان دست ستم سے زخمی اور چوٹ کھایا ہوا نہ آتا ہو، قیام مکہ کے دور میں مسلمانوں کی تعداد بھی خاصی ہو چکی تھی وہ کفار کے ظلم و جور کی آپ سے شکایت کرتے اور ان سے قتال کی اجازت مانگتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں فرماتے صبر کرو مجھے ابھی قتال کی اجازت نہیں دی گئی، یہ سلسلہ دس سال تک اسی طرح جاری رہا۔ (قرطبی بحوالہ معارف)

جہاد کی اجازت کے اس آیت میں دو مقصد بیان کئے گئے ہیں مظلومیت کا خاتمہ اور اعلاء کلمۃ اللہ، اس لئے کہ اگر مظلومین کی مدد اور دادرسی نہ کی جائے تو پھر دنیا میں زور آور کمزوروں کو اور باوسائل بے وسیلوں کو جینے ہی نہ دیں، جس کی وجہ سے زمین میں فساد برپا ہو جائے، اسی طرح اعلاء کلمۃ اللہ کی کوشش کر کے باطل کی سرکوبی نہ کی جائے تو باطل کے غلبہ سے دنیا کا امن و سکون غارت ہو جائے اور اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لئے کوئی عبادت خانہ باقی نہ رہے۔

صوامع صومعۃ کی جمع ہے نصاریٰ کے تارک الدنیا راہبوں کی مخصوص عبادتگاہ کو کہا جاتا ہے جس کو خلوت خانہ بھی کہہ سکتے ہیں اور بیعٌ بیعۃ کی جمع ہے، بڑے کنیسہ کو کہتے ہیں جہاں نصاریٰ جمع ہوتے ہیں، اور صلوات صلوۃ کی جمع ہے، یہودیوں کے عبادت خانہ کو کہتے ہیں، مَساجد مسجد کی جمع ہے مسلمانوں کے عبادتخانہ کو کہتے ہیں۔

خلفاء راشدین کے حق میں قرآن کی پیشین گوئی اور اس کا ظہور

الذین اِن مکنّٰھم فی الارض اس آیت میں الذین ان لوگوں کی صفت ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق کے عنوان سے آیا ہے، یعنی وہ لوگ کہ جن کو ان کے گھروں سے بلا وجہ نکالا گیا، ان لوگوں کے بارے میں آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو زمین میں اقتدار دیدیا جائے تو یہ لوگ اپنے اقتدار کو ان کاموں میں صرف کریں گے، کہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور نیک کاموں کی طرف لوگوں کو دعوت دیں اور برے کاموں سے روکیں۔

یہ آیت ہجرت مدینہ کے فوراً بعد اس وقت نازل ہوئی کہ جب مسلمانوں کو کسی بھی زمین میں حکومت اور اقتدار حاصل نہیں تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں پہلے ہی یہ خبر دیدی کہ جب ان کو کسی زمین میں حکومت و اقتدار حاصل ہوگا تو یہ لوگ دین کی مذکورہ اہم خدمات انجام دیں گے، اسی لئے حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا ثناءٌ قبل البلاء یعنی عمل کے وجود میں آنے سے قبل ہی تعریف فرمائی ہے۔

قرآن کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق آئی، اور اس کا دنیا میں وقوع اس طرح ہوا کہ چاروں خلفاء راشدین جو الذین اخرجو من دیارھم کے مصداق صحیح تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو سب سے پہلے زمین کی مکنت اور قدرت یعنی حکومت اور سلطنت عطا فرمائی، اور قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق ان کے اعمال و کردار اور کارناموں نے دنیا کو دکھلا دیا کہ انہوں نے اپنے اقتدار کو انہی کاموں میں استعمال کیا جن کی ان سے توقع تھی چناں چہ نمازیں قائم کیں، زکوٰۃ کا نظام مضبوط کیا اچھے کاموں کو رواج دیا، برے کاموں کا راستہ بند کیا، اسی لئے علماء نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ خلفاء راشدین سب کے سب اسی بشارت کے مصداق ہیں اور جو نظام خلافت ان کے زمانہ میں قائم ہوا وہ حق اور صحیح اور عین اللہ تعالیٰ کے ارادے اور رضا اور پیشگی خبر کے مطابق ہے۔ (روح المعانی بحوالہ معارف)

یہ تو اس آیت کے شان نزول کا واقعاتی پہلو ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ الفاظ قرآن جب عام ہوں تو وہ کسی خاص واقعہ میں منحصر نہیں ہوتے ان کا حکم عام ہوتا ہے اسی لئے ائمہ تفسیر میں سے ضحاک نے فرمایا کہ اس آیت میں ان لوگوں کے لئے ہدایت بھی ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ حکومت و اقتدار عطا فرمادیں کہ وہ اپنے دور اقتدار میں یہ کام انجام دیں جو خلفاء راشدین نے اپنے وقت میں انجام دئے تھے۔ (قرطبی)

قُلْ یا اَیُّھا النَّاسُ ای اھل مکة **اِنَّمَآ اَنَا لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ**۝ بَیِّنُ الْاِنْذَارِ وانا بشیرٌ للمؤمنِیْنَ **فَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصالحٰتِ لَھُمْ مَّغْفِرَةٌ** من الذنوب **وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ**۝ ھو الجنة **وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْ آیاتِنا** القرآن بِاِبْطَالِھا **مُعْجِزِیْنَ** مَنِ اتَّبَعَ النبیَّ ای یَنْسِبُوْنَھُمْ الی العَجْزِ وَیُثَبِّطُوْنَھُمْ عن الایمان او مُقَدِّرِیْنَ عِجْزَنا عنھم وفی قراءة مُعَاجِزِیْنَ مُسَابِقِیْنَ لَنایَظُنُّوْنَ اَنْ یَّفُوْتُوْنا بِاِنْکارِھِمْ البَعْثَ والعقابَ **اُولٰئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ**۝ النار **وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ** ھو نبیٌّ اُمِرَ بالتَّبْلِیْغِ **وَّلانَبِیٍّ** ای لم یُؤْمَرْ بالتبلیغ **اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰی** قَرأَ **اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْ اُمْنِیَّتِہٖ** قراء تِہٖ مالَیْسَ مِنَ القُرآنِ مِمَّا یَرْضَاہُ المرسَلُ اِلَیْھِمْ وقد قرأ النبیُّ صلی اللّٰہُ علیہِ وسلم فی سورةِ النَّجمِ بِمَجْلِسٍ من قریشٍ بَعْدَ اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰاتَ وَالعُزّٰی وَمَنَاتَ الثّٰلِثَةَ الاُخْرٰی بِاِلْقَاءِ الشَّیطانِ علی لِسَانِہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مِنْ غَیْرِ عِلْمِہٖ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم بہٖ تِلْكَ الغَرَانِیْقُ العُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی، فَفَرِحُوْا بِذٰلِكَ ثم اَخْبَرَہُ جِبْرَئِیْلُ بِمَا اَلْقَاہُ الشَّیْطَانُ علی لِسَانِہٖ مِنْ ذٰلِكَ فَحَزِنَ فَسُلِّیَ بِھٰذِہٖ

الآيَةِ لِيَطْمَئِنَّ فَيَنسَخُ اللّٰهُ يُبْطِلُ مَايُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ آيَاتِه يُثْبِتُها وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْقَاءِ الشيطان مَاذُكِرَ حَكِيمٌ فى تَمكِينِه مِنهُ يَفعَلُ مَايَشَاءُ لِيَجعَلَ ما يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتنَةً مِحْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ شَكٌّ وَنِفَاقٌ وَّالقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ اى المشركين عن قُبُولِ الحَقِّ وَاِنَّ الظّٰلِمِينَ الكافرينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ خلافٍ طويلٍ مع النبيِّ والمؤمنين حيثُ جرىٰ على لسانه ذكرُ آلِهَتِهِم بما يُرضِيهِم ثم اَبطَلَ ذٰلِكَ وَلِيَعلَمَ الَّذِينَ اُوتُوا العِلمَ التوحيد والقرآنَ اَنَّهُ اى القرآنُ الحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤمِنُوا بِه فَتُخبِتَ تَطمَئِنَّ لَهُ قُلُوبُهُم وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِى الَّذِينَ آمَنُوا اِلٰى صِرَاطٍ طَرِيقٍ مُّستَقِيمٍ اى دينِ الاسلامِ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِريَةٍ شَكٍّ مِّنهُ اى القرآنِ بما اَلقاهُ الشيطانُ على لسانِ النبيِّ صلى اللّٰهُ عليه وسلم ثم اَبطَلَ حَتّٰى تَأتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغتَةً اى ساعةُ مَوتِهِم اَوِ القِيٰمَةُ فجأةً اَو يَأتِيَهُم عَذَابُ يَومٍ عَقِيمٍ هو يومُ بدرٍ لاخيرَ فيه للكفارِ كالريحِ العقيمِ التي لاتاتي بخيرٍ او هو يومُ القِيٰمَةِ لا ليلَ له اَلمُلكُ يَومَئِذٍ اى يومَ القِيٰمَةِ لِلّٰهِ وحدَهُ وما تَضَمَّنَهُ مِنَ الاستِقرَارِ نَاصِبٌ للظَّرفِ يَحكُمُ بَينَهُم بَينَ المؤمنين والكافرين بما بُيِّنَ بَعدَه فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ فَضلًا من اللّٰهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاُولٰئِكَ لَهُم عَذَابٌ مُّهِينٌ شديدٌ بِسَبَبِ كُفرِهِم۔

ترجمہ

آپ اعلان کر دیجئے کہ اے لوگو یعنی مکہ والو میں تم کو واضح طور ڈرانے والا ہوں یعنی کھلے طور پر آگاہ کرنے والا ہوں اور میں مومنین کو خوشخبری دینے والا ہوں، پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے (سابقہ) گناہوں کی بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے وہ جنت ہے، اور وہ لوگ جو ہماری آیات میں یعنی قرآنی آیات کے ابطال کے درپے رہتے ہیں عاجز کرنے کے لئے ان لوگوں کو جنہوں نے اتباع کی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یعنی ان کی طرف عاجز ہونے کی نسبت کرنے کے لئے، اور روکتے ہیں ان کو ایمان سے یا ہم کو عاجز گمان کرتے ہوئے ان کی گرفت ہے، اور ایک قراءۃ میں معاجزین بمعنی مسابقین ہے یعنی ہمارے بارے میں یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ (ہماری گرفت سے) بعث و عقاب کا انکار کر کے نکل بھاگیں گے، یہی ہیں دوزخی اور ہم نے آپ کے قبل کوئی رسول، رسول وہ نبی ہوتا ہے جس کو تبلیغ کا حکم دیا گیا ہو اور کوئی نبی یعنی جس کو تبلیغ کا حکم نہ دیا گیا ایسا نہیں بھیجا کہ جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب بھی اس نے کچھ پڑھا ہو اور شیطان نے اس کے پڑھنے میں ایسی چیز (شبہ) نہ ڈالی ہو کہ جو قرآن نہیں ہے اور وہ ایسا شبہ ہو کہ جس سے مرسل الیہم خوش ہوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم میں قریش کی مجلس میں اَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ

وَالْعُزّٰی وَمَنَاتَ الثَّلٰثَةَ الْاُخْرٰی کے بعد لاعلمی میں آپ کی زبان پر القاءِ شیطانی کی وجہ سے تِلْكَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی پڑھا (ترجمہ) یہ اونچے درجہ کی دیویاں ہیں، ان کی شفاعت کی یقیناً امید کی جاتی (مشرکین مکہ) اس سے بہت خوش ہوئے، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی جو شیطان نے آپ کی زبان مبارک پر القاء کر دیا تھا، تو آپ رنجیدہ ہوئے تو آپ کو آئندہ آیت کے ذریعہ تسلی دی گئی تاکہ آپ مطمئن ہو جائیں اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کر دیتا ہے پھر اپنی آیات کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ القاء شیطانی سے بخوبی واقف ہے جس کا ماسبق میں ذکر ہو چکا ہے، اور اللہ حکیم ہے اپنی طرف سے شیطان کو قدرت دینے میں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ القاءِ شیطانی کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنا دے جن کے قلوب میں شک ونفاق کا مرض اور ان کے قلوب سخت ہیں یعنی مشرکین کے قلوب قبول حق کے بارے میں سخت ہیں اور واقعی یہ ظالم کافر لوگ بڑی گمراہی میں ہیں یعنی نبی اور مومنین کے ساتھ طویل گمراہی میں ہیں اس لئے کہ آپ کی زبان مبارک پر ان کے معبودوں کا ایسا ذکر جاری ہو گیا جس نے ان کو خوش کر دیا، پھر اس ذکر کو باطل قرار دیدیا اور تاکہ وہ لوگ کہ جن کو توحید اور قرآن کا علم دیا گیا ہے جان لیں کہ وہ یعنی قرآن تیرے رب کی جانب سے حق ہے تو اس پر ایمان لے آئیں پھر ان کے قلوب اس پر مطمئن ہو جائیں اور واقعی ایمان والوں کو اللہ راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے یعنی دین اسلام کی جانب اور کافر لوگ قرآن کے بارے میں ہمیشہ شک میں مبتلا رہیں گے، اس شبہ کی وجہ سے کہ شیطان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر القاء کیا پھر اس کو (اللہ نے) باطل کر دیا، یہاں تک کہ ان پر دفعتاً قیامت آجائے یعنی موت کی گھڑی یا (واقعی) قیامت اچانک آجائے، یا ان پر کسی منحوس دن کا عذاب آجائے اور وہ بدر کا دن تھا کہ جس میں کافروں کے لئے کوئی خیر نہیں تھی، جیسا کہ ریح عقیم کوئی خیر نہیں لاتی یا یوم عقیم سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اس کے لئے رات نہیں ہوگی اور بادشاہی اس دن یعنی قیامت کے دن صرف اللہ کے لئے ہوگی اور جو لفظ استقر کے معنی کو متضمن ہے وہی ظرف (یومئذ) کا ناصب ہوگا اور وہ ان کے یعنی مومنین اور کافرین کے درمیان اس کے ذریعہ فیصلہ کر دے گا جس کو بعد میں بیان کیا ہے، سو جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور نیک عمل کئے ہوں گے تو وہ اللہ کے فضل سے نعمتوں کی جنت میں ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہوگی تو ان لوگوں کے لئے ان کے کفر کے سبب شدید ذلت کا عذاب ہوگا۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اے محمد آپ ان طلب عذاب کے بارے میں جلدی کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ میں تو صاف صاف ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں تعجیل یا تاخیر عذاب میں میرا کوئی دخل نہیں ہے **قوله بابطالها**

کے اضافہ کا مقصد حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے ای سعوا فی ابطال آیاتنا، بابطالها میں با بمعنی فی ہے معجزین یہ سعوا کی ضمیر سے حال ہے اور مَنْ اِتَّبَعَ النبیَّ، معجزین کا مفعول ہے، یا معجزین کا مفعول اللّٰہ ہے ای معجزین اللّٰہ مطلب یہ ہے کہ ہماری آیات کے ابطال میں سعی کرتے ہیں ہم کو اپنی گرفت سے عاجز مان کر، اور ایک قراءۃ میں معاجزین ہے بمعنی سابقین (مفاعلہ) یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ ہماری پکڑ سے نکل بھاگیں گے، اور مسابقت کا مطلب یہ ہے کافر اللہ کے عذاب سے فرار کی سعی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کرنے، نہ بھاگنے دینے میں مسابقت کرتا ہے **قوله** وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ (الآیة) وَاِنْ یُّکَذِّبُوْكَ کے بعد یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسری تسلی ہے مِنْ قبلكَ میں مِن ابتداء غایت کے لئے ہے اور من رسولٍ میں مِنْ زائدہ ہے، **قوله** اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشیطٰنُ، اذا تمنّٰی شرط ہے اور القی الشیطان فی امنیته اس کی جزاء ہے، اور جملہ شرطیہ ہو کر نبی سے حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَمَا اَرْسَلْنَا نَبِیًّا اِلاَّ حالُهُ هذه اور مستثنیٰ منقطع ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے **قوله** الغرانیق اس کا واحد غِرنَوْق بروزن فردوس ہے اور بعض نے غُرنوق بروزن عُصفور کہا ہے، مرغ آبی کو کہتے ہیں فینسخ اللّٰہ نسخ سے نسخ لغوی مراد ہے نہ کہ اصطلاحی، نسخ کے معنی زائل کرنے اور مٹانے کے ہیں **قوله** لیجعل کے لام میں ظاہر یہ ہے کہ یہ یحکم کے متعلق ہے ای ثم یحکم الله آیاته لیجعل اور واللّٰہ علیم حکیم جملہ معترضہ ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ لیجعل ینسخ کے متعلق ہو، **قوله** والقاسیة بمعنی القسوة سخت دل، القاسیۃ میں الف لام موصول کا ہے اور اس کا عطف الذین فی قلوبهم پر ہے **قوله** وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ اسم ظاہر کو یہاں زیادتی قباحت کو بیان کرنے کے لئے اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے اصل میں اِنَّهُمْ یَوْمَئِذٍ کا عامل ناصب استقرَّ یا اس کے ہم معنی فعل محذوف ہے **قوله** یحکم بینهم جملہ مستانفہ ہے یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے ماذا یَصْنَعُ بهم؟ فقیل یحکم بینهم اور جملہ حالیہ بھی ہوسکتا ہے **قوله** بما بَیَّنَ بعده ای فالذین آمنوا وعملوا الصّٰلحات مبتدا ہے فی جنّٰت نعیم اس کی خبر ہے ای مستقرون فیها اسی طرح والذین کفروا وکذبوا بآیٰتِنَا مبتدا ہے اور فاولٰئك لهم عذاب مهین جملہ ہو کر اس کی خبر ہے، اول خبر پر فا نہ داخل کرنا اور ثانی خبر پر فا کا داخل کرنا یہ بتانے کے لئے ہے کہ جنت میں داخلہ اعمال کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ اللہ کے فضل وکرم کی وجہ سے ہوگا، اسی بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مفسر علام نے فضلاً من اللّٰہ کا اضافہ کیا ہے، بخلاف عذاب جہنم کے اس کا ترتب اعمال ہی پر ہوگا اسی لئے فاولٰئك پر فا جزائیہ داخل کی گئی۔ (جمل)

تفسیر وتشریح

قل یا ایها الناسُ قرآن کریم میں عام طور پر یاایُّهَا الناس سے مشرکین مکہ کو خطاب ہوتا ہے، چناں چہ یہاں

بھی مشرکین مکہ میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب کے جلدی آنے کا مطالبہ کرتے تھے، چونکہ مشرکین مکہ نزول عذاب کے منکر تھے اس لئے نزول عذاب کی وعید کو محض ڈراوا سمجھتے تھے اسی لئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب کے جلدی لانے کا بار بار تقاضا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے محمدؐ! آپ کہہ دیجئے کہ میں تو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں میرا کام آگاہ اور ہوشیار کر دینا ہے، عذاب لے آنا میرے قبضہ میں نہیں ہے، یہ تو خدا ہی کے قبضہ کی بات ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو جزاء اور بدکاروں کو سزا دیں گے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا من قبلہٖ مِنْ رسولٍ ولانبیٍّ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اور نبی دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے، دونوں میں فرق کیا ہے؟ اس میں اقوال مختلف ہیں مشہور اور واضح بات یہ ہے کہ نبی تو اس کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت قوم کی اصلاح کے لئے عطا کیا گیا ہو اور اس کو تبلیغ رسالت کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو اور اس کے پاس اللہ کی طرف سے وحی آئی ہو خواہ اس کو کوئی مستقل کتاب یا شریعت دی گئی ہو یا کسی پہلے نبی ہی کی کتاب یا شریعت کی تبلیغ کے لئے مامور ہو، پہلے کی مثال حضرت موسیٰ وعیسیٰ اور خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے کی مثال حضرت ہارون علیہ السلام کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اور شریعت کی تبلیغ وتعلیم پر مامور تھے، اور رسول وہ ہے کہ جسے مستقل شریعت اور کتاب ملی ہو، اس سے معلوم ہوا کہ ہر رسول کا نبی ہونا ضروری ہے مگر ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں، اب رہا فرشتہ کو رسول کہنا تو یہ اصطلاحی معنی میں نہیں ہے بلکہ لغوی معنی میں ہے لہٰذا وہ اس کے منافی نہیں ہے۔

اذا تَمَنّٰی اَلْقَی الشیطٰن فی اُمنیتہٖ، تمنّی اس جگہ قرأ کے معنی میں ہے اور اُمنیّۃ کے معنی قرأت کے ہیں، ابو حیان نے بحر محیط میں اور بہت سے دوسرے حضرات نے اسی کو اختیار کیا ہے، کتب حدیث میں اس جگہ ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے جو واقعہ غرانیق کے نام سے معروف ہے یہ واقعہ جمہور محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے، بعض حضرات نے اس کو موضوع، ملحدین وزنادقہ کی ایجاد قرار دیا ہے اور جن حضرات نے اس واقعہ کو کچھ معتبر مانا ہے تو اس کے ظاہری الفاظ سے جو شبہات قرآن وسنت کی قطعیت پر عائد ہوتے ہیں ان کے مختلف جوابات دیئے ہیں، لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس آیت کی تفسیر اس واقعہ پر موقوف نہیں ہے۔

مفسرین کی ایک جماعت نے مذکورہ آیت کے شان نزول میں واقعہ غرانیق بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ کی ایک مجلس میں تشریف فرماں تھے، آپ پر سورۂ نجم کا نزول ہوا، آپؐ نے سورہ نجم پڑھنی شروع کی، جب آپ اَفَرَأَیْتُمُ اللَّاتَ وَالعُزّٰی وَمَنَاتَ الثَّالِثَۃَ الأُخرٰی پر پہنچے تو القاء شیطانی سے آپ کی زبان مبارک پر تلک الغرانیق العلٰی واِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی جاری ہوگیا جب قریش نے یہ کلمات سنے تو بہت خوش ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت جاری رکھی حتی کہ سورہ کے ختم تک تلاوت فرمائی اور جب آخر میں آپ نے سجدہ کیا تو مجلس کے حاضرین نے بھی سجدہ کیا، اس واقعہ کے بعد مشرکین خوشی خوشی منتشر ہو گئے اور کہنے لگے کہ آج محمدؐ

نے ہمارے معبودوں کی ستائش فرمائی، چناں چہ جبرئیل تشریف لائے اور فرمایا آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ نے تو لوگوں کو وہ سنادیا جو میں آپ کے پاس اللہ کی طرف سے لے کر نہیں آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے سخت رنج ہوا اور شدید خوف زدہ بھی ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے مذکورہ آیت نازل فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ معاملہ تنہا آپ کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ ہر رسول اور نبی کے ساتھ ہوا ہے لہٰذا رنجیدہ ہونے کی بات نہیں ہے، مگر یہ واقعہ کسی طرح بھی ثابت نہیں ہے بلکہ اس کا بطلان کتاب اللہ سے ثابت ہے قال اللہ تعالیٰ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَ مِنْهُ الْوَتِيْنَ وقال اللہ تعالیٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى امام بیہقیؒ نے اس قصہ کے بارے میں فرمایا هٰذه القصةُ غير ثابتةٌ من جهة النقل امام ابن خزیمہؒ نے فرمایا اِنَّ هٰذهِ القصة من وضع الزنادقة بعض مفسرین نے قصہ غرانیق کے ساتھ حبشہ سے مہاجرین کے واپس ہونے کا قصہ بھی لگا دیا ہے، جس کی مزید تفصیل سورہ نجم میں انشاء اللہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ تمنی کے معنی قرأ کے ہیں اور معنی القى الشيطان فى أمنيته اى فى تلاوته وقراته کے ہیں ابن جریر نے کہا کہ یہ قول تاویل کلام کے زیادہ مشابہ ہے، آیت کے حاصل معنی یہ ہیں کہ شیطان نے مشرکین کے کانوں میں بغیر اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر مذکورہ کلمات جاری ہوں خود ہی مذکورہ کلمات ڈالدیئے۔ (فتح القدیر) اللہ تعالیٰ شیطان کے القاء کردہ کلمات کو مٹادے گا، اور اپنی آیات کو محکم کردے گا۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اى طاعته من مكة الى المدينة ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا هو رزق الجنة وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ افضل المُعْطِيْنَ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا بضم الميم وفتحها اى اِدْخالًا او مَوْضِعًا يَّرْضَوْنَهٗ وهو الجنة وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ بنيّاتهم حَلِيْمٌ عن عِقابهم، الامرُ ذٰلِكَ الذى قَصَصْنا عليك وَمَنْ عَاقَبَ جازى من المؤمنين بِمِثْلِ مَاعُوْقِبَ بِهٖ ظُلْمًا مِنَ المشركين اى قاتلهم كما قاتلوه فى الشَّهْرِ المُحَرَّمِ ثُمَّ بُغِىَ عَلَيْهِ منهم اى ظُلِمَ باخراجه من منزله لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ عن المؤمنين غَفُوْرٌ لهم عن قتالهم فى الشهر الحرام ذٰلِكَ النصرُ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ اى يُدْخِلُ كُلًّا منهما فى الآخر بِاَنْ يزيدَ به وذٰلك مِنْ اَثَرِ قُدْرَتِهِ التى بها النصرُ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ دُعاءَ المؤمنين بَصِيْرٌ بهم حيث جَعَلَ فيهم الايمانَ فَاَجَابَ دُعاءَهم ذٰلِكَ النصرُ اَيْضًا بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الثابتُ وَاَنَّ مَا تَدْعُوْنَ بالياء والتاء يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ وهو الاصنامُ هُوَ الْبَاطِلُ الزائلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ اى العالى على كُلِّ شىءٍ بِقُدْرَتِهِ الْكَبِيْرُ الَّذِى يُصَغِّرُ كُلَّ شَىْءٍ سواهُ اَلَمْ تَرَ تعلم اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مَطَرًا فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً بالنبات وهذا مِنْ اَثَرِ قُدْرَتِهِ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ

بِعِبَادِہٖ فِی اِخْرَاجِ النَّبَاتِ بالماءِ خَبِیْرٌ بما فی قلوبِھم عند تاخِیْرِ المَطَرِ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط علٰی جِھَةِ المِلْکِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَھُوَ الْغَنِیُّ عن عبادِہٖ الْحَمِیْدُ لِاَوْلِیَائِهٖ۔

ترجمہ

اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا یعنی اس کی طاعت میں مکہ سے مدینہ کی طرف (ہجرت کی) پھر وہ شہید کردیئے گئے یا اپنی موت مر گئے اللہ تعالیٰ ان کو بہترین رزق عطا فرمائے گا، وہ جنت کا رزق ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے بہتر دینے والا ہے، یعنی عطا کرنے والوں میں بہتر عطا کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا کہ وہ اس کو پسند کریں گے اور وہ جنت ہے مُدْخَلاً میم کے ضمہ کے ساتھ اور اس کے فتحہ کے ساتھ، داخل کرنا یا داخل کرنے کی جگہ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں سے واقف ہے ان کو سزا دینے کے معاملہ میں حلیم ہے، بات ایسی ہے جیسی کہ ہم نے تم کو سنائی، اور جس مومن نے بدلہ لیا (ظالم سے) اسی کے برابر جو (ظلم مشرکین کی جانب سے) اس کے ساتھ کیا گیا تھا، یعنی ان کے ساتھ اسی طرح قتال کیا جس طرح انہوں نے ماہ محرم میں مومنین کے ساتھ قتال کیا تھا، پھر اس کے ساتھ زیادتی کی جائے مشرکین کی جانب سے یعنی اس کو اس کے گھر سے نکال کر اس پر ظلم کیا گیا، تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ مومنین کو بہت معاف کرنے والا اور درگذر کرنے والا ہے، شہر حرام میں ان کے قتال کرنے کو اور یہ مدد اس وجہ سے ہوگی کہ بے شک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کردیتا ہے یعنی ایک کو دوسرے میں داخل کردیتا ہے بایں طور کہ ہر ایک میں اضافہ کردیتا ہے اور یہ ایلاج اس کی قدرت کی دلیل ہے جس کے ذریعہ نصرت ہوتی ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنین کی دعا کو سننے والا ہے اور ان کے احوال کو دیکھنے والا ہے اس طریقہ پر کہ ان کو مومن بنایا پھر ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور یہ نصرت بھی اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور بلاشبہ جس کو یہ لوگ یا تم لوگ اس کو چھوڑ کر پکارتے ہو اور وہ بت ہیں وہ باطل ہے زائل ہونے والا ہے اور بلاشبہ اللہ ہی ہر شئ پر عالی ہے اپنی قدرت کے اعتبار سے اور ایسا عظمت والا ہے کہ اس کے سوا اس کی عظمت کے سامنے ہر شئ ذلیل ہے کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش برسائی جس سے زمین نباتات کے ذریعہ سرسبز ہوگئی اور یہ اس کی قدرت کا اثر ہے، بے شک اللہ تعالیٰ پانی کے ذریعہ نباتات پیدا کرنے میں اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے اور بارش کی تاخیر کی صورت میں جو خیالات بندوں کے دلوں میں آتے ہیں ان سے باخبر ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کی ملک ہے اور بے شک اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کا محتاج نہیں اور اپنے اولیاء کی تعریف کا سزاوار ہے۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

قوله والذین ھاجروا مبتدا ہے لَیَرْزُقَنَّھُمُ اللّٰہُ اس کی خبر ہے وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا اگرچہ اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا

میں داخل ہیں، مگر ان کی عظمت شان کی وجہ سے خاص طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے گویا کہ یہ تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے، لَیَرْزُقَنَّھُمْ قسم محذوف کا جواب ہے ای واللّٰہ لیرزقنّھم قسم اور جواب قسم مل کر جملہ ہو کر وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا کی خبر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ قسمیہ مبتداء کی خبر واقع ہوسکتا ہے رِزْقًا حسنًا لَیَرْزُقَنَّھُمْ کا مفعول ثانی ہے اور لیرزقنّھم کا مفعول مطلق برائے تاکید بھی ہوسکتا ہے **قولہ** خیرُ الرازقین کے بعد افضل المعطین کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ خیرٌ اسم تفضیل اسم تفضیل ہی کے معنی میں ہے قرآن پاک میں عام طور پر اسم تفضیل اسم فاعل کے معنی میں ہوتا ہے مگر یہاں ایسا نہیں ہے، اول تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا رزق مخصوص ہے جس پر کوئی دوسرا قادر نہیں ہے، اور رزق میں یہی اصل ہے، دوسری بات یہ ہے کہ بظاہر غیر اللہ جو رزق دیتا ہے وہ اللہ ہی کے عطا کردہ رزق میں سے دیتا ہے، تیسری بات یہ کہ غیر اللہ جو رزق دیتا ہے اس کا مقصد طلب عوض ہوتا ہے کم از کم اجر آخرت ہی سہی، اور اللہ تعالیٰ کا جو رزق ہوتا ہے وہ محض بطور احسان ہوتا ہے، **قولہ** لَیُدْخِلَنَّھُمْ یہ لَیَرْزُقَنَّھُمْ سے بدل بھی ہوسکتا ہے اور جملہ مستانفہ بھی **قولہ** مُدْخَلًا یہ باب افعال کا مصدر ہے ای اِدْخالاً ومُدْخَلاً اس صورت میں یہ لَیُدْخِلَنّھم کا مفعول مطلق ہوگا اور اس کا مفعول بہ محذوف ہوگا ای لَیُدْخِلَنّھُمْ الجنّۃ اِدْخالاً یَرْضونہٗ اور فتحہ میم کے ساتھ ظرف مکان ہوگا ای موضع دخول اس صورت میں مُدْخلاً ہی لیُدخِلنّھم کا مفعول فیہ ہوگا ای لیُدخلنّھم مکاناً یَرْضونہٗ، **قولہ** ذٰلک یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای الامرُ ذٰلک یعنی مومنین وکافرین سے جو وعدے ہیں وہ اپنی جگہ پر صحیح اور برحق ہیں، جب ایک کلام سے دوسرے کلام کی طرف انتقال مطلوب ہوتا ہے تو اس وقت اَلامْرُ ذٰلکَ بولتے ہیں **قولہ** وَمَنْ عَاقَبَ یہ تعاقب سے ماخوذ ہے جس کے معنی مجئ الشئ بعد الشئ، ای جازَ **قولہ** ای قَاتَلَھم کما قاتلوہ فی الشھر المحرم مفسر کے اس قول میں آیۃ کے شان نزول کی طرف اشارہ ہے، مقاتلؒ نے کہا ہے کہ مذکورہ آیت مشرکین مکہ میں سے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس کی مڈبھیڑ مسلمانوں کی ایک جماعت سے ہوگئی تھی، حالانکہ ابھی ماہ محرم کے ختم ہونے میں دو روز باقی تھے مشرکین نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اصحاب محمد شہر حرام میں قتال کو ناپسند کرتے ہیں حملہ کردیا، مسلمانوں نے شہر حرام میں جنگ نہ کرنے کے لئے مشرکین کو قسم دی مگر انہوں نے ایک نہ سنی، مجبوراً مسلمان بھی ان کے مقابلہ میں ڈٹ گئے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین پر غلبہ عطا فرمایا، شہر حرام میں قتال کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے دل میں ایک قسم کی خلش اور وسوسہ باقی تھا اگرچہ مسلمانوں نے بدرجہ مجبوری شہر حرام میں قتال کیا تھا، اسی وسوسہ کو زائل کرنے کے لئے مذکورہ آیت نازل ہوئی، ظلم کا بدلہ لینے کو عاقب کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، یہ مجازاً مشاکلت کے طور پر کیا گیا ہے، جیسے جزاء السیئۃ سیئۃ میں کہا گیا ہے، یا یہ تسمیہ السبب باسم المسبب کے قبیل سے ہے، یعنی مشرکین کا ظلم ان سے انتقام لینے کا سبب بنا **قولہ** وَمَنْ عَاقَبَ مبتدا ہے لَیَنْصُرَنَّہٗ اس کی خبر ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب مَنْ موصولہ ہو اور یہ بھی صحیح ہے کہ

من شرطیہ ہو اور لینصرنّہٗ اس کی جزاء ہو **قوله** ذٰلك النصر مبتدا ہے اور بأن اللّٰہ یولج اللیل (الآیۃ) اس کی خبر ہے **قوله** ذٰلك من اثر قدرتِہ یعنی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنا یہ اس کی قدرت کا اثر ہے، اسلئے کہ نصرت قدرت کے بغیر نہیں ہوسکتی **قوله** فتُصْبِحُ رفع کے ساتھ اس کا عطف انْزَلَ پر ہے، اس صورت میں بہٖ عائد محذوف ہوگا ای فتُصْبِحُ بہٖ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فا سببیہ ہو نہ کہ عاطفہ اس صورت میں تقدیر عائد کی ضرورت نہ ہوگی

سوال فتُصبِحُ جواب امر واقع ہے لہٰذا اس کو منصوب ہونا چاہئے حالانکہ فتُصْبِحُ مرفوع ہے۔

جواب یہ استفہام تقریری بمعنی خبر ہے یعنی اَلَمْ تَرَ قد رأیت کے معنی میں ہے اور استفہام بمعنی خبر امر کا جواب نہیں ہوتا

اب رہا یہ سوال کہ صیغہ ماضی کے بجائے مضارع کا صیغہ استعمال کرنے کی کیا وجہ ہے؟ یعنی فتُصبِحُ کے بجائے فاَصْبحتْ کیوں نہیں کہا؟

جواب یہ ہے کہ مضارع کا صیغہ بقاءِ اثر مطر پر دلالت کرتا ہے جو کہ مطلوب اور محمود ہے بخلاف ماضی کے صیغہ کے

تفسیر وتشریح

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا اس سے پہلے عام مؤمنین کے انجام کا ذکر تھا، اب یہاں ایک ممتاز جماعت کا خصوصی ذکر فرمایا یعنی جو لوگ خدا کے راستہ میں اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے خواہ وہ لڑائی میں شہید ہوں یا طبعی موت مریں دونوں صورتوں میں اللہ کے یہاں ان کی خاص مہمانی ہوگی، کھانا پینا رہنا سہنا سب ان کی مرضی کے موافق ہوگا، اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ وہ کس چیز سے راضی ہوں گے، اور کن لوگوں نے خالص اللہ کے لئے اپنا گھر بار ترک کیا ہے، ایسے مجاہدین ومہاجرین کی فروگذاشتوں پر حق تعالیٰ تحمل فرمائیں گے، اور شان عفو سے کام لیں گے، **علیم وحلیم** کی صفات اسی غرض کے لئے ذکر کی گئی ہیں۔

وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَاعُوقِبَ یعنی مظلوم اگر ظالم سے واجبی بدلہ لے لے پھر از سرنو ظالم اس پر زیادتی کرے تو وہ پھر مظلوم باقی رہے گا، حق تعالیٰ پھر اس کی مدد فرمائیں گے جیسا کہ اس کا دستور ہے کہ وہ مظلوم کی حمایت کرتا ہے وَاتقِ دعوۃ المظلوم فانّہٗ لیس بینھما وبین اللّٰہ حجاب۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعاء کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

ذٰلکَ بانَّ اللّٰہ یولج اللیل فی النھار ماقبل کی آیت میں مظلوموں کی نصرت کا ذکر تھا اور نصرت وہی کرسکتا ہے جو نصرت پر قادر ہو اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ذکر فرما رہے ہیں، یعنی جو اللہ تعالیٰ اتنی بڑی قدرت والا ہے

کہ رات دن کو الٹ پلٹ کرنا اور ان کو گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی کے تصرف سے کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں بڑی ہوتی ہیں، پھر کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ ایک مظلوم قوم یا شخص کی مدد کر سکے، بلکہ ظالموں پر غالب اور مسلط کر دے اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عنقریب حالات رات دن کی طرح پلٹا کھانے والے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ رات کو دن میں تبدیل کر دیتا ہے، اسی طرح کفر کی سرزمین کو اسلام کی آغوش میں داخل کر دے گا وَأَنَّ اللّٰه سميع بصير یعنی مظلوم کی فریاد سنتا ہے اور ظالم کے کرتوت دیکھتا ہے ذٰلكَ النصر بأن اللّٰه هو الحق یعنی ایسے عظیم الشان انقلابات معبود برحق کے سوا اور کس سے ہو سکتے ہیں واقع میں صحیح اور سچا خدا وہی ایک ہے باقی اس کو چھوڑ کر خدائی کے جو پاکھنڈ پھیلائے گئے ہیں سب غلط جھوٹ اور باطل ہیں، اسی کو خدا اور معبود بنانا چاہئے جو سب سے اوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شان بالاتفاق اسی ایک اللہ کی ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ جس طرح اللہ تعالیٰ خشک اور مردہ زمین کو آسمانی بارش سے سرسبز و شاداب کر دیتے ہیں، اسی طرح کفر کی خشک اور ویران زمین کو اسلام کی بارش سے سبزہ زار بنادے گا اور یہ کام اس کی قدرت کے لئے کوئی بڑا کام نہیں اِن اللّٰه لطيف خبير وہی جانتا ہے کہ بارش کے پانی سے کس طرح سبزہ اگ آتا ہے قدرت خداوندی اندر ہی اندر ایسی تدبیر و تصرف کرتی ہے کہ خشک زمین پانی کے اجزاء کو جذب کر کے سرسبز اور شاداب ہو جائے، اسی طرح وہ اپنی مہربانی، لطیف تدبیر و تربیت اور کمال خبرداری و آگاہی سے قلوب بنی آدم کو فیوض اسلام کی بارش برسا کر سرسبز و شاداب بنادے گا لهٗ ما فی السمٰوٰت و مافی الارض یعنی زمین و آسمان کی تمام چیزیں جب اسی کی مملوک و مخلوق ہیں اور سب کو اسی کی احتیاج اور وہ کسی کا محتاج نہیں تو ان میں جس طرح چاہے تصرف اور رد و بدل کرے کوئی مانع اور مزاحم نہیں ہو سکتا، البتہ غنائے تام اور اقتداء کامل سے کرتا وہی ہے جو سراپا حکمت و مصلحت ہو اس کے تمام افعال محمود ہیں اور اس کی ذات تمام خوبیوں اور صفات حمیدہ کی جامع ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الارضِ من البهائم والفُلكَ السُّفُنَ تَجْرِيْ فِي البَحْرِ لِلرُّكُوبِ والحملِ بِاَمْرِهٖ بِاِذْنِهٖ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ مِنْ اَنْ اولئلاَّ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فتهلِكُوا اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فِى التسخيرِ والإمساكِ وَهُوَ الَّذِيْ اَحْيَاكُمْ بالاِنشاءِ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ عند انتهاءِ آجالِكُم ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ عِنْدَ البَعْثِ اِنَّ الْاِنْسَانَ اى المُشْرِكَ لَكَفُوْرٌ لِنِعَمِ اللّٰهِ بتركِهِ تَوْحِيْدَهٗ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا بفتحِ السِّينِ وَكَسْرِهَا شَرِيْعَةً هُمْ نَاسِكُوْهُ عَامِلُوْنَ بِهٖ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ يُرَادُ بِهٖ لاتُنَازِعْهُمْ فِي الامرِ اَمْرِ الذَّبِيْحَةِ اِذْ قَالُوْا مَا قَتَلَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تأكلوهُ مِمَّا قَتَلْتُم وادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اى اِلٰى دِيْنِهٖ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى دينٍ مُّسْتَقِيْمٍ وَاِنْ جَادَلُوْكَ فى اَمْرِ الدينِ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وهذا قبلَ الاَمْرِ بالقِتَالِ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ايها

المؤمنون والکافرون یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ بِاَنْ یَقُوْلَ کُلٌّ مِنَ الْفَرِیقَیْنِ خلاف قولِ الآخرِ اَلَمْ تَعْلَمْ الاستفهامُ فیه للتقریرِ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ ای مَاذُکِرَ فِیْ کِتٰبٍ ؕ هُو اللَّوحُ المحفوظُ اِنَّ ذٰلِكَ ای عِلْمَ مَا ذُکِرَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ سَهْلٌ وَیَعْبُدُوْنَ ای المشرکون مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ هو الاصنامُ سُلْطٰنًا حجةً وَّمَالَیْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ انها اٰلهةٌ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ بالاشراكِ مِنْ نَّصِیْرٍ ۝ یَمْنَعُ عنهم عذابَ اللّٰهِ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا من القرآنِ بَیِّنٰتٍ ظاهراتٍ حالٌ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ ؕ ای الانکارَ لها ای اَثَرَهُ مِنَ الکَرَاهَةِ وَالعُبُوْسِ یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ؕ ای یَقَعُوْنَ فیهم بالبَطْشِ قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکُمْ ؕ ای بِاَکْرَهَ اِلَیْکُمْ من القرآن المَتْلُوِّ علیکم هو اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ بِاَنَّ مَصِیْرَهُم الیها وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ هی.

ترجمہ

(اے مخاطب) کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کاموں میں لگا رکھا ہے زمین کی چیزوں کو حیوانات میں سے اور کشتیوں کو کہ وہ دریا میں بار برداری اور سواری کے لئے اس کے حکم سے چلتی ہیں، اور وہی آسمانوں کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے (یا تھامے ہوئے ہے تاکہ نہ گرے کہ سب ہلاک ہو جائیں) ہاں مگر یہ کہ گرنے کا حکم ہو جائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر تسخیر و امساک میں بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا ہے وہ وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی پیدا کر کے پھر تم کو موت دے گا تمہاری مدت عمر پوری ہونے کے بعد پھر تم کو زندہ کرے گا بعث کے وقت واقعی مشرک انسان خدا کی نعمتوں کا اس کی توحید کو ترک کر کے بڑا ناشکرا ہے اور ہم نے ہر امت کے لئے ایک طریقہ بندگی کا یعنی شریعت مقرر کر دی ہے وہ اسی (طریقہ) شریعت پر عامل تھے **مَنْسَکًا** سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے تو لوگوں کو چاہئے کہ ذبح کے معاملہ میں آپ سے نزاع نہ کریں اور **فلا یُنَازِعُنَّكَ** سے **لاتُنَازِعْهُمْ** مراد ہے (یعنی مضارع منفی سے نہی) اس لئے کہ انہوں نے کہا تھا کہ جس کو اللہ نے قتل کیا ہو وہ **کھائے جانے کے** زیادہ لائق ہے اس سے کہ جس کو خود تم نے قتل کیا ہے اور آپ اپنے رب یعنی اس کے دین کی طرف دعوت دیتے رہئے، بلاشبہ آپ صحیح دین پر ہیں اور اگر یہ لوگ دین کے معاملہ میں آپ سے جھگڑا کرتے رہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے وہ تم کو اس کی سزا ضرور دے گا، (عدم قتال کی) یہ ہدایت آپ کو جہاد کا حکم دینے سے پہلے کی ہے، اے مومنو اور کافرو! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اس بات کا فیصلہ کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو اس طریقہ پر کہ دونوں فریقوں میں سے ہر فریق دوسرے فریق کے برخلاف کہتا ہے (کیا اے مخاطب) تو نہیں جانتا یہ

استفہام تقریری ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب کو جانتا ہے یقیناً یہ جو کچھ مذکور ہوا لوح محفوظ میں محفوظ ہے بے شک یہ یعنی مذکور کا علم اللہ کے لئے آسان ہے اور مشرک اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایسی چیزوں کی بندگی کرتے ہیں جن کے بارے میں اس نے کوئی حجت نازل نہیں کی وہ بت ہیں اور نہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے کہ یہ معبود ہیں اور شرک کے ذریعہ ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار نہ ہوگا کہ ان سے عذاب کو باز رکھ سکے اور جب ان لوگوں کو ہماری واضح قرآنی آیتیں سنائی جاتی ہیں بینات بمعنی ظاہرات حال ہے تو آپ ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کے آثار دیکھتے ہیں یعنی ان آیتوں کے انکار (کے اثر کو) جو کہ وہ کراہت اور ترشروئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں گے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں یعنی قریب ہے کہ سختی سے پکڑ لیں، آپ کہہ دیجئے کیا میں تم کو اس سے بھی زیادہ ناگوار چیز بتلا دوں؟ یعنی تم کو قرآن سنانے سے بھی زیادہ ناگوار چیز، وہ دوزخ ہے اس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہوا ہے یہ کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ اَلَمْ تَرَ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ تَرَ اصل تَرىٰ تھا، یہ رویت سے مشتق ہے لَمْ داخل ہونے کی وجہ سے آخر سے ی حرف علت ساقط ہوگئی تَرَ کی تفسیر تَعْلَمْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ رویت سے رویت قلبی مراد ہے سَخَّرَ یہ تَسْخِیْر سے ماضی کا صیغہ ہے بمعنی ذَلَّلَ مسخر کرنا، کام میں لگانا، بس میں کرنا، زبردستی کسی خاص کام میں لگا دینا **قولہ** والفُلْكَ مافی الارض پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے **قولہ** تجری فُلْكٌ سے حال ہے اللّٰهُ پر بھی عطف ہو سکتا ہے اس صورت میں اَلَمْ تَرَ اَنَّ الفُلْكَ تَجْرِیْ کے تحت میں ہوگا اور تجری فی البحر انّ کی خبر ہوگی، اور فُلْكٌ کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے اگر قُفْلٌ کے وزن پر مانیں تو واحد ہوگا اور اگر بُدْنٌ یا اُسْدٌ کے وزن پر فرض کریں تو جمع ہوگا **قولہ** مِنْ (اَنْ) او لئلاّ (تقع) اس عبارت سے مفسر علام کا مقصد اَنْ تَقَعَ کے اعراب کی طرف اشارہ کرنا ہے، اَنْ تَقَعَ یا محل جر میں ہے اور حرف جر محذوف ہے ای مِنْ اَنْ تَقَعَ اور تَقَعَ اَنْ مصدریہ کی وجہ سے وقوع کے معنی میں ہے یا محل نصب میں ہے یا تو اس لئے کہ السَّمَاءَ سے بدل ہے بدل الاشتمال ای یمنعُ وقوعَھَا اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے بصریین کے نزدیک تقدیر عبارت یہ ہے یمسك السماء کراھۃَ اَنْ تَقَعَ اور کوفیین کے نزدیک تقدیر عبارت یہ ہے یمسكُ السماءَ لئلاَّ تَقَعَ مفسر علام نے احتمال اول اور ثالث کو ذکر کیا ہے **قولہ** اِلاَّ باِذْنِہٖ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے عموم احوال سے مگر یہاں یہ شبہ ہوگا کہ مستثنیٰ مفرغ کلام موجب میں واقع نہیں ہوتا اور یہاں مستثنیٰ منہ جو کہ یمسك السماء ہے کلام موجب ہے، اس شبہ کا جواب یہ ہوگا کہ یُمْسِكُ السماء ان تقعَ علی الاَرْضِ قوت میں نفی کے ہے تقدیر عبارت یہ ہے لاَ

یتر کُھا تَقَعَ فی حالة مِنَ الاَحوالِ اِلاّ فِی حالةِ کونِھا مُتلَبِّسَةً بِمشیة اللّٰہ تعالیٰ، باذنہ میں با ملابسہ کے لئے ہے، **قولہ** ھو الذی اَحیاکُمْ قَالَ الجنید قدس سِرُّہٗ اَحیاکم بمعرفةٍ ثُمَّ یُمیتُکُمْ باوْقَاتِ الغفلَةِ والفَتْرَةِ ثُمَّ یُحْییکُمْ بالجَذْبِ بَعْدَ الفترَةِ **قولہ** لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعلْنا مَنسَکًا یہاں امت سے وہ امت مراد ہے جس کے پاس ملت آسمانی اور کسی نبی کی شریعت ہو نہ کہ مشرکین و کفار، اس پر لفظ جعلنا دلالت کررہا ہے مفسر علام نے منسک کی تفسیر شریعہ سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ اَلنسیکة بمعنی عبادت سے ماخوذ ہے لہٰذا مَنسکًا کو موضع عبادت یا وقت عبادت پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور اسی معنی پر ناسکُوہُ دلالت کررہا ہے اگر موضع یا وقت کے معنی مراد ہوتے تو ناسکون فیہ کہا جاتا، اس لئے کہ عامل ظرف کی ضمیر کی طرف متعدی ہوتا ہے **قولہ** لایناَزِعُنَّکَ کی تفسیر لاتُنازِعْھم سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقصد آپ کو دیگر اہل ملل کے ساتھ منازعت سے منع کرنا ہے اور یہ بطور کنایہ ہے اس لئے کہ منازعت طرفین سے ہوتی ہے، آپ کو ترک نزاع کے حکم سے مقصد ان کی باتوں کی طرف التفات نہ کرنے کا حکم کرنا ہے اور جب آپ کی باتوں کی طرف التفات نہ کریں گے تو منازعت خود ہی ختم ہوجائے گی، ایک فریق کو منع کرنا یہ کنایۃً فریق ثانی کو منع کرنا ہے **قولہ** فی الامر مفسر علام نے امر سے ذبیحہ مراد لیا ہے خطیب نے کہا ہے کہ یہ آیت بدیل بن ورقہ اور بشر بن سفیان اور یزید بن خنیس کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب انہوں نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا مالکم تاکلون مما تقتلون ولا تاکلون مما قتلہ اللّٰہ تعالی یعنی تم خود مار کر کھاجاتے ہو اور خدا کا مارا ہوا (مردار) نہیں کھاتے ہو مفسر علام کا فی الامر کی تشریح ذبح سے کرنا مقام کے موافق نہیں ہے بلکہ یہاں مطلقاً احکام شریعہ مراد ہیں ورنہ تو اس سے لازم آئے گا کہ سابقہ امتوں میں مردار کھانا شروع تھا **قولہ** مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ ما موصولہ ہے اور یعبدون کا مفعول بہ ہے **قولہ** یکادُ یسطُون یہ جملہ حالیہ ہے یا تو الذین سے مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ الذین مضاف الیہ ہے اور مقصود مضاف ہوتا ہے تو مضاف الیہ سے حال واقع ہونا کس طرح درست ہوگا، جواب یہ ہے کہ مضاف چونکہ مضاف الیہ کا جز ہے لہٰذا مضاف الیہ سے حال واقع ہونا درست ہے یا پھر وجوہ سے حال ہے اور وجہٌ سے صاحب وجہ مراد ہوگا، مفسر علام نے یسطُون کی تفسیر بطش سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یسطون یبطشون کے معنی کو متضمن ہے، یہی وجہ ہے کہ یسطون کا صلہ با درست ہے ورنہ تو یسطون کا صلہ علیٰ آتا ہے، **قولہ** ھو النار، النار ھو مبتدا محذوف کی خبر ہے، اس صورت میں وقف ذٰلکم پر ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ النار مبتدا اور وعَدَھا اللّٰہ اس کی خبر اس صورت میں وقف الذین کفروا پر ہوگا۔

تفسیر وتشریح

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ (الآیہ) یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہاری یا کسی کی کیا پرواہ تھی، مگر پھر بھی اس کی شفقت اور مہربانی دیکھو کہ

کس طرح خشکی اور تری کی چیزوں کو تمہارے تابع کر دیا پھر اس نے اپنے دست قدرت سے آسمان چاند سورج اور ستاروں کو اس فضاء ہوائی میں بغیر کسی ظاہری کھمبے یا ستون کے تھام رکھا ہے جو اپنے محور اور مدار سے ایک انچ نہیں ہٹ سکتے اور نہ ہٹیں گے جب تک کہ اس کا حکم نہ ہو اِلا باذنه کا استثناء محض اثبات قدرت کی تاکید کے لئے ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ قیامت کی طرف اشارہ ہو۔

و هو الذی احیاکم اسی طرح جو قوم کفر و جہل کی وجہ سے روحانی موت مر چکی تھی اس کو ایمان اور معرفت کی روح سے زندہ کرے گا، **قوله لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا** یہاں امت سے ہر وہ امت مراد ہے جو ملت ساوی کے تابع ہو یعنی ہر امت کے لئے شریعت الگ الگ متعین کی گئی ہے جس امت کے لئے جو قانون شریعت متعین کیا گیا ہے اس کے لئے اسی پر عمل کرنا لازم ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک امت ہے ان کی شریعت تورات تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک امت ہے ان کا قانون شریعت انجیل تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد سے قیام قیامت تک ایک امت ہے، اس کے لئے قانون شریعت اور دستور العمل قرآن کریم ہے لہٰذا ان امتوں کو چاہئے کہ آپ سے احکام شریعت میں تنازع نہ کریں یہ خیال کرتے ہوئے کہ ان کی شریعت باقی ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد سابقہ تمام شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں، تشریح مذکور کی روشنی میں مفسر علام کا فلاینازعنك فی الامر کی تفسیر امر الذبیحه الخ سے کرنا سابقہ تشریح سے مطابقت نہیں رکھتا، اس لئے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ اکل میتہ شرائع سابقہ کے منجملہ احکام سے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے بعض امتوں کے لئے مشروع کیا، حالانکہ بات یہ نہیں ہے لہٰذا آیت کی تشریح جو سابق میں کی گئی ہے وہی مناسب معلوم ہوتی ہے **قوله وهذا قبل الامر بالقتال** یعنی وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ منسوخ آیت قتال سے، یہ ایک قول ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ آیت محکم ہے (منسوخ نہیں ہے) اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کے ساتھ بحث و مباحثہ ترک کرو اور معاملہ کو اللہ اعلم کہہ کر اللہ کے حوالہ کرو۔

و یعبدون من دون الله سب سے بڑا ظلم اور ناانصافی یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے ایسے ظالموں اور ناانصافوں کو خوب یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے شرکاء مصیبت پڑنے پر ان کے کچھ کام نہ آئیں گے اور نہ اور کوئی اس وقت مدد کرے گا۔

قوله وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَدَ یہ متعدی بدو مفعول ہے ھا ضمیر مفعول ثانی مقدم ہے الذین کفروا مفعول اول مؤخر ہے، اس کا عکس بھی درست ہے، مفسر علام نے اپنے قول بِاَنَّ مصیرَهُمْ الیها سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ جعل الذین کفروا کو موعود بہ اور النار کو موعود قرار دیا ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ ای اهل مكة ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ وهو اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ تعبدون مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اى غيره وهُمُ الاصنام لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا اسم جنس واحده ذُبَابَةٌ يقعُ على المذكر والمؤنث وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ اى لِخَلْقِهٖ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا مِمَّا عليهم مِنَ الطِّيْبِ والزعفران ملطخين به لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ يستردُّوْهُ مِنْهُ لعجزهم فكيف يَعْبُدُوْنَ شركاءَ اللّٰهِ تعالى هٰذا امرٌ مُسْتَغْرَبٌ عُبِّرَ عنه بضرب مثلٍ ضَعُفَ الطَّالِبُ العابدُ وَالْمَطْلُوْبُ المعبودُ مَاقَدَرُوا اللّٰهَ عَظَّمُوه حَقَّ قَدْرِهٖ عَظَمَتِهٖ اِذْ اَشْرَكُوْا به مالم يَمْتَنِعْ مِنَ الذُّبَابِ ولايَنْتَصِفُ منه اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ غالب اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ رسلا نزل لما قال المشركون ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذكرُ مِنْ بَيْنِنَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ لِمَقَالَتِهِمْ بَصِيْرٌ بِمَنْ يَتَّخِذُوْهُ رُسُلًا كجبريل وميكائيل وابراهيمَ ومحمدٍ وغيرِهم صلى اللّٰهُ عليهم وسلم يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ اى ما قَدَّمُوْا وما خَلَّفُوْا او مَا عَمِلُوْا وماهم عاملون بعدُ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا اى صَلُّوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَحِّدُوه وَافْعَلُوا الْخَيْرَ كَصِلَةِ الرَّحِمِ ومكارمِ الاخلاقِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تفوزون بالبقاء في الجنة وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ لِاقَامَةِ دِينِه حَقَّ جِهَادِهٖ باسْتِفْرَاغِ الطَّاقَةِ فِيْهِ ونصبُ حقَّ على المصدر هُوَ اجْتَبٰكُمْ اختاركم لدينه وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اى ضِيْقٍ بِاَنْ سَهَّلَه عند الضرورات كالقَصْرِ والتَّيَمُّمِ واكلِ المَيْتَةِ والفطرِ للمرض والسَّفَرِ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ منصوب بنزع الخافض الكافِ اِبْرٰهِيْمَ عطف بيان هُوَ اى اللّٰه سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ اى قبلَ هٰذا الكتاب وَفِيْ هٰذَا اى القرآن لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ يومَ القِيٰمَةِ اَنَّهُ بَلَّغَكُم وَتَكُوْنُوْا اَنْتُمْ شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ اَنَّ رُسُلَهم بَلَّغَتْهُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ دَاوِمُوْا عليها وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ثِقُوْا به هُوَ مَوْلٰكُمْ ناصرُكم ومُتَوَلِّي اُمُوْرِكُم فَنِعْمَ الْمَوْلٰى هو وَنِعْمَ النَّصِيْرُ اى الناصر هو لكم.

ترجمہ

اے لوگو! یعنی مکہ والو ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو اور وہ بات یہ ہے کہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو یعنی بندگی کرتے ہو غیر اللہ کی وہ بت ہیں وہ ایک مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے ذباب اسم جنس ہے اس کا واحد ذبابہ ہے اس کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے گو اس تخلیق کے لئے سب کے سب جمع ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کچھ چھین لیجائے اس میں سے جو ان پر خوشبو اور زعفران لگی ہوئی ہے (جس میں وہ لتھڑے ہوئے ہوتے ہیں) تو اس کو وہ ان سے واپس نہیں لے سکتے ان کے عاجز ہونے کی وجہ سے، پھر کیوں بندگی

کرتے ہیں (ان کی) اللہ کا شریک سمجھ کر یہ بات چونکہ عجیب ہے اسی لئے اس کو ضرب مثل سے تعبیر کیا گیا ہے ایسا طالب عابد بھی ضعیف اور مطلوب معبود بھی ضعیف ان لوگوں نے جیسی اللہ کی تعظیم کرنی چاہئے تھی ویسی نہ کی جب کہ اس کے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرایا کہ جو مکھی سے (اپنی) حفاظت نہیں کر سکتے اور نہ اس سے اپنا حق لے سکتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے جس کو چاہتا ہے پیغام رسانی کے لئے منتخب کر لیتا ہے (یہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب مشرکوں نے کہا کہ کیا ہم میں سے اسی پر ذکر (قرآن) نازل کیا گیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو سننے والا جاننے والا ہے اس کو کہ جس کو رسول بناتا ہے جیسا کہ (فرشتوں میں سے) جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام کو (انسانوں میں سے) ابراہیمؑ اور محمدؐ وغیرہ کو وہ ان کی آئندہ اور گذشتہ حالتوں کو خوب جانتا ہے یعنی جو (اعمال) آگے بھیج چکے ہیں اور جو (اعمال) پیچھے چھوڑ آئے ہیں اور جو اعمال کر چکے ہیں اور جو آئندہ کریں گے اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے اے لوگو رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو یعنی نماز پڑھا کرو اور اپنے رب کی بندگی کیا کرو یعنی اس کی توحید کا عقیدہ رکھو اور نیک کام کیا کرو جیسا کہ صلہ رحمی اور اچھے اخلاق امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے یعنی جنت میں دائمی بقاء کے ساتھ کامیاب ہو جاؤ گے اور اللہ کے کام میں اس کے دین کے قیام کے لئے خوب کوشش کیا کرو، اپنی پوری کوشش کو اس میں صرف کر کے اور حَقَّ کا نصب مصدریۃ کی وجہ سے ہے اس نے تم کو اپنے دین کے لئے منتخب کیا ہے اور تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی اس طریقہ پر کہ ضرورت کے وقت دین کو آسان کر دیا جیسا کہ قصر اور تیمم اور اکل میتہ اور مریض و مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت **تمہارے باپ ابراہیم کی ملت** کے مانند ملۃ حرف جر کاف کو حذف کرنے کی وجہ سے منصوب ہے ابراہیم ابیکم سے عطف بیان ہے اس نے یعنی اللہ نے تمہارا نام پہلے ہی سے (یعنی اس کتاب کے نزول) سے پہلے ہی مسلمان رکھا ہے اور اس میں بھی یعنی قرآن میں بھی تاکہ رسول تمہارے لئے قیامت کے دن گواہ ہوں کہ اس نے تم کو پیغام پہنچا دیا اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو کہ ان کے رسولوں نے (پیغام) ان کے پاس پہنچا دیا تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑو یعنی اسی پر بھروسہ کرو وہ تمہارا مولیٰ یعنی مددگار اور تمہارا کارساز ہے سو کیسا اچھا کارساز ہے وہ؟ اور تمہارے لئے کیسا اچھا ناصر ہے؟

تحقیق و ترکیب و تفسیری فوائد

یٰاَیُّھَا النَّاسُ ای اھل مکۃ اس آیت کا تعلق ماقبل کی آیت ویعبدون من دون اللہ (الآیۃ) سے ہے، اس آیت میں خطاب اگرچہ اہل مکہ سے ہے مگر مراد ہر وہ شخص ہے جو غیر اللہ کی بندگی کرتا ہے، **ضُرِبَ مَثَلٌ**، **مثلاً سے مراد** امر عجیب ہے، اور وہ امر عجیب شرک و بت پرستی کی حماقت کو ایک واضح مثال سے بیان کرنا ہے کہ یہ بت جن کو تم اپنا

کارساز سمجھتے ہو یہ تو ایسے بے کس اور بے بس ہیں کہ سب مل کر بھی ایک مکھی جیسی حقیر چیز پیدا نہیں کر سکتے اور پیدا کرنا تو بڑا کام ہے تم روزانہ ان کے سامنے مٹھائی اور کھانوں کے چڑھاوے چڑھاتے ہو اور مکھیاں ان کو کھا جاتی ہیں ان سے اتنا تو ہوتا نہیں کہ مکھیوں سے اپنی چیز ہی کو بچالیں یہ تمہیں کسی آفت سے کیا بچائیں گے اسی لئے آخر آیت میں ان کی اس جہالت اور بے وقوفی کو ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے **ضعف الطالب والمطلوب قوله ولو اجتمعوا له** یہ جملہ محل حال میں واقع ہے، **ای انتفی خلقهم الذباب علی کل حال ولو فی حالِ اجتماعهم قوله وَاِنْ یسلبهُم الذبابُ شیئًا یسلب** متعدی بدو مفعول ہے مفعول اول **هُمْ** اور ثانی **شیئًا** ہے **مُلَطَّخون** یہ **لطخ** سے مشتق ہے آلودہ کرنا ملنا، لتھیڑنا ملطخون دراصل طیب والزعفران کی صفت سببی ہے لہٰذا ملطخون کے بجائے ملطخین ہونا چاہئے جیسا کہ ظاہر ہے (جمل) **قوله عُبِّرَ عنه بضرب مثلٍ** یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ضرب مثل کے نام سے جو بیان کیا گیا وہ مثل نہیں ہے تو پھر اس کو مثل کیوں کہا گیا ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ واقعہ عجیبہ نیز عمدہ اور عجیب وغریب مضمون کو بھی مثل سے تعبیر کر دیتے ہیں **قوله ومن الناس رُسُلاً، رُسُلاً** محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ آیت میں حذف ہے ثانی کو اول پر قیاس کرتے ہوئے رُسُلاً کو حذف کر دیا گیا ہے **قوله حَقَّ جهاده** اصل میں **جهاداً حقاً** ہے یہ اضافت صفت الی الموصوف کے قبیل سے ہے **قوله هُوَ ای الله سَمّٰكم المسلمین هُوَ** کے مرجع میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کا مرجع ابراہیم ہوں اور دوسرا یہ کہ اس کا مرجع اللہ ہو مفسر علام نے **هُوَ** کے بعد اللہ محذوف مان کر ثانی احتمال کو راجح قرار دیدیا اور قرینہ **وفی هذا القرآن** ہے اس لئے کہ قرآن میں مسلمان نام رکھنا یہ اللہ کا کام ہے نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا۔

تفسیر وتشریح

یٰاَیُّهَا النَّاسُ ای اهل مکة یہ توحید کے مقابلہ میں شرک کی شناعت وقباحت ظاہر کرنے کے لئے مثال بیان فرمائی ہے جس کو کان لگا کر سننا اور سمجھنے کے لئے غور وفکر کرنا چاہئے تاکہ ایسی ذلیل اور رکیک حرکت سے باز رہو، اور مثلاً سے یہاں مثل سائر مراد نہیں ہے بلکہ عمدہ اور عجیب وغریب مضمون بیان کرنا مراد ہے، مکھی جو کہ بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے جن چیزوں میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ انفرادی طور پر تو کیا سب مل کر بھی اتنی قدرت نہیں رکھتے کہ ایک مکھی پیدا کر سکیں یا مکھی ان کے چڑھاوے وغیرہ میں سے **کچھ لیجائے** تو اس سے واپس لے سکیں ان کو خالق السموات والارضین کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بے حیائی اور حماقت اور شرمناک گستاخی ہے، سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور اور مکھی سے زیادہ ان کے بت کمزور اور بتوں سے زیادہ ان کا پوجنے والا کمزور جس نے ایسی حقیر اور کمزور چیز کو اپنا معبود اور حاجت روا بنالیا۔

سورہ حج کا سجدہ تلاوت

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمنوا (الآیہ) سورہ حج میں ایک آیت تو پہلے گذر چکی ہے جس پر سجدہ تلاوت کرنا بالاتفاق واجب ہے اس آیت پر جو یہاں مذکور ہے سجدہ تلاوت کے وجوب میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک اس آیت پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں سجدہ کا ذکر رکوع وغیرہ کے ساتھ آیا ہے جس سے نماز کا سجدہ ہونا ظاہر ہے، جیسے واسجدی وارکعی مع الراکعین میں سب کا اتفاق ہے کہ سجدۂ نماز مراد ہے اسی طرح آیت مذکورہ پر بھی سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے، امام شافعیؒ، امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک اس آیت پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہے ان حضرات کی دلیل ایک حدیث ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ سورہ حج کو دوسری سورتوں پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدہ تلاوت ہیں، امام اعظمؒ کے نزدیک اس روایت کے ثبوت میں کلام ہے

وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ جہاد اور مجاہدہ کسی مقصد کی تحصیل میں اپنی پوری کوشش اور طاقت صرف کرنے کو کہتے ہیں اس میں کفار کے ساتھ قتال میں اپنی امکانی طاقت صرف کرنا بھی شامل ہے اور دیگر دینی امور میں محنت ومشقت برداشت کرنا اور امکانی طاقت وقوۃ صرف کرنا بھی داخل ہے، اسی طرح خواہشات نفسانی کے مقابلہ میں کوشش کرنا بھی جہاد میں شامل ہے، امام بغوی وغیرہ نے اس قول کی تائید میں ایک حدیث بھی حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام کی ایک جماعت جو جہاد کفار کے لئے گئی ہوئی تھے واپس آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قَدِمْتُمْ خَیر مقدم مِن الجھاد الاصغر الی الجھاد الأکبر قال (ای الراوی) مجاھدة العبد بھواہ رواہ البیھقی وقال ھٰذا اسناد فیہ ضعف یعنی تم لوگ خوب واپس آئے چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف یعنی اپنے نفس کی خواہشات بے جا کے مقابلہ کا جہاد اب بھی جاری ہے، اس روایت کو بیہقی نے روایت کیا ہے مگر کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فی الدین مِن حَرَجٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تمہارے اوپر کوئی نہیں تنگی رکھی، بعض حضرات نے دین میں تنگی نہ ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس دین میں ایسا کوئی گناہ نہیں کہ جو توبہ سے معاف نہ ہوسکے اور عذاب آخرت سے خلاصی کی کوئی صورت نہ نکل سکے، بخلاف پچھلی امتوں کے کہ ان میں بعض گناہ ایسے بھی تھے کہ جو توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تنگی سے مراد وہ سخت اور شدید احکام ہیں جو بنی اسرائیل پر عائد کئے گئے تھے جن کو قرآن کریم میں اِصْرٌ اور اغلال سے تعبیر کیا گیا ہے اس امت پر کوئی ایسا حکم فرض نہیں کیا گیا، بعض حضرات نے فرمایا کہ تنگی سے مراد وہ تنگی ہے کہ انسان جس کو برداشت نہ کرسکے اس دین میں کوئی حکم ایسا نہیں کہ جو فی نفسہٖ ناقابل برداشت

ہو، باقی رہی تھوڑی بہت مشقت تو وہ دنیا کے ہر کام میں ہوتی ہے۔

لیکون الرسولُ شهیدًا علیکُمْ (الآیہ) یعنی آپ محشر میں گواہی دیں گے کہ میں نے اللہ کے احکام اس امت کو پہنچادیئے تھے اور امت محمدیہ اس کا اقرار کرے گی مگر دوسرے انبیاء جب یہ کہیں گے تو ان کی امتیں مکر جائیں گی اس وقت امت محمدیہ شہادت دے گی کہ بے شک تمام انبیاء نے اپنی اپنی قوم کو اللہ کے احکام پہنچادیئے تھے، دوسری امتوں کی طرف سے ان پر یہ جرح ہوگی، کہ ہمارے زمانہ میں تو تمہارا (یعنی امت محمدیہ) کا وجود بھی نہیں تھا تو یہ ہمارے معاملہ میں گواہ کیسے بن سکتے ہیں امت محمدیہ کا ان کی جرح کا جواب یہ ہوگا کہ بے شک ہم موجود نہیں تھے مگر ہم نے یہ بات اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے جن کی صداقت میں کوئی شک وشبہ نہیں اس لئے ہم یہ گواہی دے سکتے ہیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی، یہ مضمون اس حدیث کا ہے جس کو بخاری وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے۔ (معارف)

بسم الله الرحمن الرحيم

سـورة المؤمنون

سُورَةُ المُؤمنُونَ مكِّيَّةٌ وهِي مِائَةٌ وثمانَ أو تِسْعَ عَشَرَةَ آيَةً

سورہ مومنون مکی ہے، اور ایک سواٹھارہ یا ایک سوانیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَدْ للتَّحْقِيْقِ اَفْلَحَ فَازَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ مُتَوَاضِعُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مِنَ الْكَلَامِ وَغَيْرِهٖ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ مُؤَدُّوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ عَنِ الْحَرَامِ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اى مِنْ زَوْجَاتِهِم اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ اى السَّرَارِيّ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فى اِتْيَانِهِنَّ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ اى من الزَّوْجَاتِ والسَّرَارِيّ كَالاِسْتِمْنَاءِ بِيَدِهٖ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ الْمُتَجَاوِزُوْنَ اِلٰى مَا لَايَحِلُّ لهم وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ جَمْعًا ومُفْرَدًا وَعَهْدِهِمْ فِيْمَا بَيْنَهم وبَيْنَ اللّٰهِ مِنْ صَلوٰةٍ وغَيْرِهَا رَاعُوْنَ حَافِظُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ جَمْعًا ومُفْرَدًا يُحَافِظُوْنَ يُقِيْمُوْنَهَا فِيْ اَوْقَاتِها اُولٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ لَاغَيْرُهُم الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هو جَنَّةٌ اَعْلَى الجِنَانِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ فى ذٰلِكَ اِشَارَةٌ الى المَعَاد ويُنَاسِبُهٗ ذِكْرُ المَبْدَاِ بَعْدَهٗ وَاللّٰه لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ آدَمَ مِنْ سُلَالَةٍ هِيَ مِنْ سَلَلْتُ الشَّئَ مِنَ الشَّئِ اى اِسْتَخْرَجْتُهٗ منه وهو خُلَاصَتُهٗ مِّنْ طِيْنٍ مُتَعَلِّقٌ بِسُلَالَةٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ اى الْاِنْسَانَ نَسْلَ آدَمَ نُطْفَةً مَنِيًّا فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ هُوَ الرَّحِمُ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً دَمًا جَامِدًا فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً لَحْمَةً قَدْرَ مَا يُمْضَغُ فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا وفِيْ قِرَاءَةٍ عَظْمًا فِي المَوْضِعَيْنِ وخَلَقْنَا فِى المَوَاضِعِ الثَّلٰثَةِ بمعنى صَيَّرْنَا ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ بِنَفْخِ الرُّوحِ فيه فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ اى الْمُقَدِّرِيْنَ وَمُمَيِّزُ اَحْسَنَ مَحْذُوفٌ لِلْعِلْمِ بِهٖ اى خَلْقًا ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ لِلْحِسَابِ والْجَزَاءِ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ اى سَمٰوٰتٍ جَمْعُ طَرِيْقَةٍ لِاَنَّهَا طُرُقُ المَلَائِكَةِ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ تَحْتَهَا غَافِلِيْنَ اَنْ تَسْقُطَ عليهم فَتُهْلِكَهم بل نُمْسِكُها كَآيَةِ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَاءً بِقَدَرٍ من كِفَايَتِهِمْ فَاَسْكَنَّاهُ فِي الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقَادِرُوْنَ فَيَمُوْتُوْنَ مَعَ دَوَابِّهِم عَطْشًا فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ هُمَا اَكْثَرُ

فَوَاكِهِ العَرَبِ لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاكُلُوْنَ ۝ صَيفًا وشِتاءً وانشانا شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سِيْنَآءَ جَبَلٌ بِكَسْرِ السِّيْنِ وَفَتْحِهَا وَمَنْعِ الصَّرْفِ لِلْعَلَمِيَّةِ والتَّانِيْثِ لِلْبُقْعَةِ تَنْبُتُ من الرباعِيِّ والثُّلاثِيِّ بالدُّهنِ الباءُ زَائِدَةٌ عَلى الاَوَّلِ وَمُعَدِّيَةٌ عَلى الثَّانى وهِىَ شَجَرَةُ الزَّيْتُوْنِ وَصِبْغٍ لِّلاٰكِلِيْنَ ۝ عَطَفٌ عَلى الدُّهْنِ اى اِدَامٍ يُصْبَغُ اللُقْمَةُ بِغَمْسِهَا فيه وهو الزَّيْتُ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الاَنْعَامِ الاِبِلِ والبَقَرِ والغَنَمِ لَعِبْرَةً ؕ عِظَةً تَعْتَبِرُوْنَ بِهَا نُسْقِيْكُمْ بِفَتْحِ النُّونِ وَضَمِّهَا مِّمَّا فِى بُطُوْنِهَا اى اللَبَنِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ مِنَ الاَصْوَافِ والاَوْبَارِ والاَشْعارِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَّمِنْهَا تَاكُلُوْنَ ۝ وَعَلَيْهَا اى الاِبِلِ وَعَلَى الفُلْكِ اى السُّفُنِ تُحْمَلُوْنَ ۝ ع

ترجمہ

بلاشبہ وہ مومنین کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں تواضع اختیار کرنے والے ہیں، قَدْ تحقیق کے لئے ہے اور جو لغو باتوں وغیرہ سے اعراض کرنے والے ہیں اور جو زکوۃ ادا کرنے والے ہیں اور جو حرام سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں لیکن اپنی بیوں سے یا ان عورتوں سے جن کے وہ مالک ہیں یعنی باندیوں سے کیونکہ ان کے پاس آنے میں (جماع کرنے میں) ان پر کوئی الزام نہیں ہاں جو ان کے علاوہ یعنی بیوں اور باندیوں کے علاوہ مثلاً استمنا بالید کا طالب ہو تو ایسے لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں یعنی ایسی چیز کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں جو ان کے لئے حلال نہیں ہے اور جو اپنی امانتوں کی امانات جمع اور مفرد دونوں قرأتیں ہیں آپسی (معاملات) اور اپنے اور اللہ کے درمیان عہد و پیان (مثلاً) نماز وغیرہ کی حفاظت کرنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی صلوات جمع اور مفرد دونوں قرأتیں ہیں، ان کے اوقات میں پابندی کے ساتھ قائم کرنے والے ہیں ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں نہ کہ دوسرے جو فردوس کے وارث ہوں گے وہ اعلیٰ درجہ کی جنت ہے (اور) وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اس (آیت) میں معاد (انجام) کی جانب اشارہ ہے اس کے بعد مبدا کا ذکر مناسب ہے، قسم ہے ہماری ذات کی کہ ہم نے انسان آدم کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا اور سُلالة سَلَلْتُ الشيَ من الشيِ سے ماخوذ ہے یعنی میں نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا اور وہ جوہر مٹی کا خلاصہ ہے، مِنَ الطین کا تعلق سُلالۃ سے ہے، پھر ہم نے انسان یعنی نسل آدم کو نطفہ منی سے بنایا جو کہ ایک محفوظ جگہ میں رہا وہ رحم ہے پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا (یعنی) بستہ خون بنایا، پھر ہم نے خون کے اس لوتھڑے کو چبائے جانے کے لائق (چھوٹی) گوشت کی بوٹی بنادیا پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنادیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا، اور ایک قرأت میں دونوں جگہوں پر (عظام کے بجائے) **عظمٌ ہے۔ اور خلقنا** تینوں جگہوں پر صَیَّرنا کے معنی میں ہے پھر ہم نے اس کو اس میں روح پھونک کر ایک دوسری ہی **مخلوق بنادیا سو کیسی** شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر صانع ہے اور خالقین بمعنی مقدرین (اندازہ کرنے والا) ہے اور اَحْسَنَ

کی تمیز خلقًا اس کے معلوم (متعین) ہونے کی وجہ سے محذوف ہے پھر تم اس کے بعد بالیقین مرنے والے ہو پھر تم یقیناً اس کے بعد قیامت کے دن حساب اور جزاء کے لئے اٹھائے جانے والے ہو اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے طرائق بمعنی آسمان ہے اور طرائق طریقة کی جمع ہے اس لئے کہ آسمان فرشتوں کے راستہ ہیں اور ہم آسمان کے نیچے مخلوق سے بے خبر نہ تھے کہ آسمان ان کے اوپر گر جائے پس وہ ہلاک ہو جائیں بلکہ ہم آسمانوں کو تھامے ہوئے ہیں جیسا کہ ایک آیت میں ہے یُمسِكُ السماءَ أنْ تَقَعَ عَلَى الأَرضِ اور ہم نے (مناسب) مقدار کے ساتھ بقدر کفایت آسمان (بادل) سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس (پانی) کو زمین پر ٹھہرادیا اور ہم اس (پانی) کو معدوم کردینے پر بھی قادر ہیں سو سب کے سب مع اپنے جانوروں کے پیاس سے مرجائیں پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے مذکورہ دونوں چیزیں عرب میں بکثرت پیدا ہونے والے میوے (پھل) ہیں ان میں سے تم کھاتے بھی ہو گرمی اور سردیوں میں اور ہم نے ایک درخت پیدا کیا جو سیناء پہاڑ میں پیدا ہوتا ہے سَینا سین کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے اور غیر منصرف مانا گیا ہے علمیت کی وجہ سے اور بقعہ کے معنی میں ہونے کی وجہ سے تانیث کے پائے جانے کی سبب سے جو اگتا ہے تیل لئے ہوئے تنبتُ میں رباعی اور ثلاثی دونوں درست ہیں، پہلی (یعنی رباعی کی) صورت میں با زائدہ ہے، اور دوسری (یعنی ثلاثی کی) صورت میں با تعدیہ کے لئے ہے اور وہ زیتوں کا درخت ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے اس کا عطف الدھن پر ہے یعنی سالن جو رنگ دیتا ہے لقمہ کو اس میں ڈبونے کی وجہ سے اور وہ تیل ہے اور تمہارے لئے مویشیوں میں یعنی اونٹ گائے اور بکریوں میں عبرت ہے، یعنی نصیحت ہے کہ جن سے تم عبرت حاصل کر سکتے ہو، کہ ہم تم کو ان کے جوف کی چیز میں سے یعنی دودھ پینے کے لئے دیتے ہیں نسقیکم نون کے ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے اور تمہارے لئے ان میں، اور بھی بہت سے فائدے ہیں اون سے اور اونٹوں کے بالوں سے اور گائے (وغیرہ) کے بالوں سے اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور اونٹوں پر اور کشتیوں پر (سوار ہو کر) کودے پھرتے ہو۔

تحقیق ترکیب تفسیری فوائد

قَدْ تحقیق کے لئے ہے یعنی جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو ثبات پر دلالت کرتا ہے اسی وجہ سے ماضی کو حال کے قریب کردیتا ہے اور متوقع کو ثابت کردیتا ہے مومنین چونکہ فضل خداوندی کے امیدوار تھے اس لئے ان کی بشارت کو قد سے شروع فرمایا، اور چونکہ اس بشارت کا وقوع یقینی ہے اس لئے ماضی کے صیغہ سے تعبیر فرمایا **قوله** اَفلَحَ فلاح لغت میں مقصد میں کامیابی اور مکروہات سے نجات کو کہتے ہیں (کمافی ابو سعود) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ **فلاح بقاء فی الخیر** کو کہتے ہیں **قوله للزکوة فاعِلُون** زکوٰۃ معنی مصدری یعنی زکوٰۃ ادا کرنے اور مال زکوٰۃ کو کہتے ہیں یہاں معنی مصدری مراد ہیں اس لئے کہ فاعل معنی حدثی کا ہوتا ہے نہ کہ محل فعل کا، یعنی وہ لوگ کامیاب ہوئے جو زکوٰۃ ادا کرتے

ہیں، اب رہا یہ سوال کہ اداءِ زکوۃ کے سلسلہ میں معروف تعبیر مثلاً ایتاء الزکاۃ یؤتون الزکوۃ یا اٰتوا الزکوۃ کو چھوڑ کر للزکوۃِ فاعِلُوْنَ کی تعبیر کیوں اختیار فرمائی، جواب یہ ہے کہ للزکوۃ فاعلون بھی کلام عرب میں مستعمل ہے، امیہ بن ابی صلت نے کہا المُطْعِمُون الطَّعامَ في السنةِ الأَزْمَةِ و الفاعلون للزکوۃ (روح البیان) دوسرا جواب یہ ہے کہ فواصل کی رعایت مقصود ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں عین زکوۃ بھی مراد ہوسکتی ہے مگر مضاف محذوف ماننا ہوگا ای والَّذینَ هُمْ لتادیته الزکوۃ فاعلون **قوله** والَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اس آیت سے حرمت متعہ پر استدلال کیا ہے، اَخْرَجَ ابن ابی حاتم عن القاسم بن محمد انه سُئِلَ عن المتعةِ فقرأ هٰذه الآیة قال فمَن ابتغٰی وراءَ ذٰلكَ فَهوَ عادٍ، ورویِ عن ابن ابي ملیکة سألتُ عائشةَ عن المتعةِ فقالت بیني وبینهمُ القرآن، ثم قرءَ الآیة قالت فمَن ابتغٰی وراءَ ذٰلك غیر مازوجه اللّٰه او ملکه یمینهٗ فَقَدْعَدا **قوله** ای مِن ازواجهم اس میں اشارہ ہے کہ علیٰ بمعنی مِن ہے **قوله** اَوْمَا ملکتْ ما سے مراد باندیاں ہیں مَنْ کی بجائے ما سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں اور خاص طور پر جو مملوکہ بھی ہوں لہٰذا مشابہ بالبہائم ہونے کی وجہ سے ما سے تعبیر فرمایا ہے مَا ملکت اپنے عموم کی وجہ سے اگرچہ غلام اور باندی دونوں کو شامل ہے مگر یہاں صرف باندیاں ہی مراد ہیں اس لئے کہ مالکن کا اپنے غلام سے وطی کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے غیر ملومین میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسی کو مقصد بنالینا کوئی قابل ستائش بات نہیں ہے ہاں البتہ انسانی طبعی ضرورت کو پورا کرنے کی حد تک اجازت ہے **قوله** کالاستمناء بالید امام مالکؒ اور شافعیؒ نیز ابوحنیفہؒ کے نزدیک استمناء بالید حرام ہے امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے (۱) زنا میں مبتلا ہونے کے اندیشہ کے پیش نظر (۲) مہر ادا کرنے یا باندی خریدنے کی استطاعت نہ رکھنے کی صورت میں (۳) یہ اپنے ہاتھ سے ہو نہ کہ اجنبی یا اجنبیہ کے ہاتھ سے، (حاشیہ جلالین) **قوله** سَرارِی سُرِّیَّة کی جمع ہے بمعنی باندی، یہ سِرٌّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی جماع یا اخفا کے ہیں اس لئے کہ بسا اوقات انسان باندی کے ساتھ ہمبستری اپنی آزاد بیوی سے مخفی رکھنا چاہتا ہے اسی لئے اس کو سُرِیہ کہتے ہیں یا پھر سرور سے مشتق ہے جس کے معنی خوشی کے ہیں چونکہ مالک باندی سے خوش ہوتا ہے اس لئے اس کو سرّیہ کہتے ہیں **قوله** فإنهم غیر ملومین یہ استثناء کی علامت ہے **قوله** اولئك هم الوارثون لاغیرهم لاغیرهم کا اضافہ جملہ معرفۃ الطرفین سے حصر مستفاد کو ظاہر کرنا، جملہ جب معرفۃ الطرفین ہو جیسا کہ مذکورہ جملہ ہے تو اس سے حصر مستفاد ہوتا ہے، نیز طرفین کے درمیان ضمیر هم یہ بھی حصر پر دلالت کرتی ہے، یہاں حصر سے حصر اضافی مراد ہے نہ کہ حقیقی، اس لئے کہ یہ بات ثابت ہے کہ مذکورہ اشخاص کے علاوہ مثلاً بچے اور مجانین وغیرہ بھی جنت میں داخل ہوں گے اور اگر حصر حقیقی مراد ہو تو جنت الفردوس کے اعتبار سے ہوگا یعنی جنت الفردوس میں مذکورہ اشخاص ہی داخل ہوں گے گو دیگر جنتوں میں دیگر اشخاص بھی داخل ہوں گے **قوله** وبمناسبۃ ذکر المبداء بعده اس عبارت کے

اضافہ کا مقصد اس آیت اور سابقہ آیت کے درمیان مناسبت ربط کو بیان کرنا ہے **قولہ** واللہ لَقَدْ خلقنا لفظ اللہ کو محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ واؤ قسمیہ ہے اور لقد میں لام جواب قسم پر داخل ہے **قولہ** جعلناہ ای الانسان نسل آدم ہٗ ضمیر ماقبل میں مذکور انسان کی طرف راجع ہے مگر مراد نسل آدم ہے اور انسان سے جو کہ مرجع ہے، آدم مراد ہے غرضیکہ یہاں کلام میں صنعت استخدام ہے، صنعت استخدام اس کو کہتے ہیں کہ مرجع سے ایک معنی مراد ہوں اور مرجع کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے دوسرے معنی مراد ہوں **قولہ** وانشانا شَجَرَةً انشانا محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ شجرۃ کا عطف جنّات پر ہے **قولہ** اَحْسَنُ الخالقین ای المقدرین، المقدرین کے اضافہ کا مقصد اس شبہ کو دور کرنا ہے کہ اسم تفضیل مشارکت کا تقاضہ کرتا ہے حالانکہ خدا کے سوا کوئی خالق نہیں ہے تو جواب دیا کہ خلق سے مراد تقدیر و تصویر ہے نہ کہ ایجاد و تخلیق لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں **قولہ** للعلم بہ چونکہ لفظ خالقین خلقاً پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اس قرینہ کی وجہ سے تمیز کو حذف کردیا **قولہ** فوقکُمْ سَبْعَ طرائِقَ فوق سے مراد مطلقاً علو ہے نہ کہ انسانوں کے سروں کے اوپر اس لئے کہ جس وقت آسمانوں کو پیدا کیا گیا تھا اس وقت انسان موجود نہیں تھا تو پھر فوقکم کہنا کس طرح درست ہے، معلوم ہوا فوقکُم سے مطلقاً علو مراد ہے۔

تفسیر و تشریح

قَدْ اَفْلَحَ المؤمنونَ لفظ فلاح قرآن وسنت میں بکثرت استعمال ہوا ہے اذان و اقامت میں بھی پانچوں وقت مسلمانوں کو صلاح و فلاح کی طرف دعوت دی جاتی ہے، فلاح کے معنی یہ ہیں کہ ہر مراد حاصل ہو اور ہر تکلیف دور ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ مکمل فلاح کہ ایک مراد بھی ایسی نہ رہے کہ جو پوری نہ ہو اور ایک بھی تکلیف ایسی نہ ہو کہ دور نہ ہو یہ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے انسان کے بس میں نہیں چاہے دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ ہفت اقلیم کا مالک ہی کیوں نہ ہو، یا بڑے سے بڑا رسول اور پیغمبر ہی کیوں نہ ہو اس دنیا میں یہ ممکن نہیں کہ کوئی چیز خلاف طبع پیش نہ آئے اور ہر خواہش ہر وقت پوری ہوجائے، یہ متاع گراں مایہ تو ایک دوسرے عالم یعنی آخرت ہی میں جنت میں مل سکتی ہے، البتہ اکثری حالات کے اعتبار سے فلاح دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرما سکتے ہیں، آیات مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کا وعدہ ان مؤمنین سے کیا ہے جن میں وہ سات صفات موجود ہوں جن کا ذکر ان آیات کے اندر آیا ہے۔

فلاح کے لئے مومن کامل کے سات اوصاف

سب سے پہلا وصف تو مومن ہونا ہے، ایمان کے اصل الاصول اور بنیادی اصول ہونے کی وجہ سے الگ ذکر فرمایا ہے (پہلا وصف) نماز میں خشوع و خضوع ہے، خشوع کے لغوی معنی قلب و جوارح میں سکون کا ہونا یعنی دل اللہ کی طرف

مائل اور اعضاء بدن میں سکون ہو عبث اور فضول حرکتیں نہ کرے، حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز کے وقت اپنے بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے جب بندہ دوسری طرف التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے رخ پھیر لیتے ہیں (رواہ احمد والنسائی وغیرہ) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا ہے تو آپ نے فرمایا **لو خَشِعَ قلبُ هٰذا لخشعَتْ جوارحُهٗ** (رواہ حاکم والترمذی بسند ضعیف) یعنی اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔ (مظہری)

نماز میں خشوع کا درجہ

امام غزالی وقرطبی اور بعض دوسرے حضرات کے نزدیک نماز میں خشوع فرض ہے اگر پوری نماز بغیر خشوع کے گذر جائے تو نماز ادا ہی نہ ہوگی، دیگر بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خشوع نماز کی روح ہے اس کے بغیر نماز بے جان ہوتی ہے مگر رکن کی حیثیت سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خشوع کے بغیر نماز ہی درست نہ ہوگی، اس کا اعادہ ضروری ہوگا، حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ خشوع صحت صلوٰۃ کے لئے موقوف علیہ نہیں ہے ہاں البتہ قبولیت صلوٰۃ کے لئے موقوف علیہ ہوسکتا ہے۔

دوسرا وصف: لغو سے پرہیز کرنا ہے، لغو کے معنی فضول کلام یا فضول کام کے ہیں یعنی جس میں کوئی فائدہ نہ ہو لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت اور گناہ سے اجتناب لازم ہے، اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو اور نہ مضر، اس کا ترک کم از کم اولیٰ اور موجب مدح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **من حسن اسلام المرأ ترکه مالا یعنیه** یعنی انسان کا اسلام جب اچھا ہوتا ہے جب وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔

تیسرا وصف زکوٰۃ: زکوٰۃ کے معنی لغت میں پاک کرنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں مال کا ایک مخصوص حصہ کچھ شرائط کے ساتھ صدقہ کرنا ہے، اور قرآن کریم میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے، اس آیت میں یہ معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں، اس پر یہ شبہ کہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے، اس کا جواب ابن کثیر مفسرین وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ اصولی طور پر زکوٰۃ کی فرضیت مکہ ہی میں ہو چکی تھی، سورہ مزمل جو بالاتفاق مکی ہے اس میں **اقیموا الصلوٰۃ** کے ساتھ **آتوا الزکوٰۃ** کا ذکر موجود ہے، مگر اس کے نصاب کی تفصیلات اور سرکاری طور پر اس کے وصول کرنے کا نظام ہجرت کے بعد ہوا ہے، بعض حضرات نے یہاں زکوٰۃ کے لغوی معنی مراد لئے ہیں یعنی تزکیہ نفس اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں زکوٰۃ سے اصطلاحی کے معنی مراد لئے گئے ہیں وہاں **ایتاء الزکوٰۃ، یوتون الزکوٰۃ، وآتوا الزکوٰۃ** کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے یہاں عنوان بدل کر **للزکوٰۃ فاعلون** کی تعبیر اختیار فرمائی ہے، یہ اس

بات کا قرینہ ہے کہ یہاں زکوٰۃ کے اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں اگر یہاں زکوٰۃ کے اصطلاحی معنی مراد لئے جائیں تو بغیر تاویل کے نہیں ہوسکتا لہٰذا یہاں تزکیہ نفس ہی مراد ہوگا یعنی اپنے نفس کو رذائل سے پاک صاف کرنا تو وہ بھی فرض ہی ہے کیونکہ شرک، ریاء، تکبر، حسد، بغض وغیرہ رذائل نفس کو پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے۔

چوتھا وصف: شرمگاہ کی حفاظت حرام سے، **والذین ھم لفروجھم حافظون اِلا علی ازواجھم او ما ملکتْ ایمانھم** یعنی وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی ناجائز شہوت رانی نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کے لئے بھی فلاح کی ضمانت ہے **فانھم غیر ملومین** اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت کے درجہ میں رکھنا چاہئے، مقصد زندگی نہیں بنانا چاہئے ایسا کرنے والا قابل ملامت نہیں۔

فَمَنْ ابتغٰی وَرَاءَ ذٰلکَ فاولٰئکَ ھم العٰدون یعنی منکوحہ بیوی یا شرعی باندی سے شرعی قاعدے سے قضاء شہوت کرنے کے علاوہ کوئی صورت حلال نہیں ہے اس میں زنا بھی داخل ہے اور جو عورت اس پر شرعاً حرام ہے اس سے نکاح بھی بحکم زنا ہے، اسی طرح متعہ نیز اپنی بیوی سے حالت حیض ونفاس میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا بھی اس میں داخل ہے یعنی کسی مرد یا جانور سے شہوت پوری کرنا بھی اور جمہور کے نزدیک استمناء بالید بھی (بیان القرآن، قرطبی بحوالہ معارف)

پانچواں وصف: امانت کا حق ادا کرنا **والذین ھم لأماناتھم** امانت کے لغوی معنی ہر اس چیز کو شامل ہیں جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہو اور اس پر اعتماد وبھروسہ کیا گیا ہو اس کی قسمیں چونکہ بے شمار ہیں اسی لئے مصدر ہونے کے باوجود صیغۂ جمع کے ساتھ لایا گیا ہے تاکہ امانت کی تمام قسموں کو شامل ہوجائے خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے حقوق اللہ سے متعلق تمام فرائض وواجبات کا ادا کرنا اور تمام محرمات ومکروہات سے اجتناب کرنا اور حقوق العباد سے متعلق امانات میں مالی امانت تو مشہور ومعروف ہے ہی، اس کے علاوہ کسی نے کوئی راز کی بات کسی سے کہی اور ظاہر کرنے سے منع کردیا بھی یہ امانت ہے بغیر شرعی اذن کے کسی کا راز ظاہر کرنا امانت میں خیانت ہے، اسی طرح مزدور وملازم کو جو کام سونپا گیا ہے اس کے لئے جتنا وقت صرف کرنا طے کیا گیا ہے اس کو اس کام میں لگانا بھی امانت ہے، کام کی چوری یا وقت کی چوری خیانت ہے۔

چھٹا وصف: **وعھدھم راعون** عہد پورا کرنا، ایک عہد تو وہ ہوتا ہے جو طرفین سے ہوتا ہے اس کو عرف میں معاہدہ کہتے ہیں اس کو پورا کرنا فرض اور اس کے خلاف کرنا غدر اور دھوکا ہے، دوسرا وہ جس کو وعدہ کہتے ہیں مثلاً کسی کو کچھ دینے یا کسی کام کے کرنے کا وعدہ کرلے اس کا پورا کرنا بھی شرعاً لازم ہے، حدیث شریف میں ہے **العِدۃُ دَین** یعنی وعدہ ایک قسم کا قرض ہے، جس طرح قرض کی ادائیگی واجب ہے وعدہ پورا کرنا بھی واجب ہے بلا عذر شرعی اس کا خلاف

کرنا گناہ ہے فرق دونوں میں یہ ہے کہ معاہدہ کو پورا کرانے کے لئے فریق ثانی کو بذریعہ عدالت بھی مجبور کرسکتا ہے یک طرفہ وعدہ کو پورا کرنے کے لئے بذریعہ عدالت مجبور نہیں کرسکتا، دیانۃً اس کا بھی پورا کرنا لازم ہے۔ (معارف)

ساتواں وصف: نماز کو وقت پر آداب وحقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرنا، دنیوی معاملات میں پڑ کر عبادت الٰہی سے غافل نہ ہونا، یہ ہیں مومنین مصلحین کی سات صفات، یہ بات قابل غور ہے کہ ان سات اوصاف کو شروع بھی نماز سے فرمایا اور ختم بھی نماز پر کیا گیا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز خداتعالیٰ کے نزدیک کس قدر اہم ہے اگر نماز کو پابندی اور آداب کی رعایت کے ساتھ پڑھا جائے تو باقی اوصاف اس میں خود بخود پیدا ہوجاتے ہیں۔

اولئکَ هم الوارثون اوصاف مذکورہ کے حاملین کو اس آیت میں جنت الفردوس کا وارث فرمایا گیا ہے لفظ وارث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح مورث کا مال اس کا وارث کو پہنچنا ضروری ہے اسی طرح ان اوصاف کے حاملین کا جنت میں داخل ہونا یقینی وضروری ہے۔

ولقد خلقنا الإنسٰنَ من سُلٰلَةٍ مِنْ طِيْنٍ اللہ تعالیٰ نے عبادت کی ترغیب اور عبادت پر اور جنت الفردوس کے وعدہ کے بعد مبداء کو بیان فرمایا سابقہ آیت میں معاد کا ذکر فرمایا تھا مبدأ اور معاد میں مناسبت ظاہر ہے۔

قوله ولقد، لقدْ قسم محذوف کا جواب ہے ای واللّٰہ لَقَدْ **قوله** سُلالة بمعنی خلاصہ، جوہر، **قوله** طِین گیلی مٹی، مطلب یہ ہے کہ زمین کے خاص اجزاء نکال کر اس سے انسان کو پیدا کیا گیا، انسان کی تخلیق کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی ابتدا اس مٹی کے خلاصہ سے ہوئی اس لئے ابتدائی تخلیق کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کے بعد ایک انسان کا نطفہ دوسرے انسان کی تخلیق کا سبب بنا، اگلی آیت ثم جعلناہ نطفة میں اسی کا بیان ہے۔

تخلیق انسانی کے سات مدارج

آیات مذکورہ میں تخلیق انسانی کے سات مدارج ذکر کئے گئے ہیں سب سے پہلے سُللة مِنْ طِين دوسرے دور میں **نطفة** تیسرے دور میں **علقه** چوتھے دور میں **مضغه** پانچویں دور میں **عظام** یعنی ہڈیاں چھٹے دور میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانا۔

ساتواں دور: — تخلیق کا ہے یعنی روح پھونکنے کا۔

ثم انشاناہ خلقًا آخر بنفخ الروح...... خلقاً آخر کی تفسیر حضرت ابن عباس، مجاہد، شعبی، عکرمہ، ضحاک، ابوالعالیہ وغیرہ نے نفخ روح سے فرمائی ہے، اس روح سے روح حیوانی مراد ہے، روح حیوانی جسم لطیف مادی شئ ہے جو جسم انسانی کے ہر ہر جز میں سمایا ہوا ہوتا ہے، اطبا اور فلاسفہ اسی کو روح کہتے ہیں اس کی تخلیق بھی تمام اعضاء انسانی کی

تخلیق کے بعد ہوتی ہے، اس لئے اس کو لفظ ثمّ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور روح حقیقی جس کا تعلق عالم ارواح سے ہے جس کو قرآنی اصطلاح میں "اُمرِ رب" کہا گیا ہے وہیں سے لاکر اس روح حیوانی کے ساتھ اس کا کوئی رابطہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا فرما دیتے ہیں، جس کی حقیقت کا پہچاننا انسان کے بس کی بات نہیں ہے، اس روح حقیقی کی تخلیق تو تمام انسانوں کی تخلیق سے بہت پہلے ہے، انہیں ارواح کو حق تعالیٰ نے ازل میں جمع کر کے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرمایا اور سب نے بلٰی کے لفظ سے ربوبیت کا اقرار کیا، البتہ اس کا تعلق جسم انسانی کے ساتھ تخلیق اعضاء انسانی کے بعد ہوتا ہے اس جگہ اگر نفخ روح سے یہ مراد لیا جائے کہ روح حیوانی کے ساتھ روح حقیقی کا تعلق اس وقت قائم فرمایا گیا تو یہ بھی ممکن ہے اور درحقیقت حیات انسان اسی روح حقیقی سے متعلق ہے جب یہ تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو روح حیوانی بھی اپنا کام چھوڑ دیتی ہے اسی کو موت کہا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ اَطِیْعُوْهُ وَوَحِّدُوْهُ **مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ** وهو اسْمُ مَا ومَا قَبْلَهُ الخَبْرُ ومِنْ زَائِدَة **اَفَلَا تَتَّقُوْنَ** تَخَافُوْنَ عُقُوْبَتَهٗ بعِبَادَتِكُمْ غَیْرَهٗ **فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ** لِاَتْبَاعِهِمْ **مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ** یَتَشَرَّفَ **عَلَیْكُمْ** بِاَنْ یَّكُوْنَ مَتْبُوْعًا وَاَنْتُمْ اَتْبَاعَهٗ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ** اَنْ لَا یُعْبَدَ غَیْرُهٗ **لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً** بذٰلِكَ لَابَشَرًا **مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا** الذی دَعَا اِلَیْهِ نُوحٌ مِنَ التَّوْحِیْدِ **فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ** ای الاُمَمِ الْمَاضِیَةِ **اِنْ هُوَ** ما نُوحٌ **اِلَّا رَجُلٌ بِهٖ جِنَّةٌ** حَالَةُ جُنُوْنٍ **فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ** اِنْتَظِرُوْهُ **حَتّٰی حِیْنٍ** اِلٰی زَمَنِ مَوْتِهٖ **قَالَ** نوحٌ **رَبِّ انْصُرْنِیْ** عَلَیْهِمْ **بِمَا كَذَّبُوْنِ** ای بِسَبَبِ تَكْذِیْبِهِمْ اِیَّایَ بِاَنْ تُهْلِكَهُمْ قال تعالٰی مُجِیْبًا دُعَاءَهٗ **فَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ** السَّفِیْنَةَ **بِاَعْیُنِنَا** بِمَرْاٰیٍ مِنَّا وحِفْظِنَا **وَوَحْیِنَا** اَمْرِنَا **فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا** بِاِهْلَاكِهِمْ **وَفَارَ التَّنُّوْرُ** لِلْخَبَّازِ بِالْمَاءِ وكَانَ ذٰلك عَلَامَةً لِنُوْحٍ **فَاسْلُكْ فِیْهَا** ای اُدْخُلْ فی السَّفِیْنَةِ **مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ** ذَكَرٍ واُنْثٰی ای من كُلِّ اَنْوَاعِهِمَا **اثْنَیْنِ** ذَكَرًا وَاُنْثٰی وهو مَفْعُوْلٌ وَمِنْ مُتَعَلِّقٌ باسْلُكْ وَفی القِصَّةِ اِنَّ اللّٰهَ حَشَرَ لِنُوْحٍ السِّبَاعَ وَالطَّیْرَ وغَیْرَهُمَا فَجَعَلَ یَضْرِبُ بِیَدَیْهِ فِی كُلِّ نَوْعٍ فَیَقَعُ یَدُهُ الیُمْنٰی عَلَی الذَّكَرِ والیُسْرٰی علی الاُنْثٰی فَیَحْمِلُهُمَا فِی السَّفِیْنَةِ وفِی قِرَاءَةٍ كُلٍّ بِالتَّنْوِیْنِ فَزَوْجَیْنِ مَفْعُوْلٌ وَاثْنَیْنِ تَاكِیْدٌ له **وَاَهْلَكَ** ای زَوْجَتَهٗ وَاَوْلَادَهٗ **اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ** بِالْاِهْلَاكِ وهو زَوْجَتُهٗ وَوَلَدُه كَنْعَانُ بخِلَافِ سَامٍ وحَامٍ ویَافِثَ فَحَمَلَهُمْ وزَوْجَاتِهِمْ ثَلٰثَةً وفی سُوْرَةِ هُوْدٍ **وَمَنْ اٰمَنَ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلٌ** قیل كَانُوْا سِتَّةَ رِجَالٍ وَنِسَاؤُهُمْ وقیل جَمِیْعُ مَنْ كَانَ فِی السَّفِیْنَةِ ثَمَانِیَةٌ وسَبْعُوْنَ نِصْفُهُمْ رِجَالٌ وَنِصْفُهُمْ نِسَآءٌ **وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا**

كَفَرُوْا بِتَرْكِ اِهْلاَكِهِم اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اِعْتَدَلْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ الكافِرِيْنَ واِهْلاكِهِمْ وَقُلْ عِنْدَ نُزُوْلِكَ مِنَ الْفُلْكِ رَبِّ اَنْزِلْنِىْ مُنْزَلاً بِضَمِّ الْمِيْمِ وفَتْحِ الزَّاى مَصْدَرٌ او اِسْمُ مَكَانٍ وبفتحِ الْمِيْمِ وَكَسْرِ الزَّاىِ مَكَانُ النُّزُوْلِ مُّبَارَكًا ذٰلِكَ الْاِنْزَالُ اَوِ الْمَكَانُ وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ○ مَا ذُكِرَ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ مِنْ اَمْرِ نُوْحٍ والسَّفِيْنَةِ واِهْلاكِ الكفار لَاٰيٰتٍ دَلاَلاَتٍ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تعالٰى وَّاِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ واِسْمُهَا ضَمِيْرُ الشَّانِ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ○ مُخْتَبِرِيْنَ قَوْمَ نُوحٍ بِاِرْسَالِهِ اِلَيْهِم وَوَعْظِهٖ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا قَوْمًا آخَرِيْنَ ○ هُمْ عَادٌ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ هُوْدًا اَنْ اى بِاَنِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلاَ تَتَّقُوْنَ ○ عِقَابَهٗ فَتُؤْمِنُوْنَ .

ترجمہ

قسم ہے ہماری عزت وجلال کی کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تو انہوں نے فرمایا اے میری قوم اللہ ہی کی بندگی کیا کرو یعنی اسی کی اطاعت کیا کرو اور اس کی توحید کا عقیدہ رکھو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود بنانے کے لائق نہیں (الٰہ) ما کا اسم ہے اور اس کا ماقبل (لکم) ما کی خبر ہے اور مِن زائدہ ہے، تو پھر کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ یعنی اس کے غیر کی عبادت کرنے کی صورت میں کیا تم اس کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو؟ تو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے اپنے ماتحتوں سے کہا یہ شخص بجز اس کے کہ تمہارے ہی جیسا (معمولی) انسان ہے اور کچھ نہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ تم پر فضیلت فوقیت حاصل کرے اس طریقہ پر کہ وہ تمہارا حاکم اور تم اس کے محکوم ہو جاؤ اور اگر اللہ کو یہ منظور ہوتا کہ اس کے علاوہ کسی کی بندگی نہ کی جائے تو اس حکم کو لیکر کسی فرشتہ کو بھیجتا نہ کہ انسان کو، ہم نے یہ بات یعنی توحید جس کی طرف نوح دعوت دے رہے ہیں اپنے پہلے بڑوں یعنی گذشتہ امتوں سے نہیں سنی، پس یہ نوح ایک شخص ہے کہ جس کو جنون ہو گیا ہے یعنی جنوں کی کیفیت لاحق ہو گئی ہے، تو ایک خاص وقت یعنی موت تک اس کا انتظار کرلو، نوح علیہ السلام نے عرض کیا (دعا کی) اے میرے پروردگار آپ ان کے مقابلہ میں ان کو ہلاک کر کے میری نصرت فرمائیے، اس وجہ سے کہ انہوں نے میری تکذیب کی، حق تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے فرمایا پس ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم بھیجا کہ تم ہماری نگرانی اور حفاظت میں اور ہمارے حکم سے کشتی بناؤ پھر جس وقت ان کی ہلاکت کے لئے ہمارا حکم آجائے اور نان پز کے تنور سے پانی ابلنے لگے اور یہ نوح علیہ السلام کے لئے کشتی پر سوار ہونے کے لئے علامت تھی، تو اس کشتی میں ہر قسم میں سے نر و مادہ کا ایک جوڑا یعنی ہر نوع میں سے دو دو مذکر اور مؤنث رکھ لینا، اور اثنین (**فَاسْلُكْ**) کا مفعول بہ ہے، اور **مِن كُلٍّ**، **اُسْلُكْ** سے متعلق ہے، اور واقعہ میں اس طرح مذکور ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے لئے درندوں اور پرندوں وغیرہما کو جمع فرمادیا، تو حضرت نوح علیہ السلام ہر نوع میں اپنے دونوں ہاتھ ڈالتے تھے تو آپ کا داہنا ہاتھ نر پر اور بایاں ہاتھ مادہ پر پڑتا تھا تو آپ ان کو کشتی میں سوار کردیتے تھے، ایک قرآت میں کُلٍّ تنوین کے ساتھ ہے اس صورت میں زوجین مفعول ہوگا اور اثنین اس کی تاکید ہوگی اور اپنے اہل کو یعنی اپنی (مومنہ) بیوی اور اولاد کو سوار کرلو بجز اس کے کہ جس پر ان میں سے ہلاکت کا حکم نافذ ہو چکا ہے، اور وہ نوح علیہ السلام کی (کافرہ) بیوی اور ان کا (کافر) لڑکا کنعان ہے، بخلاف سام، حام، اور یافث کے چنانچہ ان کو اور ان کی تینوں بیویوں کو سوار کرلیا، اور سورہ ہود میں ہے وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهٗ اِلَّا قَلِيْلٌ اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ان کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے، کہا گیا ہے چھ مرد اور ان کی بیویاں تھیں اور (یہ بھی) کہا گیا ہے کہ ان تمام کی تعداد جو کشتی میں تھے اٹھتر (۷۸) تھے ان میں سے آدھے مرد اور آدھی عورتیں تھیں، اور تم مجھ سے کافروں کی ترک ہلاکت (یعنی نجات) کے بارے میں کچھ گفتگو نہ کرنا وہ یقیناً غرق کئے جائیں گے پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر باطمینان سوار ہو جاؤ تو یوں کہنا کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم کو ظالم یعنی کافر قوم سے نجات دی اور ان کو ہلاک کرکے ہم کو نجات دی (ای فلم نُهْلَكْ مَعَهُمْ) اور کشتی سے اترتے وقت یوں دعاء کرنا رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا میم کے ضمہ اور زاء کے فتحہ کے ساتھ منزلاً مصدر ہے یا اسم مکان ہے اور میم کے فتحہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ (مَنْزِلًا) بمعنی اترنے کی جگہ...... اے میرے پروردگار! آپ مجھے اتاریئے بابرکت اتارنا، برکت کی جگہ اتارنا، دوسری قرأت میں بھی یہی دونوں ترجمے ہوں گے، پہلی قرأت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی رَبِّ اَنْزِلْنِیْ اِنْزَالًا مبارَکًا دوسری قرأت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی رَبِّ انزلنِی نزلاً مُبارَکًا یا (نزولاً مُبارَکًا) صرف فرق یہ ہوگا کہ دوسری قرأت میں اَنْزِلنی (افعال) سے ہے اور (مصدر) نزلاً یا نزولاً ثلاثی مجرد سے جیسا کہ اَنْبَتَ اللّٰه نباتًا میں ہے مگر مفسر علام کی عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں مصدر اور اسم مکان دونوں کا احتمال ہے اور دوسری صورت میں صرف مصدر کا احتمال ہے حالانکہ دونوں قرأتوں میں دونوں احتمال ہیں، مُبَارَکًا اسم واحد مذکر غائب، بڑا برکت والا، ذٰلِكَ الاِنْزَال اَوِ المکان مفسر علام نے ذٰلک کے ذریعہ مُبارَکًا کے اندر ضمیر مستتر کا مرجع ظاہر فرمایا ہے اور منزلاً میں چونکہ دو احتمال ہیں اس لئے الانزال او المکان کہہ کر دونوں احتمالوں کی طرف اشارہ کردیا، اور آپ مذکورہ دونوں صورتوں میں (یعنی خواہ معنی مصدری کی صورت میں ہو یا اسم مکان کے معنی میں) بہترین نازل کرنے والے ہیں (ضیافت کرنے والے ہیں (بلاشبہ اس امر مذکور میں جو کہ نوح اور کشتی اور کافروں کو ہلاک کرنے کا معاملہ ہے خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں وَاِنْ یہ مخففہ من المثقلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان محذوف اور لام، نافیہ اور مخففہ کے درمیان فارقہ ہے اور ہم قوم نوح کو، نوح علیہ السلام کو ان کی طرف بھیج کر اور اس کی نصیحت کے ذریعہ آزمانے والے ہیں پھر ہم نے (قوم نوح) کے بعد ایک دوسری قوم کو وہ عاد ہے پیدا کیا پھر ہم نے ان میں ایک رسول بھیجا جو ان ہی میں سے تھے

یعنی ہود علیہ السلام (اس پیغمبر نے کہا) کہ تم اللہ ہی کی بندگی کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ کہ ایمان لے آؤ۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نوحًا (الآیہ) اللہ تعالیٰ یہاں سے پانچ قصوں کا بیان شروع فرمارہے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ اختصاراً اوپر گذر چکا ہے اس میں کل چھ قصے ہیں ان قصوں کے بیان کرنے کا مقصد امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ امتوں کے واقعات کی خبر دینا ہے تاکہ پسندیدہ خصائل میں ان کی اقتداء کریں اور خصائل مذمومہ سے اجتناب کریں نیز ان قصوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی ہے کہ جو حالات آپ کے ساتھ آپ کی قوم کی طرف سے پیش آرہے ہیں ویسے حالات سابقہ نبیوں کے ساتھ بھی ان کی امتوں کی جانب سے پیش آچکے ہیں، آپ کو ان حالات وواقعات سے رنجیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں ہے وہ پانچ قصے جن کو یہاں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہیں (۱) قصہ نوح (۲) قصہ ہود (۳) قصہ قرون الآخرین (۴) قصہ موسیٰ وہارون (۵) قصہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کا، نوح یہ لقب ہے آپ کا نام عبدالغفار یا عبداللہ ہے اور بعض حضرات نے یشکر بھی بتایا ہے، آپ ایک ہزار پچاس سال بقید حیات رہے، چالیس سال کی عمر میں آپ کو منصب نبوت سے سرفراز کیا گیا اور ساڑھے نو سو سال آپ نے دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیئے اور طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال بقید حیات رہے اس حساب سے ایک ہزار پچاس سال ہوتے ہیں، **قولہ مَالکم من الٰہٍ غیرہ** یہ جملہ ماقبل کے لئے بمنزلہ علت ہے **قولہ ھو اسم ما** مفسر علام یہاں سے **مالکم من الٰہٍ غیرہ** کی ترکیب فرما رہے ہیں اِلٰہٍ ما کا اسم مؤخر ہے اور **لکم کائنًا** کے متعلق ہو کر ما کی خبر ہے، غَیْرُہٗ پر رفع بھی درست ہے اس وقت اِلٰہٍ کے محل کے تابع ہوگا، اور جر بھی جائز ہے اس وقت **الٰہٍ** کے لفظ کے تابع ہوگا مفسر کے قول ماقبلہ سے **لکم** جار مجرور مراد ہے مگر جمہور کے نزدیک یہ ترکیب ضعیف ہے **ما** چونکہ عامل ضعیف ہے اس لئے کہ اس کے اسم وخبر کی ترتیب بدلنے کی صورت میں ما عمل نہیں کرتا، لہٰذا مناسب یہ تھا کہ **الٰہٌ** کو مبتداء مؤخر اور **لکم** کو خبر مقدم قرار دیا جائے، **قولہ اَنْ لا یُعْبَدَ غیرہ** اس عبارت کو محذوف ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ **مشیئۃ** کا مفعول محذوف ہے، **قولہ بذٰلِكَ لَاَبَشَرًا بذٰلك** کا تعلق **اَنْزَلَ** کے ساتھ ہے، اور **ذٰلِكَ** کا مشارٌ الیہ (**ان لا یعبد غیرہ**) یعنی غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے کا حکم ہے، **قولہ أن اصنع الفلك** میں **أن** تفسیریہ ہے اس لئے کہ اس کے ماقبل **اوحینا** ہے جو قول کے معنی پر مشتمل ہے **قولہ باعیننا** یہ **اصنع** کی خبر سے حال ہے اور **اَعْیُنٌ** کو جمع لانا مبالغہ کے طور پر ہے **قولہ بمرأى منا وحفظنا** کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آیت میں مجاز مرسل ہے، اس لئے کہ نظروں سے دیکھنے کے لئے حفاظت لازم ہے لہٰذا ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے، **قولہ وفار**

التنور یہ جاءَ اَمْرُنا کا عطف بیان ہے، اور تنور میں سے پانی کا ابلنا عذاب کے لئے علامت کے طور پر تھا، اس لئے کہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت نوح کو علامت کے طور پر بتا دیا گیا کہ جب تنور سے پانی ابلنے لگے تو سمجھ لینا کہ اب عذاب کا وقت قریب آ گیا ہے، **قولہ** زوجتہٗ زوجہ اور اولاد سے زوجہ مومنہ اور اولادِ مومن مراد ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں ایک مومنہ جس کو کشتی میں ساتھ لے لیا تھا اور کافرہ اپنے کافر بیٹے کنعان کے ساتھ کشتی میں سوار نہیں ہوئی، حضرت نوح علیہ السلام کی کافرہ بیوی کا نام واغلہ تھا، آپ کے چار صاحبزادے تھے ایک کافر تھا جس کا نام کنعان وہ کشتی میں سوار نہیں ہوا، باقی تین صاحبزادے جو مومن تھے ان کے نام سام، حام، یافث تھے، سام ابوالعرب ہیں، اور حام ابوالسودان ہیں، اور یافث ابوالترک ہیں، **قولہ** فقل الحمد للّٰہ یہ اِذا کا جواب ہے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فقل کے بجائے فقولوا فرماتے تاکہ اترتے وقت سب لوگ دعا میں شریک ہو جاتے، مگر چونکہ آپ کی دعا سب کی دعا کے قائم مقام تھی اس لئے صرف آپ کو حکم کیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

وَفَارَ التنورُ تنور مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے، جس میں روٹی پکائی جاتی ہے اس کو بھی تنور کہا جاتا ہے اور تنور پوری زمین کے لئے بھی بولا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے ایک خاص تنور مراد لیا ہے جو کہ کوفہ کی مسجد میں اور بعض کے نزدیک شام میں کسی جگہ تھا، یہاں تنور سے کیا مراد ہے اس میں اختلاف ہے، عکرمہ اور زہری کا بیان ہے کہ سطح زمین مراد ہے، حسن بصری، مجاہد اور شعبی کہتے ہیں تنور سے وہی تنور مراد ہے جس میں روٹی پکائی جاتی ہیں، اکثر مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ایسی ہی حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت منقول ہے اور یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ لفظ جب حقیقت اور مجاز میں دائر ہو تو حقیقت ہی پر حمل کرنا اولی ہوتا ہے، حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے طوفان اور کشتی کا واقعہ پچھلی سورتوں میں تفصیل سے گذر چکا ہے، نیز اس کے ضروری اجزاء تحقیق وترکیب کے زیر عنوان تحریر کر دیئے گئے ہیں، دیکھ لیا جائے۔

ثُمَّ اَنْشَأنَا مِنْ بَعْدِهِم قَرْنًا آخرینَ اس سے پہلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بسلسلہ ہدایت وتسلی ذکر کیا گیا تھا، آگے دوسرے پیغمبروں اور ان کی امتوں کا کچھ حال اجمالاً بغیر نام کی تعیین کے ذکر کیا گیا ہے کہ آثار وعلامات سے حضرات مفسرین نے عاد یا ثمود یا دونوں قومیں مراد لی ہیں، عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کی اور ثمود کی جانب حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت ہوئی تھی۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْآخِرَةِ ای بالمصیر الیہا **وَاَتْرَفْنٰهُمْ** انعمناهم **فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَاللّٰهِ لَئِنْ**

اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ فِيهِ قَسَمٌ وَشَرْطٌ وَالجَوَابُ لِاَوَّلِهِمَا وَهُوَ مُغْنٍ عَنْ جَوَابِ الثَّانِي اِنَّكُمْ اِذًا اى ان اَطَعْتُمُوْهُ لَّخٰسِرُوْنَ۝ اى مَغْبُوْنُوْنَ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ۝ هُوَ خَبَرُ اَنَّكُمُ الْاُوْلٰى وَاَنَّكُمُ الثَّانِيَةُ تَاكِيْدٌ لَهَا لِمَا طَالَ الفَصْلُ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ اِسْمُ فِعْلٍ مَاضٍ بِمَعْنٰى مَصْدَرٍ اى بَعُدَ بُعْدًا لِمَا تُوْعَدُوْنَ۝ مِنَ الاِخْرَاجِ مِنَ القُبُوْرِ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ لِلْبَيَانِ اِنْ هِيَ اى مَا الحيٰوةُ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا بحيٰوةِ اَبْنَائِنَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ۝ اِنْ هُوَ اى مَا الرَّسُوْلُ اِلَّا رَجُلُ ِافْتَرىٰ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِيْنَ۝ اى مُصَدِّقِيْنَ فِي البَعْثِ بَعْدَ المَوْتِ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ مِنَ الزَّمَانِ وما زَائِدَةٌ لَّيُصْبِحُنَّ يَصِيْرُوْنَ نٰدِمِيْنَ۝ عَلٰى كُفْرِهِمْ وَتَكْذِيْبِهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ صَيْحَةُ العَذَابِ وَالهَلَاكِ كَائِنَةً بِالحَقِّ فَمَاتُوْا فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ وَهُوَ نَبْتٌ يَبِسَ اى صَيَّرْنَا هُمْ مِثْلَهُ فِي اليُبْسِ فَبُعْدًا مِنَ الرَّحْمَةِ لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝ المُكَذِّبِيْنَ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ ۢ بعدِهِمْ قُرُوْنًا اى اَقْوَامًا آخَرِيْنَ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا بِاَنْ تَمُوْتَ قَبْلَهُ وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ۝ عَنْهُ ذُكِرَ الضَّمِيْرُ بَعْدَ تَانِيْثِهِ رِعَايَةً لِلْمَعْنٰى ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا ۚ بِالتَّنْوِيْنِ وَعَدَمِهِ اى مُتَتَابِعِيْنَ بَيْنَ كُلِّ اثْنَيْنِ زَمَانٌ طَوِيْلٌ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً بِتَحْقِيْقِ الهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بَيْنَهَا وبَيْنَ الوَاوِ رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا فِي الهَلَاكِ وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ۝ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ حُجَّةٍ بَيِّنَةٍ وهِيَ اليَدُ والعَصَا وغَيْرُهما مِنَ الاٰيَاتِ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهِ فَاسْتَكْبَرُوْا عَنِ الاِيْمَانِ بِهَا وبِاللّٰهِ وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ۝ قَاهِرِيْنَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ بِالظُّلْمِ فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۝ مُطِيْعُوْنَ خَاضِعُوْنَ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ لَعَلَّهُمْ اى قَوْمَهُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ يَهْتَدُوْنَ۝ به من الضَّلَالَةِ واُوْتِيَهَا بَعْدَ هَلَاكِ فِرْعَوْنَ وقومِهِ جُمْلَةً وَاحِدَةً وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ عيسٰى وَاُمَّهُ اٰيَةً لَمْ يَقُلْ آيَتَيْنِ لِاَنَّ الاٰيَةَ فِيهِمَا وَاحِدَةٌ وِلَادَتُه مِنْ غَيْرِ فَحْلٍ وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ وهُوَ بَيْتُ المُقَدَّسِ اَوْ دِمَشْقُ او فِلَسْطِيْنُ اَقْوَالٌ ذَاتِ قَرَارٍ اى مُسْتَوِيَةٍ لِيَسْتَقِرَّ عليها سَاكِنُوْهَا وَّمَعِيْنٍ ۚ اى ماءٍ جَارٍ ظَاهِرٍ تَرَاهُ العُيُوْنُ ع

ترجمہ

اوران کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اورآخرت کی ملاقات کو جھٹلایا تھا یعنی اس کی طرف رجوع کرنے کو اور ہم نے ان کو دنیوی زندگانی میں خوشحالی عطا کی تھی یعنی انعامات سے نوازا تھا کہنے لگے بس یہ تو تمہاری طرح

ایک آدمی ہے وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو واللہ اگر تم اپنے جیسے ایک آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بے شک تم سخت خسارے والے ہو، یعنی نقصان اٹھانے والے ہو کیا یہ شخص تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم نکالے جاؤ گے مخرجون أنکم اولیٰ کی خبر ہے اور ثانی أنکم پہلے أنکم کی تاکید ہے اِنَّ کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان طویل فصل ہونے کی وجہ سے بہت ہی بعید ہے بہت ہی بعید ہے وہ بات جو تم سے کہی جاتی ہے (یعنی) قبروں سے نکالنے کی اور لام زائدہ ہے بیان کے لئے ہماری زندگی تو صرف دنیوی زندگی ہے، ہم مرتے جیتے رہتے ہیں اپنے بیٹوں کے جینے سے اور ہم دوبارہ زندہ کئے جانے والے نہیں ہیں یہ شخص رسول نہیں ہے یہ تو ایسا شخص ہے جو اللہ پر بہتان باندھتا ہے ہم تو ہرگز اس پر ایمان نہ لائیں گے یعنی مرنے کے بعد وہ زندہ کرنے کے بارے میں تصدیق کرنے والے نہیں ہیں، نبی نے دعاء کی اے میرے پروردگار تو ان سے میرا بدلہ لے لے اس وجہ سے کہ انہوں نے میری تکذیب کی ارشاد ہوا یہ لوگ عنقریب اپنی تکذیب وکفر پر پشیماں ہوں گے عمّا قلیل میں ما زائدہ ہے بالآخر عدل کے تقاضہ کے مطابق چیخ نے پکڑ لیا چیخ کے عذاب اور ہلاکت نے حال یہ کیا کہ وہ عدل کے تقاضہ کے مطابق تھا چنانچہ سب کے سب مر گئے پھر ہم نے ان کو خس وخاشاک کر دیا غُثاءً سوکھی گھاس کو کہتے ہیں، یعنی ہم نے ان کو خس وخاشاک کی مانند کر دیا خشک ہونے میں سو رحمت سے دوری ہو ظالم یعنی تکذیب کرنے والی قوموں کے لئے پھر ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کیا اور کوئی امت اپنے وقت مقررہ سے نہ تو آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے بایں طور کہ اپنے وقت مقررہ سے پہلے مرجائے یا اس سے مؤخر ہو جائے (یستاخرون) میں ضمیر کو معنی کی رعایت کی وجہ سے مذکر لائے ہیں، مؤنث لانے کے بعد پھر ہم نے یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجے تَتْرًا تنوین اور بغیر تنوین دونوں ہیں یعنی ایک کے بعد دوسرا ہر دو کے درمیان طویل زمانہ تھا جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا انہوں نے اس رسول کی تکذیب کی تو ہم نے ہلاکت میں ایک کو ایک کے پیچھے لگا دیا اور ہم نے ان کو داستان بنا دیا خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو احکام اور کھلی دلیل دے کر کھلی دلیلیں وہ ید بیضاء اور عصائے موسیٰ اور دیگر نشانیاں ہیں فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے ان آیات اور اللہ پر ایمان لانے کے بارے میں تکبر کیا اور وہ بنی اسرائیل پر ظلم کے ذریعہ غلبہ حاصل کرنے والے لوگ تھے چنانچہ وہ کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی قوم ہمارے زیر حکم زیر فرمان اور سرنگوں ہیں چنانچہ وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے آخر کار ہلاک کر دیئے گئے اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا فرمائی تاکہ وہ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل اس کے ذریعہ گمراہی کے راستہ سے ہدایت کے راستہ کی طرف آئیں اور توریت فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد یکبارگی عطا کی گئی اور ہم نے ابن مریم عیسیٰ کو اور ان کی والدہ کو نشانی بنا دیا آیتیں نہیں کہا، اس لئے کہ دونوں میں نشانی ایک ہی ہے اور وہ بغیر مرد کے ان کی پیدائش ہے اور ہم نے ان

دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لیجا کر پناہ دی جو رہنے کے قابل تھی رَبْوَۃ اونچی جگہ کو کہتے ہیں اور وہ بیت المقدس یا دمشق یا فلسطین ہے یہ (تین) قول ہیں، ذات قرار کا مطلب ہے ہموار تا کہ اس پر اس کے باشندے رہ سکیں، اور چشمہ والی یعنی ظاہری سطح پر جاری پانی والی ہیں، جس کو آنکھیں دیکھ سکیں۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

اَلْمَلَأُ اسم جمع ہے، الأَمْلَاءُ جمع ہے سرداروں کی جماعت، قوم شرفاء کی جماعت **قوله** وَاللّٰہِ لَئِنْ اَطَعْتُمْ یہاں قسم اور شرط کا اجتماع ہے جہاں یہ دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو اول کا جواب لایا جاتا ہے اور ثانی کے جواب کو اول کے جواب پر قیاس کر کے حذف کر دیتے ہیں اِنَّکم اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ جواب قسم ہے نہ کہ جواب شرط جواب شرط نہ ہونے کا قرینہ یہ بھی ہے کہ یہاں انکم اذًا لّخسرون جملہ اسمیہ ہے اگر یہ جواب شرط ہوتا تو اس پر فا کا داخل ہونا ضروری تھا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ جواب قسم ہے جواب شرط نہیں ہے **قوله** اِنَّکُمْ اِذًا ای اِنْ اَطَعْتُمُوْہُ لَخٰسِرُوْنَ ، کُمْ اِنَّ کا اسم ہے اور خاسرون اس کی خبر ہے لام ابتدائیہ ہے اور اِذًا اِنَّ کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان مضمونِ شرط کی تاکید کے لئے ہے، اور اِذًا کی تنوین جملہ شرطیہ محذوف کے عوض میں ہے جیسا یومئذٍ میں، مفسر علام نے اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ای اِنْ اَطَعْتُمُوْہ کا اضافہ کیا ہے اس وقت اس کو جواب کی ضرورت نہ ہوتی اس لئے کہ یہ ماقبل کی تاکید لفظی کے لئے ذکر کیا گیا ہے اور اعادۃ الشئ بمرادفہ کے قبیل سے ہے (جمل) **قوله** اَیَعِدُکُمْ یہ جملہ مستانفہ ماقبل کے مضمون کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے **قوله** مخرجون اَنَّ اولیٰ کی خبر ہے اِذا متم مخرجون کا ظرف ہے اور أنکم کا عمل نہیں ہے اس لئے کہ وہ پہلے أنکم کی تاکید لفظی ہے **قوله** هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ اسم فعل بمعنی ماضی، یہ کلمہ اکثر مکرر استعمال ہوتا ہے ثانی اول کی تاکید ہے چونکہ اس میں اختلاف ہے کہ هیهاتَ اسم فعل بمعنی ماضی ہے یا بمعنی مصدر ہے اسی اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مفسر علام نے بُعْدًا پر دونوں اعراب لگائے ہیں۔

سوال: هَيْهَاتَ کو اسم فعل کیوں کہتے ہیں؟ یہ تو اجتماع بین الضدین معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جو اسم ہوگا وہ فعل نہیں ہوسکتا، اور جو فعل ہوگا وہ اسم نہیں ہوسکتا۔

جواب: چونکہ یہ لفظ کے اعتبار سے اسم ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی گردان نہیں آتی، اس وجہ سے اس کو اسم کہتے ہیں اور اپنے معنی ومدلول کے اعتبار سے یہ فعل ہے اس لئے اس کو فعل کہتے ہیں، دونوں حیثیتوں کی رعایت کرتے ہوئے اس کا نام اسم فعل رکھ دیا گیا ہے، اور چونکہ هَيْهَاتَ بمعنی مصدر بھی استعمال ہوتا ہے اس لئے مفسر علام نے اسمُ فعل ماضٍ کہہ کر پہلے معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور بمعنی مصدرٍ کہہ کر دوسرے معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور انہی دونوں معنی وضاحت کے لئے بعداً پر دونوں اعراب لگائے ہیں، فعل ماضی کا اعراب بھی لگایا ہے اور مصدر کا بھی۔

خلاصہ کلام

هَيْهَاتَ اسم فعل ہے بَعُدَ فعل ماضی کے معنی میں اس کے فاعل میں دو صورتیں ہیں اول یہ کہ اس کا فاعل اس میں مضمر ہو اور تقدیر عبارت یہ ہو بَعُدَ التصديق او الصحة او الوقوع لما توعدون نحو ذلك اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا فاعل ما ہو اور لام زائدہ ہو بیان استبعاد کے لئے۔

گویا کہ کہا گیا یہ استبعاد کس چیز کا ہے؟ جواب دیا لما توعدون جس کا تم سے وعدہ کیا گیا یعنی بعث بعد الموت اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ هَيْهَاتَ ، البُعْد بمعنی مصدر مبتدا اور لما توعدون اس کی خبر، مگر بعض حضرات نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، پہلی صورت میں هَيْهَاتَ کا کوئی محل اعراب نہیں ہوگا، **قوله** مِنَ الاخراج منَ القبور ما توعدونَ میں ما کا بیان ہے **قوله** بِحَيَاتِ اَبْنَائِنَا یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ مشرکین کا نَمُوْتُ وَنَحْيَا کہنا یہ تو بعث بعد الموت کا اقرار ہے حالانکہ وہ تو بعث بعد الموت کے منکر ہیں، مفسر علام نے بحيات ابنائنا کہہ کر جواب دیدیا کہ مشرکین کے قول نموت و نحیا کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم مرجاتے ہیں تو ہماری اولاد زندہ رہتی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ بعث بعد الموت کا نہیں ہے، بعض حضرات نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے ای نَحْيَا ونموتُ **قوله** عَمَّا قليل بعض حضرات نے کہا ہے ما زائدہ ہے ای عن قليل من الزمان اور بعض حضرات نے کہا ہے ما بمعنی شیٔ یا بمعنی زمان ہے ای عن شیٍٔ قلیل اَوْ عن زمانٍ قلیل ، عمّا قلیل میں جار مجرور کس سے متعلق ہے؟ اس میں تین قول ہیں (اول) لَيُصْبِحُنَّ کے متعلق ہے (دوسرا) نادمین کے متعلق ہے (تیسرا) محذوف سے متعلق ہے ای عما قلیل ننصرهٗ ماقبل یعنی انصرنی کی دلالت کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے، **قوله** صَيْحَة العذاب میں اضافت بیانیہ ہے ای صيحة العذاب والهلاك صیحہ سے مراد عذاب ہے نہ کہ حضرت جبرئیل کی چنگھاڑ، اس لئے کہ قوم عاد حضرت جبرائیل علیہ السلام کی چنگھاڑ سے ہلاک نہیں ہوئی تھی **قوله** كائنةً مفسر علام نے كائنة محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ بالحق كائنةً کے متعلق ہوکر صيحة سے حال ہے **قوله** فبعدًا اس کے فعل کو حذف کرکے مصدر کو اس کے قائم مقام کردیا گیا ہے اس کے فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے ای فبعِدُوْا بُعْدًا یہ کلمہ مشرکین کے لئے بددعاء کے قائم مقام ہے **قوله** ذُكِرَ الضميرُ الخ یعنی يستاخرون میں ضمیر کو مذکر لایا گیا ہے حالانکہ اَجَلَها کے اندر ضمیر مؤنث لائے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ها ضمیر اُمّةٍ کی طرف راجع ہے اور امت سے قوم مراد ہے جو کہ مذکر ہے اسی وجہ سے يستاخرون میں ضمیر کو مذکر لائے ہیں **قوله** تَتْرًا مصدر محذوف سے حال یا صفت ہے، ای ارسالاً تترًا ، تَتْرًا اصل میں وَتْرًا تھا، واؤ کو تا سے بدل دیا وتر متابعت مع المهلت کو کہتے ہیں، **قوله** احادیث یہ احدوثة کی جمع ہے مایتحدّثه الناس یعنی وہ قصے کہانیاں جن کو لوگ وقت

گذاری اور تفریح طبع کے لئے کہتے سنتے ہیں، **قولہ من امته** مَن فاعل پر زائدہ ہے اُمّةٍ تسبق کا فاعل ہے **قولہ بتحقیق الهمزتین** (اول صورت) دونوں ہمزوں کو محقق پڑھیں (دوسری صورت) پہلے ہمزہ کو محقق اور دوسرے کو مسھّل پڑھیں، یعنی ہمزہ اور واؤ کے درمیان پڑھیں، **قولہ جملةً واحدةً اس کا تعلق** اوتیھا سے بھی ہوسکتا ہے اس وقت مطلب یہ ہوگا فرعون کے ہلاک ہونے کے بعد توریت جملۃً واحدۃً (یکبارگی) دیدی گئی اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہلاکت فرعون اور اس کی قوم سے متعلق ہو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ فرعون اور اس کی قوم کو بالکلیہ ہلاک کرنے کے بعد توریت عطا کی گئی۔

تفسیر وتشریح

اس سے پہلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بسلسلہ ہدایت ذکر کیا گیا تھا، آگے دوسرے پیغمبروں اور ان کی امتوں کا کچھ حال اجمالاً نام متعین کئے بغیر ذکر کیا گیا ہے، آثار وعلامات سے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ مراد ان امتوں سے عاد یا ثمود یا دونوں ہیں، عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا اور ثمود کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام تھے، اس قصہ میں ان قوموں کا ہلاک ہونا ایک صیحہ یعنی غیبی سخت آواز کے ذریعہ بیان فرمایا ہے اور صیحہ کے ذریعہ ہلاک ہونا دوسری آیت میں قوم ثمود کا بیان ہوا ہے اس سے بعض حضرات نے فرمایا کہ ان آیات میں **قرناً آخرین** سے ثمود مراد ہیں مگر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صیحہ کا لفظ اس جگہ مطلق عذاب کے معنی میں ہو جیسا کہ تحقیق وترکیب کے زیر عنوان اشارہ کیا گیا ہے، اس طریقہ سے اس کا تعلق عاد کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنيا (الآیہ) مشرکین کا اعتقاد تھا کہ دنیاوی زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں ہے، بس دنیا کی زندگی اور اس کا عیش وآرام ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، دوبارہ ان کو زندہ ہونا نہیں ہے، ہر قوم جس نے پیغمبروں کی تکذیب کی ٹھیک اپنے وعدہ پر ہلاک کردی گئی جس قوم کی جو میعاد تھی اس سے آگے یا پیچھے نہیں ہوئی۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا پھر ہم یکے بعد دیگرے رسول بھیجتے رہے اور مکذبین کو بھی ایک کے پیچھے ایک کو چلتا کرتے رہے، چنانچہ بہت سی قومیں اس طرح تباہ وبرباد کردی گئیں، جن کے قصے کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی آج ان کی داستانیں محض عبرت کے لئے پڑھی اور سنی جاتی ہیں **فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ** (الآیہ) مطلب یہ کہ موسیٰ وہٰرون کی قوم تو غلام اور خدمت گار ہیں تو ہم انہیں میں کے دو افراد کو اپنا سردار کس طرح بنالیں، فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے ان کو تورات عطا کی تاکہ لوگ اس پر چل کر جنت اور رضاء الٰہی کی منزل تک پہنچ سکیں **وَ آوَيْنٰهُمَا اِلٰی رَبْوَةٍ** ربوۃ اونچی جگہ کو کہتے ہیں مفسر علام نے اس میں تین احتمال ذکر کئے ہیں بیت المقدس، دمشق، فلسطین، ممکن ہے کہ یہ وہی ٹیلہ ہو کہ جہاں وضع حمل کے وقت حضرت مریم تشریف رکھتی تھیں چنانچہ سورہ مریم میں **فناداها من تحتها**

(الآیہ) دلالت کرتی ہے کہ وہ بلند جگہ تھی، نیچے چشمہ یا نہر بہہ رہی تھی، لیکن عموماً مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا واقعہ ہے ہیرودس نامی ایک ظالم بادشاہ کو نجومیوں کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ کو سرداری ملے گی جس کی وجہ سے بچپن ہی میں ان کا دشمن ہوگیا تھا اور قتل کے درپے تھا، حضرت مریم الہام ربانی سے ان کو لیکر مصر چلی گئیں اور اس ظالم بادشاہ کے مرنے کے بعد پھر شام واپس آ گئیں چنانچہ انجیل متی میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار دریائے نیل کے ہے ورنہ غرق ہوجاتا، اور ماء معین دریائے نیل ہے، بعض نے ربوہ سے مراد شام یا فلسطین لیا ہے، بہر حال اہل اسلام میں سے کسی نے ربوہ سے کشمیر مراد نہیں لیا، اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کشمیر میں بتائی، البتہ ہمارے زمانے کے بعض زائغین نے ربوہ سے کشمیر مراد لیا ہے، اور وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتائی ہے، جس کا تاریخی حیثیت سے کوئی ثبوت نہیں ہے، محلہ خان یار سری نگر میں جو قبر ''یوزاسف'' کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بابت تاریخ اعظمی کے مصنف نے محض عام افواہ نقل کی ہے کہ لوگ اس کو کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں وہ کوئی شہزادہ تھا جو دوسرے ملک سے یہاں آیا تھا، اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتانا انتہاء درجہ کی حماقت اور سفاہت ہے، ایسی انکل پچو اور بے سروپا باتوں سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو باطل ٹھہرانا خبط اور جنون کے سوا کچھ نہیں، اگر اس قبر کی تحقیق مطلوب ہو کہ ''یوزاسف'' کون تھا تو جناب منشی حبیب اللہ صاحب امرتسری کا رسالہ دیکھیں جو خاص اسی موضوع پر نہایت ہی تحقیق سے لکھا گیا ہے، جس میں اس مہمل خیال کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔ (فوائد عثمانی ملخصاً)

يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ الحَلالاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا مِن فَرْضٍ ونَفْلٍ اِنِّى بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ فَأُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَاعلموا اَنَّ هٰذِهٖ اى مِلَّةَ الاِسْلامِ اُمَّتُكُمْ دِيْنُكُمْ اَيُّهَا المُخَاطَبُوْنَ اى يَجِبُ اَنْ تَكُوْنُوْا عَلَيها اُمَّةً وَّاحِدَةً حَالٌ لَازِمَةٌ وفِى قِرَاءَةٍ بِتَخْفِيفِ النُّوْنِ وفِى اُخْرىٰ بِكَسْرِهَا مُشَدَّدَةً اِسْتِيْنَافًا وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ فَاحْذَرُوْنِ فَتَقَطَّعُوْآ اَىِ الاَتْبَاعُ اَمْرَهُمْ دِيْنَهم بَيْنَهُمْ زُبُرًا حَالٌ مِنْ فَاعِلِ تَقَطَّعُوْا اى اَحْزَابًا مُتَخَالِفِيْنَ كَاليَهُوْدِ وَالنَّصَارىٰ وغيرهما كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ اى عِنْدَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ فَرِحُوْنَ مَسْرُوْرُوْنَ فَذَرْهُمْ اُتْرُكْ كُفَّارَ مَكَّةَ فِى غَمْرَتِهِمْ ضَلَالَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ اى حِيْنَ مَوْتِهِمْ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ نُعْطِيْهِمْ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ فى الدُّنْيَا نُسَارِعُ نُعَجِّلُ لَهُمْ فِى الخَيْرَاتِ لَابَلْ لَّايَشْعُرُوْنَ اَنَّ ذٰلِكَ اسْتِدْرَاجٌ لَهُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ خَوْفِهِمْ مِنْهُ مُّشْفِقُوْنَ خَائِفُوْنَ مِنْ عَذَابِهٖ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ القُرْآنِ يُؤْمِنُوْنَ يُصَدِّقُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَايُشْرِكُوْنَ مَعَهٗ غَيْرَهٗ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ يُعْطُوْنَ مَا آتَوْا اَعْطَوْا مِنَ الصَّدَقَةِ والاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ خَائِفَةٌ ان لا تُقْبَلَ مِنهم اَنَّهُمْ يُقَدَّرُ قَبْلَهٗ لامُ الجَرِّ

اِلٰی رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ اُولٰئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ فی عِلمِ اللّٰهِ وَلَانُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ای طَاقَتَها فَمَنْ لَم يَستطِعْ اَنْ يُصَلِّیَ قائِمًا فَلْيُصَلِّ جَالِسًا وَمَنْ لم يَسْتَطِعْ ان يَصُوْمَ فَلْيَأْكُلْ وَلَدَيْنَا عِنْدَنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ بِمَا عَمِلَتْه وهو اللَّوْحُ المَحْفُوْظُ تُسْطَرُ فيه الاَعْمَالُ وَهُمْ ای النُّفُوْسُ العَامِلَةُ لَايُظْلَمُوْنَ شَيْئًا مِنْها فَلَا يُنْقَصُ مِنْ ثَوَابِ اَعْمَالِ الخَيْرِ وَلَا يُزادُ فِي السَّيِّئَاتِ بَلْ قُلُوْبُهُمْ ای الكُفَّارِ فِي غَمْرَةٍ جَهالَةٍ مِّنْ هٰذَا الْقُرْآنِ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ المَذْكُوْرِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ هُمْ لَهَا عَامِلُوْنَ فَيُعَذَّبُوْنَ عليها حَتّٰی اِبْتِدَائِيَّةٌ اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ اَغْنِيَائِهِمْ وَرُؤَسَائِهِمْ بِالْعَذَابِ اَی السَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ اِذَا هُمْ يَجْأَرُوْنَ يَضِجُّوْنَ يُقَالُ لهم لَاتَجْأَرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَاتُنْصَرُوْنَ لاتُمْنَعُوْنَ قَدْ كَانَتْ آيَاتِیْ مِنَ القُرْآنِ تُتْلٰی عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ تَرْجِعُوْنَ قَهْقَرٰی مُسْتَكْبِرِيْنَ عَنِ الاِيْمَانِ بِهٖ ای بِالبَيْتِ او الحَرَمِ بِاَنَّهُمْ اَهْلُهٗ فِي اَمْنٍ بِخِلَافِ سَائِرِ النَّاسِ فِي مَوَاطِنِهِمْ سَامِرًا حَالٌ ای جَمَاعَةً يَتَحَدَّثُوْنَ بِاللَّيْلِ حَوْلَ البَيْتِ تَهْجُرُوْنَ مِنَ الثُّلَاثِيِّ تَتْرُكُوْنَ القُرْآنَ وَمِنَ الرُّبَاعِيِّ ای تَقُوْلُوْنَ غَيْرَ الحَقِّ فِی النَّبِيِّ وَالقُرْآنِ قال تعالٰی اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا اَصْلُهٗ يَتَدَبَّرُوْا فَاُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الدَّالِ القَوْلَ ای القُرْآنَ الدَّالَّ عَلٰی صِدْقِ النَّبِيِّ صلی اللّٰه عليه وسلم اَمْ جَآءَهُمْ مَّالَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ الاِسْتِفْهَامُ فِيهِ لِلتَّقْرِيْرِ بِالحَقِّ مِنْ صِدْقِ النَّبِيِّ وَمَجِيءِ الرُّسُلِ لِلْاُمَمِ المَاضِيَةِ وَمَعْرِفَةِ رَسُوْلِهِمْ بِالصِّدْقِ وَالاَمَانَةِ وَاَنْ لَاجُنُوْنَ بِهٖ بَلْ لِلاِنْتِقَالِ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ ای القُرْآنِ المُشْتَمِلِ عَلَی التَّوْحِيْدِ وَشَرَائِعِ الاِسْلَامِ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ ای القُرْآنُ اَهْوَاءَهُمْ بِاَنْ جَاءَ بِمَا يَهْوَوْنَهٗ مِنَ الشَّرِيْكِ وَالوَلَدِ لِلّٰهِ تعالٰی عَنْ ذٰلِكَ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ای خَرَجَتْ عَنْ نِظَامِهَا المُشَاهَدِ لِوُجُوْدِ التَّمَانُعِ فِی الشَّيْءِ عَادَةً عِنْدَ تَعَدُّدِ الحَاكِمِ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ ای بِالقُرْآنِ الَّذِیْ فيه ذِكْرُهُمْ وَشَرَفُهُمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ اَمْ تَسْاَلُهُمْ خَرْجًا أجْرًا علٰی ما جِئْتَهُمْ بِهٖ مِنَ الاِيْمَانِ فَخَرَاجُ رَبِّكَ اَجْرُهٗ وثَوَابُهٗ وَرِزْقُهٗ خَيْرٌ وفی قِرَاءَةٍ خَرْجًا فی المَوْضِعَيْنِ وَفِی قِرَاءَةٍ اُخْرٰی خَرَاجًا فِيْهِمَا وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ اَفْضَلُ مَنْ اَعْطٰی وَاَجَرَ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطٍ طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ای دِيْنِ الاِسْلَامِ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ بِالبَعْثِ وَالثَّوَابِ وَالعِقَابِ عَنِ

الصِّرَاطِ اى الطَّرِيْقِ لَنَاكِبُوْنَ ۝ عَادِلُوْنَ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَابِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ اى جُوْعٍ اَصَابَهُمْ بِمَكَّةَ سَبْعَ سِنِيْنَ لَّلَجُّوْا تَمَادَوْا فِىْ طُغْيَانِهِمْ ضَلَالَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ يَتَرَدَّدُوْنَ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ الْجُوْعِ فَمَا اسْتَكَانُوْا تَوَاضَعُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ يَرْغَبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ فِى الدُّعَاءِ حَتّٰى اِبْتِدَائِيَّةٌ اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا صَاحِبَ عَذَابٍ شَدِيْدٍ هو يَوْمُ بَدْرٍ بِالْقَتْلِ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ آيِسُوْنَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ ع۴

ترجمہ

اے پیغمبرو! پاکیزہ حلال چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو وہ فرض اور نفل ہیں بلاشبہ میں تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں تو میں ان کاموں پر تم کو جزاء دوں گا اور یہ بات جان لو کہ یہ یعنی ملت اسلام اے مخاطبو تمہارا دین ہے یعنی تمہارے لئے واجب ہے کہ تم اس پر قائم رہو حال یہ ہے کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے یہ حال لازمہ ہے اور ایک قرأت میں اَنَّ کے نون کی تخفیف کے ساتھ ہے اور دوسری قرأت میں ہمزہ کے کسرہ اور نون کی تشدید کے ساتھ ہے اور یہ استیناف کے اعتبار سے ہے میں تمہارا رب ہوں تم مجھ سے ڈرتے رہو پھر وہ متبعین اپنے دینی معاملہ میں آپس میں مختلف ہو گئے زُبُرًا تقطعوا کے فاعل سے حال ہے یعنی آپس میں اختلاف کرنے والی جماعت ہو گئے، جیسا کہ یہود اور نصاریٰ وغیرہ پس ہر گروہ کے پاس جو ہے اسی پر خوش ہے یعنی جو دین ان کے پاس ہے (اسی پر خوش ہے) تو آپ ان کو یعنی اہل مکہ کو ان کی ضلالت میں ایک خاص وقت تک کے لئے چھوڑ دیجئے یعنی ان کی موت تک کیا یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دنیا میں دے رہے ہیں تو ہم ان کو فائدہ پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں نہیں بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں کہ ان کے لئے ڈھیل ہے بے شک وہ لوگ جو اپنے رب کی ہیبت سے خوف زدہ رہتے ہیں یعنی اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے رب کی آیتوں یعنی قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی تصدیق کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے رب کے ساتھ یعنی اس کے ساتھ کسی غیر کو شریک نہیں کرتے اور وہ لوگ دیتے ہیں جو دیتے ہیں صدقات سے اور کرتے ہیں نیک اعمال جو کرتے ہیں اور ان کے قلوب اس بات سے لرزاں رہتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ نیکی قبول نہ کی جائے اس لئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اَنَّهُمْ سے پہلے لام جر مقدر مانا جائے گا، یہی ہیں وہ لوگ جو نیکیوں میں جلدی کر رہے ہیں اور یہی لوگ اللہ کے علم میں نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں، اور ہم کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کام کا مکلف نہیں بناتے یعنی اس کی طاقت سے (زیادہ) لہٰذا جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور جو شخص روزہ نہ رکھ سکے تو نہ رکھے، اور ہمارے پاس ایک دفتر ہے جو ٹھیک ٹھیک (ہر وہ) کام بتا دیتا ہے جو کسی نے کیا ہو اور وہ لوح محفوظ ہے جس میں اعمال لکھے جاتے ہیں اور ان عمل کرنے والے لوگوں پر

ان کے اعمال کے بارے میں ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا، لہٰذا نہ تو ان نیک اعمال کا اجر کم کیا جائے گا اور نہ ان کے اعمال بد میں اضافہ کیا جائے گا بلکہ ان کافروں کے قلوب اس قرآن کے بارے میں جہالت میں ہیں اور ان (کافروں کے) مومنین کے اعمال مذکورہ کے برخلاف اور اعمال بھی ہیں جن کو وہ کرتے ہیں تو ان (کافروں) کو ان اعمال پر عذاب دیا جائے گا، یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال مالداروں اور سرداروں کو عذاب میں یعنی یوم بدر کی تلوار کے عذاب میں پکڑ لیں گے تو وہ چلانے لگیں گے (تو) ان سے کہا جائے گا، اب مت چلاؤ ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ کی جائے گی میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم ایمان سے تکبر کرتے ہوئے الٹے پاؤں بھاگتے تھے یعنی الٹے پلٹ جاتے تھے بیت اللہ یا حرم کی وجہ سے اس وجہ سے کہ وہ اہل حرم تھے اور اہل حرم امن میں تھے، بخلاف دیگر تمام لوگوں کے کہ اپنے مقامات میں (کہ غیر مامون تھے) رات کو باتیں بناتے ہوئے بیہودہ بکتے ہوئے یعنی جماعت کی شکل میں بیت اللہ کے گرد جمع ہو کر بیہودہ باتیں بناتے تھے، تَهْجُرُوْنَ ثلاثی سے تَتْرُكُوْنَ الْقُرآنَ کے معنی میں ہے اور رباعی سے تُهْجِرُوْنَ تقولون کے معنی میں ہے یعنی تم نبی اور قرآن کے بارے میں ناحق باتیں کرتے تھے کیا ان لوگوں نے اس کلام یعنی قرآن میں جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دال ہے غور نہیں کیا؟ يَدَّبَّرُوْا کی اصل يَتَدَبَّرُوْا تھی تا کو دال میں ادغام کر دیا یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے پہلے آبا و اجداد کے پاس نہیں آئی تھی یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہیں تھے جس کی وجہ سے ان کے منکر ہیں یا یہ لوگ آپ کے بارے میں جنون کے قائل ہیں؟ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوْا میں استفہام اقرار حق پر آمادہ کرنے کے لئے ہے وہ حق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی **صداقت** اور امم ماضیہ میں رسولوں کی آمد اور ان کا اپنے رسولوں کی صداقت و امانت کی معرفت اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجنون نہیں ہیں بلکہ (اصلی وجہ یہ ہے) کہ یہ رسول ان کے پاس حق بات لیکر آئے ہیں، یعنی قرآن کو جو کہ توحید اور قانون اسلام پر مشتمل ہے اور ان میں کے اکثر لوگ حق بات سے نفرت کرتے ہیں اور اگر حق یعنی قرآن ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا بایں طور کہ جو یہ چاہتے وہی لاتا (یعنی) اللہ کے لئے شریک اور اولاد اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب تباہ ہو جاتے یعنی اپنے نظام مشاہد سے نکل جاتے تعدد حکام کے وقت عادۃً شئی میں اختلاف ہونے کی وجہ سے بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی بات یعنی قرآن جس میں ان کا ذکر اور شرف ہے بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں یا آپ ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں یعنی ایمان کی باتوں پر جن کو آپ ان کے لئے لیکر آئے ہیں کچھ اجرت طلب کرتے ہیں تو آمدنی تو آپ کے رب کی یعنی اس کا اجر و ثواب اور اس کا رزق بہتر ہے اور ایک قرأت میں دونوں جگہ خَرْجًا ہے اور ایک قرأت میں دونوں جگہ خَرَاجًا ہے اور وہ دینے والوں میں سب سے اچھا دینے والا ہے یعنی عطا کرنے والوں اور اجر دینے والوں میں وہ سب سے بہتر ہے آپ تو ان کو سیدھے راستہ یعنی دین اسلام کی طرف بلا رہے ہیں اور ان لوگوں کی جو آخرت پر یعنی بعث و ثواب و عقاب پر ایمان نہیں رکھتے

یہ حالت ہے کہ (سیدھے) راستہ سے ہٹے جاتے ہیں اور اگر ہم ان پر مہربانی فرمائیں اور ان پر جو تکلیف ہے یعنی وہ بھکمری جو سات سال تک مکہ میں ان کو لاحق ہوگئی تھی دور کردیں تو وہ لوگ اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے رہیں اور ہم نے ان کو بھکمری کے عذاب میں گرفتار (بھی) کیا ہے مگر ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے عاجزی تواضع اختیار کی اور نہ تضرع کیا، یعنی نہ دعاء میں اللہ کی طرف رغبت کی یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر بدر کے دن قتل کے ذریعہ شدید عذاب کا دروازہ کھولدیا تو اچانک اس دن میں ہر خیر سے ناامید ہوگئے **قولہ** بل لایشعرون یہ یَحْسَبُوْنَ سے اضراب ہے یعنی ان کا خیال غلط ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ اس آیت میں اگرچہ بظاہر خطاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر مراد ہر نبی ہے، یعنی ہر نبی کو اس کے زمانہ میں یہی حکم تھا **قولہ** واعلموا اَنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُکُمْ اُمَّةً وَاحِدَةً مفسر علام نے اعلمُوْا مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اَنَّ فتحہ ہمزہ کے ساتھ ہے اور هٰذِهٖ اَنَّ کا اسم ہے اور اُمَّتُکُمْ اس کی خبر ہے اور اُمَّةً حال لازمہ ہے اور وَاحِدَةً اس کی صفت لازمہ ہے اور ایک قرأت میں تخفیف نون اور فتحہ ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی مخففہ عن المثقلہ ہے اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے، اور ایک تیسری قرأت میں اِنَّ نون مشددہ اور ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اس صورت میں یہ جملہ متانفہ ہوگا جملہ متانفہ پر عطف ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ معطوف علی المستانفہ، متانفہ ہوتا ہے **قولہ** اَمْرُهُمْ یہ تَقَطَّعُوْا بمعنی قَطَّعُوْا کا مفعول ہے، جیسے تَقَدَّمَ بمعنی قَدَّمَ آتا ہے ای جَعَلُوْا دِیْنَهُمْ ادیانا مختلفةً **قولہ** زُبُرً یہ زبور کی جمع ہے بمعنی فریق، لوہے کا ٹکڑا یہ تَقَطَّعُوْا کے فاعل سے حال ہے یا اس کا مفعول ہے **قولہ** فی غَمْرَتِهِمْ یہ فذرهم کا مفعول ثانی ہے، ای اُترُکْهُمْ مستقرین فی غمرتهم **قولہ** اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ ما موصولہ ہے اس لئے کہ من مال وبنین اس کا بیان آرہا ہے یہ ما کے موصولہ ہونے کی دلیل ہے لہٰذا مَا کو اَنَّ سے جدا کرکے لکھا جانا چاہئے تھا لیکن مصحف امام (مصحف عثمانی) کے رسم الخط کی اتباع کرتے ہوئے اِنَّ کو مَا کے ساتھ متصل کردیا، یہ مَا، اَنَّ کا اسم ہے اور نسارع جملہ ہوکر خبر ہے اور رابطہ کی ضمیر محذوف ہے ای بہٖ **قولہ** اِنَّ الذین هم مِنْ خشیَةِ رَبِّهِمْ مُشفقونَ الذین اِنَّ کا اسم ہے، هُمْ مبتدا ہے مشفقون مبتداء کی خبر ہے مِنْ خشیَة ربهم، مشفقون کے متعلق ہے، هم مبتدا اپنی خبر مشفقون سے ملکر صلہ موصول کا، موصول اپنے صلہ سے ملکر اِنَّ کا اسم ہے، اسی طرح آئندہ آنے والے چاروں موصول اِنَّ کا اسم ہیں اور اُولٰئِكَ یُسارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ جملہ ہوکر اِنَّ کی خبر ہے، **قولہ** والذین یُؤتُونَ یُعطون ما اَعْطَوْا عام مفسرین اس پر ہیں کہ یُؤتون ایتاءً سے ہے ای یعطون ما اعطَوْا ابن عباسؓ اور عائشہؓ وغیرہما فرماتے ہیں کہ یوتون مَا اَتَوا اتیان سے ہے ای یفعلون ما فعلوا من

الاعمال الصالحات مفسر علام نے دونوں معنی کی رعایت کرتے ہوئے مَا کے بیان میں دو لفظ ذکر کئے ہیں، من الصدقة کا تعلق عام مفسرین کے معنی کے اعتبار سے اور اعمال صالحہ کا تعلق حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کی قرأت سے ہے **قوله** وَجِلَةٌ حال ہے یوتون کی ضمیر سے **قوله** يُقَدَّرُ قَبْلَهٗ لام الجرّ ، اَنَّهُمْ سے پہلے لام جر مقدر مانا جائے گا تاکہ وَجِلَةٌ کی علت ہو جائے یعنی ان کے قلوب اس لئے خائف رہتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے **قوله** وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ یہ اصل میں وهم سابقون لَهَا تھا فواصل کی رعایت کے لئے لَهَا کو مقدم کر دیا، یہ جملہ مبتدا خبر ہے، وَهُمْ لَايُظْلَمُوْنَ ، هم ضمیر نفس کی طرف راجع ہے جو کہ لاتُكَلِّفُ نَفْسًا میں ہے نفسٌ چونکہ نفی کی تحت واقع ہے جس کی وجہ سے عموم مراد ہے جس کے اندر جمع کے معنی ہیں، اس لئے وَهُمْ لَايُظْلَمُوْنَ میں جمع کا صیغہ لانا درست ہے، **قوله** وَلَهُمْ الخ ای للكفار اَعْمَالٌ خبيثةٌ **من دون ذلك الأعمال المذكورة للمؤمنين** قتادہ نے کہا ہے کہ لَهُمْ کی ضمیر کا مرجع مسلمین ہے یعنی مومنین کے لئے اعمال مذکورہ کے علاوہ اور بھی نیک اعمال ہیں جن کو وہ کرتے رہتے ہیں، بغوی نے کہا ہے کہ اول معنی زیادہ ظاہر ہیں **قوله** حَتّٰى ابتدائيةٌ یعنی اس کے بعد سے کلام کی ابتدا ہو رہی ہے **قوله** اِذَا اَخَذْنَا مترفيهم شرط ہے اِذَا هُمْ يَجْاَرُوْنَ اس کی جزاء اِذَا مفاجاتیہ ہے بمعنی فا ہے تقدیر عبارت یہ ہے حَتّٰى اِذَا اَخَذْنَا مُتْرفِيهم **بالعذاب فاجئروا بالصراخ** يَجْئَرُوْنَ مضارع جمع مذکر غائب (فتح) جئرًا بے قرار ہو کر فریاد کرنا، گائے بیل کا چلانا، تَنْكِصُوْنَ مضارع جمع مذکر حاضر ہے (ض) نکوص پھرنا، واپس ہونا **قوله** مستكبرين به جار مجرور مستكبرين سے متعلق ہے باسببیہ ہے یا سامراً سے متعلق ہے با بمعنی فی ہے بِهٖ کا مرجع یا قرآن ہے جو کہ كانت آياتی سے مفہوم ہے یا اس کا مرجع بیت اللہ یا حرم ہے، اگر چہ ان دونوں کا سابق میں ذکر نہیں ہے مگر بیت اللہ اور حرم پر ان کا فخر و استکبار اس قدر مشہور تھا کہ مذکور نہ ہونے کی صورت میں بھی مذکور سمجھا جاتا تھا، **قوله** مستكبرين وسامراً وتَهْجرونَ یہ تینوں ينكصون کی ضمیر سے حال ہیں، مفسر علام کے لئے زیادہ بہتر تھا کہ حالٌ کو تهجرون کے بعد ذکر کرتے اور حالٌ کے بجائے احوال فرماتے **قوله** بِاَنَّهُمْ اَهْلُهٗ باسببیہ ہے بیان علت کے لئے یعنی ایمان سے استکبار کرتے تھے یہ علت اور دلیل بیان کرتے ہوئے کہ ہم بیت اللہ کے منتظم اور متولی ہیں **قوله** اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوْا القول ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فا عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَعَمُوْا فَلَمْ يَدَّبَّرُوْا کیا یہ لوگ (قدرت کی نشانیوں سے) اندھے ہو گئے ہیں کہ (ان میں) غور و فکر نہیں کرتے **قوله** عادة یہاں مناسب یہ تھا کہ عادة کے بجائے عَقْلًا کہتے، اس لئے کہ وجود مشرک فساد عالم کا عقلاً مقتضی ہے نہ کہ عادۃ **قوله** لَلَجُّوْا یہ لو کا جواب ہے **قوله** مبلسون ابلاس سے مشتق ہے اس کے معنی ناامید ہونا، مایوس ہونا، اسی سے ابلیس ہے کہ وہ بھی رحمت خداوندی سے مایوس ہو گیا ہے۔

☆☆☆

تفسیر وتشریح

یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کو اپنے اپنے زمانہ میں دو باتوں کی ہدایت دی گئی اول یہ کہ پاکیزہ اور حلال چیزیں کھائیں دوم یہ کہ نیک اعمال کریں، جب انبیاء کرام جو کہ معصوم ہوتے ہیں ان کو یہ ہدایت ہے تو امت تو بطریق اولیٰ اس کی مخاطب ہوگی، بلکہ اصل مقصود امت ہی کو ہدایت کرنا ہے، علماء نے اس حکم سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک عمل کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے، اور جب غذا حرام ہوتی ہے تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود اس میں مشکلات حائل ہوجاتی ہیں، حدیث میں وارد ہے کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں اور غبار آلود رہتے ہیں پھر اللہ کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یارب یارب پکارتے ہیں مگر ان کا کھانا بھی حرام ہوتا ہے، پینا بھی حرام، لباس بھی حرام ہوتا ہے اور حرام ہی کی ان کو غذا ملتی ہے ایسے لوگوں کی کہاں دعا قبول ہوسکتی ہے؟ (قرطبی)

اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً واحدۃً لفظ امت جماعت اور کسی خاص پیغمبر کی قوم کے معنی میں معروف و مشہور ہے، اور کبھی یہ لفظ طریقہ اور دین کی معنی میں بھی آتا ہے یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

فَتَقَطَّعُوْا اَمْرَھُمْ بَیْنَھُمْ زُبُرًا زُبُرْ زبور کی جمع ہے جو کتاب کے معنی میں آتا ہے اس معنی کے اعتبار سے مراد آیت کی یہ ہے، اللہ تعالیٰ نے تو تمام انبیاء اور ان کی امتوں کو اصول اور عقائد میں ایک ہی دین اور طریقہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی تھی مگر امتوں نے اس کو نہ مانا، اور آپس میں مختلف ٹکڑے ہوگئے ہر ایک نے اپنا اپنا طریقہ الگ اور اپنی کتاب الگ بنالی، اور زُبُرْ کبھی زُبْرۃ کی جمع بھی آتی ہے جس کے معنی قطعہ اور ٹکڑے کے ہیں یہی معنی اس جگہ زیادہ واضح ہیں، اور مراد آیت کی یہ ہے کہ لوگ عقائد اور اصول میں بھی مختلف فرقے بن گئے لیکن فروعی اختلافِ ائمہ مجتہدین اس میں داخل نہیں کیونکہ ان اختلافات سے دین وملت الگ نہیں ہوجاتی، اس اجتہادی اور فروعی اختلاف کو فرقہ واریت کا رنگ دینا خالص جہالت ہے جو کسی مجتہد کے نزدیک جائز نہیں۔ (معارف)

وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ یعطُوْنَ مَا آتَوْا قلوبُھُمْ وَجِلَۃٌ یُؤْتُوْنَ ایتاءً سے مشتق ہے جس کی معنی دینے اور خرچ کرنے کے ہیں اسی لئے اس کی تفسیر صدقات سے کی گئی ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک قرأت یَاْتُوْنَ مَا آتَوْا بھی منقول ہے یعنی عمل کرنے میں جو کچھ کرتے ہیں، اس میں صدقات نماز روزہ اور دیگر تمام نیک اعمال شامل ہوجاتے ہیں، اسی قرأت کی رعایت کرتے ہوئے مفسر علام نے والاعمال الصالحہ سے تفسیر کی ہے، مشہور قرأت کے مطابق اگرچہ یہاں ذکر صدقات ہی کا ہوگا مگر بہر حال مراد عام اعمال صالحہ ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ کام کرکے ڈرنے والے وہ

لوگ ہیں جو شراب پیتے یا چوری کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی یہ بات نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں اس کے باوجود اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ اعمال اللہ کے نزدیک (ہماری کسی کوتاہی کے سبب) قبول نہ ہوں ایسے ہی لوگ نیک کاموں میں مسارعت اور مسابقت کیا کرتے ہیں (رواہ احمد والترمذی) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کر کے اتنے ڈرتے تھے کہ تم برے عمل کر کے اتنے نہیں ڈرتے۔ (قرطبی)

اولئك يُسارعون فی الخيرات کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا دار دنیا کے فوائد کے لئے دنیا کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کے فکر میں رہتے ہیں یہ حضرات دین کے فوائد کے لئے ایسا ہی عمل کرتے ہیں اسی لئے وہ دین کے کاموں میں دوسروں سے آگے رہتے ہیں۔ (معارف)

وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ اس آیت کی ضروری تشریح تحقیق وترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے ملاحظہ کر لی جائے، راجح تفسیر یہ ہے کہ ان کی گمراہی کے لئے تو ایک شرک وکفر ہی کا پردۂ غفلت کافی تھا مگر وہ اسی پر بس نہیں کرتے اس کے علاوہ دیگر اعمال خبیثہ بھی مسلسل کرتے رہتے ہیں **قوله مُتْرَفِيهِمْ مُتْرَف تَرْف** سے مشتق ہے جس کے معنی خوشحالی کے ہیں، اس جگہ اس قوم کو عذاب میں پکڑنے کا ذکر ہے جس میں امیر غریب خوشحال بدحال سبھی داخل ہوں گے مگر یہاں خوشحال لوگوں کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ ایسے ہی لوگ دنیا کے مصائب سے اپنے بچاؤ کے لئے کچھ سامان کر لیا کرتے ہیں مگر جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو سب سے پہلے یہی لوگ بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں اس آیت میں جس عذاب کا ذکر ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عذاب ہے جو غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تلوار سے ان کے سروں پر نازل ہوا تھا، اور بعض حضرات نے اس عذاب سے وہ قحط کا عذاب مراد لیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے مکہ والوں پر مسلط کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ وہ مردار جانور اور کتے اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے تھے، بعض مفسرین نے عذاب آخرت بھی مراد لیا ہے مگر یہ سیاق وسباق کے مطابق نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے لئے بددعا بہت کم کی ہے لیکن اس موقع پر مسلمانوں پر ان کے مظالم کی شدت سے مجبور ہو کر یہ بددعا کی تھی "اَللّٰهُمَّ اشدد وَطاتكَ علی مَضَر واجعلها عَلَيْهِم سنين كسنی يوسفَ" (رواہ البخاری ومسلم)

مستکبرین بہٖ سَامِرًا تَهْجُرُوْنَ اس میں بہٖ کی ضمیر اکثر مفسرین نے حرم کی طرف راجع قرار دی ہے جیسا کہ علامہ محلی کی بھی یہی رائے ہے، حرم کا اگر چہ سابق میں کہیں ذکر نہیں مگر حرم سے قریش مکہ کا گہرا تعلق اور فخر وناز اتنا معروف ومشہور تھا کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، اور معنی اس آیت کے یہ ہیں کہ قریش مکہ کا قرآن کی آیتیں سن کر پچھلے پاؤں بھاگنے (اعراض کرنے) کا سبب حرم مکہ کی نسبت اور اس کی خدمت پر ان کا تکبر اور ناز تھا، اور **سَامِرًا سَمْرٌ** سے مشتق ہے جس کے اصل معنی چاندنی رات کے ہیں، عرب کی عادت تھی کہ چاندنی رات میں بیٹھ کر قصے کہانی کہا کرتے

تھے اس لئے لفظ سَمَرٌ قصہ کہانی کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور سامر قصہ گو کو کہا جاتا ہے، یہ لفظ اگرچہ مفرد ہے مگر معنی میں جمع کے بولا جاتا ہے اس جگہ سامر بمعنی سامرین جمع کے لئے استعمال ہوا ہے، صاحب جلالین نے اسی جمع کے معنی کے لئے جماعۃ کا لفظ لا کر اشارہ کیا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ سمرٌ کے معنی رات کو گفتگو کرنے کے ہیں، یہاں خاص طور پر اس کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ مشرکین مکہ رات کو صحن کعبہ میں بیٹھ کر بے کار اور بیہودہ قصہ گوئی میں مشغول رہتے تھے اور قرآن اور صاحب قرآن کا مذاق اڑاتے ہوئے تفریحی کلمہ چست کرتے تھے اسی بنا پر حق کی بات سننے سے انکار کر دیتے تھے اس سے بڑھ کر یہ کہ قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بکواس اور فحش گوئی کرتے تھے۔

عشاء کے بعد فضول جاگنے کی ممانعت

رات کو قصہ گوئی کا مشغلہ عرب اور عجم میں قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے، اس میں بہت سے مفاسد ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کو ختم کرنے کے لئے عشاء سے پہلے سونے کی اور عشاء کے بعد فضول قصہ گوئی کو منع فرمایا ہے حکمت یہ تھی کہ عشا کی نماز پر انسان کے اعمال یومیہ ختم ہو رہے ہیں، جو دن بھر کے گناہوں کا کفارہ ہو سکتا ہے اگر عشاء کے بعد فضول قصہ گوئی میں لگ گیا اولاً تو یہ فعل خود عبث اور مکروہ ہے اس کے علاوہ اس کے ضمن میں غیبت جھوٹ اور دوسرے طرح کے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے، اور ایک اس کا برا انجام یہ ہے کہ جب رات کو دیر تک جاگے تو صبح سویرے نہیں اٹھ سکے گا، اسی لئے فاروق اعظم جب کسی کو عشاء کے بعد فضول قصہ گوئی میں مشغول دیکھتے تو تنبیہ فرماتے تھے اور بعض کو سزا بھی دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جلد سو جاؤ شاید آخر رات میں تہجد کی توفیق ہو جائے (قرطبی)

اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوْا الْقَوْلَ سے اَمْ یقولون بہ جنۃ تک ایسی پانچ چیزوں کا ذکر ہے جو مشرکین کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے کسی درجہ میں مانع ہو سکتی تھیں، ان میں سے ہر ایک کے منفی ہونے کا بیان اس کے ساتھ کر دیا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ جو وجوہ ان لوگوں کے لئے ایمان سے مانع ہو سکتی تھیں ان میں سے کوئی بھی وجہ موجود نہیں اور ایمان لانے کے لئے جو اسباب و وجوہ داعی ہیں وہ سب موجود ہیں اس لئے اب ان کا انکار، ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں جس کا ذکر اس کے بعد کی آیت میں اس طرح فرمایا بَلْ جَاءَ ھُمْ بِالْحَقِّ وَاَکْثَرُھُمْ لِلْحَقِّ کَارِھُوْنَ یعنی انکار رسالت کی کوئی عقلی یا طبعی وجہ موجود نہیں پھر انکار کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق بات لیکر آئے ہیں اور یہ لوگ حق بات ہی کو برا سمجھتے ہیں سننا نہیں چاہتے جس کا سبب ہوا و ہوس کا غلبہ اور بقاء اقتدار کی خواہش ہے ان پانچ چیزوں میں سے جو کہ بظاہر اقرار بالنبوت سے مانع ہو سکتی ہیں ان میں سے ایک کا بیان مندرجہ ذیل آیت میں ہے۔

اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَھُمْ یعنی ان کے انکار کی ایک وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ جو شخص دعوت حق اور دعوائے نبوت لیکر آیا

ہے یہ کہیں باہر سے آیا ہوتا کہ یہ لوگ اس کے نام ونسب اور عادات واطوار سے واقف نہ ہوتے تو یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اس مدعی کے حالات سے واقف نہیں اسے کیسے نبی ورسول مان کر اپنا مقتدا بنالیں مگر یہاں تو یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش ہی کے اعلیٰ نسب میں اسی شہر مکہ میں پیدا ہوئے، اور بچپن سے لیکر جوانی کا سارا زمانہ انہیں لوگوں کے سامنے گذرا آپ کا کوئی عمل اور عادت ان سے پوشیدہ نہیں تھی اور دعوائے نبوت سے پہلے تک سارے کفار آپ کو صادق وامین کہا کرتے تھے آپ کے کردار عمل پر کسی نے بھی کبھی شبہ ظاہر نہیں کیا تھا تو اب ان کا یہ عذر نہیں چل سکتا کہ وہ ان کو پہچانتے نہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَاهُمْ بِالعَذَابِ اس سے پہلی آیت میں مشرکین کے بارے میں یہ کہا گیا تھا کہ یہ لوگ جو عذاب میں مبتلا ہونے کے وقت اللہ سے یا رسول سے فریاد کرتے ہیں اگر ہم ان کی فریاد پر رحم کھا کر عذاب ہٹادیں تو ان کی جبلی شرارت وسرکشی کا عالم یہ ہے کہ عذاب سے نجات پانے کے بعد پھر بھی اپنی سرکشی اور نافرمانی میں مشغول ہوجائیں گے اس آیت میں ان کے ایک اسی طرح کے واقعہ کا بیان ہے، کہ ان کو ایک عذاب میں پکڑا گیا، مگر عذاب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی بدولت نجات پانے کے بعد بھی یہ اللہ کے سامنے نہیں جھکے اور برابر اپنے کفر وشرک پر جمے رہے۔

اہل مکہ پر قحط کا عذاب

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ پر قحط کا عذاب مسلط ہونے کی دعا کی تھی جس کی وجہ سے یہ سخت قحط کے عذاب میں مبتلا ہوئے اور مردار وغیرہ کھانے پر مجبور ہوگئے، یہ دیکھ کر ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں آپ کو اللہ کی اور صلہ رحمی کی قسم دیتا ہوں کیا آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں اہل عرب کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، آپ نے فرمایا بے شک کہا ہے اور واقعہ بھی یوں ہی ہے، ابوسفیان نے کہا آپ نے اپنی قوم کے بڑوں کو تو بدر کے معرکہ میں تلوار سے قتل کردیا اور جو رہ گئے ہیں ان کو بھوک سے قتل کررہے ہیں، اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ عذاب ہم سے ہٹ جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی یہ عذاب اسی وقت ختم ہوگیا اسی پر یہ آیت وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ نازل ہوئی اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ عذاب میں مبتلا ہونے پھر اس سے نجات پانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنے رب کے سامنے نہیں جھکے چنانچہ واقعہ یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قحط بھی رفع ہوگیا مگر مشرکین مکہ اپنے شرک وکفر پر اسی طرح جمے رہے۔ (مظہری وغیرہ بحوالہ معارف)

وَهُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَ خَلَقَ لَكُمُ السَّمْعَ بِمَعْنَی الاَسْمَاعِ وَالاَبْصَارَ وَالاَفْئِدَةَ ط الْقُلُوْبَ قَلِيْلًا مَّا تَاكِيْدَ لِلْقِلَّةِ تَشْكُرُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ خَلَقَكُمْ فِی الاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ تُبْعَثُوْنَ وَهُوَ الَّذِیْ

يُحْيِى بِنَفْخِ الرُّوحِ فِى الْمُضْغَةِ وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ط بِالسَّوَادِ وَالْبَيَاضِ وَالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ صَنِيعَهُ تَعَالٰى فَتَعْتَبِرُوْنَ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَاقَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۞ قَالُوْٓا اى الْاَوَّلُوْنَ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا اَئِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۞ لا، وفِى الْهَمْزَتَيْنِ فِى الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيْقُ وَتَسْهِيْلُ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاؤُنَا هٰذَا اى الْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ قَبْلُ اِنْ مَا هٰذَا اِلَّآ اَسَاطِيْرُ اَكَاذِيْبُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ كَالْاَضَاحِيْكِ وَالْاَعَاجِيْبِ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ قُلْ لَهُمْ لِمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا مِنَ الْخَلْقِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ خَالِقُهَا وَمَالِكُهَا سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ لَهُمْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۞ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِى الذَّالِ فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْخَلْقِ اِبْتِدَاءً قَادِرٌ عَلَى الْاِحْيَاءِ بَعْدَ الْمَوْتِ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۞ الْكُرْسِيّ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۞ تَحْذَرُوْنَ عِبَادَةَ غَيْرِهٖ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ مُلْكُ كُلِّ شَيْءٍ وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ يَحْمِىْ وَلَا يُحْمٰى عليه اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ سَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ط وفى قِرَاءَةٍ لِلّٰهِ بِلَامِ الْجَرِّ فى الْمَوْضِعَيْنِ نَظْرًا الى اَنَّ الْمَعْنٰى مَنْ لَهُ مَاذُكِرَ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۞ تُخْدَعُوْنَ وَتُصْرَفُوْنَ عَنِ الْحَقِّ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَحْدَهُ اى كَيْفَ يُخَيَّلُ لَكُمْ اَنَّهُ بَاطِلٌ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞ فى نَفْيِهٖ وَهُوَ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا اى لَوْ كَانَ مَعَهٗ اِلٰهٌ لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ اى انْفَرَدَ بِهٖ وَمَنَعَ الْاٰخَرَ مِنَ الْاِسْتِيْلَاءِ عَلَيْهِ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط مُغَالَبَةً كَفِعْلِ مُلُوْكِ الدُّنْيَا سُبْحٰنَ اللّٰهِ تنزيهًا له عَمَّا يَصِفُوْنَ ۞ بِهٖ مِمَّا ذُكِرَ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ مَا غَابَ وَمَا شُوْهِدَ بِالْجَرِّ صِفَةٌ وَالرَّفْعِ خَبَرُ هُوَ مُقَدَّرًا فَتَعٰلٰى تَعَظَّمَ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ مَعَهٗ

ع

ترجمہ

وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے تمہارے کان بنائے سمع بمعنی اسماع اور آنکھیں اور دل بنائے تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو ما، قلت کی تاکید کے لئے اور وہ ذات ہے کہ جس نے مٹی سے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے، یعنی مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے اور وہ ایسی ذات کہ جو گوشت کے لوتھڑے میں روح پھونک کر تم کو حیات بخشتی ہے اور موت دیتی ہے اور سیاہی اور سفیدی زیادتی اور نقصان کے ذریعہ رات اور دن کو بدلنا اسی کے اختیار میں ہے تو کیا تم اللہ تعالیٰ کی صنعت کو سمجھتے نہیں ہو کہ عبرت حاصل کرو، بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے لوگ کہتے چلے آئے ہیں پہلے لوگوں نے یوں کہا کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے

جائیں گے نہیں، اور ہمزہ میں دونوں جگہوں پر تحقیق ہے اور ثانی ہمزہ کی تسہیل ہے، اور دونوں ہمزوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف داخل کرنا ہے اس کا تو ہم سے اور ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یعنی بعث بعد الموت کا، یہ کچھ بھی نہیں محض بے سند جھوٹی باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آرہی ہیں جیسا کہ ہنسی کی اور تعجب کی باتیں أَسَاطِير أُسْطُورة کی جمع ہے ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ آپ ان سے دریافت کیجئے کہ یہ زمین اور اس میں جو مخلوق ہے کس کی ملک ہیں اگر تم اس کے خالق کو اور مالک کو جانتے ہو تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کی ملک میں ہیں (تو) ان سے کہئے کہ پھر کیوں غور نہیں کرتے تَذَّكَّرُونَ (اصل میں تَتَذَكَّرُونَ تھا) تا ثانیہ کو ذال کیا اور ذال کو ذال میں ادغام کردیا تَذَّكَّرُونَ ہوگیا، کہ تم جان سکو کہ جو ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ موت کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے آپ ان سے یہ بھی دریافت کیجئے کہ ان ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کرسی کا مالک کون ہے؟ تو وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے (اس وقت) کہئے تو پھر تم غیر اللہ کی عبادت سے کیوں نہیں بچتے؟ آپ ان سے یہ بھی دریافت کیجئے کہ وہ کون ہے کہ جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے ملکوت میں تا مبالغہ کے لئے ہے وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا یعنی وہ حمایت کرتا ہے اس کے مقابلہ حمایت نہیں کی جاسکتی، اگر تم کو کچھ خبر ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے (ان صفات کا مالک) اللہ ہے اور ایک قرأت میں (اللہ کے بجائے) لِلّٰہ ہے لام جر کے ساتھ دونوں جگہوں میں اس بات کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ (مَنْ بِيَدِهٖ) کے معنی مَنْ لَهُ مَاذُكِرَ کے ہیں تو آپ (اس وقت) کہئے کہ پھر تم کو کیا خبط ہورہا ہے؟ یعنی دھوکے میں پڑے ہوئے ہو اور حق یعنی اللہ وحدہ کی عبادت سے برگشتہ ہورہے ہو یعنی تم کو یہ تصور کیسے ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ باطل ہے بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے اور یقیناً یہ خود جھوٹے ہیں اس سچی بات کی نفی کرنے میں اور وہ سچی بات جو ہم نے پہنچائی ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ تو اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا یعنی خود تن تنہا اس کا مالک ہوجاتا اور دوسرے کو اس پر غلبہ کرنے سے روک دیتا، اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا غلبہ حاصل کرنے کے لئے جیسا کہ دنیا کے بادشاہ کرتے ہیں اللہ ان تمام مذکورہ باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے جو غائب ہے اور جو ظاہر ہے عَالِمِ کے جر کے ساتھ لفظ اللہ کی صفت ہے اور رفع کے ساتھ ھو مبتداء محذوف کی خبر ہے غرضیکہ وہ ان چیزوں سے بالاتر ہے جن کو یہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تفسیری فوائد

قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ مَا اس قلت کی تاکید کے لئے ہے جو قلیلاً کی تنوین تنکیر سے مستفاد ہے اور قلیلا مفعول مطلق کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس کی تقدیر عبارت یہ ہے اي تشكرون شكراً قليلاً اور یہ عدم شکر

سے کنایہ ہے اس لئے کہ قلت عدم کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور یہی معنی حال کفار کے زیادہ نا مناسب ہیں **قوله** اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ ہمزہ، محذوف پر داخل ہے فا عاطفہ ہے ای اَغَفَلْتُمْ فَلاَ تَعْقِلُوْنَ انَّ القَادِرَ انشاء الخلق قادرٌ علیٰ اِعَادَتِهِمْ بَعْدَ المَوْتِ **قوله** بَلْ قَالُوْا ای کفار مکۃ یہ محذوف سے اضراب انتقالی ہے تقدیر عبارت یہ ہے فَلَمْ یَعْتَبِرُوْا بَل قَالُوْا ابوسعود نے کہا بَلْ قَالُوْا کا عطف مقدر ہے ای فَلَمْ یَعْقِلُوْا بَلْ قَالُوْا **قوله** لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ آبَاؤُنَا، آبَاؤُنَا کا عطف وُعِدْنَا کی ضمیر متصل پر ہے جب کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنا ہو تو ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید ضروری ہوتی ہے مگر یہاں چونکہ نَحْنُ کا فصل آ گیا ہے جو کہ قائم مقام ہے ضمیر منفصل کے لہٰذا عطف درست ہو گیا ھٰذا، وُعِدْنَا کا مفعول ثانی ہے اور نا ضمیر اس کا نائب فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ وُعَدَنَا الآنَ محمدٌ بالبعثِ وَعَدَ غیرہ آبَائَنَا مِنْ قبلِنا بہ **قوله** لا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ءَ اِذَا مِتْنَا میں ہمزہ استفہام انکاری ہے **قوله** اِنْ کنتم تعلمون شرط ہے اس کا جواب محذوف ہے ای اِنْ کُنْتُمْ تعلمونَ فاخبرُونی بخالِقِها **قوله** مَلَکُوتُ اس میں واؤ اور تا مبالغہ کے لئے زائد ہیں جیسا کہ رحموت میں **قوله** و لا یُجارُ علَیه علیٰ کے ساتھ تعدیہ نصرت کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے **قوله** نظرًا الیٰ أن المعنیٰ مَنْ له لفظ اللہ اوپر تین جگہ واقع ہوا ہے پہلی جگہ لام جر کے ساتھ متعین ہے اس لئے کہ سوال میں لام ظاہر ہے یعنی قل لِمَنْ الارض ومَنْ فیها لہٰذا جواب یعنی سیقولون للّٰہ میں بھی لام کو ظاہر کرنا متعین ہے، دوسرے مقام پر معنی کی رعایت کی وجہ سے لام کو ظاہر کرتے ہیں اور لفظ کی رعایت کی وجہ سے لام کو حذف کرتے ہیں اس لئے کہ سوال کے الفاظ یہ ہیں قل مَن رب السمٰوات (الآیہ) تو اس وقت جواب ہوگا اللہ، اور معنی کی رعایت کریں تو مَن رب السمٰوات معنی میں لِمَن السمٰوات تو اس وقت جواب میں للّٰہ واقع ہوگا، اسی طرح تیسرے مقام قل مَنْ بیدہٖ ملکوْتُ کُلِّ شیئٍ اگر سوال کے لفظ کی رعایت کی جائے تو لام حذف ہوگا اور اگر سوال کے معنی کی رعایت کی جائے تو لام ظاہر ہوگا، اس لئے کہ معنی یہ ہیں لِمَن ملکوتُ کُلُّ شیئٍ خلاصہ یہ ہے کہ ان تین مقاموں میں سے پہلے مقام میں اظہار لام جر متعین ہے اور بعد کے دونوں مقاموں میں سوال کے لفظ کی رعایت سے حذف لام ہوگا اور معنی کی رعایت سے اظہار لام ہوگا یعنی اظہار اور حذف دونوں جائز ہیں، **قوله** تُخْدَعُوْنَ تُسْحَرُوْنَ کی تفسیر تُخْدَعُوْنَ سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ تُسْحَرُوْنَ مجازاً تخدعُوْن کے معنی میں ہے **قوله** وتُصْرَفُوْنَ عن الحقِّ عِبادَةِ اللّٰہِ، عِبَادَةِ اللّٰہِ حق سے بدل ہے اسی وجہ سے عبادۃ اللّٰہ مجرور ہے **قوله** کَیْفَ یُخَیَّلُ لکُمْ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَنّیٰ کَیْفَ کے معنی میں ہے اور تُسْحَرُوْنَ تُخَیَّلُ کے معنی میں ہے **قوله** مِنْ وَلَدٍ من مفعول پر زائدہ ہے اور من الٰہٍ میں منْ کان کے اسم پر زائد ہے **قوله** اِذًا ای لو کان معہ الٰہ لَذَهَبَ (الآیہ) اِذًا کے بعد لو کان معهٗ کا اضافہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اذا ایسے کلام پر داخل

ہوتا ہے کہ جو شرط و جزاء پر مشتمل ہو اور یہاں لَذَهَبَ صرف جزا ہے جواب یہ ہے کہ شرط محذوف ہے جس کی طرف شارح نے لو کان معهٗ الٰهٌ محذوف مان کر اشارہ کردیا ہے، اِذًا بمعنی لو امتناعیہ ہے، **قوله** ماذُکِرَ ای من الاولاد و الانداد **قوله** عالمِ الغیبِ جر کے ساتھ ہے لفظ اللہ سے بدل یا صفت واقع ہونے کی وجہ سے اور عالمُ الغیب کو رفع کے ساتھ پڑھا جائے تو هُوَ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی، **قوله** فتعالٰی اس کا عطف ماقبل کے معنی پر ہے، ای عَلِمَ الغیبَ فتعالٰی عما یُشرکون

تفسیر و تشریح

هُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَلَکُمْ (الآیہ) یعنی عقل و فہم اور سننے سمجھنے کی یہ صلاحیتیں عطا کیں تاکہ ان کے ذریعہ وہ حق پہچانیں، سنیں اور اسے قبول کریں یہی ان نعمتوں کا شکر یہ ہے مگر یہ شکر کرنے والے یعنی حق کو قبول کرنے والے کم ہی ہیں۔

اَسَاطِیْرُ، اُسطُورۃ کی جمع ہے یعنی مُسَطَّرَۃ مکتوبۃ لکھی ہوئی کہانیاں یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ کب سے ہوتا آرہا ہے، ہمارے آباؤ اجداد سے مگر ابھی تک روبعمل تو نہیں ہوا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ کہانیاں ہیں جو پہلے لوگوں نے کتابوں میں لکھ دی ہیں جو نقل در نقل ہوتی چلی آرہی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں، بھلا کہیں یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں ملنے کے بعد زندہ کئے جائیں گے ایسی باتیں اور ایسے وعدہ تو ہم اپنے باپ دادوں سے سنتے چلے آرہے ہیں لیکن ہم نے آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو آدمی بنتے نہیں دیکھا

وَهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ علیه (الآیہ) یعنی اللہ تعالٰی جس کو چاہے عذاب اور مصیبت سے پناہ دیدے اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے مقابلہ پر کسی کو پناہ دیکر اس کے عذاب و تکلیف سے بچائے یہ بات دنیا کے اعتبار سے بھی صحیح ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی۔ (قرطبی)

قُل لمن الارض ومن فیها ان کنتم تعلمون یعنی جب تمہیں یہ تسلیم ہے کہ زمین کا اور اس میں موجود تمام اشیاء کا خالق اور مالک تنہا وہی ایک اللہ ہے اور آسمان اور عرش عظیم کا مالک بھی وہی ہے تو پھر تمہیں یہ تسلیم کرنے میں تامل کیوں ہے کہ عبادت کے لائق بھی صرف وہی ایک اللہ ہے پھر تم اس کی وحدانیت کو تسلیم کرکے اس کے عذاب سے بچنے کا اہتمام کیوں نہیں کرتے، تمہاری عقلوں کو کیا ہوگیا ہے کہ اس اعتراف اور علم کے باوجود تم دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو؟ قرآن کریم کی اس صراحت سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ کی ربوبیت اور اس کی خالقیت و مالکیت اور رزاقیت کے منکر نہیں تھے بلکہ یہ سب باتیں تسلیم کرتے تھے انہیں صرف توحید الوہیت سے انکار تھا اور یہ سب کچھ صرف اور صرف اس مغالطہ کی بنا پر تھا کہ یہ بھی اللہ کے نیک بندے تھے ان کو اللہ نے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور ہم ان کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہیں یہی مغالطہ آج کل کے مردہ پرستوں اور اہل بدعت کو ہے جس کی بنیاد پر

وہ فوت شدگان کو مدد کے لئے پکارتے ہیں ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں حالانکہ اللہ اور اس کے رسول نے کہیں نہیں فرمایا کہ تم غیر اللہ کو امداد اور حاجت روائی کے لئے پکارا کرو، اللہ اور اس کے رسول نے تو اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور جو لوگ اللہ کے ساتھ غیر کو عبادت میں شریک کرتے ہیں اس لئے نہیں کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے بلکہ محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور آباء پرستی کی وجہ سے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی ساجھی، اگر ایسا ہوتا تو ہر شریک اپنے حصہ کی مخلوق لیکر الگ ہو جاتا اور خود اپنی مرضی سے اس کا انتظام کرتا اور ہر شریک دوسرے شریک پر غالب آنے کی کوشش کرتا جیسا کہ دنیوی بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے، اور جب ایسا نہیں ہے اور نظام عالم میں ایسی کوئی کشاکش نہیں ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے جو مشرکین اس کی بابت باور کرتے ہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا فِيه اِدْغَامُ نُوْن اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الزَّائِدَةِ **تُرِيَنِّي مَا يُوْعَدُوْنَ** مِنَ الْعَذَابِ هُوَ صَادِقٌ بِالْقَتْلِ بِبَدْرٍ **رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ** فَاُهْلَكُ بِهَلَاكِهِمْ **وَاِنَّا عَلٰى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ** اى الخَلَّةُ من الصَّفحِ والإعراضِ عَنْهُمُ **السَّيِّئَةَ** اَذَاهُم ايّاكَ وهٰذا قَبْلَ الأمرِ بالقتالِ **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ** اى يَكْذِبُوْنَ ويَقُوْلُوْنَ فَنُجَازِيْهِم عَلَيْهِ **وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ** اَعْتَصِمُ **بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ** نَزَغَاتِهِم بِمَا يُوَسْوِسُوْنَ به **وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ** فِي اُمُوْرِي لِاَنَّهُمْ اِنَّمَا يَحْضُرُوْنَ بِسُوْءٍ **حَتّٰى** اِبْتِدَائِيَّةٌ **اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ** وَرَاٰى مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ومَقْعَدَهُ مِنَ الجَنَّةِ لَوْ آمَنَ **قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ** اَلْجَمْعُ لِلتَّعْظِيمِ **لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا** بِاَنْ اَشْهَدَ اَنْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَكُوْنُ **فِيْمَا تَرَكْتُ** ضَيَّعْتُ مِنْ عُمُرِي اى فى مُقَابَلَتِه قال تعالىٰ **كَلَّا** اى لارُجُوْعَ **اِنَّهَا** اى رَبِّ ارْجِعُوْنِ **كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا** وَلَا فَائِدَةَ لَهُ فِيْهَا **وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ** اَمَامِهِم **بَرْزَخٌ** حَاجِزٌ يَصُدُّهُمْ عَنِ الرُّجُوْعِ **اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ** وَلَارُجُوْعَ بَعْدَهُ **فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ** الْقَرْنِ النَّفْخَةُ الاولٰى او الثَّانِيَةُ **فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ** يَتَفَاخَرُوْنَ بِهَا **وَلَا يَتَسَآءَلُوْنَ** عنها خِلَافَ حَالِهِمْ فِي الدُّنْيَا لِمَا يَشْغَلُهُمْ مِنْ عِظَمِ الاَمْرِ عَنْ ذٰلِكَ فِي بَعْضِ مَوَاضِعِ القِيٰمَةِ وفِي بَعْضِهَا يُفِيْقُوْنَ وفِي آيَةٍ اُخْرٰى وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ **فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ** بِالحَسَنَاتِ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** الفَائِزُوْنَ **وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ** بِالسَّيِّئَاتِ **فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ** تُحْرِقُهَا **وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ** شُمِّرَتْ شِفَاهُهُمُ العُلْيَا وَالسُّفْلٰى عَنْ اَسْنَانِهِمْ وَيُقَالُ لَهُمْ **اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ** مِنَ القُرآنِ **تُتْلٰى عَلَيْكُمْ**

تَخُوْفُوْنَ بِهَا فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ○ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وفى قِرَاءَةٍ شَقَاوَتُنَا بِفَتْحِ اَوَّلِه وَالِفٍ وهُمَا مَصْدَرانِ بِمَعْنًى وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ○ عَنِ الْهِدَايَةِ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا اِلَى الْمُخَالَفَةِ فَاِنَّا ظَالِمُوْنَ○ قَالَ لَهُمْ بِلِسَانِ مَالِكٍ بَعْدَ قَدْرِ الدُّنْيَا مَرَّتَيْنِ اخْسَئُوْا فِيْهَا اُقْعُدُوْا فِى النَّارِ اَذِلَّاءَ وَلَا تُكَلِّمُوْنِ○ فِى رَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ فَيَنْقَطِعُ رَجَاؤُهُمْ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِىْ هم الْمُهَاجِرُوْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ○ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا بِضَمِّ السِّيْنِ وَكَسْرِهَا مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الْهُزْءِ مِنْهُمْ بِلَالٌ وصُهَيْبٌ وَعَمَّارٌ وخَبَّابٌ حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِىْ فَتَرَكْتُمُوْهُ لِاشْتِغَالِكُمْ بِالْاِسْتِهْزَاءِ بِهِمْ فَهُمْ سَبَبُ الْاِنْسَاءِ فَنُسِبَ اِلَيْهِمْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ○ اِنِّىْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ النَّعِيْمَ الْمُقِيْمَ بِمَا صَبَرُوْا عَلٰى اِسْتِهْزَائِكُمْ بِهِمْ واذكُم اِيَّاهُم اَنَّهُمْ بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ○ بِمَطْلُوْبِهِمْ اِسْتِيْنَافٌ وبِفَتْحِهَا مَفْعُوْلٌ ثَانٍ لِجَزَيْتُهُمْ قَالَ تعالٰى لَهُمْ بِلِسَانِ مَالِكٍ وفى قِرَاءَةٍ قُلْ كَمْ لَبِثْتُمْ فِى الْاَرْضِ فى الدُّنْيَا وفِى قُبُوْرِكُمْ عَدَدَ سِنِيْنَ○ تَمْيِيْزٌ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ شَكُّوْا فى ذٰلِكَ واسْتَقْصَرُوْهُ لِعِظَمِ مَاهُمْ فِيْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَاسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ○ اى المَلَائِكَةَ الْمُحْصِيْنَ اَعْمَالَ الخَلْقِ قَالَ تَعَالٰى بِلِسَانِ مَالِكٍ وَفِى قِرَاءَةٍ قُلْ اِنْ اى مَا لَبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ مِقْدَارَ لُبْثِكُمْ مِنَ الطُّوْلِ كَانَ قَلِيْلًا بِالنِّسْبَةِ اِلٰى لُبْثِكُمْ فِى النَّارِ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا لَا لِحِكْمَةٍ وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ○ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ لابَلْ لِنَتَعَبَّدَكُمْ بِالْاَمْرِ وَالنَّهْىِ وتُرْجَعُوْا اِلَيْنَا ونُجَازِىْ عَلٰى ذٰلِكَ ومَا خَلَقْتُ الجِنَّ والْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ فَتَعَالَى اللّٰهُ عَنِ العَبَثِ وَغَيْرِه مِمَّا لَايَلِيْقُ به الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ○ الْكُرْسِىِّ هُوَ السَّرِيْرُ الْحَسَنُ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَابُرْهَانَ لَهٗ بِه صِفَةٌ كَاشِفَةٌ لَامَفْهُوْمَ لَهَا فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ جَزَاؤُهٗ عِنْدَ رَبِّه اِنَّهٗ لَايُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ○ لَايَسْعَدُوْنَ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الرَّحْمَةِ زِيَادَةٌ عَلَى الْمَغْفِرَةِ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ○ اَفْضَلُ ع

ترجمہ

آپ دعاء کیجئے کہ اے میرے پروردگار اِمَّا اصل میں اِنْ مَا تھا اِنْ شرطیہ کے نون کو مازائدہ میں ادغام کردیا جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جارہا ہے اگر آپ مجھ کو دکھادیں تو اے میرے پروردگار مجھے ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے کہ میں ان کے ساتھ ہلاک کردیا جاؤں اور وہ وعدہ (غزوہ) بدر میں قتل کے ذریعہ صادق آیا اور ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جو وعدہ ان سے کررہے ہیں آپ کو دکھلادیں آپ ان کی بدی یعنی آپ کو ایذارسانی کا دفعیہ ایسے

طریقہ سے کر دیا کیجئے کہ جو بہت ہی اچھا ہو یعنی ان سے عفوودرگذر کی خصلت کے ذریعہ اور یہ (عفوودرگذر) کا حکم جہاد کی اجازت سے پہلے کا ہے ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ کہا کرتے ہیں یعنی تکذیب کرتے ہیں اور باتیں بناتے ہیں ہم ان کو اس کی سزا دیں گے اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں ان شیطانی خیالات سے کہ جن کے ذریعہ وہ وسوسہ ڈالتے ہیں اور اے میرے رب میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں یعنی میرے کاموں میں دخل دیں اس لئے کہ وہ بدی ہی کے ساتھ آتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے، حَتّٰی ابتدائیہ ہے اور وہ دوزخ کا اپنا ٹھکانا اور جنت کا اپنا ٹھکانا اگر ایمان لاتا دیکھ لیتا ہے تو (اس وقت) کہتا ہے اے میرے رب آپ مجھے واپس بھیج دیجئے اِرْجِعُوْنِ جمع کا صیغہ تعظیم کے لئے ہے تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں جا کر نیک عمل کروں یعنی لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دوں تاکہ میری یہ شہادت مافات کی تلافی ہو جائے یعنی جو عمر میں نے ضائع کر دی اس کا عوض ہو جائے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا یعنی رجعت نہیں ہو سکتی، بلاشبہ یہ یعنی رَبِّ ارجعون ایک کلمہ ہے جس کو یہ بولے جا رہا ہے اور اس کلمہ کے بار بار کہنے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اور ان لوگوں کے آگے ایک آڑ ہے جو ان کو رجوع سے مانع ہے قیامت کے دن تک اور اس کے بعد رجوع نہیں ہے پھر صور میں پھونکا جائے گا یعنی سینگ (جیسی کسی شئ) میں پہلا نفخہ یا ثانیہ تو اس روز ان کے درمیان رشتے ناتے جن پر یہ لوگ فخر کرتے تھے باقی نہیں رہیں اور نہ کوئی رشتے ناتوں کے متعلق پوچھے گا بخلاف دنیا میں ان کی حالت کے، اس لئے کہ ایک امر عظیم قیامت کے بعض مواقع میں ان کو اس (پوچھ گچھ) سے غافل کر دے گا، اور قیامت کے بعض مواقع میں ان کو افاقہ ہوگا اور ایک دوسری آیت میں ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں گے سو جس شخص کا نیکیوں کی وجہ سے پلڑا بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور سیئات کی وجہ سے جس کا پلڑا ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا سو وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی یعنی جلا دے گی اور وہ وہاں بد شکل بنے ہوں گے اور ان کے اوپر کے ہونٹ اوپر کو سکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کے نیچے کے ہونٹ دانتوں سے نیچے لٹکے ہوئے ہوں گے، ان سے ارشاد ہوگا کیا تم کو قرآن سے میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں یعنی ان آیات کے ذریعہ تم کو خوف نہیں دلایا جاتا تھا پھر بھی تم ان کی تکذیب کرتے تھے وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہماری بدنصیبی ہمارے اوپر غالب آگئی تھی اور ایک قرأت میں شَقَاوَتُنَا ہے اول کے فتحہ اور الف کے ساتھ اور یہ دونوں مصدر ہیں دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور بے شک ہم ہدایت سے بھٹکے ہوئے تھے اے ہمارے پروردگار ہم کو جہنم سے نکال دیجئے پس اگر ہم پھر بھی مخالفت کریں تو بلاشبہ ہم قصوروار ہوں گے دنیا کی دوگنی مقدار کے بعد مالک کی زبانی ارشاد ہوگا ذلت کے ساتھ اسی میں پڑے رہو یعنی ذلت کے ساتھ جہنم میں پڑے رہو، اور مجھ سے اپنے رفع عذاب کے بارے میں کلام مت کرو چنانچہ وہ لوگ مایوس ہو جائیں گے میرے بندوں میں ایک

جماعت تھی جو عرض کیا کرتی تھی اور وہ مہاجرین کی جماعت تھی اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے ہیں ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمائیے آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں لیکن تم انہیں مذاق میں اڑاتے رہے **سُخریا** سین کے ضمہ اور اس کے کسرہ کے ساتھ بمعنی تمسخر، ان میں بلالؓ اور صہیبؓ اور عمارؓ اور خبابؓ تھے یہاں تک کہ ان لوگوں نے تم کو ہماری یاد بھلا دی سو تم نے ان کے استہزاء میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس یاد کو ترک کر دیا تو گویا کہ وہ لوگ بھلانے کا سبب ہوئے اسی وجہ سے بھلانے کی نسبت ان کی طرف کر دی اور تم ان کی ہنسی ہی اڑاتے رہے، میں نے آج ان کو تمہارے استہزاء اور ایذا پر صبر کرنے کے عوض دائمی نعمتوں کا بدلہ دیدیا بلاشبہ یہی لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہیں **اِنّھم** کے کسرہ کے ساتھ (اس صورت میں) جملہ مستانفہ ہوگا اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ **جَزَیْتُھم** کا مفعول ثانی ہوگا اللہ تعالیٰ مالک کی زبانی فرمائے گا اور ایک قرأت میں **قُلْ** ہے کہ تم دنیا میں اور اپنی قبروں میں سالوں کے حساب سے کتنی مدت رہے **عَدَدَ سنین**، **کم** کی تمیز ہے (تقدیر عبارت یہ ہے) لبثتم کم عددًا مِنَ السنین وہ جواب دیں گے کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے وہ اس مدت قیام میں شک کریں گے اور ابتلائے عذاب کے عظیم ہونے کی وجہ سے قیام دنیا کی مدت کو کم سمجھیں گے سو شمار کرنے والوں یعنی مخلوق کے اعمال کو شمار کرنے والے فرشتوں سے معلوم کر لیجئے اللہ تعالیٰ مالک کی زبانی فرمائیں گے اور ایک قرأت میں **قُلْ** ہے تم تھوڑی ہی مدت رہے ہو کیا اچھا ہوتا کہ تم اپنے طول قیام کی مدت کو جان لیتے جو بہت کم تھی تمہارے جہنم میں قیام کی نسبت سے کیا تم یہ گمان کئے ہوئے تھے کہ ہم نے تم کو بیکار بغیر کسی حکمت کے پیدا کر دیا **اور یہ کہ تم** ہمارے پاس لوٹ کر نہ آؤ گے **ترجعون** معروف اور مجہول دونوں ہیں، نہیں بلکہ (ہم نے تم کو اس لئے پیدا کیا) کہ تم کو امر اور نہی کا مکلف بنائیں اور تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ اور ہم اس تکلیف پر تم کو جزاء دیں، اور ہم نے جن وانس کو صرف عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے سو اللہ تعالیٰ عبث وغیرہ سے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے برتر ہے، جو کہ بادشاہ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں عرش عظیم کا مالک ہے یعنی کرسی کا جو کہ بہترین تخت ہے **اور جو شخص** اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی بندگی کرے گا کہ جس کے معبود ہونے پر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے **آخر**، **اِلٰھًا** کی صفت کاشفہ ہے اس کے مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں، سو اس کا حساب یعنی اس کی جزاء اس کے رب کے یہاں ہوگا یقینًا کافروں کو فلاح نہ ہوگی یعنی سعادتمند نہ ہوں گے اور آپ یوں دعا کیا کیجئے اے میرے رب معاف فرما اور مومنین پر رحم فرما رحمت میں مغفرت کے مقابلہ میں زیادتی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے یعنی رحمت کے اعتبار سے افضل ہے۔

تحقیق وترکیب وتفسیری فوائد

قولہ تُرِیَنّی تو مجھے دکھلائے اِراءۃً سے مضارع واحد مذکر حاضر با نون تاکید ثقیلہ مبنی برفتحہ متعدی بدو مفعول

بواسطہ ہمزہ ی ضمیر متکلم مفعول اول ما موصولہ مفعول ثانی **قولہ** فَلَا تَجْعَلْنِیْ جواب شرط فی بمعنی مع لفظ رَبِّ کا اعادہ تضرع اور عاجزی میں مبالغہ کرنے کے لئے کیا گیا ہے فَاُهْلَكُ بِهَلَاكِهِمْ جواب نہی ہے وَاِنَّا عَلٰی اَنْ نُرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ناصب نا اس کا اسم علٰی حرف جار نُرِیَ فعل با فاعل كَ مفعول اول مَا موصولہ نَعِدُهُمْ جملہ ہوکر صلہ موصول صلہ سے مل کر بتاویل مصدر ہوکر مفعول ثانی نُرِیَ اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر مجرور ہوا علٰی جار کا جار مجرور سے مل کر متعلق مقدم ہوا قادِرُوْنَ کا قادرون اپنے متعلق سے مل کر اِنَّا کی خبر **قولہ** ای خَلَّة بمعنی خصلت مفسر علام نے خَلَّة کو مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اَلَّتِیْ خَلَّة موصوف مقدر کی صفت ہے اور السَّیِّئَةُ اِدفع کا مفعول بہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِدْفَعْ السَّیِّئَةَ بالخصلة التی هی احسن **قولہ** من الصفح والاعراض عنهم میں مِن بیانیہ ہے اور الصفح الخ خصلة کا بیان ہے **قولہ** اَذَاهُمْ ایاكَ ، السَّیِّئة کی تفسیر ہے **قولہ** هَمَزَات همزٌ کی جمع ہے شیطانی وسوسے، نفسانی خطرات **قولہ** حَتّٰی ابتدائیہ ہے یعنی مابعد کلام ماقبل سے جدا ہے، اس کلام کا مقصد مرنے کے بعد کافروں کا حال بیان کرنا ہے **قولہ الجمع للتعظیم** مفسر علام اس عبارت سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کہ مخاطب ہے واحد ہے لہٰذا رَبِّ ارْجِعْنِیْ سے خطاب کرنا چاہئے، جواب یہ ہے کہ تعظیماً جمع کا صیغہ لایا گیا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اِرْجعونِ میں واؤ تکرار پر دلالت کرنے کے لئے لایا گیا ہے، ای اِرجِعْنِیْ اِرْجعنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "اَلْقِیَا فی جهنم" میں الف تکرار کے لئے ہے یعنی اَلْقِ اَلْقِ کی معنی میں ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ جمع کا صیغہ ملائکہ کے اعتبار سے ہے **قولہ** وَرَائِهِمْ هم لِاَحَدهم کی طرف راجع ہے جمع کی ضمیر باعتبار معنی کے ہے اس لئے اَحَدهم معنی میں کلهم کے ہے ماقبل میں واحد کی ضمیریں باعتبار لفظ کے ہے **قولہ** فَلَااَنْسَابَ بینهُمْ انساب نسب کی جمع ہے بمعنی قرابت، رشتہ داری یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے درمیان نسب اور قرابت تو ثابت شدہ امر ہے اس کی نفی کس طرح صحیح ہے مفسر علام نے یَتَفَاخَرون کا اضافہ کرکے اس سوال کا جواب دیدیا کہ نسب کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کی صفت جو کہ محذوف ہے اس کی نفی مقصود ہے اور وہ یتفاخرون ہے، یعنی دنیا میں جس نسب اور قرابت پر فخر کیا کرتے تھے وہ سب ختم ہوجائیں گے، اس لئے کہ میدان محشر میں ہولناکی اور دہشت کی وجہ سے تراحم اور تعاطف سب ختم ہوجائیں گے، اسی ہولناکی کی منظر کشی کرتے ہوئے دوسری آیت میں فرمایا یَفِر المرأ مِنْ أخيهِ وأُمِّهِ وَاَبِيهِ وصَاحِبَتِهِ وبنيهِ **قولہ** لایتساءلون عنها ای الانساب خِلَافَ حَالهم **فی الدنیا** ای ذٰلكَ خِلَافَ حالهم **قولہ** لِمَا يَشْغَلُهُمْ یہ ولایتساءلون کی علت ہے یعنی یہ عدم تساؤل ان کے اپنے حالات میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہوگا، **قولہ** فی بعض مواضع القیامة الخ مفسر علام نے اس عبارت سے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے، اعتراض یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے روز محشر میں آپس میں پوچھ کچھ نہیں ہوگی اور ایک آیت میں ہے

وَاَقْبَلَ بَعْضُھم عَلٰی بَعْضٍ یَتَسَاءَ لُوْن جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ روز محشر میں اوقات اور حالات مختلف ہوں گے، بعض حالات میں جب خوف ودہشت غالب ہوگا تو کسی کی مزاج پرسی نہ کرے گا اور جب ذرا سہولت ہوگی تو آپس میں خیر خیریت دریافت کریں گے اور مزاج پرسی کریں گے، مطلب یہ ہے کہ نفخہ اولیٰ کے وقت دہشت غالب ہوگی تو کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا، اور نفخہ ثانیہ کے بعد جب یک گونہ سہولت ہوجائے گی تو آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی اور مزاج پرسی بھی کریں گے، **قوله** موازین کو یا تو عظمت کی وجہ سے جمع لایا گیا ہے یا موزون کے مختلف النوع ہونے کی وجہ سے جمع لایا گیا ہے یعنی ہر قسم کے عمل کو وزن کرنے کے لئے الگ قسم کی ترازو ہوگی جیسا کہ دنیا میں مختلف اقسام کی اقسام کو تولنے کے لئے مختلف قسم کی ترازو (مقیاس) ہوتی ہیں، بالحسنات میں باسببیہ ہے یعنی حسنات کے ثقیل اور بوجھل ہونے کی وجہ سے **قوله** فَھُمْ یہ اشارہ ہے کہ فی جھنم، ھُم مبتدا محذوف کی خبر ہے زمخشری نے کہا ہے کہ فی جھنم خالدون، الذین خسِرُوْا انفُسَھُمْ سے بدل ہے **قوله** تَلْفَحُ جملہ مستانفہ ہے **قوله** شَمَّرتْ شَمَّرَ کے معنی آستین وغیرہ چڑھانا، سکڑنا، **قوله** والسفلیٰ عن اَسْنانھم سے پہلے فعل محذوف ہے ای اِسْتَرخَتْ السفلیٰ **قوله** قال تعالیٰ لَھُمْ بلسان مالك، مفسر علام نے اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال یہ ہے اللہ تعالیٰ کا قال کَمْ لَبِثتم کے ذریعہ کفار سے خطاب کرنا یہ ان سے کلام کرنے کا متقاضی ہے، حالانکہ دوسری آیت میں فرمایا ہے و لایکلمھم اللّٰه یہ کلام نہ کرنے کا متقاضی ہے دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، جواب یہ ہے کہ جس آیت سے کلام نہ کرنا معلوم ہوتا ہے اس کا مطلب ہے کہ براہ راست اور بلا واسطہ ان سے کلام نہ فرمائیں گے، اور جس آیت سے کفار سے کلام کرنا مفہوم ہوتا ہے وہاں بواسطہ مالک کلام کرنا مقصود ہے، **قوله** لَوْ اَنّکم کنتم تعلمون مقدار لُبثِکُمْ لَو امتناعیہ ہے اور تعلمون کا مفعول محذوف ہے مفسر علام نے مقدار لبثکم مقدر مان کر حذف مفعول کی طرف اشارہ کردیا، جواب لَوْ بھی محذوف ہے جس کی طرف مفسر علام نے کان قلیلاً کہہ کر حذف جواب کی طرف اشارہ کردیا ای کان قلیلاً فی علمکم **قوله** اَفَحَسِبْتُمْ میں ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فا عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ اَجَھِلْتم فحسبتُمْ استفہام توبیخ کے لئے ہے **قوله** عَبَثًا یا تو مصدر بمعنی اسم فاعل موقع حال میں واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای عابثین یا پھر خلقنا کا مفعول لہ ہے **قوله** لا لحکمة یہ عبث کی تفسیر ہے **قوله** اَنّکُمْ اِلَیْنَا لاتُرجعون کا عطف انما خَلَقْنَاکم پر ہے **قوله** لابل یہ جوابِ استفہام کے طور پر مقدر مانا ہے **قوله** ھو سریر الحسن بعض نسخوں میں یہ عبارت نہیں ہے **قوله** صفة کاشفة لامفھوم لھا مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ وَمَنْ یَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا آخرَ لابُرْھَانَ لَهٗ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرے تو وہ بے برہان اور بے سند ہے، اس سے مفہوم مخالف کے طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو صرف غیر اللہ کی عبادت کرے تو اسکے پاس برہان اور سند ہے

حالانکہ یہ بات غلط ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آخرَ الٰھًا کی صفت کاشفہ ہے جو کہ محض وضاحت کے لئے ہوتی ہے اس کے مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا، البتہ صفت مخصصہ کے مفہوم مخالف کا اعتبار ہوتا ہے، صفت کاشفہ تو محض تاکید کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول طَائِرٌ یَطِیرُ بِجَنَاحَیْهِ یَطِیْرُ بجناحَیْهِ طائرٌ کی صفت کاشفہ ہے جو کہ محض تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ ہر پرندہ پروں ہی سے اڑتا ہے، پھر یہ کہنا کہ وہ پرندہ جو پروں سے اڑتا ہے کیا معنی؟ لہٰذا وَمَنْ یَدْعُوْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ استدلال کرنا کہ اگر کوئی شخص غیر اللہ کی بندگی اشتراکاً کرے تو وہ بے سند اور بے برہان ہو اور اگر افراداً غیر اللہ کی بندگی کرے تو وہ باسند اور با برہان ہو صحیح نہیں ہے۔ (روح البیان) فَاِنَّمَا حِسَابه عند ربه یہ جواب شرط ہے **قوله** اِنَّهٗ لایفلحُ الکافرونَ جمہور کے نزدیک ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور اس میں علت کے معنی ہیں۔

تفسیر وتشریح

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ

ان دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں مشرکین وکفار پر عذاب کی وعید مذکور ہے جو عام ہے قیامت میں تو اس کا وقوع قطعی اور یقینی ہے دنیا میں بھی واقع ہونے کا احتمال ہے، پھر یہ عذاب اگر دنیا میں ان پر واقع ہو تو اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد آئے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ ہی کے سامنے ان پر اللہ کا عذاب آجائے، اور دنیا میں جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو بعض اوقات اس عذاب کا اثر صرف ظالموں ہی پر نہیں رہتا بلکہ نیک لوگ بھی اس سے دنیاوی تکلیف سے متاثر ہو جاتے ہیں گو آخرت میں ان کو کوئی عذاب نہ ہو بلکہ اس دنیا کی تکلیف پر جو ان کو پہنچتی ہے اجر بھی ملے، قرآن کریم کا ارشاد ہے اِتَّقُوْا فِتْنَةً لاتصیبنّ الذین ظلموا منکم خاصّةً یعنی ایسے عذاب سے ڈرو جو اگر آگیا تو صرف ظالموں ہی تک نہیں رہے گا دوسرے لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آئیں گے۔

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے کہ یا اللہ اگر ان لوگوں پر آپ کا عذاب میرے سامنے اور میرے دیکھتے ہوئے ہی آتا ہے تو مجھے اُن ظالموں کے ساتھ نہ رکھئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم اور عذاب الٰہی سے محفوظ ہونا اگر چہ آپ کے لئے یقینی تھا مگر پھر بھی اس دعا کی تلقین اس لئے فرمائی گئی کہ ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھیں اس سے فریاد کرتے رہیں تا کہ آپ کا اجر بڑھے۔ (قرطبی بحوالہ معارف)

وَاِنَّا عَلٰۤی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ (الآیہ) یعنی ہم کو قدرت ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے دنیا ہی

میں ان کو سزا دیں لیکن آپ کے مقام بلند اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضی یہ ہے کہ ان کی برائی کو بھلائی سے دفع کریں جہاں تک اس طرح دفع ہو سکتی ہو اور ان کی بیہودہ بکواس سے مشتعل نہ ہوں ان کو ہم خوب جانتے ہیں، وقت پر کافی سزا دی جائے گی آپ کی چشم پوشی اور نرم برتاؤ کا یہ اثر ہوگا کہ بہت سے لوگ گرویدہ ہو کر آپ کی طرف مائل ہوں گے اور دعوت و اصلاح کا مقصود حاصل ہوگا، اس آیت میں آپ ﷺ کو مکارم اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے جو ہر مسلمان کو باہم معاملات میں ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے، البتہ کفار و مشرکین سے ان کے مظالم کے مقابلہ میں عفو درگذر ہی کرتے رہنا، ان پر ہاتھ نہ اٹھانا یہ حکم آیات جہاد سے منسوخ ہو گیا مگر عین حالت جہاد میں بھی اس حسن خلق کے بہت سے مظاہر باقی رکھے گئے کہ عورت کو قتل نہ کیا جائے بچہ کو قتل نہ کیا جائے، جو مذہبی لوگ مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ میں شریک نہ ہوں ان کو قتل نہ کیا جائے، اور جس کو بھی قتل کریں اس کو مثلہ (مسخ) نہ کریں کہ ناک کان وغیرہ کاٹ لیں، اس لئے بعد کی آیت میں آنحضرت ﷺ کو شیطان اور اس کے وساوس سے پناہ مانگنے کی دعا کی تلقین کی گئی کہ عین میدان قتال میں بھی آپ کی طرف سے عدل والصاف اور مکارم اخلاق کے خلاف کوئی کام شیطان کے غصہ دلانے سے صادر نہ ہو، شیطان کے شر اور اس کے وسوسوں سے بچنا انسان کے بس کی بات نہیں جب تک خدا کی مدد شامل حال نہ ہو اس لئے اس کا علاج صرف استعاذہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجانا تا کہ وہ قادر مطلق شیطان کی چھیڑ خانی اور شر سے محفوظ رکھے، حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ شیطان کی چھیڑ یہ ہے کہ دین کے سوال و جواب میں بے موقع غصہ چڑھے اور لڑائی ہو پڑے، اسی پر فرمایا برے کا جواب دے اس سے بہتر اور کسی حال میں بھی شیطان کو میرے پاس نہ آنے دیجئے کہ مجھ پر وہ اپنا وار کر سکے۔

مجرب عمل

حضرت خالد بن ولیدؓ کو رات کو نیند نہ آتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ کلمات دعا تلقین فرمائے کہ یہ پڑھ لیا کریں چنانچہ حضرت خالدؓ نے پڑھنا شروع کیا تو یہ شکایت جاتی رہی وہ دعا یہ ہے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَعِقَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطٰنِ وَاَنْ يَحْضُرُوْنَ (معارف)

رَبِّ ارْجِعُوْنِ یعنی موت کے وقت کافر پر جب آخرت کا عذاب سامنے آنے لگتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میں پھر دنیا میں لوٹ جاؤں اور نیک عمل کر کے اس عذاب سے نجات حاصل کروں۔

ابن جریر نے بروایت ابن جریج نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کے وقت مومن جب رحمت کے فرشتے اور رحمت کا سامان سامنے دیکھتا ہے تو فرشتے اس سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا تم چاہتے ہو کہ پھر تمہیں دنیا میں واپس کر دیا جائے تو وہ کہتا ہے کہ میں اس غموں اور تکلیفوں کے عالم میں جا کر کیا کروں گا مجھے تو آپ اللہ کے پاس لے جائے اور جب کافر سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتا ہے "رَبِّ ارْجِعُوْنِ" یعنی مجھے دنیا میں لوٹا دو۔

کَلَّا اِنَّهَا کلمة هو قائلها (الآیہ) برزخ کے لفظی معنی حاجز اور فاصل کے ہیں اس لئے موت کے بعد قیامت اور حشر تک کے زمانہ کو برزخ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیوی حیات اور اخروی حیات کے درمیان حد فاصل ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب مرنے والا کافر فرشتوں سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کے لئے کہتا ہے تو وہ اپنی زبان سے بار بار ''رب ارجعون'' کا کلمہ دہراتا ہے مگر اس کلمہ کا کوئی فائدہ اب اس لئے نہیں کہ اب وہ برزخ میں پہنچ چکا ہے جس کا قانون یہ ہے کہ برزخ سے لوٹ کر کوئی دنیا میں نہیں آتا اور بعث و نشر سے پہلے دوسری زندگی نہیں ملتی۔ (واللہ اعلم)

فاذا نفخ فی الصور قیامت کے روز صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا، نفخہ اولیٰ اس کا اثر یہ ہوگا کا سارا عالم زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے فنا ہو جائے گا، اور نفخہ ثانیہ سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے، قرآن کریم کی آیت ''ثُمَّ نُفِخَ فِیه اخریٰ فاِذَا هُمْ قیام منظرون'' میں اس کی تصریح موجود ہے۔

محشر میں مومنین اور کفار کے حالات میں فرق

فلا انساب بینهم یعنی میدان حشر میں نسبی رشتے اور قرابتیں کام نہ آئیں گی اسی مضمون کو قرآن کریم کی ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے ''یومَ یَفِرُّ المرأ مِن اخیه و أمه و ابیه و صاحبته و بنیه'' مگر یہ حال کافروں کا ذکر کیا گیا ہے، مومنین کا یہ حال نہ ہوگا کیونکہ مومنین کا حال خود قرآن کریم نے یہ ذکر کیا ہے ''الحقنا بهم ذریتهم'' یعنی مومنین و صالحین کی اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ (بشرط ایمان) اپنے آباء صالحین کے ساتھ لگا دیں گے، بعض احادیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سارے رشتے ناتے اور دامادی کے تعلقات ختم ہو جائیں گے (یعنی کام نہ آئیں گے) **اِلا نسبی و صهری** بجز میرے نسب اور صہر کے معلوم ہوا کہ آپ کے تعلقات عموم سے مستثنیٰ ہیں، اسی حدیث کو سن کر حضرت عمرؓ نے ام کلثوم بنت علی سے نکاح کیا اور چالیس ہزار درہم مہر ادا کیا، ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز جس وقت سب لوگ پیاس کی وجہ سے بیقرار ہوں گے تو مسلمان بچے جو نابالغی کی حالت میں مر گئے تھے وہ جنت کا پانی لئے ہوئے نکلیں گے لوگ ان سے پانی مانگیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو اپنے ماں باپ کو تلاش کر رہے ہیں یہ پانی ان کے لئے ہے (رواہ ابن ابی الدنیا عن عبداللہ بن عمرو عن ابی ذرؓ، مظہری)

بقیہ آیات کی تفسیر تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

سورة النور

سُورةُ النُّورِ مدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثِنْتَانِ اَوْ اَرْبَعٌ وَّسِتُّوْنَ آيَةٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ هٰذِهٖ سُوْرَةٌ اَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا مُخَفَّفًا ومُشَدَّدًا لِكَثْرَةِ المَفْرُوْضِ فيها وَاَنْزَلْنَا فِيْهَا آيَاتٍ بَيِّنٰتٍ واضحات الدَّلالة لَعَلَّكُم تَذَكَّرُوْنَ○ بِادغام التاءِ الثانيةِ فِى الذَّالِ تَتَّعِظُوْنَ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ اى غيرُ المُحْصِنَيْنِ لِرَجْمِهِمَا بالسُّنَّة وَاَلْ فيما ذكر موصولة وهو مبتدأٌ ولِشِبْهِهٖ بالشَّرْطِ دخلتِ الفاءُ فِى خَبَرِهٖ وهو فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ اى ضربةٍ يقال جَلَدَه ضَرَبَ جِلْدَهٗ ويُزاد على ذٰلك بِالسُّنَّةِ تغريبُ عامٍ والرقيقُ على النصف مِمَّا ذكر وَّلَاتَاخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اى حُكْمِهٖ بِاَنْ تتركوا شيئًا مِنْ حدّهما اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ج اى يومِ البَعْثِ فى هٰذا تحريضٌ على ماقَبْلَ الشرطِ وهُوَ جوابُه او دالٌّ على جوابِهٖ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا اى الجَلْدَ طَآئفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ○ قِيْل ثلاثةٌ وقيل اربعةٌ عددُ شهودِ الزِّنَا اَلزَّانِىْ لَايَنْكِحُ يَتَزَوَّجُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَايَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ج اى المناسب لكل منهما ما ذُكر وَحُرِّمَ ذٰلِكَ اى نكاحُ الزوانى عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ○ الاخيارِ نزل ذٰلك لَمَّا هَمَّ فقراءُ المهاجرين ان يَتزوَّجُوْا بغايا المشركين وهُنَّ موسراتٌ لِيُنفِقْنَ عليهم فقيل التحريم خاص بهم وقيل عامٌّ ونُسِخَ بقوله تعالٰى وَاَنْكِحُوْا الاَيَامٰى منكم وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ العَفِيفاتِ بالزنا ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ على زناهنَّ برُؤيَتِهم فَاجْلِدُوْهُمْ اى كُلَّ واحِدٍ منهم ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَّلَاتَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً فى شيءٍ اَبَدًا ج وَاُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ○ لِاِتْيَانِهِمْ كَبِيْرَةً اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ج عَمَلَهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لهم قَذْفَهُمْ رَّحِيْمٌ○ بهم بِالهَامِهِمُ التَّوبَةَ فيها يَنْتَهِىْ فِسْقُهم وتُقبلُ شهادتُهم وقيل لاتقبل رجوعًا بالاستثناءِ الى الجملة الاَخِيْرَةِ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ بالزنا وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ عليه اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ وقع ذٰلك لجماعة من الصحابة فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ مبتدأ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ نصبٌ على المصدر بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ○ فيما رَمٰى به زَوْجَته مِنَ الزنا وَالخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ○ فِىْ ذٰلِكَ وخبرُ المبتدأ يَدْفَعُ عنه حَدَّ القَذْفِ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا العَذَابَ اى حَدَّ الزِّنَا الذى ثبت

بِشَهَادَاتِهٖ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ○ فِيما رَمَاهَا بِه مِنَ الزِّنَا وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ○ فِي ذٰلك وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ بِالسَّتْرِ فِي ذٰلك وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ بِقُبُوْلِهِ التوبةَ في ذٰلك وغيرِه حَكِيْمٌ○ فيما حَكَمَ به في ذٰلك وغيرِه ع لِبَيَّنَ الحقَ في ذٰلك وعَاجَلَ بِالعُقُوبَةِ من يستحقُّهَا

ترجمہ

یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور (اس کے احکام) کو مقرر کیا ہے تخفیف اور تشدید کے ساتھ (مشدد سے اشارہ کثرت احکام کی طرف ہے) اس لئے کہ اس سورت میں احکام کثرت سے ہیں اور ہم نے اس (سورت) میں صاف صاف احکام نازل کئے ہیں جو کہ واضح الدلالت ہیں تاکہ تم یاد رکھو تا ثانیہ کو ذال میں ادغام کرکے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد جو کہ شادی شدہ نہ ہو، اس لئے کہ شادی شدہ مرد عورت کے لئے رجم ثابت ہے، اور الف لام (الزانیۃ اور الزانی) میں موصولہ (بمعنی الذی ہے) اور وہ مبتدا ہے اور اس کے مشابہ بالشرط ہونے کی وجہ سے اس پر فا داخل ہے اور وہ (خبر) فاجلدوا ہے ہر ایک کو ان میں سے سو سو کوڑے مارو یعنی کوڑے کی مار مارو کہا جاتا ہے جَلَدَهٗ ضَرَبَ جلدَهٗ اور زیادہ کیا جائے گا اس پر ایک سال کی جلاوطنی کو حدیث کی وجہ سے اور غلام کو مذکور (سزا) کی آدھی سزا ہے اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے بایں طور کہ ان کی سزا میں سے کچھ چھوڑ دو اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یعنی یوم بعث پر اس میں آمادہ کرنا ہے ماقبل شرط پر اور وہ جواب شرط ہے یا دال علی جواب الشرط ہے اور دونوں کی سزا کے وقت کوڑے لگاتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہئے کہا گیا ہے کہ تین ہوں اور کہا گیا ہے چار ہوں جو کہ زنا کے گواہوں کی تعداد ہے، زانی مرد بجز زانیہ یا مشرکہ عورت کے اور سے عقد نکاح نہیں کرتا اور زانیہ بھی بجز زانی یا مشرک کے اور سے نکاح نہیں کرتی یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے مناسب وہی ہے جو مذکور ہوا اور یہ یعنی زانیوں کا نکاح بھی مومنوں پر حرام کر دیا گیا ہے یہ (حکم) اس وقت نازل ہوا جب فقراء مہاجرین نے یہ ارادہ کیا کہ زوانی مشرکات سے نکاح کریں حال یہ ہے کہ وہ مالدار تھیں تاکہ ان پر وہ خرچ کریں، کہا گیا ہے کہ تحریم انہیں کے ساتھ خاص ہے اور کہا گیا ہے کہ عام ہے (مگر) اللہ تعالیٰ کے قول وَاَنْكِحُوْا الْاَيَامٰى منكم کے ذریعہ منسوخ کردی گئی اور جو لوگ تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں پر زنا کی، اور ان کے زنا پر چشم دید چار گواہ نہ لا سکیں تو مار وان میں سے ہر ایک کو اسی کوڑے اور نہ قبول کرو ان کی شہادت کسی معاملہ میں کبھی بھی اور یہ لوگ فاسق ہیں، مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کرلیں، تو اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرتے ہیں ان کے بہتان لگانے کو اور ان کے دل میں توبہ کا الہام کرکے رحمت کرنے والے ہیں سوا اس توبہ کے ذریعہ ان کا فسق ختم ہو جائے گا اور ان کی شہادت قبول کی جائے گی اور کہا گیا ہے کہ قبول نہیں

کی جائے گی استثناء کو جملہ اخیرہ (یعنی اولئك هم الفاسقون) کی طرف راجع کرتے ہوئے اور وہ لوگ جو اپنی بیبیوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس زنا پر اپنے سوا گواہ نہ ہوں، تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ یقیناً میں سچا ہوں اور قذف کا یہ معاملہ صحابہ کی ایک جماعت کو پیش آیا تھا **شهادة احدهم** مبتدا ہے (اربعَ شَهاداتٍ) مصدریہ (یعنی مفعول ہونے کی) وجہ سے منصوب ہے، اس تہمت زنا میں جو میں نے اپنی بیوی پر لگائی ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں اس تہمت میں جھوٹا ہوں اور مبتداء کی خبر **يَدْفَعُ عنه حدَّ القذفِ** (محذوف) ہے اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے یعنی وہ حد زنا جو اس کے شوہر کی شہادت سے ثابت ہوئی ہے کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ بے شک یہ مرد اس تہمت زنا میں جو اس نے اسے لگائی ہے جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ مرد اس تہمت لگانے میں سچا ہو اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل اور اس کا کرم ہے اس معاملہ میں پردہ پوشی کر کے اور یہ کہ اللہ اس معاملہ میں اور دیگر معاملوں میں توبہ کو قبول کر کے بہت زیادہ توبہ کا قبول کرنے والا (ورنہ تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے) اور حکمت والا ہے جو بھی اس نے اس معاملہ میں اور دیگر معاملات میں حکم صادر فرمایا ہے اس معاملہ میں حق کو بیان فرمادیا اور مستحق عقوبت کے لئے سزا میں جلدی فرمائی۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

هٰذِهٖ سُورَةٌ اَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا هٰذِہٖ کی تقدیر سے اشارہ کردیا کہ سورة مبتداء محذوف کی خبر ہے ھٰذہ کا مرجع اگرچہ سابق میں مذکور نہیں ہے مگر چونکہ ذکر کے قریب ہے جو کہ حاضر کے حکم میں ہے لہٰذا اضمار قبل الذکر کا شبہ لازم نہیں آتا (جمل) اور یہ بھی صحیح ہے کہ سورة مبتداء ہو اور جملہ اَنْزَلْنَاهَا اس کی صفت اور اسی صفت کی وجہ سے نکرہ کا مبتداء بننا درست ہے، اس کی خبر میں دو صورتیں ہیں اول یہ کہ الزانیۃ والزانی جملہ ہو کر خبر ہو، جیسا کہ ابن عطیہ کا یہی خیال ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ خبر محذوف ہو ای **فیما یُتلٰی علیکم بعدُ سورۃ**، اَنْزَلْنَا کا تکرار کمال اہتمام اور غایت اعتناء کی وجہ سے ہے **قوله** آیاتٍ بیناتٍ سے مراد دلائل وحدانیت ہیں، اس سورت کے شروع میں حدود اور چند احکام کا ذکر فرمایا ہے اور آخر سورت میں دلائل توحید ذکر فرمائے ہیں **قوله** فَرَضْنَا سے احکام کی طرف اشارہ ہے اور **قوله** وانزلنا فیها آیاتٍ بیناتٍ سے ادلہ کی طرف اشارہ ہے **قوله** یتذکرون اولاً تا کو قریب المخرج ہونے کی وجہ سے دال سے بدلا پھر دال کو ذال سے بدلا اور ذال کو ذال میں ادغام کردیا، یَذَّکَّرون ہو گیا، **قوله** الزانية والزاني مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، ای فیما یُتلٰی علیکم بعدُ یا پھر فاجلدوا خبر ہے اور مبتداء کی متضمن بمعنی الشرط ہونے کی وجہ سے خبر پر فا داخل ہے الزانیة والزانی میں الف لام چونکہ بمعنی الذی اسم موصول ہے

جس کی وجہ سے مبتداء متضمن بمعنی الشرط ہے جب مبتداء متضمن بمعنی الشرط ہو تو خبر متضمن بمعنی الجزاء ہوتی ہے جس کی وجہ سے خبر پر فا داخل ہوتی ہے **قوله فی هذا تحریض علی ماقبل الشرط الخ** اللہ تعالیٰ کے قول **ان کنتم تومنون باللّٰه** (الآیہ) اس آیت میں ماقبل شرط یعنی **ولا تاخذکم بهما رأفة** پر آمادہ کرنا ہے یعنی اگر تمہارے اندر ایمان ہے تو اللہ کے احکام کے بارے میں کسی کی رعایت نہ کرو اور نہ کسی پر رحم وترس کھاؤ، اہل کوفہ **ولاتاخذکم بهما رأفة** (الآیہ) کو جزاء مقدم مانتے ہیں اور اہل بصرہ جزاء کو محذوف مانتے ہیں اور مذکورہ آیت کو دال برجزاء مانتے ہیں، جو الفاظ دال برجزاء ہیں وہی جزاء محذوف ہوگی **قوله وَلْيَشْهَدْ** امر ندب کے لئے ہے **قوله قیل ثلاثة وقیل اربعة** مذکورہ دونوں قول امام شافعیؒ کے ہیں، یعنی کوڑے مارنے کے وقت تین یا چار اشخاص موجود رہیں امام مالکؒ نے فرمایا کہ چار یا اس سے زیادہ ہونے چاہئیں، امام نخعی اور مجاہد نیز امام احمد رحمہم اللہ نے فرمایا کہ کم از کم دو آدمی ہونے چاہئیں **قوله المناسب لکل منهما** یہ ان لوگوں کے لئے زجر وتنبیہ ہے جو زوانی سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں **قوله الاَیَامٰی اَیِّم** کی جمع ہے غیر شوہر دار عورت کو کہتے ہیں خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ اور غیر بیوی دار مرد کو کہتے ہیں **قوله والذین یَرْمُون المحصنٰت** مبتداء ہے، اس کی تین خبریں ہیں (۱) **فاجلدوهم ثمانین جَلْدَةً** (۲) **ولاتقبلوا لهم شهادةً ابدًا** (۳) **واولٰئك هم الفسقون قوله الا الذین تابو** (الآیہ) امام شافعیؒ کے نزدیک یہ استثناء ماقبل کے دونوں جملوں یعنی **لَاتَقْبَلُوا لهم شهادة** اور **اولٰئك هم الفاسقون** سے ہے لہٰذا اگر کسی عفیف یا عفیفہ کو زنا کی تہمت لگانے والا سچے دل سے توبہ کرلے اور آئندہ کے لئے اپنے اعمال کی اصلاح کرلے تو ان حضرات کے نزدیک اس شخص کی آئندہ شہادت بھی قبول کی جائے گی اور فسق بھی ختم ہوجائے گا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استثناء جملہ اخیرہ یعنی **اولٰئك هم الفاسقون** کی طرف راجع ہے، لہٰذا زنا کی تہمت لگانے والے کا فسق تو ختم ہوجائے گا مگر اس کی شہادت قبول نہ ہوگی، **قوله وقع ذٰلك لجماعة من الصحابة** یعنی بیوی کو زنا کی تہمت لگانے کا معاملہ تین صحابہ کے ساتھ پیش آیا تھا (۱) ہلال بن امیہ (۲) عویمر العجلانی (۳) عاصم بن عدی (جمل)

قوله فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اس کے مرفوع ہونے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں (۱) یہ کہ مبتداء ہو اور اس کی خبر محذوف ہو خواہ مقدم جیسے **فَعَلَيْهِمْ شهادَةُ اَحَدِهِمْ** یا مؤخر ہو جیسا کہ **فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ كائنةٌ** (۲) مبتداء محذوف کی خبر ہو ای **فالواجب شهادةُ احدهم** (۳) فعل مقدر کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو، ای **فَيَكْفِيْ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ** ایک چوتھی ترکیب مبتداء خبر ہونے کی وہ بھی ہے جس کو علامہ محلی نے اختیار کیا ہے یعنی **فشهادةُ احدِهم اربعُ شهاداتٍ** مبتداء، **تدفع عنه حدَّ القذفِ** اس کی خبر ہے، مگر قاضی ثناء اللہ نے اس صورت کو قیل سے ذکر فرمایا ہے جو کہ ضعف کی طرف اشارہ ہے، جمہور نے **اَرْبَعَ** کو مصدریت یعنی مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے اور عامل مصدر **شهادة** ہے اور **اَرْبَعَ** موصوف محذوف کی صفت ہے ای **فشهادة احدهم شهادةً اربَعَ شهاداتٍ باللّٰهِ**

خلاصہ : **فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ** مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ای یُشْهِد احدُهم اس کے مرفوع ہونے کی دو صورتیں ہیں (۱) مبتداء محذوف کی خبر ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی فالواجبُ شَهادَةُ اَحدِهِمْ (۲) **فشهادةُ اَحدِهم** مبتداء اور اس کی خبر محذوف، تقدیر عبارت یہ ہوگی **فعَلَيْهِمْ شهادةُ احدهم قوله اَرْبَعُ** مبتدا کی خبر ہونے کی وجہ سے رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے **فشهادةُ احدِهم** مبتداء **اَرْبعُ شهاداتٍ باللّٰه** اس کی خبر، اس صورت میں حذف کی ضرورت نہیں۔

جمہور کے نزدیک **اَرْبَعَ** نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، ای اَنْ **يشهد احدُهم اربعَ شَهاداتٍ قوله باللّٰهِ** بصریین کی نزدیک **شهاداتٍ** سے متعلق ہے قرب کی وجہ سے اور کوفیین کے نزدیک **شهادة** سے متعلق ہے اس لئے کہ وہ مقدم ہے **قوله اِنَّهٗ** یہ شہادۃ یا شہادات کا معمول ہے ای **يشهدُ على اَنَّهٗ صادقٌ على** کو حذف کر دیا گیا اَنَّ کے فتحہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا، اور عامل کو لام تاکید کی وجہ سے عمل سے روک دیا گیا **قوله وَالخَامِسَة** مبتداء ہے اور **ان لعنة اللّٰه عليه** اس کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے **و الشهادة الخامسة أن لعنة اللّٰهِ عليه قوله أن تشْهَدَ** یہ **يَدْرَءُ** کا فاعل ہے **قوله لولا فضل اللّٰهِ لو لا** کا جواب محذوف ہے ای لو لا فضل اللّٰهِ لَفَضَحَكُمْ او لَهَلَكْتُمْ.

تفسیر وتشریح

اس سورۃ کی پہلی آیت **تو بطور تمہید** کے ہے **جس** سے اس سورۃ میں بیان کردہ احکام کا خاص اہتمام بیان کرنا مقصود ہے، بدکاری کی سزا ابتداء اسلام میں عبوری طور پر جو بیان کی گئی تھی وہ سورۂ نساء آیت ۱۵/۱۶ میں بیان ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اس کے لئے جب تک **مستقل** سزا مقرر نہ کی جائے سردست ان بدکار عورتوں کو گھروں میں بند رکھو وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ (الآیہ) ان آیتوں میں ایک تو ثبوتِ زنا کا خاص طریقہ چار مردوں کی شہادت کا ہونا بیان فرمایا ہے دوسرے بطور سزا عورت کو گھر میں قید رکھنا اور زانی وزانیہ کو ایذاء پہنچانا مذکور ہے اور ساتھ ہی اس میں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ حکم آخری نہیں ہے آئندہ کچھ اور حکم آنے والا ہے جس کی طرف او یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلاً سے اشارہ فرما دیا، جب سورۂ نور کی یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا اس کے مطابق زانی اور زانیہ کی مستقل سزا مقرر کر دی گئی ہے وہ تم مجھ سے سیکھ لو اور وہ یہ ہے کنوارے مرد اور عورت کے لئے سو سو کوڑے اور شادی شدہ مرد و عورت کے لئے سنگساری کے ذریعہ مار دینا ہے (صحیح مسلم کتاب الحدود باب حد الزنا)

چار جرموں کی سزا خود شارع نے متعین کی ہے قاضی یا حاکم کے حوالہ نہیں فرمایا

قرآن کریم اور احادیث متواترہ نے چار جرائم کی سزا اور اس کا طریقہ خود متعین کر دیا ہے کسی قاضی یا امیر کی رائے

پر نہیں چھوڑا انہیں متعینہ سزاؤں کو اصطلاح میں حدود کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ جن سزاؤں کو قاضی یا امیر کی رائے پر چھوڑا ہے کہ مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت ماحول وغیرہ کے مجموعہ پر نظر رکھ کر جس قدر سزا دینے کو انسداد جرم کے لئے کافی سمجھے وہ سزا دے سکتا ہے ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے زانی اور زانیہ کی سزا کو اس طرح بیان فرمایا ہے **الزانیہ والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مأة جلدة** اس میں زانیہ کو مقدم اور زانی کو مؤخر رکھا گیا ہے عام قرآنی اسلوب یہ ہے کہ قرآن عام طور پر مردوں کو مخاطب کرتا ہے عورتیں اس میں خود بخود شامل ہو جاتی ہیں **یا ایُّها الذین آمنوا** جیسے الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے، مگر یہاں نہ صرف یہ کہ مردوں کو مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ عورتوں کو مقدم اور مردوں کو مؤخر رکھا گیا ہے، شاید حکمت اس میں یہ ہو کہ فعل زنا ایک ایسی بے حیائی ہے جس کا صدور عورت کی طرف سے ہونا انتہائی بے باکی اور بے حیائی سے ہو سکتا ہے کیونکہ قدرت نے فطری طور پر اس کی فطرت میں ایک حیا رکھی ہے اور اپنی عفت کی حفاظت کا ایک جذبہ رکھا ہے ایسی صورت میں اس کی طرف سے اس فعل کا صدور بہ نسبت مرد کے زیادہ اشد ہے۔

فاجلدوا یہ جَلْدٌ سے مشتق ہے اس کے معنی کوڑے مارنا ہیں کوڑا چونکہ عموماً چمڑے سے بنایا جاتا ہے اس لئے اس کو **جلدة** کہتے ہیں، بعض مفسرین نے فرمایا کہ لفظ جلد سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کوڑوں کی ضرب کا اثر صرف جِلد تک رہنا چاہئے گوشت تک نہ پہنچا جائے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے لگانے کی سزا میں توسط اور اعتدال کی تلقین فرمائی ہے کہ کوڑا نہ بہت سخت ہو جس سے گوشت تک ادھڑ جائے اور نہ بہت نرم ہو کہ اس سے کوئی خاص تکلیف ہی نہ پہنچے، سورۂ نور کی اس آیت نے مرد و عورت کی سزا سو کوڑے مقرر فرمادی، حضرت ابن عباسؓ نے سو کوڑے مارنے کی سزا غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لئے مخصوص قرار دے کر فرمایا یعنی **الرجم للثیب والجلد للبکر** (صحیح بخاری کتاب التفسیر ص ۶۵۷)

سورۂ نور کی مذکورہ آیت میں تو بغیر کسی تفصیل کے زنا کی سزا سو کوڑے مذکور ہے اس سزا کا غیر شادی شدہ مرد و عورت کے ساتھ مخصوص ہونا اور شادی شدہ کے لئے سنگساری کی سزا حدیث میں مذکور ہے، صحیح مسلم، مسند احمد، سنن نسائی، ابوداؤد ترمذی، ابن ماجہ میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے اس طرح منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خذوا عني خذوا عني قد جعل الله لهُنَّ سبيلاً البكر بالبكر جلد مأة وتغريب عام والثيب بالثيب جلد مأة والرجم.	مجھ سے علم حاصل کرلو کہ اللہ تعالیٰ نے زانی مرد و زانی عورت کے لئے وہ سبیل جس کا وعدہ سورۂ نساء میں ہوا تھا اب سورۂ نور میں پورا فرمادیا وہ یہ ہے کہ غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لئے سو کوڑے اور سال بھر جلاوطنی اور شادی شدہ مرد و عورت کے لئے سو کوڑے اور رجم۔

غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لئے سورۂ نور میں جو سو کوڑوں کی سزا کا ذکر ہے ایک حدیث میں اس کے ساتھ ایک

مزید سزا یعنی مرد کے لئے ایک سال کی جلاوطنی بھی مذکور ہے، فقہاء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی کی سزا سوکوڑوں کی طرح لازمی ہے یا پھر قاضی کی صواب دید پر موقوف ہے امام صاحبؒ کے نزدیک قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے، اس حدیث میں دوسری بات یہ بھی ہے کہ شادی شدہ مرد وعورت کے لئے سنگساری سے پہلے سوکوڑوں کی سزا بھی مذکور ہے، مگر دوسری روایات حدیث اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر خلفاء راشدین کے تعامل سے ثابت یہ ہے کہ یہ دونوں سزائیں جمع نہیں ہوں گی شادی شدہ پر صرف سزائے سنگساری جاری کی جائے گی، مگر یہ حدیث چونکہ سورۂ نور کی آیت کی تفسیر ہے جس میں مذکورہ سزا اور مزید برآں ایک سال کی جلاوطنی اور شادی شدہ کے لئے رجم مذکور ہے لہٰذا یہ بھی وحی الٰہی کے ذریعہ سزا ہوگی لہٰذا آپؐ سے براہ راست سننے والوں کے لئے وحی متلو اور غیر متلو دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے مجمع عام میں اس پر عمل فرمایا، حضرت ماعز اسلمی اور غامدیہ پر سزائے رجم وسنگساری جاری فرمائی۔ (معارف)

ملاحظہ: شادی شدہ اور غیر شادی شدہ یہ الفاظ ایک آسان تعبیر کی حیثیت سے اختیار کئے گئے ہیں ورنہ اصلی شرعی اصطلاح محصن اور غیر محصن یا ثیب وبکر ہے، محصن کی تعریف اصل میں یہ ہے کہ جس شخص نے نکاحِ صحیح کے ساتھ اپنی بیوی سے مباشرت کرلی ہو اور عاقل وبالغ ہو۔

سزاءِ زنا میں تدریج

مذکورہ بالا روایات حدیث اور آیات قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً زنا کی سزا ہلکی رکھی گئی تھی کہ قاضی یا امیر اپنی صوابدید پر اس جرم کے مرتکب مرد یا عورت کو ایذا پہنچائے، اور عورت کو گھر میں مقید رکھا جائے جیسا کہ سورۂ نساء میں اس کا حکم آیا ہے دوسرا دور وہ ہے جو سورۂ نور کی اس آیت میں آیا ہے کہ دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں، تیسرا درجہ وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ نازل ہونے کے بعد ارشاد فرمایا کہ سوکوڑوں کی سزا پر ان لوگوں کے لئے اکتفاء کیا جائے جو شادی شدہ نہ ہوں اور شادی شدہ مرد وعورت اس کے مرتکب ہوں تو ان کی سزا رجم وسنگساری ہے۔ (معارف)

اسلامی قانون میں جس جرم کی سزا سخت ہے اس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی سخت ہیں

زنا کی سزا اسلام میں سب جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے اس کے ساتھ اسلام میں اس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی بہت زیادہ سخت ہیں جن میں ذرا بھی کمی رہے یا شبہ پیدا ہو جائے تو زنا کی انتہائی سزا جس کو حد کہتے ہیں وہ

معاف ہوجاتی ہے صرف تعزیری سزا بقدر جرم باقی رہ جاتی ہے، زنا کی حد جاری کرنے کے لئے چار مرد عادل گواہوں کی عینی شہادت جس میں کوئی التباس نہ ہو ضروری ہے، حالانکہ دیگر معاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہوتی ہے دوسری احتیاط اور شدت اس شہادت میں یہ ہے کہ اگر زنا کی شہادت کسی شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے رد کی گئی تو پھر شہادت دینے والوں کی خیر نہیں، ان پر قذف یعنی زنا کی جھوٹی تہمت کا جرم عائد ہو کر حد قذف اسّی کوڑے لگائے جائیں گے، اس لئے ذرا بھی شبہ ہونے کی صورت میں کوئی شخص اس کی شہادت پر اقدام نہیں کرسکتا، البتہ جس صورت میں صریح زنا کا ثبوت نہ ہو مگر شہادت سے دو مرد و عورت کا غیر مشروع حالت میں دیکھنا ثابت ہوجائے تو قاضی ان کے جرم کی حیثیت کے مطابق تعزیری سزا کوڑے وغیرہ لگانے کی جاری کرسکتا ہے، زنا کی سزا کے مفصل احکام و شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں دیکھ لئے جائیں۔

قوله لاتاخُذکُمْ بِهِمَا رأفةٌ فِی دِیْنِ اللّٰهِ رأفةٌ ترس، شفقت، رحمت، نرمی رأف یرأفُ (ف) رأفةً مصدر ہے، زنا کی سزا چونکہ بہت سخت ہے اور اس کا احتمال ہے کہ سزا جاری کرنے والوں کو ان پر رحم آجائے، سزا کو چھوڑ بیٹھیں یا کم کردیں اس لئے اس کے ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا کہ دین کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں مجرموں پر رحم اور ترس کھانا جائز نہیں، رأفت و رحمت اور عفو و کرم ہر جگہ محمود ہے مگر مجرموں پر رحم کھانے کا نتیجہ تمام مخلوق خدا کے ساتھ بے رحمی ہے اس لئے ممنوع اور ناجائز ہے۔

الزَّانی لاینکِحُ اِلاّ زانیةً او مشرکةً (الآیہ) زنا کے متعلق دوسرا حکم...... پہلا حکم زنا کی سزا سے متعلق تھا جو اس سے پہلی آیت میں بیان ہوچکا ہے، یہ دوسرا حکم زانی اور زانیہ سے نکاح کرنے کے متعلق ہے، اسی کے ساتھ مشرک مرد یا عورت سے نکاح کا بھی حکم ذکر کیا گیا ہے، اس آیت کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کے اقوال بہت مختلف ہیں، ان سب میں آسان تر یہ ہے کہ آیت کے شروع حصہ میں کوئی شرعی حکم نہیں بلکہ ایک عام مشاہدہ اور تجربہ کا بیان ہے، جس میں زنا کا فعل خبیث ہونا اور اس کے اثرات کی دور رس مضرتوں کا ذکر ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ زنا ایک اخلاقی زہر ہے اس کے زہریلے اثرات سے انسان کا اخلاقی مزاج ہی بگڑ جاتا ہے، اسے بھلے برے کی تمیز نہیں رہتی بلکہ برائی اور خباثت ہی مرغوب ہوجاتی ہے، لہٰذا جو مرد یا عورت اس خبیث عادت میں مبتلا ہیں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے ان کا رشتہ ازدواج و ہمبستری قائم کیا جائے، ان کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار تباہ حال مرد و عورت سے یا ان سے بھی بدتر مشرک و مشرکہ سے ان کا تعلق ہو **کما قال اللہ تعالیٰ اَلخبیثات للخبیثین** (الآیہ) ان کی خبیث طبیعت کا اصلی تقاضہ تو یہی تھا یہ الگ بات ہے کہ حق تعالیٰ نے دوسری مصالح اور حکم کی بنا پر کسی مسلمان کا مشرک و مشرکہ سے عقد جائز نہیں رکھا، یا مثلاً بدکار مرد کا پاکباز عورت سے نکاح ہوجائے تو اس کو باطل نہیں ٹھہرایا۔

قوله نَزَلَ ذٰلِكَ لَمَّا هَمَّ فُقَرَاءُ المُهَاجِرِيْنَ اَنْ يَتَزَوَّجُوْا بَغَايَا المُشْرِكِيْنَ مفسر علام نے اس عبارت سے مذکورہ آیت کے شان نزول کی طرف اشارہ کیا ہے، **قوله** بَغَايَا جمع بَغِيٍّ زنا کار، بدکار عورت، تفسیر مظہری میں علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں کئی واقعات نقل فرمائے ہیں۔

پہلا واقعہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، حاکم کے حوالہ سے حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے ایک شخص جس کا نام مرثد ابن ابی مرثد الغنوی تھا وہ مکہ سے مدینہ لوگوں کو لانے لیجانے کا کام کرتا تھا مکہ میں عناق نامی ایک (بازاری) عورت تھی اس سے ان کے تعلقات تھے ان صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی آپ نے اس وقت کوئی جواب نہیں دیا حتی کہ مذکورہ آیت نازل ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثد کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

دوسرا واقعہ نسائی نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عورت جس کا نام ام مہزول تھا جس کا بدکاری کا پیشہ تھا، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک شخص نے اس سے نکاح کا ارادہ کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

تیسرا واقعہ بغوی نے کہا ہے جب لوگ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آئے تو ان میں کچھ فقراء اور نادار قسم کے لوگ بھی تھے اور مدینہ میں ان کا کوئی عزیز یا رشتہ دار بھی نہیں تھا، اور مدینہ میں کچھ پیشہ ور عورتیں بھی تھیں اور ساتھ ہی خوشحال بھی تھیں، بعض فقراء نے ان سے نکاح کا ارادہ کیا تاکہ وہ ان کے مال سے فائدہ اٹھائیں، چنانچہ ان حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سے نکاح کی اجازت طلب کی تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ المُحْصَنٰتِ (الآیہ) اس آیت میں کسی اجنبی کو تہمت زنا لگانے کا بیان ہے اس لئے کہ اپنی بیوی کو تہمت زنا لگانے کا مسئلہ آئندہ آیت میں آرہا ہے، اور تہمت عام ہے خواہ مرد عورت کو لگائے یا عورت مرد کو یا عورت عورت کو یا مرد مرد کو سب کا حکم ایک ہی ہے، زنا کی تہمت کو اگر چار چشم دید گواہوں کے ذریعہ ثابت نہ کرسکے تو مقذوف کے مطالبہ پر قاذف کو اسی کوڑے لگائے جائیں اور آئندہ ہمیشہ کے لئے معاملات میں مردود الشہادت قرار دیا جائے، حنفیہ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اس کی شہادت معاملات میں قبول نہیں کی جاسکتی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ (الآیہ) اس آیت میں مسئلہ لعان کو بیان کیا گیا ہے، لعان کے معنی ایک دوسرے پر لعنت کرنے اور غضب الٰہی کی بددعا کرنے کے ہیں اصطلاح شرع میں بیوی اور شوہر کو چند خاص قسم کی قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے، بیوی پر تہمت زنا دو طریقہ سے لگائی جاسکتی ہے اول یہ کہ صراحتاً تہمت زنا لگائے اور چار عینی گواہوں سے ثابت نہ کرسکے، یا اپنے بچہ کے بارے میں کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں ہے، جو شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اولاً اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں، اگر پیش کردے تو عورت پر حد زنا جاری کی جائے گی، اور اگر گواہ نہ لاسکے

تو اس سے کہا جائے گا کہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہنے ہوں گے کہ اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار، اگر شوہر مذکورہ بالا الفاظ کہنے سے انکار کرے تو حبس کر دیا جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ یا تو اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے، اور حد قذف کے لئے تیار ہو جائے یا پانچ مرتبہ وہی الفاظ کہے جو اوپر گذر چکے ہیں، اگر کہہ لے تو پھر عورت سے کہا جائے کہ وہ بھی چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ میں یہ الفاظ کہے کہ اللہ کا غضب ہو اس پر اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہو تا وقتیکہ عورت یہ الفاظ نہ کہے گی اس کو بھی قید میں رکھیں گے اور مجبور کریں گے کہ یا تو صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق کرے اگر تصدیق کر دے تو اس پر حد زنا جاری کر دی جائے گی یا بالفاظ مذکورہ اس کی تکذیب کرے اگر عورت نے بھی مرد کی طرح یہ الفاظ کہہ دیئے اور لعان مکمل ہو گیا تو اس عورت سے جماع اور دواعی جماع سب حرام ہو جائیں گے، پھر اگر مرد نے اس کو طلاق دیدی تو فبہا ورنہ قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا گو دونوں رضامند نہ ہوں اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ اَسْوَءِ الْکِذْبِ عَلٰی عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا بِقَذْفِھَا **عُصْبَةٌ مِّنْکُمْ** جَمَاعَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَتْ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ وَّعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اُبَیٍّ وَمِسْطَحٌ وَحَمْنَةُ بِنْتُ جَحْشٍ **لَا تَحْسَبُوْہُ** اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ غَیْرُ الْعُصْبَةِ **شَرًّا لَّکُمْ بَلْ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ** یَاْجُرُکُمُ اللّٰہُ بِہٖ وَیُظْھِرُ بَرَاءَةَ عَائِشَةَ وَمَنْ جَاءَ مَعَھَا مِنْہُ وَھُوَ صَفْوَانُ فَاِنَّھَا قَالَتْ کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَةٍ بَعْدَ مَا اُنْزِلَ الْحِجَابُ فَفَرَغَ مِنْھَا وَرَجَعَ وَدَنَا مِنَ الْمَدِیْنَةِ وَاٰذَنَ بِالرَّحِیْلِ لَیْلَةً فَمَشَیْتُ وَقَضَیْتُ شَانِیْ وَاَقْبَلْتُ اِلَی الرَّحْلِ فَاِذَا عِقْدِیْ انْقَطَعَ ھُوَ بِکَسْرِ الْمُھْمَلَةِ الْقِلَادَةُ فَرَجَعْتُ اَلْتَمِسُہٗ وَحَمَلُوْا ھَوْدَجِیْ ھُوَ مَا یُرْکَبُ فِیْہِ عَلٰی بَعِیْرِیْ یَحْسَبُوْنَنِیْ فِیْہِ وَکَانَتِ النِّسَاءُ خِفَافًا اِنَّمَا یَاْکُلْنَ الْعُلْقَةَ ھُوَ بِضَمِّ الْمُھْمَلَةِ وَسُکُوْنِ اللَّامِ مِنَ الطَّعَامِ اَیِ الْقَلِیْلِ وَوَجَدْتُ عِقْدِیْ وَجِئْتُ بَعْدَ مَاسَارُوْا فَجَلَسْتُ فِی الْمَنْزِلِ الَّذِیْ کُنْتُ فِیْہِ وَظَنَنْتُ اَنَّ الْقَوْمَ سَیَفْقِدُوْنَنِیْ فَیَرْجِعُوْنَ اِلَیَّ فَغَلَبَتْنِیْ عَیْنَایَ فَنِمْتُ وَکَانَ صَفْوَانُ قَدْ عَرَّسَ مِنْ وَّرَاءِ الْجَیْشِ فَادَّلَجَ ھُمَا بِتَشْدِیْدِ الرَّاءِ وَالدَّالِ اَیْ نَزَلَ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ لِلْاِسْتِرَاحَةِ فَسَارَ مِنْہُ فَاَصْبَحَ فِیْ مَنْزِلِیْ فَرَاٰی سَوَادَ اِنْسَانٍ نَائِمٍ اَیْ شَخْصَہٗ فَعَرَفَنِیْ حِیْنَ رَاٰنِیْ وَکَانَ یَرَانِیْ قَبْلَ الْحِجَابِ فَاسْتَیْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِہٖ حِیْنَ عَرَفَنِیْ اَیْ قَوْلِہٖ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ فَخَمَّرْتُ وَجْھِیْ بِجِلْبَابِیْ اَیْ غَطَّیْتُہٗ بِالْمُلَاءَةِ وَاللّٰہِ مَا کَلَّمَنِیْ بِکَلِمَةٍ وَلَا سَمِعْتُ مِنْہُ کَلِمَةً غَیْرَ اسْتِرْجَاعِہٖ حِیْنَ اَنَاخَ رَاحِلَتَہٗ وَوَطِیَٔ عَلٰی یَدِھَا

فَرَكِبْتُهَا فَانْطَلَقَ يَقُوْدُ بِيَ الرَّاحِلَةَ حَتّٰى اَتَيْنَا الْجَيْشَ بَعْدَ مَا نَزَلُوْا مُوْغِرِيْنَ فِيْ نَحْرِ الظَّهِيْرَةِ اَيْ مِنْ اَوْ غَرَ اَيْ وَاقِفِيْنَ فِيْ مَكَانٍ وَغْرٍ فِيْ شِدَّةِ الْحَرِّ فَهَلَكَ مَنْ هَلَكَ فِيَّ وَكَانَ الَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهُ مِنْهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيِّ ابْنُ سَلُوْلَ اِنْتَهٰى قَوْلُهَا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ قَالَ تَعَالٰى لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَيْ عَلَيْهِ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ فِيْ ذٰلِكَ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ اَيْ تَحَمَّلَ مُعْظَمَهٗ فَبَدَأَ بِالْخَوْضِ فِيْهِ وَاَشَاعَهٗ وَهُوَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ هُوَ النَّارُ فِي الْآخِرَةِ لَوْ لَا هَلَّا اِذْ حِيْنَ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ اَيْ ظَنَّ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝ كَذِبٌ بَيِّنٌ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ اَيْ ظَنَنْتُمْ اَيُّهَا الْعُصْبَةُ وَقُلْتُمْ لَوْلَا هَلَّا جَآءُوْا اَيِ الْعُصْبَةُ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ شَاهَدُوْهُ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ اَيْ فِيْ حُكْمِهٖ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ فِيْهِ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ اَيُّهَا الْعُصْبَةُ اَيْ خُضْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۚ فِي الْآخِرَةِ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ اَيْ يَرْوِيْهِ بَعْضُكُمْ عَنْ بَعْضٍ وَحُذِفَ مِنَ الْفِعْلِ اِحْدَى التَّائَيْنِ وَاِذْ مَنْصُوْبٌ بِمَسَّكُمْ اَوْ بِاَفَضْتُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۚ لَا اِثْمَ فِيْهِ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝ فِي الْاِثْمِ وَلَوْ لَا هَلَّا اِذْ حِيْنَ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ مَا يَنْبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۚ سُبْحٰنَكَ هُوَ لِلتَّعَجُّبِ هُنَا هٰذَا بُهْتَانٌ كَذِبٌ عَظِيْمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ يَنْهَاكُمْ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ تَتَّعِظُوْا بِذٰلِكَ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۚ فِي الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَاْمُرُ بِهٖ وَيَنْهٰى عَنْهُ حَكِيْمٌ ۝ فِيْهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ بِاللِّسَانِ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِنِسْبَتِهَا اِلَيْهِمْ وَهُمُ الْعُصْبَةُ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا بِالْحَدِّ لِلْقَذْفِ وَالْآخِرَةِ ۚ بِالنَّارِ لِحَقِّ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنْتِفَاءَهَا عَنْهُمْ وَاَنْتُمْ اَيُّهَا الْعُصْبَةُ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وُجُوْدَهَا فِيْهِمْ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اَيُّهَا الْعُصْبَةُ وَرَحْمَتُهٗ بِالسَّتْرِ فِيْ ذٰلِكَ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ بِقَبُوْلِ التَّوْبَةِ فِيْ ذٰلِكَ وَغَيْرِهٖ حَكِيْمٌ ۝ فِيْمَا حَكَمَ بِهٖ فِيْ ذٰلِكَ وَغَيْرِهٖ لَتَبَيَّنَ الْحَقُّ فِيْ ذٰلِكَ وَعَاجَلَ بِالْعُقُوْبَةِ مَنْ يَسْتَحِقُّهَا.

ع ۲

ترجمہ

بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے یہ بڑا بہتان باندھا ہے یعنی ام المومنین حضرت عائشہؓ پر بہتان لگا کر بدترین جھوٹ بولا ہے **تم ہی میں کی ایک جماعت ہے** یعنی مومنین کی ایک جماعت ہے (اہل افک کی تعیین میں) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے

فرمایا وہ حسان بن ثابت اور عبداللہ بن اُبی اور مسطح اور حمنہ بنت جحش ہیں، بہتان تراشنے والوں کی جماعت کے علاوہ اے مومنو! **تم اس بہتان کو اپنے حق** میں برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے اللہ تعالیٰ تم کو اس کے عوض اجر عطا فرمائے گا اور حضرت **عائشہؓ صدیقہ اور ان** کے ہمراہ آنے والے یعنی صفوان (ابن معطل) کی تہمت سے براءۃ ظاہر کردے گا، **حضرت عائشہؓ** نے (**واقعہ** بیان کرتے ہوئے) فرمایا کہ میں ایک غزوہ میں نزول حجاب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھی، چنانچہ جب آپؐ غزوہ سے فارغ ہو گئے اور آپؐ واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے اور رات کو کوچ کرنے کا اعلان کردیا تو میں **قضائے** حاجت کے لئے چلی گئی اور حاجت سے فراغت کے بعد کجاوہ کی طرف متوجہ ہوئی تو اچانک **مجھے معلوم ہوا کہ میرا ہار ٹوٹ کر** (کہیں) گر گیا ہے عِقدٌ عین مہملہ کے کسرہ کے ساتھ ہار کو کہتے ہیں تو میں ہار تلاش کرنے کے لئے واپس چلی گئی، **حال یہ ہے کہ لوگوں** نے میرا ہودج یہ سمجھتے ہوئے کہ میں ہودج میں موجود ہوں میرے اونٹ پر رکھدیا، ہودج اس کجاوہ کو **کہتے ہیں جس میں** سوار ہوا جاتا ہے اور عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں اس لئے کہ کھانا کم کھاتی تھیں، عُلقہ عین مہملہ کے ضمہ اور لام کے **سکون کے ساتھ** قلیل کھانے کو کہتے ہیں (ادھر یہ ہوا) کہ میرا ہار مل گیا، اور اہل قافلہ کے روانہ ہوجانے کے **بعد میں** (اپنی جگہ) **واپس آئی،** چنانچہ میں اسی جگہ (آکر) بیٹھ گئی جہاں تھی اور مجھے اس بات کا گمان غالب تھا کہ جب لوگ مجھ کو نہ **پائیں گے تو میری طرف واپس** آئیں گے، چنانچہ مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا جس کی وجہ سے میں سوگئی، اور صفوان ابن معطل لشکر کے **پیچھے آخر شب میں قیام** کرتے تھے چنانچہ (صفوان) رات کے آخری حصہ میں روانہ ہوئے تو صبح کے وقت میری منزل پر پہنچے، **قولہ عَرَّسَ اور** الدَّلَج را اور دال کے تشدید کے ساتھ ہے (عَرَّس کے معنی آخر شب میں استراحت کے لئے قیام کرنا اِدْلَج بمعنی روانہ ہونا) **تو** اس نے ایک سوتے ہوئے شخص کا جثہ دیکھا چنانچہ مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا اس لئے کہ اس نے مجھے حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے دیکھا تھا، چنانچہ مجھے پہچاننے کے وقت ان کے استرجاع یعنی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے کی وجہ سے میں بیدار ہوئی تو میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ چھپالیا، واللہ نہ تو اس نے مجھ سے کوئی بات کی اور نہ میں نے اس سے سوائے استرجاع **کے کوئی بات** سنی، اس نے اپنی اونٹنی بٹھا دی اور اس کا ہاتھ دبالیا (تاکہ جلدی کھڑی نہ ہوجائے) جب میں اس پر سوار ہوگئی **تو وہ میری** اونٹنی کی نکیل پکڑ کر لیکر چلے حتی کہ ہم لشکر میں پہنچ گئے، بعد اس کے کہ وہ **لوگ** ٹھیک دوپہر کے وقت شدید گرمی میں **داخل ہوتے** ہوئے فروکش ہو چکے تھے موغرین اَوْغَرَ سے مشتق یعنی سخت گرمی کے وقت گرم جگہ میں فروکش ہونے والے **تھے، چنانچہ** میرے بارے میں جس کو ہلاک ہونا تھا ہلاک ہوا اور وہ شخص جس نے اس معاملہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا **عبداللہ بن ابی بن سلول تھا،** حضرت عائشہؓ کا کلام پورا ہوا، روایت کیا ہے اس کو شیخان نے، قال اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر شخص پر اتنا گناہ ہے **جتنا کچھ** اس نے اس معاملہ میں کیا اور اس شخص کے لئے جس نے ان میں سے (اس معاملہ میں) سب سے زیادہ حصہ لیا یعنی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بایں طور کہ اس معاملہ میں کھود کرید کی اور اس کو شہرت دی، وہ عبداللہ بن اُبی ہے **اس کے لئے بڑا عذاب ہے اور وہ آخرت** میں آگ ہے جب لوگوں نے بہتان تراشی کو سنا تھا **تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے آپس میں ایک دوسرے کے لئے**

اچھا گمان کیوں نہ کیا؟ اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح جھوٹ ہے؟ اس میں خطاب سے (غیبت کی طرف) التفات ہے (ظن المؤمنون الخ) ظننتم وقلتم ایها العصبة کے معنی میں ہے اور ان لوگوں نے اس بہتان پر چار گواہ عینی کیوں پیش نہیں کئے؟ جب یہ لوگ گواہ پیش نہ کر سکے تو یہ لوگ اللہ کے نزدیک یعنی اس کے حکم میں اس معاملہ میں جھوٹے ہیں اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا دنیا و آخرت میں فضل و کرم نہ ہوتا تو جس شغل میں تم پڑے تھے یعنی کھود کرید کر رہے تھے اس کی وجہ سے تم کو آخرت میں سخت عذاب لاحق ہوتا جب کہ تم اس بہتان کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے یعنی ایک دوسرے سے روایت کر رہے تھے، فعل (یعنی تلقونه) سے دو تاؤں میں سے ایک تا کو حذف کر دیا گیا ہے اور اِذ مَسَّکُمْ یا اَفَضْتُمْ کی وجہ سے منصوب ہے اور تم اپنے منہ سے ایسی بات نکال رہے تھے کہ جس کے بارے میں تم کو مطلق علم نہیں تھا اور تم اس کو ایک معمولی بات کہ اس میں کوئی گناہ ہی نہ ہو سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک گناہ کے اعتبار سے بڑی بھاری بات تھی اور جب تم نے اس کو سنا تھا تو یوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے سُبْحَانَكَ تعجب کے لئے ہے، اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے یعنی منع کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسی حرکت مت کرنا اگر تم مومن ہو تو اس سے نصیحت قبول کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے امر و نہی کے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کا حکم کرتا ہے اور جس سے منع کرتا ہے اس کے بارے میں بڑا جاننے والا اور بڑا حکمت والا ہے جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو اس بے حیائی کو ان کی طرف منسوب کر کے (اور ان چرچا کرنے والوں کی) ایک چھوٹی سی جماعت ہے، ان لوگوں کے لئے دنیا میں حد قذف کا اور آخرت میں نار کا حق اللہ ہونے کی وجہ سے دردناک عذاب ہے اللہ تعالیٰ ان سے بے حیائی کے انتفاء کو بخوبی جانتا ہے اور (اے تہمت لگانے والی) جماعت تم اس بے حیائی کے وجود کو ان میں نہیں جانتے اور اگر اے لوگو! تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو وہ حقیقت حال کو ظاہر کر دیتا اور مستحق سزا پر مواخذہ کرنے میں جلدی کرتا بے شک اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں اور اس کے علاوہ میں توبہ قبول کرنے کی وجہ سے بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے اور اس حکم میں بھی جو اس نے اس معاملہ میں اور اس کے علاوہ میں کیا حکمت والا ہے،

تحقیق، ترکیب و تفسیری فوائد

اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُوْا بِالْاِفْكِ یہاں سے افک سے متعلق اٹھارہ آیتوں کا ذکر شروع ہو رہا ہے اِفْك لغت میں پلٹ دینے اور بدل دینے کو کہتے ہیں بدترین جھوٹ جو حق کو باطل سے اور باطل کو حق سے دل دے، پاکباز متقی کو فاسق اور فاسق کو متقی و پرہیزگار بنا دے اسی جھوٹ کو افک کہتے ہیں عُصبة مختصر جماعت کو کہتے ہیں تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں **قوله** لاتحسبوه اس کے مخاطب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر، عائشہ وصفوان ہیں مقصد ان حضرات کو تسلی دینا ہے **قوله** مَنْ جاء مِنْهُ مَنْ سے صفوان ابن معطل السلمی مراد ہیں اور مِنْهُ کی ضمیر کا مرجع افک ہے اور جار مجرور براءۃ سے متعلق ہے **قوله** فی غزوۃ مراد غزوہ بنی مصطلق ہے جس کو مریسیع بھی کہا جاتا ہے صحیح اور راجح قول

کے مطابق ۵ھ میں پیش آیا تھا **قوله** بعد ما انزل الحجاب حجاب سے مراد آیت حجاب یعنی وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فاسئلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ہے **قوله** قد عَرَّسَ تعریس، النزول فی آخر اللیل للاستراحة **قوله** اِدَّلَجَ واِدَّلاجٌ آخر شب میں سفر کرنا، **قوله** هُما بتشدید الراءِ والدالِ عَرَّسَ وَادَّلَجَ کے بارے میں لف ونشر کے طور پر اشارہ کردیا کہ عَرَّسَ میں را اور اِدَّلَجَ میں دال دونوں مشدد ہیں، **قوله** ای نزل مِن آخر اللیل للاستراحة یہ عرّس کی تفسیر ہے اور **قوله** فَسَارَ منه اِدَّلَجَ کی تفسیر ہے مِنْهُ ای آخر اللیل ادَّلَجَ مِنه ای سارَ مِن آخر اللیل حضرت عائشہ صدیقہؓ کے الفاظ کی تشریح کے لئے مفسر علام نے درمیان میں تشریحی الفاظ کا اضافہ فرمایا ہے ورنہ تو اصل عبارت اس طرح ہے کان صفوان قد عَرَّسَ مِن وراء الجیش فادَّلَجَ منهُ فاصبحَ فی منزلی **قوله** موغرینَ یہ وَغر سے مشتق ہے وغرٌ شدید گرمی کو کہتے ہیں **قوله** بالملأۃ وہ چادر جو جسم کو چھپالے مُوغِرِین ای داخلین فی شدۃ الحر **قوله** فی نحر الظهیرۃ ٹھیک دوپہر کے وقت **قوله** سلُول یہ عبداللہ ابن اُبَیّ کی ماں کا نام ہے **قوله** لکلِّ امرئٍ مفسر علام نے علیہ سے تفسیر کرکے اشارہ کردیا کہ لام بمعنی علیٰ ہے **قوله** لَوْ لاَ هَلاَّ اِذْ سَمِعْتُمُوہ یہ لولا توبیخیہ ہے اس لئے کہ ماضی پر داخل ہے، لولا تین قسم کا ہوتا ہے (۱) جب ماضی پر داخل ہو تو توبیخیہ ہوتا ہے اور جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو تحضیضیہ ہوتا ہے اور جب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے تو امتناعیہ ہوتا ہے، یہاں لولا چھ جگہ استعمال ہوا ہے اول، ثانی اور رابع توبیخیہ ہے اس لئے جواب کی ضرورت نہیں اور تیسرا اور پانچواں اور چھٹا شرطیہ (امتناعیہ ہے) تیسرے اور چھٹے مقام پر جواب مذکور ہے اور پانچویں مقام پر جواب محذوف ہے (صاوی) **قوله** بانفسهم ای ابناء جنسهم فی الایمان یعنی اپنے ایمانی بھائیوں کے بارے میں اچھا گمان کیوں نہیں کیا؟ فیه اِلتفاتٌ عن الخطاب الی الغیبة اِذ سمِعْتُمُوہ کے مطابق ظَنَّ المومنون اور قالوا کے بجائے ظننتم اور قلتم ہونا چاہئے، مذکورہ دونوں صیغوں میں دو قسم کا التفات ہوا ہے اول تو حاضر سے غائب کی جانب اور دوسرے ضمیر سے اسم ظاہر کی جانب، اس التفات کا مقصد توبیخ میں مبالغہ کرنا ہے، اس طریقہ پر ایمان کا تقاضہ یہ تھا کہ تم اپنے بھائیوں کے بارے میں حسن ظن رکھتے چہ جائیکہ تم لوگوں نے طعنہ زنی اور عیب چینی شروع کردی تم کو تو اپنے بھائیوں کا اسی طرح دفاع کرنا چاہئے تھا جس طرح تم خود اپنا دفاع کرتے ہو، تقدیر عبارت یہ ہے لو لا اِذ سمعتموهُ ظننتم ایُّها المومنون والمومنات باخوانهم خیرًا وهلاّ قلتُم هٰذا افکٌ مبینٌ **قوله** لولا هلاّ جاؤا علیه (الآیہ) یہ کلام سابق کا تتمہ بھی ہوسکتا ہے یعنی مومنین اور مومنات نے افتراء کرنے والوں سے افتراء پر چار گواہوں کا مطالبہ کیوں نہیں کیا؟ یعنی بہتان کو سننے کے بعد جس طرح آپس میں حسن ظن ضروری تھا اسی طرح افتراء پردازوں سے چار گواہوں کا مطالبہ ضروری تھا ای وقالوا هلاّ جاؤا الخائضون باربعة شهداء علی ماقالوا دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ لولا جاؤا (الآیہ) جملہ استینافیہ ہو، اس صورت میں قالوا محذوف ماننے کی ضرورت نہ ہوگی **قوله**

ای فی حکمہ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ افتراء پردازوں کو عند اللہ اس لئے کاذب کہا گیا ہے کہ وہ چار عینی شاہد پیش نہیں کر سکے حالانکہ اگر وہ چار عینی شاہد پیش بھی کر دیتے تب بھی کاذب ہی تھے، جواب یہ ہے کہ گواہ پیش نہ کرنے کی صورت میں کہ بحکم شرع کاذب تھے اور اگر وہ چار گواہ پیش کر دیتے تو اس وقت حکم شرعی میں بظاہر صادق ہوتے، اللہ تعالیٰ کو چونکہ ان کی ظاہراً اور باطناً تکذیب منظور تھی اس لئے چار گواہوں کا مطالبہ کیا تاکہ ان کا کذب خوب ظاہر ہو جائے **قولہ لولا فضل اللّٰہ علیکم** میں لولا امتناعیہ ہے اس کا جواب **لَمَسَّکُمْ** ہے **قولہ فیما اَفَضْتُمْ فی بمعنی سبب** ہے ای بسبب **ما اَفَضْتُمْ** اور ما موصولہ ہے مراد حدیث افک ہے ای لَمَسَّکُمْ بسبب الذی خُضْتُمْ فیہ وھو **الإفك** اور ما مصدریہ بھی ہوسکتا ہے ای لَمَسَّکُمْ بسبب خوضکم فیہ ای فی الافك **قولہ وَلَوْلَاَ اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ قُلْتُم اِذْ ، قُلْتُمْ** کا ظرف مقدم ہے، یعنی تمہارے لئے یہ مناسب تھا کہ بہتان کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ ایسی باتیں کرنا ہمارے لئے ہرگز مناسب نہیں **قولہ یَنْھَاکُمْ اَنْ تَعُوْدُوْا الخ** اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یَعِظُکُمْ فعل متعدی بعن کے معنی کو متضمن ہے پھر عن کو حذف کر دیا گیا ہے ای یَنْھَاکُمْ عنِ العود اَن مصدریہ ہے جس کی وجہ تَعُوْدُوْا بمعنی عَوْدٌ ہے **قولہ تتعظون بذٰلك** یہ جملہ مؤمنین کی صفت ہے یعنی اگر تم نصیحت قبول کرنے والے مومن ہو تو ایسی حرکت دوبارہ نہ کرو گے، جواب شرط محذوف ہے ای اِن کنتم **مومنین** فلا تعُودُوْا لمثلہٖ **قولہ باللسان اس** کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ افترا پردازوں کو یہ بات پسند تھی کہ فحش بات کا زبانی چرچا ہو نہ کہ حقیقت میں فحش کی اشاعت، ہو **قولہ بِنِسبتِھَا الیھم** الیھم سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت صفوان ہیں اور **و ھم عصبۃ** مراد وہ لوگ جو فحش بات کی اشاعت پسند کرتے تھے **قولہ لھم عذابٌ الیمٌ** انّ کی خبر ہے **قولہ وَاَنَّ اللّٰہَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ** کا عطف فضل اللہ پر ہے اور **لَعَاجَلَکُمْ** لولا کا جواب ہے، معطوف و معطوف علیہ سے ملکر مبتداء ہے اس کی خبر **محذوف** ہے اور وہ موجود ان ہے۔

تفسیر و تشریح

اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُوْا بِالْاِفْكِ (الآیہ) یہاں سے اس طوفان کا ذکر ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ پر اٹھایا گیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے بہت سی فوج جمع کی ہے، یہ غزوہ راجح قول کے مطابق ۲ رشعبان بروز دوشنبہ ۵ ھ میں پیش آیا تھا (سیرۃ مصطفیٰ) غزوہ بنی مصطلق کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کی تصدیق کے لئے بریدہ بن حُصَیب کو بھیجا، حضرت بریدہ نے آکر خبر کی تصدیق کی آپ نے صحابہ کو خروج کا حکم فرمایا مدینہ میں زید بن حارثہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا ازواج مطہرات میں سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے ہمراہ تھیں، ایک روایت سے معلوم

ہوتا ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ بھی ساتھ تھیں، اس غزوہ میں بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا جن میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں شامل تھیں، دو گھرانے قید ہوئے قیدیوں میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی صاحبزادی جویریہ بھی تھیں جو کہ تقسیم مال غنیمت کے وقت حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں، حضرت ثابتؓ نے ان کو مکاتب بنا دیا تھا، بدل کتابت کے سلسلہ میں جویریہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپؐ نے فرمایا میں تم کو اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں اگر تم پسند کرو، وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے بدل کتابت ادا کر کے تم کو آزاد کر دوں اور اپنی زوجیت میں لے لوں، جویریہ نے عرض کیا میں اس پر راضی ہوں چنانچہ آپؐ نے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ (رواہ ابوداؤد)

واپسی پر آپ ایک منزل پر فروکش ہوئے، لشکر میں کوچ کرنے کا اعلان کرا دیا گیا تاکہ لوگ اپنی ضروریات سے فارغ ہو جائیں، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی قضائے حاجت کے لئے لشکر سے دور چلی گئیں، جب واپس ہونے لگیں تو ہار ٹوٹ گیا جو یمانی نگینوں کا تھا، ان کے جمع کرنے میں دیر ہوگئی قافلہ تیار تھا، حجاب کا حکم چونکہ نازل ہو چکا تھا جس کی وجہ سے حضرت عائشہ ہودج میں سفر کر رہی تھیں اور ہودج پر پردے پڑے ہوئے تھے، ہودج برداروں نے یہ سمجھ کر کہ ام المومنین ہودج میں ہیں ہودج کو اونٹ پر رکھ دیا اور اونٹ کو ہانک دیا، اس وقت عورتیں عموماً دبلی پتلی ہوتی تھیں خاص طور پر حضرت عائشہ صدیقہؓ چونکہ صغیر السن تھیں اس وجہ سے بھی دبلی پتلی تھیں ادھر ہودج اٹھانے والے کئی افراد تھے جس کی وجہ سے ہودج کے خالی ہونے کا احساس نہ ہو سکا، حضرت عائشہؓ جب ہار لیکر لشکر گاہ واپس آئیں تو لشکر روانہ ہو چکا تھا وہاں کوئی نہیں تھا، یہ خیال کر کے کہ جب آئندہ مقام پر آپؐ مجھے نہ پائیں گے تو اسی جگہ میری تلاش کے لئے کسی کو روانہ فرمائیں گے، اسی جگہ چادر لپیٹ کر لیٹ گئیں، اور نیند آگئی، حضرت صفوان بن معطلؓ گرے پڑے کی خبر گیری کے لئے لشکر کے پیچھے رہا کرتے تھے، وہ صبح کے وقت اس مقام پر پہنچے جہاں حضرت عائشہ صدیقہؓ سو رہی تھیں دیکھا کہ کوئی پڑا سو رہا ہے، جب قریب آ کر دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ تو حضرت عائشہ صدیقہ ہیں اور زور سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا حضرت عائشہؓ کی اس آواز سے آنکھ کھل گئی اور چادر سے منہ ڈھانپ لیا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں واللّٰہِ ما کلمنی کلمۃ و لا سمعت منہ کلمۃ غیر استرجاعہٖ خدا کی قسم صفوان نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور نہ ان کی زبان سے سوائے اِنَّا لِلّٰہِ کے میں نے کوئی کلمہ سنا، حضرت صفوانؓ نے اپنا اونٹ قریب لا کر بٹھا دیا حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار ہوگئیں اور حضرت صفوانؓ اونٹ کی نکیل پکڑ کر پا پیادہ روانہ ہوگئے اور ٹھیک دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملے، عبداللہ بن ابی بڑا خبیث بدباطن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا، اسے ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بدبخت نے واہی تباہی بکنا شروع کر دیا اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی مثلاً مردوں میں حضرت حسان حضرت مسطح اور عورتوں میں حضرت حمنہ بنت جحش منافقوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اس قسم کے افسوس ناک تذکرے کرنے لگے، تمام مسلمانوں کو اور خود

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوان چہ چوں سے بیحد صدمہ تھا، تقریباً ایک مہینہ تک یہی چہ چہ رہا، مگر حضرت عائشہ صدیقہؓ اس سے بالکل بے خبر تھیں، اسی دوران حضرت عائشہؓ بیمار ہو گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور مزاج پرسی کر کے تشریف لے جاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تلطف میں کمی آجانے کی وجہ سے جو سابقہ بیماریوں میں مبذول رہی دل کو خلجان اور تردد تھا کہ کیا بات ہے کہ آپ گھر میں تشریف لاتے ہیں اور دوسروں سے میرا حال دریافت کر کے واپس تشریف لیجاتے ہیں مجھ سے دریافت نہیں فرماتے، آپ کی اس بے التفاتی کی وجہ سے میری تکلیف میں اور اضافہ ہوتا تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز رات کو میں اور ام مسطح قضائے حاجت کے لئے جنگل کی طرف چلے، عرب کا قدیم دستور یہی تھا کہ بدبو کی وجہ سے گھروں میں بیت الخلاء نہیں بناتے تھے، راستہ میں ام مسطح کا پیر چادر میں الجھ گیا جس کی وجہ سے وہ گر گئیں اس وقت ام مسطح کے منہ سے نکلا تَعِسَ مسطح مسطح ہلاک ہو، حضرت عائشہؓ نے فرمایا آپ ایسے شخص کو کیوں برا کہتی ہیں جو بدری ہے، ام مسطح نے کہا اے بھولی بھالی لڑکی تم کو قصہ کی خبر نہیں حضرت عائشہؓ نے معلوم کیا کہ قصہ کیا ہے؟ ام مسطح نے پورا قصہ سنایا یہ سنتے ہی مرض میں اور شدت آگئی رات دن روتی رہتی تھیں، ایک لمحہ کے لئے بھی آنسو نہ تھمتے تھے، ہشام بن عروہ کی روایت کے مطابق بغیر قضائے حاجت کے واپس آگئیں، حضرت عائشہؓ فرماتی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ سے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت چاہی تا کہ ماں باپ کے ذریعہ اس واقعہ کی تحقیق کروں، آپ نے اجازت دیدی، میں اپنے والدین کے یہاں آگئی اور اپنی والدہ سے کہا اے اماں تم کو معلوم ہے کہ لوگ میری بابت کیا کہتے ہیں، ماں نے کہا اے بیٹی تو رنج نہ کر دنیا کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ جو عورت خوبصورت اور خوب سیرت اور اپنے شوہر کے نزدیک بلند مرتبت ہوتی ہے تو حسد کرنے والی عورتیں اس کے ضرر کے درپے ہو جاتی ہیں، جب نزول وحی میں تاخیر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ اور اسامہ سے مشورہ کیا حضرت اسامہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ آپ کے اہل ہیں جو آپ کی شایان شان اور منصب نبوت ورسالت کے مناسب ہیں ان کی عصمت وعفت کا پوچھنا ہی کیا ہے آپ کے حرم محترم کی طہارت ونزاہت تو اظہر من الشمس ہے اس میں رائے مشورہ کی کیا ضرورت ہے اور اگر آپ ہمارا ہی خیال معلوم کرنا چاہتے ہیں تو عرض یہ ہے وَمَا نعلم الاّ خیرًا ہمارے علم کے اعتبار سے آپ کے اہل میں خیر کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج وغم کے خیال سے یہ عرض کیا یَا رسُولَ اللّٰہِ لَمْ یضیق اللّٰہ علیكَ وَالنِّساءُ سواھَا کثیرٌ وانْ تسأل الجَاریَۃَ تصدقكَ یارسول اللہ! اللہ نے آپ پر تنگی نہیں فرمائی عورتیں اس کے سوا بہت ہیں آپ اگر گھر کی باندی سے دریافت فرمائیں تو وہ سچ سچ بتادے گی، غرض کہ آپ نے حضرت بریرہؓ کو بلوایا اور صورت حال معلوم کی، حضرت بریرہؓ نے عرض کیا ''قسم اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا میں نے عائشہ کی کوئی بات معیوب اور قابل گرفت کبھی نہیں دیکھی'' الا یہ کہ وہ ایک کمسن لڑکی ہے، آٹا گندھا ہوا چھوڑ کر سو جاتی ہے

بکری کا بچہ آکر اسے کھا جاتا ہے یعنی وہ تو اس قدر بے خبر اور بھولی بھالی ہے کہ اسے تو آٹے دال کی بھی خبر نہیں وہ دنیا کی ان چالاکیوں کو کیسے جان سکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بریرہؓ کی بات سن کر مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اول خدا کی حمد بیان فرمائی بعد ازاں عبداللہ بن ابی کا ذکر کر کے یہ ارشاد فرمایا:

''اے گروہ مسلمین کون ہے جو میری اس شخص کے مقابلہ میں مدد کرے جس نے مجھ کو میرے اہل بیت کے بارے میں ایذاء پہنچائی ہے، خدا کی قسم میں نے اپنے اہل سے سوائے نیکی اور پاک دامنی کے کچھ نہیں دیکھا اور علیٰ ھذا جس شخص کا ان لوگوں نے نام لیا ہے اس سے بھی سوائے خیر کے کچھ نہیں دیکھا'' (سیرت مصطفیٰ ملخصاً)

آخر کار حضرت صدیقہ کی برأت میں خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سورۂ نور کی یہ آیتیں اِنَّ الَّذِیْنَ جَاؤُا بِالْاِفْکِ الخ نازل فرمائیں جس پر حضرت عائشہ صدیقہ فخر کیا کرتی تھیں، مزید تفصیل کیلئے بخاری شریف کی طرف رجوع کریں۔

قولہ لِکُلِّ امْرِءٍ مِنْھُمْ ای علیہ لکل میں لام بمعنی علیٰ ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے یعنی تہمت لگانے والی جماعت کے ہر فرد کے لئے اس کے جرم کی مقدار سزا ملے گی اوپر کی آیت میں خائضین فی الإفک کا بیان تھا، اس آیت میں ان کو نو طریقہ سے تعبیر اور توبیخ فرمائی ہے، ان میں پہلا لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ ہے اور نواں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ الخ ہے، لَوْ لَا توبیخیہ ہے اور اِذْ ظَنَّ کا ظرف ہے **قولہ** ای ظَنَنْتُمْ اَیُّھَا العصبۃ وقلتم اس عبارت کا مقصد یہ بتاتا ہے کہ آیت میں خطاب سے غیبت کی جانب التفات ہے اور ظَنَّ بمعنی ظَنَنْتُمْ اور قالوْا بمعنی قُلْتُمْ ہے **قولہ** لَوْ لَا ھَلَّا جاؤُا اس میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ یہ جملہ مستانفہ ہے تب تو ماقبل سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا اور اگر یہ کلام ماقبل کا تتمہ ہے تو لَوْلَا کے تحت میں داخل ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ اس افتراء اور بہتان کو سنتے ہی بہتر گمان کرنا چاہئے تھا اور اس افتراء پر چار عینی شاہدوں کا مطالبہ کرنا چاہئے تھا۔

قولہ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ یعنی یہ طوفان تو ایسا اٹھا تھا کہ نہ معلوم کون کون اس طوفان کی زد میں آتے لیکن اللہ نے محض اپنے فضل و کرم سے تم میں سے تائبین کی توبہ کو قبول فرمایا اور بعض کو حد شرعی جاری کر کے پاک کیا اور جو زیادہ خبیث تھے ان کو ایک گونہ مہلت دی ان کے لئے آخرت میں شدید عذاب ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ طُرُقَ الشَّیْطٰنِ ط ای تزیینہ وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّہٗ ای المتبع یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ای القَبِیْحِ وَالْمُنْکَرِ ط شرعًا باتباعِھا وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ مَازَکٰی مِنْکُمْ اَیُّھَا العُصْبَۃُ بِما قُلْتُمْ مِنَ الإفکِ مِنْ اَحَدٍ اَبَدًا ای ما صَلُحَ وَطَھُرَ من ھذا الذنبِ بِالتَّوْبَۃِ منہ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُزَکِّیْ یُطَھِّرُ مَنْ یَّشَآءُ ط مِنَ الذَّنْبِ بِقَبُولِ تَوبَتِہٖ مِنْہُ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ لما قُلْتُمْ

عَلِیْمٌ○ بِمَا قَصَدْتُّمْ وَلَا یَاْتَلِ یَحْلِفْ اُولُوا الْفَضْلِ ای اَصْحَابُ الغِنٰی مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ لَا یُؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُهَاجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖ نَزَلَتْ فِی اَبِیْ بَکْرٍ حَلَفَ اَنْ لَا یُنْفِقَ عَلٰی مِسْطَحٍ وهو اِبْنُ خَالَتِهٖ مِسْکِیْنٌ مُهَاجِرٌ بَدْرِیٌّ لِمَا خَاضَ فِی الاِفْکِ بَعْدَ اَنْ کَانَ یُنْفِقُ عَلَیْهِ وناسٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اَقْسَمُوْا اَنْ لَا یَتَصَدَّقُوْا عَلٰی مَنْ تَکَلَّمَ بِشَیْءٍ مِنَ الاِفْکِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ؕ عَنْهم فِی ذٰلِكَ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَکُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○ لِلْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ بَلٰی اَنَا اُحِبُّ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لِیْ وَرَجَعَ اِلٰی مِسْطَحٍ مَاکَانَ یُنْفِقُهٗ عَلَیهِ اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ بِالزِّنَا الْمُحْصَنٰتِ الْعَفَائِفَ الْغٰفِلٰتِ عَنِ الفَوَاحِشِ بِاَنْ لَّا یَقَعُ فِی قُلُوْبِهِنَّ فِعْلُها الْمُؤْمِنٰتِ بِاللّٰهِ ورَسُوْلِهٖ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ○ یَّوْمَ نَاصِبُهُ الاِسْتِقْرَارُ الَّذِیْ تَعَلَّقَ بِهٖ لَهُمْ یَّشْهَدُ بِالْفَوْقَانِیَّةِ وَالتَّحْتَانِیَّةِ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ○ مِنْ قَوْلٍ وَّفِعْلٍ وَّهُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ یُجَازِیْهِمْ جَزَاءَهُ الوَاجِبَ عَلَیْهِمْ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ○ حَیْثُ حَقَّقَ لَهُمْ جَزَاءَهُ الَّذِیْ کَانُوْا یَشُکُّوْنَ فِیْهِ مِنْهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ اُبَیٍّ وَالْمُحْصَنٰتُ هُنَا اَزْوَاجُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یُذْکَرْ فِیْ قَذْفِهِنَّ تَوْبَةٌ وَمَنْ ذُکِرَ فِیْ قَذْفِهِنَّ اَوَّلَ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ غَیْرُهُنَّ اَلْخَبِیْثٰتُ مِنَ النِّسَاءِ وَمِنَ الْکَلِمٰتِ لِلْخَبِیْثِیْنَ مِنَ النَّاسِ وَالْخَبِیْثُوْنَ مِنَ النَّاسِ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ مِمَّا ذُکِرَ وَالطَّیِّبٰتُ مِمَّا ذُکِرَ لِلطَّیِّبِیْنَ مِنَ النَّاسِ وَالطَّیِّبُوْنَ مِنْهُمْ لِلطَّیِّبٰتِ مِمَّاذُکِرَای اللَّائِقُ بِالْخَبِیْثِ مِثْلُهٗ وبِالطَّیِّبِ مِثْلُهٗ اُولٰئِكَ الطَّیِّبُوْنَ وَالطَّیِّبَاتُ مِنَ النِّسَاءِ وَمِنْهُمْ عَائِشَةُ وَصَفْوَانُ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ ای الخَبِیْثُوْنَ وَالْخَبِیْثَاتُ مِنَ النِّسَاءِ فِیْهِمْ لَهُمْ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبَاتِ مِنَ النِّسَاءِ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ○ ۧ فِی الْجَنَّةِ وَقَدِ افْتَخَرَتْ عَائِشَةُ بِاَشْیَاءَ مِنْهَا اَنَّهَا خُلِقَتْ طَیِّبَةً وَّوُعِدَتْ مَغْفِرَةً وَرِزْقًا کَرِیْمًا.

ترجمہ

اے ایمان والوتم شیطان کے نقش قدم پر مت چلو یعنی شیطان کے راستوں پر مت چلو یعنی اس کی تلبیس اور فریب میں نہ آؤ، اور جو شخص شیطان کے نقش قدم پر چلتا ہے تو وہ یعنی شیطانی راستہ پر چلنے والا شیطان کے نقش قدم پر چلنے کی وجہ سے فحش یعنی بے حیائی اور شرعاً نامعقول ہی کام کرنے کو کہے گا اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو اے لوگو تم میں سے کبھی کوئی پاک صاف نہ ہوتا اس وجہ سے کہ تم نے افتراء پردازی کی، یعنی توبہ کے ذریعہ نہ اس گناہ سے درست ہوتا اور

نہ پاک ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک صاف کر دیتا ہے گناہ سے اس کی توبہ کو قبول کر کے اور اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں کو سنتا ہے اور تمہارے ارادوں کو جانتا ہے اور قسم نہ کھائیں وہ لوگ جو تم میں سے فضل والے یعنی مالدار اور وسعت والے ہیں کہ وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں گے یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ انہوں نے قسم کھالی تھی کہ اپنے خالہ زاد بھائی مسکین، مہاجر، بدری، مسطح پر خرچ نہ کریں گے اس لئے کہ انہوں نے افتراء پردازی میں حصہ لیا تھا حالانکہ ابوبکر صدیق ان پر خرچ کرتے تھے (یعنی ان کی کفالت کرتے تھے) اور صحابہ میں سے کچھ اور لوگوں نے بھی قسم کھالی تھی کہ وہ کسی ایسے شخص پر صدقہ نہ کریں گے جس نے کچھ بھی افک کے معاملہ میں زبانی (حصہ) لیا، ان کو چاہئے کہ اس معاملہ میں ان کو معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم کو یہ بات پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ مومنین کے لئے غفور الرحیم ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا بے شک میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے چنانچہ مسطح پر جو خرچ کرتے تھے وہ جاری کر دیا اور جو لوگ ایسی عورتوں کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں جو پاکدامن ہیں اور فحش باتوں سے بے خبر ہیں بایں طور کہ ان کے دل میں کبھی فواحش کے کرنے کا خیال بھی نہیں آتا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والی ہیں تو ایسے لوگوں پر دنیا و آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان لوگوں کے لئے اس دن بڑا عذاب ہوگا جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے خواہ اعمال قولی ہوں یا فعلی اور وہ قیامت کا دن ہوگا یوم کا ناصب اِسْتَقَرَّ (محذوف) ہے جس سے لَهُمْ متعلق ہے یَشْهَدُ تا اور یا دونوں کے ساتھ ہے اس دن اللہ تعالیٰ ان کو پورا پورا واجبی بدلہ دے گا یعنی جو جزاء ان پر واجب ہے وہ پوری پوری دے گا، اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ٹھیک فیصلہ کرنے والا (بات) کا کھولنے والا ہے اس طریقہ سے کہ ان کے سامنے ہر اس عمل کی جزاء متحقق ہو جائے گی جس میں وہ شک کرتے تھے (ان شک کرتے والوں) میں عبداللہ بن ابی بھی ہے، اور محصنت سے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مراد ہیں، ازواج مطہرات کے قذف کے سلسلہ میں توبہ کا ذکر نہیں فرمایا، اور ابتداء سورت میں جن کی قذف کے سلسلہ میں توبہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ازواج مطہرات کے علاوہ ہیں، گندی عورتیں اور گندی باتیں گندے لوگوں کے لائق ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہیں قولہ مِمَّا ذُكِرَ اى النساء او کلمات اور مذکورین میں سے پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں اور مذکورین میں سے ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہیں یعنی خبیث کے لائق خبیث ہے اور پاکیزہ کے لائق پاکیزہ ہے اور یہ پاکیزہ مرد اور پاکیزہ عورتیں اور ان ہی میں حضرت عائشہ اور حضرت صفوان ہیں اس بات سے پاک ہیں جو یہ بکتے پھرتے ہیں یعنی یہ خبیث مرد اور عورتیں ان حضرات کے بارے میں جو بکتے پھرتے ہیں ان کے لئے یعنی ان پاکیزہ مرد اور عورتوں کے لئے مغفرت اور

جنت میں عزت کی روزی ہے اور حضرت عائشہ چند چیزوں پر فخر فرمایا کرتی تھیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ ان کو پاکیزہ پیدا کیا گیا اور ان سے مغفرت اور باعزت روزی کا وعدہ کیا گیا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ خُطْوَۃ بضم الطاء وسکونھا بمعنی قدم **قولہ** مَنْ یتبع خطوات الشیطان شرط ہے جواب محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے مَنْ یَتبع خطُواتِ الشَّیطان فلا یَفلحُ **قولہ** فَاِنَّہٗ جواب شرط کی علت ہے **قولہ** ای المتَّبع اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ۂ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے مراد وہ شخص ہے جو شیطان کی اتباع کرتا ہے بعض حضرات نے اِنَّہٗ کی ضمیر شیطان کی طرف بھی راجع کی ہے یہی ظاہر ہے ضمیر شان بھی ہوسکتی ہے **قولہ** باتباعِھما یأمر سے متعلق ہے مازکیٰ مِنکُمْ لَوْلاَ کا جواب ہے مِن الافْكِ میں مِنْ بیانیہ ہے اور مِنْ اَحدٍ میں مِنْ زائدہ ہے اور احدٌ محل میں فاعل کے ہے **قولہ** لایأتل ایتلاءٌ (افتعال) سے نہی مضارع واحد مذکر غائب قسم نہ کھائیں اصل میں یاتلیٰ تھا لا ناہیہ کی وجہ سے ی گرگئی یاتل ہوگیا، مادہ اِلیٌّ بمعنی قسم **قولہ** ای اصحابُ الغنی یہ اولوا الفضل کی تفسیر ہے مفسر علام نے یہ تفسیر بغویؒ کی اتباع میں کی ہے اگر فضل کی تفسیر فضل فی الدین سے کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا تا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت پر استدلال ہوسکتا، اولوا الفضل کی تفسیر اصحاب الغنیٰ سے کرنے میں بلاوجہ تکرار بھی لازم آتا ہے اس لئے کہ والسَّعۃِ سے بھی خوشحالی اور مالی وسعت مراد ہے **قولہ** اَنْ لا یوتوا، لا کو دلالت مقام کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے، جیسا کہ تَفتَؤ تذکر یوسف میں لا مقدر ہے اور یہ حرف جر کی تقدیر کے ساتھ ہے ای علیٰ اَنْ لایُؤتُوْا **قولہ** وناسٍ اس کا عطف ابی بکر پر ہے ای نَزَلَتْ فی ابی بکرٍ وناسٍ مِنَ الصَّحابۃِ یَوْمَ کا ناصب محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وعذاب عظیمٌ کائن لھُمْ یومَ تَشھَدُ الخ سوال، عذابٌ مصدر کے ذریعہ منصوب کیوں نہیں ہے؟ جواب مصدر کے عمل کی بصریین کے نزدیک شرط یہ ہے کہ مصدر موصوف واقع نہ ہو اور یہاں عظیم کا موصوف واقع ہے لہٰذا عذاب مصدر ناصب نہیں ہوسکتا **قولہ** الخبیثات للخبیثین (الآیہ) جملہ مستانفہ ہے **قولہ** مِنَ النساء ومِنَ الکلماتِ مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے یہ بتانا ہے کہ الخبیثٰت کی دو تفسیر منقول ہیں ایک النساء اور دوسری الکلمات اور واو بمعنی اوْ ہے **قولہ** لَھُمْ مغفرۃٌ یہ جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اولٰئك کی خبر ثانی ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہو اور خبر اول مُبَرَّؤنَ ہو۔

تفسیر وتشریح

یٰا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لاتَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ آیت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کی چالوں اور فریب

کاریوں سے ہوشیار رہا کرو، مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہئے کہ شیاطین الانس والجن کے نقش قدم پر چلے، ان ملعونوں کا تو مشن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور برائی کی طرف لے جائیں تم جان بوجھ کر کیوں ان کی چالوں میں آتے ہو، دیکھو لو شیطان نے ذرا سا شوشہ چھوڑ کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کر دیا اور کئی سیدھے سادھے مسلمان کس طرح اس کے دام فریب میں پھنس گئے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ یعنی شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑتا ایک کو بھی سیدھے راستہ پر نہ رہنے دیتا یہ تو خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر بہت سوں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہونے کے بعد توبہ کی توفیق دیکر درست کر دیتا ہے۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوْا الْفَضْلِ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خلاف طوفان برپا کرنے والوں میں بعض مخلص مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے تھے، ان میں سے ایک حضرت مسطح بن اُثاثہ بھی تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق ان کی مالی اعانت فرمایا کرتے تھے، جب حضرت عائشہ صدیقہ کی برأت آسمان سے نازل ہو چکی اور قصہ ختم ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے قسم کھالی کہ آئندہ مسطح کی کوئی مدد نہ کریں گے، حضرت ابوبکر صدیق کو اس واقعہ سے چونکہ سخت صدمہ پہنچا تھا خاص طور پر حضرت مسطح کے اس مہم میں شریک ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ رنج ہوا، اس لئے کہ جن لوگوں سے حمایت کی امید ہوتی ہے وہ بھی مخالفت پر اتر آئیں تو بتقاضائے بشریت دکھ ہونا فطری بات ہے، اس فطری اور بشری تقاضہ سے حضرت صدیق قسم کھا بیٹھے کہ آئندہ مسطح کی مالی مدد نہ کروں گا، غالباً ایسی ہی صورت حال بعض دیگر صحابہ کو بھی پیش آئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت عطا فرمائی ان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ ایسی قسم کھائیں، ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں، اعلیٰ قسم کی جوانمردی تو یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے، محتاجوں رشتہ داروں اور خدا کے لئے وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دست کش ہونا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں، اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو اس کا کفارہ ادا کر دو، تمہاری شان تو یہ ہونی چاہئے کہ خطا کاروں کی خطا سے عفو ودرگذر سے کام لیں، کیا تم حق تعالیٰ سے عفو ودرگذر کی خواہش اور امید نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو بھی اس کے بندوں کے معاملہ میں خود اختیار کرنی چاہئے، احادیث میں ہے کہ ابوبکر صدیق نے جب سنا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے، تو فوراً بول اٹھے بلٰی یا رَبَّنَا اِنَّا نُحِبُّ بے شک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں، یہ کہہ کر مسطح کی سابقہ امداد بدستور جاری کر دی بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دوگنی کر دی، **مسطح ھو ابن اثاثہ بن عباد بن المطلب بن عبد مناف** اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان کا اصل نام عوف ہے اور مسطح لقب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحصنٰتِ الغٰفِلٰتِ اس آیت میں بظاہر مگر رووہ مضمون بیان ہوا ہے جو اس سے پہلی آیات قذف میں آچکا ہے لیکن درحقیقت ان دونوں میں ایک بڑا فرق ہے کیونکہ آیات حد قذف کے آخر میں توبہ کرنے والوں کا استثناء اور ان کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے، اس آیت میں ایسا نہیں بلکہ دنیا وآخرت کی لعنت اور عذاب عظیم بلا استثناء مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنہوں نے حضرت صدیقہ عائشہ پر تہمت لگائی اور پھر اس سے توبہ نہیں کی حتی کہ قرآن کریم میں ان کی برأت نازل ہونے کے بعد بھی وہ اپنے افتراء پر قائم رہے اور تہمت کا چرچا کرتے رہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت کے قضیہ میں جو بعض مسلمان بھی شریک ہو گئے تھے یہ قضیہ اس وقت کا تھا جب تک آیات برأت قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھیں آیات برأت نازل ہونے کے بعد جو شخص حضرت صدیقہ پر تہمت لگائے، وہ بلاشبہ کافر منکر قرآن ہے، جیسا کہ شیعوں کے بعض فرقے اور بعض افراد اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں ان کے کافر ہونے میں کوئی شک وشبہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے وہ باجماع امت کافر ہیں (معارف)

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ (الآیہ) یعنی بدکار اور گندی عورتیں گندے اور بدکار مردوں کے لائق ہیں اسی طرح بدکار اور گندے مرد اس قابل ہیں کہ ان کا تعلق اپنے جیسی گندی اور بدکار عورتوں سے ہو، پاک اور ستھرے آدمیوں کا ناپاک بدکاروں سے کیا تعلق؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پیغمبر کی عورت بدکار (زانیہ) نہیں ہوسکتی یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ناموس کی حفاظت فرماتے ہیں، آیت کا یہ مطلب تو مشہور اور عام ترجمہ کے مطابق ہوا مگر بعض مفسرین سلف سے یہ منقول ہے کہ اَلْخَبِیْثٰتُ اور اَلطَّیِّبٰتُ سے یہاں عورتیں مراد نہیں ہیں بلکہ اقوال اور کلمات مراد ہیں یعنی گندی باتیں گندوں کے لائق اور ستھری باتیں ستھرے اور پاکباز مردوں کے لائق اچھے اور ستھرے لوگ ایسی گندی باتوں سے پاک اور بری ہوتے ہیں جیسا کہ آگے اولئك مبرؤن مما یقولون سے ظاہر ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی ازواج کے بارے میں جو قرآن کریم میں ان کا کافر ہونا مذکور ہے تو ان کے متعلق بھی یہ ثابت ہے کہ کافر ہونے کے باوجود فسق وفجور میں مبتلا نہیں تھیں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مَابغَتْ اِمرأۃ نبیٍ قطّ یعنی کسی نبی کی بیوی کافرہ ہو جائے اس کا تو امکان ہے مگر بدکار فاحشہ ہو جائے یہ ممکن نہیں، کیونکہ بدکاری طبعی طور پر عوام کی نفرت کی موجب ہے کفر طبعی نفرت کا موجب نہیں۔ (بیان القرآن)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا ای تَسْتَاْذِنُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰی اَھْلِھَا فیقُوْلُ الواحدُ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ ااَدْخُلُ کَمَا وَرَدَ فِی حدیثٍ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنَ الدُّخُوْلِ بِغَیْرِ اسْتِیْذَانٍ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ بادغامِ التَّاءِ الثَّانیۃ فِی الذَّالِ خَیْرِیَّتَہٗ فتعملُوْنَ بہٖ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْھَا

اَحَدًا يَاْذَنُ لَكُمْ فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمْ بَعْدَ الْاِسْتِئْذَانِ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اى الرُّجُوْعُ اَزْكٰى اى خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ مِنَ الْقُعُوْدِ عَلَى الْبَابِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مِنَ الدُّخُوْلِ بِاِذْنٍ وَغَيْرِ اِذْنٍ عَلِيْمٌ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ اى مَنْفَعَةٌ لَّكُمْ ۖ بِاسْتِكْنَانٍ وَغَيْرِهٖ كَبُيُوْتِ الرُّبُطِ وَالْخَانَاتِ الْمُسَبَّلَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ تُظْهِرُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ تُخْفُوْنَ فِى دُخُوْلِ غَيْرِ بُيُوْتِكُمْ مِنْ قَصْدِ صَلَاحٍ اَوْ غَيْرِهٖ وَسَيَاْتِى اَنَّهُمْ اِذَا دَخَلُوْا بُيُوْتَهُمْ يُسَلِّمُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ عَمَّا لَايَحِلُّ لَهُمْ نَظْرُهٗ وَمِنْ زَائِدَةٌ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۖ عَمَّا لَايَحِلُّ لَهُمْ فِعْلُهٗ بِهَا ذٰلِكَ اَزْكٰى اى خَيْرٌ لَهُمْ ۖ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ بِالْاَبْصَارِ وَالْفُرُوْجِ فَيُجَازِيْهِمْ عَلَيْهِ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ عَمَّا لَايَحِلُّ لَهُنَّ نَظْرُهٗ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ عَمَّا لَايَحِلُّ فِعْلُهٗ بِهَا وَلَايُبْدِيْنَ يُظْهِرْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَهُوَ الْوَجْهُ وَالْكَفَّانِ فَيَجُوْزُ نَظْرُهٗ لِاَجْنَبِيٍّ اِنْ لَمْ يَخَفْ فِتْنَةً فِى اَحَدِ الْوَجْهَيْنِ وَالثَّانِى يَحْرُمُ لِاَنَّهٗ مَظَنَّةُ الْفِتْنَةِ وَرُجِّحَ حَسْمًا لِلْبَابِ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ اى يَسْتُرْنَ الرُّؤُسَ وَالْاَعْنَاقَ وَالصُّدُوْرَ بِالْمَقَانِعِ وَلَايُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ الْخَفِيَّةَ وَهِىَ مَاعَدَا الْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ جَمْعُ بَعْلٍ اى زَوْجٍ اَوْ اٰبَائِهِنَّ اَوْ اٰبَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِىْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِىْ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ فَيَجُوْزُ لَهُمْ نَظْرُهٗ اِلَّا مَابَيْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ فَيَحْرُمُ نَظْرُهٗ لِغَيْرِ الْاَزْوَاجِ وَخَرَجَ بِنِسَائِهِنَّ الْكَافِرَاتُ فَلَا يَجُوْزُ لِلْمُسْلِمٰتِ الْكَشْفُ لَهُنَّ وَشَمِلَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ الْعَبِيْدَ اَوِ التَّابِعِيْنَ فِى فُضُوْلِ الطَّعَامِ غَيْرِ بِالْجَرِّ صِفَةٌ وَالنَّصْبِ اسْتِثْنَاءٌ اُولِى الْاِرْبَةِ اَصْحَابِ الْحَاجَةِ اِلَى النِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ بِاَنْ لَمْ يَنْتَشِرْ ذَكَرُ كُلٍّ اَوِ الطِّفْلِ بِمَعْنَى الْاَطْفَالِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا يَطَّلِعُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ لِلْجِمَاعِ فَيَجُوْزُ اَنْ يُبْدِيْنَ لَهُمْ مَا عَدَا بَيْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۖ مِنْ خَلْخَالٍ يَتَقَعْقَعُ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ مِمَّا وَقَعَ لَكُمْ مِنَ النَّظَرِ الْمَمْنُوْعِ مِنْهُ وَمِنْ غَيْرِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تَنْجُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ لِقُبُوْلِ التَّوْبَةِ مِنْهُ وَفِى الْاٰيَةِ تَغْلِيْبُ الذُّكُوْرِ عَلَى الْاِنَاثِ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ جَمْعُ اَيِّمٍ وَهِىَ مَنْ لَيْسَ لَهَا زَوْجٌ بِكْرًا كَانَتْ اَوْ ثَيِّبًا وَمَنْ لَيْسَ لَهٗ زَوْجَةٌ وَهٰذَا فِى الْاَحْرَارِ وَالْحَرَائِرِ وَالصّٰلِحِيْنَ اى الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۖ وَعِبَادٌ مِنْ جُمُوْعِ عَبْدٍ اِنْ يَّكُوْنُوْا اى الْاَحْرَارُ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ بِالتَّزَوُّجِ مِنْ

فَضْلِهٖ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ لِخَلْقِهٖ عَلِيْمٌ○ بِهِمْ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا اى مَا يَنْكِحُوْنَ بِهٖ مِنْ مَهْرٍ وَنفقةٍ مِنَ الزِّنَا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ يُوَسِّعَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَضْلِهٖ ط فَيَنْكِحُوْنَ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ بِمَعْنَى الْمُكَاتَبَةِ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنَ الْعَبِيْدِ وَالْاِمَاءِ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ق اى اَمَانَةً وَقُدْرَةً عَلَى الْكَسْبِ لِاَدَاءِ مَالِ الْكِتَابَةِ وَصِيْغَتُهَا مَثَلًا كَاتَبْتُكَ عَلَى الْفَيْنِ فِى شَهْرَيْنِ كُلَّ شَهْرٍ اَلْفٌ فَاِذَا اَدَّيْتَهَا فَاَنْتَ حُرٌّ فَيَقُوْلُ قَبِلْتُ ذٰلِكَ وَّآتُوْهُمْ اَمْرٌ لِلسَّادَةِ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىْ آتٰكُمْ ط مَا يَسْتَعِيْنُوْنَ بِهٖ فِى اَدَاءِ مَا الْتَزَمُوْهُ لَكُمْ وَفِى مَعْنَى الْاِيْتَاءِ حَطُّ شَيْءٍ مِمَّا الْتَزَمُوْهُ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ اى اِمَائِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اى الزِّنَا اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا تَعَفُّفًا عَنْهُ وَهٰذِهِ الْاِرَادَةُ مَحَلُّ الْاِكْرَاهِ فَلَا مَفْهُوْمَ لِلشَّرْطِ لِتَبْتَغُوْا بِالْاِكْرَاهِ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا نَزَلَتْ فِى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُبَىٍّ كَانَ يُكْرِهُ جَوَارِىَ لَهٗ عَلَى الْكَسْبِ بِالزِّنَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ م بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ لَهُنَّ رَّحِيْمٌ○ بِهِن وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ آيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا فِى هٰذِهِ السُّوْرَةِ بُيِّنَ فِيْهَا مَا ذُكِرَ اَوْ بَيِّنَةً وَّمَثَلًا اى خَبَرًا عَجِيْبًا وَهُوَ خبر عائشة رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ اى مِنْ جِنْسِ اَمْثَالِهِمْ اى اَخْبَارِهِمُ الْعَجِيْبَةِ كَخَبَرِ يُوْسُفَ وَمَرْيَمَ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ○ ع فى قوله تعالى وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ الخ لَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ وَلَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ الخ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا الخ وَتَخْصِيْصُهَا بِالْمُتَّقِيْنَ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا

ترجمہ

اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اور اہل خانہ کو سلام نہ کرلو پس ہر اجازت لینے والے کو چاہئے کہ کہے السلام علیکم أأدخلُ کیا میں داخل ہوسکتا ہوں؟ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے یہی تمہارے لئے بہتر ہے بغیر اجازت داخل ہونے سے تاکہ تم خیال رکھو اجازت کے خیر ہونے کا پھر تم اس پر عمل کرو تاء ثانیہ کو ذال میں ادغام کرکے سوا گر تم گھروں میں کسی کو نہ پاؤ کہ تم کو اجازت دے تو ان میں داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دیدی جائے اور اگر اجازت طلب کرنے کے بعد تم سے کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو یہی لوٹ آنا تمہارے دروازہ پر بیٹھ رہنے سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال دخول بالاذن اور دخول بغیر الاذن کی سب خبر ہے لہٰذا ان اعمال پر جزا دے گا تم کو ایسے مکانات میں (بغیر اجازت) داخل ہونے میں کوئی گناہ نہ ہوگا جو رہائشی نہ ہوں اور جن سے تمہاری بھی کچھ منفعت وابستہ ہو (مثلاً) گرمی سردی سے بچنے وغیرہ کی منفعت جیسا کہ عام سرائے کے طور پر استعمال ہونے والے مکانات اور دوکان اور جو کچھ تم

علانیہ کرتے ہو اور پوشیدہ طور پر کرتے ہو دوسروں کے گھروں میں اصلاح یا غیر اصلاح کے ارادہ سے داخل ہونے کو اللہ سب جانتا ہے اور یہ (مضمون) عنقریب آرہا ہے کہ لوگ جب اپنے گھروں میں داخل ہوں تو خود کو سلام کریں آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو ان چیزوں سے نیچی رکھیں جن کا دیکھنا ان کے لئے حلال نہیں ہے، اور مِن زائدہ ہے اور اپنی شرمگاہوں کو ان افعال سے محفوظ رکھیں جن کا ارتکاب ان کے لئے حلال نہیں ہے، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے یعنی بہتر ہے اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے جو کچھ وہ اپنی آنکھوں اور شرمگاہوں سے کرتے ہیں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں ان چیزوں سے کہ جن کا دیکھنا جائز نہیں ہے اور اپنی شرمگاہوں کو ان کاموں سے محفوظ رکھیں جن کا ارتکاب ان کے لئے حلال نہیں ہے اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور وہ چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں اجنبی کے لئے ایک قول میں ان اعضاء کا دیکھنا جائز ہے اگر فتنہ کا خوف نہ ہو اور دوسرے قول میں حرام ہے، اس لئے کہ یہ محل فتنہ ہیں اور (دوسرے قول کو) سد اللباب راجح قرار دیا گیا ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں یعنی سروں گردنوں اور سینوں کو دوپٹوں سے ڈھانپے رہا کریں، اور اپنی پوشیدہ زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں اور وہ چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ ہے مگر اپنے شوہروں پر (بعول) بعل کی جمع ہے بمعنی شوہر اور اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی عورتوں پر (یعنی مسلمان عورتوں پر) یا اپنی لونڈیوں پر ان لوگوں کے لئے ناف اور گھٹنے کے درمیان کے علاوہ دیکھنا جائز ہے لہٰذا ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصہ کو شوہروں کے علاوہ کے لئے دیکھنا حرام ہے، اور نِسَائِهِنَّ کی قید سے کافر عورتیں خارج ہو گئیں، لہٰذا مسلمان عورتوں کے لئے کافر عورتوں کے روبرو بے پردہ ہونا جائز نہیں ہے اور مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کا لفظ (اپنے عموم کی وجہ سے) غلاموں کو بھی شامل ہے یا ان مردوں پر جو طفیلی ہوں یعنی ایسے لوگ جو بچے ہوئے کھانے کے متلاشی ہوں ان کی اور کوئی غرض نہ ہو غیرِ جر کے ساتھ (التابعین) کی صفت ہوگی اور نصب استثناء کی وجہ سے ہوگا اُولِی الاِرْبَةِ وہ مرد جو کھانے وغیرہ کے لئے عورتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں (ان کا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا) ہر ایسا شخص کہ جس کے عضو تناسل میں انتشار نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو (ابھی) عورتوں کی پردے کی یعنی جماع وغیرہ کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے ہیں اور طفل بمعنی اطفال ہے، تو ایسے لوگوں کے لئے (مابین السرۃ والرکبۃ) کے علاوہ ظاہر کرنا جائز ہے اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور ظاہر ہو جائے کہ وہ بجنے والی پازیب ہے اور اے مومنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو نظر ممنوع وغیرہ سے جو تم سے واقع ہو گئی ہے تاکہ تم فلاح پاؤ یعنی تاکہ تم اس سے (یعنی نظر ممنوع کے گناہ سے) نجات پاؤ، اللہ کے توبہ کو قبول کرنے کے ذریعہ، اور آیت میں مذکر کو مؤنث پر غلبہ ہے اور تم میں سے جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو اَيَامٰى اَيِّمٌ کی جمع ہے وہ وہ عورت ہے جس کا شوہر نہ ہو خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ اور وہ مرد جس کی بیوی نہ ہو اور یہ (حکم) آزاد مرد اور عورتوں کا ہے اور تم اپنے مومن

غلام اور باندیوں کا بھی (نکاح کردیا کرو) اور عِبَاد عبدٌ کی جمع ہے اگر وہ افراد مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس نکاح کی برکت سے غنی کردے گا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لئے وسعت والا ہے اور (ان کے حالات) کا جاننے والا ہے اور ایسے لوگ جو نکاح پر مہر و نفقہ نہ ہونے کی وجہ سے قدرت نہیں رکھتے ان کو چاہئے کہ زنا سے ضبط سے کام لیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے یعنی ان کو وسعت عطا فرمادے پھر وہ نکاح کرلیں اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں غلام اور باندیوں میں سے تو ان کو مکاتب بنادیا کرو اگر تم ان میں بہتری سمجھو یعنی امانت اور بدل کتابت ادا کرنے کے لئے کمانے کی قدرت اور (رہا) مکاتبت کا صیغہ تو مثلاً یوں کہے میں نے تجھ کو دو ماہ میں دو ہزار پر مکاتب بنادیا ہر ماہ میں ایک ہزار جب تو اس کو ادا کردے گا تو آزاد ہے غلام کہے کہ مجھے یہ منظور ہے اور اللہ کے اس مال میں سے جو اس نے تم کو دیا ہے ان کو بھی دو جس سے وہ اس بدل کتابت کی ادائیگی میں مدد حاصل کریں جس کو انہوں نے تمہارے لئے (اپنے اوپر) لازم کرلیا ہے، یہ سرداروں کو حکم ہے اور جو انہوں نے (اپنے اوپر) لازم کرلیا ہے اس میں سے کچھ کم کردینا یہ بھی دینے کے حکم میں ہے اور اپنی لونڈیوں کو یعنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں یعنی زنا سے بچنا چاہیں اور یہ یعنی ارادۂ تحصن ہی محل اکراہ ہے، لہٰذا شرط کے مفہوم مخالف کا کوئی اعتبار نہیں ہے تاکہ تم اکراہ کے ذریعہ دنیوی کچھ فائدہ حاصل کرو یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ اپنی باندیوں کو زنا کے ذریعہ کسب کرنے پر مجبور کرتا تھا اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد ان کو بخشنے والا مہربان ہے اور بلاشبہ ہم نے تمہارے پاس اس سورت میں کھلے احکام نازل کئے (مبینت) میں یا کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے اس (سورت) میں وہ احکام بیان کئے گئے ہیں جو مذکور ہوئے یا (احکام کو) واضح کرنے والی آیات نازل کی ہیں اور عجیب خبر نازل کی اور وہ حضرت عائشہؓ کا واقعہ ہے کہ جو آپ سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کی خبر کی جنس سے ہے (عجیب ہونے میں) یعنی ان لوگوں کی اخبار عجیبہ کی جنس سے ہے، جیسا کہ حضرت یوسفؑ و مریمؑ کی خبر اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی باتیں (نازل فرمائیں) اللہ تعالیٰ کے قول وَلَا تَاخُذْکُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ (الآیہ) میں (اور) لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ (الآیہ) میں اور وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ (الآیہ) میں (اور) یَعِظُکُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا (الآیہ) میں متقین کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہی لوگ نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَأْنِسُوْا ای تَسْتَأْذِنُوْا سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ستر وحجاب عفت و پاکدامنی کے احکام بیان فرمائے منجملہ انہی احکام کے کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ

ہوتا ہے لہٰذا ستر وحجاب کے احکام کے بعد مسئلہ استیذ ان کو بیان فرمایا، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے گھروں میں داخل ہونے کے آداب کو بیان فرمایا اس لئے کہ اجنبی مرد وزن کا اختلاط بعض اوقات فتنہ کا سبب بن جاتا ہے **قوله** تَسْتَانِسُوْا بمعنی تَسْتَاذِنُوْا ہے یہ استیذ ان سے مشتق ہے اس کے معنی اجازت لینا، انسیت پیدا کرنا **قوله** لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ یہ لاتَدْخُلُوْا بُیُوتًا سے بمنزلہ استثناء ہے **قوله** اِسْتِکْنَانٌ یہ کِنٌّ سے مشتق ہے اس کے معنی چھپنے کے ہیں یعنی سردی، گرمی یا بارش وغیرہ سے چھپ کر راحت حاصل کرنا **قوله** رُبُطٌ رباطٌ کی جمع ہے اس کے اصل معنی تو اصطبل یا بیرک کے ہیں مگر یہاں وہ سرائے اور عام مسافر خانے مراد ہیں جن میں آمد ورفت کی عام اجازت ہوتی ہے اور جو منفعت عامہ کے لئے بنائے جاتے ہیں اَلْمَسْبَلَة اس راستہ کو کہتے ہیں جو خوب چلتا ہو اسی مناسبت سے اس مکان کو بھی کہتے ہیں جس میں عام آمد ورفت کی اجازت ہو مَسْبَلَة دراصل رُبُطٌ کی صفت ہے لہٰذا اگر اس کو رُبُطٌ کے متصل ذکر کرتے تو زیادہ واضح ہوتا خطیب کی عبارت اس طرح ہے کَبُیُوتِ الخَانَاتِ و الربط المسبلة (جمل) خَانَاتٌ خَانَةٌ کی جمع دکان کو کہتے ہیں جہاں خرید وفروخت کے لئے آنے کی عام اجازت ہوتی ہے، اَلْمَسْبَلَة، رُبُط اور خانات دونوں کی صفت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، **قوله** بالمَقَانِع یہ مِقْنَعٌ یا مِقْنَعة کی جمع ہے، دوپٹہ اوڑھنی وغیرہ **قوله** اوِ التابعینَ ای التَّابِعِیْنَ للنساءِ وہ خفیف العقل اور نیم پاگل لوگ جو کھانے وغیرہ کی جستجو میں عورتوں کے ساتھ ہو لیتے ہیں خَلْخال پازیب (ج) خلاخیل تَقَعْقَعَ یَتَقَعْقَعُ حرکت کے ساتھ آواز نکالنا، **قوله** الصَّالِحِینَ ای المومنین یہاں صالحین سے وہ مومنین مراد ہیں جو حقوق نکاح کے ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، **قوله** وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الکِتٰبَ وَالَّذِیْنَ موصول صلہ سے مل کر مبتداء متضمن بمعنی شرط ہونے کی وجہ سے محلًا مرفوع ہے، اس صورت میں فکاتبوہ اس کی خبر ہے اور مما ملکت ایمانکم یبتغون کی ضمیر سے حال ہے، اور فعل مقدر کی وجہ سے نصب بھی جائز ہے اس صورت میں محلًا منصوب ہوگا اور باب اشتغال سے ہوگا **قوله** هذه الإرادة محل الاکراه فلا مفهوم للشرط یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ اِنْ اَرَدْنَ تحصنًا حرف شرط سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر باندیاں پاکدامن رہنا چاہیں تو ان کو زنا پر مجبور نہ کیا جائے اور اگر پاکدامن رہنا نہ چاہیں تو مجبور کر سکتے ہیں، جواب یہ ہے کہ اجبار کی ضرورت ہی جب پڑے گی جب وہ پاکدامن رہنا چاہیں اور اگر وہ خود ہی پاکدامن رہنا نہ چاہیں تو اجبار کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی، وہ خود اپنی مرضی سے فعل زنا کرلے گی **قوله** اَوْبَیِّنَة بمعنی مُبَیِّنَة اسم فاعل احکام کو واضح کرنے والی آیات **قوله** مثلاً یعنی اس سورت میں یا اس قرآن میں ہم نے تمہارے لئے واضح احکام نازل کئے اور حضرت عائشہ صدیقہ کا عجیب واقعہ بھی نازل کیا جو عجیب ہونے میں گذرے ہوئے لوگوں مثلاً حضرت یوسف ومریم علیہما السلام کے واقعہ کے مشابہ ہے اس لئے کہ ان دونوں حضرات پر بھی تہمت لگائی گئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی برأۃ بھی ظاہر فرمادی تھی۔

تفسیر وتشریح

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُیُوْتًا (الآیہ)

سبب نزول: عدی بن ثابت ایک انصاری شخص سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ میں بعض اوقات گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں پسند نہیں کرتی کہ کوئی اس حالت میں مجھے دیکھے نہ بیٹا اور نہ باپ تو اچانک کوئی آنے والا آجاتا ہے تو میں کیا کروں؟ تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

مکانات کی قسمیں

مکانات کی چار قسمیں ہیں (۱) اول اپنا خاص مکان یا کمرہ کہ جس میں دوسرے کے آنے کا احتمال ہی نہ ہو۔ (۲) دوسرے وہ مکان جس میں دیگر حضرات بھی رہتے ہوں گو وہ محارم ہی کیوں نہ ہوں یا کسی کے آجانے کا احتمال ہو۔ (۳) تیسرا جس میں بالفعل کسی کا رہنا یا نہ رہنا دونوں محتمل ہوں۔ (۴) چوتھا جس میں کسی خاص سکونت کا نہ ہونا متیقن ہو، جیسے مدرسہ، خانقاہ، مسجد، سرائے۔

قسم اول کا حکم تو یہ ہے کہ اس میں کسی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ علت استیذان جو آئندہ معلوم ہوگی منتفی ہے، دوسری اقسام کا حکم اگلی آیتوں میں مذکور ہے۔

استیذان کی مصلحت

سب سے بڑی مصلحت تو فواحش و بے حیائی کا انسداد ہے، بلا اجازت کسی کے مکان میں داخل ہو جانے سے یہ احتمال ہے کہ غیر محرم عورتوں پر نظر پڑے اور شیطان دل میں کوئی مرض پیدا کردے، اسی مصلحت کے پیش نظر احکام استیذان کو قرآن کریم میں حد زنا اور حد قذف وغیرہ کے متصل بیان فرمایا ہے، ایک اہم مصلحت یہ بھی ہے کہ انسان بعض اوقات اپنے گھر میں تنہائی میں کوئی ایسا کام کر رہا ہوتا ہے جس پر دوسروں کو مطلع کرنا مناسب نہیں سمجھتا، اگر ایسے وقت میں کوئی شخص بغیر اجازت گھر میں آجائے تو یہ جس چیز کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے اس پر وہ شخص مطلع ہو جائے گا کسی کے پوشیدہ راز کو زبردستی معلوم کرنے کی فکر کرنا بھی گناہ اور دوسروں کے لئے موجب ایذاء ہے۔

مسئلہ: ان آیات یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا (الآیہ) اگرچہ خطاب مردوں کو ہے مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں، قرآن کا عام اسلوب بھی یہ ہے کہ خطاب مردوں کو ہوتا ہے اور عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہوتی ہیں، بجز مخصوص

مسائل کے کہ جن کی خصوصیت مردوں کے ساتھ بیان کر دی جاتی ہے، چنانچہ حضرات صحابہ کی مستورات کا بھی یہی دستور تھا کہ جب کسی کے گھر جاتیں تو داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرتیں، حضرت ام ایاس فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں اکثر حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس جایا کرتی تھیں اور گھر میں داخل ہونے سے پہلے استیذان کرتی تھیں، جب وہ اجازت دیدیتیں تو اندر جاتی تھیں۔ (ابن کثیر بحوالہ ابی حاتم)

مسئلہ: اسی آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے شخص کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے استیذان کا حکم عام ہے، عورت مرد محرم غیر محرم سب کو شامل ہے، عورت کسی عورت کے پاس جائے یا مرد کسی مرد کے پاس جائے سب کو استیذان کرنا واجب ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی ماں بہن یا دوسری محرم عورتوں کے پاس جائے تب بھی استیذان کرنا چاہئے، امام مالکؒ نے موطا میں مرسلاً عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا أ أستاذِنُ علیٰ اُمِّی آپ نے فرمایا نَعَمْ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ میرے سوا اس کا کوئی خادم نہیں ہے کیا پھر بھی ہر مرتبہ داخل ہوتے وقت اجازت لوں؟ تو آپ نے فرمایا أ تُحِبُّ أن ترَھا عُرْیَانَۃً کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تو اپنی والدہ کو ننگی دیکھے؟ اس شخص نے جواب دیا "لا" تو آپ نے فرمایا فَاسْتَاذِنْ علَیْھَا (روح المعانی)

مسئلہ: جس گھر میں صرف اپنی بیوی رہتی ہو اس میں داخل ہونے کے لئے اگر چہ استیذان واجب نہیں مگر مستحب اور سنت طریقہ یہ ہے کہ وہاں بھی اچانک اور بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے بلکہ داخل ہونے سے پہلے اپنے پاؤں کی آہٹ یا کھانس کھنکار کر یا کسی اور طریقہ سے خبر کر دے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ عبداللہ جب کبھی باہر سے گھر آتے تو دروازے میں کھنکار کر پہلے اپنے آنے کی خبر کر دیتے تھے، تاکہ وہ ہمیں اس حالت میں نہ دیکھیں جو انہیں پسند نہ ہو۔ (معارف)

قولہ ذٰلِکُمْ اس کا مشار الیہ دخول بالاستیذان والتسلیم ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذٰلکم سے حتّی کے تحت یعنی مغیا میں مذکور دونوں فعل یعنی استیناس اور تسلیم مراد ہوں، **قولہ** خیرٌ لَّکُمْ خیرٌ کو اگر اسم تفضیل ہی کے معنی میں رکھا جائے تو مفضل علیہ دخول بغیر اذن محذوف ہوگا جیسا کہ مفسر علام نے صراحت کی ہے، تو یہ اَلخلُّ اَحلیٰ مِنَ العَسَلِ کے قبیل سے ہوگا اور اگر خیر کو صیغہ صفت مانا جائے تو مفضل علیہ کی تقدیر کی ضرورت نہیں **قولہ** لعلَّکُمْ تذکرون یہ ایک جماعت کے نزدیک محذوف کی علت ہے ای أرشدتم الی ذٰلك او قیل لکم ھٰذا، کَی تذکرون.

استیذان کا مسنون طریقہ

مذکورہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ کسی کے گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ دو کام نہ کر لو اول استیناس اس کے لفظی معنی طلب انس کے ہیں اور جمہور کے نزدیک اس سے استیذان ہی مراد ہے یعنی اجازت حاصل کرنا استیذان کو

لفظ استیناس سے ذکر کرتے میں اس طرف اشارہ ہے کہ داخل ہونے سے پہلے اجازت حاصل کرنے میں مخاطب مانوس ہوجاتا ہے اس کو وحشت نہیں ہوتی، دوسرا کام یہ کہ گھر والوں کو سلام کرو، بعض حضرات نے اس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ پہلے اجازت حاصل کرو اور جب گھر میں داخل ہو تو سلام کرو قرطبی نے اسی کو اختیار کیا ہے اس مفہوم کے اعتبار سے آیت میں کوئی تقدیم و تاخیر نہیں، پہلے اجازت لی جائے اور جب اجازت مل جائے تو گھر میں جا کر سلام کریں، اور ماوردی نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ اگر اجازت لینے سے پہلے گھر کے کسی آدمی پر نظر پڑ جائے تو پہلے سلام کرے پھر اجازت طلب کرے ورنہ پہلے اجازت لے اور جب گھر میں جائے تو سلام کرے مگر عام روایات حدیث سے جو مسنون طریقہ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے باہر سے سلام کرے السلام علیکم اس کے بعد اپنا نام لیکر کہے فلاں شخص ملنا چاہتا ہے، امام بخاریؒ نے ادب المفرد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے استیذان کرے اس کو اجازت نہ دو (کیونکہ اس نے مسنون طریقہ کے خلاف کیا) (روح المعانی بحوالہ معارف)

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استیذان کیا، باہر سے کہا أألِجُ؟ میں گھس جاؤں، آپ نے اپنے خادم سے فرمایا یہ شخص استیذان کا طریقہ نہیں جانتا باہر جا کر اس کو طریقہ سکھاؤ کہ یوں کہے السلام علیکم أ أدخل ابھی یہ خادم باہر نہیں گیا تھا کہ اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک سن لئے اور سنت کے مطابق اجازت طلب کی آپ نے اجازت دیدی، اس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو اصلاحیں فرمائیں، ایک یہ کہ پہلے سلام کرنا چاہئے دوسرے یہ کہ أ ألِجُ کے بجائے أ أدخل کہنا چاہئے اَلِجُ وُلُوجٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی تنگ جگہ میں گھسنے کے ہیں یہ تہذیبِ گفتگو کے خلاف تھا، بہرحال ان روایات سے یہ معلوم ہوا کہ آیت قرآن میں جو سلام کرنے کا حکم ارشاد ہوا ہے یہ سلام استیذان ہے تاکہ اندر والا شخص متوجہ ہوجائے اور جو الفاظ اجازت طلب کرنے کے لئے کہے گا وہ سن لے گھر میں داخل ہونے کے وقت حسب معمول دوبارہ سلام کرے۔

مسئلہ: استیذان کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اجازت لینے والا خود اپنا نام لیکر اجازت طلب کرے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے در مبارک پر نام لیکر اجازت طلب کی۔

قاسم بن اصبغ نے اور ابن عبدالبر نے التمہید میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے، حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی **فقال السلام علی رسولِ اللّٰہِ السلامُ علَیکُمْ اَیَدْخُلُ عمر؟** (روح المعانی)

مسئلہ: اول تو اپنا نام بتا کر اجازت طلب کرے اس لئے کہ بغیر نام کے بعض اوقات آنے والے کا تعارف نہیں ہوتا، اور یہ بات اور زیادہ تکلیف کا باعث ہوتی ہے کہ اندر سے صاحب خانہ معلوم کرتا ہے کہ کون صاحب ہیں تو جواب میں کہا جاتا ہے میں ہوں، یہ مخاطب کے سوال کا جواب نہیں ہے، جس نے آواز سے نہیں پہچانا وہ (میں ہوں) سے کیا پہچانے گا۔

خطیب بغدادی نے اپنی جامع میں علی بن عاصم واسطی سے نقل کیا ہے کہ وہ بصرہ گئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے دروازہ پر دستک دی، حضرت مغیرہ نے اندر سے معلوم کیا کون صاحب ہیں تو جواب دیا ''أنا'' تو حضرت مغیرہ نے فرمایا میرے دوستوں میں تو کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس کا نام أنا ہو، پھر باہر تشریف لائے اور ان کو حدیث سنائی کہ ایک روز حضرت جابرؓ بن عبداللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت کے لئے دروازہ پر دستک دی آنحضرتؐ نے اندر سے پوچھا کون صاحب ہیں؟ تو جابر نے کہہ دیا أنا آپ نے زجر وتنبیہ سے فرمایا أنا أنا یعنی أنا أنا کہنے سے کیا حاصل اس سے کوئی پہچانا نہیں جاتا۔

استیذان کا مقصد بغیر اجازت گھر میں داخل نہ ہونا ہے، استیذان کے طریقے ہر زمانہ میں بدلتے رہتے ہیں ان میں سے دروازہ پر دستک اور سلام کرکے اجازت لینے کا طریقہ تو خود روایات میں موجود ہے، دروازہ پر لگی ہوئی گھنٹی بجادینا بھی استیذان کے مقصد کو پورا کرلینا ہے بشرطیکہ گھنٹی کے بعد اپنا نام بھی بتادے، شناختی کارڈ کے ذریعہ استیذان کا مقصد بخوبی پورا ہوجاتا ہے۔

مسئلہ: اگر استیذان کے جواب میں کہہ دیا جائے کہ اس وقت ملاقات نہیں ہوسکتی تو اس سے برانہ ماننا چاہئے آیت میں صراحتاً مذکور ہے وَاِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ یعنی جب آپ سے کہہ دیا جائے کہ اس وقت ملاقات نہیں ہوسکتی تو برا ماننے کی ضرورت نہیں ہے خوش دلی سے لوٹ جانا چاہئے۔

مسئلہ: اگر استیذان کے باوجود اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تو دوبارہ استیذان کرے اگر پھر بھی جواب نہ آئے تو تیسری مرتبہ استیذان کرے اگر اب بھی جواب نہ آئے تو اس صورت میں لوٹ جانا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ کسی مجبوری کی وجہ سے اجازت دینا نہیں چاہتا، مسلسل دستک دیتے رہنا یا وہیں جمے رہنا موجب ایذا ہے اس سے بچنا واجب ہے ابن کثیر نے صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا اسْتَاْذَنَ اَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ فَلْيَرْجِعْ یعنی جب تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے باوجود اگر اجازت نہ ملے تو لوٹ آنا چاہئے، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور سنت کے طابق استیذان کے لئے باہر سے سلام کیا، حضرت سعدؓ نے جواب تو دیا مگر آہستہ کہ حضور نہ سنیں آپ نے دوبارہ اور پھر سہ بارہ سلام کیا، حضرت سعد بن عبادہ سنتے اور آہستہ سے جواب دیتے، آپ تین مرتبہ استیذان کے بعد لوٹ گئے، جب حضرت نے دیکھا کہ اب آواز نہیں آرہی تو گھر سے نکل کر پیچھے دوڑے اور یہ عذر پیش کیا کہ یا رسول اللہ میں نے ہر مرتبہ آپ کی آواز سنی اور جواب بھی دیا مگر آہستہ دیا تا کہ آپ کی زبان مبارک سے میرے بارے میں زیادہ سے زیادہ سلام کے الفاظ نکلیں وہ میرے لئے موجب برکت ہوگا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے سنت طریقہ سکھایا) اس کے بعد حضرت سعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر لے گئے اور

کچھ ضیافت بھی کی آپ نے اس کو قبول فرمایا۔

مسئلہ: بغیر استیذان کئے ہوئے اگر باہر کوئی شخص انتظار کرے کہ جب صاحب خانہ باہر نکلے گا تو اس وقت ملاقات کروں گا یہ اس میں داخل نہیں ہے یہ تو عین ادب ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تخرج اِلَيهم لكان خيرًا لَّهُمْ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ۔

قوله متاعٌ متاع کے معنی لغت میں برتنے اور استفادہ کرنے کے ہیں، اور حق استعمال کو بھی کہتے ہیں، یہ وہ عوامی مقامات ہوتے ہیں جو کسی کے لئے مخصوص نہیں ہوتے بلکہ ہر شخص کو ان سے استفادہ کرنے کا حق ہوتا ہے جیسے مسافر خانے جو رفاہ عام کے لئے بنائے جاتے ہیں اور اشتراک علت کی وجہ سے مسجدیں، خانقاہیں، دینی مدارس، ہسپتال، ڈاکخانے، ریلوے اسٹیشن وغیرہ وغیرہ بھی بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ میں داخل ہیں، ابن ابی حاتم نے مقاتل سے روایت کیا کہ جب يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا (الآیہ) نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یارسول اللہ اس ممانعت کے بعد قریش کے تجارت پیشہ لوگ کیا کریں گے؟ کیونکہ مکہ اور مدینہ سے ملک شام تک ان کے تجارتی سفر ہوتے ہیں اور اس راستہ میں ان کے جا بجا مسافر خانے بنے ہوئے ہیں جن میں یہ لوگ دوران سفر قیام کرتے ہیں، ان میں کوئی مستقل رہنے والا نہیں ہوتا وہاں استیذان کی کیا صورت ہوگی، اجازت کس سے حاصل کی جائے گی، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (رواہ ابن ابی حاتم، مظہری)

مسئلہ: رفاہ عام کے عمومی اداروں میں اگر منتظمین کی جانب سے داخلہ کی کچھ شرائط اور پابندیاں ہوں تو ان کی شرعاً پابندی واجب ہوگی، یا عمومی اداروں میں کچھ کمروں کو مخصوص کر لیا گیا ہو وہ کمرے بیوت غیر مسکونۃ کے حکم میں نہ ہوں گے۔ (معارف)

استیذان سے متعلق چند اہم مسائل

جب یہ معلوم ہو گیا کہ استیذان کے احکام شرعیہ کا اصل مقصد لوگوں کو ایذا رسانی سے بچانا اور حسن معاشرت کے آداب سکھانا ہے تو اشتراک علت سے مسائل ذیل کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔

ٹیلیفون سے متعلق بعض مسائل

کسی شخص کو ایسے وقت ٹیلیفون کرنا کہ جو عادۃً اس کے سونے یا دوسری ضروریات میں مشغول ہونے کا ہے بلا ضرورت شدیدہ جائز نہیں، کیونکہ اس میں بھی وہی ایذا رسانی ہے جو گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔

مسئلہ: اگر کسی سے ٹیلیفون پر اکثر بات ہوتی رہتی ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس سے پہلے دریافت کر لیا جائے کہ آپ کو ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے پھر اس کی پابندی کرے۔

مسئلہ: اگر ٹیلیفون پر طویل گفتگو کرنی ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کر لیا جائے کہ اگر آپ کو ذرا فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں، کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی آنے پر آدمی طبعاً مجبور ہوتا ہے کہ فوراً معلوم کرے کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے اور اسی وجہ سے وہ کسی حال میں ہو یا کسی بھی ضروری کام میں مشغول ہو اس کو چھوڑ کر ٹیلیفون اٹھاتا ہے، اگر ایسے وقت میں کوئی لمبی بات شروع کر دے تو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

مسئلہ: بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے مگر وہ کوئی پرواہ نہیں کرتے نہ پوچھتے ہیں کہ کون صاحب ہیں اور کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے۔

مسئلہ: اگر آپ کسی کی ملاقات کے لئے کسی کے مکان پر جائیں اور اجازت کے لئے دروازہ پر کھڑے ہوں تو دروازہ یا کھڑکی سے اندر نہ جھانکیں اور دروازہ کے بالمقابل کھڑے نہ ہوں تاکہ دروازہ کھلنے پر آپ کی نظر کسی نامحرم پر نہ پڑے۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ یہ جواب امر ہے اور قُلْ کا مفعول مقدر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ تَقُلْ لَهُمْ غَضُّوْا يَغُضُّوْا بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے، قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لئے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا ہے یعنی مسلمان مرد اور عورت کو حکم دیا کہ بدنظری سے بچیں، اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں، اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادۃً اس کی طرف نظر نہ کرے کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا، جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جائے گا، اگر آدمی نگاہ نیچے رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار و ارادہ سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہو سکتا ہے، پہلی نظر چوں کہ شہوت و نفسانیت سے نہیں ہوتی اس لئے حدیث شریف میں اس کو معاف رکھا گیا ہے شاید یہاں بھی مِنْ اَبْصَارِهِمْ میں مِن کو تبعیضیہ لے کر اسی کی طرف اشارہ ہو۔

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اس آیت کے ابتدائی حصہ میں تو وہی حکم ہے جو اس سے پہلی آیت میں مردوں کو دیا گیا ہے کہ اپنی نظریں پست رکھیں، مردوں کے اس حکم میں عورتیں بھی شامل تھیں مگر مسئلہ کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر عورتوں کو مستقل حکم دیا گیا ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ عورتوں کے لئے مطلقاً غیر محرم مرد کو دیکھنا حرام ہے خواہ شہوت اور بری نیت سے ہو یا بغیر شہوت کے اور اس پر ام سلمہؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس میں نابینا صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے اچانک آنے کا واقعہ مذکور ہے، حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ آپ کے پاس

بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی تشریف لے آئے آپ نے دونوں ازواج سے فرمایا پردہ کرلو، حضرت ام سلمہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ تو نابینا ہیں نہ ہم کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ پہچانتے ہیں، آپ نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

بعض دیگر علماء نے فرمایا کہ بغیر شہوت کے غیر مرد کو دیکھنے میں عورت کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ان کا استدلال حضرت عائشہ صدیقہ کی وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ مسجد نبوی کے احاطہ میں کچھ حبشی نوجوان عید کے روز اپنا سپاہیانہ کھیل دکھا رہے تھے، آپ بھی اس کو دیکھنے لگے اور صدیقہ عائشہؓ نے بھی آپ کی آڑ میں کھڑے ہوکر ان کا کھیل دیکھا اور اس وقت تک دیکھتی رہیں جب تک خود ہی اس کھیل سے نہ اکتا گئیں، اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ نظر شہوت حرام ہے بغیر نظر شہوت خلاف اولیٰ ہے۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اور عورتوں کو چاہئے کہ اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں زیبائش خلقی ہو یا کسبی، خلقی زیبائش سے مراد جسم کی پیدائشی ساخت ہے اور کسبی سے پوشاک اور ظاہری ٹیپ ٹاپ جیسے مسی، سرمہ، مہندی، پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ، مطلب یہ ہے کہ کسی کے سامنے کسی قسم کی زیبائش کا اظہار نہ کرے، بجز محارم کے جن کا ذکر آئندہ آیت میں آتا ہے، ہاں جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے اس کے کھلا رکھنے میں بدرجہ مجبوری کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو، احادیث وآثار سے معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں **اِلَّا مَا ظَهَرَ** میں داخل ہیں، اگر ان کو مطلقاً چھپانے کا حکم دیا جائے تو اس میں سخت قسم کی دشواری پیش آئے گی، فقہاء نے علت مشترکہ کی وجہ سے قدموں کو بھی اسی حکم میں داخل کیا ہے، خلقی زیبائش میں سب سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا ابھار ہے اس کے ستر کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بھی بتلادی، جاہلیت میں عورتیں ہتی سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلے پشت پر ڈال لیتی تھیں اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی یہ گویا کہ حسن کا مظاہرہ تھا، قرآن کریم نے بتلادیا کہ اوڑھنی کو سر سے لاکر گریبان پر ڈالنا چاہئے تاکہ اس طرح کان، گردن، اور سینہ پوری طرح مستور ہوجائیں، اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے **وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ** سے بیان فرمایا ہے۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ یہ دوسرا استثناء ان مردوں کا بیان کیا گیا ہے جن سے شرعاً پردہ نہیں، اس کے دو سبب ہیں اول تو جن مردوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے ان سے عام طور سے کسی فتنہ کا خوف نہیں یہ محارم ہیں جن کی طبائع کو حق تعالیٰ نے خلقۃً ایسا بنایا ہے کہ وہ ان عورتوں کی عصمت کے محافظ ہوتے ہیں، ان سے خود کسی فتنہ کا احتمال نہیں، دوسرے ہر وقت ایک جگہ رہنے سہنے کی ضرورت بھی سہولت پیدا کرنے کی متقاضی ہے، اس آیت میں آٹھ قسم کے محرم مردوں اور چار دوسرے قسم کے پردہ سے استثناء کیا گیا ہے، سورہ احزاب میں جو نزول میں اس سے مقدم ہے اس میں صرف سات اقسام کا ذکر ہے پانچ کا اضافہ سورہ نور میں کیا گیا ہے جو اس کے بعد نازل ہوئی ہے، اس مقام پر ماموں اور چچا کا ذکر

نہیں کیا گیا مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ان محارم میں داخل ہیں جن کے سامنے اظہار زینت کی اجازت دی گئی ہے۔

قوله اَوْ نِسَائِهِنَّ یہاں اپنی عورتوں سے مسلمان عورتیں مراد ہیں یہ بھی محرم کے حکم میں ہیں، بدن کا جتنا حصہ محرم کے سامنے کھول سکتی ہیں مسلمان عورتوں کے سامنے بھی کھول سکتی ہیں، علاج معالجہ کی بات الگ ہے، مسلمان عورتوں کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر عورتوں سے بھی پردہ ہے وہ غیر محرم مرد کے حکم میں ہیں، امام رازی نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ نِسَائِهِنَّ میں تو مسلم اور کافر سب عورتیں داخل ہیں اور سلف صالحین سے جو کافر عورتوں سے پردہ کرنے کی روایات منقول ہیں وہ استحباب پر مبنی ہیں، روح المعانی میں مفتی بغداد علامہ آلوسی نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، فرماتے ہیں هٰذا القول اَوفق بالناسِ الیوم فَاِنَّهُ لایکادُ یمکن احتجاب المسلمات عن الذمیات (روح المعانی)

ترجمہ: یہی قول آج کل لوگوں کے مناسب حال ہے کیونکہ اس زمانہ میں مسلمان عورتوں کا کافر عورتوں سے پردہ تقریباً ناممکن سا ہو گیا ہے۔

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اور وہ جوان عورتوں کے مملوک ہوں آیت کے الفاظ کے عموم میں تو غلام اور باندیاں سب داخل ہیں یعنی مالکن اپنا اتنا جسم کھول سکتی ہے جتنا دیگر محارم کے سامنے امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے لیکن دیگر اکثر ائمہ فقہاء اس سے صرف لونڈیاں ہی مراد لیتے ہیں اور غلام کو اجنبی کے حکم میں رکھتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیں)

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ یعنی وہ خدمت گار مراد ہیں جو محض اپنے کام سے کام رکھیں اور کھانے سونے میں غرق ہوں، شوخی نہ رکھتے ہوں یا فاتر العقل پاگل جن کے حواس وغیرہ ٹھکانے نہ ہوں محض کھانے پینے کے چکر میں گھر والوں کے پیچھے لگ لیتے ہوں (فوائد عثمانی) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد وہ مغفل اور بدحواس قسم کے لوگ ہیں جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت نہ ہو۔ (ابن کثیر)

اَوِ الطفل الذین لَمْ يَظْهَرُوْا (الآیہ) یہ بارہ اقسام میں سے آخری قسم ہے، اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور عورتوں کے مخصوص حالات وصفات سے بھی واقف نہیں ہیں، اور جو لڑکا ان امور سے دلچسپی رکھتا ہو وہ مراہق یعنی قریب البلوغ ہے اس سے پردہ واجب ہے، پردے سے مستثنیات کا بیان ختم ہوا۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ (الآیہ) اور اپنے پیر زمین پر زور سے نہ رکھیں جس سے زیور کی آواز نکلے اور ان کی مخفی زینت مردوں پر ظاہر ہو، شروع آیت میں عورتوں کو اپنی زینت مردوں پر ظاہر کرنے سے منع کیا گیا تھا آخر میں اس کی مزید تاکید ہے کہ مواضع زینت سر اور سینہ وغیرہ کا چھپانا تو واجب تھا ہی اپنی مخفی زینت کا اظہار خواہ کسی ذریعہ سے ہو وہ بھی جائز نہیں، زیور خواہ خود بجنے والا ہو کہ اس میں گھونگرو وغیرہ لگے ہوں یا آپس میں ٹکرا کر بجتا ہو یا زمین پر پیر زور سے رکھنے سے بجتا ہو اور غیر محرم مرد اس آواز کو سنیں یہ سب چیزیں اس آیت کی رو سے ناجائز ہیں۔

عورت کی آواز

کیا عورت کی آواز فی نفسہٖ ستر میں داخل ہے؟ اور غیر محرم کو آواز سنانا جائز ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے امام شافعیؒ کی کتب میں عورت کی آواز کو ستر میں داخل نہیں کیا گیا ہے، حنفیہ کے بھی مختلف اقوال ہیں، ابن ہمام نے نوازل کی روایت کی بنا پر ستر میں داخل قرار دیا ہے اسی لئے حنفیہ کے نزدیک عورت کی آذان مکروہ ہے، لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ازواج مطہرات نزول حجاب کے بعد بھی پردے کے پیچھے سے غیر محارم سے بات کرتی تھیں، مجموعی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس موقع اور محل میں عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو وہاں ممنوع اور جہاں خطرہ نہ ہو جائز۔ (واللہ اعلم)

وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ بعض قرأتوں میں اَيُّـهَ الْمُؤْمِنُوْنَ الف کو ساقط کر کے فتحہ کے ساتھ ہے اور ابن عامر نے اَيُّـهُ ہا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، ہا کے ضمہ کو ماقبل کے تابع کر کے یعنی اے مومنو تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو اس آیت کے اول حصہ میں پہلے مردوں کو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا اس کے بعد عورتوں کو اسی کا حکم دیا گیا اب اس جملہ میں سب مردوں اور عورتوں کو شامل کر کے ہدایت دی گئی ہے کہ شہوت نفسانی کا مسئلہ بڑا دقیق ہے دوسروں کو اس پر اطلاع ہونا مشکل ہے مگر اللہ تعالیٰ پر ظاہر و پوشیدہ یکساں ہے، اسلئے اگر کسی سے احکام مذکورہ میں کسی وقت کوتاہی ہوگئی ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس سے توبہ کرے اور اظہار ندامت کرے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرے۔

وَاَنْكِحُوْا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ایامٰی اَيِّم کی جمع ہے بے نکاح مرد اور بے نکاحی عورت کو کہتے ہیں، ایامٰی دراصل اَيَايِمْ جمع اَيِّم تھا، اس لئے کہ فَيْعَلٌ کی جمع فَعَالِى کے وزن پر نہیں آتی، لہٰذا اس میں قلب کیا گیا میم کو مقدم کر کے تخفیفاً فتحہ دیدیا گیا اور ی کے متحرک اور ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے بدل دیا گیا، اَيَامٰى ہو گیا، کما ذَهَبَ اليه زمخشریؒ، ابن مالک نے کہا یہ جمع شاذ ہے اس میں قلب نہیں ہے۔ (روح المعانی)

اسلام ایک معتدل نظام ہے

اسلام میں ایک طرف ناجائز شہوت رانی سے روکا گیا ہے تو دوسری طرف اس کا جائز اور صحیح اور متبادل طریقہ بھی بتایا گیا ہے اس کے علاوہ بقاء نسلی کا عقلی اور شرعی تقاضا بھی یہی ہے کہ کچھ حدود کے اندر رہ کر مرد و عورت کے اختلاط کی کوئی صورت تجویز کی جائے اسی کا نام قرآن و سنت کی اصطلاح میں نکاح ہے، اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا بیوہ ہو گئیں یا بیوی مر گئی اور مرد بغیر بیوی کے رہ گیا تو مناسب موقع ملنے پر نکاح کر دیا کرو، ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کرو، نماز فرض کا جب وقت آجائے، جنازہ جب موجود ہو، اور بیوہ عورت جب اس کا جوڑ مل جائے، جو قومیں بیواؤں کے نکاح پر ناک بھوئیں چڑھاتی ہیں یا جس معاشرہ میں

بیواؤں کے نکاح کو معیوب سمجھا جاتا ہے ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کا ایمان سلامت نہیں۔ (فوائد عثمانی ملخصاً)

اپنے باندی اور غلام کو اگر اس لائق سمجھو کہ وہ حقوق زوجیت ادا کرسکیں گے اور نکاح ہو جانے پر مغرور ہو کر تمہاری خدمت نہ چھوڑ بیٹھیں گے تو ان کا بھی نکاح کر دیا کرو، اور اس موہوم خطرہ سے کہ نکاح ہو جانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اٹھے گا، ان کو نکاح سے مت روکو، روزی تو تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے، کیا معلوم کہ خدا ان ہی کی قسمت سے تمہاری روزی میں کشادگی اور وسعت پیدا کر دے، اور جن لوگوں کو فی الحال اتنا مقدور نہیں کہ نکاح کا یا نان نفقہ کا خرچ برداشت کرسکیں تو جب تک خدا ان کو قدرت وسعت دے چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ضبط نفس اور عفت کی برکت سے ان کو غنی کر دے اور نکاح کا بہتر موقع مہیا ہو جائے، اگر کوئی شخص وسائل کی کمی کی وجہ سے نکاح کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ اسباب کی فراہمی کے لئے کوشش کرتا رہے اور فراہمی اسباب تک صبر اور ضبط نفس سے کام لے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے فرمایا کہ مسلسل روزے رکھے اس سے غلبہ شہوت کو سکون ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ خوش خورا کی ترک کر دے نیز مہیج شہوت غذا اور عقاقیر سے اجتناب کرے، مسند احمد میں روایت ہے کہ عکافؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری بیوی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، پھر معلوم کیا شرعی باندی ہے؟ عرض کیا نہیں، پھر آپ نے دریافت کیا، کیا تم صاحب وسعت ہو؟ عرض کیا صاحب وسعت ہوں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پھر تو تم شیطان کے بھائی ہو" اور فرمایا ہماری سنت نکاح ہے، تم میں بدترین شخص وہ ہے جو بے نکاح ہو، اور تمہارے مردوں میں سب سے زیادہ رذیل وہ ہیں جو بے نکاح مر گئے (مظہری بحوالہ معارف) اس روایت کو جمہور علماء نے اس حالت پر محمول کیا ہے کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ کا خطرہ غالب ہو، غالباً حضرت عکاف کا حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگا کہ وہ صبر نہیں کرسکیں گے۔

وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَائِکُمْ یعنی اپنے غلام اور باندیوں میں جو صالح ہوں ان کے نکاح کرادیا کرو، اس جگہ صالحین کا لفظ اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی ان میں جو نکاح کی صلاحیت اور استطاعت رکھتا ہو اور صلاحیت سے مراد یہی ہے کہ حقوق زوجیت ونفقہ ومہر معجّل ادا کرنے کے قابل ہوں اور اگر صالحین کے معروف معنی لئے جائیں جیسا کہ علامہ محلی نے الصالحین کی تفسیر المومنین سے کرکے یہی معنی لئے ہیں تو پھر ان کی تخصیص اس وجہ سے ہوگی کہ نکاح کا اصل مقصد حرام سے بچنا ہے اور وہ صالحین میں ہو سکتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ عبید و اماء اگر صالح ہوں گے تو ان کے مالکوں کو ان سے محبت ہوگی اور وہ ان کو اپنی اولاد کی جگہ سمجھ کر ان کی خیر خواہی کریں گے خیر خواہی میں ان کا نکاح بھی داخل ہے، **قولہ نِکَاحًا ای ما ینکحُونَ بہٖ**، نکاحاً کی تفسیر ماینکحون بہ الخ سے کرکے اشارہ کیا ہے کہ نکاح بمعنی آلۂ نکاح ہے جیسا کہ مفسر علام نے من مہر ونفقۃ کا اضافہ کرکے صراحت بھی کر دی ہے، اس لئے کہ نکاح بروزن **فعالٌ** یہ اسم آلہ کا وزن ہے، جیسے کہ اِزَارٌ۔

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا یہ بھی غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ایک صورت ہے اس آیت میں آقاؤں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر باندی اور غلام مکاتبت کا معاملہ کرنا چاہیں تو ان کی اس خواہش کو پورا کردینا چاہئے اور آقاؤں کے لئے یہ افضل اور مستحب ہے، مکاتبت کی صورت یہ ہے کہ مملوک اپنے آقا سے کہے کہ آپ مجھ پر کچھ رقم مقرر کردیں یا میں آپ کو اتنی رقم کما کر ادا کردوں، تو میں آزاد ہوجاؤں اور آقا اس کو قبول کرلے یا خود آقا اپنے غلام یا باندی سے کہے کہ اگر تو مجھے اتنی رقم کما کر لا کر دیدے تو تو آزاد ہے اور غلام اس کو قبول کرلے تو یہ معاملۂ مکاتبت تام ہوگیا اب آقا کو اس کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے تا آنکہ غلام خود بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہونے کا اقرار نہ کرلے، اگر غلام بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوجائے اور مولی سے معذرت کردے تو وہ پھر غلام ہوجائیگا۔

اِنْ عَلِمْتُمْ فيهم خَيْرًا خیر سے مراد اکثر حضرات ائمہ نے قوتِ کسب لی ہے یعنی جس شخص میں یہ دیکھو کہ اگر اس کو مکاتب بنادیا تو بدلِ کتابت ادا کرسکے گا اور صاحب ہدایہ نے خیر سے مراد یہ لیا ہے کہ اس کے آزاد ہونے کے بعد اس سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہ ہو، دونوں چیزیں بھی مراد لی جاسکتی ہیں۔

و آتُوْهُمْ مِنْ مَالِ اللّٰهِ الذی آتٰكُمْ یہ دولت مند مسلمانوں کو فرمایا کہ ایسے غلام اور باندی کی مدد کرو خواہ زکوٰۃ کے مال سے ہو یا صدقات وخیرات کے مال سے، مصارف زکوٰۃ میں جو "وفی الرقاب" کی ایک مد مذکور ہے وہ یہی ہے کہ مکاتبوں کی بدل کتابت ادا کرنے میں مدد کی جائے، خلفاء راشدین کے زمانہ میں بیت المال سے ایسے غلاموں کی مدد کی جاتی تھی، اور اگر مالک بدل کتابت کا کچھ حصہ کم کردے تو یہ بھی بڑی امداد ہے۔

وَلَاتُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ یعنی باندیوں کو اس پر مجبور نہ کرو کہ وہ زنا کے ذریعہ تم کو مال کما کر تمہیں دیا کریں زمانہ جاہلیت میں بہت سے لوگ باندیوں کو اسی کام کے لئے استعمال کرتے تھے، اسلام نے جب زنا پر سخت سزائیں جاری کیں، آزاد اور غلام سب کو اس کا پابند کیا تو ضروری تھا کہ جاہلیت کی اس رسم کو مٹانے کے لئے خاص احکام دے۔

امام مسلم اور ابوداؤد نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی کے پاس دو باندیاں تھیں، ایک کا نام مَسِيكَة اور دوسری کا نام اُمَيْمَة تھا وہ اس بدکاری کو ناپسند کرتی تھیں اور عبداللہ بن ابی ان کو زنا کے ذریعہ کسب پر مجبور کرتا تھا، تو ان دونوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

کہا گیا ہے کہ اس لعین عبداللہ بن ابی کے پاس چھ باندیاں تھیں معاذہ، مسیکہ، امیمہ، عمرہ، اروی، قتیلہ، عبداللہ بن ابی ان کو زنا پر مجبور کرتا تھا اور ان کے اوپر مال کی کچھ مقدار لازم کردی تھی ان میں سے دو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی)

قوله اِنْ اَرَدْنَ تحصنًا اس کی تشریح تحقیق وترکیب کے زیرعنوان گذرچکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ مِن بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس کا مطلب یہ ہے کہ باندیوں کو زنا پر مجبور کرنا حرام ہے اگر کسی

نے ایسا کیا اور وہ آقا کے جبر و اکراہ سے مجبور و مغلوب ہو کر زنا میں مبتلا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرمادیں گے اور اس کا پورا گناہ مجبور کرنے والے پر ہوگا۔ (مظہری)

قوله آيٰتٍ مُبَيِّنٰتٍ بفتح الياء و كسرها اى واضحاتٍ او موضحاتٍ.

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اى مُنَوِّرُهُمَا بالشَّمسِ وَالقَمرِ **مَثَلُ نُوْرِهٖ** اى صِفَتُهُ فِى قَلبِ المُؤْمِنِ **كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ** هِىَ القِنْدِيْلُ وَالمِصْبَاحُ السِّرَاجُ اى الفَتِيْلَةُ المَوْقُوْدَةُ وَالمِشْكٰوةُ الطَّاقَة غيرُ النَّافِذَةِ اى الاُنْبُوْبَةُ فِى القِنْدِيلِ **اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا** وَالنُّوْرُ فِيْهَا **كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ** اى مُضِيْءٌ بِكَسْرِ الدَّالِ وَضَمِّهَا مِنَ الدَّرْءِ بِمَعْنَى الدَّفْعِ لِدَفْعِهِ الظَّلَامَ وَبِضَمِّهَا وَتَشْدِيْدِ اليَاءِ مَنْسُوبٌ اِلَى الدُّرِّ اللُّؤْلُؤِ **تُوْقَدُ** المِصْبَاحُ بِالمَاضِىْ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِمُضَارِعِ اَوْقَدَ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَفِىْ اُخْرٰى بِالفَوْقَانِيَّةِ اى الزُّجَاجَةُ **مِنْ** زَيْتِ **شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ** بَلْ بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَمَكَّنُ مِنْهَا حَرٌّ وَلَا بَرْدٌ مُضِرَّيْنِ **يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ** لِصَفَائِهٖ **نُوْرٌ** بِهٖ **عَلٰى نُوْرٍ** بِالنَّارِ وَنُورُ اللّٰهِ اى هُدَاهُ لِلْمُؤْمِنِ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرِ الاِيْمَانِ **يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ** اى دِيْنِ الاِسْلَامِ **مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ** يُبَيِّنُ **اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ** تَقْرِيْبًا لِاَفْهَامِهِمْ لِيَعْتَبِرُوا فَيُؤْمِنُوْا **وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ** وَمِنْهُ ضَرْبُ الاَمْثَالِ **فِىْ بُيُوْتٍ** مُتَعَلِّقٌ بِيُسَبِّحُ الآتِى **اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ** تُعَظَّمَ **وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ** بِتَوْحِيْدِهٖ **يُسَبِّحُ** بِفَتْحِ المُوَحَّدَةِ وَكَسْرِهَا اى يُصَلِّى **لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ** مَصْدَرٌ بمعنى الغَدَوَاتِ اى البُكَرِ **وَالْاٰصَالِ** العَشَايَا مِن بعد الزَّوالِ **رِجَالٌ** فاعلُ يُسَبِّحُ بكسرِ الباءِ وعلى فَتْحِهَا نَائِبُ الفَاعِلِ لَهٗ ورجال فاعِلُ فِعْلٍ مُقَدَّرٍ جوابُ سُؤَالٍ مُقَدَّرٍ كَاَنَّهُ قِيْلَ مَنْ يُسَبِّحه **لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ** اى شِرَاءٌ **وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ** حُذِفَ هَاءُ اِقَامَةِ تَخْفِيْفًا **وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ** تَضْطَرِبُ **فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ** مِنَ الخَوْفِ القُلُوْبُ بَيْنَ النجاة والهَلَاكِ والابصارُ بَيْنَ نَاحِيَتَى اليَمِيْنِ والشِّمَالِ هو يَوْمُ القِيٰمَةِ **لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا** اى ثَوَابَهٗ وَاَحْسَنَ بمعنى حَسَنَ **وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ** يقال فُلَانٌ يُنْفِقُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اى يُوَسِّعُ كَاَنَّهٗ لَا يَحْسِبُ مَا يُنْفِقُهُ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ** جَمْعُ قَاعٍ اى فِى فَلَاةٍ وهُوَ شُعَاعٌ يُرٰى فِيْهَا نصفَ النَّهَارِ فِى شِدَّةِ الحَرِّ يُشْبِهُ المَاءَ الجَارِىَ **يَّحْسَبُهُ** يظنه **الظَّمْاٰنُ** اى العَطْشَانُ **مَآءً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا** مِمَّا حَسِبَهُ كَذٰلِكَ الكَافِرُ يَحْسَبُ اَنَّ عَمَلَهٗ كَصَدَقَةٍ تَنْفَعُهُ حَتّٰى اِذَا مَاتَ وقَدِمَ عَلٰى رَبِّهٖ لَمْ

يَجِدْ عَمَلَهُ اى لَمْ يَنْفَعْهُ وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِنْدَ عَمَلِهِ فَوَفّٰهُ حِسَابَهُ ط اى اَنَّهُ جَازَاهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ لا اى الْمُجَازَاةِ اَوِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمُ السَّيِّئَةُ كَظُلُمٰتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ عَمِيْقٍ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ اى الْمَوْجُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ اى الْمَوْجِ الثانى سَحَابٌ ط اى غَيْمٌ هٰذه ظُلُمٰتٌ م بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ط ظُلْمَةُ الْبَحْرِ وظُلْمَةُ الْمَوْجِ الاَوَّلِ وظُلْمَةُ الْمَوْجِ الثانى وَظُلْمَةُ السَّحَابِ اِذَا اَخْرَجَ النَّاظِرُ يَدَهُ فى هٰذه الظُّلُمٰتِ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا ط اى لم يَقْرُبْ مِنْ رُؤْيَتِهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوْرًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّوْرٍ ع اى مَنْ لَمْ يَهْدِهِ اللّٰهُ لَمْ يَهْتَدِ .

ترجمہ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے یعنی ان دونوں کو شمس وقمر کے ذریعہ منور کرنے والا ہے اور اس کے نور کی مثال یعنی اس کی صفت قلب مومن میں ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے اور وہ چراغ ایک قندیل میں ہے زُجَاجَةٌ بمعنی قندیل اور المصباح بمعنی چراغ یعنی جلتی ہوئی بتی (شعلہ) اور المشکوۃ بمعنی طاق جو آر پار نہ ہو یعنی قندیل کی نلکی (پائپ) اور وہ قندیل حال یہ کہ اس میں نور ہو ایسا ہے جیسا کہ روشن ستارہ دال کے کسرہ کے ساتھ اور دال کے ضمہ کے ساتھ (اس وقت) دَرْءٌ سے مشتق ہوگا اور معنی دفع کرنے کے ہوں گے اس کے تاریکی کو دفع کرنے کی وجہ سے، اور دال کے ضمہ اور یا کی تشدید کے ساتھ (دُرِّیٌّ) دُرّ کی طرف منسوب ہوگا اور معنی ہوں گے موتی تَوَقَّدَ ماضی (تفعّل) ای تَوَقَّدَ المصباحُ اور ایک قرأۃ میں اَوْقَدَ سے مضارع مجہول ہے یُوْقَدُ (اس وقت نائب فاعل المصباح ہوگا) اور تیسری قرأۃ میں تا کے ساتھ ہے ای تُوْقَدُ اس وقت نائب فاعل الزجاجہ ہوگا، روشن کیا جاتا ہے وہ چراغ ایک مبارک درخت کے تیل سے جو کہ وہ زیتون کا ہے وہ درخت نہ شرقی اور نہ غربی بلکہ ان کے درمیان میں واقع ہے چنانچہ وہ گرمی اور سردی اس (درخت) پر مضر ہو کر واقع نہیں ہوتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تیل اپنی صفائی کی وجہ سے جل اٹھے گا اگرچہ اس کو آگ نہ چھوئے وہ زیت آگ کی وجہ سے نورٌ علٰی نورٍ ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نور یعنی دین اسلام تک رہنمائی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثال بیان فرماتا ہے ان کی عقلوں سے قریب کرنے کے لئے تا کہ عبرت حاصل کریں اور ایمان لائیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور اسی (علم) میں سے مثالیں بیان کرتا بھی ہے اور ان گھروں میں اس کی تسبیح بیان کی جاتی ہے جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں اس کی توحید کے ساتھ اس کا نام لیا جائے فِي بُيُوْتٍ آنے والے یُسَبِّحُ کے متعلق ہے یُسَبِّحُ کی یاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ اور یُسَبِّحُ کے معنی یُصَلِّی کے ہیں صبح کے وقت الغُدُوُّ مصدر بمعنی غدوات کے ہے بمعنی تڑکے اور شام کے وقت زوال کے بعد رِجَالٌ یُسَبِّحُ کا فاعل ہے با کے کسرہ کی صورت میں اور اگر با کے فتحہ کے

ساتھ ہوتو لہٗ میں ہٗ ضمیر اس کا نائب فاعل ہوگی، اور رجالٌ فعل مقدر کا فاعل ہوگا، اور سوال مقدر کا جواب ہوگا، گویا کہ سوال کیا گیا کون تسبیح بیان کرے؟ تو جواب دیا گیا، رِجَالٌ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کو اللہ کے ذکر سے اور اقامت صلوٰۃ سے اور اداء زکوٰۃ سے نہ خرید غفلت میں ڈالتی ہے اور نہ فروخت اِقام کے آخر سے ۃ کو تخفیفاً حذف کردیا گیا ہے (اصل میں اقامۃ تھا) وہ ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں خوف کی وجہ سے مضطرب ہوں گے، قلوب نجات اور ہلاک کے درمیان مضطرب ہوں گے اور آنکھیں دائیں بائیں جانب مضطرب ہوں گی اور وہ قیامت کا دن ہوگا (اور وہ) ایسا اس لئے کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا اچھا بدلہ عطا فرمائے، یعنی اعمال کا ثواب اور اَحْسَنَ بمعنی حَسَن ہے اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا اور اللہ جس کو چاہے بے حساب دیتا ہے کہا جاتا ہے فلاں بے حساب خرچ کرتا ہے یعنی خرچ میں اس قدر فراخی کرتا ہے گویا کہ وہ جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کا حساب نہیں کرتا اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت قِیعۃ جمع قاعٍ بِقِیعَۃٍ بمعنی فی فلاۃٍ، فلاۃ بمعنی صحرا، چٹیل میدان سراب ان شعاعوں کو کہتے ہیں جو دوپہر کے وقت سخت گرمی میں بہتے ہوئے پانی کے مانند نظر آتی ہیں اور اس سراب کو پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا جس کو وہ پانی سمجھتا تھا، اسی طرح کافر سمجھتا ہے کہ اس کا عمل مثلاً صدقہ اس کو نفع پہنچائے گا حتیٰ کہ جب مرجائے گا اور اپنے رب کے پاس پہنچے گا تو اپنے عمل کو نہ پائے گا یعنی اس کا عمل اس کو کوئی نفع نہیں دے گا، اور اللہ کو اپنے عمل کے پاس پایا کہ اس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا یعنی (اللہ نے) اس (کافر) کے عمل کی جزا دنیا ہی میں پوری پوری دیدی، اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے یعنی جلدی جزا دینے والا ہے یا کافروں کے اعمال سیئہ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ گہرے سمندر کی تاریکی جس کو ایک بڑی موج نے ڈھانپ لیا ہو اور اس موج کے اوپر ایک اور موج ہو اور اس دوسری موج کے اوپر بادل ہو، یہ تاریکیاں تہہ بہ تہہ بہت سی تاریکیاں ہیں دریا کی تاریکی موج اول کی تاریکی موج ثانی کی تاریکی اور بادل کی تاریکی اگر دیکھنے والا ان تاریکیوں میں اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو نہ دیکھ سکے، یعنی اس (ہاتھ) کے دیکھنے کا امکان ہی نہیں اور جس کو اللہ ہی نور نہ دے تو اس کو نور نہیں جس کو اللہ نے ہدایت نہ دی اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ جملہ مستانفہ ماقبل کی تاکید کے لئے ہے اَللّٰہ مبتداء اور نور السمٰوات والارض اس کی خبر، نور کا حمل ذات باری پر یا تو مبالغۃً ہے، جیسے زیدٌ عدلٌ میں یا پھر مضاف محذوف ہے ای اللّٰہُ ذُوْ نُورِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یا نُوْرٌ مصدر اسم فاعل مُنَوِّرٌ کے معنی میں ہے جیسا کہ علامہ محلی نے اختیار کیا ہے

قوله مَثَلُ نورہٖ بترکیب اضافی مبتداء کمشکوۃ فیھا مصباحٌ اس کی خبر، مشکوٰۃ سے پہلے نور مضاف محذوف ہے ای صفتہ نورہ تعالیٰ فی قلب المؤمن کنور مشکوٰۃ فیھا مصباحٌ **قوله** زُجاجۃ بالتثلیث شیشہ، شیشہ کا برتن، قندیل بھی چونکہ شیشہ کا ہوتا ہے لہٰذا قندیل کو بھی کہا جاسکتا ہے **قوله** الموقودۃ صحیح المُوْقَدَۃُ ہے، **قوله** الْاُنبوبۃ وہ نلکی جس میں بتی ہوتی ہے یہ مشکوٰۃ کی دوسری تفسیر ہے مناسب تھا کہ مفسر علام او الانبوبۃ فرماتے **قوله** توقد المصباحُ توقد میں تین قرأتیں ہیں (۲) فعل ماضی تَوَقَّدَ بروزن تَفَعَّلَ، المصباح اس کا فاعل ہے (۲) یُوقَدُ اَوْقَدَ سے مضارع مجہول واحد مذکر غائب المصباح نائب فاعل (۳) تُوْقَدُ بالتاء اَوْقَدَ سے مضارع مجہول، نائب فاعل الزجاجۃ حذف مضاف کے ساتھ ای فَتِیلَۃُ الزُّجَاجَۃِ **قوله** زیتونۃٍ یہ شجرۃ سے بدل ہے یہی اظہر ہے یا عطف بیان ہے کوفیین کے نزدیک اس لئے کہ نکرات میں کوفیین عطف بیان کو جائز کہتے ہیں، شجرۃ موصوف مبارکۃ صفت موصوف صفت سے مل کر مبدل منہ زیتونۃ بدل، بدل مبدل منہ سے مل کر مضاف الیہ زیتٌ مضاف محذوف ء مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا توقد کے **قوله** لاشرقیۃٍ ولاغربیۃٍ شجرۃٍ کی صفت ہے **قوله** مُضِرَّیْنِ یہ حَرٌّ ولابَرْدٌ سے حال ہے **قوله** وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نارٌ شرط ہے اس کا جواب محذوف ہے ای لأضَاءَ نورٌ بہ ای بالزیت **قوله** علیٰ نورٍ ای مع نورٍ ایمان خود ایک نور ہے، ایمان کے ساتھ ساتھ دیگر اعمال صالحہ کی توفیق وہدایت یہ نورٌ علیٰ نور ہے، اللہ تعالیٰ تقریب الی الفھم کے لئے معقولات کو محسوسات کے ذریعہ مثال دے کر سمجھاتا ہے تاکہ عبرت حاصل کریں اور ایمان لائیں۔

تنبیہ: آیت کریمہ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ (الآیہ) اس میں تشبیہ معقول بالمحسوس ہے، نور اللہ سے اَدِلّہ یا قرآن، یا توحید والشرائع، یا ہدایت مراد ہیں اور یہ مشبہ ہے اور نورِ مشکوٰۃ مع اپنی صفات کے مشبہ بہ ہے، تشبیہ کے لئے مشبہ بہ کا اشہر ہونا کافی ہے، اقویٰ ہونا ضروری نہیں ہے لہٰذا تشبیہ مذکور درست ہے، مشبہ بہ میں چونکہ اجزاء نہیں ہیں کہ جس سے وجہ شبہ کو منتزع کیا جائے اور اس کی وجہ سے تشبیہ کو مرکب یا مفرق (مفرد) کہا جائے۔ (روح المعانی)

نیز بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر نورٌ بمعنی ہدایت ہو جس پر آیات مبینات دلالت کرتی ہیں تو اس صورت میں تشبیہ مرکب عقلی ہوگی اس لئے کہ اس صورت میں مشبہ سے ہیئت منتزعہ کو تشبیہ اس ہیئۃ منتزع سے ہے جو مشبہ بہ سے انتزاع کی گئی ہے اس لئے کہ لفظ نور اگر چہ مفرد ہے مگر دال علی المتعدد ہے اس لئے کہ نور سے مراد متعدد چیزیں ہیں مثلاً ادلہ، قرآن، توحید وشرائع، ہدایت وغیرہ اسی طرح مشبہ بہ میں بھی متعدد چیزیں مراد ہیں، مشبہ بہ قلب مومن ہے جس کو اللہ نے نور ہدایت سے منور کیا ہے جو کہ علوم ومعارف ہیں۔ (روح المعانی)

قوله بل بینھما یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ درخت نہ انتہائی مشرق میں ہے اور نہ مغرب میں بلکہ درمیان میں ہے، جس کو مشرق وسطیٰ کہتے ہیں، ملک شام بھی اسی علاقہ میں واقع ہے مشرق وسطیٰ کی آب وہوا چونکہ معتدل

ہے نہ زیادہ گرم ہے اور نہ سرد، اس لئے زیتون کا تیل نہایت صاف شفاف ہوتا ہے بخلاف انتہائی مشرق ومغرب کے کہ ان میں گرمی سردی زیادہ ہوتی ہے جو کہ مضر ہیں **قولہ** فی بیوت اس کا تعلق آئندہ آنے والے یُسَبِّحُ سے ہے اس صورت میں ظرف یعنی (فیہا) تاکید کے لئے مکرر ہوگا، مفسر علام کا بھی یہی مختار ہے، اور محذوف کے متعلق بھی ہوسکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی سبحوا ربکم فی بیوت اس صورت میں علیمٌ پر وقف ہوگا، اور یہ بھی درست ہے کہ فی بیوت کائن وغیرہ محذوف کے متعلق ہوکر مشکوۃٌ یا مصباح یا زجاجۃ کی صفت ہو یا تُوقَدُ کے متعلق ہو، ان چاروں صورتوں میں علیمٌ پر وقف نہ ہوگا، **قولہ** اذن اللّٰہ أن ترفعَ یہ جملہ بیوت کی صفت ہے اَنْ ترفع الخ بتاویل مصدر ہوکر با حرف جار مقدر کا مجرور ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَمَرَ اللّٰہُ بِرَفْعِھَا یُسَبِّحُ کو اگر فتح باء کے ساتھ پڑھا جائے تو لہٗ نائب فاعل ہوگا، اور رجال فعل محذوف کا فاعل ہوگا اور وہ فعل مقدر سوال مقدر کا جواب ہوگا جب کہا گیا یُسَبَّحُ لہٗ تو سوال پیدا ہوا مَنْ یُسَبِّحُ قال رجلٌ لاتلھیھم تجارۃ **قولہ** لیجزیھم میں لام عاقبہ کا ہے ای عاقِبَۃُ امرھم الجزءُ الحسن، یسبح سے بھی متعلق ہوسکتا ہے ای یُسَبِّحُوْنَ لاجل الجزاء اور محذوف کے متعلق بھی ہوسکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی فَعَلُوْا ذٰلك لِیَجزیَھُم اللّٰہ **قولہ** وَالذینَ کفرُوْا اعمالُھُمْ کسَرابٍ بِقِیْعَۃٍ والذین کفرُوْا موصول صلہ سے مل کر مبتداء اول ہے اَعْمَالُھم مبتداء ثانی ہے کَسَرابٍ کائن کے متعلق ہوکر مبتداء ثانی کی خبر ہے مبتدا ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول والذین کی خبر ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ اعمالُھم والَّذینَ کفرُوْا سے بدل الاشتمال ہو اور کسرابٍ، الذین کی خبر **قولہ** بِقِیْعَۃٍ باء جارہ ہے اور قیعۃٌ قاع کی جمع ہے چٹیل میدان کو کہتے ہیں **قولہ** ظمآن ظمآن کی شدت حاجت کی وجہ سے تخصیص کی گئی ہے ورنہ تو ظمآن اور غیر ظمآن سب کو دوپہر کے وقت ریت دھوپ میں سراب (جاری پانی) نظر آتا ہے اَوْ کظلماتٍ او تقسیم کے لئے ہے یعنی کافر کے اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ جو سراب کے مانند ہوں گے یہ ان کے وہ اعمال صالحہ ہوں گے جو انہوں نے دنیا میں صدقہ وخیرات یا صلہ رحمی کی شکل میں کئے ہوں گے یہ بظاہر اعمال صالحہ ہیں مگر آخرت میں چونکہ ان کا کوئی صلہ نہیں اس لئے کچھ نہیں دوسرے ان کے اعمال سیئہ ہوں گے ان کی مثال ظلمات کی سی ہے، ظلمات کا عطف کسراب پر ہے حذف مضاف کے ساتھ، تقدیر عبارت یہ ہے او کذی ظلماتٍ

تنبیہ: اَوْ کظُلُماتٍ الخ میں تشبیہ مرکب بالمرکب ہے آیت میں تین قسم کی ظلمتوں کو تین قسم کی ظلمتوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ظلمت اعتقاد، ظلمت قول، ظلمت فعل کو تشبیہ دی گئی ہے ظلمت بحر، ظلمت امواج، ظلمت سحاب کے ساتھ۔

تفسیر وتشریح

اَللّٰہُ نورُ السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ اس آیت کو اہل علم آیت نور کہتے ہیں اس آیت میں نور ایمان اور ظلمت کفر کو بڑی

تفصیل سے مثال کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے۔

نور کی تعریف

ایک تعریف تحقیق وترکیب کے زیرعنوان تحریر کی جا چکی ہے یہ دوسری تعریف ہے، امام غزالی نے نور کی تعریف اس طرح بیان فرمائی ہے **النور الظاهر بنفسه والمظهر لغيره** یعنی خود اپنی ذات میں ظاہر اور روشن ہو اور دیگر اشیاء کو ظاہر اور روشن کرنے والا ہو، اور تفسیر مظہری میں ہے کہ نور دراصل اس کیفیت کا نام ہے جس کو انسان کی قوت باصرہ پہلے ادراک کرتی ہے اور پھر اس کے ذریعہ ان تمام چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں، جیسے آفتاب اور چاند کی شعائیں اپنے مقابل اجسام کثیفہ پر پڑ کر اول اس چیز کو روشن کر دیتی ہیں پھر اس سے شعاعیں منعکس ہو کر دوسری چیزوں کو روشن کر دیتی ہیں، اس سے معلوم ہوا لفظ نور کا اطلاق اپنے لغوی اور عرفی معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ شانہ کی ذات پر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جسم اور جسمانیات میں سے بری اور پاک ہے اس لئے آیت مذکورہ میں جو حق تعالیٰ کے لئے لفظ نور کا اطلاق ہوا ہے اس کے معنی باتفاق ائمہ تفسیر منوِّر یعنی روشن کرنے والے کے ہیں یا پھر مبالغہ کے طور پر صاحب نور کو نور سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسے صاحب عدل کو عدل کہہ دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی تمام مخلوق کو منور کرنے والے، نور بخشنے والے ہیں اور نور سے نور ہدایت مراد ہے، ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے **"اللّٰہُ هادی اهل السمٰوات والارضِ"**

نور مؤمن

مَثَلُ نُورِهٖ کَمِشْکٰوۃٍ (الآیہ) اللہ تعالیٰ کا نور ہدایت جو قلب مومن میں آتا ہے یہ اس کی ایک عجیب مثال ہے، ابن جریر نے حضرت ابی بن کعبؓ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے **هو المومن الذی جعل اللّٰه الایمان والقرآن فی صدره فَضَرَبَ اللّٰه مثله فقال اللّٰهُ نورُ السمٰوات والارضِ فبدأ بنور نفسه ثمّ ذکرَ نور المومنِ فقال مَثَلُ نور مَنْ آمَنَ بِهٖ فکان ابی بن کعبٍ یقرأها مَثَلُ نورِ مَنْ آمَنَ به.** (ابن کثیر)

یعنی یہ مثال اس مومن کی ہے جس کے دل میں اللہ نے ایمان اور قرآن کا نور ہدایت ڈال دیا ہے اس آیت میں پہلے تو اللہ نے خود اپنے نور کا ذکر فرمایا **اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** پھر قلب مومن کے نور کا ذکر فرمایا **مَثَلُ نورِهٖ** اور اس آیت کی قرأت بھی حضرت ابی بن کعب کی **مَثَلُ نورِهٖ** کے بجائے **مَثَلُ نور مَنْ آمَنَ به** کی ہے، **مَثَلُ نورِهٖ** کی ضمیر کے متعلق ائمہ تفسیر کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ کا نورِ ہدایت جو مومن کے قلب میں فطرۃً رکھا گیا ہے اس کی مثال **کَمِشْکٰوۃ الخ** ہے یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے، دوسرا

قول یہ ہے کہ یہ ضمیر مومن کی طرف راجع ہے جس پر سیاق کلام دلالت کررہا ہے اس لئے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ مومن کا سینہ ایک طاق کی مثل ہے اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثل ہے اس میں نہایت شفاف روغن زیتون فطری نور ہدایت کی مثل ہے جو مومن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے جس کا خاصہ خود بخود ہی قبول حق کا ہے پھر جس طرح روغن زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہوکر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے اسی طرح فطری نور ہدایت جو قلب مومن میں رکھا گیا ہے جب وحی الٰہی اور علم الٰہی کے ساتھ اس کا اتصال ہوجاتا ہے تو روشن ہوکر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے یہ نور ہدایت اگرچہ آغاز تخلیق میں ہر فرد کے قلب میں ودیعت رکھا گیا ہے، مومن کے ساتھ خاص نہیں ہے مگر چونکہ اس کا فائدہ مومن کو ہوتا ہے اس لئے مثال میں قلب مومن کو خاص فرمایا ہے، ایک حدیث سے بھی اس عموم کی تائید ہوتی ہے **کل مولود یولد علی الفطرۃ** یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈالدیتے ہیں، اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے۔ (معارف)

نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

امام بغوی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کعب احبار جو توریت وانجیل کے بڑے مسلمان عالم تھے، انہوں نے فرمایا کہ یہ مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی بیان کی گئی ہے مشکوٰۃ آپ کا سینہ ہے زجاجۃ (قندیل) آپ کا قلب مبارک ہے اور مصباح (چراغ) نبوت ہے، اور اس نور نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار واعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کے لئے روشنی کا سامان ہے پھر جب وحی الٰہی اور اس کے اعلان کا اس کے ساتھ اتصال ہوجاتا ہے تو یہ ایسا نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرتے لگتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار نبوت، بعثت بلکہ آپ کی پیدائش سے بھی پہلے جو بہت سے عجیب وغریب واقعات عالم میں ایسے پیش آئے جو آپ کی نبوت کی بشارت دینے والے تھے جن کو اصطلاح محدثین میں ارہاصات کہا جاتا ہے، جن کو بہت سے علماء نے مستقل کتاب کے طور پر جمع کردیا ہے، شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں، اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں جمع کردیا ہے۔

قوله فی بُیُوتٍ اَذِنَ اللّٰہُ (الآیہ) سابقہ آیت میں حق تعالیٰ نے قلب مومن میں اپنا نور ہدایت ڈالنے کی ایک خاص مثال بیان فرمائی تھی، اور آخر میں یہ فرمایا تھا کہ اس نور سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جن کو اللہ توفیق عطا فرماتے ہیں، اس آیت میں ایسے مومن کامحل اور مستقر بیان فرمایا گیا ہے کہ ایسے مومنین کا اصل مقام ومستقر جہاں وہ اکثر وقات رہتے ہیں خصوصاً پانچ وقت نمازوں کے اوقات میں دیکھے جاتے ہیں وہ بیوت (مساجد) ہیں جن کے لئے اللہ کا حکم یہ ہے کہ ان کو بلند وبالا رکھا جائے اور ان میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے۔

آیت کی اس تقریر کی بنا اس پر ہے کہ نحوی ترکیب میں فی بیوتٍ کا تعلق (یهدی الله لنوره) کے ساتھ ہو اَذِنَ اللّٰهُ ان ترفعَ ، اَذِنَ اِذْنٌ سے مشتق ہے اس کے معنی اجازت دینے کے ہیں اور تُرْفَعَ رفعٌ سے مشتق ہے جس کے معنی بلند کرنا اور تعظیم کرنے کے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ مساجد کی تعظیم کی جائے یعنی ان میں لغو کام اور لغو کلام کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابن کثیر)

عکرمہ اور مجاہد امام تفسیر نے فرمایا، رفع سے مراد مسجد بنانا ہے جیسے بناء کعبہ کے متعلق قرآن میں آیا ہے اِذْ يَرفَعُ اِبْرَاهِيْمُ القَوَاعِدَ مِنَ البَيْتِ اس آیت میں رفع قواعد سے مراد بناء قواعد ہے اور حسن بصریؒ نے فرمایا رفع مساجد سے مراد مساجد کی تعظیم ہے۔

يُسَبِّحُ لَهُ فِيْهَا بِالغُدُوِّ وَالآصَالِ الغُدُوّ غداۃٌ کی جمع ہے یا مصدر ہے اس کا اطلاق وقت کے لئے ہوا ہے اور آصال اصیل کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشراف ہے، ایک جماعت نے اسکو اختیار کیا ہے حالانکہ فعیل کی جمع افعال قیاسی نہیں ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام مناسب اوقات میں خدا کو یاد کرتے ہیں، بعض مفسرین نے غُدُوٌّ سے صبح کی نماز مراد لی ہے، اور آصال میں باقی چار نمازیں داخل کی ہیں اس لئے کہ اصیل زوال شمس سے صبح تک کے اوقات کو کہتے ہیں۔

قوله لَاتُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَابَيْعٌ عن ذِكْرِ اللهِ اس میں اُن مومنین کی ایک خاص صفت بیان کی گئی ہے جو اللہ کے نور ہدایت کے خاص مقامات اور مساجد کو آباد رکھتے ہیں، اس میں رجال کی تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد کی حاضری دراصل مردوں ہی کے لئے ہے عورتوں کی نماز ان کے گھروں میں افضل ہے، مسند احمد اور بیہقی میں حضرت ام سلمہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خيرُ مساجدِ النِّساءِ قَعْرُ بيْتِهِنَّ یعنی عورتوں کی بہترین مساجد ان کے گھر کے تنگ و تاریک گوشے ہیں، اس آیت میں مومنین صالحین کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ ان کو تجارت خرید و فروخت اور لین دین کا مشغلہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت بازار والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان کے صاحبزادے حضرت سالم نے فرمایا کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمر بازار سے گذرے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا لوگوں کو دیکھا کہ دکانیں بند کر کے مسجد کی طرف جا رہے ہیں تو فرمایا انہی لوگوں کے بارے میں قرآن کا یہ ارشاد ہے رِجَالٌ لَاتُلْهِيْهِمْ تِجارةٌ ولَابَيْعٌ عنْ ذِكْرِ اللهِ.

عہد رسالت میں دو صحابی تھے، ایک تجارت کرتے تھے اور دوسرےؓ لوہار کا کام کرتے اور تلوار بنا کر بیچتے تھے، پہلے صحابی کی تجارت کا یہ حال تھا کہ اگر سودا تو لنے کے وقت اذان کی آواز کان میں پڑ گئی تو ترازو کو پٹک کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، اور دوسرے بزرگ کا یہ عالم تھا کہ اگر گرم لوہے پر ہتھوڑے کی ضرب لگا رہے ہیں اور کان میں

اذان کی آواز آ گئی تو اگر ہتھوڑا مونڈھے پر اٹھائے ہوئے ہیں تو ہتھوڑا مونڈھے کے پیچھے ڈال کر نماز کو چل دیتے تھے، اٹھائے ہوئے ہتھوڑے کی ضرب سے کام لینا بھی گوارا نہیں تھا، ان کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

یَومًا تَتَقَلَّبُ فیه القُلُوْبُ وَالاَبْصَارُ اس آیت کا مطلب یہ ہے اس روز دل وہ باتیں سمجھ لیں گے جو ابھی تک نہیں سمجھتے تھے، اور آنکھیں وہ ہولناک واقعات دیکھیں گی جو کبھی نہ دیکھے تھے، یا مطلب یہ ہے کہ قلوب میں کبھی نجات کی توقع پیدا ہوگی اور کبھی ہلاکت اور خوف کا اندیشہ اور آنکھیں کبھی داہنی جانب دیکھیں گی اور کبھی بائیں جانب کہ کس طرف سے پکڑے جائیں؟ یا اعمال نامے کس جانب سے ملتے ہیں؟ دائیں جانب سے یا بائیں جانب سے؟

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ کَسَرَابٍ (الآیہ) کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے خیال اور عقیدے کے اعتبار سے کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد یہ کام آئیں گے، حالانکہ اگر کوئی کام بظاہر اچھا بھی ہو تو وہ کفر کی نحوست سے عند اللہ مقبول و معتبر نہیں، ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی سمجھو کہ دوپہر کے وقت جنگل میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی پیاسا شدت تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا تو پانی وانی کچھ نہیں، ہاں ہلاکت کی گھڑی سامنے کھڑی تھی، اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لئے وہاں موجود تھا چنانچہ اضطراب و حسرت کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس کا حساب ایک دم میں چکا دیا کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے، کافر کی دوسری قسم وہ ہے جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور کفر و جہل، ظلم و عصیان کی اندھیریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں ان کی مثال آگے بیان فرمائی، ان کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی کہ سراب سے دھوکا کھانے والے کو نظر آتی تھی، یہ لوگ خالص اندھیریوں میں اور تہہ بہ تہہ ظلمات میں بند ہیں کسی طرف سے روشنی کی شعاع اپنے تک نہیں پہنچنے دیتے، نعوذ باللہ منہا، کافروں کی اسی قسم کو اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِی بَحْرٍ لُجِّیٍ (الآیہ) سے بیان فرمایا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ ومِنَ التَّسْبِیْحِ صَلٰوةٌ وَالطَّیْرُ جَمْعُ طَائِرٍ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالاَرْضِ صٰٓفّٰتٍ ط حَالٌ بَاسِطَاتٍ اَجْنِحَتَهُنَّ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ اللّٰهُ صَلٰوتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ط وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ م بِمَا یَفْعَلُوْنَ ○ فیه تغلیبُ العَاقِلِ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ ج خَزَائِنُ المَطَرِ وَالرِّزْقِ وَالنَّبَاتِ وَاِلَی اللّٰهِ المَصِیْرُ ○ اَلْمَرْجِعُ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا یَسُوْقُهٗ بِرِفْقٍ ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ یَضُمُّ بَعْضَهٗ اِلٰی بَعْضٍ فَیَجْعَلُ القِطَعَ المُتَفَرِّقَةَ قِطْعَةً وَّاحِدَةً ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُکَامًا بَعْضُهٗ فَوْقَ بَعْضٍ فَتَرَی الوَدْقَ المَطَرَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ج مَخَارِجِهٖ وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ زَائِدَةٌ جِبَالٍ فِیْهَا فِی السَّمَاءِ بَدَلٌ بِاِعَادَةِ الجَارِ مِنْ م بَرَدٍ ای بَعْضِهٖ فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَاءُ ط یَکَادُ یَقْرُبُ سَنَا بَرْقِهٖ لَمَعَانُهٗ یَذْهَبُ بِالاَبْصَارِ ○ النَّاظِرَةِ لَهٗ اَنْ یَّخْطِفَهَا یُقَلِّبُ اللّٰهُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ ط ای

یَاْتِی بِکُلٍّ منهما بَدَلَ الآخَرِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ التَّقْلِیْبِ لَعِبْرَۃً دَلَالَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ○ لِاَصْحَابِ البَصَائِرِ علی قُدْرَۃِ اللّٰہِ تعالٰی وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ ای حَیْوَانٍ مِّنْ مَّآءٍ ج ای نُطْفَۃٍ فَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِہٖ ج کالْحَیَّاتِ والھَوَامِّ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ج کالاِنْسَانِ وَالطَّیْرِ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی اَرْبَعٍ ط کَالْبَھَائِمِ وَالاَنْعَامِ یَخْلُقُ اللّٰہُ مَایَشَآءُ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ لَقَدْ اَنْزَلْنَا آیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ط ای بَیِّنَاتٍ ھِی القُرْآنِ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ ای دِیْنِ الاِسْلَامِ وَیَقُوْلُوْنَ ای المُنَافِقُوْنَ اٰمَنَّا صَدَّقْنَا بِاللّٰہِ بِتَوْحِیْدِہٖ وَبِالرَّسُوْلِ مُحَمَّدٍ وَاَطَعْنَا ھُمَا فِیْمَا حَکَمَا بِہٖ ثُمَّ یَتَوَلّٰی یُعْرِضُ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مِّنْ م بَعْدِ ذٰلِکَ ط عنہُ وَمَآ اُولٰٓئِکَ المُعْرِضُوْنَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ○ المَعْھُوْدِیْنَ المُوَافِقِ قُلُوْبُھُمْ لِاَلْسِنَتِھِمْ وَاِذَا دُعُوْآ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ المُبَلِّغِ عَنْہُ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ عن المَجِیْءِ اِلَیْہِ وَاِنْ یَّکُنْ لَّھُمُ الحَقُّ یَاْتُوْآ اِلَیْہِ مُذْعِنِیْنَ ○ مُسْرِعِیْنَ طَائِعِیْنَ اَفِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ کُفْرٌ اَمِ ارْتَابُوْآ ای شَکُّوْا فی نُبُوَّتِہٖ اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَرَسُوْلُہٗ ط فی الحُکْمِ ای یُظْلَمُوْا فیہِ لا بَلْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ع بالاِعْرَاضِ عنہ

ترجمہ

کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ کی سب پاکی بیان کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور تسبیح (پاکی) میں نماز بھی داخل ہے اور پرندے (بھی) آسمان اور زمین کے درمیان حال یہ ہے کہ پر پھیلائے ہوئے ہیں طیر طائر کی جمع ہے، صَافَّاتٍ حال ہے یعنی حال یہ ہے کہ اپنے بازو کھولے ہوئے ہیں سب کو اپنی دعاء اور تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے، اس میں ذوالعقول کو (غیر ذوالعقول پر) غلبہ ہے اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں اور اللہ ہی کی ملک ہیں بارش اور رزق اور نباتات کے خزانے اور اللہ ہی کی طرف مرجع ہے کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے یعنی نرمی سے چلاتا ہے پھر ان بادلوں کو باہم ملا دیتا ہے یعنی بعض کو بعض کے ساتھ ملا دیتا ہے چنانچہ متفرق ٹکڑوں کو (ملاکر) ایک ٹکڑا کر دیتا ہے پھر ان کو تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے ابر کے درمیان سوراخوں سے نکلتی ہے اور بادل سے یعنی بادل کے پہاڑ جیسے (بڑے بڑے) ٹکڑوں سے کچھ اولے برساتا ہے فیھا ای فی السماء، فیھا اعادۂ جار کے ساتھ السماء سے بدل ہے اور مِنَ السَّمَاءِ میں مِن زائد ہے پھر ان کو جن پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے اس بادل کی بجلی کی چمک سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی سلب کر لے گی چمک کو دیکھنے والی آنکھوں کی روشنی کو، یعنی اچک لے گی اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے یعنی ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے بدلے میں لاتا ہے بلاشبہ اس ادل بدل میں اصحاب علم و دانش کے لئے

اللہ کی قدرت پر دلالت ہے اور اللہ نے ہر چلنے والے یعنی جاندار کو پانی یعنی نطفہ سے پیدا کیا تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو پیٹ کے بل سرکتے ہیں جیسا کہ سانپ اور حشرات الارض اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں جیسا کہ انسان اور پرندے اور بعض ان میں سے چار پیروں پر چلتے ہیں جیسا کہ مویشی اور چوپائے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر شئ پر قادر ہے اور بلاشبہ ہم نے واضح کرنے والی آیات نازل کیں وہ قرآن ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے راہ مستقیم یعنی دین اسلام کی طرف ہدایت فرماتا ہے اور یہ منافقین دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر یعنی اس کی توحید اور اس کے رسول محمد پر ایمان لے آئے، یعنی (دل سے) تصدیق کی اور ان دونوں نے جو حکم کیا اس کی ہم نے اطاعت کی پھر اس کے بعد ان میں کی ایک جماعت اس (حکم) سے اعراض کرتی ہے اور یہ اعراض کرنے والے بالکل مومن نہیں ہیں یعنی ایسا عہد کرنے والے نہیں ہیں کہ جس میں ان کے قلب و لسان میں مطابقت ہو اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہے وہ رسول جو خدا کی طرف سے مبلغ ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں کا ایک گروہ آپ کے پاس آنے سے اعراض کرتا ہے اور اگر ان کا (کسی پر) حق ہو تو فوراً سر تسلیم خم کئے ہوئے چلے آتے ہیں آیا ان کے دلوں میں مرض کفر ہے؟ یا یہ آپ کی نبوت کے بارے میں شک میں پڑے ہیں، یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول فیصلے میں ان پر ظلم کرے گا؟ یعنی ان پر فیصلے میں ظلم کیا جائے گا؟ نہیں یہ بات نہیں بلکہ یہی ظالم ہوئے ہیں حکم سے اعراض کر کے۔

تحقیق، ترکیب و تفسیری فوائد

قولہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہمزہ تقریر کے لئے ہے اور رویت سے رویت قلبی مراد ہے اس لئے کہ تسبیح کا تعلق بصر و نظر سے نہیں ہے بلکہ قلب و بصیرت سے ہے، مطلب یہ ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ آسمانوں اور زمین کی مخلوق اللہ کی تسبیح و تقدیر بیان کرتی ہے اور پرند بھی فضاء میں پر پھیلائے ہوئے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں مَنْ کا استعمال ذوالعقول کو غیر ذوالعقول پر غلبہ دینے کے اعتبار سے ہے ورنہ تو مخلوق میں دس حصوں میں سے ایک حصہ ذوالعقول ہیں جن میں انسان، جن، وملائکہ سب داخل ہیں اور باقی غیر ذوالعقول ہیں **قولہ وَمِنَ التَّسْبِیْحِ صَلٰوۃٌ کے اضافہ کا مقصد** یہ ہے کہ تسبیح سے مراد انقیاد و خضوع ہے اور صلوٰۃ بھی منجملہ انقیاد و خضوع کے افراد سے ایک فرد ہے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے قول کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ کے لئے توطیہ و تمہید بھی ہے طَیْرٌ طَائِرٌ کی جمع ہے، جیسے رَکْبٌ رَاکِبٌ کی جمع ہے الطَّیرُ کا عطف مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الاَرْضِ پر ہے۔

سوال: اس عطف سے عطف الشئ علیٰ نفسہٖ لازم آتا ہے، اس لئے کہ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الاَرْض

میں طیر بھی داخل ہیں، لہٰذا معطوف اور معطوف علیہ ایک ہی ہوئے بَینَ السَّمَاءِ والارضِ سے مذکورہ اعتراض کا جواب دینا مقصد ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ ایک نہیں ہیں بلکہ ان میں مغایرت ہے اس لئے کہ معطوف علیہ سے آسمانوں اور زمین کی مخلوق مراد ہے اور پرندے جب پر پھیلائے فضاء میں پرواز کرتے ہوئے ہوتے ہیں تو اس وقت وہ نہ زمین میں ہوتے ہیں اور نہ آسمان میں، لہٰذا عطف الشئ علیٰ نفسہٖ کا شبہ ختم ہوگیا، **قولہ صافَّاتٍ** طیرٌ سے حال ہے، **الطیرُ** مَنْ پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہے اور صافات حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (اس میں اور ترکیبیں بھی ہوسکتی ہیں مگر سہل ترین اور راجح یہی قول ہے) **کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صلاتَہٗ وتسبیحہٗ** ، **عَلِمَ صلاتَہ** اور **تسبیحہٗ** تینوں کی ضمیروں میں اقوال مختلف ہیں، ایک قول یہ ہے کہ تینوں ضمیروں کا مرجع کلٌّ ہے ای **کُلٌّ عَلِمَ صلاتَہٗ وتسبیحَہٗ** یہ صورت توافق ضمائر کی وجہ سے سب سے بہتر ہے، دوسرا قول عَلِمَ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو اور **صلاتَہٗ وتسبیحَہٗ** کی ضمیریں کلٌّ کی طرف راجع ہوں (جمل) **قولہ ثُمَّ یُؤلِّفُ بینَہٗ** یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ بَینَ متعدد کے درمیان استعمال ہوتا ہے، اور یہاں سحاب کے لئے استعمال ہوا ہے، حالانکہ سحاب واحد ہے مفسر علام نے اپنے قول **یضم بعضہ الی بعض** کا اضافہ کرکے مذکورہ اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کردیا، ای **قِطَعَ سَحَابٍ** یعنی مضاف محذوف ہے (**قِطَعَ** جمع **قطعۃ**) خیال رہے کہ مذکورہ جواب کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی جب سحاب کو مفرد مانا جائے اور اگر **سحابٌ** کو **سَحَابَۃٌ** کی جمع یا اسم جنس مان لیا جائے تو نہ کوئی اعتراض واقع ہوگا اور نہ کسی جواب کی ضرورت پڑے گی۔

قولہ یُزْجِی ازجاءً سے مضارع واحد مذکر غائب ہے وہ نرمی کے ساتھ چلاتا ہے **قولہ رُکامًا** یہ اسم ہے بمعنی تہہ بہ تہہ **یَخْرُجُ مِنْ خِلَالِہٖ** یہ جملہ **الوَدْقُ** سے حال ہے **قولہ خِلَالٌ** کو بعض حضرات نے مفرد کہا ہے بروزن حِجَابٌ اور بعض حضرات نے جمع کہا ہے خلال جمع خلل بروزن جِبَالٌ جمع جبلٍ، بمعنی سوراخ **قولہ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنَ الجِبَالِ فِیْھَا مِنْ بَرْدٍ مِنَ السَّمَاءِ** من ابتدائیہ ہے **ای مبتدأً من السَّحابِ فَاِنَّ کُلَّ مَا عَلَاکَ فَھُوَ سماءٌ قولہ مِنَ الجِبَالِ ای قِطَعٍ عِظَامٍ تُشْبِہُ الجِبَالَ فی العَظْمِ قولہ فِیھا ای فی السَّمآءِ والجار والمجرور فی موضع الصفۃ قولہ مِنْ بردٍ** میں من تبعیضیہ ہے، **ای یُنَزِّلُ مُبتدأً مِنَ السَّحابِ من جبالٍ کائنَۃٍ فیھا بعض بردٍ (او) بردًا.**

ترجمہ: پہاڑ جیسے بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے اولے برساتا ہے جو کہ بادلوں میں ہوتے ہیں ای **وینزل من السحاب الذی ھو کامثال الجبال بردًا**، مذکورہ آیت میں مِن تین مرتبہ استعمال ہوا ہے، پہلا یعنی **من السماء** میں یہ باتفاق مفسرین ابتدائیہ ہے، اور دوسرا **مِنَ الجبال** میں کہا گیا ہے زائدہ، کہا گیا ہے تبعیضیہ، کہا گیا ہے ابتدائیہ اور **الجبالِ من السماءِ** سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل ہے اور تیسرا مِنْ بردٍ میں، مذکورہ تینوں

اقوال کے علاوہ ایک چوتھا قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ من بیانیہ ہے، یعنی بیان جنس کے لئے ہے، ای من جنس البرد کما یقال ھٰذا خاتمٌ فی یدی من حدیدٍ ای خاتم حدید فی یدی **قوله** منهم مَنْ یَّمْشِیْ هم ضمیر کل کی طرف راجع ہے باعتبار معنی کے، پیٹ کے بل سرکنے والے کو مشاکلت کے طور ماشی سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ حقیقتاً ماشی کا ذکر بعد میں آرہا ہے، ورنہ تو پیٹ کے بل سرکنے والے کو زاحفٌ کہتے ہیں، **قوله** وَلَقَدْ انزلنا میں لام قسمیہ ہے، قسم محذوف ہے ای واللّٰہِ لقَدْ انزلنا اَطَعْنَا کے بعد ھُما ضمیر کا اضافہ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اَطَعْنَا کا مفعول محذوف ہے، **قوله** عنه ای عن القول **قوله** المُبَلَّغ عنه یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ لِیَحْکُمَ میں ضمیر کو مفرد کیوں لائے؟ جبکہ ماقبل میں اللہ اور رسول دو کا ذکر ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم اگر چہ حقیقت میں اللہ ہی کا ہے مگر مباشر بالحکم اور مبلغ بالحکم رسول ہی ہے اللہ کا ذکر تو تفخیماً و تعظیماً ہے **قوله** اِذَا فریقٌ منهم معرضون اِذَا مفاجاتیہ قائم مقام فاء کے ہے جو کہ جواب شرط کو شرط کے ساتھ ربط دینے کے لئے ہے، یعنی اِذَا دُعُوْا شرط ہے اور اِذَا فریقٌ منهم جزاء **قوله** اِلَیْهِ ای المبلّغ یعنی اگر غیر کا حق ان کے اوپر ہوتا ہے تو آپ کے پاس آنے سے اعراض کرتے ہیں، یہ آیت بشر نامی ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ اس کا ایک یہودی کے ساتھ زمین کے معاملہ میں نزاع ہوا تھا، یہودی چاہتا تھا کہ فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیجائے اور منافق چاہتا تھا کہ کعب بن اشرف کے پاس لیجائے اور منافق کہتا تھا کہ محمد ہمارے اوپر ظلم کرتے ہیں **قوله** اَفِی قُلُوبِهِمْ مرضٌ (الآیہ) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منشاء اعراض مذکورہ تین چیزوں میں سے ایک ہے۔

تفسیر و تشریح

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ (الآیہ) اے محمد آپ بخوبی جانتے ہیں کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر مخلوق اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہے اس تسبیح کا مفہوم حضرت سفیان ثوری نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر شئ آسمان، زمین، آفتاب، ماہتاب اور ستارے اور سیارے اور زمین کے عناصر آگ، پانی، مٹی، ہوا سب کو خاص خاص کاموں کے لئے پیدا فرمایا ہے اور جس کو جس کام کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ برابر اس کام پر لگا ہوا ہے اس سے سرمو انحراف نہیں کرتا، اسی طاعت و انقیاد کو ان چیزوں کی تسبیح فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی تسبیح مقالی نہیں ہے بلکہ حالی ہے کہ ہم اللہ کو پاک اور برتر سمجھ کر اس کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں۔

زمخشری اور دیگر مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے اندر اتنا فہم و شعور رکھا ہے جس سے وہ اپنے خالق اور مالک کو پہچانے اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص قسم کی گویائی عطا فرمائی ہو اور خاص قسم کی تسبیح و عبادت ان کو سکھائی ہو جیسا کہ مختلف حیوانات اپنے مافی الضمیر کو اپنے ہم جنسوں کو سمجھاتے ہیں جس کا رات دن مشاہدہ

ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر شئ کو اس کے حساب سے شعور عطا فرمایا ہو اور اسی حساب سے ان کو ان کی عبادت کا طریقہ بتایا ہو، کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ (الآیہ) میں اسی مضمون کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

قوله مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا یہاں سماء سے مراد بادل ہیں اور جبال سے بڑے بڑے بادل مراد ہیں اور برَدٌ اولے کو کہتے ہیں اس آیت کا ایک مطلب یہ ہے کہ آسمانوں میں اولوں کے پہاڑ ہیں جن سے وہ اولے برساتا ہے (ابن کثیر) دوسرا مطلب یہ ہے کہ سماءٌ بلندی کے معنی میں ہے اور جبال کے معنی ہیں پہاڑوں جیسے بڑے بڑے ٹکڑے یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں سے بارش ہی نہیں برساتا بلکہ بلندیوں سے جب چاہتا ہے برف کے ٹکڑے بھی نازل فرماتا ہے، یا پہاڑ جیسے بڑے بڑے بادلوں سے اولے برساتا ہے۔

ویقولون آمَنَّا بِاللّٰهِ اس سے پہلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن کو اللہ نے ایمان کی توفیق اور کار خیر کی ہدایت فرمائی، اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو دولت ایمان سے محروم رہے اور نفاق کا طریقہ اختیار کیا۔

شان نزول: مقاتل نے کہا کہ یہ آیت بشر نامی ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئی، حضرت ابن عباسؓ کا بھی قول یہی ہے کہ یہ آیت بشر نامی منافق کے بارے میں نازل ہوئی تھی، واقعہ اس طرح تھا بشر اور ایک یہودی کے درمیان زمین کے معاملہ میں خصومت تھی بشر ناحق پر تھا اور یہودی حق پر، یہودی نے کہا فیصلے کے لئے محمدؐ کے پاس چلو مگر بشر منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلو (جو ایک یہودی سردار تھا) یہودی نے محمدؐ کے پاس جانے کے لئے اصرار کیا چنانچہ یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا جب یہ دونوں آپؐ کے پاس سے نکلے تو منافق نے کہا عمرؓ کے پاس چلو ان سے فیصلہ کرائیں گے، چنانچہ دونوں عمرؓ کے پاس پہنچے، یہودی نے کہا ہم دونوں محمدؐ کے پاس گئے تھے آپؐ نے میرے حق میں فیصلہ فرمایا مگر یہ شخص آپؐ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہے، اب یہ چاہتا ہے کہ آپ سے فیصلہ کرائے، حضرت عمرؓ نے منافق سے فرمایا أکذالکَ؟ کیا بات ایسی ہی ہے؟ منافق نے کہا "نعم" ہاں، حضرت عمرؓ نے دونوں سے فرمایا رویدا حتی اخرجَ الیکما میرے آنے تک انتظار کرو، چنانچہ حضرت عمرؓ گھر کے اندر گئے اور تلوار لیکر واپس تشریف لائے اور منافق کو ایک ہی وار میں ٹھنڈا کر دیا، اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ھٰکذا اقضِیْ بَیْنَ مَنْ لَمْ یَرضَ بِقَضَاءِ اللّٰہِ وقضَاءِ رسُوْلِہٖ جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرے میں اس کا فیصلہ اس طرح کرتا ہوں، تو یہ آیت نازل ہوئی وقال جبرائیل انَّ عمر فرَّق بینَ الحقِّ والباطلِ فسمی الفاروق حضرت جبرائیل نے فرمایا عمر نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا اور حضرت عمر کا نام فاروق رکھا۔ (جمل)

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ ای بالقَوْلِ اللَّائِقِ بِھِمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ط بِالاِجَابَۃِ وَاُولٰٓئِکَ حِیْنَئِذٍ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ النَّاجُوْنَ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَی اللّٰہَ یَخَافُہٗ وَیَتَّقْہِ بِسُکُوْنِ الھَاءِ وَکَسْرِھَا بِاَنْ یُّطِیْعَہٗ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ بِالجَنَّۃِ

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ غَايَتَهَا لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ بِالْجِهَادِ لَيَخْرُجُنَّ ط قُلْ لَهُمْ لَاتُقْسِمُوْا ج طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ط لِلنَّبِيِّ خَيْرٌ مِنْ قَسَمِكُمُ الَّذِيْ لَاتَصْدُقُوْنَ فِيهِ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ مِنْ طَاعَتِكُمْ بِالْقَوْلِ وَمُخَالَفَتِكُمْ بِالْفِعْلِ قُلْ اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا عَنْ طَاعَتِهِ بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ خِطَابٌ لَهُمْ فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَاحُمِّلَ مِنَ التَّبْلِيْغِ وَعَلَيْكُمْ مَاحُمِّلْتُمْ ط مِنْ طَاعَتِهِ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ط وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ اى التَّبْلِيْغُ الْبَيِّنُ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ بَدَلًا عَنِ الْكُفَّارِ كَمَا اسْتَخْلَفَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص مِنْ بَنِي اِسْرَائِيْلَ بَدَلًا عَنِ الْجَبَابِرَةِ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَهُوَ الْاِسْلَامُ بِاَنْ يُّظْهِرَهُ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَدْيَانِ وَيُوَسِّعُ لَهُمْ فِي الْبِلَادِ فَيَمْلِكُوْهَا وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مِنْ م بَعْدِ خَوْفِهِمْ مِنَ الْكُفَّارِ اَمْنًا ط وَقَدْ اَنْجَزَ اللّٰهُ وَعْدَهُ لَهُمْ بِمَا ذَكَرَهُ وَاَثْنٰى عَلَيْهِمْ بِقَوْلِهِ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَايُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ط هو مُسْتَانِفٌ فِي حُكْمِ التَّعْلِيْلِ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْاِنْعَامِ مِنْهُمْ بِهِ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ وَاَوَّلُ مَنْ كَفَرَ بِهِ قَتَلَةُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَصَارُوْا يَقْتَتِلُوْنَ بَعْدَ اَنْ كَانُوْا اِخْوَانًا وَاَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَآتُوْا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ اى رَجَاءَ الرَّحْمَةِ لَاتَحْسَبَنَّ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ وَالْفَاعِلُ الرَّسُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ لَنَا فِي الْاَرْضِ ج بِاَنْ يَفُوْتُوْنَا وَمَاْوٰهُمْ مَرْجِعُهُمُ النَّارُ ط وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ع ○ الْمَرْجِعُ هِيَ

ترجمہ

ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کردے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا (عملاً) مان لینا، یعنی ایسا کہنا ہی مومنین کی شان کے لائق ہے اور ایسے ہی لوگ اس قول کی وجہ سے فلاح پائیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ کا خوف رکھے اور اس (کے عذاب) سے ڈرے یَتَّقْهِ ہا کے سکون اور اس کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی اس کی اطاعت کرے پس ایسے ہی لوگ جنت پاکر بامراد ہوں گے نہایت پختگی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ ان کو جہاد کا حکم فرمائیں تو وہ ضرور نکل کھڑے ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ قسمیں نہ کھاؤ معروف طریقہ سے نبی کی طاعت بہتر ہے تمہاری ایسی قسموں سے جن میں تم سچے نہیں ہو اللہ تعالیٰ تمہارے عمل سے جو کہ قولاً اطاعت اور عملاً مخالفت ہے بخوبی واقف ہے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پھر بھی اگر تم لوگ اس کی طاعت سے روگردانی کروگے تَوَلَّوْا میں ایک تا کے حذف کے ساتھ ان ہی کو خطاب ہے (تو اس کا کوئی نقصان نہیں) (یہ جواب شرط محذوف ہے) اس لئے کہ رسول کے ذمہ وہی

تبلیغ کا کام ہے جو ان کے ذمہ رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ اطاعت ہے جو تمہارے اوپر لازم کی گئی ہے اور اگر تم نے اس کی اطاعت کی تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ یقیناً ان کو کافروں کے بجائے زمین کا خلیفہ بنائے گا جس طرح ان کو خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے بنی اسرائیل میں سے ظالموں کے بدلے استخلف معروف اور مجہول (دونوں ہیں) اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو قوت بخشے گا اور وہ اسلام ہے (اس طرح قوت بخشے گا) کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے گا، اور ان کے لئے ملکوں میں وسعت دے گا تو وہ ان کے مالک ہو جائیں گے، اور کافروں سے ان کے اس خوف کے بعد اس (خوف) کو امن سے بدل دے گا لَيُبَدِّلَنَّهُمْ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے مذکورہ وعدہ کو پورا فرما دیا اور ان کی اپنے قول یعبدونی لا یُشرِکون بیْ شیئًا سے تعریف فرمائی اور یہ جملہ مستانفہ ہے علت کے حکم میں ہے اور ان میں کا جو شخص اس انعام کے بعد اس کی ناشکری کرے گا تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں اور سب سے پہلے جنہوں نے اس انعام کی ناشکری کی وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، چنانچہ باوجود یکہ آپس میں بھائی بھائی تھے قتل و قتال کرنے لگے اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسول کی اطاعت کیا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے یعنی رحمت کی امید رکھتے ہوئے آپ کافروں کی نسبت یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ زمین میں ہم سے بچ کر ہمیں ہرا دیں گے تَحْسَبَنَّ تا فوقانیہ اور یا تحتانیہ کے ساتھ ہے اور فاعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کا ٹھکانہ مرجع دوزخ ہے اور وہ (نہایت) برا ٹھکانہ مرجع ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ جمہور نے قول پر، کان کی خبر قرار دینے کی وجہ سے نصب پڑھا ہے اور اَنْ يَّقُوْلُوْا الخ کو بتاویل مصدر کان کا اسم قرار دیا ہے، اور علی اور حسن اور ابن ابی اسحق نے **قولُ** کو اسم کان قرار دے کر رفع پڑھا ہے اور اَنْ يَّقُوْلُوْا کو بتاویل مصدر کان کی خبر قرار دیا ہے، اول قرأت کو جمہور نے راجح قرار دیا ہے **قوله** اَنْ يَّقُوْلُوْا الخ اگرچہ جملہ خبریہ ہے مگر اس سے ادب شرعی کی تعلیم مقصود ہے اس لئے جملہ انشائیہ کے حکم میں ہے **قوله** يَتَّقْهِ اصل میں يَتَّقِيْهِ تھا جزم کی وجہ سے یا حذف ہوگئی اور قاف کا کسرہ باقی رہ گیا پھر قاف کے کسرہ کو تخفیفاً خلاف قیاس حذف کر دیا اس لئے کہ جو صیغہ فَعِلَ کے وزن پر ہو اس کے عین کلمہ کو ساکن کر دیا جاتا ہے جیسے کَتْفٌ، کَتِفٌ میں **قوله** جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ جَهْدَ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے **غَايَتَهَا** محذوف سے اسی کی طرف اشارہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے يَجْهَدُوْنَ اَيْمَانَهُم جهدًا بعض حضرات نے حال ہونے کی وجہ سے منصوب کہا ہے ای مجتهدينَ في اَيْمَانِهِمْ **قوله** لَيَخْرُجُنَّ جواب قسم ہے **قوله** طاعةٌ معروفةٌ بترکیب توصیفی مبتداء ہے اور

خیرٌ الخ اس کی خبر ہے مفسر علام نے خیرٌ مقدر مان کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، طاعۃ معروفۃ مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے بھی مرفوع ہوسکتا ہے ای طاعتُهُمْ طاعۃٌ معروفۃٌ **قوله** اِنَّ اللّٰهَ خبیرٌ بما تعملُوْنَ یہ ماقبل کے جملہ کی علت ہے **قوله** فَاِنْ تَوَلَّوْا میں مامورین کو خطاب ہے یعنی اطیعوا اللّٰہَ واطیعُوْا الرسولَ میں جولوگ مخاطب ہیں وہی تَوَلَّوْا کے مخاطب ہیں، قُلْ اَطِیْعُوْا اللّٰہَ الخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب تھا فَاِنْ تَوَلَّوْا میں مامورین کو خطاب ہے **قوله** فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ یہ جواب شرط ہے اور ایک قول میں جواب شرط محذوف ہے اور فَاِنَّمَا عَلَیْهِ ماحُمِّلَ اس جواب کی علت ہے جیسا کہ ترجمہ کے زیر عنوان بیان کیا گیا ہے **قوله** ما علی الرسول الخ ماقبل جملہ کی تاکید ہے **قوله** وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُم الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَدَ کا مفعول اول ہے اور مفعول ثانی محذوف ہے اور وہ الاستخلاف فی الارض وتمکین دینھم وتبدیل خوفھم بالامن، یہ سب معطوفات مل کر وَعَدَ کا مفعول ثانی ہے اور لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ قسم مقدر کا جواب ہے، تقدیر یہ ہے وَاللّٰهِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ اور یہ جواب قسم مفعول ثانی کے حذف پر دال ہے **قوله** کما اِسْتَخْلَفَ میں ما مصدریہ ہے ای اِسْتَخْلافًا کاِسْتَخْلافِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ **قوله** بِمَا ذَکَرَ اس کا تعلق وعدہ سے ہے اور مَا ذَکَرَ سے امور ثلاثہ مذکورہ مراد ہیں **قوله** یَعْبُدُوْنَنِیْ یہ جملہ مستانفہ ہے مفسر علام نے هو مستانف کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، اس میں مختلف تراکیب ہوسکتی ہیں مگر مفسر علام نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، یہ جملہ گویا کہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، کہا گیا ما بالُهُمْ یَسْتَخْلِفُوْنَ ویؤمِنُوْنَ، فاجیبَ یعبُدُوْنَنِیْ مذکورہ جملہ مبتداء محذوف کی خبر بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں بھی جملہ مستانفہ رہے گا، تقدیر یہ ہوگی هم یعبُدُوْنَنِیْ **قوله** لایشر کونَ بِیْ شیئًا جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور یعبدوننی کی ضمیر فاعل سے حال بھی ہوسکتا ہے، ای یعبُدُوْننی موَحِّدِیْنَ **قوله** منهُمْ یہ مِنْ سے حال ہے اور هم ضمیر للذین آمنُوْا کی طرف راجع ہے **قوله** بہٖ کی ضمیر انعام کی طرف راجع ہے، ای الانعام بما ذَکَرَ من الامور الثلٰثة اور کفر سے مراد کفران نعمت ہے نہ کہ ایمان کی ضد، اسی وجہ سے اِنَّ اُوْلٰئكَ هم الفَاسِقُوْنَ کہا ہے، اولئك هم الکافرون نہیں کہا، **قوله** واقیموا الصَّلٰوةَ یہ جملہ مقدر پر عطف ہے جس کا سیاق تقاضہ کرتا ہے ای فآمنوا واقیموا الصَّلٰوةَ الخ **قوله** لاتحسَبَنَّ اس کا فاعل الرسول ہے اور الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مفعول اول ہے اور معجزین مفعول ثانی ہے اور یَحْسَبَنَّ بالیاء کی صورت میں مفعول اول محذوف ہوگا ای لایَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کفرُوْا اَنْفُسَهُمْ اور معجزین مفعول ثانی ہوگا، اور الَّذِیْنَ کفرُوْا لایَحْسَبَنَّ کا فاعل ہوگا **قوله** معجزینَ ای فائتینَ یعنی بچ کر نکل جانا۔

تشریح وتفسیر

اِنَّمَا کانَ قولَ المؤمنینَ (الآیہ) ماقبل کی آیت میں اہل کفر ونفاق کے کردار کا بیان تھا، یہاں سے اہل ایمان

کے کردار و عمل کا بیان ہے، یعنی فلاح و کامرانی کے مستحق صرف وہ لوگ ہوں گے جو اپنے تمام معاملات میں اللہ اور رسول کے فیصلہ کو خوش دلی سے قبول کرتے ہیں اور انہی کی اطاعت کرتے ہیں اور خشیت الٰہی اور تقویٰ کی صفت سے متصف ہیں، نہ کہ دوسرے لوگ جو ان صفات سے محروم ہیں۔

علامہ بغویؒ نے فرمایا کہ منافقین کی یہ عادت تھی کہ بڑی زوردار قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم ہر حال میں آپ کا ساتھ دیں گے اور ہر آڑے وقت میں کام آئیں گے اور آپ جہاں ہوں گے ہم بھی وہیں ہوں گے، اگر آپ نکلیں گے تو ہم بھی نکلیں گے اور آپ قیام کریں گے تو ہم بھی قیام کریں گے، اور اگر آپ ہم کو جہاد کا حکم فرمائیں گے تو ہم جہاد کریں گے، گویا کہ وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے گا ہم وہاں اپنا خون بہائیں گے، اور یہ سب زبانی جمع خرچ تھا۔ (مظہری)

اس پر یہ آیت نازل ہوئی زیادہ قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ معروف طریقہ پر اطاعت بہتر ہے بغیر عملی اطاعت کے جھوٹی قسمیں کھانے سے، مطلب یہ ہے کہ تمہارا معاملہ طاعت معروفہ ہونا چاہئے، جس طرح مسلمان کرتے ہیں پس تم بھی ان کے مثل ہو جاؤ۔ (ابن کثیر)

اور بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے جس طرح تم جھوٹی قسمیں کھاتے ہو تمہاری اطاعت بھی نفاق پر مبنی ہے۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ پیغمبر خدا پر خدا کی طرف سے تبلیغ کی ذمہ داری رکھی گئی ہے تو اس نے اپنی ذمہ داری کو پوری طرح ادا کر دیا، اور تم پر جو بات لازم کی گئی ہے وہ تصدیق اور قبول حق کی ہے اور یہ کہ اس کے حکم کے مطابق چلو، اگر تم اپنی ذمہ داری محسوس کر کے اس کے احکام کی تعمیل کرو گے تو دارین کی کامرانی و کامیابی تمہارے قدم چومے گی، ورنہ پیغمبر کا کچھ نقصان نہیں، تمہاری شرارت اور سرکشی کا خمیازہ تم ہی کو بھگتنا پڑے گا، پیغمبر تو اپنا فرض ادا کر کے عنداللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے، آگے کی آیات میں رسول کی اطاعت کے بعض ثمرات کا بیان ہے، جن کا سلسلہ دنیا ہی میں شروع ہو جائے گا۔ (فوائد عثمانی)

وَعَدَ اللّٰہُ الذین آمنوا (الآیہ) بعض حضرات نے اس وعدہ الٰہی کو صحابۂ کرام یا خلفاء راشدین کے ساتھ خاص قرار دیا ہے لیکن اس تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے الفاظ قرآنی عام ہیں اور ایمان و عمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عہد خلافت راشدہ اور خیر القرون میں اس وعدۂ الٰہی کا ظہور ہوا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں غلبہ عطا فرمایا، اپنے پسندیدہ دین کو عروج دیا، اور مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دیا۔

وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ یہاں کفر سے ناشکری مراد ہے نہ کہ ایمان کی ضد کفر، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دے، مسلمانوں کو حکومت قوت اور امن واطمینان اور دین کو استحکام حاصل ہو جائے، اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص خدا کے انعامات کی ناشکری کرے کہ اسلامی

حکومت کی اطاعت سے گریز کرے تو ایسے لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

علامہ بغویؒ نے فرمایا کہ علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ قرآن کے اس جملہ کے سب سے پہلے مصداق وہ لوگ ہوئے جنہوں نے خلیفہ وقت حضرت عثمان غنیؓ کو قتل کیا اور جب وہ اس جرم عظیم کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے مذکورہ انعامات میں کمی آ گئی، آپس کے قتل و قتال سے خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے، بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن سلام کا یہ خطبہ نقل کیا ہے جو انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف شورش کے وقت دیا تھا، خطبہ کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:

''اللہ کے فرشتے تمہارے شہر کے گرد احاطہ کئے ہوئے حفاظت میں اس وقت سے مشغول ہیں جب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے خدا کی قسم اگر تم نے عثمان کو قتل کر دیا تو یہ فرشتے واپس چلے جائیں گے اور پھر کبھی نہ لوٹیں گے، خدا کی قسم تم میں سے جو شخص ان کو قتل کرے گا وہ اللہ کے سامنے دست بریدہ حاضر ہوگا اس کے ہاتھ نہ ہوں گے اور سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی تلوار اب تک میان میں تھی، خدا کی قسم اگر وہ تلوار میان سے نکل آئی تو پھر کبھی میان میں داخل نہ ہوگی کیونکہ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اس کے بدلے ستر ہزار آدمی قتل کئے جاتے ہیں اور جب کسی خلیفہ کو قتل کیا جاتا ہے تو پینتیس ہزار آدمی مارے جاتے ہیں (مظہری) چنانچہ قتل عثمان سے جو باہمی خونریزی کا سلسلہ شروع ہوا تھا امت میں چلتا ہی رہا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِيَسْتَاذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُم من العَبِيْدِ والاِمَاءِ والَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الحُلُمَ مِنْكُمْ من الاَحْرَارِ وَعَرَفُوْا اَمْرَ النِّسَاءِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ؕ فِي ثَلٰثَةِ اَوْقَاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيْرَةِ اى وَقْتَ الظُّهرِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ العِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ ؕ بالرَّفْعِ خَبَرُ مُبْتَدأٍ مُقَدَّرٍ بَعْدَهُ مُضَافٌ وَقَامَ المضَافُ اِلَيْهِ مَقَامَهُ اى هِيَ اَوْقَاتٌ وبالنَّصْبِ بتَقْدِيرِ اَوْقَاتٍ مَنْصُوْبًا بَدَلاً مِنْ مَحَلِ ما قَبْلَهُ قَامَ المُضَافُ اِلَيْهِ مُقَامَهُ وهِيَ لِاِلْقَاءِ الثِّيَابِ فِيْهَا تَبْدُوْا فِيْهَا العَوْرَاتُ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلاَ عَلَيْهِمْ اى المَمَالِيْكِ وَالصِّبْيَانِ جُنَاحٌ في الدُّخُولِ عَلَيْكُمْ بغَيْرِ اسْتِيْذَانٍ بَعْدَهُنَّ ؕ اى بَعْدَ الاَوْقَاتِ الثَّلٰثَةِ هُم طَوَّافُوْنَ عَلَيْكُمْ لِلْخِدْمَةِ بَعْضُكُمْ طَائِفٌ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَالجُمْلَةُ مُؤَكِّدَةٌ لِمَا قَبْلَهَا كَذٰلِكَ كَمَا بَيَّنَ مَاذُكِرَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الآيٰتِ ؕ اى الاَحْكَامَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِاُمُوْرِ خَلْقِهِ حَكِيْمٌ ۝ بِمَا دَبَّرَهُ لَهُمْ وآيَةُ الاِسْتِيْذَانِ قِيْلَ مَنْسُوْخَةٌ وقِيْلَ لاوَلٰكِنْ تَهَاوَنَ النَّاسُ فِي تَرْكِ الاِسْتِيْذَانِ وَاِذَا بَلَغَ الاَطْفَالُ مِنْكُمْ اَيُّهَا الاَحْرَارُ الحُلُمَ فَلْيَسْتَاذِنُوْا فِي جَمِيْعِ الاَوْقَاتِ كَمَا اسْتَاذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اى الاَحْرَارُ الكِبَارُ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَالقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ قَعَدْنَ عَنِ الحَيْضِ وَالوَلَدِ لِكِبَرِهِنَّ اللّٰتِي لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا لِذٰلِكَ فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ مِنَ الجِلْبَابِ وَالرِّدَاءِ والقِنَاعِ فَوْقَ الخِمَارِ

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ مُظْهِرَاتٍ بِزِيْنَةٍ ط خَفِيَةٍ كَقِلَادَةٍ وسِوَارٍ وخَلْخَالٍ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ بِاَنْ لا يَضَعْنَهَا خَيْرٌ لَّهُنَّ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ لِقَوْلِكُمْ عَلِيْمٌ ○ بِمَا فِي قُلُوْبِكُمْ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ فِي مُوَاكَلَةِ مُقَابِلِيْهِمْ وَّلَا حَرَجَ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ اى بُيُوْتِ اَوْلَادِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَائِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهَاتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَامَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗ اى خَزَنْتُمُوْهُ لِغَيْرِكُمْ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ط وَهُوَ مَنْ صَدَقَكُمْ فِي مَوَدَّتِهِ الْمَعْنَى يَجُوْزُ الْاَكْلُ مِنْ بُيُوْتِ مَنْ ذُكِرَ وَاِنْ لَمْ يَحْضُرُوْا اى اِذَا عُلِمَ رِضَاءُ هُمْ بِهٖ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا مُجْتَمِعِيْنَ اَوْ اَشْتَاتًا ط مُتَفَرِّقِيْنَ جَمْعُ شَتٍّ نَزَلَ فِيْمَنْ تَحَرَّجَ اَنْ يَّاْكُلَ وَحْدَهٗ وَاِذَا لَمْ يَجِدْ مَنْ يُّوَاكِلُهٗ يَتْرُكُ الْاَكْلَ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا لَكُمْ لَا اَهْلَ فِيْهَا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ قُوْلُوْا السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَرُدُّ عَلَيْكُمْ وَاِنْ كَانَ بِهَا اَهْلٌ فَسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ تَحِيَّةً مَصْدَرُ حَيٍّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ط مُثَابٌ عَلَيْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اى يُفَصِّلُ لَكُمْ مَعَالِمَ دِيْنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ع لِكَيْ تَفْهَمُوْا ذٰلِكَ .

ترجمہ

اے ایمان والو تمہارے مملوکوں کو یعنی غلام اور باندیوں کو اور ان کو جو تم میں سے حد بلوغ کو نہیں پہنچے آزادوں میں سے، مگر عورتوں کے معاملہ سے واقف ہو گئے ہیں تین مرتبہ یعنی تین اوقات میں اجازت لینی چاہئے، صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر میں یعنی دوپہر کے وقت جب تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو اور نماز عشاء کے بعد یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں (ثلٰثُ) کے رفع کے ساتھ اس وجہ سے کہ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور مبتداء کے بعد مضاف محذوف ہے، اور مضاف الیہ مضاف کے قائم مقام ہو گیا ہے، ای هي اوقات ثلٰثِ عوراتٍ لکم اور (ثلٰثَ) نصب کے ساتھ، اس کے قبل اوقات کو مقدر مان کر حال یہ ہے کہ اپنے ماقبل (یعنی من قبل صلوٰۃ الفجر) کے محل سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہو اور (اوقات) مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ (یعنی عورات) کو مضاف کے قائم مقام کر دیا، اور یہ تینوں اوقات (ایسے ہیں کہ) ان میں کپڑے اتار دینے کی وجہ سے ستر کھل جاتا ہے، ان تینوں اوقات کے علاوہ میں نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر یعنی مملوکوں اور بچوں پر، بغیر اجازت تمہارے پاس چلے آنے میں، وہ بکثرت تمہارے پاس خدمت کے لئے چکر لگاتے رہتے ہیں بعض بعض کے پاس آتے رہتے ہیں اور (یہ) جملہ اپنے ماقبل جملہ کی تاکید ہے، اسی طرح جیسا کہ مذکورہ احکام بیان کئے، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام کھول کھول کر بیان

کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے حالات سے واقف ہے اور جو اس کے لئے تدبیر کرتا ہے اس میں حکمت والا ہے، آیت استیذ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ منسوخ ہے اور کہا گیا ہے کہ منسوخ نہیں ہے لیکن لوگ استیذ ان میں سستی کرنے لگے ہیں (ترک کا لفظ غالباً سہو ہے) ورنہ تو مطلب یہ ہوگا کہ استیذ ان میں سستی ترک کرنے لگے ہیں، **تنبیہ:** حالانکہ یہ خلاف مقصود ہے اور جب تمہارے لڑکے اے آزادلوگو! حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو تمام اوقات میں ان کو بھی اسی طرح اجازت لینی چاہئے جیسا کہ ان کے ماقبل مذکور لوگ اجازت لیتے ہیں یعنی بالغ آزاد، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اسی طرح احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے، اور بڑی بوڑھی عورتیں جو اولاد اور حیض سے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے مایوس ہوگئی ہوں اور اسی (بڑھاپے کی وجہ سے) نکاح کی امید (خواہش) نہ رکھتی ہوں تو ان پر اپنے (زائد) کپڑے اتار دینے میں کوئی گناہ نہیں مثلاً برقع، چادر، دوپٹہ جو سربند کے اوپر ہوتا ہے بشرطیکہ مخفی زینت کا مظاہرہ نہ کریں جیسا کہ گلوبند، کنگن، پازیب، اور (اگر) اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو سننے والے ہیں اور قلوب کے خطرات کو جاننے والے ہیں نہ تو نابینا شخص کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے کے لئے کچھ حرج ہے اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے، اپنے مقابلوں (غیر معذوروں) کے ساتھ کھانے میں اور نہ خود تمہارے لئے کچھ حرج ہے اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یعنی اپنی اولاد کے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان کے گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یعنی اس میں سے جس کی تم غیر کے لئے حفاظت کرتے ہو، یا اپنے دوستوں کے گھروں سے اور دوست وہ ہے جو تمہارے ساتھ دوستی میں مخلص ہو، آیت کے معنی یہ ہیں کہ مذکورین کے گھروں (اموال) سے ان کی غیر موجودگی میں کھانا جائز ہے، یعنی جبکہ کھانے کے لئے ان کی رضامندی کا علم ہو جائے اور تمہارے لئے (اس بات) میں کوئی حرج نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ یعنی متفرق طریقہ پر اَشْتَاتًا شتٌّ کی جمع ہے یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو تنہا کھانے میں حرج محسوس کرتا تھا، اور اگر ساتھ کھانے والا کسی کو نہ پاتا تو کھانا ہی نہ کھاتا اور جب تم اپنے ایسے گھروں میں داخل ہوا کرو کہ جن میں کوئی نہیں ہے تو خود کو سلام کر لیا کرو یعنی کہا کرو **السلام علینا وعلی عباد اللہِ الصّالحِینَ** اس لئے کہ فرشتے تم کو اس کا جواب دیں گے اور اگر ان میں اہل خانہ ہوں تو ان کو دعاء کے طور پر سلام کر لیا کرو، **تحیۃً، حَیّیَ** کا مصدر ہے، جو خدا کی طرف سے مقرر ہے برکت والی عمدہ چیز ہے اس پر اجر دیا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام بیان فرماتا ہے یعنی تمہارے دین کے احکام کو واضح طریقہ پر بیان فرماتا ہے تاکہ تم ان احکام کو سمجھو۔

تحقیق،ترکیب وتفسیری فوائد

قوله ثَلٰثَ مرَّاتٍ ثلٰثَ کے منصوب ہونے کی دووجہ ہیں اول یہ کہ لِیَسْتَاذِنُکُمْ کا مفعول فیہ ہے ای لیستاذنوا فی ثلثة اوقات فی الیوم واللیلة مفسر علام نے فی ثلث اوقاتٍ کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ ثلث مرَّاتٍ ظرف ہےاور مرّات بمعنی اوقاتٍ ہے، ای لِیَسْتَاذنکُمْ ثلثة اوقاتٍ اس کے بعد من قَبْلَ صلوٰةِ الفجرِ سے مِن بعدِ صلوٰةِ العشاءِ تک ثلث اوقات کی تفسیر ہے۔

ثلثَ مراتٍ کے منصوب ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ لِیَستاذنکم کا مفعول مطلق ہے ای استاذنوا ثلثَ استیذاناتٍ **قوله** ثلثُ عوراتٍ لکم ثلثُ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے مبتدامحذوف کے بعد اوقات مضاف محذوف ہے مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ یعنی عوراتٌ کو اس کے قائم مقام کردیا ہے، اس صورت میں وقف، العشاء پر ہوگا، ای هِیَ ثلاثةُ اوقاتٍ کائنةٍ لکم اوقات مذکورہ کو عوراتٌ کہا گیا ہے حالانکہ اوقات ثلثۃ عوراتٍ نہیں ہیں لیکن چونکہ مذکورہ تینوں اوقات عدم تستُّر (کشف عورات) کے ہیں، مظروف بول کر ظرف مرادلیا گیا ہے (تسمیه الشیئ باسم مایقعُ فیه) اور ثلث عوراتٍ کے منصوب ہونے کی صورت میں ثلثَ عوراتٍ اپنے ماقبل یعنی من قبل صلوٰةِ الفجر کے محل سے بدل ہے اور مضاف الیہ مضاف کے قائم مقام ہے چونکہ مذکورہ تینوں اوقات میں (زائد) کپڑے اتار دینے کی وجہ سے پوشیدہ حصہ ظاہر ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے ان اوقات کو عورات کہا گیا ہے، **قوله** هِیَ مبتداء ہے تبدو فیها العورات خبر ہے لالقاءِ الثیابِ الخ تبدو کی علتِ مقدمہ ہےاور اوقات کا عورات نام رکھنے کی علت کی طرف اشارہ بھی ہے، **قوله** بعضکم علی بعض یہ جملہ سابق جملہ طوافون علیکم کی تاکید ہے **قوله** متبرِّجٰتٍ کی تفسیر مظهراتٍ کرکے اشارہ کردیا کہ بزینةٍ میں باتعدیہ کے لئے ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ بزینةٍ میں با بمعنی لام ہے ای مظهرات لزینةٍ.

جلباب بڑی چادر برقعہ وغیرہ جس میں پورا بدن چھپ جائے (جمع) جلابیب آتی ہے **قوله** فوق الخمار کا تعلق قناعٌ سے ہے دوپٹہ وغیرہ کو کہتے ہیں **قوله** فی مُواکَلَةِ مقابلیهم مُواکَلَة مصدر ہے اپنے مفعول کی جانب مضاف ہے ای فی اکلِهِمْ مع مقابلِیْهِمْ (ای السالمین من هذه النقائص الثلثة) **قوله** وَلاَ عَلٰی اَنفسِکُمْ یہ جملہ مستانفہ ہے **قوله** صدیقکم صدیق کا طلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے **قوله** مِنْ بیوتَ مَن ذُکرَ ماقبل میں گیارہ بیوت کا ذکر کیا گیا ہے یہ تعداد عادت اور عرف کے اعتبار سے ہے، **قوله** ای اذا علم رضاءَ هم به یہ رضامندی صراحۃً ہو یا کسی ایسے قرینہ کی وجہ سے ہو جو رضامندی پر دلالت کرتا ہو، اور مذکورہ اجازت عام کھانے پینے کی چیزوں میں ہے جیسے روٹی سالن وغیرہ یہ اجازت ایسی چیزوں میں نہیں ہے جو مخصوص طریقہ

پر اہتمام کے ساتھ بنائی جاتی ہیں نیز اجازت کھانے کی حد تک ہے ساتھ لیجانے کی اجازت نہیں ہے، اسی طرح غیر ماکول اشیاء میں بھی تصرف کی اجازت نہیں ہے جب تک کہ صریح اجازت نہ ہو، **قوله تحيةً** یہ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے ای فَحَيُّوْا تحيةً فَسَلِّمُوْا کا معمول بھی ہوسکتا ہے اس لئے سَلِّمُوْا اور تحيةً کے معنی قریب قریب ہیں، اس صورت میں قعدتُ جلوسًا کے قبیل سے ہوگا **قوله من عند اللّٰهِ** اس کا تعلق تحيةً کی صفت محذوف سے بھی ہوسکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی، تحيةٌ صادرةٌ من عند اللّٰهِ اور خود تحیة کے متعلق بھی ہوسکتا ہے، **قوله يُثَابُ عَلَيْهَا** یہ مبارکۃ کی تفسیر ہے۔

تفسیر وتشریح

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِيَسْتَاذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (الآیہ)

اقارب ومحارم کے لئے خاص اوقات میں استیذان کا حکم

آداب معاشرت اور ملاقات کے آداب اسی سورت کی آیت ۲۷/۲۸/۲۹ میں بیان ہوئے ہیں کہ کسی کی ملاقات کے لئے جاؤ تو بغیر اجازت ان کے گھروں میں داخل نہ ہو، گھر زنانہ ہو یا مردانہ آنے والا مرد ہو یا عورت، سب کے لئے اجازت لینا ضروری قرار دیا گیا ہے، مگر یہ احکام استیذان اجانب کے لئے تھے جو باہر سے ملاقات کے لئے آئے ہوں۔

شان نزول

مذکورہ آیت کے شان نزول میں متعدد واقعات ذکر کئے گئے ہیں:

(۱) ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک انصاری لڑکے کو جس کا نام مدلج بن عمر تھا دوپہر کے وقت عمر بن خطاب کے پاس بھیجا تاکہ عمر کو بلا لائے، لڑکا گھر میں اچانک داخل ہوگیا اور حضرت عمر کو ایسی حالت میں دیکھ لیا جس کو دیکھنا عمرؓ پسند نہیں کرتے تھے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) کہا گیا ہے کہ اسماء بنت مرثد کے بارے میں نازل ہوئی اس کا ایک بالغ غلام تھا وہ ایک روز اسماء کے پاس اچانک چلا گیا جس کو اسماء نے ناپسند کیا اسماء نے اس واقعہ کا ذکر آپ ﷺ سے کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ان آیات میں ایک دوسرے استیذان کے احکام کا بیان ہے جن کا تعلق ان اقارب ومحارم سے ہے جو عموماً ایک گھر میں رہتے ہیں اور ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں، اور ان سے عورتوں کا پردہ بھی نہیں ہے ایسے لوگوں کے لئے بھی اگرچہ گھر میں داخل ہونے کے وقت اس کا حکم ہے کہ اطلاع کر کے یا کم از کم قدموں کی آہٹ کر کے یا کھانس کھنکار کر گھر میں داخل ہوں اور یہ استیذان مستحب ہے، یہ حکم تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے کا تھا لیکن گھر میں داخل ہونے کے بعد ایک

دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں ان کے لئے تین خاص اوقات میں جو عام طور پر ہر شخص کے لئے خلوت اور آزادی کے اوقات ہیں ایک اور استیذان کا حکم ہے جو ان آیات میں دیا گیا ہے وہ تین اوقات صبح کی نماز سے پہلے دوپہر کو آرام کرنے کے وقت، اور عشاء کی نماز کے بعد کے اوقات ہیں، ان اوقات میں محارم واقارب کو حتی کہ سمجھدار نابالغ بچوں اور مملوکہ باندیوں کو بھی اس کا پابند بنایا گیا ہے کہ ان تین اوقات میں کسی کی خلوت گاہ میں اجازت کے بغیر نہ جائیں، ان احکام کے بعد فرمایا:

لَیْسَ عَلَیْکُمْ وَلَا عَلَیْهِمْ جناحٌ بعدَهُنَّ یعنی ان اوقات کے علاوہ کوئی مضائقہ نہیں کہ ایک دوسرے کے پاس بلا اجازت چلے جایا کریں، یہ حکم بچوں کو نہیں بلکہ دراصل بڑوں کو ہے کہ بچوں کو تربیت کے طور پر سمجھادیا کریں کہ ان تین اوقات میں کسی کی خلوت گاہ میں بغیر اجازت کے نہ جانا چاہئے۔

آیت میں الذین ملکت ایمانکم اگرچہ عام ہے جس کے معنی مملوک کے ہیں جس میں باندی اور غلام دونوں شامل ہیں ان میں مملوک غلام جو بالغ ہو وہ تو شرعاً اجنبی غیر محرم کے حکم میں ہے اس سے مالکن کو پردہ کرنا واجب ہے اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے، اس لئے یہاں اس لفظ سے باندیاں مراد ہیں یا پھر وہ غلام جو ابھی بالغ نہ ہوئے ہوں، جو ہر وقت گھر میں آتے جاتے رہتے ہیں۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ خاص استیذان اقارب کے لئے واجب ہے یا مستحب اور اب یہ حکم باقی ہے یا منسوخ ہوگیا، جمہور فقہاء کے نزدیک یہ حکم غیر منسوخ ہے اور وجوب کے لئے ہے، اگر کسی طریقہ سے یہ معلوم ہوجائے کہ مذکورہ تین اوقات میں صاحب خانہ اپنی خلوت گاہ میں اپنے اعضاء مستورہ کو کھولے ہوئے نہیں ہے یا اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں نہیں ہے تو اس صورت میں استیذان واجب نہیں ہے، حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ استیذان کی آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی کرنے لگے ہیں۔

والقواعد من النساء یہ استثناء عورت کی شخصی حالت کے اعتبار سے ہے کہ جو عورت اتنی بوڑھی ہوجائے کہ اس کی طرف کسی کو رغبت نہ ہو تو اس کے لئے پردہ کے احکام میں سہولت دیدی گئی ہے کہ اجانب بھی اس کے حق میں مثل محارم کے ہوجاتے ہیں جن اعضاء کا چھپانا محرموں سے ضروری نہیں ہے بوڑھی عورتوں کے لئے غیر مردوں سے بھی چھپانا ضروری نہیں ہے مگر ایسی بوڑھی عورتوں کے لئے بھی ایک قید تو یہ ہے کہ جو اعضاء محرم کے سامنے کھولے جائیں غیر محرم کے سامنے بھی کھول سکتی ہے بشرطیکہ بن سنور کر زینت اختیار نہ کرے۔

اور آخر میں دوسری بات یہ فرمائی وَاَن یَسْتَعْفِفْنَ خیرٌ لَّهُنَّ یعنی اگر بوڑھی عورتیں غیر محرموں کے سامنے آنے سے بالکل ہی بچیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ مفسرین نے آیت مذکورہ کے شان نزول کے سلسلہ

میں چند واقعات تحریر کئے ہیں کسی نے کسی واقعہ کو آیت کا شان نزول قرار دیا ہے اور کسی نے کسی کو، اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ سب ہی واقعات نزول آیت کا سبب بنے ہوں۔

آیت کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو کام تکلیف کے ہیں وہ ماقبل میں مذکور معذورین کے لئے معاف ہیں مثلاً جہاد، حج، جمعہ اور جماعت میں حاضری (کذافی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ ان معذور محتاج لوگوں کو تندرستوں کے ساتھ کھانے میں کچھ حرج نہیں، جاہلیت میں اس قسم کے محتاج معذور آدمی مالداروں اور تندرستوں کے ساتھ کھانے سے جھجک محسوس کرتے تھے انہیں خیال گذرتا تھا کہ شاید لوگوں کو ہمارے ساتھ کھانے سے نفرت ہو اور ہماری بعض حرکات اور اوضاع سے ایذا پہنچتی ہو اور واقعی بعض کو نفرت و وحشت ہوتی بھی تھی، نیز بعض مومنین کو غایت اتقاء کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسے معذوروں اور مریضوں کے ساتھ کھانے میں شاید اصول عدل و مساوات قائم نہ رہ سکے، اندھے کو سب کھانے نظر نہیں آتے، لنگڑا ممکن ہے دیر میں پہنچے اور مناسب نشست سے نہ بیٹھ سکے، مریض کا تو پوچھنا ہی کیا۔ ہے، اس بناء پر ساتھ کھلانے میں احتیاط کرتے تھے تاکہ ان کی حق تلفی نہ ہو۔

کبھی یہ صورت حال بھی پیش آتی تھی یہ معذورین اور محتاجین کسی کے پاس اپنی ضرورت لیکر جاتے وہ شخص استطاعت نہ رکھتا تھا از راہ بے تکلفی وہ اس معذور کو اپنے عزیز و اقارب کے گھر لیجاتے اس پر ان حاجت مندوں کو خیال ہوتا تھا کہ ہم تو آئے تھے اس کے پاس اور یہ دوسرے کے یہاں لے گیا کیا معلوم وہ ہمارے کھلانے سے ناخوش تو نہیں، ان تمام خیالات کی اصلاح کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ خواہی نخواہی اس طرح کے اوہام میں مت پڑو اللہ نے ان سب معاملات میں وسعت رکھی ہے پھر تم خود اپنے اوپر تنگی کیوں کرتے ہو؟ (فوائد عثمانی)

اس زمانہ میں عرب میں چونکہ عرف و عادت تھی کہ آپس میں بلا تکلف اپنے عزیز و اقارب اور دوست واحباب کے گھر جا کر کھا پی لیتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی ساتھ لیجاتے تھے اس لئے کوئی ناخوشی یا ناگواری کا اظہار نہیں کرتا تھا چنانچہ آج بھی اگر کہیں اس قسم کا عرف و عادت ہو تو اجازت ہوگی اور اگر عرف و عادت نہ ہو تو صریح اجازت کی ضرورت ہوگی، جیسا کہ ہمارے یہاں اس قسم کا عرف نہیں ہے لہٰذا اجازت کی ضرورت ہوگی۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ اى الرَّسُوْلِ عَلٰى اَمْرٍ جَامِعٍ كَخُطْبَةِ الْجُمُعَةِ لَمْ يَذْهَبُوْا لِعُرُوْضِ عُذْرٍ لَهُمْ حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ اَمْرِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ بِالْاِنْصِرَافِ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۤءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۤءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا بِاَنْ تَقُوْلُوْا يَامُحَمَّدُ بَلْ قُوْلُوْا يَا نَبِىَّ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِى لِيْنٍ وَتَوَاضُعٍ وَخَفْضِ صَوْتٍ

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ج اى يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْمَسْجِدِ فِى الْخُطْبَةِ مِنْ غَيْرِ اسْتِيْذَانٍ خُفْيَةً مُسْتَتِرِيْنَ بِشَيْءٍ وقد لِلتَّحقيقِ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اى اللّٰهِ او رَسُوْلِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ بَلَاءٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ فى الآخِرَةِ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مِلْكًا وخَلْقًا وَعَبِيْدًا قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ اَيُّهَا الْمُكَلَّفُوْنَ عَلَيْهِ ط من الْاِيْمَانِ وَالنِّفَاقِ وَيعلم يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ اى مَتٰى يَكُوْنُ فَيُنَبِّئُهُمْ فيه بِمَا عَمِلُوْا ط مِنَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وغَيْرِهَا عَلِيْمٌ ع ○ ع ۸

ترجمہ

بس مومن تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، اور جب وہ اس کے ساتھ یعنی رسول کے ساتھ کسی اہم معاملہ میں جمع ہوتے ہیں جیسا کہ جمعہ کا خطبہ تو عذر پیش آنے کی صورت میں بھی اس وقت تک نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں، جو لوگ آپ سے اجازت لے لیتے ہیں بس وہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں تو جب یہ لوگ اپنے کسی کام کے لئے آپ سے اجازت طلب کریں تو ان میں سے آپ جس کو چاہیں جانے کی اجازت دیدیں اور آپ ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعاء کیجئے بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلالیتا ہے اس طریقہ سے کہ کہو اے محمد! بلکہ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ نرمی اور تواضع اور پست آواز سے کہو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے آڑ میں ہو کر کھسک جاتے ہیں یعنی مسجد سے خطبہ کی حالت میں چپکے سے کسی چیز کی آڑ لے کر نکل جاتے ہیں، اور قد تحقیق کے لئے ہے سو جو لوگ اللہ کے اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی آفت آن پڑے یا ان پر آخرت میں کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے، یاد رکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ملکیت کے اعتبار سے تخلیق کے اعتبار سے مملوک ہونے کے اعتبار سے سب اللہ ہی کا ہے اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے اے مکلفو (مخاطبو) جس حالت پر تم ہو یعنی ایمان و نفاق کی حالت اور اس دن کو بھی جانتا ہے جس میں سب اس کے پاس لائے جائیں گے اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے، یعنی جانتا ہے کہ رجوع کا دن کب ہوگا (ای یعلم) متی یکونُ یوم الرجوع سو وہ ان کو اس دن سب جتلا دے گا جو کچھ انہوں نے خیر و شر کیا ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال وغیرہ سب سے واقف ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ مبتداء ہے اَلَّذِيْنَ اسم موصول آمَنُوْا الخ معطوف علیہ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ الخ معطوف،

معطوف معطوف علیہ سے مل کر صلہ الذین کا الذین اسم موصول صلہ سے مل کر خبر مبتداء کی **قوله** علی امرٍ جامعٍ میں اسناد مجازی ہے، اس لئے کہ امر سبب جمع ہے اور جمع مسبب ہے گویا سبب کی نسبت مسبب کی جانب ہے **قوله** لَاتَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ ای لاتنادُوْہُ باسمہٖ فتقولوا یا محمدُ ولا بکُنْیَتِہٖ فقولوا یا ابا القاسم، بل نادُوْہُ بالتعظیم بان تقولوا یا رسول اللّٰہ یا نبی اللّٰہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک جس طرح آپ کی حیات مبارکہ میں تعظیم سے لینا ضروری تھا بعد وفات بھی ضروری ہے آپ کی شان مبارک میں تخفیف کرنے والا کافر وملعون ہے **قوله** لِوَاذًا (مفاعلہ) کا مصدر ہے ایک دوسرے کی آڑ لینا، لِوَاذًا یا تو یَتَسَلَّلُوْنَ کے ہم معنی ہونے کی وجہ سے مصدر ہے ای یَتَسَلَّلُوْنَ لِوَاذًا یا فعل محذوف کا مصدر ہے ای یُلَاوِذُوْنَ لِوَاذًا نیز مصدر موضع حال میں واقع ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے ای یَتَسَلَّلُوْنَ مُتلاوِذِیْنَ **قوله** اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ بتاویل مصدر ہوکر فَلْیَحْذَرْ کا مفعول ہے، ای اِصَابَةَ فِتْنَةٍ **قوله** وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ کا یَعْلَمُ کے معمول یعنی مَا اَنْتُمْ پر عطف ہے جیسا کہ مفسر علام نے یعلم مقدر مان کر اشارہ کردیا ہے۔

تفسیر وتشریح

اوپر کی آیات میں آنے کے وقت اجازت طلب کرنے کا ذکر تھا، یہاں جانے کے وقت اجازت لینے کی ضرورت کا ذکر ہے، یعنی کامل الایمان وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر ہوتے ہیں اور جب کسی اجتماعی کام میں شریک ہوں مثلاً جمعہ وعیدین، جہاد، اور مجلس مشاورت وغیرہ میں تو بغیر اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے، یہی لوگ ہیں جو کامل الایمان اور صحیح معنی میں اللہ اور رسول کے ماننے والے ہیں۔

شانِ نزول

یہ آیت غزوہ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی ہے جب کہ مشرکین عرب اور دوسری جماعتوں کے متحدہ محاذ نے یکبارگی مدینہ پر حملہ کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بمشورۂ صحابہ دشمنوں کے حملہ سے بچاؤ کے لئے خندق کھودی تھی اس لئے اس غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں یہ غزوہ شوال ۵ھ میں ہوا تھا۔ (قرطبی)

بیہقی اور ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ آپ بذات خود اور تمام صحابہ خندق کھودنے میں مصروف تھے مگر منافقین اول تو آنے میں سستی کرتے اور آکر بھی دکھانے کے لئے تھوڑا بہت کام کرلیتے اور موقع پاکر چپکے سے کھسک جاتے تھے، صحابہ کرام کی یہ عادت تھی کہ اگر آپ کی مجلس سے کسی کو ضرورت کی وجہ سے کبھی جانے کی ضرورت پیش آتی تو اجازت لیکر جاتا اور طریقہ اجازت کا یہ ہوتا کہ آپ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا کہ آپ کی نظر اس پر پڑ جائے اور انگشت شہادت

سے اشارہ کر کے اجازت طلب کرتا آپ اگر چاہتے تو اجازت دیدیتے، منافقین موقع سے فائدہ اٹھاتے اور اس مومن کی آڑ لیکر چپکے سے کھسک جاتے، اس قصہ کو ابوداؤد نے مراسیل میں مقاتل سے نقل کیا ہے۔ (حاشیہ جلالین)

اس کے برخلاف مومنین سب کے سب محنت کے ساتھ لگے رہتے اور اگر کوئی مجبوری یا ضرورت پیش آجاتی تو آنحضرت سے اجازت لیکر جاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغیر اجازت چلے جانے کی حرمت عام مجلس کا حکم نہیں ہے، بلکہ اس مجلس کا حکم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اہم ضرورت کے پیش نظر لوگوں کو جمع کیا ہو جیسا کہ واقعہ خندق میں ہوا تھا، امر جامع سے اسی کی طرف اشارہ ہے، امر جامع کے سلسلہ میں اقوال مختلف ہیں مگر واضح اور صاف بات یہ ہے کہ امر جامع سے مراد ہر وہ کام ہے جس کے لئے آپ لوگوں کو جمع کرنا ضروری خیال فرمائیں اور کسی اہم اور ضروری کام کے لئے جمع فرمائیں، جیسے غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کا کام تھا۔ (مظہری)

اس آیت میں دوسرا حکم آخری آیت میں یہ دیا گیا ہے **لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ** اس کی ایک تفسیر تو وہ ہے جو ترجمہ کے ضمن میں کی گئی ہے کہ دعاء رسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو بلانا ہے، جو نحوی قاعدہ سے اضافت الی الفاعل ہے، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو جب بلائیں تو اس کو عام لوگوں کے بلانے کی طرح نہ سمجھیں کہ اس میں آنے نہ آنے کا اختیار رہتا ہے، بلکہ اس وقت آنا فرض ہو جاتا ہے اور بغیر اجازت جانا حرام ہو جاتا ہے، آیت کے سیاق و سباق سے یہ تفسیر زیادہ مناسبت رکھتی ہے، اسی لئے مظہری اور بیان القرآن نے اس کو اختیار کیا ہے، اس کی ایک دوسری تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ابن کثیر اور قرطبی وغیرہ نے یہ نقل کی ہے کہ **دُعَاءَ الرَّسُوْلِ** سے مراد لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ضرورت کے لئے پکارنا اور بلانا ہے (نحوی ترکیب کے اعتبار سے یہ اضافت الی المفعول ہوگی)

اس تفسیر کی بناء پر آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ضرورت سے بلاؤ تو عام لوگوں کی طرح آپ کا نام لیکر یا محمد نہ کہو یہ بے ادبی ہے بلکہ تعظیمی القاب کے ساتھ یا رسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ کہا کرو، اس کا حاصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا مسلمانوں پر واجب ہونا اور ہر ایسی چیز سے بچنا ہے جو ادب کے خلاف ہو، یہ حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ سورہ حجرات میں اسی طرح کے کئی حکم دیئے گئے ہیں مثلاً **لا تجهروا بالقول كجهر بعضكم لبعض** یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرو تو ادب کی رعایت رکھو ضرورت سے زیادہ اونچی آواز سے باتیں نہ کرو جیسے لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں اور مثلاً یہ کہ جب آپ گھر میں تشریف فرما ہوں تو باہر سے آواز دے کر نہ بلاؤ بلکہ آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرو **وَإِنَّ الذين ينادونك من وراء الحجرات** میں اسی کا بیان ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورة الفرقان

سُورَةُ الفرقان مكيَّة اِلَّا وَالَّذِيْنَ لايدعُوْنَ معَ اللّٰهِ الٰهًا آخر الٰى رحيماً فمَدَنِىٌّ وهى سبع وسبعُوْن آية .

سورۂ فرقان مکی ہے سوائے الذین لایدعونَ مع اللّٰہِ الٰھًا آخر تا رحیماً مدنی ہے کل ستتر آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ تَبٰرَكَ تَعَالٰى الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ القُراٰنَ لِاَنَّهُ فَرَّقَ بَيْنَ الحَقِّ وَالبَاطِلِ عَلٰى عَبْدِهٖ مُحَمَّدٍ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ اى الاِنْسِ وَالجِنِّ دُوْنَ المَلٰئِكَةِ نَذِيْرًا○ مُخَوِّفًا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ ءالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ شَانِهٖ اَنْ يُّخْلَقَ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا○ سَوَّاه تَسْوِيَةً وَاتَّخَذُوْا اى الكُفَّارُ مِنْ دُوْنِهٖ اى اللّٰهِ اى غَيْرِهٖ اٰلِهَةً هى الاَصْنَامُ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا اى دَفْعَهٗ وَّلَانَفْعًا اى جَرَّهٗ وَّلَايَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَاحَيٰوةً اى اِمَاتَةً لِاَحَدٍ واِحْيَاءً لِاَحَدٍ وَّلَا نُشُوْرًا○ اى بَعْثًا لِلاَمْوَاتِ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اى مَا القُرْاٰنُ اِلَّا اِفْكُ كِذْبٌ ءافْتَرٰاهُ مُحَمَّدٌ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ج وهم مِنْ اَهْلِ الكِتَابِ قال تعالٰى فَقَدْ جَآءُوْا ظُلْمًا وَّزُوْرًا ج كُفْرا و كذبًا اى بِهِما وَقَالُوْٓا اَيضًا هو اَسَاطِيْرُ الاَوَّلِيْنَ اَكَاذِيْبُهُمْ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بالضَّمِّ اكْتَتَبَهَا انْتَسَخَهَا مِنْ ذٰلِكَ القَوْمِ بغيره فَهِىَ تُمْلٰى تُقْرَأُ عَلَيْهِ لِيَحْفَظَهَا بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا○ غُدْوَةً وعَشِيًّا قال تعالٰى رَدًّا عَلَيهم قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِىْ يَعْلَمُ السِّرَّ الغَيْبَ فِى السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا لِلْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا○ بهم وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الاَسْوَاقِ ط لَوْلَآ هَلَّا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا لا يُصَدِّقُه اَوْ يُلْقٰى اِلَيْهِ كَنْزٌ مِنَ السَّمَاءِ يُنْفِقُهٗ ولَايَحْتَاجُ اِلَى المَشْىِ فى الاَسْوَاقِ لِطَلَبِ المَعَاشِ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ بُسْتَانٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ط اى مِن ثِمَارِهَا فَيَكْتَفِى بِها وفِى قِراءَةٍ نَاكُلُ بالنُّون اى نَحْنُ فَيَكُوْنُ له مَزِيَّةٌ علينا بِها وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اى الكافِرُوْنَ للمُؤْمِنِيْنَ اِنْ ما تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا○ مَخْدُوعًا مغلوبًا على عَقلِهٖ قال تعالٰى اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الاَمْثَالَ بالمَسْحُوْرِ والمُحْتَاجِ الٰى مَايُنْفِقُه والٰى مَلَك يَقُوْمُ معه بالاَمْرِ فَضَلُّوْا بذٰلِكَ عن الهُدىٰ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ع طَرِيْقًا اِلَيه .

ع ۱

ترجمہ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے، برکت والی برتر ہے وہ ذات جس نے فرقان یعنی قرآن اپنے بندے محمد ﷺ پر نازل کیا قرآن کو فرقان اس لئے کہا گیا ہے کہ اس نے حق و باطل کے درمیان فرق کر دیا، تا کہ عالم والوں یعنی انسانوں اور جنوں کے لئے نہ کہ فرشتوں کے لئے ڈرانے والا ہو یعنی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہو ایسی ذات کہ اس کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت حاصل ہے اور اس نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ ملک میں اس کا کوئی شریک ہے اور اس نے ہر اس شئ کو پیدا کیا جس کی شان مخلوق ہونا ہے پھر اس کو اچھی طرح درست کیا اور کفار نے اللہ کو چھوڑ کر اس کے غیر کو معبود بنالیا وہ بت ہیں وہ کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور وہ خود اپنے لئے نہ کسی نقصان یعنی اس کو دفع کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا یعنی اس کو حاصل کرنے کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ جینے کا یعنی نہ کسی کو مارنے کا اور نہ کسی کو زندہ کرنے کا اور دوبارہ زندہ کرنے کا یعنی نہ مردوں کو زندہ کرنے کا اور کافر لوگ قرآن کے بارے میں یوں کہتے ہیں یہ قرآن کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے جس کو اس شخص محمد ﷺ نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس گھڑنے میں اس کی مدد کی ہے اور وہ اہل کتاب میں سے بعض لوگ ہیں سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے کفر اور کذب کے، یعنی دونوں کا ارتکاب کیا اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن پہلے لوگوں کے خرافاتی قصے ہیں یعنی جھوٹ کا پلندہ ہے (اَساطیر) اُسْطُوْرَۃٌ بالضم کی جمع ہے ان خرافاتی قصوں کو اس قوم (یہود) سے کسی دوسرے کے ذریعہ نقل کرالیتے ہیں پھر وہی خرافاتی قصے اس کو صبح و شام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تا کہ ان کو محفوظ کر لے، ان پر رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہہ دیجئے اس (قرآن) کو تو اس ذات پاک نے نازل کیا ہے جس کو آسمانوں اور زمین کی مغیبات کا علم ہے واقعی اللہ تعالیٰ مومنین کے لئے غفور ان کے لئے رحیم ہے اور یہ کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا؟ وہ اس کے ساتھ رہ کر (لوگوں) کو ڈراتا اس کی نبوت کی تصدیق کرتا یا آسمان سے اس کے پاس کوئی خزانہ آپڑتا جس سے اس کو فائدہ ہوتا اور طلب معاش کے لئے بازاروں میں (مارا مارا) نہ پھرتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا کہ اس سے یعنی اس کے پھلوں کو کھاتا اور اس پر اکتفا کرتا، اور ایک قرأۃ میں (یَأکُلُ) کے بجائے نَأکُلُ نون کے ساتھ ہے یعنی ہم کھاتے، جس کی وجہ سے ہم پر اس کو ایک قسم کی فوقیت حاصل ہوتی اور یہ ظالم کافر مومنین سے یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک سحر زدہ فریب خوردہ مغلوب العقل شخص کے پیچھے چل رہے ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو تو سہی یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں سحر زدہ ہونے کی، خرچہ کا محتاج ہونے کی اور فرشتہ کا محتاج ہونے کی تا کہ اس کے ساتھ ذمہ داری میں شریک ہو، اسی (ضرب الامثال کی وجہ سے) راہ ہدایت سے گمراہ ہو گئے کسی طرح راہ حق پر نہیں آسکتے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

سورۂ فرقان مکی ہے مگر تین آیتیں (یہ سورۃ) ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی تمام سورتوں کے نام اور ان کی ترتیب اور آیات کی ترتیب توقیفی ہے البتہ آیات کی تعداد توقیفی نہیں ہے، یہ سورہ توحید اور احوال معاد کے مضامین پر مشتمل ہے (جمل) **قوله** الی رحیمًا یہ کل تین آیتیں ہیں **قوله تعالیٰ** یہ تَبَارَكَ کی تفسیر ہے یعنی اللہ اپنی ذات وصفات اور افعال میں اپنے ماسوا سے برتر ہے تَبَارَكَ (تفاعل) کی ماضی ہے اس کا مضارع اسم فاعل اور مصدر مستعمل نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کے لئے مستعمل ہے، برکت کے معنی نمو اور زیادتی کے ہیں خواہ حسًا ہو یا معنًا (جمل) **قوله** لِأنَّهٗ فَرَّقَ بین الحق والباطل یہ قرآن کو فرقان کہنے کی علت ہے قرآن نے چونکہ حق وباطل کے درمیان فرق کر دیا ہے اس لئے اس کا نام فرقان رکھا گیا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ فرقان اس لئے کہا جاتا ہے کہ قرآن متفرق طور پر ۲۳ سال کی مدت میں نازل ہوا ہے اسی وجہ سے قرآن کے بارے میں نَزَّلَ کہا گیا ہے جو کہ تکثیر تفریق پر دلالت کرتا ہے (جمل) **قوله** لِيَكُونَ یہ نزول کی علت ہے اس کے اندر جو ضمیر ہے وہ عبدٗ کی طرف راجع ہے اس لئے کہ وہ قریب ہے، فرقان کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اور منزل یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے **قوله** للعلمین، نَذِيرًا کے متعلق ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے **قوله** مِن شانه اَنْ يُخلَقَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ذات باری تعالیٰ کو مخلوق ہونے سے خارج کرنا ہے اس لئے کہ ذات باری تعالیٰ شئ ہے اس لئے کہ اگر شئ نہ مانا جائے تو لاشئ ماننا ہوگا ورنہ تو ارتفاع نقیضین لازم آئے گا لہٰذا شئ ماننا ضروری ہے جب ذات باری تعالیٰ کا شئ ہونا ثابت ہو گیا تو خَلَقَ کل شيءٍ میں داخل ہو گیا اور جب خَلَقَ کل شيءٍ میں داخل ہو گیا تو ذات باری کا مخلوق ہونا ثابت ہو گیا اور یہ محال ہے، اسی اعتراض کو دفع کرنے کے لئے مفسر علام نے مِن شانه اَنْ يُخلَقَ کا اضافہ فرمایا ہے۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تخلیق کہتے ہیں عدم سے وجود میں لانے کو اور عدم سے وجود میں وہ شئ آ سکتی ہے جو معدوم ہو اور اللہ تعالیٰ کی شان معدوم ہونا نہیں ہے، اس لئے کہ ذات باری پر کبھی بھی عدم طاری نہیں ہوا، لہٰذا ذات باری مخلوق ہونے سے خارج ہو گئی **قوله** سَوَّاه تَسْوِيَةً اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک اعتراض کا دفعیہ ہے، اعتراض یہ ہے کہ وَخَلَقَ كُلَّ شيءٍ فقدَّرَهٗ تقديرًا میں قلب ہے اس لئے کہ اصل میں وَقَدَّرَهٗ تقديرًا فَخَلَقَ كُلَّ شيءٍ ہونا چاہئے، اس لئے کہ تقدیر ازلی ہے اور تخلیق حادث ہے، اس لئے کہ تقدیر کے معنی مقدر کرنا اندازہ کرنا، پلاننگ کرنا اور خلق کے معنی بنانا، ظاہر ہے کہ تقدیر اور پلاننگ پہلے ہوتی ہے اور اس کے مطابق بعد میں تخلیق ہوتی ہے جیسے کہ مکان کا نقشہ پہلے بنتا ہے مکان بعد میں بنتا ہے، نہ یہ کہ مکان پہلے بنتا ہے اور نقشہ بعد میں، تو معلوم ہوا آیت میں رعایت فواصل کے

لئے قلب ہوا ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت میں قلب نہیں ہے بلکہ قَدَّرَہٗ تقدیرًا سَوَّاہُ تَسْوِیَۃً کے معنی میں ہے اور تَسْوِیَۃ کہتے ہیں کسی شئ کے بنانے کے بعد درست کرنا کمی اور کجی کو دور کرنا، مضبوط کرنا، یعنی نوک پلک درست کرنا، اور یہ تخلیق کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ بِھِمَا اس سے اشارہ ہے کہ ظلماً وزورًا بنزع الخافض منصوب ہے، تقدیر عبارت اس طرح تھی جَاءُوا بظلمٍ وزُوْرٍ حرف جار کو حذف کردیا جس کی وجہ سے منصوب ہوگیا، شارحؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک جاءَ واَتٰی متعدی بنفسہٖ بھی ہیں، اس صورت میں ظلماً وزورًا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے **قولہ** ھُوَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اساطیر الاولین ھو مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ شارح نے اختیار کیا ہے اور اِکْتَتَبَھَا محل میں حال کے ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ مبتدا ہو اور اِکْتَتَبَھَا اس کی خبر، **قولہ** مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ لِھٰذَا کے لام کو الگ لکھا گیا ہے جو کہ عام عربی رسم الخط کے خلاف ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا رسم الخط مصحف عثمانی کے مطابق ہے لہٰذا اس میں تغیر نہیں کیا جاتا **قولہ** فَیَکُوْنَ یہ چونکہ لَوْلَا بمعنی ھَلَّا (جس کا حکم استفہام کا ہے) کا جواب ہے اس لئے منصوب ہے وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو ان کی صفت ظلم کو اجاگر کرنے کے لئے لایا گیا ہے ورنہ تو وَقَالُوْا کہنا بھی کافی ہوتا۔

تفسیر وتشریح

فرقان کے معنی ہیں فیصلہ کن، فرقان قرآن کریم ہی کا لقب ہے، قرآن کریم حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی آخری کتاب ہے، اور تمام جہاں کی ہدایت واصلاح کی کفیل ہے اور ان کو خیر کثیر اور غیر منقطع برکت عطا کرنے کا سامان بہم پہنچانے والی ہے **قولہ** علٰی عبدہٖ یہاں آپ کا نام لینے کے بجائے عبدہٖ فرمایا چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صفت عبدیت میں کامل واکمل تھے اس لئے گویا کہ عبداللہ آپ کا لقب ہی ہوگیا، قرآن کریم سارے جہاں کو کفر وعصیان کے انجام بد سے آگاہ کرنے والا ہے، چونکہ اس صورت میں مکذبین ومعاندین کا ذکر بکثرت ہوا ہے شاید اسی لئے یہاں صفت نذیر کو بیان فرمایا، بشیر کا ذکر نہیں کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو عالمین کے لئے فرمایا ہے، یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انبیاء سابقین کے برخلاف سارے جہان کے لئے ہے انبیاء سابقین کی بعثت علاقائی یا قومی تھی مگر آپ

کی بعثت علاقائی یا قومی نہیں ہے بلکہ عالمگیر ہے، اور آپ تمام جنوں اور انسانوں کے لئے ہادی اور رہنما بنا کر بھیجے گئے ہیں، قرآن کریم میں سورۂ اعراف میں فرمایا گیا **قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا** اور حدیث میں بھی فرمایا **بُعِثْتُ الی الاحمر والاسود** (صحیح مسلم کتاب المساجد) مجھے احمر واسود سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

آپ کی بعثت ملائکہ کی طرف

اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ آپ کی بعثت جن وانس کے لئے ہے اختلاف اس بات میں ہے کہ آپ کی بعثت ملائکہ کی طرف ہے یا نہیں، اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ آپ کی بعثت ملائکہ کی طرف نہیں ہے علامہ جلال الدین محلی کی بھی یہی رائے ہے جیسا کہ تفسیر سے ظاہر ہے، حلبی اور بیہقی نے بھی یہی فرمایا ہے، امام رازی نے اسی آیت کی تفسیر میں اسی رائے پر اجماع نقل کیا ہے، البتہ امام سبکی نے کہا ہے کہ عالم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں جس میں جن وانس وملائکہ سب داخل ہیں لہٰذا عالمین کا لفظ ملائکہ کو بھی شامل ہوگا، ملائکہ کو خارج کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے **قولہ وَلَمْ یتخذہٗ ولدًا** سے یہود ونصاریٰ پر رد ہے اور **وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ** سے مشرک اور بت پرستوں پر رد ہے **فَقَدَّرَہٗ تقدیرًا** ہر شئ کو ایک خاص اندازہ میں رکھا کہ اس سے وہی خواص وافعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لئے پیدا کی گئی ہے، اپنے دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتی اور نہ اپنی حدود میں عمل وتصرف کرنے سے قاصر رہتی ہے **وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ آلِھَۃً** کس قدر ظلم اور تعجب وحیرت کا مقام ہے کہ ایسے قادر مطلق مالک الکل، حکیم علی الاطلاق کی زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے گئے، حالانکہ ان بیچاروں کا خود اپنا وجود بھی اپنے گھر کا نہیں وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا بھی اختیار نہیں رکھتے، اور نہ مارنا جلانا ان کے قبضہ میں ہے اور نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی کو ادنیٰ نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں، ایسی عاجز اور مجبور ہستیوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا کس قدر سفاہت اور بے حیائی ہے۔

ربط: یہ تو قرآن نازل کرنے والے کی صفات کا ذکر تھا اور اس کے متعلق مشرکین جو بے تمیزیاں کر رہے تھے ان کی تردید تھی، آگے خود قرآن اور حامل قرآن کی نسبت سفیہانہ نکتہ چینیوں کا جواب ہے، **وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ ھٰذَا اِلَّا اِفْکُ اِفْتَرَاہُ** الآیۃ مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ یہ خدا کا نازل کردہ کلام ہے اور میں اس کا نبی ہوں سب کہنے کی باتیں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ محمد نے چند یہودیوں کی مدد سے ایک کلام تیار کر لیا ہے اور اس کو خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے اور کچھ لوگ اس کے ساتھ لگ گئے ہیں جنہوں نے اس کی تشہیر شروع کر دی ہے اس قول کا قائل نضر بن حارث تھا، مشرکین کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر اور ظلم وجھوٹ کیا ہوگا کہ ایسے کلام معجز کو کہ جس کی عظمت وصداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کذب وافتراء کہا جائے، کیا چند یہودی غلاموں کی مدد سے ایسا کلام بنایا جا سکتا ہے جس کے مقابلہ سے تمام دنیا کے فصیح وبلیغ، عالم وحکیم بلکہ جن وانس ہمیشہ کے لئے عاجز ہو جائیں۔

مشرکین کا یہ بھی کہنا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے کچھ خرافاتی قصہ سن کر نوٹ کرالئے ہیں وہی باتیں ان کے سامنے شب و روز پڑھی اور رٹی جاتی ہیں، نئے نئے اسلوب سے ان ہی کی الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے **قل انزله الذی یعلم السر** الآیۃ یعنی آپ فرما دیجئے کہ یہ کتاب کسی ایک انسان یا کمیٹی کی بنائی ہوئی نہیں ہے، بلکہ اس خدا کی اتاری ہوئی کتاب ہے جس کے احاطہ علمی سے زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی۔

(فوائد عثمانی)

سابقہ آیات میں مشرکین کا وہ کلام ذکر کیا گیا ہے جو وہ قرآن کے بارے میں کہا کرتے تھے اور اب **وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ** سے ان خرافات کا بیان ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا کرتے تھے مشرکین کا یہ طعن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر ہے کیونکہ ان کے خیال میں بشریت عظمتِ رسالت کی متحمل نہیں تھی اس لئے انہوں نے کہا یہ کیسا رسول ہے، یہ تو کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے اور ہمارے ہی جیسا بشر ہے یعنی ہم پر بھی اس کو کوئی فضیلت و فوقیت حاصل نہیں ہے مطلب یہ کہ نہ ملک ہے اور نہ ملک، تو یہ رسول کیسے ہو سکتا ہے؟

لَوْ لَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ یعنی فرشتوں کی فوج نہ ہی کم از کم ایک فرشتہ ان کی نبوت کی شہادت دینے کے لئے ساتھ رہتا جسے دیکھ کر خواہ مخواہ لوگوں کو جھکنا پڑتا، یہ کیا کہ کس مپرسی کی حالت میں اکیلے ہی دعوائے نبوت کرتے پھر رہے ہیں، یا اگر فرشتہ بھی ہمراہ نہ ہو تو کم از کم آسمان سے سونے چاندی کا کوئی غیبی خزانہ مل جاتا کہ لوگوں پر بے دریغ خرچ کر کے ہی اپنی طرف کھینچ لیا کرتے، اور خیر یہ بھی نہ ہی معمولی رئیسوں اور زمینداروں کی طرح انگوروں اور کھجوروں وغیرہ کا ایک باغ تو ان کی ملک میں ہوتا، دوسروں کو نہ دیتے مگر کم از کم خود تو بے فکری سے کھایا پیا کرتے جب اتنا بھی نہیں تو کس طرح یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت کے عہدہ جلیلہ کے لئے معاذ اللہ ایسی معمولی شخصیت کو منتخب کیا ہے؟

قَالَ الظّٰلِمُوْنَ مطلب یہ ہے کہ میاں کی یہ پوزیشن اور حیثیت؟ اور اتنے اونچے دعوے؟ بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ عقل کھوئی گئی ہے، یا کسی نے جادو کے زور سے عقل مختل کر دی ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔

(العیاذ باللہ) (فوائد عثمانی)

اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ یعنی کبھی کہتے ہیں کہ یہ خدا پر افتراء ہے، کبھی کہتے ہیں کہ دوسروں سے پڑھ سیکھ کر لوگوں کو سناتے ہیں، اور کبھی آپ کو سحر زدہ کہتے ہیں، اور کبھی ساحر اور کبھی کاہن تو کبھی شاعر تو کبھی مجنون، یہ اضطراب خود بتلا رہا ہے کہ ان میں سے کوئی بات آپ پر منطبق نہیں اور یہ محض الزام ہی الزام ہے، لہٰذا جو لوگ نبی کی شان میں گستاخیاں کر کے گمراہ ہو گئے ہیں ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع نہیں۔

تَبٰرَكَ تَكَاثَرَ خَیْرُ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ الَّذِی قَالُوْا مِنَ الْكَنْزِ وَالْبُسْتَانِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ای فی الدُّنْیَا لِاَنَّهٗ شَاءَ اَنْ یُعْطِیَهٗ اِیَّاهَا فِی الْاٰخِرَةِ وَیَجْعَلْ بِالْجَزْمِ لَكَ

قُصُوْرًا۝ اَيضا وفى قِراءَةٍ بالرّفع اِسْتِينافا بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ القيامة وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا۝ نارًا مُسْعرةً اى مُشْتَدَّةً اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا غَلَيَانًا كالغضبان اِذا غلا صَدْرُه من الغضب وَّزَفِيْرًا۝ صوتا شديدًا او سَماعُ التَّغَيُّظِ رُؤْيَتُهُ وعِلْمُه وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا بالتشديد والتخفيف بِاَنْ يُضِيْقَ عليهم ومنها حالٌ من مكانا لِاَنَّه فى الاَصل صِفَةٌ له مُقَرَّنِيْنَ مُصَفَّدِين قد قُرِنت اَيدِيهم الى اَعْنَاقِهِم فى الاَغلال والتشديدُ لِلتَّكْثِيْرِ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا۝ هلاكًا فيقال لهم لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا۝ لِعذابكم قُلْ اَذٰلِكَ المذكورُ من الوعيد وصِفَةِ النّارِ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ لَهُمْ فى عِلمِهٖ تعالى جَزَآءً ثوابا وَّمَصِيْرًا۝ مَرجعًا لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ حال لازمةٌ كَانَ وَعْدُهُم ما ذكر عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا۝ فيسألُه من وُعِد به رَبَّنَا وآتنا ما وعدتنا على رُسُلك او يسألُه لهم الملائكةُ رَبَّنَا وَاَدْخِلهم جنّاتِ عدنٍ التى وَعَدْتَّهم وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ بالنون والتحتانية وَمَايَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيرِه من الملائكةِ وعيسٰى وعُزيرٍ والجنِ فَنَقُوْلُ تعالى بالتحتانية والنُّون للمعبودين اِثباتًا للحُجّةِ على العابدين ءَاَنْتُمْ بتحقيق الهمزتين وابدالِ الثانية اَلِفًا وتَسْهِيلِها وادخالِ اَلِفٍ بين المُسَهَّلَةِ والاُخرىٰ وتركِه اَضْلَلْتُمْ عِبَادِىْ هٰٓؤُلَآءِ اَوقعتموهم فى الضّلال بِاَمْرِكم اِيّاهم بِعِبادتكم اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ طَرِيْقَ الحقِّ بانفسهم قَالُوْا سُبْحٰنَكَ تنزيهًا لك عمّا لا يَلِيْقُ بك مَا كَانَ يَنْبَغِىْ يَسْتَقِيْمُ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ اى غيرِك مِنْ اَوْلِيَآءَ مفعولٌ اوّلٌ ومِنْ زائدةٌ لتاكيدِ النفيِ وما قبلَه الثانى فكيفَ نَاْمُرُ بِعِبادَتِنا وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ مِنْ قبلِهم باطالةِ العُمر وسعةِ الرِّزق حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ تركوا الموعظةَ والايمانَ بالقرآن وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا۝ هلكى قال تعالى فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ اى كذّبَ المعبودُوْنَ بِمَا تَقُوْلُوْنَ بالفوقانية اِنَّهُمْ اٰلِهةٌ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ بالفوقانية والتحتانية اى لاهُمْ ولاانتم صَرْفًا دَفْعًا للعذاب عنكم وَّلَانَصْرًا منعًا لكم منه وَمَنْ يَّظْلِمْ يُشْرِكْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا۝ شديدًا فى الآخرة وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ فانت مِثلُهم فى ذلك وقد قِيلَ لهم كما قِيلَ لك وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً بَلِيَّةً اُبْتُلِىَ الغنىُّ بالفقيرِ والصحيحُ بالمريضِ والشريفُ بالوضيعِ يقولُ الثانى فى كل مَالِى لا اكونُ كالاوّلِ فى كُلٍ اَتَصْبِرُوْنَ على ما تسمعون مِمَّن اُبْتُلِيتُم بهم استفهامٌ بمعنى الامر اى اِصبروا وَكَانَ رَبُّكَ

بَصِيْرًا ع بِمَنْ يَّصْبِرُ و بمن يَجْزَعُ .

ترجمہ

اللہ کی ذات تو بڑی عالی شان ہے یعنی خیر کثیر والی ہے اگر وہ چاہے تو ان کے بیان کردہ باغ اور خزانہ سے بہتر باغات عطا کر دے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں یعنی دنیا میں (عطا کر دے) اس لئے کہ آخرت میں ایسے باغات آپ کو عطا کرنا تو اس کی مشیت میں ہے ہی، اور آپ کو بہت سے محل (بھی) دیدے یَجْعَلْ لام کے جزم کے ساتھ اور ایک قرأۃ میں (یَجْعَلُ) رفع کے ساتھ ہے، جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے بلکہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اور قیامت کو جھوٹ سمجھنے والوں کے لئے ہم نے دہکتی ہوئی شدید آگ تیار کر رکھی ہے جب ان کو وہ آگ دور سے دیکھے گی تو وہ لوگ اس کا جوش خروش سنیں گے یعنی غضبناک کے مانند اس کا جوش جبکہ غضبناک کا سینہ غضب کی وجہ سے جوش مارے زَفِیْرًا شدید آواز کو کہتے ہیں یا غیض کو سننے سے مطلب اس کا دیکھنا اور جاننا ہے اور جب وہ اس (جہنم) کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈالدیئے جائیں گے ضَیِّقاً یا کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے اس طریقہ سے کہ وہ مکان ان پر تنگ ہوجائے گا اور مِنْھَا مکاناً سے حال ہے اس لئے کہ منھا اصل میں مکاناً کی صفت ہے مُقَرَّنِیْنَ بمعنی مُصَفَّدِیْنَ ایسے بندھے ہوئے کہ ان کے ہاتھوں کو ان کی گردن کے ساتھ طوق میں باندھ دیا گیا اور تشدید معنی کی کثرت کو بیان کرنے کے لئے ہے، تو وہاں موت کو پکاریں گے تو ان سے کہا جائے گا ایک موت کو نہ پکارو عذاب کی وجہ بہت سی موتوں کو پکارو آپ کہئے یہ وعید اور صفت نار کی حالت جس کا ذکر ہوا اچھی ہے؟ یا ہمیشہ کی وہ جنت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ یہ (جنت الخلد) ان کے لئے اللہ کے علم میں جزاء ثواب (صلہ) ہے اور ان کا ٹھکانا ہے، اور ان کو وہاں وہ سب چیزیں ملیں گی جو وہ چاہیں گے وہ ہمیشہ رہیں گے (خٰلِدِیْنَ) حال لازمہ ہے، ان سے کیا ہوا مذکورہ وعدہ تیرے رب کے ذمہ ہے لہٰذا جس سے وعدہ کیا گیا ہے وہ اس سے مطالبہ کرسکتا ہے (یعنی سائل اپنے سوال میں کہہ سکتا ہے) رَبَّنَا وَ آتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ اے ہمارے پروردگار تو ہم کو وہ چیز عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسول کی زبانی وعدہ فرمایا، یا اس وعدہ کے ایفاء کا، ان کے لئے فرشتے اس طرح سوال کریں گے ربنا واَدْخِلْھُمْ جَنّٰتِ عَدْنٍ الّتی وعدتھم اے ہمارے پروردگار تو ان کو قیام کے قابل اس جنت میں داخل فرما، جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جس روز اللہ تعالیٰ ان کو نحشرھم نون کے ساتھ اور یاء کے ساتھ ہے اور جن کو وہ خدا کے سوا پوجتے تھے جمع کرے گا غیر اللہ سے مراد ملائکہ اور عیسیٰ اور عزیر اور جن ہیں پھر معبودین سے عابدین پر حجت تام کرنے کے لئے پوچھے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا؟ ان کو اپنی عبادت کا حکم دے کر تم نے ان کو گمراہی میں ڈالا تھا؟ یا وہ خود ہی راہ حق سے بھٹک گئے تھے؟ فَیَقُوْلُ یا اور نون کے ساتھ ہے ءَاَنْتُمْ دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کو الف سے بدل کر اور ثانی کی تسہیل اور مسہلہ اور دوسرے کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال الف کر کے تو وہ عرض کریں گے معاذ

اللہ تیرے لئے ہر اس چیز سے پاکی ہے جو تیری شان کے لائق نہیں ہے ہمارے لئے یہ ہرگز درست نہیں تھا کہ ہم تیرے علاوہ کسی کو کارساز بنائیں مِنْ اَوْلیاء مفعول اول ہے اور مِن زائدہ نفی کی تاکید کے لئے ہے اور اس کے ماقبل مفعول ثانی ہے تو پھر ہم کیسے اپنی عبادت کا حکم کر سکتے تھے؟ لیکن آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو جوان سے پہلے گذر چکے ہیں درازی عمر اور وسعت رزق کے ذریعہ آسودگی عطا فرمائی یہاں تک کہ یاد کو بھلا بیٹھے یعنی نصیحت اور قرآن پر ایمان کو ترک کر دیا یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے اللہ تعالیٰ فرمائے گا لو انہوں نے تو تم کو تمہاری تمام باتوں میں جھٹلا دیا یعنی تمہارے معبودوں نے تمہاری تکذیب کر دی، تقولون تائے فوقانیہ کے ساتھ (یعنی) تمہارے اس قول میں کہ وہ معبود ہیں اب نہ تو تم میں (اور نہ ان میں) عذاب کو دفع کرنے کی طاقت ہے اور نہ مدد کی یعنی اس عذاب سے اپنی مدد کرنے کی تم میں سے جس جس نے ظلم یعنی شرک کیا ہے ہم ان کو بڑا عذاب یعنی آخرت میں شدید عذاب چکھائیں گے اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے لہٰذا آپ ان ہی جیسے ہیں ان باتوں میں، اور آپ سے وہی سب کچھ کہا جا رہا ہے جو ان سے کہا گیا تھا اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنا دیا غنی کو فقیر کے ذریعہ آزمایا گیا اور تندرست کو مریض کے ذریعہ اور شریف کو رذیل کے ذریعہ، ثانی ہر بات میں کہتا ہے کیا وجہ ہے کہ میں ہر معاملہ میں اول جیسا نہیں ہوں؟ کیا تم ان باتوں پر صبر کرو گے جن کو تم ان لوگوں سے سنتے ہو جن کے ذریعہ تم کو آزمایا گیا ہے استفہام بمعنی امر ہے یعنی صبر کرو، تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے کون صبر کرتا ہے؟ اور کون بے صبری کرتا ہے؟

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ تبٰرَکَ تبارک ایسا وصف ہے جو تمام اوصاف کمال کو جامع اور تمام صفات نقص کی نفی کو مستلزم ہے اسی وجہ سے موقع کی مناسبت سے اس کی تفسیر مختلف کی گئی ہے، ابتداء سورت میں چونکہ مقام تنزیہ تھا لہٰذا وہاں تعالیٰ سے تفسیر کی گئی اور یہاں چونکہ مقام عطا ہے کثرت خیر سے تفسیر کی گئی اور آخر سورت میں چونکہ مقام عظمت و کبریاء ہے لہٰذا تعَاظَمَ سے تفسیر کی گئی ہے۔

قولہ تبَارَکَ فعل ماضی اَلَّذِیْ حذفِ مضاف کے ساتھ تبارك کا فاعل، ای تَبَارَكَ خَیْرُ الَّذِیْ **قولہ** جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خیرًا سے بدل ہے، اور خیر اور بہتر ہونے کی وجہ ظاہر ہے اس لئے مشرکین نے جس باغ کے بارے میں کہا تھا وہ مطلق تھا اس میں تعدد اور جریان انہار کی کسی کی قید نہیں تھی، اور بعض حضرات کے نزدیک خَیْرًا سے عطف بیان بھی ہو سکتا ہے، اور بعض حضرات نے اعنی مقدر کی وجہ سے جَنّٰتٍ کو منصوب قرار دیا ہے اور تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ، جَنّٰتٍ کی صفت قرار دیا ہے **قولہ** لِاَنَّہٗ الخ مفسر علام لِاَنَّہٗ سے فی الدنیا کی قید کے

ساتھ مقید کرنے کی علت بیان کررہے ہیں، علت کا خلاصہ یہ ہے اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَکَ خَیْرًا میں خیریت کو مشیت پر معلق کرنا دنیا کے اعتبار ہی سے صحیح ہے، ورنہ تو آخرت میں تو محقق ہے ہی **قوله** یَجْعَلْ جزم کے ساتھ جَعَلَ کے محل پر عطف کرتے ہوئے جو کہ شرط کی جزاء واقع ہے لہٰذا مجزوم پر جس کا عطف ہوگا وہ بھی مجزوم ہوگا **وفی قرأة بالرفع** جواب شرط پر عطف کرتے ہوئے جواب شرط کو استیناف کی وجہ سے مرفوع مانتے ہوئے شرط جب ماضی ہو تو جزاء میں رفع اور جزم دونوں جائز ہوتے ہیں، لہٰذا جزاء پر جو معطوف ہوگا اس میں بھی دونوں اعراب جائز ہوں گے اس لئے کہ شرط جب ماضی ہوتی ہے تو صرف شرط کی تاثیر جزاء میں کمزور ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے جزاء میں جزم اور رفع دونوں جائز ہوجاتے ہیں، ابن مالک نے کہا ہے **وبعد ماض رفعُكَ الجزاء اَحْسَنُ** جزم اور رفع کی دونوں قراءتیں سبعیہ ہیں **قوله** غلیانا تَغَیُّظًا کی تفسیر غلیاناً سے کرنے کا مقصد ایک اعتراض کا جواب دینا ہے، اعتراض یہ ہے غیظ تو سننے کی چیز نہیں ہے وہ تو دیکھنے کی چیز ہے، جواب دیا یہاں غیظ سے مراد غلیان (جوش مارنا) جو سنا جاسکتا ہے لہٰذا اعتراض ختم ہوگیا **قوله** وسماع التغیظ رویته علمهٗ مذکورہ اعتراض کا یہ دوسرا جواب ہے، اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سماع تغیظ سے مراد رویت اور علم ہے جو تغیظ میں ممکن ہے، بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے سَمِعُوْا وَرَأوا تغیظًا وزفیرًا لہٰذا رَأوا کا تعلق تغیظ سے اور سمعوا کا تعلق زفیرًا سے ہوگا، بعض حضرات نے سماع مطلقاً ادراک کے معنی میں لیا ہے اس صورت میں سَمِعُوْا کا تعلق تغیظ اور زفیر دونوں سے صحیح ہوگا (جمل) **قوله** القوا منها مکانًا مِنْهَا مَکَانًا کی صفت ہے اور نکرہ کی صفت کو جب مقدم کردیا جاتا ہے تو وہ حال ہوجاتی ہے **قوله** مُقَرَّنِیْنَ اُلْقُوْا کی ضمیر سے حال ہے مُصَفَّدِیْنَ اور مُصْفَدِیْنَ (ض) دونوں درست ہیں اس کے معنی باندھنے جکڑنے، مشکیں کسنے کے ہیں، صَفَا بیڑی کو کہتے ہیں **قوله** دَعَوْا هُنَالِكَ اِذَا اُلْقُوْا کی جزاء ہے هنالك سے مراد مقام ضیق ہے **قوله** ثبورًا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے ای ثبرنا ثبورًا بعض حضرات نے کہا ہے دَعَوْا کا مفعول لہ ہے **قوله** لِعَذَابِکُمْ ای لاجل دوام عذابکم و کثرته ینبغی ان یکون دعائکم علی حسبه یعنی جس طرح تمہارا عذاب دائمی اور متعدد قسم کا ہے اسی حساب سے تم اپنی ہلاکت کو پکارتے رہو، اور بعض نسخوں میں کعذابکم ہے، یہ کثرت میں تشبیہ ہے، اور دعاء ثبور سے مراد موت کی تمنا کرنا ہے **قوله** هَا صلہ چونکہ جملہ ہے اس لئے مفسر علام نے هَا ضمیر کو مقدر مان کر رابط کی طرف اشارہ کردیا **قوله** اَذٰلِكَ خیرٌ اَمْ جنۃُ الخلد وعید اور نار زیادہ بہتر ہے یا جنۃ الخلد، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نار میں بھی خیر ہے حالانکہ اس میں کوئی خیر نہیں ہے، جواب قرآن کریم میں خیرٌ اسم تفضیل اکثر اسم فاعل کے معنی میں مستعمل ہے لہٰذا کوئی شبہ نہیں، دوسرا جواب یہ ایسا ہی ہے کہ سید اپنے غلام کو کچھ رقم دے، جس کی وجہ سے غلام شرارت اور سرکشی شروع کردے، جس کے نتیجے میں سید غلام کو مارتے ہوئے کہے هٰذا خیرٌ اَمْ ذَاكَ.

سوال جنۃ دار الخلد ہی کو کہتے ہیں تو پھر خلد کی قید کا کیا فائدہ ہے؟

جواب اضافت کبھی تو تبیین کے لئے ہوتی ہے، اور کبھی صفات کمال کے بیان کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول الخالق الباری یہ اسی قبیل سے ہے **قولہ فی علمہٖ تعالیٰ** اس عبارت سے اس شبہ کا جواب مقصود ہے کہ جزاء اور مصیر آئندہ حشر و نشر کے بعد ہوں گے تو پھر ان کو ماضی کے صیغہ سے کیوں تعبیر کیا ہے؟ اس کا ایک جواب مفسرؒ نے فی علمہٖ تعالیٰ سے دیا ہے کہ اللہ کے علم میں چونکہ مقدر ہو چکا ہے اس لئے ماضی کے صیغہ سے تعبیر کر دیا، دوسرا جواب کہ جس کا ہونا یقینی ہوتا ہے اس کو ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں، **قولہ** حالٌ لازمۃٌ خٰلِدِیْنَ لَھُمْ کی ضمیر سے یا یشاءون کے واؤ سے حال ہے، حال لازمہ کا مطلب ہے کہ جو معنی ماسبق سے مفہوم ہو رہے ہیں اسی کی تاکید ہے، **قولہ وَعْدُھم** کے اضافہ کا مقصد کانَ کے اسم کو ظاہر کرنا ہے یعنی وُعِدَ المتقون سے جو وَعْدٌ مفہوم ہوتا ہے وہی کانَ کا اسم ہے، بعض حضرات نے ما یشاءون میں جو ما ہے اس کو کانَ کا اسم قرار دیا ہے **قولہ وَیَوْمَ یحشرھم** یہ اذکر فعل محذوف کا ظرف ہے اور قُلْ پر عطف ہے، نَحْشُرُھُمْ کی مفعولی ضمیر سے غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مراد ہیں اور **و مایعبدون** کا عطف **ھم** ضمیر پر ہے **قولہ اِثْبَاتًا للحُجۃِ علی العابدین** یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے ماضی مستقبل اس کے لئے سب حال ہے تو پھر معبودین سے ءَاَضْلَلْتُمْ؟ کے ذریعہ سوال کرنے کا کیا مقصد ہے؟ جواب: یہ سوال برائے استفہام نہیں ہے بلکہ لاجواب اور ساکت کرنے کے لئے ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا جائے گا، **اَاَنْتَ قلتَ للناس اتخذونی وامی الٰھَیْنِ مِنْ دُونِ اللّٰہِ** اسی طرح **وَاِذَا الموءودۃُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ** میں بھی سوال تبکیت ولا جواب کرنے کے لئے ہے **قولہ بُوْرًا** جمع بائر بمعنی الھلکی ھَلِیْکٌ کی جمع ہے **قولہ اِنَّھُمْ اٰلِھَۃٌ** یہ تقولون کا مقولہ ہے اور مَا سے بدل بھی ہو سکتا ہے **فَمَا یَسْتَطِیْعُوْنَ** میں چونکہ حاضر اور غائب دونوں قرأتیں ہیں اس لئے مفسر علام نے **لَاھُمْ وَلَا اَنْتُمْ** فرمایا تا کہ دونوں قرأتوں کی رعایت ہو جائے **قولہ اِلَّا اِنَّھُمْ** بقول ابن الانباری کے یہ جملہ حال ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے تقدیر عبارت یہ ہے **اِلَّا وَاِنَّھم** اس کے نزدیک محذوف ہے، جمہور نے **اِلَّا اِنَّھُمْ** ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، اَنَّ کی خبر پر لام داخل ہونے کی وجہ سے اگر اَنَّ کی خبر پر لام داخل ہو جائے تو جمہور کے نزدیک اِنَّ بکسر الہمزۃ متعین ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اَنَّ بھی جائز کہا ہے، مگر یہ درست نہیں ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

تفسیر وتشریح

تَبٰرَكَ الَّذِیْ اِنْشَاءَ جَعَلَ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ اللہ کے خزانہ میں کیا کمی ہے وہ چاہے تو ایک باغ کیا بہت

سے باغ اس سے بہتر عنایت فرما دے جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں، بلکہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغات اور نہریں اور حور وقصور ملنے والے ہیں وہ سب آپ کو ابھی دنیا میں عطا کردے لیکن حکمت الٰہی ابھی اس کی مقتضی نہیں، اور بے شمار حکمتوں کا تقاضہ یہ ہے کہ انبیاء کی جماعت کو مادی اور دنیوی مال و دولت سے الگ ہی رکھا جائے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے اسی کو پسند فرمایا جیسا کہ ترمذی میں حضرت ابوامامہ باہلی کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کے لئے پورے بطحا اور اس کے پہاڑوں کو سونا بنا دیتا ہوں تو میں نے عرض کیا نہیں اے میرے پروردگار مجھے تو یہ پسند ہے کہ مجھے ایک روز پیٹ بھر کھانا ملے اور ایک روز بھوکا رہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر واحتیاج اختیاری تھا، اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر معاندین کے تمام مطالبات اور فرمائشیں بھی پوری کردی جائیں تب بھی یہ حق وصداقت کو قبول کرنے والے نہیں ہیں، باقی پیغمبر علیہ السلام کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے جو دلائل ومعجزات پیش کئے گئے جا چکے ہیں، وہ کافی سے زیادہ ہیں، بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جن چیزوں کا مطالبہ کررہے ہیں فی الحقیقت طلب حق کی نیت سے نہیں محض شرارت اور تنگ کرنے کے لئے ہے، اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ انہیں ابھی تک قیامت اور سزا و جزا پر یقین نہیں آیا، سو یاد رکھنا چاہئے ان کے جھٹلانے سے کچھ نہیں ہوتا، قیامت آکر رہے گی اور ان مکذبین کے لئے آگ کا جو جیل خانہ تیار کیا گیا ہے اس میں ضرور رہنا پڑے گا، اِذَا رَاَتْھُمْ مِنْ مَکَانٍ بَعِیْدٍ یعنی دوزخ کی آگ محشر میں جہنمیوں کو دور سے دیکھ کر جوش میں بھر جائے گی اور اس کی غضبناک آوازوں اور خوفناک پھنکاروں سے بڑے بڑے دلیروں کے پتے پانی ہوجائیں گے اور کافروں کو اپنے دامن میں لینے کیلئے چلائے گی اور جھنجھلائے گی، جہنم کا دیکھنا اور چلانا حقیقت ہے مجاز یا استعارہ نہیں ہے، اللہ کیلئے اس کے اندر احساس وادراک کی قوت پیدا کردینا مشکل نہیں اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے معتزلہ چونکہ رویت وتکلم چیخ وپکار حیات کا خاصہ قرار دیتے ہیں اس لئے مذکورہ صفات کے حقیقی معنی کا انکار کرتے ہیں اور مجاز واستعارہ پر محمول کرتے ہیں۔

وَكَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا یعنی ایسا وعدہ جو یقیناً پورا ہوکر رہے گا، اسی طرح اللہ نے اپنے ذمہ وعدہ واجب کرلیا ہے جس کا اہل ایمان اس سے مطالبہ کرسکتے ہیں، یہ محض اس کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اہل ایمان کے لئے اس حسن جزاء کو اپنے لئے ضرور قرار دے لیا ہے، دنیا میں اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے، اور کی جاتی رہے گی، ان میں جمادات (پتھر، لوہا، لکڑی، سونا، چاندی اور دیگر دھاتوں سے بنی ہوئی مورتیاں) بھی ہیں، جو غیر عاقل ہیں اور اللہ کے نیک بندے بھی ہیں جو عاقل ہیں مثلاً حضرت عزیر حضرت مسیح علیہما السلام اور دیگر بہت سے نیک بندوں اسی طرح فرشتوں اور جنات کے پجاری بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ غیر عاقل جمادات کو بھی شعور وادراک اور گویائی کی قوت عطا فرمائے گا اور ان سب معبودوں سے معلوم کرے گا، بتلاؤ تم نے میرے بندوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا تھا یا یہ اپنی مرضی سے تمہاری بندگی کرکے گمراہ ہوئے تھے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ جب ہم خود تیرے سوا کسی کو کارساز نہیں سمجھتے تھے تو پھر

ہم اپنی بابت کس طرح لوگوں سے کہہ سکتے تھے کہ تم اللہ کے بجائے ہمیں اپنا ولی اور کارساز سمجھو۔

وَجعلنا بعضکم لبعض فتنة اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کو قدرت تو سب کچھ تھی وہ سارے انسانوں کو یکساں مالدار بنادیتا سب کو تندرست رکھتا، سب کو عزت و جاہ کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز کردیتا، کوئی ادنیٰ اور کوئی اعلیٰ نہ ہوتا مگر نظام عالم میں اس کی وجہ سے بڑے رخنے پیدا ہوتے اس لئے حق تعالیٰ نے کسی کو مالدار بنایا کسی کو غریب، کسی کو قوی کسی کو ضعیف کسی کو تندرست، کسی کو بیمار، کسی کو صاحب عزت اور کسی کو گمنام، اس اختلاف میں ہر طبقہ کا امتحان اور آزمائش ہے غنی کے شکر کا غریب کے صبر کا امتحان ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ جب تمہاری نظر کسی ایسے شخص پر پڑے جو مال و دولت میں تم سے زیادہ ہو یا صحت و قوت اور عزت و جاہ میں تم سے بڑا ہو تو فوراً ایسے لوگوں پر نظر کرو جو ان چیزوں میں تم سے کم حیثیت رکھتے ہوں تا کہ تم حسد کے گناہ سے بھی بچ جاؤ اور اپنی موجودہ حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کی توفیق ہو۔ (مظہری)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لایخافون البعث **لَوْلَآ** هلّا **اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ** فکانوا رُسُلا الینا **اَوْ نَرٰى رَبَّنَا** فیُخبرُنا بانّ محمدا رسول اللّٰهِ قال تعالٰی **لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا** تکبّروا **فِيْٓ** شانِ **اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا** طغَوا **عُتُوًّا كَبِيْرًا** بطلبهم رُؤيَةَ اللّٰهِ فی الدُّنیا وعتوا بالواوِ علٰی اَصلِه بخلافِ عُتی بالإبدال فی مَرْيَم **يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ** فی جملة الخلائق هو یومُ القِيٰمةِ ونَصبُه باذْكُرْ مُقدّرًا **لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ** ای الکافرینَ بخلافِ المؤمنینَ فلَهُم البُشری بالجنّةِ **وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا** علٰی عادَتهم فی الدُّنیا اذا نزلتْ بهم شِدَّةٌ ای عَوذًا مُعاذًا یَستعیذُون من الملائکة قال تعالٰی **وَقَدِمْنَآ** عَمَدْنَا **اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ** من الخیر کصَدقةٍ وصِلةِ رَحِمٍ وقِرٰی ضَیفٍ واغاثةِ ملهوفٍ فی الدُّنیا **فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا** هو ما یُری فی الکُوی الّتی علَیها الشمسُ کالغُبارِ المُفرَّقِ ای مثلَهُ فی عَدَمِ النَّفعِ به اِذ لا ثوابَ فیه لِعَدَمِ شَرطِه ویُجَازونَ علیه فی الدُّنیا **اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ** یومَ القیٰمةِ **خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا** من الکافرینَ فی الدُّنیا **وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا** منهم ای موضعَ قائلةٍ فیها وهی الاستراحَةُ نِصفَ النَّهار فی الحَرِّ واُخِذ مِنْ ذٰلکَ اِنقضاءُ الحِساب فی نِصفِ نَهارٍ کما وَرَدَ فی حدیثٍ **وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ** ای کُلُّ سَماءٍ **بِالْغَمَامِ** ای معه وهو غیمٌ اَبیضُ **وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ** مِن کُلِّ سَماءٍ **تَنْزِيْلًا** هو یومُ القیٰمةِ ونَصبُه باذکُر مُقدرًا وفی قِراءَةٍ بتَشدید شِینِ تشَّقَّقُ بادغام التاء الثانیة فی الاصْلِ فیها وفی اُخرٰی نُنْزِل بنونینِ الثانیةُ ساکنةٌ وضَمّ اللّام ونَصبِ المَلائکةِ **اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ** لایُشرکُه فیه اَحدٌ **وَكَانَ** الیومُ

يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا○ بخلاف المؤمنين وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ المُشرِكُ عقبة بن ابي معيط كان نطق بالشَّهادتين ثم رجع رِضاءً لِأُبَي بن خلف عَلٰى يَدَيْهِ ندمًا وتحسّرًا في يوم القيٰمة يَقُوْلُ يَا للتنبيه لَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ محمدٍ سَبِيْلًا○ طريقًا الى الهُدى يٰوَيْلَتٰى الفُه عوض عَن ياءِ الإضافةِ اى وَيْلَتى ومعناه هَلَكتي لَيْتَنِى لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا اى اُبَيًّا خَلِيْلًا○ لَقَدْ اَضَلَّنِى عَنِ الذِّكْرِ اى القُرانِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ط بِاَنْ رَدَّنى عَنِ الايمان به قال تعالٰى وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلانسان الكافِرِ خَذُوْلًا○ بان يتركه ويَتبرَّءَ منه عند البلاء وَقَالَ الرَّسُوْلُ مُحَمَّدٌ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى قُريشًا اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا○ متروكا قال تعالٰى وَكَذٰلِكَ كما جعلنا لك عدوًّا من مُشركي قَومِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ قبلك عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ط المشركين فاصبر كما صبروا وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا لَّكَ وَّنَصِيْرًا○ ناصِرًا لك على اَعدائك وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا هَلَّا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ج كالتَّورٰةِ والانجيلِ والزَّبورِ قال تعالٰى نزّلناه كَذٰلِكَ ج اى مُتفرِّقًا لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ نُقَوِّىْ قلبك وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا○ اى اَتَيْنا به شيئًا بَعْدَ شيءٍ بِتمهُّلٍ وتُؤَدَةٍ لِيتيسَّر فهمه وحِفظُه وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ فى اِبطالِ اَمرِكَ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ الدَّافِعِ لَه وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ط بيانًا هُمْ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اى يُساقُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ لا اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا هُوَ جهنّمُ وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ع اَخطَأُ طريقًا مِنْ غَيْرِهِمْ وهُوَ كُفْرُهُمْ.

ترجمہ

جولوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے یعنی بعث (بعد الموت) کا خوف نہیں رکھتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے؟ کہ ہماری طرف رسول ہوں یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے پھر ہمیں وہ یہ بات بتاتے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے کہا ان لوگوں نے اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا ہے اور دنیا ہی میں اللہ کی رویت کا مطالبہ کرکے بڑی سرکشی کی ہے اور عَتَوْ واو کے ساتھ اپنی اصل پر ہے بخلاف عُتِی کے ابدال کے ساتھ سورہ مریم میں جس روز یہ منجملہ خلائق کے فرشتوں کو دیکھیں گے اور (یوم) کا نصب اُذکر فعل مقدر کی وجہ سے ہے، اس روز مجرموں یعنی کافروں کے لئے کوئی خوشخبری نہ ہوگی، بخلاف مؤمنین کے، ان کے لئے جنت کی خوشخبری ہوگی اور کہیں گے کہ پناہ ہے پناہ ہے (بچاؤ بچاؤ) اپنی عادت کے مطابق دنیا میں جب ان پر کوئی مصیبت آپڑتی، یعنی پناہ پناہ چلائیں گے اور ملائکہ سے پناہ چاہیں گے، اللہ تعالیٰ کہے گا، اور ہم ان کے ان اچھے کاموں کی طرف جو وہ دنیا میں کر چکے ہیں متوجہ ہوں گے، مثلاً صدقہ اور صلہ رحمی، مہمان نوازی اور مظلوم کی فریاد رسی تو ہم ان (اعمال) کو پراگندہ ذروں کی

طرح کردیں گے هَبَاءً منثورًا ان ذروں کو کہتے ہیں، جو اس سوراخ میں نظر آتے ہیں جس پر دھوپ پڑتی ہے جیسا کہ منتشر غبار یعنی (ان کے اعمال کو) بے فائدہ ہونے میں غبار منتشر کے مانند کردیں گے، اس لئے کہ ان اعمال کا کوئی اجر نہ ہوگا، اجر کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے اور اس کی جزاء دنیا ہی میں دیدیئے جائیں گے، اہل جنت اس دن یعنی قیامت کے دن قیام گاہ میں بھی دنیا میں کافروں سے اچھے رہیں گے اور آرام گاہ میں بھی ان سے اچھے رہیں گے یعنی جنت میں قیلولہ (آرام) کرنے کی جگہ، اور قیلولہ دوپہر کو گرمی میں آرام کرنے کو کہتے ہیں اور اسی (احسن مقیلاً) سے لیا گیا ہے کہ حساب دوپہر تک پورا ہوجائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اور جس روز آسمان یعنی ہر آسمان مع بادل کے پھٹ جائے گا اور وہ سفید بادل ہے، اور ہر آسمان سے فرشتے بکثرت اتارے جائیں گے اور وہ دن قیامت کا دن ہوگا اور یوم اُذْكُرْ محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور ایک قرأت میں تَشَقَّقُ کی شین کی تشدید کے ساتھ، اصل میں (یعنی تا کو شین سے بدلنے اور شین کو شین میں ادغام کرنے سے پہلے) تائے ثانیہ کو شین میں ادغام کرکے، اور دوسری قرأت میں نُنْزِلُ دونون کے ساتھ، دوسرا نون ساکن اور لام کے ضمہ کے ساتھ اور ملائکہ کے نصب کے ساتھ اس روز حقیقی حکومت رحمن کی ہوگی اس دن اس کا کوئی شریک نہ ہوگا اور وہ دن کافروں کے لئے بڑا سخت ہوگا بخلاف مومنین کے اور جس روز ظالم مشرک عقبہ بن ابی معیط جس نے شہادتین کا اقرار کرلیا تھا اور پھر ابی بن خلف کو خوش کرنے کے لئے پھر گیا، اپنے ہاتھوں کو ندامت اور حسرت کے ساتھ قیامت کے دن کاٹ کھائے گا اور کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول محمد کے ساتھ ہدایت کے راستہ پر لگ لیتا ہائے میری کمبختی وَيْلَتَا کا الف یائے اضافت کے عوض میں ہے (اصل میں) وَيْلَتِي تھا اور اس کے معنی میری ہلاکت کے ہیں کاش میں فلاں یعنی اُبی بن خلف کو دوست نہ بناتا اس نے مجھے نصیحت یعنی قرآن سے اس کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا اس طریقہ سے کہ اس پر ایمان لانے کے بعد مجھے واپس کردیا، اور شیطان تو کافر انسان کو (وقت پر) دھوکا دینے ہی والا ہے اس طریقہ پر کہ مصیبت کے وقت اس کو چھوڑ دیتا ہے اور اس سے اظہار بیزاری کردیتا ہے اور رسول یعنی محمد کہیں گے اے میرے پروردگار میری قوم قریش نے اس قرآن کو متروک کردیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اسی طرح جس طرح تیری قوم کے مشرکوں کو تیرا دشمن بنادیا تم سے پہلے ہر نبی کا بعض مجرمین مشرکین کو دشمن بنادیا لہٰذا جس طرح انہوں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو، آپ کی رہنمائی کرنے اور مدد کرنے کے لئے تیرا رب کافی ہے یعنی تیرے دشمنوں کے خلاف تیری مدد کرنے کے لئے کافی ہے اور کافروں نے کہا اس پر پورا قرآن ایک ساتھ کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ جس طرح کہ تورات اور انجیل اور زبور اتاری گئیں اور اس طرح یعنی متفرق نزول اس لئے ہے، کہ ہم اس کے ذریعہ آپ کے قلب کو قوی کریں گے اور ہم نے اس کو بہت ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے، یعنی ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کرکے وقفہ اور آہستگی کے ساتھ اتارا ہے تاکہ اس کا سمجھنا اور یاد کرنا آسان ہو اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپ کے معاملہ کو باطل کرنے کے لئے آپ کے سامنے پیش کریں مگر ہم ٹھیک جواب جو اس سوال کو دفع

کرنے والا ہو اور بیان کے اعتبار سے خوب واضح ہو عنایت کر دیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے یہ لوگ مکان کے اعتبار سے بھی بدترین ہیں اور وہ (مکان) جہنم ہے اور طریقہ میں بھی سب سے زیادہ گمراہ ہیں یعنی دوسروں سے زیادہ گمراہ ہیں اور وہ (طریقہ) ان کا کفر ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله لَا یخافون یہ تِهَامَه کی لغت میں لَا یَرْجون کی تفسیر ہے، لَا یَرْجون کو اپنے حقیقی معنی میں استعمال کرنا اولیٰ ہے، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا لَا یَامَلُوْنَ لِقَاءَ مَا وَعَدْنَا علی الطّاعةِ من الثّواب اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو ثواب کی امید نہیں رکھتا وہ عذاب سے بھی نہیں ڈرتا لقد استکبر میں لام قسمیہ ہے **قوله وعَتَوْا علٰی اصله** عَتَوْا اپنی اصل پر ہے واؤ یا سے تبدیل کئے بغیر، بخلاف سورہ مریم کے کہ وہاں فواصل کی رعایت کی وجہ سے واؤ یا سے بدل دیا گیا ہے (مزید تحقیق سورۂ مریم میں دیکھ لی جائے) **قوله لا بُشری** یہ جملہ قول مضمر کا معمول ہے، ای یَرَوْنَ الملائکة یقولون لا بُشریٰ **قوله حِجْرًا** مصدر بمعنی استعاذہ ہے اور مَحْجُوْرًا اس کی تاکید ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں حرام مُحرَّم یا کہتے ہیں المحرم الحرام **قوله** عمدنا قدمنا کی تفسیر عمدنا سے کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قدوم کا اطلاق اللہ پر درست نہیں ہے اس لئے کہ قدوم جسمانیات کی صفت ہے **قوله** ملهوف مظلوم فریاد خواہ کو کہتے ہیں **قوله کُوىٰ** کاف کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، اس سوراخ کو کہتے ہیں جس سے سورج کی روشنی داخل ہوتی ہو **قوله هَبَاءً** ان ذرات کو کہتے ہیں جو سوراخ سے آنے والی روشنی میں اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اگر کوئی ان کو ہاتھ میں پکڑنا چاہے تو یہ ممکن نہیں ہے **قوله** خیرٌ مستقرًا من الکافرین یعنی مومنین کا مستقر جنت میں دنیا میں کافروں کے مستقر سے بہتر ہے، یہاں اسم تفضیل خیرٌ اپنے معنی میں ہے من الکافرین فی الدنیا کہہ کر مفسرؒ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے گویا کہ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اہل نار کے مستقر (جہنم) میں کوئی خیر نہیں ہے مگر خیر اسم تفضیل سے معلوم ہو رہا ہے کہ کافروں کے مستقر میں بھی خیر ہے مگر اہل جنت کے مستقر سے کم خیر ہے اور یہ مطلب بھی صحیح ہے کہ مستقر سے دونوں فریقوں کا آخرت میں مستقر مراد ہو اس صورت خیرٌ سے اسم تفضیل کے معنی مراد نہ ہوں بلکہ کفار کی محض تقریع وتوبیخ مراد ہوگی اور یہ عرب کے قول (العَسَلُ اَحْلٰی من الخَلّ) کے قبیل سے ہوا حالانکہ خل میں کوئی حلاوۃ نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوتا ہے اسم تفضیل کے لئے مفضل منہ کا ہمیشہ ہونا ضروری نہیں، لہٰذا اعتراض دفع ہوگیا **قوله اُخِذَ من ذٰلك الخ** یعنی احسن مَقیلًا سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے میدان محشر میں حساب کتاب نصف النہار سے قبل ہی ختم ہو جائے گا اس لئے کہ جنت کے آرام کے لئے مقیلا کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی دو پہر کو قیلولہ کرنے کے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حساب کتاب سے فراغت دو پہر سے قبل ہی ہو جائے گی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت

ہے کہ قیامت کے روز اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں قیلولہ کریں گے، گویہ نصف یوم مومنین کے لئے بقدر ایک نماز کے معلوم ہوگا اور کافروں کو بہت طویل عرصہ معلوم ہوگا **قولہ** یَوْمَ تَشَقَّقُ السماءُ یومَ اُذکر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے کل سماء سے اشارہ اس بات کی جانب ہے کہ السماء میں الف لام استغراق اور مَعَهٗ سے اشارہ با بمعنی مع ہے باسببیہ اور بمعنی عن بھی ہوسکتی ہے **قولہ** اَلْمُلْكُ یَوْمَئِذِ الحقُّ للرحمٰنِ الملكُ مبتداء ہے الحق اس کی صفت للرحمٰن خبر، ای الملك الثابتُ الذی لایزول للرحمٰن یومئذٍ مفسر علام نے ظالم کی تفسیر مشرک عقبہ بن ابی معیط سے کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ یہ آیت ایک خاص مشرک کے بارے میں نازل ہوئی جس کا نام عقبہ بن ابی معیط تھا **قولہ** یقول یَا لَیْتَنی جملہ یَعُضُّ کی ضمیر سے حال ہے یَالَیْتَنِیْ میں یا تنبیہ کے لئے ہے نہ کہ ندا کے لئے اس لئے کہ منادیٰ کے لئے اسم ہونا شرط ہے اور اگر یا کو ندا کے لئے مانیں تو منادیٰ محذوف ماننا ہوگا ای یا قوم **قولہ** لَقَدْ اَضَلَّنِیْ میں لام قسمیہ ہے ایْ واللہ لَقَدْ اَضَلَّنِی **قولہ** قال تعالٰی سے اشارہ ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے ظالم کا کلام اِذْ جاءَنِیْ پر پورا ہوگیا **قولہ** لَوْ لا نُزِّلَ القرآنُ جملةً واحدةً یہاں نُزِّلَ بمعنی اُنْزِلَ ہے اس لئے کہ نُزِّلَ کے معنی ہیں تھوڑا تھوڑا اتارنا اور اُنْزِلَ کے معنی ہیں ایک ساتھ اتارنا لہٰذا نُزِّلَ اور جملةً واحدةً میں تعارض ہوگا اس لئے کہا جائے گا نُزِّلَ معنی میں اُنْزِلَ کے ہے نَزَّلْنَا کَذٰلِكَ نَزَّلنا محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ کذٰلِكَ فعل محذوف کا مفعول ہے اور لِنُثَبِّتَ بِهٖ سے قرآن کو متفرق طور پر اتارنے کی تین حکمتوں کا بیان ہے **قولہ** وَاَحْسَنَ کا عطف الحقِّ پر ہے، احسن محلًا مجرور ہے، **قولہ** اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ ، هُمْ مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ مفسرؒ نے ظاہر کر دیا ہے۔

تفسیر وتشریح

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَایَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا الآیۃ رَجَا کے معنی عام طور پر کسی محبوب ومرغوب چیز کی امید کرنے کے آتے ہیں اور کبھی یہ لفظ خوف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ ابن الانباری نے کتاب الاضداد میں لکھا ہے، اس جگہ بھی یہی خوف کے معنی زیادہ اصح ہیں، یعنی وہ لوگ جو ہمارے سامنے پیشی سے نہیں ڈرتے حِجْرًا مَحْجُورًا حِجر کے لفظی معنی محفوظ جگہ کے ہیں اور محجور اس کی تاکید ہے یہ لفظ محاورہ عرب میں اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی مصیبت سامنے ہو اس سے بچنے کے لئے لوگوں سے کہتے تھے کہ پناہ ہے پناہ ہے یعنی ہمیں اس مصیبت سے پناہ دو قیامت کے روز بھی جب کفار فرشتوں کو سامان عذاب لاتا ہوا دیکھیں گے تو دنیا کی عادت کے مطابق یہ لفظ کہیں گے، اور حضرت ابن عباسؓ سے اس لفظ کے معنی حَرَامًا مَحْرَمًا منقول ہیں اور مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز جب یہ لوگ فرشتوں کو عذاب کے ساتھ دیکھیں گے اور ان سے معاف کرنے اور جنت میں جانے کی درخواست کریں گے تو فرشتے ان کے جواب میں

کہیں گے حِجْرًا مَحْجُوْرًا یعنی جنت کافروں پر حرام اور ممنوع ہے۔ (مظہری)

وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا یہاں کار خیر سے وہ کار خیر مراد ہیں جن کا وجود نیت پر موقوف نہیں ہے جیسے مہمان نوازی، صلہ رحمی، حسن معاشرت، مظلوم کی مدد اور فریاد رسی، اس قسم کے اعمال خیر کا بدلہ، دنیا ہی میں مثلاً صحت وتندرستی، مالداری، خوشحالی، حسن وخوبصورتی، عقل ودانشمندی کے صورت میں دیدیا جاتا ہے، کافروں نے بزعم خویش دنیا میں اعمال کئے ہونگے اور آخرت میں ان کے اجر کی توقع رکھتے ہونگے وہ قیامت کے دن ان ذروں کے مانند کہ جو سورج کی کرنوں میں محسوس کرتے ہیں بے حیثیت ہوں گے، یہاں کافروں کے اعمال خیر کو جس طرح بے حیثیت ذروں کے مثل کہا گیا ہے، اسی طرح دوسرے مقامات پر کہیں راکھ سے، کہیں سراب سے اور کہیں صاف چکنے پتھر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تشقق السماء بالغمام ای عن الغمام معنی یہ ہیں کہ آسمان شق ہو کر اس میں سے ایک رقیق بادل اترے گا جس میں فرشتے ہوں گے، یہ ابر بشکل سائبان آسمان سے آئے گا اور اس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور اس کے گرداگرد ملائکہ ہوں گے، یہ حساب شروع ہونے کا وقت ہوگا اور اس وقت آسمان کا پھٹنا صرف کھلنے کے طور پر ہوگا، اس لئے کہ یہ نزول غمام جس کا ذکر آیت میں ہے نفخۂ ثانیہ کے بعد ہوگا جب کہ سب زمین وآسمان درست ہو چکے ہوں گے۔

یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اَتخذ فلانًا خلیلاً یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے مگر حکم عام ہے، واقعہ یہ تھا کہ عقبہ ابن معیط مکہ کے مشرک سرداروں میں سے تھا اس کی عادت تھی کہ جب کسی سفر سے واپس آتا تو شہر کے معزز لوگوں کی دعوت کرتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے تعلقات تھے ایک مرتبہ اس نے حسب عادت معززین شہر کی دعوت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلایا جب اس نے آپ کے سامنے کھانا رکھا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا کھانا اس وقت تک نہیں کھا سکتا، جب تک تم اس کی گواہی نہ دو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، عقبہ نے یہ کلمہ پڑھ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط کے مطابق کھانا تناول فرمالیا۔

عقبہ کا ایک جگری دوست تھا اس کا نام ابی بن خلف تھا جب اس کو معلوم ہوا کہ عقبہ مسلمان ہو گیا تو بہت برہم ہوا، عقبہ نے عذر کیا کہ قریش کے معزز مہمان محمد (ﷺ) میرے گھر پر آئے تھے اگر وہ بغیر کھانا کھائے میرے گھر سے واپس چلے جاتے تو میرے لئے بڑی رسوائی کی بات تھی اس لئے میں نے ان کی خاطر یہ کلمہ پڑھ لیا، ابی بن خلف نے کہا میں تیری ایسی باتوں کو قبول نہیں کروں گا جب تک تو جا کر ان کے منہ پر نہ تھوکے، یہ کمبخت دوست کے کہنے سے اس گستاخی پر آمادہ ہو گیا اور کر گذرا، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی ان دونوں کو ذلیل کیا کہ غزوہ بدر میں دونوں مارے گئے (بغوی) اور آخرت میں ان کے لئے عذاب کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے کہ جب آخرت کا عذاب سامنے دیکھے گا تو اس وقت ندامت وافسوس سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے گا اور کہے گا کاش میں فلاں یعنی ابی بن خلف کو دوست نہ بناتا۔ (مظہری)

نکتہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا کھانے کے لئے کلمہ پڑھنے کی شرط لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کام

کے لئے اخلاقی دباؤ ڈالنا درست ہے جیسا کہ بعض اوقات مبلغین حضرات دعوت قبول کرنے کے لئے خدا کے راستہ میں نکلنے کی شرط لگا دیتے ہیں۔

اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ برے شخص کی دوستی اور صحبت سے بھی اجتناب کرنا چاہئے اس لئے کہ بری صحبت کا اثر جلدی ہوتا ہے، مسند احمد، ترمذی وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا یَاکُلُ مَالَکَ الاتقی** غیر مومن کو اپنا دوست نہ بناؤ اور تمہارا مال (بطور دوستی) صرف متقی آدمی کھائے یعنی غیر متقی سے دوستی نہ کرو اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **المرءُ علٰی دینِ خلیْلِہٖ فلینظُرْ من یخالل** ہر آدمی (عادۃ) اپنے دوست کے طریقہ پر چلا کرتا ہے اس لئے دوست بنانے سے پہلے خوب غور کرلیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔

وَقَالَ الرسول یٰرَبِّ اِنَّ قومی اتخذوا ھٰذا القرآن مھجورًا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے شکایت کریں گے اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو مہجور متروک کردیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شکایت قیامت کے روز ہوگی یا اسی دنیا میں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے احتمال دونوں ہیں اگلی آیت بظاہر اس کا قرینہ ہے کہ یہ شکایت دنیا ہی میں پیش فرمائی تھی جس کے جواب میں آپ کو تسلی دینے کے لئے اگلی آیت میں فرمایا **کَذٰلِکَ جَعَلْنَا لکلِّ نبِیٍّ** (الآیۃ)

وَقَالَ الَّذِیْنَ کفرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ (الآیۃ) اللہ اور رسول کے دشمن لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے بے سروپا اور نہایت غیر معقول اعتراض کرتے تھے، کہتے تھے کہ صاحب دوسری کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا؟ برسوں میں جو تھوڑا تھوڑا کرکے اتارا، کیا اللہ کو کچھ سوچنا پڑتا ہے؟ اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوچ سوچ کر بناتے ہیں پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں۔

قرآن کو بتدریج نازل کرنے کی حکمت

اول حکمت تو یہ بیان فرمائی کہ بتدریج نازل کرنے میں یہ حکمت ہے کہ وقتاً فوقتاً قرآن کے نزول سے آپ کے قلب کو تقویت رہے اور دربار خداوندی سے مسلسل رابطہ رہے، دوم یہ کہ بتدریج نزول کی وجہ سے یاد کرنے میں آسانی ہو، تیسرے یہ کہ اگر کفار آپ پر کوئی نیا اعتراض کریں تو اس کا جواب بروقت نازل کردیا جائے اور آپ کو تسلی بھی دیدی جائے، اور اگر پورا قرآن ایک ہی دفعہ آگیا ہوتا اور اس خاص اعتراض کا جواب اور آپ کے لئے تسلی نازل ہو بھی گئی ہوتی تو بہر حال اس کو قرآن میں تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی اور بروقت اس کی طرف ذہن کا متوجہ ہونا بھی ضروری نہیں، ان حکمتوں کے علاوہ بھی حکمتیں ہوسکتی ہیں ان میں انحصار ضروری نہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوْسَى الكِتٰبَ التَّوْرٰةَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا مُعِيْنًا فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اَيِ القِبْطِ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ فَذَهَبَا اِلَيْهِمْ بِالرِّسَالَةِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا اَهْلَكْنَاهم اِهْلَاكًا وَاذكُرْ قَوْمَ نُوْحٍ لَمَّا كَذَّبُوْا الرُّسُلَ بِتَكْذِيْبِهِمْ نُوْحًا لِطُوْلِ لُبْثِهٖ فِيْهِمْ فَكَاَنَّهٗ رُسُلٌ اَوْ لِاَنَّ تَكْذِيْبَهٗ تَكْذِيْبٌ لِبَاقِي الرُّسُلِ لِاشْتِرَاكِهِم فِى الْمَجِيْئِ بِالتَّوْحِيْدِ اَغْرَقْنٰهُمْ جَوَابُ لما وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ بَعْدَهم اٰيَةً عِبْرَةً وَاَعْتَدْنَا فى الاٰخِرَةِ لِلظّٰلِمِيْنَ الكَافِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا مُؤلِمًا سِوىٰ ما يَحُلُّ بهم فِى الدُّنيا وَاذكر عَادًا قَوْمَ هُوْد وَّثَمُوْدَ قوم صالحٍ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ اِسْمِ بئرٍ ونَبِيُّهم قِيلَ شعيبٌ وقيل غيره كانوا قُعودا حَولها فانهارَتْ بهم وبمنازِلِهِم وَقُرُوْنًا اَقْوَامًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا اى بين عادٍ واصحٰب الرَّسِّ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الاَمْثَالَ فِى اِقامة الحُجةِ عليهم فلم نُهلكْهم الابعد الاِنذارِ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا اَهلكنا اِهْلَاكًا بتكذيبهم انبياءَ هم وَلَقَدْ اَتَوْا مَرُّوا اى كفار مَكةَ عَلَى القَرْيَةِ الَّتِيْ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ مصدرُ ساء اى بالحجارةِ وهى عُظمٰى قُرى قَوْمِ لوطٍ فاَهلك اللّٰهُ اَهلَها لِفعلِهم الفاحشة اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا فى سَفرهم الى الشَّام فيعتبرون والاستفهام للتقريرِ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ يَخَافُوْنَ نُشُوْرًا بَعْثًا فلا يؤمنون وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ مَا يَتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا مَهْزُوًّا به يقولون اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا فى دعواه مُحتقِرِينَ له عَن الرِّسَالةِ اِنْ مخففَة مِن الثَّقيلةِ واسمُها محذوفٌ اى انه كَادَ لَيُضِلُّنَا يُصرِفنا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَا اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا لَصرفنا عنها قال تعالىٰ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ العَذَابَ عِيانا فى الاٰخرةِ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا اخطأُ طريقا اَهُم اَمِ المُؤمنونَ اَرَاَيْتَ اَخبرنى مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ اى مَهوِيَّه قُدِّم المفعولُ الثانى لِاَنَّه اَهمّ وجملةُ من اتَّخذ مفعُولٌ اَوَّلٌ لرايتَ والثانى اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا حافظا تحفظه عن اِتِّباعِ هواه لا اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ سَماعَ تَفهُّم اَوْ يَعْقِلُوْنَ ماتقول لهم اِنْ مَا هُمْ اِلَّا كَالاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا اخطأُ طريقاً منها لاَنها تنقاد لمن يَتعهَّدها وَهُمْ لا يُطِيْعُوْنَ مولاهم المُنعِم علَيهم.

ع

ترجمہ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات عطا کی اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو وزیر (یعنی) معین بنا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری دلیلوں کو جھٹلایا ہے یعنی قبطیوں کی طرف جو کہ

فرعون اور اس کی قوم ہے چنانچہ (یہ دونوں) پیغام لیکر ان کے پاس گئے مگر ان لوگوں نے دونوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو تہس نہس کر دیا (یعنی) پوری طرح ہلاک کر دیا اور قوم نوح کا تذکرہ کیجئے جبکہ انہوں نے (تمام) رسولوں کی تکذیب کی نوح علیہ السلام کی تکذیب کر کے، نوح علیہ السلام کے ان کے درمیان زمانہ دراز تک قیام کرنے کی وجہ سے، گویا کہ حضرت نوح علیہ السلام کئی رسول تھے (یعنی بمنزلہ کئی رسولوں کے تھے) یا اس لئے (رُسُلْ جمع کا صیغہ استعمال کیا) کہ حضرت نوحؑ کی تکذیب گویا کہ باقی رسولوں کی تکذیب ہے اس لئے کہ توحید کے لانے میں سب مشترک ہیں تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور بعد کے لوگوں کے لئے نشانِ عبرت بنا دیا اور ہم نے آخرت میں ظالموں کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے یعنی تکلیف دہ، اس عذاب کے علاوہ جو دنیا میں ان پر نازل ہوگا اور ہود علیہ السلام کی قوم عاد کا اور صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا اور اصحاب الرس کا تذکرہ کیجئے، رَسْ ایک کنوئیں کا نام ہے اور ان کے نبی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ شعیب تھے اور کہا گیا ہے کہ ان کے علاوہ تھے، کنوئیں کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے وہ کنواں ان کے اور ان کے مکانوں کے ساتھ دھنس گیا اور ان کے بیچ بیچ میں بہت سی قوموں کا یعنی عاد اور اصحاب الرس کے درمیان اور ہم نے ہر ایک کے لئے عمدہ عمدہ مضامین بیان کئے ان پر حجت قائم کرنے کے لئے ہم نے ان کو تنبیہ کے بعد ہی ہلاک کیا، پھر ہم نے ہر ایک کو پوری طرح ہلاک کر دیا، ان کے اپنے انبیاء کی تکذیب کرنے کی وجہ سے اور وہ یعنی کفار مکہ اس بستی کے پاس سے گذرتے ہیں جس پر بدترین بارش برسائی گئی اَلسَّوْء سَاءَ کا مصدر ہے یعنی پتھروں کی بارش برسائی گئی اور وہ بستی قوم لوط کی بستیوں میں سب سے بڑی بستی (سدوم) تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں کو ان کی بدفعلی کی وجہ سے ہلاک کر دیا تو کیا یہ لوگ اپنے شام کے سفر میں اس (بستی) کو نہیں دیکھتے کہ عبرت حاصل کریں اور استفہام تقریری ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ مرنے کے بعد زندہ ہونے کا اندیشہ ہی نہیں رکھتے یہی وجہ ہے کہ ایمان نہیں لاتے اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا تمسخر کرنے لگتے ہیں یعنی آپ کا مذاق بناتے ہیں، کہتے ہیں کہ کیا یہی ہیں وہ صاحب جن کو اللہ نے بزعم خویش رسول بنا کر بھیجا ہے (مرتبۂ) رسالت سے آپ کو کمتر سمجھتے ہوئے اِنْ ثقیلہ سے مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے ای اَنَّهٗ اس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے تو یقیناً ہم ان سے پھر جاتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جلدی ہی ان کو معلوم ہو جائے گا جب وہ عذاب کو آخرت میں کھلی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ کون شخص گمراہ تھا؟ یعنی غلط راستہ پر تھا وہ یا مومنین؟ کیا آپ نے اس شخص (کی حالت) دیکھی کہ جس نے خواہشات نفسانی یعنی پسند کی چیزوں کو اپنا معبود بنا لیا؟ مفعول ثانی کو اہم ہونے کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے اور مَنْ اِتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ جملہ ہو کر رَأَيْتُ کا مفعول اول ہے اور اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا مفعول ثانی ہے، کیا آپ ایسے شخص کے ضامن ہو سکتے ہیں؟ یعنی کیا آپ ایسے ہوا پرست کی اتباع ہوا سے حفاظت کی ذمہ داری لے سکتے ہیں؟ نہیں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سمجھنے کے لئے سنتے ہیں یا جو آپ ان

سے کہتے ہیں اسے سمجھتے ہیں یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ میں یعنی جانوروں سے بھی ان کا برا حال ہے اس لئے کہ جو شخص ان (جانوروں) کی نگہداشت کرتا ہے اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور یہ اپنے مولائے محسن کی اطاعت نہیں کرتے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَلَقَدْ آتینا ای وباللّٰہِ لَقَدْ آتینا وَزِیْرًا وِزْرٌ صفت مشبہ، مددگار، ناصر، معین **قوله** ای القبط القبط، القوم سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے، فرعون وقومہ قبط کا بیان ہے **قوله** فدمّرناهم کا عطف فَذَهَبَا الیهم محذوف پر ہے، جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ فرمایا ہے، شارحؒ نے قوم نوح کو اذکر فعل محذوف کا مفعول قرار دیا ہے، اور لمّا کو شرطیہ مان کر اغرقنٰهم کو جواب شرط قرار دیا ہے، اور اگر لمّا کو ظرفیہ مانا جائے تو یہ مااضمر علی شریطة التفسیر کے قبیل سے بھی ہوسکتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَغرقنا قوم نوح لمّا کذبوا الرُّسلَ اغرقنٰهم اگر لمّا کو شرطیہ مانیں تو مااضمر کے قبیل سے نہیں ہوگا اس لئے کہ جواب لمّا کسی کے لئے مفسر نہیں ہوا کرتا۔ (جمل)

قوله لطول لبثه فیهم یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ کَذَّبُوْا الرُّسُلَ میں رُسُلُ کو جمع کیوں لائے ہیں حالانکہ نوح علیہ السلام تو ایک (واحد) ہے، شارح نے اس کے دو جواب دیئے ہیں اول یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت ورسالت کا زمانہ اس قدر طویل ہے کہ اتنی مدت میں کئی نبی اور رسول آتے تو گویا کہ حضرت نوح علیہ السلام زمانہ کے اعتبار سے کئی نبیوں کے قائم مقام ہیں، اور دوسرا جواب یہ دیا کہ تمام انبیاء توحید کے مسئلہ میں متفق ہیں اور توحید تمام انبیاء کا اجماعی مسئلہ ہے، لہٰذا ایک کی تکذیب وہ سب کی تکذیب ہے **قوله** جَعَلْنٰهم ای اِغرافهم اَو قصّتهم **قوله** للظّٰلِمِین وُضِعَ الظاهر موضع المضمر، تسجیلاً علیهم بوصف الظلم ورنہ تو عبارت یوں ہوتی وَاعْتَدْنَا لَهُم **قوله** و کُلاًّ یہ عامل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور ما اضمر کے قبیل سے ہے اور ضربنا کے ہم معنی فعل کُلاًّ سے پہلے محذوف ہے، مثلاً اَنذرنا کُلاًّ ضربنَا لَهُ الاَمْثالَ اَمثالَ ان قصص عجیبہ اور عمدہ مضامین کو کہتے ہیں جو غرابت میں امثال کے مانند ہوں، **قوله** مَرّوا شارح کا مقصد اس اضافہ سے ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض یہ ہے کہ اَتَوْا متعدی بنفسہ ہوتا ہے یا پھر اس کا صلہ الیٰ آتا ہے اور یہاں اس کا صلہ علیٰ استعمال ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ اَتَوْا مَرُّوا کے معنی پر مشتمل ہے لہٰذا اس کا صلہ علیٰ لانا درست ہے، کما اَشارَ الیہ الشارح **قوله** مَطَرَ السَّوءِ اُمْطِرت کا مفعول مطلق ہے معنی میں الامطار کے ہے، اصل عبارت یہ ہے اُمْطِرَتِ القومُ مَطَرَ السوءِ والسَّوْء بمعنی حجارۃ ہے ای رُمِیَتْ بالحجارةِ **قوله** مَهْزُوًّا بہ یہ اشارہ ہے کہ

ھُزُوًا مصدر بمعنی اسم مفعول ہے **قولہ** لصَرَفنا عَنْھَا یہ لَوْلاَ کا جواب ہے جو محذوف ہے **قولہ** مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلاً، مَن استفہامیہ مبتداء اَضَلُّ اس کی خبر اور سَبِیْلاً اس کی تمیز، یہ سب جملہ ہو کر قائم مقام یعلمون کے دو مفعولوں کے ہے یعلمون کو عمل سے معلق کر دیا گیا ہے تاکہ مَن استفہامیہ کی صدارت باطل نہ ہو جائے، **قولہ** اَرَأیتَ اخبِرْنِی مَنْ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہ اہمیت کے پیش نظر مفعول ثانی کو مقدم کر دیا گیا ہے، اصل عبارت یہ ہے مَنْ اِتَّخَذَ ھَوَاہُ اِلٰھًا کما تقولُ علمتُ منطلقاً زیدًا اصل میں تھا علمتُ زیدًا منطلقاً۔

تفسیر وتشریح

قولہ اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تم دونوں ان لوگوں کے پاس جاؤ کہ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے، یہاں تکذیب آیات سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ آیات تورات تو مراد ہو نہیں سکتی، اس لئے کہ تورات کا نزول غرق فرعون کے بعد ہوا ہے، لہٰذا آیات سے مراد یا تو توحید کے دلائل عقلیہ ہیں جو پوری کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں، جو ہر انسان کو اپنی عقل کے مطابق سمجھ میں آسکتے ہیں، ان میں غور نہ کرنے کو تکذیب آیات فرمایا، یا تکذیب سے مراد کتب سابقہ اور انبیاء سابقین کی تکذیب مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول وقومَ نوحٍ لَمَّا کَذَّبُوْا الرُّسُلَ یہاں رُسُل سے مراد ایک توجیہ کے اعتبار سے انبیاء سابقین مراد ہیں جو کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے گذر چکے تھے جیسے کہ حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت ادریسؑ، اسی طرح یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے انبیاء کی تکذیب مراد ہے، اور **تکذیب** سے مراد ان پر ایمان نہ لانا ہے۔

قومَ نوحٍ لَمَّا کَذَّبُوْا الرُّسُلَ قوم نوح کا بہت رسولوں کو جھٹلانے سے مراد یہ ہے کہ قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کے اصول دین مثلاً توحید، بعث بعد الموت و جزاء وسزاء کی تکذیب کی اور اصول دین چونکہ تمام انبیاء کے مشترک ہیں اس لئے ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء کی تکذیب ہے۔

اَصْحٰبُ الرسِّ رَسّ کچے کنوئیں کو کہتے ہیں جس کی مَن پختہ نہ بنی ہو، اصحٰبُ الرس کے حالات کی تفصیل نہ تو قرآن میں مذکور ہے اور نہ صحیح احادیث میں ان کا تذکرہ ہے، اسرائیلی روایات اس میں مختلف ہیں، راجح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ قوم ثمود کے کچھ باقی ماندہ لوگ تھے جو کسی کنوئیں کے اطراف آباد تھے اور بت پرستی کیا کرتے تھے، ان کی طرف جس نبی کو مبعوث کیا گیا تھا ان کا نام بعض حضرات نے شعیب اور بعض نے حنظلہ بن صفوان بتایا ہے، ان کے نبی نے ان کو بہت اچھی طرح قسم قسم کی مثالیں دے کر سمجھایا مگر کسی نے نہ مانا اس کے برخلاف نبی کی ایذاء رسانی پر کمربستہ ہو گئے جب یہ لوگ کسی طرح اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا تختہ الٹ دیا اور یہ سب کے سب مع مال ودولت اور مویشیوں کے زمین میں دھنسا دیئے گئے۔

یہ اہل مکہ ملک شام آتے جاتے قوم نوح عاد و ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات و خرابات پر ہوکر گذرتے ہیں مگر ان قوموں کے حالات سے عبرت حاصل نہیں کرتے، عبرت کہاں سے حاصل ہو؟ جبکہ عبرت کی نظر سے ان خرابات کو دیکھتے ہی نہیں ہیں اور عبرت ونصیحت کی نظر سے تو وہ شخص دیکھتا ہے جس کو مرنے کے بعد آخرت کی زندگی کا تصور ہو، جس کے نزدیک مرنے کے بعد زندہ ہونے کا تصور ہی نہ ہو اس کو عبرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے، عبرت حاصل کرنا تو دور کی بات ہے ان کا مشغلہ یہ ہے کہ پیغمبر کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ آپ کو دیکھ کر استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں کیا یہی وہ بزرگ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ بھلا یہ حیثیت اور منصب رسالت؟ کیا ساری خدائی میں یہی رسول بننے کے لئے رہ گئے تھے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ان کی تقریر جادو کا اثر رکھتی ہے، قوت فصاحت اور زور تقریر سے رنگ تو ایسا جمایا تھا کہ قریب تھا کہ اس کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیتیں وہ تو ہم پکے ایسے تھے کہ برابر جمے رہے اور ان کی کسی بات کا اثر قبول نہ کیا ورنہ یہ ہم سب کو بھی گمراہ کر کے چھوڑتے۔ (العیاذ باللہ)

عذاب الٰہی کو جب یہ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھیں گے تب ان کو معلوم ہوگا حقیقت میں کون گمراہ تھا؟ آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہ ہدایت پر لے آنے کی کیا ذمہ داری لے سکتے ہیں جن کا معبود ہی محض خواہش ہو جدھر خواہش لے گئی ادھر منہ اٹھا کر چل دیئے جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی اور جو مخالف ہوئی رد کر دی آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے، کل دوسرا اس سے خوبصورت مل گیا پہلے کو پھینک دیا اور دوسرے کے آگے سر جھکانے لگے۔

اَمْ تَحْسَبُ آپ انہیں کیسی ہی نصیحتیں سنائیے یہ تو جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں انہیں سننے اور سمجھنے سے کیا واسطہ، بلکہ چوپائے تو بہر حال اپنی نگہداشت کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اور اپنے محسن کو پہچانتے ہیں اس کی آواز پر دھیان دیتے ہیں، لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق و مالک کا حق پہچانا اور نہ اس کے احسانات کو سمجھا، اگر ذرا بھی عقل و فہم سے کام لیتے تو اس کارخانۂ قدرت میں بے شمار نشانیاں تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور تنزیہ اور اصول دین کی صداقت و حقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں جن میں سے بعض نشانیوں کا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ تَنْظُرْ اِلٰی فِعلِ رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ مِن وَقتِ الاِسفَارِ الٰی وقتِ طُلوعِ الشمسِ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا مُقِیما لایَزُوْلُ بطُلوعِ الشمسِ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ ای الظلّ دَلِیْلًا فلَولا الشمسُ ماعُرِف الظِلُّ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ ای الظِّلَّ الممدودَ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا خفَیا بِطُلوعِ الشمسِ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا ساتِرا کاللباسِ وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا راحةً للابدانِ بِقَطعِ الاعمالِ وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا مَنْشورا فیه لِابْتِغاءِ الرِّزقِ وغیره وَهُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ وفی قراءةِ الریح بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ای مُتفرِّقَة قُدامَ المطرِ وفی قِراءةٍ بِسُکونِ الشِینِ تخفیفا

وفی قراءةٍ بسُکونِها وفتحِ النُّونِ مصدرًا وفِی اُخریٰ بِسُکُونِها وضمّ الموحدة بَدَلَ النُّونِ ای مُبَشِّرَاتٍ ومُفرد الاُولٰی والثانیة نشور کرسول والاخیرة بَشیر وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا۝ لا مُطَهِّرا لِّنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا بالتخفیف یستوی فیه المُذکر والمؤنّث اَوْ ذکرهُ باعتبار المکان وَّنُسْقِیَهٗ ای الماء مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا ابِلاً وبَقرا وغَنما وَّاَنَاسِیَّ کَثِیْرًا۝ جمع انسان واَصلهُ اَنَاسِین فاُبدلت النون یاءً واُدغمت فیها الیاءُ او جمع اِنسِی وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ ای الماء بَیْنَهُمْ لِیَذَّکَّرُوْا اَصلُه یتذکّروا اُدغِمَت التاءُ فی الذّالِ وفی قِراءةٍ لیذکروا بسکُون الذّال وضم الکافِ ای نعمةَ اللّٰهِ به فَاَبٰی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا۝ جحُودًا للنِّعمة حیث قالوا مُطرنا بنوءِ کذا وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ کُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا۝ یُخوّف اهلها ولکِن بعثناكَ اِلٰی اَهلِ القُری کلِّها نذیرا لِیَعظُم اَجرُك فَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ فی هَواهم وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ ای القُران جِهَادًا کَبِیْرًا۝ وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ اَرسلهما متجاورَین هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ شدیدُ العُذوبة وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ج شدیدُ الملوحة وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا حاجِزًا لا یختلطُ احدُهما بالاٰخر وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا۝ ای سِترا ممنوعًا به اختلاطُهما وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا من المنی انسانا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا ذا نسبٍ وَّصِهْرًا ط ذا صِهرٍ بِاَن یتزوجَ ذکرًا کان او انثٰی طلبًا للتناسُل وَکَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا۝ قادرا علٰی مَا یَشاءُ وَیَعْبُدُوْنَ ای الکفارُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا یَنْفَعُهُمْ بِعبادتِه وَلَا یَضُرُّهُمْ ط بترکِها وهو الاصْنام وَکَانَ الْکَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا۝ مُعینا للشّیطان بطاعتِه وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا بالجنة وَّنَذِیْرًا۝ ع مخوفا من النار قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ ای علی تبلیغ ما اُرسلتُ بِهٖ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا لٰکِنْ مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا۝ طریقا بانفاق مالٍ فی مَرضاتِهٖ تعالٰی فَلا اَمنعُه مِن ذٰلك وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَسَبِّحْ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهٖ ط ای قل سُبحان اللّٰهِ والحمد للّٰهِ وَکَفٰی بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًا۝ ع عالما تعلَّق به بذنوبِ هو اِلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ مِنَ اَیّامِ الدُّنیا ای فی قدرِها لانّه لم یکن ثَمّ شَمْس ولو شاء لخلقهن فی لَمْحةٍ والعُدولُ عنه لِتعلیمِ خَلْقِه التَّثَبُّتَ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ج هو فی اللُّغة سَریر المَلِكِ اَلرَّحْمٰنُ بَدلٌ من ضَمیرِ استوٰی ای استواءً یَلِیْقُ به فَسْئَلْ ایها الاِنْسان بِهٖ بالرحمن خَبِیْرًا۝ یُخبرك بِصفاتِه وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ لکفارِ مکةَ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ق اَنَسْجُدُ لِمَاتَاْمُرُنَا بالفوقانیةِ والتحتانیة والاٰمِرُ محمد ولانعرفه لا وَزَادَهُمْ هٰذا القول لهم نُفُوْرًا۝ ع عن الایمان. ع ۵

ترجمہ

کیا تو اپنے رب کی صنعت کو نہیں دیکھتا وقت اسفار سے طلوع شمس کے وقت تک اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرا ہوا رکھتا، یعنی ساکن رکھتا جو طلوع شمس سے زائل نہ ہوتا پھر ہم نے سورج کو اس سایہ پر دلیل بنایا اگر سورج نہ ہوتا تو سایہ کی شناخت نہ کی جاتی پھر ہم نے اس کو یعنی پھیلے ہوئے سایہ کو اپنی طرف بتدریج سمیٹ لیا یعنی طلوع شمس کی وجہ سے شیئاً فشیئاً اور وہ ایسا ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات کو لباس یعنی لباس کے مانند ساتر بنایا اور نیند کو قطع کرنے والی یعنی جسموں کے لئے اعمال کو موقوف کر کے راحت کی چیز بنایا اور دن کو منتشر ہونے کا وقت بنایا اس میں رزق وغیرہ حاصل کرنے کے لئے اور وہ ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں اور ایک قرأت میں (الریاح کے بجائے) الریح ہے یعنی بارش سے پہلے پھیلتی ہوئی (ہوائیں) اور ایک قرأت میں نُشْرًا میں شین کے سکون کے ساتھ ہے تخفیف کے لئے اور ایک قرأت میں شین کے سکون اور نون کے فتحہ کے ساتھ ہے (نَشْرًا) مصدر ہے اور دوسری قرأت میں شین کے سکون اور نون کے بجائے با کے ضمہ کے ساتھ (یعنی بُشْرًا ہے خوشخبری دینے والی، (پہلی قرأۃ یعنی نُشُرًا) کا مفرد نَشورٌ ہے، جیسا کہ رُسُلٌ کا واحد رَسُوْلٌ ہے (اور اسی طرح ثانی قرأۃ یعنی نُشْرًا) کا مفرد ہے، اور قرأت اخیرہ یعنی بُشْرًا کا واحد بشیرٌ ہے اور ہم آسمان سے پاک یعنی پاک ۔۔۔۔ کرنے والا پانی برساتے ہیں تاکہ ہم اس کے ذریعہ خشک زمین کو سرسبز اور شاداب کریں مَیْتًا تخفیف کے ساتھ ہے، بَلْدَۃً میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہیں، یا بَلْدَۃً کی صفت مَیْتًا کو اس لئے مذکر لایا گیا ہے کہ بلدۃ کو مکان کی تاویل میں کر لیا ہے اور ہم وہ پانی اپنی مخلوق میں سے (بہت سے) چوپایوں (مثلاً) اونٹ، گائے، اور بکریوں کو اور بہت سے انسانوں کو پلاتے ہیں، اَنَاسِیَّ انسان کی جمع ہے اَنَاسِیَّ کی اصل اَناسِین تھی نون کو یا سے بدلا اور یا کو یا میں ادغام کر دیا اَناسِیٌّ ہو گیا، یا پھر اَنَاسی اِنسِیٌّ کی جمع ہے اور ہم اس پانی کو مخلوق کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تاکہ لوگ غور وفکر کریں یَذَّکَّرُوْا کی اصل یَتَذَکَّرُوْا تھی تا کو ذال میں ادغام کر دیا اور ایک قرأۃ میں لِیَذْکُرُوْا ذال کے سکون اور کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی تاکہ بارش (پانی) کے سبب سے اللہ کی نعمتوں کو یاد کریں پھر اکثر لوگ ناشکری ہی کرتے رہے یعنی نعمت کے منکر رہے، اس طرح سے کہ وہ کہتے تھے کہ فلاں ستارے کے طلوع (یا غروب) ہونے کی وجہ سے ہم کو بارش دی گئی اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا (پیغمبر) بھیج دیتے جو اس بستی والوں کو ڈراتا لیکن ہم نے آپ کو تمام بستی والوں کی جانب نذیر بنا کر بھیجا تاکہ آپ کا اجر زیادہ ہو لہٰذا آپ کافروں کا ان کی خواہشات میں اتباع نہ کریں اور آپ ان کے ساتھ قرآن کے ذریعہ پوری طاقت سے جہاد کریں اور وہ ایسا ہے کہ جس نے دو دریا ملا کر جاری کئے ہیں جن میں ایک میٹھا مزیدار یعنی نہایت شیریں ہے اور دوسرا نمکین اور کڑوا یعنی نہایت شور ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب آڑ ہے تاکہ ایک دوسرے سے نہ مل سکے اور قوی مانع رکھ دیا یعنی ایسا مانع کہ جس کی وجہ سے ان دونوں

دریاؤں کا ملنا ممنوع ہوگیا وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے انسان کو پانی یعنی منی سے پیدا کیا پھر اس کو صاحب نسب (خونی رشتہ والا) اور صاحب صہر (سسرالی رشتوں والا) بنایا بایں طور کہ وہ افزائش نسل کے لئے نکاح کرتا ہے مذکر ہو یا مؤنث، اور تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے جو وہ چاہے اس پر قادر ہے اور یہ لوگ یعنی کافر اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی بندگی کرتے ہیں کہ جو ان کی بندگی کی وجہ سے نہ ان کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں اور نہ ترک بندگی پر نقصان پہنچانے پر قادر ہیں، اور وہ بت ہیں اور کافر تو اپنے رب کی مخالفت میں شیطان کا مددگار ہے ہی شیطان کی اطاعت کر کے اور ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ آپ جنت کی خوشخبری سنائیں اور نار جہنم سے ڈرائیں آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس چیز کی تبلیغ پر جس کو میں دیکر بھیجا گیا ہوں کوئی معاوضہ نہیں چاہتا مگر یہ کہ جو چاہے اپنے رب کی مرضیات میں مال خرچ کر کے اپنے رب تک (رسائی) کا راستہ اختیار کرے تو میں اس کو اس سے منع نہیں کرتا اور آپ اس حی لا یموت پر توکل رکھئے اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے یعنی سبحان اللہ وبحمدہٖ کہئے، اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے بخوبی واقف ہے، بذنوب خبیرًا سے متعلق ہے اور وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا دنیا کے دنوں کے حساب سے یعنی ان کی مقدار میں اس لئے کہ اس وقت سورج نہیں تھا، اور اگر وہ چاہتا تو ان کو ایک لمحہ میں پیدا کر دیتا، اب رہا اپنی اس قدرت سے عدول تو یہ اپنی مخلوق کو جلدی نہ کرنے (اور نرمی) کی تعلیم کے لئے ہے پھر وہ عرش پر مستوی ہوگیا عرش لغت میں تخت شاہی کو کہتے ہیں وہ رحمٰن ہے **رحمٰن استوٰی** کی ضمیر سے بدل ہے، اور استوٰی سے وہ استوٰی مراد ہے جو اس کی شایان شان ہے تو رحمٰن (کی شان) کے بارے میں کسی واقف کار سے دریافت کر وہ تجھے اس کی صفات کے بارے میں بتائے گا اور جب کفار مکہ سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں رحمٰن کیا چیز ہے؟ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کو تو سجدہ کرنے کا حکم دے رہا ہے **تامرنا** تا اور یا دونوں کے ساتھ ہے اور فاعل محمد ہیں، حال یہ ہے کہ ہم اس (رحمٰن) کو نہیں جانتے، ہم ایسا نہیں کریں گے، اس قول نے ان کو ایمان سے اور زیادہ نفرت کرنے والا بنا دیا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَلَمْ تَرَ تنظر، تَنْظُر سے رویت بصری کی طرف اشارہ ہے نیز اس کی تائید الٰی سے بھی ہو رہی ہے اس لئے کہ رویت بصری کا صلہ الٰی آتا ہے، **قوله اِلٰی ربكَ** میں مضاف محذوف ہے اس لئے کہ ذات باری کی رویت دنیا میں ممکن نہیں ہے اس لئے تقدیر عبارت یہ ہوگی اَلَمْ تَرَ اِلٰی صَنِیْعِ رَبِّكَ اور بعض حضرات نے رویت سے رویت قلبی بھی مراد لی ہے اور اَلَمْ تَرَ معنی میں اَلَمْ تَعلَمْ کے لیا ہے اور مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر وہ شخص ہے جو کائنات عالم میں غور وفکر کی صلاحیت رکھتا ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیات میں اپنے منفرد بالالوہیۃ ہونے پر پانچ دلیلیں از قبیل

محسوسات بیان فرمائی ہیں (۱) اَلَمْ تَرَ کیفَ مَدَّ الظِّلَّ (۲) ھو الَّذِیْ جَعَلَ لکُم اللَّیلَ لِباسًا (۳) ھو الَّذِی اَرْسَلَ الرِّیاحَ (۴) ھو الَّذِیْ مرجَ البحرینِ (۵) ھو الَّذِی خلَقَ من الماءِ بشرًا **قولہ** من وقت الاسفار الٰی وقت طلوع الشمس مفسرؒ کے لئے زیادہ مناسب تھا کہ ای من طلوع الفجرِ الٰی طلوعِ الشمس کہتے اور اگر مطلق رکھتے اور کسی بھی قید کے ساتھ مقید نہ کرتے تو اور زیادہ بہتر ہوتا اس لئے کہ رات میں تو زمین کا ظل ہوتا ہے دن میں اشجار وغیرہ کا ظل ہوتا ہے، اسفار کو شاید سہانا وقت ہونے کی وجہ سے خاص کیا ہو، کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ کی تفسیر میں مفسرین کے تین قول ہیں (۱) من الفجرِ الٰی الشمسِ (۲) من المغرب الٰی طلوعِ الشمس (۳) من طلوع الشمسِ الٰی زوال الشمس، صاحب بحر نے پہلے قول کو جمہور کا قول نقل کیا ہے، اور مفسر علام نے جو تفسیر فرمائی ہے وہ دیگر مفسرین کے موافق نہیں ہے (صاوی وجمل) **قولہ** جَعَلَ لَکُمُ اللَّیْلَ لِبَاسًا اس میں لیل کو لباس سے تشبیہ دی ہے وجہ شبہ ساتر ہوتا ہے حرف تشبیہ اور وجہ شبہ کو حذف کر دیا ہے اس کو تشبیہ بلیغ کہتے ہیں، جیسے زیدٌ اسدٌ میں تشبیہ بلیغ ہے **قولہ** بُشْرًا اس میں چند قرأتیں ہیں، مفسر علام کے سامنے قرآن کریم کا وہ نسخہ ہے کہ جس میں بُشرًا کے بجائے نُشرًا ہے اس میں چار قرأتیں ہیں نُشُرًا، نُشْرًا، نَشْرًا، بُشْرًا پہلی اور دوسری نَشُورٌ کی جمع ہیں جیسا کہ رسُولٌ کی جمع رُسُلٌ اور رُسْلٌ آتی ہے اور تیسری یعنی نَشْرًا یہ مصدر ہے جس میں واحد اور جمع برابر ہیں اور چوتھی یعنی بُشْرًا بشیرٌ کی جمع ہے خوشخبری دینے والا، **قولہ** مفرد الاولیٰ ای والثانیة یعنی مفسر علام کو اولیٰ کے ساتھ والثانیة بھی کہنا چاہئے تھا اس لئے پہلی اور دوسری قرأت کا واحد ایک ہی ہے اور وہ ہے نَشورٌ اور چوتھی قرأت یعنی بُشْرا کا واحد بشیرٌ ہے **قولہ** مَیْتًا مَیْتٌ اور مَیِّتٌ میں فرق یہ ہے کہ میْت اس کو کہتے ہیں جو مر چکا ہو اور میت اسے کہتے ہیں جو مرنے والا ہو یا مرنے کے قریب ہو **قولہ** یستوی فیہ المذکر والمؤنث یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ بَلْدَۃً موصوف اور مَیْتًا اس کی صفت ہے مَیْتًا کے بجائے مَیْتَۃً ہونا چاہئے تھا تاکہ موصوف اور صفت میں مطابقت ہو جاتی، اس کا ایک جواب تو یہ دیا کہ مَیْت کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے، دوسرا جواب وَذَکَّرَہٗ باعتبار المکان مفسر علام کو واو کے بجائے اَوْ کہنا چاہئے تھا تاکہ دوسرے جواب کی طرف اشارہ ہو جاتا، دوسرے جواب کا خلاصہ یہ ہے بَلْدَۃً، مکان کی تاویل میں ہے لہٰذا میتًا لانا درست ہے **قولہ** وَنُسْقِیَہٗ اس کا عطف نُحیِیَ پر ہے **قولہ** اَنْعَامًا یہ نُسْقِیَہٗ کا مفعول ثانی ہے اور خَلَقْنَا پر اَنْعامًا مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہے ورنہ تو خَلَقْنَا اَنْعَامًا کی صفت ہے، قاعدہ ہے کہ موصوف اگر نکرہ ہو اور اس کی صفت کو مقدم کر دیا گیا ہو تو وہ حال ہو جاتی ہے **قولہ** اَنَاسِیَّ یہ انسانٌ کی جمع ہے یہ سیبویہ کا مذہب اور یہی راجح ہے اور بعض نے کہا ہے اِنسِیّ کی جمع ہے یہ فراء کا مذہب ہے اور یہ اعتراض سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ اِنسِیٌّ میں یا نسبتی ہے اور جس میں یا نسبتی ہوتی ہے اس کی جمع فعالِیٌّ کے وزن پر نہیں آتی، جیسا کہ ابن مالک نے فرمایا وَاجْعَلْ فَعَالِیٌّ لغیرِ

ذی نَسَبٍ، **قولہ** وَلَقَدْ صَرَّفْنَاہُ ای وَاللّٰہِ لقد صرّفناہُ ای الماء مفسر علام نے صَرَّفناہُ کی ہٗ ضمیر کا مرجع ماء قرار دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے بارش کو مختلف شہروں اور علاقوں میں مقدار کے اعتبار سے تقسیم کر دیا اسی طرح صفت کے اعتبار سے بھی تقسیم کر دیا کہیں موسلا دھار ہوتی ہے تو کہیں ہلکی، اسی طرح مختلف اوقات میں تقسیم کر دیا، حضرت ابن عباسؓ سے یہی تفسیر منقول ہے، بعض حضرات نے صَرَّفناہُ کی ہٗ ضمیر کا مرجع قرآن کو قرار دیا ہے اور اس کا قرینہ جاھدھُمْ بہٖ کو قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے المطر کو مرجع قرار دیا ہے، صاحب جلالین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، قرآن کو مرجع قرار دینے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اس قرآن میں مختلف امثال وعنوان سے عمدہ عمدہ مضامین بیان کئے اور مختلف حجج وبراہین سے لوگوں کو سمجھایا تاکہ وہ غور وفکر کریں (صفوۃ التفاسیر ملخصاً) **قولہ** اَلنَّوْءُ اس کی جمع اَنواء آتی ہے اس کے معنی مائل ہونے اور ساقط ہونے کے ہیں یقال نَاءَ بہ الحِملُ ای اَثقلَہٗ واَمالَہٗ بوجھ نے اس کو گراں بار کر دیا اور جھکا دیا زمانہ جاہلیت میں عرب کواکب کو موثر حقیقی مانتے تھے اور سردی گرمی نیز بارش وغیرہ کی نسبت بعض نجوم کے طلوع یا غروب کی طرف کرتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ آخر شب میں جب ایک مخصوص تارہ جانب مغرب میں غروب ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل مشرق میں اس کا حریف طلوع ہوتا ہے تو بارش ہوتی ہے، یہ لوگ اللہ کو موثر حقیقی نہ مان کر نجوم وکواکب کو موثر حقیقی مانتے تھے اسی لئے اس کو کفران سے تعبیر کیا ہے (روح البیان ملخصاً)

قولہ مَرَجَ (ماضی باب نصر) مُرُوْجٌ آزاد چھوڑنا، جاری کرنا، فُرَات بہت شیریں خوش ذائقہ تسکین بخش (ک)

الرَّحمٰنُ رحمٰن کے مرفوع ہونے کی تین وجہ ہو سکتی ہیں (۱) اَلَّذِیْ خَلَقَ الخ مبتداء کی خبر ہو (۲) ھو مبتداء محذوف کی خبر ہو (۳) استویٰ کی ضمیر سے بدل ہو مفسرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے **قولہ** فاسأل بہٖ خبیرًا بہٖ خبیرًا سے متعلق ہے، رعایت فواصل کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے ای فسأل خبیرًا بہٖ یا اسئل سے متعلق ہے ای اِسئل عنہُ خبیرًا یعنی رحمٰن کی صفات کے بارے میں عالم سے معلوم کر لے **قولہ** یُخْبِرُكَ بِصِفَاتِہٖ یہ جواب امر ہے۔

تفسیر وتشریح

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ یہاں اللہ تعالیٰ پھر توحید کے دلائل کا آغاز فرما رہے ہیں، صبح صادق کے بعد سے طلوع شمس تک سب جگہ سایہ رہتا ہے یعنی اس وقت دھوپ نہیں ہوتی اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیتا تو یہ سایہ ہی قائم رہتا، مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس کی وجہ سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بتدریج ایک طرف سمٹنے لگا اگر دھوپ نہ آتی تو ہم سایہ کو نہ سمجھ سکتے اس لئے کہ شئ اپنی ضد ہی سے پہچانی جاتی ہے اور ہمیشہ سایہ ہی قائم رہ جاتا ہے۔

وَھو الَّذی اَرسَلَ الرِّیحَ الخ یعنی رات کی تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط ہو جاتی ہے جس میں لوگ کاروبار

چھوڑ کر آرام کرتے ہیں، جب دن کا اجالا ہوجاتا ہے تو لوگ نیند سے اٹھ کر ادھر ادھر چلنے پھرنے لگتے ہیں، اسی طرح موت کی نیند کے بعد قیامت کی صبح آئے گی جس میں سارا جہاں اٹھ کھڑا ہوگا، اور یہی حالت اس وقت پیش آتی ہے جب انبیاء کرام وحی والہام کی روشنی سے دنیا میں اجالا کرتے ہیں تو جہل وغفلت کی نیند میں سوئی ہوئی مخلوق ایک دم آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھتی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ یعنی اول برساتی ہوئیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں پھر آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے جو کہ خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے، پانی پڑتے ہی مردہ زمین میں جان پڑ جاتی ہے کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں اور کتنے جانور اور انسان بارش کا پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَاہُ بعض نے صَرَّفْنَاہُ میں ھا کا مرجع قرآن قرار دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن میں عمدہ اور اعلیٰ قسم کے مضامین اور ضرب الامثال اور نصیحتیں مختلف عنوان سے بار بار بیان فرمائی ہیں تاکہ اہل عقل ودانش اس میں غور کریں اور خدا کی توحید کے قائل ہوجائیں اور بعض حضرات نے ھا کا مرجع بارش کو قرار دیا ہے، جیسا کہ مفسر علام کی رائے بھی یہی ہے مطلب یہ ہے کہ بارش کو ہم پھیر پھیر کر برساتے ہیں یعنی کبھی ایک علاقہ میں اور کبھی دوسرے علاقہ میں حتی کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ شہر کے ایک حصہ میں بارش ہوتی ہے اور دوسرے حصہ میں نہیں ہوتی کبھی ایک علاقہ میں زیادہ ہوئی اور دوسرے علاقہ میں کم، اور کبھی اس کا برعکس ہوتا ہے، یہ سب اس کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتا ہے اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگ اس کی وحدت اور قدرت کے قائل ہوجائیں اور اس کی نعمت کے شکر گذار ہوں، لیکن بہت سے لوگ پھر بھی نہیں سمجھتے اور نعمت الٰہی کا شکریہ ادا نہیں کرتے، اسلئے کفر اور ناشکری پر اتر آتے ہیں، مثلاً یہ کہ بارش کو مشیت الٰہی کے بجائے ستاروں کی گردش یا کسی ستارے کے غروب وطلوع کا نتیجہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ اہل جاہلیت کیا کرتے تھے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا الخ مطلب یہ ہے کہ نبی کا آنا کوئی تعجب کی بات نہیں اللہ اگر چاہے تو اب بھی نبیوں کی کثرت کردے کہ ہر بستی میں علیحدہ علیحدہ نبی ہو مگر اس کو منظور ہی یہ ہوا کہ اب آخر میں سارے جہاں کے لئے اکیلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجے تاکہ تمام نبیوں کا اجر آپ ہی کو ملے سو آپ کافروں کی احمقانہ طعن وتشنیع اور سفیہانہ نکتہ چینیوں کی طرف التفات نہ کریں، اپنا کام پوری قوت اور تندہی سے انجام دیئے جائیں اللہ آپ کو کامیاب کرنے والا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ لفظ مَرَجَ آزاد چھوڑنے کے معنی میں آتا ہے، اسی وجہ سے مَرْج چراگاہ کو کہتے ہیں جہاں جانور آزادی سے چل پھر کر چر سکیں، عَذْبٌ میٹھے پانی کو کہتے ہیں فرات خوش ذائقہ اور خوشگوار تسکین بخش کو کہتے ہیں مِلْحٌ نمکین کو کہتے ہیں اُجَاج تیز اور تلخ کو کہتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے اپنے فضل اور حکمت بالغہ سے دنیا میں دو قسم کے پانی پیدا فرمائے ہیں، بحر محیط جو کہ زمین کو چاروں

طرف سے گھیرے ہوئے ہے، زمین جو کہ کرۂ ارض کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ ہے اور باقی تین حصہ پانی ہے، بحر محیط کا پانی بتقاضائے حکمت نہایت نمکین اور بدمزہ ہے زمین کے آباد حصہ پر بارش کے پانی کے چشمے، ندیاں، نہریں اور بڑے بڑے دریا ہیں یہ سب میٹھے خوشگوار اور خوش ذائقہ ہیں انسان کو اپنے پینے اور روزمرہ کے استعمال کے لئے شیریں پانی کی ضرورت ہے، جو حق تعالیٰ نے زمین کے آباد حصہ میں مختلف صورتوں میں مہیا فرمایا ہے، لیکن بحر محیط کا پانی اگر شیریں ہوتا تو پوری دنیا میں تعفن پیدا ہو جاتا اور تمام جاندار تعفن اور بدبو کی وجہ سے مر جاتے، اسلئے کہ میٹھے پانی کا خاصہ ہے کہ بہت جلد سڑ جاتا ہے خصوصاً سمندر کہ جس کی مخلوق خشکی کی مخلوق سے کہیں زیادہ ہیں جو سمندر ہی میں مرتے گلتے سڑتے ہیں اور تمام روئے زمین سے بہہ کر جانے والی گندگیاں سب سمندر میں جا کر مل جاتی ہیں اگر سمندر کا پانی میٹھا ہوتا تو دو چار روز ہی میں سڑ جاتا جس کی بدبو سے نہ صرف یہ کہ اہل زمین کو بدبو کی وجہ سے رہنا مشکل ہو جاتا بلکہ فضاء کی آلودگی کی وجہ سے کسی جاندار کا زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا، اس لئے حکمت خداوندی نے سمندری پانی کو اتنا نمکین اور کڑوا اور تیز بنا دیا کہ دنیا بھر کی گندگیاں اس میں جا کر بھسم ہو جاتی ہیں خود اس میں رہنے والی مخلوق جو اسی میں مرتی ہیں وہ بھی سڑنے نہیں پاتیں۔

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وہ ایسی قدرت والا ہے جس نے دو دریاؤں کو (صورۃً) ملایا جن میں ایک کا پانی نہایت شیریں تسکین بخش ہے اور دوسرے کا نمکین اور کڑوا، اختلاط صوری کے باوجود اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک حجاب اور قوی مانع رکھ دیا ہے، ان دو دریاؤں سے وہ مواقع مراد ہیں جہاں شیریں ندیاں سمندر میں جا کر گرتی ہیں، باجودیکہ دونوں کی اوپری سطح ایک معلوم ہوتی ہے لیکن قدرت الٰہیہ نے ان کے درمیان ایک ایسی حد فاصل رکھ دی ہے کہ ملتقی کی ایک جانب اگر پانی لیا جائے تو شیریں اور دوسری جانب جو کہ اول جانب سے بالکل قریب ہے پانی لیا جائے تو تلخ دنیا میں جہاں بھی شیریں پانی کی ندیاں سمندر میں گرتی ہیں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ میلوں دور تک شیریں اور کھارا پانی دور تک الگ الگ چلتے ہیں ان ہی مقامات میں سے ایک مقام آرکان اور چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں، ایک کا پانی سفید ہے اور ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے دونوں کے درمیان ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقی ہے (معارف القرآن ملخصاً)

نسب سے وہ رشتہ داریاں مراد ہیں جو باپ یا ماں کی طرف سے ہوتی ہیں اور صہر سے وہ قرابتداریاں مراد ہیں جو شادی کے بعد بیوی کی طرف سے ہوں جس کو عرف میں سسرالی رشتے کہتے ہیں۔

قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اے محمد آپ کہہ دیجئے کہ ایمان کی دعوت اور اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے کا میں تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا اور نہ اس میں میرا کوئی ذاتی فائدہ ہے، اگر میرا کوئی فائدہ ہے تو یہ کہ تم رب کا راستہ اختیار کر لو، اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص راہ مستقیم اختیار کر لے تو یہ اسی کا فائدہ ہے، اس فائدہ کو اپنا فائدہ قرار دینا یہ پیغمبرانہ

شفقت کی طرف اشارہ ہے کہ میں تمہارے فائدہ کو اپنا فائدہ سمجھ رہا ہوں، اور یہ بھی احتمال ہے اس کو اپنا فائدہ اس لحاظ سے فرمایا ہو کہ اس کا اجر آپ کو ملے گا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو نیک کاموں کی ہدایت کرتا ہے اور وہ اس کے کہنے کے مطابق نیک عمل کرے تو اس کے عمل کا ثواب خود کرنے والے کو بھی پورا پورا ملے گا اور اتنا ہی ثواب ہدایت کرنے والے شخص کو بھی۔ (مظہری)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن اور رحیم اللہ کی صفات اور اسماء حسنٰی میں سے ہیں لیکن عرب اللہ کو ان ناموں سے نہیں جانتے تھے، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوایا تھا تو مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ ہم رحمٰن ورحیم کو نہیں جانتے، باسمك اللّٰه لکھو۔

قال تعالیٰ تَبٰرَكَ تعظَّمَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا اثنی عشر الحمل، والثور، والجوزاء، والسرطان، والاَسد، والسُّنبُلة، والمیزان، والعقرب، والقوس، والجَدْی، والدَّلو، والحوت، وهی منازل الکواکب السَّبعةِ السیارة المرِّیخ وله الحَمْلُ والعَقربُ والزهرة ولها الثورُ والمیزانُ وعُطاردُ وله الجوزاءُ والسُّنبُلةُ والقمر وله السرطان والشمس وله الاَسَدُ والمشتری وله القوسُ والحُوتُ وزُحَل وله الجَدْیُ والدَّلوُ **وَّجَعَلَ فِیْهَا** ایضا **سِرٰجًا** هو الشَّمْسُ **وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا**○ وفی قراءةٍ سُرُجًا بالجمع ای نَیِّراتٍ وخُص القَمرُ منها بالذکرِ لنوعِ فضیلَةٍ **وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً** ای یخلِفُ کلٌّ منهما الاخر **لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّکَّرَ** بالتَّشدید والتخفیف کما تَقدم مافاته فی احدِهما من خیرٍ فیفعلُه فی الاخر **اَوْ اَرَادَ شُکُوْرًا**○ ای شکرًا لنعمة ربِّه علیه فیهما **وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ** مبتدأ وما بعده صفاتٌ له الی اولٰئك یُجزون غیرَ المعترض فیه **الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا** ای بسَکینةٍ وتواضعٍ **وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ** بما یَکرَهُوْنه **قَالُوْا سَلٰمًا**○ ای قولاً یَسلَمون فیه من الاِثم **وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا** جمع ساجدٍ **وَّقِیَامًا**○ بمعنی قائمین ای یُصلون باللیل **وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا کَانَ غَرَامًا**○ ای لازِما **اِنَّهَا سَآءَتْ** بئست **مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا**○ هی ای موضِعَ استقرارٍ واقامةٍ **وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا** علی عیالهم **لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا** بفتح اوّله وضمه مع کسرة التاء ای یضیقوا **وَکَانَ** انفاقُهم **بَیْنَ ذٰلِكَ** الاِسرافِ والاقتارِ **قَوَامًا**○ وسطا **وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ** قتلها **اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ** ای واحدا من الثَّلٰثة **یَلْقَ اَثَامًا**○ ای عقوبةً **یُّضٰعَفْ** وفی قراءة یضعّف بالتَّشدید له

الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ بجزم الفِعلين بدلاً وبرفعهما اِستينافا مُهَانًا ۝ حال اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا منهم فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ المذكورةِ حَسَنٰتٍ فى الاخرة وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ اى لم يَزَل متصفا بذٰلك وَمَنْ تَابَ مِن ذُنُوبِهٖ غيرُ من ذُكر وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝ اى يَرجِع اليه رُجوعا فيُجازِيه خيرا وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ اى الكِذْبَ وَالباطِلَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ من الكلامِ القبيحِ وغيره مَرُّوْا كِرَامًا ۝ معرِضِيْنَ عنهُ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا وُعِظُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ اى القران لَمْ يَخِرُّوْا يسقُطوا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ بل خروا سامعينَ ناظِرينَ مُنتفعِين وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا بالجمع والإفراد قُرَّةَ اَعْيُنٍ لنا بان نَراهم مُطيعين لك وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ فى الخيرِ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ الدَّرجَةَ في الجنة بِمَا صَبَرُوْا على طاعةِ اللّٰهِ وَيُلَقَّوْنَ بالتشديد والتخفيف مع فتح الياءِ فِيْهَا فى الغرفة تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ من الملائكة خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ موضِعَ اقامةٍ لهم واولئك ومابَعده خبرُ عِباد الرحمٰن المبتدأ قُلْ يا محمد لاهل مَكّةَ مَا نافية يَعْبَؤُ يَكترِثُ بِكُمْ رَبِّىْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ ج اياه فى الشَّدائد فيكشِفها فَقَدْ اى فكيف يعبؤبكم وقد كَذَّبْتُمْ الرسولَ والقرانَ فَسَوْفَ يَكُوْنُ العذابُ لِزَامًا ع مُلازِما لكم فى الاخرة بَعد ما يحُل بِكم فى الدُّنيا فقُتل منهم يَومَ بدرٍ سبعون وجوابُ لو لا دَلَّ عليه ما قبلَها .

ترجمہ

وہ ذات بڑی عالی شان ہے جس نے آسمانوں میں بارہ برج بنائے ۱ حَمَلْ ۲ ثور ۳ الجوزاء ۴ السرطان ۵ الاسد ۶ السنبلہ ۷ المیزان ۸ العقرب ۹ القوس ۱۰ الجدی (۱۱) الدلو (۱۲) الحوت یہ سبع سیارہ کی منزلیں ہیں (اور وہ سبع سیارہ یہ ہیں) ۱ المریخ: اس کی منزل حمل اور عقرب ہے ۲ زہرہ: اس کی منزل ثور اور میزان ہے ۳ عطارد: اس کی منزل جوزاء اور سنبلہ ہے ۴ القمر اس کی منزل سرطان ہے ۵ الشمس اس کی منزل اسد ہے ۶ المشتری: اس کی منزل قوس اور حوت ہیں ۷ زحل اس کی منزل جدی اور دلو ہے، اور اس نے آسمان میں چراغ بھی بنایا اور وہ سورج ہے اور نورانی چاند بنایا اور ایک قرأت میں سُرُجًا جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی روشن کواکب بنائے اور کواکب میں خصوصیت کے ساتھ قمر کا ذکر ایک قسم کی فضیلت کی وجہ سے ہے اور وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے آتا ہے اس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہئے اس (کار) خیر کو جو اس سے ان دونوں (رات ودن)

میں سے کسی میں فوت ہو گیا ہو تو اس کار خیر کو دوسرے میں کر لے، اور شکر کرنا چاہئے یَذَّکَّرُ تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے جیسا کہ ماسبق میں گذر چکا ہے یعنی اپنے اوپر لیل ونہار میں اپنے رب کی نعمتوں کا شکر کرنا چاہئے، عباد الرحمٰن مبتداء ہے اور اس کا مابعد جملہ معترضہ کے علاوہ اس کی صفات ہیں اُولٰئِکَ یُجْزَوْنَ تک (یعنی یجزون کے ماقبل تک) اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی یعنی سکون اور تواضع کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے ایسی بات کے ساتھ مخاطب ہوتے ہیں کہ جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں تو وہ صاحب سلام کہہ دیتے ہیں یعنی ایسی بات کہہ دیتے ہیں جس میں وہ گناہ سے محفوظ رہتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام میں لگے رہتے ہیں سُجَّدً ساجِدٌ کے جمع ہے اور قِیامًا قائمینَ کے معنی میں ہے یعنی رات کو نماز پڑھتے ہیں اور جو اپنے رب سے یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھنا کیونکہ اس کا عذاب چمٹ کر رہ جانے والا ہے یعنی لازم ہو جانے والا ہے بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے یعنی استقرار اور اقامت کے لئے نہایت بری جگہ ہے اور جب وہ اپنے عیال پر خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں یَقْتُرُوْا یا کے فتحہ کے ساتھ (مع تا کے کسرہ کے) اور ضمہ یا کے ساتھ (مع کسرہ تا) لم یقتروا ای لم یُضَیِّقُوا اور ان کا خرچ کرنا اسراف اور تنگی کے درمیان اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی بندگی نہیں کرتے اور جس نفس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق کے ساتھ، اور وہ زنا کے مرتکب نہیں ہوتے اور جو کوئی (مذکورہ تینوں کاموں میں سے ایک کام بھی کرے گا) تو اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا اَثَامًا ای عقوبته اور اس کو قیامت کے دن دوہرا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ اس میں رہے گا اور ایک قرأۃ میں یُضَعَّفُ تشدید کے ساتھ ہے دونوں فعل (یعنی یُضٰعَفْ اور یَخْلُدْ) مجزوم میں (یَلْقَ سے بدل الاشتمال) واقع ہونے کی وجہ سے اور (مذکورہ دونوں فعل) رفع کے ساتھ بھی ہیں استیناف کی وجہ سے مُهَانًا یَخْلُدْ کی ضمیر سے حال ہے مگر ان میں سے جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے مذکورہ گناہوں کو آخرت میں نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یعنی اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے اور جو شخص یہ شخص اس کے علاوہ ہے جس کا ذکر اِلَّا مَنْ تَابَ و آمَنَ میں ہوا ہے، توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو ایسا شخص (حقیقت میں) اللہ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے یعنی صحیح معنی میں رجوع کرتا ہے تو ایسے شخص کو (اللہ تعالیٰ) بہتر جزاء عطا فرمائیں گے اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے (دوسرا ترجمہ) (اور وہ جھوٹی اور باطل گواہی نہیں دیتے) اور جب لغو چیزوں یعنی بیہودہ کلام وغیرہ پر ان کا گذر ہوتا ہے تو شرافت سے گذر جاتے ہیں یعنی (بے توجہی کیساتھ) اس سے اعراض کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں اور وہ ایسے ہیں کہ جب ان کو اللہ کی آیتوں یعنی قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر سے بہروں اور اندھوں کی طرح نہیں گزرتے بلکہ بگوش قبول سنتے ہوئے اور بچشم عبرت دیکھتے ہوئے استفادہ کرتے ہوئے گذرتے

ہیں، اور وہ ایسے ہیں کہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمایا ذُرِّيَّاتِنَا جمع اور افراد کے ساتھ ہے، بایں طور کہ ہم ان کو تیرا فرمانبردار دیکھیں اور ہم کو متقیوں کا خیر میں پیشوا بنا ایسے ہی لوگوں کو جنت میں بلند بالا خانے عطا کئے جائیں گے ان کے اللہ کی طاعت پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے جہاں ان کو ملائکہ کی طرف سے (دائمی) بقا کی (خوشخبری) اور سلامتی کی دعا دی جائے گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہ بہت ہی اچھی جگہ اور عمدہ مقام ہے یعنی ان کی قیام گاہ ہے اور اُولٰئِكَ اور اس کا مابعد عباد الرحمٰن مبتدا کی خبر ہے اے محمد آپ اہل مکہ سے کہہ دیجئے میرا رب تمہاری کوئی پرواہ نہ کرے گا اگر تم اس کو مصائب میں نہ پکاروگے کہ وہ ان کو زائل کردے یعنی کیسے تمہاری پرواہ کرے گا تم تو رسول اور قرآن کو جھٹلا چکے ہو، عنقریب عذاب تم سے چسپاں ہوکر رہے گا (یعنی) دنیا میں تم پر عذاب نازل ہونے کے علاوہ آخرت میں تم پر عذاب لازم ہوکر رہے گا، چنانچہ ان میں سے یوم بدر میں ستر قتل کئے گئے، لَوْلَا کا جواب (محذوف ہے) جس پر لولا کا ماقبل (یعنی مايَعْبَأُبكم) دلالت کر رہا ہے (تقدیر عبارت یہ ہوگی لَوْ لَا دعاؤُكُمْ مَا يَعْبَؤُ بِكُمْ رَبِّي.

تحقیق، ترکیب و تفسیری فوائد

قوله بُرُوْجًا یہ برج کی جمع ہے منزل کو کہتے ہیں، سات سیاروں کی بارہ منزلیں ہیں، سات سیاروں میں سے پانچ کی دو دو منزلیں ہیں اس طرح پانچ سیاروں نے دس منزلیں لے لیں باقی سیاروں یعنی شمس اور قمر نے ایک ایک منزل لے لی اس طرح سات سیاروں پر بارہ منزلیں تقسیم ہوگئیں، زحل ساتویں آسمان پر ہے اور مشتری چھٹے پر اور مریخ پانچویں پر اور شمس چوتھے پر اور زہرہ تیسرے پر اور عطارد دوسرے پر، اور قمر پہلے آسمان پر ہے، مفسر علام نے سبع سیارات کی جو ترتیب بیان کی ہے قدیم علم ہیئت کے معلم اول ارسطو کے نزدیک عالم کا مرکز زمین ہے سیارات وثوابت بلکہ سارا جہاں اسکے گرد گھوم رہا ہے، اکثر قدما نے اس کی تقلید کی بطلیموس اسی کا سرخیل ہے یہ رائے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک مسلم رہی۔

جدید علم ہیئت کا بانی مشہور فلکی کوپرنیکس پولنڈی م ۱۴۷۲ء و ۱۵۴۳ء سمجھا جاتا ہے، مشہور ہے کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے مرکزیت آفتاب کا نظریہ پیش کیا۔ (بحوالہ فلکیات جدید ص ۲۵)

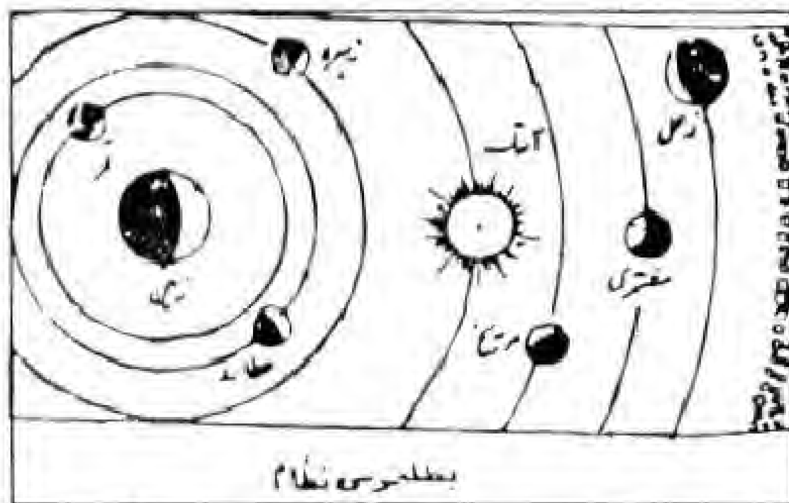

بطلیموسی نظام

نظریہ کوپرنیکس کے بنیادی اصول دو ہیں۔

اول: کواکب عالم کی روزانہ کی گردش کی اصلی وجہ اپنے محور کے گرداگرد زمین کی روزانہ گردش ہے۔

دوم: تمام سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں، زمین بھی ان میں سے ایک سیارہ ہے، نظام کوپرنیکی میں سیاروں کی ترتیب مرکز ''آفتاب'' سے شروع ہوکر یہ ہے۔

۱ عطارد ۲ زہرہ ۳ ارض ۴ مریخ ۵ مشتری ۶ زحل ۷ یورینس ۸ نیپچون ۹ پلوٹو۔ (بحوالہ فلکیات جدیدہ، ص ۲۶)

قولہ وجَعَلَ فیھا ای فی السماء سماء سے اصطلاحی سماء مراد نہیں ہے بلکہ جانب فوق مراد ہے **کل ما ھو فوق رأسکَ فھو السماء** سیارات فضاء میں معلق ہیں آسمان میں پیوست نہیں ہیں، سیارات سبعہ کا جو سات آسمانوں میں ہونا بتایا گیا ہے یہ ان کی حرکت دوری کی منزلیں ہیں ان ہی کو بروج بھی کہا جاتا ہے، مثلاً قمر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پہلے آسمان پر ہے اور عطارد دوسرے آسمان پر ہے زہرہ تیسرے آسمان پر ہے اور شمس چوتھے آسمان پر ہے علیٰ ھٰذا القیاس **جَعَلَ فیھَا** میں **فیھا** کی ضمیر کو اگر بروج کی طرف لوٹایا جائے تو بات بالکل واضح ہوجاتی ہے جیسا کہ محشی کی بھی یہی رائے ہے، اگر سماء سے سماء اصطلاحی حقیقی مراد لیا جائے تو بہت سے اعتراضات ہوسکتے ہیں، پھر اس کے بعد **قمرًا** کا **سُرُجًا** پر عطف کیا، یہ عطف الشیٔ علیٰ نفسہٖ کے قبیل سے کہلائے گا جو کہ درست نہیں ہے **وَخُصَّ القمر الخ** سے اسی اعتراض کا جواب ہے، عرب کے نزدیک چونکہ قمر کی ایک اہمیت اور فضیلت اس لئے ہے کہ ان کے یہاں سال کا حساب قمری مہینوں ہی سے ہوتا ہے نیز اس کے علاوہ بعض عبادتوں کا دارومدار بھی قمری مہینوں پر ہے اس لئے تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے قمر کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، جیسا کہ **حافظوا علی الصلوٰات والصَّلوٰۃِ الوُسطی** میں ہے **قولہ وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ وَالنَّھارَ خِلْفَۃ** ، **خِلْفَۃً** مصدر ہے، بیان نوع کے لئے جیسے **جِلْسَۃً** یعنی خاص نوعیت سے یکے بعد دیگرے آنا بایں طور کہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہوجائے **خِلفَۃً** نہ تو **جَعَلَ** کا مفعول ثانی ہوسکتا ہے اگر **جَعَلَ** بمعنی **صَیَّرَ** لیا جائے اور نہ **جَعَلَ** کے مفعول سے حال واقع ہوسکتا ہے اگر **جَعَلَ** بمعنی **خَلَقَ** لیا جائے، حالانکہ **خِلفۃ** کا مفعول یا حال ہونا ضروری ہے ورنہ تو معنی درست نہ ہوں گے، لہٰذا **خلفۃ** سے پہلے مضاف محذوف ماننا ضروری ہوگا، **ای ذو خِلفۃ** اس صورت میں مصدر بمعنی اسم فاعل ہوجائے گا، **خلفۃ** بمعنی **خلیفۃ** ہوکر معنی درست ہوجائیں گے، ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ قاموس میں ہے کہ **خِلْفَۃ** بمعنی **مختلفۃ** ہے اس صورت میں مضاف محذوف ماننے کی ضرورت نہ ہوگی اور معنی ہوں گے **جَعَلَھُما مُخْتَلِفَیْنِ** اب رہا یہ سوال کہ **خِلفۃً** جب **مختلفین** تثنیہ کے معنی میں ہے تو **خِلفۃ** کو واحد کیوں لایا گیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہوگا **خلفۃ** چونکہ مصدر کا ہم وزن ہے اور مصدر میں واحد تثنیہ جمع سب برابر ہوتا ہے، اس لئے **خلفۃ** کو واحد لایا گیا ہے، اسی جواب کی طرف مفسر علام نے

یَخْلِفُ کلٌّ مِنهما الآخر سے اشارہ کیا ہے **قولہ** مَا فَاتَہٗ یَذَّکَّرَ کا مفعول محذوف ہے جس کو مفسرؒ نے ظاہر کر دیا ہے **قولہ** اَوْ اَرَادَ شُکُوْرًا میں اَوْ تقسیم وتنویع کے لئے ہے نہ کہ تخییر کے لئے یعنی مانعۃ الخلو مراد ہے، جس میں دونوں جمع بھی ہو سکتے ہیں شُکورًا مصدر ہے بمعنی شکرًا **قولہ** عِبَادُ الرحمٰن یہ جملہ مستانفہ ہے مخلص اور برگزیدہ بندوں کے اوصاف بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، عباد الرحمٰن مبتداء موصوف ہے اور موصولات ثمانیہ جن میں پہلا الذین یمشون ہے اور آخری والذین یقولون ہے یہ تمام موصولات اپنے صلات سے مل کر مبتداء موصوف کی صفت ہے اور اُولٰئِکَ یجزون الخ مبتداء کی خبر ہے، مبتداء اور خبر کے درمیان تین آیتیں جملہ معترضہ ہیں وَمَنْ یَفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا سے مَقَامًا تک هَوْنًا یہ ھانَ کا مصدر ہے نرمی کرنا، سکینت اور وقار کے ساتھ چلنا، **قولہ** سُجَّدًا یبیتون کی ضمیر سے حال ہے اور لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا کے متعلق ہے، سُجَّدًا کو قیاماً پر فواصل کی رعایت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے **قولہ** وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا (الآیۃ) یعنی خالق اور مخلوق کے ساتھ حسن معاملہ کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں اپنے اعمال پر اعتماد اور بھروسہ کر کے بے خوف نہیں ہو جاتے اور یوں دعا کرتے رہتے ہیں رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا (الآیۃ) **قولہ** اِنَّ عذابَھَا کَانَ غَرَامًا اور سَاءَتْ مستقرًا ومقاماً یہ دونوں رَبَّنَا اِصرِف عَنَّا (الآیۃ) کی علت ہیں **قولہ** سَاءَتْ بِئسَتْ ساءَتْ کی تفسیر بِئسَتْ سے کرنے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ساءَت افعال ذم میں سے ہے اس کا فاعل اس میں ضمیر مستتر مبہم ہے اور مستقرًا اس کی تمیز ہے جو ضمیر مبہم کی تفسیر کر رہی ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ ھِیَ ہے شارح نے ظاہر کر دیا ہے بعض حضرات نے سَائَتْ بمعنی اَحْزَنَتْ لیا ہے، اس وقت یہ افعال متصرفہ میں سے ہوگا اور مفعول کو نصب کرے گا جو کہ یہاں محذوف ہے، اور وہ اَصْحَابَھَا یا دَاخِلِیْھَا ہے، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی اَنَّھَا (ای جھنم) اَحْزَنَتْ اَصْحَابَھَا وَدَاخِلِیْھَا اور مستقراً تمیز یا حال واقع ہو سکتا ہے قول اول کو ترجیح دینے کے لئے مفسر علام نے ساءت کی تفسیر بئست سے کر دی تا کہ اشارہ ہو جائے کہ ساءَتْ اَحْزَنَتْ کے معنی میں نہیں ہے، مفسر علام کے نزدیک مستقر اور مقام دونوں ایک ہی چیز ہیں، بعض مفسرین نے دونوں میں فرق کیا ہے، مستقر عصاۃ مومنین کے لئے ہے یعنی دائمی نہیں ہے مقاماً کافروں کے لئے ہے جو کہ دائمی ہے **قولہ** یَقتُروا یا کے فتحہ و کسرۃ التاء ای یقتِرُوْا اور ضمہ یا اور کسرۂ تا کے ساتھ ای یُقْتِرُوْا اور فتحۂ یا اور ضمۂ تا کے ساتھ کوفیین کے نزدیک ای یَقْتُرُوْا یقال قَتَرَ علی عیالِہٖ ای ضَیَّقَ عَلَیْھِم فی النفقۃ (بابہ ضرب ونصر) والذین لَا یَدْعون مع اللّٰہِ الخ بیان اطاعت کے بعد اجتناب عن المعصیۃ کو بیان فرمایا یُضٰعَفْ اور یَخْلُدْ دونوں فعل یَلْقَ سے بدل اشتمال واقع ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں، اور جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھا گیا ہے **قولہ** اِلَّا مَنْ تَابَ یَلْقَ کی ضمیر مستتر سے مستثنیٰ متصل ہے اَیْ اِلَّا مَنْ تَابَ فَلا یَلْقَ اَثَامَ بعض حضرات نے مستثنیٰ متصل بھی قرار دیا ہے، مگر ابوحیان نے کہا ہے کہ مستثنیٰ متصل درست نہیں ہے، اس لئے کہ

مستثنیٰ منہ پر مضاعف کا حکم لگایا گیا ہے تو اس صورت میں تقدیر یہ ہوگی اِلَّا مَنْ تابَ و آمَنَ وعمِلَ عملاً صالحًا فلا یُضاعف له العذاب اور عذاب مضاعف کے انتفاء سے عذاب غیر مضاعف کا انتفاء لازم نہیں آتا لہٰذا مستثنیٰ منقطع اولیٰ ہے اور الا بمعنی لکن ہے (فتح القدیر) مُهَانًا یخلد کی ضمیر سے حال ہے بعض حضرات نے وَمَنْ تابَ وعمِلَ صالحًا فانهُ یتوبُ الی اللّٰہِ متاباً اتحاد شرط وجزاء کا شبہ کیا ہے جو کہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ مَنْ تابَ فانهُ یتوبُ نہیں کہا جاتا، بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ شرط سے زبانی توبہ مراد ہے اور جزاء عمل کے ساتھ مؤکد تو یہ مراد ہے اسی وجہ سے جزاء کو مصدر متابا سے مؤکد کیا ہے اور آیت کے معنی یہ بتائے ہیں من اراد التوبة وعزم علیها فلیتب الی اللّٰہ خبر بمعنی امر ہے۔ (فتح القدیر، شوکانی) **قوله** غیرُ مَنْ ذُکِرَ سے اشارہ ہے کہ عطف مغایرت کے لئے ہے یعنی پہلی آیت میں مَنْ تابَ سے مراد کافر ہیں اور دوسری میں مومن اور بعض حضرات نے تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے قرار دیا ہے **قوله** لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ اگر لَا یَشْهَدُوْنَ لایَحْضرُوْن کے معنی میں ہو جیسا کہ مفسر علام نے اسی معنی میں لیا ہے تو زُوْرَ مفعول بہ ہوگا اور اگر یَشْهَدُوْنَ شہادت کے معنی میں ہو تو زور بنزع الخافض منصوب ہوگا، ای لَا یَشْهَدُوْنَ بِالزُّوْرِ **قوله** قُرَّةَ اَعْیُنٍ قرة العین سُرُوْرُهَا قرةُ العین سے مراد اہل وعیال کی نیکی اور فرمانبرداری کو دیکھ کر خوشی اور مسرت کا حاصل ہونا ہے، اسی کو آنکھوں کی ٹھنڈک سے تعبیر کیا ہے **قوله** وَاجْعلنا اِمَامًا امام مفرد اور جمع سب کے لئے بولا جاتا ہے اس لئے اِجْعلْنَا کی جمع متکلم کی ضمیر کے لئے اماماً مفرد لانا صحیح ہے **قوله** اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ اُولٰٓئِكَ سے ان عباد الرحمٰن کی طرف اشارہ ہے جو موصولات ثمانیہ کے تحت آنے والی صفات سے متصف ہوں الغرفة اسم جنس سے مراد غرفات ہیں **قوله** اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ اور اس کا مابعد عِبادُ الرحمن مبتداء کی خبر ہے **قوله** لَوْ لَا دُعَائُکُمْ لَوْلَا کا جواب محذوف ہے اور ما قبل لَو لا محذوف جواب پر دلالت کر رہا ہے ای لو لا دعاؤکم مَا یَعْبَؤبکُمْ.

تفسیر وتشریح

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا بُرُوْجٌ بُرْجٌ کی جمع ہے، سلف کی تفسیر میں بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد لئے گئے ہیں، اور اسی مراد پر کلام کا نظم واضح ہے کہ بابرکت ہے وہ ذات کہ جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے اور سورج اور چاند بنائے اور بعد کے مفسرین نے بروج سے اہل نجوم کے مصطلحہ بروج مراد لئے ہیں، اور یہ بارہ برج ہیں اور یہ سات بڑے بڑے سیاروں کی منزلیں یعنی ان کے مدار ہیں۔ (تفصیل تحقیق وترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے)

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً رات اور دن آپس میں ایک دوسرے کے خلیفہ ہیں یعنی رات جاتی

ہے تو دن آتا ہے اور جب دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے، دونوں بیک وقت جمع نہیں ہوتے، اس کے فوائد ومصالح محتاج وضاحت نہیں حیوانات اور نباتات کی بقا اسی آمد ورفت پر موقوف ہے، بعض حضرات نے خلفۃً کے معنی مخالف کے لئے ہیں یعنی رات تاریک ہے اور دن روشن **قوله** لِمَنْ اَرَادَ یہ جَعَلَ کے متعلق ہے اَنْ یَتَذَکَّرَ ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ لیل ونہار کا اختلاف اور یہ گردش ایام اس شخص کے لئے سامان عبرت ونصیحت ہیں ان میں غور وفکر کرنا چاہئے ورنہ تو یہ پورا کارخانہ قدرت اس کے لئے بازیچۂ اطفال ہے، دوسرا مطلب جو مفسر علام نے اختیار کیا وہ یہ ہے کہ لیل ونہار کے اختلاف کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کام کو ایک رات یا دن میں کرنا بھول جائے یا کسی وجہ سے نہ کر سکے تو اس فوت شدہ کو دوسرے وقت میں پورا کر سکے، مفسر کے قول **مافاته** کا تعلق یتذکر سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی مخصوص صفات

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الخ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی تیرہ صفات وعلامات کا ذکر آیا ہے جن میں عقائد کی درستی اور اپنے ذاتی اعمال میں خواہ وہ بدن سے متعلق ہوں یا مال سے سب میں اللہ کے اور اس کے رسول کے احکام اور مرضی کی پابندی، دوسرے انسانوں کے ساتھ معاشرت اور تعلقات کی نوعیت رات دن کی عبادت گذاری کے ساتھ خوف خدا، تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اپنے ساتھ اولاد وازواج کی اصلاح کی فکر وغیرہ شامل ہیں۔

پہلا وصف: عبد ہوتا ہے عبد کا ترجمہ ہے بندہ جو اپنے آقا کا مملوک ہو، اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات واعمال آقا کے حکم ومرضی پر دائر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا درحقیقت وہی شخص مستحق ہو سکتا ہے جو اپنے عقائد وخیالات کو اور اپنے ہر ارادہ اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت اور سکون کو اپنے رب کے حکم اور مرضی کے تابع رکھے، ہر وقت گوش برآواز رہے کہ جس کام کا حکم ہو بجا لاؤں۔

دوسرا وصف: یمشون علی الارض ھونا ہے یعنی وہ زمین پر تواضع کے ساتھ چلتے ہیں یعنی سکونت اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں، یعنی ان کی رفتار سے بھی بندگی ٹپکتی ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اکڑ کر متکبرانہ انداز سے نہیں چلتے، بہت آہستہ چلنا اور بلا ضرورت تکلف کے ساتھ چلنا خلاف سنت ہے شمائل نبویہ میں منقول ہے کہ آپ کا چلنا بہت آسان نہیں ہوتا تھا بلکہ قدرے تیزی کے ساتھ ہوتا تھا۔

تیسرا وصف: وَاِذَا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما یعنی جب جہالت والے ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ صاحب سلام کہہ دیتے ہیں یہاں سلام سے عرفی سلام مراد نہیں ہے بلکہ ایسی بات جس سے فتنہ برپا نہ ہو، قرطبی نے نحاس سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سلام تسلیم سے مشتق نہیں ہے بلکہ تسلُّم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سلامت رہنا، حاصل یہ ہے کہ بے وقوف جاہلانہ باتیں کرنے والوں سے یہ لوگ انتقامی معاملہ نہیں کرتے بلکہ ان سے امن اور

سلامتی کی بات کردر گذر کرتے ہیں۔

چوتھا وصف: والذین یبیتون لربھم سجدًا وقیامًا یعنی ان کی رات کا اکثر حصہ عبادت گذاری میں گذرتا ہے یعنی اللہ کے دیگر بندے جس وقت خواب غفلت میں محو ہوتے ہیں اللہ کے یہ مخصوص بندے جبین نیاز زمین پر رکھ کر سجدہ ریز ہوتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان کے لیل ونہار خدا کی بندگی میں گذرتے ہیں۔

پانچواں وصف: والذین یقولون ربّنا اصرف عنا عذاب جھنم انَّ عذابھا کان غرامًا یعنی یہ مقبولین بارگاہ شب وروز عبادت میں مصروف رہنے کے باوجود بے خوف ہوکر نہیں بیٹھتے بلکہ ہر وقت خدا کا خوف اور آخرت کی فکر رکھتے ہیں جس کے لئے عمل کی کوشش بھی جاری رہتی ہے اور اللہ سے دعا بھی۔

چھٹا وصف: وَالذین اذا انفقوا یعنی اللہ کے مقبول بندے مال خرچ کرنے کے وقت نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل وکوتاہی بلکہ اعتدال پر قائم رہتے ہیں آیت میں اسراف اور اس کے بالمقابل اقتار کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، اسراف کے لغوی معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور ابن جریج کے نزدیک اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اگرچہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو، اور بعض حضرات نے فرمایا جائز اور مباح کاموں میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا کہ جو تبذیر یعنی فضول خرچی کے حکم میں داخل ہوجائے وہ بھی اسراف کے حکم میں ہے۔

اور اقتار کے معنی خرچ میں تنگی اور بخل کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جن کاموں میں اللہ اور اس کے رسول نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے ان میں خرچ کرنے میں تنگی برتنا یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہ سے منقول ہے۔ (مظہری) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے مِن فقهِ الرجلِ قصدهٗ فی معیشته یعنی انسان کی دانشمندی کی علامت یہ ہے کہ خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے نہ اسراف میں مبتلا ہو اور نہ بخل میں۔ (رواہ الامام احمد عن ابی الدرداء، ابن کثیر)

ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا عَالَ مَنْ اقتصَدَ یعنی جو شخص خرچ میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوتا۔ (رواہُ احمد ابن کثیر)

ساتواں وصف: والذین لایدعون مع اللّٰہ الخ پہلی چھ صفات میں اطاعت وفرمانبرداری کے اصول بیان کئے گئے ہیں، اب معصیت اور نافرمانی سے اجتناب کے اصول کو بیان فرمایا ہے، جن میں پہلی چیز عقیدہ سے متعلق ہے کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک نہیں کرتے۔

آٹھواں اور نواں وصف: لا یقتلون النفس الخ یہ عملی گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے یعنی اللہ کے نیک بندے گناہ کبیرہ کے پاس تک نہیں جاتے کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے، زنا کا ارتکاب نہیں کرتے، آگے

فرمایا جو شخص ان گناہوں کا مرتکب ہوگا وہ اس کی سزا پائے گا ابو عبیدہ نے اس جگہ لفظ اثام کی تفسیر سزائے گناہ سے کی ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اثام جہنم کی ایک وادی ہے جو نہایت شدید عذابوں سے پُر ہے آگے اس عذاب کا بیان ہے جو جرائم مذکورہ کے کرنے والوں پر ہوگا، آیات کے سیاق وسباق سے یہ بات متعین ہے کہ یہ عذاب کفار کے لئے مخصوص ہے کہ جنہوں نے شرک وکفر بھی کیا اور قتل وزنا کے مرتکب بھی ہوئے، مگر وہ لوگ کہ جنہوں نے سچی توبہ کرلی اور اعمال صالحہ اختیار کئے ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا، اس سے معلوم ہوا کہ سچی توبہ سے ہر قسم کا گناہ معاف ہوسکتا ہے اور سورہ نساء کی آیت ۹۳ میں جو مومن کے قتل کی سزا جہنم بتلائی گئی ہے وہ اس صورت پر محمول ہوگی جب قاتل نے توبہ نہ کی ہو یا حلال سمجھ کر قتل کیا ہو، ورنہ تو حدیث میں آتا ہے کہ سو آدمیوں کے قاتل نے بھی خالص توبہ کی تو اللہ نے اسے معاف فرمادیا۔ (صحیح مسلم، کتاب التوبہ)

سیئات کو حسنات سے بدلنے کا مطلب

حضرت ابن عباسؓ، حسن بصریؒ، سعید بن جبیرؒ، مجاہدؒ وغیرہ ائمہ تفسیر سے یہ مطلب مروی ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں اور نیک عمل کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ ان کے سیئات کو حسنات سے تبدیل کردیں گے، بایں طور کہ توبہ کے بعد ان کے اعمال نامہ میں صرف حسنات ہی حسنات رہ جائیں گی، کیونکہ شرک وکفر سے توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ بحالت شرک وکفر جتنے گناہ کئے ہوں ایمان قبول کرنے کے بعد پچھلے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور ان معاصی اور سیئات کی جگہ اعمال صالحہ اور حسنات نے لے لی۔

ابن کثیر نے اس کی ایک دوسری تفسیر یہ بھی نقل کی ہے کہ انہوں نے جتنے گناہ زمانہ کفر میں کئے تھے ایمان لانے کے بعد ان سب گناہوں کے بجائے نیکیاں لکھ دی جائیں گی، اس تفسیر کی دلیل میں بعض حضرات نے ایک روایت بھی پیش کی ہے۔

عن ابی ذر قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا یُؤتٰی بِالرَّجُلِ یومَ القِیامَةِ فیقال اعرضوا علیه صِغارُ ذنوبِهٖ وینحی عن کبارها فیقال : عملتَ یومَ کذَا و کذَا و کذَا وهو یقر لا ینکر وهو مشفقٌ من الکبار فیقال : اعطوه مکان کل سیئة عمِلها حسنة فیقول : اِن لی ذنوبًا لم اَرها هُنا قال: ولقد رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ضحِکَ حتی بدت نواجذهٗ.

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ مَتَابًا یہ بظاہر اسی مضمون سابق کی تکرار ہے جو اس سے پہلی آیت یعنی اِلَّا مَنْ تَابَ وَ آمَنَ وعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا میں آیا ہے اور قرطبی نے قفال سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ توبہ پہلی توبہ سے مختلف ہے کیونکہ پہلا معاملہ کفار اور مشرکین کا تھا جو قتل اور زنا میں بھی مبتلا ہوئے تھے پھر ایمان لے آئے تو ان کی

حسنات سیئات سے بدل دی گئیں، اور اس آیت میں مسلمان گنہگاروں کی توبہ کا ذکر ہے اسی لئے پہلی توبہ کے ساتھ آمَن کا ذکر ہے، دوسری توبہ میں ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی توبہ کا ذکر ہے جو مومن تھے مگر غفلت سے قتل و زنا میں مبتلا ہو گئے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسے لوگ توبہ کر لینے کے بعد صرف زبانی توبہ پر اکتفانہ کریں بلکہ آئندہ کے لئے اپنے اعمال کو درست اور صالح بنالیں تو ان کا توبہ کرنا درست اور صحیح سمجھا جائے گا، اسی لئے بطور شرط توبہ کر لینے کے ابتدائی حال کا ذکر کرنے کے بعد اس کی جزاء میں دوبارہ یتوب کا ذکر کرنا صحیح ہو گیا، کیونکہ شرط میں جس توبہ کا ذکر ہے وہ صرف زبانی توبہ ہے اور جزاء میں جس توبہ کا ذکر ہے وہ عمل صالح پر مرتب ہے لہٰذا شرط و جزاء کے متحد ہونے کا اعتراض ختم ہو گیا، اس آیت کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان غفلت کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو گیا اور توبہ کر لی اور توبہ کے بعد اپنے عمل کی ایسی اصلاح کر لی کہ اس کے عمل سے توبہ کا ثبوت ملنے لگے تو یہ توبہ عنداللہ مقبول ہوگی اور بظاہر اس کا قاعدہ بھی وہی ہوگا جو پہلی آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اس کے سیئات کو حسنات سے بدل دیا جائے گا۔

اللہ کے مقبول اور مخصوص بندوں کی خاص صفات کا بیان چل رہا تھا درمیان میں گناہوں کے بعد توبہ کر لینے کے احکام کا بیان آیا اس کے بعد باقی صفات کا بیان ہے۔

دسواں وصف: والذین لا یشهدونَ الزُّورَ یعنی مخصوص بندے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ جھوٹ اور باطل کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے، سب سے بڑا جھوٹ اور باطل تو شرک اور کفر ہے، اس کے بعد عام جھوٹ اور گناہ کے کام ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مقام زور میں حاضری کا مطلب مشرکین کی عیدیں اور میلے ٹھیلے ہیں، حضرت مجاہد اور محمد بن حنفیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد گانے بجانے کی مجلسیں ہیں، اور اگر مذکورہ سب ہی مقامات مراد لئے جائیں تو تب بھی کوئی استبعاد نہیں ہے۔

بعض حضرات نے یشهَدُونَ الزُّورَ سے جھوٹی گواہی مراد لی ہے اور یشهدون کو شهادة سے مشتق مانا ہے، بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی شہادت کو اکبر الکبائر گناہ قرار دیا ہے۔

گیارھواں وصف: وإذا مرُّوا باللغوِ مرُّوا كراماً یعنی لغو اور بیہودہ مجلسوں پر کبھی اتفاقاً ان کا گذر ہو جائے تو سنجیدگی اور شرافت کے ساتھ نظریں نیچی کر کے گذر جاتے ہیں۔

بارھواں وصف: وَالَّذين اذا ذُكِرُوا بآياتِ رَبِّهم لَم يَخِرُّوا عليها صُمًّا وعُمياناً.

قوله لَم يَخِرُّوا جمع مذکر غائب، مضارع منفی مجزوم بمعنی ماضی خروزٌ مصدر (ض) وہ نہیں گر پڑتے، اس آیت کے مفہوم متعین کرنے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان بندگان خدا کی شان یہ ہے کہ جب ان کو اللہ کی آیات اور آخرت کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ ان آیات کی طرف اندھوں اور بہروں کی طرح متوجہ نہیں ہوتے

بلکہ سمیع وبصیر انسان کی طرح ان میں غور کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں، اس آیت میں دو چیزیں مذکور ہیں ایک آیات الٰہیہ پر ٹوٹ پڑنا یعنی اہتمام کے ساتھ متوجہ ہونا یہ تو امر محمود اور مقصود ہے اور بہت بڑی نیکی ہے، دوسرے اندھوں اور بہروں کی طرح گرنا کہ قرآنی آیات پر توجہ تو دیں مگر یا تو اس پر عمل کرنے میں معاملہ ایسا کریں کہ گویا انہوں نے سنا اور دیکھا ہی نہیں، یا قرآنی آیات پر عمل بھی کریں مگر ان کو اصول صحیحہ اور تفسیر صحابہ وتابعین کے خلاف اپنی رائے یا سنی سنائی باتوں کے تابع کرکے غلط مطلب نکالیں یہ بھی ایک طرح اندھے بہرے ہوکر ہی گرنا ہے۔ (معارف القرآن ملخصاً)

بعض حضرات نے لَمْ یَخِرُّوْا کا ترجمہ لَمْ یُعْرِضُوْا عنھا بل سمِعُوْھا بآذانٍ واعیة وقلوبٌ وجلةٌ سے کیا ہے یعنی وہ آیات سے اعراض (روگردانی) نہیں کرتے بلکہ ان کو محفوظ رکھنے والے کانوں اور خوف زدہ دلوں سے سنتے ہیں (صفوۃ التفاسیر) قال ابن قتیبة: المعنی لَمْ یتغافَلُوْا عَنْھا کانَّھُمْ صُمٌّ لم یَسْمَعُوْھا وعُمْیٌ لَمْ یُبْصُرُوْھا ابن جریر نے کہا یہاں خرور بمعنی (سقوط) مراد نہیں ہیں بلکہ یہ فَعَدَ یَبْکی کے قبیل سے ہے (فتح القدیر شوکانی) جیسا کہ اردو میں کہتے ہیں روتے بیٹھ گیا، یہ مطلب نہیں ہے کہ کھڑا تھا رونے کے لئے بیٹھ گیا، مطلب یہ ہے کہ رونا شروع کردیا، اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بندگان خدا آیات کو سنکر اندھے بہرے نہیں بن جاتے بلکہ گوش ہوش سے سنتے ہیں اور چشم عبرت سے دیکھتے ہیں۔

تیرھواں وصف: وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا الخ اس میں اپنی اولاد اور ازواج کے لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی ہے کہ ان کو میرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے یعنی ان سے مجھے خوشی اور مسرت حاصل ہو، حسن بصریؒ کی تفسیر کے مطابق مطلب یہ ہے کہ ان کو اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھے، مطلب یہ ہے کہ خدا کے نیک بندے صرف اپنی اصلاح پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنی اولاد اور ازواج کی اصلاح اعمال کی فکر کرتے ہیں، اور فکر میں اللہ تعالیٰ سے دعا بھی داخل ہے۔

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا اس میں بظاہر اپنے لئے جاہ ومنصب اور بڑائی حاصل کرنے کی دعا ہے جو دوسری قرآنی نصوص کی رو سے ممنوع ہے، اس لئے بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ہر شخص قدرتی طور پر اپنے اہل وعیال کا پیشوا ہی ہوتا ہے اس لئے اس دعا کا حاصل یہ ہوگیا کہ ہماری آل واولاد کو متقی بنادیجئے، اور جب وہ متقی ہوجائیں گے تو خود بخود یہ شخص متقیوں کا امام اور پیشوا کہلائے گا، بعض حضرات جن میں ابراہیم نخعی اور حضرت مکحول شامی بھی شامل ہیں نے فرمایا کہ اس دعا میں اپنے لئے کوئی ریاست اور پیشوائی کی طلب مقصود نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہم کو ایسا بنادیجئے کہ لوگ دین وعمل میں ہماری اقتداء کریں اور ہمارے علم سے ان کو نفع پہنچے تاکہ اس کا ثواب ہمیں حاصل ہو، قرطبی نے دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ ریاست وامامت کی طلب جو دین کے لئے ہو وہ مذموم نہیں ہے بلکہ جائز ہے، اور جن نصوص میں اپنے لئے جاہ ومنصب کی طلب سے ممانعت آئی ہے وہ دنیوی

عزت وجاہ ہے، یہاں تک عباد الرحمٰن یعنی مخصوص بندگان خدا کی صفات کا بیان پورا ہو گیا، آگے ان کی جزاء اور آخرت کے درجات کا ذکر ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ غرفہ کے لغوی معنی بالا خانہ کے ہیں یعنی مخصوص بندگان خدا کو بہشت میں اعلیٰ درجہ کے بالا خانے عطا کئے جائیں گے اور یہ دنیا میں ان کے صبر اور اطاعت نیز ترک لذات کی جزاء ہوگی، اور فرشتوں کی طرف سے یا دوست واحباب کی طرف سے سلام اور مبارکبادی ہوگی، سابقہ آیات میں تو مخصوص بندگان خدا کا ذکر تھا، اب آخری آیت میں پھر کفار ومشرکین کو عذاب سے ڈرا کر سورت کو ختم کیا گیا۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں زیادہ واضح اور سہل یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی حیثیت اور وقعت نہ ہوتی اگر تمہاری طرف سے اللہ کو پکارنا اور اس کی بندگی کرنا نہ ہوتا کیونکہ انسان کی تخلیق کا منشاہی یہی ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے، یہ ایک عام ضابطہ کا بیان تھا کہ بغیر عبادت کے انسان کی کوئی قدر وقیمت نہیں، اس کے بعد کفار ومشرکین کو جو کہ عبادت اور رسالت کے منکر ہیں خطاب ہے، **فَقَدْ كَذَّبْتُمْ** یعنی تم نے سب چیزوں کو جھٹلا ہی دیا ہے اب تمہاری کوئی وقعت اللہ کے نزدیک نہیں **فسوف یکون لزاماً** یعنی اب یہ تکذیب اور کفر تمہارے گلے کا ہار بن چکے ہیں اور تمہارے ساتھ لگے رہیں یہاں تک کہ جہنم کے دائمی عذاب میں مبتلا کر کے چھوڑیں گے **وَنعوذُ باللّٰهِ من حال اهلِ النَّارِ**

تَمَّتْ بِحَمْدِ اللّٰهِ سُوْرَةُ الفُرْقَان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُوْرَةُ الشعراء

سُوْرَةُ الشُّعَرَاء مَكِّيَّةٌ اِلَّا والشُعَراءُ، اِلٰى آخِرِهَا فَمَدْنِيٌّ وَهِىَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وعِشْرُوْنَ آيَةً

سورۂ شعراء مکی ہے مگر والشعراء سے آخر تک مدنی ہے اور وہ دوسوستائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ طٰسٓمّٓ اللّٰه اعلم بِمرادِه بذٰلِكَ تِلْكَ اى هٰذِه الأيات اٰيٰتُ الكِتٰبِ القراٰن الاِضافةُ بمعنى مِنْ الْمُبِيْنِ○ المُظْهِرِ الحقَّ مِن الباطلِ لَعَلَّكَ يا محمدُ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ قاتِلُها غَمًّا مِنْ اَجَلِ اَنْ لَّا يَكُوْنُوْا اى اهلُ مكة مُؤْمِنِيْنَ○ ولَعَلَّ هُنا لِلْاشفاقِ اى اَشْفِقْ عليها بتَخْفِيْفِ هٰذا الغَمّ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ بمعنى المضارعِ اى تَدُوْمُ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ○ فيؤمنون ولمَّا وُصِفَتِ الاَعْناقُ بالخُضوعِ الذى هو لِاَرْبَابِها جُمِعَتِ الصفةُ منه جمعُ العقلاء وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ قراٰن مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ صفةٌ كاشفةٌ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ○ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِهٖ فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا عَوَاقِبُ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ○ اَوَلَمْ يَرَوْا ينظُرُوا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا اى كثيرًا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ○ نوعٍ حَسَنٍ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ط دلالةً علٰى كمالِ قُدرتِه تعالٰى وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ فى عِلمِ اللّٰهِ و كان قال سِيبويهِ زائدةٌ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ ذو العِزَّةِ يَنْتَقِمُ مِنَ الكافرين الرَّحِيْمُ○ع يَرْحَمُ المؤمنين .　ع

ترجمہ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓمّٓ اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہ یعنی یہ آیات کتاب مبین (یعنی) قرآن کی آیتیں ہیں جو حق کو باطل سے ممتاز کرنے والی ہیں، اور اٰيٰتُ الكِتٰبِ میں اضافت بمعنی مِنْ ہے شاید اے محمد آپ تو اس غم کے سبب سے کہ اہل مکہ ایمان نہیں لاتے اپنی جان کھودیں گے، اور لَعَلَّ کے یہاں اشفاق کے معنی ہے یعنی اس غم میں تخفیف کرکے اپنے اوپر رحم کیجئے، اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتارتے کہ جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں ظَلَّتْ بمعنی مضارع ہے ای تَدُوْمُ پھر وہ ایمان لے آئیں، جبکہ (وصف) خضوع کی نسبت اَعناق کی طرف کی گئی جو کہ (درحقیقت) ارباب اعناق کا وصف ہے، تو وصف خضوع کو ذوالعقول کی جمع کے طور پر لایا گیا اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی تازہ نصیحت ایسی نہیں آئی جس سے یہ بے رخی نہ کرتے ہوں، مُحدَثٍ ذِکرٍ کی صفت

کاشفہ ہے تو ان لوگوں نے اس نصیحت کو جھٹلا دیا سو عنقریب ان کے پاس اس بات کا انجام آجائے گا جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے کیا یہ لوگ زمین کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس میں کس کثرت سے ہر قسم کے عمدہ گل بوٹے اگائے؟ بلاشبہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی نشانی ہے اور ان میں کے اکثر لوگ مومن نہیں ہیں اللہ کے علم میں اور سیبویہ نے کہا ہے کہ کان زائدہ ہے بلاشبہ آپ کا رب غالب ہے یعنی ایسے غلبہ والا ہے جو کافروں سے انتقام لے گا، رحیم ہے یعنی مومنین پر رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

طٰسٓمٓ عبداللہ بن مسعود کی قرأۃ میں ط، س، م، الگ الگ ہیں **قوله** بَاخِعٌ اسم فاعل (ف) غم یا غصہ کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والا، بَخْعًا حرام مغز تک کاٹ ڈالنا بَخْعٌ حرام مغز لَعَلَّكَ لَعَلَّ حرف ترجی ہے مگر چونکہ یہاں ترجی کے معنی نہ درست ہیں اور نہ مراد لہٰذا لَعَلَّ کو اِشفاق کے معنی میں لیا جس کے معنی خوف کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ چونکہ خوف سے منزہ ہے اس لئے مخاطب کا خوف مراد ہے، ترجی امر یعنی اَشْفِقْ ای اِرحم کے معنی میں ہے اس لئے کہ یہاں خوف کی کوئی بات ہی نہیں ہے، اِشفاق (انعال) جب متعدی بمن ہوتا ہے تو خوف کے معنی ہوتے ہیں اور جب متعدی بعلیٰ ہوتا ہے تو اس کے معنی رحمت اور شفقت کے ہوتے ہیں **قوله** نُنَزِّلْ، اِنْ حرف شرط ہے اور نشأ فعل شرط ہے اور نُنَزِّلْ جواب شرط ہے **قوله** فَظَلَّتْ فا کے ذریعہ جواب شرط ننزل پر عطف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، جبکہ بذریعہ فا ماضی (یعنی ظلت) کا ترتب مضارع یعنی نُنَزِّلْ پر درست نہیں ہے اس لئے ماضی کو مضارع کی تاویل میں کر لیا گیا تاکہ عطف درست ہو جائے **قوله** وَلَمَّا وُصِفَتْ الاعناقُ الخ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اعناق غیر ذوالعقول کی جمع ہے جو کہ واحد مؤنث کے حکم میں ہے لہٰذا اس کی صفت خاضعة آنی چاہئے نہ کہ خاضعین جو کہ جمع مذکر کی صفت ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خضوع ذوالعقول کی صفت ہے جب اس کی نسبت غیر ذوالعقول کی طرف کر دی گئی تو غیر ذوالعقول کو ذوالعقول کا درجہ دیتے ہوئے اس کی صفت جمع مذکر کے صیغہ یعنی واؤ نون کے ساتھ لانا درست ہو گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول رَاَیتُهم لی ساجدین، ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ ظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ معنی میں ظَلَّتْ اَصْحَابُ اَعْناقهم کے ہے، یعنی مضاف محذوف ہے پھر مضاف کو حذف کر کے خبر کو اس کے قائم مقام کر دیا **قوله** مِن ذِکرٍ میں من زائدہ ہے اور من الرحمٰن میں من ابتدائیہ ہے **قوله** محدثٍ یہ ذکرٍ کی صفت کاشفہ ہے اس لئے کہ مایاتیهم من ذکر سے جو معنی حدثی سمجھ میں آتے ہیں اسی معنی کی محدثٍ سے تاکید کی ہے **قوله** اِنَّ فی ذٰلك لَآیةً لَآیةً اِنَّ کا اسم مؤخر ہے، اور اس پر لام زائدہ ہے، یہ آیت اس سورت میں آٹھ مرتبہ ذکر کی گئی ہے مَا کَانَ اَکثَرُهُم مومِنِیْنَ کی تفسیر فی علم اللہ سے کر کے ایک شبہ کا جواب دیا ہے، شبہ یہ ہے کہ آیت کا مقصد کافروں کے آئندہ ایمان نہ لانے کی خبر دینا ہے تو کان ماضی سے تعبیر کرنا کیسے درست

ہے اس کا ایک جواب فی علم اللہ سے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے اسی کو ماضی سے تعبیر کر دیا ہے یہ جواب کان کو اصلی مان کر ہے دوسرا جواب قال سیبویہ سے دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کان زائدہ ہے لہٰذا اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

تنبیہ: وَ کَانَ قَالَ سِیْبَوَیہ زائدۃ میں ابہام ہے، صحیح تعبیر اس طرح ہونی چاہئے، قال سیبویہ، کان زائدۃ

تفسیر و تشریح

سورۂ شعراء میں بھی دیگر مکی سورتوں کے مانند اصول دین اور عقائد یعنی توحید، رسالت، بعث بعد الموت وغیرہ کو اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ اور عبادت اصنام کے سلسلہ میں ان کا موقف بیان کرتے ہوئے حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ کے ذریعہ بت پرستی کو خلاف فطرت اور خلاف عقل ثابت کیا ہے، اس سورت میں چونکہ شعراء کے کچھ اوصاف کا ذکر ہے اس لئے اس سورت کا نام سورۂ شعراء رکھا گیا ہے، مشرکین مکہ چونکہ آپؐ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ شاعر ہے اور جو کچھ بیان کرتا ہے وہ شعر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر رد کرتے ہوئے شعراء کی مذمت بایں الفاظ فرمائی "والشعراء یتبعهم الغاوون الم تر انَّهُمْ فی کل وادٍ یهیمون وأنهم یقولون ما لا یفعلون"

طٰسٓمٓ تلکَ ایٰتُ الکتابِ المبین یعنی اس کا اعجاز کھلا ہوا ہے اور احکام واضح ہیں اور یہ کتاب حق و باطل میں واضح طور پر امتیاز کرنے والی ہے، اور ان بدبختوں کے غم میں خود کو اس قدر گھلانے کی ضرورت نہیں کہ ان کی فکر میں آپ اپنی جان ہلاک کر ڈالیں، دلسوزی اور شفقت کی بھی آخر ایک حد ہوتی ہے لَعَلَّکَ باخِعٌ الخ اگرچہ صورۃً جملہ خبریہ ہے مگر حقیقت میں نہی کے معنی میں ہے، علامہ عسکری نے فرمایا کہ اس جیسے مقامات میں اگرچہ صورت جملہ خبریہ کی ہے مگر حقیقت میں مراد اس سے نہی ہے، مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر، اپنی قوم کے کفر اور اسلام سے انحراف کے سبب اتنا رنج و غم نہ کیجئے کہ جان ہی گھلنے لگے۔

وَاِنْ نَشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِیْنَ علامہ زمخشری نے فرمایا کہ اصل کلام فَظَلُّوْا لَهَا خَاضِعِیْنَ ہے یعنی کفار اس بڑی نشانی کو دیکھ کر تابع ہو جائیں اور جھک جائیں، لیکن یہاں اعناق کا لفظ یہ ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ موضع تواضع ظاہر ہو جائے، اس لئے کہ عاجزی اور تواضع کا اثر پہلے گردن پر ظاہر ہوتا ہے، شیخ سعدیؒ نے بھی اس مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

خلاصہ یہ ہے کہ یہ دنیا ابتلا اور آزمائش کا گھر ہے جہاں بندوں کو اختیار تمیزی دیکر بندوں کے انقیاد اور تسلیم کو آزمایا جاتا ہے، اسی لئے حکمت الٰہی متقاضی نہیں کہ ان کا اختیار بالکل سلب کرلیا جائے، ورنہ اگر خدا چاہتا تو کوئی ایسا آسمانی نشان ظاہر فرماتا کہ اس کے آگے زبردستی سب کی گردنیں جھک جاتیں، جیسا کہ بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کو معلق ومسلط کردیا تھا، مگر ایسا اس لئے نہیں کیا کہ حکمت خداوندی اس بات کی متقاضی تھی کہ یہ احکام اور معارف بدیہی نہ ہوں بلکہ نظری رہیں تاکہ انسان ان میں غور وفکر کریں اور یہی غور وفکر انسان کی آزمائش ہے اور اسی پر ثواب وعقاب مرتب ہوتا ہے، بدیہی چیزوں کا اقرار تو ایک طبعی اور ضروری امر ہے، اس میں تعبد اور اطاعت کی شان نہیں۔ (معارف ملخصاً)

وَاذكر يا محمدُ لِقومِك اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى ليلةً راى النارَ والشجرةَ اَنِ اى بِاَنْ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝ۙ رسولاً قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ معهُ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ بالكُفرِ باللّٰهِ وبَنِيْ اسرائيلَ بِاسْتِعْبَادِهِمْ اَلَا الهمزةُ للاستفهامِ الاِنكارِيّ يَتَّقُوْنَ۝ اللّٰهَ بطاعتِهِ فيُوَحِّدُونه قَالَ موسٰى رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ۝ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ مِنْ تكذيبِهم لِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ بِاَدَاءِ الرِّسالةِ لِلْعُقْدَةِ التي فيهِ فَاَرْسِلْ اِلٰى اَخِيْ هٰرُوْنَ۝ مَعِيْ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ بِقَتْلِيْ القِبْطِيَّ منهم فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ۝ به قَالَ تعالٰى كَلَّا ۚ اى لا يَقتلونَكَ فَاذْهَبَا اى انتَ واخوكَ ففيه تغليبُ الحاضرِ على الغائبِ بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ۝ ما تقولون وما يُقال لكُم اُجرِيَا مَجرى الجماعة فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا اى كُلًّا منّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ۙ اِليك اَنْ اى بِاَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا اِلَى الشام بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ فَاَتَيَاهُ فقالا لَهُ مَاذُكِرَ قَالَ فرعونُ لموسٰى اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا فِيْ مَنَازِلِنَا وَلِيْدًا صغيرًا قريبًا من الوِلادةِ بعد فِطامِهِ وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ۝ ثلاثين سَنَةً يَلْبَسُ مِنْ مَلَابِسِ فرعونَ ويركبُ مِنْ مَرَاكِبِهِ وكان يُسَمّٰى ابنَه وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ هي قَتْلُه القِبْطِيَّ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۝ الجاحِدِيْنَ لِنِعْمَتِيْ عليك بالتَّرْبِيَةِ وعَدَمِ الاِسْتِعْبَادِ قَالَ موسٰى فَعَلْتُهَآ اِذًا اى حينئذٍ وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ۝ عَمَّا اٰتانِيَ اللّٰهُ بعدَها من العلمِ والرسالةِ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا عِلْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۝ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اصلُه تمُنُّ بها اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۝ بيانٌ لِتِلْكَ النِّعْمَةِ اى اتَّخَذْتَهم عَبِيْدًا ولم تَسْتَعْبِدْنِيْ لانِعْمَةَ لَكَ بذٰلِكَ لِظُلْمِكَ بِاسْتِعْبَادِهِم وَقَدَّر بعضُهم اَوَّلَ الكلامِ همزةَ استفهامٍ لِلْاِنكارِ قَالَ فِرْعَوْنُ لِمُوْسٰى وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۝ الذى قلتَ اِنَّكَ رسولُه اى اىُّ شيءٍ هو ولَمَّا لم يكن سبيلٌ لِلْخَلْقِ اِلٰى مَعرفةِ حقيقتِه تعالٰى واِنَّما يَعْرِفُونه بِصِفَاتِه اَجابَ موسٰى عليه الصَّلٰوةُ والسلامُ بِبَعْضِهَا قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اى خالقُ ذٰلك

اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ۝ بانّهٗ تعالٰی خالقه فاٰمنُوا به وحدَهٗ قَالَ فرعونُ لِمَنْ حَوْلَهٗ من اشرافِ قومِه اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ۝ جوابَه الّذی لم يُطابِق السُّوالَ قَالَ موسٰی رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ۝ وهٰذا وانْ كان داخلاً فيما قَبْلَه يُغِيظُ فرعونَ ولِذٰلِكَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ۝ قَالَ موسٰی رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ انه كذٰلك فاٰمنُوا به وحده قَالَ فرعونُ لِمُوْسٰی لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ۝ كان سِجْنُه شديدًا يُحْبَسُ الشخصُ فی مكانٍ تحت الارضِ وحدَه لا يبصر ولايسمع فيه احدًا قَالَ له موسٰی اَوَلَوْ ای اَتَفْعَلُ ذٰلِكَ وَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ۝ ای بُرْهانٍ بَيِّنٍ علٰی رِسَالتی قَالَ فرعونُ له فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝ فيه فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ۝ حَيَّةٌ عظيمةٌ وَّنَزَعَ يَدَهٗ اَخْرَجَها مِنْ جَيْبِه فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ ذاتُ شُعَاعٍ لِلنّٰظِرِيْنَ۝ع خلافَ ما كانتْ عليه مِنَ الْاُدْمَةِ .

ع

ترجمہ

اور اے محمدؐ اپنی قوم کو اس وقت کا واقعہ یاد دلایئے کہ جب تیرے رب نے موسیٰ کو حکم دیا اس رات میں جبکہ موسیٰ نے آگ اور درخت کو دیکھا کہ تو ظالم قوم کے پاس رسول بن کر جا قوم فرعون کے پاس مع فرعون کے انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کر کے اور بنی اسرائیل کو غلام بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے اَلَا یتقون میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو کہ اس کی طاعت اختیار کر کے اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے اور ان کے میری تکذیب کی وجہ سے میرا دل تنگ ہو جائے، اور اداء رسالت کے لئے میری زبان اس گرہ کی وجہ سے نہ چل سکے جو اس میں ہے لہٰذا میرے ساتھ ساتھ میرے بھائی ہارون کے پاس بھی جبرائیل کو بھیج دیجئے اور میرے ذمہ ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے ان میں سے میرے ایک قبطی کو قتل کرنے کی وجہ سے لہٰذا مجھے اندیشہ ہے کہ اس کے بدلہ میں مجھے قتل کر دیں ارشاد ہوا ہرگز نہیں یعنی تجھ کو قتل نہیں کر سکتے سو تم دونوں میری آیتیں لیکر جاؤ یعنی تم اور تمہارا بھائی، اس میں غائب پر حاضر کو غلبہ ہے ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جو تم کہو گے اور جو وہ تم سے کہیں گے ہم اس کو سنتے ہیں، دو کو جماعت کے قائم مقام کر دیا ہے، تو اب دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو ہم دونوں یعنی ہم میں سے ہر ایک پروردگار عالم کا تیری طرف رسول ہے کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ شام کی طرف جانے دے چنانچہ یہ دونوں حضرات فرعون کے پاس آئے اور جو کچھ ماقبل میں مذکور ہوا اس سے کہہ دیا فرعون نے موسیٰ سے کہا کیا ہم نے تیری بچپن میں اپنے گھروں میں پرورش نہیں کی؟ (یعنی) بچپن میں ولادت کے قریب دودھ چھڑانے کے بعد اور تم اپنی عمر کے کئی سال ہمارے یہاں رہے یعنی تیس سال (اس

مدت میں) فرعون ہی کے کپڑے پہنتے تھے اور اسی کی سواریوں پر سوار ہوتے تھے اور ان (موسیٰ) کو ابن فرعون کہا جاتا تھا، اور تو نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی جو تو نے کی تھی اور وہ قبطی کا قتل تھا اور تم بڑے ناسپاس ہو یعنی اپنے اوپر میری تربیت اور غلام نہ بنانے کے انعام (احسان) کی ناشکری کرنے والوں میں سے ہو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا جس وقت میں نے وہ حرکت کی تھی میں اس وقت (یعنی تیرے پاس قیام کے دوران) اس چیز سے ناواقف تھا جو بعد میں اللہ نے مجھے (اس کا علم) عطا فرمایا یعنی علم اور رسالت (عطا فرمائی) جب مجھے تم سے خوف ہوا تو میں تمہارے یہاں سے فرار ہو گیا، پھر مجھے میرے رب نے حکم یعنی علم عطا فرمایا اور مجھے پیغمبروں میں شامل فرمایا یہ ہے وہ نعمت جس کا تو مجھ پر احسان جتا رہا ہے (تَمُنُّها) کی اصل تَمُنُّ بِهَا تھی کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے یہ تلك النعمة کا بیان ہے یعنی تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے اور مجھے آزاد چھوڑ رکھا ہے یہ تیرا کوئی احسان نہیں ہے؟ اس ظلم کی وجہ سے کہ ان کو تو نے غلام بنا رکھا ہے اور بعض حضرات نے کلام کے شروع میں ہمزہ استفہام انکاری مقدر مانا ہے فرعون نے موسیٰ سے معلوم کیا کہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ جس کے بارے میں تو کہتا ہے کہ میں اس کا رسول ہوں، یعنی اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور جبکہ مخلوق کیلئے باری تعالیٰ کی حقیقت کی معرفت کی کوئی صورت نہیں تھی، اس کو تو صرف اس کی صفات کے ذریعہ ہی پہچانا جا سکتا ہے، تو موسیٰ علیہ السلام نے باری تعالیٰ کی بعض صفات کو بیان کر کے جواب دیتے ہوئے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب یعنی خالق ہے اگر تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (کائنات) کا خالق ہے تو اس وحدہ (لاشریک) پر ایمان لے آؤ، تو فرعون نے اپنے اردگرد کے لوگوں یعنی اپنی قوم کے سرداروں سے کہا کیا تم اس کا جواب جو سوال کے مطابق نہیں ہے سن نہیں رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب ہے یہ (تعریف) اگرچہ ماقبل (کی تعریف) میں داخل ہے (مگر یہ تعریف) فرعون کو غصہ دلانے والی ہے اور اسی وجہ سے (فرعون) نے (غصہ میں) کہا بلاشبہ تمہارا رسول جس کو تمہارے پاس بھیجا ہے یقیناً پاگل ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مشرق و مغرب کا اور جو ان کے درمیان ہے ان کا (بھی) رب ہے اگر تم کو اسبات کا یقین ہے کہ وہ ایسا ہی ہے تو اس وَحْدَهٗ لاشریكَ پر ایمان لے آؤ، فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اگر تم میرے علاوہ کوئی اور معبود تجویز کرو گے تو میں تم کو یقیناً حوالۂ زنداں کر دوں گا، اس کا جیل خانہ بڑا سخت تھا وہ انسان کو تہہ خانہ میں تنہا قید کر دیتا تھا کہ وہ نہ کسی کو دیکھ سکے اور نہ کسی کی (بات) سن سکے، موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کیا اگر میں کوئی صریح دلیل پیش کروں تب بھی تو ایسا کرے گا یعنی اگر اپنی رسالت پر کوئی واضح دلیل پیش کر دوں (تب بھی) فرعون نے موسیٰ سے کہا اگر تو دعوۂ رسالت میں سچا ہے تو دلیل پیش کر تو اسی وقت (موسیٰ نے) اپنا عصا ڈالدیا تو وہ دفعۃً واضح طور پر اژدہا بن گیا اور اپنے ہاتھ کو نکالا یعنی ہاتھ کو اپنے گریبان سے نکالا تو وہ اسی وقت دیکھنے والوں کو سفید چمکدار نظر آنے لگا یعنی سابقہ گندمی رنگ کے خلاف نظر آنے لگا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ اَنْ ای بِاَنْ اس تفسیر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَنْ مصدر یہ ہے اور اس سے پہلے با حرف جر مقدر ہے اور بعض حضرات نے اَن کو تفسیر یہ بھی کہا ہے اس لئے کہ نادیٰ قالَ کے معنی میں ہے، **قولہ** رسولاً یہ ائتِ کی ضمیر سے حال ہے قوم فرعون میں فرعون بطریق اولیٰ شامل ہے، نیز قوم فرعون کے پاس بھیجنا فرعون کے پاس بطریق اولیٰ بھیجنا ہے اس لئے کہ اصل سرکشی اور فساد کا سرچشمہ تو فرعون ہی تھا، **قولہ** وبنی اسرائیلَ کا عطف انفسهم پر ہے، استعباد کا مطلب ہے غلاموں جیسا معاملہ کرنا یعنی ان سے ذلت اور محنت شاقہ کے کام لینا، نہ کہ حقیقت میں غلام بنانا **قولہ** اَلاَ الهَمزة للاستفهام الانكاری، صحیح یہ ہے کہ ہمزہ تعجب کے لئے ہے نہ کہ انکار کے لئے جیسا کہ مفسر علام نے صراحت کی ہے اس لئے کہ لا تتقون حرف نفی کی وجہ سے منفی ہے اور جب اس پر ہمزہ انکاری داخل ہوگا تو نفی النفی اثبات کے قاعدہ سے اثبات ہوجائے گا جو کہ فاسد ہے اس لئے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے ''اے موسیٰ تو قوم فرعون کے پاس جا اس لئے کہ وہ (اللہ) سے ڈرتی ہے اور یہ معنی سراسر خلاف واقعہ ہیں، **قولہ** قالَ موسٰی اِنّی اَخافُ (الآیۃ) موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی کے جواب میں تین عذر پیش کئے ۱ مجھے تکذیب کا اندیشہ ہے ۲ تکذیب سے میرا دل تنگی محسوس کرے گا ۳ میری زبان میں سلاست نہیں ہے، یہ تینوں اعذار امتثال امر سے باز رہنے کے لئے بیان نہیں فرمائے بلکہ رسالت کے بار گراں سے اظہار عاجزی اور بیان حقیقت، نیز طلب معونت کے طور پر تھے **قولہ** ويَضيقُ صدري یا تو جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یعنی اس کا ماقبل سے تعلق نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حالت کا بیان ہے، یا پھر اِنّی اَخافُ میں اِنَّ کی خبر اَخافُ پر عطف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے **قولہ** اُجرِیَ مجرى الجماعة یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حضرت موسیٰ وہارون دو تھے ان کے لئے تثنیہ کا صیغہ لانا چاہئے تھا اَیْ اِنّا مَعَكُمَا حالانکہ مَعَكُمْ جمع کا صیغہ لایا گیا ہے، جواب یہ ہے کہ تثنیہ کو تعظیماً جماعت کے قائم مقام کردیا ہے **قولہ** اَیْ کُلاًّ مِنَّا اس عبارت سے بھی ایک سوال کا جواب مقصود ہے، سوال یہ ہے کہ اِنَّا کے اسم وخبر میں مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ رسول خبر ہے جو کہ مفرد ہے اور مخبر عنہ اِنّا کی ضمیر ہے جو کہ جمع ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اِنّا کُلاًّ مِنّا کے معنی میں ہے جو کہ مفرد کے حکم میں ہے لہٰذا اِنَّ کے اسم وخبر میں مطابقت موجود ہے **قولہ** فَاَتِیَاہُ اس عبارت کے مقدر ماننے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قَالَ فرعونُ کا ترتب فعل محذوف پر ہے **قولہ** قریباً من الولادة بعدَ فطامه اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ ولید نومولود شیر خوار بچہ کو کہتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی شیر خواری کے زمانہ میں تو اپنی والدہ کے پاس تھے، تو پھر فرعون کی تربیت کا کیا مطلب ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ولید سے دودھ چھڑانے کے فوراً بعد کا زمانہ مراد ہے، مگر زیادہ بہتر ہے

کہ آیت کو اپنے ظاہر پر ہی رکھا جائے تاویل کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شیر خوارگی کے زمانہ میں اگر چہ اپنی والدہ کے پاس تھے مگر نگرانی اور نفقہ فرعون ہی کا تھا، لہٰذا فرعون کا نُرَبِّكَ فینا ولیدًا کہنا درست ہے **قوله** مِنْ عُمُرِكَ سِنِیْنَ مِنْ تبعیضیہ ہے مِن عمرك سنین کی صفت ہے جو کہ مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہو کر محلاً منصوب ہے، اس لئے کہ نکرہ کی صفت کو جب مقدم کر دیا جاتا ہے تو وہ حال ہو جاتی ہے ففررتُ مِنكم لَمَّا خِفْتُكم یعنی جب مجھے تمہاری جانب سے ایذارسانی کا اندیشہ ہوا تو میں بھاگ کھڑا ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذارسانی کا علم اس وقت ہو کہ جب آپ سے یہ کہا گیا اِنَّ الملاء یاتمرون بك لیقتلوك (سورہ قصص آیت ۲۰) منکم میں ضمیر جمع لانے کی وجہ اسی سے معلوم ہوتی ہے ورنہ تو ففررت منكَ کا موقعہ تھا اس لئے گفتگو فرعون سے ہو رہی ہے نہ کہ سب سے **قوله** تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ (الآیۃ) تلك کا مشارٌ الیہ تربیت ہے جو کہ اَلَمْ نربك سے مفہوم ہے تلك مبتداء نعمة موصوف تمنها جملہ ہو کر صفت، موصوف با صفت مبتداء کی خبر مبتداء با خبر مُبَیَّن اَن عَبَّدْتَّ عطف بیان تَمُنُّهَا اصل میں تمُنُّ بها تھا حرف جر کو حذف کر کے ضمیر کو فعل سے متصل کر دیا، گویا کہ یہ حذف واتصال کے باب سے ہے، مطلب یہ ہے کہ تیرا مجھے غلام نہ بنانا مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے اس لئے کہ میری قوم کے دوسرے افراد کو تو نے غلام بنا رکھا ہے جو کہ ظلم ہے لہٰذا تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے تجھ کو غلام بنا کر تجھ پر ظلم نہیں کیا اور ظلم نہ کرنا یہ کوئی احسان کی بات نہیں بلکہ ظلم سے مامون رہنا تو ہر فرد کا بنیادی حق ہے اور بعض حضرات نے وتلكَ سے پہلے ہمزہ مقدر مان کر اصل عبارت اس طرح بتائی ہے اَوَتِلْكَ کیا اس کو نعمت کہا جا سکتا ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتا رہا ہے کہ مجھے آزاد چھوڑ کر میری پوری قوم کو غلام بنا رکھا ہے جن سے تو ذلت آمیز اور محنت شاقہ کے کام لیتا ہے اور توہین آمیز برتاؤ کرتا ہے **قوله** فآمنوا به شارح نے یہ عبارت مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے کہ اِن کُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ کی جزاء محذوف ہے قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ فرعون نے رب العالمین کے بارے میں ما کے ذریعہ سوال کیا جو کہ شیٔ کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے آتا ہے اس لئے اَیُّ کے ذریعہ سوال کرنا چاہئے تھا جو کہ صفات سے سوال کرنے کے لئے آتا ہے مگر فرعون نے اپنی غباوت کی وجہ سے مَا هُوَ سے سوال کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی غباوت پر تنبیہ کرنے کے لئے جواب میں صفات کو بیان کیا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تجھ کو ما کے ذریعہ رب العالمین کی حقیقت سے سوال کرنے کے بجائے اَیُّ شیٍٔ سے اس کی صفات کے بارے میں سوال کرنا چاہئے، اس لئے کہ رب العالمین کی کنہہ اور حقیقت اس دنیا میں معلوم نہیں ہو سکتی، **قوله** وَمَا بَیْنَهُمَا میں هُمَا تثنیہ سے سموات اور ارض مراد ہیں، حالانکہ سموات جمع ہے اس لئے بَیْنَهُنَّ لانا چاہئے تھا، جواب یہ ہے سموات ایک جنس ہے اور ارض ایک جنس ہے لہٰذا دونوں جنسوں کے لئے تثنیہ کا صیغہ لایا گیا ہے قال فرعون لِمَنْ حوله اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ فرعون نے اپنے اس قول سے اپنی قوم کے اشراف کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مدعی نبوت میں تو سوال سمجھنے کی بھی

صلاحیت نہیں ہے لہٰذا اس کا دعویٰ نبوت صحیح نہیں ہے میں نے مَا ھُوَ سے رَبُّ العالمینَ کی حقیقت سے سوال کیا اور یہ جواب میں حقیقت بیان کرنے کے بجائے صفات بیان کر رہے ہیں، مگر موسیٰ علیہ السلام نے ماھُوَ کے جواب میں صفات کو بیان کر کے اس طرف تعریض کی کہ جس شخص کو سوال کرنے کا سلیقہ بھی نہ ہو بھلا اس کے دعوۂ ربوبیت میں کیا صداقت ہوسکتی ہے؟ قَالَ رَبُّکُمْ وَرَبُّ آبائِکُمْ الاولین یہ دوسرا جواب اگرچہ پہلے جواب رب السمٰوات والارض وما بینھما میں داخل ہے مگر فرعون کو غصہ دلانے کے لئے دوسرا جواب دیا کہ وہ صرف آسمانوں اور زمین و مابینھما ہی کا خالق نہیں ہے بلکہ تیرا اور تیرے باپ دادا کا بھی خالق ہے چنانچہ فرعون نے غضبناک ہو کر کہا اِنَّ رسولکم الذی اُرْسِلَ اِلَیْکم لَمجنون مفسر علام نے یہی مطلب بیان کیا ہے، مگر تفسیر کبیر میں علامہ فخر الدین رازی نے فرمایا کہ خالقیت سمٰوات والارض کے ذریعہ تعریف سے عدول کرنے کی یہ وجہ تھی کہ ہوسکتا ہے کہ فرعون یہ کہہ دیتا کہ زمین اور آسمان واجب لذاتہٖ ہیں لہٰذا وہ خالق اور مؤثر سے مستغنی ہیں، یہ بات کسی عاقل کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے اور اپنے آباء کے بارے میں کہہ دے کہ یہ واجب لذاتہٖ ہیں اس لئے کہ مشاہدہ اس بات کا شاہد ہے کہ عدم کے بعد ان کا وجود ہوا ہے اور پھر عدم ہو جائے گا، اور جس چیز پر عدم طاری ہو وہ حادث ہوگا اس کے لئے موثر کا ہونا ضروری ہے، دوسری تعریف پہلی تعریف سے واضح ہے رب المشرق والمغرب موسیٰ علیہ السلام نے فوراً ہی تیسری تعریف کی طرف عدول کیا جو کہ دوسری سے بھی واضح ہے، مشرق سے مراد طلوع شمس اور مغرب سے غروب شمس مراد ہے، ہر دن کا مشرق اور مغرب مختلف ہوتا ہے اور یہ طلوع وغروب کروڑوں سال سے سرِ مو تبدیلی یا خلل کے بغیر پوری یکسانیت کے ساتھ رونما ہوتا رہتا ہے یہ کسی مؤثر کے بغیر ممکن نہیں ہے اور وہ مؤثر ہی رب العالمین ہے **قولہ** اَلْاُدمَۃُ گندم گوں، گندمی رنگ۔

تفسیر وتشریح

اِذْ نَادیٰ رَبُّکَ مُوسیٰ، یہ اس ندا کا ذکر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کے ہمراہ واپس مصر آ رہے تھے، تاریک اور ٹھنڈی رات میں راستہ بھول گئے تھے، تاپنے کے لئے ان کو آگ کی ضرورت محسوس ہوئی، کوہ طور کی جانب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ نظر آئی آگ اور رہنمائی کرنے والے کی تلاش میں کوہ پر پہنچ گئے جہاں ندائے غیبی نے ان کا استقبال کیا اور انہیں نبوت سے سرفراز کر دیا گیا اور ظالموں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ بھی سونپا گیا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّی اَخَافُ اَنْ یُکَذِّبُوْنَ ان آیات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ کسی حکم کے بجالانے کے لئے کچھ ایسی چیزوں کی درخواست کرنا کہ جو تعمیل حکم میں مددگار ثابت ہوں کوئی بہانہ جوئی نہیں ہے بلکہ جائز ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی پا کر اس کی بجا آوری کو سہل اور مفید کرنے کے لئے خداوند قدوس سے درخواست کی۔

قَالَ فَعَلْتُهَا اِذًا وَ اَنَا مِنَ الضَّالِّيْنَ فرعون کے اس سوال کے جواب میں کہ تم نے اے موسیٰ ایک قبطی کو قتل کیا تھا، حضرت موسیٰ نے فرمایا ہاں میں نے قتل ضرور کیا تھا لیکن وہ قتل ارادۃً اور قصداً نہ تھا بلکہ اس قبطی کو اس کی خطا پر متنبہ کرنے کے لئے گھونسہ مارا تھا جس سے وہ ہلاک ہوگیا، فرعون کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ تمہارا نبوت کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ تم ایک بے گناہ کو قتل کر چکے ہو جو کہ نبوت کے منافی ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت کے منافی قتل عمد ہے اور یہ قتل خطاء تھا، یہاں ضلال کا مطلب بے خبری ہے ضلال کے معروف معنی یعنی گمراہی مراد نہیں ہیں، جیسا کہ حضرت قتادہ اور ابن زید کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

قال فرعون وَمَا رب العالمين اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ خدا ذوالجلال کی کنہ اور حقیقت کا جاننا ممکن نہیں کیونکہ فرعون کا سوال خدا کی حقیقت اور ماہیت کے متعلق تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بجائے ماہیت بتانے کے خداوند کے اوصاف بیان فرمائے جس سے اشارہ فرمادیا کہ خدا کی کنہ اور حقیقت کا ادراک ناممکن ہے اور ایسا سوال کرنا بھی بیجا اور غباوت پر مبنی ہے۔

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بنی اسرائیل بنی اسرائیل شام کے باشندے تھے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر آئے تھے حضرت یوسف علیہ السلام بارہ بھائی تھے ان کی نسل میں بہت زیادہ ترقی اور اضافہ ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی تعداد چھ لاکھ تیس ہزار تھی، بنی اسرائیل کو مصر میں رہتے ہوئے چار سو سال گذر چکے تھے، یہ لوگ مصر میں نہایت ذلت اور غلامی کی زندگی گذار رہے تھے، یہ لوگ اپنے وطن واپس جانا چاہتے تھے مگر فرعون اپنی خدمت گذاری اور بیگار لینے کی ضرورت کی وجہ سے جانے نہیں دیتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیغام حق پہنچانے کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل پر جو ظلم اس نے کر رکھا تھا اس سے باز آنے اور ان کو اپنے ملک جانے دینے کی ہدایت کی۔ (قرطبی)

قال اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے یہاں کتنی مدت رہے اس میں مختلف اقوال ہیں ایک مشہور قول جس کو صاحب جلالین نے بھی نقل کیا ہے کہ تیس سال فرعون کے یہاں رہے اور دس سال مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے یہاں رہے اس طرح چالیس سال ہوگئے اس کے بعد کوہ طور پر نبوت ملی، اس کے بعد واپس فرعون کے پاس آئے اور اس کو تیس سال تک دعوت دی اور فرعون کے غرق ہونے کے بعد پچاس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام بقید حیات رہے اس حساب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی ایک قول یہ بھی ہے کہ ابتداءً فرعون کے یہاں بارہ سال رہے، قتل قبطی کے بعد مدین تشریف لے گئے اور معاہدہ کے مطابق دس سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چراتے رہے دس سال کی مدت پوری ہونے پر حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے نکاح کیا اس کے بعد اٹھارہ سال مزید قیام بعد ازاں آپ حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے مصر کے لئے روانہ ہوئے جبکہ آپ کی عمر چالیس سال تھی، اسی سفر کے دوران آپ کو منصب نبوت پر سرفراز کیا گیا۔ (روح المعانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ قیام کے دوران فرعون سے مناظرہ بھی ہوا جس کو قرآن کریم نے بالتفصیل ذکر کیا ہے جب فرعون لاجواب ہوگیا اور اس سے کوئی معقول جواب نہ بن پڑا تو اپنے مصاحبین اور سرداروں کو ابھارنا اور بھڑکانا شروع کردیا، اور آخر میں یہ دھمکی بھی دے ڈالی کہ اگر تم میرے علاوہ کسی اور کو معبود تسلیم کرو گے تو میں تم کو حوالۂ زنداں کردوں گا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں کوئی ایسی چیز یا معجزہ دکھاؤں کہ جس سے ظاہر ہوجائے کہ میں واقعی خدا کا سچا رسول ہوں تب بھی تو میری صداقت کو تسلیم نہ کرے گا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دلیل نبوت کے طور پر اپنا عصا زمین پر ڈالدیا جو اژدہا بن کر پھنکارنے لگا، قرآن کریم میں بعض جگہ ثعبان کو حیۃ اور بعض جگہ جانّ کہا گیا ہے ثعبان بڑے سانپ کو کہتے ہیں جسے اژدہا کہا جاتا ہے، اور جانّ چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور حیۃ مطلقاً ہر چھوٹے بڑے سانپ کو کہتے ہیں، ان میں تطبیق کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ وہ ابتداءً تو جان (چھوٹا) سانپ بنتا ہو اور بعد میں ثعبان (بڑا سانپ) ہوجاتا ہو، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جسم اور جثہ کے اعتبار سے تو وہ اژدہا تھا مگر نقل و حرکت کے اعتبار سے جان کے مانند تھا، یعنی عام طور پر اژدہا سریع الحرکت نہیں ہوتا وہ تو ایک ہی جگہ پڑا رہتا ہے مگر وہ ایسا اژدہا تھا کہ سریع الحرکت تھا گویا کہ وہ جان تھا۔

وَنَزَعَ یَدَہٗ روایت ہے کہ فرعون نے جب عصا کا معجزہ دیکھا تو کہا ھَلْ لَکَ غیرھا کیا تیرے پاس اس کے علاوہ کچھ اور ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ آستین سے نکالا اور اپنی بغل میں داخل کرکے نکالا تو وہ نہایت چمکدار اور نورانی تھا قریب تھا کہ آنکھیں چندھیا جائیں۔

نوٹ: اَنَا رَبُّکم الاعلیٰ فرعون کا رب اعلیٰ کہنا اپنی قوم کو خوف زدہ اور مرعوب کرنے کے لئے تھا، اس کا یہ اعتقاد نہیں تھا اور یہ اعتقاد بظاہر بعید بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھا کہ اس کا وجود عدم کے بعد ہوا ہے، اور دنیا پر ہزارہا سال ایسے گذر چکے ہیں کہ وہ موجود ہی نہیں تھا، اور اس کے زیر حکمرانی صرف ملک مصر ہی تھا، اسی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام نے جب موسیٰ علیہ السلام مدین تشریف لے گئے تھے فرمایا تھا **لَا تَخَفْ من القوم الظّٰلِمِینَ** (روح المعانی) بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ اللہ کی ذات سے ناواقف محض تھا اس کے باوجود وہ خود کو خالق **السمٰوات والارض وما بینھما** نہیں سمجھتا تھا، بلکہ وہ دہریہ خدا کا منکر تھا اور افلاک کا وجود وجوب لذاتہٖ مانتا تھا اور افلاک کی حرکت کو حوادث کے وجود کا سبب مانتا تھا اور اس بات کا قائل تھا کہ جو شخص ملک کا مالک اور حکمراں ہوتا ہے وہ اپنے اہل وطن کے لئے مستحق عبادت ہوتا ہے اور ان کا رب ہوتا ہے۔ (روح المعانی، ج ۱۱، ص ۱۰۹)

قَالَ فِرعونُ لِلْمَلَاِ حَوْلَہٗ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ لا فائقٌ فی عِلْمِ السِّحْرِ یُرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِہٖ ق فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ○ قَالُوْا اَرْجِہْ وَاَخَاہُ اَخِّرْ اَمْرَھُمَا وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ○ لا جَامِعِیْنَ یَاْتُوْکَ بِکُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ○ یَفْضُلُ موسٰی فِی عِلْمِ السحرِ فَجُمِعَ السَّحَرَۃُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ

مَعْلُوْمٍ○ وهو وقتُ الضُّحٰی مِنْ یوم الزِّینةِ وَّقِیْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ○ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ○ الاستفهام لِلْحَثِّ علی الاجتماع والتَّرَجِّی علی تقدیرِ غَلَبَتِهِم لِیَسْتَمِرُّوْا علی دینهم فلا یَتَّبِعُوْا موسٰی فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ بتحقیق الهمزتین وتسهیلِ الثانیةِ وادخالِ الفٍ بینهما علی الوجهین لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ○ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا حِیْنَئِذٍ لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ○ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰی بَعْدَ ماقالوا له اِمَّا اَنْ تُلْقِیَ واِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ○ فالامرُ منه لِلْاِذْنِ بتقدیمِ اِلْقَائِهِمْ تَوَسُّلًا بِهٖ اِلٰی اِظْهَارِ الْحَقِّ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِیَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُوْنَ○ فَاَلْقٰی مُوْسٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلَقَّفُ بحذفِ اِحْدَی التائینِ مِنَ الاَصْلِ تَبْتَلِعُ مَا یَاْفِكُوْنَ○ع یُقَلِّبُوْنَهٗ بتمویههم فَیَتَخَیَّلُوْنَ حِبالَهم وعِصِیَّهُمْ اَنَّهَا حَیَّاتٌ تَسْعٰی فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سَاجِدِیْنَ○ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ○ لِعِلْمِهِمْ بِاَنَّ مَا شَاهَدُوْهُ مِنَ الْعَصَا لَا یَتَاَتّٰی بِالسِّحْرِ قَالَ فرعونُ ءَاٰمَنْتُمْ بتحقیق الهمزتین وابدالِ الثانیة الفا لَهٗ لِمُوْسٰی قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ انا لَكُمْ ج اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ج فعلّمكم شَیْئًا منه وغَلَبَكُم باٰخر فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ط مایَنالُكُم مِنِّیْ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ای یَدَ كُلِّ واحدٍ الیُمْنٰی وَرِجْلَهُ الیُسْرٰی وَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ○ع قَالُوْا لَا ضَیْرَ لا ضَرَرَ عَلَیْنَا فِی ذٰلك اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا بعدَ موتِنا بایِّ وَجْهٍ كانَ مُنْقَلِبُوْنَ○ع راجعونَ فی الاٰخرةِ اِنَّا نَطْمَعُ نرجُو اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَآ اَنْ ای بِاَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ○ع فی زماننا

ترجمہ

فرعون اپنے اردگرد موجود مصاحبین سے کہنے لگا یہ تو کوئی بڑا دانا جادوگر ہے یعنی علم سحر میں بڑا فائق ہے یہ تو یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعہ تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال دے سو تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ درباریوں نے کہا آپ اس کو اور اس کے بھائی کو (کچھ) مہلت دیجئے یعنی ان کے معاملہ کو فی الحال مؤخر کر دیجئے اور شہروں میں (جادوگروں کو) جمع کرنے والے بھیج دیجئے جو آپ کے پاس ہر ذی علم ماہر جادوگر کو لے آئیں جو موسیٰ پر علم سحر میں فائق ہوں پھر ایک معین دن کے مقررہ وقت پر جادوگر جمع کر لئے گئے اور وہ عید کے دن کا چاشت کا وقت تھا (یعنی یوم عاشوریٰ کا) اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم جمع ہو جاؤ گے؟ تاکہ ہم جادوگروں کی اتباع کریں اگر وہ غالب رہیں، استفہام اجتماع پر آمادہ کرنے کے لئے ہے، اور ترجی جادوگروں کے غلبہ کی صورت میں ان کے دین پر قائم رہنے کے لئے ہے تاکہ موسیٰ کا اتباع نہ کریں، چنانچہ جب جادوگر آگئے تو فرعون سے کہنے لگے اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا انعام ملے گا؟ أئِنَّ میں دونوں

ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کرکے، فرعون نے کہا ضرور، اور تم اس صورت میں مقربین میں داخل ہوگے، موسیٰ علیہ السلام نے بعد اس کے کہ جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا آیا آپ پہلے وار کریں گے یا ہم پہلے وار کریں ان سے کہا جو تمہیں ڈالنا ہے ڈالو موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے (القاء) کا حکم ان کے پہلے ڈالنے کی اجازت کے لئے ہے تاکہ اجازت اظہار حق کا ذریعہ ہو چنانچہ جادوگروں نے اپنی رسیوں اور لکڑیوں کو ڈالدیا اور پکار اٹھے فرعون کی عزت کی قسم یقیناً ہم ہی غالب رہیں گے پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالدیا تو ڈالتے ہی ان کے بناوٹی کرتب کو نگلنا شروع کردیا تَلْقَفُ میں اصل سے دو تاؤں میں سے ایک تاء کو حذف کرکے اور وہ ان چیزوں کو اپنی نظر بندی کے ذریعہ بدل رہے تھے اور لوگ ان کی رسیوں اور لکڑیوں کو دوڑتے ہوئے سانپ محسوس کررہے تھے یہ دیکھتے ہی جادوگر بے اختیار سجدہ میں گر گئے (جادوگروں نے صاف) کہہ دیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے (یعنی) موسیٰ وہارون کے رب پر ان کے اس بات سے واقف ہوجانے کی وجہ سے کہ انہوں نے عصا سے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے وہ جادو کے ذریعہ نہیں ہوسکتا، فرعون نے کہا کیا تم میری اجازت کے بغیر اس پر یعنی موسیٰ پر ایمان لے آئے؟ ءَآمنتم میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے بدل کر یقیناً یہی تم سب کا گرو ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے چنانچہ تم کو جادو کا کچھ حصہ سکھادیا اور دوسرے کے ذریعہ (جس کو تم سے چھپا کر رکھا) تم پر غالب آگیا، ابھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ میری طرف سے تم کو کیا پیش آتا ہے میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا یعنی ہر ایک کا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا سب نے جواب دیا کچھ حرج نہیں ہمارا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے ہم تو مرنے کے بعد جس طرح بھی موت آئے اپنے رب کے پاس آخرت میں جا پہنچیں گے ہم امید رکھتے ہیں یہ کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے گا اس سبب سے کہ ہم اپنے زمانہ میں سب سے پہلے ایمان لے آئے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَلْمَلَأُ اسم جنس ہے سرداروں کی جماعت (جمع) اَمْلَاءٌ، اَرْجِهْ اِرْجَاءٌ سے امر کا واحد مذکر حاضر ہے، ہٗ ضمیر مفعولی ہے ڈھیل دے، مہلت دے **قوله** تَأْمُرُوْنَ اصل میں تَأْمُرُوْنَنِیْ تھا **قوله** يَأْتُوْكَ جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے، **قوله** وادخال اَلِفٍ بَيْنَهُمَا على الوجهين یہاں مناسب تھا وعلی ترك الادخال على الوجهين بھی فرماتے تاکہ چار قرأتیں ہوجاتیں **قوله** فالاَمْرُ فيه الخ یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اَلْقُوْا ما اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ کہہ کر جادو یعنی ایک قبیح اور کفریہ عمل کا حکم فرمایا اس لئے کہ جادو کفر اور عمل قبیح ہے اور نبی کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ کسی کو کفریہ عمل کرنے کا حکم دے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حکم نہیں تھا بلکہ بصورت

امر اجازت بھی اس لئے کہ جادوگروں نے کہا تھا کہ اول تم وار کر دیا ہم کو اجازت دو کہ ہم وار کریں موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اول وار کرنے کی اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ کہہ کر اجازت دیدی، لہٰذا اعتراض کی کوئی بات نہیں ہے، مگر اس جواب پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ کفریہ عمل کی اجازت بھی رضا پر دلالت کرتی ہے اور رضا بالکفر کفر ہے لہٰذا اجازت دینا بھی مناسب نہیں تھا، اس شبہ کا جواب بھی اسی عبارت میں موجود ہے کہ اظہار حق کے لئے ضروری تھا کہ جادوگروں کو اجازت دیدی جائے تاکہ وہ اپنا کرتب دکھائیں اور عصاء معجزہ کے ذریعہ اژدہا بن کر ان کے اس باطل اور بناوٹی کرتب کو حاضرین کے روبرو نگل جائے اور لوگوں پر حق و باطل میں فرق واضح ہوجائے جیسا کہ حق ظاہر ہوگیا یہ ایسا ہی ہے کہ مسجد کو منہدم کرنا اگرچہ قبیح ہے مگر تعمیر نو کے لئے انہدام قبیح نہیں بلکہ مستحسن ہے لہٰذا یہ تخریب برائے تعمیر تھی نہ کہ تخریب برائے تخریب۔

قوله وَاِبدال الثانية الفًا والصحيح ابدال الثالثة الفًا اس لئے کہ تیسرا ہمزہ ہی الف سے بدلا ہوا ہے، **قوله** رَبِّ موسٰى وهارونَ یہ رب العالمین سے بدل ہے **قوله** يَاْفِكُوْنَ اِفكٌ (ض) سے جمع مذکر غائب پلٹ رہے تھے، فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ یعنی بے اختیار سجدہ میں گر پڑے۔

تفسیر وتشریح

قَالَ لِلملاِ حَوْلَهٗ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ فرعون بجائے اس کے کہ ان معجزات کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتا اور ایمان لاتا اس نے تکذیب اور عناد کا راستہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ کی بابت کہا یہ تو کوئی بڑا فنکار جادوگر ہے، نیز اپنی قوم کو بھڑکانے کے لئے کہا کہ وہ ان شعبدے بازیوں کے ذریعہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال کر خود اس پر قابض ہونا چاہتے ہیں، اب بتلاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ یعنی اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ قوم کے سرداروں نے یہ مشورہ دیا کہ ان دونوں کو فی الحال اپنے حال پر چھوڑ دو اور تمام شہروں سے تمام جادوگروں کو جمع کر کے ان کا باہمی مقابلہ کرایا جائے تاکہ ان کے کرتب اور شعبدے بازی کا جواب دیا جائے، چنانچہ جادوگروں کی ایک بہت بڑی تعداد مصر کے اطراف وجوانب سے جمع کر لی گئی، ان کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں، ۱۲ ہزار، ۱۷ سترہ ہزار، ۱۹ ہزار، ۳۰ ہزار، ۸۰ ہزار اصل تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے کسی مستند ماخذ میں تعداد کا ذکر نہیں ہے، بہر حال مقابلہ کا دن اور وقت طے ہوگیا، اور عوام کو بھی تاکیدی حکم جاری کر دیا گیا کہ سب کو معرکہ دیکھنے کے لئے ضرور آنا ہے، جب دونوں فریق آمنے سامنے آگئے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم ہی پہلے اپنا کرتب دکھاؤ قَالَ لَهُمْ موسٰى اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ اس پر بادی النظر میں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادو کا حکم دے رہے ہیں جو کہ فعل قبیح کا حکم ہے اور یہ نبی کی شان سے بعید ہے، اس شبہ کا جواب تحقیق کے زیر عنوان تفصیل سے گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر غور سے دیکھا جائے، تو بات بالکل واضح ہوجاتی ہے، کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے جادو دکھانے کا حکم نہیں تھا بلکہ جو

کچھ وہ کرنے والے تھے اس کا ابطال مقصود تھا مگر اس کو باطل کرنا بغیر اس کے ظاہر کرنے کے لئے ناممکن تھا اس لئے آپ نے ان کو جادو کے اظہار کا حکم دیا۔

چنانچہ جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں ڈال دیں جو لوگوں کو نظر بندی کی وجہ سے دوڑتے بھاگتے سانپ معلوم ہونے لگے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی طبعی طور پر خوف محسوس کیا جس کو قرآن کریم نے فاوجس فی نفسہٖ موسیٰ خیفۃً سے تعبیر کیا ہے (طٰہٰ ۶۷) چنانچہ ان جادوگروں کو اپنی کامیابی اور برتری کا پورا یقین تھا جیسا کہ ان کے قول قالوا لفرعون ائنّ لنا لاَجرًا ان کنّا نحنُ الغٰلبینَ سے معلوم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ذرا اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو اور پھر دیکھو چنانچہ لاٹھی کا زمین پر ڈالنا تھا کہ اس نے ایک خوفناک اژدہے کی شکل اختیار کر لی اور ایک ایک کر کے ان کے سارے کرتبوں کو نگل گیا جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

فرعون کے لئے یہ واقعہ بڑا عجیب اور حیرت ناک تھا جن جادوگروں کے ذریعہ وہ فتح اور غلبے کی آس لگائے بیٹھا تھا وہی نہ صرف یہ کہ مغلوب ہو گئے بلکہ موقع پر ہی سب کے سامنے رب العالمین پر ایمان لے آئے، لیکن بجائے اس کے کہ فرعون خود بھی غور و فکر سے کام لیتا اس نے مکابرہ اور عناد کا راستہ اختیار کیا اور جادوگروں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا اور کہا کہ تم سب اسی کے شاگرد معلوم ہوتے ہو اور تمہارا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سازش کے ذریعہ تم ہمیں یہاں سے بے دخل کر دو۔

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰیٓ بعدَ سِنِیْنَ اَقَامَھَا بَیْنَھم یدعوھم بِاٰیَاتِ اللّٰہِ الی الحقِ فلَمْ یزیدُوا الا عُتُوًّا **اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْٓ** بنی اسرائیل وفی قراءۃ بکسر النون ووصلِ ھمزۃِ اسرِ من سری لغۃ فی اسری ای سِربھم لیلا الی البحر **اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ**○ یَتَّبِعُکُمْ فرعونُ وجنودُہ فیَلِجُوْنَ وراءَکم البحرَ فأُنجیکم واُغرِقُھم **فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ** حینَ اُخبرَ بِسَیْرِھم **فِی الْمَدَآئِنِ** قیل کان لہ اَلْفُ مدینۃٍ واثنتا عشرۃ اَلْفَ قَرْیَۃٍ **حٰشِرِیْنَ**ۚ جامِعِیْنَ الْجَیْش قَآئلاً **اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَۃٌ** طائفۃ **قَلِیْلُوْنَ**○ؗ قیل کانوا سِتَّمِائَۃِ الفٍ وسبعین اَلْفًا ومُقدَّمۃُ جَیْشِہٖ سبعُمِائَۃِ اَلْفٍ فَقَلَّلَھُم بالنّظر الی کثرۃ جیشہٖ **وَاِنَّھُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ**○ؗ فاعلون ما یُغِیْظُنا **وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ**○ؕ مُتَیَقِّظُوْنَ وفی قراءۃٍ حَاذِرُوْنَ مُسْتَعِدُّون قال تعالٰی **فَاَخْرَجْنٰھُمْ** ای فرعونَ وجنودَہ من مصرَ لِیلحقوا موسی وقومَہ **مِّنْ جَنّٰتٍ** بَساتِیْنَ کانت علٰی جانبی اللیل **وَّعُیُوْنٍ**○ؗ اَنھارٍ جارِیَۃٍ فی الدُّوَرِ من النِّیلِ **وَّکُنُوْزٍ** اموالٍ ظاھرۃٍ من الذھب والفضۃ وسُمِّیَتْ کُنوزًا لِاَنَّہ لم یُعْطَ حَقُّ اللّٰہِ تعالٰی منھا **وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ**○ؗ مجلسٍ

حسنٍ لِلاُمَراءِ وَالوُزَراءِ يُحْفه اَتْباعُهم كَذٰلِكَ ۚ اى اِخْراجُنا كما وَصفنا وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ بَعْدَ اغراقِ فرعونَ وقومِهِ فَاَتْبَعُوْهُمْ لَحِقُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝ وقتَ شُرُوقِ الشمس فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ اى راى كُلٌّ منهما الاخرَ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ يُدْرِكُنا جمعُ فرعونَ ولا طاقةَ لنا بِه قَالَ موسٰى كَلَّا ۚ اى لَنْ يُدْرِكُوْنا اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ بنَصْرِه سَيَهْدِيْنِ ۝ طريقَ النجاةِ قال تعالٰى فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فضَرَبَهُ فَانْفَلَقَ انشقَّ اِثْنَىْ عَشَرَ فِرْقًا فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ الْجبلِ الضَّخمِ بينَها مسالكُ سَلَكُوها لم يَبْتَلَّ منها سُرُجُ الراكبِ ولا لِبْدُه وَاَزْلَفْنَا قَرَّبْنَا ثَمَّ هُنالِكَ الْاٰخَرِيْنَ ۝ فرعونَ وقومَه حتى سَلَكُوا مسالِكَهم وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝ بِاِخْراجِهِمْ من البحرِ على هَيْئَتِه المذكورة ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ فرعونَ وقومَه بِاِطْبَاقِ البَحْرِ عليهم لَمَّا تَمَّ دخولُهم البحرَ وخروجُ بنى اسرائيلَ منه اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ اى اِغراقِ فرعونَ وقومِه لَاٰيَةً ۖ عِبْرَةً لِّمَنْ بعدَهم وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ باللّٰهِ لم يؤمِنْ منهم غيرُ اٰسِيَةَ اِمْرَأَةِ فرعونَ وحِزْقِيلَ مؤمنُ اٰلِ فرعونَ ومريمَ بنتِ نا مُوسٰى الّتى دلّتْ على عِظَامِ يُوْسُفَ عليه السلام وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ فانْتَقَمَ مِنَ الكافرينَ بِاِغْرَاقِهِمْ الرَّحِيْمُ ۝ بالمؤمنين فَانْجَاهُم من الغَرَقِ .

ترجمہ

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا بعد اس کے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے درمیان سالہا سال مقیم رہے (اور) اللہ کی آیات کے ذریعہ دعوت حق دیتے رہے مگر ان کی سرکشی ہی میں اضافہ ہوتا رہا، کہ میرے بندوں بنی اسرائیل کو راتوں رات نکال لیجا، اور ایک قرأت میں نون کے کسرہ اور اَسْرِ کے ہمزہ وصل کے ساتھ ہے اَسْرٰی میں ایک لغت مَسریٰ بھی ہے، یعنی راتوں رات ان کو بحر (قلزم) کی طرف لے جا، یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا یعنی فرعون اور اس کا لشکر تمہارا تعاقب کرے گا چنانچہ وہ تمہارے پیچھے دریا میں داخل ہو جائیں گے سو میں تم کو نجات دوں گا اور ان کو غرق کر دوں گا جس وقت فرعون کو بنی اسرائیل کے رات کو چلے جانے کی خبر دی گئی تو فرعون نے شہروں میں لشکر کو جمع کرنے والے بھیج دیئے بیان کیا گیا ہے کہ اس کے زیر تسلط ایک ہزار شہر اور بارہ ہزار دیہات تھے، یہ کہتے ہوئے کہ ان لوگوں کی ایک چھوٹی سی جماعت ہے کہا گیا ہے ان کی تعداد چھ لاکھ اور ستر ہزار تھی، اور اس کے مقدمۃ الجیش کی تعداد سات لاکھ تھی، اپنے لشکر کی کثرت کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کو قلیل قرار دیا (ورنہ تو فی نفسہٖ وہ کثیر تھے) اور یہ کہ ان لوگوں نے ہم کو غصہ دلایا ہے یعنی ایسی حرکت کی ہے جس نے ہم کو غضبناک کر دیا ہے بلاشبہ ہم سب چوکنے ہیں یعنی بیدار مغز ہیں (غافل

نہیں ہیں) اور ایک قراءۃ حاذرون ہے یعنی مستعد ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا چنانچہ ان کو یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو مصر کے باغوں سے جو کہ (دریائے) نیل کے دونوں کناروں پر تھے اور چشموں سے یعنی ان نہروں سے جو نیل سے ان کے گھروں میں جاری تھیں، اور خزانوں سے یعنی سونے چاندی کے اموال ظاہرہ سے اور کنز کو کنز اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کیا گیا اور امراء اور وزراء کی عمدہ مجلسوں سے کہ جن مجلسوں کو ان کے خدام گھیرے ہوئے تھے نکال لائے، بیان کردہ طریقہ کے مطابق ہمارا نکالنا ہوا، فرعون اور اس کی قوم کے غرق ہونے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا چنانچہ قبطی طلوع شمس کے وقت اسرائیلیوں سے جا ملے، پس جب دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے ہم تو پکڑے گئے یعنی فرعون کے لشکر نے ہم کو پکڑ لیا اور ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں، حضرت موسیٰ نے فرمایا ہرگز نہیں یعنی وہ ہم کو ہرگز نہیں پکڑ سکتے (اس لئے) کہ یقین مانو میرے رب کی نصرت میرے ساتھ ہے، وہ عنقریب مجھ کو نجات کا راستہ بتا دے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی دریا پر ماریں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری، اسی وقت دریا بارہ حصوں میں منقسم ہو گیا ہر حصہ عظیم پہاڑ کے مانند تھا اور ان بارہ حصوں کے درمیان راستے تھے جن میں وہ چلتے تھے اور بارہ قبیلوں میں سے نہ کسی سوار کے گھوڑے کی زین تر ہوئی اور نہ نمدہ، اور ہم نے دوسروں یعنی فرعون اور اس کی قوم کو اس موقعہ کے قریب پہنچا دیا حتیٰ کہ وہ بھی ان کے راستوں میں داخل ہو گئے اور ہم نے موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو ہیئت مذکورہ کے ساتھ دریا سے نکال کر نجات دیدی، بعد ازاں دوسروں کو غرق کر دیا یعنی فرعون اور اس کی قوم کو جب دریا میں ان کا دخول اور اسرائیلیوں کا دریا سے خروج مکمل ہو گیا تو ان پر دریا کو ملا کر غرق کر دیا بلاشبہ اس میں یعنی فرعون اور اس کی قوم کے غرق کرنے میں بعد والوں کے لئے عبرت کی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لائے یعنی فرعون کی بیوی آسیہ اور آل فرعون کا ایک فرد حزقیل اور مریم بنت ناموسیٰ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیوں کی نشاندہی کی تھی، کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا اور بلاشبہ آپ کا رب غالب ہے چنانچہ کافروں سے ان کو غرق کر کے انتقام لے لیا اور مومنین پر بڑا مہربان ہے چنانچہ ان کو غرق سے بچا لیا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله شِرْذِمَة چھوٹی جماعت (جمع) شَرَاذِم لشرذمة قليلون قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ لشرذمة قليلة ہوتا، اس لئے کہ قليلة شرذمة کی صفت ہے مگر چونکہ شرذمة اسباط پر مشتمل تھا اور ہر سبط ان میں سے قلیل تھا اس لئے جمع کو مذکر جمع لایا گیا۔ (روح المعانی) اور قليلون، اِنَّ کی خبر ثانی بھی ہو سکتی ہے **قوله** لجميعٌ بمعنی جمعٌ ای جماعة یہ کلمہ الفاظ تاکید میں سے نہیں ہے کہ یہ اعتراض ہو سکے کہ حرف تاکید تابع ہو کر ہی استعمال ہوتا ہے اور

یہاں تابع ہوکر استعمال نہیں ہوا، جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہ کلمات تاکید میں سے نہیں بلکہ جماعت کے معنی میں ہیں لہٰذا کوئی اعتراض نہیں ہے **قولہ وفی قراءۃ حاذرون** ابوعبید نے کہا ہے حَذِرُون اور حَاذِرُون دونوں کے ایک ہی معنی ہیں ہوشیار، بیدار مغز، چوکنا، بعض حضرات نے یہ فرق بیان کیا ہے حَذِرٌ کے معنی متیقظ کے ہیں اور حاذر کے معنی خائف کے ہیں اور بعض حضرات نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ حَذِرُون اس مخلوق کو کہتے ہیں جو پیدائشی طور پر چوکنے ہوتے ہیں جیسے کوا، اور حاذِر اس کو کہتے ہیں کہ جو پیدائشی طور پر تو چوکنا نہ ہو مگر بعد میں چالاک وہوشیار ہوگیا ہو **قولہ مقام کریم** مقام کریم سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات نے عمدہ مکانات مراد لئے ہیں، اور بعض نے امراء ورؤساء کی مجالس مراد لی ہیں، جیسا کہ علامہ محلی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے **قولہ کذٰلک** محل نصب میں بھی ہوسکتا ہے تقدیر یہ ہوگی اَخرجناھم مثل ذٰلک الاخراج الذی وصفنا اور مقام کریم کی صفت ہونے کی وجہ سے محل جر میں بھی ہوسکتا ہے ای مقام کریم مثل ذٰلک المقام الذی کان لھم اور مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع بھی ہوسکتا ہے ای الامر کذٰلک **قولہ وَاَوْرَثناھا** کا عطف فاخرجنا پر ہے **قولہ وَمَا کان اکثرھم مومنین** اکثرھم ان لوگوں کا اکثر مراد نہیں جو حضرت موسیٰ کے تعاقب میں گئے تھے اس لئے کہ وہ تو سب کے سب غرق کردیئے گئے بلکہ اکثر سے وہ لوگ مراد ہیں جو فرعون کے مسلک اور اس کے عقیدہ پر تھے اور فرعون کی طرف منسوب تھے، ان میں سے بعض لوگ ایمان بھی لائے تھے، جیسا کہ حزقیل اور فرعون کی بیٹی، اس کی بیوی آسیہ اور بنت ناموئی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی اور سیبویہ نے کان کو زائدہ کہا ہے۔

تفسیر وتشریح

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی جب بلاد مصر میں موسیٰ علیہ السلام کا قیام طویل ہوگیا اور ہر طرح سے انہوں نے فرعون اور اس کے درباریوں پر حجت قائم کردی لیکن اس کے باوجود وہ ایمان لانے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے تو اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ انہیں عذاب ونکال سے دوچار کرکے سامان عبرت بنادیا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو یہاں سے لیکر نکل جائیں اور فرمایا کہ فرعون تمہارے پیچھے آئے گا گھبرانا نہیں اسرائیلیوں کو فرعون نے شِرْذِمَۃٌ قلیلونَ تحقیر کے لئے کہا تھا ورنہ ان کی تعداد چھ لاکھ سے بھی زیادہ تھی وَاِنَّھُمْ لنا غَائِظُوْنَ، لَنا کی تقدیم حصر اور رعایت فواصل کے لئے ہے، اصل میں انھم غائظون لنا ہے، یعنی اول تو یہ میری اجازت کے بغیر چلے گئے، دوسری بات یہ ہے کہ قبطیوں کے زیورات دھوکے سے لے گئے یہ دونوں حرکتیں ایسی ہیں کہ جس نے ہم کو غیض وغضب میں مبتلا کردیا ہے۔

فاخرجنا هم من جنّٰتٍ و عیون یعنی فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں کیا نکلا کہ پھر پلٹ کر اپنے گھروں اور باغات میں آنا ہی نصیب نہ ہوا، یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مشیت سے انہیں تمام نعمتوں سے محروم کر کے ان کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا، بعض حضرات نے اَوْرَثْنٰهَا بنی اِسْرَائِیْلَ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم نے مصر جیسا اقتدار اور دنیوی جاہ وجلال بنی اسرائیل کو بھی عطا کیا، کیونکہ بنی اسرائیل مصر سے نکل جانے کے بعد مصر واپس نہیں آئے نیز سورہ دخان میں فرمایا گیا ہے وَاَوْرَثْنٰهَا قومًا آخرین کہ ہم نے اس کا وارث کسی دوسری قوم کو بنا دیا (ایسر التفاسیر) بعض اہل علم یہ کہتے ہے کہ قومًا آخرین میں قوم کا لفظ اگر چہ عام ہے لیکن یہاں یعنی سورۂ شعراء میں جب بنی اسرائیل کو وارث بنانے کی صراحت موجود ہے تو اس سے مراد بھی قوم بنی اسرائیل ہی ہوگی، مگر قرآن کی صراحت کے مطابق مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کو ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا اور ان کے انکار پر چالیس سال کے لئے یہ داخلہ مؤخر کر کے میدان تیہ میں بھٹکایا گیا پھر وہ ارض مقدس میں داخل ہوئے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر حدیث اسراء کے مطابق بیت المقدس کے قریب ہی ہے، اس لئے صحیح معنی یہی ہیں کہ جیسی نعمتیں آل فرعون کو مصر میں حاصل تھیں ویسی ہی نعمتیں اب بنو اسرائیل کو عطا کی گئیں، لیکن مصر میں نہیں فلسطین میں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جب صبح کو فرعون کو معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل یہاں سے راتوں رات نکل گئے ہیں تو اس کے پندار اقتدار کو بڑی ٹھیس پہنچی اور سورج نکلتے ہی ان کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا، جب فرعونی لشکر بالکل قریب آ گیا تو پوری قوم بنی اسرائیل چلا اٹھی اِنا لمدرکون ہم تو یقیناً پکڑے گئے اور پکڑے جانے میں شبہ ہی کیا تھا آگے سمندر ہے اور پیچھے لشکر فرعون اور یہ صورت حال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی پوشیدہ نہیں تھی مگر وہ کوہ استقامت اللہ کے وعدہ پر یقین کئے ہوئے تھے اس وقت بڑی خود اعتمادی کے ساتھ فرمایا کَلّا ہرگز ہم پکڑے نہیں جا سکتے، اور اس کی وجہ یہ بتلائی کہ اِنَّ معیَ رَبّی سیهدین میرے ساتھ میرا پروردگار ہے جو مجھے عنقریب راستہ دے گا، ایمان کا امتحان ایسے ہی موقعوں میں ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر ذرا بھی خوف ہراس نہیں تھا وہ گویا کہ بچنے کا راستہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، بعینہ اسی طرح کا واقعہ ہجرت کے وقت غار ثور میں چھپنے کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا تھا کہ دشمن جو آپ کے تعاقب میں تھے اس غار کے دہانے پر آ کھڑے ہوئے ذرا نیچے نظریں کریں تو آپ پر ان کی نظریں پڑ جائیں، اس وقت ابوبکر صدیق کو گھبراہٹ ہوئی تو آپ نے بعینہ یہی جواب دیا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے ان دونوں واقعات میں ایک خاص بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تسلی دینے کے لئے اِنَّ مَعِیَ رَبِّی فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرمایا، یہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ اس کے افراد بھی اپنے رسول کے ساتھ معیت الٰہیہ سے سرفراز ہیں، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طرح رہنمائی فرمائی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری تو پانی دونوں طرف رک گیا اور ان دونوں کے بیچ میں بارہ

قبیلوں کے اعتبار سے بارہ راستے بن گئے، غرضیکہ فرعون معہ اپنے لشکر کے غرقِ دریا ہوگیا اور حضرت موسیٰ مع اپنی قوم کے نجات پاگئے، یہ سب کچھ تائیدِ الٰہی سے ہوا تائیدِ الٰہی کے بغیر ممکن نہ تھا، اس واقعہ میں یقیناً بڑی عبرت ہے مگر پھر بھی اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ اى كفار مكة نَبَاَ خبر اِبْرٰهِيْمَ ○ ويبدل منه اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا صرّحوا بالفعل ليعطفوا عليه فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ○ اى نقيم نهارًا على عبادتها زادوه فى الجواب افتخارًا به قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ حين تَدْعُوْنَ ○ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اِنْ عبدتموهم اَوْ يَضُرُّوْنَ ○ كم اِنْ لم تعبدوهم قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○ اى مثل فعلنا قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ○ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ○ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّىْ لا اعبدهم اِلَّا لكن رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ فانى اعبده الَّذِىْ خَلَقَنِىْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ○ الى الدين وَالَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○ وَالَّذِىْ يُمِيْتُنِىْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ○ وَالَّذِىْٓ اَطْمَعُ ارجو اَنْ يَّغْفِرَ لِىْ خَطِيْٓـَٔتِىْ يَوْمَ الدِّيْنِ ○ اى الجزاء رَبِّ هَبْ لِىْ حُكْمًا علمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○ اى النبيين وَاجْعَلْ لِّىْ لِسَانَ صِدْقٍ ثناءً حسنًا فِى الْاٰخِرِيْنَ ○ الذين ياتون بعدى الى يوم القيمة وَاجْعَلْنِىْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ○ اى ممن يعطاها وَاغْفِرْ لِاَبِىْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ○ بان تتوب عليه فيغفر له وهذا قبل ان يتبين له انه عدو الله كما ذكر فى سورة براءة وَلَا تُخْزِنِىْ تفضحنى يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ○ اى الناس قال تعالى فيه يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ احدًا اِلَّا لكن مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○ من الشرك والنفاق وهو قلب المؤمن فانه ينفعه ذلك وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ قربت لِلْمُتَّقِيْنَ ○ فيرونها وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ اظهرت لِلْغٰوِيْنَ ○ الكافرين وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ○ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيره من الاصنام هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ بدفع العذاب عنكم اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ○ بدفعه عن انفسهم لا فَكُبْكِبُوْا القوا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ○ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اتباعه ومن اطاعه من الجن والانس اَجْمَعُوْنَ ○ قَالُوْا اى الغاون وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ○ مع معبوديهم تَاللّٰهِ اِنْ مخففة من الثقيلة واسمها محذوف اى انه كُنَّا لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ بيّن اِذْ حيث نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ فى العبادة وَمَآ اَضَلَّنَآ عن الهدى اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ○ اى الشياطين او اولون الذين اقتدينا بهم فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ○ كما للمؤمنين من الملائكة والنبيين والمؤمنين وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ○ اى يهمه امرنا فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً رجعة الى الدنيا فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ لو هنا للتمنى ونكون جوابه اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ المذكور من قصة ابراهيم

وقومِهٖ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ع ع۵

ترجمہ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ اور کفار مکہ کو ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ (بھی) سنائیے اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ، نَبَاَ اِبراهيم سے بدل الاشتمال ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد صاحب اور اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کی بندگی کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا بتوں کی بندگی کرتے ہیں فعل کی صراحت کی، تاکہ اس پر فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ کا عطف کر سکیں ہم تو دن بھر ان کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں یعنی ہم پابندی سے دن بھر ان کی عبادت کرتے ہیں، اور انہوں نے جواب میں (فَنَظَلُّ) کا اضافہ (بتوں کی) عبادت پر فخر کے طور پر کیا تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیا یہ تمہاری سنتے بھی ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو؟ یا تمہارے ان کی عبادت کرنے کی صورت میں تم کو نفع یا عبادت نہ کرنے کی صورت میں نقصان پہنچاتے ہیں؟ انہوں نے کہا (ہم کچھ نہیں جانتے) ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے پایا ہے یعنی جس طرح ہم کرتے ہیں (ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم اور تمہارے اگلے باپ دادے جن (بتوں) کی بندگی کرتے ہو کبھی ان کی حالت میں غور کیا؟ یہ سب میرے دشمن ہیں میں ان کی بندگی نہیں کرتا لیکن رب العالمین کی بندگی کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی دین کی طرف میری رہبری فرماتا ہے وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے اور وہی مجھے موت دے گا اور پھر مجھے زندہ کرے گا اور وہی ہے جس سے امید کرتا ہوں کہ روز جزاء وہ میری خطاؤں کو معاف کردے گا اے میرے پروردگار مجھے علم عطا فرما اور مجھ کو صالحین یعنی نبیوں کے زمرہ میں شامل فرما اور بعد والوں میں میری نیک شہرت عطا فرما یعنی ان لوگوں میں جو میرے بعد قیامت تک آئیں گے اور مجھ کو جنت النعیم کے وارثوں میں شامل فرما یعنی ان لوگوں میں جن کو جنت عطا کی جائے گی اور میرے والد کو معاف فرما بلاشبہ وہ راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، اس طریقہ سے کہ تو ان کی توبہ قبول فرما کہ ان کی مغفرت کردی جائے، اور یہ (دعاء) اس سے پہلے کی بات ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر اس کے دشمن خدا ہونے کی حقیقت واضح ہوئی، جیسا کہ سورہ براۃ میں ذکر کیا گیا ہے اور لوگوں کو دوبارہ زندہ کئے جانے کے دن مجھے رسوا نہ کر اللہ تعالیٰ نے اس دن کے بارے میں فرمایا جس دن مال واولاد کسی کے کچھ کام نہ آئیں گے لیکن جو شخص شرک ونفاق سے سالم دل لیکر آئے گا اور وہ مومن کا قلب ہوگا یہ چیزیں اس کے لئے سودمند ہوں گی اور متقیوں کے لئے جنت بالکل قریب کردی جائے گی کہ وہ اس کو دیکھیں گے اور کافروں کے لئے جہنم ظاہر کردی جائے گی اور ان سے پوچھ ہوگی کہ جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کیا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ یعنی اللہ کے علاوہ بتوں کی، کیا وہ تم سے عذاب دفع کرکے تمہاری مدد کر سکتے ہیں؟ یا خود اپنا ہی دفاع کر سکتے ہیں؟ نہیں پس وہ اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر اور اس کے متبعین اور جن وانس میں سے جس نے اس کی اطاعت کی ہوگی سب کو جہنم میں اوندھے منہ کرکے ڈالدیا جائے گا اور کفار جہنم میں اپنے معبودوں کے ساتھ جھگڑتے ہوئے کہیں گے اللہ کی قسم

بلاشبہ ہم کھلی گمراہی میں تھے اِنْ مخففہ عن المثقلہ ہے اس کا اسم محذوف ہے ای اِنَّهٗ جبکہ ہم تم کو عبادت میں رب العالمین کے برابر ٹھہرا رہے تھے اور ہمیں تو سوائے ان بدکاروں کے ہدایت سے کسی نے گمراہ نہیں کیا یعنی شیاطین نے یا ان پہلے لوگوں نے جن کی ہم نے اقتداء کی، اب ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں، جیسا کہ مومنین کے لئے ملائکہ اور انبیاء اور مومنین سفارشی ہیں، اور نہ کوئی سچا غمخوار دوست جس کو ہماری حالت غمگین کردے کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ پھر دنیا میں واپس جانا مل جاتا تو ہم ایمان لے آتے، لَوْ یہاں تمنی کے لئے ہے اور نَكُوْنَ اس کا جواب ہے بلاشبہ ابراہیم اور ان کے مذکورہ قصہ میں بعد والوں کے لئے نشان (عبرت) ہے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں یقیناً آپ کا پروردگار ہی غالب مہربان ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابراهِيْمَ واؤ عاطفہ ہے اور (ماسبق میں) اذکر مقدر پر عطف ہے جو کہ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى میں عامل ہے یہ عطفِ قصہ علی القصہ ہے **قوله** اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ نَبَاَ ابراهِيْمَ سے بدل مفصل عن المجمل ہے **قوله** صَرَّحوا بالفعل لِيَعْطِفُوْا عليه اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مَا تَعْبُدُوْنَ کے جواب میں قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ (فقط) اَصْنَامًا کہتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ویَسْئلونكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ العَفْوَ میں، اس لئے کہ جب سوال میں فعل مذکور ہوتا ہے تو جواب میں فعل کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، جواب یہ ہے کہ فعل نَعْبُدُ ذکر کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ کا عطف درست ہوجائے ورنہ تو فعل کا عطف اسم پر لازم آتا، **قوله** نُقِيْمُ نَهَارًا یہ نَظَلُّ کے معنی کا بیان ہے اب رہی یہ بات کہ فَنَظَلُّ لها عاكِفِينَ کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی تو اس کا جواب یہ ہے چونکہ مشرکوں کو بت پرستی پر فخر تھا وہ اس کو معیوب سمجھنے یا اس پر نادم ہونے کی بجائے اس پر فخر کرتے تھے اس لئے انہوں نے فنظَلُّ لها عاكفين کہا کہ ہم تو دن بھر یعنی ہمہ وقت ان کے سامنے جھکے رہتے ہیں اور یہ ہمارے لئے باعث فخر ہے نہ کہ باعث ندامت **قوله** هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ یہاں مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے هَلْ يَسْمَعُوْنَ دُعَائَكُمْ اس لئے کہ ذوات کے سننے کا کوئی مطلب نہیں ہے **قوله** اَفَرَاَيْتُمْ میں ہمزہ فعل محذوف پر داخل ہے فا عاطفہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَتَاَمَّلْتُمْ فَاَبْصَرْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ **قوله** وَآبَائُكُمْ کا عطف تعبدون کے اندر ضمیر مرفوع متصل پر ہے اسی وجہ سے ضمیر مرفوع منفصل اَنْتُمْ کے ذریعہ تاکید لائی گئی ہے **قوله** فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ وہ میرے دشمن ہیں عداوت کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی طرف کی ہے یہ تعریض ہے اور باب نصیحت میں تعریض تصریح سے ابلغ ہے یعنی بجائے اس کے کہ یوں کہتے فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لَّكُمْ، فَاِنهم عَدُوٌّ لِّيْ کہا **قوله** اِلَّا لكن رب العٰلمِينَ اِلَّا کی تفسیر

لکنّ سے کر کے اشارہ کردیا کہ یہ استثناء منقطع ہے، معنی یہ ہیں لکنّ ربّ العٰلمین لیس بعدوّی بل ھو ولیّ فی الدُّنیا والآخرۃ **قولہ** اَلّذی خلقنی یہ یا تو رب العالمین کی صفت ہے یا بدل ہے یا عطف بیان ہے یا ھُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور اس کا مابعد اس پر معطوف ہے **قولہ** وَاِذَا مرضتُ فَھُوَ یشفین اس میں مرض کی نسبت اپنی طرف کی ہے نہ کہ اللہ کی طرف ایسا غایت ادب کی وجہ سے کیا ہے **قولہ** لِسانَ صِدْقٍ یہ اضافت موصوف الی الصفت ہے ای اللسان الصدق **قولہ** قال تعالٰی فیہ ای فی شان ذٰلک الیوم بعض حضرات نے کہا ہے کہ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام ہے اور یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ سے بدل ہے، پہلی صورت میں بھی بدل کہا مگر وہ اعتراض سے خالی نہیں ہے **قولہ** اِلّا لکن مَن اتی اللّٰہَ بقلبٍ سلیمٍ شارح نے اِلّا کی لکن سے تفسیر کر کے اشارہ کردیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے لیکن اَحَدًا مفعول (محذوف) کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ مستثنیٰ متصل ہو دونوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے تطبیق کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ مستثنیٰ منہ اگر مالٌ و لابنونٌ کو قرار دیا جائے تو مستثنیٰ منقطع ہوگا اور اگر مستثنیٰ منہ اَحَدًا کو قرار دیا جائے تو مستثنیٰ متصل ہوگا، اس لئے کہ مَن اتی اللّٰہَ مستثنیٰ منہ اَحَدًا کی جنس سے ہے اور پہلی صورت میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے **قولہ** اَیْنَمَا کنتم تعبُدُوْنَ ، اینَ خبر مقدم ہے اور مَا مبتداء مؤخر بمعنی الّذی ہے اور کنتم تعبدونَ مَا کا صلہ ہے عائد محذوف ہے ای تعبدونہٗ اور مِن دونِ اللّٰہِ حال ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی مَا کنتُمْ تعبدُونہٗ اَینَ **قولہ** فَلَوْاَنَّ لَنَا کَرَّۃً بالفارسیۃ پس کاش مارا ایک بار رجوع باشد، کاش ہم کو ایک مرتبہ دنیا میں واپس جانا مل جاتا **قولہ** لَوْ ھُنَا لِلتّمنی، فنکونَ مِنَ المؤمنین اس کا جواب ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ لَوْ شرطیہ ہے اس کا جواب محذوف ہے اور فَنَکُوْنَ ، کَرَّۃً پر معطوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فنکونَ مِنَ المؤمنینَ لَرَجَعْنَا عَمَّا کُنَّا علیہ یا جواب لَخَلَصْنَا مِنَ العَذَابِ ہوسکتا ہے۔

تفسیر وتشریح

وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ اِبْرَاھِیْمَ مشرکین مکہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام ان کے جد امجد ہیں، آپ کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ ان کو ان کے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سنائیے اور بتائیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کے خلاف کس قدر جدوجہد کی اور کس قدر تکلیفیں برداشت کیں اور بت شکنی کا فرض انجام دیا اور تم ان کی نسل سے مدعی ہونے کے باوجود بت پرستی میں مبتلا ہو۔

واقعہ کا آغاز اس طرح فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد اور اپنی قوم سے پوچھا کہ تم کس چیز کی بندگی کرتے ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال اس لئے نہیں تھا کہ ان کو معلوم نہیں تھا کہ میرے والد صاحب اور میری قوم کس چیز کی پوجا کرتی ہے؟ بلکہ مقصد یہ تھا کہ جو کچھ یہ لوگ جواب دیں گے میں اپنی دلیل کے مقدمات انہی کے

مسلمات کو بناؤں گا، چنانچہ قوم نے جواب دیا نَعْبُدُ اَصْنَامًا جب قوم نے اقرار کرلیا کہ ہم تو انہی خود تراشیدہ شجر وحجر ومدر کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی کے اقرار پر اپنی دلیل کی بنیاد رکھتے ہوئے فرمایا ''تو کیا یہ تمہاری پکار سنتے بھی ہیں؟ یا تمہیں یہ نفع نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کا قوم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، لاجواب ہو گئے جھنجلا کر کہنے لگے ہم کچھ نہیں جانتے ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے لہٰذا ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اَفَرَاَیْتُمْ مَّا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ یعنی جن چیزوں کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو تم نے کبھی ان کی حقیقت میں غور کیا؟ آیا ان کے اندر کوئی ایک صفت بھی ایسی ہے جس کی وجہ سے ان کو مستحق عبادت قرار دیا جاسکے؟ ان کی پوجا پاٹ کرنا ایک پرانی حماقت ہے، ورنہ جس کے قبضہ میں ذرہ برابر نفع نقصان نہ ہو ان کی بندگی کیسی؟ لو میں ابھی تمہارے سامنے علی الاعلان کہتا ہوں کہ یہ میرے دشمن ہیں میری ان سے لڑائی ہے میں ان کی گت بنا کر رہوں گا، اگر ان کے اندر کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا کر دکھائیں تَاللّٰهِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ بَعْدَ اَنْ تَوَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ (انبیاء) لہٰذا ان کی عبادت اور بندگی سراسر ضرر اور نقصان ہے، البتہ اللہ رب العالمین وہ دشمن نہیں بلکہ وہ تو دنیا وآخرت میں میرا ولی اور دوست ہے، میں تو اسی کی بندگی کرتا ہوں اور اسی نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری رہنمائی کرتا ہے اور وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور بیمار ہونے کی صورت میں شفا دیتا ہے اور وہی موت دے گا اور وہی زندہ کرے گا، مذکورہ تمام صیغوں میں یائے متکلم کو فواصل کی رعایت کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے مثلاً یَھْدِیْنِ اصل میں یَھْدِیْنِی تھا یائے متکلم کو حذف کردیا گیا۔

وَالَّذِیْنَ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ انبیاء علیہ السلام اگرچہ معصوم ہوتے ہیں اس لئے ان سے کسی بڑے گناہ کا صدور ممکن نہیں، پھر بھی اپنے بعض افعال کو کوتاہی پر محمول کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں طالب عفو ہوں گے وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ یعنی جو لوگ میرے بعد آئیں وہ میرا ذکر اچھے لفظوں میں کرتے رہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کی جزاء اللہ تعالیٰ دنیا میں ذکر جمیل اور ثناء حسن کی صورت میں عطا فرماتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر ہر مذہب کے لوگ کرتے ہیں۔

وَاغْفِرْ لِاَبِیْ جس شخص کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ اس کی موت کفر پر ہوئی ہے تو ایسے شخص کے لئے دعاء مغفرت جائز نہیں اس لئے کہ قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ اس سے ممانعت فرمائی ہے مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ.

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے دعا مغفرت اس وقت کی تھی جب تک ان پر یہ واضح نہیں تھا کہ مشرک کے لئے دعاء مغفرت جائز نہیں، جب اللہ نے یہ واضح کردیا تو انہوں نے اپنے باپ سے بیزاری کا اظہار کردیا

فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (توبہ) **قوله** بِاَنْ تَتُوْبَ بِاَنْ تَتُوْبَ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا وَاغْفِرْ لِاَبِیْ اپنے والد کی زندگی میں کی تھی اس لئے کہ توبہ کی توفیق اور اس کے لئے دعا تو زندگی ہی میں ہوسکتی ہے اور شارح کے قول هٰذا قَبْلَ اَنْ يَّتَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوُّ اللّٰهِ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا اپنے والد کے لئے انتقال کے بعد کی تھی اس لئے کہ کفر پر مرنا انتقال کے بعد ہی معلوم ہوسکتا ہے، تفسیر کبیر میں تطبیق اس طرح دی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے پوشیدہ طور پر حضرت ابراہیمؑ سے کہا تھا کہ میں تیرے ہی دین پر ہوں گو مصلحتاً وتقیۃً نمرود کے دین پر ہوں، حضرت ابراہیمؑ نے اس بات کو حقیقت سمجھتے ہوئے دعاء فرمائی لیکن جب حقیقت اس کے خلاف معلوم ہوئی تو اس سے برأت ظاہر کردی، اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی دعاء میں وکان من الضالین فرمایا، اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اعتقاد نہ ہوتا کہ وہ فی الحال ضالین میں سے نہیں ہے تو وہ کان من الضالین نہ فرماتے۔ (حاشیہ جلالین)

قوله لا تخزنی یومَ یُبْعَثُوْنَ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لاتخزنی یوم یُبْعَثُوْنَ فرمانا خدا کی عظمت وجلال کے سامنے تواضع وانکساری کا اظہار تھا ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جلالت شان سے کون واقف نہیں اولوا العزم پیغمبروں میں سے ہیں، نیز اس سے امت کو تعلیم بھی مقصود ہے، ایک حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس رسوائی اور ذلت سے بچنے کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی ہے اس میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ میرے والد محترم کو عذاب میں گرفتار کرنے کی وجہ سے جو رسوائی اور ذلت ہوگی اس سے میری حفاظت فرما، حدیث کا مضمون یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے والد کو برے حال میں دیکھیں گے تو ایک مرتبہ پھر اللہ کی بارگاہ میں ان کے لئے دعاء مغفرت کی درخواست کریں گے اور فرمائیں گے یا اللہ! اس سے زیادہ میرے لئے رسوائی اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیگا میں نے جنت کافروں پر حرام کردی ہے پھر ان کے والد کو نجاست میں لتھڑے ہوئے بجّو کی شکل میں جہنم میں ڈالدیا جائے گا۔ (صحیح بخاری سورۃ الشعراء، وکتاب الانبیاء، باب قول الله واتخذ اللّٰهُ ابراهیمَ خلیلاً)

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اَحَدًا اِلَّا لٰکِنْ مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ بعض حضرات نے اس آیت میں استثناء منقطع قرار دیکر یہ تفسیر کی ہے کہ کسی کو اس روز اس کا مال کام نہ آئے گا نہ اولاد، البتہ کام آئے گا تو اپنا قلب سلیم کام آئے گا یعنی ایسا قلب کہ جو کفر وشرک ونفاق کی بیماری سے محفوظ ہوگا، خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ روز قیامت کسی کا مال واولاد کام نہ آئے گا، کام صرف اپنا ایمان اور عمل صالح آئے گا، جس کو قلب سلیم سے تعبیر کیا گیا ہے، جمہور مفسرین نے اس کو استثناء متصل قرار دیکر یہ معنی کئے ہیں مال اور اولاد قیامت کے روز کسی شخص کے کام نہ آئیں گے بجز اس شخص کے جس کا قلب سلیم ہوگا، یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس جگہ قرآن کریم نے وَلَا بَنُوْنَ فرمایا ہے جس کے معنی نرینہ اولاد کے ہیں عام اولاد کا ذکر غالباً اس لئے نہیں کیا کہ آڑے وقت میں کام آنے کی توقع دنیا میں بھی نرینہ اولاد یعنی لڑکوں ہی

سے ہوتی ہے عام طور پر لڑکیوں سے یہ توقع نہیں ہوتی، اس لئے قیامت میں بالتخصیص لڑکوں کے غیر نافع ہونے کا ذکر کیا گیا ہے جس سے دنیا میں نفع کی توقع رکھی جاتی تھی۔

متقیوں کے لئے جنت بالکل قریب کردی جائے گی اور گمراہ لوگوں کے لئے دوزخ ظاہر کردی جائے گی مطلب یہ ہے کہ جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے یہ دونوں چیزیں ان کے روبرو کردی جائیں گی جس سے کافروں کے غم میں اور مومنوں کے سرور میں اضافہ ہوجائے گا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ بتكذيبهم له لِاشتراكِهم في المجئ بالتَّوحيدِ او لِانَّهُ لِطولِ لُبثِه فيهم كَانَّهُ رسلٌ وتانيثُ قوم باعتبار معناه وتذكيرُه باعتبار لفظه **اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ** نَسَبًا **نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ** اللّٰهَ **اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ** على تَبْليغ ما اُرْسِلْتُ به **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ** فيما اٰمُرُكم به مِنْ توحيدِ اللّٰهِ وطاعتِه **وَمَا اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ** على تَبْليغِه **مِنْ اَجْرٍ اِنْ** ما **اَجْرِيَ** اى ثَوابِي **اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ** كرّره تاكيدًا **قَالُوْا اَنُؤْمِنُ** نُصدّق **لَكَ** لقولك **وَاتَّبَعَكَ** وفي قراءةٍ واَتْبَاعُكَ جمعُ تابعٍ مبتدأ **الْاَرْذَلُوْنَ** السَّفلةُ كالحَاكَةِ والاَساكِفَةِ **قَالَ وَمَا عِلْمِيْ** اىُّ عِلمٍ لي **بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اِنْ** ما **حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ** فيُجازيهم **لَوْ تَشْعُرُوْنَ** تَعلَمُوْنَ ذلك ما عِبْتُمُوْهم **وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنْ** ما **اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ** بَيِّنُ الاِنْذارِ **قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ** عَمَّا تقول لنا **لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ** بالحجارةِ او بالشَّتمِ **قَالَ** نوحٌ **رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا** اى اُحْكُم **وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** قال تعالى **فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ** المَمْلُوْءِ من الناس والحيوان والطير **ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ** اى بعدَ اِنْجائِهم **الْبٰقِيْنَ** من قومه **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ** ع

ترجمہ

قوم نوح نے حضرت نوح کی تکذیب کرکے تمام رسولوں کی تکذیب کا ارتکاب کیا ان سب کے توحید کے لانے میں مشترک ہونے کی وجہ سے یا ان کے اپنی قوم میں طویل زمانہ تک قیام کرنے کی وجہ سے گویا کہ وہ کئی رسولوں کے قائم مقام تھے (لفظ) قوم اپنے معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے اور اپنے لفظ کے اعتبار سے مذکر جبکہ ان سے ان کے نسبی بھائی نوح نے فرمایا کیا تم اللہ کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں اس پیغام کے پہنچانے میں جس کو مجھے دیکر بھیجا گیا ہے لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور اللہ کی توحید اور اس کی طاعت میں جس کا میں تم کو حکم

کروں میری اطاعت کرو میں تم سے اس پر یعنی اس کی تبلیغ پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا اجر یعنی میرا ثواب تو صرف رب العالمین پر ہے اللہ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو بطور تاکید اس کو مکرر ذکر کیا ہے قوم نے جواب دیا کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں یعنی تیرے قول کی تصدیق کریں حالانکہ تیری اتباع رذیل لوگوں نے کی ہے یعنی کم حیثیت لوگوں نے مثلاً جولاہوں اور موچیوں نے اور ایک قراءۃ میں اِتَّبَعَكَ کے بجائے اَتْبَاعُكَ ہے جو کہ تابع کی جمع ہے (اور) مبتداء ہے (اور ارذلون اس کی خبر ہے) حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا مجھے ان کے پیشوں سے کیا غرض؟ (یعنی مجھے ان کے پیشے سے کوئی مطلب نہیں خواہ ان کا پیشہ رذیل ہو یا شریف، اب رہا یہ احتمال کہ ان کا ایمان دل سے نہیں ہے تو اس کا حساب اللہ پر ہے) ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے سو وہی ان کو جزاء دے گا، اگر یہ حقیقت تمہاری سمجھ میں آجاتی تو تم عیب جوئی نہ کرتے میں ایمان والوں کو دھکا دینے والا نہیں میں تو صاف طور پر ڈرانے والا ہوں یعنی کھلم کھلا ڈرانے والا، وہ لوگ کہنے لگے اے نوح اگر تم باز نہ آئے ان باتوں سے جو تم ہم سے کہتے ہو تو یقیناً سنگسار کردیئے جاؤ گے پتھروں کے ذریعہ یا گالی گلوچ کے ذریعہ (تو پھر مجبور ہو کر) نوح علیہ السلام نے دعا کی اے میرے پروردگار میری قوم نے میری تکذیب کردی سو آپ میرے اور ان کے درمیان (قطعی) فیصلہ کردیجئے اور مجھے اور جو میرے ساتھ با ایمان لوگ ہیں نجات دیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں نجات دی، یعنی انسانوں اور حیوانوں اور پرندوں سے بھری ہوئی کشتی میں ان کو نجات دینے کے بعد اس کی قوم کے باقی لوگوں کو غرق کردیا یقیناً اس میں بہت بڑی عبرت ہے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں بے شک آپ کا پروردگار ہی زبردست رحم کرنے والا ہے

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله بتكذيبهم لهٗ الخ اس اضافہ کا مقصد اس شبہ کی توجیہ ہے کہ نوح کے لئے مرسلین جمع کا صیغہ لانے کا کیا مقصد ہے حالانکہ وہ ایک فرد تھے، شارح نے اس کے دو جواب دیئے ہیں اول جواب کا خلاصہ یہ ہے تمام انبیاء ومرسلین اصول دین یعنی توحید ورسالت بعث بعد الموت اور آخرت میں جزاوسزا جیسے بنیادی امور میں متفق ہوتے ہیں لہٰذا ایک کی تکذیب سب کی تکذیب شمار ہوگی اَوْ لِاَنَّهٗ سے دوسرا جواب ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کا زمانہ نہایت طویل ہے عام طور پر اتنی مدت میں کئی رسول مبعوث ہو سکتے تھے مگر تنہا حضرت نوحؑ ہی نے اس طویل زمانہ میں فرائض رسالت انجام دیئے اس لئے بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ متعدد رسولوں کے قائم مقام ہیں، جیسا کہ بجو کو اس کے کئی افراد کے برابر کھانے کی وجہ سے **حجاضر** کہہ دیا جاتا ہے **قوله** تانیث **قوم** كَذَّبت قومُ نوحٍ میں قوم کو مؤنث مان کر فعل کو مؤنث لائے ہیں اس لئے کہ لفظ قوم اپنے معنی کے اعتبار سے مؤنث اور لفظ کے اعتبار سے مذکر

ہے قوم کی تصغیر قُوَیْمَۃٌ آتی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ قوم معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے، یہی حال ہر اس اسم جمع کا ہے جس کا واحد نہیں ہے جیسے رَھْطٌ و نَفَرٌ یہی وجہ ہے کہ ضمائر مثلاً لَھُمْ، اَخُوْھُمْ، تَتَّقُوْنَ میں معنی کی رعایت کی گئی ہے **قولہ** مِنْ اَجْرٍ مِن مفعول پر زائدہ ہے **قولہ** اتباعُکَ مبتداء ہے اَرْذَلُوْنَ خبر، جملہ ہوکر اَنُؤمِنُ کی ضمیر سے حال ہے مفسر علام جہاں وفی قراءۃ اخری فرماتے ہیں اس سے قراءۃ سبعہ مراد ہوتی ہے مگر ان کا یہ طریقہ اغلبی ہے کلی نہیں، اس لئے کہ یہاں اتباعُکَ والی قراءۃ سبعیہ نہیں ہے یہ قراءۃ یعقوب کی ہے عشرہ میں سے اَلسَّفَلَۃُ سافِلَۃٌ کی جمع ہے، بے حیثیت یا کم حیثیت لوگ کہتے ہیں الحائک (نور باف) قال فی القاموس، حاکَ الثوبَ حَوْکًا وحِیَاکًا نَسَجَہٗ فھُوَ حَائِکٌ الاَسَاکِفَۃ جمع اِسْکَافٍ کفش دوز (موچی) **قولہٗ** وَمَا عِلْمِیْ اس میں دو صورتیں ہیں اول مَا استفہامیہ انکاریہ مبتداء اور عِلْمی خبر اور بَا علمی سے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَیُّ شَیْءٍ عِلْمِی؟ دوسری صورت ما نافیہ اس صورت میں بھی بَا علمی سے متعلق ہوگی، مفسر علام نے اَیُّ عِلْمٍ لِیْ کہہ کر اول صورت کی طرف اشارہ کیا ہے عِلْمِیْ کی اصل عِلْمٌ بِیْ ہے تخفیفاً حذف کر دیا گیا **قولہ** اَیْ اُحْکُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے فَافْتَحْ الفتاحۃ سے مشتق ہے جس کے معنی حکومت کے ہیں الفتّاح ای الحاکم، **یفتحہ المغلق من الامور۔**

تفسیر وتشریح

کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحٍ الْمُرْسَلِیْنَ قوم نوح نے اگرچہ صرف ایک رسول حضرت نوح کی تکذیب کی تھی مگر چونکہ ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب کے مترادف اور اس کو مستلزم ہے اس لئے فرمایا کہ قوم نوح نے رسولوں کی تکذیب کی، حضرت نوح علیہ السلام کو ان کا بھائی اس لئے کہا کہ حضرت نوح اسی قوم کے ایک فرد تھے۔

طاعات پر اجرت لینے کا حکم

وَمَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم و تبلیغ پر اجرت لینا درست نہیں ہے اس لئے سلف صالحین نے تعلیم و تبلیغ وغیرہ دینی امور پر اجرت لینے کو ناجائز کہا ہے، لیکن متاخرین نے بحالت مجبوری اس کو جائز قرار دیا ہے۔

شرافت کا تعلق اعمال واخلاق سے ہے نہ کہ نسب سے

قَالُوْا اَنُؤْمِنُ لَکَ وَاتَّبَعَکَ الْاَرْذَلُوْنَ اَرْذَلُوْنَ اَرْذَل کی جمع ہے، جاہ و مال نہ رکھنے والے اور اس کی وجہ سے معاشرہ میں کمتر سمجھے جانے والے اور ان ہی میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو عرف میں حقیر پیشوں سے تعلق رکھتے ہیں،

اس آیت میں قوم نوح نے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ آپ پر ایمان لانے والے رذیل اور بے حیثیت لوگ ہیں ہم باعزت اور شریف لوگ ان کے ساتھ کیسے شامل ہو جائیں، حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا مجھے ان کے پیشہ ورانہ کاموں سے کیا مطلب؟ مطلب یہ کہ تم لوگ خاندانی شرافت یا مال و دولت کو شرافت کی بنیاد سمجھتے ہو یہ غلط ہے بلکہ عزت و ذلت یا شرافت و رذالت کا دار و مدار در اصل اعمال و اخلاق ہیں، تم نے جن پر یہ حکم لگایا ہے کہ یہ سب رذیل ہیں یہ تمہاری جہالت ہے چونکہ ہم ہر شخص کے اعمال و اخلاق کی حقیقت سے واقف نہیں، اس لئے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ حقیقت میں کون رذیل اور کون شریف ہے؟

وَمَا اَنَا بطارِدِ المؤمنین یہ ان کی اس خواہش کا جواب ہے کہ اگر کمتر حیثیت کے لوگوں کو اپنے پاس سے الگ کر دو تو ہم تمہاری جماعت میں شامل ہو جائیں گے، اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا میں ایمان والوں کو جدا کرنے والا نہیں ہوں، قریش نے بھی اسی قسم کا سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موالی اور فقراء صحابہ کے بارے میں کیا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سالہ تبلیغ کے باوجود ان کی قوم کے لوگ بداخلاقی اور اعراض پر قائم رہے بالآخر مجبور ہو کر حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے لئے بددعاء کی جس کے نتیجہ میں اہل ایمان کے علاوہ سب غرق دریا ہو گئے حتی کہ بیوی اور بیٹے کو بھی جو ایمان نہیں لائے تھے غرق کر دیا گیا۔

كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ مكانٍ مرتفعٍ **اٰيَةً** بناءً عَلَمًا لِلْمارَّةِ **تَعْبَثُوْنَ ۝** بِمَنْ يَمُرُّ بكم وتَسْخَرُوْنَ منهم والجملةُ حالٌ من ضميرِ تَبْنُوْنَ **وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ** لِلْماءِ تحتَ الارضِ **لَعَلَّكُمْ** كَاَنَّكُمْ **تَخْلُدُوْنَ ۝** فيها لا تَمُوتون **وَاِذَا بَطَشْتُمْ** بضربٍ او قتلٍ **بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝** من غيرِ رَأْفَةٍ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ** في ذٰلك **وَاَطِيْعُوْنِ ۝** فيما اَمَرْتُكم به **وَاتَّقُوا الَّذِىْٓ اَمَدَّكُمْ** اَنْعَمَ عليكم **بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ** بَساتِيْنَ **وَّعُيُوْنٍ ۝** اَنْهارٍ **اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝** في الدنيا والاٰخرةِ اِنْ عَصَيْتُمُوْنِىْ **قَالُوْا سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ** مستوٍ عِندنا **اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝** اصلًا اى لا نَرْعَوِىْ لِوَعْظِكَ **اِنْ** ما **هٰذَآ** الذى خَوَّفْتَنا به **اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝** اى اختلاقُهم وكِذْبُهم وفى قراءةٍ بضمِ الخاءِ واللامِ اى ما هٰذا الذى نحنُ عليه مِنْ اَنْ لا بَعْثَ اِلَّا خُلُقُ الاَوَّلِين اى طَبِيْعَتُهم وعادتُهم **وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝** **فَكَذَّبُوْهُ** بالعذاب **فَاَهْلَكْنٰهُمْ** في الدنيا بالرِّيحِ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ**

مُّؤْمِنِيْنَ○ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ○ ع

ترجمہ

عادیوں نے بھی نبیوں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم ہر اونچے مقام پر عمارت بناتے ہو یعنی مسافروں کے لئے نشانی حال یہ ہے کہ تم اپنے پاس سے گذرنے والوں کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہو اور ان کے ساتھ تمسخر کرتے ہو (تَعْبَثُوْنَ) جملہ ہو کر تَبْنُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے اور زمین کے نیچے پانی کے ٹینک بناتے ہو گویا کہ دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے مرنا نہیں ہے اور جب تم کسی پر ضرب وقتل کے ذریعہ دارو گیر کرتے ہو تو بغیر نرمی کے ظالموں کے مانند دارو گیر کرتے ہو اس معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو جس چیز کا میں تم کو حکم کروں اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی یعنی تمہارے اوپر ان چیزوں کا انعام فرمایا مویشیوں سے اور بیٹوں سے اور باغوں سے اور چشموں یعنی نہروں سے مجھے تو تمہارے بارے میں دنیا اور آخرت میں بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے اگر تم میری نافرمانی کرو گے تو ان لوگوں نے کہا ہمارے نزدیک سب برابر ہے خواہ آپ نصیحت کریں یا اصلا نصیحت نہ کریں، ہم تیرے وعظ کی وجہ سے باز نہیں آسکتے یہ بات جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو محض پہلوں کی گھڑی ہوئی بات ہے اور ان کا کذب ہے اور ایک قرأۃ میں خا اور لام کے ضمہ کے ساتھ ہے، یعنی وہ عقیدہ جس پر ہم قائم ہیں وہ یہ کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا نہیں ہے، گذشتہ لوگوں کی عادت اور ان کی طبیعت ہے اور ہم کو ہرگز عذاب نہیں دیا جائے گا، چنانچہ ان لوگوں نے عذاب کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو آندھی کے ذریعہ دنیا میں ہلاک کر دیا، بلاشبہ اس میں نشانی ہے اور ان میں سے بہت سے لوگ ماننے والے نہیں تھے بے شک آپ کا رب ہی غالب مہربان ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ كَذَّبَتْ عَادٌ عاد قبیلہ کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے اسی لئے فعل کو مؤنث لایا گیا ہے، عاد قوم عاد کے جد ابعد کا نام ہے اسی کی طرف یہ قوم منسوب ہے، عاد حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے سام کی نسل سے تھے (جمل) **قولہ** اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ چونکہ ان کی نسل اور خاندان سے تعلق رکھتے تھے اسی وجہ سے ان کو اخوھم کہا ہے حضرت ہود علیہ السلام نہایت ہی حسین وجمیل اور پیشہ کے اعتبار سے تاجر تھے حضرت آدم علیہ السلام سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے چار سو چونسٹھ سال بقید حیات رہے (جمل) **قولہ** بكل رِيْعٍ کسرہ اور فتحہ دونوں درست ہیں مکان مرتفع کو کہتے ہیں جیسے پہاڑ ٹیلہ وغیرہ، ابوعبید نے کہا ہے راستہ کو کہتے ہیں اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ میں استفہام توبیخ کے لئے ہے اور محل توبیخ تَبْعَثُوْنَ جملہ حالیہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اونچی جگہ پر عمارت بنانا مذموم نہیں ہے

بلکہ بے فائدہ اور فضول بنانا مذموم ہے، وتتخذون کا عطف تبنُون پر ہے اور اسی طرح واِذا بَطَشتم کا بھی، مطلب یہ ہے کہ قوم ہود کو تین مذموم باتوں پر توبیخ کی گئی ہے **قوله** فاتقوا اللّٰہ فی ذٰلك الخ انہی تین باتوں کی طرف اشارہ ہے ۱ البناء ۲ الاتخاذ المذکور ۳ التجبُّر **قوله** اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وبنینَ اس میں دو صورتیں ہیں ۱ جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ کا بیان ہے ۲ بِاَنْعامٍ بما تعملونَ اعادہ فعل کے ساتھ بدل ہے جیسا کہ اتبِعُوا المرسلینَ اتبعُوا من لا یسألکم اجرًا میں اور بعض حضرات بدل کے بجائے تکرار قرار دیتے ہیں **قوله** سَوَاءٌ عَلَیْنَا خبر مقدم ہے اور اَوَعَظْتَ بتاویل مفرد ہو کر مبتدا مؤخر ہے ای اَلْوَعْظُ وَعَدَمُهٗ سَوَاءٌ علَیْنَا نَرْعَوِی اِرْعَوَان سے بمعنی بازماندن اِلاَّ مِن خُلُق الاولین مثلاً شیث علیہ السلام ونوح علیہ السلام اِنْ ھٰذا اِلاَّ خلُق الاوّلین یہ ماقبل کی علت ہے مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے وعظ و نصیحت کو اس لئے قبول نہیں کریں گے یہ گذشتہ لوگوں کی گڑھی ہوئی باتیں ہیں۔

تفسیر وتشریح

کَذَّبَتْ عادُ ن المرسلین عاد ان کے جد اعلیٰ کا نام تھا جن کے نام پر قوم کا نام پڑ گیا یہاں عاد کو قبیلہ تصور کر کے کذَبتْ مؤنث کا صیغہ لایا گیا ہے ہود علیہ السلام کو بھی عاد کا بھائی اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم ہی کے ایک فرد تھے۔

اَتَبْنُوْنَ بکلِّ رِیْعٍ تعبثُوْنَ رِیعٌ، ریعةٌ کی جمع ہے ٹیلہ، بلند جگہ، پہاڑ، گھاٹی، راستہ کو کہتے ہیں، یہ ان گذرگاہوں یا بلند مقامات پر اونچی اونچی عمارتیں تعمیر کرتے تھے لیکن ان کا مقصد ان میں رہنا نہیں ہوتا تھا بلکہ کھیل کود یا ایک دوسرے پر فخر ہوتا تھا حضرت ہود علیہ السلام نے منع فرمایا کہ یہ تم ایسا کام کرتے ہو، جس میں وقت اور وسائل کا بھی ضیاع ہے اور اس کا مقصد بھی ایسا ہے کہ جس سے دین و دنیا کا کوئی مفاد وابستہ نہیں بلکہ اس کے بیکار محض اور عبث ہونے میں کوئی شک نہیں، اسی طرح وہ بڑی مضبوط اور عالی شان رہائشی عمارتیں تعمیر کرتے تھے جیسے وہ ہمیشہ ان ہی محلات میں رہیں گے۔

بلاضرورت عمارت بنانا مذموم ہے

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات میں وسائل ضائع کرنا شرعاً برا ہے، اور یہی مطلب اس حدیث کا ہے جو امام ترمذی نے حضرت انس سے روایت کی ہے النفقة کُلُّھَا فی سبیلِ اللّٰہِ الا البناء فلا خیرَ فیه یعنی وہ عمارت جو بلاضرورت بنائی گئی ہو اس میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں ان معنی کی تصدیق حضرت انس ؓ کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے اِنّ کلَّ بناءٍ وبالٌ علٰی صاحبه مالا یعنی اِلاَّ مالابدَّ منهُ (ابوداؤد) یعنی ہر تعمیر صاحب تعمیر کے لئے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضرورت کے لئے ہو وہ وبال نہیں ہے، روح المعانی میں فرمایا بغیر غرض صحیح کے بلند عمارت بنانا شریعت محمدیہ میں مذموم اور برا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۚ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صَالِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ وَمَآ اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ ما اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْمَا هٰهُنَا من الخير اٰمِنِيْنَ ۙ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۚ لطيف لين وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۚ بطرين وفي قراءة فَارِهِيْنَ حاذقين فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ فيما امركم به وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ بالمعاصي وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ بطاعة الله تعالى قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۙ الذين سُحِرُوا كثيرًا حتى غَلَبَ على عقلهم مَآ اَنْتَ ايضا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ في رسالتك قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ نصيب من الماء وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۚ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ بعظم العذاب فَعَقَرُوْهَا اي عقرها بعضهم برضاهم فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۙ على عقرها فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ الموعود به فهلكوا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

ترجمہ

ثمود نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا جبکہ ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کیا تم کو (خدا کا) خوف نہیں ہے، میں تمہارا امانت دار رسول ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کچھ صلہ نہیں چاہتا، میرا صلہ تو رب العالمین پر ہے، کیا تم کو ان (راحت کی) چیزوں میں بے فکری کے ساتھ رہنے دیا جائے گا جو یہاں (دنیا میں) موجود ہیں (یعنی) باغوں اور چشموں اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں (یا) (جن کے شگوفے گتھے ہوئے ہیں) اور تم پہاڑوں کو تراش کر فخریہ طور پر گھر بناتے ہو ایک قرأۃ میں فارھین ہے یعنی ماہرانہ انداز سے سو اللہ سے ڈرو اور جس کام کے لئے میں تم سے کہوں اس میں میرا کہنا مانو اور بے باک حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو جو معاصی کے ذریعہ ملک میں فساد برپا کرتے ہیں اور خدا کی اطاعت کر کے اصلاح نہیں کرتے تو ان لوگوں نے کہا تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے (یعنی) تم ان لوگوں میں سے ہو کہ جن پر زبردست جادو کر دیا گیا ہو حتی کہ ان کی عقل مغلوب ہو گئی ہو تم بھی ہم جیسے انسان ہو لہٰذا اگر تم اپنے دعوئے رسالت میں سچے ہو تو کوئی معجزہ پیش کرو (صالح علیہ السلام) نے فرمایا یہ ایک اونٹنی ہے، پانی کی ایک دن کی باری اس کی اور ایک دن پانی کا تمہارے لئے مقرر (خبردار) اس کو بری نیت سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تو ایک بڑے بھاری دن کا عذاب تم کو گرفت میں لے لے گا عذاب کے بھاری ہونے کی وجہ سے پھر انہوں نے اس (اونٹنی) کو ہلاک کر دیا پھر وہ اس کے ہلاک کرنے پر پشیمان ہو گئے چنانچہ ان کو

عذاب موعود نے آدبوچا جس کے نتیجے میں ہلاک ہوگئے یقیناً اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے بلاشبہ آپ کا رب بڑا زبردست بہت مہربان ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

كَذَّبَتْ ثَمُودُ كذّبت فعل کو مؤنث لایا گیا ہے اس لئے کہ ثمود قبیلہ کے معنی میں ہے ثمود قوم ثمود کے جداعلیٰ کا نام ہے ان ہی کے نام پر قوم کا نام رکھا گیا ہے، نسب اس طرح ہے ثمود بن عبید بن عَوص بن عاد بن ارم بن سام بن نوح، ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی امت ہے حضرت صالح علیہ السلام نے دوسو اسی سال عمر پائی حضرت صالح اور حضرت ہود علیہ السلام کے درمیان سو سال کا وقفہ ہے۔ (حاشیہ جلالین)

قوله فیما هٰهنا من الخیر هٰهُنَا ای فی الدنیا، من الخیر، مَا کا بیان ہے مراد اس سے دنیوی آرام وراحت کا سامان ہے آمِنِیْنَ تترکون کی ضمیر فاعل سے حال ہے **قوله** فی جنّٰتٍ الخ یہ اعادۂ جار کے ساتھ فیما هٰهُنَا سے تفصیل کے لئے بدل ہے **قوله** طَلْعُهَا، طَلْعٌ ابتداء نمودار ہونے والا شگوفہ، پھر بَلَحٌ پھر بُسر پھر رطبٌ پھر تمر هَضِیْمٌ نرم، نازک۔

قوله الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ مُسْرِفِیْنَ کی صفت کاشفہ ہے اس لئے کہ یہاں مسرفین کے معروف معنی مراد نہیں ہیں۔

تفسیر وتشریح

قوم ثمود کا مسکن حِجر تھا جو حجاز کے شمال میں واقع ہے آج کل اس کو مدائن صالح کہتے ہیں (ایسر التفاسیر) یہ عرب تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تبوک جاتے ہوئے ان کی بستیوں سے گذر ہوا تھا آپ ان کی بستیوں سے ان کے معذب ہونے کی وجہ سے تیزی سے سر جھکائے ہوئے گذر گئے تھے اَتترکون فیما هٰهُنا آمنین یعنی یہ نعمتیں کیا تمہیں ہمیشہ حاصل رہیں گی نہ تمہیں موت آئے گی اور نہ عذاب؟ یہ استفہام انکاری توبیخی ہے یعنی ایسا نہیں ہوگا بلکہ عذاب یا موت کے ذریعہ جب اللہ چاہے گا تم ان نعمتوں سے محروم ہوجاؤ گے اس میں اس بات کی طرف ترغیب ہے کہ تم اللہ کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرو اور اس پر ایمان لاؤ اور ترہیب ہے کہ اگر ایمان وشکر کا راستہ اختیار نہیں کیا تو پھر تباہی وبربادی تمہارا مقدر ہے وقال هٰذه ناقة یہ اونٹنی تھی جو ان کے مطالبہ پر پتھر کی ایک چٹان سے بطور معجزہ ظاہر ہوئی تھی، پانی کے لئے ایک دن اونٹنی کا اور ایک دن دیگر تمام جانوروں کے لئے مقرر کردیا گیا تھا نیز ان سے یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ اس کو بری نیت سے ہاتھ نہ لگانا نہ اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا یہ اونٹنی ان کے درمیان، ایک مدت تک رہی لیکن کچھ عرصہ کے بعد ان لوگوں نے اس کے قتل کا منصوبہ بنالیا اور ایک روز رات کی تاریکی میں ایک قدار نامی شخص نے قوم کی

رضامندی سے اس کو ہلاک کردیا یہ اونٹنی باوجودیکہ اللہ کی قدرت کی نشانی اور صالح علیہ السلام کی نبوت کی ایک واضح دلیل تھی مگر قوم ثمود اس پر ایمان نہیں لائی اور کفروشرک کے راستہ پر گامزن رہی جب اونٹنی کو قتل کردیا گیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا اب تمہیں صرف تین دن کی مہلت ہے چوتھے دن تمہیں ہلاک کردیا جائے گا، اونٹنی کو سہ شنبہ کو ہلاک کیا گیا اور وہ لوگ شنبہ کے روز ہلاک کردیئے گئے، حضرت صالح علیہ السلام نے نزول عذاب کی کچھ علامتیں مقرر فرمادی تھیں ان کا ظہور اس طرح ہوا کہ چہار شنبہ کو ان کے چہرے زرد ہوگئے پھر پنجشنبہ کو سرخ ہوگئے پھر بروز جمعہ سیاہ ہوگئے ہفتہ کے روز سخت زلزلہ اور شدید چنگھاڑ کے ذریعہ ہلاک کردیئے گئے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطِ ۣالْمُرْسَلِينَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوطٌ اَلَا تَتَّقُونَ ۝ اِنِّي لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَا اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اى الناس **وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ** اى اقبالهن **بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝** متجاوزون الحلال الى الحرام **قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ** عن انكارك علينا **لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ۝** من بلدتنا **قَالَ** لوط **اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ۝** المبغضين **رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝** اى من عذابه **فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عَجُوْزًا** امراته **فِي الْغٰبِرِيْنَ ۝** الباقين اهلكناها **ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝** اهلكناهم **وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ** حجارة من جملة الاهلاك **فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝** مطرهم **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝**

ع ۹

ترجمہ

قوم لوط نے (بھی) نبیوں کو جھٹلایا جب کہ ان کے بھائی لوط (علیہ السلام) نے ان سے کہا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارا امانتدار رسول ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم اہل عالم یعنی انسانوں میں سے مردوں کیساتھ شہوت رانی کرتے ہو؟ اور تمہاری بیبیوں کی جو چیز یعنی ان کی شرمگاہیں تمہارے لئے پیدا (حلال) کی گئیں ہیں انکو چھوڑے ہوئے ہو، اپنی بیبیوں کی شرمگاہوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو، یہ تفسیر اور ترجمہ اس صورت میں ہوگا جب کہ مِن کو تبعیضیہ مانا جائے اور اگر من بیانیہ لیا جائے تو من ازواجکم ما کا بیان ہوگا، مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے جو چیز یعنی عورت تمہارے لئے حلال کی ہے اس کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ ہم جنسی کرتے ہو جو کہ حرام ہے بلکہ تم حد یعنی حلال سے حرام کی طرف سے تجاوز کرنیوالے ہو (قوم کے) لوگوں نے جواب دیا اے لوط اگر تم ہمارے اوپر نکیر کرنے سے باز نہ آؤ گے تو یقیناً

ہمارے شہر سے نکالدیئے جاؤ گے حضرت لوط علیہ السلام نے جواب دیا میں تمہاری حرکت سے سخت ناخوش ہوں، اے میرے پروردگار مجھے اور میرے اہل کو ان کے اعمال کے عذاب سے نجات دیجئے سو ہم نے ان کو اور ان کے تمام متعلقین کو نجات دی بجز ایک بڑھیا کے جو کہ ان کی بیوی تھی پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی جس کو ہم نے ہلاک کر دیا پھر ہم نے باقی اور سب کو (بھی) ہلاک کر دیا پھر ہم نے ان پر ایک خاص قسم (یعنی) پتھروں کا مینہ برسایا من جملہ ہلاک کرنے کے طریقوں میں سے سو بہت برا مینہ تھا جو ان لوگوں پر برسا جن کو ڈرایا گیا تھا بلا شبہ اس میں عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، اور بے شک آپ کا رب بڑی قدرت والا رحمت والا ہے۔

تحقیق ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ اخوھم لوط لوط علیہ السلام کا قوم لوط سے نہ تو نسبی تعلق تھا اور نہ دینی مشارکت اس لئے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادہ تھے اور بلاد مشرق میں بابل کے باشندہ تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر کے تشریف لائے تھے ابراہیم علیہ السلام نے شام میں مقام خلیل میں قیام فرمایا اور لوط علیہ السلام نے اس کے قریب یعنی ایک دن کی مسافت کی دوری پر سدوم میں قیام فرمایا، مگر حضرت لوطؑ نے اہل سدوم میں بود و باش اختیار کر لی تھی اور مصاہرت کا رشتہ بھی ان ہی لوگوں سے قائم ہو گیا تھا اسی وجہ سے حضرت لوطؑ کو ان کا بھائی کہا گیا ہے **قولہ مَاخَلَقَ لَکُمْ ای اَحَلَّ لَکُمْ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ** یہ ما کا بیان ہے، شارح علام نے مِنْ اَزْوَاجِکُمْ کی تفسیر اَقْبَالِھِنَّ سے کر کے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اول یہ کہ مَا خَلَقَ لَکُمْ میں ما کی رعایت مقصود ہے، اگر ما کے بجائے مَنْ ہوتا تو اس کی تفسیر مِنْ ازْوَاجِکُمْ کافی تھی اَقْبَالِھِنَّ کی ضرورت نہیں تھی، دوم یہ کہ اَقْبَالِھِنَّ سے اشارہ کر دیا کہ تمہاری بیبیوں کے تمہارے حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی قبل ہی تمہارے لئے حلال ہے دبر حلال نہیں ہے، اس لئے کہ قبل ہی موضع حرث ہے نہ کہ دبر وہ تو موضع فرث ہے **قولہ** عَادُون عادٍ کی جمع ہے جس کے معنی حد سے تجاوز کرنے والا یعنی حق کو چھوڑ کر باطل کو اور حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کرنے والا **قولہ مِنَ القَالِینَ** قالین القالی کی جمع ہے مادہ قَلْوٌ یا قَلْیٌ ہے اس کے معنی میں نفرت اور بیزاری کا مفہوم بھی شامل ہے، اصل معنی پھینکنے اور بھوننے کے ہیں، مِنَ القَالِینَ قالٍ محذوف کے متعلق ہو کر اِنَّ کی خبر ہے **قولہ مِنْ عذابہ** یہ مضاف محذوف کی طرف اشارہ ہے ای مِن عذابِ مِمَّا یعملون اس لئے کہ ان کے جیسے عمل سے بچانے کا کوئی مطلب نہیں ہے اس لئے نبی تو اعمال قبیحہ سے محفوظ ہوتا ہی ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال بد کی پاداش میں جو عذاب نازل ہونے والا ہے اس سے مجھے اور میرے متعلقین کی حفاظت فرما **قولہ اِلاَّ عجُوزًا** لفظاً اہل میں شامل ہونے کی وجہ مستثنیٰ متصل ہے اور اس اعتبار سے کہ وہ اہل ایمان میں سے نہیں تھی اور حضرت لوطؑ کے اہل حقیقت میں اہل ایمان ہی تھے اس اعتبار

سے مستثنیٰ منقطع ہوگا، اِمرأتہٗ عجوزًا سے بدل ہے، حضرت لوط علیہ السلام کی کافرہ بیوی کا نام واعلہ تھا اور تفسیر روح البیان میں والہہ لکھا ہے، لوط علیہ السلام کی ایک بیوی مومنہ بھی تھی، کافرہ بیوی چوں کہ قوم کے ہم خیال تھی اور ان کی بے حیائی سے راضی تھی اس لئے اس کو بھی قوم کے ساتھ ہلاک کردیا گیا قوم لوط پر زمین کو پلٹنے اور پتھروں کی بارش برسانے اور مختلف عذابوں کے ذریعہ ان کو ہلاک کردیا گیا۔

تفسیر وتشریح

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے ان کو حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں نبی بنادیا گیا تھا اور حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سدوم اور عموریہ میں رہتی تھی، یہ بستیاں شام کے علاقہ میں تھیں۔

أتذرونَ مَا خلقَ لکُمْ الخ ہم جنسی قوم لوط کی بری عادت تھی اس خباثت کی ابتداء اسی قوم سے ہوئی تھی اسی لئے اس فعل بد کو لواطت کہتے ہیں یعنی وہ فعل جس کا آغاز قوم لوط سے ہوا، اب یہ بدفعلی پوری دنیا میں عام ہے بلکہ یورپ کے بعض ممالک میں اس فعل کو قانوناً جائز تسلیم کرلیا گیا ہے یعنی ان کے یہاں اب یہ فعل قانوناً اور اخلاقاً کوئی جرم ہی نہیں ہے بلکہ مرد آپس میں ایک دوسرے سے باقاعدہ شادی کرسکتے ہیں (أعاذنا اللّٰہ منہ)

قَالُوا لئِنْ لَمْ تنتہِ لوط علیہ السلام کے وعظ ونصیحت کے جواب میں ان کی قوم نے کہا تو بڑا پاکباز بنا پھرتا ہے اگر تو ہمارے کاموں پر نکیر کرنے سے باز نہ آیا تو تو یاد رکھ ہم تجھے اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے، آج بھی بدی کا اس قدر زور اور غلبہ ہے کہ نیکی منہ چھپائے پھرتی ہے اور نیکوں کے لئے عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا ہے، ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ سرراہ زنا کرنے والے سے یہ کہنے والا کہ ایک طرف راستہ سے ہٹ کر کرلو، بڑا نیک اور صالح سمجھا جائے گا۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وفی قراءۃٍ بحذفِ الهمزۃِ والْقَاءِ حَرَکَتِہَا علی اللامِ وفَتحِ الہاءِ ھی غَیْضَۃُ شَجَرٍ قُرْبَ مَدْیَنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۚ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ لم یَقُلْ اَخُوْھم لِاَنَّہٗ لم یکنْ منھم اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ وَمَآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ ما اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اَوْفُوا الْكَيْلَ اَتِمُّوْہُ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۚ النَّاقِصِیْنَ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۚ المیزانِ السَّوِیِّ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ لاتَنْقُصُوھم مِنْ حَقِّھم شیئًا وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۚ بالقتلِ وغیرِہ مِنْ عَثِیَ بِکَسْرِ الْمُثَلَّثَۃِ اَفْسَدَ ومُفسدِینَ حَالٌ مُؤَکِّدَۃٌ لِمَعْنٰی عَامِلِھَا تَعْثَوْا وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْخَلِیْقَۃَ الْاَوَّلِيْنَ ۞ قَالُوْٓا اِنَّمَآ

اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ مخففة من الثقيلة واسمها محذوف اى انّه نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا بسكون السين وفتحها قطعة مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فى رسالتك قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ فيجازيكم به فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ هى سحابة اظلتهم بعد حرّ شديد اصابهم فامطرت عليهم نارًا فاحترقوا اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ ع ۱۰

ترجمہ

ایکہ والوں نے (بھی) رسولوں کی تکذیب کی ایک قرأۃ میں حذف ہمزہ اور اس کی حرکت لام کو دینے اور ۃ کے فتحہ کے ساتھ ہے وہ (ایکہ) مدین کے قریب درختوں کی جھاڑی تھی جبکہ ان سے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا (یہاں) اخوہم نہیں کہا اس لئے کہ شعیب علیہ السلام ان میں سے نہیں تھے کیا تم کو خوف نہیں؟ میں تمہارا امانتدار رسول ہوں اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو میں اس پر تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا میرا صلہ تو بس پروردگار عالم پر ہے، ناپ پورا بھرا کرو کم دینے والوں میں شامل نہ ہو صحیح ترازو سے تولا کرو، ایسی ترازو جس میں پاسنگ نہ ہو لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو یعنی ان کے حق میں سے کچھ بھی کم نہ کیا کرو اور ملک میں قتل وغیرہ کے ذریعہ سرکشی کے ساتھ فساد پھیلاتے ہوئے مت پھرا کرو عَثِیَ ثا کے کسرہ کے ساتھ بمعنی اَفْسَدَ ہے، مُفْسِدِیْنَ اپنے عامل تَعْثَوْا سے معنًا حال ہے اس سے ڈرو جس نے تم کو اور (دیگر) پہلی مخلوق کو پیدا کیا ان لوگوں نے کہا تو ان لوگوں میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہے اور تو تو ہم جیسا ہی انسان ہے اور ہم تو تجھ کو جھوٹوں میں سمجھتے ہیں اِنْ مخففہ من الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے اَیْ اِنَّهٗ سو اگر تو اپنے (دعوئے رسالت) میں سچا ہے تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادے کِسْفًا میں سین کے سکون اور اس کے فتحہ کے ساتھ بمعنی ٹکڑا (شعیب علیہ السلام نے) کہا میرا رب تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے سو وہ تم کو اس کا بدلہ دے گا سو وہ لوگ شعیب کو برابر جھٹلاتے رہے سو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے آپکڑا، وہ ایک بدلی تھی، ان کے شدید گرمی میں مبتلا ہونے کے بعد ان پر سایہ فگن ہوگئی تھی بعد ازاں اس بدلی نے ان پر آگ برسائی جس کی وجہ سے وہ جل کر خاک ہوگئے، بلاشبہ وہ بڑے بھاری دن کا عذاب تھا بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مومن نہیں تھے اور یقیناً تیرا رب ہی غلبہ والا مہربانی والا ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَيْكَةَ ایک قرأۃ میں لَيْكَةَ بھی ہے، اَيْكَة گھنے جنگل کو کہتے ہیں اَصْحَابُ الْاَيْكَةِ سے حضرت شعیب علیہ السلام

کی قوم اور مدین کے اطراف کے باشندے مراد ہیں، بیان کیا گیا ہے کہ اَیْکَۃٌ گھنے درخت کو بھی کہتے ہیں غَیْضَۃ غین کے فتحہ کے ساتھ جنگل اور جھاڑی کو کہتے ہیں، مدین حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی کا نام ہے مدین بن ابراہیم نے اس شہر کو بسایا تھا اس لئے ان کے نام ہی سے موسوم ہوگیا، مدین اور مصر کے درمیان آٹھ روز کی مسافت ہے **قوله مفسدین** تَعْثَوْا کے معنیٰ سے حال مؤکدہ ہے حال وذوالحال کے لفظاً اگرچہ مختلف ہیں مگر معنی متحد ہیں اس لئے کہ تَعْثَوْا عَثِیَ سے مشتق ہے جس کے معنی فساد کرنے کے ہیں **قوله** الجبلّۃ اور جبلّ مخلوق کے معنی میں ہے دوسرے مقام پر فرمایا وَلَقَدْ اَضَلَّ جِبِلًّا کَثِیْرًا اس (شیطان) نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا **قوله** فَاَسْقِطْ الخ کو بعض نے اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّادقین کا جواب مقدم قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے جواب شرط محذوف مانا ہے جس پر جملہ **فاسقط** دلالت کررہا ہے۔ (روح المعانی)

تفسیر وتشریح

قصہ ہفتم اصحاب الایکہ

کَذَّبَ اَصْحٰبُ الْاَیْکَۃِ ایکہ جنگل کو کہتے ہیں اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور مدین کے اطراف کے باشندے مراد ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایکہ گھنے درخت کو کہتے ہیں جس کو دَوْم بھی کہا جاتا ہے ایسا ہی ایک درخت مدین کی نواحی آبادی میں تھا جس کی لوگ پوجا پاٹ کرتے تھے، وہاں کے باشندوں کو اصحاب الایکہ کہا جاتا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام کا دائرہ نبوت اور حدود دعوت وتبلیغ مدین سے لیکر اس نواحی آبادی تک تھا جہاں ایکہ درخت کی پوجا ہوتی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب ایکہ اور اہل مدین کے پیغمبر ایک ہی یعنی شعیب علیہ السلام ہی تھے، ایکہ چونکہ قوم نہیں تھی بلکہ درخت تھا اس لئے اخوت نسبی کا یہاں ذکر نہیں کیا، البتہ جہاں مدین کے ضمن میں حضرت شعیب علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے، وہاں ان کی اخوت نسبی کا ذکر بھی ملتا ہے کیونکہ مدین قوم کا نام ہے وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا (اعراف ۸۵) بعض مفسرین نے ایکہ اور مدین کو الگ الگ بستی قرار دیکر کہا ہے کہ یہ مختلف دو امتیں ہیں جن کی طرف حضرت شعیبؑ کو بھیجا تھا ایک مرتبہ ایکہ کی طرف اور دوسری مرتبہ مدین کی طرف، ابن کثیر رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے اَوْفُوْا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ کا جو وعظ اہل مدین کو کیا گیا یہی وعظ یہاں اصحاب ایکہ کو کیا جارہا ہے جس سے صاف واضح ہے یہ ایک ہی امت ہے دو نہیں۔

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ قسطاس کو بعض حضرات نے رومی لفظ قرار دیا ہے جس کے معنی عدل وانصاف کے ہیں بعض نے عربی مان کر قِسْطٌ سے ماخوذ قرار دیا ہے قِسْط کے معنی بھی انصاف کے ہیں، مراد یہ ہے کہ ترازو اور دیگر ناپنے تولنے کے آلات درست رکھو اور صحیح طور پر استعمال کرو یعنی ڈنڈی نہ مارو اور نہ پاسنگ رکھو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَاءَهُمْ یعنی لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو، اور اشیاء میں کمی نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس کا جتنا حق ہے اس میں کمی نہ کرو خواہ ناپنے تولنے کی چیز ہو یا کوئی دوسری چیز اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ملازم یا مزدور اپنے مقررہ وقت میں چوری کرتا ہے یعنی وقت کم لگاتا ہے وہ بھی اس وعید میں داخل ہے، امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز عصر میں شریک نہیں ہوا وجہ معلوم کی تو اس نے کچھ عذر بیان کیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا طَفَّفْتَ یعنی تو نے تولنے میں کمی کر دی چونکہ نماز کوئی تولنے کی چیز نہیں اسلئے یہ حدیث نقل فرما کر امام مالک نے فرمایا وَفاءٌ و تطفیفٌ یعنی حق کے مطابق یا کم کرنا ہر چیز میں ہے صرف ناپ تول ہی میں نہیں ہے۔

فَاَخَذَهُمْ عذابُ یومِ الظُّلَّة یوم الظُّلَّة کے عذاب کا واقعہ یہ ہے حق تعالیٰ نے حضرت شعیبؑ کی قوم پر سات روز تک سخت گرمی مسلط فرما دی نہ گھر میں چین اور نہ باہر پھر ان کے قریبی جنگل میں ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی پوری قوم اس بادل کے نیچے جمع ہوگئی جب پوری قوم اس بادل کے نیچے جمع ہوگئی تو اس بادل نے پانی کے بجائے آگ برسا دی جس سے سب لوگ جل کر خاکستر ہوگئے (کذا رواہ ابن عباس) (روح، معارف) اہل مدین کو قوم ثمود کی طرح چیخ کے ذریعہ اور اصحاب ایکہ کو ظلّہ (سائبان) کے عذاب کے ذریعہ ہلاک کیا گیا، اہل مدین کے عذاب کے بارے میں سورہ ہود میں فرمایا گیا وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا الصَّیْحَة اہل مدین کو ایک چیخ نے پکڑ لیا۔ (جس کی وجہ سے ان کے کلیجے پھٹ گئے)

وَاِنَّهٗ ای القرآن لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۝ جبریلُ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ۝ بَیِّنٍ وفی قراءةٍ بتشدید نَزَّلَ ونصب الرُّوحِ والفاعلُ اللّٰهُ وَاِنَّهٗ ای ذِكْرَ القرانِ الْمُنَزَّلِ علٰی محمد لَفِیْ زُبُرِ كُتُبِ الْاَوَّلِیْنَ ۝ كالتَّوْرٰةِ والانجیلِ اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ اٰیَةً علٰی ذٰلكَ اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ ۝ كَعَبْدِ اللّٰهِ ابنِ سَلَامٍ واصحابِه مِمَّنْ اٰمَنُوْا فَاِنَّهُمْ یُخْبِرُوْنَ بذٰلكَ ویَكُنْ بالتَّحْتَانِیَّةِ ونَصْبِ اٰیةٍ وبالفَوْقَانِیَّةِ ورَفْعِ اٰیةٍ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ۝ جَمْعُ اَعْجَم فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ ای كُفَّارِ مَكَّةَ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ۝ انفةً من اتباعِه كَذٰلِكَ ای مثلَ اِدْخَالِنَا التكذیبَ به بقراءةِ الاعجمِ سَلَكْنٰهُ اَدْخَلْنَا التكذیبَ به فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ ای كفارِ مكةَ بِقراءةِ النبی لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝ فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝ لِنُؤْمِنَ فیُقالُ لهم لَا، قالوا مَتٰی هذا العذابُ قال تعالٰی اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اَفَرَءَیْتَ اَخْبِرْنِیْ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۝ مِنَ العَذَابِ مَآ استفهامیةٌ بمعنی اَیَّ شیْءٍ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ ۝ فی دَفْعِ العذابِ او تَخْفِیْفِهِ ای لَمْ یُغْنِ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ رُسُلٌ تُنْذِرُ اهلَها ذِكْرٰی ۛ عِظَةً لهم

وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فى اِهلاكهم بعدَ اِنْذارهم ونزلَ رَدًّا لِقول المشركين وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ بالقُرْاٰن الشَّيٰطِيْنُ ۝ وَمَا يَنْبَغِيْ يَصْلُحُ لَهُمْ ان يَنزِلُوْا به وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ ذٰلك اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لِكلامِ المَلائِكَةِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝ مَحْجُوْبُوْنَ بالشُّهُبِ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝ اِنْ فعلتَ ذٰلك الذى دَعَوْكَ اليه وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ وهُمْ بَنُوْ هَاشِمٍ وبنو المُطَّلِب وقَدْ اَنْذَرَهُمْ جِهارًا رواه البخارى ومسلم وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ اَلِنْ جانِبَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ المُوَحِّدِيْنَ فَاِنْ عَصَوْكَ اى عَشِيْرَتُكَ فَقُلْ لهم اِنِّىْ بَرِئٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ مِنْ عِبَادَةِ غير اللّٰهِ وَتَوَكَّلْ بالواوِ والفاءِ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ اللّٰهِ اى فَوِّضْ اليه جَمِيْعَ اُمُوْرِكَ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ الى الصلٰوة وَتَقَلُّبَكَ فى اَرْكانِ الصلٰوةِ قائِمًا وقاعِدًا وراكِعًا وساجِدًا فِى السّٰجِدِيْنَ ۝ اى المُصَلِّين اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ اى كُفَّارَ مَكَّةَ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ بِحذفِ اِحدى التَّائَينِ مِنَ الاَصْلِ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ كذّابٍ اَثِيْمٍ ۝ فاجرٍ مثلِ مُسَيْلَمَةَ وغيرِهٖ من الكَهَنَةِ يُلْقُوْنَ اى الشَّيَاطِيْنُ السَّمْعَ اى ما سَمِعُوْه من الملائكةِ الى الكَهَنَةِ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝ يَضُمُّوْنَ الى المَسْمُوْعِ كِذْبًا كثيرًا وكان هٰذا قبلَ اَنْ حُجِبَتِ الشياطينُ عن السماءِ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ فى شِعْرِهم فيَقُوْلُوْنَ به وَيَرْوُوْنَ عنهم فهُمْ مَذْمُوْمُوْنَ اَلَمْ تَرَ تَعْلَمْ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ مِنْ اَوْدِيَةِ الكلامِ وفُنُوْنِهٖ يَّهِيْمُوْنَ ۝ يَمْضُوْنَ فيُجَاوِزُوْنَ الحَدَّ مَدْحًا وهِجاءً وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ فَعَلْنَا مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ اى يَكْذِبُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الشُّعَرَاءِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اى لم يَشْغَلْهم الشِّعْرُ عَنِ الذِّكْرِ وَّانْتَصَرُوْا بِهَجْوِهِمْ من الكُفَّارِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۝ يهَجْوِ الكفارِ لهم فى جُمْلَةِ المؤمنين فَلَيْسُوْا مَذْمُوْمِيْنَ قال اللّٰه تعالٰى لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا من الشُّعَرَاءِ وغيرِهم اَىَّ مُنْقَلَبٍ مَرْجِعٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ يَرْجِعُوْنَ بَعْدَ المَوْتِ

ترجمہ

بلاشبہ یہ یعنی قرآن رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے اس کو روح الامین یعنی جبرائیل آپ کے قلب پر لیکر اترے ہیں صاف عربی زبان میں تاکہ آپ ڈرانے والوں میں ہوجائیں اور ایک قرأۃ میں نَزَّلَ تشدید اور روح کے نصب کے ساتھ ہے اور فاعل اللہ ہے اور بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ قرآن کی خبر پہلے لوگوں کی کتابوں مثلاً تورات وانجیل میں ہے کیا ان کے لئے قرآن کی صداقت کی یہ نشانی کافی نہیں کہ اس کو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں؟

جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے وہ ساتھی جو ایمان لائے، وہ اس کی حقانیت کی خبر دیتے ہیں اور یَکُنْ یا کے ساتھ اور آیۃً کے نصب کے ساتھ اور تا کے ساتھ اور آیۃٌ کے رفع کے ساتھ اور اگر بالفرض ہم اس قرآن کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے اور وہ اس قرآن کو کفار مکہ کو پڑھ کر سناتا تب بھی یہ لوگ اس کے اتباع سے تکبر کرتے ہوئے اس پر ایمان نہ لاتے اَعْجَمِیْنَ اعجم کی جمع ہے اسی طرح یعنی جس طرح عجمی کی قرأۃ کی وجہ قرآن کی تکذیب ہم نے (ان کے قلوب میں) داخل کر دی مجرمین یعنی کفار مکہ کے قلوب میں نبی کی قرأۃ کی وجہ سے (بھی) تکذیب داخل کر دی، یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں پھر وہ عذاب ان پر اچانک آجائے اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہو، پھر کہیں گے کہ کیا ہم کو مہلت دی جائے گی؟ تاکہ ہم ایمان لے آئیں تو ان کو جواب دیا جائے گا کہ نہیں، ان لوگوں نے سوال کیا یہ عذاب کب آئے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟ اچھا یہ بتاؤ اگر ہم نے ان کو کئی سال بھی فائدہ اٹھانے دیا پھر اس کے بعد ان پر وہ عذاب آجائے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا تو وہ سالہا سال کی سودمندی ان سے عذاب کے دفع کرنے میں یا اس کے ہلکا کرنے میں کیا کام آئے گی؟ اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لئے ڈرانے والے ایسے انبیاء موجود تھے جو ان کو نصیحت کے طور پر ڈراتے تھے اور ڈرانے کے بعد ان کو ہلاک کرنے میں ہم ظالم نہیں تھے اور مشرکین کے قول کو رد کرنے کے لئے (یہ آیت) نازل ہوئی (یعنی) اس قرآن کو شیاطین نہیں لائے، اور نہ وہ اس کے قابل کہ اس کو لیکر نازل ہوں اور نہ ان میں اس کی مجال (بلکہ) بلاشبہ وہ تو فرشتوں کے کلام کو سننے سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں یعنی شعلوں کے ذریعہ روک دیئے گئے ہیں پس تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکار ورنہ تو تو سزا پانے والوں میں ہو جائے گا اگر تو نے وہ کام کر لیا جس کی طرف تجھ کو بلایا ہے ور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے، اور وہ بنوہاشم اور بنومطلب ہیں اور ان کو کھلم کھلا ڈرایا، روایت کیا اس کو بخاری ور مسلم نے اور مومنین یعنی موحدین میں سے جس نے آپ کی پیروی اختیار کر لی ہے تو آپ ان کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے اور اگر تیرے اہل خاندان تیری نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اعمال یعنی غیر اللہ کی ندگی سے بری ہوں اور پورا بھروسہ غالب مہربان اللہ پر رکھئے وَتَوَکَّلْ واو اور فاء (دونوں) کے ساتھ ہے یعنی اپنے تمام کام اسی کو سونپ دیجئے، جو کہ آپ کے نماز کے لئے کھڑا ہونے کو اور ارکان صلوٰۃ میں آپ کی نشست و برخاست کو (یعنی) قیام وقعود و رکوع و سجود کی حالت کو سجدہ کرنے والوں میں یعنی نماز پڑھنے والوں میں دیکھتا ہے بے شک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے اے کفار مکہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیاطین کس شخص پر اترتے ہیں؟ اصل میں دو تاؤں میں سے ایک تا کو حذف کر کے (سن لو) شیاطین ہر جھوٹے گنہگار فاجر جیسا کہ کاہنوں میں سے مسیلمہ کذاب وغیرہ، اور شیاطین سنی ہوئی بات کو یعنی جس کو ملائکہ سے سن لیتے ہیں کاہنوں پر القاء کر دیتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں ل سنی ہوئی بات میں بہت سا جھوٹ ملا دیتے ہیں اور یہ شیاطین کو آسمان پر جانے سے روکے جانے سے پہلے تھا اور

شاعروں کی پیروی ان کے شعر میں گمراہ لوگ کرتے ہیں تو وہ شعر پڑھتے ہیں اور شعراء سے نقل کرتے ہیں سو یہی ہیں مذموم (قابل مذمت) کیا آپ نہیں جانتے کہ یہی لوگ کلام اور اس کی اصناف کی ہر وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں (یعنی) متحیر پھرتے رہتے ہیں، چنانچہ مدح اور ہجو میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور وہ بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں یعنی جھوٹ بولتے ہیں سوائے ان شاعروں کے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا یعنی شعر نے ان کو ذکر سے غافل نہیں کیا اور کافروں سے ان کی ہجو کر کے اپنی مظلومی کے بعد انتقام لیا ان کافروں کے فی الجملہ مومنین کی ہجو کرنے کی وجہ سے لہٰذا یہ لوگ قابل مذمت نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے سو جس نے تمہارے اوپر ظلم کیا تو تم بھی اس کے اوپر اتنا ہی ظلم کر سکتے ہو، اور عنقریب ظلم کرنے والے ان شعراء وغیرہ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ موت کے بعد کس کروٹ الٹتے ہیں (یعنی کس ٹھکانہ میں)

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

بِلسانٍ عربیٍ ، بہ کی ضمیر سے اعادہ جار کے ساتھ بدل ہے، اور المنذرین کے متعلق بھی ہو سکتا ہے یعنی تاکہ آپ ان رسولوں میں سے ہو جائیں جو عربی زبان میں ڈرایا اور خوشخبری دیا کرتے تھے، جیسا کہ ہود علیہ السلام وصالح علیہ السلام وشعیب علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام **قوله** ای ذکر القرآن اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ سے معلوم ہوتا کہ قرآن بنفس نفیس سابقہ کتابوں میں موجود ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن سابقہ کتب میں بنفس نفیس موجود نہیں ہے بلکہ قرآن کا ذکر اور اس کی صفت کتب سابقہ میں موجود ہے **قوله** کعبداللّٰہ بن سلام و اصحابہ عبداللہ بن سلام کے ساتھی جو کہ یہودی سے مسلمان ہوئے تھے عبداللہ بن سلام کے علاوہ چار تھے (۱) اسدٌ (۲) اُسَید (۳) ثعلبة (۴) ابن یامین یہ پانچوں حضرت علماء یہود میں سے تھے بعد میں اسلام لائے اور بہت خوب لائے **قولهٗ** یَکُنْ **بالتحتانیة ونصبِ آیةً**، آیةً یکن کی خبر مقدم ہے اس کا اسم اَنْ یَعْلَمَهٗ ہے اور آیةٌ کے رفع کے ساتھ تکن کا اسم ہے اور لَهُمْ خبر مقدم ہے اور اَنْ یعلمهٗ اسم سے بدل ہے اگر تکن تامہ ہو تو آیةُ اس کا فاعل ہوگا اور اَنْ یعلمهٗ اس سے بدل ہوگا **قوله** جمع اعجم یعنی اَعجمین اَعْجَمْ کی جمع ہے سوال، اَفْعَل فُعْلاءُ کی جمع واو نون اور یا نون کے ساتھ نہیں آتی لہٰذا اَعْجَمِین اَعْجَمْ کی جمع صحیح نہیں ہے، جواب اصل میں اَعجمِیٌّ ہے یائے نسبتی کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا گیا ہے لہٰذا اَعجَمِیٌّ کی اعجمین جمع لانا درست ہے **قوله** کذٰلِكَ یہ سلکناہ کا معمول ہے اور سلکناهُ میں ہٗ ضمیر کا مرجع قرآن ہے حذفِ مضاف کے ساتھ، ای سلکنا تکذیبهٗ **قوله** اَفَرَاَیْتَ کا عطف فیقولوا پر ہے، درمیان میں جملہ معترضہ ہے **قوله** اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ یہ جملہ ہو کر قریة کی صفت ہے اور قریة سے

حال بھی ہوسکتا ہے **قوله من قرية** میں مِن مفعول پر زائدہ ہے اور یہ سابق میں نفی ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

سوال: الاّ کے بعد سے واؤ کو کیوں ترک کردیا؟ حالانکہ وَمَا اَهْلَكْنَا من القريةِ الاّ ولها كتابٌ معلومٌ میں واؤ موجود ہے۔

جواب: اصل ترک واؤ ہے اس لئے کہ جملہ قریۃ کی صفت ہے اور موصوف صفت کے درمیان واؤ نہ ہونا اصل ہے اور اگر کہیں واؤ لایا جاتا ہے تو وصل صفت بالموصوف کی تاکید کے لئے لایا جاتا ہے جیسا کہ سبعة وثامنهم كلبهم (جمل)

لَهَا محذوف سے متعلق ہوکر خبر مقدم ہے اور منذرون مبتداء مؤخر ہے مبتداء خبر مقدم سے مل کر جملہ ہوکر یا تو قَرْيَة کی صفت یا حال ہے خبر ہونے کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہے قد اَنْذَرَ اَهْلَهَا منذرونَ حال ہونے کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہے اِلاّ كائنًا لها منذرون **قوله ذِكْرٰى** یا تو منذرون کی ضمیر سے حال ہے ای منذرون ذَوِىْ ذِكْرٰى یا مذكرين ذكرىٰ اور اگر اپنے ظاہر پر باقی رکھا جائے تو مبالغہ حمل ہوگا جیسے زیدٌ عدلٌ یا ذکریٰ منصوب ہے مصدریت کی بنا پر اس صورت میں منذرون مذکرون کے معنی میں ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی مذکرون ذکریٰ ای تذکرةً ذکریٰ منذرون کی علت یعنی مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے ای تنذرُهم لاجل تذكيرِهِمُ العواقِبَ اور ذِكرٰى مبتداء محذوف کی خبر بھی ہوسکتا ہے ای هذهٖ ذكرٰى اس صورت میں جملہ معترضہ ہوگا **قوله** رَدًّا لِقَوْلِ المشركين قول کا مقولہ محذوف ہے اور یہ ہے اِنّ الشيطينَ يُلْقُوْنَ القرآنَ اليهِ **قوله** شُهُبٌ شِهابٌ کی جمع ہے بمعنی آگ کی چمک، ٹوٹا ہوا تارہ، **قوله** فتكونَ مِنَ المعذبين شرط محذوف کی جزاء مقدم ہے جیسا کہ شارح نے اِنْ فَعَلْتَ ذلكَ سے اشارہ کردیا ہے **قوله** بالواؤ والفاء یعنی توکل میں دو قرأتیں ہیں واؤ کے ساتھ اور فاء کے ساتھ واو کے ساتھ ہونے کی صورت میں اَنْذِرْ پر عطف ہوگا اور فاء کی صورت میں جواب شرط یعنی فَقُلْ اِنِّىْ بَرِئٌ سے بدل ہوگا **قوله** تَقَلُّبَكَ يَرَاكَ کے کاف پر معطوف ہے **قوله** وفى الساجدينَ میں فی بمعنی مع ہے **قوله** عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ کے متعلق ہے اگر اُنَبِّئُكُمْ متعدی بسہ مفعول ہو تو جملہ تَنَزَّلُ الشياطين قائم مقام دو مفعولوں کے ہوگا یعنی ثانی اور ثالث کے اور اول مفعول ضمیر کُمْ ہے اور اگر متعدی بدو مفعول ہو تو جملہ مفعول ثانی کے قائم مقام ہوگا **قوله مثل مسيلمة** کا مثال میں پیش کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ اول تو مسیلمہ نے آپ کی بعثت کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا جبکہ شیاطین کی آسمانوں پر آمد و رفت بند کردی گئی تھی لہٰذا اس کو شیطانوں کا آسمانی خبروں کا دینا صحیح نہیں ہے دوسری بات یہ ہے مسیلمہ کاہنوں میں سے نہیں تھا وہ مفتری اور کذاب تھا لہٰذا مفسر علام کا من الكهنة کہنا درست معلوم نہیں ہوتا وغیرہ جیسا کہ سطیح یہ کاہن تھا کاہن آئندہ کی خبر دینے والے کو کہتے ہیں اور عرّاف امور ماضیہ کی خبر دینے والے کو کہتے ہیں (جمل) **قوله** ای كفار مكةَ میں ای ندائیہ بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ ظاہر اور تفسیریہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں مُفَسَّرُ اُنَبِّئُكُمْ میں کُمْ ضمیر ہوگی **قوله** يَهِيْمُوْنَ اَنَّ کی خبر

ہے اور فی کُلِّ وادٍ اس سے متعلق ہے قولہ اِلَّا الذین آمنوا الخ یہ مَذمُومُونَ محذوف سابق سے استثناء ہے۔

تفسیر وتشریح

اِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ العَالَمِیْنَ یہاں سے اللہ تعالیٰ قرآن کی اور اس کے نازل کرنے والے کی اور جس پر نازل کیا گیا ہے مدح فرمارہے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ کفار مکہ نے قرآن کے وحی الٰہی اور منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا اور اسی بنا پر رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت محمدیہ کا انکار کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کر کے یہ واضح کیا کہ یہ قرآن یقیناً وحی الٰہی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکے سچے رسول ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ پیغمبر جو نہ پڑھ سکتا ہے اور نہ لکھ سکتا ہے گذشتہ انبیاء اور قوموں کے واقعات کس طرح بیان کر سکتا تھا؟ اس لئے یہ قرآن یقیناً رب العالمین ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے جسے ایک امانتدار فرشتہ یعنی جبرائیل لے کر آئے۔

بِلِسانٍ عربیٍ مبین اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وہی ہے جو عربی زبان میں ہو قرآن کا ترجمہ خواہ کسی زبان میں ہو قرآن نہیں کہلائے گا لیکن اِنَّہٗ لفی زُبر الاولین سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ کتب سابقہ عربی زبان میں نہیں تھیں لہٰذا قرآن کے سابقہ کتابوں میں ہونے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ قرآن کے معانی اور مضامین سابقہ کتب میں موجود تھے؟ دونوں باتوں میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ صرف مضامین قرآن کو بھی بعض اوقات توسُّعاً قرآن کہہ دیا جاتا ہے اس لئے کہ اصل مقصود کسی کتاب کا اس کے مضامین ہی ہوتے ہیں (معارف)

دوسرا جواب یہ ہے اِنَّہٗ لَفِی زُبُرِ الاَوَّلِیْنَ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی خبر اور اس کی صفت اور اس کے نزول کی خوشخبری کتب سابقہ میں موجود ہے (جمل) لہٰذا معلوم ہوا کہ قرآن الفاظ اور معانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے اسی وجہ سے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز میں الفاظ قرآن کی قرأۃ کے بجائے ان کا ترجمہ خواہ کسی بھی زبان میں ہو بدون اضطرار کے کافی نہیں، بعض ائمہ سے جو اس میں توسع کا قول منقول ہے ان سے بھی اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے۔

ترجمہ قرآن کو قرآن کہنا جائز نہیں

اسی طرح قرآن کا صرف ترجمہ بغیر عربی متن کے لکھا جائے تو اس کو قرآن کہنا درست نہیں ہے مثلاً اردو کا قرآن یا فارسی یا انگریزی کا قرآن کہہ دیتے ہیں یہ جائز نہیں، اور نہ محض قرآن کے ترجمہ کو قرآن کے نام سے شائع کرنا جائز ہے۔

اَوَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ آیَۃً اَنْ یَّعْلَمَہٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ کفار مکہ مذہبی معاملات میں یہود کی طرف رجوع کرتے تھے چنانچہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوئے نبوت فرمایا تو مشرکین مکہ کی ایک جماعت تحقیق کے لئے مدینہ

علماء یہود کے پاس گئی تھی علماء یہود نے علامت کے طور پر تین سوال سکھائے تھے کہ اگر ان کا جواب دیدیں تو نبی ہیں ورنہ نہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بھی ایک یہودی عالم نے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تین علامتیں بتائی تھیں اول یہ کہ وہ صدقہ قبول نہیں کرے گا، ہدیہ قبول کرے گا، اور یہ کہ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی چنانچہ حضرت سلمان فارسی نبی آخر الزماں کی تلاش میں مدینہ تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مذکورہ تینوں علامتوں کی تصدیق کرنے کے بعد ایمان لائے، عناد اور دشمنی کی وجہ سے اگرچہ یہودی علماء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اگر چہ کھلم کھلا اعلان واقرار نہیں کرتے تھے مگر نجی مجلسوں میں اور دل میں آپ کی نبوت کے معترف تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا **یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم**

مشرکین مکہ جب اپنے دیگر مذہبی معاملات میں علماء یہود پر اعتماد کرتے ہیں تو آپ کی نبوت ورسالت کے بارے میں کیوں اعتماد نہیں کرتے؟ حالانکہ بڑے علماء یہود جو ایمان لا چکے تھے وہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں یہ وہی نبی ہیں جن کی خوشخبری توریت وانجیل میں دی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ کیا یہ بات کہ علماء بنی اسرائیل قرآن کی صداقت اور حقانیت کی شہادت دے رہے ہیں مشرکین مکہ کے ایمان لانے اور قرآن کو آسمانی کتاب باور کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟ مگر ضد اور عناد کی وجہ سے قبول نہیں کرتے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ پیغمبروں کی دعوت صرف رشتہ داروں کے لئے نہیں بلکہ پوری قوم کے لئے ہوتی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو پوری نسل انسانی کے لئے ہادی اور رہبر بن کر آئے تھے، قریبی رشتہ داروں کو دعوت ایمان، دعوت عام کے منافی نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ یا ایک ترجیحی پہلو ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنے والد آزر کو توحید کی دعوت دی تھی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کے نازل ہونے کے بعد صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور **یاصباحاہ** کہہ کر آواز دی، یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا تھا جب دشمن اچانک حملہ کردے، یہ کلمہ سن کر لوگ جمع ہوگئے آپ نے قریش کے مختلف قبیلوں کے نام لے لے کر فرمایا **يَا معشرَ قريش اِشْتَرُوْا اَنْفُسَكُمْ لَا اَغْنِى عنكُمْ من اللّٰهِ شيئًا يا بنى عبدَ المطّلب لا اَغْنِى عنكَ مِنَ اللّٰهِ شيئًا يا صفيه عمة رسول اللّٰهِ لا اغنِى عنكِ شيئًا يا فاطمة بنتِ رسول اللّٰه سلِينى ماشئتِ من مالى لا اغنِى عنكِ من اللّٰهِ شيئًا** (خازن بحوالہ جمل) اور آپ نے فرمایا بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر دشمن کا لشکر موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم سچ مانوگے؟ سب نے کہا ہاں یقیناً ہم تصدیق کریں گے، اس کے بعد آپ نے فرمایا "اللہ نے مجھے نذیر بنا کر بھیجا ہے میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں" اس پر ابولہب نے کہا **تَبًّا لكَ اَمَا دَعَوْتَنَا اِلَّا لِهٰذا** تیرے لئے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لئے بلایا تھا؟ اس کے جواب میں سورہ تبت نازل ہوئی۔

اَلَّذِىْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيْنَ یعنی آپ جب تنہا تہجد وغیرہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے

ہیں اس وقت بھی وہ آپ کو دیکھتا ہے اور جب آپ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اس وقت بھی دیکھتا ہے۔

شعر کی تعریف

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الغَاوُونَ شعر لغت میں ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں محض خیالی غیر حقیقی مضامین بیان کئے گئے ہوں جس میں کوئی بحر، وزن، ردیف، اور قافیہ کچھ شرط نہیں، فن منطق میں بھی ایسے ہی مضامین کو ادلہ شعریہ اور قضایا شعریہ کہا جاتا ہے، اصطلاحی شعر وغزل میں بھی چونکہ عموماً خیالات ہی کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اصطلاح شعراء میں کلام موزوں و مقفّیٰ کو شعر کہنے لگے ہیں۔ (معارف)

جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت، اور کعب بن مالک جو شعراء صحابہ میں مشہور ہیں روتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ ذوالجلال نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور ہم بھی شعر کہتے ہیں، آپ نے فرمایا آیت کے آخری حصہ کو پڑھو، مقصد یہ تھا کہ تمہارے اشعار بیہودہ اور غلط مقصد کے لئے نہیں ہوتے لہٰذا تم اس استثناء میں داخل ہو جو آیت کے آخری حصہ میں مذکور ہے، اس لئے مفسرین نے فرمایا کہ ابتدائی آیت میں مشرکین شعراء مراد ہیں، مشرکین مکہ محفل مشاعرہ قائم کرتے جس میں اسلام کا تمسخر کرتے مسلمانوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتے اور سامعین خوب داد دیتے اور ہجو کے اشعار کو یاد کر لیتے اور خوب شہرت دیتے آیت میں یہی شعراء اور ان کی اتباع کرنے والے مراد ہیں۔

لطیفہ: ایک رئیس کے دربار میں چند شعراء انعام واکرام کی غرض سے حاضر ہوئے ایک شخص جو کہ شاعر نہیں تھا وہ بھی طفیلی بن کر شعراء کے ساتھ چلا گیا شاعروں نے اپنے اپنے انداز سے رئیس کی بہت تعریف کی جب شعراء اپنا اپنا کلام سنا چکے اور انعام واکرام حاصل کر چکے تو رئیس نے اس طفیلی سے بھی اشعار پڑھنے کے لئے کہا طفیلی چونکہ شاعر تو تھا نہیں اشعار کیا سناتا؟ برجستہ جواب دیا کہ شعراء تو یہ حضرات ہیں میں **يتبعُهُمُ الغَاوُون** میں سے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے **الشعراء يتبعُهُمُ الغاوُون** رئیس بہت ہنسا اور اس کو بھی خوب انعام دیا، آیت میں اگرچہ مشرکین شعراء مراد ہیں مگر چونکہ شاعروں کی اکثریت ایسی ہوتی ہے کہ وہ مدح وذم میں اصول وضابطہ کے بجائے ذاتی پسند وناپسند کے مطابق اظہار رائے کرتے ہیں، علاوہ ازیں اس قدر غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ کذب بیانی اور دروغ گوئی کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ ایمان اور عقیدہ کی حدود کا بھی خیال نہیں رکھتے فرزدق نے سلیمان بن عبد الملک کی مجلس میں چند اشعار پڑھے جن میں ایک شعر یہ بھی تھا:

فبِتْنَ　كأنَّهُنَّ　مُصرَّعَات
وبتُّ　افضُّ　اغلاق　الختام

دوشیزاؤں نے اس طرح رات گذاری گویا کہ وہ پچھاڑی ہوئی ہیں اور میں نے اس طرح رات گذاری کہ میں سر بند مہروں کو توڑ رہا ہوں، سلیمان نے کہا تیرے اوپر حد واجب ہوگئی، فرزدق نے کہا حد میرے اوپر سے ساقط ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وانهم يقولون ما لا يفعلون** چنانچہ اس کو معاف کر دیا۔

شاعروں کی گپ کا نمونہ

اے رشک مسیحا تیری رفتار کے قرباں ٹھوکر سے میری لاش کئی بار جلادی
اے بادِ صبا ہم تجھے کیا یاد کریں گے اس گل کی خبر تو نے کبھی ہم کو نہ لادی

ایک شاعر اپنے ممدوح کے حقہ کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے:

حقہ نہیں عصاء ہے یہ موسیٰ کے ہاتھ میں بے جان بولتا ہے یہ مسیحا کے ہاتھ میں

مبالغہ کے چند اور نمونہ ملاحظہ فرمائیے:

رونے پہ چشم تر مری باندھے اگر کمر کیسی زمیں، فلک پہ ہو پانی کمر کمر

گھوڑے کی برق رفتاری کے لئے:

یک جست میں جو خوف نہ رکھتا خدا سے وہ جاتا نکل احاطۂ علم خدا سے وہ

....

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے رن ایک طرف، چرخ کہن کانپ رہا ہے
ہر شیر نیستان زمن کانپ رہا ہے رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبرئیل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

اس قسم کے شاعر چونکہ شاعرانہ تخیلات کی تلاش میں خیالی دنیا میں ادھر ادھر بھٹکتے رہتے ہیں اسی لئے ان کے بارے میں کہا گیا ہے **فی کل وادٍ یھیمون** تخیلات کی وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں۔

مذکورہ آیت سے جو شعر و شاعری کی سخت مذمت اور ان کا عند اللہ مبغوض ہونا معلوم ہوتا ہے وہ مطلق نہیں ہے بلکہ جس شعر میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی یا اللہ کی یاد سے غفلت یا جھوٹ ناحق کسی انسان کی مذمت و توہین ہو فحش کلام اور فواحش کے لئے محرک ہو وہ مذموم اور مکروہ ہے اور ایسا شاعر قابل مذمت ہے، اور جن شعراء کے اشعار ان معاصی اور مکروہات سے پاک ہوں ان کو اللہ تعالیٰ نے **الا الذین آمنوا و عملوا الصّٰلحٰت** کے ذریعہ مستثنیٰ فرما دیا ہے، بلکہ بعض اشعار تو حکیمانہ مضامین اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے طاعت اور ثواب میں داخل ہیں جیسا کہ حضرت ابی بن کعب

کی روایت ہے اِنَّ بعض الشعر لحکمة (بخاری) اس کی مزید تائید مندرجہ ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے عمر بن الشرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے امیہ بن ابی صلت کے سو قافیہ تک اشعار سنے (معارف) مطرف فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ سے بصرہ تک حضرت عمر بن حصینؓ کے ساتھ سفر کیا اور ہر منزل پر وہ شعر سناتے تھے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ شعر کہا کرتی تھیں، ابو یعلی نے ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ شعر ایک کلام ہے اگر اس کا مضمون اچھا اور مفید ہے تو شعر اچھا ہے اور اگر مضمون برا ہے یا گناہ ہے تو برا ہے دار قطنی نے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے حضورؐ سے شعر کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا هو کلام ، فحسنهٗ حسَنٌ و قبیحهٗ قبیحٌ بلکہ اگر اشعار خدا اور اس کے رسول کی محبت بڑھانے والے اور موت و آخرت کو یاد دلانے والے یا بغرض نصرت و انتقام مؤمنین و ابطال باطل و احقاق حق ہوں تو مستحب ہیں، حضرت حسان رضی اللہ عنہ آپ کی جانب سے مشرکین مکہ کی ہجو کا جواب دیا کرتے تھے آپ نے حضرت حسان کے لئے کفار کی ہجو کا جواب دینے پر دعا فرمائی اَجب عنی اَللّٰھُمَّ اَیِّدہٗ بروح القُدُسِ اے حسان ہماری طرف سے کفار کو جواب دو اے اللہ تو جبرائیل کے ذریعہ حسان کی مدد فرما۔ (خلاصۃ التفاسیر تائب لکھنوی)

آنحضر صلی اللہ علیہ وسلم نے شرید سے جو آپ کے پیچھے سوار تھے فرمایا کہ امیہ بن ابی صلت کے کچھ اشعار یاد ہوں تو سناؤ، شرید فرماتے ہیں میں نے پڑھا آپ نے فرمایا اور پڑھو میں نے پڑھا پھر فرمایا اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے سو اشعار پڑھے، آپ ہر بار فرماتے اور پڑھو، اور آپ نے یہ بھی فرمایا گویا کہ وہ اپنے شعر سے اسلام ظاہر کرتا ہے یا گویا کہ اسلام لانا چاہتا ہے، اور ایسے ہی آپ نے فرمایا شعراء کے کلام میں راست ترین لبید کا یہ شعر ہے۔

اَلَا کُلُّ شیٍٔ ماسوی اللّٰہ باطلٌ (رواہ مسلم) خلاصۃ التفاسیر تائب۔

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُوْرَةُ النَّمْلِ

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ اَوْ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ وَتِسْعُوْنَ آيَةً

سورۂ نمل مکی ہے اور ترانوے یا چورانوے یا پچانوے آیات پر مشتمل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ طٰسٓ ۚ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ تِلْكَ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ اى اٰيَاتٌ مِنه وَكِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ۙ مُظْهِرِ الْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ هُوَ هُدًى اى هَادٍ مِنَ الضَّلَالَةِ وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ۙ الْمُصَدِّقِيْنَ به بِالْجَنَّةِ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ يَاْتُوْنَ بِها عَلٰى وَجْهِهَا وَيُؤْتُوْنَ يُعْطُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○ يَعْلَمُوْنَهَا بِالْاِسْتِدْلَالِ وَاُعِيْدَهُمْ لِمَا فُصِلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْخَبَرِ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ القَبِيْحَة بِتَرْكِيْبِ الشَّهْوَةِ حَتّٰى رَاَوْهَا حَسَنَةً فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ○ يَتَحَيَّرُوْنَ فِيها لِقُبْحِهَا عِنْدَنَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَشَدُّهُ فِى الدُّنْيَا القَتْلُ وَالْاَسْرُ وَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ○ لِمَصِيْرِهِم اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ وَاِنَّكَ خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ اى يُلْقٰى عَلَيك بِشِدَّةٍ مِنْ لَّدُنْ مِنْ عِنْدِ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ○ فى ذٰلك اُذْكُرْ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ زَوْجَتِهٖ عِنْدَ مَسِيْرِهٖ مِنْ مَدْيَنَ اِلٰى مِصْرَ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ اَبْصَرْتُ مِنْ بَعِيْدٍ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ عَنْ حَالِ الطَّرِيْقِ وَكَانَ قَدْ ضَلَّهَا اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ بِالْاِضَافَةِ لِلْبَيَانِ وَتَرْكِهَا اى شُعْلَةِ نَارٍ فى رَاْسِ فَتِيْلَةٍ اَوْعُوْدٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ○ وَالطَّاءُ بَدَلٌ مِنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ مِنْ صَلٰى بِالنَّارِ بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا تَسْتَدْفِئُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْ اى بِاَنْ بُوْرِكَ اى بَارَكَ اللّٰهُ مَنْ فِى النَّارِ اى مُوْسٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ اى الْمَلٰٓئِكَةُ اَوِ الْعَكْسُ وَبَارَكَ يَتَعَدّٰى بِنَفْسِهٖ وَبِالْحَرْفِ وَيُقَدَّرُ بَعْدَ فِىْ مَكَانٍ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ مِنْ جُمْلَةِ مَا نُوْدِىَ وَمَعْنَاهُ تَنْزِيْهُ اللّٰهِ مِنَ السُّوْٓءِ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اى الشَّاْنُ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ۙ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَاَلْقَاهَا فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ تَتَحَرَّكُ كَاَنَّهَا جَآنٌّ حَيَّةٌ خَفِيْفَةٌ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يَرْجِعْ قَالَ تعالٰى يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ مِنْهَا اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ عِنْدِىْ الْمُرْسَلُوْنَ ○ۖ مِنْ حَيَّةٍ وَغَيْرِهَا اِلَّا لٰكِنْ مَنْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًاۢ اَتَاهُ بَعْدَ سُوْٓءٍ اى تاب فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ اَقْبَلُ التَّوْبَةَ وَاَغْفِرُ لَهٗ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِىْ جَيْبِكَ طَوْقِ الْقَمِيْصِ تَخْرُجْ خِلَافَ لَوْنِهَا مِنَ الْاُدْمَةِ

بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ بَرَصٍ لها شُعَاعٌ يَغْشٰى البَصَرَ اٰيَة فِيْ تِسْعِ اٰيَاتٍ مُرْسَلاً بها اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ○ فَلَمَّا جَآءَ تْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً اى مُضِيْئَةً وَاضِحَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ج بَيِّنٌ ظَاهِرٌ وَجَحَدُوْا بِهَا اى لم يُقِرُّوْا وَقَدِ اسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ اى تَيَقَّنُوْا انّها مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ط تَكَبُّرًا عنِ الاِيْمَانِ بِمَا جَاءَ بِهٖ مُوْسٰى رَاجِعٌ الى الجَحْدِ فَانْظُرْ يَامُحَمَّدُ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ○ ط الَّتِىْ عَلِمْتَهَا مِنْ اِهْلاَكِهِم. ع

ترجمہ

طٰسٓ اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہ آیتیں ہیں قرآن کی اور کتاب مبین کی یعنی حق کو باطل سے ممتاز کرنے والی کتاب کی، زیادتی صفت کے ساتھ (القرآن) پر عطف ہے، وہ ہدایت ہے یعنی گمراہی سے ہدایت کرنے والی ہے اور مومنین یعنی اس کی تصدیق کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری ہے، وہ (مومن) جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی نماز کو اس کے طریقہ کے مطابق ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں (یعنی) دلیل کے ساتھ اس پر یقین رکھتے ہیں، اور (ھم) مبتداء اور اس کی خبر (یوقنون) کے درمیان (بالآخرۃ) کے فصل کی وجہ سے ھم کا اعادہ کیا گیا ہے جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لئے ان کے اعمال قبیحہ کو مزین کر دیا ہے، خواہش نفس کی آمیزش کی وجہ سے حتی کہ وہ برے اعمال کو بھی اچھے سمجھتے ہیں سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں (یعنی) وہ ان اعمال میں متحیر ہیں ہمارے نزدیک قبیح ہونے کی وجہ سے یہی ہیں وہ لوگ جن کے لئے برا عذاب ہے یعنی دنیا میں سخت عذاب ہے (وہ) قتل و قید ہے اور وہ لوگ آخرت میں بھی سخت خسارہ میں ہیں ان کے دائمی عذاب کی طرف لوٹنے کی وجہ سے یقیناً آپ کو حکمت والے علم والے کی طرف سے قرآن مشقتوں کے ساتھ دیا جا رہا ہے اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل (یعنی) بیوی سے مدین سے مصر واپسی کے وقت کہا تھا، میں نے دور سے آگ دیکھی ہے وہاں سے یا تو راستہ کی کوئی خبر لیکر آیا (اور حضرت موسیٰ) راستہ بھول گئے تھے یا کوئی جلتا ہوا شعلہ ہی لے آؤں (بِشِهَابٍ قَبَسٍ) اضافت بیانیہ کے ساتھ، اور ترک اضافت کے ساتھ بھی ہے، یعنی لکڑی یا رسی کے سرے میں آگ کا شعلہ تا کہ تم تاپو اور طا افتعال کی تا سے بدلی ہوئی ہے اور (تَصْطَلُوْنَ) صَلِىَ بالنار کسرۂ لام اور فتحہ لام سے مشتق ہے، سردی سے بچاؤ حاصل کیا جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی بابرکت ہے وہ جو اس آگ میں ہے یعنی موسیٰ اور وہ بھی جو اس کے پاس ہے یعنی ملائکہ یا اس کے برعکس اور بارَكَ متعدی بنفسہ ہے اور متعدی بالحرف بھی، اور فی کے بعد (لفظ) مکان محذوف ہے اور اللہ رب العالمین پاک ہے (یہ جملہ) بھی منجملہ ان جملوں کے ہے جن کے ذریعہ ندا دی گئی، اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جملہ عیوب سے پاک ہے اے موسیٰ بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں زبردست حکمت والا اور تم اپنا عصا ڈالو چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈال دیا سو جب موسیٰ نے اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا گویا کہ وہ سپولیا ہے

یعنی پتلا سانپ ہے تو وہ (موسیٰ) پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا ارشاد ہوا اے موسیٰ اس سے ڈرو نہیں ہمارے حضور پیغمبر سانپ وغیرہ سے ڈرا نہیں کرتے ہاں مگر جس نے اپنے اوپر ظلم کیا پھر برائی کے بعد برائی کی جگہ نیکی کرے یعنی توبہ کرے تو میں مغفرت والا رحمت والا ہوں توبہ کو قبول کروں گا اور اس کی مغفرت کردوں گا اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں یعنی (اپنی) قمیص کے گریبان میں داخل کیجئے اپنے گندمی رنگ کے برخلاف وہ بلا کسی مرض کے چمکدار ہو کر نکلے گا یعنی برص وغیرہ کے بغیر اس میں ایسی چمک ہوگی کہ آنکھوں کو خیرہ کردے گا (یہ دو معجزے) ان نو معجزوں میں سے ہیں جن کو لیکر فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا جارہا ہے وہ بلاشبہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہیں جب ان لوگوں کے پاس ہمارے آنکھیں کھولنے والے واضح اور روشن معجزے پہنچے تو وہ لوگ کہنے لگے یہ صریح یعنی کھلا ہوا جادو ہے اور ان کا انکار کردیا یعنی اقرار نہیں کیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے یعنی ان کو اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور یہ **بما جاء بها موسٰی** سے انکار ایمان سے ظلم اور تکبر کے طور پر تھا **بما جاء موسٰی** کا تعلق الجحْد سے ہے پس آپ دیکھ لیجئے ان مفسدوں کا کیسا انجام ہوا جیسا کہ آپ ان کی ہلاکت سے واقف ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله عَطْفٌ بزيادةِ صفةٍ اس عبارت سے مفسر علام کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے سوال یہ ہے کتاب کا عطف القرآن پر عطف الشئ علی نفسہ کے قبیل سے ہے اسلئے کہ دونوں ہم معنی ہیں لہٰذا اس عطف کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

جواب: جب معطوف کسی صفت زائد پر مشتمل ہو تو عطف فائدہ سے خالی نہیں ہوتا یہاں معطوف یعنی کتاب صفت مبین کے ساتھ متصف ہے یہ عطف بلا فائدہ نہ ہوا **قوله يُؤْتُوْنَ** ایتاءٌ سے مضارع جمع مذکر غائب معروف ہے وہ دیتے ہیں **قوله وَهُمْ بالآخرةِ هُمْ يُوْقِنُونَ**، **هم** مبتداء **يُوقِنُونَ** اس کی خبر **بالآخرة** **يوقنونَ** کا متعلق مقدم مبتداء اور خبر کے درمیان جار مجرور کا فصل ہونے کی وجہ سے **هم** کا اعادہ کیا گیا ہے تاکہ خبر کا مبتداء کے ساتھ صورۃً اتصال ہو جائے، مفسر علام نے **وأُعِيْدَهم الخ** کا اضافہ اسی مقصد کے لئے کیا ہے **قولهٗ يَعْمَهُوْنَ عَمْهٌ** سے مشتق ہے جس کے معنی حیرت اور تردد کے ہیں **قوله لِقُبْحِهَا عندنَا** اس عبارت سے یہ شبہ دور کرنا ہے کہ کافروں کے اپنے افعال میں متحیر اور متردد ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جبکہ وہ سوچ سمجھ کر اپنے اختیار تمیزی کے ساتھ کفر اور اعمال کفریہ کو اختیار کرتے ہیں۔

جواب: ہمارے نزدیک **متحیر** ہیں نہ کہ اپنے نزدیک مطلب یہ ہے کہ تزئین شیطان اور اخبار رحمٰن میں تعارض کی وجہ سے متحیر ہیں اور ان کے اندر اتنی بصیرت نہیں کہ حسن اور قبیح کے درمیان فرق کر سکیں اور وہ اس میں بھی متحیر رہتے ہیں کہ کفر اور اعمال کفریہ پر ہی قائم ودائم رہیں یا ترک کردیں، مگر یہ تفسیر خلجان اور شبہ سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ جب کفار اپنے

اعمال کو حسن سمجھتے ہیں تو پھران کے متحیر ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں اس لئے بہتر تفسیر وہ ہے جو دیگر حضرات نے کی ہے وہ یہ کہ **یَعْمَھُوْنَ** یَسْتَمِرُّوْنَ ویداوِمُوْن علَیْھَا کے معنی میں ہے (کما ذکرہ ابوسعود) اور ابن عباسؓ اور قتادہ نے **یَعْمَھُوْنَ** کی تفسیر **یَلْعَبُوْنَ** سے کی ہے (جمل ملخصاً) **قوله** لِمَصِیْرِھم یہ اَخْسَرُوْنَ کی علت ہے، اَخْسَرُ اسم تفضیل مبالغہ کے لئے ہے نہ کہ تشریک کے لئے اس لئے کہ مومنون کے لئے خسران نہیں ہے **وَھُمْ فِی الآخرۃِ ھُمُ الاَخْسَرُوْنَ** کا اعراب وہی ہے جو ھُمْ بالآخرۃِ ھم یُوقنونَ کا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ مفضل علیہ خود کفار ہی ہیں مگر زمان ومکان کے اختلاف کے ساتھ یعنی کفار دنیا کے اعتبار سے آخرت میں زیادہ خسارہ میں ہوں گے **قوله** لَتُلَقّٰی تجھے تلقین کیا جاتا ہے، تجھے سکھلایا جاتا ہے، واحد مذکر حاضر مضارع مجہول، اصل میں تُتَلَقّٰی تھا ایک تا کو حذف کردیا گیا ہے، یہ متعدی بدو مفعول ہے پہلا مفعول قائم مقام فاعل ہے اور دوسرا مفعول القرآن ہے **قوله** بِشِدَّۃٍ اس لئے کہ اس میں تکالیف شاقہ ہیں یعنی نزول کے وقت بھی مشقت ہوتی ہے اور عمل کے وقت بھی **قوله** بالِاضافۃِ پیش نظر نسخہ جلالین میں ترک اضافت کے ساتھ ہے لہٰذا اس صورت میں قَبَسٍ بمعنی مقبوس شِھابٍ سے بدل ہے یا نعت ہے اور اگر اضافت کے ساتھ ہو جیسا کہ موجودہ نسخہ میں ہے تو یہ اضافت بیانیہ ہوگی **قوله** شُعلۃ نارٍ یہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں کی تفسیر ہے یعنی شہاب بمعنی شعلہ اور قبس بمعنی نارٍ **قوله** فتیلۃ بتی، بٹی ہوئی چیز **قوله** نُودِیَ اس کا نائب فاعل موسیٰ ہیں، اس صورت میں اَنْ تفسیر یہ ہے اس لئے کہ ماقبل میں نودِیَ بمعنی قیل موجود ہے، مطلب یہ ہے اَنْ تفسیر یہ مراد لینے کے لئے ضروری ہے کہ ماقبل میں قول یا قول سے مشتق کوئی صیغہ ہو یا قول کے معنی دینے والا کوئی صیغہ ہو، چنانچہ اَنْ تفسیر یہ سے پہلے اگرچہ قول یا اس کے مشتقات میں سے کوئی نہیں ہے مگر نودِیَ جو کہ قول کے ہم معنی ہے موجود ہے، لہٰذا یہ اَنْ تفسیر یہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مخففہ عن الثقیلہ ہو اور اس کا اسم ضمیر شان ہو اور بورِكَ اس کی خبر ہو، اور اَنْ مصدر یہ بھی ہوسکتا ہے حذف حرف جر کے ساتھ ای بان اور مدخول اَن مصدر کے معنی میں ہو، ای نودِیَ بِبرکۃ **مَنْ فِی النَّارِ بَارَكَ** متعدی بنفسہٖ بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے بارك اللّٰہ یہ متعدی بنفسہٖ کی مثال ہے یابارك الرجلَ آدمی کے لئے برکت کی دعا کی اور حرف یعنی لام وفی وعلیٰ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے متعدی بالحرف کی مثالیں بَارَكَ اللّٰہ لَكَ ، بارَكَ اللّٰہُ فِیكَ ، بَارَكَ اللّٰہ علَیْكَ **قوله** مِن جملۃِ مانُوْدِیَ مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی نداء دی گئی اس میں جملہ تنزیہیہ بھی ہے یعنی سبحان اللّٰہ رب العالمین **قوله تَھْتَزُّ** یہ رآھَا کی ضمیر مفعولی سے حال ہے وَلّٰی مُدْبِرًا لمّا کا جواب ہے **قوله** اِلَّا لکنّ مَن ظَلَمَ مفسر علام نے اِلَّا کی تفسیر لکنّ سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے مطلب یہ ہے کہ **مَنْ ظَلَمَ** سے مراد غیر مرسلین ہیں **قوله** مَنْ ظَلَمَ مبتداء ہے اور فاِنّی غفور رّحیم اس کی خبر ہے **قوله مُبْصِرَۃً** آیات سے حال ہے اور آیات کی جانب مُبصِرۃ کی اسناد مجازی ہے اس لئے کہ آیات دیکھنے والی نہیں ہوتیں بلکہ ان کی روشنی

میں دیکھا جاتا ہے جیسا کہ نهرٌ جارٍ میں اسناد مجازی ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ مُبصِرۃ اسم فاعل بمعنی اسم مفعول ہے جیسے دافِقٌ بمعنی مَدْفوقٌ **قوله** اِستَیقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ یہ جَحَدُوْا کے واؤ سے بتقدیر قد حال ہے **قوله** ای تَیَقَّنُوا اس سے اشارہ کردیا ہے کہ اِسْتَیْقَنَتْهَا میں سین زائدہ ہے **قوله** ظلمًا و عُلُوًّا اس کا تعلق جَحَدُوْا سے ہے یعنی ظلمًا و علوًّا انکار کی علت ہے **قوله** کَیْفَ کانَ عاقبة المفسدین کَیْفَ ، کانَ کی خبر مقدم ہے اور عاقبة المفسدین اسم مؤخر ہے اور پورا جملہ اُنْظُرْ بمعنی تفکر سے متعلق ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔

تفسیر وتشریح

طٰسٓ اس کی حقیقی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے، اس صورت میں چونکہ چیونٹیوں کا ایک واقعہ مذکور ہے اور چیونٹی کو عربی میں نملٌ کہتے ہیں اس لئے اس سورت کا نام سورۂ نمل رکھا گیا ہے اس سورۃ کا دوسرا نام سورۂ سلیمان بھی ہے۔ (روح المعانی)

زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمالَهُم یہ گناہوں کی نحوست اور وبال ہی ہے کہ برائیاں اچھی معلوم ہونے لگتی ہیں، آخرت پر عدم ایمان اس کا بنیادی سبب ہے زَیَّنَّا میں نسبت باری تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے یہ اس لئے ہے کہ کوئی بھی کام باری تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہوسکتا مگر مشیت اور ارادہ کے لئے رضامندی ضروری نہیں ہے جیسا کہ کڑوی دوا انسان اپنے ارادہ سے تو پیتا ہے مگر رضا اور خوش دلی سے نہیں، تاہم اللہ تعالیٰ کا دستور یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک اور بد دونوں راستے واضح فرمادیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَهَدَیْنَاهُ النَّجْدَیْنِ البتہ انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے جو راستہ بھی اختیار کرتا ہے خواہ نیک ہو یا بد اللہ تعالیٰ اس کے لئے وہی راستہ آسان فرمادیتے ہیں۔

وَاذکر اذ قالَ موسٰی لِاَهلِه یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کو ساتھ لیکر واپس مصر آرہے تھے، تاریک رات میں راستہ بھول گئے تھے اور سردی کا موسم تھا سردی سے بچاؤ کے لئے آگ کی ضرورت تھی، دور سے آپ کو کوہ طور پر آگ کے شعلے نظر آئے تو آپ اس خیال سے کہ آگ کے پاس اگر کوئی شخص ہوا تو اس سے راستہ معلوم کرلوں گا ورنہ آگ تو لے ہی آؤں گا تاکہ اس کے ذریعہ سردی سے بچاؤ حاصل کیا جاسکے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام آگ کے شعلوں کے قریب پہنچے تو ایک سرسبز درخت سے شعلے بلند ہوتے نظر آئے یہ شعلے حقیقت میں آگ نہیں تھے یہ اللہ کا نور تھا۔

فَلَمَّا جَاءَ هَا نُوْدِیَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو ندا آئی کہ مبارک ہے وہ جو آگ میں ہے اور وہ جو اس کے آس پاس ہے، نودِیَ کا نائب فاعل حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں پکارنے والے حق تعالیٰ شانہ بھی ہوسکتے ہیں اور ملائکہ بھی، بورِكَ بمعنی تبارَكَ ہے مَنْ فی النار میں مَنْ سے

مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ مفسر علام کی رائے ہے اور وہ درخت بھی مراد ہو سکتا ہے جس پر آگ نظر آئی تھی نور الٰہی اور ذات حق شانہ تعالیٰ بھی ہو سکتی ہے (خلاصۃ التفاسیر) نار سے نور مراد ہے ابن کثیر نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ درخت پر آگ نہیں تھی بلکہ نور تھا جس کی چمک بڑھتی جاتی تھی، اگر مَنْ فی النار سے حق تعالیٰ شانہ یا اس کا نور یا درخت مراد ہو تو حَوْلَهٗ سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ مراد ہوں گے اور اگر مَنْ فی النَّار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہوں تو مَنْ حَوْلَهٗ سے ملائکہ مراد ہوں گے اور یہی روایت اولیٰ معلوم ہوتی ہے، اور موسیٰ علیہ السلام کا داخل نور ہونا یا تو باعتبار کمال قرب تھا یا فنائے صادق (معالم، بحوالہ خلاصۃ التفاسیر) مذکورہ توجیہات میں سے بعض سے خدا کے لئے جسم اور صفت حادث سے متصف ہونے کا یا حلول کا شبہ پیدا ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سبحٰنَ اللّٰہ رب العٰلمینَ اللہ تعالیٰ تمام تحیّزات و ممکنات و حوادثات سے منزہ اور پاک ہے، آواز سننے کی جو کیفیت تفسیر بحر محیط میں ابو حیان نے اور روح المعانی میں آلوسیؒ نے نقل کی ہے وہ یہ ہے موسیٰ نے آواز اس طرح سنی کہ ہر جانب سے یکساں آرہی تھی جس کی کوئی جہت متعین نہیں ہو سکتی تھی، اور سننا بھی ایک عجیب انداز سے ہوا کہ صرف کان نہیں بلکہ جسم کے تمام اعضاء سن رہے تھے جو ایک معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

وَاَلْقِ عَصَاكَ (الآیۃ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوتے ورنہ موسیٰ علیہ السلام اپنی ہاتھ کی لاٹھی سے نہ ڈرتے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ طبعی خوف نبوت کے منافی نہیں ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی لاٹھی سانپ بن کر جھوم رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا، یہ خوف طبعی تھا جانٌّ ہلکے سانپ کو کہتے ہیں کہیں پر جان کہا گیا ہے اور کہیں پر ثعبانٌ، ثعبان بڑے سانپ (اژدہے) کو کہتے ہیں، دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے ابتداءً جانّ اور انتہاءً ثعبان ہو گیا تھا، یا جسم و جثہ کے اعتبار سے ثعبان تھا مگر سرعتِ حرکت کے اعتبار سے جانٌّ تھا۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اس سے پہلی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ عصاء کا ذکر تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈر کے مارے پیٹھ پھیر کر بھاگنے کا ذکر ہے اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے معجزے ید بیضاء کا ذکر ہے درمیان میں اس استثناء کا ذکر کس لئے کیا ہے؟ اور یہ استثناء منقطع ہے یا متصل؟ اس میں حضرات مفسرین کے اقوال مختلف ہیں بعض حضرات نے استثناء کو منقطع قرار دیا ہے اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ پہلی آیت میں انبیاء کرام پر خوف نہ ہونے کا ذکر تھا برسبیل تذکرہ ان لوگوں کا بھی ذکر آگیا جن پر خوف طاری ہونا چاہئے، یعنی وہ لوگ جن سے کوئی خطا سرزد ہوئی پھر توبہ کر کے نیک اعمال اختیار کر لئے ایسے حضرات کی اگرچہ اللہ تعالیٰ خطا معاف کر دیتے ہیں مگر معافی کے بعد بھی گناہ کے بعض آثار باقی رہنے کا احتمال ہے اس سے یہ حضرات ہمیشہ خائف رہتے ہیں، اور اگر اس استثناء کو متصل قرار دیں تو معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ اللہ کے رسول ڈرا نہیں کرتے بجز ان کے کہ جن سے کوئی خطا (یعنی کوئی لغزش سرزد ہوگئی ہو) پھر اس سے بھی توبہ کر لی ہو تو اس

توبہ سے یہ لغزش معاف ہو جاتی ہے اور صحیح تر بات یہ ہے کہ انبیاء سے جو لغزش سرزد ہوئی ہے، وہ درحقیقت گناہ ہی نہیں ہے نہ کبیرہ نہ صغیرہ البتہ صورت گناہ کی تھی ورنہ درحقیقت خطائے اجتہادی تھی، اس مضمون میں اس طرف بھی اشارہ پایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام سے جو قبطی کو قتل کرنے کی لغزش ہوگئی تھی وہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دی مگر اس کا یہ اثر رہا کہ موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری ہو گیا اگر یہ لغزش نہ ہوئی ہوتی تو یہ وقتی خوف بھی نہ ہوتا۔ (قرطبی بحوالہ معارف)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ ابْنَهٗ عِلْمًا ۚ بالقضاء بين الناس ومنطق الطير وغير ذلك وَقَالَا الْحَمْدُ شكرًا لِلّٰهِ الَّذِىْ فَضَّلَنَا بالنبوة وتسخير الجن والانس والشياطين عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوٗدَ النبوة والعلم وَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ اى فهم اصواته وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ يُؤتاه الانبياء والملوك اِنَّ هٰذَا المؤتى لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۞ البيّن الظاهر وَحُشِرَ جمع لِسُلَيْمَانَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فى مسير له فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۞ يُجمعون ثم يُساقون حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ هو بالطائف او بالشام نملة صغار او كبار قَالَتْ نَمْلَةٌ ملكة النمل وقد رأت جند سليمان يٰاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ يكسرنّكم سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۞ بهلاككم نزّل النمل منزلة العقلاء فى الخطاب بخطابهم فَتَبَسَّمَ سليمان ابتداءً ضَاحِكًا انتهاءً مِّنْ قَوْلِهَا وقد سمعه من ثلثة اميال حملته الريح اليه فحبس جنده حين اشرف على واديهم حتى دخلوا بيوتهم وكان جنده ركبانًا ومشاةً فى هذا المسير وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِىْۤ اَلهمنى اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِىْۤ اَنْعَمْتَ بها عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِىْ بِرَحْمَتِكَ فِىْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ الانبياء والاولياء وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ ليرى الهدهد الذى يرى الماء تحت الارض ويدل عليه بنقره فيها فتستخرجه الشيطين لاحتياج سليمان اليه للصلوة فلم يره فَقَالَ مَا لِىَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اى أعرض لى ما منعنى من رؤيته اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ۞ فلم اره لغيبته فلما تحققها قال لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا اى تعذيبًا شَدِيْدًا بنتف ريشه وذنبه ورميه فى الشمس فلا يمتنع من الهوام اَوْ لَاۤ اَذْبَحَنَّهٗۤ بقطع حلقومه اَوْ لَيَاْتِيَنِّىْ بنون مشددة مكسورة او مفتوحة يليها نون مكسورة بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۞

ترجمہ

اور ہم نے داؤد اور اس کے بیٹے سلیمان کو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا علم عطا کیا اور پرند وغیرہ کی بولی سکھائی اور ان دونوں حضرات نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم کو نبوت

کے ذریعہ اور جن وانس وشیاطین کی تسخیر کے ذریعہ اپنے مومن بندوں میں سے بہت سوں پر فضیلت عطا فرمائی اور سلیمان علیہ السلام نبوت اور علم میں داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور سلیمانؑ نے کہا اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی یعنی ان کی آواز کی سمجھ سکھائی اور ہم کو ہر وہ شئ عطا فرمائی جو انبیاء اور ملوک کو عطا کی جاتی ہے (یعنی جس کی ان کو حاجت ہوتی ہے) بلاشبہ واقعی یہ عطا کردہ شئ اس کا بڑا فضل ہے (کھلا ہوا فضل ہے) اور سلیمان کے سامنے ایک سفر میں ان کا لشکر جمع کیا گیا جو کہ جن وانس اور پرند پر مشتمل تھا ان کو جمع کیا جاتا تھا پھر سے چلایا جاتا تھا یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے وہ میدان طائف میں یا شام میں تھا، وہ چیونٹیاں چھوٹی (نسل کی) تھیں یا بڑی، ایک چیونٹی نے جو کہ چیونٹیوں کی رانی تھی کہا اور اس نے سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ لیا تھا اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تم کو بے خبری میں روند ڈالے یعنی ان کو تمہاری ہلاکت کی خبر بھی نہ ہو، چیونٹیوں کو خطاب میں، ان سے خطاب کرتے ہوئے بمنزلہ عقلاء کے اتار لیا گیا، سلیمان علیہ السلام اس کی بات سنکر مسکرا کر ہنس دیئے یعنی ابتداءً مسکرائے اور آخر کار ہنس دیئے اور سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات تین میل سے سن لی تھی، ہوا نے اس بات کو حضرت سلیمان علیہ السلام تک پہنچا دیا تھا، چنانچہ سلیمان علیہ السلام جب وادی کے قریب پہنچے تو اپنے لشکر کو روک لیا، یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں داخل ہو گئیں، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر اس سفر میں سوار اور پیادہ پر مشتمل تھا (حضرت سلیمان علیہ السلام) اللہ سے یہ دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار آپ مجھے الہام کیجئے (توفیق دیجئے) کہ تیری ان نعمتوں کا شکریہ ادا کروں جو تو نے میرے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور یہ کہ میں ایسے اعمال کرتا رہوں کہ جن سے تو خوش رہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں یعنی انبیاء واولیاء میں داخل فرما اور آپ نے پرندوں کی جانچ پڑتال کی تاکہ ہدہد کو دیکھیں جو پانی کو زیر زمین دیکھ لیتا ہے اور زمین پر اپنی چونچ مار کر اس کی نشاندہی کر دیتا ہے اور شیاطین پانی کو سلیمان علیہ السلام کی نماز (وغیرہ) کی ضرورت کے لئے نکال لیتے (تھے) چنانچہ (حضرت سلیمانؑ) نے ہدہد کو نہ پایا تو (حضرت سلیمانؑ) فرمانے لگے کیا بات ہے کہ ہدہد مجھے نظر نہیں آرہا؟ یعنی کیا کوئی چیز میرے سامنے آڑے آگئی ہے؟ جو مجھے اس کے دیکھنے سے مانع ہوگئی ہے کیا واقعی وہ غیر حاضر ہے کہ میں اس کو اس کی غیر حاضری کی وجہ سے نہیں دیکھ رہا ہوں جب اس کی غیر حاضری متحقق ہوگئی تو حضرت سلیمان فرمانے لگے کہ میں اس کو سخت سزا دوں گا اس کے پروں کو نوچ کر اور اس کی دم کو اکھاڑ کر اور اس کو دھوپ میں ڈال کر، جس کی وجہ سے وہ کیڑے مکوڑوں سے محفوظ نہ رہ سکے گا یا اس کا گلا کاٹ کر ذبح کر دوں گا، یا میرے سامنے کوئی واضح دلیل (عذر) پیش کرے لَیَاتِیَنِّی میں نون مشدد مکسورہ کے ساتھ یا نون مفتوحہ جس کے ساتھ نون مکسورہ ملا ہو یعنی اپنے عذر کی کوئی واضح دلیل پیش کرے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله آتَيْنَا بمعنی اَعْطَيْنَا طَيْرٌ طائر کی جمع ہے پرندہ قَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنا یہ سیاسۃً شاہانہ طرز خطاب ہے نہ کہ تکبراً (روح البیان میں ہے) اَلنُّوْنُ نُوْنُ الواحد المطاع علی عادۃِ الملوکِ فَاِنَّهُمْ یتکلّمونَ مثل ذٰلك رعایۃً لقاعدۃ السیاسۃ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ عُلِّمْنَا ای أنا و أبی مگر یہ تاویل حضرت سلیمانؑ کے پرندوں کی بولی سمجھنے کے اختصاص کے منافی ہے جیسا کہ مشہور ہے اگرچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کے علاوہ دیگر حیوانات کی بولی سمجھنے کا معجزہ عطا فرمایا گیا تھا مگر چونکہ پرندے ہمہ وقت آپ پر سایہ فگن رہتے تھے اس لئے پرندوں کا تذکرہ خاص طور پر کیا گیا ہے مَنْطِقَ کا عطف قضاء پر ہے باکے تحت میں ہونے کی وجہ سے مجرور ہے ای عِلْمًا بالقضاءِ وبمنطقِ الطیرِ **قوله** وغیرَ ذٰلِكَ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولی سمجھنے کے علاوہ اور دیگر حیوانات کی بولی سمجھنے کا علم بھی عطا کیا گیا تھا **قوله** حَتّٰى اِذَا اَتَوْا یہ محذوف کی غایت ہے تقدیر عبارت یہ ہے فَسَارُوْا حَتّٰى اِذَا اَتَوْا اور بعض حضرات نے يُوْزَعُوْنَ کی غایت قرار دیا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی فَهُمْ يَسِيْرُوْنَ ممنوعًا بعضهم من مفارقةِ بعض حتّٰى اِذَا اَتَوْا علی وادِی النملةِ **قوله** فی عِبَادِكَ الصالحین ای فی جملةِ عبادِكَ الصالحین حذف مضاف کے ساتھ اور صالحین سے کامل صالحین مراد ہیں جو کہ انبیاء ہی ہوتے ہیں لہٰذا یہ شبہ ختم ہوگیا کہ نبی کا صالحین میں شامل ہونے کی دعاء سے کیا مقصد ہے؟ جبکہ انبیاء رتبہ کے اعتبار سے اعلیٰ ہوتے ہیں۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ ابنهُ عِلْمًا حق سبحانہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد داؤد علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں، یہ قصے اور ان سے ماقبل ومابعد کے قصے دراصل وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى القرآنَ مِن لَّدُنْ حكيمٍ عليمٍ کے لئے بمنزلہ تائید وتقریر کے ہیں، اس لئے کہ ایک امی کے لئے جس کا اہل کتاب سے بھی کوئی ربط وتعلق نہیں ہے گذشتہ ہزاروں سال کے واقعات کو من وعن صحیح بیان کرتا ہے اس کی معلومات کا ذریعہ وحی الٰہی کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ گویا کہ ان واقعات کو سنانے اور بیان کرنے کا صاف اور صریح مقصد وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى القرآنَ مِنْ لَّدُنْ حكيمٍ عليمٍ کی تائید وتقریر ہے عِلْمًا میں تنوین یا تو نوع کے لئے ہے یا پھر تعظیم کے لئے ہے یعنی علماً کثیراً علم کا راست مصداق تو وہی علوم ہیں جو نبوت ورسالت سے متعلق ہوتے ہیں، مگر اس کے عموم میں دیگر علوم وفنون بھی شامل ہوں تو بعید نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو

زرہ سازی کی صفت سکھائی تھے حضرت داؤد علیہ السلام وسلیمان علیہ السلام زمرۂ انبیاء میں ایک خاص امتیاز یہ رکھتے ہیں کہ ان کو رسالت اور نبوت کے ساتھ ساتھ سلطنت بھی عطا کی گئی تھی اور سلطنت بھی ایسی بے نظیر کہ صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جنات اور جانوروں پر بھی ان کی حکمرانی تھی، ان عظیم الشان نعمتوں میں سے سب سے پہلے نعمت علم کا ذکر فرمانے سے اشارۃ النص کے طور پر اس طرف اشارہ ہوگیا کہ نعمت علم تمام دیگر نعمتوں سے فائق اور بالاتر ہے **وقالا الحمدُ للّٰہِ** میں واؤ عطف کے لئے ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے اس لئے کہ یہ مقام فا کا ہے تقدیر عبارت یہ ہے **وَلَقَدْ آتَیْنٰاھُمَا عِلمًا فعمِلاَ و قَالاَ الحمد للّٰہِ۔**

انبیاء کے مال میں وراثت نہیں ہوتی، **وَوَرِثَ سلیمٰنُ داوٗدَ** وراثت سے وراثت علم ونبوت مراد ہے نہ کہ مالی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **نحنُ معاشر الانبیاء لا نَرِثُ ولاَ نُورِثُ** یعنی انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ مورث، حضرت ابوالدرداء سے ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے **العلماءُ ورَثَۃُ الانبیاءِ و ان الانبیاءَ لَمْ یُوَرِّثوا دینارًا ولا دِرْھمًا ولکن وَرِّثوا العلمَ فمَنْ اخذہٗ اَخَذَ بحظٍ وافرٍ** یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں لیکن انبیاء میں وراثت علم نبوت کی ہوتی ہے مال کی نہیں، حضرت ابوعبداللہ کی روایت اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کردیتی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے (روح عن الکلینی بحوالہ معارف) عقلی طور پر بھی یہاں وراثت مالی مراد نہیں ہوسکتی اس لئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس صاحبزادے تھے اگر وراثت مالی مراد ہوتی تو سب لڑکے وارث ہوتے حضرت سلیمان کی تخصیص کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وراثت سے وراثت علم ونبوت مراد ہے، ان دلائل کے بعد طبری کی وہ روایت غلط ہوجاتی ہے جس میں انہوں نے بعض ائمہ اہل بیت کے حوالہ سے مالی وراثت مراد لی ہے۔ (روح، معارف)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور خاتم الانبیاء علیہ السلام کی ولادت کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ ہے اور یہود یہ فاصلہ ایک ہزار چار سو سال بتاتے ہیں، سلیمان علیہ السلام کی عمر پچاس سال سے کچھ زیادہ ہوئی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک سو سال ہوئی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وارث قرار دینا وراثت علمی ہی کی صورت میں ہوسکتا ہے اس لئے کہ وراثت مالی کی مستحق تو حضرت سلیمانؑ کی وہ اولاد ہے جو سلمانؑ کے بعد بقید حیات رہی۔

بخاری اور دیگر ائمہ حدیث نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لا نورث ماتر کناہ صدقۃ** ہم وارث نہیں بناتے جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے، آیت میں وراثت اصطلاحی مراد نہیں ہے، بلکہ مجازی معنی خلافت اور جانشین مراد ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے یرثون الفردوس اور حدیث شریف میں آیا ہے **العلماء**

ورثة الانبیاء نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ آپؐ نے بازار میں آواز لگائی ''چلو مسجد میں میراث رسول اللہ تقسیم ہو رہی ہے'' لوگ دوڑے ہوئے مسجد میں گئے مسجد میں کچھ نہ پایا، البتہ ایک جماعت تعلیم و تعلم میں مصروف تھی، لوگوں نے کہا مال کہاں ہے؟ فرمایا یہی ہے میراث رسول، اور اگر میراث مجازاً مراد نہ ہو بلکہ وراثت مالی ہی مراد ہو تو جیسا کہ بعض روافض کا قول ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹوں میں سے دوسرے کیوں محروم کر دیئے گئے؟ اس کا یہ جواب کہ عدم ذکر کے لئے نفی لازم نہیں، یہ خلاف سیاق ہے اس لئے کہ اگر حضرت سلیمان کی تخصیص مقصود نہ ہو تو معمولی ذکر سے کیا فائدہ؟ ہر بیٹا باپ کا وارث ہوتا ہی ہے، اور اگر نبوت اور علم مراد ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے تو اس میں میراث، خلافت و جانشینی کے اعتبار سے ہوگی اس لئے کہ یہ اوصاف نہ مملوک ہوتے ہیں اور نہ بعینہٖ منتقل ہوتے ہیں اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ انبیاء کی میراث خلافت و جانشینی کی ہوتی ہے تو اس سے روافض کے اس قول کا رد بھی ہوگیا کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراءؓ کو وارث باغ فدک سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بطور نفقہ حضور کے متعلقین کے لئے تھا نہ کہ مملوک، اس لئے متروکہ انبیاء میراث نہیں ہوتے وقالَ یا ایُّھا الناس عُلمنا منطق الطَّیرِ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بات لوگوں سے تحدیث نعمت کے طور پر کہی، عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ سے مراد پرندوں کی بولی سمجھنا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ دیگر حیوانوں کی بولی کی سمجھ بھی عطا فرمائی گئی اور پرندوں کی بولی کی فہم کی تخصیص نہیں تھی، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ پرندوں کی بولی کی ہی فہم عطا فرمائی گئی تھی دیگر حیوانوں کی بولی کی فہم عطا نہیں کی گئی تھی، بعض اوقات خاص طور پر جبکہ چیونٹی کی عمر دراز ہو جائے تو پر نکل آتے ہیں یہ چیونٹی بھی پردار تھی لہٰذا کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا قولہ اُوتینا و عُلِّمْنَا حضرت سلیمان علیہ السلام کی مراد خود اپنی ذات ہی ہے اور ان دونوں صیغوں میں نونِ عظمت ہے جس کو ملوک و سلاطین سیاسۃً استعمال کیا کرتے ہیں قولہ فی مسیرۃٍ سے علامہ محلی کا اشارہ اس طرف ہے کہ کسی خاص سفر میں کہیں جانے کے لئے انسانوں، جنوں، چرندوں و پرندوں کا یہ لاؤ لشکر جمع کیا گیا تھا قولہ یُوْزَعُوْنَ اگر وَزَعَ یَزَعُ وزعًا سے مشتق ہو تو اس کے معنی روکنے کے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر اتنی بڑی تعداد میں تھا کہ راستہ میں روک روک کر ان کو درست کیا جاتا تھا تاکہ شاہی لشکر بدنظمی اور انتشار کا شکار نہ ہو اسی مادہ سے ہمزہ سلب کا اضافہ کرکے اَوْزِعْنِیْ بنایا گیا ہے جو اگلی آیت (۱۹) میں آرہا ہے، اور بعض حضرات نے یُوْزَعُوْنَ کو تَوْزِیْعٌ سے مشتق مانا ہے جس کے معنی تفریق کے ہیں، مطلب یہ ہوگا کہ سب کو الگ الگ جماعتوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، مثلاً انسانوں کا گروہ، جنوں کا گروہ، پرندوں اور حیوانات کا گروہ وغیرہ وغیرہ، ایسا فوجی نظام کے ماتحت کیا جاتا تھا اور ہر گروہ کا الگ ذمہ دار مقرر کر دیا جاتا تھا، نملةٌ مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے مستعمل ہے اس کی جمع نَمْلٌ آتی ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ جس چیونٹی کی آواز حضرت سلیمان نے سنی مؤنث تھی اور دلیل قالت نملةٌ میں فعل کی تانیث کو پیش کیا ہے، ابوحیان نے اس کا انکار کیا ہے۔ (فتح القدیر)

حَتّٰی اِذَا اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ (الآیۃ) اس سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں ۱ یہ کہ حیوانات میں بھی ایک خاص قسم کا شعور ہوتا ہے گو انسان سے بہت کم ہو ۲ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی عظمت اور فضیلت کے باوجود عالم الغیب نہیں تھے اسی لئے چیونٹیوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں بے خبری میں ہم روند نہ دیئے جائیں ہُد ہُد کے واقعہ میں اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلیمانؑ عالم الغیب نہیں تھے ۳ یہ کہ حیوانات بھی اس عقیدۂ صحیحہ سے بہرہ ور ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ۴ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کے علاوہ دیگر حیوانات کو بولی بھی سمجھتے تھے، یہ علوم حضرت سلیمانؑ کو بطور اعجاز عطا ہوئے تھے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ، تَفَقَّدَ کے معنی جانچ پڑتال کرنا، حاضر و غیر حاضر کی تحقیق کرنا ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کو رعایا کی خبر گیری کرنی چاہئے اور ان کی حالت سے واقفیت کے طریقوں کو استعمال کرنا چاہئے یہ اس کے فرائض میں داخل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت شریفہ تھی کہ صحابہ کرام کی حالت سے باخبر رہنے کا اہتمام فرماتے تھے جو شخص غیر حاضر ہوتا اور مسجد میں نظر نہ آتا اس کے بارے میں دریافت فرماتے اگر بیمار ہوتا تو عیادت کے لئے تشریف لیجاتے اور اگر کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا تو اس کے ازالہ کی تدبیر فرماتے۔

بُرْهَانٍ بَیِّنٍ ظَاهِرٍ علی عُذْرِهٖ فَمَكُثَ بِضَمِّ الكافِ وفَتْحِهَا غَیْرَ بَعِیْدٍ ای یَسِیْرًا مِنَ الزَّمَانِ وحَضَرَ لِسُلَیْمَانَ مُتَوَاضِعًا بِرَفْعِ رَاْسِهٖ وارْخَاءِ ذَنْبِهٖ وجَنَاحَیْهِ فَعَفَا عَنْهُ وسَاَلَهٗ عَمَّا لَقِیَ فی غَیْبَتِهٖ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ اَیِ اطَّلَعْتُ علٰی مَالَمْ تَطَّلِعْ علیه وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بالصَّرْفِ وتَرْكِهٖ قَبِیْلَةٌ بالیَمَنِ سُمِّیَتْ بِاسْمِ جَدٍّ لَهم بِاِعْتِبَارِهٖ صُرِفَ بِنَبَاٍ بِخَبَرٍ یَقِیْنٍ○ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ ای هی مَلِكَةٌ لَهم اِسْمُهَا بِلْقِیْسُ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ تَحْتَاجُ الیه المُلُوْكُ مِنَ الْاٰلَةِ والعُدَّةِ وَّلَهَا عَرْشٌ سَرِیْرٌ عَظِیْمٌ○ طُوْلُهٗ ثَمَانُوْنَ ذِرَاعًا وعَرْضُهٗ اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وارْتِفَاعُهٗ ثَلٰثُوْنَ ذِرَاعًا مَضْرُوْبٌ مِنَ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ مُكَلَّلٌ بالدُّرِّ والیَاقُوْتِ الاَحْمَرِ والزَّبَرْجَدِ الاَخْضَرِ والزُّمُرُّدِ وقَوَائِمُهٗ مِنَ الیَاقُوْتِ الاَحْمَرِ والزَّبَرْجَدِ الاَخْضَرِ والزُّمُرُّدِ علیه سَبْعَةُ بُیُوْتٍ علٰی كُلِّ بَیْتٍ بَابٌ مُغْلَقٌ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ طَرِیْقِ الحَقِّ فَهُمْ لَایَهْتَدُوْنَ○ اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ اَیْ اَنْ یَّسْجُدُوا له فزِیْدَتْ لَا وَاُدْغِمَ فیها نُوْنُ اَنْ كما فی قوله تعالٰی لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ والجُمْلَةُ فی مَوْضِعِ مَفْعُوْلِ یَهْتَدُوْنَ بِاِسْقَاطِ الی الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْاَ مَصْدَرٌ بمعنی الْمَخْبُوْءِ مِنَ الْمَطَرِ والنَّبَاتِ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ فی قُلُوْبِهم وَمَا تُعْلِنُوْنَ○ بِاَلْسِنَتِهم اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ

الْعَظِيْمِ○ اِسْتِينَافٌ جُمْلَةُ ثَنَاءٍ مُشْتَمِلٌ عَلَى عَرْشِ الرَّحْمٰنِ فِي مُقَابَلَةِ عَرْشِ بِلْقِيسَ وَبَيْنَهُمَا بَوْنٌ عَظِيْمٌ قَالَ سُلَيْمَانُ لِلْهُدْهُدِ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ فيما اَخْبَرْتَنا بِهٖ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ○ اى مِنْ هٰذا النَّوْعِ فهو اَبْلَغُ مِنْ اَمْ كَذَبْتَ فيه ثم دَلَّهُمْ على الْمَاءِ فَاسْتَخْرَجَ وارْتَوْا وَتَوَضَّأُوْا وصَلَّوْا ثم كَتَبَ سُلَيْمَانُ كتابًا صُوْرَتُهٗ مِن عَبْدِاللّٰهِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ الى بِلْقِيسَ مَلِكَةِ سَبَاٍ بِسمِ اللّٰهِ الرحمٰنِ الرحيمِ السَّلَامُ على مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اما بعدُ فَلَا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِي مُسْلِمِيْنَ ثم طَبَعَهٗ بالمِسْكِ وخَتَمَهٗ بخَاتَمِهٖ ثم قَالَ لِلْهُدْهُدِ اِذْهَبْ بِّكِتَابِي هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ اى بِلْقِيسَ وَقَوْمِهَا ثُمَّ تَوَلَّ اِنْصَرِفْ عَنْهُمْ وَقِفْ قَرِيبًا مِّنهم فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ○ يَرُدُّوْنَ مِنَ الْجَوَابِ فأَخَذَهٗ واَتَاهَا وحَوْلَهَا جُنْدُها فأَلْقَاهُ فِي حُجْرِهَا فلَمَّا رَأَتْهُ ارْتَعَدَتْ وَخَضَعَتْ خَوْفًا ثم قَالَتْ لِاَشْرَافِ قَوْمِهَا يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا بتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ بِقَلْبِهَا واوًا مَكْسُوْرَةً اِنِّيْ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ○ مَخْتُوْمٌ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهٗ اى مَضْمُوْنُهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِي مُسْلِمِيْنَ○ ع

ترجمہ

فَمَكُثَ کاف کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ، چنانچہ تھوڑی دیر گذری تھی کہ (اس نے آکر) کہا یعنی تھوڑا ہی وقت گذرا تھا کہ بازو اور دم لٹکائے ہوئے اور سر اٹھائے ہوئے عاجزانہ طریقہ پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو معاف کردیا اور زمانہ غیبوبت میں پیش آنے والے واقعہ کے بارے میں معلوم کیا تو اس نے کہا میں ایسی خبر لایا ہوں کہ آپ کو اس کی خبر نہیں یعنی میں ایسی خبر پر مطلع ہوا ہوں کہ آپ کو اس کی اطلاع نہیں اور میں (قوم) سبا کی سچی خبر آپ کے پاس لایا ہوں سَبَأٌ منصرف اور غیر منصرف دونوں ہے، سبا یمن میں ایک قبیلہ کا نام ہے جو کہ ان کے جد ابعد کے نام پر رکھا گیا ہے اور اسی وجہ سے یہ منصرف ہے (اور اگر قبیلہ کا نام ہو تو علمیۃ اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا) میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کررہی ہے یعنی وہ ان کی ملکہ ہے اس کا نام بلقیس ہے اور اس کے پاس ہر قسم کا ساز وسامان ہے جس کی بادشاہوں کو ضرورت ہوتی ہے، یعنی ہتھیار اور دیگر سامان اور اس کا ایک عظیم الشان تخت بھی ہے جس کی لمبائی اسی ہاتھ اور چوڑائی چالیس ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ ہے، سونے چاندی سے جڑا ہوا ہے، موتیوں اور یاقوت سرخ اور زبرجد اور زمرد سے آراستہ ہے اور اس کے پائے یاقوت احمر اور زبرجد اخضر اور زمرد کے ہیں، اور اس پر سات کمرے ہیں اور ہر کمرے پر بند دروازہ ہے میں نے اس کو اور اس کی قوم کو اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نظر میں آراستہ کرکے پیش کردیئے ہیں

جس کی وجہ سے ان کو (شیطان) نے راہ حق سے روکدیا ہے پس وہ ہدایت پر نہیں آتے یہ کہ اللہ کو سجدہ کریں **لَا** زائدہ ہے اس میں اَنْ کو مدغم کردیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول **لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الکتاب** حرف الی کو حذف کرکے یھتدون کے مفعول کی جگہ میں ہے وہ (اللہ) کہ جو زمین اور آسمانوں کی مخفی چیزوں یعنی بارش اور نباتات کو باہر نکالتا ہے اَلْخبأ مصدر مَخْبُوْءٌ کے معنی میں ہے اور جن چیزوں کو تم اپنے دلوں میں چھپاتے ہو اور جن چیزوں کو اپنی زبان سے ظاہر کرتے ہو وہ جانتا ہے وہی معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش عظیم کا مالک ہے یہ جملہ مستانفہ ثنائیہ ہے، بلقیس کے تخت کے مقابلہ میں رحمٰن کے تخت پر مشتمل ہے حالانکہ ان کے درمیان بونِ بعید ہے (بڑا فرق ہے) سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اب ہم دیکھیں گے کہ آیا تم نے اس بات میں جس کی تم نے ہم کو خبر دی سچ بولا یا تم جھوٹوں میں سے ہو یعنی جھوٹوں کی قسم سے ہو یہ جملہ اَمْ کَذَبْتَ فِیْهِ سے زیادہ بلیغ ہے، پھر (ہُدہُد) نے ان کے لئے پانی کی نشاندہی کی، چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے پانی نکلوایا، سب لوگ سیراب ہوئے وضو کیا نماز پڑھی، پھر سلیمان علیہ السلام نے ایک خط لکھا جس کا متن (حسب ذیل) ہے، اللہ کے بندے سلیمان بن داؤد کی طرف سے سبا کی ملکہ بلقیس کے نام، **بسم الله الرحمٰن الرحیم السلام علی مَنْ اتَّبَعَ الهدی امابعد!** میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور تابع فرمان ہو کر میرے پاس چلی آؤ پھر اس خط کو مشک سے سر بند کردیا اور اس پر اپنی مہر بھی لگادی، پھر ہُدہُد سے فرمایا میرا یہ خط لیجا اور ان یعنی بلقیس اور اس کی قوم کو پہنچادے پھر ان کے پاس سے ہٹ جانا اور ان کے قریب ہی کھڑے ہو جانا، اور دیکھنا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ چنانچہ ہُدہُد نے وہ خط لیا اور بلقیس کے پاس آیا، حال یہ ہے کہ بلقیس کے گرداگرد لشکر تھا چنانچہ ہُدہُد نے وہ خط بلقیس کی گود میں ڈالدیا جب بلقیس نے وہ خط دیکھا تو لرزہ براندام ہوگئی (اور عاجزی) کرنے لگی، اپنی قوم کے شرفاء سے کہنے لگی اے سردارو میری طرف ایک باوقعت یعنی سربمہر خط ڈالا گیا ہے دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور ثانی کی تسہیل یعنی واؤ مکسورہ سے بدل کر جو سلیمان کی طرف سے ہے جس کا مضمون یہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ کہ میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس چلی آؤ۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله اَبْلَغُ مِنْ اَنْ کَذِبْتَ فیه یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اَمْ کذبتَ مختصر بھی ہے اور مشہور اور کثیر الاستعمال بھی پھر اخصر کو چھوڑ کر اَمْ کنتَ من الکاذبینَ کو جو کہ طویل بھی اور غیر معروف بھی کیوں اختیار فرمایا؟ جواب اَمْ کَذِبْتَ صدورِ کذب اَحْیاناً پر دلالت کرتا ہے اور ام کنت من الکاذبین دوام کذب اور عادت کذب پر دلالت کرتا ہے اس لئے اخصر کو چھوڑ کر اطول کو اختیار کیا **قوله** فانظر (الآیۃ) انظر بمعنی انتظر ہے اور ما بمعنی الذی ہے، صلہ چونکہ جملہ ہے اس لئے عائد محذوف ہے تقدیر عبارت **انتظر الذی یرجعونه وتسهیل الثانية**

بقلبها واواً مکسوراً یہاں تسہیل سے معروف تسہیل مراد نہیں ہے بلکہ ہمزہ ثانیہ کو واؤ سے بدلنا مراد ہے یعنی یاَیُّھَا الْمَلَأُ وِنِیْ اُلْقِیَ کتابٌ کریمٌ سے مہر لگا ہوا خط مراد ہے، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کَرَمُ الکتابِ ختمہٗ خط کا باوقار ہونا اس کا مختوم ہونا ہے **قوله** اَنَّهٗ مِنْ سلیمان جملہ مستانفہ ہے یعنی سوال مقدر کا جواب ہے جب بلقیس نے کہا اِنِّی اُلْقِیَ اِلَیَّ کتابٌ کریمٌ سوال ہوا مَاھُوَ؟ جواب دیا اِنَّهٗ مِن سلیمان الخ **قوله** اَلَّا تعلوا عَلَیَّ یا تو کتابٌ سے بدل ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اَیْ مضمونہ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاتونِیْ مسلمینَ۔

تفسیر وتشریح

حاکم کو اپنی رعیت اور مشائخ کو اپنے مریدوں اور استاذ کو اپنے شاگردوں کی خبر گیری ضروری ہے

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی رعایا کے ہر طبقہ پر نظر رکھتے تھے اور ان کے حالات سے اتنے باخبر رہتے کہ ہدہد جو طیور میں کمزور اور چھوٹا بھی ہے وہ حضرت سلیمان کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حاکم کو خاص طور پر کمزور رعایا کی خبر گیری کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، صحابہ کرام میں حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس سنت انبیاء کو پوری طرح جاری کیا، راتوں کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت لگاتے تھے تاکہ سب لوگوں کے حالات سے باخبر رہیں، اگر کسی کو کسی مصیبت و پریشانی میں گرفتار پاتے تو اس کی مدد فرماتے جس کے بہت سے واقعات ان کی سیرت میں مذکور ہیں، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے "اگر دریائے فرات کے کنارے پر بھیڑیئے نے کسی بکری کے بچہ کو پھاڑ ڈالا تو اس کا بھی عمر سے سوال ہوگا۔ (قرطبی، معارف)

یہ تھے وہ اصول جہانبانی اور حکمرانی جو انبیاء علیہ السلام نے لوگوں کو سکھائے اور صحابہ کرامؓ نے ان کو عملاً جاری کر کے دکھلایا، جس کے نتیجے میں پوری مسلم و غیر مسلم رعایا امن واطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی، اور ان کے بعد زمین وآسمان نے ایسے عدل وانصاف اور عام دنیا کے امن وسکون اور اطمینان کا منظر نہیں دیکھا۔

سبا ایک شخص کے نام پر ایک قوم کا نام بھی تھا اور ایک شہر کا نام بھی تھا یہاں شہر مراد ہے، یہ صنعاء (یمن) سے تین دن کے فاصلہ پر ہے اور مآرب یمن کے نام سے مشہور ہے۔

اِنِی وَجَدْتُّ اِمراۃً تملکھم یعنی ہُدہُد کے لئے یہ امر باعث تعجب تھا کہ سبا میں ایک عورت حکمراں ہے، اس کے برخلاف آج کہا جاتا ہے کہ عورتیں بھی ہر معاملہ میں مردوں کے برابر ہیں، اگر مرد حکمراں ہو سکتا ہے تو عورت کیوں نہیں ہو سکتی؟ حالانکہ یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے بعض لوگ ملکہ سبا (بلقیس) کے اس ذکر سے استدلال کرتے

ہوئے کہتے ہیں کہ عورت کی سربراہی جائز ہے، حالانکہ قرآن کریم نے ایک واقعہ کے طور پر اس کا ذکر کیا ہے، اس سے اس کے جواز یا عدم جواز کا کوئی تعلق نہیں ہے، عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر قرآن وحدیث میں واضح دلائل موجود ہیں
اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰہِ لا زائدہ اور لایَھْتدونَ اس میں عامل ہے یعنی ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ سجدہ صرف اللہ کو کریں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَلَّا یَسْجُدُوْا کا تعلق زَیَّنَ کے ساتھ ہو یعنی شیطان نے یہ بھی ان کے لئے مزین کردیا کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں۔
ہُد ہُد نے چونکہ توحید کا وعظ اور شرک کا رد کیا ہے اور اللہ کی عظمت شان کو بیان کیا ہے اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے چار جانوروں کو قتل نہ کرو چیونٹی، شہد کی مکھی، ہد ہد، صرد (یعنی لٹورا) اس کا سر بڑا اور پیٹ سفید اور پیٹھ سبز ہوتی ہے یہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کا شکار کرتا ہے۔ (مسند احمد ۱/۳۳۲، ابوداؤد کتاب الادب)
اِذْھَبْ بکتابِیْ ھٰذَا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے نام خط بھیجنے کو اس پر اتمام حجت کے لئے کافی سمجھا اور اسی پر عمل فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ عام معاملات میں تحریر وخط قابل اعتبار ثبوت ہے، فقہاء رحمہم اللہ صرف ان مواقع پر خط کو کافی نہیں سمجھتے جہاں شہادت شرعیہ کی ضرورت ہے، کیونکہ خط اور ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعہ شہادت نہیں لی جاسکتی، شہادت کا مدار شاہد کا عدالت کے سامنے آکر بیان دینے پر رکھا گیا ہے، جس میں بڑی حکمتیں مضمر ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کل بھی دنیا کی کسی عدالت میں خط اور ٹیلیفون پر شہادت کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔

قَالَتْ یٰۤاَیُّھَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ بتحقیقِ الھمزتَینِ وتسھیلِ الثانیۃِ بقلبِھا واوًا ای اَشِیْرُوْا عَلَیَّ فِیْۤ اَمْرِیْ ۚ مَا کُنْتُ قَاطِعَۃً اَمْرًا قَاضِیَۃً حَتّٰی تَشْھَدُوْنِ ○ تحضرُونَ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّۃٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ ۙ۵ اَصْحَابُ شِدَّۃٍ فِی الْحَرْبِ وَّالْاَمْرُ اِلَیْکِ فَانْظُرِیْ مَاذَا تَاْمُرِیْنَ ○ نُطِعْکِ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا بالتخریبِ وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَاۤ اَذِلَّۃً ۚ وَکَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ ○ ای مُرسِلُوا الکتابَ وَاِنِّیْ مُرْسِلَۃٌ اِلَیْھِمْ بِھَدِیَّۃٍ فَنٰظِرَۃٌ ۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ○ مِنْ قَبولِ الھدیۃِ اَوْ رَدِّھا اِنْ کانَ مَلِکًا قَبِلَھا اَوْ نَبِیًّا لَمْ یَقْبَلْھا فَاَرْسَلَتْ خَدَمًا ذُکُوْرًا واِنَاثًا اَلْفًا بالسَّوِیَّۃِ وخَمْسَمِائۃِ لَبِنَۃٍ مِنَ الذَّھَبِ وتَاجًا مُکَلَّلًا بِالْجَوَاھِرِ ومِسْکًا وعَنْبَرًا وَغَیْرَ ذٰلِکَ مَعَ رَسُوْلٍ بِکِتَابٍ فَاَسْرَعَ الْھُدْھُدُ اِلٰی سُلَیْمَانَ یُخبرُہ الخَبَرَ فَاَمَرَ اَنْ تُضْرَبَ لَبِنَاتُ الذَّھَبِ والفِضَّۃِ وَاَنْ تُبْسَطَ مِنْ مَوْضِعِہٖ اِلٰی تِسعۃِ فَرَاسِخَ مَیْدَانًا وَاَنْ یَّبْنُوا حَوْلَہ حائطًا مُشَرَّفًا من الذَّھَبِ والفِضَّۃِ وان یُوتٰی بِاَحْسَنِ دَوَابِّ البرِ والبَحرِ مَعَ اولادِ الجنِ عن یَمینِ المَیدانِ وشِمالہ فَلَمَّا جَآءَ الرَّسُوْلُ بالھدیۃِ ومعَ اَتْبَاعِہٖ سُلَیْمٰنَ قَالَ سُلیمانُ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰنِیَ اللّٰہُ مِنَ النُّبُوۃ والمُلْکِ خَیْرٌ مِّمَّآ اٰتٰکُمْ ۚ من الدُّنیا

بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ○ لفخركم بزخارف الدنيا اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ بما اتيتَ به من الهدية فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لا طَاقةَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ من بلدهِم سَبا سُمِيتْ باسم ابي قَبيلتِهم اَذِلَّةً وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ○ اى اِنْ لم يَاتونى مسلِمين فلمَّا رجع اليها الرَّسول بالهَدية جَعَلَتْ سريرها داخلَ سبعةِ ابواب داخلَ قصرها وقصرُها داخلَ سبعةِ قصور واَغلَقتْ الابواب وجعلتْ عليها حَرَسا وتجهزتْ للمَسير الى سُليمان لتنظُرَ ما يامرُها به فارتحلتْ فى اِثنى عَشر الفَ قَيلٍ مع كل قَيلٍ اُلوف كثيرة الى ان قَربت منه على فرسخ شعرَ بها قَالَ يَآيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ فى الهَمزتين ماتقدم يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ○ اى مُنقادين طَائعين فلِىَ اخذُه قبلَ ذلك لابعده قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ هو القَوى الشديد اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ الذى تَجلِس فيه للقضاءِ وهو من الغداة الى نصف النهار وَاِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ اى على حمله اَمِيْنٌ○ اى على مَا فيه من الجَواهر وغيرها.

ترجمہ

اے درباریو! تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو میں کسی معاملہ میں اس وقت تک قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو اَلْمَلَؤُا أفتونى میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کی تسہیل یعنی واؤ سے بدل کر ای وَفْتُوْنى ان سب نے جواب دیا کہ ہم بڑے طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں یعنی جنگ میں بڑی شدت والے ہیں آگے آپ کو اختیار ہے آپ خود ہی غور فرمالیں کہ ہم کو کیا حکم دینا چاہتی ہیں؟ ہم آپ کی اطاعت کریں گے، بلقیس نے کہا بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) طور پر داخل ہوتے ہیں تو اسے تخریب کے ذریعہ اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ خط بھیجنے والے بھی ایسا ہی کریں گے (میں سردست) ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لیکر لوٹتے ہیں؟ آیا وہ ہدیہ قبول کرتے ہیں یا واپس کر دیتے ہیں اگر بادشاہ ہوں گے تو ہدیہ قبول کرلیں گے اور اگر نبی ہوں گے تو قبول نہ کریں گے، چنانچہ بلقیس نے ایک ہزار خدام بھیجے جن میں پانچسو لڑکے اور پانچسو لڑکیاں تھیں، اور پانچسو سونے کی اینٹیں اور ایک جواہرات سے جڑا ہوا تاج اور مشک وغیرہ وغیرہ، قاصد کے ہمراہ مع ایک خط کے بھیجے، چنانچہ ہدہد نے جلدی واپس آکر حضرت سلیمانؑ کو صورت حال کی خبر دی، لہٰذا حضرت سلیمانؑ نے سونے اور چاندی کی اینٹیں بنانے کا حکم دیا اور یہ کہ سلیمان علیہ السلام کے محل سے لیکر نو فرسخ تک میدان میں بچھادی جائیں اور اس کے میدان کے اردگرد سونے چاندی کی اونچی دیوار بنادی جائے (دوسرا ترجمہ) میدان کے اردگرد ایک دیوار بنادی جائے جس کے کنگورے سونے اور چاندی کے ہوں اور یہ کہ خشکی وتری کے بہترین

جانور (خدمت کے لئے) معہ جنوں کے بچوں کے میدان کی دائیں و بائیں جانب (کھڑا کردیئے جائیں) چنانچہ جب قاصد ہدیہ لیکر وفد کے دیگر ارکان کے ساتھ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ اللہ نے نبوت اور ملک جو مجھے عطا فرمایا ہے وہ تمہاری اس دنیا سے بہت بہتر ہے جو تم کو عطا کی ہے، ہاں تم ہی ہدیہ کے لین دین پر فخر کرتے ہوگے، اس لئے کہ دنیا کی زیب وزینت پر تم ہی فخر کرتے ہو (ایک ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے) تم ہی اپنے ہدیہ پر خوش رہو (یعنی تمہارا ہدیہ تم ہی کو مبارک مجھے ضرورت نہیں) حضرت سلیمانؑ نے (امیر وفد سے) کہا اپنا ہدیہ لیکر ان ہی (ہدیہ بھیجنے والوں) کے پاس واپس تشریف لیجاؤ، ہم ان کے مقابلہ کے لئے ایسا لشکر لیکر آئیں گے کہ ان میں اس لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی اور ہم ان کو یقیناً اس کے شہر یعنی سبا سے ذلیل وخوار کرکے نکالدیں گے اگر وہ تابعدار ہوکر میرے پاس نہ آئے، ابوقبیلہ کے نام پر شہر کا نام سبا رکھا گیا چنانچہ جب قاصد ہدیہ لیکر بلقیس کے پاس واپس گیا تو بلقیس نے اپنے تخت کو اپنے محل کے اندر جو کہ سات محلوں کے اندر تھا سات کمروں کے اندر بند کردیا اور دروازوں کو مقفل کردیا نیز دروازوں پر پہرے دار بٹھادیئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس یہ دیکھنے کے لئے جانے کی تیاری شروع کردی کہ وہ اس سے کیا کہتے ہیں، چنانچہ بلقیس بارہ ہزار سرداروں کے ساتھ روانہ ہوئی اور ہر سردار کے ساتھ ہزار ہا افراد تھے، یہاں تک کہ بلقیس حضرت سلیمانؑ کے اتنے قریب پہنچ گئی کہ صرف ایک فرسخ کا فاصلہ باقی رہ گیا، تو حضرت سلیمانؑ کو اس کی (آمد) کا علم ہوا۔

قَالَ يٰأَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اے میرے سردارو! تم میں کون ہے ہمزتین میں حسب سابق قرائتیں ہیں جو ان کے مسلمان ہوکر میرے پاس پہنچنے سے پہلے اس کا تخت مجھے لادے یعنی مطیع اور فرمانبردار ہوکر آنے سے پہلے، اس کے مسلمان ہونے سے پہلے میرے لئے اس تخت کا لینا جائز ہے بعد میں نہیں ایک قوی ہیکل جن کہنے لگا (حال یہ کہ) وہ بڑا قوی اور شدید تھا میں آپ کے اپنی مجلس سے اٹھنے سے پہلے ہی اس کو آپ کے پاس لا دیتا ہوں وہ مجلس کہ جس میں آپ مقدمات کے فیصل کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں اور وہ صبح سے دوپہر تک تھی، یقین مانئے کہ میں اس پر یعنی اس کے اٹھانے پر قادر ہوں امین بھی ہوں یعنی جو کچھ ہیرے جواہرات وغیرہ اس میں لگے ہوئے ہیں میں ان پر امین ہوں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله ماذا تامرين ماذا، تامرين کا مفعول ثانی ہے مفعول اول محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے تأمريننا **قوله** نُطِعْكَ یہ فانظری امر کا جواب محذوف ہے اور جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے **قوله** بما يرجعون بِمَ، يرجع کے متعلق ہے **قوله** مِن قبولِ الهديةِ، بِمَ میں ما کا بیان ہے فَنَاظِرَةٌ کا عطف مرسلةٌ پر ہے بِمَ

کا تعلق بعض حضرات نے ناظرۃٌ سے کیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ ما استفہامیہ صدارت کو چاہتا ہے جو اس صورت میں فوت ہو جائے گی **قولہ** اَذِلَّۃً وَّھُمْ صَاغِرُوْنَ اَذِلَّۃً ھُمْ سے حال اول ہے اور وھُمْ صَاغِرُوْنَ حال ثانی مؤکدہ ہے **قولہ** ای اِنْ لَمْ یاتونی مسلمِیْنَ کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ وَلَنُخْرِجَنَّھُمْ شرط محذوف مؤخر کی جزاء ہے اور اہل سبا کو سبا سے نکالنا بلقیس کے تابع فرمان ہو کر نہ آنے کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔

تشریح وتفسیر

اہم امور میں مشورہ کرنا سنت ہے

قَالَتْ یٰاَیُّھَا الْمَلَؤُا (الآیۃ) اَفْتُوْنِیْ فتویٰ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی خاص مسئلہ کا جواب دینا، یہاں مشورہ دینا مراد ہے، روح المعانی کی ایک روایت کے مطابق بلقیس کے تین سو بارہ مشیران خاص تھے اور ہر مشیر کے ماتحت ایک ایک ہزار افراد تھے اس سے بھی کہیں زیادہ تعداد کی روایتیں مذکور ہیں، یہ تمام روایتیں مبالغہ سے خالی نہیں ہیں، علامہ آلوسیؒ نے ان روایات کو صدق کے بجائے کذب کے زیادہ قریب قرار دیا ہے۔

ملکہ بلقیس کے پاس جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پہنچا تو اس نے اپنے ارکان سلطنت کو جمع کر کے اس واقعہ کا اظہار کیا اور ان سے اس معاملہ میں مشورہ طلب کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے ان کی دل جوئی کے لئے ان سے رائے طلب کرنے سے پہلے یہ بھی کہا کہ میں کسی بھی اہم معاملہ کا قطعی فیصلہ تمہاری موجودگی اور رائے مشورہ کے بغیر نہیں کرتی، اسی کا نتیجہ تھا کہ تمام مشیروں نے یک زبان ہو کر کہا نَحْنُ اُوْلُوا قُوَّۃٍ واُوْلُوا باسٍ والاَمْرُ اِلَیْكِ ہم بڑے طاقتور اور بڑے جنگ جو ہیں ہم ہمہ وقت ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں ڈرنے یا دبنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے باقی آخری فیصلہ آپ ہی کو کرنا ہے ہم تو خدام اور تابع ہیں جیسا حکم ہوگا بجالانے کے لئے تیار ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہم معاملات میں مشورہ کرنے کا دستور بہت پرانا ہے، اسلام نے بھی مشورہ کو خاص اہمیت دی ہے اور ذمہ داران حکومت کو مشورہ کا پابند کیا ہے، یہاں تک کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ مہبط وحی تھے جس کی وجہ سے آپ کو کسی رائے مشورہ کی درحقیقت کوئی ضرورت نہیں تھی مگر مشورہ کی سنت قائم کرنے کے لئے آپ کو بھی حکم دیا گیا وشاورھم فی الامر یعنی آپ اہم امور میں صحابہ سے مشورہ کر لیا کریں، اس میں صحابہ کرام کی دلجوئی بھی ہے اور ہمت افزائی بھی۔

مکتوب سلیمانی کے جواب میں ملکہ بلقیس کا رد عمل

مشورہ کے بعد بلقیس نے خود ہی ایک رائے قائم کی جس کا حاصل یہ تھا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا امتحان

لے کر وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ان کے حکم کا اتباع کیا جائے، یا وہ ایک ملک گیری کے خواہشمند بادشاہ ہیں اور ہم کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں تو پھر غور کیا جائے کہ ان کا مقابلہ کس طرح کیا جائے، اس امتحان کا طریقہ اس نے یہ تجویز کیا کہ حضرت سلیمانؑ کے پاس کچھ ہدیے تحفے بھیجے اگر وہ ہدیے تحفے لیکر راضی ہو گئے تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ ایک بادشاہ ہی ہیں، اور اگر وہ واقع میں نبی اور رسول ہیں تو وہ ایمان اور اسلام کے بغیر کسی چیز پر راضی نہ ہوں گے یہ مضمون ابن جریر نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس مجاہد وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ (معارف) یہی مضمون اس آیت میں ہے وَاِنِّی مُرسِلَۃٌ اِلَیْھِمْ بِھَدِیَۃٍ یعنی میں حضرت سلیمان کے پاس ایک ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ جو قاصد ہدیہ لیکر جائیں گے کہ وہ آ کر کیا صورت حال بیان کرتے ہیں؟

بلقیس کے قاصدوں کی دربار سلیمانی میں حاضری

تاریخی اسرائیلی روایات میں بلقیس کی طرف سے آنے والے قاصدوں اور تحفوں کی اور خود وفد کی بڑی تفصیلات مذکور ہیں جو بقول صاحب روح المعانی سچ سے دور اور جھوٹ سے قریب ہیں، اتنی بات پر تمام روایات متفق ہیں کہ تحفہ میں کچھ سونے کی اینٹیں تھیں کچھ جواہرات، غلاموں اور کنیزوں کی تعداد روایات میں مختلف بیان ہوئی ہے، صاحب جلالین نے پانچ سو غلام اور پانچ سو کنیز بیان کی ہیں اور سونے کی اینٹوں کی تعداد بھی پانچ سو بتائی ہے اور ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے ایک تاج کا بھی ذکر کیا ہے ساتھ میں بلقیس نے ایک خط بھی دیا تھا ادھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی وفد کے استقبال کی تیاری عجیب وغریب شاہانہ انداز سے کی جو کہ مبالغہ سے خالی نہیں ہے حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ نو فرسخ تقریباً تیس میل کی مسافت تک سونے چاندی کی اینٹوں کا فرش بنا دیا جائے اور راستہ میں دو طرفہ عجیب الخلقت جانوروں کو کھڑا کر دیا جائے اسی طرح اپنے دربار کو بھی خاص اہتمام سے آراستہ کیا غرضیکہ یمنی وفد نے جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان وشوکت کو دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے اور اپنے ہدیہ کو قلیل سمجھ کر شرمانے لگے، بعض روایات میں ہے کہ اپنی سونے کی اینٹوں کو وہیں ڈال دیا، جب حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ نہایت ہی خندہ پیشانی سے پیش آئے اور ان کی شایان شان ضیافت کا انتظام کیا مگر ان کے تحفے واپس کر دیئے (ملخصاً از تفسیر قرطبی) اور کہہ دیا کہ تمہارا ہدیہ تم ہی کو مبارک ہو مجھے اس کی ضرورت نہیں میرے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے۔

کافر کے ہدیہ کے قبول کرنے کا حکم؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں ہے، مگر تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا اگر اپنی یا مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف ہو یا ان کے حق میں

رائے کمزور ہوتی ہوتو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں (روح المعانی) اس کے برعکس اگر کوئی دینی ضرورت ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہوتو قبول کرنے کی گنجائش ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس معاملہ میں سنت یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرمالیا اور بعض کا رد فرما دیا، عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب الہبہ میں اور سیر کبیر میں حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ براء کا بھائی عامر بن ملک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے آیا جبکہ وہ مشرک تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا آپ نے اس کا ہدیہ یہ کہہ کر واپس فرما دیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے، اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اس سے سوال فرمایا تم مسلمان ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے اس کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ مجھے اللہ نے مشرک کا ہدیہ لینے سے **منع** فرمایا ہے، اس کے بالمقابل یہ روایت بھی موجود ہے کہ آپؐ نے بعض مشرکین کے ہدایا کو قبول فرمایا ہے، ایک **روایت** میں ہے کہ ابوسفیان نے بحالت شرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا، آپ نے قبول فرمالیا اور ایک نصرانی نے ایک **ریشمی** رومال ہدیہ میں پیش کیا آپ نے قبول فرمالیا۔

شمس الائمہ اس کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کا ہدیہ رد کرنے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید نہیں تھی وہاں رد کر دیا، اور جن کا ہدیہ قبول کرنے میں اس کے مسلمان ہونے کی امید تھی تو قبول کر لیا۔ (عمدۃ القاری کتاب الہبہ)

اور بلقیس نے جو رد ہدیہ کو نبی ہونے کی علامت قرار دیا تھا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ نبی کے لئے مشرک کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں بلکہ سبب یہ تھا کہ اس نے اپنا ہدیہ درحقیقت ایک رشوت کی حیثیت سے بھیجا تھا کہ اس کے ذریعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حملہ سے محفوظ رہے۔ (معارف)

بلقیس کی دربار سلیمان میں حاضری

اِرْجِعْ اِلَیْھِمْ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدایا کی واپسی کے ساتھ **فَلَنَاْتِیَنَّھُمْ بِجُنُوْدٍ لَا قِبَلَ لَھُمْ بِھَا** کہہ کر اعلان جنگ بھی کر دیا۔

قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالہ سے رکھا ہے کہ بلقیس کے قاصد خود بھی مرعوب اور مبہوت ہوکر واپس ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اعلان جنگ سنایا تو بلقیس نے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے بھی میرا خیال تھا کہ سلیمان دنیا کے بادشاہوں کی طرح بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ان کو کوئی خاص منصب بھی ملا ہوا ہے لہٰذا ان سے لڑنا اللہ کا مقابلہ کرنا ہے جس کی ہم میں طاقت نہیں، یہ کہہ کر بڑے ساز و سامان کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کر دی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ بلقیس کے تین سو بارہ مشیر تھے اور ہر مشیر کے ماتحت دس دس ہزار افراد تھے اس حساب سے تین کروڑ بیس لاکھ افراد ہوئے اور تین سو بارہ مشیر مزید (روی ذلک عن قتادۃ، روح المعانی)

ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ مشیران خاص کی تعداد بارہ ہزار تھی اور ہر مشیر کے ماتحت ایک ایک لاکھ افراد تھے، اس حساب سے بارہ سو کروڑ یعنی ایک ارب ۲۰ کروڑ افراد ہوئے، نیز خود ملکہ بلقیس کے ماتحت چار سو بادشاہ تھے اور ہر بادشاہ کے ماتحت **اربع مأۃ الف مقاتل** چار سو ہزار مقاتل تھے، صاحب روح المعانی مذکورہ تعداد کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں **هٰذه الاخبار الی الکذب اقرب منها الی الصدق** آگے تحریر فرماتے ہیں **لعَمری أن اَرْضَ الیمن لتکاد تضیق عن العدد الذی تضمنه الخَبْرانِ اخیرانِ ولیت شعری مامقدار عدد رَعیتها الباقین الذین تحتاج الی هٰذا العسکر والقواد والوزراء لسیاستِهِمْ وضبطِ امورهم وتنظیم احوالهم.**

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تعداد مبالغہ آرائی پر مبنی ہے، یمن ایک بہت چھوٹا سا ملک ہے اس زمانہ میں کل آبادی بھی اتنی نہ ہوگی جتنی کہ مشیروں اور ماتحتوں کی بیان کی گئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اپنے قیمتی اور مشہور زمانہ تخت شاہی کو محفوظ مکان میں مقفل کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کر دی، تخت کی لمبائی چوڑائی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا طول ۸۰ ہاتھ اور عرض ۴۰ ہاتھ اور اونچائی ۳۰ ہاتھ تھی اور اس میں موتی، سرخ یاقوت اور سبز زمرد جڑے ہوئے تھے (واللہ اعلم بالصواب)

ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے دور سے غبار اڑتا ہوا دیکھا تو معلوم کیا کہ یہ کیا ہے؟ حاضرین نے جواب دیا اے نبی اللہ ملکہ بلقیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ آرہی ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرسخ یعنی تقریباً تین میل کے فاصلہ پر تھی۔ (معارف)

اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے جنود و عساکر کو مخاطب کر کے فرمایا **یٰاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّکُمْ یَاْتِیْنِی بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مسلِمِیْنَ** جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ بلقیس مطیع و تابع فرمان ہو کر آرہی ہے تو ارادہ فرمایا کہ شاہانہ قوت و شوکت کے ساتھ ایک پیغمبرانہ معجزہ بھی دیکھ لے تو اس کے ایمان لانے کے لئے زیادہ معاون و مؤثر ہوگا، حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے تسخیر جنات کا معجزہ بھی عطا فرمایا تھا، باشارہ الٰہی آپ نے ارادہ فرمایا کہ کسی طرح بلقیس کا تخت شاہی اس کے دربار میں پہنچنے سے پہلے پہلے حاضر ہو جائے اس لئے حاضرین کو جن میں جنات بھی تھے تخت کو لانے کے لئے فرمایا جس کو سات محلات شاہی کے وسط میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا اور اس کے اوپر پہرہ بھی بٹھا دیا تھا جس کی وجہ سے تخت تک خود اس کے آدمیوں کی بھی رسائی نہیں تھی، اس کا بغیر دروازہ اور قفل توڑے ہوئے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافت بعیدہ پر پہنچ جانا حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کاملہ ہی سے ہوسکتا ہے، تو ایک قوی ہیکل جن نے کہا کہ میں اس تخت کو آپکے پاس آپ کے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے لاسکتا ہوں۔

قال سلیمان اُرید اسرعَ من ذٰلك قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ المنزَّلِ وهو اٰصف بنُ برَخیا

كان صِدِّيقًا يعلم اسمَ اللّٰه الاعظمَ الذى اذا دُعى به اجاب اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ اذا نظرتَ به الى شئ ما قال له اُنظر الى السماء فَنظر الَيها ثم رَدَّ بِطرفه فوجَده مَوْضُوعًا بين يَدَيه ففى نظره الى السَّماء دَعا اٰصفُ بالِاسم الاَعظم ان ياتى اللّٰه به فحصل بان جرى تحت الارضِ حتى اِرتَفع عند كُرسيّ سُلَيمانَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا اى ساكِنا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا اى الاِتيانُ لى به مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ ۖ لِيَبْلُوَنِىْٓ ليختبرنى ءَ اَشْكُرُ بتحقيق الهمزتين وابدال الثانية الفا وتسهيلِها وادخالِ الفٍ بين المسهلة والاخرى وتركِه اَمْ اَكْفُرُ ؕ النِّعمةَ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ اى لاَجلِها لانَّ ثوابَ شكرِه له وَمَنْ كَفَرَ النِّعمةَ فَاِنَّ رَبِّىْ غَنِىٌّ عن شُكْرِهٖ كَرِيْمٌ ۝ بالِافضال على من يكفرها قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا اى غَيِّروه الى حال تُنكره اذا رأته نَنْظُرْ اَتَهْتَدِىْٓ الى معرفتِه اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ الى مَعرفةِ ما تَغيَّر عليهم قصد بذٰلك اِختبارَ عقلِها لِمَا قيل له اِنَّ فيه شيئًا فَغَيَّرُوْهُ بزيادةٍ او نقصٍ او غير ذٰلكَ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ لَهَا اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ اى اَمِثلُ هٰذا عرشُكِ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ اى فعرفته وشَبَّهت عليهم كما شَبَّهوا عليها اذ لم يَقل اَهٰذا عَرشُكِ ولو قِيل هٰذا قالت نعم قال سليمان لَمّا راى لَها معرفةً وعلما وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ۝ وَصَدَّهَا عن عبادة اللّٰه مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اى غيرِه اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِيْنَ ۝ قِيْلَ لَهَا ايضا ادْخُلِى الصَّرْحَ ۚ هو سَطح من زُجاجٍ ابيضَ شَفَّافٍ تحته مَاءٌ جارٍ فيه سَمَكٌ اِصطنعه سليمان لما قيل له ان ساقيها ورِجليها كقدمى حِمار فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً من الماء وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ لتخوضه وكان سليمانُ على سريره فى صدر الصَّرح فراى ساقيَها وقدميها حِسانا قَالَ لَهَا اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مُملَّس مِّنْ قَوَارِيْرَ ۝ اى زجاجٍ ودَعاها الى الاِسلام قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ بعبادةِ غيرك وَاَسْلَمْتُ كائنةً مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ واراد تَزوُّجَها فكره شَعرَ ساقيها فعمِلت له الشياطينُ النورةَ فازَالَتْه بها فتزوجها واَحبَّها واقرَّها على مُلْكِها وكانَ يزورها كلَّ شَهرٍ مَرةً ويُقيمُ عندها ثلثة ايامٍ وانقضٰى مُلكُها بانقضاءِ مُلك سليمانَ روى انه مَلِك وهو ابنُ ثلاث عشرة سنةً ومات وهو ابن ثلاثٍ وخمسين سنةً فسبحان من لا اِنقضاء لدوام مُلكه .

ترجمہ

سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں جس کے پاس نازل کردہ کتاب کا علم تھا وہ بولا اور

وہ آصف بن برخیا تھا وہ مقام صدیقیت پر فائز تھا، وہ اللہ کے اسم اعظم سے واقف تھا وہ اسم اعظم کہ اگر اس کے ذریعہ دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں میں اس تخت کو آپ کے پاس آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا جب کہ آپ اپنی نظر سے کسی شئ کو دیکھیں (آصف بن برخیا) نے حضرت سلیمانؑ سے عرض کیا آپ آسمان کی طرف دیکھیں چنانچہ (حضرت سلیمانؑ) نے آسمان کی طرف دیکھا پھر نظر کو پھرایا تو تخت کو اپنے سامنے رکھا ہوا پایا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے آسمان کی طرف نظر کرنے کے دوران آصف نے اسم اعظم پڑھ کر دعا کی کہ اے اللہ تو اس کو لے آ، چنانچہ دعا قبول ہوگئی بایں طور کہ تخت زمین کے نیچے نیچے روانہ ہوا اور حضرت سلیمانؑ کی کرسی کے سامنے نمودار ہوگیا جب سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے روبرو موجود دیکھا فرمایا یہ یعنی اس کو میرے لئے لانا میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گذاری کرتا ہوں یا نعمت کی ناشکری (ءَ اَشْكُرُ) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی الف سے بدل کر اور ثانی کی تسہیل کے ساتھ اور مسہلہ اور دوسرے کے درمیان الف داخل کرکے اور ترک ادخال کے ساتھ شکر گذار اپنے ہی فائدہ کے لئے شکر گذاری کرتا ہے اس لئے کہ اس کی شکر گذاری کا اجر اسی کے لئے ہے اور جس نے نعمت کی ناشکری کی تو بلاشبہ میرا رب اس کے شکریئے سے مستغنی (اور) کریم ہے بسبب نعمتوں کی ناشکری کرنے والے پر بھی فضل فرمانے کے (حضرت) سلیمانؑ نے حکم دیا کہ اس کے تخت میں کچھ ردوبدل کردو یعنی اس کو اتنا بدل دو کہ جب وہ اس کو دیکھے تو پہچان نہ سکے، (تاکہ) ہم دیکھیں کہ آیا وہ اس کو پہچان پاتی ہے یا نہ پہچاننے والوں میں رہتی ہے اس (تخت) کی معرفت میں جس میں ان کے لئے ترمیم کردی ہے، اس ردوبدل کا مقصد اس کی عقل کی آزمائش تھی، اس لئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا گیا تھا کہ اس کی عقل میں کچھ کمی ہے چنانچہ تخت میں قدرے کمی بیشی وغیرہ کے ذریعہ پھیر بدل کردیا، جب وہ آگئی اس سے دریافت کیا گیا کیا تیرا تخت بھی ایسا ہی ہے؟ یعنی کیا تیرا تخت بھی اس جیسا ہی ہے تو بلقیس نے جواب دیا یہ تو گویا کہ وہی ہے یعنی اس نے تخت کو پہچان لیا، اس نے (بھی) ان کو مغالطہ دیا جیسا کہ انہوں نے اس کو مغالطہ دیا تھا، اس لئے (اس سے) یہ نہیں کہا گیا یہ تیرا تخت ہے؟ اور اگر یہ کہا جاتا تو وہ نعم کہہ دیتی، جب سلیمان علیہ السلام نے اس میں علم و معرفت دیکھی تو فرمایا کہ ہمیں تو اس واقعہ سے پہلے ہی بتادیا گیا تھا (کہ ملکہ سبا تابع فرمان ہوکر حاضر خدمت ہوگی) اور ہم مسلمان تھے۔

نوٹ: مفسر ابن کثیر نے وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ (الآیۃ) کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے علامہ محلی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، دیگر مفسرین نے بلقیس کا قول قرار دیا ہے اور ترجمہ یہ کیا ہے ہم تو اس واقعہ سے پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ کے مطیع اور تابع فرمان ہوگئے تھے اور اس کو اللہ کی عبادت سے غیر اللہ کی عبادت کرنے نے روک رکھا تھا (صدھا کا فاعل ما کانت تعبد ہے) یقیناً وہ کافر قوم میں سے تھی بلقیس سے یہ بات بھی کہی گئی کہ محل میں تشریف لے چلئے (اور) وہ صاف شفاف شیشہ کی سطح (فرش) تھی جس کے نیچے پانی جاری تھا اس

میں مچھلیاں بھی تھیں، اور یہ شیشہ کا محل (یا حوض) اس لئے بنوایا تھا کہ حضرت سلیمان سے کہا گیا تھا کہ اس کی دونوں پنڈلیاں اور دونوں پیر گدھے کے پیر جیسے ہیں جب بلقیس نے محل کو دیکھا تو یہ سمجھ کر کہ یہ گہرا پانی ہے اپنی پنڈلیاں کھولدیں تاکہ اس میں داخل ہو جائے، اور سلیمان علیہ السلام محل کے سامنے تخت پر تشریف فرما تھے چنانچہ اس کی پنڈلیوں اور قدموں کو خوبصورت پایا تو حضرت سلیمان نے اس سے کہا یہ تو چکنے چمکدار شیشہ کا محل ہے یعنی کانچ کا اور بلقیس کو اسلام کی دعوت دی، کہنے لگی یقیناً میں نے اے میرے رب تیرے غیر کی بندگی کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ ہو کر رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں اور سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح کا ارادہ فرمایا، لیکن اس کی پنڈلیوں کے بالوں سے ناپسند کیا چنانچہ شیاطین نے اس کے لئے نورہ (یعنی بال صفا) بنایا بعد ازیں بلقیس نے اس سے بال صاف کئے اس کے بعد سلیمانؑ نے اس سے نکاح کرلیا اور اس کو اس کے ملک پر برقرار رکھا، اور حضرت سلیمان ہر ماہ میں اس کی ایک مرتبہ ملاقات کیا کرتے تھے اور اس کے پاس تین روز قیام فرمایا کرتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک کے اختتام کے ساتھ ہی اس کا ملک بھی اختتام پذیر ہو گیا، روایت کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب تیرہ سال کے تھے تو بادشاہ بنے تھے اور جب ترپین سال کے تھے تو انتقال فرمایا، اللہ پاک ہے کہ جس کے ملک کے دوام کے لئے زوال نہیں ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قال عفریت من الجن اس جن کا نام ذکوان یا صخر تھا، **قوله** آصف ابن برخیا کہا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کا خالہ زاد بھائی تھا اور کبار اولیاء اللہ میں سے تھا، اس کے ہاتھ پر خوارق عادت بہت ظاہر ہوتے تھے، **قوله ثُمَّ رَدَّ بطرفِهٖ بطرفِهٖ** میں با زائدہ ہے **قوله بالافضالِ علیٰ مَنْ یَکْفُرُھا** یعنی وہ اپنی عام نعمتوں کو کفر اور ناشکری کی وجہ سے سلب نہیں کرتا قال نکِّروا لھا اس کا عطف قال ھٰذا من فضل ربی پر ہے **قوله** نَنْظُرْ جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے **قوله فَکَرِهَ شَعْرَ سَاقَیْھَا** یہ تفسیر ماقبل کی تفسیر فرایٰ ساقَیْھَا و قَدَمَیْھَا حِسَانًا سے متعارض ہے، بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ بالوں سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کے قدم اور پنڈلیاں حسین تھیں، مگر یہ توجیہ دل لگتی نہیں ہے، **قوله** مُمَرَّدٌ تمرید سے مشتق اس کے معنی چکنے کے ہیں امرد اسی سے ہے۔

تفسیر وتشریح

مگر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں، تو جس کے پاس علم کتاب تھا بول اٹھا کہ میں اس کو پلک جھپکنے سے پہلے ہی آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یقیناً جن ہی تھا جنوں کو اللہ تعالیٰ

نے انسانوں کے مقابلہ میں غیر معمولی قوتوں سے نوازا ہے، اس لئے کہ کسی انسان کے لئے خواہ وہ کتنا بھی زور آور کیوں نہ ہو یہ ممکن نہیں کہ وہ بیت المقدس سے مآرب یمن (سبا) جائے وہاں سے تخت شاہی اٹھالائے اور ڈیڑھ ہزار میل کا یہ فاصلہ اگر دو طرفہ شمار کیا جائے تو تین ہزار میل کا فاصلہ چشم زدن مین طے کرلے۔

یہ کون شخص تھا جس نے چشم زدن میں تخت لانے کا وعدہ کیا؟ اور یہ کتاب جس کا اسے علم دیا گیا تھا وہ کونسی کتاب تھی؟ اور یہ علم کیا تھا؟ جس کے زور پر یہ دعویٰ کیا گیا اس میں مختلف اقوال ہیں، حقیقت حال اللہ بہتر جانتا ہے، ایک احتمال تو یہ ہے کہ خود حضرت سلیمانؑ مراد ہیں، اس لئے کہ کتاب کا علم سب سے زیادہ ان ہی کے پاس تھا اس صورت میں یہ پورا معاملہ بطور معجزہ ہوا، اور یہی مقصود تھا، مگر اکثر ائمہ تفسیر قتادہ سے ابن جریر نے نقل کیا ہے اور قرطبی نے اس کو جمہور کا قول قرار دیا ہے کہ یہ کوئی شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا ابن اسحٰق نے اس کا نام آصف بن برخیا بتایا ہے اس شخص کو اسم اعظم کا علم تھا، جس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے، یہ کام اگرچہ حضرت سلیمان علیہ السلام خود بھی انجام دے سکتے تھے مگر ہوسکتا ہے کہ حضرت علیہ السلام نے مصلحت اسی میں سمجھی ہو کہ یہ کارنامہ ان کے کسی امتی کے ہاتھ سے انجام پائے، اس صورت میں یہ آصف بن برخیا کی کرامت ہوگی۔

معجزہ اور کرامت میں فرق

جس طرح معجزہ میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ معجزہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اسی طرح کرامت میں بھی اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور یہ دونوں صاحب معجزہ اور صاحب کرامت کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے، ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایسا کوئی خارق عادت کام اگر کسی صاحب وحی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے اور اگر غیر نبی کے ہاتھ پر ظہور ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔

جب ملکہ بلقیس کا شاہی تخت دربار سلیمانی میں آگیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس میں ردوبدل کردو تاکہ بلقیس اسے آسانی سے نہ پہنچان سکے حضرت سلیمان کے حکم کے مطابق ردوبدل کردیا گیا، جب بلقیس آئی تو اس سے معلوم کیا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ جواب دیا کَاَنَّهٗ هُوَ گویا وہی ہے، چونکہ تخت میں کافی حد تک ردوبدل کردیا گیا تھا اس لئے صاف الفاظ میں اپنے ہونے کا اقرار بھی نہیں کیا اور نہ صاف انکار کیا بلکہ ایسی گول بات کہہ دی کہ جس میں نہ انکار ہے اور نہ اقرار چونکہ سائل نے اشتباہ میں ڈالنے کے لئے مغالطہ سے کام لیا تھا، بلقیس نے بھی جیسا سوال تھا ویسا ہی جواب دیدیا۔

اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ بلقیس کا قول ہے یا سلیمان علیہ السلام کا، ابن جحر

نے اس کو بلقیس کا مقولہ قرار دیا ہے اور اسی کے سابق کلام کا تتمہ فرمایا ہے یعنی بلقیس نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی آپ کی نبوت کی تحقیق ہو چکی ہے، اور ہم اسی وقت سے دل سے مطیع ہو چکے ہیں جب قاصد سے آپ کے کمالات معلوم ہوئے تھے، اس معجزہ کی چنداں حاجت نہیں تھی، اور ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقولہ ہے مطلب یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیں (بذریعہ وحی) پہلے یہ بتا دیا گیا کہ ملکہ سبا تابع فرمان ہو کر حاضر خدمت ہوگی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ من القبيلة صٰلِحًا اَنِ اى بان اعْبُدُوا اللّٰهَ وحِّدُوه فَاِذَا هُمْ فَرِيْقَانِ يَخْتَصِمُوْنَ۝ فى الدِّين فريق مؤمنون من حين ارساله اليهم وفريق كافرون قَالَ للمُكذبين يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ اى بالعذاب قبل الرَّحمةِ حيث قُلتم ان كان ما اتيتنا به حقًّا فاتِنا بالعذاب لَوْلَا هَلَّا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ من الشِّرْكِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ فلا تُعذبون قَالُوا اطَّيَّرْنَا اصله تَطَيَّرْنا اُدغمت التاء فى الطَّاءِ واجتلبت همزة وصل اى تَشَاءَمْنا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ اى المُؤْمِنِيْنَ حَيْثُ قُحِطُوا المَطَرَ وجَاعُوْا قَالَ طٰٓئِرُكُمْ شُؤْمُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتاكم به بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ۝ تُخْتَبَرُوْنَ بِالْخَيْرِ والشَّرِّ وَكَانَ فِى الْمَدِيْنَةِ مَدِيْنَةِ ثَمُوْدَ تِسْعَةُ رَهْطٍ اى رِجالٍ يُّفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِالْمَعَاصِىْ منها قَرْضُهم الدَّنَانِيْرَ والدَّرَاهِمَ وَلَا يُصْلِحُوْنَ۝ بالطَّاعَةِ قَالُوْا اى قَالَ بَعْضُهم لِبَعْضٍ تَقَاسَمُوْا اَى احْلِفُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ بِالنُّوْنِ والتَّاءِ وضَمِّ التَّاءِ الثَّانِيةِ وَاَهْلَهٗ اى مَنْ اٰمَنَ بِهٖ اى نَقْتُلُهُمْ لَيْلًا ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ بالنُّون والتَّاءِ وضَمِّ اللَّامِ الثَّانِيةِ لِوَلِيِّهٖ اى وَلِيِّ دَمِهٖ مَا شَهِدْنَا حَضَرْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ بِضَمِّ الْمِيْمِ وفَتْحِهَا اى اِهْلَاكِهم او هَلَاكِهم فلا نَدْرِى مَنْ قَتَلَهٗ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۝ وَمَكَرُوْا فى ذٰلك مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا اى جَازَيْنَاهُمْ بِتَعْجِيْلِ عُقُوْبَتِهم وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ اَهْلَكْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ بِصَيْحَةِ جِبْرِيْلَ او بِرَمْيِ الْمَلَائِكَةِ بِحِجَارَةٍ يَرَوْنَها وَلَا يَرَوْنَهُمْ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً خَالِيَةً ونَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ والْعَامِلُ فيها مَعْنَى الْاِشَارَةِ بِمَا ظَلَمُوْا بِظُلْمِهِمْ اى كُفرِهم اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَعِبْرَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۝ قُدْرَتَنا فَيَتَّعِظُوْنَ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِصَالِحٍ وهم اَرْبَعَةُ الْاٰفٍ وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۝ الشِّرْكَ وَلُوْطًا مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا قَبْلَهٗ ويُبْدَلُ منه اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ اى اللِّوَاطَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ۝ يُبْصِرُ بَعْضُكم بَعْضًا اِنهماكًا فِى الْمَعْصِيَةِ اَئِنَّكُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وادْخَالِ الِفٍ بَيْنَهما عَلَى الْوَجْهَيْنِ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

تَجْهَلُوْنَ○ عَاقِبَةَ فِعْلِكُمْ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ اِلَّآ اَنْ قَالُوْآ اَخْرِجُوْآ اٰلَ لُوْطٍ اى اَهْلَهٗ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ج اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ○ من اَدْبَارِ الرِّجَالِ فَاَنْجَيْنَاهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ز قَدَّرْنَاهَا جعلناها بتَقْدِيْرِنَا مِنَ الْغَابِرِيْنَ○ البَاقِيْنَ فِى الْعَذَابِ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ج هُوَ حجارةُ السِّجِّيلِ اَهْلَكَتْهم فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ○ ع بالعَذَاب مَطَرُهم قُلْ يا مُحَمَّدُ الْحَمْدُلِلّٰهِ على هَلَاكِ كُفَّارِ الْاُمَمِ الْخَالِيَةِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط هُمْ ءٰٓاللّٰهُ بتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وابْدَالِ الثَّانِيَةِ الِفًا وتَسْهِيْلِهَا وادْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ والْاُخْرٰى وتركه خَيْرٌ لِمَنْ يَعْبُدُهٗ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ باليَاءِ والتَّاءِ اى اَهْلُ مَكَّةَ بِهٖ الْاٰلِهَةَ خَيْرٌ لِعَابِدِيْهَا

ترجمہ

اور یقیناً ہم نے ثمود کے پاس ان کی برادری کے بھائی صالح کو بھیجا یہ کہ تم سب اللہ کی بندگی کرو یعنی اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ اچانک (خلاف توقع) ان میں دو فریق ہو گئے دین کے بارے میں باہم جھگڑنے لگے ایک فریق مومنوں کا تھا، ان کی طرف صالح علیہ السلام کو بھیجنے کے وقت سے اور دوسرا فریق کافروں کا تھا، آپ نے جھٹلانے والوں سے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم نیکی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں کرتے ہو؟ یعنی رحمت سے پہلے عذاب کی (جلدی کیوں کرتے ہو؟) اس اعتبار سے کہ تم نے کہا جو تم ہمارے پاس لائے ہو اگر وہ حق ہے تو ہمارے اوپر عذاب لے آؤ، تم کس لئے اللہ سے شرک سے معافی نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے، کہ عذاب میں مبتلا نہ کئے جاؤ وہ لوگ کہنے لگے ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں یعنی مومنوں کو منحوس سمجھتے ہیں اِطَّيَّرْنَا اصل میں تَطَيَّرْنَا تھا تا کو طا میں ادغام کردیا (ابتداء بالسکون لازم آنے کی وجہ سے) ہمزہ شروع میں داخل کردیا اَطَّيَّرْنَا ہو گیا یعنی تیری وجہ سے ہم نحوست میں مبتلا ہو گئے، اس لئے کہ قوم خشک سالی اور بھکمری کا شکار ہو گئی، حضرت صالح نے فرمایا تمہاری نحوست اللہ کے پاس ہے، وہ ہی اس کو تمہارے پاس لایا ہے بلکہ تم وہ لوگ ہو جو خیر و شر کے ذریعہ آزمائش میں مبتلا کئے گئے ہو اور ثمود کے شہر (حجر) میں نو شخص ایسے تھے جو معاصی کے ذریعہ زمین (ملک) میں فساد برپا کرتے تھے، ان ہی فساد کے طریقوں میں دراہم و دنانیر کا کاٹنا بھی شامل تھا اور طاعت کے ذریعہ (ذرا) اصلاح نہ کرتے تھے، ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم رات کو صالح علیہ السلام اور اس کے اہل پر ضرور شب خون ماریں گے یعنی رات کو ہم ان کو ضرور قتل کر دیں گے لَنُبَيِّتَنَّهٗ نون کے ساتھ اور (بجائے نون کے) تا اور تاء ثانیہ کے ضمہ کے ساتھ ہے، اور اَهْلَ سے حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والے مراد ہیں اور پھر ہم اس کے ولی دم سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم ان کے اہل کے ہلاک کرنے کے وقت موجود (ہی) نہیں تھے لَنَقُوْلَنَّ نون کے ساتھ اور تا اور لام ثانیہ کے ضمہ کے ساتھ

ہے مُهْلِكَ میم کے ضمہ کے ساتھ یعنی ان کو ہلاک کرنے کے وقت اور میم کے فتحہ کے ساتھ یعنی ان کی ہلاکت کے وقت، لہٰذا ہم نہیں جانتے کہ اس کو کس نے قتل کیا؟ اور ہم بالکل سچے ہیں انہوں نے اس معاملہ میں ایک خفیہ تدبیر کی اور ہم نے (بھی ایک تدبیر کی یعنی ہم نے ان کو فوری عذاب میں گرفتار کر کے سزا دی اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی سو دیکھو ان کے مکر کا انجام کیسا ہوا؟ ہم نے ان کو اور ان کی پوری قوم کو جبرائیل کی چیخ کے ذریعہ یا فرشتوں کے پتھر مارنے کے ذریعہ ہلاک کر دیا وہ پتھروں کو دیکھتے تھے مگر فرشتوں کو نہیں دیکھتے تھے یہ ہیں ان کے مکانات جو ظلم کی وجہ سے خالی پڑے ہیں یعنی ان کے کفر کی وجہ سے خَاوِيَةً حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس میں عامل اسم اشارہ کے معنی (یعنی اشیر) ہے بلاشبہ اس (تدبیر) میں بڑی عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو ہماری قدرت کو جانتے ہیں سو نصیحت حاصل کرتے ہیں، اور ہم نے ان لوگوں کو جو صالح علیہ السلام پر ایمان لاتے تھے اور وہ چار ہزار تھے بچالیا اور وہ شرک سے پرہیز کرتے تھے اور لوط علیہ السلام کا تذکرہ کیجئے لوطاً اپنے ماقبل اذکر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اس سے (یعنی اُذکر لوطًا) سے بدل ہے جبکہ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کا کام یعنی لواطۃ کرتے ہو در انحالیکہ تم ایک دوسرے کو معصیت میں منہمک ہونا دکھاتے ہو ایک دوسرے کو مشغول ہوتا دیکھتے ہو کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو؟ اَئِنَّكُمْ میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں کے درمیان الف داخل کر کے بلکہ تم ایسی قوم ہو جو اپنے فعل کے انجام سے بے خبر ہے قوم کے پاس جواب سوائے یہ کہنے کے کچھ نہ تھا کہ لوط کے متعلقین کو اپنی بستی سے نکالدو یہ لوگ مردوں کی دبروں کے معاملہ میں بڑے پاک بنتے ہیں پس ہم نے اس کو اور اس کے اہل کو بجز اس کی بیوی کے بچالیا اور ہم نے اس کو اپنی تقدیر سے عذاب میں باقی رہنے والوں میں کر دیا اور ان پر ہم نے ایک خاص قسم کی بارش برسا دی اور وہ کنکریلے پتھر تھے جنہوں نے ان کو ہلاک کر دیا سو ان عذاب سے ڈرائے ہوئے لوگوں پر وہ بری بارش تھی اے محمد کہہ دیجئے سابقہ قوموں کے ہلاک کرنے پر سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے، کیا اللہ بہتر ہے اس کے لئے جو اس کی بندگی کرتا ہے یا وہ جس کو یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں ءَ اللّٰهُ خَيْرٌ میں دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے کو الف سے بدل کر اور مسہلہ اور محققہ کے درمیان الف داخل کر کے اور اس کو ترک کر کے يُشْرِكُونَ یا اور تا کے ساتھ یعنی اے اہل مکہ اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو تم اس کے ساتھ معبود ہونے کی حیثیت سے شریک کرتے ہو اپنے عابدین کے لئے بہتر ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ ثمود قبیلہ کے جدِ ابعد کا نام ہے صالح علیہ السلام بھی ان ہی کی نسل سے ہیں

اس ابوالجد ہی کے نام پر قبیلہ کا نام ہے، مگر قبیلہ ہی مراد ہے حضرت صالح علیہ السلام کی امت ثمود کو عاد ثانیہ بھی کہتے ہیں عاد اولیٰ قوم ہود کا نام ہے عاد اولیٰ اور عاد ثانیہ کے درمیان سو سال کا فاصلہ ہے (جمل) **قولہ** صَالِحًا، اَخَاھُم سے بدل یا عطف بیان ہے حضرت صالح علیہ السلام نے دو سو اسی سال کی عمر پائی، ہود علیہ السلام کی عمر چار سو چونسٹھ سال ہوئی، ہود علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان **آٹھ سو سال کا فاصلہ** ہے (جمل) **فَاِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُوْنَ** فریقان سے قوم صالح مراد ہے یعنی کچھ لوگ ایمان لے آئے اور کچھ نہیں لائے علامہ زمخشری نے دو فریقوں میں ایک فریق حضرت صالح علیہ السلام کو اور دوسرا ان کی قوم کو قرار دیا ہے، علامہ زمخشری کو فریقان کا یہ مطلب لینے پر فا کے ذریعہ عطف نے آمادہ کیا ہے اس لئے کہ فا تعقیب بالاتصال پر دلالت کرتی ہے یعنی دعوۂ رسالت سے متصلاً دو فریق ہو گئے یعنی ایک فریق حضرت صالح اور دوسرا فریق ان کی قوم **قولہ** **يختصمون** باعتبار معنی کے فریقان کی صفت ہے یعنی **فریقان** موصوف اگرچہ باعتبار لفظوں کے تثنیہ ہے مگر چونکہ ہر فریق چند افراد پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اس میں جمعیۃ کے معنی ہیں لہٰذا موصوف وصفت میں مطابقت موجود ہے **قولہ** لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ ای بطلب السَّيِّئَةِ اور سیئۃ سے عذاب اور الْحَسَنَةِ سے رحمت مراد ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے **قولہ** قُحِطُوْا الْمَطَرَ ای حُبِسُوْا المطرَ یعنی تمہاری نحوست کی وجہ سے بارش روک دی گئی **قولہ** مدینۃ ثمود کہا گیا ہے کہ ثمود کے شہر کا نام حجر تھا، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حجر مدینہ اور شام کے درمیان وادی ہے یہیں پر ثمود کی آبادی تھی **قولہ** رَهْطٍ کی تفسیر رجال سے کر کے اشارہ کر دیا کہ رَهْطٍ **تسعة** سے معنی کے اعتبار سے تمیز واقع ہے رَهْطٌ کو لفظوں کے اعتبار سے مفرد ہے مگر معنی کے اعتبار سے جمع ہے لہٰذا اس کا تمیز واقع ہونا صحیح ہو گیا تسعةُ رهطٍ میں اضافت بیانیہ ہے، تسعةُ هم رَهْطٌ، رهطٌ دس سے کم اشخاص کو کہتے ہیں جن میں عورتیں نہ ہوں تَقَاسَمُوْا کی تفسیر اِحْلِفُوا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ امر کا صیغہ ہے، مطلب یہ ہے کہ ان نو آدمیوں نے جنہوں نے اونٹنی اور صالح علیہ السلام کے اہل خانہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا انہوں نے آپس میں کہا کہ قسمیں کھاؤ کہ ہم صالح اور ان کے اہل خانہ پر شب خون ماریں گے، تَقَاسَمُوْا فعل ماضی بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں لقالوا کی تفسیر واقع ہوگا، گویا کہ سوال کیا گیا ماقالوا؟ فقيل تقاسموا لَنُبَيِّتَنَّهٗ مضارع جمع متکلم بانون تاکید ثقیلہ ہٗ ضمیر مفعول، باب تفعیل ہم اس پر ضرور رات میں حملہ کریں گے **قولہ بِمَا ظَلَمُوْا** کی تفسیر **بظلمهم** سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ما مصدریہ ہے اور باسببیہ ہے **قولہ** آمنوا بصالحٍ دیگر تفاسیر میں آمنوا صالحاً ہے، **قولہ** وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ تاتون کی ضمیر سے جملہ ہو کر حال ہے مقصد نکیر کی تاکید وتشدید ہے يُبْصِرُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رویت سے رویت بصری مراد ہے (یعنی ایک دوسرے کے سامنے خبیث حرکت کرتے تھے) بعض نے تبصرون سے رویت قلبی مراد لی ہے یعنی جانتے بوجھتے بھی ایسی حرکت کرتے ہو **قولہ** لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاءِ سے اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ میں جو ابہام ہے

اس کی تعیین ہے اولاً مبہم رکھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ حرکت نا قابل بیان بلکہ اس کے وصف کا بیان کرنا نہایت مشکل اور دشوار ہے کوئی بھی ذی عقل اور ہوشمند اس کی تصدیق نہیں کرے گا کہ کسی سے ایسی حرکت صادر ہو سکتی ہے **قولہ مِن دون النِّساءِ** اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس حرکت میں دوطرفہ معصیت ہے یعنی مردوں کے ساتھ فعل معصیت ہے اور عورتوں کا ترک معصیت ہے **قولہ تجھلون** (سوال) قوم کی صفت ہے حالانکہ دونوں میں مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ قومٌ غائب ہے اور تجھلون حاضر (جواب) غیبت اور مخاطبت جب جمع ہو جاتی ہے تو مخاطبت کے اقوی ہونے کی وجہ سے مخاطبت کو غیبت پر غلبہ دیدیا جاتا ہے (جمل) یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ مخاطب قوم ہے اس لئے اس کو حاضر کے درجہ میں رکھ کر صفت مخاطب کے صیغہ کے ساتھ لایا گیا ہے **قولہ عاقبۃً** اس سے اشارہ ہے کہ تجھلون کا مفعول محذوف ہے **قولہ** فما کان جوابَ قومِہٖ کان کی خبر مقدم ہے وَاِلَّا اَن قالوا اس کا اسم ہے ای اِلَّا قولُھم اور ابن ابی اسحٰق نے جوابُ کو اسم کان قرار دیکر رفع پڑھا ہے اور مابعد کو اس کی خبر قرار دیا ہے **قولہ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھِمْ مَطَرًا** یہ تاکید شدت مطر پر دلالت کرنے کے لئے یعنی وہ بارش غیر معہود اور غیر معمولی تھی **بالعذاب منذرین** کے متعلق ہے اور مَطَرُھم مخصوص بالذم ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ یہ اس سورت کا چوتھا قصہ ہے، حضرت صالح علیہ السلام کا نام قرآن کریم میں آٹھ جگہ آیا ہے، حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کو ثمود کہتے تھے حضرت صالح علیہ السلام کا سلسلہ نسب چھ واسطوں سے ان کے جد اعلیٰ ثمود تک پہنچ جاتا ہے یہ امام بغوی کی تحقیق ہے اور یہی تاریخی حیثیت سے راجح ہے (قصص القرآن) اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قوم ثمود کا نام ثمود ان کے مورث اعلیٰ کے نام پر ہے، ثمود سے حضرت نوح علیہ السلام تک کے سلسلہ نسب میں دو قول ہیں ۱ ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح ۲ ثمود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ امام ثعلبی دوسرے قول کو راجح سمجھتے ہیں، قوم ثمود سامی اقوام ہی کی ایک شاخ ہے، عاد اولیٰ کی ہلاکت کے وقت حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ بچ گئے تھے یہ وہی لوگ ہیں اور یہی نسل، عاد ثانیہ کہلائی۔

ثمود کی بستیاں

ثمود کہاں آباد تھے؟ اور کس خطہ میں پھیلے ہوئے تھے؟ اس کے متعلق یہ طے شدہ امر ہے کہ ان کی آبادیاں حجر میں تھیں، حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے یہ سب ان کا مقام سکونت ہے، اور آج کل فج الناقہ کے نام سے مشہور ہے ثمود کی بستیوں کے خرابات اور آثار آج تک موجود ہیں۔

اہل ثمود کا مذہب

ثمود اپنے پیش رو، بت پرستوں کی طرح بت پرست تھے اور خدائے وحدہٗ لاشریک کے علاوہ بہت سے معبودان باطلہ کے پرستار تھے، اس کی اصلاح کے لئے ان ہی کے قبیلہ میں سے حضرت صالح کو ناصح اور رسول بنا کر بھیجا گیا، ان کی قوم کے تقریباً چار ہزار افراد ان پر ایمان لائے تھے عذاب آنے سے پہلے جن کو لیکر حضرت صالح علیہ السلام حضرموت تشریف لے گئے جہاں حضرت صالح کا انتقال ہوگیا اسی وجہ سے اس کا نام حضرموت مشہور ہوگیا۔

ناقۃ اللہ

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو بہت سمجھایا، قوم بجائے اس کے کہ ان کی نصیحت کو قبول کرتی، بت پرستی سے باز آتی، ان کا بغض وعناد ترقی پاتا رہا اور حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت میں اضافہ ہی ہوتا رہا، اگرچہ کمزور اور مختصر جماعت نے ایمان قبول کرلیا مگر سربرآوردہ اور اہل اقتدار اور خوشحال لوگوں کی جماعت بت پرستی پر قائم رہی، خدا کی دی ہوئی ہر قسم کی خوش عیشی اور رفاہیت کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے کفران نعمت کو شعار بنالیا، حضرت صالح کی نہ صرف یہ کہ تکذیب کی بلکہ ان کا مذاق بھی اڑاتی رہی، اور پیغمبرانہ دعوت ونصیحت کو قبول کرنے سے انکار کردیا، اور نشان نبوت کا مطالبہ کیا۔

تاریخی حیثیت سے واقعہ کی تفصیل

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم جب حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ حق سے اکتا گئی تو ان کے سرخیل اور سرگروہ افراد نے قوم کی موجودگی میں مطالبہ کیا کہ اے صالح اگر تو واقعی خدا کا فرستادہ ہے تو کوئی نشان (معجزہ) دکھا، تاکہ ہم تیری صداقت پر ایمان لے آئیں، حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ نشان آنے کے بعد بھی انکار پر مصر اور سرکشی پر قائم رہو، قوم کے ان سرداروں نے بتاکید وعدہ کیا کہ ہم فوراً ایمان لے آئیں گے، تب حضرت صالح علیہ السلام نے دریافت کیا کہ وہ کس قسم کا نشاہ چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ سامنے والے پہاڑ سے یا بستی کے اس پتھر سے جو کنارہ پر نصب ہے ایک ایسی اونٹنی ظاہر کر کہ جو گیابھن ہو اور فوراً بچہ دے، حضرت صالح علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی جس کے نتیجے میں اسی وقت اس پتھر سے حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی اور اس نے بچہ دیا، یہ دیکھ کر ان سرداروں میں سے جندع بن عمر تو اسی وقت مسلمان ہوگیا اور دوسرے سرداروں نے بھی جب اس کی پیروی میں اسلام لانے کا ارادہ کیا تو ان کے ہیکلوں اور مندروں کے مہنتوں نے ان کو اسلام لانے سے باز رکھا۔

اب صالح علیہ السلام نے نے قوم کے تمام افراد کو تنبیہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہاری طلب پر بھیج گئی ہے خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر ہو ایک دن اس اونٹنی کا ہوگا اور ایک دن پوری قوم اور ان کے جانوروں کا، اور خبردار اس کو کوئی

اذیت نہ پہنچے، اگر اس کو آزار پہنچا تو تمہاری خیر نہیں ہے ایک مدت تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا، اور پوری قوم اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاتی رہی۔ آہستہ آہستہ یہ بات بھی ان کو کھٹکنے لگی اور آپس میں صلاح ومشورے ہونے لگے کہ اس ناقہ کا خاتمہ کردیا جائے تاکہ باری کے قصے سے نجات ملے، کیونکہ اب ہمارے چوپایوں کے لئے اور خود ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے مگر قتل کرنے کی کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی، ایک حسین وجمیل مالدار عورت صدوق نے خود کو ایک شخص مصدع کے سامنے اور دوسری مالدار عورت عنیزہ نے اپنی ایک خوبصورت لڑکی کو قیدار (قدار) کے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا کہ اگر وہ ناقہ کو ہلاک کردیں تو یہ تمہاری ملک ہیں، تم ان کو بیوی بنا کر عیش کرو آخر قیدار بن سالف اور مصدع کو اس کے لئے آمادہ کرلیا گیا اور طے پایا کہ وہ راہ میں چھپکر بیٹھ جائیں اور ناقہ جب چراگاہ جانے لگے تو اس پر حملہ کردیں اور چند دیگر آدمیوں نے بھی مدد کا وعدہ کیا۔

غرضیکہ ایسا ہی کیا گیا اور ناقہ کو اس طرح سازش کرکے قتل کردیا گیا اور آپس میں قسمیں کھائیں کہ رات ہونے پر ہم سب صالح اور اسکے اہل وعیال کو بھی قتل کردیں گے اور پھر اس کے اولیاء کو قسمیں کھا کر یقین دلا دیں گے کہ یہ کام ہمارا نہیں ہم تو اس وقت موجود بھی نہیں تھے ادھر بچہ یہ دیکھ کر بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور چیختا چلاتا پہاڑی میں غائب ہوگیا۔

صالح علیہ السلام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا آخر وہی ہوا جس کا مجھے خطرہ تھا، اب خدائی عذاب کا انتظار کرو جو تین دن کے بعد تم کو تباہ کردے گا، اور پھر بجلی کی چمک اور کڑک کا عذاب آیا اس نے رات میں سب کو تباہ کردیا اور آنے والے انسانوں کے لئے تاریخی عبرت کا سبق دے گیا۔

صاحب روح المعانی سید آلوسیؒ اپنی تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ثمود پر عذاب کی علامات اگلی صبح ہی سے نمودار ہونے لگیں، پہلے روز ان سب کے چہرے اس طرح زرد پڑ گئے جیسا کہ خوف کی ابتدائی حالت میں ہوجایا کرتا ہے، اور دوسرے روز سب کے چہرے سرخ تھے گویا کہ خوف ودہشت کا یہ دوسرا درجہ تھا اور تیسرے روز ان سب کے چہرے سیاہ تھے اور یہ خوف ودہشت کا وہ تیسرا مقام ہے کہ جس کے بعد موت ہی کا درجہ باقی رہ جاتا ہے۔

بہر حال ان تین دن کے بعد وقت موعود آپہنچا اور رات کے وقت ایک ہیبت ناک آواز نے ہر شخص کو اسی حالت میں ہلاک کردیا جس حالت میں وہ تھا قرآن عزیز نے اس ہلاکت آفریں آواز کو کسی مقام پر صاعقہ (کڑک دار بجلی) اور کسی جگہ (زلزلہ ڈال دینے والی شئ) اور بعض جگہ طاغیہ (دہشت ناک) اور بعض جگہ صیحہ (چیخ) فرمایا، یہ سب ایک ہی حقیقت کی مختلف اوصاف کے اعتبار سے تعبیرات ہیں تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ خدا تعالیٰ کے اس عذاب کی ہولناکیاں کیسی گوناگوں تھیں۔

ایک طرف ثمود پر یہ عذاب نازل ہوا دوسری طرف حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے پیرو مسلمانوں کو خدا نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور ان کو اس عذاب سے محفوظ رکھا۔

قصہ لوط علیہ السلام

ولوطًا گذشتہ صفحات میں حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر آچکا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادہ ہیں ان کے والد کا نام ہاران تھا، حضرت لوط علیہ السلام کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ گذرا تھا حضرت لوط علیہ السلام ہجرت میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رہے ہیں اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر تشریف لے گئے تھے تو اس وقت بھی حضرت لوط علیہ السلام ہمراہ تھے، اور مصر میں بھی قیام ساتھ ہی میں رہا باہم مشورہ سے یہ بات طے پائی کہ لوط مصر سے ہجرت کر کے شرق اردن کے علاقہ سدوم اور عامورہ چلے جائیں اور وہاں رہ کر دین حنیف کی تبلیغ واشاعت کا کام کریں اور حضرت ابراہیم واپس فلسطین چلے جائیں۔

سدوم

اردن کی وہ جانب ہے جہاں آج بحرمیت یا بحرلوط واقع ہے یہی وہ مقام ہے کہ جہاں سدوم وعامورہ کی بستیاں واقع تھیں وہاں کے گردونواح میں بسنے والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ تمام حصہ جواب زیر آب نظر آتا ہے کسی زمانہ میں خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے، قوم لوط پر عذاب کی وجہ سے یہ زمین تقریباً چار سو سیٹر سطح سمندر سے نیچے چلی گئی، اسی لئے اس کو بحرمیت اور بحرلوط کہتے ہیں۔ (بستان جلد ۹، ص ۵۳۷، بحوالہ قصص القرآن ج ۱، ص ۲۵۷)

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْبَتْنَا فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ مِّنَ الْغَيْبَةِ اِلَى التَّكَلُّمِ بِهٖ **حَدَآئِقَ** جَمْعُ حَدِيْقَةٍ وَهُوَ الْبُسْتَانُ الْمَحُوْطُ **ذَاتَ بَهْجَةٍ** حُسْنٍ **مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا** لِعَدَمِ قُدْرَتِكُمْ عليه **ءَاِلٰهٌ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا على الْوَجْهَيْنِ فى مَوَاضِعِهِ السَّبْعَةِ **مَّعَ اللّٰهِ** اِعَانَةً عَلٰى ذٰلك اى لَيْسَ مَعَهٗ اِلٰهٌ **بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ** يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَهٗ **اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا** لَا تَمِيْدُ بِاَهْلِهَا **وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ** فيما بينها **اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ** جِبَالًا اَثْبَتَ بِهَا الْاَرْضَ **وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا** بَيْنَ الْعَذْبِ وَالْمِلْحِ لَا يَخْتَلِطُ اَحَدُهُمَا بِالْاٰخَرِ **ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ** تَوْحِيْدَهٗ **اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ** الْمَكْرُوْبَ الَّذِىْ مَسَّهُ الضُّرُّ **اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ** عنه وعَنْ غيره **وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ** الْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى فِى اَىْ يَخْلُفُ كُلُّ قَرْنٍ الْقَرْنَ الَّذِىْ قَبْلَهٗ **ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ** تَتَّعِظُوْنَ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ وفِيهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِى الذَّالِ وما زَائِدَةٌ لِتَقْلِيْلِ الْقَلِيْلِ **اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ** يُرْشِدُكم الٰى مَقَاصِدِكم **فِىْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** بِالنُّجُوْمِ لَيْلًا وبِعَلَامَاتِ الْاَرْضِ نَهَارًا

وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اى قُدَّامَ المَطَرِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؀ به غَيْرَهُ اَمَّنْ يَّبْدَءُ الْخَلْقَ فى الاَرْحَامِ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ بَعْدَ المَوْتِ وَاِنْ لَمْ يَعْتَرِفُوْا بِالْاِعَادَةِ لِقِيَامِ الْبَرَاهِيْنِ عليها وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ بالمَطَرِ وَالْاَرْضِ ۭ بالنَّبَاتِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ اى لَايَفْعَلُ شَيْئًا مما ذُكِرَ الا اللّٰهُ ولا اِلٰهَ معه قُلْ يامُحَمَّدُ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ حُجَّتَكم اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ؀ اَنَّ مَعِيْ اِلٰهًا فَعَلَ شَيْئًا مما ذُكِرَ وسَأَلُوْهُ عَنْ وَقْتِ قِيَامِ السَّاعَةِ فَنَزَلَ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ والنَّاسِ الْغَيْبَ اى مَا غَابَ عنهم اِلَّا لكِنِ اللّٰهُ ۭ يَعْلَمُهٗ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اى الكُفَّارُ كَغَيْرِهم اَيَّانَ وَقْتَ يُبْعَثُوْنَ ؀ بَلْ بِمَعْنٰى هَلْ اَدْرَكَ بِوَزْنِ اَكْرَمَ فِيْ قِرَاءَةٍ وفِى اُخْرٰى ادَّارَكَ بِتَشْدِيْدِ الدَّالِ وَاَصْلُهٗ تَدَارَكَ اُبْدِلَتِ التَّاءُ دَالًا وَاُدْغِمَتْ فى الدَّالِ وَاُجْتُلِبَتْ هَمْزَةُ الْوَصْلِ اى بَلَغَ ولَحِقَ او تَتَابَعَ وَتَلَاحَقَ عِلْمُهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ ۣ اى بها حَتّٰى سَاَلُوْا عَنْ وَقْتِ مَجِيْئِهَا لَيْسَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ؀ مِنْ عَمِيَ الْقَلْبِ وهو اَبْلَغُ مما قَبْلَهٗ والاَصْلُ عَمِيُوْنَ اُسْتُثْقِلَتِ الضَّمَّةُ على اليَاءِ فَنُقِلَتْ اِلَى المِيْمِ بَعْدَ حَذْفِ كَسْرِهَا

ترجمہ

بھلا بتاؤ تو؟ وہ ذات بہتر ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور آسمان سے تمہارے لئے پانی بہایا، پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ بارونق باغ اگائے، اَنْبَتْنَا میں غیبت سے تکلم کی طرف التفات ہے، حدائق حدیقۃ کی جمع ہے اس باغ کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف دیوار بنادی گئی ہو، تمہارے لئے ممکن نہ تھا کہ تم ان باغوں کے درختوں کو اگا سکو، تمہارے اس پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے (یہ سن کر بتاؤ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ اس کام پر مدد کرنے کے لئے یعنی اس کے ساتھ کوئی الٰہ نہیں ہے ءَاِلٰهٌ میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کرکے ساتوں مقامات پر بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جو خدا کا ہمسر ٹھہراتے ہیں (یعنی) غیر اللہ کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں یا وہ ذات جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا تا کہ اہل زمین کو لیکر نہ ڈگمگائے اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور زمین کے ٹھہرانے کے لئے پہاڑ بنائے جن کے ذریعہ زمین کو ساکن کردیا تا کہ وہ اضطرابی حرکت نہ کرے اور دو دریاؤں یعنی شور وشیریں کے درمیان حد فاصل بنائی تا کہ آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے زیادہ تر تو لوگ توحید کو سمجھتے بھی نہیں ہیں کیا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی دعا سنتی ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے یعنی اس مصیبت زدہ کی جو تکلیفوں میں مبتلا ہو گیا ہو اور اس کی اور دوسروں کی مصیبتوں کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین کا خلیفہ بناتا ہے خَلَفَاءَ الاَرْضِ میں اضافت بمعنی فی ہے یعنی ہر بعد کی نسل کو پہلی

نسل کا قائم مقام بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو تَذَکَّرُوْنَ میں تا اور یا کے ساتھ دونوں قرأتیں ہیں، اور اس میں تا کا ذال میں ادغام ہے اور ما زائدہ ہے قلیل کی قلت (یعنی عدم) کو بیان کرنے کے لئے کیا وہ ذات جو تم کو تمہارے مقاصد کی طرف خشکی اور تری کی تاریکیوں میں رہنمائی کرتی ہے، رات کو نجوم کے ذریعہ اور دن میں علامات زمین کے ذریعہ، اور وہ ذات جو بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتی ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ اللہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جن کو وہ اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں کیا وہ ذات جو مخلوق کو رحم مادر میں نطفہ سے ابتداءً پیدا کرتی ہے پھر اس کو موت کے بعد لوٹا دے گی اگرچہ ان کو اعادہ کا اعتراف نہیں تھا مگر چونکہ اعادہ پر براہین قاطعہ موجود ہیں (اس لئے ان سے دوبارہ تخلیق کے بارے میں سوال کیا گیا) اور وہ ذات جو آسمان سے بارش کے ذریعہ اور زمین سے نباتات کے ذریعہ تم کو روزی دیتی ہے (یہ سن کر بتاؤ) کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے؟ یعنی مذکورہ کاموں میں سے اللہ کے سوا کوئی کچھ نہیں کرتا اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے اے محمد آپ کہہ دیجئے اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو اس بات پر کہ میرے ساتھ کوئی معبود ہے جس نے مذکورہ کاموں میں سے کوئی کام کیا ہو؟ اور (جب) آپ سے (مشرکین) نے قیامت قائم ہونے کے وقت کے بارے میں سوال کیا تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی آپ کہہ دیجئے آسمان اور زمین والوں میں سے خواہ ملائکہ ہوں یا انسان غیب کو یعنی (اپنے سے) مخفی چیزوں کو کوئی نہیں جانتا لیکن اللہ اس کو جانتا ہے اور کفار بھی دوسروں کے مانند یہ نہیں جانتے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا؟ بَلْ بمعنی هَلْ ہے اَدْرَكَ بروزن اَكْرَمَ ایک قرأت میں اور دوسری قرأت میں اِدَّارَكَ لام کی تشدید کے ساتھ اِدَّارَكَ کی اصل تَدَارُكَ تھی دال کو تا سے بدل دیا گیا اور دال کو دال میں مدغم کر دیا گیا (ابتداء بسکون لازم آنے کی وجہ سے) شروع میں ہمزہ وصل کا اضافہ کر دیا گیا یعنی بَلَغَ و لَحِقَ یہ معنی پہلی قرأت کی صورت میں ہوں گے اور تَتَابَعَ و تَلَاحَقَ دوسری قرأت کی صورت میں ہوں گے یعنی ان کا علم آخرت کے بارے میں تھک گیا ہو (عاجز ہو گیا ہو) جس کی وجہ سے آخرت کے وقت کے آنے کے بارے میں سوال کیا ہو بات ایسی نہیں ہے فی الآخرة میں فی بمعنی با ہے ای بها بلکہ یہ لوگ وقوع قیامت کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں بلکہ یہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں دل کے اندھے اور یہ ماقبل سے ابلغ ہے (یعنی بَلْ هم عَمُوْنَ یہ اِدّارك علمهم سے ابلغ ہے) اور عَمُوْنَ اصل میں عَمِيُوْنَ تھا، ضمہ یا پر دشوار رکھ کر میم کے کسرہ کو حذف کرنے کے بعد میم کو دیدیا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَمْ منقطعہ ہے ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس کی تقدیر اٰالِهَتُكم خيرٌ اَمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰت والاَرْضَ ہے اور بعض حضرات نے آیت کے معنی یہ بیان کئے ہیں اَعِبَادَةُ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ

اَوْثانِکُمْ خیرٌ اَمْ عِبادۃُ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰت والاَرْضَ اس صورت میں ام متصلہ ہوگا، ۱/۲ صورت میں توبیخ اور تہکم کے معنی ہوں گے **قولہ قومٌ یعدِلونَ** یہ عدل سے مشتق ہے جس کے معنی برابر کرنے کے ہیں مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں اور عدول سے بھی مشتق ہوسکتا ہے جس کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں یعنی تم حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو، بعض حضرات نے اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرارًا اور بعد میں آنے والے اسی قسم کے تینوں جملوں کو اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰت سے بدل قرار دیا ہے، راجح اور ظاہر بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ بَلْ تینوں جگہوں پر تبکیت کے ایک طریقہ سے دوسرے طریقہ کی طرف انتقال کے لئے ہے **قولہ خِلاَلَھَا جَعَلَ** کا ظرف بھی ہوسکتا ہے اگر جَعَلَ بمعنی خَلَقَ لیا جائے اور جَعَلَ کا مفعول ثانی بھی ہوسکتا ہے اگر جَعَلَ بمعنی صَیَّرَ لیا جائے (جمل) **قولہ وَیَکْشِفُ** کا عطف یُجِیْبُ المضطَرَّ پر ہے یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے مفسر علام نے وَعَنْہُ وَعَنْ غیرِہٖ کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے **قولہ** تقلیل القلیل یہ کنایہ ہے عدم بالکلیہ سے مراد تذکر کی مطلقاً نفی ہے **قولہ وَاِنْ لَمْ یَعْتَرِفُوْا بِالاِعَادَۃِ** الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب کفار اعادۃ بعد الموت کے قائل ہی نہیں ہیں تو پھر ان سے یہ کہنا کہ وہ ذات جو ابتداءً تخلیق کرتی ہے اور مرنے کے بعد زندہ کرے گی، کہاں تک درست ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار اگرچہ اعادۃ بعد الموت کے قائل نہیں تھے مگر ابتداءً تخلیق کے قائل تھے ابتداء کی اعادے پر دلالت ظاہر اور قوی ہے اسی وجہ سے ان کو قائلینِ (معترفین) اعادہ فرض کرکے اعادہ کے بارے میں سوال کیا گیا۔

أاِلٰهٌ مع اللّٰہِ یہ جملہ اس مقام پر مسلسل پانچ جگہ ذکر کیا گیا ہے اول کو بَلْ ھُمْ یَعْدِلُوْنَ پر ختم کیا ہے، اور ثانی کو بَلْ اکثرھُمْ لا یَعْلَمُوْنَ پر ختم کیا ہے اور ثالث کو قَلِیْلاً ما تَذَکَّرُوْنَ پر رابع کو عَمَّا یُشْرِکُوْنَ پر اور خامس کو قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ پر ختم کیا ہے **قولہ اَیْ معی الٰھًا** صواب تر اَیْ معہٗ الٰھًا ہے اس لئے کہ ماسبق أاِلٰھۃٌ معہ کہا گیا ہے بعض نسخوں میں معہ کے بجائے مع اللہ ہے جو کہ بالکل واضح ہے اِلاَّ کی تفسیر لکن سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ اگر مستثنیٰ متصل مانا جائے تو اللہ کو مَنْ فی السَّمٰوات والاَرضِ میں شامل کرنا ہوگا اور مَن فِی السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ کے لئے مکان کی ضرورت ہے لہٰذا اللہ کے لئے بھی مکان ثابت ہوگا جو کہ درست نہیں ہے اسی لئے مستثنیٰ کو منقطع قرار دیا ہے فِی الآخرۃِ کی تفسیر **بھا** سے کرکے اشارہ کردیا کہ فی بمعنی با ہے یعنی کیا آخرت سے متعلق ان کا علم عاجز ہوگیا **قولہ لیس الامر کذٰلک** سے اشارہ کردیا کہ بَل بمعنی ھَلْ استفہام انکاری کے معنی میں ہے اَیْ لَمْ یَحْصُلْ لَھُمْ عِلْمٌ بالآخرۃِ ای لَمْ یُصَدِّقُوْ بِھَا وَلَمْ یَعْتَقِدُوْھَا.

تفسیر وتشریح

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یہاں سے پچھلے جملے کی تشریح اور اس کے دلائل بیان کئے جارہے ہیں فرمایا آسمانوں کو اتنی بلندی اور خوبصورتی کے ساتھ بنانے والا ان میں درخشاں کواکب، روشن ستارے اور گردش کرنے والے افلاک بنانے والا، اسی طرح زمین اور اس میں پہاڑ، نہریں، چشمے، سمندر، اشجار، کھیتیاں اور انواع واقسام کے طیور وحیوانات وغیرہ پیدا کرنے والا اور آسمان سے بارش برسا کر اس کے ذریعہ سے بارونق باغات اگانے والا کون ہے؟ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے کہ جو زمین سے درخت ہی اگا کر دکھادے؟ ان سب کے جواب میں مشرکین بھی کہتے اور اعتراف کرتے تھے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے اَمَّنْ کا مفہوم ان آیات میں یہ ہے کہ کیا وہ ذات جو ان تمام چیزوں کی بنانے والی ہے اس شخص کی طرح ہے جو ان میں سے کسی پر قادر نہیں؟ (ابن کثیر)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کی اضطرابی حرکت کو ختم کرنے کے لئے اس پر بڑے بڑے پہاڑ نصب کردیئے تاکہ زمین سکونت کے قابل ہوسکے اس لئے کہ اضطرابی اور بے قاعدہ حرکت کے ہوتے ہوئے زمین پر سکونت ممکن نہیں تھی، تاہم زمین کی مرکزی اور محوری دونوں حرکتیں باقاعدگی کے ساتھ جاری ہیں جن سے سکونت میں کوئی خلل نہیں ہوتا وَجَعَلَ خلالَھَا کی تفصیل کے لئے سورۂ فرقان کی آیت ۵۳ کی تفسیر دیکھئے۔

قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی جس طرح مذکورہ معاملات میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے اس کا کوئی شریک وہمسر نہیں اسی طرح غیب کے علم میں بھی وہ منفرد ہے اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں، نبیوں اور رسولوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ وحی اور الہام کے ذریعہ انہیں بتلا دیتا ہے، اور جو علم کسی کے بتلانے سے حاصل ہو تو اس کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہا جاتا، عالم الغیب تو وہ ہے کہ جو بغیر کسی ذریعہ اور واسطہ کے ذاتی طور پر ہر چیز کا علم رکھے اور ہر حقیقت سے باخبر ہو اور مخفی سے مخفی چیز بھی اس کے دائرہ علم سے باہر نہ ہو اور یہ صفت صرف اور صرف اللہ کی ہے اس لئے صرف وہی عالم الغیب ہے اس کے سوا کائنات میں کوئی عالم الغیب نہیں، حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ کل پیش آنے والے حالات کا علم رکھتے ہیں اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا اس لئے کہ وہ تو فرما رہا ہے کہ آسمان اور زمین میں غیب کا علم صرف اللہ کو ہے۔ (صحیح بخاری ۴۸۵۵)

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُھُمْ فِی الْآخرۃ یعنی ان کا علم آخرت کے وقوع کا علم جاننے سے عاجز ہے، یا یہ معنی ہیں کہ ان کا علم مکمل ہوگیا اس لئے کہ انہوں نے قیامت کے بارے میں کئے گئے وعدوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، گو یہ علم اب ان کے لئے نافع نہیں ہے کیونکہ دنیا میں یہ لوگ اسے جھٹلاتے رہے ہیں، جیسے فرمایا اَسْمِعْ بِھِمْ وَاَبْصِرْ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا لٰکِنِ

الظّٰلِمُوْنَ الیومَ فِی ضَلالٍ مُّبِیْنٍ (سورہ مریم ۳۸)

بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُوْنَ یعنی دنیا میں آخرت کے بارے میں شک میں ہیں بلکہ اندھے ہیں کہ اختلال عقل وبصیرت کی وجہ سے آخرت پر یقین سے محروم ہیں یعنی جس طرح اندھے کو راستہ نظر نہیں آتا اس لئے مقصود تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے، اسی طرح تصدیق بالآخرت کا جو ذریعہ ہے یعنی دلائل صحیحہ یہ لوگ انتہائی عناد کی وجہ سے ان دلائل میں غور وفکر نہیں کرتے اس لئے ان کو وہ دلائل نظر نہیں آتے جن سے مقصود تک رسائی کی امید ہوتی ہے لہٰذا یہ شک سے بڑھ کر ہے کیونکہ شک والا بعض اوقات دلائل میں نظر کر کے رفع شک کر لیتا ہے، مگر آخرت سے اندھا یعنی یقینی طور پر عدم وقوع کا قائل دلائل میں کبھی غور نہیں کرتا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْآ اَیْضًا فی اِنْکارِ الْبَعْثِ ءَاِذَا کُنَّا تُرَابًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝ ای مِنَ الْقُبُوْرِ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ ما هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ جمع اُسْطُوْرَةٍ بالضَّمِّ ای مَا سُطِرَ مِنَ الکَذِبِ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ بِاِنْکارِهم هی هَلَاکُهم بالعَذَابِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَاتَکُنْ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ ۝ تَسْلِیَةٌ لِلنَّبِی صلی اللّٰه علیه وسلم ای لَا تَهْتَمَّ بِمَکْرِهِمْ علیك فَاِنَّا نَاصِرُكَ علیهم وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ بِالعَذَابِ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ ۝ فیه قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ رَدِفَ قَرُبَ لَکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ فَحَصَلَ لَهُمُ الْقَتْلُ بِبَدْرٍ وبَاقِی الْعَذَابِ یَاْتِیْهِم بَعْد المَوْتِ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ ومنه تَاخِیْرُ العَذَابِ عَنِ الکُفَّارِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ ۝ فالکُفَّارُ لَا یَشْکُرُوْنَ تَاخِیْرَ العَذَابِ لِاِنْکَارِهم وُقُوْعَهُ وَاِنَّ رَبَّكَ لَیَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوْرُهُمْ تُخْفِیْهِ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۝ بِاَلْسِنَتِهِم وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ التَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ ای شیٔ فی غَایَةِ الخَفَاءِ علی النَّاسِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ بَیِّنٍ هو اللَّوْحُ المَحْفُوْظُ ومَکْنُوْنُ عِلْمِه تعالٰی ومنه تَعْذِیْبُ الکُفَّارِ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ المَوْجُوْدِیْنَ فِی زَمَنِ نَبِیِّنَا صلی اللّٰه علیه وسلم اَکْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝ ای بِبَیَانِ ما ذُکِرَ عَلٰی وَجْهِهِ الرَّافِعِ لِلِاخْتِلَافِ بَیْنَهم لو اَخَذُوْا به واَسْلَمُوْا وَاِنَّهٗ لَهُدًی من الضَّلَالَةِ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ مِنَ العَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ کَغَیْرِهم یَوْمَ القِیٰمَةِ بِحُکْمِهٖ ای عَدْلِهٖ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الغَالِبُ الْعَلِیْمُ ۝ بما یَحْکُمُ به فلا یُمْکِنُ اَحَدًا مُخَالَفَتُهٗ کما خَالَفَ الکُفَّارُ فی الدُّنیا اَنْبِیاءَهٗ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ ثِقْ به اِنَّكَ عَلَی الْحَقِّ الْمُبِیْنِ ۝ ای الدِّیْنِ البَیِّنِ فالعَاقِبَةُ لك بالنَّصْرِ علی الکُفَّارِ ثم ضَرَبَ لهم اَمْثَالًا بِالمَوْتٰی والصُّمِّ والعُمْیِ فقال اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا

تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا بتَحْقِيقِ الهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ بينها وبين اليَاءِ وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۗ اِنْ ما تُسْمِعُ سَمَاعَ اِفْهَامٍ وقَبُوْلٍ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا القُراٰنِ فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ مُخْلِصُوْنَ بتَوْحِيْدِ اللّٰهِ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ حَقَّ العَذَابُ اَنْ يُنزِلَ بهم فی جُمْلَةِ الكُفَّارِ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اى تُكَلِّمُ المَوْجُوْدِيْنَ حِيْنَ خُرُوْجِها بالعَرَبِيَّةِ تَقُوْلُ لهم مِن جُمْلَةِ كَلَامِهَا نَائِبَةً عَنَّا اِنَّ النَّاسَ اى كُفَّارَ مَكَّةَ وفی قِرَاءَةٍ فَتْحُ هَمْزَةِ اِنَّ بتَقْدِيْرِ البَاءِ بَعْدَ تُكَلِّمُهُمْ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَايُوْقِنُوْنَ۝ ع اى لَا يُؤْمِنُوْنَ بالقُراٰنِ المُشْتَمِلِ عَلَى البَعْثِ والحِسَابِ والعِقَابِ وبِخُرُوجِها يَنْقَطِعُ الاَمْرُ بالمَعْرُوْفِ والنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَا يُؤْمِنُ كَافِرٌ كما اَوْحَى اللّٰهُ تعالٰى الٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ ۔

ترجمہ

اور کافروں نے انکار بعث کے بارے میں بھی کہا، کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی، تو کیا ہم قبروں سے پھر نکالے جائیں گے؟ ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے بہت پہلے سے یہ وعدے کئے جاتے رہے ہیں، کچھ نہیں، یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، اساطیر اُسطورۃ بالضم کی جمع ہے یعنی وہ جھوٹی باتیں جن کو لکھ لیا گیا ہو، آپ کہہ دیجئے کہ زمین میں ذرا چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ مجرموں کا ان کے انکار کی وجہ سے کیا انجام ہوا؟ اور وہ عذاب کے ذریعہ ان کا ہلاک ہو جاتا ہے آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہوں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے یعنی آپ کے خلاف ان کے سازش کرنے سے غمگین نہ ہوں ہم ان کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنے والے ہیں، یہ لوگ کہتے ہیں کہ عذاب کا یہ وعدہ کب ہے؟ اگر تم اس وعدہ میں سچے ہو (تو بتلا دو) آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو اس کا کچھ حصہ تمہارے قریب ہی آ لگا ہو چنانچہ غزوہ بدر میں ان کو قتل کا عذاب لاحق ہو گیا اور باقی عذاب موت کے بعد آئے گا یقیناً آپ کا پروردگار لوگوں پر بڑا ہی فضل والا ہے اور کافروں سے عذاب کی تاخیر (اس کے) فضل ہی کا حصہ ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں چنانچہ کافر وقوع عذاب کے منکر ہونے کی وجہ سے تاخیر عذاب کا شکر ادا نہیں کرتے اور بے شک تیرا رب ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جنہیں ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں اور جنہیں وہ اپنی زبانوں سے ظاہر کر رہے ہیں آسمان اور زمین کی کوئی بھی ایسی پوشیدہ چیز نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو، اور غائبۃ میں تا مبالغہ کے لئے ہے یعنی وہ چیز جو لوگوں کے لئے نہایت مخفی ہو، اور کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے، یا علم باری تعالیٰ میں محفوظ ہیں، اور انہیں محفوظ اشیاء میں سے کفار کو سزا دینے کا علم بھی ہے یقیناً یہ قرآن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود بنی اسرائیل کو اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں یہ اختلاف

کرتے ہیں یعنی مذکورہ (اختلاف) کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اگر یہ لوگ اس کو اختیار کریں اور تسلیم کریں تو ان کے آپسی اختلاف کو رفع کردے اور یہ قرآن یقیناً گمراہی سے ہدایت ہے اور مومنین کے لئے عذاب سے رحمت ہے بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن دوسروں کے مانند ان کے درمیان میں بھی اپنے حکم یعنی عدل کے ساتھ فیصلہ کردے گا وہ غالب ہے اور جس چیز کا فیصلہ کرتا ہے اس کا جاننے والا ہے کسی کو اس کی مخالفت کرنے کی قدرت نہ ہوگی، جس طرح کہ دنیا میں کفار نے اس کے انبیاء کی مخالفت کی پس آپ اللہ ہی پر بھروسہ رکھئے بلاشبہ آپ کھلے ہوئے حق پر ہیں یعنی واضح دین پر ہیں، آخر کار کافروں پر فتح آپ ہی کی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مردوں اور بہروں اور اندھوں کی مثالیں بیان کی ہیں، فرمایا بلاشبہ آپ (اپنی) پکار نہ مردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چلدیں دُعَاءَ اِذَا میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ ہمزہ اور یا کے درمیان اور نہ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (بچا کر) رہنمائی فرما سکتے ہیں آپ تو فہم وقبول کا سننا صرف ان ہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں پھر وہ فرمانبردار بھی ہوتے ہیں (یعنی) اللہ کی توحید میں مخلص ہوتے ہیں اور جب ان پر وعدہ ثابت ہو جائے گا یعنی عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا بایں طور کہ منجملہ کفار کے ان پر (بھی) عذاب نازل ہو جائے گا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا یعنی اس کے خروج کے وقت جو لوگ موجود ہوں گے عربی میں ان سے باتیں کرے گا وہ ان سے منجملہ اپنے دیگر کلام کے ہماری طرف سے حکایت کرتے ہوئے کہے گا کہ لوگ ہماری باتوں کا یقین نہیں کرتے تھے یعنی کفار مکہ اور ایک قرأت میں انَّ کے فتحہ کے ساتھ ہے با کی تقدیر کے ساتھ تُکَلِّمُهُمْ کے بعد، یعنی قرآن پر یقین نہیں رکھتے تھے جو کہ بعث اور حساب اور عقاب کی (خبروں) پر مشتمل ہے، اور اس کے خروج کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (کا وقت) ختم ہو جائے گا (اس لئے کہ اس وقت عمل کا کوئی فائدہ نہ ہوگا) (ان کے بعد) کوئی کافر ایمان نہ لائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی، یہ کہ تیری قوم میں سے (اب) کوئی ایمان نہیں لائے گا سوائے ان کے جو ایمان لا چکے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ضمیر کی بجائے الذین موصول ذکر کیا یعنی قَالُوْا ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا کے بجائے قال الذین کفروا فرمایا تاکہ صلہ کے ذریعہ ان کی صفت مذمومہ کفر کی طرف اشارہ ہو جائے اور ان کے قول باطل کی علت کی طرف بھی اشارہ ہے (روح المعانی) ءَاِذَا فعل محذوف کا ظرف ہے جس پر مخرجون دلالت کر رہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَنخرجُ اِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَ اِذَا کو لَمُخْرَجُوْنَ کا ظرف مقدم قرار دینا درست نہیں ہے اس لئے کہ مابعد کے ماقبل میں عمل کرنے سے تین موانع موجود ہیں، ہمزہ، اِنَّ، لام ان میں سے ہر ایک اپنے مابعد کے لئے ماقبل میں

عمل کرنے سے مانع ہے اور جب تین مانع جمع ہو جائیں تو مابعد کے ماقبل میں عمل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِنَّ کی خبر جب مقرون باللام ہو تو وہ ماقبل میں عمل کر سکتی ہے جیسے اِنَّ زیدًا طعامكَ لآ کل مگر پھر دو مانع باقی رہ جاتے ہیں لہٰذا یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ **لمخرجُونَ اِذَا** کا عامل نہیں ہے بلکہ اس کا عامل محذوف ہے اور وہ ءِ نخرجُ ہے **قوله** وَآبَائُنَا اس کا عطف کان کے اسم پر ہے یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کے لئے ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید ضروری ہوتی ہے مگر یہاں نہیں ہے؟

جواب یہاں چونکہ ترابًا خبر کا فصل آگیا ہے لہٰذا اب تاکید کی ضرورت نہیں رہی اور ءَاِنَّا میں ہمزہ کی تکرار تاکید وتشدید فی انکار کے لئے ہے۔ (روح)

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ یہ امر تہدید کے لئے ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ تم سے پہلی امتوں نے بھی خدا کی طرف رجوع نہیں کیا آخر کار ان کو عذاب میں مبتلا کر دیا گیا اگر تم بھی خدا کی طرف رجوع نہ کرو گے تو تم کو غارت کر دیا جائے گا **قوله** اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ میں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے، حالانکہ مخاطب صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جواب چونکہ بعث بعد الموت وغیرہ کی خبر دینے میں مومنین بھی آپ کے ساتھ شریک تھے، اسلئے مشرکین نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے **قوله قُلْ عَسٰى** اَنْ يكون عَسٰى یہاں یقین کے معنی میں ہے، قاضی نے کہا کہ **عسٰى ولَعَلَّ، سوف** ملوک کے مواعید میں جزم کے معنی میں ہوتا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہوتا ہے کہ ان کا اشارہ غیر کی تصریح کے مثل ہے **قوله** رَدِفَ لكُم بعضُ الَّذِىْ رَدِفَ ایسے فعل کے معنی کو متضمن ہے جو متعدی باللام ہو، مثلاً دَنَا، قَرُبَ اس لئے کہ رَدِفَ کا استعمال لام کے صلہ کے ساتھ نہیں ہے اسی وجہ سے شارح نے رَدِفَ کی تفسیر قَرُبَ سے کی ہے، اور بعض الذى رَدِفَ کا فاعل **قوله** مَا تُكِنُّ یہ اكنانٌ سے مشتق ہے مضارع واحد مؤنث غائب، وہ چھپاتی ہے، یہاں چونکہ اس کا فاعل صُدُوْر جمع مکسر اسم ظاہر ہے اس لئے فعل کو مؤنث لایا گیا ہے **قوله غائبة** اگرچہ صفت ہے مگر یہ بغیر موصوف کے کثیر الاستعمال ہے بعض حضرات کے نزدیک یہ صفت سے اسمیت کی طرف منقول نہیں ہے مگر اسمیت غالب ہے جیسا کہ **مومن** اور **کافرٌ** میں، لہٰذا اس کی تا تانیث کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ اس کا کوئی مؤنث موصوف نہیں ہے کہ یہ اس کی صفت واقع ہو، جیسا کہ رَاوِيَةٌ کثیر الروایت شخص کو کہتے ہیں، لہٰذا یہ تائے مبالغہ ہے اور بعض حضرات نے اس کو اسمیت کی طرف منقول بھی کیا ہے لہٰذا جو شئ غائب اور مخفی ہو اس کو غائبة کہتے ہیں، اور اس تا کو تاء نقل کہتے ہیں جیسا کہ فاتحہ، **ذبيحة ونطيحة** میں ہے **قوله فى كتاب مبين** شارح نے اس کی دو تفسیروں کی طرف اشارہ کیا ہے ایک لوح محفوظ، اور دوسری علم باری تعالیٰ و **مكنونٌ** میں واؤ بمعنی او ہے یعنی زمین و آسمان کی تمام مخفی اور پوشیدہ چیزیں لوح محفوظ میں ہیں یا اللہ کے علم ازلی میں ہیں اس لئے کہ اظہار اشیاء کا

وہ بھی مبتداء ہے **ای ببیان ماذکر** جار مجرور **یقص** کے متعلق ہے اور **ما ذُکِرَ** سے وہ بات مراد ہے جس میں وہ اکثر اختلاف کرتے ہیں **علیٰ وجہٍ ببیان** سے متعلق ہے **الرافع** بیان کی صفت ہے اور **لواخذوابہ رافع** سے متعلق ہے یعنی قرآن ان کے اختلاف کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ ان کا اختلاف رفع ہو جاتا ہے اگر یہ اس بیان کو تسلیم کریں **قولہ اَیْ عَدْلِہٖ ، حکمہ** کی تفسیر **عدلِہٖ** سے کرکے مفسر علام نے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

اعتراض: **یَقْضِیْ** کے بعد **بِحُکْمِہٖ** لانے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ دونوں ہم معنی ہیں لہٰذا مطلب یہ ہوا **یقضی بقضاء** یا **یحکم بحکمہٖ**۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم سے مراد حکم بالعدل ہے لہٰذا دونوں مترادف نہیں ہیں **قولہ فلا یمکن احدًا مخالفتہٗ** یہ **وھو العزیز** پر تفریع ہے بہتر ہوتا کہ مفسر علام اس کو **وھو العزیز** سے متصل ذکر فرماتے **قولہ اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الموتیٰ** یہ آیت کفار کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امید ہدایت کو قطع کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے، کافروں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دینا یہ امید ہدایت کو قطع کرنے کے لئے ہے یعنی جس طرح مردوں سے کسی چیز کی توقع نہیں رہتی کفار بھی اپنے قلوب کے اعتبار سے مردے ہیں اس لئے کہ ان کے قلوب پر مہر لگ چکی ہے جس کی وجہ سے نہ کفر باہر آسکتا ہے اور نہ ایمان اندر داخل ہو سکتا ہے (یہاں مردوں کے سماع یا عدم سماع کا مسئلہ نہیں ہے اس سے مردوں کے عدم سماع پر استدلال صحیح نہیں ہے) **قولہ وَلَّوْا مدبِرِیْنَ** یعنی ایک تو بہرا اور پھر اس نے پیٹھ بھی پھیر لی جس کی وجہ سے ہدایت کا امکان بالکلیہ مفقود ہو گیا، اس لئے کہ نفس سماع کی امید تو بہرا ہونے کی وجہ سے منقطع ہو گئی مگر بہرا بھی کبھی اشارہ سے بات سمجھ لیتا ہے مگر جب بہرے نے اپنا رخ موڑ لیا تو اشارہ سے سمجھنے کی امید بھی منقطع ہو گئی **قولہ بِھادِی العُمْیِ عَنْ ضَلاَلَتِھِمْ ھدایۃ** کا صلہ عن استعمال نہیں ہوتا، یہاں چونکہ ہدایت صرف کے معنی کو متضمن ہے اس لئے اس کا صلہ عن لانا درست ہے **قولہ حَقَّ العذابِ الخ وَقَعَ الْقَوْلَ** کی تفسیر ہے **قولہ اَخْرَجْنَا لَھُمْ دابَّۃ** قرب قیامت حضرت عیسیٰ اور مہدی کے انتقال کے بعد ایک عجیب الخلقۃ جانور کوہ صفا سے نکلے گا اور بعض حضرات نے حجر اور طائف کو مقام خروج بتایا ہے وہ لوگوں سے عربی میں کلام کرے گا، منجملہ دیگر کلام کے کچھ باتیں وہ **نیابۃً عن اللہ** بطور نقل حکایت کے بھی کہے گا مثلاً اس کا یہ مقولہ **اِنَّ النَّاسَ کانُوْا بآیٰتِنَا لایوقنونَ** ، **نیابۃً عن اللہ** کہے گا۔

تفسیر وتشریح

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یعنی جب ان کافروں سے آخرت کے حساب وکتاب کے بارے میں کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ان باتوں میں کوئی حقیقت نہیں ہے، بس یہ سنی سنائی باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آرہی ہیں، **قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ** یہ کافروں کے مذکورہ قول کا جواب ہے کہ ذرا چل پھر کر دیکھو تمہیں ان کے کھنڈرات اور خرابات اور نشانات

دیکھ کر معلوم ہو جائے گا کہ سابقہ نافرمان اور رسولوں کی تکذیب کرنے والی قومیں عذاب الٰہی سے نافرمانی کی پاداش میں ہلاک وبرباد کی جا چکی ہیں، جو پیغمبروں کی صداقت کی دلیل ہے **وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِم** (الآیۃ) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے اور کفر پر اصرار سے غمگین نہ ہوں اور نہ ان کے مکر سے اندیشہ کریں اللہ آپ کی حفاظت کرنے والے ہیں **وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ** یہ آپ سے معلوم کرتے ہیں کہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ؟ آپ جواب دیجئے کہ ان میں کی بعض چیزیں جن کی تم جلدی مچار ہے ہو شاید تم سے بہت ہی قریب آلگی ہوں اس سے مراد جنگ بدر کا وہ عذاب ہے جو قتل واسیری کی شکل میں کافروں پر آپڑا یا پھر عذاب قبر مراد ہے، دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا عاصی اور باغی بندوں پر فوری گرفت نہ کرنا یہ بھی اللہ کا فضل وکرم ہے اس پر بھی اس کا شکر ادا ہونا چاہئے مگر چونکہ کافروں کے ذہن میں بعث بعد الموت اور روز جزاء وسزا کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اس لئے ان کو اس کا کوئی خوف بھی نہیں ہے **قوله** ای شئ فی غایة الخفاء یہ غائبۃ کی تفسیر ہے ای وَمَا مِن شيئٍ غائبٍ غاية الخفاء انتہائی پوشیدہ شدت کے معنی تاء مبالغہ سے ماخوذ ہیں جیسا کہ عَلَّامَةٌ میں، اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اكثر، اَلَّذِيْ هم فيه يختلفون، یہ قرآن، بنی اسرائیل جن باتوں میں اختلاف کرتے ہیں اکثر کو بیان کرتا ہے۔

سوال قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چھوٹی بڑی چیز قرآن میں موجود ہے اور مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اکثر کو بیان کرتا ہے۔

جواب جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن ہر شئ کو بیان کرتا ہے لیکن اکثر کو صراحت کے ساتھ اور اقل کو رمز اور اشارہ کے ساتھ لہٰذا اب کوئی تعارض نہیں۔

منجملہ ان باتوں کے جن میں اہل کتاب باہم اختلاف کرتے تھے جس کی وجہ سے مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے حتی کہ ان کے عقائد میں بھی شدید اختلاف تھا یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص وتوہین کرتے تھے اور عیسائی ان کی شان میں غلو حتی کہ حضرت عیسیٰ کو اللہ، یا اللہ کا بیٹا قرار دیدیا، قرآن کریم نے ان کے حوالہ سے ایسی باتیں بیان فرمائیں، جن سے حق واضح ہو جاتا ہے، اور اگر وہ قرآن کے بیان کردہ حقائق کو مان لیں تو ان کے عقائدی اختلاف ختم ہو کر تفرق اور انتشار ختم ہو جائے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ یعنی اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان عادلانہ فیصلہ کر کے حق وباطل کو ممتاز کر دے گا اور اسی کے مطابق جزاء وسزا کا اہتمام فرمائے گا **فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** اس آیت میں آپ کو اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کرنے اور دشمنان دین کی پرواہ نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی دو علتیں بیان فرمائی ہیں اول یہ کہ آپ دین حق پر ہیں لہٰذا صاحب حق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ خدا پر اعتماد اور بھروسہ کرے۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (الآیۃ) اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کرنے اور کافروں کی پرواہ نہ کرنے کی یہ دوسری علت ہے یعنی یہ لوگ مردے ہیں جو کسی کی بات کو سن کر فائدہ نہیں اٹھا سکتے یا بہرے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ یہ اس عذاب کا بقیہ ہوگا جس کی طرف سابق میں اشارہ کیا گیا ہے اس کا کچھ حصہ جنگ بدر میں واقع ہو چکا اور یہ آخری زمانہ میں ہوگا اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً یہ وہی دابۃ ہے جو قرب قیامت کی علامات میں سے ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو ان میں ایک جانور کا نکلنا ہے'' (صحیح مسلم کتاب الفتن) دوسری روایت میں ہے کہ سب سے پہلی نشانی سورج کا مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا ہے اور چاشت کے وقت جانور کا نکلنا یہ دونوں نشانیاں یکے بعد دیگرے پے در پے ظاہر ہوں گی۔

(صحیح مسلم باب فی خروج الدجال ومکثہ فی الارض)

وَاذْكُرْ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا جَمَاعَةً مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا وهم رُؤَسَاؤُهم المَتْبُوْعُوْنَ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ○ اى يُجْمَعُوْنَ بِرَدِّ اٰخِرِهم الٰى اَوَّلِهم ثم يُسَاقُوْنَ حَتّٰى اِذَا جَآءُوْا مَكَانَ الحِسَابِ قَالَ تَعالٰى لَهم اَكَذَّبْتُمْ اَنْبِيَائِىْ بِاٰيٰتِىْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا مِنْ جِهَةِ تَكْذِيْبِهِم بِهَا عِلْمًا اَمَّا فِيه اِدْغَامُ اَمْ فِى مَا الاِسْتِفْهَامِيَّةِ ذَا مَوْصُوْلٌ اى مَا الَّذِىْ كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○ مما اُمِرْتُمْ وَوَقَعَ الْقَوْلُ حَقَّ العَذَابُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا اى اَشْرَكُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ○ اِذْ لَا حُجَّةَ لَهم اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا خَلَقْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ كَغَيْرِهم وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا بمَعْنٰى يُبْصَرُ فيه لِيَتَصَرَّفُوْا فيه اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰى قُدْرَتِهِ تَعالٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ○ خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِانْتِفَاعِهِم بها فى الاِيْمَانِ بخلافِ الكَافِرِيْنَ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ القَرْنِ النَّفْخَةُ الاُوْلٰى مِن اِسْرَافِيْلَ فَفَزِعَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اى خَافُوْا الخَوْفَ المُفْضِىَ الى المَوْتِ كما فى اٰيَةٍ اُخْرٰى فَصَعِقَ والتَّعْبِيْرُ فيه بِالمَاضِىْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ اى جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ وَعَزْرَائِيْلَ وَعَنْ ابنِ عَبَّاسٍ رضى اللّٰهُ عنهما هم الشُّهَدَاءُ اذ هُمْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهم يُرْزَقُوْنَ وَكُلٌّ تَنْوِيْنُهُ عِوَضٌ عَنِ المُضَافِ اِلَيْه اى كُلُّهُم بَعْدَ اِحْيَائِهِم يَوْمَ القِيٰمَةِ اَتَوْهُ بِصِيْغَةِ الفِعْلِ وَاسْمِ الفَاعِلِ دَاخِرِيْنَ○ صَاغِرِيْنَ والتَّعْبِيْرُ فى الاِتْيَانِ بِالمَاضِىْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهِ وَتَرَى الْجِبَالَ تُبْصِرُها وَقْتَ النفخةِ تَحْسَبُهَا تَظُنُّهَا جَامِدَةً وَاقِفَةً مَكَانَهَا لِعِظَمِها وَّهِىَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ المَطَرِ اِذا ضَرَبَتْهُ الرِّيْحُ اى تَسِيْرُ سَيْرَهُ حَتّٰى تَقَعَ عَلَى الاَرْضِ فَتَسْتَوِى بها مَبْثُوْثَةً ثُمَّ تَصِيْرُ كَالعِهْنِ ثم تَصِيْرُ هَبَاءً مَنْثُوْرًا صُنْعَ اللّٰهِ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الجُمْلَةِ قَبْلَهُ اُضِيْفَ الٰى فَاعِلِهِ بَعْدَ حَذْفِ عَامِلِه اى صَنَعَ اللّٰهُ ذٰلك صُنْعًا الَّذِىْ اَتْقَنَ

اَحْكَمَ كُلَّ شَيْءٍ صَنْعَهُ اِنَّهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ○ بالياءِ والتَّاءِ اى اَعْدَاؤُهُ مِن المَعْصِيَةِ وَاَوْلِيَاؤُهُ مِن الطَّاعَةِ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ اى لا اله الا اللّٰه يوم القيٰمة فَلَهُ خَيْرٌ ثواب مِّنْهَا ج اى بِسَبَبِها وَلَيْسَ لِلتَّفْضِيْلِ، اِذْ لَا فِعْلَ خَيْرٌ مِنهَا وفِى اٰيَةٍ اُخْرىٰ عَشْرُ اَمْثَالِها وَهُمْ اى الجَاؤُنَ بها مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ بالاِضَافَةِ و كَسْرِ المِيْمِ وبِفَتْحِها وفَزَعٍ مُنَوَّنًا وفَتْحِ المِيْمِ اٰمِنُوْنَ ○ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ اى الشِّرْكِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ بِاَنْ وُلِّيَتْها وذُكِرَتِ الوُجُوْهُ لانها مَوْضِعُ الشَّرْفِ مِن الحَوَاسِ فغَيْرُها مِنْ بَابِ اَوْلٰى ويُقَالُ لهم تَبْكِيْتًا هَلْ اى ما تُجْزَوْنَ اِلَّا جَزَاءَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ مِن الشِّرْكِ والمَعَاصِى قُلْ لهم اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ اى مَكَّةَ الَّذِىْ حَرَّمَهَا اى جعلَها حَرَمًا اٰمِنًا لَا يُسْفَكُ فِيْهَا دَمُ اِنْسَانٍ ولا يُظْلَمُ فيها اَحَدٌ ولايُصَادُ صَيْدُها ولا يُخْتَلٰى خَلَاهَا وذٰلِكَ مِنَ النِّعَمِ على قُرَيْشٍ اَهْلِهَا فى رَفْعِ اللّٰهِ عَنْ بَلَدِهم العَذَابَ والفِتَنَ الشَّائِعَةَ فى جَمِيْعِ بِلَادِ العَرَبِ وَلَهُ تعالىٰ كُلُّ شَيْءٍ فهو رَبُّه وخَالِقُهُ ومَالِكُهُ واُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ لا لِلّٰه بتَوْحِيْدِهِ وَاَنْ اَتْلُوَ الْقُرْاٰنَ ج عَلَيْكُمْ تِلَاوَةَ الدَّعْوَةِ اِلَى الْاِيْمَانِ فَمَنِ اهْتَدٰى له فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ج اى لِاَجْلِها لِاَنَّ ثَوَابَ اِهْتِدَائِهٖ له وَمَنْ ضَلَّ عَنِ الْاِيْمَانِ وَاَخْطَأَ طَرِيْقَ الهُدٰى فَقُلْ له اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○ المُخَوِّفِيْنَ فلَيْسَ عَلَىَّ الاَّ التَّبْلِيْغُ وهٰذا قَبْلَ الاَمْرِ بالقِتَالِ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيَاتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ط فَاَرَاهم اللّٰه يَوْمَ بَدْرٍ القَتْلَ والسَّبْىَ وضَرْبَ المَلَائِكَةِ وُجُوْهَهم وَاَدْبَارَهم وعَجَّلَهم اللّٰه الى النَّارِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ع بالياء والتاء وانما يُمْهِلُهُم لِوَقْتِهم.

ترجمہ

اس دن کو یاد کرو جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو میری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے اور وہ ان کے رؤساء مقتدیٰ ہوں گے ان کو روکا جائے گا یعنی آگے پیچھے سے روکا جائے گا پھر ان کو ہانکا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ مقام حساب میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کیا تم نے میرے انبیاء کو میری آیتوں کے ساتھ جھٹلایا تھا حال یہ ہے کہ تم نے ان کی تکذیب کی جہت کا علمی احاطہ نہیں کیا اَمَّا میں اَمْ کو ما استفہامیہ میں ادغام کردیا ذَا موصول ہے ای ماالذی اور جن کاموں کا تم کو حکم دیا گیا تھا ان میں سے تم نے کیا کیا کام کئے؟ اور ان کے ظلم یعنی شرک کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب کا حکم ثابت ہوگیا اب وہ خاموش ہیں اس لئے کہ ان کے

پاس کوئی دلیل نہیں ہے کیا یہ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ ہم نے رات کو (تاریک) بنایا؟ یعنی پیدا کیا تاکہ دوسروں کے مانند یہ بھی اس میں سکون حاصل کریں اور دن کو دیکھنے والا (بنایا) یعنی ایسا بنایا کہ اس میں نظر آ سکے تاکہ اس میں کام کاج کریں یقیناً اس میں خدا کی قدرت پر نشانیاں (دلائل) ہیں ایمان والوں کے لئے (مومنین) کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ دلائل قدرت سے اہل ایمان ہی فائدہ اٹھاتے ہیں نہ کہ کافر، جس دن صور پھونکا جائے گا یعنی سینگ میں یہ اسرافیل علیہ السلام کا پہلا صور ہوگا تو زمین و آسمان والے گھبرا اٹھیں گے یعنی اس قدر گھبرا جائیں گے کہ اس کا انجام موت ہوگا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فَصَعِقَ ہے اور ماضی کے صیغہ سے تعبیر یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ہے مگر جس کو اللہ چاہے (وہ نہیں گھبرائے گا) جیسے جبرائیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل علیہم السلام اور ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ وہ شہداء ہیں، اس لئے کہ وہ زندہ ہیں ان کو ان کے رب کے حضور رزق عطا کیا جاتا ہے اور سب کے سب عاجز و (پست) ہو کر اس کے روبرو حاضر ہوں گے کُلٌّ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے ای کُلُّھم بَعْدَ اِحْیَائِھِم یَوْمَ القِیَامَۃِ اَتَوْہُ اَتَوْہُ میں فعل اور اسم فاعل دونوں درست ہیں دَاخِرِیْنَ کے معنی صاغرین یعنی ذلیل و پست ہو کر مذکورہ باتوں کے وقوع کے یقینی ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے جن پہاڑوں کو آپ جمے ہوئے یعنی اپنی جگہ پر ان کے عظیم ہونے کی وجہ سے قائم (اٹل) سمجھتے ہیں تو ان کو بھی آپ نفخۂ اولی کے وقت دیکھیں گے وہ ابر باراں یعنی بارش کی طرح اڑتے پھر رہے ہیں گویا کہ ہوا ان کو اڑائے پھر رہی یعنی تیزی کے ساتھ چلا رہی حتی کہ زمین پر گر پڑیں گے اور پراگندہ ہو کر زمین کی ہم سطح ہو جائیں گے پھر دھنی ہوئی اون کے مانند ہو جائیں گے پھر اڑتا ہوا غبار ہو جائیں گے یہ ہے صنعت اس اللہ کی صنعۃ مصدر ہے اپنے سے سابق جملہ کے مضمون کی تاکید کر رہا ہے، جس کی اضافت اپنے فاعل کی طرف کی گئی ہے، مصدر کے عامل کے حذف کرنے کے بعد (تقدیر عبارت یہ ہے) صَنَعَ اللّٰہُ ذٰلِكَ صَنْعًا جس نے اپنے ہر مصنوع کو مضبوط بنایا بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس سے بخوبی واقف ہے یا اور تا کے ساتھ یعنی اس کے دشمن جو معصیت اور اس کے اولیاء جو اطاعت کرتے ہیں (اس سے واقف ہے) جو شخص قیامت کے دن نیک عمل یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ لے کر آئے گا اس کو اس کا بہتر ثواب ملے گا یعنی اس نیکی کی وجہ سے خیرٌ اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے اس لئے کہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ اس سے دس گنا زیادہ ملے گا اور وہ یعنی اس نیکی کے کرنے والے اس دن کے خوف سے مامون ہوں گے اضافت اور کسرۂ میم اور فتحۂ میم کے ساتھ اور فَزْعٍ تنوین کے ساتھ اور میم کے فتحہ کے ساتھ (بھی ایک قرأت ہے) اور جو شخص سَیِّئَۃَ (بدی) یعنی شرک لے کر آئے گا وہ اوندھے منہ آگ میں جھونک دیا جائے گا، اس طریقہ سے کہ چہروں کو آگ کے حوالہ کر دیا جائے گا، اس لئے کہ چہرہ (حواس خمسہ) میں سے اشرف کا مقام ہے، لہٰذا چہرہ کے علاوہ بطریق اولیٰ (مستحق نار ہوگا) اور ان کو لاجواب کرنے کے لئے ان سے کہا جائے گا کہ تم کو صرف انہیں اعمال (یعنی شرک و معاصی) کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے آپ

ان سے کہئے کہ مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر مکہ کے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں جس نے اس کو محترم بنایا ہے یعنی مکہ کو محترم اور امن والا بنایا نہ اس میں کسی انسان کا خون بہایا جاسکتا ہے اور نہ اس میں کسی پر ظلم کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے شکار (جانور) کا شکار کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی (ہری) گھاس کو اکھاڑا جاسکتا ہے اور یہ انعامات ہیں قریش پر جو اس کے باشندے ہیں، اللہ کے ان کے شہر سے عذاب اور تمام بلاد عرب میں پھیلے ہوئے فتنوں کے اٹھا لینے کی وجہ سے اور اسی کی ملکیت میں ہر شئ ہے پس وہی اس کا رب اور خالق و مالک ہے اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کی توحید کے ساتھ اس کے فرمانبرداروں میں رہوں (اور مجھے اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے) کہ میں تم کو دعوت الی الایمان کے طور پر قرآن پڑھ کر سناتا رہوں چنانچہ جو ایمان کی راہ اختیار کرے گا تو وہ اپنے ہی لئے راہ اختیار کرے گا اس لئے کہ اس کے ایمان کی راہ اختیار کرنے کا ثواب اسی کو ملے گا اور جو ایمان سے بہک جائے گا اور ہدایت کے راستہ سے بھٹک جائے گا تو اس سے کہہ دو میں تو صرف ڈرانے والا ہوں یعنی خوف دلانے والا ہوں میرے ذمہ تو صرف (پیغام) پہنچادینا ہے اور یہ (حکم) جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا جنہیں تم خود پہچان لوگے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدر کے دن قتل اور قید اور ملائکہ کا ان کے چہروں اور ان کے سرینوں پر مارنا دکھادیا اور بعجلت اللہ ان کو جہنم میں لے گیا اور جو کچھ تم کررہے ہو اس سے آپ کا رب غافل نہیں ہے یا اور تا کے ساتھ، ان کو صرف وقت پورا ہونے تک مہلت دینا ہے۔

تحقیق، ترکیب و تفسیری فوائد

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيٰتِنَا عمومی حشر کے بعد یہ خصوصی حشر توبیخی ہوگا **مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ** میں مِنْ تبعیضیہ ہے اور **مِمَّنْ يُكَذِّبُ** میں مِنْ بیانیہ ہے اس کا مبیّن **فَوْجًا** ہے فوج اگرچہ تیزی سے حرکت کرنے والی جماعت کو کہتے ہیں مگر یہاں مطلق جماعت کے معنی میں ہے اور جماعت سے ہر امت کے رؤساء کی جماعت مراد ہے۔ **قوله بِرَدِّ آخِرِهِمْ اِلٰى اَوَّلِهِمْ** اگر شارح علیہ الرحمۃ **بِرَدِّ اَوَّلِهِمْ عَلٰى آخِرِهِمْ** فرماتے تو زیادہ مناسب ہوتا یعنی آگے جانے والوں کو روکا جائے گا تاکہ پیچھے والے بھی ان کے ساتھ ہوجائیں اور ایک ساتھ ہو کر چلیں (صاوی) **قوله أَكَذَّبْتُمْ انبيائي بِآيَاتِي** یہ استفہام توبیخ کے لئے ہے یعنی تم نے میری آیات کی کیوں تکذیب کی؟ **بِآيَاتِي** **كَذَّبْتُمْ** کا مفعول اور با تعدیہ کے لئے ہے یعنی تم نے میری آیتوں کی کیوں تکذیب کی؟ مفسر علام نے **كَذَّبْتُمْ** کا مفعول **انبيائي** کو مقدر مانا ہے حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کی وجہ سے بلا وجہ تکلف کرنا پڑے گا **قوله وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا** یہ جملہ **كَذَّبْتُمْ** کی ضمیر سے حال ہے اور سابق انکار و تکذیب کی تاکید ہے یعنی تم نے میری آیات کا بغیر غور و فکر اور بغیر سوچے سمجھے انکار کردیا جو مواخذہ کا اہم سبب ہے **قوله أَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ** اس کی تقدیر

عبارت یہ ہے اَیُّ الشیئِ الذی کنتم تعملونہٗ مَا استفہامیہ بمعنی ایُّ شیئٍ مبتداء ذَا موصول بمعنی الذی کنتم تعملونہٗ جملہ ہوکر صلہ موصول صلہ سے مل کر مَا مبتداء کی خبر، یعنی یہ بھی بتاؤ کہ تم کیا کرتے رہے کہ تم کو میری آیات میں غور و فکر کرنے کا موقع ہی نہیں ملا؟ **قولہ** وَقَعَ القَوْلُ ای قَرُب وقوعُہ یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے، وَجَعَلْنَا اللیلَ کے بعد مُظلمًا محذوف ہے اور قرینہ وَالنَّھارَ مُبصرًا ہے، جس طرح کہ لِیَسکُنُوْا فیہ پر قیاس کرتے ہوئے والنَّھارَ مُبصِرًا سے لیتصرّفوا فیہ کو حذف کردیا گیا ہے، اس کو صنعت احتباک کہتے ہیں، **قولہ** فَفَزِعَ (الآیۃ) نفخہ اولیٰ کو نفخۂ فزع کہتے ہیں اور اسی کو نفخۂ صعق بھی کہا جاتا ہے، سورہ زمر میں نفخہ اولیٰ کو صعق کہا گیا ہے صعق کے معنی ایسی بے ہوشی کے ہیں کہ جس سے موت واقع ہوجائے نفخہ اولیٰ کے وقت اولاً تمام حیوانات پر بے ہوشی طاری ہوجائے گی اس کے بعد موت واقع ہوجائے گی سوائے ان کے کہ جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے اور نفخہ ثانیہ کے بعد ہر مردہ زندہ ہوا ٹھے گا، اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا، بعض حضرات نے تین نفخوں کو بیان کیا ہے ۱ نفخہ زلزلہ جس کی وجہ سے زمین میں زبردست زلزلہ پیدا ہوگا پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے ۲ نفخہ موت اور تیسرا نفخہ حیات، مگر یہ روایت ضعیف ہے صحیح حدیث سے صرف دو نفخوں کا پتہ چلتا ہے **قولہ** تمرّ مرَّ السَّحَابِ المطر مفسر علام نے سحاب کی تفسیر مطر سے فرمائی ہے، یہ تفسیر نہ لغت کے موافق ہے اور نہ عقل و نقل کے سحاب سے اس کے ظاہری معنی ہی مراد ہیں **قولہ** مؤکدٌ لمضمون الجملۃ قبلہٗ اس کا مطلب یہ ہے کہ صُنْعَ اللّٰہِ ماقبل کے جملہ کے مضمون کی تاکید ہے یعنی نفخ صور اور فزع پھر موت اور پھر پہاڑوں کا ریگ رواں کی طرح اڑتے پھرنا یہ سب اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے **قولہ** بالاضافۃ یعنی فزع کی یوم کی طرف اضافت کے ساتھ یوم کے میم پر مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے کسرہ ہوگا، اور یوم مفتوح بھی ہوسکتا ہے مبنی برفتحہ ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ یوم اِذ کی طرف مضاف ہے جو کہ مبنی الاصل ہے، گویا کہ یوم کے میم میں دو قرأتیں ہیں میم کا کسرہ اور فتحہ **قولہ** وفزعٍ مُنَوّنًا اس کا عطف اضافۃ پر ہے یعنی یوم کو اضافت کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں اور بغیر اضافت کے بھی اضافت کے ساتھ پڑھنے میں یوم کے میم میں کسرہ اور فتحہ دونوں درست ہیں اور عدم اضافت کی صورت میں میم پر صرف فتحہ ہی درست ہے **قولہ** موضع الشرف من الحواس حواس خمسہ باطنہ تو کل کے کل سر ہی میں ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے، دماغ نرم اور متخلل مخروطی یعنی مثلث شکل کا ایک جرم ہے اس کے تین حصہ ہیں جن کو بطون کہتے ہیں ۱ بطن مؤخر زاویۂ حادہ کی طرف ہے اور ۲ بطن اوسط، دونوں کے درمیان میں ہے، ۳ بطن مقدم سب سے بڑا ہے، اور یہی حس مشترک اور قوت خیال کا مقام ہے، بطن مؤخر جو گدی کی طرف ہے بہ نسبت مقدم کے چھوٹا ہے، اور یہ قوۃ حافظہ کا مقام ہے، بطن اوسط سب سے چھوٹا ہے اور قوت متصرفہ اور قوت واہمہ کا مقام ہے (کاتونچہ ترجمہ قانونچہ) اور حواس خمسہ ظاہرہ میں سے سوائے قوۃ لامسہ کے بقیہ چار، سر میں ہیں ۱ قوۃ باصرہ ۲ قوۃ سامعہ ۳ قوۃ شامہ ۴ قوۃ ذائقہ البتہ پانچویں قوۃ لامسہ یہ پورے بدن میں عام ہے قوۃ لامسہ تمام قوتوں میں سب سے زیادہ بلید حس ہے جب تک اس سے مس نہ ہو

احساس نہیں کرسکتی **قولہ فقل لہ انما انا من المنذرین** یہ جملہ مَنْ ضَلَّ کی جزاء ہے اور لَہٗ رابطہ ہے۔

تفسیر و تشریح

یَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ فَوْجًا (الآیۃ) اعمال اور عقائد کے اعتبار سے انسانوں کے مختلف گروہ بنادیئے جائیں گے ہر درجہ کے مجرم الگ الگ جماعتوں میں ہوں گے مذکورہ مطلب اس صورت میں ہوگا جبکہ یُوْزَعونَ کو ایزاع سے مانا جائے ایزاع کے معنی ہیں تقسیم کرنا یقال اَوْزَعَ المالَ مال تقسیم کیا اور اگر وَزْعٌ سے مضارع مجہول مانا جائے تو اس کے معنی ہوں گے جمع کرنا منتشر نہ ہونے دینا یعنی آگے والوں کو زیادہ آگے نہ بڑھنے دینا اور پیچھے والوں کو زیادہ پیچھے نہ رہنے دینا، علامہ محلی نے یہی معنی مراد لئے ہیں حتّٰی اِذا جاؤُا جب موقف میں سب حاضر ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ تم نے میری توحید اور دعوت کے دلائل سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور بغیر سوچے سمجھے میری آیتوں کو جھٹلاتے رہے، یعنی اگر سوچنے سمجھنے کی کوشش کرتے اور فکر و تدبر سے کام لیتے اس کے بعد آیتوں کی تکذیب کرتے اور پھر حق تک رسائی نہ ہوتی تو قدرے عذر کی بات ہوسکتی تھی مگر تم نے تو سرے سے غور و فکر ہی نہیں کیا لہٰذا تم دہرے مجرم ہو جس کی وجہ سے اس جرم کی پاداش سے بچ نہیں سکتے۔

اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ یہ استثناء **فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ** سے ہے مطلب یہ ہے کہ کچھ نفوس ایسے بھی ہوں گے کہ جن پر حشر کے وقت کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی، یہ کون نفوس ہوں گے؟ مفسر علام نے چاروں فرشتے اور حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے شہداء مراد لئے ہیں، ابو ہریرہؓ اور سعیدؒ بن جبیر کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے سعیدؒ بن جبیر فرماتے ہیں کہ ان سے شہداء مراد ہیں جو حشر کے وقت اپنی تلواریں باندھے عرش کے گرد جمع ہوں گے، قشیریؒ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اس میں بدرجہ اولیٰ شامل ہوں گے سورۂ زمر میں فَزِعَ کے بجائے صَعِقَ کا لفظ آیا ہے **وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰہُ** صعق کے معنی بے ہوش ہونے کے ہیں اور مراد اولاً بے ہوش ہوجانا اور پھر مرجانا ہے۔

وَتَرَ الجِبَالَ تَحْسَبُھَا جَامِدَۃً وھِیَ تَمرُّ مَرَّ السَّحَابِ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ کر اس طرح چلیں گے جیسا کہ گھنا محیط بادل کہ دیکھنے والا ان کو جما ہوا سمجھتا ہے حالانکہ وہ تیزی سے چل رہے ہوتے ہیں، مفسر علام نے **واقفۃ مکانَھَا لِعظمھا** سے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب جن پہاڑوں کو تو اس وقت بڑی مضبوطی کے ساتھ جما ہوا دیکھ رہا ہے جن کے بارے میں اپنی جگہ سے اکھڑنے اور چلنے کا تصور بھی نہیں ہوتا یہی پہاڑ قیامت کے دن روئی کے گالوں کی طرح اڑے پھریں گے **ھذہِ البلدۃ** بلدۃ سے مراد مکہ ہے، اس کا بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اسی میں بیت اللہ ہے اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سب سے زیادہ محبوب تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو حرمت والا بنایا مطلب یہ کہ اس میں خون ریزی کرنا، ظلم کرنا، شکار کرنا، درخت کاٹنا، ہری گھاس اکھاڑنا حتی کہ کانٹا توڑنا بھی منع ہے۔ (بخاری کتاب الجنائز، مسلم کتاب الحج، باب تحریم مکۃ وصیدہا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَةُ الْقَصَصِ

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ الا اِن الَّذى فَرَضَ الاٰية نزلت بالجُحفة والا الذِين اٰتَيْنٰاهُم الكتٰبَ الٰى لا نَبْتَغِى الجَاهِلِيْنَ وهى سَبْعٌ او ثمان وثمانُونَ اٰية

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ طٰسٓمّٓ○ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بذٰلك تِلْكَ اى هٰذه الاٰيَاتُ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الاِضافةُ بمعنى مِن الْمُبِيْنِ الْمُظْهِرِ الحقَّ مِن البَاطِلِ نَتْلُوْا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ خَبَرِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ لِاَجْلِهِمْ لاَنَّهُمْ الْمُنْتَفِعُوْنَ به اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلاَ تَعَظَّمَ فِى الْاَرْضِ اَرْضِ مِصْرَ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا فِرَقًا فى خِدمتِه يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ وهُمْ بَنُو اسرائيل يُذَبِّحُ اَبْنَاءَهُمْ المَولُوْدِيْنَ وَيَسْتَحْيِ نِسَآءَ هُمْ يَسْتَبْقِيهِنَّ اَحياءً لقولِ بَعضِ الكَهَنَةِ له اِنَّ مولودًا يُولد فِى بنى اِسرائيل يَكونُ سببَ ذِهابِ مُلْكِكَ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ○ بالقَتْلِ وغَيرِه وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً بتحقيق الهمزتين وابدال الثانية ياءً يُقْتَدٰى بهم فى الخير وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ○ مُلكَ فِرعونَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ اَرضِ مِصرَ والشامِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُوْدَهُمَا وفى قِراءةٍ ويَرٰى بفتح التحتانية والراء و رَفعِ الاسماء الثلثة مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ○ يَخافون من المولودِ الذى يذهب مُلكُهم على يديه وَاَوْحَيْنَآ وَحْىَ اِلهامٍ او منامٍ اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى وهو المَولودُ المذكورُ ولم يشْعُر بولادَتِه غيرُ اخته اَنْ اَرْضِعِيْهِ ج فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ البحر اى النِّيل وَلَا تَخَافِىْ غَرقَه وَلَا تَحْزَنِىْ ج لِفراقه اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ○ فارضَعته ثلثةَ اشهُر لايَبكى وخافتْ عليه فوضعته فى تابوتٍ مَطْلِيٍّ بالْقارِ من داخلٍ مُمَهَّدٍ له فيه واَغْلَقَته والقَته فى بحر النِّيل لَيلا فَالْتَقَطَهٗ بالتابوت صبيحَةَ اللَّيلِ اٰلُ اعوانُ فِرْعَوْنَ فوضَعوه بَين يَدَيْهِ وفَتَح واُخرِجَ موسٰى منه وهو يمصُّ من اِبهامه لَبنا لِيَكُوْنَ لَهُمْ اى فى عاقبةِ الامْرِ عَدُوًّا يقتل رجالَهم وَّحَزَنًا ط يَستَعبِد نساءَ هُم وفى قراءة بضم الحَاء وسكون الزاى لغتان فى المَصدر وهو هنا بمعنى اِسم الفاعلِ من حزَنه كاَحْزَنه اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وزيره وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ○ من الخطيئة اى عَاصِين فعُوقِبُوا على يده وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ وقد هَمَّ مع اعوانِه بقتله هو قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ط لَا تَقْتُلُوْهُ صلے

عَسٰی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا فاطاعوها وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۝ بعاقبةِ امرِهم معه وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی لَمَّا عَلِمت بالتِقاطِه فٰرِغًا مِمَّا سِوَاه اِنْ مُخففة مِن الثَّقيلةِ واِسمُها محذوف ای اِنها كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ ای بِاَنه اِبنُها لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا بِالصبرِ ای سَكَّنَّاه لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۝ المُصدقین بوعدِ اللّٰهِ وجواب لولا دَلَّ علیه مَا قبلَها وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ مریمَ قُصِّیْهِ اتبعی اِثْرَه حتی تعلمی خَبَرَه فَبَصُرَتْ بِهٖ ای اَبْصَرَتْه عَنْ جُنُبٍ من مكان بعید اِختلاسًا وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۝ انها اُختُه وانها تَرقُبُهٗ وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ ای قَبلَ رَدِّه الٰی اُمه ای منعناه مِن قَبول ثَدی مُرضِعَةٍ غیر اُمه فلم یقبلْ ثدیَ واحدةٍ من المَراضِع المحضرَةِ فَقَالَتْ اختُه هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی اَهْلِ بَیْتٍ لمّا رَاَتْ حُنُوَّهُمْ علیه یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ بالْاِرْضَاعِ وغیرِه وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ۝ وفسرتْ ضمیر له بِالمَلِك جوابا لهم فأُجیبت فجاءَتْ بِاُمه فقَبِلَ ثدیَها واَجابَتْهُم عن قَبولِه بِاَنها طِیبَةُ الریح طِیبةُ اللَّبن فَاَذِنَ لها بِارضاعه فی بیتها فرجعتْ به كما قال تعالٰی فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓی اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا بِلقائه وَلَا تَحْزَنَ حینئذٍ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِرَدِّه الیها حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ ای الناسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۝ بهٰذا الوعد ولابَاَنَّ هٰذه اختُه وهٰذه اُمُّه فمَكَث عندها الٰی ان فَطَمَتْه واَجْرٰی علیها اُجرتَها لكل یومٍ دینارٌ واخذتْها لانها مَالُ حربیٍ فاَتَتْ به فرعونَ فتربّٰی عنده كما قال تعالٰی حكایةً عنه فی سورة الشُّعراء اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا ولیدا وَلَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عمرِكَ سِنِیْنَ

ترجمہ

طٰسٓمّٓ اس سے اللہ کی کیا مراد ہے وہی بہتر جانتا ہے یہ آیات کتاب مبین کی آیات ہیں آیاتُ الکتابِ میں اضافت بمعنی مِن اور مبین سے مراد حق کو باطل سے ممتاز کرنے والی کتاب کی آیات ہیں ہم آپ کے سامنے موسیٰ وفرعون کا صحیح واقعہ بیان کرتے ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں (یعنی) مومنین کے لئے اس لئے کہ وہی اس قصہ سے استفادہ کرتے ہیں یقیناً فرعون نے سرزمین مصر میں سرکشی کر رکھی تھی اور مصر کے باشندوں کو اپنی خدمت کے لئے فرقوں میں تقسیم کر رکھا تھا ان میں سے ایک فرقہ کو کمزور کر رکھا تھا اور وہ بنی اسرائیل تھے ان کے نومولود لڑکوں کو قتل کر ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا یعنی زندہ باقی رکھتا تھا، بعض کاہنوں کے اس سے یہ کہنے کیوجہ سے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیرے ملک کے خاتمہ کا سبب بنے گا، بلاشبہ وہ قتل وغیرہ کی وجہ سے تھا ہی مفسدوں میں سے اور ہماری مشیت کا تقاضہ یہ ہوا کہ ہم ان پر احسان فرمائیں جن کو ملک میں کمزور کر رکھا تھا اور ہم ان کو پیشوا بنائیں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ہمزۂ ثانی کو یاء سے بدل کر، تاکہ خیر میں ان کی اقتداء کی جائے اور ہم ان کو فرعون کے ملک کا وارث

بنائیں اور یہ کہ ہم ان کو ملک مصر وشام میں قدرت (اختیار) عطا فرمائیں اور فرعون وہامان اور ان کے لشکر کو اور ایک
قرأت میں یَریٰ یا اور را کے فتحہ کے ساتھ ہے اور تینوں اسموں (فرعونُ، ہامانُ، جنودُہما) کے رفع کے ساتھ بنی اسرائیل
کی طرف سے وہ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے تھے وہ (فرعونی) اس بچہ سے خوف زدہ تھے جس کے ہاتھوں ان کے ملک
کی بربادی مقدر تھی اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کی جانب الہامی یا منامی وحی بھیجی اور (موسیٰ) ہی وہ ولد مذکور ہے اور موسیٰ
علیہ السلام کی ولادت کا علم سوائے ان کی بہن کے کسی کو نہیں ہوا کہ اس کو دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کے بارے میں
کوئی خوف معلوم ہو تو اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا اور نہ اس کے غرق کا اندیشہ کرنا اور نہ اس کی جدائی کا غم کرنا ہم
یقیناً اس کو تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے اپنے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں چنانچہ موسیٰ کو تین ماہ تک
(ان کی والدہ) دودھ پلاتی رہی کہ موسیٰ روتے (بھی) نہیں تھے اور موسیٰ پر (جب) ذبح کا اندیشہ کیا تو موسیٰ کو ایک
اندر سے روغن زفت (تارکول) لگے ہوئے اور بچھونی بچھے ہوئے تابوت میں رکھ دیا اور اس کو بند کر دیا اور رات کے وقت
دریائے نیل میں ڈال دیا تو اسی رات کی صبح تابوت کو آل فرعون یعنی اس کے خدام نے اٹھا لیا بعد ازاں اس تابوت کو فرعون
کے سامنے رکھ کر کھولا اور موسیٰ کو تابوت سے نکالا درانحالیکہ وہ اپنے انگوٹھے سے دودھ پی رہے تھے تاکہ انجام کار یہی
بچہ ان کا دشمن ہو جائے کہ قبطیوں کے مردوں کو قتل کرے اور رنج کا باعث بنے ان کی عورتوں کو باندی بنائے اور ایک
قرأت میں حُزْنًا میں حا کے ضمہ اور زاء کے سکون کے ساتھ ہے مصدر (حزنًا) میں یہ دو لغت ہیں، اور مصدر یہاں اسم
فاعل کے معنی میں ہے اور حَزَنًا حَزِنَہ (س) سے ہے اور معنی میں اَحْزَنَہ کے ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ فرعون
اور اس کا وزیر ہامان اور ان دونوں کا لشکر خطاکار تھے (خَطِئِیْنَ) خطِئَۃ سے مشتق ہے اور معنی نافرمانی کرنے والے کے
ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے ہاتھ ان کو سزا دلوائی گئی اور فرعون کی بیوی نے کہا جبکہ فرعون نے اپنے
مددگاروں کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرو ممکن
ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں چنانچہ ان لوگوں نے اس کی بات مان لی اور یہ لوگ اس کے ساتھ
اپنے انجام کا شعور ہی نہیں رکھتے تھے (ادھر) موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا جبکہ اس کو معلوم ہوا کہ موسیٰ
کو فرعون نے اٹھا لیا، یعنی موسیٰ کے سواء اس کے دل میں کوئی بات نہ رہی، اِنْ یہ اِنَّ سے مخفف ہے اس کا اسم محذوف
ہے ای اِنَّھا قریب تھیں کہ وہ اس بات کو ظاہر کر دیں کہ وہ میرا بیٹا ہے اگر ہم اس کے دل کو صبر کے ذریعہ قوی نہ
کرتے یعنی اگر ہم اس کے دل کو تسلی نہ دیتے، تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں رہے یعنی اللہ کے وعدہ کی تصدیق کرنے
والوں میں رہے، اور لولا کے جواب پر لولا کا ماقبل (لَتُبْدِیْ) دلالت کر رہا ہے، اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے موسیٰ کی
بہن مریم سے کہا تو ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا یعنی اس کے پیچھے پیچھے جا تاکہ تو اس کے حال سے باخبر رہے تو وہ اسے دور
سے دیکھتی رہی یعنی دور سے خفیہ طور پر دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس بات کی خبر بھی نہ ہوئی کہ وہ اس کی بہن ہے اور اس

کی نگرانی کر رہی ہے **اور** ہم نے پہلے ہی یعنی ان کے اپنی والدہ کے پاس لوٹنے سے پہلے ہی دودھ پلانے والوں کی بندش کر رکھی تھی یعنی موسیٰ علیہ السلام کو اپنی والدہ کے علاوہ کسی بھی انّا کے پستان قبول کرنے سے منع کر دیا تھا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے بلائی گئی انّاؤں میں سے کسی کی پستان کو قبول نہیں کیا **تو** موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ' جب موسیٰ پر ان کی شفقت کو دیکھا **تو کہا کیا میں تم کو ایسے گھرانے کی نشاندہی کر دوں کہ** جو تمہارے لئے اس بچہ کی دودھ وغیرہ پلا کر پرورش کر دے؟ اور وہ اس... کے خیر خواہ بھی ہو اور مریم نے لهٗ کی ضمیر کا مرجع ان کے سوال کے جواب میں بادشاہ بنا دیا، چنانچہ مریم کا مشورہ مان لیا گیا، **پھر** تو وہ اپنی ماں کو بلا لائی تو موسیٰ نے اپنی والدہ کی پستانوں کو قبول کر لیا، اور حضرت موسیٰ کی والدہ نے موسیٰ کے اس کی پستانوں کو قبول کرنے کی وجہ سے سوال کے جواب میں کہا کہ وہ عمدہ خوشبو والی اور عمدہ دودھ والی عورت ہے چنانچہ ان کو اپنے **گھر** لیجا کر موسیٰ کو دودھ پلانے کی اجازت دیدی گئی، چنانچہ موسیٰ کی والدہ موسیٰ علیہ السلام کو لیکر واپس چلی آئیں، **جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا** کہ ہم نے موسیٰ کو اس کی والدہ کے پاس لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں موسیٰ کی ملاقات سے ٹھنڈی ہوں اور تاکہ اس وقت (فراق) کے غم میں نہ رہیں اور تاکہ جان لیں کہ بچہ کو ان کے پاس لوٹانے کا اللہ کا وعدہ سچ ہے لیکن اکثر لوگ اس وعدہ کے بارے میں نہیں جانتے اور نہ یہ بات جانتے ہیں کہ یہ اس کی بہن ہے اور یہ اس کی ماں ہے، موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے پاس دودھ چھڑانے تک رہے اور (فرعون نے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لئے دودھ پلائی کی اجرت ایک دینار یومیہ مقرر کر دی اور حضرت موسیٰ کی والدہ نے اس اجرت کو لے لیا اس لئے کہ حربی کا مال **تھا پھر** موسیٰ کو ان کی والدہ فرعون کے پاس لے آئیں، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس تربیت پاتے رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حکایت بیان کرتے ہوئے سورۂ شعراء میں ارشاد فرمایا اَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيْدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ۔

ترکیب، تحقیق وتفسیری فوائد

نَتْلُوْا عَلَيْكَ ای بواسطۃِ جبرائِيْلَ مِنْ نَبَإِ خبر موسیٰ **وفرعونَ بالحَقِّ** مِنْ تبعیضیہ ہے ای نتلوا **علیك** بعضَ نبأَ **موسیٰ** نتلوا کا مفعول محذوف بھی ہوسکتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، نتلوا **علیك** شیئًا من نبأ موسیٰ بقول اخفش مِنْ زائدہ بھی ہوسکتا ہے ای نَتْلُوْا عَلَيْكَ نبأ موسیٰ **قوله** بالحقِّ یہ نتلوا کی ضمیر فاعل سے حال ہے ای حال کوننا **ملتبسِيْنَ** بالصدقِ یا نَتْلُوْا کے مفعول سے حال ہے ای کون الخبر ملتبسًا بالصدق **قوله** لاجلهم یہ اشارہ ہے کہ لقوم میں لام تعلیلیہ ہے اور نتلوا سے متعلق ہے یعنی مقصود بالذکر مومنین ہیں اس لئے کہ وہی اس سے منتفع ہوتے ہیں **قوله** اِنَّ فرعون عَلَا یہ جملہ مستانفہ ہے، گویا کہ یہ سوال کیا گیا کہ موسیٰ وفرعون کا کیا قصہ تھا؟ تو جواب دیا اِنَّ فرعونَ علی **قوله** یذبّحُ ابناء هم یہ يُسْتَضعفُ سے بدل ہے لِقولِ

بعضِ الکَھَنَۃِ یہ یذبح کی علت ہے **قولہ** نُمَکِّن لھُمْ فی الاَرْضِ ای نُسَلِّطُھُمْ علی مصر والشام **قولہ** نُرِیَ فرعونَ اور اس کے معطوفات نُرِیَ کا مفعول اول ہے وما کانُوْا یحذَرُوْنَ مفعول ثانی، جنودھما میں اضافت تغلیباً ہے یعنی لشکر اگرچہ فرعون کا تھا اور ہامان اس کا وزیر تھا اور بادشاہ کے لشکر کو تغلیباً ہامان کا کہہ دیا گیا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہامان کا بھی کوئی مخصوص لشکر ہو اور ایک قرأت میں یَرٰیٰ ہے اس صورت میں تینوں اسماء فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوں گے **قولہ** الٰی ام موسٰی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کے نام میں اختلاف ہے بعض حضرات یُوحانِذْ بتاتے ہیں اور قرطبی نے ثعلبی سے نقل کیا ہے کہ ان کا نام لوخا بنت ہانذ بن لاوی بن یعقوب ہے اس کے علاوہ اور اقوال بھی مذکور ہیں **قولہ** اَنْ اَرْضِعِیْہِ اَنْ تفسیریہ اور مصدریہ دونوں ہوسکتے ہیں **قولہ** ولاَ تخافِی غرقہٗ اوپر کہا گیا تھا فاِذا خفتِ علیہ اور یہاں کہا جارہا ہے لاتخافِی دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، یہ تعارض لاتَخَافِیْ کی تفسیر غَرْقِہٖ سے کرنے کی وجہ سے دفع ہوگیا فاِذا خِفتِ میں ذبح کا خوف مراد ہے اور لاَ تَخَافِیْ میں غرق کے خوف کی نفی ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے القار سیاہ سیال مادہ جو کشتی وغیرہ میں لگایا جاتا ہے تاکہ پانی اثر نہ کرے جیسے تارکول وغیرہ **قولہ** مُمَھَّدٍ یہ تابوتٍ کی صفت ثانیہ ہے صفت اولیٰ مطلّی ہے، یعنی تابوتِ خشبی میں تارکول مل دیا تاکہ پانی اثر نہ کرے اور اس میں دھنی ہوئی روئی بچھادی تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف نہ ہو مُمَھَّدٌ بچھایا ہوا **قولہ فی عاقبۃ الامر** اس سے اشارہ کردیا کہ لیکونَ میں لام عاقبت کے لئے ہے نہ کہ علت کے لئے اس لئے کہ اٹھاتے وقت تو مقصد ابن بنانا تھا جوان ہونے کے بعد فرعون اور فرعونیوں کے لئے سبب رنج وغم ہوئے **قولہ** اِنَّ فرعونَ وھامانَ الخ یہ معطوف علیہ فلتقطہٗ آلُ فرعون اور معطوف وقالت امرأۃ فرعون کے درمیان جملہ معترضہ ہے (جمل) قالت امرأۃ فرعون فرعون کی بیوی کا نام آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن الریان بن الولید **قولہ** ھو قرۃ عین لی ولکَ ھو مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ قرۃ عینٍ مبتداء محذوف کی خبر ہے **قولہ** لَوْ لاَ اَنْ رَّبَطْنَا الخ لولا کا جواب محذوف ہے جس پر لولا کا ماقبل یعنی لَتُبْدِیْنَ دلالت کررہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لولا اَنْ رَّبَطْنَا علٰی قَلْبِھَا لاَبَدَتْ انہ اِبْنُھا **قولہ** وَھُمْ لایشعرونَ یہ جملہ آل فرعون سے حال ہے **قولہ لاختہ مریم** مریم حضرت موسیٰ کی حقیقی بہن ہیں بعض حضرات نے مریم کے بجائے کلثمہ اور کلثوم بھی ذکر کیا ہے، والدہ کا نام یوحانذ اور والد کا نام عمران ہے مگر یہ عمران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم کے والد عمران کے علاوہ ہیں اس لئے کہ دونوں عمرانوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے (جمل) **قولہ** من مکانٍ بعیدٍ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جُنُبٌ موصوف محذوف کی صفت ہے ای عن مکان بعیدٍ اختلاسًا ای اِختفاءً. حَرَّمْنَا علیہِ المَرَاضِعَ حَرَّمْنَا ای مَنَعْنَا تحریم سے مجازاً منع کرنا مراد ہے اس لئے یہاں تحریم کے شرعی معنی مراد لینا صحیح نہیں ہیں کیونکہ بچہ تکالیف شرعیہ کا مکلّف نہیں ہوتا، مَرَاضِع مُرْضِعٌ کی جمع ہے چونکہ دودھ پلانا عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے ۃ

کو ترک کر دیا گیا ہے جیسے حائض میں۔ (روح المعانی)

تفسیر و تشریح

سورۂ قصص اس کو سورۂ موسیٰ بھی کہا جاتا ہے، یہ مکی سورتوں میں سب سے آخری سورت ہے جو ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ اور جحفہ (رابغ) کے درمیان نازل ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور سے نکلنے کے بعد کفار مکہ کے خوف کی وجہ سے معروف راستہ ترک کر کے غیر معروف راستہ اختیار فرمایا تھا جب غیر معروف راستہ جحفہ (رابغ) کے قریب مکہ جانے والے معروف راستہ میں جا کر ملا تو آپکو اپنا وطن مالوف مکہ یاد آ گیا، اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ سے فرمایا کہ اے محمد کیا آپؐ کو اپنا وطن جس میں آپ پیدا ہوئے یاد آ رہا ہے تو آپؐ نے فرمایا ہاں یاد آ رہا ہے، اس پر جبرائیل امین نے قرآن کی یہ سورت سنائی جس کے آخر میں آپ کو اس بات کی بشارت ہے کہ انجام کار مکہ مکرمہ فتح ہو کر آپؐ کے قبضہ میں آئے گا وہ آیت یہ ہے اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ سورۂ قصص میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے اول اجمالاً اور پھر تفصیلاً نصف سورت تک موسیٰ و فرعون کا قصہ بیان ہوا ہے اور آخر سورت میں موسیٰ اور قارون کا قصہ بیان ہوا ہے اس سورت کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ سورت نہ مکی ہے اور نہ مدنی بلکہ مقام جحفہ میں نازل ہوئی جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے۔

قرآن کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو صحیح صحیح اس کی جزئیات کے ساتھ بیان کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ وحی الٰہی کے بغیر ہزاروں سال قبل کے واقعات کو بالکل اسی طرح بیان کر دینا جس طرح پیش آئے تھے ناممکن ہے، فرعون نے ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا اور خود بڑا معبود کہلاتا تھا بنی اسرائیل کو نہایت ذلت و مشقت میں مبتلا کر رکھا تھا جتنے بھی مشقت اور ذلت کے کام تھے وہ بنی اسرائیل سے لئے جاتے تھے حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے نومولود لڑکوں کو قتل کرا دیتا تھا اور خدمت گذاری کے لئے لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا جس کی وجہ بعض نجومیوں کی یہ پیشین گوئی تھی کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ایک بچہ کے ہاتھوں فرعون کی ہلاکت اور اس کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا، جس کا حل فرعون نے یہ نکالا کہ پیدا ہونے والے ہر اسرائیلی بچے کو قتل کر دیا جائے، حالانکہ اس احمق نے یہ نہیں سوچا کہ اگر کاہن سچا ہے تو ایسا یقیناً ہو کر رہے گا اور اگر وہ جھوٹا ہے تو قتل کروانے کی ضرورت ہی نہیں (فتح القدیر)

وَنُمَکِّنَ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ سے ارض شام مراد ہے جہاں بنی اسرائیل کنعانیوں کی زمین کے وارث ہوئے کیونکہ بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے بعد مصر آنا ثابت نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی یہاں وحی سے مراد دل میں بات ڈالنا ہے نہ کہ وحی رسالت، مطلب یہ ہے کہ تو بے خوف خطر بچہ کو دریائے نیل میں ڈال دے اور اس کے ڈوبنے یا ضائع ہو جانے کا خوف نہ کر اور نہ اس کی جدائی کا غم، ہم

یقیناً اسے تیری طرف لوٹا دیں گے اور ہم اسے پیغمبر بنانے والے ہیں جب ذبح وقتل کا سلسلہ زیادہ ہوا تو فرعون کی قوم کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں بنی اسرائیل کی نسل ہی ختم نہ ہو جائے جس کے نتیجے میں محنت ومشقت کے کام ہمیں خود کرنے پڑیں، اس اندیشہ کا ذکر انہوں نے فرعون سے کیا، جس پر نیا حکم جاری کر دیا گیا کہ ایک سال بچے قتل کئے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں، حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جو بچوں کے قتل کا سال نہیں تھا، اور موسیٰ قتل کے سال پیدا ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا سامان اس طرح پیدا فرمایا کہ اول تو ان کی والدہ پر حمل کے آثار ظاہر نہیں ہوئے کہ جس سے وہ فرعون کی چھوڑی ہوئی دائیوں کی نظر میں آجائیں اس لئے ولادت کا مرحلہ تو خاموشی کے ساتھ گذر گیا، لیکن ولادت کے بعد قتل کا خطرہ موجود تھا، جس کا حل خود اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو سمجھا دیا چنانچہ موسیٰ کی والدہ نے ان کو ایک تابوت میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈالدیا (ابن کثیر) یہ تابوت بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا جو لب دریا ہی تھا اور فرعون کے نوکر چاکروں نے نکال لیا۔

لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا میں لام عاقبت کے لئے ہے یعنی انہوں نے تو اسے اپنا بچہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنا کر لیا تھا نہ کہ دشمن سمجھ کر، لیکن انجام ان کے فعل کا یہ ہوا کہ وہ بچہ ان کا دشمن اور رنج وغم کا باعث ثابت ہوا، اِنَّ فرعون وھامان وجنودھما کانوا خٰطِئِینَ یہ جملہ ماقبل کی تعلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے لئے دشمن کیوں ثابت ہوئے اس لئے کہ وہ سب اللہ کے نافرمان اور خطا کار تھے۔

قالت امرأت فرعون الخ یہ اس وقت کہا جب تابوت میں ایک حسین وجمیل بچہ انہوں نے دیکھا بعض کے نزدیک یہ اس وقت کا قول ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ڈاڑھی کے بال نوچ لئے تھے تو فرعون نے اس کے قتل کا حکم دیدیا تھا (ایسر التفاسیر) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کی نگرانی پر مامور تھیں اور پیچھے پیچھے احتیاط کے ساتھ دور دور چل رہی تھیں جب دیکھا کہ تابوت محل کی طرف مڑ گیا اور فرعون کے خدام نے نکال لیا تو صورت حالی کی خبر اپنی والدہ کو کردی ان کے والدہ بے قرار ہو گئیں اور ان کے ہاتھ سے دامن صبر چھوٹ گیا قریب تھا کہ وہ یہ ظاہر کردیں کہ یہ اس کا بچہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کرتے تو راز کا افشا کر دیتیں، مگر ہماری توفیق سے موسیٰ کی والدہ نے صبر سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ بھی یاد آگیا جس میں موسیٰ کو صحیح سلامت واپس لوٹانے کے لئے فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی قدرت تکوینی کے حکم سے موسیٰ کو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور انّا کا دودھ پینے سے روکدیا، چنانچہ بسیار کوشش کے باوجود کوئی انّا انہیں دودھ پلانے اور چپ کرانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔

یہ منظر موسیٰ کی بہن مریم بڑی خاموشی سے دیکھ رہی تھیں بالآخر بول پڑیں کہ میں تمہیں ایسا گھرانا بتادوں کہ جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کردے، چنانچہ فرعونیوں نے حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ مریم سے کہا کہ جا اس عورت کو لے

چنانچہ مریم اپنی ماں کو جو موسیٰ علیہ السلام کی بھی ماں تھیں بلالائی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کا دودھ پی لیا تو فرعون نے موسیٰ کی والدہ سے محل ہی میں رہنے کی استدعا کی تاکہ بچہ کی صحیح پرورش اور تربیت ہو سکے، لیکن موسیٰ کی والدہ نے بے اعتنائی اور خودداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں خاوند اور بچوں کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی بالآخر یہ طے پایا کہ بچے کو وہ اپنے ساتھ ہی اپنے گھر لیجائیں، اور وہیں اس کی پرورش کریں اور اسکی اجرت انہیں شاہی خزانے سے دیدی جائے، سبحان اللہ اللہ کی قدرت دودھ اپنے بچہ کو پلائیں اور اجرت فرعون سے وصول کریں، رب العالمین نے موسیٰ کو واپس لوٹانے کا وعدہ کس احسن طریقہ سے پورا فرمایا۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وهو ثلاثون سنة او وثلث وَاسْتَوٰىٓ اى بلغ اربعين سنة اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا حكمة وَّعِلْمًا ؕ فقها فى الدّين قبل ان يُّبعث نبيا وَكَذٰلِكَ كما جزيناه نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ لانفسهم وَدَخَلَ موسى الْمَدِيْنَةَ مدينة فرعون وهى مُنفُ بعد ان غاب عنه مدةً عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا وقتِ القيلُولةِ فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ؗ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ اى اِسرائيلى وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ اى قِبطى يُسخّرُ الاسرائيلىَ ليَحمِلَ حَطَبا الى مطبخ فرعونَ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ فقال له موسى خَلِّ سبيلَه فقيل اِنه قال لموسى لقد هَممت ان احملَه عليك فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى اى ضَربَه بجُمعِ كَفه وكان شديدَ القوةِ والبَطشِ فَقَضٰى عَلَيْهِ ؗ اى قَتله ولم يكن قَصْدُ قَتلِه ودَفَنه فى الرَّملِ قَالَ هٰذَا اى قَتلُه مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ المُهيّج غضبى اِنَّهٗ عَدُوٌّ لابن ادم مُّضِلٌّ له مُّبِيْنٌ ۝ بين الاضلال قَالَ نادما رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ بقتله فَاغْفِرْلِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ اى المتصفُ بهما ازلا وابدا قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ بحق اِنعامِك عَلَىَّ بالمَغفِرةِ اعصِمنى فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا عونا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝ الكافِرين بعد هذه ان عَصَمتَنى فَاَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ينتظر ماينالُه من جهة القَتيلِ فَاِذَا الَّذِى اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ يَستغِيث به على قِبطِى اخَرَ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِىٌّ مُّبِيْنٌ ۝ بَيِّنُ الغَوايةِ لما فعلتَه امس واليوم فَلَمَّآ اَنْ زائدة اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِىْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا لموسى والمُستَغيثِ به قَالَ المستغيثُ ظانا انه يَبطِشُ به لِما قال له يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِىْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا ۢ بِالْاَمْسِ ۗ اِنْ ما تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ فَسمع القِبطى ذٰلك فعلِم اَنّ القاتلَ موسٰى فانْطَلقَ الٰى فِرعونَ فاخبره بذلك فَامر فرعونُ الذَّبّاحِين بقتل موسى فاخذوا الطريقَ اِلَيه قال تعالٰى وَجَآءَ رَجُلٌ هو مؤمنُ الِ فرعونَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ اخِرها يَسْعٰى ؗ يسرِع

فِی مَشیہٖ من طریقٍ، اَقرَبَ من طریقِھِم قَالَ یٰمُوْسٰیٓ اِنَّ الْمَلَاَ من قومِ فرعونَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ یتشاوَرُوْنَ فِیكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ مِنَ المَدینۃِ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ○ فی الامر بالخُروج فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ لحوقَ طالبٍ او غوثَ اللّٰہِ اِیَّاہ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ○ قومِ فِرعونَ. ع۲

ترجمہ

اور موسیٰ جب اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ گئے اور وہ تیس یا تینتیس سال ہیں اور توانا اور تندرست ہوگئے یعنی چالیس سال کے ہوگئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا کیا یعنی نبی بنائے جانے سے پہلے ہی ان کو حکمت اور دین کی سمجھ عطا کی اور ہم اسی طرح جیسا کہ موسیٰ کو جزاء دی اپنے اوپر احسان کرنے والوں کو جزاء دیتے ہیں اور موسیٰ شہر میں یعنی فرعون کے شہر میں جس کا نام مُنْف تھا ایک مدت غائب رہنے کے بعد ایسے وقت میں داخل ہوئے کہ شہر کے لوگ قیلولہ کے وقت غافل تھے یہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا یہ ایک تو اس کی برادری کا یعنی اسرائیلی تھا اور دوسرا اس کے دشمن کی برادری کا یعنی قبطی تھا (قبطی) اسرائیلی کو اس بات پر مجبور کر رہا تھا کہ وہ لکڑیوں کو فرعون کے مطبخ لے چلے جو موسیٰ کی برادری کا تھا اس نے اس شخص کے خلاف کہ جو ان کے مخالفین میں سے تھا موسیٰ سے فریاد کی تو موسیٰ علیہ السلام نے قبطی سے کہا تو اس کو چھوڑ دے (جانے دے) کہا گیا ہے کہ اس قبطی نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا میں ارادہ کر چکا ہوں کہ لکڑیاں تیرے سر پر رکھ دوں جس پر موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ایک گھونسا مار دیا یعنی ہاتھ بند کر کے مکا مار دیا موسیٰ بہت قوی اور سخت گرفت والے تھے چنانچہ موسیٰ نے قبطی کو قتل کر دیا حالانکہ اس کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا، اور اس کو ریت میں دفن کر دیا اور موسیٰ نے فرمایا یہ قتل شیطانی حرکت ہوگئی جو میرے غصہ کو بھڑکانے والا ہے بلاشبہ شیطان انسانوں کا کھلا دشمن ہے غلطی میں ڈالدیتا ہے نادم ہو کر عرض کیا اے میرے پروردگار میں نے قبطی کو قتل کر کے خود اپنے اوپر ظلم کر لیا آپ مجھے معاف فرما دیں اللہ نے ان کو معاف کر دیا، بلاشبہ وہ غفور و رحیم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں صفات کے ساتھ ازلاً و ابداً متصف ہیں، موسیٰ کہنے لگے اے میرے رب میرے اوپر تیرے مغفرت کا انعام فرمانے کے صدقہ میں میری حفاظت فرما اگر تو نے میری حفاظت کی تو میں آئندہ مجرمین کا مددگار نہ بنوں گا پھر موسیٰ علیہ السلام نے خوف و دہشت کی حالت میں صبح کی یہ انتظار کرتے ہوئے کہ مقتول کی جانب سے ان کو کیا (معاملہ) پیش آتا ہے، تو اچانک (کیا دیکھتے ہیں) کہ وہی شخص جس نے گذشتہ کل موسیٰ سے مدد چاہی تھی ایک دوسرے قبطی کے خلاف موسیٰ کو (مدد کے لئے) پکار رہا ہے تو موسیٰ فرمانے لگے بے شک تو ہی صریح بدراہ ہے، اپنی اس حرکت کی وجہ سے جو تو نے کل اور آج کی چنانچہ جب موسیٰ نے اس شخص کی طرف ہاتھ بڑھایا جو دونوں کا دشمن تھا یعنی موسیٰ اور اسرائیلی کا اَنْ زائدہ ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے فریادی (اسرائیلی) سے اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ کا جملہ کہا تو فریادی نے یہ سمجھتے ہوئے کہ (شاید آج) وہ میری گرفت

کریں گے کہنے لگا اے موسیٰ کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے بس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو صلح کرانا نہیں چاہتے چنانچہ قبطی نے جب یہ بات سنی تو سمجھ گیا کہ (کل کا) قاتل موسیٰ ہے چنانچہ قبطی نے فرعون کے پاس پہنچ کر اس کی خبر کر دی تو فرعون نے جلادوں کو موسیٰ کے قتل کا حکم صادر کر دیا چنانچہ جلاد اس کی طرف روانہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا آل فرعون کا ایک مومن شخص شہر کے پرے کنارے سے دوڑتا ہوا یعنی جلادوں کی بہ نسبت مختصر راستہ سے تیزی سے چلتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا اے موسیٰ فرعون کی قوم کے سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں لہٰذا تو شہر سے نکل جا اور میں خروج کے مشورہ کے معاملہ میں تیرا خیر خواہ ہوں پس موسیٰ وہاں سے خوف زدہ ہو کر تلاش کرنے والوں کے پہنچنے (کا اندیشہ کرتے ہوئے) یا اللہ کی مدد کا انتظار کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے کہنے لگے اے میرے پروردگار تو مجھے ظالم قوم یعنی فرعون کی قوم سے بچا لے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله وَاسْتَوٰی ای بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سنةً مفسر علام اگر اِسْتَوٰی کی تفسیر انتھٰی شبابه وتکامل عقله سے فرماتے تو زیادہ ظاہر اور مناسب ہوتا، اس لئے کہ مدین حضرت شعیبؑ کی خدمت میں دس سال قیام کرنے کی بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر کی واپسی ہوئی اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی عمر اس وقت چالیس کی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قیام مصر میں تیس سال رہا اور اگر مصر میں حضرت موسیٰ کا قیام چالیس سال مان لیا جائے جیسا کہ مفسر علام نے فرمایا ہے تو مدین سے واپسی کے وقت موسیٰ علیہ السلام کی عمر پچاس سال ہونی چاہئے حالانکہ صراحت کے خلاف ہے **قوله** مُنُفُ اسی شہر کا نام ہے جہاں فرعون رہتا تھا یہ علمیت اور عجمہ یا علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے اسی شہر کو منوف بھی کہتے ہیں فقَضٰی عَلَیْهِ یہ اَوْقَعَ القضاء کے معنی میں ہونے کی وجہ سے متعدی بعلی ہے **قوله** وَلَمْ یکن قصدُہ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خلاف شرع ایسی جرأت کیوں کی کہ ایک غیر واجب القتل شخص کو قتل کر دیا؟ جواب یہ ہے کہ یہ قتل خطا تھا، اب رہا اس قتل پر استغفار تو یہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے قبیل سے تھا **قوله** هٰذا ای قتله ای قتله کہہ کر هٰذا کے مشار الیہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ مراد فعل قتل ہے اور بعض حضرات نے هٰذا کا مشار الیہ فعل مقتول کو قرار دیا ہے یعنی مقتول کا فعل یعنی قبطی کا اسرائیلی پر زور زبردستی کرنا یہ فعل شیطانی عمل تھا جو کہ قابل مواخذہ تھا اور بعض حضرات نے هٰذا کا مشار الیہ خود قبطی کو قرار دیا ہے یعنی قبطی خود شیطانی لشکر اور اس کی جماعت کا فرد تھا، اور موسیٰ کا اِنّی ظلمتُ نفسی فرمایا تواضع اور کسر نفسی کے طور پر تھا **قوله** قَالَ رَبِّ بِمَا اَنْعَمْتَ بِحَقِّ اِنْعَامِكَ عَلَیَّ مفسر علام نے بِمَا اَنْعَمْتَ کی تفسیر بحق انعامك سے کر کے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اول یہ کہ ما مصدریہ ہے یعنی اَنْعَمْتَ بمعنی اِنعامك ہے اور کلام حذف مضاف کے

ساتھ ہے ای بحق انعامك اور تیسری بات یہ کہ اِعْصِمْنِی محذوف مان کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ بِحَقِّ جار با مجرور اِعْصِمْنِی محذوف کے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِعْصِمْنِی بِحَقِّ اِنْعَامِكَ عَلَیَّ بالمغفرۃ
قوله فَلَنْ اکونَ ظَهِیْرًا للمجرمِیْنَ یہ جملہ شرط محذوف کا جواب ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ اعْصَمْتَنِی فَلَنْ اَکُوْنَ ظهیرًا للمجرمین **قوله** بعد هٰذه ای بعد هٰذه المرۃ مفسر علام کا مجرمین کی تفسیر کافرین سے کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ اس تفسیر کے مطابق اسرائیلی کا کافر ہونا لازم آتا ہے بہتر ہوتا ہے کہ مجرمین کو علی حالہ رہنے دیتے۔ (جمل ملخصاً) **قوله** فَاَصْبَحَ فی المدینة خائفاً یترقّب مدینہ سے وہی شہر مراد ہے جس میں قبطی مقتول ہوا تھا **قوله** خائفًا یہ اصبح کی خبر ہے اور فی المدینة اس کے متعلق ہے اور یَتَرَقَّبُ کا مفعول محذوف ہے ای یَتَرَقَّبُ المکروۃ ، او الفرج ، او الخبر ، هل وصل لفرعون ام لا یعنی یَتَرَقَّبُ کے مختلف مفعول محذوف ہو سکتے ہیں جیسا کہ اوپر ظاہر کر دیئے گئے ہیں **قوله** اِذَا الَّذِیْ اِذا مفاجاتیہ ہے اَلَّذِیْ موصول استنصرہ اس کا صلہ موصول صلہ سے مل کر موصوف محذوف الاسرائیلی کی صفت موصوف صفت سے مل کر مبتداء یَسْتَصْرِخُهٗ خبر، بِالْاَمْسِ متعلق ہے استنصرہ کے، تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا الإسرائیلی الذی اسْتَنْصَرَهٗ بالامس یَسْتَصْرِخُهٗ **قوله** یَسْعٰی رَجُلٌ کی صفت ہے یَسْعٰی رجل سے حال بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ رَجُلٌ من اقصی المدینة سے متصف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہو گیا جس کی وجہ سے رجل کا ذوالحال بننا درست ہے اَلْمَلَأُ اسم جمع شریف یا سرداروں کی جماعت یَاْتَمِرُوْنَ ایتمار (افتعال) سے جمع مذکر غائب وہ مشورہ کر رہے ہیں اِیَّاہ الضمیر راجع الی موسٰی۔

تفسیر وتشریح

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ واسْتَوٰی اَشُدٌّ کے لفظی معنی قوت وشدت کے انتہاء پر پہنچنا ہے یعنی انسان بچپن کے ضعف سے بتدریج قوت وشدت کی طرف بڑھتا ہے، ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کے وجود میں جتنی قوت وشدت آسکتی تھی وہ پوری ہو جاتی ہے، اس وقت کو اشد کہا جاتا ہے، اور یہ زمین کے خطوں اور قوموں کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، کسی کا اشد کا زمانہ جلدی آتا ہے اور کسی کا دیر میں، لیکن حضرت ابن عباس اور مجاہد سے بروایت عبد بن حمید یہ منقول ہے کہ اشد عمر کے تینتیس سال میں ہوتا ہے اسی کو سن کمال یا سن وقوف کہا جاتا ہے جس میں بدن کا نشو ونما ایک حد پر پہنچ کر رک جاتا ہے اس کے بعد چالیس سال تک وقوف کا زمانہ ہے اسی کو استوٰی کہتے ہیں، چالیس سال کے بعد انحطاط اور ضعف شروع ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اشد تینتیس سال کی عمر سے شروع ہو کر چالیس سال تک رہتا ہے۔ (روح وقرطبی بحوالہ معارف) خازن نے کہا ہے کہ اشد اٹھارہ سال سے تیس سال تک ہوتا ہے۔

اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وعِلمًا بعض حضرات نے حکماً وعلماً سے حکمت اور تفقہ فی الدین مراد لیا ہے اور یہ دونوں چیزیں قبل البعثت عطا کی گئیں، اور بعض کے نزدیک حکم سے مراد نبوت و رسالت ہے اور علم سے احکام شرعیہ کا علم ہے وَدَخَلَ موسٰی المدینۃ علٰی حینِ غفلۃٍ من اھلھا مدینہ سے مراد شہر مصر (مُنف) ہے اور غفلت کے وقت سے بعض حضرات نے دوپہر کا وقت مراد لیا ہے جبکہ لوگ قیلولہ کرتے ہوتے ہیں اور بعض نے مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت مراد لیا ہے مگر اول راجح ہے، دَخَلَ المدینۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ کہیں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔

قال رَبِّ اِنِّی ظلمتُ نفسی الخ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اس قبطی کافر کا قتل جو موسیٰ سے بلا ارادہ صادر ہوگیا تھا موسیٰ علیہ السلام نے اس قتل خطاء کو بھی حسنات الابرار سیئات المقربین کے قاعدہ سے جرم عظیم سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔

سوال: یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کافر قبطی شرعی اصطلاح کے اعتبار سے حربی تھا جس کا قتل عمداً وقصداً بھی مباح تھا کیونکہ یہ نہ کسی اسلامی حکومت کا ذمی تھا اور نہ موسیٰ علیہ السلام کا اس سے کوئی معاہدہ تھا، پھر موسیٰ نے اس قتل خطا کو عمل شیطان اور گناہ کیوں قرار دیا، اس کا قتل تو بظاہر موجب اجر ہونا چاہئے تھا، کہ ایک مسلمان پر ظلم کر رہا تھا اس کو بچانے کے لئے یہ قتل واقع ہوا۔

جواب: جواب یہ ہے کہ معاہدہ جیسے قولی اور تحریری ہوتا ہے جس کی خلاف ورزی عہد شکنی اور غداری سمجھی جاتی ہے، اسی طرح معاہدہ عملی بھی ایک قسم کا معاہدہ ہی ہوتا ہے، اس کی بھی پابندی لازمی اور خلاف ورزی عہد شکنی کے مرادف ہے معاہدہ عملی کی صورت یہ ہے کہ جس جگہ مسلمان اور کچھ غیر مسلم کسی دوسری حکومت میں باہمی امن واطمینان کے ساتھ رہتے بستے ہوں، ایک دوسرے پر حملہ کرنا یا لوٹ مار کرنا طرفین سے غداری سمجھا جاتا ہو تو اس طرح کی معاشرت اور معاملات بھی ایک قسم کا عملی معاہدہ ہوتے ہیں ان کی خلاف ورزی جائز نہیں، اس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ کی وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الشروط میں مفصل روایت کیا ہے، اس کا واقعہ یہ تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہ اپنے اسلام لانے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کفار کی ایک جماعت کے ساتھ مصاحبت ومعاشرت اور معاملات رکھتے تھے، ایک روز ان کو قتل کر کے ان کے اموال پر قبضہ کر لیا اور رسول اللہ کی خدمت میں آکر مسلمان ہو گئے اور جو مال ان لوگوں کا لیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا، اَمّا الاسلام فاقبلُ واَمّا المال فلست منہ فی شیئ اور ابوداؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں اما المال فمال غدر لا حاجۃ لنا فیہ یعنی آپ کا اسلام تو ہمیں قبول مگر یہ مال جو کہ غدر اور عہد شکنی سے حاصل ہوا ہے اس کی ہمیں حاجت نہیں، شارح بخاری ابن حجر نے شرح میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ کفار کا مال حالت امن میں لوٹ لینا حلال نہیں کیونکہ ایک بستی کے رہنے والے یا ایک ساتھ کام کرنے والے ایک دوسرے سے اپنے کو مامون سمجھتے ہیں ان کا یہ عملی معاہدہ بھی ایک امانت

ہے جس کی حفاظت کرنا فرض ہے، اور کفار کے اموال جو مسلمانوں کے لئے حلال ہوتے ہیں تو وہ صرف محاربہ اور مغالبہ کی صورت میں حلال ہوتے ہیں حالت امن و امان میں جبکہ ایک دوسرے سے اپنے کو مامون سمجھتے ہوں کسی کافر کا مال لوٹ لینا جائز نہیں، قسطلانی نے بھی شرح بخاری میں یہی بات لکھی ہے:

خلاصہ یہ کہ قبطی کا قتل اس عملی معاہدہ کی بناء پر اگر بالقصد ہوتا تو جائز نہیں تھا مگر حضرت موسیٰ نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اسرائیلی کو اس کے ظلم سے بچانے کے لئے ہاتھ کی ضرب لگائی جو عادۃً سبب قتل نہیں ہوتی مگر اتفاقاً قبطی اس ضرب سے مرگیا، تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ اس کو دفع کرنے کے لئے اس ضرب سے کم درجہ بھی کافی تھا یہ زیادتی میرے لئے درست نہ تھی اسی لئے اس کو عمل شیطان قرار دیکر اس سے مغفرت طلب کی۔

قَالَ ربِ بما انعمتَ (الآیۃ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس لغزش کو جب معاف فرمادیا تو آپ نے اس کے شکریہ میں یہ عرض کیا کہ میں آئندہ کسی مجرم کی مدد نہ کروں گا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ نے جس اسرائیلی کی مدد کے لئے یہ اقدام کیا تھا دوسرے واقعہ سے معلوم ہوگیا تھا کہ وہ خود ہی جھگڑالو ہے لڑائی جھگڑا اس کی عادت ہے اس لئے اس کو مجرم قرار دے کر آئندہ کسی ایسے شخص کی مدد نہ کرنے کا عہد فرمایا اور حضرت ابن عباس ؓ سے اس جگہ مجرمین کی تفسیر کافرین کے ساتھ منقول ہے اور قتادہ نے بھی تقریباً یہی فرمایا ہے، صاحب جلالین نے غالباً اسی تفسیر کے پیش نظر مجرمین کی تفسیر کافرین سے کی ہے، اس تفسیر کی بناء پر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی جس کی مدد موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی یہ بھی مسلمان نہ تھا مگر اس کو مظلوم سمجھ کر امداد فرمائی۔

مسئلہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس طرز عمل سے دو مسئلہ معلوم ہوتے ہیں مظلوم اگرچہ کافر اور فاسق ہی کیوں نہ ہو اس کی مدد کرنی چاہئے، دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی مجرم ظالم کی مدد کرنا جائز نہیں **فَاَصْبَحَ فِی المَدِینةِ خَائِفًا یَتَرَقَّبُ خائفا** ڈرتے ہوئے یعنی گرفتاری کا خوف کرتے ہوئے **یترقبُ** کے دو معنی ہیں اور مفسرین نے دونوں ہی معنی کو صحیح قرار دیا ہے اول احتیاط کے طور پر ادھر ادھر جھانکتے ہوئے اور اپنے بارے میں اندیشوں میں مبتلا، دوسرے اللہ تعالیٰ کی اعانت اور مدد کی امید کرتے ہوئے۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے دوسرے روز اسی اسرائیلی کو ایک دوسرے قبطی سے الجھتے ہوئے دیکھا تو فرمانے لگے تیری ہی شرارت معلوم ہوتی ہے کل بھی تو ایک قبطی سے جھگڑ رہا تھا، اور آج دوسرے سے الجھ رہا ہے، اسرائیلی کو زبانی فہمائش کرنے کے بعد قبطی سے مواخذہ کرنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ بڑھایا تو قبطی یہ سمجھا شاید میری گرفت کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہے تو اسرائیلی بول اٹھا، اے موسیٰ **أتريد اَنْ تَقْتُلَنِیْ** (الآیۃ) جس سے قبطی کے علم میں یہ بات آگئی کہ کل جو قتل ہوا تھا اس کا قاتل موسیٰ ہے اس نے جا کر فرعون کو خبر کردی جس کے نتیجہ میں فرعون نے موسیٰ کے قتل کے لئے اپنے سرداروں اور ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے موسیٰ کے قتل کا حکم صادر کردیا۔

شہر کے باہری کنارے سے ایک شخص جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیرخواہ تھا دوڑتا ہوا آیا اور فرعونیوں کے مشورہ کی خبر دی اور یہ بھی کہا کہ تم فوراً مصر چھوڑ دو اور کسی دوسری جگہ چلے جاؤ، شہر کے کنارے سے آنے والا شخص کون تھا؟ بعض کہتے ہیں کہ فرعون کا چچا زاد بھائی حزقیل تھا بعض نے شمعون اور بعض نے سمعان بتایا ہے اور در پردہ حضرت موسیٰ کا خیرخواہ اور ہمدرد تھا، بعض کہتے ہیں کہ اسرائیلی تھا اور حضرت موسیٰ کا قریبی رشتہ دار تھا۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ قَصَد بوَجهه تِلْقَآءَ مَدْيَنَ جهتها وهى قَرْيَةُ شُعَيب مسيرة ثمانية ايام من مصر سميتْ بمَديَن ابنِ ابراهيمَ ولم يَكُن يعرِفُ طريقَها قَالَ عَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ○ اى قَصْدَ الطريقِ اى الطريقَ الوَسَطَ اليها فارسل اللّٰهُ اليه ملكا بيده عَنَزَة فانطلق به اليها وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ بئر فيها اى وَصَل وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً جماعةً كثيرةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ○ مواشيَهم وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمْ اى سواهم امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدَانِ ع تمنعان اغنامَهما عن الماءِ قَالَ موسٰى لهُما مَا خَطْبُكُما اى شانكما لاتَسقيان قَالَتَا لَا نَسْقِىْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ســكـ جمعُ راعٍ اى يَرْجِعُوا مِن سَقْيِهِم خوفَ الزحامِ فنسقى وفى قراءةٍ يَصْدِرُ من الرُّباعى اى يُصْرِفوا مواشِيَهُم عنِ الماء وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ○ لايقدِرُ اَنْ يسقِىَ فَسَقٰى لَهُمَا من بئرٍ اُخرىٰ بِقُربِها رَفَع حجرًا عنها لايرفعُهُ الا عشرةُ اَنفُسٍ ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِنصرفَ اِلَى الظِّلِّ سمرةٍ من شدةِ حر الشمسِ وهو جائع فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ طعام فَقِيْرٌ○ محتاج فرجعتا الٰى اَبِيهما فى زمن اَقلَّ مما كانتا ترجعان فيه فسألهما عن ذٰلك فاَخْبَرتاه بمن سقٰى لهما فقال لاحداهما ادعِيه لى قال تعالٰى فَجَآءَتْهُ اِحْدٰهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ اى واضعةً كُمَّ درعِها على وجهِها حياءً منه قَالَتْ اِنَّ اَبِىْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ط فاجابها منكرًا فى نفسهٖ اَخذَ الاُجرةِ وكانها قصدتْ المكافاةَ اِن كان ممَّن يريدُها فمَشَتْ بَيْنَ يديه فجعلتِ الريحُ تَضْرِبُ ثوبَها فتكشِفُ ساقَها فقال لها امشى خَلفى ودَلِّينى على الطريقِ ففعلتْ الٰى ان جاء اباها وهو شُعَيب عليه السلام وعنده عَشاء قال له اِجلِس فتعش قال اَخافُ ان يكونَ عوضًا مما سقيتُ لَهُما وانا اَهلُ بَيتٍ لا نطلبُ على عملِ خيرٍ عوضًا قال لاعَادَتى وعادةُ ابائى نَقرى الضيفَ ونُطعم الطعامَ فاكل واَخبره بحاله قال تعالٰى فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ مصدر بمعنى المَقْصوصِ من قتله القبطى وقصدهم قتلَه وخوفِه من فرعونَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ○ اذ لاسلطانَ لفرعونَ على مدين قَالَتْ اِحْدٰهُمَا وهى المُرْسَلَةُ الكبرىٰ او الصُّغرىٰ يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اتَّخِذْه

اَجیرا یرعٰی غَنَمنَا ای بَدَلَنا اِنَّ خَیرَ مَنِ اسْتَاجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ○ ای استاجره لقوّته وامانته فسالها عنهما فاخبرته بما تقدّم من رَفعِه حَجَر البئرِ ومن قوله لها اِمشی خلفی وزیادةِ انها لما جاءته وعَلِم بها صوَّب راسَه فلم یرفعه فرغبَ فی انکاحه قَالَ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَکَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ وهی الکُبرٰی او الصُغرٰی عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ تکونُ اَجیْرًا لی فی رَعی غنمی ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ ای سنینَ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا ای رعْی عشر سِنینَ فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ التمامُ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ باشتراطِ العَشرِ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ للتبرك مِنَ الصّٰلِحِیْنَ○ الوافِینَ بالعَهدِ قَالَ موسٰی ذٰلِكَ الذی قُلتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ الثمانَ او العَشر ومَا زائدة ای رَعیَه قَضَیْتُ به ای فرَغْتُ عنه فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ بطلَبِ الزّیادةِ علیه وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ انا وانت وَکِیْلٌ ۚ حفیظٌ او شَهِیْدٌ فتمَّ العَقْدُ بذٰلك وامر شُعیبٌ اِبنَةً اَنْ یُعطی موسٰی عَصًا یَدفعُ بها السِّبَاعَ مِن غنمِه وکانت عِصِیّ الانبیاءِ عنده فوقع فی یدها عصا اٰدَمَ من اٰسِ الجَنَّة فاخذها موسٰی بعلم شعیب.

ترجمہ

اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے یعنی مدین کی طرف رخ کیا، مدین شعیب علیہ السلام کی بستی تھی جو مصر سے آٹھ دن کی مسافت پر واقع تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے مدین بن ابراہیم علیہ السلام کے نام سے یہ بستی موسوم تھی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے راستہ سے واقف نہیں تھے تو کہنے لگے مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے راستے کی رہنمائی فرمائے گا، یعنی سیدھے راستہ یعنی مدین کے متوسط راستہ کی رہنمائی کرے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک فرشتہ کو بھیج دیا جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا، تو وہ فرشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین کی طرف لے چلا، چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے پانی یعنی اس کے کنوئیں پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہی ہے اور ان لوگوں سے الگ دو عورتوں کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو پانی سے روکے ہوئے ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں سے معلوم کیا تمہارا کیا معاملہ ہے؟ تم پانی کیوں نہیں پلا رہیں؟ وہ بولیں جب تک چرواہے واپس نہ چلے جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں، الرِّعاء راعٍ کی جمع ہے یعنی جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر واپس نہ چلے جائیں ہم خوف ازدہام کی وجہ سے پانی نہیں پلاتیں (اور جب بھیڑ ختم ہو جائے گی) تو ہم پلائیں گی، اور ایک قراءۃ میں یُصْدِرُ رباعی (افعال) سے ہے ای یُصْرِفوا مواشیَهم عن الماء (یعنی جب تک اپنے جانوروں کو نہ لوٹا لیں) اور ہمارے والد صاحب بڑی عمر کے بوڑھے ہیں یعنی وہ پانی پلانے پر قادر نہیں ہیں خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے ان کی بکریوں کو دوسرے کنوئیں سے جو کہ اس کنوئیں کے قریب ہی تھا پانی

پلادیا، ایک بھاری پتھر اس کنوئیں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (تنہا) اٹھادیا کہ جس کو دس افراد (بمشکل) اٹھا سکتے تھے پھر دھوپ کی سخت گرمی کی وجہ سے ببول کے ایک درخت کے سایہ کی طرف لوٹ آئے حال یہ کہ موسیٰ علیہ السلام بھوکے بھی تھے پھر دعاء کی اے میرے پروردگار (اس وقت) جو نعمت بھی مجھ پر بھیج دیں کھانا (وغیرہ) میں اس کا حاجت مند ہوں، چنانچہ وہ دونوں لڑکیاں (روزانہ) جتنے وقت میں لوٹا کرتی تھیں اس سے کم وقت میں اپنے ابا جان کے پاس لوٹ آئیں، تو ان کے والد نے ان سے جلدی چلے آنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے اس شخص کے بارے میں خبر دی جس نے ان کی بکریوں کو پانی پلایا تھا، تو ان کے والد نے ان میں سے ایک سے کہا اس کو میرے پاس بلالاؤ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اتنے میں ان دونوں میں سے موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی یعنی حضرت موسیٰ سے حیاء کی وجہ سے اپنے کرتے کی آستین کو اپنے چہرے پر رکھے ہوئے کہنے لگی میرے ابا جان آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے جو ہمارے (جانوروں) کو پانی پلایا ہے اس کا صلہ دیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس لڑکی کی دعوت کو قبول کرلیا، اپنے دل میں اجرت لینے کو ناپسند کرتے ہوئے اور گویا کہ لڑکی کا مقصد بدلہ دینا تھا اگر موسیٰ علیہ السلام اجرت لینا چاہیں پھر وہ لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے آگے آگے چلی اور ہوا اس کے کپڑے کو اڑانے لگی جس کی وجہ سے اسکی پنڈلی کو ظاہر کرنے لگی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم میرے پیچھے چلو اور مجھے راستہ بتاتی رہو، چنانچہ لڑکی نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اپنے ابا جان شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی، ان کے پاس شام کا کھانا تیار تھا، حضرت شعیب نے فرمایا تشریف رکھئے اور کھانا تناول فرمایئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ (کھانا) ان کے (جانوروں) کو میرے پانی پلانے کا عوض ہو، اور میرا تعلق ایسے گھرانے سے ہے کہ ہم کار خیر پر کوئی اجرت نہیں لیتے، حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا ایسی بات نہیں ہے بلکہ میری اور میرے آبا واجداد کا یہ معمول ہے کہ ہم مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور کھانا کھلاتے ہیں، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے کھانا تناول فرمایا اور اپنی (پوری) سرگذشت سنائی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا جَاءَهُ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا (القصص) مصدر ہے، مقصوص کے معنی میں ہے یعنی اپنے قبطی کو قتل کرنے اور اُن کے اِن کو قتل کرنے اور فرعون کے جانب سے اپنے خوف کی پوری سرگذشت سنائی تو شعیب کہنے لگے (اب) اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے اس لئے کہ مدین پر فرعون کی سلطنت نہیں ہے ان میں سے ایک نے اور وہ وہی تھی جس کو (بلانے) بھیجا تھا، بڑی یا چھوٹی کہا ابا جان ان کو ملازم رکھ لیجئے (یعنی) ان کو اجیر رکھ لیجئے ہمارے بجائے ہماری بکریوں کو چرائیں گے کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں گے ان میں سب سے بہتر وہ ہوگا جو قوی اور امانت دار ہوگا یعنی ان کی قوت اور امانت کی وجہ سے ان کو ملازم رکھ لیجئے، چنانچہ (شعیب علیہ السلام) نے اپنی بیٹی سے ان دونوں صفات کے بارے میں معلوم کیا تو اس نے وہ

سب باتیں جن کا ذکر اوپر گذرا ہے اپنے والد صاحب کو بتائیں یعنی ان کے کنوئیں کے پتھر کو (تنہا) اٹھانے اور ان کے اس سے یہ کہنے کہ میرے پیچھے پیچھے چلو اور مزید کچھ اضافہ کے ساتھ یہ کہ جب میں ان کے پاس پہنچی اور ان کو میری آمد کا علم ہوا تو اپنا سر جھکا لیا اور اٹھایا نہیں، چنانچہ شعیبؑ ان سے نکاح کرنے کی طرف راغب ہوئے، تو شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور وہ بڑی ہے یا چھوٹی اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میرے یہاں ملازمت کرو یعنی تم میری بکریاں چرانے کا کام کرو اور اگر آپ دس سال پورے کر دیں یعنی دس سال بکریاں چرائیں تو یہ اتمام آپ کی طرف سے ہوگا اور میں آپ کو دس سال کی شرط لگا کر کسی مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا اور آپ انشاء اللہ تبرک کے لئے ہے مجھے عہد کو وفا کرنے والا پائیں گے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ بات جو آپ نے فرمائی میرے اور آپ کے درمیان مکمل ہوگئی ان دونوں میں سے یعنی آٹھ یا دس سال میں سے جس مدت کو بھی میں پوری کروں اس پر زیادتی کا مطالبہ کر کے مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اَیّما میں ما زائدہ ہے یعنی چرانے کی مدت کو (پورا کروں) اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ نگہبان ہے یا شاہد ہے، اس بات سے عقد (نکاح) مکمل ہوگیا اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی سے کہا (ان کو) ایک عصا دیدیں جس کے ذریعہ بکریوں کی درندوں سے حفاظت کریں (اور انبیاء سابقین کے) بہت سے عصا ان کے پاس موجود تھے چنانچہ لڑکی کے ہاتھ میں آدم علیہ السلام کا عصا آگیا جو جنت کے درخت مورد کا تھا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے وہ عصا شعیب علیہ السلام کے علم لا کر لے لیا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ سَوَاءَ السَّبِیْلِ یہ اضافت صفت الی الموصوف ہے ای الطریق الوسط سواءَ السَّبِیْلَ کی تفسیر قصدَ السَّبیل سے کی ہے، اور یہ بتانے کے لئے کہ یہ اضافت صفت الی الموصوف کے قبیل سے قصد الطریق کی تفسیر الطریق الوسط سے کی ہے، **قولہ** عَنَزَۃ عنزہ عصاء سے بڑا اور نیزے سے چھوٹا ہوتا ہے اس کے نیچے والے سرے پر لوہے کی انی ہوتی ہے **قولہ** مَاءَ مدینَ کی تفسیر بئرٌ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ حال بول کر محل مراد ہے اور بئرٌ سے پہلے ھو مبتداء محذوف ہے بئر اس کی خبر ہے ای ھو بئرٌ کائن فیھا **قولہ** اُمَّۃً کی تفسیر جماعۃ کثیرۃ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ تنوین تکثیر کے لئے ہے **قولہ** تَذُوْدَان امراتین کی صفت ہے نہ کہ وَجَدَ کا مفعول ثانی اس لئے کہ وَجَدَ بمعنی لَقِیَ ہے۔

سوال: مندرجہ ذیل چار افعال کے مفعولوں کو کیوں حذف کیا گیا ہے؟ یَسْقُوْنَ تذُوْدَان وَلَا نَسْقِیْ اور یُصْدِرُ الرعاءُ (افعال)

جواب: چونکہ مقصود بالذات فعل ہوتا ہے نہ کہ مفعول لہٰذا مذکورہ چاروں فعلوں کے مفاعیل کو حذف کر دیا گیا ہے

قوله علی أن تاجرنی فاعل یا مفعول سے حال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے ای مشروطاً علیَّ او علیكَ ذٰلكَ **قوله** التمام محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ مِنْ عندكَ مبتداء محذوف کی خبر ہے **قوله** ذلكَ مبتداء ہے اور بینی و بینكَ اس کی خبر **قوله** اَیَّمَا الاَجَلَیْنِ ایُّ شرطیہ ہے ما زائدہ ہے فَلَا عُدْوانَ جواب شرط ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَمَّا توجَّهَ تِلقاء مدیَنَ مدین ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے جو مدین بن ابراہیم کے نام سے موسوم ہے ان ہی نے اس شہر کو بسایا تھا، یہ علاقہ فرعونی حکومت سے خارج تھا، مصر سے مدین آٹھ دن کی مسافت پر واقع تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعونی سپاہیوں کا طبعی خوف پیش آیا، جو نہ نبوت کے منافی ہے اور نہ توکل کے تو مصر سے ہجرت کا ارادہ فرمایا، اور مدین کی سمت کو شاید اس لئے اختیار کیا کہ مدین بھی اولاد ابراہیم کی بستی تھی اور حضرت موسیٰ بھی حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے اس لئے کہ حضرت موسیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بالکل بے سروسامانی کی حالت میں نکلے، نہ کوئی توشہ تھا اور نہ کوئی سامان اور نہ راستہ معلوم، اسی اضطرار کی حالت میں اللہ جل شانہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دعاء فرمائی عسیٰ ربی ان یهدینی سواء السبیل یعنی امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرمائے گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی یہ دعاء قبول فرمائی، مدین کے تین راستے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہدایت خداوندی متوسط راستہ اختیار فرمایا فرعونی سپاہی آپ کی تلاش و جستجو میں نکلے اور مشورہ میں یہ طے ہوا کہ بھاگنے والا کبھی سیدھا راستہ اختیار نہیں کرتا ہمیشہ بعید اور غیر معروف راستہ اختیار کرتا ہے لہٰذا موسیٰ نے بھی مختصر اور سیدھے راستہ کو چھوڑ کر طویل اور غیر معروف راستہ اختیار کیا ہوگا چنانچہ فرعونی سپاہیوں نے درمیانی سیدھا راستہ ترک کر کے دشوار اور طویل راستہ اختیار کیا موسیٰ علیہ السلام بخیر و عافیت اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے اور فرعونی سپاہی خائب و خاسر واپس آ گئے، مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غذا صرف درختوں کے پتے تھے۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مدیَنَ ماء مدین سے وہ کنواں مراد ہے جس سے اس بستی کے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلاتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بکریوں کو روکے ہوئے دور کھڑی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رحم آیا تو ان سے معلوم کیا کہ تم اپنی بکریوں کو کیوں روکے کھڑی ہو؟ پانی کیوں نہیں پلاتیں؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ ہماری عادت یہی ہے کہ ہم مردوں کے ساتھ اختلاط سے بچنے کے لئے اس وقت تک بکریوں کو پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ لوگ کنوئیں پر ہوتے ہیں، قدرتی طور پر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تمہارے یہاں کوئی مرد نہیں

کہ جو یہ کام انجام دے سکے تو اس سوال کا جواب انہوں نے خود ہی **وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ** کہہ کر دیدیا کہ ہمارے والد صاحب بہت ضعیف اور بوڑھے ہیں وہ یہ کام نہیں کر سکتے، اس لئے ہم اس کام کے لئے مجبور ہیں، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔

اس واقعہ سے چند اہم فوائد حاصل ہوئے، اول ضعیفوں کی مدد کرنا، انبیاء کی سنت ہے، دوسرا بوقت ضرورت اجنبی عورت سے بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو، تیسرا شرم وحیا عورتوں کا زیور ہے یہ واقعہ اگرچہ اسلام سے بہت پہلے کا ہے مگر اس وقت بھی دونوں لڑکیوں نے اپنی فطری اور طبعی شرافت کی وجہ سے تکلیف برداشت کرنا تو گوارا کیا مگر مردوں کے ساتھ اختلاط پسند نہیں کیا، چوتھا عورتوں کا باہر کے کاموں کے لئے نکلنا اس وقت بھی ناپسند سمجھا جاتا تھا اسی لئے لڑکیوں نے اپنے باہر نکلنے کا یہ کہہ کر عذر بیان کیا کہ چونکہ ہمارے والد صاحب ضعیف اور بوڑھے ہیں اس لئے بدرجہ مجبوری ہم کو نکلنا پڑا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان لڑکیوں پر ان کی مجبوری کی وجہ سے رحم آ گیا اسی کنوئیں سے یا اس کے قریب دوسرے کنوئیں سے جس پر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا تھا جس کو بمشکل دس آدمی اٹھا سکتے تھے تنہا اٹھا کر الگ رکھدیا اور ان کی بکریوں کو پانی پلادیا، اور ببول کے ایک درخت کے سایہ میں جا کر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مندی کے لئے دعا کرنے لگے۔

ادھر یہ ہوا کہ یہ لڑکیاں اپنے مقررہ وقت سے پہلے گھر پہنچ گئیں تو ان کے والد نے وجہ دریافت کی لڑکیوں نے واقعہ بیان کیا، حضرت شعیب علیہ السلام نے چاہا کہ اس شخص نے احسان کیا ہے اس کی مکافات کرنی چاہئے، اس لئے انہیں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو بلانے بھیجا، یہ حیا کے ساتھ شرماتی ہوئی پہنچی، اور شرماتے ہوئے حیاء کی وجہ سے منہ پر کرتے کی آستین رکھ کر بات کی، اور اپنے والد صاحب کی دعوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہنچادی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے ساتھ چل پڑے، ہوا چونکہ تیز تھی جس کی وجہ سے کپڑا اڑتا تھا جس سے اس کی پنڈلی کھل جاتی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم میرے پیچھے چلو اور اشارہ یعنی دائیں بائیں کہہ کر راستہ بتاتی رہو۔

گھر پہنچ کر حضرت شعیب علیہ السلام سے دعاء سلام ہوئی شام کا کھانا تیار تھا شعیب علیہ السلام نے کھانے کے لئے کہا مگر موسیٰ نے یہ کہہ کر کھانے سے معذرت کردی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں نے آپ کی بکریوں کو پانی پلا کر جو نیکی کی ہے یہ کھانا اس کا معاوضہ ہو تو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا ایسی بات نہیں ہے بلکہ مہمانوں کی مہمان نوازی کرنا تو ہمارا خاندانی طریقہ ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے کھانا تناول فرمایا کھانے کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پورے واقعہ کی قتل قبطی سے لیکر آخر تک کی پوری روداد سنادی حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا اب اندیشہ نہ کرو یہ علاقہ فرعون کی حکومت سے خارج ہے وہ یہاں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

شعیب علیہ السلام کی ایک صاحبزادی نے جس کا نام صفورا بتایا گیا تھا اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ کو گھر کے کام کاج کے لئے ایک ملازم کی ضرورت ہے آپ ان ہی کو ملازم رکھ لیجئے کیونکہ ملازم میں دو صفتوں کا ہونا ضروری ہے ایک تو کام کی صلاحیت دوسرے امانت و دیانت داری، ہمیں ان کے تنہا پتھر اٹھا کر پانی پلانے سے ان کی قوت کا اندازہ ہو گیا اور راستہ میں اپنے پیچھے کر دینے سے امانت داری کا تجربہ ہو چکا ہے۔

چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اِنِّی اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَکَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ ھٰتَیْنِ کہہ کر خود ہی اپنی ایک لڑکی کے نکاح کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی مرد صالح مناسب حال ملے تو پھر لڑکی کے ولی کو اس کا انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ لڑکے کی طرف سے پیش کش ہو بلکہ خود ہی پیش کش کرنا سنت انبیاء ہے، ابو سعود میں چھوٹی لڑکی کا نام صفیراء اور بڑی کا صفراء لکھا ہے۔

اِحْدَی ابْنَتَیَّ شعیب علیہ السلام نے دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک کو متعین کر کے گفتگو نہیں فرمائی بلکہ اس کو مبہم رکھا کہ ان میں سے کسی ایک کو آپ کے نکاح میں دینے کا ارادہ ہے، مگر چونکہ یہ باقاعدہ عقد نکاح نہیں تھا جس میں ایجاب وقبول اور گواہوں کا ہونا شرط ہے بلکہ یہ تو معاملہ کی گفتگو تھی تاکہ شرائط معاملہ طے ہو جائیں، مثلاً یہ کہ اگر آپ کو آٹھ سال تک ہمارے یہاں ملازمت منظور ہو تو ہم ایک لڑکی کا نکاح آپ سے کر دیں گے، لہٰذا یہاں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ منکوحہ کی تعیین کے بغیر نکاح کیسے درست ہو گیا؟

عَلٰی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمَانِیَ حِجَجٍ آٹھ سال کی ملازمت و خدمت کو نکاح کا مہر قرار دیا گیا، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ شوہر اپنی بیوی کی خدمت و ملازمت کو اس کا مہر قرار دے سکتا ہے یا نہیں، اول بات یہ ہے کہ مہر کا یہ معاملہ شریعت محمدیہ کے لحاظ سے درست نہ ہو مگر شعیب علیہ السلام کی شریعت کے لحاظ سے درست ہو شرائع انبیاء میں اس قسم کے فروعی مسائل میں فرق ہونا نصوص سے ثابت ہے۔

امام ابو حنیفہ کی ظاہر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدمت زوجہ کو مہر نہیں بنایا جا سکتا، مگر ایک روایت جس پر علماء متاخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ خود بیوی کی خدمت کو مہر قرار دینا تو شوہر کے احترام و اکرام کے خلاف ہے، مگر بیوی کا کوئی ایسا کام جو گھر سے باہر کا ہو مثلاً بکریاں چرانا یا تجارت وغیرہ اگر اس میں شرائط اجارہ کے مطابق مدت متعین کر دی جائے جیسا کہ اس واقعہ میں آٹھ سال کی مدت متعین کر دی گئی تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ اس مدت کی ملازمت کی تنخواہ بیوی کے ذمہ لازم ہوگی تو اس تنخواہ کو مہر قرار دینا جائز ہوگا۔ (ذکرہٗ فی البدائع عن نوادر بن سماعۃ بحوالہ معارف)

قولہ فوقع فی یدھا عصاء آدم حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی لڑکی سے کہا ان کو ایک عصا دیدو تاکہ اس سے بکریوں کی نگرانی کریں، شعیبؑ کے پاس انبیاء علیہم السلام کے متبرک باقیات تھے ان میں حضرت آدمؑ کا موروثہ وہ عصاء بھی تھا جس کو وہ جنت سے ساتھ لائے تھے لڑکی کے ہاتھ میں وہی عصا آ گیا حضرت شعیب چونکہ نابینا تھے، اس

لئے ٹٹول کر معلوم کرلیا کہ یہ آدمؑ کا عصاء ہے یہ کہہ واپس کردیا کہ دوسرا دیدو، اس طرح سات مرتبہ واپس کیا مگر ہر بار وہی عصا ہاتھ میں آتا تھا مجبوراً وہی عصاء حضرت موسیٰ کو دیدیا مگر شعیبؑ کو بعد میں خیال آیا کہ یہ تو انبیاء کی امانت تھی مجھے نہیں دینا چاہئے تھی واپسی کا مطالبہ کیا مگر موسیٰ علیہ السلام نے انکار کردیا اس میں نزاع پیدا ہوا بات زیادہ بڑھ گئی آخر یہ طے ہوا کہ سب سے پہلے جو شخص آئے وہ جو فیصلہ کرے وہ فریقین کو منظور ہوگا، چنانچہ انسان کی شکل میں ایک فرشتہ آیا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عصاء کو زمین پر ڈالدیا جائے جو اٹھالے وہ لے لے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور شعیب علیہ السلام نے اٹھانے کی کوشش کی مگر نہ اٹھا سکے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اٹھالیا تو ان ہی کو دیدیا گیا۔

فَلَمَّا قَضٰی مُوْسٰی الْاَجَلَ ای رَعْیَهُ وهو ثمان او عَشْرَ سِنِيْنَ وهُو المَظْنونُ به وَسَارَ بِاَهْلِهٖ زَوْجَتِهٖ بِاذن ابيها نَحْوَ مِصْر اٰنَسَ اَبْصَرَ مِن بَعِيْدٍ مِن جَانِبِ الطُّوْرِ اِسْمُ جَبَلٍ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا هُنا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ عن الطَّرِيقِ و كان قد اخطاها اَوْ جُذْوَةٍ بِتَثْلِيْثِ الجيم قِطْعَةٍ او شُعْلَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ تَسْتَدْفِئُوْنَ والطاءُ بَدَلٌ من تاءِ اِفْتعالٍ مِن صَلِيَ بالنَّارِ بكسر اللام وفتحها فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ جَانِبِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ لِمُوسٰى فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ لِمُوسٰى لسماعِه كلامَ اللّٰه فِيهَا مِنَ الشَّجَرَةِ بَدَلٌ مِّنْ شَاطِئِ بِاعَادَةِ الجَارِ لِنَبَاتِها فِيْهِ وهِیَ شَجَرَةُ عِنَابٍ او عُلَّيْقٍ اوعوسج اَنْ مُفَسِّرَةٌ لا مُخَفَّفَةٌ يّٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ۙ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاَلْقَاهَا فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ تَتَحَرَّكُ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وهی الحَيَّةُ الصَّغِيْرَةُ مِن سُرْعَةِ حَرْكَتِها وَّلّٰى مُدْبِرًا هَارِبًا منها وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ ای يَرْجِع فنُوْدِیَ يٰمُوْسٰٓی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝ اُسْلُكْ اَدْخِل يَدَكَ اليمنى بمعنى الكَفِّ فِیْ جَيْبِكَ هو طَوْقُ القَمِيْصِ واَخْرِجها تَخْرُجْ خِلافَ ماكانت عليه من الاُدمةِ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ز ای بَرَصٍ فادخلها واَخْرَجها تُضِیْءُ كَشُعَاعِ الشَّمْسِ تُغْشِی البَصَرَ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ بفتحِ الحرفَين وسُكُونِ الثانی مع فتحِ الاَوَّلِ وضَمِّه ای الخَوفِ الحَاصِلِ مِنْ اِضَاءَةِ اليدِ بان تُدخلها فی جَيْبِكَ فتَعُوْدَ الٰى حالَتِهَا الاُولٰى وعبّر عنها بالجَناحِ لانها لِلاِنْسانِ كالجناحِ للطائرِ فَذٰنِكَ بالتشديدِ والتخفيفِ ای العَصَا واليَد وهما مؤنَّثان وانما ذُكِّرَ المشارُ بِهِ اليهما المُبْتَدأُ لِتَذْكِيرِ خَبرِهٖ بُرْهَانَانِ مُرسَلانِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝

ترجمہ

چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کردی یعنی (بکریاں) چرائی کی مدت، اور وہ آٹھ یا دس سال تھی اور

غالب گمان یہ ہے کہ دس سال پورے کئے اور اپنی اہلیہ کو اس کے والد کی اجازت سے مصر کی طرف ہمراہ لیکر روانہ ہو گئے (تو) دور سے طور جو کہ ایک پہاڑ کا نام کی جانب آگ دیکھی تو اپنی اہلیہ سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے راستہ کی خبر حال یہ ہے کہ موسیٰ راستہ بھول گئے تھے یا آگ کا ٹکڑا یا شعلہ لاؤں جَذْوۃ جیم میں تینوں اعراب جائز ہیں تاکہ تم تاپو یعنی تاکہ تم سینکو طاء باب افتعال کی تاء سے بدلی ہوئی ہے، اور یہ صَلِیَ بالنارِ کسرہ لام اور فتحہ لام سے مشتق ہے، پس جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو موسیٰ کو ان کی دائیں جانب وادی کے کنارے درخت سے ندا دی گئی موسیٰ کے لئے مبارک میدان میں ان کے اس میدان میں اللہ کا کلام سننے کی وجہ سے (یعنی وہ میدان موسیٰ کے لئے نہایت مبارک تھا اس میدان میں ان کو نبوت ملنے اور اللہ سے ہم کلام ہونے کی وجہ سے) مِنَ الشجرۃِ اعادۂ جار کے ساتھ وادی سے بدل ہے اس درخت کے اس وادی میں اگنے کی وجہ سے، اور وہ عناب یا امربیل یا جھاڑی کا درخت تھا اَنْ مفسرہ ہے نہ کہ مخففہ اے موسیٰ یقیناً میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں کا پروردگار اور (یہ بھی) آواز آئی (اے موسیٰ) اپنی لاٹھی ڈالدے چنانچہ لاٹھی ڈالدی پھر جب اس لاٹھی کو دیکھا کہ سانپ کی طرح حرکت کر رہی ہے گویا کہ وہ سریع الحرکت ہونے کے اعتبار سے (جان) یعنی چھوٹا سانپ ہے تو موسیٰ اس سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (تو حکم ہوا) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو نہیں یقیناً تم امن میں ہو اور تم اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں داخل کرو اور طوق کرتے کے گریبان کو کہتے ہیں (اپنے) سابق گندمی رنگ کے برخلاف بغیر کسی مرض کے چمکتا ہوا نکلے گا یعنی برص (وغیرہ) کے بغیر چنانچہ ہاتھ کو داخل کیا اور نکالا تو سورج کی شعاعوں کے مانند روشن تھا اور آنکھوں کو (خیرہ) چکا چوند کر رہا تھا اور خوف سے (بچنے کے لئے) اپنے بازو اپنی طرف ملا لے دونوں حرفوں کے فتحہ اور دوسرے کے سکون معہ فتحہ اول اور ضمہ اول کے یعنی اس خوف سے (بچنے کے لئے) جو ہاتھ کے چمکدار ہونے کی وجہ سے حاصل ہو، بایں طور کہ تم ہاتھ کو (دوبارہ) اپنے گریبان میں داخل کرو تو وہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے گا اور ہاتھ کو بازو سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ انسان کے لئے ہاتھ ایسے ہی ہیں جیسے پرندوں کے لئے بازو، پس یہ دو معجزے تیرے لئے تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجے ہیں ذٰانِکَ تشدید اور تخفیف کے ساتھ یعنی عصاء اور ید اور یہ دونوں مؤنث ہیں اور جس اسم اشارہ کے ذریعہ ان دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ مبتداء ہے اس کو مذکر لایا گیا ہے، اس کی خبر کے مذکر ہونے کی رعایت کی وجہ سے کیونکہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

جُذوَۃ میں تینوں اعراب ہیں، اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کے سرے میں شعلہ ہو، موٹی لکڑی کو بھی جذوۃ کہتے ہیں **من نارِ جذوۃِ** کا بیان ہے فَلَمَّا اَتَاھَا میں ھا کا مرجع نار ہے **قولہ من الشاطی الوادی** میں مِن ابتداء غایۃ

کے لئے ہے اور اَیْمن شاطی یا وادی کی صفت ہے اور ایمن یمین سے بمعنی دایاں ہے، اور جانب یمین سے موسیٰ کی جانب یمین مراد ہے اور فی البقعة نودی سے متعلق ہے **قوله لسماعه کلام الله** یعنی وہ میدان موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس لئے مبارک تھا کہ اس میدان میں ان کو نبوت سے سرفراز کیا گیا اور رب العالمین سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، **قوله من الشجرة** یہ شاطی سے بدل الاشتمال ہے، اور وجہ ملابست کی جانب مفسر علام نے لِنَبَاتِهَا فِيهِ کہہ کر اشارہ کر دیا ہے چونکہ وہ درخت شاطی (کنارہ) میں تھا اس لئے گویا کہ نداء درخت سے آئی، وہ درخت کس چیز کا تھا اس میں تین قول نقل کئے ہیں، اول عناب جوکہ معروف ہے اسکے پھل کو بھی عناب ہی کہتے ہیں جنگلی بیر سے کچھ بڑا اور رنگ سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے، دوسرا عُلَّیق یہ درختوں سے لپٹنے والی بیل نما ایک چیز ہوتی ہے، پتے بہت کم ہوتے ہیں، سویوں کے مانند پورے درخت پر چھا جاتی ہے جس درخت پر لپٹ جاتی ہے اس کا رس چوس کر خشک کر دیتی ہے، رنگ زرد ہوتا ہے، عوام میں اس کے مختلف نام ہیں آکاش بیل، امربیل، فارسی میں عشق پیچاں کہتے ہیں، طبی نام افتیمون ہے، تیسرا **عوسج** کانٹوں دار ایک جنگلی درخت ہے اس پر چھوٹے چھوٹے کھٹے میٹھے پھل آتے ہیں، جس کو عام طور پر جھڑ بیری کہتے ہیں، **قوله** اَنْ مفسرہ بعض حضرات نے اس اَن کو مخففہ عن المثقلہ کہا ہے جو درست نہیں ہے یہ اَن مفسرہ ہے اس سے پہلے چونکہ نودی آیا ہوا ہے جو کہ قول کے ہم معنی ہے لہٰذا اس کا ان مفسرہ ہونا متعین ہے ای نُودِیَ بانْ یا موسیٰ جانٌّ چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور ثعبان بڑے سانپ کو کہتے ہیں اور حیة مطلق سانپ کو کہتے ہیں قرآن کریم میں اس کو جانٌّ بھی کہا گیا ہے اور ثعبان بھی، تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ابتداءً ڈالتے وقت تو جان (چھوٹا) ہوتا تھا مگر بعد میں بڑا ہو جاتا تھا، یا سرعة حرکت کے اعتبار سے وہ چھوٹے سانپ کی طرح سریع الحرکت تھا مگر جسم و جثہ کے اعتبار سے ثعبان اژدہا تھا، **قوله ذُكِّرَ المشارُ به اِلَيهِمَا** یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ عصاء اور ید دونوں مؤنث ہیں لہٰذا ان کے لئے اسم اشارہ مؤنث "تان" لانا چاہئے تھا نہ کہ ذانِ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں خبر کی رعایت کی گئی ہے خبر جوکہ برھانان ہے مذکر ہے اس لئے مبتداء کو بھی مذکر لے آئے تاکہ مطابقت ہو جائے **قوله مِنْ رَّبِّكَ** یہ محذوف کے متعلق ہے اور وہ برھانان کی صفت ہے جس کی طرف مفسر علام نے مرسلان نکال کر اشارہ کر دیا ہے اور بعض حضرات نے کائنان محذوف مانا ہے۔

تفسیر و تشریح

فَلَمَّا قَضٰى مُوسٰى الْاَجَلَ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدت ملازمت پوری کر دی جو کہ آٹھ سال لازمی اور دس سال اختیاری تھی، حضرت ابن عباسؓ نے دس سال مدت مراد لی ہے، کیونکہ اس مدت کی حضرت موسیٰ کے ضعیف اور بوڑھے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کی خواہش بھی یہی تھی کہ موسیٰ دس سال پورے کریں لیکن اس پر جبر نہیں کر سکتے

تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کریمانہ اخلاق نے اپنے بوڑھے خسر کی دلی خواہش کے خلاف کرنا پسند نہیں کیا (فتح الباری کتاب الشہادات) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی عادت مبارکہ تھی کہ حقدار کو اس کے حق سے زیادہ ادا فرماتے تھے اور امت کو بھی اس کی ہدایت فرمائی ہے۔

نُودِیَ مِن شاطِئِ الوادِ الایمن (الآیۃ) یہ مضمون موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے ضمن میں سورۂ طٰہٰ اور سورۂ نمل میں گذر چکا ہے الفاظ اگر چہ مختلف ہیں مگر مضمون تقریباً ایک ہی ہے، اور یہ تجلی بشکل نار تجلی مثالی تھی کیونکہ تجلی ذاتی کا مشاہدہ اس دنیا میں کسی کو نہیں ہوسکتا اور خود موسیٰ علیہ السلام کو اس تجلی ذاتی کے اعتبار سے لَنْ ترانی فرمایا گیا یعنی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے، مراد مشاہدۂ ذات حق ہے۔

آواز وادی کے کنارے سے آرہی تھی جو مغربی جانب سے پہاڑ کے دائیں طرف سے تھی اور دائیں جانب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتبار سے تھی اس لئے کہ پہاڑ کی یا کسی بھی چیز کی کوئی دائیں بائیں جانب نہیں ہوتی بلکہ شخص کی دائیں بائیں جانب ہوتی ہے۔

کوہ طور کے اس مقام کو قرآن کریم نے بقعۂ مبارکہ کہا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ اس کے مبارک ہونے کا سبب یہ تجلی خداوندی ہے جو اس مقام پر بشکل نار دکھائی گئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مقام میں کوئی اہم نیک عمل واقع ہوتا ہے تو وہ مقام بھی متبرک ہوجاتا ہے۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب نبوت پر سرفراز کرنے کے بعد معجزۂ عصاء عطا کیا گیا، معجزہ چونکہ خرق عادت معاملہ کو کہا جاتا ہے جو عام عادات اور اسباب ظاہری کے خلاف ہوتا ہے جو مشیت خداوندی سے ظاہر ہوتا ہے اس کے ظہور میں کسی بھی انسان کا اختیار و دخل نہیں ہوتا خواہ وہ جلیل القدر پیغمبر مقرب ہی کیوں نہ ہو، اس لئے جب موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کی لاٹھی زمین پر ڈالنے سے حرکت کرتی اور دوڑتی پھنکارتی سانپ بن گئی تو حضرت موسیٰ بھی ڈر گئے، جب اللہ تعالیٰ نے بتلایا اور تسلی دی تو موسیٰ کا خوف دور ہوا، دوسرا معجزہ ید بیضاء عطا فرمایا، اس کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے، مذکورہ دونوں معجزے فرعون اور اس کی جماعت کے سامنے حضرت موسیٰ نے دلیل صداقت کے طور پر پیش کئے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا هو القِبْطِیُّ السَّابق **فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ○** به **وَاَخِیْ هَارُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا** اَبْيَنُ **فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْءًا** مُعِينًا وفی قِرَاءَةٍ بفَتْحِ الدَّال بلا هَمْزَةٍ **يُّصَدِّقُنِیْ** بالجَزْمِ جَوابُ الدُّعاءِ وفِی قِرَاءَةٍ بالرَّفْعِ وجُملَته صِفَةُ رِدْءٍ **اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ○ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ** نُقَوِّيكَ **بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا** غَلَبَةً **فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا** بِسُوءٍ اِذْهَبَا **بِاٰيٰتِنَا اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ○** لَهُم **فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ** وَاضِحاتٍ حالٌ **قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا**

سِحْرٌ مُّفْتَرًى مُختلَقٌ وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا كائِنا فِيْٓ ايام اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ○ وَقَالَ بِوَاوٍ وَبِدونِها مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ اى عَالِمٌ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ الضَّمِيرُ للرَّبِّ وَمَنْ عَطْفٌ عَلى مَنْ تَكُوْنُ بالفَوقَانِيَّةِ والتَّحْتَانِيَّةِ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اى العَاقِبَةُ المَحْمُودةُ فِي الدارِ الاٰخِرَةِ اى وَهُوَ اَنَا فى الشقِّ فَاَنَا مُحِقٌّ فِيمَا جِئْتُ بِه اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ○ الكافِرُونَ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَاعَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْلِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فاطبَخْ لى الاٰجُرَّ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا قَصْرًا عَالِيا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى انظُرُ اليه وَاَقِفُ عليه وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ○ فِي ادِّعَائِهِ اِلٰهًا اٰخرَ وانه رَسُولُه وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ○ بالبناء للفاعلِ وللمفعول فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ طَرَحْناهُمْ فِي الْيَمِّ البَحرِ المَالِحِ فَغَرِقُوْا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ○ حِينَ صَارُوا الى الهَلَاكِ وَجَعَلْنٰهُمْ فى الدُّنيا اَئِمَّةً بِتَحْقِيقِ الهَمْزَتَيْنِ وإِبْدَالِ الثَّانِيةِ ياءً رُؤَسَاءَ فى الشِّرك يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ بِدُعَائِهِم الى الشِّرْكِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ○ بِدَفْعِ العَذَابِ عَنْهُمْ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ خِزْيًا وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ○ۧ المُبْعَدِيْنَ

ترجمہ

موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھ سے ان کے ایک شخص کا خون ہو گیا تھا اور وہ وہی سابق قبطی تھا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس کے عوض میں مجھے بھی قتل کر ڈالیں اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے تو اسے بھی (میرا) معاون بنا کر بھیج دیجئے ایک قرأۃ میں رِدًا دال کے فتحہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے ہے وہ میری تائید کریں گے یُصَدِّقُنِیْ جزم کے ساتھ جواب دعاء (ارسِلْهُ کا) اور ایک قرأۃ قاف کے رفع کے ساتھ جملہ ہو کر ردءًا کی صفت ہونے کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں، ارشاد ہوا ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنائے دیتے ہیں (یعنی) تم کو تقویت پہنچائے دیتے ہیں اور ہم تم کو غلبہ عطا کریں گے جس کی وجہ سے وہ تم پر بدنیتی سے دست رس نہ ہو گے ہماری نشانیاں (معجزے) لیکر جاؤ تم اور تمہارے متبعین ان پر غالب رہو گے غرض جب موسیٰ ان لوگوں کے پاس ہماری صریح نشانیاں لے کر آئے بَيِّنَاتٍ حال ہے ان لوگوں نے کہا یہ تو گھڑا ہوا جادو ہے اور ہم نے نہیں سنا کہ ہمارے اگلے باپ دادوں کے زمانہ میں ایسی بات ہوئی ہو، اور موسیٰ کہنے لگے میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آتا ہے ایک قرأت میں واؤ کے ساتھ (وقال) ہے اور ایک میں بغیر واؤ کے (قال) (عندہٖ) کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے، اور اس کو (بھی جانتا ہے) جس کے لئے آخرت میں (اچھا) انجام

ہے یعنی بہتر انجام ہے آخرت میں، یعنی وہ دونوں صورتوں میں میں ہی ہوں، سو میں جو کچھ لایا ہوں میں اس میں حق پر ہوں، یقیناً ظالم لوگ فلاح نہ پائیں گے یکون میں یا اور تا دونوں قرأتیں ہیں فرعون کہنے لگا اے درباریو! میں تو تمہارا اپنے سوا کوئی معبود نہیں جانتا، اے ہامان! تو میرے لئے مٹی کو آگ میں (پزاوا) لگوا کر پکوا یعنی پکی اینٹیں بنوا اور میرے لئے ایک اونچی عمارت بنوا اونچا محل تاکہ میں موسیٰ کے خدا کو جھانکوں اس کو دیکھوں اور اس سے واقف ہو جاؤں اور میں تو موسیٰ کو اس کے اس دعویٰ میں کہ (میرے علاوہ کوئی) دوسرا معبود ہے اور یہ کہ وہ اس کا رسول ہے جھوٹا سمجھتا ہوں اور فرعون اور اس کے لشکر نے دنیا میں ناحق سر اٹھا رکھا تھا اور یوں سمجھ رہے تھے کہ ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہی نہیں ہے (یُرْجَعُوْنَ) معروف اور مجہول دونوں قرأتیں ہیں سو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا دریائے شور میں، چنانچہ وہ غرق ہو گئے سو دیکھئے ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ جب وہ ہلاکت کی طرف چلے اور ہم نے ان کو دنیا میں ایسا پیشوا بنایا کہ لوگوں کو شرک کی دعوت کے ذریعہ جہنم کی طرف بلاتے تھے (أئمة) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو یا سے بدل کر، یعنی شرک میں رئیس بنایا اور قیامت کے روز ان سے عذاب دفع کر کے (مطلقا) مدد نہ کئے جائیں گے اور ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت رسوائی لگا دی اور قیامت کے روز بھی وہ دھتکارے ہوئے لوگوں میں ہوں گے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قوله رِدْءًا اَرْسِلْهُ کی ضمیر سے حال ہے بمعنی مددگار **جواب الدعاء** اصل میں جواب امر کہنا چاہئے تھا مگر ادباً جواب دعاء کہا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو امر کے صیغے استعمال ہوتے ہیں وہ دعاء ہی کہلاتے ہیں **قوله** سَنَشُدُّ عَضُدَكَ اس میں مجاز مرسل ہے سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے اس لئے کہ قوت بازو قوت شخص کو مستلزم ہوتی ہے **قوله** بِاٰیٰتِنَا یہاں آیات سے عصا اور ید ہی مراد ہیں مگر دو پر جمع کا صیغہ بولا گیا ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک متعدد آیات پر مشتمل تھا قوله بَیِّنَاتٍ آیات سے حال ہے **قوله** اَعْلَمُ ای عَالِمٌ اَعْلَمُ کی تفسیر عالِمٌ سے کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے، سوال یہ ہے کہ اسم تفضیل اسم ظاہر کو نصب نہیں دیتا، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اسم تفضیل اسم فاعل کے معنی میں ہے وتکونُ عام قرّاء نے تا کے ساتھ پڑھا ہے، **لَهٗ تکون** کی خبر اور عاقبَةُ اس کا اسم ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تکون کے اندر ضمیر ھی اس کا اسم ہو اور **لَهٗ عاقبة الدار** جملہ ہو کر محل میں خبر کے اور شِقَین شق کا تثنیہ ہے بمعنی کنارہ کے معنی دو کنارے یہاں **مَنْ جاء بالهدٰی** اور **مَنْ یکونُ لَهٗ عاقبةُ الدار** مراد ہیں **قوله** یَوْمَ القیٰمة هم من المقبوحین **یوم القیٰمة مقبوحین** کے متعلق بھی ہوسکتا ہے مگر ظاہر یہ

ہے کہ محذوف کے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے **قبحوا یوم القیٰمۃ ھم من المقبوحین** ، **مقبوحین قبحوا** کی تفسیر کر رہا ہے **مقبوحین مقبوح** کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بگڑا ہوا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے مسخ ہو کر سیاہ اور آنکھیں نیلی ہو جائیں گی، **مقبوح** اسم مفعول (ک، ف)

تفسیر وتشریح

قَالَ رَبِّ اِنِّی قَتَلْتُ مِنْھُمْ نَفْسًا یہ ایک واقعی خطرہ تھا جو حضرت موسیٰ کی جان کو لاحق تھا، کیونکہ ان کے ہاتھ سے ایک **قبطی کا قتل** ہو چکا تھا، اسرائیلی روایات کے اعتبار سے حضرت موسیٰ کی زبان میں لکنت تھی جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگ کے انگارے اور کھجور یا موتی رکھے گئے تھے تو آپ نے انگارا اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تھا جس کی وجہ سے آپ کی زبان جل گئی تھی، رواں گفتگو نہ کرنے کی وجہ کوئی بھی ہو قرآن کریم کی نص سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ **فصیح الکلام** تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ تھی جس کے کھولنے کی دعاء انہوں نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں حضرت ہارون علیہ السلام کو کار رسالت میں شریک کرنے کی دعاء فرمائی جو قبول کر لی گئی، حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ کا معاون و مددگار بنا دیا گیا اور حکم دیدیا کہ تم دونوں فرعون اور فرعونیوں کے پاس جاؤ اور اس کے سامنے دعوت حق پیش کرو اور ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ہم تمہاری حفاظت فرمائیں گے فرعون اور اس کے حواری موالی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

حضرت موسیٰ وہارون فرعون کے دربار میں

ان دونوں حضرات نے فرعون اور فرعونیوں کو مدلل طریقہ پر دعوت توحید پیش کی فرعون کے تمام شکوک وشبہات کو دفع کیا فرعون جب لا جواب ہو گیا تو کٹ حجتی پر اتر آیا اور اپنے وزیر ہامان کو بلا کر حکم دیا کہ پختہ اینٹوں کی ایک نہایت ہی بلند و بالا عمارت بنواؤ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون کے اس واقعہ سے پہلے پختہ اینٹوں کی تعمیر کا رواج نہ تھا، پختہ اینٹ کی تعمیر فرعون کی ایجاد ہے، تاریخی روایات میں ہے کہ فرعون نے اس محل کی تعمیر کے لئے پچاس ہزار معمار جمع کئے مزدور اور لوہے لکڑی کے کام کرنے والے ان کے علاوہ تھے، اور محل کو اتنا اونچا بنایا کہ اس زمانہ میں اس سے زیادہ بلند عمارت نہیں تھی جب عمارت مکمل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا، انہوں نے ایک ضرب میں اس محل کے تین ٹکڑے کر کے گرا دیا جس میں فرعون کے ہزاروں آدمی دب کر مر گئے۔ (قرطبی بحوالہ معارف)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرَاةَ مِنْ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى قَوْمَ نُوْحٍ وعادَ ثمودَ وغيرَهم بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ حَالٌ مِّنَ الكِتَابِ جَمْعُ بَصِيْرَةٍ وَهِيَ نُوْرُ الْقَلْبِ اى اَنْوَارًا لِلْقُلُوْبِ وَهُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ لِمَنْ عَمِلَ بِهِ وَّرَحْمَةً لِمَنْ اٰمَنَ بِهٖ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○ يَتَّعِظُوْنَ بما فِيْهِ مِنَ الْمَوَاعِظِ وَمَا كُنْتَ يا مُحَمَّدُ بِجَانِبِ الجَبَلِ اوِ الوَادِى او المكان الْغَرْبِيِّ مِنْ مُّوْسٰى حِيْنَ الْمُنَاجَاةِ اِذْ قَضَيْنَآ اوحَيْنَا اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ بالرِّسَالَةِ الٰى فِرْعَوْنَ وقَومِه وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ ○ لِذٰلِكَ فتعرِفُه فتُخبِرُ به وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا اُمَمًا بَعْدَ مُوْسٰى فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ اى طَالَتْ اَعْمَارُهم فنسوا العُهُوْدَ وَانْدَرَسَتْ العلومُ وانقطع الوَحْىُ فجئنا بك رَسُوْلًا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْكَ خَبَرَ مُوْسٰى وغيره وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا مُقِيْمًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا خبرٌ ثانٍ فتعرِفُ قِصَّتَهم فتُخبِرُ بها وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ○ لَكَ والَيْكَ باخبارِ الْمُتَقَدِّمِيْنَ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ الجَبَلِ اِذْ حِيْنَ نَادَيْنَا مُوْسٰى اَنْ خُذِ الْكِتَابَ بقُوَّةٍ وَلٰكِنْ اَرْسَلْنَاكَ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰاهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ وهم اَهْلُ مَكَّةَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○ يَتَّعِظُوْنَ وَلَوْ لَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ عُقُوْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ من الكُفرِ وغيرِه فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ هَلَّا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ المرسَلَ بها وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَجَوابُ لو لا مَحْذُوْفٌ وما بعدها مُبتَدأٌ والمَعْنٰى لَوْلَا الاصابةُ الْمُسَبَّبُ عنها قَوْلُهُمْ اولَو لَا قولُهم الْمُسَبَّبُ عنها لَعَاجَلْنَاهُمْ بالعُقُوبَةِ وَلَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَيْهِمْ رَسُوْلًا فَلَمَّا جَآءَ هُمُ الْحَقُّ مُحَمَّدٌ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْ لَآ هَلَّا اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنَ الاٰيَاتِ كَالْيَدِ الْبَيْضَاءِ وَالْعَصَا وغيرِهما اَو الكِتَاب جُملةً واحدةً قال تعالٰى اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ حَيْثُ قَالُوْا فيه وفى مُحَمَّدٍ صلى اللّٰه عليه وسلم سَاحِرَان وفى قِرَاءَةٍ سحرانِ اى التَّوراةُ والقرانُ تَظَاهَرَا تعاونا وَقَالُوْا اِنَّا بِكُلٍّ من النَّبِيَّيْنِ والكتابَيْنِ كَافِرُوْنَ ○ قُلْ لهم فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ من الكِتَابَيْنِ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ○ فى قولكم فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ دُعاءَك بالاِتْيَان بكتابٍ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَ هُمْ فى كفرهم وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اى لا أَضَلُّ منه اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ الكافرين

ترجمہ

اور ہم نے پہلی امتوں (مثلاً) قوم نوح و عاد و ثمود وغیرہ کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات

عطا کی تھی جو لوگوں کے لئے بصیرت اور ہدایت تھی گمراہی سے اس شخص کے لئے جو اس پر عمل کرے اور رحمت تھی اس کے لئے جو اس پر ایمان لائے تا کہ نصیحت حاصل کریں ان نصیحتوں سے جو اس میں ہیں بصائر للناس ، الکتاب سے حال ہے اور بَصَائِر بصِیرَة کی جمع ہے اور بصیرت نور قلبی کو کہتے ہیں اور بصائر کا مطلب ہے انوار القلوب اور اے محمد تم مناجات کے وقت موسیٰ کی مغربی پہاڑ کی جانب یا غربی وادی کی جانب یا غربی مکان کی جانب موجود نہیں تھے جب ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی جانب پیغام پہنچانے کے لئے موسیٰ کو وحی بھیجی تھی اور نہ تم اس واقعہ کو دیکھنے والوں میں تھے کہ اس واقعہ سے باخبر ہوتے اور اس کی خبر دیتے لیکن ہم نے موسیٰ کے بعد بہت سی امتیں پیدا کیں پھر ان پر زمانہ دراز گذر گیا یعنی ان کی عمریں طویل ہوئیں عہد و پیمان کو بھول گئے اور علوم مٹ گئے اور وحی (کا سلسلہ) منقطع ہو گیا تو ہم نے تم کو رسول بنا کر بھیجا اور تمہاری طرف موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے واقعہ کی وحی بھیجی اور تم اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہیں تھے کہ تم ان لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہوں (تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ) مَا كُنْتَ کی خبر ثانی ہے بلکہ ہم ہی تم کو رسول بنا کر بھیجنے والے اور گذشتہ لوگوں کے (واقعات) کی خبروں کو بھیجنے والے ہیں اور جب ہم نے موسیٰ کو ندا دی کہ کتاب کو مضبوطی سے تھام لو تو (تب بھی) تم جبل طور کی جانب میں موجود نہیں تھے بلکہ ہم نے تم کو تمہارے رب کی جانب سے رحمت بنا کر بھیجا تا کہ تم اس قوم کو ڈراؤ کہ جس کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا اور وہ اہل مکہ ہیں تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کے ہاتھوں کے کرتوتوں کفر وغیرہ کی بدولت ان کو مصیبت یعنی عقوبت پہنچی تو یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری بھیجی ہوئی آیتوں کی تابعداری کرتے اور ایمان والوں میں ہو جاتے اور لو لا (اول) کا جواب محذوف ہے اور اس کا مابعد مبتداء ہے، اور معنی یہ ہیں اگر مصیبت کا پہنچنا جو کہ ان (کافروں) کے قول لو لا ارسلتَ الینا رسولاً کا سبب ہے، نہ ہوتا تو ہم ان کو سزا دینے میں جلدی کرتے، یا اگر ان کا قول ربنا لو لا ارسلتَ الینا رسولاً الخ جو کہ مسبب ہے اصابت مصیبت کا نہ ہوتا تو ہم آپ کو ان کی طرف رسول بنا کر نہ بھیجتے پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق محمد آپہنچا تو (اہل مکہ) کہنے لگے ان کو ایسی نشانی کیوں نہ ملی؟ جیسی موسیٰ کو ملی تھی مثلاً ید بیضاء اور عصاء یا یکبارگی پوری کتاب، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ لوگ منکر نہیں ہوئے اس کے جو موسیٰ کو اس سے پہلے دی گئی تھی انہوں نے موسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا دونوں جادوگر ہیں اور ایک قرأۃ میں سِحرانِ ہے یعنی تورات اور قرآن جو ایک دوسرے کے معاون ہیں اور وہ یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم دونوں نبیوں یا دونوں کتابوں میں سے کسی کو نہیں مانتے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اچھا تو تم اور کوئی کتاب اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں کتابوں سے بہتر ہو میں اس کی اتباع کروں گا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو پھر اگر یہ لوگ کتاب لانے میں آپ کی بات نہ مانیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ کفر میں محض اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں اور ایسے شخص سے کون زیادہ گمراہ ہوگا؟ جو اپنی خواہشات

کے پیچھے چلتا ہو بغیر اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل ہو یعنی اس سے زیادہ کوئی گمراہ نہیں، اللہ تعالیٰ ایسے ظالم کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

قولہ وَعَادَ اس کا عطف قوم پر ہے نہ کہ نوح پر اس لئے کہ اگر نوح پر عطف ہو تو عاد کے لئے قوم کا ہونا لازم آئے گا حالانکہ عاد خود ایک قوم ہے تقدیر عبارت یہ ہے مِنْ بعد ما اَهلكنا قوم نوح و عاد و ثمود بعد اس کے کہ ہم نے ہلاک کر دیا قوم نوح اور عاد کو اور ثمود کو، لہٰذا مناسب تھا کہ عاد کو الف کے ساتھ لکھتے تا کہ نوح پر عطف کا اشتباہ نہ ہوتا **قولہ** بصائرَ یہ حذف مضاف کے ساتھ کتاب سے حال ہے ای ذا بصائرَ اگر مضاف محذوف نہ مانیں تو مبالغۃً بھی حال ہو سکتا ہے اور بصائر کتاب سے مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے اسی طرح هُدًى اور رحمةً میں بھی مذکورہ تینوں ترکیبیں ہو سکتی ہیں **قولہ** بجانب الجبل او الوادی او المکان اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بصریین کے مذہب کے مطابق ہونے والے اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض یہ ہے کہ جانب کی اضافت الغربی کی طرف اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے اور یہ بصریین کے یہاں جائز نہیں ہے اس لئے کہ موصوف اور صفت ایک ہی شئ ہوتی ہے لہٰذا اس سے اضافت الشئ الی نفسہٖ لازم آتی ہے اور یہاں ایسا ہی ہے اس لئے کہ جانب اور غربی ایک ہی شئ ہیں، اس اعتراض کو دفع کرنے کے لئے غربی کا موصوف الجبل محذوف مان لیا تا کہ جانب کی اضافت جبل کی جانب ہو نہ کہ الغربی کی جانب، مفسر علام نے تین لفظ محذوف مانے ہیں ان تینوں میں سے کسی کو بھی جانب کا مضاف الیہ قرار دے سکتے ہیں، کوفیین کے مذہب کے مطابق مذکورہ اعتراض واقع نہیں ہوتا، اس قسم کی تعبیرات قرآنی اور حدیث میں بکثرت موجود ہیں **قولہ** وَمَا کنتَ مِنَ الشَّاهدين لِذٰلكَ اور آپ ان حالات وواقعات وغیرہ کو دیکھنے والے نہیں تھے، یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماقبل میں کہا گیا ہے کہ پہاڑ کی غربی جانب میں موجود نہیں تھے، اس سے مشاہدہ کی خود بخود نفی ہو جاتی ہے تو پھر و ما کنتَ من الشاهدین کہنے سے کیا فائدہ؟

جواب کا ماحصل یہ ہے کہ حاضر ہونے کے لئے مشاہدہ ضروری نہیں ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان موجود تو ہوتا ہے مگر مشاہدہ نہیں کر پاتا، اسی وجہ سے ابن عباسؓ نے فرمایا **لم تحضر ذٰلك الموضع ولو حضرتَهٗ ما شاهدتُ ما وقع فيه**.

قولہ تتلوا علیهم آیاتِنَا جملہ ہو کر کنتَ کی خبر ثانی اور کنتَ کی ضمیر سے جملہ ہو کر حال بھی ہو سکتا ہے **ھم** ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں، یعنی جب آپ اہل مکہ کو اہل مدین کے واقعات سنا رہے تھے تو آپ اہل مدین میں موجود نہیں تھے کہ ان کے حالات وواقعات کو دیکھ کر اپنی قوم کو سنا رہے ہوں، بلکہ ہزار ہا سال ماقبل کے ان تمام حالات وواقعات کی

خبر آپ کو بذریعہ وحی دی جارہی تھی جو کہ آپ کے نبی ہونے کی پختہ اور واضح دلیل ہے **قوله** اَن خُذِ الکِتابَ بقوۃٍ میں ان تفسیریہ یعنی نداء کی تفسیر ہے، مفسر علام نے ان خُذِ الکتابَ کو ایتاء تورات سے متعلق کیا ہے اور سابقہ آیت وَمَاکنتَ بجانب الغربی کو نفس ارسال سے متعلق کیا ہے حالانکہ نفس ارسال اور ایتاء تورات کے درمیان تیس سال کا فاصلہ ہے، اور بعض حضرات نے اس کا عکس بھی کہا ہے **قوله لَوْ لَا** اَنْ تصیبَهُمْ مُصِیبَۃٌ ، لو لا امتناعیہ ہے جو وجود اول کی وجہ سے انتفاء ثانی پر دلالت کرتا ہے، اَن تصبهم میں أن مصدریہ ہے اور لو لا اصابةُ المصیبَة لهم کے معنی میں ہو کر مبتداء ہے اور مبتداء کی خبر موجودٌ محذوف ہے اور لولا کا جواب مَا اَرْسلْنَاكَ محذوف ہے دوسرا لَوْلَا تحضیضیہ ہے اس کا جواب فَنَتَّبِعَ آیَاتِكَ مذکور ہے تقدیر عبارت یہ ہے لَوْ لَا قولُهُمْ هٰذا اِذا اَصَابَتْهُمْ مصیبةٌ لَمَا اَرْسلْنَاكَ اِلَیهِمْ رسُولاً (خلاصہ) اصابةِ عقوبة سبب ہے قول کا اور قول سبب ہے ارسال کا چونکہ سبب کا سبب سبب ہوتا ہے لہٰذا اصابةِ مصیبة بواسطہ قول سبب ہوا ارسال کا، اسی وجہ سے لولا کو اصابة پر داخل کردیا اور فاسببیہ کے ذریعہ فیقولوا کا اصابة پر عطف کردیا، یعنی آپ کے ارسال کا سبب اہل مکہ کا یہ قول ہے، اگر اہل مکہ کا یہ قول نہ ہوتا تو ہم آپ کو رسول بنا کر نہ بھیجتے، یعنی عدم ارسال کے انتفاء (ارسال) کا سبب اہل مکہ کا قول لو لا اَرْسلتَ الینا رسولاً ہے اور اس قول کا سبب اصابت مصیبت ہے۔

تنبیه: عدم ارسال کا انتفاء نفی النفی اثبات کے معنی ہونے کی وجہ سے ارسال کے معنی میں ہے **قوله** اَوْ لَوْ لَا قولهم المسبَّب عنها الخ یعنی اصابۂ مصیبۃ کے وقت ان کا قول انتفاء عدم رسالت کا سبب نہ ہوتا تو ہم ان کے عذاب میں جلد کرتے اور آپ کو رسول بنا کر نہ بھیجتے یہ تعبیر حاصل معنی کے اعتبار سے ہے، جس کا حاصل یہ ہے لو لا کے جواب کے انتفاء کا سبب ان کا قول مذکور ہے، اسی وجہ سے المسبَّبُ عنها قولهم کہا ہے **قوله** ما ارسالناكَ یہ جواب منفی ہے یہ وجود شرط کی وجہ سے انتفاء جواب پر دلالت کر رہا ہے، فالمعنی انتفی عدم ارسالنك الیهم لقولهم المذکور تاکہ نزول عذاب کے وقت ان کے عذر کو ختم کردیا جائے، ورنہ تو نزول عذاب کے وقت یہ عذر بیان کرسکتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی سابقہ امتوں کے مانند انبیاء آتے تو ہم بھی ایمان لاتے اور آج عذاب کی اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر ان کے اس عذر کو ختم کردیا، اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ اصابت مصیبت اور مذکورہ مقولہ تو آئندہ روز قیامت مین واقع ہوں گے اور لَوْ لَا کے وجود واقعی کی وجہ سے انتفاء ثانی پر دلالت کرتا ہے حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مانع کبھی موجود ہوتا ہے اور کبھی مفروض یہاں ثانی صورت مراد ہے یعنی علی سبیل الفرض و التقدیر (جمل ملخصاً) **قوله** او الکتاب سے مثل ما اوتی کی دوسری تفسیر کی طرف اشارہ ہے اور او الکتاب کا عطف الآیات پر ہے، **قوله** ساحران یہ مبتداء محذوف هُمَا کی خبر ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَا اَھْلَکْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰی بَصَائِرَ لِلنَّاسِ قرون اولیٰ سے اقوام نوح وہود وصالح ولوط علیہم السلام مراد ہیں جو موسیٰ سے پہلے اپنی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کی گئی تھیں، بصائر بصیرۃ کی جمع ہے جس کے لفظی معنی دانش وبینش کے ہیں اور مراد اس سے وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ انسانوں کے قلوب میں پیدا فرماتے ہیں، جس سے وہ حقائق اشیاء کا ادراک کرسکیں اور حق وباطل کا امتیاز کرسکیں۔

بَصَائِرَ لِلنَّاسِ اگر ناس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تورات ان کے لئے مجموعہ بصائر تھی، اور اگر ناس سے تمام انسان مراد ہیں جن میں امت محمدیہ بھی داخل ہے تو یہاں سوال پیدا ہوگا کہ امت محمدیہ کے زمانہ میں جو تورات موجود ہے وہ تحریفات کے ذریعہ مسخ ہو چکی ہے تو ان کے لئے بصائر کہنا کس طرح درست ہوگا اور یہ کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کو بھی تورات سے استفادہ کرنا چاہئے حالانکہ حدیث میں حضرت عمرؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ تورات میں جو نصائح وغیرہ ہیں ان کو پڑھیں تاکہ ان کے علم میں ترقی ہو، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضبناک ہوکر فرمایا کہ اگر اس وقت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرا ہی اتباع لازم ہوتا۔

اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تورات کا جو نسخہ اس وقت لوگوں کے پاس موجود تھا وہ محرف اور مسخ شدہ تھا اور اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا، نزول قرآن کا سلسلہ بھی جاری تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی مکمل حفاظت اور خلط ملط سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی احادیث کو بھی لکھنے سے بھی بعض حضرات کو منع فرمادیا تھا، ان حالات میں کسی دوسری مسخ شدہ آسمانی کتاب کا پڑھنا پڑھانا ظاہر ہے کہ احتیاط کے خلاف تھا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تورات کا مطلقاً پڑھنا اور مطالعہ کرنا منع ہے ان کتابوں کے وہ حصے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشین گوئیوں پر مشتمل ہیں ان کا مطالعہ کرنا اور نقل کرنا صحابہ کرام سے ثابت ہے، حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب احبار اس معاملہ میں سب سے زیادہ معروف ہیں، اس لئے حاصل آیت یہ ہوگا کہ توریت اور انجیل میں غیر محرف مضامین اب بھی موجود ہیں اور بلاشبہ بصائر ہیں ان سے استفادہ درست ہے مگر یہ استفادہ صرف ایسے لوگ ہی کرسکتے ہیں جو محرف اور غیر محرف میں فرق کرسکیں، عوام کو اس سے اجتناب اس لئے ضروری ہے کہ کہیں وہ کسی مغالطہ میں نہ پڑ جائیں، یہی حکم ان تمام کتابوں کا ہے جن میں حق وباطل کی آمیزش ہو کہ عوام کو ان کے مطالعہ سے پرہیز کرنا چاہئے، علماء ماہرین کے لئے کوئی مضائقہ نہیں (معارف)

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا اَتٰھُمْ مِنْ نَذِیْرٍ یہاں اس قوم سے عرب مراد ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہیں، اور ان کے بعد سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ان میں کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ

دوسری جگہ قرآن کا یہ ارشاد کہ اِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ کوئی امت ایسی نہیں کہ جس میں اللہ کا پیغمبر نہ آیا ہو، اس آیت کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس آیت کی مراد یہ ہے کہ زمانہ دراز سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان میں کوئی نبی نہیں آیا، مگر رسول اور نبی آنے سے خالی یہ امت بھی نہیں رہی۔

وما کنتَ بجانب الغربی یعنی کوہ طور پر جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا اور اسے وحی رسالت سے نوازا تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ وہاں موجود نہیں تھے اور نہ یہ منظر دیکھنے والوں میں تھے، بلکہ یہ غیب کی وہ باتیں ہیں کہ جو وحی کے ذریعہ آپ کو بتلا رہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ پیغمبر برحق ہیں، اس لئے کہ نہ تو آپ نے یہ باتیں کسی سے سیکھی ہیں اور نہ خود ان کا مشاہدہ کیا ولولا ان تصیبھم مصیبة بما قدمت ایدیھم یعنی ان کے اس عذر کو ختم کرنے کے لئے آپ کو ہم نے رسول بنا کر بھیجا ہے کیونکہ طول زمانی کی وجہ سے گذشتہ انبیاء کی تعلیمات مسخ اور ان کی دعوت فراموش ہو چکی ہے اور ایسے ہی حالات کسی نبی کی ضرورت کے متقاضی ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات (قرآن وحدیث) کو مسخ ہونے سے محفوظ رکھا ہے، اور ایسا تکوینی نظام فرما دیا ہے کہ جس کی وجہ سے آپ کی دعوت دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی ہے اور مسلسل پہنچ رہی ہے تاکہ کسی نبی کی ضرورت باقی نہ رہے۔

قالوا ساحران تظاھران مشرکین مکہ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب اپنا ایک وفد مدینہ کے علماء یہود کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا چنانچہ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور علامات کے بارے میں علماء یہود سے معلوم کیا تو علماء یہود نے جواب دیا کہ ہم تورات میں ان کی علامات اور صفات پاتے ہیں، چنانچہ وفد نے مکہ آکر لوگوں کو اس کی خبر دی تو اس وقت ان لوگوں نے کہا ساحران تظاھران یا سحران تظاھران یہ دونوں جادوگر یا جادو ہیں جو ایک دوسرے کی موافقت کرتے ہیں۔ (جمل ملخصاً)

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا بَيَّنَّا **لَهُمُ الْقَوْلَ** القرآنَ **لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ** يَتَّعِظُوْنَ فيؤمنون **اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ** اى القرآن **هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ** ايضا نزل فِي جَمَاعَةٍ اَسْلَمُوا مِنَ اليَهُود كعبدِاللّٰهِ بن سلام وغيره ومِن النصارٰى قَدِموا من الحَبْشَةِ ومن الشَّام **وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ** القرانُ **قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ** مُوَحِّدِين **اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ** بِاِيمَانِهِم بالكتابَين **بِمَا صَبَرُوْا** بِصَبْرِهم على العَمَل بهما **وَيَدْرَءُوْنَ** يَدْفَعون **بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ** منهم **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ** يتصدَّقون **وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ** الشَّتم والاذى من الكُفَّار **اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ** سلامُ متاركةٍ اى سَلِمتُم منا مِن الشَّتم وَغيرِه **لَا نَبْتَغِي**

الْجَاهِلِيْنَ○ لا نصحبُهم ونزل في حِرصِه صلى الله عليه وسلّم على اِيمانِ عَمِّه أبي طالب اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ هدايَته وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ اى عَالِمٌ بِالْمُهْتَدِيْنَ○ وَقَالُوْا اى قَومُه اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ط اى نُنتزع منها بسُرعَةٍ قال تعالٰى اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يَّاْمنونَ فيه مِن الاِغارةِ والقَتْلِ الوَاقِعَيْنِ مِنْ بَعضِ العَربِ علٰى بَعْضٍ يُّجْبٰى بالفَوقانيّةِ والتّحتانيَّةِ اِلَيهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ من كل اَوْبٍ رِزْقًا لهم مِّنْ لَّدُنَّا اى عِنْدنا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَايَعْلَمُوْنَ○ اَنَّ مانقوله حَقٌّ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا اى عَيْشَها وأُريد بالقرية اَهلُها فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ط لِلمارَّة يومًا او بَعْضَه وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِيْنَ○ مِنهُمْ وَمَاكَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمِ اَهْلِهَا حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا اى اَعْظَمِهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ○ بتكذيبِ الرُّسُلِ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ اى تَتَمتَّعُون وتَتزيَّنُونَ به ايامَ حيٰوتكم ثم يَفْنٰى وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ وهو ثَوابُه خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ط اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۚ○ باليَاءِ والتاءِ ان الباقيَ خيرٌ مِّن الفانيْ .

ترجمہ

اور ہم نے لوگوں کے لئے قول یعنی قرآن کو (کھول کر بیان کیا) پیہم بھیجا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ایمان لے آئیں جن کو ہم نے اس قرآن سے پہلے کتاب عطا فرمائی وہ اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں یہ آیت یہود کی اس جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، جیسا کہ عبداللہ بن سلام وغیرہ اور ان نصاریٰ کے بارے میں جو حبشہ اور شام سے آئے تھے اور جب ان کو قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کے ہمارے رب کی طرف سے حق ہونے پر ہمارا ایمان ہے ہم تو اس سے پہلے ہی سے مسلمان یعنی موحد ہیں یہ لوگ اپنے دونوں کتابوں پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اور دونوں پر عمل (کی مشقت) پر صبر کرنے کی وجہ سے دوہرا اجر دیئے جائیں گے، اور یہ لوگ نیکی سے بدی کا دفعیہ کردیتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے (راہ خدا میں) صدقہ کرتے ہیں اور جب کسی سے لغویات اور اذیت کی بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں ہمارا عمل ہمارے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے ہم تو تم کو سلام کرتے ہیں یہ سلام متارکت (یعنی پیچھا چھڑانے کا سلام) ہوتا ہے (نہ کہ سلام تحیہ) یعنی تم ہماری طرف سے گالی وغیرہ سے سلامت رہو ہم ناسمجھ لوگوں سے مصاحبت (الجھنا) نہیں چاہتے (آئندہ آیت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے چچا ابوطالب کے ایمان پر زیادہ حریص ہونے کے بارے میں نازل ہوئی آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے، ہدایت پانے والوں کا علم اسی کو ہے تو آپ

کی قوم کہنے لگی اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت کے تابعدار بن جائیں تو ہم اپنے ملک سے اچک لئے جائیں یعنی فی الفور ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کیا جائے کیا ہم نے ان کو امن اور امن والے حرم میں جگہ نہیں دی؟ کہ وہ اس میں قتل وغارتگری سے جو کہ عرب میں باہم (عام طریقہ پر) واقع ہو رہی ہے مامون رہ رہے ہیں جہاں ہر قسم کے پھل ہر جانب سے کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے ان کے لئے بطور رزق کے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ حق ہے اور ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھیں اور قریہ سے اہل قریہ مراد ہیں یہ ہیں ان کے مکانات، جو ان کے بعد آئے نہ رہ سکے مگر بہت کم، مسافروں کے لئے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ اور آخر کار ہم ہی ان کے وارث رہے اور تیرا رب کسی ایک بستی کو بھی اہل بستی کے ظلم کی وجہ سے (اس وقت تک) ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ (بستیوں) کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج دے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب کہ بستی والے رسولوں کی تکذیب کر کے ظلم پر کمر کس لیں اور جو کچھ تم کو دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے جس سے تم اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتے ہو اور اس سے زینت حاصل کرتے ہو پھر فنا ہو جاتا ہے ہاں اللہ کے پاس جو ہے وہ بہت ہی بہتر اور دیرپا ہے کیا تم نہیں سمجھتے؟ یعقلون میں یا اور تا کے ساتھ دونوں قرأتیں ہیں اور یقیناً باقی فانی سے بدرجہا بہتر ہے۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَصَّلْنَا ماضی جمع متکلم (تفعیل) ہم نے پے درپے بھیجا، ہم نے کھول کر بیان کیا **قوله** الذین موصول اپنے صلہ سے مل کر جملہ ہو کر مبتدا هُمْ مبتدا ثانی یومنون هم مبتدا کی خبر اور به یومنون سے متعلق مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتدا اول کی خبر **قوله** ایضا ای کما آمنوا بکتابهم **قوله** بصبرهم سے اشارہ کردیا کہ ما مصدریہ ہے **قوله** يَدْرَءُوْنَ، يُنْفِقُوْنَ، وَاِذَا سَمِعُوْا ان سب کا عطف، يُؤْتُوْنَ پر ہے، **قوله** وَالاذی من الکفارِ یہ عطف عام علی الخاص کے قبیل سے ہے **قوله** لا تَهْدِی مَنْ اَحْبَبْتَ اس میں ایصال الی المطلوب کی نفی ہے نہ کہ اراءۃِ طریق کی، لہٰذا اس قول اور اِنَّكَ لَتَهْدِی اِلٰی صِراطِ المستقیم میں کوئی تعارض نہیں ہے وقالوا ای قومُه قوم سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہے اور قائل حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف ہے **قوله** يُجْبٰی ای يُحْمَلُ ويُسَاقُ الیه، مِنْ كُلِّ او ب ای مِن كلِّ جانبٍ **قوله** ثمرات كلِّ شيئٍ یہ کثرت سے کنایہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شيئٍ میں ہر ضرورت کی شیٔ مراد ہے نہ کہ دنیا کی ہر شیٔ **قوله** معِيْشَتَهَا ای عَيْشَها معِيْشَتَهَا حذف مضاف کے ساتھ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے اور مفسر علام نے معِيْشةً کی تفسیر عیش سے کی ہے اب تقدیر عبارت یہ ہوگی بَطِرَتْ فِی زمنِ حیاتِها **قوله** لَمْ تُسْكَنْ یہ جملہ ہو کر حال ہے اور عامل تِلْكَ

بمعنی اشیر ہے تلک مبتداء کی خبر ثانی بھی ہوسکتی ہے **قولہ** وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنْ شَیْ فَمَتَاعُ الحیٰوۃِ الدنیا ما شرطیہ ہے اور مِن شیئ اس کا بیان ہے فَمَتَاعُ الحیٰوۃ الدنیا ھو مبتداء محذوف کی خبر ہے اور جملہ ہوکر جواب شرط ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا (الآیۃ) وَصَّلْنَا تَوْصِیْلٌ سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی تاروں میں تار ملا کر رسی بٹنا، حق تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ جاری رکھا یعنی ایک رسول کے بعد دوسرا اور ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب بھیجتے رہے حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد رشد وہدایت کا امت مرحومہ کے ذریعہ ایسا تکوینی سلسلہ جاری فرمادیا کہ اب کسی نبی کی ضرورت نہیں رہی۔

شان نزول

الذین آتینٰھُمُ الکتابَ (الآیۃ) اس آیت میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی تورات اور انجیل کی دی ہوئی بشارتوں کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن پر یقین رکھتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اپنے سابق یقین کی بناء پر ایمان لے آئے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے درباریوں میں سے چالیس آدمی مدینہ طیبہ میں اس وقت حاضر ہوئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر میں مشغول تھے یہ لوگ بھی جہاد میں شریک ہوگئے، بعض کو کچھ زخم بھی لگے مگر ان میں سے کوئی مقتول نہیں ہوا، ان لوگوں نے جب صحابہ کرام کی معاشی تنگی کا حال دیکھا تو آپ سے درخواست کی کہ ہم اللہ کے فضل سے مالدار اور صاحب ثروت ہیں ہم اپنے ملک واپس جا کر صحابہ کے لئے مال فراہم کر کے لائیں آپ اجازت دیدیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (اخرجہ ابن مردویہ والطبرانی، مظہری)

اور حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت جعفرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب ہجرت مدینہ سے پہلے حبشہ گئے تھے اور نجاشی کے دربار میں اسلامی تعلیمات پیش کیں تو نجاشی اور اس کے اہل دربار جو اہل کتاب تھے اور توریت وانجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور علامتیں دیکھے ہوئے تھے ان کے دلوں میں اسی وقت اللہ نے ایمان ڈالدیا۔ (مظہری)

اُولٰئِکَ یُؤتونَ اَجْرَھم مرتین بما صبروا صبر سے مراد ہر قسم کے حالات میں انبیاء اور کتاب الٰہی پر ایمان لانا اور اس پر ثابت قدمی سے قائم رہنا ہے، پہلی کتاب آئی تو اس پر اس کے بعد دوسری پر ایمان رکھا، پہلے نبی پر ایمان لائے اس کے بعد دوسرا نبی آیا تو اس پر ایمان لائے، ان کے لئے دوہرا اجر ہے، حدیث شریف میں بھی ان کی یہ فضیلت

بیان کی گئی ہے، آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں کے لئے دوہرا اجر ہے ان میں ایک وہ اہل کتاب ہے جو اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا اور پھر مجھ پر ایمان لایا۔ (مسلم شریف کتاب الایمان)

برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں اور درگذر سے کام لیتے ہیں، اور جاہلوں سے صاحب سلام کہہ کر گذر جاتے ہیں یعنی ان لوگوں کی ایک عمدہ عادت یہ ہے کہ جب کسی جاہل دشمن سے لغویات سنتے ہیں تو اس کا جواب دینے کی بجائے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا اسلام لو ہم جاہل لوگوں سے الجھنا پسند نہیں کرتے، اس کو سلام متارکت یا مسالمت کہتے ہیں اور جس سلام کی ممانعت ہے وہ سلام تحیہ ہے جو مسلمانوں میں بوقت ملاقات رائج ہے۔

شانِ نزول

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (الآیۃ) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدرد اور غمگسار چچا ابو طالب کا انتقال ہونے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی خدمت میں تشریف لے گئے اور فرمایا چچا جان آپ اپنی زبان سے ایک مرتبہ یہ کلمہ **لا الٰہ الاَّ اللّٰہ** کہہ لیں تا کہ میں روز قیامت اللہ کے سامنے سفارش کر سکوں لیکن دیگر رؤسائے قریش موجود تھے جن کی وجہ سے ایمان سے محروم رہے، مگر یہ فرمایا اے میرے بھتیجے میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو لیکن میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ میرے مرنے کے بعد کہیں کہ موت سے ڈر گیا، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں یہ کلمہ کہہ کر ضرور تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا ہے اس لئے کہ میں تمہارے شدت غم اور خیر خواہی کو دیکھ رہا ہوں، پھر یہ اشعار پڑھے

لقد علمتُ بانّ دین محمد ۔۔۔ من خیر ادیان البریة دینا

لو لا الملامة او حذار مسبّه ۔۔۔ لوجدتنی سمحًا بذاك مبینا

اور پھر فرمایا، **لکننی سوف اموتُ علیٰ ملة الاشیاخ عبدالمطلب وھاشم وعبد مناف ثم مات**، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا بڑا قلق اور صدمہ ہوا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ **اِنَّكَ لا تھدی من اَحْبَبْتَ** نازل فرمائی، یعنی کسی کو مومن بنا دینا اور ایمان دل میں اتار دینا آپ کی قدرت میں نہیں ہے آپ کا کام کوشش کرنا ہے اور بس، تفسیر روح المعانی میں ہے کہ خواجہ ابو طالب کے کفر وایمان کے بارے میں بے ضرورت گفتگو اور بحث ومباحثہ سے اجتناب کرنا چاہئے کہ اس سے آنحضرت کی طبعی ایذا کا احتمال ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَقَالُوْا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰی مَعَكَ یہ آیت الحارث بن عثمان بن نوفل بن مناف کے بارے میں نازل ہوئی تھی حارث بن عثمان وغیرہ نے اپنے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ اگرچہ ہم آپ کی تعلیمات کو حق جانتے ہیں مگر ہمیں خطرہ یہ ہے کہ اگر ہم آپ کی ہدایت پر عمل کر کے آپ کے ساتھ ہو جائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا اور ہمیں ہماری زمین مکہ سے اچک لیا جائے گا (نکال باہر کیا جائے گا) قرآن کریم ان کے اس عذر لنگ کا جواب دیتے

ہوئے فرماتا ہے اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ (الآیۃ) یعنی ان کا یہ عذر اس لئے باطل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے باوجود ان کی حفاظت کا ایک قدرتی سامان یہ کر رکھا ہے کہ ارض مکہ کو حرام بنادیا جس میں قتل و غارتگری سخت حرام ہے، جب اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و شرک کے باوجود اس سرزمین میں امن دے رکھا ہے تو ایمان لانے کی صورت میں وہ ان کو کیسے ہلاک ہونے دے گا؟

اَفَمَنْ وَعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ مُصِيْبُه وهو الجنة كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَيَزُوْلُ عن قريب ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ النار الاول المؤمن والثانى الكافر اى لاتُساوِى بينهما واذكُرْ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآئِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ هُم شُرَكَائِى قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ بِدُخولِ النارِ وهم رُؤَسَاءُ الضَّلالةِ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ مبتدأ وصِفَته اَغْوَيْنٰهُمْ خَبرُه فَغوَوا كَمَا غَوَيْنَا ۚ لم نُكرِهْهُمْ على الغيِّ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۫ منهم مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝ ما نافيةٌ وقُدِّمَ المفعولُ للفاصلةِ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ اى الاصنامَ الّذين كُنتم تزعُمونَ انّهم شركاءُ اللّٰهِ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ دُعاءَ هم وَرَاَوُا هُم الْعَذَابَ اَبصَرُوه لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ۝ فى الدنيا ما رَاَوه فى الأخرة وَاذكر يَوْمَ يُنَادِيْهِمُ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِلَيْكُم فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْبَآءُ الاخبارُ المُنْجِيَةُ فى الجواب يَوْمَئِذٍ اى لم يَجِدُوا خبرًا لهم فِيه نجاةٌ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عنه فيسكُتون فَاَمَّا مَنْ تَابَ من الشِّرْكِ وَاٰمَنَ صَدَّقَ بتوحيدِ اللّٰه وَعَمِلَ صَالِحًا اَدَّى الفرائضَ فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ۝ النَّاجِيْنَ بوعدِ اللّٰهِ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا يَشَاءُ مَا كَانَ لَهُمْ للمشركين الْخِيَرَةُ ۭ الاختيار فى شئ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ عن اشراكِهم وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ تُسِر قُلُوْبُهم مِن الكُفرِ وغيرِه وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ بالسِنَتِهم من الكذبِ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى الدُّنيا وَالْاٰخِرَةِ ۡ الجنّةَ وَلَهُ الْحُكْمُ القضاءُ النَّافِذُ فى كُلِّ شئٍ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ بالنُّشورِ قُلْ لأهلِ مَكَّةَ اَرَءَيْتُمْ اى اَخْبِرُونى اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا دَائِمًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ بزعمِكم يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۭ نهارٍ تَطلُبُون فيه المَعِيشَةَ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ ذٰلك سماعَ تفهّمٍ فترجعون عن الاشراكِ قُلْ لهم اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ بِزَعْمِكُمْ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ تَستَرِيحُونَ فِيْهِ ۭ مِن التَّعَبِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ ما اَنتم عليه مِن الخَطَاءِ فى الإشراكِ فَتَرجِعُونَ عنه وَمِن رَّحْمَتِه تَعَالٰى جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ فى

اللَّیْلِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ فی النَّھَارِ بالکسب وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ○ النِّعمة فِیْهِمَا وَاذْکُرْ یَوْمَ یُنَادِیْھِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَکَآئِیَ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ○ ذکر ثانیًا لِیَبْنِی علیه قوله وَنَزَعْنَا اَخرَجنا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا وهُوَ نبیُّهم یَشْهَدُ عَلَیْهِمْ بِمَا قالوہ فَقُلْنَا لهم ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ علی ما قُلْتُمْ مِنَ الاِشراكِ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ فی الاِلٰھیة لِلّٰهِ لا یُشارِکُه فیها اَحَدٌ وَضَلَّ غاب عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ○ ع فی الدُّنیا مِن اَنَّ مَعَهٗ شَرِیکًا تعالیٰ عن ذٰلك.

ع۷

ترجمہ

بھلا وہ شخص کہ جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے جسے وہ قطعاً پانے والا ہے یعنی اس وعدہ (موعود بہ) کو پہنچنے والا ہے اور وہ جنت ہے کیا اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا ہے، جو عنقریب زائل ہو جائے گا پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے دوزخ میں حاضر کئے جائیں گے اول شخص مومن ہوگا اور دوسرا کافر یعنی دونوں میں کوئی مساوات نہ ہوگی اور اس دن کو یاد کرو کہ جس دن خدا تعالیٰ ان کافروں کو پکار کر کہے گا میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کو تم سمجھتے تھے وہ میرے شریک ہیں جن پر خدا کا دخول نار کا حکم ثابت ہو چکا ہوگا وہ کہیں گے اور وہ گمراہی کے سردار ہوں گے اے ہمارے پروردگار یہ وہی لوگ ہیں جنہیں ہم نے بہکایا تھا یہ مبتداء اور اس کی صفت ہے اور اَغْوَیْنَاھُمْ اس کی خبر ہے ہم نے ان کو اسی طرح بہکایا جس طرح ہم خود بہکے تھے تو یہ بہک گئے ہم نے ان کو گمراہی پر مجبور نہیں کیا تھا ہم تیری سرکار میں ان سے اپنی طرف سے اظہار برأت کرتے ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے، مَا نافیہ ہے مفعول فواصل کی رعایت کے لئے مقدم کیا گیا ہے اور کہا جائے گا اپنے شرکاء کو بلالو یعنی ان بتوں کو جن کو تم سمجھتے تھے کہ یہ میرے شریک ہیں چنانچہ وہ ان کو پکاریں گے مگر وہ ان کی پکار کا جواب تک نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، کاش یہ لوگ دنیا میں راہ راست پر ہوتے تو اس عذاب کو آخرت میں نہ دیکھتے اور اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ ان سے پکار کر پوچھے گا تم نے اپنے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ پھر تو اس دن ان کی جواب میں پیش کر کے نجات دلانے والی سب دلیلیں گم ہو جائیں گی (یعنی بکے بکے رہ جائیں گے) یعنی ان کی سمجھ میں کوئی ایسی دلیل نہیں آئے گی کہ جس میں ان کی نجات ہو اور وہ آپس میں بھی دلیل کے بارے میں پوچھ تاچھ نہ کر سکیں گے جس کی وجہ سے لاجواب ہو جائیں گے البتہ جس شخص نے شرک سے توبہ کی اور ایمان لے آیا یعنی اللہ کی توحید کی تصدیق کی اور نیک اعمال کئے یعنی فرائض ادا کئے تو یقین ہے کہ ایسے لوگ اللہ کے وعدے کے مطابق کامیاب ہوں گے اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا چنتا ہے اور ان میں سے کسی مشرک کو کسی چیز میں کوئی اختیار نہیں اللہ ہی کے لئے پاکی ہے اور وہ برتر ہے ان کے شرک کرنے سے اور آپ کا رب ان سب

کفر وغیرہ کی باتوں کو جانتا ہے جن کو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جس جھوٹ کو وہ اپنی زبان سے ظاہر کرتے ہیں وہی معبود ہے اس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں دنیا اور آخرت میں جنت میں اسی کی تعریف ہے اور اسی کے لئے فرمانروائی ہے (یعنی) ہر چیز میں اسی کا فیصلہ نافذ ہے اور زندہ کرکے اسی طرف لوٹائے جاؤ گے آپ اہل مکہ سے کہئے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات رہنے دے تو خدا کے سوا تمہارے خیال میں وہ کونسا معبود ہے کہ تمہارے لئے دن کی روشنی کو لے آئے کہ جس میں تم روزی طلب کرو، کیا تم اس بات کو سمجھنے کے لئے سنتے نہیں ہو؟ کہ تم شرک سے باز آجاؤ ان سے پوچھئے کہ یہ بھی بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے تو تمہارے خیال کے مطابق اس کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے پاس رات لے آئے؟ کہ جس میں تم تکان کی وجہ سے آرام کرو کیا تم شرک کے معاملہ میں اپنی غلطی کو نہیں دیکھتے (غور نہیں کرتے) کہ تم اس شرک سے باز آجاؤ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن بنائے تاکہ رات میں آرام کرو اور دن میں کسب کے ذریعہ اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم رات اور دن کی نعمت کا شکر ادا کرو اور یاد کرو جس دن انہیں پکار کر اللہ فرمائے گا کہ جنہیں تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں ہیں؟ (ان کے شرک کو) دوبارہ ذکر کیا تاکہ آئندہ قول کی اس پر بناء کرے، ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے اور وہ ان کا نبی ہوگا جو کچھ انہوں نے اس سے کہا ہوگا اس پر شہادت دے گا تو ہم ان مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اپنے شرک کے دعوے پر دلیل پیش کرو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ الوہیۃ کے بارے میں سچی بات اللہ کی تھی کہ الوہیۃ میں اس کا کوئی شریک نہیں اور جو کچھ وہ دنیا میں گھڑا کرتے تھے کہ اس کا شریک ہے حالانکہ اللہ اس سے بری ہے وہ سب ان کے پاس سے غائب ہو جائے گا۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

وَقَالَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ یہ جملہ مستانفہ ہے جو ایک سوال مقدر کے جواب میں واقع ہے جب مشرکین سے کہا جائے گا کہ میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کی تم پوجا پاٹ کیا کرتے تھے؟ تو اس سوال کا جواب دینے کے بجائے مشرکین کے رؤساء اور اتباع میں جھگڑا شروع ہو جائے گا تابعین متبوعین کو مورد الزام قرار دیں گے اور متبوعین تابعین کو **قولہ** مبتداءٌ و صفتہٗ ھٰؤلاءِ اسم اشارہ موصوف اَلَّذِیْنَ اسم موصول اَغْوَیْنا جملہ ہو کر صلہ عائد محذوف اور وہ ھُمْ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَغْوَیْنَاھُمْ موصول صلہ سے ملکر صفت موصوف صفت سے مل کر مبتداء، اور اَغْوَیْنٰا کَمَا غَوَیْنا مبتداء کی خبر، **قولہ** قُدِّمَ المفعول للفاصل اصل میں مَا کَانُوْا یَعْبُدُوْنَنَا تھا، فواصل کی رعایت کے لئے مفعول کو مقدم کر دیا گیا، ماکانوا اِیَّانَا یعبدون ہوگیا، **قولہ** مَا رَاَوْہ فی الآخرۃ یہ لَوْ کا جواب ہے، اور بعض حضرات نے لَاَنْجَاھُمْ ذٰلِکَ محذوف مانا ہے یعنی اگر وہ دنیا میں ہدایت پر ہوتے تو ان کا ہدایت پر ہونا آخرت میں ان کو

کامیاب کردیتا **قوله فعَمِيَتْ عَلَيْهِم الانباءُ** اس میں قلب ہے جو کہ محسنات کلام میں شمار ہوتا ہے، اصل یہ ہے فعَمُوا عن الاَنْبَاءِ شارح کے قول لَمْ یجدوا خَیْرًا لھُمْ فیه سے اسی قلب کی طرف اشارہ کیا ہے، **قوله فعَمت عَلَيْهِمْ** میں عمٰی کا صلہ علٰی خَفِیَ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے **قوله عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ** عسٰی یہاں تحقیق کے لئے ہے اس لئے کریموں کے یہاں توقع بھی یقین کا درجہ رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو اکرم الاکرمین ہیں لہٰذا اللہ کے کلام میں عسٰی بمعنی حقَّقَ ہوگا، اور اگر ترجی ہی کے معنی میں لیا جائے تو تائب کے اعتبار سے ہوگا۔

شان نزول

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو لوگوں کو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی خاص طور پر ولید بن مغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ پر نزول قرآن کو بڑا عجیب اور عظیم سمجھا اور کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کسی کو رسول بنانا ہی تھا تو مکہ اور طائف کے ان دو سرداروں میں سے کسی کو کیوں رسول نہیں بنایا؟ تو اس کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی (جمل) سَرْمَدًا جَعَلَ کا مفعول ثانی ہے بمعنی دائمًا سَرْدٌ سے مشتق ہے اس کے معنی متابعت اور لگاتار کے ہیں، میم زائدہ ہے، عرب اشہر حرم کے بارے میں بولتے ہیں، ثلاثۃ سردٌ واحد فردٌ تین مسلسل ہیں اور ایک الگ ہے۔

قوله قُلْ لَهُمْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهارَ سَرْمَدًا یہ باب تنازع فعلان سے ہے اَرَاَيْتُمْ اور جَعَلَ نے اللَّيْلَ میں نزاع کیا، دونوں ہی اللیل کو اپنا مفعول بنانا چاہتے ہیں، ثانی فعل کو عمل دیدیا اور اول کے لئے مفعول اول محذوف مان لیا اور وہ أرأیتموہُ میں ہٗ ہے اور اس کا مفعول ثانی بعد میں واقع ہونے والا جملہ استفہامیہ ہے اور فعل ثانی کا مفعول ثانی سرمدًا ہے، اِنْ حرف شرط ہے اور جَعَلَ فعل شرط اور اللہ اس کا فاعل ہے، اللیلَ جَعَلَ کا مفعول اول ہے اور سرمدًا مفعول ثانی ہے اور جواب شرط محذوف ہے وہ مَاذَا تفعَلونَ؟ ہے ای اِن جَعَلَ اللّٰه علیکم النھار سرمدًا ماذا تفعلون **قوله** ذُکِرَ ثانیًا لِیَبْنِیَ علیه ، **قوله** اَیْنَ شُرَکَائِیَ الَّذِیْنَ کنتم تزعمونَ کو دو مرتبہ ذکر کیا ہے، یہی آیت شروع رکوع میں بھی آئی ہے، بیضاوی نے کہا ہے تقریعٌ بعد تقریعٍ یعنی ملامت کے بعد ملامت ہے اس لئے کہ شرک سے زیادہ کوئی شئ اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی نہیں ہے، یا اول ان کی فساد رائے کو بیان کرنے کے لئے ہے اور ثانی یہ بتانے کے لئے ہے کہ شرک کی بات کوئی مستند بات نہیں ہے بلکہ محض تشبہ اور ہوائے نفس ہے۔

تفسیر وتشریح

اَفَمَنْ وَّعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا یعنی اہل ایمان وعدۂ الٰہی کے مطابق نعمتوں سے بہرہ ور اور نافرمان عذاب سے

دوچار ہوگا، کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟
محشر میں مشرکین سے پہلا سوال شرک سے متعلق ہوگا کہ جن شیاطین وغیرہ کو تم ہمارا شریک ٹھہرایا کرتے تھے اور ان کا کہنا مانتے تھے آج وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کرسکتے ہیں؟ سیدھا جواب دینے یا معذرت کرنے کے بجائے آپس میں ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے، تابعین کہیں گے کہ ہمارا کوئی قصور نہیں ہم نے ازخود شرک نہیں کیا بلکہ ہمیں تو ان شیاطین نے بہکایا تھا، تو وہ شیاطین کہیں گے کہ ہم نے بہکایا ضرور تھا مگر مجبور تو ہم نے نہیں کیا تھا اس لئے مجرم تو ہم بھی ہیں مگر یہ بھی جرم سے بری نہیں کیونکہ جس طرح ہم نے ان کو بہکایا تھا اس کے بالمقابل انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبوں نے ان کو ہدایت بھی تو کی تھی اور دلائل کے ساتھ ان پر حق واضح کردیا تھا، انہوں نے اپنے اختیار سے اپنے انبیاء کی بات نہ مانی، ہماری مان لی تو کیسے بری ہوسکتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے سامنے حق واضح ہوجائے اور حق کے دلائل واضحہ موجود ہوں اور وہ حق کی طرف دعوت دینے والوں کے بجائے گمراہ کرنے والوں کی بات مان کر گمراہی میں پڑ جائے تو یہ کوئی عذر معتبر نہیں۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ یختار سے مراد اختیار احکام ہے کہ حق تعالیٰ جب تخلیق کائنات میں منفرد ہے کوئی اس کا شریک نہیں تو اجراء احکام میں بھی منفرد ہے جو چاہے اپنی مخلوق پر احکام نافذ فرمائے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا اختیار تکوینی میں کوئی شریک نہیں اختیار تشریعی میں بھی کوئی شریک نہیں۔
اس کا دوسرا مفہوم وہ ہے جو ابن کثیر نے تفسیر میں اور علامہ ابن قیم نے زادالمعاد میں بیان کیا ہے کہ اس اختیار سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے جس کو چاہیں اپنے اکرام و اعزاز کے لئے انتخاب فرمالیتے ہیں اور بقول بغوی یہ جواب ہے مشرکین مکہ کے اس قول کا لَوْلَا نُزِّلَ هذا القرآن علی رجلٍ من القریتین عظیم یعنی یہ قرآن اللہ کو اگر نازل کرنا تھا تو عرب کے دو بڑے شہر مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل فرماتا، ایک یتیم مسکین پر نازل کرنے میں کیا حکمت و مصلحت تھی؟ اس کے جواب میں فرمایا جس مالک نے تمام مخلوقات کو بغیر کسی شریک کی امداد کے پیدا فرمایا ہے یہ اختیار بھی اسی کو حاصل ہے کہ اپنے خاص اعزاز کے لئے اپنی مخلوق میں سے کس کو منتخب کرے اس میں وہ تمہاری تجویز کا کیوں پابند ہو کہ فلاں اس کا مستحق ہے اور فلاں نہیں۔

وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (الآیۃ) دن اور رات یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں، رات کو تاریک بنایا تا کہ سب لوگ آرام کرسکیں اس اندھیرے کی وجہ سے ہر مخلوق سونے اور آرام کرنے پر مجبور ہے، ورنہ اگر آرام کرنے اور سونے کے اپنے اپنے اوقات ہوتے تو کوئی بھی مکمل طریقہ سے سونے کا موقع نہ پاتا، جبکہ معاشی تگ ودو اور کاروبار جہاں کے لئے نیند کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر توانائی بحال نہیں ہوسکتی، اگر کچھ لوگ سو رہے ہوتے اور کچھ جاگ کر مصروف تگ ودو ہوتے تو سونے والوں کے آرام و راحت میں خلل واقع ہوتا نیز لوگ

ایک دوسرے کے تعاون سے بھی محروم رہتے جبکہ دنیا کا نظام ایک دوسرے کے تعاون وتناصر کا محتاج ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے رات کو تاریک کر دیا تا کہ ساری مخلوق بیک وقت آرام کرے اور کوئی کسی کی نینداور آرام میں مخل نہ ہو سکے، اسی طرح دن کو روشن بنایا کہ روشنی میں انسان اپنا کاروبار بہتر طریقہ سے کر سکے، دن کی اگر یہ روشنی نہ ہوتی تو انسان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا اسے ہر شخص بآسانی سمجھتا اور اس کا ادراک کرتا ہے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى ابن عَمِّه وابنِ خالتِه وآمَنَ به فَبَغٰى عَلَيْهِمْ بالكِبرِ والعُلُوِّ وكثرةِ المَالِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ تثقل بِالْعُصْبَةِ الجماعةِ اُولِى اصحاب الْقُوَّةِ اى تَثقُلهم فالباء لِلتَّعدِيةِ وعِدَّتُهم قِيل سَبعُوْنَ وقيل اَربعون وقيل عَشرة وقيل غيرَ ذٰلِكَ اُذكر اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ الْمُؤمِنُوْنَ مِنْ بَنِى اِسْرَائِيلَ لَا تَفْرَحْ بِكَثْرَةِ المَالِ فَرَحَ بَطَرٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ○ بذٰلك وَابْتَغِ اُطْلُبْ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ مِنَ المالِ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ بِاَنْ تُنفِقَه فى طاعةِ اللّٰه وَلَا تَنْسَ تَتْرُكْ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا اى ان تَعْمَلَ فيها للاٰخرة وَاَحْسِنْ للناس بالصَّدقةِ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَاتَبْغِ تطلب الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ بعَمَلِ المعاصِى اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ○ بمعنى اَنَّهٗ يُعاقِبُهم قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ اى المالَ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ط اى فِى مُقَابَلَتِه وكانَ اَعلمَ بَنِى اِسرَائِيلَ بِالتَّوراةِ بَعدَ موسٰى وهارونَ قال تعالٰى اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِه مِنَ الْقُرُوْنِ الْاُمَمِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ط للمَالِ اى وهو عَالِمٌ بذلك ويُهلِكُهم اللّٰه تعالٰى وَلَا يُسْاَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ○ لِعِلْمِه تعالٰى بها فَيَدْخُلُون النارَ بلا حِسَابٍ فَخَرَجَ قارونُ عَلٰى قَوْمِه فِى زِيْنَتِه ط باَتْبَاعِه الكَثِيرِينَ رُكْبانا مُتحلِّيْنَ بمَلابِسِ الذَّهَبِ والحريرِ على خُيولٍ وبغالٍ مُتَحلِّيَةٍ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يا للتَّنبِيهِ لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ لا فى الدُّنيا اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ نَصِيْبٍ عَظِيْمٍ○ وَافٍ فيها وَقَالَ لهم الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ بما وَعَدَ اللّٰهُ فى الاٰخرة وَيْلَكُمْ كلمةُ زَجْرٍ ثَوَابُ اللّٰهِ فِى الاٰخِرةِ بالجَنَّةِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ج مِمَّا اُوتِى قارونُ فى الدُّنيا وَلَا يُلَقّٰهَا اى الجنةَ المُثابَ بها اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ○ على الطَّاعةِ وعنِ المَعْصِيَةِ فَخَسَفْنَا بِه بقارونَ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ من غَيرِه بِاَنْ يَمْنَعُوا عنه الهَلاكَ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ○ مِنْهُ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ اى مِن قَرِيبٍ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ يُوَسِّعُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِه وَيَقْدِرُ ج يُضَيِّقُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَوَىْ اِسْمُ فِعْلٍ بِمَعْنَى اَعجبُ اى انا والكافُ بمعنى اللَّامِ لَوْ لَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ط بالبناءِ

للفاعِلِ والمفعولِ وَيكَانَّهٗ لاَ يُفْلِحُ الْكَافِرُوْنَ لِنِعمَةِ اللّٰهِ كقارونَ.

تــرجــمــه

قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا (یعنی) چچازاد اور خالہ زاد بھائی تھا اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تھا، کبر وتعلّی اور کثرت مال کے ذریعہ لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا تھا، اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زورآور لوگوں کو گراں بار کر دیتی تھیں یعنی ان کو بوجھل کر دیتی تھیں با تعدیہ کے لئے ہے (اور اٹھانے والی جماعت کے افراد کی تعداد) کہا گیا۔ ہے ستر تھی اور کہا گیا چالیس تھی اور کہا گیا کہ دس تھی، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں، اس وقت کو یاد کرو جب اس کی قوم بنی اسرائیل کے مومن لوگوں نے اس سے کہا کثرت مال پر مت اترا واقعی اللہ تعالیٰ مال پر اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو مال تجھ کو اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے اس میں دار آخرت کی بھی جستجو رکھ اس طریقہ پر کہ اللہ کی اطاعت میں خرچ کر، اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کر بایں طور کہ دنیا میں آخرت کے لئے عمل کرتا رہ، اور لوگوں کے ساتھ صدقہ کے ذریعہ حسن سلوک کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ حسن سلوک کیا ہے اور عمل معصیت کے ذریعہ ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو بلا شبہ اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اس معنی کر کہ ان کو سزا دے گا قارون نے جواب دیا یہ سب کچھ مجھے میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے یعنی میری ہنرمندی کی بدولت اور بنی اسرائیل میں موسیٰ اور ہارون کے بعد سب سے زیادہ تورات کا عالم تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا اسے اس بات کا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سی ایسی امتوں کو ہلاک کر دیا کہ جو اس سے قوۃ میں بھی زیادہ تھیں اور مال کی جمع پونجی کے اعتبار سے بھی زیادہ تھیں یعنی اس کو اس بات کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کے ذنوب کا علم رکھنے کی وجہ سے ان کے ذنوب کے بارے میں سوال نہ کرے گا اور بغیر حساب (کتاب) کے دوزخ میں داخل کرے گا پس قارون پوری آرائش (شان) کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے (ایک روز) اپنے بہت سے متبعین کے ہمراہ جو کہ زری اور ریشم کا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے، زیورات سے لدے ہوئے خچروں اور گھوڑوں پر سوار تھے نکلا، تو دنیوی زندگی کے متوالے کہنے لگے یا تنبیہ کے لئے ہے کاش ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دنیا میں دیا گیا ہے یہ تو بڑا نصیب دار ہے یعنی دنیا سے وافی حصہ پانے والا ہے (فیہا کے بجائے منہا انسب ہے) اور وہ لوگ جن کو ان چیزوں کا علم دیا گیا جن کا اللہ تعالیٰ نے آخرت میں وعدہ فرمایا ہے ان سے (بطور نصیحت) کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو (ویل) کلمہ توبیخ ہے آخرت میں اللہ کا ثواب (یعنی) جنت (ہزار درجہ) بہتر ہے اس سے جو قارون کو دنیا میں دیا گیا ہے جو ایسے شخص کو ملے گا جو ایمان لایا ہوگا اور نیک عمل کئے ہوں گے اور جنت جو بطور ثواب ملے گی ان ہی کو دی جائے گی جو طاعت و معصیت پر صبر کرنے والے ہیں آخر کار قارون کو معہ اس کے محل کے زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت نہ ہوئی کہ اس کی مدد کرتی (یعنی) ہلاکت سے اس کو بچا لیتی اور نہ وہ خود کو عذاب سے بچانے والوں میں ہوا، اور

جولوگ کل زمانہ قریب میں اس کے جیسا ہونے کی تمنا کر رہے تھے کہنے لگے بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے روزی میں وسعت کرتا اور جس کی چاہے تنگ کر دیتا ہے اور وَیْ اسم فعل اِعجبُ انا کے معنی میں ہے اور کاف بمعنی لام ہے اور اگر ہم پر اللہ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو دھنسا دیتا خَسَفَ معروف اور مجہول دونوں ہیں بس جی معلوم ہو گیا قارون کے مانند اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کو کامیابی نہیں ہوتی۔

تحقیق، ترکیب وتفسیری فوائد

اِنَّ قَارُوْنَ قارون عجمی (عبرانی) لفظ ہے، عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے، قارون کے متعلق اتنی بات طے شدہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی برادری کا فرد تھا، باقی رہی یہ بات کہ موسیٰ علیہ السلام سے اس کا کیا رشتہ تھا، اس میں مختلف اقوال ہیں، اول چچازاد بھائی تھا، دوسرا خالہ زاد بھائی تھا یہ دونوں رشتے جمع بھی ہو سکتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی خالہ موسیٰ علیہ السلام کے چچا کے نکاح میں ہو، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں، نسب اس طرح ہے قارون بن یَصْھر بن قاھث ، اور موسیٰ بن عمران بن قاھث تَنُوْءُ واحد مؤنث غائب ناءَ یَنُوْءِ نوءً (ن) جھکنا، گراں بار ہونا قولہ اِنَّ مفَاتِحَهُ لَتَنُوْءَ بِالعصبةِ لَتَنُوْءُ بِالعُصْبَةِ میں دو صورتیں ہیں (اول) یہ باء تعدیہ کے لئے ہو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے لَتَنُوْءَ المَفَاتِحُ العُصبة الاَقوِیَاء یعنی کنجیاں اس قدر زیادہ تھیں کہ طاقتور لوگوں کی ایک جماعت کو بھی گراں بار کر دیتی تھیں، اس صورت میں قلب نہیں ہے (دوسری) لَتَنُوْءَ بالعُصبَةِ میں قلب مانا جائے اور معنی یہ ہوں لَتَنُوْءَ المفاتحُ العُصبَةَ وہ کنجیاں ایک قوی جماعت کو گراں بار کر دیتی تھیں، اس لئے کہ اگر قلب نہ مانا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا کہ اقویاء کی جماعت کنجیوں کو گراں بار کر دیتی تھی، ظاہر ہے کہ یہ خلاف عقل ہے۔

قوله وَلَا یُسْئَلُ عن ذُنوبِهِمُ المجرمون سوال: ایک آیت میں ہے **فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ اَجمعینَ عَمَّا کَانُوْا یَعملونَ** پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرمین سے ان کے جرائم کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا اور بغیر حساب وکتاب جہنم میں داخل کر دیا جائے گا، اور دوسری آیت سے معلوم تا ہے کہ تمام مجرمین سے ان کے جرائم کے بارے میں سوال کیا جائے گا، دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

جواب: سوال کی دو قسمیں ہیں سوال استعتاب کہ سوال کرنے کے بعد معاف کر دیا جاتا ہے جیسا کہ بعض عصاۃ مومنین کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے گا۔

دوسرا سوال: تقریع جس کے بعد جہنم میں داخل کر دیا جائے گا، یہاں اول قسم کے سوال کی نفی مراد ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے **قوله فَخَرَجَ** اس کا عطف قال انما اوتیتهٗ پر ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے، **قوله مِن فِئَةٍ یَنْصُرُوْنَهٗ فِئةٌ** کان کا اسم بھی ہو سکتا ہے اگر کان ناقصہ ہو تو لَهٗ اس کی خبر، اور اگر کان تامہ ہو تو فِئة اس کا فاعل ہوگا اور

ینصرونہ فِئۃ کی صفت فِئۃ لفظاً مجرور ہوگا اور معناً مرفوع اس لئے کہ من زائدہ **قولہ** مِن دون اللّٰہ فئۃ سے حال ہے، **قولہ** بِالأمسِ سے اس کے حقیقی معنی کل گذشتہ مراد نہیں ہیں، بلکہ زمانہ قریب مراد ہے زمانہ قریب کو مجازاً اَمْسِ سے تعبیر کر دیتے ہیں **قولہ** وَیْکَأنَّ یہ کلمہ تعجب اور زجر ہے وَیْ لَکَ سے مرکب ہے کاف ضمیر خطاب ہے اور اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ وَا اسم ہے جو تعجب پر دلالت کرتا ہے، اس وا کے بعد کبھی کبھی ھا بڑھا دیتے ہیں معنی تعجب ہی کے رہتے ہیں، اور کبھی وَا کو وَیْ پڑھتے ہیں اور اس کے بعد کأنَّ لگا دیتے ہیں وَیْکَأنَّ مَنْ یکن لہ نَشَبٌ یُحْبَبْ ومن یفتقر یعیش عیش ضر ''ارے جس کے پاس زر کثیر ہوتا ہے اس سے محبت کی جاتی ہے اور جو محتاج ہوتا ہے وہ دکھ کی زندگی گذارتا ہے''۔ (لغات القرآن)

تفسیر وتشریح

سورۂ قصص میں بیان کردہ واقعات میں سے یہ دوسرا واقعہ ہے پہلا قصہ حضرت موسیٰ اور فرعون کا تھا، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی برادری بنی اسرائیل کے ایک شخص قارون کے ساتھ ہے۔

ربط: دونوں واقعات میں مناسبت یہ ہے کہ پچھلی آیت میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ دنیا کی مال دولت جو تم کو دی جاتی ہے وہ چند روزہ متاع ہے اس کی محبت میں لگ جانا اور اس پر فریفتہ ہو کر آخرت کو فراموش کر دینا دانشمندی نہیں ہے وَمَا أُوْتِیْتُم مِنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الحَیٰوۃِ الدُّنیَا الآیۃ قارون کے قصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس نے مال و دولت حاصل ہونے کے بعد اس نصیحت کو بھلا دیا اور دنیا کی مال و دولت کے نشہ میں مست ہو کر اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنے لگا اور اس کے ذمہ جو مالی حقوق واجبہ تھے ان کی ادائیگی سے منکر بھی ہو گیا، جس کے نتیجہ میں وہ اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

قارون عجمی لفظ ہے غالباً عبرانی ہے قارون کے متعلق اتنی بات تو قرآن ہی سے معلوم ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی برادری بنی اسرائیل کا شخص تھا، مگر اس بات میں کافی اختلاف ہے کہ اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا رشتہ تھا؟ بعض نے چچا زاد بھائی اور بعض نے خالہ زاد بھائی بتایا ہے اور بعض نے دونوں کہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ و ابن جریج و قتادہ و ابراہیم سے مروی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا، نسب اس طرح ہے موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام اور قارون کا نسب اس طرح ہے، قارون بن یصہر بن قاہث اور مجمع البیان میں عطاء عن ابن عباس انہ ابن خالۃ موسیٰ علیہ السلام اور محمد بن اسحٰق سے مروی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا، نسب اس طرح بیان کرتے ہیں موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہث، قارون بن یصہر بن قاہث۔ (روح المعانی)

قارون تورات کا حافظ تھا نیز موسیٰ و ہارون کے بعد تیسرے درجہ کا عالم بھی مگر سامری کے مانند منافق تھا قیادت

وسیادت چونکہ حضرت موسیٰ وہارون کے پاس تھی جس کی وجہ سے قارون کو حسد تھا ایک مرتبہ قارون نے اپنے حسد کا اظہار بھی کر دیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ سب اللہ کے اختیار کی بات ہے ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں ہے چنانچہ قارون نے موسیٰ کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا۔ (روح المعانی)

اور اپنے مال ودولت کے نشہ میں دوسروں پر ظلم کرنا شروع کر دیا، یحییٰ بن سلام اور سعید بن مسیب نے فرمایا کہ قارون سرمایہ دار آدمی تھا فرعون کی جانب سے بنی اسرائیل کی نگرانی پر مامور تھا، اس امارت کے زمانہ میں اس نے بنی اسرائیل کو بہت ستایا بغٰی کے ایک معنی تکبر کے بھی آتے ہیں بہت سے مفسرین نے اس جگہ یہی معنی مراد لئے ہیں یعنی مال ودولت کے نشہ میں بنی اسرائیل پر تکبر کرنے لگا اور ان کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگا۔

وَاٰتَیْنَاهُ مِنَ الْکُنُوْزِ کنوز کنز کی جمع ہے مدفون خزانہ کو کہتے ہیں، اور اصطلاح شرع میں کنز اس مال کو کہا جاتا ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو، حضرت عطاء سے روایت ہے کہ اس کو حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک عظیم الشان مدفون خزانہ مل گیا تھا۔ (روح ملخصاً)

لتنوء بالعُصبة ناءَ ینُوءُ نوءً بوجھ سے جھک جانا، عصبہ کے معنی جماعت، مطلب یہ ہے کہ اس کے سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے صندوق اس قدر تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت کو جھکا دیتی تھیں خدا کی نعمت پر خوشی کا اظہار اگرچہ مذموم نہیں ہے مگر اس قدر خوشی کرنا کہ اترانے اور تکبر کی حد تک پہنچ جانے اور دوسروں کو ذلیل وحقیر سمجھنے لگے جائز نہیں، قرآن کریم نے فرح کو متعدد آیات میں مذموم قرار دیا ہے۔

وَابْتَغِ فِیْمَا آتَاكَ اللّٰهُ (الآیۃ) مسلمانوں نے قارون کو یہ نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال ودولت تجھے عطا فرمائی ہے اس کے ذریعہ آخرت کا سامان فراہم کر اور دنیا میں جو تیرا حصہ ہے اسے فراموش نہ کر اور یہ کہ دنیا میں آخرت کے لئے عمل کرتا رہ، حدیث شریف میں وارد ہے **اِغتنم خمسًا قبل خمسٍ شبابكَ قبل هرمكَ و صحتكَ قبل سقمكَ و غناءكَ قبل فقركَ و فراغكَ قبل شغلكَ و حیاتكَ قبل موتكَ** (حدیث مرسل) جمل۔

اِنَّمَا اُوْتِیْتُهٗ قارون نے یہ جملہ مومنین ناصحین کے جواب میں کہا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میرے مال ودولت کے حصول میں فضل خداوندی کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ مال ودولت تو مجھے میرے ذاتی کمال علمی کی وجہ سے ملا ہے اس کا خود حقدار ہوں اس میں مجھ پر کسی کا احسان نہیں ہے، ظاہر یہ ہے کہ آیت میں علم سے مراد معاشی تدابیر کا علم ہے، مثلاً تجارت صنعت وغیرہ اور بعض مفسرین نے علم سے تورات کا علم مراد لیا ہے، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ قارون تورات کا حافظ اور عالم تھا، اور ان ستر اصحاب میں سے تھا جن کو موسیٰ نے میقات کے لئے منتخب فرمایا تھا مگر اس کو اپنے علم پر ناز اور غرور پیدا ہو گیا، اس کو اپنا ذاتی کمال سمجھ بیٹھا۔

اِنَّمَا اُوْتِیْتُهٗ علیٰ علم عندی کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ اللہ کے علم میں یہ بات ہے کہ میں اس کا مستحق

تھا اسی لئے مجھے یہ نعمتیں ملی ہیں، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ علم الکیمیا (سونا بنانے کا علم) آتا تھا، مگر امام ابن کثیر نے اس کو محض فریب اور دھوکا قرار دیا ہے، مال و دولت کی فراوانی یہ کوئی فضیلت کا باعث نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو پچھلی قومیں تباہ و برباد نہ ہوتیں اس لئے قارون کا اپنی دولت پر گھمنڈ کرنا اور اسے باعث فضیلت سمجھنا کوئی معقول بات نہیں ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰی قومہٖ فی زینتہٖ ایک روز قارون اپنے ہزار ہا مصاحبین اور خدم وحشم کی معیت میں بڑی شان وشوکت اور زیب وزینت کے ساتھ نکلا، جب کچھ دنیا دار مسلمانوں نے یا کافروں اور منافقوں نے قارون کی زیب وزینت اور کروفر اور دنیوی چمک دمک کو دیکھا تو اس کے جیسا ہونے کی تمنا کی اور قارون کے بارے میں کہنے لگے قارون بڑا ہی نصیب دار، اور اقبال مند ہے۔

وقال الذین اوتوا العلم دنیا دار لوگوں کے برخلاف اہل علم کہ جن کو دنیا وآخرت ثواب وعقاب اور امم سابقہ کی ہلاکت و بربادی اور اللہ کے وعدوں کا علم دیا گیا تھا نے کہا ارے کمبختو! دنیا کی یہ زیب وزینت جس کی تم تمنا کر رہے ہو چندروزہ ہے، ہمیشہ باقی رہنے والا تو آخرت کا اجر وثواب ہے لہٰذا تم اس چندروزہ زینت پر فریفتہ مت ہو اس کی حقیقت (خضراء دمن) کوڑی کے سبزے سے زیادہ نہیں، آخرت کا اجر وثواب ایمان والوں نیکوکاروں ہی کو ملتا ہے، اس آیت میں علماء کا مقابلہ **الذین یریدون الحیوٰۃ الدنیا** سے کیا گیا ہے جس میں واضح اشارہ اس طرف ہے کہ متاع دنیا کو مقصود بنانا اہل علم کا کام نہیں۔

قارون کے زمین میں دھنسنے کا قصہ تاریخی روایات کی روشنی میں

ارباب تاریخ لکھتے ہیں کہ جب سیادت و قیادت حضرت موسیٰ اور ہارون پر مقرر ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو (بیت القربان) یعنی قربانیوں کا نگراں مقرر فرما دیا، یعنی جو نذر آئے، وہ ہارون کی معرفت ان کی نگرانی میں قربان گاہ میں رکھی جائے اور آسمانی آگ آکر اس کو جلا دے، گویا کہ یہ قربانی کے مقبول ہونے کی علامت تھی، قارون کو اس بات پر حسد ہوا اور کہا آپ پیغمبر بھی ہیں، اور رئیس قوم بھی، اور ہارون قربان گاہ کے نگراں اور میں تورات کا بھی حافظ ہوں مجھے کیونکر صبر آئے، حضرت موسیٰ نے فرمایا یہ امر منجانب اللہ ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہے، قارون کہنے لگا میں کیسے یقین کروں کہ یہ امر منجانب اللہ ہے، حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو جمع ہونے کا حکم دیا جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے حکم دیا کہ تم سب اپنی اپنی لاٹھیاں لاؤ جس کی لاٹھی سرسبز ہو جائے وہ قربانگاہ کی نگرانی کا مستحق ہوگا سب لاٹھیوں کو جمع کر کے ایک مکان میں بند کر دیا گیا جب صبح کو دیکھا تو حضرت ہارون کا عصا سرسبز ہو گیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا دیکھا یہ فعل میرا نہیں تھا، قارون نے کہا یہ تو جادوگروں کا کرشمہ ہے قارون نے کھلا پلا کر بنی اسرائیل کے بہت سے سرداروں کو اپنی طرف کر لیا، جب اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ واجب فرمائی تو

حضرت موسیٰ قارون کے پاس آئے اور فی ہزار ایک دینار دینا طے ہوا مگر جب قارون نے حساب لگایا تو کثیر مال ہوا تو گھبرایا اور بنی اسرائیل کو جمع کر کے کہنے لگا موسیٰ نے اب تک جو کچھ کہا تم نے مانا، مگر ان کو کفایت نہ ہوئی اب تمہارا مال لینے کی فکر میں ہے، قوم نے کہا تم ہمارے بڑے اور عقل مند ہو، جو تم کہو گے ہم تسلیم کریں گے، قارون نے کہا فلاں زن فاحشہ کو لاؤ اسے کچھ دیکر آمادہ کریں کہ حضرت موسیٰ پر تہمت لگائے جب قوم یہ بات سنے گی تو موسیٰ سے باغی ہو جائے گی اور ہم سب کو اس غلامی سے نجات مل جائے گی، غرضیکہ وہ عورت آئی اور اسے بہت کچھ دے دلا کر تہمت لگانے پر راضی کر لیا قارون اور اس کے ساتھی بنی اسرائیل کو جمع کر کے موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے گئے اور عرض کیا یہ لوگ حاضر ہیں آپ ان کو وعظ فرمائیں، حضرت موسیٰ باہر تشریف لائے اور وعظ فرمانے لگے اور منجملہ تمام احکامات کے چور کا ہاتھ کاٹنے اور تہمت کی سزا اسی کوڑے اور اگر زانی غیر محصن ہو تو سو کوڑے اور اگر محصن ہو تو سنگسار کرنے کا حکم بیان فرمایا، قارون بولا اگر یہ حرکت آپ نے فلاں عورت سے فعل بد کیا ہے، آپ نے فرمایا اس عورت کو بلاؤ، اگر وہ عورت گواہی دے تو سچ ہے وہ عورت بلائی گئی، جب عورت حاضر ہوگئی تو حضرت موسیٰ نے فرمایا اے عورت کیا میں نے تیرے ساتھ وہ فعل کیا جو یہ لوگ کہتے ہیں اور میں تجھے اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے بنی اسرائیل کے لئے دریا میں شگاف کر دیا اور توریت نازل فرمائی تو سچ سچ بتا وہ عورت سکھائے ہوئے کید شیطانی کو بھول گئی اور کہنے لگی یہ لوگ جھوٹے ہیں مجھے قارون نے اس قدر مال دیکر راضی کیا تھا کہ میں اپنے ساتھ آپ کو متہم کروں، قارون یہ بات سن کر گھبرا گیا اور سر جھکا لیا اور سردار خاموش ہو گئے اور عذاب الٰہی سے خوف زدہ ہو گئے، حضرت موسیٰ سجدہ میں گر پڑے اور رو رو کر عرض کیا اے میرے رب تیرے اس دشمن نے مجھے ایذا دی اور مجھے رسوا کرنا چاہا اگر میں تیرا رسول ہوں تو تو مجھے اس پر مسلط کر دے، خدا تعالیٰ کی جانب سے وحی آئی فرمایا اے موسیٰ سر اٹھاؤ اور زمین کو حکم دو جو کہو گے وہ بجالائے گی چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ قارون کو نگل لے، چنانچہ زمین نے بتدریج نگلنا شروع کیا، ادھر قارون یا موسیٰ یا موسیٰ چلاتا رہا گڑگڑاتا رہا یہاں تک کہ ستر مرتبہ حضرت موسیٰ کو پکارا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور زمین میں غائب ہو گیا۔ (مظہری)

پھر بنی اسرائیل کہنے لگے کہ موسیٰ نے اس لئے قارون کو دھنسا دیا کہ اس کے مال پر قبضہ کر لے، پھر آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اس خزانہ کو بھی زمین میں دھنسا دے چنانچہ اس کا خزانہ بھی دھنس گیا اور برابر دھنستا ہی چلا جا رہا ہے۔ (خلاصۃ التفاسیر تائب لکھنوی)

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ یعنی جو لوگ قارون کی ترقی اور خوشحالی دیکھ کر کل یہ آرزو کر رہے تھے کہ کاش ہم کو بھی ایسا ہی عروج حاصل ہوتا، آج اس کا یہ برا انجام دیکھ کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے، اب ان کو ہوش آیا کہ ایسی دولت حقیقت میں ایک خوبصورت سانپ ہے جس کے اندر مہلک زہر بھرا ہوا ہے کسی شخص کی دنیوی ترقی اور عروج کو دیکھ کر ہم کو ہرگز یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہئے کہ اللہ کے یہاں وہ کچھ عزت اور وجاہت رکھتا ہے، دنیا کی ترقی اور وجاہت کسی

کے مقبول یا مردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتی، اللہ تعالیٰ جس کے لئے مناسب سمجھے روزی کے دروازے کشادہ کردے اور جس پر چاہے تنگ کردے، مال و دولت کی فراخی و فراوانی مقبولیت اور محبوبیت کی دلیل نہیں بلکہ بسا اوقات اس کا نتیجہ تباہی اور ابدی ہلاکت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

کم عاقلٍ عاقلٍ اعیت مذاهبه　　کم جاهلٍ جاهلٍ تلقاه مرزوقا
هذا الذی ترك الاوهام حائرة　　وصیّر العالِمَ النحریر زندیقا

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ ای الجنة نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ بالبغی وَلَا فَسَادًا ط بعمل المَعَاصِی وَالْعَاقِبَةُ المحمودةُ لِلْمُتَّقِیْنَ○ عقاب اللّٰهِ بعمل الطّاعاتِ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ج ثوابٌ بسببها وهو عشر امثالها وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا جزاءً مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ○ ای مثله اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ انزله لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ط الی مکة وکان قد اشتاقها قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ○ نزل جوابا لقول کُفّارِ مکة له اِنّك فی ضَلالٍ ای فهو الجائی بالهدی وهم فی الضَّلالِ واعلم بمعنی عالِم وَمَا کُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ یُّلْقٰٓی اِلَیْكَ الْکِتٰبُ القراٰن اِلَّا لکن اُلقی الیك رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَکُوْنَنَّ ظَهِیْرًا مُعِینا لِّلْکٰفِرِیْنَ○ علی دینهم الذی دعوك الیه وَلَا یَصُدُّنَّكَ اصله یَصُدُّوْنَنَكَ حُذفت نُونُ الرَّفع للجازِمِ وَالواوُ الفاعلُ لِالتقائها مَعَ النُّون السّاکنة عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ ای لا ترجع الیهم فی ذلك وَادْعُ النَّاسَ اِلٰی رَبِّكَ بتوحیدِهٖ وعبادته وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ○ ع باعانتهم ولم یُؤَثِّر الجازِمُ فی الفعلِ لِبنائه وَلَا تَدْعُ تعبُدْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط اِلّا ایاه لَهُ الْحُکْمُ القضاءُ النافذُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ○ ع بالنُّشُوْرِ مِنَ القُبُوْرِ

ترجمہ

یہ دار آخرت یعنی جنت ہم انہیں لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ ظلم کے ذریعہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ نافرمانی کرکے فساد کرتے ہیں اور بہتر انجام فرمانبرداری کرکے اللہ کے عذاب سے ڈرنے والوں کے لئے ہے جو شخص نیکی لیکر آئے گا اس کو اس سے بہتر ملے گا ان کو نیکیوں کا اجر ملے گا اور وہ ان نیکیوں کا دس گنا ہوگا اور جو شخص بدی لیکر آئے گا سو ایسے لوگوں کو جو بدی کا کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے جس خدا نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے وہ آپ کو دوبارہ پہلی جگہ لوٹانے والا ہے یعنی مکہ (کی طرف) اور آپ نے مکہ کے لئے اشتیاق ظاہر فرمایا تھا، آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت لیکر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے یہ آیت کفار مکہ کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی کہ ان لوگوں نے آپ کے بارے میں کہا کہ تم تو صریح گمراہی میں ہو، یعنی آپ تو ہدایت لیکر

آنے والے ہیں اور وہ گمراہی میں ہیں اور اَعلم عالم کے معنی میں ہے آپ کو تو یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب قرآن نازل کی جائے گی مگر آپ پر محض آپ کے ربّ کی مہربانی سے نازل کی گئی لہٰذا آپ کافروں کے ان کے دین کے بارے میں جس کی طرف وہ آپ کو دعوت دیتے ہیں ہرگز معاون نہ بنیں اور (خیال رکھئے) کہ یہ کفار آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تبلیغ سے روک نہ دیں، بعد اس کے کہ وہ آیتیں نازل ہو چکی ہیں وَلَا يَصُدُّنَّكَ اصل میں يَصُدُّوْنَنَكَ تھا، نون رفع کو جازم کی وجہ سے حذف کر دیا گیا، اور واؤ فاعل کو نون ساکنہ کے ساتھ التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا، یعنی آپ اس معاملہ میں ان کی (خرافات کی) طرف التفات نہ کیجئے اور آپ لوگوں کو اپنے رب کی توحید وعبادت کی طرف دعوت دیتے رہئے اور ہرگز ان کی اعانت کر کے مشرکوں میں سے نہ ہوجیئے اور جازم (یعنی لا) نے فعل کو مبنی ہونے کی وجہ سے جزم نہیں دیا اور اللہ کے ساتھ کسی غیر کی بندگی نہ کیجئے، بجز اللہ کے کوئی اور معبود نہیں اس کی ذات کے سوا ہر شئ فنا ہونے والی ہے اسی ذات کا فیصلہ نافذ ہونے والا ہے اور قبروں سے زندہ کرنے کے بعد تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تحقیق، وترکیب وتفسیری فوائد

تِلْكَ الدَّارُ الآخِرَةَ تلك مبتداء موصوف الدار الآخرة بترکیب توصیفی اس کی صفت نَجْعَلُهَا جملہ ہو کر اس کی خبر **قوله** لَرَادُّكَ اِلٰى مَعَادٍ معاد سے اکثر مفسرین نے مکہ مراد لیا ہے اور بعض نے مقام محمود مراد لیا ہے **قوله** وَلَا يَصُدُّنَّكَ لَا ناہیہ جازمہ ہے اور يَصُدُّنَّكَ فعل مضارع مجزوم اور علامت جزم حذف نون اور واؤ فاعل کاف مفعول ہے اور نون تاکید **قوله** عَنْ آيَاتِ اللّٰهِ یہاں مضاف محذوف ای عن تبليغ آيات الله **قوله** لَمْ يُؤَثِّرِ الجَازِم ولاتكونَنَّ میں لا جازمہ نے لفظوں میں کوئی اثر نہیں کیا اگرچہ محلًا اثر کیا ہے، اثر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تكونَنَّ نون تاکید ثقیلہ کی وجہ سے مبنی ہوگیا ہے **قوله** تعبدُ تدعُ کی تفسیر تَعْبُدْ سے کر کے خوارج کا رد کیا ہے، خوارج کہتے ہیں کہ طلب خواہ زندہ سے ہو یا مردہ سے شرک ہے، یہ خوارج کا جہل ہے اس لئے کہ مؤثر بالذات سمجھ کر غیر اللہ سے طلب شرک ہے، مگر اسباب کے درجہ میں طلب شرک نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا **اس آیت میں دار آخرت کی نجات اور فلاح کو صرف ان لوگوں** کے لئے مخصوص فرمایا گیا ہے جو زمین میں علو اور فساد کا ارادہ نہ کریں، علو سے مراد تکبر ہے یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا بنانے بڑا سمجھنے اور دوسروں کو حقیر کرنے کی فکر اور فساد سے مراد لوگوں پر ظلم کرنا۔

فائدہ: تکبر جس کی حرمت اور وبال اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ وہی ہے جس میں لوگوں پر تفاخر اور ان کی تحقیر مقصود ہو، ورنہ اپنے لئے اچھے لباس اچھی غذا اچھے مکان کا انتظام جبکہ دوسروں پر تفاخر کے لئے نہ ہو مذموم نہیں، جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

معصیت کا پختہ عزم بھی معصیت ہے

اس آیت میں علو اور فساد کے ارادہ پر دار آخرت سے محروم ہونے کی وعید ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی معصیت کا پختہ ارادہ جو عزم مصمم کے درجہ میں ہو، وہ بھی معصیت ہی ہے۔ (کما فی الروح) البتہ پھر اگر وہ خدا کے خوف سے اس ارادہ کو ترک کردے تو گناہ کی جگہ ثواب اس کے اعمال نامہ میں درج ہوتا ہے، اور اگر کسی غیر اختیاری سبب سے اس گناہ پر قدرت نہ ہوئی اور عمل نہ کرسکا مگر اپنی کوشش گناہ کے لئے پوری کی تو وہ بھی معصیت اور گناہ میں لکھا جائے گا (کما ذکرہ الغزالی) آخر آیت میں فرمایا **وَالعاقبةُ للمتقین** اس کا حاصل یہ ہے کہ آخرت کی نجات اور فلاح کے لئے دو چیزیں تکبر و فساد سے اجتناب ضروری ہے، اور تقویٰ یعنی اعمال صالحہ کی پابندی بھی ضروری ہے صرف تکبر اور فساد سے اجتناب کر لینا کافی نہیں بلکہ فرائض و واجبات کا ادا کرنا بھی شرط ہے۔ (معارف)

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ القرآن (الآیۃ) آخر سورت میں یہ آیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور اپنے فریضہ رسالت و نبوت پر پوری طرح قائم رہنے کی تاکید کے لئے ہے۔

شان نزول

ائمہ تفسیر میں سے مقاتل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غار ثور سے رات کے وقت نکلے اور مدینہ جانے والے معروف راستہ کو چھوڑ کر غیر معروف راستہ سے سفر کیا کیونکہ دشمن تعاقب میں تھے، جب مقام جحفہ پر پہنچے جو مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے اور وہاں مکہ سے مدینہ کا معروف راستہ مل جاتا ہے اس وقت مکہ مکرمہ کے راستہ پر نظر پڑی تو آپ ﷺ کو بیت اللہ اور اپنا وطن عزیز یاد آگیا، اسی وقت جبرئیل امین مذکورہ آیت لیکر نازل ہوئے جس میں آپ کو بشارت دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ سے یہ جدائی چند روزہ ہے بالآخر آپ کو پھر مکہ پہنچا دیا جائے گا جو فتح مکہ کی بشارت تھی، حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت چونکہ جحفہ میں نازل ہوئی تھی جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے لہٰذا یہ آیت نہ مکی ہے اور نہ مدنی۔

تمت المجلد الرابع بالخیر

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَسِتُّوْنَ اٰيَةً وَسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وهى تِسْعٌ وسِتُّوْنَ اٰيَةً.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓمّٓ ⓵ الله اعلمُ بمُرادِهٖ به اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا
اى بقولهم اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ⓶ يُختبرُوْنَ بما يَتَبَيَّنُ به حقيقةُ ايمانِهم نَزَلَ فى جماعةٍ اٰمَنُوْا فاٰذاهُم
الْمُشْرِكُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا فِىْ ايمانِهم عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ
وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ⓷ فيه اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ الشِّرْكَ والْمَعَاصِى اَنْ يَّسْبِقُوْنَا يَفُوْتُوْنا فلا
نَنْتَقِمُ منهم سَآءَ بِئْسَ مَا الَّذِى يَحْكُمُوْنَ ⓸ حُكْمُهم هٰذا مَنْ كَانَ يَرْجُوْا يَخافُ لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ به لَاٰتٍ
فَلْيَسْتَعِدَّ لَهٗ وَهُوَ السَّمِيْعُ لِاَقْوالِ العِبادِ الْعَلِيْمُ ⓹ بافعالِهم وَمَنْ جَاهَدَ جِهادَ حَرْبٍ او نفسٍ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ
لِاَنَّ مَنْفَعَةَ جِهادِهٖ لَهٗ لَا لِلّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ⓺ الانسِ والجِنِّ والملائكةِ وعَنْ عِبادَتِهم
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ بِعَمَلِ الصّالِحاتِ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ بمعنى حَسَنٍ
ونَصْبُه بنَزْعِ الخافِضِ الباءِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⓻ وهو الصّالِحاتُ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا اى
اِيْصاءً ذا حُسْنٍ بِاَنْ يَّبَرَّهُما وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ باِشْراكِه عِلْمٌ مُوافَقَةً لِلْواقِعِ فلا
مَفْهُوْمَ لَهٗ فَلَا تُطِعْهُمَا فى الاِشْراكِ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⓼ فاُجازِيْكُم به
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِى الصّٰلِحِيْنَ ⓽ الاَنْبِيَاءِ والاَوْلِيَاءِ بِاَنْ نَّحْشُرَهُمْ مَعَهُمْ
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِىَ فِى اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ اى اَذاهُمْ لَهٗ كَعَذَابِ اللّٰهِ فى الخَوْفِ
منه فيُطِيْعُهُمْ فيُنافِقُ وَلَئِنْ لامُ قَسَمٍ جَآءَ نَصْرٌ لِلْمؤمنين مِّنْ رَّبِّكَ فَغَنِمُوْا لَيَقُوْلُنَّ حُذِفَ منه نونُ الرَّفْعِ
لِتَوالِى النُّوْناتِ والواوُ ضميرُ الجمعِ لِالْتِقاءِ السّاكِنَيْنِ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ فى الايمانِ فاَشْرِكُوْنا فى
الغَنِيْمَةِ قال اللّٰهُ تعالٰى اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ اى بعالِمٍ بِمَا فِىْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ⓾ فى قُلُوْبِهم مِنَ الايمانِ
والنِّفاقِ بَلٰى وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بقُلُوْبِهم وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪ فيُجازِى الفَرِيْقَيْنِ واللامُ فى
الفِعْلَيْنِ لامُ قَسَمٍ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا طَرِيْقَنا فى دِيْنِنا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ فى

اِتِّبَاعِنَا اِنْ كَانَتْ وَالْاَمْرُ بِمَعْنَى الْخَبَرِ قَالَ تَعَالٰى **وَمَاهُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ**﴿۱۲﴾ فِي ذٰلِكَ **وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ** اَوْزَارَهُمْ **وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ** بِقَوْلِهِمْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اِتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَاِضْلَالِهِمْ مُقَلِّدِيْهِمْ **وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ**﴿۱۳﴾ يَكْذِبُوْنَ عَلَى اللّٰهِ سُؤَالَ تَوْبِيْخٍ فَاللَّامُ فِي الْفِعْلَيْنِ لَامُ قَسَمٍ وَحُذِفَ فَاعِلُهُمَا الْوَاوُ وَنُوْنُ الرَّفْعِ.

ترجمہ: الٓمٓ اس کی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے کیا ان لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لائے ہم انہیں آزمائے بغیر چھوڑ دیں گے ان کو ایسی چیزوں سے آزمایا جائے گا کہ جن سے ان کے ایمان کی حقیقت ظاہر ہو جائے، یہ ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ ایمان لائے تو ان کو مشرکین نے اذیت پہنچائی اللہ تعالیٰ ان سے پہلے والوں کو بھی آزما چکا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی جانچے گا جو اپنے ایمان میں سچے تھے مشاہدہ کے طور جانچنا اور ایمان کے بارے میں جھوٹوں کو بھی معلوم کرے گا، کیا جو لوگ برائیاں یعنی شرک اور معاصی کر رہے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، تو ہم ان سے انتقام نہ لے سکیں گے ان کی یہ تجویز جس کا یہ فیصلہ کر رہے ہیں نہایت ہی بیہودہ ہے، جو شخص اللہ کی ملاقات کا خوف رکھتا ہے یقیناً اس کی ملاقات کا وقت آنے ہی والا ہے لہٰذا اس کو چاہئے کہ اس کے لئے تیاری کرے وہ اپنے بندوں کی باتوں کو سننے والا اور ان کے افعال کو جاننے والا ہے اور جس شخص نے جہاد کیا خواہ جہاد بالحرب ہو یا جہاد بالنفس تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے جہاد کرتا ہے اس لئے کہ اس کے جہاد کا نفع اسی کو ملنے والا ہے نہ کہ اللہ کو اللہ تعالیٰ تو جہان والوں (یعنی) انسانوں اور جنوں اور فرشتوں اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ہم ان کے گناہوں کا ان کے نیک اعمال کے صلہ میں ازالہ کر دیں گے اور ہم ان کے اعمال کا حال یہ ہے کہ وہ اعمال نیک ہوں بہترین بدلہ دیں گے اَحْسَنَ حَسَنٌ کے معنی میں ہے اور اس کا نصب باء جارہ کو ساقط کر دینے کی وجہ سے ہے اور ہم نے ہر انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کی ہے اچھی تاکید یہ کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرے اگر وہ تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک کرے کہ جس کے شریک کرنے کا تیرے پاس واقع کے مطابق علم نہیں ہے تو تو شرک کرنے میں ان کی اطاعت نہ کر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے پھر میں ہر اس چیز سے جو تم کرتے تھے تم کو باخبر کر دوں گا پس میں تمہیں تمہارے اعمال کی جزاء دوں گا اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہوں گے اور نیک اعمال کئے ہوں گے تو ہم ان کو صالحین یعنی انبیاء اور اولیاء میں شمار کر لیں گے بایں طور کہ ہم ان کا ان کے ساتھ حشر کریں گے اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو آمَنَّا بِاللّٰهِ کہہ لیتے ہیں اور جب ان کو اللہ کے راستہ میں تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی تکلیف یعنی ان کی ایذا رسانی کو اپنے لئے عذاب الٰہی کے مانند سمجھ کر اس سے ڈرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی اطاعت کرتے اور نفاق کے مرتکب ہوتے ہیں، اور

قسم ہے اگر مومنین کو تیرے رب کی طرف سے کوئی مدد آپہنچتی ہے جس کی وجہ سے ان کو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے تو کہتے ہیں ہم تو ایمان میں تمہارے ساتھ تھے لہٰذا ہم کو بھی مال غنیمت میں شریک کرلو وَلَئِنْ میں لام قسم ہے لَيَقُولُنَّ میں نون رفع کو مسلسل (تین) نون آنے کی وجہ سے اور جمع کی ضمیر واؤ کو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کردیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کو جہان والوں کے دلوں کا حال ایمان اور نفاق میں سے جو کچھ ہے معلوم نہیں ہے؟ ضرور کیوں معلوم نہیں ہے (معلوم ہے) اور اللہ تعالیٰ دل سے ایمان لانے والوں کو بھی بالیقین ظاہر کرکے رہے گا اور منافقوں کو بھی بالیقین ظاہر کرکے رہے گا، اور دونوں فریقوں کو بدلہ دے گا، اور دونوں فعلوں میں لام لام قسم ہے، اور کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم دین میں ہمارا طریقہ اختیار کرو (بالفرض) اگر ہماری اتباع کرنے میں کوئی گناہ ہوا تو ہم اپنے اوپر اٹھالیں گے (یعنی اپنے ذمہ لے لیں گے اور تم سبکدوش ہوگے) اور امر بمعنی خبر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں، یہ تو اس معاملہ میں محض جھوٹے ہیں البتہ یہ اپنے (گناہوں کا بوجھ) لادے ہوں گے اور اپنے (گناہوں) کے بوجھ کے ساتھ ساتھ کچھ اور بوجھ بھی، مومنین سے یہ کہنے کی وجہ سے کہ تم ہمارے طریقہ کی اتباع کرو اور اپنے متبعین کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اور یہ جو کچھ افتراء پردازیاں کررہے ہیں، قیامت کے روز ان سے ضرور باز پرس کی جائے گی، (یعنی) اللہ پر جو کذب بیانی کرتے ہیں، اور یہ باز پرس توبیخ کے لئے ہوگی، لام دونوں فعلوں میں لام قسم ہے اور دونوں کا فاعل واؤ اور نون رفع حذف کردیا گیا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: ای بقولهم یہ ما کے مصدریہ ہونے کی طرف اشارہ ہے اور با محذوف ہے اور اَنْ یترکوا، حسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

قَوْلُهٗ: نَزَلَ فی جماعةٍ جیسا کہ عمار بن یاسر و عیاش بن ابی ربیعہ و ولید بن ولید و سلمان بن ہشام ان فقراء کو مکہ میں ان کے ایمان لانے کی وجہ سے اذیت دی جاتی تھی۔

قَوْلُهٗ: علم مشاهدةٍ اس کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ آیت علم خداوندی کے تجدد پر دلالت کرتی ہے حالانکہ باری تعالیٰ کا علم قدیم غیر حادث ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ علم سے مراد علم ظہور اور علم مشاہدہ ہے، آیت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صادقین کے صدق اور کاذبین کے کذب کو ظاہر کردے تاکہ معلوم اللہ کے علم کے مطابق ظاہر ہوجائے (یعنی لوگوں کو علم خداوندی اور معلوم کی مطابقت معلوم ہوجائے) جو کہ معلوم کے ظاہر ہونے سے پہلے پردۂ خفا میں تھی۔

قَوْلُهٗ: يَحْكُمُوْنَ جملہ ہوکر ما بمعنی الذی کا صلہ ہے صلہ میں ہٗ ضمیر محذوف ہے جس کو شارح رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ نے ظاہر کردیا ہے اور حُكْمُهُمْ هذا مخصوص بالذم ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلْيَسْتَعِدْ یہ مَنْ كان كا جواب شرط ہے اَحسَنَ نزع خافض کی وجہ سے منصوب ہے اصل میں بِاَحْسَنَ تھا۔

قَوْلُہٗ: ایصاءً ذا حسن اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حسنًا و صینا کے مصدر محذوف کی صفت ہے حذف مضاف کے ساتھ اور اگر مضاف کو محذوف نہ مانیں تو مبالغۃً صفت واقع ہونا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مبتدا ہے اور لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ مع قسم محذوف کے مبتداء کی خبر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے واللّٰہ لنكفّرنّ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ والَّذِيْنَ آمَنُوْا الخ فعل محذوف کی وجہ سے محلًا منصوب ہو تقدیر عبارت یہ ہوگی ونخلص الذين آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت من سيّئاتهم اس صورت میں یہ باب اشتغال سے ہوگا۔

قَوْلُہٗ: موافقة للواقع یہ محذوف کی علت ہے تقدیر عبارت یہ ہے وذكر هٰذا القيد موافقة للواقع.

قَوْلُہٗ: فلا مفهوم لهٗ مطلب یہ ہے کہ اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے کہ جس کے معبود ہونے پر تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو اس کو میرا شریک مت کر اور جس کے معبود ہونے پر دلیل ہو اس کو شریک کرسکتا ہے (یہاں یہ مراد نہیں ہے) اس لئے کہ اس کے سوا نہ ایسا کوئی معبود ہے کہ اس کے وجود پر دلیل ہو اور نہ ایسا معبود ہے کہ اس کے وجود پر دلیل نہ ہو بلکہ وہ الٰہ واحد ہے۔

تفسیر و تشریح

الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا (الآیۃ) یعنی یہ گمان کہ صرف زبانی ایمان لانے کے بعد بغیر امتحان لئے انہیں چھوڑ دیا جائے گا صحیح نہیں، بلکہ انہیں جان و مال کی تکالیف اور دیگر آزمائشوں کے ذریعہ جانچا پرکھا جائے گا تاکہ کھرے کھوٹے کا، سچے جھوٹے کا، مخلص و منافق کا (لوگوں کو) پتہ چل جائے۔

اہل ایمان خصوصاً انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کو مختلف قسم کی آزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے انجام کاران کو کامیابی ہوتی ہے یہ آزمائشیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں کبھی تو کفار و فجار کی ایذارسانی کے ذریعہ آزمائش ہوتی ہے جیسا کہ اکثر انبیاء اور خصوصاً خاتم الانبیاء اور آپ کے اصحاب کو بہت سی آزمائشوں سے گذرنا پڑا، جس کے بے شمار واقعات سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، اور بعض اوقات جسمانی آزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے جیسے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گذرنا پڑا۔

شانِ نزول:

مراد اگرچہ عام ہے ہر زمانہ کے علماء و صلحاء اور اولیاء امت کو مختلف قسم کی آزمائشیں آتی ہیں اور آتی رہیں گی، مگر از روئے روایات یہ آیت چند ضعفاء صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن میں یہ حضرات بھی شامل ہیں، عمار بن یاسر، عیاش بن ابی ربیعہ، ولید بن الولید، سلمان بن ہشام ان تمام حضرات اور بہت سے فقراء صحابہ کو مکہ میں اذیت ناک سزائیں دی جاتی تھیں جس کی وجہ سے بعض صحابہ تنگ دل ہوکر دل برداشتہ ہوجاتے تھے، امام بخاری نے حضرت خباب بن الارت سے روایت کی ہے حضرت خباب فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت ﷺ بیت اللہ کے سایہ میں اپنی چادر پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، ہم نے

اپنی تکلیف کی آپ سے شکایت کی اور تکلیف کے ازالہ اور نصرت خداوندی کیلئے دعا کی درخواست کی، تو آپ نے فرمایا تم سے پہلے ایسے لوگ گذرے ہیں کہ جن کو گڑھے میں کھڑا کر کے نصف دفن کر دیا جاتا تھا اور سر پر آرا رکھ کر دو نصف کر دیا جاتا تھا اور لوہے کی کنگھیوں کے ذریعہ ہڈیوں سے گوشت چھڑایا جاتا تھا پھر بھی یہ لوگ اپنے دین کو رد نہیں کرتے تھے، واللہ یہ صورت حال جلدی ہی ختم ہونے والی ہے، یہاں تک کہ صنعاء یمن سے حضر موت تک سوار سفر کرے گا اور خدا کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا، مگر تم جلدی کرتے ہو۔ (جمل ملخصًا)

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الذين صدَقُوْا یعنی امتحانات اور شدائد کے ذریعہ مخلص اور غیر مخلص اور نیک و بد میں ضرور امتیاز کریں گے کیونکہ مخلصین کے ساتھ منافقین کا خلط ملط بعض اوقات بڑے نقصان کا باعث ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے پیدا ہونے سے پہلے ہی معلوم ہے کہ کون بد ہے اور کون نیک، اللہ تعالیٰ کے جانچنے اور پرکھنے کا مطلب دوسروں پر ظاہر کر دینا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الإنسانَ یہاں وَصَّيْنَا کے معنی تاکیدی حکم کرنے کے ہیں، نیز خیر خواہی اور ہمدردی کے طور پر کسی کو نیک کام کی طرف بلانے کے بھی ہیں حُسْنًا مصدر ہے اس کے معنی خوبی کے ہیں اس جگہ خوبی والے طرز عمل کو مبالغہ کے طور پر حسن سے تعبیر کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ ہو جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، لَا طَاعَةَ لمخلوق فی معصيةِ الخالقِ (رواہ احمد والحاکم) یعنی خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی طاعت جائز نہیں، مذکورہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رَضَی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، یہ صحابہ کرام میں سے ان دس حضرات میں شامل ہیں جن کو آپ ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری سنادی تھی، جن کو عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے یہ اپنی والدہ کے بہت فرمانبردار تھے اور ان کی راحت رسانی کا بہت خیال رکھتے تھے، ان کی والدہ حمنہ بنت ابی سفیان کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کے بیٹے سعد مسلمان ہو گئے ہیں تو انہوں نے بیٹے کو تنبیہ کی اور قسم کھائی کہ میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تم اپنے آبائی دین میں پھر واپس نہ آجاؤ، اسی طرح بھوک پیاس سے مر جاؤں گی اور ساری دنیا میں ہمیشہ کے لئے یہ رسوائی تمہارے سر رہے گی کہ تم اپنے والدہ کے قاتل ہو (مسلم، ترمذی) اس آیت نے حضرت سعد کو ان کی بات ماننے سے روک دیا، بغوی کی ایک روایت کے مطابق حضرت سعد کی والدہ تین دن اور تین راتیں اپنی قسم کے مطابق بھوکی پیاسی رہیں، حضرت سعد حاضر ہوئے، ماں کی محبت اور اطاعت اپنی جگہ تھی مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے کچھ نہ تھی اس لئے والدہ کو مخاطب کر کے کہا امی جان! اگر تمہارے بدن میں سو روحیں بھی ہوتیں اور ایک ایک کر کے نکلتی رہتیں تب بھی میں اپنا دین نہ چھوڑتا، اب تم چاہو کھاؤ پیو یا مر جاؤ، بہر حال میں اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا، ماں نے ان کی گفتگو سے مایوس ہو کر کھانا کھالیا۔

ومن الناس من يقول آمنا بالله (الآیۃ) اس آیت میں اہل نفاق یا کمزور ایمان والوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ اگر ایمان کی وجہ سے انہیں ایذا پہنچتی ہے تو عذاب الٰہی کی طرح وہ ان کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے، نتیجتًا وہ ایمان سے پھر جاتے ہیں اور عوام کے دین کو اختیار کر لیتے ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ وعُمُرُهُ اربعون سنةً او اكثر فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا يدعوهم الى توحيدِ اللهِ فكذّبُوه فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ اى الماءُ الكثيرُ طافَ بِهِمْ وعلاهُمْ فغرِقوا وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۴﴾ مشركون فَأَنجَيْنَاهُ اى نوحا وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ اى الذين كانوا معه فيها وَجَعَلْنَاهَا آيَةً عِبْرَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۵﴾ لِمَنْ بَعْدَهم مِنَ الناسِ اِنْ عَصَوْا رُسُلَهم وعاشَ نوحٌ بعدَ الطوفانِ سِتِّيْنَ سَنَةً او اكثر حتى كَثُرَ الناسُ وَ اذكُرْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ خافُوْا عِقابَه ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ مِمَّا انتُمْ عليهِ مِن عِبادةِ الاصنامِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾ الخيرَ مِنْ غيرِه إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ اى غيرِه أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا تقولُونَ كذبًا اِنّ الاوثانَ شركاءُ للهِ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا لا يَقدِرُوْنَ اَنْ يرزُقُوكُمْ فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ اطْلُبُوه منه وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۷﴾ وَإِن تُكَذِّبُوا اى تُكَذِّبُوْنِى يا اهلَ مكةَ فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ مِنْ قَبْلِى وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۱۸﴾ الابلاغُ البَيِّنُ فى هاتينِ القِصَّتَيْنِ تسليةٌ للنبى صلى الله عليه وسلم وقال تعالى فى قومِه أَوَلَمْ يَرَوْا بالياء والتاء يَنظُرُوا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ بضمّ اوّلِه وقُرِئَ بفتحِه مِنْ بَدَأَ وَاَبْدَأَ بمعنًى اى يَخْلُقُهم ابتداءً ثُمَّ هو يُعِيدُهُ ۚ اى الخلقَ كما بدأهُ إِنَّ ذَٰلِكَ المذكورَ مِنَ الخلقِ الاوّلِ والثانى عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۱۹﴾ فكيفَ تُنكِرُونَ الثانى قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ لِمَنْ كانَ قبلَكم واماتَهم ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ مدًّا وقصرًا مع سكونِ الشينِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۰﴾ ومنه البدءُ والاعادةُ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ تعذيبَه وَيَرْحَمُ مَن يَشَاءُ رحمتَه وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿۲۱﴾ تُرَدُّوْن وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ربَّكم عن اِدراكِكم فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۖ لو كنتم فيها اى لا تَفُوتُوْنَهُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ اى غيرِه مِن وَلِيٍّ يمنعُكم منه وَلَا نَصِيرٍ ﴿۲۲﴾ ينصرُكم من عذابه.

ترجمہ: اور ہم نے نوح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ان کی طرف مبعوث کیا اور اس وقت ان کی عمر چالیس سال یا اس سے زیادہ تھی چنانچہ (نوح) اپنی قوم میں پچاس کم ایک ہزار سال رہے اور ان کو اللہ کی توحید کی دعوت دیتے رہے تو انہوں نے (نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تکذیب کی تو ان کو طوفان نے آدبایا یعنی کثیر پانی نے جس نے ان کو گھیر لیا اور ان کے اوپر پھر گیا، سو وہ غرق ہو گئے، اور وہ بڑے ظالم مشرک لوگ تھے چنانچہ ہم نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور کشتی والوں یعنی ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی، اور اس واقعہ کو ہم نے تمام جہان والوں کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا یعنی ان کے بعد والے لوگوں کے لئے اگر وہ اپنے رسولوں کی نافرمانی کریں، اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام طوفان کے بعد ساٹھ سال یا اس سے زیادہ بقید حیات رہے، حتی کہ لوگ

بکثرت ہو گئے اور حضرت ابراہیم کا ذکر کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو یعنی اس کے عذاب سے خوف کرو یہ تمہارے لئے بتوں کی بندگی سے جس پر تم جمے ہوئے ہو بہتر ہے اگر تم کو بہتر سے غیر بہتر کی شناخت ہے تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پوجا پاٹ کرتے ہو یعنی بتوں کی اور جھوٹ گھڑتے ہو یعنی یہ جھوٹ بکتے ہو کہ بت اللہ کے شرکاء ہیں (سنو) تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ تمہارے رزق کے مالک نہیں (یعنی) تم کو رزق دینے پر قادر نہیں پس تمہیں چاہئے کہ تم اللہ ہی سے روزی طلب کرو اسی کی بندگی کرو اور اسی کی شکر گذاری کرو اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اے اہل مکہ اگر تم میری تکذیب کرو گے (تو یہ کوئی نئی بات نہیں) تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں مجھ سے پہلے والے رسولوں کو جھٹلا چکی ہیں رسول کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے یعنی محض واضح طور پر پہنچا دینا ہے، ان دونوں (یعنی نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے قصوں میں نبی کریم ﷺ کو تسلی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کے بارے میں فرمایا کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح ابتداء پیدا کرتا ہے یَرَوْا یا اور تا دونوں قراءتیں ہیں، یُبْدِئُ اول کے ضمہ کے ساتھ اور اول کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے بَدَأَ اور اَبْدَأَ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی ان کو ابتداء پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا یعنی مخلوق کو جس طرح اس نے ابتداء پیدا کیا، بلاشبہ یہ ابتداء اور ثانیاً پیدا کرنا اللہ کے لئے بہت ہی آسان ہے لہٰذا تم ثانیاً پیدا کرنے کا کیوں انکار کرتے ہو؟ آپ کہئے کہ ملک میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ تم سے پہلے والوں کو کس طرح ابتداءً پیدا کیا اور ان کو موت دی پھر دوسری مرتبہ بھی پیدا کرے گا نَشْأَۃ مد کے ساتھ اور قصر کے ساتھ مع شین کے سکون کے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے اور اسی میں ابتداءً اور ثانیاً پیدا کرنا بھی ہے جس کو عذاب دینا چاہے عذاب دے اور جس پر رحم کرنا چاہے رحم کرے سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور نہ تو تم اپنے رب کو تمہارے پکڑنے سے زمین میں عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں اگر تم آسمان میں ہو، یعنی تم اس سے بچ کر نہیں نکل سکتے، اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تمہارا کوئی ولی ہے کہ اس سے تم کو بچا سکے اور نہ مددگار کہ تمہاری اس کے عذاب سے مدد کر سکے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: نُوحًا حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام میں چند اقوال ہیں ① عبدالغفار ② یشکر ③ السَّکَنُ "نوح" آپ کا لقب ہے نوحٌ بہت زیادہ نوحہ کرنے والے کو کہتے ہیں، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ اپنی امت کی حالت کو دیکھ کر بہت زیادہ روتے تھے اس لئے ان کا لقب نوح مشہور ہو گیا۔

قَوْلُهٗ: ابراهیم ابرہیم پر عام قرّاء نے نصب پڑھا ہے، نصب کی تین وجہیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ نوحًا پر عطف ہو یا اس کا عامل ناصب محذوف مانا جائے جیسا کہ شارح نے اذکر محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے یا یہ کہ انجیناہ کی ضمیر پر عطف ہو، اور بعض حضرات نے ابراہیم کو مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے خبر محذوف مانی ہے تقدیر عبارت یہ ہے

ومن المرسلين ابراهيم.

قَوْلُہٗ: اَوْثَان، وَثَن کی جمع ہے پتھر وغیرہ سے تراشے ہوئے بت جن کی بندگی کی جائے۔

قَوْلُہٗ: یرزقوکم کا اضافہ کرکے شارح نے اشارہ کردیا کہ رزقًا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی لا یملکُوْنَ اَنْ یرزقوکم رزقًا.

قَوْلُہٗ: تکذبونی اس سے اشارہ ہے کہ تکذبوا کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: یـــا اهـــل مـــکة اس سے مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ آیت اور آئندہ آیت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور مقصد اس سے آپ کو تسلی دینا ہے اِنْ تــکــذبــوا شرط ہے اور اس کی جزاء فلا یضرنی تکذیبکم.

قَوْلُہٗ: مَنْ قبلی، مَن موصولہ کَذَّبَ کا مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: هاتین القصتین سے مراد حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصے ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَوَلَمْ یَرَوْا یہاں رویت سے مراد علم یقینی ہے ورنہ تو ابتداء تخلیق کے وقت کوئی دیکھنے والا موجود نہیں تھا، لہٰذا اَوَلَمْ یَرَوْا کے ذریعہ سوال کرنا بے معنی ہوگا۔

قَوْلُہٗ: النشأة الآخرة مدًّا وقصرًا مد کا مطلب ہے شین کے بعد الف اور قصر کا مطلب ہے بغیر الف۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

سابقہ انبیاء اور امتوں کے حالات وواقعات کا ذکر آپ ﷺ اور آپ کی امت کی تسلی کے لئے کیا گیا ہے، جس طرح انبیاء سابقین نے کفار ومشرکین کی ایذاؤں کی وجہ سے کبھی ہمت نہیں ہاری، اسی طرح آپ ﷺ بھی اپنی قوم کی ایذاؤں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے فریضۂ رسالت کی ادائیگی مضبوطی کے ساتھ کرتے رہے۔

انبیاء سابقین میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ ذکر فرمایا، اول اس لئے کہ وہ سب سے پہلے پیغمبر ہیں جن کو کفر وشرک کا مقابلہ کرنا پڑا، دوسرے اس لئے بھی کہ جتنی ایذائیں ان کو اپنی قوم سے پہنچیں وہ کسی دوسرے پیغمبر کو نہیں پہنچیں، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طول عمر کا ایک خصوصی امتیاز بخشا تھا، اور ساری عمر کفار کی طرف سے ایذاؤں میں بسر ہوئی، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر ساڑھے نو سو سال تو قرآنی صراحت سے معلوم ہوتی ہے جو یقینی ہے بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمر دعوت وتبلیغ کی ہے، چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی اور طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اس حساب سے آپ کی عمر ایک ہزار اور پچاس سال معلوم ہوتی ہے، اتنی طویل عمر مسلسل دعوت وتبلیغ میں رہنا اور قوم کی طرف سے طرح طرح کی ایذائیں مار پیٹ گلا گھونٹنے کی سہتے رہنا اور چند نفر کے

علاوہ کسی کا ایمان نہ لانا اور اس کے باوجود کسی وقت بھی ہمت نہ ہارنا، یہ سب حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات ہیں، اور وہب رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ کی عمر ایک ہزار چار سو سال منقول ہے، ملک الموت نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا آپ عمر کے اعتبار سے اطول العمر انبیاء میں سے ہیں آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ آپ نے فرمایا دنیا کی مثال ایک مکان کی سی ہے کہ جس کے دو دروازے ہیں ایک سے داخل ہوا دوسرے سے نکل گیا۔ (حاشیہ جلالین)

دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیان ہوا ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی بڑے سخت امتحانات سے گذرنا پڑا تھا، مثلاً حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کو لق ودق بے آب وگیاہ میدان میں چھوڑ آنا، پھر اپنے ہی ہاتھ سے اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل کے ذبح کا واقعہ یہ سب وہ حالات ہیں کہ جن کو ایک اولوا العزم پیغمبر ہی برداشت کر سکتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کے ضمن میں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ بھی مذکور ہوا ہے، آخر سورت تک دوسرے بعض انبیاء اور ان کی سرکش امت کے حالات کا ذکر یہ سب رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کی تسلی کے لئے اور ہمت کے ساتھ دین پر قائم رہنے کے لئے بیان ہوئے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اي القران والبعث **اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ** اي جنتي **وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** مُؤلِمٌ قال تعالى في قِصَّةِ ابراهيم **فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ** التي قذفوهُ فيها بانْ جَعَلَها عليه بَرْدًا وسَلامًا **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** اي إنجائِه منها **لَاٰيٰتٍ** هي عدمُ تاثيرها فيه مَعَ عظمِها وإخمادُها وانشاءُ روضٍ مكانَها في زمنٍ يسيرٍ **لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ** يُصدِّقون بتوحيد اللهِ وقُدرتِه لأنهم المُنتفِعُونَ بها **وَقَالَ** ابراهيمُ **اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا** تعبُدُونها وما مصدرية **مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ** خبرُ إنّ وعلى قراءةِ النَّصبِ مفعولٌ لهُ وما كافّةٌ المعنى تَوادَدْتُم على عِبادتِها **فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ** يتبرَّأُ القادةُ مِنَ الاتباعِ **وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا** يلعنُ الاتباعُ القادةَ **وَّمَاْوٰىكُمُ** مصيرُكم جميعًا **النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ** مانعين منها **فَاٰمَنَ لَهٗ** صدّقَ بابراهيمَ **لُوْطٌ** وهو ابنُ أخيه هارانَ **وَقَالَ** ابراهيم **اِنِّيْ مُهَاجِرٌ** من قومي **اِلٰى رَبِّيْ** اي الى حيثُ أمرني ربّي وهجرَ قومَه وهاجرَ من سَوادِ العراقِ الى الشام **اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ** في مُلكِه **الْحَكِيْمُ** في صُنعِه **وَوَهَبْنَا لَهٗٓ** بعد اسماعيلَ **اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ** بعد اسحاق **وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ** فكلُّ الانبياءِ بعد ابراهيمَ من ذُرّيّتِه **وَالْكِتٰبَ** بمعنى الكُتُبِ اي التورةَ والانجيلَ والزبورَ والقرانَ **وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا** وهو الثناءُ الحسنُ في كُلِّ أهلِ الأديانِ **وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ** الذين لهم الدرجاتُ العُلى **وَ** اذكُرْ **لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ** بتحقيقِ الهمزتينِ وتسهيلِ الثانيةِ وادخالِ الفٍ بينهما على الوجهين في الموضعين **لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ** اي أدبارَ الرجالِ **مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ** الانس

والجِنِّ ﴿أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ﴾ طريقَ المارّةِ بفعلِكم الفاحشةَ بمَنْ يَمُرُّ بكم فتركَ النَّاسُ المَمَرَّ بكم ﴿وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ﴾ متحدثكم ﴿الْمُنكَرَ﴾ فعلَ الفاحشةِ بعضكم ببعضٍ ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ في استقباحِ ذلك وأنَّ العذابَ نازلٌ بفاعليه ﴿قَالَ رَبِّ انصُرْنِي﴾ بتحقيقِ قولي في إنزالِ العذابِ ﴿عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ﴾ العاصين بإتيانِ الرِّجالِ فاستجابَ اللهُ دُعاءَهُ.

ترجمہ: جولوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کو بھولے ہوئے ہیں یعنی قرآن کو اور بعث بعد الموت کو یہ لوگ میری رحمت سے ناامید ہوں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں فرمایا تو ان کی قوم کے پاس بجز اس کے کوئی جواب نہیں تھا کہ کہنے لگے ان کو یا تو قتل کر ڈالو یا ان کو جلا دو آخر ش اللہ نے ان کو اس آگ سے بچالیا جس میں ان کو ڈالا تھا اس طریقہ سے کہ اس آگ کو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی کر دیا بلاشبہ اس میں یعنی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ سے نجات دینے میں کئی نشانیاں ہیں ان نشانیوں میں ایک اس آگ کا باوجود اس کے عظیم ہونے کے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اثر نہ کرنا اور اس کا بجھ جانا ہے اور اس آگ کی جگہ قلیل مدت میں گلستان کا پیدا ہو جانا ہے ایمان والوں کے لئے (یعنی) اللہ کی توحید اور اس کی قدرت کی تصدیق کرنے والوں کے لئے، اس لئے کہ یہی لوگ نشانیوں سے نفع حاصل کرنے والے ہیں اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ (بھی) فرمایا تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو (معبود) بنا رکھا ہے جن کی تم بندگی کرتے ہو بس یہ تمہارے آپسی دنیوی تعلقات کی وجہ سے ہے ما اتخذتم میں ما مصدریہ ہے اور مودۃ بینکم، انّ کی خبر ہے اور نصب کی صورت میں (مودۃ) مفعول لہ ہے اور ما کافہ ہے، آیت کے معنی یہ ہیں ان بتوں کی عبادت کی وجہ سے تمہارے درمیان باہمی دوستی قائم ہے پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے منکر ہو جاؤ گے سردار اپنے ماتحتوں سے اظہار براءت کر دیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے یعنی ماتحت سرداروں پر لعنت کریں گے اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار (یعنی) آگ سے بچانے والا نہ ہوگا سو لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (نبوت) کی تصدیق کی اور وہ ان کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں اپنی قوم کو چھوڑ کر اپنے رب کی طرف یعنی میرے رب کی بتائی ہوئی جگہ ہجرت کر جاؤں گا اور اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور اطراف عراق سے شام کی طرف ہجرت کر گئے بے شک وہ اپنے ملک میں بڑا ہی غالب اور اپنی صنعت میں بڑا ہی حکمت والا ہے اور ہم نے اس کو اسماعیل کے بعد اسحٰق اور اسحٰق کے بعد یعقوب عطا کئے اور ہم نے ان کی اولاد میں نبوت جاری کر دی چنانچہ تمام انبیاء ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ان کی نسل سے ہوئے اور کتاب (کا سلسلہ جاری کیا) اور کتاب بمعنی کتب یعنی تورات اور انجیل اور زبور اور قرآن کا اور ہم نے ان کا صلہ ان کو دنیا میں بھی دیا اور وہ تمام اہل ملت میں ان کا ذکر جمیل ہے اور بلاشبہ وہ آخرت میں بھی صالحین میں ہے جن کے لئے عالی شان درجات

ہیں اور لوط علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو یعنی مردوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو کہ کسی نے تم سے پہلے عالم والوں یعنی جن وانس نے نہیں کیا، دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں کے درمیان دونوں صورتوں میں دونوں مقام پر الف داخل کرکے کیا تم مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تم گذرنے والوں کے ساتھ بے حیائی کا کام کرکے مسافروں کا راستہ روکتے ہو جس کی وجہ سے لوگوں نے تمہارے پاس سے گذرنا ترک کردیا اور تم اپنی گفتگو کی مجلسوں میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بے حیائی کا کام کرتے ہو تو ان کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ کہنے لگے اگر تم اس فعل کو قبیح سمجھنے میں اور اس بات میں کہ ایسی حرکت کرنے والے پر عذاب نازل ہونے والا ہے سچے ہو تو اللہ کا عذاب لے آؤ تو لوط علیہ الصلاۃ والسلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار عذاب نازل کرنے کے بارے میں میری بات کو سچ کرکے مردوں کے ساتھ بدفعلی کرکے نافرمانی کرنے والی قوم پر میری مدد فرما چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاء قبول فرمالی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَهُ: يَئِسُوْا مِنْ رَحْمَتِیْ یہی ہیں وہ لوگ جو قیامت کے دن میری رحمت سے ناامید ہوں گے يَئِسُوْا ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے۔

قِوْلَهُ: اقتلوه او حرّقوه یہاں حرف تردید کے ساتھ فرمایا اور سورۃ الانبیاء میں صرف ایک یعنی حرّقوهُ فرمایا۔

جَوَابُ: یہاں ان کے مشورہ کو بیان فرمایا ہے اور سورۃ الانبیاء میں مشورہ کے بعد جو فیصلہ ہو گیا (یعنی جلانے کا) اس کو عملی جامہ پہنانے کا بیان ہے۔

قِوْلَهُ: التی قَذَفوه فیها شارح نے اس عبارت سے کلام محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے، تقدیر کلام یہ ہے فقذفوه فی النار فأنجاه اللّٰه من النار و قال ابراهیم کا عطف فانجاه اللّٰه من النار پر ہے، ای قال بعد انْجَائِهٖ من النار۔

قِوْلَهُ: اِنَّ مَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا الخ ما میں تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔

اول ترکیب:

مَا موصولہ بمعنی الذی اور عائد محذوف ہے اور وہی اتخذتم کا مفعول اول اور اوثانًا مفعول ثانی اور مَوَدَّةٌ اِنَّ کی خبر تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنَّ الَّذِی اتخذتموه اوثاناً مَوَدَّةٌ (اس صورت میں مودةٌ کا حمل اوثانًا پر مبالغۃ ہوگا، اور اگر مَوَدَّةٌ سے پہلے ذو محذوف مان لیا جائے تو حمل درست ہوگا) اور مَوَدَّةَ پر نصب کی صورت میں اِنَّ کی خبر محذوف ہوگی تقدیر عبارت یہ

ہوگی الذی اتخذتموہ اوثانًا لاجل المودۃِ لاینفعو کم.

دوسری ترکیب:

مَا کافہ جو کہ اِنَّ کو عمل سے مانع ہے اَوْثَانًا اِتخذتم کا مفعول بہ اگر اتخذتم کو متعدی بیک مفعول مانا جائے، اور اگر متعدی بدو مفعول مانا جائے تو ثانی مفعول من دون اللّٰہ ہوگا، اگر مودّۃٌ کو مرفوع پڑھا جائے تو مبتدا محذوف ھِیَ کی خبر ہوگی، ای ھِیَ مَوَدَّۃٌ جملہ اس صورت میں اوثانًا کی صفت ہوگا، اور مستانفہ بھی ہوسکتا ہے۔ اور اگر مَوَدَّۃَ پر نصب پڑھا جائے تو اتخذتم کا مفعول لہ ہوگا، نیز اعنی محذوف کے ذریعہ بھی منصوب ہوسکتا ہے۔

تیسری ترکیب:

مَا کو مصدریہ مانا جائے، اس کے بعد دو صورتیں ہیں، اتخاذ سے پہلے سبب مضاف محذوف مانا جائے اور تقدیر عبارت یہ ہو اِنَّ سَبَبَ اتخاذکم اَوْثَانًا مَوَدَّۃٌ اور یہ بھی جائز ہے کہ مضاف محذوف نہ مانا جائے بلکہ مبالغۃً نفس اتخاذ ہی کو مَوَدَّۃ قرار دیدیا جائے اور مَوَدَّۃ پر نصب کی صورت میں خبر محذوف ہوگی جیسا کہ اول صورت میں ہے۔

قَوْلُہٗ: المعنی قراءات مذکورہ کا حاصل معنی یعنی ان بتوں کی پوجا پاٹ ہی کی وجہ سے تم متفق ہوگئے ہو۔

قَوْلُہٗ: صَدَّقَ بابراھیم یعنی حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی تصدیق کی، نہ یہ کہ نفس ایمان کی تصدیق کی اس لئے کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام تو مومن تھے ہی، لوط پر وقف لازم ہوگا۔

قَوْلُہٗ: الی حیثُ اَمَرَنی رَبّی اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے وہ یہ کہ اِلی رَبّی سے باری تعالیٰ کے لئے جہت ثابت ہوتی ہے حالانکہ باری تعالیٰ جہات سے پاک ہے تو اس کا الی حیثُ امرنی ربّی کہہ کر جواب دیدیا۔

قَوْلُہٗ: سوادَ العراق ای اطرافھا یقال سوادَ البلدِ ای اطراف البلد.

قَوْلُہٗ: لمن الصالحینَ ای الصالحین الکاملین.

تفسیر وتشریح

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِآیَاتِ اللّٰہِ الخ اللہ تعالیٰ کی رحمت، دنیا میں عام ہے جس سے کافر و مومن، مخلص و منافق اور نیک و بد یکساں طور پر مستفیض ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو دنیا کے وسائل، آسائش اور مال و دولت عطا کر رہا ہے یہ رحمت الٰہی کی وہ وسعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا رحمتی وسعت کل شئ (اعراف) لیکن آخرت چونکہ دارالجزاء ہے انسان نے دنیا کی کھیتی میں جو کچھ بویا ہوگا اس کی فصل اسے وہاں کاٹنی ہوگی، جیسے عمل کئے ہوں گے ویسی ہی جزاء وہاں ملے گی، اللہ کی بارگاہ میں بے لاگ فیصلے ہوں گے دنیا کی طرح اگر آخرت میں بھی نیک و بد کے ساتھ یکساں

سلوک ہو اور مومن و کافر دونوں ہی رحمت الٰہی کے مستحق قرار پائیں تو اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل پر حرف آتا ہے، دوسرے قیامت کا مقصود ہی فوت ہو جائے گا قیامت کا دن تو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہی اس لئے ہے کہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کے صلہ میں جنت ملے اور بدوں کو ان کی بدیوں کی جزاء میں جہنم دی جائے، اس لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف اہل ایمان کے ساتھ خاص ہوگی جس کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔

فَمَا كَانَ جوابَ قومِهٖ ان آیات سے قبل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بیان ہو رہا تھا، یہاں سے اس کا بقیہ حصہ بیان کیا جا رہا ہے، درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر اللہ کی توحید اور اس کی قدرت و طاقت کو بیان کیا گیا ہے، بعض مفسرین فرماتے ہیں یہ سب بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وعظ کا حصہ ہے جس میں حضرت ابراہیم نے توحید اور معاد کے اثبات میں دلائل دیئے ہیں جن کا کوئی جواب ان کی قوم سے جب نہ بن پڑا تو انہوں نے اس کا جواب ظلم و تشدد کی اس کارروائی سے دیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اسے قتل کر دو یا اسے جلا دو، چنانچہ انہوں نے آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کر کے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منجنیق کے ذریعہ اس میں پھینک دیا۔

فانجاهُ اللّٰه من النار اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آگ کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے چشم زدن میں گل و گلزار کر دیا اور اپنے خلیل کو بچا لیا آگ ان کے بندھنوں کے علاوہ کچھ نہ جلا سکی۔

وقال انما اتخذتم من دون اللّٰه اوثاناً مَوَدَّة (الآية) یعنی یہ تمہارے قوی بت ہیں جو تمہاری اجتماعیت اور آپس کی دوستی کی بنیاد ہیں، اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو تمہاری قومیت اور دوستی کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

فَآمَنَ لَهٗ لُوط حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برادر زاد تھے یعنی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے، بعض مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھانجے لکھا ہے وہ درست نہیں ہے، آتش نمرود میں حضرت ابراہیم کا معجزہ دیکھ کر حضرت ابراہیم کی نبوت کی سب سے پہلے انہوں نے تصدیق کی، حضرت ابراہیم اور آپ کی زوجہ محترمہ سارہ جو آپ کی چچا زاد بہن بھی تھیں، اور مسلمان ہو چکی تھیں اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ساتھ لیکر اپنے وطن سے ہجرت کا ارادہ فرمایا اور کسی ایسی جگہ کا قصد فرمایا کہ جہاں بفراغت و اطمینان قلبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی کر سکیں۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ اسحٰقَ ويعقوبَ یعنی حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے حضرت یعقوب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے ہیں، حضرت یعقوب ہی کو اسرائیل کہتے ہیں (اس کے معنی ہیں اللہ کا بندہ) بنی اسرائیل انہیں کی نسل سے ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بعد کے تمام انبیاء حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی نسل سے ہیں، اسی لئے ان کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے ہیں جو کہ حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل کو بنی اسماعیل کہا جاتا ہے عرب کا تعلق اسی نسل سے ہے۔

ولوطا اذ قال لقومهٖ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کے تین بڑے گناہوں کا ذکر فرمایا ہے اول مرد کی مرد کے ساتھ

بدفعلی، دوسرے رہزنی، تیسرے اپنی مجلسوں میں سب کے سامنے بے حیائی کے جرم کرنا، حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''کہ تمہاری شہوت پرستی انتہا کو پہنچ گئی ہے'' کہ اس کے لئے طبعی طریقے تمہارے لئے ناکافی ہوگئے ہیں اور تم نے غیر طبعی طریقے اختیار کر لئے ہیں۔

وتقطعون السبیل اس کے ایک معنی تو یہ کئے گئے ہیں کہ آنے جانے والے مسافروں کو زبردستی پکڑ کر تم ان سے بے حیائی کا کام کرتے ہو جس کی وجہ سے لوگوں نے اس راستہ سے گذرنا چھوڑ دیا تھا، دوسرے معنی یہ ہیں کہ تم آنے جانے والوں کو لوٹ لیتے ہو اور قتل کر دیتے ہو یا ازراہ شرارت انہیں کنکریاں مارتے ہو۔

تیسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ سرراہ بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جس سے وہاں سے گذرتے ہوئے لوگ شرم محسوس کرتے ہیں، ان تمام صورتوں سے راستے بند ہو جاتے ہیں، حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ان منکرات سے منع کیا تو اس کے جواب میں کہنے لگے اگر تم سچے ہو تو ہمارے اوپر اللہ کا عذاب لے آؤ جب حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام قوم کی اصلاح سے ناامید ہو گئے تو ان کے لئے بددعاء کر دی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بددعاء قبول فرمائی اور فرشتوں کو ان کے ہلاک کرنے کے لئے بھیج دیا، فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس گئے اور انہیں اسحٰق ویعقوب علیہما السلام کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ ہم لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بستی کو ہلاک کرنے جا رہے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى بِاِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ بَعْدَهُ **قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ** اي قرية لوط **اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ** ﴿۳۱﴾ كافرين **قَالَ** ابراهيم **اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا** اي الرُّسُلُ **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ** بالتخفيف والتشديد **وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ** ﴿۳۲﴾ الباقين في العذاب **وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ** حَزِنَ بسببهم **وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا** صدرًا لانهم حِسَانُ الوُجُوهِ في صُورَةِ اَضْيَافٍ فخاف عليهم قومه فاعلموه انهم رُسُلُ ربه **وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ** بالتشديد والتخفيف **وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ** ﴿۳۳﴾ ونصب اَهلك عطفًا على محل الكاف **اِنَّا مُنْزِلُوْنَ** بالتشديد والتخفيف **عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا** عذابًا **مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا** بالفعل الذي **كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ** ﴿۳۴﴾ به اي بسبب فسقهم **وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً** ظاهرة هي آثار خرابها **لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ** ﴿۳۵﴾ يتدبرون **وَ** ارسلنا **اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ** اخشوه هو يوم القيمة **وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ** ﴿۳۶﴾ حال مؤكدة لعاملها من عَثِيَ بكسر المثلثة افسد **فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ** الزلزلة الشديدة **فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ** ﴿۳۷﴾ باركين على الركب ميتين **وَ** اهلكنا **عَادًا وَّثَمُوْدَا۟** بالصرف وتركه بمعنى الحي والقبيلة **وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ** اهلاكهم **مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ**

بالحجر والیمن **وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ** من الکفر والمعاصی **فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ** سبیل الحق **وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ** ﴿۳۸﴾ ذوی بصائر و اہلکنا **قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى** من قبل **بِالْبَيِّنٰتِ** بالحجج الظاہرات **فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ** ﴿۳۹﴾ فائتین عذابنا **فَكُلًّا** من المذکورین **اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا** ریحًا عاصفًا فیہا حصباء کقوم لوط **وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ** کثمود **وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ** کقارون **وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا** کقوم نوح وفرعون وقومہ **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ** فیعذبہم بغیر ذنب **وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ** ﴿۴۰﴾ بارتکاب الذنب **مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ** ای اصنامًا یرجون نفعہا **كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا** لنفسہا تاوی الیہ **وَاِنَّ اَوْهَنَ** اضعف **الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ** لایدفع عنہا حرًا ولا بردًا کذلک الاصنام لاتنفع عابدیہا **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۴۱﴾ ذلک ما عبدوہا **اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا** بمعنی الذی **يَدْعُوْنَ** یعبدون بالیاء والتاء **مِنْ دُوْنِهٖ** غیرہ **مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ الْعَزِيْزُ** فی ملکہ **الْحَكِيْمُ** ﴿۴۲﴾ فی صنعہ **وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ** فی القرآن **نَضْرِبُهَا** نجعلہا **لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ** ای یفہمہا **اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ** ﴿۴۳﴾ المتدبرون **خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ** ای محقًا **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً** دلالۃ علی قدرتہ تعالی **لِّلْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۴۴﴾ خصوا بالذکر لانہم المنتفعون بہا فی الایمان بخلاف الکافرین۔

ترجمہ: ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اسحق کی اور ان کے بعد (اسحق کے بیٹے) یعقوب کی خوشخبری لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں یعنی لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بستی والوں کو بلاشبہ اس بستی والے ظالم یعنی کافر ہیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہنے لگے اس میں تو لوط (بھی) ہیں فرشتوں نے کہا جو وہاں ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیں، ہم لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور ان کے اہل خانہ کو سوائے ان کی بیوی کے بچالیں گے اس لئے کہ وہ تو عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی اور جب ہمارے فرستادے لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچے تو ان کی وجہ سے حضرت لوط مغموم ہوئے اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہوئے اس لئے کہ وہ مہمانوں کی صورت میں نہایت ہی خوبصورت تھے، چنانچہ ان کے بارے میں اپنی قوم سے اندیشہ کیا، تو انہوں نے بتایا کہ وہ ان کے رب کے فرستادے ہیں وہ فرشتے کہنے لگے کہ آپ اندیشہ نہ کریں اور مغموم نہ ہوں ہم آپ کو اور آپ کے اہل کو بچالیں گے سوائے آپ کی بیوی کے کہ وہ (عذاب) میں رہ جانے والوں میں ہوگی اور **اَهْلَكَ** کا نصب محل کاف پر عطف ہونے کی وجہ سے ہے، ہم اس بستی والوں پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے یعنی ان کے فسق کے سبب سے آسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں البتہ ہم نے اس بستی کی کچھ ظاہر نشانیاں یعنی ان کے (مکانوں) کے خرابات کے آثار غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لئے چھوڑ دیئے ہیں اور مدین والوں کے پاس ہم نے ان کے بھائی شعیب کو (رسول بنا کر) بھیجا تو انہوں نے فرمایا اے

میری قوم (کے لوگو!) اللہ کی بندگی کرو اور آخرت کے دن سے جو کہ وہ قیامت کا دن ہے ڈرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو مفسدین اپنے عامل کے لئے جو کہ عَثِیٰ کسرۂ ثا سے ہے حال مؤکدہ ہے، اور عَثِیٰ معنی میں اَفْسَدَ کے ہے سوان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کو جھٹلایا تو ان کو ایک جھٹکے یعنی شدید زلزلہ نے آپکڑا پھر تو وہ اپنے گھروں میں مردہ گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے اور ہم نے عاد و ثمود کو ہلاک کردیا (ثمود) منصرف اور غیر منصرف (دونوں ہوسکتا ہے) الحی کے معنی میں منصرف اور القبیلۃ کے معنی میں غیر منصرف، تمہارے سامنے جن کی ہلاکت حجر و یمن میں ان کے مکانوں سے ظاہر ہے اور شیطان نے ان کے اعمال یعنی کفر و معاصی کو ان کی نظر میں مستحسن کر رکھا تھا اور انہیں راہ حق سے روک دیا تھا اور وہ عقلمندوں میں شمار ہوتے تھے اور ہم نے قارون کو اور فرعون کو اور ہامان کو ہلاک کردیا اور اس سے پہلے ان کے پاس موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کھلی کھلی دلیلیں لیکر آئے تھے، پھر بھی ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور ہمارے عذاب سے نہ بھاگ سکے تو ہم نے تمام مذکورین کو ان کے گناہوں کی سزا میں پکڑلیا سو ان میں سے بعض پر ہم نے آندھی بھیجی یعنی شدید ہوا جس میں کنکریاں تھیں، جیسا کہ قوم لوط پر اور ان میں سے بعض کو ہولناک شدید آواز نے آدبایا جیسا کہ ثمود کو اور ان میں سے بعض کو زمین میں دھنسادیا جیسا کہ قارون اور ان میں سے بعض کو غرق کردیا جیسا کہ قوم نوح اور فرعون اور اس کی قوم اور اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرے کہ بغیر جرم کے سزا دے لیکن وہ خود ہی جرم کا ارتکاب کرکے اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں یعنی بت جن سے نفع کی توقع رکھتے ہیں ان کی مثال مکڑی کے جالے جیسی ہے جس نے اپنے لئے ایک گھر بنایا جس میں وہ ٹھکانہ حاصل کرتی ہے بلاشبہ تمام گھروں میں مکڑی کا گھر سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے وہ گھر اس سے نہ گرمی دفع کرسکتا ہے اور نہ سردی، اسی طرح بت ہیں کہ اپنی پوجا پاٹ کرنے والوں کو نفع نہیں پہنچا سکتے اگر یہ لوگ اس حقیقت کو جان لیتے تو ان بتوں کی بندگی نہ کرتے اللہ تعالیٰ بلاشبہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جس کی اس کے سوا یہ بندگی کرتے ہیں یا اور تا کے ساتھ وہ اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے، ہم ان قرآنی مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو بس غور و فکر کرنے والے عالم ہی سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق یعنی بامقصد پیدا فرمایا ہے بلاشبہ اس میں مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بڑی دلیلیں ہیں، مومنین کو خاص طور پر ذکر کیا اس لئے کہ ان دلائل سے ایمان میں مومن ہی فائدہ اٹھاتے ہیں بخلاف کافروں کے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اسحق و یعقوب سورۂ ہود میں دو باتوں کی خوشخبری کا ذکر ہے، اسحق و یعقوب کی ولادت کی خوشخبری اور قوم لوط کی ہلاکت کی خبر کا، مگر یہاں شارح نے ایک پر اکتفاء کیا ہے، گویا کہ سابق کی تفصیل کی وجہ سے یہاں اجمال پر اکتفاء کیا ہے، احقر کے خیال میں بعدہ کے بجائے اگر شارح ولدہ فرماتے تو زیادہ مناسب رہتا اس لئے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام حضرت

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے ہیں، بعدہٗ کی ضمیر حضرت اسحٰق کی طرف راجع ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسحٰق اور اسحٰق کے بعد یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشخبری دی اس سے وہم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب بھی حضرت ابراہیم کے صاحبزادے ہیں حالانکہ حضرت یعقوب حضرت ابراہیم علیہما السلام کے پوتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: قریة لوط اس قریہ کا نام سذوم تھا (جمل) بعض کتابوں میں سدوم دال کے ساتھ ہے یہ قوم لوط کی بستیوں کا مرکزی مقام تھا، حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی بستی میں رہتے تھے۔

قَوْلُہٗ: کانت من الغابرین ای فی علم اللّٰہ الازلی۔

قَوْلُہٗ: سِیْئَ بِھِمْ کی تفسیر حزن بِسَبَبِھِمْ سے کرکے شارح نے اشارہ کردیا کہ سیئ کی ضمیر کا مرجع حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں قاضی بیضاوی نے سیئ کی ضمیر کا مرجع مصدر مساءة کو قرار دیا ہے ای جاء ت المساءة بھم مگر شارح نے اول کو اختیار کیا ہے اور ساتھ ہی اس بات کی طرف اشارہ ہوگیا کہ بِھِمْ میں باسببیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: صدرًا، ذرعًا کی تفسیر صدرًا سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ تفسیر حاصل معنی کے ذریعہ ہے ورنہ تو ذرعا کے معنی طاقت اور قوت کے ہیں، نیز ذرعًا ضاق کی نسبت سے تمیز ہے جو فاعل سے منتقل ہوئی ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ضاق بامر ھم۔

قَوْلُہٗ: لقوم یعقلون لقوم کا تعلق ترکنا یا بآیة یا ببینةٍ سے ہوسکتا ہے تیسرا ظاہر ہے۔

قَوْلُہٗ: ارجوا الیومَ الآخر رجاء کے مشہور معنی توقع اور امید کے ہیں چنانچہ بعض مفسرین یہی مراد لیتے ہیں، اور اس کے ایک معنی خوف کے بھی ہیں مفسر علام نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے یعنی قیامت کے دن میں اللہ کے عذاب سے ڈرو، پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تم لوگ یوم آخرت میں اجر و ثواب کی توقع رکھو۔

قَوْلُہٗ: مِن عَثِیَ یہ (س ن) دونوں سے مستعمل ہے اس کے معنی ہیں فساد برپا کرنا۔

قَوْلُہٗ: مفسدین یہ لا تعثوا کی ضمیر سے حال مؤکدہ ہے اس لئے کہ عَثِیَ کے جو معنی ہیں وہی اَفْسَدَ کے ہیں گویا کہ یہ ابوكَ عطوفاً کی قبیل سے ہے۔

قَوْلُہٗ: الرجفة شدید زلزلہ اور سورۂ ہود میں ہے فَاَخَذَتْھُمُ الصَّیْحَةُ دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، حالانکہ واقعہ واحد ہے اس لئے کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چیخ سے زلزلہ پیدا ہوا اور زلزلہ کی وجہ سے ہلاکت ہوئی، ایک جگہ ہلاکت کی اضافت سبب یعنی صیحة کی طرف کردی اور دوسری جگہ سبب یعنی رجفة کی طرف کردی۔

قَوْلُہٗ: بالصرف وترکہ ان دونوں کا تعلق صرف ثمود سے ہے۔

قَوْلُہٗ: بالحجر حجر ایک وادی کا نام ہے جو کہ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے یہ قوم ثمود کی بستی تھی، اور یمن میں قوم عاد آباد تھی، یہ دونوں قومیں عذاب الٰہی میں معذب ہوئی تھیں۔

قَوْلُہٗ: ذوی بصائر یعنی صاحب بصیرت عقلمند، تجربہ کار، یعنی وہ کوئی دیوانے یا مجنون نہیں، دنیوی کاموں میں بڑے ہوشیار تھے اگر وہ چاہتے تو توحید و آخرت کے معاملہ میں اپنی بصیرت اور دانشمندی سے کام لے سکتے تھے مگر دنیا کی حرص اور

قومی تعصب نے ان کو بے بصیرت بنا دیا تھا۔

قَوْلُہٗ: قارون وفرعون یہاں پر قارون کو مقدم کیا گیا ہے حالانکہ شرارت اور تکبر میں فرعون قارون سے کہیں بڑھا ہوا تھا، قارون کو چونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے قرابت یعنی برادر عم ہونے کی وجہ سے ایک قسم کا شرف حاصل تھا، اسی وجہ سے قارون کو فرعون پر مقدم ذکر کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: العنکبوت، بیت العنکبوت سے مکڑی کا جالا مراد ہے مکڑی کئی قسم کی ہوتی ہے یہاں وہ مکڑی مراد ہے جو عام طور پر گھروں میں جالا تنتی ہے، صاوی میں ہے کہ مکڑی کے آٹھ پیر اور چھ آنکھیں ہوتی ہیں، یہ قانع ترین حیوانات میں سے ہے اپنے جالے میں صبر وقناعت کے ساتھ بیٹھی رہتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے صبر وقناعت کی وجہ سے حریص ترین حیوان یعنی مکھی اور مچھر کو اس کی غذا بنا دیا جو اس کے جال میں پھنس کر اس کی غذا بنتے ہیں، عنکبوت میں نون اصلی ہے اور واؤ و تا زائدہ ہیں اس لئے کہ اس کی جمع عناکب اور تصغیر عنیکب آتی ہے، اس کا اطلاق واحد، تثنیہ، جمع، مذکر ومؤنث سب پر ہوتا ہے، گو تانیث میں کثیر الاستعمال ہے۔

قَوْلُہٗ: ما عبدوها یہ لو کانوا یعلمون کی جزا ہے۔

قَوْلُہٗ: ما بمعنی الذی، ما یعلم کا مفعول ہے ای یعلم الذین یدعونهم اور بعض حضرات نے ما کو استفہامیہ توبیخیہ بھی کہا ہے، اس صورت میں ما یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ یعلم اور وهو العزیز الحکیم کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: مُحقًّا سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بالحق جار مجرور ملابست کے لئے ہے اور اللہ سے حال ہے ای محقاً غیر قاصد به باطلاً.

تَفْسِیر وتَشرِیح

حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی دعا قبول فرمالی گئی، اور اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کو بھیج دیا، وہ فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس گئے اور انہیں حضرت اسحٰق اور یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ ہم لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی بستی کو ہلاک کرنے جا رہے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا اس بستی میں تو لوط علیہ الصلاۃ والسلام بھی ہیں تو فرشتوں نے جواب دیا اے خلیل جلیل! ہمیں وہاں کے لوگوں کا حال معلوم ہے، ہم لوط علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کے متعلقین کو ہلاک ہونے سے بچا دیں گے البتہ ان کی کافرہ بیوی عذاب میں پھنسنے والوں میں رہ جائے گی، یہ کہہ کر قوم لوط کی بستی کی طرف روانہ ہو گئے، جب یہ فرشتے نوجوان خوبصورت مہمانوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچے تو آپ ان خوب رو مہمانوں کو دیکھ کر ڈر گئے اپنی قوم کی عادت اور سرکشی کی وجہ سے کہ اگر ان خوبصورت مہمانوں کی آمد کا علم قوم کو ہو گیا تو وہ ان سے زبردستی بے حیائی کا ارتکاب کریں گے جس سے میری رسوائی ہوگی، ان خوش شکل مہمانوں کو اپنی قوم سے بچانے کی کوئی

تدبیر سمجھ میں نہیں آئی، جس کی وجہ سے وہ غمگین اور دل ہی دل میں بہت پریشان ہوئے، فرشتوں نے جب حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی پریشانی کو دیکھا تو انہیں تسلی دی اور کہا کہ آپ کوئی خوف نہ کریں ہم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں ہمارا مقصد آپ کی قوم کو ہلاک و برباد کرنا ہے اور آپ کو اور آپ کے تمام متعلقین و مومنین کو بچالینا ہے، سوائے آپ کی کافرہ بیوی کے۔

قولہ: رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ اس آسمانی عذاب سے وہی آسمانی عذاب مراد ہے جس کے ذریعہ قوم لوط کو ہلاک کیا گیا تھا کہا جاتا ہے کہ جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام نے ان بستیوں کو زمین سے اکھیڑا اور آسمانوں کی بلندی پر لے گئے اور پلٹ دیا اس کے بعد کنکر پتھروں کی بارش کردی اور اس جگہ کو سخت بدبودار (جھیل) میں تبدیل کردیا گیا۔ (ابن کثیر ملخصًا)

مسئلہ: مکڑی کو مارنے اور اس کے جالے صاف کرنے کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں بعض حضرات اس کو پسند نہیں کرتے کیونکہ مکڑی آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے وقت غار ثور کے دہانے جالا تننے کی وجہ سے قابل احترام ہوگئی جیسا کہ خطیب نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے قتل کی ممانعت نقل کی ہے مگر ثعلبی نے اور ابن عطیہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے یہ روایت نقل کی ہے طَهِّرُوْا بُيُوْتَكُمْ مِنْ نَسْجِ الْعَنْكَبُوْتِ فَإِنَّ تَرْكَهُ يُوْرِثُ الْفَقْرَ مکڑی کے جالوں سے اپنے مکانوں کو صاف رکھا کرو، کیونکہ اس کے چھوڑ دینے سے فقر و فاقہ پیدا ہوتا ہے، سند دونوں روایتوں کی قابل اعتماد نہیں ہے مگر دوسری روایت کی دوسری احادیث سے تائید ہوتی ہے جس میں مکان اور فناء دار کو صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(روح المعانی، معارف)

تِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ (الآیة) مشرکین کے خداؤں کی کمزوری کی مثال مکڑی کے جالے سے دینے کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ ہم ایسی ایسی واضح مثالوں سے توحید کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں مگر ان مثالوں سے بھی نصیحت اور سمجھ علماء ہی حاصل کرتے ہیں، دوسرے لوگ تدبر اور غور و فکر نہیں کرتے کہ ان پر حق واضح ہوجائے۔

عالم کون؟

امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی، اور فرمایا کہ عالم وہی شخص ہے جو اللہ کے کلام میں غور و فکر کرے اور اس پر عمل کرے اور اللہ کو ناراض کرنے کے کاموں سے اجتناب کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کے محض الفاظ سمجھ لینے سے اللہ کے نزدیک کوئی شخص عالم نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن میں تدبر اور غور و فکر کی عادت نہ ڈالے اور جب تک اپنے عمل کو قرآن کے مطابق نہ بنائے۔

اُتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ القرآن **وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ ۖ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ** شرعًا اي مِن شَأْنِهَا ذٰلِكَ مَادَامَ الْمَرْءُ فِيْهَا **وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ** مِن غَيْرِه مِنَ الطَّاعَاتِ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ** (۴۵) فَيُجَازِيْكُمْ بِه

(الجزء ۲۱)

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ اي بالمجادلة التي هِيَ اَحْسَنُ ۖ كالدعاء الى الله باياته والتنبيه على حججه اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ بان حاربوا وابوا ان يقروا بالجزية فجادلوهم بالسيف حتى يسلموا او يعطوا الجزية وَقُوْلُوْٓا لمن قبل الاقرار بالجزية اذا اخبروكم بشيء مما في كتبهم اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ولا تصدقوهم ولا تكذبوهم في ذلك وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ مطيعون وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ القران اي كما انزلنا اليهم التورة وغيرها فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ التورة كعبد الله بن سلام وغيره يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ بالقران وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ اي اهل مكة مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ بعد ظهورها اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ اي اليهود وظهر لهم ان القران حق والجائي به محق وجحدوا ذلك وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ اي القران مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا اي لو كنت قارئا كاتبا لَّارْتَابَ شك الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ اي اليهود فيك وقالوا الذي في التورة انه امي لا يقرأ ولا يكتب بَلْ هُوَ اي القران الذي جئت به اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ اي المؤمنين يحفظونه وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ اليهود جحدوها بعد ظهورها لهم وَقَالُوْا اي كفار مكة لَوْلَآ بلا اُنْزِلَ عَلَيْهِ على محمد اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ وفي قراءة اية كناقة صالح وعصا موسى ومائدة عيسى قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ ينزلها كما يشاء وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ مظهر انذاري بالنار اهل المعصية اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ فيما طلبوه اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ القران يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ فهو اية مستمرة لا انقضاء لها بخلاف ما ذكر من الايات اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الكتاب لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى عظة لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

رکوع ۵

ترجمہ: جو کتاب آپ پر یعنی قرآن وحی کی گئی ہے آپ اس کو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے یقیناً نماز بے حیائی اور شرعاً ناشائستہ کاموں سے روک دیتی ہے یعنی نماز کی شان یہی ہے، جب تک انسان نماز میں ہوتا ہے بے شک اللہ کا ذکر دیگر طاعتوں کے مقابلہ میں بہت بڑی چیز ہے جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے اس کی تم کو وہ جزا دے گا اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مجادلہ مت کرو مثلاً اللہ کی طرف اللہ کی آیات کے ذریعہ دعوت دو اور اس کے دلائل پر تنبیہ کرو مگر ان کے ساتھ جو ان میں سے زیادتی کریں بایں طور کہ محاربہ کریں اور جزیہ دینے سے انکار کریں تو ایسے لوگوں سے جہاد بالسیف کرو حتی کہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دینا منظور کریں، اور ان لوگوں سے جنہوں نے جزیہ دینے کا اقرار کرلیا جب وہ اپنی کتابوں میں سے کسی بات کی خبر دیں تو کہہ دو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر اتاری گئی ہے، اور اس خبر کے بارے میں نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب اور ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں (یعنی) اطاعت گذار ہیں اور ہم نے اسی طرح آپ پر کتاب یعنی قرآن نازل کی ہے جیسا کہ ان پر تورات وغیرہ نازل کی ہیں

سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب تورات دی ہے جیسا کہ عبداللہ بن سلام وغیرہ تو وہ اس کتاب یعنی قرآن پر ایمان لائے ہیں اور ان لوگوں یعنی اہل مکہ میں بھی بعض ایسے ہیں جو قرآن پر ایمان لے آئے ہیں اور ہماری آیتوں کا ان کے ظہور کے بعد بجز کافروں یعنی یہود کے کوئی منکر نہیں اور ان پر واضح ہوگیا کہ قرآن حق ہے اور اس کا لانے والا حق پر ہے (پھر بھی) اس کے منکر ہوئے آپ اس کتاب یعنی قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھے ہوئے نہیں تھے اور نہ آپ اپنے ہاتھ سے کوئی کتاب لکھتے تھے ورنہ تو اگر آپ لکھنا پڑھنا جانتے تو یہ باطل پرست یہود آپ کے بارے میں ضرور شبہ نکالتے اور کہتے کہ جس (آنے والے نبی) کا ذکر تورات میں ہے وہ تو امی ہوگا وہ لکھنا پڑھنا کچھ نہ جانتا ہوگا (اور یہ تو جانتا ہے) بلکہ یہ قرآن جس کو آپ لائے ہیں خود ان لوگوں کے دلوں میں جن کو علم عطا کیا گیا ہے یعنی وہ مومنین جو اس کی حفاظت کرتے ہیں واضح دلیلیں ہیں اور ہماری آیتوں کا منکر بجز ظالم کے کوئی نہیں یہود نے ان پر ان آیتوں کے واضح ہونے کے باوجود انکار کر دیا، کفار مکہ نے کہا کس لئے محمد پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے نہیں اتاری گئی اور ایک قراءت میں (آیت کی بجائے) آیات ہے جیسا کہ صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دسترخوان آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ کے اختیار میں ہیں جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے اور میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں میرا ڈرانا اہل معصیت کو آگ (جہنم) سے ہے کیا ان کو اپنے مطالبہ کے سلسلہ میں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب قرآن نازل کردی جو ان کو پڑھ کر سنائی جا رہی ہے یہ کتاب تو ایسی آیت ہے کہ جو ہمیشہ رہنے والی ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں بخلاف ان آیات کے جن کا تذکرہ کیا گیا اس کتاب میں رحمت (بھی) ہے اور نصیحت ایمان والوں کے لئے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ (الآیۃ) اے محمد ﷺ جب آپ کو اپنی قوم کے ایمان نہ لانے پر افسوس اور غم ہو تو آپ قرآن کی تلاوت کیا کیجئے تو آپ کو یہ جان کر تسلی ہوگی کہ حضرت نوح ولوط علیہما السلام وغیرہ کو بھی ایسے حالات پیش آئے تھے، جیسے آپ کو پیش آرہے ہیں نیز انہوں نے تبلیغ رسالت اور دلائل قائم کرنے میں بے حد محنت اور مبالغہ سے کام لیا مگر اس کے باوجود وہ اپنی قوموں کو ضلالت اور جہالت سے نہ بچا سکے، جب آپ قرآن کی تلاوت کریں گے اور انبیاء مذکورین کے حالات معلوم ہوں گے تو آپ کو ایک گونہ تسلی ہوگی۔

قَوْلُهُ: الفحشاء والمنکر "فحش" اس برائی کو کہتے ہیں جس کو شریعت نے برا قرار دیا ہو خواہ عرف عام میں اس کو اچھا ہی کیوں نہ سمجھا جاتا ہو۔

قَوْلُهُ: مادام المرءُ فیھا یہ ایک قول ہے ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ فواحش اور منکرات سے روکنا نماز کی خاصیت ہے بشرطیکہ اس کو شرائط اور آداب کے ساتھ پابندی سے ادا کیا جائے، اگر کوئی شخص نماز کی پابندی کے باوجود فواحش سے باز نہیں آتا ہے تو

سمجھو کہ نماز کی ادائیگی میں قصور ہے نہ کہ نماز کی خاصیت میں۔

قَوْلُہٗ: کعبد اللّٰہ بن سلام یہ سبقت قلم ہے اس لئے کہ یہ سورت مکی ہے اور عبداللہ بن سلام مدینہ میں ایمان لائے ہیں لہٰذا عبداللہ بن سلام کو مثال میں پیش کرنا درست نہیں ہے، ہاں البتہ یہ ممکن ہے اخبار بالغیب کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن سلام کے ایمان لانے کی خبر دی ہو۔

قَوْلُہٗ: مِن کتاب، مِن کتاب، تتلوا کا مفعول ہے اور مِن زائدہ ہے۔

قَوْلُہٗ: لو کنت قارئًا کاتبًا یہ لف ونشر مرتب ہے۔

قَوْلُہٗ: الیھود، مبطلون کی تفسیر میں یہود کی تخصیص مناسب نہیں ہے اس لئے کہ نصاریٰ کا بھی یہی حال تھا لہٰذا اگر الیھود کے بجائے کالیھود فرماتے تو زیادہ مناسب تھا تاکہ یہود کے علاوہ ہر منکر قرآن اس میں شامل ہو جاتا۔

قَوْلُہٗ: اَوَلَمْ یکفیھم ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور واو عاطفہ ہے اور یکفیھم کا عطف محذوف پر ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ اجھلوا ولم یکفیھم اور یہ استفہام توبیخی ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنَّا اَنزلنا۔ اَنَّ اور جس پر اَنَّ داخل ہے مصدر کی تاویل میں ہے، اور یکف کا فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے اولم یکفھم انزالنا۔

تَفسِیر وتشریح

سابقہ آیات سے ربط:

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ سابقہ آیات میں چند انبیاء اور ان کی امتوں کا ذکر تھا جن میں چند بڑے بڑے سرکش کفار اور ان پر قسم قسم کے عذابوں کا ذکر تھا، جن میں رسول اللہ ﷺ اور مومنین امت کے لئے تسلی بھی ہے کہ انبیاء سابقین نے مخالفین کی کیسی کیسی ایذاؤں پر صبر کیا اور اس کی تلقین بھی کہ تبلیغ و دعوت کے کام میں کسی حال میں ہمت نہیں ہارنا چاہئے۔

قرآن کی تلاوت کے فوائد:

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ میں اگرچہ خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر مراد پوری امت ہے، قرآن کریم کی تلاوت متعدد مقاصد کے لئے مطلوب ہے، اجر و ثواب کے لئے اس کے معانی اور مطالب میں غور و فکر کرنے کے لئے تعلیم و تدریس کے لئے اور وعظ و نصیحت کے لئے، اس حکم تلاوت میں تمام صورتیں داخل ہیں۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ۔ کیونکہ نماز سے (بشرطیکہ نماز ہو) انسان کا خصوصی تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم ہو جاتا ہے جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے، اسی لئے قرآن کریم میں کہا گیا ہے یٰاَیُّھَا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصَّلٰوۃ "اے

ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو'' (البقرہ) نماز اور صبر کوئی مرئی چیز تو ہے نہیں کہ انسان ان کا سہارا پکڑ کر ان سے مدد حاصل کر لے یہ تو غیر مرئی چیز ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کے ذریعہ انسان کا اپنے رب کے ساتھ خصوصی تعلق قائم ہو جاتا ہے، وہ قدم قدم پر اس کی رہنمائی اور دستگیری کرتا ہے، آپ ﷺ کو جب کبھی کوئی اہم مرحلہ درپیش ہوتا تھا تو آپ نماز کا اور زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

نماز تمام گناہوں سے روکتی ہے:

''فحش'' اور ''منکر'' دو لفظ ہیں ان دو لفظوں میں تمام جرائم اور ظاہری و باطنی سب گناہ آگئے، متعدد مستند احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت صلوٰۃ کی یہ تاثیر ہے کہ جو شخص اس کی شرائط کے ساتھ پابندی کرتا ہے تو اس سے گناہ چھوٹ جاتے ہیں، مگر اس کی شرائط و آداب کے ساتھ پابندی ضروری ہے، جس طرح دواؤں کی مختلف تاثیرات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوا فلاں بیماری میں مفید ہے اور واقعتاً ایسا ہوتا بھی ہے لیکن کب؟ جب دو باتوں کا التزام کیا جائے ایک تو دوا کو پابندی کے ساتھ بتائے ہوئے طریقہ اور شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے اور دوسری چیز پرہیز یعنی ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو اس دوا کے اثرات کو زائل کرنے والی ہوں، اسی طرح نماز کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے یقیناً ایسی روحانی تاثیر رکھی ہے کہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے لیکن جب کہ نماز کو سنت نبوی کے طریقہ پر پڑھا جائے۔

وَلَذِکر اللّٰہ اکبر یعنی اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے، اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بندہ جو نماز یا نماز سے باہر اللہ کا ذکر کرتا ہے یہ بڑی چیز ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ بندے جب اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے ذاکر بندے کا ذکر فرشتوں کے مجمع میں کرتا ہے اور فاذکرونی اذکرکم کے پیش نظر اللہ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا بہت بڑی نعمت ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوْا اَھْلَ الکتابِ اِلَّا بِالَّتِی ھِیَ احسَن اِلَّا الَّذِیْنَ ظلموا یعنی اہل کتاب سے اگر بحث و مباحثہ کی نوبت آئے تو مجادلہ ایسے طریقہ سے کرو جو بہتر ہو مثلاً سخت کلام کا جواب نرم گفتاری سے اِلَّا الذین ظلموا منھم یعنی جو بحث و مباحثہ میں افراط و تفریط سے کام لیں تو تمہیں بھی سخت لب ولہجہ اختیار کرنے کی اجازت ہے، بعض مفسرین نے پہلے گروہ سے وہ اہل کتاب مراد لئے ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور دوسرے گروہ سے وہ اشخاص مراد لئے ہیں جو مسلمان نہیں ہوئے بلکہ یہودیت اور نصرانیت پر قائم رہے اور بعض نے الذین ظلموا منھم کا مصداق ان اہل کتاب کو لیا ہے جو مسلمانوں کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتے تھے، اور جنگ و جدال کے بھی مرتکب ہوتے تھے ان سے تم بھی قتال کرو تا آنکہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ دینا قبول کریں۔

آمَنَّا بِالَّذی اُنْزِلَ اِلینا واُنزِلَ اِلَیکُمْ اس آیت میں مسلمانوں کے تورات اور انجیل پر ایمان لانے کا تذکرہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تورات اور انجیل پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کی نازل کردہ آسمانی کتابیں ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ موجودہ تورات و انجیل کے تمام مضامین پر ہمارا ایمان ہے گذشتہ زمانہ میں ان میں ہزارہا تحریفات ہو چکی

ہیں اور اب بھی تحریفات کا سلسلہ جاری ہے۔

موجودہ تورات وانجیل کی نہ مطلقاً تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب، صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ اہل کتاب تورات وانجیل کو ان کی اصل زبان عبرانی میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کو ان کا ترجمہ عربی میں سناتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یوں کہو آمَنَّا بِالَّذِی اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ یعنی ہم اجمالاً اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تمہارے انبیاء پر نازل ہوئی ہے اور جو تفصیلات تم بتاتے ہو وہ ہمارے نزدیک قابل اعتماد نہیں، اس لئے ہم اس کی تصدیق وتکذیب سے اجتناب کرتے ہیں۔

تفسیر کی کتابوں میں جو عام مفسرین نے اہل کتاب کی روایات (اسرائیلیات) نقل کی ہیں ان کا بھی یہی درجہ ہے اور نقل کرنے کا منشاء اس کی صرف تاریخی حیثیت کو واضح کرنا ہے، حلال وحرام کا اس سے استنباط نہیں کیا جاسکتا ہے۔

آپ ﷺ کا امی ہونا آپ کی نبوت کی اہم دلیل ہے:

حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت پر جس طرح بہت سے واضح معجزات ظاہر فرمائے انہی میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کو امی رکھا، اور آپ کا اختلاط اہل کتاب سے بھی کبھی نہیں رہا کہ ان سے کچھ سن لیتے اس لئے کہ مکہ میں اہل کتاب تھے ہی نہیں، چالیس سال ہونے پر یکایک آپ کی زبان مبارک سے ایسا کلام جاری ہونے لگا جو اپنے مضامین اور معانی کے اعتبار سے بھی معجزہ تھا اور لفظی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے بھی۔

لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْہِ آیٰتٌ مِّنْ رَّبِّہٖ یعنی اہل مکہ آپ سے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ جیسے معجزے طلب کرتے ہیں اول تو آپ فرما دیجئے کہ معجزوں کا ظاہر کردینا اور نشانیوں کا دکھا دینا میرے اختیار میں نہیں ہے اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں ظاہر فرما دیتے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ کیا یہ قرآن معجزہ نہیں ہے جس کی بابت انہیں چیلنج دیا گیا ہے کہ اس جیسا لاکر دکھائیں یا کوئی ایک ادنیٰ سورت ہی بنا کر پیش کردیں، اور یہ چیلنج آج بھی باقی ہے اور تاقیامت رہیگا، جب قرآن کی اس معجزہ نمائی کے باوجود اس قرآن پر ایمان نہیں لارہے تو اگر موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی طرح کے معجزے ان کو دکھا بھی دیئے گئے تو کیا ضمانت ہے کہ یہ ایمان لے ہی آئیں گے، جبکہ سابق انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کے معجزے ان کی زندگی کے ساتھ ساتھ ختم ہوگئے اور آپ ﷺ کا قرآن کا معجزہ آج بھی باقی ہے اور تاقیامت باقی رہے گا۔

قُلْ کَفٰی بِاللہِ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ شَهِیْدًا بصدقی یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ومنه حالی وحالکم وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وهو ما یُعبَدُ من دون اللهِ وَکَفَرُوْا بِاللہِ منکم اُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۵۲) فی صفقتهم حیث اشتروا الکفر بالایمان وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّی له لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ عاجلاً وَلَیَاْتِیَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (۵۳) بوقت اتیانه یَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ فی الدنیا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِیْطَةٌ بِالْکٰفِرِیْنَ (۵۴) یَوْمَ یَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

أَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ فِيْهِ بِالنُّوْنِ اَیْ نَأْمُرُ بِالْقَوْلِ وَبِالْيَاءِ اَیْ يَقُوْلُ الْمُوَكَّلُ بِالْعَذَابِ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَیْ جَزَاءَهُ فَلَا تَفُوْتُوْنَنَا يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ فِیْ اَیِّ اَرْضٍ تَيَسَّرَتْ فِيْهَا الْعِبَادَةُ بِاَنْ تُهَاجِرُوْا اِلَيْهَا مِنْ اَرْضٍ لَمْ تَتَيَسَّرْ فِيْهَا نَزَلَ فِیْ ضُعَفَاءِ مُسْلِمِیْ مَكَّةَ كَانُوْا فِیْ ضِيْقٍ مِنْ اِظْهَارِ الْاِسْلَامِ بِهَا كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ بَعْدَ الْبَعْثِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ نُنْزِلَنَّهُمْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْمُثَلَّثَةِ بَعْدَ النُّوْنِ مِنَ الثُّوِیِّ الْاِقَامَةُ وَتَعْدِيَتُهُ اِلٰی غُرَفٍ بِحَذْفِ فِیْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ هٰذَا الْاَجْرُ هُمُ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا عَلٰی اَذَی الْمُشْرِكِيْنَ وَالْهِجْرَةِ لِاِظْهَارِ الدِّيْنِ وَعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَيَرْزُقُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُوْنَ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا لِضُعْفِهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ اَيُّهَا الْمُهَاجِرُوْنَ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَكُمْ زَادٌ وَلَا نَفَقَةٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ لِقَوْلِكُمْ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ بِضَمِيْرِكُمْ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ سَاَلْتَهُمْ اَیِ الْكُفَّارَ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰی يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ يُصْرَفُوْنَ عَنْ تَوْحِيْدِهٖ بَعْدَ اِقْرَارِهِمْ بِذٰلِكَ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهُ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُ لَهٗ بَعْدَ الْبَسْطِ اَوْ لِمَنْ يَّشَاءُ اِبْتِلَاءً اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَمِنْهُ مَحَلُّ الْبَسْطِ وَالتَّضْيِيْقِ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَكَيْفَ يُشْرِكُوْنَ بِهٖ قُلْ لَهُمْ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ثُبُوْتِ الْحُجَّةِ عَلَيْكُمْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ تَنَاقُضَهُمْ فِیْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان میری سچائی پر گواہ کافی ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے سب باتوں کی خبر ہے اور انہیں میں میرا اور تمہارا حال بھی ہے اور جو لوگ باطل پر اور وہ اللہ کے علاوہ وہ چیزیں ہیں جن کی پوجا پاٹ کی جاتی ہے یقین رکھتے ہیں اور تم میں سے اللہ کے منکر ہیں یہی لوگ ہیں جو اپنے سودے میں نقصان اٹھانے والے ہیں اس طور پر کہ انہوں نے ایمان کے بدلے کفر اختیار کرلیا ہے اور یہ لوگ آپ سے عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں اور اگر عذاب کی مدت متعین نہ ہوتی تو ان پر فوری عذاب آچکا ہوتا اور ان پر وہ عذاب دفعةً آپہنچے گا اور ان کو اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہوگی، یہ لوگ آپ سے دنیا ہی میں عذاب کا تقاضا کرتے ہیں (ذرا تسلی رکھیں) بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرے میں لینے والی ہے جس دن عذاب ان کو ان کے اوپر سے اور نیچے سے گھیرے گا، عذاب کے ذمہ دار فرشتے کہیں گے اپنے اعمال کی جزا چکھو یقول میں نون اور یا دونوں ہیں، اگر نون ہو تو مطلب ہوگا ہم فرشتوں کو یہ بات کہنے کا حکم کریں گے تو تم ہم سے بچ کر نہیں نکل سکتے اے میرے ایماندار بندو! میری زمین بہت کشادہ ہے میری ہی بندگی کرو جہاں بھی عبادت آسان ہو، لہٰذا اس سرزمین سے جہاں عبادت آسان نہ ہو اس سرزمین کی طرف ہجرت کر جاؤ (کہ جہاں عبادت کرنا آسان ہو) (یہ آیت) مکہ کے ان

کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مکہ میں اظہار اسلام کے بارے میں تنگی میں تھے، ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تم سب زندہ ہونے کے بعد ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے تُرْجَعُوْنَ تا اور یا کے ساتھ، جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے ہم ان کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جنت کے بالا خانوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ہم نے ان کے لئے جنت کے بالا خانہ میں ہمیشہ رہنا مقدر کر دیا ہے، عمل کرنے والوں کا اجر کیا ہی خوب ہے یہ اجر، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مشرکین کی ایذاؤں پر اور دین کے اظہار پر صبر کیا اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں تو وہ ان کو ایسے طریقے سے روزی دے گا کہ ان کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی کمزوری کی وجہ سے اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے اے ہجرت کرنے والو! اللہ تم کو بھی روزی دے گا اور ان کو بھی اگرچہ تمہارے پاس زاد راہ اور خرچہ نہ ہو وہ تمہاری باتوں کو سنتا ہے اور تمہارے دل کے رازوں کو جانتا ہے اور اگر آپ ان سے یعنی کفار سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اور کس نے شمس و قمر کو مسخر کر رکھا ہے؟ وَلَئِنْ میں لام قسم کا ہے تو یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے، تو پھر یہ لوگ توحید کو چھوڑ کر اس کا اقرار کرنے کے بعد کہاں الٹے چلے جا رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتے ہیں بطور آزمائش رزق کشادہ کر دیتے ہیں اور کشادہ کرنے کے بعد اس کا رزق تنگ کر دیتے ہیں یا بطور آزمائش جس کی چاہیں (روزی تنگ کر دیتے ہیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر شئ کے حال سے واقف ہے اور اسی (معلوم) شئ میں روزی کشادہ اور تنگ کرنے کا محل بھی ہے اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ ذات کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس پانی کے ذریعہ زمین کو اس کے خشک ہو جانے کے بعد تر و تازہ کر دیا؟ تو یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے تو پھر اس کے ساتھ کسی کو کیوں شریک کرتے ہیں؟ آپ کہیے تمہارے اوپر حجت ثابت ہونے پر، الحمد للہ، بلکہ ان میں اکثر لوگ اس معاملہ میں اپنے (قول میں) تناقض کو سمجھتے بھی نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: صَفْقَةٌ ہاتھ پر ہاتھ مارنا، تالی بجانا، معاملہ کرنا، عرب کی عادت تھی کہ بیع کے تام ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے اختتام بیع پر ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے، یہاں مطلقاً بیع مراد ہے جس کو تجارتی اصطلاح میں سودا کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ، اِيَّايَ اپنے ماقبل فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے بعد کا فعل اس کی تفسیر کر رہا ہے تقدیر عبارت یہ ہے فاعبدوا ایای فاعبدون.

قَوْلُهُ: لَنُبَوِّئَنَّهُمْ جمع متکلم لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ بَوَّءَ يُبَوِّءُ تَبْوِئَةً (تفعیل) بَوْءٌ مادہ ہے، ٹھکانہ دینا، جگہ درست کرنا، اور ایک قراءت میں لَنُثْوِيَنَّهُمْ ای لنقیمنّهم مشتق من الثواء بمعنی اقامت، اس دوسری قراءت کے مطابق غُرَفًا مفعول بہ ہوگا نُثْوِی نُنْزِلُ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے۔ اس صورت میں نُنْزِلُ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے

متعدی بدو مفعول ہوگا، مفعول اول هم ضمیر ہے اور دوسرا غُرَفًا بتقدیر فی ہے، ای فی غرفٍ من الجنة پہلی قراءت میں غُرَفًا مفعول ثانی ہے اور هم مفعول اول ہے اس لئے کہ بَوّأ متعدی بدو مفعول ہے، قال اللہ تعالیٰ تُبَوِّئُ المؤمنینَ مقاعِدَ للقتال اور کبھی متعدی بالام بھی ہوتا ہے کما قال تعالیٰ وَاِذْ بَوّأنا لِابراهیم مکان البیتِ.

قَوْلُهٗ: تجری من تحتها الانهار یہ جملہ ہو کر غُرَفًا کی صفت ہے۔

قَوْلُهٗ: وَالذین آمنوا مبتداء لَنُبَوِّئَنَّهُمْ اس کی خبر والذین آمنوا فعل محذوف کی وجہ سے منصوب بھی ہو سکتا ہے جس پر بعد کا فعل دلالت کر رہا ہے اس صورت میں یہ باب اشتغال سے ہوگا۔

قَوْلُهٗ: مقدرین الخلود فیها اس سے اشارہ ہے کہ خالدین حال مقدرہ ہے ای انهم حین الدخول یقدرون الخلود.

قَوْلُهٗ: هذا الاجر یہ مخصوص بالمدح ہے۔

قَوْلُهٗ: الذین صَبَرُوا، هم مبتدا محذوف کی خبر ہے جیسا کہ شارح نے ظاہر کر دیا ہے اور العاملین کی صفت بھی ہو سکتی ہے۔

قَوْلُهٗ: وکاَیِّن من دابة کاَیِّن مبتدا ممیز، من دابةٍ اس کی تمیز لا تحملُ دابّةٍ کی صفت اللّٰهُ یَرْزُقُها جملہ ہو کر کاَیِّن مبتدا کی خبر۔

تفسیر و تشریح

شروع سورت سے یہاں تک مسلمانوں کے ساتھ کفار کی عداوت اور توحید و رسالت سے مسلسل انکار اور حق اور اہل حق کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹوں کا بیان تھا، مذکورۃ الصدر آیات میں مسلمانوں کے لئے ان کے شر سے بچنے اور حق کو شائع کرنے اور حق و انصاف کو دنیا میں قائم کرنے کی ایک تدبیر کا بیان ہے جس کا اصطلاحی نام ہجرت ہے یعنی اس وطن اور ملک کو چھوڑ دینا جس میں انسان خلاف حق بولنے اور کرنے پر مجبور ہو اور شعائر دین کو آزادی سے ادا نہ کر سکتا ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ ارضی وَاسِعَةٌ فاِیّایَ فَاعْبُدُوْن یعنی اگر کسی ملک میں یا کسی علاقہ میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ جہاں فرائض دین اور شعائر اسلام کو بآسانی ادا نہ کر سکے اور باطل کی مجبوراً تائید کرنی پڑے تو ایسی جگہ سے ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے، فرائض میں کوتاہی یا عدم ادائیگی کے بارے میں یہ عذر عند اللہ قابل قبول نہ ہوگا کہ جہاں ہم رہتے تھے کافروں اور ظالموں کی حکومت تھی فرائض اور شعائر اسلام کی ادائیگی وہاں ممکن نہیں تھی، اس لئے کہ اللہ کی زمین وسیع ہے ہجرت کر جانا چاہئے تھا۔

وطن سے ہجرت کر کے کسی دوسری جگہ جانے میں عام طور پر عادۃً دو قسم کے خطرات پیش آیا کرتے ہیں جو ہجرت سے روکتے ہیں، پہلا خطرہ اپنی جان کا ہے، جب وطن کو چھوڑ کر جائیں گے تو یہاں کے کفار اور ظالم لوگ راہ میں حائل ہوں گے

اور یہ بھی ممکن ہے کہ راستہ میں دیگر کافروں سے بھی مقابلہ یا مقاتلہ کی نوبت آجائے جس سے جان کا خطرہ ہو، اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ کل نفسٍ ذائقة الموت یعنی موت تو ہر حال اور ہر جگہ آنے والی ہے اس لئے موت سے خوف اور گھبراہٹ مومن کا کام نہیں ہونا چاہئے اور مومن کا یہ عقیدہ ہے کہ موت اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں آسکتی اس لئے ہجرت کرنے میں موت کا خوف حائل نہ ہونا چاہئے، خصوصاً جبکہ احکام الٰہی کی اطاعت کرتے ہوئے موت آجانا دائمی راحتوں اور نعمتوں کا ذریعہ ہے جو ان کو آخرت میں ملیں گی، جس کا ذکر بعد کی ان دو آیتوں میں فرمایا اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا. (الآیة)

دوسرا خطرہ ہجرت کی راہ میں یہ پیش آتا ہے کہ دوسرے ملک یا دوسری جگہ جا کر رزق کا کیا سامان ہوگا؟ اپنی جگہ رہتے ہوئے تو انسان کا کچھ نہ کچھ ذریعہ معاش ہوتا ہے، ہجرت کی وجہ سے یہ سب ختم ہو جاتا ہے، اس کا جواب بعد کی تین آیتوں میں اس طرح دیا گیا ہے کہ تم اس حاصل کردہ سامان کو رزق کی علت اور کافی سبب قرار دیتے ہو یہ خیال تمہارا غلط ہے رزق دینے والا درحقیقت اللہ ہے وہ بغیر کسی ظاہری سامان اور ذریعہ کے بھی رزق پہنچا دیتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو سامان اور اسباب کے ہوتے ہوئے بھی انسان رزق سے محروم ہو سکتا ہے اس کے بیان کے لئے فرمایا وَكَاَیِّنْ مِنْ دَآبَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ یَرْزُقُهَا وَاِیَّاكُمْ یعنی اس پر غور کرو کہ زمین پر چلنے والے ہزاروں قسم کے جانور ہیں کہ جو اپنا رزق جمع کرنے اور رکھنے کا انتظام نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ ان کو روزانہ رزق مہیا کرتا ہے، سفیان بن عیینہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ انسان اور چوہا اور چیونٹی کے سوا کوئی حیوان اپنی غذا جمع نہیں کرتا بعض حضرات نے کوے کو بھی شمار کیا ہے وہ بھی اپنے آشیانہ میں غذا چھپا کر رکھتا ہے مگر بھول جاتا ہے، چیونٹی چونکہ سردی کے موسم میں اپنے سوراخ سے باہر نہیں آتی اس لئے موسم گرما ہی میں سرما کا انتظام کر لیتی ہے، بقیہ ہزار ہا اقسام کے جانور جن کا شمار بھی مشکل ہے ان میں کوئی جانور ایسا نہیں ہے کہ جو کل کی فکر کرتا ہو، حدیث شریف میں ہے کہ یہ پرندے صبح کو اپنے گھونسلوں سے بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے واپس ہوتے ہیں نہ ان کی کوئی کھیتی باڑی ہے اور نہ زمین جائداد نہ کسی کارخانہ یا دفتر کے ملازم ہیں کہ وہاں سے اپنا رزق حاصل کریں، اور یہ ایک دن کا معاملہ نہیں جب تک وہ زندہ رہتے ہیں روزانہ ان کو پیٹ بھرائی رزق ملتا ہے۔

(معارف)

خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت سے روکنے والی دوسری شئ فکر معاش ہے مگر یہ انسان کا خام خیال ہے اس لئے اپنے جمع کردہ اسباب معاش پر ہی بھروسہ کر لینا درست نہیں ہے اس لئے یہ دوسرا خطرہ بھی ہجرت سے مانع نہیں ہونا چاہئے۔

ہجرت سے متعلق الفاظ عام ہونے کی وجہ سے حکم اگرچہ عام ہے مگر آیت کے شان نزول میں مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مومنین کو جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم کس طرح مدینہ جائیں نہ وہاں گھر ہے نہ در اور نہ وہاں مال، ہمیں وہاں کون کھلائے پلائے گا؟ تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

مَسْئَلَہ: جس شہر یا ملک میں انسان کو اپنے دین پر قائم رہنے کی آزادی نہ ہو، وہ کفر و شرک یا احکام شرعیہ کی خلاف ورزی

پر مجبور ہو تو ایسی جگہ سے بشرطیکہ قدرت ہو ہجرت کرنا واجب ہے البتہ اگر قدرت نہ ہو یا کوئی ایسی جگہ میسر نہ ہو کہ وہاں آزادی سے اپنے دین پر عمل کر سکے تو وہ شرعاً معذور ہے۔

مَسْئَلَہ: جس جگہ عام احکام دینیہ پر عمل کرنے کی آزادی ہو وہاں سے ہجرت فرض یا واجب تو نہیں مگر مستحب ہے، اور اس میں دارالکفر ہونا بھی ضروری نہیں دارالفسق جہاں احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی اعلاناً ہوتی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے اگرچہ اس کو دارالاسلام کہا جاتا ہو، یہ تفصیل حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تحریر فرمائی ہے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ واما القُرَبُ فمِنْ امورِ الاٰخرةِ لِظُهورِ ثمرتِها فيها وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ بمعنى الحياةِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۴ ذلك ما آثروا الدُّنيا عليها فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ اى الدعاءَ اى لا يَدْعُوْنَ معه غيرَه لانَّهم فى شدّةٍ ولا يَكْشِفُها الّا هو فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝۶۵ به لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ مِنَ النِّعْمَةِ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۣ باجتماعِهم على عبادةِ الاصنامِ وفى قراءةٍ بسكونِ اللامِ امرُ تهديدٍ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۶۶ عاقبةَ ذلك اَوَلَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوْا اَنَّا جَعَلْنَا بلدَهم مكةَ حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ قتلًا وسَبْيًا دُوْنَهم اَفَبِالْبَاطِلِ الصنمِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝۶۷ باشراكِهم وَمَنْ اَظْلَمُ اى لا احدَ اظلمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بان اشرك به اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ النبيِّ او الكتابِ لَمَّا جَاۗءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى مأوى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۶۸ اى فيه ذلك وهو منهم وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا فى حقِّنا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ اى طُرُقَ السَّيْرِ الينا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۶۹ المؤمنين بالنصرِ والعونِ.

تَرجَمہ: اور یہ دنیوی زندگی کھیل تماشہ کے سوا کچھ نہیں البتہ عبادات تو یہ امور آخرت میں سے ہیں اس لئے کہ اس کے ثمرات آخرت میں ظاہر ہونگے اور اصل زندگی دار آخرت ہی کی ہے اگر یہ لوگ اس بات کو سمجھ لیتے تو دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے پھر جب یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ ہی سے دعا کرتے ہیں یعنی اس کے ساتھ غیر کو نہیں پکارتے اس لئے کہ وہ (اس وقت) ایک عظیم پریشانی میں (مبتلا) ہوتے ہیں اور اس پریشانی کو اس کے علاوہ کوئی دور نہیں کر سکتا پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو فوراً ہی اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہیں تاکہ ہماری دی ہوئی نعمت کی ناقدری کرتے رہیں اور یہ لوگ بتوں کی بندگی پر مجتمع ہو کر قدرے اور فائدہ اٹھالیں اور ایک قراءت میں وَلْيَتَمَتَّعُوْا کے لام کے سکون کے ساتھ امر تہدیدی ہے ان کو اس کے انجام کا جلدی ہی پتہ چل جائے گا، کیا یہ نہیں جانتے کہ ہم نے مکہ شہر کو امن والا بنا دیا اور ان کے اطراف میں دوسرے لوگوں کو قتل و قید کے ذریعہ اچک لیا جاتا ہے کیا یہ لوگ جھوٹے

معبودوں (بتوں) پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے ساتھ شریک کر کے اس کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں، جو اللہ پر بہتان لگائے بایں طور کہ اس کے ساتھ شرک کرے یا جب اس کے پاس حق یعنی نبی یا کتاب آجائے تو وہ اس کی تکذیب کرے کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں؟ اور ایسا شخص جہنمیوں میں سے ہے اور جو لوگ خالص ہمارے لئے جہاد کرتے ہیں تو ہم ایسے لوگوں کو ہم تک پہنچانے والے راستے ضرور دکھائیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اپنی) نصرت اور مدد کے ذریعہ محسنین (یعنی) مومنین کے ساتھ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اَللَّهْوُ دنیوی لذتوں سے لذت اندوز ہونا، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ لھو لایعنی چیزوں میں مشغول ہونے کو کہتے ہیں اور اللعب ھو العبث.

قَوْلُهٗ: حَیَوَان زندگی، جینا، حَیَوَان حَیِیَ یَحْیٰ (س) کا مصدر ہے اصل میں حَیَیَانٌ تھا، ثانی یا واؤ سے بدل دی گئی ہے یہ حَیَاۃٌ سے زیادہ بلیغ ہے اس لئے کہ فَعَلَانٌ کے وزن میں حرکت اور اضطراب کے معنی ہیں جو لازمۂ حیات ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس مقام میں حیات کے بجائے حَیَوَان کا استعمال کیا گیا ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُهٗ: لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ذٰلِكَ. ذٰلك یعلمون کا مفعول ہے لَوْ حرف شرط ہے مَا آثَرُوا الدنیا علَیْھَا جواب شرط ہے۔

قَوْلُهٗ: ای الدُّعَاء یہ تعیین معنی کے لئے ہے دین کے چونکہ مختلف معنی آتے ہیں الدعاءُ کے ذریعہ تفسیر کر کے چند معنی میں سے ایک معنی کو متعین کرلیا۔

قَوْلُهٗ: اِذَاھُمْ یشرکون یہ فَلَمَّا کا جواب ہے، مطلب یہ ہے کہ غرق سے نجات پاتے ہی بلا تاخیر شرک شروع کر دیتے ہیں لیکفروا میں لام، لام کی ہے اور لِيَتَمَتَّعُوْا کا لِيَكْفُرُوْا پر عطف ہے۔

(تنبیہ) لام کی کے بجائے اس کو لام عاقبت مانا جائے تو زیادہ مناسب ہے (جمل) ایک قراءت میں لام کے سکون کے ساتھ ہے اس صورت میں لام امر ہوگا دونوں فعلوں میں مگر یہاں یہ شبہ پیدا ہوگا کہ اس سے اللہ کا فعل قبیح کا امر کرنا لازم آتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں اور حکیم قبیح شی کا امر نہیں کرتا، امرُ تھدیدٍ کہہ کر اس سوال کا جواب دیدیا یعنی امر سے مراد امتثال امر نہیں ہے بلکہ تہدید و توبیخ مراد ہے فَسَوْفَ یعلمون امر کے تہدیدی ہونے کا قرینہ ہے۔

قَوْلُهٗ: وَیُتَخَطَّفُ جملہ حالیہ ہے اور اس سے پہلے ھُمْ مبتداء محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَھُمْ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ الخ.

قَوْلُهٗ: فیھا ذٰلكَ اس سے اشارہ ہے کہ اَلَیْسَ فی جَھَنَّمَ میں ہمزہ انکار کے لئے ہے اور یہ استفہام تقریری اس

لئے ہے کہ لیس حرف نفی ہے جب اس پر ہمزہ انکاری داخل ہوا تو نفی النفی ایجاب ہوگیا، لہٰذا اس میں تقریر کے معنی پیدا ہوگئے، مطلب یہ ہے کہ کافروں کا بلاشبہ ٹھکانہ جہنم ہے۔

تفسیر وتشریح

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدنیا (الآیة) سابقہ آیات میں مشرکین کا یہ حال مذکور ہوا ہے کہ آسمان اور زمین کی پیدائش شمس وقمر کا نظام، بارش برسانے اور اس سے نباتات اگانے کا پورا نظام مشرکین بھی اللہ ہی کے قبضے میں ہونے پر یقین رکھتے ہیں، اس میں کسی بت یا دیوی دیوتا کو شریک نہیں مانتے مگر پھر بھی وہ خدائی میں بتوں کو شریک ٹھہراتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اَكْثَرُهُمْ لا یعلمُوْنَ یعنی ان میں اکثر لوگ ایسے ہیں کہ جو جانتے نہیں ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، آخر یہ لوگ مجنون یا دیوانے تو نہیں ہیں، ہوشیار اور سمجھ دار ہیں دنیا کے بڑے بڑے کام بخوبی انجام دیتے ہیں، پھر ان کے ناسمجھ ہونے کے کیا معنی؟ اس کا جواب مذکورۃ الصدر آیات سے سابقہ آیات میں یہ دیا گیا ہے کہ دنیا اور اس کی مادی اور فانی لذتوں وخواہشات نفسانی کی محبت نے ان کو آخرت اور انجام میں غور وفکر کرنے سے اندھا کر دیا ہے، حالانکہ یہ دنیا کی زندگی لہو ولعب کے سوا کچھ نہیں اور اصلی زندگی جو لافانی اور جاودانی ہے وہ آخرت کی زندگی ہے، مذکورہ آیت میں بھی دنیوی زندگی کو لہو ولعب فرمایا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح کھیلوں کا کوئی ثبات وقرار نہیں ہوتا اور نہ ان سے کوئی بڑا مقصد حل ہوتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد سب تماشہ ختم ہو جاتا ہے یہی حال اس دنیا کا ہے۔

اس کے بعد کی آیت میں ان مشرکوں کے قول میں تضاد کو بیان فرمایا گیا ہے جیسے یہ لوگ تخلیق کائنات میں اللہ کو منفرد ماننے کے باوجود اس جہالت کے شکار ہیں کہ بت خدائی میں شریک ہیں اور جب کوئی بڑی مصیبت آپڑتی ہے تو اس مصیبت کے وقت بھی ان کو یہ یقین اور اقرار ہوتا ہے کہ اس مصیبت میں کوئی بت ہمارا مددگار نہیں بن سکتا چنانچہ ایسے موقع پر خدائے واحد ہی کو بڑے اخلاص اور یقین کے ساتھ پکارتے ہیں۔

اس تناقض کو حضرت عکرمہ بن ابی جہل سمجھ گئے تھے جس کی وجہ سے ان کو قبول اسلام کی توفیق حاصل ہوگئی ان کے بارے میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد یہ مکہ سے فرار ہوگئے تاکہ نبی ﷺ کی گرفت سے بچ سکیں، یہ حبشہ جانے کیلئے ایک کشتی میں سوار ہوئے کشتی گرداب میں پھنس گئی تو کشتی میں سوار لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ پورے خلوص سے رب سے دعائیں کرو اس لئے کہ یہاں اس کے علاوہ کوئی نجات دینے والا نہیں، حضرت عکرمہ نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہاں سمندر میں اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا اور اسی وقت اللہ سے عہد کر لیا کہ اگر میں یہاں سے بخیریت ساحل پر پہنچ گیا تو میں محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا یعنی مسلمان ہو جاؤں گا، چنانچہ یہاں سے نجات پا کر انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ (ابن کثیر بحوالہ سیرت محمد بن اسحاق)

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ بعض مشرک اپنے شرک وکفر کا ایک عذر یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ہم آپ کے دین کو تو حق اور درست مانتے ہیں لیکن اس کی پیروی کرنے اور مسلمان ہو جانے میں ہم اپنی جانوں کا خطرہ محسوس کرتے ہیں، کیونکہ پورا عرب اسلام کے خلاف ہے ہم اگر مسلمان ہو گئے تو باقی عرب ہمیں اچک لیجائیں گے اور مار ڈالیں گے۔ (کما روی عن عباس، روح)

اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا یہ عذر بھی لغو ہے کیونکہ اہل مکہ کو تو حق تعالیٰ نے بیت اللہ کی وجہ سے وہ شرف اور بزرگی دی ہے جو دنیا میں کسی مقام کے لوگوں کو حاصل نہیں ہے، حق تعالیٰ نے مکہ کی پوری زمین کو حرم بنا دیا عرب کے باشندے مومن ہوں یا کافر سب کے سب حرم کا احترام کرتے ہیں اس میں قتل وقتال ناجائز سمجھتے ہیں، حرم میں انسان تو انسان وہاں کے شکار کو قتل کرنا اور وہاں کے درختوں کو کاٹنا بھی کوئی جائز نہیں سمجھتا، باہر کا کوئی آدمی اگر حرم میں داخل ہو جائے تو وہ بھی قتل سے مامون ہو جاتا ہے تو مکہ مکرمہ کے باشندوں کو اسلام قبول کرنے سے جانوں کا خطرہ بتلانا بھی ایک عذر لنگ ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا جہاد کے اصل معنی دین میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے میں اپنی پوری توانائی صرف کرنے کے ہیں، ان میں وہ رکاوٹیں بھی داخل ہیں جو کفار و فجار کی طرف سے پیش آتی ہیں کفار سے مقاتلہ اس کا اعلیٰ فرد ہے، اور وہ رکاوٹیں بھی داخل ہیں جو اپنے نفس اور شیطان کی جانب سے پیش آتی ہیں۔

جہاد کی ان دونوں قسموں پر اس آیت میں یہ وعدہ ہے کہ ہم جہاد کرنے والوں کو اپنے راستوں کی ہدایت کر دیتے ہیں یعنی ان کے قلوب کو اسی طرف پھیر دیتے ہیں جس میں ان کے لئے خیر و برکت ہو، حضرت ابوالدرداء نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ کی طرف سے جو علم لوگوں کو دیا گیا ہے، جو لوگ اپنے علم پر عمل کرنے میں جہاد کرتے ہیں ہم ان پر دوسرے علوم بھی منکشف کر دیتے ہیں، جو اب تک حاصل نہیں تھے، اور فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ جو لوگ طلب علم میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لئے عمل بھی آسان کر دیتے ہیں۔ (مظہری)

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الـرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ وهى سِتُّوْنَ او تِسعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ روم مکی ہے اور وہ ساٹھ یا انسٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓمّٓ ① اللّٰه اعلمُ بمُرادِه به غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② وهم اَهْلُ كِتَابٍ غَلَبَتْها فارسُ وَلَيْسُوْا اَهْلَ كِتَابٍ بَلْ يَعْبُدُوْنَ الاَوْثَانَ فَفَرِحَ كُفَّارُ مَكَّةَ بذلك وقَالُوْا لِلْمُسْلِمِيْنَ نحنُ نَغْلِبُكم كما غَلَبَتْ فارسُ الرُّومَ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ اى اَقْرَبِ اَرْضِ الرُّوْمِ الى فارسِ بالجَزِيْرَةِ الَّتِى فيها الْجَيْشَانِ والبَادِىْ بالغَزْوِ الفُرْسُ وَهُمْ اى الرومُ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ اُضِيْفَ الْمَصْدَرُ الى المَفْعُوْلِ اى غَلَبَةِ فارسَ اِيَّاهم سَيَغْلِبُوْنَ ③ فارسَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ هو مَا بَيْنَ الثَّلاثِ الى التِّسْعِ او العَشْرِ فَالْتَقَى الجَيْشَانِ فى السَّنَةِ السَّابِعَةِ مِنَ الالْتِقَاءِ الاوَّلِ وغَلَبَتِ الرُّوْمُ فارسَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ۭ اى مِن قَبْلِ غَلَبَةِ الرُّوْمِ ومِن بَعْدِه المعنى اَنَّ غَلَبَةَ فارسَ اَوَّلاً وغَلَبَةَ الرُّوْمِ ثانيًا بِاَمْرِ اللّٰهِ اى إرادتِه وَيَوْمَىِٕذٍ اى يَوْمَ تَغْلِبُ الرُّوْمُ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ④ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ اِيَّاهُم عَلَى فارسَ وقد فَرِحُوْا بذلك وعَلِمُوْا به يَوْمَ وُقُوْعِه يَوْمَ بَدْرٍ بِنُزُوْلِ جِبْرَئِيْلَ بذلك فيه مَعَ فَرَحِهم بنَصْرِهم على المُشْرِكِيْنَ فيه يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الغَالِبُ الرَّحِيْمُ ⑤ بالمُؤْمِنِيْنَ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ مَصْدَرٌ بُدِّلَ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِه والاَصْلُ وَعَدَهم اللّٰهُ النَّصْرَ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ به وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اى كُفَّارَ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑥ وَعْدَه تعالى بنَصْرِهم يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ اى مَعَايِشَها مِنَ التِّجَارَةِ والزِّرَاعَةِ والبِنَاءِ والغَرْسِ وغَيرِ ذٰلك وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ⑦ إعادَةُ هم تاكيدٌ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ لِيَرْجِعُوْا عَنْ غَفْلَتِهم مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ لِذٰلك تَفْنَى عِنْدَ انْتِهَائِه وبَعْدَهُ البَعْثُ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ اى كفارَ مكةَ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ⑧ اى لا يُؤْمِنُوْنَ بالبَعْثِ بَعْدَ المَوْتِ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ مِنَ الأُمَمِ وهى إهلاكُهم بتَكْذِيْبِهم رُسُلَهم كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً كعَادٍ وثَمُوْدَ وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ حَرَثُوْها وقَلَبُوْها للزَّرْعِ والغَرْسِ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا اى كُفَّارُ مَكَّةَ وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ بِالحُجَجِ

الطَّائِرَاتِ ﴿فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ﴾ بِاِهْلَاكِهِمْ بِغَيْرِ جُرْمٍ ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾⑨ بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ ﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ أَسَاءُوا السُّوْأَىٰ﴾ تَانِيْثُ الْاَسْوَءِ، الْاَقْبَحِ خَبَرُ كَانَ عَلٰى رَفْعِ عَاقِبَةُ وَاسْمُ كَانَ عَلٰى نَصْبِ عَاقِبَةَ وَالْمُرَادُ بِهَا جَهَنَّمُ وَاِسَاءَتُهُمْ ﴿أَنْ﴾ اَيْ بِاَنْ ﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ الْقُرْاٰنِ ﴿وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾⑩ ع

ترجمہ: الٓمّٓ اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے رومی مغلوب ہو گئے اور وہ اہل کتاب ہیں ان کو اہل فارس نے مغلوب کر دیا اور وہ اہل کتاب نہیں ہیں، بلکہ بت پرست ہیں، اس خبر سے اہل مکہ خوش ہوئے اور مسلمانوں سے کہا ہم تم کو اسی طرح مغلوب کر دیں گے جس طرح اہل فارس نے رومیوں کو قریبی زمین میں یعنی جزیرۂ روم کے اس علاقہ میں جو فارس سے بہت قریب تھا، جہاں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تھا اور وہ یعنی رومی مغلوب ہونے کے بعد مصدر کی اضافت مفعول کی جانب کی گئی ہے، ای غلبة فارسٍ ایاھم جنگ کی ابتداء کرنے والے اہل فارس ہیں، عنقریب چند سالوں میں اہل فارس پر غالب آجائیں گے اور وہ تین سال سے نو یا دس کے درمیان ہے چنانچہ پہلے مقابلہ کے سات سال کے بعد دونوں لشکروں کا دوبارہ مقابلہ ہوا، اور رومی فارسیوں پر غالب آ گئے، پہلے اور بعد میں اختیار اللہ ہی کو ہے یعنی روم کے غلبہ سے پہلے اور اس کے بعد، معنی یہ کہ اہل فارس کا اولاً غالب آ جانا اور رومیوں کا ثانیاً غالب آ جانا یہ (سب) اللہ ہی کے حکم اور ارادہ سے تھا، اور اس دن یعنی جس دن رومی غالب ہوں گے تو مسلمان اہل فارس کے مقابلہ ان کی اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے چنانچہ (مسلمان) اس سے خوش ہوئے، اور اس نصرت (غلبہ) کے وقوع کا علم بدر کے دن جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وحی لیکر آنے سے ہوا، اور یہ خوشی مسلمانوں کو مشرکوں پر (بدر کے دن) نصرت (غلبہ) کی خوشی کے ساتھ حاصل ہوئی وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ غالب ہے درحقیقت غالب و مہربان وہی ہے اللہ کا وعدہ ہے اس کو تلفظ میں اپنے فعل سے بدل دیا گیا ہے اور اصل یہ ہے وَعَدَھم اللّٰہ النصرَ اللہ تعالیٰ نصرت کے اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرے گا لیکن اکثر لوگ یعنی کفار مکہ مومنین سے اللہ کے نصرت کے وعدہ کو نہیں جانتے وہ تو (صرف) دنیوی زندگی کے ظاہر (ہی) کو یعنی دنیوی معاش کے طریقوں مثلاً تجارت اور زراعت اور تعمیرات اور شجر کاری وغیرہ کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل بے خبر ہیں اور لفظ ھُمْ کا اعادہ تاکید کے لئے ہے کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں اس بات پر غور نہیں کیا؟ تاکہ اپنی غفلت سے باز آ جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے (سب کو) بڑے قرینے سے اور مقررہ وقت تک کے لئے پیدا فرمایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اپنی مدت پوری ہونے کے بعد فنا ہو جائے گا اور اس کے بعد (زندہ ہو کر) اٹھنا ہوگا یقیناً اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یقین نہیں رکھتے، کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان کے پہلے لوگوں یعنی سابقہ امتوں کا کیا انجام ہوا؟ اور وہ ان کی ہلاکت ہے ان کے رسول کی تکذیب کرنے کی وجہ سے اور وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور تھے مثلاً عاد اور ثمود اور انہوں نے (بھی) زمین کو جوتا اور زراعت و شجر کاری کے لئے اس کو الٹ پلٹ کیا اور مکہ والوں سے اس کو زیادہ آباد

گیا، اور ان کے پاس ان کے رسول روشن یعنی واضح دلائل لے کر آئے یہ تو ناممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ بغیر جرم کے ان کو ہلاک کر کے ان پر ظلم کرتا لیکن (اصل بات یہ ہے) کہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر اپنے رسولوں کی تکذیب کر کے ظلم کرتے تھے آخرش برا کرنے والوں کا بہت ہی برا انجام ہوا السُّوْای، اَسْوَءُ کی تانیث ہے بمعنی اقبح اگر عاقبۃُ پر رفع ہو تو سُوْآی کان کی خبر ہوگی اور کان فعل کی تذکیر عاقبۃً کے مؤنث مجازی ہونے کی وجہ سے ہوگی اور اگر عاقبۃ پر نصب ہو تو (السُّوْای) کان کا اسم ہوگا اور (بدانجامی) سے مراد جہنم ہے اور ان کی بدانجامی کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں قرآن کی تکذیب کی اور وہ ان (آیتوں) کا مذاق اڑاتے تھے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: غُلِبَتِ الرُّوْمُ روم ایک قبیلہ کا نام ہے جو کہ ان کے جد امجد روم بن عیصو بن اسحٰق بن ابراہیم کے نام سے موسوم ہے، عیصو اپنے بھائی یعقوب کے ساتھ اپنی ماں کے بطن میں تھے جب ان کی ولادت کا وقت آیا تو عیصو نے حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا مجھے پہلے نکلنے دے اور اگر تو مجھے پہلے نہیں نکلنے دے گا تو میں تیرے برابر سے ہو کر نکل جاؤں گا، تو حضرت یعقوب شفقۃً پیچھے ہٹ گئے، یہی وجہ ہے کہ حضرت یعقوب ابوالانبیاء ہوئے اور عیصو ابوالجبارین ہوئے (جمل) الجزیرۃ دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ کو کہا جاتا ہے، یہاں جزیرۃ العرب مراد نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: بالجزیرۃ محذوف کے متعلق ہو کر الارض کی صفت ہے ای ارض الروم الکائنۃ بالجزیرۃ وقَدْ فرِحوا بذٰلِكَ ای بنصرہٖ.

قَوْلُہٗ: یَوْمَ وُقُوعِهٖ یومَ بَدْرٍ یومَ بدرٍ یومَ وقوعِهٖ سے بدل ہے بنزول، عَلِمُوا سے متعلق ہے یعنی روم کے غلبہ کا علم واقعہ بدر کے دن ہوا رومیوں کو غلبہ اس روز ہوا جبکہ مسلمانوں کو مشرکین پر بدر میں غلبہ حاصل ہوا اور مسلمانوں کو یہ خبر حضرت جبرئیل کے ذریعہ پہنچی۔

تفسیر و تشریح

ربط و شان نزول:

سورۂ عنکبوت کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے راستہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے راستہ کھول دینے اور ان کے مقاصد میں کامیابی کی بشارت دی تھی، سورۂ روم کی ابتداء جس قصہ سے ہوئی ہے وہ اسی نصرت الٰہیہ کا مظہر ہے اس سورت میں جو روم اور فارس کی جنگ کا واقعہ مذکور ہے، ظاہر ہے کہ دونوں فریق کفار ہی تھے، مگر ان دونوں مشرکوں میں فارس آتش پرست مشرک

تھے، اور رومی نصاریٰ اہل کتاب تھے، ظاہر ہے کہ دونوں قسم کے مشرکوں میں سے اہل کتاب مسلمانوں سے نسبتاً قریب ہیں، اس لئے کہ دونوں اہل کتاب ہیں، اور اسی قدر مشترک سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس مکتوب میں کام لیا جو روم کے بادشاہ کو دعوت اسلام دینے کے لئے بھیجا تھا اور وہ تَعَالَوْا اِلیٰ کلمةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُم ہے۔

آنحضرت ﷺ کے مکہ کے قیام کے دوران روم اور فارس کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے گویا کہ دونوں حالت جنگ میں تھے، آخر کار دونوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور ابتداء فارس نے کی تھی اس جنگ میں اہل مکہ کی ہمدردیاں اہل فارس کے ساتھ تھیں اس لئے کہ اہل فارس اور اہل مکہ دونوں مشرک تھے اور مسلمانوں کی ہمدردیاں قدرتی طور پر رومیوں کے ساتھ تھیں، مشرکین مکہ کی یہ خواہش تھی کہ اہل فارس فتح مند ہوں اور مسلمانوں کی یہ تمنا تھی کہ رومی غالب ہوں، یہ جنگ رومیوں کے اس علاقہ میں ہوئی جو عرب کا علاقہ فارس سے بہت قریب تھا یہ جنگ اذرعات اور بصرہ کے علاقہ میں ہوئی، اس جنگ میں فارس نے روم کو شکست دیدی یہاں تک کہ قسطنطنیہ بھی فتح کرلیا اور وہاں اپنی عبادت کے لئے ایک آتش کدہ تعمیر کیا اور یہ فتح کسریٰ پرویز کی آخری فتح تھی، اس کے بعد اس کا زوال شروع ہوا، اور پھر مسلمانوں کے ہاتھوں حضرت عمر کے دور خلافت میں اس کا خاتمہ ہوگیا (جمل وقرطبی) اس واقعہ سے مشرکین مکہ نے خوشیاں منائیں اور مسلمانوں کو عار دلائی کہ تم جس کو چاہتے تھے وہ ہار گیا، اور جس طرح اہل کتاب رومیوں کو فارس کے مقابلہ میں شکست ہوئی ہے ہمارے مقابلہ میں تم کو بھی شکست ہوگی اس سے مسلمانوں کو رنج ہوا۔ (معارف)

سورۂ روم کی ابتدائی آیتیں اسی واقعہ سے متعلق نازل ہوئی ہیں، جن میں پیشین گوئی اور بشارت دی گئی ہے کہ چند سال بعد پھر رومی فارسیوں پر غالب آجائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب یہ آیات سنیں تو اس قدر پختہ یقین کرلیا کہ مکہ کے اطراف اور مشرکین کے مجامع اور بازار میں اعلان کرتے پھرتے تھے کہ تمہارے خوش ہونے کا کوئی موقع نہیں چند سال میں پھر روم فارس پر غالب آجائیں گے، مشرکین مکہ میں سے ابی بن خلف جمحی کھڑا ہوا اور کہا کذبتَ تو جھوٹا ہے، تو حضرت ابوبکر صدیق نے کہا انتَ اکذب یاعدو اللّٰہ تو جھوٹوں کا سردار ہے اے اللہ کے دشمن اور فرمایا میں تجھ سے اس بات پر شرط لگاتا ہوں کہ اگر رومی جیت گئے تو دس اونٹ تو مجھے دینا اور اگر ہار گئے تو میں دوں گا اور تین سال کی مدت مقرر ہوئی، (اس وقت تک اس قسم کی شرط حرام نہیں ہوئی تھی) شرط لگا کر ابوبکر صدیق آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو تین سال کی مدت بیان نہیں کی تھی کیونکہ قرآن میں بضع سنین مذکور ہے جس کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے، تم جاؤ اور جس سے یہ معاہدہ ہوا ہے اس سے کہہ دو کہ میں دس اونٹوں کے بجائے سو اونٹوں کی شرط لگاتا ہوں مگر مدت تین سال کے بجائے نو سال ہوگی، بعض روایات میں ہے کہ سات سال مقرر کی، چنانچہ حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جاکر ابی بن خلف سے دوبارہ بات کی تو وہ راضی ہوگیا، جب ابی بن خلف کو یہ خطرہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ ابوبکر ہجرت کرکے چلے جائیں اور شرط کی رقم میں وصول نہ کرسکوں، چنانچہ ابی بن خلف ابوبکر صدیق کے پاس آیا اور کہا مجھے اندیشہ

ہے کہ کہیں تم مکہ چھوڑ کر چلے جاؤ لہٰذا مجھے ضامن دو چنانچہ حضرت ابوبکر نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمٰن کی ضمانت دی جب ابی بن خلف نے جنگ میں شرکت کے لئے احد جانے کا ارادہ کیا تو عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے اس کو پکڑا اور کہنے لگے کہ کفیل دیکر جاؤ جب تک کفیل نہ دوگے میں تم کو ہرگز نہ چھوڑوں گا چنانچہ ابی بن خلف نے مجبوراً کفیل دیدیا، اور احد کی جنگ میں شریک ہونے کے لئے چلا گیا، احد سے آنحضرت ﷺ کی تلوار سے زخم خوردہ ہو کر واپس آیا اور اسی زخم کی وجہ سے کچھ روز بعد مر گیا، روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شرط کا یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل پیش آیا تھا اور سات سال پورے ہونے پر غزوۂ بدر کے وقت رومی اہل فارس پر غالب آگئے اس صورت میں شرط کا معاملہ ہجرت سے پانچ سال پہلے واقع ہوا، مگر اس روایت کو صحیح ماننے کی صورت میں دشواری یہ پیش آتی ہے کہ یہ بات طے ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے شرط کی رقم (سواونٹ) ابی بن خلف کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں سے وصول کی ہیں اور ابی بن خلف کا انتقال غزوۂ احد کے بعد ہوا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ رومیوں کے غلبہ کی اطلاع کے وقت جو کہ غزوۂ بدر میں ہوئی ابی بن خلف زندہ تھا اس لئے کہ اس کا انتقال غزوۂ احد کے بعد ہوا ہے، تو پھر شرط کی رقم کے ورثاء سے وصول کرنے کے کیا معنی؟ البتہ تطبیق کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ ابی بن خلف نے شرط کی رقم (اونٹ) دینے میں تاخیر کی ہو ٹال مٹول کرتے کرتے ایک سال کا عرصہ نکالدیا ہو اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا ہو جس کی وجہ سے اس کے وارثوں سے رقم وصول کی گئی ہو۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ رومیوں کا غلبہ صلح حدیبیہ کے وقت ہوا تھا اخرجہ الترمذی وحسّنہ (روح المعانی) اس روایت کے مطابق حضرت ابوبکر اور ابی بن خلف کی شرط کا معاملہ ہجرت سے ایک سال پہلے ماننا ہوگا جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے اس صورت میں ابی بن خلف کے ورثاء سے شرط کی رقم (سواونٹ) وصول کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہوگا اس لئے کہ ابی بن خلف غزوۂ احد کے بعد متصلاً مر چکا تھا، صاحب جمل نے یوم بدر والی روایت کو قیل سے بیان کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کی روایت راجح ہے اگرچہ اکثر محدثین نے غزوۂ بدر کے موقع ہی کو رومیوں کی فتح کا وقت قرار دیا ہے۔

جب شرط کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جیت گئے اور سواونٹ ان کو ہاتھ آئے تو سب کو لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا ان اونٹوں کو صدقہ کردو اور حضرت براء بن عازب کی روایت سے اس میں یہ الفاظ منقول ہیں **هٰذا سحت تصدق به** یہ تو حرام ہے اس کو صدقہ کردو۔ (روح المعانی)

مَسْئَلَہ: قمار یعنی جوا، از روئے نصوص قرآنی قطعی حرام ہے، ہجرت مدینہ کے بعد جس وقت شراب حرام کی گئی اسی کے ساتھ قمار بھی حرام کردیا گیا تھا اور اس کو شیطانی عمل قرار دیا **انما الخمر والميسرُ والأنصابُ والأزلام رجسٌ من عمل الشيطٰن** اور یہ دو طرفہ شرط جو حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ابی بن خلف کے ساتھ ٹھہرائی تھی یہ بھی ایک قسم کا جوا ہی تھا، مگر یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے جب قمار حرام نہیں ہوا تھا، لہٰذا اس وقت شرط میں جیتا ہوا مال حرام نہیں تھا۔

اس لئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے صدقہ کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ اس کا جواب حضرات فقہاء نے یہ دیا ہے کہ یہ مال اگرچہ اس وقت حلال تھا مگر قمار کے ذریعہ اکتساب مال اس وقت بھی آپ کو پسند نہیں تھا اس لئے صدیق

اکبر کی شان کے مناسب نہ سمجھ کر ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ شراب حلال ہونے کے زمانہ میں بھی آپ ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی استعمال نہیں فرمائی۔

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وهم عن الآخرة هم غفلون یعنی یہ لوگ دنیا کے ایک پہلو کو تو خوب جانتے ہیں کہ تجارت کس طرح کریں؟ کس مال کی کریں، کہاں سے خریدیں اور کہاں فروخت کریں؟ لیکن اسی حیات دنیا کا دوسرا پہلو جو اس کی حقیقت اور اس کے اصلی مقصد کو واضح کرتا ہے کہ دنیا کا چند روزہ قیام درحقیقت ایک مسافرانہ قیام ہے انسان یہاں کا مقامی (نیشنل) نہیں بلکہ دوسرے ملک کا باشندہ ہے یہاں کچھ مدت کے لئے ویزا پر آیا ہے، اس کا اصلی کام یہ ہے کہ اپنے اصلی وطن کے لئے یہاں سے سامان راحت فراہم کر کے وہاں بھیجے اور وہ سامان راحت ایمان اور عمل صالح ہے، اس دوسرے رخ سے بڑے بڑے عاقل کہلانے والے غافل اور بے خبر ہیں۔ (معارف)

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ کیا لوگ اپنی ذات اور خدا کی کائنات میں غور نہیں کرتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین و آسمان اور دنیا کی ہر شئ کو کس قدر بہترین قرینے سے پیدا فرمایا ہے کوئی شئ خدا کی کائنات میں بے مقصد اور بے فائدہ نہیں، اگر یہ لوگ صرف اپنے وجود ہی میں غور کرلیں کہ کس طرح نیست سے ہست کیا اور ایک حقیر و بے قدر پانی سے ان کی تخلیق کی اگر یہ لوگ اپنی ذات اور خدا کی کائنات میں غور و فکر کرتے تو یقیناً اللہ کے وجود، اس کی ربوبیت، اس کی الوہیت اور اس کی قدرت مطلقہ کا انہیں ادراک واحساس ہو جاتا اور اس پر ایمان لے آتے، نیز یہ حضرات تجارت کے سلسلہ میں شام و یمن کا سفر کرتے ہیں اور اس سفر کے دوران عاد و ثمود کی بستیوں پر سے ان کا گذر ہوتا ہے تو کیا ان کے خرابات و کھنڈرات کو نہیں دیکھتے؟ یقیناً دیکھتے ہیں مگر ان کی تباہی کے اسباب پر غور و فکر نہیں کرتے اگر یہ ان قوموں کی تباہی کے اسباب اور ان کے عبرتناک انجام پر غور کریں تو یقیناً ان کو ہدایت ہو سکتی ہے۔

قَوْلُهٗ: سُوْآی بروزن فُعْلٰی سوْءٌ سے اَسْوَءُ کی مؤنث ہے جیسے حُسْنٰی اَحْسَنُ کی تانیث ہے یعنی ان کا جو انجام ہوا وہ بدترین انجام تھا۔

اَللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ای یُنْشِئُ خَلْقَ النَّاسِ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ای خَلْقَهم بَعْدَ مَوْتِهِم ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑪ بالتاء والیاء وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑫ یَسْکُتُ المُشْرِکُوْنَ لِانْقِطَاعِ حُجَّتِهِم وَلَمْ یَکُنْ ای لا یَکُوْنُ لَّهُمْ مِّنْ شُرَکَآئِهِمْ مِمَّنْ اَشْرَکُوهُم بِاللّٰهِ وهم الاصنامُ لِیَشْفَعُوْا لهم شُفَعٰٓؤُا وَکَانُوْا ای یَکُوْنُوْنَ بِشُرَکَآئِهِمْ کٰفِرِیْنَ ⑬ ای مُتَبَرِّئِیْنَ منهم وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَئِذٍ تاکید یَّتَفَرَّقُوْنَ ⑭ ای المُؤْمِنُوْنَ والکافرون فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ جَنَّةٍ یُّحْبَرُوْنَ ⑮ یُسَرُّوْنَ وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا القُرآن وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ البَعْثِ وغیرہ فَاُولٰٓئِکَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ⑯ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ ای

سَبِّحوا اللّٰہَ بِمَعْنٰی صَلُّوْا **حِيْنَ تُمْسُوْنَ** ای تَدْخُلُوْنَ فِی الْمَسَاءِ وفیہ صَلاتَانِ المَغْرِبُ والعِشَاءُ **وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ**۝ تَدْخُلُوْنَ فِی الصَّبَاحِ وفیہ صَلوٰةُ الصُّبْحِ **وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اِعْتِرَاضٌ ومعناہ یَحْمَدُہٗ اَہْلُہُمَا **وَعَشِيًّا** عَطْفٌ عَلٰی حِيْنَ وفیہ صَلوٰةُ العَصْرِ **وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ**۝ تَدْخُلُوْنَ فِی الظَّہِیْرَةِ وفیہ صَلوٰةُ الظُّہْرِ **يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ** کَالْاِنْسَانِ مِنَ النُّطْفَةِ وَالطَّائِرِ مِنَ البَیْضَةِ **وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ** النُّطْفَةَ وَالبَیْضَةَ **مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ** بِالنَّبَاتِ **بَعْدَ مَوْتِهَا** ای یُبْسِہَا **وَكَذٰلِكَ** الاِخْرَاجِ **تُخْرَجُوْنَ**۝ مِنَ القُبُوْرِ بِالبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کی ابتداء کرتا ہے یعنی انسانوں کی تخلیق کو ظاہر کرتا ہے (عدم سے وجود میں لاتا ہے) اور پھر وہی ان کے مرجانے کے بعد ان کی تخلیق کا اعادہ کرے گا پھر تم سب اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے تا اور یا کے ساتھ اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مجرم حیرت زدہ رہ جائیں گے اور مشرکین لاجواب ہوجانے کی وجہ سے ساکت (وصامت) رہ جائیں گے، اور ان کا ان کے شرکاء میں سے کوئی سفارشی نہ ہوگا (یعنی) ان شرکاء میں سے جن کو انہوں نے اللہ کا شریک قرار دیا تھا تاکہ ان کی سفارش کریں، اور وہ بت ہیں، اور یہ بت پرست اپنے شرکاء کا انکار کردیں گے یعنی ان سے اظہار براءت کردیں گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مومنین اور کفار الگ الگ ہوجائیں گے یَوْمَئِذٍ (پہلے یوم کی) تاکید ہے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے تو وہ جنت کے باغوں میں خوش وخرم ہوں گے لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں قرآن کو اور آخرت کے پیش آنے کو یعنی بعث (بعد الموت) وغیرہ کو جھٹلایا ایسے ہی لوگ ہیں جو عذاب میں گرفتار ہوں گے پس اللہ کی تسبیح بیان کیا کرو یعنی جب تم شام کے وقت میں داخل ہو تو نماز پڑھا کرو سبحوا بمعنی صلوا ہے اور اس وقت میں دو نماز ہیں مغرب اور عشاء اور جب تم صبح میں داخل ہو تو نماز پڑھا کرو (یعنی جب صبح کرو) اور اس وقت میں صبح کی نماز ہے آسمانوں اور زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے یہ جملہ معترضہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ زمین اور آسمانوں والے اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور شام کے وقت میں (نماز پڑھا کرو) اس کا عطف حین پر ہے اور اس وقت میں عصر کی نماز ہے اور جب تم دوپہر کے وقت میں داخل ہو (نماز پڑھا کرو) اور اس وقت میں ظہر کی نماز ہے (وہی) زندہ کو مردے سے نکالتا ہے جیسا کہ انسان کو نطفہ سے اور پرندے کو انڈے سے اور مردے کو جیسا کہ نطفہ اور انڈے کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو نباتات کے ذریعہ اس کے مردہ ہونے یعنی خشک ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم کو بھی نکالا جائے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: یَبْدَؤُا الخلق ماضی کے بجائے مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا تاکہ تجدد پر دلالت کرے اس لئے بدا اور خلق ہر آن اور ہر لحہ ہوتا رہتا ہے اور تجدد جب تک دنیا رہے گی ہوتا رہے گا یَبْدَؤُا، میں واو جمع کا نہیں ہے مشابہ جمع ہونے کی

وجہ سے اس کے آخر میں الف لکھا گیا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا اور نہ پڑھنے کی علامت کے طور پر اس الف پر ایک چھوٹا سا گول دائرہ بنا رہتا ہے۔

قولہ: یُنْشِئُ یَبْدَؤُا کی تفسیر یُنْشِئُ سے بیان معنی کے لئے کی ہے اس کے معنی ہیں ظاہر کرنا عدم سے وجود میں لانا یَوْمَ تقومُ الساعة یُبْلِسُ کا ظرف مقدم ہے۔

قولہ: لا یکونُ، لمْ یکن کی تفسیر لا یکون سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ لم یکن اگرچہ ماضی کے معنی میں ہے مگر یہاں مضارع ہی کے معنی مراد ہیں۔

قولہ: بشر کائهم کافرون، بشر کائهم کافرین کا متعلق مقدم ہے۔

قولہ: یُحْبَرُوْنَ، حَبْرٌ سے مضارع جمع مذکر غائب (ن) ان کو خوش کیا جائے گا، ان کی عزت کی جائے گی۔

قولہ: بمعنی صلوا، سبّحوا کی تفسیر صلّوا سے کرکے اشارہ کردیا کہ تسبیح قولی، فعلی، قلبی تینوں طریقہ سے ہوتی ہے اور صلوٰۃ ان سب کو جامع ہے نیز سبحٰن اللّٰہ کی تفسیر سبّحوا اللّٰہ سے کرکے اشارہ کردیا کہ خبر بمعنی امر ہے اور سبحٰن مصدر ہے اس سے پہلے فعل محذوف ہے ای سبّحوا سبحانًا۔

قولہ: تمسُوْنَ اور تُصْبِحُوْنَ کی تفسیر تدخلون سے کرکے اشارہ کردیا کہ دونوں فعل تام ہیں اس آیت میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے۔

قولہ: اعتراض یعنی معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

تفسیر و تشریح

اللہ تعالیٰ جس طرح پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح دوسری مرتبہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اس لئے کہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے مشکل نہیں ہوتا اور یہ انسانوں کے اعتبار سے ہے ورنہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے نہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل اور نہ دوسری مرتبہ اعادہ یُبْلِسُ المجرمون ابلاس کے معنی ہیں اپنے موقف و مدعیٰ پر کوئی دلیل نہ پیش کرسکنا اور حیران ساکت وصامت کھڑے رہ جانا، اسی کو ناامیدی کے مفہوم سے بھی تعبیر کردیتے ہیں، روز قیامت کافروں اور مشرکوں کا یہی حال ہوگا۔

وکانوا بشر کائهم کافرین جن معبودوں کی مشرکین یہ سمجھ کرکہ یہ ہماری سفارش کریں گے قیامت کے دن جب یہ دیکھیں گے کہ یہ تو کسی کرت کے نہیں کیونکہ یہ تو کسی کو کوئی فائدہ پہنچانے پر قطعاً قادر ہی نہیں ہیں تو ان کی الوہیت کے منکر ہوجائیں گے فَهُمْ فی روضةٍ یُحْبَرُوْنَ یحبرون حبور سے مشتق ہے جس کے معنی سرور اور خوشی کے ہیں اور اس لفظ کے عموم میں ہر قسم کی خوشی اور سرور و مسرت نیز نعمتہائے جنت داخل ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ تعالى الدالة على قدرته تعالى **اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ** اى اصلكم ادم **ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ** من دم ولحم **تَنْتَشِرُوْنَ** ﴿۲۰﴾ فى الارض **وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا** فخلقت حواء من ضلع ادم وسائر النساء من نطف الرجال والنساء **لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا** وتألفوها **وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ** جميعا **مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** المذكور **لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ** ﴿۲۱﴾ فى صنع الله تعالى **وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ** اى لغاتكم من عربية وعجمية وغيرهما **وَاَلْوَانِكُمْ ۭ** من بياض وسواد وغيرهما وانتم اولاد رجل واحد وامرأة واحدة **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ** دلالات على قدرته تعالى **لِّلْعٰلِمِيْنَ** ﴿۲۲﴾ بفتح اللام وكسرها اى ذوى العقول واولى العلم **وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ** بارادته تعالى راحة لكم **وَابْتِغَاۗؤُكُمْ** بالنهار **مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ** اى تصرفكم فى طلب المعيشة بارادته **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ** ﴿۲۳﴾ سماع تدبر واعتبار **وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ** اى اراءتكم **الْبَرْقَ خَوْفًا** للمسافر من الصواعق **وَّطَمَعًا** للمقيم فى المطر **وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ** اى يبسها بان تنبت **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** المذكور **لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ** ﴿۲۴﴾ يتدبرون **وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ** بارادته من غير عمد **ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ** بان ينفخ اسرافيل فى الصور للبعث من القبور **اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ** ﴿۲۵﴾ منها احياء فخروجكم منها بدعوة من اياته تعالى **وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ** ملكا وخلقا وعبيدا **كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ** ﴿۲۶﴾ مطيعون **وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ** للناس **ثُمَّ يُعِيْدُهٗ** بعد هلاكهم **وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ** من البدء بالنظر الى ما عند المخاطبين من ان اعادة الشيء اسهل من ابتدائه والا فهما عنده تعالى سواء فى السهولة **وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ** اى الصفة العليا وهى انه لا اله الا هو **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** فى ملكه **الْحَكِيْمُ** ﴿۲۷﴾ فى خلقه.

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں سے کہ جو اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں یہ ہے کہ اس نے تم کو یعنی تمہاری اصل آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب دفعۃً تم خون اور گوشت کے انسان بن کر زمین میں پھیلے پھرتے ہو اور اسی کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں چنانچہ حواء کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا اور (دیگر) تمام عورتوں کو مردوں اور عورتوں کے نطفہ سے پیدا کیا گیا تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اور ان سے الفت کرو اور تم سب کے اندر محبت اور ہمدردی پیدا کی یقیناً ان مذکورہ چیزوں میں اللہ کی کاری گری میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے (قدرت) کی نشانیاں ہیں اور اسی کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور

زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں یعنی لغات کا (اختلاف ہے) بعض عربی اور بعض عجمی وغیرہ اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے کسی کا رنگ سفید اور (کسی کا) کالا وغیرہ حالانکہ تم سب ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد ہو دانشمندوں کے لئے یقیناً ان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں العٰلَمِیْنَ فتحۂ لام اور کسرۂ لام کے ساتھ ہے یعنی عقل وعلم رکھنے والوں کے لئے اور اس کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن میں اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے تمہاری راحت کے لئے سونا (بھی) ہے اور دن میں تمہارا اس کی روزی میں سے طلب کرنا ہے یعنی طلب رزق کے لئے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے تمہارا چلت پھرت (کوشش) کرنا ہے بلاشبہ اس امر میں بھی ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر اور عبرت کے لئے سنتے ہیں (قدرت کی) نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے مسافروں کو ڈرانے کے لئے اور مقیموں کو بارش کی امید دلانے کے لئے بجلی چمکا کر دکھانا (بھی) ہے اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے جس کے ذریعہ مردہ یعنی خشک زمین کو زندہ کر دیتا ہے اس طریقہ سے کہ وہ زمین گھاس اگانے لگتی ہے بلاشبہ ان مذکورہ باتوں میں (بھی) غور وفکر کرنے والوں کے لئے (قدرت) کی نشانیاں ہیں اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ (بھی) ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم یعنی ارادہ سے بغیر ستون کے قائم ہیں پھر جب وہ تمہیں آواز دے گا تو ایک ہی آواز میں بایں طور کہ اسرافیل علیہ الصلاۃ والسلام قبروں سے اٹھانے کے لئے صور پھونکیں گے تو تم اچانک زمین یعنی قبروں سے زندہ ہو کر نکل آؤ گے، تو تمہارا قبروں سے ایک ہی آواز میں نکل آنا خدا کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے ہے اور زمین وآسمان کی ہر شئ اسی کی ہے ملک ہونے کے اعتبار سے اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے اور غلام ہونے کے اعتبار سے اور ہر شئ اسی کی فرمانبردار ہے وہی ہے جو اول بار لوگوں کو پیدا کرتا ہے پھر اس کے ہلاک ہونے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ (اعادہ) اس کے لئے ابتداء تخلیق سے بہت آسان ہے مخاطبین کی نسبت کا اعتبار کرتے ہوئے، اس لئے کہ شئ کا اعادہ اس کی ابتداء سے آسان ہوتا ہے ورنہ تو ابتداء اور اعادہ اللہ تعالیٰ کیلئے سہولت کے اعتبار سے برابر ہے آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان اعلیٰ ہے یعنی اسی کی صفت اعلیٰ ہے اور وہ یہ کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہی اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی تخلیق میں حکمت والا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اَصْلَکُمْ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ خَلَقَکُمْ میں کُمْ سے پہلے مضاف محذوف ہے اور یہ بھی بتادیا کہ اصل سے مراد آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔

قولہ: ثُمَّ، ثم سے تعبیر کر کے تاخیر تغیرات کی طرف اشارہ کر دیا اس لئے کہ غذا اولاً نطفہ بنتی ہے پھر علقہ اور پھر مضغہ اور ان سب تغیرات کا وقفہ چالیس، چالیس ایام ہوتا ہے اور جب ایک سو بیس ایام ہو جاتے ہیں تو اس گوشت پوست کے لوتھڑے میں روح پھونک دی جاتی ہے تو وہ دفعۃً بشر ہو جاتا ہے اِذَا مفاجاتیہ ہے اگرچہ اذا مفاجاتیہ اکثر فا کے بعد آتا ہے مگر بعض اوقات

واؤ کے بعد بھی آتا ہے، اذا مفاجاتیہ لانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جب مذکورہ تینوں تغیرات مکمل ہوجاتے ہیں تو پھر بشر بننے میں دیر نہیں لگتی ادھر روح پھونکی ادھر بشر بن کر تیار ہوگیا۔

قولہ: ومِنْ آیاتِہٖ یُرِیکُمُ البَرْقَ.

قولہ: یُرِیکم اصل میں اَنْ یُرِیکم تھا جس کی وجہ سے یُرِیکم اراءتکم مصدر کے معنی میں ہے اَن مصدریہ کو حذف کر دیا گیا مفسر علام نے یُرِیکم کی تفسیر اراءتکم سے کرکے اسی حذف ان مصدریہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور اَن مصدریہ کو کلام عرب میں حذف کرنا شائع ذائع ہے، جیسے۔ ؎

تَسْمَعُ بالمُعَیْدی خیرٌ مِن أن تراہ

ای اَنْ تَسْمَعَ، یُرِیکم البرقَ مبتداء مؤخر ہے اور ومن آیاتہٖ خبر مقدم ہے۔

قولہ: خَوْفًا وطَمَعًا یہ یُرِیکم کے مفعول لہ ہیں۔

قولہ: ھُوَ اس کا مرجع اعادہ ہے جو یعیدہ سے مفہوم ہے ھو ضمیر کو خبر کی رعایت سے مذکر لایا گیا ہے، ھو اَھْوَن مبتدا خبر ہیں۔

قولہ: بالنظر إلی ما عند المخاطبین مفسر علام اس عبارت سے ایک شبہ کا جواب دینا چاہتے ہیں، شبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ابتداء اور اعادہ دونوں برابر ہیں یعنی آسان ہیں مگر اَھْوَن علیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی اعادہ ابتداء سے آسان ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں انسانوں کے اعتبار سے ایک اصولی بات بتائی گئی ہے اور عقل کا مقتضی بھی یہی ہے کہ ابتداءً بنانے کے اعتبار سے ثانیاً کسی چیز کا بنانا آسان ہوتا ہے، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اَھْوَنُ اسم تفضیل ھَیِّن کے معنی میں ہے اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ ہے کہ ھُوَ اَھْوَنُ علَیْہ میں علیہ کی ضمیر کا مرجع مخلوق کی طرف راجع ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اور مطلب یہ ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا، تو مخلوق کے لئے عود کرنا بہ نسبت ابتداء کے آسان ہوگا اس لئے کہ اُدھر روح کا تعلق جسم سے ہوا ادھر اعادہ ہوگیا، بخلاف ابتداء کے کہ اس میں متعدد اور مختلف تغیرات ہونے کے بعد زندگی ملتی ہے، مثلاً پہلے چالیس روز میں علقہ بنتا ہے اس کے بعد دوسرے چالیس دن میں مضغہ بنتا ہے اس طرح اس میں تاخیر ہوتی ہے جو عود کے اعتبار سے دشوار ہے۔ (حاشیہ جلالین)

تفسیر وتشریح

سورۂ روم کے شروع میں روم وفارس کی جنگ کا ایک واقعہ سنانے کے بعد منکرین وکفار کی گمراہی اور حق بات سننے سمجھنے سے بے پروائی کا سبب ان کا صرف دنیا کی فانی زندگی کو اپنا مقصد حیات بنالینا اور آخرت کی طرف کوئی توجہ نہ دینا قرار دیا گیا تھا، اس کے بعد قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حساب وکتاب اور جزاء وسزا کے واقع ہونے پر جو سطحی نظر والوں

کو استبعاد ہو سکتا تھا اس کا جواب مختلف پہلوؤں سے دیا گیا ہے، پہلے خود اپنے نفس میں غور و فکر کی، پھر گرد و پیش میں گذرنے والی اقوام کے حالات اور ان کے انجام میں نظر کرنے کی دعوت دی گئی، پھر حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر فرمایا جس کا کوئی سہیم و شریک نہیں، مذکورۃ الصدر آیات میں اسی قدرت کاملہ اور اس کی حکمت بالغہ کے چھ مظاہر آیات قدرت کے عنوان سے بیان فرمائے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں۔

مظاہر قدرت کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وَمِنْ آیَاتِہٖ کا اس موقع پر چھ مرتبہ ذکر فرمایا اور ابتداء تخلیق انسانی کے ذکر سے فرمائی ہے، اس کے بعد عالم علوی اور سفلی کی تخلیق کا ذکر فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ ان عالموں سے استفادہ کرنے کا حق انسان کو ہے اور ان کی تخلیق انسانوں ہی کے لئے ہوئی ہے، ان آیات قدرت اور مظاہر قدرت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان آیات قدرت میں غور و فکر کر کے راہ ہدایت کو اختیار کرے۔

ضَرَبَ جعل **لَكُمْ** ايها المشركون **مَّثَلًا** كائنا **مِّنْ اَنْفُسِكُمْ** وهو **هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** اى من مماليككم **مِّنْ شُرَكَآءَ** لكم **فِىْ مَا رَزَقْنٰكُمْ** من الاموال وغيرها **فَاَنْتُمْ** وهم **فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ** اى امثالكم من الاحرار والاستفهام بمعنى النفى، المعنى ليس مماليككم شركاء لكم الى آخره عندكم فكيف تجعلون بعض مماليك الله شركاء له **كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ** نبينها مثل ذلك التفصيل **لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ**﴿۲۸﴾ يتدبرون **بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا** بالاشراك **اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَّهْدِىْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ** اى لا هادى له **وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ**﴿۲۹﴾ مانعين من عذاب الله **فَاَقِمْ** يا محمد **وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا** مائلا اليه اى اخلص دينك لله انت ومن تبعك **فِطْرَتَ اللّٰهِ** خلقته **الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا** وهى دينه اى الزموها **لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ** لدينه اى لا تبدلوه بان تشركوا **ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ** المستقيم توحيد الله **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اى كفار مكة **لَا يَعْلَمُوْنَ**﴿۳۰﴾ توحيد الله **مُنِيْبِيْنَ** راجعين **اِلَيْهِ** تعالى فيما امر به ونهى عنه حال من فاعل اقم وما اريد به اى اقيموا **وَاتَّقُوْهُ** خافوه **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ**﴿۳۱﴾ **مِنَ الَّذِيْنَ** بدل باعادة الجار **فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ** باختلافهم فيما يعبدونه **وَكَانُوْا شِيَعًا** فرقا فى ذلك **كُلُّ حِزْبٍ** منهم **بِمَا لَدَيْهِمْ** عندهم **فَرِحُوْنَ**﴿۳۲﴾ مسرورون وفى قراءة فارقوا اى تركوا دينهم الذى امروا به **وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ** اى كفار مكة **ضُرٌّ** شدة **دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ** راجعين **اِلَيْهِ** دون غيره **ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً** بالمطر **اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ**﴿۳۳﴾ **لِيَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ** اريد به التهديد **فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ**﴿۳۴﴾ عاقبة تمتعكم فيه التفات عن الغيبة **اَمْ** بمعنى همزة الانكار **اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا** حجة وكتابا **فَهُوَ يَتَكَلَّمُ** تكلم دلالة **بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ**﴿۳۵﴾ اى يأمرهم بالاشراك لا

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ كُفَّارَ مَكَّةَ وَغَيْرَهُمْ رَحْمَةً نِعْمَةً فَرِحُوْا بِهَا فَرَحَ بَطَرٍ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ شِدَّةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿٣٦﴾ يَيْأَسُوْنَ مِنَ الرَّحْمَةِ وَمِنْ شَانِ الْمُؤْمِنِ اَنْ يَشْكُرَ عِنْدَ النِّعْمَةِ وَيَرْجُوْا رَبَّهُ عِنْدَ الشِّدَّةِ أَوَلَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهُ لِمَنْ يَشَآءُ امْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهُ لِمَنْ يَشَاءُ ابْتِلَاءً إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٣٧﴾ بِهَا فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى الْقَرَابَةِ حَقَّهُ مِنَ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ الْمُسَافِرَ مِنَ الصَّدَقَةِ وَاُمَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَعٌ لَهُ فِيْ ذٰلِكَ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ اَيْ ثَوَابَهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٣٨﴾ الْفَائِزُوْنَ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا بِاَنْ يُعْطِيَ شَيْئًا هِبَةً اَوْ هَدِيَّةً لِيَطْلُبَ اَكْثَرَ مِنْهُ فَسُمِّيَ بِاسْمِ الْمَطْلُوْبِ مِنَ الزِّيَادَةِ فِي الْمُعَامَلَةِ لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ الْمُعْطِيْنَ اَيْ يَزِيْدُ فَلَا يَرْبُوْا يَزْكُوْا عِنْدَ اللّٰهِ اَيْ لَا ثَوَابَ فِيْهِ لِلْمُعْطِيْنَ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ صَدَقَةٍ تُرِيْدُوْنَ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿٣٩﴾ ثَوَابَهُمْ بِمَا اَرَادُوْهُ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مِمَّنْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ لَا سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٠﴾

ترجمہ: اے مشرکو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے خود تمہاری ہی مثال بیان فرمائی اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے تم کو اموال وغیرہ دے رکھے ہیں کیا اس میں تمہارے غلاموں میں سے تمہارا کوئی شریک ہے؟ کہ تم اور وہ اس میں برابر درجہ کے ہو اور تم ان سے ایسا اندیشہ رکھتے ہو جیسا کہ خود آپس کا یعنی اپنے جیسے آزاد لوگوں کا، اور استفہام نفی کے معنی میں ہے، مطلب یہ کہ تمہارے نزدیک بھی تمہارے غلام تمہارے شریک نہیں ہیں، (الی آخرہ) یعنی ان اموال میں جو ہم نے تم کو دے رکھے ہیں تمہارے غلام تمہارے جیسے آزادوں کے مانند شریک نہیں ہیں کہ برابر کا درجہ رکھتے ہوں، تو پھر تم اللہ کے بعض غلاموں کو اس کا شریک کس طرح قرار دیتے ہو؟ ہم اسی طرح جس طرح یہ تفصیل بیان کی عقلمندوں کے لئے یعنی غور وفکر کرنے والوں کے لئے صاف صاف دلائل بیان کرتے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ شرک کرنے والے ظالم تو بغیر جانے بوجھے ہی اپنی خواہشات کی اتباع کر رہے ہیں سو جسے اللہ گمراہ کرے اس کو کون راہ (راست) پر لائے یعنی اس کو کوئی راہ پر لانے والا نہیں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا یعنی اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہیں ہوگا تو اے محمد ﷺ آپ یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین (حق) کی طرف رکھیں یعنی اپنے دین کو اللہ کے لئے آپ اور آپ کی اتباع کرنے والے خالص رکھیں خدا داد قابلیت کو جس پر لوگوں کو پیدا فرمایا ہے اور وہ اس کا دین ہے لازم پکڑو، اللہ تعالیٰ کے دین کو بدلنا نہیں چاہئے یعنی شرک کر کے دین فطرت کو تبدیل مت کرو یہی اللہ کی توحید کا قائل ہونا ہی دین مستقیم ہے لیکن اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اللہ کی توحید کو نہیں جانتے (آپ مع اپنے اصحاب کے دین کی جانب رخ رکھئے) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے ان چیزوں میں جن کا حکم کیا گیا ہے، اور جن سے منع کیا گیا ہے (منیبین) اقم

سے اور اَقِیْمُوْا سے جو مراد ہیں یعنی اَقِیْمُوْا سے حال ہے اس سے ڈرتے رہو نماز کی پابندی رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ، جنہوں نے اپنے دین کے اپنے معبودوں کے بارے میں اختلاف کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے (مِنَ الَّذِیْنَ) اعادۂ جار کے ساتھ اَلْمُشْرِکِیْنَ سے بدل ہے اور دین کے بارے میں گروہ در گروہ ہو گئے اور ان میں کا ہر گروہ اس (دین) پر جو اس کے پاس ہے خوش ہے مگن ہے اور ایک قراءت میں فَارَقُوْا ہے یعنی ان لوگوں نے اپنے اس دین کو ترک کر دیا جس دین کا ان کو حکم دیا گیا تھا اور جب لوگوں کو یعنی مکہ کے کافروں کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اس کی طرف نہ کہ اس کے غیر کی طرف رجوع ہو کر اپنے ربّ (حقیقی) کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا بارش کے ذریعہ مزا چکھا دیتا ہے تو ان میں کا ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے چاہئے کہ وہ ہماری دی ہوئی (نعمتوں) کی ناشکری کریں اس امر سے تہدید کا ارادہ کیا گیا ہے سو چند دن اور مزے اڑا لو، تمہارے مزے اڑانے کا انجام تم کو جلدی ہی معلوم ہو جائے گا اس میں غیبت سے (خطاب) کی جانب التفات ہے کیا ہم نے ان کے اوپر کوئی حجت اور کتاب نازل کی ہے کہ وہ دلالۃً ان سے شریک کرنے کے لئے کہتی ہے یعنی (وہ کتاب) (دلالت حال سے) ان کو شرک کرنے کو کہتی ہے، نہیں، اور جب ہم لوگوں یعنی مکہ کے کفار وغیرہ کو رحمت یعنی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس نعمت سے خوش ہوتے ہیں اترانے لگتے ہیں، اور اگر ان کے اعمال کے بدلے ان کو کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو وہ ایک دم رحمت سے ناامید ہو جاتے ہیں اور مومن کی شان یہ ہے کہ نعمت کے وقت شکر ادا کرے اور مصیبت کے وقت اپنے رب سے امید رکھے کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے امتحاناً اس کے رزق میں وسعت کرتا ہے اور جس کے رزق میں چاہتا ہے ابتلاءً تنگی کرتا ہے ان میں (بھی) ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ان نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں پس قرابت دار کو اس کا حق جو کہ حسن سلوک اور صلہ رحمی ہے دیجئے اور مسکین اور مسافر کو صدقہ دیجئے اور نبی ﷺ کی امت بھی اس حکم میں نبی کے تابع ہے یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں یعنی اس سے اپنے اعمال کے ثواب کے طالب ہیں ایسے ہی لوگ فائز المرام ہونے والے ہیں اور جو چیز تم زیادہ ہونے کے خیال سے دیتے ہو اس طریقہ پر کوئی چیز ہبہ یا ہدیہ کے طور پر دی اس خیال سے کہ اس سے دیئے ہوئے سے زیادہ طلب کرے تاکہ جن لوگوں کو دیا گیا ہے ان کے مال میں مل کر زیادہ ہو جائے تو وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے یعنی اس میں دینے والوں کو کوئی اجر نہیں ہے، رِبٰوا کے خیال سے (دی ہوئی چیز کا) جس کے دینے میں زیادتی مطلوب ہے اس شئ کا نام رِبٰوا رکھ دیا ہے (یعنی جو ہدیہ یا ہبہ زیادتی کے ارادہ سے دیا گیا ہے چونکہ اس میں زیادتی یعنی رِبٰوا مطلوب ہے لہٰذا اس ہبہ یا ہدیہ کا نام ہی قرآن میں رِبٰوا رکھ دیا گیا ہے) اور جو تم زکوٰۃ دو گے جس سے تمہارا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو ایسے لوگ ہی ہیں جو اپنے ثواب کو اپنے مطلوب کے مطابق دوگنا کرتے ہیں اس میں خطاب سے (غیبت) کی طرف التفات ہے اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو زندہ کرے گا تمہارے شرکاء میں بھی جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو کوئی ایسا ہے کہ جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے نہیں وہ ان کے شریک سے پاک اور برتر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: کائنًا، کائنًا محذوف مان کر اشارہ کردیا مِنْ اَنْفُسِکُمْ کائنًا سے متعلق ہو کر مثلًا کی صفت ہے اور مِنْ ابتدائیہ ہے۔

قِوْلُہٗ: مِمَّا مَلَکَتْ ایمانکم، مِن شرکاء سے حال مقدم ہے پہلا مِن ابتدائیہ ہے دوسرا تبعیضیہ ہے اور تیسرا زائدہ۔

قِوْلُہٗ: اَنتَ ومَن اتبعك اس سے اشارہ کردیا کہ اَقِمْ وَجْهَكَ میں اگرچہ خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے۔

قِوْلُہٗ: فطرتَ اللّٰه فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ اَلْزِمُوْا ہے جیسا کہ شارح رَحِمَہُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے مقدر مان کر اشارہ کردیا ہے "فطرۃ" کے معنی پیدائشی صلاحیت اور خداداد قابلیت کے ہیں "فطرت" لمبی ت کے ساتھ قرآن میں صرف اسی جگہ ہے۔

قِوْلُہٗ: لَا تُبَدِّلُوْہ اس سے شارح نے اشارہ کردیا کہ لَا تَبْدِیْلَ خبر بمعنی امر ہے، یہ بھی کہہ سکتے ہیں نفی بمعنی نہی ہے فطرۃ کی دو تفسیریں ہیں ایک فطری صلاحیت دوسری بمعنی دین اسلام دوسری تفسیر کی طرف شارح علام نے وهي دينه کہہ کر اشارہ کردیا، جس کی وجہ سے دونوں تفسیریں خلط ملط ہوگئیں، البتہ اگر وهِیَ دِیْنُهٗ کے واؤ کو اؤ کے معنی میں لے لیا جائے تو یہ اختلاط ختم ہوسکتا ہے۔ (جمل)

قِوْلُہٗ: منيبين یہ اَقِمْ اور اَقِمْ سے جو مراد ہے یعنی اقیموا سے حال ہے اس لئے کہ اَقِمْ میں اگرچہ خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے۔

قِوْلُہٗ: لِيَكْفُرُوْا کے بعد اُرِيدَ به التهديد کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ لِيكفروا میں لام امر کا ہے اور لام عاقبت بھی ہوسکتا ہے یعنی آخر کار وہ ناشکری کرنے لگتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: تَكَلَّمَ دلالةً یہاں تکلم سے مجازاً دلالت مراد ہے ورنہ تو حجت یا کتاب تکلم نہیں کرتی، البتہ مجازاً کہا جاتا ہے کتابٌ ناطقٌ ويقال هٰذا مما نَطَقَ به القرآن، بَطَرٌ بے انتہاء خوشی کا اظہار کرنا جو تکبر اور اترانے کی حد تک پہنچ جائے، شارح رَحِمَہُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے فرحَ بَطَرٍ کا اضافہ کرکے اس شبہ کا جواب دیدیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر خوشی کا اظہار کرنا کوئی مذموم بات نہیں بلکہ وَاَمَّا بنعمةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی رو سے محمود ہے، تو اس کا جواب دیا کہ تحدیث نعمت کے طور پر اظہار نعمت کرنا اگرچہ محمود ہے مگر تکبر اور اترانے کے طور پر اظہار ممنوع ہے۔

قِوْلُہٗ: اللّٰه الذی خَلَقَكُمْ اللہ مبتداء ہے الَّذِیْ خلقكُمْ موصول صلہ سے مل کر مبتداء کی خبر، مبتداء اور خبر دونوں کے معرفہ ہونے کی وجہ سے جملہ حصر کا فائدہ دے رہا ہے۔

قِوْلُہٗ: هَلْ مِن شركائِكُمْ خبر مقدم ہے مَنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلكم مبتداء مؤخر ہے اور من شرکاء هم خبر مقدم ہے۔

تفسیر وتشریح

ضَرَبَ لَکُمْ مَثَلًا مِنْ اَنْفُسِکُمْ آیات مذکورہ میں توحید کے مضمون کو مختلف شواہد اور دلائل اور مختلف عنوانات میں بتلایا گیا ہے اور ایسا دلنشین انداز بیان اختیار کیا گیا ہے کہ ہر شخص کے دل میں اتر جائے، پہلے ایک مثال سے سمجھایا کہ تمہارے غلام ونوکر جو تمہارے ہی جیسے انسان ہیں شکل وصورت ہاتھ پاؤں اور مقتضیات طبعیہ سب چیزوں میں تمہارے شریک ہیں مگر تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ تمہارے مال ودولت میں شریک ہو جائیں تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کے بندے چاہے وہ فرشتے ہوں یا رسول اور نبی، اولیاء اللہ ہوں یا صلحاء واتقیاء یا شجر وحجر کے بنائے ہوئے معبود، وہ اللہ کے ساتھ شریک ہو جائیں، جبکہ وہ بھی اللہ کے غلام اور اس کی مخلوق ہیں، یعنی جس طرح پہلی بات نہیں ہو سکتی دوسری بھی نہیں ہو سکتی، اس لئے اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی بندگی کرنا اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا یکسر غلط ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا فطرت کے کیا معنی ہیں؟ اس بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں ان میں دو زیادہ مشہور ہیں (اول قول) یہ ہے کہ فطرت سے مراد استعداد وصلاحیت ہے یعنی تخلیق انسانی میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے، ہر انسان اپنے خالق کو پہچانے جس کا اثر اسلام کا قبول کرنا ہوتا ہے بشرطیکہ اس استعداد وصلاحیت سے کام لے، یہی معنی مفسر علام علامہ محلی نے اختیار کئے ہیں، یہ معنی بے غبار ہیں اس پر کسی قسم کا اعتراض وشبہ وارد نہیں ہوتا، اس خلقی صلاحیت کے متعلق یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، جو شخص والدین یا کسی دوسرے کے گمراہ کرنے سے کافر ہو گیا اس میں استعداد اور قابلیت حق ختم نہیں ہوتی گو مغلوب ومستور ہو جاتی ہے۔

فطرت کے دوسرے معنی: بعض مفسرین نے فطرت سے اسلام مراد لیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے مسلمان پیدا کیا ہے، اگر اس کو گرد وپیش اور ماحول میں کوئی خراب کرنے والا خراب نہ کرے تو ہر پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہی ہوگا، مگر عموماً ہوتا یہ ہے کہ والدین اس کو بعض اوقات اسلام کے خلاف باتیں بتلاتے ہیں، ذہن نشین کراتے ہیں جس کے سبب وہ اسلام پر قائم نہیں رہتا، جیسا کہ صحیحین کی ایک روایت میں مذکور ہے، قرطبی نے اس قول کو جمہور کا قول قرار دیا ہے۔

دوسرے قول پر متعدد اعتراضات:

پہلا اعتراض:

یہ کہ خود اسی آیت میں آگے یہ مذکور ہے کہ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ اور یہاں خلق اللہ سے مراد وہی فطرۃ اللہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اس لئے اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی اس فطرت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا حالانکہ صحیحین کی حدیث شریف میں خود

یہ آیا ہے کہ پھر ماں باپ بعض اوقات بچے کو یہودی یا نصرانی بنا لیتے ہیں، اگر فطرت کے معنی خود اسلام کے لئے جائیں جس میں تبدیلی نہ ہونا خود اسی آیت میں مذکور ہے تو حدیث مذکور میں یہودی، نصرانی بنانے کی تبدیلی کیسے صحیح ہوگی اور یہ تبدیلی تو عام مشاہدہ ہے، اور اگر اسلام ایسی فطرت ہے، جس میں تبدیلی نہ ہو سکے تو پھر یہ تبدیلی کیسے اور کیوں؟

دوسرا اعتراض:

حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا اس کے متعلق صحیح حدیث میں ہے کہ اس لڑکے کی فطرت میں کفر تھا اس لئے خضر علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کو قتل کیا یہ حدیث بھی اس کے منافی ہے کہ ہر انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

تیسرا اعتراض:

اگر اسلام کوئی ایسی چیز ہے جو انسان کی فطرت میں اس طرح رکھ دی گئی ہے کہ جس کی تبدیلی پر انسان کو قدرت نہیں تو اس صورت میں اسلام کوئی اختیاری فعل نہ ہوا پھر اس پر آخرت کا ثواب کیسا؟ اس لئے کہ ثواب تو اختیاری عمل پر ملتا ہے، یہ سب شبہات امام تورپشتی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے شرح مصابیح میں بیان کئے ہیں اور اسی بناء پر انہوں نے اول معنی کو ترجیح دی ہے کہ اس خلقی صلاحیت کے متعلق یہ صحیح ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ (معارف ملخصاً)

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ اس آیت میں ایک بری رسم کی اصلاح کی گئی ہے جو عام خاندانوں اور اہل قرابت میں چلتی ہے وہ یہ کہ عام طور پر کنبہ رشتہ کے لوگ شادی بیاہ، عقیقہ یا دیگر تقریبات کے موقع پر ہدیہ تحفہ کے نام پر روپیہ پیسہ یا کوئی چیز دیتے ہیں تو ان کی نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ ہمارے یہاں تقریبات کے موقع پر کچھ دے گا دیکھنے میں یہ بھی آیا ہے کہ دینے والا اور لینے والا اس رقم یا ہدیہ تحفہ کو لکھ بھی لیتا ہے تاکہ بھول نہ جائے اس سے معلوم ہوا کہ بدلے کی نیت ہے ورنہ لکھنے کے کیا معنی، اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ نہ ان پر احسان جتائے اور نہ کسی بدلے پر نظر رکھے اور جس نے بدلے کی نیت سے دیا کہ اس کا مال دوسرے عزیز رشتہ دار کے مال میں شامل ہونے کے بعد کچھ زیادتی لے کر واپس آئے گا تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی درجہ اور ثواب نہیں اور قرآن کریم نے اس زیادتی کو لفظ ربوا سے تعبیر کر کے اس کی قباحت کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ایک صورت سود کی سی ہوگئی۔

مَسْئَلَہ: بغیر بدلہ اور عوض کی نیت کے ہدیہ تحفہ لینے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ باعث اجر و محبت ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ ای القِفَارِ بِقَحْطِ المَطَرِ وَقِلَّةِ النَّبَاتِ وَالْبَحْرِ ای البِلَادِ الَّتِی عَلَی الأَنْهَارِ بِقِلَّةِ مَائِهَا بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ مِنَ المَعَاصِی لِيُذِيقَهُم بِالنُّونِ والیاءِ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا ای عُقُوبَتَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾

يُؤْمِنُوْنَ قُلْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿٤٢﴾ فَاُهْلِكُوْا بِاِشْرَاكِهِمْ وَمَسَاكِنُهُمْ وَمَنَازِلُهُمْ خَاوِيَةٌ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ دِيْنِ الْاِسْلَامِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿٤٣﴾ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الصَّادِ يَتَفَرَّقُوْنَ بَعْدَ الْحِسَابِ اِلَى الْجَنَّةِ وَالنَّارِ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَبَالُ كُفْرِهٖ هُوَ النَّارُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿٤٤﴾ يُوَطِّئُوْنَ مَنَازِلَهُمْ فِي الْجَنَّةِ لِيَجْزِيَ مُتَعَلِّقٌ بِيَصَّدَّعُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ يُثِيْبُهُمْ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٥﴾ اَيْ يُعَاقِبُهُمْ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ تَعَالٰى اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ بِمَعْنٰى لِتُبَشِّرَكُمْ بِالْمَطَرِ وَّلِيُذِيْقَكُمْ بِهَا مِّنْ رَّحْمَتِهٖ الْمَطَرِ وَالْخِصْبِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ السُّفُنُ بِهَا بِاَمْرِهٖ بِاِرَادَتِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا تَطْلُبُوْا مِنْ فَضْلِهٖ الرِّزْقَ بِالتِّجَارَةِ فِي الْبَحْرِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٤٦﴾ هٰذِهِ النِّعَمَ يَا اَهْلَ مَكَّةَ فَتُوَحِّدُوْنَهٗ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ بِالْحُجَجِ الْوَاضِحَاتِ عَلٰى صِدْقِهِمْ فِيْ رِسَالَتِهِمْ اِلَيْهِمْ فَكَذَّبُوْهُمْ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ اَهْلَكْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْهُمْ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾ عَلَى الْكَافِرِيْنَ بِاِهْلَاكِهِمْ وَاِنْجَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا تُزْعِجُهٗ فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاۗءِ كَيْفَ يَشَاۗءُ مِنْ قِلَّةٍ وَكَثْرَةٍ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا بِفَتْحِ السِّيْنِ وَسُكُوْنِهَا قِطَعًا مُتَفَرِّقَةً فَتَرَى الْوَدْقَ الْمَطَرَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ اَيْ وَسَطِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ بِالْوَدْقِ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ يَفْرَحُوْنَ بِالْمَطَرِ وَاِنْ وَقَدْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ تَاكِيْدٌ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿٤٩﴾ اٰيِسِيْنَ مِنْ اِنْزَالِهٖ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ اَثَرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ اَيْ نِعْمَتِهٖ بِالْمَطَرِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اَيْ يُبْسِهَا بِاَنْ تُنْبِتَ اِنَّ ذٰلِكَ الْمُحْيِيَ الْاَرْضَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾ وَلَىِٕنْ لَامُ قَسَمٍ اَرْسَلْنَا رِيْحًا مُضِرَّةً عَلٰى نَبَاتٍ فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا صَارُوْا جَوَابُ الْقَسَمِ مِنْۢ بَعْدِهٖ اَيْ بَعْدَ اصْفِرَارِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿٥١﴾ يَجْحَدُوْنَ النِّعْمَةَ بِالْمَطَرِ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْيَاءِ وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ مَا تُسْمِعُ سَمَاعَ اِفْهَامٍ وَقَبُوْلٍ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنِ فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٥٣﴾ مُخْلِصُوْنَ بِتَوْحِيْدِ اللّٰهِ.

ترجمہ: خشکی یعنی میدانوں میں خشک سالی اور نباتات کی کمی کی وجہ سے اور تری یعنی ان شہروں میں جو نہروں (سمندروں) کے کنارے واقع ہیں پانی کی قلت کی وجہ سے لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد ظاہر ہو گیا تاکہ ہم ان کو ان کے بعض اعمال کی سزا کا مزہ چکھائیں ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں توبہ کریں، آپ مکہ کے کافروں سے کہئے کہ زمین میں چلو پھرو دیکھو پہلوں کا کیا انجام ہوا؟ جن میں اکثر لوگ مشرک تھے تو وہ اپنے شرک کے سبب ہلاک کر دیئے گئے اور ان کے گھر اور

مکانات گرے پڑے ہیں آپ اپنی توجہ دین قیم یعنی اسلام کی جانب رکھئے قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس کو اللہ (ہرگز) نہیں ٹالے گا وہ قیامت کا دن ہوگا اس روز سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے (یصّدعون) میں اصل میں تا کا صاد میں ادغام ہے (یعنی) حساب کے بعد جنت یا دوزخ کی طرف متفرق ہو جائیں گے کفر کرنے والوں پر ان کے کفر کا وبال پڑے گا وہ دوزخ ہے اور نیک عمل کرنے والے اپنے لئے آرام گاہ ہموار رہے ہوں گے یعنی جنت میں اپنے گھر بنا رہے ہوں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو اپنے فضل سے اجر دے لِیَجْزِیَ، یَصَّدَّعُوْنَ کے متعلق ہے بلاشبہ وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا یعنی ان کو سزا دے گا اور اللہ تعالیٰ کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے بارش کی خوشخبری دینے والی ہواؤں کا چلانا بھی ہے اور مُبَشِّرَاتٍ، لِتُبَشِّرَ کُمْ کے معنی میں ہے تاکہ تم کو ہواؤں کے ذریعہ اپنی رحمت یعنی بارش اور شادابی کے ذریعہ لطف اندوز کرے اور اس لئے کہ اس کے حکم ارادہ سے ہواؤں کے ذریعہ کشتیاں چلیں اور اس لئے کہ تم اس کا فضل یعنی روزی دریائی سفر کے ذریعہ تجارت کر کے تلاش کرو اور اس لئے تاکہ اے مکہ والو! تم ان نعمتوں کا شکر ادا کرو پھر اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ اور ہم نے آپ سے پہلے بھی اپنے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان کے پاس ان کی طرف رسول ہونے کے بارے میں اپنی صداقت کی واضح دلیلیں لے آئے پھر بھی ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی پھر ہم نے مجرموں سے انتقام لیا یعنی جن لوگوں نے ان کی تکذیب کی ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم پر کافروں کے مقابلہ میں مومنین کی مدد کرنا لازم ہے کافروں کو ہلاک کر کے اور مومنوں کو نجات دے کر اللہ وہ ذات ہے جو ہوائیں چلاتا ہے وہ بادل کو اٹھاتی ہیں حرکت دیتی ہیں پھر وہ اپنی منشاء کے مطابق آسمان میں کم یا زیادہ پھیلا دیتا ہے پھر اس کو متفرق کر دیتا ہے (کِسَفًا) سین کے فتحہ اور اس کے سکون کے ساتھ الگ الگ ٹکڑے کرنا پھر اے مخاطب تو بارش کو دیکھے گا کہ وہ بادل کے درمیان سے نکلتی ہے پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے وہ بارش پہنچا دیتا ہے تو وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں یعنی بارش سے خوش ہو جاتے ہیں، یقین مانا کہ ان پر بارش برسنے سے پہلے پہلے تو وہ بارش سے ناامید ہو رہے تھے قَبْلِ پہلے قبل کی تاکید ہے پھر آپ رحمت الٰہی کے آثار دیکھیں یعنی اس نعمت کو بارش کی صورت میں ایک قراءت میں آثارُ ہے کہ وہ زمین کو مردہ ہونے یعنی اس کے خشک ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے بایں معنی کہ وہ اگانے لگتی ہے یقیناً یہی زمین کو زندہ کرنے والی ذات مردوں کو زندہ کرے گی اور وہ ہر شئ پر قادر ہے اور قسم ہے اگر ہم ان کی کھیتیوں پر مضر ہوا چلا دیں تو وہ اس کھیتی کو زرد دیکھیں تو وہ اس کے زرد ہونے کے بعد نعمت باراں کی ناشکری کرنے لگیں اور وَلَئِنْ میں لام قسم ہے بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں (ءَ اِذَا) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل یا اور ہمزہ کے بین بین اور اسی طرح آپ اندھوں کو ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لا سکتے آپ تو بس فہم وقبول کا سنانا اسی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر قرآن پر ایمان رکھتا ہو لہٰذا اللہ کی توحید میں یہی لوگ مخلص ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: قِفار قَفْر کی جمع ہے چٹیل میدان، قَفَار قاف کے فتحہ کے ساتھ وہ روٹی کہ جس کے ساتھ سالن نہ ہو بِمَا کَسَبَتْ
با سببیہ اور ما مصدریہ ہے ای بسبب کسبھم لِیُذِیْقَھُمْ میں لام عاقبت کا ہے اور ظَھَرَ الفساد سے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: ای عُقوبَتَہٗ سے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اَیْ عُقُوبَۃَ مَا عَمِلُوْا مجازاً سبب کا اطلاق مسبب پر کیا ہے،
چونکہ اعمال بد عقوبت کا سبب ہیں لہٰذا سبب بول کر مسبب مراد لیا ہے۔

قَوْلُہٗ: من اللّٰہ کا تعلق یأتی سے ہے۔

قَوْلُہٗ: یَوْمَئِذٍ، یَوْمَئِذٍ کی تنوین جملہ کے عوض میں ہے، ای یوم اذ یاتی ھذا الیوم.

قَوْلُہٗ: یَصَّدَّعُوْنَ مضارع جمع مذکر غائب اصل میں یَتَصَدَّعون تھا تا کو صاد کیا اور صاد کو صاد میں ادغام کر دیا تَفَعُّلٌ سے
تصدُّع مصدر ہے منتشر ہونا، کسی سخت چیز کا پھٹنا وبالُ کُفْرِہٖ کا اضافہ کر کے حذف مضاف کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلُہٗ: یُوَطِّئُوْنَ وہ آراستہ کرتے ہیں سنوارتے ہیں بناتے ہیں وَطَّأَ تَوطِئَۃً درست کرنا بچھانا لِیَجْزِیَ یَصَّدَّعُوْنَ سے
متعلق ہے، ای یَصَّدَّعونَ لِیَجْزِیَھُمْ وہ الگ الگ ہو جائیں گے تاکہ ان کو اللہ جزاء دے۔

قَوْلُہٗ: یُثِیْبُھُمْ لیجزیَ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: بمعنی لِتُبَشِّرَکُمْ اس اضافہ کا مقصد سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ لِیُذِیْقَکُمْ کا عطف مبشرات پر
ہے اور یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ یہ فعل کا اسم پر عطف ہے، شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ مُبَشِّر بمعنی تُبَشِّر
ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُہٗ: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ (الآیۃ) یہ آیت، آیتِ مُفَصَّلہ یعنی وَمِنْ آیاتِہٖ اَنْ یرسِلَ (الآیۃ) اور آیتِ
مفصّلہ یعنی اللّٰہ الذی یُرسِلُ الرِّیَاحَ (الآیۃ) کے درمیان معترضہ ہے، مطلب یہ کہ وَمِنْ آیاتِہٖ الخ مفصل ہے اور
اللّٰہ الذی اس کی تفصیل ہے اور ولقد ارسلنا من قبلك الخ آیت معترضہ ہے اور مقصد اس کا آپ ﷺ کی تسلی ہے۔

قَوْلُہٗ: فانتقمنا کا عطف محذوف پر ہے شارح نے فکذبوا سے معطوف علیہ محذوف کی جانب اشارہ کر دیا ہے،

قَوْلُہٗ: وکانَ حقًّا عَلَیْنَا نصر المؤمنین کان فعل ناقص حَقًّا اس کی خبر مقدم اور نصر المؤمنین اسم مؤخر، اور
علینا حقًّا کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاِنْ وَقَدْ شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اِنْ کی تفسیر قَدْ کے ساتھ بغوی کی اتباع میں کی ہے اس صورت میں واؤ حالیہ
ہے، اور دیگر حضرات نے اِنْ کو مخففہ عن المثقلہ قرار دیا ہے اور اس کا اسم ھُمْ ضمیر شان محذوف مانی ہے اور جملہ کو اِنَّ کی خبر قرار
دیا ہے اور لمبلسین میں لام فارقہ ہے۔

قَوْلُہٗ: لَظَلُّوْا جواب قسم ہے جو کہ جواب شرط کے بھی قائم مقام ہے، اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب شرط اور قسم دونوں جمع

ہو جائیں تو ان میں سے پہلے کا جواب مذکور ہوتا ہے اور دوسرے کا محذوف اور پہلے کا جواب ہی دوسرے کے جواب کی قائم مقامی کرتا ہے یہاں لَئِنْ میں قسم اور شرط دونوں جمع ہیں۔

تفسیر وتشریح

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ ايدی الناس بحر و بر میں فساد پھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ پوری دنیا میں فساد نمودار ہو گیا، مفسرین نے ''فساد'' کے مختلف معنی مراد لئے ہیں، بعض حضرات نے قحط اور وبائی امراض اور ہر شئ سے خیر و برکت کا اٹھ جانا مراد لیا ہے، نیز مذکورہ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان آفات کا سبب انسانوں کے اعمال بد ہیں جن میں شرک و کفر سب سے زیادہ شدید ہے اور یہی دیگر آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے مثلاً وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ ويعفوا عن كثيرٍ.

ایک شبہ اور اس کا جواب:

احادیث صحیحہ میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی موجود ہے کہ دنیا مومن کیلئے جیل خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت، اور یہ کہ کافر کو اس کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں مال و دولت اور صحت کی صورت میں دیدیا جاتا ہے اور مومن کے اعمال کا بدلہ آخرت کیلئے محفوظ کر دیا جاتا ہے، اور یہ کہ اشد الناس بلاءً الانبياء ثم الأمثل فالأمثل یعنی دنیا میں سب سے زیادہ مصیبتیں انبیاء پر آتی ہیں پھر جو ان سے قریب ہو، مذکورہ احادیث اس آیت کے مضمون سے مختلف ہیں اور عام دنیا کے مشاہدات بھی بتلاتے ہیں کہ دنیا میں عام طور پر مومن تنگی اور تکلیف میں اور کفار و فجار عیش و عشرت میں رہتے ہیں، اگر آیت مذکورہ کے مطابق دنیا کے مصائب اور تکلیفیں گناہوں کی وجہ سے ہوتیں تو معاملہ برعکس ہوتا۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں گناہوں کو آفات و مصائب کا سبب ضرور بتایا گیا ہے مگر علت تامہ نہیں فرمایا کہ جب کسی پر مصیبت آئے تو گناہوں کے ہی سبب سے آئے گی اور جس پر اگر کوئی مصیبت آئے تو اس کا گنہگار ہونا ضروری ہو، بلکہ عام اسباب کا جو دنیا میں دستور ہے کہ سبب واقع ہونے کے بعد اس کا مسبب اکثر واقع ہو جاتا ہے اور اگر کبھی کوئی دوسرا سبب اس کے اثر کے ظاہر ہونے سے مانع ہو جاتا ہے تو اس سبب کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، جیسے کہ کوئی شخص کسی دست آور دوا کے متعلق یہ کہے کہ اس سے اسہال ہوں گے، تو یہ اپنی جگہ صحیح ہے مگر بعض اوقات کسی عارض کی وجہ سے دست آور دوا سے اسہال نہیں آتے اور کبھی اسہال بغیر کسی دست آور دوا کھائے بھی آجاتے ہیں، اس لئے آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ گناہوں کا اصل خاصہ یہ ہے کہ ان سے مصائب و آفات آئیں لیکن بعض اوقات دوسرے کچھ اسباب اس کے منافی جمع ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے مصائب کا ظہور نہیں ہوتا، اور بعض صورتوں میں بغیر کسی گناہ کے کسی مصیبت اور آفت کا آجانا بھی اس کے منافی نہیں کیونکہ آیت میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ بغیر گناہ کے کسی کو کوئی تکلیف یا مصیبت پیش نہیں آتی، بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو کوئی مصیبت و آفت کسی دوسرے سبب سے پیش

آجائے، جیسے انبیاء واولیاء کو جو مصیبتیں اور تکلیفیں پیش آتی ہیں ان کا سبب گناہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی آزمائش اور آزمائش کے ذریعہ ان کے درجات کی ترقی اس کا سبب ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ قرآن نے جن مصائب وآلام کا گناہوں کو سبب قرار دیا ہے اس سے مراد وہ آفات ومصائب ہیں جو عمومی ہوں اور پوری دنیا یا پورے علاقہ یا پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، ذاتی اور شخصی آفات ومصائب مراد نہیں ہیں۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے رہا یہ معاملہ کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت ہے یا نہیں اور عام مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں یا نہیں اس مسئلہ کی تحقیق سورۂ نمل کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ماءٍ مَهينٍ **ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ** آخر وهو ضُعفُ الطُّفُوليَّةِ **قُوَّةً** اى قُوّةَ الشبابِ **ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً** ضُعفَ الكِبَرِ وشَيبَ الهَرَمِ والضُّعفُ في الثَّلاثةِ بضمِّ اوله وفتحِه **يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ** مِن الضُّعفِ والقوةِ والشبابِ والشَّيبةِ **وَهُوَ الْعَلِيْمُ** بتدبيرِ خلقِه **الْقَدِيْرُ** على ما يشاءُ **وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ** يَحلِفُ **الْمُجْرِمُوْنَ** الكافرُونَ **مَا لَبِثُوْا** فِي القُبورِ **غَيْرَ سَاعَةٍ** قال تعالى **كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ** يُصرَفُونَ عن الحقِّ البعثِ كما صُرِفُوا عن الحقِّ الصدقِ فى مُدّةِ اللُّبثِ **وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ** مِن الملائكةِ وغيرِهم **لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ** فيما كتبَهُ في سابقِ عِلمِه **اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ** الذى انكرتُمُوه **وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** وقُوعَه **فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ** بالتاءِ والياءِ **الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ** فى انكارِهم له **وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ** لا يُطلَبُ مِنهم العُتبٰى اى الرُّجُوعُ الى ما يَرضَى اللّٰهُ **وَلَقَدْ ضَرَبْنَا** جَعَلنا **لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ** تنبيهًا لهم **وَلَئِنْ** لامُ قَسَمٍ **جِئْتَهُمْ** يا محمّدُ **بِاٰيَةٍ** مثلِ العَصا واليدِ لِموسٰى **لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** منهم **اِنْ** ما **اَنْتُمْ** اى محمّدٌ واصحابُهُ **اِلَّا مُبْطِلُوْنَ** اصحابُ اباطيلَ **كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ** التوحيدَ كما طَبَعَ على قُلوبِ هؤلاءِ **فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بنصرِك عليهم **حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ** بالبعثِ اى لا يَحمِلنَّكَ على الخِفّةِ والطَّيشِ بتركِ الصبرِ اى لا تَترُكْه.

ترجمہ: اللہ وہ ذات ہے کہ جس نے تم کو ضعف (یعنی) بے وقعت پانی سے پیدا کیا پھر ضعف آخر یعنی ضعف طفولیت کے بعد توانائی بخشی یعنی قوت شباب پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا دیا یعنی کلاں سالی کی کمزوری اور بڑھاپے کی سفیدی اور (لفظ ضعف) تینوں جگہ ضاد کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے (اور) وہ ضعف وقوت جوانی اور بڑھاپا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ اپنی مخلوق کی تدبیر سے باخبر اور جو چاہے اس پر قادر ہے اور جس دن قیامت برپا ہوگی تو یہ مجرم کافر

قسمیں کھائیں گے کہ وہ قبروں میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح یہ حق یعنی بعث بعد الموت سے (دنیا) میں الٹے چلا کرتے تھے جیسا کہ مدت بعث کے بارے میں سچی حقیقت سے الٹے چل رہے ہیں اور جن ملائکہ وغیرہ کو علم وایمان عطا کیا گیا وہ کہیں گے تم تو نوشتۂ خداوندی کے مطابق یعنی اس نوشتہ کے مطابق جو کہ اس کے علم ازلی میں ہے قیامت کے دن تک ٹھہرے رہے یہ (دن) یوم بعث ہی ہے جس کا تم انکار کرتے رہے لیکن تم تو اس کے وقوع کا یقین ہی نہیں کرتے تھے، غرض یہ کہ اس دن ظالموں کو بعث کے انکار کے بارے میں معذرت کرنا کوئی فائدہ نہیں دے گا تنفعُ میں یا اور تا دونوں صحیح ہیں اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا یعنی نہ ان سے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کہا جائے گا اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ان کو تنبیہ کرنے کے لئے ہر قسم کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں اور قسم ہے اے محمد اگر آپ ان کے پاس موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے عصا اور ید بیضاء جیسے معجزے لے آئیں تو بھی ان میں جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم اور تمہارے ساتھی نرے اہل باطل ہو جو لوگ توحید کا علم (یقین) نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ ان کے قلوب پر مہر لگا دے گا جیسا کہ ان لوگوں کے قلوب پر مہر لگا دی لہٰذا آپ صبر کیجئے بلاشبہ ان کے مقابلہ میں اللہ کا وعدہ آپ کی نصرت کا سچا ہے اور بعث بعد الموت کا یقین نہ رکھنے والے یہ لوگ (کہیں) آپ کو بے صبرا نہ کردیں یعنی (کہیں) آپ کو ورغلا کر جلد بازی اور غصہ پر مجبور نہ کردیں یعنی ہرگز آپ کے ہاتھ سے دامن صبر چھوٹنے نہ پائے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: ماءٍ مھینٍ یہ ضُعفٍ کی تفسیر ہے اس تفسیر کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض یہ ہے کہ ضُعف صفت ہے اس سے کسی چیز کی تخلیق نہیں ہوسکتی۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ضعف سے مراد اصلِ ضعیف ہے جیسا کہ نطفہ اصل ضعیف ہے یعنی ضعف مصدر ذو ضعفٍ کے معنی میں ہے۔

قولہ: اَللّٰہُ الذی خَلَقَکُمْ جملہ مبتداء وخبر ہے۔

قولہ: شَیْبَۃ بالوں کی سفیدی جو عام طور پر تینتالیس سال کی عمر میں ظاہر ہوتی ہے، اور یہی کہولت کی ابتداء ہوتی ہے۔

قولہ: من الضُعفِ والقوۃ، ما، کا بیان ہے۔

قولہ: من الملائکۃ وغیرھم ای الانبیاء والمؤمنون.

قولہ: وَلَاھُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ (استفعال) سے استعتاب مصدر ہے، ان سے (اللہ کو) رضامند کرنے کی خواہش نہیں کی جائے گی، بعض مفسرین نے ترجمہ کیا ہے، ان کے عذر قبول نہیں کئے جائیں گے، علامہ محلی نے اس لفظ کی تشریح میں فرمایا لا یُطْلَبُ منھم العتبٰی ای الرجوع الی مَا یرضی اللہ ان ظالموں سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا یعنی ایسے عمل کی طرف رجوع

کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا جس سے اللہ راضی ہو، امام بغوی نے معالم میں لکھا ہے لا یکلفون اَن یَرْضَوْا رَبَّھُمْ لأن الآخرۃَ لیست بدار التکلیف قیامت کے دن وہ اللہ کو رضامند کرنے کے مکلف نہ ہوں گے کیونکہ دار آخرت دار تکلیف نہیں ہے بلکہ دار جزا ہے، صاوی نے کہا ہے العُتْبیٰ، الرُّجعیٰ کے مانند ہے وزن اور معنی میں، اور لَا یُسْتَعْتَبُوْنَ کے معنی ہیں دنیا میں واپس جانے کی ان کی درخواست قبول نہیں کی جائے گی، دیگر آیات میں بھی اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے کہ کفار و مشرکین قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ ہم کو دنیا میں واپس بھیج کر ایک موقع دیا جائے تا کہ تلافی مافات کر سکیں۔

قَوْلُہٗ: لَیَقُوْلَنَّ اس کے بعد کی عبارت شارح کے قلم کی سبقت ہے غالباً جمع مذکر غائب کا صیغہ سمجھ کر مذکورہ تعلیل کی ہے، ورنہ باتفاق قراء لیقولَنَّ میں لام مفتوح ہے اور الذین کفروا اس کا فاعل ہے۔

قَوْلُہٗ: فاصبِرْ شرط محذوف کی جزاء ہے، ای اِذَا عَلِمتَ حالَھم انّھم لایؤمنون فاصْبِرْ.

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

اس سورت کا بڑا حصہ منکرین قیامت کے شبہات کے ازالہ سے متعلق ہے، جس کے لئے حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی بہت سی آیات اور نشانیاں دکھلا کر غافل انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کا سامان کیا گیا ہے، مذکورۃ الصدر آیت میں قوت وضعف کے اعتبار سے انسانی وجود کا ایک مکمل خاکہ پیش کیا گیا ہے، جس میں دکھلایا گیا ہے کہ انسان کی ابتداء بھی کمزور اور انتہا بھی درمیان میں بہت تھوڑے دنوں کے لئے اس کو ایک قوت ملتی ہے عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ اس چندروزہ قوت کے زمانہ میں اپنی پہلی کمزوری اور آنے والی کمزوری سے غافل نہ ہو۔

خَلَقَکُمْ من ضعفٍ انسان کو یہی سبق دیا گیا ہے کہ اپنی اصل بنیاد کو دیکھ کہ کس قدر ضعیف بلکہ عین ضعف ہے کہ قطرۂ بے شعور و بے جان ہے کہ کس کی قدرت وحکمت نے اس حقیر اور ناپاک قطرے کو مختلف اطوار وحالات سے گذار کر ایک عاقل و باشعور، باعزت و باوقار انسان کا وجود بخشا۔

کمزوری سے مراد کہولت کی عمر ہے جس میں عقلی اور جسمانی قوتوں میں نقصان کا آغاز ہوجاتا ہے اور بڑھاپے سے مراد شیخوخت کا دور ہے جس میں ضعف بڑھ جاتا ہے، ہمت پست، ہاتھ پیروں کی حرکت اور گرفت کمزور، بال سفید اور تمام ظاہری و باطنی صفات متغیر ہوجاتی ہیں۔

وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ یُقْسِمُ المجرمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَۃٍ یعنی جس روز قیامت قائم ہوگی تو منکرین قیامت وہاں کی ہولناکی اور شدائد کو دیکھ کر قسمیں کھانے لگیں گے کہ ہمارا قیام تو ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہا، اس قیام سے مراد ہوسکتا ہے کہ دنیا کا قیام ہو کیونکہ ان کی دنیا عیش وآرام سے گذری تھی اور اب یہاں مصائب وشدائد سامنے آئے تو انسانی

عادت اور فطرت کے مطابق انسان آرام وراحت کے زمانہ کو بہت مختصر سمجھتا ہے اس لئے قسمیں کھائیں گے کہ دنیا میں تو ہمارا قیام بہت ہی مختصر صرف ایک گھڑی کا تھا۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس قیام سے قبر اور برزخ کا قیام مراد ہو اور ''بہت قلیل مدت'' کے قیام سے قبر یا برزخ کا قیام مراد ہو یہ انسانی فطرت ہے کہ مصائب کے وقت پچھلی راحت کو بہت مختصر سمجھنے لگتا ہے، اور کافروں کو اگرچہ قبر و برزخ میں بھی عذاب ہوگا مگر قیامت کے عذاب کے مقابلہ میں وہ بھی راحت محسوس ہونے لگے گا اور اس زمانہ کو مختصر سمجھ کر قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا قیام قبر میں بہت مختصر تھا۔

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجرموں سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم توبہ کرکے یا نیک اعمال کرکے خدا کو راضی کرلو کیونکہ قیامت کا دن دار الجزاء ہے، دار العمل نہیں ہے، صاحب جلالین نے یہی مطلب بیان کیا، ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا کہ مجرمین اللہ تبارک وتعالیٰ سے دنیا میں واپس بھیجے جانے کی درخواست کریں گے تاکہ دنیا میں نیک عمل کرکے تلافی مافات کرسکیں مگر ان کی یہ درخواست قبول نہیں کی جائے گی، تحقیق وترکیب کے زیر عنوان اس کی مزید تفصیل گذر چکی ہے دیکھ لیا جائے۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ لُقْمَانَ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ الْآيَتَيْنِ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَثَلٰثُوْنَ آيَةً.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ الٓمّٓ ۝ اللّٰه اعلمُ بمُرادِه به تِلْكَ اى هذه الايات اٰيٰتُ الْكِتٰبِ القران الْحَكِيْمِ ۝ ذى الحكمةِ والاضافةُ بمعنى مِن هُدًى وَّرَحْمَةً بالرفع لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ وفى قراءةِ العامَّة بالنصب حالاً من الاياتِ العاملُ فيها ما فى تلك من معنى الإشارة اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ بيانٌ لِلْمُحسنين وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ هُم الثانى تاكيدٌ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ الفائزُوْن وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ اى ما يُلهِى منه عن ما يعنى لِيُضِلَّ بفتح الياءِ وضمِّها عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طريقِ الاسلام بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا بالنصب عطفا على يُضِلَّ وبالرفع عطفا على يشترى هُزُوًا ۭ مَهزُوًّا بها اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ذو اِهانةٍ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا القرانُ وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا متكبرا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ صَمَمًا وجملتا التشبيهِ حالانِ مِنْ ضَميرِ ولّٰى او الثانيةُ بيانٌ لِلاُولى فَبَشِّرْهُ اَعْلِمْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ مُؤلِمٍ وذكرُ البشارةِ تهكُّمٌ به وهو النضرُ بنُ الحارثِ كان ياتى الحيرة يَتَّجِرُ فيشترى كُتُبَ اَخبارِ الاَعاجِمِ ويُحدِّثُ بها اَهلَ مكة ويقولُ اِنَّ محمدًا يُحدِّثُكُم احاديثَ عادٍ وثمود وانا اُحدِّثُكم حديثَ فارسَ والروم فيستملحون حديثَهُ ويتركُوْنَ استماعَ القران اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حالٌ مُقدَّرةٌ اى مُقدَّرًا خلودُهم فيها اذا دخلُوها وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ اى وعدهم اللّٰهُ ذلك وحقَّهُ حقًّا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الذى لا يَغلِبُهُ شئٌ فيمنعه عن انجازِ وعدِه ووعيدِه الْحَكِيْمُ ۝ الذى لا يضعُ شيئًا اِلَّا فى محلِّه خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا اى العَمَدُ جمعُ عِمادٍ وهو الاُسطُوانةُ وهو صادقٌ بان لا عَمَدَ اَصلاً وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ جبالاً مُرتَفِعةً اَنْ لا تَمِيْدَ تتحرّكَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا فيه التفاتٌ عن الغَيْبةِ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ صِنفٍ حسنٍ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ اى مَخلوقُهُ فَاَرُوْنِيْ اَخبِرُوْنى يا اَهلَ مكة مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ غيرِه اى

اِلٰـهُـكُـمْ حَتّٰى اَشْرَكْتُمُوْهَا بِهٖ تَعَالٰى وَمَا اسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ مُبْتَدأٌ وَذَا بمعنى الَّذِىْ بصلتِهٖ خَبرُهٗ وَاَرُوْنِىْ مُعَلَّقٌ عن العمل وَمَا بَعْدَهٗ سَدَّ مَسدَّ المَفعُوْلَيْنِ بَلْ لِلاِنْتقالِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾ بَيِّنٍ بِاِشْرَاكِهِم وَاَنْتُم مِنْهُم.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے الٓمّٓ اس کی (حقیقی) مراد تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے تِلْكَ یعنی یہ آیتیں حکمت والی کتاب یعنی قرآن کی آیتیں ہیں، اضافت بمعنی مِن ہے، وہ نیکوکاروں کے لئے رہبر اور (سراسر) رحمت ہے رَحْمَةٌ کے رفع کے ساتھ رَحْمَةً عام قراءت میں آیات سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (اور) عامل اس میں وہ (فعل) ہے جو تلكَ میں اشارہ کے معنی ہیں (یعنی اُشِيْرُ) جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں یہ محسنین کا بیان ہے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر (کامل) یقین رکھتے ہیں ثانی هُمْ پہلے هُمْ کی تاکید ہے، یہی ہیں وہ لوگ جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں کامیاب ہونے والے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو لغو باتوں کو خریدتے ہیں یعنی وہ چیز جس کی وجہ سے مقصد سے غافل رہتے ہیں (نوٹ) یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ يَلْهِىْ معروف پڑھا جائے اور اگر يُلْهِىْ مجہول پڑھا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو ایسی لغویات کو خرید لیتے ہیں کہ جن کے ذریعہ مقصد سے غافل کئے جائیں تاکہ اللہ کے راستہ سے یعنی اسلام کے طریقہ سے ناسمجھی کی وجہ سے گمراہی میں پڑے رہیں (یا) تاکہ لوگوں کو گمراہ کریں لِيُضِل فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے وَيَتَّخِذَهَا نصب کے ساتھ يُضِلَّ پر عطف کرتے ہوئے اور رفع کے ساتھ يَشْتَرِىْ پر عطف کرتے ہوئے تاکہ ان آیات یعنی سبیل اللہ کا مذاق اڑائے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے اور جب اس کو ہماری آیتیں قرآن پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا کہ اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے (یعنی) گراں گوش ہے، اور تشبیہ کے دونوں جملے وَلّٰى کی ضمیر سے حال ہیں یا ثانی جملہ پہلے جملہ کا بیان ہے آپ اس کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے اور خوشخبری کا ذکر اس کے لیے مذاق کے بطور ہے اور وہ نضر بن حارث ہے جو تجارت کے سلسلہ میں حیرہ جایا کرتا تھا (وہاں) سے عجمیوں کی تاریخی کتابیں خرید لاتا تھا اور ان کتابوں کو اہل مکہ کو سنایا کرتا تھا، اور کہا کرتا تھا کہ محمد تو تم کو عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تم کو فارس اور روم کے قصے سناتا ہوں تو یہ لوگ اس کی بات کو پسند کرتے تھے اور قرآن سننا ترک کر دیتے تھے، بے شک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کام بھی نیک کئے ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، حال مقدرہ ہے، یعنی ان کا جنت میں ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے جب وہ اس میں داخل ہو جائیں گے اللہ کا وعدہ سچ یعنی اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے سچا وعدہ وہ غلبہ والا ہے اس کو کوئی شئ مغلوب نہیں کر سکتی کہ اس کو اس کے وعدوں اور وعیدوں کو پورا کرنے سے روک سکے، وہ بڑی حکمت والا ہے کہ وہ ہر شئ کو اس کے محل اور موقع ہی میں رکھتا ہے اسی نے آسمانوں کو بلا ستون بنایا (جیسا کہ) تم ان کو دیکھ رہے ہو عَمَدٌ عِمَادٌ کی

جمع ہے اور وہ ستون ہیں، اور یہ بات اس صورت میں بھی صادق آتی ہے کہ ستون بالکل ہی نہ ہوں اور زمین پر اونچے اونچے پہاڑ رکھ دیئے تاکہ تم کو لیکر (اضطرابی) حرکت نہ کرے اور ہر قسم کے جانور زمین میں پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا اس میں غیبت (سے تکلم کی جانب) التفات ہے پھر اس زمین میں طرح طرح کی (نباتات) کی عمدہ قسمیں اگائیں یہ ہیں اللہ کی پیدا کی ہوئی (چیزیں) یعنی اس کی مخلوق اب اے مکہ والو! مجھے بتاؤ کہ غیر اللہ نے کیا پیدا کیا؟ یعنی تمہارے معبودوں نے، حتی کہ تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا دیا، ما، استفہام انکاری مبتداء ہے اور ذا بمعنی الذی مع اپنے صلہ کے اس کی خبر ہے، اور اَرُوْنِی کو عمل سے روک دیا گیا ہے، اور اس کا مابعد دو مفعولوں کے قائم مقام ہے بل انتقال کے لئے ہے بلکہ ظالم صریح گمراہی میں ہیں ان کے شرک کرنے کی وجہ سے اور انہیں میں سے تم بھی ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَیْ ھٰذِہِ الْآیَات، تِلْكَ اسم اشارہ بعید کی تفسیر، ھٰذہ اسم اشارہ قریب سے کر کے اشارہ کر دیا کہ سورت کی آیات عند اللہ رتبہ کے اعتبار سے رفیع القدر ہیں، اگرچہ اذہان سے قریب ہیں، ھُوَ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ ھُدًی ورحمةً مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور اگر ھدًی اور رحمةً منصوب ہوں تو آیات سے حال ہوں گے اور عامل تلكَ، یُشیرُ کے معنی میں ہو کر ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وَمِنَ النَّاس مَنْ یشتَرِی لَھْوَ الحدیث اس سے پہلی آیت میں نیکوکار مومنین کا ذکر تھا، اس آیت میں بطور تقابل بدکار مشرکین کا ذکر ہے، پہلی آیت میں محسنین کے اوصاف کا ذکر تھا اس آیت میں مشرکین کے اوصاف کا ذکر ہے، وَمِنَ النَّاس میں مــن تبعیضیہ ہے، شان نزول کے اعتبار سے اگرچہ ایک خاص شخص نضر بن حارث بن کلدہ مراد ہے مگر الفاظ عام ہیں جس میں لہو الحدیث سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص داخل ہے۔

قَوْلُہٗ: لَھْوٌ (ن) کا مصدر ہے، ایسے فضول کام میں مشغول ہونا کہ جس کی وجہ سے مفید کام متروک ہو جائے، یہاں مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی وہ فضول باتیں جو غافل کرنے والی ہوں لَھْوَ الحدیث یہ اضافت بمعنی من ہے، جیسا کہ شارح نے منہ کہہ کر اشارہ کر دیا ہے، اصل میں لھوًا من الحدیث تھا فضول اور بے سروپا قصوں کا کھیل تماشہ۔

قَوْلُہٗ: ای مَا یَلْھِی (س) واحد مذکر غائب مضارع معروف۔

قَوْلُہٗ: عَمَّا یعنی. مایعنی وہ چیز جو مقصود ہو، اب ترجمہ یہ ہوا لَھْوَ الحدیثِ وہ شئ جو مفید اور کارآمد شئ سے غافل کر دے۔

قَوْلُہٗ: لِیَضِلَّ اور لِیُضِلَّ دونوں قراءتیں ہیں پہلی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا، وہ لہو الحدیث اس لئے خرید کر لاتا ہے تاکہ خرافات اور بیہودہ قصہ گوئیوں میں ہمیشہ مشغول ہو کر گمراہ رہے، اور دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا، تاکہ وہ دوسروں کو

گمراہ کرے یعنی ضال بھی اور مضل بھی۔

قَوْلُہٗ: صَمَمًا یہ وَقْرًا کی تفسیر ہے "وقر" ڈاٹ کو کہتے ہیں جو کہ محسوس اور خارجی چیز ہوتی ہے، یہاں معنوی ڈاٹ مراد ہے اور وہ ثقل اور بہرا پن ہے نہ سننے یا سن کر عمل نہ کرنے کو وقر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَبَشِّرْہُ ای اَعْلِمْہُ بشّرہ کی تفسیر اَعْلِمْہُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں خوشخبری دینا مراد نہیں ہے، کیونکہ عذاب الیم کی خوشخبری کا کوئی مطلب نہیں، اس لئے کہ خوشخبری اچھی خبر کی ہوا کرتی ہے، مراد مطلقاً خبر دینا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَذِکْرُ الْبَشَارَۃِ تَھَکُّمٌ یہ فبشرہ کی دوسری تفسیر ہے، شارح علام کے لئے مناسب تھا کہ یہاں واؤ کے بجائے او ذکر کرتے۔

دوسری تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں بشارت سے مراد بشارت ہی ہے مگر یہ تمسخراً اور استہزاءً ہے۔

قَوْلُہٗ: خَالِدِیْنَ فِیْھَا یہ جنّٰتٌ یا لَھُمْ کی ضمیر سے حال مقدرہ ہے، اس لئے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہونا ضروری ہے۔

قَوْلُہٗ: وَعَدَھُمُ اللّٰہُ ذٰلِكَ اس تفسیر سے اشارہ کر دیا کہ وَعْدًا مصدر ہے اور اپنے فعل کی جگہ واقع ہے یعنی فعل کو حذف کر کے مصدر کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا ہے، تقدیر عبارت تھی وَعَدَھُمُ اللّٰہُ وَعْدًا اور وَعْدًا مصدر مؤکد لنفسہٖ ہے، اس لئے کہ لَھُمْ جنَّاتُ النعیم معنی میں وَعَدَھُمُ اللّٰہُ ذٰلِكَ کے ہے، اور حَقًّا مصدر مؤکد لغیرہٖ ہے اس لئے کہ ہر وعدہ حق نہیں ہوتا۔

قَوْلُہٗ: اُسْطُوَانَۃٌ ستون، کھمبا (ج) اساطین.

قَوْلُہٗ: ھُوَ صَادِقٌ بِاَنْ لَا عَمَدَ اَصْلًا شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مذکورہ عبارت سے بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا کے دو معنی کی طرف اشارہ کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ایسے ستونوں پر قائم کیا ہے جن کو تم نہیں دیکھ سکتے، اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کو بغیر ستونوں کے قائم کیا ہے جن کو تم نہیں دیکھ سکتے، اور اس کا تیسرا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا فرمایا اس لئے کہ جب آسمانوں کے ستون ہیں ہی نہیں تو نظر کہاں سے آئیں گے، اس لئے کہ قضیہ سالبہ جس طرح موضوع کے لئے محمول کے ثابت نہ ہونے کی صورت میں صادق آتا ہے اسی طرح موضوع سرے سے موجود نہ ہونے کی صورت میں بھی صادق آتا ہے، زید اگر بیٹھا ہو تو زیدٌ لیس بقائمٍ کہنا صحیح ہے، اور اگر زید دنیا میں موجود ہی نہ ہو تب بھی زید لیس بقائم صادق ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاَنْ لَا تَمِیْدَ بِکُمْ مفسر علام نے لام تعلیل اور لائے نافیہ مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے کہ زمین پر پہاڑوں کے نصب کرنے کی علت زمین کو اضطرابی حرکت سے روکنا ہے، پیش نظر نسخہ میں اَنْ سے پہلے لام مکتوب نہیں ہے، صاوی کے نسخہ میں لام تعلیلیہ بھی مکتوب ہے۔

قَوْلُہٗ: مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ، غَیْرِہٖ، دونہٖ کی تفسیر ہے آلِھَتُکُمْ، الذین کی تفسیر ہے مَاذَا میں مَا استفہام

انکاری ہے اور مبتداء ہے اور ذَا بمعنی الذی مع اپنے صلہ کے مبتداء کی خبر ہے اور عائد محذوف ہے ای ما الذی خلقهٗ آلِهَتُكُمْ اور اَرُوْنِی ممنوع العمل ہے لفظاً، اس لئے کہ ما استفہامیہ سے پہلے واقع ہوا ہے اگر ارونی کو عمل دیدیا جائے، تو ما استفہامیہ کی صدارت کلام باطل ہو جائے گی۔

قَوْلُهٗ: مَا بعدهٗ سَدَّ مسدَّ المفعولین یہ اس صورت میں درست ہے جبکہ اَرُونی کو متعدی بہ مفعول مانا جائے تو اس صورت میں مفعول اول اَرُونی کی یاء ہوگی اور بعد کا جملہ قائم مقام دو مفعولوں کے ہوگا، مگر یہ اس کے خلاف ہے جو بیان کیا گیا ہے کہ اَرَیٰ جب اَخْبَرَ کے معنی میں ہو تو متعدی بدو مفعول ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے، لہٰذا اس صورت میں شارح کا سد مسد المفعولین کہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا بلکہ سَدَّ مسد المفعول الثانی فرماتے تو بہتر ہوتا۔

تَفسِیر وتَشریح

الٓـمّٓ یہ حروف مقطعات میں سے ہے جن کی حقیقی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے، تاہم بعض مفسرین نے اس کے دو اہم فائدے بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ یہ قرآن انہی حروف مقطعات سے مرتب ہے جن کو تمام عرب استعمال کرتے ہیں پھر بھی قرآن کا مثل پیش کرنے سے عاجز ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے، اور جس پیغمبر پر یہ نازل ہوا ہے وہ سچا رسول ہے۔

دوسرا یہ کہ مشرکین اپنے ساتھیوں کو اس قرآن کے سننے سے روکتے تھے کہ مبادا اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے فرمایا تاکہ وہ اس کے سننے پر مجبور ہو جائیں، کیونکہ یہ انداز بیان نرالا اور اچھوتا تھا۔

محسنین، محسن کی جمع ہے اس کے ایک معنی ہیں احسان کرنے والا، والدین کے ساتھ، اعزہ واقارب کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا، دوسرے معنی ہیں نیکیاں اختیار کرنے والا اور برائیوں سے اجتناب کرنے والا، تیسرے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ کرنے والا جس طرح حدیث جبرائیل میں ہے أن تعبد اللّٰه كأنك تراه میں یہی معنی مراد ہیں، قرآن ویسے تو سارے جہان کے لئے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے لیکن اس سے اصل فائدہ چونکہ محسنین اور متقین ہی اٹھاتے ہیں اس لئے یہاں محسنین کی تخصیص فرمائی، محسنین کے اوصاف شمار کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے نماز، زکوٰۃ، اور آخرت پر یقین کو بیان فرمایا، یہ تینوں چونکہ نہایت اہم ہیں اس لئے ان کا بطور خاص ذکر کیا ورنہ محسنین ومتقین تمام فرائض وسنن بلکہ مستحبات تک کی پابندی کرتے ہیں۔

یؤتون الزکوٰۃ اس آیت میں زکوٰۃ کا حکم ہے حالانکہ آیت مکی ہے اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا حکم مکہ ہی میں ہجرت سے پہلے آچکا تھا، ورنہ یہ مشہور ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ہجرت سے دوسرے سال نافذ ہوا، اس سے مراد نصابوں کا تعین اور اس کی تفصیل ہے اور حکومت اسلامیہ کی جانب سے اس کی وصول یابی اور مصرف کا انتظام ہے، یہ ہجرت کے دوسرے سال

ہوا ہے، ابن کثیر نے اقیموا الصّلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ کے تحت یہی تحقیق فرمائی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن یَشْتَرِی لَهْوَ الحدیث، اشتریٰ کے لغوی معنی خریدنے کے ہیں، اور بعض اوقات ایک کام کے بدلے دوسرے کو اختیار کرنے کیلئے بھی لفظ اشتراء استعمال کیا جاتا ہے جیسے الَّذِینَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی وغیرہ آیات میں یہی معنی مراد لئے گئے ہیں۔

شانِ نزول:

اس آیت کا شان نزول ایک خاص واقعہ ہے کہ نضر بن حارث بن کلدہ مشرکین مکہ میں ایک بڑا تاجر تھا، اور تجارت کے لئے مختلف ملکوں کا سفر کرتا تھا وہ ملک فارس سے شاہان عجم، کسریٰ وغیرہ کے تاریخی قصے خرید کر لایا اور مشرکین مکہ سے کہا کہ محمد ﷺ تم کو قوم عاد و ثمود کے واقعات سناتے ہیں، میں تمہیں ان سے بہتر، رستم اور اسفندیار اور دوسرے شاہان فارس کے قصے سناتا ہوں، یہ لوگ اس قصہ کو شوق اور رغبت سے سننے لگے، کیونکہ اس میں کوئی تعلیم تو تھی نہیں جس پر عمل کرنے کی محنت اٹھانی پڑے صرف لذت آمیز کہانیاں تھیں ان کی وجہ سے بہت سے مشرکین اس سے پہلے جو کلام الٰہی کے اعجاز اور یکتائی کی وجہ سے اس قرآن سننے کی رغبت رکھتے تھے اور چوری چوری سنا بھی کرتے تھے ان لوگوں کو قرآن سے اعراض کا بہانا ہاتھ آ گیا اور حضرت ابن عباس سے درمنثور میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ نضر بن الحارث باہر سے ایک گانے والی لونڈی خرید لایا تھا اور رقص و سرود کی محفل قائم کرتا تھا تاکہ لوگوں کو قرآن سننے سے روکے۔

لَهْوَ الْحَدِیْث:

''لہوالحدیث'' کے معنی اور تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں حضرت ابن عباس اور ابن مسعود اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک روایت میں اس کی تفسیر گانے بجانے سے کی گئی ہے۔ (رواہ الحاکم) اور جمہور صحابہ و تابعین اور عامۃ المفسرین کے نزدیک لہوالحدیث عام ہے تمام ان چیزوں کے لئے جو اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے غفلت میں ڈالدیں اس میں غنا و مزامیر بھی داخل ہیں، اور بے سروپا بیہودہ قصے کہانیاں بھی، امام بخاری نے اپنی کتاب الادب المفرد میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں یہی تفسیر کی ہے اس میں فرمایا لَهْوَ الحدیث هو الغِنَاء واَشْبَاهُهٗ. (معارف)

لہو ولعب اور تمتع و تفریح کے ساز و سامان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جن کا تعلق کھیل کود کے مقابلوں اور مظاہروں سے بڑھی ہوئی دلچسپی اور انہماک سے ہے جیسا کہ اس زمانہ میں کرکٹ وغیرہ، اور دوسری قسم لطف و تفریح کی گفتگو ہے جس میں پڑ کر لوگ فرائض و واجبات سے غافل ہو جاتے ہیں اس میں قصے کہانیاں اور فحش افسانے آتے ہیں، یہاں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دونوں کو یکجا کر دیا ہے اور ان کو لہو ولعب سے تعبیر کیا ہے۔

قرآن کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ یہ آیت آج کے جدید ترین اسالیب و آلات تسلی و تفریح پر بھی منطبق ہوتی ہے، خصوصاً ویڈیو،

ٹیلی ویژن پر تو پوری طرح منطبق ہوتی ہے اس لئے کہ یہ بیک وقت لہو بھی ہے اور حدیث بھی، تطبیق کی تکمیل آیت کریمہ کے اگلے لفظ سے مزید ہو جاتی ہے، فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَن یشترِی لَهْوَ الْحَدِیثِ لِیُضِلَّ عن سبیل اللّٰه اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ بیہودہ حکایتیں خریدتے ہیں تا کہ لوگوں کو بے سمجھے خدا کے راستے سے گمراہ کریں، اب ذرا غور کیجئے کہ اس کے حصول کے لئے رقم خرچ کرنے اور بازار سے خریدنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف نام لینا باقی رہ گیا، ویڈیو اور ٹیلی ویژن کا، یہ قرآن کا اعجاز ہی معلوم ہوتا ہے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے جو کتاب نازل ہوئی اس میں ٹھیک ٹھیک چودہ سو سال بعد ظاہر ہونے والے آلات وحالات کی نشاندہی کی اور وہ حرف بحرف صادق آئی، آج سے چودہ سو برس پہلے جب یہ چیزیں ایجاد ہونا تو درکنار، کسی نے خواب میں بھی نہ دیکھا تھا اور نہ اس وقت کوئی تصور کر سکتا تھا، اس وقت اللہ کی کتاب نے کہہ دیا کہ، بہت سے لوگ ہیں جو لہو الحدیث خریدتے ہیں۔

غناء اور مزامیر کے احکام:

آیت مذکورہ میں چند صحابہ کرام نے لہو الحدیث کی تفسیر گانے بجانے سے کی ہے اور دوسرے حضرات نے اگرچہ تفسیر عام قرار دی ہے، ہر ایسے کھیل کو جو اللہ سے غافل کرے، لہو الحدیث قرار دیا ہے مگر ان کے نزدیک بھی گانا بجانا لہو الحدیث میں داخل ہے، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے سنن میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو مالک اشعری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا يُعْزَفُ عَلَى رُؤُسِهِمْ بِالمعازف والمغنيات يخسف اللّٰه بهم الارضَ ويجعل اللّٰه منهم القردَةَ والخنازيرَ.

''میری امت کے کچھ لوگ شراب کو اس کا نام بدل کر پئیں گے ان کے سامنے معازف اور مزامیر کے ساتھ عورتوں کا گانا ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں خسف کر دے گا اور بعض کی صورتیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دے گا''۔

رُوِیَ عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اِذا (۱) اتخذ الفیٔ دولًا (۲) والامانة مغنمًا (۳) والزکوة مغرمًا، (۴) وتعلم لغیر الدین، (۵) واطاع الرجل امرأته (۶) وعقّ امَّهُ، (۷) واولٰی صدیقهُ، (۸) واقصٰی اباه، (۹) وظهرت الاصوات فی المساجد (۱۰) وساد القبیلة فاسقُهم (۱۱) وکان زعیم القوم ارذلهم (۱۲) واکرم الرجل مخافةَ شرّہٖ (۱۳) وظهرت القیان والمعازف (۱۴) وشربت الخمر (۱۵) ولَعَن آخر هذه الامة اوّلها فلیَرْتقبوا عند ذلك ریحًا حمراء وزلزلةً ومسخًا وقذفًا وآیات تتابعُ کنظام بالٍ قطع سلکه فتتابع بعضه بعضًا.

(رواه الترمذی وقال هذا حدیث حسن غریب)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مال غنیمت کو شخصی دولت بنالیا جائے اور

جب لوگوں کی امانت کو مال غنیمت سمجھ لیا جائے، اور جب زکوۃ کو ایک تاوان سمجھا جانے لگے، اور علم دین کو دنیا طلبی کے لئے سیکھا جانے لگے اور جب شوہر اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے اور دوست کو اپنے قریب کرلے اور باپ کو دور رکھے اور مسجدوں میں شور وغل ہونے لگے اور قبیلہ کا سرداران کا فاسق، بدکار بن جائے اور جب قوم کا سرداران میں کا ارذل شخص بن جائے اور جب شریر آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جانے لگے اور جب گانے والی عورتوں اور باجوں گاجوں کا عام رواج ہو جائے اور جب شرابیں (کثرت) سے پی جانے لگیں اور اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں، تو اس وقت انتظار کرنا زمین میں دھنسنے کا اور صورتیں مسخ ہونے کا اور قیامت کی ایسی نشانیوں کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے کسی ہار کی لڑی ٹوٹ جائے اور اس کے دانے بیک وقت بکھر جاتے ہیں''۔

تَنْبِیْہ: اس حدیث کے الفاظ کو بار بار پڑھئے اور دیکھئے کہ اس وقت کی دنیا اس حدیث کا پورا پورا نقشہ ہے یا نہیں؟ اور وہ گناہ جو مسلمانوں میں عام ہو چکے ہیں اور بڑھتے جا رہے ہیں ان کی خبر چودہ سو سال پہلے رسول اللہ ﷺ نے دیدی ہے، اور مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے حالات سے باخبر رہیں، اور گناہوں سے بچنے بچانے کا پورا پورا اہتمام کریں، ورنہ جب یہ گناہ عام ہو جائیں گے تو ایسے گناہ کرنے والوں پر آسمانی عذاب نازل ہوں گے، اور پھر قیامت کی آخری علامات سامنے آجائیں گی، مذکورہ گناہوں میں عورتوں کا گانا اور گانے بجانے کے آلات طبلہ، سارنگی وغیرہ بھی ہیں، اس جگہ اس روایت کو اسی مناسبت سے نقل کیا گیا ہے۔ (معارف)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بغیر عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ترکیب نحوی کے اعتبار سے اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ تَرَوْنَهَا کو عَمَدٍ کی صفت قرار دیا جائے اور اس کی ضمیر عَمَد کی طرف راجع کی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا بغیر ستونوں کے جیسا کہ تم دیکھتے ہو، یعنی اگر ستون ہوتے تم ان کو دیکھتے جب ستون نظر نہیں آتے تو معلوم ہوا کہ یہ آسمان کی عظیم الشان چھت بغیر ستونوں کے بنائی گئی ہے یہ تفسیر حضرت حسن اور قتادہ سے منقول ہے۔ (ابن کثیر)

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تَرَوْنَهَا کی ضمیر سمٰوٰت کی طرف راجع ہو اور یہ جملہ مستقل قرار دیا جائے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا فرمایا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، پہلی صورت میں ایک ترجمہ یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ آسمان ستونوں پر قائم ہیں لیکن ان ستونوں کو تم دیکھ نہیں سکتے وہ غیر مرئی ہیں۔ (یہ تفسیر ابن عباس وعکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے)۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ مِنها العلمُ والدِيانةُ والإصابةُ في القولِ وحِكَمُهٗ كثيرةٌ مأثورةٌ كان يُفتِي قبلَ بعثِ داوٗدَ وأدرك زمَنَهٗ وأخذ منه العلمَ وترك الفُتيا وقال في ذلك ألا أكتفِي إذا كُفِيتُ وقيل له أيُّ الناس شرٌّ قال الذي لا يُبالي أنْ راٰه الناسُ مسيئًا **أَنِ** أي وقُلنا له أن **اشْكُرْ لِلّٰهِ** على ما أعطاك من الحكمةِ **وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ** لأنّ ثوابَ شُكرِه له **وَمَنْ كَفَرَ** النعمةَ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ** عن خلقِه **حَمِيْدٌ** (۱۲) محمُودٌ في

صنعہ وَ اذکر اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ تصغیر اشفاق لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ باللہ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ فرجع الیہ واسلم وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ امرناہ ان یبرہما حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ فوہنت وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ ای ضعفت للحمل وضعفت للطلق وضعفت للولادۃ وَّفِصٰلُهٗ فطامہ فِيْ عَامَيْنِ وقلنا لہ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ای المرجع وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ موافقۃ للواقع فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ای بالمعروف البر والصلۃ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ طریق مَنْ اَنَابَ رجع اِلَيَّ بالطاعۃ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ فاجازیکم علیہ وجملۃ الوصیۃ وما بعدہا اعتراض يٰبُنَيَّ اِنَّهَا ای الخصلۃ السیئۃ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ ای فی اخفی مکان من ذلک يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ فیحاسب علیہا اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ باستخراجہا خَبِيْرٌ بمکانہا يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ بسبب الامر والنہی اِنَّ ذٰلِكَ المذکور مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ای معزوماتہا التی یعزم علیہا لوجوبہا وَلَا تُصَعِّرْ وفی قراءۃ تصاعر خَدَّكَ لِلنَّاسِ لا تمل وجہک عنہم تکبرا وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ای خیلاء اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ متبختر فی مشیہ فَخُوْرٍ علی الناس وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ توسط فیہ بین الدبیب والاسراع وعلیک السکینۃ والوقار وَاغْضُضْ اخفض مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ اقبحہا لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ اولہ زفیر واٰخرہ شہیق.

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی ان ہی میں سے علم اور دیانت اور راست گوئی ہیں، اور ان کی حکمت کی (باتیں) بہت ہیں جو کہ منقول ہیں اور وہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے فتویٰ دیا کرتے تھے حضرت لقمان نے داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ پایا تھا اور ان سے علم بھی حاصل کیا تھا، اور (داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد) فتویٰ دینا ترک کر دیا تھا، اور فتویٰ (کے معاملہ میں) فرمایا کیا میں سبک دوشی اختیار نہ کروں؟ جب سبک دوش کیا جاؤں اور حضرت لقمان سے دریافت کیا گیا کہ بدترین شخص کون ہے؟ جواب دیا: وہ شخص جو اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ لوگ اسے برا کرتے ہوئے دیکھیں گے یعنی ہم نے اس سے کہا تو اللہ کا شکر کر اس بات پر کہ تجھ کو حکمت عطا کی اور ہر شکر کرنے والا اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے اس لئے کہ اس کے شکر کا اجر اسی کو ملتا ہے اور جس نے نعمت کی ناشکری کی (وہ جان لے) کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے اور اپنی صنعت میں قابل ستائش ہے اور اس وقت کو یاد کرو جب لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا اے میرے منے بُنَیَّ شفقت کے لئے تصغیر ہے اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا بلاشبہ شرک باللہ بڑا بھاری ظلم ہے چنانچہ اس نے لقمان کی بات مان لی اور اسلام قبول کر لیا، اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا (تاکیدی) حکم دیا ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اس کو حمل میں رکھا یعنی حمل کی وجہ سے اسے ضعف لاحق ہوا، اور دردِ زہ کی وجہ سے کمزوری لاحق ہوئی، اور

ولادت کی وجہ سے ناتوانی ہوئی، اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے اور ہم نے اس سے کہا کہ تو میری اور اپنے والدین کی شکر گذاری کیا کر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ دونوں (بھی) تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک کر کہ جس کی تیرے پاس واقع کے مطابق دلیل نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا (ہاں) دنیا میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا یعنی حسن سلوک کے ساتھ اور اس شخص کے طریقہ کی اتباع کرنا جو میری طرف طاعت کے ذریعہ رجوع ہو پھر تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے پھر میں تم کو بتلادوں گا جو کچھ تم کرتے تھے بعد ازاں ان اعمال کی تم کو جزا دوں گا، وصیت اور اس کے مابعد کا جملہ جملہ معترضہ ہے اے میرے پیارے بیٹے بری خصلت اگر چہ وہ رائی کے دانے کے برابر ہو اور پھر وہ (بھی) چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو یعنی ان مذکورہ جگہوں سے زیادہ پوشیدہ جگہ میں ہو، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور نکال لائے گا پھر اس پر محاسبہ کرے گا بلاشبہ اللہ اس کو نکالنے کے بارے میں باریک بین ہے اور اس کی جگہ سے باخبر ہے، اے میرے پیارے بیٹے تو نماز قائم رکھنا اور اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا برے کاموں سے منع کرتے رہنا اور امر و نہی کی وجہ سے تم پر اگر کوئی مصیبت آجائے تو صبر کرنا یقین مان کہ یہ صبر بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے یعنی یہ صبر ان امور میں سے ہے کہ جن کے واجب ہونے کی وجہ سے ان کی تاکید کی گئی ہے اور تو لوگوں سے تکبر کی وجہ سے اپنا رخ نہ پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل یعنی عجب و خود پسندی کے ساتھ، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اکڑ کر چلنے والوں کو اور لوگوں کے مقابلہ میں فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور تو اپنی رفتار میں رینگنے اور دوڑنے کے درمیان اعتدال اختیار کر اور رفعت و وقار کو لازم پکڑ اور اپنی آواز پست کر یقیناً آوازوں میں سب سے زیادہ ناگوار گدھے کی آواز ہے (گدھے کی آواز کا) اول حصہ زفیر ہے اور اس کا آخر شہیق ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں بعض نے کہا یہ عجمی لفظ ہے اور علمیة اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ عربی لفظ ہے علمیة اور الف نون زائدتان کی وجہ سے غیر منصرف ہے، حضرت لقمان کے نسب کے بارے میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات لقمان بن باغور بن ناخور بن تارخ اور تارخ آزر ہی کا نام ہے، اس نسب کے اعتبار سے لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی کے پوتے ہوتے ہیں اور بعض حضرات نے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھانجے کہا ہے، اور بعض نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خالہ زاد بھائی بتایا ہے، کہا گیا ہے کہ حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہزار سال بقید حیات رہے حتی کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ پایا، جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت لقمان حکیم تھے نبی نہیں تھے، البتہ عکرمہ اور شعبی ان کی نبوت کے قائل ہیں۔ (صاوی)

قولہ: أن. ای وقُلنا لهٗ شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تفسیری عبارت سے دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اول یہ کہ أن تفسیر یہ ہے، دوسرے یہ کہ حذف قلنا کے ذریعہ أن اشکر کا عطف ولقد اٰتینا لُقمٰنَ پر ہے، حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے صاحبزادے کے نام میں تین قول ہیں، بعض نے ''ثاران'' بتایا ہے، اور کلبی نے ''مشکم'' کہا ہے اور بعض نے ''انعم'' بتایا ہے (جمل) کہا گیا ہے کہ حضرت لقمان علیہ الصلاۃ والسلام کی اہلیہ اور صاحبزادے کافر تھے، آپ کی نصیحت سے مسلمان ہو گئے۔

قَوْلُہٗ: فَرَجَعَ وَاَسْلَمَ یہ عطف تفسیری ہے۔

قَوْلُہٗ: وَوَصَّیْنَا الانسانَ یہ دو آیتیں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ سابق میں گذر گیا ہے اور یہ دو آیتیں حضرت لقمان کے کلام کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر واقع ہوئی ہیں۔

قَوْلُہٗ: وَهَنَتْ وَهْنًا علٰی وَهْنٍ مفسر علام نے وَهْنًا سے پہلے وَهَنَتْ فعل محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ وَهْنًا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور عَلٰی وَهْنٍ یہ کائنًا محذوف سے متعلق ہو کر وَهْنًا کی صفت ہے ای وَهْنًا کائنًا عَلٰی وَهْنٍ اور صاوی نے کہا ہے کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اُمُّهٗ سے حال قرار دیا جائے، ای حملتْهُ اُمُّهٗ ذات وهنٍ۔

قَوْلُہٗ: موافقة للواقع شارح رحمہ اللہ تعالیٰ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ یہ قید بیان واقعہ کے لئے ہے یعنی واقعی اور حقیقت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو پھر اس کا علم یا دلیل کہاں ہوگی؟ یہ قید احترازی نہیں ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جس کے شریک ہونے کی تیرے پاس دلیل نہ ہو اس کو شریک نہ کر اور جس کے شریک ہونے کی دلیل ہو اس کو شریک کر سکتا ہے یہ اس کا مفہوم مخالف ہوگا، جو معتبر نہیں ہے اسی کو کہا جاتا ہے لا مفهومَ لهٗ یعنی اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: وَوَصَّیْنَا الانسانَ سے دو آیتیں، حضرت لقمان علیہ الصلاۃ والسلام کے کلام کے درمیان بطور جملہ معترضہ کے ہیں، مقصد ان کا حضرت لقمان کے کلام کی تاکید ہے یا بُنَیَّ یہ حضرت لقمان علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنے بیٹے کو نصیحت کی جانب عود ہے۔

قَوْلُہٗ: فی صخرةٍ، صخرة مطلقاً پتھر کی چٹان کو کہتے ہیں اور ساتویں زمین کے نیچے جو سخت پتھر ہے اس کو بھی کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: لَا تُصَعِّرْ فعل نہی تو نہ موڑ، یہاں تکبر کی وجہ سے رخ پھیرنے سے نہی ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

وَلَقَدْ آتَیْنَا لُقْمَانَ حضرت لقمان علیہ الصلاۃ والسلام وہب بن منبہ کی روایت کے مطابق حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کے بھانجے تھے اور مقاتل نے ان کا خالہ زاد بھائی بتلایا ہے، تفسیر بیضاوی وغیرہ میں ہے کہ ان کی عمر دراز ہوئی، حضرت لقمان نے حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کا زمانہ پایا تھا۔

اور تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباس کی روایت یہ ہے کہ حضرت لقمان ایک حبشی غلام تھے، نجاری کا کام کرتے تھے اور حضرت جابر بن عبداللہ سے ان کے حالات دریافت کئے گئے تو فرمایا پست قد، چپٹی ناک کے حبشی تھے، ایک حبشی حضرت سعید بن مسیب کے پاس کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آیا تو حضرت سعید نے ان کی دل جوئی کے لئے فرمایا کہ تم اپنے کالے ہونے پر غم نہ کرو کیونکہ کالے لوگوں میں تین بزرگ ایسے گذرے ہیں جو لوگوں میں سب سے بہتر تھے ① حضرت

بلال حبشی (۲) اور مھجع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور (۳) حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حضرت لقمان جمہور سلف کے نزدیک نبی نہیں تھے، بلکہ ولی اور حکیم تھے، ابن کثیر نے بھی ان کے نبی نہ ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے، صرف عکرمہ نے ان کو نبی کہا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

جب جمہور کے نزدیک حضرت لقمان کا نبی نہ ہونا راجح بلکہ مسلم ہے تو پھر ان کو وہ حکم جو قرآن میں مذکور ہے أن اشکر لی یہ بذریعہ الہام ہو سکتا ہے جو اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے۔

حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے شرعی مسائل میں لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے، جب داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت عطا کی گئی تو فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اب میری ضرورت نہیں رہی، اس بات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ لقمان نبی نہیں تھے اس لئے کہ کسی نبی کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ کار نبوت کو ترک کر دے، بعض روایات میں ہے کہ بنی اسرائیل کے قاضی تھے، حضرت لقمان کے کلمات حکمت بہت منقول ہیں، وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت لقمان کی حکمت کے دس ہزار سے زیادہ ابواب پڑھے ہیں۔ (قرطبي، معارف)

ایک روز حضرت لقمان ایک بڑی مجلس میں لوگوں کو حکمت کی باتیں سنا رہے تھے ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ کیا تم وہی نہیں جو میرے ساتھ فلاں جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے، لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں، تو اس شخص نے پوچھا کہ پھر آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ خلق خدا آپ کی تعظیم کرتی ہے اور آپ کے کلمات سننے کے لئے دور دور سے جمع ہوتی ہے، حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کا سبب میرے دو کام ہیں، اول ہمیشہ سچ بولنا، دوسرے فضول باتوں سے اجتناب کرنا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ لقمان نے فرمایا کہ چند کام ایسے ہیں جنہوں نے مجھے اس درجہ پر پہنچایا، اگر تم اختیار کر لو تو تمہیں بھی یہی درجہ اور مقام حاصل ہو جائے گا وہ کام یہ ہیں، اپنی نظر کو پست رکھنا، زبان کو بند رکھنا، حلال روزی پر قناعت کرنا، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا، بات کی سچائی پر قائم رہنا، عہد پورا کرنا، مہمان کا اکرام کرنا پڑوسی کی حفاظت کرنا، اور فضول کام اور فضول کلام چھوڑ دینا۔ (ابن کثیر)

حکمت لقمان سے کیا مراد ہے؟

لفظ ''حکمت'' قرآن کریم میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے، علم، عقل، حلم، بردباری، نبوت، اصابت رائے، ابوحیان نے فرمایا کہ حکمت سے مراد وہ کلام ہے جس سے لوگ نصیحت حاصل کریں، اور ان کے دلوں میں مؤثر ہو اور جس کو لوگ محفوظ کر کے دوسروں کو پہنچائیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حکمت سے مراد عقل و فہم اور ذہانت ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ علم کے مطابق عمل کرنا حکمت ہے۔

آیت مذکور میں حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکمت عطا کرنے کا ذکر فرما کر آگے فرمایا ہے اَنِ اشْکُرْ لِی یہ خود حکمت کی تفسیر ہے یعنی وہ حکمت جو لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی گئی تھی کہ ہم نے اس کو شکر کا حکم دیا، انہوں نے تکمیل کی اس صورت میں مطلب یہ ہوگا

کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر گذار ہونا بڑی حکمت ہے، اس کے بعد یہ جتلا دیا کہ یہ شکر گذاری کا حکم ہم نے کچھ اپنے فائدے کے لئے نہیں دیا، ہمیں کسی کے شکر کی حاجت نہیں بلکہ یہ ان ہی کے فائدے کے لئے دیا ہے کیونکہ ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص ہماری نعمت کا شکر ادا کرتا ہے، ہم اس کی نعمت میں اور زیادتی کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد لقمان علیہ الصلاۃ والسلام کے کچھ کلمات حکمت کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائے تھے وہ کلمات قرآن کریم نے اس لئے نقل فرمائے کہ دوسرے لوگ بھی ان سے فائدہ اٹھائیں، ان کلمات حکمت میں سب سے اول تو عقائد کی درستی ہے اور ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو سارے عالم کا خالق و مالک بلا شرکت غیرے یقین کرے اس لئے کہ اس دنیا میں اس سے بڑا بھاری ظلم کوئی نہیں ہو سکتا کہ خدائے تعالیٰ کی کسی مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرائے، اس لئے فرمایا یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ اس کے بعد حضرت لقمان کی دوسری نصائح اور کلمات حکمت بیان ہوئے ہیں جو اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمائے تھے، حکمت لقمان کے کچھ کلمات قرآن کریم نے اس لئے نقل فرمائے ہیں تاکہ دوسرے لوگ بھی اس سے استفادہ کریں۔

والدین کی اطاعت فرض ہے بشرطیکہ معصیت الٰہی نہ ہو:

والدین کی اطاعت اور شکر گزاری کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت و شکر گذاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گذاری اور اطاعت کا حکم دیا ہے، لیکن شرک ایسا ظلم عظیم اور سنگین جرم ہے کہ وہ والدین کے کہنے اور ان کے مجبور کرنے سے بھی جائز نہیں۔

یہاں والدین کی شکر گذاری اور اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ساتھ ساتھ اس کی حکمت بھی بیان فرما دی کہ اس کے وجود و بقاء میں والدین کا بہت بڑا دخل ہے، خاص طور سے اس کی ماں کو اس کے وجود و بقاء کے لئے بڑی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، اسی لئے ماں کے حقوق پہلے بیان فرمائے ہیں، وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَفِصَالُهٗ فِي عَامَيْنِ ممکن تھا کہ بیٹا والدین کے شرک کے لئے مجبور کرنے اور دباؤ ڈالنے کی وجہ سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہو کر والدین کے ساتھ بدکلامی یا بدخوئی سے پیش آئے ان کی توہین کرے، اسلام چونکہ ایک قانون عدل ہے اس لئے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیدیا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا یعنی معصیت کے معاملہ میں تو تم ان کا کہنا نہ مانو البتہ دنیا کے کاموں میں اس کے عام دستور کے مطابق معاملہ کرو، مالی اخراجات وغیرہ میں کمی نہ ہونے دو اور نہ عزت و احترام میں کسی قسم کی کوتاہی ہونے دو۔

فَائِدَة: اس آیت میں جو بچے کے دودھ چھڑانے کی مدت دو سال بتلائی گئی ہے، یہ عام عادت کے مطابق ہے اس میں اس کی کوئی صراحت نہیں کہ اس سے زیادہ مدت تک دودھ پلایا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ کی تشریح انشاء اللہ سورۂ احقاف کی آیت **وحمله وفصاله ثلثون شهرًا** کے تحت آئے گی۔

قَوْلُهٗ: اِنْ تَكُ کا مرجع اگر **خطيئة** ہو تو مطلب گناہ اور اللہ کی نافرمانی والا کلام ہے اور اگر اس کا مرجع **خصلة** ہو تو مطلب

اچھی یا بری خصلت ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ انسان اچھا یا برا عمل کتنا ہی چھپ کر کرے اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ضرور حاضر کرلیں گے، یعنی اس کی جزاء یا سزا دے گا خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا عمل کیوں نہ ہو؟

قَوْلُہٗ: مِنْ ذٰلِكَ ای المذکور.

قَوْلُہٗ: اِنَّ ذٰلِكَ یہاں ذٰلِكَ کا مرجع صبر ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ یعنی تکبر نہ کر کہ لوگوں کو حقیر سمجھے اور جب وہ تجھ سے ہم کلام ہوں تو تو ان سے منہ پھیر لے یعنی بے رخی کرے، صعر ایک قسم کی بیماری ہے جس کی وجہ سے اونٹ کی گردن مڑ جاتی ہے، یہاں بطور کنایہ یہ لفظ تکبر سے منہ پھیر لینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قَوْلُہٗ: واقصد فی مشیك یعنی ایسی چال یا رویہ کہ جس سے مال و دولت یا جاہ و منصب یا قوت و طاقت کی وجہ سے فخر و غرور کا اظہار ہوتا ہو، یہ اللہ کو ناپسند ہے، اس لئے کہ انسان ایک بندۂ عاجز و حقیر ہے، اللہ کو یہی پسند ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق عاجزی اور انکساری ہی اختیار کرے، ایسا کوئی طریقہ اختیار نہ کرے کہ اس سے بڑائی کا اظہار ہوتا ہو اس لئے کہ بڑائی صرف اللہ ہی کے لئے زیبا ہے، اور یہ کہ زیادہ چیخ و چلا کر بات نہ کر، اس لئے کہ اگر زیادہ اونچی آواز سے بات کرنا پسندیدہ ہوتا تو گدھے کی آواز سب سے اچھی سمجھی جاتی، حال یہ ہے کہ گدھے کی آواز سب سے زیادہ بدتر اور کریہہ ہے، حدیث میں بھی آیا ہے کہ اگر گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو۔ (بخاری کتاب بدء الخلق)

اَلَمْ تَرَوْا تعلموا یا مخاطبین **اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ** من الشمس والقمر والنجوم لتنتفعوا بها **وَمَا فِی الْاَرْضِ** من الثمار والانهار والدوابّ **وَاَسْبَغَ** اوسع واتمّ **عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً** وهی حسن الصورة وتسویة الاعضاء وغیر ذلك **وَّبَاطِنَةً** هی المعرفة وغیرها **وَمِنَ النَّاسِ** ای اهل مکة **مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی** من رسول **وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ**۝ انزله الله بل بالتقلید **وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا** قال تعالی أ یتبعونه **وَلَوْ كَانَ الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ**۝ ای موجباته، **وَمَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗ اِلَی اللّٰهِ** ای یقبل علی طاعته **وَهُوَ مُحْسِنٌ** موحّد **فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی** بالطرف الاوثق الذی لا یخاف انقطاعه **وَاِلَی اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ**۝ مرجعها **وَمَنْ كَفَرَ فَلَا یَحْزُنْكَ** یا محمد **كُفْرُهٗ** لا تهتمّ بکفره **اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ**۝ ای بما فیها کغیره فمجاز علیه **نُمَتِّعُهُمْ** فی الدنیا **قَلِیْلًا** ایام حیوتهم **ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ** فی الاخرة **اِلٰی عَذَابٍ غَلِیْظٍ**۝ وهو عذاب النار لا یجدون عنه محیصا **وَلَئِنْ** لام قسم **سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ** حذف منه نون الرفع لتوالی الامثال وواو الضمیر لالتقاء الساکنین **قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ** علی ظهور الحجة علیهم بالتوحید **بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ**۝ وجوبه

عليهم لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِلْكًا وخَلْقًا وعَبِيْدًا فلا يَسْتَحِقُّ العِبَادَةَ فِيهِمَا غَيْرُهُ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ عن خَلْقِهِ الْحَمِيْدُ المَحْمُوْدُ في صُنْعِهِ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ عطفٌ على اسم اَنَّ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مِدَادٌ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ المعبّر بها عن معلوماته بكَتْبِهَا بتلك الاقلام بذلك المداد ولا باَكْثَرَ مِنْ ذلك لِاَنَّ معلوماته تعالى غيرُ مُتَنَاهِيَةٍ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ لا يُعْجِزُهُ شيءٌ حَكِيْمٌ لا يَخْرُجُ شيءٌ عن علمه وحكمته مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ خَلْقًا وبَعْثًا لانّه بكلمة كُنْ فَيَكُوْنُ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ يَسْمَعُ كُلَّ مَسْمُوْعٍ بَصِيْرٌ يُبْصِرُ كُلَّ مُبْصَرٍ لا يَشْغَلُهُ شيءٌ عن شيءٍ اَلَمْ تَرَ تَعْلَمُ يا مُخَاطِبًا اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ يُدْخِلُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ يُدْخِلُهُ فِي الَّيْلِ فَيَزِيْدُ كُلٌّ مِنْهُمَا بما نَقَصَ مِنَ الآخَرِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ مِنْهُمَا يَّجْرِيْ في فَلَكِهِ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى هو يَوْمُ القِيَامَةِ وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ذٰلِكَ المَذْكُوْرُ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الثابتُ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ بالياءِ والتاءِ يعبدون مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ الزائلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ على خَلْقِهِ بالقَهْرِ الْكَبِيْرُ العظيمُ.

ترجمہ: اے مخاطبو! کیا تم اس بات کو نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں یعنی سورج اور چاند اور ستارے تاکہ تم ان سے فائدہ حاصل کرو اور ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں، پھل اور نہریں اور جانور (وغیرہ) اور تم کو اپنی ظاہری نعمتیں اور وہ حسن صورت اور تناسب اعضاء وغیرہ وغیرہ ہیں، اور باطنی (نعمتیں) (اور) وہ معرفت (الٰہی) وغیرہ ہے بھرپور دے رکھی ہیں اور کچھ لوگ یعنی اہل مکہ ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور رسول کی جانب سے بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے کہ جس کو اللہ نے نازل کیا ہو، جھگڑتے ہیں بلکہ تقلید کی وجہ سے (جھگڑتے ہیں) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کی تابعداری کرو تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو جس طریق پر اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے، اسی کی تابعداری کریں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ اسی راستہ کی پیروی کریں گے اگرچہ ان کو شیطان نے دوزخ کے عذاب کی طرف یعنی اس کے موجبات کی طرف بلایا ہو؟ نہیں اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردے یعنی اس کی اطاعت کی طرف متوجہ ہو جائے اور حال یہ ہے کہ وہ نیکوکار یعنی موحد ہو تو یقیناً اس نے مضبوط حلقہ یعنی ایسا مضبوط کنارا تھام لیا کہ جس کے ٹوٹنے کا اندیشہ نہیں اور تمام کاموں کا انجام یعنی مرجع اللہ ہی کی طرف ہے اے محمد ﷺ آپ کافروں کے کفر سے رنجیدہ نہ ہوں، یعنی آپ ان کے کفر سے کبیدہ خاطر نہ ہوں، (آخر) ان کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے تو ہم ان کو ان کے سب کرتوت بتا دیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں سے یعنی جو کچھ دلوں میں ہے واقف ہے، جیسا کہ دلوں کے رازوں کے علاوہ سے واقف ہے تو ان کا بدلہ دے گا ہم ان کو دنیا میں کچھ تھوڑا سا (یعنی) ان کی مدت حیات تک فائدہ دیدیں گے، بالآخر ہم انہیں نہایت بیچارگی کی حالت میں آخرت میں سخت عذاب کی طرف ہنکا لیجائیں گے، اور وہ دوزخ کا

عذاب ہے کہ وہ اس سے جائے پناہ نہ پائیں گے اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے؟ تو یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہے اس سے نون رفع کو پے درپے چند نونوں کے آجانے کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے، اور ضمیر کا واؤ (بھی) التقاء ساکنین کی وجہ سے ساقط ہوگیا، ان پر توحید کی حجت ظاہر ہوجانے پر آپ الحمد للہ کہئے، لیکن ان میں اکثر لوگ اپنے اوپر توحید کے وجوب سے واقف نہیں ہیں، آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے مملوک اور مخلوق اور غلام ہونے کے اعتبار سے اللہ ہی کا ہے، لہٰذا آسمانوں اور زمینوں میں اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے اور اپنی صنعت میں قابل ستائش ہے اگر روئے زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور تمام سمندر روشنائی ہوجائیں، اِنَّ کے اسم پر عطف ہے اور ان کے ساتھ سات سمندر اور شامل ہوجائیں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوسکتے، اللہ تعالیٰ کی معلومات کو کلمات سے تعبیر کیا ہے ان معلومات کے ان قلموں سے لکھنے کی وجہ سے اس روشنائی سے اور نہ اس (مذکور) سے زیادہ (مقدار) سے ختم ہوسکتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہیہ ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے غلبہ والے ہیں اس کو کوئی شئ عاجز نہیں کرسکتی اور بڑی حکمت والے ہیں کوئی شئ اس کے علم وحکمت سے خارج نہیں ہے تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد زندہ ہونا ایسا ہی ہے جیسے نفس واحد کا پیدا ہونا اور زندہ ہونا، اس لئے کہ یہ سب (کچھ) کلمہ کن فیکون سے ہوتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر بات کو سنتا ہے ہر مرئی شئ کو دیکھتا ہے اس کو کوئی شئ کسی شئ سے نہیں روک سکتی، اے مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کردیتا ہے، ان میں سے ہر ایک میں اتنا اضافہ ہوجاتا ہے جتنا دوسرے سے کم ہوتا ہے شمس وقمر میں سے ہر ایک کو اس نے مسخر کر رکھا ہے کہ مقررہ وقت تک اپنے محور پر چلتا رہے اور مقررہ وقت قیامت کا دن ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے، یہ مذکور (تسخیر وانتظامات) اس لئے ہیں کہ اللہ برحق ثابت الالوہیۃ ہے اور اس کے علاوہ جن جن (معبودوں) کو پکارتے ہیں یعنی بندگی کرتے ہیں سب باطل ہیں، زائل ہونے والے ہیں یَدْعُوْنَ یا اور تا دونوں قراءتیں ہیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر غلبہ کے اعتبار سے عالی ہے اور عظیم ہے۔

تَحقِیق وتَرکیب وتَسہِیل وتَفسِیری فَوائد

قَوْلُہٗ: اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ، الآیۃ یہ ردعلی المشرکین کے مضمون سابق کی جانب رجوع ہے۔

قَوْلُہٗ: یا مخاطبین منادی مفرد ہونے کی وجہ سے قیاس یہ تھا کہ یا مخاطبون ہوتا، اس لئے کہ منادی مفرد مبنی علی علامۃ الضم ہوتا ہے، مگر ہوسکتا ہے کہ نکرہ غیر مقصودہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو۔

قَوْلُہٗ: یقبلُ علیٰ طاعتہٖ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ وَجْہٌ سے چہرہ مراد نہیں ہے بلکہ ذات مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: مُوَحِّدٌ، مُحْسِنٌ کی تفسیر مُوَحِّدٌ سے کرکے اس طرف اشارہ کردیا کہ یہاں احسان سے مراد احسان کامل نہیں ہے جو کہ أن تعبد اللّٰہ کانك تراہ کا درجہ ہے یہاں تو توحید کا قائل مسلمان مراد ہے تاکہ عام مسلمان بھی اس میں داخل ہوجائیں۔

قَوْلُہٗ : لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہ یہ جملہ، قسم محذوف کا جواب ہے اور جواب شرط قاعدہ کے مطابق محذوف ہے لفظ اللہ یا تو فعل محذوف کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، تقدیر عبارت یہ ہے خَلَقَھُنَّ اللّٰہ اور اس حذف کا قرینہ خَلَقَھُنَّ العزیزُ العلیمُ ہے، یا مبتداء محذوف کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے الخالق لَھُنَّ اللّٰہ.

قَوْلُہٗ : وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الارضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقلامٌ یہ پورا جملہ اَنَّ کا اسم ہے اور اَقلامٌ اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ : وَالْبَحْرُ عطف علی اسم اَنَّ یہ البحرَ کے نصب کی توجیہ ہے، شارح نے رفع کی توجیہ ترک کردی ہے، رفع کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ البحرُ کا عطف اَنَّ اور اس کے اسم وخبر سے مل کر جملہ پر ہے، اس لئے کہ جملہ، فعل محذوف کے فاعل ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَوْ ثَبَتَ اَنَّ مَا فی الارضِ الخ یا البحر مبتداء ہے اور یمدہٗ اس کی خبر ہے اور جملہ حالیہ ہے۔

قَوْلُہٗ : مدادٌ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای الجمیعُ مِدادٌ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

قَوْلُہٗ : مَا نَفِدَتْ الخ یہ لَوْ کا جواب ہے مگر لَوْ یہاں اپنے مشہور معنی یعنی انتفاء شرط کی وجہ سے انتفاء جزاء کے لئے نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ : بکتبھا بتلك الأقلام الخ اس عبارت سے اشارہ کردیا کہ کلام میں حذف ہے اور کلمات اللہ سے اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی قدیم قائم بالذات کے مدلولات مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ : ذٰلك المذکور ، ذٰلك مبتداء بِاَنَّ اللّٰہَ ھو الحقُّ اس کی خبر ہے۔

تفسیر وتشریح

سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، مسخر کردیا ہے، مسخر کرنے کے مشہور معنی کسی چیز کو کسی کے تابع کردینے کے ہیں، یہاں اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے اول تو زمین کی سب چیزیں بھی انسان کے تابع فرمان نہیں، بلکہ بہت سی چیزیں اس کے مزاج کے خلاف کام کرتی ہیں، خصوصاً جو چیزیں آسمانوں میں ہیں ان میں تو انسان کے تابع فرمان ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں۔

جواب یہ ہے کہ دراصل تسخیر کے معنی کسی چیز کو زبردستی کسی خاص کام میں لگادینا ہے اور اس پر مجبور کردینا ہے، آسمان وزمین کی تمام مخلوق انسان کے تابع اور مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام مخلوقات کو انسان کی خدمت اور نفع رسانی میں لگادیا ہے، ان میں بہت سی چیزوں کو تو اس طرح خدمت میں لگایا کہ ان کو انسان کا تابع فرمان بھی بنادیا وہ جس وقت جس طرح چاہے ان کو استعمال کرتا ہے، بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو انسان کے کام میں تو لگادیا ہے کہ وہ انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں، مگر بتقاضائے حکمت ربانی ان کو انسان کے تابع نہیں بنایا گیا مثلاً آسمانی مخلوق، سیارات، برق وباراں وغیرہ، کہ ان کو انسان کے حکم کے تابع بنادیا جاتا تو انسان کی طبائع اور مزاجوں اور حالات کے اختلاف کا ان پر اثر پڑتا، ایک انسان چاہتا کہ آفتاب

جلدی طلوع ہو اور دوسرے کی خواہش یہ ہوتی کہ دیر سے طلوع ہو ایک بارش چاہتا اور دوسرا چاہتا کہ بارش نہ ہو یہ متضاد تقاضے آسمانی کائنات کے عمل میں خلل پیدا کرتے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کو انسان کی خدمت میں لگا دیا مگر ان کا تابع حکم نہیں بنایا یہ بھی ایک قسم کی تسخیر ہی ہے۔ (معارف)

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اقلامٌ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معلومات اور اپنی قدرت کے تصرفات اور اپنی نعمتوں کی مثال دی ہے کہ وہ غیر متناہی ہیں نہ وہ زبان سے شمار ہو سکتی ہیں اور نہ قلم سے ان کو لکھا جا سکتا ہے، مثال یہ بیان فرمائی کہ ساری زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان سب کی شاخوں کے قلم بنا لئے جائیں اور ان سے لکھنے کے لئے سمندروں کو روشنائی بنا دیا جائے اور یہ سب قلم حق تعالیٰ کی معلومات اور تصرفات قدرت کو لکھنا شروع کر دیں تو سمندر ختم ہو جائیں گے مگر معلومات اور تصرفات ختم نہ ہوں گے۔

شانِ نزول:

بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت احبار یہود کے ایک سوال کے جواب میں نازل ہوئی وجہ یہ تھی کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قلیلاً یعنی تم کو بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو چند احبار یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس آیت کے بارے میں معارضہ کیا کہ آپ جو کہتے ہیں کہ تمہیں تھوڑا علم دیا گیا ہے، یہ آپ نے اپنی قوم کا حال ذکر کیا ہے یا اس میں آپ نے ہمیں بھی داخل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سب مراد ہیں یعنی ہماری قوم بھی اور یہود و نصاریٰ بھی، تو انہوں نے یہ معارضہ کیا کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے توریت عطا فرمائی ہے جس کی شان تبیان لکل شیٔ ہے یعنی اس میں ہر چیز کا بیان ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ بھی علم الٰہی کے مقابلہ میں قلیل ہی ہے، پھر تورات میں جتنا علم ہے اس کا بھی تم کو پورا علم نہیں، بقدر کفایت ہی ہے اس لئے علم الٰہی کے مقابلہ میں ساری آسمانی کتابوں اور سب انبیاء کے علوم کا مجموعہ بھی قلیل ہے، اسی کلام کی تائید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی وَلَوْ اَنَّ ما فی الارض من شجرة اقلام (الآیة). (ابن کثیر)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یولج اللیل فی النهار (الآیة) اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ رات کے کچھ حصہ کو دن میں اور دن کے کچھ حصہ کو رات میں داخل کر دیتا ہے جس سے دن اور رات چھوٹے بڑے ہوتے رہتے ہیں، رات اور دن کے مجموعی گھنٹے چوبیس ہوتے ہیں، مگر ان میں چار گھنٹے ایسے ہیں جو بتدریج کبھی دن میں شامل ہو جاتے ہیں تو دن سولہ گھنٹے کا اور رات آٹھ گھنٹے کی ہو جاتی ہے اور جب یہ چار گھنٹے رات میں بتدریج شامل ہو جاتے ہیں تو رات سولہ گھنٹے کی اور دن آٹھ گھنٹے کا ہو جاتا ہے، مگر رات اور دن کے مجموعی گھنٹوں کی تعداد چوبیس ہی رہتی ہے۔

فائدہ: ایک سو بیس ہزار سال میں زمین کی حرکت محوری ایک سکنڈ سست ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے قرب قیامت میں ایک رات کئی راتوں کے برابر اور ایک دن کئی دنوں کے برابر ہوگا۔ (فلکیات جدیدہ)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ السُفن تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ يا مُخاطبين بذلك مِّنْ اٰيٰتِهٖ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ عِبرًا لِّكُلِّ صَبَّارٍ عن معاصى الله شَكُوْرٍ﴿۳۱﴾ لنعمه وَاِذَا غَشِيَهُمْ اى علا الكفار مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ كالجبال التى تظل من تحتها دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اى الدعاء بان ينجيهم اى لا يدعون معه فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ متوسط بين الكفر والايمان ومنهم باق على كفره وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ ومنها الانجاء من الموج اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ غدار كَفُوْرٍ﴿۳۲﴾ لنعم الله يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اى اهل مكة اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِىْ يغنى وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ فيه شيئا وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ فيه شَيْئًا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بالبعث حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا عن الاسلام وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ فى حلمه وامهاله الْغَرُوْرُ﴿۳۳﴾ الشيطان اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ متى تقوم وَيُنَزِّلُ بالتخفيف والتشديد الْغَيْثَ بوقت يعلمه وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ ذكر او انثى ولا يعلم واحد من الثلاثة غير الله تعالى وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا من خير او شر ويعلمه الله وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ويعلمه الله اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بكل شئ خَبِيْرٌ﴿۳۴﴾ بباطنه كظاهره روى البخارى عن ابن عمر حديث مفاتح الغيب خمسة ان الله عنده علم الساعة الى اخر السورة.

ع ۴ ۱۳

ترجمہ: کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ دریا میں کشتیاں اللہ کے فضل سے چلتی رہتی ہیں تاکہ اے مخاطبو! اس کے ذریعہ تم کو اپنی (قدرت) کی نشانیاں دکھادے یقیناً اس میں اللہ کی معصیت سے ہر صبر کرنے والے اور اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والے کے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں اور جب ان پر یعنی کفار پر موجیں ایسے پہاڑوں کے مانند چھا جاتی ہیں جو ہر اس شئ پر جو اس کے زیر سایہ آجائے سایہ فگن ہو جائیں، تو نہایت خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ ہی سے دعاء کرنے لگتے ہیں کہ ان کو (غرق) سے نجات دے یعنی (اس وقت) اس کے ساتھ غیر اللہ کو نہیں پکارتے پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں یعنی کفر اور ایمان کی درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں اور بعض اپنے کفر ہی پر باقی رہ جاتے ہیں اور ہماری نعمتوں کا اور ان میں (دریائی) موجوں سے نجات دینا بھی ہے صرف وہی انکار کرتے ہیں جو بدعہد اور اللہ کی نعمتوں کے ناشکرے ہوتے ہیں، اے لوگو! مکہ والو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنے بیٹوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کو اس دن کچھ بھی فائدہ پہنچا سکے گا، یقین مانو اللہ کا بعث کا وعدہ حق ہے دیکھو تمہیں دنیوی زندگی اسلام کے بارے میں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان تم کو اللہ کے حلم اور مہلت دینے کے بارے میں دھوکے میں ڈالے بلاشبہ اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم کہ کب واقع ہوگی، اور وہی بارش نازل کرتا ہے اس وقت میں جس کو وہ جانتا ہے، ینزل تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے اور اس کو بھی جانتا ہے جو رحم مادر میں ہوتا ہے آیا لڑکی ہے یا لڑکا؟ اور تینوں میں سے ایک کو بھی

اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا خیر یا شر اللہ اس کو جانتا ہے اور نہ کسی کو یہ معلوم کہ وہ کہاں مرے گا اور اللہ کو معلوم ہے بلاشبہ اللہ کو ہر شئی کا علم ہے (اور وہ) ہر شئی کے باطن سے اسی طرح واقف ہے جس طرح ظاہر سے امام بخاری نے ابن عمر سے مفاتح الغیب خمسةٌ والی حدیث روایت کی ہے اِنّ اللّٰہ عندہ علم الساعة الی آخر السورۃ.

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لَا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَلَدِہٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ الخ مذکورہ دونوں جملے یومًا کی صفت ہیں اور عائد محذوف ہے جیسا کہ شارح نے فیہِ مقدر مان کر اشارہ کردیا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَا مَوْلُوْدٌ یہ مبتداء اول ہے اور ھُوَ مبتداء ثانی ہے اور جازٍ مبتداء ثانی کی خبر ہے اور پھر جملہ ہو کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

سَوَال: مولودٌ نکرہ ہے اس کا مبتداء بننا کس طرح درست ہے؟

جَوَاب: نکرہ جب تحت النفی داخل ہو تو اس کا مبتداء بننا درست ہوتا ہے، یہاں بھی مولودٌ، لانافیہ کے تحت داخل ہے۔

قَوْلُہٗ: شیئًا یہ تنازع فعلان کے قبیل سے ہے شیئًا میں یجزی اور جازِ نے مفعول بنانے میں تنازع کیا ثانی یعنی جاز کو عمل دے دیا اور اول یعنی یجزِی کے لئے مفعول محذوف مان لیا جیسا کہ شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے شیئًا محذوف مان کر اشارہ کردیا۔

قَوْلُہٗ: غَرُوْر صیغہ صفت ہے دھوکا دینے والا، جھوٹی امید دلانے والا، شیطان۔

قَوْلُہٗ: باللّٰہ با سببیہ ہے اور مضاف محذوف ہے ای بسبب حلم اللّٰہ جیسا کہ شارح نے حذف مضاف کی طرف اشارہ کردیا ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنّ اللّٰہَ عندہٗ علم الساعة یہ آیت حارث بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

قَوْلُہٗ: وینزل الغیث اس کا عطف عندہٗ علم الساعة پر ہے جو کہ اِنّ کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: بوقتٍ ای فی وقتٍ.

قَوْلُہٗ: واحدًا یہ لا یَعْلَمُ کا مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور غیر اللہ اس کا فاعل ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا ذا تکسب غدًا ما استفہامیہ مبتداء، ذا اسم موصول تَکْسِبُ غدًا صلہ موصول باصلہ مبتداء کی خبر۔

تفسیر وتشریح

اَلَمْ تَرَ اَنّ الْفُلْکَ یہ خدا کی غالب قدرت اور غایت حکمت پر دوسرا استشہاد ہے، سمندروں میں کشتیوں کا چلنا یہ بھی اس کے لطف وکرم کا ایک مظہر اور اس کی قدرت وتسخیر کا ایک نمونہ ہے، اس نے ہوا اور پانی کو ایسے مناسب انداز سے رکھا ہے کہ سمندر

کی سطح پر کشتیاں چل سکیں ورنہ وہ چاہے تو ہوا کی تندی اور موجوں کی طغیانی سے کشتیوں کا چلنا ناممکن ہو جائے، جب ان کی کشتیاں ایسی طغیانی والی موجوں میں گھر جاتی ہیں جو بادلوں اور پہاڑوں کی طرح ہوتی ہیں اور موت کا آہنی پنجہ ان کو اپنی گرفت میں لیتا نظر آتا ہے تو پھر سارے زمینی معبود ان کے دل و دماغ سے نکل جاتے ہیں، اور صرف ایک آسمانی معبود کو بڑے اخلاص و اعتقاد کے ساتھ پکارتے ہیں، جو واقعی اور حقیقی معبود ہے۔

شانِ نزول:

فمنھم مقتصد بعض حضرات نے ''مقتصد'' کے معنی عہد کو پورا کرنے والا، کئے ہیں یعنی بعض لوگ ایمان، توحید اور اطاعت کے اس عہد پر قائم رہتے ہیں جو موج وگرداب میں انہوں نے کیا تھا، ان کے نزدیک کلام میں حذف ہوگا، تقدیر کلام یہ ہوگی، فمنھم مقتصد و منھم کافر (تو ان میں سے بعض مومن اور بعض کافر ہوتے ہیں،) خازن میں ہے کہ مذکورہ آیت حضرت عکرمہ بن ابی جہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس کا مختصر واقعہ اس طرح ہے کہ فتح مکہ کے دن عکرمہ ڈر کے مارے دریا کی طرف بھاگ گئے تھے، اور ایک کشتی میں سوار ہو کر فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے کہ اچانک کشتی گرداب میں پھنس گئی، نجات کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس وقت عکرمہ نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس مصیبت سے نجات دیدی تو میں مکہ جا کر محمد ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدوں گا، چنانچہ ہوا کی تندی اور موجوں کی طغیانی ختم ہوگئی اور کشتی گرداب سے نکل کر ساحل سمندر پر آگئی، چنانچہ عکرمہ مکہ آئے اور اسلام قبول کر لیا اور بہت خوب اسلام قبول کیا، مذکورہ آیت میں حضرت عکرمہ کو مقتصد یعنی عہد کو پورا کرنے والا اور وعدہ کو وفا کرنے والا کہا گیا ہے، اور بعض مفسرین نے مقتصد کے معنی اعتدال پر رہنے والا، کے کئے ہیں یعنی اتنے ہولناک حالات اور وہاں قدرت خداوندی کی اتنی عظیم آیات کا مشاہدہ کرنے، اور اللہ کے اس احسان کے باوجود کہ اس نے غرق ہونے سے نجات دی، انسان اب بھی اللہ کی مکمل عبادت و اطاعت نہیں کرتا اور متوسط راستہ اختیار کرتا ہے، جبکہ وہ حالات جن سے یہ گذر کر آیا ہے مکمل بندگی کا تقاضہ کرتے ہیں، نہ کہ اعتدال کا، شارح جلالین علامہ محلی نے دوسرے مفہوم کو اختیار کیا ہے، مگر سیاق و سباق کے اعتبار سے پہلا مفہوم راجح ہے، اگر مفسر علام مقتصد کی تفسیر متوسط کے بجائے معتدل سے کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔

وَاخْشَوْا یَوْمًا لَا یَجْزِی وَالِدٌ عَنْ وَلَدِہٖ (الآیۃ) یعنی اس دن سے اندیشہ کرو کہ جس دن نہ بیٹا باپ کے کام آئے گا اور نہ باپ بیٹے کے، یہاں باپ بیٹوں سے وہ مراد ہیں کہ ایک مومن ہو اور دوسرا کافر، ورنہ تو مومن باپ بیٹے ایک دوسرے کے کام آئیں گے، اس لئے کہ حدیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اولاد والدین کے اور والدین اولاد کے کام آئیں گے، قرآن کریم میں بھی اس کی صراحت موجود ہے وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْھُمْ ذُرِّیَّتُھُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان میں ان کے تابع ہوئی تو ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے

صالحین ماں باپ کے درجہ میں پہنچادیں گے اگر چہ ان کے اپنے اعمال اس درجہ کے قابل نہ ہوں مگر شرط اس میں یہی ہے کہ اولاد مومن ہو اگر چہ عمل میں کچھ کوتاہی ہوئی ہو۔

اِنَّ اللّٰہ عندہٗ علم الساعة (الآیة) حدیث شریف میں آیا ہے کہ پانچ چیزیں مفاتیح الغیب ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، (صحیح بخاری، تفسیر سورۂ لقمان) قرب قیامت کی علامات قریبہ وبعیدہ تو اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہیں، لیکن ① قیامت کے وقوع کا یقینی علم کسی کو نہیں نہ کسی فرشتے کو اور نہ کسی نبی مرسل کو، ② بارش کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، آثار وعلامات سے تخمینہ تو لگایا جاسکتا ہے، مگر یہ تخمینے کبھی صحیح ثابت ہوتے ہیں اور کبھی غلط حتی کہ محکمہ موسمیات کے اعلانات بھی بعض دفعہ صحیح ثابت نہیں ہوتے جس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ بارش کا صحیح اور یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، ③ رحم مادر میں مشینی ذرائع سے جنسیت کا ناقص اندازہ تو شاید ممکن ہو کہ بچہ ہے یا بچی؟ لیکن رحم مادر میں نشو ونما پانے والا بچہ نیک بخت، ہے یا بدبخت ناقص ہوگا یا کامل، خوبرو ہوگا یا بدشکل وغیرہ ان باتوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، ④ انسان کل کیا کرے گا؟ خواہ دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا آنے والے کل کے بارے میں کسی کو کچھ یقینی طور پر معلوم نہیں کہ کل کا دن آئے گا یا نہیں، اور وہ کل کیا کچھ کرے گا؟ یہ سب پردۂ غیب میں ہے، ⑤ موت کہاں آئے گی؟ گھر میں یا گھر سے باہر اپنے وطن میں یا دیار غیر میں جوانی میں یا بڑھاپے میں کسی کو معلوم نہیں۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۲؍شعبان ۱۴۲۱ھ مطابق ۳۰؍اکتوبر ۲۰۰۱ء

بحمد اللہ تمت

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ سجدہ مکی ہے اور وہ تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓمّٓ ﴿١﴾ اللّٰه اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ **تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ** القراٰن مبتدأٌ **لَا رَيْبَ** شكَّ **فِيْهِ** خبرٌ اولٌ **مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿٢﴾ خبرٌ ثانٍ **اَمْ** بل **يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ** محمدٌ لا **بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ** به **قَوْمًا مَّآ** نافية **اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ** ﴿٣﴾ بِاِنْذَارِكَ **اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ** اَوَّلُهَا الْاَحَدُ واٰخِرُهَا الجُمُعَةُ **ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** وهو فى اللُّغَةِ سريرُ المَلِكِ اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ به **مَا لَكُمْ** يا كفارَ مكَّةَ **مِّنْ دُوْنِهٖ** غيرِه **مِنْ وَّلِيٍّ** اسمُ مَا بِزِيَادَةِ مِنْ اى ناصرٍ **وَّلَا شَفِيْعٍ** يَدْفَعُ عنكم عذابَه **اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ** ﴿٤﴾ هٰذَا فَتُؤْمِنُوْنَ **يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ** مُدَّةَ الدُّنْيَا **ثُمَّ يَعْرُجُ** يَرْجِعُ الامرُ والتَّدْبِيْرُ **اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ** ﴿٥﴾ فِى الدُّنْيَا وفى سورةِ سَأَلَ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ وهو يومُ القيٰمةِ لِشِدَّةِ اَهْوَالِهٖ بِالنِّسْبَةِ الى الكافرِ واما المؤمنُ فيكونُ اَخَفَّ عليه من صلوةٍ مكتوبةٍ يُصَلِّيْهَا فى الدنيا كما جاءَ فى الحديثِ **ذٰلِكَ** الخالقُ المدبِّرُ **عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** اى ما غابَ عَنِ الْخَلْقِ وما حضرَ **الْعَزِيْزُ** المَنِيْعُ فِيْ مُلْكِهٖ **الرَّحِيْمُ** ﴿٦﴾ بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ **الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ** بِفَتْحِ اللَّامِ فِعْلًا مَاضِيًا صِفَةً وبسكونِها بَدَلَ اشْتِمَالٍ **وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ** اٰدمَ **مِنْ طِيْنٍ** ﴿٧﴾ **ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ** ذُرِّيَّتَهٗ **مِنْ سُلٰلَةٍ** عَلَقَةٍ **مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ** ﴿٨﴾ ضعيفٍ هو النُّطْفَةُ **ثُمَّ سَوّٰىهُ** اى خَلْقَ اٰدمَ **وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ** اى جَعَلَهٗ حيًّا حسَّاسًا بعد اَنْ كان جمادًا **وَجَعَلَ لَكُمُ** اى الذريةِ **السَّمْعَ** بمعنى الاسماعِ **وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ** القلوبَ **قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ** ﴿٩﴾ ما زائدةٌ مُؤَكِّدَةٌ لِلْقِلَّةِ **وَقَالُوْٓا** اى مُنْكِرُوا البعثِ **ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ** غِبْنَا فيها بِاَنْ صِرْنَا تُرَابًا مُخْتَلِطًا بِتُرَابِهَا **ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ** استفهامُ اِنْكَارٍ بتحقيقِ الهمزتينِ وتسهيلِ الثانيةِ وادخالِ الفٍ بينهما على الوجهينِ فى الموضعينِ قال تعالٰى **بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ** بالبعثِ **كٰفِرُوْنَ** ﴿١٠﴾ **قُلْ** لهم **يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ**

الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ اى يَقْبِضُ اَرْوَاحَكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَحْيَاءً فَيُجَازِيْكُم بِاَعْمَالِكُم.

ترجمہ: شروع کرتا ہوا اللہ کے نام سے جونہایت مہربان رحم والا ہے۔ الٓمٓ اس کی مراد تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، بلاشبہ یہ کتاب قرآن تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے (تنزیل الکتاب) مبتداء ہے (لاشك فیه) خبر اول ہے (من ربّ العالمین) خبر ثانی ہے، کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کو محمد ﷺ نے گھڑ لیا ہے؟ نہیں، (نہیں) بلکہ وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ اس قوم کو ڈرائیں کہ جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، ما نافیہ ہے تاکہ وہ آپ کے ڈرانے سے ہدایت حاصل کریں، اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ دن میں پیدا کیا ان میں کا پہلا دن یکشنبہ ہے اور آخری دن جمعہ پھر وہ عرش پر قائم ہو گیا (عرش) لغت میں تخت شاہی کو کہتے ہیں، ایسا قیام جو اس کی شان کے لائق ہے، اے کفار مکہ! تمہارے لئے اس کے علاوہ کوئی حمایتی نہیں ہے (من ولی) من کی زیادتی کے ساتھ ما کا اسم ہے، یعنی کوئی حمایتی نہیں، اور نہ کوئی سفارشی کہ جو تم سے اس کے عذاب کو دفع کر سکے، پھر کیا تم اس کو سمجھتے نہیں ہو کہ ایمان لے آؤ، آسمان سے لیکر زمین تک دنیا کی مدت تک ہر حال کی تدبیر کرتا ہے پھر تمام امور اور تدبیریں اسی کی طرف لوٹ جائیں گی ایسے دن میں کہ جس کی مقدار دنیا میں تمہارے شمار کے اعتبار سے ہزار سال کے برابر ہوگی اور سورۂ سَأَلَ میں پچاس ہزار سال ہے، اور وہ قیامت کا دن ہے اس کی شدید ہولناکی کی وجہ سے بہ نسبت کافر کے، رہا مومن تو (وہ دن) اس پر ایک فرض نماز پڑھنے کے وقت سے بھی کم ہوگا کہ جس کو دنیا میں پڑھا کرتا تھا، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے، یہ خالق جو کہ تدبیر کرنے والا ہے غائب اور حاضر کا جاننے والا ہے یعنی (ہر اس چیز کا) جو مخلوق کے لئے غائب اور جو ظاہر ہے جو غالب ہے اپنے ملک میں اور نہایت رحم والا ہے اطاعت کرنے والوں پر جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی (خَلَقَهُ) میں لام کے فتحہ کے ساتھ فعل ماضی ہونے کی وجہ سے، حال یہ ہے کہ (جملہ ہو کر) شیٔ کی صفت ہے اور سکون لام کے ساتھ بدل الاشتمال ہے، اور انسان یعنی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق کی ابتداء مٹی سے کی، پھر اس کی نسل کا (سلسلہ) بے وقعت پانی کے جوہر خون بستہ سے جاری کیا اور وہ نطفۂ منی ہے اور پھر اس کو یعنی آدم کی تخلیق کو ٹھیک ٹھاک کیا پھر اس میں اپنی روح پھونک دی یعنی اس کو زندگی بخشی اور حساس بنایا حالانکہ وہ جماد (بے حس) تھا اور اسی نے اے اولاد آدم تمہارے کان بنائے سَمْعٌ بمعنی اسماعٌ ہے اور آنکھیں بنائیں اور دل بنائے (اس پر بھی) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو ما زائدہ قلّت کی تاکید کے لئے ہے، اور منکرین بعث نے کہا: کیا جب ہم زمین میں رل مل جائیں گے یعنی زمین میں غائب ہو جائیں گے اس طریقہ پر کہ ہم مٹی ہو جائیں گے اور زمین کی مٹی میں خلط ملط ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی تخلیق میں آجائیں گے؟ یہ استفہام انکاری ہے، دونوں جگہوں میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ (بات یہ ہے) کہ وہ لوگ بعث (بعد الموت) کے ذریعہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر

ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم کو موت کا فرشتہ فوت کرے گا جو تم پر مقرر ہے یعنی تمہاری روحوں کو قبض کرکے پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے، زندہ کرکے، بعد ازاں وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سورۂ سجدہ مکی ہے اس میں تیس آیات ہیں اور بعض کے نزدیک انتیس آیات ہیں، البتہ تین آیتیں مدنی ہیں، یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے، ان کے علاوہ نے کہا ہے پانچ آیتیں مدنی ہیں، جن کی ابتداء تتجافٰی جنوبھم سے ہے، اور انتہاء الذی کنتم بہ تکذبون پر ہے۔

قولہ: الٓمّٓ تَنْزِیْلُ الکتاب لَا رَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ العٰلمینَ اس میں متعدد ترکیبیں ہوسکتی ہیں مگر بہتر اور آسان وہی ہے جس کو شارح علام نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ تنزیل الکتاب مبتداء اور لاریب فیہ خبر اول اور من رَّبِّ العٰلمینَ خبر ثانی، مبتداء اپنی دونوں خبروں سے مل کر خبر الٓمّٓ مبتداء کی۔

قولہ: اَمْ یقولونَ افتراہُ اَمْ منقطعہ ہے جو معنی میں بل أیقولون افتراہ کے ہے اس میں ہمزہ انکاری ہے مگر مفسر علام نے صرف بل تحریر کیا ہے، شاید کہ کاتب سے ہمزہ رہ گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس میں مشرکین کے اس دعوے کا انکار ہے کہ یہ قرآن محمد ﷺ کی خود ساختہ اور گھڑی ہوئی کتاب ہے، اس کا رد اور انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس قسم کا کلام طاقت بشری سے باہر ہے پوری دنیائے عرب کے فصحاء و بلغاء اس کے مثل لانے سے عاجز رہے ہیں، اور آج بھی قرآن کا یہ چیلنج باقی ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مثل تین آیتوں کے کوئی سورت بنا کر پیش کردے۔

قولہ: بل ھو الحق، افتراء کی نفی کرنے کے بعد اثبات حقیقت کے لئے یہ اضراب انتقالی ہے، یہ اضراب ابطالی بھی ہوسکتا ہے یعنی مشرکین کے قول افتراء کو باطل کرتے ہوئے کہا گیا ہے، اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی لیس ھُو کما قالوا بل ھو الحق اب رہا یہ مقولہ کہ کل ما فی القرآن من الاضراب انتقالیٌ تو اس کے علاوہ پر محمول ہوگا (صاوی) آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ حق ہے اور یہ حصر جملہ (بل ھو الحق) معرفۃ الطرفین سے مستفاد ہے۔

قولہ: لِتُنْذِرَ قَوْمًا. تُنْذِرُ دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے پہلا مفعول قَوْمًا ہے، دوسرا محذوف ہے جس کو مفسر نے اپنے قول بہ سے ظاہر کیا ہے اور بعض حضرات نے مفعول ثانی العقاب محذوف مانا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی لِتنذر قومًا العقابَ اور مَا اتاھم الخ قومًا کی صفت ہے۔

قولہ: لَعَلَّھم یھتدون یہ ترجی آپ ﷺ کے اعتبار سے ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ قوم کو ہدایت کی امید کے ساتھ ڈراتے رہئے اور مایوس نہ ہوجئے۔

قولہ: اللہ، الذی خَلَق الخ جملہ مبتداء خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: مَالکم من دونِہٖ من وليٍ من دونہٖ، ما کا اسم ہے من زائدہ ہے، اس عبارت سے مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ ما حجازیہ ہے من ولیٍ اسم مؤخر ہے، اور من دونِہٖ خبر مقدم ہے، مگر اس میں یہ اعتراض ہوگا کہ ما کے عامل ہونے کے لئے اس کے اسم وخبر میں ترتیب ضروری ہے حالانکہ یہاں ترتیب باقی نہیں ہے، اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ نحویوں کے قول ضعیف کے مطابق عمل کیا ہے، اس لئے کہ قول ضعیف کے مطابق ما کے عمل کے لئے ترتیب شرط نہیں ہے، اور بہتر یہ ہے کہ ما کو تمیمیہ مانا جائے اور من دونہٖ کو خبر مقدم اور ولیّ کو مبتداء مؤخر مانا جائے اس لئے کہ قرآن میں قول ضعیف پر حمل کرنا مناسب نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ ہمزہ، محذوف پر داخل ہے، اور فا عاطفہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے أغَفَلْتُمْ فَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ ھٰذا، ھٰذا، تتذکرونَ کا مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: یُدَبِّرُ الْاَمْرَ (الآیۃ) یعنی اللہ تعالیٰ جو کہ خالق اور مدبر الامور ہے وہ اپنے ارادے اور علم ازلی کے مطابق مخلوق میں تصرف کرتا ہے یعنی ہر آن اس کی ایک شان ہے ای کُلَّ یومٍ ھو فی شأن ہر شئ اسی کی قضاء وقدر سے ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: من السماء الی الارض ابن عباس رَضَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ قضاء وقدر نازل ہوتی ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مراد وحی کا نزول ہے۔

قَوْلُہٗ: مدۃ الدنیا مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی عمر (انسانی) سات ہزار سال ہے اور آپ کی بعثت چھٹے ہزار کے شروع میں ہوئی ہے اور بعض آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی امت کی عمر ہزار سال سے زیادہ ہوگی مگر یہ زیادتی پانچ سو سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ (الکشف عن مجاوزۃ ھذہ الامۃ الف، للسیوطی).

قَوْلُہٗ: فی یومٍ کانَ مِقدارُہٗ الفَ سَنَۃٍ یہاں یوم سے معروف یوم مراد نہیں ہے کہ جو دو راتوں کے درمیان محدود ہوتا ہے بلکہ مدت دراز اور عصر طویل مراد ہے اس لئے کہ عرب مدت دراز کو یوم سے تعبیر کرتے ہیں، نحاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا ہے کہ لغت میں مطلق وقت کے معنی میں بھی مستعمل ہے، لہٰذا اب تعارض کا وہ اشکال دفع ہوگیا جو سورۂ سأل میں خمسین الف سنۃ اور یہاں الف سنۃ وارد ہوا ہے، مندرجہ ذیل شعر میں یوم مطلق مدت کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

یومانِ: یومُ مقاماتٍ واندیۃٍ ویومُ سیرٍ الی الاَعداء تأویبُ

(اعراب القرآن)

قَوْلُہٗ: ذلك مبتداء ہے اور عالم خبر اول العزیز خبر ثانی اور الرحیم خبر ثالث اور الذی احسن خبر رابع۔

قَوْلُہٗ: خَلَقَہٗ فعل ماضی کی صورت میں جملہ ہوکر شئ کی صفت ہو تو محلاً مجرور ہوگی اور اگر کُلَّ کی صفت ہو تو محلاً منصوب ہوگی اور اگر خَلْقَہٗ سکون لام کے ساتھ ہو جیسا کہ بعض قراءتوں میں ہے تو کُلَّ سے بدل الاشتمال ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وَبَدَأَ اس کا عطف احسن پر ہے اور الانسان مفعول بہ ہے اور من طین خَلَقَ کے متعلق ہے، انسان سے مراد آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ہیں اور ہٗ ضمیر کا مرجع آدم ہیں نسلٌ بھی مرجع ہوسکتا ہے یعنی نسل آدم کو رحم مادر میں درست کیا۔

قَوْلُهُ: مِنْ رُوحِهِ میں اضافت تشریف کے لئے ہے۔

قَوْلُهُ: جعل لکم میں غیبت سے خطاب کی جانب التفات ہے اس لئے کہ مضغہ میں روح پھونکنے کے بعد مخاطب بننے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے السمع مصدر بمعنی اسماع ہے۔

قَوْلُهُ: ادخال الف بینهما علی الوجهین یہاں و ترکھا کا لفظ چھوٹ گیا ہے، اس طرح کل چار قراءتیں ہوں گی۔

قَوْلُهُ: فی الموضعین موضعین سے مراد اَاِذَا ضَلَلْنَا اور اَاِنَّا ہے۔

قَوْلُهُ: بل هم بلقاء رَبِّهِمْ کافرون یہ انکار بعث سے انکار لقاء کی طرف اضراب ہے۔

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِيْح

سورۂ سجدہ کی فضیلت:

صحیح بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ الٓمّٓ السجدہ اور دوسری رکعت میں هَلْ اَتٰی علی الانسان پڑھتے تھے، اور یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کو سونے سے قبل سورۂ الم السجدہ اور سورۂ ملک تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

الٓمّٓ (الآیة) مطلب یہ ہے کہ یہ جھوٹ، جادو، کہانت اور من گھڑت قصے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ رب العالمین کی طرف سے صحیفۂ ہدایت ہے اَمْ یقولون سے بطور توبیخ فرمایا، کیا یہ کافر اور مشرک رب العالمین کے نازل کردہ اس کلام بلاغت نظام کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اسے محمد ﷺ نے خود گھڑ لیا ہے؟ ایسی بات نہیں ہے بلکہ یہ تیرے رب کی طرف سے صحیفۂ حق ہے تاکہ آپ انہیں ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں، اس آیت میں نزول قرآن کی علت کا بیان ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ عربوں میں پہلے نبی تھے، بعض حضرات نے حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کو بھی عربوں میں مبعوث نبی قرار دیا ہے، (واللہ اعلم) اس اعتبار سے قوم سے مراد پھر خاص قریش مراد ہوں گے، جن کی طرف آپ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا۔

مَا اتٰھُم مِن نذیرٍ نذیر سے اس جگہ رسول اصطلاحی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ قریش مکہ میں آنحضرت ﷺ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا تھا، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انبیاء کی دعوت بھی ان تک نہ پہنچی ہو اس لئے کہ دوسری آیت میں واضح طور پر ارشاد ہے وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ یعنی کوئی امت اور جماعت دنیا میں نہیں جس میں کوئی اللہ سے ڈرانے والا اور اللہ کی طرف دعوت دینے والا نہ آیا ہو۔

اس آیت میں لفظ نذیر اپنے عام لغوی معنی میں ہے یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والا وہ خواہ کوئی رسول ہو یا اس کا کوئی نائب یا عالم دین اور داعی، تو اس آیت سے تمام امتوں تک توحید کی دعوت پہنچ جانا معلوم ہوتا ہے، اس کا مقتضی یہ ہے کہ اقوام عرب میں

بھی توحید کی دعوت پہلے سے ضرور پہنچی ہوگی، مگر اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ یہ دعوت خود کوئی نبی و رسول لے کر آیا ہو ہو سکتا ہے کہ ان کے نائبین علماء کے ذریعہ پہنچ گئی ہو، اسلئے اس سورت اور سورۂ یٰسین وغیرہ کی وہ آیتیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قریش عرب میں آپ سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا تھا، ضروری ہے کہ اس میں نذیر سے مراد اصطلاحی معنی کے اعتبار سے رسول و نبی ہو اگرچہ دعوت ایمان و توحید دوسرے ذرائع سے ان کے پاس پہنچ چکی ہو۔

زمانہ فترت یعنی آپ کی بعثت سے پہلے بعض حضرات کے متعلق ثابت ہے کہ وہ دین ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام پر قائم تھے توحید پر ان کا ایمان تھا اور بت پرستی اور بتوں کے لئے قربانی سے متنفر تھے۔

روح المعانی میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ عمرو بن نُفَیل جو آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ سے بھی ملے تھے مگر آپ کی بعثت سے قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا، اسی سال قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی، یہ واقعہ آپ کی بعثت سے پانچ سال قبل کا ہے، ان کا حال موسیٰ بن عقبہ نے یہ نقل کیا ہے کہ قریش کو بت پرستی سے روکتے تھے اور بتوں کے نام پر قربانی کو برا سمجھتے تھے، اور مشرکین کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے۔

اسی طرح ورقہ بن نوفل جو آپ کے زمانۂ نبوت شروع ہونے اور نزول قرآن کے وقت موجود تھے، توحید پر قائم تھے اور انہوں رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے کا اپنا عزم ظاہر کیا تھا مگر جلدی ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

فِی یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ یعنی اس دن کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہوگی، اور سورۂ معارج میں فرمایا گیا فی یومٍ کان مقدارهٗ خمسین الفَ سنَةٍ یعنی اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، اس ایک اور پچاس کے فرق کی توجیہ، تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان دیکھ لی جائے، ایک سیدھا سا جواب وہ ہے جو بیان القرآن میں اختیار کیا گیا ہے، کہ اس دن کے ہولناک ہونے کے سبب یہ لوگوں کو بہت دراز معلوم ہوگا، اور یہ درازی اپنے ایمان و اعمال کے اعتبار سے ہوگی جو بڑے مجرم ہوں گے ان کو زیادہ اور جو کم ہیں ان کو کم محسوس ہوگی، یہاں تک کہ بعض لوگوں کو یہ دن ایک ہزار سال اور دوسروں کو وہی دن پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا، حتی کہ مومنین صالحین کو وہی دن ایک فرض نماز کے بقدر معلوم ہوگا، روح المعانی میں اور بھی متعدد توجیہات بیان کی گئی ہیں مگر سب کی سب قیاسات اور تخمینات کے قبیل سے ہیں، ایسی چیز جس کو قرآن کا مدلول کہا جا سکے نہیں اس لئے اسلم اور بہتر طریقہ وہی ہے جو سلف صالحین اور صحابہ و تابعین نے اختیار کیا ہے کہ اس ایک اور پچاس کے فرق کو علم الٰہی کے حوالہ کیا جائے، اور واللہ اعلم کہنے پر اکتفا کیا جائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔

اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ یعنی جو چیز بھی اللہ نے بنائی ہے چونکہ وہ اس کی حکمت اور مصلحت کے اقتضاء کے مطابق ہے، اس لئے اس میں اپنا ایک حسن اور انفرادیت ہے اس اعتبار سے اس کی ہر بنائی ہوئی چیز حسین ہے اور ان میں سب سے زیادہ حسین اور بہتر انسان کو بنایا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الانسانَ فی اَحْسَنِ تقویمٍ دیگر مخلوقات خواہ بظاہر کتنی ہی بری سمجھی جاتی ہوں، مثلاً کتا، خنزیر، سانپ، بچھو وغیرہ مگر مجموعہ عالم کے مصالح کے لحاظ سے ان میں کوئی برا نہیں۔

وَبَدَا خلق الانسان من طين اوپر بیان فرمایا کہ کارخانۂ عالم میں یوں تو ہر چیز حسین ہے مگر انسان سب سے زیادہ حسین اور بہتر ہے مگر یہ اس لئے نہیں کہ انسان کا مادہ جس سے انسان کو بنایا گیا ہے، وہ سب سے بہتر تھا اس لئے انسان سب سے زیادہ بہتر ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا مادۂ تخلیق سب سے کمتر یعنی مٹی یا منی ہے، اول انسان، آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا جو عناصر اربعہ میں کمتر ہے اور دیگر انسانی ذریت کو مادہ منویہ سے پیدا فرمایا جو کہ کمتر اور ناپاک بھی ہے۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ ملكُ الموتِ الَّذِى وُكِّلَ بِكُمْ اس سے سابقہ آیت میں منکرین قیامت کو تنبیہ اور ان کے استعجاب کا جواب تھا کہ مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ کس طرح زندہ ہوں گے؟ اس آیت میں اس بات کا بیان ہے کہ انسان کو موت خود بخود نہیں آتی بلکہ ہر ذی روح کی موت کا ایک وقت مقرر ہے اور اس کے لئے حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیر قیادت فرشتوں کا ایک نظام قائم ہے، جس کی جس وقت اور جس جگہ موت مقرر ہے ٹھیک اسی جگہ اور اسی وقت اس کی روح قبض کر لی جاتی ہے، اس آیت میں "ملک الموت" بلفظ مفرد ذکر کیا گیا ہے اس سے حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں، اور ایک دوسری آیت میں بلفظ جمع ذکر کیا گیا ہے الذين تتوفهم الملئكة اس میں اشارہ ہے کہ قبض روح کی خدمت تنہا حضرت عزرائیل انجام نہیں دیتے ان کے ماتحت بہت سے فرشتے شریک کار ہیں۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ الکافرون نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ مُطَاطِئُوْہَا حَیَاءً یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا مَا اَنْکَرْنَا مِنَ البَعْثِ وَسَمِعْنَا مِنْکَ تَصْدِیْقَ الرُّسُلِ فِیْمَا کَذَّبْنَاہُم فِیْہِ فَارْجِعْنَا اِلَی الدُّنْیَا نَعْمَلْ صَالِحًا فیہا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ الآنَ فَمَا یَنْفَعُہُم ذٰلِکَ وَلَا یُرْجَعُوْنَ وجوابُ لَوْ لَرَأَیْتَ اَمْرًا فَظِیْعًا قال تعالٰی وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا فَتَہْتَدِی بالایمانِ والطاعۃِ بِاخْتِیَارٍ مِنْہَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّىْ وہو لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ الجنِّ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ ویقولُ لَہُم الخَزَنَۃُ اِذَا دَخَلُوْہَا فَذُوْقُوْا العذابَ بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ای بِتَرْکِکُم الایمانَ بہ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ تَرَکْنَاکُم فی العذابِ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ الدائمِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ من الکفرِ والتکذیبِ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا القرآنِ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا وُعِظُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا مُتَلَبِّسِیْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ای قالوا سُبْحَانَ اللّٰہِ وبحمدِہ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ عن الایمانِ والطاعۃِ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ تَرْتَفِعُ عَنِ الْمَضَاجِعِ مَوَاضِعِ الاضطِجَاعِ بِفُرُشِہَا لِصَلاتِہِم باللَّیْلِ تَہَجُّدًا يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا مِنْ عِقَابِہ وَّطَمَعًا فی رَحْمَتِہ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ یَتَصَدَّقُوْنَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ خُبِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ مَا تَقَرُّ بِہ اَعْیُنُہُم وفی قراءۃٍ بِسُکُوْنِ الیاءِ مضارعٌ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ ای المؤمنونَ والفاسقونَ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا وہو ما یُعَدُّ لِلضَّیْفِ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا بالکفرِ والتکذیبِ فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ

الْاَدْنٰى عذاب الدنيا بالقتل والاَسْرِ والجدبِ سنينَ والامراض دُوْنَ قبلَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ عذاب الآخرة لَعَلَّهُمْ اى مَنْ بَقِيَ منهم يَرْجِعُوْنَ﴿۲۱﴾ الى الايمان وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ القرآن ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اى لا احدَ اَظْلَمَ منه اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ اى المشركينَ مُنْتَقِمُوْنَ﴿۲۲﴾

ع ۲ (۱۱) ۱۵

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھیں جبکہ گنہگار لوگ یعنی کافر اپنے رب کے سامنے سرنگوں ہوں گے یعنی ندامت کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے مرنے کے بعد زندہ ہونے کو دیکھ لیا جس کے ہم منکر تھے، اور تیری جانب سے رسولوں کی ان باتوں کی تصدیق سن لی جن باتوں میں ہم ان کی تکذیب کیا کرتے تھے اب تو ہمیں دنیا میں واپس لوٹا دے ہم دنیا میں جا کر نیک اعمال کریں گے اب ہم کو یقین آ گیا ان کو ان کا (یہ اقرار و یقین) کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ ان کو دنیا میں واپس لوٹایا جائے گا، اور لو کا جواب لَرَأَیْتَ اَمْرًا فظیعًا محذوف ہے اور اگر ہم چاہتے تو ہر ایک کو ہدایت نصیب فرما دیتے تو وہ ایمان و اطاعت کو قبول کر کے ہدایت یافتہ ہو جاتا، لیکن میری بات بالکل حق ہو چکی ہے اور وہ یہ ہے کہ میں بالیقین جہنم کو جن اور انسانوں سے پُر کر دوں گا جب وہ جہنم میں داخل ہوں گے تو جہنم کے نگران ان سے کہیں گے کہ اب تم اس دن کو فراموش کرنے کے عذاب کا مزہ چکھو یعنی تمہارے اس دن پر ایمان کو ترک کرنے کی وجہ سے ہم نے بھی تم کو بھلا دیا (یعنی) تم کو عذاب میں چھوڑ دیا اور تم اپنے اعمال (کی شامت) یعنی کفر و تکذیب کے دائمی عذاب کا مزہ چکھو ہماری آیتوں (یعنی) قرآن پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جنہیں جب بھی اس کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کہتے ہیں اور وہ ایمان و طاعت کے مقابلہ میں تکبر نہیں کرتے اور ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں یعنی راتوں میں تہجد کی نماز پڑھنے کی وجہ سے خوابگاہوں میں بچھے ہوئے بستروں کو چھوڑ دیتے ہیں اپنے رب کو اس کے عذاب کے خوف اور اس کی رحمت کی امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے راہ خدا میں صدقہ کرتے ہیں اور کوئی نفس اس کو نہیں جانتا جو ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پردۂ غیب میں مخفی کر رکھا ہے یعنی ایسا سامان کہ جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، اور ایک قراءت میں (اُخْفِیْ) کی یا کے سکون کے ساتھ مضارع کا صیغہ ہے یہ ان کے اعمال کے صلہ کے طور پر ہے، کیا وہ شخص جو مومن ہو اس کے مثل ہو سکتا ہے جو فاسق ہو؟ برابر نہیں ہو سکتے یعنی مومن اور فاسق (کافر) برابر نہیں ہو سکتے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بھی کئے تو ان لوگوں کے لئے دائمی ٹھکانہ جنتوں میں بطور مہمانی کے ہوگا (نُزُل) اس چیز کو کہا جاتا ہے جو مہمان کے لئے تیار کی جاتی ہے اور جن لوگوں نے کفر و تکذیب کے ذریعہ حکم عدولی کی تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جب کبھی جہنم سے باہر نکلنا چاہیں گے اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہہ دیا جائے گا اس دوزخ کا عذاب چکھو جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے اور ہم ان کو قتل و قید اور قحط سالی اور امراض کا

ادنی دنیوی عذاب (بھی) چکھائیں گے عذاب آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ یعنی جوان میں سے باقی رہ گئے ہیں ایمان کی طرف رجوع کریں اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں یعنی قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جائے پھر وہ اس سے اعراض کرے؟ یعنی ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں یقیناً ہم مجرموں یعنی مشرکوں سے انتقام لیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَلَوْ تری اِذِ المجرمونَ روز قیامت مجرمین کی عام حالت کو بیان کرنے کے لئے یہ جملہ مستانفہ ہے، خطاب آپ ﷺ کو ہے یا ہر وہ شخص مخاطب ہے جس میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہے اس آیت میں مجرموں کی روز محشر ناگفتہ بہ حالت کی منظر کشی کی گئی ہے، اور ان کی معنوی حالت کو محسوس و مجسم کر کے پیش کیا گیا ہے، لَوْ اور اِذْ اگرچہ ماضی کے لئے ہیں مگر یہاں مضارع پر داخل ہیں اس لئے کہ مجرمین کی حالت مذکورہ کا وقوع یقینی ہے اس لئے ان کا مضارع پر داخل ہونا درست ہے اور ابوالبقاء نے کہا ہے کہ اِذْ، اِذَا کی جگہ واقع ہے۔

قَوْلُہٗ: المجرمون مبتدا ہے اور ناکسوا رء وسھم اس کی خبر ہے، جملہ فعلیہ کے بجائے جملہ اسمیہ اختیار کرنے کا مقصد ان کی سرنگونی اور حالت ندامت کے دوام پر دلالت کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: تری کا مفعول محذوف ہے اس لئے رویت سے رویت بصریہ مراد ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لو تری المجرمینَ جواب لَوْ محذوف ہے ای لرأیتَ امرًا فظیعًا لا یمکن وصفہ اور علامہ زمخشری نے لَوْ کو تمنی کے لئے کہا ہے اس صورت میں جواب کی ضرورت نہ ہوگی۔

قَوْلُہٗ: یقولون ربَّنَا مفسر علام نے یقولون کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ رَبَّنَا بتقدیر قول حال ہے ای قائلین یا رَبَّنَا۔

قَوْلُہٗ: اَبْصرنا فعل بافاعل ہے اور مفعول محذوف ہے ای اَبْصرنا صِدقَ وَعْدِكَ وَوَعِیدِكَ۔

قَوْلُہٗ: سَمِعْنَا کا عطف ابصرنا پر ہے سمعنا کا بھی مفعول محذوف ہے ای سمعنا منك تصدیقَ رُسُلِكَ اور یہ بھی جائز ہے کہ مفعول محذوف نہ مانا جائے، ای صِرنا مِمن یُبْصر ویَسْمع وکنّا من قبل صمًّا وعمیانًا۔

قَوْلُہٗ: نَعْمَلْ جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے۔

قَوْلُہٗ: فتھتدی یہ لو کا جواب ہے جس کو شارح نے ظاہر کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بترکِکم مفسر علام نے نسیان کی تفسیر ترک سے کر کے اشارہ کر دیا کہ نسیان سے دونوں جگہ لازم معنی مراد ہیں اس لئے کہ نسیان کے لئے ترک لازم ہے، ورنہ تو نسیان پر مواخذہ نہیں ہے، نیز اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب نسیان کی نسبت

محال ہے یہ نسبت استعارہ یا مجاز مرسل کے طور پر ہی ہوسکتی ہے۔

قَوْلَہٗ: ذوقوا عذاب الخلد کی تکرار اول ذوقوا کے مفعول محذوف ہونے پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔

قَوْلَہٗ: بما کنتم میں باسببیہ ہے من الکفر والتکذیب، ما کا بیان ہے۔

قَوْلَہٗ: تتجافی جنوبھم، تَجَافِیٌ سے مضارع واحد مؤنث غائب، دور رہتی ہے، الگ رہتی ہے، یہ جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور یستکبرون کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے، اسی طرح یدعون میں بھی یہی دونوں احتمال ہیں، یدعون کو حال قرار دینے کی صورت میں یہ بھی احتمال ہے کہ حال ثانیہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ جنوبھم کی ضمیر سے حال ہو۔

قَوْلَہٗ: خوفًا و طمعًا یہ دونوں مفعول لہ ہیں، اور حال بھی ہوسکتے ہیں اور فعل محذوف کے مفعول مطلق بھی ہوسکتے ہیں ای جوزوا جزاءً اور اُخْفِیَ کا مفعول لہ بھی ہوسکتے ہیں ای اُخفی لاجل جزاء ھم۔

تفسیر وتشریح

ولو تریٰ اس آیت میں مجرمین کی اس ناگفتہ بہ حالت کا بیان ہے جو محشر میں رب العالمین کے روبرو پیشی کے وقت ذلت و رسوائی کی صورت میں ہوگی، ذلت و رسوائی ندامت و شرمندگی کو جو کہ معنوی اور غیر مرئی شئ ہے اللہ تعالیٰ نے محسوس اور مرئی صورت میں بیان فرمایا ہے، اور مجرمین سے یہاں وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے کہا تھا ءَ اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَ اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ جب ہم خاک میں رل مل جائیں گے تو کیا ہم کو نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا؟ مذکورہ مجرمین کہیں گے کہ ہمارے کان اور آنکھیں کھل گئیں، پیغمبر جو فرمایا کرتے تھے اب ہم کو ان کا یقین آگیا بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا، اب ایک مرتبہ پھر دنیا میں بھیج دیجئے، دیکھئے ہم کیسے نیک کام کرتے ہیں، مگر اس وقت کا یقین کرنا کچھ کام نہ آئے گا اب تو اللہ کا عذاب ان پر ثابت ہو چکا بھگتنا ہی پڑے گا، اس لئے کہ ایمان وہی معتبر ہوتا ہے جو غائبانہ ہو ورنہ عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد تو ہر مشرک وکافر ایمان لے ہی آتا ہے، لہٰذا ایمان بالمشاہدہ معتبر نہیں، یہی وجہ ہے کہ حالت غرغرہ کا ایمان معتبر نہیں ہے، آگے آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے فرماتے ہیں کہ آپ اہل مکہ کے ایمان نہ لانے پر اس قدر غم نہ کریں، کہ خود کو ہلاک ہی کر ڈالیں، اس لئے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر کافر ومشرک کو ایمان کی ہدایت عطا کردیتے لیکن یہ ہدایت جبری ہوتی جس میں امتحان اور آزمائش کی گنجائش نہ ہوتی آزمائش تو اختیاری ایمان ہی میں ہوتی ہے، دوسری جگہ فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُھُوْا عَنْہُ (انعام: رکوع ۳) یعنی جھوٹے ہیں اگر دنیا کی طرف لوٹائے جائیں پھر ان کی وہی روش رہے گی، ان کی طبیعت کی افتاد ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ شیطان کے اغوا کو قبول کرلیں اور اللہ کی رحمت سے دور بھاگیں، بلاشبہ ہم کو قدرت ہے اگر ہم چاہتے تو تمام انسانوں کو زبردستی اسی راہ ہدایت پر قائم رکھتے جس کی طرف انسان کا دل فطرۃً رہنمائی کرتا ہے لیکن اس طرح سب کو ایک ہی طور وطریق اختیار کرنے کے لئے مضطر و مجبور کردینا حکمت کے خلاف تھا، اور وہ بات بھی پوری ہونی تھی جو

ابلیس کے دعوے لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ کے جواب میں فرمائی تھی فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ معلوم ہوا کہ یہاں جن وانس سے شیاطین اوران کے اتباع مراد ہیں، اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ میں نسیان سے ترک کرنا اورنظرانداز کرنا مراد ہے جوکہ نسیان کے لئے لازم ہے، اس لئے کہ نسیان اللہ تعالیٰ سے محال ہے۔

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا (الآیة) سے اسلوب قرآنی کے مطابق تقابل کے طور پر مومنین اوران کے اوصاف کا ذکر ہے یعنی مشرکین متمردین کے برخلاف مومنین کا حال یہ ہے کہ وہ خوف وخشیت اور خشوع وخضوع سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں، زبان سے اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں دل میں کبر وغرور نہیں، مومنین مخلصین کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ سردی کے موسم میں میٹھی نینداور نرم گرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں اس سے مراد تہجد کی نماز ہے، روایات حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، مسند احمد، ترمذی، نسائی وغیرہ میں حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا، ایک روز میں دوران سفر صبح کے وقت آپ ﷺ کے قریب ہوا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جو مجھے جنت میں داخل کرے، اور جہنم سے دور کرے، آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ایک بڑی چیز کا سوال کیا مگر جس کو اللہ آسان کردے اس کے لئے آسان ہوجاتی ہے، اور فرمایا کہ وہ عمل یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اوراس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور بیت اللہ کا حج کرو اور پھر فرمایا کہ لو اب میں تم کو خیر کے ابواب بتلاتا ہوں وہ یہ ہیں روزہ ڈھال ہے جو عذاب سے بچاتا ہے، اور صدقہ آدمی کے گناہوں کی آگ کو بجھا دیتا ہے، اسی طرح آدمی کی نماز درمیان شب میں، اور یہ فرما کر قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ.

حضرت قتادہ، ابوالدرداء اورضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا ہے کہ پہلوؤں کے بستروں سے الگ ہونے کی صفت ان لوگوں پر بھی صادق آتی ہے جو عشاء کی نماز جماعت سے ادا کریں پھر فجر کی نماز جماعت سے ادا کریں، اور ترمذی میں صحیح سند کے ساتھ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عشاء کی نماز سے پہلے نہ سونے اور جماعت عشا کا انتظار کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

اوربعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں سے متعلق ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھتے ہیں (رواہ محمد بن نصر) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ جولوگ جب آنکھ کھلے اللہ کا ذکر کریں لیٹے بیٹھے اور کروٹ پر وہ بھی اس میں داخل ہیں، امام تفسیر ابن کثیر نے فرمایا کہ ان تمام اقوال میں کوئی تعارض نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ان سب کو شامل ہے آخر شب کی نماز ان سب میں اعلیٰ وافضل ہے۔ (بیان القرآن)

اور حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین وآخرین کو جمع فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی کھڑا ہوگا جس کی آواز تمام مخلوق سنے گی، وہ ندا دے گا کہ آج اہل محشر جان لیں گے کہ اللہ کے نزدیک کون لوگ عزت واکرام کے مستحق ہیں، پھر وہ فرشتہ ندا دے گا کہ اہل محشر میں سے وہ

لوگ کھڑے ہوں جن کی صفت یہ تھی تتجافی جنوبهم عن المضاجع یعنی ان کے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں، اس آواز پر یہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کی تعداد قلیل ہوگی اور اسی روایت کے بعض الفاظ میں ہے کہ یہ لوگ بغیر حساب کے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے، اس کے بعد اور تمام لوگ کھڑے ہوں گے ان سے حساب لیا جائے گا۔ (مظهری)

یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوفًا و طمعًا یعنی اس کی رحمت وفضل وکرم کی امید بھی رکھتے ہیں اور اس کے عتاب وغضب اور مواخذہ وعذاب سے ڈرتے بھی ہیں، محض امید ہی امید نہیں رکھتے کہ عمل سے بے پرواہ ہو جائیں (جیسا کہ بے عمل اور بدعمل لوگوں کا شیوہ ہے) اور نہ عذاب ومواخذہ کا اتنا خوف طاری کر لیتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے مایوس ہو جائیں کہ یہ مایوسی بھی کفر وضلالت ہے۔

فَائِدَة: انفاق میں صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں شامل ہیں اہل ایمان حسب استطاعت دونوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

فلا تعلمُ نفسٌ میں نفس نکرہ ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یعنی ان نعمتوں کی حقیقت کو کماحقہٗ کوئی نہیں جانتا جو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ اہل ایمان کے لئے مخفی رکھی ہیں، ان کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ نے یہ حدیث قدسی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا گذر ہوا۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ سجدہ)

تَنْبِیْہ: اس حدیث کو لے کر سرسید وغیرہ نے جنت کی جسمانی نعمتوں کا انکار کیا ہے، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا اس کے جواب میں ''ہدیہ سنیہ'' کے نام سے ایک مضمون چھپا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔ (فوائد عثمانی)

اَفَمَنْ کَانَ مُؤمنًا (الآیۃ) یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں مومن وکافر، فرمانبردار اور نافرمان برابر نہیں ہو سکتے، اگر دونوں کا انجام برابر ہو جائے تو یہ عدل کے خلاف ہوگا (نعوذ باللہ) یہ اندھیر نگری جیسا معاملہ ہو جائے گا، بلکہ ان دونوں فریقوں کے درمیان بڑا فرق ہوگا، مومن اللہ کے مہمان ہوں گے نیز اعزاز واکرام کے مستحق، اور فاسق وکافر تعزیر وعقوبت کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے جہنم کی آگ میں جھلسیں گے، جہنم کے عذاب کی شدت اور ہولناکی سے گھبرا کر جہنمی باہر نکلنا چاہیں گے یا کبھی کبھی آگ کے شعلے جہنمیوں کو دروازے کی طرف پھینک دیں گے اس وقت شاید نکلنے کا خیال کریں فرشتے پھر ادھر ہی دھکیل دیں گے کہ جاتے کہاں ہو؟ جس چیز کو جھٹلاتے تھے ذرا اس کا مزہ چکھو (فوائد عثمانی) آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے دنیوی چھوٹے عذاب مثلاً دنیا کی مصیبتیں امراض، بعض کے نزدیک ادنیٰ عذاب سے وہ قتل مراد ہے جس سے کافر غزوۂ بدر میں دوچار ہوئے تھے، یا وہ قحط سالی جو مکہ والوں پر مسلط کی گئی تھی مراد ہے، دنیوی مصائب وآلام بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ جس کے لئے رجوع کی توفیق مقدر ہے وہ خدا کی طرف رجوع ہو جائے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ التوراۃ فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَۃٍ شك مِّنْ لِّقَآئِهٖ وقد التقیا لیلۃ الاسراء وَجَعَلْنٰهُ ای موسی او الکتاب هُدًی هادیًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً بتحقیق الهمزتین وابدال

الثانية یاء، قادة **يَهْدُونَ** الناس **بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا** على دينهم وعلى البلاء من عدوهم **وَكَانُوا بِآيَاتِنَا** الدالة على قدرتنا ووحدانيتنا **يُوقِنُونَ**﴿۲۴﴾ وفي قراءة بكسر اللام وتخفيف الميم **إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ**﴿۲۵﴾ من امر الدين **أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ** اى لم يتبين لكفار مكة اهلاكنا كثيرا **مِنَ الْقُرُونِ** الامم بكفرهم **يَمْشُونَ** حال من ضمير لهم **فِي مَسَاكِنِهِمْ** في اسفارهم الى الشام وغيرها فيعتبروا **إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ** دلالات على قدرتنا **أَفَلَا يَسْمَعُونَ**﴿۲۶﴾ سماع تدبر واتعاظ **أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ** اليابسة التي لا نبات فيها **فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ**﴿۲۷﴾ هذا فيعلمون انا نقدر على اعادتهم **وَيَقُولُونَ** للمؤمنين **مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ** بيننا وبينكم **إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ**﴿۲۸﴾ **قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ** بانزال العذاب بهم **لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ**﴿۲۹﴾ يمهلون لتوبة او معذرة **فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ** انزال العذاب بهم **إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ**﴿۳۰﴾ بك حادث موت او قتل فيستريحون منك وهذا قبل الامر بقتالهم.

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات عطا کی سو آپ کو ان کی ملاقات کے بارے میں ہرگز شک نہ کرنا چاہئے اوران دونوں حضرات کی ملاقات لیلۃ الاسراء میں ہوئی اور ہم نے ان کو یعنی موسیٰ یا کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے رہنما بنایا اور جب ان لوگوں نے اپنے دین پر (قائم رہنے) اور اپنے دشمنوں کی جانب سے ایذاؤں پر صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے (ائمۃ) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور ثانی ہمزہ کو ی سے بدل کر بمعنی پیشوا اور ان آیات پر ایمان رکھتے تھے جو ہماری قدرت اور ہماری وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں، اور (لِمَا) ایک قراءت میں لام کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے (یعنی لِمَا) یقیناً آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں (یعنی) امور دین کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں کیا اس بات نے بھی ان کو ہدایت نہیں دی کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی امتوں کو ان کے کفر کے سبب سے ہلاک کر دیا، حالانکہ یہ لوگ اپنے شام وغیرہ کے سفر میں ان کے مکانوں سے گذرتے ہیں کہ عبرت حاصل کریں، بلاشبہ اس میں ہماری قدرت کے دلائل ہیں کیا یہ تدبر وتذکر کے طور پر سنتے نہیں ہیں کیا یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف جس میں گھاس نہیں ہوتی پہنچاتے ہیں پھر اس پانی سے ہم کھیتی اگاتے ہیں جس سے وہ اور ان کے جانور کھاتے ہیں کیا پھر بھی یہ اس کو نہیں دیکھتے کہ سمجھ جائیں کہ ہم دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہیں، اور مومنین سے کہتے ہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) آپ کہہ دیجئے ان پر عذاب نازل کر کے فیصلے کے دن ان کافروں کو ان کا ایمان کچھ فائدہ نہ دے گا اور نہ ان کو توبہ یا عذرخواہی کیلئے مہلت دی جائے گی اب آپ ان کا خیال چھوڑ دیجئے اور ان پر نزول

عذاب کا انتظار کیجئے وہ بھی آپ پر حادثۂ موت یا قتل کا انتظار کر رہے ہیں تا کہ وہ آپ سے راحت پا جائیں، اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مِرْيَة اسم مصدر بمعنی تردد، شک لِقَائِهٖ ضمیر کے مرجع میں چند اقوال ہیں ① موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف راجع ہے اور لقاء مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مِنْ لِقَائِكَ موسیٰ لیلۃَ الإسراءِ ② کتاب کی طرف راجع ہے، اس صورت میں مصدر کی اضافت فاعل اور مفعول دونوں کی طرف درست ہوگی، فاعل کی طرف اضافت کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی مِنْ لقاءِ الکتابِ لمُوسیٰ اور مفعول کی طرف بھی درست ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی لقاء موسیٰ الکتاب یہ بھی احتمال ہے کہ لقائِهٖ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو، ای من لقاء موسیٰ اللّٰہ اس صورت میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہوگی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ لقائه کی ضمیر موسیٰ کی طرف راجع ہو اس صورت میں اضافت فاعل کی طرف ہوگی، یعنی اے محمد ﷺ آپ موسیٰ کی اللہ سے ملاقات کے بارے میں شک نہ کیجئے یا اللہ کی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کے بارے میں شک نہ کیجئے (اعراب القرآن لابی البقاء) ان اقوال کے علاوہ بھی اقوال ہیں مگر وہ ضعف سے خالی نہیں۔

قولہ: أئمة اس میں ایک قراءت ہمزہ کو ی سے بدل کر بھی ہے یعنی أَيِمَّةً اور یہ قراءت عربیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ قراءات سبعہ کے اعتبار سے اور شرح عقائد میں ہے کہ أئمّة کی اصل أَأْمِمَةٌ تھی اس لئے کہ یہ امام کی جمع ہے دو میم جمع ہوئے، اول کا ثانی میں ادغام کر دیا، نیز حرکت نقل کر کے ہمزہ کو دیدی أئمة ہوا دو ہمزوں کے اجتماع کی کراہت کی وجہ سے ہمزہ مکسورہ کو ی سے بدل دیا أَيِمَّةٌ ہو گیا۔

قولہ: قادة یہ قائد کی جمع ہے بمعنی رہبر، کشندہ، جیسا کہ سادةٌ سید کی جمع ہے۔

قولہ: لَمَّا صَبَرُوْا جمہور کی قراءت میں لام کے فتحہ اور میم کی تشدید کے ساتھ ہے لَمَّا، حِيْنَ کے معنی میں ہے اور جملہ جزائیہ ہے ای جَعَلْنَاهم أَئِمَّةً حِيْنَ صَبَرُوْا، صَبَرُوْا کی ضمیر أَئِمَّة کی طرف راجع ہے اور لَمَّا کا جواب محذوف ہے جس پر جَعَلْنَا مِنْهُمْ دلالت کر رہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَمَّا صَبَرُوْا جَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً حمزہ اور کسائی کی قراءت میں لِمَا لام کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے اس صورت میں لام تعلیلیہ ہوگا اور ما مصدریہ ای بسبب صبرهم علی دینِهِمْ وعلی البلاءِ مِنْ عدُوِّهم. (جمل)

قولہ: بَيْنَهُمْ سے یا تو انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں مراد ہیں، یا مومنین و مشرکین مراد ہیں۔

قولہ: اَوَلَمْ يَهْدِ لهم کا عطف محذوف پر ہے ای أَغفلُوْا و لَمْ يتبيَّن لَهُمْ يا ألَمْ يَتَّعِظُوْا.

قولہ: يَهْدِ لَهُمْ کا فاعل مضمون جملہ ہے جیسا کہ مفسر علام نے هَلاّ كُنَّا کہہ کر اشارہ کر دیا ہے، اگر حذف فاعل پر قرینہ موجود

ہوتو فاعل کو حذف کرنا جائز ہے۔

قولہ: فی ذٰلِكَ ای فی کثرۃِ اِهلاکِ الاُمَمِ الماضیۃِ.

قولہ: اَلْجُرُزُ اس زمین کو کہتے ہیں جس کی گھاس وغیرہ کاٹ کر سپاٹ میدان کر دیا گیا ہو یابِسَۃً اس کے لازم معنی ہیں۔

تَفسیر وتَشریح

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتَابَ.

سُوَال: اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اعطاء کتاب کا ذکر کس مناسبت سے کیا گیا ہے؟ حالانکہ زمانہ کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام قریب ہیں۔

جَوَاب: پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے بہت سے احوال میں قریبی مشابہت ہے، جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر فرمایا، دوسری وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں پر حجت قائم کرنی مقصود تھی وہ یہود و نصاریٰ ہیں یہود چونکہ حضرت عیسیٰ کی نبوت کے قائل نہیں تھے اس لئے اگر عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر کیا جاتا تو یہود کے لئے قابل قبول نہ ہوتا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام چونکہ یہود و نصاریٰ کے لئے متفق علیہ نبی ہیں دونوں ان کو مانتے ہیں جس کی وجہ سے دونوں کے لئے قابل قبول تھے، اس وجہ سے بھی حضرت موسیٰ کے ذکر کو اختیار فرمایا۔ (صاوی مع الاضافة)

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا (الآیة) یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی بلاشبہ موسیٰ کو کتاب دی گئی اور آپ کو بھی اسی طرح کتاب ملی ہے اس میں بھی شک وشبہ نہیں ہے، یا حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ذکر پر فرمادیا کہ آپ کی ملاقات شب معراج میں جو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے ہوئی تھی وہ حقیقت ہے کوئی دھوکا یا نظر بندی نہیں ہے۔ (فوائد عثمانی)

فلا تکن فی مریۃٍ من لقائہٖ واحدی نے فرمایا کہ مفسرین نے کہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا گیا کہ آپ کی ملاقات دنیوی زندگی ہی میں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے ہوگی، لہٰذا آپ کی ملاقات بیت المقدس میں لیلۃ الاسراء میں اور آسمانوں پر معراج میں ہوئی۔

لقاء کے معنی ملاقات کے ہیں، اس آیت میں کس کی ملاقات کس سے مراد ہے اس میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ لقائہٖ کی ضمیر کتاب یعنی قرآن کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے کتاب دی تھی آپ بھی اپنی اس کتاب کے آنے میں کوئی شک نہ کریں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں قرآن کے متعلق ایسے الفاظ آئے ہیں وانّکَ لتلقی القرآن اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی تفسیر اس طرح منقول ہے کہ لقائہٖ کی ضمیر حضرت موسیٰ کی طرف راجع ہے اور اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے

ساتھ ہونے کی خبر دی گئی ہے، اور فرمایا کہ آپ اس میں شک نہ کریں کہ آپ کی ملاقات موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوگی، چنانچہ ایک ملاقات کا تو شب معراج میں ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے پھر قیامت میں ملاقات ہونا بھی ثابت ہے۔

اور حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک کتاب دی گئی اور لوگوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کو ستایا، آپ بھی یقین رکھیں کہ یہ سب چیزیں آپ کو بھی پیش آئیں گی اس لئے آپ کفار کی ایذاؤں سے رنجیدہ نہ ہوں بلکہ اس کو سنت انبیاء سمجھ کر برداشت کریں۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً (الآیة) اس آیت سے صبر کی فضیلت واضح ہے، صبر کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اوامر کے بجالانے ورترک زواجر میں، اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق اور ان کے اتباع میں جو تکلیفیں آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا، للہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے صبر کرنے اور آیات الٰہیہ پر یقین رکھنے کی وجہ سے ہم نے ان کو دینی امامت اور پیشوائی کے منصب پر ائز کیا، لیکن جب انہوں نے اس کے برعکس تبدیل وتحریف کا ارتکاب کیا تو ان سے یہ مقام سلب کرلیا گیا چنانچہ اس کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے، پھر نہ ان کا عمل صالح رہا اور نہ ان کا اعتقاد صحیح۔

خلاصہ یہ ہے کہ امامت اور پیشوائی کے لائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں جو عمل میں کافی کامل ہوں اور علم میں بھی اور یہاں عملی کمال کو علمی کمال پر مقدم بیان فرمایا ہے حالانکہ طبعی ترتیب کے اعتبار سے علم عمل سے مقدم ہوتا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ علم قابل اعتبار ہی نہیں جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ (معارف)

شان نزول:

کفار مکہ کی جانب سے رات دن کی ایذاؤں سے تنگ آ کر مسلمان مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب مسلمانوں کو مشرکین پر فتح عطا فرمائیں گے اور ہمارے اور ان کے درمیان ایک روز عملی فیصلہ فرمائیں گے۔ جب مشرکین مسلمانوں کی یہ بات سنتے تھے تو استہزاء واستعجال وتکذیب کے طور پر کہا کرتے تھے کہ یہ فتح ونصرت کا دن کب آئے گا تو اس وقت متی ھٰذا لفتح إن کنتم صادقین نازل ہوئی، اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا قُلْ یوم الفتحِ لا ینفعُ الذین کفروْا یمانُهم یعنی آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ تم ہماری فتح کا دن ہم سے کیا پوچھتے ہو وہ دن تو تمہاری مصیبت کا ہوگا کیونکہ جس دن ہماری فتح ہوگی تو اس دن تم عذاب میں گرفتار ہو چکے ہوگے، خواہ دنیا میں جیسے غزوۂ بدر میں ہوا، یا آخرت میں، اور جب اللہ کا عذاب کسی کو پکڑ لیتا ہے پھر اس کا ایمان قبول نہیں کرتا (کذا ذکرہ ابن کثیر) اور بعض حضرات نے اس جگہ متی ھٰذا الفتحُ کے معنی روز قیامت کے کئے ہیں۔

سَوال: مشرکین مکہ کے قول ویقولون متی ھذا الفتحُ میں وقت فتح کا سوال ہے اور وہ مومنین وکافرین کے درمیان یوم

قضا یعنی یوم قیامت ہے تو اس صورت میں مابعد کے جواب کی سوال کے ساتھ کیسے مطابقت ہوگی؟

جَوَابٌ: مشرکین مکہ کا سوال چونکہ قیامت کے بارے میں بطور تکذیب واستہزاء کے تھا نہ کہ سوال استفہام، لہٰذا جواب بھی تکذیب واستہزاء کے مطابق تہدید سے دیا گیا جو کہ عین مطابق ہے۔

سُوَال: جن حضرات نے یوم الفتح کی تفسیر فتح مکہ یا یوم بدر سے کی ہے تو پھر جواب کی تطبیق، **یوم الفتح لا ینفعُ الذین کفروا** سے کس طرح ہوگی، حالانکہ بعض کفار کو ان دونوں دنوں میں ان کے ایمان نے فائدہ پہنچایا، اس لئے کہ جو لوگ ایمان لائے وہ طلقاء قرار دیئے گئے۔

جَوَابٌ: مراد مشرکین کے مقتولین ہیں ان کے ایمان نے حالت قتل میں ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا، جیسا کہ غرق کے یقین کے وقت فرعون کو اس کے ایمان نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا (**انموذج جلیل فی بیان اسئلة واجوبة من غرائب التنزیل، لعلامة محمد بن ابی بکر القادر الرازی رحمهُ اللّٰه تعالیٰ**)۔

بحمداللّٰہ تعالیٰ

سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ وَّہِیَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّتِسْعُ رُکُوْعَاتٍ

سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ وَہِیَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰیَۃً.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ﴾ دُمْ علی تقواہ ﴿وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ﴾ فیما یُخالِفُ شریعتَکَ ﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا﴾ بما یکُونُ قبلَ کونِہٖ ﴿حَکِیْمًا﴾ فیما یخلُقُہٗ ﴿وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ﴾ ای القراٰنَ ﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾ وفی قراءۃٍ بالفوقانیۃِ ﴿وَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ﴾ فی امرِکَ ﴿وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا﴾ حافظًا لکَ واُمّتُکَ تَبَعٌ لہ فی ذلک کلِّہٖ ﴿مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ﴾ رَدًّا علٰی مَنْ قالَ مِنَ الکُفّارِ اِنَّ لہ قلبَیْنِ یَعْقِلُ بکُلٍّ منہما افضلَ مِن عقلِ محمدٍ ﴿وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَکُمُ الّٰٓیْ﴾ بہمزۃٍ وَیاءٍ وبلا یاءٍ ﴿تُظٰھِرُوْنَ﴾ بلا اَلِفٍ قبلَ الہاءِ وبِہا والتاءُ الثانیۃُ فی الاصلِ مُدغَمَۃٌ فی الظاءِ ﴿مِنْھُنَّ﴾ بقولِ الواحدِ مثلًا لِزوجتِہٖ اَنتِ علیَّ کظھرِ اُمّی ﴿اُمَّھٰتِکُمْ﴾ ای کالاُمّھاتِ فی تحریمِھا بذالکَ المعدِّ فی الجاھلیۃِ طلاقًا وانما تجبُ بہ الکفّارۃُ بشرطِہٖ کما ذُکِرَ فی سُورۃِ المُجادلۃِ ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَکُمْ﴾ جمعُ دعیٍّ وھو مَن یُدعٰی لغیرِ ابیہِ ابنًا لہ ﴿اَبْنَآءَکُمْ﴾ حقیقۃً ﴿ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاھِکُمْ﴾ ای الیھودِ والمنافقینَ قالوا لمّا تزوّجَ النبیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم زینبَ بنتَ جحشٍ التی کانَتْ امرأۃَ زیدِ بنِ حارثۃَ الذی تبنّاہُ النبیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قالوا تزوّجَ محمدٌ امرأۃَ ابنِہٖ فاکذبھُمُ اللّٰہُ فی ذلک ﴿وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ﴾ فی ذلک ﴿وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ﴾ سبیلَ الحقِّ لکن ﴿اُدْعُوْھُمْ لِاٰبَآئِھِمْ ھُوَ اَقْسَطُ﴾ اعدلُ ﴿عِنْدَ اللّٰہِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَھُمْ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْکُمْ﴾ بنُو عمِّکم ﴿وَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِہٖ﴾ فی ذلک ﴿وَلٰکِنْ﴾ فی ﴿مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُکُمْ﴾ فیہ وھو بعدَ النھیِ ﴿وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا﴾ لما کانَ مِن قولِکم قبلَ النھیِ ﴿رَّحِیْمًا﴾ بکم فی ذلک ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ﴾ فیما دعاھم الیہ ودعتھم انفسُھم الی خلافِہٖ ﴿وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ﴾ فی حُرمۃِ نکاحِھنّ علیھم ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ﴾ ذَوُوا القراباتِ ﴿بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ﴾ فی الارثِ ﴿فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ﴾ ای مِن الارثِ بالایمانِ والھجرۃِ الذی کانَ اوّلَ الاسلامِ فنُسِخَ ﴿اِلَّآ﴾ لکن ﴿اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفًا﴾ بوصیۃٍ فجائزٌ ﴿کَانَ ذٰلِکَ﴾ ای نسخُ الارثِ بالایمانِ والھجرۃِ بارثِ ذوی الارحامِ ﴿فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا﴾ واُریدَ بالکتابِ فی الموضعَیْنِ اللوحُ

المَحْفُوْظ وَ اذْكُرْ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ حِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ صُلْبِ اٰدَمَ كَالذَّرِّ جَمْعُ ذَرَّةٍ وَهِيَ اَصْغَرُ النَّمْلِ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ بِاَنْ يَعْبُدُوا اللّٰهَ وَيَدْعُوا النَّاسَ اِلٰى عِبَادَتِهٖ وَذِكْرُ الخَمْسَةِ مِنْ عَطْفِ الخَاصِّ عَلَى العَامِّ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۷﴾ شَدِيْدًا بِالوَفَاءِ بِمَا حَمَلُوْهُ وَهُوَ اليَمِيْنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ اَخَذَ المِيْثَاقَ لِيَسْـَٔلَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ فِي تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ تَبْكِيْتًا لِلْكَافِرِيْنَ بِهِمْ وَاَعَدَّ تَعَالٰى لِلْكٰفِرِيْنَ بِهِمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۸﴾ مُؤْلِمًا هُوَ عَطْفٌ عَلٰى اَخَذْنَا.

ع ۱۷/۸

ترجمہ: شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے اے نبی اللہ سے ڈرتے رہیے یعنی اس کے تقویٰ پر قائم رہیے اور کافروں اور منافقوں کی وہ باتیں نہ مانئے جو آپ کی شریعت کے خلاف ہوں اللہ تعالیٰ ہونے والی شئ کا اس کے ہونے سے پہلے علم رکھتے ہیں اور جو چیز پیدا فرماتے ہیں اس کے بارے میں حکیم ہیں اور آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ کی طرف بذریعہ وحی یعنی بذریعہ قرآن بھیجا جاتا ہے آپ اس پر چلتے رہیے بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے پوری طرح باخبر ہے ایک قراءت میں تاءِ فوقانیہ کے ساتھ ہے اور آپ اپنے معاملہ میں اللہ ہی پر توکل رکھئے اور اللہ کارسازی کے اعتبار سے کافی ہے آپ کا محافظ ہے، اور آپ کی امت ان تمام امور میں آپ کے تابع ہے اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے یہ رد ہے بعض کفار کے اس قول کا کہ فلاں شخص کے سینے میں دو دل ہیں وہ دونوں دلوں سے محمد ﷺ سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے اور اپنی جن بیبیوں سے تم ظہار کر بیٹھتے ہو (یعنی حرمت کی نیت سے ماں کہہ بیٹھتے ہو) انہیں اللہ نے تمہاری (حقیقی) ماں نہیں بنایا اللّائی ہمزہ اور ی اور بغیر ی دونوں قراءتیں ہیں تظهرون ھا سے پہلے الف اور بغیر الف دونوں صورتیں ہیں اور تاء ثانیہ اصل میں ظا میں مدغم ہے، کسی نے اپنی بیوی سے مثلاً (انتِ علیَّ کظھرِ امی) کہا یعنی ظہار کی وجہ سے حرمت میں (حقیقی) ماں کے مثل نہیں ہے ظہار کو جاہلیت میں طلاق شمار کرنے کی وجہ سے اور بلاشبہ ظہار کی وجہ سے کفارہ اس کی شرط کے ساتھ واجب ہوتا ہے جیسا کہ سورۂ مجادلہ میں ذکر کیا گیا ہے اور نہ تمہارے متبنّاؤں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا، اَدْعِيَاءُ دَعِيٌّ کی جمع ہے، اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ابن ہونے کی نسبت اس کے باپ کے بجائے غیر کی جانب کی گئی ہو اے یہود اور منافقو! یہ تمہارے منہ کی باتیں ہیں، جب نبی ﷺ نے اپنے متبنّیٰ زید بن حارثہ کی بیوی زینب بنت جحش سے نکاح کر لیا تو (یہود و منافقین) نے کہا تھا کہ محمد ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بارے میں تکذیب فرمائی اور اللہ اس معاملہ میں حق بات کہتا ہے اور وہ راہ (حق) کی جانب رہنمائی کرتا ہے لیکن تم متبنّاؤں کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارا کرو اللہ کے نزدیک صحیح بات یہی ہے اور اگر تم کو ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے چچازاد بھائی ہیں اور اگر تم سے اس معاملہ میں بھول چوک ہو جائے تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں، البتہ گناہ وہ ہے کہ ممانعت کے بعد تم قصداً کرو اور ممانعت سے پہلے تم جو کچھ کہہ چکے ہو اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا ہے اور اس بارے میں تم پر

مہربان ہے نبی مومنین پر خود کے نفسوں سے بھی زیادہ مشفق (مہربان) ہے ان چیزوں میں جن کی طرف وہ بلاتے ہیں اور ان کے نفوس اس کے خلاف کی جانب بلاتے ہیں اور ان کی ازواج ان کی مائیں ہیں ان پر ان کے نکاح کے حرام ہونے میں اور ذوی الارحام یعنی قریبی رشتہ دار کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے آپس میں زیادہ حقدار ہیں میراث کے معاملہ میں یعنی ایمان اور ہجرت کی وجہ سے ارث سے جو ابتداء اسلام میں تھی پھر منسوخ کر دی گئی مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ وصیت کے ذریعہ کچھ سلوک کرنا چاہو تو جائز ہے اور یہ یعنی ایمان و ہجرت کی وجہ سے میراث کا حکم ذوی الارحام کے ذریعہ منسوخ ہونا کتاب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے کتاب سے دونوں جگہ لوح محفوظ مراد ہے اور یاد کرو ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا جب کہ ان کو آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی پشت سے چھوٹی چیونٹیوں کے مانند نکالا گیا تھا ذُرٌّ ذُرَّۃٌ کی جمع ہے نہایت چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں، اور (بالخصوص) آپ سے اور نوح علیہ الصلاۃ والسلام سے اور ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے (عہد لیا تھا) یہ کہ اللہ کی بندگی کریں گے اور لوگوں کو اس کی بندگی کی طرف دعوت دیں گے اور تخصیص کے طور پر ان پانچ (انبیاء) کا ذکر عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے اور ہم نے ان سے ذمہ داری کو پورا کرنے کا نہایت پختہ عہد لیا تھا اور وہ (میثاق) اللہ تعالیٰ کی قسم تھی تاکہ اللہ تعالیٰ ان سچوں سے تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں سچ کے بارے میں دریافت کرے ان کے منکرین کو لاجواب کرنے کے لئے اور کافروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے یعنی تکلیف دہ، اس کا عطف اخذنا پر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یایُّھَا النبی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو دیگر انبیاء کی مانند خطاب نہیں فرمایا، دیگر انبیاء کو خطاب فرمایا یا موسیٰ یا عیسیٰ یا داؤد، اس لئے کہ آپ ﷺ بلاشبہ افضل الخلق علی الاطلاق ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعظیم و اکرام کے الفاظ سے خطاب فرمایا ہے مثلاً فرمایا۔ یایُّھا النبی، یایُّھا الرَّسول اور اگر کہیں صراحۃً آپ سے نام کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو معاً اس کے بعد کوئی کلمہ ذکر فرمایا جو تعظیم پر دلالت کرتا ہو، مثلاً فرمایا محمد رسول اللہ۔ وما محمد اِلاّ رسول وغیر ذٰلک.

قولہ: دُم علی تقواہُ اس اضافہ کا مقصد تحصیل حاصل کے شبہ کا جواب ہے، اس لئے کہ آپ تو تقویٰ پر پہلے ہی سے تھے پھر آپ کو تقویٰ کا حکم دینا یہ تحصیل حاصل ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مقصد تقویٰ پر قائم رہنے کا حکم ہے نہ کہ انشاء تقویٰ کا یا حکم اگرچہ آپ کو ہے مگر مراد امت ہے۔

قولہ: کَفٰی بِاللّٰہِ میں اللہ کفی کا فاعل ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہے فاعل پر ب زائدہ ہے، وکیلاً تمیز ہے یا حال ہے۔

قولہ: وما جعل ادعیاء کم یہ آیت حضرت زید بن حارثہ بن شرحبیل کے بارے میں نازل ہوئی، دعی بمعنی مدعو ہے فعیل بمعنی مفعول دعی اصل میں دعیو تھا واؤ اور یا ایک جگہ جمع ہوئے یا ساکن ہے واؤ کو یا کیا اور یا کو یا میں ادغام کردیا دعی ہوگیا لیکن دعی کی جمع ادعیاء خلاف قیاس ہے اس لئے کہ فعیل معتل اللام کی جمع افعلاء اس وقت آتی ہے جب فاعل کے معنی میں ہو جیسے تقی کی جمع اتقیاء اور غنی کی جمع اغنیاء دعی اگرچہ معتل اللام ہے مگر بمعنی مفعول ہے لہٰذا قیاس یہ تھا کہ اس کی جمع ادعی بروزن فعلی ہو جیسے قتیل کی جمع قتلی اور جریح کی جمع جرحی آتی ہے لہٰذا یہ شاذ ہے۔

قولہ: بنو عمکم، موالیکم کی تفسیر بنو عمکم سے کرنے کا مقصد معنی کی تعیین ہے اس لئے کہ مولی کے بہت سے معنی آتے ہیں، انہیں میں سے ابن عم بھی ہے، حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا انی خفت الموالی من ورائی یہاں موالی سے بنو عم مراد ہیں۔

قولہ: ما تعمدت میں ما یا تو سابق ما پر عطف کی وجہ سے محلاً مجرور ہے یا ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور خبر محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی ولکن ما تعمدت قلوبکم تؤاخذون به ارحام جمع رحم بمعنی قرابت اولی ببعض ای بارث بعض مفسر علام نے فی الارث کا اضافہ حذف مضاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کیا ہے فی کتاب اللہ اولی سے متعلق ہے ای هذه الاولویة ثابتة في كتاب الله من المؤمنين کا تعلق بھی اولی کے ساتھ ہے یعنی قرابت دار مومنین اجانب مہاجرین سے ارث کے زیادہ مستحق ہیں الا ان تفعلوا شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے الا کی تفسیر لکن سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

قولہ: ان تفعلوا تاویل مصدر ہو کر مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے فجائز مقدر مان کر حذف قول کی جانب اشارہ کردیا، تفعلوا چونکہ توصلوا کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا اس کا صلہ الی لانا درست ہے۔

قولہ: بارث ذوی الارحام یہ نسخ سے متعلق ہے۔

قولہ: واذ اخذنا یہ اذکر محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ فی الکتاب کے محل پر عطف ہو تو اس وقت حال مسطوراً ہوگا ای کان هذا الحکم مسطوراً فی الکتاب وقت اخذنا.

قولہ: واعدّ اس کا عطف اخذنا پر ہے۔

تفسیر و تشریح

سورۂ احزاب بالاتفاق مدنی ہے اس میں تہتر آیتیں ہیں، اس سورت میں چونکہ واقعہ غزوۂ احزاب مذکور ہے اس لئے اس کا نام سورۂ احزاب رکھا گیا، اس کے بیشتر مضامین نبی کریم ﷺ اور صحابہ کی مدح نیز منافقین کی مذمت وشناعت پر مشتمل ہیں، یہ سورت سورۂ بقرہ کے برابر تھی اور اسی میں آیت رجم الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة

نکالاً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے موجودہ مقدار کے علاوہ بقیہ کو اٹھالیا، روافض کہتے ہیں کہ سورۂ احزاب کا کچھ حصہ ایک صحیفہ پر مکتوب تھا جو حضرت عائشہ (صدیقہ) کے گھر میں تھا اس کو بکری کھا گئی، یہ قول روافض اور زنادقہ کی تصنیف ہے، آیت رجم کے الفاظ اگرچہ منسوخ ہوگئے مگر حکم باقی ہے۔ (جمل)

شانِ نزول:

اس سورت کے شانِ نزول میں چند واقعات منقول ہیں:

❶ پہلا واقعہ:

یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کرکے مدینہ تشریف فرما ہوئے، تو مدینہ کے آس پاس یہود کے قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع وغیرہ آباد تھے، آپ ﷺ کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہوجائیں، اتفاقاً ان یہودیوں میں سے چند آدمی آپ کی خدمت میں آنے لگے، اور منافقانہ طور پر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے لگے، آپ ﷺ نے اس کو غنیمت سمجھا کہ کچھ لوگ اگر مسلمان ہوجائیں تو دوسروں کو دعوت دینا آسان ہوجائے گا، اس لئے آپ ان کے ساتھ خاص مدارات کا معاملہ فرماتے تھے اور ان کے آنے والے ہر چھوٹے بڑے کا اکرام فرماتے اور ان کی بعض غلطیوں کو نظرانداز بھی فرماتے، اس واقعہ پر سورۂ احزاب کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ (قرطبی)

❷ دوسرا واقعہ:

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے نقل کیا ہے کہ ہجرت کے بعد کفار مکہ میں سے ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ مدینہ طیبہ آئے اور آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ ہم قریش مکہ کے نصف اموال آپ کو دیدیں گے اگر آپ اپنے دعوے کو چھوڑ دیں، اور مدینہ طیبہ کے منافقین اور یہود نے آپ ﷺ کو یہ دھمکی بھی دی کہ اگر آپ نے اپنے دعوائے نبوت سے رجوع نہ کیا تو ہم آپ کو قتل کردیں گے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (روح)

❸ تیسرا واقعہ:

روایت کیا گیا ہے کہ ابوسفیان بن حرب اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور سلمی اس زمانہ میں جبکہ صلح حدیبیہ کی وجہ سے آپس میں ناجنگ معاہدہ ہوچکا تھا، مدینہ طیبہ آئے اور عبداللہ بن اُبیّ رئیس المنافقین کے یہاں اترے، اور آپ ﷺ نے ان کو ملاقات کرنے اور گفتگو کرنے کی اجازت دیدی، ان کے ساتھ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور طعمہ بن ابیرق بھی آئے حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت آپ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے، ان حضرات نے گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرنا چھوڑ دیں اور صرف اتنا کہہ دیں کہ یہ بت بھی اپنے عابدین کی شفاعت کریں گے، اگر آپ اتنا کریں تو ہم آپ کو اور آپ کے رب کو چھوڑ دیں گے، جھگڑا ختم ہو جائے گا، یہ بات آپ کو اور مسلمانوں کو سخت ناگوار ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ اجازت دیجئے میں ان کو قتل کر دوں، آپ نے فرمایا میں ان سے معاہدۂ امن کر چکا ہوں، اس لئے ایسا نہیں ہو سکتا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں (روح واعراب القرآن للدرویش ملخصاً) یہ روایات اگرچہ مختلف ہیں مگر ان میں کوئی تضاد نہیں یہ سب واقعات بھی نزول کا سبب ہو سکتے ہیں۔

ان آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کو دو حکم دیئے گئے ہیں: ① اِتَّقِ اللّٰهَ یعنی اللہ سے ڈرتے رہو، ② لَا تُطِعِ الكافرین یعنی کافروں کا کہنا نہ مانو، اللہ سے ڈرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کا قتل عہد شکنی ہے جو حرام ہے، اور کفار کی بات نہ ماننے کا حکم اس لئے کہ ان تمام واقعات میں کفار کی جو فرمائشیں ہیں وہ ماننے کے قابل نہیں، مذکورہ دونوں حکموں پر اگرچہ آپ پہلے ہی سے عامل تھے اس کے باوجود حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ کی طرح آئندہ بھی پابند رہئے۔ (روح)

بعض مفسرین نے فرمایا کہ مذکورہ آیات میں اگرچہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے آپ تو معصوم تھے آپ سے احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کا کوئی احتمال نہیں تھا، مگر قانون پوری امت کے لئے ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آیت میں کفار و مشرکین کی اطاعت سے منع کرنے کا مقصد آپ کو ان سے مشورہ کرنے اور ان کو اہمیت دینے نیز ان کو زیادہ مجالست کا موقع فراہم کرنے سے منع کیا گیا ہے اس لئے کہ بعض اوقات ایسے مشورے اور باہمی روابط بات ماننے کا سبب بن جایا کرتے ہیں اگرچہ آپ ﷺ سے ان کی بات مان لینے کا کوئی احتمال نہیں تھا مگر ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے، تو یہاں درحقیقت آپ کو اسباب اطاعت سے منع کیا گیا ہے نفس اطاعت کا تو آپ سے احتمال ہی نہ تھا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ امور دین میں کفار سے مشورہ لینا بھی جائز نہیں دیگر امور جن کا تعلق تجربے یا مہارت وغیرہ سے ہو تو ان میں مشورہ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (واللہ اعلم)۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِن قَلبَینِ فِی جَوفِهٖ سابقہ آیات میں رسول اللہ ﷺ کو کفار و منافقین کے مشوروں پر عمل کرنے اور ان کو مشوروں میں شریک کرنے سے منع فرمایا تھا، آیات مذکورہ میں کفار میں چلی ہوئی رسموں اور باطل خیالات کی تردید ہے، پہلی بات یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب لوگ ایسے شخص کے بارے میں جو غیر معمولی ذہین ہو کہا کرتے تھے کہ اس کے سینے میں دو دل ہیں، چنانچہ ابو معمر جمیل بن اسد الفہری جو کہ نہایت ذہین شخص تھا اس کے بارے میں عرب کا یہی خیال تھا، اس کا لقب ہی ذوالقلبین پڑ گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ منافقین کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کے سینے میں دو قلب ہیں ایک ہمارے ساتھ ہے اور ایک مسلمانوں کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے اس باطل خیال کی مذکورہ آیت میں تردید فرمائی ہے۔

دوسری بات یہ کہ عرب میں یہ رسم تھی کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لیتا یعنی اس کو اپنی محرمات ابدیہ جیسا کہ ماں، بہن وغیرہ کے ساتھ تشبیہ دیدیتا تو اس کو ہمیشہ کے لئے حرام سمجھا جاتا تھا۔

تیسری بات یہ کہ عرب میں متبنیٰ کو حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا اور منہ بولا بیٹا تمام احکام میں حقیقی بیٹے کے مانند ہوتا تھا، مثلاً میراث میں حقیقی بیٹے کے مانند شریک ہوتا تھا، اور جس طرح نسبی رشتے بیٹے کے لئے حرام ہوتے ہیں اسی طرح متبنیٰ کے لئے بھی ان سے نکاح کرنا حرام سمجھا جاتا تھا، جس طرح حقیقی بیٹے کی بیوی سے طلاق دینے کے باوجود نکاح حرام ہے، اسی طرح متبنیٰ کی بیوی سے بھی نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔

زمانۂ جاہلیت کے یہ تین باطل خیالات اور رسوم تھیں جن میں سے پہلی بات کا تعلق مذہبی عقیدے سے نہیں ہے یہ تو محض طبی اور فنی مسئلہ ہے کہ ایک شخص کے دو دل ہو سکتے ہیں یا نہیں اس کی تردید کی بھی چنداں ضرورت نہیں تھی، مگر اس کی تردید بقیہ دو مسئلوں کی تمہید و تائید کے طور پر کی گئی ہے، یعنی جس طرح اہل جاہلیت کا یہ کہنا باطل ہے کہ کسی شخص کے سینے میں دو دل ہو سکتے ہیں اور اس کے بطلان کو خاص و عام سب ہی جانتے ہیں، اسی طرح ظہار اور متبنیٰ کے مسائل میں بھی ان کے خیالات باطل ہیں، باقی دو مسئلے یعنی ظہار اور متبنیٰ کے احکام یہ ان معاشرتی اور عائلی مسائل میں سے ہیں جن کی اسلام میں خاص اہمیت ہے، حتی کہ ان کی جزئیات بھی حق تعالیٰ نے قرآن میں خود ہی بیان فرمائی ہیں۔

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ اللائی تُظٰهِرُوْنَ منهن اُمَّهَاتكم یعنی یہ تمہارا خیال غلط ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو (حرمت کی نیت سے) ماں کے برابر یا مثل کہہ دیا تو وہ ماں کی طرح اس کے واسطے ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی تمہارے کہنے سے بیوی حقیقی ماں نہیں ہو جاتی، تمہاری حقیقی ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے تم پیدا ہوئے ہو، اس آیت نے اہل جاہلیت کے اس خیال کو باطل کر دیا کہ ظہار سے حرمت مؤبدہ ثابت ہو جاتی ہے۔

دوسرا مسئلہ متبنیٰ بیٹے کا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح کسی انسان کے دو دل نہیں ہوتے اور جس طرح بیوی ماں کہنے سے ماں نہیں بن جاتی، اسی طرح متبنیٰ بھی تمہارا حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا، یعنی متبنّٰی دوسرے حقیقی بیٹوں کے ساتھ نہ میراث میں شریک ہوگا اور نہ حرمت نکاح کے مسائل میں۔

چونکہ اس آخری معاملہ کا اثر بہت سے معاملات پر پڑتا ہے اس لئے یہ حکم نافذ کر دیا گیا کہ متبنّٰی بیٹے کو جب پکارو تو اصلی باپ کی طرف منسوب کر کے پکارو، کیونکہ اس سے بہت سے معاملات میں اشتباہ پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی حدیث ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہم نے زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہنا چھوڑ دیا۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بالمؤمنین (الآیة) نبی ﷺ مومنین کے ساتھ تو ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ انسان کا نفس تو کبھی اس کو نفع پہنچاتا ہے، اور کبھی نقصان، بخلاف رسول اللہ ﷺ کے کہ آپ کی تعلیم نفع ہی نفع ہے اور خیر ہی خیر ہے، اس لئے کہ اپنے نفس کو تو خیر و شر اور منفعت و مضرت میں مغالطہ بھی ہو سکتا ہے اور نفس کو مصالح و مضار کا پورا علم بھی نہیں، بخلاف رسول

اللہ ﷺ کے کہ آپ کی تعلیمات میں کسی مغالطہ کا خطرہ ہی نہیں، جب نفع رسانی میں رسول اللہ ﷺ ہماری جان اور نفس سے بھی زیادہ ہیں تو ان کا حق بھی ہم پر ہماری جان سے زیادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کی ہر کام میں اطاعت کریں اور آپ ﷺ کی تکریم و تعظیم تمام مخلوقات سے زیادہ کریں، اور آپ کی ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں اور آپ ﷺ تمام امت کے روحانی باپ ہیں جو ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ ان پر شفیق و مہربان ہیں، اسی مناسبت سے آپ کی ازواج مطہرات جو کہ امت کی روحانی مائیں ہیں، یعنی ان کی تکریم و تعظیم اپنی حقیقی ماؤں کی طرح ہے۔

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو امت کا روحانی باپ اور آپ کی ازواج کو امت کی مائیں قرار دیا ہے تو اس سے بھی اسی طرح کا التباس اور اشتباہ ہو سکتا تھا جس طرح کا اشتباہ متبنّی کو اس کے غیر حقیقی باپ کی طرف منسوب کرنے میں ہوتا تھا جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا تھا کہ امت کے مسلمان سب آپس میں بھائی بہن ہو جائیں جس کی وجہ سے آپس میں نکاح کا تعلق حرام ہو جائے، اور میراث کے احکام میں بھی ہر مسلمان دوسرے کا وارث قرار دیا جائے، اس التباس کو دور کرنے کے لئے آیت کے آخر میں فرمایا وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اولی ببعض (الآیۃ) کتاب اللہ یعنی حکم شرعی میں ایک دوسرے سے میراث کا بہ نسبت دیگر مومنین و مہاجرین کے زیادہ تعلق رکھتے ہیں، ابتداء ہجرت میں ایمانی اخوت کی بناء پر مہاجرین کو انصار کی میراث کا حق دار بنا دیا گیا تھا مگر بالآخر تقسیم میراث رشتہ داری اور ارحام کی بناء پر رہے گی، البتہ حسن سلوک رفیقوں اور دوستوں سے وصیت کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ یہ وصیت تہائی متروکہ مال سے زیادہ نہ ہو۔ (الآیۃ)

میثاقِ انبیاء:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ ميثاقهم. آیت مذکورہ میں جو انبیاء علیہم السلام سے عہد و قرار لینے کا ذکر ہے وہ اس اقرار عام کے علاوہ ہے جو تمام مخلوق سے لیا گیا تھا، جیسا کہ مشکوٰۃ میں بروایت امام احمد مرفوعاً آیا ہے، کہ خُصُّوْا بميثاق الرسالة و النُّبوَّة وهو قوله تعالى وَاِذْ اَخَذْنا من النبيين ميثاقهم. (الآیۃ)

یہ عہد انبیاء علیہم السلام سے نبوت و رسالت کے فرائض ادا کرنے اور باہم ایک دوسرے کی تصدیق اور مدد کرنے کا عہد تھا، جیسا کہ ابن جریر و ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے، اور ایک روایت میں اس عہد نامہ میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ سب اس کا بھی اعلان کریں کہ محمد رسول اللّٰه لانبی بعدهٗ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اور یہ میثاق انبیاء بھی ازل میں اسی وقت لیا گیا تھا، جبکہ عام مخلوق سے الستُ بربکم کا عہد لیا گیا تھا (روح، مظہری) انبیاء علیہم السلام کے عام ذکر کے بعد ان میں سے پانچ انبیاء کا خصوصی ذکر ان کے اس خاص امتیاز و شرف کی بناء پر کیا گیا جو ان کو زمرۂ انبیاء میں حاصل ہے اور ان میں بھی آنحضرت ﷺ کو مقدم کیا گیا حالانکہ آپ کی بعثت سب کے بعد ہے، اس کی وجہ خود حدیث میں بیان کی گئی ہے، کنتُ اول الناس فی الخلق و آخرهم فی البعث دوسری وجہ یہ کہ آپ تمام انبیاء میں افضل ہیں اس لئے ذکراً بھی آپ کو مقدم کر دیا۔

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ من الكفار متحزبون ايام حفر الخندق **فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا** ملائكة **وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ** اى بالتاء من حفر الخندق وبالياء من تحزيب المشركين **بَصِيرًا ﴿٩﴾ إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ** اى من اعلى الوادي واسفله من المشرق والمغرب **وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ** مالت عن كل شيء الى عدوها من كل جانب **وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ** جمع حنجرة وهي منتهى الحلقوم من شدة الخوف **وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونَا ﴿١٠﴾** المختلفة بالنصر واليأس **هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ** اختبروا ليتبين المخلص من غيره **وَزُلْزِلُوا** حركوا **زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾** من شدة الفزع واذكر **إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ** ضعف اعتقاد **مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ** بالنصر **إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾** باطلا **وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ** اى المنافقين **يَا أَهْلَ يَثْرِبَ** هي ارض المدينة ولم تنصرف للعلمية ووزن الفعل **لَا مُقَامَ لَكُمْ** بضم الميم وفتحها اى لا اقامة ولا مكانة **فَارْجِعُوا** الى منازلكم من المدينة وكانوا خرجوا مع النبي صلى الله عليه وسلم الى سلع جبل خارج المدينة للقتال **وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِنْهُمُ النَّبِيَّ** في الرجوع **يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ** غير حصينة تخشى عليها قال تعالى **وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنْ** ما **يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾** من القتال **وَلَوْ دُخِلَتْ** اى المدينة **عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا** نواحيها **ثُمَّ سُئِلُوا** اى سألهم الداخلون **الْفِتْنَةَ** الشرك **لَآتَوْهَا** بالمد والقصر اى اعطوها وفعلوها **وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُولًا ﴿١٥﴾** عن الوفاء به **قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا** ان فررتم **لَا تُمَتَّعُونَ** في الدنيا بعد فراركم **إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٦﴾** بقية آجالكم **قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ** يجيركم **مِنَ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا** اهلاكا **أَوْ** هزيمة او يصيبكم بسوء ان **أَرَادَ** الله **بِكُمْ رَحْمَةً** خيرا **وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ** اى غيره **وَلِيًّا** ينفعهم **وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧﴾** يدفع الضر عنهم **قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِينَ** المثبطين **مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ** تعالوا **إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ** القتال **إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٨﴾** رياء وسمعة **أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ** بالمعاونة جمع شحيح وهو حال من ضمير يأتون **فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي** كنظر او كدوران الذي **يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ** اى سكراته **فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ** وحيزت الغنائم **سَلَقُوكُمْ** آذوكم وضربوكم **بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ** اى الغنيمة يطلبونها **أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا** حقيقة **فَأَحْبَطَ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَٰلِكَ** الاحباط **عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾** بارادته **يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ** من الكفار **لَمْ يَذْهَبُوا** الى مكة لخوفهم منهم **وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ** كرة اخرى **يَوَدُّوا** يتمنوا **لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ** اى كائنون في البادية **يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ** اخباركم مع الكفار **وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ**

مع: عند المتقدمين

بدہ الكرة مَا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ریاءً وخوفًا من التعییر.

ع ۲
۱۸

تَرْجَمَہ: اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کے انعام کو یاد کرو جبکہ تم پر کفار کے بہت سے لشکر خندق کھودنے کے ایام میں (متحدہ محاذ) بنا کر چڑھ آئے تھے تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فرشتوں کی ایسی فوج بھیجی کہ جو تم کو نظر نہ آتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے خندق وغیرہ کھودنے کے عمل کو دیکھ رہا تھا (تعملون) میں تا اور یاء کے ساتھ اور مشرکین کی گروہ بندی (متحدہ محاذ) کو دیکھ رہا تھا، جبکہ (دشمن) تمہارے اوپر یعنی وادی کے اوپر کی جانب سے اور نیچے کی جانب سے چڑھ آئے تھے یعنی مشرق و مغرب کی جانب سے اور جبکہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں (یعنی) ہر طرف سے چڑھ آنے والے اپنے دشمن کی طرف لگی ہوئی تھیں اور شدت خوف کی وجہ سے کلیجے منہ کو آنے لگے تھے (حناجر) حنجرۃ کی جمع ہے حنجرۃ حلق کے آخری حصہ کو کہتے ہیں اور تم اللہ کی نسبت مد داور نا امیدی کے طرح طرح کے گمان کر رہے تھے اس موقع پر مومنوں کو آزمایا گیا تاکہ مخلص غیر مخلص سے ممتاز ہو جائے اور شدید خوف کے شدید زلزلے میں ڈالے گئے اور اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ منافق اور وہ لوگ جن کے قلوب میں ضعف اعتقاد کا مرض تھا کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ اور اس کے رسول نے نصرت کا محض دھوکے کا وعدہ کیا ہے اور جبکہ ان میں یعنی منافقوں میں سے ایک جماعت نے کہا اے یثرب والو! یہ مدینہ کے علاقہ کا نام ہے علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے کہ تمہارے لئے ٹھہرنے کا موقع نہیں (مقام) میں میم کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ نہ ٹھہرنے کا موقع اور نہ ٹھہرنے کا مقام اپنے گھروں یعنی مدینہ لوٹ چلو اور یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کے لئے مدینہ سے باہر جبل سلع تک نکلے تھے، اور ان میں سے بعض لوگ نبی سے یہ کہہ کر واپس لوٹنے کی اجازت طلب کر رہے تھے کہ ہمارے گھر خالی (یعنی) غیر محفوظ ہیں ہمیں اپنے گھروں کے بارے میں (دشمن) کا اندیشہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں، ان کا ارادہ قتال سے بھاگ کھڑے ہونے ہی کا تھا اور اگر مدینہ میں ان کے اوپر اطراف (مدینہ) سے لشکر چڑھا دیئے جائیں پھر ان سے داخل ہونے والے فتنہ شرک کا مطالبہ کریں تو یہ اس کو منظور کر لیں (لآتوھا) میں مد اور قصر دونوں ہیں یعنی اس کو منظور کر لیں اور کر گذریں اور گھر میں بہت ہی کم ٹھہریں حالانکہ یہ لوگ پہلے اللہ سے عہد کر چکے ہیں کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی وفا کے بارے میں باز پرس ہوگی، آپ فرما دیجئے کہ تم کو بھاگنا کچھ فائدہ نہ دے گا اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اگر تم بھاگے تو فرار کے بعد دنیا میں بجز تھوڑے دنوں کے یعنی بجز بقیہ مدت حیات کے مستفید نہیں ہو سکتے اور یہ بھی فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمہارے ساتھ برائی یعنی ہلاکت یا ہزیمت کا ارادہ کرے یا وہ کون ہے جو تم کو تکلیف پہنچا سکے اگر اللہ تمہارے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہے؟ اور نہ وہ خدا کے سوا اپنا کوئی حمایتی پائیں گے کہ ان کو نفع پہنچا سکے اور نہ مددگار کہ ان سے ضرر کو دفع کر سکے اللہ تعالیٰ تم میں سے ان کو جانتا ہے جو دوسروں کو روکنے والے ہیں اور اپنے بھائی

بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ، اور لڑائی میں شریک نہیں ہوتے مگر بہت کم دکھانے اور سنانے (ریاکاری) کے لئے، معاونت کے بارے میں تمہارے حق میں پورے بخیل ہیں اَشِحَّۃٌ شَحِیْحٌ کی جمع ہے، اور وہ یاتون کی ضمیر سے حال ہے اور جب خوف کا موقع آجائے تو آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا جاتی ہیں، اس شخص کی نظر کے مانند یا اس شخص کے چکرانے کے مانند کہ جس پر نزع کی بیہوشی چھا گئی ہو اور جب خوف جاتا رہتا ہے اور اموال غنیمت جمع کئے جاتے ہیں تو تم کو تیز تیز زبانوں سے ایذاء پہنچاتے ہیں طعنے دیتے ہیں اور مال غنیمت پر بڑے حریص ہیں اس کا مطالبہ کرتے ہیں یہ لوگ حقیقت میں ایمان نہیں لائے تو اللہ نے ان کے اعمال بیکار کردیئے اور یہ بیکار کرنا اللہ کے لئے اس کی مشیئت سے بہت آسان ہے ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کافروں کی یہ جماعتیں ابھی مکہ مکرمہ گئی نہیں ہیں ان سے خوف زدہ ہونے کی وجہ سے اور اگر (بالفرض) یہ جماعتیں پھر لوٹ آئیں تو یہ اس بات کو پسند کریں کہ کاش ہم دیہاتوں میں باہر جا رہیں یعنی دیہاتوں میں سکونت اختیار کرلیں، اور کافروں کے ساتھ تمہاری لڑائی کی خبریں معلوم کرتے رہیں اور اگر اس مرتبہ وہ تمہارے ساتھ ہوتے تو بھی بہت کم لڑتے ریاکاری کے طور پر اور عار کے خوف سے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: جُنُوْدٌ جمع جُنْدٍ بمعنی لشکر، قریش، غطفان، اور یہود بنی نضیر وغیرہ کے لشکر مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ: اِذْ جَاءَ تْکُمْ، نِعْمَۃَ اللّٰہِ سے بدل ہے، اس میں عامل اُذْکُرُوْا ہے۔

قَوْلُہٗ: مُتَحَزِّبُوْنَ ای مُجْتَمِعُوْنَ. متحدہ محاذ۔

قَوْلُہٗ: اِذْ جَاءُ وْکُمْ یہ اِذْ جَاءَ تْکُمْ سے بدل ہے، ظُنُوْنَا میں نافع اور ابن عامر اور ابوبکر نے مصحف امام (یعنی مصحف عثمانی) کی رعایت کرتے ہوئے وقفًا و وصلًا الف کے ساتھ پڑھا ہے اور ابوعمرو حمزہ نے دونوں حالتوں میں حذف الف کے ساتھ پڑھا ہے۔

قَوْلُہٗ: بالنصر و الیاس نصرت کی امید رکھنے والے مومنین مخلصین تھے اور ناامید ہونے والے منافقین تھے۔

قَوْلُہٗ: زِلْــــزَالًا زا کے کسرہ کے ساتھ یہ عام قراءت ہے اور بعض حضرات نے زا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس لئے کہ فِعْلَالٌ کے دونوں مصدر آتے ہیں جیسے زِلْـزَالٌ، قِلْقَالٌ، و صِلْصَالٌ کبھی زَالزالٌ بالفتحہ اسم فاعل کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے زَلْزَال بمعنی مُزَلْزِلٌ.

قَوْلُہٗ: اِذ قالت طائفۃ قائل منافق اوس بن قیظی اور اس کے اصحاب ہیں لَا مُقَامَ قراءت حفص میں میم کے ضمہ کے ساتھ ہے اور بقیہ حضرات کے نزدیک فتحہ کے ساتھ ہے، قول الشارح لَا اِقَــامَۃَ بمعنی ٹھہرنا مُـقَــامٌ بالضمہ کی تفسیر ہے اور لَا

مکانۃ بمعنی موضع قیام یہ مقام بالفتح کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: یَثْرِبَ حدیث شریف میں مدینہ کو یثرب کہنے سے منع کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ ثَرْبٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ملامت اور تعفّف کے ہیں، کہا گیا کہ قوم عمالقہ کا ایک شخص جس کا نام یَثْرِبْ تھا وہ اس جگہ سب سے پہلے فروکش ہوا تھا، اسی وجہ سے اس مقام کا نام یثرب ہوگیا، آپ ﷺ نے اس کا نام طَیْبَۃ، طابۃ، قُبَّۃَ الاسلام اور دار الھجرت رکھا۔

(اعراب القرآن للدرویش ملخصًا)

قَوْلُہٗ: سَلَعْ مدینہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے اور شارح کا قول جبلٍ خارجِ المدینۃ سَلَعْ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: فارجعوا میں فاء فصیحہ ہے ای اِن سمِعْتم نُصْحِی فارْجعُوْا یعنی اگر تم نے میری نصیحت سن لی تو لوٹ جاؤ اور وَیَسْتَاذِنُ کا عطف قالَتْ پر ہے، حکایت حال ماضیہ کے طور پر مضارع کا صیغہ لایا گیا ہے یقولون جملہ حالیہ یا مفسرہ ہے جو یَسْتَاذِنُ کی تفسیر کر رہا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَوْ دُخِلَتِ المَدینۃ ای لَوْ دَخَلَتِ الاحزابُ المدینۃَ ثم سُئِلُوْا ای المنافقون.

قَوْلُہٗ: اَلفِتْنَۃَ ای الکُفْرَ وَالرِّدَّۃَ.

قَوْلُہٗ: لَاٰتَوْھَا میں لام جواب قسم پر داخل ہے یعنی کفر وردّۃ کو فوراً بلا تاخیر منظور کرلیں اور بعض حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ کفر وردّۃ کا مطالبہ پورا کرنے کے بعد مدینہ میں زیادہ وقت نہ ٹھہر سکیں گے فوراً ہی نکال دیئے جائیں یا قتل کردیئے جائیں گے۔ (بیضاوی، جمل)

قَوْلُہٗ: لَا یُوَلُّوْنَ یہ جواب قسم ہے اس لئے کہ عَاھَدُوْا معنی میں اَقْسَمُوْا کے ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنْ فررتم شرط ہے اس کا جواب لن ینفعکم مقدم ہے یا ماقبل کی دلالت کی وجہ سے محذوف بھی ہوسکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْمُعَوِّقِیْنَ یہ مُعَوِّقٌ اسم فاعل کی جمع ہے اس کے معنی ہیں روکنے والے۔

قَوْلُہٗ: ھَلُمَّ ای تَعَالَوْا ھَلُمَّ بنی تمیم اور حجازیین کے نزدیک فعل امر ہے مگر فرق یہ ہے کہ بنوتمیم کے نزدیک اس پر علامات تثنیہ وجمع وتذکیر وتانیث لاحق ہوتی ہیں یعنی ھَلُمَّا ھَلُمُّوا ھَلُمّتْ وغیرہ کہہ سکتے ہیں، اور حجازیین کے نزدیک اس کا صرف واحد مذکر ہی کا صیغہ آتا ہے، شارح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ھَلُمَّ کی تفسیر تعالوا سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ وہ ھَلُمَّ کے بارے میں حجازی مذہب کے قائل ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَشِحَّۃً یہ شحیحٌ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں حریص مع البخل، اَشِحَّۃً منصوب بالذم ہے یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے بعض حضرات نے ھم مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھا ہے۔

قَوْلُہٗ: رأیتھم الیکَ یہ منافقین کی بزدلی اور ان کے خوف کی کیفیت کا بیان ہے، بزدلی اور خوف کی دو وجہیں تھیں، اول مشرکین کے ساتھ قتال کا خوف دوسرے آنحضرت ﷺ کے غالب ہوجانے کا خوف، یَنْظُرونَ اِلَیْکَ خوفًا من القتال کا تعلق پہلی صورت سے ہے اور تَدُوْرُ اَعْیُنُھُمْ کا تعلق دوسری صورت سے ہے۔

قِوْلَہٗ: ينظرون جملہ حالیہ ہے اس لئے کہ مراد رویت بصریہ ہے۔

قِوْلَہٗ: كنظرِ او دَوْرانِ شارح کا مقصد اس عبارت سے یہ بتانا ہے کہ كَالَّذِىْ يُغْشٰى عليه میں دو صورتیں ہیں اول یہ کہ یہ يَنْظُرُوْنَ کے مصدر محذوف کی صفت ہو ای ينظرون اليك نظرًا كنظر الَّذِىْ يُغْشٰى عليه دوسرے یہ کہ تدُوْرُ کے مصدر محذوف کی صفت ہو ای تَدُوْرُ دَوْرانًا كدورانِ عينِ الَّذِىْ يُغْشٰى عليه.

قِوْلَہٗ: سلَقَ (ض) سلقا زبان سے تیز بات کہنا سلَقَهٗ بالكلام اس کو تیز بات کہی، طعنہ دیا۔

قِوْلَہٗ: بادُوْنَ یہ بادٍ کی جمع ہے، دیہاتی، دیہات کا باشندہ، یعنی کاش وہ دیہات کے باشندے ہوتے يسئلُوْنَ جملہ ہوکر بادُوْنَ کی خبر ہے۔

تفسیر وتشریح

غزوۂ احزاب اور اس کا پس منظر:

سابقہ آیات میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت شان اور مسلمانوں کو آپ کی مکمل اتباع واطاعت کی ہدایت تھی، اسی کی مناسبت سے یہ پورے دو رکوع قرآن کے غزوۂ احزاب کے واقعہ سے متعلق نازل ہوئے ہیں، جس میں کفار ومشرکین کی بہت سی جماعتوں کا مسلمانوں پر یکبارگی متحدہ محاذ کی شکل میں حملہ آور ہونے اور سخت نرغہ کے بعد مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور رسول اللہ ﷺ کے متعدد معجزات کا ذکر ہے۔

غزوۂ احزاب کی تفصیل:

ان آیات میں غزوۂ احزاب کی کچھ تفصیل ہے جو شوال ۴ھ یا ۵ھ مطابق ۶۲۷ء میں پیش آیا، امام بخاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے علاوہ جمہور مؤرخین اور مفسرین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ۵ھ میں واقع ہوا، تمام ائمہ مغازی اور علماء تاریخ وسیر کا اسی پر اتفاق ہے، حافظ ذہبی اور حافظ ابن قیم فرماتے ہیں، یہی قول قابل اعتماد اور صحیح ہے۔ (سیرت المصطفیٰ)

غزوۂ احزاب اور اس کا سبب:

اس غزوہ کو غزوۂ احزاب اس لئے کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں تمام اسلام دشمن جماعتیں متحدہ محاذ بنا کر مسلمانوں کے مرکز مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئی تھیں، احزاب حزْبٌ کی جمع ہے بمعنی گروہ، اسی غزوہ کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کے لئے مدینہ کے اطراف میں حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے خندق کھودی تھی تاکہ دشمن مدینہ میں داخل نہ ہو سکے۔

غزوۂ احزاب کا باعث اور سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کے قبیلہ بنو نضیر کو ان کی مسلسل بدعہدیوں اور آپ ﷺ

کے قتل کی سازش کی وجہ سے جلاوطن کردیا تھا، یہ مدینہ سے نکل کر خیبر میں جاکر آباد ہو گیا تھا، یہودی اسلام اور مسلمانوں سے نہایت ہی بغض وعداوت رکھتے تھے، چنانچہ بنونضیر کے سرکردہ لوگوں کا ایک وفد جو کہ بیس افراد پر مشتمل تھا ان کے سردار حیی بن اخطب کی سرکردگی میں مشرکین مکہ کو آپ ﷺ سے جنگ کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے روانہ ہوا، مکہ پہنچ کر قریشی سرداروں سے ملاقات کرکے ان کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ کیا، قریشی سردار سمجھتے تھے کہ جس طرح مسلمان ہماری بت پرستی کو کفر کہتے ہیں اور اسی لئے ہمارے مذہب کو برا سمجھتے ہیں، یہود کا بھی یہی خیال ہے، تو ان سے موافقت اور اتحاد کی کیا توقع رکھی جائے؟ اس لئے ان لوگوں نے یہود سے سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان دین ومذہب کا اختلاف ہے اور آپ لوگ اہل کتاب اور اہل علم ہیں، پہلے ہمیں یہ بتلائیے کہ آپ لوگوں کے نزدیک ہمارا دین بہتر ہے یا مسلمانوں کا؟

سیاست میں جھوٹ کوئی نئی چیز نہیں:

ان یہودیوں نے اپنے علم اور ضمیر کے بالکل برخلاف ان کو یہ جواب دیا کہ تمہارا دین محمد (ﷺ) کے دین سے بہتر ہے، اس پر یہ لوگ کچھ مطمئن ہوئے، مگر اس پر بھی یہ طے ہوا کہ آنے والے یہ بیس آدمی اور پچاس آدمی قریشی مع سرداروں کے مسجد حرام میں جاکر بیت اللہ کی دیواروں سے سینہ لگا کر اللہ کے سامنے یہ عہد کریں کہ ہم میں سے جب تک ایک فرد بھی زندہ رہے گا محمد (ﷺ) کے خلاف جنگ کرتا رہے گا۔

یہ یہودی قریش مکہ سے معاہدہ کرنے کے بعد عرب کے ایک بڑے جنگ جو قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ ہم اور قریش مکہ اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ اس نئے دین (اسلام) کے پھیلانے والوں کا ایک مرتبہ سب مل کر استیصال کردیں، آپ لوگ بھی اس پر ہم سے معاہدہ کریں، اور ان کو یہ رشوت بھی پیش کی کہ خیبر میں جس قدر کھجوروں کی پیداوار ہوگی اس کا نصف آپ کو ہر سال دیا کریں گے، قبیلہ بنو غطفان کے سردار نے جو کہ عیینہ بن حصن فزاری تھا اس پیش کش کو قبول کرلیا اور جنگ میں شریک ہونا منظور کرلیا، یہود کے وفد نے پورے جزیرۃ العرب کا ہنگامی دورہ کرکے بنو اسد، قبیلہ اسلم، قبیلہ اشجع اور بنو مرہ اور بنو کنانہ اور فزارہ وغیرہ دیگر قبائل کو بھی آمادۂ جنگ کرلیا، اس طرح یہ یہودی اسلام اور مسلمانوں کے تمام دشمنوں کا متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر حملہ آور ہونے میں کامیاب ہو گئے، حملہ آور اتحادیوں کی تعداد دس اور بارہ ہزار کے درمیان تھی ایک روایت میں پندرہ ہزار بھی مذکور ہے (معارف القرآن) جبکہ مسلمانوں کی تعداد کل تین ہزار تھی اور وہ بھی بے سروسامانی کے ساتھ جن میں صرف چھتیس گھوڑے تھے، مشرکین مکہ کی جن کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی، قیادت ابوسفیان کے پاس تھی اور قبیلہ غطفان کی قیادت عیینہ بن حصن فزاری کے سپرد تھی۔

آنحضرت ﷺ کو متحدہ محاذ کے حرکت میں آنے کی اطلاع:

رسول اللہ ﷺ کو جب متحدہ محاذ کے حرکت میں آنے کی اطلاع ملی تو سب سے پہلا کلمہ جو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر آیا وہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ تھا، اس کے بعد آپ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے اہل حل وعقد کو جمع کرکے ان سے

مشورہ لیا، اگر چہ صاحب وحی کو حقیقت میں مشورہ کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ براہ راست اللہ کے اذن واجازت سے کام کرتے ہیں مگر مشورہ میں دو فائدے تھے ایک تو امت کے لئے مشورہ کی سنت جاری کرنا، دوسرے قلوب مومنین میں باہمی ربط واتحاد کی تجدید اور تعاون وتناصر کا جذبہ بیدار کرنا، اس کے بعد جنگ کے مادی وسائل پر غور ہوا، مجلس مشورہ میں حضرت سلمان فارسی بھی شریک تھے، جو ابھی حال ہی میں ایک یہودی کی غلامی سے نجات حاصل کر کے اسلامی خدمات کے لئے تیار ہوئے تھے، انہوں نے مشورہ دیا کہ ہمارے بلاد فارس کے بادشاہ ایسے حالات میں دشمن کا حملہ روکنے کے لئے خندق کھود کر ان کا راستہ روک دیتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرما کر خندق کھودنے کا حکم دیدیا، اور اپنے دست مبارک سے خندق کے نشانات لگا کر اور بنفس نفیس خود بھی کھدائی کے کام میں شریک ہوگئے۔

خندق کا طول وعرض:

یہ خندق جبل سلع کے پیچھے اس پورے راستہ کی لمبائی پر کھودنا طے ہوا جس سے مدینہ کے شمال کی طرف سے دشمن آسکتا تھا، اس خندق کے طول وعرض کا خط خود رسول اللہ ﷺ نے کھینچا یہ خندق شیخین سے شروع ہو کر جبل سلع کے مغربی کنارے تک آئی اور بعد میں اس میں اور اضافہ کر کے وادئ بطحان اور وادی رانونا کے مقام اتصال تک پہنچا دیا گیا، اس خندق کی کل لمبائی ساڑھے تین میل یعنی تقریباً چھ کلومیٹر تھی، اور چوڑائی اس قدر کہ آسانی سے گھوڑ سوار عبور نہ کر سکے، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چوڑائی پانچ گز تھی، ابن سعد فرماتے ہیں کہ چھ دن میں خندق کھودنے سے فراغت ہوئی، موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ بیس دن میں فارغ ہوئے، علامہ سمہودی فرماتے ہیں کہ چھ دن کی روایت صحیح ہے بیس دن حصار کی مدت ہے، غزوۂ خندق میں شریک مجاہدین کی کل تعداد تین ہزار بتائی گئی ہے ہر دس افراد کی جماعت کو بقول جمل وصاوی ومعارف چالیس گز خندق کھودنے کا کام سپرد کیا گیا، مگر سیرت مصطفیٰ ادریسی میں ہر دس افراد کو دس گز سپرد کی گئی تھی، پہلے قول کے مطابق خندق کی لمبائی بارہ ہزار گز ہوتی ہے، دوسرے قول کے مطابق تین ہزار گز ہوتی ہے، شرعی میل دو سو گز کا ہوتا ہے۔

غرضیکہ دشمن اس خندق کی وجہ سے مدینہ کے اندر داخل نہ ہو سکا، تاہم مسلمان اس محاصرہ اور دشمن کی یلغار سے سخت خوف زدہ تھے، کم وبیش یہ محاصرہ ایک ماہ تک قائم رہا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے پردۂ غیب سے مسلمانوں کی مدد فرمائی، مذکورہ آیات میں ان ہی سراسیمہ کر دینے والے حالات اور امداد غیبی کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

نابالغ بچوں کی شرکت اور ان کی واپسی:

چونکہ اس غزوہ میں پورا جزیرۃ العرب متحدہ محاذ کی شکل میں مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوا تھا کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے، گویا اس غزوہ کے نتیجہ پر اسلام کی بقاء وفناء کا بظاہر دارومدار تھا، جس کی وجہ سے ہر مسلمان حتی کہ نابالغ بچے بھی جان

ہتھیلی پر رکھ کر نکل کھڑے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان بچوں کو واپس فرما دیا جن کی عمر پندرہ سال سے کم تھی، مگر پندرہ سالہ نوجوانوں کو شرکت کی اجازت دیدی گئی، جن میں حضرت عبداللہ بن عمر بھی تھے، جن کو کم عمری کی وجہ سے غزوۂ احد میں واپس کر دیا گیا تھا، ان کے علاوہ زید بن ثابت، ابوسعید خدری، براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں، جس وقت یہ اسلامی لشکر مقابلہ کے لئے روانہ ہونے لگا تو جو منافقین مسلمانوں میں رلے ملے رہتے تھے انہوں نے سرکنا شروع کر دیا کچھ تو چھپ کر نکل گئے، اور کچھ نے جھوٹے اعذار پیش کر کے رسول اللہ ﷺ سے واپسی کی اجازت لینی چاہی، یہ اپنے اندر ایک نئی آفت پھوٹی، مذکورۃ الصدر آیات میں انہیں منافقین کے متعلق چند آیات نازل ہوئی ہیں۔ (قرطبی)

ایک عظیم معجزہ:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حصہ میں جو حضرت سلمان فارسی اور ان کے رفقاء کے سپرد تھا اس میں ایک سخت چٹان نکل آئی، حضرت سلمان کے ساتھی عمرو بن عوف فرماتے ہیں کہ اس چٹان نے ہمارے اوزار توڑ دیئے اور ہم اس کے کاٹنے سے عاجز ہو گئے، تو میں نے سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگرچہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہم اس جگہ سے کچھ ہٹ کر خندق کھودیں اور ذرا سی کجی کے ساتھ اس کو اصل خندق کے ساتھ ملا دیں، مگر رسول اللہ ﷺ کے کھینچے ہوئے خط سے انحراف ہمیں اپنی رائے سے نہیں کرنا چاہئے، آپ آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کر کے حکم حاصل کریں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت واقعہ بیان کی، آپ ﷺ خود بھی اپنے حصہ کی خندق میں کام کر رہے تھے خندق کی مٹی کو اس جگہ سے منتقل کرنے میں مصروف تھے، حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم مبارک کو غبار نے ایسا ڈھانپ لیا تھا کہ پیٹ اور پیٹھ کی جلد نظر نہ آتی تھی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی حکم یا ہدایت دینے کے بجائے آپ خود ان کے ہمراہ موقع پر تشریف لائے اور خود خندق میں اترے اور کدال اپنے ہاتھ میں لیکر اس چٹان پر ایک ضرب لگائی اور یہ آیت پڑھی تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا اس ایک ہی ضرب سے چٹان کا ایک تہائی حصہ کٹ گیا اور اس پتھر سے ایک روشنی نکلی، اس کے بعد دوسری ضرب لگائی اور آیت مذکورہ آخر تک پوری پڑھی، اس دوسری ضرب سے ایک تہائی چٹان اور کٹ گئی اور اسی طرح پتھر سے ایک روشنی نکلی، تیسری مرتبہ پھر وہی آیت پڑھ کر ضرب لگائی تو باقی چٹان بھی کٹ کر ختم ہوگئی (مسند احمد و نسائی) اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ نے پہلی کدال ماری تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھ کو شام کی کنجیاں عطا کی گئیں، خدا کی قسم میں شام کے سرخ محلوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، پھر جب آپ نے دوسری کدال ماری تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر! فارس کی کنجیاں مجھے عطا کی گئیں، خدا کی قسم مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، جب تیسری مرتبہ آپ نے کدال ماری اور چٹان کا بقیہ حصہ بھی ٹوٹ گیا تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر! یمن کی کنجیاں مجھ کو عطا کی گئیں، خدا کی قسم صنعاء کے دروازوں کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، حافظ عسقلانی فرماتے ہیں اس روایت کی سند حسن ہے۔ (ملخصًا)

منافقین کی طعنہ زنی اور مسلمانوں کا بے نظیر یقین ایمانی:

خندق کی کھدائی میں جو منافقین مرے دل سے شامل تھے وہ کہنے لگے کہ تمہیں محمد ﷺ کی بات پر حیرت اور تعجب نہیں ہوتا، وہ تمہیں کیسے باطل اور بے بنیاد وعدے سنا رہے ہیں، کہ یثرب میں خندق کی گہرائی میں انہیں حیرہ اور مدائن کسریٰ کے محلات نظر آ رہے ہیں، ذرا اپنے حال کو تو دیکھو کہ تمہیں اپنے تن بدن کا تو ہوش نہیں قضائے حاجت کی مہلت نہیں، کیا تم ایسی حالت میں کسریٰ وغیرہ کے ملک کو فتح کرو گے؟ اس واقعہ پر مذکورۃ الصدر آیات نازل ہوئیں "اِذْ یَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا" آپ غور کیجئے کہ ظاہری حالات کے بالکل ناموافق ہونے کے باوجود مسلمانوں کا آپ ﷺ کی خبر پر کس قدر یقین کامل تھا، ہر طرف سے کفار کے نرغہ اور خطرے میں ہیں نہایت سخت سردی نے سب کو پریشان کر رکھا ہے، ہر طرف خوف ہی خوف ہے بھوک کی شدت نے ہر شخص کو نڈھال کر رکھا ہے بھوک کی شدت کو کم کرنے کے لئے پیٹوں پر پتھر باندھے ہوئے ہیں، بظاہر اپنے بچاؤ کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، ایسی حالت میں دنیا کی عظیم سلطنت روم وفارس کی فتوحات کی خوشخبری پر یقین کس طرح ہو، مگر ایمان کی قیمت سب اعمال سے زیادہ اسی وجہ سے ہے کہ اسباب وحالات کے سراسر خلاف ہونے کے باوجود ان کو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد میں کوئی شک وشبہ پیدا نہ ہوا۔

حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی دعوت اور ایک کھلا معجزہ:

اسی خندق کی کھدائی کے دوران ایک مشہور واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک روز حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ آپ بھوک سے متاثر ہو رہے ہیں، اپنی اہلیہ سے جا کر کہا تمہارے پاس کچھ ہو تو پکالو، حضور ﷺ پر بھوک کا اثر دیکھا نہیں جاتا، اہلیہ نے بتلایا کہ ہمارے گھر میں ایک صاع (تقریباً ساڑھے تین سیر) جو رکھے ہیں میں ان کو پیستی ہوں، اہلیہ پیسنے پکانے میں لگیں، گھر میں ایک بکری کا بچہ تھا، حضرت جابر نے اس کو ذبح کر کے گوشت تیار کیا اور آنحضرت ﷺ کو بلانے کے لئے چلے، تو اہلیہ نے پکار کر کہا، دیکھئے حضور کے ساتھ صحابہ کا بہت بڑا مجمع ہے، صرف حضور کو کسی طرح تنہا بلائیں، مجھے رسوا نہ کیجئے کہ کہیں صحابہ کا بڑا مجمع چلا آئے، حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے پوری صورت حال عرض کر دی اور کہہ دیا کہ صرف اتنا کھانا ہے، مگر آپ نے پورے لشکر میں اعلان فرما دیا کہ چلو جابر کے گھر دعوت ہے، حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ حیران تھے، گھر پہنچے تو اہلیہ نے سخت پریشانی کا اظہار کیا، اور پوچھا کہ آپ نے آنحضرت کو پوری صورت حال اور کھانے کی مقدار بتلا دی تھی؟ جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا ہاں! میں بتلا چکا ہوں، تو اہلیہ محترمہ مطمئن ہوئیں کہ پھر ہمیں کچھ فکر نہیں، حضور مالک ہیں جس طرح چاہیں کریں۔

واقعہ کی مزید تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں، بس اتنا نتیجہ معلوم کرلینا کافی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے روٹی اور سالن سب کو دینے اور کھلانے کا اہتمام فرمایا اور پورے مجمع نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا، حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ مجمع کی فراغت کے بعد بھی سالن اور روٹیاں اسی قدر موجود تھیں جتنی کہ شروع میں تھیں، بعد میں گھر والوں نے بھی کھایا اور پڑوسیوں میں بھی تقسیم کردیا۔

خندق کھودنے سے فراغت اور لشکر قریش کی آمد:

ادھر خندق کھودنے سے فراغت ہوئی ادھر قریش کا لشکر آ گیا اس بارہ ہزار کے لشکر نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا، جب قریش نے دیکھا تو کہنے لگے، یہ وہ مکر ہے کہ اس سے پہلے عرب اس سے واقف نہیں تھے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مشورہ سے خندق کا طریقہ اختیار فرمایا تھا، عرب اس طریقہ سے واقف نہیں تھے، اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے طریقۂ جنگ کو اختیار کرنا درست ہے، اسی طرح کفار کے ایجاد کردہ آلات حرب کا استعمال بھی درست ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے غزوۂ طائف میں منجنیق کا استعمال فرمایا، دونوں لشکر آمنے سامنے کھڑے ہوگئے دونوں کے درمیان خندق حائل تھی جبل سلع مسلمانوں کے پس پشت تھا اور خندق سامنے، آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ ہوجانے کا حکم دیا اور حسان بن ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ان کا نگران مقرر فرمادیا، بنوقریظہ کے ساتھ چونکہ آپ ﷺ نے معاہدہ کر رکھا تھا اس وقت تک تو بنی قریظہ متحدہ محاذ سے الگ تھے مگر حیی بن اخطب بنونضیر کا سردار بنی قریظہ کو اپنے ساتھ ملانے کی پوری کوشش کر رہا تھا، یہاں تک حیی بن اخطب خود بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا، کعب بن اسد نے حیی بن اخطب کو آتے دیکھ کر قلعہ کا دروازہ بند کرلیا، حیی بن اخطب نے آواز دی کہ دروازہ کھولو، کعب نے جواب دیا ''افسوس اے حیی بلاشبہ تو منحوس آدمی ہے، میں محمد (ﷺ) سے معاہدہ کرچکا ہوں میں اب اس عہد کو نہ توڑوں گا کیونکہ میں نے محمد (ﷺ) سے سوائے سچائی اور ایفائے عہد کے کچھ نہیں دیکھا''

حیی نے جواب دیا، میں تمہارے لئے دائمی عزت لے کر آیا ہوں، قریش اور غطفان کی فوج کو میں نے یہاں لاکر اتارا ہے، ہم سب نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک محمد اور ان کے ساتھیوں کا استیصال اور قلع قمع نہ کردیں گے اس وقت تک یہاں سے ہرگز نہ ٹلیں گے۔

کعب نے کہا خدا کی قسم تو ہمیشہ کی ذلت اور رسوائی لے کر آیا ہے، میں محمد (ﷺ) سے کبھی عہد نہ توڑوں گا، حیی برابر اصرار کرتا رہا، یہاں تک کہ اس کو عہد شکنی پر آمادہ کرلیا۔

رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو سعد بن معاذ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور سعد بن عبادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور عبداللہ بن رواحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو تحقیق حال کے لئے روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اگر یہ خبر صحیح نکلے تو وہاں سے واپس آکر اس خبر کو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کرنا کہ لوگ سمجھ نہ سکیں اور اگر خبر غلط ہو تو پھر علی الاعلان بیان کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ لوگ کعب بن

اسد کے پاس گئے اور اس کو معاہدہ یاد دلایا، کعب نے کہا کیسا معاہدہ اور کون محمد؟ (ﷺ) میرا ان سے کوئی معاہدہ نہیں، جب یہ لوگ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، عضلٌ و قارة یعنی جس طرح عضل و قارة نے اصحاب رجیع یعنی خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ غدر کیا تھا اسی طرح انہوں نے بھی غداری کی (سیرت ابن ہشام) آپ ﷺ سمجھ گئے کہ بنی قریظہ کی غداری کی خبر صحیح ہے، مسلمانوں کے لئے یہ وقت بڑے ابتلاء و آزمائش کا تھا، ابتلاء کی کسوٹی پر نفاق و اخلاص کسا جا رہا تھا، اس کسوٹی نے کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا، چنانچہ منافقین نے حیلے بہانے شروع کئے، اور عرض کیا یا رسول ہمارے گھر پست دیوار ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہیں، بچوں اور عورتوں کی حفاظت ضروری ہے، اس لئے ہم اجازت چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسی صورت حال کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا. (احزاب آیت ۱۳)

منافقین کہتے ہیں کہ ہمارے گھر خالی ہیں حالانکہ وہ خالی نہیں محض فرار مقصد ہے اس لئے یہ حیلے بہانے کر رہے ہیں۔

اور مسلمان جن کے قلوب اخلاص وایقان سے لبریز تھے ان کی ایمانی کیفیت کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

وَلَمَّا رَاَى الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا. (سورۂ احزاب: آیت ۲۲)

اور اہل ایمان نے جب کافروں کی فوجیں دیکھیں تو فوراً یہ کہا کہ یہ وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے، اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے، اور اس سے ان کے یقین اور ایمان میں اور زیادتی ہوگئی۔

غرض یہ کہ یہود و منافقین سب ہی نے اس لڑائی میں بدعہدی کی، اور مسلمان اندرونی و بیرونی دشمنوں کے محاصرہ اور نرغہ میں آگئے، محاصرہ کی شدت اور سختی سے رسول اللہ ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ مسلمان بمقتضائے بشریت کہیں گھبرا نہ جائیں، اس لئے یہ ارادہ فرمایا کہ عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف سے (جو قبیلہ غطفان کے سردار اور قائد تھے) مدینہ کے نخلستان کے تہائی پھل دیکر ان سے صلح کر لی جائے تاکہ یہ لوگ ابوسفیان کی مدد سے کنارہ کش ہو جائیں اور مسلمانوں کو اس حصار سے نجات ملے، چنانچہ آپ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا، ان دونوں حضرات نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا اللہ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہم اس کی تعمیل کے لئے حاضر ہیں، یا محض آپ از راہ شفقت و رافت ایسا قصد فرما رہے ہیں، آپ نے فرمایا اللہ کا کوئی حکم نہیں، محض تمہاری خاطر میں نے ایسا ارادہ کیا ہے، اس لئے کہ عرب نے متحد ہو کر ایک کمان سے تم پر تیر باری شروع کی ہے، اس طریقہ سے میں ان کی شوکت اور اجتماعی قوت کو توڑنا چاہتا ہوں۔

سعد بن معاذ نے عرض کیا کہ جب ہم اور یہ کافر و مشرک تھے، بتوں کو پوجتے تھے، اللہ عزوجل کو جانتے بھی نہ تھے اس وقت بھی ان کی یہ مجال نہ تھی کہ ہم سے ایک خرما بھی لے سکیں، الا یہ کہ مہمانی کے طور پر یا خرید کر اور اب جب کہ ہم کو اللہ

تعالیٰ نے ہدایت لازوال اور نعمت بے مثال سے مالا مال فرمایا اور اسلام سے ہم کو عزت بخشی تو اپنا مال ہم ان کو دیدیں یہ ناممکن ہے، واللہ انہیں اپنا مال دینے کی ہمیں کوئی حاجت نہیں، خدا کی قسم ہم ان کو سوائے تلوار کے کچھ نہ دیں گے، اور ان سے جو ہو سکتا ہے وہ کرلیں۔

دو ہفتے اسی طرح گذر گئے مگر دست بدست لڑائی اور مقابلہ کی نوبت نہیں آئی، طرفین سے صرف تیر اندازی ہوتی رہی، بالآخر عمرو بن عبدوُدّ، عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب، ضرار بن خطاب، نوفل بن عبداللہ، مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلے، ایک جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی وہاں سے پھاند کر اس طرف پہنچے اور مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے آواز دی، عمرو بن عبدودّ جو کہ سرتاپا غرق آہن تھا میدان میں آیا اور مبارزۃ کے لئے آواز دی، شیر خدا حضرت علی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اس کے مقابلہ کے لئے بڑھے اور فرمایا اے عمرو! میں تجھ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں، عمرو نے کہا تم کم سن ہو اپنے سے بڑے کو میرے مقابلہ کے لئے بھیجو، میں تمہارے قتل کو پسند نہیں کرتا، حضرت علی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے فرمایا میں تمہارے قتل کو پسند کرتا ہوں یہ سن کر عمرو کو طیش آگیا اور گھوڑی سے نیچے اتر آیا، اور آگے بڑھ کر حضرت علی پر وار کیا، جس کو حضرت علی نے سپر سے روکا لیکن پیشانی پر زخم آیا بعد ازاں حضرت علی نے اس پر وار کیا جس نے اس کا کام تمام کردیا۔

حضرت علی نے اللہ اکبر! کا نعرہ لگایا جس سے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اللہ عز وجل نے مسلمانوں کو فتح دی، نوفل بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کے ارادے سے آگے بڑھا، گھوڑے پر سوار تھا خندق عبور کرتے ہوئے خندق میں گر پڑا اور گردن ٹوٹ گئی اور مرگیا مشرکین نے دس ہزار درہم آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کئے کہ اس کی لاش ہمارے حوالہ کردیں، آپ نے ارشاد فرمایا وہ بھی خبیث اور ناپاک تھا اور اس کی دیت بھی خبیث اور ناپاک ہے، غرضیکہ لاش بلاعوض سپرد کردی۔

حضرت سعد بن معاذ شہ رگ پر تیر لگنے کی وجہ سے زخمی ہوگئے تھے، حضرت سعد بن معاذ نے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ اگر قریش کے ساتھ ابھی لڑائی باقی ہے تو تو مجھے زندہ رکھ اور اگر تو نے ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی کو ختم کردیا تو تو اس زخم کو میرے لئے شہادت کا ذریعہ بنا۔

آپ ﷺ کی چار نمازیں قضاء:

حملے کا یہ دن نہایت ہی سخت تھا پورا دن تیر اندازی اور سنگ باری میں گذرا، اسی میں رسول اللہ ﷺ کی چار نمازیں قضاء ہوئیں۔

آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ کردیا تھا، حضرت حسان بن ثابت اس قلعہ کی نگرانی پر مامور تھے، آپ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا نے دیکھا کہ ایک یہودی قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا رہا ہے اندیشہ ہوا کہ کہیں جاسوس نہ ہو، حضرت صفیہ نے حضرت حسان سے کہا کہ اس کو قتل کردو ایسا نہ ہو کہ کہیں دشمنوں سے ہماری مخبری کردے، حضرت حسان نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں اس کام کا آدمی نہیں حضرت صفیہ نے خیمہ کی ایک

لکڑی لیکر اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا، اور حضرت حسان سے فرمایا یہ مرد ہے اور میں عورت ہوں اس لئے میں تو ہاتھ نہ لگاؤں گی تم اس کے ہتھیار اتار لاؤ، حضرت حسان نے کہا مجھے اس کے ہتھیار اور سامان کی ضرورت نہیں (ابن ہشام) مَنْ قَتَلَ قتیلاً فَلَهٗ سَلْبُهٗ.

ایک جنگی تدبیر:

اثناء محاصرہ میں نُعیم بن مسعود اشجعی غطفان کے ایک رئیس آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا، یا رسول اللہ میں آپ پر ایمان لایا ہوں، میری قوم کو ابھی میرے اسلام لانے کا علم نہیں، اگر اجازت ہو تو میں کوئی تدبیر کروں جس سے یہ حصار ختم ہو، آپ نے فرمایا ہاں تم ایک تجربہ کار آدمی ہو اگر کوئی ایسی تدبیر ہو سکے تو کر گذرو۔

فاِنّ الحربَ خدعَة اس لئے کہ لڑائی نام ہی اصل میں حیلہ وتدبیر کا ہے، نُعیم بن مسعود ایک ذہین اور سمجھدار آدمی تھے، ایک منصوبہ دل میں بنالیا اور آنحضرت ﷺ سے اس کی اجازت چاہی کہ میں ان لوگوں میں جا کر جو مصلحت دیکھوں کہوں، آپ ﷺ نے اجازت دیدی، نُعیم بن مسعود، بنی قریظہ کے پاس گئے جن کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں قدیم تعلقات تھے، ان سے کہا اے بنوقریظہ! تم جانتے ہو کہ میں تمہارا قدیم دوست ہوں، انہوں نے اقرار کیا کہ ہمیں آپ کی دوستی میں کوئی شبہ نہیں، اس کے بعد بنوقریظہ کے سرداروں سے خیرخواہانہ انداز میں سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ قریش مکہ ہوں یا ہمارا قبیلہ غطفان، یا دوسرے قبائل یہود وغیرہ ان کا یہاں وطن نہیں، یہ اگر شکست کھا کر بھاگ جائیں تو ان کا کوئی نقصان نہیں، تمہارا معاملہ اس سے مختلف ہے، مدینہ تمہارا وطن ہے، تمہاری عورتیں اور اموال سب یہاں ہیں اگر تم نے ان کے ساتھ جنگ میں شرکت کی اور خدانخواستہ ان کو شکست ہوئی اور یہ بھاگ گئے تو تمہارا کیا بنے گا؟ کیا تم تنہا مسلمانوں کا مقابلہ کر سکو گے؟

اس لئے میں تم کو خیرخواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم لوگ ان کے ساتھ اس وقت تک جنگ میں شریک نہ ہو، جب تک یہ لوگ اپنے خاص سرداروں کی ایک تعداد تمہارے پاس رہن نہ رکھ دیں کہ یہ تم کو مسلمانوں کے حوالہ کر کے نہ بھاگ جائیں، بنوقریظہ کو ان کا یہ مشورہ بہت اچھا معلوم ہوا، اس کی قدر کی اور کہا تم نے بہت اچھا مشورہ دیا۔

اس کے بعد نُعیم بن مسعود، قریشی سرداروں کے پاس تشریف لے گئے، اور ان سے کہا تم لوگ جانتے ہو کہ میں تمہارا دوست ہوں، اور محمد ﷺ سے بری ہوں، مجھے ایک خبر ملی ہے تمہاری خیرخواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ میں وہ خبر تمہیں پہنچادوں، بشرطیکہ آپ لوگ میرے نام کا اظہار نہ کریں، وہ خبر یہ ہے کہ یہود بنی قریظہ تمہارے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد نادم ہوئے اور اس کی اطلاع محمد ﷺ کے پاس یہ کہہ کر بھیج دی ہے کہ کیا آپ ہم سے اس شرط پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم قریش اور غطفان کے چند سرداروں کو آپ کے حوالہ کردیں کہ آپ ان کی گردن ماردیں پھر ہم آپ کے ساتھ مل کر ان کے ساتھ جنگ کریں، محمد ﷺ نے اس بات کو قبول کرلیا ہے، اب بنوقریظہ تم سے بطور رہن کے تمہارے کچھ سرداروں کا مطالبہ کریں گے اب آپ لوگ اپنے معاملہ کو سوچ لیں، اس کے بعد نُعیم اپنے قبیلہ غطفان میں گئے اور ان کو بھی یہی خبر سنائی، ادھر یہ ہوا کہ ابوسفیان نے جو کہ متحدہ محاذ کی فوج کے

اعلی کمانڈر تھے قریش کی طرف سے عکرمہ بن ابی جہل کو اور غطفان کی طرف سے ورقہ کو اس کام کے لئے مقرر کیا کہ وہ بنو قریظہ سے جا کر کہیں کہ اب ہمارا سامان جنگ ختم ہو رہا ہے اور ہمارے آدمی بھی مسلسل جنگ سے تھک رہے ہیں ہم آپ کے معاہدہ کے مطابق آپ کی شرکت اور امداد کے منتظر ہیں، بنو قریظہ نے اپنی قرارداد کے مطابق یہ جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ جنگ میں اس وقت تک شریک نہیں ہو سکتے جب تک تم اپنے چند سردار ہمارے پاس بطور رہن نہ بھیج دو، عکرمہ اور ورقہ نے یہ خبر ابوسفیان کو پہنچادی، قریش اور غطفان کے سرداروں نے یقین کرلیا کہ نُعیم بن مسعود نے جو خبر دی تھی، وہ صحیح ہے، اور بنی قریظہ سے کہلا بھیجا کہ ہم اپنا ایک آدمی بھی تم کو نہیں دیں گے پھر آپ کا دل چاہے تو ہمارے ساتھ جنگ میں شرکت کریں اور نہ چاہے تو نہ کریں، بنو قریظہ کو بھی یہ صورت حال دیکھ کر اور قریش و غطفان کا جواب سن کر نُعیم کی بات کا اور زیادہ یقین ہوگیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمن کے متحدہ محاذ میں ایک شخص کے ذریعہ پھوٹ ڈالدی اور دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

خدا کی غیبی مدد:

حضرت نُعیم بن مسعود کی تدبیر کے علاوہ دوسری آسمانی افتاد ان پر یہ آئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سخت اور ٹھنڈی ہوا ان پر مسلط کردی، سخت جاڑوں کا موسم تھا، ہوا نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے، ہانڈیاں چولہوں سے الٹ دیں، یہ تو ظاہری اسباب اللہ تعالیٰ نے دشمن کے پاؤں اکھاڑنے کے لئے پیدا فرما دیئے تھے، اس پر مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیج دیئے تاکہ باطنی طور پر ان کے دلوں پر رعب طاری کردیں، ان دونوں باتوں کا ذکر آیات مذکورہ میں اس طرح فرمایا گیا ہے، فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا یعنی ہم نے ان کے اوپر ایک تند و تیز ہوا بھیج دی اور فرشتوں کے لشکر بھیج دیئے، جن کو تم نہیں دیکھ رہے تھے، غزوۂ احزاب میں فرشتوں نے اگرچہ عملی حصہ نہیں لیا تھا بلکہ مشرکین کے لشکر کو مرعوب اور خوف زدہ کیا تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اب ان کے لئے بھاگ کھڑے ہونے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔

حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا دشمن کے لشکر کی خبر لینے کے لئے جانا:

حضرت نُعیم بن مسعود کی کارگذاری اور احزاب کے درمیان پھوٹ کے واقعات کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ کوئی آدمی جا کر دشمن کے لشکر اور ان کے ارادوں کی خبر لائے، مگر سخت برفانی ہوا جو دشمن پر بھیجی گئی تھی اس کا اثر مدینہ پر بھی تھا، رسول اللہ ﷺ نے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کون ہے؟ جو کھڑا ہو اور دشمن کے لشکر میں جا کر ان کی خبر لائے؟ آنحضرت ﷺ نے یہ بات تین بار فرمائی مگر پورے مجمع میں دن بھر کی تکان اور سخت سردی کی وجہ سے کوئی ہمت نہ کرسکا، آخر میں آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا نام لیکر فرمایا اے حذیفہ تم جاؤ، حذیفہ فرماتے ہیں میری حالت بھی دوسروں سے مختلف نہیں تھی مگر جب آپ نے نام لیکر فرمایا، اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، میں کھڑا ہوگیا، سردی سے میرا بدن کانپ رہا تھا، آپ نے اپنا دست مبارک میرے سر اور چہرے پر پھیرا، اور فرمایا کہ دشمن کے لشکر میں جاؤ اور مجھے خبر لا دو اور میرے پاس واپس آنے سے پہلے کوئی

کام نہ کرو اور پھر آپ نے میری حفاظت کے لئے دعا فرمائی، میں اپنی تیر کمان اٹھا کر ان کی طرف روانہ ہوگیا، حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں یہاں سے روانہ ہوا تو عجیب ماجرا یہ دیکھا کہ خیمے کے اندر بیٹھے ہوئے سردی سے جو کپکپی طاری تھی وہ ختم ہوگئی جب میں لشکر میں پہنچا تو دیکھا کہ ہوا کے طوفان نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے تھے اور ہانڈیاں الٹ دی تھیں، ایک موقع ایسا آیا کہ ابوسفیان میرے تیر کی زد میں تھا میں نے چاہا کہ اس پر تیر چلاؤں مگر پھر آپ ﷺ کا فرمان یاد آیا جس کی وجہ سے میں نے ارادہ ملتوی کردیا۔

ابوسفیان واپسی کا اعلان کرنا چاہتے تھے مگر اس کے لئے ضروری تھا کہ دیگر ذمہ داروں سے مشورہ کریں رات کی تاریکی اور سناٹے میں یہ خطرہ بھی تھا کہ کہیں کوئی جاسوس موجود نہ ہو اور وہ ہمارے راز کی بات سن لے، اس لئے ابوسفیان نے یہ ہوشیاری کی کہ بات کرنے سے پہلے سارے مجمع سے کہا کہ ہر شخص اپنے برابر والے شخص کو پہچان لے تا کہ کوئی غیر آدمی ہماری بات نہ سن سکے۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ اب مجھے خطرہ ہوا کہ میرے برابر کا آدمی جب مجھ سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ تو میرا راز کھل جائے گا، انہوں نے بڑی ہوشیاری اور دلیری سے خود سبقت کرکے اپنے برابر والے آدمی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا تعجب ہے تم مجھے نہیں جانتے، میں فلاں ابن فلاں ہوں، وہ قبیلہ ہوازن کا آدمی تھا، اس طرح حذیفہ کو اللہ تعالیٰ نے گرفتاری سے بچالیا، ابوسفیان نے جب یہ اطمینان کرلیا کہ مجمع اپنا ہی ہے یہاں کوئی غیر نہیں تو اس نے پریشان حالات اور بنوقریظہ کی بدعہدی اور سامان جنگ ختم ہوجانے کے واقعات سنا کر کہا میری رائے یہ ہے کہ اب آپ سب واپس چلیں اور میں بھی واپس جارہا ہوں، اسی وقت لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، اور سب واپس جانے لگے۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ جب میں واپس آیا تو آپ ﷺ نماز میں مشغول تھے، جب آپ نے سلام پھیرا تو میں نے پورے واقعہ کی روداد سنائی، رسول اللہ ﷺ اس خبر مسرت سے خوش ہوکر ہنسنے لگے حتی کہ رات کی تاریکی میں آپ کے دندان مبارک چمکنے لگے، آپ نے میرے اوپر اپنی چادر کا ایک حصہ ڈال دیا، یہاں تک کہ میں سوگیا، جب صبح ہوئی تو آپ نے ہی مجھے یہ کہہ کر بیدار کیا کہ قُمْ یا نومان کھڑا ہو اے بہت سونے والے!

صحیح بخاری میں سلیمان بن صرد کی روایت ہے کہ احزاب کے واپس جانے کے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلآن نغزوھم ولَا یغزوننا نحن نسیر الیھم یعنی اب وہ ہم پر حملہ آور نہ ہوں گے بلکہ ہم ان پر حملہ کریں گے اور ہم ان کے ملک پر چڑھائی کریں گے۔ (مظھری)

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ (الآية) یعنی تمہارے ساتھ خندق کھود کر تم سے تعاون کرنے میں یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں یا تمہارے ساتھ مل کر لڑنے میں بڑے بخیل ہیں۔

فَاِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ (الآية) یہ منافقین کی بزدلی اور پست ہمتی کی کیفیت کا بیان ہے، یعنی یہ لوگ اپنی شجاعت و مردانگی کے بارے میں ڈینگیں مارتے ہیں جو سراسر جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں (یا) مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اپنی زبان کی تیزی اور طراری سے لوگوں کو متاثر کرکے زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حضرت قتادہ

رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ فرماتے ہیں کہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت یہ سب سے زیادہ بڑا حصہ لینے والے اور لڑائی کے وقت سب سے زیادہ بزدل اور ساتھیوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ جانے والے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ دل سے ایمان لائے ہی نہیں ہیں، منافقوں کے اعمال کو حبط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ کافر اور مشرک ہی ہیں اور کافر و مشرک کے اعمال باطل ہیں، یہ مطلب نہیں کہ اولاً ان کے اعمال قابل اجر و ثواب تھے بعد میں ان کو حبط کر دیا گیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَحبط، اظهر کے معنی میں ہو یعنی ان کے اعمال کے بطلان کو ظاہر کر دیا۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا (الآیۃ) یعنی ان منافقین کی بزدلی اور دون ہمتی اور خوف و دہشت کا یہ حال ہے کہ کافروں کے گروہ اگرچہ ناکام و نامراد واپس جا چکے ہیں لیکن یہ اب تک یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ابھی تک اپنے مورچوں اور خیموں میں موجود ہیں، اور بالفرض اگر کفار کی جماعت دوبارہ لڑائی کی نیت سے واپس آ جائے تو منافقین کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ مدینہ کے اندر رہنے کے بجائے باہر صحراء میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوں اور وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں سے تمہاری بابت پوچھتے رہیں کہ محمد (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اور ان کے ساتھی ہلاک ہوئے یا نہیں؟ یا لشکر کفار ناکام رہا یا کامیاب؟

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ وَضَمِّهَا **حَسَنَةٌ** اِقْتِدَاءٌ بِهٖ فِي الْقِتَالِ وَالثَّبَاتِ فِيْ مَوَاطِنِهٖ **لِّمَنْ** بَدَلٌ مِنْ لَكُمْ **كَانَ يَرْجُوا اللهَ** يَخَافُهٗ **وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾** بِخِلَافِ مَنْ لَيْسَ كَذٰلِكَ **وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ** مِنَ الْكُفَّارِ **قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللهُ وَرَسُوْلُهٗ** مِنَ الْاِبْتِلَاءِ وَالنَّصْرِ **وَصَدَقَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ** فِي الْوَعْدِ **وَمَا زَادَهُمْ** ذٰلِكَ **اِلَّآ اِيْمَانًا** تَصْدِيْقًا بِوَعْدِ اللهِ **وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾** لِاَمْرِهٖ **مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ** مِنَ الثَّبَاتِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ** مَاتَ اَوْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ** ذٰلِكَ **وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾** فِي الْعَهْدِ وَهُمْ بِخِلَافِ حَالِ الْمُنَافِقِيْنَ **لِّيَجْزِيَ اللهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ** بِاَنْ يُمِيْتَهُمْ عَلٰى نِفَاقِهِمْ **اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ** اِنْ شَاءَ **اِنَّ اللهَ كَانَ غَفُوْرًا** لِمَنْ تَابَ **رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾** بِهٖ **وَرَدَّ اللهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** اَيِ الْاَحْزَابَ **بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا** مُرَادَهُمْ مِنَ الظَّفَرِ بِالْمُؤْمِنِيْنَ **وَكَفَى اللهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ** بِالرِّيْحِ وَالْمَلٰئِكَةِ **وَكَانَ اللهُ قَوِيًّا** عَلٰى اِيْجَادِ مَا يُرِيْدُهٗ **عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾** غَالِبًا عَلٰى اَمْرِهٖ **وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** اَيْ قُرَيْظَةَ **مِنْ صَيَاصِيْهِمْ** حُصُوْنِهِمْ جَمْعُ صِيْصِيَةٍ وَهُوَ مَا يُتَحَصَّنُ بِهٖ **وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ** الْخَوْفَ **فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ** مِنْهُمْ وَهُمُ الْمُقَاتِلَةُ **وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾** مِنْهُمْ اَيِ الذَّرَارِيَّ **وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا** بَعْدُ وَهِيَ خَيْبَرُ اُخِذَتْ بَعْدَ قُرَيْظَةَ **وَكَانَ اللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾**

ترجمہ: یقیناً تمہارے لئے (حیات) رسول اللہ میں اقتداء کے لئے قتال میں اور قتال میں ثابت قدم رہنے میں عمدہ نمونہ موجود ہے اسوۃ کے ہمزہ پر کسرہ اور ضمہ کے ساتھ (یعنی) ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت سے ڈرتا ہے

ورالله کا بکثرت ذکر کرتا ہے بخلاف اس شخص کے جو اس صفت پر نہیں ہے لِمَنْ، لَکُمْ سے بدل ہے اور ایمان والوں نے
ب کفار کے لشکروں کو دیکھا تو بے ساختہ کہہ اٹھے یہی ہے وہ آزمائش اور نصرت کہ جس کا وعدہ الله اور اس کے رسول نے ہم
سے کیا تھا، الله اور اس کا رسول وعدہ میں سچا ہے اور اس چیز نے الله کے وعدے کی تصدیق اور اس کے حکم کے امتثال میں
ضافہ کردیا ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے نبی کے ساتھ ثابت قدم رہنے کا جو عہد کیا تھا سچ کر دکھایا پھر بعض
ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے انتقال کر گئے، یا الله کے راستہ میں شہید کردیئے گئے اور ان میں سے بعض موقع کے منتظر
ہیں، اور انہوں نے عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور ان کا حال منافقین کے حال کے برخلاف ہے (یہ واقعہ اس لئے ہوا) تاکہ
الله تعالیٰ سچے مسلمانوں کو ان کے سچ کا صلہ دے اور منافقین کو اگر چاہے سزا دے اس طریقہ پر کہ ان کو نفاق ہی پر موت دے، اور
اگر چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے بلاشبہ الله تعالیٰ توبہ کرنے والوں پر بڑا مہربان ہے، اور الله تعالیٰ نے کافروں یعنی احزاب کو
غصہ میں بھرا ہوا نامراد واپس لوٹا دیا یعنی وہ مومنین پر فتح کی مراد کو حاصل نہ کر سکے، اور الله تعالیٰ قتال میں مومنین کی طرف سے
آندھی اور ملائکہ کے ذریعہ خود ہی کافی ہوگیا اور الله تعالیٰ جس کو چاہے اس کے موجود کرنے پر بڑی قوت والا ہے اور اپنے امر پر
غالب ہے اور جن اہل کتاب یعنی بنی قریظہ نے ان کی مدد کی تھی ان کو بھی ان کے قلعوں سے نکال دیا صیاصی صِیْصِیَةٌ کی
جمع، اس عمارت کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ حفاظت کی جاتی ہے (قلعہ) اور ان کے قلوب میں رعب خوف بھر دیا ان میں سے
ایک فریق کو تم قتل کر رہے تھے اور وہ مقاتلین (جنگباز) تھے، اور ان میں سے ایک فریق (یعنی) بچوں کو قید کر رہے تھے اور اس
نے تم کو ان کی زمین کا اور ان کے گھر بار کا اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور اس زمین کا بھی کہ جہاں ابھی تک تمہارے قدم
نہیں پہنچے (وارث بنا دیا) اور وہ ارض خیبر ہے جو قریظہ کے بعد قبضہ میں لی گئی اور الله ہر شئ پر قادر ہے۔

تَحْقِیق وَتَرْکِیب وَتَسْہِیل وَتَفْسِیْرِی فَوَائِد

قَوْلُہٗ: اُسْوَةٌ نمونہ عمل، اسم بمعنی مصدر ہے الْاِئْتِسَاءُ اقتداء کرنا شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اقتداء کے اضافہ سے اشارہ کر دیا
کہ اُسْوَةٌ اسم مصدر کے معنی میں ہے جیسے قُدْوَةٌ بمعنی اقتداء یقال ائتَسٰی فلانٌ بِفُلانٍ ای اِقْتَدیٰ بہٖ.

قَوْلُہٗ: فِی الْقِتَالِ وَالثَّبَاتِ یہ دونوں قیدیں اتفاقی ہیں اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کی
زندگی بہتر نمونہ عمل ہے ہر حال میں خواہ حالت جنگ ہو یا حالت امن یا حالت قتال میں ثابت قدمی کا معاملہ ہو یا شجاعت
و پامردی کا۔

قَوْلُہٗ: فی مَوَاطِنِہٖ ای مواطن قتال کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے۔

وَخَصَّکَ بِالْهُدیٰ فِی کُلِّ اَمْرٍ فَلَسْتَ تَشَاءُ اِلَّا مَا یَشَاءُ

قِوْلَہٗ: بَدَلٌ مِنْ لَكُمْ یعنی لِمَنْ ، لَكُمْ سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل البعض ہے۔
قِوْلَہٗ: مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ اللہ کے وعدہ سے اللہ تعالیٰ کا قول اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الجَنَّةَ (الآیة) مراد ہے، اور قول رسول سے آپ ﷺ کا قول اَنَّ الاحزَابَ سَائِرُونَ بعدَ تِسْعِ لیالٍ او عَشْرٍ وقوله صلى الله عليه وسلم سَيَشُدُّ الاَمْرُ باِجماعِ الاَحزَابِ عَلَيْكُمْ وَالعَاقِبَةُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ مراد ہے۔
قِوْلَہٗ: صَدَقَ اللّٰهُ ای ظَهَرَ صِدْقُهٗ.
قِوْلَہٗ: صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لائے ہیں۔
سُوَال: اوپر اللہ اور رسول کا ذکر صراحۃً ہو چکا ہے، لہٰذا یہاں ضمیر لانا یعنی صَدَقَا کہنا کافی تھا، اسم ظاہر لانے کی کیا وجہ ہے؟
جَوَاب: ❶ اللہ کے نام کی تکریم و تعظیم کے لئے اللہ کے نام کو مستقلاً ذکر کیا۔
جَوَاب: ❷ یہ ہے کہ ضمیر لانے میں اللہ اور رسول کا نام ایک لفظ میں جمع ہو جاتا، اس لئے کہ دونوں کے لئے تثنیہ کا صیغہ صَدَقَا لایا جاتا جو موہم الی الشرک ہے، نیز آپ ﷺ نے دونوں اسموں کو لفظ واحد میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے اور ایک خطیب کی جس نے مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوىٰ کہا تھا، مذمت فرماتے ہوئے فرمایا بِئْسَ خطیبُ القوم اَنْتَ قل وَمَنْ يعصِ اللّٰه ورَسُوْلَه.
قِوْلَہٗ: نَحْبَهٗ، نَحْبٌ نذر، منت، یہ موت سے کنایہ ہے، اس لئے کہ ہر جاندار کے لئے نذر کی طرح موت بھی لازم ہوتی ہے۔
قِوْلَہٗ: صِيْصِيَةٌ ما يُتَحصَّنُ بِهٖ یعنی جس کے ذریعہ حفاظت کی جائے خواہ قلعہ ہو یا اور کوئی شئ مثلاً سینگ، مرغ کا خار، وغیرہ۔

تَفسِیر وتَشریح

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ سے وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوهُمْ من اهلِ الكتاب تک واقعۂ احزاب کا تتمہ ہے، ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان مومنین مخلصین اور منافقین پر عتاب فرمایا ہے جو غزوۂ احزاب میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک نہیں ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے مسلمانو! اور منافقو! تم سب کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے پس تم جہاد میں اور صبر و ثبات میں اسی کی پیروی کرو، ہمارا یہ پیغمبر جہاد میں بھوکا رہا حتی کہ اپنے پیٹ پر پتھر باندھے ان کا چہرۂ انور زخمی ہو گیا، ان کے دندان مبارک شہید ہوئے اور خندق اپنے ہاتھوں سے کھودی اور تقریباً ایک ماہ دشمن کے سامنے سینہ سپر رہا، یہ آیت اگرچہ جنگ احزاب کے ضمن میں نازل ہوئی ہے، جس میں جنگ کے موقع پر بطور خاص رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھنے اور اس کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر یہ حکم عام ہے، یعنی آپ ﷺ کے تمام اقوال وافعال

میں مسلمانوں کے لئے آپ ﷺ کی اقتداء ضروری ہے، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرت سے، معیشت سے، یا سیاست سے زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کی ہدایات واجب الاتباع ہیں۔

لِمَن کان یرجوا اللّٰہَ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسوۂ رسول کو وہی شخص اپنائے گا جو آخرت میں اللہ کی ملاقات پر یقین رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو، آج مسلمان بالعموم ان دونوں وصفوں سے محروم ہیں اس لئے اسوۂ رسول کی بھی ان کے دلوں میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔

منافقین نے تو دشمن کی کثرت تعداد اور حالات کی سنگینی کو دیکھ کر کہا تھا کہ اللہ اور رسول کے دعوے فریب تھے، ان کے برعکس اہل ایمان نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا ہے کہ ابتلاء وامتحان سے گذرنے کے بعد تمہیں فتح ونصرت سے ہمکنار کیا جائے گا وہ سچا ہے، مطلب یہ ہے کہ حالات کی شدت اور ہولناکی نے ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کیا، بلکہ ان کے ایمان میں جذبہ اطاعت وانقیاد اور تسلیم ورضاء میں مزید اضافہ کر دیا، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ مختلف احوال کے اعتبار سے ایمان اور اس کی قوت میں کمی بیشی ہوتی ہے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔

شانِ نزول:

مِنَ الْمُؤمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا یہ آیت صحابہ کرام کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جن میں بعض وہ حضرات بھی شامل تھے کہ جو کسی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے مگر انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر آئندہ کبھی آپ ﷺ کی معیت میں جہاد میں شریک ہونے کا موقع ملے گا تو ہم جہاد میں بھرپور حصہ لیں گے اور راہ خدا میں اپنی جان عزیز بھی قربان کر دیں گے جیسے نضر بن انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وغیرہ، بالآخر لڑتے ہوئے جنگ احد میں شہید ہوئے، ان کے جسم پر تیر وتلوار وغیرہ کے اسی سے بھی زیادہ زخم تھے، ان کی شہادت کے بعد ان کی ہمشیرہ نے انہیں ان کی انگلی کے پوروں سے پہچانا (مسند احمد ج ۴، ص ۱۹۳) نَحْبٌ کے معنی نذر، عہد، موت کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان صادقین میں سے کچھ نے اپنا عہد اور نذر پوری کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا۔

اور بعض وہ ہیں جو ابھی تک عروس شہادت سے ہمکنار نہیں ہوئے ہیں تاہم شہادت کے شوق میں شریک جہاد ہوتے ہیں، اور شہادت کی سعادت کے آرزومند ہیں، انہوں نے اپنی نذر یا عہد میں تبدیلی نہیں کی۔

رَدَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یعنی کفار کا لشکر ذلت وناکامی سے پیچ وتاب کھاتا ہوا اور غصہ سے دانت پیستا ہوا خائب وخاسر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا، نہ فتح نصیب ہوئی اور نہ مال ہاتھ لگا، البتہ عمرو بن عبدودّ جیسا نامور سوار جسے لوگ ہزار سواروں کے برابر سمجھتے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ہاتھ سے مارا گیا، مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار درہم کے بدلے اس کی لاش ہمیں دیدی جائے، آپ نے فرمایا تم لیجاؤ، ہم مردوں کا ثمن نہیں کھاتے (فوائد عثمانی) غزوۂ احزاب میں دوبدو مقابلہ کی نوبت نہیں آئی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر وہ اثر پیدا کیا کہ کفار

سراسیمہ اور مرعوب ہو کر بھاگ گئے، اس وقت آپ نے فرمایا الآن نغزوهم ولا يغزونا نحن نسير اليهم الخ.
(خازن، جمل)

غزوۂ بنی قریظہ:

وأنزل الذين ظاهروهم من أهل الكتاب غزوۂ بنو قریظہ چونکہ غزوۂ احزاب کا تتمہ بلکہ اسی کا ایک حصہ ہے اس لئے غزوۂ احزاب کے بعد غزوۂ بنی قریظہ کا ذکر فرمایا چونکہ ان دونوں غزوات میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق بہت سی ہدایات اور رسول اللہ ﷺ کے معجزات و بینات اور بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اس لئے ان دونوں غزوات کو تفصیل سے لکھا گیا ہے، اور خود قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ دو رکوع میں ذکر کیا گیا ہے۔

غزوۂ بنی قریظہ ذیقعدہ ۵ھ یوم چہارشنبہ کو پیش آیا، رسول اللہ ﷺ غزوۂ خندق سے صبح کی نماز کے بعد واپس ہوئے آپ ﷺ نے اور تمام مسلمانوں نے ہتھیار کھول دیئے، جب ظہر کا وقت قریب آیا تو جبرئیل امین ایک خچر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے۔

فائدہ: ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جبرئیل امین موضع جنائز (وہ جگہ جو آپ نے نماز جنازہ کے لئے مسجد سے علیحدہ بنوائی تھی) کے قریب آکر کھڑے ہوگئے، (طبقات ص ۵۳، ج ۲) معلوم ہوا کہ جنازہ کی نماز مسجد میں نہ پڑھنی چاہئے، ورنہ نماز جنازہ کے لئے مسجد سے علیحدہ جگہ بنانے کی کیا حاجت تھی؟

جبرئیل امین نے آپ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا، کیا آپ ﷺ نے ہتھیار اتار دیئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں کھولے، اور نہ وہ ہنوز واپس ہوئے، اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنو قریظہ کی طرف جانے کا حکم فرمایا ہے، اور میں خود بھی بنی قریظہ کی طرف جا رہا ہوں ان کو جا کر متزلزل کرتا ہوں۔

(البداية والنهاية ج ٤، ص ١١٦)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور بنی قریظہ کے درمیان پہلے معاہدہ تھا جب قریش پورے جزیرۃ العرب کا متحدہ محاذ بنا کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تو بنو قریظہ آپ ﷺ سے معاہدہ توڑ کر قریش کے ساتھ مل گئے (اس کی کچھ تفصیل سابق میں گذر چکی ہے) جب احزاب کو اللہ تعالیٰ نے شکست دی تو بنی قریظہ قلعہ بند ہوگئے، حضرت جبرئیل فرشتوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ فوراً بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں، آپ نے فرمایا میرے اصحاب ابھی تھکے ہوئے ہیں، جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آپ اس کا خیال نہ کریں اور روانہ ہو جائیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص سوائے بنی قریظہ کے کہیں نماز عصر نہ پڑھے، راستہ میں جب نماز عصر کا وقت آیا تو اختلاف ہوا تو بعض حضرات نے کہا ہم تو بنی قریظہ پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھیں گے بعض نے کہا ہم نماز پڑھ لیتے ہیں، چنانچہ کچھ لوگوں نے راستہ ہی میں نماز عصر ادا کر لی، اور بعض حضرات نے بنی

قریظہ پہنچ کر عصر کی نماز قضاء کی، قضاء نماز پڑھنے والوں نے کہا چونکہ آپ ﷺ نے بنی قریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اس لئے ہم تو بنی قریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھیں گے، اور راستے میں نماز پڑھنے والوں نے یہ دلیل دی کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ مقصد نہ تھا کہ نماز قضاء کر دی جائے بلکہ مقصود تعجیل تھا، جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے کسی پر اظہار ناراضگی نہیں فرمایا (بخاری شریف) اس لئے کہ نیت ہر ایک کی خیر تھی۔

فائدہ: حافظ ابن قیم فرماتے ہیں جس نے حدیث کے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اس کو بھی اجر ملا اور جس نے اجتہاد و استنباط کیا اس کو بھی اجر ملا، لیکن جن لوگوں نے ظاہر الفاظ پر نظر کر کے بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر ادا نہ کی حتی کہ وقت عصر نکل گیا تو ان لوگوں کو فقط ایک فضیلت حاصل ہوئی یعنی حکم نبوی کی تعمیل کا اجر ملا، اور جن لوگوں نے اجتہاد و استنباط سے کام لیا اور منشاء نبوی کو سمجھا ان لوگوں کو دہرا اجر۔ (فتح الباری ملخصًا ص ۳۱۶، ج ۷)

بعد ازاں آپ ﷺ نے حضرت علی کو رائیہ اسلام دے کر روانہ فرمایا جب حضرت علی وہاں پہنچے تو یہود نے آنحضرت ﷺ کو کھلم کھلا گالیاں دیں، اس کے بعد آپ ﷺ روانہ ہوئے اور پہنچ کر بنی قریظہ کا محاصرہ کیا، پچیس روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا، اس اثناء میں ان کے سردار کعب بن اسد نے ان کو جمع کر کے یہ کہا کہ میں تین باتیں تم پر پیش کرتا ہوں ان میں سے جس ایک کو چاہو اختیار کر لو تا کہ تم کو اس مصیبت سے نجات ملے۔

اول یہ کہ ہم اس شخص (یعنی محمد ﷺ) پر ایمان لے آئیں اور اس کے متبع اور پیرو بن جائیں۔

فَوَاللّٰہِ لَقَدْ تَبَیَّنَ لکم اَنَّہٗ نبیٌ مُرسلٌ وَ اَنَّہُ الَّذی تجدونہٗ فی کتابکم فتامنون علی دمائکم وامو الکم وابناء کم ونساء کم۔

کیونکہ خدا کی قسم تم پر یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے، کہ وہ بلا شبہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور تحقیق یہ وہی نبی ہیں جن کو تم تورات میں لکھا پاتے ہو اگر ایمان لے آؤ گے تو تمہاری جان اور مال اور عورتیں سب محفوظ ہو جائیں گی۔

بنی قریظہ نے کہا ہمیں یہ منظور نہیں، دوسری بات یہ کہ بچوں اور عورتوں کو قتل کر کے بے فکر ہو جاؤ اور شمشیر بکف ہو کر پوری ہمت اور پامردی کے ساتھ محمد (ﷺ) کا مقابلہ کرو اگر نا کام رہے تو عورتوں اور بچوں کا کوئی غم نہ ہوگا اور اگر کامیاب ہو گئے تو عورتیں بہت ہیں ان سے بچے بھی پیدا ہو جائیں گے، بنو قریظہ نے جواب دیا کہ بلا وجہ عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے زندگی کا کیا لطف ہے؟ کعب نے کہا اچھا اگر یہ منظور نہیں تو تیسری بات یہ ہے کہ آج ہفتہ کی شب ہے عجب نہیں کہ محمد اور ان کے ساتھی غافل اور بے خبر ہوں، اور ہماری طرف سے اس وجہ سے مطمئن ہوں کہ ہفتہ ہمارے نزدیک محترم ہے ہم اس دن میں حملہ نہیں کر سکتے، مسلمانوں کی اس غفلت اور بے خبری سے یہ فائدہ اٹھاؤ کہ اچانک ان پر شب خون مارو، بنو قریظہ نے کہا اے کعب تجھ کو معلوم ہے کہ ہمارے اسلاف اسی دن کی بے حرمتی کی وجہ سے بندر اور سؤر بنائے گئے، پھر تو ہم کو اسی کام کا حکم دیتا ہے، الغرض بنو قریظہ نے کعب کی ایک بات بھی نہ مانی، اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور آپ ان

کے بارے میں جو فیصلہ فرمائیں اس پر راضی ہو جائیں، قبیلہ اوس نے جن کا بنو قریظہ سے قدیم زمانہ میں معاہدہ رہا تھا آپ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کریں جو بنی نضیر کے ساتھ کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ میں ان کا معاملہ تمہارے ہی ایک سردار کے سپرد کردوں یہ لوگ اس پر راضی ہو گئے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ تمہارے سردار سعد بن معاذ ہیں ان کا فیصلہ میں ان کے سپرد کرتا ہوں اس پر سب لوگ راضی ہو گئے۔

حضرت سعد بن معاذ چونکہ واقعہ خندق میں ایک تیر لگنے کی وجہ سے شدید زخمی ہو گئے تھے، آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کا خیمہ مسجد نبوی کے صحن میں لگوا دیا تھا تاکہ تیمارداری میں سہولت رہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بنو قریظہ کا فیصلہ حضرت سعد ہی پر چھوڑ دیا تھا، حضرت سعد نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں جو جنگ کرنے والے جوان ہیں وہ قتل کردیئے جائیں اور عورتوں بچوں نیز بوڑھوں کے ساتھ جنگی قیدیوں کا معاملہ کیا جائے جو اسلام میں معروف ہے، چنانچہ یہی فیصلہ نافذ کردیا گیا، اس فیصلے کے فوراً بعد ہی حضرت سعد کے زخم سے خون بہہ پڑا اسی میں ان کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں دعائیں قبول فرمائیں، ایک یہ کہ آئندہ قریش کا رسول اللہ ﷺ پر کوئی حملہ نہ ہوگا، دوسرے یہ کہ بنو قریظہ کو ان کی غداری کی سزا مل جائے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَہُنَّ تِسْعٌ وطَلَبْنَ مِنْهُ مِن زِيْنَةِ الدُّنيا ما ليس عنده **اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ** اى مُتْعَةَ الطَّلَاقِ **وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا** ﴿۲۸﴾ اُطَلِّقْكُن من غير ضِرَارٍ **وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ** اى الجَنَّةَ **فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ** بِاِرَادَةِ الْاٰخِرَةِ **اَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿۲۹﴾ اى الجَنَّةَ فاخْتَرْنَ الاٰخِرَةَ على الدُّنيا **يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ** بفَتْحِ الياءِ وكَسْرِہا اى بُيِّنَتْ او ہى بَيِّنَةٌ **يُّضٰعَفْ** وفى قراءةٍ يُضَعَّفْ بالتشديد وفى اُخْرٰى نُضَعِّفْ بالنُّون معه ونَصْبِ العَذَابِ **لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ** ضِعْفَىْ عَذَابِ غيرِہِنَّ اى مِثْلَيْهِ **وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا** ﴿۳۰﴾ **وَمَنْ يَّقْنُتْ** يُطِعْ **مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ** اى مِثْلَىْ ثَوَابِ غيرِہِنَّ مِن نِساءٍ وفى قراءةٍ بالتَّحتانيَّةِ فى تَعْمَلْ ونُؤْتِہا **وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا** ﴿۳۱﴾ فى الجَنَّةِ زِيادَةً **يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ** كجَماعَةٍ **مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ** اللّٰهَ فاِنَّكُنَّ اَعْظَمُ **فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ** للرِّجَالِ **فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ** نِفَاقٌ **وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا** ﴿۳۲﴾ مِن غَيْرِ خُضُوْعٍ **وَقَرْنَ** بكَسْرِ القافِ وفَتْحِہا **فِيْ بُيُوْتِكُنَّ** مِنَ القَرَارِ واَصْلُهُ اِقْرِرْنَ بكسر الرَّاءِ وفَتْحِہا مِن قَرِرْتُ بفتح الراءِ وكسرِہا نُقِلَتْ حَرَكَةُ الرَّاءِ الى القافِ وحُذِفَتْ مع ہَمْزَةِ الوَصْلِ **وَلَا تَبَرَّجْنَ** بتَرْكِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِن اَصْلِه **تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى** اى ما قَبْلَ الاِسْلَامِ مِن اِظْہارِ النِّساءِ مَحَاسِنَہُنَّ لِلرِّجالِ والاِظْہارُ بَعْدَ الاِسْلامِ مَذْكُورٌ فى اٰيَةِ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَہُنَّ اِلَّا مَا ظَہَرَ مِنْہا

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الاثم يا اَهْلَ الْبَيْتِ اى نساء النبى وَيُطَهِّرَكُمْ منه تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ القرآن وَالْحِكْمَةِ السنة اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا باوليائه خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ بجميع خلقه.

ترجمہ: اے نبی آپ اپنی ازواج سے کہہ دیجئے اگر تم دنیوی زندگی (کا عیش) اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ یعنی متعۂ طلاق دیدوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہو یعنی جنت کو تو یقین جانو کہ تم میں نیک کام کرنے والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارادۂ آخرت پر زبردست اجر یعنی جنت تیار کر رکھی ہے، چنانچہ ان سب نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی، اے نبی کی بیبیو! جو بھی تم میں سے کھلی ہوئی بیہودگی کا ارتکاب کرے گی مُبَيَّنَةً میں ی کے فتحہ اور اس کے کسرہ کے ساتھ یعنی ظاہر کی ہوئی یا کھلی ہوئی تو اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور ایک قراءت میں يُضَعَّف تشدید کے ساتھ ہے، اور ایک قراءت میں نون مع التشدید اور العذاب کے نصب کے ساتھ (یعنی) غیر ازواج کے عذاب کا دوگنا، یعنی دو مثل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت آسان ہے اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور عمل صالح کرے گی تو ہم اس کو دوہرا اجر دیں گے، یعنی دوسری عورتوں کی بہ نسبت دوہرا اجر اور ایک قراءت میں نعمل اور نؤتها میں یا تحتانیہ کے ساتھ ہے، اور ہم نے اس کے لئے جنت میں مزید برآں بہترین روزی تیار کر رکھی ہے، اے نبی کی بیبیو! تم عام عورتوں کی طرح (معمولی) نہیں ہو اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو بلاشبہ تم بڑے درجوں والی ہو، تو مردوں سے گفتگو میں نرم لہجہ مت اختیار کرو، کہ جس کے قلب میں مرض نفاق ہو وہ طمع کرنے لگے، اور تم نرمی اور نزاکت کے بغیر قاعدے کے مطابق کلام کرو اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو قِرْنَ میں کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے، یہ قرار سے مشتق ہے، اس کی اصل اِقْرِرْنَ راء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ قَـرِرْتَ فتحۂ راء اور کسرۂ راء سے مشتق ہے، راء کی حرکت قاف کی طرف منتقل ہوگئی اور مع ہمزہ وصل کے حذف ہوگئی اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق تم اپنی زینت کا اظہار مت کرو، یعنی زمانۂ ماقبل اسلام میں عورتوں کے مردوں کے لئے اظہار محاسن کے مانند، اور زمانہ اسلام کے بعد کا اظہار، آیت وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا میں مذکور ہے اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتی رہو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو اے اہل بیت یعنی نبی کی بیبیو! اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے گناہ کی آلودگی دور کرے اور تم کو خوب پاک صاف رکھے اور تم ان آیات قرآنی اور حکمت سنت کو یاد رکھو جن کا تمہارے گھروں میں تذکرہ رہتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء پر لطف کرنے والا اور اپنی تمام مخلوق سے باخبر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ ازواج نبی ﷺ اور دیگر مسلمان عورتوں کے اسلامی موقف کو بیان کرنے کے لئے یہ کلام مستانف ہے۔

قَوْلُهُ: فَتَعَالَیْنَ تم آؤ، یہ تَعَالیٰ سے امر جمع مؤنث حاضر مبنی بر سکون ہے نون نسوۃ فاعل ہے، یہ کلمہ اپنے کثرت استعمال کی وجہ سے اَقْبِلْ (سنو) کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔

قَوْلُهُ: اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ عام قراءت میں یہ دونوں صیغے جزم کے ساتھ ہیں، مجزوم ہونے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں، اول یہ کہ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہو اور کُنْتُنَّ شرط ہو اور شرط اور جواب شرط کے درمیان جملہ معترضہ ہو، دوسری وجہ یہ ہے کہ فَتَعَالَیْنَ جواب شرط ہو اور اُمَتِّعْکُنَّ جواب امر ہو۔

قَوْلُهُ: مِنْ کُنَّ مِن بیانیہ ہے اس لئے کہ تمام ازواج محسنات ہیں، دوسری ترکیب اول سے بہتر ہے۔

(اعراب القرآن للدرویش)

قَوْلُهُ: اِنِ اتَّقَیْتُنَّ اِنْ حرف شرط اِتَّقَیْتُنَّ شرط محلاً مجزوم، جواب شرط محذوف جیسا کہ شارح رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے فَاَنْتُنَّ اعظم سے اشارہ کردیا ہے اور بعض مفسرین نے فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کو جواب شرط قرار دیا ہے، ای اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فلا تکلّمن کلامًا لینًا خاضعًا مع الرجال ککلامِ المریبات۔

قَوْلُهُ: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (درفارسیہ) ای آرام بگیرید در خانہائے خویش یعنی اپنے گھروں میں سکون سے رہو وَقَرْنَ میں واؤ عاطفہ ہے جمع مؤنث امر حاضر معروف یہ اصل میں قرار سے اِقْرَرْنَ تھا (سمع) یا اصل میں اِقْرِرْنَ تھا راء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ قَرَرْتَ یا قَرِرْتَ سے راء کی حرکت کو نقل کرکے قاف کو دیدی اور راء مع ہمزہ حذف ہوگئی، (ضرب) تم ٹھہری رہو، بیضاوی اور زمخشری نیز نیشاپوری نے لکھا ہے یہ قَارَ یَقَارُ بروزن خَافَ یَخَافُ سے ہے، یعنی تم جمے رہو اور بعض حضرات نے واؤ کو اصل قرار دیکر وَقَرَ یقِرُ سے مشتق قرار دیا ہے یعنی سکون اور قرار سے رہو۔ (لغات القرآن) تَبَرَّجْنَ اصل میں تَتَبَرَّجْنَ تھا، ناز و انداز سے چلنا اور اپنی زینت و محاسن کو اجنبیوں کے لئے ظاہر کرنا۔

تفسیر و تشریح

ربطِ آیات:

سورۂ احزاب کے مقاصد میں سے اہم مقصد رسول اللہ ﷺ کی ایذاء سے اور ہر ایسی چیز سے بچنے کی تاکید ہے جس سے آپ کو تکلیف پہنچے، نیز اس سورت میں آپ کی اطاعت اور رضاء جوئی کے مؤکد احکام ہیں، غزوۂ احزاب میں کفار

ومنافقین کی طرف سے آپ کو ایذائیں پہنچیں۔

مذکورۃ الصدر آیات میں خاص ازواج مطہرات کو تعلیم ہے کہ وہ خصوصاً اس کا اہتمام کریں کہ آپ ﷺ کو ان کے کسی قول وفعل سے ایذاء نہ پہنچے اور یہ جبھی ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت میں لگ جائیں اس سلسلہ کے چند احکام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب کرکے بتلائے گئے ہیں۔

شان نزول:

شروع آیات میں جو ازواج مطہرات کو طلاق لینے کا اختیار دینا مذکور ہے اس کے ایک یا چند واقعات ہیں جو ازواج مطہرات کی طرف سے پیش آئے، جو رسول اللہ ﷺ کی منشاء کے خلاف تھے جن میں بلا قصد واختیار رسول اللہ کو تکلیف پہنچی، ان واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مفصل آیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ ازواج مطہرات نے جمع ہوکر رسول اللہ ﷺ سے اس کا مطالبہ کیا کہ ان کا نان ونفقہ بڑھا دیا جائے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

فتوحات کے نتیجے میں جب مسلمانوں کی حالت پہلے سے کچھ بہتر ہوگئی تو انصار ومہاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر ازواج مطہرات نے بھی نان ونفقہ میں اضافے کا مطالبہ کردیا نبی کریم ﷺ چونکہ نہایت سادگی پسند تھے اس لئے ازواج مطہرات کے اس مطالبہ پر نہایت کبیدہ خاطر ہوئے اور یہی واقعہ تخییر طلاق کا سبب بنا جس کی وجہ سے آپ نے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کرلی جو ایک ماہ تک جاری رہی، اور آپ نے بالاخانہ پر تنہائی اختیار فرمالی، مدینہ میں غم کا ماحول چھا گیا، ہر شخص حیران تھا، لوگ آپ کے دولت کدہ کے دروازہ پر جمع تھے مگر کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں مل رہی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور اجازت طلب کی تو آپ کو اجازت مل گئی، آپ اندر تشریف لے گئے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور اجازت چاہی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اجازت مل گئی آپ بھی اندر تشریف لے گئے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ گم صم بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے اطراف آپ کی ازواج بیٹھی ہوئی ہیں، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا واللہ میں ایک ایسی بات کہوں گا کہ جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو ہنسی آجائے گی، چنانچہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اگر بنت خارجہ یعنی میری بیوی مجھ سے نفقہ طلب کرتی تو میں اس کی گردن دبادیتا، یہ بات سن کر آپ ﷺ کو ہنسی آگئی، آپ نے فرمایا یہ جو میرے پاس بیٹھی ہوئی ہیں مجھ سے نفقہ طلب کررہی ہیں، چنانچہ حضرت ابوبکر اٹھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گردن دبادی، اور حضرت عمر نے حضرت حفصہ کی گردن دبادی اور دونوں نے یہ کہا کہ کیا تم آپ سے ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے؟ اس کے بعد آپ ایک ماہ تک ازواج سے الگ رہے اس کے بعد مذکورہ آیت نازل ہوئی، بعض روایات میں حضرت زینب کے گھر میں شہد پینے کے واقعہ کو تخییر طلاق کا سبب بتایا گیا ہے اگر یہ دونوں واقعے قریبی زمانہ میں پیش آئے ہوں تو یہ بھی بعید نہیں کہ دونوں ہی تخییر طلاق کا سبب ہوں،

لیکن آیت تخییر کے الفاظ سے زیادہ تائید اس کی ہوتی ہے کہ ازواج مطہرات کی طرف سے کوئی مالی مطالبہ اس کا سبب بنا ہے، اس لئے کہ اس آیت میں فرمایا ہے اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا بالآخر اللہ تعالیٰ نے اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ (الآية) نازل فرمائی، اس کے بعد آپ نے سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا کو یہ آیت سنا کر اختیار دیا، مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کے بعد کوئی قدم اٹھائیں، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا نے فرمایا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں آپ کے بارے میں مشورہ کروں؟ بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں اور یہی بات دیگر ازواج مطہرات نے بھی کہی، اور کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر دنیا کے عیش و آرام کو ترجیح نہیں دی (صحیح بخاری، تفسیر سورۂ احزاب) اس وقت آپ ﷺ کے حبالۂ عقد میں نو بیویاں تھیں، پانچ قریش میں سے تھیں، حضرت عائشہ، ام حبیبہ، حفصہ، سودہ، اور ام سلمہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُنَّ اور چار ان کے علاوہ تھیں یعنی حضرت صفیہ، میمونہ، زینب، اور جویریہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُنَّ۔

مَسْئَلَہ: اختیار طلاق کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ طلاق کا اختیار عورت کے سپرد کردیا جائے اگر وہ چاہے تو خود اپنے نفس کو طلاق دیکر آزاد ہوجائے، دوسرے یہ کہ طلاق شوہر ہی کے ہاتھ میں رہے کہ اگر عورت چاہے تو وہ طلاق دیدے، آیت مذکورہ میں بعض حضرات نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے اور بعض نے دوسری کو، آیت کے الفاظ میں دونوں کا احتمال ہے، اور بعض حضرات نے نفس تخییر ہی کو طلاق قرار دیا ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب زوجین کی طبیعتوں میں مناسبت نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ بیوی کو اختیار دیدیا جائے، اگر رہنا چاہے تو رہے ورنہ متعۂ طلاق دیکر عزت کے ساتھ رخصت کردیا جائے۔

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ قرآن مجید میں الفاحِشَة (معرف باللام) کو زنا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، لیکن فاحِشَةٌ (نکرہ) برائی کے لئے استعمال ہوا ہے، جیسے کہ یہاں ہے، یہاں اس کے معنی بداخلاقی اور نامناسب طرز عمل کے ہیں، اس لئے کہ نبی ﷺ کے ساتھ بداخلاقی اور نامناسب رویہ آپ کو ایذا پہنچاتا ہے، جس کا ارتکاب کفر ہے، اس کے علاوہ ازواج مطہرات خود بھی مقام بلند کی حامل تھیں اور بلند مرتبت لوگوں کی معمولی غلطیاں بھی بڑی سمجھی جاتی ہیں اس لئے ازواج مطہرات کو دوگنے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، اگلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح گناہ کا وبال دوگنا ہوگا، اسی طرح نیکیوں کا اجر بھی دوہرا ہوگا۔

يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کا سا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا جو شرف عطا فرمایا ہے اس کی وجہ سے تمہیں ایک امتیازی مقام حاصل ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی طرح تمہیں بھی امت کے لئے ایک نمونہ بننا ہے چنانچہ انہیں ان کے مقام اور مرتبہ سے آگاہ کرکے انہیں کچھ ہدایات دی جارہی ہیں، مخاطب اگرچہ ازواج مطہرات ہیں لیکن انداز بیان سے صاف واضح ہے کہ مقصد پوری امت مسلمہ کی عورتیں ہیں، اس لئے یہ ہدایات تمام مسلمان عورتوں کے لئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورت کے وجود کے اندر مرد کے لئے جنسی کشش رکھی ہے (جس کی حفاظت کے لئے بھی خصوصی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ عورت مرد کے لئے فتنے کا باعث نہ ہو) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی آواز میں بھی فطری طور پر دلکشی، نرمی اور نزاکت ودیعت فرمائی ہے، جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے، لہٰذا اس آواز کے لئے بھی یہ ہدایت دی گئی کہ اجنبی مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصداً ایسا لب و لہجہ اختیار کرو کہ نرمی اور لطافت کی جگہ قدرے سختی اور روکھاپن ہو تاکہ کوئی بد باطن لہجے کی نرمی سے تمہاری طرف مائل نہ ہو اور اس کے دل میں کوئی برا خیال پیدا نہ ہو اور وَقُلْنَ قَولاً معروفًا سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ روکھاپن، صرف لب و لہجہ کی حد تک ہی ہو، زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکالنا جو معروف قاعدے اور اخلاق کے منافی ہو، اس آیت سے اتنا تو ثابت ہوا کہ عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں مگر اس پر بھی احتیاطی پابندی یہاں بھی لگا دی گئی کہ اجنبی مرد سے نزاکت اور نرمی سے گفتگو کرنے کے بجائے قدرے روکھاپن اختیار کریں چنانچہ ام المومنین اس آیت کے نزول کے بعد غیر مرد سے کلام کرتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ لیتیں تاکہ آواز بدل جائے، آگے اِنِ اتَّقَیْتُنَّ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ ہدایت اور دیگر ہدایات جو آگے آ رہی ہیں متقی عورتوں کے لئے ہیں کیونکہ انہیں میں یہ فکر ہوتی ہے کہ ان کی آخرت برباد نہ ہو جائے جن کے دل خوف الٰہی سے عاری ہیں انہیں ان ہدایات سے کیا سروکار؟ وہ کب ان ہدایات کی پرواہ کرتی ہیں؟

وَقَرْنَ فِی بُیُوْتِکُنَّ یعنی اپنے گھروں میں ٹک کر رہو، اور بغیر ضروری حاجت کے گھر سے باہر نہ نکلو، اس میں وضاحت کر دی گئی کہ عورت کا دائرۂ عمل امور سیاست اور جہاں بانی نہیں، نیز معاشی جھمیلے بھی ان کے دائرۂ عمل سے خارج ہیں، بلکہ گھروں میں چہار دیواری کے اندر رہ کر امور خانہ داری انجام دینا عورتوں کا دائرۂ عمل ہے۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الجاهلیَّةِ الْاُوْلٰی اس آیت میں گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلائے گئے ہیں کہ اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو بناؤ سنگھار کر کے یا ایسے انداز سے جس سے تمہارا بناؤ سنگھار ظاہر ہو، مت نکلو، جیسے بے پردہ ہو کر، جس سے تمہارا سر، چہرہ، بازو اور چھاتی وغیرہ لوگوں کو دعوت نظارہ دے، بلکہ بغیر خوشبو لگائے سادہ لباس میں ملبوس اور باپردہ باہر نکلو، تبرُّج بے پردگی اور زیب و زینت کے اظہار کو کہتے ہیں، قرآن نے واضح کر دیا کہ یہ تبرج جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور آئندہ بھی جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا یہ جاہلیت ہی ہوگی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نما، دل فریب رکھ لیا جائے۔

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ (الآیة) پچھلی ہدایات برائی سے اجتناب سے متعلق تھیں، یہ ہدایات نیکی اختیار کرنے سے متعلق ہیں۔

اہل بیت سے کون مراد ہیں؟

اہل بیت کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے، بعض مفسرین نے اہل بیت کا مصداق ازواج مطہرات کو قرار دیا ہے، جیسا کہ یہاں قرآن کریم کے سیاق و سباق سے واضح ہے، قرآن نے یہاں ازواج مطہرات ہی کو اہل بیت کہا ہے، قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے، مثلاً سورۂ ہود آیت ۷۳ میں۔

اس لئے ازواج کا اہل بیت سے ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے، بعض حضرات بعض روایات کی رو سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو مانتے ہیں اور ازواج مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں، جبکہ اول الذکران حضرات کو اہل بیت سے خارج سمجھتے ہیں، تاہم اعتدال کی راہ اور نقطہ متوسط یہ ہے کہ دونوں ہی اہل بیت میں شامل ہیں، ازواج مطہرات تو اس نص قرآنی کی وجہ سے اور داماد و اولاد ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں، جن میں نبی ﷺ نے ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بھی میرے اہل بیت سے ہیں، یا یہ دعاء ہے کہ یا اللہ ان کو بھی ازواج مطہرات کی طرح میرے اہل بیت میں شامل فرما دے، اس طرح تمام دلائل میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ یعنی تمہارے گھروں میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس پر عمل کرو، یہاں حکمت سے مراد احادیث ہیں، بعض علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ قرآن کی تلاوت کی طرح، ثواب کی نیت سے حدیث کی بھی تلاوت کی جاسکتی ہے۔ (واللّٰہ اعلم بالصواب)

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِينَ وَالْقٰنِتٰتِ المُطيعاتِ وَالصّٰدِقِينَ وَالصّٰدِقٰتِ في الايمان وَالصّٰبِرِينَ وَالصّٰبِرٰتِ على الطّاعاتِ وَالْخٰشِعِينَ المُتواضِعينَ وَالْخٰشِعٰتِ المُتواضِعاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِينَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ عَنِ الحَرامِ وَالذّٰكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَّالذّٰكِرٰتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً لِلْمَعاصي وَّأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٥﴾ على الطّاعاتِ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ بالتاء والياء لَهُمُ الْخِيَرَةُ الاختيارُ مِنْ أَمْرِهِمْ خِلافَ أمرِ اللّٰهِ ورسولِهِ نَزَلَتْ في عبدِ اللّٰهِ بنِ جَحْشٍ وأُختِهِ زينبَ خَطَبَها النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وعنى لِزيدِ بنِ حارثةَ فكرِها ذلك حينَ علِماه لِظنّهِما قبلُ أنّ النبي صلّى اللّٰهُ عليه وسلم خَطَبَها لنفسِه ثم رَضِيا لِلآيةِ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِينًا ﴿٣٦﴾ بَيِّنًا فزوّجها النبي لزيدٍ ثم وقع بَصَرُهُ عليها بعدَ حينٍ فوقعَ في نفسِه حُبُّها وفي نفسِ زيدٍ كَراهتُها ثم قال للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم أُريدُ فِراقَها فقال أمسِكْ عليكَ زَوْجَكَ كما قال تعالى وَإِذْ منصوبٌ باذكُرْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بالاسلام وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ بالاعتاقِ وهو زيدُ بنُ حارثةَ كان من سَبْيِ الجاهليةِ اشتراهُ رسولُ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم قبلَ البعثةِ واعتقَهُ وتبنّاهُ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ في أمرِ طلاقِها وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ مُظهِرُه من محبّتِها وأن لو فارقَها زيدٌ تزوّجتَها وَتَخْشَى النَّاسَ أن يقولوا تزوّجَ محمدٌ زوجةَ ابنِه وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰىهُ في كلِّ شيءٍ وتزوّجُكَها ولا عليكَ من قولِ الناسِ ثم طلّقها زيدٌ وانقضتْ عِدّتُها

قال الله تعالى ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا﴾ حاجةً ﴿زَوَّجْنٰكَهَا﴾ فدخل عليها النبي صلى الله عليه وسلم بغير اذنٍ وَاَشْبَعَ المسلمين خبزًا ولحمًا ﴿لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ مقضيُّهُ ﴿مَفْعُوْلًا﴾ ﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ﴾ احلّ ﴿اللّٰهُ لَهٗ ۚ سُنَّةَ اللّٰهِ﴾ اى كسنة الله فنُصِبَ بنزع الخافض ﴿فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ﴾ من الانبياءِ ان لا حرج عليهم في ذلك توسعةً لهم في النكاح ﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ فعلُهُ ﴿قَدَرًا مَّقْدُوْرَا﴾ مقضيًّا ﴿الَّذِيْنَ﴾ نعتٌ للذين قبلَهُ ﴿يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۗ﴾ فلا يخشون مقالة الناس فيما أحلّ اللهُ لهم ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ حافظًا لاعمال خلقِهِ ومحاسِبَهم ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ فليس ابا زيدٍ اى والدَهُ فلا يحرُمُ عليه التزوُّجُ بزوجتِهِ زينب ﴿وَلٰكِنْ﴾ كان ﴿رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ﴾ فلا يكونُ لهٗ ابنٌ رجلٌ بعدَه يكونُ نبيًّا وفي قِراءةٍ بفتح التاء كآلةِ الختم اى بِهِ خُتِمُوْا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ منه بِأَنْ لَّا نبيَّ بعدَهُ واذا نزل السيّدُ عيسى عليه السلام يَحْكُمُ بشريعته.

ترجمہ: یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور ایمان میں مخلص مرد اور مخلص عورتیں صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور حرام سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے معاصی سے مغفرت اور طاعت پر اجر عظیم تیار کر رکھا ہے، اور (دیکھو) کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کرنے کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یکونُ میں ی اور ت دونوں ہیں یہ آیت عبداللہ بن جحش اور ان کی ہمشیرہ زینب (بنت جحش) کے بارے میں نازل ہوئی ہے، آنحضرت ﷺ نے زینب کو زید بن حارثہ کے لئے نکاح کا پیغام دیا تھا، جب دونوں بھائی بہن کو اس کی (حقیقت حال) معلوم ہوئی تو پیغام کو ناپسند کیا اس لئے کہ ان دونوں نے اولاً یہ سمجھا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے خود اپنے لئے زینب کے نکاح کا پیغام دیا ہے، بعد ازاں آیت مذکورہ کے نازل ہونے کی وجہ سے یہ دونوں راضی ہو گئے (یاد رکھو) اللہ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا، چنانچہ انہوں نے زینب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا نکاح حضرت زید سے کر دیا، پھر کچھ مدت کے بعد آپ کی نظر زینب پر پڑی، تو آپ کے دل میں زینب کی محبت جاگزیں ہوگئی اور زید کے دل میں زینب کی نفرت (پیدا ہوگئی) پھر زید نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا اپنی بیوی کو (نکاح میں) رہنے دے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اسلام کے ذریعہ انعام فرمایا

اور آزاد کر کے آپ نے بھی اس پر احسان فرمایا وہ زید بن حارثہ ہیں، یہ زمانہ جاہلیت کے قیدیوں میں سے تھے، جن کو رسول اللہ ﷺ نے بعثت سے پہلے خریدا تھا، اور آزاد کر کے متبنّٰی بنالیا تھا، اپنی بیوی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اس کی طلاق کے معاملہ میں خدا سے ڈر، اور آپ اپنے دل میں (وہ بات) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا، اور وہ زینب کی محبت تھی اور یہ کہ اگر زید اس کو طلاق دیدیں تو میں اس سے نکاح کرلوں، اور آپ لوگوں کی اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ محمد نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا، اور ڈرنا تو آپ کے لئے ہر چیز میں خدا ہی سے سزاوار ہے، اور وہ آپ کا اس سے نکاح کرے گا، اور آپ کو لوگوں کی بات کا کچھ اندیشہ نہ کرنا چاہئے، بعد ازاں زید نے زینب کو طلاق دیدی اور اس کی عدت بھی گذر گئی، اور اللہ نے فرمایا پس جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی اور ہم نے آپ کا اس سے نکاح کردیا تو آپ زینب کے پاس بلا اجازت تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو (ولیمہ) میں گوشت اور روٹی پیٹ بھر کر کھلائی تاکہ مومنین کے لئے ان متبناؤں سے نکاح کے بارے میں تنگی نہ ہو جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کرلیں اور اللہ کا امر فیصل کردہ حکم تو ہونے ہی والا تھا جو چیز اللہ نے نبی کے لئے فرض یعنی حلال کردی اس (کے کرنے) میں نبی پر کوئی حرج نہیں انبیاء سابقین کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی طریقہ رکھا تھا یہ کہ ان کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے ان کے لئے نکاح میں سہولت پیدا کرنے کے لئے سُنَّةً پر نزع خافض کی وجہ سے نصب دیا گیا ہے اللہ کا حکم یعنی اس کا فعل مقرر کیا ہوا ہوتا ہے اَلَّذِیْنَ سابق اَلَّذِیْنَ کی صفت ہے، یہ سب ایسے تھے کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ ان کاموں میں کہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حلال کردیئے لوگوں کی باتوں (طعنوں) کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اعمال کی محافظت اور محاسبت کے اعتبار سے کافی ہے (لوگو) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لہٰذا زید کے باپ یعنی اس کے والد (بھی) نہیں اس لئے ان کے لئے زید کی بیوی زینب سے نکاح حرام نہیں لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے سلسلے کے ختم کرنے والے ہیں لہٰذا آپ کا کوئی بیٹا بالغ مرد نہیں کہ آپ کے بعد نبی ہو اور ایک قراءت میں تا کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی بمعنی مہر، مطلب یہ کہ آپ ﷺ کے ذریعہ انبیاء کا سلسلہ سربمہر کردیا گیا اور اللہ تعالیٰ ہر شئ سے بخوبی واقف ہے اور ان ہی میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، اور جب سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نزول فرمائیں گے، تو آپ کی شریعت کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سَوَال: المؤمنین و المؤمنات کا عطف المسلمین و المسلمات پر کیا گیا ہے حالانکہ شرعاً دونوں ایک ہی ہیں اور عطف کے لئے مغایرت ضروری ہے۔

جَوَاب: مفہوم کے اعتبار سے دونوں مختلف ہیں، اس لئے کہ اسلام بما جاء به النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کی تصدیق

قلبی کے ساتھ شہادتین کے تلفظ کا نام ہے، اور ایمان اذعان قلبی کا نام ہے، نطق باللسان کی شرط کے ساتھ، اور عطف کے لئے ادنیٰ مغایرت کافی ہے۔

قِوْلَهُ: والحافظات کے مفعول ماقبل کی دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے والحافظاتِ فُرُوْجَهُنَّ.

قِوْلَهُ: اِذَا قضى اللّٰه ورسولُه اللہ کا نام تعظیماً اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول کا فیصلہ اللہ ہی کا فیصلہ ہے اس لئے کہ رسول اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔

قِوْلَهُ: لمؤمنٍ، کانَ کی خبر مقدم ہے اور ولا مؤمنةٍ اس پر معطوف ہے اذَا ظرفیہ متضمن بمعنی شرط ہے، جواب شرط محذوف ہے جس پر نفی مقدم دلالت کر رہی ہے اِذا ظرفیہ محضہ کے لئے بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں استقر محذوف کا معمول ہوگا جس سے کان کی خبر متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی وما کان مستقرًّا لمؤمنٍ ولا مُؤْمنةٍ وقت قضاء اللّٰه کون خیرة لهٗ فی امره. (جمل)

قِوْلَهُ: الاختیار، الخیَرَةُ کی تفسیر الاختیار سے کر کے اشارہ کر دیا کہ الخیرةُ مصدر غیر قیاسی ہے۔

قِوْلَهُ: خلافَ امر اللّٰه یہ الخیرة کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوْلَهُ: مِن امرهم یہ الخیرةَ سے حال ہے۔

قِوْلَهُ: من محبتها یہ ما ابداهُ کا بیان ہے۔

قِوْلَهُ: سُنَّةَ اللّٰه مصدر ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے۔

قِوْلَهُ: قدرًا مقدورً، مقدورًا، قدرًا کی تاکید ہے، جیسے ظِلًّا ظَلیلاً ولیلٌ الَّیلُ.

قِوْلَهُ: ولکن رسول اللّٰه جمہور کی قراءت لکنْ تخفیف کے ساتھ ہے اور رَسُوْلَ کا نصب کان محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

شانِ نزول:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ. (الآیہ)

حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور دیگر بعض صحابیات نے کہا کہ کیا بات ہے کہ اللہ ہر جگہ مردوں ہی سے خطاب فرماتا ہے، عورتوں سے نہیں اس پر اِن المسلمین والمسلماتِ (الآیة) نازل ہوئی (مسند احمد ۶/۳۰۱، ترمذی شریف ۳۲۱۱) اس میں عورتوں کی دل داری کا اہتمام ہے ورنہ تمام احکام میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں، سوائے ان مخصوص احکام کے جو

صرف عورتوں کے لئے ہیں اس آیت اور دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت اور اطاعت الٰہی اور اخروی درجات وفضائل میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے، دونوں کے لئے یکساں طور پر میدان کھلا ہوا ہے، جنس کی بنیاد پر اس میں کمی بیشی نہیں کی جائے گی، علاوہ ازیں مسلمان اور مومن کا الگ الگ ذکر کرنے سے واضح ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے، ایمان کا درجہ اسلام سے بڑھ کر ہے جیسا کہ قرآن وحدیث کے دیگر دلائل بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

شان نزول:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ (الآية) یہ آیت حضرت زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے نکاح کے بارے میں نازل ہوئی تھی، حضرت زید بن حارثہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اگر چہ اصلاً عرب تھے، لیکن غارت گروں نے انہیں بچپن میں زبردستی پکڑ کر بطور غلام بیچ دیا تھا، حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے آپ ﷺ کے نکاح سے پہلے حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے حضرت خدیجہ کے لئے زید بن حارثہ کو خریدا تھا، اور آپ ﷺ سے نکاح کے بعد حضرت خدیجہ نے آپ کو ہبہ کر دیا تھا، آپ ﷺ نے زید بن حارثہ پر یہ احسان کیا کہ ان کو آزاد کر دیا اور آزاد کرنے کے بعد ان کو یہ شرف بخشا کہ عرب کے عام رواج کے مطابق ان کو اپنا متبنّٰی بنالیا اور ان کی پرورش وتربیت فرمائی، لوگ ان کو زید بن محمد کے نام سے پکارتے تھے. قرآن کریم نے اس کو جاہلیت کی رسم قرار دے کر ممانعت کر دی، اور حکم فرمادیا کہ اس کے اصل باپ کی طرف نسبت کر کے پکارا جائے، اُدْعُوْهُمْ لِآبَائِهِمْ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد صحابہ نے ان کو زید بن محمد کے بجائے زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا، زید بن حارثہ جب جوان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے نکاح کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا انتخاب فرما کر پیغام نکاح دیا، حضرت زید کے دامن پر چونکہ غلامی کا دھبہ لگا ہوا تھا اس لئے کہ آزاد کردہ غلام تھے، حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے اس رشتہ سے انکار کر دیا، کہ ہم باعتبار خاندان اور نسب کے ان سے افضل ہیں، اس واقعہ پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت کو جب حضرت زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور ان کے بھائی نے سنا تو نکاح پر راضی ہو گئے، چنانچہ نکاح کر دیا گیا، مہر رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے ادا کیا جو دس دینار سرخ (تقریباً چار تولہ سونا ہوتا ہے) اور ساٹھ درہم (جس کی تقریباً اٹھارہ تولہ چاندی ہوتی ہے) اور ایک بار برداری کا جانور اور مکمل ایک زنانہ جوڑا، اور پچاس مد آٹا (یعنی تقریباً پچیس سیر) اور دس مد (یعنی پانچ سیر) کھجور تھا۔ (ابن کثیر، معارف القرآن)

طلاق کی نوبت:

نکاح تو ہو گیا مگر چونکہ دونوں کے مزاج میں فرق تھا، بیوی کے مزاج میں خاندانی نسب وشرف رچا ہوا تھا، جبکہ زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دامن پر غلامی کا داغ تھا، ان کی آپس میں ان بن رہتی تھی، جس کا تذکرہ حضرت زید نبی ﷺ سے بھی کرتے رہتے تھے، اور طلاق کا عندیہ بھی ظاہر کرتے رہتے تھے، آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ بتلا دیا گیا تھا کہ زید

رضی اللہ تعالیٰ عنہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دیدیں گے اس کے بعد زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں گی تاکہ جاہلیت کی اس رسم تبنیت پر ایک کاری ضرب لگا کر واضح کر دیا جائے کہ متبنّٰی احکام شرعیہ میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں اور اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے، لیکن نبی ﷺ ان کو طلاق سے بعض مصالح کی وجہ سے روکتے اور نباہ کی تلقین فرماتے، حضرت زید پر اللہ کا یہ انعام تھا کہ انہیں قبول اسلام کی توفیق دی، اور نبی ﷺ کا احسان یہ تھا کہ آپ نے ان کی دینی تربیت فرمائی اور ان کو آزاد کر کے اپنا بیٹا قرار دیا، اور اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش سے نکاح کرادیا، دل میں چھپانے والی بات یہی تھی جو آپ کو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کی بابت بذریعہ وحی بتائی گئی تھی، آپ اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے اپنی بہو سے نکاح کرلیا، حالانکہ جب اللہ کو آپ کے ذریعہ سے اس رسم جاہلیت کا خاتمہ کرانا تھا تو پھر لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی، آپ ﷺ کا یہ خوف اگرچہ فطری وطبعی تھا اس کے باوجود آپ ﷺ کو تنبیہ فرمائی گئی، ظاہر کرنے سے مراد یہ ہے کہ یہ نکاح ہوکر رہے گا جس سے یہ بات سب کے علم میں آجائے گی۔

آخر کار پیشین گوئی کے مطابق حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلاق دیدی اور عدت سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے معروف طریقہ کے برخلاف صرف اللہ کے حکم سے قرار پا گیا۔

لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی المومنِیْنَ حَرَجٌ فِی اَزْوَاجِ اَدْعِیَاءِ هم یہ حضرت زینب سے نبی ﷺ کے نکاح کی علت ہے کہ آئندہ کوئی مسلمان اس بارے میں تنگی محسوس نہ کرے اور حسب ضرورت اپنے متبنّٰی کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیا جاسکے، اور چونکہ یہ پورا واقعہ اولاً حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح اور پھر طلاق بعد ازاں آپ ﷺ کا حضرت زینب سے نکاح تقدیر خداوندی میں تھا، جو بہر صورت ہوکر رہنا تھا، آئندہ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، چونکہ یہ نکاح آپ کے لئے حلال تھا اس میں کوئی گناہ اور تنگی والی بات نہیں ہے، اور انبیاء سابقین بھی ایسے کاموں کے کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے جو اللہ کی طرف سے ان پر فرض قرار دیئے جاتے تھے چاہے قومی اور عوامی رسم ورواج کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ (لوگو) تمہارے مردوں میں سے محمد ﷺ کسی کے باپ نہیں، البتہ آپ اللہ کے رسول ہیں (جو امت کا روحانی باپ ہوتا ہے) اور تمام نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں، اور جب محمد ﷺ مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں تو زید بن حارثہ کے بھی باپ نہیں ہیں، جس پر آپ کو مورد طعن بنایا جاسکے کہ انہوں نے اپنی بہو سے نکاح کیوں کرلیا؟ بلکہ ایک زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کیا وہ تو کسی بھی مرد کے باپ نہیں ہیں، کیونکہ زید تو حارثہ کے بیٹے تھے آپ ﷺ نے تو انہیں متبنّٰی بنایا تھا، اور جاہلی دستور کے مطابق انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا، حقیقۃً وہ آپ ﷺ کے صلبی بیٹے نہیں تھے، اسی لئے ادعوهم لآبائهم کے نزول کے بعد انہیں زید بن حارثہ ہی کہا جاتا تھا، علاوہ ازیں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ کے تین صاحبزادے قاسم، طاہر، طیب ہوئے اور ایک بچہ ابراہیم ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پیدا ہوا، لیکن یہ سب کے سب بچپن ہی میں فوت ہوگئے، ان میں سے کوئی بھی رجولیت کی عمر کو نہ پہنچا، بنابریں آپ ﷺ کی صلبی اولاد میں بھی کوئی مرد نہیں بنا کہ جس کے آپ باپ ہوں، خاتم مہر کو کہتے ہیں اور مہر آخری عمل ہی کو کہا جاتا ہے، یعنی آپ پر نبوت ورسالت کا خاتمہ

کر دیا گیا، آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ نبی نہیں کذاب ودجال ہوگا، احادیث میں اس مضمون کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور اس پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے اور قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول ہوگا، جو صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے تو وہ نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے، بلکہ نبی ﷺ کے امتی بن کر آئیں گے، اس لئے ان کا نزول عقیدۂ ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ اول النهار واٰخره هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ اى يرحمكم وَمَلٰٓئِكَتُهٗ اى يستغفرون لكم لِيُخْرِجَكُمْ ليديم اخراجه اياكم مِّنَ الظُّلُمٰتِ اى الكفر اِلَى النُّوْرِ اى الايمان وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ منه تعالى يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ بلسان الملٰئكة وَّاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ هو الجنة يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا على من أرسلت اليهم وَّمُبَشِّرًا من صدّقك بالجنة وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ منذرًا من كذّبك بالنار وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ الى طاعته بِاِذْنِهٖ بامره وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ اى مثله فى الاهتداء به وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ هو الجنة وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ فيما يخالف شريعتك وَدَعْ اترك اَذٰىهُمْ لا تجازهم عليه الى ان تؤمر فيهم بامر وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فهو كافيك وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ مفوضا اليه يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وفى قراءة تماسوهن اى تجامعوهن فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا تحصونها بالاقراء وغيرها فَمَتِّعُوْهُنَّ اعطوهن ما يتمتعن به اى ان لم يسم لهن اصدقة والا فلهن نصف المسمى فقط قاله ابن عباس وعليه الشافعى وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ خلوا سبيلهن من غير اضرار يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ مهورهن وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ من الكفار بالسبى كصفية وجويرية وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ بخلاف من لم يهاجرن وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا يطلب نكاحها بغير صداق خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ النكاح بلفظ الهبة من غير صداق قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ اى المؤمنين فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ من الاحكام بان لا يزيدوا على اربع نسوة ولا يتزوجوا الا بولى وشهود ومهر وَ فى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ من الاماء بشراء او غيره بان تكون الامة ممن تحل لمالكها كالكتابية بخلاف المجوسية والوثنية وان تستبرأ قبل الوطى لِكَيْلَا متعلق بما قبل ذلك يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ضيق فى النكاح وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا فيما يعسر التحرز عنه رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾ بالتوسعة فى ذلك تُرْجِيْ بالهمزة والياء بدله تؤخر مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ اى ازواجك عن نوبتها وَتُـْٔوِيْٓ تضم اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ منهن فتاتيها وَمَنِ ابْتَغَيْتَ طلبت مِمَّنْ عَزَلْتَ من القسمة فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ فى طلبها

وضمها اليك خير في ذلك بعد ان كان القسم واجبا عليه **ذٰلِكَ** التخيير **اَدْنٰٓى** اقرب الى **اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ** ما ذكر المخير فيه **كُلُّهُنَّ** تاكيد للفاعل في يرضين **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ** من امر النساء والميل الى بعضهن وانما خيرناك فيهن تيسيرا عليك في كل ما اردت **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا** بخلقه **حَلِيْمًا**﴿۵۱﴾ عن عقابهم **لَا يَحِلُّ** بالتاء والياء **لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ** التسع اللاتي اخترنك **وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ** بترك احدى التائين في الاصل **بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ** بان تطلقهن او بعضهن وتنكح بدل من طلقت **وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ** من الاماء فتحل لك وقد ملك بعدهن مارية القبطية وولدت له ابراهيم ومات في حيوته **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا**﴿۵۲﴾ حفيظا.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کا ذکر خوب کثرت سے کیا کرو اور صبح وشام یعنی اول دن اور آخر دن میں (یعنی ہمیشہ) اس کی پاکی بیان کیا کرو وہ ایسا (رحیم) ہے کہ وہ تم پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی) تمہارے لئے دعاء رحمت کرتے ہیں، تاکہ تم کو ظلمت یعنی کفر سے نور یعنی ایمان کی طرف نکالے، یعنی اس خروج کو دوام بخشے، اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت مہربان ہے، جس دن وہ اللہ سے ملیں گے تو ان کے لئے تحفہ اللہ کی جانب سے فرشتوں کی زبانی سلام ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے اور وہ جنت ہے اور اے نبی یقیناً ہم ہی نے آپ کو مُرسَل الیھم (یعنی) امت پر گواہ بنا کر اور آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والے کو جنت کی خوشخبری دینے والا بنا کر اور آپ کی تکذیب کرنے والے کو جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اس کے حکم سے اللہ کی اطاعت کی جانب بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا یعنی چراغ کے مانند ہے، اس کے ذریعہ ہدایت حاصل کرنے میں اور آپ مومنین کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے اوپر اللہ کی جانب سے بہت بڑا فضل ہونے والا ہے اور وہ جنت ہے اور ان باتوں میں جو تیری شریعت کے خلاف ہوں، کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانئے اور ان کی طرف سے ایذاء رسانی کو نظر انداز کیجئے، اور اس ایذا رسانی پر انتقام نہ لیجئے جب تک کہ ان سے انتقام لینے کا حکم نہ دیا جائے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے اس لئے کہ وہ آپ کے لئے کافی ہے اور اللہ کارسازی کے لئے کافی ہے یعنی (کاموں کو) اس کے سپرد کرنے کے اعتبار سے کافی ہے، اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر (حقیقۃ یا حکما) ہمبستری سے پہلے ہی ان کو طلاق دیدو اور ایک قراءت میں تُمَاسُّوْهُنَّ ہے اور معنی تُجَامِعُوْهُنَّ کے ہیں تو (اس صورت) میں تمہارا ان پر کوئی حق عدت نہیں کہ جس کو تم حیض وغیرہ کے ذریعہ شمار کرنے لگو تو تم ان کو متعہ دیدو یعنی ان کو کچھ (مال) دیدو جس سے وہ فائدہ حاصل کریں، اور یہ اس صورت میں ہے کہ ان کا مہر متعین نہ ہوا ہو، ورنہ تو ان کے لئے نصف مہر کافی ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی یہی فرمایا ہے، اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے، اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو یعنی بغیر کوئی نقصان (تکلیف) پہنچائے ان کو خوبی کے ساتھ رخصت کر دو، اے نبی ہم نے آپ کے لئے یہ عورتیں جن کے آپ مہر ادا کر چکے ہیں

حلال کردی ہیں، اور وہ عورتیں بھی جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوادی ہیں یعنی کافروں میں سے قید کے ذریعہ جیسا کہ صفیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور جویریہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو اور وہ مومن عورت بھی حلال ہے جس نے خود کو نبی کے (بغیر مہر) حوالہ کردیا، بشرطیکہ نبی اس سے نکاح کرنا قبول فرمالے، یعنی (نبی) ان سے بلامہر نکاح کرنا منظور کرلے یہ آپ کی خصوصیت ہے نہ کہ دوسرے مسلمانوں کے لئے یعنی بغیر مہر لفظ ہبہ سے نکاح (آپ کی خصوصیت ہے) ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے ان پر یعنی مومنوں پر ان کی بیویوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں یہ کہ چار عورتوں سے زیادہ نکاح نہ کریں اور (وہ احکام بھی معلوم ہیں) جو ان کی باندیوں کے بارے میں ہم نے مقرر کئے ہیں، وہ باندیاں (خواہ) خرید کر ملکیت میں آئی ہوں یا کسی دوسرے طریقہ سے، باندی ایسی ہو کہ جو مالک کے لئے حلال ہو، جیسا کہ کتابیہ، بخلاف مجوسیہ اور بت پرست کے اور یہ کہ وطی سے قبل تنقیہ رحم کرلے تاکہ نکاح کے بارے میں آپ پر تنگی نہ ہو (لِکَیْلَا) اس کا تعلق ماقبل یعنی اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ سے ہے، اور اللہ تعالیٰ اس (امر) میں جس سے بچنا دشوار ہو غفور ہے اور اس میں سہولت مہیا کرکے رحم کرنے والا ہے ان بیویوں میں سے جس کو آپ چاہیں اس کی باری سے الگ رکھیں، اور جس کو چاہیں ساتھ رکھیں یعنی اس کی باری اس کو دیدیں تُرْجِیْ ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بجائے ی کے ساتھ بمعنی تُؤَخِّرُہٗ اور جس کی باری آپ نے موقوف کردی تھی پھر آپ اس کی باری شروع کرنا چاہیں تو اس کی باری شروع کرنے اور اپنے ساتھ لگانے میں آپ پر کوئی حرج نہیں ہے (اولاً) آپ پر باری مقرر کرنا واجب تھا، بعد میں آپ کو باری مقرر کرنے کے بارے میں اختیار دیدیا گیا اس تخییر میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں، اور وہ کبیدہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ مخیّر فیہ میں سے ان کو دیدیں گے اس پر سب کی سب راضی رہیں گی کُلُّھُنَّ، یَرْضَیْنَ کے فاعل کی تاکید ہے، عورتوں کے معاملہ اور ان میں سے بعض کی جانب (زیادہ) رغبت کے بارے میں اللہ کو تمہارے دلوں کا حال معلوم ہے ہم نے آپ کی سہولت کے لئے بیویوں کے بارے میں آپ کی مطلوبہ میں اختیار دیدیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں بخوبی علم رکھتا ہے اور ان کو سزا دینے کے بارے میں حلیم ہے آپ کے لئے ان نو عورتوں کے علاوہ جنہوں نے آپ کو اختیار کرلیا آپ کے لئے حلال نہیں ہیں یَحِلُّ میں تا اور یا دونوں ہیں اور نہ آپ کے لئے یہ درست ہے کہ ان بیویوں کی جگہ دوسری کرلیں بایں طور کہ ان سب کو یا ان میں سے بعض کو طلاق دیدیں، اور مطلقہ کے بدلے میں دوسری کرلیں اگرچہ آپ کو ان (دوسریوں) کا حسن اچھا معلوم ہو، مگر وہ باندیاں جو آپ کی مملوکہ ہوں تو ان میں آپ کے لئے (تبدیلی) حلال ہے، چنانچہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بیویوں کے بعد ماریہ قبطیہ کے مالک ہوئے اور آپ کے ان سے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے، جن کا انتقال آپ کی حیات ہی میں ہوگیا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پورا نگہبان ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ جملہ مستانفہ ہے اور امر بالذکر وا لتسبیح کی علت ہے یعنی جب ذکر و تسبیح کا حکم دیا گیا تو سوال پیدا ہوا کہ کیوں ذکر و تسبیح کی جائے؟ تو جواب دیا اس لئے کہ وہ تمہارے اوپر رحمت نازل کرتا ہے۔

قولہ: اَیْ یَرْحَمُکُمْ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ صلوٰۃ کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوتی ہے تو نزول رحمت مراد ہوتی ہے۔

قولہ: ملائِکَتُہٗ اس کا عطف یُصَلِّیْ کی ضمیر مستتر پر ہے، مگر یہاں یہ اعتراض ہوگا کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کے لئے ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید ضروری ہوتی ہے جو یہاں موجود نہیں ہے۔

جواب: یہ ہے کہ چونکہ عَلَیْکُمْ کا فاصل موجود ہے اس لئے ضمیر کے ذریعہ تاکید کی ضرورت نہیں، اور ملائِکَتُہٗ کے بعد یستغفرون کے اضافہ سے مقصد یہ بتانا ہے کہ صلوٰۃ کی نسبت جب ملائکہ کی طرف ہوتی ہے تو طلب استغفار مراد ہوتی ہے۔

قولہ: لِیُخْرِجَکُمْ کی تفسیر لِیُدِیْمَ سے کرنے کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے، سوال یہ ہے کہ اہل ایمان کا ظلمت کفر سے نکلنا نفس ایمان ہی سے ثابت ہے پھر دوبارہ نکالنے کا کیا مطلب ہے؟ یہ تو تحصیل حاصل ہے؟

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ اس تفسیر کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ خروج سے دوام واستقرار مراد ہے، اس لئے کہ جب خالق سے غفلت زیادہ ہوجاتی ہے تو ایمان سے خروج کا سبب بن جاتی ہے۔ (العیاذ باللہ)۔

سوال: اَلظُّلُمَات کو جمع اور النُّوْرُ کو واحد لانے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: کفر کی انواع چونکہ متعدد ہوتی ہیں جس کی وجہ سے اس کی ظلمات بھی متعدد ہوتی ہیں، اور ایمان چونکہ شئ واحد ہے اس میں تعدد نہیں ہے، جو لوگ تعدد کے قائل ہیں وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔ (صاوی)

قولہ: بِاِذْنِہٖ کی تفسیر بِاَمْرِہٖ سے کرنے کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: اذن واجازت تو اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شاھِدًا و مبشِّرًا سے مستفاد ہے، پھر دوبارہ اجازت کی کیا ضرورت؟

جواب: کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اِذْن سے امر (حکم) مراد ہے، اور اذن اور امر میں فرق ظاہر ہے۔

قولہ: دَعْ اَذَاھُمْ یہ اضافت مصدر الی الفاعل کے قبیل سے ہے، تقدیر عبارت یہ ہے دَعْ اَذِیَّتَھُمْ اِیَّاکَ یعنی آپ ان کی ایذا رسانی کو درگذر فرمائیں ان سے ان کی ایذا رسائی کا انتقام نہ لیں، یا پھر اضافت مصدر الی المفعول کے قبیل سے ہے اَیْ اُتْرُکْ اَذِیَّتَکَ لَھُمْ یعنی آپ ان کو اذیت پہنچانے کو ترک کیجئے، ان کو سزا دینے میں عجلت نہ کیجئے تا آنکہ آپ کو اجازت نہ مل جائے، چنانچہ آیات قتال کے ذریعہ اجازت مل گئی، اور عفو و درگذر کا حکم منسوخ ہوگیا۔

قولہ: وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ کی مثال میں مفسر علام نے صفیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بنت حیی بن اخطب اور جویریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بنت الحارث الخزاعیہ کو پیش کیا ہے، اس کا مقتضی ہے کہ مَا مَلَکَتْ کا عطف اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ پر ہو مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس کا عطف اَزْوَاجَکَ پر ہو مگر اس صورت میں مَا مَلَکَتْ کی مثال میں

صفیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور جویریہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو پیش کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ یہ مَا مَلَکَتْ میں نہیں بلکہ ازواج مطہرات رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُنَّ میں سے ہیں، صفیہ اور جویریہ کے بجائے ماریہ قبطیہ اور ریحانہ کو پیش کرنا چاہئے چونکہ یہ دونوں آپ کی باندیوں میں سے ہیں۔

قَوْلُہٗ: مِمَّا اَفَاءَ اللّٰہُ علیکَ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰہُ ما ملکَتْ کا بیان ہے مَا مَلَکَتْ قید احترازی نہیں ہے بلکہ تغلیبی ہے چونکہ آپ کی اکثر باندیاں مالِ غنیمت میں آپ کو حاصل ہوئی تھیں اس لئے ما ملکت کی قید لگائی ہے ورنہ تو خرید کردہ باندیوں کا بھی وہی حکم ہے جو بطور غنیمت حاصل ہونے والوں کا ہے (یعنی حلت)۔

قَوْلُہٗ: اِمْرَاَۃً مؤمِنَۃً اس کا عطف بھی اَحْلَلْنَا لَکَ کے مفعول اَزْوَاجَکَ پر ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے مومن عورتیں حلال ہیں کافرہ نہیں۔

قَوْلُہٗ: اِنْ اَرَادَ النبی ﷺ یہ وھبتْ نفسَھا کی شرط ہے، یعنی عورت کا محض اپنے نفس کو ہبہ کر دینا نکاح کے تام ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ آپ کا قبول کرنا بھی شرط ہے۔

قَوْلُہٗ: خَالِصَۃً لکَ. خَالِصَۃً کے منصوب ہونے کی تین وجوہ ہوسکتی ہیں ① وَهَبَتْ کے فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے ای حالَ کونِھا خالِصَۃً لکَ دونَ غیرِکَ ② اِمراۃً سے حال واقع ہونے کی وجہ سے، دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہوں گے ③ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، ای ھِبَۃً خالِصَۃً لکَ دونَ غیرِکَ.

قَوْلُہٗ: لِکَیْلَا یہ اپنے ماقبل یعنی خالِصَۃً سے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: تُرْجِیْ یہ اِرجاءٌ سے مضارع واحد مذکر حاضر ہے، تو ڈھیل دے، تو مؤخر کر۔

قَوْلُہٗ: تُؤْوِیْ. اِیْواءٌ سے واحد مذکر حاضر ہے، تو جگہ دے، تو ساتھ رکھ، تو ملا لے۔

قَوْلُہٗ: وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مَنْ شرطیہ ہے اِبْتَغَیْتَ کا مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، فلا جناح جواب شرط ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مَنْ موصولہ ہو اور مبتداء ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہو اور لا جُنَاحَ علیکَ مبتدا کی خبر۔

تَفسِیر وتَشرِیح

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں پر جتنے بھی انعامات واحسانات فرمائے ہیں ان سب میں آپ ﷺ کی بعثت ایک احسان عظیم اور نعمت بے بہا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، مذکورہ آیت میں ادائے شکر کے لئے کثرت سے ذکر کا حکم دیا گیا ہے، یوں تو خدا کی ہر طاعت وبندگی خدا کا شکر ہے خواہ مالی ہو یا بدنی مگر ان میں ذکر لسانی سب سے آسان اور سہل ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے بندوں پر ذکر اللہ کے سوا کوئی فرض اور طاعت ایسی لازم نہیں کی کہ جس کی کوئی حد مقرر نہ ہو، ہر عبادت وبندگی زمان ومکان کی حدود میں محدود ہے، مگر ذکر اللہ ایسی عبادت ہے کہ اس کی کوئی حد اور تعداد متعین نہیں، اور نہ کسی خاص زمان ومکان کی پابند اور نہ

اس کے لئے کسی مخصوص ہیئت کی ضرورت اور نہ اس کے لئے طاہر اور باوضو ہونا شرط، اس کو ہر حال اور ہر وقت کر سکتے ہیں، اسی لئے ذکر اللہ بکثرت کرنے کا حکم ہے، سفر ہو یا حضر، تندرستی ہو یا بیماری، خشکی ہو یا تری، رات ہو یا دن ہر حال میں ذکر اللہ کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کے ترک میں انسان کا کوئی عذر مسموع نہیں، اور اس کے فضائل و برکات بھی بے شمار ہیں۔

اللہ کو بکثرت یاد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تم پر فرشتوں کے واسطے سے اپنی رحمت نازل فرماتا ہے، یہی رحمت و برکت تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہالت و ضلالت کی اندھیریوں سے علم و عرفان کے اجالے میں لاتی ہے، ذاکرین کو یہ صلہ تو دنیا میں ملا، آخرت کا اعزاز و اکرام آئندہ آیت میں مذکور ہے، جنت میں مومنوں کو سب سے عظیم تحفہ خدا کا سلام ہوگا، اور فرشتے بھی سلام کرتے ہوئے ملاقات کریں گے، نیز جنتی آپس میں بھی ہدیہ سلام کا نذرانہ پیش کریں گے، اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے دن سے کونسا دن مراد ہے؟ امام راغب وغیرہ نے فرمایا اس سے قیامت کا دن مراد ہے، اور بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ جنت میں داخلہ کا وقت مراد ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے ملاقات کا دن موت کے دن کو قرار دیا ہے۔

مَسْئَلَة: اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا آپس میں تحیہ السلام علیکم ہونا چاہئے خواہ بڑے کی طرف سے چھوٹے کو ہو یا چھوٹے کی طرف سے بڑے کو، آج کل جو جدید فیشن آداب، تسلیمات، یا صباحاً بالخیر وغیرہ کا نکلا ہے یہ سراسر اسلامی تہذیب کے خلاف ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا (الآیة) یہ آنحضرت ﷺ کی خاص صفات کمالیہ اور مناقب عالیہ کے بیان کی طرف عود ہے، اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی پانچ صفات کا ذکر فرمایا ہے، شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ، سراج منیر، شاہد سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ قیامت کے دن امت کے لئے شہادت دیں گے، جیسا کہ صحیح بخاری، نسائی، ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث منقول ہے، جس کے بعض جملے یہ ہیں کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام پیش ہوں گے تو ان سے سوال کیا جائے گا، کیا آپ نے ہمارا پیغام اپنی امت کو پہنچا دیا تھا، وہ عرض کریں گے کہ میں نے پہنچا دیا تھا، پھر ان کی امت پیش ہوگی، وہ اس سے انکار کرے گی، اس وقت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا جائے گا کہ آپ جو پیغام حق پہنچانے کا دعویٰ کرتے ہیں اس پر آپ کا کوئی شاہد بھی ہے؟ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کریں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت گواہ ہے، بعض روایات میں ہے کہ وہ گواہی میں امت محمدیہ ﷺ کو پیش کریں گے، امت محمدیہ ان کے حق میں گواہی دے گی، تو نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت اس پر جرح کرے گی کہ یہ ہمارے معاملہ میں کیسے گواہی دے سکتے ہیں، یہ تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، اس جرح کا جواب امت محمدیہ ﷺ سے پوچھا جائیگا، امت محمدیہ جواب دے گی کہ بیشک ہم اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے، اور نہ اس موقع پر موجود تھے، مگر ہم نے اس کی خبر اپنے رسول ﷺ سے سنی تھی، جس پر ہمارا ایمان و اعتقاد ہے، اس وقت رسول اللہ ﷺ سے آپ کی امت کے اس قول کی تصدیق کے لئے شہادت طلب کی جائے گی، اس وقت آپ ﷺ اس کی توثیق و تصدیق فرمائیں گے کہ بیشک میں نے ان کو یہ اطلاع دی تھی۔

اور امت پر شاہد ہونے کا ایک مفہوم عام یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ امت کے سب افراد کے اچھے برے

اعمال کی شہادت دیں گے، اور یہ شہادت اس بناء پر ہوگی کہ امت کے اعمال رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہر روز صبح وشام اور بعض روایات میں ہفتہ میں ایک بار پیش ہوتے ہیں، اور آپ امت کے ایک ایک فرد کو اس کے اعمال کے ذریعہ پہچانتے ہیں، اس لئے آپ امت کے شاہد بنائے جائیں گے۔ (رواه ابن المبارك عن سعيد بن مسيب، مظهری ملخصًا)

بعض لوگ شاہد کے معنی حاضر وناظر کے کرتے ہیں جو قرآن کریم کی تحریف معنوی ہے اور ایسا عقیدہ نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔

جس طرح چراغ سے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں، اسی طرح آپ کے ذریعہ بھی کفر وشرک کی تاریکیاں دور ہوئیں، علاوہ ازیں اس چراغ سے کسب ضیاء کرکے جو شخص کمال وسعادت حاصل کرنا چاہے کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ چراغ قیامت تک روشن رہے گا، سابق میں فرمایا تھا کہ اللہ کی رحمت مومنین کو اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لاتی ہے، یہاں بتانا مقصود ہے کہ وہ اجالا اس روشن چراغ سے پھیلا ہے۔

بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ آپ کی صفت داعی الی اللہ تو ظاہر اور زبان کے اعتبار سے ہے، اور سراج منیر آپ کی صفت آپ کے قلب مبارک کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح سارا عالم آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح تمام مومنین کے قلوب آپ کے نور قلب سے منور ہوتے ہیں، اسی لئے صحابہ کرام جنہوں نے اس عالم میں آپ کی صحبت پائی، وہ پوری امت سے اعلیٰ اور افضل قرار پائے، چونکہ ان کے قلوب نے آپ ﷺ کے قلب مبارک سے بلا واسطہ فیض حاصل کیا، باقی امت کو یہ نور صحابہ کے واسطہ سے اور واسطہ در واسطہ سے پہنچا۔

سَوال: کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول سراجاً منیراً میں آپ ﷺ کو چراغ سے تشبیہ دی ہے نہ کہ سورج سے حالانکہ سورج روشنی میں اتم اور اکمل ہے؟

جَوَاب: چراغ سے سورج ہی مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول جَعَلْنَا الشمسَ سراجًا۔

دُوسرا جَوَاب: چراغ میں یہ خوبی ہے کہ اس سے ہزارہا چراغ روشن کئے جا سکتے ہیں، بخلاف سورج کے، اور آپ ﷺ کے نور سے ہدایت وارشاد کے ذریعہ صحابہ نے کسب فیض کیا اور صحابہ کے واسطہ سے تابعین علیٰ ہذا القیاس قیامت تک آپ ﷺ کا یہ فیضان ہدایت جاری رہے گا۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ بعض منافقین ومشرکین آپ ﷺ کو مشرکین سے نرمی کا برتاؤ اور امتیازی سلوک کرنے کا مشورہ دیتے تھے کہ جب مکہ کے سردار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کریں تو آپ ان فقراء صحابہ کو اپنی مجلس سے اٹھا دیا کیجئے، یا کم از کم دونوں کی مجلسیں الگ کر دیجئے اس لئے کہ مکہ کے سرداران فقراء کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے کیونکہ ان کے جسموں اور کپڑوں سے بدبو آتی ہے، جو ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے، مشرکین کی اسی بات کو رد کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ آپ ان کا مشورہ نہ مانئے، اور ان کے ساتھ مداہنت اور نرمی سے کام نہ لیجئے اس لئے کہ اس میں مسلمانوں

کی دل شکنی ہوگی، اور آپ ان کی موافقت ومخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اللہ پر بھروسہ کیجئے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (الآیۃ) سابقہ آیت میں آپ ﷺ کی چند صفات کمال اور مخصوص شان کا ذکر تھا، آئندہ بھی آپ ﷺ کی چند خصوصیات کا ذکر ہے جو نکاح وطلاق سے تعلق رکھتی ہیں، عام امت کی بہ نسبت آپ کو ان میں ایک امتیاز حاصل ہے، اس سے پہلے طلاق سے متعلق ایک عام حکم ذکر کیا گیا ہے، جو سب مسلمانوں کے لئے عام ہے۔

آیت مذکورہ میں اس کے متعلق تین احکام بیان کئے گئے ہیں:

پہلا حکم:

اگر کسی عورت سے نکاح کر لینے کے بعد خلوت صحیحہ سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آجائے تو مطلقہ پر کوئی عدت واجب نہیں، اگر چاہے تو فوراً ہی نکاح کر سکتی ہے، آیت میں ہاتھ لگانے سے صحبت حقیقی اور حکمی مراد ہے، اور صحبت حکمی سے خلوت صیحہ اور صحبت حقیقی سے ہمبستری مراد ہے۔

دوسرا حکم:

یہ ہے کہ مطلقہ کو شرافت اور حسن خلق کے ساتھ حسب توفیق کچھ دیکر رخصت کر دینا ہر مطلقہ کے لئے مستحب ومسنون ہے، اور بعض صورتوں میں واجب ہے، نیز مومنات کی طرح کتابیات کا بھی یہی حکم ہے، آیت میں مومنات کی قید شرط کے طور پر نہیں ہے بلکہ ایک ترغیبی ہدایت ہے کہ مومن کے لئے اپنے نکاح کے لئے مسلمان عورت کا ہی انتخاب کرنا بہتر ہے، گو نکاح کتابیات سے بھی درست ہے، آیت قرآنی میں ''لفظ متاع'' اختیار کیا گیا ہے، یہ لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے ہر اس چیز کے لئے جس سے فائدہ اٹھایا جائے، اس میں عورت کے حقوق واجبہ مہر وغیرہ بھی شامل ہیں، اگر اب تک مہر نہ دیا ہو تو طلاق کے وقت خوش دلی سے ادا کر دے، اور غیر واجبہ حقوق مثلاً مطلقہ کو رخصت کرتے وقت کپڑوں کا ایک جوڑا حسب حیثیت یا متوسط درجہ کا دینا مستحب ہے جو ہر مطلقہ کو دینا چاہئے، ''متعۂ طلاق'' سے مراد وہ لباس ہے جو عورت گھر سے نکلتے وقت لازمی طور پر پہنتی ہے جس میں ایک بڑی چادر جو پورا جسم چھپالے شامل ہے۔

اسلام حقوق انسانیت اور حسن معاشرت کا پاسدار ہے:

دنیا میں حقوق کی ادائیگی عام طور پر صرف دوستوں عزیزوں اور زیادہ سے زیادہ عام لوگوں تک محدود رہتی ہے، حسن اخلاق، حسن معاشرت کا سارا زور صرف یہیں تک خرچ ہوتا ہے، اپنے دشمنوں کے حقوق پہچاننا اس کے لئے قوانین بنانا صرف شریعت اسلام ہی کا کام ہے، اس زمانہ میں اگرچہ حقوق انسانیت کی حفاظت کے لئے دنیا میں مستقل ادارے قائم

کئے گئے ہیں اور اس کے لئے کچھ ضابطے قاعدے بھی بنائے ہوئے ہیں، اس مقصد کے لئے اقوام عالم سے لاکھوں ڈالر کا سرمایہ بھی جمع کیا جاتا ہے، اول تو ان اداروں پر سیاسی مقاصد چھائے ہوئے ہیں، جو کچھ مصیبت زدگان کی امداد کی جاتی ہے وہ بھی بے غرض اور ہر جگہ نہیں بلکہ جہاں اپنے سیاسی مقاصد پورے ہوتے ہیں، اور بالفرض یہ ادارے بالکل صحیح طور پر بھی خدمت خلق انجام دیں تو ان کی امداد زیادہ سے زیادہ اسوقت پہنچ سکتی ہے جب کسی خطۂ زمین میں کوئی عام حادثہ طوفان وبائی امراض وغیرہ کا پیش آجائے، افراد وآحاد کی تکلیف کی کس کو خبر ہوتی ہے؟ کون مدد کو پہنچ سکتا ہے؟ شریعت اسلام کی حکیمانہ تعلیم دیکھئے کہ طلاق کا معاملہ ظاہر ہے کہ باہمی مخالفت غصے اور ناراضگی سے پیدا ہوتا ہے، اور اس کا نتیجہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جو تعلق انتہائی یگانگت اور محبت والفت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا وہ اب اس کی نقیض بن کر نفرت، دشمنی، انتقامی جذبات کا مجموعہ بن جاتا ہے، قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور اس قسم کی بہت سی آیات نے عین طلاق کے موقع پر جو مسلمانوں کو ہدایات دی ہیں ایسی ہیں کہ ان میں حسن خلق اور حسن معاشرت کا پورا امتحان ہوتا ہے، نفس کا تقاضہ ہوتا ہے کہ جس عورت نے ہمیں ستایا اذیت دی یہاں تک کہ قطع تعلق پر مجبور ہوئی اس کو خوب ذلیل کر کے نکالا جائے، اور جو انتقام اس سے لیا جا سکتا ہے لے لیا جائے۔

مگر قرآن کریم نے عام مطلقہ عورتوں کے لئے تو ایک بڑی پابندی عدت کی اور ایام عدت بھی شوہر کے مکان میں گذارنے کی لگادی، طلاق دینے والے پر فرض کر دیا کہ اس مدت کے اندر عورت کو اپنے گھر سے نہ نکالے اور عورت کو بھی پابند کر دیا کہ اس کے گھر سے نہ نکلے، دوسرے شوہر پر فرض کر دیا کہ مدت عدت کا نفقہ بدستور جاری رکھے، تیسرے شوہر کے لئے مستحب کر دیا کہ عدت پوری ہونے کے بعد بھی جب اس کو رخصت کرے تو ایک جوڑا لباس دیکر عزت کے ساتھ رخصت کرے۔

تیسرا حکم:

یہ دیا گیا کہ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا یعنی ان کو خوبی کے ساتھ رخصت کرو جس سے پابندی لگادی گئی کہ زبان سے بھی کوئی سخت بات نہ کہیں، طعن وتشنیع کا طریقہ اختیار نہ کریں، مخالفت کے وقت حقوق کی رعایت وہی کر سکتا ہے جو اپنے نفس کے جذبات پر قابو رکھے اسلام کی تمام تعلیمات میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے۔

اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ آیات مذکورہ میں نکاح وطلاق وغیرہ سے متعلق ان سات احکامات کا ذکر ہے، جو آپ ﷺ کے لئے مخصوص ہیں، اور یہ خصوصیت آپ کی ایک امتیازی شان اور خصوصی اعزاز کی علامت ہے، ان میں سے بعض احکام تو ایسے ہیں کہ ان کی خصوصیت تو آپ ﷺ کے ساتھ بالکل واضح ہے، اور بعض ایسے ہیں جو اگر چہ سب مسلمانوں کے لئے عام ہیں، مگر ان میں کچھ قیدیں، شرطیں رسول اللہ ﷺ کے لئے مخصوص ہیں ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

پہلا حکم:

اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ (الآیة) ہم نے موجودہ ازواج کو جن کا آپ مہر ادا کر چکے ہیں آپ کے لئے حلال کر دیا، یہ حکم بظاہر سب ہی مسلمانوں کے لئے عام ہے، مگر اس میں وجہ خصوصیت یہ ہے کہ نزول آیت کے وقت آپ کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں اور عام مسلمانوں کیلئے چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا حلال نہیں، یہ آپ کی خصوصیت تھی کہ چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنا آپ کے لئے حلال کر دیا گیا۔

الّٰتِیْ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ یہ قید احترازی نہیں ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کی زوجیت میں بعض ایسی عورتیں تھیں کہ آپ نے جن کا مہر ادا نہیں کیا تھا، اس قید کے ذریعہ ان عورتوں کو آپ پر حرام کر دیا گیا ہے بلکہ یہ قید تو بیان واقعہ کے لئے ہے یعنی حقیقت یہ تھی کہ آپ نے اپنی تمام ازواج کا مہر پہلے ہی ادا کر دیا تھا، حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ کا مہر ان کی آزادی کو قرار دیا تھا، ان کے علاوہ کا بصورت نقد سب کا مہر ادا کیا، صرف ام حبیبہ کا مہر نجاشی نے ادا کیا۔

دوسرا حکم:

وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ یعنی اللہ نے آپ کے لئے وہ باندیاں بھی حلال کر دیں جو اللہ نے آپ کو بطور فَيْ عطا کی ہیں، اَفَاءَ، فَيْءٌ سے مشتق ہے، اس کے معنی لوٹنے کے ہیں اور اصطلاح میں اس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے بغیر جنگ کے یا بطور مصالحت کے حاصل ہو جائے اور کبھی مطلق مال غنیمت کو بھی لفظ فَيْءٌ سے تعبیر کر دیتے ہیں، یہاں بھی فَيْءٌ کی قید شرط کے طور پر نہیں کہ آپ کے لئے صرف وہ باندیاں حلال ہوں جو بطور فیء حاصل ہوتی ہوں، بلکہ خرید کردہ باندی بھی اس حکم میں شامل ہے، یہ قید اغلبی اور اکثری ہے۔

مذکورہ حکم کی بظاہر آپ ﷺ سے کوئی خصوصیت معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ حکم کہ جو باندی جس کے حصہ میں آئے یا خرید کر ملکیت میں آئے مالک کے لئے حلال ہوتی ہے، یہ حکم ہر مسلمان کے لئے عام ہے پھر خصوصیت کے طور پر بیان کرنے کا کیا مقصد ہے؟ روح المعانی میں باندیوں کی حلت سے متعلق یہ خصوصیت بیان فرمائی ہے کہ جس طرح آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے کسی امتی کا نکاح حلال نہیں اسی طرح آپ کے بعد آپ کی کنیز بھی کسی کے لئے حلال نہیں، حکیم الامت حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بیان القرآن میں اور دو خصوصیتیں بیان فرمائی ہیں جو مذکورہ خصوصیات سے زیادہ واضح ہیں۔

اوّل: یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار خصوصی دیا گیا تھا کہ مال غنیمت کو تقسیم کرنے سے پہلے اگر آپ اس میں سے کسی چیز کو اپنے لئے انتخاب فرمالیں تو یہ آپ کی ملک خاص ہو جاتی تھی، اس خاص چیز کو اصطلاح میں صفیُّ النبی کہا جاتا تھا، جیسا کہ غزوۂ خیبر کی غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ کو اپنے لئے مخصوص فرمالیا

تھا، تو ملک یمین کے مسئلہ میں یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

دوسری: خصوصیت یہ کہ دارالحرب سے کسی غیر مسلم کی طرف سے اگر کوئی ہدیہ مسلمانوں کے امیر المومنین کے نام آئے تو حکم شرعی یہ ہے کہ اس کا مالک امیر المومنین نہیں ہوتا، بلکہ وہ بیت المال کی ملکیت ہوتا ہے، بخلاف نبی ﷺ کے کہ ایسا ہدیہ آپ کے لئے خصوصیت سے حلال کر دیا گیا جیسا کہ ماریہ قبطیہ کا معاملہ ہے کہ مقوقس نے بطور ہدیہ وتحفہ آپ کی خدمت میں پیش کی تھی تو یہ آپ ہی کی ملکیت قرار پائیں۔ (واللہ اعلم)۔ (بیان القرآن بحوالہ معارف القرآن)

تیسرا حکم:

وَبَنَاتِ عَمِّكَ، وَبَنَاتِ عَمّٰتِكَ اس آیت میں عَمٌّ اور خَالٌ کو مفرد اور عمات و خالات کو جمع لایا گیا ہے، اس کی مفسرین حضرات نے بہت سی توجیہات کی ہیں، تفسیر روح المعانی میں ابوحیان کی اس توجیہ کو اختیار کیا گیا ہے کہ عرب کا محاورہ اسی طرح ہے کہ عَمّ کی جمع استعمال نہیں کرتے، اور اشعار سے استشہاد پیش کیا ہے، علامہ شیخ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازی صاحب المختار الصحاح رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى نے انموذج میں یہ توجیہ کی ہے کہ عَمٌّ ضَمٌّ کے وزن پر مصدر ہے اور اسی طرح خَالٌ بروزن قَالٌ لہٰذا اس میں مفرد، تثنیہ، جمع سب برابر ہیں، بخلاف عَمَّةٌ خالةٌ کے اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ ہے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ جواب اللہ تعالیٰ کے قول اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ سے منقوض ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ عَمٌّ اور خَالٌ حقیقت میں مصدر نہیں ہیں بلکہ مصدر کے وزن پر ہیں، لہٰذا یہاں مشابہ بالمصدر ہونے کا اعتبار کیا گیا اور وہاں ان کی حقیقت یعنی مصدر نہ ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے تاکہ ان کی دونوں جہتوں پر عمل ہو جائے بخلاف سَمْعٌ کے چونکہ یہ حقیقۃً مصدر ہے لہٰذا قرآن کریم میں ہر جگہ مفرد ہی استعمال ہوا ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے چچا اور پھوپھی کی لڑکیاں اور ماموں، خالہ کی لڑکیاں حلال کر دی گئیں، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لڑکیوں سے نکاح کا حلال ہونا تو آپ کی خصوصیت نہیں ہے سب مسلمانوں کا یہی حکم ہے، لیکن اس میں یہ قید ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ہو، خواہ آپ کے ساتھ یا پہلے یا بعد میں، ہمسفر رہنا شرط نہیں ہے، لہٰذا اب یہ خصوصیت ہوگی کہ عام مسلمانوں کے لئے تو مذکورہ لڑکیوں سے نکاح حلال ہے خواہ ہجرت کی ہو یا نہ کی ہو، مگر آپ کے لئے انہیں لڑکیوں سے نکاح حلال تھا کہ جنہوں نے ہجرت کی ہو، جیسا کہ آپ کے چچا ابوطالب کی بیٹی ام ہانی رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا نے فرمایا کہ مجھ سے آپ ﷺ کا نکاح اس لئے حلال نہیں تھا کہ میں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی، بلکہ میرا شمار طلقاء میں تھا، طلقاء ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کو فتح مکہ کے وقت رسول اللہ نے اَنتمُ الطلقاء کہہ کر آزاد کر دیا تھا نہ قتل کیا اور نہ غلام بنایا۔

(روح، جصاص)

اور رسول اللہ ﷺ کے نکاح کے لئے مہاجرت کی شرط صرف آپ کے والدین کے خاندان کی لڑکیوں کے لئے تھی عام

امت کی لڑکیوں میں ہجرت کی شرط نہ تھی، بلکہ ان کا صرف مسلمان ہونا کافی تھا۔

چوتھا حکم:

وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ (الآية) یعنی اگر کوئی مسلمان عورت اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کردے یعنی بغیر مہر کے آپ سے نکاح کرنا چاہے اور آپ اس کو منظور فرمالیں تو آپ کے لئے بلا مہر بھی نکاح جائز ہے، اور یہ حکم آپ کے ساتھ خاص ہے دوسرے مومنوں کے لئے جائز نہیں ہے، اگر بلا ذکر مہر یا مہر کی نفی کے ساتھ نکاح ہوا تو مہر مثل دینا لازم ہوگا، علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا یا نہیں، بعض نے کہا کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور بعض حضرات نے ایسا نکاح ثابت کیا ہے (روح المعانی) اس حکم کے ساتھ خَالِصَةً کا جو جملہ آیا ہے اس کو بعض حضرات نے صرف اسی حکم چہارم کے ساتھ لگایا ہے، اور زمخشری وغیرہ نے اس جملہ کو ان تمام احکام کے ساتھ لگایا ہے جو اوپر مذکور ہوئے ہیں۔

پانچواں حکم:

جو آیت مذکورہ میں مؤمنة کی قید سے مستفاد ہے، وہ یہ کہ اگرچہ عام مسلمانوں کے لئے یہود و نصاریٰ کی عورتوں یعنی کتابیات سے نکاح بنص قرآنی حلال ہے، مگر آپ ﷺ کے لئے عورت کا مومنہ ہونا شرط ہے کتابیہ سے آپ کا نکاح نہیں ہوسکتا تھا۔

مذکورہ پانچوں احکام کی خصوصیت نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد عام مسلمانوں کا حکم اجمالاً ذکر فرمایا قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ (الآية) یعنی احکام مذکورہ آپ کے لئے مخصوص ہیں، باقی مسلمانوں کے نکاح کے لئے جو ہم نے فرض کیا ہے وہ ہم جانتے ہیں، مثلاً عام مسلمانوں کا نکاح بغیر مہر کے نہیں ہوسکتا، اور کتابیات سے ان کا نکاح ہوسکتا ہے، مذکورہ جملہ متعلَّق اور متعلِّق کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

چھٹا حکم:

تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ، تُرْجِي اِرْجَاءٌ سے مشتق ہے، اس کے معنی مؤخر کرنے کے ہیں اور تُؤْوِي اِيْوَاءٌ سے مشتق ہے جس کے معنی قریب کرنے اور ملانے کے ہیں، اس میں آپ ﷺ کی ایک اور خصوصیت بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر کرنے کے بارے میں آپ کو اختیار دیدیا گیا تھا، آپ ﷺ جس کی باری چاہیں موقوف کردیں یعنی اسے نکاح میں رکھتے ہوئے اس سے مباشرت نہ کریں اور جس سے چاہیں یہ تعلق قائم رکھیں، اسی طرح آپ کو یہ اجازت بھی دیدی کہ جن بیویوں کی باری آپ نے موقوف کردی تھی اگر آپ چاہیں تو اس باری کو دوبارہ جاری کرسکتے ہیں، مگر آپ ﷺ نے اس رخصت سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا اور ہمیشہ برابری کا

التزام رکھا، صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کو اگر کسی بی بی کی باری میں ان کے یہاں جانے سے کوئی عذر ہوتا تو آپ ﷺ اس سے اجازت لے لیتے تھے۔

اور یہ حدیث بھی سب کتب حدیث میں معروف ہے کہ مرض وفات میں کہ جب آپ کے لئے چلنا پھرنا دشوار ہوگیا تو آپ نے سب ازواج سے اجازت حاصل کر کے حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر میں بیماری کے ایام گذارنا اختیار فرمایا تھا۔

ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ اس کا تعلق بھی آپ کے اسی طرز عمل سے ہے کہ آپ پر تقسیم اگر چہ دوسروں کی طرح واجب نہیں تھی، اس کے باوجود آپ ﷺ نے تقسیم کو اختیار فرمایا تا کہ آپ ﷺ کی بیویوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور آپ کے اس حسن سلوک اور عدل وانصاف سے خوش ہوجائیں کہ آپ نے خصوصی اختیارات استعمال کرنے کے بجائے ان کی دلجوئی اور دلداری کا اہتمام فرمایا، بعض حضرات نے مذکورہ آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ سے تقسیم نوبت کی فرضیت کو ختم کردینے اور آپ کو ہر طرح کا اختیار دیدینے کی علت اور حکمت کا بیان ہے کہ آپ کو عام اختیار دینے کی مصلحت یہ ہے کہ سب ازواج مطہرات کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور جتنا کچھ ان کو حصہ ملے اس پر راضی رہیں۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ حکم تو بظاہر ازواج مطہرات کی مرضی اور منشاء کے خلاف بلکہ ان کے لئے رنج کا سبب ہوسکتا ہے، اس کو ازواج کی خوشی کا سبب کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل ناراضگی کا اصل سبب اپنا استحقاق ہوتا ہے، اور جب کسی پر استحقاق ہی نہ ہو تو رنج وغم کی کوئی بات ہی نہیں، بلکہ پھر جو کچھ بھی مہربانی کردے وہ خوشی ہی خوشی ہے، یہاں بھی جب بتلا دیا گیا کہ آپ ﷺ پر برابری رکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ آپ مختار ہیں تو اب جس بیوی کا جتنا حصہ بھی آپ کی توجہ اور صحبت کا ملے وہ اس کو ایک احسان وتبرع سمجھ کر خوش ہوگی۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوْبِكُمْ (الآیة) آیات مذکورہ میں اوپر سے یہاں تک ان احکام کا ذکر چلا آتا ہے جو آپ ﷺ کے نکاح کے سلسلہ میں کسی نہ کسی قسم کی خصوصیت رکھتے ہیں، آئندہ بھی بعض ایسے ہی احکام کا ذکر آرہا ہے، درمیان میں یہ آیت کہ ''اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کا حال جانتا ہے اور علیم وحلیم ہے''، بظاہر ماقبل اور مابعد سے کوئی ربط اور جوڑ نہیں رکھتا، روح المعانی میں ہے کہ احکام مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کے چار سے زائد ازواج کی اجازت اور بلا مہر کے نکاح کی اجازت سے کسی کے دل میں شیطانی وساوس پیدا ہوسکتے تھے، اس لئے درمیان میں اس آیت نے یہ ہدایت دیدی کہ مسلمان اپنے دلوں کی ایسے وساوس سے حفاظت کریں، اور اس بات پر ایمان پختہ رکھیں، کہ یہ سب خصوصیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، جو بہت سی مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہیں نفسانی خواہشات کی تکمیل کا یہاں گذر نہیں۔

آپ ﷺ کی زاہدانہ زندگی اور اس کے ساتھ تعدد ازواج:

اعداء اسلام نے ہمیشہ مسئلہ تعدد ازواج اور خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی کثرت ازواج کو اسلام کی مخالفت میں موضوع بحث بنایا ہے، لیکن اگر رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کو سامنے رکھا جائے تو کسی شیطان کو بھی شان رسالت کے خلاف وسوسہ

پیدا کرنے کی گنجائش نہیں رہتی، صحیح احادیث اور معتبر تاریخی روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے پہلا نکاح عنفوان شباب پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے کیا جو بیوہ، سن رسیدہ، صاحب اولاد تھیں، اور آپ سے پہلے دوشوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں، اور پچاس سال کی عمر تک صرف اسی بیوہ اور سن رسیدہ بیوی کے ساتھ شباب کا پورا زمانہ گذارا یہ پچاس سالہ دور مکہ کے لوگوں کے سامنے گذرا، چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کے بعد شہر میں آپ کی مخالفت شروع ہوئی، اور مخالفین نے آپ کو ستانے اور عیب لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، شاعر کہا، کاہن کہا، مجنون کہا، مگر کبھی کسی دشمن کو بھی آپ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرنے کا موقع نہیں مل سکا جو تقویٰ وطہارت کو مشکوک کر سکے، پچاس سال عمر شریف گذرنے اور حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے حضرت سودہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نکاح فرمایا، یہ بھی بیوہ تھیں، ہجرت مدینہ اور عمر شریف چوّن سال ہوجانے کے بعد ۲ھ میں حضرت صدیقہ عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی رخصتی آنحضرت ﷺ کے گھر میں ہوئی، اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے اور کچھ دنوں کے بعد حضرت زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا بنت خزیمہ سے نکاح ہوا، حضرت زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا چند ماہ بعد وفات پا گئیں، ۴ھ میں حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا جو صاحب اولاد بیوہ تھیں آپ کے نکاح میں آئیں، ۵ھ میں زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا بنت جحش سے بحکم خداوندی نکاح ہوا، جس کا ذکر سورۂ احزاب کے شروع میں آچکا ہے، اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھاون سال تھی، آخری پانچ سال میں باقی ازواج مطہرات آپ کے حرم میں داخل ہوئیں۔

پیغمبر کی خانگی زندگی اور گھریلو معاملات سے متعلق احکام، دین کا ایک بہت بڑا حصہ ہوتے ہیں، ان نو ازواج مطہرات سے جس قدر دین کی اشاعت ہوئی اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ صرف حضرت صدیقہ عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے دو ہزار دوسودس احادیث اور حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے تین سو اڑسٹھ احادیث کی روایت معتبر کتب احادیث میں جمع ہیں، حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے جو احکام وفتاویٰ لوگوں کو بتلائے ان کے متعلق حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے، کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے، دو سو سے زائد حضرات صحابہ حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے شاگرد ہیں، جنہوں نے حدیث، فقہ وفتاویٰ ان سے سیکھے ہیں۔

ساتواں حکم:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ (الآية) یعنی اس کے بعد آپ کے لئے دوسری عورتوں سے نکاح حلال نہیں کہ موجودہ ازواج میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بدلیں، اس آیت میں لفظ مِنْ بَعْدُ کی دو تفسیریں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ من بعد سے مراد یہ ہو کہ ان عورتوں کے بعد جو اس وقت آپ کے نکاح میں ہیں اور کسی سے آپ کا نکاح حلال نہیں، بعض صحابہ سے یہی تفسیر منقول ہے، جیسا کہ حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا، آیت تخییر کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے دنیا کے اسباب عیش وراحت کے مقابلہ میں عُسرت کے ساتھ نبی ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا تھا اس کا صلہ اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ آپ

ﷺ کو ان ازواج کے علاوہ (جن کی تعداد اس وقت نو تھی) دیگر عورتوں سے نکاح کرنے یا ان میں سے کسی کو طلاق دیکر اس کی جگہ کسی اور سے نکاح کرنے سے منع فرما دیا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ بعد میں آپ کو اختیار دیدیا گیا تھا، لیکن آپ نے کوئی نکاح نہیں کیا، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی روایت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عکرمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے ایک روایت میں لفظ مِنْ بَعْدُ کی یہ تفسیر نقل کرتے ہیں کہ مِنْ بعدِ الاَصْنافِ المذکورۃِ یعنی شروع آیت میں آپ کے لئے عورتوں کی جتنی اقسام حلال کی گئی ہیں، اس کے بعد یعنی ان کے سوا کسی اور قسم کی عورت سے آپ کا نکاح حلال نہیں، مثلاً شروع آیت میں اپنے خاندان کی عورتوں میں سے صرف وہ عورتیں حلال کی گئیں جنہوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی، اسی طرح مومنہ کی قید لگا کر آپ کے لئے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح ناجائز قرار دیدیا گیا، تو آیت میں مِنْ بَعْدُ کا مطلب یہ ہے کہ جتنی قسمیں آپ کے لئے حلال کردی گئی ہیں صرف انہی سے آپ کا نکاح ہوسکتا ہے، اس تفسیر کے مطابق یہ سابقہ حکم ہی کی تاکید ہے کوئی نیا حکم نہیں، وَلَا اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ آیت مذکورہ کی اگر دوسری تفسیر اختیار کی جائے تو اس جملہ کا مطلب واضح ہے کہ اگر چہ آپ کا موجودہ ازواج کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح حلال ہے، مگر یہ جائز نہیں کہ ایک کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری کو بدلیں، اور اگر پہلی تفسیر مراد لیں تو معنی یہ ہوں گے کہ آئندہ نہ کسی عورت کا اضافہ کر سکتے ہیں اور نہ کسی کی تبدیلی کر سکتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو طلاق دیکر اس کی جگہ دوسری کرلیں۔ (واللہ اعلم)۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ فِي الدُّخُوْلِ بِالدُّعَاءِ اِلٰى طَعَامٍ فَتَدْخُلُوْا غَيْرَ نٰظِرِيْنَ مُنْتَظِرِيْنَ اِنٰىهُ نُضْجَهُ مَصْدَرُ اَنٰى يَأْنِيْ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا تَمْكُثُوْا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ مِنْ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ المُكْثَ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ اَنْ يُخْرِجَكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ اَنْ يُخْرِجَكُمْ اَيْ لَا يَتْرُكُ بَيَانَهُ وَقُرِئَ يَسْتَحِيْ بِيَاءٍ وَاحِدَةٍ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ اَيْ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ سِتْرٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ مِنَ الخَوَاطِرِ المُرِيْبَةِ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِشَيْءٍ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ ذَنْبًا عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ مِنْ نِكَاحِهِنَّ بَعْدَهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ اَيِ المُؤْمِنَاتِ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ مِنَ الاِمَاءِ وَالعَبِيْدِ اَنْ يَرَوْهُنَّ وَيُكَلِّمُوْهُنَّ مِنْ غَيْرِ حِجَابٍ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ فِيْمَا اُمِرْتُنَّ بِهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اَيْ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى

مُحَمَّدٍ وسَلِّم **اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** وهُمُ الْكُفَّارُ يَصِفُوْنَ اللّٰهَ بِمَا هُوَ مُنَزَّهٌ عَنْهُ مِنَ الْوَلَدِ وَالشَّرِيْكِ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَهٗ **لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ** اَبْعَدَهُمْ **وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا**﴿۵۷﴾ ذَا اِہَانَةٍ وَهُوَ النَّارُ **وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا** يَرْمُوْنَهُمْ بِغَيْرِ مَا عَمِلُوْا **فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا** تَحَمَّلُوْا كَذِبًا **وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا**﴿۵۸﴾ بَيِّنًا.

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بلا بلائے) مت جایا کرو مگر یہ کہ تم کو کھانے کے لئے دعوت کے طور پر آنے کی اجازت دیدی جائے تو اس طرح داخل ہو سکتے ہو کہ کھانے کی تیاری کے منتظر نہ رہو، اِنٰی، اَنٰی یَانِی کا مصدر ہے، لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو پھر جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور آپس میں باتوں میں دلچسپی لیکر بیٹھے نہ رہا کرو بلاشبہ اس بیٹھے رہنے سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تم کو چلے جانے کے لئے کہنے کے بارے میں تمہارا لحاظ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بیان حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا یعنی حق بیان کرنے کو ترک نہیں کرتا، اور ایک قراءت میں یَسْتَحِیْ ایک یاء کے ساتھ بھی ہے، جب تم ان سے یعنی نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے باہر سے طلب کرو یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی مشتبہ خیالات سے پاکیزگی ہے اور تمہارے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ کسی طرح بھی اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ تمہارے لئے یہ حلال ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کبھی بھی آپ کی ازواج سے نکاح کرو بلاشبہ اللہ کے نزدیک یہ گناہ عظیم ہے خواہ کچھ ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو، آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج سے نکاح کے بارے میں، اللہ تعالیٰ ہر شئ سے بخوبی واقف ہے وہ اس پر تم کو ضرور بدلہ دے گا، اور ازواج مطہرات پر اپنے باپوں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھائیوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھتیجوں کے بارے میں، اور نہ بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں یعنی مومنات کے بارے میں اور نہ اپنے مملوکوں کے بارے میں خواہ وہ باندی ہوں یا غلام کوئی حرج نہیں یہ کہ ان کو دیکھیں اور بغیر حجاب کے ان سے باتیں کریں، اور جس بات کا تم کو حکم دیا گیا ہے اس میں اللہ سے ڈرتی رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگراں ہے، اس سے کوئی شئ مخفی نہیں بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی محمد ﷺ پر رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو یعنی اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ کہا کرو بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، اور وہ کفار ہیں اللہ کے لئے ایسی صفات ثابت کرتے ہیں جن سے وہ پاک ہے یعنی اولاد سے اور شرک سے اور اس کے رسول کی تکذیب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے یعنی ان کو رحمت سے دور کر دیا ہے اور ان کے لئے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے، اور وہ آگ ہے، جو مومنین اور مومنات کو بلاوجہ تکلیف پہنچاتے ہیں یعنی ان کے بغیر کچھ کئے طعنہ زنی کرتے ہیں تو وہ بہتان یعنی جھوٹ اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اِلَّا اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ یہ عموم احوال سے استثناء ہے ای لا تدخلوها فی حال من الاحوال الّا حال کونکم ماذونا لکم.

قَوْلُهٗ: الی طعام کا تعلق، یُؤْذَنُ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے یُؤْذَنُ سے ہے، شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بالدعاء کا اضافہ یہ بتانے کے لئے کیا ہے کہ یُؤْذن یُدْعون کے معنی کو متضمن ہے ورنہ یُؤْذَنُ کا صلہ الیٰ نہیں آتا اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت ولیمۂ زینب بنت جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کے بارے میں نازل ہوئی، واقعہ کی تفصیل تفسیر کے زیر عنوان ملاحظہ فرمائیں۔

قَوْلُهٗ: اِناهُ۔ اَنٰی یانی کا مصدر ہے بروزن رَمٰی یَرْمِیْ پکنا، تیار ہونا اَنِی بالفتح والکسر یہ اَنا یانی (ض) کا مصدر ہے، معنی پکنے اور وقت آنے کے ہیں، اِنی مصدر سماعی ہے مصدر قیاسی اَنی ہے لیکن یہ سنا نہیں گیا۔

(اعراب القرآن، للدرویش)

قَوْلُهٗ: فانتشروا اِذا طعمتُمْ کا جواب ہے۔

قَوْلُهٗ: وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ کا عطف غیرَ ناظرین پر ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ حال مقدر پر عطف ہے ای لاتدخلوها هاجمِیْنَ وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ زمخشری نے کہا ہے کہ مستانسین، ناظرین پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔

قَوْلُهٗ: لا یَسْتحی کی تفسیر لا یترك سے کرکے اشارہ کردیا کہ یستحی بمعنی لا یترك ہے جو کہ لازم معنی ہیں اس لئے کہ حیا کی نسبت اللہ کی طرف درست نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ، ذٰلِکُمْ کا مرجع بغیر اجازت کے داخل نہ ہونا، اور باتوں میں دلچسپی لیکر جم کر نہ بیٹھ رہنا، اور پردے کے باہر سے سامان طلب کرنا ہے، یعنی مذکورہ باتیں تہمت اور شیطانی وساوس کے دفع کرنے کے لئے بہت مفید و مؤثر ہیں۔

قَوْلُهٗ: مَا کَانَ لَکُمْ ای ما صَحَّ لکم اَنْ تُؤْذُوا، اَنْ تؤذوا کانَ کا اسم ہے اور لَکُمْ اس کی خبر اور وَاَنْ تَنْکِحُوْا کا عطف کان کے اسم پر ہے۔

قَوْلُهٗ: اَنْ یَرَوْهُنَّ وَیُکَلِّمُوْهُنَّ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ فی آبائِهِنَّ ولاأبنائِهِنَّ (الخ) حذف مضاف کے ساتھ ہیں، یعنی ان لوگوں کو دیکھنے اور ان سے کلام کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: وَاتَّقِیْنَ اللّٰهَ اس کا عطف محذوف پر ہے ای اِمْتَثِلْنَ مَا اُمِرْتُنَّ به وَاتَّقِیْنَ اللّٰهَ.

قَوْلُهٗ: صلوٰۃ اس کے متعدد معنی ہیں، رحمت، دعاء، تعظیم و ثنا، ان کو بیک وقت مراد لینا عموم مشترک کہلاتا ہے بعض حضرات کے یہاں یہ جائز نہیں ہے اس لئے یہ کہا جائے گا کہ لفظ صلوٰۃ کے اس جگہ ایک ہی معنی مراد ہیں یعنی آپ کی

تعظیم اور مدح وثناء پھر جب یہ معنی اللہ کی طرف منسوب ہوں تو رحمت مراد ہوگی اور فرشتوں کی طرف منسوب ہوں تو دعاء واستغفار مراد ہوگی اور اگر عام مومنین کی طرف منسوب ہوں تو دعاء اور مدح وتعظیم کا مجموعہ مراد ہوگا، لفظ سلام مصدر ہے بمعنی سلامت جیسے ملام بمعنی ملامت مستعمل ہوتا ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ نقائص وعیوب اور آفات سے سلامتی آپ کے ساتھ رہے، عربی زبان کے قاعدے سے یہاں حرف علی کا موقع نہیں مگر چونکہ لفظ سلام ثناء کے معنی کو متضمن ہے اس لئے حرف علی کے ساتھ علیك یا علیکم کہا جاتا ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

شانِ نزول:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ (الآیة) اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ نبی ﷺ کی دعوت پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت جحش کے ولیمے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تشریف لائے جن میں سے بعض کھانے کے بعد بھی بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے، جس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوئی، تاہم حیا واخلاق کی وجہ سے آپ ﷺ نے انہیں جانے کے لئے نہیں فرمایا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح بخاری کی روایت میں واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چونکہ میں اس واقعہ کے وقت خود موجود تھا اس لئے آیت حجاب کی حقیقت سے میں زیادہ واقف ہوں، جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نکاح کے بعد حرم نبوی میں داخل ہوئیں تو آپ نے ولیمے کی دعوت کی، کھانے کے بعد کچھ لوگ وہیں جم کر باتیں کرنے لگے، ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے، اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اسی جگہ موجود تھیں جو حیاء کی وجہ سے دیوار کی طرف اپنا رخ پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں، یہ نزول حجاب سے پہلے کی بات ہے جبکہ زنانہ مکانوں میں مردوں کے داخل ہونے پر پابندی نہیں تھی بلکہ دعوت وغیرہ کا انتظام زنانخانہ میں ہی ہوتا تھا، ان لوگوں کے اس طرح دیر تک بیٹھنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی آپ ان لوگوں کو اٹھنے کا اشارہ دینے کے طور پر باہر نکلے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تک تشریف لے گئے یہ خیال کرکے کہ اب شاید لوگ چلے گئے ہوں گے واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ حضرات بیٹھے ہوئے ہیں آپ کو اس کا بہت احساس ہوا تھوڑی دیر گھر میں قیام کرنے کے بعد پھر باہر تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو وہ حضرات بدستور ڈٹے ہوئے تھے، جب ان حضرات کو احساس ہوا تو اٹھ کر چلے گئے، اس واقعہ کے کچھ ہی دیر بعد مذکورہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے پڑھ کر سنائی، چنانچہ اس آیت میں دعوت کے آداب بتلائے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ اس وقت جاؤ جب کھانا تیار ہو چکا ہو، پہلے ہی جا کر دھرنا مار کر نہ بیٹھ جاؤ، دوسرے یہ کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چلے جایا کرو۔

آیت حجاب:

اِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا (الآية) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آیت حجاب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواہش کے مطابق نازل ہوئی، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ آپ کے پاس اچھے برے ہر قسم کے آدمی آتے ہیں، کاش آپ امہات المومنین کو پردے کا حکم فرمادیں تو کیا اچھا ہو، جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ یہ پردے کی حکمت اور علت ہے اس سے مرد اور عورت دونوں کے دل ریب وشک سے اور ایک دوسرے کے ساتھ فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ اَبَدًا اور تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ آپ کے بعد کسی وقت بھی آپ کی بیویوں سے نکاح کرو (یادرکھو) اللہ کے نزدیک یہ بڑا (گناہ) ہے یہ حکم ان ازواج کے بارے میں ہے جو آپ کی وفات کے وقت آپ کے حبالۂ عقد میں تھیں، البتہ وہ عورتیں جن کو آپ ﷺ نے ہمبستری کے بعد طلاق دیکر الگ کردیا ہو، وہ اس کے عموم میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس میں دو رائے ہیں بعض ان کو بھی شامل سمجھتے ہیں اور بعض نہیں، لیکن آپ کی کوئی ایسی بیوی تھی ہی نہیں، اس لئے یہ محض ایک فرضی شکل ہے، ایک تیسری قسم ان عورتوں کی ہے جن سے آپ ﷺ نے نکاح کیا ہو لیکن ہم بستری سے قبل ہی ان کو آپ نے طلاق دے دی ان سے دوسرے لوگوں کا نکاح درست ہونے میں کوئی نزاع معلوم نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ اَبَدًا میں ظاہر اور ازواج کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مدخولہ سے بھی نکاح صحیح نہیں ہے جیسا کہ مستعیذہ (پناہ چاہنے والی بنت جون) اور وہ بیوی کہ آپ نے اس کے پہلو میں سفید داغ دیکھا تو ہم بستری سے قبل ہی فرمایا اَلْحِقِیْ بِاَهْلِكِ امام الحرمین اور رافعی نے صغیر میں اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ حرمت صرف مدخول بہا کی ہے، اس لئے کہ روایت کیا گیا ہے کہ اشعث بن قیس کندی نے مستعیذہ (پناہ چاہنے والی بنت جون) سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں نکاح کیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو رجم کرنے کا ارادہ کیا تو اشعث بن قیس نے بتایا کہ وہ آپ ﷺ کی مدخول بہا نہیں ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا کسی نکیر کے رجم کا ارادہ ملتوی کردیا۔ (روح المعانی)

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِیْ اٰبَآئِهِنَّ (الآية) جب عورتوں کیلئے پردے کا حکم نازل ہوا تو پھر گھر میں موجود اقارب یا ہر وقت آنے جانیوالے رشتہ داروں کی بابت سوال ہوا کہ ان سے پردہ کیا جائے یا نہیں؟ چنانچہ اس آیت میں ان اقارب کا ذکر کردیا گیا جن سے پردے کی ضرورت نہیں، اس کی تفصیل سورۂ نور کی آیت ۳۱ میں گذر چکی ہے ملاحظہ کرلیا جائے۔

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا اس مقام پر عورتوں کو تقوی کا حکم دے کر واضح کر دیا کہ اگر تمہارے دلوں میں تقوی ہوگا تو پردے کا جو اصل مقصد قلب ونظر کی طہارت اور عصمت کی حفاظت ہے یقیناً وہ تم کو حاصل ہوگا، ورنہ حجاب کی ظاہری پابندیاں تمہیں گناہ میں ملوث ہونے سے نہیں بچا سکتیں۔

انسداد فواحش کا اسلامی نظام:

فواحش، بدکاری، زنا اور اس کے مقدمات دنیا کی ان مہلک برائیوں میں سے ہیں جن کے مہلک اثرات صرف اشخاص وافراد ہی کو نہیں بلکہ قبائل اور خاندانوں کو اور بعض اوقات بڑے بڑے ملکوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔

دنیا کے اس موجودہ دور میں مغربی اقوام نے اپنی مذہبی حدود اور قدیم قومی روایات سب کو توڑ کر زنا کو اپنی ذات میں کوئی جرم نہیں رکھا، اور تمدن ومعاشرت کو ایسے سانچے میں ڈھال دیا ہے جن میں ہر قدم پر جنسی انارکی اور فواحش کو دعوت عام ہے، مگر ان کے ثمرات اور نتائج کو وہ بھی جرائم سے خارج نہ کر سکے، عصمت فروشی، زنا بالجبر، منظر عام پر فحش حرکات کو تعزیری جرم قرار دینا پڑا، جس کی مثال اس کے سوا کچھ نہیں کہ کوئی شخص آگ لگانے کے لئے سوختہ کا ذخیرہ جمع کرے، پھر اس پر تیل چھڑکے، پھر اس میں آگ لگا دے اور جب آگ کے شعلے بھڑکنے لگیں تو ان شعلوں پر پابندی اور روکنے کی کوشش کرے۔

اس کے برخلاف اسلام نے جن چیزوں کو جرم اور انسانیت کے لئے مضر سمجھ کر قابل سزا جرم قرار دیا ہے ان کے مقدمات اور مبادیات پر بھی پابندیاں عائد کی ہیں اور ان کو ممنوع قرار دیا ہے، مثلاً اصل مقصد زنا اور بدکاری سے بچانا تھا، تو زنا کی پیش بندی کے طور پر نظریں نیچی رکھنے کے قانون سے ابتداء کی، عورتوں اور مردوں کے بے محابا اختلاط کو روکا، اور عورتوں کو چہار دیواری میں رہنے کی تاکید کی، اور اگر ضرورت کے وقت نکلنا پڑے تو پردے اور حجاب کے ساتھ سڑک کے ایک کنارے چلنے کی ہدایت کی خوشبو لگا کر یا بجنے والا زیور پہن کر نکلنے کی ممانعت کر دی، اس کے باوجود اگر کوئی شخص ان تمام حدود وقیود اور پابندیوں کے حصار کو پھاند کر باہر نکل جائے تو اس پر ایسی عبرتناک اور عبرت آموز سزا جاری کی کہ ایک مرتبہ کسی بدکردار پر جاری کر دی جائے تو پوری قوم کو مکمل سبق مل جائے۔

اہل مغرب اور ان کے مقلدین نے اپنی فحاشی اور عیاشی کے جواز میں عورتوں کے پردے کو عورتوں کی صحت اور اقتصادی اور معاشی حیثیت سے معاشرہ کے لئے مضر ثابت کرنے اور بے پردہ رہنے کے فوائد پر بحثیں اور سیمینار کئے ہیں، اس کا جواب بہت سے علماء عصر نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اس کے متعلق یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ فائدہ اور نفع سے تو کوئی جرم اور گناہ بھی خالی نہیں، چوری، ڈاکہ، دھوکہ، فریب ایک اعتبار سے بڑا نفع بخش کاروبار ہے، مگر جب اس کے ثمرات ونتائج میں پیدا ہونے والی مضرتیں سامنے آتی ہیں تو کوئی شخص ان کو نفع بخش کاروبار کہنے کی جرأت نہیں کرتا بے پردگی میں اگر کچھ معاشی فوائد ہوں بھی مگر جب پورے ملک اور قوم کو ہزاروں فتنہ وفساد میں مبتلا کر دے تو پھر اس کو نافع کہنا کسی دانشمند کا کام نہیں ہوسکتا۔

روس کے سابق صدر میخائیل گورباچوف اپنی کتاب پروسٹائیکا میں رقمطراز ہیں:

''ہماری مغربی سوسائٹی میں عورت کو باہر نکال دیا گیا، اور اس کو باہر نکالنے کے نتیجے میں بے شک ہم نے کچھ معاشی فوائد بھی حاصل کئے اور پیداوار میں کچھ اضافہ بھی ہوا، اس لئے کہ عورتیں بھی کام کررہی ہیں، اور مرد بھی کام کررہے ہیں، لیکن پیداوار میں اضافہ کے باوجود اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا نظام خانہ داری یعنی فیملی سسٹم تباہ ہو گیا اور فیملی سسٹم تباہ ہونے کے نتیجے میں ہمیں جو نقصان اٹھانا پڑا ہے، وہ نقصان ان فوائد کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے جو پیداوار کے اضافہ کے نتیجے میں ہمیں حاصل ہوا ہے، لہٰذا میں اپنے ملک میں پروسٹائیکا کے نام سے ایک تحریک شروع کررہا ہوں، اس سے میرا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ عورت جو گھر سے باہر نکل چکی ہے اس کو گھر میں واپس کیسے لایا جائے، اور اس کے طریقے سوچے جائیں، ورنہ جس طرح ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہوا ہے اسی طرح ہماری قوم بھی تباہ ہو جائے گی۔ (ترمیم واختصار کے ساتھ، اصلاحی خطبات، از مولانا تقی صاحب عثمانی)۔

انسداد جرائم کے لئے انسداد ذرائع کا زرّین اصول:

سابقہ شریعتوں میں اسباب وذرائع کو مطلقاً حرام نہیں قرار دیا گیا تھا جب تک کہ ان کے ذریعہ کوئی جرم واقع نہ ہو جائے، شریعت محمدیہ ﷺ چونکہ قیامت تک رہنے والی شریعت ہے اس لئے جرائم ومعاصی کو حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کے اسباب وذرائع کو بھی حرام قرار دیدیا گیا جو عادت غالبہ کے طور پر ان جرائم تک پہنچاتے والے ہیں، مثلاً شراب نوشی کو حرام قرار دیا گیا تو شراب کے بنانے، بیچنے، خریدنے، اور کسی کو دینے اور اس کی تیاری میں کسی بھی قسم کی براہ راست مدد کو بھی حرام قرار دیدیا گیا، اسی طرح سود کو حرام قرار دینا تھا تو سود سے ملتے جلتے تمام معاملات کو بھی ناجائز قرار دیدیا گیا، شرک اور بت پرستی کو قرآن نے ظلم عظیم اور ناقابل معافی جرم قرار دیا، تو اس کے اسباب وذرائع پر بھی سخت پابندی لگادی، آفتاب کے طلوع، غروب اور وسط میں ہونے کے اوقات میں چونکہ مشرکین آفتاب کی پرستش کرتے تھے، اگر ان اوقات میں نماز پڑھی جاتی تو آفتاب پرستوں کے ساتھ ایک طرح کی مشابہت ہو جاتی، پھر یہ مشابہت شرک میں مبتلا ہونے کا سبب بن سکتی تھی، اس لئے شریعت نے ان اوقات میں نماز اور سجدہ کو بھی حرام وناجائز کردیا، اسی طرح بتوں کے مجسمے اور تصویریں چونکہ بت پرستی کا قریبی ذریعہ تھیں اس لئے بت تراشی اور تصویر سازی کو حرام قرار دے دیا۔

تَنْبِیْہ: شریعت اسلام نے جن کاموں کو گناہ کا سبب قریب درجۂ اول قرار دے کر حرام کردیا، اس کے حکم حرمت کے بعد وہ سب کے لئے مطلقاً حرام ہے خواہ ابتلاء گناہ کا سبب بنے یا نہ بنے، اب وہ خود ایک شرعی حکم ہے جس کی مخالفت حرام ہے۔

(معارف)

اِنَّ اللّٰہَ وملٰئِکتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ (الآیة) اس آیت میں نبی ﷺ کے اس مرتبہ اور منزلت کا بیان ہے جو ملاء اعلیٰ (آسمانوں) میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں آپ ﷺ کی ثناء وتعریف کرتا ہے، اور آپ پر رحمتیں بھیجتا ہے، اور فرشتے بھی آپ کی بلندیٔ درجات کی دعاء کرتے ہیں، اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عالم سفلی (اہل زمین) کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجیں تا کہ آپ ﷺ کی تعریف میں علوی اور سفلی دونوں عالم متحد ہو جائیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں، ہم درود کس طرح پڑھیں؟ اس پر آپ نے وہ درود ابراہیمی بیان فرمایا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ احزاب)

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اللہ کو ایذاء دینے کا مطلب ان افعال کا ارتکاب کرنا ہے جنہیں وہ ناپسند فرماتا ہے، ورنہ اللہ کو ایذاء پہنچانے پر کون قادر ہے؟ جیسے مشرکین، یہود اور نصاریٰ وغیرہ اللہ کے لئے اولاد ثابت کرتے ہیں، یا جس طرح حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے، زمانہ کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں اس کے رات اور دن کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ جاثیہ)

اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچانے کا مطلب آپ کی تکذیب کرنا اور آپ ﷺ کو شاعر، ساحر، مجنون وغیرہ کہنا ہے، اس کے علاوہ بعض احادیث میں صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو ایذا پہنچانا آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے اور ان کی تنقیص واہانت کو بھی آپ ﷺ نے ایذاء قرار دیا ہے، اور لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ المؤمنینَ والمؤمنات (الآیة) یعنی ان کو بدنام کرنے کے لئے ان پر بہتان باندھنا ان کی تنقیص وتوہین کرنا، جیسے روافض صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ پر سب وشتم کرتے ہیں اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کا ارتکاب انہوں نے نہیں کیا، امام ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں رافضی منکوس القلب ہیں، ممدوح اشخاص کی مذمت کرتے ہیں اور مذموم لوگوں کی مدح کرتے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ جَمْعُ جِلْبَابٍ وهِیَ المِلْحَفَةُ التی تَشْتَمِلُ بها المَرْأَةُ ای یُرْخِیْنَ بَعْضَها علی الْوُجُوْهِ اذا خَرَجْنَ لحَاجَتِهِنَّ الَّا عَیْنًا واحِدَةً **ذٰلِكَ اَدْنٰٓی** اَقْرَبُ الی **اَنْ یُّعْرَفْنَ** بِاَنَّهُنَّ حَرَائِرُ **فَلَا یُؤْذَیْنَ** بِالتَّعَرُّضِ لَهن بخلافِ الاماءِ فلا یُغَطِّیْنَ وُجُوْهَهُنَّ وکان المُنَافِقُوْنَ یَتَعَرَّضُوْنَ لَهُنَّ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا** لِمَا سَلَفَ منهن مِنْ تَرْكِ السَّتْرِ **رَّحِیْمًا**۝ بهن اذا سَتَرَهُنَّ **لَىِٕنْ** لامُ قسمٍ **لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ** عن نِفَاقِهِمْ **وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** بالزِّنا **وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ** المُؤْمِنِیْنَ بِقَوْلِهِم قَدْ اَتَاکُمُ العَدُوُّ وسَرَایَاکم قُتِلُوْا اَوْ هُزِمُوْا **لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ** لَنُسَلِّطَنَّكَ علیهم **ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ** یُسَاکِنُوْنَكَ **فِیْهَآ اِلَّا قَلِیْلًا**۝ ثم یُخْرَجُوْنَ **مَّلْعُوْنِیْنَ** مُبْعَدِیْنَ عَنِ الرَّحْمَةِ **اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا** وُجِدُوْا

أُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا﴿۶۱﴾ اى الحُكْمُ فيهم هذا على جِهَةِ الأمْرِ به سُنَّةَ اللّٰهِ اى سَنَّ اللّٰهُ ذٰلك فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ مِنَ الأُمَمِ الماضِيَةِ فِي مُنافِقِيهم المُرْجِفِيْنَ المُؤْمِنِيْنَ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴿۶۲﴾ منه يَسْئَلُكَ النَّاسُ اى أهْلُ مَكَّةَ عَنِ السَّاعَةِ مَتٰى تَكُوْنُ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُدْرِيْكَ يُعْلِمُكَ بها اى أنْتَ لا تَعْلَمُها لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ تُوجَدُ قَرِيْبًا﴿۶۳﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ أبْعَدَهم وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا﴿۶۴﴾ نارًا شَدِيْدَةً يَدْخُلُوْنَها خٰلِدِيْنَ مُقَدَّرًا خُلُوْدُهم فِيْهَآ أَبَدًا لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا يَحْفَظُهم عنها وَّلَا نَصِيْرًا﴿۶۵﴾ يَدْفَعُها عنهم يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يَا لِلتَّنْبِيْهِ لَيْتَنَآ أَطَعْنَا اللّٰهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُوْلَا﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا اى الأتْبَاعُ منهم رَبَّنَآ إِنَّآ أَطَعْنَا سَادَتَنَا وفي قِراءَةٍ سَادَاتِنا جَمْعُ الجَمْعِ وَكُبَرَآءَنَا فَأَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴿۶۷﴾ طَرِيْقَ الهُدٰى رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ اى مِثْلَيْ عَذابِنا وَالْعَنْهُمْ عَذِّبْهم لَعْنًا كَبِيْرًا﴿۶۸﴾ عَدَدُهُ وفي قِراءَةٍ بالمُوَحَّدَةِ اى عَظِيْمًا.

ترجمہ: اے نبی اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور (دیگر) مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے کرلیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی چادریں (یعنی گھونگھٹ کرلیا کریں) جَلَابِیْب، جِلْبَابٌ کی جمع ہے، مِلْحَفَةٌ اس چادر کو کہتے ہیں جس کو عورت اوڑھتی ہے، یعنی جب اپنی حاجت کے لئے نکلا کریں تو چادر کے کچھ حصے کو اپنے چہروں پر لٹکالیا کریں، سوائے ایک آنکھ کے، یہ اس طریقہ سے جلدی پہچان لی جایا کریں گی کہ یہ آزاد عورتیں ہیں، تو ان کو چھیڑ چھاڑ کرکے تکلیف نہ پہنچائی جائے گی، برخلاف باندیوں کے کہ وہ اپنے چہروں کو نہ ڈھانپیں اور منافقین، عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے، بے پردگی کے بارے میں ان سے جو کچھ اب تک (کوتاہی) ہوچکی ہے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمانے والے ہیں جبکہ وہ ستر کو اختیار کرلیں، قسم ہے لئن میں لام قسمیہ ہے، اگر یہ منافقین اپنے نفاق سے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں زنا کا مرض ہے اور وہ لوگ جو مدینہ یعنی مومنین میں یہ کہہ کر افواہیں پھیلاتے ہیں کہ تم پر دشمن چڑھ آیا اور تمہارا لشکر قتل کردیا گیا یا شکست کھا گیا، باز نہ آئے، تو ہم آپ کو ان پر ضرور مسلط کردیں گے اس کے بعد وہ آپ کے پڑوس مدینہ میں سکونت اختیار نہ کرسکیں گے مگر بہت مختصر مدت پھر وہ نکالدیئے جائیں گے حال یہ ہے کہ وہ تیری طرف سے دھتکارے ہوئے ہوں گے، (یعنی) رحمت سے دور کئے ہوئے ہوں گے، جہاں کہیں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور مار دھاڑ کیجائے گی یعنی یہ حکم ان کے بارے میں امر خداوندی کی رو سے ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں بھی جو سابق میں گذر چکے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے امم ماضیہ میں بھی مومنین میں افواہیں پھیلانے والے منافقوں کے لئے یہی طریقہ رکھا تھا، اور آپ اللہ کے دستور میں کسی قسم کی تبدیلی نہ پائیں گے لوگ یعنی اہل مکہ آپ سے قیامت کے بارے میں معلوم کرتے ہیں کہ کب آئے گی؟ تو آپ کہہ دیجئے کہ اس کا (صحیح) علم تو اللہ ہی کو ہے اور آپ کو کیا معلوم؟ یعنی آپ اس کے بارے میں نہیں جانتے، عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع ہوجائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور کر رکھا ہے اور ان کے لئے شدید بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے جس میں وہ داخل ہوں گے

اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ان کے لئے خلود مقدر ہو چکا ہے نہ کوئی یار پائیں گے کہ ان کی آگ سے حفاظت کر سکے اور نہ مددگار کہ ان سے اس آگ کو دفع کر سکے جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے (تو حسرت سے) کہیں گے کاش ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے یا تنبیہ کے لئے ہے اور ان میں سے تبعین کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں کی اور ایک قراءت میں سـادا تنا جمع کے ساتھ ہے اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی سو انہوں نے ہم کو راہ ہدایت سے ہٹا دیا اے ہمارے پروردگار ان کو دوہرا عذاب دے یعنی ہمارے عذاب کا دوگنا، اور ان پر تعداد میں کثرت سے لعنت فرما اور ایک قراءت میں بائے موحدہ کے ساتھ ہے یعنی (کبیرا ہے) بڑی لعنت۔

تَحقیق وتَرکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: یُدْنِینَ اِدْناء سے مضارع جمع مؤنث غائب، وہ نیچا کرلیا کریں، مادہ دُنُوٌّ ہے یُدْنِیْنَ میں یہ بھی احتمال ہے کہ قول کا مقولہ ہو اور خبر بمعنی امر ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ جواب امر ہو، جیسا کہ قُل لعبادی الذین آمنوا یقیموا الصلوۃ.

قَوْلُہٗ: لَا یُؤْذَیْنَ اِیذاءٌ سے مضارع جمع مؤنث غائب منفی مجہول، ان عورتوں کو ایذاء نہ دی جائے۔

قَوْلُہٗ: اَلْمُرْجِفُوْنَ یہ اِرْجَافٌ سے اسم فاعل ہے رَجْفَۃٌ سے مشتق ہے اس کے معنی حرکت دینے کے ہیں اخبار کاذبہ اور افواہوں کو بھی رجفۃٌ کہنے لگے ہیں، اس لئے کہ افواہوں سے بھی افراتفری اور ہیجان برپا ہو جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: مَلْعُونِیْنَ فعل مقدر کے فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای یُخْرَجُوْنَ ملعونین، شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے یُخرجون محذوف مان کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَا یُدْرِیْكَ مَا مبتداء اور یُدْرِیْكَ جملہ ہو کر خبر، استفہام انکاری ہے، شارح نے انت لا تعلمھا سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: یَوْمَ تُقَلَّبُ یہ یَقُوْلُوْنَ کا ظرف مقدم ہے خَالِدِیْنَ اور نَصِیْرًا کا بھی ظرف ہو سکتا ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: یـقـولـونَ یا لَیْتَنَا جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے جو کہ کلام سابق سے پیدا ہوتا ہے، سابق میں جب جہنمیوں کی حالت زار کا ذکر کیا گیا تو سوال پیدا ہوا کہ وہ کیا کریں گے؟ تو بتایا گیا مافات پر حسرت کے طور پر کہیں گے یَا لَیْتَنَا اور وُجُوْهُهُمْ کی ضمیر یا نفس وجوہ سے حال بھی ہو سکتا ہے۔

تَفسیر وتَشریح

اس آیت میں نبی ﷺ کی بیویوں بیٹیوں اور عام مومن عورتوں کو گھر سے باہر نکلتے وقت پردے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے واضح ہے کہ پردے کا حکم علماء کا ایجاد کردہ نہیں ہے، جیسا کہ آج کل کے بعض جدید تعلیم یافتہ، باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں، یا

اس کو قرار واقعی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے کہ جو قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے، اس سے اعراض، انکار، اور بے پردگی پر اصرار کفر تک پہنچا سکتا ہے، نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ آپ ﷺ کی صرف ایک صاحبزادی نہیں تھی، جیسا کہ رافضیوں کا عقیدہ ہے بلکہ آپ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں جیسا کہ قرآنی نص سے واضح ہے اور یہ چار تھیں جیسا کہ تاریخ و سیر اور احادیث کی کتابوں سے ثابت ہے۔

سابقہ آیات میں مسلمانوں کو ان چیزوں پر تنبیہ کی گئی تھی جن سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت اور تکلیف پہنچی تھی، مگر کچھ مسلمان ناواقفیت یا بے توجہی کی وجہ سے بلاقصد ایذاء میں مبتلا ہو جاتے تھے، مثلاً آپ کے گھر پر بغیر دعوت کے پہنچ جانا، یا دعوت کے وقت سے بہت پہلے آکر بیٹھ جانا، یا کھانے کے بعد آپ کے گھر میں باہمی گفتگو میں مشغول ہو کر دیر تک بیٹھے رہنا، جن پر آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ (الآیة) نازل ہوئی، یہ ایذاء اور تکلیف تو وہ تھی جو بلاقصد و ارادہ آپ کو پہنچ جاتی تھی، اس پر تو صرف تنبیہ کر دینا ہی کافی سمجھا گیا، مذکورۃ الصدر دو آیتوں میں اس تکلیف وایذا کا ذکر ہے جو مخالفین اسلام اور منافقین کی طرف سے قصداً آپ کو پہنچائی جاتی تھی، اس بالقصد و بالارادہ ایذاء پر اللہ تعالیٰ نے لعنت اور عذاب شدید کی وعید سنائی ہے۔

اللہ کو ایذاء پہنچانے سے مراد ایسے اعمال واقوال کا ارتکاب ہے جو شرعاً ممنوع وحرام ہیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور ہر تاثر وانفعال سے منزہ ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کو کوئی تکلیف پہنچا سکے، مگر ایسے افعال واقوال کا ارتکاب کہ جن سے عادۃ ایذاء ہوتی ہے، ان کو ایذاء اللہ سے تعبیر کر دیا گیا ہے یا حوادث ومصائب کے وقت زمانہ کو برا کہنا کہ درحقیقت فاعل حقیقی تو حق تعالیٰ ہی ہیں، یہ لوگ تو زمانہ کو فاعل سمجھ کر گالیاں دیتے تھے مگر درحقیقت وہ فاعل حقیقی تک پہنچتی تھیں۔

اور دیگر بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ دراصل مقصد رسول اللہ ﷺ کی ایذاء سے روکنا اور اس پر وعید کرنا ہے مگر آیت میں ایذاء رسول کو ایذاء حق کے عنوان سے تعبیر کر دیا گیا، کیونکہ آپ کو ایذاء پہنچانا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو ایذاء پہنچانا ہے، اور قرآن کے سیاق وسباق سے بھی اسی دوسرے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ پہلے بھی ایذاء رسول کا بیان تھا اور آگے بھی اسی کا بیان آرہا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ایذاء کا اللہ تعالیٰ کے لئے ایذاء ہونا حضرت عبدالرحمٰن بن مغفل مزنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت سے ثابت ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اللّٰهَ اللّٰهَ فِي اَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهم فَقَدْ آذَانِي وَمَنْ آذَانِي فقد آذى اللّٰهَ وَمَنْ آذى اللّٰهَ يُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَ. (ترمذی شریف)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو ان کو میرے بعد اپنے اعتراضات وتنقیدات کا نشانہ نہ بناؤ کیونکہ ان سے جس نے محبت کی میری محبت کی وجہ سے کی، اور جس نے بغض رکھا

میرے بغض کی وجہ سے رکھا، اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذاء پہنچائی اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء دی اور جس نے اللہ کو ایذاء دی تو قریب ہے کہ اللہ اس سے گرفت کرے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایذاء سے اللہ کو ایذاء ہوتی ہے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں سے کسی کو ایذاء پہنچانا یا ان کی شان میں گستاخی کرنا رسول اللہ ﷺ کی ایذاء ہے۔

شان نزول:

اس آیت کے شان نزول کے متعلق متعدد روایات ہیں، بعض میں ہے کہ یہ آیت حضرت صدیقہ کو تہمت لگانے کے بارے میں نازل ہوئی، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفیہ سے آپ ﷺ کے نکاح کے وقت بعض منافقین نے طعن کیا تھا اس کے متعلق نازل ہوئی مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ہر ایسے معاملہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچے۔

مسئلہ: جو شخص رسول اللہ ﷺ کو کسی طرح کی ایذاء پہنچائے، آپ کی ذات باصفات میں کوئی عیب نکالے خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً وہ کافر ہو گیا، اور اس آیت کی رو سے اس پر لعنت دنیا میں بھی ہوگی اور آخرت میں بھی۔
(کذا قال القاضی ثناء اللہ فی التفسیر المظھری)

دوسری آیت میں عام مومنین کو ایذاء پہنچانے کے حرام اور بہتان عظیم ہونے کو بیان کیا ہے جبکہ وہ اس کے شرعاً مستحق نہ ہوں، کسی مسلمان کو بغیر وجہ شرعی تکلیف پہنچانا حرام ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا مَعَ نَبِيِّكُمْ **كَالَّذِيْنَ آذَوْا مُوْسٰى** بِقَوْلِهِمْ مَثَلًا مَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ آدِرُ **فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا** بِأَنْ وَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ لِيَغْتَسِلَ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِهِ حَتّٰى وَقَفَ بَيْنَ مَلَإٍ مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ فَأَدْرَكَهُ مُوْسٰى فَأَخَذَ ثَوْبَهُ وَاسْتَتَرَ بِهِ فَرَأَوْهُ لَا أُدْرَةَ بِهِ وَهِيَ نَفْخَةٌ فِي الْخُصْيَةِ **وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا** ﴿۶۹﴾ ذَا جَاهٍ وَمِمَّا أُوْذِيَ بِهِ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَسَمَ قِسْمًا فَقَالَ رَجُلٌ هٰذِهِ قِسْمَةٌ مَا أُرِيْدَ بِهَا وَجْهُ اللّٰهِ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذٰلِكَ وَقَالَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰى لَقَدْ أُوْذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ **يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا** ﴿۷۰﴾ صَوَابًا **يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ** يَتَقَبَّلُهَا **وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا** ﴿۷۱﴾ نَالَ غَايَةَ مَطْلُوْبِهِ **إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ** الصَّلَوَاتِ وَغَيْرَهَا مِمَّا فِي فِعْلِهَا مِنَ الثَّوَابِ وَتَرْكِهَا مِنَ الْعِقَابِ **عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ** بِأَنْ خَلَقَ فِيْهَا فَهْمًا وَنُطْقًا **فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ** خِفْنَ **مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ** آدَمُ بَعْدَ عَرْضِهَا عَلَيْهِ **إِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا** لِنَفْسِهِ بِمَا

حملَهُ جَهُوْلًا ﴿٧٢﴾ به لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ اللامُ مُتعلّقةٌ بعَرضْنَا المُتَرَتّبِ عليه حَمْلُ ادَمَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ المُضَيِّعِيْنَ الامَانَةَ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ المُؤدِّيْنَ الامَانَةَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا للمُؤمنِيْنَ رَّحِيْمًا ﴿٧٣﴾ بهم.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے نبی کے ساتھ ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو مثلاً یہ کہہ کر ایذاء دی کہ موسیٰ کو ہمارے ساتھ (برہنہ) غسل کرنے سے سوائے اس کے کچھ مانع نہیں کہ وہ عظیم الخصیتین ہے پس جو بات انہوں نے کہی تھی اللہ نے اس سے اُن کو بری فرمادیا، اس طریقہ سے کہ (ایک روز) غسل کے ارادہ سے (موسیٰ نے) اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے، تو پتھر ان کے کپڑے لیکر فرار ہوگیا، اور بنی اسرائیل کے سرداروں کے درمیان جا کر رکا، تو موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو وہاں جا پکڑا اور اس سے اپنے کپڑے لئے چنانچہ ان لوگوں نے موسیٰ کو دیکھ لیا کہ ان کو عظیم الخصیتین ہونے کا مرض نہیں ہے اور اُدْرَۃ خصیتین میں ہوا بھر جانے کو کہتے ہیں اور موسیٰ اللہ کے نزدیک بڑے باعزت تھے یعنی صاحب مرتبہ تھے، اور ان باتوں میں سے جن کے ذریعہ ہمارے نبی ﷺ کو اذیت پہنچائی گئی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے (ایک مرتبہ مال غنیمت) کی تقسیم فرمائی تو ایک شخص نے کہا یہ ایسی تقسیم ہے کہ اس سے اللہ کی خوشنودی مقصد نہیں ہے، تو نبی ﷺ کو اس سے تکلیف پہنچی اور فرمایا اللہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر رحم کرے کہ اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچائے گئے پھر بھی صبر کیا، اس کو بخاری نے روایت کیا ہے اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی صحیح بات کہا کرو اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں) تمہارے اعمال کی اصلاح فرمائے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا، یعنی غایت مقصود کو حاصل کرے گا، ہم نے یہ امانت یعنی نماز وغیرہ کہ جس کے کرنے میں ثواب اور ترک میں عذاب ہے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی اس طریقہ پر کہ ہم نے اس میں سمجھ اور گویائی پیدا فرمائی تو انہوں نے اس کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور اس سے ڈر گئے اور انسان یعنی آدم نے اس امانت کو اس پر پیش کئے جانے کے بعد قبول کر لیا بلاشبہ انسان بار امانت کو اٹھانے کی وجہ سے اپنے اوپر بہت ظلم کرنے والا اور بار امانت اٹھانے کے انجام سے بے خبر ہے اور یہ (عرض امانت) اس لئے ہوا کہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو کہ امانت کو ضائع کرنے والے ہیں سزا دے لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ کا لام عَرَضْنَا سے متعلق ہے، جس پر آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا (بار امانت) اٹھانا مرتب ہے اور اللہ تعالیٰ (حق) امانت ادا کرنے والے مومن و مومنات کی توبہ قبول فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: لا اُدْرَۃَ بِہٖ. اُدْرَۃ ایک مرض ہے جس میں مادۂ غلیظ یا ریح غلیظ خصیتین میں اتر آتا ہے جس کی وجہ سے خصیتین کا حجم بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے، ایسے شخص کو آدر کہتے ہیں، بروزن آدم۔

قَوْلَہٗ: مِمَّا قَالُوْا ما مصدریہ اگر ہے تو تقدیر عبارت ہوگی فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ من قولهم اور اگر موصولہ ہو تو تقدیر عبارت ہوگی فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ ای مِنَ الَّذِیْ قَالُوْا.

قَوْلَہٗ: بِهٖ ای بالثوب.

قَوْلَہٗ: مِمَّا اس میں مِن، مع کے معنی میں ہے ای مَعَ مَا فِی فِعْلِهَا.

قَوْلَہٗ: مِنَ الثواب یہ ما کا بیان ہے۔

قَوْلَہٗ: اَبَيْنَ یہ اِبَاءٌ ماضی جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔

سَوَال: اَبَيْنَ، يَحْمِلْنَ اور أشفقْنَ یہ تینوں جمع مؤنث کے صیغے ہیں اور ان کا مرجع سمٰوات، ارض، اور جبال ہے ان میں سمٰوات اور ارض مؤنث ہیں اور جبال مذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے مؤنث کو غلبہ دیکر مؤنث کی ضمیریں لائی گئیں ہیں جبکہ غلبہ مذکر کو دیا جاتا ہے۔

جَوَاب: چونکہ سمٰوات اور جبال جمع تکسیر غیر عاقل ہیں لہٰذا ان کے لئے مونث کی ضمیر لانا جائز ہے۔

قَوْلَہٗ: وَحَمَلَهَا الإنسان اس کا معطوف علیہ محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ فَعَرَضْنَاهَا فَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنے قول بَعدَ عرضِهَا عليه سے اسی تقدیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلَہٗ: ظَلُوْمًا لِنفسه ای اِتْعَابُهٗ اِیَّاهَا یعنی اپنے نفس کو مشقت میں ڈالنا، شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنے قول بِمَا حَمَلَهٗ سے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ ظلم ممدوح ہے، اور جن حضرات نے اس کے بیان کرنے میں توقف کیا ہے وہ ظلم سے حقیقی ظلم سمجھے ہیں اور یہ حد شرع سے تجاوز ہے۔

قَوْلَہٗ: بِهٖ ای بعاقبته (انجام)۔

قَوْلَہٗ: لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ المنافقِيْنَ لام عاقبت کا ہے ای حَمَلَهَا الإنسانُ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ بعضَ أفرادِ الذين لَمْ يُرَاعُوْهَا.

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى اس آیت کی تفسیر حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نہایت ہی باحیا اور شرمیلے تھے، چنانچہ انہوں نے کبھی اپنا جسم لوگوں کے سامنے ننگا نہیں کیا، بنی اسرائیل کہنے لگے شاید موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے جسم میں برص کے داغ یا کوئی آفت مثلاً نفخ الخصیتین کا مرض ہے جس کی وجہ سے ہر وقت لباس میں بدن کو ڈھکا چھپا رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی اس طرح عیوب سے براءت کا اظہار فرما دیں، ایک مرتبہ موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے خلوت میں غسل کرنے کے لئے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے جب غسل سے فارغ ہو کر اپنے کپڑے لینا چاہے تو یہ پتھر (بحکم خداوندی حرکت میں آ گیا) اور کپڑے لے کر بھاگنے لگا، موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اپنا عصا اٹھا کر پتھر کے پیچھے یہ کہتے

ہوئے دوڑے، ثوبی یا حجر ثوبی یا حجر مگر پتھر چلتا ہی رہا، یہاں تک کہ یہ پتھر ایسی جگہ جا کر ٹھہرا جہاں بنی اسرائیل کا ایک مجمع تھا، بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو سرتاپا ننگا دیکھا تو بہترین صحیح سالم بدن دیکھا کہیں کوئی نقص یا عیب نہیں تھا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے سب کے روبرو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی ان عیوب سے براءت ظاہر فرمادی، جن کا گمان بنی اسرائیل کرتے تھے، پتھر وہاں پہنچ کر ٹھہر گیا تو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے کپڑے اٹھا کر پہن لئے، پھر موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے پتھر کو عصا سے مارنا شروع کیا، اس پتھر میں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی ضرب سے کئی نشان پڑ گئے۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء، ملخصًا)

یہ واقعہ بیان فرما کر آپ نے فرمایا، قرآن کی اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی جس ایذاء کا ذکر ہے اس کی تفسیر اس قصہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی مذکورہ اذیت کے قصہ کے علاوہ اور بھی اذیت کے بعض قصے مذکور ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قارون نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے وعظ ونصیحت سے تنگ آ کر ایک فاحشہ عورت کو کچھ رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ موسیٰ جب مجمع عام میں وعظ فرمائیں تو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر اپنے ساتھ ملوث ہونے کا الزام لگا دے، تاکہ ان کی خوب رسوائی اور بدنامی ہو جائے اور آئندہ کبھی وعظ ونصیحت کی جرأت نہ کر سکیں، چنانچہ فاحشہ عورت نے منصوبے کے مطابق مجمع عام میں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر یہ الزام لگا دیا جس سے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو بہت تکلیف پہنچی، آیت میں یہی اذیت مراد ہے۔

ایک تیسری روایت میں اذیت سے وہ اذیت مراد ہے جو بنی اسرائیل نے یہ کہہ کر لگائی کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کو قتل کر دیا، اس کی صورت یہ ہوئی، ایک روز حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ایک پہاڑ پر تشریف لے گئے، وہاں بتقدیر الٰہی حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کو موت آ گئی، تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ پر یہ الزام لگا دیا کہ ہارون کو تم نے قتل کر دیا اس لئے کہ وہ ہم سے آپ سے زیادہ محبت کرنے والے اور مہربان تھے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اس سے بہت اذیت پہنچی۔ (روح المعانی ملخصًا)

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے حوالے سے اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہمارے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کو بنی اسرائیل کی طرح ایذاء مت پہنچاؤ، اور آپ ﷺ کی بابت ایسی بات مت کرو جسے سن کر آپ قلق اور اضطراب محسوس کریں، جیسا کہ مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر ایک شخص نے کہا کہ اس میں عدل وانصاف سے کام نہیں لیا گیا، جب آپ ﷺ تک یہ الفاظ پہنچے تو غضبناک ہوئے حتی کہ آپ ﷺ کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر اللہ کی رحمت ہو، انہیں اس سے کہیں زیادہ ایذاء پہنچائی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا۔ (بخاری شریف کتاب الانبیاء)

سَدِیْدٌ، تسدید السهم سے ماخوذ ہے یعنی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے تاکہ ٹھیک نشانہ پر لگے، اسی طرح تمہاری زبان سے نکلی ہوئی بات اور تمہارا کردار راستی پر مبنی ہو، حق وصداقت سے بال برابر انحراف نہ ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے اعمال کی اصلاح ہوگی اور مزید مرضیات کی توفیق سے نوازے جاؤ گے، اور اگر کچھ کمی کوتاہی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیں گے۔

جب اللہ تعالیٰ اہل طاعت کا اجر وثواب اور اہل معصیت کا عذاب وعقاب بیان فرما چکے تو اب احکام شرعیہ اور ان کی صعوبت کا تذکرہ فرمارہے ہیں، امانت سے وہ احکام شرعیہ اور فرائض وواجبات مراد ہیں، جن کی ادائیگی پر ثواب اور ان سے اعراض وانکار پر عذاب ہوگا، جب یہ تکالیف شرعیہ آسمان وزمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئیں، تو وہ ان کے اٹھانے سے ڈر گئے لیکن انسان پر یہ چیزیں پیش کی گئیں تو اطاعت الٰہی (امانت) کے اجر وثواب اور اس کی فضیلت کو دیکھ کر اس بار گراں کے اٹھانے پر آمادہ ہوگیا، احکام شرعیہ کو امانت سے تعبیر کر کے اشارہ کر دیا کہ ان کی ادائیگی انسانوں پر اسی طرح واجب ہے جس طرح امانت کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ آسمان وزمین، پہاڑ وغیرہ جو غیر ذی روح اور بظاہر بے علم و بے شعور ہیں ان کے سامنے پیش کرنے اور ان کے جواب دینے کی کیا صورت ہوسکتی ہے، بعض حضرات نے تو اس کو مجاز اور تمثیل قرار دیا ہے، جیسے قرآن کریم نے ایک موقع پر بطور تمثیل فرمایا لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ یعنی ہم اگر یہ قرآن پہاڑوں پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ بھی اس کے بوجھ سے جھک جاتا اور اللہ کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا، اس میں بطور فرض کے یہ مثال دی گئی ہے، یہ نہیں کہ حقیقۃً پہاڑ پر اتارا ہو، ان حضرات نے آیت اِنَّا عَرَضْنَا کو بھی اسی طرح تمثیل ومجاز قرار دیدیا۔

مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جس آیت سے تمثیل پر استدلال کیا گیا ہے وہاں تو قرآن کریم نے حرف لَوْ سے بیان کر کے اس کا قضیہ فرضیہ ہونا خود واضح کر دیا ہے، اور آیت اِنَّا عَرَضْنَا میں ایک واقعہ کا اثبات ہے، جس کو مجاز وتمثیل پر حمل کرنا بغیر کسی دلیل کے جائز نہیں، اور اگر دلیل میں یہ کہا جائے کہ یہ چیزیں بے حس اور بے شعور ہیں، ان سے سوال وجواب نہیں ہوسکتا تو یہ قرآن کی دوسری تصریحات سے مردود ہے، کیونکہ قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ یعنی کوئی شئ ایسی نہیں کہ جو خدا کی حمد وتسبیح نہ کرتی ہو، اس آیت سے ثابت ہوا کہ ادراک وشعور تمام مخلوقات میں ہے یہاں تک کہ جمادات میں بھی موجود ہے، اور اس ادراک وشعور کی وجہ سے ان کو مخاطب بھی بنایا جاسکتا ہے، اور وہ جواب بھی دے سکتے ہیں۔

عرض امانت اختیاری تھا جبری نہیں:

رہا یہ سوال کہ جب حق تعالیٰ نے آسمان زمین وغیرہ پر اس امانت کو خود پیش فرمایا تو ان کو انکار کی مجال کیسے ہوئی؟

جَوَابٌ: جواب یہ ہے کہ عرض امانت کے بعد ان کو اختیار دیدیا گیا تھا کہ قبول کریں یا نہ کریں، ابن کثیر نے متعدد سندوں کے ساتھ عرض امانت کی یہ تفصیل نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول آسمان پر پھر زمین پر پھر پہاڑوں پر امانت کو اختیاری صورت میں پیش کیا کہ ہماری امانت (یعنی طاعت احکام) کا بوجھ اٹھالو اس معاوضہ کے ساتھ جو اس کے لئے مقرر ہے، ہر ایک نے سوال کیا کہ معاوضہ کیا ہے؟ تو بتلایا گیا حق امانت (یعنی اطاعت احکام) تم نے پوری طرح ادا کیا

توتمہیں جزاء وثواب اور اللہ کے نزدیک اعزاز خاص ملے گا، اور اگر تم نے تعمیل احکام نہ کی یا اس میں کوتاہی کی تو عذاب وسزا ملے گی، ان سب بڑے بڑے اجسام نے سن کر جواب دیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم اب بھی آپ کے تابع فرمان چل رہے ہیں، لیکن جب ہمیں اختیار دیدیا گیا تو ہم اس بار کو اٹھانے سے اپنے کو عاجز پاتے ہیں، ہم نہ ثواب چاہتے ہیں اور نہ عذاب کے متحمل ہیں۔

اور تفسیر قرطبی میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان وزمین وغیرہ پر عرض امانت اور ان کے جواب کے بعد حق تعالیٰ نے حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو خطاب فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے اپنی امانت آسمان اور زمین کے سامنے پیش کی تو وہ اس کا بار اٹھانے سے عاجز ہو گئے، تو کیا تم اس بار امانت کو مع اس چیز کے جو اس کے ساتھ ہے اٹھاؤ گے، آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے عرض کیا، اے پروردگار وہ چیز جو اس کے ساتھ ہے کیا ہے؟ جواب ملا اگر حمل امانت میں پورے اترے (یعنی اطاعت مکمل کی) تو آپ کو جزا ملے گی جو اللہ کے قرب اور رضا اور جنت کی دائمی نعمتوں کی صورت میں ہوگی، اور اگر اس امانت کو ضائع کیا تو سزا ملے گی، آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے اللہ تعالیٰ کے قرب ورضا میں ترقی ہونے کی شوق میں اس کو اٹھالیا، یہاں تک کہ بار امانت اٹھانے پر اتنا وقت بھی نہ گذرا تھا، جتنا ظہر سے عصر تک ہوتا ہے کہ اس میں شیطان نے ان کو مشہور لغزش میں مبتلا کردیا، اور جنت سے نکالے گئے۔

عرض امانت کا واقعہ کب پیش آیا؟

ظاہر یہ ہے کہ یہ عرض امانت کا واقعہ یثاق ازل یعنی عہد الست سے پہلے کا ہے، کیونکہ عہد الستُ بربکم اسی بار امانت کی پہلی کڑی اور اپنے منصب کا حلف اٹھانے کے قائم مقام ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ظلوم سے مراد اپنے نفس پر ظلم کرنے والا (یعنی خود کو مشقت میں ڈالنے والا) اور جہول سے مراد ہے انجام سے ناواقف اور بے خبر، اس جملہ سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مطلقاً انسان کی مذمت میں آیا ہے، کہ اس نادان نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ اتنا بڑا بار اٹھالیا جو اس کی طاقت سے باہر تھا، مگر قرآنی تصریحات کے مطابق واقعہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ انسان سے مراد حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ہوں گے یا پوری نوع انسانی؟ ان میں آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ تو نبی معصوم ہیں، انہوں نے جو بار اٹھایا تھا اس کا حق بھی یقینی طور پر ادا کردیا، اسی کے نتیجے میں ان کو خلیفۃ اللہ بنا کر زمین پر بھیجا گیا، ان کو فرشتوں کا مسجود بنایا گیا، اور آخرت میں ان کا مقام فرشتوں سے بھی بلند وبالا، ارفع واعلیٰ ہے۔ اور اگر نوع انسانی ہی مراد ہو تو اس پوری نوع میں لاکھوں تو انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ ہیں اور کروڑوں وہ صالحین اور اولیاء اللہ ہیں جن پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں، جنہوں نے اپنے عمل سے ثابت کردیا کہ وہ اس امانت الٰہیہ کے اہل اور مستحق تھے، انہیں حق امانت کو ادا کرنے والوں کی بناء پر قرآن حکیم نے نوع انسانی کو اشرف المخلوقات ٹھہرایا، وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ اس سے ثابت ہوا کہ نہ آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قابل مذمت ہیں نہ پوری نوع انسانی،

اسی لئے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ جملہ مذمت کے لئے نہیں بلکہ اکثر افراد نوع انسانی کے اعتبار سے بیان واقعہ کے طور پر ارشاد ہوا ہے، مطلب یہ ہے کہ نوع انسانی کی اکثریت ظلوم وجہول ثابت ہوئی جس نے اس امانت کا حق ادا نہ کیا، اور خسارہ میں پڑے چونکہ اکثریت کا یہ حال تھا اس لئے اس کو نوع انسانی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ (قرطبی)

خلاصہ یہ کہ آیت میں ظلوم وجہول خاص ان افراد انسانی کو کہا گیا ہے جو احکام شرعیہ کی اطاعت میں پورے نہ اترے، اور امانت کا حق ادا نہ کیا یعنی امت کے کفار ومشرکین وفساق ومنافقین، یہ تفسیر حضرت ابن عباس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اور ابن جبیر وغیرہ سے منقول ہے۔ (قرطبی)

اور بعض حضرات نے کہا کہ ظلوم وجہول بھولے بھالے کے معنی میں بطور محبانہ خطاب کے ہے، کہ اس نے اللہ جل شانہ کی محبت اور اس کے مقام قرب کی جستجو میں انجام کو نہیں سوچا اس طرح یہ لفظ پوری نوع انسانی کے لئے بھی ہو سکتا ہے، تفسیر مظہری میں حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے صوفیاء کرام سے اسی طرح کا مضمون منقول ہے۔ (معارف)

تمت بحمد اللہ

سُوْرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ السَّبَأ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ، الْاٰيَة وَهِيَ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ سبا مکی ہے سوائے وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ، الْاٰيَة کے، اور اس کی چوّن (۵۴) یا پچپن (۵۵) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمِدَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَفْسَهٗ بِذٰلِكَ وَالْمُرَادُ بِهِ الثَّنَاءُ بِمَضْمُوْنِهٖ مِنْ ثُبُوْتِ الْحَمْدِ وَهُوَ الْوَصْفُ بِالْجَمِيْلِ لِلّٰهِ تَعَالٰى الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مُلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ كَالدُّنْيَا يَحْمَدُهٗ اَوْلِيَاؤُهٗ اِذَا دَخَلُوا الْجَنَّةَ وَهُوَ الْحَكِيْمُ فِيْ فِعْلِهٖ الْخَبِيْرُ① بِخَلْقِهٖ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ يَدْخُلُ فِي الْاَرْضِ كَمَاءٍ وَغَيْرِهٖ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا كَنَبَاتٍ وَغَيْرِهٖ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ وَغَيْرِهٖ وَمَا يَعْرُجُ يَصْعَدُ فِيْهَا مِنْ عَمَلٍ وَغَيْرِهٖ وَهُوَ الرَّحِيْمُ بِاَوْلِيَائِهٖ الْغَفُوْرُ② لَهُمْ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ الْقِيَامَةُ قُلْ لَهُمْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عٰلِمِ الْغَيْبِ بِالْجَرِّ صِفَةٌ وَالرَّفْعِ خَبَرُ مُبْتَدَاٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ عَلَّامِ بِالْجَرِّ لَا يَعْزُبُ يَغِيْبُ عَنْهُ مِثْقَالُ وَزْنُ ذَرَّةٍ اَصْغَرِ نَمْلَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ③ بَيِّنٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ لِيَجْزِيَ فِيْهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ④ حَسَنٌ فِي الْجَنَّةِ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْ اِبْطَالِ اٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنِ مُعٰجِزِيْنَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ هُنَا وَفِيْمَا يَاْتِيْ مُعَاجِزِيْنَ اَيْ مُقَدِّرِيْنَ عَجْزَنَا اَوْ مُسَابِقِيْنَ لَنَا فَيَفُوْتُوْنَنَا لِظَنِّهِمْ اَنْ لَا بَعْثَ وَلَا عِقَابَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ سَيِّئِ الْعَذَابِ اَلِيْمٌ⑤ مُؤْلِمٌ بِالْجَرِّ وَالرَّفْعِ صِفَةٌ لِرِجْزٍ اَوْ عَذَابٍ وَيَرَى يَعْلَمُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مُؤْمِنُوْا اَهْلِ الْكِتٰبِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اَيِ الْقُرْاٰنُ هُوَ فَصْلُ الْحَقَّ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ طَرِيْقِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ⑥ اَيِ اللّٰهِ ذِي الْعِزَّةِ الْمَحْمُوْدَةِ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اى قال بعضهم على جهة التعجب لبعض هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ هو محمد يُنَبِّئُكُمْ يخبركم انكم اِذَا مُزِّقْتُمْ قطعتم كُلَّ مُمَزَّقٍ بمعنى تمزيق اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى بفتح الهمزة للاستفهام واستغنى بها عن همزة الوصل عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فى ذلك اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ جنون تخيل به ذلك قال تعالى بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ المشتملة على البعث والحساب فِي الْعَذَابِ فيها وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝ من الحق فى الدنيا اَفَلَمْ يَرَوْا ينظروا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ما فوقهم وما تحتهم مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا بسكون السين وفتحها قطعة مِّنَ السَّمَآءِ وفى قراءة فى الافعال الثلثة بالياء اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ المرئى لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ راجع الى ربه تدل على قدرة الله تعالى على البعث وما يشاء.

تَرجَمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے (اس کلام) کے ذریعہ اپنی تعریف فرمائی ہے، اور مراد اس کلام سے، اس کلام کے مضمون کے ذریعہ، کہ وہ ثبوت حمد ہے تعریف کرنا ہے، اور حمد اللہ تعالیٰ کے لئے صفات کمالیہ کا بیان کرنا ہے، ملک کے اعتبار سے اور تخلیق کے اعتبار سے اور غلام ہونے کے اعتبار سے اور دنیا کے مانند آخرت میں بھی اسی کی حمد ہے، اس کے اولیاء جب جنت میں داخل ہوں گے تو اس کی حمد بیان کریں گے وہ اپنے فعل میں بڑی حکمتوں والا ہے اور اپنی مخلوق سے باخبر ہے اور وہ ہر اس شئ سے واقف ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے جیسا کہ پانی وغیرہ اور اس شئ سے (بھی) جو زمین سے نکلتی ہے مثلاً گھاس وغیرہ اور اس سے (بھی) جو آسمان سے نازل ہوتی ہے جیسا کہ رزق وغیرہ اور اس سے بھی جو آسمان کی طرف چڑھتی ہے (مثلاً) اعمال وغیرہ وہ اپنے اولیاء پر رحم کرنے والا ہے (اور) ان کو معاف کرنے والا ہے اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی آپ ان سے کہہ دیجئے قسم ہے میرے رب کی جو عالم الغیب ہے کہ وہ تم پر یقیناً آئے گی (عالِم) کے جر کی صورت میں (رَبِّی) کی صفت ہے اور رفع کی صورت میں مبتداء کی خبر ہے اور ایک قراءت میں علاّم جر کے ساتھ ہے اس سے ایک ذرہ برابر کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، ذرہ، صغیر ترین چیونٹی کو کہتے ہیں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی چیز کھلی کتاب میں موجود ہے اور وہ لوح محفوظ ہے تاکہ روز قیامت وہ ایمان والوں کو اور نیکوکاروں کو اچھا صلہ عطا کرے، یہی لوگ ہیں جن کے لئے مغفرت اور جنت میں عزت کی روزی ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں قرآن کو باطل کر کے (رسول) کو نیچا دکھانے کی کوشش کی اور ایک قراءت میں یہاں اور بعد میں مُعَاجِزِيْنَ ہے یعنی ہم کو عاجز فرض کرتے ہوئے یا ہم کو مغلوب گمان کرتے ہوئے، کہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، ان کے یہ گمان کرنے کی وجہ سے کہ نہ بعث ہے اور نہ عقاب، ایسے لوگوں کے لئے بدترین عذاب ہے اَلِيْمٌ بمعنی مؤلم جر اور رفع کے ساتھ رِجْزٍ کی یا عذابٌ کی

صفت ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے (یعنی) اہل کتاب میں سے (آپ ﷺ پر) ایمان لانے والے جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب اس قرآن کو جو آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے (ھو) یَرَیٰ کے دو مفعولوں کے درمیان فصل ہے اور وہ عزت والے مستحق ستائش خدا کے راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور یہ کافر کہتے ہیں یعنی آپس میں تعجب کے طور پر کہتے ہیں کیا ہم تم کو ایک ایسا شخص بتائیں؟ وہ محمد ہے جو تم کو اس بات کی خبر دیتا ہے کہ جب تم پوری طرح ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے (ممزق) بمعنی تمزیق ہے تب تم کو از سر نو پیدا کیا جائیگا نہ معلوم اس شخص نے اللہ پر بہتان لگایا ہے؟ (اَفْتَرٰی) ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ، استفہام کے لئے ہے اس ہمزۂ استفہام کی وجہ سے ہمزۂ وصل سے مستغنی ہو گیا یا اس کو جنون ہے؟ جس کی وجہ سے یہ ایسی خیالی باتیں کرتا ہے، اللہ نے فرمایا بلکہ (حقیقت یہ ہے) جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے جو کہ بعث وحساب پر مشتمل ہے وہ آخرت میں عذاب میں اور دنیا میں حق سے دوری کی گمراہی میں ہیں کیا یہ لوگ اپنے آگے پیچھے اپنے اوپر اور نیچے آسمان اور زمین کو نہیں دیکھتے؟ اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں (کِسَفًا) میں سین کے سکون اور فتحہ کے ساتھ اور ایک قراءت میں تینوں افعال میں ی کے ساتھ ہے یقیناً اس نظر آنے والی چیز میں رجوع کرنے والے بندے کے لئے دلیل ہے یعنی اپنے رب کی جانب رجوع کرنے والے بندے کے لئے (ایسی) دلیل کہ جو اللہ تعالیٰ کے بعث اور ہر مشیئت پر قادر ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

تَحِقِیق وَتَرکیب وَتَسهِیل وَتَفسِیری فَوائِد

قَوْلُهٗ: وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا. یَعْرُجُ کا صلہ الی آتا ہے نہ کہ فِي مگر چونکہ یَعْرُجُ اِسْتِقْرار کے معنی کو متضمن ہے، اس لئے اس کا تعدیہ فِي کے ذریعہ درست ہے۔

قَوْلُهٗ: قُلْ لَهُمْ بَلٰی، بَلٰی نفی کو رد کرنے اور منفی کو ثابت کرنے کے لئے آتا ہے، مشرکین نے کہا تھا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ ان کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرمایا بَلٰی کیوں نہیں؟ ضرور آنے والی ہے ای لیس الامر الا اتیانها.

قَوْلُهٗ: وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ میں واؤ قسمیہ جارہ ہے، یہ اثبات نفی کی تاکید کے لئے ہے لام جواب قسم کے لئے ہے، تَاْتِیَنَّكُمْ فعل مضارع مبنی بر فتحہ با نون تاکید ثقیلہ ہے، یہ تیسری تاکید ہے، اور کُمْ مفعول بہ ہے۔

قَوْلُهٗ: عَالِمِ الْغَیْبِ جر کی صورت میں رب کی صفت یا بدل ہے عَالِمُ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی ہو سکتا ہے، ای هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ، عَالِمُ الْغَیْبِ مبتداء لَا یَعْزُبُ اس کی خبر یَعْزُبُ جمہور کی قراءت میں زا کے ضمہ کے ساتھ ہے، اور کسائی کے نزدیک زا کے کسرہ کے ساتھ ہے (ن،ض) عُزُوْبًا مخفی ہونا، دور ہونا۔

قَوْلُهٗ: لَا اَصْغَرُ مبتداء مِنْ ذٰلِكَ اس کی خبر، یہ جملہ لَا یَعْزُبُ کی تاکید کے لئے ہے۔

قَوْلُهٗ: لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا. لَتَاْتِیَنَّكُمْ کی علت ہے یعنی قیامت ضرور آئے گی تاکہ اللہ تم کو صلہ دے۔

قَوْلُہٗ: اُولٰئِكَ مبتداء لَھُمْ خبرمقدم و مَغْفِرَۃٌ مبتداء مؤخر جملہ اسمیہ ہوکر اُولٰئِكَ مبتداء کی خبر، اور رزقٌ کریمٌ کا موصوف صفت سے مل کر مَغْفِرَۃٌ پر عطف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ سَعَوْ موصول صلہ سے مل کر مبتداء اُولٰئِكَ اور اس کا مابعد خبر دوسری ترکیب یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وَالَّذِیْنَ سَعَوْ کا عطف ماقبل الَّذِیْنَ آمَنُوْا پر ہو ای وَیَجْزِی الَّذِیْنَ سَعَوْ اس صورت میں بعد والا اولٰئِكَ جملہ مستانفہ ہوگا، اور ماقبل والا اولٰئِكَ اور اس کا ماتحت معطوفین کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: فیما یاتی ای فی آخر السورۃِ.

قَوْلُہٗ: مقدّرینَ عِجْزَنَا اَوْ مُسَابِقِیْنَ لَنَا اس میں لف ونشر مرتب ہے، مقدرین پہلی قراءت کی تشریح ہے اور مُسَابِقِیْنَ لَنَا دوسری قراءت کی تشریح ہے اور مُقَدِّرِیْنَ کا مطلب ہے مُعْتَقِدِیْنَ.

قَوْلُہٗ: مُعَاجِزِیْنَ سے مراد مُسَابقینَ ہے مسابقۃ پر معاجزۃ کا اطلاق اس لئے کردیا ہے کہ مسابقت کرنے والے آپس میں ایک دوسرے کو عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر یہاں باب مفاعلہ اپنے معنی میں نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ کو عاجز کرنا متصور نہیں ہے، لہٰذا یہ عاجز کرنا ان کے اپنے گمان فاسد کے اعتبار سے ہے نہ کہ حقیقت میں۔

قَوْلُہٗ: وَیَرَی الَّذِیْنَ یہ یا تو یَجْزِیَ پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے مرفوع، یَرٰی یَعْلَمَ کے معنی میں ہے اور الَّذِیْنَ اُوْتُوا العِلْمَ یَرٰی کا فاعل ہے اور الَّذِیْ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مفعول اول ہے الحق مفعول ثانی اور ھُوَ دو مفعولوں کے درمیان فصل ہے اور یَھْدِیْ کا عطف الحَقَّ پر ہے ای یَرَوْنَہٗ حَقًّا وھَادِیًا.

سَوْال: اس صورت میں فعل کا اسم پر عطف لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے۔

جَوَاب: فعل جب اسم کی تاویل میں ہو تو عطف درست ہوتا ہے یہاں یَھْدِیْ، ھَادِیًا کے معنی میں ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتوا العِلْمَ الَّذِی اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الحَقَّ وھَادِیًا، یَرٰی کا یَجْزِیَ پر عطف ہونے کی صورت میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یَرَی الَّذِیْنَ اُوْتوا العِلْمَ سے مراد ان کے لئے دنیا میں علم ثابت کرنا ہے اور یَجْزِیَ پر عطف کا تقاضہ یہ ہے کہ علم آخرت میں ثابت ہو جو کہ مراد نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استیناف والی ترکیب صحیح ہے۔

قَوْلُہٗ: بمعنی تَمْزِیْقٍ اس سے اشارہ کردیا کہ اسم فاعل مصدر کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: فی الافعال الثلث بالیاء ای نشأ، نخسِفُ، نُسْقِطُ.

البلاغة

قَوْلُہٗ: اَلحمدللّٰہِ جملہ سے تعبیر استمرار اور ثبوت کا فائدہ دیتا ہے الحمد لغۃً الوصف بالجمیل الإختیاری علی قصد التعظیم والوصف لایکونُ الّا باللسان فیکونُ موردہ خاصًا، وھٰذا

الوصف يجوزُ ان يكونَ بازاءِ نعمةٍ وغيرها فيكونُ متعلقهُ عامًا، والشكر اللغوى على العكس لكونهٖ فِعْلًا يُنْبِئ عن تعظيم المنعم مِن حيثُ أنّهُ على الشكر فيكون مورده اللسان والجنان والاركان ومتعلقه النعمة الواصلة الى الشاكر فكل مِنْهُمَا اعمُّ واخصُّ من الآخر بوجه ففى الفضائل حمدٌ فقط وفى افعال القلب والجوارح شكر فقط وفعل اللسان بازاء الانعام حمدٌ وشكرٌ.

تفسیر وتشریح

ابن عباس اور قتادہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا سے مروی ہے کہ پوری سورۂ سبا مکی ہے، اور ابن عطیہ نے کہا ہے ویری الذین اوتوا العلم کے علاوہ مکی ہے، اس سورت میں چوّن آیتیں ہیں، بعض حضرات نے پچپن کہا ہے مگر صاحب روح المعانی نے اس کو کاتب کا سہو قرار دیا ہے۔

الحمد لِلّٰهِ الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ (الآية) سب خوبیاں اور تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو اکیلا بلاشرکت غیرے تمام آسمانی اور زمینی چیزوں کا مالک وخالق ہے اور نہایت حکمت اور خبرداری سے ان کی تدبیر کرتا ہے، اسی کا ارادہ اور فیصلہ ان میں نافذ ہوتا ہے، انسان کو جو نعمت بھی ملتی ہے وہ اسی کی پیدا کردہ ہے، اور اسی کا احسان ہے، آخرت میں بھی صرف اسی کی تعریف ہوگی بلکہ دنیا میں تو بظاہر کسی اور کی تعریف بھی ہوجاتی ہے، اس لئے کہ مخلوق کا فعل خالق کے فعل کا پردہ اور انسانی کمال، خالق کے کمال حقیقی کا پرتو ہے، لیکن آخرت میں سب پردے اور وسائط اٹھ جائیں گے وہاں جو کچھ ہوگا سب دیکھیں گے کہ اسی کی طرف سے ہورہا ہے اس لئے صورۃً وحقیقۃً تنہا اسی محمود مطلق کی تعریف ہوگی، زمین وآسمان کی کوئی چھوٹی بڑی چیز اس کے علم سے خارج نہیں، جو چیزیں زمین کے اندر چلی جاتی ہیں مثلاً بارش، خزینہ، دفینہ، مردے تیز کیڑے مکوڑے اور نباتات کا بیج وغیرہ اور جو چیزیں اندر سے نکلتی ہیں مثلاً کھیتی سبزہ، معدنیات وغیرہ اور جو آسمان کی طرف سے اترتی ہیں مثلاً بارش، وحی، تقدیر، فرشتے وغیرہ ان سب جزئیات پر اللہ کا علم محیط ہے۔

قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ (الآية) وہ معصوم ومقدس انسان جس کے صدق وامانت کا اقرار سب کو پہلے سے تھا اور اب براہین ساطعہ سے اس کی صداقت پوری طرح روشن ہوچکی ہے، تاکیدی قسم کھا کر خبر دیتا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی، جب زمین وآسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں تو پھر تمہارے اجزائے منتشرہ کو جو مٹی سے مل گئے ہوں گے جمع کرکے دوبارہ تمہیں زندہ کرنا کیوں ناممکن ہوگا؟

لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا یہ وقوع قیامت کی علت ہے یعنی قیامت اس لئے آئے گی اور تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ اس لئے زندہ فرمائے گا کہ وہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کا صلہ عطا فرمائے، کیونکہ صلہ ہی کے لئے اس نے یہ دن رکھا ہے، اگر یہ یوم جزاء نہ ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نیک وبد دونوں یکساں ہیں اور یہ بات عدل وانصاف کے قطعاً منافی ہے اور بندوں

بالخصوص نیکوں پر ظلم ہوگا، وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ.

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ (الآية) یعنی ہماری ان آیتوں کے بطلان اور تکذیب کی جو ہم نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیں کوشش کی اور ان کی یہ کوشش اس لئے تھی کہ وہ ہمیں عاجز کر کے ہماری گرفت سے بچ کر نکل جائیں گے، اس طرح وہ روز قیامت کی حاضری سے چھوٹ جائیں گے، ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اوتوا العلم یہاں رویت سے رویت قلبی مراد ہے اور اہل علم سے مراد صحابہ کرام یا مومنین اہل کتاب یا تمام مومنین ہیں یعنی اہل ایمان اس بات کو جانتے اور یقین رکھتے ہیں، اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اس راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس اللہ کا راستہ ہے جو کائنات میں سب پر غالب اور اپنی مخلوق میں محمود ہے اور وہ راستہ توحید کا راستہ ہے جس کی طرف تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوموں کو دعوت دیتے رہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآية) یہ منکرین قیامت کافروں کا قول نقل کیا گیا ہے، جو بطور تحقیر واستہزاء کے یوں کہا کرتے تھے، آؤ ہم تمہیں ایک ایسا عجیب شخص بتائیں جو یوں کہتا ہے کہ جب تم پوری طرح ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے اس کے بعد پھر تمہیں از سر نو پیدا کیا جائے گا اور تم کو سابقہ شکل وصورت میں تیار کر کے زندہ کر دیا جائے گا، ظاہر ہے کہ اس شخص سے مراد نبی کریم ﷺ ہی ہیں اس لئے کہ آپ ﷺ ہی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دیتے تھے اور لوگوں کو اس پر ایمان لانے کی تاکید فرماتے تھے، اور یہ سب لوگ آپ کو اچھی طرح جانتے بھی تھے يَعْرِفُوْنَهٗ كما يعرفون ابناء هم مگر تمسخر اور استہزاء کے طور پر ذکر کیا کہ گویا یہ آپ کے متعلق اور کچھ نہیں جانتے بجز اس کے کہ آپ قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کی خبر دیتے ہیں۔

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا یعنی دو باتوں میں سے ایک بات تو ضرور ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اور اللہ کی طرف سے وحی اور رسالت کا دعویٰ یہ اس کا اللہ پر افتراء ہے یا اس کا دماغ چل گیا ہے اور دیوانگی میں ایسی باتیں کر رہا ہے، جو نامعقول ہیں بل الَّذِيْنَ لا يُؤْمِنُوْنَ بالآخرة اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بات اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ گمان کر رہے ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عقل وفہم اور ادراک حقائق سے یہی لوگ قاصر ہیں، جس کی وجہ سے یہ آخرت پر ایمان لانے کے بجائے اس کا انکار کر رہے ہیں، جس کا نتیجہ آخرت کا دائمی عذاب ہے، اور یہ آج ایسی گمراہی میں مبتلا ہیں جو حق سے غایت درجہ دور ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ کافروں اور منکرین بعث کو زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آخرت کا یہ انکار آسمان وزمین کی پیدائش میں غور وفکر نہ کرنے کا نتیجہ ہے، ورنہ جو آسمان جیسی بلند چیز جس کی بلندی اور وسعت ناقابل بیان ہے اور زمین جیسی چیز جس کا طول وعرض بھی ناقابل فہم ہے، پیدا کر سکتا ہے، اس کے لئے اپنی ہی پیدا کردہ چیزوں کا دوبارہ پیدا کرنا اور اسے دوبارہ اسی حالت پر لے آنا جس پر وہ پہلے تھی کیوں کر ناممکن ہے؟

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا نُبُوَّةً وَكِتَابًا وقُلْنَا **يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ** رَجِّعِيْ **مَعَهٗ** بِالتَّسْبِيْحِ **وَالطَّيْرَ** بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلَى مَحَلِّ الْجِبَالِ اَيْ وَدَعَوْنَاهَا لِلتَّسْبِيْحِ مَعَهٗ **وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ** فَكَانَ فِيْ يَدِهٖ كَالْعَجِيْنِ وقُلْنَا **اَنِ اعْمَلْ**

منه **سٰبِغٰتٍ** دُرُوْعًا كَوَامِلَ يَجُرُّهَا لَابِسُهَا عَلَى الْاَرْضِ **وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ** اى بِنَسْجِ الدُّرُوْعِ قِيْلَ لِصَانِعِهَا سَرَّادًا اى اجْعَلْهُ بِحَيْثُ يَتَنَاسَبُ حِلَقُهُ **وَاعْمَلُوْا** اى الُ دَاوُدَ مَعَهُ **صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** فأجازيكم به **وَ** سَخَّرْنَا **لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ** وفي قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ بِتَقْدِيرِ تُسَخَّرُ **غُدُوُّهَا** سَيْرُهَا مِنَ الغُدْوَةِ بِمَعْنَى الصَّبَاحِ الى الزَّوَالِ **شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا** سَيْرُهَا مِنَ الزَّوَالِ الى الغُرُوْبِ **شَهْرٌ** اى مَسِيْرَتُهُ **وَاَسَلْنَا** اَذَبْنَا **لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ** اى النُّحَاسِ فَاُجْرِيَتْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ بِلَيَالِيْهِنَّ كَجَرْيِ الْمَاءِ وَعَمَلُ النَّاسِ الى الْيَوْمِ مِمَّا اُعْطِيَ سُلَيْمَانُ **وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ** بِاَمْرِ **رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ** يَعْدِلْ **مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا** له بطاعته **نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ** النَّارِ فى الآخِرَةِ وقِيْلَ فِى الدُّنْيَا بِاَنْ يَضْرِبَهُ مَلَكٌ بِسَوْطٍ مِنْهَا ضَرْبَةً تُحْرِقُهُ **يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ** اَبْنِيَةٍ مُرْتَفِعَةٍ يُصْعَدُ اِلَيْهَا بِدَرَجٍ **وَتَمَاثِيْلَ** جَمْعُ تِمْثَالٍ وهو كُلُّ شَيْءٍ مَثَّلْتَهُ بِشَيْءٍ اى صُوَرٍ مِنْ نُحَاسٍ وزُجَاجٍ وَرُخَامٍ وَلَمْ تَكُنْ اتِّخَاذُ الصُّوَرِ حَرَامًا فِى شَرِيْعَتِهِ **وَجِفَانٍ** جَمْعُ جَفْنَةٍ **كَالْجَوَابِ** جَمْعُ جَابِيَةٍ وهى حَوْضٌ كَبِيْرٌ يَجْتَمِعُ عَلَى الْجَفْنَةِ اَلْفُ رَجُلٍ يَاكُلُوْنَ مِنْهَا **وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ** ثَابِتَاتٍ لَهَا قَوَائِمُ لَا تَتَحَرَّكُ عَنْ اَمَاكِنِهَا تُتَّخَذُ مِنَ الْجِبَالِ بِالْيَمَنِ يُصْعَدُ اِلَيْهَا بِالسَّلَالِمِ وقلنا **اِعْمَلُوْٓا** يا **اٰلَ دَاوٗدَ** بِطَاعَةِ اللّٰهِ **شُكْرًا ۭ** له على ما اتاكم **وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ** العَامِلُ بِطَاعَتِي شُكْرًا لِنِعْمَتِي **فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ** على سُلَيْمَانَ **الْمَوْتَ** اى مَاتَ وَمَكَثَ قَائِمًا عَلَى عَصَاهُ حَوْلًا مَيِّتًا والجِنُّ تَعْمَلُ تِلْكَ الاَعْمَالَ الشَّاقَّةَ عَلَى عَادَتِهَا لَا تَشْعُرُ بِمَوْتِهِ حَتّٰى اَكَلَتِ الاَرَضَةُ عَصَاهُ فَخَرَّ مَيِّتًا **مَا دَلَّهُمْ عَلٰي مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَاۗبَّةُ الْاَرْضِ** مَصْدَرُ اُرِضَتِ الخَشَبَةُ بِالبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ اَكَلَتْهَا الاَرَضَةُ **تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ** بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهِ بِالاَلِفِ عَصَاهُ لِاَنَّهَا يُنْسَأُ يُطْرَدُ وَيُزْجَرُ بِهَا **فَلَمَّا خَرَّ** مَيِّتًا **تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ** اِنْكَشَفَ لَهُمْ **اَنْ** مُخَفَّفَةٌ اى اَنَّهُمْ **لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ** ومنه ما غَابَ عَنْهُمْ مِنْ مَوْتِ سُلَيْمَانَ **مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ** العَمَلِ الشَّاقِّ لَهُمْ لِظَنِّهِمْ حَيَاتَهُ خِلَافَ ظَنِّهِمْ عِلْمَ الغَيْبِ وَعُلِمَ كَوْنُهُ سَنَةً بِحِسَابِ مَا اَكَلَتْهُ الاَرَضَةُ مِنَ العَصَا بَعْدَ مَوْتِهِ يَوْمًا وَلَيْلَةً مَثَلًا.

ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت عطاء کی یعنی نبوت اور کتاب، اور ہم نے کہا اے پہاڑ و اور اے پرندو تم داؤد کے ساتھ تسبیح دہراؤ، طیر منصوب ہے جبال کے محل پر عطف ہونے کی وجہ سے، اور ہم نے ان کو داؤد کے ساتھ تسبیح پڑھنے کا حکم دیا، اور ہم نے ان کے لئے لوہا نرم کر دیا چنانچہ (حضرت) داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے ہاتھ میں لوہا گوندھے ہوئے آٹے کے مانند ہو گیا اور ہم نے حکم دیا کہ لوہے کی لمبی (مکمل) زرہ بناؤ کہ ان کو پہننے والا زمین میں گھسیٹے اور بنانے میں یکسانیت کا خیال رکھو زرہ ساز کو "سَرَّاد" کہتے ہیں یعنی ایسی زرہ بناؤ کہ اس کے حلقے مساوی ہوں، اے آل داؤد تم داؤد کی معیت میں نیک کام کیا کرو میں تم سب کے اعمال کو دیکھتا ہوں لہٰذا میں تم کو اس کا صلہ دوں گا اور ہم نے ہوا

کو سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مسخر کر دیا اور ایک قراءت میں ریحٌ رفع کے ساتھ ہے تسخر کی تقدیر کے ساتھ کہ اس کا صبح سے زوال تک کا سفر ایک ماہ کی مسافت تھی غدوٌ الغداۃُ سے ماخوذ ہے، بمعنی صبح اور (اسی طرح) اس کا شام (یعنی) زوال سے غروب تک کا سفر ایک ماہ کی مسافت تھی اور ہم نے سلیمان کے لئے تانبے کا چشمہ پگھلا کر جاری کر دیا چنانچہ تین رات دن تک پانی کے مانند جاری رکھا، حضرت سلیمان کو جو (بطور معجزہ) عطا کیا گیا تھا آج تک لوگ اس کو استعمال کر رہے ہیں، جناتوں میں سے کچھ ایسے تھے کہ جو حکم خداوندی سے (حضرت) سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماتحت ہو کر کام کرتے تھے اور جو ان میں سے (سلیمان) کی اطاعت کے ہمارے حکم سے سرتابی کرے گا ہم اس کو آخرت میں آگ کا عذاب چکھائیں گے، اور کہا گیا ہے کہ دنیا ہی میں (چکھائیں گے) بایں طور کہ فرشتہ اس کو آگ کے کوڑے سے ایک مار مارے گا کہ وہ آگ اس کو جلا دے گی سلیمان جو چاہتے تھے (جنات) ان کے لئے وہ بنا دیتے تھے مثلاً محاریب یعنی بڑی بڑی اونچی عمارتیں کہ جن پر سیڑھیوں کے ذریعہ چڑھا جائے اور مجسمے، تماثیل، تمثال کی جمع ہے، تمثال ہر اس شئ کو کہتے ہیں جس کو تو کسی کے مثل بنائے یعنی تانبے کی یا سیسہ کی یا سنگ مرمر کی مورتیں بناتے تھے اور مورتوں کا بنانا ان کی شریعت میں حرام نہیں تھا اور حوض جیسی لگن (بناتے تھے) جِفَانٌ جَفْنَةٌ کی جمع ہے (بمعنی لگن، بڑے پیالے) اور جَوَابٌ جابِيَةٌ کی جمع ہے، بڑے حوض کو کہتے ہیں، جَفْنَةٌ سے بیک وقت ایک ہزار آدمی کھا سکتے ہیں اور ایک جگہ جمی رہنے والی دیگیں (بناتے تھے) جن کے پائے ہوتے تھے جو اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی تھیں، یہ یمن میں پہاڑوں سے بنائی جاتی تھیں، کہ جن پر سیڑھیوں کے ذریعہ چڑھا جاتا تھا، ہم نے کہا اے آل داؤد اللہ کی اطاعت میں جو کچھ اس نے تم کو دیا ہے اس کے شکریہ میں (نیک) عمل کرو میرے بندوں میں شکر گذار بندے کم ہی ہوتے ہیں، یعنی میری نعمت کا عملی طور پر شکر کرنے والے (کم ہوتے ہیں) پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم بھیج دیا یعنی انتقال ہو گیا اور اپنے عصا کے سہارے ایک سال تک بحالت مردہ کھڑے رہے اور جنات اپنی عادت کے مطابق اعمال شاقہ میں لگے رہے (ان کو) (حضرت) سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت کا احساس تک نہ ہوا، یہاں تک کہ جب دیمک نے ان کا عصا کھا لیا تو مردہ ہونے کی وجہ سے گر پڑے، تو ان کی موت کی خبر کسی نے ان کو نہ دی سوائے دیمک کے اَلْاَرْضُ، اُرِضَتِ الْخَشَبَةُ سے مصدر مجہول ہے (یعنی) اس کو دیمک نے کھا لیا جو ان کے عصا کو کھا رہی تھی مِنْسأَةٌ ہمزہ کے ساتھ ہے، اور بغیر ہمزہ الف کے ساتھ بھی ہے (مِنْسَاۃ) ای عَصَاہُ اس لئے کہ اس سے دور کیا جاتا ہے، دفع کیا جاتا ہے اور دھمکایا جاتا ہے چنانچہ جب سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام مردہ ہو کر گر پڑے تب کہیں جنات کو ان کی (موت) کا علم ہوا اگر جنات غیب داں ہوتے تو اس ذلت کی مشقت میں مبتلا نہ رہتے اور ان کے دعوائے علم غیب کی نفی اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان سے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت مخفی رہی یعنی حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زندہ سمجھ کر اپنے دعوائے غیب کے باوجود مشقت کے کام میں نہ لگے رہتے، اور عمل شاق کی ایک سال کی مدت کا علم عصا کی اس مقدار کے حساب سے ہوا جس مقدار کو دیمک نے سلیمان کی موت کے بعد مثلاً ایک رات دن میں کھایا تھا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَوِّبِیْ یہ تاوِیبٌ سے امر کا واحد مؤنث حاضر ہے بمعنی تَرْجِیْعٌ بار بار دہرانا، تکرار کرنا، اَوِّبِیْ اصل میں اَوِّبِیْنَ تھا امر کی وجہ سے نون حذف ہوگیا وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا واوٗ استینافیہ ہے اور لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے، تقدیر یہ ہے وعزتنا وجلالنا لقد اٰتینا منا، مِنَّا، اٰتَیْنَا سے متعلق ہے یا محذوف سے متعلق ہو کر حال ہے تقدیر عبارت ہے کائنًا مِنّا فضلًا، کائنًا مِنَّا اصل میں فَضْلًا کی صفت ہے مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہوگیا فَضْلًا مفعول ثانی ہے اور داوٗد مفعول اول ہے۔

قَوْلُہٗ: وقُلْنَا یَا جِبَالُ. یا جِبَالُ، قُلْنَا فعل محذوف کا مقولہ ہے اور اس کا عطف اٰتَیْنَا پر ہے و الطَّیْرَ کا عطف محل جبال پر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس لئے کہ منادی مفرد محلًا منصوب ہوتا ہے یا مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے و الطَّیْرُ لفظ جبال پر عطف کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: دُرُوْعًا، دُرُوْعًا مقدر مان کر شارح نے اشارہ کردیا کہ سابِغاتٍ صفت ہے اور دُرُوْعًا اس کا موصوف محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: سَرْدٌ زرہ کو کہتے ہیں سَرَّادٌ زرہ ساز کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: لِسُلَیْمَانَ مفسر علام نے سَخَّرْنَا محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ جار مجرور کا متعلق سخَّرنا ہے اور ریحَ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور رفع کی صورت میں ریح مبتداء مؤخر حذف مضاف کے ساتھ اور لِسُلیمانَ خبر مقدم، تقدیر عبارت یہ ہے وَتُسَخَّرُ الرِّیْحُ کائنٌ لِسُلَیْمَانَ مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کردیا۔

قَوْلُہٗ: وَمِنَ الجنِّ مَنْ یعمَلُ، مِنَ الجنّ فعل مقدر کے متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وسَخّرنا لَہٗ مِنَ الجِنِّ اور مَنْ یعمل فعل مقدر کا مفعول بہ ہوگا، اور یہ بھی جائز ہے کہ من الجن خبر مقدم ہو اور مَنْ یعمَلُ مبتداء مؤخر۔

قَوْلُہٗ: قُدُورٍ. قِدْرٌ کی جمع ہے بمعنی ہانڈی راسیاتٌ ای ثابتاتٌ.

قَوْلُہٗ: اعْمَلُوْا جملہ مستانفہ ہے آلَ داوٗدَ منادیٰ ہے حرف ندا محذوف ہے اور شُکْرًا مفعول لہ ہے۔

قَوْلُہٗ: قلیلٌ خبر مقدم ہے اور من عبادی اس کی صفت ہے اور الشکور مبتدا مؤخر ہے۔

قَوْلُہٗ: الارْضَۃُ دیمک، کرمک، چوب خور، (جمع) ارضٌ.

قَوْلُہٗ: مِنْسَأۃٌ بروزن مِفْعَلَۃٌ ایک قراءت میں الف کے ساتھ ہے، عصا، دفع کرنے کا آلہ۔

قَوْلُہٗ: دَابّۃ الأرض دیمک۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ آتَیْنَا مِنَّا فَضْلاً فضل کے معنی زیادتی کے ہیں مگر یہاں داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی امتیازی خصوصیات مراد ہیں یعنی نبوت کے ساتھ بادشاہت اور کئی امتیازی خوبیوں سے نوازا، ان امتیازی خصوصیات میں سے حسن صوت کی نعمت تھی کہ جب آپ ذکر الٰہی یا زبور کی تلاوت کرتے تھے تو پتھر کے ٹھوس پہاڑ بھی تسبیح خوانی میں مصروف ہوجاتے فضاء میں اڑتے پرندے ٹھہر جاتے اور زمزمہ خواں ہوجاتے، والطیرَ کا عطف یا جبالُ کے محل پر ہے، اس لئے کہ یا جبالُ محلاً منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے نادَیْنَا الجبالَ والطیرَ پہاڑ یہ تسبیح جو داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ کرتے تھے اس عام تسبیح کے علاوہ ہے جس میں کل مخلوقات شریک ہیں اور جو ہر وقت اور ہر زمانہ میں جاری ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ولٰکِن لا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ یہاں جس تسبیح کا ذکر ہے وہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے معجزے کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے یہ ظاہر ہے کہ اس تسبیح کو عام لوگ بھی سنتے سمجھتے ہوں گے، ورنہ پھر معجزہ ہی نہ ہوگا۔

وَاَلَنَّا لَهُ الحدیدَ (الآیة) یہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کا دوسرا معجزہ ہے، حسن بصری، قتادہ اور اعمش رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ لوہے کو ان کے لئے موم کی طرح نرم کر دیا تھا، جس کی وجہ سے نہ گرم کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اور نہ ہتھوڑے سے کوٹنے کی، ایک دوسری آیت میں یہ بھی مذکور ہے وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّکُمْ یعنی ہم نے ان کو زرہ سازی کی صنعت سکھائی، اور اس آیت میں بھی آگے قَدِّرْ فِی السَّرْدِ آیا ہے، یہ بھی اس صنعت سکھانے کی تکمیل ہے لفظ قَدِّرْ تقدیر سے مشتق ہے جس کے معنی ایک اندازے سے بنانے کے ہیں اور سَرْدٌ کے معنی بننے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ زرہ بنانے میں یکسانیت ملحوظ رہے حلقے چھوٹے بڑے نہ ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ مصنوع میں باطنی خوبی کے ساتھ ظاہری خوبی بھی مطلوب ہے قَدِّرْ فِی السَّرْدِ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ (ابن کثیر)

بعض حضرات نے قَدِّرْ فی السَّرْدِ سے یہ مراد لیا ہے کہ اس صنعت کے لئے وقت کی ایک مقدار معین کر لینا چاہئے تاکہ تمام اوقات اس میں صرف نہ ہوجائیں، ایسا نہ ہو کہ عبادت اور امور سلطنت کی انجام دہی میں اس کی وجہ سے خلل پڑے۔

صنعت وحرفت کی فضیلت:

مذکورہ آیت سے ثابت ہوا کہ اشیاء ضروریہ کی ایجاد وصنعت ایسی اہم چیز ہے کہ حق تعالیٰ نے خود اس کی تعلیم کا اہتمام فرمایا، اور عظیم الشان پیغمبروں کو سکھلایا، حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھائی اور حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو کشتی بنانے کی صنعت سکھائی گئی، اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی مختلف صنعتیں سکھانا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

صنعت کار کو حقیر سمجھنا گناہ ہے:

عرب میں مختلف آدمی مختلف صنعتیں اختیار کرتے تھے کسی صنعت کو حقیر نہیں سمجھا جاتا تھا، اور نہ پیشوں کی بنیاد پر کوئی برادری بنتی تھی، پیشے کے بنیاد پر کسی کو حقیر سمجھنا اور برادری بنانا یہ ہندوستان میں ہندوؤں کی پیداوار ہے، ہندوؤں کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے مسلمانوں میں بھی یہ اثرات قائم ہوگئے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو زرہ سازی سکھانے کی حکمت:

تفسیر ابن کثیر میں امام حدیث حافظ ابن عساکر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام اپنی خلافت وسلطنت کے زمانہ میں بھیس بدل کر بازار وغیرہ میں جاتے اور رعایا کے حالات معلوم کرتے اور پوچھتے کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ چونکہ داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی سلطنت میں عدل وانصاف عام تھا سب لوگ خوشحال تھے ہر انسان عیش وآرام کے ساتھ زندگی گذارتا تھا، اس لئے جس سے سوال کرتے وہ داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی تعریف کرتا۔

حق تعالیٰ نے ان کی تعلیم کے لئے ایک فرشتے کو بشکل انسانی بھیج دیا جب داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی اس سے ملاقات ہوئی تو عادت کے مطابق اس سے بھی وہی سوال کیا، فرشتے نے جواب دیا، داؤد بہت اچھا آدمی ہے اپنے نفس کے لئے بھی اور رعیت کے لئے بھی، مگر اس میں ایک کمی ہے اگر وہ نہ ہوتی تو وہ بالکل کامل تھا، داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے پوچھا وہ کیا کمی ہے؟ فرشتے نے کہا وہ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا نفقہ مسلمانوں کے بیت المال سے لیتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے بارگاہ خداوندی میں التجاء کی کہ مجھے کوئی ایسا کام سکھادیں کہ جو میں اپنے ہاتھ کی مزدوری سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا گذارا کرسکوں اور مسلمانوں کی خدمت اور سلطنت کا کام بلا معاوضہ کروں، حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا، اور ان کو زرہ سازی کی صنعت سکھادی اور پیغمبرانہ یہ اعزاز دیا کہ لوہے کو ان کے لئے نرم کردیا۔

مسئلہ: خلیفۂ وقت یا سلطان جو اپنا پورا وقت امور سلطنت کی انجام دہی میں صرف کرتا ہے شرعاً اس کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا متوسط نفقہ بیت المال سے لے لے، لیکن اگر کوئی دوسری صورت گذارے کی ہوسکے تو وہ زیادہ بہتر ہے۔

جو علماء کرام تعلیم وتبلیغ کی خدمت مفت انجام دیتے ہوں، اور قاضی ومفتی جو لوگوں کے کام میں اپنا وقت صرف کرتے ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے۔

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے خصوصی فضائل کے ذکر کے بعد حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے خصوصی فضائل کا ذکر فرمایا، اور فرمایا کہ جس طرح داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے پہاڑوں کو مسخر کردیا تھا اسی طرح حضرت سلیمان

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام مع اپنے اعیان سلطنت اور لشکر تخت پر بیٹھ جاتے اور جدھر آپ کا حکم ہوتا ہوائیں اسے اتنی رفتار سے لے جاتیں کہ ایک ماہ کی مسافت صبح سے دوپہر تک طے ہو جاتی اور پھر اسی طرح دوپہر سے شام تک ایک ماہ کی مسافت طے ہو جاتی، اس طرح ایک دن میں دو ماہ کی مسافت طے ہو جاتی، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تسخیر ہوا کا معجزہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے اس عمل کے صلہ میں عطا ہوا تھا کہ ایک روز وہ اپنے گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول تھے، اس میں ایسی مشغولیت ہوئی کہ عصر کی نماز قضاء ہو گئی چونکہ گھوڑے اس غفلت کا سبب ہوئے تھے، اس سبب غفلت کو ختم کرنے کے لئے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان گھوڑوں کو ذبح کر دیا (کیونکہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں گھوڑوں کی قربانی جائز تھی) اور یہ گھوڑے خود سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملک تھے، اس لئے بیت المال کے نقصان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے لوہا نرم کر دیا تھا، تو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں جنات کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ جنات غیب کی باتیں جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت کے ذریعہ سے اس عقیدے کے فساد کو واضح فرما دیا۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ بالصرف وعدمه قبيلة سُمّيت باسم جَدٍّ لهم من العرب **فِي مَسْكَنِهِمْ** باليمن **آيَةٌ** دالّة على قدرة الله **جَنَّتَانِ** بدل **عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ** عن يمين واديهم وشماله وقيل لهم **كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ** على ما رزقكم من النعمة في ارض سبا **بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ** ليس بها سباخ ولا بعوضة ولا ذبابة ولا برغوث ولا عقرب ولا حيّة ويمرّ الغريب بها وفي ثيابه قمل فيموت لطيب هوائها **وَ** الله **رَبٌّ غَفُورٌ** ﴿١٥﴾ **فَأَعْرَضُوا** عن شكره و كفروا **فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ** جمع عرمة وهو ما يُمسك الماء من بناءٍ وغيره الى وقت حاجته اى سيل واديهم الممسوك بما ذُكر فاغرق جنّتيهم واموالهم **وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ** تثنية ذوات مفرد على الاصل **أُكُلٍ خَمْطٍ** مُرٍّ بشعٍ باضافة أُكُل بمعنى ماكول وتركها ويُعطف عليه **وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ** ﴿١٦﴾ **ذَٰلِكَ** التبديل **جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا** بكفرهم **وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ** ﴿١٧﴾ بالياء والنون مع كسر الزاي ونصب الكفور اى ما يُناقش الا هو **وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ** بين سبا وهم باليمن **وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا** بالماء والشجر وهي قرى الشام التي يسيرون اليها للتجارة **قُرًى ظَاهِرَةً** متواصلة من اليمن الى الشام **وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ** بحيث يقيلون في واحدة ويبيتون في أخرى الى انتهاء سفرهم ولا يحتاجون فيه الى حمل زادٍ وماءٍ وقلنا **سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ** ﴿١٨﴾ لا تخافون في ليلٍ ولا نهارٍ **فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ** وفي قراءة باعِدْ **بَيْنَ أَسْفَارِنَا** الى الشام اجعلها مفاوز ليتطاولوا على الفقراء بركوب الرواحل وحمل الزاد والماء

فبطروا النعمة **وَظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ** بالكفر **فَجَعَلْنٰهُمْ أَحَادِيثَ** لمن بعدهم في ذلك **وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ** فرقناهم بالبلاد كل التفريق **إِنَّ فِي ذٰلِكَ** المذكور **لَآيٰتٍ** عبرًا **لِّكُلِّ صَبَّارٍ** عن المعاصي **شَكُورٍ**﴿١٩﴾ على النعم **وَلَقَدْ صَدَّقَ** بالتخفيف والتشديد **عَلَيْهِمْ** اي الكفار منهم سبأ **إِبْلِيسُ ظَنَّهُ** انهم باغوائه يتبعونه **فَاتَّبَعُوهُ** فصدق بالتخفيف في ظنه او صدّق بالتشديد ظنه اي وجده صادقا **إِلَّا** بمعنى لكن **فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ**﴿٢٠﴾ للبيان اي هم المؤمنون لم يتبعوه **وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطٰنٍ** تسليط منا **إِلَّا لِنَعْلَمَ** علم ظهور **مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ** فنجازي كلا منهما **وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ**﴿٢١﴾ رقيب.

ترجمہ: قوم سبا کے لئے (سبا) منصرف اور غیر منصرف (دونوں ہیں) سبا ایک قبیلہ کا نام ہے ان کے عربی جد اعلیٰ کے نام پر رکھا گیا ہے یمن میں ان کی بستیوں میں خدا کی قدرت کی نشانی تھی ان کے دائیں بائیں دو رویہ باغ تھے یعنی ان کی وادی کے دائیں بائیں جانب جنتان، آیة سے بدل ہے، ان سے کہا گیا اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور ملک سبا میں تم کو دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرو یہ عمدہ شہر ہے یعنی اس میں نہ زمین شور ہے اور نہ مچھر نہ مکھی، اور نہ پسو اور نہ بچھو اور نہ سانپ اور (اگر) اس شہر سے ایسا مسافر گذرتا کہ اس کے کپڑوں میں جوئیں ہوتیں تو وہ اس شہر کی پاکیزہ ہوا کی وجہ سے مر جاتیں اور بخشنے والا رب ہے لیکن انہوں نے اس کے شکر سے اعراض اور ناشکری کی تو ہم نے ان پر بند کا پانی بھیج دیا عَرِمٌ عرِمَة کی جمع ہے عرِمَةٌ اس عمارت وغیرہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ پانی کا وقت ضرورت کے لئے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے، یعنی ان کی وادی کا روکا ہوا پانی ان پر چھوڑ دیا، چنانچہ اس پانی نے ان کے دو رویہ باغوں کو اور ان کے اموال کو غرق کر دیا اور ہم نے ان کے دو رویہ باغوں کے عوض ایسے دو باغ دیئے جن کے پھل بدمزہ کڑوے کسیلے تھے ذواتــی ذوات مفرد کا تثنیہ ہے اصل سے اُکُلٍ کی اضافت کے ساتھ، (اکل) بمعنی مــاکــول ہے، اور بغیر اضافت کے اور اُکُلٍ پر اَثْلٍ کا عطف ہے اور بکثرت جھاؤ کے درخت اور کچھ جنگلی بیریاں ہم نے ان کو یہ سزا ان کی ناشکری یعنی ان کے کفر کی وجہ سے دی اور ہم ایسی سزا ناشکروں ہی کو دیا کرتے ہیں (یُجازِی) میں یا اور نون دونوں ہیں اور زاء کے کسرہ اور کَـفُـور کے نصب کے ساتھ، یعنی کافر ہی کا مناقشہ (سختی کے ساتھ محاسبہ) کیا جاتا ہے اور ہم نے ان کے یعنی ملک سبا کے درمیان حال یہ کہ وہ بھی یمن میں رہتے تھے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے پانی اور درختوں کے ذریعہ برکت دی ہے اور وہ ملک شام کی بستیاں ہیں جن کی طرف وہ تجارت کے لئے جایا کرتے تھے بہت سی بستیاں آباد کر رکھی تھیں جو یمن سے شام تک قریب قریب (فاصلہ) پر تھیں اور ہم نے ان بستیوں کے درمیان سفر کی ایک خاص مسافت رکھی تھی اس طریقہ پر کہ وہ ایک بستی میں قیلولہ کرتے اور دوسری میں رات گذارتے تھے، ان کے سفر کے پورا ہونے تک یہی صورت رہتی تھی، اور سفر میں زادِ راہ اور پانی ساتھ اٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی اور ہم نے کہا بستیوں میں راتوں اور دنوں کو امن و امان کے ساتھ سفر کرو چنانچہ ان کو نہ رات کو خوف تھا اور نہ دن کو مگر انہوں نے کہا اے

ہمارے پروردگار ملک شام تک ہمارے سفروں کے درمیان دوری کردے اور ایک قراءت میں باعد ہے یعنی ان بستیوں کو چٹیل میدان کردے تاکہ وہ فقراء کے مقابلہ میں سواریوں پر سوار ہوکر اور زادراہ اور پانی ہمراہ رکھنے کے ذریعہ فخر کریں چنانچہ وہ نعمت خداوندی پر اترانے لگے اور کفر کے ذریعہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا چنانچہ ہم نے ان کو بعد والوں کے لئے ظلم کے سبب سے افسانہ بنادیا اور ہم نے ان کو پوری طرح تتر بتر (منتشر) کردیا، یعنی ہم نے ان کو مختلف شہروں میں پوری طرح منتشر کردیا، بے شک اس مذکورہ قصے میں معصیت سے ہر باز رہنے والے کے لئے اور نعمتوں پر ہر شکر کرنے والے کے لئے عبرتیں ہیں اور واقعی ان لوگوں یعنی کفار کے بارے میں اور ان میں اہل سبا بھی ہیں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پایا کہ وہ اس کے بہکانے سے اس کی اتباع کرنے لگے صَدَقَ میں تخفیف اور تشدید دونوں ہیں کہ یہ لوگ اس کے تابع ہوگئے صَدَقَ تخفیف کے ساتھ اس کا گمان سچ نکلا، اور صدق تشدید کے ساتھ اس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا سوائے مومنین کی جماعت کے الا بمعنی لکن ہے اور مومنین فریقًا کا بیان ہے یعنی وہ فریق جس نے (شیطان) کی اتباع نہیں کی وہ مومنین ہیں شیطان کا ان پر کوئی قابو نہ تھا بلکہ ہماری طرف سے ان پر مسلط کرنا صرف اس لئے ہوا کہ ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان لائے ان لوگوں سے ممتاز کردیں جو آخرت کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں تو ان (دونوں) میں سے ہم ہر ایک کو بدلہ دیں گے اور آپ کا رب ہر شئ پر نگہبان ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اُکُلٍ پھل خَمْطٌ پیلو کا پھل، ہر کھٹی یا کڑوی چیز۔

قولہ: بَشِعٌ بدمزہ اور کڑوا کسیلا۔

قولہ: اَثْلٌ جھاؤ کا درخت (جمع) اثلاثٌ، آثال، اُثُوْلٌ۔

قولہ: ذَوَاتَیْ تثنیة ذواتٍ مفردٍ علی الاصل ذوات ذُو کا مؤنث ہے یہ اصل میں ذُوَیَةٌ تھا اس میں ۃ علامت تانیث ہے، یاء متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف ہوگئی ذواتٌ ہوگیا، بعدہٗ واؤ کو تخفیفاً حذف کردیا، ذاتٌ ہوگیا، اب واحد مؤنث کی دو شکلیں ہوگئیں ایک حذف واؤ سے پہلے کی، وہ ذواتٌ، اور دوسری حذف واؤ کے بعد کی اور وہ ذاتٌ مفسر علام نے جو یہ کہا ہے کہ ذَوَاتَیْ اصل سے ذوات کا تثنیہ ہے اس کا مطلب ہے کہ حذف واؤ سے پہلے کی حالت کا تثنیہ ہے اگر حذف واؤ کے بعد کی حالت کا تثنیہ ہوتا تو ذاتَیْ ہوتا۔

قولہ: بَشِعٌ بروزن کَشِفٌ بدمزہ، کسیلا، اُکُلِ خمطٍ اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے، اور ترک اضافت کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے ای اُکُلٍ خمطٍ اس صورت میں اُکُلٍ موصوف اور خمطٍ صفت ہوگی۔

قولہ: یُعْطَفُ علیه ای علی اُکُلٍ اُکُل کے قاف پر جزم اور ضمہ دونوں قراءت سبعہ ہیں۔

قَوْلُهُ: ذٰلكَ جَزَيْنٰهُمْ ذٰلِكَ، جَزَيْنَا کا مفعول ثانی ہے جو کہ مقدم ہے اول مفعول هُمْ ہے ای جَزَيْنٰهُمْ ذٰلِكَ التبديل.

قَوْلُهُ: بكفرهم ای بسبب كفرهم.

قَوْلُهُ: وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ یہ عطف قصہ علی القصہ کے قبیل سے ہے یعنی اول اعطاء جنتین کا ذکر کیا گیا اور پھر تبدیل مذکور کا ذکر کیا گیا۔

قَوْلُهُ: سِيْرُوْا فيها ای فی هٰذه المسافة یہ امر بمعنی خبر ہے یعنی وہ امن کے ساتھ سفر کرتے تھے لَيَالِيَ اور ايَّامًا حال ہیں۔

قَوْلُهُ: اِلَّا بمعنی لکن اس میں اشارہ ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ مومنین کفار کی جنس سے نہیں ہیں۔

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

لَقَدْ كَانَ لِسَبَأٍ ابن کثیر نے فرمایا کہ سبا یمن کے بادشاہوں اور اس ملک کے باشندوں کا لقب ہے، تبابعہ جو اس ملک کے پیشوا اور مقتداء تھے، وہ بھی اسی قوم سبا سے تعلق رکھتے تھے، اور ملکہ بلقیس بھی جس کا واقعہ سورۂ نمل میں گذر چکا ہے اسی قوم سے تعلق رکھتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اپنے رزق کے دروازے کھول دیئے تھے، ہر سو خوشحالی کا دور دورہ تھا، عیش و آرام کے تمام اسباب مہیا تھے، انبیاء کے ذریعہ ان کو اللہ کی توحید اور نعمتوں کی شکر گذاری کا حکم دیا گیا تھا، ایک مدت تک یہ لوگ اسی حال پر قائم رہے، پھر ان میں عیش و عشرت میں انہماک اور خدا سے غفلت بلکہ انکار تک نوبت پہنچ گئی، تو ان کی تنبیہ کے لئے تیرہ انبیاء بھیجے، جنہوں نے ان کی فہمائش اور راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کی مگر یہ لوگ اپنی غفلت اور بیہوشی سے باز نہ آئے، تو ان پر ایک سیلاب کا عذاب بھیجا گیا، جس سے ان کے شہر اور باغات تمام ویران اور برباد ہو گئے۔ (ابن کثیر)

سیل عَرِم اور سد مآرب:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سيل العرِم. عَرِم کے لغت میں کئی معنی ہیں، مگر ان میں سیاق قرآن کے مناسب وہ معنی ہیں جو قاموس، صحاح، جوہری وغیرہ کتب لغت میں ہیں، کہ عَرِم کے معنی سدّ "بند" کے ہیں، جو آج کل کی اصطلاح میں ڈیم کے نام سے معروف ہے، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا نے بھی عَرِم کے معنی سدّ بیان فرمائے ہیں۔ (قرطبی)

بند اور سیل عَرِم کا واقعہ:

ابن کثیر کے بیان کے مطابق واقعہ یہ ہے کہ ملک یمن کے دار السلطنت صنعاء سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک شہر مآرب تھا، جس میں قوم سبا آباد تھی، یہ شہر دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں آباد تھا، اس ملک کے بادشاہوں نے مذکورہ دونوں پہاڑوں

کے درمیان ایک بند (ڈیم) نہایت ہی مستحکم تعمیر کیا تھا، اس ڈیم نے پہاڑوں کے درمیان سے آنے والے پانی کو روک کر پانی کا ایک عظیم الشان ذخیرہ بنا دیا تھا، اس ڈیم سے ضرورت کے مطابق پانی نکالنے کے لئے اوپر نیچے تین دروازے رکھے تھے، بند کے نیچے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کیا گیا تھا جس میں پانی کے بارہ راستے بنا کر نہریں شہر کے مختلف اطراف میں پہنچائی گئی تھیں، شہر کے دائیں بائیں جو دو پہاڑ تھے ان کے کناروں پر دو رویہ باغات لگائے گئے تھے، جن میں نہریں جاری تھیں، یہ باغات اگرچہ تعداد میں بہت تھے، مگر قرآن کریم نے جنتان یعنی دو باغوں سے تعبیر کیا ہے، ایک رخ کے تمام باغوں کو اتصال کی وجہ سے ایک باغ اور دوسرے رخ کے تمام باغوں کو دوسرا باغ قرار دیا ہے۔

ان باغوں میں ہر قسم کے پھل بکثرت ہوتے تھے اگر کوئی شخص خالی ٹوکرا سر پر رکھ کر باغ میں چلتا تو ٹپکنے والے پھلوں سے ٹوکری بھر جاتی تھی، انبیاء کے ذریعہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ تم اللہ کے عطا کردہ اس رزق وسیع کو استعمال کرو اور اس کی نعمتوں کی شکر گذاری کرتے رہو، نیز اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو بلدۂ طیبہ بنایا تھا اس کی آب وہوا نہایت پاکیزہ اور معتدل تھی، حشرات الارض، مکھی، مچھر، سانپ، بچھو وغیرہ کا نام ونشان تک نہیں تھا، بلکہ باہر سے آنے والے مسافروں کے کپڑوں میں اگر جوئیں ہوتیں تو وہ بھی ہوا کی پاکیزگی اور لطافت کی وجہ سے مر جاتیں رَبٌّ غَفُورٌ کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر اتفاقی طور پر شکر گذاری میں غفلت کی وجہ سے کمی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔

فاعرضوا فَأَرْسَلْنَا عليهم سيل العرم یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی وسیع نعمتوں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تنبیہات کے باوجود جب قوم سبا کے لوگوں نے اللہ کے احکام سے سرکشی اور روگردانی کی تو ہم نے ان پر سیل عرم چھوڑ دیا، اس کا واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہب بن منبہ، قتادہ، ضحاک وغیرہ ائمہ تفسیر نے یہ بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو سزا دینے کا ارادہ فرمایا تو اس پانی کے عظیم الشان بند پر اندھے چوہے مسلط کر دیئے جنہوں نے اس کی بنیاد کو کھوکھلا اور کمزور کر دیا، جب بارش اور سیلاب کا وقت آیا تو پانی کے دباؤ سے بند ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے پورا شہر تباہ وبرباد ہو گیا، اور پھل دار درختوں کی جگہ ایسے خود رو جھاڑ جھنکار اگ آئے کہ اول تو ان میں پھل لگتا ہی نہیں تھا اور اگر کسی میں لگتا بھی تو نہایت کڑوا کسیلا اور بدمزہ جنہیں کوئی کھا ہی نہ سکتا، البتہ کچھ بیری کے درخت تھے جن میں بھی کانٹے زیادہ اور بیر کم تھے۔

وَهَلْ نُجَازِىٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ، كَفُوْرٌ مبالغہ کا صیغہ ہے، بہت کفر کرنے والا، آیت کے معنی یہ ہوئے کہ ہم بہت کفر کرنے والے کے سوا کسی کو سزا نہیں دیتے، یہ معنی بظاہر ان تمام قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان گناہگاروں کو جہنم کی سزا ان کے عمل کے مطابق دی جائے گی اگرچہ سزا بھگتنے کے بعد وہ ایمان کی وجہ سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے، اس اشکال کے جواب میں بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں مطلق عذاب مراد نہیں ہے، بلکہ ایسا عذاب عام مراد ہے جیسا کہ قوم سبا پر بھیجا گیا تھا یہ کافروں کے ساتھ مخصوص ہے، مسلمان گنہ گاروں پر ایسا عذاب نہیں آتا۔ (روح)

روح المعانی میں بحوالہ کشف اس آیت کے مفہوم کی یہ توجیہ کی ہے کہ کلام اپنی حقیقت پر ہے کہ سزا بطور سزا تو صرف کافروں کو دیجاتی ہے، اور مومن گنہ گاروں کو جو آگ وغیرہ کی تکلیف دی جاتی ہے وہ محض صورت سزا کی ہوتی ہے ورنہ درحقیقت اس کو گناہوں سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے کہ سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپانے سے اس کا میل کچیل صاف کرنا مقصود ہوتا ہے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرٰى (الآية) برکت والی بستیوں سے مراد ملک شام کی بستیاں ہیں اور ظاهرةً سے مراد لب سڑک ہے یعنی ہم نے ملک سبا (یمن) اور شام کے درمیان لب سڑک بستیاں آباد کی ہوئی تھیں، بعض نے ظاهرة سے متواصلة (مسلسل) مراد لیا ہے جیسا کہ علامہ محلی نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں، مفسرین نے ان بستیوں کی تعداد چار ہزار سات سو بتلائی ہے، یہ اہل یمن کی شاہ راہ تھی جو ہمیشہ آباد رہتی تھی، جس کی وجہ سے زادراہ ساتھ لیجانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، دوسرے ویرانے کی وجہ سے جو لوٹ مار کا اندیشہ ہوتا ہے وہ نہیں تھا، آرام وراحت اور دوران سفر قیام کی سہولتیں بھی بآسانی مہیا تھیں، صبح کو روانہ ہو کر دو پہر کو ایک بستی میں قیلولہ کرتے اور شام تک دوسری بستی میں پہنچ جاتے جہاں رات کو قیام کرتے۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا یعنی جس طرح لوگ سفر کی صعوبتوں اور خطرات نیز مشقتوں کا تذکرہ کرتے ہیں ہمارے سفر کی مسافت بھی اسی طرح دور دور کردے، مسلسل آبادیوں کے بجائے درمیان میں سنسان وویران جنگلات اور صحراؤں سے ہمیں گذرنا پڑے، گرمیوں میں دھوپ کی شدت اور سردیوں میں یخ بستہ ہوائیں ہمیں پریشان کریں اور راستہ میں بھوک وپیاس اور موسم کی سختیوں سے بچنے کے لئے ہمیں زادراہ کا بھی انتظام کرنا پڑے، ان کی یہ دعا اسی طرح ہے جیسے بنی اسرائیل نے من وسلویٰ اور دیگر سہولتوں سے اکتا کر دالوں اور سبزیوں وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا، یا پھر زبان حال سے ان کی یہ دعا تھی۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح ناپید اور برباد کردیا کہ ان کی ہلاکت وبربادی کا قصہ زبان زد خلائق ہو گیا، اور مجلسوں اور محفلوں کا موضوع گفتگو بن گیا، اور ان کو اس طرح منتشر کردیا کہ مختلف ملکوں اور مقام میں جا کر آباد ہو گئے، غسان شام میں اور اوس وخزرج یثرب (مدینہ) میں اور خزاعہ تہامہ میں اور ازد عمان میں جا بسے۔

قُلْ یا محمدُ لکفار مکة اُدْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ ای زعمتموہم الٰھة مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ای غیرہ لینفعوکم بزعمکم قال تعالٰی فیھم لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ وزن ذَرَّةٍ من خیر او شر فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ شرکة وَّمَا لَهٗ تعالٰی مِنْهُمْ من الالٰھة مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿٢٢﴾ معین وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ تعالٰی ردًّا لقولھم ان اٰلھتھم تشفع عندہ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ بفتح الھمزة وضمھا لَهٗ فیھا حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ بالبناء للفاعل وللمفعول عَنْ قُلُوْبِهِمْ کشف عنھا الفزع بالاذن فیھا قَالُوْا قال بعضھم لبعض استبشارًا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ فیھا قَالُوا القول الْحَقَّ ای قد اذن فیھا وَهُوَ الْعَلِيُّ فوق خلقه بالقھر الْكَبِيْرُ ﴿٢٣﴾ العظیم

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ المطر وَالْاَرْضِ النبات قُلِ اللّٰهُ ان لم يقولوه لا جواب غيره وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ اي احد الفريقين لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾ بَيِّنٍ في الايهام تلطف بهم داع الى الايمان اذا وفقوا له قُلْ لَّا تُسْئَلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا اذنبنا وَلَا نُسْئَلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ لانا بريئون منكم قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا يوم القيامة ثُمَّ يَفْتَحُ يحكم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ فيدخل المحقين الجنة والمبطلين النار وَهُوَ الْفَتَّاحُ الحاكم الْعَلِيْمُ ﴿٢٦﴾ بما يحكم به قُلْ اَرُوْنِيَ اعلموني الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ في العبادة كَلَّا ردع لهم عن اعتقاد شريك له بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الغالب على امره الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾ في تدبيره لخلقه فلا يكون له شريك في ملكه وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً حال من الناس قدم للاهتمام به لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا مبشرا للمؤمنين بالجنة وَّنَذِيْرًا منذرا للكافرين بالعذاب وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اي كفار مكة لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾ ذلك وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ بالعذاب اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٩﴾ فيه قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٠﴾ عليه وهو يوم القيمة

تَرْجَمَہ: اے محمد! کفار مکہ سے کہہ دیجئے کہ جن چیزوں کے بارے میں تمہیں خدا کے سوا (خدائی) کا گمان ہے یعنی جن کو تم اللہ کے علاوہ معبود سمجھتے ہو ان کو پکارو تا کہ وہ تمہارے گمان کے مطابق تم کو نفع پہنچائیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا وہ ذرّہ برابر خیر وشر کا اختیار نہیں رکھتے، نہ آسمان میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں (کے پیدا کرنے) میں شرکت ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کا ان معبودوں میں سے کوئی مددگار ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کی سفارش کام نہیں آتی یہ ان کے اس قول کو رد کرنے کے لئے فرمایا کہ ان کے معبود اس کے سامنے سفارش کریں گے بجز ان کے کہ جن کے لئے اجازت ہو جائے ہمزہ کے فتحہ اور اس کے ضمہ کے ساتھ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے، معروف اور مجہول کے صیغہ کے ساتھ، یعنی جب اجازت دیکر ان کے دلوں کا خوف دور کر دیا جائے گا تو آپس میں طلب بشارت کے طور پر پوچھیں گے کہ تمہارے پروردگار نے شفاعت کے بارے میں کیا فرمایا؟ جواب دیں گے حق بات فرمائی یعنی شفاعت کی اجازت دیدی وہ عالی شان یعنی اپنی مخلوق پر قہر کے ذریعہ غالب ہے سب سے بڑا ہے آپ پوچھئے کہ تم کو آسمان سے پانی برسا کر اور زمین سے نباتات اگا کر روزی کون پہنچاتا ہے؟ اگر وہ جواب نہ دیں تو آپ (خود ہی) جواب دیجئے کہ اللہ تعالیٰ (روزی دیتا ہے) (اس لئے کہ) اس کے علاوہ کوئی جواب ہی نہیں ہے (سنو) ہم یا تم یعنی دونوں فریقوں میں سے ایک یا تو یقیناً ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں ہے مبہم رکھنے میں ان کے ساتھ نرمی ہے جو ایمان کی طرف داعی ہے، جبکہ ان کو ایمان کی توفیق دیجائے آپ کہہ دیجئے ہمارے کئے ہوئے گناہوں کی بابت تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا اس لئے کہ ہم تم سے بری ہیں، آپ ان کو بتا دیجئے کہ ہم سب کو ہمارا رب قیامت کے دن جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان برحق فیصلے کرے گا کہ حق پرستوں کو جنت میں اور باطل پرستوں کو جہنم میں داخل کرے گا وہ بڑا فیصلے کرنے والا ہے اور جو فیصلہ کرتا ہے اس کو بخوبی جاننے والا

ہے (آپ) کہہ دیجئے کہ اچھا مجھے بھی تو انہیں دکھاؤ بتاؤ جنہیں تم اللہ کا عبادت میں شریک ٹھہرا کر اس کے ساتھ ملا رہے ہو ایسا ہرگز نہیں، یہ کفار کو اس کے ساتھ اعتقاد شریک پر توبیخ ہے بلکہ وہی ہے اللہ اپنے امر پر غالب اور اپنی مخلوق کی تدبیر میں حکمت والا لہٰذا اس ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا ہم نے آپ کو تمام لوگوں کو یعنی مومنین کو جنت کی خوشخبری سنانے والا اور کافروں کو عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے کافّة، للناس سے حال ہے اس کے اہتمام کے پیش نظر مقدم کر دیا گیا ہے مگر اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اس کا علم نہیں رکھتے اور پوچھتے ہیں کہ یہ وعدۂ عذاب کب ہے؟ اگر تم اس (وعدے) میں سچے ہو تو (بتا دو) آپ جواب دیجئے کہ تمہارے واسطے وعدہ کا دن معین ہے اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو اور وہی قیامت کا دن ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: اَلَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ای زَعَمْتُمُوْهم الِهَةً اس عبارت کے اضافہ سے شارح کا مقصد یہ بتانا ہے کہ زَعَمْتُمْ کے دونوں مفعول موصول باصلہ کے طویل ہو جانے کی وجہ سے محذوف ہیں اول مفعول کو حذف کر دیا اور دوسرے مفعول یعنی الِهَةً کو صفت یعنی مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کے قائم مقام ہو جانے کی وجہ سے حذف کر دیا مفعول اول هُمْ اور مفعول ثانی الِهَةً ہے۔

قِوْلَہٗ: لِیَنْفَعُوْکُمْ. اُدْعُوْا کے متعلق ہے ای اُدْعُوا لِیَکْشِفُوْا عَنْکُمُ الضُّرَّ.

قِوْلَہٗ: وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ ما نافیہ لَهُمْ خبر مقدم ہے من زائدہ ہے شِرْكٍ مبتداء مؤخر لفظاً مجرور اور محلاً مرفوع ہے۔

قِوْلَہٗ: فُزِّعَ مبنی للمفعول یعنی ان کے دل کا خوف دور کر دیا گیا، تضعیف سلب کے لئے ہے کہا جاتا ہے قَرَّدْتُ البَعِیْرَ ای اَزَلْتُ قُرَادَهٗ میں نے اونٹ کی چچڑی دور کر دی۔

قِوْلَہٗ: مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ فیها ای فی الشفاعَةِ.

قِوْلَہٗ: القول الحق اس میں اشارہ اس بات کی جانب ہے کہ الحقَّ مصدر محذوف کی صفت ہے۔

قِوْلَہٗ: قل اللّٰه. اللّٰهُ مبتداء، یَرْزُقُنَا اس کی خبر محذوف۔

قِوْلَہٗ: اَرُوْنِیَ. اَعْلِمُوْنِیَ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رویت سے مراد رویت قلبیہ ہے اور متعدی بدو مفعول ہے جب اس کے شروع میں ہمزہ لایا گیا تو متعدی بہ سہ مفعول ہو گیا اول مفعول ارونی میں ی ہے ثانی اسم موصول اور ثالث شُرَکَاءَ صلہ کی ضمیر عائد محذوف ہے ای اَلْحَقْتُمُوْهُمْ.

قِوْلَہٗ: کافَّةً ای جَمِیْعًا اَرْسَلْنٰكَ کے کاف سے حال ہے ای اَرْسَلْنٰكَ جامِعًا للناسِ فی الانذار والإبلاغ ة مبالغہ کے لئے جیسا کہ علامة میں ة مبالغہ کے لئے ہے اور کافة للنَّاس سے حال مقدم ہو سکتا ہے ای للناس

کافۃً یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو کہ حال کی جار مجرور پر تقدیم کو جائز سمجھتے ہیں، نیز مصدر محذوف کی صفت بھی ہوسکتی ہے ای اِرْسَالَۃً کافَّۃً للناسِ.

قولہ: بَشِیْرًا وَنَذِیْرًا یہ دونوں اَرسلنٰكَ کے کاف سے حال ہیں۔

قولہ: قل لَکُمْ مِیْعَادُ یومٍ میں لَکُمْ خبر مقدم ہے اور مِیْعَادُ یَوْمٍ مبتدا مؤخر۔

تفسیر وتشریح

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ (الآیۃ) اس آیت میں نبی ﷺ کو حکم ہے اور کفار سے یا تو کفار قریش مراد ہیں یا مطلقاً کفار مراد ہیں، دلالت سیاق کی وجہ سے زعمتم کے دونوں مفعول محذوف ہیں، روز قیامت کسی کی سفارش کسی کے لئے کام نہیں آئے گی، الا یہ کہ سفارش کی اجازت مل جائے، اجازت کا مطلب یہ ہے کہ سفارش کا استحقاق اجازت پر موقوف ہوگا یعنی انبیاء اور ملائکہ وصلحاء اسی وقت سفارش کی ہمت کریں گے جب ان کو بارگاہ ایزدی سے اجازت مل جائے گی، اسی طرح سفارش کی اجازت بھی ان لوگوں کے حق میں ہوگی جن کے لئے اجازت ہوگی اور یہ اجازت مومن گنہ گاروں کے لئے ہوگی، کافروں مشرکوں اور اللہ کے باغیوں کے لئے نہیں، قرآن کریم نے ان دونوں کی دوسری جگہ وضاحت فرما دی ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ، وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی.

آیات مذکورہ میں حکم ربانی نزول کے وقت فرشتوں کا مدہوش ہوجانا پھر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ تاچھ کرنے کا ذکر ہے، اس کا بیان صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ کی روایت میں اس طرح آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم نافذ فرماتے ہیں تو سب فرشتے خشوع وخضوع سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں، اور مدہوش جیسے ہوجاتے ہیں، جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ اور ہیبت وجلال کا اثر دور ہوجاتا ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ دوسرے فرشتے کہتے ہیں کہ فلاں حکم حق فرمایا ہے۔ (الحدیث)

بحث ومناظرہ میں مخاطب کی نفسیات کی رعایت اور اشتعال انگیزی سے پرہیز:

وَاِنَّا اَوْ اِیَّاکُمْ لَعَلٰی ھُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ یہ کفار ومشرکین سے خطاب ہے، دلائل واضحہ، براہین قاطعہ سے اللہ تعالیٰ کا خالق ومالک اور قادر مطلق ہونا واضح کردیا گیا، بتوں اور غیر اللہ کی بے بسی اور کمزوری کا مشاہدہ کرادیا گیا، ان سب باتوں کے بعد موقع اس کا تھا کہ مشرکین کو خطاب کرکے کہا جاتا کہ تم جاہل اور گمراہ ہو، خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں اور شیاطین کی پرستش کرتے ہو، مگر قرآن حکیم نے اس جگہ حکیمانہ عنوان اختیار کیا جو دعوت وتبلیغ اور مخالفین اسلام اور اہل باطل سے بحث ومناظرہ کرنے والوں کے لئے ایک اہم ہدایت نامہ ہے کہ اس آیت میں ان کو کافر اور گمراہ کہنے کے بجائے عنوان یہ رکھا کہ ان دلائل واضحہ کی روشنی میں یہ تو کوئی سمجھ دار آدمی نہیں کہہ سکتا کہ توحید وشرک دونوں باتیں حق ہیں اور اہل توحید اور مشرک دونوں حق پر

ہیں، بلکہ یقینی بات ہے کہ ان دونوں میں سے ایک فریق حق پر اور دوسرا گمراہی پر ہے، اب تم خود سوچ لو اور فیصلہ کرلو کہ ہم حق پر ہیں یا تم، مخاطب کا فر اور گمراہ کہنے سے اشتعال میں آجاتا، اس لئے اس سے احتراز کیا گیا ہے اور ایسا مشفقانہ انداز اختیار کیا گیا کہ سنگدل مخاطب بھی غور کرنے پر مجبور ہو جائے۔ (قرطبی وبیان القرآن بحواله معارف)

کَافَّةً لِّلنَّاس عربی محاورہ میں کافة کا لفظ عموم وشمول کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس سے کوئی مستثنیٰ نہ ہو، اصل عبارت کا ترکیبی تقاضہ یہ تھا کہ للناس کافة کہا جاتا، کیونکہ للناس، کافة سے حال ہے، مگر عموم بعثت کے اہتمام کو بیان کرنے کے لئے لفظ کافة مقدم کردیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء تشریف لائے ان کی رسالت ونبوت کسی خاص قوم یا خاص خطہ کے لئے تھی، یہ آپ ﷺ کی خصوصیت اور فضیلت کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت تمام دنیا کے لئے عام ہے خواہ جن ہوں یا انس اور قیامت تک کے لئے ہے، آپ کی نبوت کا تا قیامت باقی رہنا اس کا متقاضی ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہوں۔

صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں کہ جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی (۱) ایک مہینہ کی مسافت پر دشمن کے دل میں میری دھاک بٹھانے سے میری مدد فرمائی گئی ہے (۲) تمام روئے زمین میرے لئے مسجد اور طہور کردی گئی ہے، جہاں نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لے مسجد میں جانا ضروری نہیں ہے (اور اگر پانی نہ ملے تو تیمم کرلے) (۳) مال غنیمت میرے لئے حلال کردیا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں تھا (۴) مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے (۵) پہلے نبی صرف اپنی قوم کے لئے بھیجا جاتا تھا مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التیمم، صحیح مسلم کتاب المساجد)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِن اَہلِ مکّۃ **لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ** اى تقدَّمَهُ كالتَّوراةِ والانجيلِ الدَّالَّيْنِ على البعثِ لِانكارِهِم له قال تعالى فيهم **وَلَوْ تَرٰى** يا محمّدُ **اِذِ الظّٰلِمُوْنَ** الكافرونَ **مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ اِلْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا** الاتباعُ **لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا** الرُّؤساءُ **لَوْلَآ اَنْتُمْ** صَدَدْتُمُوْنا عن الايمانِ **لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ** بالنبيِّ **قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ** لا **بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ** فى انفسِكُم **وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** اى مكرٌ فيهما منكم بنا **اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا** شُركاءَ **وَاَسَرُّوا** اى الفريقانِ **النَّدَامَةَ** على تَرْكِ الايمانِ **لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ** اى اخفاها كُلٌّ عن رفيقه مَخافةَ التَّعييرِ **وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** فى النّارِ **هَلْ** ما **يُجْزَوْنَ اِلَّا** جزاءَ **مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** فى الدُّنيا **وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ** رُؤساءُها المُتَنَعِّمُونَ **اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا** مِمَّن امَنَ **وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ**

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ یُوَسِّعُہٗ لِمَنْ یَّشَآءُ اِمْتِحَانًا وَیَقْدِرُ یُضَیِّقُہٗ لِمَنْ یَّشَاءُ ابْتِلَاءً وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ ای کُفَّارَ مَکَّةَ لَا یَعْلَمُوْنَ ذٰلک۔

ترجمہ: اور مکہ کے کافر کہتے ہیں کہ ہم ہرگز اس قرآن کو نہ مانیں گے اور نہ ان کتابوں کو جو اس سے پہلے کی ہیں جیسا کہ تورات اور انجیل جو مرنے کے بعد زندہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں، ان کے بعث بعد الموت کا منکر ہونے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا اور اے محمد اگر آپ ان ظالموں کافروں کو اس وقت دیکھیں جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے (آپس میں) ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے کمزور درجہ کے لوگ یعنی متبعین بڑے لوگوں سے یعنی سرداروں سے کہیں گے اگر تم ہم کو ایمان سے روکنے والے نہ ہوتے تو ہم نبی کو ماننے والے ہوتے یہ بڑے لوگ کمزوروں کو جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس ہدایت آجانے کے بعد ہم نے تم کو اس سے روکا تھا؟ نہیں بلکہ تم خود ہی قصوروار تھے (اس کے جواب میں) کمزور لوگ متکبروں سے کہیں گے، بلکہ ہمارے ساتھ تمہاری رات و دن کی تدبیروں نے روکا تھا جب تم کہتے تھے کہ اللہ کے ساتھ کفر کرو اور اس کا شریک ٹھہراؤ اور دونوں فریق جب عذاب کو دیکھیں گے تو ترک ایمان پر ندامت کو چھپائیں گے یعنی ہر فریق اپنے مخالف سے شرم دلانے کے خوف سے ندامت کو چھپائے گا اور جہنم میں ہم کافروں کے گلے میں طوق ڈالدیں گے ان کو صرف دنیا میں ان کے کئے ہوئے کرتوتوں کا بدلہ دیا جائے گا اور ہم نے تو جس بستی میں جو بھی آگاہ کرنے والا (رسول) بھیجا وہاں کے خوشحال لوگوں یعنی خوشحال سرداروں نے یہی کہا کہ جو چیز دے کر تم کو بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں، اور کہا ہم مال و اولاد میں ایمان والوں سے بڑھے ہوئے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم کو عذاب دیا جائے، آپ کہہ دیجئے میرا رب جس کی چاہے بطور آزمائش روزی کشادہ کر دیتا ہے اور امتحاناً جس کی چاہے روزی تنگ کر دیتا ہے، لیکن اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اس بات کو نہیں جانتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَلَوْ تَرٰی، لَوْ کا جواب اور تریٰ کا مفعول محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَلَوْ تَرَی حَالَ الظالمین وَقْتَ وقوفِھم عند ربّھم لرأیتَ اَمْرًا فظیعًا حالَ مفعول ہے اور لرأیتَ الخ جواب لو ہے۔

قولہ: اِذِ الظالمون تریٰ کا ظرف ہے۔

قولہ: یَرْجِعُ بَعْضُھُمْ یہ موقوفون کی ضمیر سے حال ہے۔

قولہ: یقول الذین استضعفوا، یرْجِعُ کی تفسیر ہے۔

قولہ: لَوْ لَا مبتداء ہے، اس کی خبر محذوف ہے، شارح نے اپنے قول صَدَدْتُمُوْنَا سے خبر محذوف کی طرف اشارہ

کردیا، اور لَکُنَّا مُؤمِنِیْنَ، لَوْلَا کا جواب ہے۔

قولہ: اَنَحْنُ صَدَدْنَاکُمْ کے بعد شارح نے لَا مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اَنَحْنُ میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے۔

قولہ: بَلْ مکرُ اللیل، مکرٌ فعل محذوف کا فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے بَلْ صَدَّنَا مکرُکُمْ بِنَا فِی اللیلِ والنَّہار، مکرُکُمْ میں کُمْ مضاف الیہ کو حذف کردیا اور اتساعاً ظرف کو مضاف الیہ کے قائم مقام کردیا۔

قولہ: اِذْ تَامُرُوْنَنَا یہ مکرٌ کا ظرف ہے ای مکرکُمْ وقتَ امرِکُمْ لَنَا.

قولہ: اَسَرُّوا جملہ حالیہ یا مستانفہ ہے۔

قولہ: اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْھَا یہ قریۃٍ سے حال ہے قریۃ اگرچہ نکرہ ہے مگر چونکہ سیاق نفی میں واقع ہے جس کی وجہ سے ذوالحال بننے کی گنجائش ہوگئی۔

قولہ: مُتْرَفُوھا اصل میں مُتْرَفُوْنَ بِھَا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا یہ اِتْرَافٌ مفعول جمع مذکر ہے آسودہ، اور خوشحال لوگ۔

قولہ: بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِہٖ، کافِرُوْنَ سے متعلق ہے اہتمام اور رعایت فواصل کی وجہ سے مقدم کردیا، تقدیر عبارت یہ ہے ای کافِرُوْنَ بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِہٖ.

تفسیر وتشریح

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مشرکین مکہ نے یہود سے آپ ﷺ کی نبوت کی علامات معلوم کیں، یہود نے جو علامات بتائیں تو وہ آپ ﷺ پر پوری طرح صادق آئیں، تو اس وقت مشرکین نے کہا کہ ہم نہ قرآن کو مانیں گے اور نہ اگلی کتابوں انجیل، تورات، زبور وغیرہ کو اس لئے کہ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں جہاں دیکھو وہی حساب وکتاب اور قیامت کا مضمون، سو ہم ان چیزوں کو ہرگز تسلیم کرنے والے نہیں ہیں۔

وَلَوْ تَرٰی میں خطاب آپ ﷺ کو بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ علامہ محلی نے اختیار کیا ہے اور ہر اس شخص کو بھی ہوسکتا ہے جس میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہو، مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب اگر تو ان مشرکین وکافرین کی اس حالت کو دیکھے کہ جب یہ لوگ اپنے رب کے روبرو سر افگندہ وشرمندہ کھڑے ہوں گے، اور ناکامی کا الزام ایک دوسرے پر ڈال رہے ہوں گے جیسا کہ دنیا میں بھی عام عادت یہی ہے، تو اے مخاطب تو ان کی عجیب حالت زار دیکھے گا، آگے اللہ تعالیٰ وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا سے مشرکین کے آپس میں ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرانے کو بیان فرما رہے ہیں، فرماتے ہیں دنیا میں جو لوگ نچلے طبقہ میں اور کمزور شمار ہوتے تھے اور دوسروں کے پیچھے چلتے تھے وہ اپنے سرداروں کو الزام دیں گے، کہ تم نے ہمیں اس مصیبت میں پھنسوایا، تمہاری طرف سے رکاوٹ نہ ہوتی تو ہم ضرور پیغمبروں کی بات مان لیتے اور یہ دن دیکھنا نہ پڑتا، قوم کے اونچے طبقہ کے لوگ کمزور

طبقہ کے لوگوں کو جواب دیں گے، کہ ہمارے پاس کونسی طاقت تھی کہ ہم تم کو ہدایت کے راستہ سے روکتے، حقیقت یہ ہے کہ جب تمہارے پاس حق بات پہنچ گئی تھی اور سمجھ میں آ گئی تھی تو کیوں قبول نہ کی؟ اور کیوں تم نے اس میں غور وفکر نہ کیا؟ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ تم اپنی خواہشات کی وجہ سے اسے قبول کرنے سے گریزاں رہے، اور آج اپنا جرم ہمارے سر ڈال کر ہمیں مجرم بنا رہے ہو، اس کے جواب میں کمزور طبقہ کے لوگ کہیں گے، بے شک تم نے زبردستی مجبور تو نہ کیا تھا، مگر رات دن مکر وفریب اور مغویانہ تدبیر سے ہم کو بہکاتے پھسلاتے رہے تھے، جب ملے یہی تلقین کی کہ پیغمبروں کے حکم وارشاد کے مطابق خدا کو ایک نہ مانیں بلکہ بعض مخلوقات کو بھی اس کا مماثل اور برابر کا شریک سمجھیں، آخر تمہاری شب وروز کی ترغیب وترہیب کا کہاں تک اثر نہ ہوتا؟ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ یعنی دونوں فریق ایک دوسرے پر الزام تراشی تو کریں گے، لیکن دل میں دونوں ہی فریق اپنے اپنے کفر پر شرمندہ ہوں گے، مگر شماتت اعداء کی وجہ سے ظاہر کرنے سے گریز کریں گے، گردنوں میں طوق اور ہاتھ پیروں میں زنجیریں پڑی ہوں گی، یعنی دنیا میں جیسا کچھ کیا ہوگا آج وہ سزا کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہوگا، سچ ہے جیسا کرنا ویسا بھرنا وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ یہ آپ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے، کہ آپ مکہ کے رؤساء اور چودھریوں کے انحراف اور سرکشی سے مغموم نہ ہوں ہر زمانہ میں پیغمبروں کا مقابلہ ایسے ہی بد بخت رئیسوں اور شریروں نے کیا ہے، آپ کے ساتھ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، دولت وثروت کا نشہ اور اقتدار طلبی کا جذبہ آدمی کو اندھا کر دیتا ہے، وہ کسی کے سامنے گردن جھکانے اور چھوٹے آدمیوں کے برابر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا، اسی لئے انبیاء کے پیروکار عموماً ضعیف ومسکین لوگ ہوتے ہیں، حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم نے کہا تھا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ (الشعراء) وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے ہمیں دنیا میں مال واولاد کی کثرت سے نوازا ہے، تو اگر بقول شما قیامت برپا ہوئی بھی تو ہم وہاں بھی تم سے بہتر رہیں گے، اس لئے کہ ہم یہاں مال واولاد میں تم سے بہتر ہیں اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا ہم سے راضی اور خوش ہے اس لئے کہ کوئی بھی اپنے دشمن کو مال ودولت سے نہیں نوازا کرتا، جب خدا ہم سے خوش ہے تو ہمیں کسی عذاب کا بھی اندیشہ نہیں، تم فضول ہم کو عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیَقْدِرُ اس آیت میں کفار کے مذکورہ مغالطہ اور شبہ کا ازالہ کیا ہے کہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کی رضا یا عدم رضا کی مظہر نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق اللہ کی حکمت ومشیئت سے ہے، اس لئے کہ وہ مال اس کو بھی دیتا ہے جس کو پسند کرتا ہے اور اس کو بھی جس کو ناپسند کرتا ہے، مال واولاد کی فراوانی اور تنگی اس کی رضا وعدم رضا کا معیار نہیں ہے۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی قُرْبیٰ ای تَقْرِیْبًا **اِلَّا** لکِنْ **مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا** ای جَزَاءُ العَمَلِ الحسنةِ مَثَلاً بعشرٍ فاکثَر **وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ** مِنَ الجنّةِ **اٰمِنُوْنَ**﴿۳۷﴾ مِنَ المَوْتِ وغیرِہٖ وفِی قراءةٍ الغُرْفَةُ وہی بِمَعْنَی الجَمْعِ **وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا** القُراٰن بالاِبْطَالِ **مُعٰجِزِیْنَ** لَنا مُقَدِّرِیْنَ عَجْزَنا وَاَنَّهم یَفُوْتُوْنَنا **اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ**﴿۳۸﴾ **قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ** یُوَسِّعُهٗ

لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ امتحانا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهٗ لَهٗ ۚ بعد البسط او لمن يشاء ابتلاءً وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ في الخير فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٣٩﴾ يقال كل انسان يرزق عائلته اي من رزق الله وَ اذكر يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا المشركين ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ بتحقيق الهمزتين وابدال الاولى ياءً واسقاطها كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٤٠﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ تنزيها لك عن الشريك اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ اي لا موالاة بيننا وبينهم من جهتنا بَلْ للانتقال كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ الشياطين اي يطيعونهم في عبادتهم ايانا اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ مصدقون فيما يقولون لهم قال تعالى فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ اي بعض المعبودين لبعض العابدين نَّفْعًا شفاعة وَّلَا ضَرًّا ۭ تعذيبا وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا كفروا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا من القرآن بَيِّنٰتٍ واضحات بلسان نبينا محمد قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُكُمْ ۚ من الاصنام وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اي القرآن اِلَّآ اِفْكٌ كذب مُّفْتَرًى ۭ على الله وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ القرآن لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ اِنْ ما هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٣﴾ بين قال تعالى وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿٤٤﴾ فمن اين كذبوك وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا اي هؤلاء مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ من القوة وطول العمر وكثرة المال فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ اليهم فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٥﴾ انكاري عليهم بالعقوبة والاهلاك اي هو واقع موقعه.

ترجمہ: اور تمہارے مال و اولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنادیں، ہاں! جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کے لئے ان کے اعمال کا دوہرا اجر ہے مثلاً نیک اعمال کی جزاء دس گنا یا اس سے بھی زیادہ اور وہ جنت کے بالاخانوں میں موت وغیرہ سے بےخوف ہوں گے اور ایک قراءت میں اَلْغُرْفَةُ ہے اور یہ معنی میں جمع کے ہے، اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں قرآن کے باطل کرنے کی تگ ودو میں ہم کو عاجز سمجھ کر لگے رہتے ہیں، یہ سمجھ کر کہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، یہی ہیں وہ جو عذاب میں پکڑ کر حاضر کئے جائیں گے، آپ کہہ دیجئے میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کی چاہے روزی امتحاناً کشادہ کر دیتا ہے اور اسی کی یا جس کی چاہے کشادگی کے بعد ابتلاءً روزی تنگ کر دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی کار خیر میں خرچ کرو گے اللہ اس کا بدلہ دے گا اور وہ بہترین روزی رساں ہے، کہا جاتا ہے کہ ہر انسان اپنے اہل وعیال کو روزی دیتا ہے یعنی اللہ کے رزق سے اور وہ دن قابل ذکر ہے جس دن اللہ تعالیٰ ان سب مشرکوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور پہلے ہمزہ کو یاء سے بدل کر اور اس کو ساقط کر کے وہ عرض کریں گے تو شرک سے پاک ہے ہمارا اولی تو تو ہے نہ کہ وہ یعنی ہمارے اور ان کے درمیان ہماری طرف سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ لوگ تو شیاطین کو پوجتے تھے یعنی ہماری بندگی کرنے میں ان کی اطاعت کرتے تھے ان میں کے اکثر کا انہی پر ایمان تھا یعنی وہ جو کچھ ان سے کہتے

تھے اسی کی تصدیق کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کوئی کسی کو یعنی کوئی معبود کسی عابد کو نہ شفاعت کا نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ عذاب دینے کا، اور ہم ظالموں کافروں سے کہہ دیں گے کہ اس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلا رہے تھے اور جب ان لوگوں کے سامنے قرآن کی آیتیں جو صاف صاف ہیں ہمارے نبی محمد ﷺ کی زبانی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایسا شخص ہے جو تم کو تمہارے باپ دادوں کے معبودوں سے یعنی بتوں سے روک دینا چاہتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ قرآن محض اللہ پر لگایا ہوا بہتان ہے، اور کافر اس حق یعنی قرآن کی نسبت جبکہ وہ ان کے پاس آچکا کہتے ہیں کہ یہ محض ایک صریح جادو ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ تو ہم نے ان کو کتابیں دے رکھی ہیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں اور نہ ہم نے ان کے پاس آپ سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا بھیجا پھر یہ آپ کو کس طرح جھٹلاتے ہیں، اور ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی اور انہیں جو کچھ ہم نے دے رکھا تھا یہ تو اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے یعنی قوت اور درازی عمر اور کثرت مال میں بس ان لوگوں نے ان کی طرف بھیجے ہوئے میرے رسولوں کو جھٹلایا (پھر دیکھو) ان پر سزا اور ہلاکت کے اعتبار سے میرا عذاب کیسا رہا؟ یعنی وہ برموقع واقع ہوا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰی، وَمَا اموالکم جملہ مستانفہ ہے، ماسبق کی تحقیق وتقریر کے لئے لایا گیا ہے، ما مشابہ بلیس ہے، اموالکم اپنے معطوف کے ساتھ اس کا اسم ہے، بالتی موصول صلہ سے مل کر اموال واولاد کی صفت ہے اگر چہ موصوف صفت میں بظاہر مطابقت نہیں ہے مگر چونکہ جمع تکسیر خواہ ذوی العقول کی ہو یا غیر ذوی العقول کی واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے، اس اعتبار سے موصوف وصفت میں مطابقت ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بالّتی موصوف محذوف کی صفت ہو، تقدیر عبارت یہ ہو بالاَحْوَالِ الَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ مفسر علام نے زُلْفٰی کی تفسیر قُربیٰ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ زُلْفٰی، تُقَرِّبُكُمْ کا مفعول مطلق بغیر لفظہ ہے ای تُقَرِّبُكم تَقْرِیْبًا.

قَوْلُهٗ: اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ مبتدا ہے اور مشارالیہ مَنْ آمَنَ میں مَنْ ہے اور اُولٰٓئِكَ جمع مَنْ کے معنی کے اعتبار سے ہے، دونوں فعلوں کو مَنْ کے لفظ کی رعایت سے مفرد لائے ہیں۔

قَوْلُهٗ: لَهُمْ خبر مقدم اور جزاء الضعف مبتداء مؤخر، جملہ اسمیہ ہوکر اُولٰئِكَ مبتداء کی خبر ہے اور جَزَاءُ الضِّعْفِ اضافت الموصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے ای لهم الجزاء المضاعف ایک قراءت میں اَلْغُرْفَةُ ہے الف لام جنس کا ہونے کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے۔

قَوْلُهٗ: مقدرین عجزنا ای معتقدین اَنَّنا عَاجِزُوْنَ فَلَا نَقْدِرُ علیهِم.

قَوْلُهٗ: قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ الخ اس آیت کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آیت مکرر ہے اور ماقبل کی تاکید کے لئے ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آیت اول کی غیر ہے، اول اشخاص متعددہ کے لئے ہے یعنی کسی

کی روزی کشادہ اور کسی کی تنگ کرتا ہے اور یہ آیت شخص واحد کے لئے ہے یعنی ایک ہی شخص کی روزی ایک وقت میں کشادہ کرتا ہے اور اسی شخص کی دوسرے وقت میں تنگ کر دیتا ہے۔

قولہ: فَهُوَ يُخْلِفُهُ یعنی اللہ تعالیٰ راہ خدا میں خرچ کئے ہوئے کا بدل اور عوض عطا فرما دیتا ہے۔

قولہ: يقالُ كُلُّ اِنْسانٍ يَرْزُقُ عائِلَتَهُ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ رازقین کو جمع لایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے رازق کثیر ہیں حالانکہ رازق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

جواب: حقیقی رازق تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں چونکہ بندہ بظاہر خدا کے عطا کردہ رزق میں سے اپنے اہل وعیال، نوکر چاکروں کو رزق دیتا ہے اس لئے مجازاً بندہ کو بھی رازق کہہ دیا جاتا ہے، اسی وجہ سے بندہ کو رازق کہہ سکتے ہیں مگر رزّاق نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ یہ اسماء حسنیٰ مختصہ میں سے ہے۔

قولہ: اكثرُهم بهِمْ مُؤمنون، اکثرھم مبتداء مؤمنون اس کی خبر بِهِمْ، مؤمنونَ سے متعلق ہے اور اکثر سے مراد کل ہیں۔

قولہ: نَقُوْلُ کا عطف لا يَمْلِكُ پر ہے۔

قولہ: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہاں ضمیر لانا بھی کافی ہوسکتا تھا، اس لئے کہ کفار ومشرکین کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے، یعنی قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کے بجائے وَقَالُوْا کہتے مگر چونکہ اس میں ان کی صفت کفر کو ظاہر کرنے کی وجہ سے قباحت وشناعت زیادہ ہے، اس لئے اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر استعمال کیا ہے۔

قولہ: المِعْشَار دسواں حصہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ دسویں کا دسواں یعنی سوواں حصہ، مقصد تحدید نہیں ہے بلکہ بیان قلت ہے اگر فكذبوا رُسُلي کا عطف كَذَّبَ الذينَ من قبلِهِمْ پر ہو تو ما بَلَغُوْا مِعْشار ما آتيناهم معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔

تفسیر وتشریح

دنیا کی دولت وعزت کو مقبولیت عند اللہ کی دلیل سمجھنا قدیم شیطانی فریب ہے:

ابتداء دنیا سے دنیا کی دولت اور عیش وعشرت کے نشہ میں مخمور رہنے والوں نے ہمیشہ حق کی آواز کی مخالفت اور انبیاء وصلحاء سے عداوت کا طریقہ اختیار کیا ہے، الا ماشاء اللہ اور اس پر طرہ یہ کہ وہ اہل حق کے مقابلہ میں اپنی موجودہ حالت پر خوش اور مطمئن ہونے کی یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اگر ہمارے اعمال وعادات اللہ کو پسند نہ ہوتے تو ہمیں دنیا کی دولت، عزت، حکومت کیوں دیتے، قرآن کریم نے اس کا جواب متعدد آیات میں متعدد عنوانات سے دیا ہے، آیات مذکورہ کا نزول بھی اسی طرح کے ایک واقعہ سے متعلق ہے اور اس لغو دلیل کا جواب ہے۔

شانِ نزول:

حدیث میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دو شخص ایک کاروبار میں شریک تھے، ان میں سے ایک دوسری جگہ کسی ساحلی علاقہ میں چلا گیا، جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے، آپ کی نبوت ورسالت کا چرچا ہوا تو ساحلی ساتھی نے مکی ساتھی کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ ان کے دعوائے نبوت کا تم لوگوں نے کیا اثر لیا، اس پر مکی ساتھی نے جواب لکھا کہ قریش میں سے تو کوئی بھی ان کا تابع نہیں ہوا، صرف غریب مسکین بے حیثیت لوگ ان کے پیچھے لگے ہیں، ساحلی ساتھی وہاں کی اپنی تجارت چھوڑ کر مکہ آیا، اور اپنے ساتھی سے کہا مجھے اس کا پتہ بتا دو، یہ ساحلی ساتھی کتب قدیمہ توریت انجیل وغیرہ کا مطالعہ کیا کرتا تھا، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں، آپ نے دعوت اسلام کے اہم اجزاء کا ذکر فرمایا، اس شخص نے آپ کی زبان مبارک سے دعوت کے اجزاء سنتے ہی کہا اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اس نے عرض کیا آپ کی دعوت کا حق ہونا عقل سے سمجھا، اور اس کی علامت یہ دیکھی کہ جتنے انبیاء علیہم السلام پہلے آئے ہیں سب کے ماننے والے ابتداء میں قوم کے غریب وفقیر اور دنیا کے اعتبار سے کم حیثیت ہوئے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی مَا اَرْسلنا فِی قریۃٍ. (الآیة)

خلاصہ یہ کہ یہ مال ودولت اس کی دلیل نہیں ہے کہ ہمیں تم سے محبت ہے اور ہماری بارگاہ میں تمہیں خاص مقام حاصل ہے، ہماری محبت اور قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تو صرف ایمان وعمل صالح ہے، جس طرح حدیث میں فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری شکلیں اور مال نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب البر)

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ مال کی کثرت اور فراوانی مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں تو اللہ تعالیٰ کبھی کافر کو بھی خوب مال دیتا ہے، لیکن یہ استدراج (ڈھیل) کے طور پر ہوتا ہے، اور کبھی مومن کو تنگ دست رکھتا ہے، مگر اس کے اجر وثواب میں اضافہ کرنے کے لئے، اس لئے محض مال کی فراوانی اس کی رضا اور خوشنودی کی اور مال کی کمی تنگی کی دلیل نہیں ہے۔

''اِخلاف'' کے معنی ہیں عوض اور بدلہ دینا، یہ بدلہ دنیا میں بھی ممکن ہے اور آخرت میں تو یقینی ہے، حدیث قدسی میں ہے اَنْفِقْ اُنْفِقُ عَلَيْكَ (صحیح بخاری سورۂ ہود) تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا، یعنی بدلہ دوں گا، دو فرشتے ہر روز اعلان کرتے ہیں، ایک کہتا ہے اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا یا اللہ بخیل کے مال کو ضائع کردے، دوسرا کہتا ہے اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا کر۔ (بخاری، کتاب الزکوٰۃ)

جو خرچ شریعت کے مطابق نہ ہو اس کے بدل کا وعدہ نہیں:

حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نیک کام صدقہ ہے اور کوئی آدمی جو اپنے نفس پر یا اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ کے حکم میں ہے، اور جو شخص کچھ خرچ کر کے اپنی آبرو بچائے وہ بھی صدقہ ہے، اور جو شخص

اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ذمہ لے لیا ہے کہ اس کا بدل اس کو دے گا، مگر وہ خرچ جو فضول (ضرورت سے زائد) ہو یا کسی گناہ کے کام میں ہو اس کے بدل کا وعدہ نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ابن المنکدر نے یہ حدیث سن کر ان سے پوچھا کہ آبرو بچانے کے لئے خرچ کا کیا مطلب ہے؟ جواب دیا کہ جس شخص کے بارے میں یہ خیال ہو کہ اگر نہیں دیں گے تو عیب جوئی کرے گا برا کہتا پھرے گا یا بدگوئی کرے گا۔ (دارقطنی، قرطبی بحوالہ معارف)

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یہ کفار کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم نے انکار و تکذیب کا جو راستہ اختیار کیا ہے وہ نہایت خطرناک ہے تم سے پچھلی امتیں بھی اس راستہ پر چل کر تباہ و برباد ہو چکی ہیں، حالانکہ یہ امتیں مال و دولت، قوت و طاقت اور عمر کے لحاظ سے تم سے بڑھ کر تھیں، تم تو ان کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے، لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں، اسی مضمون کو سورۂ احقاف کی آیت ۲۶ میں بھی بیان فرمایا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ہِیَ **اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ** اَیْ لِاَجْلِهٖ **مَثْنٰى** اَیْ اِثْنَیْنِ اِثْنَیْنِ **وَفُرَادٰى** اَیْ وَاحِدًا وَاحِدًا **ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا** فَتَعْلَمُوْا **مَا بِصَاحِبِكُمْ** مُحَمَّدٍ **مِّنْ جِنَّةٍ** جُنُوْنٍ **اِنْ** مَا **هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ** اَیْ قَبْلَ **عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴿۴۶﴾** فِی الْاٰخِرَةِ اِنْ عَصَیْتُمُوْهُ **قُلْ** لَهُمْ **مَا سَاَلْتُكُمْ** عَلَی الْاِنْذَارِ وَالتَّبْلِیْغِ **مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ** اَیْ لَا اَسْاَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا **اِنْ اَجْرِيَ** مَا ثَوَابِیْ **اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴿۴۷﴾** مُطَّلِعٌ یَعْلَمُ صِدْقِیْ **قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ** یُلْقِیْهِ اِلٰی اَنْبِیَائِهٖ **عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴿۴۸﴾** مَا غَابَ عَنْ خَلْقِهٖ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ **قُلْ جَآءَ الْحَقُّ** الْاِسْلَامُ **وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ** الْكُفْرُ **وَمَا يُعِيْدُ﴿۴۹﴾** اَیْ لَمْ یَبْقَ لَهٗ اَثَرٌ **قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ** عَنِ الْحَقِّ **فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ** اَیْ اِثْمُ ضَلَالِیْ عَلَیْهَا **وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ** مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالْحِكْمَةِ **اِنَّهٗ سَمِيْعٌ** لِلدُّعَاءِ **قَرِيْبٌ﴿۵۰﴾ وَلَوْ تَرٰٓى** یَا مُحَمَّدُ **اِذْ فَزِعُوْا** عِنْدَ الْبَعْثِ لَرَاَیْتَ اَمْرًا عَظِیْمًا **فَلَا فَوْتَ** لَهُمْ مِنَّا اَیْ لَا یَفُوْتُوْنَنَا **وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ﴿۵۱﴾** اَیِ الْقُبُوْرِ **وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ** اَیْ بِمُحَمَّدٍ اَوِ الْقُرْاٰنِ **وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ** بِالْوَاوِ وَبِالْهَمْزَةِ بَدَلَهَا اَیْ تَنَاوُلُ الْاِیْمَانِ **مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴿۵۲﴾** عَنْ مَحَلِّهٖ اِذْ هُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَمَحَلُّهُ الدُّنْیَا **وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ** فِی الدُّنْیَا **وَيَقْذِفُوْنَ** یَرْمُوْنَ **بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴿۵۳﴾** اَیْ بِمَا غَابَ عِلْمُهٗ عَنْهُمْ غَیْبَةً بَعِیْدَةً حَیْثُ قَالُوْا فِی النَّبِیِّ سَاحِرٌ شَاعِرٌ كَاهِنٌ وَفِی الْقُرْاٰنِ سِحْرٌ شِعْرٌ كَهَانَةٌ **وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ** مِنَ الْاِیْمَانِ اَیْ قُبُوْلِهٖ **كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ** اَشْبَاهِهِمْ فِی الْكُفْرِ **مِّنْ قَبْلُ** اَیْ قَبْلَهُمْ **اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ﴿۵۴﴾** مُوْقِعِ الرِّیْبَةِ لَهُمْ فِیْمَا اٰمَنُوْا بِهِ الْاٰنَ وَلَمْ یَعْتَدُّوْا بِدَلَائِلِهٖ فِی الدُّنْیَا۔

ع ۹ / ۱۲

ترجمہ: آپ کہئے کہ میں تمہیں صرف ایک (مختصر سی) بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم خدا کے واسطے (ضد چھوڑ کر) دو دو یا تنہا تنہا کھڑے (مستعد) ہو جاؤ، پھر سوچو تو تم سمجھ جاؤ گے کہ تمہارے ساتھی محمد کو کوئی جنون نہیں وہ تو تم کو آخرت کے ایک سخت عذاب سے اس کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے اگر تم اس کی بات نہ مانو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم کو آگاہ کرنے اور تبلیغ پر تم سے جو معاوضہ طلب کروں وہ تم ہی کو مبارک ہو یعنی میں اس انذار و تبلیغ پر تم سے کوئی صلہ طلب نہیں کرتا، میرا صلہ تو اللہ ہی کے ذمہ ہے وہ ہر چیز سے باخبر ہے میری صداقت سے واقف ہے آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب حق بات اپنے نبیوں پر نازل کرتا ہے آسمانوں اور زمینوں میں جو شئ اس کی مخلوق میں سے مخفی ہے اس مخفی شئ کو جاننے والا ہے، آپ کہہ دیجئے حق اسلام آگیا اور باطل کفر نہ تو پہلے کچھ (اثر) کر سکا اور نہ بعد میں اس کا کچھ اثر رہے گا، آپ کہہ دیجئے اگر میں (خدانخواستہ) حق سے بہک جاؤں تو میرے بہکنے کا وبال میرے ہی اوپر ہوگا اور اگر میں ہدایت پر رہوں تو یہ اس قرآن و حکمت کی وجہ سے ہے جو میرا رب میرے پاس بذریعہ وحی بھیج رہا ہے، وہ دعاء کو سننے والا اور (مجھ سے) قریب ہے اے محمد آپ وہ وقت ملاحظہ کریں جبکہ بعث کے وقت وہ (کافر) گھبرائے پھریں گے تو آپ ایک بڑا ہولناک منظر دیکھیں گے، تو پھر ان کے لئے چھٹکارا نہیں یعنی ہماری گرفت سے بھاگ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی یعنی قبروں ہی سے گرفتار کر لئے جائیں گے (اس وقت) کہیں گے ہم اس پر یعنی محمد یا قرآن پر ایمان لائے اتنی دور سے ان کے لئے (ایمان) ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے؟ اَلتَّنَاوُشُ واؤ کے ساتھ اور واؤ کے عوض ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی ایمان حاصل ہونا (کہاں ممکن ہے؟) اس لئے کہ وہ (اب) عالم آخرت میں ہیں، اور ایمان کا محل دنیا ہے، حالانکہ اس سے پہلے دنیا میں اس کا انکار کر چکے ہیں اور دور ہی دور سے بے تحقیق (اندازے اور اٹکل سے) باتیں ہانکتے رہے یعنی ایسی باتیں کرتے رہے کہ جن کے علم سے وہ کوسوں دور تھے، اس طریقہ پر کہ انہوں نے نبی ﷺ کے بارے میں (کبھی) ساحر کہا (کبھی) شاعر کہا، اور (کبھی) کاہن کہا، اور قرآن کے بارے میں (کبھی) سحر کہا (کبھی) شعر کہا (اور کبھی) کہانت کہا، ان کے اور ان کی ایمان کی آرزوؤں کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا یعنی قبولیت ایمان کے درمیان جیسا کہ اس سے پہلے بھی کفر میں ان کے ہم مشربوں کے ساتھ کیا گیا وہ بھی ان ہی کی طرح تردد میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے تھے جس بات پر اب ایمان لائے ہیں، اس کے بارے میں شک میں ڈالنے والے تردد میں پڑے رہے، حالانکہ دنیا میں اس ایمان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بِوَاحِدَةٍ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے ای بِخَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ اور حذف پر قرینہ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ ہے اَنْ تَقُوْمُوْا بتاویل مصدر ہو کر هِیَ مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ شارح نے هی محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے اور اَنْ تَقُوْمُوْا

بتاویل مصدر ہوکر بواحدۃٍ کا عطف بیان یا بدل ہے ان دونوں صورتوں میں اَنْ تَقُوْمُوْا محلاً مجرور ہوگا۔

قَوْلُهُ: ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا. ثم حرف عطف برائے تاخیر وترتیب ہے اور تَتَفَكَّرُوْا کا عطف اَنْ تَقُوْمُوْا پر ہے اور مثنٰی وفُرَادٰی حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں، بِصَاحِبِكُمْ خبر مقدم مِنْ جِنَّةٍ مبتداء مؤخر محلاً مرفوع اور لفظاً مجرور ہے مِنْ زائدہ ہے۔

قَوْلُهُ: مَا سَاَلْتُكُمْ مِنْ اجرٍ فَهُوَ لَكُمْ ماشرطیہ سَاَلْتُكُمْ کا مفعول ثانی مقدم ہے اور مِنْ اجرٍ، ما کا بیان ہے اور فَهُوَ لَكُمْ جواب شرط ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ما موصول مبتداء ہو اور فَهُوَ لكم اس کی خبر ہو اور موصول چونکہ متضمن بمعنی شرط ہے اس لئے فَهُوَ پر فا رابطہ کے لئے ہے، اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ اس بات پر دال ہے کہ آپ نے انذار وتبلیغ کے عوض کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا۔

قَوْلُهُ: يَقْذِفُ بالحقِّ. يَقْذِفُ کا مفعول محذوف ہے ای يَقْذِفُ الباطِلَ بالحقِّ، دوسری ترکیب، جس کی طرف شارح رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اشارہ کیا ہے یہ ہوسکتی ہے کہ با ملابست کے لئے ہو اور مفعول محذوف ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی يَقْذِفُ الوحی الی اَنبیائِهٖ مُتَلَبِّسًا بالحقِّ.

قَوْلُهُ: عَلَّامُ الغیوب. اِنَّ کی خبر ثانی ہے یا هُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور يَقْذِفُ کی ضمیر سے بدل بھی ہوسکتا ہے۔

قَوْلُهُ: مَاغَابَ عَنْ خَلْقِهٖ اللہ تعالیٰ مغیبات کا بخوبی جاننے والا ہے، ماغَابَ پر مغیبات کا اطلاق مخلوق کے اعتبار سے ہے ورنہ اس کے نزدیک ماضی حال سب مشاہد ہے، اسی سوال مقدر کے جواب کے لئے شارح رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے ماغاب عن خَلْقِهٖ کا اضافہ کیا ہے۔

قَوْلُهُ: فَبِمَا يُوْحِىْ اِلَيَّ رَبِّىْ ما مصدریہ بھی ہوسکتا ہے اور با سببیہ ہے ای بسببِ اِیحاءِ رَبِّیْ اِلَيَّ اور موصولہ بھی ہوسکتا ہے ای بسببِ الَّذِیْ يُوْحِيْهِ اِلَيَّ.

قَوْلُهُ: وَلَوْ تریٰ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ تریٰ کا مفعول محذوف ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی، لَوْ تریٰ حالَهُمْ وقتَ فزعِهِمْ.

قَوْلُهُ: لَرَأیتَ امرًا عظیمًا مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ لَوْ کا جواب شرط محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: تَنَاوُش اس میں دو قراءتیں ہیں واؤ پر ضمہ کے ساتھ اور واؤ کو ہمزہ سے بدل کر تناؤش بروزن تفاعل ناش يَنُوْشُ (ن) نوشًا لینا، پکڑنا۔

قَوْلُهُ: وَقَدْ كَفَرُوْا یہ جملہ حالیہ ہے حال یہ ہے کہ وہ دنیا میں کفر کر چکے ہیں۔

قَوْلُهُ: ويَقْذِفُوْنَ بالغَيْبِ اس کا عطف حکایت حال ماضیہ کے طور پر قد كَفَرُوْا پر ہے۔

قَوْلُهُ: بَاَشْيَاعِهِمْ ای اشْبَاهِهِمْ فی الكُفْرِ. اشیاع شِيَعٌ کی اور شِيَعٌ شِيْعَةٌ کی جمع ہے اس طرح اَشياعٌ شِيْعَةٌ کی جمع الجمع ہے۔

قَوْلُہٗ: وَحِيْلَ فعل ماضی مجہول، استقبال کے معنی میں ہے ماضی سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے استقبال بھی ماحصل کے معنی میں ہے، ظرف نائب فاعل ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ نائب فاعل وہ ضمیر ہے جو فعل سے مفہوم مصدر کی طرف راجع ہے، کَاَنَّہٗ قیل وحیلَ ھُوَ، ای الحولُ اور ظرف حیلَ کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمِنْ قَبْلُ یہ اَشْیاع کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَمْ یَعْتَدُوْا. آمَنُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔

تفسیر وتشریح

کفار مکہ کو دعوت:

اس میں اہل مکہ پر حجت تمام کرنے کے لئے تحقیق حق کا مختصر راستہ بتلایا گیا ہے، کہ صرف ایک کام کرلو کہ ضد اور عناد چھوڑ کر خالی الذہن ہوکر اخلاص کے ساتھ دو دو یا ایک ایک کھڑے ہوجاؤ یعنی پورے اہتمام کے ساتھ مستعد اور تیار ہوجاؤ، اور دو دو اور ایک ایک سے مقصد تحدید نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی چیز میں غور وفکر کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک تو خلوت وتنہائی میں خود غور کرنا دوسرے اپنے احباب واکابر سے مشورہ اور باہم بحث وتمحیص کے بعد کسی نتیجے پر پہنچنا، ان دونوں طریقوں کو یا ان میں سے جو پسند ہو اسے اختیار کرو ثُمَّ تَتَفَکَّرُوْا اس کا عطف اَنْ تَقُوْمُوْا پر ہے جس میں قیام کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے، یعنی علائق وموانع کو ترک کرکے خالی الذہن ہوکر اللہ کے لئے اس کام کے لئے تیار ہوجاؤ اور غور کرو اور میری بابت سوچو کہ میری زندگی تمہارے اندر گذری ہے کیا اس میں کوئی اخلاقی، معاشرتی، یا معاملاتی کسی قسم کی کمزوری ہے اور اب بھی جو دعوت میں تمہیں دے رہا ہوں، کیا اس میں کوئی ایسی بات ہے کہ جس سے اس بات کی نشاندہی ہو کہ میرے اندر دیوانگی ہے؟ تم اگر عصبیت اور خواہش نفس سے بالا ہوکر سوچو گے تو یقیناً تم سمجھ جاؤ گے کہ تمہارے رفیق کے اندر کوئی دیوانگی نہیں ہے قُلْ مَا سَأَلْتُکُمْ مِنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ یعنی میں تم سے اپنی محنت کا کچھ صلہ نہیں چاہتا، اگر تمہارے خیال میں کچھ معاوضہ طلب کیا ہو وہ سب تم اپنے پاس رکھو، مجھے ضرورت نہیں میرا صلہ تو خدا کے یہاں ہے، تم سے جو چیز طلب کرتا ہوں یعنی ایمان واسلام وہ صرف تمہارے نفع کے لئے ہے اس سے زائد میری کوئی غرض نہیں، اس میں اپنے فائدہ کے لئے کسی بھی چیز کی طلب کی نفی ہے بلکہ مقصود تمہارا ہی دنیوی واخروی فائدہ ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی مشفق باپ اپنے بیٹوں کو جمع کرکے کہے کہ دیکھو میرے بیٹو مجھے تم سے کچھ نہیں چاہئے، سوائے اس کے کہ تم متحد ومتفق ہوکر رہو، خوب پھلو پھولو، اب ظاہر ہے کہ اس اتحاد واتفاق میں بیٹوں ہی کا فائدہ ہے۔

قُلْ جَاءَ الحق (الآیۃ) حق سے مراد قرآن اور باطل سے مراد کفر وشرک ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ کا دین اور اس کا قرآن آگیا جس سے باطل مضمحل اور ختم ہوگیا، اب وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا، سورۂ انبیاء میں فرمایا بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا ھُوَ زَاھِقٌ حدیث میں آتا ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل

ہوئے، چاروں طرف بت نصب تھے، آپ ﷺ کمان کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت وقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ پڑھتے جاتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الجهاد)

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ (الآية) یعنی سب بھلائی اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو وحی اور حق مبین نازل فرمایا ہے اس میں رشد و ہدایت ہے، پس جو گمراہ ہوتا ہے تو اس میں انسان کی خود اپنی ہی کوتاہی اور ہوائے نفس کا دخل ہوتا ہے، اس لئے اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا، حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ جب کسی سائل کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ بیان فرماتے تو ساتھ کہتے اَقُوْلُ فیھا برائی فاِنْ یکُنْ صَوابًا فمِنَ اللّٰهِ واِنْ یکن خَطأً فمِنّی ومِنَ الشَّیطانِ واللّٰهُ ورسولهُ بریئان منْهُ (ابن کثیر) یعنی اگر میں نے یہ ڈھونگ خود کھڑا کیا ہے تو کتنے دن چلے گا، اس میں آخر میرا ہی نقصان ہے، دنیا کی عداوت مول لینا، ذلت اٹھانا، اور آخرت کی رسوائی قبول کرنا (العیاذ باللہ) لیکن اگر میں سیدھے راستہ پر ہوں جیسا کہ واقعی ہوں تو سمجھ لو کہ یہ سب اللہ کی تائید و امداد اور وحی الٰہی کی برکت و ہدایت سے ہے جو کسی وقت میرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی، میرا خدا سب کچھ سنتا ہے اور بالکل نزدیک ہے۔

وَلَوْ تَرٰی اِذْ فَزِعُوْا یعنی یہ کفار یہاں ڈینگیں مارتے ہیں مگر وہ وقت عجیب قابل دید ہوگا جب یہ لوگ محشر کا ہولناک منظر دیکھ کر گھبرائیں گے، اور کہیں بھاگ نہ سکیں گے، اس وقت گرفتاری کے لئے کہیں دور سے ان کو تلاش کرنا نہیں پڑے گا، بلکہ نہایت آسانی سے فوراً جہاں کے تہاں گرفتار کر لئے جائیں گے۔

جب محشر میں گرفتار کر لئے جائیں گے، تو کہیں گے ہمیں پیغمبر کی باتوں پر یقین آ گیا، اب ہم ایمان لاتے ہیں حالانکہ اب ایمان کیسا؟ وہ موقع دور گیا جب ایمان لا کر خود کو بچا سکتے تھے، اب ان کا ہاتھ اتنی دور کہاں پہنچ سکتا ہے کہ جو دنیا سے ایمان اٹھا لائیں، مطلب یہ ہے کہ یہ اب دنیا سے بہت دور جا چکے ہیں، ایمان تو وہی معتبر ہے جو دنیا میں غائبانہ حاصل ہو، آخرت میں تو آنکھوں سے دیکھ کر بڑے سے بڑے کافر کو بھی یقین آ جائے گا اس میں کیا کمال ہے۔

یعنی دنیا میں جب ایمان لانے کا وقت تھا انکار پر تلے رہے، اور یوں ہی اٹکل کے تیر چلاتے رہے دنیا میں رہ کر ہمیشہ بے تحقیق باتیں کیں، سچی اور تحقیقی باتوں سے انکار کرتے رہے:

اب پچھتائے کیا ہوت ہے، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ (الآية) یعنی آخرت میں ان کی چاہتوں اور ان کے درمیان پردہ (آڑ) حائل کر دی جائے گی مثلاً آخرت میں وہ چاہیں گے کہ ان کا ایمان قبول کر لیا جائے یا عذاب سے ان کو نجات حاصل ہو جائے ان کی کوئی خواہش پوری نہیں کی جائے گی، اور اس قماش کے پہلے جو لوگ گذرے ہیں، جیسا معاملہ ان کے ساتھ کیا گیا تھا، ان سے بھی ہوا کیونکہ وہ لوگ بھی ایسے ہی مہمل شبہات اور بیجا شک و تردد میں گھرے ہوئے تھے، جو کسی طرح ان کو چین نہیں لینے دیتا تھا۔ (فوائد عثمانی)

تمت

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّ خَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ اَوْ سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ فاطر مکی ہے، اور وہ پینتالیس (۴۵) یا چھیالیس (۴۶) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمِدَ تعالٰى نَفْسَهُ بذٰلك كما بُيِّنَ في اَوَّلِ سَبَأٍ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خَالِقِهِمَا على غيرِ مِثَالٍ سَبَقَ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا الى الانبياء اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ في المَلٰئِكَةِ وغيرِها مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ① مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ كَرِزْقٍ ومَطَرٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ مِن ذٰلك فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اي بَعْدَ اِمْسَاكِهِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الغَالِبُ على اَمْرِهِ الْحَكِيْمُ② في فِعْلِهِ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اي اَهْلَ مَكَّةَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ بِاِسْكَانِكُم الحَرَمَ ومَنْعِ الغَارَاتِ عنكم هَلْ مِنْ خَالِقٍ مِن زَائِدَةٌ وخَالِقٌ مُبْتَدَأٌ غَيْرُ اللّٰهِ بالرَّفْعِ والجَرِّ نَعْتٌ لِخَالِقٍ لَفْظًا ومَحَلًّا وخَبَرُ المُبْتَدَأِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ المَطَرَ وَ من الْاَرْضِ النَّبَاتَ والاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ اي لَا خَالِقَ رَازِقَ غَيْرُهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ③ مِن اَيْنَ تُصْرَفُوْنَ عَنْ تَوْحِيْدِهِ مَعَ اِقْرَارِكُم بِاَنَّهُ الخَالِقُ الرَّازِقُ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ يا مُحَمَّدُ في مَجِيْئِكَ بالتَّوْحِيْدِ والبَعْثِ والحِسَابِ والعِقَابِ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ في ذٰلك فَاصْبِرْ كما صَبَرُوْا وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ④ في الاٰخِرَةِ فيُجَازِي المُكَذِّبِيْنَ ويَنْصُرُ المُرْسَلِيْنَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بالبَعْثِ وغَيْرِهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا عَنِ الايمانِ بذٰلك وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ في حِلْمِهِ وامْهَالِهِ الْغَرُوْرُ⑤ الشيطانُ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا بِطَاعَةِ اللّٰهِ ولا تُطِيْعُوْهُ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ اَتْبَاعَهُ في الكُفْرِ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ⑥ النَّارِ الشَّدِيْدَةِ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ⑦ فهٰذا بَيَانُ مَا لِمُوَافِقِي الشَّيْطَانِ ومَا لِمُخَالِفِيْهِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے، تمام تعریفوں کا سزاوار وہ اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا کسی سابقہ نمونہ کے بغیر پیدا کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مضمون سے اپنی حمد بیان فرمائی ہے،

جیسا کہ سورۂ سبا کے شروع میں بیان کیا گیا تھا اور جو فرشتوں کو انبیاء کی جانب پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو تین تین چار چار پر ہیں اور وہ ملائکہ کی تخلیق میں جو چاہے اضافہ کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ یقیناً ہر شئ پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے جو رحمت مثلاً رزق اور بارش کھول دے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور ان میں سے جس کو بند کردے اس کے بند کرنے کے بعد اس کا کوئی کھولنے والا نہیں وہ اپنے حکم پر غالب اور اپنے فعل میں حکمت والا ہے اے لوگو! یعنی مکہ والو! تم اپنے اوپر اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو جو تم کو حرم میں سکونت دیکر اور تم کو غارت گری سے محفوظ رکھ کر تمہارے اوپر کی ہیں کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے؟ یہ مِن زائدہ ہے، اور خالق مبتداء اور غیرُ اللّٰہ رفع و جر کے ساتھ، خالق کی لفظاً اور محلاً صفت ہے اور مبتداء کی خبر یرزُقُکُمْ من السماءِ ہے، جو تم کو آسمان یعنی بارش کے ذریعہ اور زمین یعنی نباتات کے ذریعہ روزی پہنچائے؟ استفہام تقریری ہے یعنی اس کے سوا کوئی خالق ورازق نہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم کہاں الٹے جارہے ہو؟ یعنی اس کی توحید کو چھوڑ کر، تمہارے اس اقرار کے باوجود کہ وہی خالق ورازق ہے (شرک کرکے) کہاں الٹے چلے جارہے ہو اور اے محمد اگر یہ لوگ آپ کو توحید اور بعث اور حساب اور عقاب کے بارے میں جھٹلا رہے ہیں تو اسی معاملہ میں آپ سے پہلے رسولوں کی تکذیب کی جاچکی ہے، لہٰذا آپ صبر کریں جیسا کہ انہوں نے صبر کیا اور آخرت میں تمام امور اللہ ہی کے روبرو پیش کئے جائیں گے، چنانچہ تکذیب کرنے والوں کو سزا دے گا اور رسولوں کی مدد کرے گا، اے لوگو اللہ کا بعث وغیرہ کا وعدہ سچا ہے سو ایسا نہ ہو کہ اس وعدہ پر ایمان لانے سے دنیوی زندگی تم کو دھوکے میں ڈالے رکھے اور ایسا نہ ہو کہ دھوکے باز (شیطان) تم کو اللہ تعالیٰ کے حلم اور مہلت دینے کے بارے میں دھوکے میں ڈالے رکھے، (یاد رکھو) شیطان تمہارا دشمن ہے، لہٰذا اللہ کی اطاعت کرکے اس کو اپنا دشمن سمجھو اور اس کی اطاعت نہ کرو، وہ تو اپنی جماعت کو (یعنی) کفر میں اس کی اتباع کرنے والی جماعت کو اسی لئے بلاتا ہے کہ وہ دوزخیوں میں سے ہوجائیں جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے سخت سزا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے، اور یہ اس (سزا و جزاء) کا بیان ہے جو شیطان کے موافقین ومخالفین کے لئے ہے۔

تَحقِيق وَتَركِيب وَتَسهِيل وَتَفسِيري فَوائِد

سورۂ فاطر کا دوسرا نام سورۂ ملائکہ بھی ہے:

قَوْلُهُ: فاطرُ السمٰوات ای خالقها علی غیر مثال، فطر کے اصلی معنی مطلقاً شق کے ہیں (ن) وعن مجاهد عن ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا ما کنتُ ادری ما فاطر السمٰوات والارض حتی اختصم الیّ اعرابیان فی بئرٍ فقال احدهما، انا فطرتها ای ابتدأتُها وابتدعتُها.

سُوَال: فاطِرِ السمٰوات والاَرْضِ میں اضافت لفظی ہے، لہٰذا یہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، حالانکہ یہ جملہ لفظ اللہ کی صفت واقع ہو رہا ہے، جو کہ معرفہ ہے۔

جَوَاب: چونکہ فاطر فعل ماضی کے معنی میں ہے جس کی وجہ سے یہ اضافت معنوی ہے لہٰذا اللہ کی صفت واقع ہونا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: جاعِلِ الملائکۃ یہ لفظ اللہ کی دوسری صفت ہے۔

سُوَال: جاعلٌ ماضی کے معنی میں ہے یا حال واستقبال کے؟ اگر ماضی کے معنی میں ہے تو اس کا عامل ہونا درست نہیں حالانکہ یہ رُسُلاً میں عامل ہے اور اگر حال یا استقبال کے معنی میں ہے تو یہ اضافت لفظیہ ہے جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، اس صورت میں لفظ اللہ کی صفت بنانا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: یہاں جاعلٌ استمرار کے معنی میں ہے لہٰذا ماضی کے معنی میں ہونے کی وجہ سے اضافت معنوی ہوگی اور تعریف کا فائدہ دے گی، جس کی وجہ سے لفظ اللہ کی صفت بننا درست ہوگا، اور چونکہ حال اور استقبال کے معنی میں بھی ہے، لہٰذا اس کا عامل ہونا بھی درست ہوگا، اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا۔

قَوْلُہٗ: اُولِیْ یہ حالت نصبی اور جری میں ہے حالت رفعی میں اولُو استعمال ہوتا ہے بمعنی والے یہ جمع ہی کے معنی میں مستعمل ہے اس کا واحد نہیں آتا اور بعض حضرات نے اس کا واحد ذُو بیان کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: اُولِیْ اَجْنِحَۃٍ یہ جناحٌ کی جمع ہے اس کے معنی پر دار بازو، یہ رُسُلاً کی صفت ہے دونوں چونکہ لفظ کے اعتبار سے نکرہ ہیں اس لئے مطابقت بھی موجود ہے، مگر اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بازوؤں کا ہونا ان فرشتوں کے لئے خاص ہے جو انبیاء و رسل کے پاس بھیجے جاتے ہیں حالانکہ ہر فرشتہ کے بازو ہوتے ہیں، لہٰذا اس کو ملائکہ کی صفت یا حال قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔

قَوْلُہٗ: مثنٰی وثُلٰث ورُباعَ، اجْنِحَۃٍ سے بدل ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہیں، ان کا فتحہ کسرہ کی نیابت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ یہ تینوں کلمے وصفیت اور عدل ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہیں، یہ کلمے تکرار سے عدول کر کے آئے ہیں مثلاً مَثْنٰی اثنین اثنین سے معدول ہے، اسی طرح باقی بھی۔

قَوْلُہٗ: یَزِیْدُ فی الخَلْقِ مَا یَشَاءُ یہ کلام مستانف ہے جو کہ ماقبل کی تاکید کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلَا مُمْسِکَ لَھَا میں وَیَزِیْدُ فی الخَلْقِ مَا یَشَاءُ میں لَھَا اور فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ میں لَہٗ دونوں کا مرجع مَا ہے، لَھَا معنی کی رعایت کے اعتبار سے اور لَہٗ لفظ کی رعایت کے اعتبار سے۔

قَوْلُہٗ: ھَلْ مِنْ خالقٍ. ھل استفہام انکاری کے لئے ہے اور توبیخ کے لئے بھی ہو سکتا ہے، اور مِن زائدہ ہے اور خالقٍ مبتداء لفظاً مجرور محلاً مرفوع ہے اور غیرُ اللہ رفع کے ساتھ خالق کی صفت ہے محل کے اعتبار سے اور غیرِ اللہ صفت ہے لفظ کے اعتبار سے خالقٌ مبتداء کی خبر، یَرْزُقُکُمْ ہے، بعض نے کہا ہے کہ لکم اس کی خبر محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: تُؤْفَکُوْنَ یہ اَفَکٌ بالفتح سے ماخوذ ہے اس کے معنی بھٹکنے اور پھرنے کے ہیں اور اِفْکٌ بالکسر اس کے معنی ہیں کذبٌ وافتراءٌ تُؤْفَکُوْنَ مضارع مبنی للمجہول ہے واؤ نائب فاعل ہے تم کہاں پلٹائے جا رہے ہو۔

قَوْلُهٗ: فَاصْبِر كَمَا صَبَرُوْا یہ درحقیقت اِنْ یکذبوا کی جزاء ہے، اور فا جزائیہ ہے مگر جزاء کے سبب کو جو کہ فَقَدْ كُذِّبَتْ ہے جزاء کے قائم مقام کردیا ہے۔

تفسیر وتشریح

الحمد للّٰهِ فاطِرِ السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ (الآیة) فاطر کے معنی ہیں، مُخترِع، ابتداءً ایجاد کرنے والا، دراصل لفظ فاطر سے قدرت خداوندی کی طرف اشارہ ہے کہ جس خدا نے آسمان وزمین بغیر نمونے کے بنائے تو اس کے لئے دوبارہ انسان کو پیدا کرنا کون سا مشکل کام ہے؟ الحمد للّٰهِ فاطِرِ السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ کے معنی ہیں (الحمد للّٰهِ مبدع (السمٰوٰتِ والاَرْضِ) ومُخترِعِهما جمہور نے فاطر کو اسم فاعل کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے، اور زہری اور ضحاک نے (فَطَرَ) ماضی کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

جاعِلِ الملائكة میں ملائکہ سے مخصوص فرشتے مراد ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ مختلف مہمات کے لئے قاصد بنا کر بھیجتا ہے، ان میں مشہور چار فرشتے تو شامل ہیں ہی ان کے علاوہ بھی مراد ہوسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پر دار بازو عطا فرمائے ہیں، جن کے ذریعہ سرعت کے ساتھ ان کی آمد و رفت ہوتی ہے، لفظ مثنیٰ وثلٰث ورباعَ، ظاہر یہ ہے کہ اَجْنِحة کی صفت ہے کہ فرشتوں کے پر مختلف تعداد میں ہیں کسی کے دو دو کسی کے تین تین، کسی کے چار چار، اور مذکورہ عدد میں بھی تحدید نہیں ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے حضرت جبرائیل علیہ الصلاة والسلام کے چھ سو پر ہونا ثابت ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مثنیٰ وثلٰث ورباعَ، رُسُلًا کی صفت ہو یعنی جو فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغامات دنیا میں پہنچاتے ہیں، وہ کبھی دو دو، کبھی تین تین، اور کبھی چار چار آتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ حصر اس میں بھی مقصود نہیں ہے، اور زیادتی فی الخلق سے ہر قسم کی زیادتی مراد ہے خواہ اس کا تعلق ظاہر سے ہو جیسا کہ پر وغیرہ میں زیادتی، یا باطنی زیادتی ہو جیسے حسن سیرت، حسن صورت، کمال عقل وغیرہ۔

ما يَفْتَحِ اللّٰهُ للنَّاسِ (الآیة) ان نعمتوں میں سے ارسالِ رسل اور انزالِ کتب بھی ہے یعنی ہر چیز کا دینے والا بھی وہی ہے اور واپس لینے والا بھی اس کے سوا نہ کوئی معطی ہے اور نہ منعم اور نہ مانع اور قابض جس طرح رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے اللّٰهم لا مانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ ولا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ.

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ اس بیان و وضاحت کے بعد اور تمہارے اس اقرار کے بعد کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو پیدا کیا ہے اور وہی تم کو روزی دیتا ہے تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو؟ تو تم کہاں پلٹے جارہے ہو؟

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ اس میں نبی ﷺ کو تسلی ہے کہ اے محمد یہ لوگ آپ کو جھٹلا کر کہاں جائیں گے؟ بالآخر تمام معاملات کا فیصلہ تو ہمیں ہی کرنا ہے، جس طرح پہلی امتوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تو انہیں سوائے بربادی کے کیا ملا؟ اس لئے اگر یہ بھی باز نہ آئے تو ان کو بھی ہلاک کرنا ہمارے لئے مشکل نہیں، اور دنیا کی زیب و زینت اور عیش و عشرت میں پڑ کر آخرت کی ان نعمتوں سے غافل نہ ہو، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں اور رسولوں کے پیروکاروں کے لئے

تیار کررکھی ہیں، مطلب یہ کہ اس دنیا کی عارضی لذتوں میں پڑ کر آخرت کی دائمی راحتوں کو نہ کھوبیٹھو، اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ شیطان تمہارا اصل دشمن ہے اس کے داؤ پیچ اور دجل وفریب سے بچ کر رہو اس لئے کہ وہ بہت دھوکے باز ہے، اس کا مقصد ہی تمہیں دھوکے میں مبتلا کر کے آخرت کی تمام نعمتوں اور راحتوں سے محروم کرنا ہے، اس سے سخت عداوت رکھو، اس کے مکروفریب اور ہتھکنڈوں سے بچو، شیطان کی حکمت عملی یہ ہے کہ وہ برے کاموں کو اچھا ثابت کر کے تمہیں اس میں مبتلا کردے جس کی وجہ سے تمہارا حال یہ ہو جائے کہ گناہ کرتے رہو اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھتے رہو کہ نیک کام کررہے ہیں اور اللہ کے نزدیک مقبول بندے ہیں، ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے دیگر مقامات کی طرح ایمان کے ساتھ عمل صالح کو بیان کر کے ان کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے، تاکہ اہل ایمان عمل صالح سے کسی وقت بھی غفلت نہ برتیں، کہ مغفرت اور اجر کبیر کا وعدہ اس ایمان پر ہی ہے جس کے ساتھ عمل صالح ہو۔

وَنَزَلَ فِي اَبِيْ جَهْلٍ وغيرِه **اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ** بالتَّمويهِ **فَرَاٰهُ حَسَنًا** مَنْ مُبْتَدأٌ خَبرُهُ كَمَنْ هَدَاهُ اللّٰهُ لَا، دَلَّ عَلَيْهِ **فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ** على المُزَيَّنِ لهم **حَسَرٰتٍ** باغتِمامِكَ اَنْ لَا يُؤْمِنُوا **اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ** (۸) فيُجَازِيهم عليه **وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ** وفي قِراءةٍ الرِّيْحَ **فَتُثِيْرُ سَحَابًا** المُضَارِعُ لِحِكَايَةِ الحَالِ المَاضِيَةِ اي تُزْعِجُهُ **فَسُقْنٰهُ** فيه اِلتِفاتٌ عَنِ الغَيْبَةِ **اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ** بالتَّشْدِيْدِ والتَّخْفِيْفِ لَا نَبَاتَ بها **فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ** مِنَ البَلَدِ **بَعْدَ مَوْتِهَا** يُبْسِهَا اي اَنْبَتْنَا به الزَّرْعَ وَالكَلَأَ **كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ** (۹) اَيِ البَعْثُ والاِحْيَاءُ **مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا** اي في الدُّنيا والاٰخرةِ فَلَا تُنَالُ منهُ الا بطَاعَتِهٖ فَلْيُطِعْهُ **اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ** يَعْلَمُهُ وهو لا اله الا اللّٰهُ ونحوُها **وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ** يَقْبَلُهُ **وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ** المَكَرَاتِ **السَّيِّاٰتِ** بالنَّبِيِّ في دَارِ النَّدْوَةِ من تَقْيِيْدِهٖ او قَتْلِهٖ او اِخْرَاجِهٖ كَمَا ذُكِرَ في الاَنْفَالِ **لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ** (۱۰) يَهْلِكُ **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ** بخَلْقِ اَبِيكُمْ اٰدَمَ منه **ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ** اي مَنِيٍّ بخَلْقِ ذُرِّيَّتِهٖ منها **ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا** ذُكُوْرًا واِنَاثًا **وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ** حَالٌ اي مَعْلُوْمَةً له **وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ** اي ما يُزَادُ في عُمْرِ طَوِيْلِ العُمْرِ **وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ** اي مِنْ ذٰلِكَ المُعَمَّرِ او مُعَمَّرٍ اٰخَرَ **اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ** هو اللَّوْحُ المَحْفُوْظُ **اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ** (۱۱) هَيِّنٌ **وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ** شَدِيْدُ العُذُوْبَةِ **سَآئِغٌ شَرَابُهٗ** شُرْبُهٗ **وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ** شَدِيْدُ المُلُوْحَةِ **وَمِنْ كُلٍّ** منهما **تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا** هو السَّمَكُ **وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ** مِنَ المِلْحِ وقِيْلَ منهما **حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا** هي اللُّؤْلُؤُ والمَرْجَانُ **وَتَرَى** تُبْصِرُ **الْفُلْكَ** السُّفُنَ **فِيْهِ** في كلٍّ منهما **مَوَاخِرَ** تَمْخَرُ المَاءَ اي تَشُقُّهُ بجَرْيِهَا فيه مُقْبِلَةً ومُدْبِرَةً برِيْحٍ واحِدَةٍ **لِتَبْتَغُوْا** تَطْلُبُوْا

مِنْ فَضْلِهٖ تعالٰی بالتجارۃ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۱۲﴾ اللّٰہ علی ذلک يُوْلِجُ يُدخِلُ اللّٰہُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ فیزید
وَيُوْلِجُ النَّهَارَ يُدخِلُهٗ فِي الَّيْلِ فیزیدُ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ منہما يَّجْرِيْ فی فلکہٖ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ یوم القیمۃ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ تعبدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ای غیرہ وہم الاصنامُ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴿۱۳﴾ لفافۃ
النّواۃِ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا فرضًا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ ما اجابُوْکُم وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ
باشراکِکُم ایاہم مَعَ اللّٰہِ ای یتبرّؤن منکم من عبادتِکُم ایاہُم وَلَا يُنَبِّئُكَ باحوالِ الدّارین مِثْلُ خَبِيْرٍ﴿۱۴﴾
عالِم وہو اللّٰہُ تعالٰی.

ترجمہ: (آئندہ) آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیا وہ شخص کہ جس کے سامنے اس کے برے عمل کو تلبیس کے ذریعہ مزین کر کے پیش کیا گیا پھر وہ اس کو نیک عمل سمجھنے لگا (اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جس کو اللہ نے ہدایت دی ہو؟ نہیں ہوسکتا) مَنْ مبتداء ہے اور اس کی خبر کَمَنْ ھَدَاہُ ہے (اس حذف خبر پر) فَاِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَشَاءُ (الآیۃ) دال ہے، یقین مانو اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو آپ ان پر یعنی ان لوگوں پر کہ جن کے (اعمال بد) ان کے لئے مزین کر دیئے گئے ہیں، اتنا غم نہ کیجئے، کہ ان کی اس بات پر غم کی وجہ سے کہ یہ ایمان نہیں لاتے اپنی جان ہی دیدیں جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ کو سب معلوم ہے سو وہ ان کے اعمال کی سزا دے گا اور اللہ وہی ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے اور ایک قراءت میں اَلرِّیْحَ ہے جو ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں مضارع کا استعمال حالت ماضی کی حکایت کرنے کے لئے لایا گیا ہے یعنی ہوائیں بادلوں کو حرکت دیتی ہیں پھر ہم ان بادلوں کو خشک زمین کی طرف ہانک کر لیجاتے ہیں سُقْنَا میں غیبت سے تکلم کی جانب التفات ہے مَیِّت تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے پھر ہم اس بستی کی زمین کو اس کے مردہ یعنی خشک ہونے کے بعد زندہ کر دیتے ہیں یعنی اس میں کھیتی اور گھاس اگا دیتے ہیں اسی طرح دوبارہ زندہ ہونا بھی ہے یعنی جی اٹھنا اور زندہ ہونا جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو تمام تر عزت اللہ کے لئے ہے یعنی دنیا اور آخرت میں، لہٰذا عزت اسی کی اطاعت سے حاصل ہوسکتی ہے اس کو چاہئے کہ اسی کی اطاعت کرے اچھا کلام اس تک پہنچتا ہے، یعنی وہ اس سے باخبر ہے اور وہ (اچھا کلام) لا الٰہ الا اللّٰہ اور اس کے مثل ہے اور عمل صالح کو وہ بلند کرتا ہے یعنی قبول کرتا ہے اور جو لوگ نبی کے بارے میں دارالندوہ میں بری سازشیں کر رہے ہیں مثلاً آپ کو قید کرنے یا قتل کرنے یا (وطن سے) نکالنے کی، جیسا کہ سورۂ انفال میں ذکر کیا گیا، ایسے لوگوں کے لئے سخت ترین عذاب ہے اور ان کا یہ مکر پادر ہوا، یعنی برباد ہوجائے گا (لوگو) اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا تمہارے دادا آدم کو مٹی سے پیدا کر کے، پھر نطفۂ منی سے (پیدا کیا) آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی ذریت کو نطفے سے پیدا کر کے پھر تمہارے نر و مادہ کے جوڑے بنائے کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وہ جنتی ہے مگر یہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے یہ جملہ حالیہ ہے یعنی (اللہ تعالیٰ کے) علم میں ہوتا ہے اور جس معمر شخص کی عمر دراز کی جاتی ہے یعنی طویل العمر

شخص کی عمر میں اضافہ نہیں کیا جاتا اور نہ اسی معمر شخص کی عمر سے یا دوسرے معمر شخص کی عمر سے کم کیا جاتا ہے مگر یہ کہ وہ کتاب میں موجود ہوتا ہے اور وہ لوح محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بات بالکل آسان ہے، اور برابر نہیں دو دریا (بلکہ) ایک نہایت شیریں تسکین بخش اور پینے میں خوش گوار ہے اور دوسرا نہایت شور اور تلخ اور تم ان دونوں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ مچھلی ہے اور دریائے شور سے، اور کہا گیا ہے دونوں سے، زیورات نکالتے ہو جنہیں تم پہنتے ہو وہ موتی اور مونگے ہیں اور اے مخاطب تو کشتیوں کو اس میں یعنی شور و شیریں دریا میں دیکھتا ہے کہ پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، یعنی پانی میں چلنے کی وجہ سے اس کو ایک ہی ہوا کے ذریعہ آتے جاتے چیرتی ہیں تاکہ تم تجارت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا فضل (روزی) طلب کرو تاکہ تم اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے تو دن بڑھ جاتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے تو رات بڑھ جاتی ہے اور آفتاب و ماہتاب کو اسی نے کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک اپنے محور پر مدت دراز قیامت تک چلتا رہے گا یہی ہے اللہ تمہارا رب اسی کی سلطنت ہے اور جنہیں تم اس کے سوا پکارتے ہو بندگی کرتے ہو اور وہ بت ہیں وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں، اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں ہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی نہیں کر سکتے، یعنی تمہاری پکار کا جواب نہ دیں بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک سے صاف انکار کر جائیں گے، یعنی تمہارے ان کو خدا کا شریک ٹھہرانے کا یعنی تم سے تمہاری ان کی بندگی کرنے سے اظہار براءت کر دیں گے آپ کو کوئی حق تعالیٰ جیسا خبردار دارین کے احوال کی خبر نہ دے گا اور وہ اللہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَفَمَنْ زُيِّنَ یہ جملہ مستانفہ ہے ماسبق میں جو دو فریقوں کے انجام کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے، اس کی تائید ہے مَنْ مبتداء ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اس کی خبر محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سوءُ عَمَلِهٖ كَمَنْ لَمْ يُزَيَّنْ لَهٗ، کسائی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کہا ہے کہ ذَهَبَتْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ خبر ہے جو محذوف ہے، اور اللہ تعالیٰ کا قول فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عليهم حَسَرَات اس پر دال ہے، اور زجاج نے كَمَنْ هداهُ اللّٰهُ خبر محذوف مانی ہے اول صورت لفظ و معنی میں مطابقت کی وجہ سے افضل ہے۔

قَوْلُہٗ: سوء عمله ای عَمَلُهُ السَّيِّئُ یہ اضافت صفت الی الموصوف کے قبیل سے ہے۔

قَوْلُہٗ: لَا ، لَا کا اضافہ استفہام انکاری کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: حَسَرَاتٍ. فَلَا تَذْهَبْ کا مفعول لہ ہے، اور جمع کا استعمال کثرت غم پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: عَلَيْهِمْ. تَذْهَبْ کا صلہ ہے، جیسا کہ بولا جاتا ہے ماتَ عليهِ حُزْنًا. عليهم کا تعلق حسرات سے درست نہیں ہے، اس لئے کہ مصدر کا معمول مصدر پر مقدم نہیں ہوتا۔

قَوْلُہٗ: اَنْ لَا یُوْمِنُوْا ای علی اَنْ لَا یُوْمِنُوْا.

قَوْلُہٗ: لِحِکَایَۃِ الحَالِ المَاضِیَۃِ یہ دراصل ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے اَرْسَلَ ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا اور اسی مضمون میں فوراً بعد فَتُثِیْرُ مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا، اس میں کیا مصلحت ہے؟

جَوَابٌ: خلاصہ یہ ہے کہ مضارع کا صیغہ جو کہ حال پر بھی دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے اس صورت عجیبہ وغریبہ کا استحضار کرانا چاہتے ہیں جو اس کی کمال قدرت وحکمت پر دلالت کرتی ہے اور کسی صورت حال یا واقعہ کی ایسی منظر کشی کہ جس سے گذشتہ کا واقعہ نظروں کے سامنے اس طرح واضح ہو کر آجائے گویا کہ یہ واقعہ اسی وقت نظروں کے سامنے ہو رہا ہے اسی کو حکایت حال ماضیہ کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: تثیرُ. اثارۃٌ سے مضارع واحد مؤنث غائب ہے، وہ ابھارتی ہے، وہ اٹھاتی ہے، حرکت دیتی ہے، التفات عن الغیبۃ الی التکلم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اَرْسَلَ غائب کا صیغہ استعمال فرمایا اور سُقْنَا میں متکلم کا صیغہ استعمال فرمایا اور جمع کا استعمال عظمت کے طور پر کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بَلَدٌ. بَلَد کا اطلاق مذکر ومؤنث دونوں پر ہوتا ہے، اور بَلَد اور بَلْدۃ کا اطلاق آباد اور غیر آباد دونوں قسم کی زمین پر بھی ہوتا ہے، یہاں بَلَدٌ مَیِّتٌ سے وہ زمین مراد ہے جس میں گھاس چارا کچھ نہ ہو، مردہ زمین سے خشک بے آب وگیاہ زمین مراد ہے، اور زمین کو زندہ کرنے سے مراد اس کو سرسبز وشاداب کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: من البلد میں مِن بیانیہ ہے کذٰلِکَ النشور اس میں مردوں کو خشک زمین سے تشبیہ دی ہے اور مردوں کو زندہ کرنے کو زمین کو سرسبز کرنے سے تشبیہ دی ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلْیُطِعْہُ سے شارح نے اشارہ کردیا کہ مَنْ کَانَ میں مَنْ شرطیہ ہے اور فَلْیُطِعْہُ اس کا جواب مقدر ہے، اور اللہ تعالیٰ کا قول فَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ جَمِیْعًا جواب شرط کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: یَعْلَمُہٗ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کلام میں مجاز ہے اور صعود بمعنی علم ہے اور علم کو صعود سے تعبیر کرنے کا مقصد قبولیت کی طرف اشارہ کرنا ہے، اس لئے کہ موضع ثواب اوپر ہے اور موضع عذاب نیچے ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلَّذِیْنَ یَمْکُرُوْنَ کلمات طیبہ کے بیان کرنے کے بعد یہ کلمات خبیثہ کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالسَّیِّئَاتُ یہ مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے تقدیر عبارت جیسا کہ شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے المکرات محذوف مان کر اشارہ کردیا ہے ای یمکرون المکرات السیّئاتِ، السَّیِّئات کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہونا درست نہیں ہے اس لئے کہ یمکرون فعل لازم ہے جو کہ مفعول بہ کو نصب نہیں دے سکتا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یمکرونَ یکسبونَ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی ہے لہٰذا اس کا السَّیِّئات کو مفعول بہ ہونے کے اعتبار سے نصب دینا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: ومكرُ اولٰئك ترکیب اضافی مبتداء اور یبُور اس کی خبر ہے، اور ھُوَ ضمیر فصل ہے خبر سے پہلے ضمیر فصل کے وقوع کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے راجح وقوع ہے (اعراب القرآن) یبُوْرُ مضارع واحد مذکر غائب (ن) بورًا بوارًا ہلاک ہونا۔

قَوْلُہٗ: فُرَاتٌ شدِيْدُ العَذُوْبَةِ نہایت شیریں پانی۔

قَوْلُہٗ: اُجَاجٌ شديد الملوحة شدید نمکین۔

قَوْلُہٗ: وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ مانافیہ ہے یُعَمَّرُ فعل مضارع مجہول مِنْ زائدہ اور مُعَمَّرٌ نائب فاعل قطمیر اس باریک جھلی کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی پر لپٹی ہوئی ہوتی ہے، اور بعض حضرات نے اس ریشے کو کہا ہے جو گٹھلی کی دراز میں ہوتا ہے اور بعض نے اس ریشہ کو کہا ہے جو اس سوراخ میں ہوتا ہے جو گٹھلی کی پشت میں ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو اور جن سے امداد کی توقع رکھتے ہو یہ تو ایک حقیر اور معمولی چیز کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔

تَفسِیر وتَشریح

شان نزول:

امام بغوی نے حضرت ابن عباس رَضِّحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی کہ ''اے اللہ تو اسلام کو قوت عطا فرما، عمر بن الخطاب کے ذریعہ یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) کے ذریعہ'' اللہ تعالیٰ نے ان میں سے عمر بن الخطاب کو ہدایت دیکر اسلام کی قوت اور عزت کا سبب بنا دیا۔ (معارف، روح المعانی)

وَاللّٰهُ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ یعنی جس طرح بادلوں سے بارش برسا کر خشک (مردہ) زمین کو ہم شاداب (زندہ) کر دیتے ہیں، اسی طریقہ سے قیامت کے دن تمام مردوں کو بھی ہم زندہ کریں گے، حدیث میں آتا ہے کہ انسان کا پورا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے، صرف ریڑھ کی ہڈی کا چھوٹا سا حصہ محفوظ رہتا ہے، اسی سے اس کی دوبارہ تخلیق وترکیب ہوگی کُلُّ جَسَدِ ابنِ آدَمَ یَبْلٰی اِلَّا عَجَبُ الذَّنبِ منه خُلِقَ ومنه یُرکَّبُ. (بخاری سورۂ عم، مسلم کتاب النفس مابین النفختین)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ العزةَ (الآیة) یعنی جو چاہے کہ اسے دنیا وآخرت میں عزت ملے تو وہ اللہ کی اطاعت کرے، اس سے اس کا یہ مقصد حاصل ہو جائے گا، اس لئے کہ دنیا وآخرت کا مالک وہی ہے اور تمام عزتیں اسی کے پاس ہیں، جس کو وہ عزت دے وہی عزیز ہوگا، اور جس کو وہ ذلیل کرے کوئی طاقت اس کو عزت نہیں دے سکتی۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الكَلِمُ الطَّيِّبُ، الكَلِمُ، كَلِمَةٌ کی جمع ہے پاکیزہ اور ستھرے کلمات سے مراد اللہ کی تسبیح وتحمید، تلاوت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے اور چڑھنے کا مطلب قبول کرنا ہے، یا فرشتوں کا ان کو لیکر آسمانوں پر چڑھنا ہے تاکہ اللہ ان کی جزاء

دے، یَرْفَعُهٗ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے، بعض کہتے ہیں الکلم الطیب ہے یعنی عمل صالح کلمات طیبات کو اللہ کی طرف بلند کرتا ہے، یعنی محض زبان سے اللہ کا ذکر (تسبیح وتحمید) کچھ نہیں، جب تک اس کے ساتھ عمل صالح یعنی احکام وفرائض کی ادائیگی نہ ہو، بعض کہتے ہیں کہ یرفعهٗ میں فاعل کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل صالح کو کلمات طیبات پر بلند کرتا ہے، اس لئے کہ عمل صالح سے ہی اس بات کا تحقق ہوتا ہے کہ اس کا مرتکب فی الواقع اللہ کی تسبیح وتحمید میں مخلص ہے۔

(فتح القدیر)

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی قول کو بغیر عمل کے اور کسی قول وعمل کو بغیر نیت کے اور کسی قول، عمل اور نیت کو بغیر مطابقت سنت کے قبول نہیں کرتا (قرطبی) اس سے معلوم ہوا کہ مکمل قبولیت کی شرط سنت کے مطابق ہونا ہے، اگر قول، عمل، نیت سب درست بھی ہوں گے مگر طریقۂ عمل سنت کے مطابق نہ ہو تو قبولیت تامہ حاصل نہیں ہوگی۔

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ اس آیت کا مفہوم جمہور مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو عمر طویل عطا فرماتے ہیں وہ پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے، اسی طرح جس کی عمر کم رکھی جاتی ہے وہ بھی لوح محفوظ میں پہلے ہی سے درج ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں عمر کا طول وقصر فرد واحد کے متعلق مراد نہیں ہے، بلکہ کلام نوع انسانی کے متعلق ہے کہ اس کے کس فرد کو عمر طویل دی جاتی ہے اور کس کو اس سے کم، یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ابن کثیر نے نقل کی ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر عمر کی کمی زیادتی کو ایک ہی شخص سے متعلق کہا جائے تو عمر میں کمی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی عمر جو اللہ نے لکھ دی ہے وہ یقینی ہے، اور جو دن گذرتا ہے اس مقررہ مدت میں ایک دن کی کمی کر دیتا ہے اسی طرح جتنے دن بلکہ سانس گذرتے رہتے ہیں اس کی عمر کو گھٹاتے رہتے ہیں، یہ تفسیر شعبی، ابن جبیر، ابو مالک، ابن عطیہ وغیرہ سے منقول ہے (روح) اس مضمون کو اس شعر میں ادا کیا گیا ہے:

حَيَاتُكَ انفاسٌ تُعَدُّ فكلَّما مضٰى نفسٌ منها نقصتْ به جزءٌ

''تیری زندگی چند گنے ہوئے سانسوں کا نام ہے، تو جب بھی ایک سانس گذرتا ہے تیری عمر کا ایک جز کم ہو جاتا ہے''

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس (مضمون) کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا، تو آپ نے فرمایا کہ عمر تو اللہ کے یہاں ایک ہی مقرر ہے، جب مقررہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو کسی شخص کو ذرا بھی مہلت نہیں دی جاتی، بلکہ زیادت عمر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اولاد صالح عطا فرما دیتا ہے وہ اس کے لئے دعا کرتی رہتی ہے، یہ شخص دنیا میں موجود نہیں ہوتا مگر اس کی اولاد صالح کی دعائیں اس شخص کو اس کی قبر میں ملتی رہتی ہیں یعنی اس کو قبر میں فائدہ پہنچتا رہتا ہے اس طرح گویا کہ اس کی عمر بڑھ گئی، خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں عمر بڑھنے کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد عمر کی برکت کا بڑھ جانا ہے۔

وَمِنْ كُلٍّ تاكلون لحمًا طريًّا (الآیة) یعنی دریائے شور وشیریں دونوں سے تمہیں تازہ گوشت کھانے کو ملتا ہے مراد اس

سے مچھلی ہے، اس آیت میں مچھلی کو گوشت سے تعبیر کیا ہے، اس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ مچھلی بغیر ذبح کئے ہوئے حلال گوشت ہے اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں بخلاف دیگر بری جانوروں کے، اور حلیة کے معنی زیور کے ہیں، مراد اس سے موتی ہیں، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ موتی جس طرح دریائے شور میں ہوتا ہے دریائے شیریں میں بھی ہوتا ہے، یہ جو مشہور ہے کہ موتی دریائے شیریں میں نہیں ہوتا یہ درست نہیں ہے البتہ شیریں دریا میں بہت کم ہوتا ہے۔

تَلْبَسُوْنَهَا میں مذکر کا صیغہ استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ موتیوں کا استعمال مردوں کے لئے بھی جائز ہے بخلاف سونے اور چاندی کے، ان کا بطور زیور استعمال کرنا مردوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ بكل حال **وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ** عن خلقه **الْحَمِيْدُ** ﴿۱۵﴾ المحمود في صنعه بهم **اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ** ﴿۱۶﴾ بدلكم **وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ** ﴿۱۷﴾ شديد **وَلَا تَزِرُ** نفس **وَازِرَةٌ** اٰثمة اى لا تحمل **وِّزْرَ** نفس **اُخْرٰى وَاِنْ تَدْعُ** نفس **مُثْقَلَةٌ** بالوزر **اِلٰى حِمْلِهَا** منه احدا ليحمل بعضه **لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ** المدعو **ذَا قُرْبٰى** قرابة كالاب والابن وعدم الحمل في الشقين حكم من الله **اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ** اى يخافونه وما راوه لانهم المنتفعون بالانذار **وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ** اداموها **وَمَنْ تَزَكّٰى** تطهر من الشرك وغيره **فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ** فصلاحه مختص به **وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ** ﴿۱۸﴾ المرجع فيجزى بالعمل في الاخرة **وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ** ﴿۱۹﴾ الكافر والمؤمن **وَلَا الظُّلُمٰتُ** الكفر **وَلَا النُّوْرُ** ﴿۲۰﴾ الايمان **وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ** ﴿۲۱﴾ الجنة والنار **وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ** المؤمنون والكفار وزيادة، لا، في الثلثة تاكيد **اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ** هدايته فيجيبه بالايمان **وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ** ﴿۲۲﴾ اى الكفار شبههم بالموتى فلا يجيبون **اِنْ** ما **اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ** ﴿۲۳﴾ منذر لهم **اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ** بالهدى **بَشِيْرًا** من اجاب اليه **وَّنَذِيْرًا** من لم يجب اليه **وَاِنْ** ما **مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا** سلف **فِيْهَا نَذِيْرٌ** ﴿۲۴﴾ نبى ينذرها **وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ** اى اهل مكة **فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** المعجزات **وَبِالزُّبُرِ** كصحف ابراهيم **وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ** ﴿۲۵﴾ هو التورة والانجيل فاصبر كما صبروا **ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** بتكذيبهم **فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ** ﴿۲۶﴾ انكارى عليهم بالعقوبة والاهلاك اى هو واقع موقعه.

ترجمہ: اے لوگو! تم ہر حال میں اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے اور وہ اپنی مخلوق پر احسان کی وجہ سے سزاوار حمد ہے اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور تمہاری جگہ ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ کے لئے کچھ مشکل

نہیں، کوئی بھی گنہ گار شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور اگر کوئی گناہوں سے گراں بار شخص دوسرے کو اپنا کچھ بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا تو اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھائے گا، گو جس شخص کو بلایا گیا ہے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ باپ اور بیٹا اور دونوں صورتوں میں عدم حمل اللہ کا حکم ہے، آپ تو صرف ان ہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے رب سے غائبانہ ڈرتے ہوں یعنی اس سے ڈرتے ہوں حالانکہ اس کو دیکھا نہیں ہے، اس لئے کہ یہی لوگ تنبیہ سے فائدہ اٹھانے والے ہیں، اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو شخص شرک وغیرہ سے پاک ہوتا ہے وہ اپنے لئے پاک ہوتا ہے لہٰذا اس کا فائدہ اسی کے ساتھ مخصوص رہے گا اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور آخرت میں عمل کا بدلا دیا جائے گا اور بینا اور نابینا یعنی مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے اور نہ تاریکی یعنی کفر اور روشنی یعنی ایمان اور نہ چھاؤں اور دھوپ یعنی جنت اور دوزخ اور نہ زندے اور مردے یعنی مومن و کافر برابر ہو سکتے تینوں جگہوں میں لا کی زیادتی تاکید کے لئے ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی ہدایت سنا دیتا ہے تو وہ ایمان پر لبیک کہہ دیتا ہے، اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں یعنی کافروں کو، کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی ہے، اس لئے کہ وہ جواب نہیں دیتے (ہدایت قبول نہیں کرتے) اور آپ تو صرف ان کے لئے ڈرانے والے ہیں ہم نے ہی آپ کو حق دیکر خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی ڈرانے والا یعنی نبی نہ گذرا ہو اور اگر اہل مکہ آپ کی تکذیب کریں تو ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی ہے اور ان کے پاس بھی ان کے رسول معجزے اور صحیفے جیسا کہ صحیفۂ ابراہیم اور روشن کتابیں وہ تورات اور انجیل ہیں، لیکر آئے تھے سو آپ بھی ان کی طرح صبر کیجئے پھر میں نے ان کافروں کو ان کی تکذیب کی وجہ سے پکڑ لیا (سو دیکھو) میرا ان کو عذاب دینا، سزا اور ہلاک کرنے کے ذریعہ کیسا رہا (یعنی) وہ برمحل اور برموقع واقع ہوا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یٰاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ آیت میں خطاب لوگوں کو ہے حالانکہ ہر شئ خدا کی محتاج ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے علاوہ دیگر کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو غنا اور استغناء کا دعویٰ کرتی ہو اسی لئے خاص طور پر آیت میں انسان کو مخاطب بنایا گیا ہے، آیت کے معنی یہ ہیں یٰاَیُّهَا النَّاسُ انتم اَشَدُّ افتقارًا واحتیاجًا الی اللّٰہ فی انفسکُمْ وعیالکمْ واموالکم وفیما یعرض لکم من سائر الامور فلا غنی لکم عنه طرفةَ عینٍ ولا اقلَّ مِن ذٰلك.

انسان اپنی ذات میں اور صفات میں اپنے عیال میں اور اموال میں غرضیکہ اپنے تمام امور میں ہر آن و ہر لحظہ محتاج ہے، جس کی جتنی زیادہ ضرورتیں ہوتی ہیں وہ اتنا ہی زیادہ محتاج ہوتا ہے، انسان کی چونکہ ضرورتیں تمام مخلوقات سے زیادہ ہیں اس لئے اس کی احتیاج بھی سب سے زیادہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے لئے فرمایا ہے خُلِقَ الانسانُ ضَعِیفًا اور یہیں سے ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قول مَنْ عرفَ نفسه فقد عرف ربَّهٗ یعنی جس نے اپنے فقر و حاجت اور ذل و عجز کو پہچانا اس

نے خدا کے عز وغنا اور قدر وکمال کو پہچانا۔

قَوْلُہٗ: اِلَی اللّٰہِ یہ فقراء کے متعلق ہے، فقراء فقیر کی جمع ہے، فقیر صیغہ صفت ہے، لہٰذا اس سے متعلق ہونا درست ہے۔

سَوَال: فقیر کے مقابل غنی لانے کے بعد، الحمید، کا اضافہ کس مقصد سے کیا گیا ہے؟

جَوَاب: بندوں کا فقیر ہونا اور اللہ کا غنی ہونا تو ثابت ہو گیا، مگر غنی نافع نہیں ہوتا جب تک کہ وہ سخی اور جواد نہ ہو، اور جب غنی، سخی اور جواد ہوتا ہے تو منعم علیہم اس کی حمد وثناء کرتے ہیں اور منعم ومحسن، منعم علیہم کی حمد وثناء کا مستحق ہوتا ہے، لہٰذا اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ غنی نافع ہے، الحمید کا اضافہ فرمایا۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: ان یَّشَأ یُذْھِبْکُمْ ویاتِ بخلقٍ جدیدٍ یہ اللہ تعالیٰ کے غناء مطلق کا بیان ہے یعنی تمہاری فناء اس کی مشیت پر اور بقاء اس کے فضل پر موقوف ہے، اس میں کسی کا دخل نہیں ہے، اور اپنے قول ویَاتِ بخلقٍ جدیدٍ سے زیادتی استغناء کا بیان ہے یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کو فنا کر دے گا تو اس کے کمال ملک میں نقصان ہوگا اس لئے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ جدید مخلوق پیدا کر دے جو اس سے بھی احسن واجمل ہو وَمَا ذٰلِکَ علی اللّٰہ بعزیز یعنی اذہاب واتیان اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: وازرَۃٌ یہ تَزِرُ کا فاعل ہے اس کا موصوف محذوف ہے مفسر علام نے اپنے قول نفسٌ سے محذوف کی طرف اشارہ کر دیا ہے، یعنی کوئی گناہگار شخص کسی گناہگار شخص کا (قیامت کے دن) بوجھ نہ اٹھائے گا۔

سَوَال: اس آیت یعنی لا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِزْرَ اُخْرٰی اور دوسری آیت وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَھُمْ میں تعارض معلوم ہوتا ہے، تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

جَوَاب: یہ آیت ضالین اور مضلین کے بارے میں ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ضلال واضلال یعنی گمراہ ہوتے اور گمراہ کرنے کا بوجھ اٹھائیں گے، اس طریقہ پر یہ خود اپنے ہی گناہوں کا بوجھ اٹھانے والے ہوں گے۔

قَوْلُہٗ: وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَۃٌ اِلٰی حِمْلِھَا۔ مُثْقَلَۃٌ ای نفسٌ مثقلۃٌ بالذنوب.

قَوْلُہٗ: حِمل موصوف ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنْہُ حِمل ۃٗ یہ حِملٌ بمعنی محمول کی صفت ہے اور ضمیر وِزْرٌ کی طرف راجع ہے ای الی محمولھا الکائن من الوِزْرِ، حِمل بالکسر اس وزن کو کہتے ہیں جو سر یا پشت پر اٹھایا ہو، جمع احمال وحُمُولٌ آتی ہے اور حَمل بالفتح پھلوں کو کہتے ہیں، جب تک کہ وہ درختوں پر ہوں اور بچہ کو کہتے ہیں جب کہ وہ رحم مادر میں ہو، ازہری نے کہا ہے کہ یہی صواب ہے اور یہی اصمعی کا قول ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: عدم الحمل فی الشقین شقین سے حمل اجباری جو کہ ولا تَزِرُ وازرۃٌ وِزرَ اخرٰی میں مذکور ہے اور حمل اختیاری جو کہ وَاِنْ تدعُ. ذا قُربٰی میں مذکور ہے، مراد ہیں یعنی حمل اجباری اور حمل اختیاری کی اجازت کا نہ ہونا، یہ اللہ ہی کے حکم سے ہوگا۔

قَوْلُہٗ: یخشون ربھم بالغیب، بالغیب، یَخْشَوْنَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے، ای یخشونہٗ حال کونھم غائبین عنہٗ غائبین یہ بندوں کی صفت ہے نہ کہ رب کی، اس لئے کہ رب کی صفت قرب ہے نہ کہ غیبت، کما قال اللّٰہ تعالی ونحن اقربُ الیہِ من حبلِ الورِیْدِ اور یہ بھی درست ہے کہ یَخشَونَ کے مفعول سے حال ہو، ای یَخْشَوْنَہٗ والحال انّہ غائبٌ عنھم ای مُحْتَجبٌ بجلالِہٖ فلا یرونَہٗ مفسر علام نے اپنے قول وَمَا رَاوْہُ سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی عدم رویت اس کے صفت جلال میں محجوب ہونے کی وجہ سے ہے اور جب جنت میں صفت جمال میں جلوہ گر ہوں گے تو جنتیوں کو خدا کا دیدار حاصل ہوگا، مگر دنیا میں ان آنکھوں سے خدا کا دیدار ممکن نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاَنَّھُمُ المنتفعون بالإنذار اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ اِنَّمَا کلمہ حصر کے ذریعہ انذار کو اہل خشیت کے ساتھ خاص کرنے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ ہر مکلّف کے لئے انذار ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ نصیحت و انذار سے اہل خشیت ہی منتفع ہوتے ہیں، اس لئے اہل خشیت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، گویا کہ یہ کہا گیا ہے اِنّما یَنْفَعُ اِنذارُكَ اھل الخشیۃ۔

قَوْلُہٗ: وَمَا یَسْتَوِی الاعمٰی والبصیر یہ مومن اور کافر کی مثال ہے، اولاً ما یستوی الاعمٰی والبصیر سے مومن وکافر کی ذات میں فرق بیان کیا ہے، ثانیاً یعنی ولا الظلمات ولا النور سے دونوں کی صفات میں فرق بیان کیا اور ثالثاً یعنی ولا الظل ولا الحرور سے آخرت میں دونوں کے ٹھکانوں کے درمیان فرق کو بیان فرمایا، تینوں جملوں میں لا کی زیادتی تاکید نفی کے لئے ہے، اس لئے کہ نفس نفی تو ما نافیہ سے مفہوم ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنّ اللّٰہَ یُسمِعُ سے فکَیْفَ کانَ نکِیْرِ تک یہ آپ ﷺ کو تسلی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فی القُبُورِ میں کفار کو اثر قبول نہ کرنے میں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلا یجیبون کی ضمیر جمع معنی کے اعتبار سے مَنْ کی طرف لوٹ رہی ہے، اس لئے کہ مفسر علام نے مَنْ کی تفسیر کفار سے کی ہے، بعض نسخوں میں فیُجِیْبُوْنَ ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنْ اَنتَ اِلَّا نذیر مطلب یہ ہے کہ آپ کا فریضہ صرف تبلیغ ہے، ہدایت، اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔

قَوْلُہٗ: بالحق یہ اَرْسَلْنٰكَ کے کاف سے حال ہے، اور حق بمعنی ہدایت ہے اور ہدایت ھادیًا کے معنی میں ہے ای اَرْسَلْنٰكَ حال کونكَ ھادیًا۔

قَوْلُہٗ: اَجَابَ اِلَیْہِ، اِلَیْہِ کی ضمیر ہدایت کی طرف راجع ہے اور اَجَابَ الیہ کے معنی جواب دینا، قبول کرنا، اَجَابَ الیہِ ای قَبِلَہٗ لم یُجِبْ الیہ ای لَمْ یَقْبَلْہُ۔

قَوْلُہٗ: ھُوَ واقِعٌ مَوْقِعَہٗ اس میں اشارہ ہے کہ کیف کان نکیری میں استفہام تقریری ہے۔ (حاشیۃ الجلالین)

قَوْلُہٗ: وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ یہ کافروں کی دوسری تشبیہ ہے جو کہ پہلی سے ابلغ ہے پہلی تشبیہ کافروں کو عدم

نفع میں اندھوں کے ساتھ دی گئی ہے اور اس میں مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے، اندھوں میں کچھ نہ کچھ نفع ہوتا ہے بخلاف مردوں کے کہ ان میں کوئی نفع نہیں ہوتا۔

تفسیر وتشریح

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ (الآیة) ناسٌ کا لفظ عام ہے جس میں عوام وخواص حتی کہ اولیاء وصلحاء وانبیاء بھی داخل ہیں، اللہ کے در کے سب محتاج ہیں، لیکن اللہ کسی کا محتاج نہیں، وہ اتنا بے نیاز ہے کہ اگر سب لوگ اس کے نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں کوئی کمی اور اگر سب لوگ اس کے اطاعت گذار بن جائیں تو اس سے اس کی قوت اور حاکمیت میں کوئی زیادتی نہیں ہوگی، بلکہ نافرمانی سے خود انسانوں ہی کا نقصان اور طاعت وعبادت سے انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے۔

اور وہ اپنی نعمتوں کی وجہ سے محمود ہے یعنی اس نے جو نعمتیں اپنے بندوں پر کی ہیں ان پر وہ بندوں کے حمد وشکر کا مستحق ہے، اور اس کی شان بے نیازی کا یہ حال ہے کہ وہ چاہے تو تمہیں فنا کے گھاٹ اتار کر تمہاری جگہ ایک نئی مخلوق پیدا کر دے، جو اس کی اطاعت گذار ہو، اور یہ بات اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی یعنی قیامت کے روز کوئی شخص دوسرے شخص کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھائے گا، نہ اختیاری طور پر اور نہ اجباری طور پر، ہر شخص کو خود ہی اپنا بوجھ اٹھانا ہوگا، اور سورۂ عنکبوت میں جو آیا ہے کہ وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ یعنی گمراہ کرنے والے اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ساتھ اتنا ہی ان دوسروں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہوگا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ جن کو گمراہ کیا تھا ان کا بوجھ یہ لوگ کچھ ہلکا کر دیں گے، بلکہ ان کا بوجھ اپنی جگہ باقی رہے گا، اور گمراہ کرنے والوں کا جرم دوہرا ہونے کی وجہ سے ان کا بوجھ بھی دوہرا ہو جائے گا ایک گمراہ ہونے کا اور دوسرا گمراہ کرنے کا، حدیث شریف میں وارد ہوا ہے مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَیِّئَةً کَانَ عَلَیْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقۃ) درحقیقت یہ دوسروں کا بوجھ بھی ان کا اپنا ہی بوجھ ہے کہ ان ہی نے دوسروں کو گمراہ کیا تھا، جس طرح کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر کے ایک رسم بد ایجاد کی، اب آئندہ جتنے بھی قتل ہوں گے قاتل کے اعمال نامہ میں لکھے جانے کے علاوہ قاتل اول قابیل کے نامۂ عمل میں بھی لکھے جائیں گے، یہی صورت کار خیر کے بارے میں بھی ہوگی۔

حضرت عکرمہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس روز ایک باپ اپنے بیٹے سے کہے گا کہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارا کیسا مشفق اور مہربان باپ تھا، وہ اقرار کرے گا اور کہے گا بے شک آپ کے احسانات بے شمار ہیں، آپ نے میرے لئے دنیا میں بہت تکلیفیں برداشت کی تھیں، اس کے بعد باپ کہے گا بیٹا آج میں تمہارا محتاج ہوں، اپنی نیکیوں میں سے تھوڑی مجھے دیدو، کہ میری نجات ہو جائے، بیٹا کہے گا ابا جان آپ نے بہت تھوڑی چیز طلب کی، مگر میں کیا کروں اگر میں وہ آپ کو دیدوں تو میرا بھی یہی حال ہو جائے گا، اس لئے میں مجبور ہوں، پھر وہ اپنی بیوی سے اسی طرح کہے گا، مگر بیوی بھی وہی جواب دے گی جو بیٹے نے دیا، اسی مضمون کو ایک دوسری آیت میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے، یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ

وَابِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ. (سورۂ عبس)

وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی یعنی جب اہل قرابت جن سے بُرے وقت میں تعاون و ہمدردی کی توقع ہوتی ہے جب وہ ہی رخ پھیر کر دوٹوک جواب دیدیں گے تو غیرا قارب کی مدد وتعاون کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ یہ جملہ مستانفہ ہے، ان لوگوں کا حال بیان کرنے کے لئے لایا گیا جو آپ کی انذار و تبلیغ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، حالانکہ وہ اس کے عذاب سے غائب ہیں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، حال یہ ہے کہ وہ عذاب ان سے غائب ہے، تیسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ لوگوں کی نظروں سے غائب خلوت اور تنہائیوں میں ڈرتے ہیں۔ (فتح القدیر)

نکتہ: وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ظلمات سے مراد باطل اور نور سے مراد حق ہے ظلمات جمع اور نور کو واحد لانے میں یہ نکتہ ہے کہ حق ایک ہی ہوتا ہے اور باطل کثیر اور متعدد ہوتا ہے، اَحیاء سے مراد مومن اور اموات سے مراد کافر ہیں، عالم اور جاہل نیز دانشمند اور غیر دانشمند بھی مراد ہوسکتے ہیں، مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح مردوں کو قبروں میں کوئی بات نہیں سنائی جاسکتی، اسی طرح جن لوگوں کے قلوب کو کفر نے موت سے ہمکنار کردیا ہے یعنی ان کی بداعمالیوں نے ان کے اندر سے قبولیت حق کی صلاحیت ہی ختم کردی ہے تو آپ ایسے لوگوں کو پیغام حق کہ ان کیلئے مفید اور نافع ہو، نہیں سنا سکتے، ورنہ تو کہیں کفار مکہ بہرے نہیں تھے وہ آپ ﷺ کی باتیں خوب سنتے تھے مگر قبولیت کے ارادہ سے نہیں سنتے تھے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے ہدایت اور ضلالت یہ اللہ کے اختیار میں ہے، اس مسئلہ کا تعلق سماع موتی سے نہیں ہے، وہ الگ مستقل مسئلہ ہے، مطلب یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے، قبر میں پڑا ہوا دھڑ نہیں سنتا۔ (فوائد عثمانی)

اَلَمْ تَرَ تعلم اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا فیه اِلتفاتٌ عَنِ الْغَیْبَةِ بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا کَاَخْضَرَ وَاَحْمَرَ وَاَصْفَرَ وغیرِها وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ جَمْعُ جُدَّةٍ طَرِیْقٌ فی الجَبَلِ وغیرِه بِیْضٌ وَّحُمْرٌ وصُفْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا بِالشِّدَّةِ والضُّعْفِ وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ عَطْفٌ علی جُدَدٍ ای صُخُوْرٌ شَدِیْدَةُ السَّوَادِ یُقَالُ کَثِیْرًا اَسْوَدُ غِرْبِیْبٌ وقلیلاً غِرْبِیْبٌ اَسْوَدُ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ کَذٰلِكَ کَاخْتِلَافِ الثِّمَارِ والجِبَالِ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا بخلافِ الجُهَّالِ کَکُفَّارِ مَکَّةَ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ فی مُلْکِه غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ لِذُنُوْبِ عِبَادِهِ المُؤْمِنِیْنَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ یَقْرَؤُنَ کِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اَدَامُوْهَا وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً زکوةً وغیرَها یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ تَهْلِكُ لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ ثَوَابَ اَعْمَالِهِم المَذْکُوْرَةِ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ لِذُنُوْبِهِم شَکُوْرٌ ﴿۳۰﴾ لِطَاعَتِهِم وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ مِنَ الْکِتٰبِ القُرْاٰنِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ تَقَدَّمَهٗ مِنَ الکُتُبِ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌ بَصِیْرٌ ﴿۳۱﴾ عَالِمٌ بالبَوَاطِنِ والظَّوَاهِرِ

ثُمَّ اَوْرَثْنَا اَعْطَيْنَا الْكِتٰبَ القُرْاٰنَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا وهم اُمَّتُكَ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ بِالتَّقْصِيْرِ في العَمَلِ به وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ يَعْمَلُ بِهٖ في اَغْلَبِ الاَوْقَاتِ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ يَضُمُّ اِلَى العَمَلِ به التَّعْلِيْمَ والاِرْشَادَ اِلَى العَمَلِ بِاِذْنِ اللّٰهِ بِاِرَادَتِهٖ ذٰلِكَ اي اِيْرَاثُهُمُ الكِتَابَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ جَنّٰتُ عَدْنٍ اِقَامَةٍ يَّدْخُلُوْنَهَا اي الثَّلَاثَةُ بِالبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ خَبَرُ جَنَّاتٍ المُبْتَدَأُ يُحَلَّوْنَ خَبَرٌ ثَانٍ فِيْهَا مِنْ بعض اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا مُرَصَّعٍ بِالذَّهَبِ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ جَمِيْعَهُ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ لِلذُّنُوْبِ شَكُوْرٌ لِلطَّاعَاتِ الَّذِيْ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ اَيِ الاِقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ تَعَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ اِعْيَاءٌ مِنَ التَّعَبِ لِعَدَمِ التَّكْلِيْفِ فيها وذِكْرُ الثَّانِي التَّابِعُ لِلاَوَّلِ لِلتَّصْرِيْحِ بِنَفْيِهٖ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ بِالمَوْتِ فَيَمُوْتُوْا يَسْتَرِيْحُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا طَرْفَةَ عَيْنٍ كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنَاهم نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ كَافِرٍ بِالْيَاءِ والنُّوْنِ المَفْتُوْحَةِ مَعَ كَسْرِ الزَّاي ونَصْبِ كُلَّ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا يَسْتَغِيْثُوْنَ بِشِدَّةٍ وعَوِيْلٍ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنها نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ فَيُقَالُ لهم اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا وقتا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ الرَّسُوْلُ فما اَجَبْتُم فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ الكافرِيْن مِنْ نَّصِيْرٍ يَدْفَعُ العَذَابَ عنهم.

ترجمہ: اے مخاطب! کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ مختلف رنگوں کے پھل پیدا کئے اس میں غیبت سے تکلم کی جانب التفات ہے جیسا کہ سبز اور سرخ اور زرد وغیرہ اور پہاڑوں میں بھی مختلف رنگوں کی دھاریاں ہیں جُدَدٌ جُدَّةٌ کی جمع ہے، پہاڑی راستے وغیرہ کو کہتے ہیں، (مثلاً) سفید وسرخ اور زرد اور وہ رنگ تیز اور ہلکا ہونے کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ بھی اس کا عطف جُدَدٌ پر ہے یعنی نہایت تیز رنگ کی چٹانیں ہیں، کثیر الاستعمال اَسْوَدُ غِرْبِیبٌ ہے اور قلیل الاستعمال غِرْبِيْبٌ اَسْوَدُ ہے اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں پھلوں اور پہاڑوں کے رنگوں کے اختلاف کے مانند کہ ان کی رنگتیں بھی مختلف ہیں، اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت) کا علم رکھتے ہیں بخلاف جاہلوں کے جیسا کہ مکہ کے کافر واقعی اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں زبردست اور اپنے مؤمن بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے بلاشبہ جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ زکوٰۃ وغیرہ کے طور پر خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں کہ جو کبھی خسارے میں نہ ہوگی تاکہ ان کو ان کا بھرپور صلہ دے یعنی ان کے اعمال مذکورہ کا ثواب اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے بے شک وہ گنہ گاروں کا بڑا بخشنے والا اور ان کی طاعت کا قدردان ہے اور یہ کتاب قرآن جو ہم نے آپ کو وحی کے ذریعہ بھیجی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے جو اپنے سے سابقہ کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے بیشک اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں کی (حالت کی) پوری خبر رکھنے والا اور خوب دیکھنے والا ہے یعنی ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے پھر ہم نے اس کتاب قرآن کا ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں پسند کیا اور وہ آپ کی امت ہے سو ان میں سے بعض تو اپنے اوپر اس کتاب پر عمل کرنے میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ ان میں سے درمیانہ درجے کے ہیں کہ اکثر اوقات اس پر عمل کرتے ہیں اور بعض ان میں سے ایسے ہیں جو اللہ کی مشیت (وتوفیق) سے نیکیوں میں ترقی کئے جاتے ہیں یعنی قرآن پر عمل کے ساتھ تعلیم اور عمل کی طرف رہنمائی کو بھی ملا لیتے ہیں یہ یعنی ان کو کتاب کا وارث بنانا خدا کا بڑا فضل ہے، وہ ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن میں یہ تینوں (فریق) داخل ہوں گے (یُدْخلون) معروف اور مجہول دونوں ہیں یَدْخُلُوْنَهَا، جَنّٰتٌ مبتدا کی خبر ہے، جنت میں ان کو سونے کے کنگن اور سونے سے جڑے ہوئے موتی پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس جنت میں ریشم کا ہوگا اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے کہ اس نے ہمارے تمام غم دور کردیئے بے شک ہمارا پروردگار گناہوں کا بڑا بخشنے والا ہے اور طاعات کا قدردان ہے جس نے ہم کو اپنے فضل سے دائمی قیام گاہ میں داخل کیا جہاں ہم کو نہ کوئی مشقت پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی تکان لاحق ہوگی، (یعنی) تعب کی وجہ سے خستگی، جنت میں تکلیف نہ ہونے کی وجہ سے، اور ثانی یعنی (لغوب) کا ذکر جو کہ اول (یعنی نصب) کے تابع ہے صراحتاً تکان کی نفی کے لئے ہے اور کافروں کے لئے جہنم کی آگ ہے نہ ان کو موت ہی آئے گی کہ مرکر ہی راحت پاجائیں اور نہ ان سے لمحہ بھر کے لئے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، جس طرح ان کو ہم نے سزا دی، ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیں گے ی اور نون مفتوحہ اور ز کے کسرہ اور كُلَّ کے نصب کے ساتھ اور وہ لوگ جہنم میں فریاد کریں گے (یعنی) شدت سے ہائے پکار کرتے ہوئے کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم کو تو اس سے نکال دے ہم ان کاموں کے برخلاف کریں گے جن کو کیا کرتے تھے نیک کام کریں گے تو ان کو جواب دیا جائے گا کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا تھا اور تمہارے پاس ڈرانے والا رسول بھی پہنچا تھا، تو تم نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو مزا چکھو، ایسے ظالموں کا (کافروں) کا کوئی مددگار نہیں کہ ان سے عذاب کو دفع کرے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: اَلَمْ تَرَ یہ کلام مستانف ہے، یہ غالب قدرت اور کمال حکمت اور عجیب صنعت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، اور رویت سے مراد رویت قلبی ہے جیسا کہ مفسر علام نے تریٰ کی تفسیر تَعْلَمْ سے کرکے اشارہ کردیا ہے اَنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر تریٰ بمعنی تَعْلَمْ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے، اور مخاطب آپ ﷺ ہیں اور ہر وہ شخص بھی مخاطب ہوسکتا ہے جس میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہو۔

قِوْلَهُ: فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ای بالماء فَاَخْرَجْنَا اس میں غیبت سے تکلم کی طرف التفات ہے، اور نکتہ اس التفات میں صنعت بدیع کی طرف عنایت کا اظہار ہے اس لئے کہ انزال کے مقابلہ میں اخراج میں زیادہ احسان اور صنعت بدیع ہے۔

قِوْلَہٗ: مختلفًا الوانها کا نصب ثمرات کی صفت ہونے کی وجہ سے ہے، اور الوان سے مراد مختلف انواع واقسام ہیں ای بعضها ابيض وبعضها احمر وبعضها اصفر، وبعضها اخضر وبعضها اسود.

قِوْلَہٗ: جُدَدٌ جمع جُدَّةٍ بمعنی راستہ، اور بعض حضرات نے کہا ہے جُدَّةٌ بمعنی قِطعةٌ ہے، يقال جَدَدتُ الشئَ ای قطعتهٗ اور جوہری نے کہا ہے جُدَّةٌ ان دھاریوں کو کہتے ہیں جو حمار وحشی (زیبرا) کی پشت پر ہوتی ہیں۔

قِوْلَہٗ: مختلفٌ الوانها، الوانها، مختلف کا فاعل ہے پھر جملہ ہوکر جُدَدٌ کی صفت ہے، اور غرابیب کا عطف جُدَدٌ پر ہے اور سودٌ غرابیب سے بدل ہے یعنی نہایت سیاہ چٹانیں، غربیبٌ اسودُ کی تاکید یا صفت ہے، جیسا کہ الاحمر القانی میں قانی احمر کی صفت ہے یا تاکید ہے، مبالغہ کیلئے صفت کو یعنی تاکید کو مقدم کر دیا ہے، ورنہ عام طور پر صفت موصوف سے اور تاکید مؤکد سے مؤخر ہوا کرتی ہے، اور یہ اصل کے مطابق ہے، اسی لئے اَسْوَدُ غربیبٌ کثیر الاستعمال ہے اور غربیبٌ اسودُ خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے قلیل الاستعمال ہے۔

قِوْلَہٗ: ومِنَ الناس خبر مقدم ہے مُختلفٌ الوانهٗ موصوف محذوف کی صفت ہے ای صِنْفٌ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ مِنَ الناسِ.

قِوْلَہٗ: كذلك مصدر محذوف کی صفت ہے ای اختلافًا كذلك.

قِوْلَہٗ: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ چونکہ خشیت کا تعلق شئ کی معرفت پر موقوف ہوتا ہے جس کو جس قدر زیادہ معرفت حاصل ہوگی وہ اسی قدر زیادہ ڈرنے والا ہوگا، چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے اَنَا اَخشَاكم للّٰهِ واتقاكم لهٗ اور شاذ قراءت میں اللّٰه کے رفع اور علماء کے نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، مگر اس صورت میں يخشى بمعنی يُعَظِّمُ ہوگا، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے سے ڈرنے والوں کی قدر کرتا ہے۔

قِوْلَہٗ: اِنَّ اللّٰهَ عزيزٌ غفورٌ یہ وجوب خشیت کی علت ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کو اس سے اس لئے ڈرنا چاہئے کہ وہ ہر شئ پر غالب وقاہر ہے اور گنہگاروں کو معاف کرنے والا ہے۔

قِوْلَہٗ: يَرْجونَ تجارةً. اِنَّ کی خبر ہے۔

قِوْلَہٗ: سِرًّا وعلانيةً نزع خافض کی وجہ سے منصوب ہے ای فی السِرِّ والعلانية اور حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے ای مسرين ومعلِنِيْنَ، لَن تبور فعل مضارع منصوب بلن ہے اور جملہ ہوکر تجارة کی صفت ہے، اور مضاف محذوف ہے ای يَرْجُوْنَ ثوابَ تجارةٍ لَنْ تبورَ، تبُوْرُ (ن) سے بَوَارٌ، ہلاک ہونا، تمنا تبُور واحد مؤنث حاضر، وہ ہلاک ہوگئی، وہ خراب ہوگئی۔

قِوْلَہٗ: لِيُوَفِّيَهُمْ اجورَهم میں لام عاقبة ہے۔

قِوْلَہٗ: وَالَّذِىْ. اَلَّذِىْ موصول، اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ جملہ ہوکر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مبتداء، مِنَ الكتاب میں مِن بیانیہ ہے هُوَ مبتداء الحق خبر، مبتداء با خبر جملہ ہوکر اَلَّذِىْ مبتداء کی خبر، اور بعض حضرات نے هُوَ کو ضمیر فصل کہا ہے اور الحقُ کو

اَلَّذِی مبتدا کی خبر کہا ہے۔ (جمل)

قِوْلُہٗ: مُصَدِّقًا، اَلْکتاب سے حال ہے۔

قِوْلُہٗ: ثُمَّ اَوْرَثْنَا اَعْطَیْنَا، ثُمَّ بُعدِ رتبی کو بیان کرنے کے لئے ہے اور اَوْرَثْنَا کی تفسیر اَعْطَیْنَا سے کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح میراث بغیر تعب ومشقت کے حاصل ہوتی ہے اسی طرح کتاب (القرآن) بھی امت کو بغیر تعب ومشقت کے حاصل ہوئی ہے۔

قِوْلُہٗ: مِنْ عِبَادِنَا میں مِنْ بیانیہ اور تبعیضیہ دونوں ہو سکتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: اَوْرَثْنَا فعل بافاعل ہے الکتاب مفعول بہ ثانی مقدم ہے، اور اَلَّذِیْنَ مفعول اول مؤخر ہے اور اِصْطَفَیْنَا جملہ ہوکر اَلَّذِیْنَ کا صلہ ہے اور مِنْ عِبادِنا حال ہے۔

قِوْلُہٗ: مُقْتَصِدٌ، اقتصادٌ سے اسم فاعل واحد مذکر سیدھے راستہ پر قائم، میانہ رو۔

قِوْلُہٗ: مُرَصَّعٍ بِالذَّهَبِ یہ تفسیر لؤلؤٍ جر کے ساتھ قراءت کی صورت میں ہے اور اگر لؤلؤًا نصب کی قراءت ہوتو مِنْ اَسَاوِرَ کے محل پر عطف ہوگا یَدْخُلُوْنَ اور یُحَلَّوْنَ یہ تغلیبًا ہیں ورنہ تو یہی حکم عورتوں کا بھی ہے۔

قِوْلُہٗ: اَلْحَزَنَ یہ باب سمع کا مصدر ہے، بمعنی غم اور غمگین ہونا، شارح علام نے جَمِیْعَہٗ کا اضافہ کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ ہر قسم کے غم کا ازالہ مراد ہے، خواہ غم معاش ہو یا غم معاد، غرضیکہ جنت میں کسی قسم کا غم نہ ہوگا۔

قِوْلُہٗ: قالوا ماضی کا صیغہ وقوع یقینی کی وجہ سے لایا گیا ہے۔

قِوْلُہٗ: اَحَلَّنَا یہ حَلَّ یَحُلُّ حلولًا سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں داخل ہونا۔

قِوْلُہٗ: اَلْمُقَامَۃَ یہ باب (افعال) سے مصدر میمی ہے، بمعنی دائمی اقامت۔

قِوْلُہٗ: نَصَبٌ تکان، مشقت۔

قِوْلُہٗ: لُغُوْبٌ، لُغُوبٌ مصدر اور اسم مصدر ہے خستگی، درماندگی، سستی۔ (لغات القرآن)

قِوْلُہٗ: وذِکْرُ الثانی التابع للاول مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے ایک شبہ کا جواب دینا ہے۔

شبہ: یہ ہے نَصَبٌ تکان سبب اور لُغُوْبٌ (سستی) مسبب ہے اور انتفاء سبب انتفاء مسبب کو مستلزم ہے اور لا یَمَسُّنَا فیها نَصَبٌ میں سبب کی نفی ہے لہٰذا الغوب کی بھی نفی ہوگئی، دوبارہ لغوب کی نفی کی کیا ضرورت؟

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ سبب کی نفی مسبب کی نفی کو مستلزم ہوتی ہے مگر یہ نفی ضمناً اور تبعاً ہوتی ہے، لغوب کی نفی کرکے مستقلاً نفی کی طرف اشارہ کردیا۔

قِوْلُہٗ: یَصْطَرِخُوْنَ، اِصْطِرَاخٌ سے جمع مذکر غائب وہ چیخیں گے، اِصْطِراخ (افتعال) تا کو طا سے بدل دیا گیا ہے۔

قِوْلُہٗ: العَوِیْل، رَفْعُ الصوتِ بالبُکاء زور زور سے رونا۔

قِوْلُہٗ: اَوَلَمْ نُعَمِّرْکُمْ، ما یہ جملہ قول محذوف کا مقولہ ہے ای فیقال لکم ہمزۂ استفہام انکاری توبیخ کیلئے ہے، واؤ

عاطفہ کے ذریعہ محذوف پر عطف ہے ای اَلَمْ نُمْهِلْكُمْ و نُؤَخِّرْكُمْ عُمُرًا يَتَذَكَّرُ فيهِ مَنْ تَذَكَّرَ، ما نکرہ موصوفہ بمعنی وقت ہے، اور یَتَذَکَّرُ جملہ ہو کر صفت ہے۔

قَوْلُهُ: مَا اَجَبْتُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِذَاقَتِ عذاب کا ترتب مجیئت رسول پر مرتب ہے، حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اِذاقتِ عذاب محذوف پر مرتب ہے نہ کہ مجیئت رسول پر اور وہ محذوف فما اَجَبْتُمْ ہے۔

تَفسِیر وتَشرِیح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں لوگوں کے احوال کا مختلف ہونا اور اس کی تمثیلات بیان فرمائی ہیں مثلاً وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ولا الظلماتُ ولا النورُ ولا الظِّلُّ ولا الحرور ان آیات میں اسی کی مزید توضیح ہے کہ مخلوقات میں باہمی تفاوت ایک خلقی امر ہے اور یہ تفاوت نباتات و جمادات تک میں موجود ہے، اور یہ اختلاف صرف شکل وصورت یا رنگ و بو ہی تک محدود نہیں بلکہ طبیعت اور خاصیت میں بھی پایا جاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ (الآیة) یعنی جس طرح مومن و کافر، صالح اور فاسق دونوں قسم کے لوگ ہیں اسی طرح دیگر مخلوقات میں بھی تفاوت و اختلاف ہے، مثلاً پھلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں اور ذائقے اور بو بھی، حتی کہ ایک ہی پھل کی نہ صرف یہ کہ شکل وصورت مختلف ہوتی ہے بلکہ رنگ و ذائقہ بھی مختلف ہوتا ہے، بلکہ خدا کی قدرت دیکھئے کہ ایک ہی پھل کے مختلف اجزاء کا رنگ و بو اور مزا ایک دوسرے سے بہت مختلف بلکہ ضد ہوتا ہے اگر مغز شیریں ہے تو بیج نہایت تلخ ہے اور بیج شیریں ہے تو چھلکا نہایت بدمزہ ہے جبکہ سب کو خوراک ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی و ہوا ایک ہی سورج کی گرمی اور چاند کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے اور خوراک سب کو ایک ہی تنے اور شاخوں کے ذریعہ پہنچتی ہے اس کے باوجود اس قدر فرق!!! ایک ہی قادر مطلق کی قدرت نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح پہاڑ اور اس کے حصے یا راستے اور خطوط مختلف رنگوں کے ہیں، سفید، سرخ اور بہت گہرے سیاہ جُدَدٌ جُدَّةٌ کی جمع ہے راستہ یا لکیر کو کہتے ہیں، غَرَابِیبُ غِرْبِیبٌ کی جمع ہے اور سود، اَسْوَد کی جمع ہے، سیاہ کو کہتے ہیں جب گہرے سیاہ پن کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے تو اسود کے ساتھ غربیبٌ کا لفظ استعمال کرتے ہیں اسودُ غربیبٌ بولتے ہیں بہت زیادہ سیاہ، جیسا کہ الاحمر القانی نہایت سرخ، پتھر کی چٹانیں بھی مختلف رنگ کی ہوتی ہیں بلکہ ایک ہی چٹان میں مختلف رنگوں کی لکیریں ہوتی ہیں جو آپس میں نہایت ممتاز و مختلف ہوتی ہیں، اسی طرح انسان اور جانور بھی سفید سیاہ سرخ اور زرد رنگ کے ہوتے ہیں، یہ سب قدرت خداوندی کی نشانیاں ہیں، اور خدا کی ان قدرتوں اور اس کی کمال صنعت کو وہی لوگ جان اور سمجھ سکتے ہیں جو کتاب وسنت اور اسرار الٰہیہ کا علم رکھتے ہیں، اور جتنی جس کو خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اسی قدر خدا سے ڈرتے ہیں گویا جن کو

خشیت حاصل نہیں سمجھ لو کہ وہ علم صحیح سے محروم ہیں، اور قرآنی اصطلاح میں عالم اسی کو کہا جاتا ہے جس کے اندر خشیت الٰہی موجود ہو، کــــذٰلك پر جمہور کے نزدیک وقف ہے یعنی اس کا تعلق ماقبل کے مضمون سے ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کــــذٰلك کا تعلق مابعد کے ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح ثمرات، پہاڑ، حیوانات اور اشیاء ان مختلف رنگوں پر منقسم ہیں، اسی طرح خشیت الٰہی میں بھی لوگوں کے درجات مختلف ہیں، کسی کو خشیت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے اور کسی کو ادنیٰ اور کسی کو متوسط اور مدار اس کا علم پر ہے، جس درجہ کا علم ہوگا اسی درجہ کی خشیت ہوگی۔ (روح)

سفیان ثوری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں، علماء کی تین قسمیں ہیں: ① ایک عارف باللہ و عالم بامر اللہ، یہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو اور اس کے حدود و فرائض کو جانتا ہو، ② دوسرا صرف عارف باللہ، جو اللہ سے تو ڈرتا ہے لیکن اس کے حدود و فرائض سے بے خبر ہے، ③ تیسرا وہ جو صرف عالم بامر اللہ ہو جو حدود و فرائض سے باخبر ہے لیکن خشیت الٰہی سے عاری ہے۔ (ابن کثیر)

سابق آیات میں ارشاد فرمایا تھا اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بالغیب اس میں آپ ﷺ کی تسلی اور دلداری کے لئے فرمایا کہ آپ کے انذار و تبلیغ کا فائدہ صرف وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو غائبانہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اس کی مناسبت سے اِنَّمَا یخشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَماءُ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی خشیت حاصل ہے، لفظ اِنّمَا عربی زبان میں حصر کے لئے آتا ہے، اس لئے اس جملہ کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں، مگر ابن عطیہ وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ کلمہ اِنَّمَا جس طرح حصر کے لئے آتا ہے، اسی طرح کسی کی خصوصیت بیان کرنے کے لئے بھی آتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہیں کہ خشیت الٰہی علماء کا وصف خاص ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر عالم میں خشیت نہ ہو۔ (بحر محیط، ابو حیان)

اور آیت میں علماء سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا کماحقہٗ علم رکھتے ہیں، صرف عربی زبان یا اس کے صرف ونحو اور معانی و بلاغت یا محض الفاظ قرآنی کے معانی کے جاننے والوں کو قرآن کی اصطلاح میں عالم نہیں کہا جاتا، حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ عالم وہ شخص ہے کہ جو خلوت وجلوت میں اللہ سے ڈرے اور جن چیزوں کی اللہ نے ترغیب دی ہے وہ مرغوب ہوں اور جو چیزیں اللہ کے نزدیک مبغوض ہیں اس کو ان سے نفرت ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا:

لیس العلم بکثرت الحدیث ولکن العلم عن کثرت الخشیة.

یعنی بہت سی احادیث یاد کر لینا کوئی علم نہیں بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو۔

قال مجاہد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ، اِنَّما العالم مَنْ خَشِیَ اللّٰہَ عزَّوجلَّ عالم کہلانے کا مستحق وہی ہے جس میں خشیت الٰہی غالب ہو، اور مسروق رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کہا کفٰی بخشیة اللّٰہ علمًا و کفٰی بالاغترار جھلًا.

اِنَّما یخشی اللّٰہَ من عبادِہِ العلماءُ میں مفعول کو مقدم کرنے کی وجہ سے فاعلیت میں حصر ہے، مفعول کو مؤخر کرنے کی صورت میں حصر میں قلب ہو جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عزیز غفورٌ یہ وجوب خشیت کی علت ہے، یعنی اس سے کیوں ڈرنا چاہئے؟ اس لئے کہ وہ معصیت پر سزا دینے والا ہے اور توبہ کرنے والوں کو معاف کرنے والا ہے۔

یَرْجُوْنَ تجارۃً لن تبور، اِنَّ کی خبر ہونے کی وجہ سے جملہ ہو کر محلاً مرفوع ہے یعنی جو لوگ قرآن کریم کی پابندی سے تلاوت کرتے ہیں اور نمازوں کو ان کے اوقات پر اس کے آداب کی رعایت کے ساتھ پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے موقع کے لحاظ سے پوشیدہ اور ظاہر طریقہ سے خرچ کرتے ہیں بعض کے نزدیک ''سر'' سے مراد نفلی صدقہ ہے، اور ''علانیہ'' سے واجب اور فرض صدقہ ہے، تو ایسے لوگ آخرت میں ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں خسارہ کا امکان نہیں ہے، اعمال صالحہ کے ثواب کی امید کی خبر دینا حصول مرجو کے وعدہ کے قائم مقام ہے، لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ کالام لن یبور سے متعلق ہے، مطلب یہ ہے کہ صالحین کا خسران و نقصان اس لئے نہیں ہوگا کہ ان کے اعمال صالحہ کا صلہ پورا پورا عطا کیا جائے گا، اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے گا۔

اِنَّهٗ غفورٌ شکورٌ یہ توفیة اور زیادۃٌ کی علت ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کے گناہ معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ اخلاص سے توبہ کریں ان کے جذبہ اطاعت اور عمل صالح کا قدر دان ہے، اسی لئے وہ صرف اجر ہی نہیں دے گا بلکہ اپنے فضل و کرم سے مزید بھی دے گا۔

ثم اَوْرَثْنَا الکتابَ الَّذِیْنَ اصطَفَیْنَا مِنْ عبادِنَا، ثُمَّ حرف عطف ہے، اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ثُمَّ سے پہلے اور بعد کی دونوں چیزیں اصل وصف میں مشترک ہونے کے باوجود تقدم و تاخر رکھتی ہیں، پہلی چیز مقدم اور بعد کی چیز مؤخر ہوتی ہے، اور یہ تقدم و تاخر کبھی زمانہ کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی رتبہ اور درجہ کے اعتبار سے، یہاں ثُمَّ حرف عطف ہے، اور معطوف علیہ پہلی آیت کا لفظ اَوْحَیْنَا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے یہ کتاب یعنی قرآن جو خالص حق ہی حق ہے اور تمام پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، پہلے بطور وحی آپ کے پاس بھیجا، اس کے بعد ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب اور پسند کر لیا ہے، یہ تقدم و تاخر رتبہ اور درجہ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے ہی کہ قرآن کا بذریعہ وحی آپ کے پاس آنا رتبہ اور درجہ میں مقدم ہے اور امت کو عطا فرمانا اس سے مؤخر ہے، اور اگر امت کو وارث قرآن بنانے کا یہ مطلب لیا جائے کہ آپ نے اپنے بعد امت کے لئے زر و زمین کی وراثت چھوڑنے کے بجائے اللہ کی کتاب بطور وراثت چھوڑی، جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی شہادت موجود ہے، آپ نے فرمایا انبیاء درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑا کرتے، وہ وراثت میں علم چھوڑا کرتے ہیں، اور ایک دوسری حدیث میں العلماء ورثة الانبیاء فرمایا، اس لحاظ سے تقدیم و تاخیر زمانی بھی ہو سکتی ہے، کہ ہم نے یہ کتاب آپ کو عطا فرمائی اور آپ نے اس کو امت کے لئے بطور وراثت چھوڑا، وارث بنانے سے مراد عطا کرنا ہے، اور عطا کو میراث سے تعبیر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وراثت بغیر محنت و مشقت حاصل

ہوجاتی ہے یہ کتاب بھی امت کو بغیر محنت ومشقت کے حاصل ہوئی ہے، کتاب سے مراد قرآن اور منتخب بندوں سے علماء مراد ہیں جن کے واسطہ سے پوری امت محمدیہ ﷺ کو قرآن پہنچا ہے۔

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ ومنهم سابق بالخيرات (الآية) مفسرین کے نزدیک وہ منتخب بندے جن کو کتاب اللہ (قرآن) کا وارث بنایا ہے، جمہور کے نزدیک امت محمدیہ ہے، علماء بلا واسطہ اور دوسرے لوگ بالواسطہ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے امت محمدیہ کو تمام سابقہ کتابوں کا وارث بنایا، اس لئے کہ قرآن جو امت محمدیہ ﷺ کے لئے نازل کیا گیا ہے وہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مذکورہ آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ اِصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا سے مراد امت محمدیہ ﷺ ہے، اس کو تمام آسمانی کتابوں کا وارث بنایا گیا فظالمهم مغفورٌ له ومقتصدهم يُحَاسَبُ حسَابًا يَّسِيْرًا وسابِقُهُمْ يدخُلُ الجَنَّةَ بغيرِ حسابٍ یعنی اس امت کا ظالم بخشا جائے گا، اور میانہ رو سے آسان حساب لیا جائے گا، اور سابق بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا۔ (ابن کثیر)

اس آیت میں امت محمدیہ ﷺ کے تین طبقے بتائے گئے ہیں، ظالم، مقتصد، سابق، ان تینوں قسموں کی تفسیر امام ابن کثیر نے اس طرح بیان فرمائی ہے، ظالم سے مراد وہ آدمی ہے جو بعض واجبات میں کوتاہی کرتا ہے، اور بعض محرمات کا ارتکاب بھی کرلیتا ہے، اور مقتصد یعنی میانہ رو وہ شخص ہے جو تمام واجبات شریعت کو ادا کرتا ہے اور تمام محرمات سے اجتناب کرتا ہے مگر بعض اوقات مستحبات کو چھوڑ دیتا ہے اور بعض مکروہات میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور سابق بالخیرات وہ شخص ہے جو تمام واجبات ومستحبات کو ادا کرتا ہے اور تمام محرمات ومکروہات سے اجتناب کرتا ہے اور بعض مباحات کو عبادت میں مشغول ہونے یا شبۂ حرمت کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے۔ (یہ ابن کثیر کا بیان ہے) دیگر مفسرین نے ان تینوں قسموں کی تفسیر میں اور بہت سے اقوال نقل کئے ہیں جن کی تعداد پینتالیس تک پہنچ جاتی ہے، مگر ان کا حاصل وہی ہے جس کو ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

مذکورہ تفسیر سے معلوم ہوا کہ اَلَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا سے امت محمدیہ مراد ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم یعنی ظالم بھی اَلَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا یعنی اللہ کے منتخب بندوں میں شامل ہے، اس کو بظاہر مستبعد سمجھ کر بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ظالم، امت محمدیہ اور منتخب بندوں سے خارج ہے، مگر بہت سی احادیث صحیحہ معتبرہ سے ثابت ہے کہ مذکورہ تینوں قسمیں امت محمدیہ ﷺ کی ہیں، اور یہ امت محمدیہ ﷺ کے مومن بندوں کی انتہائی خصوصیت اور فضیلت ہے کہ ان میں جو عملی طور پر ناقص بھی ہے وہ بھی اس شرف میں داخل ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت مذکورہ اَلَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا کی تینوں قسموں کے متعلق فرمایا کہ یہ سب ایک ہی مرتبہ میں ہیں، اور سب جنتی ہیں (رواہ احمد، ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ درجات کے تفاوت

کے ساتھ سب جنتی ہیں، ابوداؤد طیالسی نے عقبہ ابن صہبان بنانی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی تو انہوں نے فرمایا بیٹا یہ تینوں قسمیں جنتی ہیں، ان میں سے سابق بالخیرات تو وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں گذر گئے جن کے جنتی ہونے کی شہادت خود رسول اللہ ﷺ نے دیدی، اور مقتصد وہ لوگ ہیں جو ان کے نشان قدم پر چلے اور سابقین کی اقتداء پر قائم رہے یہاں تک کہ ان کے ساتھ مل گئے باقی رہے ظالم لنفسہ تو وہ ہم تم جیسے لوگ ہیں یہ حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا کی کسر نفسی تھی کہ خود کو تیسرے درجہ میں شمار کیا حالانکہ احادیث صحیحہ کی تصریحات کے مطابق وہ سابقین اولین میں سے ہیں۔

علماء امت محمدیہ کی عظیم الشان فضیلت:

جیسا کہ سابق میں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو کتاب اللہ کا وارث بنایا وہ اس کے منتخب بندے ہیں، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کے وارث بلا واسطہ حضرات علماء ہیں، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے **العلماء ورثة الانبياء** حضرت ثعلبہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز علماء امت سے خطاب فرمائیں گے کہ میں نے تمہارے سینوں میں اپنا علم وحکمت صرف اسی لئے رکھا تھا کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ تمہاری مغفرت کردوں عمل تمہارے کیسے بھی ہوں، اور یہ بات اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ جس شخص میں خشیت اور خوف خدا نہیں، وہ علماء کی فہرست ہی سے خارج ہے اس لئے یہ خطاب ان لوگوں کو ہوگا جو خشیت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں۔ (ابن کثیر)

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ یعنی جب جہنمی جہنم میں فریاد کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار آپ ہمیں اس عذاب سے نکال دیجئے، اب ہم آئندہ نیک عمل کریں گے، یعنی غیروں کے بجائے تیری عبادت اور معصیت کے بجائے اطاعت کریں گے، تو اس وقت جواب دیا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر کی مہلت نہیں دی تھی جس میں غور کرنے والا غور کرکے صحیح راستہ پر آجائے، حضرت علی بن حسین، زین العابدین نے فرمایا کہ اس سے مراد سترہ سال کی عمر ہے اور حضرت قتادہ نے اٹھارہ سال کی عمر بتلائی ہے، اور مراد اس سے عمر بلوغ ہے۔

فَائِدَة: اس آیت میں سب سے پہلے ''ظالم'' کو پھر ''مقتصد'' کو آخر میں ''سابق بالخیرات'' کو ذکر فرمایا ہے حالانکہ ترتیب اگر اس کے برعکس ہوتی تو بہتر ہوتا، اس ترتیب کا سبب شاید یہ ہو کہ تعداد کے اعتبار سے ظالم لنفسہ سب سے زیادہ ہیں ان سے کم مقتصد اور ان سے کم سابق بالخیرات ہیں جن کی تعداد زیادہ تھی ان کو مقدم کیا گیا، ظالم کی تقدیم سے یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ تقدیم، افضل واشرف ہونے کا تقاضہ کرتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے قول **لا يَسْتَوِى اصحابُ النار واَصحابُ الجنةِ** میں اہل نار کو مقدم بیان کیا ہے حالانکہ ان کے لئے کوئی فضیلت نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾ بما في القُلوبِ فعِلمُه بغيرِه اَولٰى بالنظرِ الى حالِ

النَّاس هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ جمعُ خَلِيْفَةٍ اي يَخْلُفُ بعضُكم بعضًا فَمَنْ كَفَرَ منكم فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ
اي وبالُ كُفْرِه وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا غضبًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾ للآخرة
قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ تَعْبُدُوْنَ مِن دُونِ اللَّهِ اي غيرِه وهم الاصنامُ الذِيْنَ زَعَمْتُمْ انهم شُرَكاءُ
اللّٰهِ تعالٰى أَرُونِي اَخْبِرُوْنِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ شَرِكَةٌ مَعَ اللّٰهِ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ
أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ حُجَّةٍ مِّنْهُ بِاَنَّ لهم مَعِي شِرْكَةً لا شَيْئَ مِنْ ذٰلك بَلْ إِن ما يَعِدُ الظَّالِمُونَ
الكافرُوْنَ بَعْضُهُم بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿٤٠﴾ باطلًا بقولهم الاصنامُ تَشْفَعُ لهم إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَن
تَزُولَا اي يَمْنَعُهما مِنَ الزَّوالِ وَلَئِن لامُ قَسَمٍ زَالَتَا إِنْ ما أَمْسَكَهُمَا يُمْسِكُهما مِنْ أَحَدٍ مِّن بَعْدِهِ اي
سِوَاهُ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾ في تاخيرِ عقابِ الكُفّارِ وَأَقْسَمُوا اي كُفّارُ مكّةَ بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ اي
غايةَ اجتهادِهم فيها لَئِن جَاءَهُمْ نَذِيرٌ رَسُوْلٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ اليهودِ والنصارى
وغيرِهما اي أَيِّ واحدةٍ منها لَمَّا رَأَوْا مِنْ تكذيبِ بعضِها بعضًا اذ قالَتِ اليهودُ لَيْسَتِ
النَّصارٰى علٰى شَيْئٍ وَقَالَتِ النَّصارٰى لَيْسَتِ اليهودُ علٰى شَيْئٍ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ محمّدٌ صلى الله
عليه وسلم مَّا زَادَهُمْ مَجِيْئُهُ إِلَّا نُفُورًا ﴿٤٢﴾ تَبَاعُدًا عَنِ الهُدٰى اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ عَنِ الايمانِ مفعولٌ لَهُ
وَمَكْرَ العَمَلِ السَّيِّئِ مِنَ الشِّرْكِ وغيرِه وَلَا يَحِيقُ يُحِيْطُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ وهو الماكرُ ووَصْفُ
المَكْرِ بالسَّيِّئِ اصلٌ واضافتُه اليه قبلُ استعمالٌ آخَرُ قُدِّرَ فيه مُضَافٌ اليه حَذَرًا مِنَ الاضافةِ الى
الصِّفَةِ فَهَلْ يَنظُرُونَ يَنْتَظِرُوْنَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ سُنَّةَ اللّٰهِ فيهم مِنْ تعذيبِهم بتكذيبِهم رُسُلَهم
فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ﴿٤٣﴾ اي لا يُبَدَّلُ بالعذابِ غيرُه ولا يُحَوَّلُ الى غيرِ
مُسْتَحِقِّه أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً فاهلكهم
اللّٰهُ بتكذيبِهم رُسُلَهم وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ يَسْبِقُه ويَفُوْتُه فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ
عَلِيمًا بالاشياءِ كُلِّها قَدِيرًا ﴿٤٤﴾ عليها وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مِنَ المعاصي مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا
اي الارضِ مِن دَابَّةٍ نَسَمَةٍ تَدِبُّ عليها وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى اي يومِ القيٰمة فَإِذَا جَاءَ
أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿٤٥﴾ فيُجازيهم علٰى اعمالِهم باثابةِ المؤمنين وعقابِ الكافرين ع ٥ ٨ ١٧

ترجمہ: بلاشبہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے بے شک وہی دل کے رازوں سے
واقف ہے لہٰذا دل کے رازوں کے علاوہ کا بطریق اولیٰ جاننے والا ہے، اور اولویت لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے وہی
ذات ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا خلائف، خلیفة کی جمع ہے یعنی بعض بعض کے جانشین ہوتے ہیں پس جس نے تم

میں سے کفر کیا اسی پر اس کا کفر ہے یعنی کفر کا وبال اور کافروں کے لئے ان کا کفران کے پروردگار کے نزدیک ناراضی کا باعث ہوتا ہے، اور کافروں کا کفر آخرت میں ان کے لئے خسارہ میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے آپ کہئے کیا تم نے اپنے فرض کردہ شریکوں کا حال دیکھا؟ جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہو یعنی غیر اللہ کی، اور وہ بت ہیں جن کے بارے میں تم یقین رکھتے ہو کہ وہ اللہ کے شریک ہیں مجھے بتاؤ انہوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا؟ یا ان کی اللہ کے ساتھ آسمانوں کے پیدا کرنے میں شرکت ہے؟ یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے؟ کہ وہ اس کی وجہ سے دلیل پر قائم ہیں، ان میں سے کوئی بات بھی نہیں بلکہ یہ ظالم کافر ایک دوسرے سے یہ کہہ کر کہ یہ بت ان کی سفارش کریں گے خالص دھوکے کا وعدہ کرتے آئے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو گرنے سے تھامے ہوئے ہے (واللہ) اگر وہ گرنے لگیں تو اس کے سوا ان کو تھامنے والا کوئی نہیں، بلاشبہ وہ کافروں کے عذاب میں تاخیر کرنے میں غفور و رحیم ہے اور مکہ کے کافروں نے اللہ کی بڑی زور دار قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس رسول آئے تو وہ ہر امت سے یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک سے (یہ اس وقت کی بات ہے) کہ جب انہوں نے دیکھا کہ (یہود و نصاریٰ نے) ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہوئے کہا کہ نصاریٰ حق پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا یہود حق پر نہیں، جب ان کے پاس نذیر یعنی محمد ﷺ آیا تو اس کی آمد نے نفرت یعنی ہدایت سے دوری ہی میں اضافہ کیا، دنیا میں ایمان سے تکبر کرنے کی وجہ سے، اور ان کی شرک وغیرہ کی بری تدبیروں میں اضافہ ہوا استکبارًا (نفورا) کا مفعول لہ ہے، اور بری تدبیروں کا وبال خود تدبیر والوں پر پڑتا ہے اور وہ بری تدبیر کرنے والا ہے، اور مَکْرٌ کی صفت سَیِّئٌ اصل (استعمال) ہے، سابق میں مکر کی اضافت سَیِّئٌ کی جانب دوسرا استعمال ہے، اس (دوسرے استعمال) میں اضافت موصوف الی الصفت سے بچنے کے لئے مضاف محذوف مانا گیا ہے (معلوم ہوتا ہے) کہ یہ لوگ صرف خدائی اسی دستور کے منتظر ہیں جو پہلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے اور وہ (دستور) ان کو اپنے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے مبتلاء عذاب کرنا ہے، تو آپ کبھی خدائی دستور میں تبدیلی نہیں پائیں گے، اور خدائی دستور میں تحویل بھی نہ پائیں گے۔ یعنی عذاب کو غیر عذاب سے نہیں بدلا جائے گا، اور (اسی طرح) مستحق سے غیر مستحق کی طرف منتقل نہیں کیا جائے گا، سو کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ دیکھیں کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیا ہوا؟ حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے سو اللہ نے ان کو ان کے رسول کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر دیا، اور اللہ ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں اس کو کوئی ہرا سکے کہ اس سے سبقت کر جائے، اور اس سے بچ کر نکل جائے، اور وہ تمام اشیاء کا جاننے والا ہے اور ان پر قادر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا ان کی معاصی کی وجہ سے مواخذہ کرنے لگے تو روئے زمین پر کسی شخص کو نہ چھوڑے کہ وہ زمین پر چلے پھرے، (یعنی زندہ رہے) لیکن اللہ تعالیٰ اس کو ایک وقت مقرر یعنی قیامت کے دن تک مہلت دے رہا ہے سو جب ان کا وہ وقت آ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا تو وہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا، مومنین کو ثواب عطا کر کے، اور کافروں کو سزا دیکر۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ یہ عَالِمُ غَیْبِ السمٰوٰتِ والاَرْضِ کی علت ہے یعنی جو ذات سینوں کے رازوں سے واقف ہے وہ اس کے علاوہ سے بطریق اولیٰ واقف ہوگی اِنَّ اللّٰہَ عَالِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ یہ دعویٰ ہے اور اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دعوے کی دلیل ہے اور فعِلْمُهٗ بِغَیْرِہٖ اَوْلیٰ یہ نتیجہ ہے۔

قَوْلُهُ: بالنظرِ الی حال الناس یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اَوْلَوِیَّتْ و اَوَّلِیَّتْ کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں ہوتا بلکہ اس کے سامنے تمام چیزیں مساوی طور پر منکشف ہیں خدا کے علم حضوری میں اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ بعض چیزیں انسانوں کے لئے مخفی ہوں اور بعض ظاہر۔

جَوَابٌ: خدا کی جانب اَوْلَوِیَّتْ کی نسبت انسانوں کی عادت کے اعتبار سے ہے کہ انسان جب مخفی چیز سے واقف ہوتا ہے تو ظاہر سے بطریق اولیٰ واقف ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَا یَزِیْدُ الکافرینَ الخ یہ وبال کفر اور اس کے انجام کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ: قُلْ اَرَاَیْتُمْ (الآیة) اس میں اعراب کے اعتبار سے دو صورتیں ہیں ① ہمزہ استفہامیہ ہے اور۔ اَرُوْنِیْ امر تعجیز کے لئے جملہ معترضہ ہے، اس صورت میں یہ باب تنازع فعلان سے نہ ہوگا، اور اَرُوْنِی ماذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ یہ اَرَاَیْتُمْ سے بدل الاشتمال ہے، ای اخبرونی عن شُرکائِکم واَرُوْنِیْ ایَّ شیئٍ خلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ حتی یستحقوا الإلهية والشركة بعض حضرات نے کہا ہے کہ اَرُوْنِیْ، اَرَاَیْتُمْ سے بدل الکل ہے، مگر ابوحیان نے بدل کو ناجائز کہا ہے، ان کا کہنا ہے کہ جب مبدل منہ پر ہمزۂ استفہام داخل ہو تو ضروری ہے کہ بدل پر بھی داخل ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے نیز ابدال جملہ عن الجملہ ان کی زبان میں معہود نہیں ہے، نیز بدل تکرار عامل کی نیت سے ہوتا ہے، اور یہاں مبدل منہ یعنی اَرَاَیْتُمْ میں کوئی عامل ہی نہیں ہے (روح المعانی) ② دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ جملہ باب تنازع فعلان سے ہو، اس صورت میں اَرَاَیْتُمْ باب افعال سے ہوگا اور اخبرونی کے معنی میں ہو کر متعدی بدو مفعول ہوگا، مفعول اول نِیْ ہے دوسرے مفعول کی اس کو ضرورت ہے، دوسرا فعل اَرُوْنِیْ ہے یہ بھی متعدی بدو مفعول ہے ایک مفعول اس سے متصل نِی ہے، دوسرے کی ضرورت ہے اور دوسرا مفعول جس میں تنازع ہے وہ مَاذَا خَلَقُوْا من الْاَرْضِ ہے جس میں اَرَاَیْتُمْ اور اَرُوْنِی تنازع کر رہے ہیں، بصریین کے مختار مذہب کے مطابق دوسرے فعل اَرُوْنِی کو عمل دیا۔

قَوْلُهُ: شرکائهم یہ اضافت ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ مشرکین نے ان کو خدا کا شریک قرار دیا تھا، یا اضافت اس وجہ سے ہے کہ مشرکوں نے بتوں کو حقیقت میں اپنے اموال میں شریک کر لیا تھا، اور باقاعدہ اپنے اموال میں بتوں کا حصہ رکھتے تھے ان کے نام کی قربانی کرتے تھے۔

قَوْلُهُ: اَمْ آتَیْنَاهُمْ، هُمْ سے مراد مشرکین ہیں، بعض نے کہا ہے کہ شرکاء مراد ہیں، یعنی کیا ہم نے مشرکین کو یا شرکاء کو کوئی

ایسی کتاب دی ہے کہ جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ میری قدرت میں میرے ساتھ کوئی شریک ہے؟ لَا شیئَ مِنْ ذٰلك سے اشارہ کردیا کہ یہ استفہام انکاری ہے، اور یہ جملہ مذکورہ تینوں استفہاموں کا جواب بھی ہے۔

قَوْلَہٗ: شِرْکَۃٌ. شرکٌ کی تفسیر شرکۃٌ سے کرکے اشارہ کردیا کہ شرکٌ مصدر بمعنی شِرْکَۃٌ اسم ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلَہٗ: بَعْضُھُمْ. ظَالِمُوْنَ سے بدل ہے۔

قَوْلَہٗ: یَمْنَعُ مِنَ الزوَالِ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انْ تَزُوْلَا، حرف جر مِنْ کے اسقاط کے ساتھ بتاویل مصدر ہوکر یُمْسِكُ کا مفعول ثانی ہے اور یُمسكُ یمنع کے معنی میں ہے اور زجاج نے کہا ہے کہ مفعول لہ ہے ای مَخَافَةَ ان تَزُولَا۔

قَوْلَہٗ: ولئن زالتا اس میں قسم اور شرط دونوں جمع ہیں اِنْ اَمسکَھُمَا جواب قسم ہے اور قاعدۂ معروفہ کی رو سے جواب شرط محذوف ہے جس پر جواب قسم دلالت کررہا ہے۔

واحذف لدیٰ اجتماعِ شرطٍ وقسمٍ جوابَ مَا اَخَّرتَ فھُوَ مُلتَزَمٌ

قَوْلَہٗ: مِنْ اَحَدٍ من فاعل پر زائدہ ہے، احد لفظاً مجرور اور محلاً مرفوع ہے۔

قَوْلَہٗ: سِوَاہُ یہ مِنْ بعدِہٖ کی تفسیر ہے یعنی بَعْدُ بمعنی غیرَ ہے، اور مِنْ بَعدِہٖ میں مِنْ ابتدائیہ ہے۔

قَوْلَہٗ: اِنَّہٗ کانَ غفورًا رحیمًا یہ یُمسکُھُما السّمٰوٰتِ والاَرضِ کی علت ہے یعنی غفور ورحیم ہونے کی وجہ سے زمین وآسمان کو گرنے سے روکے ہوئے ہے یعنی کفر وشرک درحقیقت ایسے جرم ہیں کہ ان کی سزا تو فوری مل جانی چاہئے مگر وہ اپنی صفت رحمت ومغفرت کی وجہ سے عذاب میں تاخیر کررہا ہے۔

قَوْلَہٗ: جَھْدَ اَیْمٰنِھِمْ مفسر علام نے جَھْدَ کی تفسیر غَایَةَ اَیْمَانِھِم سے کرکے اشارہ کردیا کہ جَھْدَ مصدریہ کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ بھی درست ہے کہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، ای اَقسمُوْا باللّٰہِ جاھدین، جَھْدٌ فتحہ جیم کے ساتھ، پوری کوشش اور طاقت صرف کرنا جُھْدٌ بالضم بمعنی طاقت، مشرکین مکہ کی یہ عادت تھی کہ عام طور پر اپنے آباء یا اصنام کی قسم کھایا کرتے تھے، مگر جب ان کو کسی بات کو باور کرانا اور یقین دلانا مقصود ہوتا تو قسم کو مضبوط اور مؤکد کرنے کے لئے اللہ کی قسم کھایا کرتے تھے۔

قَوْلَہٗ: لَیَکُوْنُنَّ یہ بالمعنی حکایت حال ہے ورنہ تو مقام کا مقتضی یہ تھا کہ لَتَکُوْنُنَّ ہو۔

قَوْلَہٗ: فَلَمَّا جَاءَ ھُمْ نَذِیْرٌ، لَمَّا حرف شرط ہے اور مَا زَادَھُمْ اِلَّا نُفُوْرًا جواب شرط ہے، یہاں لمّا کو ظرفیہ ماننا درست نہیں ہے، اس لئے کہ مَا نافیہ کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا، اور زیادتی نفرت کی اسناد نذیر کی جانب یا مجیئت کی جانب اسناد مجازی ہے، اس لئے کہ نذیر سبب نفرت ہے ورنہ تو نذیر کا کام نفرت پیدا کرنا یا نفرت میں اضافہ کرنا نہیں ہوتا۔

قَوْلَہٗ: اِسْتِکْبَارًا یہ نفورًا کا مفعول لہ ہے یعنی مشرکین کے ایمان کے مقابلہ میں تکبر وتعلّی کرنے کی وجہ سے ان کی نفرت میں اضافہ ہوا، نیز نفورًا سے بدل واقع ہونا بھی صحیح ہے، اور زَادَھم کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے، ای مَازَادَھُمْ اِلَّا نفورًا

حال کونھم مُستکبرین.

قَوْلُہٗ: وَمَکْرَ العمل السَّیِّیِٔ اس کا عطف اِسْتِکبَارًا یا نُفُوْرًا پر ہے، یعنی مشرکین کی نفرت میں اضافہ کی وجہ ایمان سے اعراض اور برے عمل کی تدبیریں ہیں یا نفرت میں اضافہ تکبر اور تدبیر بد کی وجہ سے ہے مکرَ السَّیِّیِٔ میں اصل استعمال المکرُ السَّیِّیُٔ بترکیب توصیفی ہے، اور ماقبل کے جملہ میں بترکیب اضافی جو استعمال ہوا ہے وہ خلاف اصل ہے اس لئے کہ اس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو رہی ہے جو کہ اضافت الشیٔ الی نفسہٖ کے قبیل سے ہے جو ممنوع ہے، اس سے بچنے کے لئے مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے العمل مضاف الیہ محذوف مانا جو کہ السَّیِّیُٔ کا موصوف ہے، اس طریقہ سے اضافت الموصوف الی الصفت کا اعتراض ختم ہو گیا، اس لئے کہ اس صورت میں مکر کی اضافت العمل کی طرف ہے نہ السَّیِّیُٔ کی طرف (جمل) اور بعض کے نزدیک مکرَ السَّیِّیِٔ کی اصل اَنْ مَکَرُوْا المکرَ السَّیِّیَٔ ہے موصوف یعنی المکرُ کو صفت یعنی السَّیِّیُٔ کی وجہ سے مستغنی ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا پھر فعل کو مع أن مصدریہ کے یعنی مکرٌ سے بدل دیا بعد ازاں اتساعاً مصدر کی اضافت صفت یعنی السَّیِّیُٔ کی جانب کر دی گئی، مکرُ السَّیِّیِٔ ہو گیا۔ (روح البیان)

قَوْلُہٗ: وَصْفُ المکرِ بالسَّیِّیِٔ اصلٌ واضافتُہٗ اِلَیْہِ قبلُ، اِسْتِعْمالٌ آخرُ قُدِّرَ فِیْہِ مضافٌ الیہ حذرًا مِنَ الاِضَافَۃِ الی الصفۃِ شارح کی اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مکرُ السَّیِّیِٔ کا اصل اور قاعدہ کے مطابق استعمال تو بترکیب توصیفی ہے جیسا کہ وَلَا یَحِیْقُ المکرُ السَّیِّیُٔ اِلَّا بِاَھْلِہٖ میں ہے اور اضافت کے ساتھ استعمال خلاف اصل ہے جیسا کہ مکرَ السَّیِّیِٔ میں ہے اس لئے کہ اس صورت میں اضافت الشیٔ الی نفسہٖ کی قباحت لازم آتی ہے چونکہ شیٔ اور وصف شیٔ ایک ہی ہوتی ہے، اس لئے مفسر علام نے العمل مضاف الیہ محذوف مانا ہے تاکہ اضافت موصوف الی الصفت کا اعتراض ختم ہو جائے، العمل محذوف ماننے کے بعد مکر کی اضافت صفت یعنی السَّیِّیِٔ کی طرف نہیں بلکہ السَّیِّیِٔ کے موصوف یعنی العمل کی طرف ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا سُنَّتَ الاَوَّلِیْنَ کی تفسیر سنَّۃَ اللّٰہِ فیھِمْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فی الاَرْضِ میں واؤ عاطفہ ہے اور ہمزہ محذوف پر داخل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَتَرَکُوْا السَّفَرَ وَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الاَرْضِ یہ جملہ اس بات پر استشہاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دستور میں تبدیلی نہیں ہے، جو معاملہ منکرین و مشرکین سابقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا وہی ان کے ساتھ بھی ہوگا، ہمزہ استفہام انکاری ہے جس کی وجہ سے نفی النفی نے اثبات کا فائدہ دیا، مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سفر کرتے ہیں اور قوم صالح اور قوم لوط اور قوم شعیب وغیرہ کے دیار کے خرابات و نشانات کو دیکھتے ہیں مگر اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

قَوْلُہٗ: بِمَا کَسَبُوْا میں با سببیہ ہے اور ما مصدریہ یا موصولہ ہے ای بسببِ کسبِھِمْ اور بِسَبَبِ الَّذِیْ کَسَبُوْہُ.

قَوْلُهٗ: نَسمَةٌ ذی روح متنفس کو کہتے ہیں (ج) نَسَمٌ.

قَوْلُهٗ: فَيُجَازِيْهِمْ مفسر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے اس عبارت سے اشارہ کردیا ہے کہ اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ شرط ہے اور اس کی جزاء محذوف ہے اور وہ فَيُجَازِيْهِمْ ہے۔

تفسیر وتشریح

اِنَّ اللّٰهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جمہور نے عالمُ الغیبِ اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اور جناح بن حبیش نے عالمٌ کو تنوین اور غیبَ کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سرّ اور علانیہ سب کا جاننے والا ہے، اور ان ہی مخفی اور پوشیدہ باتوں میں سے، تمہارا یہ قول بھی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو دنیا میں دوبارہ لوٹا دے تو ہم نیک اعمال کریں گے اور شرک وکفر کو ترک کرکے توحید واطاعت اختیار کریں گے، مگر اللہ کے علم میں یہ بات ہے کہ اگر تم کو دنیا میں لوٹا دیا جائے تو تم پھر وہی شرک وکفر اختیار کرو گے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ اور یہ بات اس کو اس لئے معلوم ہے کہ وہ علیم بذات الصدور ہے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰئِفَ فِي الْاَرْضِ، خلائف خلیفة کی جمع ہے جس کے معنی نائب اور قائم مقام کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسانوں کو یکے بعد دیگرے زمین ومکان وغیرہ کا خلیفہ بنایا ہے کہ ایک جاتا ہے تو دوسرا آتا ہے اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ یہ خطاب امت محمدیہ ﷺ کو ہو کہ پچھلی امتوں کے بعد ہم نے تم کو ان کے خلیفہ کی حیثیت سے مالک ومتصرف بنایا ہے لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ سابقہ امتوں کے حالات سے عبرت حاصل کرو، عمر کے قیمتی لمحات کو غفلت میں نہ گذارو۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ آسمانوں کو روکنے اور تھامنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی حرکت موقوف کردی ہے حرکت کو موقوف کرنے یا نہ کرنے کا اس آیت میں کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنی قدرت سے ان کو گرنے سے روک رکھا ہے، جیسا کہ أن تَزُولا سے اسی مطلب کی طرف اشارہ مفہوم ہوتا ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ بعثت محمدی ﷺ سے قبل مشرکین مکہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اہل کتاب اپنے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا لَعَنَ اللّٰهُ اليهودَ والنَّصارىٰ اَتَتْهُمُ الرُّسُلَ فكذَّبُوهُمْ (اللہ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی)، اور اللہ کی مؤکد قسم کھا کر کہا، لَئِنْ جَاءَ هُمْ نَذِيْرٌ یعنی واللہ اگر قریش میں کوئی نبی آیا تو ہم سابقہ امتوں سے کہیں زیادہ فرمانبردار اور اطاعت گذار ہوں گے اور عرب تمنا اور دعاء کیا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کے مانند ہمارے اندر بھی کوئی رسول آئے فَلَمَّا جَاءَ هُمْ چنانچہ جس کی وہ تمنا کیا کرتے تھے وہ آ گیا اور وہ رسول محمد ﷺ ہیں جو کہ ان ہی میں کے ایک فرد ہیں، مگر آپ ﷺ کی محبت نے ان کی نفرت میں اضافہ

ہی کیا اور یہ سب کچھ ایمان کے مقابلہ میں سرکشی اور بری تدبیروں کی وجہ سے ہوا، لوگ مکر وحیلہ کرتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ بری تدبیر کا انجام برا ہی ہوتا ہے، اور اس کا وبال بالآخر مکر وحیلہ کرنے والے ہی پر پڑتا ہے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ یعنی یہ مشرکین اپنے شرک وکفر اور رسول کی مخالفت اور اہل ایمان کو ایذائیں پہنچانے پر مُصر رہ کر اس بات کے منتظر ہیں کہ انہیں بھی اسی طرح ہلاک کر دیا جائے جس طرح پچھلی قومیں ہلاک کر دی گئیں، حقیقت یہ ہے کہ ہلاکت ہر مکذب کا مقدر بن چکی ہے اس کو نہ کوئی بدل سکتا ہے اور نہ کوئی ٹال سکتا ہے، مشرکین عرب کو چاہئے کہ کفر وشرک کو چھوڑ کر اب بھی ایمان لے آئیں ورنہ وہ اس سنت الٰہی سے بچ نہیں سکتے، دیر سویر اس کی زد میں آکر رہیں گے کوئی بھی اس قانون قدرت کو بدلنے پر قادر نہیں اور نہ عذاب الٰہی کو پھیرنے پر، انسانوں کو تو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا جائے گا اور جانوروں کو انسانی معصیت کی نحوست کی وجہ سے۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ یٰسٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ اِلَّا قَوْلَهٗ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا الْاٰيَةَ، اَوْ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَثَمَانُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ یٰس مکی ہے سوائے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا کے یا مدنی ہے، اور اس میں تراسی (۸۳) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰسٓ ① اَللّٰهُ اعلمُ بمُرادِهٖ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ② المُحكَمِ بعَجِيْبِ النَظْمِ وبَدِيْعِ المَعَانِي اِنَّكَ يا مُحَمَّدُ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ③ عَلٰى مُتعلِّقٌ بما قبلَهٗ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ④ اى طَرِيْقِ الاَنْبِيَاءِ قبلَكَ التَّوْحِيدِ والهُدىٰ والتاكِيدُ بالقَسَمِ وغيرِهٖ رَدٌّ لِقَوْلِ الكُفَّارِ لَه لَسْتَ مُرْسَلًا تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ فِي مُلْكِهٖ الرَّحِيْمِ ⑤ بخَلْقِهٖ خبرُ مُبْتَدَإٍ مُقدَّرٍ اَيِ القُرْاٰنُ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مُتعلِّقٌ بتَنْزِيْلِ مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ اى لَمْ يُنْذَرُوا في زَمَنِ الفَتْرَةِ فَهُمْ اى القَوْمُ غٰفِلُوْنَ ⑥ عَنِ الايْمَانِ والرُّشْدِ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ وَجَبَ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑦ اَيِ الاكْثَرُ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا بانْ تُضَمَّ اليها الاَيْدِي لانَ الغُلَّ يُجْمِعُ اليَدَ الَى العُنُقِ فَهِيَ اَيِ الاَيْدِيْ مَجْمُوْعَةٌ اِلَى الْاَذْقَانِ جَمْعُ ذَقَنٍ وهو مُجْتَمَعُ اللَّحْيَيْنِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧ رَافِعُوْنَ رُؤُسَهُمْ لا يَسْتَطِيْعُوْنَ خَفْضَهَا وهٰذا تَمْثِيلٌ والمُرادُ اَنَّهم لَا يُذْعِنُوْنَ لِلْاِيْمَانِ ولا يَخْفِضُوْنَ رُؤُسَهُمْ له وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا بفَتْحِ السِّيْنِ وضَمِّهَا في المَوْضِعَيْنِ فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⑨ تَمْثِيلٌ ايضًا لِسَدِّ طُرُقِ الايْمَانِ عليهم وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ بتَحْقِيْقِ الهَمْزَتَيْنِ وابْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وتَسْهِيْلِهَا وادْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ المُسَهَّلَةِ والاُخْرىٰ وتَرْكِهٖ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑩ اِنَّمَا تُنْذِرُ يَنْفَعُ اِنْذَارُكَ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ القُرْاٰنَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ خَافَهٗ ولم يَرَهٗ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ⑪ هو الجَنَّةُ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى لِلبَعْثِ وَنَكْتُبُ في اللَّوْحِ المَحْفُوْظِ

مَا قَدَّمُوْا فِي حَيٰوتِهِم مِنْ خَيْرٍ وشَرٍّ لِيُجَازُوا عليه **وَاٰثَارَهُمْ** ما اسْتَنَّ به بَعْدَهم **وَكُلَّ شَيْءٍ** نَصَبُهُ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُه **اَحْصَيْنٰهُ** ضَبَطْنَاه **فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ** كِتَابٍ بَيِّنٍ هو اللَّوْحُ المَحْفُوْظُ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے یٰسٓ اس سے اللہ کی کیا مراد ہے وہی بہتر جانتا ہے قسم ہے محکم قرآن کی جو عجیب نظم اور انوکھے معانی سے محکم ہے بلاشبہ اے محمد آپ مرسلین میں سے ہیں (اور) سیدھے راستہ پر ہیں علیٰ اپنے ماقبل (مرسلین) سے متعلق ہے (اور طریق مستقیم سے مراد) انبیاء سابقین کا طریقہ ہے، جو کہ توحید اور ہدایت کا راستہ ہے، اور قسم وغیرہ کے ذریعہ تاکید کافروں کے قول لَسْتَ مُرْسَلًا کو رد کرنے کے لئے ہے یہ قرآن اس (خدا) کا نازل کردہ ہے جو اپنے ملک میں غالب اور اپنی مخلوق پر مہربان ہے (تنزیل العزیز) مبتداء محذوف یعنی القرآن کی خبر ہے تاکہ آپ ایسی قوم کو آگاہ کریں کہ جس کے آباء (واجداد) کو آگاہ نہیں کیا گیا یعنی جن کو (فترت) یعنی وقفہ کے زمانہ میں آگاہ نہیں کیا گیا، لِتُنْذِرَ، تنزیل کے متعلق ہے، اسی وجہ سے یہ قوم ایمان وہدایت سے بے خبر ہے ان میں سے اکثر لوگوں پر (تقدیری طور پر) بات ثابت ہو چکی ہے تو یہ اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں اس طریقہ سے کہ طوق نے ہاتھوں کو گردن کے ساتھ جکڑ دیا ہے چنانچہ وہ بندھے ہوئے ہاتھ ٹھوڑی تک پھنسے ہوئے ہیں اَذْقَان ذَقَنٌ کی جمع ہے اور ذَقَنٌ دونوں جبڑوں کے ملنے کی جگہ ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے ہیں ان کو جھکا نہیں سکتے اور یہ ایک تمثیل ہے، اور مراد یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان کا اقرار نہیں کرتے اور نہ اپنے سروں کو ایمان کے لئے جھکاتے ہیں اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے اور ایک آڑ ان کے پیچھے کردی، دونوں جگہ سین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے جس کی وجہ سے ہم نے ان کے اوپر پردہ ڈال دیا تو وہ دیکھ نہیں سکتے یہ بھی ایک تمثیل ہے ان پر ایمان کے راستوں کو مسدود کرنے کے لئے اور ان کو آپ کا ڈرانا اور نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کو الف سے بدل کر، اور ثانی کی تسہیل (نرمی) کے ساتھ، اور مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کرکے، اور ترک ادخال کرکے وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں آپ تو صرف اس شخص کو نصیحت کر سکتے ہیں جو نصیحت یعنی قرآن کی پیروی کرے اور غائبانہ طور پر یعنی رحمٰن کو بغیر دیکھے رحمٰن سے ڈرے یعنی آپ کا ڈرانا اس کو فائدہ دے سکتا ہے سو آپ اس کو مغفرت کی اور عمدہ عوض کی کہ وہ جنت ہے خوشخبری سنا دیجئے، اور بے شک ہم مردوں کو اٹھانے کے لئے زندہ کریں گے اور انہوں نے اپنی زندگی میں جو اچھے برے اعمال کرکے آگے بھیجے ہیں اور جو اعمال پیچھے چھوڑے ہیں جن کے نقش قدم پر بعد میں چلا گیا ہم ان کو زندہ کریں گے ہم ان کو لوح محفوظ میں قلمبند کر لیتے ہیں تاکہ ان کو ان اعمال کی جزاء دی جائے اور ہم نے ہر چیز کو روشن کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے، روشن کتاب لوح محفوظ ہے کُلَّ شیءٍ اس فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی بعد والا فعل (اَحصیناہ) تفسیر کر رہا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: یٰسٓ قراء سبعہ نے نون کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، اس کے علاوہ نون کا ضمہ، فتحہ، کسرہ تین قراءتیں اور بھی ہیں مگر شاذ ہیں۔

قِوْلَہٗ: اللّٰہ اعلم بمرادہ حروف مقطعات کے بارے میں یہ قول سب سے اسلم اور احوط ہے، ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا سے مروی ہے کہ یٰسٓ لغت بنی طے میں ''یا انسان'' کے معنی میں ہے، اور ابن الحنفیہ سے مروی ہے یٰسٓ ''یا محمد'' کے معنی میں ہے۔

قِوْلَہٗ: والقرآن الحکیم واؤ قسمیہ ہے اور القرآن مقسم بہ ہے اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ جواب قسم ہے۔

قِوْلَہٗ: مُقْمَحُوْنَ یہ اقماحٌ سے مُقْمَحٌ اسم مفعول کی جمع مذکر ہے قَمْحٌ مادہ ہے گردن پھنسنے کی وجہ سے سر اوپر کو اٹھے ہوئے، بَعِيْرٌ قامِحٌ وہ اونٹ جو پانی پینے کے بعد آنکھیں بند کر کے سر اٹھا کر کھڑا ہو، چونکہ دوزخیوں کی گردنوں میں طوق پھنسے ہوئے ہوں گے جس کی وجہ سے ٹھوڑیاں اوپر کو اٹھ جائیں گی، جس کی وجہ سے لامحالہ سر بھی اوپر کو اٹھ جائیں گے۔ (لغات القرآن)

قِوْلَہٗ: تنزیل العزیز یہ هٰذا مبتداء محذوف کی خبر ہے یا اَمْدَحُ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے ای اَمْدَحُ تَنْزِيْلَ العزِيْزِ یا نَزَّلَ محذوف کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای نَزَّلَ تنزيْلًا۔

قِوْلَہٗ: فِي لوحٍ محفوظٍ یہ نكْتُبُ کا ظرف ہے، بہتر ہوتا کہ مفسر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ فی لوح محفوظ کے بجائے فی صحف الملائکۃ کہتے اس لئے کہ دنیا میں اعمال کی کتابت صحف ملائکہ میں ہوتی ہے نہ کہ لوح محفوظ میں۔

قِوْلَہٗ: كُلَّ شيئٍ اپنے مابعد فعل کی وجہ سے منصوب ہے، اور یہ باب اشتغال سے ہے ای اَحْصَيْنَا كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاه

قِوْلَہٗ: آثار، اَثَرٌ کی جمع ہے نشان کو کہتے ہیں، یہاں عملی نمونے مراد ہیں خواہ اچھے ہوں یا برے۔

تفسیر وتشریح

سورۂ یٰسٓ کے فضائل:

احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ نے معقل بن یسار سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یٰسٓ قلبُ القرآن لا يقرَؤها عَبْدٌ يُرِيْدُ اللّٰهَ وَالدَّارَ الآخِرَةَ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ فَاقرءوهَا عَلٰى مَوْتَاكُمْ معقل بن یسار نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یٰسین قرآن کا دل ہے، جو بندہ اس کو خالص لوجہ اللہ اور طلب آخرت کے لئے پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیں گے، لہٰذا تم اس کو اپنے مردوں کے پاس پڑھا کرو۔ (فتح القدیر اختصارًا)

امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا سورۂ یٰسین کو قلب قرآن فرمانے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس سورت میں قیامت اور حشر ونشر کے مضامین خاص تفصیل اور بلاغت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، اور اصول ایمان میں سے عقیدۂ آخرت وہ چیز ہے جس پر انسان کے اعمال کی صحت موقوف ہے، خوف آخرت ہی انسان کو عمل آخرت پر آمادہ اور مستعد کرسکتا ہے اور وہی اس کو ناجائز خواہشات اور حرام سے روکتا ہے، تو جس طرح بدن کی صحت قلب کی صحت پر موقوف ہے اسی طرح ایمان کی صحت فکر آخرت پر موقوف ہے۔ (روح)

سورۂ یٰسین کے دوسرے نام:

سورۂ یٰسین کو حدیث شریف میں **عظیمہ** بھی کہا گیا ہے، اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ تورات میں اس سورت کا نام **مُعِمّہ** آیا ہے، یعنی اپنے پڑھنے والے کے لئے دنیا وآخرت میں خیرات وبرکات کو عام کرنے والی، اور بعض روایات میں اس کا نام **مدافعہ** بھی آیا ہے، یعنی اپنے پڑھنے والوں سے بلاؤں کو دفع کرنے والی، اسی طرح بعض روایات میں اس کا نام **قاضیہ** آیا ہے یعنی حاجات کو پورا کرنے والی۔ (روح المعانی)

یٰسٓ یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور جمہور مفسرین کا مشہور قول تو وہی ہے کہ اس کی صحیح اور حقیقی مراد تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، احکام القرآن میں امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا ہے کہ یٰسین اللہ کے اسماء میں سے ایک ہے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''اے انسان'' اور انسان سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔

کسی کا یٰسین نام رکھنا کیسا ہے؟

امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس کو اس لئے پسند نہیں فرمایا کہ ان کے نزدیک یہ اسماء الہیہ میں سے ہے اور اس کے صحیح معنی معلوم نہیں اس لئے ممکن ہے کہ اس کے کوئی ایسے معنی ہوں کہ اللہ کے ساتھ مخصوص ہوں البتہ اگر اس لفظ کو یٰسین، یاسین کے رسم الخط سے لکھا جائے تو یہ کسی انسان کا نام رکھنا جائز ہے، کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے **سَلَامٌ علٰی آل یَاسین یا الیاسین**.

(ابن عربی، معارف)

یٰسٓ والقرآن الحکیم یعنی قسم ہے حکمتوں سے پُر قرآن کی، قرآن کریم اپنی اعجازی شان اور پُر حکمت تعلیمات اور پختہ مضامین کے لحاظ سے اس بات کا بڑا زبردست شاہد ہے کہ جو نبی امی اس کو لے کر آیا ہے یقیناً وہ اللہ کا بھیجا ہوا اور بلاشک وشبہ راہ مستقیم پر ہے، اس کی پیروی کرنے والوں کو کوئی اندیشہ منزل مقصود سے بھٹکنے کا نہیں۔

تَنْزِیْلَ الْعَزِیزِ الرَّحِیْمِ یعنی یہ قرآن حکیم اس خدا کا نازل کیا ہوا ہے جو زبردست بھی ہے کہ منکرین کو سزا دیئے بغیر نہ چھوڑے، اور رحم کرنے والا بھی ہے کہ ماننے والوں کو نوازشوں اور بخششوں سے مالا مال کردے اسی لئے آیات قرآنیہ میں بعض آیات شان لطف ومہر کا اور بعض شان غضب وقہر کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا اُنْذِرَ آبَاءُ هُمْ فَهُمْ غَافِلُوْنَ یعنی بہت ہی مشکل اور کٹھن کام آپ کے سپرد ہوا ہے کہ قوم (عرب) کو اس قرآن کے ذریعہ ہوشیار اور بیدار کریں جس کے پاس صدیوں سے کوئی بیدار کرنے والا نہیں آیا، وہ جاہل اور غافل قوم جسے نہ خدا کی خبر اور نہ آخرت کی، نہ ماضی سے عبرت نہ مستقبل کی فکر، نہ مبدأ پر نظر اور نہ منتہا پر، نہ نیک و بد کی تمیز اور نہ بھلے برے کا شعور، اس کو اتنی ممتد جہالت و غفلت کی تاریکیوں سے نکال کر رشد و ہدایت کی صاف شاہ راہ پر کھڑا کرنا کوئی معمولی اور آسان کام نہیں ہے، بلاشبہ آپ پوری قوت و تندہی کے ساتھ ان کو اس غفلت و جہالت کے خوفناک نتائج اور بھیانک و ہولناک مستقبل سے ڈرا کر فلاح و بہبود کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کی کوشش کریں گے، لیکن آپ کو بہت سے ایسے افراد بھی ملیں گے جو کسی قسم کی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں، شیطان ان پر پوری طرح مسلط ہو چکا ہے کہ ان کی حماقتوں اور شرارتوں کو ان کی نظر میں خوشنما اور آراستہ کر کے دکھلا رہا ہے، اس وقت ایک طرف شیطان کی بات لَاُغْوِيَنَّهُمْ اجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (مخلصین کے سوا میں سب کو بہکا کر رہوں گا) سچی ثابت ہوتی ہے اور دوسری طرف حق تعالیٰ کا قول لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اجمعين (تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے دوزخ کو بھر دوں گا) ثابت اور چسپاں ہو جاتا ہے۔

لَقَدْ حَقَّ القول علىٰ اكثرهم (الآية) حق تعالیٰ نے کفر و ایمان اور دوزخ و جنت کے دونوں راستے انسان کے سامنے کر دیئے ہیں، اور ایمان کی دعوت کے لئے انبیاء اور کتابیں بھی بھیج دیں، انسان کو اتنا اختیار بھی دیدیا کہ وہ بھلے برے میں تمیز کر سکے، جو بدنصیب نہ غور و فکر سے کام لے اور نہ دلائل قدرت میں غور کرے نہ انبیاء کی دعوت پر کان دھرے اور نہ واقعات و حادثات کو دیکھ کر چشم عبرت وا کرے، تو اس نے اپنے اختیار سے جو راہ اختیار کر لی تو حق تعالیٰ نے اس کے لئے اسی کے اسباب جمع فرما دیئے ہیں، اسی کو اس طرح تعبیر کیا ہے لَقَد حقَّ القَولُ علىٰ اكثرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ یعنی ان میں سے بیشتر لوگوں پر تو ان کے سوء اختیار کی بناء پر یہ قول حق جاری ہو چکا ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِي اَعْنَاقِهِمْ (الآية) اس آیت میں مذکورہ لوگوں کے حال کی ایک تمثیل بیان فرمائی ہے کہ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس کے گردن میں ایسے طوق ڈالدیئے گئے ہوں کہ ان کا چہرہ اور آنکھیں اوپر اٹھ جائیں، جو نہ اپنے وجود کو دیکھ سکے اور نہ اس کو راستہ ہی نظر آئے، تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص خود کو کسی کھڈ میں گرنے سے نہیں بچا سکتا۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا (الآية) مذکورہ لوگوں کی یہ دوسری تمثیل ہے، ان لوگوں کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ اس کے چاروں طرف دیوار کھڑی کر دی گئی ہو، اور وہ اس چہار دیواری میں محصور ہو کر رہ گیا ہو جس کی وجہ سے وہ باہر کی چیزوں سے بالکل بے خبر ہے، ان کافروں کے گرد بھی ان کی جہالت اور مزید برآں عناد و ہٹ دھرمی نے محاصرہ کر لیا ہے، کہ باہر کی حق باتیں ان تک پہنچتی ہی نہیں۔

امام رازی نے فرمایا کہ نظر سے مانع دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک مانع تو ایسا ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے خود اپنے وجود کو بھی نہ دیکھ سکے، دوسرا وہ کہ اپنے گرد و پیش کو نہ دیکھ سکے، ان کفار کے لئے حق بینی سے دونوں قسم کے مانع موجود تھے، اس

لئے پہلی تمثیل پہلے مانع کی ہے کہ جس کی گردن نیچے کو جھک نہ سکے، وہ اپنے وجود کو بھی نہیں دیکھ سکتا، اور دوسری تمثیل دوسرے مانع کی ہے کہ گرد و پیش کو نہیں دیکھ سکتا۔ (روح، معارف)

جمہور مفسرین نے مذکورہ تمثیل کو ان کے کفر و عناد کی تمثیل ہی قرار دیا ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے بعض روایات کی بناء پر ایک واقعہ کا بیان قرار دیا ہے، کہ ابوجہل اور بعض دوسرے لوگ آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے یا ایذاء پہنچانے کا پختہ عزم کر کے آپ کی طرف بڑھے، مگر اللہ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، جس کی وجہ سے آپ ان کو نظر نہ آئے عاجز ہو کر نامراد واپس آگئے، اسی قسم کے متعدد واقعات تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، قرطبی وغیرہ میں منقول ہیں، مگر ان میں بیشتر روایات ضعیف ہیں جس کی وجہ سے ان پر آیت کی تفسیر کا مدار نہیں رکھا جا سکتا۔

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَآثَارَهُمْ، ما قَدَّموا سے وہ آثار مراد ہیں جو انسان خود اپنی زندگی میں کرتا ہے اور آثارھم سے وہ اعمال مراد ہیں جس کے عملی نمونے (اچھے یا برے) وہ دنیا میں چھوڑ جاتا ہے، اور اس کے مرنے کے بعد اس کی اقتداء میں لوگ وہ اعمال اختیار کرتے ہیں، جس طرح حدیث میں ہے، جس نے اسلام میں کوئی نیا طریقہ جاری کیا اس کے لئے اس کا اجر بھی ہے اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے اجر میں کمی ہو، اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا تو اس پر اس کے اپنے گناہوں کا بھی بوجھ ہوگا اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے بوجھ میں کمی ہو۔ (صحیح بخاری، مسلم، کتاب الزکوٰۃ) اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے ① ایک علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں ② دوسرے نیک اولاد جو مرنے والے کے لئے دعائے خیر کرے ③ تیسرے صدقہ جاریہ جس سے لوگ اس کے مرنے کے بعد بھی فیضیاب ہوں۔ (صحیح مسلم کتاب الوصية)

ونکتبُ ما قدموا وآثارھم کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ کار خیر میں اگر کوئی آدمی چلت پھرت اور کوشش کرتا ہے تو اس کے ہر قدم یعنی اس کی کوشش اور سعی کا اجر اس کو دیا جاتا ہے، عہد نبوی میں مسجد نبوی کے قریب کچھ جگہ خالی پڑی تھی، بنی سلمہ کے مکانات مسجد نبوی سے ذرا فاصلہ پر تھے، بنو سلمہ نے مسجد نبوی کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا، جب نبی کریم ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد کے قریب منتقل ہونے سے روک دیا، اور فرمایا دِيَارَكُمْ تكتبُ آثاركُمْ (اور یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ فرمایا) یعنی تمہارے گھر اگرچہ (مسجد نبوی سے) دور ہیں، لیکن وہیں رہو جتنے قدم تم چل کر آتے ہو وہ لکھے جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد)

وَاضْرِبْ اِجْعَلْ **لَهُمْ مَّثَلًا** مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ **اَصْحٰبَ** مَفْعُوْلٌ ثَانٍ **الْقَرْيَةِ** انطاكِيَة **اِذْ جَآءَهَا** الى اخره بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِن اَصْحَابِ القَرْيَةِ **الْمُرْسَلُوْنَ** اى رُسُلُ عِيسٰى **اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا** الى اخِره بَدَلٌ مِن اِذِ الأُولٰى الخ **فَعَزَّزْنَا** بالتخفيفِ والتشديدِ قوّينا الاثنينِ **بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ**

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ جَارٍ مَجْرَى الْقَسَمِ وزِيْدَ التَّاكِيْدُ بِهٖ وبِاللَّامِ عَلٰى مَا قَبْلَهٗ لِزِيَادَةِ الْاِنْكَارِ فِى اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ التَّبْلِيْغُ الْبَيِّنُ الظَّاهِرُ بِالْاَدِلَّةِ الْوَاضِحَةِ وهِىَ اِبْرَاءُ الْاَكْمَهِ وَالْاَبْرَصِ وَالْمَرِيْضِ واِحْيَاءُ الْمَيِّتِ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا تَشَاءَمْنَا بِكُمْ ۚ لِانْقِطَاعِ الْمَطَرِ عَنَّا بِسَبَبِكُمْ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ بِالْحِجَارَةِ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ مُؤْلِمٌ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ شُؤْمُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ هَمْزَةُ اِسْتِفْهَامٍ دَخَلَتْ عَلٰى اِنِ الشَّرْطِيَّةِ وفِى هَمْزَتِهَا التَّحْقِيْقُ وَالتَّسْهِيْلُ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهَا بِوَجْهَيْهَا وبَيْنَ الْاُخْرٰى ذُكِّرْتُمْ ۭ وُعِظْتُمْ وخُوِّفْتُمْ وجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَىْ تَطَيَّرْتُمْ وكَفَرْتُمْ وهُوَ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ وَالْمُرَادُ بِهٖ التَّوْبِيْخُ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَجَاوِزُوْنَ الْحَدَّ بِشِرْكِكُمْ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ هُوَ حَبِيْبٌ النَّجَّارُ كَانَ قَدْ اٰمَنَ بِالرُّسُلِ ومَنْزِلُهٗ بِاَقْصَى الْبَلَدِ يَّسْعٰى يَشْتَدُّ عَدْوًا لَمَّا سَمِعَ بِتَكْذِيْبِ الْقَوْمِ الرُّسُلَ قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ ۙ اتَّبِعُوْا تَاكِيْدٌ لِلْاَوَّلِ مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا عَلٰى رِسَالَتِهٖ وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾ فَقِيْلَ لَهٗ اَنْتَ عَلٰى دِيْنِهِمْ فَقَالَ وَمَا لِىَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِىْ فَطَرَنِىْ خَلَقَنِىْ اَىْ لَا مَانِعَ لِىْ مِنْ عِبَادَتِهِ الْمَوْجُوْدُ مُقْتَضِيْهَا واَنْتُمْ كَذٰلِكَ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ بَعْدَ الْمَوْتِ فَيُجَازِيْكُمْ كُفْرَكُمْ ءَاَتَّخِذُ فِى الْهَمْزَتَيْنِ مِنْهُ مَا تَقَدَّمَ فِىْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ وهُوَ اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَىْ غَيْرِهٖ اٰلِهَةً اَصْنَامًا اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّىْ شَفَاعَتُهُمْ الَّتِىْ زَعَمْتُمُوْهَا شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ صِفَةُ اٰلِهَةٍ اِنِّىْٓ اِذًا اَىْ اِنْ عَبَدْتُ غَيْرَ اللّٰهِ لَّفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ بَيِّنٍ اِنِّىْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ اَىْ اِسْمَعُوْا قَوْلِىْ فَرَجَمُوْهُ فَمَاتَ قِيْلَ لَهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ وقِيْلَ دَخَلَهَا حَيًّا قَالَ يٰ حَرْفُ تَنْبِيْهٍ لَيْتَ قَوْمِىْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ ۙ بِمَا غَفَرَ لِىْ رَبِّىْ بِغُفْرَانِهٖ وَجَعَلَنِىْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ نَافِيَةٌ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ اَىْ حَبِيْبٍ مِنْۢ بَعْدِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَىْ مَلَائِكَةٍ لِاِهْلَاكِهِمْ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ مَلَائِكَةً لِاِهْلَاكِ اَحَدٍ اِنْ مَا كَانَتْ عُقُوْبَتُهُمْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً صَاحَ بِهِمْ جِبْرَئِيْلُ فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ سَاكِتُوْنَ مَيِّتُوْنَ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ هٰؤُلَاءِ ونَحْوِهِمْ مِمَّنْ كَذَّبُوا الرُّسُلَ فَاُهْلِكُوْا وهِىَ شِدَّةُ التَّاَلُّمِ ونِدَاؤُهَا مَجَازٌ اَىْ هٰذَا اَوَانُكِ فَاحْضُرِىْ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ مَسُوْقٌ لِبَيَانِ سَبَبِهَا لِاِشْتِمَالِهٖ عَلٰى اِسْتِهْزَائِهِمْ الْمُؤَدِّىْ اِلٰى اِهْلَاكِهِمُ الْمُسَبَّبِ عَنْهُ الْحَسْرَةُ اَلَمْ يَرَوْا اَىْ اَهْلُ مَكَّةَ الْقَائِلُوْنَ لِلنَّبِىِّ لَسْتَ مُرْسَلًا وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ اَىْ عَلِمُوْا كَمْ خَبَرِيَّةٌ بِمَعْنٰى كَثِيْرٌ مَعْمُوْلَةٌ لِمَا بَعْدَهَا مُعَلِّقَةٌ لِمَا قَبْلَهَا عَنِ الْعَمَلِ وَالْمَعْنٰى اِنَّا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ كَثِيْرًا مِّنَ الْقُرُوْنِ الْاُمَمِ اَنَّهُمْ اَىِ الْمُهْلَكِيْنَ اِلَيْهِمْ اَىِ الْمَكِّيِّيْنَ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ اَفَلَا يَعْتَبِرُوْنَ بِهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلٰى اٰخِرِهٖ بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهٗ بِرِعَايَةِ الْمَعْنَى الْمَذْكُوْرِ وَاِنْ نَافِيَةٌ اَوْ مُخَفَّفَةٌ كُلٌّ اَىْ كُلُّ

الخلائق مُبْتَدأٌ لَمَّا بالتشديدِ بمعنى اِلّا وبالتخفيفِ فاللامُ فارقةٌ وما مزيدة جَمِيْعٌ خبرُ المُبْتَدأ اى مَجْمُوعون لَّدَيْنَا عندنا فى المَوْقِفِ بَعْدَ بَعْثِهم مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٢﴾ للحِسَابِ خبرٌ ثان.

ترجمہ: آپ ان سے ایک مثال (یعنی) ایک بستی انطاکیہ والوں کی مثال اس وقت کی بیان کیجئے جب اس بستی میں کئی رسول آئے مثلاً مفعول اول ہے اور اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ مفعول ثانی ہے، جب وہ ان کے پاس اذ جاءَ هَا الخ اصحاب القرية سے بدل الاشتمال ہے، اور مرسلون سے عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد مراد ہیں یعنی جب ہم نے ان کے پاس (اول) دو کو بھیجا تو ان لوگوں نے دونوں کی تکذیب کی اِذْ اَرْسَلْنَا اول اِذْ سے بدل ہے، پھر ہم نے تیسرے سے تقویت دی فَعَزَّزْنَا میں تخفیف اور تشدید دونوں قراءتیں ہیں یعنی دو کی تیسرے کے ذریعہ تائید کی، سوان تینوں نے کہا ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں تو ان لوگوں نے جواب دیا تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو اور خدا نے کوئی چیز نازل نہیں کی، تم محض جھوٹ بولتے ہو، فرستادوں نے کہا ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، رَبُّنَا قائم مقام قسم ہے اور اس قسم کے ذریعہ اور لام کے ذریعہ ماقبل کی بہ نسبت زیادتی انکار کی وجہ سے اِنَّا اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ میں تاکید زیادہ لائی گئی ہے اور ہمارے ذمہ تو واضح طور پر (پیغام) پہنچادینا ہے اور بس جو معجزات واضحہ سے مؤیَّد ہے، اور وہ (معجزہ) اندھوں کو بینا کرنا اور کوڑھی و مریض کو تندرست کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا ہے وہ کہنے لگے تمہاری وجہ سے بارش موقوف ہونے کے سبب سے ہم کو نحوست لاحق ہوگئی اگر تم باز نہ آؤ گے تو ہم تم کو سنگسار کردیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی، ان فرستادوں نے کہا تمہاری نحوست تو تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے ساتھ ہے، کیا تم اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی گئی بلکہ (خود) تم ایسے لوگ ہو کہ اپنے شرک کی وجہ سے حد سے تجاوز کر گئے ہو، ہمزۂ استفہام ان شرطیہ پر داخل ہے اور اس کے ہمزہ میں تحقیق و تسہیل، اور دونوں صورتوں میں اس کے اور دوسرے یعنی (ہمزۂ استفہام) کے درمیان الف داخل کرنا ہے (اور ترک کرنا ہے) اور ذُكِّرْتُمْ بمعنی وُعِظْتُمْ اور خُوِّفْتُمْ ہے اور جواب شرط محذوف ہے یعنی تَطَيَّرْتُمْ وَكَفَرْتُمْ اور یہی محل استفہام ہے اور مراد اس سے توبیخ ہے اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص کہ جس کا نام حبیب نجار تھا اور وہ رسولوں پر ایمان لا چکا تھا، اور اس کا مکان شہر کے پرلے کنارے پر تھا، جب اس نے قوم کا رسولوں کو جھٹلانا سنا تو دوڑتا ہوا آیا اس نے کہا اے میری قوم ایسے رسولوں کی اتباع کرو ثانی اِتَّبِعُوْا اول اِتَّبِعُوْا کی تاکید (لفظی) ہے، جو تم سے تبلیغ رسالت پر کوئی صلہ نہیں چاہتے اور وہ سیدھے راستہ پر ہیں، تو اس سے کہا گیا کہ کیا تو (بھی) ان کے دین پر ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے کیا (عذر) ہے کہ میں اس کی بندگی نہ کروں کہ جس نے مجھے پیدا کیا؟ یعنی اس کی بندگی کرنے سے مجھے کوئی مانع نہیں ہے اور اس کی عبادت کا مقتضی (باعث) موجود ہے، اور تمہارا حال بھی ایسا ہی ہے (جیسا میرا ہے) اور مرنے کے بعد تم کو اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے، أَأَتَّخِذُ کے دونوں ہمزوں میں وہی قراءتیں ہیں جو أَأَنْذَرْتَهُمْ میں گذر چکی ہیں، اور یہ استفہام بمعنی نفی ہے کیا میں اس کو چھوڑ کر اس کے غیر کو یعنی بتوں کو معبود بناؤں؟ اگر

خدا میرے حق میں نقصان کا ارادہ کرے تو ان کی شفاعت مجھے کوئی فائدہ نہ دے جس کی تم (ان سے) توقع رکھتے ہو، اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں (لَا یَنقذونَ) اٰلِهَةً کی صفت ہے، اگر میں ایسا کروں یعنی اگر میں غیر اللہ کی بندگی کروں تو بلا شبہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا، میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا سو میری طرف دھیان دو یعنی میری بات سنو، تو ان لوگوں نے اس کو سنگسار کر دیا تو وہ مر گیا، بوقت انتقال اس کو حکم دیا گیا جنت میں داخل ہو جا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ جیتے جی جنت میں داخل ہو گیا کاش میری قوم کو میرے پروردگار کی طرف سے میری مغفرت کا اور مجھے معزز لوگوں میں داخل کرنے کا علم ہو جاتا اور ہم نے اس (حبیب) کی قوم پر آسمان سے اس کے مرنے کے بعد ان کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کا لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہم کو کسی کے ہلاک کرنے کے لئے ملائکہ کو اتارنے کی ضرورت تھی ما نافیہ ہے ان کی سزا تو صرف ایک چیخ تھی جو ان پر جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے ماری، سو وہ اچانک بجھ کر رہ گئے یعنی خاموش مردہ ہو کر رہ گئے ان (کافر) بندوں پر اور ان جیسے ان لوگوں پر جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی افسوس کہ وہ ہلاک کر دیئے گئے اور یہ حسرت کو ندا شدت الم کی وجہ سے ہے اور اس کو ندا مجازاً ہے یعنی اے حسرت یہ تیری حاضری کا وقت ہے لہٰذا تو حاضر ہو جا، ان کے پاس کبھی کوئی رسول نہیں آیا کہ اس کا مذاق نہ اڑایا ہو کلام حسرت کے سبب کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے اس کلام کے استہزاء پر دلالت کرنے کی وجہ سے جو مفضی ہے ان کی ہلاکت تک جو حسرت کا مسبب عنہ (یعنی سبب) ہے۔

فَائِدَة: حسرت کا سبب ہلاکت اور ہلاکت کا سبب استہزاء گویا کہ استہزاء بواسطۂ ہلاکت حسرت کا سبب ہوا۔

کیا ان اہل مکہ کو جو نبی کے بارے میں لَسْتَ مُرْسَلًا کہتے ہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں اور وہ ہلاک شدگان ان کے یعنی اہل مکہ کے پاس (دنیا میں) لوٹ کر آنے والے نہیں اور استفہام تقریری ہے یعنی غور کیا کَمْ خبریہ ہے، اور کثیراً کے معنی میں ہے، اور اپنے مابعد کا معمول ہے اور اپنے ماقبل کو اس میں عمل سے روکنے والا ہے، کیا یہ لوگ ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور اَنَّهُمْ الخ معنی مذکور کی رعایت کے ساتھ ماقبل سے بدل ہے اور معنی میں اِنَّا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ كثيرًا کے ہے، اور سب کے سب محشر میں زندہ کرنے کے بعد ہمارے روبرو حساب کے لئے حاضر کئے جائیں گے اِنْ نافیہ ہے یا مخففہ ہے کُلٌّ یعنی تمام مخلوق، کُلٌّ مبتداء ہے، لَمَّا تشدید کے ساتھ اِلَّا کے معنی میں ہے یا تخفیف کے ساتھ ہے، اور لام فارقہ ہے اور ما زائدہ ہے، جَمِیْعٌ مبتدا کی خبر (اول) ہے، اور معنی میں مَجْمُوْعُوْنَ کے ہے، محضرون للحساب خبر ثانی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا یہ کلام مستانف ہے، اور مخاطب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، مفسر علام نے مَثَلًا کو اِضْرِبْ بمعنی اِجْعَلْ کا مفعول اول اور اصحابَ القریةِ کو مفعول ثانی قرار دیا ہے، مگر واضح اور احسن یہ ہے کہ اصحابَ القریةِ

مفعول اول اور مثلاً مفعول ثانی ہو، بعد میں چونکہ اصحاب القریۃ کی تشریح آرہی ہے، اس لئے مفعول اول کو مقدم کردیا تاکہ اجمال و تفصیل متصل ہو جائیں۔

قَوْلُہٗ: واضرب لهم الخ اس کا عطف ماقبل پر بھی ہوسکتا ہے مگر یہ عطف قصہ علی القصہ کے طور پر ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مقدر پر عطف ہو ای فانذرهم واضرب لهم اور ''ضرب مثل'' بعض اوقات ایک عجیب قصہ کی دوسرے عجیب قصہ کے ساتھ مطابقت و مماثلت بیان کرنے کے لئے بولا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ضرب اللّٰهُ مثلاً للذين كفروا امرأتَ نوحٍ اور بعض اوقات تطبیق و مماثلت کے قصد کے بغیر حالت غریبہ کو بیان کرنے کے لئے بھی اِضرِبْ مثلاً، بولا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وضربنا لكم الأمثال پہلی صورت میں آیت کے معنی ہوں گے اِجعل اصحابَ القرية مثلاً لِهٰؤلاءِ في الغلو في الكفر والاصرار في التكذيب اى طَبِّقْ حالهم بحالهم، اصحاب القرية سے پہلے مثل مضاف محذوف ہے، اِضرب لهم مثلاً مثل اصحاب القرية اور یہ مضاف مثلاً سے بدل الکل عن الکل ہے، اور بعض حضرات نے عطف بیان بھی مانا ہے، مگر یہ ان کے نزدیک ہے جو تعریف و تنکیر کے اختلاف کے باوجود بدل صحیح مانتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: القرية قاف کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ الضيعة والمصر الجامع، بستی، آبادی، جمع قُریٰ و قِریٰ (اعراب القرآن) یہاں قریہ سے روم کا مشہور شہر انطاکیہ مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: المرسلون حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل انطاکیہ کے پاس اولاً اپنے حواریوں میں سے دو قاصد جن کا نام یحییٰ اور بولس تھا بھیجے تھے، اور وہب نے کہا ہے کہ ان کا نام یُوحنّا اور بولس تھا، اور صادق، مصدوق بھی کہا گیا ہے، اس کے بعد تیسرا قاصد بھیجا، اس کا نام شمعون تھا۔ (اعراب القرآن)

قَوْلُہٗ: الى آخره اى آخر القصه.

قَوْلُہٗ: اِذ اَرْسلنا، اِذ جاءَ ها المرسلون سے بدل المفصل من المجمل ہے۔

قَوْلُہٗ: المرسلون تیسرے قاصد کے اعتبار سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: رُسُل عيسىٰ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قاصد، مشہور یہی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ بلاواسطہ اللہ کے رسول تھے اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رسولوں کو بھی اللہ کے رسول کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ان کو بھیجا تھا۔

قَوْلُہٗ: تَطَيَّرْنَا کے اصل معنی پرندوں سے نیک یا بد فال لینا، یہاں مطلقاً بد فال لینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، عرب کی عادت تھی کہ وہ پرندوں سے فال (شگون) لیا کرتے تھے، اگر بائیں جانب سے دائیں جانب کو پرندہ اڑ کر سامنے سے گذر جاتا تو عرب اس کو نیک فال مانتے تھے اور اس کو الطائر السانح کہتے تھے، اور اس کی ضد یعنی دائیں جانب سے بائیں جانب کو اڑ کر جانے والے پرندے سے بدفالی لیتے تھے اور اس کو الطائر البارح کہتے تھے، اس کے بعد

ہر بدفال کے لئے استعمال ہونے لگا۔ (مصباح)

قَوْلُہٗ: رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّا اِلَیْکُمْ لَمُرْسَلُوْنَ، اِنَّا اِلَیْکُمْ مرسلُوْنَ میں دو تا کیدوں کا استعمال ہوا ہے ایک جملہ اسمیہ اور دوسرے اِنَّ اس لئے کہ وہاں تکذیب اور نفی میں بھی زیادہ تاکید نہیں تھی، یہاں چونکہ کئی تاکیدوں کے ساتھ انکار و تکذیب مؤکد ہے، اس لئے اثبات میں بھی کئی تاکیدات لائی گئی ہیں، اول قسم جو کہ قائم مقام تاکید کے ہے دوم اِنَّ تیسرے جملہ اسمیہ چوتھے لام تاکید۔

قَوْلُہٗ: بکفرکم باسببیہ ہے ای بسببِ کفرکم.

قَوْلُہٗ: أئِنْ ذُکِّرْتُمْ ہمزۂ استفہام انکاری توبیخی ان شرطیہ پر داخل ہے، دونوں کو جواب کی ضرورت ہے اگر ہمزۂ استفہام اور شرط جمع ہو جائیں تو سیبویہ ہمزۂ استفہام کا جواب قرار دیتے ہیں اور جواب شرط محذوف مانتے ہیں، اور یونس شرط کا جواب مانتے ہیں اور جواب استفہام محذوف مانتے ہیں، مفسر علام محلی نے جواب الشرط محذوف کہہ کر اشارہ کر دیا کہ ان کے نزدیک سیبویہ کا مذہب راجح ہے، سیبویہ کے نزدیک تقدیر عبارت یہ ہوگی اَئِنْ ذُکِّرْتُمْ تَتَطَیَّرُوْنَ اور یونس کے نزدیک ائِنْ ذکِّرْتُمْ تطیَّروا جزم کے ساتھ، مفسر علام نے بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ کی تفسیر بغفرانہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ما مصدریہ ہے اور یہ بھی درست ہے کہ ما موصولہ ہو اس صورت میں عائد محذوف ہوگا، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی بالَّذِیْ غفرہٗ لی رَبِّی من الذنوب اور استفہامیہ بھی صحیح ہے ای بایِّ شیئٍ غفرلی ای بامرٍ عظیمٍ وھو توحیدی و صدقی بالحق (صاوی) حسرت کو نداد ینا مجازاً ہے اس لئے کہ حسرت میں منادیٰ بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: یَاحَسْرَةً علَی العِبَادِ اس میں تین احتمال ہیں ① یہ اللہ کا کلام ہو ② ملائکہ کا کلام ہو ③ مومنین کا کلام ہو اور اَلعِبَاد سے مراد تمام کفار ہوں، اس صورت میں الف لام جنس کا ہوگا، اور کہا گیا ہے کہ العِباد سے مراد رُسُل ہوں اور علیٰ بمعنی مِن ہو اور قائل کفار ہوں، تقدیر عبارت یہ ہوگی یَا حَسْرَةً عَلَیْنَا مِن مخالفة العِبَادِ مگر پہلی صورت اولیٰ ہے جو مفسر علام نے بیان کی ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا کانوا بہٖ یَستَھْزِءُ وْنَ یہ جملہ یاتیْھِمْ کے مفعول سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: مَسوقٌ لِبَیَانِ سببِھَا یہ جملہ مستانفہ ہے اور سبب حسرت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، گویا کہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال کیا گیا، مَا وَجْهُ التَّحَسُّر علیھِمْ؟ جواب دیا گیا مَا یَاتِیْھِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَھْزِءُ وْنَ یعنی یہ جملہ بالواسطہ سبب حسرت کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ استہزاء سبب ہلاکت ہے اور ہلاکت سبب حسرت ہے تو گویا استہزاء سبب حسرت ہے۔

قَوْلُہٗ: لاشتِمالِہٖ ای لِدَلَالَةِ ھٰذا الکلام علَی الإستھزاءِ.

قَوْلُہٗ: اَلَمْ یَرَوْا الخ یہاں رویۃ سے رویت علمیہ مراد ہے یعنی کیا اہل مکہ کو علم نہیں کَمْ خبریہ ہے اور اَھْلَکْنَا کا مفعول مقدم ہے اور قَبْلَھُمْ اَھْلَکْنَا کا ظرف ہے اور مِنَ القُرُوْنِ کَمْ کا بیان ہے اَلَمْ یَرَوْا میں استفہام تقریری یعنی

مابعد نفی کا اقرار کرانے کے لئے ہے یعنی علم ہے کَمْ خبریہ مابعد یعنی اَھْلَکْنَا کا معمول ہے ماقبل یعنی لَمْ یَرَوْا کا معمول نہیں ہے اس لئے کہ کَمْ خبریہ صدارت کلام کو چاہتا ہے لہٰذا اس کا ماقبل اس میں عامل نہیں ہوسکتا ورنہ تو اس کی صدارت باطل ہوجائے گی۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: مُعَلِّقَۃٌ مَا قَبْلَھَا عَنِ العَمَلِ یعنی کم خبریہ نے اپنے ماقبل یعنی لم یروا کو لفظاً عمل سے روک دیا ہے اگرچہ معنی میں عمل جاری ہے۔

سَوَالٌ: عمل سے مانع کم استفہامیہ ہوتا ہے نہ کہ خبریہ، اور یہ کم خبریہ ہے؟

جَوَابٌ: چونکہ کم میں استفہامیہ ہونا اصل ہے، لہٰذا تعلیق (مانع) ہونے میں کم خبریہ کو کم استفہامیہ کے قائم مقام کردیا ہے۔ (جمل)

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

وَاضْرِبْ لَھُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَۃِ ضرب مثل کا استعمال دو طریقوں پر ہوتا ہے ① کسی عجیب و غریب معاملہ کو ثابت کرنے کے لئے اسی جیسے عجیب و غریب معاملہ کی مثال بیان کرنے کو کہتے ہیں ② مطلقاً کسی عجیب و غریب معاملہ کو بغیر کسی واقعہ کی تطبیق و مماثلت کے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔

اوپر جن منکرین نبوت و رسالت کفار کا ذکر سابقہ آیات میں آیا ہے ان کو متنبہ کرنے کے لئے قرآن کریم نے بطور مثال پہلے زمانہ کا ایک قصہ بیان کیا ہے جو ایک بستی میں پیش آیا تھا۔

یہ بستی کونسی تھی اور وہ قصہ کیا تھا؟

قرآن کریم نے اس بستی کا نام نہیں بتایا، تاریخی روایات میں محمد بن اسحٰق نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور کعب احبار، اور وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ یہ بستی انطاکیہ تھی، جمہور مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے، معجم البلدان کی تصریح کے مطابق انطاکیہ ملک شام کا مشہور اور عظیم الشان شہر ہے جو اپنی شادابی اور استحکام میں معروف ہے، اس شہر میں نصاریٰ کے عبادت خانے بکثرت تھے، زمانہ اسلام میں اس کو فاتح شام امین الامۃ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فتح کیا تھا، روح البیان میں سہیلی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شہر انطاکیہ کو آباد کرنے والا ایک شخص تھا جس کا نام انطیقس تھا، اسی شخص کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس شہر کا نام انطاکیہ ہوگیا، بائبل کتاب اعمال کے آٹھویں اور گیارہویں باب میں ایک قصہ اسی قصہ کے مشابہ قدرے تفاوت کے ساتھ شہر انطاکیہ کا بیان ہوا ہے۔ (فوائد عثمانی ملخصًا)

اس قصہ کا ذکر مومنین کے لئے بشارت اور مکذبین کے لئے عبرت ہے، معجم البلدان میں یاقوت حموی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حبیب نجار (جس کا واقعہ اس آیت میں آگے آرہا ہے) اس کی قبر بھی انطاکیہ میں معروف ہے، دور دور سے لوگ اس کی

زیارت کے لئے آتے ہیں، اس تصریح سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جس قریہ کا ذکر ہے وہ یہی انطاکیہ ہے، لیکن ابن کثیر نے تاریخی حیثیت سے اور قرآن کے سیاق کے لحاظ سے اس پر کچھ اعتراضات کئے ہیں اور وہ اگر صحیح ہیں تو کوئی اور بستی ماننی پڑے گی، صاحب فتح المنان نے ابن کثیر کے اشکالات کے جوابات بھی دیئے ہیں، مگر سہل اور بے غبار بات وہی ہے جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے بیان القرآن میں اختیار فرمائی ہے، کہ آیات قرآنی کا مضمون سمجھنے کے لئے اس قریہ کی تعیین ضروری نہیں ہے، اور قرآن کریم نے بھی اس کو مبہم رکھا ہے تو اس کی تعیین کے لئے اتنا زور صرف کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ سلف صالحین کا یہ ارشاد کہ اَبْهِمُوْا مَا اَبْهَمَهُ اللّٰهُ یعنی اللہ نے جس چیز کو مبہم رکھا ہے تم بھی اس کو مبہم رکھو، اس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔

اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ یہ فرستادے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے حواریین میں سے تھے، آیا ان کو حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اہل انطاکیہ کی جانب تعلیم و تبلیغ کی غرض سے بحکم خداوندی بھیجا تھا، یا حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے رفع الی السماء کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو تبلیغ دین کے لئے اہل انطاکیہ کی جانب بھیجا تھا دونوں احتمال ہیں (فتح القدیر) اہل انطاکیہ نے ان کی تکذیب کی، کہا گیا ہے کہ ان میں سے دو کے نام یوحنا اور شمعون تھے، اور بعض نے سمعان، و یحیٰ و بولس کہا ہے، انکے ناموں کی کسی صحیح روایت سے تصدیق نہیں ہو سکتی، اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بلا واسطہ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے یا حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بھیجے ہوئے قاصد، اگر یہ حضرات بلا واسطہ پیغمبر تھے تو ان کی بعثت حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے پہلے ہوئی تھی۔ (فوائد عثمانی ملخصًا)

اولاً دو رسول بھیجے گئے تھے جب بستی والوں نے ان کی تکذیب کی تو اللہ نے ان کی تائید و تقویت کے لئے ایک تیسرا رسول بھیج دیا، پھر ان تینوں رسولوں نے بستی والوں کو خطاب کر کے کہا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ۔

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا بستی والوں نے کہا تم میں کونسا سرخاب کا پر ہے جو اللہ نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے، تم ہم سے کس بات میں بڑھ کر تھے جس کی وجہ سے اللہ نے تم کو نبوت و رسالت کے لئے منتخب فرمایا تم خواہ مخواہ اللہ کا نام لیتے ہو، معلوم ہوتا ہے تم تینوں نے سازش کر کے ایک بات گھڑ لی ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ تطیر کے معنی بدفالی کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس بستی والوں نے ان قاصدوں کی بات نہ مانی، بلکہ کہنے لگے کہ تم لوگ منحوس ہو، بعض روایات میں ہے کہ ان کی نافرمانی اور فرستادوں کی بات نہ ماننے کی وجہ سے اس بستی میں قحط پڑ گیا تھا، اس لئے بستی والوں نے ان کو منحوس کہا، تو ان حضرات نے کہا۔

طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ یعنی تمہاری نحوست تمہارے ہی ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ خشک سالی وغیرہ سب تمہارے اعمال کا نتیجہ ہیں، وجاء مِنْ اقصَی المدینۃِ رَجُلٌ يَّسْعٰى پہلی آیت میں اس بستی کو قریہ سے تعبیر کیا ہے اور اس آیت میں مدینہ سے، قریہ عربی زبان میں مطلقاً بستی کو کہتے ہیں خواہ بڑی ہو یا چھوٹی اور مدینہ بڑے شہر کو کہتے ہیں، یعنی شہر کے دور دراز علاقہ سے یہ شخص تیزی کے ساتھ دوڑ کر یا اہتمام کے ساتھ آیا۔ دوڑ کر آنے والا شخص کون تھا؟ یہ کیا کام کرتا تھا، قرآن اس بارے میں خاموش ہے

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا نام حبیب تھا، اور مشہور یہ ہے کہ یہ نجار تھا، لکڑی کا کام کرتا تھا۔ (ابن کثیر)
تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بھی شروع میں بت پرست تھا۔

واقعہ کی تفصیل:

مذکورہ قصہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حواریوں میں سے دو کو اہل انطاکیہ کی دعوت وتبلیغ کے لئے بھیجا، ایک کا نام صادق اور دوسرے کا نام مصدوق تھا، (ناموں میں اختلاف ہے) جب یہ دونوں حضرات شہر انطاکیہ کے قریب پہنچے تو ان کی ملاقات حبیب نامی ایک بوڑھے سے ہوگئی، جو جنگل میں بکریاں چرا رہا تھا، دعا سلام کے بعد شیخ نے ان سے پوچھا تم کون لوگ ہو اور کہاں سے آ رہے ہو، تو ان دونوں حضرات نے جواب دیا ہم حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قاصد ہیں، ہم تم کو بتوں کی عبادت سے رحمٰن کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں، شیخ نے معلوم کیا کیا تمہارے پاس نشانی ہے، کہا ہاں! ہم مریضوں کو اچھا کر دیتے ہیں، اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اللہ کے حکم سے صحت مند کر دیتے ہیں، اور یہ ان حضرات کی کرامت اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ تھا، شیخ نے کہا میرا ایک لڑکا ہے جو سالہا سال سے بیمار ہے، چنانچہ یہ دونوں حضرات شیخ کے ہمراہ اس کے لڑکے کو دیکھنے کے لئے اس کے گھر چلے گئے، ان دونوں حضرات نے مریض پر ہاتھ پھیر دیا، لڑکا بحکم خداوندی اسی وقت تندرست ہوگیا، چنانچہ یہ خبر آناً فاناً پورے شہر میں پھیل گئی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر سینکڑوں لوگوں کو شفاء عطا فرمائی، ان کا ایک بت پرست بادشاہ تھا جس کا نام انطیخا تھا، روح البیان میں اس بادشاہ کا نام بحناطیس رومی اور انطیخس لکھا ہے، شدہ شدہ ان حضرات کی خبر بادشاہ کو بھی پہنچ گئی، بادشاہ نے ان کو اپنے دربار میں بلایا اور معلوم کیا تم کون ہو؟ جواب دیا ہم حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قاصد ہیں، بادشاہ نے معلوم کیا تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے؟ ان حضرات نے جواب دیا ہم اس بات کی دعوت دینے آئے ہیں، کہ ان بہرے گونگے بتوں کی بندگی ترک کر کے قادر مطلق، دانا و بینا ایک خدا کی بندگی کرو، بادشاہ نے کہا کیا ہمارے معبودوں کے علاوہ بھی کوئی معبود ہے؟ ان دونوں حضرات نے جواب دیا، ہاں! جس نے تجھ کو اور تیرے معبودوں کو پیدا کیا، بادشاہ نے کہا اس وقت یہاں سے چلے جاؤ، ہم تمہارے معاملہ میں غور کریں، ان دونوں حضرات کے دربار سے نکلنے کے بعد لوگوں نے ان کا پیچھا کیا اور پکڑ لیا، ہر ایک کو سو سو کوڑے مارے اور جیل میں بند کر دیا، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حوارئین میں سے سب سے بڑے حواری شمعون کو ان کی تائید وحمایت کے لئے بھیجا، شمعون ہیئت اور لباس بدل کر اس قریہ میں داخل ہوا، اور بادشاہ کے مصاحبین میں شامل ہوگیا، لوگ اس سے مانوس ہوگئے حتی کہ بادشاہ بھی اس سے مانوس ہوگیا، شمعون عبادت میں بظاہر بادشاہ کے طور طریقے اختیار کرتا رہا ایک روز موقع پا کر شمعون نے بادشاہ سے کہا سنا ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کو اس بناء پر قید میں ڈال رکھا ہے کہ وہ تیرے معبودوں کے علاوہ کسی دوسرے معبود کا عقیدہ رکھتے ہیں، کیا آپ نے ان سے گفتگو کی ہے اور ان کی پوری بات سنی ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا میں غصہ کی وجہ سے نہ ان کی پوری بات سن سکا اور نہ ان کی تحقیق حال ہی کر سکا، شمعون نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کو بلائیں اور ان کی پوری بات سنیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کہتے ہیں،

چنانچہ بادشاہ نے ان دونوں کو بلایا، جب دونوں دربار میں حاضر ہو گئے تو شمعون نے سوال کیا تم کو یہاں کس نے بھیجا ہے؟ جواب دیا کہ اس اللہ نے جس نے ہر شیٔ کو پیدا کیا اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، شمعون نے کہا اختصار کے ساتھ کچھ اور تفصیل بیان کرو، انہوں نے کہا اِنَّهٗ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ پھر شمعون نے کہا تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ ان حضرات نے کہا جو آپ چاہیں، چنانچہ بادشاہ کے حکم سے ایک ایسا لڑکا لایا گیا جو نابینا تھا، حتی کہ اس کی آنکھوں کے نشانات بھی نہیں تھے۔ یہ حضرات اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں کے نشانات ظاہر فرما دیئے، ان حضرات نے مٹی کی دو گولیاں لیکر آنکھوں کے نشانات میں رکھ دیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ آنکھ کی پتلیاں بن گئیں، اور ان سے نظر آنے لگا، بادشاہ کو نہایت تعجب ہوا، شمعون نے بادشاہ سے کہا اگر آپ اپنے معبودوں سے دعا کرتے تو کیا یہ ممکن تھا؟ بادشاہ نے شمعون سے کہا تجھ سے کوئی راز پوشیدہ نہیں، ہمارے معبود جن کی ہم بندگی کرتے ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ وہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں، اور نہ نقصان، بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قاصدوں سے کہا اگر تمہارا معبود مردے کو زندہ کر دے تو میں اس پر ایمان لے آؤں گا، ان حضرات نے جواب دیا ہمارا معبود ہر شیٔ پر قادر ہے، بادشاہ نے کہا، یہاں ایک میت ہے جس کا ایک ہفتہ قبل انتقال ہوا ہے اور وہ ایک دیہاتی کا لڑکا ہے اس کا باپ سفر میں ہے، میں نے اس کے والد کے آنے تک میت کو دفن کرنے سے منع کر دیا ہے، حتی کہ اب اس میں تعفن بھی ہو گیا ہے، ان دونوں حضرات نے علانیہ اور شمعون نے خفیہ دعاء کرنی شروع کی، چنانچہ وہ لڑکا بحکم خداوندی اٹھ کھڑا ہوا، اور کہنے لگا میرا انتقال ایک ہفتہ پہلے ہوا تھا، اور میں مشرک تھا، چنانچہ مجھ کو جہنم کی سات وادیوں میں داخل کر دیا گیا، میں تم کو اس دین و مذہب کے بارے میں خدا سے ڈراتا ہوں جس پر تم ہو، چنانچہ یہ لوگ اللہ پر ایمان لے آئے، زندہ ہونے والے لڑکے نے کہا میرے سامنے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور مجھے ایک حسین و جمیل نوجوان نظر آ رہا ہے جوان تینوں یعنی شمعون اور اس کے دونوں ساتھیوں کی سفارش کر رہا ہے، اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور عیسیٰ اس کی روح اور اس کے کلمہ ہیں، ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ دیکھ کر بادشاہ اور اس کی قوم کے کچھ افراد ایمان لے آئے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ بادشاہ نے دعوت حق قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے قتل کے درپے ہو گیا، جب حبیب نجار کو یہ صورت حال معلوم ہوئی تو وہ شہر کے دور دراز کنارے سے دوڑتا ہوا آیا، اور ان کو سمجھانے کی کوشش کی اور پھر اپنے مومن ہونے کا اعلان ان کلمات سے کر دیا اِنِّىْ آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ یہ خطاب رسولوں کو تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پوری قوم کو خطاب ہو اور اللہ کو ان کا رب کہنا اظہار حقیقت کے طور پر تھا، اگر چہ وہ اس کو تسلیم نہ کرتے تھے (واقعہ کی تفصیل روح البیان اور صاوی سے ماخوذ ہے)۔

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ (الآیۃ) قرآن کے اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیب نجار کو شہید کر دیا گیا اس لئے کہ دخول جنت یا آثار جنت کا مشاہدہ بعد از مرگ ہی ہو سکتا ہے، تاریخی روایات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مقاتل، مجاہد، ائمہ تفسیر سے منقول ہے کہ اس شخص کا نام حبیب بن اسماعیل نجار تھا، اور یہ ان خوش نصیب لوگوں میں ہے جو ہمارے رسول محمد ﷺ پر آپ کی بعثت سے چھ سو سال پہلے ایمان لایا، جیسا کہ تبّع اکبر کے متعلق منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بشارت کتب سابقہ میں

پڑھ کر آپ پر ایمان لایا تھا، تیسرے بزرگ جو آپ پر آپ کی بعثت ودعوت سے پہلے ایمان لائے ورقہ بن نوفل ہیں، جن کا ذکر بخاری شریف میں ابتداء وحی کے واقعات میں ہے، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ کی بعثت بلکہ ولادت سے بھی پہلے آپ پر بعض حضرات ایمان لائے، ایسا معاملہ کسی اور رسول کے ساتھ نہیں ہوا۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ (الآیۃ) یہ اس قوم پر آسمانی عذاب کا ذکر ہے جس نے رسولوں کی تکذیب کی، اور حبیب نجار کو مار مار کر شہید کر دیا تھا، اور عذاب کی تمہید کے طور پر فرمایا کہ اس قوم کو عذاب میں پکڑنے کے لئے ہمیں آسمان سے کوئی لشکر بھیجنا نہیں پڑا، اور نہ ایسا لشکر بھیجنا ہمارا دستور ہے، کیونکہ اللہ کا ایک ہی فرشتہ بڑی بڑی بہادر قوموں کو تباہ کر دینے کے لئے کافی ہے، اس کو فرشتوں کا لشکر بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس تمہید کے بعد ان پر آنے والے عذاب کو بیان فرمایا کہ بس اتنا ہوا کہ حضرت جبرئیل امین نے شہر پناہ کے دروازے کی چوکھٹ کے دونوں بازو پکڑ کر ایک ایسی زوردار چیخ ماری کہ سب کے پتے پھٹ گئے اور روح پرواز کر گئی اور بجھ کر ٹھنڈے ہو کر رہ گئے۔ (معارف ملخصًا)

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ علی البعث خبرٌ مقدمٌ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ بالتخفیف والتشدید اَحْيَيْنٰهَا بالماء مُبتدأٌ وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا کالحِنطةِ فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ بساتینَ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۝ ای بعضها لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ بفتحتینِ وبضمتین ای ثمرِ المذکورِ من النخیلِ وغیرہ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ ای لم تعمل الثمر اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ انعُمه تعالٰی علیهم سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ الاصنافَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ من الحُبوبِ وغیرها وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ من الذکورِ والاُناثِ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ من المخلوقاتِ الغریبةِ والعجیبةِ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ على القدرةِ العظيمةِ الَّيْلُ ښ نَسْلَخُ نفصِلُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ داخلونَ فی الظلامِ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ الخ مِن جُملةِ الآيةِ لهم اَوْ آيةٌ اُخرٰی والقمرُ کذٰلك لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ای الیه لایتجاوزُہُ ذٰلِكَ جریُها تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ فی مُلکهِ الْعَلِيْمِ ۝ بخلقهِ وَالْقَمَرَ بالرفعِ والنصبِ وهو منصوبٌ بفعلٍ يُفسّرُہُ مابعدہ قَدَّرْنٰهُ من حيثُ سَيرِہِ مَنَازِلَ ثمانيةً وعشرينَ منزلًا فی ثمانٍ وعشرينَ ليلةً من كُلِّ شهرٍ ويَستتِرُ ليلتَينِ ان كانَ الشهرُ ثلثينَ يومًا وليلةً ان كان تسعةً وعشرينَ يومًا حَتّٰى عَادَ فی آخرِ منازلهِ فی رأیِ العینِ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ ای كعودِ الشماريخِ اِذا عتقَ فانه يدقُّ ويتقوّسُ ويَصفرُّ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ يَسهُلُ ويَصحُّ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ فتجتمعُ معه فی الليلِ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ فلا یاتی قبلَ انقضائِه وَكُلٌّ تنوینُه عِوضٌ عن المُضافِ الیه من الشمسِ والقمرِ والنجومِ فِيْ فَلَكٍ مُستديرٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ يَسيرونَ نُزِّلوا منزلةَ العُقلاءِ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ علی قُدرتِنا اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ وفی قراءةٍ ذُرّياتِهم ای آبائَهم الاُصولَ فِي الْفُلْكِ ای سفينةِ نوحٍ الْمَشْحُوْنِ ۝ المملوءِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ ای مِثلِ فُلكِ نوحٍ وهو ما عَمِلوہ علی شَكلِه من السُفُنِ الصِغارِ والكِبارِ

بتعليم الله تعالى **مَا يَرْكَبُونَ** فيه **وَإِنْ نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ** مع ايجاد السفن **فَلَا صَرِيخَ** مغيث **لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ** ينجون **إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَى حِيْنٍ** اى لا ينجيهم الا رحمة بنا لهم وتمتيعنا اياهم بلذاتهم الى انقضاء اٰجالهم **وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ** من عذاب الدنيا كغيركم **وَمَا خَلْفَكُمْ** من عذاب الاٰخرة **لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ** اعرضوا **وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ وَإِذَا قِيْلَ** اى قال فقراء الصحابة **لَهُمْ أَنْفِقُوْا** علينا **مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ** من الاموال **قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** استهزاء بهم **أَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَاءُ اللّٰهُ أَطْعَمَهُ** في معتقدكم هذا **إِنْ** ما **أَنْتُمْ** في قولكم لنا ذلك مع معتقدكم هذا **إِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** بين والتصريح بكفرهم موقع عظيم **وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ** بالبعث **إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** فيه قال تعالى **مَا يَنْظُرُوْنَ** ينتظرون **إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً** وهي نفخة اسرافيل الاولى **تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ** بالتشديد اصله يختصمون نقلت حركة التاء الى الخاء وأدغمت في الصاد اى وهم في غفلة عنها بتخاصم وتبايع واكل وشرب وغير ذلك وفي قراءة يخصمون كيضربون اى يخصم بعضهم بعضا **فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً** اى بان يوصوا **وَلَا إِلٰى أَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ** من اسواقهم واشغالهم بل يموتون فيها.

ترجمہ: اور ایک نشانی ان کے لئے مرنے کے بعد زندہ ہونے پر مردہ زمین ہے اٰیَةٌ لَهُمْ خبر مقدم ہے اَلْمَيْتَةُ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے کہ ہم نے اس کو پانی کے ذریعہ زندہ کیا والارض الخ مبتداء مؤخر ہے، اور ہم نے اس زمین سے غلہ مثلاً گندم پیدا کیا سو اس میں سے یہ لوگ کھاتے ہیں اور (نیز) ہم نے زمین میں کھجوروں اور اناروں کے باغات پیدا کئے اور اس میں کچھ چشمے جاری کئے تاکہ لوگ اس کے پھل کھائیں، ثَمَرِہٖ میں یعنی (ث، م) دونوں میں فتحہ اور ضمہ ہے، یعنی تاکہ مذکورہ کھجور وغیرہ کے پھلوں میں سے کھائیں اور ان پھلوں کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا تو پھر یہ لوگ اپنے اوپر خدا تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟ وہ پاک ذات ہے جس نے تمام زمینی نباتات (مثلاً) غلہ وغیرہ کے اور خود ان کے اندر نر و مادہ کے جوڑے اور ان عجیب و غریب مخلوقات کے جن کو وہ جانتے بھی نہیں جوڑے پیدا کئے اور خدا تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر ایک نشانی رات ہے کہ جس کے اوپر سے ہم دن کو اتار لیتے ہیں تو وہ یکا یک اندھیرے میں داخل ہو جاتے ہیں اور منجملہ قدرت کی نشانیوں میں سے یا دوسری نشانی سورج ہے جو اپنے مستقر میں رواں دواں ہے کہ اس سے (سر مو) تجاوز نہیں کرتا اور سورج کی یہ گردش اس کے ملک میں غالب باخبر خدا کی مقرر کردہ ہے اور چاند کی بھی اس کی رفتار کے اعتبار سے ہم نے ہر ماہ میں اٹھائیس منزلیں اٹھائیس راتوں میں مقرر کر دیں، اگر مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے تو چاند (آخری) دو راتوں میں پوشیدہ رہتا ہے، اور اگر مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے تو چاند ایک رات پوشیدہ رہتا ہے حتی کہ چاند اپنی آخری منزل میں دیکھنے والے کو کھجور کی پرانی شاخ کے مانند نظر آتا ہے اور قَمَر پر نصب اور رفع دونوں جائز ہیں، یہ فعل (محذوف) کی وجہ سے منصوب ہے، جس کی بعد والا فعل

(قَدَّرْنَا) تفسیر کررہا ہے، یعنی چاند (آخری راتوں میں) کھجور کی شاخ کے مانند ہوجاتا ہے جب کہ وہ پرانی ہوکر پتلی اور ٹیڑھی اور زرد ہوجائے اور نہ آفتاب کی مجال کہ چاند کو جا پکڑے چنانچہ رات، دن ختم ہونے سے پہلے نہیں آتی اور ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں گردش کررہا ہے، کُلٌّ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے جو کہ وہ سورج چاند اور تارے ہیں، شمس وقمر وغیرہ کو ذوی العقول وغیرہ کے درجہ میں اتارلیا گیا ہے، اوران کے لئے ہماری قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی ذریت یعنی ان کے آباء واجداد کو بھری ہوئی کشتی یعنی نوح کی کشتی میں سوار کیا اور ایک قراءت میں ذرِّیَة کے بجائے ذرِّیٰتٌ ہے اور ہم نے ان کے لئے اس جیسی یعنی نوح کی کشتی جیسی چیزیں پیدا کیں، اور وہ چھوٹی بڑی کشتیاں ہیں، جن کو لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی کشتی جیسا بنالیا جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں، اور اگر ہم چاہیں تو ان کو کشتیوں کی ایجاد کے باوجود غرق کردیں پھر نہ تو ان کا کوئی فریادرس ہو اور نہ ان کو خلاصی دی جائے مگر یہ ہماری مہربانی ہے اوران کو ایک وقت تک فائدہ دینا منظور ہے یعنی ان پر ہماری مہربانی اوران کی موت تک ہمارا ان کو لذت اندوزی کا موقع دینا ہی خلاصی (نجات) دے سکتا ہے اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم اس عذاب سے ڈرو جو دوسروں کے مانند، دنیا کا عذاب تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے یعنی آخرت کا عذاب تاکہ تم پر رحم کیا جائے تو انہوں نے اعراض کیا اوران کے پاس ان کے رب کی جانب سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر یہ کہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرو یعنی فقراء صحابہ نے ان سے کہا تھا کہ خدا کے عطا کردہ اموال میں سے ہمارے اوپر خرچ کرو تو ان کافروں نے مومنوں سے بطور استہزاء کہا کیا ہم ایسے لوگوں کو کھانا کھلائیں اگر اللہ چاہتا تو خود ان کو کھلاتا جیسا کہ اے مومنو! تمہارا اعتقاد ہے (اے مومنو!) اس (اعتقاد) کے باوجود تمہارا ہم سے کھانا طلب کرنا صریح غلطی ہے اوران (کافروں) کے کفر کی صراحت کا یہ عظیم موقع ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم وعدۂ بعث میں سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدۂ بعث کب پورا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ تو ایک چیخ کے منتظر ہیں اور وہ اسرافیل کا نفخۂ اولیٰ ہے اور وہ ان کو اس حالت میں آپکڑے گی کہ وہ باہم لڑجھگڑ رہے ہوں گے یَخِصِّمُوْنَ تشدید کے ساتھ، اس کی اصل یَخْتَصِمُوْنَ ہے تا کی حرکت خا کی طرف منتقل کردی گئی اور ت کو صاد میں مدغم کردیا گیا، اور وہ اس چیخ سے غافل ہوں گے باہم جھگڑے کی وجہ سے اور خرید وفروخت اور کھانے پینے وغیرہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے، اور ایک قراءت میں یَخْصِمُوْنَ بروزن یَضْرِبُوْنَ ہے سو ان کو نہ تو وصیت کرنے کا موقع ملے گا اور نہ وہ اپنے اہل کی جانب اپنے بازاروں اور مشغلوں سے لوٹ سکیں گے بلکہ بازاروں اور مشغلوں ہی میں مرجائیں گے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنَاهَا، اٰيَةٌ خبر مقدم ہے اور یہ تقدیم اہتمام کے لئے ہے، تنوین تعظیم کے لئے ہے ای علامةٌ عظیمةٌ ودلالةٌ واضحةٌ علی إحياء بعد الموت.

قولہ: لھم ای اھلِ مکة. لھم اٰیۃٌ کے متعلق بھی ہوسکتا ہے، اس لئے کہ آیت بمعنی علامةٌ ہے یا کائنةٌ کے متعلق ہوکر اٰیَۃ کی صفت ہے اَلْاَرْضُ المَیْتَۃُ بترکیب توصیفی مبتداء مؤخر ہے۔

قولہ: اَحْیَیْنَاھَا بعض حضرات نے کہا ہے کہ اَحْیَیْنَاھَا علامت قدرت کی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے جملہ مستانفہ ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَحْیَیْنَا جملہ ہوکر الاَرْضُ المیتَۃُ کی صفت ہو، مفسر علام کی عبارت سے اسی کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ مبتداء کو اَحْیَیْنَاھَا کے بعد ذکر کیا ہے، اگر مفسر علام کے نزدیک اَحْیَیْنَاھَا جملہ مستانفہ ہوتا تو مبتداء کو اَحْیینَاھا سے مقدم ذکر کرتے۔

قولہ: وجَعَلْنَا اس کا عطف اَحْیَیْنَاھَا پر ہے۔

قولہ: مِنْ نخیلٍ، نَخْلٌ اور نَخِیْلٌ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں لیکن النخل اسم جمع ہے اس کا واحد نَخْلَۃٌ ہے لفظ نخلة اہل حجاز کے نزدیک مؤنث ہے اور تمیم ونجد کے نزدیک مذکر ہے اور نخیل بالاتفاق مؤنث ہے (صاوی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا بعد میں آنے والا قول مِنَ النخیل وغیرہ مناسب نہیں ہے، بلکہ بہتر وغیرھا ہے اس لئے کہ ہ ضمیر کا مرجع ماسبق میں مذکور نخیلٌ ہے جو کہ بالاتفاق مؤنث ہے۔

قولہ: ثمر المذکور مِنَ النخیل وغیرہٖ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے ایک اعتراض کا دفعیہ ہے، اعتراض یہ ہے کہ ثمرہٖ کی ضمیر نخیل اور اعناب کی طرف راجع ہے اول تو اعناب اور نخیل جمع ہیں جو کہ واحد مؤنث کے حکم میں ہیں، اس لحاظ سے مِن ثمرِھا ہونا چاہئے اور اگر اعناب اور نخیل کو دونوع تسلیم کرلیا جائے تو پھر (ھما) ضمیر تثنیہ کی ہونی چاہئے، حالانکہ مفسر علام نہ تو واحد مؤنث کی ضمیر لائے اور نہ تثنیہ کی، بلکہ واحد مذکر کی ضمیر لائے ہیں، جو بظاہر درست نہیں معلوم ہوتی، مذکورہ عبارت سے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نخیل و اعناب کو مذکور کے معنی میں لیکر واحد مذکر کی ضمیر لانا درست ہے، یا ثَمرِہٖ کی ضمیر ماءٌ کی طرف راجع ہے جو کہ مِنَ العُیُون سے مفہوم ہے، اس لئے کہ ثمر کا وجود پانی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

سوال: اَلْاَرْضُ الْمَیْتَۃُ دونوں معرف باللام ہونے کی وجہ سے معرفہ ہیں، اور اَحْیَیْنَاھَا جملہ ہونے کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہے، اس صورت میں اگر اَحْیَیْنَاھَا کو اَلْاَرْضُ المَیْتَۃُ کی صفت قرار دیا جائے تو معرفہ کی صفت کا نکرہ ہونا لازم آتا ہے، جو قاعدۂ مطابقت کے منافی ہے۔

جواب: الارض المیتۃُ پر الف لام جنس کے لئے ہے، اس لئے کہ کوئی معین ارض مراد نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ الف لام معرفہ کا فائدہ نہیں دے گا، جس کی وجہ سے نکرہ کا صفت بننا درست ہے، اس کی نظیر شاعر کا یہ قول ہے۔

وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَی اللَّئِیْمِ یَسُبُّنِیْ فَمَضَیْتُ ثمة قُلتُ لا یَعْنِیْنِیْ

(روح المعانی)

قولہ: اَخْرَجنا مِنْھَا حبًّا فمنه یاکلون، حَبٌّ، حَبَّۃٌ کی جمع ہے اس غلہ کو کہتے ہیں جس کو پیسا جائے جیسے گندم جو وغیرہ

اور بَذرٌ اس غلہ کو کہتے ہیں جس سے تیل نکالا جائے، جیسے رائی، سرسوں وغیرہ۔

قَوْلُہٗ: فمنهُ ای من الحب.

سُوَال: تقدیم صلہ سے حصر سمجھ میں آتا ہے، اصل میں اَخْرَجْنَا حَبًّا یاکلون منه ہے، منه کی تقدیم سے حصر مستفاد ہو رہا ہے کہ اکل مذکورہ دونوں قسم کے غلوں میں منحصر ہے، حالانکہ یہ بدیہی البطلان ہے، اس لئے کہ مذکورہ دونوں قسم کے غلوں کے علاوہ بھی بہت سے غلے کھائے جاتے ہیں۔

جَوَاب: تقدیم صلہ جنس ماکول کو حبوب میں منحصر کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اکثر ماکول کو حبوب میں حصر کرنے کے لئے ہے، اس لئے کہ حبوب ہی اکثریت سے کھائی جانے والی غذا ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنَ العیون کی تفسیر بعضها سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مِن تبعیضیہ ہے، بیانیہ بھی قرار دینا صحیح ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیهم اس کا عطف مِن ثمره پر ہے ای لیاکُلُوا مِنْ ثَمَرِہٖ ویَاکُلُوْا مِمَّا عَمِلَتْ ایدِیهم کالعصیر والدبس ونحوهما یعنی کھجور اور انگور کے پھل کھائیں اور وہ چیزیں کھائیں جو ان سے بناتے ہیں مثلاً عرق (جوس) شیرہ وغیرہ یہ ترجمہ اس صورت میں ہوگا جب کہ مَا سے مَا موصولہ مراد ہو، اور بعض حضرات نے مَا کو نافیہ کہا ہے، یعنی تاکہ تم مذکورہ چیزوں کو کھاؤ جن کو تم نے پیدا نہیں کیا ہے، بلکہ اس کا پیدا کرنے والا خدا ہے، یعنی مذکورہ اشیاء کے پیدا کرنے میں تمہارے ہنر یا حکمت کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ تم تو اپنے پاس موجود کو بھی مٹی میں ملا کر بظاہر ضائع کر دیتے ہو، یہ محض خدا کا فضل و کرم اور اس کی صنعت و قدرت ہی ہے کہ جس دانہ کو تم نے گلنے سڑنے کے لئے مٹی میں دفن کر دیا خدا نے اپنی قدرت و رحمت سے اس کی نہ صرف حفاظت فرمائی بلکہ اس کو اضعافاً مضاعفاً دوگنا چوگنا کر کے تمہارے حوالہ کر دیا مَا مصدریہ بھی ہوسکتا ہے، ای لیاکلوا من عمل ایدیهم.

قَوْلُہٗ: اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ ہمزہ محذوف پر داخل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَیَنْتَفِعُوْنَ بهٰذه النعم فَلَا یشکرونها.

قَوْلُہٗ: سُبْحَانَ الَّذِیْ، سبحان مصدر بمعنی تسبیح ہے اس پر نصب نیز مفرد کی جانب اضافت لازم ہے مفرد خواہ اسم ظاہر ہو جیسے سُبْحَانَ اللّٰه اور سبحانَ الَّذی یا اسم ضمیر ہو جیسے سبحانَهٗ اَن یکونَ لهٗ ولدٌ، سُبحانَ الَّذِی خلقَ الازْوَاج کُلَّهَا جملہ مستانفہ ہے ترک شکر پر تنزیہہ کو بیان کرنے کیلئے لایا گیا ہے (روح المعانی) بعض حضرات نے کہا ہے کہ دونوں آیتیں یعنی ایةٌ لهم الارض المیتةُ الآیة اور آیةٌ لهمُ الَّیلُ نسلخُ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ایَةٌ لَهُمُ الَّیلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهار، ایةٌ خبر مقدم ہے، اور اللیلُ مبتداء مؤخر ہے، کما سَبَقَ اور نَسْلَخُ، لیلٌ کے آیات قدرت میں سے ہونے کی کیفیت کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: نَسْلَخُ مضارع جمع متکلم (ن، ف) سَلْخًا کھال اتارنا، مطلقاً کسی چیز کو اتارنا، زائل کرنا، یعنی ہم دن کو رات کے اوپر سے اتار لیتے ہیں، فَاِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ تو وہ تاریکی میں رہ جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ کائنات میں ظلمت اصل ہے اور نہار (روشنی) طاری ہے، جس طرح جانور کے اوپر کھال اتارنے کے بعد گوشت ظاہر ہو جاتا ہے، اسی طرح دن کو رات کے

اوپر سے اتارنے کے بعدرات باقی رہ جاتی ہے، مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے نَسْلَخُ کی تفسیر نَفْصِلُ سے کرکے اشارہ کردیا کہ نَسْلَخُ نکشِفُ کے معنی میں نہیں ہے ورنہ تو فاذا ھُمْ مظلِمونَ کے بجائے فاِذَاھُم مبصرون ہونا چاہئے، اس لئے کہ آیۃ کے معنی یہ ہوں گے و آیتہ اللیلُ نکشفُ ونظھرُ منهُ النهارَ نفصل (منهُ) میں من بمعنی عن ہے، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ لیل، نہار سے مقدم ہے، اس لئے کہ مسلوخ منہ مسلوخ سے مقدم ہوا کرتا ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: مُظلِمونَ. اَظلَمَ القَوْمُ سے ماخوذ ہے ای دَخلُوْا فی الظلام.

قَوْلُہٗ: من جملة الآية اس کا عطف الْاَرْضُ مبتداء پر ہے یعنی عطف مفرد علی المفرد ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوْ ایةٌ اُخریٰ یہ دوسری ترکیب کی طرف اشارہ ہے یعنی الشمس مبتداء ہے اور تجری اس کی خبر ہے، اس صورت میں عطف جملہ علی الجملہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: والقمرُ كذٰلِكَ یعنی قمر من جملہ آیات کے ایک آیۃ ہے یا دوسری مستقل آیۃ ہے، یہ ترکیب صرف اس صورت میں ہوگی جب کہ القمر مرفوع پڑھا جائے، اور اگر القمر کو منصوب پڑھیں تو فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہوگا اور اس صورت میں ما اُضمر عامله کے قبیل سے ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی قَدَّرْنَا الْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ اور اگر مرفوع پڑھیں تو سابق مبتداء یعنی الارض المیتة یا اللیل پر عطف ہوگا اور تقدیر عبارت ایةٌ لهُمُ القمرُ ہوگی، یا القمرُ خود مبتداء ہو اور خبر قدَّرنَاهُ ہو۔

قَوْلُہٗ: المَنَازِلَ اس میں تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں ① قَدَّرْنَا کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہوسکتا ہے، اس صورت میں قَدَّرْنَا بمعنی صَیَّرنا ہوگا ② قَدَّرْنَاه کی ضمیر سے حال ہو، اس صورت میں منازل کے پہلے مضاف محذوف ماننا لازم ہوگا، اس لئے کہ خود قمر منازل نہیں ہے بلکہ ذو منازل ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی قَدَّرنَاهُ ذومنازلَ ③ یہ کہ مَنَازِلَ ظرف ہو، ای قدَّرنا سَیْرَهُ فی مَنَازِلَ علامہ جلال الدین محلی نے اپنے قول مِنْ حیثُ سیرہٖ سے اسی ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: العُرْجُوْنَ بروزن فُعْلُوْنَ شاخ خرما، جو خرما کاٹنے کے بعد کھجور پر خشک ہوکر زرد، پتلی اور مثل ہلال ٹیڑھی ہوجاتی ہے۔

قَوْلُہٗ: شَمَارِيخ یہ شَمْروخٌ کی جمع ہے، یہ عُرجون ہی کی تشریح ہے اس میں تشبیہ مرکب ہے، اس لئے کہ ہلال کو عرجون کے ساتھ تین اوصاف میں تشبیہ دی گئی ہے دِقّتْ، تقوّس اور اصفرار۔

قَوْلُہٗ: نُزِّلُوا مَنْزِلَةَ العُقلاءِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: کُلٌّ یا عموم پر دلالت کرنے کی وجہ سے یا تنوین کے مضاف الیہ کے عوض میں ہونے کی وجہ سے مبتداء ہے ای كُلُّ اَحَدٍ من الشمس والقمر والنجوم فی فلكٍ يَّسْبَحُوْنَ، يَسْبَحُوْنَ مبتداء کی خبر ہے، مبتداء غیر ذوی العقول ہے اور اس کی خبر یَسْبَحُوْنَ واؤ نون کے ساتھ لائی گئی ہے، جو کہ ذوی العقول کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا یَسْبَحُوْنَ واؤ نون کے ساتھ درست معلوم نہیں ہوتا۔

جَوَابٌ: یَسْبَحُوْنَ سَبْحٌ سے مشتق ہے جس کے معنی تیرنے کے ہیں اور یہ ذوی العقول کی صفت ہے، چونکہ غیر ذوی العقول کی طرف ذوی العقول کے فعل کی نسبت کی گئی ہے، اس لئے غیر ذوی العقول کو ذوی العقول کے درجہ میں اتار لیا گیا جس کی وجہ سے یَسْبَحُوْنَ کو خبر لانا درست ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: اٰیَۃٌ لَّھُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَھُمْ، اٰیَۃٌ لَّھُمْ خبر مقدم ہے اور اَنَّا حَمَلْنَا مصدر کی تاویل میں ہو کر مبتداء مؤخر ہے، ای حَمْلُنَا ذُرِّیَّتَھُمْ فِی الْفُلْکِ اٰیَۃٌ دَالَّۃٌ عَلٰی بَاھِرِ قُدْرَتِنَا۔

قَوْلُہٗ: ای اٰبَائَھُمُ الاصول اس عبارت سے اشارہ کردیا کہ ذُرِّیَّۃٌ کا اطلاق جس طرح فروع پر ہوتا ہے اصول پر بھی ہوتا ہے اس لئے کہ یہ ذَرَّۃٌ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی خلق کے ہیں اور فروع اصول سے مخلوق ہیں لہٰذا اب وہ اعتراض ختم ہوگیا کہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی میں سوار ہونے والے اصول اہل مکہ تھے نہ کہ فروع، اور بعض حضرات نے مذکورہ اعتراض کا یہ جواب بھی دیا ہے، کہ فِی الْفُلْکِ میں الف لام جنس کا ہے جس سے جنس کشتی مراد ہے نہ کہ خاص کشتی نوح، اس لئے کہ اس آیت کا مقصد اہل مکہ پر احسان جتانا ہے اور ظاہر ہے مطلق کشتی مراد لینے میں امتنان بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں شامل ہیں۔

(لغات القرآن للدرویش)

قَوْلُہٗ: کغیرِکُمْ ای کالمؤمنین۔

قَوْلُہٗ: اَعْرَضُوْا اس اضافہ سے اشارہ کردیا کہ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ کا جواب شرط اَعْرَضُوْا محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَخَلَقْنَا لَھُمْ مِنْ مِّثْلِہٖ یہ دوسرا امتنان ہے جو پہلے امتنان پر مرتب ہے، اٰیۃ کے معنی یہ ہیں جَعَلْنَا سفینۃَ نوحٍ اٰیۃً عظیمۃً علٰی قُدْرَتِنَا ونِعْمَۃً للخلق وعَلَّمْنَاھم صَنْعَۃَ السَّفِیْنَۃِ فعمِلُوا سُفُنًا کبارًا وصغارًا لِیَنْتَفِعُوْا بِھَا۔

قَوْلُہٗ: وَخَلَقْنَا لَھُمْ مِنْ مِّثْلِہٖ ما یرکبونَ. مِن، مثلہٖ ما مفعول مؤخر سے حال ہے اور مثلِہٖ کی ضمیر فُلْکٌ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: فی معتقدکم ھٰذا اے مومنو تمہارے اس اعتقاد کے باوجود کہ اللہ ہی رازق ہے وہی سب کو کھلاتا پلاتا ہے تو پھر ہم سے کیوں کھانا وغیرہ طلب کرتے ہو؟ اس صورت میں الَّذِیْنَ کَفَرُوْا میں کافر سے مراد خدا کے وجود کا منکر (دہریہ) ہوگا اور اگر مطلب یہ ہو کہ جس کی روزی خدا نے بند کردی ہو اور خدا ہی ان کو کھلانا نہ چاہتا ہو تو ہم اس کی مرضی اور مشیت کے خلاف کھانا کھلانے والے کون ہوتے ہیں؟ اس صورت میں الذین کفروا میں کافر سے مراد مشرک ہے جو کہ خدا کے وجود کا قائل ہے مگر اس کے ساتھ شریک کرتا ہے، اس دوسرے مطلب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلم مساکین کو بکثرت کھانا کھلایا کرتے تھے، ایک روز ابوجہل کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوگئی، تو کہنے لگا اے ابوبکر کیا تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کھلانے پر قادر ہے؟ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں! تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ان کو نہیں کھلاتا؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

جواب دیا، اللہ تعالیٰ بعض کو فقر کے ذریعہ اور بعض کو غنا کے ذریعہ آزماتا ہے، اور فقراء کو روزہ کا اور اغنیاء کو سخاوت کا حکم دیا ہے، تو ابوجہل کہنے لگا (واللّٰہ یا ابابکر اِن انت الا فی ضلال) اے ابوبکر تم تو غلط فہمی کا شکار ہو، کیا تم یہ سمجھتے ہو وہ ان کو کھلانے پر قادر ہونے کے باوجود نہیں کھلانا چاہتا مگر تم کھلانا چاہتے ہو!! (صاوی)

قَوْلُهٗ: موقع عظیمٌ قائلین کے کفر کی صراحت کرنے میں کفار کی تبکیت و تقبیح کے علاوہ اہم بات یہ ہے کہ کفار کی دو قسموں کی طرف اشارہ ہوگیا ایک وہ جو سرے سے خدا کے وجود ہی کا منکر ہو یہاں کافر سے یہی قسم مراد ہے اور دوسرے وہ جو خدا کے وجود کا تو منکر نہ ہو مگر اس کا شریک ٹھہراتا ہو، ماسبق میں اللہ تعالیٰ کے قول اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ (الآیة) میں دوسری قسم کے کفار مراد ہیں۔ (صاوی وجمل)

قَوْلُهٗ: ویَقُوْلُوْنَ متٰی هٰذا الوعد یہ قول کفار کی قسم ثانی یعنی مشرکین کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُهٗ: واُدغمت فی الصاد یعنی تا کو صاد سے بدلنے کے بعد صاد میں ادغام کردیا گیا۔ (واللّٰہ اعلم بالصواب)

تَفسِیر وتَشریح

سورۂ یٰسین میں زیادہ تر مضامین آیات قدرت اور اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات بیان کرکے آخرت پر استدلال اور حشر ونشر کے عقیدے کو پختہ کرنے سے متعلق ہیں، مذکورۃ الصدر آیات میں قدرت الٰہیہ کی ایسی ہی نشانیاں بیان فرمائی ہیں جو ایک طرف اس کی قدرت کاملہ کے دلائل واضحہ ہیں، تو دوسری طرف انسانوں اور عام مخلوقات پر حق تعالیٰ کے خاص انعامات واحسانات اور ان میں عجیب وغریب حکمتوں کا اثبات ہے۔

مشرکین اور بعث بعد الموت کا عقیدہ:

بعث بعد الموت کا عقیدہ نہ صرف یہ کہ ان کے مشاہدے اور تجربے کے منافی تھا، بلکہ وہ اس عقیدے کو عقل کے بھی خلاف سمجھتے تھے، یہ بات کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، ان کا کہنا تھا کہ انسان کے مرنے اور جسم کے گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہوجانے کے بعد عقل اس کو باور نہیں کرتی کہ ان ذرات کو دوبارہ جمع کرکے ایک مکمل انسان بنا کر کھڑا کردیا جائے گا، اور بظاہر ان کا مشاہدہ بھی اس بات کی تائید کرتا تھا اس لئے کہ ہزارہا سال گذرنے کے بعد بھی مردوں میں سے کوئی شخص زندہ ہوکر دنیا میں نہیں آیا تھا۔

مذکورۃ الصدر آیات میں عقلی دلائل اور مشاہداتی مثالوں سے نہ صرف یہ کہ ان کے شک وتردد کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بلکہ یہ ثابت کیا گیا کہ بعث بعد الموت نہ صرف یہ کہ عقلی طور پر ممکن بلکہ کائناتی مثالوں سے ثابت اور واقع ہوتی ہے، ان ہی مشاہداتی مثالوں میں سے ایک مثال مردہ زمین کو زندہ کرنا ہے، جس کو وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ (الآیة) سے بیان فرمایا ہے، بعث بعد الموت کے اثبات کے لئے یہ ایسی واضح اور کھلی ہوئی دلیل ہے کہ ہر انسان ہر وقت اپنی نظروں سے دیکھتا ہے، اس مثال کو سمجھنے کے لئے نہ بہت زیادہ علم ودانش کی ضرورت اور نہ عقل وفلسفہ کی، ایک معمولی سمجھ رکھنے والا شخص بھی معمولی

توجہ سے سمجھ سکتا ہے، موسم گرما میں خشک زمین پر جبکہ چہار سو خاک اڑتی نظر آتی ہے کہیں ہریالی کا نام ونشان نہیں ہوتا ہے، آسمان سے بارش برستی ہے تو مردہ زمین میں ایک قسم کی زندگی پیدا ہو جاتی ہے، جس کے آثار اس میں پیدا ہونے والی نباتات اور اشجار اور ان کے ثمرات سے ظاہر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مردہ زمین کو زندہ کر کے ہم اس سے ان کی بقائے حیات کے لئے صرف غلہ ہی نہیں اگاتے، بلکہ ان کے کام ودہن کی لذت کے لئے انواع واقسام کے پھل بھی کثرت سے پیدا کرتے ہیں، یہاں صرف دو پھلوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ کثیر المنافع ہونے کے ساتھ ساتھ عربوں کے لئے مرغوب تھے، نیز ان کی پیداوار بھی عرب میں زیادہ ہوتی ہے۔

وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ جمہور مفسرین نے اس آیت میں مَا کو نفی کے لئے قرار دے کر یہ ترجمہ کیا ہے، کہ ان پھلوں کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، اس جملہ کا مقصد غافل انسان کو اس پر متنبہ کرنا ہے کہ ذرا تو اپنے کام اور محنت میں غور کر، تیرا کام اس باغ وبہار میں اس کے سوا کیا ہے؟ کہ تو نے زمین کو نرم کر کے بیج کو اس میں ڈال دیا، مگر اس بیج سے درخت اگانا، اور درخت پر برگ وبار لانا، ان سب کاموں میں تیرا کیا دخل ہے؟ یہ تو خالص قادر مطلق حکیم ودانا ہی کا فعل ہے، اس لئے تیرا فرض ہے کہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے وقت اس کے خالق ومالک کو فراموش نہ کرے، اسی مذکورہ صورت حال کی سورۂ واقعہ کی آیت اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ یعنی دیکھو تو جو چیز تم بوتے ہو اس کو نشو ونما دیکر تم نے بنایا ہے یا ہم نے؟ مطلب یہ ہے کہ ان غلوں اور پھلوں کی پیداوار میں بندوں کی سعی ومحنت، کدوکاوش اور تصرف کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ پیداوار محض اللہ کا فضل وکرم ہے پھر انسان ان نعمتوں پر اس کا شکر کیوں ادا نہیں کرتے؟ ابن جریر وغیرہ بعض مفسرین نے وَمَا عَمِلَتْهُ میں لفظ ما کو اسم موصول الذی کے معنی میں قرار دیکر یہ ترجمہ کیا ہے کہ سب چیزیں اس لئے پیدا کی گئی ہیں کہ لوگ ان کے پھل کھائیں اور ان چیزوں کو بھی کھائیں جن کو انسان ان نباتات اور پھلوں سے خود اپنے ہاتھوں کے کسب وعمل سے تیار کرتا ہے، مثلاً پھلوں سے مختلف حلوے، اچار چٹنی تیار کرتا ہے اور بعض پھلوں اور دانوں سے تیل نکالتا ہے جو انسان کے کسب وعمل کا نتیجہ ہے بغیر انسانی عمل دخل کے خدا کا اپنی قدرت سے پھلوں کو پیدا کرنا، اور انسان کو اس بات کا سلیقہ سکھانا کہ ایک پھل کو دوسری چیزوں سے مرکب کر کے طرح طرح کی خوش ذائقہ اشیاء خوردنی تیار کرے، یہ دوسری نعمت ہے، اس تفسیر کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی قراءت سے بھی ہوتی ہے، کیونکہ ان کی قراءت میں لفظ ما کے بجائے مِمَّا آیا ہے، یعنی مِمَّا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ.

تفصیل اس کی یہ ہے کہ دنیا کے تمام حیوانات نباتات اور پھل کھاتے ہیں اور بعض حیوانات گوشت بھی کھاتے ہیں، کچھ مٹی کھاتے ہیں، لیکن ان سب جانوروں کی خوراک مفردات ہی سے ہے، گھاس کھانے والا گھاس، گوشت کھانے والا گوشت کھاتا ہے، ان چیزوں کو دیگر اشیاء کے ساتھ مرکب کر کے قسم قسم کے کھانے تیار نہیں کرتا، یہ سلیقہ اور طریقہ صرف انسان ہی کو آتا ہے، آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا، کہ کسی حیوان نے پھلوں کو نچوڑ کر رس نکالا ہو یا مختلف پھل فروٹوں کو ملا کر چاٹ بنائی ہو، یہ سمجھ اور عقل اللہ تعالیٰ نے صرف انسان ہی کو عطا فرمائی ہے، پھر نہ معلوم انسان اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیوں نہیں کرتا؟

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا (الآیة) یعنی انسانوں اور حیوانوں کی طرح ہم نے ہر مخلوق میں جوڑے یعنی نر و مادہ کا نظام رکھا ہے، علاوہ ازیں زمین کی گہرائیوں میں بھی جو چیزیں تمہاری نظروں سے غائب ہیں، جن کا علم تم نہیں رکھتے، ان میں بھی زوجیت (نر و مادہ) کا یہ نظام ہم نے رکھا ہے، غرضیکہ ہم نے ہر چیز کو جوڑے سے پیدا کیا ہے، حتی کہ دنیا و آخرت بھی زوج ہے، اور یہ حیات آخرت کی عقلی دلیل بھی ہے، صرف ایک اللہ کی ذات ہے جو مخلوق کی اس صفت زوجیت سے اور دیگر تمام نقائص سے پاک ہے وہ وتر (فرد) ہے، زوج نہیں ہے اس لئے کہ وہ مخلوق نہیں ہے۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ (الآیة) زمینی مخلوقات میں قدرت خداوندی کی نشانیاں بیان کرنے کے بعد آسمانی اور آفاقی مخلوقات میں قدرت خداوندی کا بیان ہے، **سلخ** کے لفظی معنی کھال اتارنے کے ہیں، کسی چیز کے چھلکے اتارنے کو بھی مجازاً سلخ کہہ سکتے ہیں جب جانور کی کھال اتار دی جاتی ہے تو اندر کا گوشت نظر آنے لگتا ہے، اسی طرح غلاف اور چھلکا اتار دیا جائے تو اندر کی چیز ظاہر ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مثال سے اشارہ دیدیا کہ اس جہان میں اصل ظلمت ہے اور روشنی عارضی اور طاری ہے جو تاروں اور سیاروں کے ذریعہ زمین تک پہنچتی ہے، اگر روشنی کو ظلمت کے اوپر سے اتار لیا جائے تو اصل یعنی ظلمت باقی رہ جاتی ہے، اسی کو عرف میں رات کہتے ہیں۔ (معارف)

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آفتاب اپنے مستقر کی طرف چلتا رہتا ہے، **مستقرٌّ** یہ ظرف کا صیغہ ہے، جائے قرار کو بھی کہتے ہیں، اور وقت قرار کو بھی، اور لفظ مستقر منتہائے سیر و سفر کے معنی میں بھی آتا ہے، بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ مستقر سے مستقر زمانی مراد لیا ہے، یعنی وہ وقت جب کہ آفتاب اپنی حرکت مقررہ پوری کر کے ختم کر دے گا، اور وہ وقت قیامت کا دن ہے، اس تفسیر کے مطابق آیت کے معنی یہ ہیں کہ آفتاب اپنے مدار پر ایسے محکم اور مضبوط نظام کے ساتھ حرکت کر رہا ہے جس میں کبھی ایک سکنڈ کا فرق نہیں آتا، ہزارہا سال اس روش پر گذر چکے ہیں، مگر یہ حرکت دائمی نہیں، اس کا ایک خاص مستقر ہے جہاں پہنچ کر نظام شمسی کی یہ حرکت ختم ہو جائے گی، اور وہ قیامت کا دن ہے، یہ تفسیر حضرت قتادہ سے منقول ہے۔ (ابن کثیر، معارف)

سورۂ زمر کی ایک آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مستقر سے مراد مستقر زمانی یعنی قیامت کا دن ہے، آیت یہ ہے
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی اس آیت میں بھی تقریباً وہی بیان ہے جو سورۂ یٰسین کی مذکورہ آیت میں ہے، اس آیت میں فرمایا کہ شمس و قمر دونوں اللہ کے حکم کے مسخر اور تابع ہیں، ان میں سے ہر ایک، ایک خاص میعاد تک کے لئے چل رہا ہے، یہاں اَجَلٌ مُّسَمًّی کے الفاظ ہیں، جس کے معنی میعاد معین کے ہیں، اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ شمس و قمر دونوں کی حرکت دائمی نہیں، ایک میعاد معین یعنی روز قیامت پر پہنچ کر ختم اور منقطع ہو جائے گی، سورۂ یٰسین کی آیت مذکورہ میں بھی ظاہر یہی ہے کہ لفظ مستقر سے یہی میعاد معین یعنی مستقر زمانی مراد ہے، اس تفسیر کی رو سے نہ آیت کے مفہوم و مراد میں کوئی اشکال ہے، نہ قواعد ہیئت و ریاضی کا اس پر کوئی اعتراض۔ (معارف)

اور بعض حضرات مفسرین نے اس سے مراد مستقر مکانی لیا ہے، جس کی بناء ایک حدیث صحیح ہے، حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا، جانتے ہو سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا سورج جا کر عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے، اس کے بعد دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے جب اجازت مل جاتی ہے تو طلوع ہوتا ہے، ایک وقت آئے گا کہ اس سے کہا جائے گا، واپس لوٹ جا، یعنی جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جا۔

(صحیح بخاری، بدأ الخلق، باب صفت الشمس والقمر بحسبان، مسلم کتاب الایمان باب بیان الزمن الذی لا یُقبل فیه الایمان)

آفتاب کے زیر عرش سجدہ کرنے کی تحقیق:

مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقر سے مراد، مکانی مستقر ہے یعنی وہ جگہ کہ جہاں آفتاب کی حرکت کا ایک دور پورا ہو جائے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ جگہ عرش کے نیچے ہے، اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آفتاب ہر روز ایک مستقر مکانی کی جانب چلتا ہے، پھر وہاں اللہ کے سامنے سجدہ کر کے اگلے دورے کی اجازت طلب کرتا ہے، اجازت ملنے پر دوسرا دورہ شروع کرتا ہے۔

لیکن واقعات ومشاہدات اور ہیئت وفلکیات کے بیان کردہ اصولوں کے بناء پر اس میں متعدد قوی اشکالات ہیں۔

پہلا اشکال:

یہ کہ عرش رحمٰن کی جو کیفیت قرآن وسنت سے سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ تمام زمینوں کے اوپر محیط ہے، زمین اور آسمان مع سیارات ونجوم سب کے سب عرش کے نیچے محصور ہیں، اور عرش رحمٰن ان تمام کائنات سماویہ وارضیہ کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اس لحاظ سے آفتاب تو ہمیشہ اور ہر حال میں زیر عرش رہتا ہی ہے، پھر غروب کے بعد زیر عرش جانے کا کیا مطلب ہوگا؟

دوسرا اشکال:

یہ عام مشاہدہ ہے کہ آفتاب جب کسی جگہ غروب ہوتا ہے تو اسی آن دوسری جگہ طلوع ہوتا ہے اس طرح کہ آفتاب کا طلوع وغروب ہمہ وقت ہوتا رہتا ہے، اس لحاظ سے تو ہر وقت آفتاب سجدہ ریز رہتا ہے، پھر غروب کے بعد زیر عرش سجدہ ریز ہونے کا کیا مطلب؟

تیسرا اشکال:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب اپنے مستقر پر پہنچ کر وقفہ کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرکے اگلے دورے کی اجازت لیتا ہے، حالانکہ آفتاب کی حرکت میں کسی وقت بھی انقطاع نہ ہونا کھلا ہوا مشاہدہ ہے، اور پھر چونکہ طلوع وغروب مختلف مقامات کے اعتبار سے ہر وقت ہی ہوتا رہتا ہے، تو یہ وقفہ اور سکون بھی ہر وقت ہونا چاہئے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ آفتاب کسی وقت بھی حرکت میں نہ ہو، نیز اگر حالت وقفہ میں بھی حرکت میں ہو تو یہ اجتماع ضدین ہے اس لئے کہ سکون اور حرکت آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اجتماع ضدین محال ہے۔

یہ اشکالات صرف فنون ریاضی اور فلکیات ہی کے نہیں ہیں، بلکہ مشاہداتی اور واقعاتی بھی ہیں، جن سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔

طلوع وغروب سے متعلق فیثا غورثی نظریہ:

حالیہ خلائی سفر اور چاند تک انسان کی رسائی کے واقعات نے اتنی بات تو یقینی کر ہی دی ہے کہ تمام سیارات آسمان سے نیچے کی فضا میں ہیں، آسمان کے اندر مرکوز نہیں ہیں، قرآن کریم کی آیت ﴿كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ سے بھی اسی نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے، اس نظریۂ فیثا غورثی میں یہ بھی ہے کہ روزانہ کا طلوع وغروب آفتاب کی گردش سے نہیں بلکہ زمین کی گردش سے ہے، اس نظریہ کے اعتبار سے حدیث مذکور پر ایک اعتراض کا اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس کا جواب سمجھنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جہاں تک مذکورہ آیت پر اشکالات کا سوال ہے تو اس پر مذکورہ اشکالات میں سے کوئی بھی اشکال نہیں ہوتا، آیت کا مفہوم تو صرف اتنا ہے کہ آفتاب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی منظم اور مستحکم حرکت کا پابند بنا دیا ہے کہ وہ اپنے مستقر کی طرف برابر ایک حالت پر چلتا رہتا ہے، اگر اس مستقر سے تفسیر قتادہ کے مطابق مستقر زمانی لیا جائے یعنی روز قیامت تو معنی اسکے یہ ہیں کہ آفتاب کی یہ گردش دائمی ہے اور ایک ہی حالت پر ہوتی رہے گی، آخر کار قیامت کے دن ختم ہو جائیگی، اور اگر مستقر سے مستقر مکانی لیا جائے تو بھی اس کا مستقر مدار شمسی کے اس نقطہ کو کہا جاسکتا ہے جہاں سے اول تخلیق کے وقت آفتاب نے گردش شروع کی اسی نقطہ پر پہنچ کر اسکا شبانہ روز کا ایک دورہ مکمل ہوتا ہے، کیونکہ یہی نقطہ اس کا منتہائے سفر ہے اس پر پہنچ کر نئے دورے کی ابتداء ہوتی ہے۔

ماقبل میں جتنے اشکالات ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے آیت مذکور کے بیان پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا البتہ حدیث مذکور پر جس میں یہ آیا ہے کہ آفتاب غروب کے وقت زیر عرش پہنچ کر سجدہ کرتا ہے اور اگلے دورے کی اجازت طلب کرتا ہے، یہ اشکالات وارد ہوتے ہیں اور اس آیت کے ذیل میں یہ بحث اسی لئے چھڑی کہ حدیث کے بعض الفاظ میں اس آیت کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، ان اشکالات کے جوابات محدثین ومفسرین نے مختلف دیئے ہیں، مگر ان سب میں سب سے

زیادہ صاف اور بے غبار بات وہ ہے جو علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنے مقالے ''سجود الشمس'' میں اختیار فرمائی ہے، اور متعدد ائمہ تفسیر کے کلام سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اصل بات:

اصل بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے چند مظاہر ذکر کرکے انسان کو توحید اور اپنی قدرت کاملہ پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، اس میں سب سے پہلے زمین کا ذکر کیا جو ہر وقت ہمارے سامنے ہے وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ پھر اس پر پانی برسا کر درخت اور نباتات اگانے کا ذکر ہے، جس کو ہر انسان دیکھتا اور جانتا ہے أَحْيَيْنَاهَا (الآية) اس کے بعد آسمان اور فضائے آسمانی سے متعلق چیزوں کا ذکر شروع کرکے پہلے لیل ونہار کے روزانہ انقلاب کا ذکر فرمایا وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ (الآية) اس کے بعد شمس وقمر جو سیارات اور نجوم میں سب سے بڑے ہیں، ان کا ذکر فرمایا، ان میں پہلے آفتاب کے متعلق فرمایا وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصد یہ بتلانا ہے کہ آفتاب اپنے ارادے اور اپنی قدرت سے گردش نہیں کر رہا، بلکہ یہ ایک عزیز وعلیم کے مقرر کردہ نظم کے تابع گردش کر رہا ہے، آنحضرت ﷺ نے غروب آفتاب کے قریب حضرت ابوذر غفاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ایک سوال وجواب کے ذریعہ اسی حقیقت پر متنبہ ہونے کی ہدایت فرمائی جس میں بتلایا کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے اللہ کو سجدہ کرتا ہے، اور پھر اگلا دورہ شروع کرنے کی اجازت طلب کرتا ہے، جب اجازت مل جاتی ہے تو حسب دستور آگے چلتا ہے اور صبح کے وقت مشرق کی جانب سے طلوع ہوتا ہے، اس کا حاصل اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ آفتاب کے طلوع وغروب کے وقت عالم دنیا میں ایک نیا انقلاب آتا ہے، جس کا مدار آفتاب پر ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس انقلابی وقت کو انسانی تنبیہ کے لئے موزوں سمجھ کر یہ تنبیہ فرمائی کہ آفتاب کو خود مختار، اپنی قدرت سے حرکت وگردش کرنے والا نہ سمجھو، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اذن ومشیت کے تابع چل رہا ہے، اس کا ہر طلوع وغروب اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتا ہے یہ اس کی اجازت کا تابع ہے اس کی اجازت اور تابع فرمان حرکت کرنے ہی کو اس کا سجدہ قرار دیا گیا، کیونکہ ہر چیز کا سجدہ اس کے مناسب حال ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن نے خود تصریح فرمائی ہے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ یعنی ساری مخلوق اللہ کی تسبیح اور عبادت میں مشغول ہے، مگر ہر ایک کی عبادت اور تسبیح کا طریقہ الگ الگ ہے، اور ہر مخلوق کو اس کی عبادت اور تسبیح کا طریقہ سکھلا دیا جاتا ہے، مثلاً انسان کو اس کی تسبیح کا طریقہ سکھلا دیا گیا ہے، اس لئے آفتاب کے سجدے کے یہ معنی سمجھنا کہ انسان کے سجدہ کی طرح زمین پر ماتھا ٹیکنے ہی سے ہوگا صحیح نہیں۔

قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق عرش خداوندی تمام آسمانوں، سیاروں، زمینوں پر محیط ہے، تو یہ بات ظاہر ہے کہ آفتاب ہر وقت اور ہر جگہ زیر عرش ہی ہے اور جبکہ تجربہ شاہد ہے کہ آفتاب جس وقت ایک جگہ غروب ہو رہا ہوتا ہے، اسی وقت دوسری جگہ طلوع ہو رہا ہوتا ہے، اس لئے اس کا کوئی لمحہ طلوع وغروب سے خالی نہیں، تو آفتاب کا زیر عرش رہنا بھی دائمی اور ہر حال میں ہے اور غروب وطلوع ہونا بھی ہر حال میں ہے، اسی دائمی زیر عرش اور تابع فرمان ہونے کو سجدہ کرنے سے تعبیر کر دیا گیا ہے،

گویا کہ ایک معنوی مفہوم کو محسوس مثال کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے، اور یہ سلسلہ روز قیامت تک چلتا رہے گا، جب، قیامت قریب آئے گی تو علامات قرب قیامت کے طور پر آفتاب کو واپس لوٹا دیا جائے گا، جس کی وجہ سے آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع ہوگا، اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا، اس کے بعد کسی کا ایمان اور توبہ قبول نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ ایمان بالغیب نہیں رہا آفتاب کے روزانہ زیر عرش جا کر سجدہ کرنے اور آئندہ طلوع ہونے کی اجازت طلب کرنے کا حدیث میں جو ذکر ہے یہ حکم خداوندی کے انقیاد و امتثال کی ایک تمثیل ہے۔ جس کو مجازاً سجدے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ، عرجون کھجور کی خشک شاخ کو کہا جاتا ہے، جو مڑ کر کمان جیسی ہوجاتی ہے، قَدَّرَ تقدیر سے بنا ہے، تقدیر کے معنی کسی چیز کو زمان یا مکان یا صفات کے اعتبار سے ایک مخصوص مقدار اور پیمانہ پر رکھنے کے ہیں، لفظ مَنَازِلَ منزل کی جمع ہے جس کے معنی جائے نزول کے ہیں اللہ تعالیٰ نے شمس و قمر دونوں کی رفتار کے لئے خاص حدود مقرر فرمائی ہیں، جن میں سے ہر ایک کو منزل کہا جاتا ہے چاند چونکہ اپنا دورہ ہر مہینہ میں پورا کر لیتا ہے اس لئے اس کی منزلیں تیس ہوتی ہیں، مگر چونکہ چاند ہر مہینہ میں کم از کم ایک رات اور زیادہ سے زیادہ دو راتیں غائب رہتا ہے، اس لئے عموماً چاند کی منزلیں اٹھائیس کہی جاتی ہیں، اس غیوبت کے زمانہ کو محاق کہتے ہیں، جس ماہ منزلیں ۲۹ ہوں گی تو محاق ایک رات ہوگا اور جس ماہ منزلیں ۲۸ ہوتی ہیں تو محاق کی مدت دو رات ہوتی ہے، اور آفتاب کا دورہ سال بھر میں پورا ہوتا ہے، اس کی منزلیں تین سو ساٹھ یا پینسٹھ ہوتی ہیں، مذکورہ مقدار تخمینی ہے۔

قمری ماہ کی تحقیقی مدت:

چاند کے مدار کا طول و مسافت تقریباً 13 لاکھ 74 میل ہے، یہ تین سو ساٹھ درجوں پر منقسم ہے اس لئے کہ ہر گول چیز میں 360 درجہ فرض کر لئے گئے ہیں، چاند اس مسافت کو ¼27 دنوں میں طے کرتا ہے یعنی چاند زمین کے گرد اپنی گردش ¼27 دنوں میں پوری کرتا ہے۔

اگر زمین گردش نہ کرتی تو ایک نئے چاند سے دوسرے نئے چاند تک کی مدت یہی ہوتی، لیکن زمین مع چاند کے سورج کے گرد گردش کرتی ہے، اس لئے ایک نئے چاند سے لے کر دوسرے نئے چاند کی نمود تک تقریباً ½29 دن لگتے ہیں، اگر بالکل ٹھیک ٹھیک حساب کریں تو یہ مدت 29 دن 12 گھنٹے 14 منٹ اور 2,8 سیکنڈ ہے، اس مدت کو ایک قمری مہینہ کہتے ہیں۔

حرکت قمر کی مقدار:

چاند اپنے مدار کے 360 درجوں میں سے فی یوم 13 درجے 10 دقیقہ 35 ثانیہ، 2 ثالثہ طے کرتا ہے۔

فَائِدَہ: ہر دائرہ میں 360 درجے اور ایک درجہ میں 60 دقیقہ اور ہر دقیقہ میں 60 ثانیہ اور ہر ثانیہ میں 60 ثالثہ ہوتے ہیں۔

(فلکیات جدیدہ، ص ۳۰۳/۳۰٤، مولانا محمد موسیٰ صاحب)

جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَالْقَمَرَ نُوْرًا وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ (الآیة) قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ بضمیر مفرد استعمال کیا ہے، حالانکہ منزلیں شمس وقمر دونوں کی ہیں، بعض مفسرین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگرچہ ضمیر مفرد ہے مگر مراد کُلُّ واحد ہے، جس کے نظائر عربی زبان اور خود قرآن میں بھی بکثرت موجود ہیں، بعض مفسرین حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ منزلیں اگرچہ شمس وقمر دونوں کے لئے ہیں مگر اس جگہ بیان صرف چاند کی منزل کا مقصود ہے، اس لئے قَدَّرَهٗ کی ضمیر قمر کی طرف راجع ہے، وجہ تخصیص کی یہ ہے کہ آفتاب کی منزلیں تو آلات رصدیہ اور ریاضی کے حساب کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتیں، اس کا طلوع وغروب سال کے تمام ایام میں ایک ہی ہیئت سے ہوتا رہتا ہے، مشاہدہ سے کسی کو یہ معلوم نہیں ہوسکتا، کہ آج آفتاب کونسی منزل میں ہے بخلاف چاند کے کہ اس کے حالات ہر روز مختلف ہوتے ہیں، چاند کے تغیرات کے مشاہدہ سے بے علم لوگ بھی تاریخوں کا پتہ چلا سکتے ہیں، مثلاً چاند کو دیکھ کر یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آج قمری کونسی تاریخ ہے؟ مگر سورج کو دیکھ کر یہ اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ آج شمسی تاریخ کونسی ہے؟

آیت مذکورہ میں چونکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان عظیم الشان نشانیوں سے انسان کا یہ فائدہ بھی وابستہ ہے کہ ان کے ذریعہ وہ سال وماہ کا حساب کرتا ہے یہ حساب اگرچہ شمس وقمر دونوں سے معلوم ہوسکتا ہے اور دنیا میں دونوں ہی قسم کی تاریخیں قدیم زمانہ سے رائج ہیں، لیکن قمر کے ذریعہ ماہ وسال کا حساب مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے، بخلاف شمس کے کہ اس کے حسابات سوائے ریاضی دانوں کے کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا، اس لئے اس آیت میں شمس وقمر کا ذکر کرنے کے بعد جب ان کی منازل مقرر کرنے کا ذکر فرمایا تو ضمیر مفرد قَدَّرَهٗ فرمایا۔

احکام اسلام کا مدار قمری تاریخوں پر ہے:

شریعت میں احکام کا مدار قمری تاریخوں پر اس لئے رکھا گیا ہے کہ قمری تاریخ معلوم کرنا ہر شخص کے لئے آسان ہے، خواہ وہ لکھا پڑھا آدمی ہو یا ان پڑھ، شہری ہو یا دیہاتی، دین اسلام چونکہ دین یُسر، سہولتوں کا دین ہے اسی مصلحت کے پیش نظر اکثر شرعی احکام کا دارومدار قمری تاریخوں پر رکھا ہے، ایک ایسے شخص کے لئے کہ جو آبادی سے دور کہیں ریگستان یا پہاڑوں میں رہتا ہے نہ تو وہ پڑھا لکھا ہے اور نہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز کہ جس سے وہ شمسی تاریخ معلوم کرسکے تو آپ ذرا غور فرمائیں کہ کیا وہ شخص سورج کو دیکھ کر تاریخ معلوم کرسکتا ہے؟ بخلاف قمری تاریخ کے کہ وہ قمر کو دیکھ کر تاریخ کی تعیین کرسکتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ شمسی تاریخوں کے ذریعہ حساب رکھنا یا استعمال کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس کو اختیار ہے کہ اپنے روزمرہ کے حساب میں خواہ شمسی تاریخوں کا استعمال کرے یا قمری کا یعنی ان شرعی احکاموں کے علاوہ کہ جن کا مدار شریعت نے قمری تاریخوں پر رکھا ہے مثلاً روزہ، حج، عدت، اپنے روزمرہ کے حسابات شمسی تاریخوں سے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ مجموعی طور پر مسلمانوں میں قمری حساب جاری رہے تاکہ رمضان حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوسکیں، فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے قمری حساب باقی رکھنے کو مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ (معارف)

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِىْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ سورج کے لئے یہ ممکن نہیں کہ چاند کو رفتار میں پکڑ لے یعنی سورج کی سلطنت دن میں ہوتی ہے اور چاند کی رات میں، یہ نہیں ہوسکتا کہ چاند کی ضوافشانی کے وقت سورج چاند کو آدبائے، یعنی دن آگے بڑھ کر رات کا کچھ حصہ اڑا لے، یا رات آگے بڑھ کر دن ختم ہونے سے پہلے آجائے، جس زمانہ اور جس وقت جس خطہ میں جو اندازہ رات دن کا قادر مطلق نے رکھ دیا ہے شمس وقمر یا لیل ونہار یا کسی بھی کرہ کی یہ مجال نہیں کہ ایک لمحہ بھی آگے یا پیچھے ہوسکیں، کیا یہ اس بات کا واضح نشان نہیں کہ یہ سب عظیم الشان کرات ایک زبردست دانا ہستی کے قبضۂ اقتدار میں ہیں، سب اپنا اپنا کار مفوضہ انجام دے رہے ہیں، کسی کی مجال نہیں کہ سرمو ہی مدبر کون ومکان کے حکم سے انحراف کرسکے، پھر جو ہستی رات دن اور چاند سورج کو اول بدل کرتی ہے وہ تمہارے فنا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز کیوں ہوگی؟

نکتہ: لا الشمس ينبغى لها اَنْ تُدْرِكَ القَمَرَ کی تعبیر اختیار فرمائی، لَا القمرُ ينبغى لَهُ اَنْ يُّدْرِكَ نہیں فرمایا، اس لئے کہ چاند سورج کو پکڑ لیتا ہے سورج چاند کو نہیں پکڑ سکتا، اس لئے کہ چاند کی رفتار سورج کی رفتار سے بہت زیادہ تیز ہے سورج جس مسافت کو ایک سال میں طے کرتا ہے چاند اس کو ایک ماہ میں طے کر لیتا ہے، البتہ بعض اوقات چاند سورج کو پکڑ سکتا ہے اس لئے کہ چاند اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے بعض اوقات آفتاب کے پاس سے گذرے تو کہا جاسکتا ہے کہ چاند نے سورج کو پکڑ لیا۔

وَلَا الَّيْلُ سابِقُ النَّهَارِ اور رات دن پر سابق نہیں ہوسکتی اس کا آسان اور سیدھا ایک مطلب تو یہ ہے کہ رات دن ختم ہونے سے پہلے نہیں آسکتی، ایک مطلب اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رات درمیان میں دن کو چھوڑ کر سبقت نہیں کرسکتی، بایں طور کہ دو راتیں بغیر درمیان میں دن کے آئے ہوئے ایک ساتھ جمع ہوجائیں، اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ دن تخلیق میں رات پر سابق ہے، قال في الروح وَاسْتَدَلَّ بالآية اَنَّ النَّهَارَ سابِقٌ علَى الَّيْلِ فِى الْخَلْقِ حالانکہ مخلوقات میں اصل ظلمت ہے، نور طاری ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لیل تخلیق میں نہار پر سابق ہے، مذکورہ دونوں باتوں میں تعارض ہے، نیز اگر اللہ تعالیٰ کے قول وَلَا الليلُ سابِقُ النَّهَارِ سے نہار کا سابق ہونا معلوم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قول يُغْشِى الليلَ النهارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا (سورۂ اعراف) سے رات کا سابق ہونا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ ان دونوں باتوں میں تضاد ہے، مذکورہ تضاد کا بعض مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ لیل سے مراد آیت لیل یعنی قمر ہے، اور نہار سے مراد آیت نہار یعنی شمس ہے اور قمر، شمس کو حرکت یومیہ میں نہیں پکڑ سکتا، اور ولا الليل سابق النهار میں لیل سے مراد نفس لیل ہے، اور چونکہ لیل ونہار ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں اس وجہ سے ہر ایک دوسرے کا طالب بھی ہے۔ (روح المعانی ملخصًا)

وَكُلٌّ فِى فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ یعنی آفتاب وماہتاب دونوں اپنے اپنے مدار میں تیرتے رہتے ہیں، فلک کے معنی اس دائرہ کے ہیں جس میں کوئی سیارہ گردش کرتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند آسمان میں مرکوز نہیں جیسا کہ بطلیموسی نظریہ میں ہے، جس کو فیثا غورث اور جدید سائنس نیز انسان کے چاند پر پہنچنے، نے غلط ثابت کردیا ہے، بلکہ آسمان کے نیچے ایک خاص مدار میں

گردش کرتا ہے، چاند کے علاوہ تمام سیارے زیر آسمان فضا ہی میں گردش کناں ہیں، لہٰذا اس سے معجزۂ معراج پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ معراج آسمانوں سے بھی اوپر تک رسائی کا نام ہے۔

شانِ نزول:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ یہ آیت مکہ کے بعض جبارین مثلاً عاص بن وائل سہمی وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، نیز اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح مشرکین مکہ نے حقوق اللہ کو ترک کیا تھا حقوق العباد کے ترک کے بھی مرتکب ہوئے تھے، اگر کوئی حاجت مند مسکین ان سے کچھ طلب کرتا تو کہہ دیتے کہ جب اللہ ہی نے تم کو محروم کردیا تو میں تم کو دینے والا کون ہوتا ہوں؟ اور میری کیا مجال کہ میں خدا کی مشیت میں دخل دوں، اگر اس کو کھلانا ہوتا تو وہ خود ہی تم کو کھلا دیتا، معلوم ہوا تم کو اس کے کھلانے کا ارادہ ہی نہیں ہے، اذا قیل لھم شرط ہے، اس کا جواب محذوف ہے اور وہ اعرضوا ہے، اس کے محذوف ہونے پر آئندہ آیت کے الفاظ دال ہیں، یعنی ان کے پاس ان کے رب کی جو بھی آیت آتی ہے وہ اس سے اعراض ہی کرتے ہیں۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ہو قرنٌ النفخۃ الثانیۃ للبعث وبین النفختین اربعون سنۃً فَاِذَا هُمْ المقبورون مِّنَ الْاَجْدَاثِ القبور اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ یخرجون بسرعۃٍ قَالُوْا ای الکفار منہم يَا للتنبیہ وَيْلَنَا ہلاکنا وہو مصدرٌ لا فعل لہ من لفظہ مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ لانہم کانوا بین النفختین نائمین لم یُعذَّبوا هٰذَا ای البعث مَا ای الذی وَعَدَ بہ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ فیہ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اقرّوا حین لا ینفعہم الاقرار وقیل یُقال لہم ذلک اِنْ ما كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا جزاء مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ بسکون الغین وضمِّہا عمّا فیہ اہل النار بما یلتذّون بہ کافتضاض الابکار لا شغل یتعبون فیہ لان الجنۃ لا نصب فیہا فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ ناعِمُوْنَ خبرٌ ثانٍ لانّ والاول فی شغلٍ هُمْ مبتدأ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ جمع ظُلّۃٍ او ظِلٍّ خبرٌ ای لا تصیبہم الشمس عَلَى الْاَرَآئِكِ جمع اریکۃٍ وہی السریر فی الحجلۃ او الفرش فیہا مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ خبرٌ ثانٍ متعلقٌ علی لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ فیہا مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ یتمنون سَلٰمٌ مبتدأ قَوْلًا ای بالقول خبرہٗ مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ بہم ای یقول لہم سلام علیکم وَ یقول امْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ ای انفردوا عن المؤمنین عند اختلاطہم بہم اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ امرکم يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ علی لسان رسلی اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ لا تطیعوہ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ بیّن العداوۃ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ وحّدونی واطیعونی هٰذَا صِرَاطٌ طریقٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا خلقًا جمع جبیلٍ کقدیمٍ وفی قراءۃٍ بضمّ الباء كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾

وقف لازم ۔ وقف غفران

عداوتهٗ واضلالهٗ او ما حلَّ بهم مِنَ العَذَابِ فتؤمنونَ ويُقال لهم في الآخرةِ **هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ** ﴿۶۳﴾ **اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ** ﴿۶۴﴾ **اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ** اى الكُفّار لِقَوْلِهم واللهِ ربّنا ما كُنّا مُشرِكين **وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ** وغيرُها **بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ** ﴿۶۵﴾ فكُلُّ عُضْوٍ يَنْطِقُ بما صَدَرَ منه **وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ** لَاَعْمَيْنَاها طَمْسًا **فَاسْتَبَقُوا** ابْتَدَرُوا **الصِّرَاطَ** الطَّرِيقَ ذاهِبِينَ كعادَتِهِم **فَاَنّٰى** فكيفَ **يُبْصِرُوْنَ** ﴿۶۶﴾ حينئذٍ اى لا يُبصِرُونَ **وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ** قِرَدَةً وخَنَازِيرًا وحِجَارَةً **عَلٰى مَكَانَتِهِمْ** وفي قراءةٍ مكاناتِهم جمعُ مكانةٍ بمعنى مكانٍ اى في منازِلِهم **فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ** ﴿۶۷﴾ اى لم يقدِرُوا على ذِهابٍ ولا مجيءٍ.

ترجمہ: اور صور پھونکا جائے گا وہ (ایک) سینگ ہے، اور دوسرا صور زندہ کرنے کے لئے ہوگا اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا پھر جب وہ یعنی مردے قبروں سے نکل کر تیزی سے اپنے پروردگار کی طرف چلنے لگیں گے ان میں سے کافر کہیں گے، ہائے ہماری کمبختی یــا تنبیہ کے لئے ہے ہائے ہماری ہلاکت، وَیْلٌ ایسا مصدر ہے کہ اس کا لفظی فعل نہیں آتا، کس نے ہم کو ہماری قبروں سے اٹھایا؟ اس لئے کہ وہ دونوں نفخوں کے درمیان سوئے ہوئے ہوں گے، ان کو عذاب نہ دیا جارہا ہوگا، یہ وہی (بعث) ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا، اور رسول نے اس کے بارے میں سچ کہا تھا ایسے وقت اقرار کریں گے کہ ان کا اقرار کچھ فائدہ نہ دے گا، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ بات کافروں سے کہی جائے گی بس وہ ایک زوردار آواز ہوگی جس سے یکایک سب جمع کرکے ہمارے پاس حاضر کردیئے جائیں گے، پھر اس دن کسی شخص پر ذرا (بھی) ظلم نہ ہوگا اور تم کو بس ان ہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے، جنتی اس دن دوزخیوں کے عذاب سے بے خبر عیش و نشاط کے مشغلوں میں ہوں گے، ان چیزوں کی وجہ سے جن سے وہ لذت اندوز ہو رہے ہوں گے، جیسا کہ دوشیزاؤں سے صحبت، نہ کہ ایسا کوئی کام کہ جس میں تعب و مشقت ہو، اس لئے کہ جنت تعب و مشقت کی جگہ نہیں ہے، شُغُــل غین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ ہے، فَـاكِهُوْنَ بمعنی نـاعـمونَ بمعنی خوش و خرم، یہ اِنَّ کی دوسری خبر ہے اور پہلی خبر شُغُلٌ ہے، وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے هُمْ مبتداء ہے ظلال ظُلّة یا ظِلٌّ کی جمع ہے (فی ظلال) اول خبر ہے یعنی ان پر دھوپ نہیں آئے گی اَرَائِكِ اَرِیْــكَةٌ کی جمع ہے، اس مسہری کو کہتے ہیں جو خیمے میں ہوتی ہے یا اس فرش کو کہتے ہیں جو خیمے میں ہوتا ہے مُتَّكِئُوْنَ دوسری خبر ہے اور (متکئونَ) علی کا متعلق ہے، وہاں ان کے لئے میوے اور جو وہ فرمائش کریں گے موجود ہوگا، ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا، سـلام مبتداء ہے، اور قــولًا خبر ہے، یعنی ان کو سلام علیکم فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کے اختلاط کے وقت فرمائے گا اے مجرمو آج (مومنوں) سے الگ ہو جاؤ اور اے اولاد آدم کیا میں نے تم کو رسولوں کی زبانی تاکیدی حکم نہیں دیا تھا یہ کہ شیطان کی بندگی یعنی اس کی اطاعت نہ کرنا وہ تمہارا صریح دشمن ہے، یعنی اس کی عداوت کھلی ہوئی ہے اور صرف میری بندگی کرنا یعنی میری توحید کا اقرار کرنا اور میری اطاعت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے وہ

(شیطان) تم میں سے ایک کثیر مخلوق کو گمراہ کر چکا ہے جبلاً جَبِیْلٌ کی جمع ہے جیسے قدمًا قدیمٌ کی جمع ہے، اور ایک قراءت میں ب کے ضمہ کے ساتھ ہے جُبُلاً سو کیا تم اس کی عداوت یا اس کے گمراہ کرنے کو یا اس عذاب کو جوان پر نازل ہوا، نہیں سمجھتے تھے کہ ایمان لے آتے اور ان سے آخرت میں کہا جائے گا یہی ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا آج اس میں اپنے کفر کی وجہ سے داخل ہو جاؤ آج ہم ان کافروں کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ اے ہمارے پروردگار ہم مشرکین میں سے نہیں تھے، جو کچھ یہ (دنیا میں) کر رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کریں گے اور ان کے پیر وغیرہ گواہی دیں گے، اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو ملیامیٹ کر دیں یعنی مٹا کر اندھا کر دیں، پھر یہ راستہ کی طرف اپنی عادت کے مطابق دوڑیں تو اس وقت کیسے دیکھ سکیں گے؟ یعنی نہیں دیکھ سکیں گے اور اگر ہم چاہیں تو ان کو جہاں ہیں وہیں بندروں خنزیروں یا پتھروں میں تبدیل کر دیں اور ایک قراءت میں مکاناتِهِمْ ہے جو کہ مکانۃٌ کی جمع ہے معنی میں مکان کے، یعنی ان کے گھروں میں پھر یہ لوگ نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے لوٹ سکتے یعنی یہ لوگ نہ جانے پر قادر ہوتے اور نہ آنے پر۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: الصور ای القرن جس کو آج کل بوق (بگل) کہا جاتا ہے، (ج) اَبْوَاق و بِیْقان و بِیْقاتٌ.

قَوْلُہٗ: اَلاَجْدَاثُ جمع جَدَثٍ بمعنی قبر۔

قَوْلُہٗ: یَنْسِلُوْنَ (ن،ض) نَسْلاً دوڑنا، مجبوراً تیز چلنا۔

قَوْلُہٗ: یا للتنبیه لفظ تنبیه کے اضافہ سے اس سوال کا جواب ہے کہ نداء عقلاء کے ساتھ مختص ہے اور وَیلٌ ذوی العقول میں سے نہیں ہے، لہٰذا اس کو ندا دینا درست نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یا نداء کے لئے نہیں ہے، بلکہ تنبیہ کے لئے ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں ہے یا مجازاً ویل، کو نداء ہے ای یا وَیْلَنَا احضر فهذا اوانُ حضورِكَ جمہور کے نزدیک یا وَیْلَنَا ہے، اور ابن ابی لیلیٰ نے یاوَیْلَتَنَا پڑھا ہے۔

قَوْلُہٗ: مَنْ بَعَثَنَا جمہور کے نزدیک مَنْ استفہامیہ مبتداء ہے اور بَعَثَنَا اس کی خبر ہے اور مِن کسرۂ میم کے ساتھ بطور شاذ پڑھا گیا ہے، اس صورت میں جار مجرور سے مل کر وَیْلنا سے متعلق ہوگا، اور بَعْثٌ مصدر ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وَیْلَنَا ویلٌ ایسا مصدر ہے کہ اس کا لفظاً فعل مستعمل نہیں ہے، البتہ معناً اس کا فعل هَلَكَ استعمال ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنْ مَرْقَدِنَا یہ بَعَثَنَا سے متعلق ہے مَرْقَدِنَا مصدر میمی ہے، نیند، سونا، اور اسم مکان بھی ہو سکتا ہے، یعنی خوابگاہ (قبر) مفرد کو مصدر ہونے کی وجہ سے جمع کے قائم مقام کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: هٰذا مَا وَعَدَ الرحمٰنُ وصَدَقَ المرسلُونَ، وَعَدَ اور صَدَقَ کا مفعول محذوف ہے ای وَعَدَنا بہٖ و صدقونا فیه مفسر علام نے اَقَرُّوْا حین لَا یَنْفَعُهُمُ الاقرارُ کے اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ هٰذا مَا وَعَدَ الرحمٰن الخ کفار کا قول

ہے ھذا مبتداء ہے اور مَا وَعَدَ الرحمٰن جملہ ہو کر خبر۔

قَوْلُهٗ: وَعَدَ الرحمٰن، قالوا محذوف کا مقولہ ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے۔

قَوْلُهٗ: قِيْلَ يقال لهم ذٰلك مفسر علام نے اس عبارت سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض حضرات نے مَا وَعَدَ الرحمٰن کو اللہ، یا مومنین یا ملائکہ کا قول قرار دیا ہے۔

قَوْلُهٗ: فَاكِهُوْنَ اى الناعِمُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر (س) فُكَاهَةً آرام پانا، مزے اڑانا، استہزاء کرنے والے، صاحب معجم القرآن نے لکھا ہے فَكِهِيْنَ اور فَاكِهِيْنَ کے معنی ہیں مسلمانوں کا مذاق بنا کر مزے لینے والے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُهٗ: عَلَى الْاَرَائِكِ یہ مُتَّكِئُوْنَ کا متعلق مقدم ہے، اور متکئون اپنے متعلق سے مل کر هُمْ مبتداء کی خبر ثانی ہے۔

قَوْلُهٗ: مَا يَدَّعُوْنَ، يَدَّعُوْنَ اصل میں يَدْتَعِيُوْنَ تھا، بروزن يَفْتَعِلُوْنَ یاء پر ضمہ دشوار سمجھ کر ماقبل یعنی ع کو دیدیا، التقاء ساکنین کی وجہ سے ی گر گئی، پھر ت کو دال سے بدل دیا اور دال کو دال میں ادغام کر دیا۔

قَوْلُهٗ: سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ اس جملہ کی ترکیب میں مختلف اقوال ہیں، جمہور نے سَلَامٌ رفع کے ساتھ پڑھا ہے، اور اُبَیّ وابن مسعود وعیسیٰ نے سَلَامًا نصب کے ساتھ پڑھا ہے، نصب یا تو مصدریت کی وجہ سے ہے یا حال ہونے کی وجہ سے ہے ای خَالِصًا، علامہ محلی نے منصوب بنزع الخافض قرار دیا ہے اور ای بالقول کہہ کر اس کی طرف اشارہ کر دیا، اور رفع کی چند وجوہ ہیں ① مَا يَدَّعُوْنَ کی خبر ہے ② ما سے بدل ہے یہ زمخشری کا قول ہے، شیخ نے کہا ہے اگر سلامٌ بدل ہو تو مَا يَدّعون سے مخصوص تمنا مراد ہوگی، تاکہ بدل واقع ہونا صحیح ہو جائے، اور ظاہر یہ ہے کہ ما يَدَّعُوْنَ، كُلَّ مَا يَتَمَنَّاهُ کو عام ہے، اس صورت میں بدل واقع ہونا صحیح نہیں ہے ③ مَا کی صفت ہے مگر یہ اس صورت میں صحیح ہوگا کہ جب مَا کو نکرہ موصوفہ مانا جائے، اور اگر الَّذِیْ کے معنی میں لیا جائے یا مصدریہ لیا جائے تو صفت واقع ہونا دشوار ہوگا، نکرہ و معرفہ میں مخالفت ہونے کی وجہ سے ④ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو، ای هُوَ سَلَامٌ ⑤ سَلَامٌ مبتداء اور اس کی خبر قَوْلًا کا ناصب ای سَلَامٌ يُقَالُ لَهُمْ قولًا بعض حضرات نے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ تقدیر مانی ہے ⑥ سَلَامٌ مبتداء اور مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس کی خبر، اور قولًا مضمون جملہ کی تاکید کے لئے ہے، اور مع اپنے عامل کے مبتداء خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ (لغات القرآن للدرویش)

قَوْلُهٗ: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ یہ استفہام توبیخی ہے۔

قَوْلُهٗ: لَا تُطِيْعُوْهُ یہ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ کی تفسیر ہے، مقصد اس شبہ کا ازالہ ہے کہ شیطان کی بندگی تو کوئی بھی نہیں کرتا، پھر شیطان کی بندگی سے منع کرنے کے کیا معنی؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ عبادت بمعنی اطاعت ہے یعنی شیطان کی اطاعت ہی کی وجہ سے لوگ غیر اللہ کی بندگی کرنے لگے، شیطان کے کہنے سے بندگی کرنا گویا کہ شیطان کی بندگی کرنا ہے، اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا میں اَنْ تفسیریہ ہے، اس لئے کہ ماقبل میں لفظ آمُرُكُمْ جو کہ بمعنی قول ہے موجود ہے لہٰذا اَنْ کا تفسیریہ ہونا صحیح ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ یہ وجوب ممانعت کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْکُمْ یہ تعلیل کی تاکید ہے۔

قَوْلُہٗ: جِبِلًّا با اور جیم کے کسرہ اور لام کی تخفیف کے ساتھ، اس کے علاوہ دو قراءتیں اور ہیں ① جیم اور با دونوں کے ضمہ ② جیم کے ضمہ مع با کے سکون اور لام کی تخفیف کے ساتھ، مذکورہ تینوں قراءتیں سبعیہ ہیں۔

قَوْلُہٗ: تُوْعَدُوْنَ بِھا، بِھا کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا تُوْعَدُوْنَ جملہ ہوکر صلہ ہے اور اس کا عائد بِھا محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: بِمَا کُنْتُمْ ای بسببِ ما کنتم تکفرونَ، بِمَا میں ما مصدریہ ہے ای بسببِ کفرکُمْ.

قَوْلُہٗ: وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلٰی اَعْیُنِھِمْ، لَوْ شرطیہ ہے نَشَاءُ فعل بافاعل ہے، نَشَاءُ کا مفعول بہ محذوف ہے، ای لَوْ نَشَاءُ طَمْسَھا لَطَمَسْنَاھا، لَطَمَسْنَا جواب شرط ہے۔

قَوْلُہٗ: فَاَنّٰی یُبْصِرُوْنَ استفہام انکاری ہے یعنی نہیں دیکھ سکیں گے۔

قَوْلُہٗ: وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاھُمْ ای لَوْ نَشَاءُ مَسْخَھُمْ لَمَسَخْنَاھُمْ.

قَوْلُہٗ: عَلٰی مَکَانَتِھِمْ عَلٰی بمعنی فِی ہے، جیسا کہ شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فی مَنَازِلِھِمْ کہہ کر اشارہ کردیا ہے۔

تفسیر و تشریح

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ لوگ بازاروں میں خرید و فروخت میں اور دیگر کاموں میں حسب عادت بحث و تکرار میں مشغول ہوں گے، کہ اچانک صور پھونک دیا جائے گا، اور قیامت برپا ہو جائے گی، یہ نفخۂ اولیٰ ہوگا، جسے نفخۂ فزع بھی کہتے ہیں، اس کے بعد دوسرا نفخہ ہوگا اس کو نفخۃ الصعق کہتے ہیں، جس سے اللہ کی ذات کے سوا ہر شئ پر موت طاری ہو جائے گی، یہ نفخۂ ثالثہ ہے، جس کو نفخۃ البعث والنشور کہتے ہیں، اس نفخہ کے بعد لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے، اور فرشتے ان کو بعجلت سختی کے ساتھ دھکیل کر میدان حشر میں لیجائیں گے، قبروں سے نکلنے کے وقت کافر کہیں گے، ہائے ہماری کمبختی ہماری خوابگاہوں سے ہم کو کس نے اٹھا دیا، مَرْقَدْ خوابگاہ کو کہتے ہیں، اور مطلقاً خواب کو بھی کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ کافروں اور مشرکوں کو قبر میں خواب کہاں نصیب ہوگی؟ وہ تو عذاب قبر میں مبتلا رہیں گے، تو پھر کافروں کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ ہم کو کس نے خواب سے بیدار کردیا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے، شاید نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان ان پر نیند کی حالت طاری کردی جائے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قیامت کے ہولناک منظر کو دیکھ کر عذاب قبر ہی کو غنیمت سمجھیں گے، اور نیند سے تشبیہ دیں گے، یا پھر مرقد بمعنی مضجع ہو اور نیند کے معنی سے تجرید کرلی جائے۔ (فوائد عثمانی)

ھٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ (الآیۃ) مشرکوں اور کافروں کو یہ جواب اللہ کی طرف سے اس وقت ملے گا، یا مستقبل کو حاضر قرار دیکر اب جواب دے رہے ہیں، یعنی کیا پوچھتے ہو کس نے اٹھایا؟ ذرا آنکھیں کھولو یہ وہی بعث بعد الموت ہے جس کا وعدہ خدائے

رحمٰن کی طرف سے کیا گیا تھا، اور پیغمبر جس کی خبر برابر دیتے رہے تھے۔

جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ یعنی نفخۂ بعث کے بعد نہ کوئی بھاگ سکے گا اور نہ روپوش ہو سکے گا، ماقبل کی آیت میں جہنمیوں کی پریشانیوں کا ذکر تھا، قرآن اپنے اسلوب اور عادت کے مطابق اہل جنت کا حال بیان کر رہا ہے، کہ اہل جنت اپنی تفریحات میں مشغول ہوں گے، یہ بھی ممکن ہے کہ اس جگہ یہ لفظ ''فِیْ شُغُلٍ'' اس خیال کے دفع کرنے کے لئے بڑھایا ہو، کہ جنت میں جب نہ کوئی عبادت ہوگی اور نہ فرض و واجب اور نہ کسب معاش کا کوئی کام تو کیا اس بیکاری میں آدمی کا جی نہ گھبرائے گا، اس کے جواب میں فرمایا کہ ان کو اپنی تفریحات ہی کا بڑا شغل ہوگا، جی گھبرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بہشت میں ہر قسم کے عیش و نشاط کا سامان ہوگا، دنیا کی مکروہات سے آزاد ہو کر آج سیر و تفریح اور عیش و عشرت ہی ان کا مشغلہ ہوگا، اہل جنت اپنی بیویوں اور حور و غلمان کے ہمراہ تفریحی مشغلوں میں مست و مگن ہوں گے، اور اعلیٰ درجہ کے خوشگوار سایوں میں مسہریوں پر آرام کر رہے ہوں گے، ہر قسم کے میوے اور پھل ان کے لئے حاضر ہوں گے، خلاصہ یہ کہ جس چیز کی جنتیوں کے دل میں تمنا اور آرزو ہوگی وہ شئ فوراً حاضر کی جائے گی، یہ تو جسمانی لذتوں اور راحتوں کا حال تھا آگے روحانی لذتوں کا ذکر ہے، جن کی طرف سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ سے اشارہ کر دیا، یعنی اس مہربان پروردگار کی طرف سے جنتیوں کو ہدیۂ سلام پیش کیا جائے گا، خواہ فرشتوں کے ذریعہ یا بلا واسطہ رب العالمین جنتیوں کو سلام ارشاد فرمائیں گے جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں مذکور ہے، اس وقت کی عزت و عظمت، لذت و فرحت کا کیا کہنا (اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا ھٰذِهِ النِّعْمَةَ العظمٰی بحرمةِ نبیكَ محمد صلّی اللّٰهُ علیه وسلّمَ)۔

وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ میدان حشر میں جب مردے اپنی اپنی قبروں سے نکلیں گے تو نیک و بد کافر و مومن سب مخلوط ہوں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا کَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ یعنی وہ منتشر ٹڈیوں کی طرح ہوں گے، بعد میں گروہوں کی شکل میں سب کو الگ الگ کر دیا جائے گا، اور مجرموں سے کہا جائے گا، وامتازوا الیومَ ایها المجرمون کہ جنتیوں کے عیش و آرام میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ (الآیة) یعنی تمام بنی آدم بلکہ جنات کو بھی مخاطب کر کے قیامت میں کہا جائے گا کہ کیا میں نے دنیا میں تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، یہاں سوال ہوتا ہے کہ کوئی بھی شیطان کی عبادت نہیں کرتا اور نہ کفار کرتے تھے، بتوں یا دیگر چیزوں کو پوجتے تھے، اس لئے ان پر شیطان کی عبادت کا الزام کیسے عائد ہوا؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ کسی کی اطاعت مطلقہ کرنا کہ ہر کام میں ہر حال میں بے چوں و چرا اس کا کہنا مانے، اسی کا نام عبادت ہے، اسی معنی میں حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے اپنے والد آزر سے کہا تھا یٰاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطَانَ۔ (سورۂ مریم)

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ محشر میں حساب کتاب کے لئے پیشی میں اول تو ہر شخص کو آزادی ہوگی جو چاہے عذر پیش کرے مگر مشرکین وہاں قسمیں کھا کر اپنے شرک و کفر سے مکر جائیں گے، کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ (سورۂ انعام) اور بعض یہ بھی کہیں گے کہ فرشتوں نے جو کچھ ہمارے اعمال ناموں میں لکھ دیا ہے ہم اس سے بری ہیں،

اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، تا کہ بول نہ سکیں، البتہ اللہ تعالیٰ اعضائے انسانی کو قوت گویائی عطا فرمائے گا، ہاتھ کہیں گے کہ ہم نے فلاں فلاں کام کئے تھے، اور پیر اس پر گواہی دیں گے اس طریقہ سے اقرار اور شہادت کے ذریعہ جرم ثابت ہو جائے گا، اس آیت میں انسان کے ہاتھوں اور پیروں کا بولنا ذکر کیا گیا ہے، دوسری آیت میں انسان کے کان، آنکھ اور کھال کا بولنا مذکور ہے شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ اور ایک جگہ فرمایا گیا وَتَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ یعنی خود ان کی زبانیں گواہی دیں گی۔

سَوَال: زبانوں کا گواہی دینا، مونہوں پر مہر لگانے کے منافی ہے۔

جَوَاب: منہ پر مہر لگانے اور زبانوں کے گواہی دینے میں کوئی تنافی وتعارض نہیں ہے، اس لئے کہ منہ پر مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اختیار سے کچھ نہ بول سکیں گے بلکہ ان کی زبان ان کی مرضی کے خلاف شہادت دے گی۔

حکمت: تُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ اس آیت میں ہاتھوں کی طرف تکلم کی اور پیروں کی طرف شہادت کی نسبت کی گئی ہے اس میں کیا حکمت؟

جَوَاب: کسب اعمال میں اگرچہ تمام اعضاء کا دخل ہوتا ہے، مگر ہاتھوں کا دخل زیادہ ہوتا ہے، اس وجہ سے ہاتھ گویا کہ فاعل مباشر ہوتے ہیں، اسی لئے قرآن کریم میں بہت سی جگہ فعل وکسب کی نسبت ہاتھوں کی طرف کی گئی ہے مثلاً يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْأُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ، وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ، بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ، فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ بخلاف پیروں کے کہ ان کی طرف فعل کی نسبت نہیں کی گئی، تو گویا کہ پیر، ہاتھوں کے اعتبار سے اکتساب اعمال میں اجنبی ہیں، ہاتھوں کا تکلم بمنزلہ اقرار کے ہے، اور اقرار فاعل کا معتبر ہوتا ہے، اور پیر بمنزلہ اجنبی کے ہیں اور شاہد کے لئے اجنبی ہونا مناسب ہے، اس لئے ہاتھوں کی طرف تکلم کی اور پیروں کی طرف شہادت کی نسبت مناسب ہے، گویا کہ ہاتھ مباشر ہیں، اور پیر حاضر، اقرار مباشر سے ہوتا ہے اور شہادت حاضر سے۔

حکمت: روز محشر ہاتھوں کا تکلم بمنزلہ دعوے کے ہے اور ہاتھ بمنزلہ مدعی اور نفس بمنزلہ مدعا علیہ ہے اس لئے کہ حقیقی فاعل نفس ہی ہے، اور مدعی خود گواہ نہیں بن سکتا، گواہ مدعی کے علاوہ ہوتا ہے اور وہ پیر ہیں، اس وجہ سے تکلم کی نسبت ہاتھوں کی طرف اور شہادت کی نسبت پیروں کی طرف کی ہے۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ (الآية) یعنی بینائی سے محرومی کے بعد انہیں راستہ کس طرح دکھائی دیتا؟ لیکن یہ تو ہمارا حلم وکرم ہے کہ ایسا نہیں کیا، مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہماری آیتوں سے جس طرح دل کی آنکھیں بند کر لی ہیں، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم ان کی ظاہری آنکھوں کو بند کر کے دنیا میں اندھا کر دیں کہ ان کو راستہ ہی نہ سوجھے مگر ہم نے اپنی رحمت اور حلم وکرم کی وجہ سے ایسا نہیں کیا، اور جس طرح یہ لوگ شیطانی راستوں سے ہٹ کر رحمانی راستوں پر چلنا نہیں چاہتے، ہم کو قدرت ہے کہ ان کی صورتیں مسخ کر دیں یا اپاہج کر دیں، کہ ایک جگہ پتھر کے مانند پڑے رہیں، ہل بھی نہ سکیں۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ بِاِطَالَةِ اَجَلِهٖ **نُنَكِّسْهُ** وَفِي قِرَاءَةٍ بِالتَّشْدِيْدِ مِنَ التَّنْكِيْسِ **فِي الْخَلْقِ** اَيْ خَلْقِهٖ فَيَكُوْنُ بَعْدَ قُوَّتِهٖ

وشبابه ضعيفًا وهرما **أَفَلَا يَعْقِلُونَ** ان القادر على ذلك المعلوم عندهم قادر على البعث فيؤمنون وفي قراءة بالتاء **وَمَا عَلَّمْنٰهُ** اى النبي **الشِّعْرَ** رد لقولهم ان ما اتى به من القران شعر **وَمَا يَنْۢبَغِيْ** يتسهل **لَهٗ** الشعر **اِنْ هُوَ** ليس الذي اتى به **اِلَّا ذِكْرٌ** عظة **وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ** مظهر للاحكام وغيرها **لِّيُنْذِرَ** بالياء والتاء به **مَنْ كَانَ حَيًّا** يعقل ما يخاطب به وهم المؤمنون **وَيَحِقَّ الْقَوْلُ** بالعذاب **عَلَى الْكٰفِرِيْنَ** وهم كالميتين لا يعقلون ما يخاطبون به **اَوَلَمْ يَرَوْا** يعلموا والاستفهام للتقرير والواو الداخل عليها للعطف **اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ** في جملة الناس **مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ** اى عملناه بلا شريك ولا معين **اَنْعَامًا** هي الابل والبقر والغنم **فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ** ضابطون **وَذَلَّلْنٰهَا** سخرناها **لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ** مركوبهم **وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ** كاصوافها واوبارها واشعارها **وَمَشَارِبُ** من لبنها جمع مشرب بمعنى شرب او موضعه **اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ** المنعم عليهم بها فيؤمنون اى ما فعلوا ذلك **وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غيره **اٰلِهَةً** اصنامًا يعبدونها **لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ** يمنعون من عذاب الله بشفاعة الهتهم بزعمهم **لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ** اى الهتهم نزلوا منزلة العقلاء **نَصْرَهُمْ وَهُمْ** اى الهتهم من الاصنام **لَهُمْ جُنْدٌ** بزعمهم نصرهم **مُّحْضَرُوْنَ** في النار معهم **فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ** لك لست مرسلًا وغير ذلك **اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ** من ذلك وغيره فنجازيهم عليه **اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ** يعلم وهو العاص بن وائل **اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ** منى الى ان صيرناه شديدًا قويًا **فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ** شديد الخصومة لنا **مُّبِيْنٌ** بينها في نفي البعث **وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا** في ذلك **وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ** من المنى وهو اغرب من مثله **قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ** اى بالية ولم يقل بالتاء لانه اسم لا صفة روى انه اخذ عظمًا رميمًا ففتته وقال للنبي صلى الله عليه وسلم اترى يحيي الله هذا بعد ما بلي ورم فقال صلى الله عليه وسلم نعم ويدخلك النار **قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ** اى مخلوق **عَلِيْمٌ** مجملًا ومفصلًا قبل خلقه وبعد خلقه **الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ** في جملة الناس **مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ** المرخ والعفار او كل شجر الا العناب **نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ** تقدحون وهذا دال على القدرة على البعث فانه جمع فيه بين الماء والنار والخشب فلا الماء يطفئ النار ولا النار يحرق الخشب **اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ** مع عظمهما **بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ** اى الاناسي في الصغر **بَلٰى** اى هو قادر على ذلك اجاب نفسه **وَهُوَ الْخَلّٰقُ** الكثير الخلق **الْعَلِيْمُ** بكل شيء **اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ** شانه **اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا** اى خلق شيء **اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ** اى فهو يكون وفي قراءة بالنصب عطفًا على يقول **فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ** ملك زيدت الواو والتاء للمبالغة اى القدرة على **كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** تردون في الاخرة.

وقف لازم

وقف غفران

ترجمہ: اور جس کی ہم عمر دراز کر کے معمر (سن رسیدہ) کر دیتے ہیں تو اس کی تخلیق کو پلٹ دیتے ہیں اور ایک قراءت میں تنکیس سے تشدید کے ساتھ ہے، تو وہ اپنی قوت وشباب کے بعد کمزور اور بوڑھا ہو جاتا ہے، تو کیا یہ سمجھتے نہیں کہ جو ذات اس بات پر کہ جوان کو معلوم ہے قادر ہے، وہ بعث بعد الموت پر بھی قادر ہے کہ وہ ایمان لے آئیں، اور ایک قراءت میں تاء کے ساتھ ہے، اور ہم نے اس نبی کو شعر گوئی نہیں سکھائی، یہ کافروں کی اس بات کا جواب ہے کہ محمد ﷺ جو کچھ قرآن کے نام سے پیش کرتے ہیں، وہ شعر ہے اور نہ شعر گوئی آپ کی شایان شان ہے جس کو وہ پیش کرتے ہیں وہ تو محض نصیحت ہے، اور احکام وغیرہ کو ظاہر کرنے والا قرآن ہے، تاکہ اس شخص کو قرآن کے ذریعہ جو زندہ ہو متنبہ کرے یعنی جو اس سے کہا جائے اسے سمجھتا ہو اور وہ اہل ایمان ہیں، اور کافروں پر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے، اور کافر مردوں کے مانند ہیں (اس لئے کہ) جو بات ان سے کہی جاتی ہے اس کو نہیں سمجھتے کیا یہ لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے بلا شریک ومعین کے پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے منجملہ دیگر لوگوں کے ان کے لئے جانور وہ اونٹ گائے اور بکریاں ہیں پیدا کئے جن کے وہ مالک بنے ہوئے ہیں قابو میں کئے ہوئے ہیں (أَوَلَمْ يَرَوْا) میں استفہام تقریری ہے، اور جو واؤ اس پر داخل ہے عاطفہ ہے اور ہم نے ان جانوروں کو ان کے قابو میں کر دیا ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو ان میں سے کھاتے ہیں اور ان کے لئے ان میں اور منافع بھی ہیں، جیسا کہ ان کی صوف، رواں اور ان کے بال اور پینے کی چیزیں ہیں، (مثلاً) ان کا دودھ یا دودھ کا محل (تھن) مشارب مشربٌ کی جمع ہے بمعنی شُربٌ کیا لوگ اپنے اوپر جانوروں کے ذریعہ احسان کرنے والے کا شکر ادا نہیں کرتے کہ ایمان لے آئیں، یعنی انہوں نے ایسا نہیں کیا اور انہوں نے غیر اللہ (یعنی) بتوں کو معبود بنا لیا ہے کہ ان کی بندگی کرتے ہیں کہ شاید ان کی طرف سے ان کو مدد پہنچے، کہ اللہ کے عذاب سے ان کے اعتقاد کے مطابق ان (بتوں) کی سفارش سے (عذاب سے) محفوظ رہ سکیں (مگر) ان کے معبود ان کی ہرگز مدد نہیں کر سکتے ان معبودوں کو ذوی العقول کے درجہ میں اتار لیا گیا ہے وہ یعنی ان کے صنمی معبود جن سے مدد کی توقع رکھنے کی وجہ سے ان کے لشکر میں ان (عابدین) کے ساتھ جہنم میں حاضر کئے جائیں گے، تو آپ کے بارے میں ان کا قول لَسْتَ مُرْسَلاً وغیرہ آپ کو رنجیدہ نہ کرے بے شک ہم اس بات کو اور اس کے علاوہ کو خوب جانتے ہیں جن باتوں کو یہ چھپاتے ہیں اور جن کو ظاہر کرتے ہیں، ہم ان کو اس کا بدلہ دیں گے کیا انسان کو یہ معلوم نہیں اور وہ عاص بن وائل ہے کہ ہم نے اس کو نطفہ منی سے پیدا کیا حتی کہ ہم نے اس کو قوی اور مضبوط کر دیا پھر اس نے بعث کا انکار کر کے خصومت کو ظاہر کر دیا اعلانیہ اعتراض کرنے لگا یعنی ہم سے سخت مخاصمت کرنے لگا، اور اس نے اس بارے میں ہماری شان میں ایک عجیب بات کہی اور اپنی اصل (حقیقت) کو بھول گیا کہ وہ نطفہ منی سے پیدا شدہ ہے اور وہ اس کی بیان کردہ عجیب بات سے زیادہ عجیب ہے کہتا ہے ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں کون زندہ کر سکتا ہے؟ رمیم بمعنی بالیةٌ (بوسیدہ) رَمیمة ۃ کے ساتھ نہیں کہا (جیسا کہ قیاس کا تقاضا تھا) اس لئے کہ رمیم اسم ہے نہ کہ صفت، روایت کیا گیا کہ عاص بن وائل نے

ایک بوسیدہ ہڈی لی، اور اس کو ریزہ ریزہ کر دیا، اور آپ ﷺ سے کہا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ہڈی کو بعد اس کے کہ وہ کہنہ اور بوسیدہ ہو گئی زندہ کر سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا: ہاں کیوں نہیں، اور تجھ کو دوزخ میں داخل کرے گا آپ جواب دیجئے کہ ان کو وہ ذات زندہ کرے گی جس نے ان کو اول بار پیدا کیا اور وہ اپنی تمام مخلوق کے بارے میں پیدا کرنے سے پہلے اور پیدا کرنے کے بعد مجملاً و مفصلاً جانتا ہے، اور وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے تمہارے لئے منجملہ دیگر لوگوں کے مرخ اور عفار یا ہر سبز درخت سے سوائے عناب کے آگ پیدا کی پھر تم اس سے آگ سلگا لیتے ہو، اور یہ بعث (بعد الموت) پر قادر ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ اس نے اس میں پانی اور آگ اور لکڑی (متضاد چیزیں) جمع کر دیں، پانی آگ کو نہیں بجھاتا اور نہ آگ لکڑی کو جلاتی ہے، جس نے آسمان اور زمین جیسی چیزیں پیدا فرمائیں کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان جیسے صغیر انسانوں کو پیدا کر سکے؟ ضرور پیدا کر سکتا ہے یعنی وہ اس بات پر قادر ہے خود ہی جواب دیدیا وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے اور ہر شئ کا جاننے والا ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے اور ایک قراءت یکونَ نصب کے ساتھ ہے، یقولُ پر عطف کی وجہ سے وہ پاک ذات ہے اس کے دست قدرت میں ہر چیز کا اختیار ہے (ملکوت) میں واؤ اور تاء زیادہ کئے گئے ہیں اور تم سب کو آخرت میں اسی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: نُعَمِّرْهُ ای نُطِيْلُ اَجَلَهٗ ہم اس کی عمر دراز کر دیتے ہیں۔ جمع متکلم مضارع مجزوم۔

قِوْلُہٗ: نُنَكِّسْهُ ای نُقَلِّبْهُ ای نَجْعَلْهُ علٰی عَكْسِ مَا خَلَقْنَاهُ ہم اس کی تخلیق پلٹ دیتے ہیں (اعراب القرآن) یعنی ہم بتدریج اس کی حالت کو بدل دیتے ہیں حتیٰ کہ ضعف میں اس کی بچوں جیسی حالت ہو جاتی ہے۔

قِوْلُہٗ: وَمَنْ نُعَمِّرْهُ (الآیۃ) یہ جملہ مستانفہ ہے، قوت سے ضعف کی طرف انسان کی حالت کے بدلنے کی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے مَنْ اسم شرط اور نُعَمِّرْ فعل شرط ہے نُنَكِّسْهُ جواب شرط ہے۔

قِوْلُہٗ: اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ فا عاطفہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَتَرَكُوا التَّفَكُّرَ فَلَا يَعْقِلُوْنَ.

قِوْلُہٗ: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ یہ آپ ﷺ پر کفار کی جانب سے شاعر ہونے کے الزام کا جواب ہے، اس کا عطف سورت کی ابتداء میں اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ جملہ قسمیہ پر ہے۔

قِوْلُہٗ: الشِّعْرَ معروف ہے (ج) اشعار، شعر لغت میں علم دقیق اور احساس لطیف کو اور موزون و مقفّٰی کلام کو کہتے ہیں، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ شعر یا تو منطقی ہوتا ہے اور یا وہ جو مقدمات کاذبہ پر مشتمل ہو، اسی لئے ان ادلہ کو جو مقدمات کاذبہ سے مرتب ہوں، ادلہ شعریہ کہتے ہیں، اور اصطلاح میں کلام مقفّٰی و موزون علی القصد کو کہتے ہیں، آخری قید سے وہ شعر خارج ہے جو کہ بلا قصد اتفاقی طور پر جاری ہو گیا ہو، جیسا کہ آیات شریفہ اور بعض کلمات نبویہ اس لئے کہ ان میں بلا قصد اتفاقی

طور پر علم عروض کے مطابق وزن ہو گیا ہے۔ (حاشیہ جلالین ملخصًا)

قَوْلُہٗ: اَوَلَمْ یَرَ الإنسانُ (الآیة) ہمزۂ استفہام انکاری تعجبی ہے، محذوف پر داخل ہے، واؤ عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا رویت سے مراد رویت علمیہ ہے اَنَّا خَلَقْنَاہُ مِنْ نطفةٍ قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

قَوْلُہٗ: خَصِیْمٌ، المخاصمُ المُجادل.

قَوْلُہٗ: خَلَقْنَا لَهُمْ لام حکمت کے لئے ہے، ای حِکْمَةُ خَلْقِنَا ذٰلِكَ اِنْتِفَاعُهُمْ.

قَوْلُہٗ: فی جملة الناسِ اس سے اشارہ کردیا کہ یہ نعمتیں ان ہی کے لئے مخصوص نہیں ہیں بلکہ سب کے لئے ہیں۔

قَوْلُہٗ: مَا فَعَلُوْا ذٰلك اس سے اشارہ کردیا کہ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ میں ہمزۂ استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُہٗ: نُزِّلُوا مَنْزِلَةَ العُقَلَاءِ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سے مشرکین کے صنمی معبود مراد ہیں جو کہ غیر ذوی العقول ہیں اس کی جمع واؤ، نون کے ساتھ لانا درست نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عابدین اور معبودین میں مشاکلت کے طور پر ذوی العقول کے درجہ میں اتار کر واؤ نون کے ساتھ جمع لائی گئی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ، هم، مبتداء جندٌ خبر اول، مُحْضَرُوْنَ خبر ثانی اور لَهُمْ جند کے متعلق ہے، مُحْضَرُوْنَ جندٌ کی صفت بھی ہو سکتی ہے۔

قَوْلُہٗ: اَیْ اٰلِهَتُهُمْ مِنَ الاَصْنَامِ اس عبارت کے اضافہ سے شارح کا مقصد هُمْ ضمیر کا مرجع متعین کرنا ہے، یعنی وہ بت ان کے لئے لشکر کے مانند ہیں مُحْضَرُوْنَ ای مُعَدُّوْنَ لِحفظِهم یعنی اپنی حفاظت کے لئے تیار کردہ لشکر ہے جو دنیا میں (ان کے خیال میں) ان کی حفاظت کرے گا (روح المعانی) دوسرا قول یہ بھی ہے کہ هُمْ کا مرجع کفار ہیں یعنی کفار عابدین ان کے لئے حاضر باش لشکر کے مانند ہیں کہ ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: مِنْ ذٰلِكَ ای قولُهُمْ لَسْتَ مُرْسَلًا.

قَوْلُہٗ: اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ یہ اَلَّذِیْ أنشأها سے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا العُنَّابُ عناب کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کے رگڑنے سے آگ نہیں نکلتی، اور یہی وجہ ہے کہ قصارین (دھوبی) عناب کی لکڑی کا مطارق (موسلہ) بناتے ہیں تاکہ رگڑ سے کپڑے میں آگ نہ لگ جائے۔ (صاوی)

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

وَمَنْ نُعَمِّرْهُ (الآیة) نُعَمِّرْ تعمیر سے بتدریج عمر دراز کرنا، اور نُنَکِّسْهُ تَنْکِیْسٌ سے پلٹنا، اوندھا کرنا، بتدریج سابقہ حالت کی طرف لوٹانا، سفیان سے منقول ہے کہ تنکیس اسی سال کی عمر میں ہوتی ہے، وَالحق اَنَّ زمانُ ابتداء الضعف والانتقاص مختلف لاختلا ف الأمزجةِ والعوارض (روح المعانی) یعنی تحقیقی بات یہ ہے کہ تنکیس کی کوئی مدت متعین

نہیں ہے یہ امزجہ اور عوارض کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کی تکذیب کے لئے مختلف قسم کی باتیں کہتے رہتے تھے، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ شاعر ہیں، اور یہ قرآن آپ کی شاعرانہ تک بندی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی ہے، یعنی نہ آپ شاعر ہیں اور نہ قرآن شعری کلام کا مجموعہ ہے بلکہ یہ تو صرف نصیحت وموعظت ہے، شاعری میں بالعموم مبالغہ، افراط وتفریط اور محض تخیلات کی ندرت کاری ہوتی ہے، یوں گویا کہ اس کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے، کہا گیا ہے اَعْذَبُهُ اَكْذَبُهُ یعنی شعر میں جتنا زیادہ مبالغہ اور جھوٹ ہوگا اتنا ہی وہ مزیدار ہوگا، علاوہ ازیں شاعر محض گفتار کے غازی ہوتے ہیں کردار کے نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نہ صرف یہ کہ اپنے پیغمبر کو شعر نہیں سکھلائے، بلکہ اس کے مزاج وطبیعت کو ایسا بنایا کہ شعر سے اس کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی کسی کا شعر پڑھتے تو اکثر صحیح نہ پڑھ پاتے، اور اس کا وزن ٹوٹ جاتا جس کی مثالیں احادیث میں موجود ہیں، یہ احتیاط اس لئے کی گئی کہ منکرین پر اتمام حجت اور ان کے شبہات کا خاتمہ کر دیا جائے اور یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ قرآن اس کی شاعرانہ تک بندی کا نتیجہ ہے، جس طرح آپ کی امیت بھی قطع شبہات کے لئے تھی، تاکہ لوگ قرآن کی بابت یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ تو فلاں سے سیکھ کر یا کتب سابقہ کا مطالعہ کر کے مرتب کرلیا ہے، البتہ بعض مواقع پر آپ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ کا نکل جانا جو دو مصرعوں کی طرح ہوتے اور شعری اوزان وبحور کے بھی مطابق ہوتے، آپ کے شاعر ہونے کی دلیل نہیں بن سکتے، کیونکہ ایسا آپ کے قصد وارادہ کے بغیر ہوا، اور ان کا شعری قالب میں ڈھل جانا ایک اتفاق تھا، جس طرح غزوۂ حنین کے موقع پر آپ سفید خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن الحارث لگام پکڑے ہوئے تھے، اس موقع پر چند افراد کے علاوہ کوئی آپ کے ساتھ نہیں رہا تھا تو آپ کی زبان پر بے اختیار یہ رجز جاری ہوگیا: ۔

اَنَـا الـنـبـیُّ لا کَـذِبْ   اَنَـا ابـن عبـد الـمـطـلـب

اسی طرح ایک موقع پر آپ کی انگشت مبارک پتھر سے زخمی ہوگئی تو آپ نے فرمایا: ۔

هَـلْ انـتِ اِلّا اِصْبَـعٌ دمیـتِ   وفـی سبیـلِ الـلّٰـهِ مـا لـقیـتِ

(صحیح بخاری، مسلم کتاب الجهاد، روح المعانی)

اس کے علاوہ ایک دو شعر کہنے یا پڑھنے سے شاعر نہیں ہوجاتا اور نہ اس کو شاعر کہا جاتا ہے، عرف میں شاعر اسی کو کہا جاتا ہے جو شعر گوئی پر قدرت اور مشغلہ رکھتا ہو، جس طرح کبھی کبھار کپڑا سینے والا خیاط نہیں کہا جاتا بلکہ درزی وہی ہوتا ہے جو خیاطی کا پیشہ کرتا ہو ورنہ تو ہر شخص خیاط کہلائے گا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یہ شعر پڑھا: ۔

سَتبـدی لك الاَیَّـامُ مـا کـنـت جـاهِلاً   ویـاتیك مَـنْ لـم تـزوَّد بـالاخبـار

حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا، لیس ھکذا یا رسول اللّٰہ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انّی واللّٰہ ما انا بشاعرٍ ولا ینبغی لی.

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَھُمْ (الآیۃ) اس آیت میں چوپایوں، جانوروں کی تخلیق میں انسانی منافع اوران میں قدرت کی عجیب وغریب صنعتکاری کا ذکر فرمانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ایک اور احسان عظیم کو بتلایا گیا ہے، یہ چوپائے کہ جن کی تخلیق میں کسی انسان وغیرہ کا کوئی دخل نہیں ہے، خالص دست قدرت کے بنائے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے صرف یہی نہیں کیا کہ ان سے انسانوں کو نفع اٹھانے کا موقع دیا بلکہ ان کا ان کو مالک بھی بنادیا، کہ وہ ان میں جس طرح چاہیں مالکانہ تصرف کرسکتے ہیں، اگر ہم ان میں وحشی پن رکھ دیتے (جیسا کہ بعض جانوروں میں ہے) تو یہ چوپائے ان سے دور بھاگتے اور وہ ان کی ملکیت اور قبضے ہی میں نہ آسکتے، یہ خدا کے کرم واحسان ہی کا نتیجہ ہے کہ ان جانوروں سے جس طرح کا بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ انکار نہیں کرتے ہیں، مثلاً ان کی اون اور بالوں سے مختلف قسم کی عمدہ اور آرام دہ چیزیں بنتی ہیں، اور بار برداری اور کھیتی باڑی کے بھی کام آتے ہیں، حتی کہ بوقت ضرورت ان کو ذبح کرکے کھاتے بھی ہیں۔

ملکیت کے بارے میں سرمایہ داری اوراشتراکیت کا نظریہ:

گذشتہ صدی کے اوائل سے معاشی نظریات میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ تخلیق اشیاء اوران کی ملکیت میں سرمایہ اور دولت اصل ہے یا محنت، سرمایا دارانہ نظام معیشت کے قائل دولت اور سرمایہ کو اصل قرار دیتے ہیں، اور سوشلزم اور کمیونزم (اشتراکیت) والے محنت کو اصل علت تخلیق وملکیت قرار دیتے ہیں۔

قرآن کریم کا نظریۂ معیشت:

قرآن کریم کی مذکورہ صراحت نے بتلا دیا ہے کہ تخلیق اشیاء اوران کی ملکیت میں دونوں (یعنی سرمایہ اور محنت) کا کوئی دخل نہیں، کسی چیز کی تخلیق انسان کے قبضے میں نہیں، تخلیق براہ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، اور عقل کا تقاضہ ہے کہ جو جس کو پیدا کرے وہی اس کا مالک ہو، اس سے ثابت ہوا کہ اشیاء عالم میں حقیقی ملکیت حق تعالیٰ کی ہے، انسان کی ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے ہوسکتی ہے۔ (معارف)

واتخذوا من دون اللّٰہِ اٰلِھَۃً (الآیۃ) یہ ان کے کفران نعمت کا اظہار ہے کہ مذکورہ نعمتیں جن سے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں، سب اللہ کی پیدا کردہ اور عطا کردہ ہیں، لیکن یہ بجائے اس کے کہ اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں یعنی اس کی عبادت واطاعت کریں، غیروں سے امید وابستہ کرتے ہیں اورانہیں معبود بناتے ہیں۔

لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نصرھُمْ وھم لھُم جندٌ (الآیۃ) جندٌ سے مراد بتوں کے حمایتی اوران کی طرف سے مدافعت کرنے والے اور مُحْضَرُوْنَ سے مراد حاضر باش دنیا میں ان کے پاس رہنے والے ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ جن بتوں کو معبود سمجھتے

ہیں، وہ ان کی مدد کیا کریں گے؟ یہ مشرکین خود اپنے معبودوں کی مدد اور حفاظت کرتے ہیں، ان کے معبودوں کو اگر کوئی برا کہے، ان کی مذمت کرے، تو خود یہی لوگ ان کی حمایت و مدافعت میں سرگرم ہوجاتے ہیں، نہ کہ وہ معبود۔

بعض حضرات نے جُنْدٌ سے مراد فریق مخالف لیا ہے، آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جن چیزوں کو انہوں نے دنیا میں معبود بنا رکھا ہے یہی قیامت کے روز ان کے مخالف ہو کر ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

اور حضرت حسن وقتادہ سے اس کی یہ تفسیر منقول ہے کہ ان لوگوں نے بتوں کو معبود تو اس لئے بنایا تھا کہ یہ ان کی مدد کریں گے، اور ہو یہ رہا ہے کہ وہ تو ان کی مدد کرنے کے قابل نہیں خود یہی لوگ جو ان کی عبادت کرتے ہیں ان کے خدام اور سپاہی بنے ہوئے ہیں۔

اَوَ لَمْ یَرَ الإنْسَانُ (الآیة) کیا یہ انسان اتنا نہیں سمجھتا کہ جس اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک حقیر نطفہ سے پیدا کیا ہو وہ دوبارہ اس کو زندہ کرنے پر کیوں قادر نہیں؟ اس کی قدرت احیاء موتے کا ایک واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے جلا کر اس کی آدھی راکھ سمندر میں اور آدھی راکھ تیز ہوا میں اڑا دی جائے، چنانچہ اس کے ورثاء نے اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی تمام راکھ جمع کرکے اسے زندہ فرمایا اور اس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا تیرے خوف سے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔ (صحیح بخاری، الانبیاء)

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِنَ الشَّجَرِ الاَخْضَرِ نَارًا (الآیة) کہتے ہیں کہ عرب میں دو درخت ہیں مَرخ اور عَفار، اگر ان کی دو لکڑیاں آپس میں رگڑی جائیں تو آگ پیدا ہوتی ہے، سبز درخت سے آگ پیدا کرنے سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ اس کے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں ہے وہ ہر شئ پر قادر ہے، مردوں کو زندہ کرنا اس کے لئے اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ ابتداءً پیدا کرنا۔

بحمد اللہ تعالیٰ

سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَتَانِ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ وَالصَّافَّاتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَاثْنَتَانِ وَثَمَانُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ والصَّافَّاتِ مکی ہے، اس میں ۱۸۲ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ **وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا** ۝۱ الملائكةِ تَصُفُّ نُفُوسَها فى العبادةِ اَوْ اَجْنِحَتَها فى الهواءِ تَنْتَظِرُ ما تُؤمَرُ به **فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا** ۝۲ الملائكةِ تَزْجُرُ السحابَ اى تَسُوْقُه **فَالتّٰلِيٰتِ** جماعةِ قُرَّاءِ القرانِ تتلوه **ذِكْرًا** ۝۳ مصدرٌ من معنى التاليات **اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ** ۝۴ **رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ** ۝۵ اى والمغارِبِ لِلشَّمْسِ لَها كُلُّ يومٍ مشرقٌ ومغربٌ **اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ** ۝۶ اى بضوئِها او بها والاضافةُ للبيانِ كقراءةِ تنوينِ زينةٍ المُبَيَّنَةِ بالكواكبِ **وَحِفْظًا** منصوب بفعلٍ مُقدَّرٍ اى حَفِظْنَاها بالشُهُبِ **مِّنْ كُلِّ** متعلقٌ بالمقدّرِ **شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ** ۝۷ عاتٍ خارجٍ عن الطَّاعةِ **لَا يَسَّمَّعُوْنَ** اى الشياطينُ مُسْتانَفٌ وسَمَاعُهم هو فى المعنى المحفوظِ عنه **اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى** الملائكة فى السماء وعدى السماعُ بالى لِتَضَمُّنِه معنى الاِصْغَاءِ وفى قراءةٍ بتشديدِ الميمِ والسينِ اصلُه يَتَسَمَّعُوْن اُدْغِمَتِ التاءُ فى السينِ **وَيُقْذَفُوْنَ** اى الشياطينُ بالشُهُبِ **مِنْ كُلِّ جَانِبٍ** ۝۸ من افاقِ السماءِ **دُحُوْرًا** مصدر دَحَره اى طَرَدَه وأبْعَدَه وهو مفعولٌ له **وَلَهُمْ** فى الأخرة **عَذَابٌ وَّاصِبٌ** ۝۹ دائمٌ **اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ** مصدرٌ اى المرَّةَ والاستثناءُ من ضميرِ يَسَّمَّعُوْنَ اى لا يسمعُ الا الشيطانُ الذى سَمِعَ الكلمةَ من الملائكةِ فأخَذَها بسُرْعَةٍ **فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ** كوكبٌ مُضِيءٌ **ثَاقِبٌ** ۝۱۰ يَثْقُبُه او يُحرِقه او يَخْبُلُهُ **فَاسْتَفْتِهِمْ** اِسْتَخْبِرْ كُفَّارَ مَكَّةَ تقريرًا او توبيخًا **اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا** من الملائكةِ والسمٰوٰتِ والأرضينَ وما فيهما وفى الاِتْيانِ بمَنْ تغليبُ العُقَلاءِ **اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ** اى اَصْلَهُم ادمَ **مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ** ۝۱۱ لازمٍ يَلْصَقُ باليدِ المعنى اَنَّ خَلْقَهم ضعيفٌ فلا يَتَكَبَّرُوا بِاِنْكارِ النَّبيِّ والقرانِ المؤدّى الى هلاكِهم اليسيرِ **بَلْ** للانتقالِ من غرضٍ الى أخر وهو الاخبارُ بحالِه وحالِهم **عَجِبْتَ** بفتحِ التاءِ خطابًا للنبيِّ اى مِنْ تكذيبِهم اِيَّاكَ **وَ** هم **يَسْخَرُوْنَ** ۝۱۲ من تعجُّبِك **وَاِذَا ذُكِّرُوْا** وُعِظُوْا بالقرانِ **لَا يَذْكُرُوْنَ** ۝۱۳ لا يتّعِظُوْن

وَاِذَا رَاَوْا اٰیَۃً کانشقاق القمر یَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ یَستھزِؤُنَ بھا وَقَالُوْٓا فیھا اِنْ ما ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ بَیِّنٌ وقالوا مُنکرین لِلبعثِ ءَاِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ فی الھمزتین فی الموضعینِ التحقیقُ وتسھیلُ الثانیۃ وادخالُ الفٍ بینھما علی الوَجْھَین اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ بسُکون الواو عطفًا باَو وبفتحھا والھمزۃُ للاستفھام والعطفُ بالواو والمعطوفُ علیہ محل ان واسْمھا او الضمیر فی لَمَبْعُوْثُوْنَ والفاصلُ بِھمزۃ الاستفھام قُلْ نَعَمْ تُبْعَثُوْنَ وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ صاغِرُونَ فَاِنَّمَا ھِیَ ضمیرٌ مُبْھَمٌ یُفَسِّرہ ما بعدہ زَجْرَۃٌ ای صَیْحَۃٌ وَّاحِدَۃٌ فَاِذَا ھُمْ ای الخلائقُ احیاءٌ یَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ مایُفعَل بھم وَقَالُوْا ای الکُفَّارُ یَا للتَّنْبِیہِ وَیْلَنَا ھلاکَنا وھو مَصدر لا فِعلَ لہ مِن لفظِہ وتقول لھم الملائکۃُ ھٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۲۰﴾ ای الحسابِ والجزاءِ ھٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ بَیْنَ الخلائقِ الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تُکَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

تَرجَمہ: شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، قسم ہے صف بستہ ہو کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی جو خود کو عبادت میں صف بستہ کرتے ہیں پھر (قسم) ان فرشتوں کی جو بادلوں کو ڈانٹتے ہیں یعنی ان کو ہانکتے ہیں، پھر ان فرشتوں کی اس جماعت کی جو قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے ہیں اور ذکرًا معنی کے اعتبار سے تالیات کا مصدر ہے، (اے اہل مکہ) بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہی ہے، جو آسمانوں اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے (سب کا) رب ہے اور مشارق کا رب ہے یعنی (مشارق) و مغارب کا رب ہے، سورج کے لئے روزانہ (دنیا میں) مقام طلوع و غروب ہوتا ہے، بے شک ہم ہی نے سماء دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا ہے یعنی ان کی روشنی سے یا خود ستاروں سے (اور بزینۃ ن الکواکب میں) اضافت بیانیہ ہے، جیسا کہ (زینۃٍ) کی تنوین کی قراءت کی صورت میں الکواکِبُ، زِیْنَۃٍ کا بیان ہوگا اور ہم نے (آسمان) کی ہر سرکش شیطان سے حفاظت کی ہے، حِفْظًا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای حَفِظْنَاھَا حِفظًا بالشُھُبِ، من کلِّ محذوف کے متعلق ہے مارِدٌ بمعنی عاتٍ ہے، حد طاعت سے خروج کرنے والا، وہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے یعنی آسمان میں (فرشتوں) کی مجلس اعلیٰ کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے (وسَمَاعُھُمْ ھُوَ فی المعنی المحفوظ عنہ) یعنی آسمانوں کو ان کے کان لگانے سے محفوظ کر دیا گیا ہے (مطلب یہ ہے کہ آسمان محفوظ ہیں اور سماع محفوظ عنہ نہ کہ برعکس) لا یَسمَعُوْنَ جملہ مستانفہ ہے، اور سماعٌ کے، اِصغاءٌ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے الی کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے اور ایک قراءت میں س اور م کی تشدید کے ساتھ ہے یَسَّمَّعُوْنَ اصل میں یَتَسَمَّعُوْنَ تھا، ت کو س میں ادغام کر دیا گیا، اور ان شیاطین کو آسمان سے نکالدینے کے لئے ہر جانب سے انگارے مارے جاتے ہیں دُحُورًا دَحَرَہٗ کا مصدر ہے، دَحَرَہٗ طَرَدَہٗ کے معنی میں ہے اور ان کو آخرت میں دائمی عذاب ہوگا مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگے تو ایک دہکتا ہوا انگارا اس کا تعاقب کرتا ہے جو اس کو چھید دیتا ہے، یا جلا دیتا ہے یا مخبوط الحواس (باؤلا) کر دیتا ہے تو آپ ان

یعنی کفار مکہ سے اقرار کرانے یا بطور توبیخ کے دریافت فرمائیں آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا ہماری پیدا کی ہوئی یہ چیزیں (یعنی) فرشتے اور آسمان اور زمین اور وہ چیزیں جو ان کے درمیان میں ہیں، اور مَنْ کا استعمال ذوی العقول کو غلبہ دینے کی وجہ سے ہے ہم نے ان کو یعنی ان کی اصل آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو چپکتی (چکنی) مٹی سے پیدا کیا جو ہاتھ سے چپک جائے (آیت) کے معنی یہ ہیں ان کی تخلیق ضعیف (مادہ) سے ہے، لہٰذا ان کو نبی اور قرآن کا انکار کر کے تکبر نہیں کرنا چاہئے، جو کہ بآسانی ان کی ہلاکت کی طرف مفضی ہے بلکہ آپ تو (ان کی ناسمجھی) پر تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ آپ کے تعجب کرنے کا مذاق اڑاتے ہیں، بَلْ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لئے ہے اور وہ (غرض) آپ کی حالت اور ان کی حالت کی خبر دینا ہے (عَجِبْتَ) کی ت کے فتحہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے یعنی ان کے آپ کو جھٹلانے پر آپ تعجب کرتے ہیں اور جب ان کو قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کرتے اور جب شق قمر کے مانند کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس معجزہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے بھلا (یہ کیسے ہو سکتا ہے) کہ جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم (دوبارہ) زندہ کئے جائیں؟ دونوں جگہوں میں ہمزۂ (اول) محقق اور ثانی کی تسہیل (نرمی) ہے اور دونوں کے درمیان الف داخل کرنا ہے دونوں صورتوں میں اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (اَوْ) واؤ کے سکون کے ساتھ، اَوْ کے ذریعہ عطف ہے اور (اَوَ) واؤ کے فتحہ کے ساتھ (اور) ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور عطف واؤ کے ذریعہ ہے، اور معطوف علیہ اِنَّ اور اس کے اسم کا محل ہے یا لَمَبْعُوْثُوْنَ میں ضمیر ہے اور فاصل ہمزۂ استفہام ہے آپ کہہ دیجئے کہ تم ضرور زندہ کئے جاؤ گے، اور تم ذلیل بھی ہوؤ گے پس وہ (قیامت) تو ایک للکار ہو گی ھِیَ ضمیر مبہم ہے، مابعد اس کی تفسیر کر رہا ہے، تو اچانک وہ یعنی مخلوق زندہ ہو کر دیکھنے لگے گی، کہ ان کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے؟ اور کفار کہیں گے ہائے ہماری کمبختی یَا تنبیہ کے لئے ہے وَیْلَنَا بمعنی ھلاکُنَا ہے وَیْلٌ ایسا مصدر ہے کہ اس کا لفظی فعل نہیں ہے اور فرشتے ان سے کہیں گے یہ جزاء کا دن ہے یعنی حساب اور جزاء کا یہ مخلوق کے درمیان فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: والصّٰٓفّٰتِ صَفًّا واؤ، حرف قسم اور جر ہے، اور والصّافّاتِ مجرور مقسم بہ اور مابعد کا معطوف علیہ ہے۔

قولہ: اِنَّ اِلٰھَکُمْ جواب قسم ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَحَقِّ الصَّافَّاتِ وَحَقِّ الزَّاجِرَاتِ وَحَقِّ التَّالِیَاتِ جار مجرور اقسمُ فعل محذوف کے متعلق ہے۔

سوال: مذکورہ تینوں صفات میں جو کہ ملائکہ کی ہیں تاء تانیث ہے جو ملائکہ کی انوثت پر دلالت کرتی ہے حالانکہ ملائکہ صفت ذکورت وانوثت سے پاک ہیں۔

جواب: ملائکہ چونکہ لفظ کے اعتبار سے مؤنث ہے لہٰذا اسی اعتبار سے ان کی مذکورہ تینوں صفات کو تانیث کے ساتھ لایا گیا ہے،

جہاں تک انوثت سے ملائکہ کی تنزیہہ کا سوال ہے تو وہ تانیث معنوی ہے نہ کہ لفظی۔ (صاوی)

قَوْلَہٗ: تَصُفُّ نُفُوسَهَا اس میں اشارہ ہے کہ صافّات کا مفعول بہ محذوف ہے اور وہ نفوسها ہے یا اَجْنِحَتَها ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ صَافّاتِ صافةٌ کی جمع ہے، معنی میں طائفةٌ یا جماعةٌ کے ہے۔ (روح المعانی)

قَوْلَہٗ: مَصْدرٌ مِنْ معنی التَّالِیاتِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذِکْرًا تالیاتِ کا مفعول مطلق بغیر لفظہ ہے اس لئے کہ ذکرًا تلاوةً کے معنی میں ہے، ای تالیات تلاوةً اور بعض حضرات نے ذکرًا کو قرآن کے معنی میں لیا اس صورت میں ذکرًا، التالیات کا مفعول ہوگا۔

قَوْلَہٗ: رب السَّمٰوات والارض یہ لِوَاحِدٍ سے بدل ہے یا اِنَّ کی خبر ثانی ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای هُوَ رَبُّ السَّمٰواتِ والارضِ.

قَوْلَہٗ: وَرَبُّ المشارق.

سُوَال: یہاں تنہا مشارق پر اکتفاء کیوں کیا ہے؟ یعنی رَبُّ المشارِقِ والمَغَارِبِ نہیں کہا۔

جَوَاب: یہ سرابیل تَقِیْکُم الحرَّ کے قبیل سے ہے یعنی جس طرح یہاں صرف حَرّ پر اکتفاء کیا ہے حالانکہ سرابیل حر اور برد دونوں سے حفاظت کرتا ہے، اب رہا یہ سوال کہ مشارق پر اکتفاء کیا، مغارب پر کیوں نہیں کیا؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مشارق، مغارب کی بہ نسبت کثیر النفع ہے اس لئے مشارق پر اکتفاء کیا ہے۔

سُوَال: یہاں مشارق کو بصیغہ جمع لائے ہیں، اور اس کا مقابل (یعنی مغارب) حذف کر دیا ہے اور سورۂ سأل میں دونوں کو بصیغہ جمع لائے ہیں، اور سورۂ رحمٰن میں دونوں کو بصیغہ تثنیہ لائے ہیں، اور سورۂ مزمل میں دونوں کو بصیغہ مفرد لائے ہیں، ان تمام مقامات میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

جَوَاب: دونوں کو جمع لانے کی یہ وجہ ہے کہ روزانہ نیا مشرق اور نیا مغرب ہوتا ہے، لہٰذا سال میں ۳۶۵ مشرق اور ۳۶۵ مغرب ہوتے ہیں، مفسر علام نے لها كلُّ يومٍ مشرق ومغرب سے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، اب رہا سورۂ رحمٰن میں تثنیہ لانا تو یہ مشرق شتائی اور صیفی (گرمی، سردی) کے اعتبار سے ہے، موسم شتا اور موسم صیف کے اعتبار سے پورے سال میں دو ہی مشرق و مغرب ہوتے ہیں، اور مفرد لانے کی وجہ یہ ہے کہ پورے سال کا ایک مشرق اور ایک مغرب ہوتا ہے۔ (صاوی)

قَوْلَہٗ: بِضَوْئِهَا اس میں مضاف محذوف کی طرف اشارہ ہے، مطلب یہ ہے کہ سماء دنیا کی زینت یا تو کواکب کی روشنی کی وجہ سے ہے یا خود کواکب کی وجہ سے ہے اور اضافت بیانیہ ہے جیسا کہ بلا اضافت یعنی زِيْنَةٍ کی تنوین کی صورت میں بھی زِيْنَةٍ مُبَيّنٌ اور الكواكب اس کا بیان ہے۔

قَوْلَہٗ: مِنْ كُلِّ حفظنَا مقدر کے متعلق ہے۔

قَوْلَہٗ: لَا يَسَّمَّعُوْنَ اصل میں لَا يَتَسَمَّعُوْنَ تھا، ت، کو سین میں مدغم کر دیا گیا اور سین کو مشدد کر دیا گیا، یعنی وہ کان نہیں لگاتے بالفارسیہ (گوش ندازند) ایک قراءت میں لَا يَسْمَعُوْنَ بھی ہے یعنی وہ نہیں سنتے، وبالفارسیۃ (نشنوند)

يَسَّمَّعُوْنَ چونکہ اصغاء کے معنی کو شامل ہے اس لئے اس کا صلہ الٰی لانا درست ہے۔

قَوْلُهُ: هو في المعنى المحفوظ عنه یعنی آسمان محفوظ اور سماع محفوظ عنہ ہے نہ کہ برعکس یہ جملہ مستانفہ ہے کیفیت حفظ کو بیان کرنے کے لئے نمونے کے طور پر لایا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: بالشُّهُب جمع شِهاب کی جیسا کہ کُتُبٌ جمع ہے کتاب کی آگ کا شعلہ۔

قَوْلُهُ: مارِدٍ جمع مَرَدَةٌ سرکش جو ہر خیر سے خالی ہو غُصْنٌ اَمْرَدُ وہ شاخ جو برگ و بار سے خالی ہوں رجل امْرَدُ وہ شخص جس کے ڈاڑھی مونچھ کچھ نہ ہو (ن،ک) مُرُوْدًا، مَرَادَةً سرکش ہونا۔ (لغات القرآن)

قَوْلُهُ: دُحُورًا مصدر دُحورًا کے بعد مصدر کے لفظ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ دُحُورًا يُقذَفُوْنَ کا مفعول مطلق بغیر لفظہ ہے، اس لئے کہ قَذْفٌ بمعنی دَحْرٌ ہے ای دَحَرَهٗ دَحْرًا اور مفسر علام نے اپنے قول هو مفعول له سے اشارہ کر دیا کہ دُحُورًا يقذفون کا مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے یعنی دُحُورًا قذفٌ کی علت ہے، یعنی شہاب سے مارنے کی علت ان کو دفع کرنا ہے، اور دُحُورًا، يقذفون کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے، ای يُقذفونَ مَدْحُوْرِيْنَ، دحورًا چونکہ مصدر ہے اس لئے واحد جمع سب پر اطلاق درست ہے۔

قَوْلُهُ: اِلا مَنْ خَطِفَ الخَطْفَةَ، الخطفة یہ مفعول مَرَّةٌ کے لئے ہے جیسے ضَرَبْتُ ضربةً میں ہے میں نے اس کو مارا ایک بار یعنی ایک بار اچک لینا، وبالفارسیہ مکرر باید یک ربودن والخطف، الاختلاسُ بسرعةٍ (اچک لینا، جھپٹ لینا)۔

قَوْلُهُ: والاِستثناء من ضميرِ يَسَّمَّعُوْنَ یعنی مَنْ استثناء کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے اور بدل ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مَن شرطیہ ہو اور اس کا جواب فَاَتْبَعَهٗ ہو، یا مَنْ موصولہ مبتداء ہو اور اس کی خبر فَاَتْبَعَهٗ ہو اس صورت میں مستثنیٰ منقطع ہوگا کقوله تعالى لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ. (جمل)

قَوْلُهُ: ثاقب (ن) ثقبًا سوراخ کرنا، چھید کرنا۔

قَوْلُهُ: اَوْ يُحْرِقُهٗ اَوْ يَخْبُلُهٗ، اَوْ تنویع کے لئے ہے نہ کہ تردید کے لئے خَبْلٌ (ن) خبلاً عقل کو تباہ کرنا، خراب کرنا۔

قَوْلُهُ: هو الإخبارُ بحالِهٖ او حَالِهِمْ یہ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کی وضاحت ہے، مطلب یہ ہے کہ سابقہ آیت میں مشرکین کی حالت کا بیان تھا، اور بَلْ عَجِبْتَ سے آپ ﷺ کی حالت کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ: أإذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا (الآية) ہمزۂ استفہام انکاری ہے جو فعل محذوف پر داخل ہے، ای أنُبْعَثُ اِذَا مِتْنَا، اِذَا ظرفیہ کا عامل محذوف ہے، یعنی نبعثُ جس پر لَمَبْعُوْثُوْنَ دلالت کر رہا ہے، خود لَمَبْعُوْثُوْنَ اِذا میں عامل نہیں ہے اس لئے کہ عامل و معمول کے درمیان ہمزۂ استفہام جو کہ صدارت کو چاہتا ہے مانع موجود ہے۔

قَوْلُهُ: اَوَ آبَاؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ اَو میں دو قراءتیں ہیں، جمہور کے نزدیک واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی اَوَ اور ابن عامر اور

قالون نے سکون واؤ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اَوْ اس صورت میں اَوْ حرف عطف ہوگا اس پر ہمزہ استفہام کا نہیں ہوگا اَوْ آباؤنا الْاَوَّلُوْنَ میں ایک ترکیب یہ ہے کہ اَوَ آباءُ نا الاولونَ مبتداء ہو، مَبْعوثُونَ اس کی خبر محذوف اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اسم اِنَّ کے محل پر عطف ہے، اور بعض نے کہا ہے لـمبعوثون کی ضمیر مستتر پر عطف ہے مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ ضمیر مرفوع پر جب عطف ہوتا ہے تو اس کی تاکید ضمیر منفصل سے لانی ضروری ہوتی ہے، وہ یہاں نہیں ہے۔

جَوَابُ: فصل بھی قائم مقام ضمیر کے ہوتا ہے اور یہاں ہمزۂ استفہام کا فصل موجود ہے، مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ ہمزۂ استفہام کی صدارت باطل ہو جائے گی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرا ہمزہ پہلے ہمزہ ہی کی تاکید ہے تو گویا کہ دوسرا ہمزہ بعینہ پہلا ہمزہ ہے، لہٰذا دوسرا ہمزہ منوی طور پر مقدم ہوگا جس کی وجہ سے اس کی صدارت باطل نہ ہوگی۔

(اعراب القرآن وفتح القدیر شوکانی)

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيح

یہ سورت مکی ہے، دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت کے مرکزی مضامین بھی عقائد وایمانیات ہیں، ان میں توحید، رسالت اور آخرت سرفہرست ہیں، مذکورہ مضامین کو مختلف طریقوں سے مدلل کیا گیا ہے، اس کے بعد مشرکین کے شبہات واعتراضات کو دفع کرنے کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ ماضی میں جن لوگوں نے ان عقائد کو تسلیم کیا، اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ کیا معاملہ رہا؟ اور جنہوں نے کفر و سرکشی اختیار کی ان کا کیا انجام ہوا؟ اسی مضمون کے ضمن میں حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ اور ان کے صاحبزادگان حضرت موسیٰ وہارون، حضرت الیاس، حضرت لوط اور حضرت یونس عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کے واقعات اجمال وتفصیل کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، مشرکین مکہ کا ایک خاص قسم کا شرک یہ تھا کہ وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے، آخر میں اس عقیدے کی تفصیل کے ساتھ تردید کی گئی ہے، سورت کے مجموعی مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت میں شرک کے اس خاص قسم کی تردید بطور خاص پیش نظر ہے۔

پہلا مضمون توحید:

سورت کو عقیدۂ توحید کے بیان سے شروع کیا گیا ہے، پہلی چار آیتوں کا اصل مقصد یہ بیان کرنا ہے اِنَّ اِلٰـھَکُمْ لَوَاحِدٌ (بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہی ہے) اس بات کو مؤکد کرنے کے لئے تین قسمیں کھائی گئی ہیں، اور قسموں میں صفات کا ذکر کیا گیا ہے مگر موصوف محذوف ہے، قسموں کا ترجمہ یہ ہے "قسم ہے صف بستہ کھڑے ہونے والوں کی، قسم ہے ڈانٹ ڈپٹ کرنے والوں کی، قسم ہے ذکر کی تلاوت کرنے والوں کی"، یہ صف بستہ کھڑے ہونے والے، ڈانٹ ڈپٹ کرنے والے، ذکر کی تلاوت کرنے والے کون ہیں؟ قرآن کریم کے الفاظ میں اس کی صراحت نہیں ہے، اس لئے ان کی تفسیروں میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان سے مراد اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین ہیں، جو میدان میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے

ہیں، اور دشمن کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں، اور صف آراء ہوتے وقت ذکر وتلاوت میں مشغول رہتے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان سے مراد وہ نمازی ہیں جو کہ مسجد میں صف بستہ ہو کر شیطانی افکار واعمال پر بندش عائد کرتے ہیں اور اپنا پورا دھیان ذکر وتلاوت پر مرکوز کرتے ہیں (تفسیر کبیر، معارف) مذکورہ صفات کے موصوف کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ وہ فرشتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فرشتوں کی قسم کھانے کی کیا وجہ ہے؟

اس سورت میں خاص طور سے فرشتوں کی قسم کھانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سورت کا مرکزی مضمون شرک کی اس خاص قسم کی تردید ہے جس کے تحت مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے، چنانچہ سورت کے شروع میں فرشتوں کے وہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں جن سے ان کی مکمل بندگی کا اظہار ہوتا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کے ان اوصاف بندگی پر غور کرو گے تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رشتہ باپ بیٹی کا نہیں بلکہ بندہ اور آقا کا ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کا حکم:

قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے ایمان وعقائد کے بہت سے اصولی مسائل کی تاکید کے لئے مختلف طرح کی قسم کھائی ہے، کبھی اپنی ذات کی، کبھی اپنی مخلوقات میں سے خاص خاص اشیاء کی، اللہ تعالیٰ کے قسم کھانے میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ غنی الاغنیاء ہیں اس کو کیا ضرورت کہ کسی کو یقین دلانے کے لئے قسم کھائیں، دوسری بات یہ کہ جو مومن ہیں ان کو یقین دلانے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت ہی نہیں، اس لئے وہ تو بغیر قسم ہی یقین کرتے ہیں، اور جو کافر ہیں وہ قسم سے بھی یقین نہیں کرتے تو پھر قسم کھانے سے کیا فائدہ؟

اتقان میں ابوالقاسم قشیری سے اس سوال کا جواب یہ مذکور ہے کہ حق تعالیٰ کو قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مگر اس کو جو شفقت ورحمت اپنی مخلوق پر ہے وہ اس کی داعی ہوئی کہ کسی طرح یہ لوگ حق کو قبول کرلیں اور عذاب سے بچ جائیں، علاوہ ازیں عرف میں قسم کا مقصد تاکید اور شک دور کرنا ہوتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں قسم اس شک کو دور کرنے کے لئے کھائی ہے جو مشرکین اس کی وحدانیت والوہیت کے بارے میں پھیلاتے تھے، اس کے علاوہ ہر چیز اللہ کی مخلوق ومملوک ہے اس لئے وہ جس چیز کو بھی گواہ بنا کر اس کی قسم کھائے اس کے لئے جائز ہے لیکن انسان کے لئے غیر اللہ کی قسم کھانا بالکل جائز نہیں ہے، حضرت حسن بصری فرماتے ہیں، اِنَّ اللّٰہَ یقسمُ بِمَا شَاءَ من خلقه لَیْسَ لاحدٍ ان یقسم اِلَّا باللّٰہِ رواہ ابن ابی حاتم (مظہری) اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھائے مگر کسی دوسرے کے لئے اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں۔

مخلوقات میں جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، کہیں تو اس چیز کی عظمت وفضیلت کا بیان مقصود ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن

کریم میں آپ ﷺ کی عمر کی قسم کھائی گئی ہے، لَعَمرك اِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق اور کوئی چیز دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے زیادہ معزز و مکرم نہیں پیدا کی، یہی وجہ ہے کہ پورے قرآن میں سوائے آپ ﷺ کے کسی نبی اور رسول کی ذات کی قسم نہیں کھائی گئی۔

فاسْتَفْتِهِمْ اس استفہام کا مقصد توبیخ و تقریر ہے، اور بعث بعد الموت کے منکرین پر رد کرنا ہے اس لئے کہ وہ بعث بعد الموت کو محال سمجھتے تھے، حاصل رد یہ ہے کہ اگر استحالہ اس وجہ سے ہے کہ انسان کے مرنے گلنے اور سڑنے کے بعد مادہ معدوم ہوجاتا ہے تو یہ مردود اور غیر مسلم ہے اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ انسانی اجزاء مٹی ہوجائیں، اللہ تعالیٰ ان اجزاء پر اپنی قدرت سے بارش برسائیں تو وہ مٹی طین ہوجائے اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طین سے پیدا کیا تھا اِنَّا خَلَقْنَاهُمْ (ای اصلهم) من طِينٍ لَّازِبٍ یا استحالہ کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ حق تعالیٰ کو اس پر قدرت حاصل نہ ہو یہ بھی مردود اور غیر مسلم ہے، اس لئے کہ جو ذات آسمان و زمین، شمس و قمر جیسی عظیم مخلوق کے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ انسان جیسی صغیر و حقیر چیز کے پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں ہے؟

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ (الآیۃ) یعنی آپ کو تو منکرین آخرت کے انکار پر تعجب ہورہا ہے کہ اس کے امکان بلکہ وجوب کے اتنے سارے واضح عقلی دلائل کے باوجود وہ اسے مان کر نہیں دے رہے ہیں، اور مزید براں آپ کے دعوائے قیامت کا مذاق اڑا رہے ہیں، کہ یہ کیونکر ممکن ہے؟ رہے نقلی دلائل تو ان کے بارے میں ان کا شیوہ یہ ہے وَاِذَا رَاَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُوْنَ یعنی جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جو آپ کی نبوت اور عقیدۂ آخرت پر دلالت کرتا ہے تو یا اسے بھی تمسخر میں اڑا کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے، اور اس استہزاء اور تمسخر کی ان کے پاس ایک ہی دلیل ہے اور وہ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وعِظَامًا (الآیۃ) ہے یعنی یہ بات ہمارے تصور میں نہیں آتی کہ ہم یا ہمارے آباء و اجداد خاک ہوجانے اور ہڈیاں رہ جانے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ کردیئے جائیں گے؟ اس لئے ہم نہ کوئی عقلی دلیل مانتے ہیں اور نہ کسی معجزے وغیرہ کو تسلیم کرتے ہیں، حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں آخر میں صرف ایک جملہ فرمایا قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ ہاں تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور ذلیل و خوار ہوکر زندہ ہوؤ گے۔

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہے، جس کے پھونکنے کے بعد تمام مخلوق زندہ ہوجائے گی (قرطبی) اگرچہ باری تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ صور پھونکے بغیر ہی مردوں کو زندہ کردے، لیکن یہ صور حشر و نشر کے منظر کو پُرہیبت بنانے کے لئے پھونکا جائے گا۔ (تفسیر کبیر، معارف)

ویقال للملئکۃ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا انفسهم بالشرك وَاَزْوَاجَهُمْ قرناءهم من الشيطين وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ای غیرہ من الاوثان فَاهْدُوْهُمْ دلوهم وسوقوهم اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿٢٣﴾ طريق

النار وَقِفُوْهُمْ احْبِسُوْهم عند الصراط اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾ عَنْ جميع اقوالِهم وافعالِهم ويُقال لهم توبيخا مَالَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ لا ينصُر بعضُكم بعضًا كحالِكم في الدُّنيا ويُقال لهم بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾ مُنقادُوْن اَذِلّاءُ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ يتلاومُوْنَ ويتخاصَمُون قَالُوْٓا اى الاتباع منهم لِلمتبُوعين اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾ عَن الجهةِ التي كُنَّا نَأمَنُكُمْ منها بِحَلفِكُم انّكم على الحقّ فصدَّقْناكم واتَّبعْناكم، المعنى انكم اَضْلَلْتُمُوْنا قَالُوْا اى المَتْبُوْعُون لهم بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٩﴾ وانّما يصدُق الاِضلالُ مِنّا اَنْ لو كنتم مؤمنين فرجعْتم عن الايمان اِلَيْنا وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ قوةٍ وقُدرةٍ تَقْهرُكم على مُتابعتِنا بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿٣٠﴾ ضالِّيْن مِثلَنا فَحَقَّ وَجَبَ عَلَيْنَا جميعًا قَوْلُ رَبِّنَآ بالعذاب اى قولُه لَاَمْلَاَنَّ جهنّم مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ اِنَّا جميعًا لَذَآئِقُوْنَ ﴿٣١﴾ العذابَ بذٰلك القول ونشأعنه قولُهم فَاَغْوَيْنٰكُمْ المعلَّلُ بقولِهم اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿٣٢﴾ قال تعالى فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ يومَ القيمة فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ لاشتراكِهم في الغَوايةِ اِنَّا كَذٰلِكَ كما نفعلُ بهٰؤلاءِ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٤﴾ غير هٰؤلاء اى التابع منهم والمتبوع اِنَّهُمْ اى هٰؤلاء بقرينة مابعده كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا في همزتَيْه ما تقدّم لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿٣٦﴾ اى لِاَجل قول محمدٍ قال تعالى بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾ الجائين به وهو اَن لا اله الا الله اِنَّكُمْ فيه التفاتٌ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا جزاءَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾ اى المؤمنين استثناءٌ منقطعٌ اى ذُكِرَ جزاؤهم في قوله اُولٰٓئِكَ لَهُمْ في الجنة رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿٤١﴾ بُكرةً وعَشِيًّا فَوَاكِهُ بدلٌ او بيانٌ للرّزق وهي مايُؤكل تَلَذُّذًا لا لِحِفظِ صحّةٍ لِاَنَّ اهلَ الجنة مُسْتغْنُونَ عن حفظِها بخلقِ اجسامِهم لِلاَبَدِ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ بثوابِ اللّٰهِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٤٣﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٤٤﴾ لا يرى بعضُهم قفا بعضٍ يُطَافُ عَلَيْهِمْ على كُلٍّ منهم بِكَاْسٍ هو الاناءُ بشرابه مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿٤٥﴾ من خمرٍ يَجري على وجهِ الارض كانهار الماءِ بَيْضَآءَ اَشدّ بياضًا من اللبن لَذَّةٍ لَذِيْذةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٤٦﴾ بخلاف خمرِ الدنيا فانها كريهةٌ عند الشُّرب لَا فِيْهَا غَوْلٌ ما يَغْتالُ عقولَهم وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿٤٧﴾ بفتح الزاى وكسرِها مِنْ نَزَفَ الشاربُ واَنْزَفَ اى يسكرون بخلاف خمر الدنيا وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ حابساتُ الاَعْيُنِ على اَزْواجهنَّ لا ينظُرْنَ الى غيرهم لِحُسنهم عندهن عِيْنٌ ﴿٤٨﴾ ضِخامُ الاعْيُنِ حِسانُها كَاَنَّهُنَّ في اللّون بَيْضٌ للنّعام مَّكْنُوْنٌ ﴿٤٩﴾ مستُورٌ بريشِه لا يَصِلُ اليه غُبارٌ ولونُه وهو البياضُ في صفرةٍ اَحْسَنُ اَلْوانِ النساءِ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ بعضُ اهلِ الجنة عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٥٠﴾ عما مرّ بهم في الدنيا.

ترجمہ: اور فرشتوں سے کہا جائے گا ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کرکے اپنے اوپر ظلم کیا اور ان کے شیطانی رفیقوں

کواوران کے معبودوں کوجن کی وہ خدا کے علاوہ بندگی کیا کرتے تھے کہ وہ بت ہیں جمع کرلواوران کوجہنم کا راستہ دکھلا دواور گھسیٹ کرلے جاؤاوران کوصراط کے پاس ٹھہراؤان سے ان کے تمام اقوال وافعال کے بارے میں سوال کرنا ہے اوران سے توبیخاً کہا جائے گا تم کوکیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مددنہیں کرتے؟ جیسا کہ دنیا میں تمہارا طریقہ تھا، اوران (کی حالت کے بارے میں) کہا جائے گا بلکہ وہ آج سرنگوں ذلیل ہوں گے اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر ایک دوسرے کو ملامت اور الزام تراشی کریں گے ان میں سے تابعین متبوعین سے کہیں گے تم ہمارے پاس حلفیہ طریقہ سے آتے تھے ہم تمہاری اس قسم کی وجہ سے کہ تم حق پر ہوتمہارا یقین کرلیتے تھے، اورتمہاری اتباع کرلیتے تھے، مطلب یہ ہے کہ تم ہی نے ہم کوگمراہ کیا تھا، متبوعین ان سے کہیں گے نہیں بلکہ (حقیقت) یہ ہے کہ تم خود ہی مومن نہیں تھے، ہماری طرف سے گمراہ کرنا اس وقت صادق آتا کہ تم مومن ہوتے پھر ایمان سے پھر جاتے اور ہمارا تم پر کوئی زور اور قدرت تو تھی نہیں کہ ہم تم کواپنی اتباع پر مجبور کرتے بلکہ تم خود ہی ہمارے مانند گمراہ لوگ تھے، تو ہم سب پر ہمارے رب کے عذاب کی وعید (یعنی) لَاَمْلَاَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ثابت ہوگئی، (اب) ہم سب کواس وعید کے مطابق عذاب کا مزا چکھنا ہے اور قول رب (یعنی وعید مذکور) سے ان کا قول فَاَغْوَيْنَاكُمْ ثابت ہوگیا، یعنی ہمارا تم کو (قضاء وقدر) کی وجہ سے گمراہ کرنا ثابت ہوگیا (لہٰذا ہمارے تم کوگمراہ کرنے کی وجہ سے ہم پر تم کوغصہ نہ ہونا چاہئے) فَاَغْوَيْنَاكُمْ یہ معلول ہے ان کے قول اِنَّا كُنَّا غَاوِيْنَ کا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ وہ سب تابعین اورمتبوعین قیامت کے دن عذاب میں شریک ہوں گے، ان کے گمراہی میں مشترک ہونے کی وجہ سے ہم جیسا کہ ان کے ساتھ کررہے ہیں ان کے علاوہ ہر مجرم کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں، یعنی تابع اور متبوع کوعذاب دیتے ہیں وہ یعنی مابعد کے قرینہ سے یہی لوگ (مراد ہیں) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ کہوتو یہ لوگ تکبر کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک شاعر مجنون کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ یعنی محمد ﷺ کے کہنے سے، بات ایسی نہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ حق لے کر آیا ہے اور حق لانے والا رسولوں کی تصدیق کرتا ہے اور حق لا الٰہ الا اللّٰہ ہے یقیناً تم دردناک عذاب کا مزا چکھنے والے ہو، اس میں (غیبت سے خطاب کی طرف) التفات ہے تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے، مگر اللہ کے مخلص بندے یعنی مومنین یہ مستثنیٰ منقطع ہے، ان کی جزاء اللہ تعالیٰ کے قول اُولٰئِكَ لهم رزقٌ معلومٌ (الآیة) میں ذکر کی گئی ہے یہی ہیں وہ لوگ جن کا رزق جو کہ میوے ہیں جنت میں وقت مقررہ پر (پابندی سے) صبح وشام ملے گا فَوَاكِهُ، رِزْقٌ سے بدل ہے، یا عطف بیان ہے فَوَاكِهُ ان پھلوں اور میووں کو کہا جاتا ہے جو تلذذ کے طور پر کھائے جاتے ہیں نہ کہ بقاء صحت کے لئے، اس لئے کہ جنتی بقائے صحت سے مستغنی ہوں گے، اس لئے کہ ان کے اجسام کی تخلیق ابد الآباد کے لئے ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے نعمتوں والی جنت میں ان کا اکرام کیا جائے گا حال یہ ہے کہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے کوئی کسی کی گدی (پشت) کو نہ دیکھے گا اوران میں سے ہر ایک پر بہتی ہوئی صاف شراب کے جام کا دور چلایا جائے گا، کأس اس جام کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو (ورنہ تو قدح کہلاتا ہے) مَعِيْنٍ وہ شراب جو سطح زمین پر پانی کے مانند جاری ہو وہ دودھ سے بھی زیادہ سفید ہوگی پینے

والوں کے لئے نہایت لذیذ ہوگی بخلاف دنیا کی شراب کے کہ وہ پینے میں بدمزہ ہوتی ہے نہ اس میں دردِ سر ہوگا کہ ان کی عقلوں میں فتور ڈالدے اور نہ اس کی وجہ سے بدحواس ہوں گے (یَنْزِفُوْنَ) میں ز کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ یہ نَزَفَ الشارب انزف سے ماخوذ ہے، یعنی بدمست نہ ہوں گے بخلاف دنیوی شراب کے کہ (اس سے بدمستی ہوتی ہے) اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی (شرمیلی) یعنی وہ اپنی نظروں کو اپنے شوہروں تک محدود رکھنے والی ہوں گی، دوسروں کی طرف نظر نہ اٹھائیں گی اس لئے کہ ان کے شوہران کی نظر میں (سب سے زیادہ) حسین ہوں گے، بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی ہوں گی گویا کہ وہ رنگ میں شترمرغ کے انڈے ہیں، جو اس کے پروں میں مستور ہیں، ان تک غبار کی رسائی نہیں ہوتی اور ان کا رنگ سفید زردی آمیز ہوگا، جو کہ عورتوں کا حسین ترین رنگ سمجھا جاتا ہے جنتی ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر دنیا کی سرگذشت کے بارے میں باتیں کریں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اُحْشُرُوْا تم جمع کرو حَشْرٌ سے جمع مذکر حاضر ہے (ن، ض)۔

قَوْلُهُ: اَنْفُسَهُمْ بِالشِّرْكِ، اَنْفُسَهُمْ محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ ظَلَمُوْا کا مفعول محذوف ہے اور بِالشِّرْكِ میں باسببیہ ہے یعنی انہوں نے شرک کے سبب سے اپنے اوپر ظلم کیا۔

قَوْلُهُ: قِفُوْهُمْ امر جمع مذکر حاضر معروف (ن، ض) وَقْفًا وُقُوْفًا لازم و متعدی دونوں طرح مستعمل ہے کھڑا کرنا، کھڑا ہونا یہاں متعدی ہے ان کو روکو۔

قَوْلُهُ: تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ، عن اليمين تاتوننا کی ضمیر سے حال ہے ای تاتوننا اقویاء یمین کے ایک معنی ہیں دایاں ہاتھ، مقصد اظہار قوت ہے، اس لئے کہ دائیں ہاتھ میں قوت زیادہ ہوتی ہے، دوسرے معنی ہیں قسم چونکہ متعاقدین بیع کو تام اور پختہ کرنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے تھے، جس طرح قسم سے بات پختہ ہوجاتی ہے، اسی طرح عرب کے عرف میں ہاتھ پر ہاتھ مارنے سے بیع تام اور پختہ ہوجاتی تھی، فقہی اصطلاح میں اس کو "صفقہ" کہتے ہیں، اس کے معنی تالی بجانا، اس معنی کے اعتبار سے تقدیر عبارت یہ ہوگی تاتوننا حالفِيْنَ۔

قَوْلُهُ: يَتَسَاءَلُوْنَ کی تفسیر يَتَلَاوَمُوْنَ وَيَتَخَاصَمُوْنَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں تساؤل سے مراد، خیر خیریت معلوم کرنا نہیں ہے بلکہ لعنت ملامت اور الزام تراشی مراد ہے مشرکین کے بارے میں دوسری جگہ کہا گیا ہے كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَعَنَتْ اُخْتَهَا بخلاف جنت میں مومنین کے تساؤل کے کہ وہ شکر اور تحدیث نعمت کے طور پر ہوگا۔

قَوْلُهُ: قَالُوْا بَلْ لَمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ الآية رؤساء مشرکین نے کمزور طبقہ کے مشرکین کے الزاموں کے پانچ جواب دیئے ہیں، ان میں سے یہ پہلا ہے اور آخری فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ہے، مطلب یہ ہے کہ تم کبھی بھی مومن نہیں تھے، لہٰذا

رے گمراہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہم پر گمراہ کرنے کا الزام تو اس وقت صادق آ سکتا تھا کہ پہلے تم ایمان لائے ہوتے ہمارے گمراہ کرنے کی وجہ سے ایمان ترک کر کے کفر کو اختیار کیا ہوتا۔

قولہ: اِنَّکُمْ، فیہ التفاتٌ یعنی غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے، کانوا اِذَا قیل لھُمْ میں غائب کا صیغہ استعمال ا ہے، اور زیادتی تقبیح کے لئے غیبت سے خطاب کی جانب التفات کیا ہے۔

قولہ: وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ واؤ عاطفہ ہے، ما نافیہ ہے تُجْزَوْنَ مبنی للمفعول ہے، اس کے اندر ضمیر نائب ل ہے اِلَّا حرف استثناء ہے اور ما مفعول بہ ثانی ہے اور اس سے پہلے مضاف محذوف ہے، ای مَا تُجْزَوْنَ اِلَّا جَزَاءَ مَا نتُمْ تَعْمَلُوْنَ.

قولہ: اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ اِلَّا حرف استثناء بمعنی لکن ہے اس لئے کہ یہ استثناء منقطع ہے، عِبَادَ اللّٰہِ تُجزَوْنَ ضمیر سے مستثنیٰ ہے۔

قولہ: اُولٰئِکَ لَھُمْ رِزْقٌ معلومٌ کلام مستانف ہے۔

قولہ: بِکَأْسٍ، کأسٌ پیالہ جبکہ اس میں شراب ہو اور خالی ہو تو اس کو قدحٌ کہتے ہیں، اس کی جمع اکواسٌ و کؤوسٌ آتی ہے۔

قولہ: بیضاءَ یہ کاسٌ کی صفت بھی ہو سکتی ہے اور خمر کی بھی اس لئے کہ یہ دونوں ہی مؤنث سماعی ہیں۔

قولہ: لَذَّۃٌ یا تو صفت مشبہ کا صیغہ ہے جیسا کہ صَعْبٌ سَھْلٌ تو اس صورت میں مشتق ہوگا اور اس کا صفت بنانا ظاہر ہے اور مصدر ہے تو صفت مبالغۃً ہوگی، یا پھر مضاف محذوف ہوگا، اَیْ ذَاتَ لَذَّۃٍ.

قولہ: غَــوْلٌ اسم فعل ہے اور مصدر بھی مستعمل ہے، نشہ، دردسر، مستی، بگاڑ، فساد، اچانک ہلاک کر دینا (ن) یعنی جنت کی اب میں نہ بدمستی ہوگی اور نہ فساد عقل، اور نہ دردسر بخلاف دنیا کی شراب کے۔

قولہ: یُنْزَفُوْنَ نزْفٌ سے مضارع مجہول جمع مذکر غائب (ض) ان کی عقل میں فتور نہ آئے گا۔

قولہ: عِیْنٌ یہ عَیْنَاء کی جمع ہے، بڑی آنکھوں والیاں۔

قولہ: بَیْضٌ مَکْنُوْنٌ، بَیْضٌ بَیْضَۃٌ کی جمع ہے لہٰذا جمع کے اعتبار سے مَکْنُوْنَۃٌ ہونا چاہئے۔

جواب: جس جمع کے واحد اور جمع میں ''ۃ'' سے فرق ہوتا ہے اس میں تذکیر و تانیث مساوی ہوتی ہے۔

تفسیر وتشریح

اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا انْفُسَھُمْ یہ اللہ تعالیٰ کا ملائکہ کو خطاب ہے، یا بعض ملائکہ کا بعض کو خطاب ہے ابن ابی حاتم ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے تَقُوْلُ الملائکۃُ للزَّبَانِیَۃِ اُحْشُرُوْا الخ یعنی ان ظالموں کو اور ان ہم مشربوں کو جنہوں نے شرک کے ظلم عظیم کا ارتکاب کیا ہے جمع کر لو، یہاں ہم مشربوں کے لئے اَزْوَاج کا لفظ استعمال

ہوا ہے، اس کے لفظی معنی جوڑے کے ہیں، اور یہ لفظ بیوی اور شوہر کے معنی میں بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے، اس لئے مفسرین نے اس کے معنی مشرکہ بیوی کے کئے ہیں، لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں ازواج سے شرک وکفر اور تکذیب رسل میں ہم خیال وہم مشرب لوگ مراد ہیں، اس کی تائید حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے، اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ یہاں ازواج سے ان کے جیسے (ہم خیال) لوگ مراد ہیں، اَخْرَجَ **عَبْدُ الرزاق وابنُ ابی شیبة وغیرهُما من طریق نعمان بن بشیر عن عمر بن الخطاب** رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ **انه قال اَزْوَاجُهُمْ اَمْثَالُهُمُ الَّذِیْنَ هم مثلهم** چنانچہ سودخور سودخوروں کے ساتھ اور زانی زانیوں کے ساتھ اور شرابی شرابیوں کے ساتھ جمع کئے جائیں گے۔ (روح المعانی)

وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ یعنی مشرکوں کے ساتھ ان صنمی معبودوں کو بھی جمع کیا جائے گا، تا کہ ان کو حسرت اور شرمندگی زیادہ ہو، اور مشرکوں کو اپنے معبودوں کی بے بسی کا اچھی طرح نظارہ کرایا جائے، کہا گیا ہے کہ ''ما'' چونکہ عام ہے ہر معبود کو شامل ہے حتی کہ ملائکہ ومسیح وعزیر علیہم السلام کو بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو اپنے قول **اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی** کے ذریعہ خاص کر لیا ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ''ما'' سے اصنام واوثان کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ لفظ **مَا** غیر ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور یہاں سلسلۂ کلام بھی ان مشرکین کے بارے میں ہے جو بت پرستی کرتے تھے۔ (روح المعانی) اس کے بعد فرشتوں کو حکم ہوگا کہ **فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ** یعنی ان کو جہنم کی راہ دکھاؤ۔ یہ حکم یا تو اماکن مختلفہ سے میدان حشر میں جمع کرنے کے لئے ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ یہ حکم میدان حشر سے جہنم کی طرف لیجانے کے لئے ہوگا۔ (روح المعانی) جب فرشتے ان کو لے چلیں گے اور پل صراط کے قریب پہنچیں گے تو حکم ہوگا **وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ** ان کو روکو ان سے سوال ہوگا، چنانچہ اس مقام پر ان کے عقائد واعمال کے بارے میں سوالات کئے جائیں گے جن کا ذکر قرآن وحدیث میں بہت سے مقامات پر آیا ہے۔ (معارف)

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ يَّتَسَاءَلُوْنَ میدان حشر میں جمع ہونے کے بعد جب کافروں کے بڑے بڑے سردار جنہوں نے چھوٹے لوگوں کو دنیا میں بہکایا تھا ملاقات کریں گے تو آپس میں ایک دوسرے پر لعنت ملامت اور الزام تراشی کریں گے آئندہ آیتوں میں ان کے آپسی بحث وتکرار کا کچھ نقشہ کھینچ کر فریقین کا انجام بد بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ''یمین'' کے متعدد معانی آتے ہیں ایک معنی قوت وطاقت کے بھی ہیں اس معنی کے اعتبار سے تفسیر یہ ہوگی کہ ہم پر تمہاری آمد بڑے زور کی ہوا کرتی تھی، یعنی تم ہم پر خوب دباؤ ڈال کر ہمیں گمراہ کیا کرتے تھے، اس کے علاوہ **یَمِیْنٌ** کے ایک معنی قسم کے بھی ہیں، اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلایا کرتے تھے، اور یہ باور کرانے کی کوشش کیا کرتے تھے کہ ہم حق پر ہیں، ہمیں تمہاری قسموں کی وجہ سے تمہاری باتوں پر یقین آجایا کرتا تھا جس کی وجہ سے ہم گمراہ ہو گئے، آج جس کی سزا بھگت رہے ہیں، الفاظ قرآنی کے اعتبار سے یہ دونوں ہی تفسیریں بے تکلف ہیں، ان دونوں میں بھی پہلی بے غبار اور صاف ہے۔ (روح المعانی) علامہ محلی نے دوسری تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

قالُوْا ای المتبوعون لَهُمْ یہ کلام مستانف ہے، گویا کہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب قوم کے کمزور اور کم حیثیت طبقہ کے لوگوں نے رؤساء قوم کو مورد الزام اور قصوروار ٹھہرایا تو رؤساء قوم نے اس کا کیا جواب دیا؟ مذکورہ کلام سے رؤساء وسرداروں کا جواب نقل فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمہارا ہم کو قصوروار ٹھہرانا غلط ہے، اس لئے کہ ہمارا تم پر کوئی زور نہیں تھا، ہماری کیا مجال تھی کہ ہم تم کو کفر وشرک پر مجبور کرتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم خود گمراہ اور سرکش تھے، قرآن کریم نے ضعفاء اور رؤساء کی بحث وتکرار اور اس کے نمونے مختلف مقامات پر ذکر فرمائے ہیں، ان کی ایک دوسرے پر الزام تراشی اور لعنت ملامت میدان حشر میں بھی ہوگی، اور جہنم میں داخل ہونے کے بعد بھی، ملاحظہ ہو سورۃ المؤمن ۴۷، ۴۸، سورۂ سبا ۳۱، ۳۲، سورۂ احزاب ۶۷، ۶۸، سورۂ اعراف ۳۸، ۳۹۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قولُ رَبِّنَا اب تو ہم (سب) پر ہمارے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہم (عذاب) کا مزا چکھنے والے ہیں فَاَغْوَيْنَاكُمْ اِنَّا كُنَّا غَاوِيْنَ یعنی رؤساء قوم نے پہلے جس بات کا انکار کیا تھا بلکہ ضعفاء کے الزام کو رد کرتے ہوئے خود ان کو ہی مورد الزام قرار دیا تھا، اب اسی بات کا اعتراف واقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں، واقعی ہم ہی نے تم کو گمراہ کیا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ہم خود بھی گمراہ تھے ہم نے چاہا کہ تم بھی ہم جیسے ہو جاؤ، اور تم نے بآسانی ہماری راہ اپنالی، روز محشر شیطان بھی یہی کہے گا وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَكُمْ. (ابراهیم)

فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ قیامت کے روز یہ دونوں فریق عذاب میں شریک ہوں گے، اس لئے کہ ان کا جرم بھی مشترک ہے شرک، معصیت، اور شر وفساد ان کا وطیرہ تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ناجائز کام کی دعوت دے اور گناہ پر آمادہ کرنے کے لئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے تو اسے دعوت گناہ کا عذاب تو بے شک ہوگا لیکن جس شخص نے اس دعوت کو اپنے اختیار سے قبول کرلیا، وہ بھی اپنے عمل کے گناہ سے بری نہیں ہوسکتا، اور آخرت میں یہ کہہ کر چھٹکارا نہیں پاسکتا کہ مجھے تو فلاں شخص نے گمراہ کیا تھا، ہاں اگر اس نے گناہ کا ارتکاب اپنے اختیار سے نہ کیا ہو بلکہ جبر واکراہ کی حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے کرلیا ہو تو انشاء اللہ اس کی معافی کی امید ہے۔ (معارف)

اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ یعنی دنیا میں جب ان سے کہا جاتا تھا کہ جس طرح مسلمانوں نے یہ کلمہ پڑھ کر شرک ومعصیت سے توبہ کرلی ہے تم بھی یہ کلمہ پڑھ لو تاکہ دنیا میں بھی مسلمانوں کے قہر وغضب سے محفوظ رہو اور آخرت میں عذاب الٰہی سے تمہیں دوچار نہ ہونا پڑے، تو وہ تکبر وانکار کرتے ہوئے کہتے اَئِنَّا لَتَارِكُوْا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ کیا ہم ایک دیوانے اور شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں، حالانکہ آپ دیوانے نہیں فرزانے تھے، اور قرآن کوئی شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے، اور اس دعوت کو اپنانے میں ہلاکت نہیں نجات اور ہمیشہ ہمیش کی کامیابی ہے۔

اُولٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے، ”انہی لوگوں کے لئے ایسا رزق ہے جس کا حال معلوم ہے“ مفسرین نے اس کے مختلف مطلب بیان کئے ہیں، بعض حضرات نے فرمایا کہ رزق معلوم سے اس کے متعین اوقات مراد

ہیں یعنی وہ صبح وشام پابندی کے ساتھ عطا کئے جائیں گے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ رزق معلوم سے مراد یقینی اور دائمی ہے یعنی وہ رزق دنیا کی طرح نہ ہوگا کہ کوئی شخص یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ کل مجھے کتنا اور کیا رزق ملے گا، بخلاف جنت کے رزق کے کہ وہ یقینی بھی ہوگا اور دائمی بھی (قرطبی، معارف) قتادہ نے کہا ہے کہ وہ رزق جنت ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ رزق معلوم وہ ہے جو بعد میں مذکور ہے یعنی فَوَاکِہُ وھم مکرمون میں فواکِہ رزق سے بدل یا عطف بیان ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے اَیْ ھُوَ فَوَاکِہُ، وَھُمْ مُکرمونَ حال کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے فِیْ جَنَّاتِ نَعِیْمٍ، مکرمون کے متعلق ہے یا ھُمْ مبتداء کی خبر ثانی ہے، عَلٰی سُرُرٍ خبر ثالث بھی ہوسکتی ہے اور حال کا بھی احتمال ہے متقابلین مکرمون کی ضمیر سے حال ہے یعنی جنتیوں کو ہر قسم کے میوے عزت واکرام کے ساتھ ملیں گے، کَاَنَّھُنَّ بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ جنتی حوروں کا رنگ شتر مرغ کے انڈوں کے مانند ہوگا جن کو شتر مرغ اپنے پروں میں چھپائے ہوئے ہو، جس کی وجہ سے گرد وغبار سے محفوظ ہوں گے جنتی جنت میں بیٹھے ہوئے آپس میں ذکر وتذکرے کے طور پر دنیا کے واقعات اور اپنی اپنی سرگذشت یاد کریں گے اور ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ﴿۵۱﴾ صاحبٌ یُنکرُ البعثَ يَّقُوْلُ لی تبکیتًا اَءِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ﴿۵۲﴾ بالبعثِ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا فی الهمزتین فی ثلثة مواضع ماتقدم لَمَدِیْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ مجزیُون ومُحاسَبون أنکر ذلك ایضا قَالَ ذلك القائلُ لِاخوانِه هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ معی الی النارِ لِنَنْظُرَ حالَه فیقولون لا فَاطَّلَعَ ذلك القائلُ من بَعْضِ کُوی الجنةِ فَرَاٰهُ ای رأی قرینَه فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾ ای وَسَطِ النار قَالَ له تشمیتًا تَاللّٰهِ اِنْ مخففةٌ من الثقیلةِ كِدْتَّ قاربتَ لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾ لتُهلِکنی باِغوائِك وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ ای انعامُه عَلَیَّ بالایمانِ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۵۷﴾ معكَ فی النارِ ویقول اہلُ الجنة اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی ای التی فی الدنیا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۵۹﴾ ہو استفہامُ تَلذُّذٍ وتحدُّثٍ بنعمةِ اللّٰهِ تعالٰی من تابیدِ الحیاةِ وعدمِ التعذیبِ اِنَّ هٰذَا الذی ذُکر لاہلِ الجنة لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قیل یقال لہم ذلك وقیل ہم یقولونه اَذٰلِكَ المذکورُ لہم خَیْرٌ نُّزُلًا وہو مایُعَدُّ للنازلِ من ضیفٍ وغیرِه اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ المُعدَّةُ لاہلِ النار وہی من اَخْبَثِ الشجر المُرّ بتِہامَةَ یُنْبِتُها اللّٰهُ فی الجحیم کما سیاتی اِنَّا جَعَلْنٰهَا بذلك فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۳﴾ ای الکافرینَ من اہلِ مکةَ اذ قالوا النارُ تُحرِقُ الشجرَ فکیف تُنبِتُه اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْٓ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ﴿۶۴﴾ قعرِ جہنمَ واغصانُها ترفَعُ الی دَرَکاتِها طَلْعُهَا المشبَّهُ بطلعِ النخلِ كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾ ای الحیاتِ القبیحةِ المَنْظَرِ فَاِنَّهُمْ ای الکُفّارُ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا مع قُبْحِها لِشدّةِ جُوعِهم فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۶۷﴾ ای ماءٍ حارٍّ یَشْرَبُوْنَه فیَخْتَلِطُ بالماکول

منها فيصير شوبًا له ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿٦٨﴾ يُفيد انّهم يخرُجُونَ منها لِشُرْبِ الحميم وانه لَخارجها اِنَّهُمْ اَلْفَوْا وَجَدُوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ يُزعَجُوْنَ الى اتباعِهِم فيُسْرِعُوْنَ اليه وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٧١﴾ من الأُمَمِ الماضيةِ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٧٢﴾ من الرُّسُلِ مُخَوِّفِيْنَ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ الكافرين اى عاقبتُهم العذابُ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٧٤﴾ اى المؤمنين فانّهم نجَوْا من العذابِ لِاِخْلاصِهم فى العبادةِ اوْ لِاَنّ اللّٰهَ اَخلَصَهم لها على قراءةِ فتحِ اللامِ.

ترجمہ: ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا میرا ایک رفیق تھا جو بعث بعد الموت کا منکر تھا، وہ مجھ سے مجھے لاجواب کرنے کے لئے کہتا تھا کہ کیا تم بھی بعث بعد الموت کا اعتقاد رکھنے والوں میں سے ہو؟ بھلا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہوجائیں گے تو کیا ہم کو جزاء دی جائے گی، اور ہمارا حساب کیا جائیگا، اور وہ اس (جزاء وسزا) کا بھی منکر تھا یہ قائل اپنے بھائیوں (احباب) سے کہے گا کیا تم اس کو میرے ہمراہ دوزخ میں جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو!! تاکہ ہم اس کی حالت دیکھیں، تو وہ جواب دیں گے کہ نہیں، تو یہ قائل جنت کے بعض روشندانوں سے جھانک کر دیکھے گا تو اپنے رفیق کو دوزخ کے بیچوں بیچ (پڑا ہوا) دیکھے گا (یہ مومن) اپنے ملاقاتی سے اظہار مسرت کے طور پر کہے گا خدا کی قسم تو تو مجھے تباہ کرنے کو تھا کہ تو مجھے اپنے گمراہ کرنے کے ذریعہ ہلاک کردے اِنْ مشددہ سے مخففہ ہے، اگر مجھ پر میرے رب کا فضل نہ ہوتا یعنی مجھ پر ایمان کے ذریعہ اس کا فضل نہ ہوتا تو میں تیرے ساتھ آگ میں ماخوذین میں سے ہوتا جنتی (آپس میں) کہیں گے کیا اب ہم پہلی یعنی دنیوی موت کے علاوہ مرنے والے نہیں ہیں؟ اور نہ ہم کو عذاب ہوگا یہ استفہام تلذذ کے لئے ہے دائمی حیات اور عذاب نہ دیئے جانے پر، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکریہ کے طور پر، بلا شبہ اہل جنت کے لئے جو (انعامات) ذکر کئے گئے ہیں یہی بڑی کامیابی ہے، ایسی ہی (کامیابی) کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے کہا گیا ہے کہ یہ بات جنتیوں سے کہی جائے گی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنتی آپس میں یہ بات کہیں گے بھلا یہ نعمتیں جو مذکور ہوئیں، جنتیوں کے لئے مہمانی کے اعتبار سے بہتر ہیں؟ نُزُل اس چیز کو کہتے ہیں جو آنے والے مہمان وغیرہ کے لئے تیار کی جائے یا تھوہڑ کا درخت؟ جو جہنمیوں کے لئے تیار کیا گیا ہے وہ خبیث ترین تلخ درخت ہے جس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں پیدا فرمائیں گے، جیسا کہ عنقریب آئے گا ہم نے اس درخت کو اہل مکہ میں سے کافروں کے لئے (موجب) آزمائش بنادیا جبکہ (کافروں) نے کہا آگ تو درختوں کو جلادیتی ہے، تو پھر وہ اس (درخت) کو کیسے اگائے گی، وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ میں سے نکلتا ہے اور اس کی شاخیں دوزخ کے (ہر) طبقہ میں پہنچی ہوئی ہوں گی، اس کے خوشے جو کہ کھجور کے خوشہ کے مشابہ ہوں گے، گویا کہ وہ شیاطین یعنی قبیح المنظر سانپوں کے سر ہیں، سو وہ یعنی کافر اس کی قباحت کے باوجود شدت بھوک کی وجہ سے اسی میں سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ

بھریں گے پھران کو اس کے کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا یعنی گرم پانی جس کو وہ پئیں گے، تو اس پانی کا کھائے ہوئے شجر زقوم کے ساتھ مخلوط (آمیزہ) بن جائے گا پھران کا اخیر ٹھکانہ یقیناً جہنم ہوگا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو گرم پانی پینے کے لئے (وسط) جہنم سے نکالا جائے گا، اور وہ گرم پانی جہنم سے باہر ہوگا انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہی میں پایا تھا پھر یہ بھی ان کے نقش قدم پر تیزی سے چلتے تھے ان کی اتباع کے لئے سبقت کرتے تھے اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں یعنی امتوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں، اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے رسول بھیجے تھے سو دیکھ لیجئے ان لوگوں کا جن کو ڈرایا گیا تھا کیسا (برا) انجام ہوا، یعنی ان کا انجام عذاب ہی ہے، مگر وہ جو اللہ کے مخلَص (برگزیدہ) ہوئے یعنی مومنین سو وہ عبادت میں اپنے اخلاص کی وجہ سے یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عبادت کے لئے منتخب کر لیا تھا، عذاب سے نجات پا گئے (یہ ترجمہ) لام کے فتحہ والی قراءت کی صورت میں ہوگا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: قَالَ قَائِلٌ یہ کہنے والا کوئی جنتی ہوگا، جنتی جہاں دیگر بہت سی باتیں کریں گے منجملہ ایک شخص اپنے ایک منکر بعث دوست کی سرگذشت سنائے گا، اس گفتگو کو قرآن کریم نے قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ سے پیش گوئی کے طور پر بیان کیا ہے، اور تبکیت کے معنی ہیں عار دلانا، ڈانٹنا، مصباح میں ہے، بکت زید عمرًا، زید نے عمر کو عار دلائی۔

قَوْلُهُ: کوی جمعُ کوۃٍ، کوۃٍ کاف کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ، دیوار کا سوراخ، روشندان، جمع میں بھی کاف کا ضمہ و فتحہ دونوں درست ہیں، البتہ فتحہ کی صورت میں مد و قصر، دونوں درست ہیں، اور ضمہ کی صورت میں قصر متعین ہے۔ (جمل)

قَوْلُهُ: تَاللّٰه، ت قسمیہ جارہ ہے، اُقسِمُ فعل محذوف کے متعلق ہے، اِنْ مخففہ عن المشددہ ہے، اگر اس کو عامل قرار دیا جائے تو اس کا اسم محذوف ہوگا، اور جملہ کِدْتَ اس کی خبر، تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنَّكَ کِدْتَ اور اگر غیر عامل قرار دیا جائے تو جملہ کِدْتَ لَتُرْدِیْنِ جواب قسم ہوگا، اِنْ مخففہ عام طور پر کادَ یا کانَ پر داخل ہوتا ہے، لَتُرْدِیْنِ میں لام فارقہ ہوگا، مخففہ اور نافیہ کے درمیان۔

قَوْلُهُ: لَتُرْدِیْنِ لام فارقہ ہے، تُرْدِیْنِ ارداءٌ سے مضارع واحد مذکر حاضر نون وقایہ ی مفعول بہ ضمیر واحد متکلم محذوف، تو مجھے ہلاک کرے گا، یاء کو سنت مصحف کی اتباع میں حذف کر دیا گیا۔ (اعراب القرآن للدرویش)

قَوْلُهُ: اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ہمزۂ استفہامیہ محذوف پر داخل ہے، اور فا عاطفہ ہے، عطف محذوف پر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَنَحْنُ مُخَلَّدُوْنَ منعمونَ فما نحن بمیّتین۔

قَوْلُهُ: اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا (الآیۃ) یہ جملہ قول محذوف کا مقولہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے قل لھم یا محمد اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ، ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ سابق میں مذکورہ رزق معلوم ہے نُزُل دونوں کے ضمہ کے ساتھ اور نون

کے ضمہ اور زا کے سکون کے ساتھ، وہ شئ جو مہمان کے لئے تیار کیجائے، جمع اَنْزَالٌ، نُزُلًا، خیرٌ سے تمیز واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: تِھَامَةٌ عرب کا وہ حصہ جس میں مکہ مکرمہ واقع ہے۔

قولہ: اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ، اَمْ حرف عطف ہے، اور شجرة الزقوم کا عطف ذٰلک اسم اشارہ پر ہے، اَمْ شَجَرَة الزقوم مبتداء ہے اس کی خبر ماقبل کی دلالت کی وجہ سے محذوف ہے تقدیر عبارت ہے اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ خیرٌ نُزُلًا۔

قولہ: لَشَوْبًا شین کے فتحہ کے ساتھ جمہور کی قراءت ہے اور ضمہ کے ساتھ شاذ ہے، یہ (ن) سے شَوْبًا مصدر ہے، ملانا، آمیزہ کرنا لَشَوْبًا، اِنَّ کا اسم مؤخر ہے اور لَھُمْ خبر مقدم ہے عَلَیْھَا محذوف سے متعلق ہو کر حال ہے۔

قولہ: لَا اِلَی الجَحِیمِ لام تاکید کے لئے ہے مگر مصحف امام کے رسم الخط کی اتباع میں لا لکھنا ضروری ہے مگر یہ الف پڑھا نہیں جاتا۔

قولہ: اِنَّھُمْ اَلْفَوْا آبَاءَ ھُمْ ضَالِّیْنَ یہ جملہ ماسبق میں مذکور انواع واقسام کے عذابوں میں مبتلا ہونے کی علت ہے یعنی بت پرستی کے حق اور توحید کے ناحق ہونے کی دلیل ان کے پاس بغیر سوچے سمجھے تقلید آباء کے علاوہ کوئی نہیں اور یہی ان کی گمراہی کا باعث ہوئی جس کی وجہ سے ماسبق میں مذکور انواع واقسام کے عذاب میں ماخوذ ہوں گے۔

قولہ: یُھْرَعُوْنَ اھراعٌ سے مضارع جمع مذکر غائب مجہول تیز دوڑتے ہوئے۔

تفسیر وتشریح

قَالَ قَائِلٌ مِّنْھُمْ اِنِّی کَانَ لِی قَرِیْنٌ قرآن نے جنتیوں کی باہمی گفتگو کا ایک نمونہ پیش کیا ہے۔

ایک جنتی اور اس کا کافر ملاقاتی:

ابتدائی دس آیتوں میں اہل جنت کے عمومی حالات بیان فرمانے کے بعد ایک جنتی کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ جنت میں پہنچنے کے بعد اپنے ایک کافر دوست کو یاد کرے گا، جو دنیا میں آخرت کا منکر تھا، قرآن کریم میں اس شخص کا نام و پتہ تو نہیں بتایا گیا اس لئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کون ہوگا؟ تاہم مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس مومن شخص کا نام ''یہودا'' اور کافر ملاقاتی کا نام ''مطروس'' ہے، اور یہ وہی دو ساتھی ہیں جن کا ذکر سورۂ کہف کی آیت واضْرِبْ لَھُمْ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ الآیة میں گذر چکا ہے۔ (مظهری)

عبد الرزاق اور ابن منذر نے عطاء خراسانی سے نقل کیا ہے کہ دو آدمی کسی کاروبار میں شریک تھے، ان کے پاس آٹھ ہزار دینار تھے، دونوں نے تقسیم کر لئے، ہر ایک کے حصہ میں چار چار ہزار دینار آئے، ایک شریک نے ایک ہزار دینار کی زمین

خریدی، جب دوسرے شریک کو اس کا علم ہوا تو اس نے کہا، یا اللہ فلاں نے ایک ہزار دینار صرف کر کے زمین خریدی ہے، میں بھی ایک ہزار دینار کے بدلے آپ سے جنت میں زمین خریدتا ہوں، اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں خرچ کر دیئے، پھر اس کے شریک نے ایک ہزار دینار صرف کر کے ایک مکان بنایا، جب اس کو معلوم ہوا تو اس نے کہا اے میرے اللہ فلاں نے ایک ہزار دینار صرف کر کے مکان بنایا ہے، میں آپ سے ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں ایک مکان خریدتا ہوں اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں صدقہ کر دیئے، پھر اس کے ساتھی نے ایک ہزار دینار صرف کر کے ایک عورت سے شادی کی، جب اس شریک کو اس کا علم ہوا تو اس نے کہا اے بار الہ میرے شریک نے ایک ہزار دینار صرف کر کے شادی رچائی ہے، میں بھی ایک ہزار دینار کے عوض جنت کے حوروں سے شادی کرتا ہوں اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں صرف کر دیئے، پھر اس کے شریک نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے خدام اور گھر کا سامان خریدا، جب اس کو معلوم ہوا تو اس نے کہا یا الہ العالمین فلاں نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے خدام اور گھر کا ساز و سامان خریدا ہے، اے اللہ میں بھی ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں خدام اور سامان خریدتا ہوں، اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں خرچ کر دیئے۔

اس کے بعد اتفاق سے اس مومن بندے کو کوئی شدید ضرورت پیش آ گئی، اس نے سوچا کہ اگر میں اپنے شریک کے پاس جاؤں شاید وہ میری مدد کرے، چنانچہ یہ مومن ساتھی کافر ساتھی کی رہ گذر پر جا کر بیٹھ گیا، جب کافر ساتھی بڑے حشم و خدم کے ساتھ وہاں سے گذرا تو یہ مومن ساتھی اپنے کافر ساتھی کے پاس گیا اور اپنی ضرورت اور حاجت کا اظہار کیا، تو اس نے کہا وہ چار ہزار دینار کیا ہوئے جو تیرے حصے میں آئے تھے، اس نے اپنی پوری سرگذشت سنائی، کافر ساتھی نے اس کی سرگذشت سن کر کہا، کیا تم واقعی اس بات کو سچ سمجھتے ہو کہ ہم جب مر کر خاک ہو جائیں گے تو ہمیں دوسری زندگی ملے گی، اور وہاں ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا؟ جاؤ میں تجھ کو کچھ نہیں دوں گا، اس کے بعد دونوں کا انتقال ہو گیا، مذکورہ آیت میں جنتی سے مراد وہ بندہ ہے جس نے آخرت کی خاطر اپنا سارا مال صدقہ کر دیا تھا، اور اس کا جہنمی ساتھی وہی شریک کاروبار ہے، جس نے آخرت کی تصدیق کرنے پر اس کا مذاق اڑایا تھا۔ (روح المعانی ملخصًا)

أَذٰلِكَ خَيْرٌ نُزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ زقوم نام کا ایک درخت جزیرۃ العرب کے تہامہ علاقہ میں پیدا ہوتا ہے، یہ درخت دیگر علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے، بنجر زمین اور صحراؤں میں زیادہ ہوتا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ وہی درخت ہے جسے اردو میں تھوہڑ کہتے ہیں، بعض حضرات نے زقوم کا مصداق ناگ پھن کو قرار دیا ہے، جو تھوہڑ کے قریب قریب ہوتا ہے اور اس کا سرا سانپ کے پھن کے مشابہ ہوتا ہے اور اس پر باریک اور لمبے خار بھی ہوتے ہیں، یہ رائے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، دوزخ کے زقوم اور دنیا کے زقوم میں کوئی نسبت نہیں دونوں کے درمیان کیفیت میں بون بعید ہے، صرف شرکت اسمی کی وجہ سے زقوم کہہ دیا گیا ہے جس طرح دوزخ کے سانپ بچھوؤں کو بھی شرکت اسمی کی وجہ سے سانپ بچھو کہہ دیا گیا ہے ورنہ ظاہر ہے دونوں میں صوری شرکت کے علاوہ کوئی مناسبت نہیں ہے۔

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ یہاں فتنہ سے بعض مفسرین کے نزدیک عذاب مراد ہے یعنی اس درخت کو عذاب کا ذریعہ

بنادیا، لیکن اکثر مفسرین "فتنۃ" کا ترجمہ آزمائش سے کرتے ہیں، یہ زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس درخت کا تذکرہ کرکے ہم یہ امتحان لینا چاہتے ہیں کہ کون اس پر ایمان لاتا ہے؟ اور کون اس کا مذاق اڑاتا ہے؟ چنانچہ کفار عرب اس امتحان میں ناکام رہے، انہوں نے بجائے اس کے کہ اس عذاب سے ڈر کر ایمان لاتے، تمسخر اور استہزاء کا طریقہ اختیار کیا، روایات میں ہے کہ جب قرآن کی مذکورہ آیت نازل ہوئی تو ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا تمہارا دوست (محمد ﷺ) کہتا ہے کہ آگ میں ایک درخت ہے حالانکہ آگ تو درخت کو کھا جاتی ہے اور خدا کی قسم ہم تو یہ جانتے ہیں کہ زقوم کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں تو آؤ اور یہ کھجور اور مکھن کھاؤ (روح المعانی، درمنثور) بربری زبان میں زقوم کھجور اور مکھن کو کہتے تھے، اس لئے ابوجہل نے استہزاء کا یہ طریقہ اختیار کیا، باری تعالیٰ نے ایک ہی جملہ میں اس کی دونوں باتوں کا جواب دی دیا۔

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تخرجُ فی اصل الجحیم یعنی زقوم تو جہنم کی تہہ میں اگنے والا ایک درخت ہے، درخت کا آگ میں نہ جلنا یہ خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے، اور اس کی مثالیں بھی موجود ہیں، اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے جانور پیدا فرمائے ہیں کہ وہ آگ میں زندہ رہ سکتے ہیں، اسی قسم کا ایک جانور "سمندر" ہے، اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ آگ میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں رہتا ہے آگ سے نکلنے پر مرجاتا ہے، اور بعض جانوروں کی اللہ تعالیٰ نے آگ غذا بنائی ہے۔

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشياطين اس آیت میں زقوم کو شیاطین کے سروں سے تشبیہ دی ہے، بعض مفسرین نے تو یہاں شیاطین کا ترجمہ سانپوں سے کیا ہے، یعنی زقوم کا درخت سانپ کے پھن کے مشابہ ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس درخت کو "ناگ پھن" کہتے ہیں، شیطان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ انتہاء درجہ کا بدصورت ہے، زقوم کی بدصورتی کو بیان کرنے کے لئے زقوم کو شیطان کے سر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (روح المعانی، معارف)

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ بقوله رَبِّ انّی مغلوبٌ فانتَصِرْ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ له نحنُ ای دَعَانا علی قومِه فاہلَکناہم بالغَرقِ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ ای الغرق وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ فالناسُ کلُّهم من نسلِه علیه السلام وکان له ثلثةُ اولادٍ سامٌ وہو ابو العرب وفارسَ والرومِ وحامٌ وہو ابو السُّودان ویافِث ابو التُّرْكِ والخَزَرِ ویاجوجَ وماجوجَ وما ہُنالِكَ وَتَرَكْنَا اَبقَیْنا عَلَيْهِ ثناءً حَسنًا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ من الانبیاء والاُمَم الی یوم القیمةِ سَلٰمٌ منّا عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ کما جَزَیْناہُ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ کُفّارَ قومِه وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ ای مِمَّنْ تابَعَه فی اصلِ الدین لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ وان طال الزمانُ بینهما وہو الفانِ وسِتُّمِائةٍ واَرْبَعُوْنَ سنةً وکان بینهما ہودٌ وصالحٌ اِذْ جَآءَ ای تابَعَه وقتَ مجیئِه رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ من الشَّكِّ وغیرِه اِذْ قَالَ فی ہٰذه الحالةِ المُستمِرّةِ له لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مُوَبِّخًا مَاذَا ما الذی تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا فی ہمزتَیْه ما تقدَّمَ اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ وافکًا مفعولٌ له واٰلِہةً مفعولٌ به لتُریدُون والاِفْكُ

وقف لازم

اَسْوَءُ الكَذِبِ اى اَتَعبُدُونَ غيرَ اللّٰهِ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اذ عَبَدْتُم غيره انّه يترككم بلا عِقابٍ، وكانوا نَجّامِيْنَ فَخرجُوا الى عيدٍ لهم وتركوا طَعَامَهُمْ عند اَصنامِهم زَعَمُوا التَّبرُّكَ عليه فاذا رجعوا اكلُوه وقالوا لِلسَّيِّدِ ابراهيمَ اُخرجْ مَعَنَا فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ايهامًا لهم انه يَعْتَمِدُ عليها لِيَتَّبِعُوْه فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ عَلِيْلٌ اى سَاَسْقَمُ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ الى عيدِهم مُدْبِرِيْنَ فَرَاغَ مَالَ في خُفْيَةٍ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ وهى الاصنام وعندها الطعامُ فَقَالَ استهزاءً اَلَا تَاْكُلُوْنَ فلم يَنطقوا فقال مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ فلم يجب فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ بالقُوّةِ فكَسَّرها فبلغ قومَه من رآه فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ اى يُسرِعُونَ المشيَ فقالوا نحن نعبُدُها وانت تكسّرُها قَالَ لهم مُوَبِّخًا اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ من الحجارةِ وغيرِها اصنامًا وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ نَحْتِكُم ومَنْحُوتِكم فاعبدوه وحده وما مصدرية وقيل موصولة وقيل موصوفة قَالُوا بينهم ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فاملؤُهُ حطبًا واضرِمُوه بالنار فاذا التهب فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ النار الشديدة فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا بالقائه في النار لتُهلكه فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ المقهورين فخرج من النار سالمًا وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ مُهاجِرٌ اليه من دارِ الكُفرِ سَيَهْدِيْنِ الى حيثُ اَمَرَني بالمصير اليه وهو الشام فلمّا وَصلَ الى الارضِ المقدّسةِ قالَ رَبِّ هَبْ لِيْ ولدًا مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ اى ذى حلم كثير فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ اى ان يَسْعٰى معه ويُعينهُ قيل بلغ سبعَ سنين وقيل ثلاثة عشر سنةً قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى اى رأيتُ فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ ورؤيا الانبياء حقٌّ وافعالُهم بأمرِ اللّٰهِ تعالٰى فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى من الرّأى شاوره ليأنس بالذبح وينقادَ لِلْاَمْرِ به قَالَ يٰٓاَبَتِ التاءُ عوضٌ عن ياءِ الاضافةِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ به سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ على ذلك فَلَمَّآ اَسْلَمَا خضعا وانقادا لِاَمرِ اللّٰهِ وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ صَرعه عليه ولِكُلِّ انسانٍ جَبِينان بينهما الجبهةُ وكان ذلك بِمِنى وَاَمَرَّ السِّكِّينَ على حلقِه فلم تَعْمَلْ شيئًا بمانعٍ من القُدرةِ الْاِلٰهِيّةِ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا بما اَتَيتَ به مِمَّا أمكنك من اَمرِ الذبحِ اى يَكْفِيكَ ذلك فجملةُ نادَيْنَاهُ، جوابُ لَمّا بزيادةِ الواو اِنَّا كَذٰلِكَ كما جَزَيْنَاكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ لِاَنفسِهم بِامتثالِ الامرِ بِافراجِ الشِّدّةِ عنهم اِنَّ هٰذَا الذبحَ المامورَ به لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ اى الاختبارُ الظاهرُ وَفَدَيْنٰهُ اى المامور بذبحه وهو اسماعيلُ او اسحاقُ قولان بِذِبْحٍ بِكَبْشٍ عَظِيْمٍ من الجنة وهو الذى قرّبهُ هابيلُ جاء به جبرئيلُ عليه السلام فذبحه السيدُ ابراهيمُ مُكَبِّرًا وَتَرَكْنَا اَبقينا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ثناءً حسنًا سَلٰمٌ منّا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ كَذٰلِكَ كما جزيناه نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ لانفسهم اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ استُدِلّ بذلك على اَنّ الذبيحَ غيرُه نَبِيًّا حالٌ مقدرةٌ اى يُوجد مقدرًا نبوّتُه مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ

بتكثير ذريته وَعَلَىٰٓ إِسۡحَٰقَۚ ولده بجعلنا اكثر الانبياء من نسله وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا مُحۡسِنٌ مؤمن وَظَالِمٌ لِّنَفۡسِهِ كافر مُبِينٌ ﴿۱۱۳﴾ بيّنُ الكفرِ.

ترجمہ: اور ہمیں نوح (علیہ الصلاۃ والسلام) نے رَبِّ اَنِّی مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ کہہ کر پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے فریاد رسی کرنے والے ہیں، یعنی اس نے ہم سے اپنی قوم کے لئے بددعاء کی چنانچہ ہم نے ان کو غرق کرکے ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کو اور ان کے اہل کو بڑے بھاری غم یعنی غرق سے نجات دی اور ہم نے باقی انہی کی اولاد کو رکھا، تو تمام لوگ نوح علیہ الصلاۃ والسلام ہی کی نسل سے ہیں، آپ کے تین لڑکے تھے، سام یہ عرب اور فارس اور روم کے جداعلیٰ ہیں، اور حام یہ سوڈان کے جداعلیٰ ہیں، اور یافث ترک اور خزرج اور یاجوج وماجوج اور جوان کے پاس ہیں، ان کے جداعلیٰ ہیں، اور ہم نے بعد والوں میں یعنی انبیاء اور قیامت تک آنے والے لوگوں میں ان کا ذکر جمیل باقی رکھا، اور ہماری طرف سے نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو جس طرح ہم نے ان کو صلہ دیا ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو یعنی اس کی قوم کے کافروں کو غرق کر دیا، اور بلاشبہ انہی کی جماعت سے یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے ان کے اصول دین کی اتباع کی ابراہیم بھی تھے، اگرچہ ان دونوں کے درمیان طویل زمانہ تھا، اور وہ دوہزار چھ سو چالیس سال کا زمانہ تھا، اور ان دونوں کے درمیان ہود اور صالح علیہما السلام بھی ہوئے، جب وہ اپنے رب کی طرف شک وغیرہ (کے عیب) سے خالی دل کے ساتھ متوجہ ہوئے یعنی توجہ (کے وقت) حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی اتباع کی، جب (ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے) اپنی اس دائمی حالت میں اپنے والد اور اپنی قوم سے توبیخ کے طور پر کہا یہ کیا (واہیات چیز) ہے جس کی تم بندگی کرتے ہو کیا تم خدا کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے (فرضی) معبود کو (حقیقی معبود) بنانا چاہتے ہو دونوں ہمزوں میں وہی قراءتیں ہیں جو سابق میں گذر چکی ہیں، اِفْکًا مفعول لہ ہے، اور آلِهَةً لُتُرِيْدُوْنَ کا مفعول بہ ہے اور ''افک'' بدترین کذب کو کہتے ہیں یعنی کیا تم غیر اللہ کی بندگی کرتے ہو جب تم غیر اللہ کی بندگی کرتے ہو تو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ تم کو بغیر عذاب کے چھوڑ دے گا؟ ہرگز نہیں، اور یہ لوگ نجومی تھے، چنانچہ یہ لوگ اپنی عید (گاہ) کی طرف نکلے، اور وہ اپنے کھانے، اپنے بتوں کے پاس اس عقیدے سے رکھ گئے کہ یہ متبرک ہو جائیں گے، چنانچہ جب واپس آتے تو اس کو (تبرک سمجھ کر) کھاتے، اور ان کی قوم کے لوگوں نے سیدا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا کہ ہمارے ساتھ تم بھی چلو (حضرت) ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے ستاروں کی طرف (ایک نظر) دیکھا ان کو اس وہم میں ڈالنے کے لئے کہ وہ بھی ان ستاروں پر اعتماد کرتے ہیں، تاکہ وہ ان کی بات مان لیں، پھر آپ نے فرمایا میں بیمار ہوں، یعنی مستقبل قریب میں بیمار ہوں گا، غرض یہ کہ وہ لوگ ان کو چھوڑ کر اپنی (عیدگاہ) یعنی میلے کے مقام پر چلے گئے، تو یہ خفیہ طور پر ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور وہ بت ہیں، اور ان کے پاس کھانا (رکھا ہوا) تھا، (حضرت ابراہیم

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) تمسخر کے طور پر (بتوں) سے کہا، تم کھاتے کیوں نہیں؟ جب بتوں نے کوئی جواب نہ دیا، تو پھر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم کو کیا ہو گیا کہ تم بولتے نہیں ہو؟ پھر بھی ان میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا پھر تو ان پر (پوری قوت کے ساتھ) مارنے کے لئے پل پڑے، اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، اس کے بعد کسی دیکھنے والے نے ان کی قوم کو اس کی اطلاع کر دی، پھر تو ان لوگوں نے بڑی سرعت سے ان کا رخ کیا، اور کہنے لگے ہم تو ان کی بندگی کرتے ہیں، اور تم ان کو توڑتے ہو تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے توبیخاً فرمایا کیا تم ان بتوں کی بندگی کرتے ہو جن کو تم خود ہی پتھر وغیرہ سے تراشتے ہو، حالانکہ تم کو اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو یعنی تمہارے تراشنے کو اور تمہاری تراشیدہ چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے، لہٰذا اسی کی بندگی کرو، اور اس کی توحید کا اعتقاد رکھو، اور ما مصدریہ ہے، اور کہا گیا ہے کہ موصولہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ موصوفہ ہے، ان لوگوں نے آپس میں (مشورہ) کر کے کہا اس کے لئے ایک آتشکدہ تعمیر کرو اور اس کو لکڑیوں سے پُر کر دو، اور اس میں آگ دہکا دو، جب آگ شعلہ زن ہو جائے تو اس کو اس شدید آگ میں ڈال دو، غرض یہ کہ ان لوگوں نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالنے کی تدبیر کرنی چاہی تاکہ آگ اس کو ہلاک کر دے مگر ہم نے ان کو زیر (یعنی) مغلوب کر دیا، چنانچہ (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) آگ سے صحیح سلامت نکل آئے، اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں تو دارالکفر سے ہجرت کر کے اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، وہ میری اس مقام کی طرف ضرور ہی رہنمائی کرے گا، جہاں جانے کا مجھے حکم دیا ہے، اور وہ (ملک) شام ہے، چنانچہ جب وہ ارض مقدس میں پہنچے، تو دعا کی اے میرے پروردگار مجھے صالح لڑکا عطا فرما، تو ہم نے اس کو نہایت ہی بردبار لڑکے کی خوشخبری دی، پھر جب وہ بچہ اس قابل ہو گیا کہ ان کے ساتھ چلے پھرے یعنی ان کے ساتھ دوڑ دھوپ کرے اور (کام کاج) میں ہاتھ بٹائے، ایک قول یہ ہے کہ سات سال کا ہو گیا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ تیرہ سال کا ہو گیا، تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میرے پیارے بچے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں، اور انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں اور ان کے افعال بحکم خداوندی ہوتے ہیں اب تو بتا تیری کیا رائے ہے؟ (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرزند سے اس لئے مشورہ کیا کہ وہ ذبح سے مانوس ہو جائے (یعنی ذہنی طور پر تیار ہو جائے) اور ذبح کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے (صاحبزادے اسماعیل) نے عرض کیا ابا جان جس کام کا آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ وہ کام کر ڈالئے، آپ ان شاء اللہ مجھے اس کام میں صابر پائیں گے غرضیکہ جب دونوں مطیع ہو گئے اور حکم خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اس کو کنپٹی کے بل (کروٹ پر) لٹا دیا ہر انسان کے دو کنپٹی ہوتی ہیں، ان کے درمیان پیشانی (ماتھا) ہوتا ہے اور یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا، اور (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے چھری فرزند کے حلق پر پھیر دی، مگر چھری نے قدرت خداوندی کے مانع ہونے کی وجہ سے کچھ اثر نہ کیا تو ہم نے اس کو آواز دی کہ اے ابراہیم یقیناً تو نے اپنا خواب اس عمل سے جو تیرے لئے ذبح کے معاملہ میں ممکن تھا سچ کر دکھایا، یعنی تیرا یہ عمل (امتثال امر کے لئے) کافی ہے، جملہ وَنَادَیْنَاهُ الخ واؤ کی زیادتی کے ساتھ لما کا جواب ہے، ہم اسی طرح جس

طرح کہ آپ کو صلہ دیا، امتثال امر کرکے اپنے اوپر احسان کرنے والوں کو ان کی تکلیف کو دور کرکے صلہ دیتے ہیں، درحقیقت یہ ذبح جس کا حکم دیا گیا کھلا امتحان تھا، اور ہم نے اس کے یعنی جس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، یہ دو قول ہیں، عوض جنت سے ایک عظیم ذبیحہ مینڈھا دیدیا، یہ وہی مینڈھا تھا جس کو ہابیل نے قربان کیا تھا، اس کو جبرائیل لائے تھے، اور سید ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دیا اور ہم نے ان کا ذکر خیر بعد والوں میں باقی رکھا، اور ابراہیم پر ہماری طرف سے سلام ہو جس طرح ہم نے ان کو صلہ دیا اپنے اوپر احسان کرنے والوں کو بھی اسی طرح صلہ دیتے ہیں بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا، اور ہم نے اس کو اسحٰق نبی کی بشارت دی، اسی سے استدلال کیا گیا ہے کہ ذبیح اسحٰق کے علاوہ (اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہیں، نبیًّا حال مقدرہ ہے، یعنی اس کا وجود ہوگا حال یہ ہے کہ اس کے لئے نبوت مقدر ہو چکی ہے، جو صالح لوگوں میں سے ہوگا اور ہم نے ابراہیم پر بکثرت اولاد دیکر برکت نازل کی اور ان کے صاحبزادے اسحٰق پر بھی، اکثر انبیاء ان کی نسل سے (پیدا) کرنے کی وجہ سے اور ان دونوں کی اولاد میں مومن بھی ہوئے اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والے کافر بھی جن کا کفر بالکل ظاہر تھا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَلَقَدْ نَادَانَا نوحٌ کلام مستانف ہے، سابق میں وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فیھم مُنذرین میں جس کا اجمالی ذکر تھا، یہاں اس کی تفصیل ہے، اس سورت میں سات انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے، ان میں سے یہ پہلا ہے، ہر ایک کی تفصیل، تفسیر و تشریح کے زیر عنوان آئے گی۔

قولہ: لَقَدْ میں لام جواب قسم کا ہے، تقدیر یہ ہے وبـالـلّٰـهِ لَقَدْ دَعَانَا نُوحٌ یہاں نـادَانَا دَعَانَا کے معنی میں ہے، قرینہ فلنِعْمَ المُجِیْبُوْنَ ہے، فلَنِعْمَ المجیبُونَ میں بھی لام قسم کا ہے، تقدیر عبارت ہے فو اللّٰہ لَنِعم المجیبونَ نحنُ، نحن مخصوص بالمدح ہے، الــمـجیبـون میں واوِ جمع دلیلِ عظمت و کبریائی کے طور پر ہے۔ (روح البیان) دونوں قسموں کا جواب محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے والـلّٰـه لَـقَـدْ نَـادَانَـا نوحٌ لَمَّا یَئِسَ مِنْ اِیمانِ قومِهٖ فَاَجَبْنَاه اَحْسَنَ اِجَابَة فو اللّٰه لنِعم المجیبون نحنُ.

قولہ: وَاَهْلَهٗ یہ نجّیناہ کا مفعول بہ ہے اس کا عطف ہٗ ضمیر پر ہے، اور مفعول معہ بھی ہو سکتا ہے۔

قولہ: هُــمُ الـبــاقـیـن، هُــمْ کے اضافہ سے حصر و تخصیص کا فائدہ مقصود ہے، یعنی طوفان کے بعد صرف حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ثلٰثہ کی نسل ہی باقی رہی اس وقت پوری نسل انسانی ان ہی تینوں صاحبزادگان کی اولاد ہے، حام، سام، یافث، یافث عجمہ اور علمیۃ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

قولہ: ثَنَاءً حسَنًا مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ تَرَکْنَا کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: فی العالمین یہ فی الآخرین سے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذْ جَاءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سلیمٍ رب کے پاس قلب سلیم لانے سے شک وشبہ سے پاک دل مراد ہے یعنی اپنے رب کی طرف اخلاص کے ساتھ متوجہ ہوئے۔

قَوْلُہٗ: شِیعَتہ، شیعَةُ الرجلِ، اَتباعهٗ وانصارهٗ یعنی طرفدار اور حمایتی اب ایک مخصوص فرقہ کا نام ہو گیا ہے، جمع شِیَعٌ آتی ہے۔

قَوْلُہٗ: اَءِفْكًا ہمزہ استفہام انکاری توبیخی ہے، افکًا مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای اَتُرِیْدُوْنَ اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ اِفکًا، اِفکًا، تریدونَ کا مفعول بہ بھی ہو سکتا ہے، اور معمولات فعل کو اہمیت کے پیش نظر فعل پر مقدم کر دیا گیا ہے، اِفکًا تریدونَ کے فاعل سے حال بھی ہو سکتا ہے

قَوْلُہٗ: وَكَانُوْا نَجَّامِیْنَ یعنی ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم ستارہ پرست تھی اور تغیر کائنات میں ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھتی تھی۔

قَوْلُہٗ: سَاَسْقَمُ یہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ کی تفسیر ہے، مقصد اس تفسیر کا یہ ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم بیمار نہیں تھے، جس کی وجہ سے کذب کا شبہ ہوتا تھا، اس لئے سَاَسْقَمُ کہہ کر تاویل کر دی اس لئے کہ انسان کبھی نہ کبھی تو بیمار ہوتا ہی ہے۔

قَوْلُہٗ: یَزِفُّوْنَ (ض) زَفًّا زَفِیفًا دوڑنا جمع مذکر غائب، دوڑتے ہوئے۔

قَوْلُہٗ: وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ واؤ حالیہ ہے تعبدونَ کے فاعل سے حال ہے واللّٰهُ مبتداء خلقَكُمْ خبر، ما میں چار صورتیں ہو سکتی ہیں ① مصدریہ ای خَلَقَكُمْ وخَلَقَ اَعْمَالَكُمْ ② موصولہ ای وَخَلَقَ الَّذِیْ تصنعونَهٗ علی العموم ویدخلُ فیها الأصنام التی تنحتونَها اس صورت میں عمل سے مراد بت تراشی ہوگی ③ استفہامیہ توبیخیہ ای اَیَّ شیئٍ تعملونَ ④ نافیہ ای اِنَّ العمل فی الحقیقة لَیْسَ لَکُمْ فانتم لا تَعْمَلُوْنَ شیئًا یعنی بظاہر جو کچھ تم کرتے ہو وہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کا عمل ہے۔

قَوْلُہٗ: فَبَشَّرْنَاهُ یہ محذوف پر مرتب ہے، تقدیر یہ ہے فاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَبَشَّرْنَاهُ.

قَوْلُہٗ: یَا بُنَیَّ یہ فَلَمَّا کا جواب ہے۔

قَوْلُہٗ: فَدَیْنَاه (ض) فِدَاءً عوض میں دینا، اس کا عطف نَادَیْنَاهُ پر ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں اس بات کا اجمالی تذکرہ تھا کہ ہم نے پہلی امتوں کے پاس بھی نذیر وبشیر بھیجے تھے، کما قال اللّٰہ تعالی وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْهِمْ مُنْذِرِیْنَ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ لیکن اکثر لوگوں نے ان کی بات نہیں

مانی، اس لئے ان کا انجام بہت برا ہوا، یہاں سے اسی اجمال کی کچھ تفصیل بیان کی جا رہی ہے، اس ضمن میں کئی انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں، ان واقعات کو بیان کرنے کا مقصد منکرین و مشرکین کو نصیحت و عبرت کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا بھی ہے۔

وَلَقَدْ نَادَانَا نُوْحٌ سب سے پہلے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ آدم ثانی کی مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے باوجود جب قوم کی اکثریت نے ان کی تکذیب ہی کی پھر نہ صرف یہ کہ تکذیب اور جسمانی ایذاء رسانی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ آپ کے قتل کا منصوبہ بھی تیار کرلیا، جب حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے تو اپنے رب کریم کے حضور اپنی قوم کے لئے بددعا کر دی، اکثر مفسرین کے نزدیک اس بددعا سے مراد آپ کی یہ بددعا ہے رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا اے میرے پروردگار! زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی مت چھوڑ، یا سورۂ قمر میں مذکور یہ دعا مراد ہے اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ، میں مغلوب ہوں میری مدد کیجئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول فرمالی اور ان کی قوم کو طوفان بھیج کر ہلاک کر دیا، البتہ وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے وہ اس عذاب سے محفوظ رہے، یہاں اَھْلَ سے مراد آپ پر ایمان لانے والے لوگ ہیں جن میں آپ کے اہل خانہ بھی شامل ہیں، سوائے آپ کی کافرہ بیوی اور کافر بیٹے کے، بعض مفسرین نے ان کی کل تعداد ۸۰ بتائی ہے، وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبَاقِیْنَ زیادہ تر مفسرین کا رجحان یہ ہے کہ دنیا میں موجود انسان حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تینوں صاحبزادگان ہی کی ذریت ہیں، جیسا کہ آیت سے حصر مستفاد ہوتا ہے، کشتی میں جو بقیہ لوگ سوار تھے ان سے نسل نہیں چلی، اور بعض مفسرین آیت میں مذکور حصر کو حصر اضافی مانتے ہیں اور طوفان علاقائی مانتے ہیں اور مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ کشتی میں جو حضرات سوار تھے ان میں سے تو ان ہی تینوں صاحبزادگان کی نسل چلی مگر دیگر خطوں کے لوگوں کی بھی نسلیں چلیں، جہاں طوفان نہیں آیا تھا، قال قتادۃ اِنَّهُمْ کُلُّهُمْ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ و کَانَ لَهٗ ثلثۃ اَولادٍ سام، حام، یافث الخ سام عرب، فارس، روم، یہود، نصاریٰ کے جداعلیٰ ہیں، اور حام مشرق سے مغرب تک کے جداعلیٰ ہیں جس میں حبشہ، سند، ہند، زنج، قبط، بربر وغیرہ شامل ہیں اور یافث ترک، وخزر، یاجوج ماجوج اور ان کے اطراف کے جداعلیٰ ہیں، قرآن کریم کے سیاق اور روایات کی رو سے پہلا قول قوی ہے۔ (روح البیان، فتح القدیر، معارف)

وَتَرَکْنَا عَلَیْهِ فِی الْآخِرِیْنَ (الآیۃ) قیامت تک آنے والے اہل ایمان میں نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر باقی رکھا اور سب اہل ایمان حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام بھیجتے رہتے ہیں

وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرَاهِیْمَ شیعہ کے معنی جماعت، گروہ، پیروکار، حمایتی اور طرفدار کے ہیں، یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اہل دین اور اہل توحید کے اسی گروہ سے ہیں جن کو نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح انابت الی اللہ کی توفیق خاص نصیب ہوئی، شیعتِهٖ کی ضمیر نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے پیش رو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ پر تھے، اور بنیادی اصول دین میں دونوں کا مکمل اتفاق تھا، اور ممکن ہے کہ دونوں

شریعتیں بھی یکساں ملتی جلتی ہوں۔ (معارف)

بعض تاریخی روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس سال کا فاصلہ ہے اور ان دونوں کے درمیان حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے سوا کوئی نبی نہیں۔ (کشاف)

اِذْ جَاءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ اس کا بامحاورہ اور صاف ترجمہ یہ ہے کہ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس صاف دل لیکر آئے اور پروردگار کے پاس صاف دل لے کر آنے سے اللہ کی طرف اخلاص کے ساتھ متوجہ ہونا اور رجوع کرنا مراد ہے۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم سال میں ایک دن تہوار منایا کرتی تھی جب وہ دن آیا تو قوم کے لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی دعوت دی کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں، مقصد یہ تھا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جشن میں ہمارے ساتھ رہیں گے تو شاید ہمارے دین سے متاثر ہو جائیں، اور اپنے دین کی دعوت چھوڑ دیں (درمنثور وابن جریر، معارف) لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس موقع سے دوسرا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، آپ کا ارادہ یہ تھا کہ جب ساری قوم جشن منانے چلی جائے گی تو میں ان کی عبادت گاہوں میں جا کر ان کے بتوں کو توڑ دوں گا، تاکہ یہ لوگ واپس آ کر اپنے معبودوں کی بے بسی کا عملی نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، ہو سکتا ہے کہ اپنے بتوں کی بے بسی دیکھ کر کسی دل میں ایمان کی روشنی پیدا ہو جائے، اسی غرض سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا، لیکن انکار کا طریقہ یہ اختیار فرمایا کہ پہلے نظر اٹھا کر ستاروں کو دیکھا اور پھر کہا میں بیمار ہوں، لوگوں نے آپ کو معذور سمجھ کر چھوڑ دیا، اور جشن منانے چلے گئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے ستاروں کو کیوں دیکھا؟ اس سے آپ کا کیا مقصد تھا؟ ایک مقصد تو یہ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ غور و فکر کے وقت ذہن کو یکسو کرنے کے لئے بعض اوقات آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ آپ نے بھی اسی طرح آسمان کی طرف دیکھا ہو یا اپنی قوم کے لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ایسا کیا ہو، جو کہ ستاروں کی گردش کو حوادث زمانہ میں مؤثر مانتے تھے، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد ان کے ہمراہ جانے کو ٹالنا تھا تاکہ ان کے بتوں کا تیا پانچا کیا جا سکے اور جب پوری قوم جشن منانے کے لئے دور جنگل میں چلی جائے گی تو اپنا منصوبہ بروئے کار لے آؤں گا، اسی خیال سے کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں، یا آسمانوں کی گردش ستاروں کی چال بتاتی ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں، اِنِّیْ سَقِیْمٌ اسم فاعل حال اور استقبال دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ یا ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کچھ طبیعت ناساز ہو لہٰذا یہ بات بالکل جھوٹی تو نہیں تھی، اس لئے کہ ہر انسان کو کچھ نہ کچھ بیماری تو ہوتی ہی ہے، علاوہ ازیں قوم کا شرک، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل کا مستقل روگ تھا، یوں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعریض اور توریہ کے طور پر فرمایا توریہ اگرچہ جھوٹ نہیں ہوتا مگر مخاطب اس کے متبادر اور قریبی مفہوم سے مغالطہ کا شکار ہو جاتا ہے، اسی لئے حدیث ثَلٰثُ کَذِبَاتٍ میں اسے جھوٹ سے تعبیر کیا ہے۔

ضرورت کے وقت توریہ جائز ہے:

ضرورت کے وقت توریہ جائز ہے تقیہ نہیں، توریہ کی دو قسمیں ہیں قولی اور عملی، قولی یہ ہے کہ ایسا لفظ بولنا کہ جس کا ظاہر مفہوم خلاف واقعہ ہو اور باطنی، موافق واقعہ، عملی توریہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عمل کرنا کہ جس کا مقصد دیکھنے والے کچھ سمجھیں مگر حقیقت میں مفہوم دوسرا ہو، اسے ایہام کہتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ستاروں کو دیکھنا ایہام تھا۔

فَرَاغَ اِلٰی اٰلِھَتِھِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْکُلُوْنَ جو حلویات بطور تبرک وہاں پڑی ہوئی تھیں، وہ انہیں کھانے کے لئے پیش کیں، ظاہر بات ہے کہ نہ وہ کھا سکتے تھے اور نہ کھایا، بلکہ وہ تو جواب دینے پر بھی قادر نہیں تھے، اس لئے جواب بھی نہیں دیا، رَاغَ کے معنی مَالَ، ذَھَبَ، اَقْبَلَ یہ سب متقارب المعنی ہیں یعنی ان کی طرف متوجہ ہوئے، ضَرَبَ بالیمینِ کا مطلب ہے کہ ان کو پوری قوت سے مار مار کر توڑ ڈالا۔

فَاَقْبَلُوْا اِلَیْہِ یَزِفُّوْنَ ای یُسْرِعُوْنَ یعنی جب میلے سے واپس آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں، تو فوراً ان کا ذہن ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف گیا کہ یہ کام اسی کا ہوسکتا ہے اور ہلّہ کرکے ابراہیم کے گرد جمع ہوگئے، (جیسا کہ سورۂ انبیاء میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے) چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکڑ کر عوام کی عدالت میں لے آئے، وہاں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ ان پر ان کی بے عقلی اور ان کے معبودوں کی بے اختیاری واضح کریں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ مورتیاں اور تصویریں جنہیں تم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے اور بناتے ہو، کس قدر حیرت اور بے عقلی کی بات ہے کہ انہی کو معبود سمجھتے ہو، حالانکہ تمہیں اور تمہاری تراشی ہوئی مورتیوں کو اللہ ہی نے بنایا ہے، یا مطلق تمہارا عمل جو بھی تم کرتے ہو اس کا خالق بھی اللہ ہے، اس سے ثابت ہوا کہ بندوں کے افعال کا خالق بھی اللہ ہی ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، بخلاف اشاعرہ کے۔

بتوں اور تصویروں کو خدا کے پیدا کرنے کا مطلب:

اللہ تعالیٰ کے بتوں کو پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس مادہ کو جس سے تم بت بناتے ہو وہ بلاشرکت غیر، اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، اور اس مادہ کو مختلف شکلیں دینا وہ بھی خدا تعالیٰ کے تم کو قدرت دینے کی وجہ سے ہے، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ افعال کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے البتہ کاسب بندہ ہے اور اکتساب ہی سے ثواب وعقاب متعلق ہوتا ہے، علامہ جامی نے کیا خوب کہا ہے۔

فعل ما خواہ زشت وخواہ نکو یک بیک ہست آفریدۂ او
نیک وبد گرچہ مقتضائے قضا ست ایں خلاف رضا وآں برضا ست

قَالُوا ابْنُوا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ توحید کے سلسلہ میں جب نمرود اور نمرودیوں سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقلی اور نقلی دلائل کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو ظلم و زیادتی پر اتر آیا جیسا کہ ہر ظالم کا دستور ہے، اور مشورہ کر کے یہ بات طے کی کہ اگر تم کو اپنے معبودوں کا بدلہ لینا ہی ہے اور ان کی مدد کرنی ہے تو ایک کام کرو کہ ایک عظیم الشان آتشکدہ تیار کراؤ اور اس میں ابراہیم کو جلا دو چنانچہ چہار دیواری کر کے ایک بہت بڑا آتشکدہ بنوایا، اور اس کو لکڑیوں سے پُر کر کے آگ دہکا دی، جب آگ شعلہ زن ہوگئی تو شیطان کے مشورہ سے ایک منجنیق کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آتشکدہ میں ڈال دیا۔

آتش نمرود کا سرد ہو جانا:

اس وقت آگ میں جلانے کی تاثیر بخشنے والے نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی سوزش کی تاثیر ختم کر دے، اور ناری عناصر کا مجموعہ ہوتے ہوئے بھی ابراہیم کے حق میں سلامتی کے ساتھ سرد ہو جائے، آگ اس وقت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں برد و سلام بن گئی، اور دشمن ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے، اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام دہکتی ہوئی آگ سے سالم و محفوظ دشمنوں کے نرغے سے نکل آئے، اس طرح فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ حرف بحرف صادق آگیا، آگ کو گلزار و لالہ زار بنا کر دشمنوں کے مکر و حیلہ کو ناکام بنا دیا۔

دشمن اگر قویست نگہبان قوی تر ست

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ جب آپ اپنے اہل وطن اور اہل خانہ سے ایمان کے بارے میں مایوس اور ناامید ہوگئے تو آپ نے عراق سے ہجرت کر کے شام جانے کا ارادہ فرمالیا، اور آپ کے اوپر عزیز علیہ الصلوٰۃ والسلام، لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بیوی سارہ کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا، حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعض مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھانجا اور بعض نے بھتیجا بتایا ہے، صحیح قول بھتیجا کا ہے، اپنے رب کی طرف جانے کا مطلب یہ ہے کہ میں دارالکفر چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں سکون و اطمینان کے ساتھ خدا کی بندگی اور تبلیغ دین کا کام کر سکوں اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مطلوب کی طرف رہنمائی فرمائے گا، چنانچہ آپ اپنی بیوی حضرت سارہ اور اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمراہ لے کر سفر پر روانہ ہوگئے اور عراق و مصر کے مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے ملک شام پہنچے، اب تک آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لئے آپ نے وہ دعاء فرمائی جس کا آئندہ آیت میں ذکر ہے، یعنی رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ای ولدًا من الصالحین چنانچہ آپ کی دعاء قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند کی خوشخبری سنائی، فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (واقعہ کی پوری تفصیل سورۂ انبیاء میں گذر چکی ہے، ملاحظہ کر لی جائے)۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ہم نے اس کو ایک حلیم اور بردبار فرزند کی خوشخبری دی، حلیم المزاج فرما کر اشارہ کر دیا کہ یہ نومولود اپنی زندگی میں ایسے صبر و ضبط و بردباری کا مظاہرہ کرے گا کہ دنیا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی، اس فرزند کی ولادت کا واقعہ اس

طرح پیش آیا، جب حضرت سارہ نے دیکھا کہ مجھ سے کوئی اولاد نہیں ہو رہی ہے تو وہ سمجھی کہ میں بانجھ ہوں، ادھر فرعون مصر نے حضرت سارہ کو ایک خادمہ جس کا نام ہاجرہ تھا خدمت گذاری کے لئے دیدی تھی، اور حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیدی، اور حضرت ابراہیم نے ان سے نکاح کر لیا، انہی ہاجرہ کے بطن سے یہ صاحبزادے اسماعیل پیدا ہوئے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ جب حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام دوڑ دھوپ کرنے اور کام کاج میں ہاتھ بٹانے کے قابل ہو گئے بعض کہتے ہیں تیرہ سال کی عمر کو پہنچ گئے، تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک روز صاحبزادے اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا، برخوردار میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں **فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ** کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ارمانوں سے مانگے ہوئے اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا جب وہ فرزند بوڑھے باپ کا ہاتھ بٹانے اور بڑھاپے کا سہارا بننے کے لائق ہو گیا۔

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس لئے نہیں پوچھی کہ آپ کو حکم الٰہی کی تعمیل میں کوئی تردد تھا، بلکہ ایک تو آپ حضرت اسماعیل کا امتحان لینا چاہتے تھے، کہ وہ اس آزمائش میں کس حد تک پورا اترتا ہے، دوسرے یہ کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے سے کوئی تذکرہ کئے بغیر بیٹے کو ذبح کرنے لگتے تو یہ دونوں کے لئے مشکل کا سبب ہوتا۔ (معارف)

اطاعت خداوندی اور امتثال امر کی بے نظیر مثال:

آخر بیٹا بھی خلیل کا بیٹا تھا، اور اسے منصب رسالت پر فائز ہونا تھا، بغیر توقف وتردد کے فرمایا **يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ** اباجان جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے کر گذریئے اس میں مشورہ کی کیا ضرورت ہے؟

وحی غیر متلو بھی وحی ہے:

یہیں سے ان منکرین حدیث کی واضح تردید ہو جاتی ہے جو وحی غیر متلو کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے، آپ نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم خواب کے ذریعہ دیا گیا، اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو صریح الفاظ میں اللہ کا حکم قرار دیا، اگر وحی غیر متلو کوئی چیز نہیں ہے تو یہ حکم کونسی آسمانی کتاب میں نازل ہوا تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی طرف سے اپنے والد بزرگوار کو یقین دلاتے ہوئے فرمایا **ستجدنی ان شاء اللّٰه من الصابرین**، انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے، **فَلَمَّا أَسْلَمَا** جب دونوں حکم خداوندی کے آگے جھک گئے، بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہکانے کی کوشش کی ہر بار ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو سات کنکریاں مار کر بھگا دیا، آج تک منیٰ کے تینوں جمرات پر اسی محبوب عمل کی یادگار کنکریاں مار کر منائی جاتی ہے۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مایوس ہوگیا، تو حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہکانے کی کوشش کی، بالآخر جب دونوں باپ بیٹے انوکھی عبادت انجام دینے کے لئے قربان گاہ پہنچے تو حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد سے عرض کیا کہ ابا جان مجھے اچھی طرح کس کر باندھ لیجئے، تاکہ میں زیادہ نہ تڑپ سکوں، اور اپنے کپڑوں کو بچائیے تاکہ آپ کے کپڑے میرے خون میں آلودہ نہ ہوں، اگر میرے خون میں آلودہ آپ کے کپڑے میری والدہ دیکھیں گی، تو ان کو غم زیادہ ہوگا، اور اپنی چھری بھی تیز کر لیجئے، اور حلق پر جلدی جلدی چلائیے تاکہ آسانی سے میرا دم نکل جائے، کیونکہ موت بڑی سخت چیز ہے، اور جب آپ میری والدہ کے پاس جائیں تو میرا اسلام کہہ دیجئے، اور اگر آپ میرا قمیص میری والدہ کے پاس لیجانا چاہیں تو لیجائیں، شاید اسی سے ان کو کچھ تسلی ہو، اکلوتے بیٹے کی زبان سے یہ کلمات سن کر ایک باپ کے دل پر کیا گذری ہوگی یہ تو خدا ہی جانتا ہے؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہِ استقامت بن کر جواب دیتے ہیں، بیٹے تم اللہ کا حکم پورا کرنے کے لئے کتنے اچھے مددگار ہو، یہ کہہ کر بیٹے کو بوسہ دیا پھر نم آنکھوں سے انہیں باندھا۔ (مظہری، معارف)

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ای صَرَعَهٗ لِلْجَبِیْنِ ای عَلَی الْجَبِیْنِ لام بمعنی علی ہے، یعنی کروٹ پر لٹالیا، تَلَّ یَتُلُّ (ن) تَلًّا پچھاڑنا، ہر انسان کے دو جبین ہوتی ہیں، جن کو کنپٹی کہتے ہیں، درمیان میں پیشانی ہوتی ہے جس کو عربی میں جبهة کہتے ہیں، اس لئے للجبین کا صحیح ترجمہ کروٹ پر ہے، پیشانی یا منہ کے بل لٹانے کا، ترجمہ اس لئے کر دیا جاتا ہے کہ مشہور ہے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا تھا، کہ انہیں اس طرح لٹایا جائے، کہ چہرہ سامنے نہ رہے، جس سے پیار و شفقت کے جذبہ کا امر الٰہی پر غالب آنے کا امکان نہ رہے، حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبح کے پختہ ارادے سے جب زمین پر لٹالیا تو گویا کہ اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، کیونکہ اس سے واضح ہوگیا کہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں اس کو کوئی چیز بھی عزیز تر نہیں، حتی کہ اکلوتا بیٹا بھی، اور لاڈلے اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم ایک بڑی آزمائش تھی جس میں وہ سرخ رو رہا، اسی امتثال بے مثال کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا**۔ **وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ** اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دیدیا، اور عظیم سے مراد عظیم القدر ہے، روایات میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے **نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ** کی نداء غیبی سنی تو آسمان کی طرف دیکھا، تو جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مینڈھا لئے کھڑے تھے۔

ذبیح کون؟ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام؟

اہل علم مفسرین و مؤرخین کا اس بات میں شدید اختلاف ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یا حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام، جلال الدین سیوطی اپنے ایک رسالہ "القول الفصیح فی تعیین الذبیح" میں فرماتے ہیں کہ علی، وابن عمر، وابو ہریرہ، وابو الطفیل، وسعید بن جبیر، ومجاہد، والشعبی، و یوسف بن مہران، والحسن بصری، ومحمد بن کعب القرظی، وسعید بن المسیب، وابو جعفر الباقر، وابو صالح، والربیع بن انس، والکلبی، وابو عمرو بن العلاء، واحمد بن حنبل وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

کے نزدیک ذبیح حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دو روایتوں میں سے ایک روایت بھی یہی ہے، محدثین کی اکثریت نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ (روح المعانی)

عن عبداللّٰہ بن سعید الصنابحی قال عبداللّٰہ بن سعید، صنابحی فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز حضرت امیر معاویہ کی مجلس میں حاضر تھے، لوگوں میں اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ ذبیح کون ہے؟ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام؟ بعض نے کہا اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بعض نے کہا اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت امیر معاویہ نے فرمایا تم واقف کار کے پاس آئے، اور فرمایا ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو ایک اعرابی آیا تو اس نے کہا: **خَلفتُ الْکَلَأَ یَابِسًا وَالْمَاءَ عَابِسًا هَلَكَ العیال وضاع المال، فَعُدْ عَلَیَّ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰه تعالیٰ عَلَیْكَ یا ابن الذَّبِیحَیْنِ فتبسَّمَ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وَلَمْ یُنْکِرْ علیه فقال القوم مَن الذبیحان یا امیر المؤمنین؟ قال اِن عبد المطلب لَمَّا اُمِرَ بحَفْرِ زمزم نَذَرَ لِلّٰه تعالیٰ اِنْ سهل امرها یَنْحر بعضَ بنیهِ فَلَمَّا فرغ اَسْهَمَ بینهم فکانوا عشرة فخرج السهم علی عبد اللّٰه فاراد اَنْ ینحرهُ فمنَعَ اخوالُه بنو مخزوم وقالوا! اِرْضَ رَبَّكَ وافْدِ ابنكَ ففداهُ بمأَةِ ناقةٍ قال هذا واحِد والآخر اسماعیل** (ترجمہ) اے ابن الذبیحین میں گھاس کو سوکھا ہوا اور پانی کو روٹھا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں، مال وعیال سب ضائع ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس میں سے مجھے بھی کچھ دیجئے، آپ ﷺ نے (یا ابن الذبیحین) کا کلمہ سن کر تبسم فرمایا اور اس کا انکار نہیں فرمایا، حاضرین نے حضرت امیر معاویہ سے دریافت کیا اے امیر المومنین! ابن الذبیحین کون ہے؟ آپ نے فرمایا، عبد المطلب کو جب چاہ زمزم کو کھودنے کا حکم دیا گیا تو خواجہ عبد المطلب نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے معاملہ کو آسان فرما دے گا۔ (یعنی کامیابی عطا فرمائے گا) تو اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو ذبح کروں گا (چنانچہ جب کامیابی حاصل ہو گئی) تو (اپنے چھوٹے بیٹے عبد اللہ) کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا اس لئے کہ قرعہ انہی کے نام نکلا تھا، مگر حضرت عبد اللہ کے ننھیالی مخزومی آڑے آئے، اور کہا اپنے رب کو اس کے عوض فدیہ دیکر راضی کر لو، چنانچہ سو اونٹ فدیہ میں ذبح کر کے نذر پوری فرمائی، اور حضرت امیر معاویہ نے فرمایا یہ ایک ذبیح ہیں اور دوسرے اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر میرے دس بیٹے پورے ہو جائیں گے تو ایک کو ذبح کروں گا، لہٰذا یہ شبہ بھی ختم ہو گیا کہ عبد اللہ چاہ زمزم کھودنے کے وقت پیدا نہیں ہوئے تھے، اہل علم کا ایک طبقہ وہ ہے جو حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبیح مانتا ہے، ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عباس، حضرت ابن عباس کعب الاحبار، سعید بن الجبیر، قتادہ، مسروق، عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، عطاء، مقاتل، زہری، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

بعد کے مفسرین میں سے حافظ ابن جریر طبری نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، اور حافظ ابن کثیر وغیرہ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے، اور دوسرے قول کی سختی سے تردید فرمائی ہے، یہاں طرفین کے دلائل پر مکمل تبصرہ تو ممکن نہیں تاہم قرآن کریم کے اسلوب

بیان اور روایات کی قوت کے لحاظ سے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن صاحبزادے کے ذبح کا حکم دیا گیا وہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

❶ قرآن کریم نے بیٹے کی قربانی کا پورا واقعہ نقل کرنے کے بعد فرمایا وَبَشَّرْنَاهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (اور ہم نے ان کو اسحٰق کی بشارت دی کہ وہ نبی اور نیک لوگوں میں سے ہوں گے) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کوئی اور تھا، اور حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت اس کی قربانی کے واقعہ کے بعد دی گئی۔

❷ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسی بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی ہوں گے اس کے علاوہ ایک دوسری آیت میں مذکور ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے ساتھ یہ بشارت بھی دی گئی تھی کہ ان سے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوں گے (فَبَشَّرْنَاهُ بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ) اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی عمر تک زندہ رہیں گے، یہاں تک کہ صاحب اولاد ہوں گے، پھر انہی کو بچپن میں ذبح کرنے کا حکم کیونکر دیا جاسکتا تھا؟ اور اگر ان ہی کو بچپن میں نبوت کے قبل ذبح کرنے کا حکم دیا جاتا تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ جاتے کہ انہیں تو ابھی منصب نبوت پر فائز ہونا ہے، اور ان کی صلب سے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش مقدر ہے، اس لئے ذبح کرنے سے انہیں موت نہیں آسکتی، ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہ یہ کوئی بڑا امتحان ہوتا اور نہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی انجام دہی میں کسی تعریف وتوصیف کے مستحق، جبکہ قرآن اس کو بــلاء مبیــن قرار دے رہا ہے، امتحان تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری طرح یہ سمجھے ہوئے ہوں کہ میرا یہ بیٹا ذبح کرنے سے ختم ہوجائے گا، اور اس کے بعد پھر بھی وہ ذبح کا اقدام کریں، یہ تو ایسا ہی ہے کہ اگر کوئی شخص پیروں پر کوئی ایسا کیمیکل یا مصالحہ لگالے کہ جس کی وجہ سے آگ اثر نہ کرے اور پھر وہ آگ کے شعلوں پر چلے تو یہ اس کی نہ کوئی آزمائش ہے اور نہ کوئی کمال، اور نہ کوئی قابل تعریف بات، اس لئے کہ اسے یہ معلوم ہے، کہ وہ اس مصالحہ کی وجہ سے آگ پر چلنے سے نہیں جلے گا، کمال تو جب ہے کہ وہ یہ سمجھے ہوئے ہو کہ آگ پر قدم رکھنے سے یقیناً جل جائے گا، اس کے باوجود آگ پر چلنے لگے، اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے زندہ رہنے، اور نبی بننے کی کوئی پیشین گوئی نہیں فرمائی تھی۔

❸ قرآن کریم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا بچہ تھا، اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے وطن سے ہجرت کرتے وقت ایک بیٹے کی دعاء کی تھی، اس دعا کے جواب میں انہیں یہ بشارت دی گئی کہ ان کے یہاں ایک حلیم لڑکا پیدا ہوگا، اور اسی لڑکے کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ جب وہ باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو اسے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، یہ پورا واقعاتی سلسلہ بتا رہا ہے کہ وہ لڑکا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا بیٹا تھا، ادھر یہ بات متفق علیہ ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے دوسرے صاحبزادے ہیں، اس کے بعد اس میں کوئی شبہ باقی

نہیں رہتا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام ہی تھے۔

❷ یہ بات بھی تقریباً طے شدہ ہے کہ بیٹے کی قربانی کا یہ واقعہ مکہ مکرمہ کے آس پاس پیش آیا، اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے صاحبزادے کے فدیہ میں جو مینڈھا جنت سے بھیجا گیا، اس کے سینگ سالہا سال تک کعبہ شریف کے اندر لٹکے رہے ہیں، حافظ ابن کثیر نے اس کی تائید میں کئی روایتیں نقل کی ہیں، اور حضرت عامر شعبی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ میں نے اس مینڈھے کے سینگ کعبہ میں خود دیکھے ہیں (ابن کثیر ص، ج ۴) حضرت سفیان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سینگ کعبہ میں موجود رہے، حتی کہ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں حضرت زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو بیت اللہ سے نکالنے کے لئے بیت اللہ میں آتش زنی ہوئی تو اس وقت وہ سینگ بھی جل گئے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام قیام فرماتھے نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام، اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام ہیں نہ کہ اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام۔

مذکورہ دعوے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ محمد بن کعب نے ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ایک یہودی عالم کو بلایا جو مسلمان ہو گیا، اور بہت خوب مسلمان ہوا تھا، اس نو مسلم یہودی عالم سے دریافت کیا کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے دونوں صاحبزادوں میں سے کون سے صاحبزادے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا؟ تو اس نے جواب دیا، اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کو، اور اس نے کہا واللہ یا امیر المومنین یہود اس بات سے بخوبی واقف ہیں، لیکن وہ آپ لوگوں سے حسد کرتے ہیں۔ (روح المعانی)

ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ تورات کے بعض نسخوں میں، وحیدك کے بجائے بکرك ہے، یہ لفظ اکلوتے کے مفہوم کو اچھی طرح واضح کرتا ہے اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش بھی نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ وحیدک میں کرتے ہیں، وہیں وہ روایتیں جو مختلف صحابہ وتابعین کے بارے میں ہیں، کہ انہوں نے ذبیح حضرت اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام کو قرار دیا ہے، سو ان کے بارے میں حافظ ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے لکھا ہے۔

''اللہ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن بظاہر یہ سارے اقوال کعب الاحبار سے ماخوذ ہیں اس لئے کہ جب وہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے زمانے میں اسلام لائے تھے، تو حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو اپنی پرانی کتابوں کی باتیں سنانے لگے، بعض اوقات حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ ان کی باتیں سن لیتے تھے، اس سے اور لوگوں کو بھی گنجائش ملی، اور انہوں نے بھی ان کی روایات سن کر انہیں نقل کرنا شروع کر دیا، ان روایات میں ہر طرح کی رطب ویابس باتیں جمع تھیں، اور اس امت کو ان باتوں میں سے ایک کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)۔ (تفسیر ابن کثیر، ص ۱۷، ج ٤)

حافظ ابن کثیر کی یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ حضرت اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام کو ذبیح قرار دینے کی بنیاد اسرائیلی روایات ہی پر ہے، اسی لئے یہود ونصاریٰ حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کے بجائے حضرت اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام کو ذبیح قرار دیتے ہیں، موجودہ بائبل میں یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

''ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابرام کو آزمایا، اور اس سے کہا اے ابرام! اس نے کہا میں حاضر ہوں، تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے، ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں

میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا''۔ (پیدائش، ۲۲:۱ و ۲)

اس میں ذبح کا واقعہ حضرت اسحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن اگر انصاف سے کام لیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں یہودیوں نے اپنے روایتی تعصب سے کام لے کر تورات کی عبادت میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے، اس لئے کہ تورات کی کتاب پیدائش کی مذکورہ عبارت ہی میں ''جو تیرا اکلوتا ہے'' کے الفاظ بتا رہے ہیں، کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا، وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا''۔

اسی باب میں آگے چل کر پھر لکھا ہے:

''تو نے اپنے بیٹے کے بارے میں بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ کیا''۔ (پیدائش، ۲۲:۱۳)

اس جملہ میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ وہ بیٹا جس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اکلوتا تھا، ادھر یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت اسحق علیہ الصلوٰۃ والسلام اکلوتے بیٹے نہیں تھے، کسی پر اکلوتے کا اطلاق ہو سکتا ہے تو وہ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں، اور خود کتاب پیدائش کی دوسری عبارتیں بھی اس کی شہادت دیتی ہیں، کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش حضرت اسحق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہو چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

''اور ابرام کی بیوی سارہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی، اس کی ایک مصری لونڈی تھی، جس کا نام ہاجرہ تھا، اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا، اور وہ حاملہ ہوئی، اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے، اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام اسماعیل رکھنا، اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا''۔ (پیدائش، باب ۱۶، آیات ۱، ۴، ۱۰، ۱۶)

نیز اگلے باب میں لکھا ہے:

''اور خدا نے ابرام سے کہا کہ سارہ جو تیری بیوی ہے، اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا، تب ابرام سرنگوں ہوا، اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا؟ اور سارہ سے جو نوے برس کی ہے اولاد ہوگی؟ اور ابرام کہ بیشک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو اس کا نام اضحاق رکھنا''۔ (پیدائش ۱۷: ۱۵ تا ۲۰)

اس کے بعد حضرت اسحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

''اور جب اس کا بیٹا اضحاق اس سے پیدا ہوا، تو ابرام سو برس کا تھا''۔

ان عبارتوں سے صاف واضح ہے کہ حضرت اسحق علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چودہ سال چھوٹے تھے، اور اس چودہ سال کے عرصہ میں حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اکلوتے تھے، اس کے برخلاف حضرت اسحق علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کوئی ایسا وقت نہیں گذرا کہ جس میں وہ اکلوتے رہے ہوں، اب جب اس کے بعد کتاب پیدائش کے بائیسویں باب میں بیٹے کی قربانی کا ذکر آتا ہے، تو اس میں اکلوتے کا لفظ صاف شہادت دے رہا ہے، کہ اس سے مراد اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور کسی یہودی نے اس کے ساتھ اضحاق کا لفظ محض اس لئے بڑھا دیا ہے کہ یہ فضیلت بنو اسماعیل کے بجائے بنو اسحق کو حاصل ہو۔

اس کے علاوہ بائبل کی اسی کتاب پیدائش میں جہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت اسحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش

کی خوشخبری دی گئی ہے، وہاں یہ بھی مذکور ہے، یقیناً میں اسے (یعنی حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو) برکت دوں گا کہ قومیں اس کی نسل سے ہوں گی"۔ (پیدائش: ۱۶،۱۷)

اب ظاہر ہے کہ جس بیٹے کے بارے میں اس کی پیدائش سے پہلے ہی یہ خبر دی جاچکی ہو کہ وہ صاحب اولاد ہوگا، اور قومیں اس کی نسل سے ہوں گی، اس کی قربانی کرنے کا حکم کیسے دیا جاسکتا ہے؟ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق نہیں کیا، بلکہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق تھا، مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی تھے۔ (واللہ اعلم)۔ (روح المعانی، فتح القدیر شوکانی، معارف)

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ بالنُّبوةِ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا بنی اسرائیل مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ ای استِعبادِ فرعون اِیّاہم وَنَصَرْنٰهُمْ علی القبطِ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ البلیغ البیان فیما اَتی به من الحُدودِ والاَحکام وغیرہما وہو التورٰۃ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الطریقَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا اَبقَینا عَلَيْهِمَا فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ ثناءً حسنًا سَلٰمٌ منا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ کما جَزَیْنَاہُمَا نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْيَاسَ بالہمز اَوّلہ وتَرکِه لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ قیلَ ہو ابنُ اَخِی ہارونَ اخی موسٰی واُرسلَ الی قوم ببَعلَبَکَ ونَواحیها اِذْ منصوب باُذْکر مقدرًا قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اللّٰہ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا اسمُ صَنَمٍ لَهُم من ذَہَبٍ وبه سُمّی البلدُ مضافا الی بَکّ ای اَتعبدونه وَّتَذَرُوْنَ تترکون اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ فلا تَعبُدونَه اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ برَفعِ الثّلاثةِ علی اضمارِ ہو وبنصبها علی البَدلِ مِنْ اَحسَنَ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ فی النارِ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ ای المؤمنینَ منهم فانهم نَجَوْا منها وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ ثناءً حسنًا سَلٰمٌ مِنّا عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ہو الیاسُ المتقدمُ ذِکرہ وقیل ہو ومَنْ اٰمن معه فَجُمِعُوْا معه تغلیبًا کقولهم لِلْمُهَلَّبِ وقومه المُهَلَّبونَ وعلی قراءۃِ اٰلِ یاسینَ بالمدِّ ای اہلُه المرادُ به الیاس ایضا اِنَّا كَذٰلِكَ کما جزَیْنَاہ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اُذکر اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ الباقِینَ فی العذابِ ثُمَّ دَمَّرْنَا اَہلَکنا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ کُفّارَ قومِه وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ ای علی اٰثارِہم ومنازلِهم فی اَسفارِکم مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ ای وقتَ الصّباحِ یَعْنِی بالنّهارِ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ یا اہلَ مکةَ ما حَلَّ بهم فتَعتَبِرُوْنَ به.

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے موسیٰ وہارون پر نبوت دے کر بڑا احسان کیا اور ان دونوں کو اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو بڑے غم (مصیبت) سے نجات دی، یعنی فرعون کے ان کو غلام بنانے سے، اور ہم نے قبطیوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کی

تو وہی غالب رہے اور ہم نے ان کو احکام وحدود وغیرہ میں جو اس میں بیان ہوئے ہیں واضح البیان کتاب عطا کی اور وہ تورات ہے اور ہم نے ان دونوں کو راہ مستقیم کی ہدایت دی اور ہم نے ان کے لئے بعد والوں میں ذکر خیر باقی رکھا، اور ہم اسی طرح جس طرح ان کو صلہ دیا نیک کام کرنے والوں کو صلہ دیا کرتے ہیں، بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے اور بلاشبہ الیاس علیہ الصلاۃ والسلام (بھی) مرسلین میں سے ہیں، اس کے شروع میں ہمزہ اور بدون ہمزہ (دونوں ہیں) کہا گیا ہے کہ الیاس موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بھائی ہارون کے بھتیجے تھے بَـعْلَبَكَّ اور اس کے اطراف کی قوم کی جانب مبعوث ہوئے تھے، اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ (الیاس علیہ الصلاۃ والسلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم بعل (نامی بت) کو پکارتے ہو، بعل ان کے ایک سنہری بت کا نام ہے، اور اسی کے نام پر (بعلبک) شہر کا نام رکھا گیا بَكَّ کی جانب اضافت کر کے یعنی تم اس کی بندگی کرتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو، کہ اس کی بندگی نہیں کرتے (وہ) اللہ ہے جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا رب ہے هُـوَ محذوف ماننے کی صورت میں تینوں کے رفع کے ساتھ اور ان کے نصب کے ساتھ اَحْسَنَ سے بدل کی صورت میں، مگر قوم نے اس کو جھٹلا دیا وہ لوگ آگ میں حاضر کئے جائیں گے، سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص یعنی ان میں سے مومن بندوں کے وہ آگ سے نجات پائیں گے، اور ہم نے الیاس علیہ الصلاۃ والسلام کا بعد والوں میں بھی ذکر خیر باقی رکھا، الیاسین پر ہماری طرف سے سلام ہو یہ وہی الیاس ہیں جن کا ذکر سابق میں ہوا ہے، اور کہا گیا ہے کہ الیاس علیہ الصلاۃ والسلام اور وہ جو ان پر ایمان لائے تھے (مراد ہیں) لہٰذا ان کے ساتھ تغلیباً جمع لائی گئی ہے، جیسا کہ مُهَـلَّبْ اور اس کی قوم کو (جمع کے طور پر) مُهَـلَّبُوْنَ کہتے ہیں، اور ایک قراءت میں آل یٰسین مد کے ساتھ ہے یعنی ان کے اہل اس سے الیاس مراد ہیں ہم اسی طرح جیسا کہ ان کو صلہ دیا نیکوکاروں کو صلہ دیتے ہیں بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں، اور بے شک لوط علیہ الصلاۃ والسلام بھی پیغمبروں میں سے تھے اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے ان کو اور ان کے سب اہل خانہ کو نجات دی، سوائے ایک بڑھیا کے جو عذاب میں مبتلا ہونے والوں میں باقی رہ گئی پھر ہم نے دوسروں (یعنی) اس کی قوم کے کافروں کو ہلاک کر دیا اور تم تو ان پر یعنی اپنے اسفار کے دوران ان کے نشانات (خرابات) اور مکانات پر سے صبح کے وقت یعنی دن میں اور (کبھی) رات میں گذرتے ہو پھر بھی تم اے اہل مکہ نہیں سمجھتے کہ ان پر کیا (قیامت) گذری؟ کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَلَـقَـدْ مَـنَـنَّـا یہ جملہ مستانفہ ہے مقصد یہاں سے تیسرے قصہ کا بیان ہے، اس صورت میں واؤ استینافیہ ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عطف قصہ علی القصہ ہو اس صورت میں واؤ عاطفہ ہوگا، لام جواب قسم کے لئے ہے، قسم محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَعِزَّتِنَا وجَلالِنا لَقَدْ مَنَنَّا.

قَوْلُهٗ: وَنَصَرْنَا هُمْ، هم ضمیر کا مرجع موسیٰ وہارون علیہما السلام اوران کی قوم ہے۔

قَوْلُهٗ: فَكَانُوْا هُمُ الغَالِبُوْنَ، هم ضمیر فصل ہے اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہے اور الغالبون کانوا کی خبر ہے، اور بعض نے هم کو کانوا کے واؤ کی تاکید یا بدل بھی قرار دیا ہے۔ (اعراب القرآن)

قَوْلُهٗ: سَلَامٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهَارُوْنَ، سلامٌ مبتداء ہے، تنوین تعظیم کے لئے لہٰذا نکرہ کا مبتداء واقع ہونا صحیح ہے، خبر محذوف ہے اور وہ مِنَّا ہے اور علٰی موسیٰ وھارون، سلامٌ کے متعلق ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علٰی موسیٰ وھارون کائنٌ کے متعلق ہوکر مبتداء کی خبر ہو۔

قَوْلُهٗ: وَاِنَّ اِلْيَاسَ واؤ استینافیہ ہے اور عاطفہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں عطف قصہ علی القصہ ہوگا۔

قَوْلُهٗ: بالهمز اَوَّلِهٖ وتركِهٖ یعنی ہمزۂ وصل وقطع دونوں درست ہیں، دونوں صورتوں کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ الیاس عجمی کلمہ ہے عربی میں استعمال ہونے لگا ہے، اس لئے ہمزہ کے قطعی یا وصلی ہونے کو متعین نہ کرسکے، اسی وجہ سے دونوں قراءتیں جائز ہیں۔ (صاوی)

قَوْلُهٗ: اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ فانّهم نجوا منها سے اشارہ کیا کہ اِلَّا عبادَ اللّٰهِ الخ محضرون کے واؤ سے مستثنیٰ ہے، یعنی جن لوگوں نے حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی ان کو جہنم میں حاضر کیا جائے گا، البتہ جنہوں نے تکذیب سے توبہ کرلی ان کو جہنم میں حاضر نہ کیا جائے گا، صاحب لغات القرآن نے کہا ہے کہ کَذَّبوا کی ضمیر سے مستثنیٰ متصل ہے، اور مخلصین، عِبادَ اللّٰه کی صفت ہے، جلالین کے محشی لکھتے ہیں کہ اِلَّا عبادَ اللّٰهِ المخلصينَ بظاہر مُحْضَرُوْنَ سے استثناء ہے، مگر یہ درست نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ کَذَّبوا کے واؤ سے استثناء ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے تکذیب نہیں کی، اسی وجہ سے اِلَّا عبادَ اللّٰه سے استثناء کردیا اور مُحْضَرُوْنَ سے استثناء اس لئے درست نہیں کہ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ مکذبین میں سے بعض کو مخلص بندوں میں سے ہونے کی وجہ سے حاضر نہیں کیا جائے گا، اور یہ ظاہر الفساد ہے، اور مستثنیٰ منقطع درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جن کو حاضر نہیں کیا جائے گا وہ قوم الیاس میں سے نہیں ہیں، اس میں فساد نظم کلام ظاہر ہے۔

تفسیر وتشریح

ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذبح سے نجات اور ان پر احسان کے بیان سے فراغت کے بعد اب ان انعامات کا ذکر فرما رہے ہیں، جو حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام پر فرمائے، ان نعمتوں میں جو اللہ تعالیٰ نے ان حضرات پر فرمائیں سب سے زیادہ اہم اور افضل نبوت ہے، اس کے بعد فرعون کے ذلت آمیز غلامی سے نجات کا ذکر ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ متعدد مقامات پر تفصیل واجمال کے ساتھ بیان ہوا ہے، یہاں واقعہ کی طرف صرف اشارہ ہے،

یہاں اس واقعہ کو ذکر کرنے سے اصل یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص برگزیدہ اور اطاعت شعار بندوں کی کس طرح مدد فرماتے ہیں، اور انہیں کیسے کیسے انعامات سے نوازتے ہیں، انعامات کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک مثبت انعامات یعنی فائدہ پہنچانا وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وھٰرُوْنَ میں اسی انعام کی طرف اشارہ ہے، دوسری قسم منفی انعامات، یعنی نقصان سے بچانا، اگلی آیت میں اسی کی تفصیل ہے۔

حضرت الیاس علیہ الصلاۃ والسلام:

وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اس سورت میں مذکور قصوں میں سے یہ چوتھا قصہ ہے، حضرت الیاس علیہ الصلاۃ والسلام کا قرآن کریم میں صرف دو جگہ ذکر آیا ہے، ایک سورۂ انعام میں اور دوسرے سورۂ صافات کی انہی آیتوں میں، سورۂ انعام میں تو صرف انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں آپ کا اسم گرامی شمار کرایا گیا ہے، اور کوئی واقعہ ذکر نہیں کیا گیا، البتہ یہاں نہایت اختصار کے ساتھ آپ کی دعوت وتبلیغ کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔

چونکہ قرآن کریم میں حضرت الیاس علیہ الصلاۃ والسلام کے حالات تفصیل سے مذکور نہیں ہیں، اور نہ مستند احادیث میں آپ کے حالات کا تذکرہ ہے، روایات میں جس قدر بھی آپ کے حالات ملتے ہیں ان میں سے بیشتر اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں، مفسرین میں سے ایک مختصر جماعت کا کہنا یہ ہے کہ الیاس، حضرت ادریس علیہ الصلاۃ والسلام ہی کا دوسرا نام ہے، اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ الیاس اور خضر علیہما الصلاۃ والسلام ایک ہی ہیں۔ (درمنثور) لیکن محققین نے ان اقوال کی تردید کی ہے، حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی تاریخ میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

زمانۂ بعثت اور مقام:

قرآن وحدیث سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ آپ کہاں اور کب مبعوث ہوئے تھے؟ لیکن تاریخی اور اسرائیلی روایات اس پر تقریباً متفق ہیں کہ آپ حضرت حزقیل علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد اور حضرت یسع علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے جانشینوں کی بدکاری کی وجہ سے بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی، ایک حصہ ''یہودیہ'' کہلاتا تھا، اس کا مرکز بیت المقدس تھا، اور دوسرا حصہ ''اسرائیل'' کہلاتا تھا، اور اس کا پایہ تخت سامرہ، موجودہ نابلس تھا، حضرت الیاس علیہ الصلاۃ والسلام اردن کے علاقہ جلعاد میں پیدا ہوئے تھے، اس وقت اسرائیل کے ملک میں جو بادشاہ حکمراں تھا اس کا نام بائبل میں اَخی اب اور عربی تاریخ وتفاسیر میں اجب یا اَحب مذکور ہے، اس کی بیوی ایزبل، بعل نامی ایک بت کی پرستار تھی، اور اس نے اسرائیل میں بعل کے نام پر ایک بڑی قربان گاہ تعمیر کر کے تمام بنی اسرائیل کو بت پرستی کے راستہ پر لگا دیا تھا، حضرت الیاس علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ اس خطہ میں جا کر توحید کی تعلیم دیں، اور اسرائیلیوں کو بت پرستی سے روکیں۔ (تفسیر ابن جریر، وابن کثیر، مظہری اور بائبل کی کتاب سلاطین، معارف)

قوم کے ساتھ کشمکش:

دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی اپنی قوم کے ساتھ شدید کشمکش سے دوچار ہونا پڑا، قرآن کریم چونکہ کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے، اس لئے اس نے اس کشمکش کا مفصل حال بیان کرنے کے بجائے صرف اتنی بات بیان فرمائی جو عبرت اور موعظت کے لئے ضروری تھی، یعنی یہ کہ ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا اور چند مخلص بندوں کے سوا کسی نے حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات نہ مانی، اس لئے آخرت میں انہیں ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

بعض مفسرین نے یہاں اس کشمکش کے مفصل حالات بیان فرمائے ہیں، مروجہ تفاسیر میں حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے زیادہ مفصل تذکرہ تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے، اس میں جو واقعات مذکور ہیں وہ تقریباً تمام تر بائبل سے ماخوذ ہیں، دوسری تفسیروں میں بھی ان واقعات کے بعض اجزاء حضرت وہب بن منبہ اور کعب الاحبار وغیرہ کے حوالہ سے بیان ہوئے ہیں، جو اکثر اسرائیلی روایات سے نقل کرتے ہیں۔ (معارف)

ان تمام روایات سے خلاصہ کے طور پر جو بات قدر مشترک نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسرائیل کے بادشاہ اخی اب اور اس کی رعایا کو بعل نامی بت کی پرستش سے روک کر توحید کی دعوت دی، مگر چند حق پسندوں کے سوا کسی نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی، بلکہ آپ کو طرح طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ اخی اب اور اس کی بیوی ایزبل نے آپ کے قتل کے منصوبے بنائے، آپ نے ایک دور افتادہ غار میں پناہ لی، اور عرصہ دراز تک وہیں مقیم رہے، اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی کہ اسرائیلی قحط کا شکار ہو جائیں تاکہ اس قحط سالی کو دور کرنے کے لئے آپ ان کو معجزات دکھائیں تو شاید وہ ایمان لے آئیں، چنانچہ انہیں شدید قحط میں مبتلا کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسرائیل کے بادشاہ اخی اب سے ملے اور اس سے کہا یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ہے، اور اگر تم اب بھی باز آجاؤ تو عذاب دور ہو سکتا ہے، میری صداقت کے امتحان کا بھی یہ بہترین موقع ہے، تم کہتے ہو کہ اسرائیل میں تمہارے معبود بعل کے ساڑھے چار سو نبی ہیں، تم ایک دن سب کو میرے سامنے جمع کر لو، وہ بعل کے نام پر قربانی پیش کریں، اور میں اللہ کے نام پر قربانی کروں گا، جس کی قربانی کو آسمانی آگ جلا دے اس کا دین سچا ہوگا، سب نے اس تجویز کو منظور کر لیا، چنانچہ کوہِ کرمل کے مقام پر یہ اجتماع ہوا، بعل کے جھوٹے نبیوں نے اپنی قربانی پیش کی اور صبح سے دوپہر تک بعل سے التجا کرتے رہے مگر کوئی جواب نہ آیا، اس کے بعد حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قربانی پیش کی، اس پر آسمانی آگ نازل ہوئی اور اس کو جلا کر خاکستر کر دیا، یہ دیکھ کر سب لوگ سجدے میں گر گئے اور ان پر حق واضح ہو گیا، لیکن بعل کے جھوٹے نبی اب بھی نہ مانے اس لئے حضرت الیاس نے ان کو وادی قیسون میں قتل کرا دیا۔ (معارف)

اس واقعہ کے بعد زوردار بارش ہوئی اور قحط ختم ہو گیا مگر اخی اب کی بیوی ایزبل کی اب بھی آنکھ نہ کھلی، اور بجائے اس کے کہ ایمان لاتی، حضرت الیاس کے قتل کی تیاری شروع کر دی، حضرت الیاس یہ سن کر پھر سامریہ سے روپوش ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد

اسرائیل کے دوسرے ملک یہودیہ میں تبلیغ شروع کردی چند سال بعد آپ دوبارہ اسرائیل تشریف لائے اور اسرائیل کے بادشاہ اخی اب اور اس کے لڑکے اختریاہ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر وہ بدستور اپنی بداعمالیوں میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ انہیں بیرونی حملوں اور مہلک بیماریوں کا شکار بنادیا گیا، اس کے بعد اللہ نے اپنے نبی کو واپس بلا لیا۔

کیا حضرت الیاس علیہ الصلاۃ والسلام زندہ ہیں؟

حضرت الیاس علیہ الصلاۃ والسلام کی موت وحیات کا مسئلہ اہل علم کے نزدیک مختلف فیہ ہے تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کے حوالہ سے جو طویل روایت بیان کی گئی ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت الیاس علیہ الصلاۃ والسلام کو ایک آتشیں گھوڑے پر سوار کر کے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا، اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرح زندہ ہیں، چار انبیاء ایسے ہیں جو زندہ ہیں، دو زمین پر ہیں حضرت خضر اور حضرت الیاس، اور دو آسمانوں میں حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس (درمنثور، ص ۲۸۵/ ۲۸۶، ج ۵) لیکن حافظ ابن کثیر جیسے محقق علماء نے ان روایات کو صحیح قرار نہیں دیا، حافظ ابن کثیر ان جیسی روایات کے بارے میں لکھتے ہیں: وَهُوَ مِنَ الإسرَائيلِيَاتِ الَّتِيْ لَا تُصَدَّقُ وَلَا تُكَذَّبُ بَلِ الظَّاهِرُ اَنَّ صِحَّتَهَا بَعِيْدَةٌ یہ اسرائیلی روایتوں میں سے ہے، جن کی نہ تصدیق کی جاسکتی ہے نہ تکذیب، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کی صحت بعید ہے۔ (البداية والنهاية، ص ۳۳۸، ج ۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کعب الاحبار اور وہب بن منبہ جیسے علماء نے جو اہل کتاب کے علوم کے ماہر تھے، یہی روایتیں مسلمانوں کے سامنے بیان کی ہوں گی جن سے حضرت الیاس علیہ الصلاۃ والسلام کی زندگی کا نظریہ بعض مسلمانوں میں بھی پھیل گیا، ورنہ قرآن وحدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے، جس سے حضرت الیاس علیہ الصلاۃ والسلام کی زندگی یا آسمان پر اٹھایا جانا ثابت ہوتا ہو، صرف ایک روایت مستدرک حاکم میں ملتی ہے، جس میں مذکور ہے کہ تبوک کے راستہ میں آنحضرت ﷺ کی ملاقات حضرت الیاس علیہ الصلاۃ والسلام سے ہوئی، لیکن یہ روایت بتصریح محدثین موضوع ہے، حافظ ذہبی فرماتے ہیں بَلْ هُوَ مَوْضُوْعٌ قَبَّحَ اللّٰهُ مَنْ وَضَعَهٗ وَمَا كُنْتُ اَحْسَبُ وَلَا اُجَوِّزُ اَنَّ الجهل يبلُغُ بالحاكم الى اَنْ يُصِحِّحَ هٰذَا.

بلکہ یہ حدیث موضوع ہے خدا برا کرے اس شخص کا جس نے یہ حدیث وضع کی، اس سے پہلے میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ امام حاکم کی بے خبری اس حد تک پہنچ سکتی ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح قرار دیں۔ (درمنثور، ص ۲۸۶، ج ۵)

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ''بعل'' لغت میں شوہر اور مالک وغیرہ کو کہتے ہیں، لیکن یہاں وہ بت مراد ہے جس کو حضرت الیاس علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم نے اپنا معبود بنا رکھا تھا، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں بھی شام کے علاقہ میں اس بت کی پرستش ہوتی تھی، شام کا مشہور شہر بعلبک بھی اسی نام سے موسوم ہوا، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل حجاز کا مشہور بت ہبل بھی یہی بعل ہے۔ (قصص القرآن، ص ۲۸، ج ۲، معارف)

آیت میں خالق سے مراد صانع ہے، احسن الخالقین ''سب سے اچھا خالق'' کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ کوئی دوسرا بھی خالق ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جن جھوٹے معبودوں کو تم نے خالق قرار دیا ہوا ہے، وہ ان سب میں بہتر صانع اور بنانے والا ہے، اس

لئے کہ دیگر صانعین صرف اتنا ہی تو کرتے ہیں کہ مختلف اجزاء کو جوڑ توڑ کر اور حل و ترکیب کر کے کوئی چیز تیار کرتے ہیں، مادہ کو پیدا کر کے کسی شئ کو عدم سے وجود میں لانا ان کے بس کی بات نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ معدوم اشیاء کو وجود بخشنے پر قدرت رکھتے ہیں۔
(بیان القرآن ملخصًا)

سَلَامٌ عَلٰی اِلْ یَاسِیْنَ نافع اور ابن عامر اور یعقوب وغیرہ نے آل یاسین اضافت کے ساتھ پڑھا ہے، اور مصحف عثمانی میں منفصلاً لکھا ہے جس سے اس قراءت کی تائید ہوتی ہے، مشہور یہ ہے کہ الیاسین، الیاس علیہ الصلاۃ والسلام کا نام ہے، عرب عجمی ناموں کو جب عربی میں استعمال کرتے ہیں تو ان میں کافی رد و بدل اور چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے کافی حذف اضافہ کر لیتے ہیں، جیسے سیناء سے سینین کر لیا، اسی طرح یہاں بھی الیاس کا الیاسین کر لیا، یہودیوں کے نزدیک حضرت الیاس ہی ایلیا کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ان آیات میں حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس سورت میں مذکور واقعات میں سے یہ پانچواں واقعہ ہے، یہ واقعہ پیچھے کئی مقامات پر گذر چکا ہے، اس لئے یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں، یہاں اہل مکہ کو خاص طور پر یہ تنبیہ کی گئی ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ اے اہل مکہ تم ملک شام کے تجارتی سفر میں ان تباہ شدہ علاقوں سے آتے جاتے گذرتے ہو، جہاں اب بھی بحیرۂ مردار موجود ہے جو کہ نہایت کریہہ و متعفن اور بد بودار ہے، کیا تم انہیں دیکھ کر یہ بات نہیں سمجھتے کہ تکذیب رسل کی وجہ سے ان کا یہ بد انجام ہوا، تو تمہاری اس روش کا انجام بھی اس سے مختلف کیوں ہوگا؟ تم بھی وہی کام کر رہے ہو جو انہوں نے کیا، تو پھر تم اللہ کے عذاب سے کیوں محفوظ رہو گے؟

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ ہَرَبَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ السَّفِینَةِ المملوءة حِین غاضَبَ قومَه لَمَّا لم ینزِلُ بِهِم العذابُ الذی وَعَدَهم به فرکِبَ السفینةَ فوَقَفت فِی لُجَّةِ البحرِ فقال المَلَّاحونَ ہُنا عبد ابِقٌ مِن سَیِّده تُظهِرُه القرعةُ فَسَاهَمَ قارَعَ اہلُ السَّفِینَةِ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ المَغْلُوبِینَ بالقُرعةِ فالقوہُ فی البحرِ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ اِبْتَلَعَه وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴿۱۴۲﴾ ای اتٍ بِمَا یُلامُ علیه مِن ذِہابِه الی البَحْرِ ورُكوبه السفینةَ بلا اِذنٍ من رَبِّه فَلَوْلَا اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ الذَّاكِرِینَ بقوله كثیرًا فی بطنِ الحوتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ لَصَارَ بطنُ الحوتِ قبرًا له الی یومِ القیٰمةِ فَنَبَذْنٰهُ اَلْقَیْنَاہُ من بطنِ الحوتِ بِالْعَرَآءِ بوجهِ الاَرْضِ ای بالسَّاحِلِ مِنْ یومِه او بعدَ ثلاثةٍ او سَبْعةِ اَیَّامٍ اَوْ عشرین او اَرْبَعِیْنَ یومًا وَهُوَ سَقِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ عَلِیْلٌ كالفرخِ المُمعط وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وہو القَرْعُ تُظِلُّه وہی بِسَاقٍ علی خلافِ العادةِ فی القَرعِ معجزةً له و كانت تاتِیه وَعِلَةٌ صَبَاحًا ومَسَاءً یشرَبُ من لَبنِہا حتی قوِیَ وَاَرْسَلْنٰهُ بعد ذٰلك كَقَبْلِه الی قومٍ بِنِینُوی مِن ارضِ الموصل اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ بل یَزِیْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ عشرین او ثَلاثِیْنَ او سبعینَ اَلفًا فَاٰمَنُوْا عندَ مُعَایَنَةِ العذابِ المَوْعودین به فَمَتَّعْنٰهُمْ اَبْقَیْنَاہم مُتَمَتِّعِیْنَ

النصف

بمالهم **اِلٰی حِیْنٍ**﴿۱۴۸﴾ تنقضی اٰجالهم فيه **فَاسْتَفْتِهِمْ** اِسْتَخْبِرْ كفارَ مكة توبيخًا لهم **اَلِرَبِّكَ الْبَنٰتُ** بزعمهم اَنّ الملائكة بناتُ اللهِ **وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ**﴿۱۴۹﴾ فيَختصُّون بالابناء **اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ**﴿۱۵۰﴾ خَلْقَنا فيقولون ذلك **اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ** كَذِبهم **لَيَقُوْلُوْنَ**﴿۱۵۱﴾ **وَلَدَ اللّٰهُ** بقولهم الملئكة بناتُ اللهِ **وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ**﴿۱۵۲﴾ فيه **اَصْطَفَى** بفتح الهمزةِ للاستفهامِ واستُغْنِيَ بها عن همزةِ الوصلِ فحُذِفَتْ اى اِختارَ **الْبَنٰتِ عَلَى الْبَنِيْنَ**﴿۱۵۳﴾ **مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ**﴿۱۵۴﴾ بهذا الحُكم الفاسِدَ **اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ**﴿۱۵۵﴾ بادغام التاءِ فى الذّالِ انه سبحانه تعالى منزَّهٌ عن الولَدِ **اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ**﴿۱۵۶﴾ حجةٌ واضحةٌ ان للهِ ولدًا **فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ** التورةَ فَاَرُوْنِيْ ذلك فيه **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ**﴿۱۵۷﴾ فى قولِكُمْ ذلك **وَجَعَلُوْا** اى المشركون **بَيْنَهٗ** تعالى **وَبَيْنَ الْجِنَّةِ** اى الملائكةِ لاِجْتِنَانِهِم عن الابصار **نَسَبًا** بقولهم اِنَّها بناتُ اللهِ **وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ** اى قائِلِيْ ذلك **لَمُحْضَرُوْنَ**﴿۱۵۸﴾ النارَ يُعذَّبُوْنَ فيها **سُبْحٰنَ اللّٰهِ** تنزيهًا له **عَمَّا يَصِفُوْنَ**﴿۱۵۹﴾ بانَّ لِلّٰهِ ولدًا **اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ**﴿۱۶۰﴾ اى المؤمنين استثناءٌ منقطعٌ اى فانّهم يُنَزِّهُوْنَ اللّٰهَ عما يصِفُه هؤلاءِ **فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ**﴿۱۶۱﴾ من الاصنامِ **مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ** اى على مَعبودِكُمْ وعليه متعلقٌ بقوله **بِفٰتِنِيْنَ**﴿۱۶۲﴾ اى احدًا **اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ**﴿۱۶۳﴾ فى عِلْمِ اللّٰهِ تعالى قال جبرئيلُ للنبيِّ صلى اللّٰهُ عليه وسلم **وَمَا مِنَّآ** مَعْشَرَ الملائكةِ احدٌ **اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ**﴿۱۶۴﴾ فى السمٰوتِ يَعْبُدُ اللّٰه سبحانه وتعالى فيه لا يَتجاوَزُه **وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ**﴿۱۶۵﴾ اَقدامنا فى الصَّلاة **وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ**﴿۱۶۶﴾ المُنَزِّهُوْنَ اللّٰهَ عما لا يليقُ به **وَاِنْ** مخفَّفةٌ من الثقيلة **كَانُوْا** اى كفارُ مكة **لَيَقُوْلُوْنَ**﴿۱۶۷﴾ **لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا** كتابًا **مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ**﴿۱۶۸﴾ اى مِنْ كُتُبِ الأمم الماضِيْنَ **لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ**﴿۱۶۹﴾ العبادَةَ له قال تعالى **فَكَفَرُوْا بِهٖ** اى بالكتابِ الذى جاء هم وهو القرآنُ الاَشْرَفُ مِنْ تلك الكُتُبِ **فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ**﴿۱۷۰﴾ عاقبةَ كُفرِهِم **وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا** بالنَّصرِ **لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ**﴿۱۷۱﴾ وهى لَاَغْلِبَنَّ اَنا وَرُسُلِيْ او هى قوله **اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ**﴿۱۷۲﴾ **وَاِنَّ جُنْدَنَا** اى المؤمنين **لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ**﴿۱۷۳﴾ الكفارَ بالحُجّةِ والنُّصرةِ عليهم فى الدنيا واِنْ لم يُنْتَصَرْ بعضٌ منهم فى الدُّنيا ففى الاٰخرة **فَتَوَلَّ عَنْهُمْ** اَعرِضْ عن كُفّارِ مكَّةَ **حَتّٰى حِيْنٍ**﴿۱۷۴﴾ تُؤمَرُ فيه بقتالِهم **وَّاَبْصِرْهُمْ** اِذا نَزَلَ بهم العذابُ **فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ**﴿۱۷۵﴾ عاقبةَ كُفرِهم فقالوا اِسْتِهْزَاءً متى نزولُ هذا العذاب قال تعالى تهديدًا لهم **اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ**﴿۱۷۶﴾ **فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ** بفنائهم قال الفرَّاءُ، العربُ تَكْتَفِيْ بِذِكْرِ السَّاحةِ عَنِ القومِ **فَسَآءَ** بِئْسَ صَباحًا **صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ**﴿۱۷۷﴾ وفيه اِقامةُ الظاهِرِ مَقامَ المُضْمَرِ **وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ**﴿۱۷۸﴾ **وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ**﴿۱۷۹﴾ كَرَّرَ تاكيدًا لِتَهديدِهم وتَسليةً له صلى اللّٰهُ عليه وسلم **سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ** الغَلَبَةِ **عَمَّا يَصِفُوْنَ**﴿۱۸۰﴾ بانّ له ولدًا **وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ**﴿۱۸۱﴾ المُبَلِّغِيْنَ عن اللّٰهِ التوحيدَ والشرائعَ **وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ**

علَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾ علی نصرہم وہلاك الکافرین.

ترجمہ: بلاشبہ یونس (علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی) پیغمبروں میں سے ہیں (اس وقت کو یاد کرو) جب (یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام) ھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے جبکہ وہ اپنی قوم سے ناراض ہوئے، جب ان پر وہ عذاب نازل نہ ہوا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا تو کشتی پر سوار ہو گئے کشتی دریا کے بیچوں بیچ جا کر ٹھہر گئی، تو ملاحوں نے کہا کشتی میں کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے آقا سے ھاگا ہوا ہے، جس کو قرعہ ظاہر کر دے گا، چنانچہ کشتی والوں نے قرعہ اندازی کی تو یہ قرعہ کے ذریعہ مغلوب ہو گئے، چنانچہ ان کو ریا میں ڈال دیا، تو ان کو مچھلی نے نگل لیا، حال یہ کہ وہ قابل ملامت کام کرنے والے تھے، یعنی اپنے رب کی اجازت کے بغیر دریا کی جانب جانے اور کشتی میں سوار ہونے کا ایسا کام کیا کہ جو قابل ملامت تھا اگر وہ مچھلی کے پیٹ میں بکثرت اپنے قول لَآ اِلٰـهَ لَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ کے ذریعہ ذکر کرنے والے نہ ہوتے تو مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے یعنی) مچھلی کا پیٹ قیامت تک ان کے لئے قبر بن جاتا تو ہم نے اس کو مچھلی کے پیٹ سے زمین یعنی ساحل پر اسی دن یا تین ن یا سات دن یا بیس دن یا چالیس دن بعد ڈالدیا اور وہ مضمحل تھے جیسا کہ بے بال و پر کا چوزا ہوتا ہے اور ہم نے ان پر (سایہ کے لئے) ایک بیلدار درخت بھی اگا دیا تھا، اور وہ کدو کا درخت تھا جو ان پر سایہ فگن تھا، وہ بیل ان کے معجزے کے طور پر عام یلوں کے برخلاف تنے دار تھی اور ان کے پاس صبح و شام ایک پہاڑی بکری آتی تھی (یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس کا دودھ پیتے تھے تا آنکہ آپ قوی ہو گئے، اور ہم نے ان کو اس (واقعہ) کے بعد پہلے کے مانند علاقہ موصل میں نینوا کے لوگوں کی طرف رسول نا کر ایک لاکھ بلکہ بیس ہزار یا تیس ہزار یا ستر ہزار سے زیادہ کی طرف بھیجا پھر وہ لوگ اس عذاب کو دیکھ کر جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا ایمان لے آئے تھے، تو ہم نے ان کو ان کے ان اسباب راحت سے جو ان کو حاصل تھے نفع حاصل کرنے کے لئے یک مدت یعنی مدت عمر ختم ہونے تک زندہ رکھا آپ ان کفار مکہ سے توبیخاً دریافت کیجئے کیا آپ کے رب کے لئے بیٹیاں یں؟ (یہ بات) ان کے اس قول کی بناء پر (لازم آتی) ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور (خود) ان کے لئے بیٹے ہیں؟ یعنی ان کے لئے بیٹے خاص کر دیئے گئے ہیں، یا جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا تھا تو یہ ہماری تخلیق کا مشاہدہ کر رہے تھے؟ جس کی وجہ سے یہ ایسی بات کرتے ہیں خوب سن لو یہ بہتان تراشی کر رہے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے یہ بات ان کے اس قول سے کہ انکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں (لازم آ رہی ہے) اور وہ بلاشبہ اس میں جھوٹے ہیں کیا اللہ نے بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلہ میں پسند کیا ہے؟ اَصْطَفٰی) ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ استفہام کے لئے اس ہمزۂ استفہام کی وجہ سے ہمزۂ وصل سے استغناء ہو گیا جس کی وجہ سے ہمزۂ استفہام) کو حذف کر دیا گیا، اور (اَصْطَفٰی) بمعنی اختیار ہے تم کو کیا ہو گیا؟ کہ تم یہ کس قدر فاسد حکم لگاتے ہو پھر کیا تم س بات کو نہیں سمجھتے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے (تَذَكَّرُوْنَ) میں تاء کو ذال میں ادغام کر کے کیا تمہارے پاس اس بات پر) کوئی واضح دلیل ہے کہ اللہ کے اولاد ہے؟ (تو جاؤ) اپنی کتاب تورات لے آؤ اور اس میں مجھے یہ بات دکھاؤ

(کہ اللہ کے لئے ولد ہے) اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو اور مشرکین نے اللہ تعالیٰ اور جنات یعنی ملائکہ کے درمیان یہ کہہ کر رشتہ داری ثابت کی کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، فرشتوں کو جنات اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی (جنوں کے مانند نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں، حالانکہ جنات کا خود یہ عقیدہ ہے کہ وہ یعنی جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں وہ نار جہنم میں حاضر کئے جائیں گے (اور) اس میں عذاب دیئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ ان تمام (صفات نقص) سے پاک ہے، جو یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے، مگر اللہ کے مخلص بندے یعنی مومنین، المؤمنین مستثنیٰ منقطع ہے یعنی مومنین اس کی ان ناقص صفات سے پاکی بیان کرتے ہیں جن کو یہ اس کے لئے ثابت کرتے ہیں یقین مانو کہ تم سب مع ان بتوں کے جن کی تم بندگی کرتے ہو خدا سے کسی کو برگشتہ نہیں کر سکتے اور عَلَیْهِ، اللہ کے قول فَاتِنِیْنَ سے متعلق (مقدم) ہے، بجز اس کے جو علم الٰہی میں واصل بجہنم ہونے والے ہیں، حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ ﷺ سے فرمایا: ہم فرشتوں کی جماعت میں سے ہر ایک کا آسمانوں میں مقام متعین ہے اسی جگہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا ہے اس سے تجاوز نہیں کرتا اور ہم تو قدم سے قدم ملا کر نماز میں صف بستہ کھڑے ہیں اور ہم تو (اس کی) ان صفات سے پاکی بیان کرتے ہیں جو اس کی شایان شان نہیں ہیں اور یہ لوگ یعنی کافر کہا کرتے تھے اگر ہمارے پاس (بھی) امم سابقہ کی کتابوں میں کوئی کتاب ہوتی تو ہم بھی عبادت میں اللہ کے مخلص بندوں میں سے ہوتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر وہ اس کتاب (یعنی) قرآن کا جو آسمانی کتابوں میں اشرف ہے، ان کے پاس آئی انکار کر بیٹھے ان کو عنقریب اپنے کفر کا انجام معلوم ہو جائے گا اور البتہ ہمارا رسولوں سے مدد کا وعدہ بہت پہلے صادر ہو چکا ہے اور وہ وعدہ یہ ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے، یا وہ نصرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ کا قول اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ (الآیة) ہے، کہ یقیناً ان ہی کی مدد کی جائے گی اور یقیناً ہمارا لشکر یعنی مومنین کفار پر حجت اور نصرت سے دنیا میں غالب رہیں گے، اور اگر ان میں سے بعض دنیا میں منصور نہ ہوئے تو آخرت میں (ضرور) ہوں گے آپ کفار مکہ سے کچھ وقت تک کہ جس میں آپ کو جہاد کی اجازت دی جائے توجہ ہٹا لیجئے اور ان کو دیکھتے رہئے کہ ان پر عذاب کب نازل ہوتا ہے؟ وہ بھی اپنے کفر کے انجام کو عنقریب دیکھ لیں گے تو انہوں نے استہزاءً کہا یہ عذاب کب نازل ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو دھمکاتے کے طور پر فرمایا کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟ (سنو) جب عذاب ان کے صحن میں (یعنی ان پر) نازل ہوگا، فراء نے کہا ہے کہ عرب، قوم کے بجائے، ساحة کے ذکر پر کفایت کرتے ہیں (یعنی ساحة بول کر قوم مراد لیتے ہیں) تو اس وقت ان لوگوں کی جن کو ڈرایا جا چکا تھا بری صبح ہوگی اس میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے، آپ کچھ وقت ان کا خیال چھوڑ دیجئے، اور دیکھتے رہئے یہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے، کافروں کی تہدید اور آپ کی تسلی کے لئے اس جملہ کو مکرر لایا گیا ہے، آپ کا رب جو بہت بڑی عزت غلبہ والا ہے ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں مثلاً یہ کہ اس کی اولاد ہے پاک ہے اللہ کی توحید اور احکام کے پہنچانے والے رسولوں پر سلام ہو، رسولوں کی نصرت اور کافروں کی ہلاکت پر تمام تعریفوں کا مستحق اللہ رب العالمین ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْن یونس ابن مَتّٰی تاء کی تشدید کے ساتھ بتثلیث النون، مَتّٰی یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کا نام ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کی والدہ کا نام ہے، اور کشف الاسرار میں ہے کہ ان کے والد کا نام مَتّٰی ہے اور ان کی والدہ کا نام تحیس ہے، حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے ہیں، ''ذوالنون'' اور ''صاحب الحوت'' بھی آپ کا ہی لقب ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذْ اَبَقَ ماضی واحد مذکر غائب اپنے مولا سے بھاگا (س ض ن) اِبَاقٌ غلام کا آقا سے بھاگنا، حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ اللہ تعالیٰ جو کہ مولائے حقیقی ہے کی اجازت کے بغیر قوم کو چھوڑ کر چلے آئے تھے، اس لئے ان کو مجازاً آبِق کہا گیا ہے اِذْ اَبَقَ اُذْکُر فعل محذوف کا ظرف ہے۔

قَوْلُہٗ: حِیْنَ غَاضَبَ قَوْمَہٗ ای غَضِبَ قومَہٗ، غَاضَبَ اپنے معنی میں نہیں ہے اس لئے کہ مفاعلۃ کی خاصیت طرفین سے فعل کا تقاضا کرتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ غَاضَبَ اپنے باب پر ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم دونوں آپس میں ایک دوسرے پر غصہ ہوئے۔

قَوْلُہٗ: سَاهَمَ، مُسَاهَمَةً سے قرعہ اندازی کی۔

قَوْلُہٗ: اَلْمُدْحَضِیْنَ، اِدْحَاضٌ (افعال) سے اسم مفعول، مغلوب ہونے والا، قرعہ اندازی میں ہارنے والا۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: مُلِیْمٌ یہ اِلْتَقَمَہٗ کی ضمیر مفعولی سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: مُلِیْمٌ اسم فاعل واحد مذکر غائب مصدر اِلَامَةٌ (افعال) مستحق ملامت، ایسا کام کرنے والا جس پر ملامت کی جائے، اَوْ هُوَ مُلِیْمٌ نَفْسَہٗ.

قَوْلُہٗ: کثیرًا اس کا تعلق کَانَ سے ہے (جمل) اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الآیۃ یہ قول کا مقولہ ہے اور کثرت کے معنی باب تفعیل سے مستفاد ہیں۔

قَوْلُہٗ: بالعَرَاء ای فی العراء، العراء المکانُ الخالی عَنِ البِنَاء والنباتِ والاشجارِ (چٹیل میدان)۔

قَوْلُہٗ: کَالفَرْخِ المُمَّعَطِ بضم المیم الاولیٰ وتشدید الثانیۃ پر اکھڑا ہوا چوزہ، مُمَّعَطٌ اصل میں مُنْمَعَطٌ تھا (انفعال) نون کو میم میں مدغم کر دیا مَعِطَ وامتعطَ ای سَقَطَ شعرہٗ من الداء ونحوہٖ. (جمل)

قَوْلُہٗ: وَعِلَةٌ پہاڑی بکری (ج) وعِلَاتٌ.

قَوْلُہٗ: التوراۃ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں تورات کہنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ مخاطب مشرکین ہیں اور وہ اہل کتاب نہیں ہیں۔

قَوْلُهُ: اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ یہ جملہ شرطیہ ہے ماقبل کی دلالت کی وجہ سے جواب شرط محذوف ہے ای قالُوْا.

قَوْلُهُ: لَقَدْ عَلِمَتِ الجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْن واؤ حالیہ ہے، قَدْ حرف تحقیق لام جواب قسم کا ہے اِنَّهُمْ لمحضرونَ اِنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر عَلِمَتْ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اِنَّ کی خبر پر لام داخل ہونے کی وجہ سے اِنَّ کے ہمزہ کو کسرہ دیدیا گیا ہے، ورنہ تو اَنَّ ہونا چاہئے۔

قَوْلُهُ: اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ المخلَصِينَ، محضرون سے مستثنیٰ منقطع ہے یعنی نیک بندے گرفتار شدگان میں نہیں ہیں، مستثنیٰ منہ، یا تو جَعَلُوْا کا فاعل ہے یا تَصِفُوْنَ کا فاعل ہے یا محضرون کی ضمیر ہے اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ المخلَصِيْنَ مستثنیٰ متصل بھی ہوسکتا ہے، جبکہ مُحْضَرُوْنَ سے مستثنیٰ ہو ای اِنَّهُمْ يحضرونَ النارَ اِلَّا مَنْ اَخْلَصَ اس صورت میں جملہ تسبیح جملہ معترضہ ہوگا۔ (فتح القدير شوكانى)

قَوْلُهُ: بِفَاتِنِيْنَ اسم فاعل جمع مذکر با زائدہ ہے مصدر فِتْنَةٌ ہے اس کا مفعول اَحَدًا محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کردیا ہے تم کسی کو (خدا) سے برگشتہ نہیں کرسکتے، گمراہ نہیں کرسکتے۔

قَوْلُهُ: صَالِ اسم فاعل داخل ہونے والا، پہنچنے والا، اصل میں صَالِیٌ تھا، آخر سے یا حذف ہوگئی۔

قَوْلُهُ: العِبَادَةَ لَهُ مفسر علام نے مخلصین کے مفعول العبادة کو ظاہر کردیا ہے، مگر مفعول کی تقدیر اس صورت میں درست ہوگی کہ جب مخلصین کو لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں، جیسا کہ مدنی اور کوفی کے علاوہ کی قراءت ہے۔

قَوْلُهُ: وفِيْهِ اِقَامَةُ الظاهِرِ مقامَ المضمرِ زیادتی تقبیح کے لئے ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لائے ہیں، اصل میں فَسَاءَ صَبَاحُهُمْ تھا، اور صباح سے مراد یوم یا وقت ہے۔

تَفسِیر وَتَشریح

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ یہ اس سورت کا آخری قصہ ہے، یہ واقعہ پہلے بھی متعدد مقامات پر گذر چکا ہے، تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اس پر بحث کی ہے کہ حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام مچھلی کے واقعہ سے پہلے ہی نبی بنادیئے گئے تھے یا بعد میں نبی بنائے گئے، لیکن قرآن کریم کے ظاہری اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ مچھلی کے واقعہ سے پہلے ہی آپ کو نبی بنادیا گیا تھا، اور بیشتر روایات سے بھی یہی راجح معلوم ہوتا ہے، اَبَقَ اِبَاقٌ سے مشتق ہے، اس کے معنی ہیں غلام کا اپنے آقا سے بھاگ جانا، یہاں یہ لفظ حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے صرف اس لئے استعمال ہوا ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی طرف سے بذریعہ وحی اجازت سے پہلے روانہ ہوگئے تھے، انبیاء علیہم السلام چونکہ مقرب بندے ہوتے ہیں، ان کی معمولی سی لغزش بھی گرفت کا سبب بن جاتی ہی، مقولہ مشہور ہے، حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ المقربِيْنَ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مقرباں را بیش بود حیرانی

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام عراق کے علاقہ نینویٰ (موجودہ موصل) میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، یہ آشوریوں کا پایہ تخت تھا، انہوں نے ایک لاکھ اسرائیلیوں کو قیدی بنا رکھا تھا، چنانچہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے یونس علیہ السلام کو بھیجا گیا، لیکن یہ قوم آپ پر ایمان نہیں لائی، بالآخر آپ نے اپنی قوم کو ڈرایا کہ عنقریب تم عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاؤ گے، جب عذاب میں تاخیر ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے طور پر نکل گئے، اور سمندر پر جا کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے، کشتی بیچ منجدھار میں خلاف عادت بلا سبب ظاہری کے رک گئی اور ڈگمگانے لگی، ملاحوں نے کہا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ایسی صورت اسی وقت پیش آتی ہے جب کشتی میں اپنے آقا سے مفرور کوئی غلام ہوتا ہے، لہٰذا اگر کشتی میں کوئی ایسا شخص ہے تو بتادے تاکہ کشتی میں سوار دیگر لوگوں کی جان بچ جائے ورنہ تو تمام کشتی والے غرق ہو جائیں گے، از خود جب کوئی تیار نہ ہوا تو قرعہ اندازی کی گئی اور تین بار کی گئی ہر بار حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے نام قرعہ نکلا آخر کار مجبور ہو کر ان کو دریا میں ڈال دیا گیا، مگر قرآنی الفاظ اور سیاق و سباق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کشتی میں گنجائش سے زیادہ وزن ہو جانے کی وجہ سے کشتی کا توازن بگڑ گیا تھا، جس کی وجہ سے کشتی کے ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا، وزن کم کرنے کے لئے کسی کو بھی دریا میں ڈالنے کی تجویز سامنے آئی تو قرین قیاس یہ بات تھی کہ جو شخص بعد میں آیا ہے اسی کو کم کر دیا جائے اَبَقَ الی الفلك المشحون سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی بعد میں آئے تھے، لہٰذا مناسب یہی معلوم ہوا ہوگا کہ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کو دریا میں ڈال دیا جائے مگر چونکہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام شکل و صورت سے بھلے اور نیک معلوم ہوتے تھے اس لئے ہمت نہیں ہو رہی تھی اور ممکن ہے کہ کچھ ان کو جانتے بھی ہوں چنانچہ عبداللہ بن مسعود کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، فرماتے ہیں اَنَّهُ اتی قومًا فی سفینة فحملوه وعرفوه ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں گنجائش نہ ہونے کے باوجود پاس لحاظ کی خاطر حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کشتی میں سوار کر لیا، چنانچہ جب یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کشتی پر سوار ہو گئے تو جب منجدھار میں پہنچی تو موجوں میں گھر کر کھڑی ہو گئی اور ڈگمگانے لگی، حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت کیا کہ کشتی اس طرح کیوں ہو رہی ہے تو ملاحوں نے جواب دیا کہ نہ معلوم ایسا کیوں ہو رہا ہے، تب حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مجھے معلوم ہے یہ کشتی اس طرح کیوں کر رہی ہے، وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ کشتی میں اپنے مالک سے بھاگا ہوا غلام ہے، جس کی نحوست سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے، اور واللہ جب تک اس کو دریا میں نہ ڈالو گے کسی طرح چلے گی نہیں، اہل کشتی نے کہا اے نبی اللہ آپ کو تو ہم دریا میں نہیں ڈال سکتے، تب آپ نے فرمایا قرعہ اندازی کر لو جس کے نام قرعہ نکلے اس کو ڈال دو، چنانچہ قرعہ ڈالا گیا، حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام نکلا احتیاطاً تین مرتبہ قرعہ ڈالا گیا ہر بار یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے نام نکلا، لہٰذا حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے کو دریا میں ڈال دیا۔ (روح المعانی ملخصاً) ادھر واقعہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ وہ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے پیٹ میں بحفاظت رکھ لے، وہ اس کی خوراک نہیں ہیں، آپ مچھلی کے پیٹ میں کتنے دن رہے، اس میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں: سدی، کلبی، مقاتل بن سلیمان نے کہا ہے کہ چالیس روز رہے، ضحاک نے کہا ہے بیس روز رہے، اور عطاء نے کہا ہے سات روز رہے، اور مقاتل بن حیان نے کہا ہے تین دن رہے۔

فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ''عراء'' بے آب وگیاہ چٹیل میدان کو کہتے ہیں، ہم نے ان کو چٹیل میدان میں مضمحل حالت میں ڈالدیا، بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا کہ اس آیت میں اور دوسری آیت لَوْ لَآ اَنْ تَدَارَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ یہ آیت چٹیل میدان میں نہ ڈالنے پر اور پہلی آیت ڈالنے پر دلالت کرتی ہے، نحاس وغیرہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس بات کی خبر دی ہے کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میدان میں ڈال دیا، حال یہ ہے کہ وہ مذموم نہیں تھے، اور دوسری آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو حالت مذمومہ میں ڈالے جاتے لہٰذا اب کوئی تعارض نہیں ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

قرعہ اندازی کا حکم:

قرعہ اندازی کوئی حجت شرعیہ نہیں ہے، قرعہ اندازی کے ذریعہ نہ کسی کا حق ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کو حق سے محروم کیا جا سکتا ہے، مثلاً یہ کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ کسی کو چور ثابت کیا جائے، یا مثلاً دو فریقوں کے درمیان ملکیت کا جھگڑا ہو تو اس کا فیصلہ بھی قرعہ اندازی سے نہیں کیا جا سکتا، البتہ قرعہ اندازی اس موقع پر جائز بلکہ بہتر ہے کہ جہاں ایک شخص کو مکمل اختیار حاصل ہو اور وہ جس طریقہ کو اپنے اختیار سے متعین کرنا چاہے تو کر سکے، ایسی صورت میں اگر قرعہ اندازی کے ذریعہ کسی ایک صورت کو ترجیح دینا چاہے تو اس کو اختیار ہے مثلاً اگر کسی کی ایک سے زائد بیویاں ہوں اس کو شرعی اختیار حاصل ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے سفر میں ساتھ لیجائے، البتہ اگر قرعہ اندازی سے متعین کرے تو بہتر و افضل ہے تاکہ شکایت کا موقع نہ ہو، آپ ﷺ کی بھی یہی عادت مبارکہ تھی۔

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں بھی قرعہ اندازی سے کسی کو مجرم ثابت کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ پوری کشتی کو بچانے کے لئے کسی کو بھی دریا میں ڈالا جا سکتا تھا، قرعہ کے ذریعہ اس کی تعیین کی گئی۔ (معارف)

فَلَوْ لَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصائب وآلام کو دفع کرنے میں تسبیح و استغفار کو خاص اہمیت حاصل ہے، سورۂ انبیاء میں یہ گذر چکا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام مچھلی کے پیٹ میں تھے تو یہ کلمہ خاص طور پر پڑھتے تھے، لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اللہ تعالیٰ نے اسی کلمہ کی برکت سے انہیں آزمائش سے نجات دی۔

ابوداؤد میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو دعاء مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اسے جو مسلمان بھی کسی مقصد کے لئے پڑھے گا اس کی دعاء قبول ہوگی۔ (قرطبی)

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ یعنی جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک عیش وآرام دیا یعنی جب تک وہ دوبارہ کفر کے مرتکب نہ ہو گئے، اس وقت تک ہم نے ان کو خوش عیش اور خوشحال رکھا۔

فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ مطلب یہ ہے کہ عقل تو اس عقیدے کی صحت کو تسلیم نہیں کرتی کہ اللہ کی اولاد ہے، اور وہ بھی مؤنث (لاؤ) کوئی نقلی دلیل ہی دکھادو یعنی کوئی کتاب جو اللہ نے اتاری ہو، اس میں اللہ کی اولاد کا اعتراف یا حوالہ ہو، قریش اور بعض قبائل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنات سے رشتہ ازدواج قائم کیا، جس سے لڑکیاں پیدا ہوئیں، یہی بناتُ اللّٰہ فرشتے ہیں، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے اور اس بات کو جنات بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہیں سزا بھگتنے کے لئے ضرور جہنم میں جانا پڑے گا، اگر اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ داری ہوتی تو یہ صورت حال نہ ہوتی۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عما يَصِفُونَ یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں صفات نقص بیان کررہے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بالکل پاک اور بری ہے، اللہ کے مخلص بندے اللہ کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کرتے، یہ مشرکین ہی کا شیوہ ہے کہ اللہ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں (یا مطلب یہ ہے) کہ جہنم میں جنات اور مشرکین ہی حاضر کئے جائیں گے، اللہ کے برگزیدہ بندے نہیں، ان کے لئے تو اللہ نے جنت تیار کررکھی ہے، اس صورت میں لَمُحْضَرُوْنَ سے استثناء ہے اور تسبیح جملہ معترضہ ہے۔

لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الاَوَّلِيْنَ یعنی یہ کفار نزول قرآن سے پہلے کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس بھی اگر کوئی آسمانی کتاب ہوتی جیسا کہ پہلے لوگوں کے لئے تورات وغیرہ نازل ہوئی تھیں یا کوئی ہادی ومنذر ہمیں وعظ ونصیحت کرنے والا ہوتا تو ہم بھی اس کے خالص بندے بن جاتے، مگر جب ان کی آرزو اور تمنا کے مطابق رسول اللہ ﷺ ہادی ورہبر بن کر آئے اور قرآن بھی نازل کردیا گیا، تو ان پر ایمان لانے کے بجائے ان کا انکار کردیا۔

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ المنذَرِيْنَ فراء نے کہا ہے کہ عرب ''لفظ قوم'' کے بجائے سَاحَةٌ کا لفظ استعمال کرتے ہیں، چنانچہ مسلمان جب خیبر پر حملہ آور ہوئے تو یہودی مسلمانوں کو دیکھ کر گھبرا گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کہہ کر فرمایا: خَرِبَتْ خَيْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قومٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ.

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰة)

بحمداللہ تعالیٰ

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَثَمَانُوْنَ آيَةً وَخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتٌّ اَوْ ثَمَانٌ وَثَمَانُوْنَ آيَةً.

سورۂ صٓ مکی ہے، اور وہ چھیاسی (۸۶) یا اٹھاسی (۸۸) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ صٓ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ① اي البَيَانِ او الشَّرْفِ وجَوَابُ هٰذا القسم مَحْذُوْفٌ اي ما الاَمْرُ كما قَالَ كُفَّارُ مَكَّةَ مِنْ تَعَدُّدِ الاٰلِهَةِ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا من اَهْلِ مكة فِيْ عِزَّةٍ حَمِيَّةٍ وتَكَبُّرٍ عن الايمانِ وَّشِقَاقٍ ② خِلَافٍ وعَدَاوَةٍ للنبي صلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ كَمْ اي كَثِيْرًا اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ اي اُمَّةٍ مِنَ الاُمَمِ الماضِيَةِ فَنَادَوْا حِيْنَ نُزُوْلِ العَذَابِ بِهِم وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ③ اي لَيْسَ الحِيْنُ حِيْنَ فِرَارٍ والتاءُ زَائِدَةٌ والجُمْلَةُ حَالٌ مِن فَاعِلِ نَادَوْا اي اسْتَغَاثُوْا والحَالُ اَنْ لَا مَهْرَبَ ولا مَنْجَأَ وما اعْتَبَرَ بِهِم كُفَّارُ مَكَّةَ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِهِمْ يُنْذِرُهُم يُخَوِّفُهُم بالنَّارِ بَعْدَ البَعْثِ وهُوَ النبيُّ صلَّى الله عليه وسلَّمَ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ فيه وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ المُضْمَرِ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ④ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا حَيْثُ قَالَ لهم قُوْلُوْا لا اِلٰهَ الا اللهُ اي كيف يَسَعُ الخلقَ كُلَّهم اِلٰهٌ وَاحِدٌ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ⑤ عَجِيْبٌ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ مِنْ مَجْلِسِ اجْتِمَاعِهِمْ عِنْدَ اَبِي طَالِبٍ وسَمَاعِهِمْ فيه مِنَ النبي صلَّى الله عليه وسلَّمَ قولوا لا اله الا الله اَنِ امْشُوْا يَقُوْلُ بعضُهم لبعضٍ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ اُثْبُتُوْا على عِبَادَتِهَا اِنَّ هٰذَا المذكورَ مِنَ التوحيدِ لَشَيْءٌ يُّرَادُ ⑥ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اي مِلَّةِ عِيْسٰى اِنْ ما هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ⑦ كَذِبٌ ءَاُنْزِلَ بتَحْقِيْقِ الهَمْزَتَيْنِ وتَسْهِيْلِ الثانِيَةِ وادْخَالِ اَلِفٍ بينهما على الوَجْهَيْنِ وتَرْكِهٖ عَلَيْهِ على محمدٍ الذِّكْرُ القرآنُ مِنْۢ بَيْنِنَا وليس بِاَكْبَرِنَا ولا اَشْرَفِنَا اي لم يُنْزَلْ عليه قال تعالى بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ وحْيِ القرآنِ حيث كَذَّبُوْا الجائِيَ به بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ⑧ ولو ذَاقُوْهُ لَصَدَّقُوا النبيَّ صلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ فِيمَا جَاءَ به ولا يَنْفَعُهُم التَّصْدِيْقُ حِيْنَئِذٍ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الغَالِبِ الْوَهَّابِ ⑨ مِنَ النُّبُوَّةِ وغيرِها فيُعْطُوْنَها مَن

شَآءُ وْا أَمْ لَهُم مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إنْ زَعَمُوا ذلك فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ⑩ المُوصِلَةِ الى السَّماءِ فيأتُوا بالوحي فَيَخُصُّوا به مَنْ شاءُ وْا وام في المَوضِعَيْنِ بمعنى همزةِ الإنكار جُندٌ مَّا اى هم جندٌ حقيرٌ هُنَالِكَ اى في تكذيبهم لك مَهْزُومٌ صِفةُ جُندٍ مِّنَ الْأَحْزَابِ ⑪ صِفةُ جُندٍ ايضًا اى من جنس الاحزاب المُتحزِّبين على الانبياء قبلَك وأولئك قد قُهِرُوا وأُهلِكُوا فكذلك يُهلَكُ هؤلاءِ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ تانيثُ قوم باعتبار المَعْنى وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ⑫ كان يتِدُ لِكُلِّ مَن يَغضبُ عليه اربعةَ اوتادٍ ويَشُدُّ اليها يدَيه ورجلَيه ويُعذِّبُه وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ اى الغَيضَةِ وهم قومُ شُعَيب عليه الصَّلوة والسَّلامُ أُولٰئِكَ الْأَحْزَابُ ⑬ إِنْ ما كُلٌّ من الاحزاب إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ لِأنَّهُم اذا كَذَّبُوا واحِدًا منهم فكَذَّبُوا جميعَهم لانَّ دعوَتهم واحِدَة وهى دَعْوَة التوحيدِ فَحَقَّ وَجَبَ عِقَابِ ⑭

ترجمہ: شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، صٓ اللہ ہی اس کی مراد کو بہتر جانتا ہے، قسم ہے ذکر والے یعنی بیان والے یا شان والے قرآن کی، جواب قسم محذوف ہے، یعنی بات ایسی نہیں جیسا کہ کفار متعدد الٰہ کے قائل ہیں بلکہ مکہ کے کافر غرور اور ایمان کے مقابلہ میں تکبر اور محمد ﷺ کی مخالفت اور عداوت میں پڑے ہیں، اور ہم نے ان سے پہلے بھی یعنی گذشتہ بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا، ان پر نزول عذاب کے وقت انہوں نے ہر چند چیخ و پکار کی لیکن وہ وقت نجات کا وقت نہیں تھا، یعنی وہ وقت فرار کا وقت نہیں تھا، اور لاتَ میں تا زائدہ ہے، اور جملہ نادَوْا کی ضمیر سے حال ہے، یعنی انہوں نے فریاد کی، حالانکہ نہ بھاگنے کا موقع تھا، اور نہ نجات کا، اور مکہ کے کافروں نے ان سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی، اور کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ انہی میں سے ان کو ایک ڈرانے والا آ گیا (یعنی) ان ہی میں کا ایک رسول آ گیا، جو بعث کے بعد ان کو آگ سے ڈراتا ہے، اور خوف دلاتا ہے، اور وہ (محمد ﷺ) ہیں، اور کافر کہنے لگے یہ تو جادوگر ہے (اور) جھوٹا ہے، اس میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہے، کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کو ایک معبود کر دیا؟ واقعی یہ بڑی عجیب بات ہے، (یہ بات انہوں نے اس وقت کہی کہ) جب ان سے آپ نے کہا کہو! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، یعنی پوری مخلوق کے (انتظام) کے لئے ایک معبود کیسے کافی ہوسکتا ہے؟ ان کے سردار خواجہ ابو طالب کی مجلس میں نبی کریم ﷺ سے قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ سننے کے بعد خواجہ ابو طالب کی مجلس سے یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ بس چلو جی اور اپنے معبودوں یعنی ان کی عبادت پر جمے رہو، یقیناً اس توحید مذکور (کے مطالبہ) میں ہم سے ضرور کوئی غرض ہے، ہم نے تو یہ بات پچھلے دین یعنی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین میں بھی نہیں سنی، یہ تو محض من گھڑت افتراء ہے کیا ہم میں سے اسی پر کلام الٰہی نازل کیا گیا ہے؟ حالانکہ وہ نہ ہم سے بڑا ہے اور نہ اشرف یعنی اس پر (کلام الٰہی) نازل نہیں کیا گیا، ءَ اُنزِلَ میں دونوں ہمزوں میں تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں ہمزوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف داخل کر کے اور نہ داخل کر کے دراصل یہ لوگ میرے ذکر وحی یعنی قرآن کے بارے میں شک میں ہیں اس

لئے انہوں نے وحی کو لانے والے کو جھٹلا دیا ہے بلکہ (صحیح بات یہ ہے) کہ انہوں نے اب تک (میرا) عذاب چکھا نہیں ہے اور جب یہ اس عذاب کا مزہ چکھیں گے تو نبی ﷺ کی اس بات کی تصدیق کریں گے، جس کو وہ لے کر آئے ہیں (مگر) اس وقت تصدیق سے کوئی فائدہ نہ ہوگا یا کیا ان کے پاس تیرے زبردست فیاض رب کی رحمت کے خزانے ہیں؟ جن میں نبوت وغیرہ بھی شامل ہے، کہ یہ لوگ جس کو چاہیں دیں (اور جس کو چاہیں نہ دیں) یا کیا زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر ان ہی کی حکومت ہے اور اگر ان کو اس بات کا یقین ہے تو (چاہئے کہ) آسمان تک رسیاں تان کر چڑھ جائیں (اور) وحی لے آئیں اور بطور خاص جس کو چاہیں دیدیں، اور أم دونوں جگہ ہمزۂ انکاری کے معنی میں ہے، یہاں یعنی تیری تکذیب کے بارے میں شکست خوردہ ایک حقیر سا لشکر ہے مَهْزُوْمٌ جندٌ کی صفت ہے اور مِنَ الْاَحْزَابِ بھی جند کی صفت ہے یعنی (یہ لشکر) ان لشکروں کی جنس کا ہے جو آپ کے پیش رو انبیاء کے بالمقابل جمع ہو گئے تھے، اور وہ مغلوب ہوئے اور ہلاک کئے گئے تھے، اسی طرح ان کو بھی ہلاک کیا جائے گا اس سے پہلے بھی قوم نوح نے قوم کی تانیث معنی کے اعتبار سے ہے اور عاد نے اور میخوں والے فرعون نے بھی تکذیب کی تھی فرعون جس پر غضبناک ہوتا تھا تو چار میخیں گاڑ دیتا تھا اور ان سے اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر باندھ دیتا تھا اور اس کو سزا دیتا تھا اور ثمود اور قوم لوط نے اور ایکہ کے رہنے والوں نے بھی (اصحاب ایکہ) یعنی جھاڑی والے اور وہ شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم تھی، یہی (بڑے) لشکر تھے ان لشکروں (گروہوں) میں ایک بھی ایسا نہیں جنہوں نے رسولوں کی تکذیب نہ کی ہو اس لئے کہ جب انہوں نے ایک رسول کی تکذیب کر دی تو (گویا کہ) تمام رسولوں کی تکذیب کر دی اس لئے کہ ان سب کی ایک ہی دعوت تھی اور وہ دعوت توحید تھی سو ان پر میری سزا ثابت ہوگئی۔

تَحقِيق وَتَركِيبُ وَتَسهِيلُ وَتَفسِيرى فَوائِد

قَوْلُهُ: صٓ اس کو سورۂ داؤد بھی کہا جاتا ہے (خازن) اس میں پانچ قراءتیں ہیں: ① جمہور کے نزدیک سکون کے ساتھ، یعنی صَادْ ② ضمہ بغیر تنوین، صادُ ③ فتحہ بغیر تنوین، صادَ ④ کسرہ بغیر تنوین صادِ ⑤ کسرہ مع التنوین صادٍ، ضمہ بغیر تنوین کی صورت میں مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای هٰذه صادُ اس صورت میں ص سورت کا نام ہوگا، اور علمیت و تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا، جن حضرات نے مفتوح بغیر تنوین پڑھا ہے، اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں ① مبنی بر فتحہ تخفیفاً جیسا کہ کَيْفَ وَاَيْنَ ② جر تقدیری کے ساتھ حرف قسم مقدر کی وجہ سے ③ نصب فعل مقدر کی وجہ سے یا حرف قسم کے حذف کی وجہ سے۔ (جمل ملخصاً)

قَوْلُهُ: والقرآن واؤ جارہ قسمیہ ہے القرآن، مقسم بہٖ ہے جواب قسم میں چند وجوہ ہیں ① کَمْ اَهْلَكْنَا مِن قبلهم جواب قسم ہے اصل میں لَكَمْ اهلكنا تھا، لام کو فصل کثیر کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، جیسا کہ سورۂ شمس میں قَدْ اَفْلَحَ جواب قسم سے لام حذف کر دیا گیا ہے ② جواب قسم اِنْ كل الا كَذَّبَ الرُّسُلَ ہے ③ جواب قسم محذوف

ہے، اور وہ لَقَدْ جَاء کم الحق وغیرہ ہے، اور ابن عطیہ نے کہا ہے کہ جواب قسم مَا الْاَمْرُ کَمَا تَزْعُمُوْنَ محذوف ہے، علامہ محلی نے، ما الامر کما قال کفار مکة من تعدد الالٰہ قسم محذوف مانی ہے، اور زمخشری نے اِنَّہٗ لمعجز مقدر مانا ہے، اور شیخ نے اِنك لَمِنَ المرسلین مقدر مانا ہے، اور فرمایا یہ یٰسٓ، والقرآن الحکیم اِنَّكَ لمِنَ المرسلینَ کی نظیر ہے۔ (جمل ملخصًا)

قَوْلُہٗ: ای کثیرًا اس سے اشارہ کر دیا کہ کَمْ خبریہ ہے جو کہ اَهْلَکنا کا مفعول ہے مِنْ قرنٍ اس کی تمیز ہے۔

قَوْلُہٗ: ولاتَ حینَ مناص، لاتَ کی تاء کے رسم الخط میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے مفصولاً دراز (ت) کی شکل میں لکھا ہے جیسا کہ پیش نظر نسخہ میں ہے، اور بعض حضرات نے (ت) کو حِیْنَ کے ساتھ ملا کر لکھا ہے ای لاتحِیْنَ مناصٍ اور اس اختلاف کا مدار وقف پر ہے، بعض حضرات (ت) پر وقف کرتے ہیں تو وہ (ت) کو دراز شکل میں لکھتے ہیں اور بعض حضرات لاَ پر عطف کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: مَنَاصٍ (ن) سے مصدر میمی ہے بھاگنا، پناہ لینا، اسم ظرف بھی ہے، پناہ گاہ، جائے فرار اس کے معنی ہیں لیس الحین حین فرارٍ تاء زائدہ ہے اور جملہ نَادَوْا کے فاعل سے حال ہے، مطلب یہ ہے کہ مکذبین رسل نے بہت چیخ پکار کی مگر نہ ان کو کوئی جائے فرار حاصل ہوئی اور نہ جائے نجات، مگر کفار مکہ نے ان کی اس حالت سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔

قَوْلُہٗ: ای لیس الحین اس عبارت سے علامہ محلی نے لاتَ میں خلیل اور سیبویہ کے مذہب مختار کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ یہ کہ لاتَ میں لاَ بمعنی لیس ہے، اور اس کے اسم و خبر محذوف ہیں، اور وہ اسم و خبر لفظ حینَ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لیس الحینُ حینَ مناصٍ پہلا حین اسم ہے اور دوسرا خبر اور لاتَ میں تَ تاکید نفی کے لئے زائدہ ہے۔

قَوْلُہٗ: فیه وضع الظاهر موضع المضمر زیادتی تقبیح کے لئے اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر استعمال کیا یعنی قالوا کے بجائے قال الکافرون کہا ہے۔

قَوْلُہٗ: عُجاب بڑی عجیب چیز، مبالغہ کا صیغہ، ایسی عجیب چیز جو نا قابل یقین ہو۔

قَوْلُہٗ: اَن امْشوا میں ان تفسیریہ ہے، جیسا کہ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنّ هذا لشیئ یُراد یہ اِصْبِرُوْا عَلٰی آلِهَتِکم کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ یہ مقدر سے اعراض ہے، تقدیر عبارت یہ ہے انکارهم لذکری لیس عن علمٍ بل هم فی شكٍّ منه.

قَوْلُہٗ: بل لمّا یذوقوا عذابِ ای عذابی سبب شک کو بیان کرنے کے لئے اضراب انتقالی ہے یعنی ان کے شک کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ چکھا نہیں ہے، لَوْ ذَاقُوْا لَصَدقُوا النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّمَ.

قَوْلُہٗ: لَمّا، لم سے اشارہ ہے کہ لَمّا بمعنی لَمْ ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلْيَرْتَقُوا فِى الاسباب فاشرط مقدر کے جواب میں واقع ہے، جیسا کہ مفسر علام نے تقدیر عبارت نکال کر اشارہ کر دیا ہے ای اِنْ زَعَمُوا ذٰلك فَلْيَرْتَقُوْا فِى الاسباب.

قَوْلُہٗ: ای هُمْ جُنْدٌ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جُنْدٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور تنوین تقلیل وتحقیر کے لئے ہے اور ما، قلت کی تاکید کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: هُنَالِكَ، جندٌ یا مهزوم کا ظرف ہے، اور مهزوم بمعنی مغلوب ومقہور ہے، مطلب یہ ہے کہ قریش رسولوں کے خلاف جماعت بندی کرنے والی ایک حقیر وقلیل جماعت ہے جو عنقریب شکست خوردہ ہوگی۔

قَوْلُہٗ: صفة جندٍ ایضا یہاں جندٌ کی تین صفات بیان کی گئی ہیں، پہلی صفت ما دوسری مهزومٌ تیسری مِنَ الْاَحزاب.

قَوْلُہٗ: اُولٰئِكَ الْاَحزابِ یہ طوائف مذکورہ سے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاَنَّهم الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ کیوں کہا گیا ہے باوجودیکہ ہر قوم نے صرف ایک رسول کی تکذیب کی ہے، جواب یہ ہے کہ چونکہ تمام انبیاء ورسل کے اصول دین اور دعوت ایک ہی ہیں لہٰذا ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب شمار ہوگی۔

تفسیر وتشریح

صٓ، وَالقرانِ ذِى الذِّكْرِ اس نصیحت والے قرآن کی قسم جس میں تمہارے لئے ہر قسم کی نصیحت اور ایسی باتیں ہیں جن سے تمہاری دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی، بعض حضرات نے ذی الذکر کا ترجمہ شان اور مرتبہ والا بھی کیا ہے، امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ دونوں ہی معنی صحیح ہیں، اس لئے کہ قرآن عظمت وشان کا حامل بھی ہے، اور اہل ایمان وتقویٰ کے لئے نصیحت اور درس عبرت بھی، یہ بات تاکید کے لئے قسم کھا کر کہی گئی ہے، جواب قسم محذوف ہے یعنی بات اس طرح نہیں جس طرح کفار مکہ کہتے ہیں، کہ محمد ﷺ ساحر یا شاعر، یا کاذب ہیں، بلکہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، جن پر ذی شان قرآن نازل ہوا۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِى عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ یعنی یہ قرآن تو یقیناً شک وشبہ سے پاک اور نصیحت ہے، البتہ ان کافروں کو اس سے فائدہ اس لئے نہیں پہنچ رہا ہے کہ ان کے دماغوں میں استکبار اور غرور ہے اور دلوں میں مخالفت وعناد، عِزَّةٌ کے معنی ہیں حق کے مقابلہ میں اکڑنا۔

كَمْ اَهْلَكْنَا الخ ان کفار مکہ سے پہلے ایسی قومیں گذری ہیں کہ جو زور وقوت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں، لیکن کفر وتکذیب کی وجہ سے برے انجام سے دوچار ہوئیں، اور انہوں نے عذاب کے آثار دیکھنے کے بعد بہت ہائے پکار کی اور توبہ پر اظہار آمادگی کیا، مدد کے لئے لوگوں کو پکارا، لیکن وہ وقت نہ توبہ وفریاد رسی کا تھا اور نہ فرار کا، اس لئے نہ ان کا ایمان نافع ہوا، اور نہ وہ بھاگ کر عذاب سے بچ سکے، لاتَ یہ دراصل لا ہے اس میں ت کا اضافہ کر دیا گیا ہے، جیسے ثُمَّ میں ثمّت.

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا یعنی ایک ہی اللہ ساری کائنات کا نظام چلانے والا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اسی طرح عبادت اور نذر و نیاز کا صرف وہی مستحق ہے یہ ان کے لئے نا قابل یقین اور بڑی عجیب بات تھی۔

شانِ نزول:

اس سورت کی ابتدائی آیات کا شانِ نزول اور پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب مسلمان نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی پوری نگہداشت اور حمایت کرتے تھے، جب خواجہ ابو طالب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی، جس میں ابوجہل، عاص بن وائل، اسود بن عبد المطلب، اور اسود بن عبد یغوث اور دوسرے رؤساء شریک تھے، مشورہ یہ ہوا کہ ابو طالب شدید بیمار ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان کا اسی بیماری میں انتقال ہوجائے، ان کے انتقال کے بعد اگر ہم نے محمد (ﷺ) کو ان کے نئے دین سے باز رکھنے کے لئے کوئی سخت اقدام کیا تو عرب کے لوگ ہمیں یہ طعنہ دیں گے کہ جب تک ابو طالب زندہ تھے، اس وقت تک تو یہ لوگ محمد (ﷺ) کا کچھ نہ بگاڑ سکے، اور جب ان کا انتقال ہوگیا تو انہوں نے آپ کو ہدف بنالیا، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم ابو طالب کی زندگی ہی میں ان سے محمد (ﷺ) کے معاملہ کا تصفیہ کرلیں تاکہ وہ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔

چنانچہ یہ لوگ ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جا کر ان سے کہا تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے آپ انصاف سے کام لیکر ان سے کہئے کہ وہ جس خدا کی چاہیں عبادت کریں، لیکن ہمارے معبودوں کو کچھ نہ کہیں، (حالانکہ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان کے بتوں کو اس کے سوا کچھ نہ کہتے تھے کہ بے حس اور بے جان ہیں نہ تمہارے خالق ہیں اور نہ رازق نہ تمہارا کوئی نفع ان کے قبضہ میں ہے اور نہ نقصان) ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو مجلس میں بلوایا، اور آپ سے کہا بھتیجے یہ لوگ تمہاری شکایت کررہے ہیں کہ تم ان کے معبودوں کو برا کہتے ہو، تم انہیں ان کے مذہب پر چھوڑ دو، اور تم اپنے خدا کی عبادت کرتے رہو، درمیان درمیان میں قریش کے لوگ بھی بولتے رہے۔

بالآخر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا چچا جان! کیا میں انہیں اس چیز کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی بہتری ہے؟ ابو طالب نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا میں ان سے ایک ایسا کلمہ کہلوانا چاہتا ہوں جس کے ذریعہ سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہوجائے گا، اور یہ پورے عرب کے مالک ہوجائیں گے، اس پر ابوجہل نے کہا، بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے؟ تمہارے باپ کی قسم، ہم ایک کلمہ نہیں دس کلمے کہنے کو تیار ہیں، اس پر آپ نے فرمایا بس لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دو، یہ سن کر سب لوگ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے، کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک کو اختیار کرلیں؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے، اس موقع پر سورۂ صٓ کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر، ص۲۷/۲۸، ج٤)

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ الخ سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، مشرکین مکہ کا کہنا تھا کہ توحید کا مسئلہ خود اس کا من گھڑت اور اختراع ہے ورنہ عیسائیت میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو الوہیت میں شریک تسلیم کیا گیا ہے اور دوسری بات

یہ ہے کہ مکہ اور طائف میں بڑے بڑے چودھری اور رئیس ہیں، اگر اللہ کو کسی کو نبی بنانا ہی تھا تو ان میں سے کسی کو نبی بناتا، ان کو چھوڑ کر محمد (ﷺ) کا انتخاب بھی عجیب ہے؟

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ کو آنحضرت ﷺ کا نبوت کے لئے منتخب ہونا بھی پسند نہیں تھا، بلکہ ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ جس کو وہ چاہیں اس کو نبوت کے لئے منتخب کیا جائے، گویا کہ وہ رحمت خداوندی کے خزانوں کے مالک ہیں، رحمت کے خزانوں میں سے اعلیٰ درجہ کی رحمت نبوت بھی ہے، اب جبکہ مشرکین مکہ کو محمد ﷺ کی نبوت پسند نہیں ہے تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو نبوت کا منبع اور سرچشمہ ہے وہاں جائیں اور اس سلسلہ کو منقطع کرائیں اور اپنے کسی پسندیدہ شخص کے نام جاری کرالیں۔

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی مدد اور کفار کی شکست کا وعدہ ہے یعنی کفار کا لشکر باطل لشکروں میں سے ایک لشکر ہے یہ لشکر بڑا ہے یا چھوٹا، اس کی ہرگز پرواہ نہ کریں اور نہ اس سے خوف زدہ ہوں، شکست ان کا مقدر ہے **هُنَالِكَ** مکان بعید کی طرف اشارہ ہے جو جنگ بدر اور یوم فتح مکہ کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جہاں کفار عبرت ناک شکست سے دوچار ہوئے۔

وفرعون ذو الاوتاد اس کے لفظی معنی ہیں میخوں والا فرعون، اس کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات نے فرمایا، اس سے اس کی سلطنت کے استحکام کی طرف اشارہ ہے، استحکام کی طرف اشارہ کرنے کو ''کھونٹے گڑنا'' بولتے ہیں، حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ترجمہ کیا ہے وہ فرعون، جس کے کھونٹے گڑ گئے تھے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فرعون جب کسی کو سزا دیتا تو اس کے چاروں ہاتھ پیروں میں میخیں گاڑ دیتا تھا، اور اس پر سانپ اور بچھو چھوڑ دیتا تھا، اسی طرح اذیت ناک سزا دیکر ہلاک کردیتا تھا، اور بعض نے کہا ہے کہ فرعون رسیوں اور میخوں کا کوئی کھیل کھیلا کرتا تھا، اس وجہ سے اس کو **ذو الاوتاد** کہا گیا ہے۔ (معارف، قرطبی)

اولٰئِكَ الْاَحْزَابُ اس کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ یہ جملہ **مهزومٌ مِّنَ الْاَحزَابِ** کا بیان ہے، یعنی جن گروہوں کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہیں، ایک تفسیر اس کی یہ بھی کی گئی ہے ''گروہ وہ تھے''، یعنی اصل طاقت وقوت جس کو طاقت کہنا چاہئے، اس کے مالک وہ لوگ تھے، یعنی قوم نوح، اور عاد وثمود وغیرہ، مشرکین مکہ کی ان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں، جب وہ لوگ عذاب الٰہی سے نہ بچ سکے تو ان کی کیا ہستی ہے؟ (قرطبی)

وَمَا يَنْظُرُ يَنْتَظِرُ **هٰٓؤُلَاۤءِ** اى كُفَّارُ مَكَّةَ **اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً** هِىَ نَفْخَةُ القِيَامَةِ تَحِلُّ بِهِمُ العَذَابُ **مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ** بِفَتْحِ الفَاءِ وَضَمِّهَا رُجُوعٌ **وَقَالُوْا** لَمَّا نَزَلَ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِ الخ **رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا** اى كِتَابَ اَعْمَالِنَا **قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ** قَالُوا ذٰلِكَ اِسْتِهْزَاءً قَالَ تَعَالٰى **اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ** اى القُوَّةِ فى العِبَادَةِ كَانَ يَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا وَيَقُوْمُ نِصْفَ

اللَّيل وينام ثلثه ويقوم سدسه ﴿اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ﴾ رجّاع الى مرضات الله ﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ﴾ بتسبيحه ﴿بِالْعَشِيِّ﴾ وقت صلوة العشاء ﴿وَالْاِشْرَاقِ﴾ وقت صلوة الضحى وهو ان تشرق الشمس ويتناهى ضوءها ﴿وَ﴾ سخرنا ﴿الطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً﴾ مجموعة اليه تسبح معه ﴿كُلٌّ﴾ من الجبال والطير ﴿لَّهٗٓ اَوَّابٌ﴾ رجّاع الى طاعته بالتسبيح ﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ﴾ قويناه بالحرس والجنود كان يحرس محرابه كل ليلة ثلثون الف رجل ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ﴾ النبوة والاصابة في الامور ﴿وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾ البيان الشافي في كل قصد ﴿وَهَلْ﴾ معنى الاستفهام هنا التعجيب والتشويق الى استماع ما بعده ﴿اَتٰىكَ﴾ يا محمد ﴿نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ﴾ محراب داؤد اى مسجده حيث منعوا الدخول عليه من الباب لشغله بالعبادة اى خبرهم وقصتهم ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ﴾ نحن ﴿خَصْمٰنِ﴾ قيل فريقان ليطابق ما قبله من ضمير الجمع وقيل اثنان والضمير بمعناهما والخصم يطلق على الواحد واكثر وهما ملكان جاءا في صورة خصمين وقع لهما ما ذكر على سبيل الفرض لتنبيه داؤد عليه السلام على ماوقع منه وكان له تسع وتسعون امرأة وطلب امرأة شخص ليس له غيرها وتزوجها ودخل بها ﴿بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ﴾ تجر ﴿وَاهْدِنَآ﴾ ارشدنا ﴿اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ﴾ وسط الطريق الصواب ﴿اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ﴾ اى على ديني ﴿لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً﴾ يعبر بها عن المرأة ﴿وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا﴾ اجعلني كافلها ﴿وَعَزَّنِيْ﴾ غلبني ﴿فِي الْخِطَابِ﴾ اى الجدال واقره الاخر على ذلك ﴿قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ﴾ ليضمها ﴿اِلٰى نِعَاجِهٖ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ﴾ الشركاء ﴿لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ﴾ ما لتاكيد القلة فقال الملكان صاعدين في صورتهما الى السماء قضى الرجل على نفسه فتنبه داؤد قال تعالى ﴿وَظَنَّ﴾ اى ايقن ﴿دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ﴾ اوقعناه في فتنة اى بلية بمحبة تلك المرأة ﴿فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا﴾ اى ساجدا ﴿وَّاَنَابَ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى﴾ اى زيادة خير في الدنيا ﴿وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ مرجع في الاخرة ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ﴾ تدبر امر الناس ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى﴾ اى هوى النفس ﴿فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اى عن الدلائل الدالة على توحيده ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اى عن الايمان بالله ﴿لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا﴾ بنسيانهم ﴿يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ المترتب عليه تركهم الايمان ولو ايقنوا بيوم الحساب لامنوا في الدنيا.

ترجمہ: انہیں یعنی کفار مکہ کو ایک چیخ کا انتظار ہے، اور وہ قیامت کا نفحہ ہوگا، جو ان پر عذاب نازل کرے گا، اور اس نفحہ کے لئے توقف نہ ہوگا فَواق میں فا، فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے، جب آیت فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ نازل ہوئی تو

انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار تو ہمارا حصہ یعنی نامہ اعمال حساب کے دن سے پہلے (دنیا ہی) میں دیدے یہ بات انہوں نے تمسخر کے طور پر کہی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے، اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے جو عبادت میں بڑے قوی تھے، ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے آدھی رات قیام کرتے اور رات کا تہائی حصہ سوتے اور (پھر) رات کا چھٹا حصہ قیام کرتے یقیناً وہ اللہ کی مرضیات کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے ہم نے پہاڑوں کو اس کے تابع کر رکھا تھا، کہ اس کے ساتھ شام کو عشاء کی نماز کے وقت اور اشراق یعنی اشراق کی نماز کے وقت اور وہ یہ کہ سورج خوب چمکدار ہو جائے اور اس کی روشنی انتہاء پر پہنچ جائے، تسبیح خوانی کرتے تھے اور پرندوں کو اس کے تابع کر دیا تھا، اس کے پاس جمع ہو کر سب کے سب اس کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور پہاڑوں اور پرندوں میں سے سب کے سب تسبیح خوانی میں اس کے زیر فرمان تھے، اور ہم نے اس کی حکومت کو پہرے داروں اور لشکروں کے ذریعہ قوت بخشی تھی، ان کی محراب کی ہر رات تیس ہزار محافظ نگرانی کرتے تھے، اور اسے حکمت یعنی نبوت اور معاملات میں اصابت رائے عطا کی تھی اور خطاب فیصل یعنی مقصد میں بیان شافی عطا کیا، ھَــــلْ استفہام کے معنی میں ہے، اور یہاں تعجب کے لئے ہے، اور کلام آئندہ کو غور سے سننے کا شوق دلانے کے لئے ہے، اور کیا تجھے اے محمد جھگڑتے والوں کی خبر ملی جبکہ وہ داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی محراب یعنی عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر عبادت خانہ میں آگئے، جبکہ ان کو داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس دروازوں سے جانے سے روک دیا گیا، حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے یعنی کیا تم کو ان کی خبر اور ان کا قصہ پہنچا جب یہ داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچے تو وہ ان سے گھبرا گئے، تو (آنے والوں نے) کہا گھبرائیے نہیں ہم دونوں فریق مقدمہ ہیں، اور کہا گیا ہے کہ خصمان سے مراد فریقان ہے، تاکہ ماقبل (تسوّروا) کی ضمیر جمع کے مطابق ہو جائے اور کہا گیا ہے تثنیہ کے معنی میں ہے، اور خصم کا اطلاق ایک اور ایک سے زیادہ پر ہوتا ہے اور وہ دونوں فرشتے تھے، جو مدعی اور مدعا علیہ کی شکل میں آئے تھے، اور جو کچھ مذکور ہوا وہ ان دونوں کے لئے (قرآن) میں علی سبیل الفرض واقع ہوا ہے، کہ داؤد علیہ الصلاۃ والسلام اس لغزش پر متنبہ ہو جائیں جو ان سے صادر ہوئی، اور داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی ننانوے بیویاں تھیں، اور ایسے شخص کی بیوی بھی طلب کی جس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی بیوی نہیں تھی، اور اس سے (داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے) نکاح کر کے ہمبستری بھی کر لی، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، سو آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے اور ناانصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے (یعنی) درمیانی سیدھا راستہ (سنئے) یہ میرا بھائی یعنی دینی بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں عورت کو دنبی سے تعبیر کر رہا تھا اور میرے ایک ہی دنبی ہے، لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ یہ ایک دنبی بھی مجھے دیدے یعنی مجھے ان کا کفیل بنا دے اور یہ گفتگو یعنی بحث و مباحثہ میں مجھ پر غالب آگیا ہے اور فریق ثانی (یعنی مدعا علیہ) نے اس کا اقرار کر لیا آپ نے فرمایا اس کا اپنی دنبیوں میں تیری دنبی ملا لینے کا سوال بے شک تیرے اوپر ایک ظلم ہے اور بے شک اکثر شرکاء (ایسے ہی ہوتے ہیں) کہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں مــا تاکید قلت کے لئے ہے، چنانچہ دونوں فرشتوں نے اپنی اصلی صورت میں آسمان کی طرف چڑھتے

ہوئے کہا، اس شخص نے تو خود ہی اپنے خلاف فیصلہ کرلیا، تو اس وقت حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام متنبہ ہوئے، اور حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام سمجھ گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور داؤد نے یقین کرلیا کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے یعنی ان کو آزمائش میں ڈالا ہے، بایں طور کہ اس عورت کی محبت کے فتنہ میں مبتلا کردیا ہے، پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور سجدے میں گر پڑے اور اپنے مولیٰ کی طرف رجوع کیا، تو ہم نے بھی ان کا وہ قصور معاف کردیا یقیناً وہ ہمارے نزدیک بڑے مرتبہ والے ہیں، یعنی دنیا میں زیادہ نیکیوں والے ہیں اور آخرت میں بہت اچھے ٹھکانوں والے ہیں اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنادیا تاکہ لوگوں کے معاملات کی تدبیر کرو تو تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور خواہشات کی پیروی نہ کرو یعنی نفسانی خواہشات کی ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے یعنی ان دلائل سے جو اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں بھٹکا دے گا، یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے یعنی ایمان سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے، ان کے یوم حساب کو بھلا دینے کی وجہ سے جس (نسیان) پر ان کا ترک ایمان مرتب ہوا، اگر یہ لوگ یوم حساب کا یقین کرلیتے تو دنیا (ہی) میں ایمان لے آتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: فواق فا کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، ای الرجوع، یہ اسم فعل ہے، اس کی جمع اَفْوِقَةٌ و آفِقَةٌ ہے، درمیانی وقفہ، دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان کا وقفہ، ایک مرتبہ دوہنے کے بعد بچہ کو دودھ پینے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے، بچہ کے پینے سے جانور کے تھنوں میں دوبارہ دودھ اتر آتا ہے، دوہنے والا، بچہ کو ہٹا کر دوبارہ دودھ دوہ لیتا ہے، اسی درمیانی وقفہ کا نام فواق ہے (قاموس) یہاں مراد سکون، وقفہ ہے، یا رجوع مراد ہے جیسا کہ محلی نے مراد لیا ہے، یعنی نفخۂ قیامت بلا توقف تسلسل کے ساتھ ہوگا۔

قَوْلُهُ: مَالَهَا ما نافیہ ہے اور لَهَا خبر مقدم ہے مِن زائدہ ہے، اور فواق، اسم مجرور لفظاً ما کا اسم یا مبتداء مؤخر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے، جملہ ما لَهَا مِنْ فواق، صیحۃً کی صفت ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے۔

قَوْلُهُ: ذَاالْاَیْدِ، ایدٌ بیعٌ کے وزن پر آدَ یئید سے مصدر مفرد ہے، اِذَا قَوِیَ و اشتَدَّ یہ یدٌ کی جمع نہیں ہے۔ (صاوی)

قَوْلُهُ: اِنَّهُ اَوَّاب یہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے دین میں قوی ہونے کی علت ہے۔

قَوْلُهُ: یُسَبِّحْنَ یہ الجبال سے حال ہے۔

قَوْلُهُ: وَالطَّیْرَ محشُوْرَةً، الجبالَ پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور بعض نے مبتدا، خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع کہا ہے۔

قَوْلُهُ: كُلٌّ لَهُ اَوَّاب، لَهُ کا مرجع حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام ہیں جیسا کہ مفسر علام کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ پہاڑ اور پرندے تسبیح خوانی میں حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے حکم کے تابع تھے، داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی تسبیح خوانی

کی وجہ سے۔ جب حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام ان کو تسبیح خوانی کا حکم فرماتے تو وہ تسبیح خوانی میں حضرت داؤد کے ساتھ مصروف ہوجاتے، اس صورت میں اَوّاب، مسبّحٌ کے معنی میں ہوگا، دوسری صورت یہ کہ لَہٗ کا مرجع باری تعالیٰ کو قرار دیا جائے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام اور پہاڑ و پرندے اللہ کی طرف رجوع کرنے والے اور تسبیح خواں ہوتے تھے، علامہ محلی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ لَہٗ، اَوّاب کا صلہ ہے، (جمل) یہ جملہ مستانفہ ہے ماسبق کے مضمون کی تاکید اور اجمال کی تفصیل کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بِالْحُرَسِ، حاء کے ضمہ اور راء مشدد کے فتحہ کے ساتھ حارس کی جمع ہے، اور دونوں کے فتحہ کے ساتھ حَرَسٌ بروزن خَدَمٌ بمعنی خدام، نوکر چاکر۔

قَوْلُہٗ: ھَلْ اَتَاکَ. ھل استفہامیہ تعجبیہ ہے یعنی مخاطب کو تعجب میں ڈالنے کے لئے یا آئندہ کلام کو سننے کا شوق دلانے کے لئے ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جب کوئی عجیب خبر سنانی ہوتی ہے تو مخاطب کو متوجہ کرنے کے لئے کہتے ہیں، ھَلْ تعلم؟ ما وَقَعَ الیوم اردو محاورہ میں کہتے ہیں، کچھ معلوم؟ آج ایسا ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: تَسَوَّرُوْا ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے دیوار کو پھاندا، دیوار پھاند کر داخل ہوئے، اِذْ تَسَوَّرُوْا مضاف محذوف کا ظرف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ھَلْ اَتَاکَ نَبَؤُ تَخَاصُمِ الخصم اذ تسوّروا.

قَوْلُہٗ: اِذْ دَخَلُوْا یہ پہلے اِذ سے بدل ہے، اور تَسَوَّرُوْا کا بدل بھی ہوسکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: خبرھم وقصتھم یہ نبؤٌ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: قِیلَ فریقان لِیُطَابِقَ ماقبلَہٗ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ تسوّروا جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اور خصمان تثنیہ، دونوں میں مطابقت نہیں ہے، حالانکہ مصداق دونوں کا ایک ہی ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ خصمان سے مراد فریقان ہے اور ہر فریق کئی افراد پر مشتمل ہوتا ہے تب ہی اس کو فریق کہتے ہیں، لہٰذا دونوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے، دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے، کہ خصم مصدر بھی ہے، اس لئے اس کا اطلاق واحد، تثنیہ، جمع سب پر ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: وقیل اثنان والضمیر بمعناھا مذکورہ اعتراض کا یہ تیسرا جواب ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دیوار پھاند کر آنے والے دو ہی تھے، مگر تسوّروا میں جمع سے مافوق الواحد مراد ہے، جس کا اطلاق دو پر بھی ہوسکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَقَعَ لَھُمَا مَا ذُکِرَ علیٰ سبیل الفرض مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: دو فرشتے مذکورہ مسئلہ میں مدعی اور مدعا علیہ بن کر آئے اور انہوں نے حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی عدالت میں ایک ایسا مقدمہ پیش کیا کہ جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا، جو سراسر کذب و معصیت تھا، حالانکہ فرشتے معصوم ہیں، ان سے معصیت کا صدور نہیں ہوسکتا؟

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کذب و معصیت اس وقت ہوگا جب حقیقتاً کسی واقعہ کی خبر دینا مقصود ہوتا، یہاں تو تنبیہ کے لئے ایک فرضی صورت تصور کرلی گئی تھی، اس میں خلاف واقعہ کذب و دروغ گوئی کا سوال ہی نہیں ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ استاد

بچوں کو سمجھانے کے لئے بطور مثال کہتا ہے ضَرَبَ زیدٌ عمرًا، واشتری بکر دارًا حالانکہ نہ یہاں ضرب ہے اور نہ شراء یہاں بھی داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تعریض وتنبیہ مقصود تھی نہ کہ بیان واقعہ۔

قِوْلُہٗ: وَاَقَرَّہُ الآخر اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے، سوال یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدعا علیہ کا بیان سنے بغیر نیز گواہوں کی گواہی کے بغیر کس طرح یکطرفہ فیصلہ کر دیا؟

جَوَابُ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدعا علیہ نے مدعی کے دعوے کو تسلیم کر لیا تھا، اور جب مدعا علیہ مدعی کا دعویٰ تسلیم کر لے تو پھر نہ گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ بیان صفائی کی۔

قِوْلُہٗ: قلیل ما ھُمْ، قلیل خبر مقدم ہے ما تاکید قلت کے لئے زائدہ ہے، ھُمْ مبتدا مؤخر ہے۔

قِوْلُہٗ: زُلفٰی درجہ، مرتبہ، زلفٰی بروزن قُربیٰ مصدر ہے۔ (لغات القرآن)

تَفسِیر وَتَشریح

وَمَا یَنْظُرُ الخ یَنْظُرُ بمعنی یَنْتَظِرُ ہے، وقوع یقینی کو بیان کرنے کے لئے ینتظر کو مجازاً ینظُرُ سے تعبیر کر دیا ہے، اس تعبیر کی علت یہ ہے کہ اس نفخہ کا وقوع اس قدر یقینی ہے گویا کہ وہ ایسا امر محسوس ہے جو آنکھوں سے نظر آ سکتا ہے، رسولوں کی تکذیب کرنے والی سابقہ امتوں کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کرنے کے بعد کفار مکہ کے عقاب وعذاب کو بیان فرما رہے ہیں، یعنی جب نہایت طاقتور اور دنیوی وسائل سے مالا مال قوموں کو رسولوں کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک کر کے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا، تو کفار مکہ کی ان کے مقابلہ میں کیا حقیقت وحیثیت ہے، اسم اشارہ ھٰؤلاءِ جو کہ قریب کے لئے ہے، لا کر کفار مکہ کی تحقیر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، نفخہ سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے، جس کے ذریعہ قیامت برپا ہوگی۔ (روح المعانی)

مَا لَھَا مِنْ فَوَاقٍ یعنی اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صور پھونکنا اس قدر تسلسل کے ساتھ ہوگا کہ اس میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا اور نہ صور پھونکنے کے بعد وقفہ ہوگا، بلکہ فوراً ہی زلزلہ قیامت شروع ہو جائے گا عَجِّلْ لَنَا قِطَّنَا، قِطٌّ کے معنی حصہ کے ہیں، یہاں مراد نامۂ عمل ہے، مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے نامۂ اعمال کے مطابق ہمارے حصہ میں اچھی یا بری جزاء یا سزا جو بھی ہے، روز قیامت سے پہلے دنیا ہی میں دیدے، اور یہ عذاب طلبی استہزاء کے طور پر تھی اس لئے کہ یہ لوگ وقوع قیامت کو عقلاً ناممکن سمجھتے تھے۔

ذَاالْاَیْدِ، اَیْدٌ، یَدٌ بمعنی ہاتھ کی جمع نہیں ہے، بلکہ آدَ یئیدُ کا مصدر ہے اور معنی قوت وشدت کے ہیں اسی سے تائید بمعنی تقویت ہے، یہاں دینی قوت اور صلاحیت مراد ہے۔

کفار کی تکذیب واستہزاء سے آنحضرت ﷺ کو جو صدمہ ہوتا تھا، اسے دور کر کے تسلی دینے کے لئے عموماً اللہ تعالیٰ نے پچھلے انبیاء علیہم السلام کے واقعات سنائے ہیں، چنانچہ یہاں بھی آپ کو صبر کی تلقین فرما کر بعض انبیاء علیہم السلام کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں جن میں سے پہلا واقعہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الجِبَالَ مَعَهٗ الخ اس آیت میں پہاڑوں اور پرندوں کے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریک تسبیح ہونے کا تذکرہ ہے، اس کی تشریح سورۂ انبیاء اور سورۂ سبا میں گذر چکی ہے، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کو باری تعالیٰ نے یہاں اس طرح ذکر فرمایا ہے، کہ یہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک خاص انعام تھا، سوال یہ ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے نعمت کیسے ہوئی؟ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا خاص فائدہ پہنچا؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس سے داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ظاہر ہوا، اور ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑا انعام ہے، اس کے علاوہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک لطیف توجیہ یہ فرمائی ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے ذکر و شغل کا ایک خاص کیف پیدا ہوتا تھا، جس سے عبادت میں نشاط اور تازگی اور ہمت پیدا ہوتی ہے، اجتماعی ذکر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ذکر کی برکتوں کا ایک دوسرے پر انعکاس ہوتا ہے۔

وَاٰتَیْنٰـــهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الخِطَاب "حکمت" سے مراد دانائی ہے یعنی ہم نے داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عقل و فہم کی دولت بخشی تھی اور بعض حضرات نے حکمت سے نبوت مراد لی ہے، فصل الخطاب کی مختلف تفسیریں بیان کی گئی ہیں، بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد زور بیان اور قوت خطاب ہے، کہا جاتا ہے کہ خطبوں میں حمد و صلوٰۃ کے بعد "اما بعد" کا کلمہ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استعمال فرمایا تھا، اور بعض حضرات نے فصل خطاب سے بہترین قوت فیصلہ مراد لی ہے، درحقیقت ان تمام الفاظ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

هَلْ اَتٰكَ نَبَؤُا الخَصْمِ الخ "محراب" سے مراد خلوت خانہ ہے، جس میں حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام یکسوئی کے ساتھ تنہائی میں عبادت کیا کرتے تھے، دروازے پر پہرے دار ہوتے تھے تاکہ کوئی اندر آکر عبادت میں مخل نہ ہو، مگر دو جھگڑا کرنے والے بجائے دروازہ سے آنے کے دیوار پھاند کر عقب سے اندر داخل ہوگئے، جس کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک گونہ خوف محسوس ہوا، خوف کی وجہ ظاہر ہے کہ دروازہ سے آنے کے بجائے عقب سے دیوار پھاند کر اندر آئے، دوسری بات یہ ہے کہ ایسی نازیبا اور نامناسب حرکت کرتے ہوئے بادشاہ وقت سے بھی خوف محسوس نہیں کیا۔

طبعی خوف نبوت کے منافی نہیں:

ظاہری اسباب کے مطابق خوف والی چیز سے خوف کھانا انسانی طبیعت کا فطری تقاضہ ہے یہ نہ منصب نبوت کے خلاف ہے اور نہ توحید کے منافی جو خوف منصب نبوت و توحید کے منافی ہے وہ، وہ خوف ہے جو ماورائے اسباب ہو، اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے ایک ہوتا ہے خوف اور ایک ہوتی ہے خشیت، خوف نبوت و توحید کے منافی نہیں ہے البتہ خشیت توحید و رسالت کے منافی ہے، آنے والوں نے تسلی دی اور عرض کیا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے درمیان ایک جھگڑا ہے ہم آپ سے فیصلہ کرانے آئے ہیں، آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں اور راہ راست کی جانب ہماری راہنمائی بھی فرمائیں، میرے اور میرے اس بھائی کے درمیان مختلف فیہ معاملہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک دنبی ہے اور اس کے پاس ننانوے دنبیاں

ہیں، یہ مجھے اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ میں اپنی دنبی بھی اسکو دیدوں اور گفتگو میں یہ مجھ پر غالب آگیا ہے یعنی جس طرح اس کے پاس مال زیادہ ہے، زبان کے اعتبار سے بھی مجھ سے زیادہ تیز ہے اور اسی تیزی وطراری کی وجہ سے لوگوں کو قائل کر لیتا ہے، اور اپنی بات منوالیتا ہے، اس نے مجھے بھی دبالیا ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اس نے جو تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کی ہے یہ واقعی تجھ پر ظلم ہے، یہاں دو باتیں قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فقرہ، صرف مدعی کی بات سن کر ارشاد فرمایا، مدعا علیہ کا بیان نہیں سنا، بعض حضرات نے فرمایا یہی وہ لغزش ہے جس پر آپ نے استغفار فرمایا، مطلب یہ ہے کہ اول آپ کو دونوں فریقوں کی بات سنی چاہئے تھی اس کے بعد آپ کوئی بات فرماتے، مگر آپ نے ابھی مدعا علیہ کی کوئی بات نہیں سنی اور مدعی کی حمایت میں اپنا رخ ظاہر فرما دیا جو کہ عدل وانصاف کے تقاضوں کے منافی ہے۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ آنے والوں نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عدالتی فیصلہ طلب کیا ہو لیکن نہ وہ وقت عدالت کا تھا اور نہ وہ قضا کی مجلس تھی، اس لئے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قاضی کی حیثیت سے نہیں بلکہ مفتی کی حیثیت سے فتویٰ دیا اور مفتی کا کام واقعہ کی تحقیق کرنا نہیں ہوتا بلکہ سوال کے مطابق جواب دینا ہوتا ہے۔

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کے محض دنبی مانگنے کو ظلم قرار دیدیا حالانکہ بظاہر کسی سے کوئی چیز مانگنا کوئی جرم نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ صورت سوال کی تھی، لیکن جس قولی اور عملی دباؤ کے ساتھ یہ سوال کیا جارہا تھا، اس کی موجودگی میں اس کی حیثیت غصب کی سی تھی، اسی لئے آپ نے اس سوال کو ظلم فرمایا۔

فاستغفر ربّهٗ وخرَّ راكعًا واناب یعنی حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب سے استغفار کیا اور سجدہ میں گر گئے، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کونسا کام تھا جس پر انہیں کوتاہی کا احساس ہوا، اور اظہار ندامت کرنی پڑی، اور اللہ نے ان کو معاف فرما دیا، نہ قرآن مجید میں اس اجمال کی تفصیل ہے اور نہ کسی مستند حدیث میں اس کی کوئی وضاحت اس لئے بعض مفسرین نے تو اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر ایسی باتیں بھی لکھ دی ہیں جو ایک نبی کی شان اور عصمت انبیاء کے خلاف ہیں، البتہ بعض مفسرین مثلاً ابن کثیر نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب قرآن وحدیث اس معاملہ میں خاموش ہیں تو ہمیں بھی اس کی تفصیلات کی کرید میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر مفسرین کا ایک گروہ وہ ہے جو اس واقعہ کی بعض جزئیات بیان کرتا ہے تاکہ قرآن کے اجمال کی کچھ توضیح ہو جائے، تاہم تمام مفسرین بھی کسی ایک بیان پر متفق نہیں ہیں، بعض کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک فوجی افسر کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے، اور یہ اس زمانہ کے عرف میں کوئی معیوب بات نہیں تھی، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس عورت کی خوبیوں اور کمالات کا علم ہوا تھا جس کی وجہ سے ان کے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس عورت کو تو ملکہ ہونا چاہئے، نہ کہ ایک عام سی عورت تاکہ اس کی خوبیوں اور کمالات سے پورا ملک فیضیاب ہو سکے، یہ خواہش خواہ کتنے ہی اچھے جذبے کی بنیاد پر ہو لیکن ایک تو متعدد بیویوں کی موجودگی میں یہ نامناسب سی بات لگتی ہے، دوسرے بادشاہ وقت کی جانب سے اس کے اظہار میں جبر کا پہلو بھی

شامل ہو جاتا ہے، اس لئے حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو ایک تمثیلی واقعہ سے اس کے نامناسب ہونے کا احساس دلایا گیا، اور حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو فی الواقع اس پر تنبہ ہو بھی گیا۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آنے والے دو فرشتے تھے، جو ایک فرضی مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، داؤد علیہ الصلاۃ والسلام سے کوتاہی یہ ہوئی کہ مدعی کا بیان سن کر ہی اپنی رائے کا اظہار کر دیا اور مدعا علیہ کی بات سننے کی ضرورت محسوس نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے رفع درجات کے لئے اس آزمائش میں انہیں ڈالا، اس غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ سمجھ گئے کہ یہ آزمائش تھی جو اللہ کی طرف سے ان پر آئی، اور فوراً ہی بارگاہ الٰہی میں جھک گئے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ آنے والے فرشتے نہیں تھے بلکہ انسان ہی تھے اور یہ کوئی فرضی واقعہ نہیں، ایک حقیقی جھگڑا تھا، جس کے فیصلے کے لئے وہ آئے تھے، اور اس طرح ان کے صبر و تحمل کا امتحان لیا گیا، کیونکہ اس واقعہ میں ناگواری اور اشتعال طبع کے کئی پہلو تھے، ایک تو بلا اجازت بجائے دروازے کے دیوار پھاند کر عقب سے آنا، دوسرے عبادت کے مخصوص اوقات میں آکر مخل ہونا، تیسرا ان کا طرز تکلم بھی ان کی حاکمانہ شان کے خلاف تھا، مثلاً یہ کہ زیادتی نہ کرنا، انصاف سے فیصلہ کرنا وغیرہ وغیرہ، لیکن اللہ نے آپ کو توفیق دی کہ آپ مشتعل نہیں ہوئے، اور کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا، لیکن دل میں طبعی ناگواری کا جو ہلکا سا احساس پیدا ہوا، اس کو بھی اپنی کوتاہی پر محمول کیا، یعنی یہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی اس لئے یہ طبعی انقباض بھی نہیں ہونا چاہئے تھا، جس پر حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے توبہ و استغفار کی۔

خلاصۂ کلام:

محقق اور محتاط مفسرین نے ان آیات کی تشریح میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص حکمت و مصلحت سے اپنے جلیل القدر پیغمبر کی اس لغزش و آزمائش کی تفصیل کو صیغۂ راز میں رکھا ہے، ہمیں بھی اس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے اور جتنی بات قرآن میں مذکور ہے صرف اسی پر ایمان رکھنا چاہئے، حافظ ابن کثیر جیسے محقق محتاط مفسر نے اپنی تفسیر میں اسی پر عمل کرتے ہوئے واقعہ کی تفصیل سے خاموشی اختیار فرمائی ہے، اور کوئی شک نہیں کہ یہ سب سے محتاط اور سلامتی کا راستہ ہے اسی لئے علماء سلف سے منقول ہے (اَبْھِمُوا مَا اَبْھَمَهُ اللّٰهُ) یعنی اللہ نے جس کو مبہم رکھا ہے تم بھی اس کو مبہم ہی رکھو، اسی میں حکمت و مصلحت ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد ایسے معاملات کا ابہام ہے جن سے ہمارے عمل اور حلال و حرام کا تعلق نہ ہو، اور جن معاملات سے مسلمانوں کے عمل کا تعلق ہے اس ابہام کو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و فعل سے رفع کر دیا۔

البتہ بعض مفسرین نے روایات و آثار کی روشنی میں اس امتحان و آزمائش کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے اس سلسلہ میں ایک عامیانہ روایت تو یہ مشہور ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی نظر ایک مرتبہ سپہ سالار، اوریا کی بیوی پر پڑ گئی تھی، جس سے ان کے دل میں اس سے نکاح کرنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے اوریا کو قتل کرانے کی غرض سے ایک خطرناک مہم پر روانہ کر دیا، جس میں وہ قتل ہو گیا، اس کے بعد داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی بیوی سے شادی کر لی، اس عمل پر تنبیہ کرنے کے

لئے یہ دو فرشتے انسانی شکل میں بھیجے گئے۔

لیکن یہ روایات بلا شبہ ان خرافات میں سے ہیں جو یہودیوں کے زیر اثر مسلمانوں میں پھیل گئی تھیں، یہ روایات دراصل بائبل کی کتاب سموئیل باب دوم کے صفحہ نمبر (۱۱) سے ماخوذ ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ بائبل میں کھلم کھلا حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اوریا کی بیوی سے نکاح کرنے سے پہلے ہی زنا کا ارتکاب کیا تھا، ان تفسیری روایات میں زنا کے جز کو حذف کر دیا گیا ہے۔

سجدۂ تلاوت کے چند مسائل:

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ اس آیت میں ''رکوع'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کے لغوی معنی جھکنے کے ہیں، اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے سجدہ مراد ہے، احناف کے نزدیک اس آیت کی تلاوت سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

رکوع سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے:

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی گئی ہے تو رکوع میں سجدہ کی نیت کر لینے سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے، اس لئے کہ یہاں باری تعالیٰ نے سجدہ کے لئے رکوع کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ رکوع بھی سجدہ کے قائم مقام ہو سکتا ہے، لیکن اس سلسلہ میں چند ضروری مسائل یاد رکھنے چاہئیں۔

مَسْئَلَۃٌ: نماز کے فرض رکوع کے ذریعہ سجدہ صرف اس صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ جب آیت سجدہ نماز میں پڑھی گئی ہو، نماز سے باہر آیت سجدہ تلاوت کی ہوئی کا سجدہ نماز میں ادا نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ رکوع صرف نماز ہی میں عبادت ہے، نماز سے باہر نہ مشروع ہے اور نہ عبادت۔ (بدائع، معارف)

مَسْئَلَۃٌ: رکوع میں سجدہ صرف اسی وقت ادا ہوگا جب کہ آیت سجدہ تلاوت کرنے کے فوراً بعد یا زیادہ سے زیادہ دو تین آیتیں مزید تلاوت کر کے رکوع کر لیا ہو، اور اگر آیت سجدہ تلاوت کرنے کے بعد طویل قراءت کی ہو تو رکوع میں سجدۂ تلاوت ادا نہ ہوگا۔

مَسْئَلَۃٌ: اگر رکوع میں سجدۂ تلاوت ادا کرنے کا ارادہ ہو تو رکوع میں جاتے وقت ہی سجدۂ تلاوت کی نیت کر لینی چاہئے، ورنہ اس رکوع سے سجدہ تلاوت ادا نہ ہوگا۔

مَسْئَلَۃٌ: افضل بہر حال یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت کو نماز کے فرض رکوع میں ادا کرنے کے بجائے مستقل سجدہ سے ادا کیا جائے، اور سجدے سے اٹھ کر ایک دو آیتیں تلاوت کر کے پھر سجدہ کرے۔ (بدائع، معارف)

فَائِدَۃٌ: اس واقعہ سے متعلق ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لغزش خواہ کچھ رہی ہو، اللہ تعالیٰ براہ راست وحی کے ذریعہ آپ کو اس پر متنبہ فرما سکتے تھے، لیکن اس کے بجائے ایک مقدمہ بھیج کر تنبیہ کے لئے ایک خاص طریقہ کیوں

اختیار کیا گیا؟ درحقیقت اس طریقہ پر غور کرنے سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ کسی شخص کو اس کی غلطی پر تنبیہ کے لئے حکمت سے کام لینے کی ضرورت ہے، اور اس کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے جس سے متعلقہ شخص خود بخود اپنی غلطی کو محسوس کرلے اور اسے زبانی تنبیہ کی ضرورت پیش نہ آئے، اور اس کے لئے ایسی تمثیلات سے کام لینا زیادہ مؤثر ہوتا ہے، جس سے کسی کی دل آزاری بھی نہ ہو، اور ضروری بات بھی واضح ہوجائے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا اى عَبَثًا **ذٰلِكَ** اى خَلْقُ مَا ذُكِرَ لَا لِشَيْئٍ **ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** مِنْ اہلِ مَكَّةَ **فَوَيْلٌ** وَادٍ **لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾** نَزَلَ لَمَّا قَالَ كُفَّارُ مَكَّةَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّا نُعْطٰى فِى الْاٰخِرَةِ مِثْلَ مَا تُعْطَوْنَ وَاَمْ بِمَعْنٰى ہمزَةِ الْاِنكَارِ **كِتٰبٌ** خبرُ مُبْتَدَاٍ مَحْذُوْفٍ اى ہٰذَا **اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا** اَصْلُهُ يَتَدَبَّرُوْا اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِى الدَّالِ **اٰيٰتِهٖ** يَنْظُرُوْا فِى مَعَانِيْهَا فَيُؤْمِنُوْا **وَلِيَتَذَكَّرَ** يَتَّعِظَ **اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾** اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ **وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ** ابنه **نِعْمَ الْعَبْدُ** اى سُلَيْمَانُ **اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿٣٠﴾** رَجَّاعٌ فِى التَّسْبِيْحِ وَالذِّكْرِ فِى جَمِيْعِ الْاَوْقَاتِ **اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ** ہو مَا بَعْدَ الزَّوَالِ **الصّٰفِنٰتُ** الخَيْلُ جَمْعُ صَافِنَةٍ وہِىَ الْقَائِمَةُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَاِقَامَةُ الْاُخْرٰى عَلٰى طَرَفِ الْحَافِرِ وہِىَ مِنْ صَفَنَ يَصْفِنُ صُفُوْنًا **الْجِيَادُ ﴿٣١﴾** جَمْعُ جَوَادٍ وہُوَ السَّابِقُ، المعنى اَنَّهَا اِنِ اسْتُوْقِفَتْ سَكَنَتْ وَاِنْ رُكِضَتْ سَبَقَتْ وَكَانَتْ اَلْفَ فَرَسٍ عُرِضَتْ عليه بَعْدَ اَنْ صَلَّى الظُّهْرَ لِاِرَادَتِهِ الْجِهَادَ عَلَيْهَا لِعَدُوٍّ فَعِنْدَ بُلُوْغِ الْعَرْضِ تِسْعَ مِائَةٍ مِنْهَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الْعَصْرَ فَاغْتَمَّ **فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ** اى اَرَدْتُّ **حُبَّ الْخَيْرِ** اَىِ الْخَيْلِ **عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ** اى صلوةِ العصرِ **حَتّٰى تَوَارَتْ** اَىِ الشَّمْسُ **بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾** اى اِسْتَتَرَتْ بِمَا يَحْجُبُهَا عَنِ الْاَبْصَارِ **رُدُّوْهَا عَلَيَّ** اى الْخَيْلَ الْمَعْرُوْضَةَ فَرَدُّوْہَا **فَطَفِقَ مَسْحًا** بِالسَّيْفِ **بِالسُّوْقِ** جَمْعُ سَاقٍ **وَالْاَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾** اى ذَبَحَهَا وَقَطَعَ اَرْجُلَهَا تَقَرُّبًا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى حَيْثُ اشْتَغَلَ بِهَا عَنِ الصَّلٰوةِ وَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا فَعَوَّضَهُ اللّٰهُ خَيْرًا مِنْهَا وَاَسْرَعَ وہِىَ الرِّيْحُ تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖ كَيْفَ شَاءَ **وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ** اِبْتَلَيْنَاهُ بِسَلْبِ مُلْكِهٖ وَذٰلِكَ لِتَزَوُّجِهٖ بِامْرَاَةٍ ہَوِيَهَا وَكَانَتْ تَعْبُدُ الصَّنَمَ فِى دَارِهٖ مِنْ غَيْرِ عِلْمِهٖ وَكَانَ مُلْكُهٗ فِى خَاتَمِهٖ فَنَزَعَهٗ مَرَّةً عِنْدَ اِرَادَةِ الْخَلَاءِ وَوَضَعَهٗ عِنْدَ اِمْرَاَتِهِ الْمُسَمَّاةِ بِالْاَمِيْنَةِ عَلٰى عَادَتِهٖ فَجَاءَہَا جِنِّىٌّ فِى صُوْرَةِ سُلَيْمَانَ فَاَخَذَهٗ مِنْهَا **وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا** ہُوَ ذٰلِكَ الْجِنِّىُّ وہُوَ صَخْرٌ اَوْ غَيْرُهٗ جَلَسَ عَلٰى كُرْسِىِّ سُلَيْمَانَ وَعَكَفَتْ عَلَيْهِ الطَّيْرُ وَغَيْرُہَا فَخَرَجَ سُلَيْمَانُ فِى غَيْرِ ہَيْئَتِهٖ فَرَاٰهُ عَلٰى كُرْسِيِّهٖ وَقَالَ لِلنَّاسِ اَنَا سُلَيْمَانُ فَاَنْكَرُوْهُ **ثُمَّ اَنَابَ ﴿٣٤﴾** رَجَعَ سُلَيْمَانُ اِلٰى مُلْكِهٖ بَعْدَ اَيَّامٍ بِاَنْ وَصَلَ اِلَى الْخَاتَمِ فَلَبِسَهٗ وَجَلَسَ عَلٰى كُرْسِيِّهٖ **قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ** لَا يَكُوْنُ **لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ** اى سِوَاىَ نَحْوَ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اى

سوی اللہ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً لَیِّنَةً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ اَرَادَ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ یبنی الابنیۃ العجیبۃ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ فی البحر لیستخرج اللؤلؤ وَّاٰخَرِيْنَ منھم مُقَرَّنِيْنَ مشدودین فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ القیود بجمع ایدیھم الی اعناقھم، وقلنا لہ هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اعطِ منہ من شئت اَوْ اَمْسِكْ عن الاعطاء بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ ای لا حساب علیک فی ذلک وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ تقدم مثلہ.

ترجمہ: اور ہم نے آسمان وزمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو باطل یعنی بے فائدہ پیدا نہیں کیا یہ یعنی مذکورہ چیزوں کو بے فائدہ پیدا کرنے کا گمان تو مکہ کے کافروں کا ہے، سو کافروں کے لئے آگ کی وادی ہے، کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے برابر کردیں گے جو (ہمیشہ) زمین میں فساد برپا کرتے رہے؟ یا پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کردیں گے (مذکورہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب کافروں نے مومنوں سے یہ کہا کہ ہم کو آخرت میں ویسا ہی دیا جائے گا جیسا تم کو دیا جائے گا، اور أم ہمزہ انکاری کے معنی میں ہے، یہ بابرکت کتاب ہے یہ مبتداء محذوف یعنی ھٰذا کی خبر ہے، جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں یَدَّبَّرُوْا کی اصل یَتَدَبَّرُوْا تھی، ت کو دال میں ادغام کردیا، اس کے معنی میں غور وفکر کریں، پس ایمان لے آئیں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں اور ہم نے داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو سلیمان نامی فرزند عطا کیا جو بڑا اچھا بندہ تھا اور وہ ذکر و تسبیح کی طرف ہمہ وقت بہت زیادہ رجوع کرنے والا تھا جب شام کے وقت اور وہ زوال کے بعد کا وقت ہے آپ کے روبرو عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے صافِنات کے معنی گھوڑوں کے ہیں اور یہ صافِنَۃٌ کی جمع ہے، اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین پیروں اور چوتھے کے سم (کھر) کے کنارے پر سہارا دیکر کھڑا ہوتا ہو، اور یہ صَفَنَ یصفِنُ صُفُونًا سے مشتق ہے، الجِیادُ، جوادٌ کی جمع ہے، اس کے معنی تیز رو کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اگر ان کو روکا جائے تو رک جائیں اور اگر ان کو مہمیز لگائی جائے تو سبقت لے جائیں ایک ہزار گھوڑے تھے جو ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد آپ کے روبرو آپ کے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کے ارادہ سے پیش کئے گئے، ان میں سے نو سو کا معائنہ فرما چکے تھے کہ سورج غروب ہوگیا، اور آپ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی، چنانچہ آپ کو صدمہ ہوا، تو فرمانے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر ان گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی یعنی عصر کی نماز پر (ترجیح دی) یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا یعنی ایسی چیز میں روپوش ہوگیا جو اس کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کردے ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ پھر تو تلوار سے پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا سوق، ساقٌ کی جمع ہے، یعنی اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کو ذبح کردیا اور ان کے پیروں کو کاٹ دیا، اس لئے کہ ان کی وجہ سے نماز سے غفلت ہوگئی، اور آپ نے ان کے گوشت کو صدقہ کردیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر اور زیادہ تیز رفتار چیز عطا فرمادی، اور وہ ہوا تھی، کہ وہ ان کے حکم سے چلتی تھی، جس طرح چاہتے تھے اور ہم نے سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی آزمائش کی یعنی ان سے ان کی حکومت لے کر آزمایا اور یہ آزمائش اس عورت سے نکاح کرنے کی وجہ سے کی جس سے ان کو محبت

تھی، اور وہ عورت سلیمان کے گھر میں ان کی لاعلمی میں بت پرستی کرتی تھی، اور ان کی حکومت ان کی انگوٹھی کے زیر اثر تھی، چنانچہ ایک روز بیت الخلاء کے ارادہ کے وقت اس انگوٹھی کو اتار کر اپنی ایک بیوی، مسماۃ امینہ کو اپنی عادت کے مطابق دیدی، تو ایک جن سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی صورت میں اس کے پاس آیا، اور اس انگوٹھی کو اس سے لے لیا، اور ہم نے اس کی کرسی پر ایک دھڑ ڈالدیا اور یہ وہی جن تھا (جس نے انگوٹھی لی تھی) اور وہ صخر تھا یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا تھا، جو کہ سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی کرسی پر بیٹھ گیا اور اس کے اوپر پرند وغیرہ سایہ فگن ہوگئے، چنانچہ سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام اپنی ہیئت معتادہ کے برخلاف نکلے تو اس جنی کو اپنی کرسی پر دیکھا، اور لوگوں سے کہا میں سلیمان ہوں، لیکن لوگوں نے ان کو نہ پہچانا، پھر سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام اپنی حکومت پر چند دن کے بعد واپس آگئے بایں طور کہ انگوٹھی ان کو مل گئی جس کو پہن کر وہ اپنے تخت سلطنت پر بیٹھ گئے، حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو یعنی میرے بعد کسی کو عطا نہ ہو، مِنْ بَعْدِیْ بمعنی سِوَای جیسا کہ فَمَنْ یَھْدِیْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ میں بَعْدِ اللّٰه، سِوَی اللّٰه کے معنی میں ہے، تو بڑا ہی عطا کرنے والا ہے، پس ہم نے ہوا کو اس کے زیر حکم کر دیا وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے سبک رفتاری سے پہنچا دیا کرتی تھی (ان کے زیر فرمان کر دیا) اور عمارت بنانے والے ہر جن کو بھی (زیر فرمان کر دیا) جو عجیب عجیب عمارتیں بناتے تھے اور دریا میں غوطہ زنی کرنے والے کو بھی جو موتی نکالتا تھا، اور ان میں سے دیگر جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے ان کے ہاتھوں کو گردن سے ملا کر اور ہم نے اس سے کہا یہ ہمارا عطیہ ہے اب تو احسان کر یعنی اس میں سے جس کو چاہے دے (اور جس کو چاہے) نہ دے تجھ پر اس میں کوئی حساب نہیں اور اس کے لئے ہمارے پاس بڑا قرب ہے اور بہت اچھا ٹھکانہ ہے اس کے مثل سابق میں گذر چکا ہے۔

تَحقِیق وتَرکیب وتَسہِیل وتَفسِیری فوائد

قَوْلُهُ: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا یہ کلام مستانف ہے مضمون سابق کی تاکید وتقریر کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: باطِلًا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے ای خَلْقًا بَاطِلًا اور یہ بھی جائز ہے کہ خَلَقْنَا کی ضمیر فاعل سے حال ہو ای مَا خَلَقْنَا مُبْطِلِیْنَ.

قَوْلُهُ: ذٰلِكَ ای خَلْقُ مَا ذُکِرَ لَا لِشَیْئٍ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ذٰلك کے مشار الیہ کو متعین کرنا ہے یعنی زمین و آسمان کی عبث تخلیق کا گمان مکہ کے کافروں کا ہے۔

قَوْلُهُ: کتابٌ، ھٰذا مبتداء محذوف کی خبر ہے ای ھٰذا کتابٌ.

قَوْلُهُ: اَنزلناهُ الیكَ، کتابٌ کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: مُبَارَكٌ مبتداء محذوف کی خبر ثانی ہے، بعض حضرات نے مُبارَكٌ کو کتاب کی صفت قرار دیا ہے، مگر یہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ جمہور کے نزدیک وصف غیر صریح کو وصف صریح پر مقدم نہیں کر سکتے۔

قَوْلُہٗ: لِيَدَّبَّرُوْا اس کا تعلق انزلناه سے ہے، ظاہر یہ ہے کہ لِيَدَّبَّرُوْا کے فاعل کو حذف کر دیا گیا ہے، اور یہ باب تنازع فعلان سے ہے، اس لئے کہ لِيَدَّبَّرُوْا اور لِيَتَذَكَّرَ دونوں اُولُوا الْاَلْبَابِ کو اپنا فاعل بنانا چاہتے ہیں، بصریین کے مذہب کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیدیا، اور اول کے لئے ضمیر لے آئے۔

قَوْلُہٗ: اى سُلَيمانَ یہ نعمَ کا مخصوص بالمدح ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذْ عُرِضَ یہ فعل محذوف کا ظرف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اُذْكر اِذْ عُرِضَ.

قَوْلُہٗ: اَلْجِيَادُ جمع جوادٍ کہا گیا ہے کہ جید کی جمع ہے عمدہ اور تیز رفتار گھوڑے کو کہتے ہیں جواد کا اطلاق نر و مادہ دونوں پر ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: المعنى یعنی صافنات الجیاد کے معنی۔

قَوْلُہٗ: اَحْبَبْتُ حُبَّ الخَيْرِ، حُبَّ الخيرِ یہ اَحْبَبْتُ کا مفعول بہ ہے، اور اَحْبَبْتُ بمعنی آثَرْتُ ہے اس لئے کہ اَحْبَبْتُ کا صلہ عن نہیں آتا یا حُبَّ الخیر احببتُ کا مفعول مطلق ہے، حرف زوائد حذف کر کے جیسے انبت نباتاً اور عَنْ بمعنی علٰی ہے اور خیرٌ بمعنی خیلٌ ہے، حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے اَلْخیلُ معقودٌ بنَواصِیْھَا الخیرُ یعنی گھوڑے کی پیشانی سے خیر وابستہ رہتی ہے، غالباً اسی مناسبت سے خیل کو خیر کہا جاتا ہے، بعض حضرات نے فرمایا ہے چونکہ خیل کثیر المنافع ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کو خیر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُہٗ: تَوارَتْ بِالحِجابِ، تَوارَتْ کا فاعل ھِیَ ضمیر مستتر ہے اور ھِیَ کا مرجع الشمس ہے، اگرچہ شمس ماسبق میں مذکور نہیں ہے، جس کی وجہ سے بظاہر اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے، مگر چونکہ العشیُّ کا قرینہ شمس کے حذف پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اضمار قبل الذکر کا اعتراض واقع نہیں ہوگا، اس لئے کہ ذکر یا قرینۂ ذکر کافی ہوتا ہے، یہاں قرینہ موجود ہے، اور کہا گیا ہے کہ تَوارَتْ کی ضمیر صافنات کی طرف راجع ہے، کذا فی الکشاف، امام رازی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، اس لئے کہ گھوڑوں کے معائنہ میں اس قدر مشغول ہو جانا کہ نماز فوت ہو جائے یہ گناہ عظیم ہے، جو انبیاء کی شان کے لائق نہیں ہے، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا، حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام گھوڑوں کا معائنہ فرماتے رہے، یہاں تک وہ نظروں سے غائب ہو گئے (یعنی گھوڑوں کو جہاد کی تیاری کے طور پر دوڑا کر دیکھ رہے تھے حتی کہ نظروں سے غائب ہو گئے)۔

قَوْلُہٗ: اَصَابَ اى اَرَادَ سُلَيمانُ یہاں اَصَابَ بمعنی اَرَادَ ہے اس لئے کہ یہاں اصابَ بمعنی فَعَلَ فِعْلَ الصواب (ای بر درستگی رسید) درست نہیں ہے، اور اَصَابَ بمعنی اَرَادَ لغت عرب میں مستعمل ہے، کہا جاتا ہے اَصَابَ الصوابَ فَاَخطأَ الجواب یعنی درست جواب کا ارادہ کیا مگر جواب خطا ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: مُقَرَّنِيْنَ اسم مفعول جمع مذکر واحد مُقَرَّنٌ (تفعیل) باندھے ہوئے، جکڑے ہوئے۔

قَوْلُهٗ: اَلْاَصْفَاد جمع صَفْدٍ بمعنی قید، بیڑی۔

قَوْلُهٗ: زُلْفٰی درجہ، مرتبہ، تقرب، قربٰی کے مانند مصدر ہے، امام بغوی نے لکھا ہے زُلْفَةٌ اسم بوصف مصدر ہے، اس میں مذکر، مؤنث واحد، تثنیہ جمع سب برابر ہیں۔

تَفسِیر وتَشریح

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ (الآیة) یعنی ہم نے زمین وآسمان اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے خالی از حکمت پیدا نہیں کیا بلکہ ہر شئ حکمت سے پُر ہے، ان حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ میرے بندے میری حکمت اور قدرت کو دیکھ کر میرے وجود اور توحید کے قائل ہو جائیں اور میری بندگی کریں، جو ایسا کرے گا میں اس کو بہترین جزاء سے نوازوں گا، اور جو میری عبادت واطاعت سے سرتابی کرے گا اس کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔

صَافنَاتٌ صافنةٌ یا صافِنٌ کی جمع ہے، وہ گھوڑے جو تین پیروں پر کھڑے ہوں اور چوتھے کو برائے نام زمین پر رکھیں گویا کہ ہمہ وقت دوڑنے کے لئے تیار ہیں ایسے گھوڑوں کو، اصیل، جواد، کہتے ہیں جواد کی جمع جیاد، ایسے ہی عمدہ گھوڑے شام کے وقت حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے روبرو معائنہ کے لئے پیش کئے گئے۔

مذکورہ آیتوں میں حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس واقعہ کی مشہور تفسیر تو یہی ہے کہ حضرت سلیمان کے معائنہ کے لئے جہادی گھوڑے پیش کئے گئے، ان کی جانچ پڑتال اور معائنہ میں ایسے مشغول ہوئے کہ آپ کا جو معمول تھا خواہ عصر کی نماز ہو یا اور کوئی وظیفہ، چھوٹ گیا، جب آپ کو تنبہ ہوا تو آپ نے ان گھوڑوں کو ذبح کر ڈالا کہ ان کی وجہ سے یاد الٰہی میں خلل واقع ہوا تھا۔

ان آیات کی یہ تفسیر متعدد ائمہ تفسیر سے منقول ہے، حافظ ابن کثیر جیسے محقق عالم نے بھی اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے، اور اس کی تائید ایک مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو علامہ سیوطی نے معجم طبرانی سے اور ابن مردویہ کے حوالہ سے نقل کی ہے **عَنْ اُبَیِّ بن کعب** رضی اللہ تعالیٰ عنہ **عن النبی** ﷺ **فی قولہٖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ قالَ قطع سُوقَهَا واعْنَاقها بالسیف** علامہ سیوطی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

اس حدیث مرفوع کی وجہ سے گویہ تفسیر کافی مضبوط ہو جاتی ہے، لیکن اس تفسیر پر درایۃً کچھ شبہات بھی ہیں، عموماً یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ گھوڑے اللہ کا عطا کیا ہوا ایک انعام تھا، اور مال کو اس طرح ضائع کر دینا ایک نبی کی شایان شان معلوم نہیں ہوتا، لیکن مفسرین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ گھوڑے بیت المال کے نہیں تھے بلکہ حضرت سلیمان کی ذاتی ملکیت تھے، اور ان کی شریعت میں دیگر جانوروں کے مانند گھوڑوں کی بھی قربانی جائز تھی، لہٰذا گھوڑوں کی قربانی کر دی اور گوشت ضرورت مندوں کو دے دیا، لہٰذا اس کو ضائع کرنا نہیں کہا جائے گا، قربانی کرنا عبادت ہی کا ایک شعبہ ہے۔ (روح المعانی ملخصًا)

مذکورہ آیات کی ایک تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے جس میں واقعہ بالکل مختلف طریقہ سے

بیان کیا گیا ہے، اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے سامنے جہادی گھوڑے معائنہ کے لئے پیش کئے گئے، حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام گھوڑوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے ان گھوڑوں سے جو محبت اور تعلق ہے وہ دنیا کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے پروردگار کی یاد کی وجہ سے ہے، اس تفسیر کی صورت میں عَنْ، اَجَل کے معنی میں ہوگا ای لِاَجَلِ ذِکْرِ رَبِّی یعنی اپنے رب کی یاد کی وجہ سے میں ان گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں، یعنی ان کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد ہوتا ہے، پھر ان گھوڑوں کو تجربہ اور آزمائش کے طور پر دوڑایا (یعنی ان کی ٹرائی لی) جب نظروں سے اوجھل ہو گئے تو ان کو دوبارہ طلب کیا، اور پیار و محبت سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا خَیْرٌ قرآن میں مال کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یہاں یہ لفظ گھوڑوں کے لئے استعمال ہوا ہے، اس تفسیر کی صورت میں تَوَارَتْ کی ضمیر کا مرجع صافنات (گھوڑے) ہوں گے، امام ابن جریر طبری اور امام رازی وغیرہ نے اس دوسری تفسیر کو ترجیح دی ہے، قرآن کریم کے الفاظ کے لحاظ سے دونوں تفسیروں کی گنجائش ہے۔

سورج کی واپسی کا قصہ:

بعض حضرات نے پہلی تفسیر کو اختیار کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ نماز عصر کے قضا ہو جانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے یا فرشتوں سے یہ درخواست کی کہ سورج کو واپس لوٹا دیا جائے، چنانچہ سورج لوٹا دیا گیا، اور آپ نے اپنا معمول ادا کر لیا، اس کے بعد دوبارہ سورج غروب ہوا، یہ حضرات رُدُّوْهَا کی ضمیر سورج کی طرف راجع مانتے ہیں۔

لیکن محقق مفسرین مثلاً علامہ آلوسی وغیرہ نے اس قصہ کی تردید کی ہے، اور فرمایا کہ رُدُّوْهَا کی ضمیر صافنات (گھوڑوں) کی طرف راجع ہے نہ کہ سورج کی طرف اس لئے نہیں کہ معاذ اللہ سورج کو لوٹانا اللہ کی قدرت میں نہیں بلکہ اس لئے کہ یہ قصہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے۔ (روح المعانی، معارف)

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ (الآیۃ) اس آیت میں باری تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی ایک اور آزمائش کا تذکرہ فرمایا ہے، اس سلسلہ میں صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ اس آزمائش کے دوران کوئی دھڑ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی کرسی پر ڈال دیا گیا تھا۔

یہ آزمائش کیا تھی؟ کرسی پر ڈالا گیا جسم کس چیز کا تھا؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کی بھی کوئی تفصیل قرآن کریم یا مستند احادیث میں نہیں ملتی، البتہ بعض مفسرین نے صحیح حدیث سے ثابت ایک واقعہ کو اس آیت پر چسپاں کیا ہے، اور وہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک مرتبہ کہا کہ میں آج کی رات اپنی تمام بیویوں سے (جن کی تعداد ۷۰ یا ۹۰ تھی) ہمبستری کروں گا تاکہ ان سے شہسوار مجاہد پیدا ہوں اور راہ خدا میں جہاد کریں، اور اس پر ان شاء اللہ نہیں کہا (یعنی صرف اپنی تدبیر پر پورا اعتماد کیا) نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے ایک بیوی کے کوئی بیوی حاملہ نہ ہوئی، اور حاملہ بیوی نے بھی جو بچہ جنا وہ ناقص یعنی ادھورا تھا، نبی ﷺ نے فرمایا اگر سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب بیویوں سے مجاہد پیدا ہوتے۔

(صحیح بخاری کتاب الانبیاء، صحیح مسلم کتاب الایمان)

ان مفسرین کے خیال میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انشاء اللہ نہ کہنا آزمائش کا سبب بنا، اور کرسی پر لا کر ڈالا جانے والا جسم یہی ناقص الخلقت بچہ تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو خالص اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے، وہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکومت کا راز ایک انگوٹھی میں تھا، ایک روز ایک شیطان نے اس انگوٹھی کو اپنے قبضہ میں کرلیا، اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عادت کے مطابق بیت الخلاء جاتے وقت وہ انگوٹھی اپنی بیوی امینہ کو دیدی، ادھر ایک جن جس کا نام ''صخر مارد'' تھا حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہیئت وشکل میں آیا اور انگوٹھی امینہ سے حاصل کرلی، جس کی وجہ سے وہ جنی اس انگوٹھی کی بدولت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوکر حکمراں بن گیا، چالیس روز کے بعد وہ انگوٹھی سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک مچھلی کے پیٹ سے ملی، اس کے بعد آپ نے دوبارہ حکومت پر قبضہ کرلیا، یہ روایت متعدد مزید قصوں کے ساتھ کئی تفسیر کی کتابوں میں آئی ہے، لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی تمام روایات کو اسرائیلیات میں شمار کرنے کے بعد لکھتے ہیں، اہل کتاب میں ایک جماعت ایسی ہے جو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی نہیں مانتی، ظاہر یہی ہے کہ یہ جھوٹے قصے ان ہی لوگوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ص۲٦، ج٤)

لہٰذا اس قسم کی روایات کو اس آیت کی تفسیر کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

حقیقتِ حال:

حقیقت یہ ہے کہ زیر بحث آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی یقینی تفصیلات معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں، اور نہ ہی ہم اس کے مکلف، لہٰذا اتنی بات پر ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی آزمائش کی تھی، جس کے بعد ان میں انابت الی اللہ کا جذبہ پہلے سے زیادہ پیدا ہوا۔

(تفسیر) **وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ** اي بِاَنِّي **مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ** بِضُرٍّ **وَّعَذَابٍ** اَلَمٍ ونَسَبَ ذٰلكَ إلى الشَّيْطَانِ وإنْ كَانَتِ الاَشْيَاءُ كُلُّها مِنَ اللّٰهِ تأدُّبًا مَعَهٗ تعالى وقيل له **اُرْكُضْ** اِضْرِبْ **بِرِجْلِكَ** الارضَ فَضَرَبَ فَنَبَعَتْ عَيْنُ مَاءٍ فَقِيلَ **هٰذَا مُغْتَسَلٌ** اي ما يُغْتَسَلُ به **بَارِدٌ وَّشَرَابٌ** تَشْرَبُ منه فَاغْتَسَلَ وشَرِبَ فَذَهَبَ عنه كُلُّ داءٍ كَانَ بظَاهِرِه وبَاطِنِه **وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ** اي اَحْيَى اللّٰهُ لَه مَنْ مَاتَ مِنْ اَوْلَادِه وَرَزَقَهٗ مِثْلَهُمْ **رَحْمَةً** نِعْمَةً **مِّنَّا وَذِكْرٰى** عِظَةً **لِاُولِي الْاَلْبَابِ** لِاَصْحَابِ العُقُولِ **وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا** هو حُزْمَةٌ مِن حَشِيْشٍ او قِضْبَانٍ **فَاضْرِبْ بِّهٖ** زَوْجَتَكَ وقد كَانَ حَلَفَ لَيَضْرِبَنَّهَا مِائَةَ ضَرْبَةٍ لِاِبْطَائِهَا عليه يَوْمًا **وَلَا تَحْنَثْ** بتَرْكِ ضَرْبِهَا فَاَخَذَ مِائَةَ عُوْدٍ مِن

الاِذْخِرِ او غَيْرِهِ فَضَرَبَها به ضَرْبَةً وَاحِدَةً إِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًاۭ نِعْمَ الْعَبْدُ أَيُّوبُ إِنَّهٗٓ أَوَّابٌ ﴿٤٤﴾ رَجَّاعٌ الى الله تعالٰى وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ أُولِي الْأَيْدِيْ اَصْحَابَ القُوٰى فِي العِبَادَةِ وَالْأَبْصَارِ ﴿٤٥﴾ البَصَائِرِ فِي الدِّيْنِ وفي قِرَاءَةٍ عَبْدَنَا وإبْرَاهِيْمُ بَيَانٌ لَهُ ومَا بَعْدَه عَطْفٌ على عَبْدَنَا إِنَّآ أَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ هِيَ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٤٦﴾ الآخِرَةِ اي ذِكْرُهَا والعَمَلُ لها وفي قِرَاءَةٍ بالإضافَةِ وهِيَ لِلْبَيَانِ وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْمُخْتَارِيْنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٧﴾ جَمْعُ خَيِّرٍ بالتَّشْدِيدِ وَاذْكُرْ إِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ هُوَ نَبِيٌّ واللامُ زائِدَةٌ وَذَا الْكِفْلِ اُخْتُلِفَ فِي نُبُوَّتِهِ قِيْلَ كَفَلَ مِائَةَ نَبِيٍّ فَرُّوْا اليه مِنَ القَتْلِ وَكُلٌّ اي كُلُّهم مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٨﴾ جَمْعُ خَيْرٍ بالتَّثْقِيْلِ هٰذَا ذِكْرٌ لهم بالثَّنَاءِ الجَمِيْلِ هنا وَإِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ الشَامِلِيْنَ لهم لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٩﴾ مَرْجِعٍ في الآخِرَةِ جَنّٰتِ عَدْنٍ بَدَلٌ او عَطْفُ بَيَانٍ لِحُسْنَ مَاٰبٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مِنها مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا على الاَرَائِكِ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ حَابِسَاتُ العَيْنِ عَلى أَزْوَاجِهِنَّ أَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ أَسْنَانُهُنَّ وَاحِدَةٌ وهُنَّ بَنَاتُ ثَلاثٍ وثَلاثِيْنَ سَنَةً جَمْعُ تِرْبٍ هٰذَا الْمَذْكُوْرُ مَا تُوْعَدُوْنَ بِالْغَيْبَةِ وبِالْخِطَابِ اِلْتِفَاتًا لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ اي لِاَجْلِهِ إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾ اي اِنْقِطَاعٍ والجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ رِزْقُنَا او خَبَرٌ ثانٍ لِاِنَّ اي دَائِمًا او دَائِمٌ هٰذَا المَذْكُوْرُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَإِنَّ لِلطّٰغِيْنَ مُسْتَانِفٌ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا يَدْخُلُوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾ الفِرَاشُ هٰذَا اي العَذَابُ المَفْهُوْمُ مِمَّا بَعْدَه فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ اي مَاءٌ حَارٌّ مُحْرِقٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ بالتَّخْفِيْفِ والتَّشْدِيدِ مَا يَسِيْلُ مِنْ صَدِيْدِ اَهْلِ النَّارِ وَّاٰخَرُ بالجَمْعِ والإفرادِ مِنْ شَكْلِهٖٓ اي مِثْلِ المَذْكُوْرِ مِنَ الحَمِيْمِ والغَسَّاقِ أَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ أَصْنَافٌ اي عَذَابُهُمْ مِنْ انواعٍ مُخْتَلِفَةٍ ويُقَالُ لهم عِنْدَ دُخُولِهِمُ النَّارَ بِاَتْبَاعِهِمْ هٰذَا فَوْجٌ جَمْعٌ مُّقْتَحِمٌ دَاخِلٌ مَّعَكُمْ النَّارَ بِشِدَّةٍ فَيَقُوْلُ المَتْبُوْعُوْنَ لَا مَرْحَبًاۢ بِهِمْ اي لَا سِعَةَ عليهم إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا اي الاَتْبَاعُ بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًاۢ بِكُمْ أَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ اي الكُفْرَ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ لَنَا ولَكُمُ النَّارُ قَالُوْا أَيْضًا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا اي مِثْلَ عَذَابِه عَلى كُفْرِه فِي النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوْا اي كُفَّارُ مَكَّةَ وهُمْ في النَّارِ مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ فِي الدُّنْيا مِّنَ الْأَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ أَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا بِضَمِّ السِّيْنِ وكَسْرِهَا اي كُنَّا نَسْخَرُ بِهِمْ في الدُّنْيا والياءُ لِلنِّسْبَةِ اي أَمَفْقُوْدُوْنَ هُمْ أَمْ زَاغَتْ مَالَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ فَلَمْ نَرَهُمْ وهُمْ فُقَرَاءُ المُسْلِمِيْنَ كَعَمَّارٍ وبِلَالٍ وصُهَيْبٍ وسَلْمَانَ إِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ وَاجِبٌ وُقُوْعُه وهو تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ كَمَا تَقَدَّمَ.

ترجمہ: اور ہمارے بندے ایوب کا (بھی) ذکر کیجئے، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج اور

دکھ دیا ہے اَنِّیْ اصل میں بِاَنِّیْ تھا، دکھ اور رنج دینے کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، اگرچہ ہر شئ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، یہ اللہ کے ادب کی وجہ سے ہے، پس اس سے کہا گیا اپنا پیر زمین پر مارو چنانچہ پیر مارا تو پانی کا چشمہ ابل پڑا، پس کہا گیا یہ غسل کرنے کا اور پینے کا ٹھنڈا پانی ہے چنانچہ ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے غسل کیا اور پیا، تو اس سے ان کی ظاہری اور باطنی ہر قسم کی بیماری ختم ہوگئی، اور ہم نے اسے اس کے اہل عطا کردیئے بلکہ اس کے ساتھ اتنا اور بھی خاص اپنی رحمت سے (دیا) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی مردہ اولاد کو زندہ کردیا اور اتنے ہی ان کو اور عطا فرمائے، اور عقلمندوں کی نصیحت کے لئے اور اپنے ہاتھوں میں گھاس یا تنکوں کا ایک مٹھا لے کر اپنی بیوی کو مار دے، ایک روز اس کے دیر سے آنے کی وجہ سے قسم کھالی تھی کہ میں اس کو سو کوڑے ضرور لگاؤں گا، اور ضغث، گھاس یا سینکوں کے مٹھے کو کہتے ہیں، اور ترک ضرب کرکے تو حانث نہ ہو، چنانچہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اذخر یا کسی اور چیز کی سو سینکیں لیں اور ان سب کو ملا کر ایک ضرب ماردی سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر پایا وہ بڑا نیک اور اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا بندہ تھا، ہمارے بندوں ابراہیم، اسحٰق، اور یعقوب کا بھی ذکر کیجئے جو عبادت میں بڑے قوی تھے، اور دین میں بصیرت والے تھے اور ایک قراءت میں عَبْدَنَا ہے، اور اِبْرَاھِیْمَ اس کا بیان ہے، اور اس کا مابعد عَبْدَنَا پر معطوف ہے اور ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کردیا تھا اور وہ (بات) آخرت کی یاد ہے یعنی اس کو یاد رکھنا اور اس کے لئے عمل کرنا اور ایک قراءت میں اضافت بیانیہ کے ساتھ ہے اور یہ لوگ ہمارے نزدیک برگزیدہ بہتر لوگ تھے (اَخْیَار) خَیِّرْ مشدد کی جمع ہے اور اسماعیل و الیَسَع وہ نبی ہیں اور لام زائدہ ہے اور ذوالکفل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا بھی ذکر کیجئے اور ذوالکفل کی نبوت کے بارے میں اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ انہوں نے سو نبیوں کی کفالت کی تھی جو قتل کے خوف سے فرار ہوکر ان کے پاس گئے تھے، اور یہ سب بہتر لوگ تھے اَخْیَار خَیِّر مشدد کی جمع ہے، اور یہاں ان کا یہ ذکر جمیل ہے اور یقین جانو متقیوں کے لئے جو ان میں شامل ہیں آخرت میں اچھا ٹھکانہ ہے یعنی ہمیشگی کی جنتیں ہیں جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں جَنّٰتِ عَدْنٍ، حُسْنَ مَاٰب سے بدل ہے یا عطف بیان ہے جن میں مسہریوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے بافراغت طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کی شرابوں کی فرمائش کررہے ہوں گے، اور ان کے پاس نیچی نظروں والی یعنی اپنی نظروں کو اپنے شوہروں پر محصور رکھنے والی ہم عمر حوریں ہوں گی یعنی (۳۳) سالہ ہوں گی، اَتْرَابٌ تِرْبٌ کی جمع ہے یہ مذکور وہی ہے جس کا تم سے یوم حساب کے لئے وعدہ کیا جاتا تھا غیبت کے ساتھ اور بطور التفات کے خطاب کے ساتھ بے شک یہ ہمارا عطیہ ہے جس کا کبھی خاتمہ ہی نہیں یعنی انقطاع نہیں اور جملہ رِزْقُنَا سے حال ہے یا اِنَّ کی خبر ثانی ہے یعنی دائمًا (حال کی صورت میں) دائمٌ (خبر ثانی کی صورت میں) یہ جو مذکور ہوا مومنین کے لئے ہے اور سرکشوں کے لئے برا ٹھکانہ ہے یہ جملہ مستانفہ ہے یہ جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوں گے کیا ہی برا بچھونا ہے؟ یہ عذاب جو مابعد سے مفہوم ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے غَسَّاق (سین) کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے جو جہنمیوں کے زخموں سے بہے گا، اسے چکھو (اس کے علاوہ) مختلف اصناف ہیں یعنی ان کا عذاب مختلف انواع و اقسام کا ہوگا، اور آخَرُ جمع اور افراد کے ساتھ ہے (یعنی آخَرُ و اُخَرُ) یہ ایک قوم

ہے جو تختی کے ساتھ تمہارے ہمراہ دوزخ میں داخل ہو رہی ہے، تو سردار کہیں گے ان کے لئے کوئی خوش آمدید نہیں یعنی ان کے لئے کسی قسم کی سہولت نہیں یہی تو جہنم میں جانے والے ہیں پیروکار جواب دیں گے، بلکہ تم ہی ہو جن کے لئے خوش آمدید نہیں، تم ہی نے تو کفر کو ہمارے سامنے پیش کیا تھا، لہٰذا ہمارے اور تمہارے لئے جہنم برا ٹھکانہ ہے اے ہمارے پروردگار جس نے (کفر کی رسم) ہمارے لئے نکالی ہو اس کے حق میں جہنم کی سزا دوگنی کردے یعنی ان کے کفر میں عذاب دوگنا کردے اور کفار مکہ کہیں گے حال یہ کہ وہ جہنم میں ہوں گے کیا بات ہے ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آرہے جنہیں ہم دنیا میں برے لوگوں میں شمار کرتے تھے؟ کیا ہم نے ان کا مذاق بنا رکھا تھا؟ سین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ یعنی دنیا میں ہم ان کا مذاق اڑاتے تھے اور سُخریًا میں (ی) نسبتی ہے یعنی آیا وہ غائب ہیں یا ان سے ہماری نگاہیں ہٹ گئی ہیں؟ جس کی وجہ سے ہم ان کو نہیں دیکھ رہے ہیں اور وہ فقراء مسلمین ہیں جیسا کہ عمار، بلال، وصہیب وسلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ بلاشبہ یہ حق ہے اس کا وقوع ضروری ہے یقین جانو دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور ہوگا جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بِنُصْبٍ، النُّصْبُ نون کے ضمہ اور صاد کے سکون کے ساتھ نَصْبٌ نون کے نصب اور صاد کے سکون کے ساتھ نُصُبٌ دونوں کے ضمہ کے ساتھ، دکھ، تکلیف، بلاء (لغات القرآن) اُذْکُرْ عَبْدَنَا اَیُّوبَ کا عطف قصہ علی القصہ کے طور پر اذکر عَبْدَنَا داؤد پر ہے۔

سَوَالٌ: سلیمان عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے واقعہ کو ذکر کرتے وقت اُذْکُرْ نہیں کہا گیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابٌ: حضرت داؤد اور ان کے صاحبزادے سلیمان کے درمیان چونکہ کمال اتصال ہے گویا کہ دونوں کا ایک ہی قصہ ہے اس لئے حضرت سلیمان عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے قصہ کو اُذکر سے شروع نہیں کیا۔

قَوْلُہٗ: اُذْکُرْ عَبْدَنَا اَیُّوبَ، ایوبَ، عبدَنَا سے بدل یا عطف بیان ہے اور اِذْ نَادٰی، ایوب سے بدل الاشتمال ہے۔

قَوْلُہٗ: وَوَهَبْنَا لَهٗ اَهْلَهٗ واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف محذوف پر ہے جس کی طرف مفسر نے فاغتَسَل مقدر مان کر اشارہ کردیا۔

قَوْلُہٗ: رَحْمَةً، وذِکْرٰی دونوں بذریعہ عطف، وَهَبْنَا کے مفعول لِاَجلِهٖ ہیں۔

قَوْلُہٗ: ضِغْثًا، حُزْمَةُ حَشِيْشٍ سوکھی گھاس کا مٹھا حُزْمَة مٹھا فارسی میں دستہ کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: بِخَالِصَةٍ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے اَیْ بِخَصْلَةٍ خَالِصَةٍ.

قَوْلُہٗ: ذِکْرَی الدَّارِ کو مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے هِیَ مبتداء محذوف کی خبر قرار دی ہے اس صورت میں ذکری محلًا

مرفوع ہوگا اور ایک قراءت میں ذکری الدّار کو خالِصَةٍ کا مضاف الیہ قرار دیا ہے اضافت بیانیہ ہوگی، اس صورت میں ذکری محلاً مجرور ہوگا۔

قَوْلُہٗ: اَلْیَسَعَ هو ابن اخطوب بن العجوز.

قَوْلُہٗ: مُفَتَّحَةً یہ جنّٰت عدن سے حال ہے اور جنّٰت عدنٍ، حُسْنَ مَاٰب سے بدل یا عطف بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: متقین، لَهُمْ کی ضمیر هم سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلتفاتًا یعنی تُوْعَدُوْنَ (ت) کے ساتھ پڑھا جائے تو غَیبتْ سے خطاب کی جانب التفات ہوگا۔

قَوْلُہٗ: هٰذا فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَغَسَّاقٌ، هٰذا مبتداء ہے اور حَمِیْمٌ وغَسَّاقٌ معطوف معطوف علیہ سے مل کر مبتداء کی خبر ہے، عبارت میں تقدیم وتاخیر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے هٰذَا حَمِیْمٌ وَغَسَّاقٌ فَلْیَذُوْقُوْهُ.

قَوْلُہٗ: یُقَال لَهم قائل فرشتے ہوں گے، اس عبارت سے اشارہ کردیا کہ هٰذا فوجٌ کلام متانف ہے۔

قَوْلُہٗ: باتّبَاعِهِمْ ای مع اتباعِهِمْ.

قَوْلُہٗ: بَلْ اَنْتُمْ ای بل انتم احقُ بِمَا قُلْتُمْ لَنا.

قَوْلُہٗ: اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ یہ ان کی احقیت کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: فی النار یہ یا تو زِدْهُ کا ظرف ہے یا عَذابًا کی صفت ہے ای عَذابًا کائنًا فی النار.

قَوْلُہٗ: وهُمْ، هُمْ ضمیر رجالًا کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: وَسَلْمَانَ یہ کلام چونکہ ائمہ کفر وضلال کا مکہ کے فقراء مسلمین کے بارے میں ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ سلمان کو حذف کردیا جائے اس لئے کہ یہ مدینہ میں ایمان لائے تھے۔

تَفسِیر وتَشریح

مذکورہ آیات میں حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ آپ ﷺ کو صبر کی تلقین کے لئے لایا گیا ہے، یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ انبیاء میں گذر چکا ہے، حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کے نسب کے بارے میں یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے اور یہ کہ ان کے والد کا نام اموص تھا، ابن جریر نے آپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے ایوب بن اموص بن روم بن عیص بن اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام (روح المعانی) نُصْبٌ سے جسمانی تکلیف اور عذاب سے اہلی و مالی نقصان مراد ہے۔

مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وعذابٍ شیطان نے مجھے رنج و آزار پہنچایا ہے، بعض مفسرین نے شیطان کے رنج و آزار پہنچانے کی یہ تفصیل بیان کی ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام جس بیماری میں مبتلا ہوئے وہ شیطان کے تسلط کی وجہ سے آئی تھی۔

اور اس کی صورت یہ پیش آئی تھی کہ ایک مرتبہ فرشتوں نے حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کی بہت تعریف کی، جس پر شیطان کو بہت حسد ہوا، تو شیطان نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی مجھے اس کے جسم، مال، اولاد پر ایسا تسلط عطا فرما کہ جس سے

میں اس کے ساتھ جو چاہوں کروں، چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آزمائش مقصود تھی اس لئے شیطان کو یہ حق دیدیا گیا اور اس نے آپ کو اس بیماری میں مبتلا کر دیا۔

لیکن محقق مفسرین نے اس واقعہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر شیطان کو تسلط حاصل نہیں ہوسکتا، اس لئے یہ ممکن نہیں کہ شیطان نے آپ کو بیمار کر دیا ہو۔

بعض حضرات نے شیطان کے رنج و آزار پہنچانے کی یہ تشریح کی ہے کہ بیماری کی حالت میں شیطان حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالا کرتا تھا، اس سے آپ کو اور زیادہ تکلیف ہوتی تھی یہاں آپ نے اسی کا ذکر فرمایا ہے۔ (معارف)

مگر اس آیت کی سب سے بہتر توضیح اور شیطانی رنج و آزار کی تشریح وہ ہے جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الزہد میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیماری کے زمانہ میں ایک بار شیطان ایک طبیب کی شکل میں حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی، ''رحمت'' کو ملا، ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی نے طبیب سمجھ کر علاج کی درخواست کی، شیطان نے کہا اس شرط پر علاج کرتا ہوں کہ اگر ان کو شفاء ہو جائے تو یوں کہہ دینا کہ تو نے ان کو شفا دی، میں اور کچھ معاوضہ نہیں چاہتا، بیوی نے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صورت حال کا تذکرہ کیا، حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بھلی مانس وہ تو شیطان تھا، میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دیدے تو میں تجھ کو سو قمچیاں ماروں گا، حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ سے رنج ہوا، حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام یہاں اسی رنج و تکلیف کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔

مَسَّنِیَ الشیطان بنُصْبٍ و عذاب رنج و آزار کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ سب کچھ کرنے والا صرف اللہ ہے، ممکن ہے کہ کسی شیطانی وسوسہ سے ہی کوئی ایسا عمل ہوا ہو جو اس آزمائش کا سبب بنا ہو، شیطان کو چونکہ انبیاء پر بھی وسوسہ کی قدرت حاصل ہے تو ممکن ہے کہ شیطان حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وسوسہ کے ذریعہ اثر انداز ہوا ہو لا سلطان له الا الوسوسة (روح المعانی) یا پھر یہ ہوسکتا ہے کہ ادباً رنج و آزار کی نسبت شیطان کی طرف کر دی گئی ہو اس لئے کہ شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا سوء ادبی ہے۔

حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مرض:

قرآن کریم میں اتنا تو بتایا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک شدید قسم کا مرض لاحق ہو گیا تھا، لیکن اس مرض کی نوعیت نہیں بتائی گئی، احادیث میں بھی اس مرض کی کوئی تفصیل مذکور نہیں، البتہ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جسم کے ہر حصہ پر پھوڑے نکل آئے تھے، یہاں تک کہ گھن کی وجہ سے لوگوں نے آپ کو آبادی سے دور کسی جگہ پر ڈال دیا، لیکن بعض محقق مفسرین نے ان آثار کو درست تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بیماریاں تو آسکتی ہیں مگر ان کو کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہیں کیا جاتا کہ لوگ ان سے گھن اور نفرت کرنے لگیں، لہٰذا مذکورہ آثار قابل اعتبار نہیں۔ (ملخص روح المعانی)

خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا اس واقعہ کا پس منظر سابق میں گذر چکا ہے، چند مسائل درج ذیل ہیں:

مَسْئَلَہ: اگر کوئی شخص کسی کو سو قمچیاں مارنے کی قسم کھالے اور بعد میں سو قمچیاں الگ الگ مارنے کی بجائے تمام قمچیوں کا ایک مٹھا بنا کر ایک ہی مرتبہ مار دے تو اس سے قسم پوری ہو جاتی ہے، اس لئے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسا کرنے کا حکم دیا گیا، یہی امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے، لیکن جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے اس کیلئے دو شرطیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ اس شخص کے بدن پر ہر قمچی طولاً یا عرضاً ضرور لگے، دوسری شرط یہ کہ اس کو ہر قمچی سے کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہو، اگر اتنی آہستہ قمچیاں بدن سے لگائی گئیں کہ مطلقاً تکلیف نہ ہوئی تو قسم پوری نہ ہوگی۔ (فتح القدیر لابن ھمام)

حیلوں کی شرعی حیثیت:

اس آیت سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لئے کوئی شرعی عذر اختیار کیا جائے تو وہ جائز ہے، ظاہر ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قسم کا تقاضہ تو یہ تھا کہ بیوی کو سو قمچیاں ماریں لیکن چونکہ ان کی زوجہ مطہرہ بے گناہ تھیں اور انہوں نے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے مثال خدمت انجام دی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک حیلہ کی تلقین فرمائی، اور یہ تصریح کر دی کہ اس طرح ان کی قسم پوری ہو جائے گی، اس لئے یہ واقعہ حیلہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ (معارف)

مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کے لئے حیلہ حرام ہے:

اس قسم کے حیلے اسی وقت جائز ہوتے ہیں جبکہ ان کو مقاصد شرعیہ کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے، اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ حیلہ کے ذریعہ کسی کے حق کو باطل کیا جائے یا کسی صریح فعل حرام کو اپنے لئے حلال کر لیا جائے تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے، مثلاً زکوٰۃ سے بچنے کے لئے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال کے ختم ہونے سے ذرا پہلے اپنا مال بیوی کو دیدیتے ہیں، پھر کچھ عرصہ بعد بیوی نے اس مال کا مالک پھر شوہر کو بنا دیا، اس طرح کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی، ایسا کرنا چونکہ مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کی ایک کوشش ہے اس لئے حرام ہے اور شاید اس کا وبال ترک زکوٰۃ سے زیادہ ہو۔ (روح المعانی)

اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ فکر آخرت انبیاء علیہم السلام کا امتیازی وصف ہوتا ہے، اس آیت میں انبیاء کے اسی وصف خاص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ذکری الدار کے لفظی معنی ہیں گھر کی یاد، اور گھر سے مراد آخرت ہے لفظ آخرت اختیار کرنے کے بجائے دار کا لفظ اختیار کرنے سے اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ انسان کو اپنا اصلی گھر آخرت ہی کو سمجھنا چاہئے، اور اسی کی فکر کو اپنے افکار و اعمال کی بنیاد بنانا چاہئے۔

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ. اَلْيَسَعَ عجمی لفظ ہے الف لام تعریف کے لئے ہے، اس کا غیر عربی ہونا الف لام کے دخول کے لئے مانع نہیں ہے، بعض عجمی اسماء پر بھی الف لام تعریف کا داخل ہو جاتا ہے، جیسا کہ الاسکندریہ وغیرہ، حضرت یسع انبیاء بنی

اسرائیل میں سے ہیں قرآن کریم میں ان کا صرف دو جگہ ذکر آیا ہے ایک سورۂ انعام میں اور دوسرے یہاں، دونوں میں سے کسی جگہ بھی آپ کے تفصیلی حالات مذکور نہیں، تاریخ کی کتابوں سے منقول ہے کہ آپ حضرت الیاس علیہ الصلاۃ والسلام کے چچازاد بھائی ہیں، اوران کے نائب وخلیفہ بھی۔ (معارف)

قُلْ یا محمد لکفار مکة إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ مخوف بالنار وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ لخلقه رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الغالب على امره الْغَفَّارُ لاوليائه قُلْ لهم هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ اى القرآن الذى انبأتكم به وجئتكم فيه بما لا يعلم الا بوحي وهو قوله مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ اى الملائكة إِذْ يَخْتَصِمُونَ فى شان ادم حين قال الله انى جاعل فى الارض خليفة إِن ما يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا اى انى نَذِيرٌ مُّبِينٌ بين الانذار، اذكر إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ هو ادم فَإِذَا سَوَّيْتُهُ اتممته وَنَفَخْتُ اجريت فِيهِ مِن رُّوحِي فصار حيا واضافة الروح اليه تشريف لادم والروح جسم لطيف يحيى به الانسان بنفوذه فيه فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ سجود تحية بالانحناء فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ فيه تاكيدان إِلَّا إِبْلِيسَ هو ابو الجن كان بين الملائكة اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ فى علم الله تعالى قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اى توليت خلقه وهذا تشريف لادم فان كل مخلوق تولى الله خلقه أَسْتَكْبَرْتَ الآن عن السجود استفهام توبيخ أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ المتكبرين فتكبرت عن السجود لكونك منهم قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا اى من الجنة وقيل من السموت فَإِنَّكَ رَجِيمٌ مطرود وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ الجزاء قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ اى الناس قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ وقت النفخة الاولى قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ اى المؤمنين قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ بنصبهما ورفع الاول ونصب الثانى فنصبه بالفعل بعده ونصب الاول قيل بالفعل المذكور وقيل على المصدر اى احق الحق وقيل على نزع حرف القسم ورفعه على انه مبتدأ محذوف الخبر اى فالحق منى وقيل فالحق قسمى، وجواب القسم لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ بذريتك وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ من الناس أَجْمَعِينَ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ على تبليغ الرسالة مِنْ أَجْرٍ جعل وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ المتقولين القرآن من تلقاء نفسى إِنْ هُوَ اى ما القرآن إِلَّا ذِكْرٌ عظة لِّلْعَالَمِينَ للانس والجن العقلاء دون الملائكة وَلَتَعْلَمُنَّ يا كفار مكة نَبَأَهُ خبر صدقه بَعْدَ حِينٍ اى يوم القيمة وعلم بمعنى عرف واللام قبلها لام قسم مقدر اى والله.

ترجمہ: اے محمد ﷺ کفار مکہ سے کہہ دیجئے میں تو صرف آگاہ کرنے والا آگ سے ڈرانے والا ہوں اپنی مخلوق پر غالب واحد کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، جو غالب ہے اپنے امر پر اور بخشنے والا ہے اپنے اولیاء کو ان سے کہہ دیجئے یہ بہت بڑی خبر ہے جس سے تم اعراض کر رہے ہو یعنی قرآن جس کی میں نے تم کو خبر دی، اور میں اس میں تمہارے لئے وہ خبر لایا ہوں جس کا علم بجز وحی کے نہیں ہو سکتا اور وہ خبر مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ہے، مجھے ملاء اعلیٰ یعنی عالم ملائکہ کا علم نہیں تھا جبکہ فرشتے شان آدم میں گفتگو کر رہے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں میری طرف فقط یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں تو صرف صاف صاف آگاہ کرنے والا ہوں، اس وقت کا تذکرہ کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں، اور وہ آدم ہیں سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کرلوں یعنی مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح جاری کردوں اور وہ زندہ ہو جائے، اور روح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف یہ آدم کے شرف کے طور پر ہے اور روح ایک لطیف جسم ہے، روح کے انسان میں سرایت کرنے کی وجہ سے انسان زندہ ہو جاتا ہے تو تم سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا (یعنی) جھک کر سلامی کا سجدہ (کرنا) چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا اس میں دو تاکید ہیں مگر ابلیس نے نہ کیا، اور وہ جنات کا جد اعلیٰ ہے، فرشتوں کے درمیان رہتا تھا، اس نے تکبر کیا اور وہ اللہ کے علم میں کافروں میں سے تھا (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے ابلیس تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا جسے میں نے اپنے دست قدرت سے بلا واسطہ پیدا کیا، میں نے اس کی تخلیق کی کفالت کی اور یہ آدم کا (دوسرا) اعزاز ہے، ورنہ تو ہر مخلوق کی کفالت اللہ ہی کرتا ہے، کیا تو کچھ گھمنڈ میں آگیا؟ یا تو بڑے مرتبہ والوں میں سے ہے؟ یعنی تکبر کرنے والوں میں سے ہے، سو تو نے متکبرین میں سے ہونے کی وجہ سے سجدہ کرنے سے انکار کیا، تو شیطان نے جواب دیا میں اس سے بہتر ہوں اس لئے کہ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اس کو مٹی سے بنایا، ارشاد ہوا تو یہاں سے جنت سے اور کہا گیا ہے آسمانوں سے نکل جا تو مردود ہوا، اور تیرے اوپر یوم جزاء تک میری پھٹکار ہے کہنے لگا اے میرے رب لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک مجھے مہلت دیدیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو مہلت والوں میں سے ہے متعین وقت کے دن تک پہلا صور پھونکے جانے کے وقت تک کہنے لگا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو یقیناً بہکا دوں گا بجز تیرے ان بندوں کے جو چیدہ یعنی مومنین میں سے ہوں فرمایا سچ تو یہ ہے اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں، دونوں کے نصب کے ساتھ اور اول کے رفع اور ثانی کے نصب کے ساتھ، اس کا نصب بعد والے فعل کی وجہ سے ہوگا، اور اول کا نصب کہا گیا ہے کہ فعل مذکور کی وجہ سے ہے، اور کہا گیا ہے کہ مصدریت کی وجہ سے ہے اَىْ اُحِقُّ الْحَقَّ اور کہا گیا ہے کہ صرف قسم کے حذف کی وجہ سے (منصوب) ہے اور رفع اس لئے ہے کہ وہ مبتداء محذوف الخبر ہے اى فالحقُّ مِنّى اور کہا گیا ہے فالحقّ قسمى اور جواب قسم لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ الخ ہے میں جہنم کو تجھ سے اور تیری ذریت سے بھر دوں گا اور ان تمام لوگوں سے جو تیری اتباع کریں گے، کہہ دیجئے کہ میں اس

پیغام رسانی پر تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا اور نہ میں قرآن کے بارے میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں یعنی اپنی طرف سے (افتراء) کوئی بات کہنے والوں میں سے نہیں ہوں، یہ یعنی قرآن تو تمام جہان والوں یعنی جن وانس ذوی العقول کے لئے نصیحت ہے نہ کہ ملائکہ کے لئے اے کفار مکہ! اس خبر کی صداقت کچھ ہی دیر بعد یعنی قیامت کے دن سمجھ لوگے اور عَلِمَ بمعنی عَرَفَ ہے، اور اس کے شروع میں لام قسم مقدر کا ہے، ای وَاللّٰه (لَتَعْلَمُنَّ).

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قُلْ اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ آپ ﷺ نذیر بھی ہیں اور بشیر بھی، حالانکہ یہاں آپ کو صفت نذیر میں حصر کیا گیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت چونکہ مخاطب مشرکین ہیں اور ان کے مناسب آپ کا نذیر ہونا ہے، اسی لئے یہاں صفت نذیر کو خاص طور سے بیان کیا گیا ہے، اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ میں حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی ای اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ لا سَاحِرٌ وَلَا شَاعِرٌ وَلَا کَاهِنٌ وغیر ذٰلك اس حصر سے ان صفات کی نفی کرنا مقصود ہے جن کو کفار آپ ﷺ کے لئے ثابت کرتے تھے نہ کہ انذار کے علاوہ تمام صفات کی۔

قَوْلُہٗ: اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ سے اَلْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ تک قُلْ کا مقولہ ہے اس مقولہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے پانچ اوصاف بیان کئے گئے جو سب کے سب توحید باری تعالیٰ پر دلالت کرتے ہیں ① الواحد ② القهار ③ رب السّمٰوات والارض وما بینهما ④ العزیز ⑤ الغفار. (تفصیل کے لئے روح المعانی دیکھئے)۔

قَوْلُہٗ: قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِیْمٌ. قُلْ کا تکرار اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ مامور بہ جلیل القدر اور عظیم الشان امور میں سے ہے اس کی طرف امراً واہتماراً توجہ ضروری ہے۔

قَوْلُہٗ: ای القرآن یہ هُوَ نَبَأٌ عظیمٌ میں هُوَ کی تفسیر ہے، یعنی قرآن عظیم الشان کثیر الفائدہ خبر ہے جس کی میں نے تم کو خبر دی ہے اور جس میں میں ایسی خبر لایا ہوں کہ جو وحی کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس سے میرے دعوائے رسالت کی تصدیق ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَهُوَ. (مَا کَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍ الخ) مفسر علام نے هو کا مرجع مَا کَانَ لی من علم الخ کو قرار دیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے، بلکہ اس کا مرجع اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةٌ الخ ہے، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مَا کَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰی کو مَا لَا یُعْلَمُ کی تمہید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ خبر کہ جس کا علم وحی کے بغیر نہیں ہوسکتا وہ اللہ کا وہ فرمان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ملأ اعلیٰ میں فرشتوں سے فرمایا تھا، اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةٌ اور اس پر فرشتوں کا یہ جواب اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد قَالَ یَا اِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ کے جواب میں ابلیس کا اَنَا خَیْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ کہنا مذکورہ

بالا گفتگو اور سوال و جواب وہ گفتگو ہے جو عالم بالا میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان ہوئی تھی، اس نبی اور ملأ اعلیٰ کی گفتگو کی خبر دینا وحی کے سوا نہیں ہوسکتا، جو کہ آپ کی نبوت کی صداقت کا نا قابل تردید ثبوت ہے۔

(صاوی، جمل، فتح القدیر شوکانی)

قولہ: اَلْآنَ اس کلمہ کے اضافہ سے مفسر علام کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ مِنَ العَالِیْنَ کے معنی مِنَ المتکبرین کے ہیں اور اَسْتَکْبَرْتَ کے معنی بھی تکبر کرنے کے ہیں، لہٰذا تکرار لازم آتا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ اَتَرَکْتَ السُّجُوْدَ لِاسْتِکْبَارِکَ الحَادِثِ اَمْ اِسْتِکْبَارِکَ القدیمِ المستمر مطلب یہ کہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو سجدہ کرنے سے انکار تیرے جبلی اور قدیم تکبر کی وجہ سے ہے یا تکبیر حادث جدید کی وجہ سے، لہٰذا تکرار نہیں ہے۔

سوال: رَجِیْم، مَطْرُوْدٌ کے معنی میں ہے جیسا کہ شارح نے صراحت کی ہے اور آگے فرمایا گیا اِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِی اِلٰی یومِ الدِّیْنِ لعنت کے معنی بھی طرد کے ہیں لہٰذا یہاں بھی تکرار لازم آتا ہے۔

جواب: رجیم کے معنی طرد من الجنۃ او السماء ہیں اور لعنت کے معنی طرد من الرحمۃ کے ہیں، لہٰذا تکرار نہیں ہے۔

قولہ: قَالَ فَالحَقُّ و الحقَّ اقولُ سابق جملوں کے مانند یہ جملہ بھی مستانفہ ہے اور فاء استینافیہ ہے مفسر علام نے مذکورہ جملے کی دو ترکیبوں کی طرف اشارہ کیا ہے ① الحق دونوں جگہ منصوب ② اول مرفوع، ثانی منصوب، ثانی کا ناصب اقول فعل مؤخر، اور اول کا ناصب بعض نے کہا ہے اس کا ناصب بھی اقولُ فعل مؤخر ہی ہے، اور بعض نے کہا مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے ای اُحِقُّ الحَقَّ اور بعض نے کہا ہے کہ حرفِ قسم کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے ای اُقْسِمُ بالحق فعل اور حرف قسم دونوں کو حذف کر دیا جس کی وجہ سے حق منصوب ہوگیا، خلاصہ یہ کہ نصب ثانی کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے (اقول) فعل مؤخر اور الحقَّ اول کے منصوب ہونے کی تین وجہ ہیں ① ایک تو فعل مؤخر یعنی (اقول) کی وجہ سے ② دوسرے حرف قسم کے حذف کی وجہ سے ③ تیسرے مصدریت کی وجہ سے اول کے رفع کی دو وجہیں ہیں ① مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ای الْحَقُّ مِنِّی ② خبر ہونے کی وجہ سے ای اَنَا الْحَقُّ قسم کی صورت میں جواب قسم لَاَمْلَئَنَّ جھنَّمَ ہوگا۔

جمہور نے اَلْحَقَّ کو دونوں جگہ منصوب پڑھا ہے، نصب کی وجہ مقسم بہ سے حرف خافض کا حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اقسم بالحق فعل اور حرف جر دونوں کو حذف کر دیا اس وجہ سے الحقَّ منصوب ہوگیا یعنی منصوب بنزع الخافض بعض حضرات نے فعل اغراء (آمادہ کرنا) کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے، ای اَلْزِمُوا الحَقَّ اَلْزِمُوا الْحَقَّ یا دونوں مصدریت کی وجہ سے منصوب ہیں، مصدر سابق جملہ لَاَمْلَئَنَّ کی تاکید کے لئے ہے ای اُحِقُّ الْحَقَّ اور اعمش و اعصم وغیرہ نے اول کو رفع اور ثانی کو نصب پڑھا ہے، اول کا رفع مبتداء ہونے کی صورت میں خبر یا تو محذوف ہوگی جیسے فالحقُّ مِنّی یا مذکور ہوگی اور وہ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ ہے یا فالْحَقُّ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور وہ مبتداء أنا ہے مثلاً اور ثانی کا نصب بعد میں مذکور (اقولُ) فعل کی وجہ سے ہوگا، ای أنا اقول الحقَّ اس صورت میں فعل کی تکرار تاکید کے

لئے ہوگی، اور فراء نے فَالْحَقُّ کو حقًّا مصدر کے معنی میں ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے، ای حقًّا لأَمْلَأَنَّ جهنّمَ.

(فتح القدير شو كانى ملخصًا)

قَوْلَهُ: اَلْمتقوّلين، تقوُّل (تفعُّل) بناوٹی باتیں کرنا، دروغ گوئی سے کام لینا۔

قَوْلَهُ: دون الملائكة قرآن تمام عالموں کے لئے نصیحت ہے عالم میں انس، جن، ملائکہ سب داخل ہیں، مگر یہاں ملائکہ کو دون الملائكة کہہ کر عالم سے خارج کردیا، اس لئے کہ قرآن کو اہل عالم کے لئے ذکر اور نصیحت کہا گیا ہے، اور ذکر و موعظت اور تخویف جن و انس کے لئے تو مناسب ہے مگر ملائکہ کے مناسب نہیں ہے۔

قَوْلَهُ: عَـلِـمَ بمعنی عَـرَفَ مفسر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا مقصد اس عبارت سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے، سوال یہ ہے کہ عَـلِمَ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے، یہاں متعدی بیک مفعول ہے اس لئے کہ تَـعْـلَـمُنَّ کا صرف ایک مفعول ہے اور وہ نَبَأٌ ہے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ عَلِمَ بمعنی عَرَفَ ہے، وَلَتَعْلَمُنَّ میں لام جواب قسم کا ہے اور قسم وَاللّٰه محذوف ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ عَلِمَ اپنے باب پر ہے یعنی متعدی بدو مفعول ہے اور دوسرا مفعول بعدَ حِيْنٍ ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيح

قُـلْ اِنَّـمَا اَنَا مُنْذِرٌ (الآية) یعنی میں وہ نہیں ہوں جو تم گمان کرتے ہو، یعنی ساحر، کاہن، شاعر، وغیرہ نہیں ہوں بلکہ میں تو تمہیں اللہ کے عذاب اور اس کے عتاب سے ڈرانے والا ہوں، اور میں تمہیں جس عذاب اخروی سے ڈرا رہا ہوں اور توحید کی دعوت دے رہا ہوں یہ بڑی عظیم خبر ہے، اس سے اعراض و غفلت نہ برتو، اس پر تو بڑی سنجیدگی اور متانت سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ملأ اعلىٰ سے مراد عالم ملائکہ ہے یعنی مجھے عالم بالا کی کچھ بھی خبر نہ تھی، جبکہ وہ گفتگو کر رہے تھے، یعنی یہ بات میری رسالت کی واضح دلیل ہے کہ میں تمہیں عالم بالا کی ایسی باتیں بیان کرتا ہوں جو وحی کے سوا کسی بھی ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتیں، ان باتوں میں سے ایک تو وہ گفتگو ہے جو تخلیق آدم کے وقت اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان ہوئی تھی، جس کا تذکرہ سورۂ بقرہ میں آچکا ہے، فرشتوں نے کہا تھا اَتَـجْـعَـلُ فِيْهَـا مَنْ يُّـفْسِـدُ فِيْهَـا وَيَسْـفِكُ الـدِّمَـاءَ کیا آپ زمین میں ایسے انسان کو پیدا کر رہے ہیں جو وہاں فساد برپا کرے گا اور خون ریزی مچائے گا، اس گفتگو کو یہاں ''اختصام'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اِذْ قَـالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں، بشر کو بشر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی مباشرت زمین کے ساتھ ہے یعنی زمین ہی سے اس کی پوری وابستگی ہے، وہ سب کچھ زمین ہی پر کرتا ہے اور آخر کار پیوند خاک ہو جاتا ہے، یا بشر کو بشر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر البشرہ ہوتا ہے۔

یہاں تخلیق آدم کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی مذکور گفتگو کی طرف اشارہ کے ساتھ ساتھ اس

بات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ جس طرح ابلیس نے محض حسد و تکبر کی وجہ سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا، اسی طرح مشرکین عرب بھی حسد و تکبر کی وجہ سے آپ کی بات نہیں مان رہے، اور جو انجام ابلیس کا ہوا وہی انجام ان کا بھی ہو سکتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، معارف)

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا کہ میں نے انہیں اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہاتھوں سے مراد دست قدرت ہے نہ کہ انسانوں جیسے ہاتھ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اعضاء اور جوارح سے پاک ہے اور عربی زبان میں یَدٌ کا لفظ قدرت کے معنی میں بکثرت استعمال ہوتا ہے، مثلاً ارشاد ہے بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ. یوں تو کائنات کی ہر شئ دست قدرت ہی سے پیدا ہوئی ہے، مگر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اظہار شرف کے لئے اپنی طرف نسبت فرمائی ہے جیسے کعبہ کو بیت اللہ، اور حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی کو ناقۃ اللہ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلمۃ اللہ یا روح اللہ کہا گیا ہے، یہاں بھی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے آدم کی تخلیق کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔

وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ اور میں بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں کہ میں اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کر دوں جو اس نے نہ کہی ہو، یا میں تمہیں ایسی بات کی طرف دعوت دوں کہ جس کا حکم اس نے مجھے نہ دیا ہو، میں تو کسی کمی بیشی کے بغیر اللہ کے احکام تم تک پہنچاتا ہوں، حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں جس کو کسی بات کا علم نہ ہو اس کی بابت کہہ دینا چاہئے "اللہ اعلم" یہ کہنا بھی علم ہی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے کہا کہہ دیجئے وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ. (ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکلف و تصنع شرعاً مذموم اور ناپسندیدہ ہے، عام معاملات میں بھی تصنع و تکلف سے اجتناب کرنا چاہئے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا نُهِيْنَا عَنِ التَّكَلُّفِ صحیح بخاری ۷۲۹۳، حضرت سلمان فارسی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اَنْ نَتَكَلَّفَ لِلضَّيْفِ آپ نے مہمانوں کے لئے تکلف کرنے سے منع فرمایا۔ (صحيح الجامع الصغير للالبانی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس، خوراک، رہائش، اور دیگر معاملات میں تکلفات جو آج کل معیار زندگی بلند کرنے کے عنوان سے اصحاب حیثیت کا شعار اور طریقہ بن گیا ہے اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، اسلام میں سادگی اور بے تکلفی اختیار کرنے کی تلقین و ترغیب ہے۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانِيْ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ الْاٰيَة فَمَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ زمر مکی ہے، مگر قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ (الآية) مدنی ہے، اور یہ پچھتر (۷۵) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ القرانِ مُبْتَدأٌ مِنَ اللّٰهِ خبرُهُ الْعَزِيْزِ فی مُلكِهٖ الْحَكِيْمِ ۝۱ فی صُنْعِهٖ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ يا مُحَمَّدُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُتعلِّقٌ بانْزَلنا فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۲ مِنَ الشِّرْكِ اى مُوَحِّدًا له اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ لا يَستحِقُّهُ غَيرُهُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ الاصنامَ اَوْلِيَاۗءَ وهم كُفّارُ مَكّةَ قالُوا مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى قُرْبٰى مَصْدرٌ بمعنٰى تَقرِيبًا اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ وبَيْنَ المُسْلِمِيْنَ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۳ مِنْ اَمْرِ الدِّين فيُدْخِلُ المُؤْمِنِينَ الجَنَّةَ والكَافِرِينَ النَّارَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ في نِسْبَةِ الوَلَدِ اليه كَفَّارٌ ۝۳ بعِبادةِ غيرِ اللّٰهِ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا كما قالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ واتَّخَذَهُ وَلَدًا غيرَ مَنْ قالُوا مِنَ الملائِكَةِ بناتُ اللّٰهِ وعُزَيرٌ بنُ اللّٰهِ والمَسِيحُ بنُ اللّٰهِ سُبْحٰنَهٗ تَنزِيهًا له عَنِ اتِّخاذِ الوَلَدِ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۴ لِخَلْقِه خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ مُتعلِّقٌ بخلق يُكَوِّرُ يُدخِلُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ فيزيدُ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ يُدخِلُهُ عَلَى الَّيْلِ فيزيدُ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ في فَلكِه لِاَجَلٍ مُّسَمًّى لِيومِ القِيٰمةِ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الغَالِبُ على اَمرِه المُنتقِمُ مِن اَعدائِه الْغَفَّارُ ۝ لِاولِيائِه خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اى ادمَ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا حَوّاءَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ الإبلِ والبَقرِ والغَنمِ والضّانِ والمَعْزِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِن كُلٍّ زَوجانِ ذَكَرٌ واُنثٰى كما بُيِّنَ في سورةِ الانعامِ يَخْلُقُكُمْ فِيْ

بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ اي نُطَفًا ثم عَلَقًا ثم مُضَغًا فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ هي ظُلْمَةُ البَطْنِ وظُلْمَةُ الرَّحِمِ وظُلْمَةُ المَشِيْمَةِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهِ اِلَى عِبَادَةِ غَيْرِهِ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وان اَرَادَهُ مِنْ بَعْضِهِمْ وَاِنْ تَشْكُرُوْا اللّٰهَ فَتُؤْمِنُوْا يَرْضَهُ بسُكُونِ الهَاءِ وضَمِّهَا مَعَ اِشْبَاعٍ ودُونَهُ اي الشُّكْرَ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ نفسٌ وَازِرَةٌ وِّزْرَ نفسٍ اُخْرٰى اي لا تَحْمِلُه ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بما في القُلُوبِ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ اي الكافِرَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ تضَرَّعَ مُنِيْبًا راجعًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً اَعْطَاهُ اِنْعَامًا مِّنْهُ نَسِيَ تَرَكَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا يتضَرَّعُ اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وهو اللّٰهُ فما في مَوْضِعِ مَنْ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا شُرَكَاءَ لِّيُضِلَّ بفتحِ الياءِ وضَمِّهَا عَنْ سَبِيْلِهٖ دِينِ الاسلامِ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا بقيَّةَ اَجَلِكَ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ اَمَّنْ بتخفيفِ الميمِ هُوَ قَانِتٌ قائمٌ بوَظَائِفِ الطَّاعَاتِ اٰنَآءَ الَّيْلِ ساعاتِه سَاجِدًا وَّقَآئِمًا في الصَّلوةِ يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ اي يخافُ عَذَابَهَا وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ جَنَّةَ رَبِّهٖ كَمَنْ هو عاصٍ بالكُفْرِ او غيرِهِ وفي قِرَاءَةٍ اَمْ مَنْ فَاَمْ بمعنى بل والهَمْزَةِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اي لا يَسْتَوِيَانِ كما لا يَسْتَوِي العَالِمُ والجَاهِلُ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ يَتَّعِظُ اُولُوا الْاَلْبَابِ اَصْحَابُ العُقُولِ.

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے یہ کتاب یعنی قرآن اپنے ملک میں غالب اپنی صنعت میں حکمت والے اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے القرآن مبتداء اور مِنَ اللّٰه اس کی خبر ہے، اے محمد ﷺ! یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے (بالحق) انزلنا، سے متعلق ہے، سو آپ شرک سے خالص اعتقاد کے ساتھ (یعنی) توحید کا اعتقاد رکھتے ہوئے اسی کی بندگی کرتے رہئے، یاد رکھو عبادت جو کہ خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے، اس کے علاوہ اس کا کوئی مستحق نہیں، اور جن لوگوں نے اس کے سوا بتوں کو اولیاء بنا رکھا ہے اور وہ مکہ کے کافر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں قُرْبٰی تقریباً معنی میں مصدر کے ہے جس دینی امر کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان (عملی) فیصلہ فرمادے گا، کہ مومنوں کو جنت میں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کرے گا، اس کی طرف ولد کی نسبت کرنے میں جھوٹے (اور) غیر اللہ کی عبادت کرکے ناشکرے کو اللہ راہ نہیں دکھاتا اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اولاد ہی کا ہوتا، جیسا کہ (کفار) کہتے ہیں کہ اللہ کے اولاد ہے تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چن لیتا (یعنی) اس کو اولاد بنالیتا، ان کے علاوہ جن کے بارے میں (کفار) کہتے ہیں (یعنی یہ کہ) فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور عزیر اور مسیح علیہما السلام، اللہ کے بیٹے ہیں، وہ تو پاک ہے یعنی اولاد رکھنے سے وہ پاک ہے وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے اپنی مخلوق پر زبردست ہے اس نے زمین و آسمان کو حکمت سے پیدا کیا (بالحقّ) خلَقَ سے متعلق ہے وہ رات

کودن میں داخل کردیتا ہے جس سے دن بڑا ہوجاتا ہے اور دن کورات میں داخل کردیتا ہے تو رات بڑی ہوجاتی ہے اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے ہر ایک اپنے محور پر وقت مقرر (یعنی) قیامت کے دن تک چلتا رہے گا یقین مانو وہی اپنے امر پر غالب ہے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے اور اپنے اولیاء کو بخشنے والا ہے اس نے تم لوگوں کو تن واحد سے یعنی آدم سے پیدا کیا پھر اسی سے اس نے حواء کو اس کا جوڑا بنایا اور تمہارے لئے چوپایوں میں (یعنی) اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ، دنبے آٹھ جوڑے پیدا کئے، ہر ایک نر و مادہ کا جوڑا، جیسا کہ سورۂ انعام میں بیان کیا گیا ہے، وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک بناوٹ کے بعد دوسری بناوٹ پر بناتا ہے (یعنی اولاً) نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ تین تین تاریکیوں میں وہ پیٹ کی تاریکی اور رحم کی تاریکی اور جھلی کی تاریکی ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کی سلطنت ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو اس کی بندگی کو چھوڑ کر دوسروں کی بندگی کی طرف کہاں بہک رہے ہو، اگر تم کفر کرو گے یاد رکھو اللہ تمہارا محتاج نہیں اور وہ اپنے بندوں کے کفر کو پسند نہیں کرتا اگرچہ ان میں سے بعض سے اس (کفر) کا ارادہ کرے اور اگر تم اللہ کا شکر کرو گے کہ ایمان لے آؤ تو وہ اسے یعنی شکر کو تمہارے لئے پسند کرے گا (یَرْضَهُ) میں ھاء کے سکون اور ضمہ کے ساتھ مع اشباع کے اور کوئی شخص کسی شخص کا بوجھ نہیں اٹھاتا پھر تم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہوگا، سو وہ تمہارے سب اعمال بتادے گا جو تم کرتے تھے، وہ یقیناً دلوں تک کی باتوں سے واقف ہے اور انسان کافر کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر عاجزی کے ساتھ اپنے رب کو پکارتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس سے نعمت یعنی انعام عطا فرما دیتا ہے تو اس سے پہلے جو دعاء کر رہا تھا اسے بالکل بھول جاتا ہے اور وہ اللہ ہے اور مَا، مَن کی جگہ میں ہے اور خدا کے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ اس کے راستہ یعنی دین اسلام سے بھٹک جائے (یا) بھٹکا دے (ی) کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ آپ فرما دیجئے کہ کفر کی بہار کچھ دن اور لوٹ لو، یعنی اپنی بقیہ زندگی (پھر آخرکار) تو دوزخیوں میں سے ہونے والا ہے بھلا جو شخص راتوں کے اوقات وظیفہ طاعت میں مشغول ہو کر رکوع اور سجدے یعنی نماز میں گذارتا ہو حال یہ ہے کہ وہ آخرت یعنی اس کے عذاب سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت، جنت کی امید بھی کر رہا ہو (أَمَنْ) میں میم کی تخفیف کے ساتھ، اس شخص کے مانند ہوسکتا ہے کہ وہ کفر وغیرہ کے ذریعہ نافرمانی کرنیوالا ہے اور ایک قراءت میں أَمْ مَنْ ہے، اور أَمْ بمعنی بَلْ اور ہمزہ ہے، آپ کہئے کہ (کہیں) علم والے اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں؟ یعنی برابر نہیں ہوسکتے، جیسا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہوں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

اس سورت کا نام سورۂ زمر ہے زُمَرْ، زُمْرَةٌ کی جمع ہے، اس کے معنی جماعت کے ہیں اس سورۃ کو سُوْرَۃُ غُرَف بھی کہا جاتا ہے، یہ دونوں کلمے چونکہ اس سورت میں آئے ہیں اس لئے یہ اسم الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہے، زُمَر کا کلمہ وَسِیقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا اور وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زُمَرًا میں استعمال ہوا ہے، اور غُرَف کا کلمہ

لَهُمْ غُرَفٌ مِنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ میں استعمال ہوا ہے، یہ پوری سورت مکی ہے سوائے تین آیتوں کے یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ سے تین آیتوں تک مدنی ہیں، اور بعض نے یہاں سے سات آیات تک مدنی کہا ہے۔

قِوْلِہٗ: تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ، هُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے ای هُوَ تنزیل الکتاب اور کہا گیا ہے کہ مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور کَائِنٌ جار مجرور سے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر مقدر ہے ای تَنْزِیْل کَائِنٌ مِنَ اللّٰهِ اور فرّاء اور کسائی نے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب بھی کہا ہے ای اِتَّبِعُوْا تَنْزِیْلَ الکتابِ یا اِقْرَءُ وا تَنْزِیْلَ الکتابِ اور فرّاء نے اغراء کے طور پر بھی نصب جائز کہا ہے ای اِلْزَمُوْا تَنْزِیْلَ الکتابِ۔ (فتح القدیر شوکانی)

قِوْلِہٗ: مُخْلِصًا، اُعْبُدْ کی ضمیر سے حال ہے۔

قِوْلِہٗ: زُلْفٰی یہ یُقَرِّبُوْنَ کا مصدر بغیر لفظہ ہے، اصل میں یُزْلِفُوْنَ زُلْفٰی ہے، اَنْبَتَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا کے مانند مصدر بغیر لفظہ ہے۔

قِوْلِہٗ: یُکَوِّرُ. تَکْوِیْرًا سے بمعنی اَللَّفُّ، وَاللَّیُّ بمعنی لپیٹنا یقال کَارَ العِمَامَةَ عَلٰی رأسِهٖ وَ کَوَّرَهَا دستار کو سر پر لپیٹا۔

قِوْلِہٗ: وَاِنْ اَرَادَهٗ مِنْ بَعْضِهِمْ یعنی اللہ اپنے بندے کے کفر سے راضی نہیں ہے اگرچہ کفر کا وجود اللہ کے ارادہ ہی سے ہے، اس لئے کہ ارادہ اور مشیت خداوندی کے بغیر کسی شئی کا وجود نہیں ہوسکتا، اور ارادہ کے لئے رضا لازم نہیں ہے جیسے ناخواستہ کسی کام کے کرنے میں ارادہ تو ہوتا ہے مگر رضامندی نہیں ہوتی۔

قِوْلِہٗ: یَرْضَهْ ہا ضمیر کا مرجع شکر ہے، اگر تم اللہ کا شکر کرو گے تو وہ تمہارے شکر سے خوش ہوگا یَرْضَهْ اصل میں یَرْضَاهُ تھا، شرط کی جزاء ہونے کی وجہ سے الف ساقط ہوگیا یَرْضَهْ میں تین قراءتیں ہیں، ضمہ مع الاشباع یعنی (کھینچ کر) اور ضمہ بغیر الإشباع، اور ہا کے سکون کے ساتھ۔

قِوْلِہٗ: ای الشکرَ اس اضافہ کا مقصد یَرْضَهْ کی ضمیر مفعولی کا مرجع متعین کرنا ہے، اور یَرْضَهْ کا فاعل اللہ ہے۔

قِوْلِہٗ: خَوَّلَهٗ تخویل (تفعیل) سے ماضی واحد مذکر غائب، اس کو عطا کیا، مالک بنایا، مِنْهُ کی ضمیر حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔

قِوْلِہٗ: تَرَکَ، نَسِیَ کی تفسیر تَرَکَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں نسیان کے لازم معنی مراد ہیں، ترک نسیان کے لئے لازم ہے، اور لازم معنی مراد لینے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ نسیان پر مواخذہ نہیں رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الخطاء والنسیان حدیث مشہور ہے۔

قِوْلِہٗ: مَا کَانَ یَدْعُوْا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ، مَا میں تین وجہ جائز ہیں ① مَا موصولہ بمعنی الذی اور الذی سے مراد ضُرٌّ (تکلیف) ای نَسِیَ الضُّرَّ الَّذِیْ کَانَ یَدْعُوْا اِلٰی کَشْفِهٖ یعنی ہمارے اس پر انعام کرنے اور اس کی تکلیف کو دور کرنے کے بعد وہ اس تکلف کو بھول گیا، جس کے دور کرنے کی دعا کرتا تھا ② ما بمعنی الذی، مراد باری تعالیٰ، ای

نَسِىَ الَّذِىْ كَانَ يَتَضَرَّعُ اِلَيْهِ یعنی تکلیف دور ہونے کے بعد اس ذات کو بھول گیا جس سے تکلیف دور کرنے کی دعا کررہا تھا، مگر یہ ان کے نزدیک درست ہے جو ما کا اطلاق ذوی العقول کے لئے جائز سمجھتے ہیں (۳) ما مصدریہ ہو ای نَسِىَ كَونَهُ دَاعِيًا یعنی مصیبت کے دور ہونے کے بعد وہ یہ بھی بھول گیا کہ میں کسی وقت داعی تھا۔

قَوْلُهُ: مِنْ قَبْلُ ای من قبل تحویل النعمة.

قَوْلُهُ: وَهُوَ اللّٰهُ مفسر علام نے اس عبارت سے اشارہ کردیا کہ اس کے نزدیک دوسری صورت پسندیدہ ہے۔

قَوْلُهُ: قَانِتٌ، قُنُوتٌ سے اسم فاعل وظیفۂ طاعت کو ادا کرنے والا (اعراب القرآن) خشوع خضوع کرنے والا، اطاعت کرنے والا۔ (لغات القرآن)

قَوْلُهُ: اٰنَاءٌ یہ انی کی جمع ہے بمعنی اوقات۔

قَوْلُهُ: اَمَّنْ، اَمْ متصلہ بھی ہوسکتا ہے، اس کا مقابل محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے الکافرُ خیرٌ ام الذی هو قانتٌ ہمزہ مَن موصولہ پر داخل ہے، میم کو میم میں ادغام کردیا گیا ہے، یا اَمْ منقطع ہے، اس کی تقدیر بَل اور ہمزہ کے ساتھ ہوگی ای بَلْ اَمَنْ هو قَانِتٌ كغيره؟ اور تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس صورت میں ہمزہ استفہام انکاری ہوگا۔

قَوْلُهُ: كَمَن هُوَ عاصٍ بكفره وغَيْرِه سے شارح کا مقصد اَمْ مَنْ هو قَانِتٌ کے معادل کو بیان کرنا ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

سورۂ زمر کے فضائل:

امام نسائی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ جب روزہ رکھتے تو اس کثرت اور تسلسل کے ساتھ رکھتے کہ ہم یہ خیال کرتے کہ شاید اب آپ کبھی افطار نہ کریں گے، اور جب آپ افطار فرماتے تو اس قدر تسلسل کے ساتھ افطار فرماتے کہ ہم خیال کرتے کہ شاید اب آپ کبھی روزہ نہ رکھیں گے، اور آپ ﷺ روزانہ ہر شب کو سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر تلاوت فرماتے، اور یہ امام ترمذی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے كَانَ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لَا يَنَامُ حتّٰى يَقْرَأَ الزُّمَرَ وبنى اسرائيلَ یعنی آپ ﷺ اس وقت تک نہ سوتے جب تک کہ سورۂ زمر اور سورۂ بنی اسرائیل تلاوت نہ فرمالیتے۔ (فتح القدیر شوکانی)

اعمال میں اخلاص کا مقام:

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّيْنَ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ یہاں دین کے معنی عبادت وطاعت کے ہیں جو تمام احکام دینیہ کو شامل ہیں، اس سے پہلے جملہ میں آنحضرت ﷺ کو خطاب کرکے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت وطاعت

خالص اسی کے لئے کریں، جس میں شرک یا ریا ءونمود کا شائبہ بھی نہ ہو، ابن مردویہ نے یزید الرقاشی سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ ہم اپنے اموال کو (راہ خدا میں) شہرت وثنا کے لئے دیتے ہیں تو کیا ہمیں اس کا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا لا! عرض کیا کہ ہم اگر اجر (ثواب) اور ذکر (نام آوری) کیلئے دیں تو کیا ہمیں اس کا اجر ملے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا یَقْبَلُ اِلَّا مَا اَخْلَصَ لَهٗ اللہ تعالیٰ اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص اسی کیلئے ہو پھر آپ نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔ (فتح القدیر شوکانی)

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں بعض اوقات کوئی صدقہ خیرات کرتا ہوں یا کسی پر احسان کرتا ہوں، جس میں میری نیت رضا جوئی کی بھی ہوتی ہے اور یہ بھی کہ لوگ میری تعریف کریں گے، آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتے جس میں کسی غیر کو شریک کیا گیا ہو، پھر آپ نے آیت مذکورہ بطور استدلال کے تلاوت فرمائی اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔ (قرطبی، معارف)

اعمال کی مقبولیت کا دارومدار اخلاص پر ہے نہ کہ تعداد پر:

متعدد قرآنی آیات اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کا حساب گنتی سے نہیں بلکہ وزن سے ہوگا، حق تعالیٰ نے فرمایا وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیَامَةِ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں حساب گنتی اور شمار سے نہیں بلکہ وزن ومقدار سے ہوگا اور وزن، اعمال میں اخلاص سے پیدا ہوتا ہے، صحابہ کرام جو کہ مسلمانوں کی صف اول ہیں، ان میں سے اکثر کے اعمال وریاضات کی تعداد گنتی اور شمار کے اعتبار سے کچھ زیادہ نظر نہ آئے گی، مگر اس کے باوجود ان کا ایک ادنیٰ عمل باقی امت کے بڑے بڑے اعمال سے فائق ہونے کی وجہ ان کا کمال ایمان اور کمال اخلاص ہی تو ہے۔

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِیَاءَ (الآیة) اہل مکہ اور تقریباً تمام اہل عرب کا عقیدہ تو یہی تھا کہ تمام کائنات کا مالک اور زمین وآسمان کا خالق اور تمام کاموں میں متصرف صرف خدا ہی کی ذات ہے مگر اس کے باوجود انہوں نے کچھ دیوی دیوتاؤں اور فرشتوں کے بت تراش رکھے تھے، ان کی بندگی اور نذر ونیاز کرتے تھے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ خدا تعالیٰ ہی کو مالک کون ومکان اور خالق زمین وآسمان مانتے تھے تو پھر وہ ان بتوں کی بندگی کیوں کرتے تھے؟ ان سے جب یہ سوال کیا جاتا تھا تو وہ یہی جواب دیتے تھے جو قرآن نے یہاں نقل کیا ہے، **ما نعبُدهم الا لِيقربونا الى الله زلفٰى** ہم ان بتوں کی بندگی محض اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ذریعہ ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے، یا اللہ کے حضور ہماری سفارش کر دیں، یہ حضرات اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ ہم شرک کر رہے ہیں یا ہمارا یہ عمل شرک ہے آج بھی جو حضرات قبر پرستی اور مزار پرستی میں مبتلا ہیں اور رات دن قبروں پر نذر ونیاز کے علاوہ سجدہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے، اپنے ان اعمال کو شرک ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا، اور اسی کے مطابق جزاء وسزا دے گا۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یتخذ وَلَدًا لَاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ (الآیۃ) یہ ان لوگوں پر رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی اولاد کہتے تھے، ان کے اس باطل اور محال خیال کو بطور فرض محال کے فرمایا اگر اس کو اولاد بنانا ہی تھا تو لڑکیوں ہی کو کیوں اولاد بنایا؟ جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، بلکہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو پسند کرتا وہ اس کی اولاد ہوتی، نہ کہ وہ جن کو وہ باور کراتے ہیں، لیکن وہ تو والد وولد کے نقص ہی سے پاک ہے لَمْ یلد ولَمْ یولَدْ اس کی خاص صفت ہے۔

(ابن کثیر تلخیصًا و ترمیمًا)

یُکَوِّرُ اللَّیلَ علی النھار ''تکویر'' کے معنی ایک شئ کو دوسری پر ڈال کر چھپا دینے کے ہیں، قرآن کریم نے دن اور رات کے انقلاب کو یہاں عام نظروں کے اعتبار سے لفظ تکویر سے تعبیر کیا ہے رات آتی ہے تو گویا دن کی روشنی پر ایک پردہ ڈال دیا گیا، اور جب دن آتا ہے تو رات کی تاریکی پردہ میں چلی جاتی ہے۔

چاند اور سورج متحرک ہیں:

کل یجری لِاَجَلٍ مُّسَمًّی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس وقمر، دونوں حرکت کرتے ہیں، فلکیات اور طبقات الارض کی مادی تحقیقات قرآن پاک یا کسی آسمانی کتاب کا موضوع بحث نہیں ہوتا، مگر اس معاملہ میں جتنی بات کہیں ضمناً آجاتی ہے اس پر یقین رکھنا فرض ہے، فلاسفہ کی قدیم وجدید تحقیقات تو موم کی ناک ہیں روز بدلتی رہتی ہیں، قرآنی حقائق غیر متبدل ہیں آیت مذکور سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شمس وقمر دونوں حرکت میں ہیں، اس پر یقین رکھنا فرض ہے نہ اس میں شک کرنے کی گنجائش اور نہ تاویل کی ضرورت، اب رہا یہ معاملہ کہ ہمارے سامنے آفتاب کا طلوع وغروب زمین کی حرکت سے ہے یا خود ان سیاروں کی حرکت سے ہے قرآن نہ اس کا اثبات کرتا ہے اور نہ نفی، تجربہ سے جو کچھ معلوم ہوا اس کے ماننے میں حرج نہیں۔

خَلَقَکُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثم جعل منها زوجها (الآیۃ) ثُمَّ کے ذریعہ عطف، آدم وحواء علیہما السلام کے درمیان ترتیب تخلیق اور تاخیر کو بیان کرنے کے لئے ہے، معطوف علیہ مقدر ہے اور وہ نفس کی صفت ہے، تقدیر یہ ہے خَلَقَکُمْ مِنْ نفسٍ خَلَقَها وَاحِدَةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا اور یہ بھی جائز ہے کہ واحدۃ کے معنی پر عطف ہو، ای من نفسٍ انفردت ثم جَعَلَ منها زوجها۔

سَوال: حق تعالیٰ شانہ نے خَلَقَ کو جَعَلَ سے کیوں تعبیر کیا؟

جَوابِ: حضرت حواء کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسلی سے پیدا فرمانا یہ قدرت خداوندی پر زیادہ دلالت کرنے والا ہے، اس لئے کہ یہ طریق تخلیق، اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ کے خلاف ہے بخلاف تخلیق آدم اور اس کی نسل کے کہ یہ عادت مستمرہ کے موافق ہے اس لئے کہ اشیاء کو عدم سے وجود میں لانا یا رحم مادر کے واسطہ سے ہونا یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عام عادت ہے، بخلاف حواء کے کہ ان کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسلی سے پیدا کیا یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ نہیں ہے، اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے خلَقَ کے بجائے جَعَلَ کا لفظ اختیار فرمایا۔

وَاَنْزَلَ لکم مِنَ الْاَنْعَام ثمانِیَةَ اَزْوَاج اس کا عطف خَلَقَکُم پر ہے، یہاں تخلیق کو انزال سے تعبیر فرمایا ہے یا تو اس لئے کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تخلیق اولاً جنت میں ہوئی تھی، وہاں سے دنیا میں اتارا گیا اس صورت میں انزل حقیقی معنی میں ہوگا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجازاً انزل سے تعبیر کردیا ہو اس لئے کہ مویشی گھاس چارہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور گھاس چارہ پانی سے پیدا ہوتا ہے اور پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے تو گویا کہ مویشی آسمان سے نازل کردہ ہیں، اس میں نسبت سبب السبب کی طرف کردی گئی، جس طرح کہ شاعر نے مندرجہ ذیل شعر میں سبب کی طرف نسبت کی ہے:

اِذَا نَزَلَ السماءُ بِاَرْضِ قومٍ رَعَیْنَاہ وان کانوا غِضَابًا

(فتح القدیر شوکانی)

شاعر نے نزَلَ کی نسبت پانی کے بجائے پانی کے سبب یعنی بادل کی جانب کی ہے۔

وَاَنْزَلَ لکم من الانعامِ ثمٰنِیَةَ ازواج یہ انہی چار قسم کے جانوروں کا بیان ہے جن کا ذکر سورۂ انعام کی آیت ۱۴۳، ۱۴۴ میں گذرا ہے اور وہ بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے ہے جو نر و مادہ مل کر آٹھ ہو جاتے ہیں۔

اِنْ تکفروا فاِنَّ اللّٰہ غَنِیٌّ عنکُمْ مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے کفر و ایمان سے مستغنی ہے کسی کے ایمان سے نہ اس کا کوئی فائدہ اور نہ کفر سے کچھ نقصان، صحیح مسلم کی ایک حدیث قدسی میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا، اے میرے بندو! اگر تمہارے اولین و آخرین اور تمہارے انسان اور جن سب کے سب انتہائی فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں تو میرے ملک و سلطنت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آتی۔ (ابن کثیر، معارف)

وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ کفر اگرچہ انسان، اللہ کی مشیت ہی سے کرتا ہے، اس لئے کہ کوئی کام خدا کی مشیت اور ارادہ کے بغیر نہیں ہوسکتا، تاہم کفر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے، اس کی رضا حاصل کرنے کا طریقہ اور ذریعہ شکر ہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور چیز ہے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ:

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اچھا یا برا کام یا کفر و ایمان اللہ جل شانہ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا، البتہ حق تعالیٰ کی رضا اور پسندیدگی صرف ایمان اور اچھے کاموں سے متعلق ہوتی ہے، شیخ الاسلام علامہ دینوری نے اپنی کتاب ''الاصول والضوابط'' میں تحریر فرمایا ہے:

مذهب اهل الحق الایمانُ بالقَدْرِ واثباتِہ واَنَّ جمیعَ الکائناتِ خیرُها وشرُّها بقضاءِ اللّٰہ وقَدْرِہ وهو مرید لَهَا کُلَّهَا ویکره المعاصی مع أنه تعالیٰ مُرید لَهَا لِحکمةٍ یَعلمُها جَلَّ وعَلا.

(روح المعانی، معارف)

"اہل حق کا مذہب تقدیر پر ایمان لانا ہے اور یہ کہ تمام کائنات اچھی ہو یا بری سب اللہ تعالیٰ کے حکم وتقدیر سے وجود میں آتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کا ارادہ بھی فرماتے ہیں، مگر وہ معاصی کو مکروہ اور ناپسند سمجھتا ہے اگرچہ اس کی تخلیق کا ارادہ کسی حکمت ومصلحت سے ہوتا ہے جس کو وہ خود ہی جانتا ہے"۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ لفظ اَمَّنْ دو لفظوں سے مرکب ہے اَمْ حرف استفہام اور مَن اسم موصول سے، اس جملہ سے پہلے کفار کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ دنیا کی چندروزہ زندگی میں اپنے کفر وفسق کے مزے اڑالو، آخرکار تم جہنم کے ایندھن ہووگے، اس کے بعد اس جملہ میں مومن مطیع کا بیان ہے، جس کو اَمَّنْ کے لفظ سے شروع کیا ہے، علماء تفسیر نے فرمایا کہ اس سے پہلے ایک جملہ جو کہ اس جملہ کا معادل ہے محذوف ہے کہ کافر سے کہا جائے گا کہ تو اچھا ہے یا وہ مومن مطیع جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا (الآية) جب اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ انسان کی فریاد کو سن لیتے ہیں اور اس کی مصیبت کو دور کردیتے ہیں تو مصیبت دور ہونے کے بعد اس ذات کو کہ جس سے عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا کرتا تھا بھول جاتا ہے اور پھر اسی کفر ومعصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک تو یہ کافر ومشرک ہے جس کا حال یہ ہے جو ابھی اوپر مذکور ہوا، اور دوسرا وہ شخص ہے جو تنگی اور خوشحالی خوشی اور غمی میں رات کی گھڑیاں اللہ کے سامنے عاجزی اور فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہوئے قومہ وقیام، رکوع وسجود میں گذارتا ہے، اور آخرت کا خوف بھی اس کے دل میں ہے، اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہے، یعنی امید وبیم کی کیفیت سے سرشار ہے، جو اصل ایمان ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں اور یقیناً نہیں، خوف ورجاء کے بارے میں حضرت انس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس عیادت کے لئے گئے مریض حالت سکرات میں تھا، آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو خود کو کس حالت میں پاتا ہے، اس نے عرض کیا میں اللہ سے امید رکھتا ہوں، اور اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈرتا بھی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا اس موقع پر جس بندے کے دل میں یہ دونوں باتیں ہوں تو اللہ اسے وہ چیز عطا فرماتا ہے جو وہ امید رکھتا ہے اور اس چیز سے بچالیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر الموت)

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اي عَذَابَهُ بان تُطِيعُوهُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا بالطَّاعَةِ حَسَنَةٌ هي الجَنَّةُ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ فَهَاجِرُوا اِلَيْهَا مِن بَيْنِ الكُفَّارِ ومُشَاهَدَةِ المُنكَرَاتِ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ على الطَّاعَاتِ وما يُبْتَلَوْنَ به اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩ بغَيْرِ مِكْيَالٍ ولا مِيزَانٍ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ⑪ مِنَ الشِّرْكِ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اي بان اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ⑫ مِن هذهِ الأُمَّةِ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑬ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ⑭ مِنَ الشِّرْكِ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ غيرِهِ فيه تَهْدِيدٌ لهم وإِيذَانٌ بأَنَّهم لا

يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ تعالى قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بتخليد الانفس في النار وبعدم وُصُوْلِهِم الى الحور المُعَدَّةِ لهم في الجنة لو اٰمنوا اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ البَيِّنُ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ طِباقٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ مِن النار ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ اي المؤمنين لِيَتَّقُوْه يدل عليه يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ الاوثان اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اقبلوا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى بالجنة فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ وهو ما فيه صَلاحُهُم اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اصحابُ العقولِ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ اي لَاَمْلَئَنَّ جهنم الاية اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ تُخرِجُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿۱۹﴾ جوابُ الشرط واُقيم فيه الظاهرُ مقامَ المُضمَر والهمزةُ لِلانكار والمعنى لا تقدرُ على هدايته فتُنقِذَهُ من النار لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ بان اطاعوه لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اي من تحت الغُرَفِ الفوقانية والتحتانية وَعْدَ اللّٰهِ منصوبٌ بفعلِه المُقدَّر لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾ وعدَهُ اَلَمْ تَرَ تعلم اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ ادخله امكنة نبع فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ يَيْبَسُ فَتَرٰىهُ بعد الخضرة مثلًا مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا فُتاتًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى تذكيرًا لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ يتذكرون به لِدلالته على وحدانية اللّٰه تعالى وقدرته.

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو یعنی اس کے عذاب سے (ڈرتے رہو) اس طریقہ سے کہ اس کی اطاعت کرو، جو لوگ اس دنیا میں طاعت کے ذریعہ نیکی کرتے ہیں ان کے لئے اچھا صلہ ہے اور وہ جنت ہے اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت کشادہ ہے، کفار کے درمیان سے اور منکرات کے مشاہدہ سے (بچنے کے لئے) کسی اور سرزمین کی طرف ہجرت کر جاؤ طاعات پر اور ان مصائب پر جن میں ان کو مبتلا کیا گیا ہے، صبر کرنے والوں ہی کو پورا (اور) بے شمار اجر ملتا ہے یعنی بغیر ناپے تولے (اجر ملتا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لئے شرک سے دین کو خالص کروں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس قوم میں سے سب سے پہلا فرمانبردار بن جاؤں (آپ) کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں (آپ) کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ عبادت کو اسی کے لئے شرک سے خالص رکھتا ہوں تم اس کو چھوڑ کر جس کی چاہو بندگی کرو اس میں ان کے لئے تہدید (دھمکی) ہے، اور اس بات کا اعلان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی نہیں کرتے (اور) آپ ان سے یہ (بھی) کہہ دیجئے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے خود کو جہنم میں ہمیشہ کے لئے ڈال کر اور ان حوروں کو حاصل نہ کر کے جو ان کے لئے جنت میں تیار کی گئی ہیں، اگر وہ ایمان لاتے یاد رکھو، کھلا نقصان یہی ہے کہ ان کے لئے ان کے اوپر سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور ان کے نیچے

سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے یہ وہی (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو یعنی مومنین کو ڈراتا ہے تاکہ اس سے ڈریں، اور اس وصف (ایمان) پر یا عِبَادِ فَاتَّقُوْنِ دلالت کر رہا ہے، اے میرے بندو مجھ ہی سے ڈرو، اور جن لوگوں نے طاغوت یعنی بتوں کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف متوجہ رہے وہ جنت کی خوشخبری کے مستحق ہیں تو میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس میں سے اچھی بات کی اتباع کرتے ہیں اور اچھی بات وہ ہے جس میں فلاح ہے یہی ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے یہی لوگ عقلمند ہیں، بھلا جس شخص پر عذاب کی بات محقق ہو چکی یعنی لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ (الآية) تو کیا آپ ایسے شخص کو جو کہ دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں؟ اَفَاَنْتَ الخ جواب شرط ہے اور اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر رکھا گیا ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے اور معنی (آیت) کے یہ ہیں کہ آپ اس کی ہدایت پر قادر نہیں ہیں کہ اس کو آگ سے چھڑا سکیں، ہاں جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے بایں طور کہ اس کی اطاعت کی ان کے لئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر بھی بالا خانے ہیں جو بنے بنائے تیار ہیں، (اور) ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یعنی فوقانی اور تحتانی بالا خانوں کے نیچے (نہریں جاری ہیں) یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے (وَعْدَ اللّٰهِ) اپنے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا کیا آپ نے اس بات پر نظر نہیں کی؟ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے سوتوں میں یعنی چشموں کی جگہ داخل کر دیتا ہے پھر اس کے ذریعہ مختلف قسم کی کھیتیاں اگائیں پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں پھر (اے مخاطب) تو اس کو سبزی کے بعد مثلاً زرد دیکھتا ہے پھر وہ اس کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اس میں عقلمندوں کے لئے بڑی نصیحت ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں اس کے خدا کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرنے کی وجہ سے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: بِاَنْ تُطِيعُوهُ یہ تقویٰ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُهُ: للذين اَحْسَنُوا فى هٰذه الدنيا جملہ ہو کر خبر مقدم ہے، اور حَسَنَةٌ مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلُهُ: اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ مبتدا خبر ہیں۔

قَوْلُهُ: فِيْهِ تَهْدِيْد لَهُمْ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فَاعْبُدُوْا امر تہدید یعنی دھمکی کے لئے ہے نہ کہ طلب فعل کے لئے۔

قَوْلُهُ: لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ لهم خبر مقدم ہے مِنْ فوقهم حال ہے ظُلَلٌ مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلُهُ: طباق اى قِطَعٌ كبار، بڑے بڑے ٹکڑے، آگ کے بڑے بڑے شعلوں پر ظُلَلٌ کا اطلاق تہکم کے طور پر ہے، ورنہ تو آگ کے شعلوں میں سایہ کا سوال ہی نہیں ہے ظُلَلٌ ظُلَّةٌ کی جمع ہے بمعنی سائبان۔

قَوْلُهُ: مِن تحتِهِمْ ظُلَلٌ.

سُوَال: سائبان کا فوق ہونا تو سمجھ میں آتا ہے، مگر سائبان کا نیچے ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔

جَوَاب: اس کی صورت یہ ہوگی اگر بالائی طبقہ کے لئے فرش ہوگا تو اس سے نیچے والے طبقہ کے لئے سائبان ہوگا، جیسے کثیر المنزلہ عمارت میں درمیانی چھت ایک فریق کے لئے فرش ہوتی ہے تو دوسرے فریق کے لئے چھت ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: ذٰلِكَ تَخْوِيفٌ ای ذکر احوال اهل النار تخويف المؤمنين، ذلك کا مرجع ذکر احوال اهل النار ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْاَوْثَان طاغوت کی چند تفاسیر میں سے یہ ایک ہے، بعض نے طاغوت سے شیطان مراد لیا ہے، بعض نے ہر وہ معبود مراد لیا ہے جس کی اللہ کے علاوہ بندگی کی گئی ہو۔

قَوْلُہٗ: اقيم فيه الظاهر مقام المضمر یعنی مَنْ فی النَّارِ اسم ضمیر کی جگہ میں ہے اور ایسا زیادتی شناعت کو بیان کرنے کے لئے کیا گیا ہے تاکہ ان کا اہل نار میں سے ہونا واضح ہوجائے، ورنہ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُهٗ کافی تھا، اَفَاَنْتَ میں ہمزہ انکار کے لئے ہے اَفَاَنْتَ، فَمَنْ حَقَّ عليهِ کا جواب ہے، ہمزہ کا اعادہ انکار کی تاکید کے لئے۔

قَوْلُہٗ: لَهُمْ غُرَفٌ من فوقها غُرَف اہل جنت کے بارے میں یہ قول مقابلہ میں ہے اہل نار کے لئے اللہ تعالیٰ کے قول لَهُمْ من فوقهم ظُلَلٌ من النار ومن تحتهم ظُلَلٌ کے۔

قَوْلُہٗ: بفعله المقدر اس کی تقدیر ہے وَعَدَهُمُ اللّٰه وعدًا، وعدًا کا فعل ناصب وَعَدَ فعل محذوف ہے۔

تفسیر و تشریح

وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اس سے پہلے جملے میں اعمال صالحہ کا حکم ہے، اس میں کوئی یہ عذر کرسکتا تھا کہ میں جس شہر یا علاقہ یا ملک میں رہتا ہوں، وہاں کے حالات دینی اعمال اور اسلامی شعار کی ادائیگی کے لئے سازگار نہیں، جس کی وجہ سے میں اعمال صالحہ نہیں کرسکتا، اس کا جواب اس جملہ میں دیدیا گیا کہ اگر کسی خاص ملک وشہر یا علاقہ میں رہتے ہوئے احکام شرعیہ کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس کو چھوڑ دو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، کسی ایسے ملک یا علاقہ میں جا کر رہو جو اطاعت احکام الٰہیہ کے لئے سازگار ہو، اس میں ایسی جگہ سے ہجرت کرنے کی ترغیب ہے۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ (الآية) ایمان وتقویٰ اور ہجرت کی راہ میں مشکلات ناگزیر اور شہوات ولذت نفس کی قربانی بھی لابدی ہے، جس کے لئے صبر کی ضرورت ہے، اس لئے صابرین کی فضیلت بھی بیان کردی گئی ہے، کہ ان کو ان کے صبر کے بدلے میں اس طرح پورا پورا اجر دیا جائے گا، کہ اسے حساب کے پیمانوں سے ناپنا ممکن نہیں ہوگا یعنی اس کا اجر غیر متناہی ہوگا، صبر کی یہ وہ عظیم فضیلت ہے جس کی ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہئے۔

حضرت قتادہ رَضِحَالِلّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے فرمایا کہ حضرت انس رَضِحَالِلّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز میزان عدل قائم کی جائے گی، اہل صدقہ آئیں گے تو ان کے صدقات کو تول کر اس کے حساب

سے پورا پورا اجر دلایا جائے گا، اسی طرح نماز حج وغیرہ عبادتوں کو تول کر حساب سے ان کا اجر پورا دیدیا جائے گا، پھر جب بلاء اور مصیبتوں پر صبر کرنے والے آئیں گے تو کوئی کیل اور وزن نہیں ہوگا، بلکہ بغیر حساب و اندازے کے ان کی طرف اجر وثواب بہادیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنّما یوفّی الصابرون اجرھم بغیر حساب حتی کہ وہ لوگ جن کی دنیوی زندگی عافیت میں گذری ہوگی تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش ہمارے جسم دنیا میں قینچیوں کے ذریعہ کاٹے گئے ہوتے تو ہمیں بھی صبر کا ایسا ہی صلہ ملتا۔

حضرت امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس آیت میں ''صابرین'' سے وہ لوگ مراد لئے ہیں جو دنیا کے مصائب اور آلام پر صبر کرنے والے ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صابرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو معاصی سے اپنے نفس کو روکیں، مفسر قرطبی فرماتے ہیں کہ لفظ صابر جب بغیر کسی دوسرے لفظ کے بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کو گناہوں سے باز رکھنے کی مشقت پر صبر کرے، اور مصیبت پر صبر کرنے والے کے لئے صابر علیٰ کذا بولا جاتا ہے یعنی فلاں مصیبت پر صبر کرنے والا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فَسَلَکَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ یَنَابِیْعٌ، یَنْبُوْعٌ کی جمع ہے، زمین سے ابلنے والے چشمے یعنی بارش کے ذریعہ پانی آسمان سے اترتا ہے پھر وہ زمین میں جذب ہوجاتا ہے، پھر چشموں کی شکل میں نکلتا ہے یا تالابوں اور نہروں اور پہاڑوں پر برف کی شکل میں جمع ہوجاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ پانی کو محفوظ کرنے کا اس طرح نظام نہ کرتا تو انسان اس سے صرف بارش کے وقت یا اس کے متصل چند روز تک فائدہ اٹھا سکتا تھا، حالانکہ پانی پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے اور پانی ایسی ضرورت ہے کہ اس سے ایک دن بھی مستغنی نہیں رہ سکتا، اس لئے حق تعالیٰ نے اس نعمت کے صرف نازل کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے محفوظ کرنے کے عجیب عجیب سامان فرمادیئے، کچھ زمین کے گڑھوں، تالابوں، حوضوں میں محفوظ ہوجاتا ہے، اور بہت بڑا ذخیرہ برف کی شکل میں پہاڑوں پر لاد دیا جاتا ہے، جس سے اس کے سڑنے اور خراب ہونے کا بھی امکان نہیں رہتا پھر وہ برف آہستہ آہستہ پگھل کر پہاڑوں کی رگوں کے ذریعہ زمین میں اتر جاتا ہے، اور جابجا ابلنے والے چشموں کی شکل میں ابلنے لگتا ہے، اور ندیوں کی شکل میں زمین پر بہنے لگتا ہے، اور زیر زمین ذخیرہ ہوجاتا ہے جس کو کنواں کھود کر اور دیگر طریقوں سے نکالا جاتا ہے۔

یعنی اس پانی سے جو ایک ہوتا ہے، انواع واقسام کی چیزیں پیدا فرماتا ہے جن کا رنگ، ذائقہ، خوشبو ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، یہ بھی خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے عظیم نشانی ہے پھر وہ کھیتیاں شادابی اور تروتازگی کے بعد سوکھ کر زرد ہوتی ہیں، اور شکست وریخت کا شکار ہوکر ریزہ ریزہ ہوجاتی ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ یعنی اہل دانش اس سے سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا کی مثال بھی اسی طرح ہے وہ بھی بہت جلد زوال وفنا سے ہمکنار ہوجائے گی، اس کی رونق وبہجت، اس کی شادابی اور زینت اور اس کی لذتیں اور آسائشیں عارضی

اور وقتی ہیں، جن سے انسان کو دل نہیں لگانا چاہئے، بلکہ اس موت کی تیاری میں مشغول رہنا چاہئے جس کے بعد کی زندگی دائمی اور لافانی ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَاهْتَدٰى فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ كَمَنْ طُبِعَ عَلٰى قَلْبِهٖ دَلَّ عَلٰى هٰذَا فَوَيْلٌ كَلِمَةُ عَذَابٍ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَيْ عَنْ قَبُوْلِ الْقُرْاٰنِ اُولٰۗئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ بَيِّنٍ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا بَدَلٌ مِنْ اَحْسَنَ اَيْ قُرْاٰنًا مُّتَشَابِهًا اَيْ يُشْبِهُ بَعْضُهٗ بَعْضًا فِي النَّظْمِ وَغَيْرِهٖ مَّثَانِيَ ثُنِّيَ فِيْهِ الْوَعْدُ وَالْوَعِيْدُ وَغَيْرُهُمَا تَقْشَعِرُّ مِنْهُ تَرْتَعِدُ عِنْدَ ذِكْرِ وَعِيْدِهٖ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ تَطْمَئِنُّ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَيْ عِنْدَ ذِكْرِ وَعْدِهٖ ذٰلِكَ اَيِ الْكِتَابُ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ يَلْقٰى بِوَجْهِهٖ سُوْۗءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَيْ اَشَدَّهٗ بِاَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ مَغْلُوْلَةً يَدَاهُ اِلٰى عُنُقِهٖ كَمَنْ اٰمِنَ مِنْهُ بِدُخُوْلِ الْجَنَّةِ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ اَيْ كُفَّارِ مَكَّةَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَيْ جَزَاءَهٗ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ رُسُلَهُمْ فِيْ اِتْيَانِ الْعَذَابِ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ مِنْ جِهَةٍ لَا يَخْطُرُ بِبَالِهِمْ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ الذُّلَّ وَالْهَوَانَ مِنَ الْمَسْخِ وَالْقَتْلِ وَغَيْرِهِمَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا اَيِ الْمُكَذِّبُوْنَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ عَذَابَهَا مَا كَذَّبُوْا وَلَقَدْ ضَرَبْنَا جَعَلْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَتَّعِظُوْنَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ اَيْ لَبْسٍ وَاخْتِلَافٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ الْكُفْرَ ضَرَبَ اللّٰهُ لِلْمُشْرِكِ وَالْمُوَحِّدِ مَثَلًا رَّجُلًا بَدَلٌ مِنْ مَثَلًا فِيْهِ شُرَكَاۗءُ مُتَشٰكِسُوْنَ مُتَنَازِعُوْنَ سَيِّئَةٌ اَخْلَاقُهُمْ وَرَجُلًا سَلَمًا خَالِصًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ تَمْيِيْزٌ اَيْ لَا يَسْتَوِي الْعَبْدُ لِجَمَاعَةٍ وَالْعَبْدُ لِوَاحِدٍ فَاِنَّ الْاَوَّلَ اِذَا طَلَبَ مِنْهُ كُلٌّ مِنْ مَالِكِيْهِ خِدْمَتَهٗ فِيْ وَقْتٍ وَاحِدٍ تَحَيَّرَ مَنْ يَخْدِمُهٗ مِنْهُمْ وَهٰذَا مَثَلٌ لِلْمُشْرِكِ وَالثَّانِيْ مَثَلٌ لِلْمُوَحِّدِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ وَحْدَهٗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ اَهْلُ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ مَا يَصِيْرُوْنَ اِلَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيُشْرِكُوْنَ اِنَّكَ خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ سَتَمُوْتُ وَيَمُوْتُوْنَ فَلَا شَمَاتَةَ بِالْمَوْتِ نَزَلَتْ لَمَّا اسْتَبْطَأُوْا مَوْتَهٗ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ فِيْمَا بَيْنَكُمْ مِنَ الْمَظَالِمِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: بھلا جس شخص کا سینہ خدا نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو جس کی وجہ سے وہ ہدایت پا گیا پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو تو کیا وہ اس شخص کے مانند ہوسکتا ہے کہ جس کے قلب پر مہر لگادی گئی ہو بربادی ہے ان

لوگوں کے لئے جن کے دل خدا کی یاد سے یعنی قبول قرآن سے غافل ہو رہے ہیں حذف خبر پر ویلٌ دلالت کر رہا ہے، ویلٌ کلمۂ عذاب ہے، یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے وہ ایسی کتاب ہے یعنی قرآن جو آپس میں ملتی جلتی ہے، کتابًا احسنَ الحدیث سے بدل ہے یعنی بعض بعض سے مشابہ ہے الفاظ وغیرہ میں اس میں وعدہ وعید وغیرہ کو بار بار دہرایا گیا ہے، جس سے ان لوگوں کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں (کانپنے لگتے ہیں) جب اس کی وعید ذکر کی جاتی ہے، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں آخرکار ان کے جسم اور دل اس کے وعدہ کے ذکر کے وقت نرم (مطمئن) ہو جاتے ہیں یہ کتاب اللہ کی ہدایت ہے اس کے ذریعہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں بھلا وہ شخص جو قیامت کے دن اپنے چہرے کو بدترین عذاب کے لئے (سپر) ڈھال بنائے گا، یعنی شدید ترین عذاب کے لئے اس طریقہ پر کہ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں باندھ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا، اس شخص جیسا ہو سکتا ہے، جو نار جہنم سے جنت میں داخل ہونے کی وجہ سے محفوظ رہا؟ ظالموں یعنی کفار مکہ سے کہا جائے گا، اپنے کئے کا (مزا) یعنی اس کی سزا چکھو عذاب آنے کے بارے میں ان سے پہلے والوں نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا سو ان پر عذاب ایسے طور پر آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا یعنی ایسی جہت سے آیا کہ ان کے دل میں وہم و گمان بھی نہیں تھا سو اللہ نے ان کو دنیوی زندگی میں ذلت و رسوائی کا عذاب چکھا دیا وہ مسخ اور قتل وغیرہ ہے اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا ہے کاش یہ تکذیب کرنے والے اس کے عذاب کو سمجھ جاتے تو تکذیب نہ کرتے اور یقیناً ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں، حال یہ کہ قرآن عربی ہے یہ حال مؤکدہ ہے اس میں کسی قسم کی کجی التباس و اختلاف نہیں تاکہ یہ لوگ کفر سے بچیں اللہ تعالیٰ نے مشرک اور موحد کی ایک مثال بیان فرمائی (وہ یہ کہ) ایک شخص (غلام) ہے رجلًا، مثلًا سے بدل ہے جس میں بداخلاق، جھگڑالو قسم کے چند لوگ شریک ہیں اور دوسرا وہ شخص (غلام) ہے جو خالص ایک ہی شخص کا (غلام) ہے (تو) کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہے؟ مثلًا تمیز ہے یعنی پوری جماعت کا غلام اور ایک شخص کا غلام برابر نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ اول سے جب اس کا ہر مالک ایک ہی وقت میں خدمت طلب کرے گا، تو وہ (غلام) حیران رہ جائے گا، کہ ان میں سے کس کی خدمت کرے یہ مثال مشرک کی ہے، اور دوسری مثال موحد کی ہے اللہ وحدہ کے لئے سب تعریفیں ہیں بات یہ ہے کہ اہل مکہ میں سے اکثر لوگ اس عذاب کو جانتے ہی نہیں ہیں جس کی طرف وہ جا رہے ہیں (اسی عدم علم) کی وجہ سے شرک کر بیٹھتے ہیں یقیناً آپ کو بھی موت آئے گی اور وہ بھی مرنے والے ہیں (یہ آپ ﷺ کو خطاب ہے) لہٰذا (کسی کی) موت پر خوشی کی کوئی بات نہیں، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ (اہل مکہ) آپ ﷺ کی موت کا انتظار کرنے لگے، پھر تم یقیناً سب کے سب اے لوگو! آپس میں حقوق کے بارے میں قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑو گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

ربط آیات:

قِوْلُہٗ: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلإسْلامِ یہ کلام مستانف ہے، ماقبل میں مذکور فی ذٰلك لذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَاب کے لئے بمنزلہ علت کے ہے یعنی ذِکْرٰی کو اولی الالباب کے ساتھ خاص کرنے کی علت کے قائم مقام ہے، مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی برسنے کے بعد پانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے کیسے کیسے عجیب وغریب تغیرات ظاہر فرماتے ہیں، ان کو دیکھ کر عقلمندوں ہی کو اسلام کے لئے شرح صدر ہوتا ہے اور یہی شرح صدر عقلمندوں کے لئے قبول ذکر کا سبب ہوتا ہے (اعراب القرآن ترمیماً) ہمزہ استفہام انکاری ہے اور فاء عاطفہ ہے معطوف مقدر ہے، ای أَکُلُّ النَّاسِ سَوَاء، مَنْ موصولہ ہے اس کے بعد پورا جملہ صلہ ہے، موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتداء اس کی خبر محذوف ہے، جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر فرمادیا ہے کَمَنْ طُبِعَ عَلٰی قَلْبِهٖ اور اس حذف خبر پر فَوَیْلٌ لِلْقَاسِیَة دلالت کر رہا ہے، اور بعض حضرات نے مَنْ کو شرطیہ بھی کہا ہے اور بعد والا جملہ اس کی جزاء ہے۔

قِوْلُہٗ: عَنْ ذِکْرِ قُبُولِ القرآنِ اس عبارت سے علامہ محلی کا مقصد دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا ہے اول یہ کہ مِنْ بمعنی عن ہے، اور یہ کہ کلام میں مضاف محذوف ہے عن ذکر اللّٰہ ای عن قبول ذکر اللّٰہ اور یہ بھی صحیح ہے کہ مِنْ اپنے باب پر ہو اور تعلیل کے لئے ہو ای قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ مِنْ اَجَلِ ذکرِ اللّٰهِ لِفَسَادِ قلوبِهِم وخُسرانِها.

قِوْلُہٗ: مَثَانِی یہ مَثْنٰی کی جمع ہے مگر یہ مفرد کی بھی صفت واقع ہوسکتا ہے، جیسا کہ یہاں کتاب کی صفت واقع ہے، کتاب گو مفرد ہے مگر بہت سی تفاصیل کو جامع ہونے کی وجہ سے ایک مجموعہ کا نام ہے، لہٰذا اس کی صفت جمع لائی جاسکتی ہے، اس کی نظیر عرب کا یہ قول ہے الإنسانُ عُرُوْقٌ وعِظامٌ واعْصابٌ.

قِوْلُہٗ: وغیرهما كالقصص والاحکام.

قِوْلُہٗ: تَقْشَعِرُّ منه عندَ ذکرِ وعیدِهٖ شارح نے اشارہ کر دیا کہ مِنْ بمعنی عِنْدَ ہے تقشعرُّ ای تَرْتَعِدُ وتَضْطَرِبُ (وبالفارسیۃ) لرزیدن، کانپنا، اس کا مصدر اقشِعرار ہے (بالفارسیۃ) موئے برتن خاستن یقال اِقْشَعَرَّ الشَّعْرُ ای قام وانتصبَ من فزعٍ اوبردٍ خوف یا سردی کی وجہ سے رونگٹے کھڑے ہونا (لغات القرآن ترمیماً وتلخیصاً) زمخشری نے کہا ہے کہ یہ دراصل القَشْعُ ہے، خشک شدہ چمڑا، اس کو رباعی بنانے کے لئے اس کے آخر میں راء زائد کر دی تاکہ زیادتی لفظ زیادتی معنی پر دلالت کرے۔ (لغات القرآن)

قِوْلُہٗ: الی ذکر اللّٰه ای عند ذکرِ وَعْدِهٖ اس میں اشارہ ہے کہ الی بمعنی عند ہے۔

قِوْلُہٗ: ذٰلك ای الکتاب الموصوف بتلك الصفات المذکورة.

قولہ: هُدَى اللّٰهِ ای سبَبٌ فی الهُدٰی یا مبالغہ کے طور پر زیدٌ عدلٌ کے قبیل سے ہے یعنی یہ کتاب اس قدر سبب ہدایت ہے گویا کہ وہ خود ہی ہدایت ہے۔

قولہ: اَفَمَنْ یَتَّقِی ویَلْقٰی بِوَجْهِهٖ سُوْءَ العَذَاب ایک نسخہ میں یَلْقٰی کے بجائے یَقِی ہے، مَنْ موصولہ اپنے صلہ سے مل کر جملہ ہو کر مبتداء، اس کی خبر محذوف ہے، جس کو علامہ محلی نے کَمَنْ اٰمِنَ مِنْهُ کہہ کر ظاہر کر دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے چہرے کو آگ کے لئے سپر (ڈھال) بنائے، کیا وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے، جو آگ سے مامون و محفوظ ہو۔

قولہ: قِیْلَ لِلظّٰلِمِیْنَ یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے، اس کا عطف یتقی پر ہے، لِلظّٰلِمِیْنَ اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ ان کی صفت ظلم کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، ورنہ تو وقِیْلَ لَهُمْ کافی تھا۔

قولہ: ای کفار مکة کے بجائے مطلقاً کفار کہتے تو زیادہ مناسب ہوتا، اس لئے کہ یہ قول کفار مکہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

قولہ: اَیْ جزاءَهٗ اس میں اشارہ ہے مضاف محذوف ہے، ای ذوقوا جزاءَ مَا کُنْتُمْ تَکْسِبُوْنَ.

قولہ: لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ. لَوْ شرطیہ ہے کانوا فعل ناقص اس کے اندر ضمیر وہ اسم، یَعْلَمُوْنَ جملہ ہو کر کَانَ کی خبر کانَ اسم و خبر سے مل کر شرط، جواب شرط محذوف جس کو مفسر نے ما کذبوا نکال کر ظاہر کر دیا، اور عذابَهَا مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ یَعلمونَ کا مفعول محذوف ہے۔

قولہ: وَلَقَدْ ضَرَبْنَا، لَقَدْ میں لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے اور ضَرَبْنَا بمعنی بَیَّنَّا و اَوْضَحْنَا ہے۔

قولہ: قرآنًا عربیًّا، هذا القرآن کے لئے حال مؤکدہ ہے۔

قولہ: مُتَشَاکِسُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر غائب، جھگڑالو شَکِسَ یَشْکُسُ (ک) شَکَاسَةً بدخلق ہونا، قال زمخشری رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی التَّشَاکُس والتَّشَاخُسُ ای الاختلاف.

قولہ: هَلْ یَسْتَوِیَانِ، مثلاً تمیزٌ، مثلاً تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہے تقدیر عبارت یہ ہے ای لایَسْتوی مثلُهما و صِفَتُهمَا.

قولہ: مَیِّتٌ قُرّاء نے کہا ہے یاء کی تشدید کے ساتھ وہ شخص جو ابھی مرا نہ ہو اور عنقریب مرنے والا ہو اور مَیْتٌ (ی) کی تخفیف کے ساتھ مردہ، بعض حضرات نے کہا ہے کہ دونوں کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (الآیة) شرحٌ کے لغوی معنی کھولنے اور پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں، شرح صدر کا مطلب ہے وسعت قلب یعنی قلب میں قبول حق کی استعداد و صلاحیت کا پیدا ہو جانا کیا وہ شخص کہ جس میں قبول حق اور کار خیر پر عمل کرنے کی استعداد و صلاحیت پیدا ہو گئی، اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا دل اسلام کے لئے سخت اور سینہ تنگ ہو، اور گمراہی کی

تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو، شرح صدر کے بالمقابل ضیق قلب ہے، جیسا کہ اسی آیت میں قاسیة کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ سے دریافت کیا کہ شرح صدر کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا جب نور ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے، جس سے احکام الٰہیہ کا سمجھنا اور عمل کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے ہم نے دریافت کیا، یارسول اللہ اس (شرح صدر) کی علامت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

الإنابةُ الی دار الخلود والتجافی عن دار الغرور والتأهبُ للموت قبل نزول الموت.

(رواه الحاکم، فی المستدرك والبیهقی فی شعب الایمان، مظهری)

''ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا اور دھوکے کے گھر یعنی دنیا کے (لذائذ اور زینت) سے دور رہنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا''۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ (الآیة) اس آیت کو حرف استفہام سے شروع فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا ایسا شخص جس کا دل اسلام کے لئے کھول دیا گیا ہو اور وہ اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے نور پر ہو (یعنی اس کی روشنی میں سب کام کرتا ہو) اور وہ آدمی جو تنگ دل اور سخت دل ہو کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ اس کے بالمقابل سخت دل کا ذکر اگلی آیت میں ویل سے کیا گیا ہے فَوَیْلٌ لِلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ، قاسِیَةٌ، قساوةٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں سخت دل ہونا، جس کو کسی پر رحم نہ آئے اور جو اللہ کے ذکر اور اس کے احکام سے کوئی اثر قبول نہ کرے۔ (معارف)

اللّٰہ نَزَّلَ اَحْسَنَ الحدیث کتابًا متشابهًا (الآیة) اس سے پہلی آیت میں اللہ کے مقبول بندوں کی کیفیت میں بیان کیا گیا تھا کہ یَسْتَمِعُوْنَ القولَ فیتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ پورا قرآن ہی احسن الحدیث ہے، لغت میں حدیث اس کلام یا قصہ کو کہتے ہیں جس کو بیان کیا جاتا ہے، قرآن کو احسن الحدیث کہنے کا حاصل یہ ہے کہ انسان جو کچھ کہتا بولتا ہے اس سب میں قرآن احسن الکلام ہے، یہ مطلب نہیں کہ قرآن کا کچھ حصہ احسن اور کچھ غیر احسن ہے، جیسا کہ یتبعُوْنَ احسنَهٗ سے شبہ ہوتا ہے، آگے قرآن کی چند صفات ذکر فرمائی ہیں: ① پہلی صفت مُتَشَابِهًا ہے، تشابہ سے یہاں مراد متماثل ہے، یعنی مضامین قرآن ایک دوسرے سے مربوط و مماثل ہیں کہ ایک آیت کی تصدیق و تشریح دوسری آیت سے ہو جاتی ہے، اس کلام میں تضاد و تعارض کا نام نہیں ہے ② دوسری صفت مثانی ہے جو مثنیٰ کی جمع ہے، جس کے معنی مکرر کے ہیں یعنی وعد، وعید بعض مضامین کو ذہن میں مستحضر کرنے کے لئے بار بار دہرایا جاتا ہے ③ تیسری صفت۔

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (الآیة) یعنی اللہ کی عظمت سے متأثر ہو کر ایسے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے ④ چوتھی صفت ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ (الآیة) یعنی تلاوت قرآن کا کبھی اثر یہ ہوتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی مغفرت اور رحمت خداوندی کی آیات سن کر

یہ حال ہوتا ہے کہ بدن اور قلب سب اللہ کی یاد میں نرم ہوجاتے ہیں۔ (قرطبی، معارف)

حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس بندے کے بدن پر اللہ کے خوف سے بال کھڑے ہوجائیں تو اللہ اس کے بدن کو آگ پر حرام کردیتے ہیں۔ (قرطبی)

جب اللہ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کی امید ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے تو ان کے اندر سوز و گداز پیدا ہوجاتا ہے اور وہ اللہ کے ذکر میں مصروف ہوجاتے ہیں، حضرت قتادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ اس میں اولیاء اللہ کی صفت بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے خوف سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں، اور ان کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان نصیب ہوتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ وہ مدہوش اور حواس باختہ ہوجائیں اور عقل و ہوش باقی نہ رہے کیونکہ یہ بدعتیوں کا طریقہ ہے، اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْھِہٖ اس میں جہنم کی سخت ہولناکی کا بیان ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کافروں کو دست و پابستہ جہنم کی طرف لیجائیں گے اور اس میں پھینک دیں گے، اور سب سے پہلے آگ اس کے چہرے کو مس کرے گی، انسان کی عادت دنیا میں یہ ہے کہ اگر کوئی تکلیف کی چیز چہرے کے سامنے آجائے تو اپنے ہاتھوں سے اسے دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے، مگر خدا کی پناہ، جہنمیوں کو ہاتھوں سے مدافعت بھی نصیب نہ ہوگی، اس لئے کہ ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے، ان پر جو عذاب آئے گا وہ براہ راست چہروں پر پڑے گا، وہ اگر مدافعت بھی کرنا چاہیں گے تو چہروں ہی کو آگے کرنا ہوگا۔ (قرطبی، معارف)

ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ اِنَّکُمْ میں مومن اور کافر اور مسلمان، ظالم اور مظلوم سب داخل ہیں، یہ سب اپنے اپنے مقدمات اپنے رب کی عدالت میں پیش کریں گے، اور اللہ تعالیٰ ظالم سے مظلوم کا حق دلوائیں گے، اور حقوق کی ادائیگی کی صورت وہ ہوگی جو صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت سے آئی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا حق ہے اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو معاف کرا کر فارغ ہوجائے، اس لئے کہ آخرت میں درہم و دینار تو ہوں گے نہیں، اگر ظالم کے پاس کچھ اعمال صالحہ ہوں گے، تو بمقدار ظلم یہ اعمال اس سے لیکر مظلوم کو دیدیئے جائیں گے، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سے سوال فرمایا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو مفلس اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس نہ کوئی نقد رقم ہو اور نہ ضروریات کا سامان ہو، آپ نے فرمایا: اصلی اور حقیقی مفلس میری امت میں وہ شخص ہے جو قیامت میں بہت سے نیک اعمال، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ لے کر آئے گا، مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال ناجائز طور پر کھایا ہوگا یا کسی کو قتل کیا ہوگا، کسی کو مار پیٹ سے ستایا ہوگا، یہ سب مظلوم اللہ کے سامنے اپنے

اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے اور اس ظالم کی نیکیاں مظلوموں میں تقسیم کردی جائیں گی، پھر جب اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں گی اور حقوق باقی رہ جائیں گے تو مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

ظالم کے تمام نیک اعمال حقوق کے عوض دیدیئے جائیں گے مگر ایمان نہیں دیا جائے گا:

تفسیر مظہری میں مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مظلوموں کے حقوق میں ظالموں کے نیک اعمال دیئے کا جو ذکر آیا ہے اس کی مراد ایمان کے علاوہ دیگر اعمال ہیں، اس لئے کہ جتنے مظالم ہیں وہ سب عملی گناہ ہیں کفر نہیں ہیں، اور عملی گناہ کی سزا محدود ہوگی، بخلاف ایمان کے کہ وہ غیر محدود عمل ہے اس کی جزاء بھی غیر محدود یعنی ہمیشہ جنت میں رہنا ہے، اگرچہ وہ ابتداءً کچھ سزا بھگتنے کے بعد ہو۔

فَمَنْ ای لا احد اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ بنسبة الشريك والولد اليه وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ بالقران اِذْ جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى مأوى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ بلى وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ هو النبي صلى الله عليه وسلم وَصَدَّقَ بِهٖٓ هم المؤمنون فالذى بمعنى الذين اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ الشرك لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لانفسهم بايمانهم لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ اسوأ واحسن بمعنى السيئ والحسن اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ اى النبي صلى الله عليه وسلم بلى وَيُخَوِّفُوْنَكَ الخطاب له بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ اى الاصنام ان تقتله او تخبله وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ غالب على امره ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ من اعدائه بلى وَلَىِٕنْ لام قسم سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ تعبدون مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى الاصنام اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ لا اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۭ لا وفي قراءة بالاضافة فيهما قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ يثق الواثقون قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ حالتكم اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ على حالتى فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ موصولة مفعول العلم يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ ينزل عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ دائم هو عذاب النار وقد اخزاهم الله ببدر اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ متعلق بانزل فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ اهتداؤه وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ فتجبرهم على الهدى

ترجمہ: اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں جو اللہ پر (یعنی) اس کی طرف شرک اور ولد کی نسبت کرے

جھوٹ باندھے اور سچ یعنی قرآن جب اس کے پاس آئے تو اس کو جھٹلائے کیا ایسے کافروں کا جہنم ٹھکانہ نہیں ہے ہاں کیوں نہیں؟ اور جو شخص سچی بات لایا اور وہ نبی ﷺ ہیں اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہ مومن ہیں الّذی، اَلَّذِیْنَ کے معنی میں ہے یہی ہیں شرک سے بچنے والے لوگ ان کے لئے ان کے رب کے پاس (ہر) وہ چیز ہے جو وہ چاہیں گے یہ صلہ ہے ایمان کے ذریعہ اپنے اوپر احسان کرنے والوں کا تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کردے اور انہوں نے جو نیک اعمال کئے ہیں ان کا اچھا صلہ دے اَسْوَأُ اَلسَّیِّئُ اور اَحْسَنُ اَلْحَسَنُ کے معنی میں ہیں (یعنی دونوں اسم تفضیل صفت کے معنی میں ہیں) کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے یعنی محمد ﷺ کے لئے کافی نہیں ہے؟ ہاں ضرور کافی ہے اور لوگ آپ کو غیر اللہ یعنی بتوں سے ڈرا رہے ہیں، اس میں آپ ﷺ کو خطاب ہے، یہ کہ وہ بت آپ کو ہلاک کردیں گے یا پاگل بنادیں گے اور اللہ جس کو گمراہ کردے اس کی کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں اور جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا نہیں؟ ہاں کیوں نہیں؟ اور قسم ہے اگر آپ ان سے معلوم کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ لَئِنْ میں لام قسم کا ہے تو وہ یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے (پیدا کئے ہیں) آپ ان سے کہئے اچھا یہ تو بتاؤ کہ جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو یعنی بتوں کی اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ نہیں یا اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ اور ایک قراءت میں دونوں میں اضافت کے ساتھ ہے (یعنی کاشفات اور ممسکات) میں آپ کہہ دیں کہ اللہ میرے لئے کافی ہے توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں (یعنی) بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے، اے میری قوم تم اپنی جگہ یعنی اپنے طریقہ پر عمل کئے جاؤ میں بھی اپنے طریقہ پر عمل کر رہا ہوں، سو عنقریب تم کو معلوم ہوجائے گا کہ کس پر رسوا کن عذاب آنے والا ہے مَنْ موصولہ تعلمون کا مفعول ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوگا؟ (اور) وہ دوزخ کا عذاب ہے، اور بلاشبہ اللہ نے ان کو بدر میں ذلیل کردیا، آپ پر ہم نے حق کے ساتھ لوگوں کے لئے یہ کتاب نازل فرمائی ہے بالحق، اَنْزَلَ کے متعلق ہے، پس جو شخص راہِ راست پر آجائے تو اس کے ہدایت پر آنے کا فائدہ اسی کے لئے ہے اور جو شخص گمراہ ہوجائے تو اس کی گمراہی کا (وبال) اسی پر ہے، آپ ان کے ذمہ دار نہیں کہ ان کو زبردستی ہدایت پر لے آئیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: فَمَنْ اَظْلَمُ؟ ای لا اَحَدَ اس تفسیر کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ فَمَنْ اَظْلَمُ میں استفہام انکاری بمعنی نفی ہے۔

قَوْلُہٗ: کَذَّبَ بالصدق مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے صدق سے قرآن مراد لیا ہے اور قرآن کو جو کہ صادق ہے، مبالغۃً صدق کہا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بلٰی مفسر علام نے بلٰی کا اضافہ سنت کی اتباع میں کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا مَنْ قَرَأَ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ، فَلْيَقل بلٰى لِهٰذا أَلَيْسَ كذا؟ (مثلاً) کی تلاوت کے وقت بلٰی کہنا مسنون ہے۔ (حاشیہ جلالین)

قَوْلُہٗ: الذی جاءَ بِالصِّدقِ، الَّذِی موصول کے دو صلے ہیں ایک واحد ہے اور وہ جاء بالصدق محمد ﷺ ہیں اور دوسرا صدّقَ بہٖ المؤمنون ہے جو کہ جمع ہے اول صلہ کی رعایت سے الَّذِیْ کو مفرد لایا گیا اور دوسرے صلہ کی رعایت سے الَّذی کو الَّذِیْنَ کے معنی میں لیا گیا، دوسرے صلہ ہی کی رعایت سے اُولٰٓئِكَ هُمُ المتقونَ میں جمع کے صیغے لائے گئے ہیں، الَّذِیْ چونکہ اسم جنس ہے، لہٰذا اس میں واحد و جمع دونوں کی گنجائش ہے۔

قَوْلُہٗ: اَسْوَأ و اَحْسَنَ السَّيِّئَ، وَالْحَسَنَ کے معنی میں ہیں، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تصدیق کرنے والے مومنوں کے نیک تر اعمال کا صلہ عطا فرمائیں گے اور بدتر اعمال کو معاف فرمائیں گے، اس میں نیک اعمال اور بد اعمال کا ذکر نہیں ہے، مفسر علام نے مذکورہ عبارت کا اضافہ کر کے جواب دیدیا کہ اسم تفضیل اپنے معنی میں نہیں ہے بلکہ اسم فاعل کے معنی میں ہے لہٰذا اب نیک اور نیک تر اسی طرح بد اور بدتر دونوں قسم کے اعمال اس میں داخل ہو گئے۔

قَوْلُہٗ: تَخْبُلُهٗ (ن) خَبْلًا عقل کو فاسد کرنا، پاگل بنانا، تَخْبِیْل کے بھی یہی معنی ہیں۔

قَوْلُہٗ: وفی قراءةٍ بالإضافةِ یہ دونوں قراءتیں سبعیہ ہیں، اگر اضافت کے ساتھ پڑھیں گے تو کاشِفَاتُ ضُرِّہٖ اور مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِہٖ پڑھا جائے گا۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ (الآیة) اللہ پر بہتان لگانے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے لئے اولاد ہونے کا دعویٰ کرے یا اس کا شریک ثابت کرے یا اس کی بیوی ہونے کا عقیدہ رکھے، حالانکہ وہ ان تمام نقائص سے پاک اور بری ہے، كَذَّبَ بِالصِّدقِ اور جاءَ بالصدقِ میں صدق سے مراد وہ تعلیمات ہیں جن کو نبی کریم ﷺ لے کر آئے خواہ قرآن ہو یا عقائد و احکام، جس میں عقیدۂ توحید بھی شامل ہے، اور عقیدۂ بعث و نشر بھی، اور صَدَّقَ بہٖ میں سب مومنین داخل ہیں جو اس کی تصدیق کرنے والے ہیں نیز جاء بالصدق میں کافروں کے لئے وعیدیں اور مومنین کے لئے خوشخبری بھی داخل ہیں۔

اذ جَاءَہٗ سے آنحضرت ﷺ مراد ہیں جو سچا دین لیکر آئے، اور بعض کے نزدیک یہ عام ہے اور اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو توحید کی دعوت دیتا ہو اور لوگوں کی شریعت کی جانب رہنمائی کرتا ہو، اور وَصَدَّقَ بِہٖ سے بعض حضرات نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد لئے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی۔ (فتح القدیر)
مجاہد نے کہا ہے الذی جاءَ بالصدق سے مراد نبی ﷺ ہیں اور وصدّق بہٖ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب مراد ہیں، اور سدّی نے کہا: الذی جاء بالصدق سے مراد جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام ہیں اور وصدق بہٖ سے

آپ ﷺ مراد ہیں، اور قتادہ ومقاتل وابن زید نے کہا ہے کہ الَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ سے نبی ﷺ مراد ہیں اور وَصَدَّقَ بِهِ سے مومنین مراد ہیں۔

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ جمہور نے عبده کو مفرد پڑھا ہے اور حمزہ وکسائی نے جمع کے صیغہ کے ساتھ عِبَادَهٗ پڑھا ہے، پہلی صورت میں عبده سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں اور اگر عبد سے جنس عبد مراد لی جائے تو آنحضرت ﷺ تو دخول اولی کے طور پر داخل ہوں مگر دیگر حضرات انبیاء وصلحاء وعلماء بھی مراد ہو سکتے ہیں، دوسری قراءت کی صورت میں جمیع انبیاء یا جمیع مومنین یا دونوں فریق مراد ہوں گے، ابوعبید نے جمہور کی قراءت کو اختیار کیا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

شان نزول:

اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ کفار نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو ڈرایا تھا کہ اگر آپ نے ہمارے بتوں کی بے ادبی کی تو ان بتوں کا اثر بڑا سخت ہے، اس سے آپ بچ نہ سکیں گے، اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟

اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ (الآیة) نبی کریم ﷺ کو اہل مکہ کا کفر پر اصرار بہت زیادہ گراں گذرتا تھا، اس آیت میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا کام صرف اس کتاب کو بیان کر دینا ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے، ان کی ہدایت کے آپ مکلف نہیں ہیں، اگر یہ لوگ ہدایت کا راستہ اپنالیں گے تو اس میں ان ہی کا فائدہ ہے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔

اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَ یَتَوَفّٰی الَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ ای یَتَوَفّاہا وقتَ النَّوم فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَ یُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ای وقتِ مَوْتِہا والمُرْسَلَةُ نَفْسُ التَّمییزِ تَبْقٰی بِدُوْنِہا نفسُ الحَیٰوةِ بِخِلافِ العَکْسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ المذکورِ لَاٰیٰتٍ دَلالاتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ القادرَ علی ذٰلک قادرٌ علی البَعْثِ وقُرَیْشٌ لَمْ یَتَفکَّرُوا فی ذٰلک اَمِ بل اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ای الاصنامَ اٰلِہَةً شُفَعَآءَ ؕ عِنْدَ اللّٰہِ بِزَعْمِہِم قُلْ لہم اَ یَشْفَعُوْنَ وَلَوْ كَانُوْا لَا یَمْلِكُوْنَ شَیْـًٔا مِنَ الشَّفاعةِ وغیرِہا وَّلَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اَنَّکم تَعْبُدُوْنَہم ولا غیرَ ذٰلک لا قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا ؕ ای ہو مُخْتَصٌّ بِہا فلا یَشْفَعُ اَحَدٌ اِلَّا باِذْنِہٖ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ ای دُوْنَ اٰلِہَتِہِم اشْمَاَزَّتْ نَفَرَتْ وانْقَبَضَتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ ای الاصنامُ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ بمعنی یا اللّٰہُ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مُبْدِعَہُما عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ما غابَ وما شُوہِدَ اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْ

مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٦﴾ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا ظَهَرَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿٤٧﴾ يَظُنُّوْنَ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤٨﴾ اَيِ الْعَذَابُ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الْجِنْسَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ اَعْطَيْنَاهُ نِعْمَةً اِنْعَامًا مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ ۭ مِنَ اللّٰهِ بِاَنِّيْ لَهُ اَهْلٌ بَلْ هِىَ اَيِ الْقَوْلَةُ فِتْنَةٌ بَلِيَّةٌ يُبْتَلٰى بِهَا الْعَبْدُ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٩﴾ اَنَّ التَّخْوِيْلَ اِسْتِدْرَاجٌ وَامْتِحَانٌ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْاُمَمِ كَقَارُوْنَ وَقَوْمِهِ الرَّاضِيْنَ بِهَا فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۭ اَيْ جَزَاؤُهَا وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَيْ قُرَيْشٍ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥١﴾ بِفَائِتِيْنَ عَذَابَنَا فَقُحِطُوْا سَبْعَ سِنِيْنَ ثُمَّ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ ۭ يُضَيِّقُهُ لِمَنْ يَّشَاءُ اِبْتِلَاءً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾

ترجمہ: اللہ ہی قبض کرتا ہے روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی ہے انہیں ان کی نیند میں قبض کرلیتا ہے، یعنی ان کو نیند میں قبض کرلیتا ہے، پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے یعنی ان کی موت کے وقت تک، اور چھوڑی ہوئی روحِ تمیز ہے جس کے بغیر روح حیات باقی رہ سکتی ہے، اس کا عکس ممکن نہیں یقیناً ان مذکورہ باتوں میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں لہٰذا اس بات کو سمجھ لیں گے کہ جو ذات اس پر قادر ہے وہ بعث (بعد الموت) پر بھی قادر ہے، اور قریش نے اس معاملہ میں غور وفکر نہیں کیا، بلکہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں یعنی بتوں کو اپنے خیال میں اللہ کے حضور سفارشی بنا رکھا ہے، آپ ان سے دریافت کیجئے کہ کیا وہ سفارش کریں گے؟ گو وہ سفارش وغیرہ کا کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ وہ یہ سمجھتے ہوں کہ تم ان کی بندگی کرتے ہو اور نہ اس کے علاوہ کوئی بات سمجھتے ہوں، نہیں، آپ کہہ دیجئے کہ تمام سفارشوں کا مختار اللہ ہی ہے سفارش اسی کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کرسکتا زمین وآسمانوں میں اسی کی حکومت ہے پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جب ان کے معبودوں کو چھوڑ کر اللہ وحدہٗ لاشریك لہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یعنی ان کو انقباض ہونے لگتا ہے اور جب اس کو چھوڑ کر ان کے معبودوں یعنی بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ فوراً ہی خوش ہوجاتے ہیں آپ (اس طرح) دعا کیجئے کہ اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے اَللّٰھُمَّ یا اللہ کے معنی میں ہے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اس دینی معاملہ میں فیصلہ کرسکتا ہے جس میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں (یعنی) جس بارے میں یہ اختلاف کررہے ہیں آپ میری اس میں حق کی طرف رہنمائی فرمائیں اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو روئے زمین پر ہے، اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو، تو بھی

بدترین سزا کے عوض قیامت کے دن یہ سب کچھ دیدیں اور ان کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوگا جس کا انہیں گمان بھی نہیں تھا اور ان پر ان کے تمام برے اعمال ظاہر ہوجائیں گے اور جس عذاب کا وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ ان کو آگھیرے گا انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کردیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ انعام تو مجھے اس لئے دیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں بلکہ یہ یعنی اس کا مقولہ فتنہ ہے، جس کے ذریعہ بندے کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ یہ عطا، ڈھیل ہے اور آزمائش ہے ان سے پہلے لوگ بھی یہی بات کہہ چکے ہیں جیسا کہ قارون اور اس کی قوم جو کہ اس بات سے راضی تھی سو ان کی کاروائی ان کے کچھ کام نہ آئی سو ان کی بداعمالیاں یعنی ان کی سزا ان پر آپڑی اور ان پر بھی جو ان میں سے یعنی قریش میں سے ظالم ہیں ان کی بداعمالیوں کی سزا پڑنے والی ہے اور وہ ہم کو عاجز کردینے والے نہیں ہیں یعنی ہمارے عذاب سے بچ نکلنے والے نہیں ہیں چنانچہ سات سال تک قحط میں مبتلا کئے گئے، پھر ان کو فراخی عطا کی گئی، کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتے ہیں بطور امتحان روزی کشادہ کردیتے ہیں؟ اور جس کی چاہتے ہیں ابتلاءً روزی تنگ کردیتے ہیں ایمان لانے والوں کے لئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: یَتَوَفّٰی واحد مذکر غائب مضارع معروف (تَفَعُّلٌ) وہ روح قبض کرتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنْفُسٌ، جمعُ نَفْسٍ روحیں، جانیں، یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ ای یَقْبِضُ الْاَرْوَاحَ عند حضورِ آجالِھَا، اللہ مبتداء یَتَوفی الْاَنفس جملہ ہو کر خبر حِیْنَ موتھا یَتَوَفّٰی سے متعلق ہے، واؤ حرف عطف، اَلَّتِی لَمْ تَمُتْ معطوف انفس پر فی منَامِھَا یَتَوَفّٰی کا ظرف ہے، مطلب یہ ہے کہ جن نفوس کی موت کا وقت نہیں آیا ہے ان کو سونے کے وقت قبض کرلیتا ہے، اور اسی معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کا قول وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِاللَّیْلِ۔

موت اور نیند میں قبض روح اور دونوں میں فرق:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ، تَوَفّی کے لفظی معنی لینے اور قبض کرنے کے ہیں، اس آیت کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ جانداروں کی روحیں ہر حال اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیر تصرف اور زیر حکم ہیں، وہ جب چاہے قبض کرسکتا ہے، اس تصرف خداوندی کا ایک مظاہرہ تو ہر جاندار روزانہ دیکھتا ہے کہ نیند کے وقت اس کی روح ایک حیثیت سے قبض ہوجاتی ہے، پھر بیداری کے وقت واپس کردی جاتی ہے، اور آخر کار ایک وقت ایسا آئے گا کہ بالکل قبض ہوجائے گی، قیامت سے پہلے واپس نہ ملے گی۔

صاحب مظہری کی تحقیق:

فرماتے ہیں قبض روح کا مطلب ہے، روح کا بدن سے ربط وتعلق ختم کر دینا، کبھی یہ تعلق ظاہراً وباطناً دونوں طریقہ پر ختم کر دیا جاتا ہے، اس کا نام موت ہے، اور کبھی صرف ظاہراً منقطع کیا جاتا ہے باطناً باقی رہتا ہے، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ صرف حس اور حرکتِ ارادیہ جو زندگی کی ظاہری علامت ہیں وہ منقطع کر دی جاتی ہے اور باطنی ربط باقی رہتا ہے، جس سے وہ سانس لیتا ہے اور زندہ رہتا ہے۔

آیت میں لفظ تَوَفّی بمعنی قبض بطور عموم مجاز کے دونوں معنی کو شامل ہے، موت اور نیند دونوں میں قبض روح کا یہ فرق جو اوپر بیان کیا گیا ہے، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، آپ نے فرمایا: سونے کے وقت روح بدن سے نکل جاتی ہے مگر ایک شعاع کے ذریعہ روح کا ربط وتعلق بدن کے ساتھ باقی رہتا ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے، اور اسی رابطۂ شعاعی سے وہ خواب دیکھتا ہے، پھر یہ خواب اگر روح کے عالم مثال کی طرف توجہ کے وقت دیکھتا ہے تو وہ سچا خواب ہوتا ہے، اور اگر بدن کی طرف واپسی کے وقت دیکھتا ہے تو اس میں شیطانی تصرفات شامل ہو جاتے ہیں ایسے خواب رؤیائے صادقہ نہیں ہوتے۔ (معارف)

مسند ہند شاہ ولی اللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی تحقیق:

شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے، اور پھر (واپس) بھیجتا ہے یہ ہی نشان ہے آخرت کا، معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھنچتی ہے، جیسے موت میں، اگر نیند میں کھنچ کر رہ گئی وہی موت ہے مگر یہ جان وہ ہے جس کو ہوش کہتے ہیں اور ایک جان وہ ہے جس سے سانس چلتی ہے اور نبض حرکت کرتی ہے، اور کھانا ہضم ہوتا ہے، یہ دوسری جان موت سے پہلے نہیں کھنچتی۔ (موضح القرآن ملخصًا، ترجمہ شیخ الہند رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی)

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے، مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع باقی رہتا ہے، جس سے حیات باطل نہیں ہوتی (جیسے آفتاب لاکھوں میلوں سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے، لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جیسا موت میں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (ترجمہ شیخ الہند رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی)

زجاج نے کہا ہے کہ ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں ایک نفس تمیز یہ وہ ہے کہ جو نیند کے وقت بدن سے جدا ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے فہم وادراک معطل ہو جاتے ہیں، اور دوسرا نفس حیات ہے جب یہ نفس زائل ہو جاتا ہے تو حیات زائل ہو جاتی ہے اور نفس (سانس) منقطع ہو جاتا ہے، بخلاف نائم کے کہ اس کا سانس جاری رہتا ہے، قشیری نے کہا ہے کہ اس میں بعد ہے، اس لئے کہ آیت سے جو مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں نفس مقبوض شئ واحد ہے، اسی وجہ سے فرمایا فیمسک التی

قضٰی علیہا الموت ویُرسِل الاخریٰ یعنی جس کی موت کا وقت آجاتا ہے اس کو روک لیتا ہے ورنہ چھوڑ دیتا ہے، پہلی صورت کا نام موت ہے اور دوسری صورت کا نام نیند ہے۔ (فتح القدير شوكانی ملخصًا)

عقلاء کا اس میں اختلاف ہے کہ نفس اور روح دونوں ایک ہی شئ ہیں یا الگ الگ ہیں، اس مسئلہ میں بحث طویل ہے جس کے لئے کتب طب کی طرف رجوع کرنا چاہئے اس لئے کہ یہ موضوع فن طب ہی کا ہے، روح کے سلسلہ میں جتنے بھی نظریات قائم ہوئے ہیں وہ سب ظن وتخمین پر مبنی ہیں، حقیقت حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں سب سے زیادہ صحیح بات وہی ہے جو قرآن کریم نے قل الروح من امر ربی کہہ کر واضح کر دی ہے۔

قِوْلَہٗ: وَالمرسَلَة نفس التمییز الخ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس دو قسم کا ہے نفس تمیز اور نفس حیات، نفس تمیز کے بغیر نفس حیات باقی رہ سکتا ہے مگر نفس تمیز نفس حیات کے بغیر نہیں رہ سکتا، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ ابن آدم میں ایک نفس ہے اور ایک روح ہے، عقل وتمیز کا تعلق نفس کے ساتھ ہے اور حرکت اور سانس کا تعلق روح کے ساتھ ہے، جب بندہ سوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نفس کو قبض فرما لیتے ہیں، روح کو قبض نہیں فرماتے، اسی قسم کا قول حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے بھی منقول ہے جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے۔

تحقیقی بات:

صحیح بات یہ ہے کہ انسان میں روح حقیقت میں واحد ہے، مگر اپنے اوصاف کے اعتبار سے متعدد ہے۔ (حاشیہ جلالین)

قِوْلَہٗ: اَوَلَوْ کَانُوْا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمزہ استفہام انکاری ہے اور محذوف پر داخل ہے تقدیر یہ ہے أَیَشْفَعُوْنَ جیسا کہ مفسر نے ظاہر کر دیا ہے واؤ حالیہ ہے، اور لَوْ شرطیہ ہے جملہ حال ہونے کی وجہ سے موضع نصب میں ہے، لَوْ کا جواب محذوف ہے تقدیر یہ ہے ای وَاِن کانوا بھٰذہ الصفة تتخذونَھُمْ من دون اللّٰہِ شفعاء.

قِوْلَہٗ: قل للّٰہ الشفاعة جمیعًا مفسر علام نے اَیْ ھُوَ مختص بِھَا فَلَا یَشْفَعُ اَحَدٌ اِلَّا باذْنِہٖ کا اضافہ کرکے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔

سَوَال: للّٰہ الشفاعةُ جمیعًا سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو سفارش کا نہ حق ہوگا اور نہ کوئی کسی کی سفارش کرے گا، حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء، علماء، شہداء وغیرہ سفارش کریں گے۔

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جتنی بھی اقسام کی سفارشیں ہوں گی وہ اللہ ہی کی اجازت سے ہوں گی لہٰذا یہ سفارشیں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوں گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی دوسری جگہ فرمایا مَن ذَا الَّذِیْ یشفعُ عندہٗ اِلَّا باذْنِہٖ.

قِوْلَہٗ: نعمة، انعامًا نعمة کی تفسیر انعامًا سے کرنے کا مقصد اِنما اُوْتِیتُہٗ کے مرجع کو درست کرنا ہے تاکہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہو جائے، یہ اس صورت میں ہوگا کہ ما کو کافہ مانا جائے، اور ما کو موصولہ مانا جائے تو اس تاویل کی

ضرورت نہ ہوگی۔

قَوْلُہٗ: ای المقولة اس کے اضافہ کا مقصد ھی ضمیر اور اس کے مرجع قول کے درمیان مطابقت قائم کرنا ہے اسی وجہ سے قول سے مراد مقولہ لیا ہے، اور مقولہ سے مراد اس کا یہ مقولہ ہے اِنَّما اوتیتُهٗ علی علمٍ اور بعض حضرات نے ھِیَ کا مرجع نعمة کو قرار دیا ہے ای بل النعمة فتنة اس صورت میں تاویل کی ضرورت نہ ہوگی۔

قَوْلُہٗ: وَبَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا کَسَبُوْا ای جزاؤھا اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ سیئات کا مضاف محذوف ہے۔

تفسیر وتشریح

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ (الآیة) اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ایک قدرت بالغہ اور صنعت عجیبہ کا تذکرہ فرمایا ہے، جس کا مشاہدہ انسان روزانہ کرتا ہے، اور وہ یہ کہ جب وہ سوجاتا ہے تو اس کی روح، اللہ کے حکم سے گویا نکل جاتی ہے اس لئے کہ اس کے احساس وادراک کی قوت ختم ہوجاتی ہے اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو وہ روح اس میں دوبارہ لوٹادی جاتی ہے، جس سے اس کے حواس بحال ہوجاتے ہیں، البتہ جس کی زندگی کے دن پورے ہوچکے ہوتے ہیں ان کی روح واپس نہیں آتی اور وہ موت سے ہمکنار ہوجاتا ہے، اس کو بعض مفسرین نے وفات کبریٰ اور وفات صغریٰ سے بھی تعبیر کیا ہے۔

اس آیت میں حیات بعد الموت کے امکانی وقوع کی طرف اشارہ ہے یعنی روح کا قبض وارسال، وفات واحیا، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور قیامت کے دن وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ کرے گا، اگلی آیت میں کفار کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ یہ ہمارے دیوی دیوتا جن کی ہم پوجا پاٹ کرتے ہیں یہ اللہ کے حضور ہماری سفارش کریں گے، اور ہمیں جنت میں اعلیٰ درجوں پر فائز کرائیں گے، رد کا خلاصہ یہ ہے کہ سفارش کا اختیار تو کجا انہیں تو سفارش کے معنی ومفہوم کا بھی پتہ نہیں کیونکہ وہ تو اینٹ پتھر ہیں یا بے خبر محض ہیں۔

وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ (الآیة) مطلب یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں تو ان کو یہ بات ناگوار معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کے قلوب منقبض ہوجاتے ہیں البتہ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں فلاں بھی معبود ہیں یا یہ کہ آخر وہ بھی اللہ کے نیک بندے اور اس کے ولی ہیں وہ بھی کچھ اختیار رکھتے ہیں، وہ بھی مشکل کشائی حاجت روائی کرسکتے ہیں تو پھر یہ مشرکین اس بات سے بڑے خوش ہوجاتے ہیں، اہل بدعت وخرافات کا بھی آج یہی حال ہے، جب ان سے کہا جاتا ہے یا اللّٰہ المدد کہو، کیونکہ اس کے سوا کوئی مدد کرنے پر قادر نہیں تو چنگاری زیرپا ہوجاتے ہیں، یہ جملہ ان کے لئے سخت ناگوار معلوم ہوتا ہے، لیکن جب یا علی المدد، یا یا رسول المدد یا یا الغوث المدد کہا جائے تو پھر ان کے دل کی کلیاں کھل جاتی ہیں، باقی آیات کی تفسیر تحقیق وترکیب کے زیر عنوان تحریر کردی گئی ہے دیکھ لیا جائے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا بكسر النون وفتحها وقرئ بضمها تيأسوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ لمن تاب من الشرك اى اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ؀ وَاَنِيْبُوْٓا ارجعوا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا اخلصوا العمل لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ؀ بمنعه ان لم تتوبوا وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ هو القرآن مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ؀ قبل اتيانه بوقته فبادروا اليه قبل اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى اصله يا حسرتي اى ندامتي عَلٰي مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ اى طاعته وَاِنْ مخففة من الثقيلة اى كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ؀ بدينه وكتابه اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ بالطاعة اى فاهتديت لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ؀ عذابه اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً رجعة الى الدنيا فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ؀ المؤمنين فيقال له من قبل الله بَلٰى قَدْ جَاۗءَتْكَ اٰيٰتِيْ القرآن وهو سبب الهداية فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ تكبرت عن الايمان بها وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ؀ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَي اللّٰهِ بنسبة الشريك والولد اليه وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى مأوى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ؀ عن الايمان بلى وَيُنَجِّي اللّٰهُ من جهنم الَّذِيْنَ اتَّقَوْا الشرك بِمَفَازَتِهِمْ اى بمكان فوزهم من الجنة بان يجعلوا فيه لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ؀ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ؀ متصرف فيه كيف يشاء لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اى مفاتيح خزائنهما من المطر والنبات وغيرهما وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ القرآن اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ؀ متصل بقوله وينجي الله الذين اتقوا الخ وما بينهما اعتراض.

ترجمہ: (میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، تقنطوا نون کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ اور ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ اس شخص کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیں گے جس نے شرک سے توبہ کی ہو گی واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے تم سب اپنے پروردگار کی طرف جھک جاؤ اور اس کی حکم برداری کئے جاؤ (یعنی) عمل کو اس کے لئے خالص کرو اس سے قبل کہ تم پر عذاب آجائے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے اس عذاب کو ٹال کر، اگر تم توبہ نہ کرو اور پیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے وہ قرآن ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو (یعنی) اس کی آمد سے پہلے تم کو اس کے آنے کے وقت کی خبر بھی نہ ہو، لہٰذا توبہ کی طرف سبقت کرو قبل اس کے کہ کبھی کوئی شخص کہے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب یعنی طاعت میں کی یاحسرتی بمعنی یاندامتی ہے میں تو اس کے دین اور اس کی کتاب کا مذاق اڑانے والوں ہی میں رہا اِنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ (دنیا میں) مجھ کو طاعت کی ہدایت دیتا

تو میں ہدایت پاتا تو میں بھی اس کے عذاب سے بچنے والوں میں سے ہوتا یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میری (دنیا) میں واپسی ہوجاتی تو میں بھی نیک لوگوں یعنی مومنین میں سے ہوجاتا یعنی ایمان والوں میں سے ہوجاتا، تو اس کو اللہ کی جانب سے کہا جائے گا، ہاں (ہاں) بے شک تیرے پاس میری قرآنی آیتیں پہنچ چکی تھیں، اور وہ ہدایت کا ذریعہ ہیں جنہیں تو نے جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے سے تو نے تکبر کیا، اور تو کافروں ہی میں سے رہا، اور جن لوگوں نے اللہ پر اس کی طرف شرک اور ولد کی نسبت کر کے جھوٹ باندھا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، کیا ایمان سے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟ ہاں کیوں نہیں ضرور ہے، اور جن لوگوں نے شرک سے اجتناب کیا تو اللہ تعالیٰ ان کو مقامِ کامیابی میں (دخول) کے سبب جہنم سے بچالے گا، اور وہ (مقام) جنت ہے (اور اگر مفازۃ کو مصدر میمی اور ''ب'' کو سببیہ مانا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب ہونے کے سبب جہنم سے بچالے گا) بایں طور کہ ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا، انہیں کوئی تکلیف چھو بھی نہ سکے گی، اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے (یعنی اس میں جس طرح چاہے تصرف کرنے والا ہے) آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا مالک ہے یعنی زمین وآسمانوں کے خزانوں کا مالک ہے وہ پانی اور نباتات وغیرہ ہیں جس نے بھی اللہ کی آیتوں قرآن کا انکار کیا وہی خسارہ میں ہے، اس جملہ (یعنی والذین کفروا الخ) کا تعلق (عطف) اللہ کے قول وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا الخ سے ہے اور ان دونوں کے درمیان (اللّٰه خالق کل شئ الخ) جملہ معترضہ ہے (نوٹ) یہ جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہے، جو کہ جائز ہے۔ (صاوی)

تَحقِيق وتَركِيب وتَسهِيل وتَفسِيرى فَوائِد

قَوْلُهُ: يَا عِبَادِىَ، بحذف الياء وثبوتها مفتوحةً، يَا عِبَادِىَ میں دو قراءتیں ہیں حذف الیاء اور کسرۂ دال کے ساتھ ای یَا عِبَادِ اور ثبوت یاء مع فتح الیاء ای یَا عِبَادِىَ.

قَوْلُهُ: اَلَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ، اَسْرَفُوْا، اِسْرَافٌ سے ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے زیادتی کی، حد سے تجاوز کیا، یعنی اپنے نفس پر معصیت وخیانت کر کے زیادتی کی، یہاں اسراف سے اسراف فی المعصیۃ مراد ہے، اسراف کے معنی مطلقاً زیادتی کرنے کے ہیں، اسراف مقید مثلاً اَسْرَفَ فی المالِ میں استعمال مجازاً ہوگا اور بعض حضرات نے اس کا عکس کہا ہے مگر اول راجح ہے۔ (روح المعانی)

سُؤَالٌ: اِسراف کا صلہ علیٰ مستعمل نہیں ہے۔

جَوَابٌ: اِسراف چونکہ جنایت کے معنی کو متضمن ہے، اس لئے اس کا صلہ علیٰ لانا درست ہے۔

قَوْلُهُ: لَا تَقْنَطُوْا یہ زیادہ تر (س، ض، ن) سے آتا ہے (ک) سے شاذ ہے۔

قَوْلُہٗ: هُوَ القرآنُ یہ اَحْسَنَ کی تفسیر ہے، یعنی کتب سماویہ میں قرآن سب سے احسن ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ اَنْ اور جو اس کے ماتحت ہے مفعول لاجلہٖ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، زمخشری نے اس کی تقدیر کراهةَ اَنْ تقولَ مانی ہے، اور ابوالبقاء نے اَنْذَرْنَاکُمْ مَخَافَةَ اَنْ تقولَ اور مفسر علام نے بادروا فعل مقدر کا معمول قرار دیا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

قَوْلُہٗ: بالطاعةِ ایک نسخہ میں بالطَّاعَةِ ہے۔

قَوْلُہٗ: بِنَسْبَةِ الشریكِ وَالْوَلَدِ اِلَیْهِ یہ عبارت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں مطلقاً کذب مراد نہیں ہے بلکہ وہ کذب مراد ہے جس سے شرک لازم آتا ہو، اس لئے کہ آئندہ جو وعید بیان کی گئی ہے وہ مطلقاً کذب کی نہیں ہے بلکہ اس کذب کی ہے جس سے کفر لازم آتا ہو۔

قَوْلُہٗ: مَقَالِیْدُ مِقْلَاد یا مِقْلِیْد کی جمع ہے، بمعنی کنجی یہ ہر شئ میں شدت تصرف و تمکن سے کنایہ ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

شان نزول:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ ابن جریر و ابن مردویہ نے ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کیا ہے کہ مکہ میں کچھ ایسے لوگ تھے جنہوں نے قتل ناحق کئے اور بہت کئے، اور زنا کا ارتکاب کیا اور بہت کیا، ان لوگوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ جس دین کی دعوت دیتے ہیں وہ ہے تو بہت اچھا، لیکن فکر یہ ہے کہ جب ہم نے اتنے بڑے بڑے گناہ کر رکھے ہیں، اب اگر ہم مسلمان ہو بھی گئے تو کیا ہماری توبہ قبول ہو سکے گی، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔
(روح المعانی، معارف)

ابن جریر نے عطاء بن یسار سے روایت کیا کہ مذکورہ تینوں آیتیں مدینہ میں وحشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ (روح المعانی)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی وسعت مغفرت کا بیان ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونے کا مطلب ہے ایمان لانے سے پہلے انسان نے کتنے بھی گناہ کئے ہوں اس کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ میں تو بہت گنہگار ہوں اللہ تعالیٰ مجھے کیونکر معاف کرے گا؟ بلکہ اگر سچے دل سے ایمان قبول کرلے اور سچی توبہ کرلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرمادیں گے، شان نزول کی روایت سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے، کچھ کافر اور مشرک ایسے تھے کہ جنہوں نے کثرت سے قتل و زنا کا ارتکاب کیا تھا، یہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کی دعوت تو بالکل صحیح ہے، لیکن ہم لوگ بہت زیادہ خطا کار ہیں، اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا ہمارے وہ سب گناہ معاف

... جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۂ زمر، کما مر)

... مطلب نہیں کہ اللہ کی رحمت ومغفرت کی امید پر بھروسہ کر کے خوب گناہ کئے جائیں، اس کے احکام وفرائض کی مطلق پرواہ نہ کی جائے اور اس کے ضابطوں کو بے دردی سے پامال کیا جائے، اس طرح اس کے غضب وانتقام کو دعوت دے کر اس کی رحمت ومغفرت کی امید رکھنا نہایت غیر دانشمندی اور خام خیالی ہے، یہ تخم حنظل بو کر ثمرات وفواکہ کی امید رکھنے کے مترادف ہے، ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ جہاں وہ غفور رحیم ہے، وہاں وہ نافرمانوں کے لئے عزیز ذو انتقام بھی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں متعدد جگہ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔

وَاتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ (الآیۃ) احسن ما انزل سے مراد قرآن ہے اور پورا قرآن احسن ہے، اور قرآن کو احسن ما انزل اس لئے کہا گیا ہے، کہ جتنی کتابیں توریت، انجیل، زبور اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں ان سب میں احسن واکمل قرآن ہے۔ (قرطبی)

بَلٰی قَدْ جَاءَتْكَ اٰیَاتِی فَكَذَّبْتَ بِهَا اس آیت میں کفار کی اس بات کا جواب ہے کہ اللہ اگر ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی متقی ہوتے، اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اختیاری ہدایت کے جتنے طریقہ ہو سکتے تھے وہ سب مہیا فرما دیئے کتابیں بھیجیں، رسول بھیجے، ان کو معجزے عطا کئے، ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ ہمیں ہدایت نہیں کی، ہاں ہدایت کے تمام تر اسباب مہیا کرنے کے بعد، نیکی اور اطاعت پر اللہ نے کسی کو مجبور نہیں کیا، بلکہ بندوں کو یہ اختیار دیدیا کہ وہ جس راستہ یعنی حق یا باطل کو اختیار کرنا چاہے کرے یہی بندے کا امتحان ہے۔

لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، مقالید مقلاد یا مِقلید کی جمع ہے، اس کے معنی کنجی، چابی کے ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے یہ دراصل فارسی لفظ کلید کا معرب ہے، اس لئے کہ فارسی میں کنجی کو کلید کہتے ہیں، کنجیوں کا کسی کے ہاتھ میں ہونا یہ اس کے مالک ومتصرف ہونے کی علامت ہے، اور بعض روایات میں کلمہ سوم کو زمین وآسمانوں کی کنجی کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس کلمہ کو صبح وشام پڑھتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو زمین وآسمان کے خزانوں کی نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ غَیْرَ منصوبٌ باَعْبُدُ المعمول لِتَاْمُرُوْنِّی بتقدیر اَنْ بنونٍ واحدةٍ وبنونین وادغام وفکٍّ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ واللّٰهِ لَئِنْ اَشْرَكْتَ یا محمدُ فرضًا لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ وحدَهُ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۶﴾ اِنعامَهُ علیك وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ما عرفوه حقَّ معرفتِه او ما عظّموه حقَّ عظمتِه حین اشرکوا به غیرَه وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا حالٌ ای السبع قَبْضَتُهٗ ای مقبوضةٌ له فی مِلکه وتصرفه یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ مجموعاتٌ بِیَمِیْنِهٖ بقدرته سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ معه وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ النفخةُ الاولی فَصَعِقَ مات مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ من الحور والولدان وغیرهما ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ ای

جَمِيعُ الخَلَائِقِ المَوتى **قِيَامٌ يَّنظُرُونَ**﴿۶۸﴾ يَنتَظِرُونَ مَا يُفعَلُ بِهِم **وَاَشرَقَتِ الاَرضُ** اَضَاءَت **بِنُورِ رَبِّهَا** حِينَ يَتَجَلّٰى لِفَصلِ القَضَاءِ **وَوُضِعَ الكِتٰبُ** كِتَابُ الاَعمَالِ لِلحِسَابِ **وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ** اَى بِمُحَمَّدٍ صلى اللّٰهُ عليه وسلّم وأُمَّتِهِ يَشهَدُونَ المُرسَلَ بِالبَلَاغِ **وَقُضِيَ بَينَهُم بِالحَقِّ** اَى العَدلِ **وَهُم لَا يُظلَمُونَ**﴿۶۹﴾ شَيئًا **وَوُفِّيَت كُلُّ نَفسٍ مَّا عَمِلَت** اَى جَزَاؤُهُ **وَهُوَ اَعلَمُ بِمَا يَفعَلُونَ**﴿۷۰﴾ فَلَا يَحتَاجُ اِلَى شَاهِدٍ.

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے، اے جاہلو! پھر بھی تم مجھ سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کو کہتے ہو غَیرَ، تَامُرُونّی کے معمول اَعْبُدُ کے ذریعہ منصوب ہے اَنْ کی تقدیر کے ساتھ ایک نون اور دونوں نونوں اور ادغام اور بدون ادغام کے یقیناً تیری طرف اور ان نبیوں کی طرف جو تجھ سے پہلے گذر چکے ہیں یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ واللہ، اگر بالفرض اے محمد ﷺ تو (بھی) شرک کرے گا تو بلاشبہ تیرا عمل (بھی) ضائع ہو جائے گا، اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا بلکہ تو اللہ وحدہٗ کی عبادت کر اور تیرے اوپر اس کے انعام کا شکر کرنے والوں میں سے رہ اور ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی عظمت نہ پہچانی جیسا کہ پہچاننی چاہئے تھی، اس کے ساتھ شرک کر کے نہ اس کے حق کو پہچانا جیسا کہ اس کی معرفت کا حق تھا اور نہ اس کی تعظیم کی جیسی کہ کرنی چاہئے تھی، ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی (جَمِيعًا) حال ہے یعنی ساتوں زمینیں (اس کی مٹھی میں ہوں گی) یعنی اس کی ملک وتصرف میں ہوں گی اور تمام آسمان لپٹے ہوئے اس کے داہنے ہاتھ (یعنی) اس کی قدرت میں ہوں گے وہ پاک اور برتر ہے اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک ٹھہرائیں اور صور پھونک دیا جائے گا، پہلا صور، لہٰذا زمین وآسمانوں میں جو بھی ہے فوت ہو جائے گا مگر جس کو وہ چاہے (مثلاً) حور اور بچے وغیرہ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو ایک دم وہ تمام مردہ مخلوق اٹھ کھڑی ہوگی اور انتظار کرنے لگے گی کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے؟ اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی، جب وہ مقدمات کے فیصلے کے لئے جلوہ افروز ہوگا، کتاب یعنی نامۂ عمل حساب کے لئے (سامنے) رکھ دیا جائے گا، اور انبیاء اور شہداء کو لایا جائے گا یعنی محمد ﷺ اور ان کی امت کو لایا جائے گا، اور یہ لوگ رسولوں کی پیغام رسانی کی گواہی دیں گے اور لوگوں کے درمیان عدل (وانصاف) کے ساتھ فیصلے کئے جائیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں وہ اس سے بخوبی واقف ہے لہٰذا اس کو گواہ کی ضرورت نہ ہوگی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اَفَغَيرَ اللّٰهِ تَأمُرُونِّي یہ اصل میں اَتَأمُرُونَنِي اَن اَعبُدَ غَيرَ اللّٰهِ تھا اَعبُدَ کے معمول غَيرَ اللّٰهِ کو تَأمُرُونَنِي پر جو کہ اَعبُدُ کا عامل ہے مقدم کر دیا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ صورت ضعیف ہے، (مگر ضعیف کہنا درست نہیں ہے) اس لئے کہ اَنْ لفظوں میں نہیں ہے لہٰذا اس کا عمل باقی نہیں رہے گا۔

دوسری صورت یہ کہ غَيْرَ اللّٰه کو تامُرونّي کے ذریعہ منصوب مانا جائے، اور اَعْبُدُ کو اس سے بدل مانا جائے، تقدیر عبارت یہ ہوگی قل: اَفَتَأمُرُوْنِی بِعبَادَةِ غیرِ اللّٰهِ یہ ترکیب بدل الاشتمال کے قبیل سے ہوگی۔

تیسری صورت غَیْرَ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہو اَیْ اَفَتَلْزَمُوْنی غَيْرَ اللّٰهِ اس صورت میں اس کا مابعد اس کے لئے مفسر ہوگا، اس کے علاوہ بھی ترکیبیں ہو سکتی ہیں (اعراب القرآن دیکھیں)۔

قَوْلَهُ: تَـاْمُرُوْنّـی صیغہ جمع مذکر حاضر، تم مجھ کو حکم دیتے ہو، اس میں (یَ) ضمیر واحد متکلم ہے اور نون ادغام کی وجہ سے مشدد ہے۔

قَوْلَهُ: وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ لام جواب قسم کے لئے ہے ای واللّٰه لقَدْ، قَدْ حرف تحقیق ہے، اُوْحِیَ فعل ماضی مجہول ہے اور اِلَیْكَ قائم مقام نائب فاعل ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ نائب فاعل سیاق وسباق کے قرینہ کی وجہ سے محذوف ہے، ای اُوْحِیَ اِلَیْكَ التوحید.

قَوْلَهُ: فَرْضًا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، ان سے شرک کا ارتکاب نہیں ہوسکتا، تو پھر لَئِنْ اَشْرَكْتَ کیوں کہا گیا؟

جَوَابُ: فرض محال کے طور پر کہا گیا ہے بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ خطاب اگرچہ آپ ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے، مگر اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ اگر مراد امت ہے لَئِنْ اَشْرَكْتَ کے بجائے لَئِنْ اَشْرَكْتُمْ کہنا چاہئے تھا، اس کا جواب یہ ہے، معنی یہ ہیں اُوْحِیَ الی کُلِّ وَاحِدٍ منهم لَئِنْ اَشْرَكْتَ الخ جیسا کہ عرب میں بولا جاتا ہے، کَسَانَا الْاَمِیْرُ حُلَّةً ای کَسَا کلَّ واحِدٍ مِنَّا حُلَّةً.

تفسیر وتشریح

قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَامُرُوْنّی (الآیة) یہ کفار کی اس دعوت کا جواب ہے جو آپ ﷺ کو دیا کرتے تھے کہ اپنے آبائی دین (بت پرستی) کو اختیار کرلیں، اور بتوں کی مذمت چھوڑ دیں، اس لئے کہ اگر ہماری دیوی دیوتاؤں کو غصہ آ گیا تو ہلاک کر ڈالیں گے یا پاگل بنادیں گے، لَئِنْ اَشْرَكْتَ میں اگرچہ خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ تو شرک سے پاک تھے ہر نبی معصیت سے پاک ہوتا ہے اور آئندہ کے لئے محفوظ بھی، کیونکہ اللہ کی حفاظت اور عصمت میں ہوتا ہے، ان سے ارتکاب شرک و کبائر کا کوئی امکان نہیں ہوتا مگر چونکہ امت کو سمجھانا مقصود ہے اس لئے آپ کو خطاب فرمایا تاکہ امت کو یہ تأثر ملے کہ جب شرک سے نبی جیسی برگزیدہ ہستی کے اعمال سلب اور حبط ہو سکتے ہیں تو ماوشما کس شمار وقطار میں ہیں بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ، اِیَّاكَ نعبدُ کی طرح یہاں بھی اللہ مفعول کو مقدم کر کے حصر کی طرف اشارہ کر دیا یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور شرک کے ذریعہ اعمال کے حبط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شرک ہی پر موت آئی ہو اور مرنے سے پہلے شرک سے توبہ کرلی تو یہ حکم نہیں ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت اور حقیقی عظمت جو کہ اس کی شایان شان ہو وہ بندے کے لئے ممکن نہیں اور نہ بندہ اس کا مکلّف، البتہ جس قدر معرفت وتعظیم کا مکلّف اور مامور ہے، کفار ومشرکین نے وہ بھی نہیں کی، اس لئے کہ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ جو دعوت توحید ان کے پاس بھیجی تھی اس کو نہیں مانا، عبادت کو اس کے لئے خالص نہ کرتے ہوئے غیر اللہ کو اس کی ذات وصفات میں شریک کرلیا، مشرکین نے اس کی عظمت وجلال، بزرگی وبرتری کو اتنا نہ سمجھا جتنا ایک بندے کو سمجھنا چاہئے تھا، اس کی شان رفیع اور مرتبہٗ بلند کا اجمالی تصور بھی رکھنے والا، کیا عاجز محتاج مخلوق، حتی کہ بے جان پتھر اور دھات کی عاجز ومجبور مورتیوں کو اس کا شریک وسہیم تجویز کرسکتا ہے؟ حاشا وکلا ہرگز نہیں کیا اس سے زیادہ اس مالک کون ومکان خالق زمین وزماں کی ناقدری اور ناحق شناسی ہوسکتی ہے؟ اگلی آیت میں اس کی بعض شئون عظمت وجلال کا بیان ہے۔

وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ القیامَةِ (الآیة) القُبْضَةُ، ما قُبِضَ علیه بجمیع الکفِ علَیْهِ یعنی اس کی عظمت شان کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن کل زمین اس کی مٹھی اور سارے آسمان کاغذ کے مانند لپٹے ہوئے ایک ہاتھ میں ہوں گے۔

کلمات متشابہات:

مَطْوِیَّاتٌ بیمینه، یَمِیْنٌ وغیرہ الفاظ متشابہات میں سے ہیں جن پر بلا کیف ایمان رکھنا واجب ہے، بعض احادیث میں ہے وَکلتا یَدَیهِ یمِیْنٌ کہ اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، اس سے تَجَسُّم، تَحَیُّز اور جہت وغیرہ کی نفی ہوتی ہے۔

(فوائد عثمانی)

کلمات متشابہات کے سلسلہ میں اہل حق کا مسلک:

کلامی یعنی عقائد کے باب میں اہل حق کی تین جماعتیں ہیں، اشاعرہ، ماتریدیہ، سلفیہ (یا حنابلہ)۔

❶ **اشاعرہ:** وہ حضرات ہیں جو شیخ ابوالحسن اشعری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (۲۶۰/۳۳۴ھ) کی پیروی کرتے ہیں، امام ابوالحسن اشعری چونکہ شافعی تھے، اسلئے یہ مکتب فکر شوافع میں مقبول ہوا، یعنی حضرات شوافع عام طور پر کلامی مسائل میں اشعری ہوتے ہیں۔

❷ **ماتریدیہ:** وہ حضرات ہیں جو شیخ ابومنصور ماتریدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (متوفی ۳۳۳ھ) کی پیروی کرتے ہیں، امام ماتریدی چونکہ حنفی تھے اس لئے یہ مکتب فکر احناف میں مقبول ہوا، احناف عام طور پر کلامی مسائل میں ماتریدی ہوتے ہیں، اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان بارہ مسائل میں اختلاف ہے جو فروعی (غیر اہم) مسائل ہیں، بنیادی اختلاف کسی مسئلہ میں نہیں ہے، ان مختلف فیہا بارہ مسائل کو علامہ احمد بن سلیمان معروف بہ ابن کمال پاشا رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (متوفی ۹۴۰ھ)

نے ایک رسالہ میں جمع کردیا ہے، یہ رسالہ مطبوعہ ہے، مگر عام طور پر علماء اس سے واقف نہیں ہیں، اس رسالہ کو حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ پالنپوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے اپنی قابل فخر اور مایۂ ناز تصنیف رحمۃ اللہ الواسعہ کے صفحہ ۴۸ پر علماء کے استفادہ کے لئے نقل کردیا ہے۔

③ سلفیہ: یہ وہ حضرات ہیں جو صفات خداوندی کی تاویل کے عدم جواز میں حضرت امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ (۱۶۴/ ۲۴۱) کے مسلک پر ہیں، چونکہ صفات کے تعلق سے یہ ذوق اسلاف کرام کا تھا، اس لئے یہ حضرات سلفی کہلائے، اس جماعت کو کتابوں میں حنابلہ بھی لکھا گیا ہے، مگر چونکہ فقہی جنسیت سے اشتباہ ہوتا تھا، اس لئے رفتہ رفتہ یہ اصطلاح متروک ہوگئی، مسئلہ خلق قرآن میں یہی نام سلفیہ کے لئے استعمال ہوا ہے، نیز اس مسلک کو مسلک محدثین بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ امام مالک، سفیان ثوری وغیرہ حضرات محدثین سے صفات متشابہات کے بارے میں یہی نقطہ نظر مروی ہے، اس زمانہ میں جو سلفیت کو معنی ظاہریت یعنی عدم تقلید ائمہ استعمال کیا جاتا ہے وہ تلبیس ہے اور لفظ کا غیر معروف معنی میں استعمال ہے۔

سلفیوں کا اشاعرہ اور ماتریدیہ سے اختلاف:

سلفیوں کا اشاعرہ اور ماتریدیہ سے یہ اختلاف صرف ایک معمولی بات میں ہے، اور وہ یہ ہے کہ صفات متشابہات مثلاً استواء علی العرش، یدٌ، وجہٌ وغیرہ کی تاویل جائز ہے یا نہیں؟ سلفیوں کے یہاں تاویل ناجائز ہے اور باقی دونوں مکاتب فکر کے نزدیک تاویل جائز ہے، چنانچہ حنابلہ قرآن کریم کو جو اللہ کی صفت کلام ہے مطلقاً بلا تاویل قدیم کہتے ہیں، اور اشاعرہ وماتریدیہ کلام نفسی کی تاویل کرتے ہیں اور اس کو قدیم کہتے ہیں، امام بخاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے مسلک محدثین کے خلاف "لفظی بالقرآن حادث" کہہ دیا تھا، تو حنابلہ نے جن کے سرخیل امام ذہلی تھے ایک طوفان کھڑا کردیا تھا۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ)۔

غرضیکہ علم کلام میں یہی تین جماعتیں برحق ہیں دیگر تمام فرق اسلامیہ جیسے معتزلہ، جہمیہ، کرامیہ وغیرہ گمراہ فرقے ہیں، اور یہی فرقے اہل سنت والجماعت کے مدمقابل ہیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ)۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ بعض کے نزدیک (نفخہ فزع کے بعد) یہ نفخہ ثانیہ یعنی نفخہ صعق ہے، جس سے سب کی موت واقع ہوجائے گی، بعض کے نزدیک صعق نفخہ اولیٰ ہی ہے، اسی سے اولاً سخت گھبراہٹ ہوکر بے ہوشی طاری ہوجائے گی، پھر سب کی موت واقع ہوجائے گی، اور بعض حضرات نے ان نفخات کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے ① نفخة فناء ② نفخة البعث ③ نفخة الصعق ④ نفخة القيام لرب العالمين. (ایسر التفاسیر) اور بعض کے نزدیک صرف دو ہی نفخے ہیں، نفخہ موت اور نفخہ بعث۔

اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ یعنی نفخہ فنا کے بعد اللہ جس کو چاہے گا اس کو موت نہیں آئے گی، جیسے حضرت جبرائیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ، میکائل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ، اسرافیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور بعض نے ان میں نگران جنت رضوان اور نگران جہنم مالک، اور حملۃ العرش کو بھی شامل

کیا ہے (اور بعض نے حور وغلمان وغیرہ کو بھی)۔ (فتح القدیر)

وجائ بالنبیین والشهداء (الآیة) نبیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچادیا تھا؟ یا یہ پوچھا جائے گا کہ تمہاری امتوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا تھا؟ قبول کیا یا انکار کیا؟ امت محمدیہ کو بطور گواہ لایا جائے گا، جو اس بات کی گواہی دے گی کہ تیرے پیغمبروں نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچادیا تھا، جیسا کہ تو نے ہمیں اپنے قرآن کے ذریعہ مطلع فرمایا تھا۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا بعُنفٍ **إِلَى جَهَنَّمَ زُمَرًا** جماعاتٍ مُتفرقةً **حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا** جوابُ اذا **وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ** القرآن وغيرهٗ **وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ** اى لَامْلَأَنَّ جهنَّمَ الآية **عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧١﴾ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ** مُقدّرين الخُلودَ **فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى** مأوى **الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾** جهنّمُ **وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ** بلُطفٍ **إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ** الواوُ فيه للحالِ بتقديرِ قد **وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ** حالا **فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿٧٣﴾** مُقدّرين الخُلودَ فيها وجوابُ اذا مُقدّرٌ اى دَخَلوها وسَوقُهم وفتحُ الابوابِ قبلَ مجيئِهم تكرِمَةً لهم وسَوقُ الكُفّارِ وفتحُ ابوابِ جهنّمَ عندَ مجيئِهم ليَبْقَى حَرُّها اليهم اِهانةً لهم **وَقَالُوا** عطفٌ على دَخَلوها المُقدّر **الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ** بالجنّة **وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ** اى ارضَ الجنّة **نَتَبَوَّأُ** نَنزِلُ **مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ** لِانّها كلَّها لا يُختارُ فيها مكانٌ على مكانٍ **فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٧٤﴾** الجنّة **وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ** حالٌ **مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ** مِن كُلِّ جانبٍ منه **يُسَبِّحُونَ** حالٌ مِن ضميرِ حافّين **بِحَمْدِ رَبِّهِمْ** مُلابسين للحمدِ اى يقولون سُبحانَ اللهِ وبحمده **وَقُضِيَ بَيْنَهُم** بينَ جميعِ الخلائقِ **بِالْحَقِّ** اى العدلِ فيدخُلُ المؤمنون الجنّةَ والكافرون النارَ **وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٥﴾** خَتَمَ استقرارَ الفريقَين بالحمدِ مِن الملئكةِ۔

ترجمہ: اور کافروں کے غول کے غول مختلف گروہوں میں شدت کے ساتھ جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے جب وہ جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے تو جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے (فتحت ابوابها) اذا کا جواب ہے، وہاں نگران ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں قرآن وغیرہ پڑھ کر سناتے تھے؟ اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے، یہ جواب دیں گے ہاں درست ہے، لیکن کلمہ عذاب یعنی لَامْلَأَنَّ جَهَنَّمَ (الآیة) کافروں پر ثابت ہو گیا حکم دیا جائے گا اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، جہاں ہمیشہ رہو گے، حال یہ کہ خلود مقدر ہو چکا پس سرکشوں کا ٹھکانہ بہت ہی برا ہے اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کے گروہ کے گروہ جنت کی طرف

اکرام کے ساتھ روانہ کئے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس (جنت) کے پاس آجائیں گے، حال یہ کہ دروازے کھلے ہوں گے (وفتحت) میں واؤ حالیہ ہے قَدْ کی تقدیر کے ساتھ اور وہاں کے نگہبان ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو خوش حال رہو، تم اس میں ہمیشہ کے لئے چلے جاؤ حال یہ کہ ان کا اس میں ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے، اذا کا جواب مقدر ہے ای دَخَلُوْهَا اور ان کو لیجانا اور ان کے آنے سے پہلے دروازوں کا کھلنا یہ ان کا اعزاز ہے، اور کفار کو ہانکنا اور جہنم کے دروازوں کو ان کی آمد پر کھولنا تاکہ جہنم کی حرارت باقی رہے، یہ ان کی توہین ہے، یہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہم سے اپنا جنت کا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس نے زمین کا یعنی جنت کا وارث بنا دیا کہ جنت میں ہم جہاں چاہیں قیام کریں اس لئے کہ جنتی ایک مقام کو دوسرے مقام پر ترجیح نہیں دے گا، پس عمل کرنے والوں کا کیا اچھا بدلہ ہے، اور تو فرشتوں کو اس کے چاروں طرف سے عرش کے گرد اگرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے یعنی اس میں مشغول دیکھے گا، یُسَبِّحُوْنَ، حافین کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ سبحان اللہ وبحمدہٖ کہہ رہے ہوں گے اور ان میں یعنی تمام مخلوق کے درمیان حق یعنی عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا، سو مومنین جنت میں اور کافر دوزخ میں داخل ہوں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ ساری خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے دو فریقوں (یعنی اہل جنت و دوزخ) کا استقرار، ملائکہ کی حمد پر ختم ہوا۔ (واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم)۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بعنفٍ واؤ عاطفہ سِيْقَ فعل ماضی مجہول الَّذِيْنَ موصول كَفَرُوْا صلہ، موصول صلہ سے مل کر سِيْقَ کا نائب فاعل اِلٰى جَهَنَّمَ سِيْقَ سے متعلق ہے، زُمَرًا حال۔ زُمَرٌ زُمْرَةٌ کی جمع ہے بمعنی جماعت۔

قَوْلُهٗ: بعنفٍ اس کا اضافہ لیجانے میں شدت اور سختی کو بیان کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ جہنمیوں کے یہی مناسب حال ہے۔

قَوْلُهٗ: وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ بلطفٍ لطف کا اضافہ احترام اور اکرام کو بیان کرنے کے لئے ہے۔

سُوَال: جہنمیوں اور دوزخیوں، دونوں کے لئے سِيْقَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جہنمیوں کے لئے معنی بیان کئے ''شدت اور سختی سے ہانک کر لیجانا''، اور جنتیوں کے لئے معنی بیان کئے ''عزت واحترام کے ساتھ لیجانا''، لفظ ایک صیغہ ایک مادہ ایک پھر دونوں جگہ معنی میں فرق کی کیا وجہ ہے۔

جَوَاب: جہنمیوں کے لئے سِيْقَ کے لفظ کا استعمال صحیح اور معقول ہے، اس لئے کہ جب ان کے لئے عقاب وعذاب کا فیصلہ کر دیا گیا تو ان کی حیثیت ایسے مجرم کی ہوگئی کہ جس کو قید کا حکم دیا جا چکا ہو، ظاہر ہے ایسے باغی اور مجرم کو سختی اور تیزی کے ساتھ لے جایا جاتا ہے تاکہ جلدی سے جلدی اس کو جیل خانہ میں داخل کر دیا جائے، البتہ ان لوگوں کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن کیلئے جنت کا فیصلہ کر دیا گیا ہو، ان کو تیزی سے لے جانے کی کیا ضرورت، ان کو بہت عزت واحترام کے

ساتھ لیجانا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور وہ مراکب ہے، اب عبارت یہ ہوگی سِیْقَ مراکبُ الَّذِیْنَ اتقَوْا یعنی اہل جنت کی سواریوں کو تیزی سے چلایا جائے گا تاکہ وہ اپنی آرام گاہ میں جلدی سے جلدی پہنچیں، اور لفظ کو محذوف ماننے کا قرینہ یہ ہے کہ جنتیوں کو پیدل نہیں لیجایا جائے گا، بلکہ قبروں سے نکلتے ہی سواریاں مہیا کی جائیں گی۔ (جمل)

مَا اَجْمَلَ قولُ الزمخشری فی هٰذا الصَّدَدِ قال: فَاِنْ قُلْتَ کیفَ عَبَّرَ عَنِ الذِّهَابِ بِالفریقینِ جمیعًا بلفظ السوق؟ قلتُ: المراد بسوقِ اهل النار، طردُهم اِلَیْهَا بالهَوَانِ وَالعنفِ کما یُفْعَلُ بالأسَارٰی والخارجین علی السلطان اذا سِیقوا الی حبسٍ او قتلٍ والمراد بسوق اهل الجنة: سوق مراکبهم لِاَنَّهُ لا یُذْهَبُ بهم اِلَّا راکبین وحَثُّها الی دار الکرامة والرضوان کما یُفْعَلُ بمَنْ یشرف ویکرم من الوافِدین علی بعض الملوك فشتّان بین السوقَین (اعراب القرآن للدرویش).

حَتّٰی اِذا جاءُ وْهَا فُتِحَتْ اَبوابُها.

قَوْلُهٗ: حتّٰی ابتدائیہ ہے، اِذَا جاءُ وْهَا شرط فتحت ابوابها بالاتفاق جزاء۔

قَوْلُهٗ: حَتّٰی اِذَا جاءُ وْها وفتحت ابوابُها.

سُوَال: یہاں وفتحت ابوابُها میں واؤ لایا گیا ہے اس سے ماقبل میں واؤ نہیں لایا گیا، اس میں کیا نکتہ ہے؟

جَوَاب: اس میں نکتہ یہ ہے کہ جیل خانوں کے دروازے عام طور پر بند رہتے ہیں جب کوئی مجرم لایا جاتا ہے تو اس وقت کچھ دیر کے لئے کھولے جاتے ہیں پھر فوراً ہی بند کردیئے جاتے ہیں، اس میں آنے والوں کی توہین ہے، لہٰذا اس کے لئے عدم واؤ مناسب ہے، بخلاف مہمان خانوں اور تفریح گاہوں کے دروازوں کے کہ ان کے دروازے آنے والوں کے انتظار میں کھلے رہتے ہیں، نیز اس میں آنے والوں کا اعزاز بھی ہے لہٰذا اس کے مناسب واؤ ہے۔

یہاں اِذَا کے جواب میں تین صورتیں ہوسکتی ہیں ① وفتحت جواب شرط ہے، واؤ زائدہ ہے یہ کوفیین اور اخفش کی رائے ہے ② جواب محذوف ہے زمخشری نے کہا ہے کہ خالدِینَ کے بعد محذوف مانا جائے اس لئے کہ متعلقات شرط کے بعد معطوف علیہ کو لایا جاتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اِطْمَأنوا اور مبرد نے سَعِدوا مقدر مانا ہے اور محلی نے دخلوها مقدر مانا ہے ③ بعض حضرات نے کہا ہے کہ جواب وَقَالَ لهم خزنَتُهَا ہے واؤ کی زیادتی کے ساتھ۔

قَوْلُهٗ: مُقَدَّرِیْنَ الخلود فیها اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب دینا ہے کہ خٰلِدِینَ، فادخلوا کی ضمیر سے حال ہے، اور حال وذوالحال کا زمانہ ایک ہوا کرتا ہے، حالانکہ یہاں دونوں کا زمانہ ایک نہیں ہے اس لئے کہ دخول کے بعد خلود ہوگا نہ کہ ساتھ ساتھ، اس کا جواب یہ دیا کہ ان کے لئے خلود مقدر کردیا گیا ہے، یعنی وہ جنت میں داخل ہوں گے حال یہ کہ ان کے لئے خلود مقدر کردیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

زُمَرٌ، زُمَرٌ سے مشتق ہے (ن) زَمْرًا کے معنی آواز کرنا، اور گروہ وجماعت میں چونکہ آواز اور شور ضرور ہوتا ہے، اس لئے زُمْرَةٌ کا لفظ گروہ وجماعت کے لئے بھی استعمال ہونے لگا، مطلب یہ ہے کہ کافروں کو گروہوں اور جماعتوں کی شکل میں جہنم کی طرف لیجایا جائے گا، ایک گروہ کے پیچھے دوسرا گروہ ہوگا، علاوہ ازیں انہیں مار دھکیل کر جانوروں کے ریوڑ کی مانند ہنکایا جائے گا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: يَوْمَ يُدَعُّوْنَ إِلَى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا یعنی انہیں جہنم کی جانب سختی کے ساتھ دھکیلا جائے گا۔

وسيق الَّذين اتقَوْا رَبَّهُمْ الى الجنة زمرًا (الآية) اہل ایمان متقی بھی گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جائے جائیں گے پہلے مقربین پھر ابرار اسی طرح درجہ بدرجہ ہر گروہ، ہم مرتبہ لوگوں پر مشتمل، یعنی انبیاء کا گروہ الگ ہوگا صدیقین کا الگ شہداء کا الگ علی هذا القياس. (ابن کثیر)

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ غَافِرٍ مَكِّيَّةٌ اِلَّا "اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ" الْاٰيَتَيْنِ، خَمْسٌ وَثَمَانُوْنَ آيَةً.

سورهٔ غافر مکی ہے، مگر اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ دو آیتیں، پچاسی (۸۵) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ① اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ اَلْقُرْاٰنِ مُبْتَدَأٌ مِنَ اللّٰهِ خَبَرُهٗ الْعَزِيْزِ فِي مُلْكِهٖ الْعَلِيْمِ ② بِخَلْقِهٖ غَافِرِ الذَّنْبِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَقَابِلِ التَّوْبِ لَهُمْ مَصْدَرٌ شَدِيْدِ الْعِقَابِ لِلْكَافِرِيْنَ اَيْ مُشَدِّدِهٖ ذِي الطَّوْلِ اَي الْاِنْعَامِ الْوَاسِعِ وَهُوَ مَوْصُوْفٌ عَلَى الدَّوَامِ بِكُلٍّ مِنْ هٰذِهِ الصِّفَاتِ فَاِضَافَةُ الْمُشْتَقِّ مِنْهَا لِلتَّعْرِيْفِ كَالْاَخِيْرَةِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ اَلْمَرْجِعُ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اَلْقُرْاٰنِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ④ لِلْمَعَاشِ سَالِمِيْنَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهُمُ النَّارُ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ كَعَادٍ وَثَمُوْدَ وَغَيْرِهِمَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ يَقْتُلُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا يُزِيْلُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ بِالْعِقَابِ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ⑤ لَهُمْ اَيْ هُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَهُ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اَيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ الْاٰيَةَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ⑥ بَدَلٌ مِنْ كَلِمَةُ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ مُبْتَدَأٌ وَمَنْ حَوْلَهٗ عَطْفٌ عَلَيْهِ يُسَبِّحُوْنَ خَبَرُهٗ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ مُلَابِسِيْنَ لِلْحَمْدِ اَيْ يَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ تَعَالٰى بِبَصَائِرِهِمْ اَيْ يُصَدِّقُوْنَ بِوَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا اَيْ وَسِعَ رَحْمَتُكَ كُلَّ شَيْءٍ وَعِلْمُكَ كُلَّ شَيْءٍ فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا مِنَ الشِّرْكِ وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ دِيْنَ الْاِسْلَامِ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑦ اَلنَّارِ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ اِقَامَةٍ اِلَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ عَطْفٌ عَلٰى هُمْ فِيْ وَاَدْخِلْهُمْ اَوْ فِيْ وَعَدْتَّهُمْ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑧ فِيْ صُنْعِهٖ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ اَيْ عَذَابَهَا وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، حٰمٓ اللہ کی اس سے کیا مراد ہے؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ کتاب قرآن اس اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہے جو اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی مخلوق سے واقف ہے تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مبتداء ہے، مِنَ اللّٰهِ خبر، مومنوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ان کی توبہ کو قبول کرنے والا التوب مصدر ہے، کافروں پر سخت عذاب والا ہے شَدِيْدٌ بمعنی مُشَدِّدٌ ہے، بڑے وسیع انعام والا ہے، وہ ان صفات کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے، لہٰذا ان صفات (ثلٰثہ) مشتقات کی اضافت تعریف کے لئے ہوگی، جیسا کہ آخری صفت (ذی الطول) میں (ہے) جس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف لوٹنا ہے، اللہ تعالیٰ کی آیتوں، قرآن میں وہی جھگڑتے ہیں جو اہل مکہ میں سے کافر ہیں، لہٰذا ان کا شہروں میں امن کے ساتھ طلب معاش کے لئے چلنا پھرنا (سفر کرنا) تجھ کو دھوکے میں نہ ڈال دے، اس لئے کہ ان کا انجام جہنم ہے، ان سے پہلے قوم نوح نے جھٹلایا، اور ان کے بعد دوسری جماعتوں نے، مثلاً عاد وثمود وغیرہ نے جھٹلایا، اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کرلینے (قتل) کا ارادہ کیا، اور باطل کے ذریعہ کج بحثیاں کیں تاکہ اس بیہودہ طریقہ سے حق کو باطل کردیں، تو میں نے ان کو گرفتار عذاب کرلیا، تو میری گرفت ان کے حق میں کیسی رہی؟ یعنی وہ برمحل واقع ہوئی، اور اسی طرح آپ کے رب کا حکم کافروں کے بارے میں ثابت ہوگیا (اور وہ حکم) لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ ہے، کہ وہ دوزخی ہیں (أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ النَّارِ) كَلِمَةُ سے بدل ہے، عرش کے اٹھانے والے فرشتے، اور وہ فرشتے جو عرش کے گرداگرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں، حمد کے ساتھ ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں یعنی سبحان اللہ وبحمدہٖ کہتے ہیں (اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ) مبتداء ہے (يُسَبِّحُوْنَ) اس کی خبر ہے، اور اللہ تعالیٰ پر پوری بصیرت کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کرتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہوئے کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے ہر چیز کا اپنی رحمت اور علم سے احاطہ کر رکھا ہے، یعنی تیری رحمت اور تیرا علم ہر شئی کو حاوی ہے تو جن لوگوں نے شرک سے توبہ کی اور تیرے راستہ (یعنی) دین اسلام پر چلے ان کو معاف کردے اور نار جہنم سے بچالے، اے ہمارے پروردگار تو ان کو ہمیشگی کی جنت میں داخل فرما، جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ داداؤں کو اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں مَنْ صَلَحَ کا عطف هُمْ پر ہے جو وَاَدْخِلْهُمْ میں ہے یا اس هُمْ پر ہے جو وَعَدْتَّهُمْ میں ہے، بلاشبہ تو اپنی صنعت میں غالب باحکمت ہے اور تو ان کو برائیوں یعنی ان کے عذاب سے محفوظ رکھ اور جس کو تو نے قیامت کے دن برائیوں (کے عذاب) سے بچالیا، بے شک تو نے اس پر رحمت کردی اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَقَابِلِ التَّوْبِ.

سوال: غَافِرِ الذَّنْبِ اور قَابِلِ التَّوْبِ دونوں کا مفہوم ایک ہے تو پھر قابل التوب کو ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

جواب: وقابل التوب میں واؤ لاکر اشارہ کردیا کہ دونوں میں مغائرت ہے اس لئے کہ محو ذنوب بغیر توبہ کے ممکن ہے اور بعض ذنوب میں قبول توبہ ممکن ہے اور بعض میں نہیں، لہٰذا ان کے درمیان کوئی تلازم نہیں ہے، اسی مغائرت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے واؤ کا اضافہ فرمایا، تاکہ واؤ مغائرت پر دلالت کرے۔

قولہ: مَصْدَرٌ لفظ مصدر کے اضافہ کا مقصد ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تَوبٌ، توبۃٌ کی جمع ہے مفسر علام نے لفظ مصدر کا اضافہ کرکے بتادیا کہ توبٌ بھی مصدر ہے۔

قولہ: مُشَدِّدُہٗ.

سوال: شدید کی تفسیر مُشَدِّدٌ سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: شدید العقاب، اضافت الصفة المشبهة الی الفاعل کے قبیل سے ہے، جو کہ اضافت لفظیہ کہلاتی ہے، یہ بالاتفاق تعریف کا فائدہ نہیں دیتی اگرچہ اس سے استمرار و دوام کا ارادہ کیا جائے، لہٰذا اس کو لفظ جلالہ یعنی (لفظ) اللہ کی صفت بنانا درست نہیں ہے اس لئے کہ لفظ اللہ اَعرف المعارف ہے، علامہ محلی نے شدید کی تفسیر مشـــددٌ سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ شدید، مشـــددٌ اسم فاعل کے معنی میں ہے، اور اسم فاعل سے اگر استمرار و دوام مراد ہو تو تعریف کا فائدہ دیتا ہے، لہٰذا شدید العقاب کا لفظ اللہ کی صفت واقع ہونا درست ہے، جیسا کہ اَذِیْنٌ بمعنی مُؤَذِّنٌ ہے۔

قولہ: اَلطَّوْلُ بمعنی فضل، یقال لِفلانٍ علٰی فلانٍ طَوْلٌ ای فَضْلٌ و زیادۃٌ طول کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اجر و انعام مراد ہوتا ہے، اسی لئے مفسر علام نے طول کی تفسیر الانعام الواسع سے کی ہے۔

قولہ: وھو موصوفٌ علی الدوام اس عبارت کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے جس کی طرف سابق میں اشارہ کردیا گیا ہے۔

سوال: سوال کا ماحصل یہ ہے کہ اس جملہ میں لفظ اللہ کی چار صفات واقع ہوئی ہیں ① غافر ② قابل ③ شدید ④ ذی الطول، ان میں پہلی تین میں اضافت لفظیہ ہے جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، لہٰذا ان تینوں صفات کا لفظ اللّٰــہ کی صفت واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اضافت لفظیہ اس وقت تعریف کا فائدہ نہیں دیتی جبکہ اس سے دوام و استمرار کا ارادہ نہ کیا جائے، اور اگر دوام و استمرار مراد ہو تو اضافت لفظیہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے، مفسر علام نے اس عبارت سے اشارہ کردیا کہ یہاں استمرار و دوام مراد ہے جو کہ مفید تعریف ہے لہٰذا ان تینوں کا لفظ اللّٰہ کی صفت بننا درست ہے، جیسا کہ مالکِ یومِ الدین میں درست ہے۔

دوسرا جواب: بعض حضرات نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ یہ تینوں مشتقات لفظ اللّٰــہ سے بدل ہیں اور بدل میں تعریف میں مطابقت ضروری نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: فلا یغررك فاجواب شرط پرواقع ہے، اور شرط محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِذا عَلِمْتَ اَنَّهُمْ کفار فَلَا یَغْرُرْكَ اِمهَالُهُمْ فَاِنَّهُمْ ماخُوْذُوْنَ عَنْ قَرِیْب.

قَوْلُهُ: لِیُدْحِضُوْا اِدْحاض سے جمع مذکر غائب منصوب بمعنی مصدر باطل کرنا، زائل کرنا (ف) دَحَض یَدْحَضُ دَحْضًا، دُحُوضًا، مَدْحَضًا پھسلنا، باطل ہونا۔ (لغات القرآن)

قَوْلُهُ: فکیف کان عِقاب یہ دراصل عِقَابِی تھا، مصحف امام کے رسم الخط کی اتباع میں ی کو حذف کردیا گیا، کیف اسم استفہام کان کی خبر مقدم ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور عقاب، کان کا اسم مرفوع ہے، علامت رفع ماقبل (ی) متکلم محذوف پر ضمہ مقدرہ ہے۔

قَوْلُهُ: بدلٌ من الکلمۃ اگر لفظ کلمہ سے خاص اَنَّهُمْ اصحابُ النارِ مراد ہے، تو یہ بدل الکل من الکل ہوگا، اور اگر کلمۃ سے لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مراد ہو جیسا کہ علامہ محلی نے مراد لیا ہے تو یہ بدل الاشتمال ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں کلمہ اصحاب النار کو بھی مشتمل ہوگا۔

قَوْلُهُ: فاغفر فافصیحہ ہے اِغفر صیغہ امر ہے۔

قَوْلُهُ: وقِهِمْ واو عاطفہ ہے اس کا عطف فاغفر پر ہے قِهِمْ، قِ فعل امر حذف حرف علت پر مبنی ہے ھا مفعول بہ اول اور عذاب الجحیم مفعول ثانی ہے۔

قَوْلُهُ: ای عذابها اس عبارت سے اشارہ کردیا کہ السیئات کا مضاف محذوف ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

سورۂ مومن (غافر) کی خصوصیات اور فضائل:

یہاں سے سورۂ احقاف تک سات سورتیں حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں، ان کو "حوامیم" کہا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ حوامیم دیباج قرآن ہیں، دیباج ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں، مراد زینت ہے، اور مسعر بن کدام فرماتے ہیں کہ ان کو عرائس کہا جاتا ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک مغز اور خلاصہ ہوتا ہے قرآن کا مغز اور خلاصہ حوامیم ہیں۔ (بحوالہ معارف)

ہر بلا سے حفاظت کا نسخہ:

مسند بزار میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شروع دن میں آیت الکرسی اور سورۂ مؤمن کی پہلی تین آیتیں حٰمٓ سے اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ تک پڑھنے والا اس دن ہر برائی اور تکلیف سے

محفوظ رہے گا، اس کو ترمذی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بھی روایت کیا ہے، اس میں ایک راوی متکلم فیہ ہے۔ (ابن کثیر، معارف)

دشمن سے حفاظت:

ابوداؤد و ترمذی میں صحیح سند کے ساتھ حضرت مہلب بن ابی صفرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ایسے شخص نے روایت کی جس نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ کسی جہاد کے موقع پر رات میں حفاظت کے لئے فرما رہے تھے کہ اگر تم پہ شب خون مارا جائے تو حٰمٓ لا ینصرون پڑھ لینا۔ (معارف ملخصًا)

ایک عجیب واقعہ:

ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ان آیات سے متعلق ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے، حضرت ثابت بنانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ میں حضرت مصعب بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے ساتھ کوفے کے ایک علاقہ میں تھا میں اس خیال سے کہ دو رکعت پڑھ لوں ایک باغ میں چلا گیا، میں نے نماز سے پہلے سورۂ حٰمٓ کی ابتدائی آیتیں اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ تک پڑھیں، اچانک دیکھا کہ ایک شخص میرے پیچھے ایک سفید خچر پر سوار ہے، جس کے بدن پر یمنی کپڑے ہیں، اس شخص نے مجھ سے کہا کہ جب تم غافر الذنب کہو تو اس کے ساتھ یہ دعاء کرو، یا غافِرَ الذنب اِغفرلی ذنبی اور جب تم قابل التوب پڑھو تو یہ دعاء پڑھو، یا قابلَ التوبِ اقبَلْ توبَتی اور جب تم شدید العقاب پڑھو، تو یہ دعا کرو یا شدیدَ العقابِ لا تُعَاقِبْنی اور جب ذی الطول پڑھو تو یہ دعاء کرو یا ذا الطول طُل عَلَیَّ بخیرٍ۔

ثابت بنانی کہتے ہیں کہ اس سے یہ نصیحت سننے کے بعد جو ادھر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا، میں اس کی تلاش میں باغ کے دروازے پر آیا، لوگوں سے معلوم کیا، کہ کیا ایک ایسا شخص یمنی لباس میں یہاں سے گذرا ہے؟ سب نے کہا ہم نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا، ثابت بنانی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ الیاس عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ تھے۔ (ابن کثیر، معارف)

آیات کی تفسیر:

حٰمٓ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ اللہ کا نام ہے، مگر ائمہ متقدمین کے نزدیک یہ حروف مقطعات میں سے ہے، جن کی حقیقی مراد اللہ ہی کو معلوم ہے یا اللہ اور اس کے رسول کے درمیان ایک راز ہیں۔

غافِرِ الذنب، قابل التوبِ، غافر الذنب کے معنی ہیں گناہ پر پردہ ڈالنے والا، اور قابل التوب کے معنی ہیں توبہ کا قبول کرنے والا، یہ دو لفظ الگ الگ لائے گئے ہیں، اگرچہ دونوں کا مفہوم بظاہر تقریباً ایک ہی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں دونوں کے مفہوم میں فرق ہے، غافر الذنب میں اس طرف اشارہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات پر بھی قدرت ہے کہ کسی بندے کا گناہ بغیر توبہ کے بھی معاف کر دے، توبہ کرنے والوں کو معافی دینا یہ دوسرا وصف ہے۔ (مظہری)

جدال فی القرآن کی ممانعت کا صحیح مطلب:

مَا یُجَادِلُ فِیْ آیٰتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اس آیت میں جدال فی القرآن کو کفر قرار دیا گیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِنَّ جدالاً فی القرآن کفرٌ یعنی بعض جدال قرآن میں کفر ہیں۔ (رواہ البغوی والبیهقی فی الشعب)

یہ جدال جس کو قرآن وحدیث میں کفر کہا گیا ہے اس سے مراد قرآنی آیات میں طعن کرنا اور فضول قسم کے شبہات نکال کر اس میں جھگڑنا، یا کسی آیت کے ایسے معنی بیان کرنا جو دوسری آیات قرآن اور نصوص سنت کے خلاف ہوں جو تحریف قرآن کے درجہ میں ہے ورنہ جس جدال (بحث ومباحثہ) کا مقصد ایضاح حق اور ابطال باطل اور منکرین ومعترضین کے شبہات کا ازالہ ہو وہ مذموم نہیں ہے بلکہ محمود ومستحسن ہے۔ (بیضاوی، قرطبی، مظهری ملخصًا)

فَلَا یَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِی الْبِلَادِ مشرکین قریش موسم سرما میں یمن کا اور موسم گرما میں ملک شام کا تجارتی سفر کرتے تھے اور حرم بیت اللہ کی خدمت کی وجہ سے ان کا سارے عرب میں احترام تھا اس لئے یہ لوگ اپنے سفروں میں محفوظ ومامون رہتے تھے، اور خوب تجارتی نفع کماتے تھے، اور اسی وجہ سے ان کی مالداری اور سرداری قائم تھی ظہور اسلام کے ابتدائی دور میں بھی ان کی یہی صورت حال تھی، جس کی وجہ سے یہ حضرات اس بے جا پندار میں مبتلا تھے کہ اگر اللہ کے نزدیک ہم مجرم ہوتے جیسا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں تو ہماری یہ نعمتیں سلب ہو جاتیں، اس سے بعض مسلمانوں کو بھی کچھ شبہات پیدا ہونے کا امکان تھا، اس لئے اس آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت ومصلحت سے ان کو چند روزہ مہلت دے رکھی ہے، اس سے آپ یا مسلمان کسی دھوکے میں نہ پڑیں، چند روزہ مہلت کے بعد ان پر عذاب آنے ہی والا ہے اور ان کی یہ ریاست وسرداری فنا ہونے والی ہے، جس کی ابتداء غزوۂ بدر سے ہوگئی اور فتح مکہ تک چھ سال کی قلیل مدت میں اس کا مکمل ظہور ہوگیا۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ اس آیت میں فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت اور ان کے کام کا تذکرہ ہے، یہ ان فرشتوں کی جماعت ہے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور وہ جو عرش کے اردگرد ہیں، ان کا ایک کام یہ ہے کہ یہ اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں اور اس کے سامنے عجز وتذلل کا اظہار کرتے ہیں، دوسرا کام یہ کہ اہل ایمان کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں، اَخرَجَ ابو الشیخ عن وهب حملة العرش اربعة الخ ابوالشیخ نے وہب سے بیان کیا کہ حاملین عرش چار فرشتے ہیں قیامت کے دن ان کی تعداد آٹھ ہو جائے گی۔ (روح المعانی، ابن کثیر) حاملین عرش اور مقرب فرشتے مومنین کے لئے یہ دعاء بھی کرتے ہیں وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ یعنی ان کے آباؤ اجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جن میں مغفرت کی صلاحیت ہو یعنی جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو، ان کو بھی انہیں لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل فرما، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو شرط نجات ہے، اگر مذکورہ اہل جنت کے آباؤ اجداد کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو اگرچہ عمل میں اس درجہ کے نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ ان متعلقین کو بھی محض اپنے فضل وکرم سے جنت میں انہیں کے ساتھ کردیں گے اور ان کو ایک درجہ میں کرنے کی یہ شکل ہوگی کہ ان میں سے جو ان جنتیوں سے نیچے درجہ میں ہوں گے ان کو

ترقی دیکر اوپر کے درجہ میں پہنچا دیا جائے گا نہ یہ کہ اوپر کے درجہ والوں کی تنزلی کر کے نیچے کے درجہ میں لاکر یکجا کیا جائیگا، اسی کو ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ.

حضرت سعید بن مسیّب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ مومن جب جنت میں جائے گا تو اپنے باپ بیٹے، بھائی وغیرہ کو پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں اس کو بتلایا جائے گا کہ انہوں نے تمہارے جیسا عمل نہیں کیا اس لئے وہ یہاں نہیں پہنچ سکے، یہ کہے گا کہ میں نے جو عمل کیا تھا وہ صرف اپنے لئے نہیں کیا تھا بلکہ اپنے اور ان کے لئے کیا تھا تو حکم ہوگا کہ ان کو بھی جنت میں داخل کردو۔

(ابن کثیر، معارف)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ مِنْ قِبَلِ الْمَلٰئِكَةِ وهم يمقتون انفسهم عند دخولهم النار **لَمَقْتُ اللّٰهِ** اياكم **اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ** في الدنيا **اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿١٠﴾ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ** اماتتين **وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ** احياءتين لانهم كانوا نطفا امواتا فاحيوا ثم اميتوا ثم احيوا للبعث **فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا** بكفرنا بالبعث **فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ** من النار والرجوع الى الدنيا لنطيع ربنا **مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿١١﴾** طريق وجوابهم لا **ذٰلِكُمْ** اى العذاب الذى انتم فيه **بِاَنَّهٗ** اى بسبب انه في الدنيا **اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ** بتوحيده **وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ** يجعل له شريك **تُؤْمِنُوْا** تصدقوا بالاشراك **فَالْحُكْمُ** في تعذيبكم **لِلّٰهِ الْعَلِيِّ** على خلقه **الْكَبِيْرِ ﴿١٢﴾** العظيم **هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ** دلائل توحيده **وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا** بالمطر **وَمَا يَتَذَكَّرُ** يتعظ **اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾** يرجع عن الشرك **فَادْعُوا اللّٰهَ** اعبدوه **مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ** من الشرك **وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١٤﴾** اخلاصكم منه **رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ** اى الله عظيم الصفات او رافع درجات المؤمنين في الجنة **ذُو الْعَرْشِ** خالقه **يُلْقِي الرُّوْحَ** الوحي **مِنْ اَمْرِهٖ** اى قوله **عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ** يخوف الملقى عليه الناس **يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿١٥﴾** بحذف الياء واثباتها يوم القيمة لتلاقي اهل السماء والارض والعابد والمعبود والظالم والمظلوم فيه **يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ** خارجون من قبورهم **لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ** يقوله تعالى ويجيب نفسه **لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾** اى لخلقه **اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾** يحاسب جميع الخلق في قدر نصف نهار من ايام الدنيا لحديث بذلك **وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ** يوم القيمة من ازف الرحيل قرب **اِذِ الْقُلُوْبُ** ترتفع خوفا **لَدَى** عند **الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ** ممتلئين غما حال من القلوب عوملت بالجمع بالياء والنون معاملة اصحابها **مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ** محب **وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿١٨﴾** لا مفهوم للوصف اذ لا شفيع لهم اصلا فما لنا من شافعين اوله مفهوم بناء على زعمهم ان لهم شفعاء اى لو شفعوا فرضا لم يقبلوا **يَعْلَمُ** اى الله

خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ بِمُسَارَقَتِهَا النَّظَرَ اِلٰى مُحَرَّمٍ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾ اَلْقُلُوْبُ وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَعْبُدُوْنَ اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مِنْ دُوْنِهٖ وَهُمُ الْاَصْنَامُ لَا يَقْضُوْنَ بِشَىْءٍ فَكَيْفَ يَكُوْنُوْنَ شُرَكَاءَ لِلّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ لِاَقْوَالِهِمْ الْبَصِيْرُ ﴿٢٠﴾ بِاَفْعَالِهِمْ.

ترجمہ: کافروں سے فرشتوں کی جانب سے پکار کر کہہ دیا جائے گا اور وہ جہنم میں داخل ہوتے وقت خود اپنے اوپر غصہ ہوں گے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی تمہارے اوپر غضبنا کی کہیں زیادہ تھی تمہارے اپنے اوپر غصہ ہونے سے جس وقت کہ تم کو دنیا میں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا مگر تم نہیں مانتے تھے تو وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا اس لئے کہ وہ بے جان نطفے تھے بعد ازاں ان کو زندہ کیا گیا، پھر ان کو موت دی گئی پھر ان کو بعث کے لئے زندہ کیا گیا سو ہم اپنے گناہوں (یعنی) انکار بالبعث کا اقرار کرتے ہیں تو کیا نار دوزخ سے نکلنے اور دنیا کی طرف واپس جانے کی کوئی صورت ہے تاکہ ہم اپنے پروردگار کی اطاعت کریں، ان کو جواب دیا جائے گا، نہیں، یہ یعنی وہ عذاب جس میں تم مبتلا ہو اس سبب سے ہے کہ دنیا میں جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا تھا تو تم اس کی توحید کا انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا یعنی اس کا شریک ٹھہرایا جاتا تھا تو اس کو مان لیتے تھے (یعنی) شرک کرنے کی تصدیق کرتے تھے پس اب تم کو عذاب دینے کے بارے میں فیصلہ اس اللہ کا ہے جو اپنی مخلوق پر برتر اور عظیم ہے، وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں یعنی اپنی توحید کے دلائل دکھلاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے بارش کے ذریعہ روزی اتارتا ہے، نصیحت تو وہی حاصل کرتا ہے جو شرک سے رجوع کرتا ہے تم اللہ کو پکارتے رہو (یعنی) اس کی بندگی کرتے رہو دین کو اس کے لئے شرک سے خالص کر کے گو کافر تمہارے (دین کو) شرک سے خالص کرنے کو ناپسند کریں (تم اس کی پرواہ نہ کرو) اس لئے کہ وہ یعنی اللہ رفیع الدرجات ہے عظیم الصفات ہے، اور جنت میں مومنین کے درجات کو بلند کرنے والا ہے، عرش کا مالک یعنی اس کا خالق ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے کلام سے وحی نازل کرتا ہے، تاکہ وہ یعنی (صاحب وحی) جس پر وحی نازل کی جاتی ہے لوگوں کو ملاقات کے دن سے ڈرائے (تلاق) میں (ی) کے حذف واثبات کے ساتھ ہے (اور وہ) قیامت کا دن ہے، اس میں زمین اور آسمان والوں اور عابد و معبود اور ظالم و مظلوم کے ملنے کی وجہ سے جس دن سب لوگ ظاہر ہوں گے یعنی اپنی قبروں سے نکلیں گے ان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج کس کی بادشاہت ہے؟ اور خود ہی جواب دے گا فقط اللہ ہی کی جو یکتا ہے اور اپنی مخلوق پر غالب ہے آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا آج (کسی قسم کا) ظلم نہیں اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے تمام مخلوق کا دنیا کے دنوں میں سے نصف دن کی مقدار میں حساب کر دے گا، حدیث میں اسی طرح وارد ہونے کی وجہ سے اور ان کو قریب آنے والے دن (کی مصیبت) یعنی قیامت کے دن سے آگاہ کیجئے یہ اَزِفَ الرَّحِیْلُ بمعنی قَرُبَ سے ماخوذ ہے جبکہ دل خوف کی وجہ سے اچھل کر حلق تک پہنچ رہے ہوں گے (یعنی کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے) گھٹ گھٹ

رہے ہوں گے غم میں ڈوبے ہوئے ہوں گے (کاظمین) قلوب سے حال ہے (کاظمین) میں یا اور نون کے ساتھ جمع لاکر صاحب قلوب کا سا معاملہ کیا گیا (یعنی قلوب سے اصحاب القلوب مراد ہیں) ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے وصف (یعنی یُطاع) کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے اس لئے کہ سرے سے ان کا کوئی شفیع ہی نہ ہوگا (نہ مطاع اور نہ غیر مطاع) ان کے قول فما لنا من شافعین کے بقول (ہمارا کوئی سفارشی نہیں) یا وصف (یطاع) کا مفہوم مخالف ہے، ان کے گمان کے مطابق کہ ان کے سفارشی ہیں، یعنی بالفرض اگر سفارش کریں تو ان کی سفارش قبول نہ کی جائے، وہ یعنی اللہ آنکھوں کی خیانت یعنی حرام چیزوں کی طرف دزدیدہ نگاہی کو اور دلوں کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ ٹھیک فیصلہ کرے گا، اس کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں (بندگی کرتے ہیں) اور وہ بت ہیں (تَدْعونَ) میں یا اور تا کے ساتھ، وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کرسکتے تو پھر وہ اللہ کے کس طرح شریک ہوسکتے ہیں، بلاشبہ اللہ ان کے اقوال کا خوب سننے والا اور ان کے افعال کا دیکھنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یُنادَونَ جمع مذکر حاضر مضارع مجہول مصدر مُنَادَاۃٌ (مفاعلۃ) ان کو پکارا جائے گا۔

قولہ: یَمْقُتُوْنَ اَنْفُسَھُمْ ای یَبْغُضُوْنَ اَنْفُسَھُمْ (ن) مَقْتًا کسی کو جرم کے ارتکاب کی وجہ سے ناپسند کرنا، دشمن سمجھنا۔

قولہ: تُدْعَوْنَ مضارع جمع مذکر حاضر مجہول (مصدر) دعاء۔

قولہ: اَمَتَّنَا تو نے ہم کو موت دی، مصدر اِمَاتَۃٌ موت دینا، ماضی واحد مذکر حاضر نا ضمیر جمع متکلم۔

قولہ: اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ، اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ دونوں جگہ اِثْنَتَیْنِ مصدر محذوف کی صفت ہے، ای اَمَتَّنَا اماتتینِ اثنَتَینِ و اَحْیَیْتَنَا اِحیاءَ تَیْنِ دونوں جگہ مصدر کو حذف کرکے صفت کو ان کے قائم مقام کردیا گیا ہے، مفسر علام نے اِماتتین اور اِحیاتَتین کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ یہ دونوں مصدر محذوف ہیں اور اثنتین صفت۔

قولہ: ذلکم بأنَّہٗ، ذلکم اسم اشارہ مبتداء، مشارٌ الیہ، عذاب، بِأنَّہٗ مبتداء کی خبر۔

قولہ: ای اللّٰہ عظیم الصفات اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رفیعٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور مبتداء محذوف کی خبر ہے ای ھُوَ مُنَزَّہٌ فِی صِفَاتِہٖ عن کل نقصٍ.

قولہ: اَوْ رَافِعٌ، فعیل مبالغہ کا صیغہ بمعنی فاعل ہے۔

قولہ: مِنْ اَمْرِہٖ جار مجرور یُلقِی کے متعلق ہے مِنْ ابتداء غایت کے لئے ہے۔

قولہ: یُخَوِّفُ المُلقٰی عَلَیْہِ النَّاسَ، المُلقٰی علیہ، یخوِّفُ کا فاعل ہے، النَّاسَ مفعول ہے، اور مُلقٰی عَلَیْہِ سے مراد، رسول یا نبی ہے۔

قولہ: تلاق ایک دوسرے سے ملاقات کرنا، باہم جمع ہونا، یہ اصل میں تَلَاقِــی تھا، جو باب تفاعل کا مصدر ہے، آخر سے (ی) حرف علت حذف ہوگئی اس میں اثبات (ی) اور اسقاط (ی) دونوں جائز ہیں۔

قولہ: لِتَلاقی اهل السماء والارض الخ یہ قیامت کے دن کا یوم التلاق نام رکھنے کی علت کا بیان ہے۔

قولہ: یــومَ هــم بـارزون، یـومَ التـلاقِ سے بدل الکل ہے، یوم جملہ اسمیہ کی طرف مضاف ہے، هـم مبتداء، بارِزونَ خبراول لا یَخفٰی خبرثانی لَا یَـخفٰی، بارِزونَ کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے، زمخشری نے حال کو راجح قرار دیا ہے۔

قولہ: لِـمَـنِ الـملكُ اليومَ یہ روز قیامت واقع ہونے والے سوال و جواب کی حکایت ہے یعنی اللہ قیامت کے روز لمن الملك اليوم کہہ کر سوال فرمائیں گے اور خود ہی لِلّٰهِ الواحد القهار کہہ کر جواب دیں گے لِمَنْ خبر مقدم ہے، اور اَلملكُ مبتداء مؤخر ہے۔

قولہ: لِـلّٰـهِ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای اَلْـمُـلْكُ لِلّٰـهِ زمخشری نے کہا ہے، قیامت کے دن ایک منادی ندا دے گا، لِمَنِ المُلكُ اليومَ؟ تو اہل محشر جواب دیں گے لِلّٰهِ الواحدِ القَهّارِ.

قولہ: اليومَ تُجْزٰی، اليومَ تجزیٰ کا ظرف مقدم ہے اور كُلُّ نفسٍ. تُجزیٰ کا نائب فاعل ہے۔

قولہ: الآزِفَةُ یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، یہ اَزِفَ الرحيل سے مشتق ہے ای قَرُبَ، قیامت چونکہ دن بدن قریب ہو رہی ہے، اسی وجہ سے اس کو آزِفَة کہا گیا ہے۔

قولہ: الـحناجِر یہ حَنْجَرٌ کی جمع ہے بمعنی گلا (مختار میں ہے) الـحَـنْـجَـرةُ بالفتح و الحُنجُورُ بالضم الْحُلقُومُ وبالفارسية گلو.

قولہ: کـاظمین یہ کاظِمٌ کی جمع مذکر سالم ہے، یہ الـقلوب سے حال ہے قاعدہ کے مطابق کاظمَةً ہونا چاہئے، اس لئے کہ قلوب غیر ذوی العقول ہیں، مگر کـاظـمین جو کہ ذوی العقول کی صفت ہے، اس کی نسبت قلوب کی طرف کی گئی ہے جو کہ غیر ذوی العقول ہیں تو گویا کہ غیر ذوی العقول کے ساتھ ذوی العقول کا معاملہ کیا گیا اسی مناسبت سے کـــاظـمةً کے بجائے کـاظمین لائے ہیں، کظمٌ کے معنی ہیں نہایت غم و غصہ کی حالت میں دم بخود رہ جانا، ایسی صورت میں بولا جاتا ہے، خون کے گھونٹ پینا جس کو فارسی میں خشم فروخوردن کہتے ہیں۔

قولہ: یَـعلَمُ خائِنَةَ الاَعْيُن یہ سابق میں مذکور هـوَ الَّذِیْ يُرِيْكُمْ الخ میں هُوَ مبتداء کی خبر ثانی ہے الَّذِی يرِيكُمْ خبر اول ہے (دوسری ترکیب یہ ہوسکتی ہے) کہ یَـعْـلَـمُ خـائِنَةَ الاَعْيُن، هو، مبتداء محذوف کی چوتھی خبر ہے، ① پہلی رفیع الدرجات ② دوسری ذوالعرش ③ تیسری يُلقِی الروح ④ چوتھی يَعْلَمُ خَائِنَةَ الاَعْيُن.

تفسیر وتشریح

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنَادَوْنَ یہ کافروں کے دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کی حالت کا بیان ہے، کفار ومشرکین جب دوزخ میں داخل ہونے کے بعد دنیا میں اپنے کفر وشرک اختیار کرنے پر حسرت وافسوس کا اظہار کریں گے اوران کو خود اپنی ذات سے نفرت ہوگی، یہاں تک کہ مارے غصے کے اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھا جائیں گے جیسا کہ درمنثور میں حضرت حسن سے روایت ہے، تو اس وقت کافروں سے کہا جائے گا کہ جیسی تم کو اس وقت اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو تم سے نفرت تھی جبکہ تم کو ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم نہیں مانا کرتے تھے، اللہ کی اس ناراضگی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج تم جہنم میں ہو۔

دوموت اور دوزندگیوں سے کیا مراد ہے؟

جمہور مفسرین کی تفسیر کے مطابق دوموتوں میں سے پہلی موت تو وہ نطفہ ہے جو باپ کی پشت میں ہوتا ہے، یعنی اس کے وجود سے پہلے اس کے عدم کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے، اور دوسری موت وہ ہے، جس سے انسان اپنی زندگی گذار کر ہمکنار ہوتا ہے، اور اس کے بعد قبر میں دفن ہوجاتا ہے، اور دوزندگیوں میں سے پہلی زندگی یہ دنیوی زندگی ہے جس کا آغاز ولادت سے اور اختتام وفات پر ہوتا ہے، اور دوسری زندگی وہ ہے جو روز قیامت قبروں سے اٹھنے کے بعد حاصل ہوگی، ان ہی دونوں موتوں اور زندگیوں کا تذکرہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸ میں بھی کیا گیا ہے وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ.

جہنم میں داخل ہونے کے بعد مشرکین اپنے شرک وکفر کے جرم کا اعتراف واقرار کریں گے جبکہ اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اور اظہار ندامت وپشیمانی کریں گے جبکہ پشیمانی کچھ کام نہ آئے گی۔

رفیع الدرجات ''درجات'' سے بعض حضرات نے صفات مراد لی ہیں یعنی رفیع الدرجات کا مطلب ہے رفیع الصفات یعنی اس کی صفات کمال سب سے زیادہ رفیع الشان ہیں، ابن کثیر نے اس کو اپنے ظاہر پر رکھ کر یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اس سے مراد رفعت عرش عظیم کا بیان ہے کہ وہ تمام زمینوں اور آسمانوں پر حاوی ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے رفیع الدرجات کو رافع الدرجات کے معنی میں لیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مومنین متقین کے درجات کو بلند فرمانے والے ہیں، جیسا کہ قرآن کی آیات اس پر شاہد ہیں نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ مذکورہ دونوں معنی کی طرف مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنی تفسیری عبارت سے اشارہ کردیا ہے۔

یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ روح سے مراد وحی ہے، جس کو اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب کرکے اس پر نازل کرتا ہے، وحی کو روح سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ جس طرح روح میں انسانی زندگی کی بقاء وسلامتی کا راز مضمر ہے، اسی طرح وحی سے بھی ان

انسانی قلوب میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے جو پہلے کفر و شرک کی وجہ سے مردہ تھے۔

یَوْمَ ھُمْ بَارِزُوْنَ (الآیۃ) قیامت کے دن تمام انسان اس کے سامنے میدان حشر میں جمع ہوں گے، اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، اور کہے گا میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

(صحیح بخاری سورۂ زمر)

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ کَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وفی قراءۃ منکم وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ من مصانع وقصور فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اہلکہم بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٢١﴾ عذابہ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ کَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ بالمعجزات الظاہرات فَکَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿٢٣﴾ برہان بین ظاہر اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا ہو سٰحِرٌ کَذَّابٌ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ بالصدق مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْیُوْا استبقوا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا کَیْدُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿٢٥﴾ ہلاک وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی لانہم کانوا یکفونہ عن قتلہ وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ ۚ لیمنعہ منی اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ من عبادتکم ایای فتتبعونہ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ من قتل وغیرہ وفی قراءۃ او وفی اخری بفتح الیاء والہاء وضم الدال وَقَالَ مُوْسٰٓی لقومہ وقد سمع ذلک اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ ع ٨

ترجمہ: کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں؟ کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا کیسا کچھ انجام ہوا وہ باعتبار قوت و طاقت کے اور باعتبار زمین میں اپنی یادگاروں کے، ان سے بہت بڑھے ہوئے تھے اور وہ یادگاریں پانی کے بڑے بڑے حوض اور محلات تھے، اور ایک قراءت میں مِنْهُمْ کی بجائے مِنْکُمْ ہے، پس اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا (ہلاک کر دیا) اور کوئی نہ ہوا جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا لیتا، یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلے معجزے لیکر آتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے سو اللہ نے ان کو گرفت میں لے لیا، یقیناً وہ طاقتور اور سخت عذاب والا ہے اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی آیتوں اور واضح دلیلوں کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا (یہ تو) جادوگر (اور) جھوٹا ہے، پس جب (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہماری طرف سے حق لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ ان پر جو ایمان لانے والے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کر دو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو اور کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی، اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کر دوں، اس لئے کہ وہ اس کو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل سے منع کرتے تھے اور اسے چاہئے کہ اپنے رب کو بلا لے تاکہ وہ اس کو مجھ سے بچا سکے، مجھے تو اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یعنی تمہارے

میری عبادت کرنے کو، کہ تم اسی کی اتباع کرنے لگو، اور ملک میں کوئی (بہت بڑا) فساد برپا نہ کردے (مثلاً) قتل وغیرہ ایک قراءت میں (واؤ کے بجائے) اَوْ ہے، اور دوسری میں یُظْهِرُ کی بجائے یَظْهَرُ (ی اور ہا) کے فتحہ اور (دال) کے ضمہ کے ساتھ ہے اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا حال یہ کہ موسیٰ اس بات کو یعنی اپنے قتل کی بات کو سن چکے تھے، میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں ہر تکبر کرنے والے شخص (کی برائی) سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: فینظروا کَیْفَ کَانَ عاقِبةُ الَّذینَ کانُوْا مِن قبْلِهِم کانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ، کیفَ، کانَ کی خبر مقدم ہے، عاقِبَةُ، کانَ کا اسم جملہ ہوکر ینظر کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے کانُوا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قوةً وَّاٰثارًا فِی الارضِ، کانُوْا فعل ناقص اس کے اندر ضمیر اس کا اسم اَشَدَّ خبر هُمْ ضمیر فصل قُوَّةً تمیز معطوف علیہ اٰثارًا معطوف۔

سُوَال: ضمیر فصل دو معرفوں کے درمیان واقع ہوتی ہے نہ کہ دو نکروں یا ایک معرفہ اور ایک نکرہ کے درمیان، یہاں هُمْ معرفہ اور اَشَدَّ نکرہ کے درمیان واقع ہے۔

جَوَاب: نکرہ اگر مشابہ بالمعرفہ ہو تو ضمیر فصل کا نکرہ اور معرفہ کے درمیان میں واقع ہونا درست ہوتا ہے، یہاں اَشَدُّ جو کہ نکرہ ہے مشابہ بالمعرفہ ہے، اس لئے کہ اس پر الف لام کا داخل ہونا منع ہے، اس لئے کہ اسم تفضیل جب مقرون بمِن ہو تو اس پر الف لام داخل نہیں ہوا کرتا، اور یہ مشابہ بالمعرفہ ہونے کی علامت ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُهُ: مَصَانِعُ یہ مصنع کی جمع ہے، مصنع متعدد معانی میں مستعمل ہے، بڑا حوض جس میں بارش کا پانی جمع ہو، نیز قلعے اور محلات کو بھی کہتے ہیں مفسر علام نے اٰثارًا کی تفسیر مصانع اور قصور سے کی ہے، قصور قصر کی جمع ہے محلات کو کہتے ہیں، مصانع سے قلعے اور بڑے تالاب یعنی ڈیم مراد ہو سکتے ہیں۔

قَوْلُهُ: عذابه اس سے حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے مِن اللّٰه ای مِنْ عذابِ اللّٰه.

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

گذشتہ آیات میں آخرت کے احوال اور اس کی ہولناکیوں کا بیان تھا، اب دنیا کے احوال سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے، کہ یہ لوگ ذرا زمین میں چل پھر کر ان قوموں کا انجام دیکھیں جو ان سے پہلے اس جرم تکذیب میں ہلاک ہو چکی ہیں، جس کا ارتکاب

یہ کررہے ہیں، درانحالیکہ گذشتہ قومیں قوت وآثار میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں، لیکن جب ان پر اللہ کا قہر نازل ہوا تو ان کو کوئی نہ بچاسکا، اسی طرح تم پر بھی عذاب آسکتا ہے، اگر آگیا تو پھر تمہارا کوئی پشت پناہ نہ ہوگا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَاتِيْهِمْ (الآیة) یہ ان کی ہلاکت کی علت کا بیان ہے، اور وہ ہے اللہ کی آیتوں کا انکار اور اس کے رسولوں کی تکذیب، اب سلسلۂ نبوت ورسالت تو بند ہے، تاہم آفاق وانفس میں بے شمار آیات الٰہی بکھری اور پھیلی ہوئی ہیں، علاوہ ازیں وعظ وتذکیر اور دعوت وتبلیغ کے ذریعہ علماء اور داعیان حق ان کی وضاحت اور نشاندہی کے لئے موجود ہیں، اس لئے آج بھی جو آیات الٰہی سے اعراض اور دین وشریعت سے غفلت کرے گا، اس کا انجام مکذبین اور متکبرین رسالت سے مختلف نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا موسیٰ بِاٰيٰتِنَا (الآیة) آیات سے مراد وہ نو نشانیاں بھی ہوسکتی ہیں جن کا تذکرہ متعدد بار آچکا ہے، یا ان میں سے دو بڑے معجزے عصا اور ید بیضاء مراد ہوسکتے ہیں، سلطانٌ مبینٌ سے مراد قوی دلیل اور حجت واضح ہیں، جس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ ہو بجز ڈھٹائی اور بے شرمی کے۔

اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُوْنَ فرعون مصر میں قبطیوں کا بادشاہ تھا بڑا ظالم وجابر، اور رب اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا، اس نے حضرت موسیٰ کی قوم کو غلام بنا رکھا تھا، اور ان پر قسم قسم کی سختیاں کرتا تھا، جیسا کہ قرآن میں متعدد مقامات پر اس کی تفصیل موجود ہے، ہامان فرعون کا وزیر ومشیر خاص تھا، اور قارون اپنے وقت کا مالدار ترین شخص تھا، ان سب نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی تکذیب کی اور انہیں جادوگر اور کذاب کہا۔

قَالُوا اقْتُلُوْا اَبْنَاءَ الَّذِيْنَ آمَنُوا مَعَهٗ (الآیة) فرعون لڑکوں کے قتل کا کام پہلے سے بھی کررہا تھا تاکہ وہ بچہ پیدا نہ ہو جو نجومیوں کی پیش گوئی کے مطابق اس کی بادشاہت کے لئے خطرے کا باعث تھا، موسیٰ کی بعثت اور ان کے معجزات دیکھنے کے بعد دوبارہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اس کا ایک مقصد موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی تذلیل وتوہین تھی نیز یہ کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے وجود کو اپنے لئے نحوست ومصیبت سمجھیں، جیسا کہ بنی اسرائیل نے ایک موقع پر کہا بھی تھا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا (اعراف) اے موسیٰ! (علیہ الصلاۃ والسلام) تیرے آنے سے قبل بھی ہم اذیتوں سے دوچار تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے۔

قال قتادة: هذا قتلٌ غيرَ القتل الاَوّل قتل کا یہ دوسرا حکم اول حکم کے علاوہ ہے۔

(فتح القدیر شوکانی، ایسر التفاسیر، ثائب، معارف)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْ اَقْتُلْ مُوْسٰی فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو تاکہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو قتل کردوں، فرعون نے یہ بات یا تو اس وجہ سے کہی کہ اہل دربار میں سے کچھ لوگوں نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے قتل کو مصلحت ملکی کے خلاف سمجھا ہو، کہ عام چرچا ہوجائے گا، کہ ایک بے سروسامان شخص سے ڈر گئے، یا لوگوں کو یہ تاثر اور مغالطہ دینا تھا کہ اب تک موسیٰ کو صرف اس لئے قتل نہیں کیا کہ درباریوں کی رائے نہیں تھی ورنہ موسیٰ کو قتل سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے معجزات باہرہ

دیکھنے کے بعد خود فرعون کا حوصلہ نہیں تھا، کہ ان کو قتل کردے، مبادا کسی آسمانی عذاب میں مبتلا ہوجائے، اس لئے کہ فرعون کو دل میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچا رسول ہونے کا یقین تھا، مگر لوگوں کو بے وقوف بنانے اور اپنی ریاست باقی رکھنے کے لئے ایسی حرکتیں کرتا تھا، اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرانے کے دو مقصد تھے، اول یہ کہ بنی اسرائیل کی عددی قوت میں اضافہ نہ ہو، دوسرے یہ کہ اس کی عزت میں کمی نہ ہو، فرعون کو یہ دونوں مقصد حاصل نہیں ہوئے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم ہی کو غرق دریا کردیا، اور بنی اسرائیل کو بابرکت زمین کا مالک بنادیا۔

وَقَالَ موسٰی اِنی عُذْتُ بربی (الآیۃ) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم میں جب یہ بات آئی کہ فرعون مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے شر سے بچنے کے لئے دعاء مانگی، نبی کریم ﷺ کو جب کسی دشمن کا خطرہ ہوتا تھا تو یہ دعاء مانگا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نحورِهم ونعوذُبك من شرورهم (مسند احمد) اے اللہ ہم تجھ کو ان کے مقابلہ میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ قِيل هو ابنُ عمِّه **يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ** اي لِاَنْ **يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** بالمُعجزاتِ الظاهراتِ **مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ** اي ضَرَرُ كذبه **وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ** به من العذاب عاجلًا **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ** مُشرك **كَذَّابٌ** ۝ مُفترٍ **يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ** غالبين حالٌ **فِي الْاَرْضِ ۡ** ارض مِصرَ **فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ** عذابِه اِنْ قتلتُم اولياءَه **اِنْ جَاۗءَنَا ۭ** اي لا ناصرَ لنا **قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى** اي ما اُشيرُ عليكم الا بما اُشيرُ به على نفسي وهو قتلُ موسٰى **وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ** ۝ طريقَ الصَّواب **وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ** ۝ اي يوم حِزبٍ بعد حِزبٍ **مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ** **مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ** مِثلَ بدلٌ من مثلِ قبلَهُ اي مِثلَ جزاءِ عادةِ مَن كَفرَ قبلَكم من تعذيبهم في الدُّنيا **وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ** ۝ **وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ** ۝ بحذفِ الياءِ واِثباتها اي يومَ القيمة يكثُرُ فيه نداءُ اَصحاب الجنَّةِ اَصحابَ النار وبالعَكس والنِّداءُ بالسَّعادةِ لِاَهلها والشَّقاوةِ لِاَهلها وغير ذلك **يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ** عن موقف الحساب الى النَّار **مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ** من عذابه **مِنْ عَاصِمٍ ۚ** مانعٍ **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ** ۝ **وَلَقَدْ جَاۗءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ** اي قبلَ موسٰى وهو يوسفُ بنُ يعقوبَ في قولٍ عُمِّرَ الى زمان موسٰى او يوسفُ بنُ اِبراهيمَ بن يوسفَ بنِ يعقوبَ في قولٍ **بِالْبَيِّنٰتِ** بالمعجزاتِ الظاهراتِ **فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَاۗءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ** من غير بُرهانٍ **لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ** اي فلن تزالوا كافرين بيوسفَ وغيره **كَذٰلِكَ** اي مِثلَ اِضلالِكم

يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُشرِكٌ مُّرْتَابٌ ﴿٣٤﴾ شاكٌ فيما شهدتْ به البيناتُ اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُعجزاتِه مُبتدأ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ بُرهانٍ اَتٰهُمْ كَبُرَ جدالُهم خبرُ المبتدإِ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ اى مِثْلَ اِضلالِهم يَطْبَعُ يختِمُ اللّٰهُ بالضَّلالِ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾ بتنوينِ قلبٍ ودونِه ومتى تكبَّرَ القلبُ تكبَّرَ صاحبُه وبالعكسِ وكُلٌّ على القِراءَتَيْنِ لِعُمومِ الضلالِ جميعَ القلبِ لا لِعُمومِ القُلوبِ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا بِناءً عالِيًا لَّعَلِّيْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿٣٦﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ طُرُقَها المُوصِلةَ اليها فَاَطَّلِعَ بالرَّفعِ عَطفًا على اَبلُغُ وبالنَّصبِ جوابًا لِابنِ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ اى مُوسٰى كَاذِبًا في اَنَّ له اِلٰهًا غيري وقالَ فرعونُ ذلك تمويهًا وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ طريقِ الهُدٰى بفتحِ الصَّادِ وضَمِّها وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿٣٧﴾ خَسارٍ.

ترجمہ: اور ایک مومن شخص نے جو فرعون کے خاندان میں سے تھا کہا گیا ہے کہ وہ اس کا چچازاد بھائی تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کہا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمہارے رب کی جانب سے دلیلیں یعنی کھلے ہوئے معجزے لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کے جھوٹ کا (وبال) اسی پر ہے، اور اگر وہ سچا ہو تو جس دنیوی عذاب کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ تم پر آپڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کی رہبری نہیں کرتے جو (شرک کر کے) حد سے تجاوز کرنے والا ہو، جھوٹا ہو، اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے کہ تم ملک مصر پر غالب ہو، خدا کے عذاب میں ہماری کون مدد کرے گا اگر ان کے قتل کی وجہ سے ہمارے اوپر آپڑا یعنی ہمارا کوئی مددگار نہ ہوگا، فرعون نے کہا میں تو تم کو وہی رائے دے رہا ہوں جس کو میں (بہتر) سمجھ رہا ہوں، یعنی میں تم کو وہی مشورہ دے رہا ہوں جو میرے دل میں ہے اور وہ یہ کہ موسیٰ کو قتل کرنا ہی مناسب ہے میں تم کو وہی رائے دے رہا ہوں جو صحیح ہے، اس شخص نے کہا جو مومن تھا، اے میری قوم کے لوگو! مجھے تو تمہارے بارے میں دوسری قوموں کے جیسے روز (بد) کا اندیشہ ہے یعنی یکے بعد دیگرے قوموں کے دنوں کا جیسا کہ قوم نوح اور عاد و ثمود اور ان کے بعد والوں کا (حال ہوا) بعد کا مثل، پہلے، مثل سے بدل ہے، یعنی دنیا میں ان لوگوں جیسی عذاب کی سزا جنہوں نے تم سے پہلے کفر کیا، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا اور اے میری قوم (کے لوگو!) مجھے تم پر ہانک پکار کے دن کا بھی ڈر ہے (تناد) میں یا کے حذف و اثبات کے ساتھ، مراد قیامت کا دن ہے، اس لئے کہ اس روز جنتیوں کی دوزخیوں کو اور دوزخیوں کی جنتیوں کو کثرت سے ہانک پکار ہوگی، اور سعادت مندوں کو سعادت کی اور شقیوں کو شقاوت وغیرہ کی (ہانک پکار بکثرت ہوگی) جس دن (موقف حساب سے) دوزخ کی طرف تم پیٹھ پھیر کر لوٹو گے، تم کو خدا کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا، اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی نہیں اور اس سے پہلے تمہارے پاس (حضرت) یوسف (علیہ الصلوٰۃ والسلام) دلیلیں کھلے معجزے لے کر آئے یعنی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے اور وہ ایک قول میں یوسف بن یعقوب ہیں،

ان کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ تک طویل عمر عطا کی گئی، یا ایک قول میں یوسف بن ابراہیم بن یوسف بن یعقوب ہیں پھر بھی تم ان کی لائی ہوئی دلیلوں کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو بغیر دلیل کے کہنے لگے اب اس کے بعد ہرگز اللہ کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا، یعنی ہمیشہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر (رسولوں) کے منکر رہے، اسی طرح یعنی جیسا کہ تم کو گمراہ کیا، اللہ ہر اس شخص کو گمراہ کرتا ہے جو شرک کر کے حد سے تجاوز کرنے والا ہے اور اس بات میں شک کرنے والا ہو جس کی دلائل شہادت دیتے ہیں جو لوگ اللہ کی آیتوں معجزات میں بغیر کسی دلیل کے کہ جو ان کے پاس آئی جھگڑتے ہیں (الذین) مبتداء ہے، کَبُرَ جدالھم اس کی خبر ہے، اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ تو بہت بڑی ناراضگی کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر مغرور سرکش کے قلب پر گمراہی کی مہر لگا دیتا ہے، قلب، تنوین اور بغیر تنوین کے درست ہے اور جب قلب تکبر کرتا ہے تو صاحب قلب بھی تکبر کرتا ہے اور اس کا عکس بھی اور کُلّ دونوں قراءتوں کی صورت میں، پورے قلب کی گمراہی کو بیان کرنے کے لئے ہے نہ کہ تمام قلوب کی گمراہی کے عموم کو بیان کرنے کے لئے فرعون نے کہا اے ہامان تو میرے لئے ایک بلند عمارت بنا شاید کہ میں راہوں پر پہنچ جاؤں یعنی آسمان کی راہوں پر جو آسمانوں تک پہنچانے والی ہوں، اور موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھ لوں اَطَّلِعُ کے رفع کے ساتھ ابلغ پر عطف کر کے، اور نصب کے ساتھ، ابنِ امر کا جواب ہونے کی وجہ سے اور میں تو موسیٰ کو اس بات میں یقیناً جھوٹا سمجھتا ہوں کہ اس کا میرے علاوہ کوئی معبود ہے، یہ بات فرعون نے تلبیس کے طور پر کہی (یعنی لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے) اور اسی طرح فرعون کی بداعمالیاں اس کو بھلی دکھائی گئیں، اور اس کو راہ ہدایت سے روک دیا گیا صُدَّ میں صاد کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ اور فرعون کا ہر حیلہ ناکام ہی رہا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: قَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَکْتُمُ اِیْمَانَہٗ (الآیۃ) یہ کلام مستانف ہے، اگر رجلٌ سے آل فرعون کا رجل قبطی مراد ہو جیسا کہ مفسر کی رائے ہے تو رَجُلٌ موصوف مؤمنٌ صفت اول مِنْ آل فرعون صفت ثانی اور یَکْتُمُ اِیْمَانَہٗ صفت ثالث ہوگی، موصوف اپنی تینوں صفات سے مل کر قالَ کا فاعل ہو کر قول اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا الخ مقولہ اَنْ یَقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ جملہ ہو کر اَتَقْتُلُوْنَ کا مفعول لہ ہے، اور اگر رجل مومن سے مراد اسرائیلی ہو جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے تو مِن آل فرعون، یَکْتُمُ سے متعلق ہوگا اور یَکْتُمُ کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہوگا، ترجمہ یہ ہوگا وہ رجل مومن اپنے ایمان کو آل فرعون سے مخفی رکھے ہوئے تھا، (اول قول راجح ہے)۔

قِوْلُہٗ: رَبِّیَ اللّٰہُ، ربی مبتداء اللّٰہ اس کی خبر او علی العکس.

قِوْلُہٗ: وَقَدْ جَاءَ کُمْ بِالْبَیِّنٰتِ واؤ حالیہ قَدْ حرف تحقیق الخ جملہ ہو کر رجلًا سے یا یقول کی ضمیر سے حال ہے، مگر رجلًا سے حال قرار دینے میں اعتراض ہے۔ (روح المعانی)

قَوْلُہُ: یَكُ، کون مصدر سے واحد مذکر غائب مضارع مجزوم، علامت جزم نون محذوفہ پر سکون مقدر اصل میں یکُنْ تھا، نون کو تخفیفاً حذف کردیا گیا، یَكُ کے اندر ھو ضمیر اس کا اسم کاذبًا اس کی خبر۔

قَوْلُہُ: اِنَّ اللّٰہَ لا یَھْدِی مَنْ ھُوَ مُسرِف کذّابٌ اس کلام کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی ہوسکتا ہے اور فرعون علیہ اللعنۃ سے بھی، اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق ہو تو مطلب یہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معجزات ظاہر کرنے کی توفیق وہدایت عطا فرمائی اور جس کا یہ حال ہو تو وہ مسرف وکذاب نہیں ہوسکتا، لہٰذا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مسرف وکذاب نہیں ہیں، ورنہ تو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت معجزات وبینات نہ دیتے، اور اگر اس کا تعلق فرعون سے ہو تو مطلب یہ ہوگا فرعون موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے ارادہ میں مسرف ہے اور دعوائے الوہیۃ میں کذاب ہے اور جس کی یہ صفت ہو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نصیب نہیں کرتے۔ (صاوی)

قَوْلُہُ: ظاھرین یہ لَکُمْ کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُہُ: مَا اُشِیْرُ عَلَیْکُمْ اِلَّا بِمَا اُشِیْرُ بِہٖ عَلٰی نَفْسِی یہ اللہ تعالیٰ کے قول مَا اُرِیْکُمْ اِلَّا مَا اَرٰی کی حاصل معنی کے ذریعہ تفسیر ہے، ورنہ تو الفاظ کی رعایت سے یہ تفسیر ہوگی مَا اعلمکم اِلَّا مَا عَلِمْتُ من الصواب.

قَوْلُہُ: یوم حِزْبٍ بعد حزبٍ یہ یوم الْاحزاب کی تفسیر ہے اس کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یوم الْاحزاب سے مراد اَیَّامُ الْاَحْزَاب ہے، اس لئے کہ گذشتہ امتوں پر عذاب ایک ہی روز واقع نہیں ہوا بلکہ مختلف ایام ومختلف زمان میں نازل ہوا۔

قَوْلُہُ: مِثْلَ جزاء عَادَۃِ مَنْ کَفَرَ قبلکم لفظ جزاء محذوف مان کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کردیا۔

قَوْلُہُ: عادۃِ، دأبٌ کی تفسیر ہے اور مَنْ کفرَ سے مراد امم سابقہ ہیں جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔

قَوْلُہُ: وغیرَ ذٰلك ای مثل نداء بالویل والثبور ونداء المؤمن ھاؤمُ اقرءُوْا کِتَابِیَہْ ویُنَادِی الکافرُ یا لَیْتَنِی لَمْ اُوْتَ کِتَابِیَہْ.

قَوْلُہُ: یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ مَالَکُمْ مِنَ اللّٰہِ مِنْ عَاصِمٍ. یوم تُوَلُّوْنَ، یَوْمَ التنادِ سے بدل ہے۔

قَوْلُہُ: مَالَکُمْ مِنَ اللّٰہِ مِنْ عاصمٍ مَا نافیہ حجازیہ ہے لَکُمْ خبر مقدم، مِنَ اللّٰہِ جار مجرور عاصم سے متعلق ہے من عاصمٍ میں مِن زائدہ عاصمٍ، مَا کا اسم مؤخر، جملہ ہو کر تُوَلُّوْنَ کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُہُ: اَلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ یہ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ سے بدل ہے۔

سُؤَالٌ: اَلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ جمع ہے اور مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ واحد ہے، جمع کا واحد سے بدل واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ سے مسرف واحد مراد نہیں ہے، بلکہ کل واحد یعنی ہر مسرف مراد ہے لہٰذا جمع کا بدل واقع ہونا درست ہے۔

دُوسرا جَوَابٌ: مَن سے باعتبار معنی کے بدل ہے نہ کہ باعتبار لفظ کے۔

سَوَال: کَبُرَ کا فاعل کون ہے؟

جَوَاب: کَبُرَ کے اندر ضمیر ھُوَ جو کہ باعتبار لفظ کے مَنْ ھُوَ مسرف کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ الخ اَلَّذِینَ حذف مضاف کے ساتھ مبتداء، اور کَبُرَ اس کی خبر اس کے اندر ضمیر جو مضاف محذوف کی طرف راجع ہے، جو یجادلون سے مفہوم ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، جِدَالُ الَّذِینَ یُجَادِلُوْنَ کَبُرَ مَقْتًا، مقتًا تمیز ہے، جو فاعل سے منقول ہے، ای کَبُرَ مقتُ جدالِھِمْ.

قَوْلُہٗ: وعند الذین آمنوا ای و کَبُرَ مقتًا ایضًا عند الَّذِیْنَ آمنوا.

قَوْلُہٗ: علٰی کُلِّ قَلْب مُتَکَبِّرٍ جبَّارٍ قلب میں دو قراءتیں ہیں قَلْبٍ پر تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین کے ابو عمرو اور ذکوان نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے، اور تکبر و تجبر کو قلب کی صفت قرار دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور سرکش قلب پر مہر کر دیتا ہے اور باقیوں نے بغیر تنوین کے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی ہر متکبر اور سرکش کے قلب پر مہر لگا دیتا ہے، یعنی تکبر و تجبر کو صاحب قلب کی صفت قرار دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: مَتٰی تَکَبَّرَ القلبُ تکبّر صاحِبُہٗ و بالعکس اس عبارت کے اضافہ کا مقصد دونوں قراءتوں میں تطبیق دینا ہے، تطبیق کا خلاصہ یہ ہے کہ تکبر و سرکشی کی نسبت خواہ قلب کی طرف کیجائے یا صاحب قلب کی جانب دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے اس لئے کہ قلب کا تکبر صاحب قلب کے لئے اور صاحب قلب کا تکبر قلب کے لئے لازم ہے۔

قَوْلُہٗ: وَکُلِّ عَلَی القراءتَینِ لعموم الضلال جمیعَ القلب لا لِعمومِ القلوبِ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ کُلِّ قلبِ متکبرٍ میں کُلّ سے مراد کل مجموعی ہے، نہ کہ کل افرادی، قلب کو تنوین کے ساتھ پڑھا جائے یا بغیر تنوین کے دونوں صورتوں میں کُلِّ مجموعی مراد ہے، کل مجموعی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متکبر اور سرکش کے پورے قلب پر مہر لگا دیتا ہے، قلب کا کوئی جز بغیر مہر لگائے نہیں چھوڑتا، یعنی قلب کے کسی جز میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی، اور کُلِّ افرادی کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہر قلب پر مہر لگا دیتا ہے کسی قلب کو بغیر مہر لگائے نہیں چھوڑتا، یعنی تمام متکبرین و سرکشوں کے قلوب پر مہر ضلالت ثبت کر دیتا ہے۔

مگر مفسر علام کا دونوں صورتوں میں کُلٌّ سے کُلِّ مجموعی مراد لینا قاعدہ معروفہ کے خلاف ہے، اس لئے کہ قاعدہ معروفہ یہ ہے کہ کُلٌّ جب نکرہ پر داخل ہو یا جمع معرفہ پر داخل ہو تو عموم افراد کے لئے ہوتا ہے، مثلاً کُلُّ قلبٍ یا کُلُّ القلوبِ دونوں کا مطلب ہے تمام قلوب اور جب مفرد معرفہ پر داخل ہو تو عموم اجزاء کے لئے ہوتا ہے یعنی قلب کا ہر ہر جز مراد ہوتا ہے، مثلاً کہا جاتا ہے کُلُّ رُمّانٍ حُلْوٌ ہر انار میٹھا ہے یعنی جتنے بھی انار ہیں سب میٹھے ہیں، اور اگر کہا جائے کُلُّ الرُّمَّانِ حُلْوٌ پورا انار میٹھا ہے یعنی اس کا کوئی جز کھٹا نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: اَسْبَابَ السمٰوٰتِ تکرار کی حکمت تفصیل بعد الابہام ہے، جو کہ تفخیم و تعظیم پر دلالت کرتی ہے۔

قَوْلُہٗ: بالرفع اس عبارت کا مقصد فَاطَّلِعُ کے اعراب کی وضاحت کرنا ہے، اگر رفع پڑھا جائے تو اَبْلُغُ پر عطف ہوگا

اور اگر نصب پڑھا جائے تو ابن فعل امر کا ان کی تقدیر کے ساتھ جواب ہوگا۔

قَوْلُهُ: بفتح الصاد وضمها اگر صدّ کے صاد پر فتحہ پڑھا جائے تو فاعل فرعون ہوگا اور اگر صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو نائب فاعل فرعون ہوگا یعنی فرعون کو راہِ حق وصواب سے روک دیا گیا۔

قَوْلُهُ: اِلَّا فی تبابٍ. تبابٌ تبَّ یتبُّ (ض) کا مصدر ہے بمعنی ہلاکت، نقصان۔

تَفسِیر وتَشریح

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِنْ آلِ فرعونَ اوپر مشرکین ومتکبرین توحید ورسالت کی وعید کے ضمن میں کفار کا خلاف وعناد مذکور تھا جس سے طبعی طور پر رسول اللہ ﷺ کو حزن وملال ہوتا تھا، آپ ﷺ کی تسلی کے لئے تقریباً دو رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور فرعون کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، اس قصہ میں ایک طویل مکالمہ فرعون اور قوم فرعون کے ساتھ اس بزرگ شخص کا جو خود آل فرعون سے ہونے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات دیکھ کر ایمان لے آیا تھا، مگر مصلحتاً چھپائے ہوئے تھا، اس مکالمہ کے وقت اس کے ایمان کا بھی حتمی اعلان ہوگیا۔

رجل مومن کون تھا؟

ائمہ تفسیر میں سے مقاتل اور سدی نے فرمایا کہ یہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا، اور یہی وہ شخص تھا کہ جس نے اس وقت جبکہ قبطی کے قتل کے واقعہ میں فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے مشورہ کی شہر کے کنارے سے آکر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی تھی، اور یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ آپ فوراً مصر سے باہر چلے جائیں، جس کا واقعہ سورۂ قصص میں بیان فرمایا وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا المدینۃِ یَسْعیٰ.

اس رجل مومن کا کیا نام تھا؟

اس رجل مومن کے نام میں اختلاف ہے، بعض مفسرین نے اس کا نام حبیب بتایا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ حبیب اس شخص کا نام ہے جس کا قصہ سورۂ یٰسین میں آیا ہے اور بعض حضرات نے اس کا نام یشمعان بتایا ہے، سہیلی نے اس نام کو اصح قرار دیا ہے، اور دیگر حضرات نے اس کا نام حزقیل بتایا ہے، ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی قول نقل کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدیقین چند ہیں، ایک حبیب نجار جس کا قصہ سورۂ یٰسین میں ہے دوسرا مومن آل فرعون، تیسرے ابوبکر صدیق اور یہ ان میں افضل ہیں (قرطبی، معارف) خلاصۃ التفاسیر جلد چہارم میں فتح محمد تائب رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس مرد مومن کا نام حزقیل تھا، ان کا پیشہ نجاری تھا، ان ہی نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے صندوق بنایا تھا، جس میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ نے ان کو بند کر کے دریا میں ڈال دیا تھا، اور یہ شخص

آل فرعون سے تھا، مصلحتاً اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا، ان کو بھی جادوگروں کے ساتھ سولی دیدی گئی تھی۔

شبہ: رجل مؤمن کا یہ کہنا کہ اِنْ یَكُ کاذِبًا فعلَیْهِ کِذبُهٗ یعنی اگر موسیٰ جھوٹا ہے تو اس کے کذب کا وبال خود اسی پر پڑے گا، درست نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ کاذب کا کذب اسی پر محصور نہیں رہتا، بلکہ اغوائے عوام اور افشاء فساد میں اس کے نہایت دور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور خاص طور پر جبکہ کذب دعوائے نبوت کے بارے میں ہو، ورنہ تو مدعیان نبوتِ کاذبہ کا دعوائے نبوت کیوں قابل تعزیر جرم قرار پائے؟ اور کیوں ان کے ساتھ جنگ و جہاد کیا جائے؟ ان کو بھی ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہئے، وہ جانیں، ان کا کام حالانکہ ایسا نہیں ہے، آپ ﷺ نے مسیلمۃ الکذاب کے ساتھ جنگ کی تھی۔

دفع: قتل و جہاد کا حکم اس وقت ہے جبکہ کاذب کا کذب یقینی ہو اور اس کذب کی تاثیر یقینی اور دور رس ہو، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور فرعون کے واقعہ میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کاذب ہونا متیقن نہیں تھا، درصورت احتمال کذب اسے اس کے حال پر چھوڑ دینے کے سوا اور تدبیر نہیں، لہٰذا ان کو قتل کا حکم کرنا ظلم اور ناانصافی تھی۔

(ایسر التفاسیر، ملخصًا، الانموذج للشیخ محمد بن ابی بکر رازی)

شبہ: اِنْ یَّكُ صَادِقًا یُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ رجل مؤمن کا یہ کہنا کہ اگر موسیٰ سچے ہوئے تو اس عذاب کا کچھ حصہ تم کو ضرور پہنچے گا، حالانکہ انبیاء کے تمام وعدے مکمل سچے ہوتے ہیں، بعض کا صادق ہونا اور بعض کا صادق نہ ہونا، چہ معنی دارد؟

دفع: اس شبہ کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں اول یہ کہ یہاں بعض کل کے معنی میں ہے اور لبید کے اس شعر سے استدلال کیا ہے:

تراك امكنة اذا لم ارضها ۔۔۔ او یرتبط بعض النفوس حمامها

وقد یدرك المتأنی بعض حاجته ۔۔۔ وقد یكون مع المستعجل الزلل

(روح المعانی)

اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں دنیا کا عذاب مراد ہے نہ آخرت کا، اور دنیا کا عذاب آخرت کے مقابلہ میں بعض ہے، اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ بعض کا ذکر تلطف اور نرمی کے طور پر ہے تا کہ مخاطب وحشت زدہ ہو کر عناد و فساد پر نہ اتر آئے۔

یَوْمَ التَّنَادِ، تَنَادِ اصل میں تَنَادِیٌ تھا، یوم کی اضافت کی وجہ سے آخر سے حرف علت (ی) ساقط ہوگئی، فریاد کرنا، پکارنا روز قیامت کو یوم التناد اس لئے کہا گیا ہے کہ اس روز بے شمار ندائیں اور آوازیں ہوں گی، جیسا کہ مروی ہے کہ جنتی دوزخیوں کو اور دوزخی جنتیوں کو پکاریں گے، اور ہر شخص اپنے پیشوا کے ساتھ پکارا جائے گا، اور ملائکہ پکاریں گے اے فلاں بن فلاں تو ایسا سعید ہوا کہ جس کے بعد کبھی شقاوت نہیں اور اے فلاں بن فلاں تو ایسا شقی ہوا کہ کبھی سعادت کا منہ نہ دیکھے گا۔ رواہ ابن ابی عاصم فی السنۃ۔ (ایسر التفاسیر، تائب)

کَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ یعنی جس طرح فرعون و ہامان کے قلب نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مؤمن آل فرعون کی نصیحتوں سے کوئی اثر نہیں لیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر ایسے قلب پر مہر لگا دیتے ہیں جو متکبر اور جبار ہو، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس میں نور ایمان داخل نہیں ہوتا، اور اس سے اچھے برے کی تمیز سلب کر لی جاتی ہے، اس آیت میں متکبر اور جبار کو قلب کی صفت قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اخلاق و اعمال کا منبع اور سرچشمہ قلب ہی ہے، برے عمل کا تعلق قلب ہی سے ہے، عالم اصغر میں قلب کا مقام بادشاہ کا ہے اور دماغ کا وزیر اعضاء کا مقام خدام و کارندوں کا ہے، حکم کا صدور قلب سے ہوتا ہے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کی تدبیر اور منصوبہ بندی دماغ کرتا ہے، اور اعضاء اس منصوبہ کو روبعمل لاکر پایۂ تکمیل کو پہنچاتے ہیں، حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا (یعنی دل) ایسا ہے جس کے درست ہونے سے سارا بدن درست ہو جاتا ہے اور اس کے خراب ہونے سے سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ (قرطبی)

چند اہم فائدے:

اس مقام پر چند فائدے قابل غور ہیں:

① وعظ و نصیحت میں جہاں تک ہو سکے وہ عنوان اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے سامعین کو وحشت و نفرت نہ ہو، اور ناصح کو چاہئے کہ فریق و مدعی کے قائم مقام نہ بنے، جیسا کہ اس مرد خدا نے غیر جانبدار رہ کر کس تلطف اور نرمی سے وہ تمام مضامین جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائے ادا کر دیئے۔

② ترتیب و تدریج اور لحاظ تاثیر پیش نظر رہے، دیکھو اس مرد مومن نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقانیت و حقیقت بڑی خوبی سے بیان کی، پھر ایک عقلی حصر سے فرعون کو قائل کیا کہ ایسی بے جا مزاحمت روا نہیں۔

③ پھر اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور گذشتہ امتوں کی ہلاکت کی نظیر پیش کی تاکہ ان کو تنبیہ ہو۔

④ اس کے بعد قیامت کا ذکر کر کے آخرت کا خوف دلایا، اور حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاص طور پر ذکر اس لئے کیا کہ انسان اس بات سے زیادہ متاثر ہوتا ہے جو اس کے حالات اور سرگذشت سے مناسب تر ہو، پھر ان کو تکذیب و انکار سے روکا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا، صرحٌ کے معنی بلند اور نمایاں عمارت کے ہیں، اس کا پس منظر یہ ہے کہ فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ ایسی بلند عمارت تعمیر کرو جو آسمان کے قریب تک چلی جائے، جس پر چڑھ کر میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدا کو جھانک کر دیکھ لوں، یہ احمقانہ خیال تو کوئی ادنیٰ سمجھ کا آدمی بھی نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ بادشاہ مصر ملک مصر کے مالک فرعون کا یہ خیال اگر واقعی تھا کہ میں بلند عمارت پر چڑھ کر خدا کو دیکھ سکتا ہوں تو یہ اس کی انتہائی بے وقوفی اور دماغ کی خرابی کی دلیل ہے، اور اگر وزیر نے فرعون کے مذکورہ حکم کی تعمیل کی تو پھر ''وزیرے چنیں شہریار چناں''، کا مصداق ہے، کسی والی ملک بلکہ ادنیٰ سمجھ کے شخص سے بھی ایسی امید نہیں کی جا سکتی، اس لئے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ تو وہ بھی جانتا تھا کہ کتنی ہی بلند عمارت تعمیر کرے وہ

آسمان تک نہیں پہنچ سکتا، مگر اپنے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے یہ حرکت کی تھی، پھر کسی صحیح اور قوی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ ایسا کوئی محل تعمیر ہوا یا نہیں، قرطبی نے نقل کیا ہے کہ یہ تعمیر کرائی گئی تھی جو بلندی پر پہنچتے ہی منہدم ہوگئی۔

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ باثباتِ الیاءِ وحذفِها اَھْدِکُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ تَقَدَّمَ یٰقَوْمِ اِنَّمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ تَمَتُّعٌ یزولُ وَّاِنَّ الْاٰخِرَۃَ ھِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَۃً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَھَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ بضمِّ الیاءِ وفتحِ الخاءِ وبالعکسِ یُرْزَقُوْنَ فِیْھَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ رزقًا واسعًا بلا تَبِعَۃٍ وَیٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوۃِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَکْفُرَ بِاللّٰہِ وَاُشْرِکَ بِہٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْکُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الغالبِ علی اَمرِہٖ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لِمَنْ تابَ لَاجَرَمَ حقًّا اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ لِاَعْبُدَہٗ لَیْسَ لَہٗ دَعْوَۃٌ فِی الدُّنْیَا ای اِستجابۃُ دعوۃٍ وَلَا فِی الْاٰخِرَۃِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ مرجعَنا اِلَی اللّٰہِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ الکافرِیْنَ ھُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْکُرُوْنَ اِذا عایَنْتُمُ العذابَ مَآ اَقُوْلُ لَکُمْ ۚ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ۚ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ قالَ ذٰلک لما توعَّدُوْہ بمُخالَفۃِ دینِھِم فَوَقٰىہُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِ مَا مَکَرُوْا بہٖ مِنَ القتلِ وَحَاقَ نزلَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ قومِہٖ معَہٗ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ الغرقُ ثم اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا یُحرَقُوْنَ بھا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ صباحًا ومساءً وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ ۫ یُقالُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ وفی قراءۃٍ بفتحِ الھمزۃِ وکسرِ الخاءِ اَمرٌ لِلملٰئکۃِ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ عذابَ جہنَّمَ وَ اذکر اِذْ یَتَحَآجُّوْنَ یتخاصمُ الکفارُ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا جمعُ تابعٍ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ دافعُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا جزءً مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُلٌّ فِیْھَآ ۙ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ حَکَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ فادخلَ المؤمنینَ الجنَّۃَ والکافرینَ النارَ وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَۃِ جَھَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّکُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا ای قدرَ یومٍ مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا ای الخزنۃُ تہکُّمًا اَوَلَمْ تَکُ تَاْتِیْکُمْ رُسُلُکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۭ المعجزاتِ الظاھراتِ قَالُوْا بَلٰی ۭ ای فکفرنا بھم قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ اَنتم فانّا لا نَشْفَعُ لِکافرٍ قال تعالٰی وَمَا دُعٰٓؤُا الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ انعدامٍ۔

ترجمہ: اور اس مومن شخص نے کہا اے میری قوم (کے لوگو) میری پیروی کرو (اتَّبِعونی) میں اثبات (ی) اور حذف (ی) کے ساتھ میں تمہاری صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کروں گا تقدَّمَ ای تقدَّمَ قریبًا (یعنی اِلَّا سبیلَ الرشاد کے ضمن میں عنقریب گذر چکا ہے)، اے میری قوم یہ حیات دنیا نہایت قلیل بہت جلد فنا ہونے والی متاع ہے، یقین مانو (کہ قرار) اور ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہی ہے جس نے گناہ کیا اس کو تو برابر کا بدلہ ہی ہے اور جس نے نیکی کی خواہ مرد ہو یا عورت اور حال یہ کہ وہ

باایمان ہوتو یہ لوگ جنت میں جائیں گے (یُدْخَلُوْنَ) میں یاء کے ضمہ اور خاء کے فتحہ کے ساتھ اور اس کا عکس (بھی) وہاں بے شمار بافراغت بلامعاوضہ روزی پائیں گے بغیر احسان اور معاوضہ کے اور اے میری قوم یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو، تم مجھے دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ اس چیز کو شریک کروں کہ جس کا مجھے کوئی علم نہیں، اور میں تم کو ایسی ذات کی طرف بلا رہا ہوں جو اپنے حکم میں غالب ہے، اور توبہ کرنے والے کو معاف کرنے والا ہے یہ بات یقینی ہے کہ تم جس چیز کی بندگی کرنے کے لئے مجھے دعوت دے رہے ہو وہ نہ تو دنیا میں پکارنے کے قابل ہے اور نہ آخرت میں، یعنی ان میں قبولیت دعاء کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور یقین جانو حد سے گذرنے والے یعنی کافر ہی اہل دوزخ ہیں اور جب تم عذاب کو دیکھو گے تو میری باتوں کو عنقریب یاد کرو گے میں اپنا معاملہ اللہ کے حوالہ کرتا ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا نگران ہے یہ بات اس (رجل مومن) نے اس وقت کہی جب اس کو (قتل) کی دھمکی دی گئی اس کے ان (کافروں) کے دین کی مخالفت کرنے کی وجہ سے پس اللہ نے اسے تمام مکروہات (مصائب) سے محفوظ رکھ لیا، جو انہوں نے اس کے قتل کی تدبیریں سوچ رکھی تھیں، اور فرعون والوں پر (یعنی) اس کی قوم پر مع اس (فرعون) کے غرق کا بدترین عذاب الٹ پڑا ابعدازاں آگ ہے جس پر یہ ہر صبح و شام پیش کئے جائیں گے یعنی اس میں جلائے جائیں گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی فرمان ہوگا، اے فرعونیو! سخت ترین جہنم کے عذاب میں داخل ہو جاؤ ایک قراءت میں (اَدْخِلوا) میں ہمزہ کے فتحہ اور خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے، یعنی فرشتوں کو حکم ہوگا (کہ انکو جہنم کے عذاب میں ڈالو) (اس وقت کا) ذکر کرو کہ کفار دوزخ میں آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے کمزور طبقے کے لوگ تکبر والوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے ہی پیرو تھے تَبَعٌ تَابِعٌ کی جمع ہے، تو کیا اب تم ہم سے اس آگ کا کچھ حصہ ہٹا سکتے ہو؟ وہ بڑے (متکبر) لوگ جواب دیں گے ہم تو سب ہی اس آگ میں ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے چنانچہ اس نے مومنین کو جنت میں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کر دیا تمام جہنمی دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن یعنی ایک دن کی مقدار تو ہمارے عذاب میں تخفیف کر دے تو جہنم کے داروغے استہزاءً جواب دیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلے معجزے لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ (ضرور آئے تھے) یعنی ہم ہی نے ان کا انکار کیا وہ کہیں گے پھر تو تم خود ہی دعاء کر لو ہم کسی کافر کی سفارش نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اور کافروں کی دعاء بے اثر محض اور کالعدم ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَقَالَ الَّذِیْ آمَنَ، اَلَّذِیْ اٰمَنَ سے مراد آل فرعون کا رجل مومن ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔ (بیضاوی)

قَوْلُہٗ: باثبات الیاء و حذفھا، اِتبعُونی کی یاء میں حذف واثبات وقف اور وصل دونوں صورتوں میں جائز ہے مگر یہ حذف واثبات تلفظ کی حد تک ہے، رسم الخط میں حذف لازم ہے، اس لئے کہ یہ یاء زائدہ ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: تَمَتّعٌ یَزُوْلُ یعنی دنیاوی زندگی سریع الزوال متاع قلیل ہے متاعٌ میں تنوین تقلیل کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: بِلا تبعةٍ یعنی اس رزقِ بے حساب کا نہ کوئی معاوضہ ہوگا اور نہ اس پر احسان جتانا، ایک نسخہ میں بِلا تبعةٍ کے بجائے بلا تعبَةٍ ہے یعنی بلا مشقتہ۔

قَوْلُہٗ: تدْعُوْنَنِیْ لِاَکْفُرَ الخ یہ تَدْعُوْنَنِیْ اول سے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: لَا جَرَمَ، یقینا اور حقًّا کے ہم معنی ہے، اور در اصل لا محالہ کے معنی میں ہے، توسیع استعمال کے بعد قَسَمَ یا حَقَّ فعل ماضی کے معنی میں استعمال ہونے لگا، سیبویہ اور خلیل کا یہی قول ہے، ابوالبقاء نے حَقًّا یعنی مصدری معنی میں قرار دیا ہے، اور اسی کو جمہور کا مسلک کہا ہے، تفسیر ابو مسعود میں لا کو نافیہ اور جَرَمَ کو فعل ماضی بمعنی حَقَّ کے قرار دیا ہے۔

(لغات القرآن ملخصًا)

قَوْلُہٗ: أنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْہِ مَا اسم موصول بمعنی الَّذِیْ یعنی اَنَّمَا میں ما موصولہ ہے لہٰذا حق یہ تھا کہ ما کو نون سے علیحدہ لکھتے یعنی أنَّ مـا جیسا کہ قاعدہ ہے، لیکن مصحف امام میں مـا کو نون کے ساتھ ملا کر لکھا ہے، لہٰذا اسی کی اقتداء میں اسی رسم الخط کو باقی رکھا گیا ہے، جیسا کہ ابن جزری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: ثُمَّ اَلـنَّـارُ یُعْـرَضُوْنَ عَلَیْھَا، ثُمَّ کا اضافہ کلام مستانف ہونے کی طرف اشارہ ہے، اَلـنَّارُ مبتداء ہے اور یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا جملہ ہو کر مبتداء کی خبر ہے، مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت سے قیام ساعة تک ان کی ارواح کو آگ پر پیش کیا جائے گا۔

قَوْلُہٗ: یَـوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یا تو أدخلوا کا معمول ہے یا یقالُ فعل محذوف کا معمول ہے، تقدیر عبارت یہ ہے یُقَالُ لَھُمْ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ أدخلوا۔

قَوْلُہٗ: دَافِعُوْنَ، مُـغْنُوْنَ کی تفسیر دافعونَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ نـصیبًـا مغنُوْنَ یعنی دافعون کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نصیبًا کے نصب کے لئے فعل مقدر ماننے کی ضرورت نہیں۔

قَوْلُہٗ: قَــدْرَ یَــوم اس کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یوم سے مراد مقدار یوم ہے اس لئے کہ آخرت میں لیل ونہار نہیں ہوں گے جن کے ذریعہ یوم کی تعیین ہوتی ہے اس لئے کہا یوم سے مراد مقدار یوم ہے۔

تَفْسِیر وتَشرِیح

قَـالَ الَّـذِیْ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ فرعون کی قوم سے ایمان لانے والا پھر یولا دعویٰ تو فرعون بھی کرتا ہے کہ میں تمہیں سیدھے راستہ پر چلا رہا ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرعون تو خود بھٹکا ہوا ہے وہ کیا رہنمائی کرے گا، میں جس راستہ کی

نشاندہی کر رہا ہوں وہ سیدھا راستہ ہے، اور وہ وہی راستہ ہے، جس کی طرف تمہیں حضرت موسیٰ دعوت دے رہے ہیں، اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ کی تفسیر سابق رکوع میں قریب ہی گذر چکی ہے، اس چند روزہ سریع الزوال حیات دنیا پر مغرور وفریفتہ مت ہو دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایک گھڑی کے برابر نہیں ہے، ہاں البتہ آخرت کی زندگی کو زوال اور فنا نہیں وہاں تو دوام ہی دوام ہے، نہ وہاں سے کوچ ہوگا اور نہ انتقال جنت کی زندگی ہو یا جہنم کی دونوں زندگیاں ابدی ہوں گی، ایک راحت وآرام کی زندگی ہوگی اور دوسری شقاوت وعذاب کی۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا (الآیة) برائی کی سزا برائی کے برابر ہوگی زیادہ نہیں جو کہ عدل وانصاف کا تقاضہ ہے، اور جن لوگوں نے نیک عمل کئے ہوں گے ساتھ ہی مومن بھی ہوں گے تو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے تو وہاں بے شمار وبے حساب روزی پائیں گے، بے شمار و بے حساب کا مطلب یہ ہے کہ انکے انعامات کا ان کے نیک اعمال کے ساتھ موازنہ ومقابلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کے اعمال صالحہ سے کہیں زیادہ اجر وانعام دیا جائے گا، اس سے یہ بات بھی صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ نیک اعمال کی ایمان کے بغیر کوئی حیثیت نہیں اور نہ محض ایمان سے اعمال صالحہ کے بغیر مکمل کامیابی، اللہ کے نزدیک مکمل کامیابی کیلئے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور عمل صالح کے ساتھ ایمان ضروری ہے۔

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ (الآیة) اے میری قوم یہ کیا ناانصافی کی بات ہے کہ میں تو تم کو توحید کی دعوت دے رہا ہوں، جو راہ نجات ہے اور تم مجھے شرک کی دعوت دے رہے ہو جو انسان کو واصل بہ جہنم کرنے والا ہے لَا جَرَمَ یہ بات یقینی ہے یا اس میں جھوٹ نہیں کہ جن معبودان باطلہ کی طرف تم مجھے دعوت دے رہے ہو ان میں سے کوئی بھی پکار (فریاد) سننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا کہ کسی کو نفع پہنچا سکیں، یا ان کو الوہیت کا استحقاق حاصل ہو ایسی چیزیں بھلا اس لائق ہو سکتی ہیں کہ وہ معبود بن سکیں اور ان کی عبادت کیجائے؟

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ (الآیة) یہ کلام بھی آل فرعون کے رجل مومن کا ہے، آخرکار اپنی قوم کے ایمان لانے اور راہ راست پر آنے سے ناامید اور مایوس ہو کر درد بھرے انداز میں کہتا ہے، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ جب میری باتوں کی صداقت اور جن باتوں سے میں روکتا ہوں ان کی شناعت تم پر واضح ہو جائے گی، تو اس وقت میری ان باتوں کو یاد کرو گے اور اظہار ندامت کرو گے مگر ندامت کا وقت گذر چکا ہوگا اس وقت ندامت سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی سے ہر وقت اعانت طلب کرتا ہوں، اور تم سے بیزاری اور قطع تعلق کا اعلان کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر ہر قول وفعل سے واقف ہے، لہٰذا وہ مستحق ہدایت اور مستحق ضلالت سے بخوبی واقف ہے، مستحق ہدایت کو ہدایت سے نوازتا ہے اور مستحق ضلالت کو ضلالت سے ہمکنار کرتا ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا یعنی رجل مومن کے اظہار حق کی وجہ سے قوم قبط نے اس کے خلاف جو تدبیریں اور سازشیں سوچ رکھی تھیں، اللہ نے ان سب کو ناکام بنا دیا، بلکہ ان کی تدبیریں ان ہی پر پلٹ گئیں جس کے نتیجے میں غرق دریا

کر دیئے گئے اور آخرت میں ان کے لئے دوزخ کا سخت ترین عذاب ہے۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وعَشِيًّا (الآية) فرعون اور فرعونیوں کو برزخ میں اس آگ پر صبح وشام پیش کیا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں روزانہ صبح و شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم میں ان کے مقام کو دکھلا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانہ یہ ہے۔

(اخرجه عبدالرزاق، مظهری، معارف)

عذاب قبر حق ہے:

مذکورہ حدیث سے عذاب قبر کا اثبات ہوتا ہے، عذاب قبر کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں احادیث میں تو بڑی وضاحت سے عذاب قبر کو بیان کیا گیا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا نعم عذاب القبر حقٌّ (بخاری شریف کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر) منکرین عذاب قبر قرآن وحدیث دونوں کی صراحتوں کو قبول نہیں کرتے۔

مذکورہ آیت سے صاف واضح ہے کہ آل فرعون کی صبح وشام آگ پر پیشی قیام قیامت سے پہلے کا واقعہ ہے، اور یہ زندگی برزخ اور قبر ہی کی ہے، قیامت کے روز ان کو قبر (برزخی) زندگی سے نکال کر جہنم کے سخت ترین عذاب میں ڈال دیا جائے گا، بعض بے یقینوں کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو قبر میں مردہ آرام سے پڑا نظر آتا ہے اگر اسے عذاب ہو رہا ہوتا تو اس طرح سکون سے پڑا ہوا نظر نہ آتا، ان کا یہ کہنا لغو اور بے عقلی کی بات ہے، اس لئے کہ عذاب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیں نظر بھی آئے، اللہ تعالیٰ ہر طرح عذاب دینے پر قادر ہے، کیا یہ سامنے کی بات نہیں کہ خواب میں بعض اوقات ایک شخص نہایت خوفناک اور المناک مناظر دیکھ کر سخت کرب واذیت محسوس کرتا ہے مگر دیکھنے والوں کو ذرا بھی محسوس نہیں ہوتا کہ یہ خوابیدہ شخص شدید تکلیف سے دوچار ہے، اس مشاہدہ اور روزمرہ کے تجربہ کے باوجود عذاب قبر کا انکار، محض ہٹ دھرمی اور بے جا تحکم ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ (الآية) آخر کار جہنمی جہنم کے نگران فرشتوں سے سفارش کرنے کی درخواست کریں گے کہ ہماری تو حق تعالیٰ کے دربار میں کوئی شنوائی ہو نہیں رہی، تم ہی رب العالمین سے دعا کرو کہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کچھ تخفیف کر دے، فرشتے جواب دیں گے کہ ہم ایسے لوگوں کے حق میں کیوں کر کچھ کہہ سکتے ہیں کہ جن کے پاس دنیا میں اللہ کے پیغمبر دلائل ومعجزات لے کر آئے لیکن انہوں نے پرواہ نہیں کی؟ جہنم کے نگران فرشتے دوزخیوں سے کہہ دیں گے کہ تم خود ہی دعا کر لو، بالآخر جب وہ خود دعاء کریں گے لیکن ان کی دعاء اور فریاد کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی، اس لئے کہ دنیا میں حجت تمام کی جا چکی ہے، آخرت، توبہ، ایمان اور عمل کی جگہ نہیں، آخرت تو دار الجزاء ہے، دنیا میں جیسا کیا ہوگا بھگتنا ہوگا۔

عذاب قبر اور اس کی حقیقت:

عرف عام میں عالم کی دو قسمیں کی جاتی ہیں، عالم دنیا اور عالم آخرت، اور عالم برزخ جس کا دوسرا نام عالم قبر بھی ہے وہ اسی دنیا کا حصہ ہے جس میں عالم آخرت کے کچھ احکام مترشح ہوتے ہیں، عالم برزخ کی حیثیت عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ایک واسطہ کی سی ہے، دوزخ یا جنت کا فیصلہ ہونے تک انسان کی روح اسی عالم میں رہتی ہے، مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ایک نیا عالم ثابت کرتے ہیں اور اس کا نام عالم ''مثال'' رکھتے ہیں، حضرت فرماتے ہیں کہ بہت سی احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ کائنات میں ایک عالم ایسا بھی پایا جاتا ہے جو غیر مادی ہے یعنی عناصر اربعہ سے بنا ہوا نہیں ہے، اس عالم میں معانی یعنی حقائق کیلئے بھی جسم ہے، اور یہ اجسام مثالی ہیں، ہر معنی کو اس کی حالت کا لحاظ کر کے جسم دیا جاتا ہے، مثلاً بزدلی کو خرگوش کا، یا دنیا کو ایسی بوڑھی بدصورت عورت کا جسم دیا گیا کہ جس کے سر کے بال کھچڑی ہو رہے ہیں، بالوں کی کھچڑی ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی عمر کا زیادہ حصہ ختم ہو گیا، کم حصہ باقی ہے، اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے رشتے ناتے کو پیدا فرمایا تو وہ کھڑا ہو گیا، اور اس نے عرض کیا یہ قطع رحمی سے آپ کی پناہ چاہنے والے کی جگہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تو اس پر راضی ہے کہ جو تجھے کاٹے میں اس کو اپنے سے کاٹوں اور جو تجھے جوڑے میں اسے اپنے سے جوڑوں، رشتے ناتے، نے جواب دیا میں اس پر راضی ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جا، یہ تیرے لئے ہے، یعنی میں اس کی گارنٹی دیتا ہوں۔

(مشكوة، باب البر والصلة، حديث ٤٩١٩)

یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے حدیث طویل ہے، رِحم (بچہ دانی) مراد یہ کہ ددھیالی اور ننھیالی رشتہ داری نے کھڑے ہو کر رحمان کی کمر میں کولی بھر لی، رحمان نے پوچھا کیا بات ہے؟ تب اس نے مذکورہ جملہ کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ جس طرح پناہ لینے کے لئے ماں کی کمر میں کولی بھرتا ہے، رحم نے بھی کولی بھر لی اور قطع رحمی سے پناہ چاہی، جس پر اس سے رحمان نے مذکورہ وعدہ کیا۔

غور کیجئے، رشتہ ناتہ ایک معنوی چیز ہے اس کا جسم نہیں ہے، مگر یہ حدیث اس کے جسم دار ہونے پر دلالت کرتی ہے، یہ جسم مثالی وہ جسم ہے جو اس کو عالم مثال میں ملا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اعمال حاضر ہوں گے پس (سب سے پہلے) نماز آئے گی، پھر خیرات آئے گی، پھر روزہ آئے گا (علىٰ هٰذا القياس) حدیث طویل ہے، (مسند احمد اور مشکوٰۃ کتاب الرقاق، حدیث ۵۲۲۴) یہاں صرف اتنی بات سے غرض ہے کہ اعمال جو جسم دار نہیں ہیں، قیامت کے دن اپنے مثالی اجسام کے ساتھ حاضر ہوں گے، حدیث شریف میں روزہ کی حالت میں غیبت کرنے والی عورت کا واقعہ مشہور ہے، کہ وہ بھوک اور پیاس کی شدت کی وجہ سے لب دم ہو گئی، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا اس نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا ہے، جس کی وجہ سے اس کی یہ کیفیت ہوئی

ہے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو روزہ سے ہے اس نے کچھ کھایا پیا نہیں ہے، آپ نے ارشاد فرمایا حلال چیز سے روزہ رکھا مگر حرام چیز یعنی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا ہے، اس حدیث میں غیبت جو کہ معنوی چیز ہے اس کو عالم مثال میں گوشت کی شکل ی گئی، مذکورہ قسم کی بہت سی روایات ہیں جو عالم مثال کے وجود پر دلالت کرتی ہیں، شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس قسم کی روایتیں بیان فرمائی ہیں، اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ پالنپوری، استاد حدیث دارالعلوم دیوبند نے حجۃ اللہ لبالغہ کی اپنی بہترین شرح رحمۃ اللہ الواسعہ میں اس مضمون کو نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں غور کرنے کے تین طریقے:

❶ ان روایات کو ظاہر پر محمول کیا جائے یعنی بظاہر ان کا جو مفہوم ہے اس کو مان لیا جائے، اس صورت میں عالم مثال تسلیم کرنا پڑے گا، کیونکہ ان روایات کی توجیہ عالم مثال کو تسلیم کئے بغیر ممکن نہیں، عالم مثال کو مان کر یہ توجیہ ہوگی کہ مذکورہ بالا روایات میں بیان فرمودہ تمام باتیں واقعی اور نفس الامری ہیں اور ان کے اجسام ان کے مثالی پیکر ہیں، محدثین کرام کا اصول اسی بات کا متقاضی ہے کہ ان روایات کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے، ان کی کوئی تاویل نہ کی جائے، شاہ صاحب قدس سرہ نے ان ہی روایات کی بنیاد پر عالم مثال ثابت کیا ہے۔

❷ ان روایات کی یہ تاویل کی جائے کہ وہ صرف آدمی کا احساس ہے خارج میں ان میں سے کوئی چیز موجود نہیں، جیسے خواب دیکھنے والا جو امور خواب میں دیکھتا ہے، وہ صرف اس کا احساس ہوتا ہے ان میں سے کوئی چیز خارج میں موجود نہیں ہوتی، حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِحَاللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسی قسم کی توجیہ درج ذیل آیت میں کی ہے، سورۂ دخان آیت ۱۰ میں ارشاد ہے۔

فَـارْتَقِبْ يَوْمَ تَاتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مبين (الآية) سو آپ (کفار مکہ کے لئے) اس دن کا انتظار کیجئے جبکہ آسمان ایک واضح دھواں لے آئے، جو ان سب لوگوں پر عام ہو جائے، یہ دردناک سزا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ یہ نشانی پائی جا چکی ہے مکہ میں سخت قحط پڑا، لوگوں نے مردار، چمڑے اور ہڈیاں تک کھائیں، اور صورت حال یہ ہوئی کہ جب وہ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو بھوک کی وجہ سے ان کو دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا، آسمان نظر ہی نہیں آتا تھا، حالانکہ خارج میں کوئی دھواں نہیں تھا، یہ صرف ان بھوکوں کا احساس تھا یہ روایت درمنثور میں ج۶ ص ۲۸ میں ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ)۔

❸ یا ان روایات کو مضمون فہمی کے لئے پیرایۂ بیان قرار دیا جائے، مثلاً قبر میں پہنچنے والی تکلیف اور راحت کو مختلف انداز سے سمجھایا گیا ہے، کہ سوال و جواب ہوں گے کوئی صحیح جواب دے گا، اور کوئی ''ہاہا'' کر کے رہ جائے گا، کسی کو قبر بھینچے گی، تو کسی کے لئے کشادہ کی جائے گی، کسی کے لئے جنت کی طرف دریچہ کھولا جائے گا، تو کسی پر فرشتے گرز بجائیں گے، اور اس کو سانپ بچھو نوچیں گے، یہ سب قبر میں پیش آنے والے رنج و راحت کو سمجھانے کے لئے پیرایہ بیان ہے، اور بس۔

مگر شاہ صاحب کے نزدیک جو شخص صرف یہ تیسری توجیہ کرتا ہے وہ اہل حق میں سے نہیں ہے، گمراہ ہے، باطل فرقے نصوص کی اسی طرح کی تاویل کیا کرتے ہیں۔

امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور عذاب قبر کی حقیقت:

امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے احیاء علوم الدین میں عذاب قبر کی بحث میں نصوص کی توجیہ کے تینوں طریقے بیان کئے ہیں، آپ نے اول قبر میں پہنچنے والی رنج وراحت کی روایات لکھی ہیں، پھر ارشاد فرمایا ہے کہ ان روایات کے ظاہری معنی درست ہیں، اوران میں مخفی راز ہیں جو اہل بصیرت پر واضح ہیں، اس لئے اگر عوام کی سمجھ میں ان کی حقیقتیں نہ آئیں تو بھی ان کے ظاہری معنی کا انکار نہیں کرنا چاہئے، ایمان کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ ان کو مان لیا جائے۔

سَوال: یہ روایات ہم کیسے تسلیم کرلیں، یہ روایات تو مشاہدہ کے خلاف ہیں؟ بعض لاشیں عرصہ دراز تک کسی مصلحت سے محفوظ رکھی جاتی ہیں ان کو دفن نہیں کیا جاتا ممی کر کے ان کو رکھا جاتا ہے، جیسا کہ دنیا کے سب سے بڑے کافر فرعون مصر کی لاش آج بھی مصر کے عجائب خانے میں موجود ہے، مگر وہاں نہ کوئی سانپ ہے اور نہ بچھو، پھر ہم مشاہدہ کے خلاف عذاب قبر کی یہ روایات کیسے مان لیں؟

جَوَابْ: اس قسم کی روایات کے ماننے کی تین صورتیں ہیں:

❶ جو زیادہ واضح، زیادہ صحیح ہے، اور زیادہ محفوظ ہے، وہ یہ ہے کہ عذاب قبر کی تمام روایات کو ظاہر پر محمول کیا جائے، اور مان لیا جائے کہ یہ تمام معاملات قبر میں پیش آتے ہیں، گو ہمیں نظر نہیں آتے، اس لئے کہ ہماری یہ آنکھیں عالم مشاہدہ کو دیکھنے کے لئے ہیں عالم غیب کی چیزوں کا یہ آنکھیں مشاہدہ نہیں کرسکتیں، جیسے حدیث شریف میں وارد ہے کہ مجالس ذکر میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور اہل مجلس کو گھیرے میں لے لیتے ہیں مگر وہ ہمیں نظر نہیں آتے، اس لئے کہ فرشتے دوسرے عالم (عالم الغیب) کی مخلوق ہیں، اسی طرح حضرت جبرائیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتے تھے، اور صحابہ کرام اس کو تسلیم بھی کرتے تھے، اگرچہ صحابہ کرام حضرت جبرائیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو نہیں دیکھتے تھے، اور وہ یہ بھی جانتے اور مانتے تھے کہ حضرت جبرائیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ آنحضرت ﷺ کو نظر آتے ہیں

اگر کوئی شخص اس بات کو جسے صحابہ مانتے تھے نہیں مانتا تو ایسے شخص کو اپنے ایمان ہی کی خبر لینی چاہئے، اس کا وحی اور فرشتوں پر ایمان ہی صحیح نہیں ہے، اور جو شخص اسے مانتا ہے اور اس کے نزدیک یہ بات ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کو وہ چیزیں نظر آئیں جو عام امت کو نظر نہ آئیں تو پھر عذاب قبر میں وہ یہ بات کیوں ممکن نہیں مانتا، غرض قبر میں جو عذاب ہوتا ہے، اور جو راحتیں پہنچتی ہیں وہ واقعی چیزیں ہیں، مگر وہ دوسری دنیا کی چیزیں ہیں اس لئے وہ ہمیں نظر نہیں آتیں۔

❷ قبر میں پیش آنے والے معاملات اگرچہ خارج میں موجود نہیں ہوتے مگر میت کو وہ محسوس ہوتے ہیں جیسا کہ خواب کا معاملہ ہے، کوئی خواب میں خود کو بادشاہ پاتا ہے، اور ٹھاٹھ سے حکمرانی کرتا ہے اور کوئی جیل میں پہنچایا جاتا ہے، پولیس والے اس

پر ڈنڈے بجاتے ہیں اور وہ بری طرح چیختا چلاتا ہے، مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو پتہ چلا یہ تو خواب تھا حقیقت کچھ بھی نہیں۔
خواب دیکھنے والا جب تک خواب دیکھتا رہتا ہے تو خواب میں دیکھے ہوئے معاملہ کو حقیقت سمجھتا ہے، حالانکہ حقیقت میں وہاں کچھ نہیں ہوتا، مگر خواب ہونا آنکھ کھلنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے، اسی طرح قبر کا معاملہ ہے مگر قبر میں قیامت تک آنکھ نہیں کھلے گی، اس لئے وہ واقعات حقیقت ہی رہیں گے۔
غرض خواب میں جس طرح خواب دیکھنے والے کے دل ودماغ میں یہ کیفیت پیدا کر دی جاتی ہے، اور خارج میں ان چیزوں کا وجود نہیں ہوتا، اسی طرح عذاب قبر کا معاملہ ہے، اور جس طرح خواب دیکھنے والے کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح زندوں کو میت کے پاس کچھ نظر نہیں آتا، مگر میت کے احساس میں سب کچھ ہوتا ہے اور خواب دیکھنے والے کو خواب میں پیش آنے والے واقعات سے رنج وراحت کا احساس محض بے حقیقت یا صرف خیالی نہیں ہوتا، بلکہ اس کی ایک حقیقت ہوتی ہے، جو بعض اوقات انسان کے جسم پر بھی نمایاں ہو جاتی ہے، یہ بات مشاہدہ اور تجربہ کی ہے کہ بعض اوقات خواب دیکھنے والا کوئی خوفناک خواب دیکھنے کے بعد بیدار ہوتا ہے تو وہ گھبرایا ہوا اور پسینہ میں شرابور ہوتا ہے، اور جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو خواب تھا تب جا کر اس کو تسلی اور راحت محسوس ہوتی ہے، یہ بات بھی تجربہ اور سامنے کی ہے کہ شیر خوار بچہ جب گہری نیند سو رہا ہوتا ہے تو بعض اوقات اچانک رونے یا ہنسنے لگتا ہے، دیکھنے والے سمجھ جاتے ہیں کہ بچہ خواب دیکھتا ہے، ایک شخص ہے کہ جو خواب میں اپنی محبوبہ سے ملاقات کرتا ہے اور وہ سب کچھ کرتا ہے جو خارج میں ہوتا ہے حالانکہ دور دور تک خارج میں کہیں اس کی محبوبہ کا نام ونشان تک نہیں ہوتا، مگر خواب دیکھنے والا اسی طرح لطف اندوز ہوتا ہے جس طرح خارج میں حقیقۃً، اور یہ لطف اندوزی محض خیالی اور بے بنیاد نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ خواب میں پیش آنے والے معاملات کا اثر خارج میں جسم پر بھی بعض اوقات نمایاں ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے آلہ تناسل کا انتشار حتی کہ احتلام تک ہو جاتا ہے، اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، اسی طرح عالم برزخ جو کہ ایک طویل خواب ہی ہے، قرآن کریم میں بھی حیات برزخی کو خواب سے یا قبر کو خوابگاہ سے تعبیر کیا گیا ہے، **قالوا یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا** ''کہیں گے ہائے ہماری کمبختی ہمیں ہماری خواب گاہ سے (یا خواب سے) کس نے اٹھا دیا'' (سورۂ یٰسٓ ۵۲)
قبر کو خوابگاہ یا حیات برزخی کو خواب سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قبر میں ان کو عذاب نہیں ہوگا، بلکہ بعد میں جو ہولناک مناظر اور عذاب کی شدت دیکھیں گے اس کے مقابلہ میں انہیں قبر کی زندگی ایک خواب محسوس ہوگی، حیات برزخی میں رنج وراحت کا تعلق روح سے ہوگا، اس کے بعد روح کو جسم دے کر دوزخ یا جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔
اصل رنج وراحت جسم کو نہیں بلکہ روحِ احساس کو ہوتی ہے، جسم کے جس حصہ میں روح احساس نہیں ہوتی وہاں دکھ درد کا احساس بھی نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ بال اور ناخن کاٹنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، بال اور ناخن میں روح حیات تو ہوتی ہے مگر روح احساس نہیں ہوتی، اس لئے کہ اگر ان میں روح حیات نہ ہو تو ان کا نشوونما نہیں ہو سکتا، حالانکہ ان کا نشوونما مشاہدہ ہے، اس پوری بحث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ عالم برزخ میں معاملات سے روح احساس ہی متاثر ہوتی ہے، روح احساس اور روح حیات میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، جسم میں روح احساس روح حیات کے بغیر نہیں رہ

سکتی، اگر روح احساس ہوگی تو روح حیات ضرور ہوگی البتہ روح حیات روح احساس کے بغیر رہ سکتی ہے، جیسا کہ بال اور ناخن میں روح حیات ہوتی ہے مگر روح احساس نہیں ہوتی ہے۔

عذاب قبر کی روایات کو ایک پیرایۂ بیان قرار دیا جائے ان روایات سے مقصود یہ مضمون سمجھانا ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں میت کس قسم کی تکالیف سے دوچار ہوتی ہے، اور مقصود صرف پیرایۂ بیان نہیں ہے بلکہ وہ حقیقت مقصود ہے جس کو سمجھانے کے لئے یہ پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے، مثلاً سانپ کا کاٹنا اصل مقصود نہیں ہے، بلکہ اس کے کاٹنے سے جوز ہر بدن میں سرایت کرتا ہے، وہ مقصود ہے، بلکہ زہر کا سرایت کرنا بھی اصل مقصود نہیں، مقصود وہ تکلیف ہے جو زہر کی وجہ سے محسوس ہوتی ہے، بعض لوگ اپنے بدن کو مختلف تدابیر سے ''زہر پروف'' بنا لیتے ہیں، پھر وہ اپنے بدن کو سانپ بچھوؤں سے ڈسواتے ہیں ان کو ان کے کاٹنے اور ڈسنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی، ان کے حق میں سانپ کا کاٹنا نہ کاٹنا دونوں برابر ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسباب مقصود نہیں ہوتے، مقصود ان کا نتیجہ ہوتا ہے، مثلاً کھانے سے مقصد شکم سیری ہے، اور پانی پینے سے مقصود سیرابی ہے، اگر کوئی کھائے بغیر شکم سیر ہو جائے یا پانی پیے بغیر سیراب ہو جائے تو مقصود حاصل ہو گیا، اگرچہ صورت نہیں پائی گئی، صوم وصال کی حدیث میں ارشاد نبوی ہے اِنَّ رَبِّی یُطْعِمُنِی وَیَسْقِیْنِی اس حدیث میں یہی حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ اسباب کے بغیر اگر نتیجہ حاصل ہو جائے تو اسباب کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، جیسا کہ صوم وصال کی صورت میں آپ نے فرمایا، میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے، یعنی کھانے اور پانی کے استعمال کے بغیر ہی مجھے سیری اور سیرابی ہو جاتی ہے، اسی طرح قبر میں سانپوں کا کاٹنا جو کہ سبب الم ہے، وہ مقصود نہیں ہے، مقصود اس کا نتیجہ ہے جو عذاب قبر کی شکل میں موجود ہے گو صورت موجود نہیں۔ (رحمة الله الواسعة ملخصًا)

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴿۵۱﴾ جَمْعُ شَاهِدٍ وهم المَلَائِكَةُ يَشْهَدُوْنَ لِلرُّسُلِ بِالبَلَاغِ وعَلَى الكُفَّارِ بِالتَّكْذِيْبِ **يَوْمَ لَا يَنْفَعُ** بِالتَّاءِ والياءِ **الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ** عُذْرُهم لو اعْتَذَرُوْا **وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ** اى البُعْدُ مِنَ الرَّحْمَةِ **وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ﴿۵۲﴾** الاٰخِرَةِ اى شِدَّةُ عَذَابِهَا **وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى** التَّوْرٰةَ والمُعجزاتِ **وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** مِن بَعْدِ مُوْسٰى **الْكِتٰبَ﴿۵۳﴾** التَّوْرٰةَ **هُدًى** هَادِيًا **وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ﴿۵۴﴾** تَذْكِرَةً لِاَصْحَابِ العُقُوْلِ **فَاصْبِرْ** يا مُحَمَّدُ **اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِنَصْرِ اَوْلِيَائِهِ **حَقٌّ** وَاَنْتَ وَمَنْ تَبِعَكَ مِنهم **وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ** لِيُسْتَنَّ بك **وَسَبِّحْ** صَلِّ مُتَلَبِّسًا **بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ** هو مِن بعدِ الزَّوَالِ **وَالْاِبْكَارِ﴿۵۵﴾** الصَّلَوَاتِ الخَمْسَ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ** القراٰنِ **بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ** بُرهانٍ **اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ** ما **فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ** تَكَبُّرٌ طَمَعٌ اَنْ يَعْلُوْا عليك و **مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ** مِن شَرِّهم **اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ** لِاَقْوَالِهِم **الْبَصِيْرُ﴿۵۶﴾** بِاَحْوَالِهِم ونَزَلَ في مُنْكِرِي البَعْثِ **لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**

اِبْتِدَاءً اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ مَرَّةً ثَانِيَةً وهِيَ الاِعَادَةُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اي الكُفَّار لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ذلك فهم كالاعمٰى ومن يَعْلَمُهُ كالبَصِيرِ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَ لا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ هو المُحسِنُ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ فيه زيادةُ لا قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ يَتَّعِظُوْنَ بالياء والتاء اى تَذَكُّرُهم قَلِيْلٌ جدًّا اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ شك فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ بها وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اى اُعْبُدُوْنِى اُثِبْكُمْ بقَرِينَةِ ما بَعْدَه اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ بفتح الياء وضمّ الخاء وبالعكس جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ صاغِرِينَ.

ترجمہ: یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی کریں گے جس دن گواہی دینے والے گواہی دیں گے اَشْهَاد، شَاهِد کی جمع ہے، اور وہ ملائکہ ہیں جو رسولوں کے (پیغام) پہنچانے کی اور کافروں کے جھٹلانے کی گواہی دیں گے جس دن ظالموں کو ان کے (عذر) معذرت کچھ فائدہ نہ دیں گے، (یَنْفَعُ) تاء اور یاء کے ساتھ اگر وہ معذرت کریں گے اور ان کے لئے لعنت ہوگی یعنی رحمت سے دوری اور ان کے لئے آخرت بُرا گھر ہے یعنی دارِ آخرت کے عذاب کی شدت اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدایت نامہ یعنی تورات اور معجزات عطا فرمائے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب یعنی تورات کا وارث بنایا کہ وہ ہدایت یعنی رہنما اور عقلمندوں کے لئے نصیحت تھی سوائے محمد! آپ صبر کیجئے بلاشبہ اپنے اولیاء کی مدد کا اللہ کا وعدہ سچا ہے اور آپ اور آپ کے متبعین ان اولیاء میں شامل ہیں آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے تاکہ لوگ آپ کی پیروی کریں اور صبح وشام حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہئے عَشِـــیّ زوال کے بعد کا وقت ہے، مراد پنجوقتہ نمازیں ہیں، جو لوگ باوجود اپنے پاس کسی سند (دلیل) نہ ہونے کے اللہ کی آیات یعنی قرآن میں جھگڑے نکالتے ہیں ان کے دلوں میں بجز تکبر اور اس بات کی خواہش کے کہ آپ پر غالب آجائیں کچھ نہیں وہ اپنے اس مقصد کو کبھی حاصل نہیں کرسکتے سو آپ ان کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے رہئے، بلاشبہ وہ ان کی باتوں کو سننے والا اور ان کے احوال کا جاننے والا ہے (آئندہ آیت) منکرین بعث کے بارے میں نازل ہوئی ابتداءً آسمان وزمین کو پیدا کرنا انسان کو دوبارہ پیدا کرنے سے یقیناً بہت بڑا کام ہے اور دوبارہ پیدا کرنا اعادہ ہے، لیکن اکثر لوگ یعنی کفار اس بات سے ناواقف ہیں تو کفار نابینا کے مثل ہیں اور جو اس بات سے واقف ہیں وہ بینا کے مانند ہیں، اور نابینا اور بینا برابر نہیں اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے حال یہ کہ وہ مخلص بھی ہیں، بدکاروں کے برابر نہیں ہوسکتے اور (وَلَا الْمُسِيْٓءُ) میں لا زائدہ ہے، وہ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں یاء اور تاء کے ساتھ یعنی ان کا نصیحت حاصل کرنا بہت کم ہے قیامت بالیقین اور بلاشبہ آنے والی ہے یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا، یعنی تم میری بندگی کرو میں تم کو اس کا اجر دوں گا (یہ ترجمہ) آئندہ

آیت کے قرینہ کی وجہ سے ہے یقین مانو جولوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ بہت جلدی ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے یاء کے فتحہ اور خاء کے ضمہ کے ساتھ اور اس کا عکس۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: یوم یقوم الاشهادُ اس کا عطف فی الحیٰوۃ الدنیا پر ہے، یعنی ہم ان کی دنیوی زندگی میں مدد کریں گے اور گواہی کے دن بھی مدد کریں گے۔

قَوْلُهُ: یوم لا ینفعُ، یومَ یَقُوْمُ الأشهادُ سے بدل ہے۔

قَوْلُهُ: معذِرَتُهُم تنفعُ کا فاعل ہے لَهُمْ خبر مقدم ہے، اور اللَّعْنَةُ مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلُهُ: لَهُمْ سوء الدار کا عطف لَهُم اللعنة پر ہے۔

قَوْلُهُ: لَوْ اعْتَذَرُوْا اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ کفار یوم جزاء میں عذر معذرت کریں گے مگر ان کی یہ عذر ومعذرت کچھ فائدہ نہیں دے گی، اور ایک دوسری آیت وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو عذر ومعذرت کی اجازت ہی نہیں ہوگی، ان دونوں آیتوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔

دفع: مفسر علام نے لَوْ اعْتَذَرُوْا کا اضافہ کرکے اسی شبہ کو دفع کیا ہے، دفع کا خلاصہ یہ ہے، بالفرض اگر کفار اس روز عذر معذرت کریں گے بھی تو قبول نہ ہوگی، لہٰذا اب کوئی تعارض نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: هَادِيًا اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ هُدًى مصدر بمعنی هَادِيًا، الکتابَ سے حال ہے اور اسی طرح ذکریٰ یہ بھی تذکرۃً کے معنی میں ہوکر الکتاب سے حال ہے، مفسر علام نے اسی ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بعض حضرات نے هدیٰ اور ذِکریٰ کو اَوْرَثْنَا کا مفعول لِاَجْلِهٖ قرار دے کر محلاً منصوب کہا ہے، ای اَوْرَثْنَا الکتابَ لاجل الهدیٰ والذِکریٰ.

قَوْلُهُ: لِيُسْتَنَّ بكَ اس کلمہ کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ میں آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنے گناہوں کی معافی طلب کیجئے، جبکہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی صغائر وکبائر سے قبل النبوۃ وبعد النبوۃ معصوم ہوتا ہے، تو پھر گناہوں سے معافی طلب کرنے کے حکم کا کیا مقصد ہے؟

دفع: پہلا جواب: آپ ﷺ کو معصوم ہونے کے باوجود طلب مغفرت کا حکم دراصل امت کو تعلیم کے لئے ہے تاکہ نبی کی اقتداء میں امت بھی اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کرتی رہے۔

دوسرا جواب: کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِستغفر لِذَنْبِ اُمَّتِكَ آپ چونکہ امت کے شفیع ہیں اس لئے ذنبٌ کی نسبت آپ کی طرف کردی گئی ہے، ورنہ مراد امت کے ذنب ہیں۔

تیسرا جواب: ذنبٌ سے مراد خلاف اولیٰ ہے، حسناتُ الابرار سیئاتُ المقربین کے قاعدہ سے لہٰذا خلاف اولیٰ کو ذنب سے تعبیر کردیا گیا ہے۔

قِوْلَهُ: قليلاً مَا يَتَذَكَّرُوْنَ. قلِيْلاً مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے مَا زائدہ ہے تاکید قلت کے لئے، تقدیر عبارت یہ ہے يَتَذَكَّرُوْنَ تَذَكُّرًا قليلاً.

قِوْلَهُ: تَذَكُّرُهُمْ قليلٌ، قليلٌ کے رفع کے ساتھ، تَذَكُّرُهُمْ مبتداء کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع، اور بعض نسخوں میں قليلاً نصب کے ساتھ ہے، نصب کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ قليلاً کو حال قرار دیا جائے، اور تَذَكُّرُهُمْ کی خبر محذوف مانی جائے، تقدیر عبارت یہ ہوگی تَذَكُّرُهُمْ يَحْصُلُ حالَ كونِهِ قَلِيْلاً، قليلٌ پر رفع اولیٰ ہے جیسا کہ مفسر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے اختیار کیا ہے۔

قِوْلَهُ: بالياء والتاء، يَتَذَكَّرُوْنَ میں دونوں قراءتیں ہیں، نافع اور ابن کثیر وغیرہ نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے، ماقبل یعنی اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ کی موافقت کے لئے، اور باقیوں نے بطور التفات کے خطاب کے ساتھ تَتَذَكَّرُوْن پڑھا ہے، مقصد انکار و توبیخ میں اضافہ کرنا ہے۔

قِوْلَهُ: اُعْبُدُوْنِی، اُدْعُونِی کی دو تفسیریں ہیں ایک حقیقت اور دوسری مجاز، حقیقت کا مطلب ہے کہ اُدْعُونِی کو اپنے حقیقی یعنی دعاء کے معنی میں رکھا جائے، مجاز کا مطلب یہ ہے کہ دعاء بمعنی عبادت لیا جائے، عبادت چونکہ دعاء کو شامل ہوتی ہے اور دعاء عبادت کا جزء ہے، اور جز بول کر قرینہ کی وجہ سے مجازاً کل مراد لیا جاسکتا ہے، شارح رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے دوسری تفسیر کو پسند کیا ہے، اور دعاء بمعنی عبادت لیا ہے، اور قرینہ بعد والی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عن عبادَتی (الآية) ہے۔

تفسیر و تشریح

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (الآية) یعنی ہم رسولوں کے دشمنوں کو ذلیل اور ان رسولوں کو غالب کریں گے، بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ بعض انبیاء عَلَیْهِمُ السَّلَامُ کو قتل کیا گیا، جیسے حضرت یحییٰ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اور زکریا عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وغیرہما، اور بعض کو ہجرت پر مجبور کیا گیا جیسے حضرت ابراہیم عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اور ہمارے نبی ﷺ اور ساتھ میں صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمْ کو بھی دشمنوں نے ہجرت پر مجبور کردیا، وعدۂ امداد و نصرت کے باوجود ایسا کیوں ہوا؟

مذکورہ شبہ کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں:

پہلا جواب: مفسرین میں سے بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ نصرت کا یہ وعدہ اکثر واغلب کے اعتبار سے ہے، اس لئے بعض حالات میں بعض دشمنوں کا غالب آجانا اس کے منافی نہیں۔

دوسرا جواب: عارضی طور پر بعض دفعہ اللہ کی حکمت ومشیت کے تحت کافروں کو غلبہ عطا کیا جاتا ہے، لیکن بالآخر اہل ایمان ہی غالب وسرخ رو ہوتے ہیں، جیسے حضرت یحییٰ وزکریا علیہما السلام کے قاتلین پر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو مسلط فرما دیا، جنہوں نے ان کے خون سے اپنی پیاس بجھائی، اور انہیں ذلیل وخوار کیا، جن یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سولی دینا چاہا، اللہ نے ان یہودیوں پر رومیوں کو ایسا غلبہ دیا کہ انہوں نے یہودیوں کو خوب ذلت وخواری کا عذاب چکھایا، پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً ہجرت پر مجبور ہوئے لیکن اس کے بعد غزوۂ بدر میں اور غزوۂ احزاب وخیبر وفتح مکہ کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کے دشمنوں پر عظیم الشان فتح نصیب فرمائی، دشمن ذلیل وخوار ہو کر گرفتار ہوئے۔

اَشْهَاد، شہید کی جمع ہے، جیسے اشراف، شریف کی جمع ہے، بمعنی گواہ، قیامت کے روز فرشتے اور انبیاء علیہم السلام گواہی دیں گے، یا فرشتے اس بات کی گواہی دیں گے کہ اے الہ العالمین تیرے پیغمبروں نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچادیا تھا لیکن ان کی امتوں نے ان کی تکذیب کی، علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت بھی گواہی دے گی، جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے، اسی لئے قیامت کو ''یوم الاشہاد'' گواہیوں کا دن کہا گیا ہے۔

هُدًى وَذِكْرٰى دونوں مصدر ہیں محل میں حال کے واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں اور معنی میں **هادٍ** اور **مذكِّر** کے ہیں۔

اِنْ فِي صُدُوْرِهِمْ یعنی یہ لوگ جو اللہ کی آیات میں بغیر کسی حجت ودلیل کے تکرار کرتے ہیں اس کی وجہ تکبر اور بڑائی کے سوا کچھ نہیں ہے، یہ اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور بے وقوفی سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑائی ہم کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی وجہ سے حاصل ہے، اس کو چھوڑ کر اگر ہم مسلمان ہو جائیں گے تو ہماری یہ ریاست اور یہ اقتدار ختم ہو جائے گا، قرآن کریم کہتا ہے مَا هُمْ بِبَالِغِيْهِ یعنی یہ لوگ اپنی مطلوبہ بڑائی بغیر اسلام لائے حاصل نہیں کر سکتے۔ (قرطبی)

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (الآية) دعاء کے لفظی معنی پکارنے کے ہیں اور اس کا اکثر استعمال حاجت اور ضرورت کے لئے پکارنے میں ہوتا ہے، بعض اوقات مطلق ذکر اللہ کو بھی دعاء کہہ دیا جاتا ہے، یہ آیت امت محمدیہ کا خاص اعزاز ہے، کہ ان کو دعا مانگنے کا حکم دیا گیا، اور اس کی قبولیت کا وعدہ کیا گیا، اور دعاء نہ مانگنے والے کے لئے وعید وارد ہوئی ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب احبار سے نقل کیا ہے کہ پہلے زمانہ میں یہ خصوصیت انبیاء علیہم السلام کی تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ

کی طرف سے حکم ہوتا تھا کہ آپ دعاء کریں میں قبول کروں گا، امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ حکم پوری امت کے لئے عام کر دیا گیا اور قبولیت کا وعدہ بھی کیا گیا۔ (ابن کثیر)

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِسنادُ الابصار الیه مَجازیٌّ لانه یبصَرُ فیه اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ اللّٰهَ فلا یُؤمِنُونَ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ فکیفَ تُصرَفُونَ عن الایمانِ مع قیامِ البُرہانِ كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ ای مِثل افكِ ہؤلاءِ اُفِكَ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ مُعجزاتِه یَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً سقفًا وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَیُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ اُعبُدوه مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ مِنَ الشِّرْكِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۵﴾ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ تعبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ دلائلُ التوحیدِ مِنْ رَّبِّیْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ بخَلقِ ابیکم اٰدمَ منه ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ مَنیّ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ دمٍ غلیظٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا بمعنی اطفالًا ثُمَّ یُبقیکم لِتَبْلُغُوْا اَشُدَّكُمْ تکامُلَ قُوَّتِکم مِن ثلاثینَ سنَةً الی الاربعینَ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا بضمِّ الشینِ وکسرِہا وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ ای قبلَ الاشُدِّ والشیخوخةِ فعلَ ذٰلک بکم لِتَعیشُوا وَلِتَبْلُغُوْا اَجَلًا مُّسَمًّى وقتًا محدُودًا وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ دلائلَ التوحیدِ فتؤمِنُونَ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا اَرادَ ایجادَ شیءٍ فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ بضمِّ النونِ وفتحِہا بتقدیرِ اَنْ ای یُوجَدُ عَقِبَ الارادةِ التی ہی معنی القول المذکور.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رات بنادی تاکہ تم اس میں آرام حاصل کرو، اور دن کو دیکھنے والا (روشن) بنادیا، مُبْصِرًا کی اسناد نہار کی جانب مجازی ہے، اس لئے کہ اس میں دیکھا جاتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل وکرم والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکرگذاری نہیں کرتے جس کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے یہی اللہ ہے تم سب کا رب ہر چیز کا خالق اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم ایمان سے دلیل کے باوجود کہاں الٹے چلے جارہے ہو؟ اسی طرح یعنی ان لوگوں کے الٹے چلنے کے مانند وہ لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی آیتوں یعنی معجزات کا انکار کیا کرتے تھے، اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قیام گاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں، اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں، یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے بہت ہی برکتوں والا اللہ ہے، سارے جہانوں کا رب وہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں شرک سے دین کو خالص کرکے اسی کی بندگی کرو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، آپ کہہ دیجئے! مجھے ان کی عبادت سے

روک دیا گیا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے (یعنی) بندگی کرتے ہو جبکہ میرے پاس میرے رب کی نشانیاں (یعنی) توحید کے دلائل آچکے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کے تابع فرمان رہوں، وہ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا (یعنی) تمہارے ابا آدم کو مٹی سے پیدا کرکے پھر تم کو نطفہ منی سے پیدا کیا پھر تم کو دم بستہ سے پیدا کیا پھر تم کو بچہ کی صورت میں نکالتا ہے، طفلاً بمعنی اطفالاً ہے پھر تم کو باقی رکھتا ہے تاکہ تم اپنی پوری قوت کو پہنچ جاؤ (یعنی) تمہاری قوت مکمل ہوجائے تیس سال سے لیکر چالیس سال تک پھر بوڑھے ہوجاؤ شین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ اور تم میں سے بعض جوانی اور بڑھاپے کو پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہوجاتے ہیں وہ تمہارے ساتھ ایسا اس لئے کرتا ہے تاکہ تم زندہ رہو اور ایک خاص محدود مدت تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم توحید کے دلائل کو سمجھو اور ایمان لے آؤ، وہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے پھر جب وہ کسی کام کے کرنے یعنی موجود کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو اسے صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، پس وہ ہوجاتی ہے، نون کے ضمہ کے ساتھ اور اُن کی تقدیر کی وجہ سے فتحہ کے ساتھ یعنی (وہ شئ) اس ارادہ کے بعد موجود ہوجاتی ہے، معنی میں قول مذکور کے ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اَللّٰهُ الَّذِی جَعَلَ لَکُمُ اللَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا، اللّٰه مبتداء اَلَّذِیْ اسم موصول جَعَلَ فعل ماضی بمعنی خَلَقَ، لکم متعلق بجعل، اللَّیل مفعول بہ، لِتَسْکُنُوْا متعلق بجعل، فِیْهِ متعلق تَسْکُنُوْا سے، واؤ عاطفہ اَلنَّهَارَ ذوالحال مُبْصِرًا حال، حال ذوالحال سے مل کر معطوف اللیل پر، معطوف معطوف علیہ سے مل کر مفعول بہ جَعَلَ کا، جَعَلَ جملہ ہوکر صلہ ہوا اَلَّذِی کا، الذی جملہ ہوکر خبر ہوئی اللّٰه مبتداء کی۔

قَوْلُهٗ: وَالنهارَ مُبصِرًا، مبْصِرًا کی النَهار کی طرف مبالغہ کے لئے اسناد مجازی ہے یعنی دن کو اس قدر روشن بنایا گویا کہ وہ خود مُبصِر ہوگیا، اسی وجہ سے تعلیل سے حال کی طرف عدول کیا ہے، یعنی مُبصِرًا کو علت کے بجائے حال بنایا ہے۔

قَوْلُهٗ: لِاَنَّهٗ یُبْصَرُ فیهِ سے اشارہ کردیا کہ اسناد مجازی کی وجہ علاقۂ ظرفیت ہے، اسناد مجازی کہتے ہیں، کسی ربط وتعلق کی وجہ سے غیر ماھو له کی طرف نسبت کرنے کو جیسا کہ آیت میں کہا گیا ہے، ہم نے دن کو دیکھنے والا بنایا، حالانکہ دن دیکھنے والا نہیں ہوتا بلکہ دن دیکھنے کا زمانہ یا وقت ہے یعنی دن میں دیکھا جاتا ہے، اسی تعلق ظرفیت کی وجہ سے دیکھنے کی نسبت نہار کی طرف کردی ہے، یہ نهرٌ جارٍ کے قبیل سے ہے، نہر چونکہ ماء کے لئے ظرف ہے، اس لئے جریان کی نسبت نہر کی طرف کردی۔

قَوْلُهٗ: ذٰلِکُمُ اللّٰهُ، ذٰلکم مبتداء اس کی چار خبریں ہیں، ① الله ② ربکم ③ خالق کل شیئ ④ لا اله الا هو.

قَوْلُهٗ: الحمد لله رب العالمین (الآیة) اس میں دو احتمال ہیں ① بندوں کا کلام ہو ② رب العالمین کا کلام ہو، اگر بندوں کا کلام ہوگا تو قائلین محذوف کا مقولہ ہوکر حال ہوگا، اور اگر اللہ تعالیٰ کا کلام ہو تو کلام مستانف ہوگا، اور اپنے بندوں

کو طریقہ حمد سکھانے کے لئے ہوگا۔

قَوْلُہٗ: کذلك اول کاف حرف تشبیہ ذَا اسم اشارہ، ل علامت اشارہ بعید، آخری کاف حرف خطاب، کذلك سے مذکورہ سابق کی طرف اشارہ ہوتا ہے بمعنی، ایسے ہی، اسی طرح۔

قَوْلُہٗ: یُوفَكُ (ض،س) اَفَكًا اِفكًا أفو كًا پھرنا، اِفْكًا بہتان لگانا، یُوفك مضارع واحد مذکر غائب بمعنی ماضی مجہول۔

قَوْلُہٗ: اُفِكَ الَّذِیْنَ کانوا اُفِكَ فعل ماضی مجہول لاکر اشارہ کر دیا کہ یُوْفَكُ مضارع مجہول کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: بمعنی اَطْفَالًا اس میں اشارہ ہے کہ طفل اسم جنس بمعنی جمع ہے یا یخرجکم کل واحد کی تاویل میں ہے ورنہ تو کُمْ ذوالحال جمع اور طِفلًا حال مفرد میں مطابقت نہ ہوگی۔

قَوْلُہٗ: بخلقِ اَبِیْکُمْ آدم مِنه اس عبارت سے ایک شبہ کا دفع مقصود ہے۔

شبہ: خَلَقَکُمْ مِنْ تُرابٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، حالانکہ بنی آدم کی تخلیق نطفہ سے ہوتی ہے۔

دفع: مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے خَلَقَکُمْ ای خَلَقَ اَبِیْکُمْ آدمَ مِن تُرَاب شبہ دفع ہوگیا، اور کلام کو بغیر حذف مضاف کے اپنی اصل پر بھی رکھ سکتے ہیں، اس لئے کہ انسان نطفہ سے اور نطفہ غذا سے اور غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے، لہٰذا گویا کہ انسان مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ، اُسْلِمَ یا تو اَلِاسْلام بمعنی انقیاد سے ماخوذ ہے یا بمعنی خلوص سے ماخوذ ہے، ہر صورت میں مفعول محذوف ہے، پہلی صورت میں تقدیر یہ ہے اُسْلِمَ امری لَهٗ تعالٰی اور دوسری صورت میں تقدیر یہ ہے خَلَصَ قلبی مِن عبادةِ غیرہٖ تعالٰی۔

قَوْلُہٗ: یُبْقِیْکُمْ، یُبْقِیْکُمْ کو محذوف ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ لِتَبْلُغُوْا، یُبْقِیْکُمْ محذوف کے متعلق ہے اور لتبلغوا اس کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: لِتَبْلُغُوْا اَجَلًا مُسَمًّى لام تعلیل کے لئے ہے جو کہ علت مقدرہ پر معطوف ہے جس کو شارح نے لِتَعِیْشُوا کہہ کر ظاہر کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَعَلَ ذٰلك بِکُمْ اس عبارت کو مقدر ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ، لِتَبْلُغُوْا کا عطف لیعیشوا محذوف پر ہے اور وہ محذوف سابقہ میں مذکور افعال باری تعالٰی کی علت ہے، اس طرح مذکورہ افعال باری تعالٰی کی دو علتیں ہوں گی یعیشوا اور یبلغوا یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، اور تم کو بچہ بنا کر نکالا تاکہ تم زندہ رہو اور وقت مقرر کو پہنچو۔

قولہ: فَیَکُوْنُ رفع کی صورت میں مبتداء محذوف کی خبر ہوگی ای فَھُوَ یَکُوْنُ اور نصب کی صورت میں اَنْ مقدر کی وجہ سے منصوب ہوگا، ای فَاَنْ یکُوْنَ.

قولہ: اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ کی تشریح مفسر علام نے اپنے۔قول عَقْبَ الْاِرَادَۃِ الَّتِی ھِیَ معنی القول المذکور سے کی ہے، اس کا مقتضی یہ ہے کہ آیت کی تحلیل اس طرح ہو، ای اِذَا اَرَادَ اِیْجَادَ شَیْئٍ فَاِنَّمَا یُرِیْدُ اِیْجَادَہٗ فَیُوْجَدُ اور اس تحلیل کے کوئی معنی نہیں، اس لئے کہ اس تحلیل کی صورت میں مطلب یہ ہوگا، جب اللہ تعالیٰ کسی شئ کے ایجاد کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو وہ شئ موجود ہو جاتی ہے، یعنی شئ سے ارادہ کا تعلق دو مرتبہ ہوتا ہے اور یہ درست نہیں ہے، لہٰذا بہتر اور صحیح صورت یہ ہے کہ یقولُ کن فیکون کو سرعۃ ایجاد سے کنایہ مانا جائے، تو اس صورت میں تحلیل عبارت یہ ہوگی اِنْ اَرَادَ اِیْجَادَ شَیْئٍ وُجِدَ سریْعًا من غیر توقفٍ علٰی شیئٍ مفسر علام نے ای یُوْجَدُ کہہ کر بتادیا کہ کُنْ فَیَکُوْنُ میں امر سے مراد حقیقۃً امر نہیں ہے، اس لئے کہ اگر حقیقۃً امر مراد ہو تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو کُنْ کہنے کے وقت وہ شئ جس کی ایجاد کا ارادہ کیا ہے موجود ہوگی یا نہیں، اگر موجود ہے تو کُنْ کہنے کے کیا معنی؟ اس لئے کہ یہ تو تحصیل حاصل ہے، اور اگر وہ شئ کُــــن کہنے کے وقت موجود نہیں ہے تو پھر معدوم کو خطاب لازم آتا ہے، جو ظاہر البطلان ہے اس لئے کہ معدوم شئ مخاطب نہیں ہوا کرتی، اس لئے اللہ تعالیٰ کے قول کـن فیکونُ کو سرعۃِ ایجاد سے کنایہ مانا جائے، اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شئ کے ایجاد کا ارادہ فرماتے ہیں تو وہ شئ ارادہ کے متعلق ہونے کے بعد فوراً بلا تاخیر موجود ہو جاتی ہے۔ (جمل، ترویح الارواح)

تفسیر وتشریح

اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ (الآیۃ) مذکورہ آیات میں حق تعالیٰ کے انعامات اور قدرتِ کاملہ کے چند مظاہر پیش کر کے توحید کی دعوت دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے رات تاریک بنائی تاکہ کاروبار زندگی معطل ہو جائیں، اور لوگ امن وسکون سے سو سکیں، قدرت نے تمام انسانی طبقہ میں بلکہ جانوروں کے لئے بھی فطری طور پر نیند کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے، اور اس وقت کو تاریک بنا کر نیند کے لئے مناسب بنا دیا ہے، اور دن کو روشن بنایا تاکہ معاشی تگ ودو میں تکلیف نہ ہو اگر ظلمت ہی ظلمت ہوتی تو لوگوں کے کام کاج معطل ہو جاتے، اور جب تم کو یہ معلوم ہوا کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ومالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو پھر اس کی عبادت سے کیوں بدکتے اور بھاگتے ہو اور اس کی توحید سے کیوں منہ موڑتے اور اینٹھتے ہو۔

وَصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ ان کی شکل وصورت سب سے اعلیٰ اور ممتاز بنائی، متناسب اعضاء عطا فرمائے، سوچنے سمجھنے کے لئے عقل عطا فرمائی، اور جب سب کچھ کرنے والا اور دینے والا وہی ہے، دوسرا کوئی نہ اختیارات میں شریک اور نہ بنانے میں، تو عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ایک اللہ ہے، لہٰذا استمداد واستغاثہ بھی اسی سے کرو کہ وہی سب کی فریادیں اور التجائیں سننے والا ہے، دوسرا کوئی بھی مافوق الاسباب طریقہ سے کسی کی بات سننے والا نہیں، جب یہ بات

ہے تو مشکل کشائی اور حاجت روائی دوسرا کون کرسکتا ہے؟

لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ (الآية) یہ وہی عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے اللہ کی توحید اور رب ہونے کا اثبات ہوتا ہے جو قرآن میں جابجا ذکر کئے گئے ہیں، "اسلام" کے معنی ہیں اطاعت وانقیاد کے لئے جھک جانا، سراطاعت خم کردینا، آئندہ آیت میں پھر کچھ قدرت کاملہ اور توحید کے دلائل ذکر کئے گئے ہیں، مثلاً تمہارے باپ آدم کو مٹی سے بنایا، جوان کی اولاد کے مٹی سے پیدا ہونے کو مستلزم ہے، پھر اس کے بعد نسل انسانی کے تسلسل اور اس کی بقاء وتحفظ کے لئے انسانی تخلیق کو نطفہ سے وابستہ کردیا، اب ہر انسان اس نطفے سے پیدا ہوتا ہے، جو صلب پدر سے رحم مادر میں جاکر قرار پکڑتا ہے، سوائے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے کہ ان کی پیدائش معجزانہ طور پر بغیر باپ کے ہوئی، جیسا کہ قرآن کریم میں بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہوتا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيٰتِ اللّٰهِ القراٰن أَنّٰى كيف يُصْرَفُوْنَ ﴿٦٩﴾ عن الايمان اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ القُراٰنِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا من التوحيدِ والبَعثِ وهم كُفّارُ مكّةَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٠﴾ عُقُوبَةَ تكذِيبِهم إِذِ الْأَغْلٰلُ فِيْ أَعْنَاقِهِمْ اذ بمعنى اذا وَالسَّلٰسِلُ عَطفٌ على الاغلالِ فتكُونُ في الاَعناقِ اَوْ مُبتدأٌ خبرُه محذوفٌ اى في أرجُلِهم او خبرُه يُسْحَبُوْنَ ﴿٧١﴾ اى يُجَرُّوْنَ بها فِي الْحَمِيْمِ اى جَهَنَّمَ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ يُوقَدُونَ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ تبكيتًا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٣﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ معه وهي الاَصنامُ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا غابوا فلا نراهم بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا انكَرُوا عبادَتهم اِيّاها ثم أُحضِرَتْ قال تعالى اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اى وَقُودُها كَذٰلِكَ اى مِثْلَ اِضلالِ هٰؤلاءِ المُكذِّبين يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ ويُقال لهم ايضًا ذٰلِكُمْ العذابُ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ مِنَ الاِشراكِ واِنكار البعثِ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿٧٥﴾ تتوَسَّعُوْنَ في الفرحِ اُدْخُلُوْا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى مأوى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بعذابهم حَقٌّ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ فيه اِن الشّرطيّةُ مُدغمةٌ وما زائِدَةٌ تُؤكِّدُ معنَى الشرطِ اَوَّلَ الفعلِ والنُّونُ تؤكِّد اٰخِرَه بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ به من العذابِ في حياتِكَ وجَوابُ الشَّرطِ محذوفٌ اى فذاك أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ قبل تعذِيبهم فَإِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٧٧﴾ فنعذِّبُهم اشدَّ العذابِ فالجَوابُ المذكورُ لِلمَعطوفِ فقط وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ رُوِيَ اَنّهُ تعالى بعثَ ثمانِيَةَ الافِ نبيٍّ اَربعةَ الافِ نبيٍّ مِن بني اِسرائيلَ واَربعةَ الافِ نبيٍّ مِن سائرِ النّاسِ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ منهم أَنْ يَّأْتِيَ بِاٰيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ لانهم عَبِيدٌ مَربُوبُونَ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللّٰهِ بنزولِ العذابِ على الكُفّارِ قُضِيَ بينَ الرُّسُلِ ومُكذِّبيها بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٧٨﴾ اى ظهرَ القضاءُ والخُسرانُ للنّاسِ وهم خاسِرونَ في كُلِّ وقتٍ قبلَ ذلك.

ترجمہ: کیا آپ نے انہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں قرآن میں تکرار کرتے ہیں؟ ایمان سے کہاں پھرے چلے جارہے ہیں؟ جن لوگوں نے کتاب قرآن کو اور اس توحید اور بعث بعد الموت کو بھی جس کو ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجا جھٹلایا اور وہ کفار مکہ ہیں، سوان کو ان کی تکذیب کی سزا (کی حقیقت) ابھی ابھی معلوم ہوا چاہتی ہے جبکہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اِذْ بمعنی اِذَا ہے اور زنجیریں ہوں گی (والسلاسل) کا عطف الاغلال پر ہے، تو وہ زنجیریں گردنوں میں ہوں گی، یا السلاسلُ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، یعنی ان کے پیروں میں (زنجیریں ہوں گی) یا یُسْحَبُوْنَ اس کی خبر ہے، یعنی ان زنجیروں کے ذریعہ جہنم میں گھسیٹے جائیں گے، پھر وہ (جہنم) کی آگ میں جلائے جائیں گے پھر ان سے لاجواب کرنے کے لئے پوچھا جائے گا کہ جن بتوں کو تم اس کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے جو اللہ کے سوا تھے وہ کہاں ہیں؟ تو وہ جواب دیں گے وہ تو ہم سے غائب ہو گئے، ہم کو وہ کہیں نظر نہیں آتے بلکہ (سچ تو یہ ہے) کہ ہم اس کے قبل کسی کو بھی نہیں پوجتے تھے (یعنی) کفار ان (بتوں) کی عبادت کا انکار کر دیں گے پھر ان بتوں کو لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم اور جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے تھے جہنم کا ایندھن ہو، اللہ تعالیٰ اسی طرح یعنی ان مکذبین کو گمراہ کرنے کے مانند کافروں کو گمراہ کرتا ہے اور ان سے یہ بھی کہا جائے گا یہ عذاب اس کا بدلہ ہے کہ تم دنیا میں ناحق پھولے نہ سماتے تھے شرک کرکے اور انکار بعث کرکے اور (بے جا) اتراتے پھرتے تھے یعنی حد سے زیادہ اظہار مسرت کرتے تھے (شیخی بگھارتے تھے) (اب آؤ) جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لئے اس کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، کیا ہی بری جگہ ہے تکبر کرنے والوں کی، پس آپ (چندے) صبر کریں اللہ کا وعدہ ان کے عذاب کا قطعاً سچا ہے ان سے ہم نے جو عذاب کے وعدے کر رکھے ہیں، ان میں سے کچھ آپ کو آپ کی حیات ہی میں دکھا دیں اس میں اِن شرطیہ مدغم ہے اور فعل کے شروع میں فعل کی تاکید کے لئے ما زائدہ ہے اور آخر میں تاکید کے لئے نون ہے، اور جواب شرط محذوف ہے اور وہ فذاكَ ہے یا ان کو عذاب دینے سے پہلے ہی آپ کو وفات دیدیں وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے تو ہم ان کو شدید ترین عذاب دیں گے، جواب مذکور (یعنی فَـاِلَیْنَـا یُرْجعونَ) فقط معطوف (یعنی نَتَوَفَّیَنَّكَ) کا ہے یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے قصے تو ہم نے آپ سے بیان کر دیئے اور ان میں سے بعض کے قصے تو ہم نے آپ کو سنائے ہی نہیں روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار انبیاء مبعوث فرمائے ان میں سے چار ہزار بنی اسرائیل میں سے ہیں اور (بقیہ) چار ہزار انبیاء (بقیہ) تمام لوگوں میں سے ہیں، ان میں سے کسی رسول کو یہ قدرت نہیں تھی کہ کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر لا سکے اس لئے کہ وہ تو (اس کے) مملوک بندے ہیں پھر جس وقت اللہ کا کفار پر نزول عذاب کا حکم آئے گا، تو رسولوں اور ان کو جھٹلانے والوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اس وقت اہل باطل خسارہ میں رہ جائیں گے یعنی قضا و خسران کا ظہور لوگوں کے سامنے اس وقت ہوگا، ورنہ تو وہ اس سے پہلے ہی ہر وقت خسارہ میں تھے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَلَمْ تَرَ ہمزۂ استفہام تقریری تعجبی ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوا، اَلَّذِیْنَ اول الذین سے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ فاءاستینافیہ ہے، سوف حرف استقبال یَعْلَمُوْنَ فعل مضارع مرفوع، جملہ مستانفہ تہدید کے لئے ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول صلہ سے مل کر مبتداء ہواور فسوف یعلمون اس کی خبر۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: اِذْ بمعنی اِذَا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: سوف حرف استقبال ہے اور اِذْ ماضی کے لئے ہے، دونوں کے مقتضی میں تعارض ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی کہے سَوْفَ اصومُ اَمْسِ.

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اِذْ، اِذَا کے معنی میں ہے اِذَا کے بجائے اِذْ لانے میں مصلحت یہ ہے کہ امور مستقبلہ جب اللہ کی اخبار میں واقع ہوتے ہیں تو وہ متیقنہ اور قطعی الوقوع ہوتے ہیں، جس طرح کہ ماضی قطعی الوقوع ہوتی ہے، لہٰذا اس کو ایسے الفاظ سے تعبیر کردیتے ہیں جو ماضی پر دلالت کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: فتکونُ فی الاعْنَاقِ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اگر السَّلَاسِلُ کا عطف اَغْلَالُ پر ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اَغْلَالُ اور سَلَاسِل دونوں گردنوں میں ہوں گے، اور اگر السلاسل کو مبتدا مانا جائے تو اس کی خبر محذوف ہوگی اور وہ فی اَرْجلھم ہے، ای تکون فی اَرْجُلِھِمْ اب مطلب یہ ہوگا کہ طوق گردنوں میں اور زنجیریں پیروں میں ہوں گی، اور خبرہ یُسْحَبُوْنَ کہہ کر، تیسری ترکیب کی طرف اشارہ کردیا، یعنی السلاسل مبتداء اور یُسْحَبُوْنَ جملہ ہوکر اس کی خبر، اور خبر جب جملہ ہوتی ہے تو عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو مبتداء کی طرف لوٹے بھا مقدر مان کر عائد کی طرف اشارہ کردیا۔

قَوْلُہٗ: یُسْحَبُوْنَ، سحبٌ (ف) جمع مذکر غائب مجہول گھسیٹے جائیں گے۔

قَوْلُہٗ: یُسْجَرُوْنَ، سَجَرٌ (ن) سے مضارع جمع مذکر غائب بٹائے جاؤ گے، جھونکے جاؤ گے، یُسْجَرُوْنَ، سجر التنور سے مشتق ہے اِذَا ملأ بالوقود.

قَوْلُہٗ: ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ ای یقال لَهُمْ قیل ماضی کے ذریعہ تعبیر متحقق الوقوع ہونے کی وجہ سے ہے۔

قَوْلُہٗ: ثُمَّ اُحْضِرَتْ اس عبارت کا مقصد ایک اعتراض کا دفعیہ ہے۔

سَوَال: مفسر علام نے ضَلُّوْا عَنَّا (الآیۃ) کی جو یہ تفسیر بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب مشرکین سے فرمائیں گے کہ وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم میرا شریک ٹھہرایا کرتے تھے؟

جَوَاب: تو مشرکین جواب دیں گے وہ تو ہم سے غائب ہوگئے اور ہم دنیا میں ان میں سے کسی کی بندگی نہیں کیا کرتے تھے، یہ تفسیر ایک دوسری آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ کے خلاف ہے، اس لئے

کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ معبودان باطلہ وہاں موجود ہوں گے نہ کہ غائب جیسا کہ سابقہ آیت سے معلوم ہوتا ہے ثُمَّ اُحْضِرَتْ کہہ کر جواب دیدیا کہ اولاً معبودان باطلہ غائب ہو جائیں گے اور عابدین ان کی عبادت کا انکار کریں گے، مگر بعد میں ان کو حاضر کیا جائے گا اور عابدین ان کی عبادت کا اقرار بھی کریں گے۔

قَوْلُهٗ: تَمْرَحُوْنَ، مَرَحٌ (ف) سے مرحًا حد سے زیادہ خوشی کا اظہار کرنا، اترانا۔

قَوْلُهٗ: فیه خبر مقدم ہے اِنْ الشرطیة مبتداء مؤخر مدغمةً ان شرطیہ سے حال ہے مُدغمٌ فیه یعنی ما زائدہ کا ذکر نہیں کیا یعنی اِمَّا نُرِیَنَّكَ میں فعل کے اول میں ما زائدہ کے ذریعہ تعلیق فعل کی تاکید ہے اور نون ثقیلہ کے ذریعہ فعل کے آخر میں تاکید ہے۔

قَوْلُهٗ: فالجواب المذکور للمعطوف فقط، نَتَوَفَّیَنَّكَ کا عطف اِمَّا نُرِیَنَّكَ پر ہے، معطوف علیہ پر چونکہ حرف شرط اور ما زائدہ داخل ہیں لہٰذا معطوف پر بھی داخل ہوں گے، معطوف علیہ اور معطوف دونوں کو جواب شرط کی ضرورت ہے، اور جواب شرط صرف ایک ہے اور وہ ہے فَاِلَیْنَا یُرجعونَ مذکور جواب شرط معطوف یعنی نَتَوَفَّیَنَّكَ کو دیدیا، اب معطوف علیہ یعنی نُرِیَنَّكَ بلا جواب شرط کے باقی رہ گیا، اس کے لئے جواب شرط محذوف مان لیا، جس کو شارح رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے فَذَاكَ کہہ کر ظاہر کر دیا، مطلب یہ ہوگا، کفار سے ہم نے عذاب کے جو وعدے کر رکھے ہیں ان میں سے کچھ اگر ہم آپ کو دنیوی زندگی میں دکھا دیں تو یہ بھی ہو سکتا ہے اور اگر ہم آپ کو ان کو عذاب دینے سے پہلے وفات دیدیں تو سب کو ہمارے پاس لوٹ آنا ہی ہے تو وہاں ہم ان کو شدید عذاب دیں گے، پہلا خط کشیدہ جملہ اِمَّا نُرِیَنَّكَ شرط کا جواب ہے، اور دوسرا خط کشیدہ جملہ نَتَوَفَّیَنَّكَ شرط کا جواب ہے۔

اور بعض مفسرین حضرات نے کہا ہے کہ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ دونوں شرطوں کا جواب بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنْ نُعَذِّبْهُمْ فِی حَیَاتِكَ اَوْ لَمْ نُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّمَا نُعَذِّبُهُمْ فِی الآخرة اَشَدَّ العَذَاب فَاِنَّمَا نُعَذِّبُهُمْ الخ دونوں شرطوں کا جواب ہے۔

قَوْلُهٗ: هُنَا لِكَ یہ ظرف مکان ہے مگر یہاں ظرف زمان کے لئے استعمال ہوا ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یہ مشرکین کے انکار و تکذیب پر اظہار تعجب ہے کہ ظہور دلائل اور وضوح حق کے باوجود کسی طرح حق کو نہیں مانتے، ان کو جب پتہ چلے گا کہ جب فرشتے ان کے گلے میں طوق اور پیروں میں بیڑیاں جکڑ کر سر کے بل گھسیٹ کر جہنم میں جھونک دیں گے، اور کہیں گے وہ کہاں ہیں جن کو تم حضرت حق جل شانہ کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے؟ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا مشرکین جہنم میں داخل ہونے کے بعد جواب دیں گے پتہ نہیں ہمیں چھوڑ کر کہاں غائب ہو گئے نظر نہیں آرہے؟ وہ اپنی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں، ہماری مدد کیا کریں گے؟ اس کے بعد ان کی عبادت ہی سے انکار کر دیں گے، جیسے

کہ سورۂ انعام میں فرمایا گیا وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مشرکین ''واللہ ہم مشرکین میں سے نہیں تھے'' بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ بتوں کے وجود اور ان کی عبادت کا انکار نہیں ہے، بلکہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ان کی عبادت باطل اور لاشیٔ محض تھی، اس لئے کہ روز محشر ان پر واضح ہو جائے گا کہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہے کہ جو نہ سن سکتی تھیں اور نہ دیکھ سکتی تھی، اور جو نہ نقصان پہنچا سکتی تھیں اور نہ نفع، یہ حسبتُه شیئًا فلم یکن کے قبیل سے ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں جس کا جو چیرا تو ایک قطرۂ خوں نہ نکلا

اس کے دوسرے معنی جو شروع میں بیان ہوئے وہ واضح ہیں کہ وہ سرے سے شرک ہی کا انکار کر دیں گے، صاوی نے کہا ہے کہ ابتداءً اس فائدے کی امید پر کہ شاید ہماری بات مان کر ہم پر رحم کر دیا جائے، اظہار براءت اور انکار کریں گے بل لم نکن ندعوا من قبلُ شیئًا. ضَلُّوْا عَنَّا سے اضراب ہے، اور مشرکین کا قول ضَلُّوا عَنَّا اقرار سے پہلے کا ہے، اور جب دیکھیں گے کہ انکار سے کوئی فائدہ نہیں تو اعتراف و اقرار کریں گے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہیں گے کہ یہاں آکر پتہ چلا کہ ان کی عبادت بے سود اور باطل محض تھی۔

ذٰلِکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا کُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ، تفرحون، فرحٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خوش ہونا، اور اظہار مسرت کرنا، اور تَمْرَحُوْنَ، مَرَحٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں اترانا، اور مال و دولت پر فخر و غرور میں مبتلا ہو کر دوسروں کے حقوق میں تعدی کرنا اور ان کو حقیر سمجھنا، مَرَحٌ مطلقاً مذموم اور حرام ہے، اور فَرَحٌ یعنی خوشی میں یہ تفصیل ہے کہ مال و دولت کے نشہ میں خدا کو بھول کر معاصی سے لذت حاصل کرنا اور ان پر خوش ہونا حرام ہے، اس آیت میں یہی فرح مراد ہے، جیسا کہ قارون کے قصہ میں لا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰہَ لا یحبُّ الفرِحین اور فرح کی دوسری قسم یہ ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور راحتوں کو اللہ کا انعام سمجھ کر ان پر خوش ہونا اور اظہار مسرت کرنا یہ جائز بلکہ مستحب ہے، اسی فرح کے متعلق قرآن کریم نے فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا فرمایا یعنی اس پر خوش ہونا چاہئے، آیت مذکور میں فرح کے ساتھ کوئی قید نہیں ہے، مرح مطلقاً مذموم اور سبب عذاب ہے، اور فرح کے ساتھ بغیر الحق کی قید لگا کر بتلا دیا کہ ناحق اور ناجائز لذتوں پر خوش ہونا اور اترانا حرام ہے، اور حق اور جائز لذتوں اور نعمتوں پر بطور شکر کے خوش ہونا عبادت اور ثواب ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ اس میں نبی ﷺ کو تسلی اور دشمنوں پر فتح کا وعدہ ہے یعنی آپ صبر کریں ہم کافروں سے ضرور انتقام لیں گے، یہ وعدہ جلدی ہی پورا ہو سکتا ہے یعنی دنیا ہی میں ہم ان کی گرفت کر لیں یا حسب منشاء الٰہی تاخیر بھی ہو سکتی ہے، یعنی روز قیامت ہم ان کو سزا دیں گے تاہم یہ بات یقینی ہے کہ یہ لوگ ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جا سکتے۔

فَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ (الآیة) یعنی آپ کی زندگی ہی میں ہم ان کو مبتلائے عذاب کر دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ نے کافروں سے انتقام لے کر مسلمانوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے ۸ھ میں مکہ فتح ہو گیا، اور پھر نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں پورا جزیرۂ عرب مسلمانوں کے زیر نگین آ گیا، اور اگر کسی مصلحت اور مشیت الٰہی کے پیش نظر دنیا

میں گرفت نہ کی جائے تو یہ کافر عذاب الٰہی سے بچ کر جائیں گے کہاں؟ آخر کار میرے ہی پاس آئیں گے، جہاں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ (الآية) یہ بھی نبی کریم ﷺ کو تسلی ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے انبیاء واضح دلائل اور معجزات دیکر بھیجے، ان کی قوم نے نہ صرف یہ کہ ان سے مجادلہ کیا بلکہ ان کو قسم قسم کی ذہنی اور جسمانی اذیتیں پہنچائیں، مگر انہوں نے ان کی اذیتوں پر صبر کیا، لہٰذا آپ بھی صبر کیجئے، ان انبیاء علیہم السلام میں سے بعض کے حالات وواقعات ہم نے آپ کو سنا بھی دیئے ہیں، اور بہت بڑی تعداد ان انبیاء علیہم السلام کی ہے کہ جن کے واقعات قرآن میں بیان ہی نہیں کئے گئے، اس لئے کہ قرآن کریم میں صرف پچیس انبیاء و رسل کا ذکر اور ان کی قوموں کے حالات بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے بھی بعض کا صرف نام لیا گیا ہے قرآن کریم میں ان کے حالات کی تفصیل بیان نہیں کی گئی، شرح مقاصد میں ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ انبیاء علیہم السلام کی کتنی تعداد ہے؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا مأة الفٍ واربعة وعشرون الفًا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ یہاں آیت سے مراد معجزہ اور خرق عادت واقعہ ہے، جو پیغمبروں کی صداقت پر دلالت کرے۔

شانِ نزول:

ہر امت اپنے اپنے پیغمبروں سے معجزات کے مطالبات کرتی رہی ہے کہ ہمیں فلاں معجزہ دکھاؤ، چنانچہ نبی کریم ﷺ سے بھی قریش نے قسم قسم کے معجزات کا مطالبہ کیا، کبھی کہتے کہ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھاؤ، تب ہم آپ کی نبوت پر ایمان لائیں گے اور کبھی کہتے کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دو تا کہ ہم سب کی غربت دور ہو کر خوشحالی آجائے، وغیرہ وغیرہ، مطلوبہ معجزات کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل آیت ۹۰، ۹۳ میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی قوم کے مطالبہ پر ان کو کوئی معجزہ صادر کر کے دکھادے، یہ صرف ہمارے اختیار میں ہے، بعض نبیوں کو تو ابتداء ہی سے معجزے دیدیئے گئے تھے، بعض قوموں کو ان کے مطالبہ پر معجزہ دکھلایا گیا، اور بعض کو مطالبہ کے باوجود نہیں دکھلایا گیا، ہماری مشیت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا، کسی نبی کے ہاتھ میں یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا معجزہ صادر کر کے دکھلا دیتا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ قيل الابل ههنا خاصّةً والظاهر والبقر والغنم لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ من الدّرّ والنسل والوبر والصوف وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ هي حمل الاثقال الى البلاد وَعَلَيْهَا في البرّ وَعَلَى الْفُلْكِ السفن في البحر تُحْمَلُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ الدالّة على وحدانيته تُنْكِرُوْنَ ﴿٨١﴾ استفهامُ توبيخ وتذكيرُ ايّ اشهر من تانيثه

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ من مصانِع وقصُور فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ المُعجزاتِ الظاہراتِ فَرِحُوْا ای الکُفّار بِمَا عِنْدَهُمْ ای الرُسُلِ مِّنَ الْعِلْمِ فرحَ اِستہزاءٍ وضحك مُنكِرِینَ له وَحَاقَ نزلَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ ای العذاب فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ای شِدّة عذابنا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ نصبُه علی المصدرِ بفعلٍ مُقدَّرٍ من لفظِه الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ فی الاُممِ اَنْ لَا ینفعهم الایمانُ وقتَ نُزولِ العذابِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ تبیّنَ خُسرانُهم لِکُلِّ اَحدٍ وهم خاسِرونَ فی کُلِّ وقتٍ قبلَ ذٰلك.

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے (مویشی) پیدا کئے کہا گیا ہے کہ یہاں (انعام) سے خاص طور پر اونٹ مراد ہے اور ظاہر یہی ہے اور بقر وغنم بھی مراد ہو سکتے ہیں تا کہ ان میں سے بعض پر تم سواری کرو اور بعض کو ان میں سے کھاتے ہو اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے منافع ہیں (مثلاً) دودھ، نسل، اونٹ کے بال، اور اون تا کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنی دلی مراد کو حاصل کرو اور وہ (مختلف) شہروں تک بوجھ لاد کر لیجاتا ہے، اور ان سواریوں پر خشکی میں اور کشتیوں پر دریا میں چڑھے پھرتے ہو اور وہ تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے، پس تم وحدانیت پر دلالت کرنے والی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرتے رہو گے؟ استفہام توبیخی ہے، اور آیٌ مذکر کا استعمال بہ نسبت آیَةٌ مؤنث کے زیادہ مشہور ہے، کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلوں کا انجام کیسا ہوا، حالانکہ وہ ان سے تعداد میں زیادہ اور قوت اور یادگاروں (مثلاً) قلعوں اور محلوں میں بڑھے ہوئے تھے، ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی پس جب کبھی ان کے پاس ان کے رسول کھلے معجزات لے کر آئے تو کافر بطور استہزاء اور منکرین کے ضحک کے طور پر اس علم سے خوش ہوئے جو رسولوں کے پاس تھا بالآخر جس عذاب کو مذاق میں اڑا رہے تھے، وہی عذاب ان پر پلٹ پڑا، چنانچہ جب انہوں نے ہمارے عذاب کی شدت کو دیکھا تو کہنے لگے ہم اللہ واحد پر ایمان لائے، اور جن جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرا رہے تھے، ان سب کا انکار کیا، لیکن ہمارے عذاب کو دیکھ لینے کے بعد ان کو ان کے ایمان نے نفع نہیں دیا، اللہ نے اپنا یہی معمول مقرر کر رکھا ہے (سُنَّتَ) کا نصب مصدریت کی بناء پر ہے، اسی (مصدر) کے لفظ سے فعل مقدر کی وجہ سے جو امتوں میں اس کے بندوں میں برابر چلا آرہا ہے، یہ کہ نزول عذاب کے وقت ایمان فائدہ نہیں دیتا، اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے (یعنی) ان کا خسران ہر ایک پر ظاہر ہو گیا، حال یہ کہ وہ اس سے پہلے بھی ہمہ وقت خاسر تھے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَلْاَنْعَامَ مویشی یہ نَعَمٌ کی جمع ہے، اس کے اصل معنی تو اونٹ کے ہیں، مگر بھیڑ، بکری، گائے بھینس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، بشرطیکہ ان میں اونٹ بھی ہو، اونٹ چونکہ عرب کے نزدیک بہت بڑی نعمت ہے، اس لئے اس کا نام نعم بمعنی نعمت ہوا۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: دَرٌّ دودھ۔

قَوْلُہٗ: اَلْوَبَرُ اونٹ اور خرگوش وغیرہ کے بال (ج) اَوْبَارٌ.

قَوْلُہٗ: وَعلى الفُلكِ.

سُوَالٌ: فِی الفُلْكِ کیوں نہیں کہا؟ جیسا کہ حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے واقعہ میں کہا ہے قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَیْنِ.

جَوَابٌ: تاکہ عَلَیْهَا حَاجَةً کا تقابل صحیح ہوجائے، اس کو صنعت ازدواج کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ. اَیَّ، تُنْكِرُوْنَ کا مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اَیٌّ کو مقدم کرنا واجب ہے، اس لئے کہ یہ صدارت کلام چاہتا ہے۔

قَوْلُہٗ: تذکیر اَیِّ اَشهَرُ مِن تانیثه اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: اَیَّةُ آیتِ اللّٰه کیوں نہیں کہا، جبکہ مضاف الیہ ایٰتِ اللّٰهِ کا مقتضی یہ تھا کہ اَیَّ کے بجائے اَیَّةَ ہو۔

جَوَابٌ: اسماء جامدہ میں مذکر و مونث میں تفریق غریب ہے جیسا کہ حمارٌ و حمارةٌ میں تفریق غریب ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اَیٌّ کا استعمال بہ نسبت اَیَّةٌ کے اکثر و اشہر ہے زمخشری نے کہا ہے وقد جاءت علی اللغة المستفیضه یعنی اَیٌّ کا استعمال کثیر ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا الخ یہاں سے توبیخی مضمون شروع فرما رہے ہیں، فاء عاطفہ ہے ہمزہ محذوف پر داخل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے کہ أعجزُوْا فَلَمْ یَسِیْرُوْا الخ.

قَوْلُہٗ: کَیْفَ کَانَ عاقِبَةُ الَّذِینَ من قَبْلِهِمْ. کَیْفَ، کانَ کی خبر مقدم اور عاقبةُ اسم مؤخر ہے۔

قَوْلُہٗ: مَصَانِعُ زیر زمین ذخیرۂ آب کے لئے بڑے بڑے حوض، ڈیم، قلعے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: فَمَا اَغْنٰی عَنْهُمْ مَا کَانُوا یَکْسِبُوْنَ پہلا ما نافیہ اور استفہام انکاری، دونوں ہوسکتا ہے، یعنی ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی، استفہامیہ کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا، ان کی کمائی ان کے کیا کام آئی؟ ما کانوا یکسبون کا ما مصدریہ اور موصولہ دونوں جائز ہے، پہلا فما اغنٰی ما اغنٰی کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُهُ: فَرِحُوا ای کفار بما عِنْدَهم ای الرُّسُل من العلمِ علم سے وہ علم وحی مراد ہے جو انبیاء علیہم السلام کے پاس تھا اور اس علم پر کافروں کے خوش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کافروں نے استہزاء اور تمسخر کے طور پر خوشی کا اظہار کیا، اور دلیل اس کی ان کا وحی سے اعراض کرنا اور قبول نہ کرنا ہے، مفسر علام نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں، اور یہی معنی اللہ تعالیٰ کے قول وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ کے مطابق ہیں، بعض مفسرین نے عِنْدَهُمْ کی ضمیر کو کفار کی طرف لوٹایا ہے، اور علم سے مراد بزعم خویش لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ کا علم مراد ہے، یا علم سے مراد امور دنیا کا علم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِنَ الحيٰوةِ الدنيا وهم عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ.

قَوْلُهُ: سُنَّتَ اللّٰهِ مصدر من لفظه. سُنَّتَ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، اور فعل مقدر مصدر کے ہم لفظ ہے ای سَنَّ اللّٰهُ ذٰلك سُنَّةً ماضيةً في العباد.

قَوْلُهُ: هُنَالِكَ ای عند رؤيتهم العذاب یہ اسم مکان ہے، زمان کے لئے مستعار لیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: تَبَيَّنَ خُسرانُهُمْ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: خَسِرَ هنالك سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار اور مشرکین اس وقت خائب و خاسر ہوئے اس سے پہلے خائب و خاسر نہیں تھے۔

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار ہر وقت اور ہر زمانہ میں خائب و خاسر رہے، مگر اس خسران و حرمان کا ظہور اب ہوا، خود ان کو اور دوسروں کو پتہ چل گیا کہ آخرت کا خسران و حرمان ہی حقیقی خسران و نقصان ہے۔

تفسیر و تشریح

اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمْ (الآية) اللہ تعالیٰ اپنی ان گنت اور بے شمار نعمتوں میں سے بعض کا تذکرہ فرما رہے ہیں، چوپایوں سے مراد اونٹ گائے، بیل، بھیڑ، بکری ہیں، یہ سواری کے کام بھی آتے ہیں اور ان کا دودھ بھی پیا جاتا ہے، اور ان میں سے بعض سے بار برداری کا کام بھی لیا جاتا ہے، اس کے علاوہ بھی ان میں تمہارے لئے بہت سے منافع ہیں، مثلاً گوشت، پوست، اون، بال، ہڈی وغیرہ سے بہت سی مفید، کار آمد اور نفع بخش اشیاء تیار کی جاتی ہیں، نیز تم ان پر خشکی میں سوار ہو کر اور سامان تجارت لاد کر دور و دراز کا سفر کرتے ہو اور اپنی دلی مراد حاصل کرتے ہو، اور دریائی سفر میں کشتیوں کو استعمال کرتے ہو، سفینہ اور اونٹ میں بڑی قریبی مناسبت ہے، یہی وجہ ہے کہ اونٹ کو سفینۃ الصحراء کہا جاتا ہے۔

مَسْئَلَه: ہر جانور سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ انعام عام ہے ہر چوپائے کو شامل ہے، اور جَعَلَ لَكُمْ میں لام نفع کے لئے ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہاتھی کی سواری جائز ہے، البتہ خنزیر چونکہ نص قطعی سے نجس العین ہے، لہٰذا اس سے کسی قسم کا انتفاع درست نہیں ہے۔

نکتہ: منافع چونکہ جمع منکور ہے، لہٰذا مفید استغراق نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ چوپایوں سے ہر قسم کا استفادہ درست نہیں اور مِنْها تاكلون میں من تبعیضیہ کا بھی تقاضہ ہے، کہ بعض منافع کو خارج کیا جائے۔

مَسْئَلَةٌ: کتے کی قیمت مکروہ ہے (ایسر التفاسیر، تائب رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ) اور اس کے پالنے میں تفصیل ہے جس کی تفصیل کا مقام کتب فقہ ہیں۔

وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی نشانیاں دکھاتا ہے جو اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں، اور یہ نشانیاں اتنی عام اور کثیر اور واضح ہیں کہ جن کا کوئی انکار کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

بحث: علم کا اطلاق قرآن میں علوم آسمانی پر کیا گیا ہے، اور یہ کفار سے منتفی ہے، تو پھر فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ کا کیا مطلب؟

جَوَابٌ: ❶ یہاں علم سے علم معاش مراد ہے یعنی تجارت وصنعت وغیرہ کا علم جس میں یہ لوگ فی الواقع ماہر تھے، اور قرآن کریم نے ان کے اس علم کا سورۂ روم میں اس طرح تذکرہ فرمایا ہے يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ یعنی یہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی اور اس کے منافع حاصل کرنے کو تو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں، مگر آخرت جہاں ہمیشہ رہنا ہے، اور جہاں کی راحت وکلفت دائمی ہے، اس سے بالکل جاہل اور غافل ہیں۔

جَوَابٌ: ❷ یا بزعم خویش ان کے مزعومات، توہمات وشبہات اور باطل دعوے جن باتوں کو وہ علم سمجھتے تھے وہ علم مراد ہو حالانکہ وہ علم نہیں بلکہ جہل مرکب ہے، جیسا کہ مجاہد سے مروی ہے کہ کفار کہا کرتے تھے کہ ہم جانتے ہیں کہ بعث وحساب کچھ ہونے والا نہیں ہے، وہ لوگ انکار بعث وحساب کو علم سمجھے ہوئے تھے، ان کے اس علم کو جو در حقیقت جہل ہے علم کہا گیا ہے۔ (مظهری، ایسر التفاسیر)

جَوَابٌ: ❸ یا ان کے باطل مزعومات کو استہزاءً علم کہا گیا ہے۔ (ایسر التفاسیر، تائب رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ)

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (الآیة) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور معمول ہے کہ آخرت کا عذاب دیکھنے کے بعد ایمان وتوبہ قبول نہیں فرماتے، معائنۂ عذاب کے بعد ان پر بھی واضح ہوگیا کہ اب سوائے خسارے اور ہلاکت کے ہمارے مقدر میں کچھ نہیں، یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے، حدیث شریف میں وارد ہے يقبل الله توبة العبد مالم يغرغر (ابن کثیر) حالت نزع سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتے ہیں۔

تمت بحمد اللہ

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَرُكُوْعَاتٌ سِتٌّ

سُوْرَةُ فُصِّلَتْ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ فصلت مکی ہے اور اس میں ترپن (۵۳) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ﴿١﴾ اللّٰه اعلمُ بمُرادِه به تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٢﴾ مبتدأ كِتٰبٌ خَبرُهٗ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ بُيِّنَتْ بالاحكامِ وَالقَصَصِ والمَواعِظِ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا حالٌ من كتاب بصِفَتِه لِّقَوْمٍ مُتعلِّقٌ بفُصِّلت يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣﴾ يَفهَمُونَ ذلك وهُمُ العربُ بَشِيْرًا صِفةُ قران وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٤﴾ سَماعَ قَبُولٍ وَقَالُوْا لِلنبي قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ اَغطِيَةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ ثِقلٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ خلافٌ في الدين فَاعْمَلْ على دِينِك اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿٥﴾ على دِينِنا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ بالايمان والطاعةِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ كلِمَةُ عذاب لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ تاكيدٌ كٰفِرُوْنَ ﴿٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٨﴾ مقطوعٍ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے حٰمٓ اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ کلام رحمٰن ورحیم کی طرف سے اتارا ہوا ہے (تَنْزِيْلٌ) مبتداء ہے، کتابٌ اس کی خبر، یعنی یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کی آیتوں کو خوب کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے یعنی احکام وقصص ومواعظ کو خوب ممتاز ومميز کر کے بیان کیا گیا ہے (حال یہ کہ) قرآن عربی زبان میں ہے قرآنًا، کتابٌ سے بسبب صفت کے حال ہے، لقومٍ، فصلت سے متعلق ہے، اس قوم کے لئے جو سمجھتی ہو اور وہ قوم عرب ہے، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہے (بشیرًا) قرآن کی صفت ہے، پھر بھی ان کی اکثریت نے منہ موڑ لیا، اور وہ قبول کرنے کے لئے سنتے ہی نہیں ہیں، اور انہوں نے نبی ﷺ سے کہا کہ تو جس کی طرف ہمیں بلا رہا ہے ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ (لگی ہوئی) ہے یعنی ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک حجاب ہے یعنی دینی اختلاف ہے اچھا تو تو اپنے دین پر عمل کئے جا اور ہم اپنے دین پر عمل کر رہے ہیں، آپ کہہ دیجئے! کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود

ایک اللہ ہی ہے تو تم ایمان اور اطاعت کے ساتھ اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے معافی چاہو اور مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے، وَیْلٌ کلمہ عذاب ہے، وہ لوگ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں ھُمْ تاکید ہے بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: تَنْزِیْلٌ مصدر بمعنی اسم مفعول، مبتداء، کتابٌ خبر۔

شبہ: تنزیل نکرہ ہے اس کا مبتداء بننا کیسے صحیح ہے؟

دفع: من الرحمٰن الرحیم، تنزیل کی صفت ہے، جس کی وجہ سے تخصیص ہو کر مبتداء بننا صحیح ہو گیا، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَلْمنزَّلُ مِنَ الرحمٰن الرحیم کتابٌ۔

قَوْلَہٗ: فصِّلَتْ آیاته کتاب کی صفت ہے۔

قَوْلَہٗ: حال من کتاب بصفته یعنی قرآنا کتاب سے حال ہے۔

شبہ: کتاب نکرہ یہ ذوالحال واقع نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ ذوالحال کے لئے معرفہ ہونا ضروری ہے۔

دفع: فُصِّلَتْ آیاتُهٗ چونکہ کتاب کی صفت ہے، لہٰذا کتاب کا ذوالحال واقع ہونا درست ہے حال من الکتاب بصفته کا یہی مطلب ہے، بصفته میں باء سببیہ ہے۔

قَوْلَہٗ: لقوم متعلق بفصلت یہ بھی ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: قرآن کریم کی آیات تو سب کے لئے مفصل اور واضح ہیں پھر قوم عاقل کے ساتھ کیوں تخصیص کی گئی؟

دفع: اگرچہ قرآنی آیات فی نفسہٖ سب کے لئے مفصلہ واضحہ ہیں، مگر چونکہ عقل و فہم والے ہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے عقلمندوں اور دانشمندوں کی تخصیص کی گئی ہے۔

قَوْلَہٗ: بشیرًا صفة قرآن، بشیرًا قرآن کی صفت ہے، اور یہ بھی درست ہے، کہ بشیرًا و نذیرًا دونوں کتاب سے حال یا نعت واقع ہوں، اور عرب کی تخصیص اس لئے ہے کہ عرب قرآن کو بلا واسطہ سمجھنے والے اور اولین مخاطب ہیں بخلاف غیر عرب کے۔

قَوْلَہٗ: وقالوا اس کا عطف اعرض پر ہے۔

قَوْلَہٗ: ثِقَلٌ یہ وَقْرٌ کے اصل معنی کا بیان ہے، مراد اس سے گراں گوشی (بہراپن) ہے۔

قولہ: وھم بالآخرۃ ھم کافرون اس کا عطف لا یُؤتُونَ پر ہے، اور الذین کے تحت داخل ہے ھم ضمیر فصل کو حصر کے لئے لایا گیا ہے۔

قولہ: تاکید اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ھم ثانی اول ھُم کی تاکید ہے، اور ترویح الارواح میں کہا ہے، کافرون مشرکین کی تاکید ہے، گویا کہ یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ جب ان کی صفت شرک کو بیان کرتے ہوئے مشرکین کہہ دیا، تو پھر ھم کافرون کی کیا ضرورت تھی جواب کا حاصل یہ ہے کہ کافرون، مشرکینَ کی تاکید ہے، لہٰذا بے فائدہ نہیں ہے۔

قولہ: ممنون اسم مفعول مَنَّ سے واحد مذکر غائب ہے (ن) کم کیا ہوا، قطع کیا ہوا۔

تفسیر و تشریح

یہ سات سورتیں ہیں جو حٰمٓ سے شروع ہوئی ہیں، جن کو آلِ حٰمٓ یا حوامیم کہا جاتا ہے، باہم امتیاز کے لئے اس کے ساتھ نام میں کچھ الفاظ بھی شامل کر دیئے جاتے ہیں، مثلاً سورۂ مومن کے حٰمٓ کو حٰمٓ المؤمن اور اس سورت کے حٰمٓ میں حٰمٓ سجدہ کہا جاتا ہے، اس سورت کا دوسرا نام فُصِّلَتْ بھی ہے۔

شان نزول:

نزول قرآن کے بعد ابتداء اسلام میں کفار نے زور وقوت کے ساتھ اسلام کی تحریک کو دبانے اور آپ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچا کر خوف زدہ کرنے کی بہت کوششیں کیں، لیکن اسلام ان کی خواہش کے علی الرغم بڑھتا اور قوت پکڑتا چلا گیا، پہلے عمر بن الخطاب جیسے قوی اور جری اسلام میں داخل ہو گئے، اس کے بعد حضرت حمزہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو قریش کے مسلّم سردار تھے مسلمان ہو گئے، تو اب مجبوراً قریش مکہ نے ڈرانے دھمکانے کی پالیسی چھوڑ کر ترغیب و لالچ کے ذریعہ تبلیغ اسلام کا راستہ روکنے کی تدبیریں سوچنا شروع کر دیں، اسی سلسلہ کا ایک واقعہ حافظ ابن کثیر نے مسند بزار، ابویعلیٰ اور بغوی کی روایتوں سے نقل کیا ہے، محمد بن اسحٰق نے بیان کیا کہ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا بڑا سردار مانا جاتا تھا، ایک روز قریش کی جماعت کے ساتھ حرم کعبہ کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا، دوسری طرف رسول اللہ ﷺ حرم کے ایک گوشہ میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے، قریشی سرداروں نے باہم مشورہ کیا کہ محمد ﷺ کے پیروکاروں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہی ہو رہا ہے، ہمیں اس کے سدباب کے لئے ضرور کچھ کرنا چاہئے، اگر آپ لوگوں کی رائے ہو تو میں محمد (ﷺ) سے گفتگو کروں، اور ان کے سامنے کچھ ترغیبی چیزیں پیش کروں، اگر ان میں سے وہ کسی چیز کو قبول کر لیں تو ہم وہ چیز انہیں دیدیں تاکہ وہ ہمارے دین و مذہب کے خلاف تبلیغ کرنا چھوڑ دیں، سب نے ایک زبان ہو کر کہا اے ابوالولید (یہ عتبہ کی کنیت ہے) آپ ضرور ایسا کریں، چنانچہ عتبہ بن ربیعہ اٹھ کر آپ

ﷺ کی خدمت میں گیا، اور آپ ﷺ پر عربوں میں انتشار اور افتراق پیدا کرنے کا الزام عائد کرنے کے بعد پیش کش کی کہ اس نئی دعوت سے اگر آپ کا مقصد مال و دولت حاصل کرنا ہے تو وہ ہم جمع کئے دیتے ہیں، اور اگر آپ قیادت وسیادت چاہتے ہیں تو ہم آج ہی سے آپ کو اپنا لیڈر اور سردار تسلیم کئے لیتے ہیں، اور اگر آپ کسی حسین و جمیل لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ایک نہیں ایسی دس لڑکیوں کا آپ کے لئے انتظام کئے دیتے ہیں، اور اگر آپ پر آسیب کا اثر ہے جس کی وجہ سے آپ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں تو ہم اپنے خرچ سے آپ کا علاج کرا دیتے ہیں، اور اگر آپ بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں، عتبہ جو کہ نہایت فصیح اور قادر الکلام تھا طویل تقریر کرتا رہا اور آپ ﷺ خاموشی سے سنتے رہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو الولید آپ اپنی بات پوری کر چکے؟ آپ نے فرمایا اب میری سنئے، اس نے کہا ہاں بے شک میں سنوں گا، رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے کوئی جواب دینے کے بجائے اس سورت کی تلاوت شروع فرما دی، آپ برابر اس سورت کی تلاوت فرماتے رہے اور عتبہ بڑے غور سے سنتا رہا، جب آپ اس آیت پر پہنچے **فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ** تو عتبہ نے اپنا ہاتھ آپ کے دہن مبارک پر رکھ دیا اور اپنے نسب اور رشتہ کی قسم دے کر کہا ان پر رحم کیجئے، آگے کچھ نہ فرمایئے، اور ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ عتبہ بڑے غور سے آپ کی تلاوت سنتا رہا اور جب آپ نے آیت سجدہ پر پہنچ کر سجدہ کیا اور فرمایا اے ابو الولید آپ نے سن لیا، اب آپ کو اختیار ہے جو چاہے کرو، عتبہ آپ کے پاس سے اٹھ کر اپنی مجلس کی طرف چلا تو یہ لوگ دور سے عتبہ کو دیکھ کر کہنے لگے، خدا کی قسم ابو الولید کا چہرہ بدلا ہوا ہے، اب اس کا چہرہ وہ نہیں جو یہاں سے جاتے وقت تھا، جب عتبہ اپنی مجلس میں پہنچا، تو لوگوں نے معلوم کیا، کہو ابو الید! کیا خبر لائے؟ عتبہ (ابو الولید) نے کہا میری خبر یہ ہے:

"میں نے ایسا کلام سنا کہ خدا کی قسم اس سے پہلے کبھی ایسا کلام نہیں سنا تھا، خدا کی قسم نہ تو یہ جادوئی کلام ہے اور نہ شعر و شاعری، اور نہ کاہنوں کا کلام، اے میری قوم قریش! تم میری بات مانو اور اس معاملہ کو میرے حوالہ کر دو، میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ اس سے مقابلہ اور ایذاء سے باز آ جاؤ، اور ان کو ان کے کام پر چھوڑ دو، کیونکہ ان کے اس کلام کی ایک خاص شان ہونے والی ہے، تم ابھی انتظار کرو، باقی عرب لوگوں کا معاملہ دیکھو، اگر قریش کے علاوہ دیگر لوگوں نے ان کو شکست دیدی تو تمہارا مقصد تمہاری کوشش کے بغیر حاصل ہو گیا، اور اگر وہ عرب پر غالب آ گئے تو ان کی حکومت تمہاری حکومت ہوگی، ان کی عزت سے تمہاری عزت ہوگی اور اس وقت تم ان کی کامیابی کے شریک ہوؤ گے"۔

جب قریشیوں نے ابو الولید کا مشورہ سنا تو کہنے لگے اے ابو الولید تم پر تو محمد (ﷺ) نے جادو کر دیا، عتبہ نے جواب دیا میری رائے تو یہی ہے آگے تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ، اَكِنَّةٌ كِنَانٌ کی جمع ہے، پردہ، کنان دراصل تیردان (ترکش) کو کہتے ہیں، یعنی ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں کہ ہم تیری ایمان و توحید کی دعوت سمجھیں، یہاں مشرکین نے تین باتیں کہی ہیں: ① یہ کہ

ہمارے قلوب پر آپ کے کلام سے پردہ پڑا ہوا ہے۔ (۲) یہ کہ ہمارے کان آپ کی باتوں سے بہرے ہیں (۳) یہ کہ ہمارے اور آپ کے درمیان پردے حائل ہیں۔

وَقْرًا، وقر کے اصل معنی بوجھ کے ہیں، یہاں ثقل سماعت مراد ہے جو حق کے سننے میں مانع تھا، اور یہ کہ ہمارے اور آپ کے درمیان ایسا پردہ حائل ہے کہ آپ جو کہتے ہو وہ ہم سن نہیں سکتے، اور جو کرتے ہو اسے دیکھ نہیں سکتے، اس لئے آپ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو، اور ہم آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دیں، آپ ہمارے دین پر عمل نہیں کرتے ہم آپ کے دین پر عمل نہیں کر سکتے۔

لَا یؤتون الزکوٰۃ یعنی یہ لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے۔

سَوال: یہ سورت مکی ہے، اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے تو پھر فرضیت سے قبل عدم ادائیگی کا الزام کیسا؟

جَواب: ابن کثیر نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نفس زکوٰۃ کی فرضیت تو ابتداء اسلام میں نماز کے ساتھ ہوئی تھی، جس کا ذکر سورۂ مزمل کی آیات میں ہے، مگر اس کے نصابوں کی تفصیلات اور وصولی کا انتظام مدینہ طیبہ میں قائم ہوا، اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ زکوٰۃ مکہ میں فرض نہیں ہوئی تھی۔

سَوال: اس آیت میں مشرکین کی ترک زکوٰۃ پر مذمت کی گئی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا مشرکین و کفار فروع مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے مکلّف ہیں؟ فروع تو ایمان کے بعد واجب ہوتے ہیں، اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار فروع کے بھی مکلّف ہیں۔

جَواب: بعض ائمہ فقہاء کے نزدیک کفار بھی مخاطب بالفروع ہیں، ان کے اعتبار سے تو یہ اعتراض سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا، اور جو حضرات کفار کو مخاطب بالفروع نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ اس میں ترک زکوٰۃ پر اصل مذمت نہیں بلکہ ان کا ترک زکوٰۃ چونکہ کفر کی بناء پر تھا اور ترک زکوٰۃ اس کی علامت تھی اصل قصور ایمان نہ لانا ہے (معارف) حسن اور قتادہ نے کہا ہے لا یقرّون بوجوبھا یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے مطلب زکوٰۃ کے وجوب کا اقرار نہ کرنا ہے، اور ضحاک و مقاتل نے کہا ہے لا یتصدقون و لا ینفقون فی الطاعۃ یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے مستحقین اور عزیز و اقارب پر خرچ نہ کرنا مراد ہے، یعنی کفار کے عزیز و اقارب میں سے جو مسلمان ہو جاتے تھے ان کی مالی امداد نہیں کرتے تھے، جو کہ ایک اخلاقی نسبی فریضہ ہے، وقال الفراء کان المشرکون ینفقون النفقات ویسقون الحجیج ویُطعِمُونَھُمْ فَحَرَّمُوْا ذٰلک علٰی مَنْ آمَنَ بمحمدٍ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعنی مشرکین صدقہ کرتے تھے اور حاجیوں کے لئے کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے، مگر جو مسلمان ہو جاتے تھے ان کو محروم رکھتے تھے، اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر شوکانی)

حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے سے یہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی گواہی نہ دینا ہے اس

لئے کہ یہ کلمہ انسان کی ذات کی زکوٰۃ ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے نفوس کو لا الٰہ الا اللہ کہہ کر شرک سے پاک صاف نہیں کرتے تھے۔ (حاشیہ جلالین)

قُلْ اَئِنَّكُمْ بتحقيقِ الهمزةِ الثانيةِ وتسهيلِها وادخالِ الفٍ بينَها بوجهَيْها وبينَ الاولى لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ الاحدِ والاثنين وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا شركاءَ ذٰلِكَ رَبُّ مالكُ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩﴾ جمعُ عالَمٍ وهو ما سوى اللّٰهِ وجُمِعَ لاختلافِ انواعِه بالياءِ والنونِ تغليبًا للعقلاءِ وَجَعَلَ مستأنفٌ ولا يجوزُ عطفُهٗ على صلةِ الَّذي للفاصلِ الاجنبيِّ فِيْهَا رَوَاسِيَ جبالًا ثوابتَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا بكثرةِ المياهِ والزُّروعِ والضُّروعِ وَقَدَّرَ قسَّمَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا للناسِ والبهائمِ فِيْ تمامِ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ اي الجعلُ وما ذُكِرَ معَهٗ في يومِ الثلاثاءِ والاربعاءِ سَوَآءً منصوبٌ على المصدرِ اي استوتِ الاربعةُ استواءً لا تزيدُ ولا تنقُصُ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿١٠﴾ عن خلقِ الارضِ بما فيها ثُمَّ اسْتَوٰٓى قصدَ اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ بخارٌ مرتفعٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا الى مُرادي منكما طَوْعًا اَوْ كَرْهًا في موضعِ الحالِ اي طائعتَيْنِ او مكرَهتَيْنِ قَالَتَآ اَتَيْنَا بمَنْ فينا طَآئِعِيْنَ ﴿١١﴾ فيه تغليبُ المذكَّرِ العاقلِ اونُزِّلَتا لخطابِهما منزلتَهٗ فَقَضٰىهُنَّ الضميرُ يرجعُ الى السماءِ لانها في معنى الجمعِ الآئلةِ اليه اي صيَّرها سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ الخميسِ والجمعةِ فرغَ منها في آخرِ ساعةٍ منه وفيها خلقَ آدمَ ولذلك لم يقُلْ هنا سواءً ووافقَ ما هنا آياتِ خلقِ السمٰوٰتِ والارضِ في ستةِ ايامٍ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا الذي أُمِرَ به مَن فيها مِنَ الطاعةِ والعبادةِ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ بنجومٍ وَحِفْظًا منصوبٌ بفعلِه المقدَّرِ اي حفظناها عن استراقِ الشياطينِ السمعَ بالشُّهُبِ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ في مُلكِه الْعَلِيْمِ ﴿١٢﴾ بخَلقِه فَاِنْ اَعْرَضُوْا اي كفارُ مكةَ عن الايمانِ بعدَ هذا البيانِ فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ خوَّفتُكم صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿١٣﴾ اي عذابًا يُهلِكُكم مثلَ الذي اهلكَهم اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اي مُقبلينَ عليهم ومُدبرينَ عنهم فكفروا كما سيأتي والاهلاكُ في زمنه فقط اَلَّا اي بانْ تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ على زعمِكم كٰفِرُوْنَ ﴿١٤﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا لمّا خُوِّفُوا بالعذابِ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اي لا احدَ كانَ واحدُهم يقلعُ الصخرةَ العظيمةَ منَ الجبلِ يجعلُها حيثُ يشاءُ اَوَلَمْ يَرَوْا يعلموا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا المعجزاتِ يَجْحَدُوْنَ ﴿١٥﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا باردةً شديدةَ الصوتِ بلا مطرٍ فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ بكسرِ الحاءِ وسكونِها مشؤوماتٍ عليهم لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ الذلِّ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى اشدُّ وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١٦﴾ بمنعِه عنهم وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ بيَّنَّا لهم

طریق الھدی **فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی** اختاروا الکفر **عَلَی الْھُدٰی فَاَخَذَتْھُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْھُوْنِ** المھین **بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا** منھا **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾** اللہ.

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے! کہ کیا تم اس (اللہ) کا انکار کرتے ہو، اور اس کے شریک ٹھہراتے ہو جس نے زمین دو روز میں پیدا کر دی یعنی اتوار اور پیر میں اَئِنَّکُمْ میں دوسرے ہمزہ کی تحقیق و تسہیل کے ساتھ اور دونوں صورتوں میں ان کے درمیان الف داخل کر کے تمام جہانوں کا مالک وہی ہے عالَمین عالَم کی جمع اور وہ اللہ کے علاوہ ہے عالَمین عالَمْ مختلف الانواع ہونے کی وجہ سے جمع اور ذوی العقول کو (غیر ذوی العقول پر) غلبہ دینے کی وجہ سے یاء و نون کے ساتھ لایا گیا ہے، اور اس نے زمین میں اس کے اوپر جمے رہنے والے پہاڑ رکھ دیئے یہ جملہ مستانفہ ہے، اس کا عطف الذی کے صلہ پر فصل بالاجنبی کی وجہ سے جائز نہیں ہے اور اس میں پانی اور کھیتی (دودھ دینے والے) جانوروں کے ذریعہ برکت دی اور اس میں (رہنے والے) انسانوں اور جانوروں کی روزی کی تجویز بھی اسی (زمین) میں کر دی (مکمل) چار دن میں یعنی جَعْلِ جبال وتقدیر اقوات کل چار دن میں اور جعل کے ساتھ جو مذکور ہے یعنی تقدیر اقوات (وہ) دو دن میں اور وہ سہ شنبہ اور چہار شنبہ ہیں (اس طرح جعل اور تقدیر مل کر چار دن پورے ہوئے) سواءً مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے یعنی چار دن پورے، نہ زائد اور نہ کم، ارض و مافیھا کی تخلیق کے بارے میں (یہ حصر) معلوم کرنے والوں کے لئے پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں یعنی اٹھتی ہوئی بھاپ (سی) تھی (اللہ نے) اس سے یعنی آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں تعمیل کرو میری مراد کی جو تم سے ہے خوشی سے یا زبردستی محل میں حال کے ہیں یعنی حال یہ ہے کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے، دونوں نے کہا کہ ان چیزوں کے جو ہم میں ہیں ہم خوشی سے حاضر ہیں اس میں مذکر ذوی العقول کو غلبہ دیا گیا ہے، یا ان دونوں کو خطاب کی وجہ سے ذوی العقول کے درجہ میں اتار لیا گیا ہے، پس دو دن میں سات آسمان بنا دیئے، جمعرات اور جمعہ کے دن میں، جمعہ کی آخری ساعت میں اس کی تخلیق سے فارغ ہو گیا، اور اسی دن آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو پیدا فرمایا اور اسی وجہ سے یہاں مکمل دن نہیں فرمایا فَقَضٰهُنَّ کی ضمیر السَّمَاء کی طرف راجع ہے، اس لئے کہ سماء مایؤل کے اعتبار سے جمع ہے یعنی آسمان کو سات آسمان بنا دیا، (اس تاویل کے بعد) جو یہاں ہے وہ ان آیات کے مطابق ہو گیا جن میں زمین و آسمان کی تخلیق کا چھ دن میں ذکر ہے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب حکم بھیج دیا وہ حکم جس کا ان میں رہنے والوں کو حکم دیا گیا، وہ (حکم) طاعت اور عبادت ہے اور ہم نے آسمان دنیا کو تاروں سے زینت دی، اور حفاظت کی حِفْظًا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یہ ہے حَفِظْنَاھا حفظًا عن استراق الشیاطین السمع بالشُّھُبِ یعنی ہم نے شہاب کے ذریعہ آسمانوں کی شیاطین سے چوری سے باتیں سننے سے حفاظت کر دی یہ منصوبہ بندی اپنے ملک میں غالب (اور) اپنی مخلوق سے باخبر کی ہے پس اگر اس بیان کے بعد بھی کفار مکہ ایمان سے روگردانی کریں تو کہہ دیجئے کہ میں تمہیں اس کڑک (عذاب آسمانی) سے ڈراتا ہوں کہ جو عادیوں اور ثمودیوں کی کڑک

کے مانند ہوگا یعنی اس عذاب سے ڈراتا ہوں جو قوم کو ہلاک کردے گا (اور) وہ اس عذاب کے مثل ہوگا جس نے ان کو ہلاک کردیا جبکہ ان کے پاس آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی پیغمبر آئے یعنی یکے بعد دیگرے تو ان لوگوں نے انکار کیا جیسا کہ عنقریب آتا ہے، اور (عذاب سے) ہلاکت آپ ﷺ کے زمانہ میں ہوئی، نہ کہ آپ ﷺ کے بعد کہ تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تو انہوں نے جواب دیا اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا ہم تو بزعم شما تمہاری رسالت کے بالکل منکر ہیں سو عاد نے تو ناحق زمین میں سرکشی شروع کردی اور جب ان کو ڈرایا گیا تو کہنے لگے ہم سے زیادہ زور آور کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں، ان میں کا تنہا شخص پہاڑ سے ایک بڑی چٹان کو اکھاڑ لیتا تھا (اور) جہاں چاہتا اٹھا کر رکھ دیتا کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے (بہت زیادہ) زور آور ہے اور وہ (آخر تک) ہماری آیتوں یعنی معجزوں کا انکار ہی کرتے رہے، بالآخر ہم نے ان پر ایک تیز و تند سرد، سخت آواز بلا بارش والی آندھی منحوس دنوں میں بھیج دی، حاء کے کسرہ اور سکون کے ساتھ یعنی ان کے لئے نامبارک دنوں میں کہ انہیں دنیوی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھادیں اور (یقین مانو) کہ آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ رسوائی والا ہے اور ان کی اس عذاب سے بچا کر مدد نہیں کی جائے گی، رہے ثمود تو ہم نے ان کی بھی رہبری کی یعنی ہدایت کا راستہ ان کے لئے واضح کردیا، پھر بھی انہوں نے اندھے پن یعنی کفر کو ہدایت کے مقابلہ میں پسند کیا جس بناء پر انہیں ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا اور ہم نے اس صاعقہ سے ایمان والوں اور اللہ سے ڈرنے والوں کو بچالیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَئِنَّكُمْ اس میں چار قراءتیں ہیں، مگر مفسر علام کی عبارت سے صرف دو معلوم ہو رہی ہیں، پہلا ہمزہ تو ہمیشہ محقق ہی ہوتا ہے البتہ دوسرے میں تحقیق و تسہیل دونوں جائز ہیں، دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کرکے، یہ دو قراءتیں ہوگئیں، حالانکہ ترک ادخال الف کی صورت میں دو قراءتیں اور ہیں اس طرح چار قراءتیں ہوتی ہیں، لہٰذا مفسر علام اگر وتر کہ کا اضافہ فرمادیتے تو مذکورہ چاروں قراءتوں کی طرف اشارہ ہوجاتا، اصل عبارت یوں ہونی چاہئے وَادخال الف وتر کہ (ای اِدخالَ) بینھا وبین الاولیٰ بوَجْهَیْهَا.

قولہ: اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ ہمزہ استفہامیہ انکاریہ ہے اِنَّ اور لام تاکید کے لئے ہیں، ہمزہ صدارت کلام کے مطالبہ کی وجہ سے مقدم کردیا گیا ہے كُمْ اِنَّ کا اسم ہے لام برائے تاکید ہے، تَكْفُرُوْنَ جملہ ہوکر اِنَّ کی خبر ہے، اور تَجْعَلُوْنَ کا عطف تکفرونَ پر ہے۔

قولہ: لَهٗ، تَجْعَلُوْنَ کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، اور اَنْدَادًا مفعول اول ہے ذٰلك مبتداء ہے، اس کا مشارٌ الیہ الَّذِیْ ہے، اپنے صلہ کے ساتھ متصف ہونے کے اعتبار سے (مراد اللہ تعالیٰ ہے)۔

قولہ: وَجَعَلَ فیھا رَوَاسِیَ میں صحیح قول کے مطابق واؤ عاطفہ ہے، اور جَعَلَ کا عطف خَلَقَ پر ہے مگر ابوالبقاء وغیرہ نے واؤ کے عاطفہ ہونے سے انکار کیا ہے، اور واؤ کو استینافیہ مانتے ہوئے کلام کو مستانف مانا ہے، انکار کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر جَعَلَ کا خَلَقَ پر عطف کیا گیا تو اَلَّذِیْ موصول کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے جزء صلہ ہوگا اور یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ وَیَجْعَلُوْنَ لَہٗ الخ جملہ معترضہ ہے، اور صلہ کے تام ہونے سے پہلے درمیان صلہ میں فصل بالاجنبی جائز نہیں ہے، بعض حضرات نے جَعَلَ کا عطف خَلَقَ پر جائز کہا ہے، اور ابوالبقاء کے انکار کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ دو عاطفہ جملوں کے درمیان آنے والے جملہ معترضہ کے مشابہ ہے، اور دو معطوف جملوں کے درمیان جملہ معترضہ کا وقوع کثیر ہے، لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ خَلَقَ پر جَعَلَ کے عطف پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ (اعراب القرآن)

قولہ: فِیْ یَوْمَیْنِ ای فی مقدار یومین اس لئے کہ یوم کا وجود طلوع وغروب شمس سے ہوتا ہے اور شمس کا اس وقت وجود نہیں تھا تو یوم کا وجود کیسے ہوسکتا تھا۔

قولہ: جمع لِاخْتِلَافِ اَنْوَاعِہٖ.

فائدہ: مذکورہ عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: عَالَم اسم جنس ہے جس کا اطلاق ماسوی اللہ پر ہوتا ہے، اور جمع کے لئے کم از کم تین افراد کا ہونا ضروری ہے، حالانکہ عَالَم ایک ہے۔

جواب: عالم کے چونکہ انواع مختلف ہیں، مثلاً عالم ملائکہ، عالم دنیا، عالم آخرت، عالم انس، عالم جن وغیرہ اختلاف انواع کا اعتبار کرتے ہوئے، العالمین کو جمع لایا گیا ہے۔

فائدہ قولہ: تغلیبًا لِلْعُقَلَاءِ اس عبارت سے بھی ایک شبہ کا دفع مقصود ہے۔

شبہ: عالم ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کا مجموعہ ہے اور عالم میں غالب اکثریت غیر ذوی العقول کی ہے، لہٰذا اس کی جمع یاء ونون کے ساتھ نہیں آنی چاہئے، اس لئے کہ یاء نون کے ساتھ ذوی العقول کی جمع آتی ہے۔

دفع: عالم میں اگرچہ غیر ذوی العقول کی تعداد ذوی العقول کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے، مگر عقل ایک ایسا قیمتی جوہر ہے جو تمام صفات پر غالب اور فائق ہے اس صفت کے مقابلہ میں تمام صفات ہیچ اور بے کار ہیں، اس لئے ذوی العقول کی قلت کے باوجود غیر ذوی العقول پر غلبہ دیکر یاء نون کے ساتھ جمع لائے ہیں۔

قولہ: وَجَعَلَ مستانفٌ ولا یجوزُ عطفُہٗ اس کی تحقیق اوپر گذر چکی ہے۔

قولہ: فی تمام اربعۃِ اَیَّامٍ دو دن سابق، جن میں تخلیق ارض کا ذکر ہے اور دو دن لاحق جن میں تقدیر اقوات (روزی) کا ذکر ہے، اس طرح دونوں کی مل کر مجموعی تعداد چار دن ہوئی، نہ کہ صرف تقدیر اقوات چار دن میں، اس لئے کہ آئندہ تخلیق سبع سمٰوات کا ذکر آرہا ہے اور اس کی تخلیق کی مدت بھی دو دن بتائی گئی ہے، اگر تقدیر اقوات کی مدت چار دن تسلیم کرلی جائے

جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے تو ایام تخلیق کی مجموعی تعداد آٹھ ہوجائے گی، حالانکہ دیگر آیات میں چھ یوم میں کل کائنات کی تخلیق کی صراحت ہے، مثلاً خلق السمٰوات والأرض فی ستة ایام.

قِوْلَهُ: سواءً منصوب علی المصدریة، سواءً فعل محذوف استوت کا مصدر بلفظہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور جملہ ہوکر ایام کی صفت ہے۔

قِوْلَهُ: للسّائلین اس کا تعلق سواءً سے ہے ای مستویةً لِلسّائلین ای جواب السائلین فیها سواء لا یتغیّر بسائلٍ بزیادةٍ ولا نقصٍ (صاوی) بعض حضرات نے للسائلین کا تعلق محذوف سے کیا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے هذا الحصر للسائلین. (ترویح الارواح)

قِوْلَهُ: ثُمّ استَوٰی الی السماء.

سُوَال: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کی تخلیق زمین کی تخلیق کے بعد ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول والارض بعد ذلك دحٰها سے اس کا عکس معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی تخلیق سے آسمان کی تخلیق پہلے ہے۔

جَوَاب: اللہ تعالیٰ کے قول والأرض بعد ذلك دحٰها سے مراد زمین کا پھیلانا ہے، یعنی زمین کے مادہ کی تخلیق تو آسمان کی تخلیق سے پہلے ہے مگر زمین کا پھیلانا بعد میں ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

قِوْلَهُ: مرادی یعنی تاثیر فی السماء وتاثیر فی الارض جو کہ میری مراد ہے اس کی تعمیل کرو۔

قِوْلَهُ: طَائِعِیْنَ فیه تغلیب المذکر العاقل الخ.

فَائِدَة: اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: ارض اور سماء لایعقل ہونے کی وجہ سے واحد مؤنث کے حکم میں ہیں، لہٰذا طَائِعَتَیْنِ کہنا چاہئے تھا۔

دفع: ارض وسماء اگرچہ مؤنث ہیں مگر یہ دونوں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں پر مشتمل ہیں، لہٰذا ذوی العقول کی فضیلت کی وجہ سے ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دیکر مذکر کی جمع لائی گئی ہے۔

قِوْلَهُ: او نُزِّلَتَا میں مذکورہ اعتراض کا یہ دوسرا جواب ہے، اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اِئْتِیَا کہہ کر جب زمین و آسمان کو مخاطب بنایا گیا، تو گویا ان کو ذوی العقول کے درجہ میں اتار لیا گیا، اسی لئے اس کی جمع یاء نون کے ساتھ لائے، یہی مطلب ہے مفسر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ کے قول اَوْ نُزِّلَتَا لِخِطَابِهِمَا منزلتَهُ.

قِوْلَهُ: لِاَنَّهَا فی معنی الجمع اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: فَقَضٰهُنَّ کی ضمیر، السماء کی طرف راجع ہے جو کہ واحد مؤنث کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کا مقتضی یہ تھا کہ فقضاها کہتے۔

دفع: دفع کا خلاصہ یہ ہے کہ سماء تضا وتصییر کے بعد چونکہ سات ہونے والے ہیں لہٰذا مایؤل کے اعتبار سے جمع مان کر

قصصھن کو جمع مؤنث کا صیغہ لائے۔

قَوْلُہٗ: اَلْآئِلَةُ اِلَیْهِ یہ آلَ یؤولُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے لوٹنے والی۔

قَوْلُہٗ: وَافَقَ، وَافَقَ فعل ماضی مَا ھُنَا اس کا فاعل آیات وافق کا مفعول۔

قَوْلُہٗ: اَمْرَھَا الَّذِیْ اُمِرَ به مَنْ فیها مِنَ الطاعةِ والعِبَادَةِ. اَمْرَھَا بترکیب اضافی موصوف اَلَّذِیْ موصول اُمِرَ فعل ماضی مجہول بِهٖ، اُمِرَ سے متعلق مَنْ موصولہ فِیْھَا، موجودٌ کے متعلق ہوکر صلہ، موصول صلہ سے مل کر اُمِرَ کا نائب فاعل، فعل اپنے متعلق اور نائب فاعل سے مل کر مبیَّن مِنْ بیانیہ الطاعة والعبادة معطوف معطوف علیہ سے مل کر اَلَّذِی مبیَّن کا بیان، مُبَیَّن اپنے بیان سے مل کر اَمْرَھَا کی صفت موصوف باصفت جملہ ہوکر اَوحیٰ کا مفعول بہ۔

قَوْلُہٗ: شُھُبٌ شِھَابٌ کی جمع ہے، آگ کا شعلہ، روشن ستارہ۔

قَوْلُہٗ: اَنْ، اَنْ میں تین وجہ ہوسکتی ہیں ① مخففہ عن المثقلہ اس صورت میں ضمیر شان اسم محذوف ہوگا، ای اَنَّهٗ لا تعبدوا ② مصدریہ ناصب للمضارع، لا ناهیہ ③ مفسّرہ اس لئے کہ مجیئ الرُسُل قول کا احتمال رکھتا ہے اس لئے کہ ان مفسرہ کے لئے ضروری ہے کہ اس سے پہلے قول یا قول کے ہم معنی یا قول پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ ہو، اگر مجیئ رسل کی دلالت قول پر نہ مانی جائے تو اَنْ تفسیریہ ماننا صحیح نہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وکانوا بِاٰیٰتِنَا اس کا عطف فَاسْتَکْبَرُوْا پر ہے۔

قَوْلُہٗ: صَرْصَرًا، صِرٌّ پالا، ٹھر، لو، بادِ سموم، علامہ خازن بغدادی لکھتے ہیں، صرٌّ میں دو جہتیں ہیں ① اکثر مفسرین اور اہل لغت کا قول یہ ہے کہ صرٌّ سخت ٹھنڈ کو کہتے ہیں، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اور قتادہ وغیرہ نے یہی کہا ہے ② گرم لو جو مہلک ہو، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے ایک روایت ایسی بھی ہے، اہل لغت میں سے ابن انباری کا بھی یہی قول ہے، قاضی بیضاوی نے کہا ہے اس کا اطلاق سرد ہوا کے لئے شائع ہے، جیسے صَرْصَرْ یہ اصل میں مصدر ہے جو بطور صفت مستعمل ہے (لغات القرآن ملخصاً) مفسر علام نے باردۃ شدید الصوت کہہ کر دونوں معنی کو جمع کر دیا۔

قَوْلُہٗ: مشئوم یہ سعید کی ضد ہے منحوس، نامبارک۔

قَوْلُہٗ: ولَعذاب الآخرة، اَخْزیٰ، اَخزیٰ دراصل معذب کی صفت ہے، عذاب کی طرف بطور مبالغہ اسناد مجازی ہے، اس لئے کہ عذاب رسوائی کا سبب ہے نہ کہ خود رسوائی، سبب بول کر مسبب مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: بَیَّنَّا لَھُمْ طریق الھُدیٰ یہ جملہ فَھَدَیْنَاھُمْ کی تفسیر ہے اس کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہاں ہدایت سے مراد اراءتِ طریق ہے نہ کہ ایصال الی المطلوب۔

قَوْلُہٗ: منھا ای من الصاعقة التی نزلت بثمودَ.

تفسیر وتشریح

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا، یہاں اس کی کچھ تفصیل اور ترتیب بیان فرمائی گئی ہے، فرمایا: زمین کو دو دن میں بنایا، دو دن سے یوم الاحد (اتوار) اور یوم الاثنین (پیر) مراد ہیں، سورۂ نازعات میں فرمایا گیا ہے، وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمانوں کے بعد بنایا گیا ہے، جبکہ یہاں زمین کی تخلیق کا ذکر آسمانوں کی تخلیق سے پہلے کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی وضاحت:

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ تخلیق اور چیز ہے اور دَحٰی جو اصل میں دَحْوٌ ہے، اس کے معنی ہیں بچھانا پھیلانا، اور چیز ہے، زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی ہے، جیسا کہ یہاں بھی بیان کیا گیا ہے، اور دَحْوٌ کا مطلب ہے زمین رہائش کے قابل بنانے کے لئے اس میں پانی کے ذخائر رکھے گئے، اسے پیداوارِ ضروریات کا مخزن بنایا گیا اَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَ هَا وَمَرْعٰهَا نیز اس میں اس نے پہاڑ، ٹیلے، جمادات نیز معدنیات رکھے، یہ عمل آسمان کی تخلیق کے بعد دوسرے مرحلہ میں دو دنوں میں کیا گیا، اس طریقہ سے زمین اور اس کے متعلقات کی تخلیق پورے چار دن میں مکمل ہوئی۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ حٰم السجدہ)

پہاڑوں کو زمین ہی میں سے پیدا کر کے زمین میں پیوست کر دیا تا کہ توازن قائم رہے اور بے ترتیب حرکت نہ کرے اور رہائش کے قابل رہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین میں برکت رکھ دی اور زمین میں بسنے والی تمام مخلوق کے لئے اس کے حسب حال روزی مقدر فرما دی، پانی کی کثرت، انواع واقسام کے رزق، معدنیات اور دیگر بہت سی مفید اور کار آمد اشیاء زمین میں ودیعت فرما دیں، اور رب العالمین کی اس تقدیر کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ کوئی زبان اسے بیان نہیں کر سکتی، کوئی قلم اسے رقم نہیں کر سکتا، اور کوئی کیلکو لیٹر اسے کیلکولیٹ (شمار) نہیں کر سکتا تخلیق ارض کے اولاً دو دن اور زمین کو پھیلانے اور قابل رہائش بنانے کے دو دن یہ سب مل کر کل چار دن ہوئے، سَوَاءً کا مطلب ہے ٹھیک چار دن یعنی پوچھنے والوں کو بتلا دو کہ تخلیق اور دَحْوٌ (پھیلانے) کا کام ٹھیک چار دن میں ہوا، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ سائلین کے لئے یہ مکمل اور پورا جواب ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَاءِ پھر آسمان کی (تخلیق) کی طرف متوجہ ہوا، آسمانوں کا مادہ دھوئیں اور بھاپ کی شکل میں تھا، حکم فرمایا تم دونوں میرے حکم کی تعمیل کے لئے مطیع ومنقاد ہو جاؤ، برضا ورغبت یا طوعاً وکرہاً، بہر حال امر الٰہی بجالانا

ہے، دونوں نے عرض کیا ہم دونوں برضا ورغبت حاضر ہیں، پھران کو دو دن یعنی جمعرات و جمعہ میں سات آسمان بنادیا، اوران کو چراغوں یعنی ستاروں سے مزین کردیا، جب آسمان جیسی عظیم مخلوق مطیع وفرمانبردار ہوتو انسان کی سرکشی کیسی نازیبا حرکت ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نطق بشر کا خاصہ نہیں بلکہ حیوانات ونباتات اور جمادات میں بھی پایا جاتا ہے، البتہ نطق کی کیفیت اور نوعیت مختلف ہے، حیوانات میں تو ظاہر اور مشاہد ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی بات سمجھتے ہیں، ہاں یہ فرق تو ہوسکتا ہے کہ انسان ہر امر میں مدرک اور ناطق ہو اور دیگر چیزیں خاص خاص طور پر اپنے ہی سے متعلق امور میں مدرک ہوں۔ (خلاصة التفاسير، تائب)

بعض مفسرین حضرات نے زمین وآسمان سے خطاب اوران کی طرف سے جواب کومجاز پرمحمول کیا ہے، یعنی ہرکام کے لئے تیار پائے گئے، مگر ابن عطیہ اور دیگر محققین مفسرین نے فرمایا اس میں کوئی مجاز نہیں ہے، سب اپنی حقیقت پر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمان وزمین میں شعور وادراک پیدا فرمادیا تھا کہ جس کی وجہ سے خطاب کو سمجھیں اور جواب دینے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی، ابن کثیر نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ زمین کی طرف سے یہ جواب اس حصہ نے دیا جس پر بعد میں بیت اللہ کی تعمیر ہوئی اور آسمان کی طرف سے اس حصہ نے جواب دیا تھا جس کے بالمقابل بیت المعمور ہے۔

إِذْ جَاءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ رسولوں کے آگے پیچھے سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے متعدد اور مسلسل رسول آئے اگر ایک رسول رخصت ہوتا تھا تو دوسرا آتا تھا، اوراس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے رسولوں نے ان کو ہر طرح سے ہر وقت اور ہر حال میں سمجھایا، ماضی کی مجرم قوموں کے عبرتناک واقعات بھی سنائے اور آئندہ کے حادثات اور ہولناک عذاب سے ڈرایا بھی، اور سب نے ایک ہی پیغام سنایا کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کرو مگر عاد وثمود نے ایک نہ سنی، الٹا یہ الزام رکھ دیا کہ تم تو ہماری طرح کے انسان ہو، اس لئے ہم تمہیں نبی نہیں مان سکتے، اللہ کو اگر نبی بھیجنا تھا تو فرشتوں کو بھیجتا نہ کہ انسان کو۔

جب ہود علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم کو انذار وتنبیہ کے لئے عذاب سے ڈرایا تو سرکشی پر اتر آئے اور کہنے لگے ہم بڑے طاقتور اور زورآور اور بڑے قدآور ہیں، ہم عذاب کو روکنے کی صلاحیت اور طاقت رکھتے ہیں۔

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحِسَاتٍ، صَرْصَرٌ، صُرَّةٌ سے ہے اس کے معنی شدید آواز کے ہیں، یعنی نہایت تند وتیز ہوا جس میں آواز بھی ہو، بعض حضرات نے فرمایا یہ صَرٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی برد یعنی شدید ٹھنڈک کے ہیں جس کو پالا بھی کہتے ہیں۔

فِي أَيَّامٍ نَحِسَاتٍ ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے تین سال تک بارش بالکل بند کردی اور تیز وتند خشک ہوائیں چلتی رہیں، اور آٹھ دن اور راتوں تک مسلسل ہوا کا شدید طوفان رہا، بعض روایات میں ہے کہ یہ طوفان آخر شوال میں ایک بدھ سے شروع ہوکر دوسرے بدھ تک رہا، اور جس کسی قوم پر عذاب آیا ہے وہ بدھ ہی کے دن آیا ہے۔

(قرطبی، مظهری)

کسی چیز میں نحوست کا مطلب:

اصول اسلام اور احادیث سے ثابت ہے کہ دن ورات میں کوئی بھی منحوس نہیں، تو پھر قوم عاد پر طوفان باد کے ایام کو منحوس فرمانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی شیٔ منحوس نہیں، قوم عاد پر طوفان باد کو منحوس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایام ان کی بداعمالیوں کے سبب سے ان کے حق میں منحوس ہو گئے تھے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ایام سب کے لئے نحس ہوں۔ (مظہری)

نَحِسَاتٍ کا ترجمہ بعض نے متواتر پے در پے بھی کیا ہے، اور بعض نے سخت اور بعض نے گرد و غبار والے اور بعض نے نحوست والے ترجمہ کیا ہے۔

وَ اذكر **يَوْمَ يُحْشَرُ** بالياء والنون المفتوحة وضم الشين وفتح الهمزة **اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ**﴿۱۹﴾ يُساقون **حَتّٰٓى اِذَا مَا** زائدة **جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ**﴿۲۰﴾ **وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ** اى اراد نطقه **وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ**﴿۲۱﴾ قيل هو من كلام الجلود وقيل هو من كلام الله تعالى كالذى بعده وموقعه تقريب ماقبله بان القادر على انشائكم ابتداء واعادتكم بعد الموت احياء قادر على انطاق جلودكم واعضائكم **وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ** عند ارتكابكم الفواحش من **اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ** لانكم لم توقنوا بالبعث **وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ** عند استتاركم **اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ**﴿۲۲﴾ **وَذٰلِكُمْ** مبتدأ **ظَنُّكُمُ** بدل منه **الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ** نعت البدل والخبر **اَرْدٰىكُمْ** اى اهلككم **فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ**﴿۲۳﴾ **فَاِنْ يَّصْبِرُوْا** على العذاب **فَالنَّارُ مَثْوًى** منزل **لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا** يطلبوا العتبى اى الرضى **فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ**﴿۲۴﴾ المرضيين **وَقَيَّضْنَا** سببنا **لَهُمْ قُرَنَآءَ** من الشياطين **فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ** من امر الدنيا واتباع الشهوات **وَمَا خَلْفَهُمْ** من امر الاخرة بقولهم لا بعث ولا حساب **وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ** بالعذاب وهو لَاَمْلَئَنَّ جهنم الاية **فِيْٓ** جملة **اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ** هلكت **مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ**﴿۲۵﴾ ع

ترجمہ: اور وہ دن یاد کرو کہ جب اللہ کے دشمن جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے (یَحْشُرُ) میں یاء اور نون مفتوح اور شین کے ضمہ کے ساتھ اور (اَعْدَاءَ) کے (آخری) ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ یہاں تک کہ جب وہ جہنم کے قریب

آ جائیں گے ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے یہ (لوگ) اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہمیں اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو جس کو چاہا بولنے کی طاقت بخشی اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے، کہا گیا ہے کہ وہ (یعنی وھو خلقکم اول مرّۃ الخ) کھالوں کا کلام ہے اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جیسا کہ آئندہ آنے والا کلام (یعنی وما کنتم تستترون الخ) (اللہ کا ہے) اور اللہ کے کلام کا یہ موقع ماقبل (یعنی انطقنا اللّٰہ الخ) کو قریب (الی الفہم) کرنے کے لئے ہے، بایں طور کہ جو ذات تم کو ابتداءً پیدا کرنے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے وہ تمہاری کھالوں اور اعضاء کو قوت گویائی عطا کرنے پر بھی قادر ہے، اور تم ارتکاب فواحش کے وقت اس وجہ سے پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے اس لئے کہ تم اس بات پر یقین ہی نہیں رکھتے تھے کہ تم پر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں گے، لیکن تم ارتکاب فواحش کو (لوگوں سے) چھپاتے وقت یہ سمجھتے رہے کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو ان میں سے بہت سے اعمال سے اللہ بے خبر ہے، تمہاری اسی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی تھی تمہیں ہلاک کر دیا (ذٰلکم) مبتداء ہے ظَنُّکُمْ اس سے بدل ہے، بدل کی صفت اور (مبتداء کی) خبر اَرْدٰکُمْ ہے اَرْدٰکُمْ ای اَھْلَکَکُمْ اور بالآخر تم زیاں کاروں میں ہو گئے، اب اگر یہ عذاب پر صبر کریں تب بھی ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے، اور اگر وہ خوشنودی حاصل کرنا چاہیں گے تو وہ خوشنودی حاصل کرنے والوں میں نہ ہوں گے (یعنی خوشنودی حاصل نہ کر سکیں گے) اور شیاطین میں سے ہم نے ان کے کچھ مصاحب مقرر کر رکھے تھے جنہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال یعنی امور دنیا اور اتباع شہوات اور امر آخرت یعنی ان کا قول (عقیدہ) لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ کو ان کی نظر میں مستحسن بنا رکھا تھا، ان لوگوں کے حق میں اللہ کا قول (یعنی) وعدۂ عذاب اور وہ لَاَمْلَئَنَّ جھنّم (الآیۃ) ہے پورا ہو کر رہا، حال یہ ہے جو ان سے پہلے جن وانس میں سے ہلاک ہو چکے ہیں بلاشبہ وہ بھی خسارے میں رہے۔

تَحقِیق وتَرکیب وتَسهِیل وتَفسِیری فَوائد

قَوْلُہٗ: نَحْشُرُ جمع متکلم، نون کے فتحہ اور شین کے ضمہ کے ساتھ، اس صورت میں اَعْدَاءَ کا آخری ہمزہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، دوسری قراءت جس کو مفسر علام نے مشہور ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا ہے وہ یُحْشَرُ یاء کے ضمہ اور شین کے فتحہ کے ساتھ مضارع واحد مذکر غائب مجہول، اس صورت میں اعداءُ کا آخری ہمزہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

قَوْلُہٗ: الی النار ای الی موقف الحساب.

قَوْلُہٗ: یُسَاقُوْنَ قاضی بیضاوی نے یُوْزَعُوْنَ کی تفسیر یُحْبَسُ اَوَّلُھُمْ علی آخِرِھم سے کی ہے مگر مقصد دونوں کا ایک ہی ہے۔

قَوْلُہٗ: یُوْزَعُوْنَ، وَزْعٌ (ن) سے جمع مذکر غائب مضارع مجہول ان کو جمع کیا جائے گا، یعنی آگے والوں کو روک کر رکھا جائے گا تا کہ سب ایک ساتھ جمع ہو کر چلیں، اس سے کثرت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: یَسْتَعْتِبُوْا جمع مذکر غائب مضارع مجزوم، استعتاب (استفعال) سے صاحب کشاف کی تفسیر زیادہ واضح ہے، علامہ محلی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، یعنی اگر وہ اللہ کے رضامند ہونے کی طلب کریں گے، یعنی اس جگہ استعتاب عُتْبٰی سے بنا ہے نہ کہ اِعتاب سے، اس لئے کہ وہ لوگ اللہ کو رضامند کرنے کی طلب کسی اور سے نہیں بلکہ خود اللہ ہی سے کریں گے۔

قَوْلُہٗ: قَیَّضْنَا ای ھَیَّأنا وقدّرنا ماضی جمع متکلم معروف، مصدر تَقْیِیْضٌ (تفعیل) مادہ قَیْضٌ، قَیْضٌ کے معنی ہیں انڈے کا چھلکا، انڈے کا چھلکا چونکہ انڈے سے متصل، چمٹا ہوا ہوتا ہے، اسی مناسبت سے تَقْیِیْض کے معنی ہوئے ساتھ لگا دینا، مسلط کر دینا۔

قَوْلُہٗ: فِی اممٍ، فی بمعنی مع بھی ہوسکتا ہے عَلَیْھِمْ کی ضمیر مجرور سے حال ہے ای کائنین مع جملة اممٍ۔

قَوْلُہٗ: من اَنْ یَشْھَدَ عَلَیْکُمْ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یَشْھَدَ نزع خافض کی وجہ سے منصوب ہے، اور وہ خافض مِنْ ہے، اس لئے کہ تَسْتَتِرُوْنَ متعدی بنفسہٖ نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: عند اِسْتَتَارِکُمْ ای من الناس ای مع عَدَمِ استتار کم مِنْ اَعْضَاءِ کم اعضاء سے استتار کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس فعل ہی کو ترک کر دیا جائے۔

قَوْلُہٗ: فَاِنْ یَصْبِرُوْا۔

سُؤَالٌ: جب مشرکین کے لئے خلود فی النار ہر حال میں دائمی اور لازمی ہے، خواہ صبر کریں یا نہ کریں تو پھر اِنْ یَصْبِرُوْا کے ساتھ مقید کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابٌ: آیت میں حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَاِنْ یَصْبِرُوْا اَوْ لَا یَصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًی لَّھُمْ علم اور شہرت کی وجہ سے مقابل کو حذف کر دیا گیا ہے، اس لئے کہ جب صبر کی صورت میں جہنم ٹھکانہ ہوگا تو عدم صبر کی صورت میں بطریق اولیٰ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وَقَیَّضْنَا لَھُمْ ای للقریش لہٰذا فی اممٍ کہنا درست ہوگیا۔

تفسیر وتشریح

یَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰہِ یہاں اذکر فعل محذوف ہے، جیسا کہ شارح نے ظاہر کر دیا ہے یعنی وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے کہ جب اللہ کے تمام دشمنوں کو جہنم کے فرشتے جمع کریں گے حَتّٰی اِذَا مَا جَاءُ وْھَا (الآیة) یعنی مشرکین جب شرک کرنے کا انکار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے۔

انسان کے اعضاء کی محشر میں گواہی:

صحیح مسلم میں حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے آپ کو ہنسی آگئی، پھر آپ نے فرمایا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں کس بات پر ہنس رہا ہوں؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں، آپ نے فرمایا مجھے ہنسی اس کلام پر آگئی جو میدان حشر اور موقف حساب میں بندہ اپنے رب سے کرے گا، بندہ عرض کرے گا، اے میرے پروردگار! کیا آپ نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بے شک دی ہے، اس پر بندہ کہے گا اگر یہ بات ہے تو میں اپنے حساب و کتاب کے معاملہ میں اور کسی کی گواہی پر مطمئن نہیں ہوں گا، بجز اس کے کہ میرے وجود ہی میں سے کوئی گواہ کھڑا ہو، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، **كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا** اچھا تو تم اپنا حساب خود ہی کرلو، اس کے بعد اس کے منہ پر مہر لگادی جائے گی، اور اعضاء و جوارح سے کہا جائے گا کہ تم اس کے اعمال بتلاؤ، ہر عضو بول اٹھے گا اور سچی گواہی پیش کردے گا، اس کے بعد اس کی زبان کھول دی جائے گی، تو یہ خود اپنے اعضاء پر ناراض ہو کر کہے گا، **بُعْدًا لَكُنَّ وَسُحْقًا فَعَنْكُنَّ أُنَاضِلُ** تمہارا ناس ہو، میں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ تم کو آرام و راحت پہنچانے کے لئے تھا، اب تم ہی میرے خلاف گواہی دینے لگے۔

سوال: **شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** اس آیت میں تین حواس کے گواہی دینے کا ذکر ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ بدن انسانی میں حواس ظاہرہ پانچ ہیں، (۱) قوۃ سامعہ (۲) قوۃ باصرہ (۳) قوۃ ذائقہ (۴) قوۃ شامہ (۵) قوۃ لامسہ۔

جواب: باقی حواس یعنی قوۃ ذائقہ اور قوۃ شامہ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ یہ دونوں قوۃ لامسہ میں داخل ہیں، اس لئے کہ چکھنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ شئ کو زبان پر نہ رکھا جائے اور زبان کی جلد سے لمس نہ کرے، اسی طرح سونگھنا، اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ شئ ہوا میں تحلیل ہو کر ناک کی اس جلد سے مس نہ کرے، جس میں قدرت نے قوت شامہ رکھی ہے، اس طریقہ سے "جلود" کے لفظ میں تین حواس آجاتے ہیں۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ (الآية) اس کا مطلب یہ ہے کہ تم گناہ کا کام کرتے ہوئے لوگوں سے تو چھپنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اس بات کا تمہیں کوئی خوف نہیں تھا کہ تمہارے خلاف خود تمہارے اعضاء بھی گواہی دیں گے، کہ جن سے تم چھپنے کی ضرورت محسوس کرتے، اس کی وجہ سے ان کا بعث و نشور سے انکار اور اس پر عدم یقین تھا، اسی لئے تم اللہ کی حدود توڑنے اور اس کی نافرمانی کرنے میں بے باک اور جری تھے۔

ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ (الآية) اور تمہارے اسی اعتقاد فاسد اور گمان باطل نے کہ اللہ کو تمہارے بعض عملوں کا علم نہیں ہوتا، تمہیں ہلاکت میں ڈال دیا، کیونکہ اسی عقیدے اور گمان فاسد کی وجہ سے تم ہر قسم کا گناہ کرنے میں دلیر اور بے خوف ہو گئے تھے۔

شانِ نزول:

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنہُ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے پاس دو قریشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی جمع ہوئے، فربہ بدن قلیل الفہم، ان میں سے ایک نے کہا کیا تم سمجھتے ہو کہ ہماری باتیں اللہ سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا ہماری جہری باتیں سنتا ہے، سری باتیں نہیں سنتا، تیسرے نے کہا اگر وہ ہماری جہری باتیں سنتا ہے تو ہماری سری (پوشیدہ) باتیں بھی ضرور سنتا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۃ حٰمٓ السجدہ)

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ یہاں **قُرَنَاءَ** سے مراد شیاطین انس وجن ہیں، جو باطل پر اصرار کرنے والوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں، جو ان کے سامنے کفر ومعاصی کو خوبصورت کرکے پیش کرتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ گمراہی کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں حتی کہ انہیں موت آجاتی ہے، اور وہ خسارۂ ابدی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

نکتہ: اصحاب ملاہی اور اسباب مناہی بھی ''قرین سوء'' میں شامل ہیں، نیز ایسے اشغال جو خیر سے خالی اور اللہ سے بے پرواہ کرنے والے ہوں یہ بھی قرین سوء میں داخل ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا عِنْدَ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عليه وسلم **لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ** ايتُوا بِاللَّغَطِ ونَحوِهِ وصِيحُوا فِي زَمَنِ قِرَاءَتِهِ **لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ** ﴿٢٦﴾ فَيَسْكُتُ عَنِ القِرَاءَةِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى فِيهِم **فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ** ﴿٢٧﴾ اي أَقْبَحَ جَزَاءِ عَمَلِهِم **ذَٰلِكَ** اي العَذَابُ الشَّدِيدُ وأَسْوَءُ الجَزَاءِ **جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ** بتحقيقِ الهمزةِ الثَّانيةِ وابدالِها واوًا **النَّارُ** عَطْفُ بَيَانِ الجَزَاءِ المُخْبَرِ بِهِ عن ذلك **لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ** اي إِقَامَةٍ لا انتِقَالَ مِنهَا **جَزَاءً** منصُوبٌ على المَصدرِ بِفعلِه المُقَدَّرِ **بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا** القُرآنِ **يَجْحَدُونَ** ﴿٢٨﴾ **وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا** فِي النَّارِ **رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ** اي إِبْلِيسَ وقَابِيلَ سَنَّا الكُفْرَ والقَتْلَ **نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا** فِي النَّارِ **لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ** ﴿٢٩﴾ اي أَشَدَّ عَذَابًا مِنَّا **إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا** عَلَى التَّوحِيدِ وغيرِه مِمَّا وَجَبَ عَلَيهِم **تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ** عِندَ المَوتِ **أَنْ** اي بِأَنْ **لَا تَخَافُوا** مِنَ المَوتِ ومَا بَعدَه **وَلَا تَحْزَنُوا** عَلَى مَا خَلَّفتُم مِن أَهلٍ ووَلَدٍ فنَحنُ نَخلُفُكُم فيه **وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ** ﴿٣٠﴾ **نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا** اي نَحفَظُكُم فيها **وَفِي الْآخِرَةِ** اي نَكُونُ مَعَكُم فِيهَا حَتَّى تَدخُلُوا الجَنَّةَ **وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ** ﴿٣١﴾ تَطلُبُونَ **نُزُلًا** رِزقًا مُهَيَّئًا منصُوبٌ بجَعَلَ مُقَدَّرًا **مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ** ﴿٣٢﴾ اي اللّٰهِ.

ترجمہ: اور کافروں نے آپ کی قراءت کے وقت کہا اس قرآن کو سنو مت، اور شور وغل کرو، اور آپ ﷺ کی قراءت کے وقت شور مچاؤ کیا عجب کہ تم غالب آجاؤ؟ اور پیغمبر (ہار کر) چپ ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا سو ہم ان کافروں کو یقیناً سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے، اور انہیں ان کے بدترین اعمال کا بدلہ (ضرور) ضرور دیں گے، یعنی ان کے عمل کی بدترین جزاء (ضرور دیں گے) وہ یعنی عذاب شدید اور بدترین بدلہ، اللہ کے دشمنوں کی سزا یہی دوزخ کی آگ ہے، دوسرے ہمزہ کی تحقیق اور اس کو واؤ سے بدل کر، النّار، الجزاء کا عطف بیان ہے، جو ذٰلك کا مخبر بہ (خبر) ہے، جس میں ان کا ہمیشگی کا گھر ہے یعنی (دائمی) اقامت کا، اس سے منتقل ہونا نہیں ہے، ان کو یہ بدلہ ہماری آیتوں قرآن کے انکار کی وجہ سے دیا جائے گا جزاءً اپنے فعل مقدر کا مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور کافر لوگ جہنم میں کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں جنوں (اور) انسانوں (کے وہ دونوں) فریق دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا یعنی ابلیس اور قابیل کو (ان) دونوں نے کفر اور قتل کا طریقہ جاری کیا (تاکہ) ہم انہیں آگ میں اپنے قدموں تلے روندیں (تاکہ) وہ جہنم میں سب سے نیچے ہمارے اعتبار سے شدید ترین عذاب میں ہو جائیں واقعی جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر توحید وغیرہ پر جو ان پر واجب تھا جمے رہے ان کے پاس فرشتے موت کے وقت (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ موت اور مابعد الموت سے اندیشہ نہ کرو اور جو اہل وعیال چھوڑ چلے ہو ان پر غم نہ کرو، اس لئے کہ اس معاملہ میں ہم تمہارے خلیفہ ہیں (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، تمہاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے یعنی دنیا میں تمہاری حفاظت کی، اور آخرت میں بھی یعنی آخرت میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گے یہاں تک کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ اور جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم طلب کرو (سب کچھ) تمہارے لئے بطور مہمانی غفور رحیم یعنی اللہ کی طرف سے تیار ملے گا رزقًا، جعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: عند قراءۃ النبی ﷺ یہ قال کا ظرف ہے، ای عند قراءۃ النبی قال.

قولہ: والغَوْا، اِلْغَوْا، لَغْوٌ سے امر جمع مذکر حاضر (ن، س، ف) بیہودہ بکنا، بک بک کرنا۔

قولہ: اَللَّغَطُ شور کرنا، بیہودہ بکنا، یہ لغوٌ کے ہم معنی ہے۔

فائدہ قولہ: ای اَقبحَ جزاء عَمَلِهِمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: اللہ تعالیٰ کے قول لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَأَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ اس سے بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ کافر، ان کے نفس عمل کی قسم کی بدترین جزا دیئے جائیں گے، مثلاً جن مشرکوں نے آپ ﷺ کے ساتھ استہزاء کیا ہوگا آخرت میں ان کے ساتھ بدترین قسم کا استہزاء کیا جائے گا، حالانکہ مقصد یہ نہیں ہے۔

دفع: کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَنَجْزِیَنَّهُمْ اَقبحَ جزاء عَمَلِهِمْ.

قَوْلُہٗ: العذاب الشدید الخ اس اضافہ کا مقصد ذلك کا مشار الیہ متعین کرنا ہے اور مشار الیہ فَلَنُذِیْقَنَّهُمْ اور وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ ہے، ذٰلك مبتداء ہے اور جزاءُ اعداءِ اللّٰہ اس کی خبر ہے اور النّار جزاء سے بدل یا عطف بیان ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذٰلك الامرُ مبتداء محذوف کی خبر ہو، جزاء اعداء اللّٰہ النار سابقہ کا بیان ہوگا، اول اولیٰ ہے۔

سَوَال: النار کو جزاء سے بدل قرار دینا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ بدل کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر بدل کو مبدل منہ کی جگہ رکھ دیا جائے تو معنی درست رہیں، مگر یہاں ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ بدل کو مبدل منہ کی جگہ رکھنے کے بعد تقدیر عبارت یہ ہوگی ذٰلك النّار اَعداءُ اللّٰہ اور یہ صحیح نہیں ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ مرجوح اعراب سے راجح اعراب کی طرف رجوع کیا جائے، النّارُ کو هِیَ مبتداء محذوف کی خبر قرار دیا جائے، یا اَلنّارُ کو مبتداء قرار دیا جائے، اور اس کے مابعد یعنی وَلَهُمْ فِیْهَا دارُ الخلد کو اس کی خبر۔

نکتہ۔ سوال: لَهُمْ فیها دار الخُلْد، فِیْهَا کی ضمیر کا مرجع النّار ہے، اور نار سے مراد جہنم ہے، اور جہنم موصوف بصفۃ الخلد ہے، اب فیها دار الخلد کا مطلب ہوا، دار الخلد کے اندر دار الخلد ہے، یہ ظرفیۃ الشیئ لنفسہٖ ہے، جو کہ جائز نہیں ہے۔

جَوَاب: کلام میں تجرید ہے، تجرید کہتے ہیں کسی امر ذی صفت سے اسی کے موافق مبالغہ کے طور پر دوسرے امر ذی صفت کا انتزاع کرنا، جس طرح یہاں النار سے دار آخر کا انتزاع کر کے اس کا نام دار الخلد رکھ دیا، لہٰذا یہ درست ہے۔

قَوْلُہٗ: جزاءً فعل محذوف کے مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، ای یُجْزَوْنَ جَزَاءً.

قَوْلُہٗ: بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ.

سَوَال: بِاٰیٰتِنَا میں باء کیسی ہے؟

جَوَاب: یا تو باء زائدہ ہے یا یَجْحَدُوْنَ، یکفرونَ کے معنی کو متضمن ہے، اس صورت میں باء تعدیہ کے لئے ہوگی۔

قَوْلُہٗ: فی النار یہ قال کے فاعل الذین سے حال ہے ای کائنین فی النار.

قَوْلُہٗ: اَرِنَا، اَرِ امر واحد مذکر حاضر، نا، ضمیر جمع متکلم اَرِنَا، مراد رویۃ بصریہ ہے، ہمزہ تعدیہ الی مفعول الثانی کے لئے ہے، ضمیر نا مفعول اول ہے، الَّذَیْنِ مفعول ثانی ہے اَرِنَا کی اصل اَرْئِیْنَا تھی ای صَیِّرْنَا رَائِینَ بِاَبْصَارِنَا، یاء حرف علت جو کہ لام کلمہ ہے، فعل کے حذف حرف علت پر مبنی ہونے کی وجہ سے حذف ہوگئی، دوسرا ہمزہ جو کہ عین کلمہ ہے اس کے کسرہ کو اس کے ماقبل جو کہ راء کو دیدی، جو کہ فاء کلمہ ہے، اب اس کا وزن اَرِنَا ہوگیا، موجودہ ہمزہ کلمہ کا نہیں ہے، بلکہ تعدیہ کے لئے ہے۔

خوف اور حزن میں فرق:

قِوْلَهُ: لا تخافوا ولا تحزنوا آئندہ کی تکلیف کی وجہ سے انسان کو جو کیفیت لاحق ہوتی ہے اس کو ''خوف'' کہتے ہیں، اور گذشتہ زمانہ میں کسی نافع چیز کے فوت ہونے کی وجہ سے جو کیفیت لاحق ہوتی ہے اسے ''حزن'' کہتے ہیں۔

قِوْلَهُ: اَنْ ای بِاَنْ اَنْ مصدریہ ہے باء مقدر ہے تخافوا بمعنی خوف ہے، ای تَتَنَزَّلُ علیهم الملائکة قائلین لَهُمْ لا خوفَ علیکم وَلَا حُزْنَ.

قِوْلَهُ: اَبْشِرُوْا، اِبْشَارٌ سے امر جمع مذکر حاضر، تم کو خوشخبری ہو۔

قِوْلَهُ: نَحْنُ اَوْلِیَائُکُمْ اس میں دو احتمال ہیں، باری تعالیٰ کا کلام بھی ہوسکتا ہے اور ملائکہ کا بھی۔

قِوْلَهُ: نُزُلًا، تَدَّعُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے، نُزل اس کھانے کو کہتے ہیں جو مہمان کے لئے بطور ضیافت تیار کیا جاتا ہے۔

تَفسِیر وَتَشریح

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآیة) یہ جملہ مستانفہ ہے، اس کا مقصد کفار کے حال کو بیان کرنا اور قراءۃ قرآن کے وقت ان کے مکابرہ اور مجادلہ کو ذکر کرنا ہے، کفار مکہ جب قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہوگئے، اور اس کے خلاف ان کی ساری تدبیریں ناکام ہوگئیں تو انہوں نے یہ حرکت شروع کی، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا نے فرمایا کہ ابوجہل نے لوگوں کو اس پر آمادہ کیا کہ جب محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) قرآن پڑھا کریں تو تم ان کے سامنے خوب چیخ پکار اور شور وغل کیا کرو تا کہ لوگوں کو پتہ ہی نہ چلے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، بعض نے کہا کہ سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرو اور بیچ بیچ میں طرح طرح کی آوازیں نکالا کرو۔ (قرطبی، معارف)

مَسْئَلَہ: قرآن کی تلاوت کے وقت خاموش رہ کر سننا واجب، ایمان کی علامت اور عبادت ہے، اور خاموش نہ رہنا کفار کی عادت ہے، آج کل ریڈیو پر تلاوت قرآن نے ایسی صورت اختیار کرلی ہے کہ ہر ہوٹل اور مجمع کے موقع پر ریڈیو کھولا جاتا ہے، جس میں تلاوت ہورہی ہوتی ہے، اور ہوٹل والے اپنے دھندوں میں لگے ہوئے ہوتے ہیں، اور کھانے پینے والے اپنے شغل میں، اس کی بظاہر صورت وہ بن جاتی ہے جو کفار کی علامت تھی۔

وقال الذین کفروا ربنا ارِنا الذین اَضَلّٰنَا (الآیة) اس کا مفہوم واضح ہے کہ گمراہ کرنے والے شیاطین ہی نہیں ہوتے انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی شیطان کے زیر اثر لوگوں کو گمراہ کرنے میں مصروف رہتی ہے، تاہم بعض نے جن سے ابلیس اور انس سے قابیل مراد لیا ہے، قابیل نے انسانوں میں سب سے پہلے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کرکے ظلم اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا، اور حدیث کے مطابق قیامت تک ہونے والے ناجائز قتلوں کے گناہ کا ایک حصہ اس کو بھی ملتا رہے گا، ''قدموں تلے روندنے'' کا مطلب ان کو خوب ذلیل اور رسوا کرنا ہوگا، جہنمیوں کو اپنے لیڈروں پر جو غصہ ہوگا اس کی تشفی کے لئے وہ یہ کہیں گے ورنہ دونوں ہی مجرم ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰہ سابقہ آیات میں منکرین قرآن اور منکرین توحید سے خطاب اوران کے حالات کا بیان تھا، یہاں سے مومنین کاملین کے حالات اور دنیا وآخرت میں ان کے اعزاز واکرام کا بیان اوران کے لئے خاص ہدایات ہیں۔

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کا مطلب:

''استقامت'' کے مختلف مطلب بیان کئے گئے ہیں، اس آیت میں پہلے اللہ کی ربوبیت کا اقرار اور پھر اس پر استقامت کا ذکر ہے، یعنی جن لوگوں نے اس کی ربوبیت کا اقرار ویقین کرلیا، یہ تو اصل ایمان ہوا، پھر اس پر مستقیم رہے، یہ عمل صالح ہوا، اس طرح ایمان وعمل صالح کے جامع ہوگئے، یہ تفسیر حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے اور تقریباً یہی مضمون حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے، انہوں نے استقامت کی تفسیر اخلاص عمل سے فرمائی ہے، اور حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: الاِسْتِقَامَةُ اَنْ تستقیم علی الامر والنهی ولا تروغ روغان الثعالب ''استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام واوامر ونواہی پر سیدھے جمے رہو اس سے ادھر اُدھر لومڑی کی طرح راہ فرار نہ نکالو''۔ علماء نے کہا ہے کہ استقامت اگرچہ نہایت مختصر لفظ ہے مگر تمام شرائع اسلامیہ کو جامع ہے، جس میں تمام احکام الٰہیہ پر عمل اور تمام محرمات ومکروہات سے اجتناب دائمی طور پر شامل ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ ای لا اَحَدَ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ بالتوحید وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ فی جُزئیاتهما لانَّ بعضها فوق بعضٍ اِدْفَعْ ای السَّیِّئةَ بِالَّتِیْ ای بالخصلة الَّتی هِیَ اَحْسَنُ كالغضب بالصبر والجهل بالحلم والاساءة بالعفو فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿٣٤﴾ ای فیصیر عدوك كالصديق القريب فی محبّته اذا فعلتَ ذلك فالّذی مبتدأ وكأنّه الخبرُ واذا ظرفٌ لمعنی التشبیه وَمَا يُلَقّٰهَا ای یُؤتی الخصلة التی ہی احسن اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ ثوابٍ عَظِیْمٍ ﴿٣٥﴾ وَاِمَّا فیه ادغام نون ان الشرطیة فی ما الزائدة یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ ای ان یَصرفك عن الخصلة وغیرها من الخیر صارفٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ جوابُ الشرط، وجوابُ الامر محذوفٌ ای یَدفعهُ عنك اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ للقول الْعَلِیْمُ ﴿٣٦﴾ بالفعل وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ ای الآیات الاربع اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿٣٧﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا عن السجود لله وحده فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ ای الملائكة یُسَبِّحُوْنَ یصلّون لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ﴿٣٨﴾ لا یملّون وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَةً یابسة لا نبات فیها فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ تحرّكت وَرَبَتْ انتفخت وعلت اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿٣٩﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ من الحد ولحد فِیْۤ اٰیٰتِنَا القرآن بالتكذیب لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا فنجازیهم اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی

النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۙ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤٠﴾ تهديدٌ لهم إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ القرآنِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ نُجَازيهم وَإِنَّهُ لَكِتٰبٌ عَزِيزٌ ﴿٤١﴾ منيعٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ اي ليس قبله كتابٌ يُكَذِّبُهُ ولا بَعْدَه تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾ اي اللهِ المحمُودِ في اَمْرِه مَا يُقَالُ لَكَ من التكذيبِ إِلَّا مِثْلُ مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ للمؤمنينَ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿٤٣﴾ للكافرينَ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ اي الذكرَ قُرْاٰنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا هلّا فُصِّلَتْ بُيِّنَتْ اٰيٰتُهُ ۖ حتّٰى نَفْهَمُهَا ءَ قرآنٌ أَعْجَمِيٌّ وَ نبيٌ عَرَبِيٌّ ۗ استفهامُ اِنكارٍ منهم بتحقيقِ الهمزةِ الثانيةِ وقَلْبِها الِفًا باِشباعٍ ودُونِه قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى من الضَّلالةِ وَشِفَاءٌ ۖ من الجهلِ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ ثِقْلٌ فلا يَسْمعونَه وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ فلا يَفْهمُونَه أُولٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٤٤﴾ اي هم كالمُنادٰى من مكانٍ بعيدٍ لايَسْمَعُ ولا يَفْهَمُ ما يُنادٰى به.

ترجمہ: اور اس سے بہتر بات کس کی ہوسکتی ہے کہ جو توحید کے ذریعہ خدا کی طرف بلائے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں نہ سب نیکیاں (آپس میں) برابر ہوتی ہیں اور نہ سب برائیاں اپنے افراد کے اعتبار سے اس لئے کہ بعض بعض سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں، آپ برائی کو اچھے برتاؤ سے دفع کیجئے جیسے غصہ کو صبر (وضبط) سے اور جہل کو بردباری سے، اور بے ادبی کو عفو (ودرگذر سے) پھر وہی جس کے اور آپ کے درمیان عداوت ہے ایسا ہو جائے گا جیسا کہ جگری دوست جب آپ اس پر عمل کریں گے تو آپ کا دشمن اپنی محبت میں قریبی دوست بن جائے گا، الذی مبتداء اور کَاَنَّهٗ خبر، اور اِذا معنی تشبیہ کے لئے ظرف ہے، اور یہ یعنی بہترین خصلت انہیں لوگوں کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور اس کو بڑے نصیب دار ہی حاصل کرسکتے ہیں اور اِمَّا میں ان شرطیہ کا ما زائدہ میں ادغام ہے، اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے یعنی اگر کوئی آپ کو پھیرنے والا (بہترین) خصلت اور خیر وغیرہ سے پھیرے تو اللہ کی پناہ طلب کرو (فاستعذ باللّٰہ) جواب شرط ہے اور جواب امر محذوف ہے، اور وہ یَدْفَعُهٗ عنكَ ہے، یقیناً وہ باتوں کا سننے والا اور (ہر) کام کا جاننے والا ہے اور رات اور دن سورج اور چاند (اسی کی قدرت کی) نشانیوں میں سے ہیں، تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو (بلکہ) سجدہ اس اللہ کو کرو جس نے مذکورہ چاروں نشانیوں کو پیدا فرمایا اگر تمہیں اسی کی بندگی کرنی ہے تو پھر بھی اگر یہ اللہ وحدہ کو سجدہ سے تکبر وغرور کریں تو وہ فرشتے جو تیرے رب کے پاس ہیں وہ رات دن تسبیح پڑھتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور وہ (کسی وقت بھی) اکتاتے نہیں ہیں اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دبائی بے (آب و) گیاہ دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو تر وتازہ ہو کر لہلہانے لگتی ہے پھولنے لگتی ہے، اور ابھرنے لگتی ہے، جس نے اس کو زندہ کیا وہی یقیناً مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے، بیشک جو لوگ ہماری آیتوں میں قرآن میں جھٹلا کر کجروی کرتے ہیں یہ اَلْحَدَ اور لَحَدَ سے مشتق ہے، ہم سے مخفی نہیں سو ہم ان کو بدلہ دیں گے، (بھلا بتاؤ) جو آگ میں ڈالا جائے وہ اچھا ہے یا وہ جو امن

واماں کے ساتھ قیامت کے دن آئے؟ جو جی چاہے کرو، وہ تمہارے سب کرتوت دیکھ رہا ہے، یہ ان کو دھمکی ہے جن لوگوں نے اپنے پاس قرآن پہنچ جانے کے باوجود کفر کیا ہم ان کو بدلہ دیں گے یہ بڑی باوقعت (بے مثال) کتاب ہے، جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے، نہ اس سے پہلے کوئی کتاب ہے جو اس کی تکذیب کرے اور نہ اس کے بعد یہ نازل کردہ ہے حکمتوں والے خوبیوں والے کی طرف سے یعنی اس اللہ کی طرف سے جو اپنے معاملہ میں قابل ستائش ہے، آپ سے تکذیب وغیرہ کی وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہی گئی ہیں یقیناً آپ کا رب مومنین کے لئے معاف کرنے والا اور کافروں کے لئے دردناک عذاب والا ہے اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان کا بناتے تو کہتے اس کی آیتیں صاف صاف کیوں بیان نہیں کی گئیں؟ تاکہ ہم اس کو سمجھتے یہ کیا کہ عجمی کتاب اور عربی رسول؟ یہ ان کی جانب سے استفہام انکاری ہے ثانی ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور اس کو الف سے بدل کر، اشباع یعنی الف داخل کر کے اور ترک ادخال الف کر کے آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو ایمان والوں کے لئے گمراہی سے، ہدایت اور جہل سے شفاء ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرا پن ہے (یعنی) ثقل ہے جس کی وجہ سے وہ اس کو نہیں سنتے اور یہ ان پر اندھا پن ہے، جس کی وجہ سے وہ اس کو نہیں سمجھتے یہ وہ لوگ ہیں جو (بہت) دور سے پکارے جا رہے ہیں، یعنی یہ لوگ اس شخص کے مانند ہیں جس کو دور سے آواز دی جا رہی ہو، نہ وہ سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے کہ اس سے کیا کہا جا رہا ہے؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا (الآیۃ) مَنْ استفہام انکاری، مبتداء، مفسر علام نے لا احد کہہ کر اشارہ کر دیا کہ مَنْ استفہامیہ انکاریہ ہے اَحْسَنُ خبر قولًا تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، عَمِلَ صالحًا جملہ حالیہ ہے۔

قولہ: فِی جُزْئِیَّاتِھِمَا لِاَنَّ بَعْضَھَا فَوْقَ بَعْضٍ اس عبارت سے مفسر علام کا مقصد جُزْئِیَّات اور اجزاء میں فرق بیان کرنا ہے، اور فرق بیان کرنے کا مقصد وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ میں یہ بتانا ہے کہ لَا ثانیہ تاسیس کے لئے ہے نہ کہ تاکید کے لئے، اور یہ امر مسلم ہے کہ تاسیس تاکید سے بہتر ہے، اس لئے کہ تاکید سے مضمون سابق کی تاکید ہوتی ہے جو کوئی جدید علم نہیں اور تاسیس سے نیا علم نیا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور نئی بات معلوم ہونا پرانی بات کی تاکید کے مقابلہ میں بہرحال افضل اور بہتر ہے۔

''اجزاء'' اور ''جزئیات'' میں فرق:

شئ کے اعضاء اور حصوں کو اجزاء کہا جاتا ہے اجزاء، جز کی جمع ہے، مثلاً خالد ایک شئ ہے یہ بہت سے اجزاء سے مرکب ہے، مثلاً اس کے ہاتھ ہیں، پیر ہیں، ناک ہے، کان ہیں، آنکھیں ہیں۔ غرضیکہ خالد اندرونی و بیرونی بہت سے اجزاء کا

مرکب ہے، اجزاء سے مرکب ہو کر جو شئ تیار ہوتی ہے، وہ جزئی کہلاتی ہے، اور بہت سی جزئیات مل کر جو مجموعہ تیار ہوتا ہے، وہ نوع کہلاتی ہے، مثلاً بہت سے انسانی افراد کا مجموعہ نوع ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے حسنة اور سیئة کو سمجھئے، حَسَنَةٌ ایک نوع ہے اور سیــئة دوسری نوع ہے اور ہر نوع کے تحت بہت سے افراد ہوتے ہیں، جن کو اس نوع کی جزئیات کہا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حسَــنة (یعنی) نیکی کے بہت سے افراد ہیں، جو آپس میں ایک دوسرے سے اعلیٰ وادنیٰ ہیں، مثلاً ایمان، شکر، نماز، روزہ، صلہ رحمی، انسانی ہمدردی، سنت کی پابندی، مستحبات پر عمل، یہ سب حسنہ یعنی نیکی کے افراد ہیں، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مذکورہ نیکیوں میں بعض بعض سے فوق ہیں، مثلاً ایمان سب سے اعلیٰ ہے، اس کے بعد دیگر فرائض ہیں پھر اس کے بعد واجبات کا درجہ ہے پھر اس کے بعد سنتیں اور مستحبات ہیں، اس کے بعد اولیٰ اور افضل کا نمبر ہے، حدیث شریف میں بھی اس تفاوت کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے **عن ابی ھریرۃ** رَضِحَاللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ **قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الایمانُ بضع وسبعون شعبةٌ فَافضَلُھَا قول لا الٰہ اِلَّا اللّٰہ وادنَاھَا إماطةُ الأذیٰ عن الطریق والحیاء شعبةٌ من الإیمان** (مشکوٰۃ: ص ۱۲) جس طرح حسَــنة (نیکی) کے بہت سے افراد اور جزئیات ہیں اسی طرح سیّــئةٌ (بدی) کے بھی بہت سے افراد ہیں ان میں بھی بعض بعض سے اعلیٰ وادنیٰ ہیں، مثلاً کفر، شرک، ترک فرائض، غصب، چوری، اکل مال یتیم، گالی گلوچ، بدظنی، بدنظری، راستہ میں گندگی ڈالنا، دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا، اور دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا، استنجاء کرتے وقت قبلہ کا استقبال واستدبار کرنا، کعبہ کی طرف تھوکنا یا پیر دراز کرنا ہے، یہ سب کے سب برائی کے افراد ہیں، مگر درجہ میں مساوی نہیں ہیں، بلکہ آپس میں ایک دوسرے سے اعلیٰ وادنیٰ ہیں، یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ شرک وکفر کے مقابلہ میں بوقت استنجاء استقبال واستدبار، یا قبلہ کی طرف تھوکنا، اور پیر دراز کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

آمدم برسرِ مطلب:

مذکورہ آیت لَا تَسْتَوِی الحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ میں اگر حسَنة اور سیّئة میں عدم مساوات کو بیان کرنا مقصد ہو تو ثانی لا کو زائد محض تاکید کے لئے ماننا ہوگا، اس لئے کہ اب اصل عبارت اس طرح ہے لَا تستَــوِی الــحسَــنة والسیّئةُ اسی عبارت سے حسَــنہ اور سیــئہ میں عدم مساوات معلوم ہوگئی، اب اگر لا کا اضافہ کرتے ہیں تو اس سے علم عدم مساوات کی تاکید ہوگی جو پہلے ہی معلوم ہو چکی ہے نہ کہ نیا علم اور نیا فائدہ۔

اور اگر لا تستَــوِی الــحسَــنة ولا السیّــئةُ کا مقصد حسنہ اور سیئہ کی جزئیات میں فرق بیان کرنا ہو، جیسا کہ مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اشارہ کیا ہے تو یہ ایک نیا علم ہوگا، اس لئے کہ حسنہ اور سیئہ کے درمیان فرق تو پہلے لا سے معلوم ہوگیا اور اب دوسرے لا سے حسنات وسیئات کی جزئیات میں فرق معلوم ہوگیا، اس صورت میں لا تاسیس کے لئے ہوگا نہ کہ تاکید کے لئے، اسی جدید فائدہ کو بیان کرنے کے لئے مفسر علام نے لا تستوی الحسنة ولا السیّئة کی تفسیر میں فی جزئیَاتِھِما کا اضافہ فرمایا۔

قِوْلُہٗ: اِنَّنِیْ من المسلمین جمہور کے نزدیک اِنَّنِیْ دونوں نونوں کے ساتھ ہے اور ابن ابی عبلہ نے ایک نون کے ساتھ اِنِّی پڑھا ہے یعنی وہ فخر وابتہاج سے کہتا ہے کہ مسلمان ہوں۔

قِوْلُہٗ: کَاَنَّہٗ ولی حمیمٌ، حمیم گرم پانی، کہا جاتا ہے اِسْتَحَمَّ ای اغتَسَلَ بالحمیم گرم پانی سے غسل کیا، اب مطلقاً غسل کرنے کو استحمام کہنے لگے ہیں، خواہ گرم پانی سے ہو یا ٹھنڈے پانی سے، حمیم گرم جوش اور جگری دوست کو بھی کہتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: فاستَعِذْ باللّٰہِ یہ اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ شرط کا جواب ہے اور فَاسْتَعِذْ امر کا جواب محذوف ہے جس کو علامہ محلی نے یدفَعُہٗ کہہ کر ظاہر کر دیا ہے۔

قِوْلُہٗ: یَنْزَغَنَّکَ مضارع واحد مذکر غائب بانون تاکید ثقیلہ یہ نزغٌ سے ہے ک ضمیر مفعول ہے تجھ کو وسوسہ آئے۔

قِوْلُہٗ: خَلَقَھُنَّ ای الآیاتِ الاربع.

شبہ: خَلَقَھُنَّ کے بجائے خَلَقَھُمَا زیادہ ظاہر تھا، اس لئے کہ جن کے لئے سجدہ کا ذکر ہے وہ دو ہی ہیں، یعنی شمس وقمر لہٰذا خَلَقَھُمَا ہونا چاہئے تھا۔

دفع: شمس وقمر کو سجدہ جائز نہ ہونے اور ان کے اندر معبود بننے کی صلاحیت نہ ہونے کی علت ان کا مخلوق ہونا ہے، اس لئے کہ کوئی بھی مخلوق خواہ وہ کتنی ہی عظیم ومفید کیوں نہ ہو مستحق عبادت نہیں ہوسکتی خَلَقَھُنَّ میں جمع کی ضمیر لاکر بتادیا کہ شمس وقمر بھی لیل ونہار کے مانند مخلوق اور خلق کے زیر اثر ہیں۔

قِوْلُہٗ: وَمِنْ اٰیَاتِہٖ اللیل والنھار الخ مِنْ آیاتِہٖ خبر مقدم ہے اور اللیل والنھار و ما عُطِفَ علیہ مبتداء مؤخر ہے۔

قِوْلُہٗ: وَمِنْ اٰیَاتِہٖ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ، مِن آیاتِہٖ خبر مقدم ہے اَنَّ مع اپنے مدخول کے بتاویل مصدر ہو کر مبتدا مؤخر ہے۔

قِوْلُہٗ: تَھْدِیْدٌ لَّھُمْ اس میں اشارہ ہے کہ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ میں امر تخییر کے لئے نہیں ہے بلکہ تہدید (دھمکی) کے لئے ہے، اس کا قرینہ بما تعملون بصیر ہے۔

قِوْلُہٗ: نُجَازِیْھِمْ اس تقدیر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اِنَّ کی خبر محذوف ہے اَلَّذِیْنَ کفروا، اِنَّ کا اسم ہے۔

قِوْلُہٗ: مَنِیْعٌ، منیعٌ بروزن فعیلٌ بمعنی فاعلٌ ای ممتنعٌ عن قبول الابطال والتحریف.

قِوْلُہٗ: ءَاَعْجَمِیٌّ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، جس کو مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے قرآن کہہ کر ظاہر کر دیا ہے۔

قِوْلُہٗ: اَعْجَمِیٌّ میں یاء مبالغہ فی الوصف کے لئے ہے جیسے کہ اَحْمَرِیٌّ میں، کلام اعجمی اس کلام کو کہتے ہیں جو سمجھ میں نہ آئے، ءَاَعْجَمِیٌّ میں پہلا ہمزہ استفہام انکاری ہے دوسرے ہمزہ میں دو قراءتیں ہیں جن کی طرف علامہ محلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے بتحقیق الھمزۃ الثانیۃ وقلبِھا الفًا بالاشباع کہہ کر اشارہ کر دیا ہے پہلی قراءت تو واضح ہے کہ دونوں ہمزوں کو محقق پڑھا

جائے، دوسری قراءت یہ ہے کہ دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیں اور اشباع یعنی مدطویل لازم کے ساتھ پڑھیں، آعْجَمِيٌّ و دونِهٖ کالفظ سبقت قلم ہے یا پھر دونہ کا تعلق قلب سے ہے ای دون قلب الالفِ اس صورت میں یہ دیگر قراءت کا بیان ہوگا، اس لئے کہ قلب کی صورت میں مدلازم ہے تو پھر بدون المد کیسے ہوسکتا ہے؟

پانچ قراءتیں بالترتیب یہ ہیں: ① تسہیل ہمزۂ ثانیہ مع ادخال الف بین الہمزتین ② ابدال ہمزہ ثانیہ بالالف مع المد الطّویل ③ تسہیل ثانیہ بلا ادخال الف بین الہمزتین ④ بہمزۂ واحدۃ خبریۃ (اَعْجَمِیٌّ) ⑤ بہمزتین محققین بلا ادخال الف۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یہ مومنین کاملین کی صفات کا بیان ہے کہ مومنین کاملین صرف خود ہی اپنے ایمان وعمل پر قناعت نہیں کرتے، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں، فرمایا اس سے اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے، کہ جو لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے کلام میں سب سے بہتر اور افضل وہ کلام ہے جس میں دوسروں کو دعوتِ حق دی گئی ہو، اس میں دعوت الی اللہ کی سب صورتیں شامل ہیں، زبان سے تحریر سے یا کسی اور عنوان سے، اذان دینے والا بھی اس میں داخل ہے، بشرطیکہ بلا اجرت صرف اللہ کے لئے اذان دیتا ہو، کیونکہ وہ دوسروں کو نماز کی طرف بلاتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهَا نے فرمایا کہ یہ آیت مؤذنوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، دعا الی اللّٰه کے بعد عَمِلَ صَالِحًا آیا ہے، اس سے مراد ہے کہ اذان واقامت کے درمیان دو رکعت پڑھ لے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (الآیۃ) اس آیت میں ایک بہت اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالو یعنی برائی کا بدلہ احسان کے ساتھ، زیادتی کا بدلہ عفو کے ساتھ، غضب کا صبر کے ساتھ، بے ادبی اور بیہودگی کا جواب چشم پوشی اور درگذر کے ساتھ اور ناپسندیدہ باتوں کا جواب برداشت اور حلم کے ساتھ دیا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دشمن دوست بن جائے گا، اور دور دور رہنے والا قریب آجائے گا، اور خون کا پیاسا تمہارا گرویدہ اور جاں نثار ہو جائے گا۔

وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا (الآیۃ) برائی کو بھلائی کے ساتھ ٹالنے کی خوبی اگرچہ نہایت مفید اور بڑی ثمر آور ہے لیکن اس پر عمل وہی کرسکیں گے جو صابر ہوں گے، غصہ کو پی جانے والے اور ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنے والے ہوں گے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ کو کسی نے گالی دی یا برا کہا، تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم اپنے کلام میں سچے ہو کہ میں مجرم اور خطاوار ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادے اور اگر تم نے جھوٹ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمادے۔ (قرطبی)

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ.

نکتہ: اس آیت میں ایک عقلی دلیل سے سجود لغیر اللہ کو دو طریقہ سے حرام اور باطل قرار دیا ہے ① شمس وقمر ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں اور آیت علامت اور نشانی ہوتی ہے نہ کہ مقصود ② لیل اور نہار اللہ کی نشانیاں ہیں اور شمس وقمر لیل ونہار کی نشانی ہے تو جب لیل بالاتفاق مسجود نہیں تو ان کی نشانی بدرجہ اولیٰ مسجود نہ ہوگی جبکہ یہ سب چیزیں اللہ کی مخلوق میں سے ہیں لہٰذا یہ سب چیزیں مستحق سجود وعبادت نہیں ہو سکتیں، جب یہ مخلوق قابل سجود اور مستحق عبادت نہ ہوئی تو دوسری مخلوق بھی قابل سجود اور لائق عبادت نہ ہوئی، اس لئے کہ مرتبہ مخلوقیت میں سب مساوی ہیں۔ (خلاصة التفاسير فتح محمد تائب)

رات کو تاریک بنایا تاکہ لوگ اس میں آرام کر سکیں، دن کو روشن بنایا تاکہ کسب معاش میں سہولت ہو، رات اور دن کا پورے نظام اور یکسانیت کے ساتھ آنا جانا اسی طرح شمس وقمر کا اپنے اپنے وقت پر طلوع وغروب ہونا اور اپنے اپنے مدار پر منزلیں طے کرتے رہنا اور آپس میں تصادم سے محفوظ رہنا، یہ سب اس بات کی دلیلیں ہیں کہ یقیناً ان کا کوئی خالق ومالک ہے، اور وہ ایک اور صرف ایک ہے، اور کائنات میں صرف اسی کا تصرف اور حکم چلتا ہے، اگر تدبیر وامر کا اختیار رکھنے والے ایک سے زیادہ ہوتے تو یہ نظام کائنات ایسے مستحکم اور لگے بندھے طریقہ سے کبھی چل ہی نہیں سکتا تھا۔

خَلَقَهُنَّ میں جمع مؤنث کی ضمیر آئی ہے، جبکہ محل کا تقاضا تھا کہ خَلَقَهُمَا ہو، اس لئے کہ اشارہ شمس وقمر کی طرف ہے اس کی ایک وجہ تو تحقیق وترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ یا تو خلقهنّ، خَلَقَ هٰذه الاربعة المذكورة کے مفہوم میں ہے، اس لئے کہ غیر عاقل کی جمع کا حکم واحد مؤنث ہی کا ہوتا ہے یا اس کا مرجع شمس وقمر ہیں مگر مافوق الواحد کو جمع شمار کر کے جمع کی ضمیر لائے ہیں۔

خَاشِعَةً کا مطلب ہے خشک اور قحط زدہ یعنی مردہ، دبی ہوئی اور پست اور جب اس پر بارش ہوئی تو جنبش میں آئی اور پھولی، بلاشبہ جس نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا وہ مُردہ انسانوں کو بھی زندہ کرے گا۔

وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ اس پر تو امت کا اجماع ہے کہ اس سورت میں سجدۂ تلاوت واجب ہے البتہ مقام سجدہ میں اختلاف ہے، قاضی ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت علی اور ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا پہلی آیت کے ختم پر سجدہ کرتے تھے یعنی اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تعبدونَ اور اسی کو امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اختیار فرمایا ہے، امام ابوبکر جصاص نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا دوسری آیت کے آخر یعنی لا يسئمون پر سجدہ کرتے تھے، یہی مذہب تمام ائمہ حنفیہ کا ہے اور فرمایا کہ اختلاف کی بناء پر احتیاط اسی میں ہے کہ دوسری آیت کے آخر میں سجدہ کیا جائے، اس لئے کہ اگر پہلی آیت سے سجدہ واجب ہوا ہے تو وہ دوسری آیت کے بعد ادا ہو جائے گا، اور اگر دوسری آیت سے سجدہ واجب ہوا ہے تو پہلی آیت پر کیا ہوا سجدہ کافی نہ ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ اٰيٰتِنَا (الآية) یعنی جو لوگ ہماری آیتوں کو ماننے کے بجائے اس سے اعراض وانحراف کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں، ہم ان کو قیامت کے دن ضرور سزا دیں گے، الحاد کے معنی کجی، میل عن الحق کے ہیں، حضرت ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا الحاد کلام کو غیر محل میں رکھنا ہے، حضرت قتادہ نے فرمایا الحاد کفر وعناد کا نام ہے، علماء کلام نے فرمایا ہے کہ یہ نصوص اپنے ظاہر پر محمول ہیں اور جب تک کوئی دلیل قطعی تاویل کی مقتضی نہ ہو تاویل نہ کی جائے، اور جو معنی باطنیہ یعنی ملاحدہ نے گھڑ لئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آیات قرآنی اپنے ان ظاہری معانی پر نہیں ہیں جو لغت اور قواعد سے مفہوم ہوں بلکہ اس کے معانی مخفی ہیں جسے ہر شخص نہیں جانتا، ان کی غرض یہ ہے کہ ظاہر شریعت لاشئ ہے، یہ الحاد ہے، اسی الحاد میں وہ فرقے بھی شامل ہیں جو اپنے غلط عقائد ونظریات کے اثبات کے لئے آیات الٰہی میں تحریف معنوی اور دجل وتلبیس سے کام لیتے ہیں۔

لَا یَأْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ (الآیة) یعنی قرآن ہر طرح محفوظ ہے باطل اس میں کمی زیادتی نہیں کرسکتا، باطل کے آگے اور پیچھے سے نہ آنے کا مطلب ہے، باطل اس کے آگے سے آکر اس میں کوئی کمی اور نہ پیچھے سے آکر اس میں اضافہ کرسکتا ہے، اور نہ کوئی تغیر وتحریف ہی کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے، کیونکہ یہ اس ذات کی طرف سے نازل کردہ ہے جو اپنے اقوال وافعال میں حکیم ومحمود ہے۔

ایک مغالطہ کا ازالہ:

کتب عقائد میں ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ متاول کو کافر نہیں کہنا چاہئے یعنی جو شخص عقائد باطلہ اور کلمات کفریہ کو کسی تاویل سے اختیار کرے وہ کافر نہیں، اگر اس ضابطہ سے عام مراد لیا جائے تو لازم آئے گا کہ دنیا میں کوئی کافر نہ ہو اس لئے کہ ہر شخص تاویل کرکے ہی کلمہ کفر یا عقیدۂ کفریہ کو اختیار کرتا ہے، بت پرستوں کی تاویل تو خود قرآن میں مذکور ہے ما نعبدهم الا لیُقربونا الی اللّٰه زلفٰی یعنی ہم بتوں کی فی نفسہ بندگی نہیں کرتے بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ وہ سفارش کے ذریعہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں، اور درحقیقت اللہ کی ہی عبادت ہے مگر قرآن نے ان کی اس تاویل کے باوجود ان کو کافر کہا ہے، یہود ونصاریٰ کی تاویلیں تو بہت ہی مشہور ہیں، اس کے باوجود قرآن وسنت کی نصوص میں ان کو کافر کہا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ متاول کو کافر نہ کہنے کا مفہوم عام نہیں ہے، اسی کی علماء نے تصریح کی ہے جو تاویل تکفیر سے مانع ہوتی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ ضروریات دین میں ان کے مفہوم قطعی کے خلاف نہ ہو، ضروریات دین سے مراد وہ احکام ہیں جو اسلام اور مسلمانوں میں اتنے متواتر اور مشہور ہوں کہ مسلمانوں کے اَن پڑھ بھی ان سے واقف ہوں جیسے پنجوقتہ نماز، فرض نمازوں کی تعداد رکعات رمضان کے روزوں کی فرضیت، سود، شراب، خنزیر کی حرمت اگر کوئی شخص مذکورہ احکام سے متعلق آیات کی ایسی تاویل کرے کہ جس سے مسلمانوں کے نزدیک مشہور ومعروف مفہوم الٹ جائے تو وہ باجماع امت کافر ہے کہ وہ درحقیقت رسول کی لائی ہوئی تعلیمات کا منکر ہے، اور ایمان کی تعریف جمہور کے نزدیک یہی ہے تصدیق النبی فیما علم مجیئه به ضرورة اس لئے کفر کی تعریف اس کے بالمقابل ہوگی، جن چیزوں کا لانا رسول اللہ ﷺ سے ضروری اور قطعی طور پر ثابت ہو ان میں سے کسی کا انکار کرنا۔ (معارف ملخصًا)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التورة فَاخْتُلِفَ فِيْهِ بالتصديق والتكذيب كالقران وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بتاخير الحساب والجزاء للخلائق الى يوم القيمة لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ في الدنيا فيما اختلفوا فيه وَاِنَّهُمْ اى المكذبين به لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ موقع الريبة مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ عمل وَمَنْ اَسَاۤءَ فَعَلَيْهَا اى فضرر اسائته على نفسه وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾ اى بذى ظلم لقوله ان الله لا يظلم مثقال ذرة اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ متى تكون لا يعلمه غيره وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ وفي قراءة ثمرات مِّنْ اَكْمَامِهَا اوعيتها جمع كم بكسر الكاف الا بعلمه وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَاۤءِيْ قَالُوْۤا اٰذَنّٰكَ اى اعلمناك الآن مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ اى شاهد بأن لك شريكا وَضَلَّ غاب عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ يعبدون مِنْ قَبْلُ في الدنيا من الاصنام وَظَنُّوْا ايقنوا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾ مهرب من العذاب والنفي في الموضعين معلق عن العمل وقيل جملة النفي سدت مسد المفعولين لَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاۤءِ الْخَيْرِ اى لا يزال يسأل ربه المال والصحة وغيرهما وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ الفقر والشدة فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ من رحمة الله وهذا وما بعده في الكافرين وَلَئِنْ لام قسم اَذَقْنٰهُ اتيناه رَحْمَةً غنى وصحة مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّاۤءَ شدة وبلاء مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ اى بعملى وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَاۤئِمَةً وَّلَئِنْ لام قسم رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى اى الجنة فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ شديد واللام في الفعلين لام قسم وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ الجنس اَعْرَضَ عن الشكر وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ثنى عطفه متبخترا وفي قراءة بتقديم الهمزة وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَاۤءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ كثير قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ القران مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ كما قال النبي صلى الله عليه وسلم ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اى لا احد اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ خلاف بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ عن الحق اوقع هذا موقع منكم بيانا لحالهم سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ اقطار السموات والارض من النيرات والنبات والاشجار وَفِيْۤ اَنْفُسِهِمْ من لطيف الصنعة وبديع الحكمة حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ اى القران الْحَقُّ المنزل من الله بالبعث والحساب والعقاب فيعاقبون على كفرهم به وبالجائي به اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ فاعل يكف اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ بدل منه اى اولم يكفهم في صدقك ان ربك لا يغيب عنه شيء ما اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ شك مِّنْ لِّقَاۤءِ رَبِّهِمْ لانكارهم البعث اَلَاۤ اِنَّهٗ تعالى بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ علما وقدرة فيجازيهم بكفرهم.

ترجمہ: یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ الصلاۃ والسلام) کو کتاب تورات عطا کی تھی تو اس میں بھی قرآن کے مانند تصدیق و تکذیب کر کے اختلاف کیا گیا، اور اگر وہ بات نہ ہوتی جو تیرے رب کی جانب سے مخلوق کے حساب و جزاء کے قیامت تک

تاخیر کے بارے میں پہلے سے مقرر ہو چکی ہے تو دنیا ہی میں ان کے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا جس کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے ہیں، یہ تکذیب کرنے والے لوگ تو اس کے بارے میں سخت بے چین کرنے والے شک میں ہیں جو شخص نیک عمل کرے گا وہ اپنے لئے کرے گا، اور جو شخص بدی کرے گا تو اس کا وبال اس پر ہوگا یعنی اس کی برائی کا نقصان اس کی ذات پر پڑے گا، اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں یعنی ظالم نہیں، اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ کی رو سے قیامت کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے کہ کب ہوگی؟ اس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو جو پھل اپنے شگوفوں سے (یعنی) اپنے غلافوں سے نکلتے ہیں ایک قراءت میں ثمرات ہے، اکمام، کِمٌّ کی جمع ہے، کاف کے کسرہ کے ساتھ اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے وہ جنتی ہے سب کا علم اسے ہے اور جس دن اللہ ان (مشرکوں) کو بلا کر دریافت فرمائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ تو وہ جواب دیں گے اب ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم میں کوئی اس کا مدعی نہیں یعنی اس کا مدعی کہ تیرا کوئی شریک ہے اور جن بتوں کی یہ لوگ دنیا میں پرستش کیا کرتے تھے وہ سب ان سے غائب ہو جائیں گے (یہ صورت حال دیکھ کر) یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لئے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں یعنی عذاب سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں اور (حرف) نفی دونوں جگہ ① مَا مِنَّا من شهيد ② مَا لَهُمْ مِنْ مَحِيْص میں عمل سے موقوف ہے اور کہا گیا ہے کہ جملہ منفیہ کو دو مفعولوں کے قائم مقام کر دیا گیا ہے بھلائی مانگنے سے انسان تھکتا نہیں یعنی اپنے رب سے مال وصحت وغیرہ مانگتا ہی رہتا ہے اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو رحمت سے مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے اور جو اس کے بعد میں ہے وہ کافر کے بارے میں ہے اور قسم ہے اگر ہم اس کو کسی تکلیف شدت اور مصیبت کے بعد جو کہ اس کو پہنچ چکی تھی اپنی رحمت (یعنی) مالداری اور صحت کا مزا چکھا دیتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ میں اس کا حقدار تھا ہی یعنی یہ میری تدبیر کی بدولت ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور قسم ہے اگر (بالفرض) مجھے میرے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہے یعنی جنت ہے ہم یقیناً ان کفار کو ان کے اعمال سے باخبر کر دیں گے اور ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے (یعنی) شدید قسم کا، دونوں فعلوں میں لام قسمیہ ہے، اور جب ہم جنس انسان پر انعام کرتے ہیں تو شکر سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کر لیتا ہے، یعنی تکبر کرتے ہوئے پہلو تہی کرتا ہے اور ایک قراءت میں (نون پر) ہمزہ کی تقدیم کے ساتھ ہے اور جب اس پر مصیبت پڑتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے آپ کہہ دیجئے بھلا بتلاؤ اگر یہ یعنی قرآن اللہ کے پاس سے ہوا جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتے ہیں پھر تم اس کا انکار کرو تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی پر ہوگا کہ جو مخالفت میں (حق سے) دور چلا جائے؟ یعنی کوئی نہیں، یہ (یعنی مَنْ اَضَلُّ) مِنْكُمْ کی جگہ واقع ہوا ہے ان کی حالت (ضلال) کو بتلانے کے لئے عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاقِ عالم (یعنی) زمین و آسمان کے اطراف میں دکھائیں گے اور وہ (نشانیاں) نجوم، نباتات، اور اشجار ہیں اور خود ان کی ذات میں (دکھائیں گے) جو لطیف صنعت اور عجیب حکمت ہے، یہاں تک کہ خود ان پر واضح ہو جائے کہ یہ یعنی قرآن حق ہے بعث اور حساب اور عقاب کے ساتھ نازل کیا گیا ہے لہٰذا اس (قرآن) اور اس کے لانے والے کے انکار کی وجہ سے ان کو سزا دی جائے

گی، کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے آگاہ ہونا کافی نہیں ہے؟ بِرَبِّكَ، یکف کا فاعل ہے (انہ علی کل شیئ شهید) رَبّكَ سے بدل ہے، یعنی کیا ان کے لئے تیری صداقت کے بارے میں یہ کافی نہیں ہے کہ تیرے رب سے کوئی ادنیٰ شئ بھی پوشیدہ نہیں ہے (مگر) یاد رکھو اپنے رب کے روبرو جانے کے بارے میں ان کے بعث کا منکر ہونے کی وجہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں، یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہر شئ کو علم وقدرت کے اعتبار سے احاطہ میں لئے ہوئے ہے، سو ان کے کفر کی ان کو سزا دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَهُ: عَمِلَ، عَمِلَ فعل مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ فَلِنفسہٖ فعل محذوف کے متعلق ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ لنفسہٖ مبتداء محذوف کی خبر ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی فالعملُ الصالح لنفسہٖ.

قَوْلَهُ: بذی ظلمٍ یہ ایک شبہ کا دفع ہے۔

شبہ: اللہ تعالیٰ کے قول وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ سے کثرت ظلم کی نفی تو ہوتی ہے مگر نفس ظلم کی نفی نہیں ہوتی۔

دفع: ظلام صیغہ نسبت ہے نہ کہ صیغہ مبالغہ، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم کے ساتھ منسوب نہیں ہے، جیسا کہ تمّارٌ وخبازٌ میں تمّار خرما فروش کو کہتے ہیں، نہ کہ زیادہ خرما فروش کو اور اسی طرح خبّاز روٹی پکانے والے کو کہتے ہیں نہ کہ بہت زیادہ روٹی پکانے والے کو، مفسر رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے بذی ظلمٍ سے اس جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلَهُ: لَا يَعْلَمُ غيرُهُ سے اس حصر کی طرف اشارہ کر دیا جو اِلَيْهِ يُرَدُّ کی تقدیم سے مستفاد ہے ورنہ تو يُرَدُّ اِلَيْهِ ہوتا۔

قَوْلَهُ: مَا تخرُجُ مِن اكمامِها، مِن فاعل پر زائدہ ہے، ثَمَرَةٌ میں دو قراءتیں ہیں اور دونوں سبعیہ ہیں، افراد باعتبار جنس کے اور جمع باعتبار انواع کے، اَكْمَام، كِمٌّ کی جمع ہے، کھجور وغیرہ کے غلاف کو کہتے ہیں۔

قَوْلَهُ: والنفی فی الموضعین معلّق عن العمل موضعین سے مراد آذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِن شهيد اور وَظَنُّوا مَا لَهُمْ مِن مَحِيص ہے، مذکورہ دونوں جگہوں پر نفی فعل کو لفظاً عمل سے مانع ہے نہ کہ محلاً اور وہ دونوں فعل آذَنّٰكَ اور ظَنُّوا ہیں، آذَنّٰكَ بمعنی اَعْلَمْنَاكَ ہے، لہٰذا یہ افعال قلوب میں سے ہے اور ظَنُّوا بھی افعال قلوب میں سے ہے اور افعال قلوب میں تعلیق عمل کا مطلب ہوتا ہے لفظوں میں عمل کا باطل کر دینا نہ کہ معنی میں، اور یہ ابطال عمل اس وقت ہوتا ہے جب یہ افعال، استفہام، یا نفی یا لام ابتداء کے ماقبل واقع ہوں، مفسر علام نے آذَنّٰكَ کی تفسیر اَعْلَمْنٰكَ سے کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ آذَنّٰكَ افعال قلوب میں سے ہے۔

قَوْلَهُ: وقيل الخ مفسر علام یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر مذکورہ افعال کو معلق عن العمل نہ مانا جائے تو دونوں جگہ جملہ منفیہ کو قائم مقام دو مفعولوں کے ماننا پڑے گا، ظَنُّوا کے مفعول اول اور مفعول ثانی کے قائم مقام اور آذَنّٰكَ کے مفعول ثانی اور ثالث کے قائم مقام ہوگا، اور پہلا مفعول آذَنّٰكَ کے اندر کاف ضمیر ہے۔

قَوْلُہٗ: محیص، حیصٌ سے ظرف مکان ہے، جائے پناہ، حاصَ یَحِیْصُ حَیْصًا ای الفرار والهرب.

قَوْلُہٗ: مِنْ دُعاء الخیر دعاء الخیر میں اضافت، اضافت مصدر الی المفعول ہے جار مجرور یَسْأمُ کے متعلق ہیں۔

قَوْلُہٗ: هٰذا لِی میں لام استحقاق کے لئے ہے، بعملی کہہ کر مفسر علام نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلَنُنَبِّئَنَّ جمع متکلم مضارع با نون تاکید ثقیلہ (تفعیل) ہم ضرور آگاہ کردیں گے، ہم ضرور بتلادیں گے، دونوں فعلوں میں لام قسم کا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَنَاءَ الف کو ہمزہ پر مقدم کرکے، ای نَاءَ بروزن قالَ اور دوسری قراءت میں ہمزہ کو الف پر مقدم کرکے ای نَأیٰ بروزن رَمٰی.

قَوْلُہٗ: نَأیٰ ماضی واحد مذکر غائب مادہ نَأیٌ (ف) دور ہوگیا، روگردانی کی، پہلوتہی کی، چونکہ آیت میں متعدی بالباء ہے، اس لئے اس کا ترجمہ ہوگا، اس نے پہلو پھیرلیا، بعض قراءتوں میں نَاءَ بِجَانِبِهٖ آیا ہے اس کا مادہ نَوْءٌ ہے (ن) تکبر کے ساتھ پہلو پھیرلیا۔

قَوْلُہٗ: عِطفه عِطفٌ پہلو، کنارہ (ج) اَعْطَاف وعِطَافٌ وعُطُوفٌ یقال ثَنّٰی عَنِّی عِطْفَهٗ اس نے مجھ سے پہلوتہی کی۔

قَوْلُہٗ: لا احد یہ اشارہ ہے کہ مَنْ اَضَلُّ میں مَن استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوْقَعَ هٰذَا ای مِمَّنْ هو فِی شِقَاقٍ بعید اعراض کرنے والوں کی حالت کو بیان کرنے کے لئے مِنْکُمْ کی جگہ واقع ہے، ورنہ تو مَنْ اَضَلُّ مِنکم کہنا کافی تھا، مگر چونکہ مِنْکُمْ سے ان کی حالت پر دلالت نہیں ہوتی اس لئے مِمَّنْ هو فِی شِقَاقٍ بَعِیْدٍ لائے ہیں۔

شبہ: سَنُرِیْهِمْ میں سین فعل کو زمانہ مستقبل کے ساتھ خاص کرتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے زمانہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ اپنی آیات قدرت دکھائیں گے حالانکہ آیات قدرت فی الحال بھی موجود ہیں اور نظر آرہی ہیں۔

دفع: کلام میں مضاف محذوف ہے، ای سَنُرِیْهِمْ عَوَاقِبَ آیَاتِنَا.

قَوْلُہٗ: اَوَلَمْ یکفِ بربكَ ہمزہ محذوف پر داخل ہے، اور واؤ عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَتَحْزَنُ عَلٰی انکارِهِمْ ومعارضتِهم لَكَ ولم یکفك ربك استفہام انکاری ہے باء فاعل پر زائد ہے مفعول محذوف ہے ای یکفیكَ.

تَفْسِیر وتَشریح

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الکتاب (الآیة) یہ کلام مستانف ہے اس کا مقصد آپ ﷺ کو تسلی دینا ہے، ان آیات میں خبر دی گئی ہے کہ تکذیب وطعن وتشنیع یہ سابقہ امتوں سے چلی آرہی پرانی عادت ہے، ہر امت نے اپنے نبی کے ساتھ یہی

معاملہ کیا ہے، ان لوگوں نے بھی اپنے نبی پر اتاری جانے والی کتاب میں اختلاف کیا تھا اگر اہل مکہ آپ کے ساتھ یہی معاملہ کررہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، لہٰذا آپ اس سے غمزدہ نہ ہوں اور جس طرح ان نبیوں نے صبر و تحمل سے کام لیا آپ بھی صبر و تحمل سے کام لیں فاختُلِفَ فیهِ میں ضمیر مجرور کتابٌ کی طرف راجع ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ موسیٰ کی طرف راجع ہے اول اولیٰ ہے۔ (فتح القدير شوكانی)

لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ (الآية) یعنی اگر یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی کہ ان کو پورا عذاب آخرت میں دیا جائے گا، اور دنیا میں ان کو مہلت اور ڈھیل دی جائے گی جیسا کہ اللہ نے فرمایا لکن یؤخرھم الی اجل مسمّٰی تو دنیا ہی میں قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور یہ آپ پر نازل کردہ کتاب کے بارے میں شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں، مہمل شکوک وشبہات ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے ہر وقت دل میں کھٹکتے رہتے ہیں، اور ان کا انکار و تکذیب عقل و بصیرت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض شک وشبہ کی وجہ سے ہے جو ان کو بے چین کئے رہتا ہے۔

ربط:

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ چونکہ نیکی و بدی کا پورا اور مکمل بدلہ قیامت کے دن ملے گا اور کفار سے جب یہ بات کہی جاتی تھی تو وہ کہتے تھے کہ قیامت کب آئے گی، اِلَيْهِ يُرَدُّ سے اسی سوال کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا، جس کا مطلب ہے کہ قیامت کے وقوع کے صحیح وقت کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے، چنانچہ جب حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ ﷺ سے قیامت کے واقع ہونے کے بارے میں دریافت فرمایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا **ما المسئول عنها باَعْلم من السائل** قیامت کے بارے میں مجھے بھی اتنا ہی علم ہے جتنا سائل کو ہے، دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا (النازعات) لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هو (الاعراف) بڑے سے بڑا نبی اور بڑے سے بڑا فرشتہ بھی قیامت کے وقت کی تعیین نہیں کرسکتا، اگر کوئی سائل وقوع قیامت کی تعیین کے بارے میں سوال کرے تو اللہ کے علم کا حوالہ دیتے ہوئے واللہ اعلم کہنا ہی مناسب ہے، اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ کا علم ہی ہر شئ کو محیط ہے کوئی کھجور اپنے گابھے اور کوئی دانہ اپنے خوشہ سے اور کوئی میوہ یا پھل اپنے غلاف سے باہر نہیں آتا کہ جس کی خبر خدا کو نہ ہو، خلاصہ یہ کہ علم محیط خدا ہی کی شان ہے، اس کے حیطۂ علم سے کوئی شئ خارج نہیں، خدا کی اس صفت میں کسی نبی یا ولی یا فرشتے کو شریک کرنا شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مشرکین سے تہکم وتہدید کے طور پر فرمائے گا، کہاں ہیں وہ جن کو تم دنیا میں میرا شریک ٹھہرایا کرتے تھے؟ ان کو بلالو تاکہ وہ تمہاری مدد کریں اور تمہارے اس آڑے وقت میں کام آئیں۔

قَالُوْا اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ مطلب یہ ہے کہ ہم آپ سے صاف عرض کرچکے کہ ہم میں کوئی اقبالی مجرم نہیں کہ جو اس جرم (شرک) کا اعتراف کرنے کو تیار ہو، گویا کہ اس وقت نہایت دیدہ دلیری سے جھوٹ بول کر واقعہ کا انکار کرنے لگیں گے، اور کہیں گے آج ہم میں سے کوئی شخص یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ تیرا کوئی شریک ہے، اور بعض مفسرین نے شہید بمعنی شاہد لیکر یہ

مطلب لیا ہے کہ اس وقت ہم میں سے کوئی ان شرکاء کو یہاں نہیں دیکھتا۔ (فوائد عثمانی)

لَا یَسْأَمُ الإنسان مِن دعاء الخیرِ انسان سے بعض حضرات نے انسان کا فرمراد لیا اور بعض نے جنس انسان اور بعض حضرات نے انسان سے ولید بن مغیرہ مراد لیا ہے اور بعض نے ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ مراد لئے ہیں اور بعض نے امیہ بن خلف مراد لیا ہے، لیکن آیت کو غالب کے اعتبار سے عموم پر باقی رکھنا اولیٰ اور بہتر ہے، اور عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے لَا یَسْأَمُ الإنسانُ من دعاء المال پڑھا ہے، مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا کا مال واسباب، صحت وقوت، عزت ورفعت اور دیگر دنیوی نعمتوں کے مانگنے سے نہیں تھکتا بلکہ مانگتا ہی رہتا ہے اور انسان سے مراد انسانوں کی غالب اکثریت ہے تاکہ اللہ کے نیک مخصوص بندے اس عموم سے خارج ہو جائیں، اور جب تکلیف پہنچتی ہے تو فوراً ہی مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے جبکہ اللہ کے مخلص بندوں کا حال اس کے برخلاف ہوتا ہے، وہ اول تو دنیا کے طالب نہیں ہوتے ان کے سامنے ہر وقت آخرت ہی ہوتی ہے، دوسرے تکلیف پہنچنے پر بھی وہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے مایوس نہیں ہوتے، بلکہ آزمائشوں کو بھی وہ کفارۂ سیئات اور رفع درجات کا باعث سمجھتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ انسان کی فطرت بھی عجیب طرح کی واقع ہوئی ہے، جب دنیا کی ذرا سی بھلائی پہنچے اور کچھ عیش وآرام وتندرستی نصیب ہو تو مارے حرص کے چاہتا ہے کہ اور زیادہ مزے اڑائے، کسی حد پر پہنچ کر اس کا پیٹ نہیں بھرتا، اگر اس کا بس چلے تو ساری دنیا کی دولت سمیٹ کر اپنے گھر میں ڈال لے، اس کے برخلاف اگر ذرا سی افتاد پڑنی شروع ہوئی اور اسباب ظاہری کا سلسلہ اپنے خلاف دیکھا تو پھر مایوس اور ناامید ہوتے بھی دیر نہیں لگتی، اور اگر اس مایوسی اور ناامیدی کے بعد اللہ نے تکلیف ومصیبت دور کر کے اپنی مہربانی سے پھر عیش وراحت کا سامان کر دیا تو کہنے لگتا ہے، ھٰذَا لِی یعنی میں اس کامیابی کا مستحق تھا ہی اس لئے کہ میں نے فلاں تدبیر کی تھی اور میں نے یوں دانشمندی اور ہوشیاری سے کام کیا تھا، جس کا لازمی نتیجہ کامیابی ہی تھا، اب نہ خدا کی مہربانی یاد رہی اور نہ اپنی مایوسی کی وہ کیفیت جو ابھی چند منٹ پہلے قلب پر طاری تھی، اب عیش وآرام کے نشہ میں ایسا مخمور ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت اور تکلیف کے پیش آنے کا خطرہ نہیں رہتا سمجھتا ہے، کہ میں ہمیشہ اسی حالت میں رہوں گا، اور اگر کبھی ان تاثرات کے دوران قیامت کا نام سن لیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تو نہیں سمجھتا کہ یہ چیز کبھی ہونے والی ہے، اور اگر بالفرض ایسی نوبت آ ہی گئی اور مجھے لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہی پڑا تب بھی مجھے یقین ہے کہ وہاں بھی میرا انجام بہتر ہوگا، اگر میں خدا کی نظر میں برا اور نالائق ہوتا تو مجھے دنیا میں یہ عیش وبہار کے مزے کیوں ملتے؟ لہٰذا امید ہے کہ وہاں بھی میرے ساتھ یہی معاملہ ہوگا۔

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ یعنی خوش ہو لو کہ اس کفر وغرور کے باوجود وہاں بھی مزے لوٹو گے، وہاں پہنچ کر پتہ لگ جائے گا کہ منکروں کو کیسی سخت سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الانسان اَعْرَضَ (الآیة) یعنی اللہ کی نعمتوں سے متمتع ہونے کے وقت تو منعم کی حق شناسی اور شکر گذاری سے اعراض کرتا ہے، اور بے رخی کرتے ہوئے پہلو تہی کرتا ہے اور جب کوئی مصیبت اور تکلیف پیش آتی ہے تو اسی

خدا کے سامنے ہاتھ پھیلا کر لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے، شرم نہیں آتی کہ اب اسے کس منہ سے پکارتا ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (الآیۃ) سابقہ آیات میں انسانی فطرت کا عجیب وغریب نقشہ کھینچ کر اس کی کمزوریوں اور بیماریوں پر نہایت موثر انداز میں توجہ دلائی تھی، اب تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب جو تمہاری کمزوریوں پر آگاہ کرنے والی اور انجام کی طرف توجہ دلانے والی ہے اگر خدا کے پاس سے آئی ہو (جیسا کہ واقع میں ایسا ہی ہے) پھر تم نے اس کو نہ مانا اور ایسی اعلیٰ اور بیش قیمت نصیحت سے فائدہ اٹھا کر اپنی عاقبت کی فکر نہ کی، بلکہ حق کی مخالفت میں دور ہوتے چلے گئے، تو کیا اس سے بڑھ کر گمراہی اور خسارہ کچھ ہو سکتا ہے؟

سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ عنقریب ہم انہیں اپنی قدرت کی نشانیاں عالم اور اطراف عالم نیز خود ان کی ذات میں بھی دکھائیں گے جن سے قرآن کی صداقت اور اس کا من جانب اللہ ہونا واضح ہو جائے گا، اَنَّہٗ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے، اور بعض نے اس کا مرجع اسلام یا رسول اللہ ﷺ کو قرار دیا ہے، نتیجہ سب کا ایک ہی ہے آفـــاق، افــق کی جمع ہے بمعنی کنارہ، مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی قدرت کی نشانیاں آفاق واطراف عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود انسان کی اپنی ذات میں بھی، چنانچہ آفاق واطراف میں قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں مثلاً سورج، چاند، ستارے اور رات ودن، ہوا، بارش، گرج، چمک، بجلی کڑک، نباتات، جمادات، اشجار اور انہار وغیرہ اور آیات انفس سے خود انسان کا وجود مراد ہے جو کہ خود ایک عالم اصغر ہے اس کے اعضاء کی تشریح علم طب کا ایک نہایت دلچسپ موضوع ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ

سُوْرَةُ الشُّوْرٰی مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الشُّوْرٰی مَكِّيَّةٌ اِلَّا قُلْ لَّا اَسْأَلُكُمْ الْاٰيَاتِ الْاَرْبَع ثَلٰثٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ شوریٰ مکی ہے مگر قُلْ لَّا اَسْأَلُكُمْ چار آیتیں، (اس میں) ترپن (۵۳) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ اللّٰهُ اَعلمُ بمُرادِه به **كَذٰلِكَ** اى مِثْلَ ذٰلك الايحاءِ **يُوْحِيْ اِلَيْكَ وَ** اَوحى **اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ** فاعلُ الايحاءِ **الْعَزِيْزُ** فى مُلكِه **الْحَكِيْمُ** ﴿۳﴾ فى صُنعِه **لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** مِلْكًا وخَلْقًا وعَبِيْدًا **وَهُوَ الْعَلِيُّ** على خلقِه **الْعَظِيْمُ** ﴿۴﴾ الكبيرُ **تَكَادُ** بالتاءِ والياءِ **السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ** بالنُّون وفى قراءةٍ بالتاءِ والتشديد **مِنْ فَوْقِهِنَّ** اى تَنْشَقُّ كُلُّ واحدةٍ فوقَ التى تليها من عظمتِه تعالى **وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ** اى مُلابِسِيْنَ للحَمْد **وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ** مِنَ المُؤمِنِيْنَ **اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ** لِاَوْلِيَائِه **الرَّحِيْمُ** ﴿۵﴾ بهم **وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ** اى الاصنامَ **اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ** مُحْصٍ **عَلَيْهِمْ** لِيُجازِيَهم **وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ** ﴿۶﴾ تُحَصِّلُ المَطْلُوْبَ منهم ما عليكَ اِلا البَلاغُ **وَكَذٰلِكَ** مِثْلَ ذٰلك الايحاءِ **اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ** تُخَوِّفَ **اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا** اى اَهْلَ مكَّةَ وسائرَ النَّاسِ **وَتُنْذِرَ** النَّاسَ **يَوْمَ الْجَمْعِ** اى يومَ القيٰمةِ تُجمَعُ فيه الخلقُ **لَا رَيْبَ** شكَّ **فِيْهِ فَرِيْقٌ** منهم **فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ** ﴿۷﴾ النَّار **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً** اى على دِيْنٍ واحدٍ وهو الاسلامُ **وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمُوْنَ** الكافِرُونَ **مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ** ﴿۸﴾ يَدْفَعُ عنهم العذابَ **اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ** اى الاصنامَ **اَوْلِيَآءَ** امْ مُنقَطِعَةٌ بمعنى بَلِ التى لِلانتِقالِ وهَمْزَةِ الانكارِ اى لَيْسَ المُتَّخَذُوْنَ اَوْلِيَاءَ **فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ** اى النَّاصِرُ للمؤمنِيْنَ والفاءُ لِمُجَرَّدِ العَطْفِ **وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۹﴾

تَرجَمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے حٰمٓ. عٓسٓقٓ اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اسی طرح یعنی اس وحی بھیجنے کے مانند اللہ تعالیٰ جو زبردست ہے اپنے ملک میں حکمت والا ہے، اپنی صنعت میں تیری طرف اور تجھ سے اگلوں کی طرف وحی بھیجتا رہا ہے، اللہ ایحاء کا فاعل ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے ملکیت کے اعتبار سے، تخلیق کے اعتبار سے، اور مملوکیت کے اعتبار سے، اور وہ اپنی مخلوق پر برتر اور عظیم الشان ہے، قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں (**تکاد**) تاء اور یاء کے ساتھ ہے (**یَنفَطِرنَ**) نون کے ساتھ ہے، اور ایک قراءت میں (نون کے بجائے) تاء مع تشدید طاء ہے (ای **تَتَفَطَّرْنَ**) یعنی ہر اوپر والا آسمان جس کے نیچے آسمان ہے اللہ کی عظمت کی وجہ سے پھٹ پڑے، اور تمام فرشتے اپنے رب کی پاکی حمد کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، (یعنی) تسبیح و تحمید، دونوں کو ملا کر (**سبحان اللّٰه والحمدللّٰه**) کہہ رہے ہیں اور زمین میں جو مومنین ہیں ان کے لئے استغفار کر رہے ہیں، خوب یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی اپنے اولیاء کو معاف کرنے والا ان پر رحم کرنے والا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا بتوں کو کارساز بنالیا ہے اللہ تعالیٰ ان پر نگران ہے یقیناً ان کو سزا دے گا اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں، کہ ان سے مطلوب کو حاصل کریں، آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے اور اس وحی کرنے کے مانند ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے آس پاس والوں کو آگاہ کریں، یعنی اہل مکہ اور (دیگر) تمام لوگوں کو اور آپ لوگوں کو جمع ہونے کے یعنی قیامت کے دن سے ڈرائیں، جس میں تمام مخلوق جمع کی جائے گی، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے ان میں سے ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ایک امت یعنی ایک دین پر اور وہ اسلام ہے بنا دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے، اور ظالموں کافروں کا حامی اور مددگار کوئی نہیں، کہ ان سے عذاب کو دفع کر سکے، کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا بتوں کو کارساز بنالیا ہے اَمْ منقطعہ بمعنی **بَل** ہے، جو کہ انتقال کے لئے ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے، یعنی جن کو کارساز بنایا ہے وہ کارساز نہیں ہیں (حقیقتاً تو) اللہ تعالیٰ ہی ولی ہے یعنی مومنین کا مددگار ہے اور فاء محض عطف کے لئے ہے، وہی مُردوں کو زندہ کرے گا، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

تَحقِیق و تَرکِیب و تَسہِیل و تَفسِیری فَوائد

قَولہ: حٰمٓ، عٓسٓقٓ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سورۂ شوریٰ ہی کے دوسرے دو نام ہیں، اسی لئے ان کو الگ الگ دو آیتیں شمار کیا ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ دونوں مل کر ایک نام ہے مگر دیگر حوامیم کی موافقت و مماثلت کے لئے الگ الگ لکھا گیا ہے۔

قَولہ: مثل ذٰلك الایحاء ای مثلَ ما فی هذه السورة من المعانی اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ

کذلك کا کاف مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے ای یُوحِی ایحاءً مثلَ ذٰلك الإیحاء یعنی اس سورت کے ایحاء کے مانند آپ کی طرف فی الوقت وحی بھیجتا ہے، اور آپ سے اگلوں کی طرف اسی طرح وحی بھیج چکا ہے۔

سُوَال: انبیاء سابقین کی طرف وحی بھیجنے کے لئے اوحٰی ماضی کا صیغہ استعمال ہونا چاہئے نہ کہ یوحی مضارع کا۔

جَوَاب: مضارع کا صیغہ حکایت حال ماضیہ کے طور پر استمرار وحی پر دلالت کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے، اور مضارع بمعنی ماضی ہے جیسا کہ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اَوْحٰی محذوف مان کر اشارہ کردیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فریق منھم، فریقٌ مبتداء اور فی الجنۃ اس کی خبر ہے۔

سُوَال: فریق نکرہ ہے اس کا مبتداء بننا کیسے درست ہے؟

جَوَاب: مفسر علام نے مِنْھُم محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ فریق موصوف ہے اور اس کی صفت محذوف ہے، تقدیر یہ ہے فریق کائنٌ منھم فی الجنۃ لہٰذا اب اس کا مبتداء بننا صحیح ہوگیا، یہی ترکیب فریقٌ فی السعیر میں ہے۔

تَفْسِیر وَتَشرِیح

کَذٰلِکَ یُوحِیْٓ اِلَیْکَ (الآیۃ) یعنی جس طرح یہ قرآن تیری طرف نازل کیا گیا ہے اسی طرح تجھ سے پہلے بھی انبیاء پر صحیفے اور کتابیں نازل کی گئیں، وحی اللہ کا وہ کلام ہے جو فرشتے کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے پاس بھیجتا رہا ہے، ایک صحابی نے آپ ﷺ سے وحی کی کیفیت معلوم کی تو آپ نے فرمایا: کبھی تو یہ میرے پاس گھنٹی کی آواز کے مثل آتی ہے اور یہ صورت مجھ پر سب سے گراں ہوتی ہے، جب یہ آواز ختم ہوتی ہے تو مجھے وہ وحی یاد ہوچکی ہوتی ہے، اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے، اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور وہ جو کہتا ہے میں اسے یاد کرلیتا ہوں، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا فرماتی ہیں میں نے سخت سردی میں مشاہدہ کیا کہ جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ پسینے میں شرابور ہوتے اور آپ کی پیشانی سے قطرے ٹپک رہے ہوتے۔ (صحیح بخاری باب بدء الوحی)

وَمَآ اَنْتَ عَلَیْھِمْ بِوَکِیْلٍ یعنی آپ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ہدایت کے راستہ پر لگادیں، یہ کام ہمارا ہے آپ کا کام صرف پہنچادینا ہے۔

جس طرح ہم نے ہر رسول پر اس کی اور اس کی قوم کی زبان میں وحی نازل کی، اسی طرح ہم نے آپ پر عربی زبان میں قرآن نازل کیا ہے، اس لئے کہ آپ کی قوم کی زبان عربی ہی ہے۔

''ام القریٰ'' مکہ کا نام ہے، اسے بستیوں کی ماں، اس لئے کہتے ہیں کہ یہ عرب کی قدیم ترین بستی ہے گویا کہ یہ تمام بستیوں کی ماں ہے، اور مراد اہل مکہ ہیں اور مَنْ حولَھَا میں اس کے چاروں طرف کے علاقے شرقاً غرباً شمالاً جنوباً شامل ہیں۔

فَاللّٰہ ھو الولی (الآیۃ) جب یہ بات ہے کہ اللہ ہی محی اور ممیت ہے اور ہر شی پر قادر ہے تو پھر وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسی کو ولی اور کارساز مانا جائے، نہ کہ ان کو جن کے پاس کوئی اختیار ہی نہیں ہے، اور جو نہ سننے کی اور نہ جواب دینے کی

طاقت رکھتے ہیں اور نہ نفع نقصان پہنچانے کی صلاحیت۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ مع الكفار **فِيهِ مِنْ شَيْءٍ** من الدين وغيره **فَحُكْمُهُ** مردود **إِلَى اللَّهِ** يوم القيامة يفصل بينكم قل لهم **ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ** (۱۰) أرجع **فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ** مبدعهما **جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا** حيث خلق حواء من ضلع آدم **وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا** ذكورا وإناثا **يَذْرَؤُكُمْ** بالمعجمة يخلقكم **فِيهِ** في الجعل المذكور أي يكثركم بسببه بالتوالد والضمير للأناسي والأنعام بالتغليب **لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ** الكاف زائدة لأنه تعالى لا مثل له **وَهُوَ السَّمِيعُ** لما يقال **الْبَصِيرُ** (۱۱) بما يفعل **لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ** أي مفاتيح خزائنهما من المطر والنبات وغيرهما **يَبْسُطُ الرِّزْقَ** يوسعه **لِمَنْ يَشَاءُ** امتحانا **وَيَقْدِرُ** يضيقه لمن يشاء ابتلاء **إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** (۱۲) **شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا** هو أول أنبياء الشريعة **وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ** هذا هو المشروع الموصى به والموحى إلى محمد صلى الله عليه وسلم وهو التوحيد **كَبُرَ** عظم **عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ** من التوحيد **اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ** إلى التوحيد **مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ** (۱۳) يقبل على طاعته **وَمَا تَفَرَّقُوا** أي أهل الأديان في الدين بأن وحّد بعض وكفر بعض **إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ** بالتوحيد **بَغْيًا** من الكافرين **بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ** بتأخير الجزاء **إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى** يوم القيامة **لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ** بتعذيب الكافرين في الدنيا **وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ** وهم اليهود والنصارى **لَفِي شَكٍّ مِنْهُ** من محمد صلى الله عليه وسلم **مُرِيبٍ** (۱۴) موقع الريبة **فَلِذَٰلِكَ** التوحيد **فَادْعُ** يا محمد الناس **وَاسْتَقِمْ** عليه **كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ** في تركه **وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ** أي بأن أعدل **بَيْنَكُمُ** في الحكم **اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ** فكل يجازى بعمله **لَا حُجَّةَ** خصومة **بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ** هذا قبل أن يؤمر بالجهاد **اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا** في المعاد لفصل القضاء **وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ** (۱۵) المرجع **وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي** دين **اللَّهِ** نبيه **مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ** بالإيمان لظهور معجزته وهم اليهود **حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ** باطلة **عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ** (۱۶) **اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ** القرآن **بِالْحَقِّ** متعلق بأنزل **وَالْمِيزَانَ** العدل **وَمَا يُدْرِيكَ** يعلمك **لَعَلَّ السَّاعَةَ** أي إتيانها **قَرِيبٌ** (۱۷) ولعل معلق للفعل عن العمل وما بعده سدّ مسدّ المفعولين **يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا** يقولون متى تأتي ظنا منهم أنها غير آتية **وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ** خائفون **مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ**

يُجَادِلُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ بِرِّهِمْ وَفَاجِرِهِمْ حَيْثُ لَمْ يُهْلِكْهُمْ جُوْعًا بِمَعَاصِيْهِمْ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ كُلٍّ مِنْهُمْ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ عَلٰى مُرَادِهٖ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ اَلْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهٖ.

ترجمہ: اور جس چیز (یعنی) دین وغیرہ میں کفار کے ساتھ تمہارا اختلاف ہوا، اس کا فیصلہ قیامت کے دن اللہ ہی کی طرف لوٹے گا، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا، آپ ان سے کہئے یہی اللہ میرا رب ہے، جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں، وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنا دیئے ہیں، بایں طور کہ اس نے (حضرت) حواء کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسلی سے پیدا فرمایا اور چوپایوں کے نر و مادہ کے جوڑے بنائے (یَذْرَؤُکُمْ) ذال معجمہ کے ساتھ (یعنی ذال کے ساتھ ہے نہ کہ دال کے ساتھ) اور یَذْرَؤُکُمْ بمعنی یَخْلُقُکُمْ ہے یعنی مذکورہ طریقہ سے تم کو پیدا کرتا ہے، (اور) اس طریقہ توالد کے سبب سے تمہاری کثرت کرتا ہے اور (کُمْ) ضمیر، انسانوں اور حیوانات کی طرف تغلیباً راجع ہے، اس کے مثل کوئی شئ نہیں، کاف زائدہ ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں وہ ہر بات کا سننے والا ہر فعل کا دیکھنے والا ہے، آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں یعنی ان دونوں (آسمان وزمین) کے خزانوں یعنی بارش اور نبات وغیرہ کی کنجیاں (اسی کے قبضۂ تصرف میں ہیں) وہ جس کی چاہے امتحاناً روزی کشادہ کردے اور جس کی چاہے بطور آزمائش تنگ کردے یقیناً وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے، جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو حکم دیا تھا، اور وہ (نوح) انبیاء شریعت میں سے اول نبی ہیں اور جو (دین) ہم نے بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجا ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا، اور اس میں اختلاف نہ کرنا یہی ہے وہ مشروع کہ جس کا تاکیدی حکم دیا گیا اور جس کی محمد ﷺ کی طرف وحی کی گئی، اور وہ توحید ہے اور جس چیز کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں وہ توحید ہے وہ تو (ان) مشرکوں پر گراں گذرتی ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے توحید کے لئے منتخب کر لیتا ہے اور جو شخص اس کی اطاعت کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ اس کی اپنی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اہل ادیان نے دین میں اسی وقت اختلاف کیا، بایں طور کہ بعض نے توحید اختیار کی اور بعض نے کفر کیا، کہ جب ان کے پاس توحید کا علم آگیا اور وہ بھی کافروں کی باہمی ضد بحث سے اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک وقت مقرر (یعنی قیامت) تک کے لئے تاخیر عذاب کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو یقیناً دنیا ہی میں کافروں کو عذاب دیکر ان کے اختلاف کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی، اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں وہ بھی آپ ﷺ کے بارے میں الجھن ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں، پس اے محمد! آپ لوگوں کو اسی توحید کی طرف بلاتے رہئے اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے آپ خود بھی اس پر قائم رہئے اور اس کو ترک کرنے میں ان کی خواہشوں کی اتباع نہ کیجئے، اور کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم میں انصاف کرتا رہوں ہمارا اور تم سب کا

پروردگار اللہ ہی ہے، ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں، لہٰذا ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق صلہ ملے گا ہمارے تمہارے درمیان کوئی نزاع نہیں یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے قبل کا ہے اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے کے لئے قیامت کے دن ہم سب کو جمع کرے گا، اور اسی کی طرف لوٹنا ہے اور جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں اس کے نبی سے حجت بازی کرتے ہیں بعد اس کے کہ اس کو اس کے معجزات کے ظاہر ہونے کی وجہ سے مان لیا گیا ہے اور وہ یہود ہیں اور ان کی حجت بازی ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے، اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب قرآن نازل فرمائی ہے (بالحق) انزل کے متعلق ہے اور میزان (انصاف) نازل فرمائی ہے اور آپ کو کیا خبر شاید قیامت یعنی اس کی آمد قریب ہی ہو اور لَـعَـلَّ فعل کو عمل سے روکنے والا ہے یا اس کا مابعد قائم مقام دو مفعولوں کے ہے اس کی جلدی، ان کو پڑی ہے جو اس کو نہیں مانتے، سوال کرتے ہیں کہ (قیامت) کب آئے گی؟ یہ یقین کرتے ہوئے کہ وہ آنے والی نہیں ہے اور جو اس کی (آمد) کا یقین رکھتے ہیں وہ اس سے ڈر رہے ہیں انہیں اس کے حق ہونے کا پورا علم ہے، یاد رکھو جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خواہ نیک ہوں یا بد بڑا ہی لطف کرنے والا ہے، اس طریقہ سے کہ ان کی معصیت کی وجہ سے ان کو بھوکا نہیں مارتا، ان سب میں سے جس کو چاہتا جتنی چاہتا روزی دیتا ہے، اور وہ اپنی مراد پر بڑی طاقت اور اپنے امر پر بڑے غلبہ والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: ذٰلِكُمُ اللّٰهُ ربی (الآیة) ذٰلِكُمْ مبتداء ای ذٰلِکُمُ الحاکم العظیم الشان ، اللّٰهُ ، ذٰلِكُمْ مبتدا کی گیارہ خبریں ہیں، ① اللّٰهُ ② رَبِّی ③ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ④ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ⑤ فَاطِرُ السمٰوٰتِ والارض ⑥ جَعَلَ لکم ⑦ لیس کمثلہٖ شیئ ⑧ وھو السمیع البصیر ⑨ لهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ الخ ⑩ يَبْسُطُ الرِّزق الخ ⑪ شَرَعَ لکم الخ. (جمل)

قَوْلُهٗ: يَذْرَؤُكُمْ، ذَرْءٌ سے مضارع واحد مذکر غائب، وہ تم کو پیدا کر رہا ہے، پھیلا رہا ہے، زیادہ کر رہا ہے (ف)۔

قَوْلُهٗ: فيهِ ضمیر مجرور کا مرجع، جعل مذکور ہے، ای فی ذٰلك الخلق علی هذه الصفة یعنی اس طریقہ تخلیق (یعنی توالد و تناسل) سے وہ تمہیں ابتداء سے پیدا کرتا چلا آرہا ہے، یا فیهِ کی ضمیر کا مرجع رحم مادر ہے، یا فی بمعنی باء ہے یعنی تمہارا جوڑا بنانے کے سبب سے تمہیں پیدا کرتا، پھیلاتا ہے، کیونکہ یہ زوجیت ہی نسل کی افزائش کا سبب ہے۔

(فتح القدیر، وابن کثیر ملخصًا)

قَوْلُهٗ: يَذْرَؤُكُمْ میں كُمْ ضمیر کا مرجع انسان ہیں جانوروں کو تغلیباً کم ضمیر میں شامل کرلیا گیا ہے ورنہ تو يَذْرَؤُهَا ہونا چاہئے۔

قَوْلُہٗ: الکاف زائدۃ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: ظاہر آیت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ خدا کا مثل ہے اس لئے کہ آیت کا ترجمہ یہ ہے، اس کے مثل کا کوئی مثل نہیں ہے یعنی مثل تو ہے مگر اس مثل کا مثل نہیں ہے، حالانکہ اس کا مثل ہی نہیں ہے۔

جَوَابٌ: کمِثْلِہٖ میں کاف زائدہ محض تاکید کے لئے ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے کہ لَیْسَ مِثْلَہٗ شیئٌ۔

قَوْلُہٗ: مَقالید یہ مِقلادٌ یا مقلیدٌ یا أقلیدٌ کی جمع ہے بمعنی کنجی۔

قَوْلُہٗ: شَرَعَ لکم من الدین مَا وَصّٰی به نوحًا، شرعَ بمعنی سَنَّ ای جَعَلَ لکُمْ طریقًا واضحاً وبالفارسیة راہ روشن کرد شمارا از دین۔

قَوْلُہٗ: شَرَعَ لَکُمْ مِن الدین یہ اس اجمال کی تفصیل ہے جس کا ذکر کذٰلك یُوْحِیْ اِلَیْكَ والی الذین مِن قبلك میں اجمالاً ہے اور لکُمْ سے خطاب امت محمدیہ ﷺ کو ہے۔

قَوْلُہٗ: من التوحید۔

سُوَالٌ: مفسر علام نے ما تَدْعوھُمْ اِلَیْهِ کی تفسیر من التوحید سے کی ہے حالانکہ اس میں تمام اصول وفروع داخل ہیں۔

جَوَابٌ: توحید چونکہ عماد الدین اور اصل الاصول ہے جو کہ تمام اصول وفروع کو شامل ہے، اسی وجہ سے اس پر اکتفاء کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: یَجْتَبِیْ یہ اجتباء سے ماخوذ ہے اس کے معنی منتخب کرنے اور چننے کے ہیں، اسی مناسبت سے توفیق دینے کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

قَوْلُہٗ: بَغْیًا، تفرقوا فعل مُثبت کا مفعول لہ ہے جو کہ استثناء سے مفہوم ہے۔

قَوْلُہٗ: لفی شكٍّ منه مُریبٌ یعنی بےچین کرنے والا شک، الجھن میں ڈالنے والا شک۔

قَوْلُہٗ: رِیْبَةٌ یعنی تحیر، اضطراب۔

قَوْلُہٗ: وَالذین یُحَاجُّوْنَ مبتداء اول ہے اور حُجَّتُھم مبتداء ثانی ہے اور دَاحِضَةٌ مبتداء ثانی کی خبر ہے، مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: ای اِتیانُھا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: قریبٌ کو مذکر کیوں لایا گیا؟ حالانکہ وہ ساعة مؤنث کی صفت ہے لہٰذا قریبةٌ ہونا چاہئے۔

جَوَابٌ: کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے ای مجیئ الساعة لہٰذا قریب سے مراد مجیئٌ ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعة قریبٌ واؤ عاطفہ ہے ما استفہامیہ مبتدا محلاً مرفوع ہے اور یُدریك جملہ ہوکر اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَعَلَّ معلِّقٌ للفعل عن العمل اَو ما بعده سدَّ مَسَدّ المفعولین "تعلیق" لفظاً ابطال عمل کو کہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا حرف درمیان میں ہوتا ہے کہ جو صدارت کلام چاہتا ہے، یہاں وہ حرف لَعَلَّ ہے، یُدریكَ کا مفعول اول كَ

ہے یا فعل کا مابعد قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

تفسیر و تشریح

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ اس اختلاف سے مراد دین کا اختلاف ہے، جس طرح یہودیت، عیسائیت وغیرہ کے میں آپس میں اختلافات ہیں، ہر مذہب کا پیرو دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا دین حق ہے، ظاہر ہے کہ تمام ادیان بیک وقت حق نہیں ہو سکتے، سچا دین تو صرف ایک ہی ہو سکتا ہے، اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ دنیا میں سچا دین اور حق راستہ پہچاننے کے لئے اللہ تعالیٰ کا قرآن موجود ہے، لیکن دنیا میں لوگ قرآن مجید کو اپنا حَکَم اور ثالث ماننے کے لئے تیار نہیں، بالآخر قیامت کا دن ہی رہ جاتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ ان اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا، اور سچوں کو جنت میں اور دوسروں کو جہنم میں داخل کرے گا۔

دوسری اکثر آیات میں اطاعت کے حکم میں رسول کو اور بعض آیات میں اولوا الامر کو شامل کیا گیا ہے وہ اس کے معارض نہیں، اس لئے کہ رسول اور اولوا الامر جو فیصلہ کرتے ہیں وہ ایک حیثیت سے اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے، اگر یہ فیصلہ کتاب وسنت کی نصوص کے ذریعہ ہے تو اس کا حکم الٰہی ہونا ظاہر ہے اور اگر اپنے اجتہاد سے ہے تو چونکہ اجتہاد کا مدار بھی نصوص قرآن وسنت پر ہوتا ہے اس لئے وہ ایک حیثیت سے اللہ ہی کا حکم ہے، مجتہدین کے اجتہاد بھی اسی میں داخل ہیں، اسی لئے علماء نے فرمایا کہ عام آدمی جو قرآن وسنت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کے حق میں مفتی کا فتویٰ ہی حکم شرعی کہلاتا ہے۔

جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا یعنی اللہ کا بڑا کرم اور احسان ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے ہی تمہارے جوڑے بنائے، ورنہ اگر تمہاری بیویاں انسانوں کے بجائے کسی اور مخلوق کی ہوتیں تو تمہیں یہ سکون حاصل نہ ہوتا، جو اپنی ہم جنس اور ہم شکل بیوی سے حاصل ہوتا ہے اور یہی سلسلہ چوپایوں میں بھی رکھا ہے، اس مذکورہ طریقہ سے اس نے انسانوں اور جانوروں میں افزائش نسل کا سلسلہ جاری فرمادیا ہے، وہ اپنی ذات وصفات میں اپنی نظیر آپ ہے نہ اس کا کوئی ہمسر ہے اور نہ مثل، وہ واحد اور بے نیاز ہے۔

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ یہاں دین سے مراد وہ عقائد واحکام ہیں جو تمام آسمانی کتابوں میں موجود تھے، مثلاً اللہ پر ایمان توحید، اطاعت رسول، تمام انبیاء کا یہی دین تھا جس کی دعوت وہ اپنی اپنی امتوں کو دیتے رہے، اگر چہ ہر نبی کی شریعت وقانون میں بعض جزوی اختلافات ہوتے تھے، جیسا کہ فرمایا لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا (المائدہ) لیکن مذکورہ اصول سب کے درمیان مشترک تھے، اسی بات کی طرف نبی کریم ﷺ نے اس طرح فرمایا ہم انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں ہمارا دین ایک ہے (بخاری شریف) اور یہ ایک دین وہی توحید اور اطاعت رسول ہے ان کا تعلق ان فروعی مسائل سے نہیں ہے، جن میں دلائل باہم مختلف اور متعارض ہوتے ہیں، یا جن میں کبھی فہم کا تباین اور تفاوت ہوتا ہے کیونکہ ان میں اجتہاد یا اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے، اسی لئے یہ احکام مختلف ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں، تاہم توحید ورسالت فروعی نہیں اصولی ہیں جن پر کفر وایمان کا دارومدار ہے، سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، اصول وعقائد میں تمام انبیاء علیہم السلام ان کے ساتھ شریک ہیں مگر

چونکہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں شرک وکفر انسانوں میں نہیں تھا، کفروشرک کا معاملہ حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں شروع ہوا تھا، اس لحاظ سے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام پہلے پیغمبر ہیں جن کو اس طرح کے معاملات پیش آئے جو بعد کے انبیاء کو پیش آنے والے تھے، اسی لئے یہاں پر حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ بعَمَلِه **حَرْثَ الْاٰخِرَةِ** اى كَسْبَها وهو الثوابُ **نَزِدْ لَهٗ فِىْ حَرْثِهٖ** بالتَّضعِيفِ فيه الحَسَنَةَ الى عَشْرَةٍ واَكْثَرَ **وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا** بلاَ تَضعِيفٍ ما قُسِمَ له **وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ**⁽²⁰⁾ **اَمْ** بل **لَهُمْ** لكُفَّارِ مَكَّةَ **شُرَكٰٓؤُا** هم شَياطِينُهم **شَرَعُوْا** اى الشُّرَكاءُ **لَهُمْ** لِلكُفَّارِ **مِّنَ الدِّيْنِ** الفاسِدِ **مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ** كالشِّركِ وإنكارِ البَعْثِ **وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ** اى القَضاءُ السابِقُ بأنَّ الجَزاءَ فى يَوْمِ القيمةِ **لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ** وبَيْنَ المُؤْمِنِينَ بالتَّعذِيبِ لهم فى الدُّنيا **وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ** الكافِرِينَ **لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ**⁽²¹⁾ مُؤلِمٌ **تَرَى الظّٰلِمِيْنَ** يومَ القِيمةِ **مُشْفِقِيْنَ** خائِفِينَ **مِمَّا كَسَبُوْا** فى الدُّنيا مِنَ السَّيّاتِ اَنْ يُّجازُوا عَلَيها **وَهُوَ** اى الجَزاءُ عليها **وَاقِعٌ بِهِمْ** يومَ القِيمةِ لا مُحالةَ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِىْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ** اَنزَهِها بالنِّسبةِ الى مَن دُونَهم **لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ**⁽²²⁾ **ذٰلِكَ الَّذِىْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ** مِنَ البِشارةِ مُخَفَّفًا ومُثقَّلاً به **عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ** اى على تَبْلِيغِ الرِّسالةِ **اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى** اِستِثناءٌ مُنقَطِعٌ اى لكِنْ اَسْاَلُكم اَن تَوَدُّوا قَرابَتِى الَّتِى هى قَرابَتُكم اَيضًا فإنَّ له فى كُلِّ بَطنٍ مِن قُرَيشٍ قَرابةً **وَمَنْ يَّقْتَرِفْ** يَكْتَسِبْ **حَسَنَةً** طاعةً **نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا** بتَضعِيفِها **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لِلذُّنُوبِ **شَكُوْرٌ**⁽²³⁾ لِلقَلِيلِ فيُضاعِفُه **اَمْ** بل **يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** بنِسْبةِ القُراٰنِ الى اللهِ تعالى **فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ** يَرْبُطْ **عَلٰى قَلْبِكَ** بالصَّبرِ على اَذاهُم بهذا القَولِ وغيرِه وقد فَعَلَ **وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ** الَّذِى قالُوه **وَيُحِقُّ الْحَقَّ** يُثبِتُه **بِكَلِمٰتِهٖ** المُنزَّلةِ على نبيِّه **اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ**⁽²⁴⁾ بما فى القُلُوبِ **وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ** مِنهم **وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ** المُتابِ عنها **وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ**⁽²⁵⁾ بالياءِ والتاءِ **وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** يُجِيبُهم الى ما يَسْأَلُونَ **وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ**⁽²⁶⁾ **وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ** جَمِيعِهم **لَبَغَوْا** جَمِيعُهم اى طَغَوا **فِى الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ** بالتَّخفِيفِ وضِدِّه مِنَ الاَرزاقِ **بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ** فيَبْسُطُها لِبَعضِ عِبادِه دُونَ بَعضٍ ويَنشأُ عَنِ البَسطِ البَغْىُ **اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ**⁽²⁷⁾ **وَهُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ** المَطَرَ **مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا** يَئِسُوا مِن نُزُولِه **وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ** يَبْسُطُ مَطَرَهُ **وَهُوَ الْوَلِىُّ** المُحسِنُ لِلمُؤمِنِينَ **الْحَمِيْدُ**⁽²⁸⁾ المَحمُودُ عِندَهم **وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ** خَلْقُ **مَا بَثَّ** فَرَّقَ ونَشَرَ **فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ** هى ما يَدُبُّ على الاَرضِ مِنَ النَّاسِ وغيرِهم **وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ** لِلحَشرِ **اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ**⁽²⁹⁾ فى

الضمیر تغلیبُ العاقلِ علی غیرہ.

ترجمہ: جس کا مقصد اپنے عمل سے آخرت کی کھیتی ہو، یعنی آخرت کی کمائی ہو اور وہ ثواب ہے تو ہم اس کی کھیتی میں (یعنی) نیکیوں میں دس گنے تک (بلکہ) اور اس سے بھی زیادہ اضافہ کرکے ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو تو ہم اسے اس میں سے بلا اضافے کے بقدر نصیب عطا کریں گے، ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں بلکہ مکہ کے ان کافروں نے کچھ شرکاء تجویز کر رکھے ہیں اور وہ شیاطین ہیں کہ ان شرکاء نے ان کافروں کے لئے دین فاسد تجویز کر رکھا ہے، جس کی خدا نے اجازت نہیں دی (اور وہ دین فاسد) شرک اور انکار بعث ہے اور اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہو چکا ہوتا یعنی پہلے سے فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ بدلہ قیامت کے دن میں دیا جائے گا تو ان کے اور مومنین کے درمیان دنیا ہی میں ان کو عذاب دیکر (ابھی) فیصلہ کر دیا جاتا، اور ظالموں کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ قیامت کے دن دنیا میں برے اعمال کرنے کی وجہ سے ڈر رہے ہوں گے، یہ کہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ یعنی ان کے اعمال کا وبال قیامت کے دن ان پر لامحالہ واقع ہونے والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے وہ جنت کے باغات میں ہوں گے (وہ باغات) دوسروں کی نسبت سے زیادہ پاکیزہ ہوں گے، وہ جو خواہش کریں گے اپنے پاس موجود پائیں گے یہی ہے بڑا فضل یہی ہے وہ جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو دے رہا ہے، جنہوں نے نیک عمل کئے بشارۃ (میں) مخفف اور مثقل (دونوں قراءتیں ہیں) (آپ) کہہ دیجئے کہ میں اس تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا مگر رشتہ داری کی محبت (چاہتا ہوں) یہ مستثنیٰ منقطع ہے (یعنی) لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم میری قرابت (رشتہ داری) کا حق ادا کرو جو تمہاری بھی قرابت (رشتہ داری) ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کی قریش کے ہر خاندان میں قرابت تھی اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لئے اس نیکی میں اضافہ کرکے اور نیکی بڑھا دیں گے بے شک اللہ تعالیٰ گناہوں کے بہت بخشنے والے اور قلیل (نیکیوں) کے (بھی) بہت قدردان ہیں کہ اس کو بڑھا دیتے ہیں بلکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ (پیغمبر نے) اللہ پر قرآن کی اللہ کی طرف نسبت کرکے جھوٹا بہتان باندھا ہے پس اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلب کو ان کی ایذاء رسانی پر صبر کے ساتھ اس قول وغیرہ کے ذریعہ مضبوط کر دے اور (اللہ) نے (ایسا) کر دیا، اور اللہ تعالیٰ ان کی باطل باتوں کو مٹاتا ہے اور اپنے نبی پر نازل کردہ اپنی بات کے ذریعہ حق ثابت کرتا ہے، بلاشبہ وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرماتا ہے اور ان برائیوں کو جن سے توبہ کر لی ہے معاف فرماتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو (سب) جانتا ہے (تفعلون) یاء اور تاء کے ساتھ ایمان والوں کی اور نیکوکاروں کی سنتا ہے جو وہ سوال کرتے ہیں اور اپنے فضل سے انہیں اور بڑھا کر دیتا ہے اور کافروں کے لئے شدید عذاب ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ سب زمین میں فساد برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے رزق نازل کرتا ہے (ینزّل) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے لہٰذا وہ اپنے بعض بندوں کے لئے روزی کشادہ کر دیتا

ہے نہ کہ بعض کے لئے، اور فراخی (رزق) سے سرکشی پیدا ہوتی ہے وہ اپنے بندوں سے پورا باخبر اور خوب دیکھنے والا ہے، اور وہ ایسی ذات ہے کہ لوگوں کے بارش سے ناامید ہوجانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے (یعنی) اپنی بارش کو پھیلا دیتا ہے، اور وہ مومنین کے لئے محسن (کارساز) ہے اور بندوں کے نزدیک قابل حمد ہے اور اس کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے زمین وآسمانوں کو پیدا کرنا ہے اور ان جانوروں کا پیدا کرنا ہے جو زمین وآسمانوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور دابہ اس کو کہتے ہیں جو زمین پر چلتا ہو (مثلاً) انسان وغیرہ اور وہ جب چاہے ان کو حشر کے لئے جمع کرنے پر قادر ہے (جمعهم) کی ضمیر میں ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دیا گیا ہے، اگر غیر ذوی العقول کا غلبہ ہوتا تو علی جَمْعِها کہا جاتا۔

تَحقِیق وَترکیب وَتسہِیل وَتفسِیری فَوائِد

قَوْلُہٗ: مَنْ کانَ یُرِیدُ بعمله حَرْثَ الْاٰخِرَۃِ یہ کلام مستانف ہے دنیا وآخرت کے لئے عمل کرنے والوں کے عمل میں فرق کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، یعنی جو شخص خالص آخرت کے لئے عمل کرے گا تو اس کے عمل میں اضعافا مضاعفۃ اضافہ کردیا جائے گا، اور جس کا عمل محض دنیا کے لئے ہوگا تو اس کو بھی دنیا سے کچھ حصہ جو اس کے نصیب میں ہے دیدیا جائے گا، مگر ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

قَوْلُہٗ: مَنْ اسم شرط محلاً مرفوع مبتداء ہے، اور نَزِدْ لَهٗ جواب شرط ہے۔

قَوْلُہٗ: هـو الثـواب آخرت کے لئے عمل کو حرث (کھیتی) کے ساتھ تشبیہ دی ہے، عمل مشبہ اور حرث مشبہ بہ ہے پھر مشبہ کو حذف کردیا اور مشبہ بہ کو باقی رکھا، یہ استعارہ تصریحیہ ہے، حرث کے اصل معنی اِلقاءُ البذر فی الارض ہیں، مجازاً پیداوار کو بھی حرث کہہ دیتے ہیں، استعارہ کے طور پر ثواب یعنی نتیجہ اعمال پر بھی اطلاق کردیا جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: الحسنة یہ تضعیف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: اَمْ لهـم شـر كاء مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اَمْ کو بَلْ کے معنی میں لیا ہے جو کہ شـرع لـكـم مـن الـدين الخ سے انتقال کے لئے ہے اور دیگر مفسرین نے بَـلْ اور ہمزہ کے ساتھ مقدر مانا ہے، جو کہ توبیخ کے لئے ہے اور قرطبی نے اَمْ لَهُـمْ شر كاء کو معنی میں اَلَهُمْ شر كاء کے لیا ہے، اَمْ میں میم صلہ ہے، اور ہمزہ تقریع کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: شـرعـوا کی اسناد شیاطین کی جانب اسناد مجازی ہے، شیاطین چونکہ کفار کی گمراہی کا سبب ہیں، لہٰذا یہ مسبب کی اسناد سبب کی جانب ہے۔

قَوْلُہٗ: ان یُجَازوا اس میں اشارہ ہے کہ کلام میں مضاف محذوف ہے ای یخافون من جزاء ما کسبوا۔

قَوْلُہٗ: یبشر اللّٰه من البشارة مخففاً ومثقلاً مادہ بشارۃ ہے، مخفف ہونے کی صورت میں اِبشار (باب افعال) سے۔ اور مشدد ہونے کی صورت میں (باب تفعیل) سے ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْمَوَدَّۃُ مصدر منصوب (س) دوستی، محبت، دوست رکھنا۔

قَوْلُہٗ: اَلْقُرْبٰی، زُلفٰی اور بشرٰی کے وزن پر اسم مصدر رشتہ داری قرابت (ن) مصدر قرابۃً.

قَوْلُہٗ: اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی اس میں دو قول ہیں ① استثناء منقطع ہو اس لئے کہ مستثنیٰ منہ اجرًا ہے اور اَلْمَوَدَّۃ مستثناء ہے، اور مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے ای لا اسئلکم اجرًا قط ② مستثنیٰ متصل ہو، ای لا أسئلکم علیہ اجرًا اِلَّا ھٰذا، وھو اَن تودُّوا اھلَ قرابتی الذین ھم قرابتکم اور۔ فِی الْقُرْبٰی جار مجرور محذوف سے متعلق ہو کر حال ہے ای ثابتۃً فی القربٰی.

قَوْلُہٗ: یَقْتَرِفْ اصلہ القَرْفُ، ای الکَسْبُ کہا جاتا ہے فلان یَقْرِفُ لِعِیَالِہٖ کسبًا (باب ضرب) اس آیت کے مصداق کی تعیین میں شدید اختلاف ہے، ان میں زیادہ بہتر وہ ہے کہ جس کو مجاہد اور قتادہ نے ذکر کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے أنّکم قومی وَاَحَقُّ مَنْ اجابَنِی وَاَطَاعَنِی فاِذْ قَدْ اَبَیْتُمْ ذٰلک فاحفظوا حقّ القربٰی وصِلُوا رحمی ولا تؤذونی یعنی تم میری قوم ہو اور جن لوگوں نے میری دعوت پر لبیک کہا ہے اور میری اطاعت قبول کی ہے ان سے تم زیادہ حقدار ہو، اب جبکہ تم نے اس کا انکار کر دیا تو (کم از کم) میری قرابت کا خیال رکھو اور میرے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرو اور مجھے اذیت نہ پہنچاؤ۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: یُجِیْبُھُمْ مفسر علام نے یَسْتَجِیْبُ کی تفسیر یجیبُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ سین تاکید کے لئے زائدہ ہے، جیسے استعظَمَ بمعنی تعظّمَ.

تَفسِیر وَتشریح

مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَۃِ نَزِدْ لَہٗ فِی حَرْثِہٖ ''حرث'' کے معنی تخم ریزی کے ہیں، یہاں بطریق استعارہ اعمال کے ثمرات و فوائد مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اپنے اعمال اور محنت کے ذریعہ آخرت کے اجر و ثواب کا طالب ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی کھیتی میں اضافہ فرمائے گا، ایک ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لیکر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تک عطا فرمائے گا۔

فَائِدَہ: سوال یہ ہے کہ حرث دنیا کیا ہے؟ اگر یہی مال و عیال دنیا ہے تو نہ اس سے چارہ اور نہ بچاؤ، اور نہ بچنے کا حکم، مگر ایسا نہیں ہے، شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

چیست دنیا از خدا غافل شدن نے قماش ونقرہ وفرزند وزن

معلوم ہوا، ایسا قول و فعل اور آرزو و تمنا کہ جس میں کسی درجہ میں بھی خیر اور رضائے الٰہی ملحوظ نہ ہو حرث دنیا ہے اگرچہ ہجرت وجہاد و نماز جیسا مبارک عمل ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا، جس کی ہجرت کسی عورت سے نکاح یا دوسرے کسی

کام کے لئے ہو وہ ہجرت اسی کے لئے ہے، اس کے برخلاف آپ نے یہ فرمایا کہ زن و فرزند کا نفقہ اور وظیفہ زوجیت میں اجر و ثواب ہے، اگر عمل صالح خلوص نیت کے ساتھ ہو تو بلا شک و شبہ بہت بڑا عمل ہے۔ اسلام میں کوئی عمل ایسا نہیں کہ جس میں رضاء الٰہی بالقصد یا بالتبع نہ پائی جائے حتی کہ جو خواب تہجد یا فجر کی نماز کے لئے بیداری کی نیت سے ہو اور جو غذا ادائے فرائض واحکام پر قوت حاصل کرنے کے لئے ہو اور جو لباس ستر پوشی یا اداء شکر کے لئے حتی کہ بیوی کے منہ میں لقمہ محبت اور نیک نیتی سے رکھے اس میں بھی اجر و ثواب ہے، اور مذکورہ تمام اعمال دنیا نہیں بلکہ دین ہیں، ان چیزوں پر وعید صرف اسی صورت میں ہے کہ جس سے سوائے دنیا اور آخرت سے غفلت کے کچھ مقصود نہ ہو۔ (خلاصة التفاسير ملخصًا وترميمًا)

وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حرثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ منها وَمَا لَهُ فِي الْاٰخرةِ مِنْ نصيب یعنی طالب دنیا لو دنیا تو ملتی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ملتی ہے جتنی اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور تقدیر کے مطابق ہوتی ہے، شرک و معاصی جس میں یہ مبتلا ہو گئے ہیں، اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا ہے، خود ان کے بنائے ہوئے شریکوں نے انسانوں کو شرک و معصیت کی راہ پر لگا دیا ہے۔

مشرکین قیامت کے روز اپنے اعمال کے عذاب اور ان کی پاداش سے خوف زدہ اور پریشان ہوں گے، حالانکہ ڈرنا بے سود اور بے فائدہ ہوگا، کیونکہ اپنے کئے کی سزا تو بہر حال بھگتنی ہوگی۔

قُلْ لا أسئلُكم عَلَيْهِ اجرًا الا المَودَّةَ فى القُربىٰ (الآية) قبائل قریش اور نبی ﷺ کے درمیان رشتہ داری کا تعلق تھا، آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ میں وعظ و نصیحت اور دعوت و تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ داری کا تعلق ہے اس کا لحاظ کرو، تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو، تمہاری مرضی، لیکن مجھے نقصان اور اذیت پہنچانے سے باز رہو، تم میرے دست و بازو نہیں بن سکتے تو نہ بنو، مگر میرے راستہ کا روڑا تو نہ بنو، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اس آیت کے معنی یہ کئے ہیں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت (رشتہ داری) ہے اس کو قائم رکھو۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ شوریٰ) اِلَّا المودَّة في القربىٰ اى الا مودتكم اِيَّاىَ لقرابتي منكم یعنی میں تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر قرابت کے سبب سے میری محبت، فی بمعنی سبب ہے، جیسا کہ انَّ امرأة دخلت النار فى هرة ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوگئی۔ (روح المعانی)

آپ ﷺ کی آل کی محبت وتوقیر جزء ایمان ہے:

نبی کریم ﷺ کی آل یقیناً حسب و نسب کے اعتبار سے دنیا کی اشرف ترین آل ہے، اس سے محبت اس کی تعظیم و توقیر جزء ایمان ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی ان کی تعظیم و تکریم کی تاکید فرمائی ہے، لیکن اس کا کوئی تعلق اس موضوع سے نہیں ہے، جیسا کہ شیعہ حضرات کھینچا تانی کر کے اس آیت کو آل محمد ﷺ کی محبت کے ساتھ جوڑتے ہیں، اور پھر آل کو بھی انہوں نے

محدود کر دیا ہے، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وحضرت فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور حسنین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا تک، نیز محبت کا مفہوم بھی ان کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو معصوم اور الٰہی اختیارات سے متصف مانا جائے، علاوہ ازیں کفار مکہ سے اپنے گھرانے کی محبت کا سوال بطور اجرتِ تبلیغ نہایت عجیب بات ہے نیز یہ طلب اجرت آپ ﷺ کی شان سے نہایت فروتر بات ہے اس لئے کہ ایسے امر پر طلب اجرت کہ جو واجب ہو علماء اور عوام سے بھی بعید ہے تو سید الخواص وختم الرسل سے کیونکر جائز ہوگا۔

پھر یہ آیت اور سورت مکی ہے جبکہ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے درمیان ابھی عقد نکاح بھی نہیں ہوا تھا، یعنی ابھی وہ گھرانہ معرض وجود ہی میں نہیں آیا تھا، جس کی خود ساختہ محبت کا اثبات اسی آیت سے کیا جاتا ہے، اور حضرت حسن وحسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا تو دنیا میں بھی اس وقت وجود نہیں ہوا تھا اس لئے کہ حضرت فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا نکاح ۲ھ میں ہوا تھا، اس کے بعد ۳، ۴ھ میں ان حضرات کی ولادت ہوئی ہے، تو پھر ان حضرات کو مذکورہ آیت کا مصداق قرار دینا کہاں تک صحیح ہے؟

آیۃ مودۃ سے اہل تشیع کا خلافت بلا فصل پر غلط استدلال:

قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے کچھ نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کے محبت کے، شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور حسنین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے محبت رکھنا اجر رسالت ہے جو کہ امت پر واجب ہے، اس لئے بقول اہل تشیع اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک کے واسطے سے اعلان فرما دیا، کہ اے محمد آپ اعلان فرما دیجئے کہ میں تعلیم وتبلیغ پر تم سے کوئی اجر وصلہ نہیں چاہتا بجز اس کے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو، اور قرابت دار وہی مذکورہ ''چار اشخاص'' ہیں لہٰذا قرآن کی رو سے ان حضرات کی محبت واجب ہے اور جن کی محبت واجب ہوتی ہے وہی واجب الاطاعت ہوتے ہیں اور امامت عامہ کا یہی مفہوم ہے، لہٰذا حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا خلیفہ بلا فصل ہونا ثابت ہوگیا، اپنے اس دعوے کی تائید میں ابن مطہر حلی نے مسند احمد کی طرف نسبت کر کے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے ایک روایت نقل کی ہے۔

عن ابن عباس قال لَمّا نزلت هٰذه الاٰیة قالوا یا رسول اللّٰه من قَرابَتُكَ اَلّتی وَجَبَت عَلَیْنَا مَوَدَّتُهُمْ؟ قال علی، وفاطمة، وابناهما اس روایت کو ابن مطہر نے ثعلبی کے واسطے سے مسند احمد اور صحیحین کی طرف منسوب کیا ہے اس روایت سے ابن مطہر حلی نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مذکورہ چہار تن کی محبت واجب ہے ان کے علاوہ اور کسی کی محبت واجب نہیں، لہٰذا علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سب سے افضل ہیں، اور جو سب سے افضل ہو وہی امامت عامہ کا مستحق ہے، لہٰذا علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہی امامت بلا فصل کے مستحق ہیں۔

جواب: شیعہ حضرات نے اس آیت کی بنیاد پر بہت سے خام قلعے تعمیر کئے ہیں اور آیت کو اپنے مفید مقصد بنانے کی کوشش کی ہے، ابن مطہر نے بھی مذکورہ آیت کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیا ہے، اور تائید میں مسند احمد کی ابن عباس سے ایک

روایت صحیحین کی طرف منسوب کرکے پیش کی ہے، ابن مطہر حلی نے مذکورہ روایت کو مسند احمد اور صحیحین کی نسبت کرکے علمی بددیانتی اور آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے، علامہ ابن تیمیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی منہاج السنۃ: ص ۲۵، ج ۴، پر تحریر فرماتے ہیں کہ ابن مطہر کا مذکورہ حدیث کی مسند امام احمد کی طرف نسبت کرنا فریب اور بہتان ہے، اسی طرح صحیحین کی طرف نسبت بھی مغالطہ اور سفید جھوٹ ہے، بلکہ صحیحین اور مسند میں تو اس کی ضد موجود ہے، بلکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ امام احمد نے خلفاء اربعہ کی فضیلت میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں رطب و یابس ہر قسم کی روایات نقل کی ہیں، اس کے بعد امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ نے اس میں کچھ احادیث کا اضافہ کیا ہے، اور ابو بکر قطیعی نے بھی اس میں بہت واہی اور موضوع روایات کا اضافہ کیا ہے، ابن مطہر حلی نے ناواقفیت کی بناء پر ان روایات کو بھی مسند احمد کی طرف منسوب کردیا، مذکورہ روایت علماء حدیث کے نزدیک بالکل موضوع اور ناقابل اعتبار ہے، اس کی داخلی شہادت یہ ہے کہ مذکورہ آیت سورۂ شوریٰ کی ہے، اور سورۂ شوریٰ مکی ہے، اور حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا نکاح غزوۂ بدر کے بعد یعنی ۲ھ میں ہوا ہے، اس کے ایک سال بعد ۳ھ میں حضرت حسن رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ولادت ہوئی اور اس کے ایک سال بعد ۴ھ میں حضرت حسین رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ولادت ہوئی تھی، اور آیت کی تفسیر میں حلی صاحب فرما رہے ہیں کہ جب آپ سے مودّت قربیٰ کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فاطمہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور حسنین کی محبت مراد ہے، مطلب اس کا یہ ہوا کہ حسنین ابھی پیدا نہیں ہوئے حتی کہ حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت فاطمہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا ابھی رشتہ ازدواج میں منسلک بھی نہیں ہوئے، اور آیت کی تفسیر میں حسنین کی محبت کا ذکر فرمادیا، حدیث کے موضوع ہونے کے لئے یہی داخلی شہادت کافی ہے۔

روایت کے موضوع ہونے پر دوسری شہادت:

مذکورہ آیت کی تفسیر میں صحیحین میں حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ہی سے روایت مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے کسی نے آیت مؤدت کا مطلب دریافت کیا، حضرت سعید بن جبیر موجود تھے، بول پڑے کہ آنحضرت ﷺ کے قرابتداروں سے محبت مراد ہے، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا، اے سعید تم نے بولنے میں جلدی کی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قریش کا کوئی ضمنی قبیلہ ایسا نہیں تھا کہ جس سے آنحضرت ﷺ کی قرابت کا رشتہ نہ ہو، تو آپ نے فرمایا کہ میں تم سے تعلیم و تبلیغ پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، لیکن اتنا چاہتا ہوں کہ آپس کی قرابتداری کا لحاظ رکھو اور مجھے ایذاء نہ پہنچاؤ۔

آیت مودۃ کا صحیح مطلب:

جمہور سے آیت کی جو تفسیر منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم اس کا اعتراف کرو اور اپنی صلاح و فلاح کے لئے میری اطاعت کرو، اگر تم میری رسالت و نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تو نہ سہی مگر تم پر میرا ایک انسانی اور خاندانی حق بھی ہے جس کا تم انکار نہیں کرسکتے کہ تمہارے اکثر خاندانوں اور قبائل میں میری قرابتداری ہے، تو میں تمہاری اس

خدمت کا جو میں تمہاری تعلیم وتبلیغ اور اصلاح اعمال واحوال کے لئے کرتا ہوں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، صرف اتنا چاہتا ہوں کہ رشتہ داری کے حقوق کا خیال کرو، بات کا ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے، مگر کم از کم عداوت ودشمنی سے تو یہ نسبت اور قرابت کا تعلق مانع ہونا چاہئے۔

دعوائے رسالت پر کفار کا اعتراض:

جب آنحضرت ﷺ نے دعوائے نبوت پیش کیا، اور دعوت وتبلیغ کا کام شروع کیا تو کفار نے کہنا شروع کردیا کہ یہ اپنی خاندانی سیادت وقیادت قائم کرنے کے لئے ایک ڈھونگ ہے، محمد ﷺ اس طریقہ سے پورے عرب پر اپنی خاندانی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں، اگر بقول شیعہ حضرات آیت مودت کی اس تفسیر کو درست مان لیا جائے کہ اجر رسالت کے طور پر آپ ﷺ کے اہل بیت کی محبت واجب ہے اور محبت کا مطلب ہے ان کی قیادت وخلافت کا تسلیم کرنا تو پھر مشرکین مکہ کی اس بات کا درست ہونا لازم آتا ہے جو وہ کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کا مقصد دعوائے نبوت سے خاندانی قیادت وسیادت قائم کرنا ہے۔

اور اگر بالفرض مودت سے قرابتداروں کی محبت اس طرح کی محبت اجر رسالت کے طور پر مراد لی جائے جیسی کہ شیعہ حضرات مراد لیتے ہیں، تو آیت مودت دیگر بہت سی آیتوں کے منافی ٹھہرے گی، مثلاً فرمایا گیا (۱) مَا اَسْئَلُکُمْ مِنْ اجرٍ فهو لکم اِن اَجری اِلّا علی اللّٰه میں جو کچھ تم سے معاوضہ طلب کروں وہ تم ہی کو مبارک ہو، میری اجرت تو اللہ پر ہے (۲) اَمْ تَسْئَلُهم اجرًا فهم مِن مغرمٍ مثقلون کیا آپ ان سے مزدوری طلب کرتے ہیں کہ جس کے تاوان سے وہ دبے جاتے ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں، جن میں آنحضرت ﷺ کو معاوضہ طلب کرنے سے منع کیا گیا ہے اور آپ سے اس کا اعلان بھی کرادیا گیا، فرمایا گیا: قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ علیه اجرًا اِن هو الّا ذکریٰ للعالمین اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس کی کچھ اجرت نہیں چاہتا یہ تو سارے جہان کے لئے نصیحت ہے، اِدھر تو آپ تبلیغ رسالت پر کوئی معاوضہ نہ لینے کا اعلان فرمارہے ہیں، جیسا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام نے بھی اعلان فرمایا اور اُدھر بقول شیعہ حضرات آیت مودت میں معاوضہ لینے کا مطالبہ فرمارہے ہیں اس میں کھلا تضاد ہے، حالانکہ اتباع انبیاء کی ایک بڑی وجہ، قرآن اس بات کو قرار دے رہا ہے کہ وہ مخلوق سے اجرت طلب نہیں کرتے، اِتّبِعُوا من لا یَسْئلکم اجرًا وهم مهتدون. (سورۂ یٰس)

اہل تشیع کے اختیار کردہ معنی عربیت کے لحاظ سے بھی غلط ہیں:

آیت میں اِلا المودة فی القربیٰ فرمایا گیا ہے اِلا المودة للقربیٰ نہیں فرمایا گیا یا لذوی القربیٰ نہیں فرمایا گیا، اگر شیعہ حضرات کے اختیار کردہ معنی مراد ہوتے تو آیت کو اس طرح ہونا چاہئے تھا قل لا اَسْئلکُمْ علیه اجرًا اِلا المودة لذوی القربیٰ جیسا کہ سورۂ انفال میں کہا گیا ہے واعلموا أنما غنمتم من شیئٍ فانّ للّٰه خمسه

وللرسول ولذی القربٰی اور سورۂ روم میں فرمایا گیا ہے فأتِ ذَا القربٰی حقّهٗ اور سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے و آتی المالَ علٰی حبه ذوی القربٰی.

اہل بیت رسول ﷺ کی تعظیم ومحبت:

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ومحبت کا تمام دنیا سے زائد ہونا جزء ایمان بلکہ مدار ایمان ہے اور اس کے لئے لازم ہے کہ جس کو جس قدر نسبت قریبہ آنحضرت ﷺ سے ہے اس کی تعظیم ومحبت بھی اسی پیمانہ پر درجہ بدرجہ واجب اور لازم ہے، مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ازواج مطہرات اور دیگر صحابہ کرام کہ جن کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ متعدد قسم کی قرابتی نسبتیں حاصل ہیں ان کو فراموش کر دیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ نے اپنی خدمت کے صلہ میں قوم اور امت سے اپنی اولاد کی محبت وعظمت کے لئے شیعہ حضرات کے طریقہ پر کوئی درخواست نہیں کی، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اپنی جگہ آل رسول کی محبت وعظمت کوئی اہمیت نہیں رکھتی، ایسا خیال کوئی بد بخت گمراہ ہی کر سکتا ہے، خلاصہ یہ کہ اہل بیت وآل رسول کی محبت کا مسئلہ امت میں کبھی زیر اختلاف نہیں رہا، بالاجماع درجہ بدرجہ ان کی عظمت واجب اور لازم ہے، اختلافات وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں دوسروں کی عظمتوں پر حملہ کیا جاتا ہے۔

اَمْ یقولون افتریٰ علی اللّٰه (الآیة) مطلب یہ ہے کہ اگر اس الزام افتراء میں کوئی صداقت ہوتی تو ہم آپ کے دل پر مہر لگا دیتے جس سے وہ قرآن ہی محو ہو جاتا جس کے گھڑنے کا انتساب آپ کی طرف کیا جاتا ہے، مطلب یہ کہ ہم آپ کو سخت ترین سزا دیتے۔

وهو الذی یقبل التوبة عن عبادهٖ (الآیة) توبہ کا مطلب ہے، معصیت پر ندامت کا اظہار اور آئندہ اس کو نہ کرنے کا عزم، محض زبان سے توبہ توبہ کر لینا اور اس کا گناہ اور معصیت کے کام کو نہ چھوڑنا، اور توبہ کا اظہار کئے جانا توبہ نہیں ہے، یہ تو استہزاء اور مذاق ہے، تاہم خالص اور سچی توبہ کو اللہ تعالیٰ یقیناً قبول فرماتا ہے۔

وَیَسْتَجِیْبُ الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰتِ (الآیة) اللہ تعالیٰ دعائیں سنتا ہے اور لوگوں کی آرزؤں اور تمناؤں کو پورا فرماتا ہے بشرطیکہ دعاء کے آداب وشرائط کا بھی پورا اہتمام کیا جائے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعاء سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری مع کھانے پینے کے سامان کے صحراء بیابان میں گم ہو جائے اور وہ نا امید ہو کر کسی درخت کے نیچے لیٹ کر موت کا انتظار کرنے لگے، پھر اچانک اس کی سواری مع ساز وسامان کے اس کے پاس آ جائے، اور فرط مسرت میں اس کے منہ سے نکل جائے، اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب یعنی شدت فرط مسرت میں وہ غلطی کر جائے۔ (صحیح مسلم کتاب التوبه)

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرزق لِعِبَادِهٖ (الآیة) یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر شخص کو حاجت اور ضرورت سے زیادہ یکساں طور پر وسائل

رزق عطا فرما دیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کوئی کسی کی ماتحتی قبول نہ کرتا، ہر شخص شر وفساد اور بغی وعدوان میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتا، جس سے پوری زمین میں فساد برپا ہو جاتا۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ خطابٌ للمؤمنين **مِّنْ مُّصِيْبَةٍ** بليّةٍ وشدّةٍ **فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ** اى كسبتم من الذنوب وعبّر بالايدى لانّ اكثر الافعال تزاوَلُ بها **وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ** ﴿٣٠﴾ منها فلا يُجازى عليه وهو تعالى اكرم من ان يُثنّى الجزاء فى الاخرة واما غير المذنبين فما يُصيبهم فى الدنيا لرفع درجاتهم فى الاخرة **وَمَآ اَنْتُمْ** يا مشركين **بِمُعْجِزِيْنَ** الله هربًا **فِى الْاَرْضِ** فتفوتونه **وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غيره **مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ** ﴿٣١﴾ يدفع عذابه عنكم **وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ** السفن **فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ** ﴿٣٢﴾ كالجبال فى العظم **اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ** يصرن **رَوَاكِدَ** ثوابت لا تجرى **عَلٰى ظَهْرِهٖ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ** ﴿٣٣﴾ هو المؤمن يصبر فى الشدة ويشكر فى الرخاء **اَوْ يُوْبِقْهُنَّ** عطف على يسكن اى يُغرقهن بعصف الريح باهلهن **بِمَا كَسَبُوْا** اى اهلهن من الذنوب **وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ** ﴿٣٤﴾ منها فلا يُغرق اهله **وَيَعْلَمَ** بالرفع مستانفٌ وبالنصب معطوفٌ على تعليلٍ مقدّرٍ اى يُغرقهم لينتقم منهم ويعلم **الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْ اٰيٰتِنَا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ** ﴿٣٥﴾ مهرب من العذاب وجملة النفى سدّت مسدّ مفعولَىْ يعلم او النفى معلّقٌ عن العمل **فَمَآ اُوْتِيْتُمْ** خطابٌ للمؤمنين وغيرهم **مِّنْ شَيْءٍ** من اثاث الدنيا **فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** يُتمتّع به فيها ثم يزول **وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ** من الثواب **خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ** ﴿٣٦﴾ ويعطف عليه **وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ** موجبات الحدود من عطف البعض على الكل **وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ** ﴿٣٧﴾ يتجاوزون **وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ** اجابوه الى ما دعاهم اليه من التوحيد والعبادة **وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ** اداموها **وَاَمْرُهُمْ** الذى يبدو لهم **شُوْرٰى بَيْنَهُمْ** يتشاورون فيه ولا يعجلون **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ** اعطيناهم **يُنْفِقُوْنَ** ﴿٣٨﴾ فى طاعة الله ومن ذكر صنفٌ **وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ** الظلم **هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ** ﴿٣٩﴾ صنفٌ اى ينتقمون ممن ظلمهم بمثل ظلمه كما قال تعالى **وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا** سُمّيت الثانية سيّئةً لمشابهتها للاولى فى الصورة وهذا ظاهرٌ فيما يُقتصّ فيه من الجراحات قال بعضهم واذا قال له اخزاك الله فيُجيبه اخزاك الله **فَمَنْ عَفَا** عن ظالمه **وَاَصْلَحَ** الودّ بينه وبينه بالعفو عنه **فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ** اى ان الله يأجره لا محالة **اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿٤٠﴾ اى البادين بالظلم فيرتّب عليهم عقابه **وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ** اى ظلم الظالم اياه **فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ** ﴿٤١﴾ مؤاخذة **اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ** يعملون **فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ** بالمعاصى **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿٤٢﴾ مؤلم **وَلَمَنْ صَبَرَ** فلم ينتصر **وَغَفَرَ** تجاوز

اِنَّ ذٰلِكَ الصبرَ والتجاوزَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿٤٣﴾ ای مَعْزُوْمَاتِهَا بمعنی المطلوبات شرعًا.

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں مصیبت بلا اور شدت پہنچتی ہے خطاب مومنین کو ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہے یعنی کردہ گناہوں کی وجہ سے ہے (گناہوں) کو ہاتھوں کے کرتوت سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ اکثر اعمال کے وجود میں ہاتھوں کی کوشش شامل ہوتی ہے، اور بہت سے گناہوں کو تو وہ معاف کر دیتا ہے کہ اس کی سزا نہیں دیتا، اللہ تعالیٰ بڑا کرم کرنے والا ہے، اس سے کہ آخرت میں کسی جرم کی سزا دوبارہ دے، رہے بے قصور، تو ان کو دنیا میں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ آخرت میں ان کے درجات کو بلند کرنے کے لئے ہے اور اے مشرکو! تم بھاگ کر اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے کہ اس سے بچ کر نکل جاؤ اور تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار کہ اس کے عذاب کو تم سے دفع کر سکے اور اس کی (قدرت) کی نشانیاں سمندروں میں پہاڑوں کے مانند عظیم کشتیاں ہیں اگر وہ چاہے تو ہوا بند کر دے کہ (یہ کشتیاں) سطح سمندر پر کھڑی (کی کھڑی) رہ جائیں یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گذار کے لئے نشانیاں ہیں وہ مومن ہے جو تکلیف میں صبر کرتا ہے اور خوشحالی میں شکر کرتا ہے یا ان کشتی والوں کو ان کے اعمال بد کے باعث ہلاک کر دے، اس کا عطف یسکن پر ہے، یعنی ان کشتیوں کو مع ان کی سواریوں کے تیز ہوا (آندھی) کے ذریعہ غرق کر دے اور وہ تو بہت سی خطاؤں کو درگذر فرما دیا کرتا ہے، جس کی وجہ سے کشتی سواروں کو غرق نہیں کرتا اور تاکہ سمجھ لیں وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں کہ ان کے لئے عذاب سے بچ کر بھاگ نکلنے کی کوئی جگہ نہیں ہے، اور جملہ منفیہ یَعْلَمُ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے، یا نفی عمل سے روکنے والی ہے اور جو کچھ تم کو دنیوی اثاثہ دیا گیا ہے تو وہ دنیوی برت کے لئے ہے اس سے دنیا ہی میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے پھر وہ فنا ہو جائے گا، اور جو اجر اللہ کے پاس ہے وہ بدرجہا بہتر اور پائدار ہے وہ ان کے لئے ہے جو ایمان لائے اور صرف اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور والذین کا عطف للذین آمنوا پر ہے، اور وہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں، یعنی موجبات حدود سے پرہیز کرتے ہیں یہ عطف بعض علی الکل کے قبیل سے ہے، اور غصے کے وقت (بھی) معاف کر دیتے ہیں، درگذر (کر دیتے ہیں) اور اپنے رب کے توحید اور عبادت کے فرمان کو قبول کرتے ہیں (یعنی توحید و عبادت کی دعوت کو جس کی طرف ان کو بلایا جاتا ہے قبول کرتے ہیں) اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور درپیش آنے والا ان کا ہر کام آپسی مشورہ سے ہوتا ہے اور وہ عجلت نہیں کرتے اور جو (مال) ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے اللہ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں یہ جو مذکور ہوئے (مومنین کی) ایک صنف ہے اور جب ان پر ظلم ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں یہ (دوسری) صنف ہے یعنی ان لوگوں سے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہے اس کے ظلم کے برابر انتقام لے لیتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **جزاء سَیِّئَة سیئة مثلها** اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے ثانی (یعنی انتقام) کا نام سیئۃ صورۃً اولیٰ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے، اور یہ (مشابہت صوری) ان زخموں میں ظاہر ہے جن کا قصاص (بدلہ) لیا جاتا ہے اور بعض حضرات نے (بطور مثال) کہا ہے اگر کسی

نے کہا اللہ تجھے ذلیل کرے تو اس کا جواب دیتا ہے اللہ تجھے ذلیل کرے اور جو اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کردے اور اپنے اور ظالم کے درمیان (محبت) تعلقات کی اصلاح کرلے تو اس کا اجر اللہ پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کو یقیناً اجر عطا فرمائے گا، اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا یعنی ظلم کی ابتداء کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، ان پر اس (اللہ) کا عذاب واقع ہوگا اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد یعنی ظالم کے اس پر ظلم کرنے کے بعد (برابر) کا بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر مواخذہ کی کوئی صورت نہیں یہ مواخذہ کی صورت صرف ان لوگوں پر ہے جو (خود) دوسروں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق معاصی کے ذریعہ فساد کرتے پھریں یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے اور جس شخص نے صبر کرلیا کہ بدلہ نہ لیا، اور معاف کردیا، یقیناً یہ صبر اور درگذر کرنا بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے اور ''معزومات'' مطلوب شرعی کے معنی میں ہے (یعنی افضل ہے)۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: خطابٌ للمؤمنین اس عبارت کا مقصد مَا اَصَابَکُمْ کے خطاب سے کافروں کو خارج کرنا ہے اس لئے کہ کفار کو دنیا میں جو مصائب پیش آتے ہیں وہ تعجیل بعض عذاب کے طور پر ہوتے ہیں، پورا عذاب آخرت میں ہوگا، اور مومنین کو دنیا میں جو مصائب پیش آتے ہیں یا تو گناہوں کے کفارہ کے طور پر پیش آتے ہیں یا پھر رفع درجات کے لئے۔

قَوْلُہٗ: وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ میں مِن مصیبۃٍ ما کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ اگر ما اصابکم میں ما کو شرطیہ مانا جائے تو فَبِمَا کَسَبَتْ جواب شرط ہوگا، اور اگر مَا کو موصولہ قرار دیا جائے تو مبتداء متضمن بمعنی شرط ہوگا اور فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیکم مبتداء کی خبر ہوگی، اور چونکہ مبتداء متضمن شرط ہے اس لئے اس کی خبر پر فاء داخل ہوگی، ایک قراءت میں بِمَا کَسَبَتْ ایدیکم بغیر فاء کے ہے اس صورت میں مبتداء خبر کی ترکیب اولیٰ ہے، اس صورت میں شرط و جزاء قرار دینا اور فاء کو محذوف ماننا شاذ ہے۔

قَوْلُہٗ: ای کسبتُم من الذنوب، فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکم کی تفسیر، کَسَبْتُمْ سے کرکے اشارہ کردیا کہ فعل کی، کاسب ذات ہوتی ہے، مگر چونکہ فعل کے کسب میں زیادہ حصہ اور دخل ہاتھوں کا ہوتا ہے اس لئے فعل کی نسبت مجازاً ہاتھوں (ایدی) کی طرف کردی جاتی ہے۔ (صاوی)

''ذنوب'' کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جسکی سزا دنیا ہی میں تکلیف و مصیبت کے ذریعہ دیدی جاتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس کو معاف کردیا جاتا ہے، پھر اس پر کسی قسم کا مواخذہ نہ دنیا میں ہوتا ہے اور نہ آخرت میں، اور جن گناہوں کو معاف کردیا جاتا ہے ان کی تعداد بہ نسبت ان گناہوں کے کہ جن پر مواخذہ کیا جاتا ہے زیادہ ہے، اور اللہ تعالیٰ چونکہ اکرم الاکرمین ہیں لہٰذا جس گناہ کی سزا دنیا میں تکلیف کی صورت میں دیدی اس کی سزا دوبارہ نہ دیں گے اور نہ جن گناہوں کو معاف کردیا ہے ان پر سزا دیں گے، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک کی یہ آیت بڑی امید افزا ہے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: ھو تعالی اکرم اس کا تعلق فبما کسبتْ ایدیکم سے ہے لہٰذا مناسب یہ تھا کہ اس کو ویعفوا عن کثیر پر مقدم کر کے فبما کسبتْ ایدیکم کے متصل لاتے۔

قَوْلُہٗ: یا مشرکین پیش نظر نسخہ میں یا مشرکین ہے، مگر صحیح یا مشرکون ہے جیسا کہ جمل کے نسخہ میں یا مشرکون ہے، اس لئے کہ منادیٰ مبنی بر رفع ہوتا ہے، لہٰذا مرفوع بالواؤ کی صورت میں یا مشرکون ہونا چاہئے۔

قَوْلُہٗ: معجزین ای فارین من عذابه.

قَوْلُہٗ: الجوار حذف یاء کے ساتھ رسم الخط کے اعتبار سے، اس لئے کہ یہ زائد یاؤں میں سے ہے، جَوَار جارِیَة کی جمع ہے بمعنی جاری ہونے والی، کشتی۔

شبہ: بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اَلجَوَار، السُّفُنُ موصوف محذوف کی صفت ہے جیسا کہ علامہ محلی نے السُّفُنُ محذوف مان کر حذف موصوف کی طرف اشارہ کیا، تقدیر عبارت یہ ہے کہ السفنُ الجوار مگر یہاں السُّفُنُ موصوف کو حذف کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ موصوف کو اس وقت تک حذف کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ صفت موصوف کے ساتھ خاص نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ مررتُ بماشٍ کہنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ ماشٍ صفت عام ہے کسی موصوف کے ساتھ خاص نہیں ہے، ہاں البتہ مررتُ بمھندس، ومررتُ بکاتب کہہ سکتے ہیں حالانکہ مہندس اور کاتب بھی صفت ہیں مگر ان کے موصوف محذوف ہیں اس لئے کہ یہ صفات خاصہ میں سے ہیں، اس کے برخلاف اَلجری، السّفُنُ کے ساتھ خاص نہیں ہے، لہٰذا اَلسفنُ کا حذف جائز نہ ہونا چاہئے۔

دفع: حذف موصوف کا عدم جواز اس صورت میں ہے جب کہ صفت پر اسمیت غالب نہ ہو اور جب اسمیت غالب ہو جائے تو موصوف کا حذف جائز ہے، جیسا کہ اَبرَقُ یہ صفت ہے بہت زیادہ چمکدار شئ کو کہتے ہیں، مگر اب ایک مخصوص شئ کا نام ہو گیا ہے جو کہ چمکدار دھات ہے، لہٰذا اب اس کے موصوف کو حذف کرنا جائز ہوگا، اسی طرح اَبطح اس کے معنی ہیں کشادہ اور سنگریزہ والا ہونا، مگر اب اس پر اسمیت غالب ہو کر مخصوص وادی کے معنی میں ہو گیا ہے، لہٰذا اس کے موصوف کو حذف کرنا جائز ہے، اسی طرح منقّٰی اس کے معنی ہیں صاف کیا ہوا، یہ صفت ہے مگر اس پر اسمیت غالب آگئی ہے، اس کا موصوف مویز ہے، پورا نام مویز منقّٰی ہے، جو عام طور پر دواؤں میں استعمال ہوتا ہے مگر اب موصوف کو حذف کر کے منقّٰی بولتے ہیں حتی کہ اس کے موصوف کو اکثر لوگ جانتے بھی نہیں ہیں، اسی طرح اَلجَوَار جو کہ جارِیَة کی جمع ہے صفت ہے اس کے معنی ہیں جاری ہونے والی، چلنے والی، مگر اب اس پر اسمیت غالب آگئی ہے، جس کی وجہ سے جاریہ کشتی کو کہنے لگے ہیں، لہٰذا اب اس کے موصوف کو حذف کر سکتے ہیں، جیسا کہ مفسر علام نے اَلسُفنُ مقدر مان کر حذف موصوف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: یَظْلَلْنَ، یَصرنَ ظَلَّ سے مضارع جمع مؤنث غائب فعل ناقص، وہ ہو جائیں یَظْلَلْنَ کی تفسیر یَصرنَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں ظَل مطلقاً صَارَ کے معنی میں ہے ورنہ تو ظَل کے اصلی معنی دن میں کسی کام کے ہونے کی خبر دینا ہے،

جیسا کہ باتَ کے معنی رات میں کسی فعل کے ہونے کی خبر دینا ہے۔

قَوْلُہٗ: صَبَّارٍ شکور کی تفسیر وھو المؤمن سے کرکے اشارہ کردیا کہ جو مذکورہ دونوں صفتوں کا حامل ہو وہ مومن کامل ہے، گویا کہ ایمان کے دو حصے ہیں، ایک صبر اور دوسرا شکر، صبر کا مطلب ہے معاصی پر صبر کرنا، اور شکر کا مطلب ہے واجبات کو ادا کرنا۔

قَوْلُہٗ: باَھْلِھِنَّ باء بمعنی مع یعنی اگر وہ چاہے تو کشتیوں کو مع کشتی سواروں کے غرق کرکے ہلاک کردے۔

قَوْلُہٗ: ای اَھْلُھُنَّ یہ کسَبُوا کے واؤ کی تفسیر ہے جس سے اہل کشتی مراد ہیں جو کہ سیاق سے مفہوم ہیں، یُوْبِقْھُنَّ اِیْبَاق (افعال) سے مضارع واحد مذکر غائب ھُنَّ ضمیر مفعول وہ ان کو ہلاک کردے تباہ کردے۔

قَوْلُہٗ: یَعْفُ عن کثیر منھا، عَفْوٌ سے مضارع واحد مذکر مجزوم، جمہور نے یَعْفُ کو جواب شرط پر عطف ہونے کی وجہ سے مجزوم پڑھا ہے۔

قَوْلُہٗ: منھا ای السُّفُنُ او الذنوب یعنی بعض کشتیوں کو غرق نہیں کرتا، یا بعض کشتی سواروں کی خطاؤں کو معاف کردیتا ہے۔

قَوْلُہٗ: یَعْلَمُ، یَعْلَمُ میں رفع اور نصب دونوں قراءتیں ہیں، رفع جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے ای ھو یعلم اور نصب غرق کی علت پر عطف کی وجہ سے ای یُغرِقُھُمْ، لِیَنْتَقِمَ مِنْھُمْ ویَعْلَمَ یعنی اگر چاہے تو ان کو غرق کردے تاکہ وہ ان سے انتقام لے تاکہ ان لوگوں کو جانے (ظاہر کرے) جو ہماری آیتوں میں مجادلہ کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: مَالَھُمْ من محیصٍ، مَالَھُمْ خبر مقدم اور مِن محیصٍ مبتداء مؤخر، مِن زائدہ۔

قَوْلُہٗ: مُعَلَّقٌ عَنِ العملِ تعلیق، افعال قلوب کی خصوصیات میں سے ہے تعلیق، لفظاً عمل کے باطل کرنے کو کہتے ہیں، تعلیق عمل کے لئے یہ شرط ہے کہ فعل قلب استفہام یا نفی یا لام ابتداء سے پہلے واقع ہو، جیسا کہ یہاں فعل قلب یعلمُ ہے یعلمُ دو مفعول چاہتا ہے۔

قَوْلُہٗ: فما اُوْتِیْتُمْ ما شرطیہ اُوْتِیْتُمْ کا مفعول ثانی صدارت کلام کی وجہ سے مقدم ہے اُوْتِیْتُمْ کے اندر ضمیر مخاطب مفعول اول جو کہ نائب فاعل ہے۔

قَوْلُہٗ: من شیءٍ یہ ما کا بیان ہے اس لئے کہ اس میں ابہام ہے۔

قَوْلُہٗ: فمتاع الحیاۃ الدنیا فاء جواب شرط پر ہے اور مَتَاعٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای فھو متاع۔

قَوْلُہٗ: وما عِنْدَ اللہ خیر، ما عند اللہ موصول صلہ سے مل کر مبتداء اور خیرٌ اس کی خبر، اور لِلَّذِیْنَ الخ اَبْقٰی کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ یجتَنِبُوْنَ الخ کا عطف الذین آمنوا پر ہے، جملہ لام جار کے تحت ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے۔

قَوْلُہٗ: کبٰئِرَ الاثمِ وَالفواحش ''کبائر'' سے ہر قسم کے بڑے گناہ مراد ہیں اور فواحش سے مخصوص بڑے گناہ مراد ہیں، جس پر حدود و قصاص جاری ہوتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: من عطف البعض علی الکل یہ ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: کبائر ہر قسم کے بڑے گناہ کو کہتے ہیں جن میں فواحش بھی شامل ہیں، تو پھر فواحش کے دوبارہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت؟

دفع: یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے یہ معطوف کی اہمیت کے پیش نظر کیا جاتا ہے، اس کو عطف بعض علی الکل بھی کہہ سکتے ہیں، جیسے حافظوا علی الصلوٰات والصلوٰۃ الوسطی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاِذَا مَا غَضِبُوْا ھم یَغْفِرُوْنَ، ما زائدہ ہے فارسی میں کہتے ہیں ''چوں بخشم می آیند ایشاں می آمرزند'' جب وہ غصہ ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں، اِذَا، یغفرون کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ما زائدہ ہے، اور یغفرون، ھم کی خبر ہے، جملہ ہو کر یجتنبونَ پر معطوف ہے، جو کہ الذین کا صلہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے والذین یَجْتَنِبُوْنَ وھم یَغْفِرُوْنَ اس صورت میں عطف جملہ اسمیہ کا جملہ فعلیہ پر لازم آئے گا، دوسری ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ھُمْ غَضِبُوا کے اندر ضمیر فاعل کی تاکید ہو، اس صورت میں فیغفرون جواب شرط ہوگا۔

ابو البقاء رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے کہا ہے کہ ھُمْ مبتداء اور یغفرونَ خبر ہے، اور جملہ ہو کر جواب شرط ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اگر اِذا کا جواب ہو تو پھر فاء کا داخل ہونا ضروری ہے، مثلاً تو کہے اِذا جاءَ زیدٌ فَعَمْرٌو ینطلقُ مگر عمروٌ ینطلق جائز نہیں ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ اسْتَجابوا اس کا عطف سابق موصول الذین پر ہے، مفسر علام نے استجابوا کی تفسیر اَجَابُوْہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ استجابُوا میں س، ت زائد ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس نعمتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَمرھم شُوریٰ بَیْنَھُمْ، اَمْرُھُمْ بہ ترکیب اضافی مبتداء، شوریٰ اس کی خبر بینَھُمْ ظرف ہے۔

قَوْلُہٗ: شوریٰ یہ شاورتُہٗ (باب مفاعلہ) کا مصدر ہے بروزن بشریٰ وذِکریٰ مشورہ کرنا۔

(فتح القدیر، شوکانی ولغات القرآن)

قَوْلُہٗ: یَبْغُوْنَ، یَعْمَلُوْنَ مفسر علام نے یبغُوْنَ کی تفسیر یَعْمَلُوْنَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ بغیر الحق تاسیس کے لئے ہے نہ کہ تاکید کے لئے، اس لئے کہ بَغْیٌ ناحق ہی ہوتی ہے پھر اس کے بعد بغیر الحق کہنا یہ سابقہ مضمون کی تاکید ہوگی اور اگر یَبْغُوْنَ کو یَعْمَلُوْنَ کے معنی میں لیا جائے، تو بغیر الحق تاسیس ہوگی اور تاسیس تاکید سے بہتر ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: لَمِنْ عزم الاُمور یہ عزیمۃ سے ماخوذ ہے جو کہ رخصت کی ضد ہے یعنی صبر اور درگذر کرنا مندوب و مستحب ہے، گو مساوی طور پر انتقام بھی جائز ہے۔

تَفسِیر وتَشرِیح

وَمَا اصابکم، خطاب للمؤمنین اگر خطاب اہل ایمان کو ہے جیسا کہ مفسر علام کی رائے ہے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے بعض گناہوں کا کفارہ تو تمہارے مصائب بن جاتے ہیں، جو تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں پہنچتے ہیں اور کچھ گناہ وہ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ یوں ہی معاف فرما دیتا ہے، اور اللہ کی ذات بڑی کریم ہے، معاف کرنے کے بعد آخرت میں اس گناہ پر مواخذہ نہیں فرمائے گی۔ (مظھری ملخصًا)

حضرت حسن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جس شخص کے کسی لکڑی سے خراش لگتی ہے یا کوئی رگ پھڑکتی ہے یا قدم کو لغزش ہوتی ہے، یہ سب اس کے گناہوں کے سبب سے ہوتا ہے، اور ہر گناہ کی سزا اللہ تعالیٰ نہیں دیتے، بلکہ جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، وہ ان سے بہت زیادہ ہیں جن پر کوئی سزا دی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم ملخصًا)

سَوَال: جب مصیبت سزائے اعمال ہے تو لازم ہے کہ صلحاء واتقیاء واولیاء مصیبت میں کم مبتلا ہوں اور انبیاء واطفال وحیوانات بالکل مصائب میں مبتلا نہ ہوں حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے بلکہ انبیاء وصلحاء کے مصائب بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہیں۔

جَوَاب: صاحب بیضاوی نے کہا ہے کہ یہ آیت مجرمین کے ساتھ خاص ہے۔

فَائِدَہ: صلحاء واولیاء کے مصائب ان کے درجات کی ترقی کے لئے ہیں۔

اور اگر خطاب عام ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ تمہیں جو مصائب دنیا میں پہنچتے ہیں، یہ تمہارے گناہوں کا نتیجہ ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے تو درگذر فرما دیتا ہے یعنی یا تو ہمیشہ کے لئے معاف فرما دیتا ہے یا ان پر فوری گرفت نہیں فرماتا، اور یہ تاخیر بھی ایک گونہ معافی ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ (فاطر) اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کرتوتوں پر فوراً مواخذہ شروع کر دے تو زمین پر کوئی چلنے والا باقی ہی نہ رہے۔

وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ (الآیة) یعنی تم بھاگ کر کسی ایسی جگہ نہیں جا سکتے کہ جہاں تم ہماری گرفت میں نہ آ سکو، یا جو مصیبت ہم تم پر نازل کرنا چاہیں، اس سے تم بچ جاؤ۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ، اَلْجَوَار یا اَلْجَوَارِیُ، جَارِیَةٌ کی جمع ہے (چلنے والی) بمعنی کشتیاں، جہاز، یہ اللہ کی قدرت تامہ کی دلیل ہے کہ سمندروں میں پہاڑوں جیسی کشتیاں اور جہاز اس کے حکم سے چلتے ہیں، ورنہ اگر وہ حکم دے

اور ہوا کو روک دے تو اپنی جگہ کھڑے کے کھڑے رہ جائیں، یا یہ کہ ہوا اس قدر تیز و تند کر دے کہ جس کی وجہ سے سمندر میں طغیانی آجائے اور یہ سب جہاز اور کشتیاں غرق ہو جائیں۔

وَمَا عِندَ اللّٰهِ خیر وابقٰی للذین آمنوا وعلٰی ربّهم یتوکلون (الآیة) دنیوی نعمتوں کے ناقص اور فانی ہونے کو بیان کرنے کے بعد آخرت کی نعمتوں کا کامل اور دائمی ہونا بیان فرمایا ہے، اور آخرت کی نعمتوں کے حصول کے لئے سب سے بڑی شرط ایمان ہے ایمان کے بغیر وہاں وہ نعمتیں کسی کو نہ ملیں گی، لیکن اگر ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا بھی پورا اہتمام کر لیا تو آخرت کی یہ نعمتیں یقیناً اور ابتداء ہی میں مل جائیں گی ورنہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ملیں گی، اس لئے آیات مذکورہ میں سب سے پہلی شرط اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا بیان فرمائی، اس کے بعد خاص خاص اعمال کا ذکر فرمایا، جن کے بغیر ضابطہ کے مطابق آخرت کی نعمتیں شروع سے نہ ملیں گی، بلکہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ملیں گی، وہ خاص اعمال وصفات جن کی وجہ سے ابتداءً ہی جنت کی نعمتیں حاصل ہو جائیں گی وہ سات بیان فرمائی ہیں۔

پہلی صفت:

عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ جنت کی نعمتیں اور راحتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو ہر حال اور ہر کام میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے سوا کسی کو حقیقی کارساز نہیں سمجھتے۔

دوسری صفت:

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ ہر کبیرہ گناہ سے اور بالخصوص بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں، ''فواحش'' اگرچہ کبیرہ گناہوں میں شامل ہیں، پھر بھی ان کو الگ بیان کرنے میں حکمت یہ ہے کہ فواحش کا گناہ عام کبیرہ گناہ سے زیادہ سخت ہے اور مرض متعدی بھی، جس سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں، فواحش کا لفظ ان کاموں کے لئے بولا جاتا ہے جن میں بے حیائی ہو، جیسے زنا اور اس کے مقدمات نیز وہ گناہ جو ڈھٹائی کے ساتھ علانیہ کئے جائیں فواحش کہلاتے ہیں، کہ ان کا وبال بھی نہایت شدید اور پورے انسانی معاشرہ کو خراب کرنے والا ہے۔

تیسری صفت:

یعنی غصہ کی حالت میں جبکہ اچھا بھلا آدمی بھی توازن کھو بیٹھتا ہے، اور جائز و ناجائز، حق و باطل اور نتیجہ و انجام پر غور کرنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے، مگر مومنین صالحین کی اللہ نے یہ صفت بیان کی ہے کہ ایسے وقت میں بھی یہ لوگ نہ صرف یہ کہ عفو

ودرگذر سے کام لیتے ہیں بلکہ انتقام کا اپنا حق ہوتے ہوئے بھی معاف کردیتے ہیں، مطلب یہ کہ لوگوں سے عفو ودرگذر کرنا ان کی طبیعت اور مزاج کا حصہ بن جاتا ہے، نہ کہ انتقام اور بدلہ لینا، جس طرح نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے مَا انْتَقَمَ لِنَفْسِهٖ قَطُّ آپ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بدلہ نہیں لیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب)

چوتھی صفت:

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ''استجابت'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو حکم ملے اس کو بے چون وچرا فوراً قبول کرلے خواہ وہ اپنی طبیعت کے موافق ہو یا مخالف، اس حکم کی بجا آوری میں اگرچہ تمام اسلامی احکام وفرائض شامل ہیں مگر چونکہ ان سب میں نماز سب سے اہم فریضہ ہے، اس لئے اس کو ممتاز اور الگ کرکے بیان فرمایا۔

پانچویں صفت:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ یعنی ان کے کام آپس میں مشورہ سے طے ہوتے ہیں، شوریٰ بروزن بُشریٰ مفاعلہ کا اسم مصدر ہے، بمعنی ذوشوریٰ، مطلب یہ ہے کہ وہ اہم امور کہ شریعت نے ان میں کوئی متعین حکم نہیں دیا ان کو طے کرنے میں یہ لوگ آپسی مشورہ سے کام لیتے ہیں، اہم امور کی قید خود لفظ اَمْرٌ سے مستفاد ہے، اس لئے کہ عرف میں امرٌ ایسے ہی کاموں کے لئے بولا جاتا ہے جن کی اہمیت ہو، جیسا کہ سورۂ آل عمران میں آپ ﷺ کو حکم فرمایا وشاورهم فی الامر چنانچہ آپ ﷺ جنگی معاملات اور دیگر معاملات میں مشورہ کا اہتمام فرماتے تھے، جس سے مسلمانوں کی ہمت افزائی بھی ہوتی تھی، اور دل جوئی بھی، اور معاملہ کے مختلف گوشے بھی واضح ہوجاتے تھے، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جب زخمی ہوگئے، اور بقاء زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو امر خلافت میں مشورہ کے لئے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی نامزد کردی، جس میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ شامل تھے، ان حضرات نے آپس میں اور دیگر حضرات سے مشورہ کرکے حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو خلیفہ مقرر کردیا، بعض لوگ مشاورت کے اس حکم سے ملوکیت کی تردید اور جمہوریت کا اثبات کرتے ہیں، حالانکہ مشاورت کا اہتمام ملوکیت میں بھی ہوتا ہے، بادشاہ کی بھی مجلس مشاورت ہوتی ہے، جس میں ہر معاملہ میں غور وخوض ہوتا ہے، لہٰذا اس آیت سے ملوکیت کی نفی قطعاً نہیں ہوتی، علاوہ ازیں جمہوریت کو مشاورت کے ہم معنی سمجھنا یکسر غلط ہے، مشاورت ہر کہ ومہ سے نہیں ہوسکتی، اور نہ اس کی ضرورت ہی ہے، مشاورت کا مطلب ان لوگوں سے مشورہ کرنا ہے، جو اس معاملہ کی نزاکتوں اور ضرورتوں نیز باریکیوں کو سمجھتے ہیں جس معاملہ میں مشورہ درکار ہوتا ہے، مثلاً بلڈنگ، پل وغیرہ بنانا ہو تو کسی تانگہ بان، یا رکشہ پولر یا کسی غیر متعلق عام آدمی سے مشورہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ کسی انجینئر سے مشورہ کیا جائے گا، اگر کسی مرض کے بارے میں مشورہ کی ضرورت ہو تو طب وحکمت کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جائے گا، جبکہ جمہوریت میں اس کے برعکس بالغ شخص کو مشورہ کا اہل سمجھا جاتا ہے، خواہ کورا جاہل، بے شعور، امور سلطنت کی نزاکتوں سے یکسر بے بہرہ اور نابلد ہی

کیوں نہ ہو، بنابریں مشاورت کے لفظ سے جمہوریت کا اثبات تحکم اور دھاندلی کے سوا کچھ نہیں اور جس طرح سوشلزم کے ساتھ اسلامی کا لفظ لگادینے سے سوشلزم ''مشرف بہ اسلام'' نہیں ہوسکتا اسی طرح جمہوریت میں اسلام کی پیوندکاری سے مغربی جمہوریت پر خلافت کی قبا راست نہیں آسکتی، اسلام نے امیر کا انتخاب بھی مشورہ پر موقوف کرکے زمانۂ جاہلیت کی شخصی بادشاہتوں کو ختم کیا ہے، جنہیں ریاست بطور وراثت ملتی تھی، اسلام نے سب سے پہلے اس کو ختم کرکے حقیقی جمہوریت کی بنیاد ڈالی، مگر مغربی جمہوریت کی طرح عوام کو ہر طرح کے اختیارات نہیں دیئے، اور اہل شوریٰ پر کچھ پابندیاں عائد فرمائی ہیں، اس طرح اسلام کا نظامِ حکومت شخصی بادشاہت اور مغربی جمہوریت دونوں سے الگ ایک نہایت معتدل دستور ہے۔

چھٹی صفت:

مما رزقناهم ينفقون یعنی وہ لوگ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں جس میں زکوٰۃ، نفلی صدقات وغیرہ سب شامل ہیں۔

ساتویں صفت:

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ بدلہ لینے سے عاجز نہیں ہیں اگر بدلہ لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، تاہم قدرت کے باوجود معافی کو ترجیح دیتے ہیں، جیسے نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن اپنے خون کے پیاسوں کے لئے عام معافی کا اعلان فرمادیا، حدیبیہ میں آپ نے ان اسّی آدمیوں کو معاف کردیا جنہوں نے آپ کے خلاف سازش تیار کی تھی، لبید بن عاصم یہودی سے آپ نے بدلہ نہیں لیا، جس نے آپ پر جادو کیا تھا، اس یہودیہ سے آپ نے کچھ نہیں کہا جس نے آپ کے کھانے میں زہر ملایا تھا۔

جزاؤ اسيئة سيئةٌ یہ بدلہ لینے کی اجازت ہے، برائی کا بدلہ اگرچہ برائی نہیں ہے لیکن مشاکلت کے طور پر اسے بھی برائی ہی کہا جاتا ہے۔

مَسْئَلَہ: انتقام میں تعدی حرام ہے، اور ظلم اور عفو محبوب اور موجب اجر عظیم۔

مَسْئَلَہ: حنفیہ کے یہاں جن زخموں میں مساوات متعذر رہے ان میں قصاص تجویز نہیں کیا گیا، صرف مالی خون بہا رکھا گیا ہے۔ (خلاصة التفاسير)

ترغیب:

حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ ایک روز ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، کہ آپ ہنسے اور آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا، آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، خندۂ جاں پرور

کس لئے ہوا، فرمایا میری امت کے دو آدمی حق تعالیٰ کے حضور میں دو زانو بیٹھیں گے، تو ایک کہے گا اے میرے رب میرے اس بھائی سے میرا بدلہ دلادے، ارشاد ہوگا اب تو اس کے پاس کوئی نیکی باقی نہیں ہے، تیرا بدلہ کیونکر دلایا جائے، مدعی کہے گا اے میرے رب میرے گناہ اس پر ڈال دے، یہ کہہ کر آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور فرمایا یہ بڑا سخت دن ہے، آدمی اپنا بوجھ دوسرے پر ڈالنے کے خواہاں ہوں گے، پھر حق تعالیٰ مدعی سے فرمائے گا، اوپر دیکھ، یہ دیکھ کر کہے گا، اے رب میں سونے سے بنے ہوئے شہر دیکھتا ہوں، جن میں جواہرات جڑے ہوئے ہیں، یہ کس پیغمبر یا کس ولی یا کس شہید کے ہیں، ارشاد ہوگا جو اس کی قیمت ادا کرے، عرض کرے گا اتنی قیمت کس کے پاس ہے؟ ارشاد ہوگا تیرے پاس ہے، یہ عرض کرے گا وہ کیا ہے؟ ارشاد ہوگا اپنے بھائی کو معاف کرنا، یہ عرض کرے گا اے میرے رب میں نے معاف کردیا، ارشاد ہوگا اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں داخل ہوجا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور آپس میں اصلاح کرو، بے شک اللہ مسلمانوں میں صلح کرادے گا۔ (خلاصة التفاسير، تائب لكهنوى)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ اى احدٍ يلى بدايتَهُ بعد اضلالِ اللّٰهِ اياه **وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ** الى الدُّنيا **مِّنْ سَبِيْلٍ** طريقٍ **وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا** اى النار **خٰشِعِيْنَ** خائفِينَ مُتواضِعِينَ **مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ** اليها **مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ** ضعيفِ النظرِ مسارقةً ومِن ابتدائيّةٌ او بمعنى الباء **وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** بتخليدِهم فى النّارِ وعدمِ وُصولِهم الى الحُورِ المُعدَّةِ لهم فى الجنَّةِ لو اٰمَنُوا والمَوْصُولُ خبرُ اِنّ **اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ** الكافرِينَ **فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ** دائمٍ هو مِن مقولِ اللّٰهِ تعالى **وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غيرِه يَدْفَعُ عذابَهُ عنهم **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ** طريقٍ الى الحقِّ فى الدنيا والى الجنَّةِ فى الاخرة **اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ** اَجِيبُوه بالتوحيدِ والعِبادة **مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ** هو يومُ القِيٰمةِ **لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ** اى انّهُ اذا اتى به لا يَرُدُّه **مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ** تلجَئُونَ اليه **يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ** انكارٍ لذُنُوبِكم **فَاِنْ اَعْرَضُوْا** عن الاجابَةِ **فَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا** تحفظُ اعمالَهم بان تُوافِقَ المطلُوبَ منهم **اِنْ** ما **عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ** وهذا قبلَ الامرِ بالجهادِ **وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً** نِعْمَةً كالغِنٰى والصِّحّةِ **فَرِحَ بِهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ** الضميرُ للانسانِ باعتبارِ الجنسِ **سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ** اى قدَّمُوه وعُبِّرَ بالايدِى لانّ اكثرَ الافعالِ تُزاوَلُ بها **فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ** للنعمةِ **لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ** مِنَ الاولادِ **اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ** اى يَجعلُهم **ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا** فلا يلِدُ ولا يُولَدُ له **اِنَّهٗ عَلِيْمٌ** بما يَخلُقُ **قَدِيْرٌ** على ما يشاء **وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا** ان يُوحى اليه **وَحْيًا** فى المَنامِ او بالالهامِ **اَوْ** الا **مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ** بانْ يُسْمِعَ كلامَهُ ولا يراه كما وَقَعَ لمُوسٰى عليه السلام **اَوْ** الا ان

يُرْسِلَ رَسُوْلًا مَلَكًا كَجِبْرَئِيلَ فَيُوْحِيَ الرَّسُوْلُ الى المُرسَلِ اليه اى يُكَلِّمُه بِإِذْنِهٖ اى اللّٰهِ مَا يَشَآءُ اللّٰهُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ عَن صِفاتِ المُحدثِينَ حَكِيْمٌ فى صُنعِه وَكَذٰلِكَ اى مِثلَ اِيحائِنَا الى غيرِكَ مِنَ الرُّسُلِ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ يا مُحَمَّدُ رُوْحًا هو القُراٰنُ به تُحْيِى القُلوبُ مِّنْ اَمْرِنَا الذى نُوحِيهِ اليك مَا كُنْتَ تَدْرِيْ تَعرِفُ قبلَ الوَحْيِ اليك مَا الْكِتٰبُ القُراٰنُ وَلَا الْاِيْمَانُ اى شرائعه ومعالمه الاستفهام مُعَلِّقٌ لِلفعلِ عَنِ العَمَلِ او ما بَعده سُدَّ مَسَدَّ المفعُولَيْنِ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ اى الرُّوح او الكتاب نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ تَدعُو بالمُوحٰى اليك اِلٰى صِرَاطٍ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِينِ الاِسلامِ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مُلْكًا وخَلقًا وعَبِيدًا اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ تَرجِعُ.

ع ۵ / ۱۰ / ۶

ترجمہ: اور اللہ جسے گمراہ کر دے اس کے بعد اس کا کوئی کارساز نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے اس کو گمراہ کرنے کے بعد اس کی ہدایت کا کوئی ولی نہیں، اور (اے مخاطب) تو دیکھے گا کہ ظالم لوگ عذاب کو دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے کہ کیا دنیا کی طرف لوٹنے کی کوئی صورت ہے اور (اے مخاطب) تو دیکھے گا کہ وہ جہنم کے سامنے لاکھڑے کئے جائیں گے، خوف وذلت کے مارے جھکے جارہے ہوں گے، اور کنکھیوں سے دز دیدہ نظروں سے اسے (جہنم کو) دیکھ رہے ہوں گے، مِنْ ابتدائیہ ہے یا بمعنی باء ہے مومنین کہیں گے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جنہوں نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو دائمی عذاب میں مبتلا کر کے اور ان حوروں تک رسائی حاصل نہ کر کے جو ان کے لئے جنت میں تیار کی گئی ہیں، نقصان میں ڈالدیا، اگر وہ ایمان لاتے، اور موصول اِنَّ کی خبر ہے یاد رکھو کہ یقیناً ظالم کافر دائمی عذاب میں ہوں گے یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے ان کا کوئی مددگار جو اللہ سے الگ ان کی مدد کر سکے یعنی اللہ کے سوا ان کا کوئی نہیں، جو ان کے عذاب کو دفع کر سکے، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے نہ دنیا میں حق کی طرف کوئی راستہ ہے اور نہ آخرت میں جنت کی طرف، اپنے رب کا توحید وعبادت کا حکم مان لو قبل اس کے کہ وہ دن آپہنچے اور وہ قیامت کا دن ہے کہ جس کے لئے اللہ کی جانب سے ٹلنا نہ ہوگا یعنی جب اللہ اس دن کو لے آئے گا تو (پھر) اس کو نہ ٹالے گا تمہیں اس روز نہ تو کوئی پناہ گاہ ملے گی کہ جس میں تم پناہ لے سکو اور نہ تم کو تمہارے گناہوں سے انکار کی کوئی صورت، پس اگر وہ قبول کرنے سے اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ان کے اعمال کی نگرانی کریں، کہ ان کے اعمال ان اعمال کے موافق ہوں جو ان سے مطلوب ہیں آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے اور ہم جب کبھی انسان کو اپنی رحمت نعمت کا مثلاً غنا اور صحت کا مزا چکھا دیتے ہیں تو اس پر وہ اترانے لگتا ہے اور اگر انہیں ان کے اعمال کی بدولت کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو انسان اللہ کی نعمت کی ناشکری کرنے لگتا ہے (تُصِبْهُمْ) میں ضمیر جنس کے اعتبار سے انسان کی طرف راجع ہے قَدَّمَتْ اَيْدِيهِمْ کا مطلب ہے قَدَّمُوهُ اور ذات کو اَيْدِى سے تعبیر اس لئے کیا ہے کہ اکثر اعمال ہاتھوں ہی کی شرکت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے وہ جو

چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اولاد میں سے بیٹی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹا دیتا ہے یا دونوں کو جمع کر دیتا ہے یعنی ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے نہ بیوی جنتی ہے اور نہ شوہر کے لئے جنا جاتا ہے، اور وہ جو پیدا کرتا ہے اس کے بارے میں بڑا علم والا ہے، اور جو چاہے اس پر (کامل) قدرت والا ہے اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ کسی بندے سے کلام کرے مگر اس کی طرف وحی بھیج کر خواہ خواب میں یا الہام کے ذریعہ یا حجاب کے پیچھے سے بایں طور کہ بندہ کو اپنا کلام سنائے اور بندہ اس کو نہ دیکھے جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہوا، یا کسی قاصد یعنی فرشتے کو بھیجے جیسا کہ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہ وہ فرستادہ اللہ کی اجازت سے مرسل الیہ کو وحی کرے بایں طور کہ جو چاہے اس سے کلام کرے بلاشبہ وہ محدثین کی صفات سے برتر ہے، اپنی صنعت میں حکمت والا ہے اور اسی طرح یعنی دوسرے رسولوں کے مانند اے محمد ﷺ آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو بھیجا (یعنی) اس حکم کو کہ جس کی ہم آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں، اور وہ قرآن ہے جس سے قلوب زندہ ہوتے ہیں اور آپ کی طرف وحی بھیجنے سے پہلے آپ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب قرآن کیا چیز ہے؟ اور نہ ایمان کو جانتے تھے یعنی ایمان (اسلام) کے احکام وشرائع کو نہیں جانتے تھے، اور استفہام فعل کو عمل سے مانع ہے یا استفہام کا مابعد دو مفعولوں کے قائم مقام ہے لیکن ہم نے اس کو یعنی روح کو یا کتاب کو نور بنا دیا جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اس کے ذریعہ ہدایت دیتے ہیں، بے شک آپ اپنی طرف بھیجی ہوئی وحی کے ذریعہ صراط مستقیم یعنی دین اسلام کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اس اللہ کی راہ کی طرف کہ جس کی ملکیت میں آسمان اور زمین کی ہر چیز ہے ملک کے اعتبار سے اور تخلیق کے اعتبار اور مملوک ہونے کے اعتبار سے آگاہ رہو سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَحَدٌ یَلِیْ، مِنْ وَلِیٍّ کی تفسیر ہے اَیْ لَیْسَ لَهٗ وَلِیٌّ یَلِیْ هدایتَهٗ بَعْدَ اِضْلَالِهٖ اس صورت میں مِن بَعْدِهٖ کی ضمیر اِضْلال کی طرف راجع ہوگی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعدہٖ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو اور بعد اللّٰه، سِوَی اللّٰه کے معنی میں ہو، اس صورت میں ترجمہ ہوگا، اللہ کے سوا اس کا کوئی ولی نہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وَتَرَی الظّٰلِمِیْنَ جملہ حالیہ ہے، اور رویت سے رویت بصریہ مراد ہے، اور مخاطب ہر وہ شخص ہے جس میں رویت کی صلاحیت ہو۔

قَوْلُہٗ: مَرَدٍّ، رَدٌّ سے ظرف زمان ومکان، لوٹانے کا وقت، لوٹانے کا مقام۔

قَوْلُہٗ: عَلَیْهَا یہ ایک سوال کا جواب۔

سَوَال: عَلَیْهَا میں ھاء ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ اگر ماقبل میں مذکور نہیں ہے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے، اور اگر ماقبل میں مذکور، العذاب کی طرف راجع ہے تو ضمیر ومرجع میں مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ عذاب مذکر ہے اور ھاء ضمیر مؤنث ہے۔

جواب: ھاء ضمیر کا مرجع نار ہے جیسا کہ شارح نے اشارہ کردیا ہے جس پر العذاب دلالت کررہا ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔ (جمل)

قولہ: تراھم، تریٰ سے رویت بصری مراد ہے، یُعْرَضُونَ اور خَاشِعِیْنَ دونوں ھُمْ ضمیر سے جملہ ہوکر حال ہیں۔

قولہ: مِن الذُّلّ، خاشعین سے متعلق ہیں۔

قولہ: مِنَ الطرفِ طرف سے مراد آنکھ ہے، بعض حضرات نے مصدری معنی یعنی دیکھنا بھی مراد لیا ہے، شارح کی عبارت کے مناسب اول معنی ہیں طرفٌ خفیٌّ چشم نیم باز، شرمندہ نظر کو کہتے ہیں، چشم ضعیف وچشم نیم باز، وچشم بیمار، تقریباً ایک ہی مفہوم کو ادا کرتے ہیں: ؎

بمژگان سیاہ کردی ہزاراں رخنہ در دینم بیا کز ''چشم بیمارت'' ہزاراں درد بر چینم

(حافظ)

شاعر شرمندہ نظر کو چشم بیمار سے تعبیر کررہا ہے، قیامت کے روز جب مجرموں کو دوزخ کے روبرو پیش کیا جائے گا تو مارے شرم وذلت کے آنکھوں کو پوری طرح کھول بھی نہ سکیں گے بلکہ گوشہائے چشم کے ذریعہ دزدیدہ نظروں سے دیکھیں گے۔

قولہ: ، ینظرون الیہا، الیہا کی ضمیر بھی، العذاب سے مفہوم، النار کی طرف راجع ہے مِن طرفٍ میں مِن ابتدائیہ ہے یا بمعنی باء ہے، دوسری صورت زیادہ واضح ہے۔

قولہ: اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْا، اِنَّ کی خبر ہے، اور الخٰسِرِیْنَ اِنَّ کا اسم ہے۔

قولہ: بتخلیدھم فی النار وعدم وصولھم الی الحور اس میں لف ونشر مرتب ہے، بتخلید انفسھم کا تعلق اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَھُمْ سے ہے اور عدم وصولِھِمْ کا تعلق اَھْلِیْھِمْ سے ہے، اور اہل کے بارے میں نقصان کا مطلب یہ ہے کہ جو حور وغلمان ان کے لئے ایمان لانے کی صورت میں تیار کئے گئے تھے اب وہ ان سے محروم رہیں گے، اور بعض حضرات نے یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے اہل سے دنیا کے اہل مراد ہوں، ان کے بارے میں نقصان کی یہ صورت ہوگی کہ وہ جنت میں دوسروں کے حوالہ کردیئے جائیں گے۔ (حاشیہ جلالین)

مفسر علام نے ھُوَ مِن مقولِ اللّٰہ تعالٰی کہہ کر اشارہ کردیا کہ اَلَا اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ فی عذابٍ مقیم اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے اور مومنین کے قول کی تصدیق ہے، اور بعض حضرات نے اس کلام کو مومنین کے کلام ہی کا تتمہ قرار دیا ہے۔

قولہ: لا یَرَدہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ من اللّٰہ، مردٌّ کے متعلق ہے، اس کا تعلق یَاْتِیَ سے بھی جائز ہے۔

قولہ: اِنکارٍ لِذُنُوبِکُمْ اس عبارت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نَکِیْر خلاف قیاس اَنْکَرَ کا مصدر ہے یعنی مجرمین کو اپنے گناہوں کا انکار ممکن نہ ہوگا اس لئے کہ صحیفۂ اعمال میں ان کے اعمال محفوظ ہوں گے، اور مجرمین کے اعضاء وجوارح ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: فَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا یہ جملہ شرط کے جواب محذوف کی علت ہے یعنی اِنْ اَعْرَضُوا شرط ہے اور فَلَا تَحْزَنْ جواب شرط محذوف ہے، لِاَنّنا ما اَرْسَلْنَاكَ عَلَيهم حفيظًا یعنی مشرکین کے اعراض کرنے پر غمگین نہ ہوں، اس لئے کہ ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا، آپ کی ذمہ داری تبلیغ ہے اور بس، یعنی بلاوجہ اس فکر میں نہ پڑیں کہ ان کے اعمال ان سے مطلوب اعمال کے مطابق ہیں یا نہیں۔

قَوْلُہٗ: الضمير للانسان باعتبار الجنس یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: تُصِبْهُمْ کی ضمیر انسان کی طرف راجع ہے ضمیر و مرجع میں مطابقت نہیں ضمیر جمع ہے اور مرجع واحد ہے

جَوَابْ: انسان لفظ کے اعتبار سے اگر چہ واحد ہے مگر جنس ہونے کے اعتبار سے جمع ہے لہٰذا جمع کی ضمیر لانا درست ہے، اور فَرِحَ کو مفرد لایا گیا ہے، انسان کے لفظ کا اعتبار کر کے۔

قَوْلُہٗ: فَاِنَّ الإنسانَ كَفُوْرٌ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے، اصل میں فَاِنَّهٗ كَفُورٌ ہے، کرخی نے کہا ہے کہ یہ جملہ جواب شرط ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ جواب محذوف کی علت ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ نَسِيَ النِّعْمَةَ رأسًا فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ نَسِيَ النِّعْمَةَ رأسًا جواب شرط محذوف ہے، فَاِنَّ الإنسانَ كَفُوْرٌ جواب شرط کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: فلا يَلِدُ وَلَا يُوْلَدُ له، فلا يَلِدُ کا تعلق امرأة سے ہے یعنی اگر بانجھ عورت ہو لا يَلِدُ بولا جائے گا مگر اس صورت میں تَلِدُ تاء کے ساتھ ہونا چاہئے، البتہ کہا جا سکتا ہے کہ مَنْ کے لفظ کی رعایت سے يَلِدُ مذکر لانا درست ہے بعض نسخوں میں تَلِد بھی ہے جو کہ زیادہ مناسب ہے، اور وَلَا يُوْلَدُ لهٗ کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جب (عُقم) بانجھ پن مرد میں ہو اور مصباح میں ہے کہ لَا يُوْلَدُ لَهٗ دونوں صورتوں میں بولا جاتا ہے، عقم خواہ مرد میں ہو یا عورت میں۔ (حاشیہ جلالین)

قَوْلُہٗ: وَلَا يَرَاه اس عبارت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں حجاب کے لازم معنی یعنی عدم رویت مراد ہیں، اس لئے کہ اللہ کے لئے حجاب ممکن نہیں ہے، بلکہ حجاب بندے کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: ما الكتاب، مَا استفہامیہ مبتداء ہے، الكتابُ اس کی خبر ہے، کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے اي مَا كُنْتَ تدرِي جواب مَا الكِتَابُ یعنی آپ اس سوال کا جواب بھی نہ جانتے تھے کتاب کیا ہے؟ (جمل)

قَوْلُہٗ: اي شرائعه ومعالمه اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سُؤال: آپ ﷺ تو نبوت سے قبل ہی توحید کے مقر تھے اور اللہ کی توحید سے بخوبی واقف تھے، غار حراء میں اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کی بندگی کرتے تھے تو پھر آپ کے بارے میں کہ آپ ایمان سے واقف نہیں تھے، اس کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابْ: ایمان سے مراد احکام و شرائع اور اس کی تفاصیل ہیں جن سے آپ نزول وحی سے پہلے واقف نہیں تھے۔

تفسیر و تشریح

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا (الآیۃ) آخرت میں مومنین جب مشرکین وکافرین کی حالت زار کو دیکھیں گے تو کہیں گے، یہ کافر ہمیں دنیا میں بیوقوف اور دنیوی خسارے کا حامل سمجھتے تھے، جبکہ ہم دنیا میں صرف آخرت کو ترجیح دیتے تھے، اور دنیا کے خساروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، آج دیکھ لو حقیقی خسارے سے کون دوچار ہے؟ آیا وہ جنہوں نے دنیا کے عارضی خسارے کو نظر انداز کئے رکھا اور آج وہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں، یا وہ جنہوں نے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا تھا، اور آج ایسے عذاب میں گرفتار ہیں، جس سے اب چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔

مَا لَكُمْ مِنْ مَلْجَأٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَكِيْرٍ نکیر کے معنی انکار کے ہیں، یعنی اے مشرکو! تم روز قیامت اپنے گناہوں کا انکار نہ کرسکو گے، کیونکہ اول تو سب لکھے ہوئے ہوں گے، دوسرے خود ان کے اعضاء بھی گواہی دیں گے، اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تمہارے لئے کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی کہ جس میں تم چھپ کر انجان و بے نشان بن جاؤ اور پہچانے نہ جاسکو، یا نظر ہی نہ آسکو۔

فَإِنْ أَعْرَضُوْا فَمَا أَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا یعنی اگر یہ لوگ آپ کی دعوت سے اعراض کریں تو آپ زیادہ فکرمند اور زیادہ رنجیدہ نہ ہوں، اس لئے کہ آپ کو ان پر نگہبان اور ان کے اعمال کا نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا، مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذمہ داری صرف اور صرف اتنی ہے کہ آپ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیں، مانیں نہ مانیں، آپ سے اس کی باز پرس نہیں ہوگی، اس لئے کہ ہدایت دینا آپ کے اختیار میں ہے ہی نہیں، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے، اسی مضمون کو دوسری آیتوں میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَشَاءُ (البقرۃ) فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد) فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیۃ) ان تمام آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ آپ امت کو اپنا پیغام پہنچا دیں، اور بس۔

نکتہ: إِذَا أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً (الآیۃ) دنیوی نعمتیں اگرچہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہوں مگر سعادت اخروی کے مقابلہ میں ان کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسا کہ دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ، اور کھانے کے مقابلہ میں چکھنا، اسی وجہ سے مذکورہ آیت میں دنیوی نعمتوں کو چکھانے سے تعبیر فرمایا ہے۔ (جمل)

نکتہ: دنیوی نعمتوں کے حصول کو إِذَا سے تعبیر فرمایا ہے جو کہ یقیناً حصول پر دلالت کرتا ہے اور اخروی بلاء ومصیبت کو إِنْ سے تعبیر کیا ہے جو یقینی حصول پر دلالت نہیں کرتا، دونوں کی تعبیر میں فرق اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت، صفت غضب سے بہت بڑھی ہوئی ہے، گویا کہ رحمت ذات خداوندی کا تقاضہ ہے، وہ دنیا میں بڑے سے بڑے ملحد ومشرک کو دنیوی نعمتوں سے محروم نہیں کرتا، اور کسی کا بھی اس کے جرم وخطاء کی وجہ سے رزق بند نہیں کرتا بلکہ زیادہ تر گناہوں سے درگذر فرماتا ہے، اس لئے ہر جرم وخطاء کی سزا یقینی نہیں، اور غیر یقینی چیز کے لئے إِنْ کا استعمال ہوتا ہے۔

لِلّٰہِ مُلْكُ السموات والارض (الآیۃ) یعنی کائنات میں صرف اسی کی مشیت اور تدبیر چلتی ہے، وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی کرنے کی قدرت اور اختیار نہیں رکھتا، جب یہ بات مسلّم ہے کہ کائنات میں تصرف صرف اسی کا حق ہے کسی کی اس میں دخل اندازی کی گنجائش نہیں تو وہ اپنی مشیت اور اختیار کے ماتحت، جس کو چاہتا ہے لڑکا دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے لڑکی اور جس کو چاہتا ہے دونوں دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے دونوں سے محروم کر دیتا ہے، یہ تقسیم اولاد کے اعتبار سے ہے یعنی فروع کے اعتبار سے، اصول کے اعتبار سے بھی انسانوں کی چار قسمیں ہیں ① بغیر ماں باپ کے جیسے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو مٹی سے پیدا فرمایا، نہ ان کی ماں ہے اور نہ باپ ② بغیر ماں کے جیسے حضرت حوا کہ ان کو صرف مرد (آدم) سے پیدا کیا ③ بغیر باپ کے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو صرف عورت سے پیدا کیا ان کے باپ نہیں ④ ماں باپ سے جیسے تمام انسان، مرد اور عورت سے، **فسبحان الله العليم القدير** (ابن کثیر) ان آیات میں بچوں کی اقسام بیان کرنے میں حق تعالیٰ نے پہلے لڑکیوں کا ذکر فرمایا ہے، لڑکوں کا ذکر بعد میں کیا ہے، اسی آیت کے اشارہ سے حضرت واثلہ بن اسقع نے فرمایا کہ جس عورت کے بطن سے پہلے لڑکی پیدا ہو وہ مبارک ہوتی ہے۔ (قرطبی، معارف)

شانِ نزول:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا یہ آیت یہود کے ایک معاندانہ مطالبہ کے جواب میں نازل ہوئی ہے، ایک روز یہود نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ہم آپ پر کیسے ایمان لے آئیں، جبکہ آپ نہ خدا کو دیکھتے ہیں اور نہ بالمشافہ اس سے کلام کرتے ہیں، جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کلام کرتے تھے، اور اللہ کو دیکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے حق تعالیٰ کو دیکھا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (قرطبی، معارف) آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی انسان کے لئے حق تعالیٰ سے بالمشافہ کلام کرنا اس دنیا میں ممکن نہیں، خود حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی بالمشافہ کلام نہیں سنا، بلکہ پس پردہ صرف آواز سنی۔

نزول وحی کی تین صورتیں:

اس آیت میں نزول وحی الٰہی کی تین صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں ① دل میں کسی بات کا ڈال دینا یا خواب میں بتلا دینا اس یقین کے ساتھ کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے ② پردے کے پیچھے سے کلام کرنا، جیسے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے کوہِ طور پر کیا گیا ③ فرشتے کے ذریعہ اپنی وحی بھیجنا جیسا کہ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام پیغام لے کر آتے تھے اور پیغمبروں کو سناتے تھے، مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان سے رو در رو کلام نہیں کرتا۔

شبہ: حدیث شریف میں وارد ہے آپ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بدون حجاب کے کسی بشر سے کلام نہیں کرتا، مگر تمہارے والد عبداللہ سے رودررو کلام فرمایا (یہ احد میں شہید ہوگئے تھے) لہٰذا آیت اور حدیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

دفع: یہ حدیث آیت مذکورہ کے مفہوم کے خلاف نہیں ہے اس لئے کہ نفی عالم دنیا سے متعلق ہے اور یہ رودررو گفتگو عالم برزخ میں ہوئی۔ (خلاصة التفاسير)

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِنْ اَمْرِنَا الخ "روح" سے مراد قرآن ہے یعنی جس طرح آپ سے پہلے ہم سابق انبیاء پر وحی کرتے رہے ہیں اسی طرح ہم نے آپ پر وحی کی ہے، قرآن کو روح سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ قرآن سے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے، جس طرح کہ روح میں انسانی زندگی کا راز مضمر ہے۔

کتاب اور ایمان کو نہ جاننے کا مطلب ہے ان کی تفصیلات سے واقف نہ ہونا، ورنہ نفس ایمان اور لازمی متعلقات سے ہر نبی مبعوث ہونے سے پہلے ہی واقف ہوتا ہے، آپ ﷺ کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام آب وگل میں تھے اور آپ ﷺ نبی مرسل، اس حدیث شریف میں سبقت آفرینش اور اعطائے صلاحیتِ نبوت کا ذکر ہے، نہ کہ تفصیلات شرائع نبوت کا۔

بحمد اللہ تعالیٰ

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وقِيلَ اِلَّا وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الْاٰيَةَ تِسْعٌ وَّثمانُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ زخرف مکی ہے اور کہا گیا ہے کہ وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الْاٰيَةَ مستثنیٰ ہے، نواسی (۸۹) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **حٰمٓ**ۚ⁽¹⁾ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **وَالْكِتٰبِ** القُراٰنِ **الْمُبِيْنِ**ۙ⁽²⁾ المُظهِرِ طَرِيقَ الهُدٰى وما يُحتاجُ اليه مِنَ الشَّرِيعةِ **اِنَّا جَعَلْنٰهُ** اَوجَدْنا الكِتَابَ **قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا** بِلُغَةِ العَرَبِ **لَّعَلَّكُمْ** يا اَہلَ مكةَ **تَعْقِلُوْنَ**ۚ⁽³⁾ تَفْہَمُوْنَ مَعَانِيَه **وَاِنَّهٗ** مُثْبَتٌ **فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ** اَصلِ الكِتَابِ اى اللَّوحِ المَحفُوظِ **لَدَيْنَا** بَدَلٌ عِندَنا **لَعَلِيٌّ** على الكُتُبِ قبلَه **حَكِيْمٌ**ۗ⁽⁴⁾ ذُو حِكمَةٍ بالِغَةٍ **اَفَنَضْرِبُ** نُمسِكُ **عَنْكُمُ الذِّكْرَ** القُراٰنَ **صَفْحًا** اِمسَاكًا فلا تُؤمَرُونَ ولا تُنہَوْنَ لِاَجلِ **اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ**⁽⁵⁾ **وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ**⁽⁶⁾ **وَمَا** كانَ **يَاْتِيْهِمْ** اتاہم **مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ**⁽⁷⁾ كاستِہزاءِ قَومِكَ بكَ وہذا تَسْلِيَةٌ له صلى الله عليه وسلم **فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ** مِن قَومِكَ **بَطْشًا** قُوَّةً **وَّمَضٰى** سَبَقَ فى اٰياتٍ **مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ**⁽⁸⁾ صِفَتُہم فى الاِہلاكِ فعاقِبَةُ قومِكَ كذلك **وَلَئِنْ** لامُ قَسَمٍ **سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ** حُذِفَ مِنه نُونُ الرَّفعِ لِتَوالِى النُّونَاتِ وواوُ الضَّميرِ لِالتِقاءِ السّاكِنَينِ **خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ**ۙ⁽⁹⁾ اٰخِرُ جَوابِہم اى اللّٰهُ ذو العِزَّةِ والعِلمِ زادَ تعالٰى **الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا** فِراشًا كالمَہدِ للصَّبِيِّ **وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا** طُرُقًا **لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ**ۚ⁽¹⁰⁾ الٰى مَقاصِدِكم فى اَسفارِكم **وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ** اى بِقَدرِ حاجَتِكم اليه ولم يُنزِلْهُ طُوفانًا **فَاَنْشَرْنَا** اَحيَينا **بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ** اى مِثلَ ہذا الاِحياءِ **تُخْرَجُوْنَ**⁽¹¹⁾ مِن قُبورِكم اَحياءً **وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ** الاَصنافَ **كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ** السُّفُنِ **وَالْاَنْعَامِ** كالاِبِلِ **مَا تَرْكَبُوْنَ**ۙ⁽¹²⁾ حُذِفَ العائِدُ اِختِصارًا وہو مجرورٌ

فِی الاوّلِ ای فیہ مَنْصُوبٌ فِی الثَّانی لِتَسْتَوٗا لِتَسْتَقِرُّوْا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ذَکَرَ الضَّمِیرُ وجُمِعَ الظَّهْرُ نظرًا لِلَفْظِ مَا ومَعنَاہَا ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ مُطِيْقِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَمُنصَرِفُوْنَ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا حَيْثُ قَالُوا المَلٰئِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ لِاَنَّ الوَلَدَ جُزْءُ الوَالِدِ والمَلٰئِكَةُ مِن عِبَادِ اللّٰهِ اِنَّ الْاِنْسَانَ القَائِلَ ذٰلك لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ بَيِّنٌ ظَاہِرُ الكُفْرِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے حٰمٓ اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے قسم ہے اس کتاب کی جو ہدایت کے راستہ کو اور ضروری (قوانین) شریعت کو واضح کرنے والی ہے، اور ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم اے مکہ والو! اس کے معانی کو سمجھ لو اور وہ اصل کتاب یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے ہمارے نزدیک سابقہ کتابوں کے مقابلہ میں عالی مرتبت بڑی حکمت والی (کتاب) ہے، لَدَيْنَا (فی ام الکتاب) سے بدل ہے (لَدَيْنَا) معنی میں عندنا کے ہے (صاوی) کیا ہم اس نصیحت نامہ (یعنی) قرآن کو تم سے روک لیں کہ تم کو نہ حکم کیا جائے اور نہ منع کیا جائے اس بناء پر کہ تم حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو اور ہم نے اگلے لوگوں میں بھی کتنے ہی نبی بھیجے، ان کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا کہ اس کا انہوں نے مذاق نہ اڑایا ہو جیسا کہ تیری قوم نے تیرا مذاق اڑایا، اور یہ آپ ﷺ کی تسلی ہے پس ہم نے ان سے یعنی تیری قوم سے زیادہ زور آوروں کو ہلاک کر ڈالا اور آیات میں اگلوں کی مثالیں گذر چکی ہیں (یعنی) ہلاکت میں ان کی کیفیت (گذر چکی ہے) تیری قوم کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ یقیناً یہی جواب دیں گے، کہ ان کو غالب و دانا (اللہ) نے پیدا کیا (لَیَقُولُنَّ) میں نونِ رفع متعدد نونوں کے جمع ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا، اور واؤ ضمیر التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا، اور ذو العزۃ والعلم (یعنی) العزیز العلیم پر مشرکین کا کلام (جواب) پورا ہو گیا (اس کلام پر) اللہ تعالیٰ نے الَّذی جَعَلَ لکم (سے) وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ تک زیادہ فرمایا، جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا، جیسا کہ بچہ کے لئے گہوارہ اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے تاکہ تم اپنے سفر میں اپنے مقاصد تک رسائی حاصل کرو اور اسی نے ایک اندازہ کے مطابق پانی نازل فرمایا یعنی تمہاری ضرورت کے مطابق اور اس کو طوفان کی شکل میں نازل نہیں کیا پس ہم نے اس کے ذریعہ مردہ شہر (خشک زمین) کو زندہ کر دیا، اسی طرح یعنی اس احیاء کے مانند تم کو قبروں سے زندہ کر کے نکالا جائے گا، جس پر ہر چیز کے جوڑے بنائے اور تمہارے لئے کشتیاں بنائیں، اور جانور مثلاً اونٹ پیدا کئے جن پر تم سوار ہوتے ہو (ضمیر) عائد کو اختصاراً حذف کر دیا گیا اور وہ عائد اول (یعنی مِنَ الْفُلْكِ میں) مجرور ہے، یعنی ترکبونَ فیہ اور ثانی یعنی والانعام میں منصوب ہے (یعنی ترکبونهٗ) تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر سواری کر سکو (ظهورہ) میں ہ ضمیر کو مذکر (مفرد) لائے اور ظُهُور کو جمع مَا کے لفظ اور معنی کی رعایت کرتے ہوئے پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ اور کہو پاک ذات ہے اس کی جس نے اسے ہمارے بس

میں کر دیا حالانکہ ہمارے اندر اسے قابو میں کرنے کی طاقت نہ تھی اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اور انہوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اس کا جز ٹھہرا دیا، جبکہ انہوں نے کہا ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے کہ ولد، والد کا جزء ہوتا ہے، حالانکہ فرشتے اللہ کے بندے ہیں یقیناً اس بات کا قائل انسان کھلم کھلا کفر کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ: زُخْرُف ملمع، زرین، آراستہ، زینت، زخرف کا استعمال جب قول کے ساتھ ہوتا ہے، تو جھوٹ، فریب وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، ارشاد ہے زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ملمع کی ہوئی فریب کی باتیں۔

(لغات القرآن ملخصًا)

قِوْلَہٗ: والکتابِ المبین واو قسمیہ جارہ ہے، الکتابُ المبینُ موصوف باصفت مجرور ہے، جار با مجرور متعلق اقسمُ فعل محذوف کے فعل اپنے فاعل و متعلق سے مل کر قسم اور اِنَّا جَعَلْنَاهُ جوابِ قسم۔

قِوْلَہٗ: اَوْجَدْنَا الْکِتَابَ مفسر علام نے جَعَلْنَاہ کی تفسیر اَوْجَدْنَا الکتابَ سے کر کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

اعتراض: جَعَلَ قرآن کے مجعول ہونے پر دلالت کرتا ہے اور مجعول مخلوق ہوتا ہے، لہٰذا اس سے قرآن کا مخلوق ہونا لازم آتا ہے، جو کہ عقیدہ اور نظریہ ہے معتزلہ کا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَعَلَ الظلمات والنورَ اللہ تعالیٰ نے نور و ظلمت کو پیدا فرمایا، حالانکہ یہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے، اہل سنت والجماعت کے نزدیک کلام نفسی صفت خداوندی ہونے کی وجہ سے غیر مخلوق و قدیم ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ جَعَلَ خلق کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ قرآن کریم میں بھی دیگر معانی کے لئے استعمال ہوا ہے، مثلاً بَعَثَ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَجَعَلْنَا مَعَهٗ اَخَاهُ هارونَ وزیرًا اور جَعَلَ بمعنی قَالَ بھی مستعمل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَجَعَلُوا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا یعنی مشرکوں نے اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جزء کہا، یا جز ہونے کا عقیدہ رکھا، اور جَعَلَ بمعنی صَيَّرَ بھی مستعمل ہے، کقولہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً ہم نے انکے دلوں پر پردے ڈال دیئے، جَعَلْنَاهُ کی تفسیر صَيَّرْنَاہ کے بجائے اَوْجَدْنَاہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ جَعَلَ متعدی بیک مفعول ہے، اور وہ جعلناہ کی مفعولی ضمیر ہے، جس کا مرجع کتاب ہے، اور کتابًا عربیًا موصوف صفت سے مل کر جَعَلْنَاہ کی مفعولی ضمیر سے حال ہے، بعض مفسرین نے جَعَلَ کو صَيَّرَ کے معنی میں لے کر ہٗ ضمیر کو مفعول بہ اول اور قرآنًا عربیًا کو موصوف صفت سے مل کر مفعول بہ ثانی قرار دیا ہے۔

البتہ زمخشری نے جَعَلَ بمعنی خَلَقَ جائز قرار دیا ہے، اور یہ قرآن کے مخلوق ہونے کے معتزلہ کے عقیدہ کے مطابق ہے۔ (اعراب القرآن) مسئلہ کی مزید وضاحت انشاء اللہ تفسیر و توضیح کے زیر عنوان تحریر کی جائے گی۔

قِوْلَہٗ: وَاِنَّهٗ فی اُمِّ الکتابِ اس کا عطف جواب قسم پر ہے، اس طرح یہ دوسرا جواب قسم ہے، علامہ محلی نے مُثْبَتٌ محذوف

مان کر اشارہ کردیا کہ فی اُمِّ الکتابِ جار مجرور سے مل کر اِنَّ کی خبر ہے، اور لَدَیْنَا فی ام الکتاب سے بدل ہے اور معنی میں عندنا کے ہے، اور لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ اِنَّ کی خبر ثانی ہے، اور اُمُّ الکتاب بمعنی اصل کتاب، یعنی لوح محفوظ ہے۔

قولہ: اَفَنَضْرِبُ ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فاء عاطفہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَنُھْمِلُکُمْ فَنَضْرِبُ الخ استفہام انکاری ہے، جس کی طرف مفسر علام نے کلام کے آخر میں، لا محذوف مان کر اشارہ کردیا ہے یعنی قرآن سے تمہارے اعراض کرنے کی وجہ سے قرآن کے نزول کے سلسلہ کو موقوف نہیں کریں گے، بلکہ نزول کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے قرآن کا نزول مکمل کریں گے، تاکہ تمہارے اوپر حجت تام ہوجائے۔

قولہ: نُمْسِكُ مفسر علام نے نضربُ کی تفسیر نُمسِكُ سے کرکے اشارہ کردیا کہ صَفْحًا، نَضْرِبُ کا مفعول مطلق ہے، اور صفحًا، اِمْسَاکًا کے معنی میں ہے ای نُمْسِكُ اِمْسَاکًا.

قولہ: اِنْ کُنْتُمْ قومًا مسرفین نافع رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اِنْ کو شرطیہ قرار دیکر ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

سوال: اِنْ شرطیہ غیر محقق پر داخل ہوتا ہے، حالانکہ مشرکین کا شرک محقق تھا، تو یہاں اِنْ شرطیہ کیسے درست ہوگا؟

جواب: ان شرطیہ کبھی امر محقق پر بھی داخل ہوجاتا ہے، مخاطب کو یہ تاثر دینے کے لئے کہ متکلم کو وقوع شرط کا یقین نہیں ہے بلکہ وہ وقوع شرط کے بارے میں تردد اور شک میں ہے، یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اس قسم کے فعل کا صدور صاحب عقل وفہم سے مستبعد ہے۔

اور باقی قراء نے أن کُنْتُمْ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، اور لام تعلیلیہ کو مقدر مانا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَیْ لِأَنْ کُنْتُمْ قومًا مسرفین یعنی کیا ہم اس وجہ سے کہ تم حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو قرآن کے نزول کو روک لیں گے، یعنی ہم ایسا نہیں کریں گے۔

قولہ: کَمْ اَرْسَلْنَا، کَمْ خبریہ اَرْسَلنا کا مفعول مقدم ہے۔

قولہ: اَتَاھُمْ، یَاتِیْھِمْ کی تفسیر اتاھم سے کرکے اشارہ کردیا کہ مضارع بمعنی ماضی ہے، صورت عجیبہ کے استحضار پر دلالت کرنے کے لئے ماضی کو مضارع سے تعبیر کردیا ہے۔

قولہ: اَشَدَّ مِنْھُمْ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے اور موصوف اَھْلَکنا کا مفعول ہے اور بطشًا تمیز ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَھلکنا قومًا اَشَدَّ مِنْ قومِكَ من جھةِ البطشِ.

قولہ: وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ میں واو عاطفہ اور قسمیہ ہے اور اِنْ شرطیہ ہے لَیَقُوْلُنَّ جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف ہے، جواب قسم جواب شرط پر دلالت کررہا ہے، قسم اور شرط جب جمع ہوجائیں تو اول کا جواب مذکور ہوتا ہے، اسی معروف قاعدہ کی بناء پر یہاں جواب قسم مذکور اور جواب شرط محذوف ہے، جواب شرط کے محذوف ہونے کا دوسرا قرینہ یہاں یہ بھی ہے کہ مفسر علام نے لَیَقُوْلُنَّ میں نون رفع کے حذف کی علت اجتماع نونات کو قرار دیا ہے، اگر لَیَقُوْلُنَّ جواب شرط ہوتا تو مفسر علام حذفتِ النون للجازم فرماتے۔

قولہ: زاد تعالیٰ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ (الآیة) مفسر علام کے زاد تعالیٰ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مشرکین

کا کلام العزیز العلیم پر ختم ہوگیا، اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ سے باری تعالیٰ کا کلام شروع ہوا ہے، اس لئے کہ اگر یہ کلام بھی مشرکوں کا ہوتا تو وہ جَعَلَ لَنَا الْاَرْضَ مَهْدًا الخ کہتے۔

قَوْلُہٗ: اَلاصناف اس لفظ کے اضافہ کا مقصد اَلْاَزْوَاج کے معنی کی تعیین ہے، اس لئے کہ ازواج یہاں اپنے مشہور معنی (جوڑا) میں مستعمل نہیں ہے بلکہ مطلقاً اقسام وانواع کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: فَاَنْشَرْنَا اس میں التفات عن الغیبت الی التکلم ہے۔

قَوْلُہٗ: حُذِفَ العائد الخ مَا تَرْکَبُوْنَ، ما موصول ترکبون جملہ ہو کر صلہ، قاعدہ یہ ہے کہ جب صلہ جملہ ہو تو اس میں ایک ضمیر ضروری ہوتی ہے، جو موصول کی طرف راجع ہوتی ہے، یہاں اس کو اختصاراً حذف کردیا گیا ہے ما ترکبون کا تعلق چونکہ فُلك اور اَنعام دونوں سے ہے، اس لئے کہ جب مَا تَرْکَبُوْنَ کا تعلق اَلفُلك سے ہوگا تو عائد فِیْهِ محذوف ہوگا، اس لئے رکبت فی الفلك بولتے ہیں نہ کہ رکبتُ الفُلْكَ اور جب اس کا تعلق انعام سے ہوگا تو عائد منصوب ہوگا، اس لئے رکبتُ الابل مستعمل ہے نہ کہ رکبتُ علی الابل.

قَوْلُہٗ: ذُکِّرَ الضمیر مفسر علام ظُهُوْرِهٖ کے بارے میں بتانا چاہتے ہیں کہ ظُهُوْرِهٖ میں ہٖ ضمیر مذکر اور ظہور جمع لائے ہیں، ظهورٌ ظهرٌ کی جمع ہے بمعنی پشت، انعام کی پشت مراد ہے، اور ہٖ ضمیر سے بھی انعام ہی مراد ہیں، دونوں میں مطابقت نہیں ہے جبکہ مراد دونوں سے ایک ہی ہے، اس کا جواب مفسر علام نے یہ دیا ہے کہ یہ فرق لفظ مَا کے لفظ اور معنی کے فرق کی وجہ سے ہے، لفظ مَا جو کہ لفظاً مفرد ہے، اس لئے ضمیر کو مفرد مذکر لایا گیا اور معناً چونکہ جمع ہے اس لئے ظہور جمع لایا گیا۔

تَنْبِیْہ: مفسر علام اگر ذُکِّرَ الضمیر کے بجائے اُفْرِدَ الضمیر فرماتے تو زیادہ بہتر ہوتا، اس لئے کہ جمع کے مقابلہ میں مفرد آتا ہے نہ کہ مذکر، اگر دونوں میں ما کے معنی کی رعایت ہوتی تو علیٰ ظهورها ہوتا، اور اگر دونوں جگہ لفظ کی رعایت ہوتی تو ظهره ہوتا۔

قَوْلُہٗ: مُقْرِنِیْنَ ای مُطِیْقِیْنَ ماخوذ مِنْ اَقْرَنَ الشیئ اِذا اَطَاقَهٗ.

تَفْسِیْر وتَشْرِیْح

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم حٰمٓ والکتاب المبین انا جعلنٰہُ قرآنًا عربیًا.

حٰمٓ حروف مقطعات میں سے ہے، واجب الاعتقاد ما یہ المراد، اور سکوت عن التاویل ہے، یہی طریقہ احوط اور افضل ہے، ام الکتاب سے اصل کتاب جو کہ لوح محفوظ ہے مراد ہے، یعنی کتاب ظاہر البیان ہے کہ ہم نے اس کو عربی کا قرآن بنایا تاکہ تم آسانی سے سمجھ لو، بے شک وہ لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے، مراتب ومقاصد ومعانی میں اعلیٰ ہے، حکمتوں سے پُر ہے، وہ بنفسہٖ بھی افضل ہے اور دیگر آسمانی کتابوں پر بھی اس کی فضیلت مسلّم ہے۔

قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق:

اہل سنت والجماعت کے نزدیک قرآن قدیم غیر مخلوق ہے، معتزلہ حادث مخلوق مانتے ہیں، اور جعلناہ قرآنًا عربیًا سے قرآن کے مخلوق ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

بحث: اب جبکہ قرآن کے مخلوق و غیر مخلوق ہونے کا ذکر آ ہی گیا تو مسئلہ کی تنقیح و توضیح نیز معتزلہ کی تاریخ کا قدرے تفصیلی ذکر فائدے سے خالی نہ ہوگا، معتزلہ نے اِنا جَعَلْنَاہ قرآنًا عربیًا سے قرآن کو مجعول و مخلوق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ہے لفظ جعلنا قرآن کے مجعول ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور مجعول مخلوق ہوتا ہے اور ہر مخلوق حادث ہوتا ہے، لہٰذا ثابت ہوگیا کہ قرآن مخلوق و حادث ہے۔

جواب: جَعَلَ کو خَلَقَ کے ساتھ خاص کرنا اور اس کے دوسرے معانی سے صرف نظر کرنا زبردستی اور دھاندلی کی بات ہے جبکہ خود قرآن میں دیگر متعدد معانی، مثلاً بَعَثَ، قَالَ، صَيَّرَ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جس کی تفصیل مع امثلہ تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے۔

قرآن کے مخلوق ہونے پر معتزلہ کا طریق استدلال:

❶ لفظ جَعَلَ سے استدلال کرتے ہیں کہ قرآن مجعول ہے اور جو مجعول ہوتا ہے وہ مخلوق و مصنوع ہوتا ہے۔

❷ کتاب کی صفت قرآن لائی گئی ہے، جس کے معنی ہیں بعض کا بعض کے ساتھ مقرون و متصل ہونا یہ بھی مخلوق و مصنوع کی صفت ہے۔

❸ قرآن کو عربیًا کی صفت کے ساتھ متصف کیا ہے، اور عربی کو عربی اس لئے کہتے ہیں کہ عرب نے اپنی اصطلاح میں الفاظ کی وضع کے ساتھ خاص کیا ہے، یہ بھی قرآن کے مخلوق ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ (جمل)

دراصل بات یہ ہے کہ قرآن کی دو نسبتیں ہیں، اول معنوی اور دوسری تعبیری، جس کو متکلمین کی اصطلاح میں کلام نفسی اور کلام لفظی سے تعبیر کرتے ہیں، نسبت معنوی یا کلام نفسی یہ باری تعالیٰ کی صفت قدیم غیر حادث ہے، عوارض و حوادث سے پاک، صوت، حروف، لغت وغیرہ سے منزہ ہے، البتہ تعبیری نسبت جس کو کلام لفظی بھی کہتے ہیں، یعنی وہ نسبت و تعبیر جو ہمارے سمجھانے اور ادراک کے لئے ہے، اس میں صوت، حروف و کلمات و نقوش سب شامل ہیں، یہ بداہۃً حادث ہیں، آیت مذکورہ میں اسی کلام نفسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

امام رازی رَحِمَہُ اللہُ تَعالیٰ کی طرف سے معتزلہ کا جواب:

خلق قرآن کے قائلین نے قرآن کے مخلوق ہونے پر جو مذکورہ آیت سے تین طریقہ سے استدلال کیا ہے یہ استدلال کلام لفظی پر صادق آتا ہے نہ کہ کلام نفسی پر اور کلام لفظی کے مخلوق وحادث ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اختلاف کلام نفسی کے بارے میں ہے، جو کہ باری تعالیٰ کی صفت قدیم ہے۔

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی کی تحقیق:

علامہ فرماتے ہیں اِنّا جعلناہُ جواب قسم ہے اور جَعَلَ بمعنی صَیَّرَ متعدی بدو مفعول ہے نہ کہ بمعنی خَلَقَ متعدی بیک مفعول آگے چل کر علامہ فرماتے ہیں کہ میں یہ اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ یہ تعظیم قرآن کے خلاف ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ذوق مقام اس کا اباء کرتا ہے اس لئے کہ اِنَّا جَعَلْنَاہ کو اِنَّ کے ذریعہ تاکید کے ساتھ لایا گیا ہے، حالانکہ ماقبل میں کہیں خلق قرآن کا ذکر نہیں ہے اور نہ ماسبق میں منکرین خلق قرآن کا ذکر ہے کہ ان کی تردید کے لئے کلام کو مؤکد لایا گیا ہو، بلکہ مذکورہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو واضح اور فصیح عربی میں نازل کیا گیا ہے، جو کہ عرب کے اسلوب اور طرز پر وارد ہوا ہے تاکہ عرب کے لئے اس کا سمجھنا دشوار نہ ہو اور آسانی سے قرآن کے معجزہ ہونے کا ادراک کرسکیں، اسی مفہوم کی تائید اللہ تعالیٰ کے قول لعلکم تعقلون سے ہوتی ہے، گویا کہ لَعلکم تعقلون قرآن کو عربی میں نازل کرنے کی علت ہے۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعالیٰ عَنْہُمَا اور خلق قرآن:

ابن مردویہ نے طاؤس سے روایت کیا ہے، حضرموت سے ایک شخص حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعالیٰ عَنْہُ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا: اے ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعالیٰ عَنْہُ! آپ مجھے بتائیں کہ قرآن اللہ کے کلام میں سے ایک کلام ہے یا مخلوق خدا میں سے ایک مخلوق ہے، آپ رَضِیَ اللہُ تَعالیٰ عَنْہُ نے فرمایا: کلام من کلام اللّٰہ تعالیٰ، اور کیا تو نے نہیں سنا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ استجارکَ فَاَجِرْہ حتی یَسْمَعَ کلامَ اللّٰہ حضرموتی شخص نے کہا: کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کے قول اِنا جَعلناہُ قرآنًا عربیًا میں غور نہیں کیا؟ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعالیٰ عَنْہُمَا نے جواب دیا کَتَبَہُ اللّٰہ تعالیٰ فی اللوح المحفوظ بالعربیۃ یعنی جَعلنَا کا مطلب ہے لوح محفوظ میں عربی میں لکھنا۔ (روح المعانی)

معتزلہ کی تاریخ ولادت کا پس منظر:

فرقۂ معتزلہ کا بانی واصل بن عطاء ہے، جس کی پیدائش ۸۰ھ اور وفات ۱۳۱ھ میں ہے، جلیل القدر مشہور تابعی حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعالیٰ کے شاگردوں میں سے ہے، جن کی پیدائش ۲۱ھ اور وفات ۱۱۰ھ میں ہے۔

معتزلہ کی وجہ تسمیہ:

حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی مجلس میں ایک شخص نے سوال کیا کہ ہمارے زمانہ میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ مومن نہیں، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کسی بھی گناہ سے کچھ نہیں بگڑتا، اب آپ بتائیے کہ ہم کس کی بات کو حق سمجھیں تو حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سوچنے لگے، اتنے میں واصل بن عطا جو حسن بصری کے درس میں شریک ہوا کرتا تھا، بول پڑا کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن ہے اور نہ کافر، اس طرح گویا کہ اس نے ایمان و کفر کے درمیان واسطہ ثابت کیا ہے، جس پر حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا اِعتزلَ عنّا یہ ہماری جماعت سے خارج ہوگیا، اسی روز سے واصل بن عطا اور اس کے متبعین کی جماعت کو معتزلہ کہا جانے لگا، اگرچہ یہ لوگ اپنی جماعت کو اصحاب العدل والتوحید کہتے ہیں۔ (بیان الفوائد ملخصاً) عباسی خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں خلق قرآن کے مسئلہ نے شدت اختیار نہیں کی تھی نہ کوئی خاص قسم کا نزاع تھا، البتہ جب ۱۳۷ھ میں مامون تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس مسئلہ میں شدت آگئی، اس لئے کہ مامون نہ صرف یہ کہ خود خلق قرآن کا قائل تھا بلکہ اعتزال اور فرقۂ معتزلہ کا زبردست حامی بھی تھا، اس طرح معتزلہ کو حکومت وقت کی سرپرستی حاصل ہوگئی، مامون نے محدثین کو جو معتزلہ کے مخالف تھے خلق قرآن کے مسئلہ میں طاقت کے بل بوتے پر معتزلہ کا ہم نوا بنانے کی ٹھان لی، اور بعض محدثین کو خلق قرآن کا قائل نہ ہونے کی وجہ سے قتل کرادیا، مامون کے بعد معتصم باللہ اور واثق باللہ نے بھی مامون کی وصیت کے مطابق اعتزال کا مسلک اختیار کیا، اور محدثین بالخصوص امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو قرآن کو مخلوق نہ ماننے کی وجہ سے ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا، ایک روز معتصم نے امام احمد بن حنبل کو اپنے دربار میں بلایا اور ایک مجلس مناظرہ منعقد کی، جس میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق، قاضی احمد بن داؤد وغیرہ تھے، تین روز تک ان حضرات کا مناظرہ ہوتا رہا، چوتھے روز بھی جب کوئی فیصلہ نہ ہوسکا تو معتصم باللہ نے امام احمد بن حنبل کو کوڑے مارنے کا حکم دیا، مگر امام احمد بن حنبل اپنی رائے سے ٹس سے مس نہ ہوئے، حتی کہ آپ کوڑوں کی ضرب سے بے ہوش ہوگئے، اس کے بعد بھی امام صاحب کو تلوار کی نوک سے کچوکے دیئے گئے، اور ایک ٹاٹ میں لپیٹ کر آپ کو پیروں سے روندا گیا، اڑتیس کوڑوں کی ضرب لگانے کے بعد آپ کو ان کے گھر لائے، امام صاحب کو اٹھائیس ماہ جیل میں رکھا گیا۔ (اعراب القرآن) متوکل چونکہ اعتزال سے متنفر اور امام احمد بن حنبل کا معتقد تھا اس نے معتزلہ کا اثر و رسوخ ختم کر کے حکومت سے بے دخل کردیا، جس سے ان کا زور ٹوٹ گیا۔

وَاِنَّهٗ فی ام الكتاب لَدَيْنَا لعليٌّ حكيم اس آیت میں قرآن کریم کی اس عظمت و شرف کا بیان ہے جو ملاء اعلیٰ میں اسے حاصل ہے، تاکہ اہل زمین بھی اس کے شرف و عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اس کو قرار واقعی اہمیت دیں اور اس سے ہدایت کا وہ مقصد حاصل کریں جس کے لئے اسے دنیا میں اتارا گیا ہے۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ الخ اس آیت کے مختلف معنی کئے گئے ہیں مثلاً تم چونکہ گناہوں میں بہت منہمک اور ان پر مصر ہو اس لئے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم تمہیں وعظ و نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے؟ یا تمہارے کفر اور اسراف پر ہم تمہیں کچھ

نہ کہیں گے اور تم سے درگذر کریں گے۔

وجعلوا له من عباده جُزءًا ولد کو جزء سے تعبیر کر کے مشرکین کے اس دعوائے باطل کی تردید کی طرف اشارہ کر دیا، کہ اللہ کے اگر کوئی اولاد ہو تو وہ اس کی جزء ہوگی، اس لئے کہ بیٹا باپ کا جزء ہوتا ہے، اور یہ عقلی قاعدہ ہے کہ ہر کل وجود میں اپنے جزء کا محتاج ہوتا ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی اولاد کا محتاج ہے، اور یہ شان خداوندی کے خلاف ہے۔

اَمِ بمعنی ہمزۃِ الانکارِ والقولُ مُقدرٌ ای اَتَقُولُونَ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ لنفسِہ وَّاَصْفٰكُمْ اَخلَصَكُم بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ اللازِم مِن قولِكُم السابقِ فهو مِن جُملةِ المنكرِ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا جعلَ له شبهًا بنسبةِ البناتِ اليه لاَنَّ الولدَ يُشبِهُ الوالدَ، المعنى اِذَا اُخبِرَ اَحَدُهم بالبنتِ تُولَدُ له ظَلَّ صارَ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا متغيرًا تغيُّرَ مُغتَمٍّ وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ مُمتلئٌ غمًّا فكيفَ يُنسَبُ البناتُ اليه تعالى عن ذلك اَوَ ہمزۃُ الانكارِ وواوُ العطفِ بجملةٍ اى يَجعَلُونَ لِلّٰهِ مَنْ يُّنَشَّؤُا اى يُرَبّٰى فِي الْحِلْيَةِ الزينةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ مُظهِرِ الحُجّةِ لضُعفِه عنها بالانوثةِ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا حضَرُوا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ بانهم اناثٌ وَيُسْئَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ عنها فِي الآخرةِ فيترتَّبُ عليها العِقابُ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ اى الملئكةَ فعبادَتُنا اياهم بمشيئتِه فهو راضٍ بها قال تعالى مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ المقولِ مِنَ الرضا بعبادتِها مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ ما هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ يَكذِبُونَ فيه فيترتَّبُ عليهم العقابُ به اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ اى القرانِ بعبادةِ غيرِ اللهِ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ اى لم يقعْ ذلك بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ مِلّةٍ وَّاِنَّا ماشُونَ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ بهم وكانوا يعبُدُونَ غيرَ اللهِ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ مُتنعّموها مثلَ قولِ قومِك اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ ملّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ متَّبِعُونَ قُلَ لهم اَتَتَّبِعُونَ ذلك اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ انتَ ومَن قبلَك كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ قال تعالى تخويفًا لهم فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ اى مِنَ المكذِّبِين للرُّسُلِ قبلَك فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں تو خود رکھ لیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا (یہ بات) تمہارے سابق قول سے لازم آرہی ہے، (اَمْ) میں ہمزہ انکار کے لئے ہے، اور قول مقدر ہے ای اَتَقُولُونَ، وَاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ کا عطف اِتَّخَذَ پر ہونے کی وجہ سے مجملہ منکر (و مذموم) ہے (حالانکہ) ان میں سے کسی کو جب اس چیز (بیٹی) کی خبر دیجائے جس کی تشبیہ اس نے (اللہ) رحمٰن کے لئے بیان کی ہے بیٹیوں کی اس کی طرف نسبت کر کے اس کا شبیہ قرار دیا، اس لئے کہ ولد والد کے مشابہ ہوتا ہے، معنی یہ کہ جب اس کے (گھر) پیدا ہونے والی بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ غمزدہ کے مانند متغیر ہو کر سیاہ

ہوجاتا ہے، حال یہ کہ وہ غم سے بھرا ہوا ہوتا ہے تو پھر وہ بیٹیوں کی نسبت اللہ کی طرف کیوں کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ تو اس سے برتر ہے (اَوَ) میں ہمزہ انکار کے لئے اور واو (عاطفہ) عطف جملہ کے لئے ہے یعنی کیا یہ لوگ ان کو کہ جن کی پرورش زیورات زینت میں ہو اور جھگڑے کے وقت اپنی بات واضح نہ کرسکیں، اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں یعنی بوجہ عورت ذات ہونے کے حجت میں کمزور ہونے کی وجہ سے (اپنے مدعا کو) ظاہر نہیں کرسکتی، اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمان کے بندے ہیں عورتیں قرار دے لیا کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی کہ وہ عورتیں ہیں لکھ لی جائے گی اور اس بارے میں ان سے آخرت میں باز پرس ہوگی اور اس شہادت پر سزا مرتب ہوگی اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی یعنی ملائکہ کی عبادت نہ کرتے سو ہمارا فرشتوں کی بندگی کرنا اس کی مشیت سے ہے اور وہ اس سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو اس کی یعنی ان کی عبادت سے (اللہ کی) رضامندی کے بارے میں مقولہ کی کچھ خبر نہیں یہ تو محض اٹکل سے باتیں کرتے ہیں (یعنی) دروغ گوئی کرتے ہیں، اس دروغ گوئی کی وجہ سے ان کی سزا مرتب کی جائے گی کیا ہم نے انہیں اس سے یعنی قرآن سے پہلے کوئی (اور) کتاب دی جو غیر اللہ کی عبادت کے (جواز) کے بارے میں ہو جس کو وہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں یعنی ایسا نہیں ہوا بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مذہب پر پایا اور ہم تو بلاشبہ ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، ان ہی کی بدولت ہدایت یافتہ ہیں حالانکہ وہ غیر اللہ کی بندگی کرتے تھے، اسی طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے آپ کی قوم کے مانند جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم تو ان ہی کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں (اے نبی آپ) ان سے دریافت کیجئے کیا تم اپنی قوم کی اس بات کی پیروی کرو گے اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے بہت بہتر طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے منکر ہیں جسے تم کو اور تم سے پہلے والوں کو دیکر بھیجا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈرانے کے لئے کہا ہم نے ان سے یعنی آپ سے پہلے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں سے انتقام لیا، دیکھ لے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: اَللَّازِمُ مِنْ قولِکُمُ السَّابِقِ قول سابق سے مراد مشرکین مکہ کا قول المَلائکۃُ بنات اللّٰہ ہے یعنی ملائکہ کو جب اللہ کی بیٹیاں قرار دیدیا تو اس سے یہ بات خود بخود لازم آگئی کہ بیٹے ان قائلین کے لئے مخصوص ہیں، لہٰذا مشرکین مکہ کا قول وَاَصفاکم بالبَنین کا بھی جو کہ ان کے قول سابق کے لئے لازم ہے، منکر و مذموم ہونا ثابت ہوگیا۔

قِوْلَهُ: بِما ضَرَبَ، ما موصولہ سے بنات مراد ہیں، اور ضَرَبَ بمعنی جَعَلَ ہے جیسا کہ شارح نے جَعَلَ مقدر مان کر اشارہ کردیا ہے جَعَلَ کا مفعول اول ہُ ضمیر محذوف ہے جو کہ موصول کا عائد بھی ہے ای ضَرَبَهُ اور مثلاً مفعول ثانی ہے، معنی میں شبهًا کے ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ای جَعَلَ البنات لہُ شِبْهًا یعنی بنات کی اللہ کی طرف نسبت کر کے بنات کو اللہ کے

مشابہ قرار دیدیا، اس لئے کہ اولاد والد کے مشابہ ہوا کرتی ہے۔

قِوْلَهُ: اَوَ میں ہمزہ انکار کے لئے ہے اور واؤ عطف جملہ علی الجملہ کے لئے ہے بجملة میں با بمعنی لام ہے بجملة عطف سے متعلق ہے اور معطوف محذوف ہے اور وہ یَجْعَلُوْنَ ہے اور معطوف علیہ بھی محذوف ہے اور وہ یَجْتَرِؤُنَ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے أیَجْتَرِؤُنَ ویَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ مَنْ یُنَشَّأُ فِی الحِلْیَةِ.

قِوْلَهُ: یُنَشَّؤُا واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول، مصدر تَنْشِئَة پرورش پانا (تفعیل) وہ پرورش پاتا ہے، یہ ترجمہ مَنْ کے لفظ کا اعتبار کرنے کی صورت میں ہے اور معنی کے اعتبار کی صورت میں وہ پرورش پاتی ہیں ترجمہ ہوگا۔

قِوْلَهُ: غَیْرُ مُبِین. مُظْهِرُ الحجة، مُبِین کی تفسیر مُظْهِرٌ سے کر کے اشارہ کردیا کہ مبین یہاں اَبَانَ متعدی سے ہے۔

قِوْلَهُ: وَجَعَلُوا الملائکة یہاں جَعَل بمعنی قال اور حَکَمَ ہے، کہا جاتا ہے جَعَلْتُ زیدًا اَعْلَمَ الناس زید کے بارے میں میں نے اَعْلَمَ الناس ہونے کا حکم لگایا۔

قِوْلَهُ: لَوْ شاء الرَّحمٰنُ، شاءَ کا مفعول محذوف ہے ای لَو شاء الرحمٰن عدم عِبادَةِ الملائکة مَا عَبَدْناهُمْ.

قِوْلَهُ: اِنَّا ماشُونَ علیٰ آثارهم، ماشُونَ مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ علیٰ آثارهم، ماشُونَ محذوف کے متعلق ہو کر اِنَّا کی خبر ہے۔

قِوْلَهُ: کذلك ای الأمر کماذُکِرَ یعنی عورتیں عام طور پر حجت میں عاجز اور کمزور ہوتی ہیں مَا اَرْسَلْنَا جملہ مستانفہ ہے أتَتَّبِعُوْنَ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمزہ فعل محذوف پر داخل ہے اور واؤ حالیہ ہے ای أتَقتَدون بآبائکم ولَو جئتُکُمْ بأهدیٰ الخ ای بدینِ الأهدیٰ وَاَصْوَب مِمَّا وَجَدْتُمْ الخ اسم تفضیل کا استعمال اِرْخاء عنان اور مخاطب کی بات بڑی کرنے کے طور پر ہے ورنہ ان کے دین اور طریقہ میں سرے سے ہدایت ہی نہیں ہے۔

تَفسِیر وَتَشرِیح

اَمِ اتَّخَذُوْا مِمَّا یَخْلُقُ اس آیت میں مشرکین کی جہالت اور سفاہت کا بیان ہے کہ انہوں نے اللہ کے لئے اولاد ٹھہرائی اور وہ بھی وہ کہ جس کو وہ خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں یعنی لڑکیاں۔

اَوَ مَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الحِلْیَةِ یَنشَّؤُا نَشْوٌ سے ہے بمعنی تربیت ونشوونما، یہاں عورتوں کی دو صفات کا تذکرہ بطور خاص کیا ہے، اول یہ کہ ان کی نشوونما، زیب و زینت و زیورات میں ہوتی ہے یعنی شعور بیدار ہوتے ہی ان کی توجہ حسن افزا اور جمال افروز چیزوں کی طرف ہوتی ہے، مطلب یہ کہ جن کی حالت یہ ہے کہ وہ تو اپنے ذاتی معاملات کے درست کرنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتیں، دوسرے اگر کسی سے بحث و تکرار ہوجائے تو وہ اپنی بات بھی صحیح طریقہ سے (فطری حجاب کی وجہ سے) واضح نہیں کرسکتیں، نہ فریق مخالف کے دلائل کا توڑ کرسکتی ہیں، عورت کی یہ وہ دو فطری کمزوریاں ہیں جن

کی بناء پر مرد عورت پر ایک گونہ فضیلت رکھتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ الخ مشرکین مکہ کی ایک بڑی دلیل بتوں کی بندگی پر یہ تھی کہ خدا کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا اگر خدا کی مشیت نہ ہوتی ہم بت پرستی نہ کرتے، یہ بات صحیح ہے کہ مشیت ایزدی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا مگر مشرکین ''مشیت'' اور ''رضا'' کے فرق سے ناواقف ہیں، اس لئے وہ مشیت سے رضاء پر استدلال کرتے ہیں جو سراسر غلط ہے، ہر کام یقیناً اس کی مشیت ہی سے ہوتا ہے، لیکن راضی وہ انہی کاموں سے ہوتا ہے جن کا اس نے حکم دیا ہے، ظلم وزیادتی، چوری وبدکاری، انسان اللہ کی مشیت اور اس کے ارادہ ہی سے کرتا ہے، اگر خدا چاہے تو انسان کو ان کاموں پر قدرت ہی نہ دے، لیکن یہ جبر کی صورت ہوگی، اس نے انسان کو ارادہ اور اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اسے آزمایا جائے، اسی لئے اس نے دونوں قسموں کے کاموں کی وضاحت کردی، جن سے وہ راضی ہوتا ہے ان کی بھی اور جن سے وہ ناراض ہوتا ہے ان کی بھی، انسان دونوں قسموں کے کاموں میں جس کام کو کرے گا اللہ اس کا ہاتھ نہیں پکڑے گا، ورنہ تو یہ عطا کردہ اختیار کو سلب کرنے کے مترادف ہوگا، البتہ اس کی سزا اگر چاہے گا تو آخرت میں ضرور دے گا۔

اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا اور یہ بات بھی نہیں ہے کہ قرآن کریم سے پہلے ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہو جس میں ان کو بتوں کی بندگی کی اجازت دی گئی ہو، جس کی وجہ سے یہ بتوں کی بندگی کرتے ہوں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تقلید آباء کے علاوہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، یعنی وہ اپنے آباء کی اندھی تقلید میں اس قدر پختہ تھے کہ پیغمبر کی وضاحت وصراحت بھی انہیں اس سے نہیں روک سکی۔

وَ اذكُرْ **اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ** اى بَرِئٌ **مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ** خَلَقَنِي **فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾** يُرْشِدُنِي لِدِينِهِ **وَجَعَلَهَا** اى كَلِمَةَ التَوحِيدِ المَفْهُومَةِ من قوله انني الى سَيَهْدِين **كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ** ذُرِّيَّتِهِ فلا يَزالُ فيهم مَن يُوَحِّدُ اللهَ **لَعَلَّهُمْ** اى اَهلَ مَكةَ **يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾** عمّا هم عليه الى دِينِ ابراهيمَ ابيهم **بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ** المُشرِكِينَ **وَاٰبَآءَهُمْ** ولم اُعاجِلْهم بالعُقُوبةِ **حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ** القُرآنُ **وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾** مُظْهِرٌ لهم الاَحكامَ الشَرعِيَّةَ وهو مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وسلم **وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ** القُرآنُ **قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا** هَلّا **نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ** مِن اَيَّةٍ منهما **عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾** اى الوَليدِ بنِ المُغيرةِ بمَكّةَ وعُروةَ بنِ مَسْعُودٍ الثَقَفِيِّ بالطائِفِ **اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ** النُبُوّةَ **نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** فجَعَلْنا بَعْضَهم غَنِيًّا وبعضَهم فقيرًا **وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ** بالغِنى **فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ** الغَنِيُّ **بَعْضًا** الفَقِيرَ **سُخْرِيًّا** مُسَخَّرًا في العَمَلِ له بالاُجرَةِ والياءُ لِلنَّسَبِ وقُرِئَ بكَسرِ السِّينِ **وَرَحْمَتُ رَبِّكَ** اى الجَنّةُ **خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾** في الدُنيا **وَلَوْلَاۤ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً** على الكفر **لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ** بَدَلٌ مِن لِمَنْ **سُقُفًا** بفَتحِ السِّينِ وسُكونِ القافِ

وبضمّهما جمعًا **مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ** كالدرج من فضةٍ **عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ** يَعلون الى السطح **وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا** من فضةٍ **وَّ** جعلنا لهم **سُرُرًا** من فضةٍ جمعُ سريرٍ **عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ وَزُخْرُفًا** ذهبًا المعنى لو لا خوفُ الكفرِ على المُؤمنِ من إعطاءِ الكافرِ ما ذُكرَ لأعطيناه ذلك لِقلّةِ خطرِ الدنيا عِندنا وعدمِ حظّهِ في الاخرةِ في النعيمِ **وَاِنْ** مُخففةٌ من الثقيلةِ **كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا** بالتخفيفِ فما زائدةٌ وبالتشديدِ بمعنى الّا فان نافيةٌ **مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** يُتمتّعُ به فيها ثم يَزولُ **وَالْاٰخِرَةُ** الجنّةُ **عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ**

ترجمہ: اور اس وقت کا تذکرہ کرو کہ جب ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو بجز اس ذات کے کہ جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے اپنے دین کی ہدایت بھی دے گا اور اس کو یعنی کلمہ توحید کو جو کہ اس کے قول اِنَّنِی تا سَیَھْدِیْنِ سے مفہوم ہے، اپنی اولاد میں باقی رہنے والی بات کر گئے چنانچہ ہمیشہ ان میں توحید پرست رہیں گے تاکہ اہل مکہ اپنے موجودہ دین کو چھوڑ کر اپنے ابا، ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے دین کی طرف آجائیں بلکہ میں نے ان مشرکوں کو اور ان کے آباء کو سامان راحت دیا، اور ان کی سزا میں جلدی نہیں کی، یہاں تک کہ ان کے پاس حق یعنی قرآن اور احکام شرعیہ کو ظاہر کرنے والا رسول اور وہ محمد ﷺ ہیں آگئے اور ان کے پاس حق قرآن پہنچتے ہی بول پڑے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں اور کہنے لگے یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بستی کے کسی بڑے شخص یعنی مکہ میں ولید بن مغیرہ اور طائف میں عروہ بن مسعود ثقفی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ کیا آپ کے رب کی رحمت نبوت کو یہ تقسیم کرتے ہیں؟ (حالانکہ) ان کی دنیوی زندگی کی روزی (خود) ہم نے ان کے درمیان تقسیم کی، تو ہم نے ان میں سے بعض کو غنی اور بعض کو فقیر کر دیا، اور ہم نے بعض کو بعض پر مالداری میں درجہ بدرجہ فوقیت دی تاکہ ان کا بعض یعنی مالدار بعض یعنی غریب سے اجرت پر کام لیتا رہے، اور سُخریا میں یاء نسبتی ہے، اور ایک قراءت میں سین کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور تیرے رب کی رحمت یعنی جنت اس سے بدرجہا بہتر ہے جسے یہ دنیا میں سمیٹے پھرتے ہیں، اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی طریقہ (یعنی) کفر پر ہو جائیں گے تو رحمٰن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو اور زینوں کو بھی جن کے ذریعہ یہ چھتوں پر چڑھا کرتے چاندی کی بنا دیتے لِبُیُوتِھِمْ، مَنْ سے بدل ہے اور سُقُفًا سین کے فتحہ اور قاف کے سکون اور دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے اور ان کے گھروں کے دروازے چاندی کے اور ان کے تخت بھی چاندی کے کر دیتے سُرُرٌ سریرٌ کی جمع ہے جن پر وہ ٹیک لگایا کرتے اور سونے کے بھی مطلب یہ کہ مذکورہ چیزیں کافر کو دینے میں، مومن کے بارے میں کفر کا اندیشہ نہ ہوتا تو یہ سب کچھ ہم ان کو دیدیتے اور یہ ہمارے نزدیک دنیا کی کوئی قدر نہ ہونے کی وجہ سے اور کافر کا آخرت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا اور یہ سب کچھ دنیا کا معمولی سا فائدہ ہے جس سے دنیا میں انتفاع کیا جا سکتا ہے پھر زائل ہو جائیگا، اِنْ ثقیلہ سے مخففہ ہے اور لَمَّا تخفیف اور تشدید کے ساتھ اِلَّا کے معنی میں ہے، لہٰذا اِنْ

نافیہ ہے اور آخرت جنت تو تیرے رب کے نزدیک متقیوں ہی کے لئے ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بَرَاءٌ مصدر بیزار ہونا، نفرت کرنا، مفسر علام نے بَرِیٌّ سے تفسیر کرکے اشارہ کردیا بَرَاءٌ، بَرِیٌّ صیغہ صفت بروزن فعیل ہے، اظہار بیزاری کرنے والا، مصدر جب صفت واقع ہو تو واحد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب برابر ہوتے ہیں۔

قولہ: اِلَّا الَّذِی فطرنی اس میں تین صورتیں ہوسکتی ہیں (۱) مستثنیٰ منقطع ای لکن الذی فطرنی یہ اس صورت میں ہوگا کہ وہ صرف بتوں ہی کی بندگی کرتے ہوں (۲) مستثنیٰ متصل اس صورت میں جبکہ خدا کے ساتھ بتوں کو شریک کرتے ہوں (۳) اِلّا صفتی بمعنی غَیْرَ ہو، یہ زمخشری کا قول ہے۔

قولہ: جَعَلَهَا ای کلمة التوحید المفهوم الخ.

سوال: ای کلمة التوحید الخ کے اضافہ کا مقصد کہ جَعَلَهَا کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ اگر کلمة ہے تو یہ ماقبل میں مذکور نہیں ہے۔

جواب: کلمة ماقبل میں اگرچہ صراحةً مذکور نہیں ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول اِنَّنِی براءٌ مِمّا تعبدونَ سے مفہوم ہے۔

قولہ: بَل هٰؤلاءِ المشرکین، بَلْ اضراب انتقالی ان کی عدم اتباع پر توبیخ و تقریع کے لئے ہے، هٰؤلاء اسم اشارہ کا مشارٌ الیہ وہ مشرکین ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔

قولہ: حتّٰی جاء هم الحق یہ محذوف کی غایت ہے، تقدیر عبارت یہ ہے بَلْ مَتَّعْتُ هٰؤلاء فاشتغلوا بذلك التمتع حتّٰی جاء هم الخ.

قولہ: مَعَارِج، مِعْرَج میم کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ، کی جمع ہے، سیڑھیوں کو معارج کہنے کی وجہ یہ ہے کہ سیڑھیوں پر لنگڑے کے مانند چڑھتے ہیں اور لنگڑے کو اعرج کہتے ہیں۔

قولہ: سُرُرًا یہ فعل محذوف کا مفعول ہے جیسا کہ مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے جعلنا محذوف مان کر اشارہ کردیا، اس کا عطف جَعَلْنَا لِمَنْ یکفُرُ پر ہے۔

قولہ: زُخْرُفًا یہ جَعَلْنَا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای جَعَلْنَا لهُمْ مع ذلك زُخْرُفًا یا نزع خافض کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ تھی ای ابوابًا وسُرُرًا من فضةٍ و من ذهبٍ، مِن کے حذف ہونے کی وجہ سے زخرفًا منصوب ہوگیا۔

قولہ: وَاِنْ کُلُّ ذٰلك، اِنْ نافیہ ہے، اور کُلُّ ذلك مبتداء اور لَمَّا بالتشدید بمعنی اِلَّا اور مَتَاعُ الحیوٰةِ الدنیا اس کی خبر لَمَّا کو تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس وقت اِنْ مخففہ عن الثقیلہ مہملہ ہوگا اور لام اِن مخففہ اور نافیہ کے درمیان

فارقہ ہوگا اور ما زائدہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: والآخرةُ واوحالیہ ہے، آخرة مبتداء ہے عِنْدَ رَبِّكَ للمتقين محذوف کے متعلق ہوکر مبتداء کی خبر ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط:

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ الخ گذشتہ آیات کے آخر میں باری تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ مشرکین عرب کے پاس اپنے شرک پر سوائے اپنے باپ دادوں کی رسوم کے کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے اور یہ بات بالکل ظاہر اور واضح ہے کہ عقلی اور نقلی دلائل کی موجودگی میں محض آباء واجداد کی تقلید پر اصرار کرنا حق وانصاف سے کس قدر بعید ہے، اب ان آیات میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اگر اپنے آباء واجداد ہی کے راستہ پر چلنا چاہتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے راستہ پر کیوں نہیں چلتے جو تمہارے اشرف ترین جداعلیٰ ہیں، اور جن کے ساتھ نسبی وابستگی کو تم خود اپنے لئے سرمایۂ صد افتخار سمجھتے ہو، وہ نہ صرف توحید کے قائل تھے بلکہ اپنی اولاد کو بھی اس کی وصیت کر گئے، بلکہ ان کا طرز عمل تو یہ بتاتا ہے کہ واضح عقلی اور نقلی دلائل کی موجودگی میں محض باپ دادوں کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے، جس وقت وہ مبعوث ہوئے تو ان کی پوری قوم اپنے آباؤ اجداد کی اتباع میں شرک میں مبتلا تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کے بجائے دلائل واضحہ کا اتباع کرتے ہوئے اپنی قوم سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا اِنَّنِيْ بَرَاءٌ مِمَّا تعبدونَ جن چیزوں کی تم بندگی کرتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ (معارف)

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے اپنی قوم کی بدعملیوں اور بداعتقادیوں سے اظہار براءت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص بدعمل یا بدعقیدہ لوگوں یا جماعت کے درمیان رہتا ہو اور خاموش رہنے کی صورت میں یہ اندیشہ ہو کہ اس کو بھی اس گروہ یا جماعت کا ہم خیال سمجھا جائے گا تو محض اپنے عقیدے اور عمل ہی کا درست کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس گروہ کے عقائد واعمال سے اظہار براءت بھی ضروری ہے، جیسا کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ اپنے عقائد واعمال کو مشرکین سے علیحدہ وممتاز کر لیا بلکہ زبان سے بھی اظہار براءت کا اعلان فرمایا۔

وَجَعَلَهَا كلمةً باقيةً یعنی اس کلمۂ توحید کی وصیت اور تاکید اپنی اولاد کو بھی کر گئے، جیسے فرمایا وَوَصّٰى بِهَا ابراهيمُ بنيهِ ويعقوبُ (البقرة) بعض مفسرین نے جَعَلَ کا فاعل اللہ کو قرار دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کلمۂ توحید کو ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد ان کی اولاد میں باقی رکھا اور وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اپنی ذات کے علاوہ اپنی اولاد کو دین صحیح پر کاربند اور عمل پیرا کرنے کی فکر بھی انسان کے فرائض میں شامل ہے، انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں بھی

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ ان حضرات نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو دین صحیح پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی، لہٰذا جس صورت سے ممکن ہو اولاد کے اعمال واخلاق کی اصلاح میں اپنی پوری کوشش صرف کر دینا ضروری بھی ہے، اور انبیاء کی سنت بھی۔

وَقَالُوا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ان آیات میں باری تعالیٰ نے مشرکین عرب کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جو وہ آنحضرت ﷺ کی رسالت پر کیا کرتے تھے، شروع میں تو مشرکین مکہ یہ باور کرنے ہی کو تیار نہیں تھے کہ اللہ کا کوئی رسول انسان ہو سکتا ہے، چنانچہ ان کا یہ اعتراض قرآن کریم نے جا بجا نقل کیا ہے کہ ہم محمد ﷺ کو کس طرح رسول مان لیں جبکہ وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں لیکن جب متعدد آیات قرآنی کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا گیا کہ دنیا میں جس قدر بھی انبیاء ورسل آئے وہ انسان ہی تھے اور محمد ﷺ کی طرح کھاتے پیتے بھی تھے، جب یہ کھانا پینا اور انسان ہونا سابقہ انبیاء کی نبوت کے لئے باعث نقص وننگ نہیں تو پھر محمد ﷺ کی نبوت کے لئے کیسے نقص یا باعث اعتراض ہو سکتا ہے، تو مشرکین عرب نے پینترا بدل کر یہ اعتراض کیا کہ اگر کسی انسان ہی کو نبوت سونپنی تھی تو حضور تو مالی اعتبار سے کوئی بڑے صاحب حیثیت نہیں ہیں، لہٰذا یہ منصب آپ ﷺ کے بجائے مکہ اور طائف کے کسی بڑے دولت مند اور صاحب جاہ ومنصب انسان کو کیوں نہیں دیا گیا؟ روایات میں ہے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے مکہ مکرمہ سے ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ اور طائف سے عروہ بن مسعود ثقفی، حبیب بن عمر ثقفی یا کنانہ بن عبد یا لیل کے نام پیش کئے۔

(روح المعانی)

أَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ''رحمت'' نعمت کے معنی میں ہے اور یہاں سب سے بڑی نعمت، نبوت مراد ہے، استفہام انکار کے لئے ہے، یعنی یہ کام ان کا نہیں ہے کہ رب کی نعمتوں بالخصوص نعمت نبوت کو یہ اپنی مرضی سے تقسیم کریں بلکہ یہ صرف رب کا کام ہے کیونکہ وہی ہر بات کا علم اور ہر شخص کے حالات سے پوری واقفیت رکھتا ہے وہی بہتر سمجھتا ہے کہ انسانوں میں سے نبوت کا تاج کس کے سر پر رکھا جائے؟

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ یعنی مال ودولت، جاہ ومنصب، عقل وفہم میں ہم نے یہ فرق اور تفاوت اس لئے رکھا ہے تاکہ زیادہ مال والا کم مال والے سے، بڑے منصب والا چھوٹے منصب والے سے اور عقل وفہم سے وافر حصہ پانے والا اپنے سے کم تر عقل وشعور رکھنے والے سے کام لے سکے، اللہ تعالیٰ کی اس حکمت بالغہ سے کائنات کا نظام بحسن وخوبی چل رہا ہے، ورنہ اگر سب لوگ ہر چیز میں برابر ویکساں ہوتے تو کوئی کسی کا کام کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا، جس سے دنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

لَوْ لَا اَنْ يَكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً الخ اس آیت میں چار امر مذکور ہیں (۱) مومنین کی رعایت کہ مبادا کافروں کی دولت کو دیکھ کر پھسل جائیں، اور دولت کو رضاء الٰہی سمجھنے لگیں (۲) آخرت میں فوز وفلاح مومنین کے لئے خاص ہے (۳) یہ کہ دنیا ذلیل ہے اور زیادہ تر کفار سے تعلق رکھتی ہے، مومن کی شان سے بعید ہے کہ ایسی حقیر وفانی چیز پر نظر وفخر کرے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہ ملتا

④ سونے اور چاندی کی حرمت کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ جو چیز کفار کے لئے سزاوار ہو مومن کے لئے سزاوار نہ ہونا چاہئے، پھر یہ بھی اشارہ ہے کہ سونے چاندی کا مطلقاً استعمال منع نہیں اور یہ **لولا** سے سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ **لولا** کے ذریعہ نفی، ثبوت پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا جہاں جہاں شارع سے منع ثابت ہے ممنوع ہے، جیسے اکثار مال، اور استعمال ظروف طلاء ونقرہ منع ہے، اور مردوں کے لئے لباس وزیور، فرمایا آپ ﷺ نے **لا تشربوا فی آنیة الذهب والفضة لا تأکلوا فی اصحافها فانّها لهم فی الدنیا، لَنَا فی الآخرة وانما خوّلهم اللّٰه تعالیٰ فی الدنیا لحقارتها (ترمذی)** "نہ کھاؤ پیو سونے چاندی کے برتنوں میں یہ کفار کے لئے دنیا میں ہیں اور ہمارے لئے آخرت میں اور اللہ نے دنیا انہیں اس لئے عطا کی کہ وہ حقیر ہے"۔

سُوال: سونا چاندی کیوں ممنوع اور حقیر ہے حالانکہ دنیا میں معاش ومعیشت کا نظام اس کے ساتھ قائم ہے، نیز دینی ودنیوی حاجات کا وسیلہ ہے اور آخرت میں موعود اور بہشت میں موجود۔

جَواب: ممانعت باعتبار اثر کے ہے اس لئے موجب تکبر وتفاخر اور باعث کمال محویت وتغافل، جس کی وجہ سے خلوص حب الٰہی کو مانع ہے، اور عورتوں کے لئے جواز یا تو بطور احسان ہے یا جنت کی نعمتوں کے نمونہ کے طور پر ہے۔ (خلاصة التفاسیر)

وَمَنْ يَعْشُ يُعرِض **عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ** القرآن **نُقَيِّضْ** نُسبِّب **لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ**﴿۳۶﴾ لا يُفارِقُهُ **وَاِنَّهُمْ** اى الشياطين **لَيَصُدُّوْنَهُمْ** اى العاشين **عَنِ السَّبِيْلِ** طريقِ الهدىٰ **وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ**﴿۳۷﴾ فى الجمع رعايةُ معنى مَن **حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا** العاشى بقرينته يومَ القيمة **قَالَ** له **يٰا** للتنبيهِ **لَيْتَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ** اى مِثلَ بُعدِ ما بينَ المَشرِقِ والمغربِ **فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ**﴿۳۸﴾ اَنتَ لى قال تعالى **وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ** اى العاشِينَ تَمَنِّيكُم ونَدمُكم **الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ** اى تبيَّنَ لكم ظُلمُكم بالاشراكِ فى الدُّنيا **اَنَّكُمْ** مع قُرنائكم **فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ**﴿۳۹﴾ عِلّةٌ بتقدير اللام لِعدمِ النفعِ واِذ بدلٌ مِنَ اليوم **اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ**﴿۴۰﴾ بَيِّنٍ اى فهُم لا يُؤمِنون **فَاِمَّا** فيه اِدغامُ نونِ اِنِ الشرطيّةِ فى ما الزائدةِ **نَذْهَبَنَّ بِكَ** بانْ نُميتَك قبلَ تعذيبِهم **فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ**﴿۴۱﴾ فى الاخرةِ **اَوْ نُرِيَنَّكَ** فى حيوتِك **الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ** به مِنَ العذابِ **فَاِنَّا عَلَيْهِمْ** على عذابِهم **مُّقْتَدِرُوْنَ**﴿۴۲﴾ قادِرون **فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْۤ اُوْحِىَ اِلَيْكَ** اى القرآن **اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ** طريقٍ **مُّسْتَقِيْمٍ**﴿۴۳﴾ **وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ** لَشرفٌ **لَّكَ وَلِقَوْمِكَ** لِنُزولِه بلُغتِهم **وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ**﴿۴۴﴾ عنِ القيامِ بحقِّه **وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ** اى غيرِه **اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ**﴿۴۵﴾ قيلَ هو على ظاهرِه بانْ جُمِعَ له الرُّسلُ ليلةَ الاسراءِ وقيلَ المُرادُ اُمَمٌ مِن اَىِّ اهلِ الكتابَين ولم يسأل على واحدٍ مِنَ القولَين لِاَنَّ المُرادَ مِنَ الامرِ بالسُّؤالِ التقريرُ لِمُشرِكى قُرَيشٍ اَنَّه لم يأتِ رسولٌ مِنَ اللّٰهِ ولا كتابٌ بعبادةِ غيرِ اللّٰهِ.

ترجمہ: اور جو شخص رحمٰن کے ذکر یعنی قرآن سے اعراض کرے تو ہم اس پر ایک شیطان مقرر کردیتے ہیں سو وہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے کہ اس سے جدا نہیں ہوتا اور بلاشبہ وہ شیاطین ان اعراض کرنے والوں کو ہدایت کے راستہ سے روکتے ہیں اور یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں جمع لانے میں مَنْ کے معنی کی رعایت ہے یہاں تک کہ جب وہ اعراض کرنے والا اپنے ساتھی کے ساتھ قیامت کے روز ہمارے پاس آئے گا تو اپنے ساتھی سے کہے گا، کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کی دوری ہوتی یعنی جس قدر مشرق ومغرب کے درمیان دوری ہے یــا تنبیہ کے لئے ہے تو میرا بڑا برا ساتھی ہے، (اے) اعراض کرنے والو! آج ہرگز تم کو تمہاری آرزو اور ندامت کچھ فائدہ نہ دے گی جبکہ تم ظالم ٹھہر چکے یعنی دنیا میں شرک کرکے تمہارا ظلم ظاہر ہوگیا اس لئے کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ عذاب میں شریک ہوؤ گے یہ تقدیر لام کے ساتھ عدم نفع کی علت ہے اور اِذْ ، الیــوم سے بدل ہے کیا تو بہرے کو سنا سکتا ہے یا اندھے کو راہ دکھا سکتا ہے اور اس کو کہ جو کھلی گمراہی میں ہو یعنی وہ ایمان نہیں لائیں گے پس اگر ہم آپ کو یہاں (دنیا) سے وفات دیکر ان کو عذاب دینے سے پہلے لے بھی جائیں تو بھی ہم آخرت میں ان سے انتقام لینے والے ہیں یا جس عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے وہ آپ کو آپ کی زندگی میں دکھادیں، ہم اس پر بھی قادر ہیں، پس جب وحی (یعنی) قرآن کو آپ کی طرف بھیجا گیا ہے آپ اس کو مضبوطی سے تھامے رہیں، بلاشبہ آپ راہ راست پر ہیں اور یقیناً یہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے باعث شرف ہے اس کے ان کی زبان میں نازل ہونے کی وجہ سے، اور عنقریب تم لوگوں سے اس کا حق ادا کرنے کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور ہمارے ان رسولوں سے پوچھو جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا، کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے اور معبود مقرر کئے تھے؟ کہا گیا ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر ہے، بایں طور کہ تمام رسولوں کو لیلۃ الاسراء میں جمع کیا گیا، اور کہا گیا ہے کہ مراد دونوں اہل کتاب سے کوئی سی بھی امت ہے، اور دونوں قولوں میں سے کسی قول کے مطابق آپ نے سوال نہیں کیا، اس لئے کہ سوال کا حکم کرنے سے مراد مشرکین قریش سے اقرار کرانا ہے یہ کہ نہ تو اللہ کی طرف سے کوئی رسول آیا اور نہ کوئی کتاب جو غیر اللہ کی عبادت کا حکم لے کر آئی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: یَعْشُ، عشا یعشــوا کدعا یدعُوا عَشِیًّا وعَشوا سے واحد مذکر غائب، اعراض کرنا، مَنْ یَعْشُ جو اعراض کرے گا (ن) عَشْوٌ اعراض کرنا، نظریں چرانا، وبالفارسیۃ چشم پوشیدن، وغافل شدن۔

قولہ: نُقَیِّضْ جواب شرط ہے یَعْشُ فعل شرط مجزوم بحذف الواؤ حذف واؤ پر ضمہ دال ہے، اور مَنْ حرف شرط ہے۔

قولہ: نُقَیِّضْ (تفعیل) مضارع جمع متکلم ہم مقدر کردیتے ہیں، ہم سبب بنادیتے ہیں۔ (لغات القرآن)

قولہ: اَنَّھُمْ، ھُمْ ضمیر کا مرجع شیطان ہے، شیطان چونکہ جنس ہے اس لئے ضمیر کو جمع لایا گیا ہے اور جہاں ضمیر کو مفرد لائے وہاں لفظ شیطان کی رعایت کی گئی ہے۔

قولہ: وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ مُھْتَدُوْنَ جملہ حالیہ ہے معنیٰ مَنْ کی رعایت کی وجہ سے تینوں جگہ جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

(صاوی ملخصًا)

قولہ: بِقَرِیْنِہٖ ای مع قرینہٖ.

قولہ: یا للتنبیہ یا تنبیہ کے لئے بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ شارح نے اشارہ کیا ہے اور یا ندائیہ بھی ہوسکتا ہے، منادیٰ محذوف ہوگا، ای یا قرین، لَیْتَ بَیْنِی وبَیْنَكَ الخ.

قولہ: تَمَنِّیْکُمْ و نَدَمُکم جملہ معطوفہ ہوکر ینفعکُمْ کا فاعل ہے۔

قولہ: تَبَیَّنَ لکم ظُلمکم اس عبارت کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: ظلم یعنی کفر و شرک دنیا میں واقع ہوا، اس لئے کہ اِذْ ماضی کے لئے ظرف ہے، اور الیَوْم سے مراد قیامت کا دن ہے جو کہ اِذْ سے بدل ہے، لہٰذا ماضی حال سے کس طرح بدل واقع ہوسکتی ہے۔

جواب: تبیّن سے مراد ظلم کا ظہور ہے اور یہ قیامت کے دن ہوگا۔

تفسیر و تشریح

مَنْ یَعْشُ، عشا یعشوا کے معنی ہیں آنکھوں کی بیماری یعنی رتوندا جس کو شب کوری کہتے ہیں، یعنی جو اللہ کے ذکر سے اندھا ہوا، آنکھیں چرائیں، اعراض کیا، شیطان ایسے شخص کا ساتھی اور رفیق ہوجاتا ہے، جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے، اور شیاطین ان کے حق کے راستہ میں حائل ہوجاتے ہیں اور انہیں برابر سمجھاتے رہتے ہیں، کہ تم حق پر ہو حتی کہ وہ واقعی طور پر اپنے بارے میں یہی گمان کرنے لگتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں، یا کافر شیطانوں کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہیں۔

(فتح القدیر ملخصًا)

فائدہ: آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذکر اللہ سے شیطان مغلوب اور غفلت سے شیطان غالب ہوجاتا ہے، اور آخر کار جہل مرکب میں مبتلا ہوکر دائمی نقصان و حرمان کا مستحق ہوجاتا ہے، آخرت میں جب عذاب کا مشاہدہ کرے گا تو اپنی غلطی پر نادم ہوکر کہے گا، کاش میرے اور اس کے درمیان دنیا میں مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی۔ (ارشاد ہوگا) یہ شیطان برا ہمنشین ہے اور اے غافلو! آج تم کو ندامت و تجالت کوئی فائدہ نہیں دے گی، اس لئے کہ تم دنیا میں ظلم کر چکے بے شک تم دونوں عذاب الٰہی میں شریک اور دوزخ میں بھی قریب رہو گے۔

درمنثور میں ہے کہ جب کافر قبر سے اٹھے گا تو شیطان ہاتھ میں ہاتھ دیکر دوزخ تک ہمراہ رہے گا اور مومن کے ساتھ فرشتہ

جنت تک ہمراہ رہے گا، اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک جن اولادِ شیاطین میں سے معین ہے (جسے ہمزاد کہتے ہیں) صحابہ نے عرض کیا یا رسول آپ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا: ہاں! مگر اللہ نے میری مدد کی جس کی وجہ سے وہ ایمان لے آیا، اب وہ مجھے سوائے خیر کے کچھ نہیں بتاتا اور فرمایا کافروں کا شیطان خورد و خواب میں شریک رہتا ہے، اور شیطان زیادہ کھانے والے اور زیادہ سونے والے کو بہت دوست رکھتا ہے۔ (خلاصة التفاسير)

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ (الآية) یعنی جس کے لئے شقاوت ابدی لکھ دی گئی ہے وہ وعظ و نصیحت کے اعتبار سے بہرا اور اندھا ہے وہ آپ کی دعوت و تبلیغ سے راہِ راست پر نہیں آسکتا، یہ استفہام انکاری ہے، جس طرح بہرا سننے اور اندھا دیکھنے سے محروم ہے، اسی طرح کھلی گمراہی میں مبتلا حق کی طرف آنے سے محروم ہے، درحقیقت یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے تاکہ ایسے کفر سے آپ زیادہ تشویش محسوس نہ کریں۔

اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنٰهُمْ (الآية) یعنی عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، عین ممکن ہے کہ وہ آپ کی حیات مبارک ہی میں مکہ میں رہتے ہوئے ان پر آجائے، اور اگر ہماری مشیت متقاضی ہوئی تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے انتقال یا مکہ سے منتقل ہونے کے بعد ان پر وہ عذاب آئے ورنہ بصورت دیگر عذاب اخروی سے تو وہ بچ نہیں سکتے، مطلب یہ کہ ہمیں پوری قدرت حاصل ہے جو ہماری مصلحت کا مقتضی ہوگا وہی ہوگا، چنانچہ آپ کی حیات مبارک ہی میں بدر کی جنگ میں کافر عبرت ناک شکست اور ذلت سے دوچار ہوئے۔

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ تخصیص کا مطلب یہ نہیں کہ دوسروں کے لئے ذکر و شرف نہیں بلکہ اولین مخاطب چونکہ قریش تھے، اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا، ورنہ تو قرآن پورے جہان کے لئے نصیحت و شرف ہے وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ. (سورۂ قلم)

وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الخ آپ ﷺ تمام پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء سابقین تو وفات پاچکے تھے، ان سے پوچھنے کا حکم کیسے دیا جارہا ہے، اس کا جواب بعض مفسرین نے یہ دیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ معجزے کے طور پر انبیاء سابقین سے آپ کی ملاقات کرادے تو اس وقت ان سے یہ بات دریافت کرلیجئے چنانچہ شب معراج میں آپ کی ملاقات تمام انبیاء سے بیت المقدس میں ہوئی، قرطبی کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمانے کے بعد یہی بات انبیاء علیہم السلام سے دریافت کی مگر ان روایات کی سند معلوم نہیں ہوسکی، چنانچہ اکثر مفسرین نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ خود انبیاء علیہم السلام سے پوچھنا مراد نہیں بلکہ ان پر نازل ہونے والے صحیفوں سے تحقیق کرنا اور ان کی امتوں کے علماء سے پوچھنا مراد ہے چنانچہ انبیاء کے جو صحیفے اب موجود ہیں ان میں بہت سی تحریفات کے باوجود توحید کی تعلیم اور شرک سے بیزاری کی تعلیم آج تک شامل ہے، مثال کے طور پر موجود بائبل کی درج ذیل عبارتیں ملاحظہ فرمائیے۔

انبیاء کے صحیفوں میں توحید کی تعلیم:

موجودہ توریت میں ہے:

''تا کہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں''۔　(استثناء ٤: ٣٥)

''اور سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے''۔　(استثناء ٤:٦)

اور حضرت اشعیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفہ میں ہے:

''میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں، میرے سوا کوئی خدا نہیں تا کہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی دوسرا نہیں''۔　(یسعیاہ ٤٥:٥،٦)

اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول موجودہ انجیل میں موجود ہے:

''اے اسرائیل، سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی پیاری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ''۔　(مرقس ١٢:٢٩ ومتی ٢٢:٣٦)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ اى القبط **فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** (٤٦) **فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ** الدالّةِ على رسالتِه **اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ** (٤٧) **وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ** مِن اٰياتِ العذابِ كالطُوفانِ وہو ماءٌ دخلَ بُيُوتَہم ووَصَلَ الى حُلُوقِ الجالِسِينَ سبعةَ ايّامٍ والجرادُ **اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا** قرينتِها التى قبلَها **وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ** (٤٨) عن كُفرِہم **وَقَالُوْا** لمُوسٰى لَمّا رَأَوُا العَذابَ **يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ** اى العالِمُ الكامِلُ لِاَنَّ السِحرَ عِندَہم عِلمٌ عظيمٌ **ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ** مِن كشفِ العذابِ عَنّا اِن اٰمَنّا **اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ** (٤٩) اى مُؤمِنُون **فَلَمَّا كَشَفْنَا** بدُعاءِ موسٰى **عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ** (٥٠) يَنقُضُونَ عَهدَہم ويُصِرُّونَ على كُفرِہم **وَنَادٰى فِرْعَوْنُ** اِفتِخارًا **فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ** اى مِنَ النيلِ **تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ** اى تحتَ قُصُورِى **اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ** (٥١) عظمتِى **اَمْ** تُبصِرُونَ وحِينئذٍ **اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا** اى موسٰى **الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ** ضعيفٌ حقيرٌ **وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ** (٥٢) يُظهِرُ كلامَه لِلُثغتِه بالجمرةِ التى تناوَلَها فى صِغرِه **فَلَوْلَآ** ہلّا **اُلْقِىَ عَلَيْهِ** اِن كانَ صادقًا **اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ** جمعُ اَسوِرةٍ كاَغرِبةٍ جمعُ سِوارٍ كعادتِہم فيما يَسُودُونه اَن يُلبِسُوه اَسوِرةَ ذَہبٍ ويُطَوِّقُوه طوقَ ذَہبٍ **اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ** (٥٣) مُتَتابِعِينَ يَشہدونَ بصدقِه **فَاسْتَخَفَّ** استفَزَّ فِرعونُ **قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ** فيما يُرِيدُ من تكذيبِ موسٰى **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ** (٥٤) **فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا** اَغضَبُونا **انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ** (٥٥) **فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا** جمعُ سالِفٍ كخادِمٍ وخَدَمٍ اى سابِقِينَ عِبرةً **وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ** (٥٦) بَعدَہم يَتمثَّلونَ بحالِہم فلا

يُقْدِمونَ علىٰ مِثْلِ افعالِهِم.

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی نشانیاں دیکر فرعون اور اس کے امراء یعنی قبطیوں کے پاس بھیجا تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (جاکر) کہا کہ میں سارے جہانوں کے پروردگار کا رسول ہوں، پس جب وہ اپنی رسالت پر دلالت کرنے والی ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو وہ بے ساختہ ان پر ہنسنے لگے، اور ہم انہیں جو عذاب کی نشانیاں دکھاتے تھے مثلاً طوفان کی نشانی اور وہ پانی تھا جو ان کے گھروں میں داخل ہوگیا تھا اور وہ بیٹھے لوگوں کے حلق تک پہنچ گیا تھا، اور یہ سات دن رہا، اور ٹڈیوں کی نشانی تو وہ سابقہ دوسری نشانی سے بڑھی چڑھی ہوتی تھی، اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تاکہ وہ اپنے کفر سے باز آجائیں، جب انہوں نے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے اے عالم کامل اس لئے کہ سحر ان کے نزدیک عظیم علم تھا، تو ہمارے لئے اس کی دعاء کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے یعنی عذاب کو دور کر دینے کا اگر ہم ایمان لے آئیں یقین مانو، کہ ہم راہ پر لگ جائیں گے یعنی ایمان لے آئیں گے، پھر جب ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء کی بدولت وہ عذاب ان سے ہٹالیا تو انہوں نے اسی وقت اپنا قول و قرار توڑ دیا، اور اپنے کفر پر اصرار کرنے لگے اور فرعون نے اپنی قوم میں فخریہ طور پر منادی کرائی اور کہا اے میری قوم کیا ملک مصر میرا نہیں؟ اور یہ نہریں (یعنی) نہر نیل (کی شاخیں) میرے محلوں کے نیچے بہہ رہی ہیں تم میری عظمت کو دیکھتے ہو یا نہیں دیکھتے، اور بایں حالت میں اس موسیٰ سے جو کہ وہ ضعیف و حقیر ہے بہتر ہوں، اور صاف بول بھی نہیں سکتا، یعنی واضح کلام نہیں کر سکتا، اس لکنت کی وجہ سے جو اس چنگاری کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی جو (اس نے) اپنے بچپن میں منہ میں رکھ لی تھی، اچھا تو اس (کے ہاتھوں) میں سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے اگر یہ (دعوائے) نبوت میں سچا ہے، اَسَاوِر اسوِرۃ کی جمع ہے جیسا کہ اَغْرِبۃ اور اَسْوِرۃ، سوار کی جمع ہے، جیسا کہ ان کا طریقہ تھا کہ جس شخص کو وہ سردار بناتے تھے تو اس کو سونے کے کنگن اور سونے کا ہار پہناتے تھے، یا اس کے ساتھ فرشتے مسلسل آکر اس کی سچائی کی گواہی دیتے، اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنا دیا اور انہوں نے اس کی وہ بات مان لی جو وہ ان سے چاہتا تھا، یعنی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب، یقیناً یہ سارے ہی لوگ نافرمان تھے پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو غرق کر دیا، پس ہم نے ان کو داستان پارینہ بنا دیا اور نمونہ عبرت بعد والوں کے لئے کہ بعد والے ان کے حال کو بطور مثال بیان کرتے تاکہ ان کے جیسے اعمال کے اقدام کی جرأت نہ کریں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: فَقَالَ اِنّی رسول رب العالمین قصہ میں اختصار ہے تفصیل سورۂ طٰہٰ اور سورۃ القصص میں ہے، آیت کے معنی یہ ہیں فقال انّی رسول رب العالمین لِتؤمِنَ بِه وتُرسلَ معِی بنی اسرائیل.

قِوْلُہٗ : فَلَمَّا جَاءَ هُم بِآيَاتِنَا فاء عاطفہ ہے، اس کا مقدر پر عطف ہے ای فَطَلَبُوْا مِنْهُ آيَةً تَدُلُّ على صِدقِهِ.

قِوْلُہٗ : يَنْكُثُونَ، نَكَثَ (ن) جمع مذکر غائب توڑنے لگتے ہیں، توڑ دیتے ہیں۔

قِوْلُہٗ : سَلَفًا مفسر علام نے جمع سَالِفٍ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ سَلَفًا مصدر نہیں ہے کہ تاویل کی ضرورت پیش آئے بلکہ سَلَفًا، سالِفٌ کی جمع ہے، جیسا کہ خَدَمٌ، خادِم کی جمع ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

ولقد ارْسلنا موسٰی بِاٰیٰتنا (الآیۃ) قریش مکہ نے کہا تھا کہ اللہ کو اگر کسی کو رسول بنا کر بھیجنا ہی تھا تو مکہ اور طائف کے کسی ایسے شخص کو بھیجتا کہ جو صاحب مال و جاہ ہوتا، فرعون نے بھی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں یہی کہا تھا کہ میں موسیٰ سے بہتر ہوں اور یہ مجھ سے کمتر ہے یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا، مگر جس طرح فرعون کا یہ شبہ کچھ کام نہ آسکا، اور اپنی قوم سمیت غرق ہو کر رہا، اسی طرح کفار مکہ کا یہ اعتراض بھی انہیں دنیا و آخرت کے وبال سے نہ بچا سکے گا۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ اس کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ فرعون نے اپنی قوم کو آسانی سے اپنا تابع بنا لیا، اور دوسرے یہ کہ اس نے اپنی قوم کو بیوقوف بنا لیا یا بیوقوف پایا (روح) فَلَمَّا آسَفُوْنَا یہ اَسَفٌ سے مشتق ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: افسوس، اور چونکہ غصہ میں عام طور پر افسوس ہوتا ہے اسی مناسبت سے غصہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کا بامحاورہ ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ "جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا" اور اللہ تعالیٰ چونکہ غصہ اور افسوس کی انفعالی کیفیات سے پاک ہے اس لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ایسے کام کئے کہ جس سے ہم نے انہیں سزا دینے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ (روح المعانی)

وَلَمَّا ضُرِبَ جُعِلَ **ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا** حِيْنَ نَزَلَ قَوْلُهُ تعالى إنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ فقال المُشْرِكُوْنَ رَضِيْنَا أن تَكُوْنَ آلِهَتُنَا مَعَ عِيْسَى لِأَنَّهُ عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللهِ **إِذَا قَوْمُكَ** المُشْرِكُوْنَ **مِنْهُ** مِنَ المَثَلِ **يَصِدُّوْنَ** يَضِجُّوْنَ فَرَحًا بما سَمِعُوْهُ **وَقَالُوْا ءَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ** اى عِيْسَى فَنَرْضى ان تكون آلهتنا معه **مَا ضَرَبُوْهُ** اى المَثَلَ **لَكَ إِلَّا جَدَلًا** خُصُوْمَةً بالباطِلِ لِعِلْمِهِم أنّ مَا لِغَيْرِ العاقِلِ فلا يَتَنَاوَلُ عِيْسَى عليه السلام **بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ** شَدِيْدُ الخُصُوْمَةِ **إِنْ هُوَ** مَا عِيْسَى **إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ** بِالنُّبُوَّةِ **وَجَعَلْنٰهُ** بِوُجُوْدِهِ مِن غيرِ أبٍ **مَثَلًا لِّبَنِيْ إِسْرَائِيْلَ** اى كالمَثَلِ لِغَرَابَتِهِ يُسْتَدَلُّ به على قُدْرَةِ اللهِ تعالى على مَا يَشَاءُ **وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ** بَدَلَكُمْ **مَّلٰٓئِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُوْنَ** بأن نُهْلِكَكُمْ **وَإِنَّهُ** اى عِيْسَى **لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ** تُعْلَمُ بِنُزُوْلِهِ **فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا** حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِلْجَزْمِ وَوَاوُ الضَّمِيْرِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ تَشُكُّنَّ فيها **وَ** قُلْ لهم **اتَّبِعُوْنِ** على التَّوْحِيْدِ **هٰذَا** الَّذِي آمُرُكُم به **صِرَاطٌ** طريقٌ **مُّسْتَقِيْمٌ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ** يَصْرِفَنَّكُمْ عَن دِينِ اللهِ **الشَّيْطٰنُ**

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾ بَيِّنُ العداوةِ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ بالمعجزات والشرائع قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ بالنبوةِ وشرائعِ الانجيلِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ من احكام التورةِ من امرِ الدين وغيرِه فبيّن لهم امرَ الدين فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ طريقٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِن بَيْنِهِمْ في عيسى هو اللّٰهُ او ابنُ اللّٰهِ او ثالثُ ثلاثةٍ فَوَيْلٌ كلمةُ عذابٍ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا كفروا بما قالوه في عيسى مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٦٥﴾ مُؤلمٍ هَلْ يَنظُرُونَ اي كفارُ مكةَ اي ما ينتظرون إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بدلٌ من الساعةِ بَغْتَةً فجأةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٦﴾ بوقتِ مجيئها قبلَه الْأَخِلَّاءُ على المعصيةِ في الدُّنيا يَوْمَئِذٍ يومَ القيمةِ متعلقٌ بقوله بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾ المتحابين في اللّٰهِ على طاعتِه فانّهم اصدقاءُ.

ترجمہ: اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی (یعنی) جب اللہ تعالیٰ کا قول اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ نازل ہوئی تو مشرک کہنے لگے کہ ہم اس بات پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود بھی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ (جہنم میں) ہوں، اس لئے کہ اللہ کے علاوہ ان کی بھی بندگی کی گئی تو (اے محمد) تیری مشرک قوم اس مثال کو سن کر (مارے خوشی کے) چیخنے لگی اور انہوں نے کہا کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ یعنی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، ہم اس بات پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود (جہنم) میں عیسیٰ کے ساتھ ہوں تجھ پر ان کا یہ اعتراض کرنا محض باطل طریقہ پر جھگڑنے کی غرض سے ہے، ان کی اس بات سے واقف ہونے کی وجہ سے کہ مَا غیر ذوی العقول کے لئے ہے، لہٰذا اس میں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام شامل نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو سخت جھگڑنے والے، عیسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی) صرف بندے ہی ہیں جن پر ہم نے نبوت کے ذریعہ احسان فرمایا اور ہم نے ان کو بغیر باپ پیدا ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل کے لئے نشان (قدرت) بنادیا یعنی مثال کے مانند ان کے عجیب طریقہ سے پیدا ہونے کی وجہ سے اسی سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال کیا جاتا ہے جس کا وہ ارادہ کرے اگر ہم چاہتے تم سے فرشتے پیدا کردیتے جو (تمہاری) جانشینی کرتے، اس طریقہ پر کہ ہم تم کو ہلاک کردیتے اور وہ یعنی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت کی علامت ہے اس کے نزول سے (قیامت) کا علم حاصل ہوگا، لہٰذا تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو نون رفع جازم کی وجہ سے اور واؤ ضمیر التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کردیا گیا تَمْتَرُنَّ (معنی میں) تَشُكُّنَّ کے ہے، اور ان سے کہہ دو کہ توحید کے بارے میں میری اتباع کرو یہی جس کا میں تم کو حکم دے رہا ہوں سیدھی راہ ہے شیطان تمہیں اللہ کے دین سے روک نہ دے یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے (یعنی) کھلی عداوت والا ہے اور جب عیسیٰ معجزات اور احکام لیکر آئے تو فرمایا کہ میں تمہارے پاس نبوت اور انجیل کے احکام لے کر آیا ہوں تاکہ جن بعض چیزوں میں تم اختلاف کررہے ہو ان کو واضح کردوں، مثلاً تورات کے دینی احکام وغیرہ، چنانچہ آپ نے ان کے لئے دین کے معاملہ کو واضح کردیا، پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو بلاشبہ میرا اور تمہارا رب وہ ہی ہے پس تم سب اسی کی بندگی کرو، راہ راست یہی ہے پس جماعتوں نے آپس میں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اختلاف

یا، آیا وہ خدا ہے یا خدا کا بیٹا ہے یا تین میں کا تیسرا ہے، سو ظالموں (یعنی) کافروں کے لئے خرابی ہے اس سبب سے جو انہوں نے عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں کہا تکلیف والے دن کے عذاب سے وَیْـــــلٌ کلمۂ عذاب ہے، یہ کفار مکہ صرف قیامت کے منتظر ہیں کہ ان پر اچانک آپڑے (تاتِیَهُمْ) السَّاعة سے بدل ہے اور انہیں اس کے آنے کی پہلے سے خبر بھی نہ ہو اس دن معصیت کی بنیاد پر دنیا میں دوستی رکھنے والے ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ یـومَـئِـذٍ کا تعلق بَـعـضُـهُـمْ لِبَـعـضٍ عَـدُوٌّ سے ہے مگر متقین آپس میں ایک دوسرے کے دشمن نہ ہوں گے یعنی جن کی دوستی اللہ کے لئے ہوگی، اس کی اطاعت پر تو وہ آپس میں دوست ہوں گے۔

تَحقِیق وتَرکِیب وتَسہِیل وتَفسِیری فَوائِد

قَوْلُهُ: ضُرِبَ ابنُ مَرْيَمَ مَثَلًا ای شُبِّهَ ابنُ مَرْيَمَ بالأصنامِ مفسر علام نے ضُرِبَ کی تفسیر جُعِلَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ ضُرِبَ بمعنی جُعِلَ متعدی بدو مفعول ہے، پہلا مفعول ابـن مریم ہے، جو کہ نائب فاعل ہے اور دوسرا مفعول مثلاً ہے اِذا مفاجاتیہ ہے اور قومُكَ مبتداء مِنهُ يَصِدُّوْنَ کے متعلق ہے، اور يَصِدُّوْنَ جملہ ہو کر خبر ہے۔

قَوْلُهُ: يَصِدُّونَ صاد کے کسرہ کے ساتھ، مضارع جمع مذکر غائب (ض) وہ چیختے چلاتے ہیں (لغات القرآن) خوشی سے شور مچاتے ہیں (اعراب القرآن) اور بعض حضرات نے يَصُدُّوْنَ صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، اس وقت صُدُوْدٌ سے مشتق ہوگا، وہ اعراض کرتے ہیں۔

قَوْلُهُ: اِلَّا جَدَلًا، ما ضَرَبُوا کا مفعول لہٗ ہے۔

قَوْلُهُ: هُوَ اللّٰهُ یہ قول نصاریٰ میں سے فرقۂ یعقوبیہ کا ہے اَوْ ابن اللّٰه یہ قول نصاریٰ میں سے فرقہ مرقوسیہ کا ہے، اَوْ ثَالِثُ ثلاثة یہ قول نصاریٰ کے تیسرے فرقہ ملکانیہ کا ہے۔ (جمل)

قَوْلُهُ: الْاَخِلَّاءُ یہ خلیل کی جمع ہے بمعنی دوست۔

قَوْلُهُ: عـلـى الـمعصية اگر اخِلَّاءُ کو معصیۃ کے ساتھ مقید کیا جائے جیسا کہ مفسر علام نے کیا ہے تو اِلَّا الـمتقين مستثنیٰ منقطع ہوگا، اس لئے کہ متقیوں کی دوستی معصیۃ کی وجہ سے نہیں ہوتی، اس صورت میں مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہوگا، اور بعض حضرات نے اخِلَّاءُ سے مطلقاً دوست مراد لیا ہے، اس صورت میں متقین بھی مستثنیٰ منہ میں داخل ہوں گے، جس کی وجہ سے مستثنیٰ متصل کہلائے گا۔

قَوْلُهُ: متعلق بقوله بَعْضُهُمْ لِبعضٍ عَدُوٌّ یعنی يومَئِذٍ کا تعلق عُدُوٌّ سے ہے اس لئے کہ يومَئِذٍ عَدُوٌّ کا ظرف مقدم ہے۔

سَوَال: عَـــدُوٌّ صیغہ صفت کا ہونے کی وجہ سے عامل ضعیف ہے، یہ اسی وقت عمل کرتا ہے جب اس کا معمول ترتیب سے یعنی

اس کے بعد واقع ہو، حالانکہ یہاں یومَئِذٍ جوکہ عَدُوٌّ کا ظرف ہے، مقدم واقع ہے، لہٰذا عَدُوٌّ عامل ضعیف ہونے کی وجہ سے یومَئِذٍ میں عمل نہیں کرے گا۔

جَوَابُ: ظروف میں چونکہ توسع ہے لہٰذا اس میں تقدیم کے باوجود عاملِ ضعیف بھی عمل کرسکتا ہے۔

شبہ: ظرف کے مقدم ہونے کے علاوہ عامل اور معمول کے درمیان مبتداء ثانی یعنی بعضھم لبعض کا فصل بھی ہے۔

دفع: مبتداء کا فصل بھی عمل سے مانع نہیں ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

شانِ نزول:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ان آیات کے شانِ نزول میں مفسرین نے تین روایتیں بیان فرمائی ہیں، ایک یہ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ قریش کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا **یا معشر قریشٍ لا خیرَ فی اَحدٍ یُعْبَدُ مِن دون اللہ** یعنی اے قریش کے لوگو! اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے اس میں کوئی خیر نہیں، اس پر مشرکین نے کہا نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبادت کرتے ہیں، لیکن آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ خدا کے نیک بندے اور نبی تھے، ان کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

دوسری روایت:

دوسری روایت یہ ہے کہ جب قرآن کریم کی آیت **اِنّکم وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِن دُوْنِ اللّٰہِ حصبُ جهنَّمَ** بلاشبہ اے مشرکو! تم اور جن کی تم بندگی کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے، نازل ہوئی، تو اس پر عبداللہ بن زِبَعْریٰ نے جو اس وقت کافر تھے، بعد میں ایمان لائے، یہ کہا کہ اس آیت کا تو میرے پاس بہترین جواب ہے، اور وہ یہ کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبادت کرتے ہیں اور یہود عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی، کیا یہ دونوں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے، یہ بات سن کر قریش کے مشرکین بہت خوش ہوئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ آیت نازل فرمائی **اِنّ الذین سبقت لھم منّا الحسنٰی اولٰئك عنها مبعدون** اور دوسری سورۂ زخرف کی مذکورہ آیت۔ (ابن کثیر)

تیسری روایت:

یہ کہ ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے یہ بیہودہ خیال ظاہر کیا کہ محمد ﷺ خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتے ہیں، ان کی مرضی یہ ہے کہ جس طرح نصاریٰ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اور یہود حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بندگی کرتے ہیں ہم بھی ان کی بندگی کریں، اس پر

مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی، درحقیقت تینوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں، کفار نے تینوں ہی باتیں کہی ہوں گی، جن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایسی جامع آیت نازل فرمادی جس سے ان کے تینوں اعتراضوں کا جواب ہوگیا۔

غرضیکہ شرک کی مذمت اور جھوٹے معبودوں کی تردید و بے وقعتی کی وضاحت کے لئے جب مشرکین مکہ سے کہا جاتا کہ تمہارے ساتھ تمہارے معبود بھی جہنم میں جائیں گے تو اس سے مراد پتھر کی وہ مورتیاں ہوتی ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے، نہ کہ وہ نیک لوگ جو کہ اپنی زندگیوں میں لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے، مگر ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے انہیں بھی معبود سمجھنا شروع کر دیا، ان کی بابت تو قرآن کریم ہی نے واضح کر دیا کہ یہ جہنم سے دور رہیں گے، اِنَّ الذین سَبَقَتْ لھُمْ مِنَّا الحُسنٰی اولئکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ (الانبیاء) کیونکہ اس میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا، اسی لئے قرآن نے ان کے لئے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ لفظ ما ہے، جو غیر عاقل کے لئے استعمال ہوتا ہے اِنَّکم وما تعبُدُونَ مِن دون اللّٰہ حصبُ جھنمَ (الانبیاء) اس سے انبیاء علیہم السلام اور وہ صالحین نکل گئے جن کو لوگوں نے اپنے طور پر معبود بنائے رکھا ہوگا، یعنی یہ تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی شکل بنائی ہوئی مورتیوں کو بھی دیگر مورتیوں کے ساتھ جہنم میں ڈال دے، لیکن یہ شخصیات تو بہرحال جہنم سے دور ہی رہیں گی، لیکن مشرکین نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر سن کر یہ کٹ حجتی اور مجادلہ کرتے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قابل مدح ہیں، حالانکہ عیسائیوں نے انہیں معبود بنایا ہوا ہے، تو پھر ہمارے معبود کیوں قابل مذمت ہیں، کیا وہ بھی قابل مدح نہیں، یا اگر ہمارے معبود جہنم میں جائیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی پھر جہنم میں جائیں گے، یہ سن کر مشرکین مکہ کا خوشی کے مارے چلانا اور شور مچانا محض جدل اور کٹ حجتی تھا، جس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ جھگڑنے والا جانتا ہے، کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے محض اپنی بات کی پچ میں بحث و تکرار کرتا ہے۔

وجَعلنٰہُ مَثَلاً لِبنی اسرائیلَ ایک تو اس اعتبار سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا، دوسرے خود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے معجزے دیئے گئے کہ جن کے اعتبار سے وہ بنی اسرائیل کے لئے نشان قدرت تھے مثلاً احیاء موتی، اندھوں کو بینا کرنا، کوڑھیوں اور مریضوں کو تندرست کرنا وغیرہ۔

وَلَو نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْکُمْ مَلٰئِکَۃً فِی الْاَرْضِ یَخلفونَ یہ نصاریٰ کے اس مغالطہ کا جواب ہے جس کی بناء پر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معبود قرار دیا تھا، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے ان کی خدائی پر استدلال کیا تھا، باری تعالیٰ ان کی تردید میں فرماتے ہیں کہ یہ تو محض ہماری قدرت کا ایک مظاہرہ تھا، اور ہم تو اس سے بھی بڑھ کر خلاف عادت کاموں پر قادر ہیں، بغیر باپ کے پیدا ہونا تو کوئی بہت زیادہ خلاف عادت چیز نہیں، کیونکہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے، اگر ہم چاہیں تو ایسا کام کر سکتے ہیں، جس کی اب تک کوئی نظیر نہیں، اور وہ یہ کہ انسانوں سے فرشتے پیدا کر دیں اور زمین پر تمہاری جگہ فرشتوں کو آباد کر دیں، جو تمہاری ہی طرح ایک دوسرے کی جانشینی کریں، مطلب یہ کہ فرشتوں کا آسمان پر رہنا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت کی جائے، یہ

تو ہماری مشیت ہے کہ فرشتوں کو آسمانوں پر اور انسانوں کو زمین پر آباد کیا، ہم چاہیں تو فرشتوں کو زمین پر بھی آباد کر سکتے ہیں، لہٰذا مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، علامت معبودیت نہیں، بلکہ قیامت کے علم وعلامت میں سے ہے لہٰذا تم وقوع قیامت میں تردد نہ کرو اور میری بات مانو۔

لیکن اکثر مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا دوبارہ آسمان سے نازل ہونا قیامت کی علامت ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری زمانہ میں آسمان سے نزول فرمانا اور دجال کو قتل کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

فاختلف الاحزاب من بینهم (الآیة) یہاں احزاب سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تنقیص کی اور انہیں نعوذ باللہ ولد الزنا قرار دیا، جبکہ عیسائیوں نے غلو سے کام لیکر انہیں معبود بنالیا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ احزاب سے عیسائیوں کے فرقے مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں آپس میں شدید اختلاف رکھتے ہیں، کوئی فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''ابن اللہ'' اور بعض ''اللہ''، اور بعض ''ثالث ثلاثۃ'' کہتا ہے اور ایک فرقہ مسلمانوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تسلیم کرتا ہے۔

اَلاخِلّاءُ یومئذٍ بعضهم لبعضٍ عدوٌّ کیونکہ کافروں کی دوستی کفر وفسق کی بنیاد پر ہوتی ہے اور یہی کفر وفسق ان کے عذاب کا باعث ہوگا اور ایک دوسرے کو قیامت کے دن مورد الزام ٹھہرائیں گے، اور ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے اس کے برعکس، اہل ایمان وتقویٰ کی باہمی محبت چونکہ دین اور رضائے الٰہی کی بنیاد پر ہوتی ہے، اور دین خیر وثواب کا باعث ہے اس سے ان کی دوستی میں کوئی خلل وانقطاع نہیں ہوگا، بلکہ آپس میں ایک دوسرے کے شفیع اور معین ہوں گے۔

ویُقالُ لہم **یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ** ﴿۶۸﴾ **اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** نعتٌ لِعِبَادِی **بِاٰیٰتِنَا** القرآن **وَكَانُوْا مُسْلِمِیْنَ** ﴿۶۹﴾ **اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ** مُبتدأ **وَاَزْوَاجُكُمْ** زوجاتُکم **تُحْبَرُوْنَ** ﴿۷۰﴾ تُسَرُّونَ وتُکرمُونَ خبرُ المُبتدأ **یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ** بِقصاعٍ **مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ** جمعُ کُوبٍ وهو إناءٌ لا عُروةَ له لِیَشرَبَ الشاربُ مِن حیثُ شاءَ **وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ** تَلَذُّذًا **وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ** نَظرًا **وَاَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ** ﴿۷۱﴾ **وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۷۲﴾ **لَكُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ كَثِیْرَةٌ مِّنْهَا** ای بعضها **تَاْكُلُوْنَ** ﴿۷۳﴾ وما یُؤکَلُ یَخلُفُ بَدلَه **اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ** ﴿۷۴﴾ **لَا یُفَتَّرُ** یُخفَّفُ **عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ** ﴿۷۵﴾ ساکِتُونَ سُکُوتَ یأسٍ **وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ** ﴿۷۶﴾ **وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ** هو خازنُ النّارِ **لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ** لِیُمِتنا **قَالَ** بَعدَ ألفِ سَنَةٍ **اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ** ﴿۷۷﴾ مُقیمُونَ فِی العذابِ دائمًا، قال تعالٰی **لَقَدْ جِئْنٰكُمْ** ای اَہلَ مکةَ **بِالْحَقِّ** علٰی لِسانِ الرُّسُلِ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ** ﴿۷۸﴾ **اَمْ اَبْرَمُوْٓا** ای کُفّارُ مکّةَ اَحکَمُوا **اَمْرًا** فی کیدِ مُحمّدٍ النبیِّ صلی اللّٰه علیه وسلم **فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ** ﴿۷۹﴾ مُحکِمُون کیدَنا فی اِہلاکِهم **اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ**

ما يسرُّون الى غيرهم وما يجهرون به بينهم بَلٰى نسمع ذلك وَرُسُلُنَا الحفظة لَدَيْهِمْ عندهم يَكْتُبُوْنَ ﴿٨٠﴾
ذلك قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فرضا فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾ للولد لكن ثبت ان لا ولد له تعالى فانتفت
عبادته سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ الكرسي عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾ يقولون من الكذب بنسبة الولد اليه
فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا في باطلهم وَيَلْعَبُوْا في دنياهم حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾ فيه العذاب وهو يوم القيمة
وَهُوَ الَّذِيْ هو فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ بتحقيق الهمزتين واسقاط الاولى وتسهيلها كالياء اى معبود
وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ وكل من الظرفين متعلق بما بعده وَهُوَ الْحَكِيْمُ في تدبير خلقه الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾ بمصالحهم
وَتَبٰرَكَ تعظم الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ متى تقوم وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٥﴾ بالتاء
والياء وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يعبدون اى الكفار مِنْ دُوْنِهِ اى الله الشَّفَاعَةَ لاحد اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ اى
قال لا اله الا الله وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ بقلوبهم ما شهدوا به بالسنتهم وهم عيسى وعزير والملٰئكة فانهم
يشفعون للمؤمنين وَلَئِنْ لام قسم سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ حذف منه نون الرفع وواو الضمير
فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٨٧﴾ يصرفون عن عبادة الله تعالى وَقِيْلِهٖ اى قول محمد النبي صلى الله عليه وسلم ونصبه
على المصدر بفعله المقدر اى وقال يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ قال تعالى فَاصْفَحْ اعرض
عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ منكم وهذا قبل ان يؤمر بقتالهم فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾ بالياء والتاء تهديد لهم.

تَرْجَمَہ: ان سے کہا جائے گا اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غم زدہ ہوگے، جو ہماری آیتوں
قرآن پر ایمان لائے (الذین آمنوا) عبادی کی صفت ہے اور تھے بھی وہ فرمانبردار تم اور تمہاری بیویاں خوشی خوشی اور اکرام
کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ (أنتم) مبتداء ہے (تُحْبَرُوْنَ) اس کی خبر ہے ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے
جائیں گے اکواب، کوبٌ کی جمع ہے، اس برتن کو کہتے ہیں جس میں ٹونٹی نہ ہو (مثلاً کٹورا اور گلاس) تاکہ پینے والا جدھر
سے چاہے پیے، اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو ان کا دل چاہے گا اور جن کو دیکھ کر آنکھیں لذت اندوز ہوں گی اور تم اس میں
ہمیشہ رہوگے اور یہ وہی جنت ہے جس کے تم اعمال کے بدلے وارث بنائے گئے ہو یہاں تمہارے لئے بکثرت میوے ہیں جن
میں سے تم ہمیشہ کھاتے رہوگے اور جو کھایا جائے گا (فوراً) اس کا بدل موجود ہوجائے گا بے شک مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں
ہمیشہ رہیں گے (یہ عذاب) کبھی بھی ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا؟ اور وہ اسی میں مایوسی کے ساتھ خاموش پڑے رہیں گے اور
ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے اور وہ پکار پکار کر کہیں گے، اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کردے تاکہ ہم
مرجائیں، ہزار سال کے بعد وہ جواب دے گا تم کو تو (ہمیشہ) عذاب میں رہنا ہے اے اہل مکہ! ہم تو تمہارے پاس رسولوں کی
زبانی حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت رکھنے والے تھے کیا کفار مکہ نے محمد ﷺ کو نقصان پہنچانے کے

لئے کوئی پختہ تدبیر کر رکھی ہے؟ تو یقین مانو ہم بھی ان کی ہلاکت کے بارے میں پختہ تدبیر کرنے والے ہیں کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے؟ (یعنی) جن باتوں کو وہ رازدارانہ طور پر کرتے ہیں اور جن باتوں کو وہ آپس میں علی الاعلان کرتے ہیں (کیا ہم نہیں سنتے؟) ہاں کیوں نہیں؟ اس کو (ضرور) سنتے ہیں (علاوہ ازیں) ہمارے نگراں فرستادے ان کے پاس اس کو لکھ لیتے ہیں، آپ کہہ دیجئے اگر بالفرض رحمٰن کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے ولد کی عبادت کرنے والا ہوتا لیکن یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہے، لہٰذا اس کی عبادت بھی منتفی ہوگئی آسمانوں کا اور زمین کا مالک جو کہ عرش کرسی کا بھی مالک ہے اس کی جانب ولد کی نسبت کر کے جو جھوٹ بک رہے ہیں وہ ان سے پاک ہے اب آپ انہیں اسی باطل بحث ومباحثہ اور دنیوی کھیل کود میں چھوڑ دیجئے، یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑ جائے جس دن میں ان سے عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے اور وہ قیامت کا دن ہے وہی آسمانوں میں معبود ہے دونوں ہمزوں کی تحقیق اور اولیٰ کو ساقط کر کے اور اس کی یاء کے مانند تسہیل کر کے اور زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے اور دونوں ظرفوں میں سے ہر ایک اپنے مابعد (اِلٰــهٌ) سے متعلق ہے وہ اپنی مخلوق کی تدبیر کے بارے میں بڑی حکمت والا ہے اور ان کی مصلحتوں کے بارے میں بڑے علم والا ہے اور وہ بڑی عظمت والا ہے، جس کے پاس آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت ہے، اور قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے کہ کب واقع ہوگی، اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے تاء اور یاء کے ساتھ، اور جن غیر اللہ کو کافر پوجتے ہیں وہ کسی کی شفاعت کرنے کا حق نہیں رکھتے، ہاں جو حق بات کا اقرار کریں، یعنی لا الٰہ الا اللّٰہ کہیں اور جس بات کا زبان سے اقرار کر رہے ہیں اس کا دل سے یقین بھی کریں اور وہ عیسیٰ اور عزیر اور ملائکہ علیہم السلام ہیں، یہ مومنین کی شفاعت کریں گے اور اگر آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ نے (لَـئِـن) میں لام قسمیہ ہے (لَيَقُوْلُنَّ) میں نون رفع اور واو ضمیر حذف کر دیئے گئے ہیں، تو پھر یہ کہاں الٹے چلے جا رہے ہیں؟ اور اس کو محمد ﷺ کے اس قول کی بھی خبر ہے کہ اے میرے رب یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے اور (قِيـلَـهٗ) پر نصب فعل مقدر کا مصدر ہونے کی وجہ سے ہے ای قَـالَ قِيلَه آپ ان سے منہ پھیر لیں اور کہہ دیں (اچھا بھائی) میں تم کو سلام کرتا ہوں سو ان کو عنقریب (خود ہی) معلوم ہو جائے گا یاء اور تاء کے ساتھ، یہ ان کے لئے دھمکی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: یَا عِبَادِ اصل میں یَا عِبَادِی تھا، اے میرے بندو! عباد یاء متکلم محذوفہ کی طرف مضاف ہے اور یہ حذف، مصحف امام کی رعایت کی وجہ سے ہے، یہ اضافت برائے تشریف ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو اپنا کہہ دینا بہت بڑا اکرام اور اعزاز ہے نیز اس میں بندوں کی دلجوئی بھی ہے۔

قَوْلُهٗ: یَـا عِبَـادِی کی یاء میں تین قراءتیں ہیں: حذف یاء، فتحہ یاء، سکون یاء، اس آیت میں ندا چار امور پر مشتمل ہے

① نفی خوف ② نفی حزن ③ جنت میں داخل ہونے کا حکم ④ خوشی کی بشارت تُحْبَرُوْن میں۔

قَوْلُہٗ: لا خوفٌ علیکم رفع اور تنوین جمہور کی قراءت ہے، خوفٌ مبتداء ہے خوفٌ کا نکرہ تحت النفی داخل ہونے کی وجہ سے مبتداء بننا درست ہے، علیکم مبتداء کی خبر، یومٌ ظرف ہے محذوف کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: تُحْبَرُوْنَ ای تُسَرُّوْنَ حَبْرٌ (ن) سے مضارع جمع مذکر حاضر مجہول، تمہاری عزت کرائی جائے گی، تم کو خوش کیا جائے گا، ایسی خوشی کہ جس کا اثر چہرے پر ظاہر ہو، زجاج نے کہا ہے کہ تحبرون کے معنی تُکْرَمُوْنَ اِکْرَامًا یُبَالَغُ فِیْہِ کے ہیں۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: بِصِحَافٍ، صَحْفَةٌ کی جمع ہے، رکابیاں، اتنی بڑی رکابی کہ جس میں بیک وقت پانچ آدمی کھاسکیں، کسائی نے کہا ہے کہ اَعْظَمُ القِصَاعِ جَفْنَةٌ پھر اَلْقَصْعَةُ جس میں دس آدمی سیر ہوسکیں، پھر الصَّحْفَة جس میں پانچ آدمی سیر ہوسکیں، پھر المکیلة جس میں دو یا تین آدمی سیر ہوسکیں۔ (لغات القرآن للدرویش)

قَوْلُہٗ: اکواب کوبٌ کی جمع ہے، اس لوٹے کو کہتے ہیں کہ جس میں نہ دستہ ہو اور نہ ٹونٹی۔

قَوْلُہٗ: تِلْكَ الجنةُ الَّتِی اُوْرِثْتُمُوْهَا تلك مبتداء الجنة موصوف الّتی موصول اُوْرِثْتُمُوْهَا صلہ، موصول صلہ سے مل کر جملہ ہو کر الجنة کی صفت، موصوف باصفت مبتداء کی خبر۔

نکتہ۔سوال: اُوْرِثْتُمُوْهَا کی مطابقت کا تقاضہ تھا کہ تِلْكُمُوا الجنةَ فرماتے یعنی تلك کو جمع لاتے۔

جَوَابٌ: تلكَ کو جمع لانے کی بجائے مفرد لانے میں یہ حکمت ہے کہ تِلْكُمُوا جمع لانے میں خطاب اہل جنت کو مجموعی طور پر ہوتا، اور مفرد لانے میں ہر جنتی کو مستقل خطاب ہو گیا جو کہ بڑے عز و شرف کی بات ہے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: لا یُفَتَّرُ تَفْتِیْرٌ (تفعیل) سے واحد مذکر غائب مجہول منفی، کم نہیں کیا جائے گا، ہلکا نہیں کیا جائے گا۔

قَوْلُہٗ: نَادَوْا یا مالك متحقق الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بالحق یہ باری تعالیٰ کا کلام بھی ہوسکتا ہے اس میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے اور مشرکین کے جہنم میں قیام کی علت ہے، علامہ محلی کے نزدیک یہی راجح ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہنم کے نگران مالک کا کلام ہو، اس صورت میں خطاب عام اہل نار کو ہوگا، اور قائم مقام علت کے ہوگا۔

قَوْلُہٗ: اَبْرَمُوْا، اِبرامٌ سے ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے مضبوط ارادہ کیا۔

قَوْلُہٗ: العرش، الکرسی مناسب تھا کہ مفسر علام عرش کی تفسیر کرسی سے نہ فرماتے، اس لئے کہ یہ بات معلوم و متعین ہے کہ عرش اور کرسی دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: یَوْمَهُمُ الذی یُوْعَدُوْنَ کی تفسیر یوم القیامةِ کے بجائے یوم الموت سے کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا اس لئے کہ مشرکین کے خوض فی الباطل اور لعب فی الدنیا کی انتہا موت پر ہو جاتی ہے، نہ کہ یوم قیامت میں۔

قَوْلُہٗ: مِنَ الظرفین متعلق بما بعدهٗ، ظرفین سے مراد فی السماء اور فی الارض ہے اور مابعد سے مراد دونوں جگہ اللّٰہُ ہے جو کہ مألُوہٌ (مَعْبُوْدٌ) کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: الذین یَدْعُوْنَ ای یَدْعُوْنَهُمْ، هُمْ مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَا یَمْلِكُ الذین الخ الَّذِیْنَ یَمْلِكُ کا فاعل ہے، اگر الَّذِیْنَ سے مطلقاً معبودانِ غیر اللہ مراد ہوں تو اس صورت میں اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ مستثنیٰ متصل ہوگا، جیسا کہ مفسر علام کی عبارت کا مقتضیٰ ہے یا الَّذِیْنَ سے مخصوص طور پر اصنام مراد ہیں تو اس صورت میں مستثنیٰ منقطع ہوگا۔

قَوْلُہٗ: ای الکفار، الکفار یَدْعونَ کے واوَ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاَحَدٍ یہ اشارہ ہے کہ الشفاعةُ کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وهُمْ یعلمونَ، هُمْ ضمیر باعتبار معنی کے مَنْ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لام قسم ہے لَیَقُوْلُنَّ جواب قسم ہے اور حسب قاعدہ جواب شرط محذوف ہے، اس لئے کہ قسم اور شرط جب جمع ہو جائیں تو اول کا جواب مذکور اور ثانی کا محذوف ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَقِیْلِہٖ ای قول محمد ﷺ، یہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں کی تفسیر ہے، یعنی قیل بمعنی قول ہے اور ضمیر مضاف الیہ سے مراد آپ ﷺ ہیں۔

قَوْلُہٗ: نصبُهٗ علی المصدر بفعله، قِیْلٌ قال کے مصادر میں سے ایک ہے یعنی قِیْلَهٗ قال فعل محذوف کا مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: وقَالَ یا رَبِّ زیادہ واضح یہ تھا کہ مفسر علام قال یا ربِّ کے بجائے قالَ قیلَهٗ یا ربِّ فرماتے۔

(حاشیہ جلالین)

قَوْلُہٗ: سلامٌ یہ سلام متارکت (پیچھا چھڑانے کا سلام) ہے جیسا کہ متکلم نے اشارہ کر دیا ورنہ علیکم ہوتا نہ کہ سلام تحیة اور سلام مبتداء محذوف کی خبر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَمْرِی سلامٌ.

تَفسِیر وَتشریح

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الیَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ، یٰعِبَادِ سے پہلے یُقَالُ لَهُمْ محذوف ہے، یہ بات قیامت کے دن ان متقیوں سے کہی جائے گی جو دنیا میں صرف اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت رکھتے تھے، جیسا کہ احادیث میں اس کی فضیلت وارد ہے، بلکہ اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے عداوت کو کمال ایمان کی بنیاد بتلایا گیا ہے۔

اَزْوَاجُکُمْ سے بعض حضرات نے مومن بیویاں مراد لی ہیں، اور بعض نے مومن دوست احباب اور بعض نے جنت میں ملنے والی بیویاں اور حوریں مراد لی ہیں، یہ تمام مفہوم درست ہیں، اس لئے کہ جنت میں یہ سب کچھ ملے گا تُحْبَرُوْنَ، حَبْرٌ سے ماخوذ ہے یعنی وہ فرحت وسرور جو انہیں جنت کی نعمت وعزت کی وجہ سے ملے گا۔

وتلك الجنةُ الّتِی اُوْرِثتموها بِمَا کنتُم تعملونَ، بِما کُنتُم تعملون میں باء سببیہ ہے، یعنی تم کو اس جنت کا وارث تمہارے اعمال کے سبب بنایا گیا ہے۔

سَوَال: یہ حدیث کے معارض ہے، حدیث شریف میں وارد ہے لَنْ یدخل اَحدکم الجنة بعملهٖ بل برحمة اللّٰه.

جَوَاب: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عمل دخول جنت کا سبب مستقل نہیں ہے۔

دُوسرا جَوَاب: بِمَا کُنتم تعملون میں باء سببیہ نہیں ہے، بلکہ ملابسة کے لئے ہے یا حدیث وآیت کا مطلب ہے دخول بالفضل و درجات بالعمل یعنی نفس دخول تو رحمت خداوندی ہی کے ذریعہ ہوگا، البتہ درجات کی بلندی اعمال صالحہ کے ذریعہ ہوگی۔ (صاوی وحاشیہ جلالین)

وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ مشرکین وکفار جہنم میں خاموش مایوس پڑے ہوں گے، اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ آئندہ آنے والی آیت نادَوا یا مالكُ (الآیة) کے معارض ہے، اس لئے کہ اس آیت کا مطلب ہے کہ وہ فریاد کریں گے، اور کلام کریں گے یعنی خاموش نہیں رہیں گے۔

جَوَاب: حالات اور مقامات مختلف ہوں گے، کہیں فریاد وتکلم کریں گے اور کہیں خاموش رہیں گے، تعارض کے لئے اتحاد زمان ومکان ضروری ہے۔

اَمْ اَبْرَمُوْا اَمْرًا فاِنَّا مُبْرِمُوْنَ اِبرام کے معنی پختہ اور مضبوط کرنے کے ہیں اَمْ اضراب کے لئے بل کے معنی میں ہے یعنی ان جہنمیوں نے حق کو صرف ناپسند ہی نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف منظم سازشیں اور تدبیریں بھی کرتے رہے جس کے مقابلہ میں پھر ہم نے بھی تدبیر کی، اور ظاہر ہے کہ ہم سے زیادہ مضبوط تدبیر کس کی ہوسکتی ہے۔

اِنْ کَانَ للرحمٰنِ وَلَدٌ فانَا اَوَّلُ العَابِدِیْنَ اگر خدائے رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی تعظیم وتوقیر کرتا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا کی اولاد ہونے کا نعوذ باللہ کسی بھی درجہ میں امکان ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ میں تمہارے عقائد کا انکار، کسی عناد یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہیں کررہا ہوں، بلکہ دلائل کی روشنی میں کررہا ہوں، اگر صحیح دلائل سے خدا کی اولاد کا وجود ثابت ہوجاتا تو میں اسے ضرور مان لیتا، لیکن نقل وعقل کی ہر دلیل اس کی نفی کرتی ہے، اس لئے ماننے کا کوئی سوال ہی نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ مباحثہ کے وقت اپنی حق پسندی جتلانے کے لئے یہ کہنا جائز اور مناسب ہے، کہ اگر تمہارا

دعویٰ صحیح دلائل سے ثابت ہوتا تو میں اسے تسلیم کر لیتا کیونکہ بعض اوقات اس اندازِ کلام سے مخالف کے دل میں ایسی نرمی پیدا ہوسکتی ہے جو اسے قبول حق پر آمادہ کردے، اصطلاحی زبان میں اسے ارخاء العنان کہتے ہیں یعنی تھوڑی دیر کے لئے مخالف کی بات بڑی کرنا، تاکہ وہ عناد اور ضد چھوڑ کر معقول پسندی کا طریقہ اختیار کرے۔

وقیلہٖ یا رَبِّ اِنَّ ھٰؤلاءِ قومٌ لا یُؤْمِنُوْنَ یہ جملہ اس بات کو واضح کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ ان کافروں پر غضب خداوندی نازل ہونے کے کتنے شدید اسباب موجود ہیں، ایک طرف تو ان کے جرائم فی نفسہٖ بڑے سخت ہیں، دوسری طرف وہ رسول جو رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین بنا کر بھیجے گئے، جب خود ان لوگوں کی شکایت کریں اور فرمائیں کہ یہ لوگ بار بار فہمائش کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کس قدر اذیت پہنچائی ہوگی، ورنہ معمولی شکایت پر رحمۃ للعالمین ﷺ اللہ تعالیٰ سے ایسی پُر درد شکایت نہ فرماتے، اس تفسیر کے مطابق **وقِیْلِہٖ** ایک آیت پہلے کے لفظ **السَّاعَةَ** پر معطوف ہے، اس آیت کی اور بھی تفسیریں منقول ہیں، روح المعانی کی طرف رجوع فرمائیں۔ (معارف)

بحمد اللہ تعالیٰ

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَقِيْلَ اِلَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ (الاٰية) وهِيَ سِتٌّ اَوْ سَبْعٌ اَوْ تِسْعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ دخان مکی ہے سوائے كَاشِفُوا الْعَذَابِ الخ کے،

اور اس میں ٥٦/ ٥٧ یا ٥٩ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ① اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ وَالْكِتٰبِ القُراٰنِ الْمُبِيْنِ ② المُظْهِرِ للحلالِ مِنَ الحرامِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ هِيَ ليلةُ القدرِ او ليلةُ النِّصْفِ من شَعْبَانَ نَزَلَ فيها مِن اُمِّ الكتابِ من السَّماءِ السَّابعةِ الى السَّماءِ الدُّنيا اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ③ مُخَوِّفِيْنَ بِهٖ فِيْهَا اي في ليلةِ القدرِ او ليلةِ نِصْفِ شعبانَ يُفْرَقُ يُفْصَلُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ④ مُحكَمٍ مِنَ الارزاقِ والآجالِ وغيرِهما التي تكونُ في السَّنَةِ الى مِثْلِ تلكَ اللَّيلةِ اَمْرًا فَرْقًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ⑤ الرُّسُلَ محمدًا ومَنْ قبلَه رَحْمَةً رأفةً بالمُرْسَلِ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ لِاَقْوالِهِمْ الْعَلِيْمُ ⑥ بِافعالِهِمْ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا بِرَفْعِ رَبُّ خبرٌ ثالثٌ وبِجَرِّهٖ بَدَلٌ مِن رَبِّكَ اِنْ كُنْتُمْ يا اَهْلَ مَكَّةَ مُّوْقِنِيْنَ ⑦ بِاَنَّهٗ تعالى رَبُّ السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ فَاَيْقِنُوا بِاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِنَ البَعْثِ يَّلْعَبُوْنَ ⑨ اِسْتِهْزَاءً بِكَ يا مُحَمَّدُ فقالَ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عليهم بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوْسُفَ قال تعالى فَارْتَقِبْ لَهُمْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ⑩ فَاَجْدَبَتِ الارضُ واشْتَدَّ بِهِمُ الجُوْعُ الى اَنْ رَاَوا مِنْ شِدَّتِهٖ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ بَيْنَ السَّماءِ والارضِ يَّغْشَى النَّاسَ فقالُوا هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑪ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ⑫ مُصَدِّقُوْنَ بِنَبِيِّكَ، قال تعالى اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى اي لا يَنْفَعُهُمُ الاِيمانُ عِنْدَ نُزُوْلِ العذابِ

وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾ بَيِّنُ الرِّسَالَةِ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ اي يُعَلِّمُهُ القُرْآنَ بَشَرٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿١٤﴾ إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ اي الجُوعِ عَنْكُم زَمَنًا قَلِيْلًا فَكَشَفَ عَنْهُم إِنَّكُمْ عَائِدُوْنَ ﴿١٥﴾ الي كُفْرِكُم فَعَادُوا اليه، اُذْكُرْ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى هُوَ يَوْمُ بَدْرٍ إِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿١٦﴾ مِنْهُم والبَطْشُ الاَخْذُ بِقُوَّةٍ وَلَقَدْ فَتَنَّا بَلَوْنَا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ مَعَه وَجَاءَهُمْ رَسُوْلٌ هُوَ مُوسٰى عليه السَّلام كَرِيْمٌ ﴿١٧﴾ علي الله تعالٰى أَنْ اي بِاَنْ أَدُّوْا إِلَيَّ مَا اَدْعُوكُم اليه مِنَ الايمان اي اَظْهِرُوا ايمانَكُم بالطَّاعةِ لي يا عِبَادَ اللّٰهِ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿١٨﴾ على ما اُرْسِلْتُ به وَأَنْ لَّا تَعْلُوْا تَتَجَبَّرُوا عَلَى اللّٰهِ بتركِ طاعَتِهِ إِنِّيْ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطَانٍ بُرْهَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٩﴾ بَيِّنٍ على رِسَالَتي فَتَوَعَّدُوهُ بالرَّجْمِ فقال وَإِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿٢٠﴾ بالحِجَارَةِ وَإِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ تُصَدِّقُوْنِي فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿٢١﴾ فَاتْرُكُوا اَذَايَ فلم يَتْرُكُوه فَدَعَا رَبَّهٗ أَنَّ اي بِاَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٢٢﴾ مُشْرِكُونَ فقال تعالٰى فَأَسْرِ بقطعِ الهَمْزَةِ ووصْلِها بِعِبَادِيْ بَنِي اسْرائِيلَ لَيْلًا إِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٢٣﴾ يَتْبَعُكُم فِرْعَونُ وقومُه وَاتْرُكِ الْبَحْرَ اذا قَطَعْتَهُ اَنْتَ واصحابُك رَهْوًا ساكِنًا مُتَفَرِّجًا حَتّٰى تَدْخُلَه القِبْطُ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٤﴾ فاطْمَأَنَّ بذلك فَاُغْرِقُوا كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ بَسَاتِينَ وَّعُيُوْنٍ ﴿٢٥﴾ تَجْرِي وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٢٦﴾ مَجْلِسٍ حَسَنٍ وَّنَعْمَةٍ مُتْعَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿٢٧﴾ نَاعِمِينَ كَذٰلِكَ خَبَرُ مُبْتَدَأٍ اي الأمرُ وَأَوْرَثْنٰهَا اي اَمْوَالَهُم قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿٢٨﴾ اي بني اسرائيلَ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ بخلافِ المُؤمِنِينَ يَبْكِي عليهم بموتِهِم مُصَلَّاهُم مِنَ الارضِ ومَصْعَدُ عملِهِم مِنَ السَّماءِ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾ مُؤَخَّرِينَ للتَّوبَةِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے حٰم اس سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ وہی بہتر جانتا ہے قسم ہے واضح کتاب قرآن کی جو حلال کو حرام سے ممتاز کرنے والی ہے، یقیناً ہم نے اس کو بابرکت رات میں نازل کیا ہے اور وہ شب قدر یا شب نصف شعبان ہے، اسی رات میں قرآن کو ساتویں آسمان پر موجود لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کیا گیا، بے شک ہم اس کے ذریعہ ڈرانے والے ہیں، اسی رات یعنی شب قدر یا شب نصف شعبان میں ہر محکم کام کا مثلاً روزی، موت وغیرہ جو اس سال اسی جیسی (آئندہ) رات تک ہونے والے ہوتے ہیں فیصلہ کیا جاتا ہے، ہمارے پاس سے حکم صادر ہو کر ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھیجنے والے محمد کو اور سابقہ انبیاء کو مرسل الیہم پر رحم کرتے ہوئے تیرے رب کی جانب سے وہی ہے ان کی باتوں کا سننے والا ان کے افعال کو دیکھنے والا جو رب ہے، آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے رَبّ کے رفع کے ساتھ (ھو) کی خبر ثالث ہونے کی وجہ سے، یا رَبِّ کے جر کے ساتھ مِنْ رَبِّكَ سے بدل ہونے کی وجہ سے، اے اہل مکہ! اگر تم یقین کرنے والے ہو یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا رب ہے تو یقین کر لو کہ محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی، بلکہ وہ بعث

کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے کھیل میں مصروف ہیں، اے محمد ﷺ آپ کا استہزاء کرتے ہوئے، تو (آپ ﷺ) نے بدعاء فرمائی، اے میرے اللہ تو ان کے مقابلہ میں سات سالوں کے ذریعہ، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سات سالوں کے مانند میری مدد فرما، اللہ تعالیٰ نے دعاء کو قبول کرتے ہوئے فرمایا آپ اس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں نمودار ہو جو سب لوگوں پر چھا جائے گا، چنانچہ خشک سالی نمودار ہوگئی اور اہل مکہ شدید بھوک میں مبتلا ہوگئے، حتی کہ شدت بھوک کی وجہ سے زمین اور آسمان کے درمیان ان کو دھوئیں جیسی چیز نظر آنے لگی، تو کہنے لگے یہ بڑا تکلیف دہ عذاب ہے، اے ہمارے رب یہ آفت ہم سے دور کر ہم ایمان قبول کرتے ہیں (یعنی) تیرے نبی کی تصدیق کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے لئے نصیحت کہاں ہے؟ یعنی نزول عذاب کے وقت ایمان فائدہ دینے والا نہیں ہے کھول کھول کر بیان کرنے والے پیغمبر ان کے پاس آچکے، پھر انہوں نے اس سے بے رخی کی اور کہہ دیا سکھلایا ہوا پڑھایا ہوا باؤلا ہے، کوئی شخص اس کو قرآن سکھاتا ہے ہم اس آفت کو چندے دور کردیں گے یعنی بھوک کی تکلیف کو تم سے کچھ دنوں کے لئے دور کردیں گے چنانچہ ان سے (بھوک کی) تکلیف دور کردی گئی، تو تم پھر پلٹ جاؤ گے یعنی اپنے کفر کی طرف آجاؤ گے چنانچہ وہ اپنی سابقہ حالت کی طرف پلٹ گئے، جس دن ہم سخت پکڑ پکڑیں گے اور وہ بدر کا دن ہے ہم ان سے (پورا) بدلہ لے لیں گے اور بطش کے معنی سختی سے مواخذہ کرنے کے ہیں، یقیناً ہم ان سے پہلے فرعون کی قوم کو مع فرعون کے آزما چکے ہیں ان کے پاس اللہ کا باعزت رسول آیا اور وہ موسیٰ تھے یہ کہ اے اللہ کے بندو! جس ایمان کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں اس کو قبول کرلو، یعنی میری اطاعت پر ایمان ظاہر کرو یقین مانو میں تمہارے لئے امانتدار رسول ہوں اس چیز پر کہ جس کو لے کر میں بھیجا گیا ہوں، اور تم اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی طاعت ترک کرکے سرکشی نہ کرو، میں تمہارے پاس اپنی رسالت پر کھلی دلیل لے کر آیا ہوں مگر ان لوگوں نے ان کو پتھروں سے کچل کر مارنے کی دھمکی دی چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے، کہ میری تصدیق کرو تو مجھے چھوڑ دو یعنی میری ایذاءرسانی سے باز آجاؤ مگر ان لوگوں نے ان کو نہ چھوڑا پھر انہوں نے اپنے رب سے دعاء کردی کہ یہ سب مجرم مشرک لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ تمہارا تعاقب کیا جائے گا یعنی فرعون اور اس کی قوم تمہارا تعاقب کرے گی، جب تو اور تیرے ساتھی دریا پار کرلیں تو دریا کو ساکن کھلا ہوا چھوڑ دے، حتی کہ اس میں قبطی داخل ہوجائیں بلاشبہ یہ لشکر غرق کردیا جائے گا، اس بات پر اطمینان ہوا، چنانچہ ان کو غرق کردیا گیا، وہ بہت سے باغات اور جاری چشمے اور کھیتیاں اور آرام دہ عمدہ مجلسیں چھوڑ گئے اور وہ آرام کی چیزیں جن میں وہ آرام کررہے تھے، ایسا ہی ہوگیا کذلك، الامرُ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور ہم نے ان کا یعنی ان کے اموال کا دوسری قوم یعنی بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا سو نہ تو ان پر آسمان رویا اور نہ زمین بخلاف مومنین کے کہ ان کی موت پر ان کی جائے نماز روتی ہے اور آسمان پر ان کے نیک اعمال چڑھنے کے راستہ روتے ہیں اور نہ توبہ کے لئے انہیں مہلت ملی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ (الآیۃ) واؤ قسمیہ ہے الکتاب مقسم بہ ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَاہُ الخ جواب قسم ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنَّا کُنَّا منذرین جواب قسم کی علت ہے، بعض حضرات نے اِنَّا کُنَّا منذرینَ کو جواب قسم قرار دیا ہے اور اِنَّا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ کو قسم اور جواب قسم کے درمیان جملہ معترضہ قرار دیا ہے، مگر اول احسن ہے۔

قَوْلُہٗ: فِیْھَا یُفْرَقُ یہ جملہ یا تو مستانفہ ہے یا لَیْلَۃٍ کی صفت ہے اور درمیان میں اِنا کُنَّا منذرین جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: فَرْقًا مفسر علام نے اَمْرًا کی تفسیر فرقًا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اَمْرًا، یُفْرَقُ کا مفعول مطلق بغیر لفظہٖ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جیسے قمتُ وقوفًا اور قعدتُ جلوسًا اور اَنْزَلْنَاہ کی ضمیر فاعل سے حال بھی درست ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَنْزَلْنَاہ حال کَونِنَا آمِرِیْنَ یا اَنْزَلْنَاہُ کے مفعول سے بھی حال ہو سکتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَنزلناہ حالَ کونہٖ مامورًا بہ اور مفعول لہٗ ہونا بھی صحیح ہے، اس کا عامل اَنْزَلْنَا ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَنْزَلْنَاہ لِأمرِ الخلقِ. (صاوی)

قَوْلُہٗ: رَحْمَةً مِنْ رَّبِّکَ اس میں پانچ صورتیں ہیں ① رحمةً مفعول لہٗ ہو، اس کا عامل یا تو اَنْزَلْنَا ہوگا یا أمرًا یا یُفْرَقُ یا منذرینَ ② رحمةً فعل محذوف کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای رَحِمْنَا رحمةً ③ رحمةً، المرسلین کا مفعول ہو ④ مرسلین کی ضمیر سے حال ہو ای ذوی رحمة ⑤ امرًا سے بدل ہو۔

قَوْلُہٗ: فَاَیْقِنُوْا شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس سے اشارہ کر دیا کہ اِنْ کُنْتُمْ مُوْقِنِیْن کا جواب شرط محذوف ہے اور جملہ شرطیہ خبروں کے درمیان جملہ معترضہ ہے، اس لئے کہ لا اِلٰہَ اِلاَّ ھُوَ یہ جملہ اِنَّ کی خبر رابع ہے۔ (اعراب القرآن)

قَوْلُہٗ: دُخَانٌ دھواں (ج) اَدْخِنَةٌ آیت شریفہ میں جس دھوئیں کا ذکر ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں، اس دھوئیں کا ظہور عہد نبوی میں ہو چکا، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ اس کا ظہور قرب قیامت میں ہوگا، حضرت شاہ ولی اللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اول قول کو اختیار کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: أنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ، اَنْ مفسرہ بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ مجیئ الرسول قول رسول کے معنی کو متضمن ہے، جاء الرسول ای قال الرسول اور مصدریہ بھی صحیح ہے، اس صورت میں اَن مع اپنے مدخول کے نزع خافض کی وجہ سے مصدر کی تاویل میں ہو کر منصوب ہو ای بِاَنْ اَدُّوا اِلَیَّ اور جار مجرور جاء ھم کے متعلق ہوں گے، اور یہ بھی درست ہے کہ أنْ مخففہ عن الثقیلہ ہو، اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہو، اور اَدُّوْٓا اِلَیَّ جملہ ہو کر اس کی خبر، عِبَادَ اللّٰہِ منادی مضاف حرف نداء محذوف، عباد سے مراد قبط ہوں گے، زمخشری نے کہا ہے کہ عباد اللّٰہ، اَدُّوا اِلَیَّ کا مفعول بہ ہے اور وہ بنی اسرائیل ہیں اور اَدُّوا اِلَیَّ معنی میں اَرسلوھم معی کے ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو سورۃ الشعراء میں آیا ہے اَرسِل معنا بنی اسرائیل (اعراب القرآن) علامہ محلی نے اَدُّوا اِلَیَّ کی تفسیر مَا اَدْعوکم الیه من الایمان

سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اَنْ مصدریہ ہے اور اداء بمعنی قبول الدعوۃ ہے، مگر یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو امر پر اَنْ مصدریہ کے دخول کے جواز کے قائل ہیں۔　　(حاشیہ جلالین)

قَوْلُہٗ: عباد اللّٰہ شارح نے مَا اَدْعُوكُمْ کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اَدُّوا کا مفعول محذوف ہے عباد اللّٰہ منادیٰ ہے یاء حرف نداء محذوف ہے، اور عباد اللّٰہ سے مراد قبط ہیں، اور دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ عِبَادَ اللّٰہِ اَدُّوا کا مفعول ہے اور مراد بنی اسرائیل ہیں ای اَرْسِلُوْا معی بنی اسرائیل.

قَوْلُہٗ: اُتْرُكِ البحر رَهْوًا یہ رَهَا يَرْهُوْ کا مصدر ہے، ساکن ہونا، تھمنا، ٹھہرنا، اور بعض نے راہ کی وسعت مراد لی ہے، امام بخاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے سورۂ حٰمٓ کی تفسیر میں فرمایا کہ مجاہد نے کہا ہے رَهْوٌ خشک راستہ ہے، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ سمندر کو یہ حکم نہ دو کہ وہ اصلی حالت پر رجوع کرے بلکہ اس وقت تک اسی حالت پر چھوڑ دے کہ لشکر فرعون کا آخری سپاہی تک داخل ہو جائے، اور عبد بن حمید نے دوسرے طریق سے مجاہد سے رهوًا کے معنی منفرجًا یعنی وسیع اور کشادہ کے نقل کئے ہیں (لغات القرآن ملخصًا) علامہ محلی نے رَهْوًا کی تفسیر ساكنًا متفرجًا سے کر کے رَهْوًا کے دونوں معنی کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلُہٗ: ای الأمرُ اس سے اشارہ کر دیا کہ كذلك الامرُ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿٣٠﴾ قَتْلِ الابناءِ واستخدام النساءِ مِنْ فِرْعَوْنَ قيل بَدلٌ مِن العذابِ بتقديرِ مُضافٍ اى عذابِ وقيل حالٌ من العذاب اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ اى بَنِى اِسرائيلَ عَلٰى عِلْمٍ مِنَّا بحالِهم عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٢﴾ اى عالَمِى زمانِهم اى العُقلاءِ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿٣٣﴾ نِعمةٌ ظاهرةٌ من فَلْقِ البحرِ والمنِّ والسَّلوى وغيرِها اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ اى كُفَّارَ مَكَّةَ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿٣٤﴾ اِنْ هِيَ ما المَوتةُ الَّتى بعدَها الحيوةُ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى اى وهُم نُطَفٌ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿٣٥﴾ بِمَبْعُوثِينَ احياءً بعد الثانيةِ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ احياءً اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٦﴾ اَنَّا نُبعَثُ بَعْدَ مَوْتَتِنَا اى نُحيا، قال تعالى اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ هو نبيٌّ اَوْ رَجُلٌ صالحٌ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الأُمَمِ اَهْلَكْنٰهُمْ لِكُفرِهم والمعنى ليسُوا اقوى منهم فاُهْلِكُوا اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٣٧﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿٣٨﴾ بِخَلْقِ ذٰلك حالٌ مَا خَلَقْنٰهُمَآ وما بينهما اِلَّا بِالْحَقِّ اى مُحِقِّين فى ذٰلك لِيُستَدَلَّ به على قُدرتِنا ووحدانيّتِنا وغيرِ ذٰلك وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ اى كُفّارَ مَكّةَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ يومَ القيٰمةِ يَفصِلُ اللّٰهُ فيه بينَ العبادِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٠﴾ للعذابِ الدائمِ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى بقرابةٍ او صداقةٍ اى لا يدفعُ عنه شَيْئًا من العذابِ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾ يُمنَعُونَ منه. ويومَ بدلٌ من يومَ الفصلِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ وهم المؤمنون فانّه يَشفَعُ بعضُهم لبعضٍ باِذن اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الغالبُ فى انتقامِه مِنَ الكُفّارِ الرَّحِيْمُ ﴿٤٢﴾ بالمؤمنين.

ترجمہ: اور بے شک ہم نے (ہی) بنی اسرائیل کو رسوا کن سزا سے نجات دی یعنی لڑکوں کے قتل اور عورتوں کو خادمہ بنانے سے، جو فرعون کی طرف سے (ہو رہی) تھی، کہا گیا ہے کہ مِنْ فرعونَ، عذاب سے تقدیر مضاف کے ساتھ بدل ہے ای من عذاب فرعون اور کہا گیا ہے کہ عذاب سے حال ہے فی الواقع وہ سرکش حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا اور ہم نے بنی اسرائیل کو ہمارے ان کے حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے ان کے زمانہ کے عقلاء پر فوقیت دی اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا یعنی کھلی نعمتیں تھیں، مثلاً دریا کو چیرنا اور من وسلوی وغیرہ یہ لوگ یعنی کفار مکہ تو یہی کہتے ہیں، نہیں ہے ایسی موت کہ اس کے بعد حیات ہو مگر ہماری پہلی موت یعنی نطفہ ہونے کی حالت کی اور ہم دوسری موت کے بعد زندہ کر کے اٹھائے نہیں جائیں گے ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے لے آؤ، اگر تم (اس بات میں) سچے ہو کہ ہم مرنے کے بعد اٹھائے جائیں گے یعنی زندہ کئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم کے لوگ؟ وہ نبی ہیں یا کوئی مرد صالح اور وہ امتیں جو ان سے بھی پہلے تھیں ہم نے ان کو ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیا، مطلب یہ کہ یہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور نہیں، ان کو ہلاک کر دیا یقیناً وہ گنہگار تھے اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو ان کے درمیان جو کچھ ہے کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا اس کو پیدا کر کے (لاعبین) حال ہے ہم نے ان دونوں (یعنی زمین وآسمان) کو اور جو ان کے درمیان ہے حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے حال یہ کہ ہم ان کی تخلیق میں باحکمت ہیں، تاکہ اس تخلیق سے ہماری قدرت اور وحدانیت وغیرہ پر استدلال کیا جائے لیکن کفار مکہ میں سے اکثر نہیں جانتے یقیناً فیصلہ کا دن یعنی یوم قیامت، اس دن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا ان سب کے دائمی عذاب کا طے شدہ وقت ہے، اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا، رشتہ داری کے اعتبار سے یا دوستی کے اعتبار سے یعنی اس سے کچھ بھی عذاب دفع نہ کرے گا، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی کہ ان کو عذاب سے بچا لیا جائے، یومَ، یومَ الفصل سے بدل ہے مگر جس پر اللہ کی مہربانی ہو جائے اور وہ مومن ہوں گے اس لئے کہ مومن اللہ پاک کی اجازت سے آپس میں ایک دوسرے کی سفارش کریں گے وہ زبردست ہے کفار سے اپنا بدلہ لینے میں اور رحم کرنے والا ہے مومنین پر۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي اسْرَائِيلَ (الآية) یہ کلام مستانف ہے، اس سے آپ ﷺ کی تسلی مقصود ہے، لَقَدْ میں لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے۔

قولہ: مِن فرعون اعادۂ جار کے ساتھ مِنَ الْعَذَابِ سے بدل ہے اور کائنًا یا صادِرًا یا واقعًا کے متعلق ہو کر عذاب سے حال بھی ہو سکتا ہے ای صَادِرًا من فرعونَ.

قَوْلُہٗ: كَانَ كا اسم هُوَ مستتر ہے اور عاليًا اس کی خبر اور المسرفين، كَانَ کی دوسری خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: اى عَالَمِيْ زَمَانِهِمْ اى العُقَلَاء اس عبارت کا اضافہ دراصل ایک شبہ کا دفع ہے جو اِخْتَرْنَاهُمْ عَلَى عِلْمٍ عَلَى العٰلَمِين سے پیدا ہوتا ہے۔

شبہ: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو تمام جہان کے عقلاء پر فوقیت وفضیلت حاصل ہے، حالانکہ نص صریح كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ تمام امتوں سے افضل ہے۔

دفع: بنی اسرائیل کو ان ہی کے زمانہ کے عقلاء پر فضیلت حاصل تھی، نہ کہ تا قیامت دنیا جہان کے عقلاء پر، مفسر علام علی العٰلمين کی تفسیر العقلاء سے کرنے کے بجائے الثقلَيْن سے فرماتے تو زیادہ مناسب ہوتا اس لئے کہ عقلاء میں جن، انس اور ملائکہ سب شامل ہیں، حالانکہ بنی اسرائیل ملائکہ سے افضل نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: من الآيات یہ المبين کا بیان مقدم ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: نعمة ظاهرة یہ بلاءٌ کی تفسیر ہے بلاءٌ کے اصل معنی امتحان و آزمائش کے ہیں اور آزمائش چونکہ نعمت و رحمت وسعت و عسرت، تنگی و خوشحالی دونوں صورتوں میں ہوتی ہے، اسی سے مفسر علام نے یہاں بلاءٌ کا ترجمہ نعمت سے کیا ہے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: اَلْمَنَّ اسم ہے، ایک قسم کا شبنمی گوند ہے، وادی تیہ میں بھٹکنے والے اسرائیلیوں کے کھانے کے لئے اللہ تعالیٰ روزانہ درختوں کے پتوں پر جما دیتا تھا۔

قَوْلُہٗ: سَلْوىٰ سلوىٰ ایک چھوٹا پرندہ ہے، جس کو بٹیر کہتے ہیں، قاموس میں اس کا واحد سلواةٌ مرقوم ہے، صحاح میں اخفش سے منقول ہے کہ اس کا واحد نہیں سنا گیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا واحد اور جمع ایک ہی ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: هٰؤلاءِ یہ اسم اشارہ قریب کے لئے ہے کافروں کی تحقیر و تذلیل کے لئے اسم اشارہ قریب کا استعمال فرمایا۔

قَوْلُہٗ: قومُ تُبَّعٍ یہ تُبَّع حمیری ہے، ابوکریب اس کی کنیت اور اس کا نام اسعد ہے، انصار بنی حیرۃ اسی کی طرف منسوب ہیں، حیرۃ کوفہ کے قریب ایک شہر ہے، مزید تفصیل تفسیر و تشریح کے زیر عنوان ملاحظہ فرمائیں۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِيْنَ مِن قبلهم اس کا عطف قومُ تُبَّعٍ پر ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَى عِلْمٍ عَلَى العٰلَمِيْنَ اس سے بنی اسرائیل کے زمانہ کا جہان مراد ہے علی الاطلاق کل جہان یا تا قیامت کے لوگ مراد نہیں، کیونکہ قرآن مجید میں امت محمدیہ کو كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ کے لقب سے نوازا گیا ہے، مطلب یہ کہ بنی اسرائیل کی فضیلت ان کے زمانہ کے لوگوں پر تھی اور فضیلت و فوقیت ہم نے اپنے علم کی رو سے دی تھی، علم کی رو سے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، لہٰذا ان کو فوقیت دینے میں بھی ہماری حکمت تھی، جزوی یا وقتی فضیلت سے کلی اور دائمی

فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور یہ بھی ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کو کسی جزوی خوبی کی وجہ سے تمام اہل عالم پر فضیلت حاصل ہو مثلاً یہ بات متفق علیہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اکثریت بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی ہے۔

علی علم کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اگر چہ بنی اسرائیل کی بعض کمزوریوں کا بھی ہم کو علم حاصل تھا مگر اس کے باوجود ہم نے بنی اسرائیل کو وقتی اور جزئی فضیلت دیدی۔ (فوائد عثمانی)

وَاٰتَیْنٰھُمْ مِنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْہِ بَلٰٓءٌ مُّبِیْنٌ آیات سے مراد معجزات بھی ہو سکتے اور احسانات وانعامات بھی، دونوں صورتوں میں آزمائش کا پہلو موجود ہے، اللہ تعالیٰ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ یہ لوگ کس طرح عمل کرتے ہیں؟ اور ان انعامات کا کس طرح شکر یہ ادا کرتے ہیں جو ان پر اللہ تعالیٰ نے فرمائے تھے؟ مثلاً ان کے دشمن فرعون کو غرق کر کے ان کو نجات دینا، ان کے لئے دریا کو پھاڑ کر راستہ بنانا، بادلوں کا سایہ فگن ہونا، اور من وسلویٰ کا نازل ہونا وغیرہ وغیرہ۔

اِنَّ ھٰٓؤُلَاءِ لَیَقُوْلُوْنَ، ھٰؤلاء سے اشارہ کفار مکہ کی طرف ہے اس لئے کہ سلسلہ کلام ان ہی سے متعلق ہے، درمیان میں فرعون کا قصہ ان کی تنبیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ فرعون بھی اسی طرح کفر پر اصرار کرتا رہا، دیکھ تو اس کا کیا حشر ہوا، اگر یہ بھی اپنے کفر پر مصر رہے تو ان کا انجام بھی فرعون اور اس کے ماننے والوں سے مختلف نہ ہوگا۔

فاتوا باٰبآئنا اِنْ کُنتُمْ صادقین یعنی دنیا کی زندگی ہی بس آخری زندگی ہے اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور حساب کتاب دینا ممکن نہیں ہے، اور اگر یہ بات صحیح ہے تو اولاً ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھا دو اگر تم سچے ہو تا کہ ہمیں اخروی زندگی کا یقین آجائے، اور اگر بالفرض ہم تسلیم کرلیں کہ مرنے کے بعد زندگی ہے تو وہ نطفہ کے بعد دنیوی حیات ہے، گویا کہ نطفہ مردہ اور اس سے انسان کا پیدا ہونا یہ مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے، قرآن کریم نے ان کے اس سوال کا جواب ظاہر ہونے کی وجہ سے نہیں دیا وہ یہ کہ دنیا و آخرت کے اصول اور ضابطے الگ الگ ہیں اگر کسی مردے کو زندہ کر کے دنیا میں نہیں لایا گیا تو اس سے یہ کہاں ثابت ہو گیا کہ آخرت میں بھی دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا؟

اَھُمْ خَیْرٌ اَمْ قومُ تُبَّعٍ یعنی یہ کفار مکہ کیا تُبَّعْ اور ان سے پہلی قوموں مثلاً عاد وثمود وغیرہ سے بھی زیادہ طاقتور اور بہتر ہیں جب ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا تو یہ کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ تُبَّع سے مراد قوم سبا ہے، سبا میں ایک قبیلہ حِمْیَر تھا، یہ اپنے بادشاہوں کو تبع کہتے تھے جیسے روم کے بادشاہوں کو قیصر اور فارس کے بادشاہوں کو کسریٰ اور مصر کے حکمرانوں کو فرعون اور حبشہ کے فرمانرواؤں کو نجاشی کہا جاتا تھا، اہل تاریخ کا اتفاق ہے کہ تبابعہ میں سے بعض کو بڑا عروج حاصل ہوا اور وہ ملکوں کو فتح کرتے ہوئے سمرقند تک پہنچے۔

قوم تبع کا واقعہ:

قرآن کریم میں قوم تبع کا ذکر دو جگہ آیا ہے، ایک یہاں اور دوسرے سورۂ قٓ میں اور دونوں جگہ صرف نام ہی مذکور ہے، اس لئے مفسرین نے تبع کے بارے میں مفصل بحثیں کی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ تبع کسی فرد معین کا نام نہیں بلکہ یہ یمن کے ان حمیری

بادشاہوں کا لقب رہا ہے جنہوں نے ایک عرصہ دراز تک یمن کے مغربی حصہ کو دارالسلطنت قرار دیکر عرب، شام، عراق اور افریقہ کے بعض حصوں پر حکومت کی، یہاں ان تبابعہ میں سے کونسا تُبَّعْ مراد ہے؟

قرآنی تبع:

قرآنی تُبَّعْ، تُبَّع اوسط ہے جس کا نام اسعد، ابوکریب یا ابوکرب کنیت ہے، یہ بادشاہ آپ ﷺ کی بعثت سے نو سو سال اور ایک روایت کے اعتبار سے کم از کم سات سو سال پہلے گذرا ہے، یہ اور اس کی قوم آتش پرست تھی، ایک مرتبہ سفر کے دوران اس کا مدینہ منورہ سے گذر ہوا، یہاں اس کا بیٹا مارا گیا، تبع نے مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ کیا، اوس وخزرج سے جو یہاں کے قدیم باشندے تھے مقابلہ ہوا، اہل مدینہ کا عجیب وغریب طریقہ تھا کہ دن میں تبع کے ساتھ لڑتے اور رات کو ان کی دعوت کرتے، تبع کو یہ امر نہایت عجیب معلوم ہوا، مدینہ میں یہودی بھی آباد تھے، بنی قریظہ کے دو بڑے عالم جن میں ایک کا نام کعب اور دوسرے کا نام اسعد تھا، یہ دونوں بادشاہ کے پاس گئے اور عرض کیا اے بادشاہ مدینہ کی طرف نظر بد نہ کرو، ورنہ عذاب آجائے گا، تجھ کو معلوم نہیں کہ یہ شہر نبی آخر الزمان محمد ﷺ کی ہجرت گاہ ہے، جن کا مولد مکہ ہے اور وہ قریش کی قوم سے ہوں گے، اے تبع اس وقت جہاں تو ہے اس سے قتال عظیم ہوگا، تبع نے معلوم کیا کہ جب وہ پیغمبر ہے تو اس سے قتال کون کرے گا، ان دونوں عالموں نے جواب دیا کہ ان کی قوم ان سے لڑے گی، تبع یہ سن کر لڑائی سے باز آگیا، پھر ان دونوں عالموں نے اس کو دین یہود کی تبلیغ کی جس کے نتیجے میں اس نے یہودیت قبول کر لی، اور ان دونوں عالموں کو اپنے ہمراہ لیکر یمن چلا، جب مکہ معظمہ پہنچا تو قبیلہ ہذیل کے بعض لوگوں نے ازراہِ شفقت بادشاہ سے کہا کہ ہم تجھے وہ گھر بتائیں کہ جس میں خزانہ ہے اور وہ گھر خانہ کعبہ ہے، مقصد ان کا یہ تھا کہ تبع اس گستاخی سے ہلاک ہو جائے مگر ان دونوں عالموں نے اس کو اس حرکت سے باز رکھا، اور عرض کیا یہ خانہ خدا ہے، خبردار اس کی طرف نظر بد ہرگز نہ کرنا، تبع نے اس حرکت سے توبہ کی اور ہذیلیوں کو قتل کرا دیا، اور مکہ میں حاضر ہو کر شعب صالح میں قیام کیا اور خانہ خدا کو لباس پہنایا، سب سے پہلے تبع ہی نے خانہ کعبہ پر غلاف ڈالنا شروع کیا، تبع نے مکہ میں چھ روز قیام کیا اور چھ ہزار بدنے قربان کئے، جب تبع یمن پہنچا تو قوم نے بغاوت کر دی اور کہا تو نے دین بدل ڈالا ہے، آخر فیصلہ یہ ہوا کہ زیر کوہ جو ایک آگ ہے وہاں دونوں فریق چلیں اور آگ حسب معمول ظالم کو جلا دے، قوم اپنے بتوں کو لیکر گئی، اور تبع کعب و اسعد کو ساتھ لے گیا ان کے گلوں میں مصاحف لٹکے ہوئے تھے، یہ آگ کے اوپر سے بآسانی گذر کر مقام معین پر پہنچ گئے، اس کے بعد آگ نکلی اور بت پرستوں کو جلا کر خاکستر کر دیا، اس کے بعد آگ جدھر سے آئی تھی واپس چلی گئی، اس کے بعد قوم تبع کے کچھ بچے ہوئے لوگوں نے یہودیت قبول کر لی۔ (خلاصۃ التفاسیر، تائب لکھنوی)

حضرت عائشہ نے فرمایا تبع کو برائی سے یاد نہ کرو وہ مرد صالح تھا، آپ ﷺ نے تبع کے بارے میں فرمایا کہ وہ اسلام لایا تھا اور یہ بھی فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھا یا نہیں، تبع نے دار ابی ایوب آپ ﷺ کے لئے بنوایا تھا، اور وصیت نامہ لکھا تھا کہ نبی آخر الزمان جب تشریف لائیں تو یہ گھر اور میرا پیام نیاز پیش خدمت کیا جائے، چنانچہ وہ خط حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ (خلاصۃ التفاسیر) اس خط میں یہ اشعار بھی تھے:

شهدتُ علی احمد أنّهُ رسول من اللّٰه باری النسم
فلو مد عمری الی عمره لکنتُ وزیرًا لهُ وابن عم

خط کا مضمون ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق یہ تھا:

اَمَّا بعد! فانی آمنتُ بك وبکتابك الذی أُنزل علَیْك، وَانا علی دینكَ و سنتكَ وَآمَنتُ بربك ورب کل شیء و آمنتُ بکل ما جاء من ربك من شرائع الاسلام فاِن ادرکتُكَ فبها ونعمت واِن لم ادرككَ فَاشْفَعْ لی ولا تنسنی یوم القیامة فانی من امتك الاولین وتابعتك قبل مجیئك وأنا علی ملتكَ وملت ابیك ابراهیم علیه الصلاة والسلام ثم ختم الکتابَ ونقش علیه، للّٰه الامر من قبلُ ومن بعدُ و کتب عنوانه الی محمد بن عبداللّٰه نبی اللّٰه ورسوله خاتم النبیین ورسول رب العالمین صلی اللّٰه علیه وسلم من تُبّع اول.

(لغات القرآن للدرویش)

مَا خَلَقْنٰهُما اِلّا بالحق (الآیة) ہم نے زمین وآسمان کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے، مطلب یہ ہے کہ اگر سوچنے سمجھنے والی عقل ہو تو آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو مخلوقات پیدا کی گئی ہیں، وہ سب بہت سے حقائق پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً ایک تو قدرت خداوندی پر دوسرے آخرت کے امکان پر کیونکہ جس ذات نے ان عظیم اجسام کو وجود بخشا وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں ایک مرتبہ فنا کر کے دوبارہ پیدا کر دے، تیسرے جزاء وسزا کی ضرورت پر کیونکہ اگر آخرت کی جزاء وسزا نہ ہو تو یہ سارا کارخانہ وجود بیکار ہو جاتا ہے، اس کی تخلیق کی حکمت ہی یہی ہے کہ اس کو دارالامتحان بنایا جائے اور اس کے بعد آخرت میں جزاء وسزا دی جائے ورنہ نیک وبد دونوں کا انجام ایک ہونا لازم آتا ہے جو اللہ کی شان حکمت سے بعید ہے، چوتھے یہ کہ یہ کائنات سوچنے سمجھنے والوں کو اطاعت خداوندی پر آمادہ کرنے والی ہے، اس لئے کہ پوری کائنات اس کا بہت بڑا انعام ہے اور بندے پر واجب ہے، کہ اس کی نعمت کا شکر، اس کے خالق کی اطاعت کرے۔ (معارف)

معانقۃ عند التأخرین

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ھی مِنْ اَخْبَثِ الشَّجَرِ المرّ بتهامة یُنْبِتُها اللّٰهُ فی الجحیم **طَعَامُ الْاَثِیْمِ** ای ابی جہلٍ واَصحابه ذوی الاِثم الکثیر **كَالْمُهْلِ** ای کَدُرْدِیّ الزَّیتِ الاَسْوَد خبرٌ ثانٍ **یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ** بالفوقانیّةِ خبرٌ ثالثٌ وبالتحتانیّةِ حالٌ من المُهلِ **كَغَلْیِ الْحَمِیْمِ** الماءِ الشدیدِ الحرارةِ **خُذُوْهُ** یُقالُ للزّبانیةِ خُذُوا الاثیمَ **فَاعْتِلُوْهُ** بکسرِ التاءِ وضَمِّها جُرّوهُ بغِلْظَةٍ وشدَّةٍ **اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ** وَسْطِ النّار **ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ** ای مِنَ الحمیمِ الّذی لا یُفارقُه العذابُ فهو اَبلَغُ مِمّا فی اٰیةِ یُصَبُّ من فوقِ رُءُوسِهم الحَمیمُ ویقال له **ذُقْ** ای العذابَ **اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ** بزعمكَ وقولكَ

ما بين جبليها اَعَزُّ واكرم مِنِّى ويُقالُ لهم اِنَّ هٰذَا الذى ترون من العذاب مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ﴿۵۰﴾ فيه تشكون اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ مَقَامٍ مجلس اَمِيْنٍ﴿۵۱﴾ يؤمن فيه الخوف فِىْ جَنّٰتٍ بساتين وَّعُيُوْنٍ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ اى مارق من الديباج وما غلظ منه مُّتَقٰبِلِيْنَ﴿۵۳﴾ حالٌ اى لا ينظرُ بعضهم الى قفا بعضٍ لدوران الاسرّة بهم كَذٰلِكَ يُقدّرُ قبلهُ الامرُ وَزَوَّجْنٰهُمْ من التزويج او قرنّاهم بِحُوْرٍ عِيْنٍ﴿۵۴﴾ بنساءٍ بيضٍ واسعاتِ الاعينِ حِسانِها يَدْعُوْنَ يطلبون الخدّام فِيْهَا اى الجنة ان ياتوا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ منها اٰمِنِيْنَ﴿۵۵﴾ من انقطاعِها ومضرّتها ومن كُلِّ مُخوِّفٍ حالٌ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى اى التى فى الدنيا بعد حيوتهم فيها قال بعضهم الا بمعنى بَعْدُ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مصدرٌ بمعنى تفضُّلًا منصوبٌ بتفضّلَ مُقدّرًا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ سهّلنا القراٰن بِلِسَانِكَ بلغتك لِتَفهمهُ العربُ منك لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴿۵۸﴾ يتّعظون فيؤمنون لٰكنّهم لا يؤمنون فَارْتَقِبْ انتظِرْ اِهلاكهم اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ﴿۵۹﴾ هلاكك وهٰذا قبل نزول الامر بجهادِهم.

ترجمہ: بے شک زقوم (تھوہڑ) کا درخت جو کڑوا اور خبیث ترین ہے تہامہ میں پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں پیدا فرمائے گا، مجرموں کا کھانا ہے یعنی ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کا جو بڑے گنہگار ہیں، اور وہ سیاہ تیل (تارکول) کی تلچھٹ کے مانند ہے (**کالمهل**) ثانی خبر ہے، وہ تیز گرم پانی کے مانند پیٹ میں کھولتا رہتا ہے (**تغلی**) تاءِ فوقانیہ کے ساتھ تیسری خبر ہے اور یاءِ تحتانیہ کے ساتھ **المهل** سے حال ہے جہنم پر مقرر فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ مجرم کو پکڑ لو پھر گھسیٹتے ہوئے بیچ جہنم تک پہنچا دو (**فاعتلوه**) کسرۂ تاء اور ضمہ تاء کے ساتھ یعنی اس کو سختی اور شدت کے ساتھ کھینچو، پھر اس کے سر پر تحت گرم پانی کا عذاب بہاؤ یعنی گرم پانی کہ جس سے عذاب جدا نہ ہوگا، یہ (تعبیر) زیادہ بلیغ ہے اس (تعبیر) سے جو **یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُ وسِهِمِ الحميم** میں اختیار کی گئی ہے، (اس سے کہا جائے گا) عذاب (کا مزا) چکھ تو تو اپنے گمان میں بڑی عزت اور اکرام والا تھا اپنے اس قول کی وجہ سے کہ مکہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان مجھ سے زیادہ باعزت اور باوقار کوئی نہیں ہے، ان سے کہا جائے گا، یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو وہی ہے جس کے بارے میں تم شک کیا کرتے تھے بے شک (اللہ سے) ڈرنے والے امن چین کی مجلس میں ہوں گے جس میں وہ خوف سے محفوظ رہیں گے باغوں اور چشموں میں باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے (**متقابلين**) حال ہے، ان کی مسہریوں کے گولائی میں ہونے کی وجہ سے کوئی کسی کی گدی (پشت) نہیں دیکھے گا، بات اسی طرح ہے **كذلك** سے پہلے **الأمرُ** مقدر مانا جائے گا اور ہم گوری چٹی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے، یا ان کا جوڑا لگا دیں گے، جنتی جنت میں خدام سے جنت کے قسم قسم کے پھلوں کی فرمائش کریں گے اور ان کے ختم ہونے اور ان کی مضرت اور ہر قسم کے اندیشوں سے مامون ہوں گے

(آمنین) یدعون کی ضمیر سے حال ہے، وہاں وہ موت (کا مزہ) نہیں چکھیں گے سوائے اس پہلی موت کے جس کو وہ دنیا میں حیات کے بعد چکھ چکے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اِلَّا بعدُ کے معنی میں ہے انہیں اللہ نے دوزخ کے عذاب سے محض تیرے رب کے فضل سے بچادیا (فضلاً) مصدر ہے تفضّلاً کے معنی میں تفضل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، یہی ہے بڑی کامیابی ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں آسان کردیا تاکہ عرب آپ سے (سن کر) سمجھیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ایمان لے آئیں، لیکن وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اب تو ان کی ہلاکت کا منتظر رہ وہ بھی تیری ہلاکت کے منتظر ہیں، یہ حکم ان کے ساتھ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: شجرتَ الزَّقُّوم، شجرتَ یہاں تاء مجرورہ کے ساتھ ہے قرآن میں بقیہ جگہ تاء مدوّرہ کے ساتھ ہے حالت وقف میں، ہ اور تاء دونوں پڑھا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: زَقُّومٌ ایک جنگلی نبات ہے، چنبیلی کے مانند اس پر پھول آتا ہے، یہ جہنمیوں کی غذا ہے، اردو میں تھوہڑ اور ہندی میں ناگ پھن کہتے ہیں، اس کا مزہ کڑوا کسیلا بدمزہ ہوتا ہے۔

مجرّب نسخہ:

زقوم ایک ایسے درخت کو بھی کہتے ہیں جس کا پھل کھجور کے مانند ہوتا ہے، اس کا تیل ریاح باردہ کے تحلیل میں عظیم النفع ہے امراض بلغمیہ میں عجیب التاثیر ہے، اوجاع مفاصل، عرق النساء، نقرس اور کولہے میں احتباس ریاح کو تحلیل کرنے میں سریع الاثر اور کثیر النفع ہے، (مقدار خوراک) بقدر سات درہم روزانہ تین روز تک استعمال کیا جاتا ہے، اس دوا سے اپاہج اور معذورین بھی بمشیت خداوندی صحت یاب ہوجاتے ہیں، کہا گیا ہے کہ ہلیلہ کابلی اس درخت کی جڑ ہے۔

(صاوی، جمل)

قَوْلُہٗ: تِہامَۃ مکہ معظمہ ملک حجاز کا جنوبی علاقہ ہے، نسبت کے لئے تہامہ کہتے ہیں جمع تِہَامِیُون و تِہامون آتی ہے۔

(مصباح)

قَوْلُہٗ: کالمُہل پگھلی ہوئی دھات دُرْدِیٌّ تلچھٹ، تیل وغیرہ کی گاد، زیت الاسود، تارکول۔

قَوْلُہٗ: طَعَامُ الأثیم اِنَّ کی خبر اول ہے اور کالمہل خبر ثانی، اور تَغلی تاء کے ساتھ خبر ثالث ہے، اور یاء کے ساتھ المہل سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: صُبُّوْا فَوْقَ رَاسِہٖ مِن عَذَابِ الحمیم میں زیادہ مبالغہ ہے بہ نسبت یُصَبُّ من فوق رُءُ وسہم الحمیم کے پہلی آیت میں عذاب کو سر پر بہانے کا حکم ہے گویا کہ پانی اتنا گرم ہے کہ وہ خود عذاب ہوگیا لہٰذا اب حرارت اس سے جدا نہیں

ہوگی اس لئے کہ حرارت اب صفت نہیں رہی، بلکہ خود موصوف ہوگئی، اس میں مبالغہ زیادہ ہے بہ نسبت یہ کہنے کے کہ ان پر گرم پانی بہاؤ، یہاں پانی موصوف اور گرم اس کی صفت ہے، اور صفت موصوف سے جدا ہو سکتا ہے۔

قولہ: او قَرَنَّاهم یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ زَوَّجنا متعدی بنفسہ ہے حالانکہ یہاں اس کا صلہ بحورٍ عینٍ کی باء ہے، جواب یہ ہے کہ زَوَّجْنَا بمعنی قَرَّنَّا ہے، لہٰذا اس کا صلہ باء لانا درست ہے۔

تفسیر وتشریح

ان آیات میں آخرت کے کچھ احوال بیان کئے گئے ہیں اور قرآن نے اپنے دستور اور عادت کے مطابق یہاں بھی دوزخ اور جنت دونوں ہی کے احوال بیان فرمائے ہیں، اِنَّ شجرۃ الزقوم الخ اس آیت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ کفار کو زقوم دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے کھلایا جائے گا کیونکہ یہاں زقوم کھلانے کے بعد یہ حکم مذکور ہے کہ اسے کھینچ کر دوزخ کے بیچوں بیچ لے جاؤ۔

اِنَّ المتقین فی مقامٍ امینٍ ان آیات میں جنت کی سرمدی نعمتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور نعمت کی تقریباً تمام اقسام کو جمع کردیا گیا ہے، اس لئے کہ عموماً انسانی ضرورت کی بنیادی چیزیں یہی ہوتی ہیں، عمدہ رہائش گاہ، عمدہ لباس، بہترین شریک حیات، بہتر ماکولات، پھر ان نعمتوں کے باقی رہنے کی ضمانت اور رنج وتکلیف سے کلی طور پر مامون رہنے کا یقین، یہاں ان چھ کی چھ باتوں کو اہل جنت کے لئے ثابت کردیا گیا ہے، جیسا کہ ان چھ آیتوں میں غور کرنے سے صاف ظاہر ہے۔

ذُق اِنَّکَ انت العزیز الکریم یعنی دنیا میں بزعم خویش بڑا معزز اور ذی وقار بنا پھرتا تھا، اور اہل ایمان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

وَزَوَّجْنَاهُمْ بحورٍ عِینٍ حورٌ، حَوْرَاءُ کی جمع ہے یہ حورٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں کہ آنکھ کی سفیدی نہایت سفید ہو اور سیاہی نہایت سیاہ ہو، حوراء اس لئے کہا جاتا ہے کہ نظریں اس کے حسن وجمال کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں گی، عِینٌ عیناء کی جمع ہے، کشادہ چشم، جیسے ہرن کی آنکھیں ہوتی ہیں۔

بحمداللہ تم

سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰیَۃً وَّاَرْبَعُ رُکُوْعَاتٍ

سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ اِلَّا قُلْ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا یَغْفِرُوْا (الْاٰیَۃ) وَھِیَ سِتٌّ اَوْ سَبْعٌ وَثَلَاثُوْنَ آیَۃً.

سورۂ جاثیہ مکی ہے سوائے قُلْ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا یَغْفِرُوْا (الْاٰیَۃ) کے اور یہ چھتیس (۳۶) یا سینتیس (۳۷) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ حٰمٓ ۝۱ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِہٖ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ القُرآن مُبْتَدَأٌ مِنَ اللّٰہِ خَبَرُہٗ الْعَزِیْزِ فی مُلْکِہٖ الْحَکِیْمِ ۝۲ فی صُنْعِہٖ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ای فی خَلْقِھِمَا لَاٰیٰتٍ دَالَّۃٍ عَلٰی قُدْرَۃِ اللّٰہِ وَوَحْدَانِیَّتِہٖ تعالٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝۳ وَفِیْ خَلْقِکُمْ ای خَلْقِ کُلٍّ مِنْکُم مِنْ نُطْفَۃٍ ثم عَلَقَۃٍ ثُمَّ مُضْغَۃٍ الٰی اَنْ صَارَ اِنْسَانًا وَ خَلْقِ مَا یَبُثُّ یُفَرِّقُ فی الاَرْضِ مِنْ دَآبَّۃٍ ھِیَ مَا یَدُبُّ عَلَی الاَرْضِ مِنَ النَّاسِ وغیرِھم اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝۴ بالبَعْثِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ ذِھَابِھِمَا ومَجِیئِھِمَا وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ مَطَرٍ لِاَنَّہٗ سَبَبُ الرِّزْقِ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ تَقْلِیبِھَا مرۃً جَنُوبًا ومرۃً شِمالاً وبَارِدَۃً وحارَّۃً اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝۵ الدلیلَ فیُؤمِنونَ تِلْکَ الآیٰتُ المذکورۃُ اٰیٰتُ اللّٰہِ حُجَجُہُ الدَّالَّۃُ علٰی وَحْدَانِیَّتِہٖ نَتْلُوْھَا نَقُصُّھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِنَتْلُو فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ ای حَدِیثِہٖ وھو القرآنُ وَاٰیٰتِہٖ حُجَجِہٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝۶ ای کُفَّارُ مَکَّۃَ ای لَا یُؤمِنُونَ وفی قِرَاءَۃٍ بالتاءِ وَیْلٌ کَلِمَۃُ عَذابٍ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ کَذَّابٍ اَثِیْمٍ ۝۷ کَثِیرِ الاِثْمِ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ القرآنَ تُتْلٰی عَلَیْہِ ثُمَّ یُصِرُّ علٰی کُفْرِہٖ مُسْتَکْبِرًا مُتَکَبِّرًا عن الایمانِ کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْھَا فَبَشِّرْہُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۸ مُؤلِمٍ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا ای القرآنِ شَیْئَا اتَّخَذَھَا ھُزُوًا ای مَھْزُوًّا بِھَا اُولٰٓئِکَ ای الاَفَّاکونَ لَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ ۝۹ ذُو اِھَانَۃٍ مِنْ وَّرَآئِھِمْ ای اَمَامِھِم لِاَنَّھُم فی الدُّنیا جَھَنَّمُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْھُمْ مَّا کَسَبُوْا من المالِ والفِعَالِ شَیْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ای الاَصْنَامُ اَوْلِیَآءَ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۱۰ ھٰذَا ای القرآنُ ھُدًی مِنَ الضَّلَالَۃِ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ حَظٌّ مِّنْ رِّجْزٍ اى عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ مُوْجِعٌ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے حٰمٓ اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے کتاب یعنی قرآن کا نزول اللہ کی طرف سے ہے (من اللّٰه) خبر ہے جو کہ اپنے ملک میں غالب اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے بلاشبہ آسمانوں اور زمین میں یعنی ان دونوں کے پیدا کرنے میں ایسی نشانیاں ہیں جو اللہ کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں، اور خود تمہاری پیدائش میں یعنی تم سب کو نطفہ سے پیدا کرنے میں پھر دم بستہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے، حتی کہ وہ نطفہ انسان ہو جاتا ہے، اور ان جانوروں کی پیدائش میں جنہیں وہ زمین پر پھیلاتا ہے (دابۃ) ہر وہ شئ ہے جو زمین پر چلے انسان وغیرہ، بعث کا یقین رکھنے والی قوم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں اور رات دن کے بدلنے میں (یعنی) ان کے جانے اور آنے میں اور اس رزق (بارش) میں جسے وہ آسمان سے نازل کرتا ہے، اس لئے کہ (بارش) سبب رزق ہے اس بارش کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو زندہ کر دیا اس کے مردہ ہو جانے کے بعد اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی کبھی جنوباً، تو کبھی شمالاً کبھی ٹھنڈی، تو کبھی گرم، ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو دلیل کو سمجھتے ہیں کہ ایمان لے آئیں، یہ جو نشانیاں مذکور ہوئیں اللہ کی نشانیاں ہیں یعنی اس کی وہ حجتیں ہیں جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں جنہیں ہم آپ کو راستی کے ساتھ سنا رہے ہیں (بالحق) نَتْلُوْا سے متعلق ہے پس اللہ کی بات اور وہ قرآن ہے اور اس کی حجتوں کے بعد کس کی بات پر یہ کفار مکہ ایمان لائیں گے اور ایک قراءت میں تاء کے ساتھ (تؤمنون) ہے اور ہر جھوٹے، گنہگار بکثرت گناہ کرنے والے پر افسوس ہے، جو اپنے سامنے پڑھی جانے والی اللہ کی آیتوں قرآن کو سنتا ہے پھر بھی ایمان سے تکبر کرتا ہوا اپنے کفر پر مصر رہے، گویا کہ ان (آیات) کو سنا ہی نہیں ہے تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے اور وہ جب ہماری آیتوں قرآن میں سے کسی آیت کی خبر پالیتا ہے تو اس کا مذاق بنالیتا ہے یہی ہیں وہ دروغ گو جن کے لئے اہانت آمیز عذاب ہے ان کے آگے جہنم ہے اس لئے کہ وہ دنیا میں ہیں، مال و اعمال میں سے انہوں نے جو کچھ بھی کمایا ان کو کچھ فائدہ نہ دے گا اور نہ وہ (کچھ کام آئیں گے) جن بتوں کو اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا تھا اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے یہ یعنی قرآن سرتاپا گمراہی سے ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانا ان کے لئے دردناک عذاب کا حصہ ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مبتداء ہے اور من اللّٰه کائن کے متعلق ہو کر اس کی خبر ہے العزیز الحکیم یہ دونوں اللہ کی صفات ہیں جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ تنزیل الکتاب، ھٰذا مبتداء محذوف کی خبر ہو اور من اللّٰه تنزیل کے متعلق ہو۔

قَوْلُہٗ: لآیاتٍ ، آیات اِنّ کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کسرہ کے ساتھ یہ باتفاق قراء ہے، لیکن آئندہ آنے والی آیاتٌ لقومٍ یوقنون اور آیاتٌ لقوم یَعْقِلونَ ان میں رفع اور نصب دونوں قراءتیں ہیں، رفع تو اس لئے کہ آیات مبتداء مؤخر ہے اور فِی خلقکم خبر مقدم ہے اور نصب اس لئے کہ آیات معطوف ہے آیات اول پر جو کہ وہ اِنَّ کا اسم ہے اور فی خلقکم معطوف ہے فی السمٰوٰت والارض پر جو کہ اِنّ کی خبر واقع ہے، اس میں عامل واحد کے دو معمولوں پر عطف ہے جو بالاتفاق جائز ہے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: وَخَلْقِ مَا یَبُثُّ شارح علام نے خَلْق مضاف مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اس کا عطف خَلْقِکُمْ پر ہے یہ بھی درست ہے کہ ما یَبُثُّ کا عطف خلقکُم کی کُم ضمیر مجرور پر ہو مگر یہ ان لوگوں کے نزدیک جائز ہوگا جو ضمیر مجرور پر بغیر اعادۂ جار کے عطف جائز کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: وفی اختلاف اللیل والنهار، فی کو ظاہر کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں فِی مقدر ہے جیسا کہ قراءت شاذہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: تلك آیاتٌ مبتداء خبر ہیں اور نَتْلُوها حال۔

قَوْلُہٗ: لا یُؤمنون سے اشارہ کر دیا کہ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُہٗ: وَیْلٌ عذاب اور جہنم کی وادی دونوں معنی میں مستعمل ہے۔

قَوْلُہٗ: کَاَنْ لم یَسْمَعْها کَاَنْ اصل میں کَاَنَّ تھا یہ مخففہ عن المثقلہ ہے، ضمیر شان محذوف ہے، ای کَاَنَّهٗ اور جملہ یا تو مستانفہ ہے یا حال ہے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: اِتّخذها هُزُوًا.

سَوَال: اِتَّخَذَها کی ضمیر شیئًا کی طرف راجع ہے جو کہ مذکر ہے لہٰذا اس کی طرف ضمیر مؤنث لوٹانا صحیح نہیں ہے۔

جَوَاب: معنی کے اعتبار سے مؤنث کی ضمیر لوٹانا درست ہے اس لئے کہ شیئًا سے مراد آیت ہے۔

دُوسرا جَوَاب: آیاتنا کی طرف لوٹانا بھی درست ہے۔

قَوْلُہٗ: ای امامهم اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وراء امام اور خلف دونوں معنی میں مستعمل ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

بالاتفاق یہ سورت مکی ہے، صرف ایک قول یہ ہے کہ آیت قل للذین آمنوا یَغْفِرُوا للذین لَا یَرْجُوْنَ مدنی ہے، اس سورت کے تین نام ہیں، (۱) جاثیة (۲) شریعة (۳) الدهر (اتقان) یہ تینوں اشیاء اس سورت میں مذکور ہیں، یہ اسماء اسم الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہیں۔

شانِ نزول:

قل للذين امنوا الخ حضرت عمر بن الخطاب کے بارے میں نازل ہوئی ایک مشرک نے ان کو مکہ میں گالی دی، حضرت عمر نے چاہا کہ اس سے انتقام لیں، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی پھر اس آیت کا حکم اقتلوا المشرکین سے منسوخ کر دیا گیا۔

اس سورت کا مضمون بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح عقائد کی اصلاح ہے چنانچہ اس سورت میں توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد ہی کو مختلف طریقوں سے مدلل کیا گیا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ بڑی خرابی ہوگی اس شخص کے لئے جو جھوٹا اور نافرمان ہو۔

شانِ نزول:

اس آیت کے شان نزول میں متعدد روایات ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض میں ہے کہ حارث بن کلدہ کے بارے میں نازل ہوئی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی، مفہوم قرآن کو سمجھنے کیلئے کسی ایک شخص کی تعیین کی ضرورت نہیں کُلّ کا لفظ بتا رہا ہے کہ آیت کے پس منظر میں خواہ یہ تینوں اشخاص ہوں، لیکن مراد وہ شخص ہے جو ان جیسی صفات کا حامل ہو۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ السُفنُ **فِيْهِ بِاَمْرِهٖ** باذنِه **وَلِتَبْتَغُوْا** تطلُبوا بالتِجارة **مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ**⑫ **وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ** من شمسٍ وقمرٍ ونجمٍ وماءٍ وغيرِه **وَمَا فِی الْاَرْضِ** من دابَّةٍ وشجرٍ ونباتٍ وأنهارٍ وغيره اى خلق ذلك لمنافعهم **جَمِيْعًا** تاكيدٌ **مِّنْهُ** حالٌ اى سخّرها كائنةً منه تعالى **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ**⑬ فيها فيؤمنون **قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ** يخافون **اَيَّامَ اللّٰهِ** وقائِعَه اى اغفِروا للكُفّار ما وقع منهم من الاذى لكم وهذا قبلَ الامرِ بجهادِهم **لِيَجْزِیَ** اى اللّٰهُ وفى قراءةٍ بالنون **قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ**⑭ من الغفرِ للكُفّار أذاهم **مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ** عمِلَ **وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا** أساءَ **ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ**⑮ تصيرون فيُجازى المُصلحَ والمُسيءَ **وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ** التوراة **وَالْحُكْمَ** به بين الناس **وَالنُّبُوَّةَ** لموسى وهارون منهم **وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ** الحلالاتِ كالمَنّ والسّلوى **وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ**⑯ عالَمى زمانِهم العُقلاء **وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ** امرِ الدينِ من الحلالِ والحرامِ وبعثةِ محمّدٍ عليه أفضلُ الصّلوة والسّلام **فَمَا اخْتَلَفُوْٓا** في بعثته **اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ** اى لبغيٍ

حدث بینهم حسدًا له اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٧﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ یا محمد عَلٰى شَرِيعَةٍ طریقة مِّنَ الْاَمْرِ امر الدین فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨﴾ في عبادة غير الله اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا يدفعوا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ من عذابه شَيْـًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ الكافرين بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩﴾ المؤمنين هٰذَا القرآن بَصَائِرُ لِلنَّاسِ معالم يتبصرون بها في الاحكام والحدود وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٢٠﴾ بالبعث اَمْ بمعنى همزة الانكار حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا اكتسبوا السَّيِّاٰتِ الكفر والمعاصي اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَاءً خبر مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ مبتدأ ومعطوف والجملة بدل من الكاف والضميران للكفار المعنى احسبوا ان نجعلهم في الاخرة في خير كالمؤمنين اي في رغد من العيش مساوٍ لعيشهم في الدنيا حيث قالوا للمؤمنين لئن بعثنا لنعطى من الخير مثل ما تعطون قال تعالى على وفق انكاره بالهمزة سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٢١﴾ اي ليس الامر كذلك فهم في الاخرة في العذاب على خلاف عيشهم في الدنيا والمؤمنون في الاخرة في الثواب بعملهم الصالحات في الدنيا من الصلاة والزكوة والصيام وغير ذلك وما مصدرية اي بئس حكمًا حكمهم هذا.

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو تابع کر دیا تا کہ اس میں اس کے حکم اجازت سے کشتیاں چلیں اور تم تجارت کے ذریعہ اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر بجالاؤ شمس وقمر ستارے اور پانی وغیرہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جانور اور درخت اور گھاس اور نہریں وغیرہ جو کچھ زمین میں ہے اس نے اپنی طرف سے سب کو تمہارے تابع کر دیا یعنی مذکورہ چیزوں کو اس نے انسانوں کے نفع کے لئے پیدا فرمایا **جمیعًا** تاکید ہے، اور **منهُ** حال ہے یعنی ان چیزوں کو تابع کر دیا حال یہ ہے کہ یہ اس کی طرف سے ہے، بلاشبہ اس تابع کرنے میں ان لوگوں کے لئے جو ان میں غور (وفکر) کریں بہت سی نشانیاں ہیں کہ ایمان لے آئیں، آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ ان لوگوں سے درگذر کریں جو اللہ کے دنوں واقعات سے خوف نہیں رکھتے یعنی کفار کی جانب سے جو تم کو تکلیف پہنچی اس کو معاف کر دیں اور یہ ان کو جہاد کا حکم دینے سے قبل کا حکم ہے تا کہ اللہ (مومن) قوم کو ان کے عمل کا اچھا بدلہ دے یعنی کافروں کی ایذا رسانی کو معاف کرنے کا بدلہ، جو نیکی کرے گا وہ اپنے ہی نفع کے لئے کرے گا، اور جو برے عمل کرے گا اس کا وبال اسی پر ہے پھر تم کو تمہارے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تا کہ وہ نیکوکار وبدکار کو بدلہ دے اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب تورات، اور حکمت کہ جس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور انہیں میں سے موسیٰ وہارون کو نبوت دی تھی اور ہم نے ان کو پاکیزہ حلال روزی دی تھی جیسا کہ من وسلویٰ اور ہم نے ان کو ان کے زمانہ کے اہل جہان عقلاء پر فضیلت دی تھی اور ہم نے ان کو دین کے معاملہ میں یعنی حلال اور حرام اور بعثت محمد ﷺ کے بارے میں واضح اور صاف دلیلیں دی تھیں، پھر انہوں نے علم آنے کے بعد ہی محمد ﷺ کی بعثت کے

بارے میں اختلاف کیا بوجہ آپس کی ضد اضدی کے یعنی اس عداوت کے باعث جوان کے درمیان محمد ﷺ سے حسد کی وجہ سے پیدا ہوئی، جن چیزوں میں یہ اختلاف کررہے ہیں تیرا رب ان کے درمیان قیامت کے دن (عملی) فیصلہ کردے گا پھر ہم نے اے محمد ﷺ آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا سو آپ اسی طریقہ پر چلتے رہئے، اور غیر اللہ کی عبادت کے معاملہ میں ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے (یادرکھئے) کہ یہ لوگ آپ سے اللہ کے عذاب کو ہرگز دفع نہیں کرسکتے اور (سمجھ لیں) کہ ظالم کافر لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں مومنین کا کارساز اللہ ہے اور یہ قرآن لوگوں کے لئے بصیرت اور ہدایت ورحمت ہے بعث (بعد الموت) پر ایمان رکھنے والوں کے لئے کیا ان لوگوں کا جو بدی کفر ومعاصی کا ارتکاب کرتے ہیں یہ خیال ہے کہ ہم ان کو ان جیسا کردیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے کہ ان کا جینا مرنا یکساں ہوجائے (اَمْ) ہمزۂ انکار کے معنی میں ہے سواءٌ خبر (مقدم) ہے، اور مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ مبتداء ومعطوف ہے، اور جملہ کاف سے بدل ہے، اور دونوں ضمیریں کافروں کے لئے ہیں (آیت کے) معنی یہ ہیں کیا یہ کافر یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو آخرت میں خیر میں مومنین کے مانند کردیں گے یعنی عیش کی خوشگواری میں کہ ان کے عیش کے مساوی ہوگا دنیا میں، اس لئے کہ انہوں نے مومنین سے کہا تھا کہ اگر (بالفرض) ہم کو زندہ کیا گیا تو ہم کو ایسی ہی خیر عطا کی جائے گی جیسی کہ تم کو عطا کی جائے گی، ہمزہ کو انکاری ماننے کی صورت میں فرمایا برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کررہے ہیں یعنی بات ایسی نہیں وہ تو آخرت میں اپنے دنیوی عیش کے برخلاف عذاب میں ہوں گے اور مومن آخرت میں اپنے دنیا میں کئے گئے اپنے اعمال صالحہ مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ ذٰلک کے بدولت ثواب میں ہوں گے (مَا يَحكمُونَ) میں ما مصدریہ ہے یعنی ان کا یہ فیصلہ نہایت برا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِنْهُ واو عاطفہ ہے اس جملہ کا عطف سابقہ جملے پر ہے۔

قَوْلُهُ: جمیعًا، ما سے حال ہے اور مِنْهُ سَخَّرهَا کی ضمیر سے حال ہے ای سَخَّرهَا كَائِنَةً مِنْهُ تعالى علامہ محلی نے جمیعًا کو ما موصولہ کی تاکید قرار دیا ہے جو کہ سَخَّرَ کا مفعول ہے، غالبًا یہ علامہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى کا وہم ہے اگر جمیعًا ما موصولہ کی تاکید ہوتی تو جَمِيْعَهُ کہا جاتا، علامہ محلی نے غالبًا اس میں ابن مالک کا اتباع کیا ہے اسکے علاوہ جمیعًا کے ذریعہ تاکید قلیل الاستعمال ہے، لہٰذا قرآن کو اس پر محمول کرنا بہتر نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: مِنْهُ حال ہے ای سَخَّرهَا كَائِنَةً مِنْهُ تعالى. (اعراب القرآن)

قَوْلُهُ: لِيَجزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ مذکورہ جملہ عفو ودرگذر کرنے کی علت ہے، اور قومًا سے مراد قوم مومن ہے اور

مَا كَانُوا يَكْسِبُوْنَ سے مراد درگذر کرنے اور معاف کرنے کا عمل ہے، مطلب یہ ہے کہ کفار کی جانب سے ایذاء رسانی کو درگذر کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن درگذر کرنے والے مومنوں کو اچھا بدلہ دے مگر یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

آیت کے دوسرے معنی:

قوماً سے مراد کفار ہیں اور ما کسَبُوْا سے مراد مشرکین کے وہ کرتوت اور نازیبا حرکتیں ہیں، جو وہ مومنین کے ساتھ ایذاء رسانی کی شکل میں کرتے تھے، اور جزاء سے مراد سزا ہے، مطلب یہ ہے کہ اے مومنو! تم انتقام اور بدلہ لینے کی کوشش نہ کرو بلکہ ہم خود ان سے انتقام لے لیں گے، اول معنی راجح ہیں۔ (فتح القدیر)

قَوْلُهُ: قُلْ لِلذین آمَنُوا یَغْفِرُوا قُلْ کا مقولہ جو کہ اغفرُوْا ہے جواب امر یعنی یَغْفِرُوْا للذین کے دلالت کرنے کی وجہ سے محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے قُلْ لَهُمْ اغْفِروا یَغْفِرُوا اور لِیَجْزِیَ امر مقدر اغفروا کی علت ہے علامہ محلی نے مَا کَانُوا یکسِبُوْنَ کی تفسیر مِنَ الغَفْرِ لکفار اَذاهُمْ سے کرکے اشارہ کردیا کہ اول معنی راجح ہیں۔

قَوْلُهُ: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بنی اِسْرائِیلَ الکتابَ بنی اسرائیل کی تین کتابیں ہیں زبور، تورات، انجیل مگر ان میں چونکہ تورات اصل ہے جو دیگر کتابوں سے کفایت کرتی ہے، اس لئے یہاں تورات پر اکتفا کیا ہے۔

قَوْلُهُ: العُقلاء مناسب ہوتا اگر مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ العُقلاء کے بجائے الثقلین کہتے، اس لئے کہ العقلاء میں ملائکہ بھی داخل ہیں حالانکہ ملائکہ کتب سماویہ کے مکلف نہیں ہیں، بیضاوی کی عبارت وَفَضَّلْنَا هُمْ عَلَی العٰلمِین حیثُ اٰتیناهُمْ مَا لَمْ نؤته احدًا غیرهم قاضی بیضاوی کے قول حیث اٰتَیْناهم الخ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عالمی زمانهم کی بھی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ مراد ان فضائل میں خصوصیت کو بیان کرنا ہے جو واقعۃً دوسروں کو حاصل نہیں تھیں اور جزوی فضیلت سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، مثلاً بنی اسرائیل میں انبیاء کا بکثرت ہونا، دریا کا پھٹ کر راستہ دینا، ان کے دشمن فرعون کا غرق ہونا، من وسلویٰ کا نازل ہونا اور ایک پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہونا، اس سے معلوم ہوا کہ اجر وثواب کے اعتبار سے فضیلت مراد نہیں ہے۔ (جمل ملخصًا)

قَوْلُهُ: وبعثة محمد اس کا عطف الدین پر ہے ای امرُ بعثةِ محمد.

قَوْلُهُ: لِبَغْیٍ حَدَثَ اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے اول یہ کہ بَغْیًا اختلاف کی علت ہے اور دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل کے درمیان اختلاف کا سبب ان کی آپس کی ضد اور ہٹ دھرمی تھی۔

قَوْلُهُ: هٰذا بَصائر للناس.

سُوَال: هٰذا مبتداء ہے جو کہ واحد ہے اور بصائر جمع ہے دونوں میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَابٌ: ھذا سے مراد آیات متعددہ اور براہین مختلفہ ہیں، اس لئے معنی کے اعتبار سے مبتداء وخبر میں مطابقت ہے۔

قَوْلُہٗ: فی عبادۃِ غیرِ اللّٰہ اس کا تعلق لَا تَتَّبِعُوْا سے ہے۔

قَوْلُہٗ: مَعَالِمُ، مَعْلَمٌ کی جمع ہے اس نشان کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ راستہ کی طرف رہنمائی حاصل کیجاتی ہے یعنی یہ آیتیں احکام کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَلَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السیئات، حسب کا فاعل ہے اور جملہ اَنْ نَجعلھم الخ حسِبَ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

قَوْلُہٗ: سَوَاءٌ رفع کے ساتھ مَحْیَاھُمْ و مَمَاتُھم مبتداء کی خبر مقدم ہے اور کسائی نے سواءً کو کالذین آمنوا میں ضمیر مجرور سے حال واقع ہونے کی وجہ سے نصب کے ساتھ پڑھا ہے، یا اس لئے منصوب ہے کہ حَسِبَ کا مفعول ثالث ہے، اور بعض حضرات نے نجعلھم کے مفعول سے بدل الاشتمال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے۔

قَوْلُہٗ: لیس الامر کذٰلك اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَمْ حَسِبَ میں ہمزہ استفہام انکار کے لئے ہے مناسب یہ تھا کہ مفسر علام لیس الامر کذٰلك کو ساء ما یَحْکُمُونَ پر مقدم کرتے، اس لئے کہ یہ جملہ اسی سے مربوط ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا مصدریۃ، بئس ما یحکمون میں ما مصدریہ ہے اور ما یحکمون حکمُھُمْ کے معنی میں ہے اور بئسَ کا فاعل ہے جو کہ ظاہر ہے مگر جب فاعل ظاہر ہوتا ہے تو پھر تمیز نہیں ہوتی، شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا بئسَ حکمًا کہنا، یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حکمًا تمیز ہے اور جب تمیز ہوتی ہے تو فاعل مستتر ہوتا ہے جو ما کے مصدریہ ہونے کے منافی ہے ابن عطیہ نے کہا ہے کہ ما مصدریہ ہے ای ساء الحکم حکمھم اس صورت میں الحُکمُ فاعل ہے اور حُکمھم مخصوص بالذم۔ (جمل)

تَفْسِیر وتَشْرِیح

اَللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ (الآیۃ) یعنی سمندر کو ایسا بنایا کہ تم کشتیوں کے ذریعہ اس پر سفر کرسکو، سمندروں اور دریاؤں میں کشتیوں کا چلنا یہ تمہارا کمال نہیں یہ اللہ کا حکم اور اس کی مشیت ہے ورنہ اگر وہ چاہتا تو سمندر کی موجوں کو اتنا سرکش بنادیتا کہ کوئی کشتی اور جہاز ان کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکتا، جیسا کہ کبھی کبھی وہ اپنی قدرت کے اظہار کے لئے ایسا کردیتا ہے، اگر مستقل طور پر موجوں کی طغیانیوں کا یہی عالم رہتا تو تم کبھی بھی سمندروں میں سفر کرنے کے قابل نہ ہوتے۔

وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهٖ قرآن کریم میں فضل تلاش کرنے سے عموماً کسب معاش کی جدوجہد مراد ہوتی ہے، یہاں اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ تمہیں سمندر میں کشتی رانی پر اس لئے قدرت دی گئی تاکہ اس کے ذریعہ تم تجارت کرسکو۔

قُلْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ آپ ایمان والوں سے فرمادیجئے کہ ان لوگوں سے درگذر کریں

جو اللہ تعالیٰ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے۔

شانِ نزول:

اس آیت کے شان نزول میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ مکہ مکرمہ میں کسی مشرک نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دشنام طرازی کی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بدلے میں اس کو کچھ تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمایا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس روایت کے مطابق یہ آیت مکی ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ غزوۂ بنو مصطلق کے موقع پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ نے مریسیع نامی ایک کنوئیں کے قریب پڑاؤ ڈالا، منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بھی مسلمانوں کے ساتھ قافلہ میں شامل تھا، اس نے اپنے غلام کو کنوئیں سے پانی لانے کے لئے بھیجا، اسے واپسی میں تاخیر ہوگئی، عبداللہ بن ابی نے وجہ معلوم کی تو اس نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام کنوئیں کے کنارے بیٹھا ہوا تھا، اس نے اس وقت تک کسی کو پانی بھرنے کی اجازت نہیں دی جب تک کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر کے مشکیزے نہیں بھر گئے، اس پر عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ہم پر اور ان لوگوں پر تو وہی مثل صادق آتی ہے سَمِّنْ كَلْبَكَ يا كلكَ اپنے کتے کو فربہ کرو تو وہ تم کو کھا جائے گا، حضرت عمر کو جب یہ اطلاع ملی تو تلوار سونت کر عبداللہ بن ابی کی طرف چلے، اس پر آیت نازل ہوئی، اس روایت کے اعتبار سے یہ آیت مدنی ہے۔ (قرطبی، روح المعانی، معارف)

ان روایتوں کی اسناد اگر تحقیق سے صحیح ثابت ہوں تو دونوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ دراصل یہ آیت مکہ میں نازل ہو چکی تھی پھر جب غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر اسی سے ملتا جلتا واقعہ پیش آیا تو آنحضرت نے اس آیت کو اس موقع پر بھی تلاوت فرما کر اس واقعہ کو اس پر منطبق فرمایا، اور شان نزول کی روایات میں ایسا بکثرت ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر یہ آیت دوبارہ یاد دہانی کے طور پر نازل ہوئی ہو، اس کو اصول تفسیر میں نزول مکرر کہتے ہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيْل "کتاب" سے مراد تورات، "حکم" سے مراد حکومت و بادشاہت یا فہم و قضاء کی صلاحیت ہے جو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ضروری ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيْعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ "شریعۃ" کے لغوی معنی ہیں راستہ، ملت اور منہاج، شاہراہ، پس شریعت سے یہاں مراد وہ دین ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ لوگ اس پر چل کر اللہ کی رضا کا مقصد حاصل کرلیں، یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ دین اسلام کے کچھ تو دینی عقائد ہیں، مثلاً توحید و آخرت وغیرہ، اور کچھ عملی زندگی سے متعلق احکام ہیں، جہاں تک اصول عقائد کا تعلق ہے وہ تو ہر نبی کی امت میں یکساں رہے ہیں، ان میں کبھی ترمیم نہیں ہوتی، البتہ عملی احکام مختلف انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے بدلتے رہے ہیں، آیت شریفہ میں انہی دوسری قسم کے احکام کو دین کے ایک خاص طریقہ سے تعبیر کیا ہے۔ (معارف)

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِخَلَقَ لِيَدُلَّ على قُدْرَتِه ووَحْدَانِيَّتِه وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ مِنَ المَعَاصِي والطاعات فلا يُساوي الكافرُ المؤمِنَ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ اَخْبِرْنِي مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ما يَهْوَاهُ مِن حَجَرٍ بعدَ حَجَرٍ يَرَاهُ اَحْسَنَ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ منه تعالى اى عَالِمًا بِاَنَّهُ مِن اَهْلِ الضَّلَالَةِ قبلَ خَلْقِه وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ فَلَمْ يَسْمَعِ الهُدىٰ ولَم يَعْقِلْه وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ظُلْمَةً فلَمْ يُبْصِرِ الهُدىٰ ويُقَدَّرُ هُنَا المَفْعُولُ الثَّانِي لِرَاَيْتَ اى اَيَهْتَدِيْ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اى بَعْدِ اِضْلَالِه اِيَّاهُ اى لا يَهْتَدِي اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَتَّعِظُوْنَ فيه اِدْغَامُ احدى التَّائَيْنِ فِي الذَّالِ وَقَالُوْا اى مُنْكِرُوا البَعْثِ مَا هِيَ اى الحَيٰوةُ اِلَّا حَيَاتُنَا التي في الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا اى يَمُوتُ بَعْضٌ ويَحْيٰى بَعْضٌ بِاَنْ يُوْلَدُوا وَمَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ اى مُرُورُ الزَّمَانِ قال تعالى وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ المقول مِنْ عِلْمٍ اِنْ ما هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا مِنَ القُراٰنِ الدَّالَّةُ على قُدْرَتِنَا على البَعْثِ بَيِّنٰتٍ واضِحَاتٍ حالٌ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ اَحْيَاءً اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ اَنَّا نُبْعَثُ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ حِيْنَ كُنْتُمْ نُطَفًا ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اَحْيَاءً اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ شَكَّ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وهُمُ القائِلُونَ ما ذُكِرَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع ۳ ۱۹

ترجمہ: آسمانوں اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا بالحقِّ، خلَقَ کے متعلق ہے تاکہ اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کام کا خواہ از قبیل معاصی ہو یا از قبیل طاعات پورا پورا بدلہ دے تو کافر اور مومن برابر نہ ہوں گے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا، بھلا بتاؤ تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات ہی کو معبود بنا رکھا ہے یعنی جس پتھر کو یکے بعد دیگرے پسند کرتا ہے (معبود بنالیتا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم (ازلی) کے مطابق گمراہ کر دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کی پیدائش سے پہلے ہی جانتا ہے کہ وہ اہل ضلالت میں سے ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی ہے جس کی وجہ سے اس نے ہدایت کو نہ سنا اور نہ سمجھا اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈالدیا ہے جس کی وجہ سے ہدایت کو نہیں دیکھ سکتا یہاں رأیتَ کا مفعول ثانی أیھتدی مقدر ہے اب ایسے شخص کو اللہ کے سوا کون ہدایت دے سکتا ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے اس کو گمراہ کرنے کے بعد (کون ہدایت دے سکتا ہے؟) یعنی کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، کیا اب بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، اس میں دو تاؤں میں سے ایک کا ذال میں ادغام ہے، اور منکرین بعث نے کہا ہماری زندگی تو صرف وہی زندگی ہے جو دنیا میں ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں یعنی ایک مرتا ہے تو دوسرا جیتا ہے، بایں طور کہ پیدا ہوتا ہے اور ہمیں صرف زمانہ ہی مارتا ہے یعنی اس کا مرور اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہیں اس بات کا کچھ علم نہیں یہ صرف اٹکل سے کام لیتے ہیں، اور جب ان

کے سامنے ہماری واضح آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآنی آیتوں کی جو ہماری قدرت علی البعث پر دلالت کرتی ہیں تو ان کے پاس اس بات کے سوا کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ ہم کو زندہ کیا جائے گا تو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر لاؤ (بینات) حال ہے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے جبکہ تم (بے جان) نطفے تھے پھر تم کو موت دے گا، پھر تم کو قیامت کے دن زندہ کر کے جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ جو مذکور کے قائل ہیں نہیں سمجھتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَفَرَاَیْتَ، اخبرنی اس میں سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے اس لئے کہ رویت، سببِ اخبار ہے، لہٰذا رویت سبب اور اخبار اس کا مسبب اور اطلاق از قبیل مجاز ہے، اور استفہام بمعنی امر ہے، اور جامع طلب ہے، اس لئے کہ امر اور استفہام دونوں طلب میں مشترک ہیں۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: اَضَلَّهُ اللّٰهُ علیٰ عِلْمٍ، علیٰ علم، اَضَلَّهٗ کے فاعل اللہ سے بھی حال ہو سکتا ہے اور ہ ضمیر مفعول سے بھی حال ہو سکتا ہے، مفسر علام نے فاعل سے حال قرار دے کر مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کی وجہ سے اس کے گمراہ ہونے کو جاننے کی وجہ سے اس کو گمراہ کر دیا، اور جن حضرات نے علیٰ علم کو اَضَلَّهٗ کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے، ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس کو اس کی سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کر دیا، ای اَضَلَّهٗ وھو عالم بالحق اس میں شدید ترین مذمت ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: وَمَا لَهُمْ بذٰلك المقول، ذٰلك المقول سے منکرین خدا کا قول وما یُهلِكُنا اِلَّا الدَّهر مراد ہے یعنی ان کے پاس اپنے اس قول پر کوئی دلیل نہیں ہے نہ عقلی اور نہ نقلی، بلکہ وہ اٹکل اور اندازے سے باتیں کرتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (الآیۃ) بھلا بتایئے کہ وہ شخص جس نے اپنی خواہشاتِ نفسانی کو اپنا معبود بنا لیا، یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی کافر بھی اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا خدا یا معبود نہیں کہتا، مگر قرآن کریم کی اس آیت نے یہ بتلایا کہ عبادت درحقیقت اطاعت کا نام ہے جو شخص خدا کی اطاعت کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی اطاعت اختیار کرے تو وہی اس کا معبود کہلائے گا، مطلب یہ کہ ایسا شخص اسی کو اچھا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس اچھا سمجھتا ہے اور اسی کو برا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس برا سمجھتا ہے یعنی اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلہ میں اپنی نفسانی خواہشات کو ترجیح دیتا ہے یا اپنی عقل کو اہمیت دیتا

ہے، حالانکہ عقل بھی ماحول سے متاثر خواہش سے مغلوب اور مفادات کی اسیر ہو کر، خواہش نفس کی طرح غلط فیصلہ کر سکتی ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ زیر آسمان دنیا میں جتنے معبودوں کی عبادت کی گئی ہے، ان میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک ہوائے نفس ہے، حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دانشمند شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور مابعد الموت کے لئے عمل کرے اور فاجر وہ ہے کہ جو اپنے نفس کو اپنی خواہشات کے پیچھے چھوڑ دے، اور اس کے باوجود اللہ سے آخرت کی بھلائی کی تمنا کرے اور بعض حضرات نے اس سے ایسا شخص مراد لیا ہے جو پتھر کو پوجتا تھا، جب اس سے زیادہ خوبصورت پتھر مل جاتا تو وہ پہلے پتھر کو پھینک کر دوسرے پتھر کو معبود بنالیتا۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا (الآية) یہ دہریہ اور اس کے ہمنوا مشرکین مکہ کا قول ہے جو آخرت کے منکر تھے وہ کہتے تھے کہ بس یہ دنیا کی زندگی ہی پہلی اور آخری زندگی ہے اس کے بعد کوئی زندگی نہیں اور اس میں موت وحیات کا سلسلہ محض زمانہ کی گردش کا نتیجہ ہے، جیسے فلاسفہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد ہر چیز دوبارہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آتی ہے اور یہ سلسلہ بغیر صانع اور مدبر کے از خود یوں ہی چل رہا ہے، اور چلتا رہے گا، نہ اس کی کوئی ابتداء ہے اور نہ انتہاء، اس کو گروہ دوریہ کہتے ہیں (ابن کثیر) ظاہر بات ہے کہ یہ نظریہ عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے، حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے زمانہ کو برا بھلا کہتا ہے، حالانکہ میں خود زمانہ ہوں میرے ہی ہاتھ میں تمام اختیارات ہیں، رات دن بھی میں ہی بدلتا ہوں۔

(بخاری شریف تفسیر سورۂ جاثیہ)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبدَلُ منه **يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ** ﴿۲۷﴾ الكافرونَ اى يَظهَرُ خُسرانُهم بأن يصيرُوا الى النّار **وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ** اى اَهلَ دينٍ **جَاثِيَةً** على الرُّكَبِ او مُجتمعةً **كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا** كتابِ اَعمالِها ويُقالُ لهم **اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۲۸﴾ اى جَزاؤه **هٰذَا كِتٰبُنَا** ديوانُ الحَفَظةِ **يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ** نُثبِتُ ونَحفَظُ **مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۲۹﴾ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ** جنّتِه **ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ** ﴿۳۰﴾ البيّنُ الظاهرُ **وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** فيُقالُ لهم **اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ** القرآنُ **تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ** تَكبّرتُم **وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ** ﴿۳۱﴾ كافرينَ **وَاِذَا قِيْلَ** لكم ايُّها الكفّارُ **اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بالبَعثِ **حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ** بالرّفعِ والنّصبِ **لَا رَيْبَ** شكَّ **فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ اِنْ** ما **نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا** قال المُبرِّدُ اَصلُه اِن نحنُ اِلّا نظُنُّ ظنًّا **وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ** ﴿۳۲﴾ انّها اٰتيةٌ **وَبَدَا** ظهَرَ **لَهُمْ** فى الاٰخرةِ **سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا** فى الدُّنيا اى جَزاؤُها **وَحَاقَ** نزَلَ **بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ** ﴿۳۳﴾ اى العذابُ **وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ** نترُكُكُم فى النّارِ **كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا** اى

تَرَكْتُمُ العَمَلَ لِلِقَائِهِ **وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ** مانعين منها **ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ** القرآن **هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا** حَتّٰى قُلْتُمْ لاَ بَعْثَ وَلاَ حِسَابَ **فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ** بالبناء لِلفاعلِ والمفعولِ **مِنْهَا** مِنَ النّارِ **وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ** اى لاَ يُطْلَبُ منهم اَنْ يُرْضُوا رَبَّهُمْ بالتَّوبَةِ والطّاعةِ لِانّها لاَ تَنْفَعُ يَوْمَئِذٍ **فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ** الوَصْفُ بالجَمِيلِ على وفاءِ وعدِهِ فى المُكَذِّبِينَ **رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** خَالِقِ مَا ذُكِرَ والعالَمُ ما سِوى اللّٰهِ وجُمِعَ لاختلافِ انواعِهِ ورَبِّ بَدَلٌ **وَلَهُ الْكِبْرِيَاۤءُ** العَظَمَةُ **فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** حالٌ اى كائنةً فيهما **وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ** تقدَّمَ.

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی بادشاہی ہے جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن اہل باطل یعنی کافر (یومئذٍ) یوم تقوم الساعۃ سے بدل ہے، یعنی (اس دن) ان کا نقصان ظاہر ہوگا، بایں طور کہ وہ جہنم کی طرف جائیں گے آپ دیکھیں گے کہ ہر فرقہ یعنی مذہب والے گھٹنوں کے بل یا اجتماعی طور پر بیٹھے ہوں گے، ہر گروہ کو اپنے اعمال ناموں کی طرف بلایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا آج تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، یہ ہے ہماری کتاب، حفاظت کرنے والے فرشتوں کا دیوان جو تمہارے حق میں سچ سچ بول رہی ہم تمہارے اعمال لکھواتے اور محفوظ کرتے جاتے تھے پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت جنت میں داخل کرے گا اور یہی کھلی کامیابی ہے لیکن جن لوگوں نے کفر کیا تو ان سے کہا جائے گا کیا میری آیتیں تمہیں سنائی نہیں جاتی تھیں؟ پھر بھی تم تکبر کرتے رہے اور تم تھے ہی مجرم کافر لوگ اور جب بھی اے کافرو! تم سے کہا جاتا کہ اللہ کا بعث کا وعدہ حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں (الساعۃ) پر رفع اور نصب کے ساتھ تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے؟ ہمیں کچھ یوں ہی سا خیال ہو جاتا ہے مُبرّد نے کہا ہے (ما نظنُّ اِلّا ظنًّا) کی اصل اِن نحن اِلّا نظُنُّ ظنًّا ہے لیکن ہمیں یقین نہیں کہ قیامت آنے والی ہے آخرت میں ان پر دنیا میں کئے ہوئے اعمال کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی یعنی اس کی سزا اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑا رہے تھے وہی ان پر نازل ہو گیا (ان سے) کہا جائے گا آج ہم تم کو آگ میں چھوڑ کر فراموش کر دیں گے جیسے تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا یعنی اس دن کی ملاقات کے لئے عمل کو ترک کر دیا تھا، اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے اور تمہارا مددگار کوئی نہیں یعنی آگ سے بچانے والا (کوئی نہیں) یہ اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیتوں قرآن کی ہنسی اڑائی تھی اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، حتی کہ تم نے کہا کہ نہ بعث ہے اور نہ حساب، پس آج کے دن نہ تو یہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے عذر معذرت قبول کی جائے گی، یعنی ان سے اس بات کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے رب کو توبہ اور

اطاعت کے ذریعہ راضی کرلیں، اس لئے کہ آج اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، (یخرجون) معروف اور مجہول دونوں ہیں پس اللہ کی تعریف ہے یعنی اچھی ثنا ہے مکذبین کے بارے میں اپنے وعدہ کے وفا کرنے پر جو آسمانوں اور زمین اور تمام جہانوں کا رب ہے مذکورہ تمام چیزوں کا خالق ہے اور عالم اللہ کے علاوہ کا نام ہے اور (عالمین) کو اس کے انواع کے مختلف ہونے کی وجہ سے جمع لایا گیا ہے اور ربِّ (اللہ) سے بدل ہے آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی بڑائی ہے (فی السمٰوٰتِ والارضِ) حال ہے یعنی حال یہ ہے کہ وہ عظمت (وکبریائی) آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب ہے اور حکمت والا ہے (اس کی تشریح) سابق میں گذر چکی ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: يَوْمَئِذٍ يَخْسَرُ المبطلونَ یومَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ سے بدل برائے تاکید ہے اور یَوْمَ تقُوْمُ یَخْسَرُ کا ظرف ہے اور یَوْمَئِذٍ میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے، تقدیر عبارت یہ ہے یَوْمَ اِذَا تقُوْمُ السَّاعَةُ.

قَوْلَہٗ: ای يَظْهَرُ خسرانُهم یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ اہل باطل کا خسران علم ازلی میں متعین اور لازم ہے تو پھر اس دن خاسر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابٌ: مبطلین کا خسران اگر چہ روز ازل ہی سے متعین ہے مگر اس کا ظہور اس دن ہوگا کہ جب اس کو جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

قَوْلَہٗ: جاثِيَةٍ واحد مؤنث غائب زانو پر بیٹھنے والی، گھٹنوں کے بل گرنے والی، جُثُو یا جُثِیٌّ سے، یہاں جاثیةٌ جمع کی جگہ استعمال ہوا ہے جیسے جماعة قائمة.

قَوْلَہٗ: نَسْتَنْسِخُ جمع متکلم مضارع (استفعال) ہم محفوظ رکھتے ہیں (ف) سے نسخًا زائل کرنا، بدل دینا، منسوخ کرنا، لکھنا، نقل کرنا۔ (لغات القرآن)

قَوْلَہٗ: بالرفع والنصب یعنی اَلسَّاعَةُ پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں رفع مبتداء ہونے کی وجہ سے لا رَیْبَ فیها جملہ ہوکر مبتداء کی خبر، اور نصب اِنَّ کے اسم پر عطف ہونے کی وجہ سے۔

قَوْلَہٗ: قال المبرّد اصلُه اِن نحن اِلَّا نَظُنُّ ظَنًّا.

سَوَال: ظَنًّا مصدر تاکید کے لئے واقع ہوا ہے، اور جو مصدر تاکید کے لئے واقع ہو، تو وہ استثناء مفرغ واقع نہیں ہوسکتا حالانکہ یہاں ظَنًّا مصدر استثناء مفرغ واقع ہے اسلئے کہ اس سے ایک ہی شئ کا اثبات اور اسی کی نفی لازم آتی ہے جو جائز

نہیں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے ما ضربتُ اِلّا ضربتُ اور یہ استثناء الکل عن الکل ہونے کی وجہ سے بالاتفاق ناجائز ہے۔

جَوَابٌ: مفسر علام نے نحن کا اضافہ کر دیا جس کی وجہ سے مستثنیٰ مستثنیٰ منہ سے مغایر ہوگیا، اس لئے کہ نفی کا مورد (مصداق) محذوف ہے اور وہ نحنُ ہے اور اثبات کا مصداق (مورد) نَظُنُّ ظَنًّا ہے کلمہ اِلّا اگرچہ لفظاً مؤخر ہے، مگر تقدیراً مقدم ہے، آیت سے جو حصر مفہوم ہو رہا ہے اپنے لئے ظن کا اثبات اور ظن کے ماعدا کی نفی ہے اور منجملہ ماعدا میں یقین بھی ہے اور یقین ہی کی نفی مقصود ہے مگر مطلقاً ماعدا الظن کی نفی یقین کی نفی میں مبالغہ کرنے کے لئے ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مشرکین نے اپنے قول وَمَا نحنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ سے ما نظن اِلّا ظنًّا کی تاکید کی ہے۔ (حاشیہ جلالین جمل ملخصًا)

قَوْلُهُ: جزائُها حذف مضاف سے اشارہ کر دیا کہ ظہور سیئات سے مراد ظہور جزاء سیئات ہے، نسیان کی تفسیر ترک سے کر کے اشارہ کر دیا کہ نسیان سے لازم معنی مراد ہیں اس لئے کہ انسان سے نسیان کا گناہ مرفوع ہے اور خدا کے لئے محال ہے اور ترک، نسیان کے لئے لازم ہے۔

قَوْلُهُ: ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمْ ای العذابُ العظيمُ بسببِ انكم اتخذتم آياتِ اللّٰه هُزُوًا، ذٰلك کا مرجع عذاب عظیم ہے اور بأنكُمْ میں باء سببیہ ہے۔

قَوْلُهُ: لا يُسْتَعتَبُوْنَ، استعتابٌ سے جمع مذکر غائب (استفعال) ان سے اللہ کو رضامند کرنے کی خواہش نہیں کی جائے گی، بعض حضرات نے اس کا ترجمہ کیا ہے ان کے عذر قبول نہیں کئے جائیں گے، علامہ محلی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے پہلے معنی مراد لئے ہیں۔

قَوْلُهُ: فی السمٰوٰت والارض، الکبریاءُ سے حال ہے۔

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جاثِيَةً، جاثِيَةٌ جُثُوٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی گھٹنوں کے بل بیٹھنے کے ہیں اور حضرت سفیان رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے فرمایا جُثُوٌّ اس طرح بیٹھنے کو کہتے ہیں کہ جس میں صرف گھٹنے اور پاؤں کے پنجے زمین پر ٹک جائیں اور اس طرح کی نشست خوف و دہشت کی وجہ سے ہوگی، اور كُلُّ اُمَّةٍ کے لفظ سے ظاہر یہ ہے کہ یہ صورتِ خوف تمام اہل محشر انبیاء و اولیاء مومن و کافر، نیک و بد سب کو پیش آئے گی، اور بعض دوسری آیات و روایات میں جو محشر کے خوف و فزع سے انبیاء و صلحاء کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے یہ اس کے منافی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ یہ دہشت اور خوف تھوڑی دیر کیلئے انبیاء و صلحاء پر بھی

طاری ہو اور قلیل مدت ہونے کی وجہ سے اس کو نہ ہونے کے حکم میں رکھا گیا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کل امة سے عام اہل محشر مراد نہ ہوں بلکہ اکثر مراد ہوں جیسا کہ لفظ کل بعض اوقات اکثر کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے جاثیة کے معنی ایسی نشست کے لئے ہیں جیسی نماز میں ہوتی ہے تو پھر وہ اشکال خود ہی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ نشست خوف کی نہیں ادب کی نشست ہے۔

هٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحق (الآیة) اس کتاب سے مراد وہ رجسٹر ہیں جن میں انسان کے تمام اعمال درج ہوں گے، یہ اعمال نامے انسانی زندگی کے ایسے مکمل ریکارڈ ہوں گے کہ جن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوگی، انسان ان کو دیکھ کر پکار اٹھے گا مالِ هٰذا الکتاب لَا یغادِرُ صغیرۃً ولا کبیرۃ اِلا احصاھا (الکھف) یہ کیسا اعمال نامہ ہے کہ جس نے چھوٹی بڑی کسی چیز کو بھی نہیں چھوڑا سب کچھ ہی تو اس میں درج ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

آج بتاریخ ١٦/ جمادی الاولیٰ ١٤٢٣ھ

بروز یک شنبہ

بوقت ڈیڑھ بجے دن

مطابق ٢٨/ جولائی ٢٠٠٢ء

جلد پنجم کی تسوید سے فراغت ہوئی۔

محمد جمال سیفی

استاذ دار العلوم دیوبند

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ الاقُلْ اَرَأَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الأية والا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ الأية والّا وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ الثلاث اياتٍ وهى اربع او خمس وثلثون آية.

سورۂ احقاف مکی ہے، سوائے قُلْ اَرَأَيْتُمْ (الآية) اورسوائے فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ (الآية) اورسوائے وَوَصَّيْنَا الإنْسَانَ کے (تین آیتیں) اور یہ ۳۴ یا ۳۵ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ① اللّٰه اَعْلَمُ بمُرادِه به تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ القُراٰن مُبْتَدأ مِنَ اللّٰهِ خَبَرُهٗ الْعَزِيْزِ فى مُلكِه الْحَكِيْمِ ② فى صُنْعِه مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا خَلْقًا بِالْحَقِّ لِيَدُلَّ عَلٰى قُدرَتِنا وَوَحْدانِيَّتِنا وَاَجَلٍ مُّسَمًّى اِلٰى فَنائِهِمَا يومَ القِيٰمَةِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا خُوِّفُوا به مِن العَذابِ مُعْرِضُوْنَ ③ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اَخبِرُوْنى مَّا تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى الاَصْنَام مَفْعُولٌ اوَّلٌ اَرُوْنِىْ اَخْبِرُوْنى تاكِيدٌ مَاذَا خَلَقُوْا مَفْعُولٌ ثان مِنَ الْاَرْضِ بَيانُ ما اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ مُشارَكَةٌ فِى خَلْقِ السَّمٰوٰتِ مَعَ اللّٰهِ وَاَم بمعنى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ اِيْتُوْنِىْ بِكِتٰبٍ مُنَزَّلٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ القُراٰن اَوْ اَثٰرَةٍ بَقِيَّةٍ مِّنْ عِلْمٍ يُوثَرُ عَنِ الاَوَّلِينَ بِصِحَّةِ دَعْوَاكُم فِى عِبادة الاَصنام اَنَّهاتقَرِّبُكم اِلَى اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ④ فى دَعْواكم وَمَنْ اِسْتِفْهامٌ بمعنى النَّفْيِ اى لا اَحَدَ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا يَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيره مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وهُم الاَصنامُ لا يُجِيْبُونَ عابِدِيْهم الى شَيْءٍ يَسْأَلُوْنَه اَبَدًا وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ عِبادَتِهم غٰفِلُوْنَ ⑤ لِاَنَّهم جَمادٌ لا يَعْقِلُونَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا اى الاصنامُ لَهُمْ لِعَابِدِيهم اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ بِعِبادَةِ عَابِدِيْهم

كٰفِرِيْنَ ۝ جَاحِدِيْنَ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اى اَهْلِ مَكَّةَ اٰيٰتُنَا القرآنُ بَيِّنٰتٍ ظَاهِرَاتٍ حالٌ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا منهم لِلْحَقِّ اى القرآن لَمَّا جَاۗءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ اَمْ بمعنى بَلْ وهَمْزَةِ الانكارِ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ اى القرآنَ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فرضًا فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ من عذابه شَيْـًٔا اى لا تقدرون على دفعه عَنِّي اِذَا عَذَّبَنِيَ اللّٰهُ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ تقولونَ في القرآن كَفٰى بِهٖ تعالى شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَهُوَ الْغَفُوْرُ لِمَنْ تابَ الرَّحِيْمُ ۝ به فلم يُعاجلكم بالعقوبة قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا بديعًا مِّنَ الرُّسُلِ اى اَوَّلَ مُرسَلٍ قد سَبَقَ مِثْلِي قَبْلِي كثيرٌ منهم فكيف تُكَذِّبُوْنَنِي وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ في الدنيا أَأُخْرَجُ من بَلَدِي ام أُقْتَلُ كما فُعِلَ بالانبياء قَبْلِي او تُرْمَوْنَ بالحِجارةِ ام يُخْسَفُ بكم كالمكذِّبِيْنَ قَبْلَكُمْ اِنْ مَا اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اى القرآنَ ولا اَبْتَدِعُ من عندي شيئًا وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ بَيِّنُ الانذارِ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اَخبِرُوني ماذا حالُكم اِنْ كَانَ اى القرآنُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ جُمْلَةٌ حاليةٌ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ هُوَ عبدُ اللهِ بنُ سلامٍ عَلٰي مِثْلِهٖ اى عليه اى اَنَّهُ من عندِ اللهِ فَاٰمَنَ الشاهدُ وَاسْتَكْبَرْتُمْ تكبرتم عن الايمانِ وجوابُ الشرطِ بما عُطِفَ عليه اَلَسْتُم ظالمِينَ دَلَّ عليه اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ع

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، حمٓ اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کتاب یعنی قرآن کا نازل کرنا اپنی ملک میں غالب اپنی صنعت میں حکمت والے (خدا) کی طرف سے ہے (الکتاب) مبتداء، اور مِنَ اللہ اس کی خبر ہے، ہم نے آسمانوں اور زمین اور اس کے درمیان کی تمام چیزوں کو حکمت کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت (تک) کے لئے پیدا کیا ہے یعنی قیامت کے دن ان کے فنا ہونے تک کے لئے، تاکہ ہماری قدرت اور ہماری وحدانیت پر دلالت کرے اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں (یعنی) جس عذاب سے خوف دلائے جاتے ہیں اس سے منہ موڑ لیتے ہیں، آپ کہئے، بھلا دیکھو تو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو بندگی کرتے ہو، یعنی بتوں کی، مجھے بتاؤ کہ انہوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا ہے ما، تَدْعُوْنَ کا مفعول اول ہے اَرُوْنِي بمعنی اَخْبِرُوْنِي (اَرَاَیْتُم) کی تاکید ہے (مَاذَا خَلَقُوْا) مفعول ثانی ہے (مِنَ الارْضِ) ما کا بیان ہے، یا آسمانوں کی پیدائش میں ان کو اللہ کے ساتھ مشارکت ہے ما استفہام انکاری کے معنی میں ہے میرے پاس کوئی کتاب جو اس قرآن سے پہلے نازل کی گئی ہو لاؤ یا کوئی اور منقول مضمون جو تمہاری بت پرستی کے دعویٰ کی صحت میں اسلاف سے منقول چلا آیا ہو کہ یہ بت تم کو اللہ کا مقرب بنادیں گے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا؟ استفہام بمعنی نفی ہے یعنی کوئی نہیں جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارے یعنی بندگی کرے جو تا قیامت اس کی دعاء قبول نہ کرسکیں، اور وہ بت ہیں، اپنی عبادت کرنے والوں کے کسی سوال کا کبھی بھی جواب نہیں دے سکتے، بلکہ وہ تو ان کی پکار بندگی سے بے خبر محض ہیں، اس لئے کہ وہ تو جماد لا یعقل ہیں اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ بت ان کے یعنی اپنی بندگی

کرنے والوں کے دشمن ہوں گے، اور ان کی یعنی اپنی عبادت کرنے والوں کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے، اور جب انہیں یعنی اہل مکہ کو ہماری واضح آیتیں یعنی قرآن پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان میں کے منکرین حق یعنی منکرین قرآن سچی بات کو جبکہ ان کے پاس آچکی کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو تو اس (رسول) نے خود گھڑ لیا ہے؟ اَمْ بمعنی بل ہے اور ہمزہ انکار کا ہے، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر بالفرض میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو تم مجھے خدا کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے، یعنی جب اللہ مجھے عذاب دینے پر آئے تو تم اس عذاب کو مجھ سے دفع نہیں کر سکتے، قرآن کے بارے میں جو باتیں تم بناتے ہو وہ اسے خوب جانتا ہے، میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے وہی کافی ہے جس نے توبہ کی وہ اسے بڑا معاف کرنے والا ہے وہ اس پر بڑا رحم کرنے والا ہے اسی وجہ سے وہ تمہاری سزا میں جلدی نہیں کرتا آپ کہئے کہ میں کوئی نرالا رسول تو ہوں نہیں یعنی پہلا (رسول تو ہوں نہیں) مجھ سے پہلے میرے جیسے بہت سے رسول گذر چکے ہیں تو تم میری تکذیب کس بنیاد پر کرتے ہو؟ اور میں نہیں جانتا کہ (کل) میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ دنیا میں کیا معاملہ کیا جائے گا آیا میں اپنے شہر سے نکالا جاؤں گا یا قتل کیا جاؤں گا؟ جیسا کہ مجھ سے پہلے انبیائے کے ساتھ کیا گیا، یا تم پر پتھر برسائے جائیں گے یا تم سے پہلے مکذبین کے مانند تم زمین دوز کر دیئے جاؤ گے میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو ایک صاف صاف ڈرانے (خبردار) کرنے والے کے سوا کچھ نہیں ہوں آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو یہ بتلا دو کہ اگر یہ قرآن منجانب اللہ ہو اور تم نے اس کا انکار کر دیا، تو تمہارا کیا انجام ہوگا؟ (وَکَفَرْتُمْ بِهٖ) جملہ حالیہ ہے، اور اس جیسے کلام پر تو ایک بنی اسرائیل کا گواہ اور وہ عبداللہ بن سلام ہے شہادت بھی دے چکا ہے یعنی اس بات پر کہ یہ (قرآن) منجانب اللہ ہے اور وہ شاہد ایمان لے آیا اور تم گھمنڈ میں پڑے رہے یعنی ایمان کے مقابلہ میں تکبر کرتے رہے اور شرط کا مع اس پر معطوف کے جواب اَلَسْتُمْ ظالمین ہے، جس پر اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ دلالت کر رہا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اَحْقَاف، حَقْفٌ کی جمع ہے، حَقْفٌ ریت کے اس ٹیلے کو کہتے ہیں جو مستطیل اور مرتفع اور قدرے منحنی ہو اور احقاف یمن میں ایک وادی کا نام بھی ہے، قوم عاد کا مرکزی مقام احقاف تھا، یہ حضر موت کے شمال میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے مشرق میں عمان اور شمال میں ربع خالی واقع ہے جسے صحرائے اعظم الدنیا بھی کہا جاتا ہے قدیم زمانہ میں حضر موت اور نجران کے درمیانی حصہ میں عادِ اِرم یعنی عادِ اولیٰ کا مشہور قبیلہ آباد تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں آندھی کا عذاب بھیج کر نیست و نابود کر دیا تھا، عبدالوہاب نجار نے قصص الانبیاء میں ص ۱۷ پر تصریح کی ہے کہ مجھ سے سید عبداللہ بن احمد بن عمر بن یحیٰ علوی نے جو حضر موت کے باشندے ہیں بیان کیا کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ ان ہلاک شدہ قوموں کے قدیم مساکن کی کھوج میں حضر موت کے شمالی میدان میں قیام پذیر رہے کافی تلاش و کوشش کے بعد ٹیلوں کی کھدائی میں سنگ مرمر کے کچھ برتن دستیاب

ہوئے جن پر خط مسماری میں کچھ کندہ تھا لیکن افسوس کہ سرمایہ کی کمی کے باعث اس مہم سے دست بردار ہونا پڑا۔

(لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: اِلَّا بِالحَقِّ بِالحَقِّ سے پہلے خَلْقًا محذوف مان کر مفسر علام نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ بالحقِّ متلبسًا کے متعلق ہو کر خلقًا مصدر محذوف کی صفت ہے، تقدیر عبارت یہ ہے الا خلقًا مُتَلَبِّسًا بالحقِّ.

قَوْلُہٗ: واَجَلٍ مُسَمًّی واؤ عاطفہ ہے، اَجَلٍ کا عطف اَلْحَقِّ پر ہے ای بحقٍّ و باَجَلٍ مُسَمًّی یعنی ہم نے آسمانوں اور زمین کو برحق اور تعیینِ مدت کے ساتھ پیدا کیا ہے یعنی ان کی فنا کا ایک دن متعین ہے اور وہ قیامت کا دن ہے، کلام میں مضاف محذوف ہے ای وَاِلَّا بتعیینِ اجلٍ مسمّی.

قَوْلُہٗ: وَالَّذین کفرُوا موصول صلہ سے مل کر مبتداء اور مُعْرِضُوْنَ اس کی خبر ہے اور عَمَّا اُنْذِرُوْا، مُعْرِضُوْنَ کے متعلق ہے، ما اسم موصول ہے مُعْرِضُوْنَ جملہ ہو کر صلہ ہے، عائد محذوف ہے جس کی طرف مفسر علام نے بہٖ مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: عَمَّا اُنْذِرُوْا میں مَا موصولہ اور مصدر یہ دونوں ہو سکتا ہے، موصولہ ہونے کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی عَنْ عَذَابِ الَّذِی اُنْذِرُوْہُ مُعْرِضُوْنَ.

قَوْلُہٗ: قُلْ اَرَاَیْتُمْ مَّا تدعونَ مِن دُوْنِ اللّٰہِ بقول شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اَرَءَیْتُمْ بمعنی اَخْبِرُوْنِی اور تَدْعُوْنَ بمعنی تَعْبُدُونَ ہے ای اَخْبِرُوْنِیْ مَا تَعْبُدُوْنَ مِن دُوْنِ اللّٰہِ مِنَ الاَصنام مَاتَدْعونَ، اَرَءَیْتُمْ کا مفعول اول ہے اور مَا ذَا خَلَقُوْا جملہ ہو کر قائم مقام مفعول ثانی کے ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ اَرُوْنِیْ، اَرَءَیْتُمْ کی تاکید ہو اور معنی میں اخبرونی کے ہو، اس صورت میں یہ بابِ تنازع فعلان سے ہوگا، اس لئے کہ اَرَءَیْتُمْ اور اَرُوْنی دونوں مفعول ثانی کے طالب ہیں مفعول اول دونوں کے پاس موجود ہے مَا تَعْبُدُوْنَ، اَرَءَیْتُمْ کا مفعول اول ہے اور اَرُوْنی میں یا اَرُونی کا مفعول اول ہے اور مَاذا خَلَقُوا متنازع فیہ ہے، دونوں افعال اس کو اپنا مفعول ثانی بنانا چاہتے ہیں، بصریین کے مذہب کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیکر فعل اول کا مفعول ثانی محذوف مانا جائے گا۔

قَوْلُہٗ: مُشَارِكٌ فی الخَلْقِ، مشارک بمعنی مشارکت ہے اگر مفسر علام رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ مشارک کے بجائے مشارکۃ فرماتے تو زیادہ واضح ہوتا موجودہ نسخہ میں مشارکۃ ہے۔

قَوْلُہٗ: اِیْتُوْنِیْ یہ جملہ بھی منجملہ قُلْ کے مقولہ میں سے ہے اور اِیْتُوْنِیْ امر تعجیز وتبکیت کیلئے ہے اَرُوْنِیْ سے دلیل عقلی کے فقدان کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اِیْتُوْنِیْ بکتٰبٍ الخ سے دلیل نقلی کے فقدان کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: مِن قبلِ ھذا یہ بکتابٍ کی صفت ہے جو مطلق ہے منزّل ہو یا غیر منزّل، ای اِیتونی بکتابٍ کائنٍ مِن قبلُ مگر مفسر علام نے ابوالبقاء کی اتباع میں مِنْ قبل کا متعلق خاص یعنی منزل محذوف مانا ہے مگر مطلق رکھنا زیادہ بہتر ہے ای کائن من قبل ھٰذا. (جمل)

قِوْلُہٗ: أثَارَةٍ بقيةٍ، بَقِيَّةٍ کا اضافہ بیان معنی کے لئے ہے اَثَارَة، غَوَایَة و ضَلَالَة کے وزن پر مصدر ہے اور یہ عرب کے قول سَمَّنْتُ النَاقَةَ علٰی اَثَارَةٍ مِن لحمٍ، ای علٰی بقیةٍ منه سے مشتق ہے، اور بعض حضرات نے اَثَارَة کے معنی روایة اور علامة کے بھی بیان کئے، خلاصہ یہ کہ اہل لغت کے اَثَارَة میں تین قول ہیں ① الأثارة بمعنی بقیة یہ اَثَرْتُ الشیء اثارةً سے مشتق ہے، کانّها بقیة تخرجُ فتستثارُ ② الْاَثَارة، مِنَ الاَثر، ای الروایة والنقل ③ مِنَ الأثر، بمعنی العلامة (اعراب القرآن) مراد وہ علوم ہیں جو اسلاف سے سینہ بسینہ منقول چلے آتے ہوں۔

قِوْلُہٗ: مِنْ قَبْلِ هٰذا، کائن محذوف کے متعلق ہو کر بکتابٍ کی صفت ہے اور بکتابٍ ایتونی کے متعلق ہے اور أثَارَةٍ کتابٍ پر معطوف ہے۔

قِوْلُہٗ: اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ شرط ہے اس کی جزاء فأتونی محذوف ہے اور صَادِقِینَ کنتم کی خبر ہے۔

قِوْلُہٗ: مَنْ لَا یَسْتَجِیْبُ الخ مَنْ نکرہ موصوفہ بھی ہو سکتا ہے مابعد کا جملہ اس کی صفت ہوگا، تقدیر عبارت ہوگی مَنْ اَضَلُّ مِنْ شَخْصٍ یَعْبُدُ شَیْئًا لَا یُجِیْبُهٗ: اور موصولہ بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں مابعد کا جملہ اس کا صلہ ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی مَنْ اَضَلُّ مِنْ شَخْصٍ یَعْبُدُ الشیءَ الَّذِیْ لَا یُجِیْبُهٗ وَلَا یَنْفَعُهٗ فی الدنیا وَلَا فِی الآخرة.

قِوْلُہٗ: مَنْ لَا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ جملہ ہو کر یَدْعوا کا مفعول ہے۔

قِوْلُہٗ: اِلٰی یومِ القِیامَةِ یہ لَایَسْتَجِیْبُ کی غایت ہے، جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے بعد استجابة ہوگی، بایں طور کہ غایت مغیا میں داخل نہ ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہاں بیان غایت سے تابید مراد ہے اور غایت مغیا میں داخل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِی اِلٰی یومِ الدِّین.

قِوْلُہٗ: لِأَنَّهُمْ جَمَادٌ لا یَعْقِلُوْنَ، غافلون کی تفسیر لأنهم جمادٌ الخ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ غفلت سے عدم فہم مراد ہے نہ کہ بے توجہی (وهم عن دعائهم غافلون) میں اول هم ضمیر اصنام کی طرف اور ثانی هم عابدین اصنام کی طرف راجع ہے، دونوں ضمیروں کو جمع لانا معنی مَنْ کی رعایت کی وجہ سے ہے اصنام کے لئے ذوی العقول کی جمع اس لئے لائے ہیں کہ مشرکین کا یہ اعتقاد تھا کہ اصنام سمجھتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یہ وضع الاسم الظاهر موضع الضمیر کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ قالوا کہنا کافی تھا مگر اہل مکہ کی صفت کفر کو بیان کرنے کے لئے اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھ دیا۔

قِوْلُہٗ: لَمَّا جاءَ هم، قَالَ کا ظرف ہے اور هٰذا سِحرٌ مُبِیْنٌ مقولہ ہے۔

قِوْلُہٗ: تُفِیْضُوْنَ، اِفَاضَة سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے تم گھستے ہو اس کا استعمال جب پانی، آنسو، وغیرہ کے لئے ہوتا ہے، تو بہنے، جاری ہونے کے معنی ہوتے ہیں، لیکن جب کلام کے متعلق استعمال ہوتا ہے تو باتوں میں غور و خوض کرنے اور کہنے سننے اور نکتہ چینی کرنے کے معنی میں آتا ہے، یہاں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قولہ: بِذعًا بدیعًا، بِدعًا مصدر بھی ہوسکتا ہے مگر اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا ای ذابدعٍ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بِدْعًا بَدِیْعًا کے معنی میں صیغۂ صفت ہو جیسے خِف بمعنی خفیف بِدْعٌ بمعنی بَدِیعٌ انوکھا، نرالا۔

قولہ: وَمَاادْرِیْ مَایُفْعَلُ بی وَلا بِکُمْ پہلا ما نافیہ ہے، ثانی ما استفہامیہ مبتداء اور مابعد اس کی خبر، یہ ما، اَدْرِیْ کو عمل سے مانع ہے اس کا مابعد قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

قولہ: مَا أنا اِلّا نَذِیْرٌ مُبِینٌ یہ حصر حقیقی نہیں ہے کہ اعتراض ہو کہ آپ بشیر بھی ہیں پھر یہ نذیر میں حصر کیسا؟ جواب یہ ہے کہ یہ حصر اضافی ہے یعنی میرا ڈرانا اور آگاہ کرنا، اللہ ہی کی طرف سے ہے خود میری طرف سے کچھ نہیں ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا خیال ہے۔

قولہ: أرَأیتُمْ اِنْ کانَ مِنْ عندِ اللّٰہِ وکفر تم بہٖ جملہ اَرَأیتم الخ قول کا مقولہ ہے أرَأیتُمْ کے دونوں مفعول محذوف ہیں، تقدیر عبارت یہ ہے اَخبِرُوْنِیْ مَاذَا حَالکم اِنْ کان مِنْ عند اللّٰہ وکفرتُمْ بہٖ شرط اور اس پر معطوف کا جواب محذوف ہے، جس کی طرف علامہ محلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اَلَسْتُمْ ظالمین مقدر مان کر اشارہ کردیا ہے، جواب شرط کی مذکورہ تقدیر زمخشری کے قول کے مطابق ہے مگر اس پر ابوحیان نے رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر زمخشری کی بیان کردہ تقدیر مان لی جائے تو پھر فاء کا لانا ضروری ہے اس لیے کہ جملہ استفہامیہ جب جواب شرط واقع ہوتا ہے تو اس پر فاء لازم ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دیگر حضرات نے فقد ظلمتم جواب شرط محذوف مانا ہے۔ (اعراب القران)

تفسیر و تشریح

اس سورت کا نام احقاف ہے، احقاف حِقْفٌ کی جمع ہے، ریت کے بلند مستطیل خمدار ٹیلے کو کہتے ہیں، یہ نام آیت ۲۱ اِذْ اَنْذَر قَومَہٗ بالاَحقَاف سے ماخوذ ہے، یہ قوم عاد کا مرکزی مقام تھا، یہ حضر موت کے شمال میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے مشرق میں عمان اور شمال میں ربع خالی ہے جسے صحراء اعظم الدنیا بھی کہا جاتا ہے، ربع خالی گو آبادی کے لائق نہیں تاہم اس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے قابل کچھ زمین ہے، خصوصًا اس حصہ میں جو حضر موت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے، قدیم زمانہ میں اسی حضر موت اور نجران کے درمیانی حصہ میں عادِ ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا، جس کو خدا نے ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں آندھی کا عذاب بھیج کر نیست و نابود کردیا تھا۔ (لغات القرآن)

نوٹ: حال ہی میں ۱۹۹۲ء میں کھدائی کے دوران قوم عاد و ثمود کے مکانوں کے کھنڈرات اور بنیادیں ظاہر ہوئی ہیں جو کہ تصویر میں صاف نظر آرہی ہیں۔ (قومِ عاد و ثمود کے خرابات کا نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

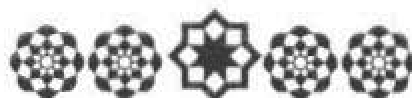

(صحرائے احقاف کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے)

حٰمٓ حروف متشابہات میں سے واجب الاعتقاد قابل السکوت ہے، اس کتاب کا نزول اللہ زبردست اور دانا کی طرف سے ہے، اور واقعی حقیقت یہ ہے کہ یہ نظام کائنات بے مقصد کھلونا نہیں، بلکہ با مقصد ایک حکیمانہ نظام ہے، نیز کائنات کا موجودہ نظام دائمی اور ابدی نہیں ہے بلکہ اس کی ایک خاص عمر مقرر ہے جس کے خاتمے پر اس کو لازماً درہم برہم ہو جانا ہے اسی کو آخرت کہتے ہیں، اور خدا کی عدالت کے لئے بھی ایک طے شدہ وقت ہے جس کے آنے پر وہ ضرور قائم ہونی ہے، لیکن یہ کافر لوگ اس حقیقت سے منہ موڑے ہوئے ہیں، انہیں اس بات کی کوئی فکر نہیں ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب انہیں اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی۔

قُلْ أَرَأَیْتُمْ مَا تَدْعُوْنَ اے نبی ان سے کہہ دو کہ کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا بھی اور کبھی تم نے غور کیا بھی کہ یہ ہستیاں ہیں کیا؟ جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو یہ تمہارے احساس ذمہ داری کی فقدان کی وجہ سے ہے جس کی وجہ سے بے سوچے سمجھے ایک نہایت ہی غیر معقول عقیدے سے چمٹے ہوئے ہو۔

مذکورہ آیات میں مشرکین کے دعوائے شرک کو باطل کرنے کے لئے ان سے ان کے دعوے پر دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے، اس لئے کہ کوئی دعویٰ بغیر شہادت اور دلیل کے عقلاً یا شرعاً قابل قبول نہیں ہوتا، دلائل کی جتنی قسمیں ہوسکتی ہیں سب کو اس میں جمع کر دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ تمہارے دعوے پر کسی قسم کی دلیل موجود نہیں اس لئے اس بے دلیل دعوے پر قائم رہنا گمراہی ہے اس آیت میں دلائل کی تین قسمیں کی گئی ہیں، ایک عقلی دلیل جس کی نفی کے لئے فرمایا اَرُوْنِی مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ دلیل کی دوسری قسم نقلی ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں دلیل نقلی وہی معتبر ہوسکتی ہے جو خود حق تعالیٰ کی طرف سے آئی ہو جیسے آسمانی کتابیں قرآن، توریت، انجیل وغیرہ، اِیْتُوْنِی بِکِتَابٍ مِنْ قَبْلِ هٰذَا میں اسی دلیل نقلی کے مطالبہ کی طرف اشارہ ہے، اَوْ أَثَارَةٍ میں دلیل نقلی سے انبیاء سابقین کے وہ اقوال اور روایات مراد ہیں جو بعد کی نسلوں تک سینہ بسینہ کسی قابل اعتماد ذریعہ سے پہنچے ہوں، یہ دلیل نقلی کی دوسری قسم ہے، ان تینوں ذرائع سے جو کچھ بھی انسان کو پہنچا ہے اس میں کہیں بھی شرک کا شائبہ تک موجود نہیں ہے، تمام کتب آسمانی وہی توحید پیش کرتی ہیں جس کی طرف قرآن دعوت دے رہا ہے، علوم اولین کے جتنے نقوش بھی بچے کھچے موجود ہیں ان میں بھی کہیں اس امر کی شہادت نہیں ملتی کہ کسی نبی یا ولی نے کبھی لوگوں کو خدا کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کی تعلیم دی ہو۔ اَثارة من علم سے علم الاولین مراد ہے، جو قابل اعتماد سند کے ساتھ بعد والوں تک پہنچے ہوں، ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ اَثارة من علم سے علم الاولین مراد ہے، اور فراء اور مبرّد نے کہا ہے ما یؤثر من کتب الاولین مراد ہے۔ (فتح القدیر)

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ کانوا لهم اَعْداء مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اصنام، عابدینِ اصنام کے دشمن ہو جائیں گے اور بعض حضرات نے کانوا کی ضمیر کو عابدین کی طرف لوٹایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول و اللّٰه ربنا ما کُنَّا مُشرکین میں ہے، مگر اول راجح ہے، غرضیکہ روزِ قیامت عابدین و معبودین ایک دوسرے پر لعنت ملامت کریں گے، یہ لعنت ملامت اور اظہار بیزاری یا تو حقیقۃً ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اصنام حجریہ وغیرہ میں حیات پیدا فرما دیں گے، اور بعض حضرات نے لسان حال سے لعنت

ملامت اور اظہار براءت مراد لیا ہے، رہے ملائکہ اور مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام وعزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام تو لسان مقال سے اظہار بیزاری کریں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تبرَّ أنا الَیْكَ مَا کَانُوْا اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ. (فتح القدیر)

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا (الآیة) اور جب ان کو واضح اور صاف صاف قرآنی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ منکرین حق سنتے ہی بغیر غور وفکر کے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے، مطلب یہ ہے کہ جب قرآن کی آیات کفار کے سامنے پڑھی جاتی تھیں تو وہ صاف محسوس کرتے تھے کہ اس کلام کی شان انسانی کلام سے بدرجہا بلند ہے، ان کے شاعر، کسی خطیب، کسی ادیب کے کلام کو بھی قرآن کی بے مثال فصاحت وبلاغت اس کی وجد آفرینی، اس کے بلند اور پاکیزہ مضامین اور دلوں کو نرما دینے اور گرما دینے والے انداز بیان سے کوئی مناسبت نہ تھی، اور سب سے بڑی بات یہ کہ خود آنحضرت ﷺ کے اپنے کلام کی شان بھی وہ نہ تھی جو خدا کے کلام میں نظر آتی تھی، آپ ﷺ کی زبان اور قرآن کی زبان میں نمایاں اور بین فرق تھا، یہ چیز ان کے سامنے حق کو بالکل بے نقاب کر کے لے آتی تھی، مگر وہ چونکہ اپنے کفر پر اڑے رہنے کا فیصلہ کر چکے تھے اس لئے اس صریح علامت کو دیکھ کر سیدھی طرح اس کلام کو کلام الٰہی مان لینے کے بجائے یہ بات بناتے تھے کہ یہ کوئی جادو کا کرشمہ ہے، مگر ان کا یہ خیال اس لئے غلط تھا کہ جادو سے تو وہ خود بھی واقف تھے اگر قرآن کوئی جادوئی کلام تھا تو وہ بھی جادو کے ذریعہ ایسا کلام لا کر پیش کر کے قرآن کے چیلنج فأتوا بسورة من مثله کو قبول کر سکتے تھے مگر حقیقت کچھ اور تھی جس کو وہ خوب سمجھتے تھے مگر زبان سے اقرار نہیں کرتے تھے۔

وهو الغفور الرحيم مطلب یہ ہے کہ فی الواقع یہ اللہ کا رحم اور درگذر ہی ہے کہ جس کی وجہ سے یہ منکرین زمین میں سانس لے رہے ہیں جنہیں خدا کے کلام کو افتراء قرار دینے میں کوئی باک اور شرم نہیں، ورنہ کوئی بے رحم سخت گیر خدا اس کائنات کا مالک ہوتا تو ایسی جسارتیں کرنے والوں کو ایک سانس کے بعد دوسرا سانس لینا نصیب نہ ہوتا۔

دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے، اے ظالمو! اب بھی اس ہٹ دھرمی اور اڑیل رویّے سے باز آجاؤ تو خدا کی رحمت کا دروازہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے اور جو کچھ تم نے اب تک کیا ہے وہ معاف ہوسکتا ہے۔

قُلْ مَاكُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرسل یہ دراصل مشرکین مکہ کے واہی اور لچر شبہات کا جواب ہے، اس ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے نبوت کا دعویٰ پیش کیا اور خود کو خدا کا نمائندہ بتایا تو مکہ کے لوگ طرح طرح کی باتیں بنانے لگے، ان کا کہنا تھا کہ یہ کیسا رسول ہے جو بال بچے رکھتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے، غرضیکہ عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے، آخر اس میں وہ نرالی بات کیا ہے جس میں یہ عام انسانوں سے مختلف ہو اور ہم یہ سمجھیں کہ خاص طور پر اس شخص کو خدا نے اپنا رسول اور نمائندہ بنا کر بھیجا ہے؟ اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر خدا نے اس شخص کو اپنا رسول بنایا ہوتا تو اس کی اردلی میں کوئی فرشتہ بھیجتا جو پیش پیش یہ اعلان کرتا چلتا کہ یہ خدا کا رسول ہے، اور ہر اس شخص پر عذاب کا کوڑا برسا دیتا جو اس کی شان میں ذرا سی بھی گستاخی کر بیٹھتا، یہ آخر کیسے ہوسکتا ہے، کہ خدا کسی کو اپنا رسول مقرر کرے اور پھر اسے یوں ہی مکہ کی گلیوں میں پھرنے اور ہر طرح کی زیادتیاں سہنے کیلئے بے سہارا چھوڑ دے اور کچھ نہیں تو کم از کم یہی ہوتا کہ خدا اپنے رسول کے لئے ایک شاندار محل اور یک لہلہاتا باغ پیدا کر دیتا، ان سب باتوں کے علاوہ مشرکین مکہ آئے دن آپ سے طرح طرح کے معجزات

کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، اور غیب کی باتیں پوچھتے تھے، ان کے خیال میں کسی کا رسولِ خدا ہونا یہ معنی رکھتا تھا کہ وہ فوق البشری طاقتوں کا مالک ہو اس کے اشارے پر پہاڑ ٹل جائیں، بہتے دریا رک جائیں اور ایک اشارہ سے ریگزار کشت زار میں تبدیل ہو جائیں، نیز اس کو ما کانَ و ما یکُونُ کا علم ہو۔

یہی وہ باتیں ہیں جن کا جواب ان فقروں میں دیا گیا ہے، ان میں کے ہر فقرہ میں معانی کی ایک دنیا پوشیدہ ہے، فرمایا ان سے کہو میں کوئی نرالا رسول تو ہوں نہیں یعنی میرا رسول بنایا جانا دنیا کی تاریخ میں کوئی پہلا واقعہ تو ہے نہیں کہ تمہیں یہ سمجھنے میں پریشانی ہو کہ رسول کیسا ہوتا ہے؟ اور کیسا نہیں ہوتا، مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں اور میں ان سے مختلف نہیں ہوں، آخر دنیا میں کب کوئی ایسا رسول آیا ہے کہ جو کھاتا پیتا نہ ہو یا عام انسانوں کی طرح زندگی بسر نہ کرتا ہو؟ یا کس رسول کے ساتھ کوئی فرشتہ اترا، جو اس کی رسالت کا اعلان کرتا ہو اور اس کے آگے آگے ہاتھ میں کوڑا لئے پھرتا ہو؟ اور کونسا رسول ایسا گذرا ہے کہ جو اپنے اختیار سے کوئی معجزہ دکھا سکتا ہو یا اپنے علم سے سب کچھ جانتا ہو، پھر یہ نرالے معیار میرے ہی رسالت کو پرکھنے کے لئے کہاں سے لئے چلے آرہے ہو۔

وَمَا اَدْرِیْ ما یُفْعَلُ بی وَلا بکمِ اس کے بعد فرمایا کہ ان کے جواب میں کہو، میں نہیں جانتا کہ کل میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور تمہارے ساتھ کیا؟ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے بھیجی جاتی ہے یعنی میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ماضی حال واستقبال سب مجھ پر روشن ہوں اور دنیا کی ہر چیز کا مجھے علم ہو، تمہارا مستقبل تو درکنار مجھے تو اپنا مستقبل بھی معلوم نہیں کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے، آیا مجھے قتل کیا جائے گا یا اپنی موت مروں گا، یا مجھے مکہ سے نکالا جائے گا یا مکہ میں رہنے دیا جائے گا، بعض حضرات نے اس آیت کا تعلق دنیاوی امور سے کیا ہے مگر مفسرین کی ایک بڑی تعداد دنیا وآخرت دونوں سے متعلق مانتی ہے یعنی دنیا وآخرت کے امور پر آپ کو جو آگاہی اور واقفیت تھی وہ بذریعہ وحی ہی تھی۔

فوائد عثمانی میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اس آیت کے فوائد میں لکھتے ہیں کہ مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہوتا ہے، میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا، اور تمہارے ساتھ کیا؟ نہ میں اس وقت پوری تفصیل اپنے اور تمہارے انجام کے متعلق بتلا سکتا ہوں کہ دنیا وآخرت میں کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی، ہاں ایک بات کہتا ہوں کی میرا کام صرف وحی الٰہی کا اتباع اور حکم خداوندی کا امتثال کرنا اور کفر وعصیان کے سخت اور خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کر دینا ہے آگے چل کر دنیا وآخرت میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آئے گا، اس کی تمام تفصیلات فی الحال میں نہیں جانتا اور نہ اس بحث میں پڑنے سے مجھے کچھ مطلب، بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر کرکے مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

(فوائد عثمانی)

قُلْ أَرَأَیْتُمْ اِنْ کانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ و کَفَرْتُمْ به (الآیة) کانَ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ رسول کی طرف راجع ہو اور کَفَرْتُمْ به اور وشَهِدَ شَاهِدٌ تقدیر قد کے ساتھ حال ہیں۔

اس زمانہ میں عرب کے جاہل مشرکین بنی اسرائیل کے علم وفضل سے مرعوب تھے، جب آپ ﷺ کی نبوت کا چرچا ہوا تو مشرکین نے اس باب میں علماء بنی اسرائیل کا عندیہ لینا چاہا، مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ آپ کی تکذیب کر دیں تو کہنے کو ایک بات

ہاتھ آجائے کہ دیکھو اہلِ علم اور اہل کتاب بھی ان کی باتوں کو جھوٹا کہتے ہیں، مگر اس مقصد میں مشرکین ہمیشہ ناکام رہے، خدا تعالیٰ نے ان ہی بنی اسرائیل کی زبانوں سے حضور کی تصدیق وتائید کرائی نہ صرف اتنی بات سے کہ وہ لوگ بھی قرآن کی طرح تورات کو آسمانی کتاب اور آنحضرت ﷺ کی طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو پیغمبر کہتے تھے اس طرح آپ ﷺ کا دعوائے رسالت اور قرآن کی وحی کوئی انوکھی چیز نہیں رہی بلکہ اس طرح کہ بعض علماء یہود نے صریحاً اقرار کیا اور گواہی دی کہ بیشک ہمارے یہاں ایک عظیم الشان رسول اور کتاب کے آنے کی خبر دی گئی ہے اور یہ رسول وہی معلوم ہوتا ہے اور یہ کتاب اسی طرح کی ہے جس کی خبر دی گئی تھی، علماء یہود کی شہادتیں دراصل ان پیشین گوئیوں پر مبنی تھیں جو ہزار ہا تحریف وتبدیل کے باوجود آج بھی تورات وغیرہ میں موجود چلی آرہی ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کا سب سے بڑا گواہ یعنی حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہزاروں سال پہلے خود گواہی دے چکا ہے، کہ بنی اسرائیل کے اقارب اور بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے اسی کے مثل ایک رسول آنے والا ہے، اِنّا اَرْسَلْنَا اِلیکم رسولًا شَاهِدًا علیکم کما اَرْسَلْنَا اِلی فرعونَ رسُولًا (المزمل: رکوع ۱) یہی سبب تھا کہ بعض منصف اور حق پرست احبار یہود مثلاً عبد اللہ بن سلام وغیرہ حضور کا چہرۂ انور دیکھتے ہی اسلام لے آئے اور بول اٹھے اِنّ هٰذا الوجه لیس بوجه کاذب یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہوسکتا، پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اس چیز پر ہزاروں سال پہلے ایمان رکھیں اور علماء یہود اس کی صداقت کی گواہی دیں ان سب شہادتوں کے باوجود تم اپنی شیخی اور غرور سے اس کو قبول نہ کرو تو سمجھ لو اس سے بڑھ کر ظلم اور گناہ کیا ہوگا۔ (فوائد عثمانی ملخصًا)

یہاں ’’شاہد‘‘ سے کون مراد ہے؟

مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے اس گواہ سے مراد حضرت عبد اللہ بن سلام کو لیا ہے جو مدینہ طیبہ کے مشہور یہودی عالم تھے اور ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے تھے یہ واقعہ چونکہ مدینہ منورہ میں پیش آیا اس لئے ان مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اس تفسیر کی بنیاد حضرت سعد بن ابی وقاص کا یہ بیان ہے کہ یہ آیت حضرت عبد اللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی تھی (بخاری، مسلم وغیرہما) (واخرج الترمذی وابن جریر وابن مردویه عن عبد الله بن سلام قال نزل فی آیاتٌ من کتاب الله، نزلت فی وشهدَ شاهد من بنی اسرائیل). (فتح القدیر شوکانی ملخصًا)

اور اسی بناء پر ابن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک، ابن سیرین، حسن بصری، ابن زید اور عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے متعدد اکابر مفسرین نے اس تفسیر کو قبول کیا ہے، مگر دوسری طرف، عکرمہ اور شعبی اور مسروق کہتے ہیں کہ یہ آیت عبد اللہ بن سلام کے بارے میں نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ پوری سورت مکی ہے اور ابن جریر طبری نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اوپر کلام کا پورا سلسلہ مشرکین مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے چلا آرہا ہے، اور آگے بھی سارا خطاب ان ہی سے ہے، اس سیاق وسباق میں یکایک مدینہ میں نازل ہونے والی آیت کا آجانا قابل تصور نہیں ہے بعد کے جن مفسرین نے اس دوسرے قول کو قبول کیا ہے وہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت کو رد نہیں کرتے بلکہ ان کا خیال یہ ہے کہ یہ آیت چونکہ عبد اللہ بن سلام کے ایمان لانے پر بھی

چسپاں ہوتی ہے، اس صورت میں یہ آیت پیشین گوئی کے طور پر ہو جائے گی۔

اس آیت کے الفاظ میں کسی خاص عالم بنی اسرائیل کا نام نہیں لیا گیا، اور نہ یہ متعین کیا گیا کہ یہ شہادت اس آیت کے نزول سے پہلے لوگوں کے سامنے آچکی ہے یا آئندہ آنے والی ہے بلکہ ایک جملہ شرطیہ کے طور پر فرمایا ہے کہ اگر ماضی میں یا بالفعل یا آئندہ ایسا ہو جائے تو تمہیں اپنی فکر کرنا چاہئے کہ تم عذاب سے کیسے بچو گے، اس لئے آیت کا مفہوم سمجھنا اس پر موقوف نہیں کہ علماء بنی اسرائیل میں سے کس کو "شاہد" کا مصداق قرار دیا جائے، بلکہ جتنے حضرات بنی اسرائیل میں سے اسلام میں داخل ہوئے جن میں حضرت عبداللہ بن سلام زیادہ معروف ہیں وہ سب ہی اس میں داخل ہیں اگر چہ حضرت عبداللہ بن سلام کا ایمان لانا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا ہو، اور یہ پوری سورت مکی ہے۔ (ابن كثير بحواله معارف القرآن)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اى فى حَقِّهِم **لَوْ كَانَ** الايمانُ **خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا** اى القائِلُوْنَ **بِهٖ** اى بالقُراٰنِ **فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ** اى القُراٰنُ **اِفْكٌ** كَذِبٌ **قَدِيْمٌ ⑪ وَمِنْ قَبْلِهٖ** اى القُراٰنِ **كِتٰبُ مُوْسٰٓى** اى التَّوراةُ **اِمَامًا وَّرَحْمَةً** لِلمُؤْمِنِيْنَ به حَالَانِ **وَهٰذَا** اى القُراٰنُ **كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ** لِلكُتُبِ قَبلَه **لِّسَانًا عَرَبِيًّا** حَالٌ مِنَ الضَّمِيرِ فِى مُصَدِّقٌ **لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** مُشرِكِى مَكَّةَ **وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ⑫** لِلمُؤْمِنِيْنَ **اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا** على الطَّاعَةِ **فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ⑬ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا** حَالٌ **جَزَآءً** مَنصُوبٌ على المَصدَرِ بفعلِهِ المقدرِ اى يُجزَوْنَ **بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑭ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا** وفى قراءةٍ اِحسَانًا اى اَمَرْنَاهُ اَن يُحسِنَ اِلَيهِمَا فَنَصبُ اِحسَانًا على المَصدَرِ بِفِعلِه المُقَدَّرِ ومثلُه حُسنًا **حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا** اى على مَشَقَّةٍ **وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ** مِنَ الرَّضَاعِ **ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا** سِتَّةُ اَشهُرٍ اَقلُّ مُدَّةِ الحَملِ والبَاقِى اَكثَرُ مُدَّةِ الرَّضَاعِ وقِيلَ اِن حَمَلَتْ به سِتَّةً او تِسعَةً اَرضَعَتهُ البَاقِى **حَتّٰٓى** غايَةٌ لِجُملَةٍ مُقَدَّرَةٍ اى وعَاشَ حَتّٰى **اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ** هُوَ كَمَالُ قُوَّتِهٖ وعَقلِهٖ ورَأيِهٖ اَقلُّهُ ثَلاثٌ وَّثَلٰثُونَ سَنَةً **وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً** اى تَمَامَهَا وهُوَ اَكثَرُ الاَشُدِّ **قَالَ رَبِّ** اِلٰى اٰخِرِهٖ نَزَلَ فِى اَبِى بَكرِ نِ الصِّدِّيقِ لَمَّا بَلَغَ اَربَعِينَ سَنَةً بعدَ سَنَتَينِ مِن مَبعَثِ النبى صلى الله عليه وسلم اٰمَنَ به ثُم اٰمَنَ اَبَوَاهُ ثُم اِبنُهُ عَبدُ الرَّحمٰنِ وابنُ عبدِ الرَّحمٰنِ اَبُو عَتِيقٍ **اَوْزِعْنِيْٓ** اَلهِمْنِى **اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ** بها **عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ** وهى التَّوحِيدُ **وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ** فَاَعتَقَ تِسعَةً مِنَ المُؤمِنِينَ يُعَذَّبُونَ فِى اللّٰهِ **وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ** فَكُلُّهُم مُؤمِنُونَ **اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ⑮ اُولٰٓئِكَ** اى قَائِلُوا هذا القَولِ ابوبكرٍ وغيره **الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ** بِمَعنَى حَسَنَ **مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ** حَالٌ اى كَائِنِينَ فِى جُملَتِهِم **وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ⑯** فِى قَولِهٖ تعالٰى وعَدَ اللّٰهُ المُؤمِنِينَ وَالمُؤمِنَاتِ جَنّٰتٍ **وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ** وفى قِراءَةٍ بالاِفرَادِ اُرِيدَ به الجِنسُ

أُفٍّ بكسرِ الفاءِ وفتحِها بمعنى مصدرٍ اي نتنًا وقبحًا لَّكُمَآ اتضجّرُ منكما اَتَعِدَانِنِيْٓ وفي قراءةٍ بالادغامِ
اَنْ اُخْرَجَ من القبرِ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ الاُمَمُ مِنْ قَبْلِيْ ولم تخرج من القبور وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللهَ يسألانِه
الغوثَ برجوعِه ويقولانِ اِنْ لم ترجع وَيْلَكَ اي هلاكَك بمعنى هلكتَ اٰمِنْ بالبعثِ اِنَّ وَعْدَ اللهِ به
حَقٌّ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اي القولُ بالبعثِ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٧﴾ اكاذيبُهم اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ وجب عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ
بالعذابِ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ من جنسِ المؤمنِ والكافرِ دَرَجٰتٌ
فدرجاتُ المؤمنِ في الجنّةِ عاليةٌ ودرجاتُ الكافرِ في النارِ سافلةٌ مِّمَّا عَمِلُوْا اي المؤمنون من الطاعاتِ
والكافرون من المعاصي وَلِيُوَفِّيَهُمْ اي اللهُ وفي قراءةٍ بالنون اَعْمَالَهُمْ اي جزاءَها وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ شيئًا
يُنقصُ للمؤمنين ويُزادُ للكفّارِ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ بأن تُكشفَ لهم يُقالُ لهم اَذْهَبْتُمْ بهمزةٍ
وبهمزتين وبهمزةٍ ومدّةٍ وبهما وتسهيلِ الثانيةِ طَيِّبٰتِكُمْ باشتغالِكُم بلذّاتِكم فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ
تمتعتم بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ اي الهوان بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ تتكبّرون فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَفْسُقُوْنَ ﴿٢٠﴾ به وتُعذّبون بها.

ترجمہ: اور کافروں نے ایمان والوں کے بارے میں کہا اگر یہ ایمان کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ لوگ اس کی طرف
ہم سے سبقت کرنے نہ پاتے اور چونکہ ان کہنے والوں نے اس قرآن سے ہدایت نہیں پائی پس اب یہ کہہ دیں گے کہ یہ
یعنی قرآن قدیمی جھوٹ ہے حالانکہ اس سے یعنی قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب یعنی تورات اس پر ایمان لانے والوں
کے لئے پیشوا اور رحمت تھی (اماماً اور رحمةً) دونوں (کائن من کتاب موسیٰ سے) حال ہیں، یہ قرآن عربی
زبان کی کتاب ہے ماقبل کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے مصدق کی ضمیر سے حال ہے تاکہ ظالموں یعنی مشرکین
مکہ کو ڈرائے اور مومنین کے لئے بشارت ہو بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر طاعت پر جمے رہے تو نہ تو ان
کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ تو اہل جنت ہیں جو ہمیشہ اسی میں رہیں گے (خالدین) حال ہے ان اعمال
کے صلے میں جو وہ کیا کرتے تھے جزاءً اپنے فعل مقدر سے مصدریت کی بناء پر منصوب ہے اَیْ یُجْزَوْنَ جزاءً ہم نے
انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے ایک قراءت میں اِحسانًا ہے، یعنی ہم نے اس کو حکم دیا
ہے کہ انکے ساتھ حسن سلوک کرے، اِحْسَانًا اپنے فعل مقدر سے مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے اور اسی طرح حُسْنًا
اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا اس کو پیٹ میں رکھنا اور
دودھ چھڑانا تیس مہینہ (میں پورا ہوتا) ہے چھ ماہ اقل مدت حمل ہے اور باقی رضاعت کی اکثر مدت ہے، کہا گیا ہے اگر
بچے سے چھ ماہ یا نو ماہ حاملہ رہی تو باقی ایام بچے کو دودھ پلائے یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو حتّٰی جملہ مقدرہ کی غایت

ہے ای عاشَ حتّٰی اور اَشُدّ اس کی قوت وعقل ورائے کا کمال ہے اور اس کی اقل مدت تینتیس سال ہے اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا اور وہ پختگی کی اکثر مدت ہے تو اس نے کہا: اے میرے پروردگار! الخ (یہ آیت) حضرت ابوبکر صدیق کی شان میں نازل ہوئی جبکہ وہ آپ ﷺ کی بعثت کے دو سال بعد چالیس سال کی عمر کو پہنچے، آپ ﷺ پر ایمان لائے پھر آپ کے والدین ایمان لائے پھر آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اور عبدالرحمٰن کے بیٹے ابوعتیق ایمان لائے تو مجھے توفیق دے مجھے الہام فرما میں تیری اس نعمت کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام فرمائی اور وہ توحید ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے چنانچہ نو ایسے مومن غلاموں کو آزاد کیا جن کو راہ خدا میں ایذا دی جارہی تھی، اور مجھے میری اولاد سے راحت پہنچا چنانچہ وہ سب کے سب ایمان لائے، اور میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، یہی ہیں وہ لوگ اس قول کے کہنے والے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ ہیں جن کے نیک اعمال کو ہم قبول کرلیتے ہیں اَحْسَن بمعنی حَسَنَ ہے، اور جن کے بداعمال سے درگذر کردیتے ہیں، حال یہ ہے کہ یہ اہل جنت سے ہوں گے (فی اصحٰب الجنة) حال ہے ای کائن من جملة اهل الجنة اس سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے کیا گیا تھا (اور وہ وعدہ) اللہ تعالیٰ کے قول وَعَدَ اللّٰهُ المُؤمِنِيْنَ وَالْمُؤمِنَاتِ جَنّٰتٍ میں کیا ہے، اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: اُف! تنگ کردیا تم نے اور ایک قراءت میں افراد کے ساتھ ہے اس سے جنس کا ارادہ کیا گیا ہے اُفٍ فاء کے کسرہ اور فتح کے ساتھ، مصدر کے معنی میں ہے، تمہارے لئے بدبو اور خرابی ہے میں تم سے تنگ آگیا ہوں تم مجھ سے یہ کہتے رہتے ہو اور ایک قراءت میں اَتَعِدَانِّی ادغام کے ساتھ ہے، کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گذر چکی ہیں اور وہ قبروں سے نہیں نکالی گئیں، اور وہ دونوں (یعنی والدین) اللہ سے فریاد کرتے ہیں (یعنی) اس کے (ایمان کی طرف) رجوع کرنے کی دعاء کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تو نہ لوٹے گا تو تیرا ستیاناس ہوگا ھَلا کَکَ بمعنی ھَلَکتَ ہے، بعث بعد الموت پر ایمان لے آ، بے شک اللہ کا بعث کا وعدہ حق ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ یہ یعنی بعث بعد الموت کی باتیں تو محض افسانے ہیں یعنی جھوٹی باتیں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر ان سے پہلے امم سابقہ پر جنات سے ہوں یا انسانوں سے عذاب کا وعدہ صادق آچکا، بے شک یہ زیاں کاروں میں سے تھے جنس کافر اور مومن میں سے ہر ایک کے لئے اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجات ملیں گے بایں طور کہ مومنین کے درجات جنت عالیہ میں ہوں گے اور کافروں کے جہنم میں درجات سافلہ ہوں گے، یعنی مومنین نے جو فرمانبرداری کے کام کئے اور کافروں نے معصیت کے کام کئے، تاکہ وہ یعنی اللہ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے اور ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے تاکہ ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا کہ مومنین کے (نیک اعمال) کم کردیئے جائیں، اور کافروں کے (برے اعمال) میں اضافہ کردیا جائے، اور جس دن کافر آگ کے سامنے لائے جائیں گے، اس طریقہ پر کہ ان کے سامنے سے جہنم کے پردے ہٹا دیئے جائیں گے، ان سے کہا جائے گا تم نے اپنی نیکیاں اپنی لذتوں میں مشغول ہو کر دنیا

ہی میں برباد کردیں ایک ہمزہ کے ساتھ اور دو (محقق) ہمزوں کے ساتھ اور ایک ہمزہ اور مد کے ساتھ، اور دونوں کے ساتھ مع ثانی (ہمزہ) کی تسہیل کے اور تم ان سے فائدہ اٹھا چکے پس آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، ھُون بمعنی ھوان ہے، اس باعث کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس باعث بھی کہ تم حکم عدولی کیا کرتے تھے اور اسی کا جہنم کے ذریعہ تم کو عذاب دیا جائے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لَوْ کَانَ خَیْرًا، لو حرف شرط ہے کَانَ خَیْرًا جملہ ہو کر شرط اور مَا سَبَقُوْنَا جملہ ہو کر جزاء، شرط و جزاء مل کر قَالَ کا مقولہ۔

قَوْلُہٗ: وَاِذْ لَمْ یَھْتَدُوْا بہ، اِذْ کا عامل محذوف ہے، ای ظَھَرَ عِنَادھم اِذْ لَمْ یَھْتَدُوْا بہٖ، اِذ میں فَسَیَقُوْلُوْنَ کا عامل بننا دو وجہ سے درست نہیں ہے، اول تو اس لئے کہ دونوں کے زمانے مختلف ہیں، اِذْ ماضی کے لئے ہے اور فَسَیَقُوْلُوْنَ استقبال کے لئے، دوسری وجہ یہ ہے کہ فاء اپنے مابعد کو ماقبل میں عمل کرنے سے مانع ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنْ قَبْلِہٖ کتابُ موسی، مِنْ قَبْلِہٖ کائنٌ کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے اور کِتَابُ مُوْسٰی مبتداء مؤخر ہے، جملہ حال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: اِمَامًا و رحمةً دونوں خبر مقدم کائنٌ کی ضمیر سے حال ہیں، اور ابو عبید نے جَعَلْنَاہُ محذوف کا مفعول ہونیکی وجہ سے منصوب قرار دیا ہے۔ (فتح القدیر، شوکانی)

قَوْلُہٗ: لِسَانًا عَرَبِیًّا موصوف صفت سے مل کر مُصَدِّقٌ کی ضمیر سے حال ہیں، اور مصدق کی ضمیر کتابٌ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: لِیُنْذِرَ، مُصَدِّقٌ کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: ای عَلٰی مشقةٍ اس سے مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ کُرْھًا بنزع الخافض منصوب ہے اصل میں عَلٰی کُرْہٍ تھا، اور بعض نے حال کی وجہ سے منصوب کہا ہے ای ذاتَ کُرْہٍ اور بعض نے مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب کہا ہے، ای حَمْلًا کُرْھًا.

قَوْلُہٗ: ثلثون شَھْرًا کلام میں حذف ہے ای مدة حملہٖ و فِصَالہٖ ثلثُون شَھْرًا.

قَوْلُہٗ: فی اَصحاب الجنة یہ کائن محذوف کے متعلق ہو کر عَنْھُمْ کی ضمیر سے حال ہے کَمَا اَشَارَ اِلَیْہِ الشارح اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عرب کا مقولہ ہے ''اَکْرَمَنِی الْاَمِیْرُ فِی اَصْحَابِہٖ'' ای فی جملتِھم اور بعض حضرات نے فی بمعنی مع لیا، ای مع اصحاب الجنة، اور دیگر حضرات نے مبتداء محذوف کی خبر قرار دیا ہے ای ھم فی اَصْحَابِ الجنة.

قَوْلُہٗ: وَعْدَ الصِّدْقِ، وَعْدًا فعل مقدر کا مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای وَعَدَھُمُ اللّٰہُ وَعْدَ الصِّدق.

قَوْلُہٗ: وفی قراءۃ بالإفراد یعنی ہشام کی قراءت میں لِوَالِدَیْہِ کے بجائے لِوَالِدِہٖ ہے، مراد جنس والد ہے جو معنی میں جمع کے ہے۔

قَوْلُہٗ: اُفٍّ کسرہ تنوین اور بغیر تنوین کے اور فتحہ بغیر تنوین کے اُفِّ، اَفَّ یَؤُفُّ اَفًّا سے مصدر ہے بمعنی نَتْنًا و قُبْحًا کرخی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا ہے یہ اَفَّ یؤُفُّ کا مصدر ہے اور تبًّا و قبحًا کے معنی میں ہے اُفٍّ میں تین احتمال ہیں۔ ① مصدر ② اسم صوت ③ اسم فعل۔ مفسر علام نے ان میں سے دو کی طرف اشارہ کیا ہے، بمعنی مصدر سے اول کی طرف اور أَتَضَجَّرُ سے ثانی کی طرف، گویا کہ مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ دونوں تفسیریں جائز ہیں، اُفٍّ ہر قسم کے میل کچیل کو کہتے ہیں جیسے ناخن کا تراشہ وغیرہ، اور اسی اعتبار سے کسی چیز کے متعلق گندگی اور نفرت کے اظہار کے لئے اس کا استعمال ہوتا ہے، فتح القدیر میں قاضی شوکانی سورۂ اسراء میں تحریر فرماتے ہیں، اصمعی کا بیان ہے کہ اُف کان کا میل ہے اور تُف ناخن کا، کسی چیز سے گھن ظاہر کرنے کے لئے اُفّ کہا جاتا ہے، چنانچہ اس معنی میں اس کثرت سے استعمال کیا گیا کہ ہر اذیت رساں چیز کے بارے میں عرب اس کا استعمال کرنے لگے، ثعلب سے ابن عربی نے روایت کیا ہے کہ اَفَفٌ جو کہ اُفٍّ کی اصل ہے اس کے معنی جی گھٹنا، تنگ دل ہونا ہیں، زجاج نے اس کے معنی بدبو بتائے ہیں۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: ھَلَاکَکَ، وَیْلَکَ کی تفسیر ھَلَاکَکَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ وَیْلَکَ اپنے ہم معنی فعل مقدر سے منصوب ہے اور وہ ھَلَکَ ہے، اس لئے کہ وَیْلٌ کا فعل نہیں آتا اور معنی میں ھَلَکْتَ کے ہے جو بظاہر بد دعاء ہے مگر بد دعاء مراد نہیں ہے بلکہ اظہار ناگواری اور تحریص علی الایمان ہے نہ کہ حقیقۃً ہلاکت، جیسے ماں اپنے بیٹے سے کہہ دیتی ہے، تو مرے ایسا مت کر، یا تیرا ستیاناس ہو، وَیْلَکَ کے معنی فارسی میں، وائے برتو، کے ہیں یعنی تیرے اوپر افسوس۔

قَوْلُہٗ: درجات کلام میں تغلیب ہے ورنہ تو جہنم کے درجات کو درکات کہا جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: یَوْمَ یُعْرَضُ، یَوْمَ فعل مقدر، یقال لھم سے منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: اَذْھَبْتُمْ اکثر کے نزدیک ایک ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی ہمزۂ استفہام کے بغیر اور دو ہمزوں کے ساتھ کہ دونوں محققہ ہوں اور ایک ہمزہ اور مد کے ساتھ یہ ہشام کے نزدیک ہے، دو ہمزوں کے ساتھ مگر دوسرے میں تسہیل بغیر مد کے یہ ابن کثیر کے نزدیک ہے۔

قَوْلُہٗ: بغیر حقٍّ یہ تَسْتَکْبِرُوْنَ کی صفت کاشفہ ہے اس لئے کہ تکبر ناحق ہی ہوتا ہے۔

تفسیر و تشریح

شان نزول:

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا ابن منذر نے عون بن ابی شداد سے روایت کیا ہے کہ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بن الخطاب کی زنیرہ نام کی ایک باندی تھی، جو حضرت عمر سے پہلے ایمان لائی تھی، حضرت عمر اس کے ایمان لانے پر اس کو زدو

کوب کرتے تھے، اور کفار کہا کرتے تھے کہ اگر محمد ﷺ کی دعوت میں کوئی خیر ہوتی تو زنیرہ اس کو قبول کرنے میں ہم سے سبقت نہ کرتی، اسی واقعہ کے سلسلہ میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی) ابوالمتوکل نے کہا ہے کہ قریش نے یہ بات اس وقت کہی تھی کہ جب ابوذر اور قبیلۂ غفار ایمان لایا تھا، اور ثعلبی نے کہا ہے کہ جب عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ایمان لائے تھے تو یہود نے یہ بات کہی تھی، مگر اس صورت میں لازم آتا ہے کہ آیت مدنی ہو، حالانکہ پوری سورت مکی ہے اسی وجہ سے، اس آیت کو مستثنیات میں شمار کیا ہے۔ (روح المعانی)

قریش کا عوام الناس کو بہکانے کا ہتھکنڈہ:

قریشی سردار عوام الناس کو نبی کریم ﷺ کے خلاف بہکانے اور دین حنیف سے برگشتہ کرنے کیلئے جو ہتھکنڈے اور تدابیر استعمال کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اگر یہ قرآن برحق ہوتا اور محمد ﷺ کی دعوت صحیح ہوتی تو قوم کے سردار اور شیوخ اور معززین آگے بڑھ کر اس کو قبول کرتے، آخر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ چند ناتجربہ کار لڑکے اور چند ادنیٰ درجہ کے غلام تو ایک بات کو مان لیں اور قوم کے بڑے بڑے لوگ جو دانا اور جہاندیدہ ہیں اور جن کی عقل وتدبیر پر قوم آج تک اعتماد کرتی رہی ہے اس کو رد کردیں، اس پُرفریب استدلال سے وہ عوام کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ اس نئی دعوت میں ضرور کچھ خرابی ہے اسی لیے تو قوم کے اکابر اس کو نہیں مان رہے ہیں لہٰذا تم لوگ بھی اس سے دور رہو۔

تکبر اور غرور، عقل کو بھی مسخ کردیتا ہے:

لَوْ کَانَ خَیْرًا مَا سَبَقُوْنَا اِلَیْهِ متکبر آدمی اپنی عقل اور اپنے عمل کو معیار حسن وقبح وخیر وشر سمجھنے لگتا ہے جو چیز اس کو پسند نہ ہو خواہ دوسرے لوگ اس کو کتنا ہی پسند کرتے ہوں یہ ان کو بے وقوف سمجھتا ہے، حالانکہ خود بے وقوف ہے کفار کے غرور وتکبر کا اس آیت میں بیان ہے کہ اسلام اور ایمان ان کو چونکہ پسند نہیں تھا تو دوسرے لوگ جو ایمان کے دلدادہ اور فریفتہ تھے ان کو یہ کہتے تھے کہ اگر یہ ایمان کوئی اچھی چیز ہوتی تو سب سے پہلے ہمیں پسند آتی ان غریبوں فقیروں مسکینوں اور غلاموں کی پسند کا کیا اعتبار۔

خلاصہ یہ کہ ان لوگوں نے خود کو حق وباطل کا معیار قرار دے رکھا ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس ہدایت کو وہ قبول نہ کریں وہ ضرور ضلالت اور گمراہی ہونی چاہئے، لیکن یہ لوگ اس ہدایت کو نیا جھوٹ کہنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے بلکہ قدیم اور پرانا جھوٹ کہتے تھے، کیونکہ اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام یہی پیش کرتے رہے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک وہ سب لوگ بھی دانائی سے محروم تھے جو ہزاروں برس سے ان حقائق کو پیش کرتے اور مانتے چلے آرہے ہیں اور تمام دانائی صرف ان کے حصہ میں آگئی ہے۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ کِتَابُ مُوْسٰی اِمَامًا وَّرَحْمَةً اس جملہ کا مقصد ایک تو مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کا ثبوت فراہم کرنا ہے کہ آپ کوئی انوکھے اور نرالے رسول نہیں اور قرآن کوئی انوکھی کتاب نہیں کہ ان پر ایمان لانے میں لوگوں کو اشکال ہو بلکہ آپ سے پہلے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام رسول ہوکر آچکے ہیں اور ان پر تورات نازل ہوچکی ہے جس کو یہ کفار، یہود، نصاریٰ سب تسلیم کرتے ہیں، دوسرے سابق میں جو شَهِدَ شَاهِدٌ آیا ہے اس کی بھی تقویت ہوگئی، کیونکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تورات خود قرآن اور رسول

کریم ﷺ کی حقانیت کے شاہد ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ (الآیۃ) الَّذِیْنَ قالوا (تا) اسْتَقَامُوْا معطوف، معطوف علیہ سے مل کر اِنّ کا اسم ہے اور فَلَا خَوْفٌ علیھم الخ اِنَّ کی خبر ہے اسم موصول چونکہ متضمن بمعنی شرط ہے اس لئے فَلَا خوفٌ الخ متضمن بمعنی جزاء ہے جس کی وجہ سے خبر پر فاء زائدہ داخل ہے ثُمَّ حرف عطف ترتیب رتبی کو بیان کرنے کے لئے ہے یعنی اول توحید کا اقرار واعتقاد ضروری ہے اس لئے کہ توحید کے بغیر کوئی عمل معتبر ومقبول نہیں ہوتا قالوا ربُّنا اللّٰہ کا مطلب ہے توحید کا اقرار کرنا اور ثم استقاموا کا مطلب ہے اس پر تا مرگ قائم رہنا اور توحید کے مقتضیات پر مکمل طور پر عمل کرنا۔

استقامت علی التوحید کا مفہوم:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا قَدْ قالَھا الناسُ ثمَّ کَفَرَ اکثرھم فمن ماتَ علَیْھا فھُوَ مِمَّنْ اسْتَقَامَ بہت سے لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا مگر ان سے اکثر کافر ہو گئے، ثابت قدم وہ شخص ہے جو مرتے دم تک اسی عقیدہ پر جمار ہا (ابن جریر، نسائی) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استقامت کی تشریح اس طرح فرمائی ہے لَمْ یُشْرِکوا باللّٰہِ شیئًا لَمْ یَلْتَفِتُوْا الی اِلٰہٍ غَیْرِہٖ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا اس کے سوا کسی دوسرے معبود کی طرف توجہ نہ کی۔ (ابن جریر)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استقامت کی تشریح اس طرح فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز منبر پر یہ آیت تلاوت فرمائی، اور فرمایا خدا کی قسم استقامت اختیار کرنے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے، لومڑی کی طرح اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر دوڑتے نہ پھرے۔ (ابن جریر) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ثابت قدم وہ شخص ہے جس نے اپنے عمل کو اللہ کے لئے خالص کر لیا۔ (کشاف) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استقامت کی تشریح یہ فرمائی ہے، فرماتے ہیں: ثابت قدم وہ ہے جو اللہ کے عائد کردہ فرائض فرمانبرداری کے ساتھ ادا کرتا رہا۔ (کشاف)

آیت مذکورہ میں ایمان واستقامت پر یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو نہ آئندہ کسی تکلیف کا خوف ہو گا نہ ماضی کی تکلیف پر رنج وافسوس رہے گا، اس کے بعد کی آیت میں اس بے نظیر راحت کے دائمی اور غیر منقطع ہونے کی بشارت دی گئی ہے، اس کے بعد کی چار آیتوں میں انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکیدی ہدایت دی گئی ہے۔

وَوَصَّیْنَا الاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسَانًا لفظِ وصیت خاص تاکیدی حکم کے لئے استعمال ہوتا ہے اور احسان وحُسن دونوں حسن سلوک کے معنی میں ہیں جس میں خدمت واطاعت بھی داخل ہے اور تعظیم وتکریم بھی۔

مذکورہ آیت اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اگرچہ اولاد کو ماں اور باپ دونوں ہی کی خدمت کرنی چاہئے لیکن ماں کا حق اپنی اہمیت میں اس بناء پر زیادہ ہے کہ وہ اولاد کے لئے بہ نسبت باپ کے زیادہ تکلیف اٹھاتی ہے، یہی بات اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے جو تھوڑے تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں وارد ہوئی ہے۔

مذکورہ چار آیتوں میں اصل مضمون انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرنا ہے، ضمناً دوسری تعلیمات بھی زیر بحث آگئی ہیں۔

والدہ کی خدمت کی زیادہ تاکید کیوں؟

خدمت اگر چہ دونوں ہی کی کرنی چاہئے مگر چونکہ والدہ بچے کے لئے زیادہ تکلیف اٹھاتی ہے اس لئے اس کی خدمت کی اہمیت اور تاکید زیادہ ہے، ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا: کس کا حق خدمت مجھ پر زیادہ ہے؟ فرمایا صِل اُمَّكَ ثُمَّ اُمَّكَ ثُمَّ اُمَّكَ ثُمَّ اباكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ فادناكَ (مظہری) تیری ماں کا پھر پوچھا اس کے بعد کس کا؟ فرمایا تیری ماں کا، پھر پوچھا پھر کس کا؟ فرمایا تیری ماں کا، جب چوتھی مرتبہ پوچھا پھر کس کا؟ آپ نے فرمایا: تیرے باپ کا آپ ﷺ کا فرمان ٹھیک ٹھیک اس آیت کی ترجمانی ہے، کیونکہ آیت میں بھی ماں کے تہرے حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: (۱) اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر پیٹ میں رکھا (۲) مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا (۳) اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگے۔

شانِ نزول:

بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیات حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اخرج ابن عساکر من طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس قال نزل (ووصینا الانسان بوالدیه (الی یوعدون) فی ابی بکر الصدیق اسی بناء پر تفسیر مظہری میں وَوَصَّیْنَا الانسانَ کے الف لام کو عہد کا قرار دے کر اس سے مراد ابوبکر صدیق لئے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر چہ کسی آیت کا سبب نزول کوئی خاص فرد یا خاص واقعہ ہو، مگر حکم سب کے لئے عام ہوتا ہے، اگر آیت کو تعلیم عام کے لئے قرار دیا جائے تو اس صورت میں بھی صدیق اکبر اس تعلیم کے پہلے مصداق قرار پائیں گے، جوان ہونے اور چالیس سال عمر ہونے کے بعد کی تخصیصات جو ان آیات میں مذکور ہیں بطور تمثیل کے ہوں گے۔ (معارف)

حَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اس جملہ میں بھی ماں کی مشقت کا بیان ہے کہ بچے کے حمل اور وضع حمل کی مشقت کے بعد بھی ماں کو محنت و مشقت سے فراغت نہیں ملتی کیونکہ اس کے بعد بچے کی غذا بھی قدرت نے ماں کی چھاتیوں میں اتاری ہے، آیت میں ارشاد فرمایا کہ بچہ کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ ہے، اس لئے کہ قرآن کریم نے اکثر مدت رضاعت دو سال کامل متعین فرما دیئے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ اور یہاں حمل اور رضاعت دونوں کی مدت تیس ماہ قرار دی گئی ہے، تو رضاعت کے دو سال یعنی ۲۴ مہینے نکلنے کے بعد چھ ماہ ہی باقی رہتے ہیں جس کو حمل کی کم از کم مدت قرار دیا گیا ہے۔

(معارف

اس آیت اور سورۂ لقمان کی آیت ۱۴ اور سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۳ سے ایک قانونی نکتہ بھی نکلتا ہے جس کی نشاندہی ایک مقدمہ میں حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور عباس ابن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے کی، اور عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اس کی بناء پر اپنا فیصلہ بدل دیا۔

فائدہ: اس آیت میں حمل کی اقل مدت کا بیان ہے اور رضاعت کی اکثر مدت کی طرف اشارہ ہے، حمل کی کم از کم چھ ماہ کی مدت متعین ہے، اس سے کم میں صحیح سالم بچہ پیدا نہیں ہوسکتا، مگر زیادہ سے زیادہ کتنی مدت بچہ حمل میں رہ سکتا ہے اس میں عادتیں مختلف ہیں، اسی طرح رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت متعین ہے کہ دو سال تک دودھ پلایا جاسکتا ہے کم سے کم مدت کی کوئی تعیین نہیں۔

اکثر مدت حمل اور مدت رضاعت میں فقہاء کا اختلاف:

اکثر مدت حمل امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نزدیک دو سال ہے، امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے مختلف روایات منقول ہیں چار سال، پانچ سال، سات سال، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نزدیک چار سال ہے، امام احمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی مشہور روایت بھی چار ہی سال کی ہے۔ (مظہری) اور اکثر مدت رضاعت جس کے ساتھ احکام رضاعت متعلق ہوتے ہیں جمہور فقہاء کے نزدیک دو سال ہے، امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اور ائمہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالیٰ سب اس پر متفق ہیں اور صحابہ کرام میں سے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ، اور ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا بھی یہی قول ہے (دار قطنی بحوالہ معارف) نیز حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود کا بھی یہی قول ہے (ابن ابی شیبہ، معارف) صرف امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے یہ منقول ہے کہ ڈھائی سال تک بچہ کو دودھ پلایا جاسکتا ہے، جس کا حاصل جمہور حنفیہ کے نزدیک یہ ہے، اگر بچہ کمزور ہو، ماں کے دودھ کے سوا دو سال تک بھی دوسری غذا نہ لے سکتا ہو تو مزید چھ ماہ دودھ پلانے کی اجازت ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد ماں کا دودھ بچے کو پلانا حرام ہے، مگر فتویٰ فقہاء حنفیہ کا بھی جمہور ائمہ کے مسلک پر ہے کہ اگر دو سال کی مدت کے بعد دودھ پلایا گیا ہو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ (معارف القرآن)

حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے عہد خلافت میں ایک شخص نے قبیلہ جہینہ کی ایک عورت سے نکاح کیا اور شادی کے چھ ہی ماہ بعد اس کے یہاں صحیح سالم بچہ پیدا ہوگیا، اس شخص نے حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا، آپ نے اس عورت کو زانیہ قرار دیکر رجم کا حکم فرما دیا، جب حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے یہ قصہ سنا تو فوراً حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے پاس پہنچے اور فرمایا یہ آپ نے کیا فیصلہ کر دیا؟ حضرت نے جواب دیا کہ نکاح کے چھ ماہ بعد اس نے زندہ سلامت بچہ جن دیا، کیا یہ اس کے زانیہ ہونے کا کھلا ثبوت نہیں؟ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا نہیں، پھر حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے قرآن مجید کی مذکورہ تینوں آیتیں ترتیب کے ساتھ پڑھیں، سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: مائیں اپنے بچوں کے پورے دو سال دودھ پلائیں، اس باپ کے لئے جو رضاعت کی پوری مدت دودھ پلوانا چاہے، سورۂ لقمان میں فرمایا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے

میں لگے، اور سورۂ احقاف میں فرمایا اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگے اب اگر تیس مہینوں میں سے رضاعت کے دو سال نکال دیئے جائیں تو حمل کے چھ ماہ رہ جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت جس میں بچہ زندہ سلامت پیدا ہوسکتا ہے، چھ مہینے ہیں، لہٰذا جس عورت نے نکاح کے بعد چھ ماہ میں بچہ جنا ہے اسے زانیہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ استدلال سن کر حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا اس کی طرف میرا ذہن نہیں گیا تھا، پھر آپ نے عورت کو واپس بلوایا اور اپنے فیصلے سے رجوع کرلیا، ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے فیصلے کی تائید حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بھی فرمائی۔ (ابن جریر، احکام القرآن للجصاص، ابن کثیر)

فَائِدَہ: اس مقام پر یہ جان لینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ جدید ترین طبی تحقیقات کی رو سے ماں کے پیٹ میں ایک بچے کے لئے کم از کم ۲۸ ہفتے درکار ہوتے ہیں جن میں وہ نشوونما پا کر زندہ، ولادت کے قابل ہوسکتا ہے، یہ مدت چھ مہینے سے کچھ زائد بنتی ہے، اسلامی قانون میں نصف مہینے کے قریب مزید رعایت دی گئی ہے کیونکہ ایک عورت کو زانیہ قرار دینا اور ایک بچے کو نسب سے محروم کرنا بڑا سخت معاملہ ہے، اور اس کی نزاکت اس کا تقاضہ کرتی ہے کہ ماں اور بچے کو قانونی نتائج سے بچانے کے لئے زیادہ سے زیادہ گنجائش دی جائے۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْہِ ماسبق میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا ذکر فرمایا جس نے اپنے اور اپنے والدین کے اوپر اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا (یعنی ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) اس آیت میں اس شخص کا ذکر فرمایا جس نے اپنے والدین سے جبکہ انہوں نے اس کو ایمان کی دعوت دی ایسا کلمہ کہا جو ان کی طرف سے تنگ دلی پر دلالت کرتا تھا، فرمایا: والذی قال لوالدیہ اُفٍّ لکما اس شخص سے مراد عبدالرحمٰن بن ابوبکر ہے جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے، اَخْرَجَ ابْنُ جریر عن عباسٍ فی الآیۃ، قال: ھٰذا ابن لِاَبی بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اسی کے مثل ابوحاتم نے سدی سے روایت کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے، جیسا کہ بخاری کی روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ روایتیں جو اس آیت کا مصداق عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو ٹھہراتی ہیں صحیح نہیں ہیں۔

امام بخاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے یوسف بن ماہک سے روایت کیا ہے کہ مروان، معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بن سفیان کی جانب سے مدینہ کا حاکم تھا ایک روز اس نے خطبہ دیا اور خطبہ میں اس بات کا ذکر کیا کہ امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خواہش ہے کہ ان کے بعد ان کے بیٹے یزید کی بیعت لی جائے، اس پر عبدالرحمٰن بن ابی بکر کچھ بولے، مروان نے کہا اس کو پکڑ لو، حضرت عبدالرحمٰن اپنی بہن حضرت عائشہ کے گھر میں داخل ہوگئے جس کی وجہ سے مروان ان پر قابو نہ پاسکا، تو مروان نے کہا یہی ہے وہ شخص جس کے بارے میں آیت وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْہِ اُفٍّ لکما نازل ہوئی، حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا: مَا اَنْزَلَ اللہُ فِینا شیئاً من القرآن اِلّا اَنَّ اللہَ اَنْزَلَ عُذْرِیْ یعنی سورۂ نور کی ان آیتوں کے علاوہ جن میں میری براءت نازل کی گئی ہے ہمارے بارے میں کچھ نازل نہیں ہوا۔ (فتح القدیر، شوکانی)

ایک دوسری روایت جس کو عبد بن حمید والنسائی وابن المنذر والحاکم نے نقل کیا ہے ابن مردویہ نے محمد بن زیاد سے اس کی تصحیح کی ہے، فرمایا: جب حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے بیٹے (یزید) کے لئے بیعت لی تو مروان نے کہا یہ ابوبکر وعمر کی

سنت ہے، عبدالرحمن بن ابی بکر نے کہا ہرقل اور قیصر کی سنت ہے، تو اس وقت مروان نے کہا یہی ہے وہ شخص جس کے بارے میں آیت والذی قال لوالدیہ اُفٍّ لکما نازل ہوئی یہ بات جب حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو پہنچی تو فرمایا مروان نے جھوٹ بولا واللہ ایسا نہیں ہے، اگر میں چاہوں تو اس شخص کا نام بتا سکتی ہوں، جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، ہاں البتہ رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ (حکم) پر لعنت فرمائی اور مروان اس وقت حکم کی پشت میں تھے، لہٰذا مروان ان لوگوں میں سے ہے جن پر اللہ نے لعنت فرمائی۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر اس آیت کے مصداق نہیں ہیں اور ہو بھی کیسے سکتے ہیں کہ عبدالرحمٰن جیسے جلیل القدر صحابی جن کی تلوار آبدار نے قیصر و کسریٰ کو پست کر دیا اور جن کے خون زخم سے شام و عراق کی زمینیں آج تک گلگوں و گل بو ہیں، جنہوں نے اپنی جان اللہ کے لئے فدا کی، یہ سمجھ اور عقل سے بالاتر ہے کہ ایسے پاکیزہ و پاک باطن کے بارے میں اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوْا خَاسِرِيْنَ جیسی وعید شدید نازل ہو۔ (خلاصة التفاسير للتائب لكهنوى، فتح القدير شوكانى ملخصًا)

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ هو هُودٌ عليه السلام اِذْ الى اٰخرِه بَدَلُ اشتِمَال اَنْذَرَ قَوْمَهٗ خوَّفهم بِالْاَحْقَافِ وَادٍ باليَمَنِ به مَنَازِلُهم وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مَضَتِ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ اى مِن قَبلِ هُودٍ ومِنْ بَعدِه الى اَقوامِهم اَنْ اى بانْ قال اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ وجُملةُ، وقد خلت مُعْتَرِضَةٌ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ اِنْ عَبَدْتُم غيرَ اللهِ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لِتَصرِفَنا عَن عِبادَتِها فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ مِنَ العَذابِ على عِبادَتِها اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾ فِى اَنَّهٗ يَاتِينا قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ هُو الَّذِى يَعلَمُ مَتٰى يَاتِيكُمُ العَذابُ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِليكُمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٣﴾ باستِعْجالِكُمُ العَذابَ فَلَمَّا رَاَوْهُ اى مَا هو العَذابُ عَارِضًا سَحابًا عَرَضَ فى اُفُقِ السَّماءِ مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا اى مُمطِرٌ اِيّانا قال تعالٰى بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ مِنَ العَذابِ رِيْحٌ بَدَلٌ مِن مَا فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٤﴾ مُؤلِمٌ تُدَمِّرُ تُهلِكُ كُلَّ شَيْءٍ مَرَّتْ عليه بِاَمْرِ رَبِّهَا بارادتِه اى كُلَّ شَيْءٍ اَرادَ اِهلاكَه بها فاَهلَكَتْ رِجالَهم ونِساءَهم وصِغارَهم و كِبارَهم واَموالَهم بانْ طارَتْ بذٰلك بَينَ السَّماءِ والارضِ و مَزَّقَتْهُ وبَقِىَ هُودٌ و مَنْ اٰمَنَ مَعَهٗ فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ كَذٰلِكَ كما جَزَيْناهم نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٥﴾ غيرَهم وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ فى الَّذِى اِنْ نافيةٌ او زائدةٌ مَّكَّنّٰكُمْ يا اَهلَ مَكَّةَ فِيْهِ مِنَ القُوَّةِ والمالِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا بمَعْنى اَسْماعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً قُلوبًا فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اى شَيْئًا مِنَ الاغناءِ ومِنْ زائدةٌ اِذْ مَعمُولةٌ لِاَغنٰى واُشرِبَتْ معنَى التَّعلِيلِ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ حُجَجِهِ البَيِّنَةِ وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٢٦﴾ اى العَذابُ.

ترجمہ: عاد کے بھائی ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرو جب کہ انہوں نے اپنی قوم کو جب وہ احقاف میں مقیم تھی ڈرایا (خبر دار کیا) (اِذْ) سے لیکر آخر تک (اَخَا عَادٍ) سے بدل الاشتمال ہے، احقاف یمن میں ایک وادی ہے اسی میں ان کے مکانات تھے اور یقیناً اس سے پہلے بھی ڈرانے والے یعنی رسول گذر چکے تھے اور اس کے بعد بھی یعنی ہود سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی اپنی قوموں کی طرف یہ کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور قد خلت جملہ معترضہ ہے، اگر تم غیر اللہ کی بندگی کرتے رہے تو مجھے تمہارے اوپر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، قوم نے جواب دیا کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں کی بندگی سے برگشتہ کر دو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ عذاب ہمارے اوپر آئے گا تو وہ عذاب جس کا تم بتوں کی عبادت کرنے پر ہم سے وعدہ کرتے ہو لے آؤ، تو ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے وہی جانتا ہے کہ تمہارے اوپر کب عذاب آئے گا، مجھے تو جو پیغام دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ عذاب کے بارے میں جلدی کر کے نادانی کر رہے ہو لیکن جب انہوں نے اس کو یعنی عذاب کو جو بادل کی صورت میں افق آسمان پر پھیل گیا تھا اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے یہ ایسا بادل ہے کہ ہم کو سیراب کرے گا یعنی ہم پر برسے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا (نہیں) بلکہ یہ وہی عذاب ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے (یعنی ہوا کا طوفان ہے) رِیْحٌ، مَا سے بدل ہے، جس میں دردناک عذاب ہے یہ (عذاب) ہر اس چیز کو اپنے رب کے حکم سے تہس نہس کر دے گا جس پر وہ گذرے گا یعنی ہر اس شئی کو برباد کر دے گا جس کو اس عذاب کے ذریعہ اللہ برباد کرنے کا ارادہ کرے گا، چنانچہ اس (طوفانی عذاب) نے ان کے مردوں کو ان کی عورتوں کو ان کے چھوٹوں کو ان کے بڑوں کو اور ان کے اموال کو ہلاک کر دیا، اس طریقہ سے کہ ان چیزوں کو آسمان اور زمین کے درمیان لے کر اڑ گیا، اور ان کو ریزہ ریزہ کر دیا اور ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جوان پر ایمان لائے تھے صحیح سلامت بچ گئے، چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا اسی طرح جس طرح ان کو سزا دی ان کے علاوہ ہر مجرم قوم کو سزا دیتے ہیں اور یقیناً ہم نے ان کو وہ قوت اور مال دیا تھا اے اہل مکہ! جو تم کو تو دیا بھی نہیں، اِنْ نافیہ ہے یا زائدہ ہے اور ہم نے ان کو کان سمع بمعنی اسماع ہے، آنکھ اور دل سب کچھ دیئے تھے مگر ان کے نہ وہ کان کچھ کام آئے اور نہ آنکھیں اور نہ دل یعنی کچھ کام نہ آئے مِنْ زائدہ ہے (اِذْ) اَغْنٰی کا معمول ہے اور تعلیل کے معنی پر مشتمل ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں یعنی اس کی واضح حجتوں کا انکار کرنے لگے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی عذاب ان پر الٹ پڑا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَخَا عَادٍ عاد حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم میں ایک شخص گذرا ہے جس کا سلسلہ نسب تین واسطوں سے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جا ملتا ہے، بعد میں اس کی نسل بھی اسی نام سے موسوم ہوئی جو طوفان نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ملک عرب میں سب

سے پہلی با اقتدار قوم تھی، عاد اگر شخص کے معنی میں ہو تو منصرف ہوگا اور اگر قبیلہ کے معنی میں ہو تو غیر منصرف ہوگا (لغات القرآن) اور یہاں، اخ سے مراد نسبی اخوت ہے نہ کہ دینی، بِالْاَحْقَافِ یہ حِقْفٌ کی جمع ہے ریت کے دراز و بلند و خمدار ٹیلوں کو کہتے ہیں مزید تحقیق ابتداء سورت میں گذر چکی ہے۔

قَوْلُهٗ: بِالْاَحْقَافِ یہ اَنْذَرَ کا صلہ نہیں ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ عَادٌ سے حال ہے اَیْ حَالَ کَوْنِهِمْ مُقِیْمِیْنَ بالاحقاف اب رہا اَنْذَرَ کا صلہ تو وہ لا تعبدُوا اِلَّا اللّٰہ ہے کما یاتی (جمل) بِاَنْ شارح نے اشارہ کردیا کہ اَنْ مصدریہ یا مخففہ ہے اور باء تصویریہ ہے یعنی گزرنے کی صورت میں حال اور کیفیت کو بیان کرنے کے لئے ہے یعنی وہ انبیاء ورسل اس حال اور صورت میں گزرے کہ اپنی اپنی قوموں کو ڈرانے والے تھے۔

قَوْلُهٗ: تَأفِكَنَا (ض،س) سے اِفْكًا اس کے معنی جھوٹ بولنے کے ہیں مگر جب اس کا صلہ عَنْ آتا ہے تو اس کے معنی برگشتہ کرنے اور پھیرنے کے ہوتے ہیں یہ برگشتگی اور پھیرنا خواہ اعتقاد کے اعتبار سے ہو یا عمل کے اعتبار سے۔

قَوْلُهٗ: ما هُوَ العَذَابُ اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ رَاَوْهُ کی ضمیر اس ما کی طرف لوٹ رہی ہے جو مَا تَعِدُنَا میں ہے اور زمخشری نے کہا ہے کہ رَاَوْهُ کی کی ضمیر مبہم بھی جائز ہے جس کے ابہام کو عارضًا سے رفع کردیا خواہ تمیز ہونے کی وجہ سے یا حال ہونے کی وجہ سے، اور فرمایا کہ یہ اعراب افصح ہے، اس لئے کہ اس میں بیان بعد الابہام ہے۔

سُوَال: مُسْتَقبلَ اَوْدِيَتِهِمْ، عارضًا کی صفت ہے حالانکہ موصوف عَارِضًا نکرہ ہے اور مستقبل اَوْدِيَتهم اضافت کی وجہ سے معرفہ اسی طرح مُمْطِرُنَا، عارض کی صفت ہے، حالانکہ مُمْطِرُنا اضافت کی وجہ سے معرفہ اور عارِضٌ نکرہ ہے۔

جَوَاب: دونوں جگہ صفت میں اضافت لفظیہ ہے جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی لہٰذا صفت بننے میں کوئی قباحت نہیں ہے، شارح علیہ الرحمۃ نے مُمْطِر اِیَّانا محذوف مان کر اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُهٗ: فَاَهْلَكَتْ کے اضافہ کا مقصد فَاَصْبَحُوْا کے عطف کو درست کرنا ہے۔

قَوْلُهٗ: اَوْ زائدة (فیہ مافیہ) اس لئے کہ ما کو زائدہ ماننے کی صورت میں معنی ہوں گے کہ ہم نے ان کو ویسی قدرت دی جیسی تم کو قدرت دی ہے اس میں قوم عاد کی قدرت مشبہ اور قریش کی قدرت مشبہ بہ ہے اور مشبہ بہ مشبہ سے اقویٰ ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ قریش کو قدرت اور تمکین قوم عاد سے زیادہ دی تھی اس سے قریش کی عظمت سمجھ میں آتی ہے جو کہ خلاف مقصود ہے، لہٰذا شارح علیہ الرحمۃ کا اَوْ زائدة کہنا زائد معلوم ہوتا ہے (جمل) وَاُشْرِبَتْ معنی التعلیل زمخشری نے کہا ہے، اِذْ ظرفیہ ہے جاری مجریٰ تعلیل کے ہے اور اُشرِبت بمعنی غلبت ہے یقال اُشْرب الابیض حمرةً، وَاُشْرِبَ فی قلبهم ای غلَبَ علی قلوبهم۔

تفسیر و تشریح

اُذْكُرْ اَخَا عَادٍ (الآیة) اَحْقَاف، حقفٌ کی جمع ہے ریت کے مستطیل، بلند اور خمدار ٹیلوں کو کہتے ہیں، حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم عاد اولیٰ اسی علاقہ میں رہتی تھی، یہ حضر موت (یمن) کے قریب کا علاقہ ہے، آج کل یہاں کوئی آبادی نہیں،

اغلب یہ ہے کہ ہزاروں سال پہلے یہ ایک شاداب اور کشت زار علاقہ ہوگا بعد میں آب و ہوا کی تبدیلی نے اسے ریگزار بنا دیا ہوگا، آنحضرت ﷺ کی کفار مکہ کی تکذیب کے پیش نظر آپ ﷺ کی تسلی کے لئے گذشتہ انبیاء اور سابقہ قوموں کے واقعات سنائے جارہے ہیں، اس کے علاوہ چونکہ سرداران قریش اپنی بڑائی کا زعم رکھتے تھے اور اپنی ثروت و مشیخت پر پھولے نہ سماتے تھے، نیز انہیں اپنی طاقت وقوت پر بڑا گھمنڈ اور غرور تھا وہ اپنے آگے کسی کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے تھے اس لئے یہاں ان کو قوم عاد اور ان کی طاقت وزور آوری کا قصہ سنایا جارہا ہے، قوم عاد قدیم زمانہ میں سب سے زیادہ طاقتور اور سرمایہ دار نیز مہذب قوم تھی قوم عاد کا قصہ سنا کر اہل مکہ کو خود فریبی سے نکالنا اور ان کی خوش فہمی کو دور کرنا ہے، اس لئے کہ اونٹ جب تک پہاڑ کے نیچے سے نہیں نکلتا اس وقت تک اس پر اپنی حقیقت آشکارا نہیں ہوتی کنوئیں کا مینڈک کنوئیں ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔

حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم جو بت پرستی اور مظاہر پرستی کی خوگر و دلدادہ تھی توحید اور خدا پرستی کے آثار ونشانات تک ان سے معدوم ہو چکے تھے انبیاء سابقین کی تعلیمات کو یکسر بھلا دیا تھا، حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کو انبیاء سابقین کی تعلیمات اور توحید کی تبلیغ کے لئے قوم عاد کی طرف مبعوث کیا گیا تھا، حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو مجھے تمہارے حق میں **یوم عظیم** (روز قیامت) کے عذاب کا اندیشہ ہے، قوم بجائے اس کے کہ اس معقول بات کو سنجیدگی سے لیتی الٹا اس کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور کہنے لگے وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈرا رہے ہو جلدی لے آؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم ہم کو بہکا کر ہمارے معبودوں سے برگشتہ کرنا چاہتے ہو، حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام نے جواب دیا یہ بات تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ تم پر عذاب کب آئے گا، اس کا فیصلہ کرنا میرا کام نہیں ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ تم میرے انذار وتنبیہ کو مذاق سمجھ کر عذاب کا مطالبہ کر رہے ہو، تمہیں اندازہ نہیں کہ خدا کا عذاب کیا ہوتا ہے اور تمہاری نازیبا حرکتوں کی وجہ سے وہ کس قدر قریب آچکا ہے۔

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا جب قوم عاد نے ایک گہرا اور سیاہ بادل اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے یہ برساؤ بادل ہے ہم کو ضرور سیراب کرے گا، ارشاد ہوا نہیں، بلکہ یہ وہی عذاب ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے، یہ جواب یا تو حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف سے تھا یا پھر زبان حال کا، بخاری ومسلم وغیرہما نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کھلکھلاتے ہوئے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، ہاں البتہ آپ مسکرایا کرتے تھے، اور آپ بادل یا ریح شدید (آندھی) دیکھتے تو آپ کے چہرۂ انور پر اضطراب کے آثار نمودار ہو جاتے (ایک روز) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش ہوگی، اور میں دیکھتی ہوں کہ جب آپ بادل دیکھتے ہیں تو آپ کے چہرۂ انور پر ناگواری ظاہر ہوتی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں کس طرح مامون ہو جاؤں کہ اس میں عذاب نہیں ہے، حالانکہ ایک قوم آندھی کی وجہ سے ہلاک ہو چکی ہے، اور ایک قوم نے جب عذاب کو دیکھا تھا تو کہا تھا یہ بادل ہم کو ضرور سیراب کرے گا۔

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا (الآية) یہ ہوا کا طوفان ہے جس میں دردناک عذاب ہے اپنے رب کے حکم سے ہر اس شئ کو تباہ کر دے گا جس پر اس کا گذر ہوگا، آخر کار ان کا یہ حشر ہوا کہ ان کے مکانوں کے خرابات کے سوا وہاں کچھ نظر نہ آتا تھا، ہوا کا ایسا

طوفان آیا کہ ریت کے تودوں کو ان پر پلٹ دیا چنانچہ سات راتوں اور آٹھ دنوں تک وہ لوگ ریت میں دبے رہے، پھر اللہ نے ہوا کو حکم دیا، ہوا نے ان کے اوپر سے ریت کو ہٹایا اور ان کو دریا میں پھینک دیا، اب ان کا یہ حال ہے کہ وہاں ان کے مکانوں کے نشانوں کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ (فتح القدیر ملخصًا)

وَلَقَدْ مَكَّنَّا هُمْ فيما (الآیة) مطلب یہ ہے کہ اے اہل مکہ تم کو اپنی قوت، قدرت اور ثروت، پر فخر و ناز نہیں ہونا چاہئے، سابق زمانہ میں جو قومیں تم سے کہیں زیادہ زور آور، سرمایہ دار تھیں ہم ان کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں تمہاری ان کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں ہے یعنی مال، دولت، طاقت، اقتدار۔ غرضیکہ کسی چیز میں بھی تمہارا اور ان کا کوئی مقابلہ نہیں ہے تمہارا دائرۂ اقتدار تو شہر مکہ کے حدود سے باہر کہیں بھی نہیں، اور وہ زمین کے ایک بڑے حصے پر چھائے ہوئے تھے۔

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَاَبْصَارًا وَاَفْئِدَةً (الآیة) اس کے مخاطب بھی اہل مکہ ہی ہیں ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم کیا چیز ہو؟ تم سے پہلی قومیں جنہیں ہم نے ہلاک و برباد کر دیا قوت و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں، لیکن جب انہوں نے اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں (آنکھ، کان، دل) کو حق کو سننے، دیکھنے اور اسے سمجھنے کے لئے استعمال نہیں کیا تو بالآخر ہم نے انہیں تباہ کر دیا اور یہ چیزیں ان کے کچھ کام نہ آسکیں، حقیقت بھی یہی ہے کہ جب انسان آیات الٰہیہ ماننے سے انکار کر دیتا ہے تو آنکھیں رکھتے ہوئے بھی نگاہ حق شناس نصیب نہیں ہوتی، کان رکھتے ہوئے بھی وہ ہر کلمہ نصیحت کے لئے بہرا ہو جاتا ہے اور دل و دماغ کی جو نعمتیں خدا نے اسے دی ہیں، ان سے الٹا سوچتا اور ایک سے ایک بڑھ کر غلط نتیجہ اخذ کرتا ہے، یہاں تک کہ خود اس کی ساری قوتیں اپنی ہی تباہی میں صرف ہونے لگتی ہیں۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى ای اَهلَها كثمود وعادٍ وقومِ لوطٍ **وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ** كرّرنا الحجج البيّنات **لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ**﴿۲۷﴾ **فَلَوْلَا** هَلَّا **نَصَرَهُمْ** بدفعِ العذاب عنهم **الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** ای غيرِه **قُرْبَانًا** متقرّبًا الى اللهِ **اٰلِهَةً** معه وهُمُ الاصنامُ ومفعولُ اتَّخذُوا الاوّلُ ضميرٌ محذوفٌ يعودُ الى الموصولِ اى هُمْ، وقُربانًا، الثاني والِهَةً بَدلٌ منه **بَلْ ضَلُّوْا** غابُوا **عَنْهُمْ** عِندَنزُولِ العذابِ **وَذٰلِكَ** اى اتِّخاذُهم الاصنامَ الِهَةً قُربَانًا **اِفْكُهُمْ** كِذبُهُمْ **وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ**﴿۲۸﴾ يُكذِبُوْن وما مَصْدَرِيَّةٌ او مَوْصُولَةٌ والعائِدُ محذوفٌ اى فيه **وَ** اذكُرْ **اِذْ صَرَفْنَآ** اَمَلْنا **اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ** جن نصيبينَ اليَمنِ او جِنِّ نِيْنَوىٰ وكانُوا سَبعَةً او تِسْعَةً وكانَ صلى الله عليه وسلم بِبَطنِ نَخْلٍ يُصَلِّي بِاَصحابِه الفجر رَوَاهُ الشَّيْخَانِ **يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا** اى قالَ بَعضُهم لِبَعضٍ **اَنْصِتُوْا** اَصغُوا لِاستِمَاعِه **فَلَمَّا قُضِيَ** فَرَغَ مِن قِراءَتِه **وَلَّوْا** رَجعُوا **اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ**﴿۲۹﴾ مُخوِّفِيْنَ قومَهُم بالعذابِ اِنْ لَمْ يُؤمِنُوا وكَانُوا يَهُودًا **قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا** هو القراٰنُ **اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ** اى تقدَّمَهُ كالتَّوراةِ **يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ** الاسلا. **وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ**﴿۳۰﴾ اى طريقه **يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ** محمدًا صلى الله عليه وسلم الى الايمان **وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ**

اللّٰهُ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ اى بَعْضَها لِاَنَّ مِنها المَظَالِمُ وَلَا تُغفرُ الابِرِضَى اَربَابِها وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣١﴾ مولم وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِىَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِى الْاَرْضِ اى لَايُعجِزُ اللّٰهَ بالهَرَبِ منه فَيفُوْتُهُ وَلَيْسَ لَهٗ لِمَنْ لَّا يُجبُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اى اللّٰهِ اَوْلِيَآءُ اَنصارٌ يَدفَعُوْنَ عنه العذابَ اُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لم يُجِيبُوا فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٢﴾ بَيِّنٍ ظَاهِرٍ اَوَلَمْ يَرَوْا يَعلَمُوا اى مُنكِرُوا البَعثِ اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ لَم يَعجِزْ عَنه بِقٰدِرٍ خبرُ اَنَّ و زيدتِ الباءُ فيه لِاَنَّ الكَلَامَ فِى قُوَّةِ اَلَيسَ اللّٰهُ بقادرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْىِۦَ الْمَوْتٰى بَلٰٓى هُوَ قادرٌ على اِحياءِ المَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ بِاَنْ يُعَذَّبُوا بِها، يقالُ لهم اَلَيْسَ هٰذَا التعذيبُ بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٤﴾ فَاصْبِرْ على اذى قومِكَ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ ذَوُو الثَّبَاتِ والصَّبرِ على الشَّدائدِ مِنَ الرُّسُلِ قَبلَكَ فتكُونَ ذَا عَزمٍ ومِن لِلبَيَانِ فكُلُّهم ذَوُو عَزمٍ وقِيلَ للتَّبعِيضِ فَلَيسَ مِنهم اٰدَمُ لِقَولِهِ تعالٰى ولم نَجِدْلَه عَزمًا ولا يُونُسُ لِقَولِهِ تعالٰى ولَاتَكُنْ كَصَاحِبِ الحُوتِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ لِقَومِكَ نُزُولَ العذابِ بِهم قيل كَاَنَّه ضَجِرَ منهم فَاَحَبَّ نزولَ العذابِ بِهِمْ فَاُمِرَ بالصَّبرِ وَتَرْكِ الاِستِعجَالِ لِلعَذابِ فَاِنَّهٗ نَازِلٌ بِهِم لامُحَالَةَ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ مِنَ العذابِ فى الاٰخِرَةِ لِطُولِهِ لَمْ يَلْبَثُوْٓا فى الدُّنيا فى ظَنِّهِم اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ هذا القراٰنُ بَلٰغٌ تَبلِيغٌ مِنَ اللّٰهِ اليكم فَهَلْ اى لا يُهْلَكُ عِندَ رُؤيَةِ العذابِ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ اى الكافرُونَ.

ع ۴ ۹ ۴

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی (بہت سی) بستیوں کو یعنی بستی والوں کو مثلاً ثمود اور عاد اور قوم لوط کو ہلاک کر دیا اور ہم نے آیتوں کو یعنی واضح حجتوں کو طرح طرح سے بیان کر دیا تاکہ وہ (کفر و شرک سے) باز آ جائیں، تو انہوں نے ان سے عذاب کو دفع کر کے اِن کی مدد کیوں نہ کی؟ جن کو اللہ کے علاوہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنا معبود بنا رکھا تھا، اور وہ بت ہیں اِتَّخَذُوْا کا مفعول، ضمیر محذوف ہے جو موصول کی طرف لوٹ رہی ہے اور وہ هُمْ ہے اور قُرْبَانًا مفعول ثانی ہے اور اٰلِهَةً اس سے بدل ہے بلکہ وہ نزول عذاب کے وقت ان سے غائب ہو گئے اور یہ یعنی بتوں کو تقرب کے لئے معبود بنا لینا ان کا جھوٹ اور افتراء محض ہے، اور مَا مصدریہ ہے یا موصولہ اور عائد محذوف ہے اور وہ فیہ کی ضمیر ہے اور یاد کرو جب ہم نے جنوں کی جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا وہ جن نصیبین یمن کے یا نینوا کے رہنے والے تھے اور ان کی تعداد سات یا نو تھی، اور آپ ﷺ بطن نخلہ میں اپنے اصحاب کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے (رواہ الشیخان) تاکہ وہ قرآن سنیں جب وہ نبی کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے آپس میں کہا خاموش ہو جاؤ اور کان لگا کر سنو چنانچہ جب آپ ﷺ قراءت سے فارغ ہو گئے تو وہ اپنی قوم کے پاس عذاب سے ڈرانے والے بن کر اگر وہ ایمان نہ لائے واپس چلے گئے اور وہ یہود تھے اور انہوں نے کہا اے ہماری قوم ہم نے ایسی کتاب قرآن سنی ہے جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نازل کی گئی ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کی مثلاً تورات کی تصدیق

کرتی ہے حق یعنی اسلام کا کہا مانو اس پر ایمان لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، یعنی بعض گناہوں کو اس لئے کہ گناہوں میں حقوق العباد بھی ہیں وہ صاحب حق کی رضا مندی کے بغیر معاف نہیں کئے جا سکتے، اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا، اور جو شخص اللہ کے داعی کی بات نہ مانے گا تو وہ اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتا، یعنی اس سے بھاگ کر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا نہ اس کی پکڑ سے بچ کر نکل سکتا، اور اس بات کو نہ ماننے والے کے لئے اللہ کے سوا نہ مددگار ہوں گے کہ اس سے اس عذاب کو دفع کر سکیں، یہ لوگ یعنی بات نہ ماننے والے کھلی گمراہی میں ہیں کیا یہ منکرین بعث اس بات کو نہیں جانتے؟ کہ جس اللہ نے آسمان اور زمین پیدا کئے اور ان کے پیدا کرنے میں تھکا نہیں یعنی اس سے عاجز نہیں ہوا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر سکے، کیوں نہیں؟ بے شک وہ مُردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے، بِــقَــادِرٍ، اِنَّ کی خبر ہے اور کلام اَلَيْسَ اللّٰهُ بِقَادِرٍ کی قوت میں ہے، بلاشبہ وہ ہر شئی پر قادر ہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جس دن آگ کے سامنے لائے جائیں گے بایں طور کہ ان کو آگ میں عذاب دیا جائے گا، تو ان سے کہا جائے گا کیا یہ عذاب حق نہیں ہے؟ جواب دیں گے ہاں قسم ہے ہمارے رب کی (حق ہے) (اللہ) فرمائے گا اب اپنے کفر کے بدلے عذاب کا مزا چکھو، پس (اے پیغمبر!) اپنی قوم کی اذیت پر ایسا ہی صبر کرو جیسا کہ آپ سے پہلے اولوا العزم پیغمبروں نے صبر کیا (یعنی) ثابت قدم رہنے والوں اور تکالیف پر صبر کرنے والوں جیسا (صبر کرو) تو آپ بھی اولوا العزم ہوں گے، اور مِـنْ بیانیہ ہے اس صورت میں کل کے کل اولوا العزم ہوں گے، اور کہا گیا ہے کہ من تبعیضیہ ہے تو آدم علیہ الصلاۃ والسلام ان میں شمار نہ ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے قول وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کی وجہ سے اور نہ یونس علیہ الصلاۃ والسلام اولوا العزم پیغمبروں میں شمار ہوں گے اللہ تعالیٰ کے قول وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ کی وجہ سے اور آپ ان کے لئے (عذاب طلب کرنے میں) جلدی نہ کریں، یعنی اپنی قوم پر نزول عذاب کے بارے میں جلدی نہ کریں، کہا گیا ہے کہ گویا آپ ﷺ ان سے تنگ آ گئے تھے جس کی وجہ سے آپ نے ان پر نزول عذاب کو پسند فرمایا، لہٰذا آپ کو صبر کا اور عذاب طلب کرنے میں عجلت کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا، اس لئے کہ وہ تو ان پر لامحالہ نازل ہونے ہی والا ہے، جس روز یہ لوگ آخرت کے اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے تو انہیں یوں معلوم ہوگا وہ دنیا میں ان کے خیال میں دن کی ایک گھڑی ہی رہے تھے، یہ قرآن تمہاری طرف اللہ کی طرف سے تبلیغ ہے، پس عذاب دیکھنے کے وقت فاسق کافر کے علاوہ کوئی ہلاک نہ کیا جائے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرٰى یہ کلام مستانف ہے، مشرکین مکہ سے خطاب ہے لام، قسم محذوف کے جواب پر ہے مِنَ الْقُرٰى، ما کا بیان ہے اَهْلَهَا کے اضافہ کا مقصد حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُهٗ: لَوْلَا، لولا کی تفسیر هَلَّا سے کر کے یہ بتا دیا کہ لَوْلَا تحضیضیہ ہے اور مقصد توبیخ ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلَّذِین اتّخذوا، اَلَّذِیْنَ اسم موصول اتَّخَذُوْا جملہ ہوکر اس کا صلہ موصول صلہ سے مل کر، نَصَرَ کا فاعل، اِتَّخَذُوْا کا مفعول اول ھُمْ محذوف ہے اور ثانی قُرْبَانًا ہے اور اٰلِهَةً، قُرْبَانًا سے بدل ہے کما صرّح به المفسر، قربانًا باب تفعیل کا مصدر ہے، اور یہ صحیح ہے کہ اٰلِهَةً اِتَّخَذُوْا کا مفعول ثانی ہو اور قُرْبَانًا حال یا مفعول لہ ہو۔

قَوْلُہٗ: ضَلُّوا ای الاصنام اور بعض حضرات نے ضَلُّوا کا فاعل کفار کو قرار دیا ہے یعنی عابدین، معبودین کو ترک کردیں گے اور ان سے اظہار بیزاری کریں گے (اول اولیٰ ہے)۔ (فتح القدیر)

قَوْلُہٗ: نَفَرًا بمعنی جماعت جو تین سے زیادہ اور دس سے کم ہوں، جمع اَنْفار۔

قَوْلُہٗ: مِنَ الجن یہ نفرًا کی صفت اول ہے اور یَسْتَمِعُوْنَ القُرانَ صفت ثانی ہے۔

قَوْلُہٗ: حَضَرُوْهُ ضمیر کا مرجع قرآن اور نبی دونوں ہو سکتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: فَلَمَّا قُضِیَ جمہور نے مجہول پڑھا ہے اور حبیب بن عبید نے معروف پڑھا ہے مجہول کی صورت میں حَضَرُوْهُ کی ضمیر قرآن کی طرف اور معروف کی صورت میں آپ ﷺ کی طرف راجع ہوگی۔ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُہٗ: مُنْذِرِیْنَ حال مقدرہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، ای مقدرین الإنذار، نصیبین یمن کا ایک قریہ ہے، نِینوی نون مکسورہ اور یاء ساکنہ کے ساتھ، اور نون ثانی میں فتحہ اور ضمہ دونوں جائز ہیں، آخر میں الف مقصورہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ببطن نخل مفسر علام نے اس واقعہ کی نسبت بطن نخل کی جانب کی ہے، اس میں تسامح ہے اس لئے کہ وہ مقام جہاں جنات کے قرآن سننے کا مذکورہ واقعہ پیش آیا تھا وہ بطن نخلہ تھا اسی کو نخلہ بھی کہا جاتا تھا اور یہ مقام مکہ سے طائف کے راستہ میں ایک رات کی مسافت پر واقع ہے، اور بطن نخل وہ مقام ہے جہاں آپ ﷺ نے صلوۃ خوف پڑھی تھی اور یہ مقام مدینہ سے دو منزل کی دوری پر واقع ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: فی ضلال مبین یہاں جنات کا کلام پورا ہوگیا اَوَلَمْ یَرَوْا سے اللہ کا کلام شروع ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: وزیدت الباء فیه لِاَنَّ الکلامَ فِی قُوَّةِ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِقَادِرٍ علامہ محلی کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے ایک اعتراض کا دفع ہے، اعتراض یہ ہے کہ باء کلام نفی کے بعد زائد ہوتی ہے اور جو اَنَّ کے تحت ہے وہ مثبت ہے؛ لہٰذا بقادر میں باء لانا درست نہیں ہے۔

جَوَابُ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ نفی آیت کے شروع اَوَلَمْ یَرَوْا میں واقع ہے اور جو کچھ اس کے بعد ہے وہ بھی نفی کے تحت ہے گویا کہ کلام اَلَیْسَ اللّٰهُ بِقَادِرٍ کی قوت میں ہے لہٰذا باء کا داخل کرنا جائز ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا جواب اللہ تعالیٰ کے قول بلٰی اِنَّهٗ علی کل شَیْءٍ قدیر میں بلٰی سے دیا گیا ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ کلام قوت میں نفی کے ہے اس لئے کہ بلٰی کے ذریعہ کلام منفی کا ہی جواب آتا ہے۔

قَوْلُہٗ: یُقَالُ لَهُمْ علامہ محلی نے یقال لهم محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ یوم کا ناصب یُقال فعل محذوف ہے، اور یَوْمَ یُعْرَضُ سے اَلَیْسَ هٰذا بالحق تک یقال کا مقولہ ہے۔

قولہ: وَرَبِّنَا میں واوقسمیہ برائے تاکید ہے۔

قولہ: ذوو الثبات یہ اولوا العزم کی تفسیر ہے اس کے معنی ہیں عالی ہمت، ثابت قدم، اگر مِن کو بیانیہ مانا جائے تو تمام انبیاء علیہم السلام اولوا العزم میں شامل ہوں گے اور بعض حضرات نے مِنْ کو تبعیضیہ لیا ہے، اس صورت میں بعض انبیاء اولوا العزم سے مستثنیٰ ہوں گے، کما اشار الیه المفسر رحمہ اللہ تعالیٰ۔

قولہ: فَاصْبِرْ جواب شرط ہے، فاء جزائیہ ہے، شرط محذوف ہے ای اِذَا کَانَ عَاقِبَۃُ اَمْرِ الکفار مَا ذُکِرَ، فَاصْبِرْ علیٰ اَذَاهُمْ، قیل کَاَنَّہٗ ضَجِرَ مناسب ہوتا کہ مفسر علام کَاَنَّہٗ کو حذف کر دیتے۔ (صاوی)

قولہ: یَوْمَ یَرَوْنَ یہ لَمْ یلبثوا کا ظرف ہے لطوله، لَمْ یَلْبَثُوْا کی تعلیل مقدم ہے۔

قولہ: هٰذا القرآن بلاغ، هٰذا القرآن محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ بَلَاغٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور وَبَلَاغٌ اسمٌ للتبلیغ۔ (ترویح الارواح)

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

وَلَقَدْ اَهْلَکْنَا مَا حَوْلَکُمْ مِنَ الْقُرٰی اس کے مخاطب اہل مکہ ہیں اور حولها سے مکہ کے آس پاس عاد وثمود وقوم لوط کی وہ بستیاں مراد ہیں جو حجاز کے قریب ہی تھیں اور یمن وشام وفلسطین کی طرف آتے جاتے مکہ والوں کا ان سے گذر ہوتا تھا، اس سے پہلی آیات میں قوم عاد کی ہلاکت وبربادی کا قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور تھا، آئندہ آیات میں دوسری ایسی قوموں کا ذکر ہے جن کے کفر ومخالفتِ انبیاء کی وجہ سے عذاب آئے اور ہلاک ہوئے ان کی اجڑی بستیوں کے نشانات وخرابات بھی اہل مکہ کے سفر کے دوران راستے میں پڑتے تھے ان سے عبرت حاصل کرنے کے لئے ان کا اجمالی حال ان آیات میں مذکور ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَیْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ (الآیة) ان آیات میں اہل مکہ کو عار دلانے کے لئے جنات کے ایمان لانے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جنات جو تکبر وغرور میں تم سے بڑھے ہوئے ہیں مگر قرآن سن کر ان کے دل بھی موم ہو گئے اور وہ ایمان لے آئے، تمہیں اللہ تعالیٰ نے جنات سے زیادہ عقل وشعور دیا ہے مگر اس کے باوجود تم ایمان نہیں لاتے۔

جنات کے قرآن سننے کا واقعہ:

صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے قریب وادیٔ نخلہ میں پیش آیا جہاں آپ ﷺ صحابہ کرام کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، اِدھر ایک نیا واقعہ یہ رونما ہوا کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد جنات کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا اس کے بعد اگر کوئی جن آسمانی خبریں سننے کے لئے آسمانوں کا رخ کرتا تو اس پر شہاب الثاقب پھینک کر روک دیا جاتا، جنات

میں اس کا تذکرہ ہوا کہ اس کا سبب معلوم کرنا چاہئے کہ کونسا نیا واقعہ دنیا میں رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے جنوں کے آسمانوں پر جانے پر پابندی عائد کردی گئی ہے، جنات کے مختلف گروہ مختلف خطوں میں اس کی تحقیقات کے لئے پھیل گے، ان میں کا ایک گروہ حجاز کی طرف بھی پہنچا اس روز آنحضرت ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ مقام بطن نخلہ میں تشریف فرما تھے، اور سوق عکاظ کی طرف جانے کا قصد تھا (عرب کے لوگ تجارتی اور معاشرتی امور کے لئے مختلف مقامات پر مختلف ایام میں بازار لگاتے تھے جن مین ہر خطے کے لوگ جمع ہوتے تھے، دکانیں لگتی تھیں، اجتماعات اور جلسے ہوتے تھے۔ شعر وسخن کے لئے مشاعرے ہوتے تھے، جس طرح موجودہ زمانہ میں نمائشیں ہوتی ہیں ان ہی میں سے ایک بازار عکاظ میں لگتا تھا) رسول اللہ ﷺ غالبًا دعوت وتبلیغ کے لئے تشریف لے جارہے تھے، جب آپ بطن نخلہ پہنچے تو آپ اپنے صحابہ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے جنات کی ایک جماعت یہاں پہنچی، قرآن سن کر کہنے لگے بس وہ نیا واقعہ یہی ہے جس کی وجہ سے آسمانوں پر جانے پر پابندی لگی ہے۔ (رواہ احمد، والبخاری ومسلم، بحوالہ معارف) ایک روایت میں ہے کہ جنات کی یہ جماعت نصیبین کی تھی اور اس کی تعداد سات یا نو تھی واپس جا کر جب اپنی قوم کو یہ خبر سنائی اور ایمان کی ترغیب دی تو ان میں سے تین سو جنات ایمان لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔

(رواہ ابو نعیم والواقدی عن کعب الاحبار، روح المعانی)

جنوں کی پہلی حاضری کا واقعہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے بطن نخلہ میں پیش آیا تھا، اور واقدی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ طائف سے مایوس ہو کر مکہ معظمہ کی طرف واپس ہوئے تھے راستہ میں آپ نے بطن نخلہ کے مقام پر قیام فرمایا، آپ نماز میں قرآنِ کریم کی تلاوت فرما رہے تھے کہ جنوں کا ایک گروہ ادھر سے گذرا اور آپ کی قراءت سننے کے لئے ٹھہر گیا۔

بطن نخلہ کے جس مقام پر یہ واقعہ پیش آیا یا تو الزَّیمہ تھا، یا اَلسَّیْلُ الکبیر کیونکہ یہ دونوں مقام بطن نخلہ میں واقع ہیں۔

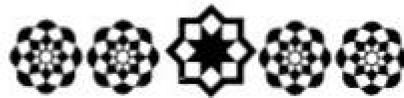

(نقشہ میں ان مقامات کا موقع ملاحظہ فرمائیں)

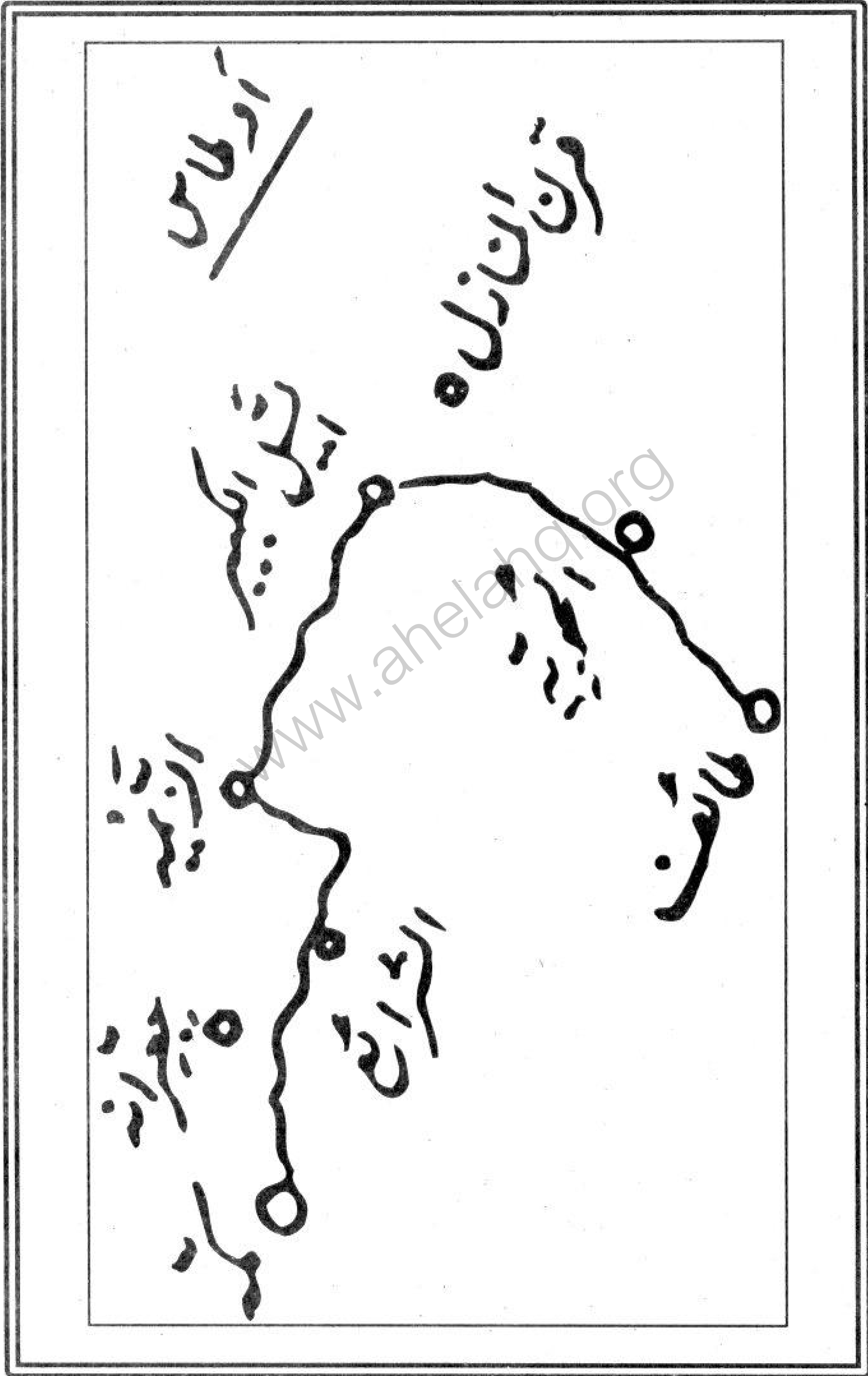

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جنات جب یہاں آئے تو باہم کہنے لگے خاموش ہو کر قرآن سنو جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو یہ جنات اسلام کی حقانیت پر ایمان لا کر اپنی قوم کے پاس واپس گئے ان کو پورے واقعہ کی تفصیلی خبر سنائی کہ ہم تو مسلمان ہو گئے ہیں، تم کو بھی چاہئے کہ مسلمان ہو جاؤ، مگر رسول اللہ ﷺ کو ان جنات کے آنے جانے اور قرآن سن کر ایمان لانے کی خبر نہیں ہوئی، یہاں تک کہ سورۂ جن کا نزول ہوا جس میں آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی۔

(رواه ابن المنذر عن عبد الملك، معارف)

دیگر احادیث میں بھی جنات کے آنے کی روایت دوسری طرح آئی ہیں مگر چونکہ یہ متعدد واقعات مختلف اوقات میں پیش آئے ہیں اس لئے ان میں کوئی تعارض نہیں، خفاجی نے کہا ہے کہ جنات کی آمد کی روایات کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات کے وفود آپ کی خدمت میں چھ مرتبہ آئے ہیں۔

جنات میں سے کوئی رسول نہیں:

اس امر میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات میں سے کوئی رسول بھیجا یا نہیں؟ ظاہر آیات قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں سے کوئی جن رسول نہیں ہوا، آپ ﷺ کی بعثت جن اور انس دونوں کے لئے ہے۔

تمت

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْقِتَالِ مَدَنِيَّةٌ اِلَّا وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ (الاٰ يَةَ)، او مَكِّيَّةٌ وهي ثمانٌ او تِسْعٌ وَّثلٰثُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ قتال مدنی ہے سوائے وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ (پوری آیت) کے، یا مکی ہے اور یہ ۳۸ یا ۳۹ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهلِ مَكَّةَ **وَصَدُّوْا** غيرَهُم **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اى الايمان **اَضَلَّ** اَحبَطَ **اَعْمَالَهُمْ** ① كَاِطعَامِ الطَّعَامِ وصِلَةِ الارحَام فَلَا يَرَوْنَ لها في الاٰخِرَةِ ثَوَابًا ويُجزون بها في الدُّنيا من فضلِهِ تعالٰى **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** اى الانصارُ وغيرُهم **وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ** اى القُراٰنُ **وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ** عِندِ **رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ** غفرلهم **سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ** ② اى حالَهم فلا يَعْصُوْنَه **ذٰلِكَ** اى اِضلَالُ الاعمال وتكفيرُ السَّيِّئاتِ **بِاَنَّ** بِسَبَبِ اَنَّ **الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ** الشيطان **وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ** القُراٰنَ **مِنْ رَّبِّهِمْ كَذٰلِكَ** اى مِثْلُ ذٰلِكَ البَيَان **يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ** ③ يُبَيِّنُ احوالَهم اى فالكَافِرُ يُحبَطُ عَمَلُه وَالمُؤمِنُ يُغفَرُ زَلَلُهُ **فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ** مَصدرٌ بدلٌ مِنَ اللَّفظِ بفعلِهِ اى فاضرِبُوا رِقَابَهُم اى اقتُلُوهم وعُبِّرَ بِضَرْبِ الرِّقَابِ لِاَنَّ الغَالِبَ فِي القَتْلِ ان يَّكُونَ بضَرْبِ الرَّقَبَةِ **حَتّٰى اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ** اى اَكثَرتُمْ فيهم القَتْلَ **فَشُدُّوا** اى فَاَمْسِكُوْا عَنْهُ وَاَسِرُوهم وشُدُّوا **الْوَثَاقَ** ما يُوثَقُ به الأسرٰى **فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ** مَصدَرٌ بدَلٌ من اللَّفظِ بفعلِه اى تَمُنُّوْنَ عليهم بِاِطْلاقِهِم من غيرِ شيءٍ **وَاِمَّا فِدَآءً** اى تُفَادُونَهم بمالٍ او اُسرٰى مُسْلِمِيْنَ **حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ** اى اَهلُها **اَوْزَارَهَا** اَثقالَها مِنَ السِّلاحِ وغيرِه بِاَنْ يُسْلِمَ الكُفَّارُ او يَدخُلُوا فِي العَهدِ وهذه غَايَةٌ لِلقَتْلِ والاَسْرِ **ذٰلِكَ** خبرُ مُبتَدَاٍ مُقَدَّرٍ اى الاَمرُ فيهم مَاذُكِرَ

وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ بغيرِ قِتَالٍ وَلٰكِنْ امرکم بہ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ منهم فی القِتَالِ فیصیرُ مَنْ قُتِلَ منکم الی الجَنَّةِ ومنهم الی النَّارِ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا وفی قِراءةٍ قاتلوا الآیة نزلت یومَ اُحدٍ وقد فشا فی المُسْلِمِیْنَ القتلُ والجراحاتُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ يُحبِط اَعْمَالَهُمْ سَيَهْدِيْهِمْ فی الدُّنیا والآخرةِ الی ما یَنْفعُهم وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ حالَهُم فیهما ومافی الدُّنیا لِمَنْ لَّمْ یُقتَلْ واُدرِجُوا فی قُتِلُوا تغلیبًا وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا بینها لَهُمْ فیهتدون الی مساکنهم منها وازواجهم وخدمهم من غیرِ استدلالٍ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ ای دینَه ورسولَه يَنْصُرْكُمْ علی عدوّکم وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ یُثبتکم فی المُعترَكِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا من اهلِ مکّةَ مُبتدأٌ، خبرُه تعسوا یدلُّ علیه فَتَعْسًا لَّهُمْ ای هلاکًا و خیبةً من اللّٰهِ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ عطفٌ علی تعسوا ذٰلِكَ ای التعسُ والاضلالُ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ من القراٰن المُشتمِلِ علی التکالیفِ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اَهلكَ انفسَهم واولادَهم واموالَهم وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا امثالُ عاقبةِ من قبلهم ذٰلِكَ ای نصرُ المؤمنینَ وقهرُ الکافرینَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى ولیُّ وناصرُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے اہل مکہ میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستہ یعنی ایمان سے روکا اللہ نے ان کے اعمال برباد کردیئے، مثلاً کھانا کھلانا اور صلہ رحمی کرنا، تو ان اعمال کا آخرت میں کچھ اجر نہ پائیں گے، البتہ دنیا میں ان کو اللہ کی مہربانی سے ان اعمال کا صلہ دیا جائے گا، اور وہ لوگ یعنی انصار وغیرہ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن اس پر بھی ایمان لائے اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے تو اللہ نے ان کے گناہ معاف کردیئے اور ان کے حال کی اصلاح کردی تو وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے، یہ یعنی اعمال کو برباد کرنا اور گناہوں کو معاف کرنا اس سبب سے ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا تو انہوں نے باطل شیطان کی اتباع کی اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے اپنے رب کی جانب سے حق یعنی قرآن کی اتباع کی کَذٰلِكَ یعنی اس بیان کے مانند اللہ تعالیٰ لوگوں کے احوال کو بیان فرماتا ہے چنانچہ کافر کے عمل کو برباد کردیتا ہے، اور مومن کی خطاؤں کو معاف کردیتا ہے، جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو گردنوں پر وار کرو (ضَرْبٌ) مصدر بلفظ الفعل اپنے فعل کے عوض میں ہے یعنی فَاضْرِبُوْا رِقَابَهُمْ یعنی ان کو قتل کرو اور قتل کو گردن مارنے سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قتل اکثر گردن مارنے سے (بآسانی) ہوتا ہے جب ان کو اچھی طرح کچل دو یعنی ان کو خوب قتل کردو ان کے بندھن خوب کس دو یعنی قتل کرنا بند کردو اور ان کو قید کرلو (وَثَاق) وہ شئ جس کے ذریعہ قیدیوں کو باندھا جاتا ہے (رسی وغیرہ) (پھر اختیار ہے) خواہ احسان رکھ کر چھوڑ دو (مَنًّا) اپنے فعل کا مصدر لفظی ہے اور اپنے فعل کے عوض میں ہے یعنی بغیر کچھ لئے ان پر احسان کرکے چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے لو یعنی فدیہ میں ان سے مال لے

لو یا مسلمان قیدیوں کا تبادلہ کرلو یہاں تک کہ جنگ یعنی جنگ کرنے والے اپنے ہتھیار ڈال دیں تا آں کہ کفار مسلمان ہو جائیں یا معاہدہ میں شریک ہو جائیں، اور یہ قتل اور قید کی غایت ہے ذٰلِکَ مبتداء مقدر کی خبر ہے ای الامْرُ ذٰلِکَ یعنی ان کے معاملہ میں حکم یہی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو (خود) ہی بغیر قتال کے ان سے بدلہ لے لیتا لیکن تم کو قتال کا حکم دیا تا کہ تم میں سے بعض کو ان میں سے بعض کے ذریعہ آزمائے سو تم میں جو شہید کر دیا جائے وہ جنت کی طرف چلا جائے اور جو ان میں سے قتل کیا جائے وہ جہنم کی طرف چلا جائے، جو لوگ اللہ کے راستہ میں شہید کر دیئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا، اور ایک قراءت میں قَاتَلُوْا ہے (یہ) آیت یوم احد میں نازل ہوئی، حال یہ کہ مسلمانوں میں قتل اور زخم عام ہو گئے تھے، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی دنیا و آخرت میں ایسی چیز کی طرف رہنمائی کرے گا جو ان کے لئے نافع ہوگی، اور دنیا و آخرت میں ان کے حال کی اصلاح کرے گا، اور دنیا میں جو کچھ ہے (ہدایۃ واصلاح حال وغیرہ) اس کے لئے ہے جو شہید نہیں ہوا، اور جو مقتول نہیں ہوئے ان کو مقتولین میں تغلیباً شامل کر دیا گیا ہے اور ان کو ایسی جنت میں داخل فرمائے گا جس کی ان کو شناخت کرا دے گا چنانچہ وہ جنت میں اپنے مکانوں کی طرف اور اپنی ازواج کی طرف اور اپنے خدام کی طرف بغیر معلوم کئے پہنچ جائیں گے اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے یعنی اس کے دین اور اس کے رسول کی (مدد کرو گے) تو وہ تم کو تمہارے دشمن پر غالب کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا یعنی معرکہ میں تم کو قائم رکھے گا، اور اہل مکہ میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ ہلاک ہوئے (والذین کفروا) مبتداء ہے اور تَعَسُوْا اس کی خبر ہے، اس حذف خبر پر فَتَعْسًا لَّھُمْ دلالت کرتا ہے تو ان کے لئے اللہ کی طرف سے ہلاکت اور زیاں کاری ہے، اور ان کے اعمال ضائع ہوئے اس کا عطف تَعَسُوْا پر ہے یہ ہلاکت اور حبط اعمال اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس کو ناپسند کیا جس کو اللہ نے نازل فرمایا یعنی قرآن کو جو احکام پر مشتمل ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں اور انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں ان کا کیا انجام ہوا؟ اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا یعنی خود ان کو اور ان کی اولاد کو اور ان کے اموال کو ہلاک (و برباد) کر دیا، اور کافروں کے لئے اسی طرح کی سزائیں ہیں یعنی ان سے پہلے لوگوں جیسی سزائیں ہیں یہ یعنی مومنین کی نصرت اور کافروں پر غضب اس وجہ سے ہے کہ اللہ ایمان والوں کا مولیٰ (یعنی) ولی اور مددگار ہے اور یہ کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

تَحقِیق وتَرکیب وتَسہیل وتَفسِیری فوائد

اس سورت کا نام سورۂ قتال ہے ترتیب مصحفی کے اعتبار سے اس کا نمبر ۴۷ ہے اور یہ نام آیت نمبر ۲۰ کے فقرے وَذُکِرَ فِیھَا القِتَالُ سے ماخوذ ہے، اس کے دو نام اور ہیں، ایک محمد اور دوسرا الذین کفروا۔

قَوْلُہٗ: صَدُّوْا لازم اور متعدی دونوں مستعمل ہے یعنی خود رکنا اور دوسروں کو روکنا، اور اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے مراد کفار قریش ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ ای اَبْطَلَھَا وَجَعَلَھَا ضَایِعَۃً.

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا عطف اٰمَنُوْا پر کیا گیا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عمل صالح حقیقت ایمان کا جز نہیں ہے اس لئے کہ عطف مغایرت کو چاہتا ہے، البتہ عمل صالح کمال ایمان کے لئے شرط کے درجہ میں ہے (کما ھو مختار الاشاعرة).

قَوْلُہٗ: واٰمَنُوا بما نُزِّلَ عَلٰی محمدٍ یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے مقصد اس کا معطوف کی اہمیت اور عظمت کو ظاہر کرنا ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ محمد ﷺ کی بعثت پر اور جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لائے بغیر ایمان تام نہیں ہوگا، یعنی اگر کوئی توحید اور لوازمات توحید اور لوازمات دین نیز انبیاء سابقین پر ایمان رکھتا ہو مگر محمد ﷺ کی نبوت کا قائل نہ ہو تو اس کا یہ ایمان عند اللہ مقبول نہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مبتدا ہے اور کَفَّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ اس کی خبر ہے اور وَھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ مبتدا و خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ذٰلِكَ مبتدا ہے اور بِأَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ مبتدا کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرقاب ظرف یعنی اِذَا لَقِیْتُمْ کا عامل محذوف ہے اور ضَرْبَ الرقاب کا بھی وہی عامل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَاضْرِبُوا الرقاب وقتَ مُلَاقاتِکُمُ العَدُوَّ.

قَوْلُہٗ: فَضَرْبَ الرِقابِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضَرْبٌ مصدر اپنے فعل امر اِضْرِبُوْا کا نائب ہے اس لئے کہ اس کی اصل فَاضْرِبُوا الرِّقَابَ ضربًا ہے فعل حذف کیا گیا مصدر کو مفعول کی جانب مضاف کرکے فعل کے قائم مقام کر دیا گیا، اس میں اختصار کے ساتھ ساتھ تاکید بھی ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذَا اَثْخَنْتُمُوْھُمْ جب تم ان کو اچھی طرح قتل کر چکو اَثْخَنْتُمُوا، اِثْخَانٌ سے ماضی جمع مذکر حاضر، ھم ضمیر جمع مذکر غائب، ای اَکْثَرْتُمْ فیھم القتل اور مصباح میں اَثْخَنَ فِی الارض، سارَ الی العدو.

قَوْلُہٗ: الْوِثَاقَ بالفتح والکسر، مَا یُوْثَقُ بِہٖ رسی وغیرہ، جمع وُثُقٌ جیسے عِنَاق کی جمع عُنُقٌ.

قَوْلُہٗ: وھذہ غایة لِلقتل والاسر یعنی جب حرب ہتھیار ڈال دے اور دشمن کے دم خم، بالکل ختم ہو جائیں تو قتل وقید موقوف کر دو۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا مبتداء ہے اور فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَھُمْ مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: لِیَبْلُوَ بَعْضَکُمْ بِبَعْضٍ یہ امر بالقتال کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: وما فی الدنیا لمن لم یقتل وادرجوا فی قتلوا تغلیبا یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول یصلح بالھم کی تفسیر حالھم فیھما ای فی الدنیا والآخرة سے کی ہے، ھم سے مراد مقتولین فی الحرب ہیں، ظاہر ہے کہ دنیا میں اصلاح حال سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دنیا میں نافع ہوں، مثلاً عمل صالح، اخلاص، ہدایت مگر اس قسم کی اصلاح حال تو ان کے لئے ہو سکتی ہے جو مقتول نہ ہوئے ہوں (تنبیہ) اس بات کا خیال رہے کہ مذکورہ اعتراض قتلوا والی قراءت پر ہوگا، اور اگر قاتلوا والی قراءت لی جائے تو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

جَوَابُ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں قتلوا سے وہ مجاہدین مراد ہیں جو مقتول نہیں ہوئے مگر جہاد میں شریک رہے، اسی کی تائید قاتلوا والی قراءت سے ہوتی ہے قاتلین کو مقتولین میں تغلیباً داخل کر دیا گیا ہے، اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو مجاہدین زندہ بچ گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے حال کی اصلاح دنیا میں فرمائے گا اور جو راہ خدا میں شہید ہو گئے ہیں ان کے حال کی اصلاح جنت میں فرمائے گا۔

قِوْلُهٗ: یثبت اقدامکم کی تفسیر یثبتکم سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جزء بول کر کل یعنی ذات مراد ہے، ذات کو اقدام سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ثبات اور تزلزل کا اثر اولاً قدموں میں نمایاں ہوتا ہے۔

قِوْلُهٗ: المعترك، معترك سے میدان کارزار مراد ہے۔

قِوْلُهٗ: ذلك مبتداء اور بان الله اس کی خبر ہے۔

تفسیر و تشریح

اس سورت کے تین نام ہیں: (۱) سورۂ محمد ﷺ، (۲) دوسرا سورۂ قتال اس لئے کہ اس میں قتال کے احکام مذکور ہیں، (۳) تیسرا الذین کفروا یہ نام سورت کے اول کلمے ہی سے ماخوذ ہے، اس سورت کا زمانۂ نزول ہجرت کے فوراً بعد ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ کاین من قریة مکی ہے اس لئے کہ اس کا نزول اس وقت ہوا کہ جب آپ ﷺ بارادۂ ہجرت مکہ سے نکلے اور مکہ مکرمہ اور بیت اللہ پر نظر ڈال کر آپ نے فرمایا کہ ساری دنیا کے شہروں میں مجھے تو ہی محبوب ہے اگر اہل مکہ مجھے یہاں سے نہ نکالتے تو میں اپنے اختیار سے اے مکہ! تجھے ہرگز نہ چھوڑتا، مفسرین کی اصطلاح کے مطابق جو آیات سفر ہجرت کے دوران نازل ہوئی ہیں وہ مکی ہی کہلاتی ہیں۔

صدوا عن سبیل الله، صد کے معنی دوسروں کو روکنے اور خود رکنے کے ہیں، سبیل الله سے اسلام مراد ہے، دوسروں کو راہِ خدا سے روکنے کی مختلف صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ زبردستی کسی کو ایمان لانے سے روک دے، دوسری صورت یہ ہے کہ ایمان لانے والوں پر ایسا ظلم وستم ڈھایا جائے کہ ان کیلئے ایمان پر قائم رہنا اور دوسروں کو ایسے خوفناک حالات میں ایمان لانا مشکل ہو جائے، تیسری صورت یہ کہ لوگوں کو مختلف طریقوں سے دین اور اہل دین کے خلاف ورغلائے اور ایسے وسوسے ڈالے کہ لوگ اس دین سے بدگمان ہو جائیں، یا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایسا پروپیگنڈا چھیڑ دے کہ اسلام بدنام ہو کر رہ جائے اور لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کی صحیح اور صاف صورت آنے کے بجائے غلط اور گندی صورت ذہن نشین ہو جائے جس کے نتیجہ میں لوگ اسلام کے قریب آنے کے بجائے دور ہونے لگیں اور محبت کے بجائے نفرت کرنے لگیں، موجودہ دور میں یہ صورت زیادہ رائج ہے یہ بھی صدوا عن سبیل الله میں شامل ہے۔

اضل اعمالهم اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں جو مکارم اخلاق پائے جاتے تھے مثلاً صلہ رحمی، قیدیوں کو آزاد کرنا، یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرنا، بے سہاروں کو سہارا دینا، مہمان نوازی وغیرہ، یا خانۂ کعبہ کی پاسبانی اور حجاج کی خدمت کرنا، ان کاموں کا صلہ انہیں آخرت میں نہیں ملے گا، اس لئے کہ آخرت کا اجر وثواب ایمان کے بغیر مرتب نہیں

ہوگا، اور دوسرا مطلب یہ کہ ان لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے خلاف جو سازشیں کیں اللہ نے انہیں ناکام بنادیا بلکہ ان کی سازش کوان ہی پر پلٹ دیا، تیسرا مطلب یہ ہے کہ راہِ حق کو روکنے اور کفر وشرک کو عرب میں زندہ رکھنے کے لئے جو کوشش وہ محمد ﷺ کے مقابلہ میں کررہے تھے، اللہ نے ان کو رائیگاں کردیا ان کی ساری تدبیریں محض تیر بے ہدف ہو کر رہ گئیں، اب وہ اپنے مقصد کو ہرگز حاصل نہ کرسکیں گے۔

و آمنوا بما نزل علی محمد اگرچہ پہلے جملہ میں ایمان اور عمل صالح کا ذکر آچکا ہے، دوبارہ **آمنوا بما نزل علی محمد** کہنے کی حاجت نہیں رہتی، اس لئے کہ ایمان لانے میں محمد ﷺ اور آپ ﷺ پر نازل ہونے والی تعلیمات پر ایمان لانا خود بخود شامل ہے، مگر اس طرز کے اختیار کرنے میں تخصیص بعد التعمیم کے فائدہ کے علاوہ کہ جو خاص کی اہمیت اور اس کا مہتم بالشان ہونا ہے جیسا کہ **حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی** میں ہے ایک فائدہ اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کسی شخص کا خدا اور آخرت اور پچھلے رسولوں اور پچھلی کتابوں کو ماننا بھی اس وقت تک نافع نہیں ہے جب تک کہ وہ آپ کو اور آپ کی لائی ہوئی تعلیمات کو نہ مان لے، یہ تصریح اس لئے ضروری تھی کہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آپ کو ان لوگوں سے بھی سابقہ درپیش تھا کہ ایمان کے دوسرے تمام لوازم کو تو وہ مانتے تھے مگر محمد ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنے سے انکار کررہے تھے، پہلے جملہ کے بعد دوسرے جملہ کو لاکر اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

کفر عنهم سَيِّئَاتِهِمْ و اصلح بالهم اول فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جو گناہ ان سے سرزد ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی بدولت وہ سب ان کے حساب سے ساقط کردیئے، اب ان گناہوں پر ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور اگر سیئات مابعد الاسلام مراد لی جائیں تو یہ ایک وعدہ ہے عفو معاصی کا، **واصلح بالهم** بال شان اور حال کے معنی میں آتا ہے اور کبھی قلب، دل کے معنی میں، یہاں دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں، پہلے معنی لئے جائیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دنیا و آخرت کے تمام کاموں کو درست کردیا، دنیوی حالات کو درست کرنے سے مالی مشکلات کو دور کرنا نہیں ہے، اس لئے کہ مالی مشکلات تو عام طور پر مسلمانوں کے لئے ہر دور اور ہر زمانہ میں رہی ہیں اور آئندہ بھی رہیں گی، اس لئے کہ یہ مسلمان کا مقصود اصلی نہیں ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ مسلمان جس کمزوری اور بے بسی اور مظلومی کی حالت میں اب تک مبتلا تھے اللہ نے ان کو اس سے نکال دیا ہے، اب اس نے ایسے حالات پیدا کردیئے ہیں کہ جن میں وہ ظلم سہنے کے بجائے ظالموں کا مقابلہ کریں گے، محکوم ہوکر رہنے کے بجائے اپنی زندگی کا نظام خود آزادی کے ساتھ چلائیں گے، اور مغلوب ہونے کے بجائے غالب ہوکر رہیں گے۔

دوسری صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو درست کردیا، مطلب یہ کہ انہیں معاصی سے بچاکر رشد وخیر کی راہ پر لگادیا، ایک مومن کے لئے اصلاح حال کی یہی سب سے بہتر صورت ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ مال ودولت کے ذریعہ ان کی حالت درست کروں کیونکہ اول تو ہر مومن کو مال ملتا بھی نہیں، علاوہ ازیں محض دنیوی مال اصلاح احوال کا یقینی ذریعہ بھی نہیں، بلکہ اس سے فسادِ احوال کا زیادہ امکان ہے، اس لئے نبی ﷺ نے کثرت مال کو پسند نہیں فرمایا۔

فاذا لقیتم الذین کفروا (الآیة) ماقبل میں جب دونوں فریقوں کا ذکر کردیا گیا تو اب کافروں اور غیر معاہد اہل کتاب سے جہاد کرنے کا حکم دیا جارہا ہے، اور یہاں "لقاء" سے مطلقاً ملاقات مراد نہیں ہے بلکہ حالت جنگ میں مڈبھیڑ اور مقابلہ مراد ہے، یہاں قتل کرنے کے بجائے گردنیں مارنے کا حکم دیا ہے اس لئے کہ اس تعبیر میں غلظت اور شدت کا زیادہ اظہار ہے۔

مذکورہ آیت سے دو باتیں ثابت ہوئیں، اول یہ کہ جب قتال کے ذریعہ کفار کی شوکت وقوت ٹوٹ جائے تو اب بجائے قتل کرنے کے ان کو قید کرلیا جائے، پھر ان جنگی قیدیوں کے متعلق مسلمانوں کو دو اختیار دیئے گئے، ایک یہ کہ ان پر احسان کیا جائے یعنی بغیر کسی فدیہ اور معاوضہ کے چھوڑ دیا جائے، دوسرے یہ کہ ان سے کوئی فدیہ (معاوضہ) لیکر چھوڑ دیا جائے اور فدیہ کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اگر کچھ مسلمان ان کے ہاتھ لگ گئے ہوں تو ان سے تبادلہ کرلیا جائے، یہ حکم بظاہر اس حکم کے خلاف ہے جو سورۂ انفال کی آیت میں مذکور ہے جس میں غزوۂ بدر کے قیدیوں کو معاوضہ لیکر چھوڑنے کی رائے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اس عمل پر اللہ کا عذاب قریب آگیا تھا، اگر یہ عذاب آتا تو اس سے بجز عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے کوئی نہ بچتا کیوں کہ انہوں نے فدیہ لیکر چھوڑنے کی رائے سے اختلاف کیا تھا، خلاصہ یہ کہ آیت انفال نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر بھی چھوڑنا ممنوع کردیا تو بلا معاوضہ چھوڑنا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا، سورۂ محمد کی اس آیت نے ان دونوں باتوں کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے اکثر صحابہ اور فقہاء نے فرمایا کہ سورۂ محمد کی اس آیت نے سورۂ انفال کی آیت کو منسوخ کردیا، تفسیر مظہری میں قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰعَنْهُ اور حسن اور عطا اور اکثر صحابہ اور جمہور فقہاء کا یہی قول ہے اور ائمہ فقہاء میں سے، ثوری، شافعی، احمد، اسحٰق رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا بھی یہی مذہب ہے، اور حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰعَنْهُمَا نے فرمایا کہ غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کی تعداد اور قوت بڑھ گئی تو سورۂ محمد میں احسان اور فدیہ کی اجازت ہوگئی، تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہی قول صحیح اور مختار ہے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل فرمایا اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے اس پر عمل فرمایا اس لئے یہ آیت سورۂ انفال کی آیت کے لئے ناسخ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ انفال کی آیت غزوۂ بدر کے موقع پر ۲ھ میں نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے ۶ھ میں صلح حدیبیہ میں جن قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد فرمایا ہے وہ سورۂ محمد کی اس آیت کے مطابق ہے۔ (معارف)

صحیح مسلم میں حضرت انس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰعَنْهُ سے روایت ہے کہ اہل مکہ میں سے اسی آدمی اچانک جبل تنعیم سے اتر آئے جو رسول اللہ ﷺ کو بے خبری میں قتل کرنا چاہتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو گرفتار کرلیا پھر بلا معاوضہ آزاد کردیا، اسی پر سورۂ فتح کی یہ آیت نازل ہوئی وهو الذی کف ایدیهم عنکم وایدیکم عنهم (الآیة) امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا مشہور مذہب ان کی ایک روایت کے مطابق یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا معاوضہ لیکر آزاد کرنا جائز نہیں ہے، اسی لئے علماء حنفیہ نے سورۂ محمد کی مذکورہ آیت کو امام صاحب کے نزدیک منسوخ اور سورۂ انفال کی آیت کو ناسخ قرار دیا ہے، تفسیر مظہری نے یہ واضح کردیا کہ سورۂ انفال کی آیت پہلے اور سورۂ محمد کی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے، اس لئے سورۂ محمد کی آیت ناسخ اور سورۂ انفال کی آیت منسوخ ہے، امام صاحب کا مختار مذہب بھی جمہور صحابہ اور فقہاء کے مطابق آزاد کردینے کے جواز کا نقل کیا گیا ہے، جب کہ اسلام

اور مسلمانوں کی اس میں مصلحت ہو، امام صاحب سے دوسری روایت سیر کبیر میں جمہور کے قول کے مطابق جواز کی منقول ہے اور یہی اظہر ہے اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں اسی کو ابوحنیفہ کا مذہب قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ دونوں آیتوں میں سے کوئی منسوخ نہیں ہے مسلمانوں کے حالات اور ضرورت کے مطابق امام المسلمین کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس صورت کو مناسب سمجھے اختیار کر لے، قرطبی نے رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو کبھی قتل کیا گیا اور کبھی غلام بنایا گیا اور کبھی فدیہ لیکر چھوڑا گیا اور کبھی بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا گیا، اور فدیہ لینے میں یہ بھی داخل ہے کہ مسلمان قیدیوں کو ان کے بدلے میں آزاد کرا لیا جائے، اور یہ بھی کہ ان سے کچھ مال لیکر چھوڑ دیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ دونوں آیتیں محکم ہیں منسوخ نہیں ہیں، مجموعی طور پر جو صورت حال واضح ہوئی وہ یہ ہے کہ جب کفار کے قیدی مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں تو امام المسلمین کو چار چیزوں کا اختیار ہے ① ۔ اگر مناسب اور مصلحت سمجھے تو قتل کر دے ② ۔ اور اگر مسلمانوں کی مصلحت لونڈی اور غلام بنانے میں ہو تو ایسا کر لے ③ ۔ اور اگر مصلحت فدیہ لیکر یا مسلمان قیدیوں کا تبادلہ کرنے میں سمجھے تو یہ بھی کر سکتا ہے ④ ۔ اور اگر بغیر کسی معاوضہ کے احسان کر کے چھوڑنا اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت اور مفاد میں ہو تو امام کو یہ بھی اختیار ہے۔ (معارف)

جنگی قیدیوں کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر:

قرآن مجید کی یہ پہلی آیت ہے جس میں قوانین جنگ کے متعلق ابتدائی ہدایات دی گئی ہیں، اس سے جو احکام نکلتے ہیں اور اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے جس طرح عمل کیا اور فقہاء نے اس آیت اور سنت سے جو استنباطات کئے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے۔

❶ جنگ میں مسلمانوں کی فوج کا اصل ہدف دشمن کی جنگی طاقت کو توڑ دینا ہے، حتی کہ اس میں لڑنے کی سکت نہ رہے اور جنگ ہتھیار ڈال دے، اس ہدف سے توجہ ہٹا کر دشمن کے آدمیوں کو گرفتار کرنے میں نہ لگ جانا چاہئے، غلام بنانے کی طرف اس وقت توجہ کرنی چاہئے، جب دشمن کا اچھی طرح قلع قمع کر دیا جائے، مسلمانوں کو یہ ہدایت آغاز ہی میں اس لئے دے دی گئی کہ کہیں وہ فدیہ حاصل کرنے یا غلام فراہم کرنے کے لالچ میں پڑ کر جنگ کے اصل ہدف مقصود کو فراموش نہ کر بیٹھیں۔

❷ جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوئے ہوں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ تمہیں اختیار ہے خواہ ان پر احسان کرو یا ان سے فدیہ کا معاملہ کر لو، اس سے عام قانون یہ نکلتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے، حضرت عبداللہ بن عمر، حسن بصری، عطاء اور حماد بن ابی سلیمان، قانون کے اسی عموم کو لیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آدمی کو قتل کرنا حالت جنگ میں درست ہے جب لڑائی ختم ہوگئی اور قیدی ہمارے قبضہ میں آگئے تو ان کو قتل کرنا درست نہیں، ابن جریر اور ابوبکر جصاص کی روایت ہے کہ حجاج بن یوسف نے جنگی قیدیوں میں سے ایک قیدی کو حضرت عبداللہ بن عمر کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ اسے قتل کر دیں، انہوں نے انکار کر دیا اور مذکورہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ ہمیں قید کی حالت میں کسی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، امام

محمد نے السیر الکبیر میں بھی ایک واقعہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن عامر نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ایک جنگی قیدی کے قتل کا حکم دیا تھا اور انہوں نے حکم کی تعمیل سے اسی بناء پر انکار کر دیا تھا۔

۳ مگر چونکہ اس آیت میں قتل کی صاف ممانعت نہیں کی گئی ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا منشاء یہ سمجھا اور اسی پر عمل بھی فرمایا کہ اگر کوئی خاص وجہ ایسی ہو جس کی بناء پر امیر وقت کسی قیدی یا بعض قیدیوں کو قتل کرنا ضروری سمجھے تو وہ ایسا کر سکتا ہے یہ عام قاعدہ نہیں ہے بلکہ یہ عام قاعدہ سے ایک استثنائی صورت ہے جس کو بضرورت استعمال کیا جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے ستر قیدیوں میں سے صرف عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کیا، جنگ خیبر میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں سے صرف کنانہ بن ابی الحقیق کو قتل کیا گیا، اس لئے کہ اس نے بدعہدی کی تھی، فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے تمام اہل مکہ میں سے صرف چند اشخاص کے متعلق حکم دیا کہ ان میں سے جو بھی پکڑا جائے وہ قتل کر دیا جائے، ان مستثنیات کے سوا آپ کا عام طریقہ اسیرانِ جنگ کو قتل کرنے کا کبھی نہیں رہا اور یہی عمل خلفاء راشدین کا بھی تھا۔

بنی قریظہ نے چونکہ اپنے آپ کو حضرت سعد بن معاذ کے فیصلے پر حوالہ کیا تھا اور ان کے اپنے تسلیم کردہ حکم کا فیصلہ یہ تھا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے، اس لئے آپ نے ان کو قتل کرا دیا، بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے آپ ﷺ نے زبیر بن باطا اور عمر بن سعد کی جان بخشی کی، زبیر کو اس لئے چھوڑا کہ اس نے جاہلیت کے زمانہ میں جنگ بعاث کے موقع پر حضرت ثابت بن قیس انصاری کو پناہ دی تھی، اس لئے آپ نے اس کو ثابت بن قیس کے حوالہ کر دیا تاکہ اس کے احسان کا بدلہ ادا کر دیں، اور عمر بن سعد کو اس لئے چھوڑا کہ جب بنی قریظہ حضور کے ساتھ بدعہدی کر رہے تھے اس وقت یہ شخص اپنے قبیلے کو غداری سے منع کر رہا تھا۔ (کتاب الاموال لابی عبید ملخصًا)

مشروعیت جہاد کی ایک حکمت:

وَلَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ (الآیة) اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس امت میں کفار سے جہاد و قتال کی مشروعیت درحقیقت ایک رحمت ہے کیونکہ وہ آسمانی عذاب کے قائم مقام ہے کیونکہ کفر و شرک اور اللہ سے بغاوت کی سزا پچھلی قوموں کو آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ دی گئی ہے، امت محمدیہ ﷺ میں بھی ایسا ہو سکتا تھا مگر رحمۃ للعالمین کی برکت سے اس امت کو ایسے عام عذابوں سے بچالیا گیا، اس کے قائم مقام جہاد شرعی کو کر دیا گیا جس میں بہ نسبت عذاب عام کے بڑی سہولتیں اور مصلحتیں ہیں، مثلاً آسمانی یا زمینی عذاب میں پوری کی پوری قومیں جس میں مرد عورت بچے جانور سب ہی تباہ ہو جاتے ہیں جہاد میں ایسا نہیں ہوتا، نیز جہاد کی مشروعیت کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ جہاد و قتال کے دونوں فریق، مسلمان اور کافر کا امتحان ہو جاتا ہے کہ کون اللہ کے حکم پر اپنی جان و مال نثار کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے اور کون کفر و سرکشی پر جما رہتا ہے یا اسلام کے روشن دلائل دیکھ کر اسلام قبول کر لیتا ہے۔

حکم: یہ ضروری نہیں کہ قید قتل سے مؤخر ہو جیسا کہ بظاہر کلمہ حتی اور فاء سے متبادر ہے، بلکہ یہ تحریض وتاکید ہے کہ صرف لڑنے والوں کے ہی قتل پر اکتفاء نہ ہو بلکہ مغلوبوں کو خوب کس کر باندھ لو، مطلب یہ کہ نہتھے، ہتھیار بند وخانہ نشین غرضیکہ میدان میں آنے والے سب پر عذاب الٰہی نازل ہے ایک کو نہ چھوڑ و چونکہ بدون قتال وخونریزی دشمن مغلوب نہیں ہوتا۔

(خلاصة التفاسير، تائب)

حکم: شدوثاق سے صرف کس کر باندھ لینا ہی مراد نہیں ہے بلکہ کمال ہوشیاری مراد ہے، خواہ باندھو یا اسیر کر دیا اور کوئی طریقہ اختیار کرو۔

فائدہ: صحیح یہ ہے کہ یہ آیت نہ منسوخ ہے اور نہ مخصوص، صاحب تفسیر مظہری نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور صاحب تفسیر احمدی نے، بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ یہ آیت خواہ واقعۂ بدر سے مقدم ہو یا مؤخر، اگر مقدم ہے تو زرفدیہ لینے پر عتاب کیوں ہوا؟ اور اگر مؤخر ہے تو نسخ ممکن نہیں، اب رہیں دوسری آیات تو وہ عموم قتل کفار پر دال ہیں نہ کہ احسان اور فدیہ سے متعلق، اب جبکہ آیت محکم غیر منسوخ ہوئی تو مطلب یہ ہوا کہ امام مختار ہے ① چاہے قتل کرے جیسا کہ کلمہ اثخنتموا سے ظاہر ہے ② یا غلام بنائے جیسا کہ شدو ثاق سے مفہوم ہے ③ یا مفت چھوڑ دے جیسا کہ کلمہ من سے ظاہر ہے، اور عالمگیری میں حنفیہ سے مفت چھوڑنے کی روایت موجود ہے ④ اور چاہے مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کرے، اختلاف ذکر کرنے کے بعد یہی مذہب محمد وابو یوسف اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی ظاہر روایت سے سیر کبیر میں منقول ہے ⑤ معاوضہ مالی لیکر چھوڑ دے، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ بہ شرط ضرورت جائز ہے، معلوم ہوا کہ من و فداء میں حصر نہیں ہے۔

(خلاصة التفاسير بحواله عالمگيرى)

مسئلہ: مفت چھوڑنا اس وقت تک جائز ہے کہ وہ اسیر کسی کے حصہ میں نہ آیا ہو۔ (هدايه)

مسئلہ: اسیر کے عوض رہا کرنا تب ہے کہ وہ قیدی ایمان نہ لایا ہو۔

فائدہ: کافر جب قید ہو کر ایمان لے آئے تو سوائے استرقاق کے تمام امور سے بری ہے یعنی نہ قتل کیا جا سکتا ہے اور نہ فدیہ میں دیا جا سکتا ہے البتہ غلامی سے رہائی بدون عتق نہ ہوگی۔

حکم: لڑائی موقوف ہو جانے سے یہ مطلب نہیں کہ مقابل مغلوب ہو کر مطیع ہو جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ تمام عالم میں کوئی مقابل نہ رہے اور یہ حضرت عیسیٰ اور امام مہدی کے زمانہ میں ہوگا، حدیث میں وارد ہے لاتزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین علی من ناواهم حتی یقاتل آخر هم المسیح الدجال (ابوداؤد) اور فرمایا الجهاد ماضٍ الی یوم القیامة. (ابن کثیر) (خلاصة التفاسير ملخصًا، تائب لكهنوى)

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ فِي الدُّنْيَا وَيَاْكُلُوْنَ

كَمَا تَاكُلُ الْاَنْعَامُ اى لَيْسَ لَهُم هِمَّةٌ الا بُطُونَهُم وفُرُوجُهُم وَلَا يَلْتَفِتُونَ الى الاٰخِرَةِ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ⑫ مَنْزِلٌ ومَقَامٌ ومَصِيرٌ وَكَاَيِّنْ و كَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ أُرِيدَ بِهَا اَهْلُهَا هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ مَكَّةَ اى اَهْلِهَا الَّتِىْٓ اَخْرَجَتْكَ رُوعِيَ لَفظُ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهُمْ رُوعِيَ مَعْنىٰ قَرْيَةِ الاُولىٰ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑬ مِنْ اِهْلَاكِنَا اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ حُجَّةٍ وبُرهَانٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وهُم المُؤْمِنُونَ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا وهُم كُفَّارُ مَكَّةَ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ⑭ فِى عِبَادَةِ الاَوْثَانِ اى لَا مُمَاثَلَةَ بينهما مَثَلُ اى صِفَةُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ المُشْتَرَكَةُ بَيْنَ دَاخِلِيهَا مُبْتَدأٌ خَبَرُه فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ بالمَدِّ والقصرِ كَضَارِبٍ وحَذِرٍ اى غَيْرِ مُتَغَيِّرٍ بِخِلَافِ مَاءِ الدُّنيَا فَيَتَغَيَّرُ لِعَارِضٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ بِخِلَافِ لَبَنِ الدُّنيَا لِخُرُوجِهٖ مِنَ الضُّرُوعِ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لَذِيذَةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنيَا فَاِنَّهَا كَرِيهَةٌ عِندَ الشُّرْبِ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ بِخِلَافِ عَسَلِ الدُّنيَا فَاِنَّهٗ لِخُرُوجِهٖ مِن بُطُونِ النَّحْلِ يُخَالِطُهُ الشَّمْعُ وغَيْرُهٗ وَلَهُمْ فِيْهَا اَصْنَافٌ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ فَهُوَ رَاضٍ عَنْهُم مَعَ اِحْسَانِهٖ اليهم بِمَا ذُكِرَ بِخِلَافِ سَيِّدِ العَبِيدِ فِى الدُّنيَا فَاِنَّهٗ قَد يَكُونُ مَعَ اِحْسَانِهٖ اليهم سَاخِطًا عليهم كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِى النَّارِ خَبَرُ مُبْتَدأٍ مُقَدَّرٍ اى اَمَنْ هُوَ فى هذا النَّعِيمِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا اى شَدِيدَ الحَرَارَةِ فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ⑮ اى مَصَارِينَهُم فَخَرَجَتْ مِنْ اَدْبَارِهِم وهو جَمْعُ مِعًى بالقصرِ والِفُه عِوَضٌ عَن يَاءٍ لِقَوْلِهِم مِعْيَانِ وَمِنْهُمْ اى الكُفَّارِ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ فى خُطْبَةِ الجُمُعَةِ وهُم المُنَافِقُونَ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ لِعُلَمَاءِ الصَّحَابَةِ مِنْهُم ابْنُ مَسْعُودٍ وابنُ عَبَّاسٍ اِسْتِهْزَاءً وسُخْرِيَّةً مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۟ بالمَدِّ والقصرِ اى السَّاعَةَ اى لَا نُرجِعُ اليه اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ بالكُفرِ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ⑯ فى النِّفَاقِ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا وَهُمُ المُؤْمِنُونَ زَادَهُمْ اللّٰهُ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ⑰ اَلْهَمَهُم مَا يَتَّقُونَ به النَّارَ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ مَا يَنْتَظِرُونَ اى كُفَّارُ مَكَّةَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِنَ السَّاعَةِ اى لَيْسَ الاَمْرُ اِلَّا اَنْ تَاتِيَهُم بَغْتَةً ۚ فَجَأَةً فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ عَلَامَاتُهَا مِنها بَعْثَةُ النَّبِيِّ صلى اللّٰهُ عليه وسلم وَانْشِقَاقُ القَمَرِ والدُّخَانُ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ السَّاعَةُ ذِكْرٰىهُمْ ⑱ تَذَكُّرُهُم اى لا تَنْفَعُهُم فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اى دُمْ يَا مُحَمَّدُ عَلىٰ عِلْمِكَ بِذٰلِكَ النَّافِعِ فِى القِيَامَةِ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ لِاَجْلِهٖ قِيلَ لَهُ ذٰلِكَ مَعَ عِصْمَتِهٖ لِتَسْتَنَّ به اُمَّتُهٗ وقَد فَعَلَهٗ صلى الله عليه وسلم قال صلى الله عليه وسلم اِنِّى لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِى كُلِّ يَومٍ مِائَةَ مَرَّةٍ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ فيه اِكْرَامٌ لهم بِاَمْرِ نَبِيِّهِم بالاستغفارِ لهم وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ مُنْصَرَفَكُمْ لِاشْتِغَالِكُم بالنَّهَارِ وَمَثْوٰىكُمْ ⑲ مَاْوَاكُم اِلىٰ مَضَاجِعِكُم باللَّيلِ اى هُوَ عَالِمٌ بجميعِ احوالِكُم لا يَخْفىٰ عليه شيءٌ مِنها فَاحْذَرُوهُ والخِطَابُ لِلْمُؤْمِنِينَ وغيرِهِم.

ترجمہ: جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور کفر کرنے والے دنیا میں (چندروزہ) زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا (پی) رہے ہیں یعنی ان کے پیش نظر (شہوت بطن وفرج یعنی) پیٹ اور پیٹھ کی شہوت کے علاوہ کچھ نہیں اور وہ آخرت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور جہنم ان کا ٹھکانہ ہے (یعنی) ان کی منزل، مقام اور ٹھکانہ جہنم ہے (اے نبی) ہم نے کتنی ہی بستیوں کو مراد بستی والے ہیں جو طاقت میں تیری اُس بستی مکہ سے یعنی مکہ والوں سے زیادہ تھیں جس سے تجھ کو نکالا (اَخْـرَجَتْكَ) میں لفظ قـريـة کی رعایت کی گئی ہے ہلاک کردیا اول قـــريـة کے معنی کی رعایت کی گئی ہے کہ کوئی ان کو ہماری ہلاکت سے بچانے والا نہ ہوا، بھلا کہیں ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے پروردگار کی طرف سے حجت وبرہان پر ہوں اور وہ مومن بھی ہوں اس شخص کی طرح ہو جائیں جس کے لئے اس کا بُرا عمل خوشنما بنادیا گیا ہو تو وہ اس عمل کو اچھا سمجھنے لگا ہو، اور بتوں کی بندگی میں اپنی خواہشات کے پیرو بن گیا ہو یعنی ان کے درمیان میں کوئی مماثلت نہیں ہے اور اس جنت کی صفت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے وہ جنت ہے جو مشترک ہے اس میں داخل ہونے والوں میں (الجنة الخ) مبتداء ہے (فيهَا اَنهَارٌ) اس کی خبر ہے یہ ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو بدبو کرنے والا نہیں (اسِنْ) مد اور بغیر مد (دونوں طرح ہے) جیسا کہ ضَـارِبٌ وحَـذِرٌ یعنی وہ پانی متغیر ہونے والا نہیں بخلاف دنیا کے پانی کے کہ وہ کسی عارض کی وجہ سے متغیر ہوجاتا ہے اور دودھ کی نہریں ہیں کہ جن کا مزہ نہیں بدلا بخلاف دنیا کے دودھ کے، اس کے تھنوں سے نکلنے کی وجہ سے اور شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں کے لئے بڑی لذت ہے بخلاف دنیا کی شراب کے کہ وہ پینے کے وقت بدمزہ ہے اور صاف شہد کی نہریں ہیں بخلاف دنیوی شہد کے اس شہد کے مکھی کے پیٹ سے نکلنے کی وجہ سے اس میں موم وغیرہ مل جاتا ہے اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے وہ ان سے راضی ہے ان کے ساتھ مذکورہ احسان کرنے کے باوجود، بخلاف دنیا میں غلاموں کے آقا کے، کہ وہ بعض اوقات ان پر احسان کرنے کے ساتھ ان سے ناراض بھی ہوتا ہے کیا یہ اس کے مثل ہے جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ یہ مبتداء محذوف (یعنی) أمَنْ هُوَ فِي هٰذا النعيم کی خبر ہے یعنی وہ شخص جو ان نعمتوں میں ہوگا وہ اس شخص جیسا ہے کہ جو ہمیشہ آگ میں رہے گا اور جنہیں گرم یعنی نہایت شدید گرم پانی پلایا جائے گا، جو ان کی امعاء کے ٹکڑے ٹکڑے کردے گا یعنی ان کی آنتوں کے، تو وہ (کٹ کر) ان کی دُبروں سے نکل جائیں گی، اور امـعـاء معًا بلا مد کی جمع ہے، اور اس کا الف یاء کے عوض میں ہے (تثنیہ) میں ان کے قول مَعْيَانٌ کی دلیل سے اور ان کفار میں بعض ایسے ہیں کہ جو جمعہ کے خطبہ میں آپ کی طرف (بظاہر) کان لگاتے ہیں اور وہ منافق ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم علماء صحابہ سے جن میں ابن مسعود اور ابن عباس شامل ہیں استہزاءً پوچھتے ہیں ابھی اس نے کیا کہا؟ (آنفًا) مد اور بلا مد (دونوں) ہے بمعنی ساعت (ابھی) ہم اس کی طرف توجہ نہیں دیتے یہی ہیں وہ لوگ جن کے دلوں پر کفر کی وجہ سے اللہ نے مہر لگادی

اور وہ نفاق میں اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور وہ مومنین ہیں اللہ نے انہیں ہدایت میں اور بڑھا دیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی (یعنی) ان کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس کے ذریعہ وہ آگ سے محفوظ رہیں گے ان کفار مکہ کو صرف قیامت کا انتظار ہے کہ وہ ان کے پاس اچانک آجائے (تَأْتِيَهُمْ) اَلسَّاعَةَ سے بدل الاشتمال ہے یعنی (یقین کرنے کی) اب کوئی صورت باقی نہیں مگر یہ کہ ان پر اچانک قیامت آجائے یقیناً اس کی علامات تو آچکی ہیں ان میں ایک آنحضرت ﷺ کی بعثت ہے اور چاند کا پھٹ جانا ہے اور دھواں ہے پھر جب ان کے پاس قیامت آجائے تو ان کو نصیحت کہاں حاصل ہوگی؟ یعنی نصیحت ان کو کہاں فائدہ دے گی سوائے نبی آپ ﷺ یقین کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں یعنی اے محمد تم اپنے اس علم پر جو کہ قیامت میں نافع ہے دائم رہو اور اپنی خطا کے لئے بخشش مانگا کریں آپ ﷺ کے معصوم ہونے کے باوجود آپ سے بخشش مانگنے کے لئے کہا گیا، تاکہ آپ کی امت اس کی پیروی کرے اور آپ ﷺ نے اس پر عمل فرمایا بھی، آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں، اور مومنین و مومنات کے لئے بھی، نبی کو مومنین کے لئے استغفار کا حکم دینے میں امت کا اکرام ہے اور اللہ دن میں تمہارے کام کاج کے لئے آمد و رفت کو اور رات میں تمہارے قیام کی جگہ کو خوب جانتا ہے یعنی وہ تمہارے تمام احوال سے واقف ہے ان میں سے اس پر کوئی شئ مخفی نہیں ہے تو اس سے ڈرتے رہو اور خطاب مومنین وغیرہ سب کے لئے ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: مَثْوًى ظرف مکان ہے، ٹھکانہ، مدت دراز تک ٹھہرنے کا مقام (جمع) مَثَاوِی.

قَوْلُهُ: والنارُ مَثْوًى لَهُمْ مبتداء خبر سے مل کر جملہ مستانفہ ہے۔

قَوْلُهُ: كَأَيِّنْ یہ کاف اور اَیٌّ سے مرکب ہے کَمْ خبریہ کے معنی میں ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے۔

قَوْلُهُ: هِيَ اَشَدُّ الخ جملہ ہو کر قَرْيَة کی صفت ہے۔

قَوْلُهُ: اَخرَجَتْكَ، اَخرَجَتْكَ کی ضمیر مؤنث لانے میں قریۂ اولیٰ کی لفظ کی رعایت کی گئی ہے اور اَهْلَكْنَاهُمْ کی ضمیر میں قریۂ ثانیہ کے معنی کی رعایت کی گئی، یعنی قَرْيَةً سے اہل قریہ مراد ہونے کی وجہ سے ضمیر کو مذکر لایا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: المشتركةُ یعنی جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے وہ تمام مومنین کے درمیان مشترک ہے اس لئے کہ ہر مومن شرک سے متقی ہے، البتہ متقین کاملین کے لئے اعلیٰ درجہ کی جنت ہے۔

قَوْلُهُ: اَلجنةُ الَّتِي مبتداء ہے اور فيها انهرٌ اس کی خبر ہے۔

سُوَال: خبر جملہ ہے، اور جب خبر جملہ ہوتی ہے تو عائد ضروری ہوتا ہے مگر یہاں کوئی عائد نہیں ہے۔

جَوَاب: جب خبر عین مبتداء ہوتی ہے تو عائد ضروری نہیں، یہاں ایسا ہی ہے۔

قَوْلُهٗ: اٰسِنٌ (س، ض) اَسْنًا پانی کا متغیر ہونا، بدبودار ہونا۔

قَوْلُهٗ: لَذِیْذَةٍ اس میں اشارہ ہے کہ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے اور اسناد مجازی ہے جیسا کہ زیدٌ عدلٌ میں یعنی جنت کی شراب اس قدر لذیذ ہے کہ گویا وہ خود سراپا لذت ہی لذت ہے، اس کو سوال و جواب کی شکل میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مِن خمرٍ لذّةٍ میں مصدر کا حمل ذات پر ہو رہا ہے جو درست نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ یہ حمل زید عدلٌ کے قبیل سے مبالغۃً ہے۔

قَوْلُهٗ: لَهُمْ فیها، لهُمْ کائنٌ یاموجودٌ کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے فیها محذوف سے متعلق ہے اور مبتداء محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے اَصْنَافٌ محذوف مان کر مبتداء محذوف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلُهٗ: فَهُوَ راضٍ عنهم اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: اللہ تعالیٰ کے قول ولهم فیها من كلِّ الثمراتِ ومغفرة من رَّبّهم سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح دخول جنت کے بعد جنتیوں کو میوے ملیں گے اسی طرح مغفرت بھی جنت میں ملے گی حالانکہ مغفرت دخولِ جنت سے پہلے ہونی چاہئے۔

جَوَاب: مغفرت سے یہاں رضا مراد ہے جو کہ جنت میں حاصل ہوگی۔

قَوْلُهٗ: مَنْ هُوَ خَالِدٌ فی النار مبتداء محذوف کی خبر ہے، مفسر علام نے مبتداء محذوف کی طرف اپنے قول اَمَنْ هُوَ فی هٰذا النعیم سے اشارہ کر دیا۔

قَوْلُهٗ: اَمْعاء انتڑیاں اَمْعَاء، مِعًا کی جمع ہے اس کا الف یاء سے بدلا ہوا ہے نہ کہ واؤ سے، اس لئے کہ اس کا واحد معیٌ اور تثنیہ مِعَیَانٌ آتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مِعًا کا الف یاء سے بدلا ہوا ہے۔

قَوْلُهٗ: مَصَارِیْنَ، مصارِیْنَ مَصِیْرٌ کی جمع الجمع ہے یعنی مصیر کی جمع مصران اور مصران کی جمع مَصَارِیْنَ ہے، اس کے معنی انتڑیاں، فارسی میں رودہ کہتے ہیں۔

قَوْلُهٗ: لایُرْجع الیه اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی یا وہ قابل التفات نہیں، صحیح نسخہ نَرْجِعُ جمع متکلم کا صیغہ ہے یعنی ہم اس کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے تم ہی بتادو حضرت نے ابھی کیا فرمایا؟ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُهٗ: فَانّٰی لَهُمْ خبر مقدم ہے اور ذِکراهم مبتداء مؤخر ہے اِذَاجَاءَ تْهُمُ السَّاعَةُ جملہ معترضہ ہے اور اِذَا کا جواب محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا جَاءَ تْهُمُ السَّاعَةُ فَکَیْفَ یَتَذَکَّرُوْنَ.

قَوْلُهٗ: اُولٰٓئِكَ مبتداء ہے اَلَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوبِهِمْ اس کی خبر۔

قَوْلُهٗ: وَالَّذِیْنَ اهتَدَوا مبتداء زَادَهُمْ اس کی خبر۔

قَوْلُهٗ: اَشْرَاطُهَا اشراط جمع شَرَطٍ بفتح الراء بمعنی علامت۔

قَوْلُهٗ: فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی جب مومنین کی سعادت اور کافروں کی شقاوت معلوم ہوگئی تو آپ آئندہ بھی اپنے علم بالوحدانیت وغیرہ پر قائم رہیے۔

قَوْلُہٗ: اِسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ ای اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اَنْ یَقَعَ مِنْكَ الذَّنْبُ او اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ لِیَعْصِمَكَ وقیل الخطاب له والمراد الاُمَّة مگراس آخری توجیہ کا، آئندہ جملہ جو کہ وہ وللمؤمنین والمؤمنات ہے، انکار کرتا ہے۔

تَفْسِیر وتَشْرِیح

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (الآیة) یعنی جس طرح جانور کھاتا ہے اور کچھ نہیں سوچتا کہ یہ رزق کہاں سے آیا ہے؟ کس کا پیدا کیا ہوا ہے؟ اور اس رزق کے ساتھ میرے اوپر رازق کے کیا حقوق عائد ہوتے ہیں؟ اسی طرح یہ لوگ بھی بس کھائے جارہے ہیں، چرنے چگنے سے مطلب، آگے انھیں کسی چیز کی فکر نہیں ہے، جانور کے کھانے میں اور انسان کے کھانے میں بظاہر کوئی فرق نہیں دونوں کی غرض ایک ہے یعنی تلذذ اور بقائے جسم وقوت، مگر حقیقت یہ نہیں ہے، جانور اس لئے کھاتا ہے کہ لذت اندوز ہو اور حیات وصحت باقی رہے اور انسان کا مقصد اس کھانے سے قوتِ خدمت، اطمینان قلب، قوت ذکر، کثرتِ عبادت ہوتی ہے، اگر کسی انسان کا یہ مقصد نہ ہو تو اس کا کھانا پینا جانور کے مانند ہوگا، ایسے ہی انسانوں کے بارے میں کہ جن کا مقصد شکم پُری اور جنس کا تقاضہ پورا کرنے کے علاوہ کچھ نہ ہو، فرمایا: ان کا کھانا حیوانوں کے مانند ہوتا ہے۔

کھڑے ہو کر کھانے کی ممانعت:

حکم: اس سے ضمناً کھڑے کھڑے کھانے کی ممانعت کا بھی اثبات ہوتا ہے جس کا مغربی تہذیب کی اتباع میں آج کل دعوتوں میں عام رواج ہو چلا ہے، کھڑے ہو کر کھانا پینا جانوروں کی خصلت ہے، حدیث شریف میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی تاکیدی ممانعت آئی ہے جس سے کھڑے ہو کر کھانے کی ممانعت بطریقِ اولیٰ ثابت ہوتی ہے، اس لئے جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر کھانے پینے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ (زادالمعاد) مغربی تہذیب کا مقصد ہی منصوبہ بند طریقے سے اسلامی تہذیب کی مخالفت کرنا ہے، لہٰذا مسلمانوں اور علماء کو بالخصوص ایسی محفلوں، دعوتوں میں شرکت سے احتراز کرنا چاہئے۔

شانِ نزول:

عبد بن حُمید اور ابویعلیٰ اور ابن جریر وابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مکہ سے (بارادۂ ہجرت) غار کی طرف نکلے تو آپ نے مکہ کی طرف رخ کر کے فرمایا اَنْتَ اَحَبُّ بلادِ اللّٰهِ فِیَّ وَلَوْ لَااَنَّ اَهْلَكَ اخرجُوْنی منكَ لَمْ أخرج الخ اے مکہ تو اللہ کے شہروں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، اگر تیرے فرزند مجھے تجھ سے نہ نکالتے تو میں نہ نکلتا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر، شوکانی)

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ من رَّبِّهٖ (الآیة) بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ پیغمبر اور اس کے متبعین کو جب خدا کی طرف سے ایک صاف اور سیدھا راستہ مل گیا ہے اور پوری بصیرت کے ساتھ وہ اس پر قائم ہو چکے ہیں تو اب وہ ان لوگوں کے ساتھ چل سکیں جو

اپنی پرانی جاہلیت کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں جو شیطان کے دام فریب میں پھنس کر ضلالتوں کو ہدایت اور اپنی بدکرداریوں کو خوبی سمجھ رہے ہیں، جو کسی دلیل کی بناء پر نہیں بلکہ اپنی خواہشات کی بناء پر حق و باطل کا فیصلہ کرتے ہیں، نہ دنیا میں اِن دونوں فریقوں کی زندگی ایک جیسی ہے اور نہ آخرت میں ان کا انجام یکساں ہوسکتا ہے۔

مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ، آسن اس پانی کو کہتے ہیں جس کا رنگ و مزہ بدل گیا ہو نیز بدبودار بھی ہو گیا ہو، دنیا میں دریاؤں اور نہروں کے پانی عام طور پر گندے ہوتے ہیں ان میں ریت مٹی طرح طرح کی نباتات ملنے کی وجہ سے ان کا رنگ اور مزہ بدل جاتا ہے، اس لئے جنت کی نہروں کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ وہ غیر آسن ہوگا، اسی طرح دنیا کا دودھ چونکہ گائے بھینس بکری وغیرہ کے تھنوں سے نکلتا ہے، جس کی وجہ سے کبھی خراب بھی ہو جاتا ہے جنت کا دودھ چونکہ جانوروں کے تھنوں سے نکلا ہوا نہیں ہوگا بلکہ اس کی نہریں ہوں گی، اس لئے جس طرح وہ نہایت لذیذ ہوگا اسی طرح خراب ہونے سے بھی محفوظ ہوگا، غرض یہ کہ جنت کی نعمتوں اور دنیا کی نعمتوں میں مشارکت اسمی کے علاوہ اور کوئی مناسبت نہیں ہوگی اور یہ اسمی مشارکت بھی سمجھانے کے لئے ہے ورنہ وہاں کے دودھ کو یہاں کے دودھ سے اور وہاں کے پانی کو یہاں کے پانی سے اور وہاں کے شہد کو یہاں کے شہد سے اور وہاں کے پھلوں کو یہاں کے پھلوں سے نہ کوئی مناسبت اور نہ موازنہ۔

وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کے بعد مغفرت کا ذکر فرمایا ہے، مغفرت کے ذکر کرنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ یہ نعمت جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کوتاہیاں جنتیوں سے ہوئی تھیں ان کا ذکر تک جنت میں کبھی سامنے نہیں آئے گا بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر ہمیشہ کے لیے پردہ ڈال دے گا تاکہ جنت میں وہ شرمندہ نہ ہوں۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتّٰى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ (الآیة) یہ منافقین کا ذکر ہے، منافقین کا یہ طریقہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں حاضر تو ہوتے تھے مگر باہر نکل کر علماء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے معلوم کرتے تھے کہ آنحضرت نے ابھی کیا فرمایا؟ اور یہ پوچھنا بطور تمسخر ہوتا تھا، تاکہ معلوم ہو کہ ہم ان کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے، اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی تھی کہ ان کی نیت چونکہ صحیح نہیں ہوتی تھی اس لئے نبی ﷺ کی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں وہ مجلس سے باہر آکر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھتے تھے کہ ابھی آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ یعنی وہی باتیں جن کو سن کر کفار و منافقین پوچھتے ہیں کہ ابھی ابھی آپ کیا فرما رہے تھے؟ ہدایت یافتہ لوگوں کیلئے مزید ہدایت کی موجب ہوتی ہیں اور جس مجلس سے وہ بدنصیب لوگ اپنا وقت ضائع کر کے اٹھتے ہیں اسی مجلس سے یہ خوش نصیب لوگ علم و عرفان کا نیا خزانہ حاصل کر کے پلٹتے ہیں۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً جہاں تک حق کے واضح ہونے کا تعلق ہے وہ تو دلائل سے اور قرآن کے معجزانہ بیان سے، محمد ﷺ کی سیرت پاک سے اور صحابہ کرام کی زندگیوں کے انقلاب سے انتہائی روشن طریقہ پر واضح ہو چکا ہے، اب کیا ایمان لانے کیلئے یہ لوگ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت ان کے روبرو آکھڑی ہو؟ اور یہ تمام غیبی باتوں کا عینی مشاہدہ کر لیں، اس وقت تو بڑے سے بڑا کافر بھی ایمان لاتا ہے مگر اس ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ایمان

کے لئے تمام شواہد ودلائل آچکے جو کہ ایک صاحب عقل وبصیرت کے ایمان لانے کے لئے کافی ہیں اب بھی اگر ایمان نہیں لاتے تو بس اب ایک علامت جس میں تمام مغیبات مشاہد ہو جائیں گے باقی رہ گئی ہے، اور وہ ہے قیامت۔

فَقَدْ جَاءَ اَشْرَاطُهَا (الآیة) اگر مشرکین وکفار کو قیامت کے برپا ہونے کا انتظار ہے تو اس کی علامات بعیدہ تو آچکی ہیں ان میں سے ایک بڑی علامت خود نبی ﷺ کی بعثت ہے، صحیحین وغیرہما میں حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بعثتُ اَنا والسَّاعَةُ کهاتَین میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں اور آپ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا: جس طرح ان دونوں انگلیوں کے درمیان کوئی انگلی نہیں ہے، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور اسی جیسی ایک حدیث بخاری شریف میں سہل بن سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی مروی ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (الآیة) اس آیت میں نبی ﷺ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے اپنے لئے بھی اور مومنین کے لئے بھی، یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تو معصوم ہوتے ہیں پھر ان کو استغفار کا کیوں حکم دیا گیا ہے؟

جَوَابٌ: بوجہ عصمت اگرچہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ کے سرزد ہونے کا احتمال نہیں تھا مگر عصمت کے باوجود بعض اوقات خطاء اجتہادی سرزد ہو جاتی ہے، خطاء اجتہادی اگرچہ قانون شرع میں گناہ نہیں ہے بلکہ اس پر بھی اجر ملتا ہے انبیاء علیہم السلام کو ان کی خطاء پر متنبہ کر دیا جاتا ہے مگر ان کی شانِ عالی کے اعتبار سے اس کو ذنبٌ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سورۂ عبس میں آپ پر ایک قسم کا عتاب فرمایا وہ بھی اسی خطاء اجتہادی کی مثال تھی جس کی تفصیل (انشاء اللہ) سورۂ عبس میں آئیگی۔ (معارف)

اور بعض حضرات نے ''ذنب'' سے مراد خلاف اولیٰ لیا ہے جس کا انبیاء سے سرزد ہونا ممکن ہے اور نہ یہ عصمت کے خلاف ہے، بعض اوقات امت کی سہولت اور بیانِ جواز کے لئے نبی خلاف اولیٰ کو اختیار کر لیتا ہے، اس کے علاوہ اسلام نے جو اخلاق انسان کو سکھائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے رب کی بندگی بجالانے میں اداء حق کی خاطر جان لڑانے میں خواہ اپنی حد تک کتنی ہی کوشش کرتا رہا ہو، بندہ کو اس زعم میں مبتلا نہ ہونا چاہئے، کہ جو کچھ مجھے کرنا چاہئے تھا وہ میں نے کر دیا ہے اس لئے کہ کسی بھی بندے سے اس کی شایانِ شان حق ادا ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے کہ بندہ جس قدر بھی شکر کرے گا توفیق شکر کا شکر لازم ہوگا اور بندہ جتنا بھی شکر کرے گا یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہے گا، اداء شکر میں اگر جان بھی دیدے۔ پھر بھی اس کا حق ادا نہ ہوگا آخر میں یہی کہتا ہوگا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ، حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں کہ اس بات کا اقرار کرے کہ اے میرے مالک، تیرا جو میرے اوپر حق تھا میں وہ کماحقہ ادا نہیں کر سکا ہوں، اور ہمہ وقت اپنے قصور کا اعتراف کرتا رہے، یہی روح ہے اللہ کے اس ارشاد کی کہ اے نبی اپنے قصور کی معافی مانگو، اس کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ نبی نے فی الواقع جان بوجھ کر کوئی قصور کیا تھا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا طلبا للجهاد لَوْلَا هلا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ فيهَا ذِكْرُ الجهَادِ فَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ ای لَمْ يُنْسَخ

منها شيءٌ ﴿وَّذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ﴾ اى طَلَبُه ﴿رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ﴾ اى شَكٌّ وهُمُ المُنافِقُونَ ﴿يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ خَوفًا منه وكَراهِيَةً له اى فَهُم يَخافُونَ مِنَ القِتالِ ويَكرَهُونَهُ ﴿فَأَوْلَىٰ لَهُمْ﴾ مُبتَدأ، خَبرُه ﴿طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ﴾ اى حَسَنٌ لك ﴿فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ﴾ اى فُرِضَ القِتالُ ﴿فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ﴾ في الايمانِ والطّاعَةِ ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ وجُملَةُ لَوجَوابُ إذا ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ﴾ بكسرِ السين وفتحِها وفيه اِلتفاتٌ عَنِ الغَيبَةِ الى الخِطابِ اى لَعَلَّكم ﴿إِن تَوَلَّيْتُمْ﴾ اَعرَضتُم عَنِ الايمان ﴿أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾ اى تَعُودُوا الى اَمرِ الجاهِلِيَّةِ مِنَ البَغيِ والقَتلِ ﴿أُولَٰئِكَ﴾ اى المُفسِدُونَ ﴿الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ﴾ عَن استِماعِ الحَقِّ ﴿وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ﴾ عَن طَريقِ الهِدايةِ ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾ فيَعرِفُونَ الحَقَّ ﴿أَمْ﴾ بَل ﴿عَلَىٰ قُلُوبٍ﴾ لهم ﴿أَقْفَالُهَا﴾ فَلا يَفهَمُونَهُ ﴿إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا﴾ بالنِفاقِ ﴿عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ﴾ زَيَّنَ ﴿لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ﴾ بضَمِّ اَوَّلِه وبفَتحِه واللّامِ والمُملِي الشَّيطانُ بإرادَتِه تعالىٰ فهُوَ المُضِلُّ لهم ﴿ذَٰلِكَ﴾ اى اِضلالُهم ﴿بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ﴾ اى لِلمُشركين ﴿سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ﴾ اَمرِ المُعاوَنَةِ على عَداوَةِ النبيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم وتَثبيطِ النّاسِ عنِ الجِهادِ معَهُ قالُوا ذلك سِرًّا فاظهره اللّٰهُ تعالىٰ ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ﴾ بفَتحِ الهَمزَةِ جمعُ سِرٍّ وبكَسرِها مَصدر ﴿فَكَيْفَ﴾ حالُهم ﴿إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ﴾ حالٌ مِنَ الملئكة ﴿وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ﴾ ظُهُورَهُم بمَقامِعَ مِن حَديدٍ ﴿ذَٰلِكَ﴾ اى التَوَفِّي على الحالَةِ المَذكُورَةِ ﴿بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ﴾ اى العَمَلَ بما يُرضِيهِ ﴿فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے وہ جہاد کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کس لئے کوئی ایسی سورت نازل نہیں کی گئی جس میں جہاد (کی اجازت) کا ذکر ہو جب کوئی محکم غیر منسوخ سورت نازل کی جاتی ہے کہ جس میں جہاد (کی اجازت) مذکور ہوتی ہے یعنی جہاد کا مطالبہ مذکور ہوتا ہے تو آپ ان لوگوں کو کہ جن کے دلوں میں مرض یعنی شک ہوتا ہے اور وہ منافق ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہوگئی ہو موت سے خوف کھانے کی وجہ سے اور اس کو ناپسند کرنے کی وجہ سے یعنی وہ جہاد سے ڈرتے ہیں اور اس کو ناپسند کرتے ہیں سو بہتر تھا ان کے لئے آپ کا فرمان بجالانا اور آپ سے اچھی بات کہنا (اَوْلٰی لَھُمْ) مبتداء ہے اور (طَاعَةٌ وقَولٌ معروفٌ) خبر، یعنی ان کے لئے آپ کی اطاعت اور آپ کے ساتھ اچھی بات بہتر ہے اور جب بات پختہ ہوگئی یعنی جہاد فرض کر دیا گیا سو اگر اللہ کے ساتھ ایمان اور طاعت میں سچے رہیں تو ان کے لئے بہتر ہے اور جملہ لَو صَدَقُوا جواب اِذَا ہے اگر تم ایمان سے روگردانی کرو تو تم سے بعید نہیں کہ تم ملک میں فساد برپا کرو اور قطع رحمی کرو اور تم امرِ جاہلیت یعنی بغاوت اور قتل کی طرف لوٹ آؤ (عَسَيْتُمْ) میں سین کا کسرہ اور فتحہ دونوں ہیں اور اس میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے اور عَسَيْتُمْ بمعنی (لَعَلَّكُمْ) ہے، یہی وہ مفسدہ پرداز لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار

ہے جن کو حق بات سننے سے بہرا کر دیا گیا ہے اور راہِ ہدایت دیکھنے سے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا گیا ہے کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ کہ حق کو پہچان سکیں، بلکہ ان کے قلوب پر قلوب کے (مناسب) تالے لگے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے وہ قرآن کو سمجھتے نہیں ہیں یقیناً وہ لوگ جو نفاق کی وجہ سے ان پر ہدایت ظاہر ہونے کے بعد پیٹھ پھیر کر پلٹ گئے یقیناً شیطان نے ان کے لئے (ان کے عمل کو) مزین کر دیا ہے اور شیطان نے ان کو دور کی سمجھائی ہے اول (یعنی ہمزہ) ضمہ اور فتحہ کے ساتھ اور لام کے فتحہ کے ساتھ ہے اور دور کی سمجھانے والا بارادۂ خداوندی شیطان ہے لہٰذا وہ (شیطان) ان کو گمراہ کرنے والا ہے اور یہ یعنی ان کو گمراہ کرنا اس وجہ سے ہوا کہ ان (منافقوں) نے ان لوگوں سے جو اللہ کی نازل کردہ (قرآن) کو ناپسند کرتے ہیں یعنی مشرکین سے کہا کہ ہم بعض باتیں تمہاری مانیں گے یعنی نبی ﷺ کی مخالفت میں معاونت کے سلسلہ میں اور لوگوں کو آپ ﷺ کے ساتھ جہاد سے روکنے کے سلسلہ میں (معاونت کریں گے) منافقوں نے یہ بات رازدارانہ طور پر کہی تھی مگر اللہ نے اس کو ظاہر فرما دیا اور اللہ ان کی رازدارانہ گفتگو کرنے کو جانتا ہے (یا) ان کے رازوں کو جانتا ہے (اسرار) ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ سر کی جمع ہے اور ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ مصدر ہے تو ان کا کیا حال ہوگا؟ جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہوں گے، حال یہ کہ وہ فرشتے ان کے چہروں پر اور ان کے سرینوں پر یعنی پشتوں پر لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہوں گے اور یہ یعنی مذکورہ صورت میں روح قبض کرنا، اس سبب سے (ہوگا) کہ جو طریقہ خدا کی ناراضگی کا موجب تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی رضا سے نفرت کیا یعنی اس عمل سے جو اس کو راضی کرنے والا ہے اس لئے اللہ نے ان کے اعمال کالعدم کر دیئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: فَاَوْلٰی لَهُمْ لام بمعنی باء، ای اَنْ کَانَ الْاَوْلٰی بِهِمْ طَاعَةَ اللہ وَطَاعَةَ رسولہ یعنی ضعیف الایمان اور منافقوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی بہتر تھی، یہ مطلب حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے عطاء رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے روایت کیا ہے، اور بعض حضرات نے اَوْلٰی کو وَیْلٌ سے مشتق مانا ہے اس کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں اس صورت میں یہ کلمہ ضعیف الایمان اور منافقوں کے لئے بددعاء اور کلمۂ وعید ہوگا، اور اَوْلٰی لَهُمْ پر وقف ہوگا، اس کے بعد کلام مستانف ہوگا۔

قَوْلُہٗ: فَاَوْلٰی لَهُمْ میں تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں ① اَوْلٰی مبتداء لھم اس کا متعلق لام بمعنی باء، طَاعَةٌ وقول معروف اس کی خبر، مفسر علام نے یہی ترکیب اختیار کی ہے ② اَوْلٰی لھم مبتداء محذوف کی خبر ہو تقدیر عبارت یہ ہے الھلاكُ اَوْلٰی لھم ای اقربُ لھم واحقُ لھم ③ اولٰی مبتدء اور لھُمْ اس کی خبر تقدیر عبارت یہ ہے فالھلاكُ لھُمْ، ابوالبقاء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (اعراب القرآن)

قَوْلُہٗ: فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ جب امر (جہاد) نے پختہ ارادہ کر لیا، اس میں اسناد مجازی ہے اس لئے کہ عزم، صاحب عزم کا کام ہے نہ کہ امر کا۔

قَوْلُہٗ: فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰہَ بعض حضرات نے کہا ہے کہ لَوْ صَدَقُوا اللّٰہَ مع اپنے جواب کے اِذا کا جواب ہے اور بعض حضرات نے اِذا کا جواب کَرِھُوا محذوف مانا ہے اور فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰہَ کو شرط اور لَکَانَ خیرًا لھم کو اس کی جزاء قرار دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَھَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ، عَسَیْتُمْ افعال رجاء (مقاربہ) میں سے فعل ماضی ہے یعنی ''تم سے بعید نہیں کہ تم'' اس میں مزید توبیخ وتقریع کے لئے غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے، حضرت قتادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے تَوَلَّیْتُمْ کے معنی اعراض عن الطاعۃ کے کئے ہیں مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں اور کلبی نے تَوَلَّیْتُمْ کے معنی اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَمْرَ الْاُمَّۃِ کے لئے ہیں، یعنی اگر تم کو امت کے امور کا والی اور ذمہ دار بنا دیا گیا تو تم ملک میں ظلم کے ذریعہ فساد برپا کرو گے۔

قَوْلُہٗ: اَقْفَالُھَا، اقفال قُفْلٌ کی جمع ہے بمعنی تالا، اَقْفَال کی اضافت قلوب کی طرف کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں قفل سے عرفی تالا مراد نہیں ہے بلکہ خاص قسم کا غیبی تالا مراد ہے جو قلوب کے مناسب ہو، مثلاً توفیق کا سلب ہونا، غور وفکر کی صلاحیت کا ختم ہو جانا وغیرہ وغیرہ، مفسر علام نے فَلَا یَفْھَمُوْنَہٗ سے اسی غیبی تالے یعنی سلب صلاحیت فہم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَمْلٰی اس میں دو قراءتیں ہیں ① ہمزہ کا ضمہ اور لام کا کسرہ مع یاء کے فتحہ کے ای اُمْلِیَ ماضی مجہول ان کو ڈھیل دی گئی اور ② قراءت میں سکون یاء کے ساتھ مضارع معروف بھی ہے، یعنی ان کو مہلت دوں گا، اَمْلٰی لَھُمْ ان کو دور کی سجھائی، لمبی لمبی امیدیں دلائیں، اس وقت اس کا فاعل شیطان ہوگا، اور ان کو مہلت دی، ڈھیل دی، اس صورت میں فاعل اللہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: المُمْلِي الشیطانُ بارادتہ تعالٰی اس عبارت کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: مہلت دینا یہ خدا کا کام ہے لہٰذا شیطان کی طرف اس کی نسبت درست نہیں ہے۔

جَوَاب: ڈھیل اور مہلت دینے والا درحقیقت اللہ ہی ہے مگر اسناد مجازی کے طور پر شیطان کی طرف نسبت کر دی ہے اس لئے کہ یہ اسی کے وسوسے کے ذریعہ ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: ذٰلک مبتداء بِاَنَّھُمْ قالوا اس کی خبر، باء سببیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: قَالُوا، قَالُوا کا فاعل منافقین ہیں اور کَرِھُوا کا فاعل یہود ہیں، گویا کہ یہ کہنا سننا اور گفتگو منافقین اور یہود کے درمیان ہے نہ کہ منافقین اور مشرکین کے درمیان جیسا کہ علامہ محلی نے اختیار کیا ہے، غالباً یہ سبقت قلم ہے۔ (حاشیہ جلالین)

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الآیۃ) یہاں سے آخر تک تمام آیات مدنی ہیں اس لئے کہ جہاد کی مشروعیت مدینہ ہی میں ہوئی ہے اور اس لئے بھی کہ نفاق بھی مدینہ ہی میں پیدا ہوا، مکہ میں نفاق کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ مکہ میں اسلام کمزور اور دشمن

طاقتور تھا مکی زندگی کا پورا زمانہ اور مدنی زندگی کا ابتدائی زمانہ بڑا پرآشوب اور اضطراب و بےچینی کا زمانہ تھا ہر آن اور ہر وقت خطرہ لاحق رہتا تھا راتوں کو مسلمان ہتھیار بند سوتے تھے، ذرا بھی کوئی شور و غل ہوتا تھا تو مسلمان سمجھتے تھے کہ دشمن چڑھ آیا، مشرکین مکہ کی ریشہ دوانیاں نہ صرف یہ کہ جاری تھیں بلکہ شباب پر تھیں، مسلمان جس اضطرابی دور سے گذر رہے تھے اس سے تنگ آ کر ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے مطابق مسلمانوں نے بھی من بنالیا تھا کہ اب آر پار کی ہوجانی چاہئے مگر ابھی تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا مخلصین مومنین جذبہ جہاد سے سرشار تھے اور اس بات کے خواہشمند تھے کہ جہاد کی اجازت ہوجائے، اور بےچینی کے ساتھ اللہ کے فرمان کا انتظار بھی کررہے تھے، اور آپ ﷺ سے بار بار دریافت کرتے تھے کہ ہمیں ان ظالموں سے لڑنے کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا اور اس بارے میں کوئی محکم غیر منسوخ سورت کیوں نازل نہیں کی جاتی؟

مگر جو منافقین مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوگئے تھے ان کا حال مومنین مخلصین کے حال سے مختلف تھا وہ اپنے جان و مال کو خدا اور اس کے دین سے عزیز سمجھتے تھے اسی لئے وہ کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھے ان ہی میں بعض ضعیف الایمان بھی شامل ہوگئے تھے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

فَاِذَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُحكمةٌ یہ ان ہی منافقین کا ذکر ہے جن پر جہاد کا حکم نہایت گراں گذرتا تھا، اس جہاد کے حکم نے منافقوں کو سچے مسلمانوں سے چھانٹ کر بالکل الگ کردیا آیت جہاد نازل ہونے سے پہلے منافقین بھی جہاد میں بہادری دکھانے کے بڑی شدومد سے دعوے کرتے تھے، مگر جب اسلام کے لئے جان کی بازی لگانے کا وقت آیا تو ان کے نفاق کا حال کھل گیا، اور نمائشی ایمان کا لبادہ اتر گیا اب جب جہاد کا حکم نازل ہوگیا ہے تو ان منافقوں کی بدحالی کا یہ عالم ہے گویا کہ ان پر موت کی سی بیہوشی چھاگئی اور جس طرح مرتے وقت مرنے والے کی آنکھیں پتھرا کر ایک جگہ ٹھہر جاتی ہیں، یہ آپ کی طرف اسی طرح مبہوت اور متحیر ہو کر ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے ہیں، ان کے لئے جہاد اور موت سے گھبرانے کے بجائے بہتر تھا کہ وہ سمع و طاعت کا مظاہرہ کرتے اور نبی ﷺ کی بابت گستاخانہ کلمے کہنے کے بجائے اچھی بات کہتے یہ مطلب اس صورت میں ہوگا جب اولیٰ بمعنی اَجْدَرُ (بہتر) لیا جائے، ابن کثیر نے اسی کو اختیار کیا ہے بعض حضرات نے اولیٰ ویلٌ سے کلمۂ تہدید مراد لیا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ نفاق کی وجہ سے ان کی ہلاکت قریب ہے اولیٰ لَهُمْ کے معنی اصمعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق یہ ہیں **قاربَهُ ما يُهلكه** یعنی اس کی ہلاکت کے اسباب قریب آچکے۔ (قرطبی) اور **طاعةٌ وقولٌ معروفٌ** جملہ مستانفہ ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی اور وہ خیر لکم ہے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ (الآیة) تولّی کے لغت کے اعتبار سے دو معنی ہوسکتے ہیں، ایک اعراض اور دوسرے کسی قوم و جماعت پر اقتدار و حکومت، اس آیت میں بعض حضرات نے پہلے معنی لئے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے احکام شرعیہ الٰہیہ سے روگردانی کی جس میں حکم جہاد بھی شامل ہے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ تم جاہلیت کے قدیم طریقوں پر پڑ جاؤ گے، جس کا لازمی نتیجہ زمین میں فساد اور قطع رحمی ہے۔

روح المعانی اور قرطبی نے اس جگہ تَوَلّٰی کے دوسرے معنی یعنی حکومت اور امارت کے لئے ہیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ تمہارے حالات جس کا ذکر اوپر آچکا ہے ان کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر تمہاری مراد پوری ہو یعنی اس حالت میں تمہیں ملک وقوم کی ولایت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو نتیجہ اس کے سوا نہیں ہوگا کہ تم زمین میں فساد برپا کروگے اور رشتوں اور قرابتوں کو توڑ ڈالوگے۔ (معارف)

صلہ رحمی کی سخت تاکید:

اَرْحَام، رحم کی جمع ہے بچہ دانی کو کہتے ہیں، چونکہ عام رشتوں، قرابتوں کی بنیاد رحم ہی سے چلتی ہے اس لئے عرف اور محاورہ میں رحم رشتہ داری اور ذوی الارحام رشتہ داروں کو کہتے ہیں، اسلام نے رشتہ داری اور قرابت کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ذیل میں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

حدیث ❶: صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اور دیگر دو اصحاب رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے اس مضمون کی حدیث نقل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص صلہ رحمی کرے گا اللہ اس کو اپنے قریب کریں گے اور جو قطع رحمی کرے گا اللہ اس کو قطع کردیں گے۔

حدیث ❷: ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی ایسا گناہ کہ جس کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت اس کی میں اس کے علاوہ ہو ظلم اور قطع رحمی کے برابر نہیں۔ (رواہ ابوداؤد، والترمذی، ابن کثیر)

حدیث ❸: حضرت ثوبان رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر زیادہ اور رزق میں برکت ہو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے یعنی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے، احادیث صحیحہ میں یہ بھی ہے کہ حق قرابت کے معاملہ میں دوسری طرف سے برابری کا خیال نہ کرنا چاہئے اگر دوسرا بھائی قطع تعلق اور ناروا سلوک بھی کرتا ہے تب بھی تمہیں حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے، صحیح بخاری میں ہے کہ وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو صرف برابر کا بدلہ دے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسری طرف سے قطع تعلق کا معاملہ کیا جائے تو یہ ملانے اور جوڑنے کا کام کرے۔ (ابن کثیر)

حضرت عمر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے هَلْ عَسَيْتُمْ الخ سے استدلال کرکے ام ولد کی فروخت کی ممانعت فرمائی تھی، حاکم نے مستدرک میں حضرت بریدہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک روز میں حضرت عمر کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، کہ یکا یک محلہ میں شور مچنے لگا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک لونڈی فروخت کی جارہی ہے اور اس کی لڑکی رو رہی ہے، حضرت عمر نے اسی وقت انصار اور مہاجرین کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ دین اسلام میں کیا قطع رحمی کا بھی کوئی جواز ہے؟ سب نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا پھر یہ کیا ہو رہا ہے، ماں سے بیٹی کو جدا کیا جارہا ہے، اس سے بڑی قطع رحمی اور کیا ہوسکتی ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پورے ملک میں ام ولد کے فروخت کی ممانعت فرمادی۔

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ یہ مفسدہ پرداز قطع کرنے والے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت فرمائی رحمت سے دور کردیا اور ان کی شنوائی و بینائی حق سننے اور حق دیکھنے سے سلب کرلیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کے معانی ومطالب ان کے دل میں نہیں اترتے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ ان کے قلوب پر مہر ثبت کردی گئی ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ اس میں شیطان کی طرف دو کاموں کی نسبت کی گئی ہے ایک ''تسویل'' جس کے معنی تزیین کے ہیں کہ بُری چیز یا بُرے عمل کو کسی کی نظروں میں اچھا اور مزین کردے، دوسرا کام ''املاء'' جس کے معنی امہال اور مہلت دینے کے ہیں، مطلب یہ کہ شیطان نے اول تو ان کے برے اعمال کو ان کی نظروں میں مزین اور آراستہ کرکے دکھلایا پھر ان کو ایسی طویل آرزوؤں اور امیدوں میں الجھا دیا جو پوری ہونے والی نہیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿٢٩﴾ يُظْهِرُ اَحْقَادَهُم علي النبي والمُؤمنين وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ عَرَّفْنَا كَهُم وكُرِّرَتِ اللامُ في فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ عَلامَتِهم وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ الواوُ لِقَسَمٍ مَحذُوفٍ وما بعدَها جَوَابُه فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ اي مَعناه اذا تَكلَّمُوا عِندَكَ بان يُعَرِّضُوا بِمَا فيه تَهجِينُ اَمرِ المُسلِمِين وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ نَختَبِرَنَّكُم بالجِهاد وغيره حَتّٰى نَعْلَمَ عِلمَ ظُهورٍ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ في الجِهَادِ وغيره وَنَبْلُوَاْ نُظهِرَ اَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾ مِن طَاعَتِكُم وعِصْيانِكم في الجِهَادِ وغَيره بالياءِ والنُونِ في الافعال الثلثةِ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طَرِيقِ الحَقِّ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ خَالَفُوه مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى هُوَ مَعنى سَبِيلِ الله لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾ يُبْطِلُها مِن صَدَقةٍ ونَحوِها فَلا يَرَوْنَ لها في الاٰخِرةِ ثَوابًا نَزَلَتْ في المُطْعِمِينَ مِن اَصحابِ بَدرٍ او فِي قُرَيْظَةَ والنَضِير يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾ بالمَعَاصِي مَثلًا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طَرِيقِه وهُوالهُدٰى ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾ نَزَلَتْ في اَصحابِ القَلِيبِ فَلَا تَهِنُوْا تَضعُفُوا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ بفَتحِ السين وكَسرِهَا اي الصُلحِ مَعَ الكُفَّارِ اِذا لَقِيتُمُوهُم وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ حُذِفَ مِنه وَاوُ لامِ الفِعلِ الاَغلَبُونَ القَاهِرُونَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ بالعَونِ والنَصرِ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ يُنقِصَكم اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾ اي ثَوابَها اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اي الاِشتِغالُ فيها لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا اللهَ ذلك مِن اُمورِ الاٰخِرةِ يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔــلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾ جَمِيعَها بل الزكوةَ المفروضَةَ فيها اِنْ يَّسْـَٔــلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ يُبالِغُ فِي طَلَبِها تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ البُخلُ اَضْغَانَكُمْ ﴿٣٧﴾ لِدِينِ الاِسلام هٰٓاَنْتُمْ يا هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ مَا فُرِضَ عليكم فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ يُقالُ بَخِلَ عليه وعنه وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ عن نفقتكم وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ اليه وَاِنْ تَتَوَلَّوْا عن طَاعَتِه يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ اي يَجعَلُهُم بَدَلَكم ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿٣٨﴾ في التَّوَلِّي عن طَاعَتِه بل

ع ٤ ٨

مُطِيْعِيْنَ له عَزَّوَجَلَّ.

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ ان کی نبی سے اور مومنین سے دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا اور اگر ہم چاہتے تو ان سب کو آپ کو دکھا دیتے (یعنی) ان سب کی آپ کو شناخت کرا دیتے، اور لام فَلَعَرَفْتَهُمْ میں مکرر لایا گیا ہے سو آپ ان کو ان کے چہروں کی علامتوں ہی سے پہچان لیتے اور یقیناً آپ ان کو طرزِ گفتگو سے پہچان لیں گے، واؤ، قسم محذوف کے لئے ہے اور اس کا مابعد جواب قسم ہے، مطلب یہ ہے کہ جب وہ آپ سے گفتگو کرتے ہیں تو اس طریقہ سے تعریض کرتے ہیں کہ جس میں مسلمانوں کے بارے میں تحقیر ہوتی ہے تمہارے سب کام اللہ کو معلوم ہیں اور یقیناً ہم تم سب کی جانچ کریں گے، یعنی جہاد وغیرہ کے ذریعہ تمہارا امتحان لیں گے، تاکہ تم میں سے مجاہدین کو اور جہاد وغیرہ میں ثابت قدم رہنے والوں کو جان لیں یعنی ظاہر کر دیں، اور جہاد وغیرہ میں تمہاری نافرمانی اور فرمانبرداری کی حالت کو جانچ لیں، تینوں افعال، یاء اور نون کے ساتھ ہیں یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ یعنی راہِ حق سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی، اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی، سبیل اللہ کے یہی معنی ہیں، یہ ہرگز اللہ کا کچھ نقصان نہ کریں گے، عنقریب وہ ان کے اعمال کو غارت کر دے گا (یعنی) ان کے صدقہ وغیرہ کو باطل کر دے گا، تو وہ آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہ دیکھیں گے (مذکورہ آیت) اصحاب بدر یا (بنی) قریظہ اور (بنی) نضیر کے کھانا کھلانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہنا مانو اور اپنے اعمال کو معاصی کے ذریعہ مثلاً باطل نہ کرو جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستہ سے کہ وہ ہدایت کا راستہ ہے روکا پھر وہ کفر کی حالت ہی میں مر گئے، یقین مانو اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا (مذکورہ آیت) بدر کے کنوئیں والوں کے بارے میں نازل ہوئی، پس اے مسلمانو! ہمت مت ہارو، اور صلح کی درخواست نہ کرو (اَلسَّلْمِ) میں سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ، یعنی جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو صلح کی درخواست نہ کرو، اور تم ہی غالب رہو گے، اور (اَلْاَعْلَوْنَ) سے واؤ کو جو کہ لام فعل ہے حذف کر دیا گیا ہے یعنی تم ہی غالب اور قاہر رہو گے، نصرت اور مدد کے ساتھ اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارے اعمال یعنی ان کے ثواب کو کم نہیں کرے گا واقعی دنیا کی زندگانی یعنی اس میں مشغول رہنا تو صرف کھیل کود ہے اور اگر تم ایمان لے آؤ گے اور اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرو گے اور یہ آخرت کے امور میں سے ہے تو وہ تم کو تمہارے اعمال کا اجر دے گا، وہ تم سے تمہارا تمام مال نہیں مانگتا، بلکہ اس میں سے زکوٰۃ کی فرض مقدار مانگتا ہے اگر وہ تم سے تمہارا سارا مال طلب کرے اور سب کا سب مانگ لے (یعنی) اس کی طلب میں مبالغہ کرے تو تم اس سے بخیلی کرنے لگو گے، اور بخل دین اسلام کے لئے تمہاری ناگواری کو ظاہر کر دے، ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں وہ مقدار خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے جو تمہارے اوپر فرض ہے بعض تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے وہ اپنے سے بخل کرتا ہے کہا جاتا ہے بَخِلَ علیه وعنه اللہ تو تمہارے خرچ کرنے سے مستغنی ہے اور تم اس کے محتاج ہو اور اگر تم اس کی اطاعت سے رو

گردانی کرو گے تو خداتعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا یعنی تمہاری جگہ کردے گا، پھر وہ اطاعت سے روگردانی کرنے میں تم جیسے نہ ہوں گے بلکہ اللہ عزوجل کے اطاعت گزار ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ الخ أم منقطعہ ہے ای بَلْ أَحَسِبَ الْمُنَافِقُوْنَ ، اَلَّذِیْنَ اپنے صلہ موجودٌ فی قُلُوبِهِم مَرَضٌ سے مل کر، حَسِبَ کا فاعل أنْ لَنْ یُخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ، حَسِبَ کے دومفعولوں کے قائم مقام ہے، أنْ مخففہ عن المثقلہ ہے، ضمیر شان اس کا اسم محذوف ہے، أی اَنَّهٗ اس کا مابعد جملہ ہوکر، أنَّ کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: اَضْغَانٌ، اَضْغَان ، ضِغْنٌ کی جمع ہے، کینہ، عداوت۔

قَوْلُہٗ: لَاَرَیْنٰکَهُمْ یہاں رویت سے رویت بصری مراد ہے اسی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہے اگر رویت قلبی مراد ہوتی تو متعدی بسہ مفعول ہوتا کَهُمْ، اَرَیْنَا کے دومفعول ہیں (اعراب القرآن) بعض حضرات نے رویۃ علمیہ بھی مراد لی ہے، مفسر علام نے أرَیْنَا کی تفسیر عَرَّفْنَا سے کرکے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور معرفت سے ایسی معرفت مراد ہے کہ جو کالمشاہد (چشم دید) جیسی ہو۔

قَوْلُہٗ: لَاَرَیْنٰکَهُمْ، لَوْ کا جواب ہے فَلَعَرَفْتَهُمْ کا جواب لَوْ پر عطف ہے لام تاکید کے لئے مکرر ہے، فاء عاطفہ ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے۔

قَوْلُہٗ: لَحْنَ الْقَوْلِ لحن کے دومعنی ہیں ① خطاء فی الاعراب ② خطاء فی الکلام، لحن فی الکلام یہ ہے کہ ظاہر کلام تعظیم پر اور باطن کلام تحقیر پر دلالت کرتا ہو اور متکلم باطن کلام مراد لے رہا ہو یا کلمہ کو اس طرح ادا کرنا کہ اس کے معنی بدل جائیں اور تعظیم کے بجائے تحقیر کے معنی پیدا ہوجائیں، جیسے منافقین آپ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے راعِنا کے بجائے راعینا کہا کرتے تھے، رَاعِنا کے معنی ہیں ہماری رعایت کیجئے، اور رَاعِینا کے معنی ہیں ہمارا چرواہا، یا السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہا کرتے تھے (یعنی تیرے اوپر موت ہو، تو ہلاک ہو)۔

قَوْلُہٗ: فی الافعال الثلاث یہ تین صیغ افعال ① وَلَیَبْلُوَنَّکُم ② یَعْلَمَ ③ یَبْلُوَ ہیں، ان تینوں افعال میں واحد غائب اور جمع متکلم دونوں قراءتیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: شَاقُّوا ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے مخالفت کی یہ مُشَاقَّة اور شِقَاقٌ سے مشتق ہے۔

قَوْلُہٗ: سَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ، حَبْط اعمال سے مراد آخرت میں ان کے اجر کو ختم کردینا ہے، اور اعمال سے وہ اعمال مراد ہیں جو عرف عام میں اعمال خیر سمجھے جاتے ہیں، مثلاً صلہ رحمی، غریبوں، مسکینوں، مسافروں کی مدد کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا وغیرہ۔

قَوْلُہٗ: اُنزلت فی الْمُطْعِمِیْنَ یہاں مطعِمین سے وہ مشرکین مکہ مراد ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر لشکر کفار کے کھانے کا اپنی اپنی طرف سے نظم کیا تھا۔

قولہ: اصحاب القلیب ''قلیب'' میدان بدر میں ایک کنوئیں کا نام ہے جس میں مقتولین مشرکین کو آنحضرت ﷺ نے ڈلوادیا تھا۔

قولہ: فلا تھنوا تم ہمت نہ ہارو، پست ہمت نہ ہو، فاء جواب شرط پر داخل ہے شرط محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا تبیَّنَ لکم بالدلا لۃ القطعیۃ عِزُّ الاسلام وذِلُّ الکفر فی الدنیا والآخرۃ فَلَا تَھِنُوا.

قولہ: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ واؤ حالیہ ہے جملہ حال ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے ای وَاَنْتُمُ الْغَالِبُوْنَ بالسیف والحجۃ آخر الامر. اعْلَوْن اصل میں اعْلُوُوْنَ تھا، پہلا واؤ لام فعل ہے اور دوسرا واؤ جمع کا ہے، اول واؤ متحرک اس کا ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے بدل گیا، الف التقاء ساکنین کی وجہ سے ساقط ہوگیا، اَعْلَوْنَ، اَغْلَبونَ القاھِرونَ کے معنی میں اور بعض نسخوں میں قاھرونَ کے بجائے الظاھرونَ ہے۔

قولہ: وَاللّٰہُ معکم یہ بھی جملہ حالیہ ہے۔

قولہ: یَتِرَ، وتر یترُ (ض) کم کرنا۔

قولہ: فَیُحْفِکُمْ، اِحْفاءٌ سے کسی کام میں مبالغہ کرنا جڑ سے اکھاڑ پھینکنا، اسی سے احفاء الشارب ہے، مونچھوں کو اچھی طرح صاف کرنا، یہاں طلب میں مبالغہ کرنا مراد ہے۔

قولہ: ھَا اَنْتُمْ، ھا حرف تنبیہ اور اَنْتُمْ مبتداء ہے اور ھٰؤلاء منادی ہے، حرف نداء محذوف ہے جس کو مفسر علام نے ظاہر کردیا ہے، تُدْعَوْنَ خبر، جملہ ندائیہ، مبتداء خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: یُقَالُ بَخِلَ علیہِ وعَنْہُ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بَخِلَ اگر شُحٌّ (حرص) کے معنی کو متضمن ہو تو متعدی بعَلٰی ہوتا ہے اور جب اَمْسَکَ کے معنی کو متضمن ہوتا ہے تو متعدی بِعَنْ ہوتا ہے۔

تفسیر و تشریح

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ (الآیۃ) اَضْغان ضِغْنٌ کی جمع ہے جس کے معنی حسد، کینہ، بغض، مخفی عداوت کے ہیں، منافقوں کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد تھا، اسی حوالہ سے کہا جا رہا ہے کہ یہ منافقین کیا سمجھتے ہیں کہ اللہ ان کے مخفی کینہ، بغض و عداوت کو ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہے؟ آگے فرمایا کہ ہم تو اس پر بھی قادر ہیں کہ ایک ایک شخص کی اس طرح نشاندہی کردیں کہ ہر منافق کو عیاناً پہچان لیا جائے، لیکن تمام منافقین کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ یہ اللہ کی صفت ستاری کے خلاف ہے وہ بالعموم پردہ پوشی فرماتا ہے، پردہ دری نہیں، دوسرا یہ کہ اس نے انسان کے ظاہر پر فیصلہ کرنے کا اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے، البتہ ان کا لہجہ اور اندازِ گفتگو ہی ایسا ہوتا ہے جو ان کے باطن کا غماز ہوتا ہے، جس سے پیغمبر تو ان کو یقیناً پہچان سکتا ہے، یہ عام مشاہدے میں آنے والی بات ہے کہ انسان کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اسے لاکھ

چھپائے مگر اس کی گفتگو، حرکات وسکنات اور بعض مخصوص کیفیات اس کے دل کے راز کو آشکارا کر دیتی ہیں.

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ (الآیة) اللہ تعالیٰ کے علم میں تو پہلے ہی سب کچھ ہے، یہاں علم سے مراد اس کا ظہور ہے تاکہ دوسرے بھی جان لیں اور دیکھ لیں، اسی لئے امام ابن کثیر نے فرمایا کہ حَتّٰى نَعْلَمَ وُقُوْعَهٗ ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اس قسم کے الفاظ کا ترجمہ کرتے تھے لِنَرَیٰ تاکہ ہم دیکھ لیں۔ (ابن کثیر)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الآیة) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جن کاموں کو انہوں نے اپنے نزدیک نیک سمجھ کر کیا ہے اللہ ان سب کو ضائع کر دے گا، اور آخرت میں ان کا کوئی اجر بھی نہ پاسکیں گے، اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے منافقین مراد ہیں، اور کہا گیا ہے کہ اہل کتاب مراد ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ مشرکین مراد ہیں، جنہوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر کفار قریش کی امداد اس طرح کی کہ ان میں سے بارہ آدمیوں نے ان کے پورے لشکر کا کھانا اپنے ذمہ لے لیا ان میں سے ایک آدمی پورے لشکر کفار کے کھانے کا انتظام کرتا تھا، اور بعض حضرات نے بنونضیر اور بنی قریظہ بھی مراد لئے ہیں۔

وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ یہاں حبط اعمال سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی اسلام کے خلاف کوششوں اور تدبیروں اور سازشوں کو کامیاب نہ ہونے دے، بلکہ ناکام اور اکارت کر دے، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے کفر ونفاق کی وجہ سے ان کے نیک اعمال، مثل صدقہ وخیرات وغیرہ سب کے سب اکارت اور ضائع ہو جائیں گے۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ اس آیت میں کفار کو صلح کی دعوت دینے کی ممانعت کی گئی ہے اور قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا یعنی اگر کفار صلح کی جانب مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو جائیے، اس سے صلح کی اجازت معلوم ہوتی ہے، اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ اجازت اس شرط کے ساتھ ہے کہ کفار کی جانب سے صلح جوئی کی ابتداء ہو، اور اس آیت میں جو ممانعت آئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے صلح جوئی کی ابتداء کی جائے، اس لئے ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ابتداء صلح کر لینا بھی جائز ہے جبکہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت ہو، محض بزدلی اور عیش کوشی اس کا سبب نہ ہو، اور اسی آیت میں فلا تھنوا کہہ کر اسی بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ (معارف)

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ ارشاد اس زمانہ میں فرمایا گیا کہ جب مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں چند سو مہاجرین وانصار کی ایک مٹھی بھر جمعیت اسلام کی علم برداری کر رہی تھی، اور اس کا مقابلہ محض قریش کے طاقتور قبیلہ ہی سے نہیں بلکہ پورے ملک کے کفار ومشرکین سے تھا، اس حالت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہمت ہار کر ان دشمنوں سے صلح کی درخواست نہ کرنے لگو، اس ارشاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کبھی صلح کی بات چیت کرنی ہی نہیں چاہئے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں صلح کی سلسلہ جنبانی کرنا درست نہیں ہے جب اس کے معنی اپنی کمزوری کے اظہار کے ہوں اور اس سے دشمن اور زیادہ دلیر ہو جائیں، مسلمانوں کو پہلے اپنی طاقت کا لوہا منوالینا چاہئے، اس کے بعد اگر صلح کی بات چیت کریں تو کوئی حرج نہیں۔

اِنَّمَا الحیٰوۃ الدنیا اوپر جہاد کا ذکر تھا، اور چونکہ جہاد سے روکنے والی چیز انسان کے لئے دنیا کی محبت ہوسکتی ہے جس میں

اپنی جان کی محبت اہل وعیال کی محبت مال ودولت کی محبت سب داخل ہیں، اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ سب چیزیں بہر حال ختم اور فنا ہونے والی ہیں، اس وقت اگر ان کو بچا بھی لیا تو کیا فائدہ؟ آخر کار یہ سب چیزیں ہاتھ سے نکلنے ہی والی ہیں، اس لئے ان فانی اور ناپائیدار چیزوں کی محبت کو آخرت کی دائمی پائیدار نعمتوں کی محبت پر غالب نہ آنے دو۔

وَلَا یَسْئَلْکُمْ اَمْوَالَکُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے اموال سے بے نیاز ہے اسی لئے اس نے تم سے زکوٰۃ میں کل مال کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اس کے ایک نہایت ہی قلیل حصے کا یعنی صرف ڈھائی فی صد کا مطالبہ رکھا اور وہ بھی ایک سال کے بعد اپنی ضرورت سے زیادہ ہونے پر، علاوہ ازیں اس کا مقصد بھی تمہارے اپنے بھائی بندوں کی مدد اور خیر خواہی ہے نہ کہ اللہ اس مال سے اپنی حکومت کے اخراجات پورے کرتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ زائد از ضرورت کل مال کا مطالبہ کرتا اور وہ بھی اصرار کے ساتھ اور زور دیکر تو تم بخل کرنے لگتے اور بخل کی وجہ سے جو ناگواری اور کراہت تمہارے دلوں میں ہوتی وہ لامحالہ ظاہر ہو جاتی اس لئے اس نے تمہارے اموال میں سے ایک حقیر و قلیل حصہ تم پر فرض کیا ہے، تم اس میں بھی بخل کرنے لگے۔

تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَمِنْکُمْ مَنْ یَّبْخَلُ تم کو تمہارے اموال کا کچھ حصہ راہِ خدا میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض اس میں بھی بخل کرنے لگتے ہیں اس کے بعد فرمایا وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ یعنی جو شخص اس میں بخل کرتا ہے وہ کچھ اللہ کا نقصان نہیں کرتا بلکہ خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے کہ آخرت کے اجر وثواب سے محرومی اور ترک فرض کا وبال ہے۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْا اَمْثَالَکُمْ اور اگر تم روگرداں ہو جاؤ تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے، بلکہ تم سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کے اطاعت گزار اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرنے والے ہوں گے، نبی ﷺ سے جب اس قوم کے بارے میں صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایسی کونسی قوم ہے کہ اگر ہم (خدانخواستہ) احکام دین سے روگردانی کرنے لگیں تو وہ ہمارے بدلے میں لائی جائے گی؟ اور پھر وہ ہماری طرح احکام سے روگردانی نہ کرے گی؟ تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ (جو کہ آپ کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے) کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اس سے مراد یہ اور اس کی قوم ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا (ستارے) کے ساتھ بھی معلق ہو تو اس کو فارس کے کچھ لوگ حاصل کر لیں گے (ترمذی، ذکرہ الالبانی فی صحیحہ وصحہ ابن حبان، مظہری) شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب جو ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے مناقب میں لکھی ہے اس میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب ہیں کیونکہ ابنائے فارس میں کوئی جماعت علم کے اس مرتبہ پر نہیں پہنچی جس پر ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب پہنچے۔ (حاشیہ تفسیر مظہری، معارف)

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ فتح مدنی ہے انتیس ۲۹ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ قضينا بفتح مكة وغيرها المستقبل عنوة بجهادك فَتْحًا مُّبِيْنًا ① بينا ظاهرا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ بجهادك مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ منه لترغب امتك فى الجهاد وهو مؤول لعصمة الانبياء عليهم الصلوة والسلام بالدليل العقلى القاطع من الذنوب واللام للعلة الغائية فمدخولها مسبب لا سبب وَيُتِمَّ بالفَتحِ المَذكورِ نِعْمَتَهٗ اِنعامَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ به صِرَاطًا طَرِيقًا مُّسْتَقِيْمًا ② يُثبّتكَ عليه وهُودينُ الاِسلامِ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ به نَصْرًا عَزِيْزًا ③ نَصرًا اذا عِزّلا ذِلّ مَعه هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ الطَمانِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ بشَرائعِ الدِّينِ كُلّما نزل وَاحِدَةٌ مِنها اٰمَنُوا بها ومنها الجِهادُ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَلَواَرادَ نَصرَ دِينِهِ بغَيرِكُم لَفعلَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا بخلقه حَكِيْمًا ④ فِى صُنعِهِ اى لَم يَزَلْ مُتَّصِفًا بذلك لِّيُدْخِلَ مُتَعَلِّقٌ بمَحذُوفٍ اى اَمَرَ بالجهادِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ⑤ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ بفتحِ السينِ وضَمِّها فى المَواضعِ الثلٰثةِ ظَنُّوا اَنَّهٗ لا يَنصُرُ محمَّدًا صلّى اللهُ عليه وسلم والمُؤمِنينَ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ بالذّلِ والعَذابِ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ اَبعَدَهُم وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ⑥ مَرجعًا وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا فِى مُلكِهِ حَكِيْمًا ⑦ فِى صُنعِهِ اى لَم يَزَلْ مُتَّصِفًا بذلك اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا عَلٰى اُمّتِكَ فى القِيٰمَةِ وَّمُبَشِّرًا لهم فى الدُنيا بالجَنَّةِ وَّنَذِيْرًا ⑧ مُنذِرًا مُخَوِّفًا فيها مِن عَمَلِ سُوْءٍ بالنار لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ بالياءِ والتاء فيهِ وفى الثلٰثةِ بَعْدَه وَتُعَزِّرُوْهُ يَنصُرُوه وقُرِئَ بزايَينِ مَعَ الفَوقانِيَّةِ وَتُوَقِّرُوْهُ تُعَظِّمُوه وضميرُها لِلّٰهِ ورَسُولِه وَتُسَبِّحُوْهُ اى اللهَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ⑨ بالغَداةِ والعَشيِّ اِنَّ الَّذِيْنَ

يُبَايِعُوْنَكَ بَيْعَةَ الرِّضوان بِالحُدَيْبِيَةِ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ هُو نحوُمَن يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ الَّتِي بَايَعُوا بها النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اى هُو تعالىٰ مُطَّلِعٌ علىٰ مُبَايَعَتِهِم فيُجَازِيهم عَلَيها فَمَنْ نَّكَثَ نَقَضَ البَيْعَةَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ يَرجِعُ وَبَالُ نَقضِه عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ بالياء والنون اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾

ع۔۱ ۹

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، بے شک ہم نے آپ کو (اے نبی) ایک کھلی فتح عطاء کی (یعنی) آپ کے جہاد کے ذریعہ ہم نے بزورِ شمشیر مستقبل میں مکہ وغیرہ کی فتح کا فیصلہ کر دیا، تا کہ آپ کے جہاد کے صلہ میں آپ کی اگلی پچھلی کوتاہیوں کو معاف کریں، تا کہ تیری امت کو جہاد میں رغبت ہو، اور مذکورہ آیت مؤول ہے انبیاء علیہم السلام کے گناہوں سے دلیل عقلی قطعی سے معصوم ہونے کی وجہ سے، اور لام علت غائیہ کے لئے ہے لہٰذا اس کا مدخول مسبب ہے نہ کہ سبب، اور (تا کہ) فتح مذکور کے ذریعہ اپنی نعمتوں کی آپ پر تکمیل کرے اور اس کے ذریعہ سیدھا راستہ دکھائے (یعنی) آپ کو اس پر ثابت قدم رکھے، اور وہ (سیدھا راستہ) دین اسلام ہے اور تا کہ وہ اس فتح کے ذریعہ آپ کو ایک زبردست نصرت بخشے باعزت نصرت، جس میں ذلت نہ ہو، وہی ہے وہ ذات جس نے مومنین کے دل میں سکینت بخشی تا کہ ان کے ایمان کے ساتھ دین کے احکام پر ایمان کا اور اضافہ ہو جب جب بھی ان میں سے کوئی حکم نازل ہو اس پر ایمان لائیں، اور ان ہی احکام میں سے جہاد ہے، اور زمین و آسمان کے سب لشکر اللہ ہی کے ہیں، سو اگر وہ تمہارے بغیر اپنے دین کی نصرت کا ارادہ کرتا تو ایسا کر سکتا تھا، اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں دانا اور اپنی صنعت کے بارے میں باحکمت ہے یعنی وہ اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے (اس نے جہاد کا حکم اس لئے دیا ہے) تا کہ وہ لِيُدْخِلَ، اَمَرَ بالجهاد محذوف کے متعلق ہے، مومنین اور مومنات کو ایسی جنت میں داخل کرے کہ جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور تا کہ ان کے گناہوں کو ان سے دور کرے، اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے، اور تا کہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مرد اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ کے ساتھ بُرے بُرے گمان رکھتے ہیں (اَلسَّوْءِ) تینوں جگہوں پر سین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے، ان کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ اور مومنین کی مدد نہ کرے گا، ذلت اور عذاب کے ساتھ برائی کے چکر میں وہ خود ہی آگئے اور اللہ ان پر غضبناک ہوگا، اور ان کو (رحمت) سے دور کرے گا، اور ان کے لئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور (وہ) برا ٹھکانہ ہے اور آسمانوں اور زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں زبردست اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے یقیناً ہم نے آپ کو قیامت کے دن اپنی امت کے لئے گواہی دینے والا اور ان کو دنیا میں جنت کی خوشخبری سنانے والا (بنا کر بھیجا) اور دنیا میں آگ سے برے اعمال کی وجہ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا، تا کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (لِتُؤمِنُوا) میں یاء اور تاء دونوں ہیں، یہاں بھی اور اس کے بعد تینوں جگہوں پر بھی اور اس کی مدد کرو

اور تاء فوقانیہ کی صورت میں دو زاؤں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اور اس کی تعظیم کرو مذکورہ دونوں صیغوں کی ضمیر اللہ اور اس کے رسول کی جانب راجع ہے اور اس کی یعنی اللہ کی صبح و شام پاکی بیان کرو بلاشبہ جو لوگ آپ سے حدیبیہ میں بیعت رضوان کر رہے ہیں یقیناً وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں اور یہ مَنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ کے مانند ہے، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے، وہ ہاتھ جس پر مومنین نے آپ ﷺ سے بیعت کی یعنی اللہ تعالیٰ ان کی بیعت کی اس کاروائی سے باخبر ہے، سو وہ ان کو اس پر جزاء دے گا، تو جو شخص عہد شکنی کرے گا یعنی بیعت توڑے گا تو اس کی عہد شکنی کا وبال اسی پر پڑے گا، یعنی اس کی عہد شکنی اسی کی طرف لوٹے گی اور جو شخص اس کو پورا کرے گا جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطاء کرے گا (فَسَنُوْتِیْهِ) میں یاء اور نون دونوں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا، فَتَحْنَا کی تفسیر قَضَیْنَا سے کرنے کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور فتح مکہ بالاتفاق ۸ھ میں ہوا ہے، اور یہ سورت حدیبیہ سے واپسی کے وقت ضجنان جو مکہ سے ۲۵ کلومیٹر کے مسافت پر ہے یا بقول بعض کُراع الغمیم کے مقام پر ۶ھ میں نازل ہوئی، تو اب شبہ یہ ہے کہ ۸ھ میں ہونے والے واقعہ کو ۶ھ میں اِنَّا فَتَحْنَا ماضی کے صیغہ سے کیوں تعبیر فرمایا؟

دفع: مفسرین نے اس شبہ کے تین جواب دیئے ہیں: ایک تو وہی ہے جس کی طرف علامہ محلی نے فَتَحْنَا کی تفسیر قَضَیْنَا سے کرکے اشارہ کیا ہے، اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ فتح سے مراد قضا فی الازل ہے ای حکمنا فی الازل اور قضا فی الازل یقیناً صلح حدیبیہ سے مقدم ہے یعنی ۸ھ میں فتح مکہ کا فیصلہ ازل میں ہو چکا تھا، اس صورت میں ماضی سے تعبیر حقیقۃ ہوگی۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ، فتح مکہ کے یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کر دیا گیا، اس لئے کہ جس کا وقوع یقینی ہوتا ہے اس کو ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں، اس صورت میں تعبیر بالماضی مجازاً ہوگی، اور یہ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ کی نظیر ہوگی۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ درحقیقت فتح صلح حدیبیہ ہی ہے، اس لئے کہ صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ اور دیگر فتوحات کا سبب بنی تھی اور آنحضرت ﷺ نے بھی صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا ہے، جب کراع الغمیم کے مقام پر یہ سورت نازل ہوئی تو آپ نے صحابہ کو پڑھ کر سنائی، تو حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس وقت بھی سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا یہ فتح مبین ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ فتح مبین ہے، اس صورت میں بھی تعبیر بالماضی حقیقۃ ہوگی۔

قَوْلُہٗ: عنوۃ زبردستی لینا بزور شمشیر حاصل کرنا، یہ امام اعظم اور امام مالک کا مذہب ہے امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مکہ صلح سے فتح ہوا۔

قَوْلُہٗ: بینا، مبینا کی تفسیر بینا سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مُبِیْنٌ اَبَانَ سے بمعنی لازم ہے نہ کہ متعدی۔

قِوْلُہٗ: فی المستقبل، فتح سے متعلق ہے، بعض نسخوں میں (فی) کے بغیر ہے جیسا کہ پیش نظر نسخہ میں ہے تو اس صورت میں المستقبل، بفتح کی صفت ہوگی۔

قِوْلُہٗ: بجهادك اس کا تعلق، فتح مکہ سے ہے، اس کلمہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: فتح مکہ باری تعالیٰ کا فعل ہے، اس لئے کہ اِنَّا فتحنا میں فتح کی نسبت ذات باری نے اپنی طرف فرمائی ہے، اور مغفرت کا تعلق آپ ﷺ کی ذات سے ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ فتح جو کہ باری تعالیٰ کا فعل ہے یہ علت ہے آپ ﷺ کی مغفرت کی، اور یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ ایک کا فعل دوسرے کے لئے علت نہیں بن سکتا، لہٰذا فتح مکہ پر آپ کی مغفرت کا مرتب ہونا بھی درست نہیں ہے، اسی سوال کے جواب کے لئے مفسر علام نے بجهادك کا اضافہ فرمایا۔

جَوَاب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ بجهادك کا تعلق فتح مکہ کے ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ فتح تو باری تعالیٰ ہی نے عطا فرمائی مگر اس کا ظاہری سبب اور ذریعہ آپ ﷺ کا جہاد بنا، اس طریقہ سے خود آپ کا فعل آپ کی مغفرت کی علت ہوئی نہ کہ فعل باری تعالیٰ اور یہ درست ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا۔

قِوْلُہٗ: هو مؤوّل یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: سوال یہ ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے تو پھر آپ ﷺ کے گناہوں کو معاف کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جَوَاب: ① پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت میں تاویل ہے اول یہ کہ خطاب اگر چہ آپ کو ہے مگر مراد امت ہے، تاکہ امت کو جہاد میں رغبت ہو ② دوسرے یہ کہ ذنوب سے مراد حسنات الابرار سيئات المقربين کے قاعدہ سے خلاف اولیٰ ہیں، اور خلاف اولیٰ کا نبی سے صدور ہو سکتا ہے یہ عصمت انبیاء کے منافی نہیں ③ یا مغفرت سے مراد ستر وحجاب ہے، مطلب یہ کہ آپ کے اور آپ سے صدور ذنب کے درمیان ستر وحجاب حائل کردے تاکہ آپ سے گناہ کا صدور ہی نہ ہو۔

قِوْلُہٗ: لترغب امتك یہ جہاد پر مغفرت کے مرتب ہونے کی علت ہے، یعنی جہاد پر مغفرت مرتب ہونے کی وجہ سے تیری امت جہاد کی طرف راغب ہوگی۔

قِوْلُہٗ: واللام للعلة الغائية ليغفر، میں لام علت غائیہ کا ہے نہ کہ باعثہ کا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل معلل بالاغراض نہیں ہو سکتا یعنی کوئی شئی اس کو کسی فعل پر باعث (برانگیختہ، آمادہ) نہیں کر سکتی ہے، البتہ لام مذکور علتِ غائیہ کے لئے ہو سکتا ہے، یعنی نتیجۂ فعل کے لئے، جب بولتے ہیں، اشتریت القلم لا کتب میں نے قلم خریدا لکھنے کے لئے، کتابت، اشتراء کی غایت ہے، لہٰذا لام کا مدخول یعنی مغفرت مسبب ہے نہ کہ سبب، سبب فتح ہے اور مسبب مغفرت ہے نہ کہ مغفرت سبب ہو اور فتح مکہ مسبب، یعنی بذریعہ جہاد فتح مکہ مغفرت کا سبب ہے نہ کہ مغفرت فتح مکہ کا سبب۔

قِوْلُہٗ: ويتم اس کا عطف يغفر پر ہے اور لام کے تحت میں ہے۔

قِوْلُہٗ: يثبتك. اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ آپ ﷺ تو شروع ہی سے ہدایت یافتہ تھے پھر آپ کے بارے میں ويهديك صراطا مستقيما فرمانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ ہدایت سے مراد ہدایت پر دوام و استقرار ہے۔

قولہ: ذاعز یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ عزیز، منصور کی صفت ہے نہ کہ نصرٌ کی اور یہاں نصر کی صفت واقع ہو رہی ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ عزیز فعیل کے وزن پر ہے اور فعیل کا وزن نسبت بیان کرنے کے لئے بھی آتا ہے جیسے فسقته میں نے اس کی فسق کی طرف نسبت کی یا اس کو فاسق کہا، اسی طرح یہاں بھی عزیز بمعنی ذو عز ہے اور ذوعز منصور ہی ہوتا ہے۔

قولہ: فی المواضع الثلثة یعنی دو یہ اور تیسرا موقع وظننتم ظن السوء.

(تنبیه) یہ شارح علیہ الرحمۃ سے سبقت قلم ہے، اس لئے کہ اول اور تیسرے مقام میں بالاتفاق صرف فتحہ ہے، لہٰذا صحیح یہ تھا کہ یوں فرماتے فی الموضع الثانی.

قولہ: والتاء فیه یعنی لتؤمنوا باللّٰهِ میں یاء اور تاء دونوں قراءتیں ہیں، مگر تاء کی صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ لتؤمنوا باللّٰه، انا ارسلنك کا تتمہ ہے اور انا ارسلنك میں خطاب آپ ﷺ کو ہے اور لتؤمنوا میں خطاب امت کو ہے کلام واحد میں انتشار مرجع لازم آتا ہے، جبکہ آخر کلام اول کلام کا تتمہ ہی ہے۔

جواب: لتؤمنوا میں اگرچہ بظاہر خطاب امت کو معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں خطاب آپ کو ہے اس لئے کہ آپ اصلِ امت ہیں لہٰذا اب کلام واحد میں تعدد مرجع لازم نہیں آتا۔

قولہ: هو نحو من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰهَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بیعت کو اللہ کی بیعت قرار دیا گیا ہے، اس سے اللہ کے لئے جوارح یعنی اعضاء کا شبہ ہوتا ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے بھی ہاتھ پر بیعت لی ہوگی، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بیعت سے عقد میثاق مراد ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے من یطع الرسول فقد اطاع الله یعنی جس طرح اطاعتِ رسول اللہ کی اطاعت ہے اسی طرح رسول اللہ سے بیعت، اللہ سے بیعت ہے۔

تفسیر و تشریح

سورت کا نام:

سورت کا نام پہلی آیت انا فتحنا لك فتحا مبینا سے ماخوذ ہے۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ اجمالاً:

جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر کے نزدیک سورۂ فتح ٦ ھ میں اس وقت نازل ہوئی جبکہ آپ بقصد عمرہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہوئے، اور حرم مکہ کے قریب مقام حدیبیہ تک پہنچ کر قیام فرمایا، مگر قریش مکہ نے آپ کو

مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، پھر اس بات پر صلح کرنے کے لئے آمادہ ہوئے کہ اس سال تو آپ ﷺ واپس چلے جائیں، اگلے سال اس عمرہ کی قضا کرلیں، بہت سے صحابہ کرام بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح کی صلح سے کبیدہ خاطر تھے، مگر آنحضرت ﷺ نے باشارات ربانی اس صلح کو انجام کار مسلمانوں کے لئے ذریعہ کامیابی سمجھ کر قبول فرمالیا، جس کی تفصیل آئندہ پیش کی جائے گی، جب آنحضرت ﷺ نے اپنا احرام عمرہ کھولدیا اور حدیبیہ سے واپس روانہ ہوئے تو راستہ میں یہ سورت نازل ہوئی، جس میں بتلادیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب سچا ہے ضرور واقع ہوگا مگر اس کا یہ وقت نہیں اور اس صلح کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا اس لئے کہ یہ صلح ہی درحقیقت فتح مکہ کا سبب بنی، چنانچہ بہت سے صحابہ اور خود آپ ﷺ صلح حدیبیہ ہی کو فتح مبین قرار دیتے تھے، یہ سورت چونکہ واقعہ حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور اس واقعہ کے بہت سے اجزاء کا خود اس سورت میں تذکرہ بھی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ پہلے ذکر کردیا جائے، ابن کثیر اور مظہری میں اس کی بڑی تفصیل ہے۔

واقعہ حدیبیہ کی تفصیل اور تاریخی پس منظر:

جن واقعات کے سلسلہ میں یہ سورت نازل ہوئی ان کی ابتداء کی عبد بن حمید وابن جریر وبیہقی کی روایت کے مطابق تفصیل اس طرح ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں اور عمرہ کے احرام سے فارغ ہو کر حلق کرایا اور بعض لوگوں نے قصر کرایا اور یہ کہ آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے، اور بیت اللہ کی چابی آپ کے ہاتھ آئی، اس جزء کا ذکر بھی آگے اسی سورت میں آرہا ہے، انبیاء کا خواب چونکہ وحی ہوتا ہے جس کی رو سے اس خواب کا واقع ہونا ضروری تھا، مگر خواب میں اس واقعہ کے لئے کوئی سال یا مہینہ متعین نہیں کیا گیا تھا مگر درحقیقت یہ خواب فتح مکہ کی صورت میں واقع ہونے والا تھا۔

بظاہر اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے بالکل اسباب نہیں تھے، اور نہ اس پر عمل کرنے کی بظاہر کوئی صورت نظر آتی تھی، ادھر کفار قریش نے چھ سال سے مسلمانوں کے لئے بیت اللہ کا راستہ بند کر رکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے بلا تامل اپنا خواب صحابہ کرام کو سنایا تو وہ سب کے سب مکہ مکرمہ جانے اور بیت اللہ کا طواف کرنے وغیرہ کے ایسے مشتاق تھے کہ ان حضرات نے فوراً ہی تیاری شروع کردی، جب صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد تیار ہوگئی تو آپ ﷺ نے بھی ارادہ فرمالیا۔ (روح المعانی ملخصًا)

ذوالقعدہ بروز پیر ۶ھ کی ابتدائی تاریخوں میں یہ مبارک قافلہ مدینہ سے روانہ ہوا، ذوالحلیفہ جس کو اب بئر علی کہتے ہیں پہنچ کر سب نے عمرہ کا احرام باندھا، قربانی کے لئے ۷۰ اونٹ ساتھ لئے، بخاری، ابوداؤد ونسائی وغیرہ کی روایت کے مطابق روانگی سے پہلے آپ ﷺ نے غسل فرمایا، نیا لباس زیب تن فرمایا، اور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے، ام المومنین حضرت ام سلمہ کو ساتھ لیا آپ کے ہمراہ مہاجرین وانصار اور دیہات سے آنے والوں کا ایک بڑا مجمع تھا جن کی تعداد اکثر روایات میں چودہ سو بیان کی گئی ہے۔ (مظہری ملخصًا)

اہل مکہ کی مقابلہ کے لئے تیاری:

دوسری جانب اہل مکہ کو رسول اللہ ﷺ کے ایک بڑی جماعت صحابہ کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہونے کی خبر ملی، تو جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لئے آرہے ہیں، اگر ہم نے ان کو مکہ میں آنے دیا تو پورے عرب میں یہ شہرت ہو جائے گی کہ وہ ہم پر غلبہ پا کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے، حالانکہ ہمارے اور ان کے درمیان کئی جنگیں ہو چکی ہیں، آخر کار بڑی شش و پنج کے بعد ان کی جاہلانہ حمیت ہی ان پر غالب آکر رہی اور انہوں نے اپنی ناک کی خاطر یہ فیصلہ کر لیا کہ کسی قیمت پر بھی اس قافلہ کو اپنے شہر میں داخل نہیں ہونے دینا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مخبر کی حیثیت سے بنی کعب کے ایک شخص کو آگے بھیج رکھا تھا کہ وہ قریش کے ارادوں اور ان کی نقل و حرکت سے آپ کو بروقت اطلاع کرتا رہے، جب آپ ﷺ عسفان پہنچے تو اس نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ قریش کے لوگ پوری تیاری کے ساتھ ذی طویٰ کے مقام پر پہنچ گئے ہیں اور خالد بن ولید کو انہوں نے دوسو سواروں کے ساتھ کراع الغمیم کی طرف بھیج دیا ہے، تاکہ وہ آپ کا راستہ روکیں، قریش کا مقصد آپ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا تھا تاکہ جنگ ہو جائے اور لڑائی شروع کرنے کا الزام آپ کے سر آجائے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ اطلاع پاتے ہی فوراً راستہ بدل دیا اور ایک نہایت ہی دشوار گذار راستہ سے سخت مشقت اٹھا کر حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے جو عین حرم کی سرحد پر واقع ہے، خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقاء اپنے قبیلہ کے چند آدمیوں کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور آپ سے معلوم کیا کہ آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے صرف بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف کرنے کیلئے آئے ہیں، یہی بات ان لوگوں نے جا کر قریش کے سرداروں کو بتادی اور ان کو مشورہ دیا کہ وہ ان زائرین حرم کا راستہ نہ روکیں، مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔

خبر رسانی کا سادہ مگر عجیب طریقہ:

ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے حالات سے باخبر رہنے کا یہ انتظام کیا کہ مقام بلدح سے لیکر اس مقام تک جہاں آنحضرت ﷺ پہنچ چکے تھے، پہاڑوں کی چوٹیوں پر کچھ آدمی بٹھا دیئے تاکہ آپ کے پورے حالات دیکھ کر آپ کے متصل پہاڑ والا باآواز بلند دوسرے پہاڑ والے تک اور وہ تیسرے تک اور وہ چوتھے تک پہنچادے اس طرح چند منٹوں میں بلدح والوں کو آپ کے حالات کا علم ہو جاتا تھا۔

قریش نے سفارت کاری کے لئے اول آپ ﷺ کے پاس احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کو بھیجا تاکہ وہ آپ کو واپس جانے پر آمادہ کرے، حلیس نے جب آکر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سارا قافلہ احرام بند ہے اور ہدی کے اونٹ ساتھ ہیں تو سمجھ

گیا کہ ان کا مقصد بیت اللہ کا طواف وزیارت کرنا ہے، جنگ کرنا ان کا مقصد نہیں ہے، یہ حالات دیکھ کر آپ سے گفتگو کئے بغیر واپس چلا گیا، اور اس نے جا کر قریش کے سرداروں سے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ لوگ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کے لئے آئے ہیں، اگر تم ان کو روکو گے تو میں اس کام میں تمہارا ساتھ ہرگز نہ دوں گا، ہم تمہارے حلیف ضرور ہیں مگر اس لئے نہیں کہ تم بیت اللہ کی حرمت کو پامال کرو اور ہم اس میں تمہاری حمایت کریں۔

عروہ بن مسعود سفارت کار کی حیثیت سے آپ ﷺ کی خدمت میں:

اس کے بعد قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی آیا اس نے بڑی اونچ نیچ، نشیب وفراز سمجھا کر رسول اللہ ﷺ کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ آپ مکہ میں داخل ہونے کے ارادے سے باز آجائیں مگر آپ نے اس کو بھی وہی جواب دیا جو بنی خزاعہ کے سردار کو دیا تھا کہ ہم لڑائی کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں بلکہ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کے ارادہ سے آئے ہیں، عروہ نے واپس جا کر قریش سے کہا کہ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی گیا ہوں مگر خدا کی قسم میں نے اصحاب محمد کی فدائیت کا جیسا منظر دیکھا ہے، ایسا منظر کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے یہاں بھی نہیں دیکھا، ان کا حال تو یہ ہے کہ محمد ﷺ جب وضو کرتے ہیں تو ان کے اصحاب پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے اور اُسے اپنے جسم اور کپڑوں پر مل لیتے ہیں، اب تم سوچ لو تمہارا مقابلہ کس سے ہے؟ اس دوران سفارت کاری کا عمل جاری تھا ایلچیوں کی آمد ورفت ہو رہی تھی اور گفت وشنید کا سلسلہ جاری تھا، قریش کے لوگ بار بار یہ کوشش کر رہے تھے کہ چپکے سے حضور کے کیمپ پر چھاپے مار کر آپ کو اشتعال دلائیں، اور کسی نہ کسی طرح ان سے ایسا اقدام کرالیں جس سے لڑائی کا بہانہ ہاتھ آجائے، مگر ہر مرتبہ آپ کی تدبیروں اور صحابہ کے صبر وضبط نے ان کی تدبیروں کو ناکام کر دیا، ایک دفعہ ان کے چالیس پچاس آدمی رات کے وقت مسلمانوں کے خیموں پر پتھر اور تیر برسانے لگے، صحابہ نے ان سب کو گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، ایک روز مقام تنعیم کی طرف سے ۸۰ آدمیوں نے عین نماز فجر کے وقت آکر اچانک چھاپہ مار دیا، یہ لوگ بھی گرفتار کر لئے گئے، مگر آپ ﷺ نے انہیں بھی رہا کر دیا۔

حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی سفارتی مہم پر روانگی اور آپ ﷺ کا قریش کے نام پیغام:

بدیل بن ورقاء اور عروہ بن مسعود ثقفی یکے بعد دیگرے آپ ﷺ سے گفتگو کر کے واپس چلے گئے اور قریش سے پوری صورت حال بیان کی اور بتایا کہ یہ لوگ لڑائی کے ارادہ سے نہیں بلکہ زیارت بیت اللہ کے ارادہ سے آئے ہیں لہٰذا ان کا راستہ روکنا مناسب نہیں ہے مگر قریش پر جنگ کا جنون سوار تھا ان کی ایک نہ سنی اور آمادۂ جنگ وپیکار ہوئے۔

امام بیہقی نے عروہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں پہنچ کر قیام فرمایا تو قریش گھبرا گئے تو آنحضرت ﷺ نے ارادہ کیا کہ ان کے پاس اپنا کوئی آدمی بھیج کر بتلا دیں کہ ہم جنگ کرنے نہیں عمرہ کرنے آئے ہیں ہمارا راستہ نہ روکو، اس کام کے لئے اول حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بلایا، حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قریش میرے

سخت دشمن ہیں، کیونکہ ان کو میری عداوت اور شدت معلوم ہے اور میرے قبیلہ کا کوئی آدمی مکہ میں ایسا نہیں جو میری حمایت کرے اس لئے میں آپ کے سامنے ایک شخص کا نام پیش کرتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں اپنے قبیلہ وغیرہ کی وجہ سے خاص قوت وعزت رکھتا ہے یعنی عثمان بن عفان، آپ نے حضرت عثمان کو اس کام کے لئے مامور فرما کر بھیج دیا اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو ضعفاء مسلمین مکہ سے ہجرت نہیں کر سکے اور مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے پاس جا کر تسلی دیں کہ پریشان نہ ہوں انشاء اللہ مکہ مکرمہ فتح ہو کر تمہاری مشکلات ختم ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے، حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پہلے ان لوگوں کے پاس گئے جو مقام بلدح میں آنحضرت ﷺ کا راستہ روکنے کے لئے جمع ہوئے تھے، ان سے آپ ﷺ کی وہی بات سنادی جو آپ نے بدیل اور عروہ بن مسعود وغیرہ کے سامنے کہی تھی ان لوگوں نے جواب دیا ہم نے پیغام سن لیا اپنے بزرگوں سے جا کر کہہ دو کہ یہ بات ہرگز نہ ہوگی، ان لوگوں کا جواب سن کر آپ مکہ مکرمہ کے اندر جانے لگے تو ابان بن سعید (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) سے ملاقات ہوئی، انہوں نے حضرت عثمان کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور اپنی پناہ میں لیکر ان سے کہا کہ مکہ میں اپنا پیغام لیکر جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، پھر اپنے گھوڑے پر حضرت عثمان کو سوار کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، کیونکہ ان کا قبیلہ بنوسعد مکہ مکرمہ میں بہت قوی اور عزت دار تھا، حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مکہ کے ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کا پیغام سنایا، اس کے بعد حضرت عثمان ضعفاء مسلمین سے ملے ان کو بھی آپ ﷺ کا پیغام پہنچایا وہ بہت خوش ہوئے، جب حضرت عثمان پیغامات پہنچانے سے فارغ ہو گئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا اگر آپ چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں حضرت عثمان غنی نے فرمایا کہ میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کریں۔

قریش کے ستر آدمیوں کی گرفتاری اور آپ کی خدمت میں پیشی:

اسی درمیان قریش نے اپنے پچاس آدمی اس کام پر لگائے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ کر موقع کا انتظار کریں اور موقع ملنے پر (معاذ اللہ) آپ ﷺ کا قصہ تمام کر دیں، یہ لوگ اسی تاک میں تھے کہ آنحضرت ﷺ کی حفاظت ونگرانی پر مامور حضرت محمد بن مسلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ساتھ تقریباً دس مسلمان اور مکہ میں پہنچ گئے تھے، قریش نے جب اپنے پچاس آدمیوں کی گرفتاری کا حال سنا تو حضرت عثمان سمیت ان سب مسلمانوں کو روک لیا، اور قریش کی ایک جماعت مسلمانوں کے لشکر کی طرف روانہ ہوئی اور مسلمانوں پر تیر اور پتھر پھینکنے شروع کر دیئے، جس سے ایک صحابی ابن زنیم شہید ہو گئے اور مسلمانوں نے قریشیوں کے دس سواروں کو گرفتار کر لیا، ادھر رسول اللہ ﷺ کو کسی نے یہ خبر پہنچادی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے، ان کے واپس نہ آنے سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ یہ خبر سچی ہے، اب مزید تحمل کا کوئی موقع نہیں تھا، کیونکہ جب نوبت سفیر کے قتل تک پہنچ گئی تو اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ مسلمان جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔

بیعت رضوان کا واقعہ:

حضرت عثمان کے قتل کی خبر سن کر آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو جمع کیا اور ان سے اس بات پر بیعت لی، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ بیعت موت پر تھی یعنی مر جائیں گے مگر قدم پیچھے نہ ہٹائیں گے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بیعت عدم فرار اور کمال ثبات وقرار پر تھی، باوجودیکہ حالات بڑے نازک تھے، ظاہری حالات مسلمانوں کے موافق نہیں تھے، مسلمانوں کی تعداد صرف چودہ سو تھی، اور سامانِ جنگ بھی سوائے تلوار کے پاس نہیں تھا، اپنے مرکز سے ڈھائی سو میل دور عین مکہ کی سرحد پر ٹھہرے ہوئے تھے جہاں دشمن پوری طاقت کے ساتھ ان پر حملہ آور ہو سکتا تھا، اور گردو پیش سے اپنے حامی قبیلوں کو لاکر انہیں گھیرے میں لے سکتا تھا اس کے باوجود تمام صحابہ نے سوائے جد بن قیس کے کہ وہ اونٹ کے پیچھے چھپ کر بیٹھا رہا اور اس دولت خداداد سے محروم رہا بیعت کی (خلاصۃ التفاسیر) سب سے پہلے ابوسنان اسدی نے ہاتھ بڑھایا، اس کے بعد یکے بعد دیگرے جملہ حاضرین نے بیعت کی، یہی وہ بیعت ہے جو ''بیعت رضوان'' کے نام سے تاریخ اسلام میں مشہور ہے، حضرت عثمان رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ چونکہ موجود نہیں تھے، اور وہ آپ ﷺ ہی کے کام میں تھے اس لئے آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر ان کی طرف سے بیعت کی اور اپنے دست مبارک کو حضرت عثمان رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کا ہاتھ قرار دیا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے قتل کی خبر غلط تھی، حضرت عثمان خود بھی واپس آ گئے۔

فائدہ: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے ورنہ غلط خبر پر یقین نہ کرتے اور قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد بھی صلح کی بات چیت کرنے کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا، اب قریش اپنی اس ضد سے ہٹ گئے کہ آپ کو مکہ میں سرے سے داخل ہی نہ ہونے دیں گے، البتہ اپنی ناک بچانے کے لئے ان کو صرف یہ اصرار تھا کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں، آئندہ سال آپ عمرہ کے لئے آسکتے ہیں۔

قریش کے وفد کی سربراہی سہیل بن عمرو کر رہے تھے، آپ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا، اب معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے صلح کا ارادہ کر لیا ہے کہ سہیل کو پھر بھیجا ہے، آپ ﷺ چہار زانو بیٹھ گئے اور صحابہ میں سے عباد بن بشر اور سلمہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا ہتھیاروں سے مسلح آنحضرت کے پاس حفاظت کے لئے کھڑے ہو گئے صلح کے مسئلہ پر فریقین میں طویل گفتگو ہوئی گفتگو کے دوران کبھی آوازیں بلند بھی ہو جاتی تھیں، ایک مرتبہ سہیل کی آواز بلند ہو گئی تو عباد بن بشر نے سہیل کو ڈانٹا کہ حضور کے سامنے آواز بلند نہ کر، طویل رد وکد اور بحث ومباحثہ کے بعد آپ صلح پر راضی ہو گئے، سہیل نے کہا لائیے ہم صلح نامہ لکھ لیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو بلایا اور فرمایا لکھو، بسم اللہ الرحمن الرحیم، سہیل نے یہیں سے بحث شروع کر دی کہ لفظ رحمٰن اور رحیم ہمارے محاورات میں نہیں ہے آپ یہاں وہی لفظ لکھیں جو پہلے لکھا کرتے تھے، یعنی باسمك اللّٰھم آپ نے اس کو مان لیا اور حضرت علی سے فرمایا ایسا ہی لکھ دو اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا لکھو، یہ وہ عہد نامہ ہے

جس کا فیصلہ محمد رسول اللہ نے کیا ہے سہیل نے اس پر بھی اعتراض کیا اور بضد ہوئے اور کہا اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کو ہرگز بیت اللہ سے نہ روکتے (صلح نامہ میں کوئی ایسا لفظ نہ ہونا چاہئے جو کسی فریق کے عقیدہ کے خلاف ہو) آپ صرف محمد بن عبداللہ لکھوائیں، آپ ﷺ نے اس کو بھی منظور فرما کر حضرت علی رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ سے فرمایا کہ جو لکھا ہے اس کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھ دو، حضرت علی نے باوجود سراپا اطاعت ہونے کے عرض کیا، میں یہ کام تو نہیں کرسکتا، کہ آپ کے نام کو مٹادوں، حاضرین میں سے حضرت اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ لیا کہ اس کو نہ مٹائیں اور بجز محمد رسول اللہ کے اور کچھ نہ لکھیں، اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ہمارے اور ان کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی اسی دوران چاروں طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں، تو رسول اللہ ﷺ نے صلح نامہ کا کاغذ خود اپنے دست مبارک میں لے لیا اور باوجود اس کے کہ آپ امی تھے پہلے کبھی لکھا نہیں تھا مگر اس وقت خود اپنے قلم سے آپ نے یہ لکھ دیا، **هٰذا ماقاضى عليه محمد بن عبدالله وسهيل بن عمرو صلحا على وضع الحرب عن الناس عشر سنين يأمن فيه الناس ويكف بعضهم عن بعض** یعنی یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے دس سال کے لئے باہم جنگ نہ کرنے کا کیا ہے جس میں سب لوگ مامون رہیں ایک دوسرے پر چڑھائی اور جنگ سے پرہیز کریں۔ (معارف ملخصًا)

گفت وشنید اور بحث مباحثہ کے بعد جو صلح نامہ لکھا گیا اس کی دفعات مندرجہ ذیل تھیں:

❶ دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی، اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ یا علانیہ کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔

❷ اس دوران قریش کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر بھاگ کر محمد (ﷺ) کے پاس جائے گا، اسے آپ واپس کردیں گے، اور آپ کے ساتھیوں سے جو شخص قریش کے پاس چلا جائے گا، وہ اسے واپس نہ کریں گے۔

❸ قبائل عرب میں سے جو قبیلہ بھی فریقین میں سے کسی ایک کا حلیف بن کر اس معاہدے میں شامل ہونا چاہے گا اسے اس کا اختیار ہوگا۔

❹ محمد ﷺ اس سال واپس جائیں گے اور آئندہ سال وہ عمرہ کے لئے آکر تین دن مکہ میں ٹھہر سکتے ہیں بشرطیکہ پرتلوں میں صرف ایک ایک تلوار لے کر آئیں، اور کوئی سامان حرب ساتھ نہ لائیں، ان تین دنوں میں اہل مکہ ان کے لئے شہر خالی کردیں گے (تاکہ کسی تصادم کی نوبت نہ آئے) مگر جاتے وقت وہ یہاں کے کسی شخص کو ساتھ لیجانے کے مجاز نہ ہوں گے۔

شرائط صلح سے عام صحابہ کرام رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ کی ناراضی اور رنج:

جس وقت معاہدے کی شرائط طے ہو رہی تھیں تو مسلمانوں کے خیمے میں سخت اضطراب تھا کوئی شخص بھی ان مصلحتوں کو نہیں سمجھ رہا تھا جنہیں نگاہ میں رکھ کر نبی ﷺ شرائط قبول فرما رہے تھے، کسی کی نظر اتنی دوررس نہ تھی کہ اس صلح کے نتیجے میں جو خیر عظیم

رونما ہونے والی تھی اسے دیکھ سکے، کفار قریش اسے اپنی کامیابی سمجھ رہے تھے، اور مسلمان اس پر بے تاب تھے، کہ ہم آخر دب کر ذلیل شرائط کیوں قبول کریں؟ حضرت عمر جیسے بالغ نظر مدبر تک کا یہ حال تھا کہ ان سے نہ رہا گیا اور رسول ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، پھر حضرت عمر نے عرض کیا، کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، اس پر پھر حضرت عمر نے فرمایا پھر ہم اس ذلت کو کیوں قبول کریں کہ بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں ہرگز اس کے حکم کے خلاف نہ کروں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہ فرمائے گا وہ میرا مددگار ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا بے شک یہ کہا تھا مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ کام اسی سال ہوگا، تو حضرت عمر نے فرمایا، آپ نے یہ تو نہیں فرمایا تھا تو پھر آپ نے فرمایا یہ واقعہ جیسا میں نے کہا تھا ہو کر رہے گا، آپ بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے۔

حضرت عمر خاموش ہو گئے مگر غم و غصہ کم نہیں ہوا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور اسی گفتگو کا اعادہ کیا جو حضور کے سامنے کی تھی، حضرت ابوبکر نے فرمایا محمد ﷺ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں، وہ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہ کریں گے، اور اللہ ان کا مددگار ہے، اس لئے تم مرتے دم تک آپ کی رکاب تھامے رہو، خدا کی قسم وہ حق پر ہیں، غرض حضرت عمر فاروق کو ان شرائط صلح سے سخت رنج و غم پہنچا، خود انہوں نے فرمایا کہ واللہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا مجھے کبھی شک پیش نہیں آیا بجز اس واقعہ کے۔ (رواہ بخاری، معارف)

حضرت ابوعبیدہ نے سمجھایا اور فرمایا شیطان کے شر سے پناہ مانگو، فاروق اعظم نے کہا میں شیطان کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو میں برابر صدقہ خیرات کرتا اور روزے رکھتا اور غلام آزاد کرتا رہا کہ میری یہ خطاء معاف ہو جائے۔

ایک حادثہ اور پابندی معاہدہ کی بے نظیر مثال:

جس واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا، وہ یہ تھا کہ عین اسی وقت کہ جب صلح کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا اور صحابہ کرام اس معاہدے کی شرائط سے برہم اور رنجیدہ تھے کہ اچانک سہیل بن عمرو (جو کہ قریش کی جانب سے معاہدہ کے فریق تھے) کے فرزند ابوجندل جو مسلمان ہو چکے تھے، اور کفار مکہ نے ان کو قید کر رکھا تھا کسی نہ کسی طرح بھاگ کر پابزنجیر آپ ﷺ کے کیمپ میں پہنچ گئے، ان کے جسم پر تشدد کے نشانات تھے ابوجندل نے آپ سے پناہ کی درخواست کی کچھ مسلمان آگے بڑھے اور ابوجندل کو اپنی پناہ میں لے لیا، سہیل چلا اٹھا کہ یہ عہد نامہ کی خلاف ورزی ہے اگر اس کو واپس نہ کیا تو میں صلح کی کسی شرط کو نہ مانوں گا، مسلمانوں نے کہا ابھی صلح نامہ مکمل نہیں ہوا ابھی دستخط نہیں ہوئے، لہٰذا یہ واقعہ صلح نامہ کے تحت نہیں آتا، سہیل

نے کہا صلح نامہ کی تحریر خواہ مکمل نہ ہوئی ہو مگر شرائط تو ہمارے اور تمہارے درمیان طے ہو چکی ہیں، اس لئے اس لڑکے کو میرے حوالہ کیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی حجت کو تسلیم فرمایا اور ابو جندل کفار کے حوالہ کر دیئے گئے، ابو جندل کو آواز دیکر فرمایا کہ اے ابو جندل تم چند روز اور صبر کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور ضعفاء مسلمین کے لئے جو مکہ میں محبوس ہیں جلد رہائی اور فراخی کا سامان کرنے والا ہے، مسلمانوں کے دلوں پر ابو جندل کے اس واقعہ نے نمک پاشی کی مگر معاہدہ مکمل ہو چکا تھا، اس صلح نامہ پر مسلمانوں کی طرف سے ابو بکر و عمر و عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن سہیل بن عمرو، سعد بن ابی وقاص، محمود بن مسلمہ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ نے دستخط کئے، اسی طرح مشرکین کی طرف سے سہیل کے ساتھ چند دوسرے لوگوں نے دستخط کئے۔

احرام کھولنا اور قربانی کے جانور ذبح کرنا:

صلح نامہ سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ اپنی قربانی کے جانور جو ساتھ ہیں ان کی قربانی کر دیں اور سر کے بال منڈوا کر احرام کھولدیں، صحابہ کرام کی غم کی وجہ سے یہ حالت ہوگئی تھی کہ آپ کے فرمانے کے باوجود کوئی اس کام کے لئے تیار نہ ہوا، اور غم و شکستگی کی وجہ سے کسی نے حرکت نہ کی، حضور کے پورے دور رسالت میں اس ایک موقع کے سوا کبھی یہ صورت پیش نہیں آئی کہ آپ صحابہ کو حکم دیں اور صحابہ اس کام کے لئے دوڑ نہ پڑیں، آنحضرت کو بھی اس صورت حال سے صدمہ ہوا، آپ نے اپنے خیمہ میں جا کر ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کا اظہار فرمایا، انہوں نے عرض کیا آپ خاموشی کے ساتھ تشریف لے جا کر خود اپنا اونٹ ذبح فرمادیں، صحابہ کرام سے اس پر کچھ نہ کہیں ان کو اس وقت سخت صدمہ اور رنج شرائط صلح اور بغیر عمرہ کے واپسی کی وجہ سے ہے، آپ سب کے سامنے حجام کو بلا کر خود اپنا حلق کر کے احرام کھولدیں، آپ نے مشورہ کے مطابق ایسا ہی کیا صحابہ کرام نے جب دیکھا تو سب کھڑے ہو گئے، آپس میں ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے اور جانوروں کی قربانی کرنے لگے، آپ نے سب کے لئے دعاء فرمائی۔

معجزے کا ظہور:

رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر انیس یا بیس دن قیام فرمایا تھا، اب یہاں سے واپسی شروع ہوئی جب آپ صحابہ کے مجمع کے ساتھ پہلے مرالظہر ان پھر عسفان پہنچے، یہاں پہنچ کر مسلمانوں کا زاد راہ تقریباً ختم ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے ایک دستر خوان بچھایا، اور سب کو حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے لا کر جمع کر دے، اس طرح جو کچھ باقی ماندہ کھانے کا سامان تھا سب اس دستر خوان پر جمع ہو گیا، چودہ سو حضرات کا مجمع تھا، آپ نے دعاء فرمائی سب نے شکم سیر ہو کر کھایا اور اپنے اپنے برتنوں میں بھی بھر لیا، اس کے بعد بھی اتنا ہی کھانا باقی تھا۔

صحابہ کے ایمان اور اطاعت رسول کا ایک اور امتحان اور صحابہ کی بے نظیر قوت ایمانی:

اس کے بعد جب یہ قافلہ حدیبیہ کی صلح کو اپنی شکست اور ذلت سمجھتا ہوا مدینہ کی طرف واپس جا رہا تھا، تو ضجنان کے مقام پر اور بقول بعض کراع الغمیم کے مقام پر سورۂ فتح نازل ہوئی، جس نے مسلمانوں کو بتایا کہ یہ صلح جس کو وہ شکست سمجھ رہے ہیں دراصل یہ فتح عظیم ہے، اس کے نازل ہونے کے بعد حضور نے مسلمانوں کو جمع فرمایا، اور فرمایا آج مجھ پر وہ چیز نازل ہوئی ہے جو میرے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے، پھر آپ نے یہ سورت تلاوت فرمائی، اور خاص طور سے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بلا کر اسے سنایا کیونکہ وہ سب سے زیادہ رنجیدہ تھے، صحابہ کرام کے قلوب تو اس طرح کی شرائط صلح کی وجہ سے پہلے زخم خوردہ اور غم زدہ تھے، اس سورت نے بتایا کہ یہ فتح مبین حاصل ہوئی ہے، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر سوال کر بیٹھے کہ یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ فتح مبین ہے، صحابہ کرام نے اس پر سر تسلیم خم کیا اور ان سب چیزوں کو ''فتح مبین'' یقین کیا۔

وفاء عہد کا دوسرا بے نظیر واقعہ:

ابو جندل کے واقعہ کے بعد ابو بصیر کا واقعہ پیش آیا، واقعہ یہ ہوا کہ ابو بصیر مسلمان ہو کر مدینہ آ گئے ان کے پیچھے دو قریشی بھی ان کو واپس لینے کے لئے مدینہ منورہ آئے، آپ ﷺ نے ابو بصیر کو معاہدے کے مطابق ان کے حوالہ کر دیا، ابو بصیر نے بہت آہ و فریاد کی مگر آپ نے فرمایا اے ابو بصیر ہمارے دین میں غدر و بے وفائی نہیں، اللہ تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لئے کوئی صورت نکالنے والا ہے، مجبوراً ابو بصیر قریشیوں کے ساتھ چلے گئے، راستہ میں ابو بصیر نے ان میں سے ایک سے کہا تیری تلوار اچھی نہیں معلوم ہوتی، دوسرے نے تلوار نکالی اور کہا میری تلوار نہایت عمدہ ہے میں اس کا تجربہ کر چکا ہوں، ابو بصیر نے کہا میں بھی ذرا دیکھوں تلوار ان کو دیدی، قریشی بے خبر غفلت میں تھے دفعۃً آن واحد میں ابو بصیر نے چابکدستی سے ایک ہی وار میں سر تن سے جدا کر دیا، دوسرا بھاگ کھڑا ہوا، یہ اس کے پیچھے لپکے مگر وہ بھاگ کر مدینہ میں داخل ہو گیا اور آپ ﷺ سے فریاد کی، اتنے میں ابو بصیر بھی آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے حسب معاہدہ مجھے ان کے حوالہ کر دیا، اب اللہ نے مجھے چھڑا لیا ہے، آپ نے فرمایا اے ابو بصیر تو لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے، کاش اس کے ساتھ دوسرا بھی ہوتا، ابو بصیر سمجھ گئے اور مقام سیف البحر میں آ کر قیام کیا، جو لوگ مکہ میں تھے اور اپنا اسلام چھپائے ہوئے یا مشرکین مکہ کے مظالم برداشت کر رہے تھے مثلاً ابو جندل وغیرہ جب انہوں نے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کاش ابو بصیر کے ساتھ دوسرا ہوتا تو وہ لوگ بھی ایک ایک کر کے سیف البحر پہنچ کر ابو بصیر کے گروہ میں شامل ہو گئے حتی کہ ان کی تعداد ستر تک پہنچ گئی، ادھر مشرکین مکہ کا جو قافلہ اس راستہ سے گذرتا اس سے مزاحمت کرتے آسانی سے مشرکین کا قافلہ نہیں گذر سکتا تھا، مشرکین مکہ اس سے تنگ آ گئے، جب نہایت عاجز ہو گئے تو آپ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ ہم اس شرط سے دست بردار

ہوتے ہیں، اب آئندہ جو بھی مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے آپ اس کو پناہ دیجئے اور خدا کے واسطے ابوبصیر کے گروہ کو ہماری مزاحمت سے منع کیجئے، مومنین نے اللہ کی مدد دیکھی اور بہت خوش ہوئے، ابوبصیر کا گروہ بھی مدینہ آگیا اور آئندہ کے لئے راہ کھل گئی، اس واقعہ کا اکثر حصہ بخاری سے ہے اور کچھ دیگر کتب سے ہے۔ (خلاصة التفاسير)

ليدخل المؤمنين والمؤمنات (الآية) مروی ہے کہ جب مسلمانوں نے سورۂ فتح کا ابتدائی حصہ **ليغفر لك الله** سنا تو صحابہ کرام نے آپ ﷺ کو مغفرت پر مبارکباد دی، اور عرض کیا ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

الظانين بالله ظن السوء عليهم دائرة السوء یعنی اللہ کو اس کے حکموں کے بارے میں متہم کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ کے بارے میں گمان رکھتے ہیں کہ یہ مغلوب یا مقتول ہو جائیں گے اور دین اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا (ابن کثیر) اور جس گردش یا ہلاکت کے مسلمانوں کے لئے منتظر ہیں وہ توان ہی کا مقدر بننے والی ہے۔

فائدہ: **ان الذين يبايعونك** (الآيه) جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اور اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، بیعت بالفتح عہد کرنا، بیعت کے عنوان اور طریقے آپ سے مختلف منقول ہیں، کبھی آپ نے کسی خاص امر پر بیعت لی، جیسا کہ جریر سے عہد لیا، **والنصح لكل مسلم** ہر مسلمان کی خیر خواہی کرو، اور بعض عورتوں سے نوحہ نہ کرنے پر عہد لیا اور کبھی ترک سوال پر اور کبھی اطاعت وانقیاد پر، اور کبھی جہاد وقتال پر۔

سوال: یہ وعدۂ انعام اصحاب بیعت رضوان کے ساتھ خاص ہے یا عام ہے۔

جواب: جن کے حق میں آیت نازل ہوئی ہے وہ اول اور بالذات مصداق ہیں اور دوسرے جو اسے اختیار کریں مصداق ثانی اور بالتبع ہیں، اصحاب بیعت رضوان یقیناً اس دولت کو پا گئے مگر دوسروں کے بارے میں یقین وتعیین نہیں، اس لئے کہ اعتبار عموم سبب کا ہے نہ کہ خصوص مورد کا۔

شبہ: اگلی آیت میں **اذيبايعونك تحت الشجرة** اس میں لفظ تحت الشجرۃ کی قید ہے، لہٰذا عموم باقی نہ رہا۔

جواب: **تحت الشجرة** کی قید کو رضا وقبول میں مطلقاً دخل نہیں ہے، صرف ایک واقعہ کا بیان ہے، اگر اس درخت کی کوئی فضیلت ہوتی تو تمام بیعتیں اسی درخت کے نیچے ہوا کرتیں اور حضرت عمر اس کو نہ کٹواتے۔

فائدہ: خلفاء اسلام اور اولیاء کرام کی بیعت کا اسی بیعت پر قیاس ہے مگر بیعت خلافت تو مسنون ومتوارث ہے اور صوفیہ کی بیعت متضمن ہے بیعت خلافت کو (خلاصۃ التفاسیر) تفصیل کے لئے خلاصۃ کی طرف رجوع کریں۔

مسئلہ: بیعت سنت ہے نہ کہ واجب، نہ بدعت، ایسا ہی فرمایا ہے شاہ ولی اللہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى نے قول الجمیل میں۔

مسئلہ: بیعت ایک عہد ہے جو زبان اور کتابت سے تام ہو جاتی ہے مگر مصافحہ مسنون ہے۔

مسئلہ: عورتوں سے بیعت بذریعہ مصافحہ جائز نہیں ہے، حضرت عائشہ کی روایت بخاری میں موجود ہے فرماتی ہیں کہ آپ نے عورتوں سے زبانی بیعت لی، کبھی آپ نے عورت کا ہاتھ نہیں چھوا۔

مسئلہ: مریدہ اگر صغیرہ ہو یا محارم میں سے ہو تب بھی ترک مصافحہ اولیٰ ہے۔
مسئلہ: عورتوں سے بیعت کرنا منقول نہیں مگر بچند وجوہ جائز ہے (تفصیل کے لئے خلاصۃ التفاسیر کی طرف رجوع کریں)۔

سَیَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ حَوْلَ المَدِيْنَةِ اَيِ الَّذِيْنَ خَلَّفَهُم اللّٰهُ عَن صُحْبَتِكَ لَمَّا طَلَبْتَهُم لِيَخْرُجُوا مَعَكَ اِلَى مَكَّةَ خَوْفًا مِن تَعَرُّضِ قُرَيْشٍ لَكَ عَامَ الحُدَيْبِيَةِ اِذَا رَجَعْتَ مِنهَا شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا عَنِ الخُرُوجِ مَعَكَ فَاسْتَغْفِرْ لَنَا اللّٰهَ مِن تَرْكِ الخُرُوجِ مَعَكَ قال تعالىٰ مُكَذِّبًا لَّهم يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ اى مِن طَلَبِ الاسْتِغْفَارِ ومَا قَبْلَه مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ كَاذِبُوْنَ فِي اِعْتِذَارِهِم قُلْ فَمَنْ اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ اى لَا اَحَدَ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا بِفَتْحِ الضَّادِ وضَمِّهَا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ اى لَم يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ بَلْ فِي المَوْضِعَيْنِ لِلاِنْتِقَالِ مِن غَرَضٍ اِلٰى اٰخَرَ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ اى اَنَّهم يُسْتَاصَلُونَ بالقتلِ فَلَا يَرْجِعُوْنَ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ هذا وغيره وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ جَمْعُ بَائِرٍ اى هَالِكِيْنَ عِندَ اللّٰهِ بهذا الظَّنِّ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ نَارًا شَدِيْدَةً وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾ اى لَم يَزَلْ مُتَّصِفًا بِمَا ذُكِرَ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ المَذْكُوْرُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ هِيَ مَغَانِمُ خَيْبَرَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا اُتْرُكُونَا نَتَّبِعْكُمْ لِنَاْخُذَ مِنهَا يُرِيْدُوْنَ بِذٰلِكَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ وفِي قِرَاءَةٍ كَلِمَ بِكَسْرِ اللَّامِ اى مَوَاعِيْدَهُ بِغَنَائِمِ خَيْبَرَ اَهْلَ الحُدَيْبِيَةِ خَاصَّةً قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ اى قَبْلَ عَوْدِنَا فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا اَنْ نُصِيْبَ مَعَكُمْ مِنَ الغَنَائِمِ فَقُلْتُمْ ذٰلِكَ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾ مِنهم قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ المَذْكُوْرِيْنَ اِخْتِبَارًا سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ اَصْحَابِ بَاْسٍ شَدِيْدٍ قِيْلَ هُم بَنُو حَنِيْفَةَ اَصْحَابُ اليَمَامَةِ وقِيْلَ فَارِسُ والرُّوْمُ تُقَاتِلُوْنَهُمْ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ هِيَ المَدْعُوُّ اِلَيْهَا فِي المَعْنٰى اَوْ هم يُسْلِمُوْنَ فَلَا تُقَاتِلُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا اِلٰى قِتَالِهِم يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ مُؤْلِمًا لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ فِي تَرْكِ الجِهَادِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ بِالْيَاءِ والنُّوْنِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ بِالْيَاءِ والنُّوْنِ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

ترجمہ: اطراف مدینہ کے جو دیہاتی (سفر حدیبیہ میں شرکت سے) پیچھے رہ گئے تھے یعنی وہ دیہاتی جن کو اللہ نے آپ کی معیت سے پیچھے کر دیا (یعنی محروم کر دیا) تھا، جبکہ حدیبیہ کے سال آپ نے ان سے اپنی معیت میں مکہ کی طرف نکلنے کے

لئے قریش کے تعارض کے اندیشہ کے پیش نظر چلنے کے لئے فرمایا تھا وہ عنقریب کہیں گے کہ ہمارے مال وعیال نے آپ کے ساتھ نکلنے سے مشغول رکھا، تو آپ ہمارے لئے آپ کے ساتھ نہ نکلنے پر اللہ تعالیٰ سے معافی کی دعاء فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: یہ جو معافی طلب کرنے کے لئے اب جو کہہ رہے ہیں اور اس سے پہلے جو عذر بیان کیا یہ بات محض زبان پر ہے دل میں نہیں ہے لہٰذا وہ اپنے عذر بیان کرنے میں جھوٹے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی کون اختیار رکھتا ہے؟ استفہام بمعنی نفی ہے یعنی کوئی اختیار نہیں رکھتا، اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے (ضَرّ) ضاد کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ یا تمہیں نفع پہنچانے کا ارادہ کرے، بلکہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے یعنی وہ اس صفت سے ہمیشہ متصف ہے بلکہ تم تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ رسول اور مومنین اپنے اہل وعیال میں کبھی لوٹ کر نہ آویں گے (بل) دونوں جگہ پر ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لئے ہے اور یہ بات تمہارے دلوں کو اچھی بھی معلوم ہوتی تھی کہ ان لوگوں کا قتل کے ذریعہ صفایا کر دیا جائے کہ ان کو لوٹنا نصیب ہی نہ ہو اور تم نے یہ اور اسی جیسے اور (بہت سے) برے گمان کر رکھے تھے اور تم لوگ ہو ہی ہلاک ہونے والے لوگ بورا بائر کی جمع ہے یعنی اس بدگمانی کی وجہ سے عند اللہ ہلاک ہونے والے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے گا تو ہم نے ان کافروں کے لئے دوزخ کی سخت آگ تیار کر رکھی ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک اللہ ہی ہے وہ جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے سزا دے جب تم مالِ غنیمت اور وہ خیبر کا مال غنیمت ہے لینے جاؤ گے تو یہی پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ عنقریب کہیں گے کہ ہم کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیدیجئے تاکہ ہم بھی مالِ غنیمت میں سے کچھ حاصل کریں وہ چاہتے ہیں کہ اس طریقہ سے اللہ کے حکم کو بدل ڈالیں، اور ایک قراءت میں کلمَ اللّٰہِ ہے، لام کے کسرہ کے ساتھ یعنی مخصوص طور پر اہل حدیبیہ کے لئے خیبر کے مالِ غنیمت کے وعدوں کو (بدل ڈالیں) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حدیبیہ سے لوٹنے سے پہلے ہی فرما چکا ہے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے تو عنقریب (اس کے جواب میں) کہیں گے (یہ بات نہیں) بلکہ تم ہمارے اوپر اس بات سے حسد کرتے ہو کہ تمہارے ساتھ ہم کو بھی مالِ غنیمت مل جائے اسی لئے تم یہ بات کہہ رہے ہو (یہ بات نہیں ہے) اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے دین کی بات بہت کم لوگ سمجھتے ہیں، آپ ان پیچھے چھوڑے ہوئے اعرابیوں سے کہہ دو کہ آزمائش کے طور پر عنقریب تم کو ایک سخت جنگجو قوم (سے مقابلہ) کے لئے بلایا جائے گا کہا گیا ہے کہ وہ یمامہ کے باشندے بنو حنیفہ ہیں، اور کہا گیا ہے کہ فارس اور روم ہیں، حال یہ کہ تم ان سے لڑو گے یہ حال مقدرہ ہے اور حالتِ قتال ہی حقیقت میں مدعو الیہا ہے یا وہ مسلمان ہو جائیں تو پھر تم ان سے قتال نہ کرو گے، پس اگر تم ان سے قتال کرنے میں اطاعت کرو گے تو اللہ تم کو بہت بہتر اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ پہلے روگردانی کر چکے ہو تو وہ تم کو دردناک سزا دے گا، نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے، ترک جہاد میں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اس کو اللہ ایسی

جنت میں داخل کرے گا جس میں نہریں بہتی ہوں گی (یدخله) میں یاء اور نون دونوں قراءتیں ہیں اور جو روگردانی کرے گا وہ اس کو دردناک عذاب دے گا (یعذبه) یاء اور نون کے ساتھ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: حول المدینة یہ الأعراب کی صفت ہے، المقیمین حولَ المدینةِ حال بھی ہوسکتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی کائنین حول المدینةِ.

قَوْلُہٗ: اِذَا رَجَعْتَ یہ سیقولون کا ظرف ہے، ای سیَقولُونَ اذا رَجَعْتَ من الحدیبیةِ.

قَوْلُہٗ: بَلْ فِی المَوْضِعَیْنِ لِلْاِنْتِقال الخ بل دونوں جگہ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال کے لئے ہے، بل اول سے پہلے مخلفون کے اعتذار میں تکذیب کا بیان ہے اور بل کے بعد ان کے عذر بارد اور تخلف پر وعید کا بیان ہے، دوسرے بل کے بعد اس سبب کا بیان ہے جس نے ان کو تخلف اور عذر بارد پر آمادہ کیا، اور یہ ترقی فی الرد کے طور پر ہے۔

قَوْلُہٗ: لن تتبعونا یہ جملہ نہی کے معنی میں ہے ای لا تتبعوا معنا.

قَوْلُہٗ: کذلك قال اللّٰه، ای حکم اللّٰه یعنی اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ سے لوٹنے سے پہلے حکم فرمادیا کہ غزوۂ خیبر میں وہی لوگ شریک ہوں گے جو سفر حدیبیہ میں شریک ہوئے ہیں اور وہی خیبر کے مال غنیمت کے مستحق ہوں گے۔

قَوْلُہٗ: فسیقولون بل تحسدوننا یعنی ہم کو خیبر کے مال غنیمت میں شریک نہ کرنے کا حکم، حکم خداوندی نہیں ہے بلکہ یہ ہم پر تمہارے حسد کا نتیجہ ہے۔

تفسیر و تشریح

سیقول لَكَ المخلفون من الاعراب اعراب سے وہ قبیلے مراد ہیں جو مدینہ کے اطراف میں آباد تھے مثلاً غفار، مزینہ، جہینہ اور اسلم، جب آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھنے کے بعد (جس کی تفصیل گذر چکی ہے) عام منادی کرادی تو مذکورہ قبیلوں نے سوچا کہ موجودہ حالات مکہ جانے کے لئے سازگار نہیں ہیں وہاں ابھی کافروں کا غلبہ ہے اور مسلمان کمزور ہیں، نیز مسلمان عمرہ کے لئے پورے طور پر ہتھیار بند ہو کر بھی نہیں جاسکتے، اگر خدانخواستہ کافر آمادۂ پیکار ہوگئے تو مسلمان ان کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ اس وقت مکہ جانے کا مطلب ہے خود کو ہلاکت میں ڈالنا، چنانچہ یہ لوگ عمرہ کے لئے نہیں نکلے اسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تجھ سے اے محمد مشغولیتوں کا عذر پیش کر کے مغفرت کی التجا کریں گے۔

یریدون ان یبدلوا کلام اللّٰه اس سے مراد خیبر کے غنائم کا اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص ہونا ہے، اس کے بعد فرمایا کذلکم قال اللّٰه من قبل اس سے بھی مقصد خیبر کے اموال غنائم کے اہل حدیبیہ کے ساتھ تخصیص کی تائید ہے، مگر سوال یہ ہے کہ قرآن کریم میں تو کہیں اس تخصیص کا ذکر نہیں ہے پھر اس تخصیص کے وعدہ کو کلام اللّٰه اور قال اللّٰه کہنا کیسے صحیح ہے؟

جَوَابٌ: علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس تخصیص کا ذکر اگرچہ وحی متلو (قرآن) میں نہیں ہے البتہ وحی غیر متلو (حدیث) کے ذریعہ سفر حدیبیہ میں فرمایا تھا اسی کو اس جگہ **کلام اللہ** اور **قال اللہ** سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

قل لن تتبعونا ساتھ چلنے کی ممانعت جو کہ سابقہ جملہ سے بالکل واضح ہے یہ ممانعت صرف غزوہ خیبر کے ساتھ خاص ہے، دیگر غزوات میں شرکت کی ممانعت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ قبیلہ جہینہ اور مزینہ بعد میں آپ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے ہیں، صلح حدیبیہ کے واقعہ کی تفصیل مع مباحث سورت کے شروع میں گذر چکی ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ بالحُدَيْبِيَةِ **تَحْتَ الشَّجَرَةِ** هي سَمُرَةٌ وهم اَلفٌ وَثَلْثُمِائَةٍ او اَكْثَرُ ثُمَّ بايَعَهم على اَنْ يُنَاجِزُوا قُرَيشًا واَنْ لا يَفِرُّوا على الموت **فَعَلِمَ** الله **مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ** من الوَفاءِ والصدق **فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا** هُوَ فتحُ خيبرَ بعدَ انصرافِه مِنَ الحُدَيْبِيَةِ **وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا** من خَيْبَرَ **وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا** اى لم يَزَلْ مُتَّصِفًا بذلك **وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا** من الفُتوحاتِ **فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ** غَنِيمَةَ خَيْبَرَ **وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ** فِي عِيَالِكم لَمَّا خَرَجْتُم وَهَمَّت بهم اليَهودُ فَقَذَفَ اللّٰهُ فِي قُلُوبِهم الرُّعبَ **وَلِتَكُوْنَ** اى المُعَجَّلَةُ عَطفٌ على مُقَدَّرٍ اى لِتَشْكُرُوه **اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ** في نَصْرِهم **وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا** اى طَرِيقَ التَّوَكُّلِ عليه وتفويضَ الاَمْرِ اليه تعالى **وَّاُخْرٰى** صِفَةُ مَغَانِمَ مُقَدَّرٍ مُبْتَدَأٌ **لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا** هي مِن فارسَ والرُّومِ **قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا** عَلِمَ اَنَّها ستكونُ لكم **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا** اى لم يَزَلْ مُتَّصِفًا بذلك **وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** بالحُدَيْبِيَةِ **لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا** يحرسُهم **وَّلَا نَصِيْرًا سُنَّةَ اللّٰهِ** مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُونِ الجُملةِ قبلَه من هزيمةِ الكافرينَ ونَصْرِ المُؤمنينَ اى سَنَّ اللّٰهُ ذلك سُنَّةً **الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا** منه **وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ** بالحُدَيْبِيَةِ **مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ** فَاِنَّ ثَمانينَ منهم طَافُوا بِعَسكَرِكم لِيُصِيبُوا مِنكُمْ فَاُخِذُوا واُتِيَ بهم الى رسُولِ الله صلى اللّٰهُ عليه وسلم فَعَفَا عنهم وخَلّٰى سَبِيلَهم فَكَانَ ذلك سَبَبُ الصُّلحِ **وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا** بالياءِ والتاءِ اى لم يَزَلْ مُتَّصِفًا بذلك **هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** اى عَنِ الوُصولِ اليه **وَالْهَدْيَ** مَعطُوفٌ على كم **مَعْكُوْفًا** مَحبُوسًا حال **اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ** اى مَكانَه الَّذِي يُنحَرُ فيه عادَةً وهُوَ الحَرَمُ بَدلُ اشتِمالٍ **وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ** مَوجُودُونَ بمَكَّةَ مع الكُفَّارِ **لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ** بِصِفَةِ الإيمانِ **اَنْ تَطَئُوْهُمْ** اى تَقتُلُوهم مَعَ الكُفَّارِ لو اُذِنَ لكم في الفَتحِ بَدَلُ اشتِمالٍ من هم **فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ** اى اِثمٌ **بِغَيْرِ عِلْمٍ** منكم به وضَمائِرُ الغَيبَةِ للصِّنفَينِ بتَغْلِيبِ الذُّكورِ وجَوابُ لَولَا مَحذُوفٌ اى لَاُذِنَ لكم في الفَتحِ

لٰکِنْ لم یُؤْذَنْ فیه حِیْنَئِذٍ لِّيُدْخِلَ اللّٰهُ فِىْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ کالمُؤمنین لَوْ تَزَيَّلُوْا تَمَیَّزُوا عَنِ الکُفَّارِ لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ مِن اَهْلِ مَکَّةَ حِیْنَئِذٍ بِاَنْ نَاذَنَ لکم فی فتحِها عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ مؤلِمًا اِذْ جَعَلَ مُتعلِّقٌ بِعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فاعِلٌ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ الانَفَةَ مِنَ الشَّیْءِ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ بَدَلٌ مِنَ الحَمِیَّةِ وهی صَدُّهُمُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ علیه وسلم وَاَصْحَابَهٗ عَنِ المَسْجِدِ الحَرَامِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ فَصَالَحُوهم عَلٰی اَنْ یَّعُوْدُوا مِنْ قَابِلٍ ولم یَلْحَقْهُم مِنَ الحَمِیَّةِ ما لَحِقَ الکُفَّارَ حتّٰی یُقَاتِلُوهم وَاَلْزَمَهُمْ ای المُؤْمِنِینَ كَلِمَةَ التَّقْوٰى لَا اِلٰهَ الا اللّٰهُ محمدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ واُضِیفَ الی التَّقْوٰی لِاَنَّهَا سَبَبُهَا وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا بِالکَلِمَةِ مِنَ الکُفَّارِ وَاَهْلَهَا ۭ عَطْفٌ تَفْسِیرِیٌّ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ ای لم یزل مُتَّصِفًا بذٰلك ومِن مَعْلُومِه تعالٰی اَنَّهُم اَهْلُهَا.

ع ۱۱ ۳

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا جب انہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی اور وہ ببول کا درخت ہے اور اصحاب حدیبیہ ایک ہزار تین سو یا اس سے کچھ زائد تھے، پھر ان حضرات نے اس پر بیعت کی کہ وہ قریش کا مقابلہ کریں گے، اور یہ کہ وہ موت سے راہ فرار اختیار نہ کریں گے، اللہ کو ان کے دلوں کے وفا و صدق کا حال معلوم تھا اس لئے ان پر سکینت نازل فرمائی اور ان کو قریبی فتح عطا فرمائی اور وہ فتح حدیبیہ سے واپسی کے بعد خیبر کی فتح تھی اور بہت سی غنیمتیں کہ جن کو وہ خیبر سے حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے، یعنی وہ اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کو تم فتوحات کے ذریعہ حاصل کرو گے یہ یعنی خیبر کی غنیمت تو تم کو سر دست عطا فرما دی اور لوگوں کے ہاتھ تمہارے اہل و عیال کے بارے میں روک دیئے جب تم (حدیبیہ کے لئے) نکلے اور یہود نے تمہارے اہل و عیال کا قصد کیا، کہ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور تاکہ فوری طور پر عطا کی گئی یہ غنیمت (دوسرے وعدوں کے لئے) مومنین کی نصرت پر مومنین کے لئے نشانی ہو ولتکون کا عطف لتشکروہ مقدر پر ہے اور تاکہ وہ تم کو ایک سیدھے راستہ پر ڈال دے اور وہ (سیدھا راستہ) اس پر توکل کرنے اور معاملہ کو اس کے سپرد کرنے کا ہے اور تمہیں دوسری غنیمتیں بھی دے اخری، مغانم مقدر مبتداء کی صفت ہے، جس پر تم نے (ابھی) قبضہ نہیں کیا ہے اور وہ فارس اور روم سے (حاصل ہونے والی غنیمتیں) ہیں، اور وہ اللہ کے قابو میں ہیں یعنی اللہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ وہ عنقریب تم کو ملنے والی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یعنی وہ اس صفت سے ہمیشہ متصف ہے اور حدیبیہ میں اگر کافر تم سے جنگ کرتے تو یقیناً پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھر نہ وہ کارساز پاتے کہ ان کی حفاظت کرے، اور نہ مددگار اللہ کے اس دستور کے مطابق جو پہلے سے چلا آ رہا ہے سنۃ مصدر ہے جو سابق جملہ کے مضمون کی تاکید کر رہا ہے اور وہ مضمون کافروں کی ہزیمت اور مومنین کی نصرت ہے، یعنی اللہ نے اپنا یہ دستور بنا لیا ہے اور تو کبھی اللہ کے دستور کو اس سے بدلتا ہوا نہ پائے گا، اور وہ وہی ہے کہ جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں

کوان سے عین مکہ حدیبیہ میں روک لیا، اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر غلبہ دیدیا بایں طور کہ ان میں سے اسی نے تمہارے لشکر کو گھیر لیا تاکہ وہ تم پر (حملہ آور ہوں) ٹوٹ پڑیں، مگر وہ گرفتار کر لئے گئے، اور ان کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے ان کو معاف کر دیا اور ان کو رہا کر دیا، اور یہی بات صلح کا سبب ہوئی اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے (تعملون) میں یاء اور تاء دونوں ہیں، یعنی وہ اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے، یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور تم کو شہر حرام سے یعنی وہاں پہنچنے سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو بھی ان کی جگہ پہنچنے سے روکا حال یہ کہ وہ (قربانی کے لئے) وقف تھے یعنی اس جگہ پہنچنے سے روکا جہاں عام طور پر ہدی قربان کی جاتی ہے اور وہ حرم ہے، ان یبلغ الھدی سے بدل الاشتمال ہے، اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں کفار کے ساتھ (خلط ملط) مکہ میں موجود نہ ہوتے کہ جن کی صفت ایمان سے تمہارے بے خبر ہونے کی وجہ سے تمہارے ان کو کچل ڈالنے کا احتمال نہ ہوتا یہ کہ تم ان کو کفار کے ساتھ قتل کر دو گے، اگر تم کو فتح کی اجازت دیدی جاتی ان تَطَئُوھُمْ تعلموھم کی ضمیر ھم سے بدل ہے جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر (ندامت) پہنچا، غائب کی ضمیریں دونوں صفت کے لئے ہیں (مذکر و مؤنث کے لئے) مذکر کو غلبہ دیکر، اور لو لا کا جواب محذوف ہے اور وہ لاذن لکم فی الفتح ہے لیکن اس وقت فتح کی اجازت نہیں دی گئی تاکہ اللہ مومنین مذکورین کے مانند جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اور اگر یہ (مومنین) کفار سے الگ ہوتے تو ہم اس وقت مکہ کے کافروں کو دردناک سزا دیتے اس طریقہ پر کہ ہم تم کو مکہ فتح کرنے کی اجازت دیدیتے جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت (تعصب) کو جگہ دی اور حمیت بھی جاہلیت کی اذجعل، عذبنا سے متعلق ہے الذین کفروا (جعل کا) فاعل ہے حمیت، تکبر کی وجہ سے شدت کو کہتے ہیں، الجاھلیة، حمیة سے بدل ہے اور آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو مسجد حرام پہنچنے سے روکتا ہے سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر سکینت نازل فرمائی جس کی وجہ سے ان لوگوں نے اس بات پر صلح کر لی کہ آئندہ سال آئیں گے اور جو حمیت کفار کو لاحق ہوئی وہ ان (اصحاب) کو لاحق نہیں ہوئی، حتی کہ ان سے قتال کرتے اور اللہ نے مومنین کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، اور تقویٰ کی اضافت کلمہ کی طرف اس لئے ہے کہ یہ کلمہ ہی تقویٰ کا سبب ہے اور وہ اس کلمہ کے کفار سے زیادہ حقدار اور اہل تھے، یہ عطف تفسیری ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے، یعنی ہمیشہ اس صفت کے ساتھ متصف ہے، اور اللہ تعالیٰ کی معلومات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ (مومنین) اس (کلمہ) کے زیادہ اہل ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اذیبایعونك رضی کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اس لئے کہ اذ زمانہ ماضی کے لئے ظرف ہے، اس کے بعد ہمیشہ جملہ واقع ہوتا ہے، حکایت حال ماضیہ کے طور پر (صورتِ مبایعت کے استحضار) کے لئے مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے، اور

تحت، یبایعونك کا ظرف ہے۔

قِوْلَهُ: سمر بروزن رجل ببول کا درخت، بعض حضرات نے کہا ہے کہ جھاؤ کے درخت کو کہتے ہیں ان لا یفروا علی الموت بعض نسخوں میں من الموت ہے، مطلب ظاہر ہے کہ موت سے راہِ فرار اختیار نہ کریں گے، مفسر علام نے من کے بجائے علی لاکر اشارہ کردیا کہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بیعت موت پر ہوئی تھی، اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ بیعت ثابت قدمی وعدم فرار پر ہوئی تھی۔

قِوْلَهُ: فعلم، علم کا عطف اذیبایعونك پر ہے، اب رہا یہ سوال کہ معطوف ماضی ہے اور معطوف علیہ مضارع، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اذیبایعونك بھی ماضی کے معنی میں ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

قِوْلَهُ: فانزل اس کا عطف رضی پر ہے۔

قِوْلَهُ: ومغانم کثیرة اس کا عطف فتحا قریبا پر ہے۔

قِوْلَهُ: وعدکم اللّٰہ چونکہ مقام امتنان واحسان ہے، لہٰذا شرفِ خطاب سے نوازنے کے لئے غیبت سے خطاب کی طرف التفات فرمایا ہے، یہ اہل حدیبیہ سے خطاب ہے۔

قِوْلَهُ: من الفتوحات مفسر علام نے من الفتوحات کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ عطف مغایرت کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ اول مغانم کثیرةً سے جو کہ معطوف علیہ ہے غنائم خیبر مراد ہیں اور ثانی مغانم کثیرة سے جو کہ معطوف ہے، خیبر کے علاوہ کے مغانم مراد ہیں۔

قِوْلَهُ: غنیمة خیبر اگر اس آیت کا نزول فتح خیبر کے بعد ہو جیسا کہ ظاہر یہی ہے، تو پوری سورت کا نزول حدیبیہ سے واپسی پر نہ ہوگا، اور نزول فتح خیبر سے پہلے ہو تو یہ اخبار غیبیہ سے ہوگا، اور ماضی سے تعبیر تحقق وقوع کی وجہ سے ہوگی اور یہ بات سابق میں گذر چکی ہے کہ پوری سورت حدیبیہ سے واپسی کے وقت عسفان کے قریب کراع الغمیم میں نازل ہوئی تھی۔

قِوْلَهُ: فی عیالکم ای عن عیالکم، فی عیالکم، عنکم سے بدل ہے اس میں مضاف محذوف کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلَهُ: اخری صفة مغانم مقدرا اخری مغانم محذوف کی صفت ہے، موصوف صفت سے مل کر مبتداء اور لم تقدروا علیها اس کی صفت ہے قد احاط اللّٰہ بها مبتداء کی خبر (جمل) مذکورہ ترکیب کے علاوہ چار ترکیبیں اور ہیں، طوالت کے خوف سے ترک کردیا (جمل کی طرف رجوع کریں)۔

قِوْلَهُ: اظفر علیهم، اظفر کا صلہ علیٰ مستعمل نہیں ہے مگر چونکہ اظفر، اظهر کے معنی میں ہے اس لئے اس کا صلہ علیٰ لانا درست ہے، مفسر علام نے اپنے قول فان ثمانین الخ سے اظفر بمعنی اظهر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قِوْلَهُ: معرة بمعنی مکروہ، گناہ، ندامت۔

قِوْلَهُ: جواب لولا محذوف لولا کا جواب محذوف ہے اور وہ لاذن لکم فی الفتح ہے، جیسا کہ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ظاہر کردیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فانزل اللّٰه سکینته اس کا عطف مقدر پر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے کہ ای فضاقت صدور المسلمین واشتد الکرب علیهم فانزل اللّٰه سکینته.

قَوْلُہٗ: لانّها سببها اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے کلمة التقوی ای سبب التقوی اضافت ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ہے، اور بعض حضرات نے تقویٰ سے پہلے اهل محذوف مانا ہے ای کلمة اهل التقوی یعنی اللہ نے اہل بدر کے لئے متقی لوگوں کا کلمہ پسند فرمایا۔

قَوْلُہٗ: اهلها، احق بها کا عطف تفسیری ہے۔

تفسیر وتشریح

لقد رضی اللّٰه عن المؤمنین اذیبایعونك تحت الشجرة اس بیعت سے مراد بیعت حدیبیہ ہی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اس بیعت کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خوشخبری سنائی ہے کہ وہ ان لوگوں سے راضی ہو گیا جنہوں نے اس خطرناک موقع پر جان کی بازی لگا دینے میں ذرہ برابر تامل نہ کیا، اور رسول کے ہاتھ پر سرفروشی کی بیعت کر کے اپنے صادق الایمان ہونے کا صریح ثبوت پیش کیا، ان کے اپنے اخلاص کے سوا کوئی خارجی دباؤ ایسا نہ تھا جس کی بناء پر وہ اس بیعت کے لئے مجبور ہوتے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے ایمان میں صادق اور مخلص اور رسول کی وفاداری میں حد درجہ کمال پر فائز تھے۔

صحابہ کے لئے سند خوشنودی:

اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کو سند خوشنودی عطا فرمائی، اور اللہ کی سند خوشنودی عطا ہونے کے بعد اگر کوئی شخص ان سے بدگمان یا ناراض ہو یا ان پر زبان طعن دراز کرے تو اس کا معارضہ ان سے نہیں بلکہ اللہ سے ہے، بعض حضرات (مثلاً شیعہ) کا یہ کہنا کہ جس وقت اللہ نے ان کو سند خوشنودی عطا فرمائی تھی اسوقت تو یہ مخلص تھے، مگر بعد میں یہ لوگ خدا اور رسول سے بے وفا ہو گئے، وہ شاید اللہ سے یہ بدگمانی رکھتے ہیں کہ اللہ کو ان حضرات کو سند خوشنودی عطا کرتے وقت ان کے آئندہ حالات کا علم نہ تھا جو کہ امتحن اللّٰه قلوبهم للتقوىٰ کے صریح خلاف اور متضاد ہے، یہ بشارتیں اور سند رضا وخوشنودی اس پر شاہد ہیں کہ ان سب حضرات کا خاتمہ ایمان اور اعمال مرضیہ پر ہوگا۔

صحابہ کرام پر زبان طعن وتشنیع بدبختی ہے:

جن خیار امت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے غفران ومغفرت کا اعلان فرما دیا، اگر ان سے کوئی لغزش یا گناہ ہوا بھی ہے تو یہ آیت اس کی معافی کا اعلان ہے، پھر ان کے ایسے معاملات کو جو مستحسن نہیں ہیں غور وفکر اور بحث ومباحثہ کا میدان بنانا بدبختی اور اس

آیت کے مخالف ہے، یہ آیت روافض کے قول وعقیدے کی واضح تردید ہے، جو ابو بکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وعمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور دوسرے صحابہ پر کفر ونفاق کا الزام لگاتے ہیں۔ (مظھری)

شجرۂ رضوان:

حضرت نافع مولیٰ ابن عمر کی یہ روایت مشہور ہے کہ لوگ اس کے پاس جاجا کر نماز پڑھنے لگے تھے، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جب اس کا علم ہوا تو اس کو کٹوا دیا۔ (طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۰۰) مگر صحیحین میں ہے کہ حضرت طارق بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لئے گیا تو راستہ میں میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جو ایک مقام پر جمے تھے اور نماز پڑھ رہے تھے، میں نے ان سے معلوم کیا یہ کونسی مسجد ہے تو انہوں نے کہا یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی، میں اس کے بعد سعید بن مسیّب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس واقعہ کی ان کو خبر دی، انہوں نے فرمایا میرے والد صاحب ان لوگوں میں سے تھے جو اس بیعت رضوان میں شریک ہوئے، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہم جب اگلے سال مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے تو ہم نے وہ درخت تلاش کیا مگر اس کا پتہ نہ چلا، پھر سعید بن مسیّب نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جو خود اس بیعت میں شریک تھے ان کو تو پتہ نہیں لگا تمہیں وہ معلوم ہو گیا عجیب بات ہے؟ کیا تم اس سے زیادہ واقف ہو۔

(روح المعانی، معارف)

اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں لوگوں نے محض اپنے تخمینہ اور اندازہ سے کسی درخت کو معین کرلیا اور اس کے نیچے نماز پڑھنا شروع کر دیا، فاروقِ اعظم کے علم میں یہ بات تھی کہ یہ درخت وہ نہیں ہے، اس کے علاوہ ابتلائے شرک کا خطرہ بھی لاحق تھا، جس کی وجہ سے اس درخت کو کٹوا دیا۔

فتح خیبر:

خیبر درحقیقت ملک شام کے قریب ایک صوبہ کا نام ہے جس میں بہت سی بستیاں، قلعے اور باغات شامل ہیں، **واثابھم فتحا قریبا** اور **فعجل لکم ھٰذہ** میں فتح قریب اور نقد مالِ غنیمت سے فتح خیبر اور وہاں سے حاصل ہونے والا مال غنیمت مراد ہے، بعض روایات کے مطابق حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ کا قیام مدینہ منورہ میں صرف دس دن اور دوسری روایت کے مطابق بیس روز رہا اس کے بعد خیبر کے لئے روانہ ہوئے، اور ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق آپ ۶ھ ذی الحجہ کی آخری تاریخوں میں مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے، اور ماہ محرم ۷ھ میں آپ ﷺ خیبر کے لئے روانہ ہوئے، حافظ ابن حجر نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ رَاٰی رسُولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی النوم عَامَ الحُدَیْبِیَةِ قَبْلَ

خُرُوْجِهِ اَنَّهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ هُوَ وَاَصْحَابُهُ اٰمِنِيْنَ وَيَحْلِقُوْنَ وَيُقَصِّرُوْنَ فَاَخْبَرَ بِذٰلِكَ اَصْحَابَهُ فَفَرِحُوْا فَلَمَّا خَرَجُوْا مَعَهُ وَصَدَّهُمُ الْكُفَّارُ بِالْحُدَيْبِيَةِ وَرَجَعُوْا وَشَقَّ عليهم ذٰلِكَ وَرَابَ بَعْضَ الْمُنَافِقِيْنَ نَزَلَتْ وقوله بالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِصَدَقَ او حَالٌ مِنَ الرُّؤْيَا وَمَا بَعْدَهَا تَفْسِيْرٌ لها **لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ** لِلتَّبَرُّكِ **اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ** اى جَمِيْعَ شُعُوْرِهَا **وَمُقَصِّرِيْنَ** اى بَعْضَ شُعُوْرِهَا هما حَالَانِ مُقَدَّرَتَانِ **لَا تَخَافُوْنَ** اَبَدًا **فَعَلِمَ** فِى الصُّلْحِ **مَا لَمْ تَعْلَمُوْا** مِنَ الصَّلَاحِ **فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ** اى الدُّخُوْلِ **فَتْحًا قَرِيْبًا** ﴿٢٧﴾ هُوَ فَتْحُ خَيْبَرَ وَتَحَقَّقَتِ الرُّؤْيَا فِى الْعَامِ الْقَابِلِ **هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ** اى دِيْنَ الْحَقِّ **عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** عَلٰى جميعِ بَاقِى الْاَدْيَانِ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا** ﴿٢٨﴾ اَنَّكَ مُرْسَلٌ بِمَا ذُكِرَ كما قَالَ تعالٰى **مُحَمَّدٌ** مُبْتَدَأٌ **رَّسُوْلُ اللّٰهِ** خَبَرُهُ **وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ** اى اَصْحَابُهُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ **اَشِدَّآءُ** غِلَاظٌ **عَلَى الْكُفَّارِ** لَا يَرْحَمُوْنَهُمْ **رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ** خَبَرٌ ثَانٍ اى مُتَعَاطِفُوْنَ مُتَوَادُّوْنَ كَالْوَالِدِ مَعَ الْوَلَدِ **تَرٰىهُمْ** تُبْصِرُهُمْ **رُكَّعًا سُجَّدًا** حَالَانِ **يَّبْتَغُوْنَ** مُسْتَانَفٌ يَطْلُبُوْنَ **فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ** عَلَامَتُهُمْ مُبْتَدَأٌ **فِىْ وُجُوْهِهِمْ** وَهِىَ نُوْرٌ وَبَيَاضٌ يُعْرَفُوْنَ بِهِ فِى الْاٰخِرَةِ اَنَّهُمْ سَجَدُوْا فِى الدُّنْيَا **مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ** مُتَعَلِّقٌ بِمَا تَعَلَّقَ بِهِ الْخَبَرُ اى كَائِنَةٌ وَاُعْرِبَ حَالًا مِنْ ضَمِيْرِهِ الْمُنْتَقِلِ اِلَى الْخَبَرِ **ذٰلِكَ** اى الْوَصْفُ الْمَذْكُوْرُ **مَثَلُهُمْ** صِفَتُهُمْ **فِى التَّوْرٰىةِ** مُبْتَدَأٌ وَخَبَرُهُ **وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ** مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ **كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ** بِسُكُوْنِ الطَّاءِ وَفَتْحِهَا فِرَاخَهُ **فَاٰزَرَهٗ** بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ قَوَّاهُ وَاَعَانَهُ **فَاسْتَغْلَظَ** غَلُظَ **فَاسْتَوٰى** قَوِىَ وَاسْتَقَامَ **عَلٰى سُوْقِهٖ** اُصُوْلِهِ جَمْعُ سَاقٍ **يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ** اى زُرَّاعَهُ لِحُسْنِهِ مَثَلُ الصَّحَابَةِ رَضِىَ اللّٰهُ عنهم بِذٰلِكَ لِاَنَّهُمْ بَدَءُوْا فِى قِلَّةٍ وَضُعْفٍ فَكَثُرُوْا وَقَوُوْا عَلٰى اَحْسَنِ الْوُجُوْهِ **لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ** مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ دلَّ عليه ما قبلَهُ اى شُبِّهُوْا **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ** اى الصَّحَابَةِ لِبَيَانِ الْجِنْسِ لا لِلتَّبْعِيْضِ لِاَنَّ كُلَّهُمْ بِالصِّفَةِ الْمَذْكُوْرَةِ **مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿٢٩﴾ الْجَنَّةُ وَهُمَا لِمَنْ بعدهم ايضًا فِى اٰيَاتٍ.

معانقة ١٥ عند المتاخرين

ع ٣ ١٢

ترجمہ: بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا جو واقعہ کے مطابق ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ کے سال حدیبیہ کی طرف نکلنے سے پہلے خواب میں دکھایا کہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب امن وامان کے ساتھ مکہ میں داخل ہو رہے ہیں، اور حلق کرا رہے ہیں اور قصر کرا رہے ہیں، آپ ﷺ نے خواب کی اطلاع اپنے اصحاب کو دی تو آپ کے اصحاب بہت خوش ہوئے، چنانچہ جب آپ کے اصحاب آپ کے ساتھ نکلے اور کافروں نے ان کو حدیبیہ میں روکا، اور واپس ہوئے اور یہ واپسی ان پر گراں گزری اور بعض منافقین نے شک کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی، اس کا قول **بالحق، صدق** کے متعلق ہے یا رؤیا سے حال ہے اور رؤیا کا مابعد اس (رؤیا) کی تفسیر ہے، تم لوگ مسجد حرام میں ان شاء اللہ انشاء اللہ تبرکا ہے امن وامان کے ساتھ، ضرور داخل ہو گے تمہیں کسی وقت بھی خوف نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کو صلح میں جس خیر کا علم ہے تم اس کو نہیں جانتے اس دخول سے

پہلے ایک قریبی فتح دیدی، وہ فتح خیبر ہے اور خواب (کی تعبیر) آئندہ سال واقع ہوئی، وہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین حق کو تمام باقی ادیان پر غالب کردے اور اللہ کافی گواہ ہے کہ آپ کو مذکورہ چیزیں دے کر بھیجا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا محمد اللہ کے رسول ہیں، محمد مبتداء ہے (اور رسُول اللہ) اس کی خبر اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں یعنی آپ کے رفقاء مومنین (والذین معه) مبتداء ہے، اَشِدَّاءُ اس کی خبر ہے، کافروں پر سخت کہ ان پر رحم نہیں کرتے اور آپس میں رحم دل ہیں (رحماء بینهم) خبر ثانی ہے یعنی آپس میں مہربانی اور محبت رکھتے ہیں، جیسا کہ باپ کا بیٹے کے ساتھ برتاؤ ہوتا ہے، تو ان کو رکوع سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا رکعا، سجدا دونوں حال ہیں، اللہ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں لگے رہتے ہیں جملہ مستانفہ ہے اور (یبتغون) یطلبون کے معنی میں ہیں ان کا نشان (یعنی) ان کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے (سیماهم) مبتداء ہے (فی وجوههم) اس کی خبر، وہ ایک نور ہے، اور ایک سفیدی ہے جس کے ذریعہ آخرت میں پہچانے جائیں گے، کہ ان لوگوں نے دنیا میں سجدہ کیا، (مِن اَثَرِ السجود) اسی سے متعلق ہے جس سے خبر متعلق ہے اور وہ کائنة ہے اور نیز (من اثر السجود) خبر کے متعلق (کائنة) کی اس ضمیر سے حال قرار دیا گیا ہے جو خبر کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہی یعنی وصف مذکور تورات میں ان کی صفت ہے (ذلك مثلهم) مبتداء وخبر ہیں، اور انجیل میں ان کی مثال اس کھیتی جیسی بیان کی گئی ہے کہ جس نے (انکھوا) کونپل نکالی ہو (مثلهم فی الانجیل) مبتداء ہے، اور کزرع اخرج الخ اس کی خبر ہے، اور شطاه طاء کے سکون اور فتحہ کے ساتھ ہے، شطاه ای فراخهٗ یعنی اس نے اپنا چوزہ نکالا، مراد ابتدائی کونپل ہے، پھر اس کو قوی کیا اور اس کی مدد کی (فاٰذرهٗ) مد اور بلا مد دونوں طریقہ پر ہے، اس کو مضبوط کیا پھر موٹا کیا، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی یعنی اپنی جڑ پر سوق، ساق کی جمع ہے کاشتکاروں کو خوش کرتی ہے یعنی اُن کھیتی کرنے والوں کو اپنے حسن سے، صحابہ کرام کو کھیتی سے تشبیہ دی اس لئے کہ ان کی ابتداء قلت اور ضعف سے ہوئی پھر وہ کثیر ہوگئے اور بہتر طریقہ پر طاقتور ہوگئے، تاکہ کافر ان سے جلیں (لیغیظ) محذوف سے متعلق ہے اور اس حذف پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے یعنی صحابہ کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے آپ کے رفقاء میں سے جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے (منهم) مِن بیان جنس کے لئے ہے نہ کہ تبعیض کے لئے اس لئے کہ تمام صحابہ مذکورہ صفت کے ساتھ متصف ہیں، اور اجر عظیم سے مراد جنت ہے اور وہ دونوں یعنی (مغفرت اور جنت) ان کے بعد والوں کے لئے بھی آیات میں مذکور ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: بالحق یہ مصدر محذوف کی صفت ہے ای صدقا متلبسا بالحق.

قولہ: لقد صدق الله، لقد میں لام جواب قسم کی تمہید کے طور پر ہے، قسم محذوف ہے اور لتدخلن جواب قسم ہے جس پر لام توطیہ وتمہید دلالت کر رہا ہے۔

قَوْلُہٗ: للتبرك یعنی انشاء اللہ تبرك وتعلیم کے لئے ہے نہ کہ تعلیق کے لئے۔

قَوْلُہٗ: للتبرك اس جملے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: انشاء اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخبر خبر کے بارے میں متردد ہے اور یہاں مخبر اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ کے لئے تردد محال ہے۔

جَوَاب: یہاں انشاء اللہ تبرک اور تعلیم کے لئے ہے نہ کہ تعلیق کے لئے، لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُہٗ: امنین اور محلقین اور مقصرین یہ تینوں تدخلن کے واؤ محذوف سے حال ہیں، اس صورت میں یہ حال مترادفہ ہوں گے یا محلقین اور مقصرین دونوں آمنین کی ضمیر سے حال ہیں، اس صورت میں حال متداخلہ ہوں گے۔

قَوْلُہٗ: حالان مقدران یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے حالانکہ دخول کا زمانہ جو کہ حالت احرام کا زمانہ ہے اور ہے اور محلقین ومقصرین یعنی حلق وقصر کا زمانہ اور ہے۔

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں حال مقدرہ ہیں یعنی وہ اس حال میں داخل ہوں گے کہ ان کے لئے حلق اور قصر مقدر کر دیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: لاتخافون جملہ مستانفہ بھی ہو سکتا ہے اور حال بھی ہو سکتا ہے خواہ تدخلن کی ضمیر سے یا آمنین کی ضمیر سے، یا محلقین کی ضمیر سے یا مقصرین کی ضمیر سے۔

قَوْلُہٗ: لاتخافون ابدا.

سَوَال: ابدا کے اضافہ سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ آمنین کے بعد لا تخافون کا اضافہ تکرار معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جو مامون ہوتا ہے وہی بے خوف بھی ہوتا ہے، اس تکرار کے شبہ کو دفع کرنے کے لئے ابدا کی قید کا اضافہ کیا، اس لئے کہ آمنین کا مطلب تو یہ ہے کہ حالت احرام میں تم مامون ہو اس لئے کہ مشرکین مکہ محرم سے تعارض نہیں کرتے تھے اسی طرح حرم میں داخل ہونے والے سے بھی تعارض نہیں کرتے تھے، مگر احرام سے فارغ ہونے کے بعد کی اور اسی طرح حرم سے نکلنے کے بعد کی کوئی گارنٹی نہیں تھی کہ اب بھی یہ لوگ مامون رہیں گے تو، لاتخافون ابدا کہہ کر اشارہ کر دیا کہ حالت احرام اور غیر حالت احرام نیز حرم اور خارج حرم ہر صورت میں ہمیشہ مامون و بے خوف رہیں گے۔

قَوْلُہٗ: من دون ذلك ای الدخول.

قَوْلُہٗ: مُتَعَاطِفُوْنَ، مُتَوَادُوْنَ، دونوں اسم فاعل جمع مذکر غائب، تعاطف اور توادد (تفاعل) سے ماخوذ ہیں آپس میں مہربانی کرنا، محبت کرنا۔

قَوْلُہٗ: فی وجوھھم یہ کائنة محذوف کے متعلق ہو کر سیماھم مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: من اثر السجود بھی کائنۃ محذوف کے متعلق ہے اور من اثر السجود میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کائنۃ کی ضمیر سے حال ہو کر محلاً منصوب ہو۔

قَوْلُہٗ: ذلك مبتداء اول ہے اور مثلهم مبتداء ثانی ہے اور فی التوراة مبتداء ثانی کی خبر ہے، مبتداء اور خبر مل کر جملہ ہو کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: مثلهم فی الانجیل مبتداء ہے، کزرع اخرج شطأه اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: شطأ شطء، فراخ النبات کو کہتے ہیں یعنی تخمک سے ابتداءً نکلنے والی نوک، جس کو انکھوا، یا سوئی کہتے ہیں، انکھوا کہنے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ سوئی تخم کے اس حصہ سے نکلتی ہے جو تخم کی آنکھ کہلاتی ہے جو کہ اکثر تخموں میں بہت نمایاں ہوتی ہے مثلاً کھجور کی گٹھلی یا ناریل کی آنکھ، عربی میں اس کو فراخ کہتے ہیں، فراخ اور فرخ دراصل پرندے کے چوزے کو کہتے ہیں جس طرح چوزہ پرندے سے نکلنے کی وجہ سے چوزہ کہلاتا ہے اسی طرح انکھوا تخم سے نکلنے کی وجہ سے بمنزلہ فراخ کے ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: زراع یہ زارع کی جمع ہے کاشتکار کو کہتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

جب صلح حدیبیہ مکمل ہوگئی اور یہ بات طے ہوگئی کہ اس وقت بغیر دخول مکہ اور بغیر ادائے عمرہ کے واپس مدینہ جانا ہے، اور صحابہ کرام کا یہ عزم عمرہ رسول اللہ ﷺ کے خواب کی بناء پر ہوا تھا، جو ایک طرح کی وحی تھی، اب بظاہر اس کا خلاف ہوتا ہوا دیکھ کر بعض صحابہ کرام کے دلوں میں یہ شکوک وشبہات پیدا ہونے لگے کہ (معاذ اللہ) آپ کا خواب سچا نہ ہوا، دوسری طرف کفار ومشرکین نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تمہارے رسول کا خواب صحیح نہ ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی لقد صدق اللہ رسوله الرؤیا بالحق. (معارف)

لقد صدق اللہ رسوله الرؤیا بالحق واقعہ حدیبیہ سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہو کر طواف وعمرہ کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا، نبی کا خواب بھی وحی ہی ہوتا ہے تاہم اس خواب میں یہ تعیین نہیں تھی کہ یہ اسی سال ہوگا، لیکن نبی ﷺ اور صحابہ اسے بشارت عظیمہ سمجھتے ہوئے عمرہ کے لئے فوراً تیار ہوگئے، اور اس کے لئے عام منادی کرادی اور نکل پڑے بالآخر حدیبیہ میں جو کہ حدود حرم سے متصل اور نہایت قریب ہے بلکہ اس کا بعض حصہ حدود حرم میں داخل ہے، صلح ہوئی، واقعہ کی تفصیل سورت کے شروع میں گذر چکی ہے، اس خواب کی تعبیر اللہ کے علم میں آئندہ سال مقدر تھی چنانچہ آئندہ سال ۷ھ میں مسلمانوں نے نہایت امن کے ساتھ عمرہ کیا، اس عمرہ کو عمرۃ القضاء کہتے ہیں اس عمرہ میں آپ ﷺ نے قصر کرایا اور حجۃ الوداع میں حلق کرایا، مسلمان چونکہ صلح حدیبیہ سے ناخوش اور کبیدہ خاطر تھے،

وجہ اس کی یہ تھی کہ اس صلح کی مصلحتوں سے مسلمان ناواقف اور بے خبر تھے، آنحضرت ﷺ کی دوربین نگاہیں جو کچھ پس پردہ دیکھ رہی تھیں وہ عام صحابہ سے بلکہ ان میں سے اچھے اچھے مدبر اور ذی فہم صحابہ کی نظروں سے بھی اس صلح کے فوائد پوشیدہ اور مخفی تھے جس کی وجہ سے وہ تذبذب اور تردد کا شکار ہو گئے۔

نکتہ: خواب کی تعبیر میں اشتباہ پیغمبر سے محال نہیں ہے، ورنہ تو آپ اول سال عمرہ کے لئے نہ نکلتے، اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے الہامات اور خواب بدرجہ اولیٰ محتمل ہیں۔ (خلاصۃ التفاسیر) صحیح بخاری میں ہے کہ اگلے سال عمرۃ القضاء میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک قینچی سے تراشے تھے۔

مَسْئَلَہ: قصر سے حلق افضل ہے، مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حدیبیہ میں فرمایا، اے اللہ حلق کرانے والوں پر رحم فرما، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور قصر کرنے والوں پر، فرمایا یا اللہ! حلق کرنے والوں پر رحم فرما پھر صحابہ نے عرض کیا، اور قصر کرنے والوں پر تو آپ نے فرمایا: قصر کرنے والوں پر بھی رحم کر۔

مَسْئَلَہ: اخبار میں انشاء اللہ کہنا ممنوع نہیں ہے مگر معاہدات اور اقرار میں دیانۃً بہتر اور قضاءً بوجہ احتمال تعلیق مناسب نہیں۔

محمد رسول اللّٰہ قرآن پاک میں عموماً آنحضرت ﷺ کا نام لینے کے بجائے آپ کا ذکر اوصاف والقاب کے ساتھ کیا گیا ہے، خصوصاً نداء کے موقع پر **یا ایھا النبی**، **یا ایھا الرسول**، **یاایھا المزمل** وغیرہ سے خطاب کیا گیا ہے، بخلاف دیگر انبیاء کے کہ ان کے نام کے ساتھ ندا کی گئی ہے، مثلاً یا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام، یا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام، یا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام، پورے قرآن میں آپ کا اسم گرامی محمد کی صراحت کے ساتھ چار جگہ ذکر کیا گیا ہے، جہاں آپ کا نام لینے میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہے، اس مقام پر مصلحت یہ تھی کہ حدیبیہ کے صلحنامہ میں آپ ﷺ کے نام کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ لکھ دیا تو مشرکین نے اس کو مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھوانے پر اصرار کیا، رسول اللہ ﷺ نے بحکم ربانی اس کو قبول کر لیا، حق تعالیٰ نے اس مقام پر خصوصیت سے آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ قرآن میں لا کر اس کو دائمی بنا دیا جو قیامت تک اسی طرح پڑھا جائے گا۔ (معارف)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل:

والذین معہ آنحضرت ﷺ کی رسالت اور آپ کے دین کے سب دینوں پر غالب کرنے کا ذکر فرما کر صحابہ کرام کے اوصاف وفضائل اور خاص علامات کا ذکر تفصیل سے فرمایا ہے، یہاں آپ ﷺ کے اصحاب کے فضائل کا بیان ہے اگرچہ اس سے پہلے اصالۃ اور براہ راست خطاب شرکاء سفر حدیبیہ اور بیعت رضوان کو تھا، لیکن الفاظ کے عموم میں سب ہی صحابہ کرام شامل ہیں، اس لئے کہ صحبت اور معیت سب کو حاصل ہے۔

محمد رسول اللّٰہ والذین معہ (الآیۃ) میں چار امور مذکور ہیں ① آپ ﷺ کی رسالت ② اصحاب کے فضائل واخلاق ③ صحابہ کے وہ اوصاف جو کتب سماوی قدیم میں مذکور ہیں ④ عام مسلمانوں سے اجر عظیم کا وعدہ۔

یہ آیت، اہل سنت والجماعت کے اس دعوے پر قطعی حجت ہے کہ تمام صحابہ نہایت مخلص تھے اور از اول تا آخر ایمان واخلاص پر قائم رہے، اوران حضرات کے خلاف کہ جو صحابہ کے اعداء اور مخالف ہیں برہان قوی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا **محمد رسول الله والذین معه** اور جو آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت اور آپس میں نرم ہیں، تو انہیں رکوع اور سجدے میں دیکھتا ہے اس طریقہ پر کہ محض فضل ورضائے الٰہی مطلوب ہے، ان کے چہروں سے آثار سجود اور برکات نماز ظاہر ہیں، یہ مثال ان کی تورات میں ہے، اورانجیل میں ان کی مثال ایک کھیت کی سی ہے جو سوئی اگائے پھر اسے مضبوط کرے پھر تناور اور قوی ہو پھر اپنے تنے پر استادہ اور قائم ہوجائے، کسان کو یہ اگنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

آیت باعتبار اپنے عموم خطاب کے تمام ائمہ ہدیٰ اور خلفاء حضرت مصطفیٰ کو شامل ہے، **محمد** مبتداء ہے، **رسول الله** جملہ ہو کر خبر (مدارک) **والذین** اپنے صلہ سے مل کر مبتداء اور اوصاف ذیل اس کی خبر ہیں، پھر یہ عام ہے تمام امت کو جو اوصاف مذکورہ سے متصف ہو مگر اس کے چار طبقے ہیں ① تمام امتی قیامت تک، مذکورہ اوصاف سے متصف ہونے کے بعد مگر **تبعًا وضمنًا** ② اصحاب رسول عموماً یہ بھی اوصاف مذکورہ کے ساتھ متصف ہونے کے بعد اصالۃً وقصداً داخل ہیں، اس لئے کہ معیت حقیقی ان ہی کے لئے ہے ③ اصحاب بیعت رضوان، شان نزول کا مصداق ہونے کی وجہ سے قطعاً ویقیناً ان اوصاف سے متصف اوران انعامات کے موعود ہیں۔

فائدہ: بعض ارباب تاریخ اور اہل خلاف کا ایسا دعویٰ جو اصحاب بیعت کو اوصاف مذکورہ سے عاری کرے وہ یقیناً مردود ہے۔
تفاسیر مشہورہ کی رو سے **معه** سے حضرت ابوبکر صدیق مراد ہیں جن کی معیت نص صریح سے ثابت ہے، فرمایا **اذ قال لصاحبه** جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صاحب سے کہا: آپ ﷺ نے ابوبکر کے بارے میں فرمایا **ولکن اخی وصاحبی** (بخاری) پھر معیت سے مراد عام ہے خواہ آپ کی حیات مبارکہ میں آپ کے ساتھ رہنا یا آپ ﷺ کی اتباع سے کبھی جدا نہ ہونا، اس بناء پر قیامت تک جتنے مومن ہوں گے وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ایک درجہ کی معیت رکھتے ہیں **اشداء** یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کنایہ ہے جن کی شدت امر دین میں مسلم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا شیطان عمر کے سایہ سے بھاگتا ہے (بخاری) اور شدت سے مراد جہاد وقتال میں سختی ہے، **علی الکفار** میں کفار عبارۃً اور نفس وشیطان دلالۃً اور ہر نافرمان، فاسق، عاصی، قیاساً شامل ہے، علت مشترکہ کی وجہ سے اس میں شامل ہے **رحماء** بڑے رحم دل اس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ ہے جن کا حلم اور رحم ضرب المثل ہے، **بینهم** سے اگر مسلمان مراد ہوں تو عموم ترحم ظاہر ہے، اور اگر اس میں تمام مخلوق کو شامل کرلیا جائے اور ماسوائے امور دین کے دوسری باتوں میں واجب الرحم ہوں تو بھی ہوسکتا ہے، فرمایا **ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء**، **ترٰهم رکعا سجدا** یہ کنایہ ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن کی نماز نے ان کی ہستی، ہستی لازوال میں نیست وفنا کردی تھی پھر ہر نمازی اس میں داخل ہے۔

نکتہ: ''شطا'' سے مراد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اور'' آزر'' سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں اور'' استغلا ظ'' سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں اور'' استواء'' سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔

(خلاصة التفاسير ملخصًا)

اس پوری آیت کا ایک ایک جز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عظمت وفضیلت، اخروی مغفرت اور اجر عظیم کو واضح کر رہا ہے، اس کے بعد بھی صحابہ کرام کے ایمان میں شک کرنے والا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے کیوں کر دعوائے مسلمانی میں سچا سمجھا جا سکتا ہے۔

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْحُجُرَاتِ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانِي عَشْرَةَ اٰيَةً.

سورۂ حجرات مدنی ہے، اٹھارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا** مِن قَدَّمَ بِمَعْنَى تَقَدَّمَ اى لَا تَتَقَدَّمُوا بِقَوْلٍ اوفِعْلٍ **بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ** المُبَلِّغ عنه اى بِغَيرِ اِذْنِهما **وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ** لِقَولِكم **عَلِيْمٌ**۝۱ بِفِعْلِكم نَزَلَتْ فِى مُجَادَلَةِ اَبى بكرٍ وعُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ تعالىٰ عنهُمَا عَلَى النَّبِىِّ صلى اللّٰهُ عليهِ وَسَلَّمَ فِى تَامِيرِ الاَقْرَعِ بنِ حَابِسٍ اَوِ الْقَعْقَاعِ بنِ مَعْبَدٍ وَنَزَلَ فِيمَنْ رَفَعَ صَوْتَهٗ عِنْدَ النبى صلى اللّٰهُ عليه وسلم **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ** اِذَا نَطَقْتُم **فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ** اِذَا نَطَقَ **وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ** اِذَا نَاجَيْتُمُوه **كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ** بَل دُونَ ذٰلك اِجْلَالًا لَهٗ **اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ**۝۲ اى خَشْيَةَ ذٰلك بِالرَّفْعِ وَالْجَهْرِ الْمَذْكُورَيْنِ وَنَزَلَ فِيمَنْ كَانَ يَخْفِضُ صَوْتَهٗ عِندَ النبى صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ كَاَبِى بَكْرٍ وعُمَرَ وغيرِهِمَا رَضِىَ اللّٰهُ عنهم **اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ** اِخْتَبَرَ **قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى** اى لِتَظْهَرَ منهم **لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ**۝۳ الجَنَّةُ وَنَزَلَ فِى قومٍ جَاءُ وا وقتَ الظَّهِيرَةِ والنَّبِىُّ صلى اللّٰهُ عليه وسلَّم فِى مَنْزِلِهٖ فَنَادَوْهُ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ** حُجُرَاتِ نِسَائِه صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم جَمْعُ حُجْرَةٍ وهى مَا يُحجرُ عليه مِنَ الاَرْضِ بِحَائِطٍ ونحوه كَانَ كُلُّ واحِدٍ منهم نَادٰى خَلْفَ حُجْرَةٍ لِاَنَّهم لَمْ يَعْلَموه فِى اَيِّها مُنَادَاةَ الاَعْرَابِ بِغِلْظَةٍ وجفَاءٍ **اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ**۝۴ فيما فَعَلُوه مَحَلَّكَ الرفيعَ ومَا يُنَاسِبُهٗ مِنَ التَّعْظِيمِ **وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا** اَنَّهُمْ فِى مَحَلِّ رَفْعٍ بِالابْتِدَاءِ وقِيلَ فَاعِلٌ لِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ اى ثَبَتَ **حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ**۝۵ لِمَنْ تَابَ منهم وَنَزَلَ فِى الوَلِيدِ بنِ عُقْبَةَ وقد بَعَثَهُ النبىُّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم اِلىٰ بَنِى المُصْطَلِقِ مُصَدِّقًا فَخَافَهُم لِتِرَةٍ كَانَتْ بَيْنَهٗ وبَيْنَهُم فِى الجَاهِلِيَّةِ فَرَجَعَ وقَالَ اِنَّهُمْ مَنَعُوا الصَّدَقَةَ وهَمُّوْا بِقَتْلِهٖ فَهَمَّ النَّبى صَلَّى اللّٰهُ عليه وسَلَّمَ بِغَزْوِهِمْ فَجَاءُ وا مُنْكِرِينَ مَا قَالَهٗ

عنهم ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ﴾ خبر ﴿فَتَبَيَّنُوا﴾ صِدقَهُ مِن كِذبِهِ وفِي قِرَاءَةٍ فتثبَّتُوا من الثبات ﴿أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا﴾ مَفعُولٌ له اي خَشيَةَ ذٰلك ﴿بِجَهَالَةٍ﴾ حالٌ مِنَ الفاعلِ اي جَاهِلِينَ ﴿فَتُصْبِحُوا﴾ فتصيرُوا ﴿عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ﴾ مِنَ الخَطأ بالقوم ﴿نَادِمِينَ﴾ ۞ وَأرسَلَ اِلَيهِم صلى الله عليه وسلم بَعدَ عَودِهِم الى بلادهم خَالِدًا فَلَمْ يَرَ فِيهِم اِلَّا الطَّاعَةَ والخَيرَ فَاَخبَرَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلَّم بذٰلك ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ﴾ فَلَا تقولوا البَاطِلَ فَاِنَّ اللّٰهَ يُخبِرُه بالحَالِ ﴿لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ﴾ الذى تُخبِرُونَ به عَلىٰ خِلافِ الوَاقِعِ فَرُتِّبَ عَلىٰ ذٰلك مُقتَضَاهُ ﴿لَعَنِتُّمْ﴾ لَاَثِمتُم دُونَهُ اِثمَ التَّسَبُّبِ الى المُرَتَّبِ ﴿وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ﴾ حَسَّنَهُ ﴿فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ اِستِدرَاكٌ مِن حيثُ المعنىٰ دُونَ اللَّفظِ لِاَنَّ مَن حُبِّبَ اِلَيهِ الاِيمَانُ الخ غَايَرَت صِفَتُهُ صِفَةَ مَن تَقَدَّمَ ذِكرُهُ ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ﴾ فيهِ اِلتِفَاتٌ عنِ الخِطَابِ ﴿الرَّاشِدُونَ﴾ ۞ الثَّابِتُونَ علىٰ دِينِهِم ﴿فَضْلًا مِنَ اللَّهِ﴾ مَصدَرٌ مَنصُوبٌ بفعلِهِ المُقَدَّرِ اي اَفضَلَ ﴿وَنِعْمَةً﴾ منه ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ﴾ بهم ﴿حَكِيمٌ﴾ ۞ فِي اِنعَامِهِ عَلَيهِم ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ الآيَةُ نَزَلَت فِي قَضِيَّةٍ هِيَ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَكِبَ حِمَارًا ومَرَّ عَلىٰ ابنِ اُبَيٍّ فبالَ الحِمَارُ فَسَدَّ ابنُ اُبَيٍّ اَنفَهُ فَقَالَ ابنُ رَوَاحَةَ واللّٰه لَبَولُ حِمَارِهِ اَطيَبُ رِيحًا مِن مِسكِكَ فكَانَ بَينَ قَومَيهِمَا ضَربٌ بالاَيدِي وَالنِّعَالِ والسَّعَفِ ﴿اقْتَتَلُوا﴾ جُمِعَ نَظَرًا الَى المَعنىٰ لِاَنَّ كُلَّ طَائِفَةٍ جَمَاعَةٌ وقُرِئَ اقتَتَلَتَا ﴿فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾ ثُنِّيَ نَظَرًا الىٰ اللفظِ ﴿فَإِنْ بَغَتْ﴾ تَعَدَّت ﴿إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ﴾ تَرجِعَ ﴿إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ﴾ الحَقِّ ﴿فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ﴾ بالاِنصَافِ ﴿وَأَقْسِطُوا﴾ اِعدِلُوا ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ ۞ ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ فِي الدِّينِ ﴿فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾ اِذَا تَنَازَعَا وقُرِئَ اِخوَتِكُم بالفَوقَانِيَّةِ ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ فِي الاِصلاحِ ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ ۞ ع ۱۳

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو قَدَّمَ بمعنی تَقَدَّمَ سے مشتق ہے یعنی قول و فعل میں اللہ اور اس کے رسول پر جو اس کا پیغامبر ہے پیش قدمی نہ کرو یعنی ان دونوں کی اجازت کے بغیر اور اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں کو سننے والا تمہارے کاموں کو جاننے والا ہے، یہ آیت آنحضرت ﷺ کے حضور ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقرع ابن حابس یا قعقاع بن معبد کو امیر بنانے میں نزاع کے بارے میں نازل ہوئی، اور (آئندہ آیت) اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس نے اپنی آواز کو آپ ﷺ کے حضور بلند کیا، اے ایمان والو! جب تم گفتگو کیا کرو تو نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کیا کرو جب وہ کلام کرے اور نہ اس کے سامنے اونچی آواز میں باتیں کرو جب تم اس سے سرگوشی کرو جیسا کہ تم آپس میں اونچی آواز سے باتیں کرتے ہو بلکہ اس کی آواز سے پست ہی رکھو، آپ کی جلالت شان کا خیال کرتے ہوئے تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تم کو اس کا احساس بھی نہ ہو، مذکورہ بلند اور اونچی آواز

کی وجہ سے تمہارے اعمال کے ضائع ہونے کے پیش نظر (آپ ﷺ سے بلند آواز سے کلام نہ کرو) اور (آئندہ آیت) اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنی آواز کو آنحضرت ﷺ کے حضور پست کرتا تھا، جیسا کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ،

بے شک وہ لوگ جو رسول اللہ کے حضور میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہی ہیں وہ لوگ جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ کے لئے آزمالیا ہے تاکہ ان کا تقویٰ ظاہر ہو جائے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے (یعنی) جنت، اور نازل ہوئی ان لوگوں کے بارے میں جو دوپہر کے وقت آئے اور نبی ﷺ اپنے مکان میں تھے، سوانہوں نے آپ کو پکارنا شروع کر دیا بلاشبہ وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں یعنی آپ ﷺ کے بارے میں یہ نہیں جانتے تھے کہ آپ کس حجرے میں ہیں؟ کرختگی اور شدت کے ساتھ دیہاتیوں کے مانند پکارنا تھا، ان میں کے اکثر آپ کے مقام بلند اور آپ کی مناسب تعظیم سے ناواقف تھے اس سلسلہ میں جو انہوں نے کیا اور اگر یہ لوگ صبر کرتے تا آنکہ آپ ﷺ خود ہی ان کی طرف نکلتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا أَنَّهُمْ ابتداء کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فعل مقدر کا فاعل ہے یعنی ثَبَتَ کا اللہ اس شخص کے لئے غفور اور رحیم ہے جس نے ان میں سے توبہ کی اور (آئندہ آیت) ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے ان کو بنی مصطلق کی جانب محصّل بنا کر بھیجا تھا، چنانچہ انہوں نے اس عداوت کی وجہ سے جو ان کے اور بنی مصطلق کے درمیان زمانہ جاہلیت میں تھی ان سے اندیشہ کیا، جس کی وجہ سے وہ واپس چلے آئے، اور (آکر) کہہ دیا کہ انہوں نے صدقہ دینے سے انکار کر دیا، اور انہوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا، چنانچہ نبی ﷺ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ فرمالیا، چنانچہ اہل بنی مصطلق (آپ ﷺ کی خدمت میں) حاضر ہوئے اور ان کی طرف منسوب کر کے جو بات عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے کہی اس کا انکار کیا، اے ایمان والو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دیا کرے تو اس کے سچ اور جھوٹ کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور ایک قراءت تَثَبَّتُوْا ہے ثبات سے، (یعنی توقف کرو، جلدی نہ کرو) ایسا نہ ہو کہ کہیں نادانی میں کسی قوم کو تکلیف پہنچا دو (اَنْ تُصِيْبُوْا) مفعول لہ ہے، یعنی اس اندیشہ کی وجہ سے بِجَهَالَةٍ (تُصِيْبُوْا کے) فاعل سے حال ہے، اس حال میں کہ تم جاہل ہو پھر غلطی سے قوم کے ساتھ تم نے جو کچھ کر ڈالا اس پر شرمندہ ہونا پڑے ان حضرات کے اپنے شہروں کو واپس جانے کے بعد ان کے پاس آپ ﷺ نے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ فرمایا، تو انہوں نے ان سے سوائے اطاعت اور خیر کے کچھ نہ دیکھا، تو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس امر کی خبر آنحضرت ﷺ کو دی اور جان رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں، لہٰذا کوئی غلط بات نہ کہو اللہ تعالیٰ اس کو حقیقتِ حال کی خبر دیدے گا، اگر وہ بہت سے معاملات میں جن کی تم خلاف واقعہ خبر دیتے ہو تمہاری بات مان لیا کرے پھر اس پر اس کا مقتضیٰ بھی مرتب ہو جائے تو تم گنہگار ہو گے نہ کہ وہ (آپ ﷺ) مرتب کا سبب بننے کی وجہ سے (نہ کہ اس کے ارتکاب کی وجہ سے) لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اسے تمہارے دلوں میں زینت بخشی (یعنی پسندیدہ بنا دیا) کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا (لٰکن سے) استدراک ہے معنی کی حیثیت سے نہ کہ لفظ کی حیثیت سے اس لئے کہ مَنْ حَبَّبَ اِلَيْهِ الْاِيْمَانَ الخ کی صفت متغایر ہے، ان کی صفت سے جن کا ذکر ماقبل میں ہوا

ہے، یہی لوگ اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے، راہ یافتہ ہیں یعنی اپنے دین پر ثابت قدم رہنے والے ہیں اللہ کے فضل واحسان سے (فَضْلًا) مصدر منصوب ہے اپنے فعل مقدر اَفْضَلَ کی وجہ سے، اور اللہ ان کے حالات سے واقف ہے اوران پرانعام فرمانے کے بارے میں باحکمت ہے اور اگر مومنین کی دو جماعتیں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادیا کرو، یہ آیت ایک واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک روز آپ ﷺ حمار پر سوار ہوئے اور آپ کا گذر عبداللہ بن ابی کے پاس سے ہوا تو حمار نے پیشاب کردیا جس کی وجہ سے عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک دبائی، تو ابن رواحہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بولے، واللہ آپ ﷺ کے حمار کا پیشاب تیری مشک سے زیادہ خوشبودار ہے سوان دونوں کی قوموں کے درمیان ہاتھا پائی ہوگئی اور جوتے اورڈنڈے چلنے لگے (طَائِفَة) کی طرف نظر کرتے ہوئے، اِقْتَتَلُوْا کو جمع لائے ہیں، اس لئے کہ ہر طائفہ ایک جماعت ہوتی ہے اور اِقْتَتَلَتَا بھی پڑھا گیا ہے اور بَیْنَهُما کو لفظ کی رعایت کرتے ہوئے تثنیہ لایا گیا ہے، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو سب اس جماعت سے جو زیادتی کرتی ہے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پس اگر لوٹ آئے تو انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے (یادرکھو) سارے مسلمان دینی بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں جب وہ جھگڑا کریں صلح کرادیا کرو (اَخَوَیْکُمْ) کو تائے فوقانیہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اور اصلاح کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: لَاتُقَدِّمُوْا اس میں دو صورتیں ہیں اول یہ کہ یہ متعدی ہے، تعمیم کے قصد سے اس کے مفعول کو حذف کردیا گیا ہے یا نفس فعل کا قصد کرنے کی وجہ سے مفعول کو ترک کردیا گیا ہے، جیسا کہ عرب کہتے ہیں فُلانٌ یمنَعُ ویُعْطِی دوسری صورت یہ کہ یہ لازم ہے جیسے وَجَّهَ وَتَوَجَّهَ وہ متوجہ ہوا اور اسی کی تائید ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اور ضحاک اور یعقوب کی قراءت تَقَدَّمُوْا کرتی ہے اور واحدی نے کہا ہے کہ قَدَّمَ یہاں تَقَدَّمَ کے معنی میں ہے یعنی تم آگے نہ بڑھو (فتح القدیر) مفسر علام نے قَدَّمَ بمعنی تَقَدَّمَ کہہ کر اشارہ کردیا کہ قَدَّم لازم کے معنی میں ہے لہٰذا اس کا مفعول محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔

قَوْلُهُ: اَلْمبلّغ عَنْهُ یہ رَسُوْلِهٖ کی صفت ہے اور اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حکم واجازت کے بغیر نہ قول میں سبقت کرو اور نہ فعل میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ تُقَدِّمُوْا کا مفعول محذوف ہے ای لَاتُقَدِّمُوا امْرًا۔

قَوْلُهُ: اِذَا نَاجَیْتُمُوْهُ اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: اول جملہ یعنی لَاتَرْفَعُوا اَصْوَاتَکُم اور دوسرا جملہ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے جبکہ عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے تو پھر اس تکرار کا کیا مقصد ہے؟

جَوَابِّ: دونوں جملوں کا مفہوم اور مصداق الگ الگ ہے، اول جملہ کا مفہوم یہ کہ جب آپ ﷺ سے گفتگو ہو رہی ہو یعنی سوال و جواب ہو رہے ہوں تو اس طریقہ سے نہ بولو کہ تمہاری آواز آپ ﷺ کی آواز سے بلند ہو جائے، اور دوسرے جملہ کا مطلب یہ کہ جب تم آپ ﷺ سے سوال کر رہے ہو اور آپ ﷺ خاموش سن رہے ہوں تو بھی زور زور سے نہ بولو جس طرح تم آپس میں بولتے ہو، لہٰذا تکرار کا شبہ ختم ہو گیا۔

قِوْلِہٗ: بَلْ دُوْنَ ذٰلِكَ کا مطلب ہے کہ ہر حال میں اپنی آواز آپ ﷺ کی آواز سے پست رکھو، خواہ آپ سے گفتگو ہو رہی ہو یا تم بول رہے ہو اور آپ ﷺ خاموش سن رہے ہوں۔

قِوْلِہٗ: اِجْلَالًا یہ لَاتَرْفَعُوْا وَ لَاتَجْهَرُوْا کی علت ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں آپ کی جلالت شان کا خیال رہنا چاہئے۔

قِوْلِہٗ: خَشْيَةَ ذٰلِكَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اَنْ تَحْبَطَ حذف مضاف کے ساتھ مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے منصوب المحل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنْتَهُوْا عَمَّا نُهِيْتُمْ لِخَشْيَةِ حُبُوْطِ اَعْمَالِكُمْ.

فَائِدَہ: لَاتَـرْفَعُوْا اور لَا تَـجْهَـرُوْا دونوں نے خشيةَ میں تنازع کیا ہے ہر ایک خَشْيَةَ کو اپنا مفعول لہ بنانا چاہتا ہے، بصریین کے مذہب کے مطابق ثانی کو عمل دیا اور اول کے لئے مفعول لہ محذوف مان لیا (گویا کہ یہ باب تنازع فعلان سے ہے)

قِوْلِہٗ: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ الخ اُولٰٓئِكَ مبتداء ہے اَلَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ موصول صلہ سے مل کر جملہ ہو کر اِنَّ کی خبر ہے۔

قِوْلِہٗ: لِتَظْهَرَ مِنْهُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: امتحان تقویٰ کا سبب نہیں ہوتا ہے حالانکہ اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى میں امتحان کو تقویٰ کا سبب بیان کیا گیا ہے۔

جَوَابِّ: اختیار تقویٰ کا سبب نہیں ہے مگر ظہور تقویٰ کا سبب ضرور ہے یہ اطلاق السبب علی المسبب کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ امتحان دل کے اندر پوشیدہ تقویٰ کو ظاہر کر دیتا ہے، اسی شبہ کو رفع کرنے کے لئے لِتَظْهَرَ مِنْهُمْ کا اضافہ کیا ہے۔

قِوْلِہٗ: تِرَةٌ تاء کے کسرہ اور راء کی تخفیف کے ساتھ، بمعنی حسد، عداوت، شک۔

قِوْلِہٗ: فَتَثَبَّتُوْا یہ تَثَبَّتَ سے امر کا جمع مذکر حاضر ہے، تم توقف کرو، جلدی نہ کرو۔

قِوْلِہٗ: خشيةَ ذٰلك یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَنْ تُـصِيْبُوْا قَوْمًا، فَتَبَيَّنُوْا کا مفعول لہ ہے، اَنْ تُـصِيْبُوْا سے پہلے مضاف محذوف ہے ای خشيةَ اِصابَةِ قوم.

قِوْلِہٗ: عَنِتُّمْ عَنِتَ سے ماضی جمع مذکر حاضر، تم گنہگار ہو گئے، تم مشکل میں پڑ گئے۔

قِوْلِہٗ: دُوْنَـهٗ یعنی دروغ گوئی اور غلط بیانی کی وجہ سے جو کچھ نتیجہ برآمد ہو گا اس کے ذمہ دار غلط بیانی کرنے والے ہوں گے نہ کہ آپ ﷺ، اس لئے کہ آپ ﷺ تو تم لوگوں کی گواہی پر فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں۔

قِوْلِہٗ: اِثْمَ التَّسَبُّبِ الی الْمُرَتَّبِ یعنی تم لوگ مرتب شدہ نتیجہ کا ذریعہ اور سبب بننے کی وجہ سے گنہگار رہو گے نہ کہ ارتکاب فعل کی وجہ سے۔

قِوْلُہٗ: اِسْتِدْرَاكٌ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى دُوْنَ اللفظِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: سوال یہ ہے کہ لٰکِنّ استدراک کے لئے ہے، اور استدراک کے لئے ضروری ہے کہ مابعد ماقبل کا نفیاً و اثباتاً مخالف ہو، اور یہاں ایسا نہیں ہے لہٰذا یہ استدراک صحیح نہیں ہے۔

جَوَاب: لکِنّ کا مابعد ماقبل سے اگرچہ نفیًا و اثباتًا، لفظًا متغائر نہیں ہے مگر معنًا متغائر ہے، لہٰذا استدراک صحیح ہے اور معنوی اختلاف یہ ہے کہ مَنْ حُبِّبَ اِلَيْهِ الإيْمَان کی صفت ان لوگوں سے مختلف ہے جن کا ذکر سابق میں گذر چکا ہے اس طریقہ سے مستدرک مستدرک منہ سے مختلف ہے، لہٰذا استدراک بھی درست ہے۔

قِوْلُہٗ: مصدرٌ منصوبٌ بفعله المقدر یعنی فَضْلًا اپنے فعل کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (مگر یہ صحیح نہیں ہے) اس میں تسامح ہے اس لئے کہ فَضْلًا اسم مصدر ہے مصدر اس کا اِفضالًا ہے، البتہ مفعول لہ درست ہے اور عامل اس میں حَبَّبَ ہے عامل اور معمول کے درمیان اولٰئِكَ هم الراشِدُوْنَ جملہ معترضہ ہے۔

قِوْلُہٗ: اقْتَتَلُوْا جُمِعَ نظرًا اِلى المعنٰى یہ ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: اقتتلوا جمع کا صیغہ ہے حالانکہ اس کی ضمیر طائفتان تثنیہ کی طرف لوٹ رہی ہے، لہٰذا ضمیر و مرجع کے درمیان مطابقت نہیں ہے۔

دفع: طائفتان کے معنی کی طرف نظر کرتے ہوئے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے، اس لئے کہ ہر طائفہ بہت سے افراد پر مشتمل ہوتا ہے، بَيْنَهُمَا میں تثنیہ لایا گیا ہے، طائفتان کے لفظ کی رعایت کرتے ہوئے۔

تفسیر و تشریح

یہ سورت طوال مفصل میں سے پہلی سورت ہے، سورۂ حجرات سے سورۂ نازعات تک کی سورتیں طوال مفصل کہلاتی ہیں بعض نے سورۂ ق کو پہلی مفصل سورت قرار دیا ہے (ابن کثیر، فتح القدیر) ان سورتوں کا فجر کی نماز میں پڑھنا مسنون و مستحب ہے اور عبس سے سورۂ والشمس تک اوساط مفصل اور سورۂ ضحٰی سے والناس تک قصار مفصل ہیں، ظہر و عشاء میں اوساط اور مغرب میں قصار پڑھنی مسنون و مستحب ہیں۔ (ایسر التفاسیر)

شانِ نزول:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَاتُقَدِّمُوْا (الآية) ان آیات کے نزول کے متعلق روایات حدیث میں بقول قرطبی چھ واقعات منقول ہیں، اور قاضی ابوبکر بن عربی نے فرمایا کہ سب واقعات صحیح ہیں، کیونکہ وہ سب واقعات ان آیات کے مفہوم میں داخل ہیں، ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے جس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے، واقعہ یہ ہے:

ایک مرتبہ قبیلہ بنوتمیم کے کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ بات زیر غور تھی کہ اس قبیلہ

کا حاکم (امیر) کس کو بنایا جائے، حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے قعقاع بن معبد کے بارے میں رائے دی اور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اقرع بن حابس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں رائے دی، اس معاملہ میں حضرت ابوبکر وعمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے مابین آپ کی مجلس میں کچھ تیز گفتگو ہوگئی اور بات بڑھ گئی جس کی وجہ سے دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

زمانۂ نزول:

یہ بات روایات سے بھی معلوم ہوتی ہے اور سورت کے مضامین بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ یہ سورت مختلف مواقع پر نازل شدہ احکام وہدایات کا مجموعہ ہے، جنہیں مضمون کی مناسبت سے ایک جگہ جمع کردیا گیا ہے، اس کے علاوہ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر احکام مدینہ طیبہ کے آخری دور میں نازل ہوئے ہیں مثلاً آیت ۴۔ کے متعلق مفسرین کا بیان ہے کہ یہ بنو تمیم کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جس وفد نے آکر ازواج مطہرات کے حجروں کے باہر سے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو پکارنا شروع کردیا تھا، اور تمام کتب سیرت میں اس وفد کی آمد کا زمانہ ۹ھ بیان کیا گیا ہے، اسی طرح آیت ۶۔ کے متعلق حدیث کی اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولید بن عقبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جنہیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کرکے لانے کے لئے بھیجا تھا اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ ولید بن عقبہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔

لَا تُقَدِّمُوْا یعنی آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سامنے پیش قدمی اور سبقت نہ کرو، کس چیز میں پیش قدمی کو منع کیا گیا ہے؟ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، اس میں عموم کی طرف اشارہ ہے، یعنی کسی بھی قول وفعل میں آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے پیش قدمی نہ کرو بلکہ انتظار کرو کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کیا جواب دیتے ہیں؟ البتہ اگر آپ ہی کسی کو جواب کے لئے مامور فرمادیں تو جواب دے سکتا ہے، اسی طرح چلنے میں بھی کوئی آپ سے سبقت نہ کرے، اگر مثلاً کھانے کی مجلس ہے تو آپ سے پہلے کھانا شروع نہ کرے مگر قرائن یا صراحت سے اجازت معلوم ہوجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

علماء دین اور دینی مقتداؤں کے ساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے:

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ علماء ومشائخ دین کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ وارث انبیاء ہیں، اور دلیل اس کی یہ واقعہ ہے ایک روز حضرت ابوالدرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے آگے چل رہے ہیں تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے تنبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چل رہے ہو جو دنیا وآخرت میں تم سے بہتر ہے اور فرمایا کہ دنیا میں آفتاب کا طلوع وغروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا کہ جو انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کے بعد ابوبکر سے افضل ہو۔ (روح البیان، معارف)

لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کا یہ مطلب بھی ہے کہ دین کے معاملہ میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کرو بلکہ اللہ

اوراس کے رسول کی اطاعت کرو، اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بدعات کی ایجاد اللہ اوراس کے رسول سے آگے بڑھنے کی بے جا جسارت ہے۔

لَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ اس آیت میں آپ ﷺ کی مجلس کا ادب بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے محابا کیا کرتے ہیں، ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے، چنانچہ آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام کا یہ حال ہوگیا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ یارسول اللہ قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو۔ (درمنثور، ازبیہقی)

شان نزول:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ یہ آیت بنوتمیم کے بعض گنوار قسم کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے ایک روز دوپہر کے وقت، جوکہ آنحضرت ﷺ کے قیلولے کا وقت تھا، حجرے سے باہر کھڑے ہوکر عامیانہ انداز سے، یا محمد یا محمد کی آوازیں لگائیں، تاکہ آپ باہر تشریف لے آئیں (مسند احمد) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی اکثریت بے عقل ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی جلالت شان اور آپ ﷺ کے ادب واحترام کے تقاضوں کا خیال نہ رکھنا بے عقلی ہے۔ امام بغوی نے بروایت قتادہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ذکر کیا ہے کہ قبیلہ بنوتمیم کے لوگ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، یہ لوگ دوپہر کے وقت مدینہ منورہ پہنچے جب آپ کسی حجرے میں آرام فرمارہے تھے یہ اعرابی، آداب معاشرت سے ناواقف تھے، انہوں نے حجروں کے باہر ہی سے پکارنا شروع کردیا (اُخرُج الینا یامحمد) اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں اس طرح پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔

حجرات امہات المومنین:

ابن سعد نے بروایت عطاء خراسانی لکھا ہے کہ یہ حجرے کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے اوران کے دروازوں پر موٹے سیاہ اون کے پردے پڑے ہوئے تھے، امام بخاری نے ادب المفرد میں اور بیہقی نے داؤد بن قیس سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان حجروں کی زیارت کی ہے میرا گمان یہ ہے کہ حجرے کے دروازے سے مسقف بیت تک چھ یا سات ہاتھ اور کمرہ دس ہاتھ اور چھت کی اونچائی سات یا آٹھ ہاتھ ہوگی، امہات المومنین کے یہ حجرے ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں ان کے حکم سے مسجد نبوی میں شامل کردیئے گئے، مدینہ منورہ میں اس روز گریہ وبکا طاری تھا۔ (معارف)

شان نزول:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ جَاءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ (الآیة) اس آیت کے نزول کا واقعہ ابن کثیر نے بحوالہ مسند احمد یہ نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی مصطلق کے رئیس حارث بن ضرار جن کی صاحبزادی حضرت میمونہ بنت حارث امہات المومنین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا، میں نے اسلام قبول کیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ اب میں اپنی قوم میں جا کر اپنی قوم کو اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی دعوت دوں گا، جو لوگ میری بات مان لیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے میں ان کی زکوٰۃ جمع کرلوں گا، اور آپ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ تک اپنا کوئی قاصد میرے پاس بھیج دیں تاکہ زکوٰۃ کی جو رقم میرے پاس جمع ہو جائے اس کے سپرد کردوں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مقررہ تاریخ پر ولید بن عقبہ بن معیط کو محصل زکوٰۃ بنا کر بھیج دیا تھا، مگر ولید بن عقبہ کو راستہ میں یہ خیال ہوا کہ اس قبیلہ کے لوگوں سے میری پرانی دشمنی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے قتل کر ڈالیں، اس خوف سے وہ راستہ ہی سے واپس آگئے اور آپ ﷺ کو یوں ہی رپورٹ دیدی کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے، جس پر آپ ﷺ نے ان پر فوج کشی کا ارادہ فرمالیا، اور خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو مجاہدین کا ایک دستہ دیکر قبیلہ بنی مصطلق کی جانب روانہ فرما دیا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ روانگی کی تیاری فرمائی، بہر حال یہ پتہ لگ گیا کہ یہ بات غلط تھی، اور ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ تو وہاں گئے بھی نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف ملخصًا)

عدالت صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے متعلق ایک اہم سوال اور اس کا جواب:

اس آیت کا ولید بن عقبہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے متعلق نازل ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے اور آیت میں ان کو ''فاسق'' کہا گیا ہے، س سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں کوئی فاسق بھی ہوسکتا ہے اور یہ اس مسلمہ اور متفقہ ضابطہ کے خلاف ہے کہ اَلصَّحَابَةُ ـلُّھُمْ عُدُوْلٌ یعنی صحابہ کرام سب کے سب ثقہ ہیں، ان کی شہادت پر کوئی گرفت نہیں کی جاسکتی، علامہ آلوسی نے روح المعانی میں مایا کہ اس معاملہ میں حق بات وہ ہے جس کی طرف جمہور علماء گئے ہیں، کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ معصوم نہیں ان سے گناہ کبیرہ بھی رزد ہوسکتا ہے جو فسق ہے، اور اس گناہ کی وجہ سے اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں، یعنی شرعی سزا جاری کی ئے گی، اور اگر کذب ثابت ہو تو ان کی شہادت رد کر دی جائے گی لیکن اہل سنت والجماعت کا عقیدہ نصوص قرآن کی بناء پر یہ ہے صحابی سے گناہ تو سرزد ہوسکتا ہے مگر کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کر کے پاک نہ ہوگیا ہو، قرآن کریم نے علی الاطلاق ان ، بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا فیصلہ صادر فرمایا ہے ''رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنه'' اور رضاء الٰہی گناہوں کی معافی کے ہیں ہوسکتی، جیسا کہ قاضی ابویعلی نے فرمایا کہ رضاء، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدیمہ ہے وہ اپنی رضا کا اعلان صرف اسی کے لئے تے ہیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ ان کی وفات موجبات رضاء پر ہوگی۔ (کذافی الصارم المسلول لابن تیمیه، معارف)

کسی صحابی کو فاسق کہنا درست نہیں ہے:

گو آیت کا شان نزول حضرت ولید بن عقبہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا واقعہ ہی سہی مگر لفظ فاسق ان کے لئے استعمال کیا گیا ہو یہ ضروری نہیں، وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو ولید بن عقبہ سے کوئی ایسا کام ہوا نہ تھا جس کے سبب ان کو فاسق کہا جائے، اور اس واقعہ میں بھی جو انہوں نے بنی مصطلق کے لوگوں کی طرف ایک غلط بات منسوب کی وہ بھی اپنے خیال کے مطابق صحیح سمجھ کر کی اگرچہ واقع میں غلط تھی اس لئے آیت مذکورہ کا صاف اور بے غبار مطلب یہ بن سکتا ہے کہ اس آیت نے قاعدہ کلیہ فاسق کی خبر کے نامقبول ہونے کے متعلق بیان کیا ہے اور واقعہ مذکورہ پر اس آیت کے نزول سے اس کی مزید تاکید اس طرح ہوگئی کہ ولید بن عقبہ اگرچہ فاسق نہ تھے مگر ان کی خبر قرائن قویہ کے اعتبار سے ناقابل قبول معلوم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے محض ان کی خبر پر کسی اقدام سے گریز کر کے خالد بن ولید کو تحقیقات پر مامور فرمایا تو جب ایک ثقہ اور صالح آدمی کی خبر میں قرائن کی بناء پر شبہ ہو جانے کا معاملہ یہ ہے کہ اس پر قبل از تحقیق عمل نہیں کیا گیا تو فاسق کی خبر کو قبول نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا اور زیادہ واضح ہے۔

(معارف)

اس آیت کے شان نزول میں "فاسق" کس کو کہا گیا:

زیادہ تر روایات سے تو صراحت کے ساتھ یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ولید بن عقبہ مراد ہیں، حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کی روایت میں یہ پورا قصہ تو اسی طرح بیان ہوا ہے مگر اس میں ولید بن عقبہ کے نام کی صراحت نہیں ہے، بعض حضرات نے مثلاً مولانا ابوالکلام نے یہ توجیہ کی ہے کہ آیت میں فاسق ولید بن عقبہ کو نہیں کہا بلکہ اس شخص کو کہا گیا جس نے حضرت ولید بن عقبہ کو یہ خبر دی کہ بنو مصطلق مرتد اور زکوٰۃ کے منکر ہو گئے ہیں، اور تمہارے قتل کے درپے ہیں، حضرت ولید بن عقبہ اسی شخص کی خبر پر اعتماد کر کے واپس چلے گئے، اور اسی کے مطابق آپ ﷺ کو رپورٹ دیدی، مگر اس توجیہ کی کوئی بنیاد معلوم نہیں ہو سکی۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ یُطِیْعُکُمْ (الآیۃ) اس سے پہلی آیت میں حضرت ولید بن عقبہ اور بنو مصطلق کا واقعہ مذکور تھا، جس میں ولید بن عقبہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے یہ خبر دیدی تھی کہ بنی مصطلق مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ دینے سے بھی انکار کر دیا، اس پر صحابہ کرام میں بھی اشتعال پیدا ہوا، ان کی رائے یہ تھی کہ ان لوگوں پر جہاد کے لئے مجاہدین کو بھیج دیا جائے، مگر آنحضرت ﷺ نے ولید بن عقبہ کی خبر کو قرائن قویہ کی وجہ سے خلاف واقعہ سمجھ کر قبول نہ کیا اور تحقیقات کیلئے حضرت خالد بن ولید کو مامور فرمایا، سابقہ آیت میں قرآن کریم نے اس کو قانون بنا دیا کہ جس کی خبر میں قرائن قویہ سے کوئی شبہ ہو جائے تو قبل تحقیق اس پر عمل کرنا جائز نہیں، اس آیت میں صحابہ کرام کو ایک اور ہدایت دی گئی ہے کہ اگرچہ بنی مصطلق کے متعلق ارتداد کی خبر سن کر تمہارا جوش غیرتِ ایمانی کے سبب سے تھا مگر تمہاری رائے صحیح نہ تھی اللہ کے رسول نے جو صورت اختیار فرمائی وہی بہتر تھی۔ (مظہری)

اس نازک موقع پر ایک بے بنیاد خبر اعتماد کر لینے کی وجہ سے ایک عظیم غلطی ہوتے ہوتے رہ گئی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں

کو یہ اصولی ہدایت دی کہ جب کوئی اہمیت رکھنے والی خبر جس پر کوئی بڑا نتیجہ مرتب ہوتا ہو تمہیں ملے تو اسے قبول کرنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ خبر لانے والا کیسا آدمی ہے، اگر وہ کوئی فاسق شخص ہو یعنی اس کا ظاہر حال یہ بتا رہا ہو کہ اس کی بات اعتماد کے لائق نہیں ہے تو اس کی خبر پر عمل کرنے سے پہلے تحقیق کر لو کہ امر واقعہ کیا ہے؟ ایسا نہ ہو کہ غلط فہمی کی وجہ سے کسی کے خلاف کوئی کارروائی ہو جائے، اور بعد میں پشیمان ہونا پڑے۔

شانِ نزول:

وَاِن طائفتان من المؤمنین (الآیۃ) کے سبب نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان فرمائے ہیں جن میں خود مسلمانوں کے دو گروہوں میں باہم تصادم ہوا اور کوئی بعید نہیں کہ یہ سب ہی واقعات کا مجموعہ سبب نزول ہوا ہو یا نزول کسی ایک واقعہ میں ہوا ہو اور دوسرے واقعات کو اس کے مطابق پاکر ان کو بھی سبب نزول میں شریک کر دیا گیا، اس آیت کے اصل مخاطب تو وہ اولوا الامر اور ملوک ہیں جن کو قتال و جہاد کے وسائل حاصل ہوں۔ (روح المعانی، معارف) اور بالواسطہ تمام مسلمان مخاطب ہیں کہ اولوا الامر کی اعانت کریں، اور جہاں کوئی امام و امیر بادشاہ نہ ہو، وہاں حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں کو فہمائش کر کے ترک قتال پر آمادہ کیا جائے اور اگر دونوں نہ مانیں تو دونوں سے الگ رہے نہ کسی کی مخالفت کرے اور نہ موافقت۔

(بیان القرآن)

مسائل متعلقہ:

مسلمانوں کے دو گروہوں کی باہمی لڑائی کی چند صورتیں ہیں:

① اول یہ کہ دونوں جماعتیں امام المسلمین کے تحت ولایت ہوں ② دوسرے دونوں جماعتیں امام المسلمین کے تحت ولایت نہ ہوں ③ تیسری صورت ایک جماعت امام المسلمین کے تحت ولایت ہو اور دوسری نہ ہو۔

پہلی صورت میں عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ فہمائش کر کے ان کو باہمی جنگ سے روکیں، اگر فہمائش سے باز نہ آئیں تو امام المسلمین پر اصلاح کرنا واجب ہے، اگر حکومت اسلامیہ کی مداخلت سے دونوں فریق جنگ سے باز آگئے تو قصاص و دیت کے احکام جاری ہوں گے، اور اگر باز نہ آئیں تو دونوں فریق کے ساتھ باغیوں کا سا معاملہ کیا جائے گا، اور اگر ایک باز آگیا اور دوسرا ظلم و تعدی پر جما رہا تو دوسرا فریق باغی ہے اس کے ساتھ باغیوں کا سا معاملہ کیا جائے اور جس نے اطاعت قبول کر لی وہ فریق عادل کہلائے گا (اور باغیوں کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے) مشاجرات صحابہ اور مسلمانوں کے باہمی تصادم کی مزید تفصیل کے لئے بیان القرآن اور معارف القرآن کی طرف رجوع کریں اطناب کے خوف سے ترک کر دیا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ الآية نَزَلَتْ فِي وَفْدِ تَمِيْمٍ حِيْنَ سَخِرُوْا مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ كَعَمَّارٍ وَصُهَيْبٍ

والسُّخْرِيَّةُ الازدِرَاءُ وَالاِحْتِقَارُ قَوْمٌ اى رِجَالٌ مِنكم مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ عِندَاللّٰهِ وَلَا نِسَآءٌ منكم مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ لا تَعِيبُوا فتُعَابُوا اى لَايَعِيبُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ لَايَدْعُو بَعْضُكم بَعضًا بلَقَبٍ يَكرَهُهُ ومنه يا فَاسِقُ يا كَافِرُ بِئْسَ الِاسْمُ اى المَذْكُورُ مِنَ السُّخْرِيَّةِ واللَّمْزِ والتَّنَابُزِ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ بَدَلٌ مِنَ الاسْمِ لِافادَةِ اَنَّهُ فِسْقٌ لِتَكَرُّرِه عادَةً وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ مِن ذٰلك فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ اى مُؤثِمٌ وهُو كَثِيرٌ كَظَنِّ السُّوْءِ بِاَهْلِ الخَيرِ مِنَ المُؤمِنِينَ وهُمْ كَثِيرٌ بِخلَافِه بالفُسَّاقِ منهم فَلَااِثْمَ فيه فِى نَحْوِمَا يَظْهَرُ منهم وَّلَا تَجَسَّسُوْا حُذِفَ مِنهُ اِحْدَى التَّائَينِ لَاتَتَّبِعُوا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِينَ وَمَعَائِبَهُم بالبَحْثِ عنها وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ لا يَذكُرْهُ بِشَیْءٍ يَكرَهُهُ وإنْ كَانَ فِيه اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا بالتَّخفِيفِ والتشديدِ لا يَحِسُّ بِه لَا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ اى فَاغْتِيَابُهُ فِى حَيَاتِه كَأَكْلِ لَحمِه بَعْدَ مَمَاتِه وَقَدْ عُرِضَ عَلَيْكُمُ الثَّانِى فَكَرِهْتُمُوْهُ فاكْرَهُوا الاَوَّلَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اى عِقَابَهُ فِى الاِغْتِيَابِ بِاَن تَتُوبُوا مِنه اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ قابِلُ تَوْبَةِ التَّائِبِينَ رَّحِيْمٌ ⑫ بهم يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى اٰدَمَ وَحَوَّاءَ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا جَمْعُ شَعْبٍ بِفَتْحِ الشِّينِ وهو اَعْلَى طَبَقَاتِ النَّسَبِ وَّقَبَاۗىِٕلَ هِیَ دُونَ الشُّعُوبِ وبَعْدَهَا العَمَائِرُ ثم البُطُونُ ثم الافْخَاذُ ثم الفَصَائِلُ آخِرُها، مِثَالُهُ خُزَيْمَةُ شَعْبٌ، كِنَانَةُ قَبِيلَةٌ، قُرَيْشٌ عِمَارَةٌ بِكَسْرِ العَينِ، قُصَیٌّ بَطْنٌ، هَاشِمٌ فَخِذٌ، العَبَّاسُ فَصِيلَةٌ، لِتَعَارَفُوْا ۭ حُذِفَ منه اِحْدَى التَّائَينِ اى لِيَعْرِفَ بَعْضُكم بَعْضًا لا لِتُفَاخِرُوا بِعُلُوِّ النَّسَبِ وانما الفَخْرُ بالتَّقْوٰى اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بكم خَبِيْرٌ ⑬ ببَوَاطِنِكم قَالَتِ الْاَعْرَابُ نَفَرٌ مِن بَنِی اَسَدٍ اٰمَنَّا ۭ صَدَّقْنَا بِقُلُوبِنا قُلْ لهم لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا اى انْقَدْنَا ظَاهِرًا وَلَمَّا اى لم يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ الى الآنَ لٰكِنَّهُ يُتَوَقَّعُ مِنكم وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ بالاِيمانِ وغيرِه لَا يَلِتْكُمْ بِالهمزِ وتركِه وبِابْدَالِه الفًا لا يَنْقُصْكُم مِّنْ اَعْمَالِكُمْ اى مِن ثَوَابِها شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِلْمُؤمِنِينَ رَّحِيْمٌ ⑭ بهم اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اى الصَّادِقُونَ فى اِيمَانِهم كَمَا صُرِّحَ بـه بعدُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا لم يَشُكُّوا فِى الاِيمانِ وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ بِجِهَادِهِم يَظْهَرُ صِدْقُ اِيمانِهم اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑮ فى اِيمانِهم لا مَنْ قَالُوا اٰمَنَّا ولَمْ يُوجَد منهم غيرُ الاِسلامِ قُلْ لَهُمْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ مُضَعَّفُ عَلِمَ بِمَعْنَى شَعَرَ اى اَتُشْعِرُونَهُ بِمَا اَنْتُمْ عليه فى قَوْلِكم اٰمَنَّا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑯ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ مِن غيرِ قِتَالٍ بِخلافِ غيرِهم مِمَّن اَسْلَمَ بَعْدَ قِتَالٍ منهم قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ منصوبٌ بنَزْعِ الخَافِضِ البَاءِ ويُقَدَّرُ قَبلَ اَن فى المَوْضِعَينِ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑰ فِى قَوْلِكم اٰمَنَّا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اى مَا غَابَ فيهما وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱ باليَاءِ والتَّاءِ لايَخْفٰى عليه شَیْءٌ منه.

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ تو مرد مردوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ عنداللہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا ممکن ہے کہ وہ عورتیں ان عورتوں سے بہتر ہوں، یہ آیت وفدِ بنی تمیم کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ انہوں نے فقرائے مسلمین کا تمسخر کیا تھا، مثلاً عمار، صہیب کا، اور سخر یہ تحقیر و تذلیل کو کہتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ کہ تم عیب جوئی کرو تو تمہاری عیب جوئی کی جائے، یعنی کوئی کسی کی عیب جوئی نہ کرے اور نہ کسی کو برالقب دو، یعنی آپس میں ایک دوسرے کو ایسے لقب سے نہ پکارو جس کو وہ ناپسند کرے اور ان ہی (برے القاب) میں سے یا فاسق یا کافر ہے، (صفت) ایمان سے متصف ہونے کے بعد فسق مذکورہ کا نام کہ وہ تمسخر اور عیب جوئی اور برے لقب رکھنا ہیں لگنا برا ہے (اَلْفُسُوْقُ) اسم سے بدل ہے، اس بات کا فائدہ دینے کی وجہ سے کہ (نام بگاڑنا) عادۃً بار بار ہوتا ہے اور گناہ صغیرہ، پر اصرار کی وجہ سے (صغیرہ کبیرہ ہو جاتا ہے) اور اس سے توبہ نہ کرنے والے ہی ظالم لوگ ہیں، اور اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں یعنی گنہگار کرنے والی ہیں، اور یہ کثیر ہے، جیسا کہ مومنین اہل خیر کے ساتھ بدگمانی، اور وہ (اہل خیر) کثیر ہیں بخلاف اس بدظنی کے، مومنین فساق میں تو اس بدگمانی میں گناہ نہیں ہے ان گناہوں کے بارے میں جن کو وہ کھلم کھلا کرتے ہیں اور کسی (کے عیب) نہ ٹٹولا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے (تَجَسَّسُوْا) سے ایک تاء حذف کردی گئی ہے (یعنی) مسلمانوں کے عیوب اور رازوں کی جستجو میں نہ رہا کرو، اور نہ اس کا کوئی ایسی چیز سے تذکرہ کرے جس کو وہ ناپسند کرے اگرچہ وہ چیز اس کے اندر موجود ہو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ اس غیبت سے بے خبر بھائی کا گوشت کھائے (مَیْتًا) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے (یقیناً) نہیں پسند کرے گا لہٰذا تم اس بات کو (بھی) ناپسند کرو، اس لئے کہ اس کی زندگی میں اس کی غیبت کرنا اس کے مرنے کے بعد اس کا گوشت کھانے کے مانند ہے، اور تمہارے سامنے ثانی پیش کیا گیا تو تم نے اس کو ناپسند کیا، تو اول کو بھی ناپسند کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو یعنی غیبت کے بارے میں اس کی سزا سے، اس طریقہ سے کہ اس سے توبہ کرو، بے شک اللہ بڑا توبہ کا قبول کرنے والا ان پر مہربان ہے، یعنی توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول کرنے والا ہے، اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا آدم و حواء سے اور ہم نے تم کو قومیں اور قبیلے بنایا شُعُوْبٌ شَعْبٌ کی جمع ہے شین کے فتحہ کے ساتھ، اور وہ (شَعْب) نسب کے طبقات میں سب سے اوپر ہے، اور قبیلہ یہ شعب سے نیچے ہے، اور اس سے نیچے عمائر ہے، پھر بطون ہے اس سے نیچے افخاذ ہے اور ان سب سے آخر میں فصیلہ ہے، اس کی مثال خزیمہ شعب ہے، کنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے عین کے کسرہ کے ساتھ اور قصی بطن ہے، ہاشم فخذ ہے، عباس فصیلہ ہے، تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کرسکو، (تَعَارَفُوْا) سے ایک تاء حذف کردی گئی تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو نہ کہ عالی نسبی پر فخر کرو اور فخر تو صرف تقویٰ کی وجہ سے ہے اور تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں خوب جاننے والا اور تمہارے طبقات نسب سے پوری طرح باخبر ہے، بنو اسد کے دیہاتیوں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ ہم ایمان لے آئے، یعنی ہم نے اپنے

قلوب سے تصدیق کر دی آپ ان سے فرمایئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو ہم اسلام لائے یعنی ظاہری طور پر تابع فرمان ہو گئے لیکن ابھی تک تمہارے قلوب میں ایمان داخل نہیں ہوا، لیکن تم سے اس کی توقع رکھی جا سکتی ہے تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی ایمان وغیرہ میں فرمانبرداری کرنے لگو گے تو وہ تمہارے اعمال میں سے یعنی ان کے ثواب میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا (یَاْلِتْکُمْ) ہمزہ اور ترکِ ہمزہ کے ساتھ ہے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر یعنی تمہارے اجر کو کم نہ کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ مومنین کو معاف کرنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے، مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے یعنی اپنے ایمان میں سچے ہوں جیسا کہ بعد میں اس کی صراحت فرمائی پھر انہوں نے ایمان میں شک نہ کیا اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ان کے جہاد سے ان کے ایمان کی صداقت ظاہر ہوتی ہے (اپنے دعوائے ایمان میں) یہی لوگ سچے ہیں نہ کہ وہ جن کی طرف سے سوائے ظاہری اتباع کے کچھ نہ پایا گیا، آپ ان سے کہہ دیجئے، کیا تم اللہ کو اپنی دینداری کی خبر دیتے ہو تُعَلِّمُوْنَ عَلِمَ کا مُضَعَّف ہے بمعنی شَعَرَ یعنی کیا تم اس کو آگاہ کرتے ہو اس بات سے جس پر تم اپنے قول آمَنَّا میں ہو اور اللہ ہر اس چیز سے جو آسمانوں اور زمین میں ہے واقف ہے یہ لوگ بغیر قتال کے اسلام لانے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں بخلاف دوسروں کے کہ وہ قتال کے بعد اسلام لائے آپ کہہ دیجئے اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ رکھو (اِسْلَامَکُمْ) نزع خافض باء کی وجہ سے منصوب ہے، اور دونوں جگہوں پر اَنْ سے پہلے باء مقدر ہے بلکہ (درحقیقت) اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت بخشی، بشرطیکہ تم اپنے قول آمَنَّا میں سچے ہو، اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی سب مخفی چیزوں کو جانتا ہے یعنی زمین و آسمان میں جو چیزیں پوشیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے یاء اور تاء کے ساتھ ان میں سے اس پر کوئی شئ مخفی نہیں ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لَایَسْخَرْ مضارع منفی واحد مذکر غائب (س) سَخْرٌ ٹھٹھا کرنا، مذاق کرنا۔

قَوْلُہٗ: الاَذْدِرَاءُ وَالْاِحْتِقَارُ یہ عطف تفسیری ہے، تحقیر و تذلیل کرنا۔

قَوْلُہٗ: قوم ای رِجَالٌ، رِجَالٌ سے اشارہ کر دیا کہ قومٌ اسم جمع ہے بمعنی رجالٌ چونکہ قومٌ، نِسَاءٌ کے مقابلہ میں واقع ہے اس لئے اس سے یہاں مرد مراد ہیں، اور لغت عرب میں بھی قومٌ، رجال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قال الشاعر:

وَمَا اَدْرِیْ وَلَسْتُ اَخَالُ اَدْرِی ... أَقَوْمٌ آلُ حِصْنٍ اَمْ نِسَاءٗ

شاعر کی مراد ''قوم'' سے ''رجال'' ہیں، اور رجال کو قوم اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ قوّامُون علی النِّساء ہیں، اب رہا مطلقا

مردوں اور عورتوں کو قوم کہنا، جیسا کہ قوم فرعون اور قوم عاد وغیرہ، تو وہ بطور تبعیت ہے اصالۃً قوم رجال ہی کو کہا جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: عَسٰی اَنْ یکونَ جملہ مستانفہ ہے بیان علت کے لئے اور عَسٰی فاعل کی وجہ سے خبر سے مستغنی ہے۔

قَوْلُہٗ: اللَّمْزُ، لَمْزٌ اشارہ کردن بچشم، آنکھ وغیرہ سے اشارہ کرنا۔

قَوْلُہٗ: لَا تَعِیْبُوا فَتُعَابُوْا یہ لَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ کی توجیہ ہے یعنی اگر تم دوسروں کا عیب نکالو گے تو لوگ تمہارا عیب نکالیں گے، اس طرح گویا کہ تم خود اپنا عیب نکالو گے، یہ مَنْ ضَحِكَ ضُحِكَ کے قبیل سے ہے، یا جس طرح آپ ﷺ نے فرمایا لَاتَسُبُّوا آبائکم، اپنے والدین کو گالی مت دو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنے آباء کو کون گالی دے گا آپ نے فرمایا: اگر تم کسی کے آباء کو گالی دو گے تو وہ تمہارے آباء کو گالی دے گا، اس طرح گویا کہ تم اپنے آباء کو گالی دینے والے ہوئے۔

قَوْلُہٗ: ای لا یعیبُ بَعْضُکم بَعْضًا یہ لَاتَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ کی دوسری توجیہ ہے، مفسر علام اگر اَیْ کے بجائے اَوْ فرماتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: لَاتَنَابَزُوْا یہ تَنَابُزٌ سے نہی جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے، تم کسی کی چڑ نہ نکالو، کسی کو برے لقب سے نہ پکارو، کسی کا نام نہ بگاڑو۔

قَوْلُہٗ: ای المذکور مِنَ السُّخْرِیَۃِ وَاللَّمْزِ وَالتَّنَابُزِ مفسر علام کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سُوَال: اَلْاِسْمُ پر الف لام عہد کا ہے جو جمع پر دلالت کرتا ہے اور مراد اسماء ثلثہ مذکورہ یعنی السُّخریۃ، اللَّمز، التَّنَابُز ہیں لہٰذا مناسب تھا کہ الاسم مفرد لانے کے بجائے الاسماء جمع لاتے۔

جَوَاب: اسم یہاں ذکر مشہور کے معنی میں ہے جو کہ عرب کے قول طَارَ اسمُہٗ سے مشتق ہے، اسماء ثلثۃ المذکور کے معنی میں ہے لہٰذا الاسم کا مفرد لانا صحیح ہے اور اسم سے مراد ذکر اور شہرت ہے نہ معروف اسم بمقابل حرف و فعل اور نہ بمعنی علم اور یہ سُمُوٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی بلند ہونے کے ہیں۔

قَوْلُہٗ: بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بِئْسَ فعل ماضی، اَلِاسْمُ اس کا فاعل الفُسُوْقُ، الاسم سے بدل ہے، مفسر علام نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے اس صورت میں مخصوص بالذم محذوف ہوگا، ای ھُوَ. زیادہ واضح ترکیب یہ ہے کہ اَلْفُسُوْقُ کو مخصوص بالذم قرار دیا جائے، مذکورہ جملے کی مشہور ترکیب یہ ہے کہ اَلْفُسُوْقُ مبتداء ہے، اور بئسَ الِاسْمُ خبر مقدم ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاِفَادَۃِ اَنَّہٗ فِسْقٌ لِتَکَرُّرِہٖ عَادَۃً یعنی سخر یہ وغیرہ جو مذکور ہوئے اگرچہ گناہ صغیرہ ہیں مگر جب صغیرہ پر اصرار ہو اور اس کا ارتکاب بار بار کیا جائے تو وہ گناہ کبیرہ بن جاتا ہے، اور عام طور پر عادۃً ایسا ہی ہوتا ہے کہ انسان ان القاب کو بار بار دہراتا ہے۔

قَوْلُہٗ: لَایَحِسُّ بِہٖ یہ مَیْتًا کی صفت ہے یعنی مردہ جو کہ محسوس نہیں کرتا، یعنی اگر اس کو کوئی کھائے تو اس کو احساس نہیں ہوتا، مفسر علام نے لَایَحِسُّ بِہٖ کا اضافہ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ میت اور مغتاب لہ (جس کی غیبت کی جائے) کے

درمیان وجہ شبہ عدم علم ہے، جس شخص کی پس پشت غیبت کی جاتی ہے اس کو بھی غیبت کا علم نہیں ہوتا، اور مردہ کا گوشت کھانے سے بھی مردہ کو علم واحساس نہیں ہوتا گویا کہ عدم علم میں دونوں مشترک ہیں۔

قِوْلَهُ: مُضَعَّف عَلِمَ یعنی تعلیم اعلام کے معنی میں ہے جو کہ متعدی بدو مفعول ہے دوسرا مفعول دِینکم ہے، جس کی طرف باء کے ذریعہ متعدی ہے۔

قِوْلَهُ: اِن کنتم صادقین فی اِدّعائکم الایمان شرط ہے، اس کا جواب محذوف ہے فَلِلّٰهِ الْمِنَّةُ علیکم.

قِوْلَهُ: فی الموضعین یعنی أن سے پہلے باء مقدر ہے دو جگہوں میں ایک أنْ اَسْلَمُوْا ہے اور دوسری أن هدَاكُمْ ای بأن اَسْلَمُوا وبأن هَدَاكُمْ.

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (الآیة) گذشتہ دو آیتوں میں مسلمانوں کی باہمی لڑائی کے متعلق ضروری ہدایات دینے کے بعد اہل ایمان کو یہ احساس دلایا گیا تھا کہ دین کے مقدس ترین رشتہ کی بناء پر وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں، اب آگے کی دو آیتوں میں ان بڑی بڑی برائیوں کے سدباب کا حکم دیا جارہا ہے جو بالعموم ایک معاشرے میں لوگوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرتی ہیں، ایک دوسرے کی عزت پر حملہ ایک دوسرے کی دل آزاری، ایک دوسرے سے بدگمانی اور ایک دوسرے کے عیوب کا تجسس، درحقیقت یہی وہ اسباب ہیں جن سے آپس کی عداوتیں پیدا ہوتی ہیں اور پھر دوسرے اسباب کے ساتھ مل کر ان سے بڑے بڑے فتنے رونما ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں جو احکام آگے کی آیتوں میں دیئے گئے ہیں اور ان کی جو تشریحات احادیث میں ملتی ہیں ان کی بناء پر ایک مفصل قانون ہتکِ عزت مرتب کیا جاسکتا ہے، ایک شخص دوسرے شخص کا استہزاء اور تمسخر اسی وقت کرتا ہے جب وہ خود کو اس سے بہتر اور اس کو اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھتا ہے، حالانکہ اللہ کے نزدیک ایمان اور عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور کون نہیں؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے اس لئے خود کو بہتر اور دوسرے کو کمتر سمجھنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے اس آیت کے شان نزول میں متعدد واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔

شانِ نزول:

لایسخر قوم من قوم (الآیة) صاحب معالم نے کہا ہے کہ یہ آیت ثابت بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی، یہ اونچا سنتے تھے اسی لئے آپ ﷺ کے قریب بیٹھتے تھے تاکہ آپ کی بات سن سکیں، ایک روز ان کی فجر کی نماز کی ایک رکعت چھوٹ گئی اس کے بعد جب مجلس میں پہنچے تو صحابہ اپنی اپنی جگہ لے چکے تھے، ثابت بن قیس جب نماز پڑھ کر آئے تو کہنے لگے تفسحوا (جگہ دو) لوگوں نے ان کو جگہ دیدی تو یہ کودتے پھاندتے قریب پہنچ گئے، صرف ایک شخص اپنی جگہ سے نہ ہٹا پس وہی شخص حضور کے اور ثابت کے درمیان میں تھا، ثابت نے ٹھوکا لگا کر نام پوچھا، اس نے اپنا نام بتایا اور کہا مجھے

جہاں جگہ مل گئی وہاں بیٹھا ہوں، چونکہ اس شخص کو ایام جاہلیت میں کسی عورت کی نسبت عار دلائی جاتی تھی تو ثابت نے کہا تو فلانی کا بیٹا ہے اس نے شرم سے سر جھکالیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، ضحاک نے کہا کہ بنی تمیم کے بارے میں نازل ہوئی، یہ لوگ فقراء صحابہ پر ہنستے تھے جیسے کہ عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت انس نے فرمایا کہ امہات المومنین کے حق میں نازل ہوئی، ازواج مطہرات میں سے کسی نے حضرت ام سلمہ کو کوتاہ قامت (ٹھگنی) کہہ دیا تھا، اسی طرح کسی نے حضرت صفیہ کو یہودن کہہ دیا، اس آیت میں اس کی ممانعت آئی کہ تمہیں کیا معلوم کہ نفس الامر میں اور خاتمہ کے اعتبار سے کون بہتر ہے؟ (خلاصۃ التفاسیر) یہ سب ہی واقعات نزول کا سبب ہو سکتے ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

پہلا واقعہ:

کہتے ہیں کہ یہ اخلاقی بیماری عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے، اس لئے عورتوں کا بطور خاص الگ ذکر کر کے انہیں بھی بطور خاص اس سے روک دیا گیا ہے ورنہ عام طور پر مردوں کے بارے میں حکم ذکر کر کے عورتوں کو ان کے تابع کر دیا جاتا ہے۔

مردوں اور عورتوں کا الگ الگ ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مردوں کے لئے عورتوں کا اور عورتوں کے لئے مردوں کا مذاق اڑانا جائز ہے، دراصل جس وجہ سے دونوں کا ذکر الگ الگ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام سرے سے مخلوط سوسائٹی کا قائل نہیں ہے، ایک دوسرے کی تضحیک عموماً بے تکلف مجلسوں میں ہوا کرتی ہے، اسلام میں اس کی گنجائش رکھی ہی نہیں گئی کہ غیر محرم مرد عورتوں کی مجلس میں جمع ہو کر آپس میں ہنسی مذاق کریں، اس لئے اس بات کو ایک مسلم معاشرہ میں قابل تصور نہیں سمجھا گیا ہے۔

وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ (الآية) اللمزُ، العيبُ، ابن جریر نے کہا ہے کہ لمز ہاتھ، آنکھ زبان اور اشارہ سے ہوتا ہے اور ھمز صرف زبان ہی سے ہوتا ہے۔ (فتح القدير)

لَا تَنَابَزُوْا (تفاعل) یہ نَبْزٌ سے مشتق ہے، اور نَبَزٌ حرکت کے ساتھ بمعنی لقب (جمع) انباز، القاب لَقَب کی جمع ہے، اصلی نام کے علاوہ جو نام رکھ لیا جائے اس کو لقب کہتے ہیں یہاں برا لقب مراد ہے لَاتَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ ایسا ہی ہے جیسا کہ لَاتَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ یعنی اپنے آپ کو قتل نہ کرو مطلب یہ ہے کہ آپس میں نہ تو عیب جوئی کرو اور نہ قتل کرو اور نہ آپس میں طعنہ زنی کرو، لَمْز کے مفہوم میں طعن و تشنیع کے علاوہ متعدد دوسرے مفہوم بھی شامل ہیں، مثلاً چوٹیں کسنا، پھبتیاں کسنا، الزام دھرنا، اعتراض جڑنا، عیب چینی کرنا، کھلم کھلا زیر لب یا اشاروں سے کسی کو نشانہ ملامت بنانا، یہ سب افعال چونکہ آپس کے تعلقات کو بگاڑتے ہیں اور معاشرہ میں فساد برپا کرتے ہیں اس لئے ان کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے، تیسری چیز جس سے آیت میں ممانعت کی گئی ہے وہ کسی کو برے لقب سے پکارنا ہے جس سے وہ ناراض ہوتا ہو جیسے کسی کو لنگڑا، لولا، اندھا، گنجا وغیرہ کہہ کر پکارنا۔

حضرت ابوجبیرہ انصاری نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ہم میں اکثر آدمی ایسے تھے جن کے دو یا تین نام مشہور تھے اور ان میں سے بعض نام ایسے تھے جو لوگوں نے اس کو عار دلانے اور تحقیر و توہین کے لئے مشہور کر دیئے تھے، آپ کو یہ بات معلوم نہیں تھی بعض اوقات وہی ناپسندیدہ نام لیکر آپ اس کو خطاب کرتے تو صحابہ عرض کرتے یا رسول اللہ وہ اس نام سے ناراض ہوتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف)

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ آیت میں تنابز بالالقاب سے مراد ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا برا عمل کیا ہو اور پھر اس سے تائب ہو گیا ہو اس کے بعد پھر اس کو اس کے اس برے عمل کے نام سے پکارنا، مثلاً اے چور، اے زانی، اے شرابی وغیرہ کہنا، جس نے ان افعال سے توبہ کر لی ہو، اس کو اس پچھلے عمل سے عار دلانا اور تحقیر کرنا حرام ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ پر عار دلائے کہ جس سے اس نے توبہ کر لی ہے تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا کہ اس کو اسی گناہ میں مبتلا کر کے دنیا و آخرت میں رسوا کرے گا۔ (قرطبی)

بعض القاب کا استثناء:

بعض لوگوں کے ایسے نام مشہور ہو جاتے ہیں کہ فی نفسہ وہ برے ہیں، مگر وہ بغیر اس لفظ کے پہچانے ہی نہیں جاتے تو اس کو اس نام سے ذکر کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ ذکر کرنے والے کا مقصد اس کی تحقیر اور تذلیل نہ ہو جیسے بعض محدثین کے نام کے ساتھ، اعرج، یا احدب، یا اعمش وغیرہ مشہور ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے دریافت کیا گیا کہ اسانید حدیث میں بعض ناموں کے ساتھ کچھ ایسے القاب آئے ہیں مثلاً حمید الطویل، سلیمان اعمش، مروان اصفر وغیرہ تو کیا ان الفاظ کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب تمہارا قصد اس کا عیب بیان کرنے کا نہ ہو بلکہ اس کی پہچان پوری کرنے کا ہو تو جائز ہے۔ (قرطبی)

یَـٰٓأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ (الآیة) اس آیت میں تین باتوں کو حرام قرار دیا گیا ہے، اول ظن، دوسرے تجسس، تیسرے غیبت، پہلی چیز یعنی ظن کے معنی گمانِ غالب کے ہیں، اس کے متعلق قرآن کریم نے اول تو یہ فرمایا کہ بہت گمانوں سے بچا کرو، پھر اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ہر گمان گناہ نہیں ہوتا۔

اس حکم کو سمجھنے کے لئے ہمیں تجزیہ کر کے دیکھنا چاہئے کہ گمان کی کتنی قسمیں ہیں اور ہر ایک کی اخلاقی حیثیت کیا ہے۔

گمان کی ایک قسم وہ ہے کہ جو اخلاق کی نگاہ میں نہایت پسندیدہ اور دین کی نظر میں مطلوب، محمود، مثلاً اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کے ساتھ نیک گمان رکھنا، اسی طرح اپنے میل جول رکھنے والوں اور متعلقین سے حسن ظن رکھنا، جب تک کہ بدگمانی کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔

دوسری قسم کا گمان وہ ہے جس سے کام لینے کے سوا عملی زندگی میں کوئی چارہ نہیں ہے، مثلاً عدالت میں اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا کہ جو شہادتیں حاکم عدالت کے سامنے پیش ہوں ان کے مطابق جانچ کر وہ غالب گمان کی بناء پر فیصلہ کرے۔

گمان کی تیسری قسم وہ ہے کہ جو اگر چہ بدگمانی ہے مگر گناہ نہیں ہے، مثلاً کسی شخص یا جماعت کی سیرت یا کردار میں اس کے معاملات اور طور وطریقوں میں ایسی واضح علامات پائی جاتی ہوں کہ جن کی بنیاد پر وہ حسن ظن کا مستحق نہ ہو اور اس سے بدگمانی کرنے کے لئے معقول وجوہ موجود ہوں ایسی صورت میں یہ ضروری نہیں کہ لامحالہ اس سے حسن ظن ہی رکھے لیکن اس بدگمانی کی آخری حد یہ ہے کہ اس کے امکانی شر سے بچنے کے لئے بس احتیاط سے کام لے اس کے خلاف محض گمان کی بناء پر اس کے خلاف کوئی کاروائی کرنا درست نہیں۔

امام ابوبکر جصاص رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے احکام القرآن میں ایک جامع تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ ظن کی چار قسمیں ہیں:
① حرام ② مامور بہ اور واجب ③ مستحب اور مندوب ④ مباح اور جائز۔

ظن حرام:

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی رکھے کہ وہ مجھے عذاب ہی دے گا یا مجھے مصیبت ہی میں مبتلا رکھے گا، اس طرح کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت سے گویا مایوس ہے، حضرت جابر رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لَا یَمُوتَنَّ احدُکم اِلّا وھو یُحسن الظَّنَّ** تم میں سے کسی کو اس کے بغیر موت نہ آنی چاہئے کہ اس کا اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو اور ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **أنا عندظن عبدی بی** میں اپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی ہوں جیسا وہ مجھ سے گمان رکھے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ساتھ حسن ظن فرض اور بدگمانی حرام ہے، اسی طرح ایسے نیک مسلمان جو ظاہری حالت میں نیک معلوم ہوتے ہیں ان کے متعلق بلا کسی قوی دلیل کے بدگمانی کرنا حرام ہے، حضرت ابوہریرہ رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا **اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اکذب الحدیث** یعنی بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی جھوٹی بات ہے۔

ظن واجب:

اور جو کام ایسے ہیں کہ ان پر کسی جانب پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے اور اس کے متعلق قرآن وسنت میں کوئی دلیل واضح موجود نہیں، وہاں پر ظن غالب پر عمل کرنا واجب ہے، جیسے باہمی منازعات ومقدمات کے فیصلے میں ثقہ گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ کرنا کیونکہ حاکم اور قاضی جس کی عدالت میں مقدمہ دائر ہے اس پر اس کا فیصلہ دینا واجب اور ضروری ہے،

اوراس معاملہ کے متعلق کوئی نص موجود نہیں، نہ قرآن میں اور نہ حدیث میں تو ثقہ آدمیوں کی گواہی پراس کو عمل کرنا واجب ہے، اگرچہ اس بات کا امکان ہے کہ ثقہ گواہ نے اس وقت جھوٹ بولا ہو، اس لئے اس کا سچا ہونا صرف ظن غالب ہے، اسی طرح جہاں سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور وہاں کوئی ایسا آدمی یا علامت موجود نہ ہو کہ جس سے قبلہ کا یقینی علم ہو سکے ایسے موقع پر ایسے ظن غالب پر عمل ضروری ہے، اسی طرح ضائع شدہ مال کا ضمان بھی ظن غالب پر ہوتا ہے یعنی غالب گمان سے اندازہ کر کے اس کی قیمت لگا کر ضمان دلوایا جاتا ہے۔

ظن مباح:

یہ ہے کہ مثلاً کسی کو نماز کی رکعتوں میں شک ہو جائے کہ تین پڑھی ہیں یا چار؟ تو اپنے ظن غالب پر عمل کرنا جائز ہے اور اگر وہ ظن غالب کو چھوڑ کر امر یقینی پر عمل کرے یعنی تین رکعت قرار دیکر چوتھی پڑھ لے، تو یہ جائز ہے۔

ظن مستحب:

ظن مستحب ومندوب یہ ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ نیک گمان رکھے کہ اس پر ثواب ملتا ہے۔ (جصاص، معارف)

وَلَا تَجَسَّسُوْا الخ اس آیت میں تجسس سے منع کیا گیا ہے، تجسس کسی کے عیب کی تلاش اور سراغ لگانے کو کہتے ہیں اور اس میں دو قراءتیں ہیں، ایک لَا تَجَسَّسُوْا جیم کے ساتھ، اور دوسری لَا تَحَسَّسُوا حاء کے ساتھ، دونوں لفظوں کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں، اخفش نے کہا ہے کہ جس چیز کو لوگوں نے آپ سے چھپایا ہو اس کی تلاش وجستجو کو تجسس کہتے ہیں اور تحسس بالحاء مطلقاً تلاش وجستجو کو کہتے ہیں۔

بیان القرآن میں حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے لکھا ہے کہ چھپ کر کسی کی باتیں سننا یا خود کو سوتا ظاہر کر کے کسی کی باتیں سننا بھی تجسس میں داخل ہے، البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو تو اپنی یا دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے مضرت پہنچانے والے کی خفیہ تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرنا جائز ہے، اس کے علاوہ جائز نہیں، ایک مومن کا یہ کام نہیں کہ دوسروں کے جن حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے اس کی کھود کرید کرے اور پردے کے پیچھے جھانک کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ کس میں کیا عیب ہے اور کس کی کونسی کمزوریاں چھپی ہوئی ہیں، لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا لوگوں کی خفیہ باتیں کان لگا کر سننا غرضیکہ کسی بھی طریقہ سے ذاتی معاملات کو ٹٹولنا ایک بڑی بداخلاقی کی بات ہے جس سے طرح طرح کے فسادات رونما ہوتے ہیں، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اپنے خطبہ میں تجسس کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يَدْخُلِ الإِيْمَانُ قَلْبَهٗ لَاتَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ فَإِنَّهٗ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعُ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ فِي بَيْتِهٖ.

اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو مگر ابھی تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اترا ہے، مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی کھوج نہ لگایا کرو کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا اللہ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا، اور اللہ جس کے درپے ہو جائے اسے اس کے گھر میں رسوا کر کے چھوڑے گا۔

شانِ نزول:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا تو قریش مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے ان کو یہ دن دیکھنا نہ پڑا اور حارث بن ہشام نے کہا کہ محمد ﷺ کو اس کالے کوے کے سوا کوئی آدمی نہیں ملا کہ جو مسجد حرام میں اذان دے، ابوسفیان نے کہا کہ میں کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں کچھ کہوں گا تو آسمان کا مالک اس کو خبر کر دے گا، چنانچہ جبرائیل امین تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی، آپ نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا تم نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے اقرار کر لیا اسی پر یہ آیت نازل ہوئی، جس نے واضح کر دیا کہ فخر و عزت کی چیز درحقیقت ایمان اور تقویٰ ہے جس سے تم لوگ خالی ہو اور بلال آراستہ ہیں، اس لئے وہ تم سے افضل ہیں۔ (مظہری، معارف)

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا سابقہ آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت و شرافت کا معیار تقویٰ ہے جو ایک باطنی چیز ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کو جانتے ہیں کسی شخص کے لئے تقدس کا دعویٰ جائز نہیں، مذکورۃ الصدر آیات میں ایک خاص واقعہ کی بناء پر بتلایا گیا ہے کہ ایمان کا اصل مدار قلبی تصدیق پر ہے اس کے بغیر محض زبان سے خود کو مومن کہنا صحیح نہیں ہے۔

شانِ نزول:

امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے نزول کا سبب ایک روایت کے مطابق بیان کیا ہے کہ قبیلہ بنی اسد کے چند آدمی مدینہ طیبہ میں قحط شدید کے زمانہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ لوگ دل سے تو مومن تھے نہیں محض صدقات لینے کے لئے اپنے ایمان کا اظہار کیا اور چونکہ وہ اسلام کے آداب و احکام سے بھی واقف نہیں تھے، انہوں نے مدینہ طیبہ کے راستوں میں غلاظت و نجاست پھیلا دی اور بازاروں میں اشیاء ضرورت کے نرخ بڑھا دیئے، اور حضور ﷺ کے سامنے ایک تو جھوٹا ایمان لانے کا دعویٰ اور دوسرے آپ کو دھوکا دینا چاہا، تیسرے آپ پر احسان جتلایا کہ دوسرے لوگ تو ایک زمانہ تک آپ سے برسرِ پیکار رہے آپ کے خلاف جنگیں لڑیں، پھر مسلمان ہوئے اور ہم بغیر کسی جنگ کے آپ کے پاس

آ کر مسلمان ہو گئے اس لئے ہماری قدر کرنی چاہئے، یقیناً یہ باتیں شان رسالت میں ایک طرح کی گستاخی بھی تھیں کہ اپنے مسلمان ہو جانے کا احسان آپ پر جتلایا اور مقصود اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کے صدقات سے اپنی مفلسی دور کریں، اور اگر یہ واقعی اور سچے مسلمان ہی ہو جاتے تو رسول اللہ ﷺ پر کیا احسان تھا خود اپنا ہی نفع تھا اس پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں جن میں ان کے جھوٹے دعوے کی تکذیب اور احسان جتلانے پر مذمت کی گئی ہے۔ (معارف)

قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِن قُولُوا اَسْلَمْنَا چونکہ ان کے دلوں میں ایمان نہ تھا صرف ظاہری افعال کی وجہ سے ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر رہے تھے، اس لئے قرآن نے ان کے ایمان کی نفی کر کے یہ فرمایا کہ تمہارا آمنا کہنا تو جھوٹ ہے، تم زیادہ سے زیادہ اسلمنا کہہ سکتے ہو کیونکہ اسلام کے لفظی معنی ظاہری افعال میں اطاعت کرنے کے ہیں اور یہ لوگ اپنے دعوائے ایمان کو سچا ثابت کرنے کے لئے کچھ اعمال مسلمانوں جیسے کرنے لگے تھے اس لئے ظاہری طور پر ایک درجہ اطاعت ہو گئی تھی جس کی وجہ سے لغوی معنی کے اعتبار سے اسلمنا کہنا صحیح ہو سکتا تھا۔

اسلام اور ایمان ایک ہیں یا کچھ فرق ہے؟

اوپر کی تقریر سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت میں اسلام کے لغوی معنی مراد ہیں اصطلاحی معنی مراد ہی نہیں، اس لئے اس آیت سے اسلام اور ایمان میں اصطلاحی فرق پر کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا اور اصطلاحی ایمان اور اصطلاحی اسلام اگرچہ مفہوم و معنی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں کہ ایمان اصطلاح شرع میں تصدیق قلبی کو کہتے ہیں یعنی اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت کو سچا ماننا اور اسلام نام ہے ظاہری افعال میں اللہ اور اس کے رسول کی ظاہری اطاعت کا، لیکن شریعت میں اس وقت تک تصدیق قلبی معتبر نہیں، جب تک کہ اس کا اثر جوارح کے اعمال و افعال تک نہ پہنچ جائے، جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ زبان سے کلمہ اسلام کا اقرار کرے، اسی طرح اسلام اگرچہ ظاہری اعمال کا نام ہے لیکن شریعت میں وہ اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ دل میں تصدیق نہ آ جائے ورنہ وہ نفاق ہے، مطلب یہ کہ ظاہری معنی کے اعتبار سے گو اسلام اور ایمان میں فرق ہے مگر مصداق کے اعتبار سے ان دونوں میں تلازم ہے کہ ایمان اسلام کے بغیر عند الشرع معتبر نہیں اور اسلام ایمان کے بغیر شرعاً معتبر نہیں۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ، الاٰيَةَ، فَمَدَنِيَّةٌ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ قٓ مکی ہے مگر وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ (الآیۃ)، مدنی ہے پینتالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قٓ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① الكَرِيم مَا آمَنَ كُفَّارُ مَكَّةَ بِمُحَمَّدٍ صلَّى اللّٰه عليه وسلم بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ رسُولٌ مِنْ اَنْفُسِهِم يُنْذِرُهم يُخَوِّفُهم بِالنَّارِ بعدَ البَعْثِ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا الاِنْذارُ شَيْءٌ عَجِيْبٌ ② ءَاِذَا بتَحقِيقِ الهَمْزَتَينِ وتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وإدْخَالِ اَلِفٍ بَينَهُمَا عَلَى الوَجْهَينِ مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ نُرجَعُ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ③ فِي غَايَةِ البُعْدِ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ تَاكُلُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④ هُوَ اللَّوحُ المَحْفُوظُ فيه جَمِيعُ الاَشياءِ المُقَدَّرَة بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ بالقُرانِ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِي شَانِ النَّبِيِّ والقُرانِ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ⑤ مُضْطَرِبٍ قَالُوا مَرَّةً سَاحِرٌ وسِحْرٌ وَمَرَّةً شَاعِرٌ وشِعْرٌ ومَرَّةً كَاهِنٌ وكَهَانَةٌ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا بِعُيُونِهِم مُعْتَبِرِينَ بعُقُولِهِم حِينَ اَنْكَرُوا البَعْثَ اِلَى السَّمَآءِ كَائِنَةً فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا بِلا عَمَدٍ وَزَيَّنّٰهَا بِالكَوَاكِبِ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ⑥ شُقُوقٍ تَعِيبُهَا وَالْاَرْضَ مَعْطُوفٌ عَلٰى مَوْضِعِ اِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ مَدَدْنٰهَا دَحَوْنَاهَا عَلٰى وَجْهِ المَاءِ وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ جِبالًا تُثَبِّتُهَا وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ صِنْفٍ بَهِيْجٍ ۙ⑦ يُبْهَجُ به لِحُسْنِهٖ تَبْصِرَةً مَفعُولٌ لَهٗ اي فَعَلْنَا ذٰلك تَبْصِيرًا منا وَّذِكْرٰى تَذْكِيرًا لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑧ رَجَّاعٍ عَلٰى طَاعَتِنَا وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا كَثِيرَ البَرَكَةِ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ بَسَاتِينَ وَّحَبَّ الزرعِ الْحَصِيْدِ ⑨ المَحْصُودِ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ طِوَالًا حَالٌ مُقَدَّرَةٌ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۙ⑩ مُتَرَاكِبٌ بَعْضُهُ فَوقَ

بَعْضٍ رِزْقًا لِلْعِبَادِ مَفْعُولٌ له وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا يَسْتَوِى فيه المُذَكَّرُ والمُؤَنَّثُ كَذَٰلِكَ اى مِثْل هٰذا الاِحْيَاءِ الْخُرُوجُ ﴿١١﴾ مِنَ القُبُورِ فَكَيْفَ تُنْكِرُونَهُ وَالاِسْتِفْهَامُ للتَّقرِير والمَعْنٰى اَنَّهُم نَظَرُوا وعَلِمُوا ما ذُكِرَ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ تانِيثُ الفِعْل لِمَعْنٰى قَوْمٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ هِيَ بِئْرٌ كَانُوا مُقِيمِين علَيها بمَوَاشِيْهِم يَعْبُدُونَ الاَصْنَامَ ونَبِيُّهُم قِيلَ حَنْظَلَةُ بنُ صَفْوَان وقِيلَ غَيرُه وَثَمُودُ ﴿١٢﴾ قَومُ صَالحٍ وَعَادٌ قَومُ هُودٍ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ اى الغَيْضَةِ قومُ شُعَيْبٍ وَقَوْمُ تُبَّعٍ هُو مَلِكٌ كَانَ بالْيَمَنِ اَسْلَمَ ودَعَا قَومَهُ اِلَى الاِسْلامِ فَكَذَّبُوهُ كُلٌّ مِنَ المَذْكُورِينَ كَذَّبَ الرُّسُلَ كَقُرَيْشٍ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿١٤﴾ وَجَبَ نُزُولُ العَذَابِ عَلَى الجَمِيع فَلا يَضِيقُ صَدرُكَ مِن كُفرِ قُرَيْشٍ بك أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ اى لم نَعْيَ به فَلا نَعْيٰى بالاِعَادَةِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ شَكٍّ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾ وهو البَعْثُ.

ع ۱ ۱۵

ترجمہ: قٓ اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، قسم قرآن کریم کی کہ کفار مکہ، محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے، بلکہ اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا یعنی انہی میں سے ایک رسول جو ان کے زندہ ہونے کے بعد نار (جہنم) سے ڈراتا ہے آ گیا سو کافر کہنے لگے یہ ڈراوا عجیب بات ہے، کیا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے؟ ہم کو لوٹایا جائے گا، دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں ان کے درمیان الف داخل کر کے، یہ واپسی انتہائی درجہ بعید (بات) ہے، زمین ان میں سے جو کچھ کھا جاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس محفوظ کرنے والی کتاب ہے اور وہ لوح محفوظ ہے جس میں تمام اشیاء مقدرہ موجود ہیں بلکہ انہوں نے حق یعنی قرآن کو جب کہ وہ ان کے پاس آیا جھوٹ کہا پس وہ ایک الجھن میں پڑ گئے یعنی مضطرب کرنے والی حالت میں، کبھی تو انہوں نے ساحر و سحر کہا اور کبھی شاعر و شعر کہا اور کبھی کاہن اور کہانت کہا، کیا انہوں نے اپنی عقلوں کی چشم عبرت سے آسمانوں کو نہیں دیکھا، جب انہوں نے بعث (بعد الموت) کا انکار کیا، حال یہ کہ وہ ان کے اوپر ہے کہ ہم نے اس کو بغیر ستونوں کے کس طرح بنایا، اور ہم نے ان کو ستاروں سے زینت بخشی، اور ان میں کوئی رخنہ عیب دار کرنے والا شگاف نہیں ہے، اور کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا الی السماء کے محل پر عطف ہے کہ ہم نے اس کو پانی کی سطح پر کس طرح پھیلایا، اور ہم نے اس پر پہاڑ جمائے جو اس کو تھامے ہوئے ہیں اور ہم نے اس میں ہر قسم کی خوشنما نباتات اگائی کہ اس کی خوشنمائی سے مسرت حاصل کی جاتی ہے آنکھیں کھولنے کیلئے اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے مفعول لہ ہے یعنی ہم نے یہ صنعت آنکھیں کھولنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے کی، ہر اس بندے کے لئے جو ہماری اطاعت کی جانب رجوع کرنے والا ہے، اور ہم نے آسمان سے مبارک یعنی کثیر البرکت پانی برسایا پھر اس سے باغ اگائے اور کاٹے جانے والی کھیتی کا غلہ اور کھجوروں کے بلند و بالا درخت (بٰسِقٰتٍ) حال مقدرہ ہے جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں یعنی جو تہ بہ تہ آپس میں جمے ہوئے ہیں بندوں کو روزی دینے کے لئے یہ مفعول لہ ہے اور ہم نے پانی سے مردہ زمین کو زندہ کر دیا (مَيْتًا) میں

مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہیں، اسی طرح یعنی اسی زندہ کرنے کے مانند قبروں سے نکلنا ہوگا، پھر تم اس کا کیونکر انکار کرتے ہو اور (اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا) میں استفہام تقریری ہے، اور معنی یہ ہیں کہ انہوں نے مذکورہ چیزوں کو یقیناً دیکھا اور سمجھا، اور ان سے پہلے قوم نوح نے فعل کی تانیث قوم کے معنی کی وجہ سے ہے اور رَس والوں نے یہ ایک کنواں تھا جہاں یہ اپنے چوپایوں کے ساتھ بود و باش رکھتے تھے اور بتوں کو پوجتے تھے کہا گیا ہے کہ ان کے نبی حنظلہ بن صفوان تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے علاوہ تھے، اور صالح کی قوم ثمود نے اور ہود کی قوم عاد نے اور فرعون نے اور لوط کے بھائی بندوں نے اور ایکہ والوں نے یعنی شعیب کی قوم جھاڑی والوں نے، اور تبع کی قوم نے وہ یمن کا بادشاہ تھا جس نے اسلام قبول کرلیا تھا اور اس نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تھی، مگر قوم نے اس کو جھٹلا دیا مذکورہ تمام قوموں نے قریش کے مانند رسولوں کی تکذیب کی تو سب پر عذاب محقق ہوگیا، یعنی سب پر عذاب کا نزول محقق ہوگیا لہٰذا قریش کے آپ کے انکار سے آپ کا دل تنگ نہ ہونا چاہئے، کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے ؟ یعنی ہم اس سے نہیں تھکے لہٰذا دوبارہ پیدا کرنے سے بھی نہ تھکیں گے، بلکہ یہ لوگ نئی پیدائش کے بارے میں شک میں ہیں اور (نئی پیدائش) بعث ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: قٓ، جمہور کے نزدیک قاف سکون کے ساتھ ہے اور شاذ قراءۃ میں کسرہ، فتحہ اور ضمہ پر مبنی بھی پڑھا گیا ہے۔ (صاوی)

قِوْلُہٗ: مَا آمَنَ کُفَّار مَکَّۃ بِمُحَمَّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم شارح علیہ الرحمہ نے مذکورہ عبارت محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ یہ قسم کا جواب محذوف ہے۔

قِوْلُہٗ: بَلْ عَجِبُوْا اَنْ جَاءَ هم الخ جواب قسم سے یہ اعراض مشرکین مکہ کے احوال شنیعہ کو بیان کرنے کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ انہی میں کے ایک شخص کا رسول بن کر آجانا ان کے لئے تعجب خیز اور اچنبھے کی بات تھی۔

قِوْلُہٗ: نُرْجَعُ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مِتْنَا کا عامل محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے أَنُرْجَعُ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا اس حذف پر لفظ رَجْعٌ دلالت کررہا ہے۔

قِوْلُہٗ: غایة البُعد یعنی عقل وامکان سے بہت دور ہے کہ گلنے سڑنے کے بعد انسان دوبارہ زندہ ہوجائے۔

قِوْلُہٗ: مَرِیْجٍ صفت مشبہ ہے، مادہ مَرَجٌ الجھی ہوئی بات، غیر یقینی کی کیفیت، متزلزل حالت، یعنی یہ مشرکین مکہ قرآن اور رسول کے بارے میں تذبذب کا شکار ہیں انہیں خود کسی ایک بات پر قرار نہیں ہے، کبھی آپ کو ساحر اور قرآن کو سحر اور آپ ﷺ کو شاعر اور قرآن کو شعر اور کبھی آپ ﷺ کو کاہن اور قرآن کو کہانت کہتے ہیں۔

قِوْلَهُ: اَفَلَمْ یَنْظُرُوا ہمزہ، محذوف پر داخل ہے تقدیر عبارت یہ ہے أعْمُوا فلَمْ یَنْظُرُوا الی السَّماءِ.

قِوْلَهُ: کائنةً شارح علام نے کائنةٌ محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ فَوْقَهُمْ، اَلسَّماءُ سے حال ہے۔

قِوْلَهُ: اِلَى السَّماءِ، یَنْظُرُوْا کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلًا منصوب ہے۔

قِوْلَهُ: کَیْفَ بَنَیْنٰهَا، کَیْفَ مفعول مقدم ہے، اور جملہ بَنَیْنٰهَا، سماءٌ سے بدل ہے۔

قِوْلَهُ: وَالْاَرْضَ کاِلی السَّماءِ کے محل پر عطف ہے، اور وَالْاَرْضَ فعل محذوف مَدَدْنَا کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے جس کی تفسیر مابعد کا فعل کررہا ہے، ای مَدَدنا الارْضَ مدَدْنَاهَا اس صورت میں ما اُضْمِرَ عامله علیٰ شریطة التفسیر کے قبیل سے ہوگا۔

قِوْلَهُ: اَلزَّرْعُ مفسر علام نے الزرع کو محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ اَلحَصِیْد صفت ہے الزرع موصوف کو حذف کرکے صفت کو اس کے قائم مقام کردیا ہے اور حصِیْد بمعنی محصودٌ ہے یعنی وہ کھیتی جس کی شان کٹنا ہو جیسے گندم، جو وغیرہ۔

قِوْلَهُ: وَالنَّخلَ بٰسِقٰتٍ، بَاسِقَات، النخل سے حال مقدر ہے ای قَدَّرَ اللّٰه لها البُسُوق اس لئے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے حالانکہ نَخل اِنبات (اگنے) کے وقت باسِقات (طویل) نہیں ہوتے بعد میں طویل ہوتے ہیں۔

سَوَالٌ: نَخلٌ ذوالحال مفرد ہے اور بَاسِقاتٍ حال جمع ہے، حالانکہ حال اور ذوالحال میں مطابقت ضروری ہوتی ہے۔

جَوَابٌ: نَخل منافع کثیرہ اور نہایت دراز ہونے کی وجہ سے قائم مقام جمع کے ہے۔

قِوْلَهُ: لَهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ یہ اگر نخل سے حال ہو تو حال مترادفہ ہے اور اگر باسقاتٍ کی ضمیر سے حال ہو تو حال متداخلہ ہے۔

قِوْلَهُ: نضِید صفت مشبہ بمعنی منضود اسم مفعول گتھا ہوا تہ بہ تہ جما ہوا۔

قِوْلَهُ: یَسْتَوِی فِیْهِ المذکر والمؤنث اس عبارت کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مَیْتًا، بَلْدَةً کی صفت ہے بلدة مؤنث ہے اور مَیْتًا صفت مذکر ہے حالانکہ موصوف صفت میں مطابقت ضروری ہے۔

جَوَابٌ: مَیْتًا میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہیں لہٰذا میتًا کا صفت واقع ہونا درست ہے، مگر اس جواب میں نظر ہے اس لئے کہ فعِیلٌ کا وزن مذکر ومؤنث میں برابر ہوتا ہے اور مَیْتًا، فَعِیلٌ کے وزن پر نہیں ہے، اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ بَلْدَة مکان کے معنی میں ہے۔

قِوْلَهُ: اَلِاسْتِفْهَام للتقریر، صحیح یہ تھا کہ مفسر علام الا ستفهام للانکار والتوبیخ فرماتے۔

قِوْلَهُ: والمعنی اَنَّهُمْ نظرُوا وعَلِمُوا شارح کی یہ عبارت زائد اور بے محل ہے، اس لئے کہ اگر وہ دیکھتے اور سمجھتے تو ایمان لے آتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ (حاشیه جلالین وصاوی)

قِوْلَهُ: لمعنیٰ قوم أی بمعنیٰ اُمَّةٍ.

قِوْلَهُ: اصحاب الرّس، رَسٌّ کنواں، امام بخاری نے رسٌّ کے معنی معدن کے کئے ہیں اس کی جمع رساس بتائی ہے۔

قِوْلَهُ: عَیِیْنَا (س) عَیِیَ یَعْیٰ عَیًّا سے ہم تھک گئے، عاجز ہوگئے۔

تفسیر وتشریح

سورۂ قٓ کی خصوصیات:

سورۂ قٓ میں بیشتر مضامین آخرت اور قیامت اور مُردوں کو زندہ کرنے اور حساب وکتاب سے متعلق ہیں، اور سورۂ حجرات کے آخر میں بھی ان ہی مضامین کا ذکر تھا، اس سے دونوں سورتوں کے درمیان مناسبت بھی معلوم ہوگئی۔

سورۂ ق کی اہمیت:

سورۂ ق کی ایک خصوصیت اور اہمیت یہ ہے کہ آپ اس سورت کو نماز جمعہ کے خطبہ وعیدین میں اکثر تلاوت فرمایا کرتے تھے، ام ہشام بنت حارثہ کہتی ہیں کہ میرا مکان رسول اللہ ﷺ کے مکان کے بہت قریب تھا، دو سال تک ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کا تنور بھی ایک ہی تھا، فرماتی ہیں کہ مجھے سورۂ ق یاد ہی اس طرح ہوئی کہ میں جمعہ کے خطبوں میں اکثر آپ کی زبان مبارک سے اس سورت کو سنا کرتی تھی، حضرت جابر سے منقول ہے کہ آپ ﷺ صبح کی نماز میں بکثرت سورۂ ق تلاوت فرماتے تھے۔

کیا آسمان نظر آتا ہے؟

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا اِلَی السَّمَاءِ سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے اور مشہور یہ ہے کہ یہ نیلگوں رنگ جو نظر آتا ہے، یہ ہوا کا رنگ ہے، مگر اس کی نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ یہی رنگ آسمان کا بھی ہو، اس کے علاوہ آیت میں نظر سے مراد نظر عقلی یعنی غور وفکر کرنا بھی مراد ہوسکتا ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت پر مشرکین مکہ کو تعجب:

قرآن کی قسم جس بات پر کھائی گئی ہے، اسے تو بیان نہیں کیا گیا اس کے ذکر کرنے کے بجائے بیچ میں ایک لطیف خلا چھوڑ کر آگے کی بات، ''بَلْ'' سے شروع کردی گئی ہے، آدمی ذرا غور کرے اور اس پس منظر کو بھی نگاہ میں رکھے جس میں یہ بات فرمائی گئی ہے تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ قسم اور بل کے درمیان جو خلاء چھوڑ دیا گیا ہے اس کا مضمون کیا ہے؟ جس بات کی قسم کھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اہل مکہ نے محمد ﷺ کی رسالت کو ماننے سے انکار کسی معقول بنیاد پر نہیں کیا ہے بلکہ اس سراسر غیر معقول بنیاد پر کیا ہے کہ ان کی اپنی ہی جنس کا ایک بشر اور ان کی اپنی ہی قوم کے ایک فرد کا خدا کی طرف سے قاصد اور پیغمبر بن کے آجانا ان کے نزدیک سخت قابل تعجب بات تھی، اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں قرآن کی قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ محمد ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور ان کی رسالت پر کفار کا تعجب بے جا ہے۔

دوسرا تعجب:

ان کی عقل میں یہ بات نہیں سماتی تھی کہ انسان کے مرنے اور ریزہ ریزہ ہونے کے بعد جب کہ اس کے اجزاء منتشر ہو جائیں گے وہ کس طرح پھر سے جمع ہو جائیں گے، یہ تو ان کی اپنی عقل کی تنگی کی بات تھی اس سے تو یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ کا علم اور اس کی قدرت بھی تنگ ہو جائے ان کے استعجاب کی دلیل یہ تھی کہ ابتداء آفرینش سے قیامت تک مرنے والے بے شمار انسانوں کے جسم کے اجزاء جو زمین میں بکھر چکے ہیں اور آئندہ بکھرتے چلے جائیں گے، ان کو جمع کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر جزء جس شکل میں جہاں بھی ہے اللہ براہِ راست اس کو جانتا ہے، اور مزید برآں اس کا پورا ریکارڈ اللہ کے دفتر میں محفوظ کیا جا رہا ہے جس سے کوئی ایک ذرہ بھی چھوٹا ہوا نہیں ہے، جس وقت اللہ کا حکم ہوگا اسی وقت آناً فاناً اس کے فرشتے اس ریکارڈ سے رجوع کر کے ایک ایک ذرہ کو نکال لائیں گے اور تمام انسانوں کے وہی جسم پھر بنا دیں گے جن میں رہ کر انہوں نے دنیا کی زندگی میں کام کیا تھا۔

یہ آیت بھی منجملہ ان آیات کے ہے جن میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ آخرت کی زندگی نہ صرف یہ کہ ایسی ہی جسمانی زندگی ہوگی جیسی اس دنیا میں ہے، بلکہ جسم بھی ہر شخص کا وہی ہوگا جو اس دنیا میں تھا، اگر حقیقت یہ نہ ہوتی تو کفار کی بات کے جواب میں یہ کہنا بالکل بے معنی تھا کہ زمین تمہارے جسم میں سے جو کچھ کھاتی ہے وہ سب ہمارے علم میں ہے اور ذرہ ذرہ کا ریکارڈ موجود ہے، جو ذات ایسی علیم و بصیر ہے اور جس کی قدرت اتنی کامل اور سب چیزوں پر حاوی ہے اس کے متعلق یہ تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور مجاہد اور جمہور مفسرین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے منقول ہے۔

(بحر محیط)

کفارِ مکہ تذبذب اور بے یقینی کا شکار تھے:

فِیْ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ، مریج کے معنی لغت میں مختلط کے ہیں جن میں مختلف چیزوں کا اختلاط والتباس ہو اور ایسی چیز عموماً فاسد ہوتی ہے، اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مریج کا ترجمہ فاسد فرمایا ہے، اور ضحاک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وقتادہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور حسن بصری وغیرہ نے مریج کا ترجمہ مختلط اور ملتبس سے کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ کفار و مشرکین و منکرین رسالت اپنے انکار میں بھی کسی ایک بات پر نہیں جمتے کبھی آپ کو جادوگر بتاتے ہیں تو کبھی شاعر اور کبھی کاہن و نجومی اور قرآن کے بارے میں بھی ان کا یہی حال ہے۔

آگے حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے جو آسمان اور زمین اور ان کے اندر پیدا ہونے والی بڑی بڑی چیزوں کی تخلیق کے حوالہ سے کیا گیا ہے اس میں آسمان کے متعلق فرمایا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ یہاں آسمان سے مراد پورا عالم بالا ہے، جسے انسان اپنے اوپر چھایا ہوا دیکھتا ہے جس میں دن کو سورج چمکتا ہے اور رات کو چاند اور بے شمار تارے چمکتے نظر آتے ہیں،

جسے آدمی برہنہ آنکھ ہی سے دیکھے تو حیرت طاری ہو جاتی ہے، لیکن اگر دوربین لگالے تو ایک ایسی وسیع اور عریض کائنات اسکے سامنے آتی ہے جو ناپیدا کنار ہے، کہیں سے کہیں ختم ہوتی نظر نہیں آتی، ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑے سیارے اسکے اندر گنبدوں کی طرح گھوم رہے ہیں، ہمارے سورج سے ہزاروں گنا روشن تارے اس میں چمک رہے ہیں، ہمارا یہ پورا نظام شمسی اس کی صرف ایک کہکشاں کے ایک کونے میں پڑا ہوا ہے، تنہا اسی ایک کہکشاں میں ہمارے سورج جیسے کم از کم ۳ارب دوسرے تارے (ثوابت) موجود ہیں اور اب تک کا انسانی مشاہدہ ایسی ایسی دس لاکھ کہکشاؤں کا پتہ دے رہا ہے، ان لاکھوں کہکشاؤں میں سے ہماری قریب ترین ہمسایہ کہکشاں اتنے فاصلہ پر واقع ہے کہ اس کی روشنی ایک لاکھ ۸٦ ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چل کر دس لاکھ سال میں زمین تک پہنچتی ہے، یہ تو کائنات کے صرف اس حصے کی وسعت کا حال ہے جو اب تک انسان کے علم میں اور اس کے مشاہدہ میں آچکی ہے، خدا کی خدائی کس قدر وسیع ہے ہم اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتے، اس عظیم کائنات ہست و بود کو جو خدا وجود میں لایا ہے اس کے بارے میں زمین پر رینگنے والا یہ چھوٹا سا حیوان ناطق جس کا نام انسان ہے اگر یہ حکم لگائے کہ وہ اسے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا تو یہ اس کی اپنی ہی عقل کی تنگی ہے، کائنات کے خالق کی قدرت اس سے کیسے تنگ ہو جائے گی۔ (فلکیاتِ جدید ملخصًا)

قوم نوح علیہ الصلاۃ والسلام:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ سابقہ آیات میں کفار کی تکذیب رسالت و آخرت کا ذکر تھا، جس سے رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچنا ظاہر ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے پچھلے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے حالات بیان کئے ہیں کہ ہر پیغمبر کو متکبرین و کفار کی طرف سے ایسی ایذائیں پیش آتی ہیں، یہ سنتِ انبیاء ہے، اس سے آپ شکستہ خاطر نہ ہوں، قوم نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ قرآن میں متعدد جگہ آیا ہے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے قوم کی طرف سے نہ صرف انکار بلکہ قسم قسم کی ایذائیں پہنچتی ہیں۔

اصحاب الرَّس کون لوگ ہیں؟

رس، عربی زبان میں مختلف معنی میں آتا ہے مشہور معنی کچے کنوئیں کے ہیں، **اصحاب الرس** سے قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگ مراد ہیں جو عذاب کے بعد باقی رہ گئے تھے ضحاک وغیرہ مفسرین نے ان کا قصہ یہ لکھا ہے کہ جب حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم پر عذاب آیا تو ان میں سے چار ہزار آدمی جو حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان لا چکے تھے وہ عذاب سے محفوظ رہے یہ لوگ اپنے مقام سے منتقل ہو کر ایک مقام پر جس کو اب حضر موت کہتے ہیں جا کر مقیم ہو گئے، حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام بھی ان کے ساتھ تھے، ایک کنوئیں پر جا کر یہ لوگ ٹھہر گئے اور یہیں صالح علیہ الصلاۃ والسلام کا انتقال ہو گیا، اسی وجہ سے اس مقام کو حضر موت کہتے ہیں، پھر ان کی نسل میں بت پرستی رائج ہو گئی اس کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ نے ایک نبی بھیجا جس کو انہوں نے قتل کر ڈالا، اس

کے بعدان پرخدا کا عذاب آیا ان کا کنواں جس پران کی زندگی کا انحصار تھا وہ بیکار ہو گیا، اور عمارتیں ویران ہو گئیں، قرآن کریم نے اس کا ذکر اس آیت میں کیا ہے وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ یعنی چشم عبرت والوں کے لئے ان کا بیکار پڑا ہوا کنواں اور پختہ بنے ہوئے محلات ویران پڑے ہوئے عبرت کے لئے کافی ہیں۔

اصحاب الایکہ:

ایکۃ گھنے جنگل اور جھاڑیوں کو کہتے ہیں یہ لوگ ایسے ہی مقام پر آباد تھے، حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، ان کی قوم نے نافرمانی کی بالآخر عذاب الٰہی سے تباہ وبرباد ہوئے۔ (معارف القرآن)

قوم تبع:

تُبَّعْ یمن کے بادشاہوں کا لقب ہے جس طرح کہ قیصر وکسریٰ روم وفارس کے بادشاہوں کا لقب ہے اس کی ضروری تشریح سورۂ دخان میں گذر چکی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ حَالٌ بِتَقْدِيرِ نَحْنُ **مَا** مَصْدَرِيَّةٌ **تُوَسْوِسُ** تُحَدِّثُ **بِهٖ** الْبَاءُ زَائِدَةٌ او لِلتَّعْدِيَةِ وَالضَّمِيرُ لِلْاِنسان **نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ** بِالْعِلْمِ **مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ** ﴿۱۶﴾ الاضَافَةُ لِلبَيَان وَالْوَرِيدَان عِرْقَان لِصَفْحَتَي الْعُنُقِ **اِذْ** نَاصِبُه اذْكُرْ مُقَدَّرًا **يَتَلَقَّى** يَاخُذُ وَيُثْبِتُ **الْمُتَلَقِّيٰنِ** الْمَلَكَان الْمُوَكَّلَان بالاِنسان ما يَعْمَلُه **عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ** منه **قَعِيْدٌ** ﴿۱۷﴾ اى قَاعِدَان وهو مُبْتَدَأٌ خَبَرُه ما قَبْلَهُ **مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ** حَافِظٌ **عَتِيْدٌ** ﴿۱۸﴾ حَاضِرٌ وكُلٌّ منهما بمعنى المُثَنّٰى **وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ** غَمْرَتُهُ وشِدَّتُهُ **بِالْحَقِّ** مِن اَمْرِ الآخِرَةِ حتّٰى يَرَاه المُنكر لها عِيَانًا وهُو نَفْسُ الشِّدَّةِ **ذٰلِكَ** اى المَوْتُ **مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ** ﴿۱۹﴾ تَهرُبُ وتَفزَعُ **وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ** لِلْبَعْثِ **ذٰلِكَ** اى يَوْمُ النفخ **يَوْمُ الْوَعِيْدِ** ﴿۲۰﴾ لِلْكُفَّار بالعَذَابِ **وَجَاءَتْ** فيه **كُلُّ نَفْسٍ** الى المَحْشَرِ **مَّعَهَا سَائِقٌ** مَلَكٌ يَسُوقُهَا اليه **وَّشَهِيْدٌ** ﴿۲۱﴾ يَشْهَدُ عليها بعَمَلِها وهُو الايدى والارْجُلُ وغيرُها ويقال لِلكافِرِ **لَقَدْ كُنْتَ** فِي الدُّنيا **فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا** النَّازِل بك اليوم **فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ** ازَلْنَا غَفْلَتَك بِمَا تُشَاهِدُهُ اليومَ **فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ** ﴿۲۲﴾ حَادٌّ تُدرِكُ به مَا اَنْكَرْتَهُ فِي الدُّنيا **وَقَالَ قَرِيْنُهٗ** المَلَكُ المُوَكَّلُ به **هٰذَا مَا** اَي الَّذِي **لَدَيَّ عَتِيْدٌ** ﴿۲۳﴾ حَاضِرٌ فيُقَالُ لِمَالِكٍ **اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ** اى اَلْقِ اَلْقِ او اَلْقِيَنْ وبهٖ قَرَأَ الحَسَنُ فَاُبْدِلَتِ النُّونُ اَلِفًا **كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ** ﴿۲۴﴾ مُعَانِدٍ لِلحَقِّ **مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ** كَالزكوٰة **مُعْتَدٍ** ظالم **مُّرِيْبٍ** ﴿۲۵﴾ شَاكٍّ فى دينه **اِلَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ** مُبْتَدَأٌ ضُمِّنَ الشَّرط خَبَره **فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ** ﴿۲۶﴾ تَفسِيرُهُ مِثْلُ مَا تَقَدَّمَ **قَالَ قَرِيْنُهٗ** الشَّيطانُ **رَبَّنَا مَا اَطْغَيْتُهٗ** اَضْلَلْتُه **وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ** ﴿۲۷﴾ فَدَعَوْتُه فَاسْتَجَابَ لِي وقَالَ هُو اَطْغَانِي

بِدُ عَائِهٖ لِی قَالَ تعالیٰ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ ای مَا یَنفعُ الخِصَامُ هُنا وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُمْ فی الدُنیا بِالْوَعِیْدِ ﴿۲۸﴾ بالعَذَابِ فِی الآخِرَةِ لو لم تُؤْمِنُوا ولا بُدَّ مِنْهُ مَا یُبَدَّلُ یُغَیَّرُ الْقَوْلُ لَدَیَّ فِی ذٰلک وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۲۹﴾ فَاُعَذِّبُهُم بغَیرِ جُرْمٍ وظَلَّامٌ بِمَعْنٰی ذِی ظُلْمٍ لِقَوْلِهٖ لاظُلْمَ الیَوْمَ وَلَا مَفْهُومَ له.

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم اس کے دل میں نفس کے وسوسہ ڈالنے کو بھی جانتے ہیں (نَعْلَمُ نَحْنُ کی تقدیر کے ساتھ حال ہے، (بِہٖ) میں باء زائدہ ہے یا تعدیہ کے لئے ہے، اور (بِہٖ) کی ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے اور ہم انسان کے علم کے اعتبار سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں (حبل الورید) میں اضافت بیانیہ ہے، وَرِیْدَان گردن کی دونوں طرف دو رگیں ہیں، اور جب اخذ کر لیتے ہیں اور لکھ لیتے ہیں دو اخذ کرنے والے اس کے عمل کو دو فرشتے جو انسان پر مقرر ہیں، انسان کے دائیں جانب اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے ہیں (اِذ) کا ناصب اذکر مقدر ہے (قَعِید) بمعنی قاعدان ہے، یہ مبتداء ہے اس کا ماقبل اس کی خبر ہے (انسان) کوئی لفظ منہ سے نہیں نکال پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس ایک نگہبان حاضر ہوتا ہے (قَعِید اور عَتِید) میں سے ہر ایک تثنیہ کے معنی میں ہے اور موت کی بے ہوشی آخرت کی حقیقت لیکر آ پہنچی یعنی موت کی بیہوشی اور شدت کو (لیکر آ پہنچی) حتی کہ جو آخرت کا منکر ہے وہ بھی اس کو کھلم کھلا دیکھ لے گا، اور وہ امر آخرت نفس شدت ہے، یہ وہی موت ہے جس سے تو بھاگتا تھا اور ڈرتا تھا، اور بعث کے لئے صور میں پھونکا جائے گا اور یہی پھونکنے کا دن کفار کے لئے وعید کا دن ہوگا اور اس وعید کے دن ہر نفس محشر کی طرف اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا یعنی فرشتہ ہوگا جو اس کو میدان محشر کی طرف ہانک کر لائے گا، اور ایک گواہ ہوگا جو اس کے خلاف اس کے اعمال کی گواہی دے گا اور وہ ہاتھ پیر وغیرہ ہیں، اور کافر سے کہا جائے گا، دنیا میں بلاشبہ تو آج کے دن تیرے اوپر نازل ہونے والی اس مصیبت سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا یعنی تیری غفلت کو زائل کر دیا جس کی وجہ سے تو آج اس نازل ہونے والی مصیبت کا مشاہدہ کر رہا ہے پس آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے یعنی وہ جو اس پر مقرر تھا، عرض کرے گا یہ وہ ہے جو میرے پاس تیار ہے مالک یعنی (دوزخ کے نگران) سے کہا جائے گا ڈال دو جہنم میں حق کے دشمن ہر ضدی کافر کو یعنی ڈالو ڈالو یا ضرور ڈالو، اور حسن نے (اَلْقِیَنْ) نون خفیفہ کے ساتھ پڑھا ہے، نون خفیفہ کو الف سے بدل دیا گیا جو کہ خیر زکوٰۃ سے روکنے والا ہو جو حد سے گذر جانے والا ظالم ہو اور دین میں شک ڈالنے والا ہو جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو (اَلَّذِی) مبتداء متضمن بمعنی شرط ہے اس کی خبر فَاَلْقِیَاہُ الخ ہے ایسے شخص کو شدید عذاب میں ڈال دو اس کی تفسیر ماقبل کے مانند ہے وہ شیطان جو اس کے ساتھ رہتا تھا کہے گا اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا یہ تو خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا سو میں نے اس کو بلایا تو اس نے میری بات مان لی، اور کہا کافر نے مجھ کو اس نے دعوت دے کر گمراہ کر دیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میرے سامنے جھگڑے کی

باتیں نہ کرو یہاں جھگڑنا کچھ فائدہ نہ دے گا، میں تو پہلے ہی دنیا میں تمہارے پاس آخرت کے عذاب کی وعید بھیج چکا ہوں اگر تم ایمان نہ لاؤ گے، اور یہ ضرور واقع ہوکر رہے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تُوَسْوِسُ اَلْوَسْوَسَةُ الصوت الخفی "وسوسہ" خفی آواز کو کہتے ہیں جس میں دل میں کھٹکنے والے خیالات بھی شامل ہیں، وَلَقَدْ خَلَقْنَا الانْسَانَ جملہ مستانفہ ہے، اور لَقَدْ میں لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے ای وَعِزَّتِنَا وَجَلَالِنَا لَقَد خَلَقْنَا الانْسَانَ، اَلانْسَانَ میں الف لام جنس کا ہے جو آدم اور اولاد آدم دونوں پر صادق آتا ہے، مفسر علام کا حَالٌ بِتَقْدِیرِ نحنُ کے اضافہ سے مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: وَنَعْلَمُ یہ خَلَقْنَا کی ضمیر سے حال ہے، اور مضارع مثبت جب حال واقع ہوتا ہے تو پھر واؤ حالیہ نہیں آتا صرف ضمیر کافی ہوتی ہے، واؤ اس وقت آتا ہے جب حال جملہ اسمیہ ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

جواب: یہاں حال جملہ اسمیہ ہے جس کی طرف مفسر علام نے حالٌ بتقدیر نحنُ کہہ کر اشارہ کر دیا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَنَحْنُ نَعْلَمُ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال واقع ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا۔

قولہ: مَاتُوَسْوِسُ ما مصدر یہ بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی وَنَعْلَمُ وَسْوَسَةَ نَفْسِهٖ اِیَّاهُ یعنی انسان کے دل میں نفس کے وسوسہ ڈالنے کو ہم جانتے ہیں اور ما موصولہ بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں بہٖ کی ضمیر عائد ہوگی اور تقدیر عبارت یہ ہوگی وَنَعْلَمُ الامْرَ الَّذِیْ تُحَدِّثُ نَفْسُهٗ بِهٖ یعنی ہم اس بات کو جانتے ہیں جس کو اس کا نفس اس کے دل میں ڈالتا ہے، ما موصولہ ہونے کی صورت میں بہٖ کی باء زائدہ ہوگی، اور ضمیر ما موصولہ کی طرف راجع ہوگی اور اگر ما مصدر یہ ہو تو باء تعدیہ کے لئے ہوگی اور ضمیر انسان کی طرف راجع ہوگی۔ (ترویح الارواح)

قولہ: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ بالعِلْمِ.

سوال: بالعِلم کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: مفسر علام نے بالعلم کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں قربت سے قربتِ علمیہ مراد ہے نہ کہ قربت جسمیہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جسم سے منزّہ ہے حبل الورید سے شدت قرب کی طرف اشارہ ہے، حبل رگ کو کہتے ہیں اور حبل الورید شہ رگ کو کہتے ہیں، جس کو رگِ جاں بھی کہا جاتا ہے، یہ رگیں دو ہوتی ہیں گردن کی دونوں جانب ایک ایک، ان کے کٹ جانے سے یقیناً موت واقع ہو جاتی ہے، ذبیحہ میں ان دونوں رگوں کا کٹنا ضروری ہے۔

قولہ: مَایَعْمَلُهٗ یہ یَتَلَقّٰی کا مفعول ہے یعنی انسان جو کچھ کرتا ہے اس کو متعین کردہ دونوں فرشتے اچک لیتے ہیں اور ثبت کر دیتے ہیں۔

قولہ: ای قاعِدَان یہ بھی ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: قعید جملہ ہوکر المتلقّیان سے حال ہے ذوالحال تثنیہ ہے اور حال مفرد ہے حالانکہ دونوں میں مطابقت ضروری ہے۔

دفع: قعید بروزن فعیل ہے اور فعیل کے وزن میں مفرد وتثنیہ وجمع سب برابر ہیں، لہٰذا قعید مفرد تثنیہ کے قائم مقام ہے، قَعِیدٌ مبتداء اور اس کا ماقبل یعنی عن الیمین وعن الشمال اس کی خبر مقدم ہے پھر جملہ ہوکر المتلقّیان سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: لَدَیْہِ رَقِیْبٌ، رَقِیْبٌ مبتداء مؤخر ہے اور لَدَیْہِ خبر مقدم ہے۔

قَوْلُہٗ: عَتِیْدٌ تیار، حاضر، یہ عِتَادٌ سے ہے جس کے معنی ضرورت سے پہلے کسی چیز کے ذخیرہ کر لینے کے ہیں۔

قَوْلُہٗ: وھو نفس الشدۃ بہتر ہوتا کہ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس عبارت کو حذف فرما دیتے اس لئے کہ ماقبل کے ہوتے ہوئے اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے، البتہ اگر ھو کا مرجع امر آخرت ہو اور شدۃ سے مراد امر شدید ہو اور وہ اَھْوَال آخرت ہیں تو کچھ بات بن سکتی ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْقِ، اَلْقِ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَلْقِیَا دراصل اَلْقِ، اَلْقِ تھا تکرار فعل کے ساتھ یعنی ڈالو ڈالو، ایک فعل کو حذف کرکے اس کی ضمیر فاعل کو اول فعل کے ساتھ ملا دیا، جس کی وجہ سے ضمیر مثنیٰ ہوگئی۔

قَوْلُہٗ: او اَلْقِیَنْ اس کا مطلب یہ ہے کہ اَلْقِیَا میں الف تثنیہ کا نہیں ہے بلکہ نون تاکید خفیفہ سے بدلا ہوا ہے۔

سُوَال: نون تاکید خفیفہ کو الف سے حالتِ وقف میں بدلتے ہیں نہ کہ وصل میں۔

جَوَاب: حالتِ وصل کو حالتِ وقف پر محمول کرلیا ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اَلْقِیَا تثنیہ ہی کا صیغہ ہے، اور مراد اس سے سائق اور شہید ہیں۔

قَوْلُہٗ: عَنِیْدٌ عناد رکھنے والا، مخالف، ضدی، سرکش (جمع) عُنُدٌ آتی ہے۔

قَوْلُہٗ: الشدید یعنی اَلْقِیَا میں تثنیہ لانے کی جو تین توجیہ سابق میں کی گئی ہیں وہی فَاَلْقِیٰہُ میں ہوگی۔

قَوْلُہٗ: قَالَ قَرِیْنُہٗ الشیطانُ رَبَّنَا مَا اَطْغَیْتُہٗ، رَبَّنَا مَا اَطْغَیْتُہٗ یہ کافر کے قول ھُوَ اَطْغَانی بدعائہٖ لی کے جواب میں ہے یعنی جب کافر رب العالمین کے حضور میں عذر پیش کرتے ہوئے کہے گا، اس یعنی شیطان نے مجھے گمراہ کیا تھا تو اس کے جواب میں شیطان کہے گا رَبَّنَا مَا اَطْغَیْتُہٗ مگر مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ ھُوَ اَطْغَانِی کو مقدم کرتے۔

قَوْلُہٗ: لَاتَخْتَصِمُوْا یہ کافروں اور ان کے ہمنشینوں سے خطاب ہے۔

قَوْلُہٗ: وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُم بالوعید ظاہر یہ ہے کہ یہ لَاتَخْتَصِمُوْا سے حال ہے مگر یہ دشوار ہے اس لئے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے اس لئے کہ تقدیم وعید دنیا میں ہوئی اور اختصام آخرت میں۔

قَوْلُہٗ: وَلَا مَفْھُوْمَ لَہٗ یعنی لَاظُلْمَ الْیَوْمَ کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے، یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ آج ظلم نہیں ہے آج کے علاوہ میں ظلم ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں منکرین حشر ونشر اور مردوں کے زندہ ہونے کو بعید از عقل وامکان کہنے والوں کے شبہات کا ازالہ تھا، آیات مذکورہ میں بھی علم الٰہی کی وسعت اور ہمہ گیری کا بیان ہے، کہ انسان کے اجزاء منتشرہ کا علم ہونے سے بھی زیادہ بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم ہر انسان کے دل میں آنے والے خیالات ووسوسوں کو بھی ہر وقت اور ہر حال میں جانتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم انسان سے اتنے زیادہ قریب ہیں کہ اس کی رگِ جان کو جس پر اس کی زندگی کا مدار ہے وہ بھی اتنی قریب نہیں، اس لئے ہم اس کے حالات کو خود اس سے بھی زیادہ جانتے ہیں جیسا کہ تحقیق وترکیب کے زیر عنوان عرض کیا جاچکا ہے، کہ نحنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِن حَبْلِ الْوَرِیْدِ میں قرب سے مراد قربت علمیہ ہے نہ کہ جسمیہ جمہور مفسرین کا یہی خیال ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے:

مِن حَبْلِ الْوَرِیْدِ، حبل الورید میں اضافت بیانیہ ہے یعنی وہ رگیں جو ورید ہیں، جسم حیوانی میں دو قسم کی رگیں ہوتی ہیں، کچھ تو وہ ہیں جو جسم حیوانی میں خون کی سپلائی کا کام کرتی ہیں ان کا منبت جگر ہے اور دوسری قسم کی شریان کہلاتی ہیں، ان کا کام جسم حیوانی میں روح سپلائی کرنا ہے، ان کا منبت قلب ہے اور یہ بہ نسبت ورید کے باریک ہوتی ہیں، مذکورہ اصطلاح طبی ہے ضروری نہیں کہ آیت میں ورید کا لفظ طبی اصطلاح کے مطابق ہی استعمال ہوا ہو بلکہ قلب سے نکلنے والی رگوں کو بھی لغت کے اعتبار سے ورید کہا جاسکتا ہے، اور چونکہ اس جگہ مراد انسان کے قلبی خیالات سے مطلع ہونا ہے اس لئے ورید سے شریان مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔

یَتَلَقَّی المتلقِّیان ای یاخُذان ویثبتان، فتح القدیر میں شوکانی نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم انسان کے تمام حالات کو جانتے ہیں بغیر اس کے کہ ہم فرشتوں کے محتاج ہوں، جن کو ہم نے انسانوں کے اقوال واحوال لکھنے کے لئے مقرر کیا ہے، یہ فرشتے تو ہم نے صرف اتمام حجت کے لئے مقرر کئے ہیں، بعض کے نزدیک دو فرشتوں سے نیکی اور بدی لکھنے والے فرشتے مراد ہیں، اور بعض کے نزدیک رات اور دن کے فرشتے مراد ہیں۔

اعمال کو رکارڈ کرنے والے فرشتے:

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے مذکورہ آیت عن الیمین وعن الشمال قعید تلاوت فرما کر، کہا:
''اے ابن آدم! تیرے لئے نامہ اعمال بچھا دیا گیا ہے اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کردیئے گئے ہیں، ایک تیری

دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب داہنی جانب والا تیری حسنات لکھتا ہے اور بائیں جانب والا تیری سیئات، اب اس حقیقت کو سامنے رکھ کر جو تیرا جی چاہے عمل کر کم کر یا زیادہ، یہاں تک کہ جب تو مر جائے گا تو یہ صحیفہ یعنی نامہ اعمال لپیٹ دیا جائے گا، اور تیری گردن میں ڈال دیا جائے گا جو تیرے ساتھ قبر میں جائے گا اور رہے گا، یہاں تک کہ جب تو قیامت کے روز قبر سے نکلے گا تو اس وقت حق تعالیٰ فرمائے گا وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طَائِرَهٗ فِي عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُوْرًا اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا".

تَرْجَمَہ: ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کی گردن میں لگا دیا ہے اور قیامت کے روز وہ اس کو کھلا ہوا پائے گا، اب اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لے اور تو خود ہی اپنا حساب لگانے کے لئے کافی ہے۔ (معارف)

انسان کا ہر قول رکارڈ کیا جاتا ہے:

مَايَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ یعنی انسان کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالتا جس کو یہ نگران فرشتہ محفوظ نہ کر لیتا ہو، حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اور قتادہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ یہ فرشتے اس کا ایک ایک لفظ لکھتے ہیں خواہ اس میں کوئی گناہ یا ثواب ہو یا نہ ہو، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے فرمایا کہ صرف وہ کلمات لکھتے ہیں کہ جن میں کوئی ثواب یا عقاب کی بات ہو۔

علی بن ابی طلحہ نے ایک روایت ابن عباس ہی سے ایسی نقل فرمائی جس میں یہ دونوں قول جمع ہو جاتے ہیں، اس روایت میں یہ ہے کہ پہلے تو ہر کلمہ لکھا جاتا ہے خواہ اس میں کوئی ثواب و عقاب کی بات ہو یا نہ ہو، مگر ہفتہ میں جمعرات کے روز اس پر فرشتے نظر ثانی کرتے ہیں، اور صرف وہ کلمات باقی رکھتے ہیں جن میں کوئی ثواب یا عقاب ہو باقی کو نظر انداز کر دیتے ہیں، قرآن کریم میں وَيَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ کے مفہوم میں یہ محو و اثبات بھی داخل ہے، قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ الخ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے ہم نشین شیاطین سے کہے گا کہ یہاں موقف حساب یا عدالت انصاف میں لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے میں نے تو پہلے ہی رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ سے ان وعیدوں سے تم کو آگاہ کر دیا تھا۔

يَوْمَ نَاصِبُهٗ ظَلَّامٍ **نَقُوْلُ** بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ **لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ** اِسْتِفْهَامُ تَحْقِيْقٍ لِوَعْدِهٖ بِمَلْئِهَا **وَتَقُوْلُ** بِصُوْرَةِ الْاِسْتِفْهَامِ كَالسُّؤَالِ **هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ**﴿۳۰﴾ اَيْ فِيَّ لَا اَسَعُ غَيْرَ مَا امْتَلَأْتُ بِهٖ اَيْ قَدِ امْتَلَأْتُ **وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ** قُرِّبَتْ **لِلْمُتَّقِيْنَ** مَكَانًا **غَيْرَ بَعِيْدٍ**﴿۳۱﴾ مِنْهُمْ فَيَرَوْنَهَا وَيُقَالُ لَهُمْ **هٰذَا** الْمَرْئِيُّ **مَا تُوْعَدُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الدُّنْيَا وَيُبْدَلُ مِنْ لِلْمُتَّقِيْنَ قَوْلُهٗ **لِكُلِّ اَوَّابٍ** رَجَّاعٍ اِلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ **حَفِيْظٍ**﴿۳۲﴾ حَافِظٍ لِحُدُوْدِهٖ **مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ** خَافَهٗ وَلَمْ يَرَهٗ **وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ**﴿۳۳﴾ مُقْبِلٍ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَيُقَالُ لِلْمُتَّقِيْنَ اَيْضًا **اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ** اَيْ سَالِمِيْنَ مِنْ كُلِّ مُخَوِّفٍ

اومَعَ سَلَامٍ او سَلِّمُوا او ادْخُلُوا **ذٰلِكَ** اليومَ الَّذِي حَصَلَ فيه الدُّخُولُ **يَوْمُ الْخُلُوْدِ** الدوامِ في الجَنَّةِ **لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا** دائِمًا **وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ** زيادةٌ على مَا عَمِلُوا وطَلَبُوا **وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ** اى اَهْلَكْنَا قبلَ كُفَّارِ قُرَيْشٍ قُرُونًا أُمَمًا كَثِيرَةً مِنَ الكُفَّارِ **هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا** قُوَّةً **فَنَقَّبُوْا** فَتَّشُوا **فِى الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ** لهم اولغيرِهم مِنَ المَوْتِ فلم يَجِدُوا **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ** المَذْكُورِ **لَذِكْرٰى** لَعِظَةً **لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ** عقلٌ **اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ** اِسْتَمَعَ الوَعْظَ **وَهُوَ شَهِيْدٌ** حَاضِرٌ بالقلبِ **وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ** اَوَّلُها الاَحَدُ وآخِرُها الجُمْعَةُ **وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ** تَعَبٍ نَزَلَ رَدًّا على اليَهُودِ فِي قَوْلِهِم اِنَّ اللّٰهَ اسْتَرَاحَ يَوْمَ السَّبْتِ وانْتِفَاءُ التَّعَبِ عَنْهُ لِتَنَزُّهِهٖ تعالىٰ عَنْ صِفَاتِ المَخْلُوقِينَ ولِعَدَمِ المُجَانَسَةِ بَيْنَه وبينَ غيرِه انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون **فَاصْبِرْ** خِطَابٌ للنبى صلى الله عليه وسلم **عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ** اى اليَهُودُ وغيرُهم مِنَ التَّشْبِيهِ والتَّكْذِيبِ **وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ** صَلِّ حَامِدًا **قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ** اى صَلاةَ الصُّبْحِ **وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ** اى صَلاةَ الظُّهْرِ والعَصْرِ **وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ** اى صَلِّ العِشَائَيْنِ **وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ** بفتحِ الهَمْزَةِ جَمْعُ دُبُرٍ وبكسرِها مَصْدَرُ اَدْبَرَ اى صَلِّ النَّوَافِلَ المَسْنُونَةَ عَقِبَ الفَرَائِضِ وقِيلَ المُرَادُ حَقِيقَةُ التَّسْبِيحِ في هذه الاَوْقَاتِ مُلَابِسًا للحَمْدِ **وَاسْتَمِعْ** يا مُخَاطَبُ مَقُولِي **يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ** هُوَ اِسْرَافِيلُ **مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ** مِنَ السَّمَاءِ وهُوَ صَخْرَةُ بَيْتِ المُقَدَّسِ اَقْرَبُ مَوْضِعٍ مِنَ الاَرْضِ اِلَى السَّمَاءِ يَقُولُ اَيَّتُها العِظَامُ البَالِيَةُ والاَوْصَالُ المُتَقَطِّعَةُ واللُّحُومُ المُتَمَزِّقَةُ والشُّعُورُ المُتَفَرِّقَةُ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُنَّ اَنْ تَجْتَمِعْنَ لِفَصْلِ القَضَاءِ **يَّوْمَ** بَدَلٌ مِن يوم قبلَه **يَسْمَعُوْنَ** اى الخَلْقُ كُلُّهم **الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ** بالبَعْثِ وهِيَ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ مِن اِسْرَافِيلَ ويَحْتَمِلُ اَنْ تَكُونَ قَبْلَ نِدَائِهٖ او بَعْدَهٗ **ذٰلِكَ** اى يَوْمُ النِّدَاءِ والسَّمَاعِ **يَوْمُ الْخُرُوْجِ** مِنَ القُبُورِ ونَاصِبُ يوم يُنَادِي مُقَدَّرٌ اى يَعْلَمُونَ عَاقِبَةَ تَكْذِيبِهِم **اِنَّا نَحْنُ نُحْىٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ** يومَ بَدَلٌ مِن **يَوْمَ** قبلَهٗ وما بينَهما اِعْتِرَاضٌ **تَشَقَّقُ** بتخفيفِ الشينِ وتَشْدِيدِها بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الاَصْلِ فِيها **الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا** جَمْعُ سَرِيعٍ حَالٌ مِن مُقَدَّرٍ اى فَيَخْرُجُونَ مُسْرِعِينَ **ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ** فيه فَصْلٌ بَيْنَ المَوْصُوفِ والصِّفَةِ بِمُتَعَلِّقِها لِلاِخْتِصَاصِ وهُوَ لا يَضُرُّ وذٰلك اِشَارَةٌ اِلىٰ مَعْنَى الحَشْرِ المُخْبَرِ به عنه وهُوَ الاِحْيَاءُ بَعْدَ الفَنَاءِ والجَمْعُ لِلعَرْضِ والحِسَابِ **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ** اى كُفَّارُ قُرَيْشٍ **وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ** تُجْبِرُهُم على الايمانِ وهذا قَبْلَ الاَمْرِ بالجِهَادِ **فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ** وهُمُ المُؤْمِنُونَ.

تَرجَمہ: جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر چکی؟ (یَوْمَ) کا ناصب ظَلَّامٌ ہے، (نَقُولُ) نون و یاء کے ساتھ ہے استفہام، جہنم سے اس کے بھرنے کے وعدے کی تحقیق کے لئے ہے، اور جہنم جواب دے گی، کیا کچھ اور زیادہ بھی

ہے؟ یعنی میرے اندر جو کچھ بھرا گیا اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں یعنی میں بھر گئی اور جنت پرہیز گاروں کے لئے بالکل قریب کردی جائے گی، اتنی کہ ذرا بھی ان سے دور نہ ہوگی چنانچہ وہ اس کو دیکھیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ جو کچھ نظر آرہا ہے وہی ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا، یاء اور تاء کے ساتھ اور لِلْمتقین سے اس کا قول لِکُلِّ اوّاب بدل ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کی طاعت کی طرف رجوع کرنے والا اور حدود کی حفاظت کرنے والا ہو جو رحمٰن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو یعنی اس سے ڈرتا ہو حالانکہ اس کو دیکھا نہیں ہے اور اس کی طاعت کی طرف متوجہ ہونے والا دل لایا ہو اور پرہیز گاروں سے یہ بھی کہا جائے گا اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یعنی ہر اندیشہ سے بے خوف ہوکر، یا سلامتی کے ساتھ، یا سلام کرو اور داخل ہو جاؤ یہ دن جس میں دخول حاصل ہوا ہے، دائمی طور پر جنت میں داخل ہونے کا دن ہے ان کے لئے وہاں جو چاہیں گے دائمی طور پر ملے گا (بلکہ) اور ہمارے پاس ان کے عمل سے اور طلب سے زیادہ ہے، اور ان سے پہلے بھی ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں یعنی قریش سے پہلے کافروں میں سے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں وہ ان سے طاقت میں بہت زیادہ تھے تمام شہروں کو چھان مارا تھا کیا ان کو اور دوسروں کو موت سے فرار کی کوئی جگہ ملی؟ نہیں ملی، بلاشبہ اس مذکور میں ہر صاحب دل (صاحب عقل) کے لئے نصیحت ہے اور اس کے لئے جو حضوری قلب کے ساتھ نصیحت سننے کے لئے کان لگائے اور یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے چھ دنوں میں پیدا کیا، ان میں کا پہلا دن اتوار ہے اور ان کا آخری جمعہ ہے، اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں، یہ آیت یہود کے اس قول کو رد کرنے کے لئے نازل ہوئی کہ ''ہفتہ کے روز اللہ تعالیٰ نے آرام فرمایا'' اور تکان کا اس سے منتفی ہونا باری تعالیٰ کے مخلوق کی صفات سے منزہ ہونے کی وجہ سے ہے، اور اس کے اور اس کے غیر کے درمیان مجانست نہ ہونے کی وجہ سے ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی شئ کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ اس کے لئے کُنْ کہہ دیتا ہے تو وہ شئ موجود ہو جاتی ہے پس یہ یعنی یہود وغیرہ تشبیہ و تکذیب کی جو بات کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں یہ آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے حمد بیان کرتے ہوئے نماز پڑھئے طلوع شمس سے پہلے یعنی صبح کی نماز اور غروب سے پہلے یعنی ظہر اور عصر کی نماز اور رات کے کسی وقت میں تسبیح بیان کریں یعنی مغرب و عشاء کی نماز پڑھئے، اور نماز کے بعد بھی أدبَار ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ دُبُرٌ کی جمع ہے اور ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اَدْبَرَ کا مصدر ہے، مطلب یہ ہے کہ فرائض کے بعد نوافل مسنونہ پڑھئے اور کہا گیا ہے کہ ان اوقات میں حمد کے ساتھ تسبیح پڑھنا مراد ہے اور اے مخاطب میری بات سن جس دن ایک پکارنے والا اور وہ اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں آسمان سے قریبی مکان سے پکارے گا اور وہ بیت المقدس کا صخرہ (بڑا پتھر) ہے (صخرہ) زمین سے آسمان کی طرف قریب ترین مقام ہے، وہ پکارنے والا کہے گا اے بوسیدہ ہڈیو اور اکھڑے ہوئے جوڑو اور پارہ پارہ گوشتو اور بکھرے ہوئے بالو، اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ مقدمہ کے فیصلے کے لئے جمع ہو جاؤ جس دن بعث کے لئے پکار کو پوری مخلوق سن لے گی اور یہ اسرافیل کا نفخۂ ثانیہ ہوگا، اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ نفخہ اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پکار سے پہلے یا بعد میں ہو وہ نداء و سماع کا دن قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا اور یَوْمَ کا ناصب یُنَادِی مقدر ہے یعنی وہ اپنی تکذیب

کے انجام کو جان لیں گے، بلاشبہ ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے جس دن زمین ان سے پھٹ جائے گی حال یہ کہ وہ جلدی کرنے والے ہوں گے (تَشَقَّقُ) شین کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ تاء ثانیہ کو اصل میں ادغام کر کے تو دوڑتے ہوئے (نکل پڑیں گے) سِرَاعًا، سریع کی جمع ہے سِرَاعًا مقدر سے حال ہے، ای فیخرجون مسرعین یہ جمع کر لینا ہم پر (بہت) ہی آسان ہے اس میں موصوف اور صفت کے درمیان صفت کے متعلق کا فصل ہے، اختصاص کے لئے اور یہ (فصل) مضر نہیں ہے اور (ذٰلِكَ) سے معنی حشر کی جانب اشارہ ہے جو کہ ذٰلك کا مخبر بہ ہے اور وہ (معنی) فناء کے بعد زندہ کرنا اور پیشی اور حساب کے لئے جمع کرنا ہے ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ کفار مکہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں، اور یہ حکم جہاد کی اجازت سے پہلے کا ہے، سو آپ ان کو قرآن کے ذریعہ سمجھاتے رہئے جو میری وعید سے ڈریں اور وہ مومن ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: یَوْمَ ناصبُهٗ ظَلَّامٌ، یَوْمَ کے منصوب ہونے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں، اول یہ کہ اُذْکُرْ فعل محذوف ناصب ہو، دوسرے یہ کہ سابقہ آیت میں ظَلَّامٌ ناصب ہو مفسر علام نے دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: هَلِ امْتَلَأْتِ استفہام تحقیقی یعنی تقریری ہے اللہ نے جہنم سے جو بھرنے کا وعدہ فرمایا اس کے محقق اور پورا ہونے کو ثابت کرنے کے لئے یعنی میں نے تجھ سے جو بھرنے کا وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا؟ جہنم استفہام سوالی کے طور پر جواب دے گی، کیا کچھ اور ہے؟ یعنی اب مزید کی میرے اندر گنجائش نہیں ہے، جواب اگرچہ بصورتِ استفہام ہے مگر سوال معنی میں خبر کے ہے، جس کی طرف مفسر علام نے قَدِامْتَلَأْتُ سے اشارہ کیا ہے۔

سُوَال: جہنم کے سوال کی صورت میں جواب دینے میں کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: تا کہ سوال وجواب میں مطابقت ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: مَکَانًا.

سُوَال: مَکَانًا کو محذوف ماننے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: مکاناً محذوف مان کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ غیرَ بَعِیْدٍ جَنّة کی صفت نہیں ہے بلکہ مکانًا محذوف کی صفت ہے اس لئے کہ اگر جَنَّة کی صفت ہوتی تو غَیْرَ بعیدَة ہوتی۔

قَوْلُہٗ: غَیْرَ بَعِیْدٍ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ کی تاکید ہے اس لئے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، جیسا کہ عرب بولتے ہیں عزیزٌ غیرَ ذلیل (یا) قریبٌ غَیْرَ بعیدٍ.

قَوْلُہٗ: لِکُلِّ اَوَّابٍ متقین سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ هٰذا موصوف اور مَاتُوعَدُوْنَ اس کی صفت موصوف صفت سے مل کر مبتداء اور لِکُلِّ اَوَّابٍ اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: خَافَهٗ وَلَمْ يَرَهٗ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بِالْغَيْبِ حال ہے یا تو مفعول یعنی رحمٰن سے حال ہے یعنی وہ رحمٰن سے ڈرا، حال یہ ہے کہ وہ رحمٰن نظروں سے غائب ہے، یا پھر خَشِيَ کے فاعل سے حال ہے، یعنی وہ اللہ سے ڈرا حال یہ ہے کہ اس نے اللہ کو دیکھا نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: لَهُمْ، لَهُمْ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ لَهُمْ، مَحِيْصٌ مبتداء کی خبر محذوف ہے اور مِنْ زائدہ ہے، اور استفہام انکاری ہے، مطلب یہ کہ سابقہ امتوں نے دنیا چھان ماری مگر ان کو کہیں موت سے پناہ نہیں ملی، اسی طرح تم کو بھی اے اہل مکہ موت سے کہیں پناہ نہ ملے گی۔

قَوْلُہٗ: مِنْ لُغُوبٍ، من فاعل پر زائدہ ہے لُغُوْب (ن) سے مصدر ہے بمعنی تَعَبٌ تکان۔

قَوْلُہٗ: لِعَدَمِ الْمُجَانَسَةِ بعض نسخوں میں عدم المماشتة ہے یعنی خالق و مخلوق کے درمیان میں کسی قسم کا جنسی ربط و تعلق نہ ہونے کی وجہ ہے۔

قَوْلُہٗ: مقولي، مَقُوْلِي مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مقولی استمع کا مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: يَعْلَمُوْنَ عَاقِبَةَ تَكْذِيْبِهِمْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ کا عامل ناصب ہے، مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے لئے بہتر تھا کہ عامل کو معمول کے ساتھ ہی ذکر کرتے۔

قَوْلُہٗ: يَوْمَ تَشَقَّقُ یہ اپنے ماقبل يومُ الخُروج سے بدل ہے اور اِنَّا نَحْنُ الخ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: بِادْغَامِ التَّاء الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِيْهَا، تَشَقَّقُ اصل میں تَتَشَقَّقُ تھا، اصل میں تاء ثانیہ کو شین میں ادغام کر دیا۔

قَوْلُہٗ: سِرَاعًا، فيخرجون کی ضمیر سے حال ہے اور عَنْهُمْ کی ضمیر سے بھی حال ہو سکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: فيهِ فصل بين الموصوف والصفة بمتعلقها، عَلَيْنَا موصوف اور صفت کے درمیان فاصل ہے، تقدیر عبارت یہ تھی ذٰلِكَ حَشْرٌ يَسِيْرٌ عَلَيْنَا اختصاص کے لئے عَلَيْنَا جار مجرور کو مقدم کر دیا یعنی یہ حشر ہمارے ہی لئے آسان ہے اور فصل چونکہ اجنبی کا نہیں اس لئے مضر بھی نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: ذٰلك اِشارة الى معنى الحشر المخبر بِهٖ عَنْهُ مذکورہ عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ میں مخبر عنہ اور مخبر بہ دونوں واحد ہیں اس لئے کہ ذٰلِكَ کا مشار الیہ حَشْرٌ ہے جو کہ مخبر عنہ ہے اور يَسِيْرٌ مخبر بہ ہے اور حشر موصوف يَسِيْرٌ اس کی صفت ہے، موصوف صفت ایک ہوا کرتے ہیں اس طریقہ سے مخبر بہ اور مخبر عنہ واحد ہو گئے حالانکہ ان کو الگ ہونا چاہئے۔

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ذلک کا مشار الیہ حَشْرٌ نہیں بلکہ اس کے معنی میں ہیں یعنی اِحياء بعدالفناء اور جمع بين الأجزاء المتفرقة جو کہ مخبر عنہ ہے اور يسيرٌ مخبر بہ ہے، اس طرح مخبر عنہ اور مخبر بہ دونوں الگ الگ ہو گئے، فلا اعتراض عليه.

تفسیر و تشریح

یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَھَنَّمَ ھَلِ امْتَلَأتِ وَتَقُوْلُ ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ الٓمّٓ السجدۃ میں فرمایا ہے (لأملئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجمعینَ) میں جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دوں گا، اس وعدہ کا جب ایفاء ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کافر جن وانس کو جہنم میں ڈال دے گا، تو جہنم سے پوچھے گا کہ تو بھر گئی یا نہیں؟ وہ جواب دے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ یعنی اگرچہ میں بھر گئی ہوں لیکن یا اللہ تیرے دشمنوں کے لئے میرے دامن میں اب بھی گنجائش ہے جہنم سے اللہ تعالیٰ کی یہ گفتگو اور جہنم کا جواب دینا اللہ کی قدرت سے قطعاً بعید نہیں ہے، خاص طور پر موجودہ ترقی کے دور نے تو یہ ثابت کر دیا کہ بے جان و بے روح چیزوں کا بولنا نہ صرف یہ کہ ممکن ہے بلکہ واقع اور رات دن کا مشاہدہ ہے کہ پتھر اور دھات سے بنی ہوئی چیزیں ٹیپ رکارڈ اور سی ڈی، فلوپی وغیرہ کے بولنے کا ہم رات دن مشاہدہ کرتے ہیں، بعض حضرات نے اس سوال و جواب کو مجاز پر محمول کیا ہے اور محض صورت حال کی منظر کشی کے لئے جہنم کی کیفیت کو سوال و جواب کی شکل میں ذکر کیا گیا ہے جیسے مثلاً آپ اپنے قلم سے یوں کہیں کہ تو چلتا کیوں نہیں تو قلم اس کے جواب میں کہے کہ میں اس لئے نہیں چلتا کہ میرے اندر روشنائی نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کی جو چیزیں ہمارے لئے جامد اور صامت ہیں ان کے متعلق یہ سمجھ لینا درست نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے بھی ویسی ہی جامد و صامت ہوں گی، خالق اپنی ہر مخلوق سے کلام کر سکتا ہے اور اس کی ہر مخلوق اس کے کلام کا جواب دے سکتی ہے، خواہ ہمارے لئے اس کی زبان کتنی ہی ناقابل فہم ہو۔

اوّاب کون لوگ ہیں؟

لِکُلِّ اَوَّابٍ حفیظ یعنی جنت کا وعدہ ہر اس شخص سے ہے جو اوّاب اور حفیظ ہو اوّاب کے معنی ہیں رجوع کرنے والا، اور مراد وہ شخص ہے جو معاصی سے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور شعبی اور مجاہد نے فرمایا کہ اوّاب وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کرے اور ان سے استغفار کرے، اور حضرت عبید بن عمیر نے فرمایا اوّاب وہ شخص ہے جو اپنی ہر مجلس اور ہر نشست میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی مجلس سے اٹھنے کے وقت یہ دعاء پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرما دیں گے جو اس مجلس میں سرزد ہوئے، دعا یہ ہے:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ.

اور حفیظ کے معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ بتلائے ہیں کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد رکھے تاکہ ان سے رجوع کر کے تلافی کرے، اور ایک روایت میں حفیظ کے معنی حافظ لامر اللہ کے بھی منقول ہیں یعنی وہ شخص جو احکام کو یاد رکھے اور

حدود اللہ کی حفاظت کرے، حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ جو شخص شروع دن میں چار رکعت (اشراق کی) پڑھ لے وہ اوّاب اور حفیظ ہے۔ (قرطبی، معارف)

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ "خشیت بالغیب" کا مطلب دنیا میں ڈرنا ہے، جہاں نار و نعیم دونوں غائب ہیں، اور قلب منیب سے قلب سلیم مراد ہے۔

فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ نَقَّبُوْا تنقیبٌ سے ہے اس کے اصل معنی سوراخ کرنے اور پھاڑنے کے ہیں محاورات میں دور دراز ملکوں کے سفر کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ (کمافی القاموس)

مَحِيْص ظرفِ مکان ہے، پناہ گاہ، لوٹنے کی جگہ، آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جو قوت و طاقت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں اور مختلف ملکوں اور خطوں میں تجارت وغیرہ کے لئے پھرتی رہیں مگر دیکھو کہ انجام کار ان کو موت آئی اور ہلاک ہوئیں، نہ ان کو کہیں پناہ ملی اور نہ راہِ فرار، یعنی خدا کی طرف سے جب ان کی پکڑ کا وقت آیا تو کیا ان کی وہ طاقت ان کو بچا سکی؟ اور کیا دنیا میں پھر کہیں ان کو پناہ مل سکی، اب آخر تم کس بھروسہ پر یہ امید رکھتے ہو کہ خدا کے مقابلہ میں بغاوت کر کے تمہیں کہیں جگہ مل جائے گی۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ پوری کائنات ہم نے چھ دن میں بنا ڈالی اور اس کو بنا کر ہم تھک نہیں گئے، کہ اس کی تعمیر نو ہمارے بس میں نہ رہی ہو، اب اگر یہ نادان لوگ آپ سے زندگی بعد الموت کی خبر سن کر تمہارا مذاق اڑاتے ہیں اور تمہیں دیوانہ قرار دیتے ہیں تو اس پر صبر کرو، ٹھنڈے دل سے ان کی ہر بیہودہ بات کو سنو اور جس حقیقت کے بیان کرنے پر آپ مامور کئے گئے ہیں اس کو بیان کرتے چلے جائیں۔

اس آیت میں ضمنی طور پر یہود و نصاریٰ پر ایک لطیف طنز بھی ہے، جس کا بائبل میں یہ افسانہ گھڑا گیا ہے کہ خدا نے چھ دنوں میں زمین و آسمان کو بنایا اور (ہفتہ کو) ساتویں دن آرام کیا اور عرش پر جا کر لیٹ گیا (پیدائش ۲:۲) اگرچہ مسیحی پادری اس بات سے شرمانے لگے ہیں اور انہوں نے کتاب مقدس کے اردو ترجمہ میں آرام کیا کو "فارغ ہوا" سے بدل دیا ہے مگر کنگ جیمس کی مستند انگریزی بائبل میں (And He rested on the seventh day) کے الفاظ صاف موجود ہیں، اور یہی الفاظ اس ترجمہ میں بھی پائے جاتے ہیں جو ۱۹۵۴ء میں یہودیوں نے فلیڈلفیا سے شائع کیا ہے، عربی ترجمہ میں بھی فاستراح فی الیوم السابع کے الفاظ ہیں۔

يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ابن عسا کر نے زید بن جابر شافعی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی سے روایت کیا ہے کہ یہ فرشتہ اسرافیل ہوگا جو بیت المقدس کے صخرہ پر کھڑا ہو کر ساری دنیا کے مردوں کو خطاب کرے گا، اے گلی سڑی ہڈیو! اور ریزہ ریزہ ہونے

والی کھالو! اور بکھر جانے والے بالو! سن لو، تم کو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ حساب کے لئے جمع ہو جاؤ۔ (مظہری)

یَوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ یہ نفخۂ ثانیہ کا بیان ہے جس سے دوبارہ عالم کو زندہ کیا جائے گا، اور مکان قریب سے مراد یہ ہے کہ اس وقت اس فرشتے کی آواز پاس اور دور کے سب لوگوں کو اس طرح پہنچے گی کہ گویا پاس ہی سے پکار رہا ہے اور بعض حضرات نے مکان قریب سے مراد صخرۂ بیت المقدس لیا ہے کیونکہ وہ زمین کا وسط ہے۔ (قرطبی)

یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا یعنی جب زمین پھٹ کر سب مردے زمین سے نکل آئیں گے تو سب لوگ اس آواز دینے والے کی طرف دوڑیں گے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے نکلنے والا میں ہونگا انا اول مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ (صحیح مسلم کتاب الفضائل) جامع ترمذی میں حضرت معاویہ بن حیدہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک سے ملک شام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

من ھٰھُنا الی ھٰھُنا تحشرون رکبانا ومشاةً وتجرّونَ علی وجوهكم يوم القيامة. (الحدیث)

یہاں سے اس طرف (یعنی شام کی طرف) تم سب اٹھائے جاؤ گے کچھ لوگ سوار اور کچھ پیدل اور بعض کو چہروں کے بل گھسیٹ کر قیامت کے روز اس میدان میں لایا جائے گا۔ (قرطبی، معارف)

تمت

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ وَالذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ سِتُّوْنَ اٰيَةً.

سورة والذّاريات مکی ہے، ساٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالذّٰرِيٰتِ الرِّيَاحِ تَذْرُوا التُّرَابَ وَغَيْرَهُ ذَرْوًا ① مَصْدَرٌ وَيُقَالُ تَذْرِيْهِ ذَرْيًا تَهُبُّ بِهِ فَالْحٰمِلٰتِ السُّحُبِ تَحْمِلُ الْمَاءَ وِقْرًا ② ثِقْلًا مَفْعُوْلُ الْحَامِلَاتِ فَالْجٰرِيٰتِ السُّفُنِ تَجْرِيْ عَلٰى وَجْهِ الْمَاءِ يُسْرًا ③ بِسُهُوْلَةٍ مَصْدَرٌ فِيْ مَوْضِعِ الْحَالِ اَيْ مَيْسَرَةً فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ④ الْمَلَائِكَةِ تُقَسِّمُ الْاَرْزَاقَ وَالْاَمْطَارَ وَغَيْرَهَا بَيْنَ الْعِبَادِ وَالْبِلَادِ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ مَا مَصْدَرِيَّةٌ اَيْ اِنَّ وَعْدَهُمْ بِالْبَعْثِ وَغَيْرِهِ لَصَادِقٌ ⑤ لَوَعْدٌ صَادِقٌ وَّاِنَّ الدِّيْنَ الْجَزَاءَ بَعْدَ الْحِسَابِ لَوَاقِعٌ ⑥ لَا مُحَالَةَ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ⑦ جَمْعُ حَبِيْكَةٍ كَطَرِيْقَةٍ وَطُرُقٍ اَيْ صَاحِبَةِ الطُّرُقِ فِي الْخِلْقَةِ كَالطُّرُقِ فِي الرَّمْلِ اِنَّكُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ فِيْ شَانِ النَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ⑧ قِيْلَ شَاعِرٌ سَاحِرٌ كَاهِنٌ شِعْرٌ سِحْرٌ كَهَانَةٌ يُّؤْفَكُ يُصْرَفُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ اَيْ عَنِ الْاِيْمَانِ بِهِ مَنْ اُفِكَ ⑨ صُرِفَ عَنِ الْهِدَايَةِ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ⑩ لُعِنَ الْكَذَّابُوْنَ اَصْحَابُ الْقَوْلِ الْمُخْتَلِفِ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ جَهْلٍ يَغْمُرُهُمْ سَاهُوْنَ ⑪ غَافِلُوْنَ عَنْ اَمْرِ الْاٰخِرَةِ يَسْـَٔلُوْنَ النَّبِيَّ اِسْتِهْزَاءً اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ⑫ اَيْ مَتٰى مَجِيْئُهُ وَجَوَابُهُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ⑬ اَيْ يُعَذَّبُوْنَ فِيْهَا وَيُقَالُ لَهُمْ حِيْنَ التَّعْذِيْبِ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ تَعْذِيْبَكُمْ هٰذَا الْعَذَابُ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ⑭ فِي الدُّنْيَا اِسْتِهْزَاءً اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ وَّعُيُوْنٍ ⑮ تَجْرِيْ فِيْهَا اٰخِذِيْنَ حَالٌ مِنَ الضَّمِيْرِ فِيْ خَبَرِ اِنَّ مَا اٰتٰهُمْ اَعْطَاهُمْ رَبُّهُمْ مِنَ الثَّوَابِ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ اَيْ دُخُوْلِهِمُ الْجَنَّةَ مُحْسِنِيْنَ ⑯ فِي الدُّنْيَا كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ⑰ يَنَامُوْنَ وَمَا زَائِدَةٌ وَيَهْجَعُوْنَ خَبَرُ كَانَ وَقَلِيْلًا ظَرْفٌ اَيْ يَنَامُوْنَ فِيْ زَمَنٍ يَسِيْرٍ مِنَ اللَّيْلِ وَيُصَلُّوْنَ اَكْثَرَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ⑱ يَقُوْلُوْنَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ⑲ الَّذِيْ لَا يَسْاَلُ لِتَعَفُّفِهٖ وَفِي الْاَرْضِ مِنَ الْجِبَالِ وَالْبِحَارِ وَالْاَشْجَارِ وَالثِّمَارِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهَا اٰيٰتٌ دَلَالَاتٌ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى

وَوَحْدَانِيَّتِهٖ **لِلْمُوْقِنِيْنَ** ﴿٢٠﴾ **وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ** اٰيَاتٌ اَيْضًا مِنْ مَبْدَإ خَلْقِكُم اِلٰى مُنْتَهَاهُ ومَا فِيْ تَرْكِيْبِ خَلْقِكُمْ مِنَ الْعَجَائِبِ **اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ** ﴿٢١﴾ ذٰلِكَ فَتَسْتَدِلُّوْنَ بِهٖ عَلٰى صَانِعِهٖ وقُدْرَتِهٖ **وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ** اي المَطَرُ المُسَبَّبُ عَنْهُ النَّبَاتُ الَّذِيْ هُوَ رِزْقٌ **وَمَا تُوْعَدُوْنَ** ﴿٢٢﴾ مِنَ المَاٰبِ والثَّوَابِ والعِقَابِ اي مَكْتُوْبٌ ذٰلك فِي السَّمَاءِ **فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ** اي مَا تُوْعَدُوْنَ **لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ** ﴿٢٣﴾ بِرَفْعِ مِثْلُ صِفَةٌ ومَا مَزِيْدَةٌ وبِفَتْحِ اللَّامِ مُرَكَّبَةٌ مَعَ مَا المعنٰى مِثْلُ نُطْقِكُمْ فِيْ حَقِّيَّتِهٖ اي مَعْلُوْمِيَّتِهٖ عِنْدَكُم ضَرُوْرَةَ صُدُوْرِهٖ عَنْكُم.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار وغیرہ کو پراگندہ کرتی ہیں (ذَرْوًا) مصدر ہے اور کہا جاتا ہے تَذْرِيَهٗ ذَرْيًا یعنی ہوائیں غبار کو اڑاتی ہیں پھر قسم ہے ان بادلوں کی جو پانی کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں وِقْرًا حاملات کا مفعول ہے، پھر قسم ہے ان کشتیوں کی جو پانی کی سطح پر سہولت کے ساتھ چلتی ہیں یُسْرًا مصدر ہے حال کی جگہ میں یعنی حال یہ کہ وہ سبک رفتاری سے چلتی ہیں پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو کہ ایک بڑے اہم کام کی یعنی رزق اور بارش وغیرہ کی بندوں اور شہروں کے درمیان تقسیم کرنے والے ہیں اور جو تم سے وعدہ کیا جارہا ہے مَا مصدر یہ ہے یعنی ان سے بعث وغیرہ کا وعدہ سچا وعدہ ہے، اور حساب کے بعد جزاء اعمال لامحالہ پیش آنے والی ہے اور قسم ہے راستوں والے آسمان کی (حُبُك) حَبِيْكَةٌ کی جمع ہے، جیسا کہ طُرُقٌ، طَرِيْقَةٌ کی جمع ہے یعنی وہ آسمان پیدائشی طور پر راستوں والے ہیں، جیسا کہ ریت میں راستے ہوتے ہیں بلاشبہ تم اے مکہ والو! حضور کی اور قرآن کی شان میں مختلف باتیں کرتے ہو (آپ کے بارے میں) کہا گیا، شاعر ہیں، جادوگر ہیں، کاہن ہیں، (اور قرآن کے بارے میں) کہا گیا شعر ہے؛ جادو ہے، کہانت ہے اس سے یعنی نبی اور قرآن سے یعنی ان پر ایمان لانے سے وہی باز رکھا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہدایت سے پھیر دیا گیا ہو غارت ہوجائیں بے سند (اٹکل سے) باتیں کرنے والے ملعون ہوئے مختلف باتوں والے جھوٹے جو جہالت میں غرق ہیں جن کو جہالت نے غرق کر رکھا ہے اور امر آخرت سے غافل ہیں نبی ﷺ سے بطور استہزاء پوچھتے ہیں جزاء کا دن کب ہوگا؟ یعنی وہ کب آئیگا؟ ان کا جواب یہ ہے، یومِ جزاء اس دن آئے گا جس دن ان کو آگ پر بھونا جائے گا یعنی ان کو آگ میں عذاب دیا جائے گا، اور عذاب دیتے وقت ان سے کہا جائے گا، اپنی سزا کا مزا چکھو یہی ہے وہ عذاب جس کی دنیا میں تم استہزاء جلدی مچایا کرتے تھے، بلاشبہ تقوے والے لوگ باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے جو باغوں میں جاری ہوں گے ان کے رب نے ان کو جو کچھ ثواب عطا فرمایا ہے اس کو لے رہے ہوں گے وہ تو اس سے پہلے ہی دنیا میں نیکوکار تھے اور وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے (يَهْجَعُوْنَ) بمعنی يَنَامُوْنَ ہے اور يَهْجَعُوْنَ كَانَ کی خبر ہے، اور قَلِيْلًا ظرف ہے یعنی رات کے کم حصہ میں سوتے تھے اور اکثر حصہ میں نماز پڑھتے تھے اور سحر کے وقت استغفار کیا کرتے تھے، یوں کہا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں کا اور نہ مانگنے والوں کا حق ہے اور محروم وہ شخص ہے جو سوال سے بچنے کی وجہ سے سوال

نہ کرے (جس کے نتیجے میں محروم رہ جائے) اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے پہاڑوں اور دریاؤں اور درختوں اور پھلوں اور نباتات وغیرہ کی بہت سی نشانیاں ہیں جو اللہ کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی نشانیاں ہیں تمہاری تخلیق کی ابتداء سے لیکر اس کی انتہا تک اور وہ جو تمہاری تخلیق میں عجائبات ہیں کیا تم اس میں غور نہیں کرتے ہو کہ تم اس سے اس کی صنعت اور قدرت پر استدلال کرو اور آسمان میں تمہارا رزق یعنی بارش جو کہ نباتات کا سبب ہے کہ وہ رزق ہے اور وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، آسمان اور زمین کے پروردگار کی قسم یہ یعنی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے بالکل حق ہے، ایسا ہی جیسا کہ تم باتیں کرتے ہو مثلُ کے رفع کے ساتھ (حقٌّ) کی صفت ہے اور ما زائدہ ہے اور (مِثلَ) کے لام کے فتحہ کے ساتھ، ما کے ساتھ مرکب ہے اور معنی یہ ہیں کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ حقیقت ہونے میں ایسا ہی ہے جیسا کہ تمہارا گفتگو کرنا حقیقۃ ہے یعنی جس طرح تمہارے نزدیک تمہاری گفتگو معلوم ہونے میں یقینی ہے اس گفتگو کے تم سے بالبداہۃ صادر ہونے کی وجہ سے (اسی طرح تم سے کیا ہوا وعدہ بھی حقیقت ہے)۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: وَالذّٰرِیٰتِ واؤ قسمیہ ہے ذَارِیٰتٌ، ذَارِیَۃٌ کی جمع ہیں، اڑانے والیاں، پراگندہ کرنے والیاں، اس کا موصوف الرِّیَاحُ محذوف ہے ای الرِّیَاحُ الذَّارِیَاتُ پراگندہ کرنے والی ہوائیں، یہ ذَرٰی یَذْرُوْا ذَرْوًا یا ذَرٰی یَذْرِی ذَرْیًا معتل لام واوی یا یائی سے مشتق ہے۔ (ض، ن) والذَّارِیَات مقسم بہ ہے۔

قولہ: ویُقَالُ ذَرٰی یَذْرِی ذَرْیًا سے یائی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ: تَھُبُّ بِہٖ اس کا اضافہ بیان معنی کے لئے ہے، ہوا اس کو پراگندہ کرتی ہے، اڑاتی ہے۔

قولہ: اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ علامہ محلی نے ما کو مصدریہ قرار دیا ہے یعنی وَعْدٌ کے معنی میں ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنَّ وَعْدَکُمْ لَوَعْدٌ صَادِقٌ۔

قولہ: اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ معطوف علیہ ہے اور اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ معطوف ہے، معطوف اور معطوف علیہ مل کر جملہ ہو کر جواب قسم ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ اِنَّمَا میں ما کو موصولہ قرار دیا جائے اور تُوْعَدُوْنَ جملہ ہو کر صلہ ہو، عائد محذوف ای بہ جملہ ہو کر اِنَّ کا اسم اور لَصَادِقٌ اِنَّ کی خبر، اور اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔

قولہ: وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ واؤ قسمیہ جارہ بمعنی اُقْسِمُ السَّمَاء موصوف الْحُبُك صفت، موصوف بالصفت جملہ ہو کر جواب قسم۔

قولہ: حُبُكٌ حَبِیْكَۃٌ کی جمع ہے جیسے طُرُقٌ طَرِیْقَۃٌ کی جمع ہے بمعنی راستہ، پانی کی لہر، ریت میں ہوا کی وجہ سے پڑنے والے نشانات اور بعض حضرات نے حُبُكٌ کو حِبَاكٌ کی جمع کہا ہے جیسے مُثُلٌ مِثَالٌ کی جمع ہے حَبِیْكَۃٌ و حِبَاكٌ ستاروں کی رہ

گزر کو بھی کہتے ہیں۔ (اعراب القرآن، لغات القرآن)

قولہ: فِی الخِلقَۃِ کَالطُّرُقِ فِی الرَّمَلِ اس عبارت کے اضافہ کا فائدہ یہ ہے کہ یہ آسمانی راستے خیالی یا معنوی نہیں ہیں بلکہ محسوس اور موجود فی الخارج ہیں اگرچہ بعید ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔

قولہ: یُؤْفَکُ عنہ یُوْفَکُ واحد مذکر غائب مضارع مجہول اِفْکٌ (ض) سے پھیرا جاتا ہے، بھٹکایا جاتا ہے۔

قولہ: صُرِفَ عَنِ الھِدَایَۃِ فِی علمِ اللہ تعالیٰ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یُؤْفَکُ عنہُ مَنْ اُفِکَ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھٹکا ہوا ہے اس کو بھٹکایا جائے گا، اور یہ تحصیل حاصل ہے اس لئے کہ جو بھٹکا ہوا ہے اس کے بھٹکانے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

جواب: جو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں بھٹکا ہوا ہے وہ خارج اور ظاہر میں بھٹکایا جائے گا۔

البلاغۃ

قولہ: قُتِلَ الخَرّٰصُوْنَ، قُتِلَ کے حقیقی معنی قتل کرنے کے ہیں، مگر یہاں علٰی سبیل الاستعارۃ لعنت کے معنی میں مستعمل ہے، بایں طور کہ مفقود السعادۃ کو مفقود الحیات کے ساتھ تشبیہ دی ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہوا، مفقود السعادۃ مشبہ ہے اور مفقود الحیاۃ مشبہ بہ ہے، مشبہ بہ اگرچہ محذوف ہے مگر مشبہ بہ کے لوازم میں سے قتل کو مشبہ کے لئے ثابت کردیا، یہ استعارہ تخییلیہ ہوا، قُتِلَ الخَرّٰصُوْنَ معنی میں لُعِنَ الکَذّٰبُوْنَ یعنی بددعاء کے معنی میں ہے خَرّٰصُوْنَ اٹکل دوڑانے والے، جھوٹ بکنے والے، خرّاصٌ کی جمع ہے خَرْصٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ (لغات القرآن)

قولہ: غَمْرَۃٌ گہرا پانی جس کی تہ نظر نہ آئے، یہاں چھا جانے والی جہالت مراد ہے۔ (لغات القرآن)

قولہ: اَیَّانَ یَوْمُ الدِّین اَیَّانَ خبر مقدم یَوْمُ الدِّینِ مبتداء مؤخر۔

قولہ: مَتٰی مَجِیْئُہٗ، مَتٰی اَیَّانَ کی تفسیر ہے مَجِیْئُہٗ حذفِ مضاف کی طرف اشارہ ہے اور حذف مضاف ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: اَیَّانَ یومُ الدین مشرکین کی طرف سے سوال ہے اور یَوْمَ ھُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ سوال کا جواب ہے، سوال اور جواب دونوں زمان ہیں اور زمان کا جواب زمان سے نہیں ہوتا بلکہ زمان کا جواب حَدَث سے ہوتا ہے، مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اسی سوال کے جواب کے لئے مجیئہ مضاف محذوف مانا ہے تاکہ زمان کا جواب اِخبار بالزمان سے ہوجائے۔

سوال: اَیَّانَ یَوْمُ الدین میں تعیین وقت کا سوال ہے، اس کا جواب یَوْمَ ھم عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ہے جو کہ مبہم اور غیر متعین ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

جواب: مشرکین مکہ کا سوال چونکہ علم وفہم کے لئے نہیں بلکہ بطور استہزاء کے تھا اسی لئے حقیقتاً جواب کے بجائے صورۃً جواب دیا تاکہ سوال وجواب میں مطابقت ہوجائے، یَوْمَ کا ناصب یَجِیئُ محذوف ہے، ھُمْ مبتداء ہے یُفْتَنُوْنَ خبر اور

علیٰ بمعنی فی ہے۔

سَوال: یُفْتَنُوْنَ کا صلہ علیٰ کیوں لایا گیا؟

جَواب: یُفْتَنُوْنَ چونکہ یُعْرَضُونَ کے معنی کو متضمن ہے اس لئے یُفْتَنُوْنَ کا صلہ علیٰ لایا گیا ہے۔

قِولہ: تَجْرِیْ فِیْهَا اس اضافہ کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول اِنّ المتقین فی جنّٰتٍ وعُیُون سے معلوم ہوتا کہ متقی لوگ چشموں میں ہوں گے حالانکہ چشموں میں ہونے کا یا رہنے کا کوئی مطلب نہیں ہے مفسر علام نے تجری فیها کہہ کر اس کا جواب دیا۔ جواب کا ماحصل یہ ہے کہ متقی ایسے باغوں میں ہوں گے جن میں نہریں جاری ہوں گی۔

قِولہ: آخِذِیْنَ یہ ان کی خبر محذوف کی ضمیر سے حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے کائِنُوْنَ فی جنَاتٍ وعُیُون حالَ کونهم، آخِذِیْنَ مَا اٰتَاهُم رَبُّهُمْ.

قِولہ: مِنَ الثواب یہ ما کا بیان ہے،

قِولہ: یَهْجَعُوْنَ هجوعٌ سے رات کے سونے کو کہتے ہیں۔

قِولہ: وبالاَسْحَارِ یَسْتَغْفِرُوْنَ کے متعلق ہے اور باء بمعنی فی ہے الاَسْحَار سحر کی جمع ہے رات کے سدس اخیر کو کہتے ہیں، یَسْتَغْفِرُوْنَ کا عطف یَهْجَعُوْنَ پر ہے۔

تفسیر و تشریح

سورۂ قٓ کے مانند سورۂ ذاریات میں بھی زیادہ تر مضامین آخرت اور قیامت، اس میں مردوں کے زندہ ہونے، حساب وکتاب اور ثواب وعذاب کے متعلق ہیں، پہلی چند آیات میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ قیامت کے متعلق جن چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ سچا وعدہ ہے، جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے وہ چار ہیں ① الذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ② الحَامِلاتِ وِقْرًا ③ الجَارِیَاتِ یُسْرًا ④ المُقَسِّمَاتِ امرًا اوران کا مقسم بہ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ وَاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ہے۔

مفسر علام نے پہلے مقسم بہ سے ہوائیں اور دوسرے مقسم بہ سے بادل اور تیسرے سے کشتیاں اور چوتھے سے فرشتے مراد لئے ہیں، اسی مفہوم کی ایک مرفوع روایت بھی ہے جس کو ابن کثیر نے ضعیف کہا ہے، اور حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے بھی موقوفاً مذکورہ مفہوم مروی ہے (قرطبی، درمنثور) الجَارِیَاتِ یُسْرًا اور المُقَسِّمَاتِ اَمْرًا کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، ایک جماعت نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ان دونوں سے بھی ہوائیں مراد ہیں، یعنی پھر یہ ہوائیں بادلوں کو لیکر چلتی ہیں، اور پھر روئے زمین کے مختلف حصوں میں پھیل کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہاں جتنا حکم ہوتا ہے، پانی تقسیم کرتی ہیں جو کہ رزق کا سبب ہے۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ اِنَّكُمْ لَفِی قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ، حُبُك، حَبِیْکَةٌ کی جمع ہے، کپڑے کی دھاریوں کو کہتے ہیں،

دھاریاں چونکہ سڑک اور راستہ کے مشابہ ہوتی ہیں، اس لئے راستوں کو بھی حُبُك کہہ دیا جاتا ہے اور راستوں سے وہ راستے مراد ہو سکتے ہیں جن سے فرشتوں کی آمد ورفت ہوتی ہے، اور اس سے ستاروں اور سیاروں کے مدار بھی مراد ہو سکتے ہیں، اور چونکہ کپڑے کی دھاریاں کپڑے کی زینت ہوتی ہیں اس لئے بعض مفسرین نے حبك کا ترجمہ زینت والے آسمان سے کیا۔

اِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُخْتَلِفٍ مذکورہ قسم کا یہ مقسم بہ ہے، بظاہر اس کے مخاطب مشرکین مکہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے متعلق مختلف اور متضاد باتیں کیا کرتے تھے، کبھی مجنون، کبھی جادوگر، تو کبھی شاعر، تو کبھی کاہن وغیرہ کے لغو خطابات دیتے تھے، اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کے مخاطب عام لوگ ہیں، مسلم ہوں یا کافر اور قول مختلف سے مراد یہ ہو کہ بعض تو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں اور بعض انکار و مخالفت سے پیش آتے ہیں۔ (مظهری، معارف)

اس اختلاف اقوال پر، متفرق شکلوں والے آسمان کی قسم تشبیہ کے طور پر کھائی گئی ہے یعنی جس طرح آسمان کے بادلوں اور تاروں کے جھرمٹوں کی شکلیں مختلف ہیں ان میں کوئی مطابقت اور یکسانیت نہیں پائی جاتی، اسی طرح آخرت کے متعلق تم لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہو ہر ایک کی بات دوسرے سے مختلف ہے کوئی کہتا ہے کہ یہ دنیا ازلی وابدی ہے اس میں کوئی شکست وریخت نہیں ہو سکتی اور نہ قیامت برپا ہوگی، کوئی کہتا ہے کہ یہ نظام حادث ہے اور ایک دن یہ ختم ہو جائے گا، مگر انسان سمیت جو چیز فنا ہو گئی پھر اس کا اعادہ ممکن نہیں ہے، کوئی اعادہ کو تو ممکن مانتا ہے مگر اس کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنے اچھے برے اعمال کا نتیجہ بھگتنے کے لئے پھر اسی دنیا میں بار بار جنم لیتا ہے، کوئی جنت وجہنم کا قائل ہے مگر اس کے ساتھ تناسخ کو بھی ملاتا ہے یعنی ان کا یہ خیال ہے کہ گنہگار جہنم میں جا کر سزا بھگتتا ہے اور پھر اس دنیا میں بھی سزا پانے کے لئے بار بار جنم لیتا رہتا ہے کوئی کہتا ہے کہ دنیا کی زندگی خود ایک عذاب ہے جب تک انسان کو دنیوی زندگی سے لگاؤ باقی رہتا ہے اس وقت تک وہ اس دنیا میں مر مر کر پھر جنم لیتا رہتا ہے اور اس کی حقیقی نجات (نروان) یہ ہے کہ وہ فنا (موکش) ہو جائے اور کوئی آخرت اور دوزخ وجنت کا تو قائل ہے مگر کہتا ہے کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو صلیب پر موت دے کر انسان کے ازلی گناہ کا کفارہ ادا کر دیا ہے اور اس بیٹے پر ایمان لا کر آدمی اپنے اعمال بد کے بُرے نتائج سے بچ جائے گا، اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو آخرت اور جزاء وسزا ہر چیز کو مان کر بعض ایسے بزرگوں کو شفیع تجویز کرتے ہیں کہ جو اللہ کے ایسے پیارے ہیں یا اللہ کے یہاں ایسا زور اور پہنچ رکھتے ہیں کہ جو ان کا دامن گرفتہ ہو وہ دنیا میں سب کچھ کر کے بھی سزا سے بچ سکتا ہے۔

اقوال کا یہ اختلاف خود ہی اس امر کا ثبوت ہے کہ وحی رسالت سے بے نیاز ہو کر انسان نے اپنے اور اس دنیا کے انجام پر جب بھی کوئی رائے قائم کی ہے علم کے بغیر قائم کی ہے ورنہ اگر انسان کے پاس اس معاملہ میں فی الواقع براہِ راست علم کا کوئی ذریعہ ہوتا تو اتنے مختلف اور متضاد عقیدے پیدا نہ ہوتے۔

يُؤْفَكُ عَنْهُ، اِفک کے لغوی معنی پھر جانے، منحرف ہو جانے کے ہیں، اور عَنْهُ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں، ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ ضمیر قرآن اور رسول کی طرف راجع ہو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ قرآن اور رسول سے وہی بدنصیب منحرف ہوتا ہے جس کے لئے محرومی مقدر ہو چکی ہے مفسر علام نے اسی احتمال کو اختیار کیا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ عَنْهُ کی ضمیر قولٍ مختلفٍ کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ تمہارے مختلف اور متضاد اقوال کی وجہ سے وہی شخص قرآن اور رسول کا منکر ہوتا ہے جو ازلی بدنصیب اور محروم ہی ہو۔

قُتِلَ الخرّاصُوْنَ، خرّاص کے لغوی معنی اندازہ لگانے والے اور ظن وتخمین سے باتیں کرنے والے کے ہیں، مراد کفار ہیں جو آنحضرت ﷺ کے بارے میں بلا کسی علم ودلیل کے مختلف اور متضاد باتیں کہتے تھے اس لئے خراصون کا ترجمہ کذابون سے بھی کر دیا جائے تو بعید نہیں۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ کفار اور منکرین کے ذکر کے بعد مومنین ومتقین کا ذکر کئی آیتوں میں آیا ہے، يَهْجَعُوْنَ، هجوعٌ سے مشتق ہے جس کے معنی رات کے سونے کے ہیں، ما، قلّت کی تاکید کے لئے ہے اس میں پرہیزگار مومنین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ رات اللہ کی بندگی میں گذارتے ہیں، سوتے بہت کم ہیں، یہ تفسیر ابن جریر سے منقول ہے، اور حسن بصری سے بھی یہی تفسیر منقول ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قتادہ، مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس جملہ کا مطلب حرف ما کو نفی کے لئے قرار دے کر یہ بتلایا ہے کہ رات کوان پر تھوڑا سا حصہ ایسا بھی آتا ہے جس میں وہ سوتے نہیں بلکہ عبادت نماز وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، اس مفہوم کے اعتبار سے وہ سب لوگ اس کا مصداق ہو جاتے ہیں جو رات کے کسی بھی حصے میں عبادت کرلیں خواہ شروع میں یا آخر میں یا درمیان میں، اسی لئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو العالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا مصداق ان لوگوں کو قرار دیا ہے، جو مغرب وعشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں۔ (ابن کثیر)

وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ محروم سے مراد وہ ضرورت مند ہے جو سوال سے اجتناب کرتا ہے، چنانچہ مستحق ہونے کے باوجود لوگ اسے نہیں دیتے، یہ قتادہ اور زہری کی رائے ہے (شوکانی) یا وہ شخص مراد ہے جس کا آفت ارضی وسماوی سے سب کچھ تباہ ہو جائے، یہ زید بن اسلم سے منقول ہے (فتح القدیر شوکانی) حسن اور محمد ابن الحنفیہ نے کہا ہے کہ محروم وہ شخص ہے کہ جو مالِ غنیمت اور مالِ فئی سے محروم رہے اس کے علاوہ بھی اور بہت سے اقوال ہیں۔

صدقہ وخیرات کرنے والوں کو خاص ہدایت:

اس آیت میں مومنین متقین کی یہ صفت بتلائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے وقت صرف سائلین ہی کو نہیں دیتے بلکہ ایسے لوگوں کا بھی خیال رکھتے ہیں جو اپنی حاجت شرم وشرافت کی وجہ سے کسی پر ظاہر نہیں کرتے، مطلب یہ کہ یہ مومنین متقین صرف بدنی عبادت نماز روزہ اور شب بیداری پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ مالی عبادت میں بھی ان کا بڑا حصہ رہتا ہے، کہ سائلین کے علاوہ ایسے لوگوں پر بھی نظر رکھتے ہیں کہ جو شرافت وشرم کے سبب اپنی حاجت کسی پر ظاہر نہیں کرتے، اور یہ لوگ جن فقراء ومساکین پر خرچ کرتے ہیں ان پر کوئی احسان نہیں جتلاتے، بلکہ یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ ہمارے اموال خداداد میں ان کا بھی حق ہے اور حق دار کو اس کا حق پہنچا دینا کوئی احسان نہیں ہوا کرتا بلکہ ایک ذمہ داری سے اپنی سبک دوشی ہوا کرتی ہے۔

اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ یعنی جس طرح تم کو اپنے بولنے اور کلام کرنے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا اسی طرح قیامت کا برپا ہونا بھی ایسا ہی واضح کھلا ہوا اور یقینی ہے کہ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ (قرطبی)

وقف لازم

هَلْ اَتٰىكَ خِطَابٌ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ وهُمْ مَلٰئِكَةٌ اِثْنَا عَشَرَ اوعَشرَةٌ اوثَلاثَةٌ مِنهم جِبْرِيلُ اِذْ ظَرفٌ لِحَدِيْثِ ضَيْفِ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا اي هذا اللفظَ قَالَ سَلٰمٌ اي هذا اللفظ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ لَا نَعْرِفُهُم قال ذٰلك فی نَفْسِہٖ وهو خَبَرُ مُبْتَدَأٍ مُقدَّرٍ اي هٰؤلاء فَرَاغَ مَالَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ سِرًّا فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ وفي سُورَةِ هُودٍ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ اي مَشْوِيٍّ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ عَرَضَ عليهم الاَكْلَ فلم يُجِيْبُوا فَاَوْجَسَ اَضْمَرَ في نَفْسِہٖ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ ذِي عِلْمٍ كَثِيرٍ هُوَ اِسحاقُ كما ذُكِرَ في سُورَةِ هُودٍ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ سَارَةُ فِيْ صَرَّةٍ صَيْحَةٍ حالٌ اي جاءَتْ صائِحَةً فَصَكَّتْ وَجْهَهَا لَطَمَتْه وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ لم تَلِدْ قطُّ وعُمْرُها تِسعٌ وتسعُونَ سَنَةً وعُمرُ اِبراهِيمَ مائَةُ سَنَةٍ او عُمْرُهٗ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً وعمرها تِسعونَ سَنَةً قَالُوْا كَذٰلِكِ اي مِثْلَ قَولِنا في البَشارةِ قَالَ رَبُّكِ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ في صُنعِهٖ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾ بِخَلْقِهٖ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ شَأْنُكُم اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ كَافِرِينَ اي قَومِ لُوطٍ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مَطْبُوخٍ بالنَّارِ مُّسَوَّمَةً مُعَلَّمَةً عليها اِسْمُ مَنْ يُرْمٰى بها عِنْدَ رَبِّكَ ظَرفٌ لها لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ باِتْيانِهِم الذُّكُورَ مَعَ كُفْرِهم فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا اي قُرى قَوْمِ لُوطٍ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ لِاِهْلاكِ الكَافِرِينَ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وهُمْ لُوطٌ وابْنَتَاهُ وُصِفُوا بالاِيمانِ والاِسلامِ اي هُمْ مُصَدِّقُونَ بقُلُوبِهم عامِلُونَ بجَوارِحِهِمُ الطَّاعاتِ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ بعدَ اِهلاكِ الكافِرِينَ اٰيَةً عَلامَةً على اِهلاكِهم لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾ فلا يَفعَلُونَ مِثْلَ فِعلِهم وَفِيْ مُوْسٰٓى مَعطُوفٌ على فيها المَعنٰى وجَعَلْنَا في قِصَّةِ مُوسٰى اٰيَةً اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ مُتَلَبِّسًا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ بِحُجَّةٍ واضِحَةٍ فَتَوَلّٰى اَعْرَضَ عَنِ الاِيمانِ بِرُكْنِهٖ مَعَ جُنُودِهٖ لِاَنَّهُمْ له كالرُّكنِ وَقَالَ لِمُوسٰى هو سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ طَرَحْناهم فِي الْيَمِّ البَحرِ فغَرِقُوا وَهُوَ اي فِرْعَوْنُ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اٰتٍ بِمَا يُلامُ عليه مِن تَكذيبِ الرُّسُلِ ودَعْوَى الرُّبُوبِيَّةِ وَفِيْ اِهلاكِ عَادٍ اٰيَةٌ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ هي التي لا خَيْرَ فيها لِاَنَّهَا لا تَحْمِلُ المَطَرَ ولا تُلْقِحُ الشَّجَرَ وهي الدَّبُورُ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ نَفْسٍ اومالٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ كالبَالِي المُتَفَتِّتِ وَفِيْ اِهلاكِ ثَمُوْدَ اٰيَةٌ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ بَعْدَ عَقْرِ النَّاقَةِ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ اي اِلى اِنْقِضاءِ اٰجالِكُم كَمَا في اٰيَةِ تَمَتَّعُوا فِي دارِكُم ثَلاثَةَ اَيَّامٍ فَعَتَوْا تَكَبَّرُوا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ اي عَنِ امْتِثالِهٖ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بَعْدَ مُضِيِّ ثَلاثَةِ اَيَّامٍ اي الصَّيْحَةُ المُهْلِكَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ اي بالنَّهارِ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ اي مَاقَدَرُوا على النُّهُوضِ حِينَ نُزُولِ

المنزل ۲۷

العذاب ﴿وَمَا كَانُوا مُنْتَصِرِيْنَ﴾ على من اهلكهم ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ﴾ بالجر عطف على ثمود اى وفى اهلاكهم بماء السماء والارض اية وبالنصب اى واهلكنا قوم نوح ﴿مِّنْ قَبْلُ﴾ اى قبل اهلاك هؤلاء المذكورين ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾

ترجمہ: اے محمد ﷺ کیا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معزز مہمانوں کا واقعہ آپ تک پہنچا؟ اور وہ بارہ یا دس یا تین فرشتے تھے، ان میں جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تھے جبکہ وہ (مہمان) ان کے پاس آئے (اِذْ) حدیثُ ضَیْفٍ کا ظرف ہے، تو انہوں نے سلام کیا یعنی لفظ سلامًا کہا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی (جواب میں) لفظ سلام کہا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے جی میں کہا یہ تو انجانے لوگ ہیں (قومٌ منکرون) مبتداء مقدر کی خبر ہے اور وہ ھؤلاء ہے پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے اور ایک (بھنا ہوا) فربہ بچھڑا لائے اور سورۂ ہود میں ہے جاء بعجلٍ حَنِیْذٍ یعنی بھنا ہوا بچھڑا لائے، اور اسے ان کے سامنے رکھا اور کہا تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟ یعنی ان کے سامنے کھانا رکھا لیکن انہوں نے توجہ نہ کی تو ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے (یعنی) اپنے دل میں (خوف محسوس کیا) تو ان لوگوں نے کہا ڈرو مت بلاشبہ ہم تیرے پروردگار کے فرستادے ہیں اور انہوں نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک ذی علم لڑکے کی خوشخبری دی یعنی کثیر العلم لڑکے کی اور وہ اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے جیسا کہ سورۂ ہود میں مذکور ہوا تو ان کی بیوی سارہ چیختی ہوئی آگے بڑھی (فی صَرَّۃٍ) حال ہے یعنی (تعجب سے) چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اپنا منہ پیٹ لیا اور کہا بڑھیا بانجھ جس نے کبھی کچھ نہیں جنا اور ان کی عمر ننانوے سال تھی اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر سو سال تھی، یا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور ان کی بیوی کی عمر نوے سال تھی، فرشتوں نے کہا تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے یعنی ہماری بشارت کے مانند بلاشبہ وہ حکیم ہے اپنی صنعت میں اور باخبر ہے اپنی مخلوق کے بارے میں (حضرت) ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے فرستادو! تم کو کیا مہم درپیش ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا ہم کو مجرم کافر قوم کی طرف بھیجا گیا ہے یعنی قوم لوط کی طرف تاکہ ہم ان پر آگ میں پکے ہوئے مٹی کے کنکر برسائیں جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں حد سے گذر جانے والوں کے لئے اغلام بازی کی وجہ سے ان کے ساتھ یعنی جس شخص کو جس کنکری کے ذریعہ ہلاک کیا جانا ہے اس پر اس کے نام کی علامت لگی ہوئی ہے (یعنی اس کا نام لکھا ہوا ہے) عِنْدَ رَبِّكَ، مُسَوَّمَۃً کا ظرف ہے پس جتنے ایمان دار وہاں یعنی قوط لوط کی بستیوں میں موجود تھے ہم نے نکال لئے کافروں کو ہلاک کرنے کے لئے ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا اور وہ لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی دو بیٹیوں کا گھرانہ تھا، اہل خانہ کا ایمان اور اسلام کے ساتھ وصف بیان کیا گیا ہے یعنی وہ اپنے قلوب سے تصدیق کرنے والے اور اپنے اعضاء سے طاعت پر عمل کرنے والے اور ہم نے اس بستی میں کافروں کو ہلاک کرنے کے بعد ان کی ہلاکت پر ان لوگوں کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں علامت چھوڑ دی تاکہ ان جیسی حرکت نہ کریں اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں بھی اس کا عطف فیھا پر ہے اور معنی یہ ہیں اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں بھی

علامت رکھی ہے کہ ہم نے اس کو واضح دلیل کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا تو فرعون نے مع اپنے لشکر کے ایمان سے اعراض کیا (لشکر کو رکن کہا ہے) اس لئے کہ لشکر اس کے لئے رکن کے مانند تھا، اور فرعون نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کہا کہ وہ جادوگر یا باؤلا ہے بالآخر ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا سو وہ سب کے سب غرق ہو گئے اور وہ یعنی فرعون تھا ہی ملامت کے قابل یعنی ایسی حرکت کرنے والا تھا کہ جس پر اس کو ملامت کی جائے (اور) وہ رسولوں کی تکذیب اور دعوائے ربوبیت ہے اور قوم عاد کو ہلاک کرنے میں بھی نشانی ہے جب ہم نے ان پر بانجھ (بے فیض) ہوا بھیجی وہ ایسی ہوا تھی کہ اس میں کوئی فیض نہیں تھا، اس لئے کہ وہ ہوا نہ تو حامل مطر تھی اور نہ درختوں کو بار آور کرنے والی، کہا گیا ہے کہ وہ جنوبی ہوا تھی وہ جس چیز پر بھی گذرتی تھی خواہ جان ہو یا مال اس کو بوسیدہ ہڈی کے مانند ریزہ ریزہ کر دیتی تھی اور ثمود کے ہلاک کرنے میں بھی نشانی ہے جب ان سے اونٹنی کو ہلاک کرنے کے بعد کہا گیا چند دن یعنی اپنی زندگی کی مدت پوری ہونے تک اور مزے اڑالو جیسا کہ آیت تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِکُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ میں ہے، لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم یعنی اس کی بجا آوری سے سرتابی کی جس پر انہیں تین دن گذرنے کے بعد عذاب نے آپکڑا یعنی ایک مہلک چیخ نے، اور وہ (عذاب) کو روز روشن میں (کھلی آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے پس نہ تو وہ کھڑے ہو سکے یعنی نزول عذاب کے وقت وہ کھڑے ہونے پر قادر نہ ہوئے اور نہ وہ ان کو ہلاک کرنے والے سے بدلہ ہی لے سکے، اور ان سے پہلے قوم نوح کا بھی یہی حال ہو چکا تھا یعنی ان مکذبین مذکورین کو ہلاک کرنے سے پہلے اور وہ بڑے نافرمان لوگ تھے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ، هَلْ یہاں شوق دلانے، دلچسپی پیدا کرنے اور اس قصہ کی عظمت شان کو ظاہر کرنے کے لئے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ هَلْ بمعنی قَدْ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ الخ میں هَلْ بمعنی قد ہے۔ (صاوی)

سوال: حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بطور مہمان آنے والے فرشتوں کی تعداد تین سے زیادہ تھی، جس کے لئے ضیوف جمع کا لفظ استعمال ہونا چاہئے، حالانکہ ضَيْفٌ مفرد کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ضَيف چونکہ اصل میں مصدر ہے جس کا اطلاق واحد تثنیہ جمع سب پر ہوتا ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں ہے۔

(صاوی)

قولہ: اِذْ دَخَلُوْا بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِذْ دَخَلُوْا، اُذْکُرْ فعل محذوف کا ظرف ہے، اور وہی اس کا ناصب ہے اور بعض نے حدیث کو عامل بنایا ہے ای هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُهُمُ الواقع فی وقت دخولهم علیه اور بعض حضرات نے المُکرمین کو ناصب قرار دیا ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم نے آنے والے مہمانوں کا داخل ہونے کے وقت اکرام کیا تھا۔

قولہ: فَقَالُوْا سَلَامًا، سَلَامًا مفعول مطلق ہے اس کا فعل ناصب سَلَّمْتُ محذوف ہے ای سَلَّمْتُ سَلَامًا یا نُسَلِّمُ علیکم سلامًا ہے مصدر جو کہ فعل کی بھی قائم مقامی کر رہا ہے، اس لئے فعل کو حذف کر دیا گیا۔

قولہ: قَالَ سَلَامٌ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواباً فرمایا سَلَامٌ، سَلَامٌ کا نکرہ ہونے کے باوجود مبتداء بننا صحیح ہے اس لئے کہ سَلَامٌ دعاء کے معنی کو متضمن ہے (لغات القرآن، درویش) ثبات و دوام پر دلالت کرنے کے لئے رفع کی جانب عدول کیا ہے تاکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلام مہمانوں کے سلام سے بہتر ہو جائے۔

قولہ: فَاَوْجَسَ اس نے پایا، اس نے محسوس کیا، یہ اِیْجَاسٌ سے ماضی واحد مذکر غائب ہے، اِیْجَاس کے معنی دل میں محسوس کرنا، اور دل میں مخفی آواز کا آنا۔ (لغات القرآن)

قولہ: اَضْمَرَ فِیْ نَفْسِهٖ کا اضافہ محض بیان معنی کے لئے ہے۔

قولہ: صَرَّة شدید چیخ پکار کو کہتے ہیں، صَرِیْرُ الباب دروازے کی آواز صَرِیْرُ القلم قلم کے لکھنے کی آواز اَقْبَلَتْ صَائِحَةً ای جَاءَتْ صَائِحَةً چیختی چلاتی آئی، اور بعض حضرات نے اَقْبَلَتْ کا ترجمہ اَخَذَتْ کیا ہے یعنی سارہ نے چیخنا چلانا شروع کر دیا، یہ اَقْبَلَتْ شَتَمْتَنِیْ کے قبیل سے ہے یعنی تو نے مجھے گالی دینی شروع کر دی۔

قولہ: فَصَكَّتْ وَجْهَهَا یعنی سارہ نے بڑھاپے میں فرزند کی خوشخبری سن کر تعجب سے اپنا منہ پیٹ لیا قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ای أنا عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ فکَیْفَ اَلِدُ.

قولہ: كَذٰلِكِ یہ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، ای قَالَ قولًا مِثْلَ ذٰلكَ الَّذِیْ قُلْنَا.

قولہ: قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ یہ جملہ مستانفہ ہے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، گویا کہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرشتوں سے مذکورہ گفتگو کے بعد کیا کہا، جواب دیا: قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ.

قولہ: خَطْبٌ، خَطْبٌ کے معنی شان اور قصہ اور امر عظیم، اور کارِ مہم کے ہیں۔

قولہ: حِجَارَةً مِنْ طِيْنٍ مَطْبُوْخٍ بِالنَّارِ، حِجَارَةً یہ حَجَرٌ کی جمع ہے۔

سوال: مِنْ طِيْنٍ کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: اس اضافہ کا مقصد احتمال مجاز کو دفع کرنا ہے اس لئے کہ بعض اوقات حجارة اور حَجَرٌ اولوں کو بھی کہا جاتا ہے، حِجَارَة کے مجازی معنی مراد ہوں تو مطلب ہوگا کہ قوم لوط کو اولوں کے ذریعہ ہلاک کیا گیا حالانکہ ایسا نہیں ہے، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا طَائِرٌ يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اس میں يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ کے اضافہ کا مقصد احتمال مجاز کو دفع کرنا ہے، اس لئے کہ بعض اوقات تیز رفتار شخص کو بھی مجازاً طائر کہہ دیا جاتا ہے۔

سوال: مفسر علام نے مَطْبُوْخٌ بالنار کا اضافہ کس مقصد کے لئے کیا ہے؟

جواب: یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ حجارہ مٹی کا نہیں ہوتا تو پھر یہاں مٹی کا پتھر کیوں کہا گیا ہے یہاں حجارة من طین سے آگ میں پکی ہوئی مٹی مراد ہے جو سختی اور صلابت میں پتھر ہی کے مثل ہوتی ہے، اسی کو سِجِّيْلٌ کہتے ہیں یہ درحقیقت سنگِ گل کا

معرب ہے، جس کو کنکر بھی کہا جاتا ہے۔

قولہ: مُسَوَّمَةً، مُسَوّمة کے معنی معلّمة یعنی نشان زدہ کے ہیں مُسَوَّمَةً یا تو حِجَارَةً کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا حِجَارَةً سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: عِنْدَ رَبّكَ یہ مُسَوَّمَةً کا ظرف ہے ای مُعَلَّمَةً عندهٗ.

قولہ: فَاَخْرَجْنَا مَنْ كان فِيْهَا یہاں سے اللہ تعالیٰ کا کلام شروع ہو رہا ہے، سابق میں حضرت ابراہیم اور فرشتوں کی گفتگو نقل کی گئی تھی۔

سوال: فِيْهَا کا مرجع قریٰ قوم لوط ہیں، حالانکہ ماقبل میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے اس میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔

جواب: چونکہ قریٰ قوم لوط معروف اور معہود فی الذہن تھے اس لئے ضمیر لانا درست ہے جیسے کہ مندرجہ ذیل شعر میں محبوب کے معروف یا معہود فی الذہن ہونے کی وجہ سے بغیر سابق میں ذکر کے ضمیر لائی گئی ہے۔

پوچھو پتہ نہ اُن کا آگے بڑھے چلو ہوگا کسی گلی میں فتنہ جگا ہوا

قولہ: وَفِیْ موسیٰ اس کا عطف فِيْهَا پر ہے اور تَرَكْنَا کے تحت میں ہے، جیسا کہ مفسر علام نے جَعَلْنَا فی قصةِ موسیٰ آيةً کہہ کر اشارہ کر دیا ہے یعنی ہم نے چشم بصیرت رکھنے والوں کے لئے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں بھی عبرت کا سامان رکھ دیا ہے اور وفی موسیٰ کا عطف فيهَا پر ہے۔

قولہ: مَعَ جُنُوْدِهٖ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ بِرُكْنِهٖ میں باء بمعنی مع ہے۔

قولہ: سَاحِرٌ اَوْمَجْنُوْنٌ اَوْ بمعنی واؤ بھی ہو سکتا ہے اور یہی زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دونوں لقبوں سے یاد کرتے تھے قرآن کریم نے ایک جگہ فرعونیوں کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا اِنَّ هٰذا لَسَاحِرٌ عَلِيْمٌ اور دوسری جگہ فرعونیوں کا قول حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں نقل کرتے ہوئے فرمایا رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اَوْ بمعنی واؤ ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اَوْ، عَلٰی بَابِهَا ہو اور مراد قوم کو تشکیک اور ابہام کے ذریعہ دھوکا دینا ہو۔

قولہ: وجُنُوْدَهٗ یہ بھی درست ہے کہ اَخَذْنَاهُ کی ضمیر مفعولیٰ پر عطف ہو یہ کہ مفعول معہ ہو اور یہی ظاہر ہے۔

قولہ: عَقِيْم بانجھ عورت الرِّيْحُ العَقِيْمُ سے مراد وہ ہوا ہے جو بے فیض بلکہ مضر ہو، نہ مثمر شجر ہو اور نہ حامل مطر اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ وہ ہوا دَبُور (پچھوا) تھی، حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، آپ نے فرمایا نُصِرْتُ بِالصَّبَاء واهلكت عاد بالدبور اور بعض نے جنوبی ہوا مراد لی ہے۔

قولہ: لَاتُلْقِحُ، اِلْقَاحٌ سے بمعنی حاملہ کرنا، بار آور کرنا، مادہ لقحٌ ہے (س) لَقحًا حاملہ ہونا۔

قولہ: اَلصَّعِقَةُ صاعقہ آسمانی بجلی کو بھی کہتے ہیں اور چیخ و چنگھاڑ کو بھی کہتے ہیں یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں تاکہ دوسری آیت اِنَّ عذابهم. الصيحة کے مخالف نہ ہو۔

قولہ: عَلٰی مَنْ اَهْلَكَهُمْ یہ وَمَا کَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ کی تفسیر ہے، یعنی وہ اپنے ہلاک کرنے والے پر غالب نہ آسکے یا اس سے انتقام نہ لے سکے، مگر یہ معنی درست نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے نہ کوئی انتقام لینے پر قادر ہے اور نہ غالب آنے پر لہٰذا بہتر ہوتا کہ علامہ محلی بجائے عَلٰی مَنْ اَهْلَكَهُمْ کے وَمَا کَانُوا دَافِعِینَ عَنْ اَنْفُسِهِمِ العَذَابَ فرماتے۔

تفسیر وتشریح

هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ یہاں سے رکوع کے آخر تک آپ ﷺ کی تسلی کے لئے چند انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور بعض گذشتہ قوموں کے انجام کی طرف مختصر اشارات کئے گئے ہیں، ان واقعات میں سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمانوں کا واقعہ پہلا واقعہ ہے، یہ واقعہ قرآن مجید میں پہلے بھی سورۂ ہود اور سورۂ عنکبوت میں گذر چکا ہے، هَلْ یا تو بمعنی قَد ہے یا استفہام تشویق و تعظیم کے لئے ہے، ضَيْف اگرچہ واحد ہے مگر مصدر ہونے کی وجہ سے اس کا اطلاق قلیل و کثیر سب پر ہوتا ہے، یہ مہمان انسانی شکل میں آئے تھے، ان کے بارے میں ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُوْنَ مہمان بنکر انسانی شکل میں آنے والے فرشتوں کی تعداد کتنی تھی اس میں مختلف اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ تین تھے، جبرائیل، میکائیل، اسرافیل۔
(فتح القدير)

فرشتوں نے آکر سلام کیا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہتر طریقہ سے جواب دیا، اور اپنے دل میں کہا انجانے لوگ معلوم ہوتے ہیں، یا اپنے اہل کے پاس جاتے ہوئے اپنے کسی خادم وغیرہ سے کہا مطلب یہ ہے کہ خود مہمانوں سے نہیں فرمایا اس لئے کہ بظاہر یہ بات نامناسب معلوم ہوتی ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود مہمانوں سے فرمایا ہو کہ آپ حضرات سے کبھی اس سے پہلے شرف نیاز حاصل نہیں ہوا آپ شاید اس علاقہ میں نئے نئے تشریف لائے ہیں۔

فَرَاغَ اِلٰى اَهْلِهٖ چپکے سے خاموشی کے ساتھ مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے گھر میں تشریف لے گئے تاکہ مہمان تکلفاً یہ نہ کہیں کہ اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟

آدابِ مہمانی:

ابن کثیر نے فرمایا کہ اس آیت میں مہمان کے لئے چند آدابِ میزبانی کی تعلیم ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ پہلے مہمانوں سے پوچھا نہیں کہ میں آپ کے لئے کھانا لاتا ہوں، اور مہمان نوازی کے لئے ان کے پاس جو سب سے اچھی چیز موجود تھی کھانے کے لئے پیش کی، بچھڑا ذبح کیا اس کو بھونا اور لے آئے دوسری بات یہ کہ مہمانوں کو اس بات کی تکلیف نہیں دی کہ ان کو کھانے کی طرف بلاتے بلکہ جہاں وہ بیٹھے تھے وہیں لاکر ان کے سامنے پیش کر دیا، مگر کھانا سامنے رکھنے کے باوجود جب مہمانوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو پوچھا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ اور ساتھ ہی اپنے دل میں خوف محسوس کیا، غالباً اس ملک کا دستور تھا کہ مہمان اگر کوئی برا خیال رکھتا یا اس کا ارادہ تکلیف پہنچانے کا ہوتا تو وہ کھانا نہ کھاتا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب

ان نو وارد مہمانوں کو کھانے سے دست کش پایا تو دل میں اندیشہ کیا کہ مبادا ان کا کوئی شر کا ارادہ ہو، مہمان حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے اندیشہ کو سمجھ گئے اس لیے کہ اس وقت کے چوروں اور ظالموں میں بھی یہ شرافت تھی کہ جس کا کچھ کھالیا تو پھر اس کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے اس لئے نہ کھانے سے شبہ ہوتا تھا کہ آنے والے کی نیت خیر نہیں معلوم ہوتی، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے اندیشہ کو دور کرنے کے لئے فرمایا، ڈرو نہیں، ہم کھانے سے دستکش اس لئے نہیں کہ ہم کوئی بُرا ارادہ لیکر آئے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم بصورت انسانی فرشتے ہیں ہم کھایا نہیں کرتے اور اپنے فرشتے ہونے کی تائید میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دانشمند ذی علم فرزند کی خوشخبری بھی دیدی کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک لڑکا عطا کرے گا جو ایسا اور ویسا ہوگا، اور یہ خوشخبری جمہور کے نزدیک حضرت اسحٰق کی تھی جیسا کہ سورۂ ہود میں اس کی صراحت موجود ہے۔

فَاَقْبَلَتْ اِمْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا (الخ) **صَرَّة** غیر معمولی آواز کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ حضرت سارہ جو کہ قریب ہی کہیں کھڑی تھیں جب یہ سنا کہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو بچے کی پیدائش کی خوشخبری دے رہے ہیں تو غیر اختیاری طور پر حضرت سارہ کے منہ سے کچھ الفاظ حیرت اور تعجب کے نکلے تو کہا "**عجوز عقیم**" اول میں بڑھیا پھر بانجھ جس کے جوانی میں کچھ نہیں ہوا، اب بڑھاپے میں کیا امید کی جا سکتی ہے، اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا "**كذٰلك**" یعنی اللہ تعالیٰ کو سب قدرت ہے یہ کام یوں ہی ہوگا، چنانچہ بشارت کے مطابق جب حضرت اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام پیدا ہوئے تو سارہ کی عمر ننانوے سال اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی عمر سو سال تھی۔ (قرطبی، معارف)

اس گفتگو سے جب حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو معلوم ہو گیا کہ یہ مہمان اللہ کے فرشتے ہیں تو آپ نے دریافت فرمایا آپ کس مہم پر تشریف لائے ہیں، **خطب**، اہم اور عظیم کام کو کہتے ہیں، چونکہ فرشتوں کا انسانی شکل میں اور وہ بھی جماعت کی شکل میں آنا کسی اہم اور عظیم الشان کام ہی کے لئے ہوتا ہے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سمجھ گئے کہ ان حضرات کی آمد کسی اہم کام کے سلسلے میں ہے، اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے سوال کیا **فَمَا خَطْبُكُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ** اے فرستادو! آپ کو کیا مہم درپیش ہے، فرشتوں نے جواب دیا، ہم کو ایک مجرم قوم کی طرف عذاب دینے کے لئے بھیجا گیا ہے، اور مجرم قوم سے قوم لوط علیہ الصلاۃ والسلام مراد ہے۔

مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وہ کنکریاں تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں کہ اس کے ذریعہ کس مجرم کی سرکوبی ہونی ہے، سورۂ ہود اور الحجر میں اس عذاب کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ ان کی بستیوں کو پلٹ دیا گیا اور اوپر سے پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسا دیئے گئے، کنکریوں پر کیا علامت لگی ہوئی تھی؟ بعض مفسرین نے کہا کہ ان کنکریوں پر سیاہ و سفید دھاریاں تھیں اور یہ بھی کہا گیا ہے سیاہ سرخ دھاریاں تھیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر کنکری پر اس مجرم کا نام لکھا ہوا تھا جس کی اس کے ذریعہ سرکوبی کرنی تھی۔

(فتح القدیر شوکانی)

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِیْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (الآیة) مطلب یہ ہے کہ عذاب آنے سے پہلے ان کو آگاہ کر دیا گیا تھا اور اس بستی سے نکل جانے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں، اور یہ حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کا گھر تھا جس میں ان کی دو بیٹیاں

اور کچھ ان پر ایمان لانے والے تھے، کہتے ہیں کہ یہ کل تیرہ آدمی تھے ان میں حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی بیوی شامل نہیں تھی، بلکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہونے والوں میں تھی۔ (ایسر التفاسیر)

وَتَرَكْنَا فيها آيَةً لِلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ اس کے بعد ہم نے بس ایک نشانی ان لوگوں کے لئے چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

وہ نشانی کیا تھی؟

بعض مفسرین حضرات نے ان نشان زدہ کنکریوں کو نشانی قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِس نشانی سے مراد بحیرۂ مردار (Dead Sea) ہے جس کا جنوبی علاقہ آج بھی تباہی و بربادی کے آثار پیش کررہا ہے، ماہرین آثارِ قدیمہ کا اندازہ ہے کہ قوم لوط کے بڑے شہر غالباً شدید زلزلے سے زمین کے اندر دھنس گئے تھے اور ان کے اوپر بحیرۂ مردار کا پانی پھیل گیا تھا کیونکہ اس بحیرہ کا وہ حصہ جو ''اللسان'' نامی چھوٹے سے جزیرہ نما کے جنوب میں واقع ہے صاف طور پر بعد کی پیداوار معلوم ہوتا ہے اور قدیم بحیرۂ مردار کے جو آثار اس جزیرہ نما کے شمال تک نظر آتے ہیں وہ جنوب میں پائے جانے والے آثار سے بہت مختلف ہیں، اس لئے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جنوب کا حصہ پہلے اس بحیرہ کی سطح سے بلند تھا بعد میں کسی وقت دھنس کر اس کے نیچے چلا گیا اس کے دھنسنے کا زمانہ بھی دو ہزار قبل مسیح کے لگ بھگ معلوم ہوتا ہے اور یہی تاریخی طور پر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کا زمانہ ہے، ۱۹۶۵ء میں آثار قدیمہ کی تلاش کرنے والی ایک امریکی جماعت کو اللسان پر ایک بہت بڑا قبرستان ملا ہے جس میں بیس ہزار سے زیادہ قبریں ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریب میں کوئی بڑا شہر ضرور آباد تھا مگر کسی ایسے شہر کے آثار آس پاس کہیں موجود نہیں ہیں، جس سے متصل اتنا بڑا قبرستان بن سکتا ہو، اس سے بھی اس شبہ کی تقویت ہوتی ہے کہ جس شہر کا یہ قبرستان تھا وہ بحیرہ میں غرق ہوچکا ہے، بحیرہ کے جنوب میں جو علاقہ ہے اس میں اب بھی ہر طرف تباہی کے آثار موجود ہیں اور زمین میں گندھک، رال، تارکول، اور قدرتی گیس کے اتنے بڑے ذخائر پائے جاتے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ کسی وقت بجلیوں کے گرنے سے یا زلزلے کا لاوا نکلنے سے یہاں ایک جہنم پھٹ پڑی ہوگی۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ بِقُوَّةٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ لَهَا قَادِرُونَ يُقَال آدَ الرَّجُلُ يَئِيْدُ قَوِيَ وَاَوْسَعَ الرَّجُلُ صَارَ ذَاسِعَةٍ وقُدرَةٍ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا مَهَّدْنَاهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ نحنُ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ مُتَعَلِّقٌ بقوله خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ صِنْفَينِ كَالذَّكَرِ وَالْاُنْثَى وَالسَّمَاءِ وَالارضِ وَالشَّمسِ وَالقَمَرِ وَالسَّهلِ وَالجَبَلِ وَالصَّيفِ وَالشِّتَاءِ وَالحُلُوِّ وَالحَامِضِ وَالنُّورِ وَالظُّلمَةِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ بِحَذفِ اِحدى التَّائَينِ مِنَ الاَصلِ فَتَعلَمُونَ اَنَّ خَالِقَ الاَزْوَاجِ فَرْدٌ فَتَعْبُدُونَه فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اى اِلى ثَوابِه مِن عِقابِه بِاَنْ تُطِيعُوه وَلَا تَعْصُوه اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ بَيِّنُ

الإنذار وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ إِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ يُقدَّرُ قبل فَفِرُّوا قُلْ لَهم كَذٰلِكَ مَا أَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا قَالُوْا هو سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اى مِثْلَ تَكذِيبهم لَكَ بقولِهم اِنَّكَ سَاحِرٌ اومَجنونٌ تكذِيبُ الأُمَمِ قبلَهم رُسُلَهم بقولِهم ذلك أَتَوَاصَوْا كُلُّهم بِهٖ اِستفهامٌ بمعنى النفى بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ جَمَعَهم علىٰ هذا القول طُغيانُهم فَتَوَلَّ أَعْرِضْ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۝ لِأَنَّكَ بَلَّغْتَهُمُ الرِّسالة وَذَكِّرْ عِظْ بالقرآن فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَن عَلِمَه اللّٰهُ تعالىٰ اَنَّهُ يُؤمِنُ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ وَلا يُنَافِي ذٰلك عَدَمَ عِبادةِ الكافرينَ لِاَنَّ الغايَةَ لا يَلْزَمُ وُجودُها كما فِي قَوْلِكَ بَرَيْتُ هذا القلمَ لِاَكْتُبَ به فإنَّكَ قد لا تَكْتُبُ به مَا أُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ لى ولانفسِهم وغيرِهم وَمَا أُرِيْدُ أَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ وَلا انفُسَهم ولا غيرَهُم إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ الشديدُ فَإِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا انفُسَهم بالكُفرِ مِن اَهلِ مكّةَ وغيرِهم ذَنُوْبًا نصيبًا مِنَ العَذابِ مِّثْلَ ذَنُوْبِ نصيبِ أَصْحٰبِهِمْ الهالِكِيْنَ قبلَهم فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ بالعَذابِ اِن أَخَّرتُهُمْ اِلَى يَوم القِيٰمةِ فَوَيْلٌ شِدَّةُ عَذابٍ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ فى يَوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝ اى يوم القِيٰمة.

ترجمہ: اور آسمان کو ہم نے اپنی قدرت قوت سے بنایا اور بلاشبہ ہم وسیع القدرت ہیں (یعنی) ہم اس پر قادر ہیں بولا جاتا ہے اٰدَ الرَّجُلُ يَئِيْدُ آدمی قوی ہوگیا (اور بولا جاتا ہے) اَوْسَعَ الرجُلُ آدمی وسعت وقدرت والا ہوگیا اور ہم نے زمین کو بچھایا سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو جوڑے جوڑے بنایا مثلاً نراور مادہ، آسمان اور زمین، شمس اور قمر، میدان اور پہاڑ، گرمی اور سردی، شیریں اور ترش، نور اور ظلمت تاکہ تم سبق لو (تَذَكَّرُون) میں اصل سے دوتاؤں میں سے ایک کو حذف کرکے تاکہ تم جان لو کہ ازواج کا خالق، فرد ہے (جوڑے کا پیدا کرنے والا اجوڑ ہے) لہٰذا اس کی بندگی کرو (اے محمد ﷺ آپ ان سے کہئے) کہ اللہ کی طرف دوڑو یعنی اس کے عذاب سے اس کے ثواب کی جانب، بایں طور کہ اس کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی نہ کرو یقیناً میں تم کو اس کی طرف سے صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں اور اس کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ میں تم کو اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں (فَفِرُّوا) سے پہلے قُلْ لَهُمْ مقدر مانا جائے گا اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا ان سے کہہ دیا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ یعنی جس طرح یہ لوگ اپنے قول اِنَّكَ سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ کے ذریعہ آپ کی تکذیب کررہے ہیں اسی طرح انہی کلمات کے ذریعہ ان سے پہلی امتوں نے بھی اپنے رسولوں کی تکذیب کی کیا اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرمرے ہیں؟ یہ استفہام بمعنی نفی ہے (نہیں) بلکہ یہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں ان کی سرکشی نے ان کو اس بات پر جمع کردیا ہے تو آپ ان سے منہ پھیر لیں آپ پر کوئی ملامت نہیں اس لئے کہ آپ نے تو ان کو پیغام پہنچادیا اور آپ قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے ہیں یقیناً یہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دے گی، جس کے بارے میں اللہ کو علم ہے کہ وہ ایمان لائے گا، میں نے جنات کو اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری بندگی

کریں اور یہ (مقصد تخلیق) کافروں کے عبادت نہ کرنے کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ غایت کا وجود لازم نہیں ہوتا جیسا کہ تو کہے کہ میں نے یہ قلم بنایا ہے لکھنے کے لئے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ اس قلم سے نہیں لکھتے نہ میں ان سے اپنے لئے روزی چاہتا ہوں نہ خود ان کے لئے اور نہ ان کے غیر کے لئے اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں اور نہ خود ان کو اور نہ ان کے غیر کو اللہ تو خود ہی سب کو رزق دینے والا نہایت قوت والا ہے بلاشبہ مکہ وغیرہ کے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کیا عذاب کی باری ہے ان کے ان ہم مشربوں کی باری کے مانند جو ان سے پہلے ہلاک ہو چکے لہٰذا وہ مجھ سے عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ مچائیں اگر میں ان کو قیامت تک مہلت دیدوں ان کافروں کے لئے بڑی خرابی یعنی سخت عذاب ہوگی اس دن کے آنے سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کا دن۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا جمہور نے وَالسَّمَاءَ پر اور وَالْاَرْضَ پر علی سبیل الاشتغال نصب پڑھا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَبَنَيْنَا السَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا، وَفَرَشْنَا الْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا اور ابوالسماک اور ابن مقسم نے دونوں جگہ مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع پڑھا ہے، اور ان دونوں کا مابعد ان کی خبر ہے، اول یعنی نصب اولیٰ ہے، جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہونے کی وجہ سے۔

قولہ: وَاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ یہ جملہ شارح کی تقریر کی رو سے حال مؤکدہ ہے، اس لئے کہ شارح نے یہ بات متعین کردی ہے کہ مُوْسِعُوْنَ، قَادِرُوْنَ کے معنی میں ہے لہٰذا مُوْسِعُوْنَ اَوْسَعَ لازم سے ہوگا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے اَوْرَقَ الشَّجَرُ ای صَارَ ذَاوَرَقٍ جب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ لَمُوْسِعُوْنَ شارح کی تقریر کے مطابق لازم ہے تو پھر جلالین کے جن نسخوں میں لَمُوْسِعُوْنَ کے بعد لَهَا ہے وہ صحیح نہیں ہے، البتہ ان لوگوں کے نزدیک جنہوں نے لَمُوْسِعُوْنَ کو متعدی کہا ہے ان کے نزدیک لَهَا صحیح ہوگا، اور اس صورت میں لَمُوْسِعُوْنَ حال مؤسسہ ہوگا جو ایک نیا فائدہ دے گا۔

قولہ: خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ.

سوال: زوجین کی سات مثالیں کیوں دیں؟ جبکہ ایک مثال بھی کافی ہوسکتی تھی؟

جواب: متعدد مثالیں دیکر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ جوڑے اور زوج کی جو بات ہے یہ محسوسات تک محدود ہے تاکہ عرش کرسی، لوح محفوظ، قلم کو لیکر اعتراض نہ ہو۔

قولہ: استفهام بمعنى النفى مطلب یہ ہے کہ اولین و آخرین کو نبیوں کی تکذیب کرنے میں یکساں اور ایک ہی بات کہنے پر جمع کرنے والی چیز ایک دوسرے کو وصیت کرنا نہیں ہے اس لئے کہ زمانے مختلف ہیں لہٰذا تواصی ممکن نہیں ہے، بلکہ اصل سبب اور علت مشترکہ بغاوت، عناد اور سرکشی ہے جو دونوں فریقوں میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

قَوْلُہٗ: لِأنَّ الغَایَۃَ لَا یَلْزَمُ شارح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے اس شبہ کو دفع کرنا ہے کہ لِیَعْبُدُوْنِ میں لام علت باعثہ کے لئے ہے یعنی جن وانس کو پیدا کرنے کی علت اور غرض عبادت ہے، اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل بالاغراض ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل معلل بالاغراض نہیں ہوتا، اس کا جواب دیا کہ لِیَعْبُدُوْنِ میں لام عاقبہ اور صیرورت کے لئے ہے جس کو علت غائیہ بھی کہتے ہیں، نہ کہ علت باعثہ کے لئے۔

قَوْلُہٗ: وَلَا یُنَافِی ذٰلِکَ عَدَمَ عِبَادَۃِ الکافرینَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: جب جن وانس کی تخلیق کی علت غائیہ عبادت ہے تو ہر انسان کو عبادت کرنی چاہئے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کافر اللہ کی بندگی نہیں کرتے؟

جَوَاب: غایۃ کا وقوع ضروری اور لازم نہیں ہوتا مثلاً آپ ایک قلم بناتے ہیں لکھنے کے لئے مگر بعض اوقات اس سے نہیں لکھتے، حالانکہ آپ کے قلم بنانے کی غرض اور غایت لکھنا ہی ہے۔ دوسرا جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ یہاں **عباد** سے مراد عباد مومنین ہیں جو کہ تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہے، اور مومنین ایمان کے اعتبار سے عبادت گذار ہوتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: لِاَنْفُسِھِمْ اس کلمہ کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا دفع کرنا ہے۔

شبہ: عام طور پر دنیوی سادات اور غلاموں کے مالکوں کی یہ عادت اور طریقہ ہوتا ہے کہ غلام خریدنے کا مقصد ان سے اپنے لئے اور خود غلاموں کے نفقہ کے لئے کسب کرانا ہوتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مقصد ہے؟

دفع: عام مالکوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی نہ یہ عادت ہے اور نہ ضرورت ہے بلکہ وہ تو خود اپنے بندوں کو روزی دیتا ہے۔

قَوْلُہٗ: ذَنوبًا ذال کے فتح کے ساتھ ذنبٌ کی جمع ہے بڑے ڈول کو کہتے ہیں، اصطلاحی اور عرفی معنی میں، حصہ، باری کو کہتے ہیں۔

تَفسِیر وتَشریح

ربط:

سابقہ آیات میں قیامت وآخرت کا بیان اور اس کے منکرین پر عذاب کا ذکر تھا، ان آیات میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے اور روزِ قیامت زندہ کرنے اور ان سے حساب کتاب لینے پر جو مشرکین کو تعجب تھا اس کا ازالہ ہے، نیز توحید کا اثبات اور رسالت پر ایمان کی تاکید ہے۔

بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ وَاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ، اَیْدٌ قوت وقدرت کے معنی میں آتا ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْھُمَا نے یہاں یہی معنی لئے ہیں لَمُوْسِعُوْنَ، مُوْسِعُوْنَ، مُوْسِعٌ کی جمع ہے اس کے معنی طاقت وقدرت رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں اس صورت میں یہ لازم ہوگا اور وسیع کرنے والے کے بھی ہیں، اس معنی کے اعتبار سے متعدی ہوگا، اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ آسمان ہم نے کسی کی مدد وتعاون سے نہیں بلکہ اپنے دست قدرت اور زور وقوت سے بنایا ہے، پھر یہ تصور تم لوگوں کے دماغ میں آخر کیسے آگیا کہ ہم تمہیں دوبارہ پیدا نہ کر سکیں گے؟ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہے کہ اس عظیم کائنات میں ہم مسلسل

وسعت کر رہے ہیں اور ہر آن اس میں ہماری تخلیق کے نئے نئے کرشمے رونما ہوتے رہتے ہیں، ایسی زبردست خلاق ہستی کو آخر تم نے اعادہ سے عاجز کیوں سمجھ رکھا ہے؟ اور کہا گیا ہے کہ رزق میں وسعت کرنا مراد ہے ای اِنّا لموسِعُوْنَ الرزقَ بالمطر جوہری نے کہا ہے: اَوْسَعَ الرجُلُ، صَارَ ذَا سِعَةٍ وغنًى.

فَفِرُّوْا الی اللّٰہِ دوڑو اللہ کی طرف، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے فرمایا، مراد یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرو، حضرت جنید بغدادی اور ابو بکر ورّاق نے فرمایا کہ نفس اور شیطان معاصی کی طرف دعوت دیتے ہیں تم ان سے بھاگ کر اللہ کی پناہ لو وہ تمہیں ان کے شر سے بچالے گا۔ (قرطبی)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ یعنی ہم نے جنات اور انسان کو محض عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، اس میں ظاہر نظر میں دو اشکال پیدا ہوتے ہیں جس کا جواب اجمالی طور پر تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان ہو چکا ہے اس کی مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض اول:

یہ ہے کہ جس مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا ہے اور اس کی مشیت بھی یہی ہے کہ یہ مخلوق اس کام کو کرے، تو عقلی طور پر یہ ناممکن اور محال ہوگا کہ پھر وہ مخلوق اس کام سے انحراف کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے خلاف کوئی کام محال ہے۔

اعتراض اول کا پہلا جواب:

پہلے اشکال کے جواب میں بعض مفسرین نے اس مضمون کو صرف مومنین کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے یعنی ہم نے مومن جنات اور مومن انسانوں کو بجز عبادت کے اور کام کے لئے پیدا نہیں کیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ مومن کم و بیش عبادت کے پابند ہوتے ہیں کم از کم ایمان کے پابند تو ہوتے ہیں جو کہ اہم عبادت بلکہ اصل عبادت ہے، یہ قول ضحاک اور سفیان وغیرہ کا ہے اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کی ایک قراءت آیت مذکورہ میں اس طرح ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ اس قراءت سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ یہ مضمون صرف مومنین کے حق میں آیا ہے۔

مذکورہ اعتراض کا دوسرا جواب:

مذکورہ اعتراض کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ اس آیت میں ارادۂ الٰہیہ سے مراد ارادۂ تکوینی نہیں ہے جس کے خلاف کا وقوع محال ہوتا ہے، بلکہ ارادۂ تشریعی مراد ہے یعنی یہ کہ ہم نے ان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ ہم ان کو عبادت کے لئے مامور کریں، اور امر الٰہی چونکہ انسانی اختیار کے ساتھ مشروط ہوتا ہے، اس کے خلاف کا وقوع محال نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو عبادت

کا حکم دیدیا ہے مگر ساتھ ہی اختیار بھی دیا ہے، اس لئے جس نے خداداد اختیار کو صحیح استعمال کیا تو وہ عبادت میں لگ گیا اور جس نے غلط استعمال کیا وہ عبادت سے منحرف ہوگیا یہ حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بغوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے نقل کیا ہے۔ (معارف)

مذکورہ اعتراض کا تیسرا جواب:

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کی تخلیق اس انداز پر کی ہے کہ ان میں استعداد اور صلاحیت عبادت کرنے کی ہو چنانچہ ہر جن وانس کی فطرت میں یہ استعداد قدرتی موجود ہے پھر کوئی اس استعداد کو صحیح مصرف میں خرچ کرکے کامیاب ہوتا ہے اور کوئی اس استعداد کو اپنے معاصی اور شہوات میں ضائع کردیتا ہے اور اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کُلُّ مولُودٍ یُوْلَدُ علی الفطرةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ یعنی پیدا ہونے والا ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو اس کی فطرت سے ہٹا کر کوئی یہودی بنادیتا ہے تو کوئی مجوسی بنادیتا ہے اور فطرت سے مراد اکثر علماء کے نزدیک دین اسلام ہے اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے۔ (مظہری، معارف)

دوسرا اشکال:

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس آیت میں جن وانس کی تخلیق کو صرف عبادت میں منحصر کردیا ہے، حالانکہ ان کی پیدائش کے علاوہ دوسرے فوائد ومقاصد اور حکمتیں بھی موجود ہیں۔

دوسرے اشکال کا جواب:

دوسرے اشکال کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حصر اضافی ہے حقیقی نہیں، لہٰذا کسی مخلوق کو عبادت کے لئے پیدا کرنا اس سے دیگر فوائد ومنافع کی نفی نہیں کرتا۔

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ تسع وَّارْبَعُوْنَ آيَةً.

سورۂ طور مکی ہے انچاس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَالطُّوْرِ ① ای الجبل الذی كلم الله عليه موسٰی وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ② فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ③ ای التوراة او القراٰن وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ④ هو فی السماء الثالثة او السادسة او السابعة بحيال الكعبة يزوره فی كل يوم سبعون الف ملك بالطواف والصلوة لا يعودون اليه ابدًا وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ⑤ ای السماء وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ⑥ ای المملوء اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ⑦ لنازل بمستحقه مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ⑧ عنه يَّوْمَ معمول لواقع تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ⑨ تتحرك وتدور وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ⑩ تصير هباءً منثورًا وذلك فی يوم القيمة فَوَيْلٌ شدة عذاب يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ للرسل الَّذِيْنَ هُمْ فِیْ خَوْضٍ باطل يَّلْعَبُوْنَ ⑫ ای يتشاغلون بكفرهم يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ⑬ يدفعون بعنف بدل من يوم تمور ويقال لهم تبكيتا هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ⑭ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ العذاب الذی ترون كما كنتم تقولون فی الوحی هذا سحر اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ⑮ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا عليها اَوْ لَا تَصْبِرُوْا صبركم وجزعكم سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ لان صبركم لا ينفعكم اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑯ ای جزائه اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ⑰ فٰكِهِيْنَ متلذذين بِمَآ مصدرية اٰتٰهُمْ اعطاهم رَبُّهُمْ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑱ عطف على اٰتاهم ای باتيانهم ووقايتهم ويقال لهم كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا حال ای متهنئين بِمَا الباء سببية كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑲ مُتَّكِئِيْنَ حال من الضمير المستكن فی قوله تعالٰی فی جنّٰت عَلٰی سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ بعضها الٰی جنب بعض وَزَوَّجْنٰهُمْ عطف علی فی جنات ای قرناهم بِحُوْرٍ عِيْنٍ ⑳ عظام الاعين حسانها وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مبتدأ وَاتَّبَعَتْهُمْ معطوف علی اٰمنوا ذُرِّيَّتُهُمْ الصغار والكبار بِاِيْمَانٍ من الكبار ومن الاٰباء فی الصغار والخبر اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ المذكورين فی الجنة فيكونون فی درجتهم وان لم يعملوا بعملهم تكرمة للاٰباء باجتماع الاولاد اليهم وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ بفتح اللام وكسرها نقصناهم مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ زائدة شَیْءٍ يزاد

وقف لازم

فِي عَمَلِ الاَوْلَادِ **كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ** عَمِلَ مِنْ خَيرٍ او شَرٍّ **رَهِيْنٌ**﴿٢١﴾ مَرْهُوْنٌ يُؤخَذُ بِالشَّرِّ ويُجَازى بالخَيرِ **وَأَمْدَدْنٰهُمْ** زِدْنَاهم فِي وَقْتٍ بَعْدَ وَقْتٍ **بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ**﴿٢٢﴾ وإنْ لَمْ يُصَرِّحُوا بطَلَبِه **يَتَنَازَعُوْنَ** يَتَعَاطُوْنَ بَيْنَهم **فِيْهَا** اى الجَنَّةِ **كَأْسًا** خَمْرًا **لَّا لَغْوٌ فِيْهَا** اى بِسَبَبِ شُرْبِها يَقَعُ بينَهم **وَلَا تَأْثِيْمٌ**﴿٢٣﴾ به يَلْحَقُهُمْ بِخِلَافِ خمرِ الدُّنيا **وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ** لِلخِدْمَةِ **غِلْمَانٌ** اَرِقَّاءُ **لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ** حُسْنًا ونَظَافَةً **لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ**﴿٢٤﴾ مَصُوْنٌ فِي الصَّدَفِ لِاَنَّهُ فيها اَحْسَنُ منه فِي غيرِها **وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَاءَلُوْنَ**﴿٢٥﴾ يَسْأَلُ بَعْضُهم بَعْضًا عَمَّا كَانُوا عليه ومَا وَصَلُوا اليه تَلَذُّذًا واعْتِرَافًا بالنِّعْمَةِ **قَالُوْا** اِيمَاءً اِلى عِلَّةِ الوُصُولِ **إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْ أَهْلِنَا** في الدُّنيا **مُشْفِقِيْنَ**﴿٢٦﴾ خَائِفِينَ من عذَابِ اللّٰهِ **فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا** بِالمَغْفِرَةِ **وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ**﴿٢٧﴾ اى النَّارَ لِدُخُولِها فِي المَسَامِّ وقَالُوا اِيْمَاءً اَيْضًا **إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ** اى فِي الدُّنْيا **نَدْعُوْهُ** اى نَعْبُدُ مُوَحِّدِينَ **إِنَّهٗ** بِالكَسرِ اسْتِينَافًا وإن كَانَ تَعْلِيْلًا مَعْنًى وبِالفَتْحِ تَعْلِيلًا لَفْظًا **هُوَ الْبَرُّ** المُحْسِنُ الصَّادِقُ فِي وَعْدِهِ **الرَّحِيْمُ**﴿٢٨﴾ العَظِيمُ الرَّحْمَةِ.

تَرجَمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے طور کی یعنی اس پہاڑ کی جس پر اللہ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا اور قسم ہے لکھی ہوئی کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں ہے یعنی تورات کی یا قرآن کی، اور قسم ہے بیت المعمور کی وہ تیسرے یا چھٹے یا ساتویں آسمان پر کعبۃ اللہ کے بالمقابل ہے روزانہ طواف اور نماز کے لئے ستر ہزار فرشتے اس کی زیارت کرتے ہیں آئندہ ان کا کبھی نمبر نہ آئے گا، اور قسم ہے اونچی چھت یعنی آسمان کی اور قسم ہے بھرے ہوئے دریا کی بلاشبہ تیرے رب کا عذاب اس کے مستحق پر نازل ہونے والا ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے جس دن آسمان تھرتھرانے لگے گا یعنی حرکت اور گردش کرنے لگے گا اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) چلنے لگیں گے اور اڑتے ہوئے غبار ہو جائیں گے اور یہ قیامت کے دن ہوگا، پس ہلاکت یعنی سخت عذاب ہے اس دن رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے لئے جو کہ باطل میں بھٹک رہے ہیں یعنی اپنے کفر میں مشغول ہیں جس دن وہ دھکے دے دے کر نار جہنم کی طرف لیجائے جائیں گے، سختی کے ساتھ دھکے دیئے جائیں گے، یَوْمَ تَمُوْرُ سے بدل ہے اور ان کو لاجواب کرنے کے لئے کہا جائے گا یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے جادو ہے جیسا کہ تم وحی کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ جادو ہے یا تم کو سوجھتا نہیں ہے دوزخ میں داخل ہو جاؤ اس پر صبر کرو یا نہ کرو تمہارا صبر کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں اس لئے کہ تمہارا صبر کرنا تم کو کوئی فائدہ نہ دے گا تم کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسے تم اعمال کرتے تھے یعنی تمہارے اعمال ہی کا بدلہ ملے گا متقی لوگ بلاشبہ باغوں میں اور سامانِ عیش میں ہوں گے مزے لے رہے ہوں گے لطف اٹھا رہے ہوں گے ان چیزوں سے جو ان کو ان کے رب نے عطا کی ہوں گی اور ان کا پروردگار ان کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے گا (ووقاھم) کا عطف آتاھم پر ہے

یعنی ان کو دینے سے اور حفاظت کرنے سے، اور ان سے کہا جائے گا خوب کھاؤ پیو مزے کے ساتھ (هَنِيْئًا) حال ہے معنی میں مُتَهَنِّيْنَ کے ہے اپنے اعمال کے سبب سے وہ برابر بچھے ہوئے تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے (مُتَّكِئِيْنَ) اللہ تعالیٰ کے قول فِيْ جَنّٰتٍ میں ضمیر مستتر سے حال ہے اور ان کا بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی حوروں سے جوڑا لگا دیں گے اور جو لوگ ایمان لائے یہ مبتداء ہے اور ایمان میں ان کی نابالغ اور بالغ اولاد نے ان کی پیروی کی وَاتَّبَعَتْهُمْ کا عطف آمَنُوْا پر ہے بالغین کو خود ان کے ایمان کی وجہ سے اور صغار کو ان کے آباء کے ایمان کی وجہ سے جنت میں ان کے پاس پہنچا دیں گے، جس کی وجہ سے اولاد ان کے آباء کے درجہ میں ہوگی، آباء کے اکرام کے طور پر ان کی اولاد کو ان کے ساتھ جمع کرکے، اگرچہ اولاد نے اپنے آباء جیسا عمل نہ کیا ہو، اور اجر کی جو مقدار ان کی اولاد کے حق میں زیادہ کی گئی ہے اس مقدار کو ہم ان کے آباء کے اجر سے کم نہ کریں گے اَلَتْنٰهُمْ میں لام کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے مِنْ شَيْءٍ میں مِن زائدہ ہے، ہر شخص اپنے اعمال کے عوض گروی ہے خواہ عمل خیر ہو یا شر رَهِيْنٌ بمعنی مرهونٌ ہے، اعمال بد کی وجہ سے مواخذہ کیا جائے گا اور اعمال خیر کی جزاء دی جائے گی، اور ہم ان کے لئے روز افزوں میوے اور گوشت کی جس قسم کا ان کو مرغوب ہوگا اگرچہ صراحۃً مطالبہ نہ کیا ہو خوب ریل پیل رکھیں گے اور جنت میں (خوش طبعی کے طور پر) جام شراب کی آپس میں چھینا جھپٹی کیا کریں گے اور ان کی شراب نوشی کی وجہ سے نہ بیہودہ گوئی ہوگی نہ بدکرداری جو شراب نوشی کی وجہ سے ان کو لاحق ہو، بخلاف دنیاوی شراب کے اور ان کے پاس خدمت کے لئے ایسے لڑکے آمد و رفت رکھیں گے جو خاص انہی کے لئے ہوں گے اور وہ حسن و نظافت میں ایسے ہوں گے گویا کہ صدف میں بحفاظت رکھے ہوئے موتی ہیں، اس لئے کہ وہ موتی جو صدف میں ہوتا ہے وہ اس موتی سے بہتر ہوتا ہے جو صدف میں نہیں ہوتا اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کریں گے (یعنی) آپس میں ایک دوسرے سے ان کاموں کے بارے میں معلوم کریں گے جو وہ (دنیا) میں کیا کرتے تھے، اور اس کے بارے میں بھی جو ان کو عطا ہوا، اور یہ سب کچھ تلذذ اور اعترافِ نعمت کے طور پر ہوگا، اور سبب وصول کی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہیں گے ہم تو اس سے پہلے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بہت ڈرا کرتے تھے سو اللہ نے ہم پر مغفرت کرکے بڑا احسان کیا، اور ہم کو نارِ جہنم سے بچا لیا (نارِ جہنم کو سموم اس لئے کہتے ہیں) کہ وہ مسامات میں داخل ہو جاتی ہے اور بطور اشارہ وہ یہ بھی کہیں گے کہ ہم تو اس سے پہلے دنیا میں اسی کو پکارتے تھے یعنی توحید کے ساتھ اس کی بندگی کرتے تھے اور وہ واقعی بڑا محسن و مہربان ہے عظیم الرحمت ہے، (اِنَّهٗ) کسرہ کے ساتھ استیناف ہے اگرچہ معنیً تعلیل ہے اور (اَنَّهٗ) فتحہ کے ساتھ لفظاً تعلیل ہے، اَلْبَرُّ کے معنی اس محسن کے ہیں جو اپنے وعدہ میں صادق ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهٗ: وَالطُّوْرِ طور عربی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں، یہ بعض اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ طور ہرے بھرے پہاڑ کو کہتے ہیں، جب اس پر الف لام داخل ہو تو طور سے جزیرہ نمائے سینا کا ایک مخصوص و متعین پہاڑ مراد ہوتا ہے، یہ وہی پہاڑ ہے جو مصر

و مدین کے درمیان واقع ہے، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی پہاڑ پر تجلی ہوئی تھی، اور اسی پہاڑ پر آپ کو خلعتِ کلیمی سے نوازا گیا تھا۔

(لغات القرآن)

قولہ: فی رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ رَقٌّ کاغذ، ورق، جھلی، اس کی جمع رُقوقٌ بالفتح کثیرًا و بالکسر قلیلًا۔

قولہ: المَسْجُور اسم مفعول واحد مذکر، بھرا ہوا، اس کے معنی نہایت گرم کے بھی آتے ہیں (ن) سُجُوْرًا گرم کرنا، بھرنا۔

قولہ: یُدَعُّوْنَ، دَعٌّ سے جمع مذکر غائب مضارع مجہول، ان کو دھکے دیکر ہنکایا جائے گا۔

قولہ: یوم یُدَعُّوْنَ، تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا سے بدل ہے۔

قولہ: تَمُوْرُ (ن) موْرًا پھٹنا، لرزنا۔

قولہ: بِمَا میں ما مصدر یہ۔

سوال: ما کو مصدر یہ کیوں قرار دیا گیا؟

جواب: ما کو مصدر یہ قرار دینے کی یہ وجہ ہے کہ اگر ما کو موصولہ مانا جائے تو معطوف میں صلہ یعنی وَقَاھُمْ کا عائد سے خالی ہونا لازم آتا ہے، اس لئے کہ فعل نے اپنا مفعول، ھُو لے لیا اور صلہ بغیر عائد کے رہ گیا حالانکہ صلہ جب جملہ ہو تو عائد کا ہونا ضروری ہے اور یہ بھی درست ہے کہ ما موصولہ ہو اور جملہ وَوَقاھُمْ جملہ مستانفہ یا بہ تقدیر قد حالیہ ہو۔

قولہ: وَاِنْ کَانَ تعلیلاً معنًی ، اِنَّہٗ کو اگر کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ جملہ مستانفہ ہوگا لیکن معنی کے اعتبار سے نَدْعُوْہُ کی علت ہوگی، مطلب یہ کہ ہم اس کی بندگی اس لئے کرتے تھے کہ وہ محسن اور رحیم ہے اور اگر اَنَّہٗ فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو نَدْعُوْہُ کی لفظاً علت ہوگی۔

تفسیر و تشریح

سورۃ الطّور:

نام پہلے ہی لفظ والطُّور سے ماخوذ ہے، اس کے پہلے رکوع کا موضوع آخرت اور آخرت کی شہادت دینے والے حقائق کا بیان ہے، اور چند حقائق و آثار کی قسم کھا کر پورے زور کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی کسی میں طاقت نہیں کہ اس کو روک سکے، اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ جب قیامت واقع ہوگی تو اس کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوگا، اور قیامت کے وقوع کو مان کر تقویٰ اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ طرح طرح کے انعامات سے نوازیں گے۔

اس کے بعد دوسرے رکوع میں مشرکین مکہ اور سردارانِ قریش کو ان کے اس رویے پر تنقید کی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مقابلہ میں اختیار کئے ہوئے تھے، سردارانِ قریش عوام کو آپ کے خلاف بہکاتے اور آپ سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے، کبھی آپ کو کاہن کہتے اور کبھی شاعر بتاتے تو کبھی جادوگر کا خطاب دیتے، اور کبھی مجنون اور دیوانہ بتاتے تا کہ لوگ آپ کی

دعوت کی طرف سنجیدگی سے توجہ نہ کریں۔

والطُّور طور عبرانی زبان میں اس پہاڑ کو کہتے ہیں جو خوب ہرا ابھرا ہو، یہاں طور سے مراد طور سینین ہے جو ارض مدین میں واقع ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو شرف ہمکلامی بخشا گیا تھا، طور کی قسم کھانے میں اس کی خاص تعظیم وتشریف کی طرف اشارہ ہے، کتاب مسطور، مسطور کے معنی ہیں لکھی ہوئی چیز یہاں مراد یا تو انسان کا اعمال نامہ ہے یا لوح محفوظ، یا قرآن مجید یا کتب منزلہ ہیں، رقّ باریک چمڑا یا جھلی جس پر لکھا جاتا تھا۔

وَالبَیْتِ المَعْمُوْرِ بیت معمور آباد گھر کو کہتے ہیں، بیت معمور ساتویں آسمان پر بیت اللہ کے مقابلہ میں فرشتوں کا عبادت خانہ ہے، ستر ہزار فرشتے اس میں روزانہ عبادت کرتے ہیں جن فرشتوں کی باری ایک مرتبہ آگئی پھر قیامت تک نہ آئے گی، بیہقی نے شعب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اَلْبَیْتُ الْمَعْمُوْرُ فی السماء السابعةِ یدخله کلّ یوم سبعون الف ملكٍ لا یعودون الیه بعض حضرات نے بیت معمور سے خانہ کعبہ مراد لیا ہے۔

والبحر المسجور مَسْجُور، سجر سے مشتق ہے اسم مفعول کا صیغہ ہے، جو متعدد معنی میں مستعمل ہے، ایک معنی آگ بھڑکانے کے ہیں، بعض مفسرین نے اس جگہ یہی معنی مراد لئے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس سے وہ پانی مراد ہے جو زیر عرش ہے جس سے قیامت کے روز بارش نازل ہوگی اس سے مردہ جسم زندہ ہو جائیں گے، بعض کہتے ہیں اس سے مراد سمندر ہیں ان میں قیامت کے دن آگ بھڑک اٹھے گی، جیسے فرمایا وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ اور بعض حضرات نے مسجور کے معنی مملوءٌ کے لئے ہیں، امام طبری نے اور صاحب جلالین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اِنَّ عذابَ رَبِّكَ لوَاقِعٌ یہ مذکورہ قسموں کا جواب ہے۔

یَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاءُ مَوْرًا، مَوْرٌ کے معنی حرکت واضطراب کے ہیں، قیامت کے دن آسمان کے نظم میں جو اختلال اور کواکب وسیارگان کی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے جو اضطراب واقع ہوگا اس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، یَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاءُ مَوْرًا یوم مذکورہ عذاب کے لئے ظرف ہے۔

بشرطِ ایمان بزرگوں سے تعلق نسبی آخرت میں نفع دے گا:

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا واتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ یہ مضمون سورۂ رعد آیت ۲۳ اور سورۂ مومن آیت ۸ میں بھی گذر چکا ہے مگر یہاں ان دونوں آیتوں سے زائد جو بات فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر اولاد کسی نہ کسی درجہ ایمان میں بھی اپنے آباء کے نقش قدم کی پیروی کرتی رہی ہو خواہ اپنے عمل کے لحاظ سے وہ اس مرتبے کی مستحق نہ ہو جو آباء کو ان کے بہتر ایمان وعمل کی بناء پر حاصل ہوگا پھر بھی یہ اولاد اپنے آباء کے ساتھ ملادی جائے گی، اور یہ ملانا اس نوعیت کا نہ ہوگا جیسے وقتاً فوقتاً کوئی کسی کی ملاقات کر لیا کرے بلکہ اس کے لئے اَلْحَقْنَا بِهِمْ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے آباء کے ساتھ جنت ہی میں رکھے جائیں گے، اس پر مزید اطمینان دلایا گیا ہے کہ اولاد سے ملانے کے لئے آباء کا درجہ گھٹا کر نیچے نہیں

اتارا جائے گا بلکہ آباء سے ملانے کے لئے اولاد کا درجہ بڑھا دیا جائے گا۔

اس مقام پر یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ یہ ارشاد اس بالغ اولاد کے بارے میں ہے جس نے سن شعور کو پہنچ کر اپنے اختیار اور ارادہ سے ایمان لانے کا فیصلہ کیا ہو، رہی مومن کی وہ اولاد جو سنِ رشد کو پہنچنے سے پہلے ہی مرگئی ہو تو اس کے معاملہ میں کفر وایمان طاعت وعصیان کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا انہیں تو ویسے ہی ان کے والدین یا ان میں سے کسی ایک کے تابع کر کے ان کے والدین کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

طبرانی نے حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا، اور میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا تو اپنے ماں باپ بیوی اور اولاد کے متعلق پوچھے گا (وہ کہاں ہیں؟) اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے درجہ کو نہیں پہنچے (اس لئے ان کا جنت میں الگ مقام ہے) یہ شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار میں نے جو عمل کیا وہ اپنے لئے اور ان سب کے لئے کیا تھا تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو بھی اسی درجۂ جنت میں ان کے ساتھ رکھا جائے۔ (ابن کثیر)

وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَیْءٍ، ایلاتٌ کے معنی کم کرنے کے ہیں، آیت کے معنی یہ ہیں کہ صالحین کی اولاد ان کے درجہ عمل سے بڑھا کر صالحین کے ساتھ ملحق کر دی جائے گی ملحق کرنے کے لئے ایسا نہیں کیا گیا کہ صالحین کے عمل میں کچھ کم کر کے ان کی اولاد کا عمل پورا کیا جاتا بلکہ اپنے فضل سے ان کے برابر کر دیا جائے گا، اور ہر شخص کے اپنے عمل میں مرہون ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا، جزاء یا سزا جو بھی ہوگی وہ اسی کے عمل کی مکافات ہوگی ایسا نہیں ہوگا کہ کسی دوسرے کا گناہ اس کے سر ڈال دیا جائے۔

فَذَكِّرْ دُم عَلی تذکِیرِ المُشرِکینَ وَلاَ تَرجعْ عَنه لِقَولِهم لكَ کَاهِنٌ مَجنُونٌ **فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ** ای بِانعامِه عَلیك **بِكَاهِنٍ** خبرُ ما **وَّلَا مَجْنُوْنٍ**﴿۲۹﴾ مَعطُوفٌ علیه **اَمْ** بَل **یَقُوْلُوْنَ** ہو **شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ**﴿۳۰﴾ حَوادِثَ الدَّھرِ فیَھلِكُ کغَیرِہ مِنَ الشُّعَراءِ **قُلْ تَرَبَّصُوْا** ھلاکِی **فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ**﴿۳۱﴾ ھلاککُم فعُذِّبوا بالسَّیفِ یومَ بَدرٍ والتَّربُّصُ الاِنتِظَارُ **اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ** عُقُولُھم **بِهٰذَآ** ای قَولِھم له سَاحِرٌ کاھِنٌ شاعِرٌ مَجنُونٌ ای لاَ تَامُرُھُم بذٰلِك **اَمْ** بل **هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ**﴿۳۲﴾ بِعِنادِھم **اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ** اِختَلَقَ القُراٰنَ لَم یَختَلِقهُ **بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ**﴿۳۳﴾ استِکبارًا فَاِنْ قَالُوا اختَلَقَهٗ **فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ** مُختَلَقٍ **مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ**﴿۳۴﴾ فِی قَولِھم **اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ** ای خَالِقٍ **اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ**﴿۳۵﴾ اَنفُسَھم ولا یُعقَلُ مَخلُوقٌ بدُونِ خَالِقٍ وَلاَ مَعدُومٌ یَخلُقُ فلاَ بُدَّ لھم من خَالِقٍ ھُو اللّٰہُ الوَاحِدُ فلِمَ لاَ یُوَحِّدُونَهٗ ویُؤمِنُونَ برَسُولِه وکِتابِه **اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ** ولاَ یَقدِرُ علی خَلقِھما اِلاَّ اللّٰہُ الخَالِقُ فلِمَ لاَ یَعبُدُونه **بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ**﴿۳۶﴾ وَاِلاَّ لاٰمَنُوا بنَبِیِّه **اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ**

مِنَ النُّبُوَّةِ والرِّزْقِ وغيرِهما فَيَخُصُّوا مَنْ شاءُ وا بِما شاءُ وا أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿۳۷﴾ المُتَسَلِّطُونَ الجَبّارُون وفِعْلُه صيطرو مِثْلُهُ بَيْطَرَ وبَيْقَرَ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ مِرْقِى الى السَّماءِ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ اى عليه كَلامَ المَلائِكَةِ حَتّى يُمْكِنُهم مُنازَعَةُ النَّبى صلى الله عليه وسلم بزَعْمِهم اِن ادَّعُوا ذلك فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم اى مُدَّعِى الاِسْتِماعِ عليه بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ بِحُجَّةٍ بَيِّنَةٍ واضِحَةٍ ولِشِبْهِ هٰذا الزَّعْمِ بزَعْمِهم اَنَّ المَلائِكَةَ بَناتُ اللهِ قال تعالى أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ اى بزَعْمِكم وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿۳۹﴾ تعالى اللهُ عَمّا زَعَمُوه أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا على ما جِئْتَهم به مِنَ الدِّين فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ غرمٍ لك مُّثْقَلُونَ ﴿۴۰﴾ فلا يُسْلِمُونَ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ اى عِلْمه فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۴۱﴾ ذلك حتى يُمْكِنَهم مُنازَعَةُ النبى صلى الله عليه وسلّم فِى البَعْثِ وَاَمرِ الاٰخِرَةِ بزَعْمِهم أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا بك لِيُهْلِكُوك فِى دارِالنَّدْوَةِ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿۴۲﴾ المَغْلُوبُونَ المُهْلَكُونَ فَحَفِظَه اللهُ منهم ثم اَهْلَكَهم ببَدْرٍ أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۳﴾ به مِنَ الاٰلِهَةِ والاِسْتِفْهامُ بِاَمْ فِى مَواضِعِها لِلتَّقْبِيحِ والتَّوْبِيخِ وَإِن يَرَوْا كِسْفًا بعضًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا عليهم كَما قالُوا فَاَسْقِطْ عَلَيْنا كِسَفًا مِنَ السَّماءِ اى تَعْذِيبًا لهم يَقُولُوا هٰذا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿۴۴﴾ مُتَراكِبٌ نَرْتَوِى به ولا يُؤْمِنُوا فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿۴۵﴾ يَمُوتُونَ يَوْمَ لَا يُغْنِي بَدَلٌ مِن يَومِهم عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۶﴾ يُمْنَعُونَ مِنَ العَذابِ فِى الاٰخِرَةِ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا بِكُفْرِهم عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ اى فِى الدُّنْيا قَبْلَ موتِهم فَعُذِّبُوا بالجُوعِ والقَحْطِ سَبْعَ سِنِينَ وبِالقَتْلِ يَوْمَ بَدْرٍ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۷﴾ ان العَذابَ يَنْزِلُ بهم وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ بِاِمْهالِهم ولا يَضِيقُ صَدْرُكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا بِمَرْاٰى مِنّا نَراكَ ونَحْفَظُكَ وَسَبِّحْ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِ رَبِّكَ اى قُلْ سُبْحانَ اللهِ وبِحَمْدِه حِينَ تَقُومُ ﴿۴۸﴾ مِنْ مَّنامِكَ او مِن مَّجْلِسِكَ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ حَقِيقَةً ايضًا وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿۴۹﴾ مَصْدَرٌ اى عَقِبَ غُرُوبِها ايضًا او صَلِّ فى الاَوَّلِ العِشائِين وفى الثّانى سُنَّةَ الفَجرِ وقيل الصُّبْحُ.

ترجمہ: تو آپ سمجھاتے رہیں (یعنی) مشرکین کو سمجھانے کی پابندی رکھیں، اوران کے آپ کو کاہن مجنون کہنے کی وجہ سے سمجھانے سے کنارہ کشی نہ کریں، اس لئے کہ آپ اپنے رب کے فضل سے یعنی آپ پراس کے انعام سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون بکاھنٍ، مَا کی خبر ہےاور وَلَا مَجْنُون اس پر معطوف ہے کیا کافریوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس پر زمانہ کے حوادثات کا انتظار کررہے ہیں، سودیگر شعراء کے مانند یہ بھی ہلاک ہوجائے گا آپ کہہ دیجئے کہ تم میری ہلاکت کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ تمہاری ہلاکت کا منتظر ہوں چنانچہ یوم بدر میں تلوار کے ذریعہ ان کوسزا دی گئی، اور تربُّص کے معنی انتظار کے ہیں کیا ان کی عقلیں انہیں یہی سکھاتی ہیں یعنی آپ کے بارے میں ساحر، کاہن، شاعر، مجنون کہنا (سکھاتی ہیں) یعنی ایسا نہیں سکھاتیں، یا اپنے اعتماد کی وجہ سے یہ لوگ ہی سرکش ہیں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن اس نے خود گھڑ لیا ہے یعنی خود قرآن کا اختراع

کرلیا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ تکبر کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے پس اگر ان کا یہی کہنا ہے کہ یہ قرآن ان کا خود ساختہ ہے تو یہ بھی اس طرح کا کوئی کلام بنا کر لے آئیں اگر یہ اپنے قول میں سچے ہیں کیا یہ لوگ بدون کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں، اور یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ کسی مخلوق کا وجود خالق کے بغیر ہو اور نہ یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ معدوم کسی کو پیدا کر سکے لہٰذا (یہ بات ثابت ہوگئی) کہ ان کا کوئی نہ کوئی خالق ضرور ہے اور وہ تنہا اللہ ہے بس کس لئے اس کی توحید کے قائل نہیں ہوتے اور اس کے رسولوں پر اور کتابوں پر ایمان نہیں لاتے کیا انہوں نے ہی آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں؟ حالانکہ ان کی تخلیق پر اللہ خالق کے علاوہ کوئی قادر نہیں تو پھر اس کی بندگی کیوں نہیں کرتے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ یقین نہیں رکھتے ورنہ تو اس کے نبی پر ایمان لے آتے، کیا ان کے قبضہ میں ہیں نبوت اور رزق وغیرہ کے تیرے رب کے خزانے کہ وہ جس کے لئے چاہیں اور جو چاہیں مخصوص کر دیں یا یہ لوگ حاکم ہیں (یعنی) مسلط حاکم ہیں، اور اس کا فعل صَیْطَرَ ہے اور اس کے مانند بَیْطر و بَیْقَرَ ہے (بَیْطَرَ، بَیْطارٌ) سے ہے جانوروں کے معالج کو کہتے ہیں اور بَیْقَرَ بمعنی شق و اَفْسَدَ وَاَهْلَكَ ہے) یا کیا ان کے پاس سیڑھی ہے؟ آسمان پر چڑھنے کا آلہ کہ اس پر چڑھ کر فرشتوں کی باتیں سن لیتے ہوں حتی کہ ان کے لئے نبی ﷺ کے ساتھ ان کے خیال میں منازعت کرنا ممکن ہو گیا ہو، اگر ان کا یہ دعویٰ ہے تو وہ سننے کا دعویدار اس پر کوئی واضح دلیل پیش کرے اور اِس زعم کے، ان کے اُس زعم کے مشابہ ہونے کی وجہ سے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا اللہ کے لئے تمہارے زعم میں بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کیا آپ ان سے اس دین پر جو آپ ان کے پاس لے کر آئے ہیں کوئی اجرت طلب کرتے ہیں؟ کہ وہ اس کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اسلام قبول نہیں کرتے یا ان کے پاس غیب یعنی علم غیب ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں حتی کہ ان کے لئے نبی ﷺ کے ساتھ ان کے خیال میں بعث اور امر آخرت میں نزاع کرنا ممکن ہو گیا کیا یہ لوگ آپ کے ساتھ دارالندوہ میں کوئی فریب کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ آپ کو ہلاک کر دیں، تو آپ یقین کرلیں فریب خوردہ مغلوب ہونے والے ہلاک ہونے والے یہ کافر ہی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان سے حفاظت فرمائی پھر ان کو بدر میں ہلاک کر دیا کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے؟ سبحان اللہ (ہرگز نہیں) اللہ تعالیٰ (معبودانِ باطلہ) میں سے ہر اس معبود سے پاک ہے جس کو یہ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں، اور استفہام اَمْ کے ساتھ تمام مقامات میں تقبیح و توبیخ کے لئے ہے، اگر یہ لوگ آسمان کے کسی ٹکڑے کو اپنے اوپر گرتا ہوا دیکھ لیں جیسا کہ انہوں نے کہا تھا کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا ہمارے اوپر گرا دو یعنی ان کو عذاب دینے کے لئے تو کہہ دیں گے کہ یہ تو تہ بہ تہ بادل ہے یعنی جما ہوا بادل ہے جس سے ہم سیراب ہوں گے، اور اس پر ایمان نہ لائیں، تو آپ انہیں چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ انہیں اپنے اس دن سے سابقہ پڑے جس دن میں ان کی موت واقع ہوگی جس دن ان کی تدبیریں ان کے کچھ کام نہ آئیں گی (یَوْمَ لَا یُغْنِی) یومھُمْ سے بدل ہے اور نہ ان کو مدد ملے گی یعنی آخرت میں ان سے عذاب دفع نہ کیا جائے گا اور ان کے لئے جنہوں نے اپنے کفر کے ذریعہ ظلم کیا ہے اس عذاب سے قبل بھی عذاب ہونے والا ہے یعنی دنیا میں ان کی موت

سے پہلے، چنانچہ بھوک اور قحط کے ذریعہ سات سال تک عذاب میں مبتلا کئے گئے اور یوم بدر میں قتل کے ذریعہ لیکن ان میں اکثر کو معلوم نہیں کہ ان کے اوپر عذاب نازل ہوگا اور آپ اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر کیجئے ان کو مہلت دے کر اور آپ دل تنگ نہ ہوں کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں یعنی آپ ہماری نظروں کے سامنے ہیں ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں اور آپ کی حفاظت کر رہے ہیں، اور آپ اپنے رب کی سو کر اٹھنے کے بعد یا اپنی مجلس سے اٹھنے کے بعد تسبیح و تحمید کیجئے یعنی سبحان اللہ وبحمدہٖ کہئے، اور رات میں بھی اس کی حقیقۃً تسبیح کیا کیجئے اور ستاروں کے ڈوبنے کے بعد بھی اِدْبَارَ مصدر ہے یعنی ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی تسبیح بیان کیجئے، اور اول میں مغرب وعشاء کی نماز پڑھنا مراد ہے اور ثانی میں سنت فجر اور کہا گیا ہے صبح کی نماز مراد ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: دُمْ علی تذکیر المشرکین، فَذَکِّرْ کی تفسیر دُمْ سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ذَکِّرْ اَثْبِتْ کے معنی میں ہے یعنی جس طرح آپ اب تک ان کو نصیحت کرتے رہے آئندہ بھی اس طرز کو باقی رکھئے ان کی یادہ گوئی کی وجہ سے تنگ دل ہو کر ان سے بے رخی اور کنارہ کشی اختیار نہ کیجئے۔

قولہ: بنعمة ربِّكَ ای بفضلِ ربِّكَ.

قولہ: فَمَا اَنْتَ بنعمَةِ ربِّكَ بكاهنٍ ولا مجنون باء قسم کے لئے نعمة ربِّكَ مقسم بہ ہے جو کہ ما کے اسم (انت) اور خبر (کاہن) کے درمیان واقع ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مَا اَنْتَ ونِعْمَةِ ربِّكَ بكاهنٍ ولا مجنونٍ، کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو دعویٰ کرے کہ میں بغیر وحی کے غیب جانتا ہوں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ بِنِعْمَةِ میں باء سببیہ ہے، اور جملہ منفیہ کے مضمون سے متعلق ہے، معنی یہ ہیں اِنْتَفَى عَنْكَ الكَهَانَةُ والجنونُ بِسببِ نعمةِ اللّٰه عليكَ یعنی آپ سے بفضلہ تعالیٰ کہانت اور جنون منتفی ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

قولہ: اَمْ بَلْ يقولون، اَمْ ان آیات میں پندرہ جگہ آیا ہے ہر جگہ اس کی تقدیر بل اور ہمزہ کے ساتھ ہے اور ہمزہ استفہام انکاری توبیخی کے لئے ہے، لہٰذا مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ ہر جگہ بل اور ہمزہ کے ساتھ مقدر مانتے۔ (صاوی)

قولہ: قل تربَّصُوا امر تہدید کے لئے ہے۔

قولہ: احلامُهُمْ، حُلُمٌ اور حِلْمٌ دونوں کی جمع ہے حُلم کے معنی خواب کے ہیں اور حِلم کے معنی بردباری کے ہیں اور چونکہ بردباری عقل کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے حلم کے معنی عقل کے بھی لئے جاتے ہیں گویا کہ یہاں مسبب بول کر سبب مراد لیا ہے۔

قولہ: لَمْ يَخْتَلِقْهُ اس سے اشارہ کر دیا کہ ام يقولونَ تَقَوَّلَهُ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔

قولہ: فَاِنْ قَالُوا، اِخْتَلَقَهُ مقدر مان کر اشارہ کر دیا فَلْيَاتُوا بحَدِيْثٍ شرط محذوف کی جزاء ہے۔

قولہ: وَلِشِبْهِ هٰذا الزعم بزعمهم اَنَّ الملائكة بَنَاتُ اللّٰه اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا ازالہ ہے شبہ یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول اَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ کا ماقبل سے کوئی ربط معلوم نہیں ہوتا۔

جَوَابُ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سابقہ آیت میں مشرکین کے اس زعم کو بیان کیا ہے کہ محمد ﷺ اپنی طرف سے گھڑ کر قرآن لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، ان کا یہ خیال باطل اور فاسد ہے دوسری آیت میں مشرکین کے اس زعم فاسد اور گمان باطل کا ذکر ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں دونوں خیال اور دونوں گمان فاسد اور باطل ہونے میں مشترک ہیں اور یہی وجہ اشتراک ہے، دونوں آیتوں میں ربط و مناسبت ثابت ہوگئی۔

قَوْلُهُ: غرم، مغْرمٌ کی تفسیر غرم سے کرکے اشارہ کر دیا ہے کہ مغرم مصدر میمی ہے۔

قَوْلُهُ: فی دَار الندوةِ مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ لفظ دار الندوۃ حذف کر دیتے، اس لئے کہ دار الندوۃ میں مشرکین کا اجتماع شب ہجرت میں ہوا تھا جس میں آپ کے قتل کی سازش رچی گئی تھی اور یہ سورت مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھی لہٰذا سازش کو ندوہ کے ساتھ مقید کرنا مشکل ہے، بناء بریں دار الندوہ کی قید کو حذف کرنا ہی بہتر ہے اس لئے کہ مکر و سازش کا سلسلہ تو بعثت کے روز اول ہی سے جاری تھا۔

قَوْلُهُ: فَاسْقِطْ عَلَينا كِسَفًا یہ آیت قوم شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جیسا کہ سورۂ شعراء میں مذکور ہے، مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے مناسب تھا اس آیت سے استدلال کرتے جو قریش کے بارے میں سورۂ اسراء میں نازل ہوئی ہے، وہ یہ ہے اَوْ تُسْقِطَ السَّماءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا.

قَوْلُهُ: فَذَرْهُمْ یہ شرط مقدر کی جزاء ہے، شرط مقدر یہ ہے اِذَا بَلَغُوا فِي العِنَادِ الىٰ هٰذا فَذَرْهُمْ.

تفسیر و تشریح

فذكر فَمَآ اَنْتَ بنعمةِ ربّكَ بكاهنٍ (الآیة) ان آیات میں آپ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ وعظ و تبلیغ نصیحت و تذکیر کا کام کیے جائیے اور یہ لوگ آپ کے متعلق جو بکواس اور یاوہ گوئی کرتے ہیں آپ اس کی طرف کان نہ دھریں اس لئے کہ آپ اللہ کے فضل سے نہ کاہن اور نہ دیوانے، آپ ہمارے رسول ہیں، آپ پر ہماری طرف سے وحی نازل ہوتی ہے جو کاہن پر نہیں ہوا کرتی، آپ جو کلام لوگوں کو سناتے ہیں وہ دانش و بصیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے ایک دیوانے سے اس طرح کی گفتگو ممکن نہیں ہے۔

کاہن، عربی زبان میں جیوتشی، غیب گو، اور سیانے کے معنی میں بولا جاتا تھا، زمانہ جاہلیت میں یہ ایک مستقل پیشہ تھا، ضعیف الاعتقاد لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ارواح اور شیاطین سے ان کا خاص تعلق ہے جن کے ذریعہ یہ غیب کی خبریں معلوم کر سکتے ہیں، کوئی چیز کھوگئی ہو تو بتا سکتے ہیں، اگر چوری ہوگئی ہو تو چور اور مسروقہ مال کی نشاندہی کر سکتے ہیں اگر کوئی اپنی قسمت پوچھے تو بتا سکتے ہیں ان ہی اغراض و مقاصد کے لئے لوگ ان کے پاس جاتے تھے اور وہ کچھ نذرانہ لیکر بزعم خویش غیب کی باتیں بتاتے تھے اور ایسے گول مول فقرے استعمال کرتے تھے جن کے مختلف مطلب ہو سکتے تھے تاکہ ہر شخص اپنے مطلب کی بات نکال لے۔

رَیْبَ المنون، ریْب کے معنی حوادث کے ہیں مَنُون موت کے ناموں میں سے ایک نام ہے مَنُوْنٌ بروزن فَعولٌ یہ مَنّ سے مشتق ہے اس کے معنی قطع کرنے کے ہیں مَنُون کے معنی ہیں بہت زیادہ قطع کرنے والا، اور موت چونکہ دنیوی تمام علائق کو منقطع کردیتی ہے اس لئے موت کو بھی منون کہتے ہیں، مطلب یہ کہ قریش مکہ اس انتظار میں ہیں کہ حوادثاتِ زمانہ سے شاید محمد ﷺ کو موت آجائے اور ہمیں چین نصیب ہوجائے جو اس کی دعوتِ توحید نے ہم سے چھین لیا ہے، غالبًا ان کا خیال یہ تھا کہ محمد ﷺ چونکہ ہمارے معبودوں کی مخالفت اور ان کی کرامات کا انکار کرتے ہیں اسلئے یا تو معاذ اللہ ان پر ہمارے کسی معبود کی مار پڑے گی یا کوئی منچلا اپنے معبودوں کی برائی سن کر یا کوئی دل جلا اپنے معبودوں کی مخالفت سے بے قابو ہوکر ان کا کام ہی تمام کردے۔

أم تَـأمُرُهـم أحْلَامُهُـمْ بهـذا أم هُـمْ قومٌ طَاغُونَ کیا ان کی عقلیں انہیں ایسی ہی باتیں کرنے کے لئے کہتی ہیں؟ یا درحقیقت یہ عناد میں حد سے گذرے ہوئے لوگ ہیں۔

ان دو فقروں نے مخالفین کے سارے پروپیگنڈے کی ہوا نکال کر رکھدی، اور ان کو بالکل بے نقاب کردیا، استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قریش کے پیر ومشائخ بڑے عقلمند بنے پھرتے ہیں کیا ان کی عقل یہی کہتی ہے کہ جو شخص شاعر نہیں ہے اسے شاعر کہو اور جسے پوری قوم دانا کی حیثیت سے جانتی ہے اسے مجنون کہو اور جسے کہانت سے دور کا بھی تعلق نہیں اسے خواہ مخواہ کاہن کہو، پھر اگر عقل ہی کی بناء پر یہ لوگ حکم لگاتے تو کوئی ایک حکم لگاتے بہت سے متضاد حکم یا تو عقل سے محروم اور بے بصیرت شخص ہی لگا سکتا ہے یا پھر پرلے درجہ کا معاند اور ضدی، اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ عقل سے محروم اور پاگل تو ہیں نہیں تو اب سوائے عناد اور ہٹ دھرمی کے دوسرا کوئی سبب نہیں ہوسکتا، اور آپ پر جتنے بھی بے بنیاد متضاد الزامات لگائے جارہے ہیں انہیں کوئی بھی سنجیدہ انسان قابل اعتناء نہیں سمجھ سکتا۔

فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا دشمنوں کی دشمنی اور مخالفت وتکذیب سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینے کے لئے پہلے تو یہ فرمایا کہ آپ ہماری نظروں میں ہیں یعنی ہماری حفاظت میں ہیں ہم آپ کو ان کے شر سے بچائیں گے، آپ ان کی کسی بات کی پرواہ نہ کریں، جیسا کہ دوسری آیت میں ارشادِ ربانی ہے واللّٰہ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تسبیح وتحمید میں لگ جانے کا حکم فرمایا جو اصل مقصدِ زندگی بھی ہے، اور ہر مصیبت سے بچنے کا اصلی علاج بھی، فرمایا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ کھڑے ہونے سے مراد سو کر اٹھنا بھی ہوسکتا ہے ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو امام احمد نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رات کو بیدار ہوا اور اس نے یہ کلمات پڑھے تو جو دعاء کرے گا قبول کی جائے گی، وہ کلمات یہ ہیں لا الٰـه الاَّ اللّٰهُ وحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا

الٰـہ الّا اللّٰہ واللّٰہ اکبرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پھراس نے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز پڑھی تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔ (ابن کثیر، معارف)

کفارۂ مجلس:

حضرت مجاہد اور ابوالاحوص وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ ''حین تقوم'' سے مراد یہ ہے کہ جب آدمی اپنی مجلس سے اٹھے تو یہ کہے، سبحانک اللّٰھم وبحمدک حضرت عطاء بن ابی رباح نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا، کہ جب تم اپنی مجلسوں سے اٹھو تو تسبیح وتحمید کرو اگر تم نے اس مجلس میں کوئی نیک کام کیا ہے تو اس کی نیکی میں اضافہ اور برکت حاصل ہوگی، اور اگر کوئی غلط کام کیا ہے تو یہ کلمات اس کا کفارہ ہو جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اچھی بری باتیں ہوں تو اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے اگر وہ یہ کلمات پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی سب خطاؤں کو جو اس مجلس میں ہوئی ہیں معاف فرمائیں گے وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَأتوبُ اِلیکَ. (رواہ الترمذی، معارف)

تمّ بحمد اللّٰہ

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ وَهِىَ اثْنَتَانِ وَسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ثِنْتَان وسِتُّوْنَ اٰيَةً.

سورۂ نجم مکی ہے، باسٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالنَّجْمِ الثُّرَيَّا اِذَا هَوٰى (١) غَابَ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ والسَّلَامُ عَن طريقِ الهِدَايَةِ وَمَا غَوٰى (٢) مَا لَابَسَ الغَيَّ وهو جَهْلٌ مِن اعْتِقَادٍ فاسِدٍ وَمَا يَنْطِقُ بِمَا يَاتِيْكُمْ به عَنِ الْهَوٰى (٣) هَوَى نَفْسِه اِنْ مَا هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (٤) اليه عَلَّمَهٗ اِيَّاهُ مَلَكٌ شَدِيْدُ الْقُوٰى (٥) ذُوْ مِرَّةٍ قُوَّةٍ وشِدَّةٍ ومَنْظَرٍ حسَنٍ اى جبرئيلُ عليه السَّلامُ فَاسْتَوٰى (٦) اِسْتَقَرَّ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى (٧) اُفُقِ الشَّمْسِ اى عِنْدَ مَطْلَعِهَا علىٰ صُوْرتِه التى خُلِقَ عليها فراٰهُ النَّبِىُّ صلَّى اللّٰه عليه وسلم وكَانَ بِحِرَاءَ قد سَدَّ الأُفُقَ الى المَغْرِبِ فخَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ وكَانَ قد سَأَلَهُ اَنْ يُرِيَهٗ نفسَهٗ علىٰ صُوْرَتِهِ الَّتِىْ خُلِقَ عَلَيْهَا فَوَاعَدَهٗ بِحِرَاءَ فَنَزَلَ جبرئيلُ عليه السَّلامُ فى صُوْرةِ الآدمِيِّيْنَ ثُمَّ دَنَا قَرُبَ منه فَتَدَلّٰى (٨) زَادَ فى القُرْبِ فَكَانَ منه قَابَ قَدْرَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (٩) من ذٰلك حَتّٰى افاقَ وَسَكَنَ رَوْعُهٗ فَاَوْحٰى تعالىٰ اِلٰى عَبْدِهٖ جبرئيلَ مَا اَوْحٰى (١٠) جبرئيلُ الى النَّبِىِّ صلى اللّٰه عليه وسلم ولم يَذْكُرِ الموحٰى تفخيمًا لِشانه مَا كَذَبَ بالتَّخْفِيفِ والتشديدِ انكَرَ الْفُؤَادُ فُؤَادُ النبى مَا رَاٰى (١١) ببَصَرِه مِن صُوْرَةِ جبرئيلَ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ تُجَادِلُوْنَهٗ وتَغْلِبُوْنه عَلٰى مَا يَرٰى (١٢) خِطَابٌ لِلْمُشْرِكِيْنَ المُنْكِرِيْنَ رُؤْيَةَ النَّبِيِّ لِجبرئيلَ وَلَقَدْ رَاٰهُ علىٰ صُوْرتِه نَزْلَةً مَرَّةً اُخْرٰى (١٣) عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى (١٤) لَمَّا اُسْرِىَ به فِى السَّمٰوٰتِ وهى شَجَرَةُ نَبِقٍ عَن يمينِ العَرْشِ لَا يَتَجَاوَزُهَا اَحَدٌ مِنَ المَلٰئِكَةِ وَغيرهم عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى (١٥) تاوى اليها المَلَائِكَةُ وَاَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ او المُتَّقِيْنَ اِذْ حِيْنَ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى (١٦) مِنْ طَيرٍ وغيرِه وَاِذْ مَعْمُوْلَةٌ لِرَاٰهُ مَا زَاغَ الْبَصَرُ مِنَ النَّبِيِّ وَمَا طَغٰى (١٧) اى مَا مَالَ بَصَرُه عَن مَرْئِيِّه المَقْصُوْدِ له ولا جَاوَزَهٗ تلك اللَّيْلَةَ لَقَدْ رَاٰى فيها مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (١٨) اى العِظَامِ اى بَعْضَهَا فَرَاٰى مِن عَجَائِبِ المَلَكُوْتِ رَفْرَفًا خُضْرًا سَدَّ اُفُقَ السَّمَاءِ وجبرئيل عليه السَّلامُ له سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى (١٩) وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهَا الْاُخْرٰى (٢٠) صِفَةُ ذَمٍّ لِلثَّالِثَةِ

وهی اَصْنَامٌ مِن حِجَارَةٍ كَانَ المُشرِكُونَ يَعْبُدُونَها ويَزْعَمُونَ اَنَّها تَشْفَعُ لهم عِندَاللّٰهِ ومَفعُولُ اَرَاَيتُمْ الاول اللَّاتَ وَمَا عُطِفَ عليه والثَّاني مَحذُوفٌ والمَعنٰى اَخبِرُونى اَلِهٰذِهِ الاَصنَام قُدرَة على شَئٍ ءٍ مَّا فَتَعبُدُونَها دُونَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ القَادِرِ علىٰ مَا تَقَدَّمَ ذِكرُهُ ولَمَّا زَعَمُوا اَيضًا اَنَّ المَلائِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ مَعَ كَرَاهَتِهِمُ البَنَاتِ نَزَلَ **اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى﴿٢١﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴿٢٢﴾** جَائِرَةٌ مِن ضَازَهُ يَضِيزُهُ اِذ ظَلَمَهُ وجَارَ عليه **اِنْ هِيَ** مَا المَذْكُوراتُ **اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ** اى سَمَّيتُم بها **اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ** اَصْنَامًا تَعْبُدُونَها **مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا** اى بعِبادَتِها **مِنْ سُلْطٰنٍ** حُجَّةٍ وبُرهَان **اِنْ** ما **يَّتَّبِعُوْنَ** فِي عِبادَتِها **اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ** مما زَيَّنَهُ لهم الشَّيطَانُ مِن اَنَّها تَشفَعُ لهم عِندَ اللّٰهِ **وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴿٢٣﴾** عَلٰى لِسَانِ النبى صلى اللّٰه عليه وسلم بالبُرهَان القَاطِعِ فَلَمْ يَرجِعُوا عَمَّاهُمْ عليه **اَمْ لِلْاِنْسَانِ** اى لِكُلِّ اِنسَان منهم **مَا تَمَنّٰى﴿٢٤﴾** مِنْ اَنَّ الاَصنامَ تَشْفَعُ لهم لَيسَ الاَمْرُ كذٰلك **فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى﴿٢٥﴾** اى الدُنيا فَلا يَقَعُ فيهما الا ما يُرِيدهُ تعالىٰ.

ع ٥

ترجمہ: شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے، قسم ہے ثریا ستارے کی جب گرے یعنی غائب ہو تمہارا ساتھی محمد ﷺ راہ ہدایت سے نہ بہکا اور نہ بھٹکا یعنی اس نے (اعتقاداً) کج روی اختیار نہیں کی اور وہ (یعنی غی) اعتقاد فاسد سے پیدا ہونے والا جہل ہے، اور جو کچھ وہ تم سے بیان کرتے ہیں اپنی خواہش نفس سے بیان نہیں کرتے وہ تو صرف وحی ہے جو اس کی طرف نازل کی جاتی ہے اس وحی کی ان کو ایک فرشتہ نے تعلیم دی ہے، جو بڑا طاقتور ہے اور زور آور ہے یعنی قوت وشدت والا ہے، یا حسین المنظر ہے یعنی جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر ٹھہر گیا حال یہ ہے کہ وہ مشرق کی بالائی افق پر تھا یعنی طلوع شمس کی جگہ اپنی (اصلی) صورت پر جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے اس کو دیکھا جب کہ آپ (غار) حراء میں تھے، حال یہ کہ (جانب) مغرب تک اس نے افق کو بھر دیا، تو آپ بیہوش ہو کر گر پڑے اور آپ ﷺ نے جبرائیل سے سوال کیا تھا کہ وہ انہیں خود کو اپنی اس صورت میں دکھائیں جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے چنانچہ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے آپ سے حراء میں اس کا وعدہ کر لیا پھر حضرت جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام نے انسانی شکل میں نزول فرمایا پھر وہ آپ کے قریب آیا پھر وہ اتر آیا (یعنی) زیادہ قریب ہوا، تو وہ آپ سے بقدر دو کمانوں یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا، یہاں تک کہ آپ کو (بیہوشی سے) افاقہ ہوا اور آپ کا خوف جاتا رہا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے جبرئیل کی طرف وحی بھیجی جو جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے نبی ﷺ کی طرف پہنچا دی اور موحیٰ بہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی) عظمت شان کو ظاہر کرنے کے لئے مبہم رکھا آپ ﷺ کے قلب مبارک نے اس صورت کی تردید نہیں کی جو صورت آپ نے اپنی نظر سے جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کی دیکھی، کذب تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے سو کیا تم اس (پیغمبر) کی دیکھی ہوئی چیز میں مجادلہ کرتے ہو اور ان پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہو، یہ خطاب ان مشرکین سے ہے جو آپ کے جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھنے سے منکر تھے، اور اسے تو اصل صورت میں ایک مرتبہ سدرۃ

المنتہیٰ کے پاس اس کے علاوہ بھی دیکھا ہے، جبکہ آپ کو رات کے وقت آسمانوں پر لیجایا گیا، اور وہ عرش کی دائیں جانب بیری کا درخت ہے اس سے آگے فرشتہ وغیرہ کوئی نہیں بڑھ سکتا، اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے جس میں فرشتے اور شہداء کی روحیں یا متقیوں کی روحیں سکونت پذیر رہتی ہیں، جبکہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھیں وہ چیزیں جو اس پر چھا رہی تھیں، پرند وغیرہ، اور اذا، رَاٰہ کا معمول ہے آپ کی نظر نہ ہٹی اور نہ بڑھی یعنی آپ کی نظر اس رات مطمح نظر سے نہ پھری اور نہ تجاوز کیا، یقیناً آپ نے اس رات میں اپنے رب کی عظیم نشانیوں میں سے بعض کو دیکھا آپ نے عالم ملکوت کے عجائبات میں سبز رفرف کو دیکھا جس نے افق آسمان کو بھر دیا، اور جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھا ان کے چھ سو باز و ہیں کیا تم نے لات اور عزیٰ کو اور پچھلے منات کو دیکھا (یعنی ان کے بارے میں غور کیا) جو سابق دو کا تیسرا ہے اَلْاُخْریٰ، ثَالِثَة کی صفت ذم ہے، اور وہ پتھر کے بت ہیں، مشرکین ان کی پوجا کیا کرتے تھے اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ اللہ کے حضور ہماری شفاعت کریں گے اور أرأیتم کا مفعول اول اللّات اور اس پر جس کا عطف کیا گیا وہ ہے اور دوسرا مفعول محذوف ہے اور معنی یہ ہیں کہ مجھے بتاؤ کہ کیا ان بتوں کو کسی شئ پر قدرت حاصل ہے جس کی وجہ سے تم اللہ عزوجل کو چھوڑ کر ان کی بندگی کرتے ہو، جو کہ قادر ہے، جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا، اور جبکہ ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں باوجود ان کے بیٹیوں کو ناپسند کرنے کے، تو اَلَکُمُ الذکرُ وَلَهُ الْاُنثیٰ (الآیة) نازل ہوئی (یعنی) کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس کے لئے بیٹیاں، تب تو یہ بڑی دھاندلی کی تقسیم ہے یعنی ظالمانہ ہے، یہ ضازہٗ یضیزہ سے ماخوذ ہے کہ اس پر ظلم و زیادتی کرے یہ مذکور محض چند نام ہیں جو تم نے یعنی ان کے تم نے یہ نام رکھ لئے ہیں اور تمہارے آباء نے ان بتوں کے رکھ لئے ہیں جن کی تم پوجا کرتے ہو ان کی عبادت کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل اور حجت نہیں اتاری یہ لوگ ان کی بندگی کے بارے میں محض ظن اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں یعنی ان گمانوں کی جو شیطان نے ان کے لئے آراستہ کر دیئے ہیں، یہ کہ یہ بت اللہ کے حضور میں ان کی شفاعت کریں گے اور یقیناً ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی زبانی برہان قاطع کے ساتھ ہدایت آچکی پھر بھی وہ اپنے اختیار کردہ روش سے باز نہیں آئے کیا انسان کے لئے یعنی ان میں سے ہر انسان کے لئے وہ میسر ہے جس کی وہ آرزو کرے؟ یہ کہ یہ بت ان کی شفاعت کریں گے، بات ایسی نہیں وہ جہان اور یہ جہان اسی کے قبضے میں ہے لہٰذا دونوں جہانوں میں وہی ہوگا جو وہ چاہے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: وَالنَّجم واؤ قسمیہ ہے، اَلنَّجْمُ ستارہ (جمع) نُجُومٌ و اَنْجُمٌ اسم جنس ہے، اس پر اسمیت غالب آگئی ہے جب مطلق بولا جاتا ہے تو ثریا ستارہ مراد ہوتا ہے، النجم سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس میں چند اقوال ہیں: ① ایک جماعت نے کہا ہے کہ جنس نجوم مراد ہے ② ثریا ستارہ مراد ہے (مفسر علام نے یہی قول اختیار کیا) مجاہد وغیرہ نے بھی یہی مراد لیا ہے ③ سُدّی نے کہا زہرہ ستارہ مراد ہے، عرب کا ایک قبیلہ اس کی پوجا کیا کرتا تھا ④ بعض حضرات نے بیلدار

گھاس مراد لی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَالنجمُ وَالشجرُ یسجدان میں، اخفش کا یہی قول ہے ⑤ کہا گیا ہے کہ محمد ﷺ مراد ہیں ⑥ بعض حضرات نے قرآن مراد لیا ہے، اس کے نجماً نجماً نازل ہونے کی وجہ سے، مجاہد وفراء وغیرہ کا یہی قول ہے، اس کے علاوہ بھی اور بہت سے اقوال ہیں، مگر راجح قول ثریا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی) ثریا سات ستاروں کے مجموعہ کا نام ہے چھ ان میں سے ظاہر ہیں اور ایک مخفی ہے بعض حضرات نے سات سے بھی زیادہ کا مجموعہ بتایا ہے، لوگ ثریا سے اپنی نظروں کا امتحان کرتے ہیں شفاء میں قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ ثریا کے گیارہ ستاروں کو دیکھ لیا کرتے تھے، اور مجاہد سے بھی ایسا ہی قول مروی ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: اِذَا هَویٰ (ض) ای سَقَطَ وغَاب.

قَوْلُہٗ: مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَویٰ یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے ضلالت، ہر قسم کی گمراہی خواہ اعتقادی ہو یا عملی اور غوایة، اعتقادی گمراہی، اور بعض حضرات نے کہا ہے ضلال علمی گمراہی اور غوایة عملی گمراہی، اور بعض نے دونوں کو مترادف کہا ہے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: عَنِ الْهَویٰ اسم مصدر (سمع) ناجائز رغبتِ نفس، عن الهویٰ، مَاینطِقُ کے متعلق ہے یعنی آپ کا کوئی کلام خواہش نفس سے نہیں ہوتا۔

قَوْلُہٗ: اِنْ هُوَ، هُوَ کا مرجع نطق ہے جو ینطقُ سے مفہوم ہے۔

قَوْلُہٗ: یُوْحیٰ یہ وَحْیٌ کی صفت ہے احتمال مجاز کو ختم کرنے کے لئے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: عَلَّمَهٗ اِیَّاهُ ضمیر منصوب متصل آپ ﷺ کی طرف رجوع ہے اور مفعول اول ہے اور دوسری ضمیر منصوب منفصل جس کو مفسر علام نے محذوف مانا ہے وہ مفعول ثانی ہے اور وحیٌ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: شَدِیْدُ الْقُویٰ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے جس کو مفسر علام نے مَلَكٌ محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے مراد جبرئیل ہیں۔

قَوْلُہٗ: ذُوْمِرَّةٍ، مِرَّةٌ قوتِ باطنی، جیسے عزم، سرعتِ حرکت، اور بعض حضرات نے مرّة سے علم اور بعض نے حسن و جمال مراد لیا ہے، منظرٌ حسنٌ کہہ کر اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے، اور شدید القویٰ ظاہری قوت، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو، قوۃ ظاہری اور قوتِ باطنی بدرجہ اتم عطا فرمائی تھیں۔

قَوْلُہٗ: فَاسْتَویٰ، عَلَّمه شدید القویٰ پر اس کا عطف ہے۔

قَوْلُہٗ: وهو بالافق الاعلیٰ جملہ حالیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: فَتَدَلّٰی، تَدَلّیٰ سے ماضی واحد مذکر غائب وہ اتر آیا، وہ لٹک آیا، وہ قریب ہوا، یہ دَلَّیْتُ الدَّلْوَ فی البئر سے ماخوذ ہے، میں نے کنوئیں میں ڈول لٹکایا، اتارا۔

سُؤَال: قرب نزول کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ قریب ہوا اور پھر نازل ہوا، مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

جَوَابٌ: مفسر علام نے زادَ فی القرب کا اضافہ اسی شبہ کا جواب دینے کے لئے کیا ہے یعنی حضرت جبرائیل قریب ہوئے اور پھر اور زیادہ قریب ہوئے، اور بعض حضرات نے مذکورہ شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ کلام میں تقدیم وتاخیر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ثُمَّ تَدَلّٰی فَدَنٰی یعنی جبرئیل اترے اور قریب ہوئے۔

قَوْلُهُ: قَابَ قَوْسَیْنِ القاب والقیب، والقاد والقید، المقدار، عرب میں ناپنے اور اندازہ کرنے کے مختلف طریقے تھے ان میں سے ایک طریقہ قوس (کمان) سے ناپنے کا بھی تھا، قوس کے علاوہ عرب رمح (نیزہ) سوط کوڑا، ذراع الباع الخطوۃ (قدم) الشبر (بالشت) فِترٌ (انگشتِ شہادت اور انگوٹھے کے درمیان کا حصہ) والِاصْبَع (انگشت) سے بھی ناپتے تھے۔ یعنی جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام آپ سے اتنے قریب ہوگئے کہ صرف دو کمانوں کی مقدار دور رہ گئے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ قاب اس فاصلہ کو کہتے ہیں جو کمان کے مقبض اور کنارے کے درمیان ہوتا ہے اور دو کمانوں کے دو قاب ہوتے ہیں۔

قَوْلُهُ: اَوْ اَدْنٰی میں اَوْ بمعنی بل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول اَوْیَزِیْدُوْنَ میں اَوْ بمعنی بل ہے، اور اگر اَوْ اپنی اصل پر ہو تو شک رائی (دیکھنے والے) کے اعتبار سے ہوگا۔

قَوْلُهُ: حَتّٰی اَفَاقَ یہ محذوف کی غایت ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ای ضَمَّهٗ اِلَیْهِ حتّٰی اَفَاقَ.

قَوْلُهُ: مَا كَذَبَ بالتشدید والتخفیف دونوں قراءتیں سبعیہ ہیں، تشدید کی صورت میں ترجمہ ہوگا، جو کچھ آپ کی نظر نے دیکھا قلب نے اس میں شک نہیں کیا۔ (صاوی)

قَوْلُهُ: مِنْ صورۃ جبرئیل یہ ما کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ: وتغلبونَهٗ، تُمَارُوْنَهٗ کی دوسری تفسیر تَغْلِبُوْنَهٗ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ تمارونہ، تغلبونہ کے معنی کو متضمن ہے اور اس کا صلہ علٰی لانا درست ہے۔

قَوْلُهُ: المَاْوٰی مصدر، اور اسم ظرف ہے، قیام کرنا، رہنا، سکونت اختیار کرنا، مقام سکونت، ٹھکانہ (ض) اگر صلہ میں الی آئے تو پناہ لینا، اور اگر اس کا صلہ لام ہو تو مہربانی کرنا، جیسے اوی لهٗ اس پر مہربانی کی، اس پر رحم کیا۔

قَوْلُهُ: لَقَدْ رَاٰی لام جواب قسم پر ہے اور قسم، اُقْسِمُ محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: مِنْ آیاتِ رَبِّهِ الکبرٰی، مِن تبعیضیہ ہے اور رأی کا مفعول ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے اور کُبرٰی آیات کی صفت ہے۔

سُؤَالٌ: الآیات موصوف جمع ہے اور کبریٰ صفت واحد ہے موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَابٌ: الآیات ایسی جمع ہے کہ اس کی صفت واحد مؤنث لانا درست ہے اس کے علاوہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے اس میں مزید حسن پیدا ہوگیا۔ (جمل)

اس میں دوسری ترکیب یہ بھی ہوسکتی ہے الکبریٰ رأیٰ کا مفعول بہ اور مِن آیاتِ ربہ حال مقدم، تقدیر عبارت یہ ہے لَقَدْ رأیٰ الآیاتِ الکبریٰ حال کونها مِن جملة آیات ربه.

قولہ: رَفْرَفًا، قالین، رَفْرَفًا خُضْرًا سبز قالین، چاندنیاں، تکئے، ہرے بھرے باغیچے اس کا واحد رَفرفۃٌ ہے۔
(لغات القرآن)

قولہ: اَفَرَأَیْتُمُ اللّٰتَ وَالعُزّٰی استفہام توبیخی ہے، لات اس بت کا نام ہے جو کعبہ میں نصب تھا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ بت طائف میں تھا اور یہ بنو ثقیف کا دیوتا تھا، اس کی تحقیق میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ لَتَّ السویق سے ماخوذ ہے، لات اسم فاعل کا صیغہ ہے گوندھنے والا، ملانے والا، ایک شخص جو کہ حجاج کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، کلبی نے کہا ہے کہ اس کا اصل نام صرمہ بن غنم تھا (خلاصۃ التفاسیر) جب اس کا انتقال ہو گیا تو جس پتھر پر بیٹھ کر وہ ستو گھولا اور پلایا کرتا تھا اسی پتھر کا ایک بڑا بت تراش کر رکھ دیا بعد ازاں لوگوں نے اس کی پوجا شروع کر دی، یہ وہی لات ہے۔

قولہ: عُزّٰی یہ اَعَزُّ کی تانیث ہے یہ قبیلہ غطفان کے بت کا نام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک ببول کا درخت تھا، آپ ﷺ نے خالد بن ولید کو بھیج کر اس درخت کو کٹوا دیا تھا، جب اس درخت کو کاٹا تو اس میں سے ایک (جنیہ) بھوتنی سر کے بال بکھیرے ہوئے اور ہاتھ سر پر رکھے ہوئے خرابی خرابی چلاتی ہوئی نکلی، حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو تلوار سے قتل کر دیا، حضرت خالد نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا یہی عزّٰی ہے۔

قولہ: مناۃ یہ ایک پتھر تھا، جو ہذیل اور خزاعہ کا دیوتا تھا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ بنی ثقیف کا دیوتا تھا، یہ منیٰ یمنی سے ماخوذ ہے اس کے معنی بہانے کے ہیں، چونکہ اس کے پاس کثرت سے جانور ذبح ہوتے تھے جس کی وجہ سے بہت خون بہتا تھا، اسی وجہ سے اس کا نام مناۃ ہو گیا۔

قولہ: الاُخریٰ یہ ثالثۃ کی صفت ذم ہے، یعنی رتبے کے اعتبار سے تیسرے نمبر کا۔

سوال: جب ثالثۃٌ کہہ دیا تو اس کا اخریٰ ہونا خود بخود معلوم ہو گیا، پھر اخریٰ کہنے کی کیا ضرورت؟

جواب: الاُخریٰ صفت ذم ہے اس لئے کہ مراد رتبہ میں تاخیر ہے نہ کہ ذکر و شمار میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول قالت اُخراھم لاُولٰھُمْ ای ضُعَفاؤھُمْ لِرُؤسائھم۔

قولہ: الثانی محذوف، اَللّٰتَ اپنے معطوفات سے مل کر أرأیتُمْ بمعنی اَخبرونی کا مفعول اول ہے اور اَلِھٰذہ الاصنام الخ جملہ استفہامیہ مفعول ثانی ہے۔

قولہ: تلکَ، تلكَ کا مشار الیہ قِسْمَۃٌ ہے جو ماقبل کے جملہ استفہامیہ سے مفہوم ہے۔

قولہ: ضِیْزٰی یہ ضِیْزٌ سے ماخوذ ہے بمعنی ظلم، یاء، کی رعایت سے ضاد کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا، جیسا کہ بِیْضٌ میں کیا ہے، اس لئے کہ فِعْلٰی کا وزن صفت کے لئے مستعمل نہیں ہے۔

سوال: مفسر علام نے سَمَّیْتُمُوْھَا کی تفسیر سَمَّیْتُمْ بِھَا سے کیوں کی؟

جواب: اس کا مقصد ایک اعتراض کا دفعیہ ہے، اعتراض یہ ہے کہ اسماء کا نام نہیں رکھا جاتا جیسا کہ بظاہر سَمَّیْتُمُوْھَا سے

مفہوم ہوتا ہے بلکہ مسمّٰی کا نام رکھا جاتا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کلام میں حذف ہے اصل کلام سَمَّیْتُمْ بِھَا ہے، اس کا مفعول محذوف ہے اور وہ اصنامًا ہے جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کردیا ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط:

سورۂ طور کا اختتام لفظ النُّجُوْم پر ہوا تھا، اس سورۃ کی ابتداء والنجم سے ہوئی ہے دونوں میں مناسبت قریبہ موجود ہے، سورۂ نجم مکہ میں نازل ہوئی سوائے اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کے کہ یہ آیت مدنی ہے، اس میں ۶۲ آیتیں ہیں، اس کا مرکزی مضمون، عصمت انبیاء، تصدیق نبوت، مسئلہ تعلیم جبرئیل، رویت باری تعالیٰ اور سیر علوی مقامات ہیں۔

اس سورت کے اکثر کلمات معانی کثیرہ اور مفاہیم مختلفہ پر مشتمل ہیں، معانی مجازی اور استعارات پر محمول ہیں، اسی وجہ سے اس کی تفسیر میں اختلاف بہت زیادہ ہے۔

خصوصیات سورۂ نجم:

سورۂ نجم پہلی سورت ہے جس کا آپ ﷺ نے مکہ میں اعلان فرمایا، اور یہی سب سے پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی، جب آپ ﷺ نے آیت سجدہ تلاوت کرنے کے بعد سجدۂ تلاوت فرمایا تو حاضرین میں سے مسلمان، کافر سب نے سجدہ کیا سوائے ایک شخص امیہ بن خلف کے، اس نے اپنی مٹھی میں مٹی لیکر اپنی پیشانی سے لگالی، چنانچہ یہ کفر کی حالت میں مارا گیا (صحیح بخاری تفسیر سورۂ النجم) بعض روایتوں میں اس شخص کا نام عتبہ بن ربیعہ بتلایا گیا ہے۔

(ابن کثیر)

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی بعض مفسرین نے النجم سے ثریا ستارہ مراد لیا ہے اور بعض نے زہرہ ستارہ، اور بعض نے جنس نجوم هَوٰی اوپر سے نیچے گرنا یعنی طلوع فجر کے وقت جب وہ گرتا ہے یا شیاطین کو مارنے کے وقت گرتا ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ یہ جواب قسم ہے، صاحبکم تمہارا ساتھی، اس کلمہ سے آپ ﷺ کی صداقت کو واضح اور ثابت کرنا مقصود ہے، کہ نبوت سے پہلے چالیس سال اس نے تمہارے ساتھ اور تمہارے درمیان گذارے ہیں، ان کے شب وروز کے تمام معمولات تمہارے سامنے ہیں، اس کا اخلاق وکردار تمہارا جانا پہچانا ہے، راست بازی اور امانتداری کے سوا تم نے اس کے کردار میں کبھی کچھ اور دیکھا؟ اب چالیس سال بعد جو وہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے تو ذرا سوچو کہ وہ کس طرح جھوٹ ہوسکتا ہے چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ بہکا ہے، اللہ تعالیٰ نے دانستہ اور نادانستہ دونوں قسم کی گمراہیوں سے اپنے پیغمبر کی تنزیہ فرمائی ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا قول مَاضَلَّ صاحبُکم اللہ تعالیٰ کے قول وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی سے بظاہر متعارض ہے۔

جواب: ضَآلٌّ اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے لئے صلاحیت فعل شرط ہے وقوع فعل ضروری نہیں اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو باعتبار عنصر خاکی وطبع انسانی قابل وصالح بہکنے کے پایا، لہٰذا آپ کو ضالٌّ باعتبار صلاحیت قبول فعل کہا گیا ہے اور مَاضَلَّ باعتبار عدم وقوع کے فرمایا، اب کوئی تعارض نہیں۔ (خلاصة التفاسير)

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی یعنی وہ گمراہ اور بہک کیسے سکتا ہے وہ تو وحی الٰہی کے بغیر لب کشائی ہی نہیں کرتا حتی کہ مزاح طبعی کے موقعوں پر بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا (ترمذی شریف) اسی طرح حالت غضب میں آپ کو اپنے جذبات پر اتنا کنٹرول تھا کہ زبان سے کوئی بات خلاف واقعہ نہ نکلتی۔ (ابوداؤد)

خلاصہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ کی طرف منسوب کردیں اس کا قطعاً کوئی امکان نہیں بلکہ آپ جو کچھ فرماتے وہ سب اللہ کی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے، وحی کی بہت سی اقسام بخاری کی احادیث سے ثابت ہیں ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جس کا نام قرآن ہے، دوسرے وہ کہ صرف معنی اللہ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں آنحضرت ان معانی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں، اس کا نام حدیث اور سنت ہے، پھر حدیث میں جو مضمون حق تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے، کبھی وہ کسی معاملہ کا صاف اور واضح فیصلہ اور حکم ہوتا ہے، کبھی کوئی قاعدہ کلیہ بتلایا جاتا ہے، اگر کسی مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف اور واضح حکم نہ ہو تو نبی اپنے اجتہاد سے کام لیتا ہے، اجتہاد میں اس کا تو امکان ہوتا ہے کہ خطا ہوجائے مگر تمام انبیاء کی خصوصیت ہے کہ اگر احکام مستنبطہ میں غلطی ہوجائے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس کی اصلاح فرمادیتے ہیں بخلاف علماء مجتہدین کے، کہ اگر ان سے غلطی ہوجائے تو وہ خطا پر قائم رہ سکتے ہیں اور ان کی یہ خطاء صرف معاف ہی نہیں بلکہ دین کے سمجھنے میں جو اپنی پوری توانائی صرف کرتے ہیں اس پر بھی ان کو ایک گونا ثواب ملتا ہے۔ (جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے)۔ (معارف)

ذُوْمِرَّۃٍ فاستوی یہ اور آئندہ کلمات اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت جبرئیل کی صفات ہیں اور بعض دیگر مفسرین کے نزدیک مذکورہ صفات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہیں، اور ان تمام آیات کا تعلق واقعہ معراج سے قرار دے کر حق تعالیٰ سے تعلیم بلا واسطہ اور رویت وقرب حق تعالیٰ پر محمول کرتے ہیں، یہ تفسیر صحابہ کرام میں سے حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے منقول ہے، اور پہلی تفسیر جن صحابہ سے منقول ہے ان میں بہت سے حضرات صحابہ وتابعین شامل ہیں ان حضرات کے قول کے راجح ہونے کی کئی وجوہات ہیں تاریخ سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ سورۂ نجم بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور ظاہر یہی ہے کہ واقعہ معراج اس سے مؤخر ہے، دوسری اور اصل وجہ یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ سے ان آیات کی تفسیر رویتِ جبرئیل سے منقول ہے، مسند احمد میں یہ روایت منقول ہے۔

شعبی حضرت مسروق سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک روز حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس تھے۔ (رویت باری تعالیٰ کے مسئلہ

میں گفتگو ہو رہی تھی) مسروق کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ، وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی حضرت صدیقہ نے فرمایا کہ پوری امت میں سب سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ جس کے دیکھنے کا آیت میں ذکر ہے، وہ جبرئیل ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے صرف دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے آیت میں جس رویت کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جبرئیل امین کو آسمان سے زمین کی طرف اترتے ہوئے دیکھا کہ ان کے جسم نے زمین و آسمان کے درمیان کی فضاء کو بھر دیا ہے (مسند احمد) صحیح مسلم میں بھی تقریباً انہی الفاظ سے منقول ہے، نووی نے شرح مسلم میں اور حافظ نے فتح الباری میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ''قاب'' کمان کی لکڑی جس میں قبضہ (دستہ) لگا ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل لکڑی کے دونوں کناروں میں ڈور (تانت) بندھی ہوتی ہے، دستہ اور ڈور کے درمیانی فاصلہ کو قاب کہتے ہیں، جس کا فاصلہ اندازاً ڈیڑھ فٹ ہوتا ہے، قابَ قوسینِ یعنی دو کمانوں کا قاب جس کا فاصلہ تین فٹ ہے یہ تعبیر حضرت جبرئیل اور آپ ﷺ کے درمیان نہایت قرب کو بیان کرنے کے لئے اختیار کی ہے، عرب کی عادت تھی کہ آپسی اتحاد و یگانگت کو ظاہر کرنا یا اگر دو آدمی آپس میں صلح اور دوستی کا معاہدہ کرنا چاہتے تو جس طرح اس کی ایک علامت ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی معروف و مشہور ہے اسی طرح ایک علامت یہ تھی کہ دونوں اپنی اپنی کمانوں کی لکڑی اپنی اپنی طرف کر کے ڈور (تانت) کو ڈور سے ملاتے اور جب ڈور سے ڈور مل جاتی تو باہمی قرب و مودت کا اعلان سمجھا جاتا، اس قرب کے وقت دونوں شخصوں کے درمیان دو قابوں تقریباً تین فٹ کا فاصلہ رہتا۔

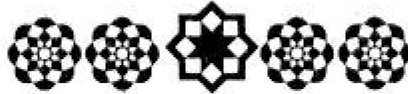

(قابَ قوسین کا نقشہ پیش ہے)

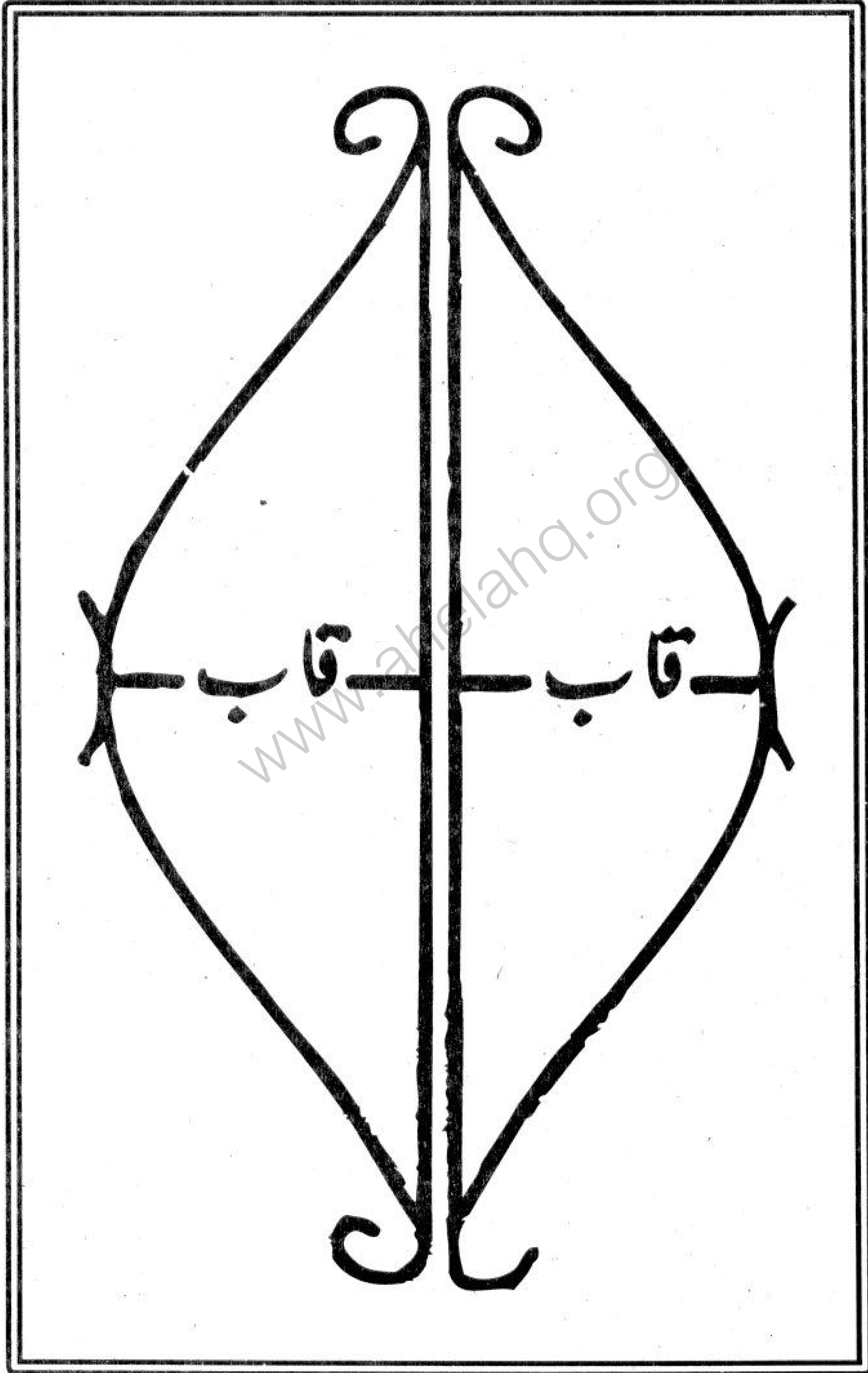

ایک علمی اشکال اور اس کا جواب:

آیات مذکورہ میں صفات کا مصداق حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرار دینے میں جو کہ جمہور مفسرین کا مختار ہے بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اوپر کی آیات میں جو ضمیریں ہیں وہ جبرائیل کی طرف راجع ہیں، مگر صرف فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی میں دونوں ضمیریں اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں، جو عبارت کے نظم و نسق کے خلاف ہے اور اس سے انتشار مرجع بھی لازم آتا ہے، اس کا جواب حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب نے یہ دیا ہے۔

جواب: نہ یہاں نظم کلام میں کوئی اختلال ہے اور نہ انتشار ضمائر، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سورۂ نجم کی شروع آیت میں اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کا ذکر فرما کر جس مضمون کی ابتداء کی گئی ہے اسی کا نہایت منضبط بیان اس طرح کیا گیا ہے کہ وحی بھیجنے والا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں مگر اس وحی کے پہنچانے میں ایک واسطہ جبرئیل کا تھا چند آیات میں اس واسطہ کی پوری طرح توثیق کرنے کے بعد پھر اَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی فرمایا یہ ابتدائی کلام کا تکملہ ہے، اور اس میں انتشار ضمیر اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اَوْحٰی اور عَبْدِهٖ کی ضمیر میں اس کے سوا احتمال ہی نہیں کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف راجع ہو، اس لئے یہ مرجع پہلے سے متعین ہے اور مَا اَوْحٰی میں مُوْحٰی بہ کو مبہم رکھ کر اس کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہے۔

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاوٰی اسے جنت الماویٰ اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ماویٰ و مسکن یہی تھا، بعض کہتے ہیں کہ ماویٰ اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں روحیں آکر جمع ہوتی ہیں۔

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی یہ سدرۃ المنتہیٰ کی اس کیفیت کا بیان ہے کہ جب شب معراج میں آپ ﷺ نے اس کا مشاہدہ فرمایا تھا، سونے کے پروانے اس کے گرد منڈلا رہے تھے، فرشتوں کا عکس اس پر پڑ رہا تھا، اور رب کی تجلیات کا مظہر بھی وہی درخت تھا (ابن کثیر) اسی جگہ آپ ﷺ کو تین چیزوں سے نوازا گیا، پانچ وقت کی نمازیں، سورۂ بقرہ کی آخری آیات اور ان مسلمانوں کی مغفرت کا وعدہ جو شرک کی آلودگیوں سے پاک ہوں گا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان)

اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی اس سے مشرکین کی توبیخ مقصود ہے بایں طور کہ اول اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کا بیان ہے کہ وہ جبرئیل جیسے عظیم فرشتے کا خالق ہے اور محمد ﷺ جیسے اس کے رسول ہیں جنہیں اس نے آسمانوں پر بلا کر بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرایا، اور ان پر وحی بھی نازل فرماتا ہے، کیا تم جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو ان کے اندر بھی یہ یا اس قسم کی خوبیاں ہیں؟ اس ضمن میں عرب کے تین بتوں کا بطور مثال ذکر کیا، ایک ان میں سے لات ہے، یہ لَتَّ یَلِتُّ سے اسم فاعل ہے، اس کے معنی ہیں گھولنے والا، گوندھنے والا، یہ ایک نیک شخص تھا جو حج کے موسم میں حاجیوں کو ستو گھولکر پلایا کرتا تھا، جب اسکا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کی پوجا شروع کر دی بعد میں اس کے مجسمے تراش کر پوجا پاٹ شروع کر دی، یہ طائف میں بنی ثقیف کا سب سے بڑا بت تھا، عزیٰ، بعض نے کہا کہ یہ ایک درخت تھا جس کی پوجا کی جاتی تھی، بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک جنیہ (بھوتنی) تھی جو بعض درختوں میں ظاہر ہوتی تھی، بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک سنگ ابیض تھا جسے لوگ پوجتے تھے، یہ قریش اور بنی کنانہ کا خاص دیوتا

تھا، مجاہد نے کہا کہ یہ ایک درخت تھا بنی غطفان اس کی پرستش کرتے تھے، جب مکہ فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا کہ عزّیٰ کو خوار کریں چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ درخت کاٹ ڈالا ایک جنیہ بال بکھیرے سر پر ہاتھ رکھ کر خرابی خرابی چلاتی ہوئی نکلی حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو تلوار سے قتل کر دیا، جب خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خدمت میں آئے تو واقعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا ابھی عزیٰ کا قلع قمع نہیں ہوا، پھر حضرت خالد نے درخت جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اس سے ایک عورت برہنہ نکلی، خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بھی قتل کر دیا، حضور نے فرمایا یہی عزیٰ تھی اب کبھی نہ پوجی جائے گی، مَناة یہ مَنٰی یمنِی سے ماخوذ ہے جس کے معنی بہانے کے ہیں، چونکہ مشرکین عرب اس کے پاس بکثرت جانور ذبح کر کے خون بہا کر اس کا تقرب حاصل کرتے تھے اسی لئے اس کا نام مناۃ ہو گیا یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان بنوخزاعہ کا خاص بت تھا، زمانہ جاہلیت میں اوس اور خزرج یہیں سے احرام باندھتے تھے اور اس کا طواف بھی کرتے تھے۔ (خلاصة التفاسير، وابن كثير)

بحث: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کا تقاضہ ہے کہ آپ ﷺ کے تمام کلمات اور جمیع مرویات وحی ہوں ابن کثیر کی مرویات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اِنّی لَا اَقُوْلُ اِلّا بالحَقّ اور حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں جو آنحضرت ﷺ سے سنتا لکھ لیتا، قریش نے کہا آپ ﷺ بشر ہیں حالت غضب میں بھی بات کرتے ہیں، پھر جملہ کلمات قابل ضبط وتحریر کیونکر ہو سکتے ہیں؟ میں نے آنحضرت سے عرض کیا، آپ نے فرمایا ''لکھ لیا کرو اس لئے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ حق ہی ہوتا ہے''۔

شبہ: آپ ﷺ کو شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ میں مشورہ کا حکم دیا گیا ہے جس کا مقتضی جواز اصلاح وترمیم ہے اسی طرح ابارۂ خرما (یعنی نر کھجور کے شگوفہ کو مادہ کھجور میں ڈالنا، جس کو تأبیر کرنا کہتے ہیں) کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ آپ کا ہر قول وحی نہیں ہوتا تھا، یعنی صحابہ کرام اپنے کھجور کے درختوں میں عمل تأبیر کیا کرتے تھے آپ نے ایک روز اس عمل کے بارے میں دریافت فرمایا، صحابہ نے عرض کیا اس طریقہ سے پھل خوب آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو تو بہتر ہے، چنانچہ صحابہ نے عمل تأبیر ترک کر دیا مگر اس سال پھل کم آئے، صحابہ نے آپ ﷺ سے اس صورت حال کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذا اَمَرتكم بشیءٍ من أمر دینکم فخذوا به واذا اَمَرْتُكُمْ بِشَیْءٍ مِنْ رَأیٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۲۸) ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا ''جو مجھے چرب زبانی سے مغالطہ دیکر فیصلہ کرالے گا قیامت میں اس کا وبال اس کے سر ہوگا، اسی طرح آپ ﷺ سے خطاء اجتہادی کا صدور ہوتا تھا، مذکورہ تمام امور کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آپ کے جمیع ارشادات وحی نہ ہوں، اس لئے کہ وحی الٰہی ہر سقم سے پاک ہوتی ہے۔

دفع: ارشادات نبوی کی چار قسمیں ہیں ① ازواج واطفال کے ساتھ مزاح ② معاملات ③ تجویز وتدبیر ④ تبلیغ احکام من جانب اللہ، قسم رابع تو قطعاً وحی ہے، باقی اقسام ثلثہ بھی لغو وباطل وہوائے نفس سے پاک اور بری ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے مزاحاً فرمایا ''جنت میں بوڑھی عورتیں نہ جائیں گی'' مطلب یہ تھا کہ جوان ہو کر داخل جنت ہوں گی، ان معاملات میں کبھی کبھی رائے وقیاس کا صائب نہ ہونا، جیسا کہ حدیث خرما میں گذرا یا تجویز وتدبیر میں خطائے

اجتہادی کا ہونا جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں ہوا، یہ نہ غیر حق ہے اور نہ ہوائے نفس لہٰذا احادیث میں کوئی تعارض نہیں، رہی آیت، وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰی یہ مخصوص ہے ان کلمات اور ارشادات سے جو امور دین سے ہوں۔

مسئلہ: آپ ﷺ صغائر و کبائر سے معصوم ہیں جیسا کہ عدم ضلال و عدم غوایت مطلقہ سے ظاہر ہے۔ (خلاصۃ التفاسیر)

عَلَّمَهٗ شَدِيدُ الْقُوٰی.

بحث: شدید القوی سے اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت جبرئیل امین مراد ہیں۔

شبہ: اس سے شبہ لازم آتا ہے کہ جبرئیل آپ ﷺ کے معلم اور استاذ ہوں، اور آپ ﷺ متعلم اور شاگرد ہوں۔

دفع: حضرت جبرئیل امین مبلغ تھے نہ کہ استاذ و معلم اور فرق ان دونوں میں یہ ہے (۱) معلم میں علم مقصود بالذات ہوتا ہے، اور مبلغ میں مقصود بالغیر (۲) معلم علم سے فائدہ اٹھانے کی مستقل صلاحیت رکھتا ہے اور مبلغ واسطہ اور ناقل ہوتا ہے (۳) معلم میں علم قائم ہو کر متعلم کی طرف منعکس ہوتا ہے اور اس علم کا ظل اور مثل متعلم میں آجاتا ہے جیسے چراغ کا نور دوسرے چراغ میں، اور مبلغ میں مقصود انتقال عین ہوتا ہے اور مبلغ واسطہ۔ جیسے حرارت آتشی شیشے سے پس مبلغ میں اثر رہ سکتا ہے جیسے متعلم میں اثر جاسکتا ہے اور معلم میں عین باقی رہتا ہے جس طرح کہ مبلغ الیہ میں عین قائم ہوتا ہے (۴) معلم معطی علم ہے اور مبلغ مؤدی امانت، پس انہی وجوہ سے معلم کو متعلم پر شرف و فضل حاصل ہے مبلغ کو نہیں، اسی لئے جبرئیل "رسول امین" قرار پائے ہیں، گو امین خود قابض اور واسطۂ قبض صاحب امانت ہو مگر خادم و مامور ہے نہ کہ معطی و مالک، ملائکہ ذرائع ہوتے ہیں اور انبیاء مقاصد۔ (خلاصۃ التفاسیر ملخصًا)

أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثٰى تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزٰى مشرکین مکہ فرشتوں اور مذکورہ دیویوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، یہ اس کی تردید ہے، ضِيزٰى ضَوْزٌ یا ضیز سے مشتق ہے جس کے معنی ظلم کرنے اور حق تلفی کرنے نیز جادۂ حق سے ہٹنے کے ہیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ضیزی کے معنی ظالمانہ تقسیم کے کئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اناث جن کو تم ناپسند کرتے اور حقیر سمجھتے ہو ان کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہو اور ذکور جن کو تم پسند کرتے ہو اپنے حصہ میں رکھتے ہو، یہ ظالمانہ اور غیر منصفانہ تقسیم ہے۔

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا الخ یعنی جن کو تم دیوی دیوتا کہتے ہو اور جن کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو اور جن کے لئے تم خدائی صفات اور اختیارات ثابت کرتے ہو اور تم نے اور تمہارے آباء نے بطور خود ان کو خدا کی اولاد اور خدائی میں شریک مان کر نام رکھ لئے ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے اور نہ خدا کی طرف سے کوئی ایسی سند آئی کہ جسے تم اپنے ان مفروضات کے ثبوت میں پیش کرسکو، اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ تم اپنی خواہشات نفس کی پیروی اختیار کئے ہوئے ہو، حالانکہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبران گمراہ لوگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کرتے رہے ہیں اور اب اللہ کے آخری نبی محمد ﷺ نے آکر بتادیا ہے کہ کائنات میں خدائی کس کی ہے اور حقیقی معبود کون ہے؟

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ اى كَثِير مِنَ المَلَائِكَةِ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا أَكْرَمَهُمْ عِندَ اللهِ لَا تُغْنِىْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لهم فيها لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾ عنه لِقَولِه وَلَا يَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ومَعْلُومٌ انّها لا تُوجَدُ منهم اِلَّا بَعْدَ الاِذن فيها مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشفَعُ عِندَهٗ اِلَّا باِذْنِه اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾ حيثُ قَالُوا هُمْ بَنَاتُ اللهِ وَمَا لَهُمْ بِهٖ بهذا المقول مِنْ عِلْمٍ اِنْ ما يَّتَّبِعُوْنَ فيه اِلَّا الظَّنَّ الذى تَخَيَّلُوه وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٨﴾ اى عَنِ العِلْمِ فيما المَطلُوبُ فيه العِلْمُ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا اى القُرانِ وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ وهذا قبلَ الامر بالجهادِ ذٰلِكَ اى طَلَبُ الدُنيا مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اى نِهَايَةُ عِلْمِهِمْ اَنْ اٰثَرُوا الدُّنيا على الاخرةِ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿٣٠﴾ اى عَالِمٌ بهما فيُجازِيهما وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ اى هو مَالِكٌ لِذٰلِكَ ومنه الضَّالُّ والمُهْتَدِى يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ ويَهْدِى مَنْ يَشَاءُ لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا مِنَ الشِّرْكِ وغيرِه وَيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بالتوحيدِ وغيرِه مِنَ الطَّاعَاتِ بِالْحُسْنٰى ﴿٣١﴾ اى الجَنَّةِ وبَيَّنَ المُحسِنِينَ بقولِه اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ هُوَ صِغَارُ الذُّنُوبِ كالنَّظْرَةِ والقُبْلَةِ واللَّمْسَةِ فهُوَ اسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ والمَعْنٰى لٰكِنِ اللَّمَمَ تُغْفَرُ بِاجْتِنَابِ الكَبَائِرِ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ بذٰلِك وبِقَبُولِ التَّوبَةِ ونَزَلَ فيمَنْ كَانَ يَقُولُ صَلَاتُنَا صِيَامُنَا حَجُّنَا هُوَ اَعْلَمُ اى عَالِمٌ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اى خَلَقَ اَبَاكُمْ ادمَ مِنَ التُّرابِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ جَمْعُ جَنِينٍ فِىْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ لَاتَمْدَحُوهَا اى عَلٰى سَبِيلِ الاِعْجَابِ اَمَّا عَلٰى سَبِيلِ الاِعْتِرَافِ بالنِّعْمَةِ فحَسَنٌ هُوَ اَعْلَمُ اى عَالِمٌ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿٣٢﴾

ترجمہ: اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں یعنی بہت سے فرشتے ہیں اور عنداللہ کس قدر مکرم ہیں (پھر بھی) ان کی شفاعت کچھ فائدہ نہ دے گی مگر بعد اس کے کہ اللہ ان کو شفاعت کی اجازت عطا فرمادے اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے اور، اس سے راضی ہو (اللہ تعالیٰ کے قول) وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی کی وجہ سے، اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ فرشتوں کی شفاعت کا وجود شفاعت کی اجازت کے بعد ہی ہوگا، کس کی مجال کہ اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے؟ بلاشبہ وہ لوگ جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے تو وہ فرشتوں کے زنانے نام رکھتے ہیں بایں طور کہ انہوں نے فرشتوں کے بارے میں کہا کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں حالانکہ ان کو اس مقولہ کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے، اور وہ اس قول میں اس ظن محض کی پیروی کر رہے ہیں جو انہوں نے کرلیا ہے اور یقیناً ظن علم کی جگہ کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا، یعنی جہاں علم مطلوب ہو وہاں ظن سے کام نہیں چل سکتا، تو آپ بھی اس شخص سے توجہ ہٹا لیجئے جس نے ہمارے ذکر یعنی قرآن سے رخ پھیر لیا اور اس کا مقصد محض دنیوی زندگی ہی ہے اور یہ (حکم) جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے، اور یہ یعنی دنیا طلبی

ان کا منتہائے علم ہے یعنی ان کے علم کی آخری منزل یہی ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں بلاشبہ آپ کا پروردگار اس کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک گیا اور اس سے بھی بخوبی واقف ہے جس نے راہ ہدایت اختیار کی یعنی ان دونوں سے واقف ہے لہٰذا دونوں کو جزاء دے گا، اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملک ہے یعنی وہی اس کا مالک ہے اور اسی میں گمراہ اور راہ یافتہ بھی ہیں وہ جس کو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے تاکہ اس شخص کو سزا دے جس نے شرک وکفر وغیرہ کے ذریعہ بداعمالیاں کیں اور ان لوگوں کو جنت کا صلہ دے جنہوں نے توحید وطاعت وغیرہ کے ذریعہ نیک اعمال کئے اور بیان فرمایا اپنے قول اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ الخ کے ذریعہ نیکوکاروں کو (نیکوکار) وہ لوگ ہیں جو بڑے (بڑے) گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں اور بے حیائیوں سے (بھی) مگر کہ چھوٹے موٹے گناہوں کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور لَمَمْ چھوٹے گناہوں کو کہتے ہیں جیسا کہ ایک نظر دیکھ لینا، اور ایک بوسہ لے لینا، اور ایک مرتبہ چھو لینا، یہ استثناء منقطع ہے اور معنی یہ ہیں کہ صغائر، کبائر سے اجتناب کرنے کی وجہ سے معاف کر دیئے جاتے ہیں بلاشبہ تیرا رب وسیع المغفرت ہے اس کے ذریعہ اور توبہ قبول کرنے کے ذریعہ اور (آئندہ) آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو شخص (فخر کے طور پر) کہتا تھا ہماری نماز، ہمارے روزے، ہمارا حج حالانکہ وہ تم کو خوب جانتا ہے جب کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہارے دادا آدم کو مٹی سے پیدا کیا جب کہ تم ماؤں کے پیٹ میں جنین تھے اَجِنَّۃٌ جنین کی جمع ہے لہٰذا تم اپنے نفسوں کی پاکی مت بیان کرو اب رہا نعمت کے اعتراف کے طور پر تو وہ حسن ہے، متقیوں کو وہ خوب جانتا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: کَمْ مِنْ مَلَکٍ، کَمْ خبریہ بیان کثرت کے لئے ہے لہٰذا مَلَک اگرچہ مفرد ہے مگر معنی میں جمع کے ہے، لہٰذا لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ کے مطابق ہے، اور کَمْ مِنْ مَلَکٍ مبتداء اور لاتغنی اس کی خبر دونوں محلاً مرفوع ہیں۔

قولہ: وَمَا اَکْرَمَهُمْ جملہ تعجبیہ ہے، ملائکہ کی زیادتی تشریف کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

قولہ: ومعلوم انها لَا توجَدُ مِنْهُمْ اِلَّا بعد الِاذن فیها اس عبارت کے اضافہ کا ایک مقصد تو اس شبہ کو دور کرنا ہے کہ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شیئًا سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کی شفاعت تو ہوگی مگر وہ کچھ بھی مفید نہ ہوگی حالانکہ سرے سے شفاعت ہی نہیں ہوگی، مذکورہ عبارت سے مفسر علام نے جواب دیدیا کہ عدم اغناءِ شفاعت، عدم شفاعت کے معنی میں ہے، نیز دوسرا مقصد یہ بتانا بھی ہے کہ شفاعت کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، اول یہ کہ جس کے لئے شفاعت کی جارہی ہے اللہ اس کی شفاعت سے راضی بھی ہو یہ بات لاتغنی شفاعتهم شیئًا الخ سے مفہوم ہو رہی ہے، دوسرے یہ کہ شفاعت کرنے والے کو اجازت بھی ہو، یہ بات دوسری آیت مَنْ ذَا الَّذی یشفَعُ عندَهٗ اِلَّا باذنِهٖ سے مفہوم ہے، جب دونوں باتیں جمع ہوں گی تب ہی شفاعت ہوگی ورنہ نہیں۔

قِوْلَهُ: ای عن العلم اس عبارت سے مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ مِنْ بمعنی عن ہے اور حق بمعنی علم ہے۔

قِوْلَهُ: ومنه الضال والمهتدی الخ اس عبارت کے اضافہ کا فائدہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین وما فیھما کی ملکیت اللہ تعالیٰ کے لئے بالذات ثابت ہے اور جو چیز بالذات ثابت ہوتی ہے وہ چیز معلول بالعلۃ نہیں ہوتی، حالانکہ لِيَجْزِیَ الَّذِيْنَ الخ کو ملكِ سمٰوات والارض کی علت قرار دیا گیا ہے۔

جَوَابُ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ لیجزیَ اضلال وہدایت کی تعلیل ہے جو کہ ملك السمٰواتِ والارض وما فیھما میں شامل ہے، لہٰذا تقدیر عبارت یہ ہے یُضل ویَهدی لِيَجْزِیَ اور یہ بھی صحیح ہے کہ لام عاقبت کا ہو، مطلب یہ کہ تخلیق کائنات اس لئے ہے کہ مخلوق میں محسن بھی ہوں گے اور مسیٔ بھی، یعنی نیکوکار بھی ہوں گے اور بدکار بھی، نیکوکاروں کو جزاء حسن دے اور بدکاروں کو جزاءِ سوء۔

قِوْلَهُ: اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ الخ یہ الَّذِين اَحْسَنُوْا سے بدل ہے یا عطف بیان ہے یا نعت ہے یا اعنی محذوف کا مفعول ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے ای هم الَّذِيْنَ.

قِوْلَهُ: اللَّمَمَ چھوٹے گناہ لَمَمٌ کے لغوی معنی ہیں کم اور چھوٹا ہونا، اسی سے اس کے یہ استعمالات ہیں اَلَمَّ بالمکان مکان میں تھوڑی دیر قیام کیا اَلَمَّ بالطعام تھوڑا سا کھایا، اسی طرح کسی چیز کو محض چھونا، یا اس کے قریب ہونا، یا کسی کام کو ایک یا دو مرتبہ کرنا، اس پر دوام و استمرار نہ کرنا، یا محض دل میں خیال گذرنا، یہ سب صورتیں لَمَم کہلاتی ہیں (فتح القدیر شوکانی) اسی مفہوم اور استعمال کی رو سے اس کے معنی صغیرہ گناہ کے کئے جاتے ہیں، یعنی کسی بڑے گناہ کے مبادیات کا ارتکاب لیکن بڑے گناہ سے اجتناب کرنا، یا کسی گناہ کا ایک دو بار کر لینا اور پھر ہمیشہ کے لئے اس کو چھوڑ دینا، یا کسی گناہ کا خیال دل میں آنا مگر عملاً اس کے قریب نہ جانا، یہ سب صغیرہ گناہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کبائر سے اجتناب کی برکت سے معاف فرما دے گا۔

قِوْلَهُ: فَهُوَ استثناءٌ منقطعٌ یعنی اِلَّا اللَّمَمَ مستثنیٰ منقطع ہے یعنی کبائر میں شامل نہیں ہے اور کبائر میں شامل ہو تو مستثنیٰ متصل ہوگا۔

تفسیر و تشریح

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا یعنی فرشتے اپنی کثرت اور عند اللہ مقرب ترین مخلوق ہونے کے باوجود شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے ان کو بھی شفاعت کا حق صرف انہیں لوگوں کے لئے ملے گا جن کے لئے اللہ پسند کرے گا، جب یہ بات ہے تو پھر یہ اینٹ پتھر کی مورتیاں اور بناوٹی معبود کس طرح کسی کی سفارش کرسکیں گے؟ جس سے تم آس لگائے بیٹھے ہو، نیز اللہ تعالیٰ مشرکوں کے حق میں کسی کی سفارش کرنے کا حق کیسے دے گا؟ جبکہ شرک اس کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے؟

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ الخ یعنی ایک حماقت تو ان کی یہ ہے کہ انہوں نے بے اختیار فرشتوں کو جو بغیر اجازت

سفارش کرنے کا اختیار نہیں رکھتے معبود بنالیا ہے، اس پر مزید حماقت یہ کہ وہ انہیں عورت سمجھتے ہیں اور انہیں خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں، ان ساری جہالتوں میں ان کے مبتلا ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت کو نہیں مانتے اور ملائکہ کے متعلق انہوں نے یہ عقیدہ کچھ اس بناء پر اختیار نہیں کیا ہے کہ انہیں کسی ذریعہ علم سے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ وہ عورتیں ہیں اور خدا کی بیٹیاں ہیں، بلکہ انہوں نے محض اپنے قیاس وگمان سے ایک بات فرض کرلی ہے، حالانکہ یہ اصول اور عقیدہ کا مسئلہ ہے اس میں تو علم قطعی کی ضرورت ہوتی ہے، گمان غالب مسائل فرعیہ عملیہ میں تو کام آسکتا ہے نہ کہ مسائل اعتقادیہ میں۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلّٰی الخ یعنی ایسے لوگوں کے سمجھانے پر اپنا قیمتی وقت صرف نہ کیجئے کہ جو ایسی کسی دعوت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں جس کی بنیاد خدا پرستی پر ہو اور جو دنیا کے مادی فائدوں سے بلندتر مقاصد اور اقدار کی طرف بلاتی ہو، اس قسم کے مادہ پرست اور خدا بیزار انسان پر اپنی محنت صرف کرنے کے بجائے توجہ ان لوگوں کی طرف کیجئے جو خدا کا ذکر سننے کے لئے تیار ہوں اور دنیا پرستی کے مرض میں مبتلا نہ ہوں، یہ لوگ دنیا اور اس کے فوائد سے آگے نہ کچھ جانتے ہیں اور نہ سوچ سکتے ہیں، اس لئے ان پر محنت صرف کرنا لاحاصل ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى یہ اعراض کی علت ہے کسی آدمی کے گمراہ یا برسر ہدایت ہونے کا فیصلہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی زمین وآسمان کا مالک ہے، اور اسی کو یہ معلوم ہے کہ دنیا کے لوگ جن مختلف راہوں پر چل رہے ہیں ان میں سے ہدایت کی راہ کونسی ہے؟ اور ضلالت کی راہ کونسی؟ لہٰذا تم اس بات کی کوئی پرواہ نہ کرو کہ یہ مشرکین عرب اور یہ کفار مکہ آپ کو بہکا اور بھٹکا ہوا آدمی قرار دے رہے ہیں، اور اپنی جاہلیت ہی کو حق وہدایت سمجھ رہے ہیں یہ اگر اپنے زعم باطل میں مگن رہنا چاہتے ہیں تو رہنے دو ان سے بحث وتکرار میں وقت ضائع کرنے اور سر کھپانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

وَلِلّٰهِ مافي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ یہ جملہ معترضہ ہے اور لِيَجْزِیَ کا تعلق ماقبل سے ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اس آیت میں ''محسنین'' جنکی اوپر مدح فرمائی گی ہے کی علامت اور شناخت بتائی گئی ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے عموماً اجتناب کرتے ہیں اور فحش و بے حیائی کے کاموں سے بالخصوص دور رہتے ہیں، اس میں ایک استثناء بلفظ لَمَمْ سے فرمایا گیا ہے (لَمَمْ) کی تشریح سابق میں بھی گذر چکی ہے، مطلب یہ کہ ان حضرات کو محسن (نیکوکار) ہونے کا جو خطاب دیا گیا ہے، لَمَمْ میں ابتلاء ان کو اس خطاب سے محروم نہیں کرتا۔

لَمَمْ کی تشریح میں صحابہ اور تابعین کے دو قول منقول ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں جن کو سورۂ نساء کی آیت میں سیئات سے تعبیر فرمایا گیا ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَاتُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ یہ قول حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمْ سے ابن کثیر نے نقل کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے وہ گناہ مراد ہے جو انسان سے اتفاقی طور پر سرزد ہوگیا ہو پھر اس سے توبہ کرلی ہو اور پھر اس کے قریب بھی نہ گیا ہو یہ قول بھی ابن کثیر نے بروایت ابن جریر مختلف واسطوں سے نقل کیا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اگر کسی نیک آدمی سے کبھی اتفاقاً کبیرہ گناہ سرزد ہوجائے اور اس نے توبہ کرلی تو یہ شخص بھی صالحین اور متقین کی فہرست سے خارج نہ ہوگا، سورۂ آل عمران کی ایک آیت میں یہی مضمون بہت صراحت کے ساتھ آیا ہے،

متقیوں کی صفات کے بیان کے ذیل میں فرمایا وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (یعنی وہ لوگ متقین ہی میں داخل ہیں جن سے کوئی فحش کبیرہ گناہ سرزد ہو گیا ہو گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے تو فوراً ان کو اللہ کی یاد آئی اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگی اور اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کر بھی کون سکتا ہے؟ اور جو گناہ ہو گیا اس پر جمے نہیں رہے) اور جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی متفق علیہ ہے کہ جس صغیرہ گناہ پر اصرار کیا جائے اور اس کی عادت ڈال لی جائے وہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے اس لئے لَمَمْ سے وہ صغیرہ گناہ مراد ہیں جن پر اصرار نہ ہو۔ (معارف)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور مسروق اور شعبی فرماتے ہیں اور حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ بن عباس سے بھی معتبر روایات میں یہ قول منقول ہوا ہے کہ اس سے مراد آدمی کا کسی بڑے گناہ کے قریب تک پہنچ جانا اور اس کے ابتدائی مراحل تک طے کر گذرنا مگر آخری مرحلہ میں پہنچ کر رک جانا ہے مثلاً کوئی شخص چوری کرنے کے لئے جائے مگر چوری سے باز رہے یا اجنبیہ سے اختلاط کرے مگر زنا کا اقدام نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر عکرمہ، قتادہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ ان سے مراد چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں جن کے لئے دنیا میں بھی کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی ہے، اور آخرت میں بھی جن پر کوئی عذاب کی وعید نہیں فرمائی گئی ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ لَمَمْ سے مراد دل میں گناہ کا خیال آنا مگر عملاً اس کا ارتکاب نہ کرنا، یہ حضرات صحابہ اور تابعین سے لَمَمْ کی مختلف تفسیریں ہیں، جو روایات میں منقول ہوئی ہیں، بعد کے مفسرین اور ائمہ وفقہاء کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ یہ آیت اور سورۂ نساء کی آیت ۳۱ صاف طور پر گناہوں کو دو بڑی اقسام پر تقسیم کرتی ہیں، ایک کبائر اور دوسرے صغائر، اور یہ دونوں آیتیں انسان کو امید دلاتی ہیں کہ اگر وہ کبائر اور فواحش سے پرہیز کرے تو اللہ تعالیٰ صغائر سے درگذر فرمائے گا، امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ کبائر اور صغائر کا فرق ایک ایسی چیز ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

صغیرہ وکبیرہ گناہ میں فرق:

اب رہا یہ سوال کہ صغیرہ اور کبیرہ گناہ میں فرق کیا ہے؟ اور کس قسم کا گناہ صغیرہ اور کسی قسم کا گناہ کبیرہ ہے تو اس میں واضح اور صاف بات یہ ہے کہ ہر وہ فعل گناہ کبیرہ ہے جسے کتاب وسنت کی کسی نص صریح نے حرام قرار دیا ہے یا اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول نے دنیا میں کوئی سزا مقرر فرمائی ہو، یا اس پر آخرت میں عذاب کی وعید سنائی ہو یا اس کے مرتکب پر لعنت ہو، یا اس کے مرتکبین پر نزول عذاب کی خبر دی ہو، اس نوعیت کے گناہوں کے ماسوا جتنے افعال بھی شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہیں وہ سب صغائر کی تعریف میں آتے ہیں، اسی طرح کبیرہ کی محض خواہش یا اس کا ارادہ بھی کبیرہ نہیں، بلکہ صغیرہ ہے، حتی کہ کسی بڑے گناہ کے ابتدائی مراحل طے کر جانا بھی اس وقت تک گناہ کبیرہ نہیں ہے، جب تک آدمی اس کا ارتکاب نہ کر گذرے، البتہ گناہ صغیرہ بھی ایسی حالت میں کبیرہ ہو جاتا ہے، جب وہ دین کے استخفاف اور اللہ کے مقابلہ میں استکبار کے جذبہ سے کیا جائے۔

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ مطلب یہ ہے کہ صغائر کا معاف کر دیا جانا، کچھ اس وجہ سے نہیں کہ صغیرہ گناہ گناہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ تنگ نظری اور خوردہ گیری کا معاملہ نہیں فرماتا، بندے اگر نیکی اختیار کریں اور کبائر وفواحش سے اجتناب کرتے رہیں تو وہ ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر گرفت نہ فرمائے گا، اور اپنی رحمت بے پایاں کی وجہ سے ان کو ویسے ہی معاف کر دے گا۔

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ (الآیة) اَجِنَّةٌ جنین کی جمع ہے رحم مادر میں جو بچہ ہوتا ہے اسے جنین کہتے ہیں اس لئے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے مستور ہوتا ہے، ''جیم نون نون'' کے مادہ میں ستر وخفا کے معنی لازم ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب اس سے تمہاری کوئی کیفیت وحالت وحرکت مخفی نہیں حتی کہ جب تم صلب پدر اور رحم مادر میں تھے جہاں کوئی دیکھنے پر قادر نہیں تھا وہ وہاں بھی تمہارے تمام احوال وکیفیات سے واقف تھا تو پھر اپنی پاکیزگی بیان کرنے اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے اور خودستائی کے مرض میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا ہے کہ وہ خود اپنی جان کا اتنا علم نہیں رکھتا جتنا اس کے خالق سبحانہ کو ہے کیونکہ صلب پدر سے لیکر رحم مادر میں تخلیق کے جو مختلف ادوار اس پر گذر رہے ہوتے ہیں اس وقت وہ کوئی علم وشعور ہی نہیں رکھتا مگر اس کا بنانے والا خوب جانتا ہے اس سے انسان کو اس کے عجز اور کم علمی پر متنبہ کر کے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ جو بھی اچھا اور نیک کام کرتا ہے وہ اس کا ذاتی کمال نہیں ہے خدا کا بخشا ہوا انعام ہے، لہٰذا کسی بڑے سے بڑے نیک صالح اور متقی و پرہیزگار کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے عمل پر فخر کرے اور اس عمل کو اپنا کمال قرار دے کر غرور خودستائی میں مبتلا ہو جائے اسی ہدایت کو اگلی آیت **فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى** میں بیان فرمایا ہے، یعنی تم اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہ کرو کیونکہ اس کو صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ کون کیسا اور کس درجہ کا ہے؟ کیونکہ مدارِ فضیلت تقویٰ پر ہے ظاہری اعمال پر نہیں اور تقویٰ بھی وہ معتبر ہے جو موت تک باقی رہے۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى﴿۳۳﴾ عَنِ الایمان ای اِرْتَدَّ لما عُيِّرَ به وقالَ اِنِّی خشِيْتُ عِقابَ اللّٰه فَضَمِنَ له المُعَيِّرُ اَنْ يَّحْمِلَ عنه عَذابَ اللّٰهِ اِنْ رَجَعَ اِلٰى شِرْكِه واَعْطَاهُ مِن مَّالِه كذا فَرجع **وَاَعْطٰى قَلِيْلًا** مِنَ المَالِ المُسَمّٰى **وَّاَكْدٰى**﴿۳۴﴾ مَنَعَ البَاقِى مَاخُوذ مِنَ الكُدْيَةِ وهِىَ اَرْضٌ صلبَةٌ كالصَّخْرَةِ تَمْنَعُ حافر البِئْرِ اِذا وَصَلَ اِلَيها مِنَ الحَفْرِ **اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى**﴿۳۵﴾ يَعْلَمُ مِن جُملَتِه اَنَّ غيرَهٗ يتحمَّلُ عنه عذابَ الاٰخِرَةِ لا وهُو الوليدُ بنُ المُغِيرَةِ او غيرهٗ وجُملة اَعِنْدَهٗ المَفعُولُ الثَّانِى لِرَأيتَ بمعنىٰ اَخْبِرْنِى **اَمْ** بل **لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى**﴿۳۶﴾ اَسْفَارِ التَّورٰةِ اَوْ صُحُفٍ قبلَها **وَ** صُحُفِ **اِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰى**﴿۳۷﴾ تَمَّمَ ما اُمِرَبه بحَقّ وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيمَ رَبُّه بِكَلِمٰتٍ فاتَمَّهُنَّ وبَيَانُ مَا **اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى**﴿۳۸﴾ الى اٰخِرِه واَن مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ اى اَنَّهٗ لاتَحمِلُ نَفْسٌ ذَنْبَ غيرِها **وَاَنْ** اى اَنَّهٗ **لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى**﴿۳۹﴾ مِن خير فليسَ لَه مِن سَعْيِ غيرِه الخَيرِ شَيْءٌ **وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى**﴿۴۰﴾ اى يُبْصَرُهٗ فِى الاٰخِرَةِ **ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى**﴿۴۱﴾ الاَكْمَلَ يُقالُ جَزَيْتُهٗ سَعْيَهٗ وبِسَعْيِه **وَاَنَّ**

بالفتحِ عَطفًا وقُرِئَ بالكَسرِ اسْتِينافًا وكذا ما بَعْدَهَا فلاَ يكونُ مَضمونُ الجُملِ فى الصُحُفِ على الثانى **اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى**﴿۴۲﴾ المَرجعُ والمصيرُ بعدَ الموتِ فيُجازيهم **وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ** مَنْ شاءَ اَفرَحَهٗ **وَاَبْكٰى**﴿۴۳﴾ مَن شاءَ احزَنَهٗ **وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ** فِى الدُنيا **وَاَحْيَا**﴿۴۴﴾ لِلبَعثِ **وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ** الصِنفَين **الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى**﴿۴۵﴾ **مِنْ نُّطْفَةٍ** مَنِيٍّ **اِذَا تُمْنٰى**﴿۴۶﴾ تُصَبُّ فى الرَحِمِ **وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ** بالمَدِّ والقصرِ **الْاُخْرٰى**﴿۴۷﴾ الخَلقَةَ الاُخرىٰ لِلبَعثِ بعدَ الخَلقَةِ الاُولىٰ **وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى** النَّاسَ بالكِفايَةِ بالاَموالِ **وَاَقْنٰى**﴿۴۸﴾ اَعطَى المَالَ المُتَّخَذَ قِنيَةً **وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى**﴿۴۹﴾ هى كَوكَبٌ خَلفَ الجَوزاءِ كانت تُعبَدُ فِى الجَاهِلِيَّةِ **وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى**﴿۵۰﴾ وفى قِراءَةٍ بِاِدغامِ التَّنوينِ فِى اللاَّمِ وضَمِّها بلا هَمزَةٍ هى قَومُ هود والاُخرىٰ قومُ صالح **وَثَمُوْدَا** بالصرفِ اِسمٌ لِلاَبِ وبِلاَ صَرْفٍ اِسمٌ للقَبِيلَةِ وهُو معطوفٌ على عَادٍ **فَمَا اَبْقٰى**﴿۵۱﴾ منهم اَحدًا **وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ** اى قبل عادٍ وثمودٍ اَهلَكناهُم **اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى**﴿۵۲﴾ مِن عادٍ وثمودٍ لِطُولِ لُبثِ نُوحٍ فيهم اَلفَ سَنَةٍ الا خَمسِينَ عامًا وهُم مَعَ عَدمِ اِيمانِهم بِه يُؤذُونَهٗ ويَضرِبُونه **وَالْمُؤْتَفِكَةَ** وهى قرى قومِ لُوطٍ **اَهْوٰى**﴿۵۳﴾ اَسقَطَها بَعدَ رَفعِها اِلَى السَّماءِ مَقلُوبَةً اِلَى الاَرضِ بِاَمرِهٖ جبرَئيلَ عليه الصَّلوٰةُ والسَّلامُ بذٰلك **فَغَشّٰهَا** مِنَ الحِجارَةِ بَعدَ ذٰلك **مَا غَشّٰى**﴿۵۴﴾ اَبهَمَ تَهوِيلاً وفِى هُودٍ فَجَعَلنا عَالِيَهَا سافِلَهَا وَاَمطَرْنا عَلَيهَا حِجارَةً مِن سِجِّيلٍ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ** باَنعُمِهٖ الدَّالَّةِ على وَحدَانِيَّتِه وقُدرَتِه **تَتَمَارٰى**﴿۵۵﴾ تَشُكُّ اَيُّها الاِنسانُ او تُكَذِّبُ **هٰذَا** مُحمد صلى الله عليه وسلم **نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى**﴿۵۶﴾ مِن جِنسِهِم اى رَسُولٌ كالرُّسُلِ قَبلَه اُرسِلَ اِلَيكُم كَمَا اُرسِلُوا اِلٰى اَقوامِهِم **اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ**﴿۵۷﴾ قَرُبَتِ القِيامَةُ **لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** نَفسٌ **كَاشِفَةٌ**﴿۵۸﴾ اى لاَ يَكشِفُها ويُظهِرُها الا هُو كقَولِه لاَ يُجَلِّيهَا لِوَقتِهَا اِلاَّ هُوَ **اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ** اى القراٰن **تَعْجَبُوْنَ**﴿۵۹﴾ تَكذِيبًا **وَتَضْحَكُوْنَ** اِستِهزاءً **وَلَا تَبْكُوْنَ**﴿۶۰﴾ لِسَماعِ وَعدِه ووَعِيدِه **وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ**﴿۶۱﴾ لاهُونَ غافِلُونَ عَمَّا يُطلَبُ منكم **فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ** الذى خَلَقَكُم **وَاعْبُدُوْا**﴿۶۲﴾ ولاَ تَسجُدُوا لِلاَصنامِ ولاَ تَعبُدُوها.

ترجمہ: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ایمان سے پھر گیا یعنی مرتد ہو گیا جب ایمان پر اس کو عار دلائی گئی اور کہا مجھے اللہ کے عذاب سے خوف آیا، تو اس کے لئے عار دلانے والا اس بات کا ضامن ہو گیا کہ وہ اس کی طرف سے اللہ کے عذاب کو اپنے اوپر اٹھالے گا، اگر وہ اپنے شرک کی طرف لوٹ آئے، اور اسے اپنے مال میں سے اتنا دیدے، چنانچہ یہ شخص مرتد ہو گیا اور اس شخص نے مقررہ مال میں سے قلیل حصہ دیدیا اور باقی مال کو روک لیا اَکدیٰ، کُدْیَه سے ماخوذ ہے، کُدْیه چٹان کے مانند زمین کا وہ سخت حصہ جو کنواں کھودنے والے کو کھودنے سے روکدے جب کھودتا ہوا اس چٹان پر پہنچے کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے؟ کہ وہ جانتا ہے منجملہ اس کے یہ علم بھی ہے کہ دوسرا شخص اس کے آخرت کے عذاب کو اٹھالے گا، نہیں (نہیں) اور وہ شخص

ولید بن مغیرہ ہے یا اس کے علاوہ دوسرا کوئی شخص ہے، اور جملہ اَعِنْدَہٗ، رَأیتَ بمعنی اَخْبِرْنِیْ کا مفعول ثانی ہے، کیا اس کو اس کی خبر نہیں دی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے تورات کے سفر ناموں میں یا ان سے پہلے صحیفوں میں اور ابراہیم کے صحیفوں میں جس نے وہ حق پورا کیا جس کا اس کو حکم دیا گیا، اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں کے ذریعہ جن کو اس نے پورا کیا اور اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی الخ ما کا بیان ہے، یہ کہ کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور اَنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے ای اَنَّہٗ لَاتَحْمِلُ نَفْسٌ ذَنْبَ غَیْرِھَا بالیقین کوئی نفس کسی نفس کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور یہ کہ انسان کو صرف اسی عمل خیر کی سعی کا صلہ ملے گا جس کے لئے اس نے سعی کی ہوگی چنانچہ اس کو غیر کی سعی کا صلہ نہ ملے گا، اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی، یعنی آخرت میں اپنی سعی کو دیکھ لے گا اور پھر اس کو پوری پوری جزاء دی جائے گی بولا جاتا ہے جَزَیْتُہٗ سَعْیَہٗ و بِسَعْیِہٖ (یعنی میں نے اس کی سعی کا صلہ دیدیا) اور یہ کہ تیرے پروردگار کی طرف (ہر شئ) کی انتہا ہے یعنی مرنے کے بعد تیرے پروردگار کی طرف رجوع کرنا اور لوٹنا ہے، سو وہ ان کو جزاء دے گا، اور اَنَّ اگر فتحہ کے ساتھ ہے تو (اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی) پر عطف ہوگا، اور اگر کسرہ کے ساتھ ہے تو جملہ مستانفہ ہوگا، اور یہی دونوں صورتیں مابعد میں بھی ہوں گی، (یعنی) وَاَنَّہٗ ھو اَضْحَکَ سے عَادَنِ الْاُوْلٰی تک میں، ثانی صورت میں (آئندہ) جملوں کا مضمون (مذکورہ) صحیفوں میں نہیں ہوگا اور یہ کہ وہی جس کو چاہتا ہے ہنساتا ہے یعنی خوش کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رُلاتا ہے یعنی رنجیدہ کرتا ہے اور یہ کہ وہی دنیا میں موت دیتا ہے اور زندہ کرتا ہے بعث کے لئے اور یہ کہ اس نے مذکر و مؤنث دونوں صنفیں نطفہ منی سے پیدا کیں جبکہ رحم میں ٹپکایا جائے اور یہ کہ اس کے ذمہ میں ہے دوسری مرتبہ پیدا کرنا (نَشْأَۃ) مد اور قصر کے ساتھ، یعنی پہلی تخلیق کے بعد دوسری تخلیق فرمائی اور یہ کہ کفایت مال کے ذریعہ اس نے لوگوں کو مستغنی کیا اور مال عطا کیا، جس کو اس نے جمع کرلیا اور وہی شعریٰ کا رب ہے وہ ایک تارا ہے جو جوزا کے پیچھے ہوتا ہے، جس کی زمانہ جاہلیت میں پوجا کی جاتی تھی، اور اس نے عادِ اولیٰ کو ہلاک کردیا اور ایک قراءت میں تنوین کو لام میں ادغام کرکے اور لام کے ضمہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے ہے، اور یہ قوم ہود ہے (عاد) اخریٰ صالح کی قوم ہے اور ثمود کو (ہلاک کردیا) (ثمود) منصرف ہے باپ کا نام ہونے کی وجہ سے، غیر منصرف ہے قبیلہ کا نام ہونے کی صورت میں اور وہ عاد پر معطوف ہے تو ان میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا اور اس سے پہلے قوم نوح کو یعنی عاد و ثمود سے پہلے ہم نے ان کو ہلاک کردیا اور بلاشبہ وہ عاد و ثمود سے زیادہ ظالم اور زیادہ سرکش تھے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان میں ساڑھے نو سو سال کے طویل زمانہ تک قیام کرنے کی وجہ سے اور وہ ایمان نہ لانے کے ساتھ ساتھ ان کو ایذا پہنچاتے اور ان کو مارتے اور الٹائی ہوئی بستیوں کو کہ وہ قوم لوط کی بستیاں تھیں پٹخ دیا یعنی ان کو اوپر لیجا کر پلٹ کر زمین پر پٹخ دیا، جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا حکم دے کر، اس کے بعد ان بستیوں کو پتھروں سے ڈھانپ لیا (مَا غَشّٰی کو) ہولنا کی کو ظاہر کرنے کے لئے مبہم رکھا ہے، اور سورۂ ہود میں ہے کہ ہم نے ان کی بستیوں کو تہ و بالا کردیا، اور ہم نے ان پر کنکر کے پتھر برسائے پس تو انسان اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں جو اس کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتی ہیں شک کرتا ہے اور جھٹلاتا ہے (اے شخص) یہ

محمد ﷺ پہلوں کی مانند ڈرانے والا ہے یعنی اس سے پہلے رسولوں جیسا رسول ہے تم لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے، جیسا کہ وہ اپنی قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے، قریب آنے والی قریب آگئی یعنی قیامت قریب آگئی، اور اللہ کے سوا اس کو کوئی ظاہر کرنے والا نہیں یعنی وہی اس کو کھول سکتا ہے اور ظاہر کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول لا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ اس کے وقت کو اللہ ہی ظاہر کرے گا، کیا تم اس کلام قرآن سے تعجب کرتے ہو اور استہزاء کرتے ہو اور اس کے وعدوں اور وعیدوں کو سن کر روتے نہیں ہو اور تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو یعنی جو تم سے مطلوب ہے اس سے تم لہو اور غفلت میں پڑے ہوئے ہو سو تم اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور اس کی بندگی کرو اور بتوں کو سجدہ نہ کرو اور نہ ان کی بندگی کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَفَرَأیتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی ہمزہ استفہام تقریر کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: رأیتَ بمعنی اَخبِرْنِیْ، اَلَّذِیْ اسم موصول صلہ سے مل کر مفعول اول۔

قَوْلُہٗ: وَاَعْطٰی قَلِیلًا وَّاَکْدٰی اَعْطٰی تَوَلّٰی پر معطوف ہے، اور قلیلاً مصدر محذوف کی صفت ہے، ای اَعْطٰی اِعْطَاءً قلیلاً، قلیلاً کو مفعول بہ قرار دینا بھی درست ہے۔

قَوْلُہٗ: أعِنْدَهٗ علم الغیب الخ ہمزہ استفہام انکاری ہے، اور جملہ ہو کر رأیت کا مفعول ثانی ہے۔

قَوْلُہٗ: تَوَلّٰی ای اَسْلَمَ ثم ارْتَدَّ اکثر کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے، اور یہ آیت اسی کے بارے میں نازل ہوئی۔

قَوْلُہٗ: اَعْطَاہُ مِن مالِهٖ، اعطاه کی ضمیر مستتر تَوَلّٰی کے فاعل مستتر کی طرف راجع ہے اور ہٗ ضمیر بارز ضَمِنَ کے فاعل کی طرف راجع ہے، یعنی ضامن نے الَّذِیْ تَوَلّٰی پر دو چیزیں لازم کیں ایک یہ کہ ترک توحید کر کے شرک کی طرف لوٹ آئے، دوسرے یہ کہ ضمان کے عوض مال کی ایک مخصوص مقدار اس کو دے اور ضامن نے خود اپنے اوپر صرف ایک چیز لازم کی اور وہ آخرت میں اللہ کے عذاب کا ضمان ہے۔

قَوْلُہٗ: تَمَّمَ مَا اُمِرَبه حضرت ابراہیم نے ان احکام کو بخوشی پورا کیا جن کا ان کو حکم دیا گیا تھا، مثلاً ذبح ولد، وقوع فی النار، خصال فطرت، ہجرت وطن وغیرہ۔

قَوْلُہٗ: وَبَیَانُ مَا اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی الخ یعنی اَلَّاتَزِرُ الخ بمَا میں ما سے بدل واقع ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے، اور مراد مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے قول الٰی آخرہٖ، سے فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکَ تَتَمَارٰی تک ہے۔

قَوْلُہٗ: بالفتح عطفًا وقُرِئَ بالکسر استینافًا یعنی اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ المنتهٰی کے اَنَّ میں دو احتمال ہیں اول یہ

کہ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْریٰ پرعطف کیا جائے اور اَنَّ کو منصوب پڑھا جائے، اس صورت میں فبایّ آلاءِ رَبِّکَ تَتَمَاریٰ تک ما کا بیان ہوگا اور آخر تک کا پورا مضمون صحف موسیٰ وصحف ابراہیم میں ہوگا، اور اگر اِن کو بالکسر پڑھا جائے تو اس صورت میں وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ المنتھٰی سے آخر تک جملہ مستانفہ ہوگا، اور آخر تک مضمون صحفِ موسیٰ اور صحف ابراہیم میں نہ ہوگا، بلکہ صرف پہلے تین یعنی ① اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْریٰ ② اَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی ③ أَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی ثُمَّ یُجْزَاہُ الجَزَاءَ الْاَوْفٰی کا مضمون صحف موسیٰ وصحف ابراہیم میں ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وَکَذَا مَابَعْدَھَا مابعد سے مراد وَاَنَّہٗ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی سے لے کر وَاَنَّہٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی تک ہے۔

ملحوظہ: بِمَافِیْ صُحُفِ مُوْسٰی کے ما کے بیان میں اَنَّ گیارہ جگہ واقع ہوا ہے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی کا اَلَّاتَزِرُ وَازِرَۃٌ الخ پرعطف کرتے ہوئے اَنَّ کو مفتوح پڑھا جائے ورنہ تو صرف اول تین جگہ اَنّ مفتوحہ ہوگا، اور باقی آٹھ جگہ اِنّ مکسورہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وَاَقْنٰی اِقْنَاءٌ سے ماضی واحد مذکر غائب، اس نے جمع کیا ای اَعْطَی المالَ الَّذِیْ اتَّخَذَ قُنْیَۃً، قُنْیَۃ وہ مال جس کو ذخیرہ کیا جائے اور خرچ کرنے کا ارادہ نہ ہو (اعراب القرآن، درویش) اَقْنٰی کے اہل لغت اور مفسرین نے مختلف معنی بیان کئے ہیں قتادہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس نے اس کے معنی اَرْضٰی (راضی کردیا) بتائے ہیں، عکرمہ نے ابن عباس سے اس کے معنی قَنَّعَ بتائے ہیں (مطمئن کردیا) امام رازی فرماتے ہیں انسان کی ضرورت سے زائد جو کچھ اس کو دیا جائے وہ اقناء ہے، ابوعبید اور دیگر متعدد اہل لغت کا قول ہے کہ اَقْنٰی، قُنْیَۃٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں محفوظ اور باقی رہنے والا مال، مثلاً مکان، اراضی، باغات وغیرہ (لغات القرآن) ابن زید، ابن کیسان اور اخفش نے اقنٰی کے معنی اَفْقَرَ کے کئے ہیں، یعنی اس نے فقیر بنایا، ابن جریر نے یہی معنی مراد لئے ہیں، اور ہمزۂ افعال کو سلب ماخذ کے لئے لیا ہے جیسے اشکی سلب شکایت کے معنی میں ہے، سیاق و سباق سے بھی یہ معنی مناسب معلوم ہوتے ہیں اس لئے کہ سابق سے متقابل چیزوں کا ذکر چلا آرہا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس نے جس کو چاہا غنی کیا اور جس کو چاہا فقیر کیا۔

قَوْلُہٗ: ھُوَ رَبُّ الشِّعْریٰ شعریٰ آسمان کا روشن ترین تارہ ہے، اس کو ''کلب اکبر'' بھی کہتے ہیں، اس کے اور بھی مختلف نام ہیں انگریزی میں اس کو (Dog Star) کہتے ہیں، عرب میں اس کی پوجا ہوتی تھی، قریش کا قبیلہ بنو خزاعہ خاص طور پر اس کی پوجا کرتا تھا کہتے ہیں کہ یہ سورج سے ۲۳ گنا زیادہ روشن ہے مگر زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ سال نوری سے بھی زیادہ ہے اس لئے یہ سورج سے چھوٹا اور کم روشن نظر آتا ہے، روشنی کی رفتار فی سکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے (فلکیات جدیدہ) اس کی عبادت کی ابتداء ابو کبشہ نے کی تھی جو کہ ساداتِ قریش میں سے تھا،

ابوکبشہ آپ ﷺ کی امہات کی جانب سے جد اعلیٰ ہے، اسی وجہ سے قریش آپ کو ابن ابی کبشہ کہا کرتے تھے، اس مناسبت سے کہ آنحضرت ﷺ نے جب عرب کے دین کے خلاف دعوت دینی شروع کی، تو لوگوں نے آپ کو ابن ابی کبشہ کہنا شروع کر دیا یعنی جس طرح ابوکبشہ نے اپنے زمانہ میں بت پرستی کی مخالفت کر کے ستارہ پرستی شروع کی گویا کہ اسی طرح آپ نے بت پرستی کی مخالفت کرتے ہوئے خدا پرستی شروع کی، یہ شدید گرمی کے موسم میں جوزاء کے بعد طلوع ہوتا ہے اس کو شعریٰ یمانی بھی کہتے ہیں، اس کے مقابل ایک شعریٰ شامی ہے وہ بھی روشن ترین ستاروں میں سے ہے، اس کو ''کلب اصغر'' کہتے ہیں۔

قَوْلُهٗ: المؤتَفِكَةَ اِیْتِفَاكٌ (افتعال) سے اسم فاعل واحد مؤنث (جمع) المؤتفکات الٹی ہوئی (بستیاں) مراد حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کی بستیاں ہیں جو موجودہ بحیرۂ مردار کے ساحل پر آباد تھیں جن کا سب سے بڑا شہر سندوم یا سدوم تھا، حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم نہ ماننے اور ظلم ولواطت سے باز نہ آنے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے الٹ دیا تھا اور کنکر پتھروں کی بارش کر کے نیست ونابود کر دیا تھا۔

قَوْلُهٗ: وفی ھودٍ فَجَعَلْنَا، صحیح یہ تھا کہ وَفِی ھُودٍ، فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا فرماتے، یا پھر وفی الحجر فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا فرماتے۔

قَوْلُهٗ: تَشُكُّ، تَتَمَارٰی کی تفسیر تشك سے کر کے اشارہ کر دیا کہ تفاعل تعدد فی الفاعل سے خالی ہے۔

قَوْلُهٗ: نفسٌ مفسر علام نے نفسٌ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ کاشفۃ، موصوف محذوف کی صفت ہے۔

قَوْلُهٗ: سَامِدُوْنَ، السُّمُوْد، اللھو (ن) وقیل الاعراض وقیل الاستکبار، وقیل ھو الغناء (گانا)۔

تَفسِیر وتَشریح

شانِ نزول:

اَفَرَأیتَ الَّذِی تَوَلّٰی مجاہد اور ابن زید اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ مذکورہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، اور ضحاک نے کہا ہے کہ نضر بن الحارث کے بارے میں نازل ہوئی، اور محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی، اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

واقعہ: واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس کا رجحان اسلام کی طرف ہو گیا تھا اور آنحضرت ﷺ سے بھی ربط ضبط اور تعلقات رکھتا تھا، مقاتل نے کہا کہ ولید نے قرآن کی تعریف کی تھی، مگر اس کے کسی دوست نے اس کو عار دلائی اور ملامت کرتے ہوئے کہا کہ تو نے اپنے باپ دادا کے دین کو کیوں چھوڑ دیا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اللہ کے عذاب سے ڈر لگتا ہے، اس ساتھی نے کہا تو مجھے کچھ دیدے تو میں آخرت کا تیرا عذاب اپنے سر لے لوں گا، تو عذاب سے بچ جائے گا، چنانچہ ولید نے اس کی یہ بات

مان لی اور خدا کی راہ پر آتے آتے رہ گیا اور اس کو طے شدہ مال کا کچھ حصہ دیدیا، اس نے مزید مطالبہ کیا تو کشاکشی کے بعد کچھ اور بھی دیدیا، مگر مزید دینے سے انکار کردیا، اسی واقعہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے، اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنے سے مقصود کفار مکہ کو یہ بتانا تھا کہ آخرت سے بےفکری اور دین کی حقیقت سے بےخبری نے ان کو کیسی جہالتوں اور حماقتوں میں مبتلا کردیا تھا۔

أَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى شان نزول میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اسکے مطابق آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے اسلام کو اس لئے چھوڑ دیا کہ اس کے کسی ساتھی نے اس سے کہہ دیا تھا کہ آخرت کا تیرا عذاب میں اپنے سر لے کر تجھ کو بچادوں گا، اس احمق نے اس کی اس بات کا یقین کیسے کرلیا؟ کیا اس کو علم غیب حاصل ہے؟ جس سے وہ دیکھ رہا ہے کہ کفر کی صورت میں وہ جس عذاب کا مستحق ہوگا وہ عذاب یہ ساتھی اپنے سر لے لے گا اور مجھے بچادے گا، ظاہر ہے کہ یہ سراسر دھوکہ اور جہالت ہے۔

اور اگر مذکورہ واقعہ سے قطع نظر کرلی جائے تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ شخص جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا کرتا رک گیا ہے تو اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ اس کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ اگر موجودہ مال خرچ کردوں گا تو پھر کہاں سے آئے گا؟ اس خیال کی تردید میں فرمایا کیا اس کو غیب کا علم ہے؟ جس کے ذریعہ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ یہ مال ختم ہوجائے گا اور اس کے علاوہ اور مال اس کو نہ مل سکے گا یہ غلط ہے، کیونکہ نہ اس کو غیب کا علم ہے اور نہ یہ بات صحیح ہے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ یعنی تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا بدل تمہیں دیدیتے ہیں اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رَضِحَاللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سے فرمایا (اَنْفِقْ يَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ عَنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْلَالًا) یعنی اے بلال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور عرش والے اللہ کی طرف سے اس کا خطرہ نہ رکھو کہ وہ تمہیں مفلس کردے گا۔

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى اس آیت میں ان تعلیمات کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں نازل ہوئی تھیں حضرت موسیٰ کے صحیفوں سے مراد تورات ہے، رہے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے صحیفے تو وہ آج دنیا میں کہیں موجود نہیں ہیں اور یہود ونصاریٰ کی کتب مقدسہ میں بھی ان کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا، صرف قرآن ہی ایک وہ کتاب ہے جس میں دو مقامات پر صحف ابراہیم کی تعلیمات کے بعض اجزاء نقل کئے گئے ہیں ایک یہ مقام اور دوسرے سورۂ اعلیٰ کی آخری آیات میں۔

تین اہم اصول:

اس آیت سے تین بڑے اصول مستنبط ہوتے ہیں: ① ایک یہ کہ ہر شخص اپنے فعل کا ذمہ دار ہے ② دوسرے یہ کہ ایک شخص کے فعل کی ذمہ داری دوسرے کے سر نہیں ڈالی جاسکتی، الا یہ کہ اس فعل کے صدور میں اس کا اپنا کوئی حصہ ہو

③ یہ کہ کوئی شخص اگر چاہے بھی تو کسی دوسرے شخص کے فعل کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لے سکتا اور نہ اصل مجرم کو اس بناء پر چھوڑا جا سکتا ہے۔

وَاَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی جیسا کہ ماسبق کی آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کا گناہ دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، اسی طرح اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کی سعی دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی، اس آیت سے جو یہ حصر مستفاد ہے کہ ہر شخص کو اسی کے عمل کی جزاء ملے گی دوسرے کے عمل کی نہیں، مگر یہ مسلک معتزلہ کا ہے، اہل سنت والجماعت کا بلکہ اہل اسلام میں سے اور کسی کا نہیں۔

تین اہم اصول:

اس آیت سے بھی تین اہم اصول نکلتے ہیں: ① ایک یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی پائے گا اپنے عمل کا ہی پھل پائے گا ② دوسرے یہ کہ ایک شخص کے عمل کا پھل دوسرا نہیں پا سکتا الا یہ کہ اس عمل میں اس کا کوئی حصہ ہو ③ تیسرے یہ کہ کوئی شخص سعی اور عمل کے بغیر کچھ نہیں پا سکتا۔

مطلب یہ کہ جس طرح کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا ذمے دار نہیں ہوگا اسی طرح آخرت میں اجر بھی انہی چیزوں کا ملے گا جن میں اس کی اپنی محنت ہوگی (اس جز کا تعلق آخرت سے ہے دنیا سے نہیں) جیسا کہ بعض لوگ اس آیت کو دنیا کے معاشی معاملات پر غلط طریقے سے منطبق کر کے اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی محنت کی کمائی کے سوا کسی چیز کا جائز مالک نہیں ہو سکتا، جیسا کہ سوشلسٹ قسم کے لوگ اس کا یہ مفہوم باور کرا کے غیر حاضر زمینداری اور کرایہ داری کو ناجائز قرار دیتے ہیں اسی طرح کارخانوں کی پیداوار میں بقدر محنت وسعی مزدور کا حصہ قرار دیتے ہیں مگر یہ بات قرآن مجید ہی کے دیئے ہوئے دیگر قوانین اور احکام سے ٹکراتی ہے مثلاً قانون وراثت جس کی رو سے ایک شخص کے ترکہ میں سے بہت سے افراد حصہ پاتے ہیں اور اس کے جائز وارث قرار پاتے ہیں، حالانکہ یہ میراث ان کی اپنی محنت کی کمائی نہیں ہوتی، ایک شیر خوار وارث بچہ کے متعلق تو کسی طرح کھینچ تان سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں اس بچے کی محنت کا بھی کا کوئی حصہ تھا ایسے ہی احکام زکوٰۃ وصدقات جن کی رو سے ایک آدمی کا مال دوسرے کو محض ان کو شرعی واخلاقی استحقاق کی بناء پر ملتا ہے اور وہ اس کے جائز مالک ہوتے ہیں، حالانکہ اس مال کے پیدا کرنے میں ان کی محنت کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہوتا، اس لئے قرآن کی کسی ایک آیت کو لے کر اس سے ایسے نتائج نکالنا جو خود قرآن ہی کی دوسری تعلیمات سے متصادم ہوتے ہیں، قرآن کے منشاء کے بالکل خلاف ہے۔

مسئلہ ایصال ثواب:

بعض دوسرے لوگ ان اصولوں کو آخرت سے متعلق مان کر یہ سوالات اٹھاتے ہیں کہ آیا ان اصولوں کی رو سے ایک شخص کا عمل دوسرے شخص کے لئے کسی صورت میں بھی نافع ہو سکتا ہے؟ اور کیا ایک شخص اگر دوسرے شخص کے لئے یا

اس کے بدلے کوئی عمل کرے تو وہ اس کی طرف سے قبول کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص اپنے عمل کے اجر کو دوسرے کی طرف منتقل کر سکتا ہے؟ ان سوالات کا جواب اگر نفی میں ہو تو ایصال ثواب اور حج بدل وغیرہ سب ناجائز ہو جاتے ہیں، بلکہ دوسرے کے حق میں دعاء استغفار بھی بے معنی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ دعاء بھی اس شخص کا اپنا عمل نہیں ہے جس کے حق میں دعاء کیجائے، مگر یہ انتہائی نقطۂ نظر معتزلہ کے سوا اہل اسلام میں سے کسی کا نہیں ہے، صرف معتزلہ ہی اس آیت کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ ایک شخص کی سعی دوسرے کے لئے کسی حال میں بھی نافع نہیں ہو سکتی، بخلاف اہل سنت والجماعت کے کہ ایک شخص کے لئے دوسرے کی دعاء کے نافع ہونے کو تو بالاتفاق مانتے ہیں کیونکہ یہ قرآن سے ثابت ہے البتہ ایصال ثواب اور نیابۃً کسی دوسرے کی طرف سے کسی نیک کام کے نافع ہونے میں ان کے درمیان اصولاً نہیں تفصیل میں اختلاف ہے۔

عبادات کی تین قسمیں:

فقہاء حنفیہ کہتے ہیں کہ عبادات کی تین قسمیں ہیں: (۱) اول خالص بدنی جیسے نماز، روزہ، ایمان (۲) دوسرے خالص مالی جیسے زکوٰۃ صدقہ (۳) مالی اور بدنی سے مرکب، جیسے حج، پہلی قسم میں نیابت درست نہیں مثلاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے فرض نماز پڑھ لے اور دوسرا شخص اس عمل سے سبکدوش ہو جائے یا دوسرے کی طرف سے فرض روزہ رکھ لے اور دوسرا اس فرض روزے سے سبکدوش ہو جائے، یا ایک شخص دوسرے کی طرف سے ایمان قبول کرلے اور دوسرا اس سے سبکدوش ہو جائے اور اس دوسرے شخص کو مومن قرار دیدیا جائے۔

آیت مذکورہ کی اس تفسیر پر کوئی فقہی اشکال نہیں اور نہ شبہ عائد ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ حج اور زکوٰۃ کے مسئلہ میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ضرورت کے وقت شرعاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے حج بدل سکتا ہے یا دوسرے کی زکوٰۃ اس کی اجازت سے ادا کر سکتا ہے، مگر غور کیا جائے تو یہ اشکال اس لئے درست نہیں کہ کسی کو اپنی جگہ حج بدل کے لئے بھیج دینا اور اس کے مصارف خود ادا کرنا، یا کسی شخص کو اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے مامور کر دینا بھی درحقیقت اسی شخص کے اپنے عمل اور سعی کا جزء ہے، اس لئے لَيْسَ لِلانسان اِلَّا ما سعٰی کے منافی نہیں۔

جبکہ اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آیت مذکورہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے فرائض مثلاً ایمان، نماز، روزہ ادا کر کے دوسرے شخص کو سبکدوش نہیں کر سکتا، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک شخص کے نفلی عمل کا فائدہ اور ثواب دوسرے شخص کو نہ پہنچ سکے، ایک شخص کی دعاء اور صدقہ کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچنا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے اور تمام امت کے نزدیک اجماعی مسئلہ ہے۔ (ابن کثیر، معارف) تفسیر مظہری میں اس جگہ ان تمام احادیث کو جمع کر دیا ہے جن سے ایصال ثواب کا فائدہ دوسرے کو پہنچنا ثابت ہوتا ہے۔

ایصال ثواب کی حقیقت:

ایصال ثواب یہ ہے کہ ایک شخص کوئی نیک عمل کر کے اللہ سے دعاء کرے کہ اس کا اجر وثواب کسی دوسرے شخص کو عطا فرما دیا جائے، اس مسئلہ میں امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ خالص بدنی عبادات مثلاً نماز روزہ، تلاوت قرآن وغیرہ کا ثواب دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا، البتہ مالی عبادات مثلاً صدقہ خیرات وغیرہ یا مالی اور بدنی سے مرکب عبادات مثلاً حج کا ثواب دوسرے کو پہنچ سکتا ہے، اصول یہ ہے کہ ایک شخص کا عمل دوسرے کے لئے نافع نہ ہو مگر چونکہ احادیث صحیحہ کی رو سے صدقہ کا ثواب پہنچایا جاسکتا ہے، اور حج بدل بھی کیا جاسکتا ہے اس لئے ہم اسی نوعیت کی عبادات تک ایصال ثواب کی صحت تسلیم کرتے ہیں۔

قرآن خوانی کا ایصال ثواب:

اس کے برخلاف حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ انسان اپنے ہر نیک عمل کا ثواب دوسرے کو ہبہ کرسکتا ہے خواہ وہ نماز ہو یا روزہ یا تلاوت قرآن، یا ذکر وصدقہ یا حج وعمرہ یہ بات بکثرت احادیث سے ثابت ہے، صاحب صاوی نے مالی وبدنی عبادت کے ایصال ثواب کے جواز پر اسی آیت کے تحت گیارہ دلیلیں لکھی ہیں جن میں قرآن وسنت دونوں کی دلیلیں ہیں، قرآن میں فرمایا **وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ** والدین کے ایمان وعمل کی بدولت اولاد کو ان کے مرتبہ میں پہنچا دینا یہ سعی غیر کا فائدہ ہے حالانکہ والدین کے عمل وسعی میں اولاد کا کوئی حصہ نہیں ہے، شیخ تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ نے فرمایا کہ جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ انسان کو صرف اسی کے عمل کا فائدہ اور ثمرہ حاصل ہوگا، اس نے خرق اجماع کیا، امام اعظم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (صاوی)

دار قطنی میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا میں اپنے والدین کی خدمت ان کی زندگی میں تو کرتا ہوں ان کے انتقال کے بعد کیسے کروں؟ آپ نے فرمایا یہ بھی ان کی خدمت ہی ہے کہ ان کے مرنے کے بعد تو اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے بھی نماز پڑھے اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کیلئے بھی روزے رکھے، دار قطنی کی ایک دوسری روایت میں حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے جس میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''جس شخص کا قبرستان پر گذر ہوا اور وہ گیارہ مرتبہ **قل ھو اللہ احد** پڑھ کر اس کا اجر مرنے والوں کو بخش دے تو (اس قبرستان میں) جتنے مردے ہیں اتنا ہی اجر عطا کر دیا جائے گا۔

بخاری، مسلم، مسند احمد، ابن ماجہ، طبرانی (فی الاوسط) مستدرک اور ابن ابی شیبہ میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا، ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ، حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ بن عبد اللہ، حضرت ابو رافع رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ، حضرت ابو طلحہ انصاری، اور حذیفہ بن اسید الغفاری کی متفقہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مینڈھے لے کر ایک اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربان کیا اور دوسرا اپنی امت کی طرف سے۔

مسلم وبخاری، مسند احمد، ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہوگیا ہے، میرا خیال ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ ضرور صدقہ کرنے کے لئے کہتیں، اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کے لئے اجر ہے؟ فرمایا ہاں!

یہ کثیر روایتیں جو ایک دوسرے کی تائید کر رہی ہیں اس امر کی تصریح کرتی ہیں کہ ایصال ثواب نہ صرف ممکن ہے بلکہ ہر طرح کی عبادات اور نیکیوں کے ثواب کا ایصال ہوسکتا ہے اور اس میں کسی خاص نوعیت کے اعمال کی تخصیص نہیں ہے۔

ایصال عذاب ممکن نہیں:

ایصال ثواب تو ممکن ہے مگر ایصال عذاب ممکن نہیں، یعنی یہ تو ہوسکتا ہے کہ آدمی نیکی کر کے کسی دوسرے کے لئے اجر بخش دے اور وہ اس کو پہنچ جائے مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ آدمی گناہ کر کے اس کا عذاب کسی کو بخش دے اور وہ اسے پہنچ جائے۔

خالص بدنی عبادات میں نیابت اور ان کا ایصال ثواب:

خالص مالی عبادات یا مالی اور بدنی عبادات سے مرکب عبادات میں نیابت اور ایصال ثواب کا واضح ثبوت ملتا ہے، اب رہیں خالص بدنی عبادات میں نیابت اور ایصال ثواب کا ثبوت تو بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن سے اس نوعیت کی عبادات میں نیابت کا جواز ثابت ہوتا ہے، مثلاً ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ماں نے روزے کی نذر مانی تھی اور وہ پوری کئے بغیر مرگئی، کیا میں اس کی طرف سے روزہ رکھ سکتی ہوں، آپ نے فرمایا اس کی طرف سے روزہ رکھ لے۔ (بخاری ومسلم، احمد، نسائی، ابو داؤد)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت کہ ایک عورت نے اپنی ماں کے متعلق پوچھا کہ اس کے ذمہ ایک مہینے کے روزے (یا دوسری روایت کے مطابق دو مہینے) کے روزے تھے، کیا میں یہ روزے ادا کردوں؟ آپ نے اس کو بھی اس کی اجازت دے دی۔ (مسلم، احمد، ترمذی، ابو داؤد)

اور حضرت عائشہ کی یہ روایت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عنه وليهُ جو شخص مرجائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھ لے۔ (بخاری، مسلم، احمد) بزار کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں فَلْيَصُمْ عَنْهُ وليُهُ اِنْ شَاءَ یعنی اگر اس کا ولی چاہے تو اس کی طرف سے روزے رکھ لے، انہی احادیث کی بناء پر اصحاب الحدیث، اور امام اوزاعی اور ظاہریہ اس کے قائل ہیں کہ بدنی عبادات میں بھی نیابت جائز ہے، مگر امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام شافعی اور امام زید بن علی کا فتویٰ یہ ہے کہ میت کی طرف سے روزہ نہیں رکھا جاسکتا، اور امام احمد، امام لیث اور اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ صرف اس صورت میں ایسا کیا جاسکتا ہے جب مرنے والے نے اس کی نذر مانی ہو اور وہ اسے پورا نہ کرسکا ہو۔

مانعین کا استدلال:

مانعین کا استدلال یہ ہے کہ جن احادیث سے اس کے جواز کا ثبوت ملتا ہے ان کے راویوں نے خود اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے، حضرت ابن عباس کا فتویٰ نسائی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے لَا يَصَلِّ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا يَصُمْ اَحَدٌ عَن اَحَدٍ کوئی شخص نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فتویٰ عبدالرزاق کی

روایت کے مطابق یہ ہے لَا تَصُومُوْا عَنْ موتکُمْ و اَطْعِمُوا عَنْهُمْ اپنے مردوں کی طرف سے روزہ نہ رکھو بلکہ ان کی طرف سے کھانا کھلاؤ، حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی عبدالرزاق نے یہی بات نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً بدنی عبادات میں نیابت کی اجازت تھی، مگر آخری حکم یہی قرار پایا کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، ورنہ کس طرح ممکن تھا کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ احادیث نقل کی ہوں وہ خود ان کے خلاف فتویٰ دیں۔

فائدہ: اس سلسلہ میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ نیابۃً فریضہ کی ادائیگی کے قائلین کے نزدیک بھی نیابۃً ادائیگی صرف اسی صورت میں مفید ہوسکتی ہے جبکہ وہ خود ادائے فرض کے خواہشمند رہے ہوں اور معذوری کی وجہ سے قاصر رہ گئے ہوں لیکن اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود قصداً مثلاً حج سے مجتنب رہا اور اس کے دل میں اس فرض کا احساس تک نہ تھا اس کے لئے خواہ کتنے ہی حج بدل کئے جائیں وہ اس کے حق میں مفید نہیں ہوسکتے، یہ ایسا ہی ہے کہ ایک شخص نے کسی کا قرض جان بوجھ کر مار رکھا ہے اور مرتے دم تک اس کا کوئی ارادہ قرض ادا کرنے کا نہ تھا اس کی طرف سے اگر قرض ادا کردیا جائے، اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ قرض مارنے والا ہی شمار ہوگا، دوسرے کے ادا کرنے سے سبکدوش صرف وہی شخص ہوسکتا ہے جو اپنی زندگی میں ادائے قرض کا خواہشمند ہو اور مجبوری کی وجہ سے ادا نہ کرسکا ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی (الآیة) یعنی دنیا میں اس نے جو بھی اچھا یا برا کیا چھپ کر کیا یا علانیہ کیا قیامت کے دن سامنے آجائے گا، اس پر اسے پوری جزاء دی جائے گی۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰی یعنی خوشی اور غمی دونوں کے اسباب اسی کی طرف سے ہیں اچھی اور بری قسمت کا سررشتہ اسی کے ہاتھ میں ہے کسی کو اگر راحت اور مسرت نصیب ہوتی ہے تو اسی کے دینے سے ہوتی ہے اور اگر کسی کو مصائب وآلام سے سابقہ پڑتا ہے تو اسی کی مشیت سے پڑتا ہے، کوئی دوسری ہستی اس کائنات میں ایسی نہیں کہ جو قسمتوں کے بنانے اور بگاڑنے میں کسی قسم کا دخل رکھتی ہو۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰی واقنٰی اغناء کے معنی دوسرے کو غنی کرنا اور اَقْنٰی قُنْیَةٌ سے مشتق ہے جس کے معنی محفوظ اور ریز روسرمایہ کے ہیں مراد آیت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو مال دار اور غنی بناتا ہے اور وہی جس کو چاہے اتنا سرمایہ دیتا ہے کہ اس کو ذخیرہ کرسکے۔

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی شِعریٰ شین کے کسرہ کے ساتھ ایک ستارے کا نام ہے جو جوزاء ستارے کے پیچھے رہتا ہے عرب کی بعض قومیں مثلاً بنوخزاعہ اس کی پرستش کرتی تھیں اس لئے خصوصیت سے اس کا نام لے کر بتلایا گیا ہے کہ اس ستارے کا بھی جس کی تم پرستش کرتے ہو مالک اور پروردگار اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَنِ الْاُوْلٰی وثَمُوْدَا فَمَا اَبْقٰی ''عاد اولیٰ'' سے مراد قدیم قوم عاد ہے، جس کی طرف حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام بھیجے گئے تھے قوم عاد دنیا کی قوی ترین اور سخت ترین قوم تھی ان کے دو طبقے یکے بعد دیگرے عاد اولیٰ اور عاد اخریٰ کے نام سے موسوم ہیں یہ قوم جب حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کو جھٹلانے کی پاداش میں طوفان کے عذاب کے ذریعہ ہلاک کردی گئی، قوم

نوح کے بعد ہلاک ہونے والی یہ پہلی قوم ہے اسی کو عادِ اولیٰ کہتے ہیں، صرف وہ لوگ بچے تھے جو حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان لائے تھے ان کی نسل کو عادِ اخریٰ یا عادِ ثانیہ کہتے ہیں، عادِ اخریٰ حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم تھی، ان لوگوں نے بھی جب حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی نافرمانی کی تو ان کو سخت آواز کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا۔

وَالْمُؤتَفِكَةَ اَهْوٰى، مُؤتَفِكَة کے لغوی معنی اوندھی ہونے والی بستیاں، یہ چند بستیاں متصل متصل تھیں ان کا مرکزی مقام سدوم یا سندوم تھا، یہ وہی مقام ہے جہاں اس وقت بحر میت واقع ہے، ان بستی والوں کی طرف حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کو مبعوث فرمایا تھا، نافرمانی اور بے حیائی کے اعمال کی سزا میں ان بستیوں کو حضرت جبرئیل نے الٹ دیا تھا، اور اوپر سے ان کے اوپر پتھروں کی بارش کر دی تھی۔

فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى، یعنی ڈھانپ لیا ان کو جس چیز نے ڈھانپ لیا مراد وہ پتھراؤ ہے جو بستیاں الٹنے کے بعد ان پر کیا گیا، یہاں تک صحف موسیٰ اور صحف ابراہیم کے حوالہ سے جو تعلیمات بیان کرنی تھیں وہ ختم ہو گئیں۔

فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى، تمارٰی کے معنی جھگڑنے اور مخالفت کرنے کے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ خطاب ہر انسان کو ہے کہ سابقہ آیات اور صحف موسیٰ اور صحف ابراہیم میں آئی ہوئی آیات ربانی میں کوئی ذرا بھی غور و فکر کرے تو اس کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کی وحی اور تعلیمات کے حق ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، اور اقوام سابقہ کی ہلاکت و عذاب کے واقعات سن کر مخالفت سے باز آنے کا اچھا موقع ملتا ہے جو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس کے باوجود تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت میں جھگڑا اور خلاف کرتے رہو گے۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى هٰذا کا اشارہ محمد رسول اللہ ﷺ یا قرآن کی طرف ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ بھی پہلے رسولوں اور کتابوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں جو دین اور دنیا کے فلاح پر مشتمل ہدایات لے کر آئے ہیں اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ، اَزِفَ بمعنی قَرُبَ یعنی قریب آنے والی قریب آپہنچی، اللہ کے سوا اس کا کوئی ہٹانے والا نہیں، مراد قیامت ہے، اس آیت میں قربِ قیامت کی خبر دی گئی ہے تاکہ لوگ عمل کر کے قیامت کے لئے تیاری کریں، مطلب یہ ہے کہ یہ خیال نہ کرو کہ سوچنے کے لئے ابھی بہت وقت پڑا ہے، کیا جلدی ہے؟ کہ ان باتوں پر ہم فوراً ہی سنجیدگی سے غور کریں اور انہیں ماننے یا نہ ماننے کا بلا تاخیر فیصلہ کر ڈالیں، نہیں، تم میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کے لئے زندگی کی کتنی مہلت باقی ہے، ہر وقت تم میں سے ہر کسی کی موت آسکتی ہے اور قیامت بھی اچانک آسکتی ہے، اس لئے فیصلہ کی گھڑی کو دور نہ سمجھو، کیونکہ ہر سانس کے بعد یہ ممکن ہے کہ دوسرا سانس لینا نصیب نہ ہو، اور جب یہ فیصلے کی گھڑی آجائے گی تو تم اس کو روک نہ سکو گے، اور نہ تمہارے معبودان باطلہ میں سے کسی میں یہ بل بوتا ہے کہ وہ اسے ٹال سکیں ٹال سکتا ہے تو اللہ ہی ٹال سکتا ہے، اور وہ اسے ٹالنے والا نہیں۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ هذا الحديث سے مراد قرآن کریم ہے، معنی آیت کے یہ ہیں کہ قرآن کریم جیسا کلام الٰہی جو خود ایک معجزہ ہے تمہارے سامنے آچکا ہے، کیا اس پر بھی تم تعجب کرتے ہو اور بطور استہزاء کے

ہنستے ہو اور اپنی معصیت یا عمل میں کوتاہی پر روتے نہیں۔

وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ، سمود کے معنی غفلت اور بے فکری کے ہیں سامِدُوْنَ بمعنی غافلون ہے اور ایک معنی سمود کے گانے کے بھی آتے ہیں وہ بھی اس جگہ مراد ہو سکتے ہیں (معارف) اگر سامدون کے دوسرے معنی مراد لئے جائیں تو اشارہ اس طرف ہوگا کہ کفار مکہ قرآن کی آواز کو دبانے اور لوگوں کی توجہ دوسری طرف ہٹانے کے لئے زور زور سے گانا شروع کر دیتے تھے۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا یعنی پچھلی آیات جو غور کرنے والے انسان کو عبرت و موعظت کا سبق دیتی ہیں اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تم سب اللہ کے سامنے خشوع اور تواضع کے ساتھ جھکو اور سجدہ کرو اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ سورۂ نجم کی اس آیت پر رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں اور تمام جن وانس نے سجدہ کیا، عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی دوسری روایت میں ہے کہ تمام حاضرین نے سجدہ کیا مگر صرف ایک قریشی بوڑھے نے جس کا نام (امیہ بن خلف) ہے سجدہ نہ کیا بلکہ زمین سے مٹی اٹھا کر پیشانی سے لگالی، اور کہا مجھے یہی کافی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا پھر میں نے اس شخص کو حالت کفر میں مقتول پڑا ہوا دیکھا۔

مَسْئَلَہ: امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس آیت پر سجدہ کرنا لازم ہے، امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اگرچہ خود اس آیت کی تلاوت کے بعد سجدہ کا التزام فرماتے تھے (جیسا کہ قاضی ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے) مگر ان کا مسلک یہ تھا کہ یہاں سجدہ کرنا لازم نہیں ہے، ان کی اس رائے کی بناء حضرت زید بن ثابت کی یہ روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورۂ نجم پڑھی اور حضور نے سجدہ نہ کیا (بخاری، مسلم، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی) لیکن یہ حدیث سجدہ لازم ہونے کی نفی نہیں کرتی کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت سجدہ نہیں کیا لیکن بعد میں بھی سجدہ نہیں کیا یہ ثابت نہیں ہوتا، یہ احتمال موجود ہے کہ آپ نے بعد میں سجدہ کر لیا ہو، دوسری روایات اس باب میں صریح ہیں کہ اس آیت پر التزاماً سجدہ کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا، اور مطلب بن ابی وداعہ کی متفق علیہ روایات یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب پہلی مرتبہ حرم میں یہ سورت تلاوت فرمائی تو آپ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلم ومشرک سب سجدہ میں گر گئے (بخاری، احمد، نسائی) ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت یہ ہے کہ حضور نے نماز میں سورۂ نجم پڑھ کر سجدہ کیا اور دیر تک سجدہ میں پڑے رہے۔ (بیہقی، ابن مردویہ) سبرۃ الجُہنی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فجر کی نماز میں سورۂ نجم پڑھی اور سجدہ کیا اور پھر اٹھ کر سورۂ زلزال پڑھی اور رکوع کیا۔ (سعید بن منصور)

فَائِدَہ: پہلی سورت جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی وہ سورۂ نجم ہے۔ (بخاری)

مَسْئَلَہ: اس آیت پر سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

مَسْئَلَہ: یہ درست نہیں کہ جس چیز پر سجدہ کرے اس پر جھکنے کے بجائے اس شئ کو بلند کرے۔

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ القَمَرِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ، (الاٰية)، وَهِيَ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيةً.

سورۂ قمر مکی ہے، سوائے سَيُهْزَمُ الجَمْعُ پوری آیت کے اور وہ ۵۵ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ قَرُبَتِ القِيَامَةُ ﴿وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ اِنْفَلَقَ فِلْقَتَيْنِ عَلٰى اَبِى قُبَيسٍ وقُعَيْقِعَان اٰيَةً له صلى الله عليه وسلَّمَ وقد سُئِلَهَا فقالَ اشهدُوا، رواهُ الشيخان ﴿وَاِنْ يَّرَوْا﴾ اى كُفَّارُ قُرَيش ﴿اٰيَةً﴾ مُعْجِزَةً له صلى الله عليه وسلم كَانْشِقَاقِ القمرِ ﴿يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا﴾ هذا ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ قوىٌّ مِنَ المِرَّةِ القُوَّةِ او دائِمٌ ﴿وَكَذَّبُوْا﴾ النَّبِىَّ صلى الله عليه وسلم ﴿وَاتَّبَعُوْا اَهْوَاءَهُمْ﴾ فى الباطِلِ ﴿وَكُلُّ اَمْرٍ﴾ مِنَ الخَيْرِ والشَّرِّ ﴿مُّسْتَقِرٌّ﴾ باهلِه فى الجَنَّةِ اوالنَّارِ ﴿وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَاءِ﴾ اَخْبَارُ هَلاكِ الاُمَمِ المُكَذِّبَةِ رُسُلَهم ﴿مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ﴾ لهم اسمُ مَصْدَرٍ اواسْمُ مَكانٍ والدَّالُ بَدَلٌ مِن تَاءِ الافتِعَالِ وازْدَجَرْتُه وزَجَرْتُه نَهَيْتُه بغِلْظَةٍ ومَا مَوصُولَةٌ اومَوصُوفَةٌ ﴿حِكْمَةٌ﴾ خبرُ مُبْتَدأ مَحْذُوفٍ اوبدَلٌ مِنْ مَا او مِن مُزْدَجرٍ ﴿بَالِغَةٌ﴾ تامَّةٌ ﴿فَمَا تُغْنِ﴾ تَنفَعُ فيهم ﴿النُّذُرُ﴾ جمعُ نَذِيرٍ بمعنى مُنْذِرٍ اى الأُمورُ المُنْذِرَةُ لهم ومَا للنَّفيِ او لِلاسْتِفْهَامِ الإنكَارِى وهى على الثانى مَفْعُولٌ مُقَدَّمٌ ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ﴾ هُوَ فَائِدَةُ مَا قبلَه وبه تَمَّ الكَلامُ ﴿يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ﴾ هُوَ اِسْرَافِيلُ وناصِبُ يومَ يَخْرُجُونَ بعدُ ﴿اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ﴾ بضمِّ الكافِ وسُكُونِهَا اى مُنْكَرٍ تُنْكِرُهُ النُّفُوسُ لِشِدَّتِهِ وهُو الحِسابُ ﴿خُشَّعًا﴾ ذَلِيلاً وفى قِراءَةٍ خَاشِعًا بِضَمِّ الخَاءِ وفَتحِ الشِّينِ مُشَدَّدَةً ﴿اَبْصَارُهُمْ﴾ حَالٌ مِن فَاعِلِ ﴿يَخْرُجُوْنَ﴾ اى النَّاسُ ﴿مِنَ الْاَجْدَاثِ﴾ القُبُورِ ﴿كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ﴾ لايَدْرُونَ اَيْنَ يَذْهَبُونَ مِنَ الخَوفِ والحَيرةِ

وقف لازم

والجملَةُ حالٌ من فاعِلِ يخرُجُونَ و كذا قولُه مُّهْطِعِيْنَ اى مُسرِعِينَ مادِّى اَعْناقِهم اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ مِنهم هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝ اى صَعْبٌ على الكافِرِينَ كما فِى المُدثر يَوْمٌ عَسِيْرٌ عَلَى الْكافِرِيْنَ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قبلَ قُرَيْشٍ قَوْمُ نُوْحٍ تانيثُ الفِعلِ لمعْنَى قوم فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا نوحًا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝ اى انْتَهرُوه بالسَّبِّ وغيره فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّىْ بالفتحِ اى بِاَنِّى مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ فَفَتَحْنَآ بالتخفيفِ والتشديدِ اَبْوَابَ السَّمَاۗءِ بِمَاۗءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ مُنْصَبٍّ اِنصِبابًا شديدًا وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا تنبعُ فَالْتَقَى الْمَاۗءُ ماءُ السَّماءِ والارضِ عَلٰٓي اَمْرٍ حالٌ قَدْ قُدِرَ ۝ به فى الازَلِ وهُو هلاكُهُم غرَقًا وَحَمَلْنٰهُ اى نوحًا عَلٰي سفينَةٍ ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ وهِىَ ماتُشَدُّبه الالواحُ مِنَ المَسامِيرِ وغيرِها واحِدُها دِسارٌ ككِتاب تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ بمَرأى مِنَّا اى محفوظَةً بحِفظِنا جَزَاۗءً منصُوبٌ بفِعلٍ مُقدَّرٍ اى اُغرِقُوا انتِصارًا لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ وهُو نوحٌ عليه السلام وقُرِئَ كَفَرَ بناءً لِلفاعِلِ اى اُغرِقُوا عِقابًا لهم وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اى ابْقَيْنا هذه الفِعْلَةَ اٰيَةً لمن يَعْتَبِرُبها اى شاعَ خبرُها واستَمَرَّ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ مُعتبِرٍ ومُتَّعِظٍ بها واصلُه مُذْتَكِرٌ اُبدِلَتِ التاءُ دالاً مهمَلَةً وكذا المُعجمَةُ واُدغِمَتْ فيها فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ اى اِنْذارِى استفهامُ تقريرٍ وكيفَ خبرُكانَ وهِىَ لِلسُّوالِ عنِ الحالِ والمعنى حَمْلُ المُخاطَبِينَ على الاِقرارِ بوُقوعِ عذابِه تعالىٰ بالمُكذِّبينَ بنُوحٍ مَوْقِعَهُ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ سهَّلْناهُ لِلحفظِ او هيَّأناهُ للتَّذكُّرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ مُتَّعِظٍ به وحافِظٍ له والاستفهامُ بمعنَى الامرِ اى اِحْفَظُوه واتَّعِظُوا ولَيْسَ يُحفَظُ من كُتُبِ اللّٰهِ عن ظَهرِ القلبِ غيرُه كَذَّبَتْ عَادٌ نبيَّهُم هُودًا فعُذِّبُوا فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ اى اِنْذارِى لهم بالعذابِ قبلَ نزولِه اى وَقَعَ مَوْقِعَه وبيَّنَه بقولِه اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا اى شديدَ الصَّوتِ فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ شُؤمٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ دائمِ الشُّؤمِ او قويَّةٍ وكانَ يومَ الاربعاءِ اٰخِرَ الشَّهرِ تَنْزِعُ النَّاسَ تقلَعُهم مِن حُفَرِ الارضِ المُندَسِّينَ فيها وتصرَعُهم علىٰ رُؤُسِهم فتدُقُّ رِقابَهُم فتبينُ الرأسُ عنِ الجسَدِ كَاَنَّهُمْ وحالُهم ماذُكِرَ اَعْجَازُ اُصُولُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ مُنقلِعٍ ساقِطٍ على الارضِ وشُبِّهُوا بالنَّخلِ لِطُولِهم ذُكِّرَهُنا واُنِّثَ فِى الحاقَةِ نَخْلٍ خاوِيَةٍ مُراعاةً لِلفَواصِلِ فِى المَوضِعَينِ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قیامت قریب آ گئی، اور چاند شق ہو گیا یعنی دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا (جبل) ابی قبیس پر اور (دوسرا جبل) قُعَیقِعَان پر (تھا) آپ ﷺ کے معجزے کے طور پر جبکہ آپ سے معجزے کا سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا گواہ رہو (رواہ الشیخان) اور اگر کفار قریش آپ کا کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جیسا کہ شق القمر کا تو اعراض کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ بڑا بھاری جادو ہے قوی جادو ہے یہ مرۃ بمعنی قوۃ یا بمعنی

دائم ہے (سابق سے چلا آنے والا) اوران لوگوں نے نبی ﷺ کی تکذیب کی اور باطل میں اپنی خواہشات کی پیروی کی اور ہر کام خواہ خیر ہو یا شر اس کے مستحقین پر جنت یا دوزخ میں واقع ہونے والا ہے، اور یقیناً ان کے پاس اپنے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کی خبریں آچکی ہیں جن میں ان کے لئے جھڑک ہے (مزدجر) اسم مصدر ہے یا اسم مکان ہے اور دال تائے افتعال سے بدلی ہوئی ہے اور ازدجرته، زجرته کے معنی میں ہے، میں نے اس کو سختی سے جھڑک دیا، اور ما موصولہ ہے یا موصوفہ اور قرآن کامل عقل کی بات ہے لیکن ان کو ڈرانے والی باتوں نے بھی کوئی فائدہ نہیں دیا نذر نذیر کی جمع ہے معنی منذر کے ہے، یعنی وہ باتیں جوان کو ڈرانے والی ہیں اور ما نفی کے لئے ہے، یا استفہام انکاری ہے، ثانی صورت میں (تُغْنِ کا) مفعول مقدم ہوگا سوائے نبی آپ ان سے اعراض کریں یا ماقبل کا فائدہ ہے اور اس پر کلام تام ہوا جس دن ایک پکارنے والا ایک ناگوار چیز کی طرف پکارے گا وہ اسرافیل ہے، اور یوم کا ناصب بعد میں آنے والا یخرجون ہے نکر کاف کے ضمہ اور سکون کے ساتھ ہے یعنی ناپسندیدہ شئ جس کو نفوس اس کی شدت کی وجہ سے ناگوار سمجھتے ہوں اور وہ حساب ہے یہ لوگ ذلت کے ساتھ نظریں نیچے کئے ہوئے اور ایک قراءت میں خُشَّعًا خاء کے ضمہ اور شین مشدد کے ساتھ ہے، قبروں سے تیزی سے نکل پڑیں گے خُشَّعًا، یَخْرُجُوْنَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے گویا کہ وہ پھیلی (منتشر) ٹڈیاں ہیں وہ خوف اور حیرت کی وجہ سے یہ بھی نہ سمجھ رہے ہوں گے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟ اور جملہ، یَخْرُجُوْنَ کے فاعل سے حال ہے اور اسی طرح اللہ کا قول مُهْطِعِيْنَ ہے یعنی تیزی سے گردن اٹھائے ہوئے داعی کی طرف نکل پڑیں گے، ان میں سے کافر کہیں گے یہ سخت دن ہے یعنی کافروں پر سخت ہے جیسا کہ سورۂ مدثر میں یَوْمٌ عَسِيْرٌ علیٰ الکافرین ہے ان سے یعنی قریش سے پہلے قوم نوح نے بھی ہمارے بندے نوح کو جھٹلایا تھا اور مجنون کہہ کر جھڑک دیا تھا یعنی گالی وغیرہ دے کر ڈانٹ دیا تھا، پس اس نے اپنے رب سے دعاء کی أَنِّي فتحہ کے ساتھ یعنی بأنِّي ہے میں بے بس ہوں تو میری مدد کر تو ہم نے آسمان کے دروازوں کو زوردار (بہنے والے) پانی کے لئے کھول دیا فَفَتَحْنَا تاء کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، پس ہم نے زمین کے چشموں کو جاری کر دیا تو زمین سے چشمے ابل پڑے پھر پانی مل گیا یعنی آسمان اور زمین کا پانی اس حالت پر ہو گیا کہ جس حالت پر ازل میں مقدر کر دیا گیا تھا اور وہ حالت ان کا غرق ہو کر ہلاک ہونا ہے اور ہم نے نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیا دُسُر وہ چیز جس کے ذریعہ تختوں کو جوڑا جائے، میخیں وغیرہ اس کا واحد دِسَارٌ ہے جیسے (کُتُب) کتاب کی جمع ہے جو ہماری نگرانی ہماری نظروں کے سامنے یعنی ہماری حفاظت میں چل رہی تھی ان کو اس شخص کے انتقام میں غرق کر دیا گیا جس کی ناشکری کی گئی، جزاءً فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، ای أُغرقوا اِنتصارًا (انتقامًا) اور وہ شخص نوح تھا، کَفَرَ کو معروف بھی پڑھا گیا ہے، یعنی ان کو غرق کر دیا گیا ان کے نافرمانی کرنے کی وجہ سے بے شک ہم نے اس کو یعنی فعل (واقعہ) کو نشانی بنا کر باقی رکھا اس شخص کے لئے جو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرے، یعنی اس واقعہ کی خبر شائع ہو گئی اور باقی رہ گئی، پس کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا یعنی عبرت و نصیحت حاصل کرنے والا (مُدّکر) کی اصل مُذْتکر ہے تاء کو دال مہملہ سے

بدل دیا گیا، اسی طرح ذال معجمہ کو دال سے بدل دیا گیا اور دال کو دال میں ادغام کر دیا گیا سو کیسا رہا میرا عذاب اور ڈرانا نُذُرِ بمعنی اِنـــــذاری ہے، استفہام تقریری ہے، اور کیف کان کی خبر ہے، اور کیف حالت سے سوال کرنے کے لئے ہے او رمعنی (آیت کے) مخاطبین کو نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکذبین پر وقوع عذاب کے اقرار پر آمادہ کرتا ہے کہ عذاب برمحل واقع ہوا ،اور اس کو اپنے قول اِنَّا اَرْسَلْنَا الخ سے بیان فرمایا کہ ہم نے ان پر ایک منحوس دن میں دائمی نحوست والی تیز و تند مسلسل چلنے والی یا قوی ہوا بھیجی یعنی سخت آواز والی اور وہ مہینے کا آخری چہارشنبہ تھا، جو گڑھوں میں چھپے ہوئے لوگوں کو (بھی) نکال کر پھینک رہی تھی، اور ان کو سر کے بل پٹخ رہی تھی، اور ان کی گردنوں کو کوٹ دیتی تھی جس کی وجہ سے ان کا سر جسم سے جدا ہو جاتا تھا یعنی ان کا مذکورہ حال ایسا تھا گویا کہ وہ زمین پر پڑے ہوئے کھجور کے کٹے ہوئے تنے ہیں اور ان کے دراز قد ہونے کی وجہ سے ان کو کھجوروں کے تنوں سے تشبیہ دی ہے نخل کو یہاں مذکر اور سورۂ حاقہ میں مونث دونوں جگہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے نـخـل خاويةٍ مؤنث ذکر کیا ہے تو کیسا رہا میرا عذاب اور ڈرانا؟ اور بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلِہٗ: قَرُبَتِ القِيَامَةُ، اِقْتَرَبَ کی تفسیر قَرُبَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مزید بمعنی مجرد ہے جیسے اِقْتَدَرَ بمعنی قَدَرَ.

سِوَال: مجرد کو مزید سے کیوں تعبیر کیا؟

جِوَاب: قرب کے معنی میں مبالغہ ظاہر کرنے کے لئے، اس لئے کہ زیادتی حروف زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے۔

قِوْلِہٗ: اِنْشَقَّ الـقَـمَـرُ تیسری اور چودھویں شب کے درمیانی چاند کو قمر کہتے ہیں، اس سے پہلے کے چاند کو ہلال اور چودھویں شب کے چاند کو بدر کہتے ہیں۔

قمر ہمارے نظام شمسی کا قریب ترین سیارہ ہے، سابقہ تحقیق کے مطابق قمر زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل کی مسافت پر واقع تھا، مگر اب جدید تحقیق کے مطابق زمین سے چاند کا فاصلہ دو لاکھ چھبیس ہزار نو سو ستر اعشاریہ نو میل ہے، اس سے پہلے اتنی صحیح پیمائش کبھی نہیں کی گئی تھی جو کیلی فورنیا (امریکہ) کی یونیورسٹی کی رصد گاہ سے چھوڑے گئے اپالو گیارہ میں نصب کئے گئے مسافت پیما آلے کے ذریعہ کی گئی ہے اپالو گیارہ ١٦ جولائی بروز چہارشنبہ ١٩٦٩ء کو خلائی سفر پر روانہ ہوا تھا۔ (فلكيات جديده)

قِوْلِہٗ: قَوِیٌّ او دائمٌ اس اضافہ کا مقصد مُسْتَمِرٌّ کے معنی کو بیان کرنا ہے، مفسر علام نے مُسْتَمِرٌّ کے دو معنی بیان کئے ہیں، اول بمعنی قوی، اس صورت میں مِـرَّة سے ماخوذ ہوگا اس لئے کہ مِـرَّة کے معنی قوت کے ہیں، جب امر قوی اور مستحکم ہو جاتا ہے تو بولا جاتا ہے، اِسْتَمَرَّ الشئ ای قَوِیَ واسْتَحْکَمَ مطلب یہ ہے کہ یہ بڑا طاقتور جادو ہے، دوم بمعنی دائمٌ اس صورت میں استمرار سے مشتق ہوگا جس کے معنی ہیں دائمی یا سابق سے چلا آرہا، مطلب یہ ہے کہ محمد نے شب و روز کی

جادوگری کا جو سلسلہ چلا رکھا ہے یہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے، مذکورہ دو معانی کے علاوہ مُسْتَمِرٌّ کے دو معنی اور بھی ہیں جن کو بعض مفسرین نے اختیار فرمایا ہے، (اول) گذر جانے والا، فنا ہو جانے والا، باقی نہ رہنے والا، اس صورت میں مَارٌّ بمعنی ذاهِبٌ سے مشتق ہوگا، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح اور جادو گذر گئے یہ بھی گذر جائے گا اس کا اثر بھی دیر پا نہ ہوگا (دوسرے) معنی بدمزہ ناخوشگوار، کڑوے کے ہیں، اس صورت میں مُرٌّ سے مشتق ہوگا جس کے معنی کڑوے کسیلے اور بدمزہ کے ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح کڑوی اور بدمزہ چیز حلق سے نیچے نہیں اترتی اسی طرح محمد کی باتیں اور معجزے بھی ہمارے حلق سے نہیں اترتے۔

سَوَال: كَذَّبوا کا عطف يُعْرِضُوا پر ہے، معطوف علیہ مضارع ہے اور معطوف ماضی، اس میں کیا نکتہ ہے؟

جَوَاب: اس میں نکتہ یہ ہے کہ ماضی کا صیغہ لا کر اشارہ کر دیا کہ تکذیب اور اتباع ہویٰ یہ ان کی پرانی اور قدیم عادت ہے کوئی نئی عادت نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْاَنْبَاءِ مَافِيْهِ مُزْدَجَرٌ میں مِن تبعیضیہ ہے مراد ام مکذبہ کی وہ خبریں ہیں جو قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔

قَوْلُهُ: مُزْدَجَرٌ مصدر میمی ہے معنی میں اِزْدِجَارٌ کے ہے، اسم مکان بھی ہوسکتا ہے یعنی ان کے پاس ایسی خبریں آئیں کہ جو مقام اِزْدِجار میں ہیں، مِنَ الاَنباءِ حال ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے، اور ما ذوالحال ہے ما موصولہ اور موصوفہ دونوں ہوسکتا ہے، اور دونوں صورتوں میں ما، جاءَ کا فاعل ہے اور فیہ خبر مقدم اور مُزْدَجَرٌ مبتداء مؤخر ہے، اور جملہ ما کا صلہ ہے۔

قَوْلُهُ: فَمَاتُغْنِ النُّذر.

قَوْلُهُ: خبرُ مبتداءٍ محذوفٍ ای هو حكمة.

قَوْلُهُ: مُهْطِعِيْنَ اِهْطَاعٌ سے اسم فاعل ہے اور يَخْرُجُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے معنی گردن اٹھا کر تیزی سے چلنا۔

قَوْلُهُ: يَقُوْلُ الكافِرُوْنَ یہ جملہ مستانفہ ہے، اس صورت میں ایک سوال مقدر کا جواب ہوگا، روزِ قیامت کی شدت اور اس کی ہولناکی کے بیان سے سوال پیدا ہوا کہ اس وقت کافروں کا کیا ہوگا؟ جواب دیا: وہ کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا سخت ہے اور بعض حضرات نے يَخْرُجُوْنَ کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے لیکن اس صورت میں ایک سوال پیدا ہوگا کہ جملہ جب حال واقع ہو تو اس میں رابطہ کا ہونا ضروری ہے حالانکہ یہاں کوئی رابطہ نہیں ہے۔

جَوَاب: مفسر علام نے مِنْهُمْ مقدر مان کر اسی سوال کا جواب دیا ہے۔

قَوْلُهُ: اُنِّثَ الفعل لمعنى قومٍ اس عبارت سے بھی ایک سوال مقدر کا جواب مقصود ہے۔

سَوَال: سوال یہ ہے کہ قَوْمٌ جو کہ مذکر ہے كَذَّبت کا فاعل ہے، فعل و فاعل میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب: قوم معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے یعنی اُمّۃً کے معنی میں ہے افراد کثیرہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مؤنث معنوی ہے۔

قولہ: فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا، عیونًا تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جو کہ مفعول سے محول ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَجَّرْنَا عُيُوْنَ الْاَرْضِ. اور بعض حضرات نے فاعل سے محول قرار دیا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنْفَجَرَتْ عُيُوْنُ الْاَرْضِ.

تفسیر وتشریح

ربط:

گذشتہ سورت (النجم) اَزِفَتِ الْآزِفَةِ الخ پر ختم ہوئی ہے جس میں قیامت کے قریب آ جانے کا ذکر ہے، اس سورت کو اسی مضمون سے شروع کیا گیا ہے، اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ آگے قرب قیامت کی دلیل معجزۂ شق القمر کا ذکر فرمایا گیا۔ (معارف)

زمانۂ نزول:

اس سورت میں واقعۂ شق القمر مذکور ہے، اس سے اس سورت کا زمانۂ نزول متعین ہو جاتا ہے، محدثین ومفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل مکہ معظمہ میں منیٰ کے مقام پر پیش آیا۔

یہ سورت بھی ان سورتوں میں سے ہے جن کو آپ نماز عید میں پڑھا کرتے تھے۔

معجزۂ شق القمر:

مشرکین مکہ نے آپ کی نبوت کی صداقت کے ثبوت کے طور پر شق القمر کا معجزہ طلب کیا تھا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق نشانی کا مطالبہ کیا تھا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ متعین طور پر شق القمر کا معجزہ طلب کیا تھا جیسا کہ حضرت انس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ آنحضور ﷺ ایک رات مقام منیٰ میں تشریف فرما تھے، مشرکین مکہ کے کچھ سردار موجود تھے جن میں ولید، ابوجہل، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور نضر بن الحارث شامل تھے، چاندنی رات تھی چودھویں کا چاند تھا، ان حضرات نے دلیل صداقت کے طور پر چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں ایسا کر دوں تو تم ایمان لے آؤ گے؟ سب نے کہا ہاں! رسول اللہ ﷺ نے اللہ رب العالمین سے دعاء فرمائی حق تعالیٰ نے شق القمر کا معجزہ ظاہر فرما دیا، آپ ﷺ نے فرمایا یا ابا سلمہ عبد الاسد والارقم بن الارقم

اشھدوا اے فلاں وفلاں دیکھواور گواہی دو۔

معجزہ کا ثبوت قرآن کریم کی اس آیت سے ہے، وانشق القمر اوراحادیث صحیحہ جو صحابہ کرام کی ایک جماعت کی روایت سے آئی ہیں جن میں حضرت علی عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عمر جبیر بن مطعم ابن عباس انس بن مالک حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ شامل ہیں، ان میں سے تین بزرگ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ اور حضرت جبیر بن مطعم تصریح کرتے ہیں کہ وہ اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں، اور دو بزرگ ایسے ہیں کہ جو اس واقعہ کے عینی شاہد تو نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ ان میں سے ایک یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیدائش سے پہلے کا واقعہ ہے، اور دوسرے یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک اس وقت بچے تھے، لیکن چونکہ یہ دونوں حضرات صحابی ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ انہوں نے ایسے سن رسیدہ صحابیوں سے سن کر ہی اسے روایت کیا ہوگا جو اس واقعہ کا براہ راست علم رکھتے تھے، امام طحاوی اور ابن کثیر نے واقعہ شق القمر کی روایات کو متواتر قرار دیا ہے اس لئے اس معجزہ کا قطعی دلائل سے ثبوت ہے۔

واقعہ کی تفصیل:

مشرکین مکہ کے مطالبہ پر حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی صداقت کے طور پر معجزہ ظاہر فرمایا چاند کے دو ٹکڑے ہو کر ایک مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف چلا گیا اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان پہاڑ حائل نظر آنے لگا، رسول اللہ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو جب سب لوگوں نے صاف طور پر یہ معجزہ دیکھ لیا تو یہ دونوں ٹکڑے پھر آپس میں مل گئے۔

کفار کا دلیل صداقت کو ماننے سے انکار:

اس کھلے ہوئے معجزے کا انکار تو کسی آنکھوں والے سے ممکن نہ ہو سکتا تھا مگر براہ تعصب اور ہٹ دھرمی کا کہ مشرکین کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا تھا اس لئے ہماری آنکھوں نے دھوکا کھایا، دوسرے لوگ بولے کہ محمد ﷺ ہم پر جادو کر سکتے ہیں تمام لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے، باہر کے لوگوں کو آنے دو ان سے معلوم کریں گے کہ یہ واقعہ انہوں نے بھی دیکھا یا نہیں؟ باہر سے جب کچھ لوگ آئے اور ان سے دریافت کیا تو انہوں نے شہادت دی کہ وہ بھی یہ منظر دیکھ چکے ہیں۔

ایک مغالطہ:

بعض روایات جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں ان کی بناء پر یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ شق القمر کا واقعہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ پیش آیا تھا، لیکن اول تو صحابہ میں سے کسی اور نے یہ بات بیان نہیں کی، دوسری بات یہ کہ خود انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض روایات میں مرتین کے بجائے فِرْقَتَیْن اور شِقَّتَین کے الفاظ ہیں، تیسرے یہ کہ قرآن مجید صرف ایک ہی انشقاق کا ذکر کرتا ہے، ان شواہد کی روشنی میں صحیح بات یہی ہے کہ یہ واقعہ صرف ایک ہی مرتبہ پیش آیا تھا۔

چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے یا قرب قیامت میں ہوں گے:

بعض لوگوں نے (وانشَقَّ القَمر) کا مطلب یہ لیا ہے کہ چاند پھٹ جائے گا، لیکن عربی زبان کے لحاظ سے چاہے یہ مطلب لینا ممکن ہو مگر عبارت کا سیاق وسباق اس معنی کو مراد لینے سے صاف انکار کرتا ہے، اول تو یہ معنی مراد لینے سے پہلا فقرہ بے معنی ہو جاتا ہے، چاند اگر اس کلام کے نزول کے وقت پھٹا نہیں تھا، بلکہ وہ آئندہ کبھی پھٹنے والا ہے تو اس کی بناء پر یہ کہنا بالکل مہمل بات ہے کہ قیامت کی گھڑی قریب آگئی ہے، مستقبل میں پیش آنے والا کوئی واقعہ اس کے قرب کی علامت کیسے قرار پا سکتا ہے، کہ اسے شہادت کے طور پر پیش کرنا ایک معقول طرز استدلال ہو، دوسرے یہ مطلب لینے کے بعد جب ہم آگے کی عبارت پڑھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتی، آگے کی عبارت صاف بتا رہی ہے کہ لوگوں نے اس وقت کوئی نشانی دیکھی تھی جو امکان قیامت کی صریح علامت تھی مگر انہوں نے اسے جادو قرار دیکر جھٹلا دیا اور اپنے اس خیال پر جمے رہے کہ قیامت کا آنا ممکن نہیں ہے، اس سیاق وسباق میں اِنشَقَّ القَمرُ کے الفاظ اسی صورت میں ٹھیک بیٹھ سکتے ہیں جب ان کا مطلب ''چاند پھٹ گیا'' لیا جائے، اور اگر اِنشقَّ القمر کو چاند پھٹ جائے گا کے معنی میں لے لیے جائیں تو بعد کی ساری بات بے جوڑ ہو جاتی ہے، سلسلہ کلام میں اس فقرے کو رکھ کر دیکھ لیجئے آپ کو خود محسوس ہو جائے گا کہ اس کی وجہ سے ساری عبارت بے معنی ہوگئی۔

معجزۂ شق القمر پر اعتراضات:

معترضین شق القمر پر دو طرح کے اعتراضات کرتے ہیں اول تو ان کے نزدیک ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے کہ چاند جیسے عظیم کرہ کے دو ٹکڑے پھٹ کر الگ ہو جائیں اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں میل کے فاصلہ تک ایک دوسرے سے دور جانے کے بعد پھر دوبارہ جڑ جائیں، دوسرے وہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ دنیا بھر میں مشہور ہو جاتا، تاریخی کتابوں میں اس کا ذکر آتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ دونوں اعتراضات بالکل بے وزن اور بے حقیقت ہیں۔

جواب: اول تو کسی دلیل عقلی سے اس کا محال ہونا اب تک ثابت نہیں کیا جا سکا ہے، اور محض استبعاد کی بناء پر ایسی قطعی الثبوت چیزوں کو رد نہیں کیا جا سکتا، بلکہ استبعاد تو اعجاز کے لئے لازم ہے جہاں تک اس کے امکان کی بحث ہے، قدیم زمانہ میں تو شاید وہ چل بھی سکتی تھی، لیکن موجودہ دور میں سیاروں کی ساخت کے متعلق انسان کو جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کی بناء پر یہ بات بالکل ممکن ہے کہ ایک کرہ اپنے اندر آتش فشانی کے باعث پھٹ جائے اور اس زبردست انفجار سے اس کے دو ٹکڑے ہو کر دور تک چلے جائیں اور پھر اپنی مرکزی قوت جاذبہ کے سبب وہ آپس میں آملیں، اور اگر یہ انفجار اتنا شدید اور طاقتور ہو کہ مرکزی قوت جاذبہ کی گرفت سے باہر ہو جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ٹکڑے پھر آپس میں نہ ملیں، اور اس کا صرف امکان ہی نہیں بلکہ واقعہ بھی ہے۔

کرۂ ارض ایک زمانہ میں متصل ایک کرہ تھا:

ماہرین کی غالب اکثریت اس پر متفق ہے کہ دنیا کے تمام براعظم کسی زمانہ میں ایک دوسرے سے پیوست ایک کرہ تھے، کوئی بیس کروڑ سال ہوئے زمین کے اندر کی آتش فشانی اور قوت طاردہ کی وجہ سے کرۂ ارض میں انفجار پیدا ہوا اور یہ کرہ کئی حصوں میں تقسیم ہوگیا، اس کے ثبوت کی متعدد دلیلیں ہیں، اس بات کا خیال رہے کہ دیگر سیارات کے مانند زمین اور چاند بھی سیارے ہیں بلکہ سائنس جدید کی تحقیق کے نتیجے سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند زمین کا ایک حصہ ہے کسی زمانہ میں کسی سیارہ کے تصادم یا اندرونی آتش فشانی کے نتیجے میں بحرالکاہل کے مقام سے الگ ہوکر زمین کے گرداگرد گردش کرنے لگا، اور زمین سورج سے جدا شدہ ایک کرہ ہے جو سورج کے گرداگرد گردش کررہا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "فلکیات جدیدہ"۔

انفجار ارض کی پہلی دلیل:

اگر تمام براعظموں کو ایک دوسرے سے ملا کر پیوست کردیا جائے تو ان کے ساحل ایک دوسرے سے اس طرح مل جائیں گے جیسے کسی ٹوٹی ہوئی چیز کے ٹکڑوں کو ملا کر ایک کردیا جاتا ہے اور وہ اپنی سابقہ حالت پر معلوم ہونے لگتی ہے۔

دوسری دلیل:

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ طویل وعریض سمندروں کے آر پار مختلف براعظموں کے مقابل ساحلوں پر جو پہاڑ ہیں یوں لگتا ہے جیسے ایک ہی سلسلہ کوہ کے حصے ہوں۔

تیسری دلیل:

براعظم کے ایک دوسرے سے کسی زمانہ میں متصل ہونے کے حیاتیاتی شواہد بھی موجود ہیں، جنوبی امریکہ اور افریقہ میں بیسوں اقسام کے جانور ملتے ہیں جو ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ مماثلث ومشابہت بے وجہ نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ دونوں براعظم ایک ہی تھے۔

جب کرۂ ارضی میں انفجار وانشقاق مشاہداتی اور عقلیاتی دلائل سے ثابت ہے تو کیا وجہ ہے کہ کرۂ قمر میں یہ انفجار وانشقاق نہیں ہوسکتا؟ مذکورہ دلائل سے ان لوگوں کا نظریہ باطل ہوگیا جو کرۂ قمر میں خرق والتیام کو محال کہہ کر معجزۂ شق القمر کا انکار کرتے ہیں۔

دوسرا اعتراض:

دوسرا عامیانہ اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ واقعہ دنیا بھر میں مشہور ہوجاتا، تاریخی کتابوں میں اس کا ذکر آتا۔

جَوَابِ: یہ اعتراض اس لئے بے وزن ہے کہ یہ واقعہ اچانک بس ایک لمحہ کے لئے پیش آیا تھا، ضروری نہیں تھا کہ اس

خاص لمحہ میں دنیا بھر کی نگاہیں چاند کی طرف لگی ہوئی ہوں، نیز اس سے کوئی زوردار دھما کہ نہیں ہوا تھا کہ لوگوں کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوتی، اور پہلے سے اس کی کوئی اطلاع بھی نہیں تھی کہ لوگ اس کے منتظر ہوکر آسمان کی طرف دیکھ رہے ہوتے، اس کے علاوہ پوری روئے زمین پر اسے دیکھا نہیں جاسکتا تھا، بلکہ صرف عرب اور اس کے مشرقی جانب کے ممالک ہی میں اس وقت چاند نکلا ہوا تھا، باقی بہت سے ممالک میں تو اس وقت دن ہوگا، جہاں رات ہوگی بھی تو کہیں نصف شب اور آخر شب کا وقت ہوگا جس وقت عام دنیا سوتی ہے اور جاگنے والے بھی تو ہر وقت چاند کو نہیں تکتے رہتے اس کے علاوہ زمین پر پھیلی ہوئی چاندنی میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے سے کچھ فرق بھی نہیں پڑتا جس کی وجہ سے اس کی طرف کسی کو توجہ ہوتی پھر یہ تھوڑی دیر کا قصہ تھا، روزمرہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی ملک میں چاند گہن ہوتا ہے اور آج کل تو پہلے سے اس کے اعلانات بھی ہوجاتے ہیں اس کے باوجود ہزاروں لاکھوں آدمی اس سے بالکل بے خبر رہتے ہیں، تو کیا اس بے خبری کو اس بات کی دلیل بنایا جاسکتا ہے کہ چاند گہن ہوا ہی نہیں ہے اس لئے دنیا کی عام تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس واقعہ کی تکذیب نہیں ہوسکتی۔

دوسرا جواب: سابقہ آسمانی کتابوں میں بعض ایسے ہی واقعات کا ذکر ہے مگر کسی تاریخی کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں ہے تو کیا یہ مان لیا جائے کہ یہ واقعات ہوئے ہی نہیں، ہم ان واقعات میں سے صرف دو واقعہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔

پہلا واقعہ:

کتاب یشوع (ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق) کے باب نمبر ۱۰ آیت نمبر ۱۲ میں ہے، ''اور اس دن جب خداوند نے اموریوں کو بنی اسرائیل کے قابو میں کردیا، یشوع نے خداوند کے حضور بنی اسرائیل کے سامنے یہ کہا اے سورج تو جبعون پر اور اے چاند تو وادی ایالون پر ٹھہرا رہ، سورج ٹھہر گیا، اور چاند تھما رہا، جب تک قوم نے اپنے دشمنوں سے اپنا انتقام نہ لے لیا، اور سورج آسمانوں کے بیچوں بیچ ٹھہرا رہا اور تقریباً سارے دن ڈوبنے میں جلدی نہ کی''۔

اور کتاب تحقیق الدین الحق مطبوعہ ۱۸۴۶ء حصہ نمبر ۳ کے باب ۴ صفحہ ۳۶۲ میں یوں ہے کہ ''یوشع کی دعاء سے سورج ۲۴ گھنٹے کھڑا رہا'' ظاہر ہے کہ یہ واقعہ بڑا عظیم الشان تھا اور عیسائی نظریئے کے مطابق مسیح کی پیدائش سے ایک ہزار چار سو سال قبل پیش آیا، اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو اس کا علم تمام روئے زمین کے انسانوں کو ہونا ضروری تھا، بڑے سے بڑا بادل بھی اس کے علم سے مانع نہیں ہوسکتا تھا، اور نہ اس کا اختلاف اس میں مزاحم، اس لئے کہ اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ بعض مقامات پر اس وقت رات تھی تب بھی اس کا ظاہر ہونا اس لئے ضروری تھا کہ ان کی رات اس دن چوبیس گھنٹے رہی ہو، نیز یہ زبردست حادثہ نہ ہندوستان کی تاریخ میں کہیں موجود ہے نہ اہل چین واہل فارس کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے، ہم نے خود ہندوستان کے علماء سے اس کی تکذیب سنی ہے، اور ان کو اس کے غلط ہونے کا یقین کامل ہے۔

دوسرا واقعہ:

کتاب الاشعیاء باب ۳۸ آیت ۸ میں حضرت اشعیاء کے معجزے رجوع شمس کے سلسلہ میں یوں کہا گیا ہے، ''چنانچہ آسمان جن درجوں سے ڈھل گیا تھا ان میں کے دس درجے پھر لوٹ گیا''۔

یہ حادثہ بھی عظیم الشان ہے اور چونکہ دن میں پیش آیا تھا اس لئے ضروری ہے کہ دنیا کے اکثر انسانوں کو اس کا علم ہو مسیح کی ولادت سے ۱۳ء سال شمسی قبل واقع ہوا، مگر اس کا تذکرہ نہ تو ہندوستان کی تاریخوں میں پایا جاتا ہے اور نہ اہل چین واہل فارس کی کتابوں میں (ملخصاً) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، مولانا رحمت اللہ مرحوم کی مشہور کتاب اظہار الحق کا ترجمہ بائبل سے قرآن تک۔ (ص١٢٦ تا ١٣٤)

تاریخی شہادت:

اس کے علاوہ ہندوستان کی مستند ومشہور تاریخ، تاریخ فرشتہ کے مقالہ نمبر ۱۱ میں اس کا ذکر موجود ہے کہ ہندوستان میں مہاراجہ ملیبار نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا اور اپنے روزنامچہ میں لکھوایا اور یہی واقعہ اس کے اسلام لانے کا سبب بنا، حافظ مزی نے ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مسافر کا بیان ہے کہ میں نے ہندوستان کے ایک مشہور شہر میں ایک پرانی عمارت دیکھی جس پر عمارت کی تاریخ تعمیر کے سلسلے میں لکھا تھا کہ یہ عمارت شق قمر والی رات میں بنائی گئی۔

(ترجمہ اظہار الحق، بائبل سے قرآن تک، ص١٣٤)

اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ قوم عاد کو ہوا کے طوفان کے عذاب سے ہلاک کیا گیا تھا، کہتے ہیں کہ بدھ کی شام تھی جب اس تیز وتند یخ بستہ اور شاں شاں کرتی ہوئی ہوا کا آغاز ہوا، پھر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن برابر چلتی رہی یہ ہوا گھروں اور قلعوں میں بند اور گڑھوں میں چھپے ہوئے لوگوں کو اٹھاتی اور اس زور سے انہیں زمین پر پٹختی کہ ان کے سر ان کے دھڑ سے الگ ہو جاتے، یہ دن ان کیلئے عذاب کے اعتبار سے منحوس ثابت ہوا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ بدھ کے دن یا کسی اور دن میں نحوست ہے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں مستمر کا مطلب ہے کہ یہ عذاب اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ سب ہلاک نہیں ہو گئے۔

كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ یہ درازی قد کے ساتھ ان کے بے بسی اور لاچاری کا بھی اظہار ہے کہ عذاب الٰہی کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکے درانحالیکہ انہیں اپنی قوت وطاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ۝ جَمْعُ نَذِيرٍ بِمَعْنَى مُنْذِرٍ اي بِالاُمُورِ الَّتِي اَنْذَرَهُم بِهَا نَبِيُّهُم صَالِحٌ اِنْ لَم يُؤْمِنُوا بِهِ

ويَتَّبِعُوه **فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا** منصوبٌ علی الاشتغالِ **مِّنَّا وَاحِدًا** صِفتَانِ لِبَشَرٍ **نَّتَّبِعُهٗٓ** مُفسِّرٌ لِلفعلِ النَّاصِبِ له والاِستِفهامُ بمعنى النَّفيِ المعنىٰ كيفَ نَتَّبِعُه ونحنُ جماعةٌ كثيرةٌ وهُو واحِدٌ مِنَّا وليسَ بِمَلِكٍ اى لا نَتَّبِعُه **اِنَّآ اِذًا** اى اِن اتَّبَعْنَاه **لَّفِيْ ضَلٰلٍ** ذِهابٍ عنِ الصَّوابِ **وَّسُعُرٍ**﴿٢٤﴾ جنونٍ **ءَاُلْقِيَ** بتحقيقِ الهَمْزَتينِ وتسهيلِ الثَّانية وإدخالِ الفٍ بينهما على الوجهينِ وتركِه **الذِّكْرُ** الوَحيُ **عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا** اى لم يُوحَ اليه **بَلْ هُوَ كَذَّابٌ** في قولِه انَّه أُوحِيَ اليه ما ذَكَرَه **اَشِرٌ**﴿٢٥﴾ مُتكبِّرٌ بَطِرٌ قال تعالىٰ **سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا** اى في الأخرةِ **مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ**﴿٢٦﴾ وهُو هُم بأنْ يُعذَّبُوا على تكذيبِهم لِنَبِيِّهم صالحٍ **اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ** مُخرِجُوها مِن الهَضبَةِ الصَّخرةِ كما سَأَلُوا **فِتْنَةً** محنةً **لَّهُمْ** لِنَختَبِرَهم **فَارْتَقِبْهُمْ** يا صالحُ اى انتظِرْ ما هُم صانِعُون وما يُصنَعُ بهم **وَاصْطَبِرْ**﴿٢٧﴾ الطَّاءُ بدلٌ مِن تاءِ الافتِعالِ اى اصبِرْ على أذاهم **وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ** مقسُومٌ **بَيْنَهُمْ** وبَيْنَ النَّاقةِ فيومٌ لهم ويومٌ لها **كُلُّ شِرْبٍ** نصيبٌ مِنَ الماءِ **مُّحْتَضَرٌ**﴿٢٨﴾ يَحضُرُه القومُ يومَهم والنَّاقةُ يومَها فتمادَوا على ذلك ثُم مَلُّوه فهَمُّوا بقتلِ النَّاقةِ **فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ** قُدارًا لِيَقتُلَها **فَتَعَاطٰى** تناولَ السَّيفَ **فَعَقَرَ**﴿٢٩﴾ به النَّاقةَ اى قتلَها مُوافقةً لهم **فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ**﴿٣٠﴾ اى انذاري لهم بالعذابِ قبلَ نُزُولِه اى وقعَ مَوقِعَه وبَيَّنَه بقولِه **اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ**﴿٣١﴾ هُوَ الَّذي يَجعَلُ لِغَنَمِه حَظِيرةً مِن يابسِ الشَّجَرِ والشَّوكِ يَحفَظُهنَّ فيها مِن الذِّئابِ والسِّباعِ وما سَقَطَ مِن ذلك فداسَتْه هُو الهَشِيمُ **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ**﴿٣٢﴾ **كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ**﴿٣٣﴾ اى بالأُمورِ المُنذِرَةِ لهم على لِسانِه **اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا** ريحًا تَرميهم بالحَصباءِ وهي صِغارُ الحِجارةِ الواحدةِ دُونَ مَلْءِ الكَفِّ فهلَكُوا **اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ** وهُم ابنتاه معَه **نَّجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ**﴿٣٤﴾ مِن الأسحارِ اى وقتَ الصُّبحِ مِن يومٍ غيرِ مُعَيَّنٍ ولو أُرِيدَ مِن يومٍ مُعَيَّنٍ لَمُنِعَ الصَّرفُ لانه مَعرِفةٌ مَعدُولٌ عن السَّحَرِ لأنَّ حقَّه ان يستعملَ في المَعرِفةِ بالْ وهل أُرسِلَ الحاصِبُ على آلِ لوطٍ اولا، قولانِ وعبرَ عن الاستثناءِ على الأوَّلِ بأنَّه مُتَّصِلٌ وعلى الثاني بأنَّه مُنقَطِعٌ وان كانَ مِن الجِنسِ تَسمُّحًا **نِّعْمَةً** مصدرٌ اى إنعامًا **مِّنْ عِنْدِنَا كَذٰلِكَ** اى مِثلُ ذلك الجَزاءِ **نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ**﴿٣٥﴾ أنعُمَنا وهُو مُؤمِنٌ او مَن آمنَ باللّٰه تعالىٰ ورُسُله واطاعهم **وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ** خَوَّفهم لُوطٌ **بَطْشَتَنَا** أخذَتَنا إيَّاهم بالعذابِ **فَتَمَارَوْا** تجادَلُوا وكَذَّبُوا **بِالنُّذُرِ**﴿٣٦﴾ بإنذارِه **وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ** اى سَأَلُوه أن يُخلِّيَ بينَه وبينَ القومِ الَّذينَ أتَوه في صُورةِ الأضيافِ لِيَخبُثُوا بهم وكانُوا ملائكةً **فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ** أعمَيناها وجَعَلناها بلا شَقٍّ كباقي الوَجهِ بان صَفَقَها جبرئيلُ بجَناحِه **فَذُوْقُوْا** فقلنا لهم ذُوقُوا **عَذَابِيْ وَنُذُرِ**﴿٣٧﴾ اى إنذاري وتخويفي اى ثَمرتَه وفائدتَه **وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً** وقتَ الصُّبحِ مِن يومٍ غيرِ مُعَيَّنٍ **عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ**﴿٣٨﴾ دائمٌ مُتَّصِلٌ بعذابِ الآخرةِ **فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ**﴿٣٩﴾ **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ**﴿٤٠﴾

ترجمہ: ثمود نے ڈرانے والی چیزوں (یعنی تنبیہات) کی تکذیب کی نُذُر، نَذِیر کی جمع ہے یعنی ان امور کی کہ جن کے ذریعہ ان کو ان کے نبی صالح نے ڈرایا، اگر وہ ان پر ایمان نہ لائے اور ان کی پیروی نہ کی تو انہوں نے کہا کیا ہم ایسے شخص کی اتباع کریں جو ہم ہی میں کا ایک فرد ہے؟ بشرًا، ما اُضْمِرَ کے قاعدہ سے منصوب ہے، مِنّا اور واحدًا دونوں بشرٌ کی صفت ہیں، اور نَتَّبِعُهٗ، بَشَرًا کے فعل ناصب کا مفسر ہے، اور استفہام بمعنی نفی ہے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کی کیوں اتباع کریں؟ اور ہم بڑی جماعت ہیں اور وہ ہم میں کا ایک ہے اور فرشتہ بھی نہیں ہے یعنی ہم اس کی اتباع نہیں کریں گے، اگر ہم نے اس کی اتباع کی تو ہم گمراہی میں یعنی راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہوں گے اور (حالت) جنون میں ہوں گے، کیا ہم میں سے اس پر وحی نازل کی گئی؟ یعنی اس کی طرف وحی نہیں بھیجی گئی (اَءُ لْقِیَ) دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ اور دونوں صورتوں میں دونوں کے درمیان ہمزہ داخل کرکے اور ادخال کو ترک کرکے (نہیں) بلکہ وہ اپنے اس دعوے میں کہ جو کچھ اس نے بیان کیا وہ اس پر بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے جھوٹا متکبر شیخی خورہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو عنقریب کل یعنی آخرت میں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا اور شیخی خورہ کون ہے؟ حالانکہ جھوٹے وہ خود ہیں اس لئے کہ ان کو اپنے نبی صالح کی تکذیب پر عذاب دیا جائے گا، ہم ان کی آزمائش کے لئے ایک اونٹنی ان کے مطالبہ کے مطابق پتھر سے نکالنے والے ہیں تاکہ ہم ان کو آزمائیں، اے صالح تو ان کا انتظار کر کہ وہ کیا کرنے والے ہیں؟ اور ان کے ساتھ کیا (معاملہ) کیا جانے والا ہے؟ اور تو ان ایذا رسانیوں پر صبر کر (اصطبر) کی طاء تاءِ افتعال سے بدلی ہوئی ہے اور ان کو بتا دو کہ پانی ان کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم شدہ ہے ایک دن ان کی باری ہے اور ایک دن اونٹنی کی ہر ایک اپنی باری پر حاضر ہوگا قوم اپنی باری کے دن حاضر ہوگی اور اونٹنی اپنی باری پر، وہ لوگ اس طریقہ پر ایک زمانہ تک قائم رہے، پھر وہ اس سے اکتا گئے تو انہوں نے اونٹنی کے قتل کا ارادہ کر لیا تو انہوں نے اپنے ساتھی قدار کو اس اونٹنی کے قتل کے لئے آواز دی تو اس نے تلوار لی اور اس تلوار سے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں یعنی ان کی موافقت (اور مشورہ سے) اس اونٹنی کو قتل کر دیا تو کیسا رہا میرا عذاب اور ڈرانا؟ یعنی میرا ان کو عذاب نازل کرنے سے پہلے عذاب سے ڈرانا (کیسا رہا) یعنی وہ برمحل واقع ہوا، اور اس عذاب کو (اللہ تعالیٰ نے) اپنے قول انا ارسلنا علیھم صَیْحَةً الخ سے بیان فرمایا ہے تو ہم نے ان پر ایک چیخ بھیج دی، تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑھ بنانے والے کی (باڑھ) کی روندی ہوئی گھاس، محتظر وہ شخص جو اپنی بکریوں (کی حفاظت) کے لئے سوکھی گھاس اور کانٹوں (وغیرہ) سے باڑھ بناتا ہے، اس میں بکریوں کی بھیڑیوں اور درندوں سے حفاظت کرتا ہے، اور اس گھاس سے (جب کچھ) گر جاتا ہے تو بکریاں اس کو روند دیتی ہیں یہی ھشیم ہے، بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے، کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا، قوم لوط نے (بھی) ان چیزوں کو جھٹلایا جن سے ان کو لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی زبانی ڈرایا گیا، بے شک ہم نے ان پر پتھر

برسانے والی ہوا بھیجی یعنی ایسی ہوا جو ان پر کنکریاں برساتی تھی اور وہ چھوٹی کنکریوں سے ایک تھی نہ کہ مٹھی بھر کر تو وہ ہلاک ہو گئے سوائے آل لوط کے اور آل لوط مع لوط کے ان کی دو بیٹیاں تھیں، ہم نے ان کو ایک صبح کے وقت نجات دی یعنی غیر متعین دن کی صبح میں اور اگر یوم معین (کی صبح) مراد ہو تو غیر منصرف ہوگا، اس لئے کہ یہ معرفہ ہے اور السَّحر سے معدول ہے، اس لئے کہ اس کا حق یہ ہے کہ معرفہ میں الف لام کے ساتھ استعمال ہو (رہی) یہ بات کہ آل لوط پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی گئی یا نہیں اس میں دو قول ہیں، پہلی صورت (یعنی بھیجنے کی صورت) میں تعبیر استثناء متصل ہوگی اور دوسری صورت (یعنی نہ بھیجنے کی صورت) میں تعبیر استثناء منقطع ہوگی، تساهلاً (چشم پوشی کرتے ہوئے) اگر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو ہمارے خصوصی انعام (احسان) کے طور پر (نعمةً) مصدر ہے، انعامًا کے معنی میں ہم ایسی ہی یعنی اس چیز کے مثل ہر اس شخص کو جزاء دیتے ہیں جو ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے حال یہ ہے کہ وہ مومن ہو یا جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہو اور اس کی اطاعت کی ہو اور ان کو لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہماری پکڑ سے عذاب کے ذریعہ ڈرایا تو وہ جھگڑنے لگے، اور ان کے ڈرانے کی تکذیب کی اور حضرت لوط سے ان کے مہمانوں کا مطالبہ کیا یعنی ان سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ ان کے اور ان لوگوں کے درمیان آڑے نہ آئے جو اس کے پاس مہمانوں کی شکل میں آئے ہیں تا کہ ان کے ساتھ وہ عمل خبیث کریں، اور وہ مہمان فرشتے تھے تو ہم نے ان کی آنکھیں ملیا میٹ کر دیں یعنی ان کو اندھا کر دیا، اور آنکھوں کو بدون گڑھوں کے باقی چہرے کے مانند (ہموار) کر دیا، اس طریقہ سے کہ جبرئیل نے ان کی آنکھوں پر اپنا پر مار دیا، اور ہم نے ان سے کہا میرا عذاب اور ڈراوا چکھو یعنی میرے عذاب اور ڈرانے کا ثمرہ اور نتیجہ (چکھو) اور بلاشبہ ان کو ایک دن صبح تڑکے دائمی عذاب نے پکڑ لیا یعنی آخرت کے عذاب سے جا ملنے والے عذاب نے (ان کو پکڑ لیا) پس میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا، کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بالامور التی انذرهم بها، منذر کی تفسیر الامور المنذر بها سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں مُنذِرٌ سے مراد انبیاء نہیں ہیں بلکہ وہ امور مراد ہیں جن سے ڈرایا گیا ہے، دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نُذُر، نذیر بمعنی رسل کی جمع ہو اور نُذُر سے مراد رسول ہوں، اور نذیر کے بجائے نُذُر جمع کا صیغہ لانے میں یہ نکتہ ہو سکتا ہے کہ ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے۔

قَوْلُہٗ: منصوبٌ علی الاشتغال یعنی بشرًا ما اُضمِرَ عامِلُه کے قاعدہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے "أَنَتَّبِعُ بَشَرًا مِنَّا وَاحِدًا نَتَّبِعُهٗ" فعل ناصب محذوف کا مفسر ہے۔

قَوْلُہٗ: جُنُونٌ، سُعُر کی تفسیر جنون سے کر کے اشارہ کر دیا کہ سُعُر مفرد ہے، جمع نہیں ہے، اس کے معنی خفت عقل کے

ہیں، بولا جاتا ہے ناقۃٌ مسعورۃ مجنون کے مانند چلنے والی اونٹنی، اور سعرٍ بمعنی نار کی جمع ہوسکتی ہے (اَءُ لْقِیَ) میں چار قراءتیں ہیں اور چاروں سبعیہ ہیں۔

قولہ: فِتْنَةً، فِتْنَةً، مُرسِلُوا کا مفعول لہ ہے یعنی ہم ان کی آزمائش کے لئے پتھر کی ایک چٹان سے ایک اونٹنی نکالیں گے۔

قولہ: وبَیْنَ الناقةِ مفسر علام کا مقصد اس اضافہ سے اس شبہ کو دور کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول الماء قسمةٌ بینهُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی باری صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے درمیان تھی، حالانکہ پانی کی تقسیم قوم اور اونٹنی کے درمیان تھی، اسی شبہ کو دور کرنے کے لئے وبَیْنَ الناقة کا اضافہ فرمایا۔

قولہ: مُوَافِقَةً لَهُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس آیت اور سورۂ شعراء کی آیت میں تطبیق دینا ہے، سورۂ شعراء میں فَعَقَرُوهَا جمع کے صیغے کے ساتھ ہے اور یہاں فَعَقَرَ واحد کے صیغہ کے ساتھ ہے، تطبیق کی صورت یہ ہے کہ قاتل بالمباشر تو قدار ہی تھا، مگر قتل کے مشورہ میں سب شریک تھے، اسی وجہ سے یہاں بالمباشر قاتل کی طرف قتل کی نسبت کردی اور سورۂ شعراء میں بالواسطہ قاتلوں کو بھی قتل میں شریک کرتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال کیا۔

قولہ: هشیمٌ صیغہ صفت مشبہ بمعنی مَهْشُومٌ اسم مفعول، ریزہ ریزہ شدہ، روندا ہوا۔

قولہ: مِنَ الْاَسْحَارِ اس اضافے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ سَحر نکرہ ہے یعنی غیر معین دن کی صبح۔

قولہ: وَلَوْ اُرِیْدَ مِنْ یوم معیّن لمنع مِنَ الصرف الخ اس اضافے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بِسَحَرٍ منصرف ہے اس لئے کہ اس کو نکرہ ماننے کی صورت میں اسباب منع صرف میں سے ایک سبب صرف عدل پایا جارہا ہے کیونکہ سَحَر السَحَر سے معدول ہوکر آیا ہے اور اگر اس سے یوم معین کی صبح مراد لی جائے تو اس میں علمیت بھی موجود ہوگی، اس صورت میں اس میں دو سبب یعنی عدل اور علمیت ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔

قولہ: تَسَمُّحًا ایک نسخہ میں تَسَامُحًا ہے، مطلب یہ ہے کہ اِلَّا آل لوط کو مستثنیٰ منقطع قرار دینا چشم پوشی کرتے ہوئے ہوسکتا ہے ورنہ اس کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے کہ آل لوط بھی قوم کے افراد ہیں جس کی وجہ سے مستثنیٰ منہ میں داخل ہیں لہٰذا یہ مستثنیٰ متصل ہوگا مگر ظاہر حال پر نظر کرتے ہوئے اس کو مستثنیٰ منقطع قرار دیا ہے۔

قولہ: نعمةً مصدرٌ یعنی نِعْمَةً نَجَّیْنَا کا مفعول مطلق بغیر لفظہ تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ نَجَّیْنَا، اَنْعَمْنَا کے معنی میں ہے اور نَجَّیْنَا کا مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے اور فعل محذوف کا مفعول مطلق بلفظہٖ بھی ہوسکتا ہے ای اَنْعَمْنَا نِعْمَةً.

قولہ: اَوْمَنْ آمَنَ باللّٰہِ ورسوله وَاَطَاعَهَا یہ پورا جملہ وَهُوَ مؤمِنٌ کا عطف تفسیری ہے۔

قولہ: تَجَادِلُوا و كَذّبوا یہ فَتَمَارَوْا کی تفسیر ہے اس کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے، شبہ یہ ہے کہ تَمَارَوْا کا صلہ باء نہیں آتا حالانکہ یہاں صلہ باء واقع ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تَمَارَوْا تُجَادِلُوا اور كَذّبوا کے معنی کو متضمن ہے جس کی وجہ سے باء کے ذریعہ تعدیہ درست ہے۔

تفسیر وتشریح

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ سورۂ قمر کو قرب قیامت کے ذکر سے شروع کیا گیا تا کہ کفار ومشرکین جو دنیا کی ہوا وہوس میں مبتلا اور آخرت سے غافل ہیں وہ ہوش میں آجائیں، پہلے روز قیامت کے عذاب کو بیان کیا گیا، اس کے بعد دنیا میں اس کے انجام بد کو بتلانے کے لئے پانچ مشہور عالم اقوام کے حالات اور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت پر ان کے انجام بد اور دنیا میں بھی طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ (معارف)

سب سے پہلے قوم نوح کا ذکر کیا گیا، کیونکہ یہی دنیا کی سب سے پہلی قوم ہے جو عذاب الٰہی میں پکڑی گئی، یہ قصہ سابقہ آیات میں گذر چکا ہے، مذکورۃ الصدر آیات میں چار اقوام کا ذکر ہے، عاد، ثمود، قوم لوط، قوم فرعون، ان کے مفصل واقعات قرآن کے متعدد مقامات میں بیان ہوئے ہیں یہاں ان کا اجمالی ذکر ہے، مذکورہ چاروں اقوام میں سے سب سے پہلے قوم ثمود کا ذکر ہے جو حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی امت تھی، اس قوم کو عاد اخریٰ بھی کہتے ہیں۔

قوم ثمود کو حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی پیروی سے انکار تین وجہ سے تھا، ایک یہ کہ وہ بشر ہیں، دوسرے یہ کہ وہ اکیلے تنہا ہیں اور عام آدمی ہیں کوئی بڑے سردار نہیں، اور نہ ان کے ساتھ کوئی جتھا ہے، تیسرے یہ کہ وہ ہماری قوم کے ایک فرد ہیں، ہم پر ان کو کوئی فضیلت وفوقیت حاصل نہیں، لہٰذا ایسی صورت میں ہمارا ان کی پیروی کرنا اور ان کو اپنا بڑا مان لینا غلطی اور پاگل پن کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ، اَشِرٌ ایسے برخود غلط اور خود پسند شخص کو کہتے ہیں جس کے دماغ میں اپنی بڑائی کا سودا سمایا ہوا ہو اور اس بناء پر ڈینگیں مارتا ہو، مطلب یہ ہے کہ جب نہ تو یہ مافوق البشر قوتوں کا مالک ہے اور نہ یہ جتھا بند شخص ہے کہ اس کو عوام کی تائید وحمایت حاصل ہو اور نہ ہی یہ اوپر سے نازل کیا ہوا یا باہر سے آیا ہوا شخص ہے کہ اس کی کچھ اہمیت ہو، تو ایسی صورت میں اس کے نبوت کا دعویٰ کرنے کے دو ہی مقصد ہو سکتے ہیں یا تو یہ پرلے درجہ کا جھوٹا شخص ہے یا پھر ہم پر اپنی بڑائی جتانا اور ہمارے مقابلہ میں شیخی بگھارنا مقصد ہے، لہٰذا ہم ایسے کذاب اور شیخی خورے کی ہرگز پیروی نہ کریں گے۔

حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کو ثمود کہتے ہیں اور اس کو عاد اخریٰ بھی کہتے ہیں، قوم ثمود کا ذکر قرآن کریم میں نو سورتوں میں کیا گیا ہے، اعراف، ہود، حجر، نمل، النجم، القمر، الحاقہ، الشمس.

حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کا نسب نامہ:

علماء انساب، حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کے نسب نامہ میں مختلف نظر آتے ہیں مگر زیادہ صحیح اور قرین قیاس وہ سلسلۂ نسب ہے جو علامہ بغوی نے بیان کیا ہے جو پانچ واسطوں سے قوم صالح کے جدِّ ابعد ثمود تک پہنچتا ہے۔ (قصص القرآن، سیوہاروی)

قوم ثمود کی بستیاں:

قوم ثمود کے بارے میں یہ بات طے شدہ ہے کہ ان کی آبادیاں مقام حجر میں حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ تک پھیلی ہوئی تھیں، جو آج کل ''فج الناقۃ'' کے نام سے مشہور ہے، قوم ثمود کی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات آج تک موجود ہیں، بعض مصری اہل تحقیق نے ان کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے، ان کا بیان ہے کہ وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جو شاہی حویلی کہی جاتی ہے، اس میں متعدد کمرے ہیں اور اس حویلی کے ساتھ ایک بہت بڑا حوض ہے اور یہ پورا مکان پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے۔

(قصص القرآن مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی)

واقعہ کی تفصیل:

قوم ثمود جب حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی تبلیغ حق سے اکتا گئی تو اس کے سرخیل اور سرکردہ افراد نے قوم کی موجودگی میں حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام سے مطالبہ کیا کہ اے صالح! اگر تو واقعی خدا کا فرستادہ ہے تو کوئی نشانی دکھا، تاکہ ہم تیری صداقت پر ایمان لے آئیں، حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ نشانی آنے کے بعد انکار پر مصر اور سرکشی پر قائم رہو، قوم کے ان سرداروں نے بتاکید وعدہ کیا کہ ہم فوراً ایمان لے آئیں گے، تب حضرت صالح نے ان ہی سے دریافت کیا کہ وہ کس قسم کا نشان چاہتے ہیں؟ انہوں نے مطالبہ کیا کہ سامنے والے پہاڑ میں سے یا فلاں پتھر سے جو بستی کے کنارہ پر نصب ہے ایک ایسی اونٹنی ظاہر کر کہ جو گابھن ہو اور فوراً بچہ دے، حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام نے درگاہ الٰہی میں دعاء کی تو اسی وقت اس پتھر سے ایک حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی، اور اس نے بچہ دیا یہ دیکھ کر ان سرداروں میں سے جندع بن عمرو اسی وقت ایمان لے آیا، اور دوسرے سرداروں نے بھی جب اس کی پیروی میں اسلام لانے کا ارادہ کیا تو ان کے ہیکلوں اور مندروں مہنتوں نے ان کو باز رکھا۔

حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام نے قوم کو تنبیہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہاری طلب پر بھیجی گئی ہے خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر رہو، ایک دن اس ناقہ کا ہوگا اور ایک دن قوم کے تمام جانوروں کا، اور خبردار اس کو اذیت نہ پہنچے، اگر اس کو آزار پہنچا تو پھر تمہاری بھی خیر نہیں، کچھ روز تک اسی دستور پر رہے مگر کچھ روز بعد وہ اس طرز عمل سے اکتا گئے، آپس میں صلاح ومشورے ہونے لگے کہ اس ناقہ کا خاتمہ کر دیا جائے تو اس باری کے اس قصہ سے نجات مل سکتی ہے یہ باتیں اگرچہ ہوتی رہتی تھیں مگر ناقہ کو قتل کرنے کی کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی مگر ایک حسین وجمیل مالدار عورت صدوق نے خود کو ایک شخص مصدع کے سامنے اور ایک مالدار عورت عنیزہ نے اپنی ایک خوبصورت لڑکی قدار (قیدار) کے سامنے یہ کہہ کر پیش کی کہ اگر وہ دونوں ناقہ کو ہلاک کر دیں تو یہ تمہاری ملک ہیں، آخر قیدار بن سالف اور مصدع کو اس کے لئے آمادہ کر لیا گیا، اور طے پایا کہ وہ رات میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور ناقہ جب چراگاہ جانے لگے تو اس پر حملہ کر دیں گے، اور دیگر چند آدمیوں نے بھی مدد کا وعدہ کیا۔

غرض ایسا ہی ہوا اور ناقہ کو سازش کر کے ہلاک کر دیا، اس کے بعد سب نے قسم کھائی کہ رات کے وقت ہم سب صالح اور اس کے اہل کو بھی قتل کر دیں گے اور پھر اس کے اولیاء کو قسمیں کھا کر یقین دلائیں گے کہ یہ کام ہمارا نہیں ہے۔

بچہ یہ دیکھ کر بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا، اور چیختا چلاتا ہوا پہاڑی میں غائب ہو گیا، صالح علیہ الصلاۃ والسلام کو جب خبر ہوئی تو حسرت اور افسوس کے ساتھ قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آخر وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا، اب خدا کے عذاب کا انتظار کرو، جو تین دن کے بعد تم کو تباہ کر دے گا، اور پھر بجلی کی چمک اور کڑک کا عذاب آیا اور اس نے رات میں سب کو تباہ کر دیا، اور آنے والے انسانوں کے لئے تاریخی عبرت کا سبق دے گیا۔ (اختصاراً، قصص القرآن سیوھاروی)

وَلَقَدْ یَسَّرْنا القرآن للذِّکر فَھَلْ مِنْ مُّدَکِر اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا پس کیا ہے کوئی جو نصیحت قبول کرے، اس آیت کو ہر معذب قوم کا ذکر کرنے کے بعد دہرایا گیا ہے تاکہ مشرکین مکہ ان واقعات سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔

قوم لوط علیہ الصلاۃ والسلام کا اجمالی واقعہ:

کَذَّبَتْ قوم لُوطٍ بِالنُّذُرِ یہاں سے قوم لوط کی ہلاکت کا اختصار کے ساتھ ذکر ہے، اس قوم پر ایسی تیز و تند ہوا کا عذاب بھیجا کہ جو ان پر کنکر پتھر برساتی تھی اور ان کی بستیوں کو تہ و بالا کر دیا گیا، سورۂ ہود میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے، آل لوط سے مراد خود حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام اور ان پر ایمان لانے والے لوگ ہیں جن میں حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی بیوی شامل نہیں، کیونکہ وہ مومنہ نہیں تھی، البتہ لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی دو بیٹیاں ان کے ساتھ تھیں جن کو نجات دی گئی۔

وَلَقَدْ رَاوَدُوْہُ عَنْ ضَیْفِہٖ تفصیل تو سورۂ ہود میں گذر چکی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرمایا تو چند فرشتوں کو جن میں جبرئیل و میکائیل بھی شامل تھے نہایت خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے یہاں مہمان کے طور پر بھیج دیا، یہ فرشتے اول حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچے اور ان کو ایک فرزند ارجمند کی خوشخبری دی اس کے بعد حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچے، ان کی قوم کے لوگوں نے جب دیکھا کہ ان کے یہاں ایسے خوبصورت مہمان آئے ہیں، وہ ان کے گھر پر چڑھ دوڑے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ان مہمانوں کو بدکاری اور ذوق خبیث کی تسکین کے لئے ان کے حوالہ کر دیں، حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی بے حد منت و سماجت کی کہ وہ اس ذلیل حرکت سے باز آجائیں، مگر وہ نہ مانے اور گھر میں گھس کر مہمانوں کو زبردستی نکال لینے کی کوشش کی، اس آخری مرحلہ میں حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی آنکھوں پر پر مار کر آنکھوں کے ڈھیلے باہر کر دیئے، اور فرشتوں نے حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمایا کہ وہ اور ان کے اہل و عیال صبح ہونے سے پہلے پہلے بستی سے نکل جائیں، اور ان کے نکلتے ہی ان پر ایک ہولناک عذاب نازل ہو گیا، یہ واقعہ بائبل میں ان الفاظ میں مذکور ہے۔

بائبل کے الفاظ:

"تب وہ اس مرد یعنی لوط علیہ الصلاۃ والسلام پر پل پڑے اور نزدیک آئے تاکہ کواڑ توڑ ڈالیں لیکن ان مردوں (یعنی فرشتوں) نے اپنے ہاتھ بڑھا کر اپنے پاس گھر میں کھینچ لیا اور دروازہ بند کر دیا، اور لوگوں کو جو گھر کے دروازے پر تھے کیا چھوٹے کیا بڑے اندھا کر دیا، سو وہ دروازہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے"۔ (پیدائش ١٩-٩-١١)

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ قومه معه **النُّذُرُ** (٤١) الانذار على لسان موسٰى وهارون فلم يؤمنوا بل **كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا** اى التسع التي اوتيها موسٰى **فَأَخَذْنَاهُمْ** بالعذاب **أَخْذَ عَزِيزٍ** قوى **مُّقْتَدِرٍ** (٤٢) قادر لا يُعجزه شيء **أَكُفَّارُكُمْ** يا قريش **خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ** المذكورين من قوم نوح الى فرعون فلم يُعذَّبوا **أَمْ لَكُم** يا كفار قريش **بَرَاءَةٌ** من العذاب **فِي الزُّبُرِ** (٤٣) الكتب والاستفهام في الموضعين بمعنى النفي اى ليس الامر كذلك **أَمْ يَقُولُونَ** اى كفار قريش **نَحْنُ جَمِيعٌ** اى جمع **مُّنتَصِرٌ** (٤٤) على محمدٍ ولمّا قال ابوجهل يوم بدر انّا جمعٌ منتصرٌ نزل **سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ** (٤٥) فهزموا ببدرٍ ونُصر رسول الله صلى الله عليه وسلم عليهم **بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ** بالعذاب **وَالسَّاعَةُ** اى عذابها **أَدْهَىٰ** اعظم بليّة **وَأَمَرُّ** (٤٦) اشدُّ مرارةً من عذاب الدنيا **إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ** هلاكٍ بالقتل في الدنيا **وَسُعُرٍ** (٤٧) نار مُسعّرةٍ بالتشديد اى مهيّجةٍ في الأخرة **يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ** اى في الأخرة ويُقال لهم **ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ** (٤٨) اصابة جهنم لكم **إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ** منصوبٌ بفعلٍ يُفسّره **خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ** (٤٩) بتقدير حال من كلّ اى مُقدّرًا وقُرئ كلٌّ بالرّفع مُبتدأ خبره خلقناه **وَمَا أَمْرُنَا** لشيءٍ نريد وجوده **إِلَّا** امرةٌ **وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ** (٥٠) في السُّرعة وهي كن فيوجد انّما امره اذا اراد شيئًا ان يّقول له كن فيكون **وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ** اشباهكم في الكفر من الأمم الماضية **فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ** (٥١) استفهامٌ بمعنى الامر اى اذكروا واتّعظوا **وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ** اى العباد مكتوبٌ **فِي الزُّبُرِ** (٥٢) كتب الحفظة **وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ** من الذّنب او العمل **مُّسْتَطَرٌ** (٥٣) مُكتتبٌ في اللوح المحفوظ **إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ** بساتين **وَنَهَرٍ** (٥٤) اُريد به الجنس وقُرئ بضمّ النون والهاء جمعًا كأسدٍ وأُسدٍ، المعنى انّهم يشربون من انهارها الماء واللبن والعسل والخمر **فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ** مجلسِ حقٍّ لا لغوَ فيه ولا تاثيم واُريد به الجنس وقُرئ مقاعد، المعنى انّهم في مجالس من الجنّات سالمةٍ من اللغو والتاثيم بخلاف مجالس الدنيا فقلّ ان تسلم من ذلك واُعرب هذا خبرًا ثانيًا وبدلًا وهو صادقٌ ببدل البعض وغيره **عِندَ مَلِيكٍ** مثال مبالغةٍ اى عزيز المُلك واسعه **مُّقْتَدِرٍ** (٥٥) قادرٍ لا يُعجزه شيءٌ وهو الله تعالى وعند اشارةٌ الى الرُّتبة والقدرة من فضله تعالى.

ترجمہ: اور فرعونیوں یعنی فرعون کی قوم کے پاس مع فرعون کے ڈراوے (ڈرنے کی باتیں) حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کی زبانی آئے مگر وہ ایمان نہ لائے بلکہ تمام نو نشانیوں کو جھٹلا دیا جو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو عطا کی گئی تھیں چنانچہ ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا قوی اور قادر کے پکڑنے کے مانند کہ اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، اے قریشیو! کیا تمہارے کافران کافروں سے جو قوم نوح سے لے کر قوم فرعون تک مذکور ہوئے کچھ بہتر ہیں، کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے یا تمہارے لئے اے قریش کے کافرو! کتابوں میں عذاب سے براءت لکھی ہوئی ہے اور استفہام دونوں جگہ بمعنی نفی ہے یعنی ایسی بات نہیں ہے کیا کفار قریش یہ کہتے ہیں کہ ہم محمد پر غالب آنے والی جماعت ہیں اور جبکہ بدر کے دن ابو جہل نے کہا کہ ہم غالب آنے والی جماعت ہیں تو آیت سَیُھْزَمُ الجمع ویُوَلُّونَ الدُّبُر نازل ہوئی، عنقریب یہ جماعت شکست خوردہ ہو کر پیٹھ پھیر کر بھاگے گی چنانچہ بدر میں ان کو شکست ہوئی اور محمد ﷺ ان پر غالب ہوئے بلکہ قیامت ان سے عذاب کے وعدہ کا وقت ہے اور قیامت یعنی اس کا عذاب بڑی آفت اور دنیا کے عذاب سے سخت ناگوار ہے بلاشبہ مجرمین گمراہی یعنی دنیا میں قتل کے ذریعہ ہلاکت میں ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ میں ہیں مُسَعَّرۃ تشدید کے ساتھ ہے یعنی آخرت میں دہکتی ہوئی آگ جس دن کہ ان کو آگ میں منہ کے بل گھسیٹا جائے گا یعنی آخرت میں اور ان سے کہا جائے گا دوزخ کی آگ لگنے کا مزا چکھو، تمہارے جہنم میں داخل ہونے کی وجہ سے ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا کُلَّ شیئٍ کا فعل ناصب وہ فعل مقدر ہے جس کی تفسیر خلقْنَاہُ کر رہا ہے بِقَدَرٍ کلَّ شیْءٍ سے حال ہے، ای مقدرًا اور کلُّ کو مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھا گیا ہے اس کی خبر خلقْنَاہُ ہے اور ہمارا حکم اس شئ کے لئے جس کے وجود کا ہم ارادہ کرتے ہیں صرف ایک مرتبہ ہوتا ہے سرعت میں پلک جھپکنے کے مانند ہوتا ہے، اور وہ حکم کلمہ کن ہے، تو وہ چیز (بلا توقف) موجود ہو جاتی ہے، اور اس کا حکم اسی وقت ہوگا جب وہ کسی شئ کے لئے کن کہنے کا ارادہ کر لیتا ہے، تو وہ شئ ہو جاتی ہے، اور ہم نے امم ماضیہ میں سے کفر میں تمہارے ہم مشرب لوگوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ہے نصیحت لینے والا؟ استفہام بمعنیٰ امر ہے یعنی پند و نصیحت حاصل کرو جو اعمال بھی یہ لوگ کرتے ہیں وہ اعمال ناموں یعنی حفاظت کے فرشتوں کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں ہر چھوٹا اور بڑا گناہ یا عمل، لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے باغوں اور نہروں (کی فضا) میں ہوں گے نہر سے جنس کا ارادہ کیا گیا ہے، اور جمع کے طور پر نون اور ہاء کے ضمہ کے ساتھ (بھی) پڑھا گیا ہے، جیسا کہ اَسَدٌ اور اُسُدٌ میں، معنی یہ ہیں کہ وہ پانی اور دودھ اور شہد اور شراب کے نہروں سے پئیں گے ایک عمدہ مقام یعنی مجلس حق میں ہوں گے نہ وہاں لغویات ہوں گی اور نہ گناہ کی باتیں اور (مَقْعَدٌ) سے جنس کا ارادہ کیا گیا ہے اور مقاعد بھی پڑھا گیا ہے معنی یہ ہیں کہ وہ جنت میں ایسی مجلسوں میں ہوں گے جو لغویات اور گناہوں کی باتوں سے محفوظ ہوں گی، بخلاف دنیا کی مجلسوں کے کہ (دنیا کی مجلسیں) ان باتوں سے بہت کم خالی ہوتی ہیں اور (مَقْعَدِ صدقٍ) کو (اِنَّ) کی خبر ثانی کے طور پر بھی اعراب دیا گیا ہے، اور (جَنّٰت) سے بدل کے طور پر بھی، اور وہ بدل

البعض وغیرہ پر صادق آتا ہے قدرت والے بادشاہ کے پاس یعنی عِنْدَ مَلِيْكٍ مثال بطور مبالغہ ہے (حقیقۃً عندیت مراد نہیں ہے) یعنی وہ غالب وسعت والا بادشاہ ایسا قادر ہے کہ کوئی شئ اس کو عاجز نہیں کر سکتی اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور عند سے قربت ربّی کی طرف اشارہ ہے اور قدرت (قربة) اللہ کے فضل سے ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: اَلْاِنْذَارُ مفسر علام نے نُذُرٌ کی تفسیر الانذار سے کر کے اشارہ کر دیا کہ نُذُرٌ مصدر ہے بمعنی ڈراوا، ڈرانے والی نشانیاں، یہاں نُذُرٌ کی جمع بھی ہو سکتی ہے، ڈرانے والے (الآیات التسع) ① العصاء ② الید البیضاء ③ والسنین ④ الطمس ⑤ الطوفان ⑥ الجراد (ٹڈی) ⑦ القمل (جوں) ⑧ الضفادِع (مینڈک) ⑨ الدَّم.

قِوْلَہٗ: خیرٌ من اُولٰئِکُمْ یعنی اے قریش کیا تمہارے کافر سابقہ قوموں کے کافروں سے قوت وشدت میں بڑھے ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ نہیں۔

قِوْلَہٗ: اَدْھٰی یہ دَاھِیَةٌ سے اسم تفضیل ہے بمعنی بڑی آفت جس سے خلاصی ممکن نہ ہو۔

قِوْلَہٗ: اَمَرّ سخت تر، تلخ تر۔

قِوْلَہٗ: سُعُر ای نارٌ مُسَعَّرَةٌ دہکتی ہوئی آگ۔

قِوْلَہٗ: یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ، یَوْمَ فعل مقدر کا ظرف ہے تقدیر عبارت یہ ہے ویقال لَھُمْ یومَ الخ نیز سُعُر کا بھی ظرف ہو سکتا ہے۔

قِوْلَہٗ: اِنّا کُلَّ شیءٍ مَنْصُوْبٌ بفعل الخ کُلَّ کے نصب کے ساتھ ما اضمر کے قاعدہ سے جمہور کی قراءت ہے اور یہی راجح ہے، اس لئے کہ کُلُّ کا رفع اعتقادِ فاسد کی طرف موہم ہے، اس طریقہ پر کہ کُلُّ کو مبتداء قرار دیں، اور خَلَقْنَاہُ جملہ ہو کر شیءٍ کی صفت ہو اور بِقَدرٍ اس کی خبر، اب اس کا ترجمہ ہوگا ہر وہ چیز جس کو اللہ نے پیدا کیا ہے اندازہ سے ہے، اس سے وہم ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو اللہ کی مخلوق نہیں ہیں، حالانکہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر شئ اللہ کی مخلوق ہے اور اندازہ سے ہے نصب کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا، ہم نے ہر چیز ایک تقدیر (منصوبہ) کے ساتھ پیدا کی ہے۔

خلاصۂ کلام:

اِنّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ، کُلّ میں دو احتمال ہیں رفع اور نصب، پھر رفع کی صورت میں دو احتمال ہیں ایک صحیح اور دوسرا فاسد، خَلَقْنَاہُ کو کُلُّ کی خبر بنایا جائے تو یہ صورت صحیح ہوگی، معنی یہ ہوں گے کہ ہر شئ ہم نے اندازہ سے پیدا کی ہے،

یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے، لیکن رفع کی صورت میں ایک دوسرا احتمال بھی ہے جو کہ فاسد ہے اور وہ یہ ہے کہ خَلَقْنَاہُ، شیءٍ کی صفت ہو اور بقدرٍ کُلُّ کی خبر ہو تو یہ معنی اہل سنت کے نزدیک فاسد ہیں اس کا مطلب ہوگا ہر وہ چیز جو ہم نے پیدا کی ہے وہ اندازہ سے ہے، اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو غیر اللہ کی پیدا کردہ ہیں، اور وہ اندازہ سے نہیں ہیں، یہ مذہب معتزلہ کا ہے، بخلاف کُلَّ پر نصب پڑھنے کے کہ اس میں فاسد معنی کا احتمال نہیں ہے اور نصب کی صورت یہ ہوگی کہ کُلَّ فعل محذوف کا مفعول ہوگا جس کی تفسیر بعد والا فعل (خلقناہ) کر رہا ہے اس کو باب اشتغال اور مَا اُضْمِرَ عامِلُهُ علی شریطةِ التفسیر کا قاعدہ کہتے ہیں بقدرٍ، بتقدیرٍ کے معنی میں ہے اور فعل سے متعلق ہے، اس صورت میں خَلَقْنَاہُ کو کُلَّ شَیْءٍ کی صفت بنانے کا احتمال نہیں ہے کہ فسادِ معنی کا وہم ہو اس لئے کہ صفت، موصوف میں عامل نہیں ہوا کرتی اور جو عامل نہ ہو وہ عامل کی تفسیر بھی نہیں کرسکتی۔ (اعراب القرآن، للدرویش)

قِوْلَہٗ: وکلُّ شی فعلوہُ فی الزبر یہاں سابق کے برخلاف کلُّ پر رفع متعین ہے اس لئے کہ نصب کی صورت میں معنی کا فساد ظاہر ہے، اس لئے کہ اگر کلَّ پر نصب پڑھا جائے تو تقدیر عبارت یہ ہوگی فَعَلُوا کلَّ شیْءٍ فِی الزُّبُرِ انہوں نے ہر شئ کو لوح محفوظ میں داخل کیا ہے، حالانکہ لوح محفوظ میں داخل کرنے کا کام اللہ کا ہے نہ کہ مخلوق کا، اس کے علاوہ عاملین کے افعال کے علاوہ لوح محفوظ میں اور بہت سی چیزیں ہیں جن کا عاملین سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور رفع کی قراءت کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو عمل بھی وہ کرتے ہیں وہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے۔

قِوْلَہٗ: اُرِیدَ بہ الجنس، نَهَرٌ اگرچہ واحد ہے مگر جَنّٰت چونکہ جمع ہے لہٰذا اس کی مناسبت سے جنس مراد ہے تاکہ اس میں جمع کے معنی کا لحاظ ہو جائے فواصل کی رعایت کے لئے مفرد لایا گیا ہے اور بعض قراءتوں میں نُهُرٌ جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: فی مَقْعَدِ صدقٍ ای مقامِ حسنٍ میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے فی مقعدِ صدقٍ میں دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں اول یہ کہ اِنّ کی خبر ثانی ہو اور فی جنّاتٍ خبر اول ہے، دوسری یہ کہ جنات سے بدل البعض ہو اس لئے کہ مقعد صدق جنات کا بعض ہے۔

قِوْلَہٗ: وغیرہ یہ اشارہ ہے کہ فی مقعدِ صدقٍ بدل الاشتمال بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ جنات، مقعد صدق پر مشتمل ہے۔

قِوْلَہٗ: عند ملیكٍ اگر مقعد صدقٍ کو بدل قرار دیا جائے تو عند مَلیكٍ اِنّ کی خبر ثانی ہوگی اور اگر مقعد صدقٍ کو اِنّ کی خبر ثانی قرار دیا جائے تو عند ملیكٍ خبر ثالث ہوگی۔

قِوْلَہٗ: عِنْدَ اشارۃ الی الرتبۃ، عندملیكٍ میں عندیت بطور مبالغہ تقرب فی المرتبۃ کی تمثیل ہے اور عند سے قربِ رتبی کو بیان کرنا مقصود ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے قربِ مکانی مقصود نہیں ہے چونکہ وہ جسم سے منزہ اور پاک ہے اور قرب و بعد مکانی جسم و جسمیات کا خاصہ ہے۔

تفسیر وتشریح

أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولٰئِكُمْ (الآیة) یہ مشرکین قریش سے خطاب ہے، مطلب یہ ہے کہ آخر تم میں کیا خوبی ہے یا تم میں کونسے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں یا تمہارے لعل لٹکے ہوئے ہیں کہ جس کفر وتکذیب اور ہٹ دھرمی کی روش پر دوسری قوموں کو سزا دی جا چکی ہے وہی روشِ تم اختیار کرو تو تمہیں سزا نہ دی جائے؟ اور یہ کہ طاقت وقوت نیز دولت وثروت میں بھی تم ان سے بڑھے ہوئے نہیں ہو بلکہ ان سے بدرجہا کمزور وناتواں ہو جب ہم نے ان کو ان جرائم کی پاداش میں ہلاک کر دیا تو تمہاری کیا حقیقت وحیثیت اور تمہارا وجود ''چہ پدّی چہ پدّی کا شوربا'' تم بلاوجہ اپنے منہ میاں مٹھو بنے ہوئے ہو۔

یا آسمانی کتابوں میں تمہارے لئے کوئی معافی نامہ لکھا ہوا ہے کہ تم جو چاہو کرتے رہو تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا، اور نہ تم پر کوئی غالب آسکتا ہے۔

یا ان کا کہنا یہ ہے کہ تعداد کی کثرت اور وسائل کی قوت کی وجہ سے کسی اور کا ہم پر غالب آنے کا امکان نہیں ہے یا مطلب یہ ہے کہ ہمارا معاملہ مجتمع ہے اور ہم جتھابند ہیں ہم دشمن سے انتقام لینے پر قادر ہیں۔

ایک پیشنگوئی:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرکین مکہ کے زعم باطل کی تردید فرمائی ہے، یہ صریح پیشنگوئی ہے جو ہجرت سے پانچ سال پہلے کر دی گئی تھی کہ قریش کی جمعیت جس کی طاقت کا انہیں بڑا زعم تھا، عنقریب مسلمانوں سے شکست کھا جائے گی، اس وقت کوئی شخص یہ تصور تک نہیں کر سکتا تھا کہ مستقبل قریب میں یہ انقلاب کیسے ہوگا؟ مسلمانوں کی بے بسی کا یہ حال تھا کہ ان میں سے ایک گروہ ملک چھوڑ کر حبش میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا تھا، اور باقی ماندہ اہل ایمان شعب ابی طالب میں محصور تھے جنہیں قریش کے مقاطعہ اور محاصرہ نے بھوکوں مار دیا تھا، اس حالت میں کون یہ سمجھ سکتا تھا کہ سات ہی برس کے اندر نقشہ بدل جائے گا؟ حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگرد عکرمہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے تھے کہ جب سورۂ قمر کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں حیران تھا کہ آخر یہ کونسی جمعیت ہے جو شکست کھا جائے گی، مگر جب جنگ بدر میں کفار شکست کھا کر بھاگ رہے تھے اس وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ زرہ پہنے ہوئے آگے کی طرف جھپٹ رہے ہیں اور آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہیں سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ جب میری سمجھ میں آیا کہ یہ تھی وہ ہزیمت جس کی خبر دی گئی تھی۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم)

بل الساعة مَوْعِدُهم والساعةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں غزوۂ بدر کے موقع پر جو مشرکین مکہ کو سزا ملی قتل کئے گئے اور قیدی بنائے گئے، یہ ان کی آخری سزا نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت سزائیں ان کو قیامت والے دن دی

جائیں گی جن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

مسئلہ تقدیر:

اِنَّا کلَّ شَیْءٍ خلقناہ بقدرٍ ائمہ اہل سنت نے اس آیت اور اسی جیسی دیگر آیات سے استدلال کرتے ہوئے تقدیر الٰہی کا اثبات کیا ہے جس کا فرقہ قدریہ انکار کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز الل ٹپ نہیں پیدا کر دی گئی ہے، بلکہ ہر چیز کی ایک تقدیر اور منصوبہ بندی ہے جس کے مطابق وہ ایک مقرر وقت پر بنتی ہے اور خاص شکل وصورت اختیار کرتی ہے ایک خاص مدت تک نشوونما پاتی ہے ایک خاص مدت تک باقی رہتی ہے اور ایک خاص وقت پر ختم ہو جاتی ہے، اسی عالمگیر ضابطہ کے مطابق خود اس دنیا کی بھی ایک تقدیر ہے جس کے مطابق ایک وقت خاص تک یہ چل رہی ہے اور ایک وقت خاص پر اسے ختم ہونا ہے۔

وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ (الآیة) یعنی قیامت برپا کرنے کے لئے ہمیں کوئی بڑی تیاری نہیں کرنی ہوگی اور نہ اسے لانے میں کوئی بڑی مدت صرف ہوگی، ہماری طرف سے ایک حکم صادر ہونے کی دیر ہے، حکم صادر ہوتے ہی پلک جھپکتے قیامت برپا ہو جائے گی۔

وَلَقَدْ اَهْلَکنا اشیاعَکم فھل من مدّکر یعنی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کسی خدائے حکیم وعادل کی خدائی نہیں بلکہ کسی اندھے راجا کی چوپٹ نگری ہے جس میں آدمی جو کچھ چاہے کرتا پھرے، کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہیں تو تمہاری آنکھ کھولنے کے لئے انسانی تاریخ موجود ہے جس میں اسی روش پر چلنے والی قومیں پے در پے تباہ کی جاتی رہی ہیں۔

وکُلُّ شیءٍ فعلوہ في الزُبُر (الآیة) یعنی یہ لوگ اس غلط فہمی میں بھی نہ رہیں کہ ان کے کئے ہوئے کالے کرتوت غائب اور مفقود ہو گئے ہیں، نہیں، ہر شخص، ہر گروہ اور ہر قوم کا پورا پورا ریکارڈ محفوظ ہے اور اپنے وقت پر وہ سامنے آجائے گا۔

﴿ تمّت ﴾

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَكِّيَّةٌ او اِلَّا يَسْأَلُهُ مَن فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الْاٰيَة) فَمَدَنِيَّةٌ وهى سِتٌّ او ثمانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيةً.

سورۂ رحمٰن مکی ہے (یا) اِلَّا يسألُهُ الآية مدنی ہے اور وہ ۷۶/۷۸ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ مَن شاءَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳ اى الجِنسَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝۴ النُطقَ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵ بِحِسَابٍ يَجريانِ وَّالنَّجْمُ مَالا سَاقَ له مِن النَّباتِ وَالشَّجَرُ ماله سَاقٌ يَسْجُدٰنِ ۝۶ يَخضَعانِ بما يُرادُ منهما وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷ اَثبتَ العَدلَ اَلَّا تَطْغَوْا اى لِاَجلِ اَنْ لَّا تَجُوروا فِى الْمِيْزَانِ ۝۸ مَا يُوزَنُ به وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ بالعَدلِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝۹ تَنقُصُوا الموزُونَ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا اَثبتَها لِلْاَنَامِ ۝۱۰ لِلخَلقِ الانسِ والجِنّ وغيرِهم فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ المَعهُودُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝۱۱ اَوعِيَةُ طَلعِها وَالْحَبُّ كالحِنطَةِ والشَعِيرِ ذُو الْعَصْفِ التِّبنِ وَالرَّيْحَانُ ۝۱۲ الوَرَقُ والمَشمُومُ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ نِعَمِ رَبِّكُمَا يَااَيُّها الانسُ وَالجِنُّ تُكَذِّبٰنِ ۝۱۳ ذُكِرَت احدى وثلٰثِينَ مَرَّةً وَالاِستِفهامُ فِيها لِلتَّقريرِ لما رَوى الحَاكِمُ عَن جَابِرٍ قَالَ قرأَ علينا رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم سُورَةَ الرَّحمٰنِ حَتّٰى خَتَمَها ثم قالَ مَالِى اَرٰكُم سُكُوتًا لَلجِنُّ كانُوا اَحسَنَ منكم رَدًّا مَا قَرأتُ عليهم هذه الاٰيةَ مِن مَرَّةٍ فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ، الا قالُوا وَلَا بِشيءٍ مِن نِعَمِكَ رَبَّنا نُكَذِّبُ فَلَكَ الحَمدُ خَلَقَ الْاِنْسَانَ اٰدمَ مِنْ صَلْصَالٍ طِينٍ يَابِسٍ يُسمَعُ له صَلصَلَةٌ اى صَوتٌ اذا نُقِرَ كَالْفَخَّارِ ۝۱۴ وهُو مَا طُبِخَ مِنَ الطِّينِ وَخَلَقَ الْجَآنَّ ابا الجِنّ وهو ابليسُ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝۱۵ هُوَ لَهَبُها الخَالِصُ مِنَ الدُّخانِ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۶ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ مَشرِقِ الشِّتاءِ ومَشرِقِ الصَّيفِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝۱۷ كَذَالِكَ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۸ مَرَجَ اَرسَلَ الْبَحْرَيْنِ العَذبَ والمِلحَ يَلْتَقِيٰنِ ۝۱۹ فِى رَأىِ العَينِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ حَاجِزٌ مِن قُدرَتِهِ تعالىٰ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝۲۰ لايَبغِى وَاحِدٌ منهما على الاٰخرِ فَيَختَلِطَ به فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۲۱ يَخْرُجُ

بالبناءِ للمَفعولِ والفاعِلِ **مِنْهُمَا** من مَجموعِهما الصادق باحَدِهما وهُو المِلحُ **اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ** ﴿۲۲﴾ خرزٌ احمرُ او صِغارُ اللُؤلؤِ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۲۳﴾ **وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ** ﴿۲۴﴾ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۲۵﴾

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، رحمٰن نے جس کو چاہا قرآن سکھلایا انسان یعنی جنس انسان کو پیدا فرمایا اس کو گفتگو کرنا سکھلایا سورج اور چاند مقررہ حساب سے چلتے ہیں اور بیلیں یعنی وہ گھاس جس کا تنا نہ ہو اور شجر یعنی تنے دار درخت، جو ان سے مطلوب ہے اس کے تابع ہیں، اور اسی نے آسمان کو بلند و بالا کیا اور میزان رکھ دی یعنی انصاف قائم کیا تاکہ تم لوگ تول میں تجاوز نہ کرو اور تاکہ انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کم نہ دو یعنی وزن میں کمی نہ کرو اور مخلوق یعنی جن وانس وغیرہ کے لئے زمین بچھا دی جس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جو معلوم ہیں جن کے (پھلوں) پر غلاف ہوتا ہے (اکمام) شگوفہ کا غلاف، اور غلہ جیسا کہ گندم اور جو بھوسے والے اور پتوں والے (یا) خوشبو والے پھول پیدا کئے تو اے جن اور انسانو! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ (یہ آیت) ۳۱ مرتبہ ذکر کی گئی ہے اور استفہام اس میں تقریر کے لئے ہے، جیسا کہ حاکم نے جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو سورۂ رحمٰن پوری پڑھ کر سنائی، پھر فرمایا کیا بات ہے کہ میں تم کو خاموش دیکھ رہا ہوں؟ جنات جواب کے اعتبار سے یقیناً تم سے بہتر تھے، میں نے جب بھی ان کو یہ آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ پڑھ کر سنائی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے وَلَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ نہ کہا ہو (اے ہمارے پروردگار ہم تیری کسی نعمت کی بھی تکذیب (ناشکری) نہیں کرتے، تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں) اسی نے انسان آدم کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح کھنکتی تھی پیدا کیا (یعنی) ایسی خشک مٹی سے جس میں آواز تھی جب بجایا جائے اور وہ ایسی مٹی ہے جس کو پکایا گیا ہو اور جنات کو (یعنی) ابوالجن کو اور وہ ابلیس ہے خالص آگ سے پیدا کیا، اور مارج آگ کا وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ وہ دونوں مشرقوں سردیوں کی مشرق اور گرمیوں کی مشرق اور اسی طرح دونوں مغربوں کا رب ہے تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ شور اور شیریں دو دریاؤں کو جاری کیا جو بظاہر ملے ہوئے ہیں، حقیقت میں ان دونوں کے درمیان آڑ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی آڑ ہے کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے، یعنی ان دونوں میں سے کوئی دوسرے پر تجاوز نہیں کر سکتا کہ اس سے خلط ملط ہو جائے تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اور ان دونوں سے یعنی دونوں کے مجموعہ سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں مجموعہ کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور وہ (دریائے) شور ہے یخرجُ معروف اور مجہول دونوں ہے (لؤلؤ) بڑے سرخ موتی (مرجان) چھوٹے موتی تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اللہ ہی کی ملک ہیں وہ جہاز (کشتیاں) جو دریا میں پہاڑوں کے مانند بلند ہیں، بلند اور عظیم

ہونے میں پہاڑوں کے مانند ہیں تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُهُ: الرَّحمٰن مبتداء مابعد اس کی خبر، تعدید اور اقامت حجۃ کے طور پر خبر بغیر عطف کے متعدد بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ یہاں بغیر عطف کے خبر متعدد ہیں، الرحمٰن مبتداء اور مابعد اس کی خبر، یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو الرَّحمٰن کو پوری آیت نہیں مانتے اور جو لوگ پوری آیت مانتے ہیں، ان کے نزدیک الرحمٰن مبتداء محذوف کی خبر ہے ای اللّٰہ الرحمٰن یا الرحمٰن مبتداء ہے اور ربنا اس کی خبر محذوف ہے۔

قِوْلُهُ: مَنْ شاءَ اس عبارت کے اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ عَلَّمَ متعدی بدو مفعول ہے اور مفعول اول اس کا محذوف ہے۔

قِوْلُهُ: النطق گویائی، اظہار مافی الضمیر، یہ قوت حیوانات میں نہیں ہے۔

قِوْلُهُ: بحُسبان یہ حَسِبَ کا مصدر مفرد ہے بمعنی حساب جیسا کہ غُفران و کُفران اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حِسَابٌ کی جمع ہو جیسا کہ شِهابٌ کی جمع، شُهْبان اور رَغِیفٌ کی جمع رُغْفَانٌ (چپاتی) مطلب یہ ہے کہ شمس و قمر مقررہ حساب سے اپنے اپنے برجوں میں چلتے ہیں سرِ مو انحراف نہیں کرتے۔

فَائِدَہ: آفتاب کا قطر ۸۶۶۵۰۰ (آٹھ لاکھ چھیاسٹھ ہزار پانچ سو میل) ہے، اور وہ تیرہ لاکھ زمینوں کے مساوی ہے، آفتاب زمین کے مانند ٹھوس نہیں ہے اور نہ پانی کی طرح سیال بلکہ پانی سے ڈیڑھ گنا کثیف ہے (پتلے شہد کے مانند) (فلکیات جدیدہ)۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قِوْلُهُ: ای لِاَجْلِ اَنْ لَّا تَجُوْرُوْا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَلَّا تَطْغَوْا میں أنْ مصدریہ ہے نہ کہ نافیہ اور أنْ سے پہلے لام علت مقدر ہے۔

قِوْلُهُ: اَکْمَام، اکمام جمع کِمٌ بمعنی شگوفہ کا غلاف، جھلی۔

قِوْلُهُ: آلآءِ نعمتیں واحد اِلْیٌ و اَلْیٌ جیسے مِعًی و حَصًی و اِلًی اَلًی.

قِوْلُهُ: رَبُّ المشرقین، رَبُّ کے رفع کے ساتھ، رفع کی تین وجہیں ہو سکتی ہیں ① یہ کہ ربُّ المشرقین بترکیب اضافی مبتداء اور مَرَجَ البحرین اس کی خبر، اور مبتداء خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہو ② یہ کہ ربُّ المشرقین مبتداء محذوف کی خبر، ای هُوَ رَبُّ المشرقین ③ یہ کہ خلقَ کے فاعل سے بدل ہو، اور بعض حضرات نے مِنْ رَّبِّکُمَا سے بدل مان کر مجرور بھی پڑھا ہے۔

قِوْلُهُ: یلتقیان یہ بَحْرَیْنِ سے حال ہے۔

قِوْلُهُ: مجموعُهُما الصَّادِقُ باَحَدِهِمَا شارح کا یہ فرمانا کہ دونوں کے مجموعہ پر بھی واحد کا اطلاق صحیح ہے، صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مجموعہ سے بعض اسی وقت مراد لینا صحیح ہے جبکہ بعض سے متعدد مراد ہوں ورنہ تو جمع بول کر واحد مراد لینا درست نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

نام:

اس سورت کا نام ''سورۂ رحمٰن'' ہے، جو کہ پہلے ہی لفظ سے ماخوذ ہے، حدیث میں اس کو عروس قرآن بھی کہا گیا ہے آپ نے فرمایا لکل شیٔ عروس وعروس القرآن، الرحمن (خازن) اس سورت کے مکی، مدنی ہونے میں اختلاف ہے، امام قرطبی نے چند روایات حدیث کی وجہ سے مکی ہونے کو ترجیح دی ہے، ابن جوزی نے کہا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، مگر علماء تفسیر اس سورت کو بالعموم مکی قرار دیتے ہیں، اگر چہ بعض روایات میں حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا، اور عکرمہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اور قتادہ سے یہ قول منقول ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، لیکن اول تو ان بزرگوں سے بعض دوسری روایات اس کے خلاف بھی منقول ہیں دوسرے اس کا مضمون مدنی سورتوں کی بہ نسبت مکی سورتوں سے زیادہ مشابہ ہے، ترمذی میں حضرت جابر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نے لوگوں کے سامنے سورۂ رحمٰن پوری تلاوت فرمائی لوگ سن کر خاموش رہے، تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے لیلۃ الجن میں جنات کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تو اثر قبول کرنے کے اعتبار سے وہ تم سے بہتر رہے کیونکہ جب میں قرآن کے اس جملہ پر پہنچتا تھا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَان تو جنات سب کے سب بول اٹھتے تھے (لا بشیءٍ من نِعَمِكَ رَبَّنا نکذبُ فلكَ الحمد) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مکی ہے کیونکہ لیلۃ الجن کا واقعہ مکہ میں پیش آیا تھا۔

سیرتِ ابن ہشام کی ایک روایت:

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے، ابن اسحٰق حضرت عروہ بن زبیر سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک روز صحابہ کرام نے آپس میں کہا کہ قریش نے کبھی کسی کو علانیہ بآواز بلند قرآن پڑھتے نہیں سنا ہے، ہم میں کون ہے جو ان کو ایک دفعہ یہ کلام پاک سنا ڈالے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا میں یہ کام کرتا ہوں، صحابہ نے کہا ہمیں ڈر ہے کہ وہ تم پر زیادتی کریں گے، ہمارے خیال میں کسی ایسے شخص کو یہ کام کرنا چاہئے کہ جس کا خاندان زبردست ہو، تا کہ اگر قریش کے لوگ اس پر دست درازی کریں، تو اس کے خاندان والے اس کی حمایت پر اٹھ کھڑے ہوں، حضرت عبداللہ نے فرمایا مجھے یہ کام کر ڈالنے دو، میرا محافظ اللہ ہے پھر وہ دن چڑھے حرم میں پہنچے، جبکہ قریش کے سردار وہاں اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عبداللہ نے مقام ابراہیم پر پہنچ کر پورے زور سے سورۂ رحمٰن کی تلاوت شروع کر دی، قریش کے لوگ پہلے تو سوچتے رہے کہ عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں؟ پھر جب انہیں پتہ چلا کہ یہ وہ کلام ہے جسے محمد صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خدا کے کلام کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں تو وہ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے منہ پر تھپڑ

مارنے لگے مگر حضرت عبداللہ نے پرواہ نہ کی، پٹتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے، جب تک ان کے دم میں دم رہا قرآن سناتے چلے گئے، آخر کار جب وہ اپنا سوجا ہوا منہ لیکر پلٹے تو ساتھیوں نے کہا ہمیں اسی چیز کا ڈر تھا، انہوں نے جواب دیا آج سے بڑھ کر یہ خدا کے دشمن میرے لئے کبھی ہلکے نہ تھے، تم کہو تو کل پھر ان کو قرآن سناؤں، سب نے کہا بس اتنا ہی کافی ہے، جو کچھ وہ نہیں سننا چاہتے تھے وہ تم نے انہیں سنا دیا۔ (سیرتِ ابن هشام: حلد اول ص ۳۳٦)

شانِ نزول:

کہا گیا ہے کہ الرحمٰن علَّمَ القرآن اہل مکہ کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اس کو کوئی بشر سکھلاتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ان کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی وہ کہا کرتے تھے کہ رحمٰن کیا ہے؟ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی نعمتیں شمار کرائی ہیں، عَلَّمَ القرآن میں اللہ تعالیٰ نے نعمتوں میں جو سب سے بڑی نعمت ہے اس کے ذکر سے ابتداء کی ہے اور وہ نعمت قرآن ہے اس لئے کہ قرآن پر دارین کی سعادت کا مدار ہے۔ (فتح القدیر شوکانی) عَلَّمَ القرآن کے فقرے سے آغاز کرنے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ نہ تو یہ کلام آپ کا خود طبع زاد ہے اور نہ کسی انسان وغیرہ کا سکھلایا ہوا، بلکہ یہ اللہ الرحمٰن کا تعلیم فرمودہ ہے۔

خَلَقَ الانسانَ یعنی انسان بندر وغیرہ سے ترقی کرتے کرتے انسان نہیں بن گیا جیسا کہ ڈارون کا فلسفۂ ارتقاء ہے؛ بلکہ انسان کو اسی شکل وصورت میں اللہ نے پیدا فرمایا ہے جو جانوروں سے الگ ایک مستقل مخلوق ہے، انسان کا لفظ بطور جنس کے استعمال ہوا ہے۔

عَلَّمَهُ البیان بیان سکھلانے کا مطلب ہے اظہار مافی الضمیر کا طریقہ سکھلایا، ہر شخص اپنی مادری زبان میں اپنے مافی الضمیر کو بغیر سکھلائے خود بخود ادا کر لیتا ہے یہی تعلیم الٰہی کا نتیجہ ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔

الشمسُ والقمرُ بحُسبان انسان کے لئے جو نعمتیں حق تعالیٰ نے زمین وآسمان میں پیدا فرمائی ہیں اس آیت میں علویات میں سے شمس وقمر کا ذکر خصوصیت سے شاید اس لئے کیا ہے کہ عالم دنیا کا سارا نظام ان دونوں سیاروں کی حرکت اور ان کی شعاعوں سے وابستہ ہے۔

فَبِاَیِّ آلآءِ ربکما تُکَذِّبٰنِ یہ انسان اور جنوں دونوں سے خطاب ہے، اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں گنوا کر انسے پوچھ رہا ہے، یہ تکرار اس شخص کی طرح ہے جو کسی پر مسلسل احسان کرے لیکن وہ اس کے احسان کا منکر ہو، جیسے کہے میں نے تیرا فلاں کام کیا، کیا تو انکار کرتا ہے، فلاں چیز تجھے دی، کیا تجھے یاد نہیں؟ تجھ پر فلاں احسان کیا تجھے ہمارا ذرا خیال نہیں؟ (فتح القدیر)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ الخ انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا۔

سُوال: یہاں انسان کی تخلیق کو صلصال سے بتایا گیا، اور سورۃ الحجر میں مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْن کالی سڑی ہوئی سیاہ مٹی سے تخلیق کرنا بیان کیا گیا، اور سورۃ الصافات میں من طینٍ لازبٍ یعنی چپکتی ہوئی مٹی سے تخلیق بیان کی گئی ہے، اور سورۃ

آل عمران میں خلقه من تراب عام مٹی سے تخلیق بیان ہوئی، آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی تخلیق چار قسم کی مٹی سے قرآن سے معلوم ہوتی ہے اور مذکورہ چاروں قسمیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، بظاہر تعارض و تضاد معلوم ہوتا ہے۔

جواب: چاروں میں کسی قسم کا تضاد و تعارض نہیں ہے اس لئے کہ مذکورہ چاروں حالات مختلف زمانوں کے ہیں، تعارض کے لئے زمانہ کا متحد ہونا شرط ہے، اول اللہ تعالیٰ نے زمین سے تراب (مٹی) لی پھر اس مٹی میں پانی ملا کر آمیزہ (گارہ) بنایا جس میں چپکاہٹ پیدا ہوگئی، پھر اس کو ایک زمانہ تک اسی حالت پر چھوڑ دیا تو حمأ مسنون سڑی ہوئی سیاہ رنگ کی ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصویر سازی کی جیسا کہ مٹی کے برتن بنائے جاتے ہیں اور پھر اس کو سکھاتے ہیں حتی کہ وہ سوکھ کر نہایت سخت ٹھیکرے کے مانند بجنے والی ہوجاتی ہے، یہاں پر آخری مرحلہ کا بیان ہے اس کے علاوہ میں کہیں ابتدائی مرحلہ کا بیان ہے اور کہیں درمیانی مرحلہ کا بیان ہے۔

وَخَلَقَ الجَانَّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ ، جانٌّ سے جنس جنات مراد ہے، اور مارج آگ کے شعلہ کو کہتے ہیں، انسان کی طرح جن بھی عناصر اربعہ سے بنا ہوا ہے، مگر جن میں ناری عنصر غالب ہے جیسا کہ انسان میں خاکی عنصر غالب ہے رَبُّ المشرقَين وربُّ المغرِبَين سے سردی گرمی کے مشرق ومغرب مراد ہیں شمس وقمر کا مطلع اور مغرب اگرچہ بہت قلیل مقدار میں روزانہ ہی بدلتا رہتا ہے اس لئے آسانی سے اس کا احساس نہیں ہوتا، گرمی سردی کے مشرق ومغرب میں چونکہ بین فرق اور نمایاں فاصلہ ہوتا ہے اس لئے صرف ان کا ہی ذکر کردیا ہے، اور بعض حضرات نے مشرقین اور مغربین سے شمس وقمر کے مشرق ومغرب مراد لئے ہیں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا اى الارض مِن الحيوان **فَانٍ** ﴿۲۶﴾ هالكٌ وعُبِّرَ بمَنْ تغليبًا لِلعُقلاءِ **وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ** ذاته **ذُو الْجَلٰلِ** العَظَمةِ **وَالْاِكْرَامِ** ﴿۲۷﴾ لِلمؤمنين بانعُمِه عليهم **فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۲۸﴾ **يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اى بنُطقٍ اوحالٍ ما يحتاجُونَ اليه مِن القُوّةِ على العِبادَةِ والرزقِ والمَغفِرةِ وغير ذٰلك **كُلَّ يَوْمٍ** وقتٍ **هُوَ فِيْ شَاْنٍ** ﴿۲۹﴾ اَمرٍ يُظهِرُه في العالَمِ على وَفقِ ما قدَّره في الازلِ مِن احياءٍ وإماتةٍ واعزازٍ واذلالٍ واغناءٍ واعدامٍ واجابةِ داعٍ واعطاءِ سائلٍ وغير ذٰلك **فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۳۰﴾ **سَنَفْرُغُ لَكُمْ** سنَقصِدُ لِحسابكم **اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ** ﴿۳۱﴾ الانسُ والجنُ **فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۳۲﴾ **يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا** تخرُجوا **مِنْ اَقْطَارِ** نَواحِي **السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا** امرُ تعجيزٍ **لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ** ﴿۳۳﴾ بقُوّةٍ ولا قُوّةَ لكم علىٰ ذٰلك **فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۳۴﴾ **يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ** هو لَهَبُها الخالِصُ مِن الدُخان اومعَهٗ **وَّنُحَاسٌ** اى دُخانٌ لالهَبَ فيه **فَلَا تَنْتَصِرٰنِ** ﴿۳۵﴾ تَمتَنِعانِ مِن ذٰلك بل يَسُوقُكم الى المَحشَرِ **فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۳۶﴾ **فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاۤءُ** انفرَجت ابوابًا لِنُزولِ المَلائكةِ **فَكَانَتْ وَرْدَةً** اى مِثلَها مُحمَرَّةً **كَالدِّهَانِ** ﴿۳۷﴾ كالاَدِيمِ الاَحمَرِ علىٰ خِلافِ العَهدِ بها

وجَوابُ اِذَا فَمَا اَعْظَمَ الهَولَ ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ﴾ ﴿۳۹﴾ عن ذنبه ویُسْئَلُونَ فی وَقتٍ اٰخر فوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اجمعین والجَانُّ هُنا وفیما سیاتِی بمعنَی الجِنِّیِّ والانسُ فیهما بمعنَی الاِنسِی ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ﴾ ای سَوادِ الوُجُوهِ وزرقَةِ العیون ﴿فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ﴿۴۲﴾ ای تضمُّ ناصِیةُ كُلٍّ منهما الیٰ قدمَیه من خلفٍ او قُدَّامٍ ویُلقٰی فی النَّارِ ویُقَالُ لهم ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿یَطُوْفُوْنَ﴾ یَسْعَوْنَ ﴿بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ﴾ مَاءٍ حَارٍ ﴿اٰنٍ﴾ ﴿۴۴﴾ شدیدِ الحرارَةِ یُسقَونه اِذَا استَغاثُوا مِن حرِّ النَّار وهو منقوصٌ كقاضٍ ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: جو کچھ اس پر یعنی زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے ذوی العقول کو غلبہ دیتے ہوئے مَـن سے تعبیر کیا ہے (صرف) تیرے باعظمت مومنین پر اپنے انعاموں کا احسان کرنے والے رب کی ذات باقی رہ جائے گی سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اور سب آسمان اور زمین والے اسی سے مانگتے ہیں یعنی زبان قال سے یا زبان حال سے (طلب کرتے ہیں) جس چیز کی ان کو حاجت ہوتی ہے خواہ عبادت پر قدرت ہو، یا رزق یا مغفرت وغیرہ وغیرہ پر وہ ہر وقت ایک شان میں رہتا ہے (یعنی ہمہ وقت) ایسے شغل میں رہتا ہے جس کو وہ عالم میں اس کے مطابق جو اس نے ازل میں مقدر کر دیا ہے مثلاً زندگی دینا اور موت دینا اور عزت دینا اور ذلیل کرنا، اور مالدار کرنا اور مفلس کرنا اور داعی کی دعاء کو قبول کرنا، اور سائل کو عطا کرنا وغیرہ وغیرہ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اے انسانو اور جنو! ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہوں گے یعنی تمہارے حساب کی طرف متوجہ ہوں گے تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اے جن اور انسانوں کی جماعت اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ امر تعجیز کے لئے ہے تم طاقت کے بغیر نہیں نکل سکتے اور تم کو اس کی طاقت نہیں سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ تمہارے اوپر آگ کے شعلے چھوڑے گا (شواظ) آگ کا وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو، یا مع دھوئیں کے، اور خالص دھواں چھوڑے گا یعنی ایسا دھواں کہ جس میں شعلہ نہ ہو پھر تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے بلکہ وہ تم کو محشر کی طرف کھینچ کر لے جائے گا سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ پس جب آسمان پھٹ جائے گا یعنی ملائکہ کے نزول کے لئے دروازے کھل جائیں گے اور چمڑے کے مانند سرخ ہو جائے گا جیسا کہ سرخ چمڑا (یعنی) سابقہ حالت کے برخلاف اور اِذَا کا جواب فَمَا اَعْظَمَ الهَوْل (محذوف ہے) یعنی کس قدر ہولناک منظر ہوگا؟ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اس دن کسی انسان اور جن کے گناہوں کی پرسش نہ ہوگی اور دوسرے وقت میں پرسش ہوگی (جیسا کہ فرمایا) فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ یعنی قسم ہے تیرے رب کی ہم ضرور ان سے باز پرس کریں گے، اور جانٌّ یہاں اور آئندہ جنیٌّ کے معنی میں ہے، اور انس بھی مذکورہ مقاموں میں انسیٌّ کے معنی میں ہے سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ مجرم اپنے حلیوں سے پہچانے جائیں گے یعنی چہروں

کی سیاہی اور آنکھوں کی نیلگونی سے، ان کی پیشانیوں کے بال اور قدم پکڑے جائیں گے، تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ یعنی ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پیچھے سے یا آگے سے قدموں سے ملادی جائے گی اور جہنم میں ڈالدیا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا، یہی ہے وہ جہنم جس کی مجرم تکذیب کرتے تھے، جہنم اور شدید گرم پانی کے درمیان چکر لگائیں گے (یعنی) دوڑیں گے، آگ کی گرمی سے جب فریاد کریں گے تو گرم پانی پلائے جائیں گے، (آنٍ) قاض کے مانند منقوص ہے سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ای الارض من الحیوان مفسر علام نے عَلَیْهَا کی تفسیر ای الْاَرْضِ سے کرکے اشارہ کردیا کہ جنت و نار، حور و غلمان فنا نہیں ہوں گے؛ بلکہ زمین کی اشیاء فنا ہوں گی، نیز کُلَّ یَومٍ هُوَ فِی شَان سے یہود پر رد ہوگیا، یہود کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں پوری کائنات کو پیدا فرمایا جمعہ کے دن آخری وقت میں حضرت آدم کی تخلیق فرمائی اور شنبہ کے دن کوئی کام نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ یہود ہفتہ کو چھٹی کرتے ہیں۔

قولہ: سَنَقْصِدُ، سَنفرغ لکم کی تفسیر سَنَقْصِدُ سے کرکے اشارہ کردیا کہ فراغت سے مراد توجہ اور قصد کرنا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسی مصروفیت نہیں ہوتی کہ دیگر امور میں مشغولیت سے مانع ہو، اس قسم کی مشغولیت مخلوق کا خاصہ ہے۔

قولہ: ثقلان جن و انس کو ثقلان اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حیاۃً و مماۃً زمین پر ثقل ہوتے ہیں۔

قولہ: فانفذُوا امر تعجیز کے لئے ہے یعنی اگر تم ہماری حدودِ سلطنت سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فاتوا بسورةٍ مِّن مِّثلِه.

قولہ: کالدِّھَان، کانت کی خبر ثانی بھی ہو سکتی ہے اور وردةً کی صفت بھی نیز کانت کے اسم سے حال بھی، دِھَانٌ دُھْنٌ کی جمع بھی ہو سکتی ہے، جیسے رُمْحٌ و رِمَاحٌ اس صورت میں دِھان تلچھٹ کے معنی میں ہوگا، جیسا کہ دوسری آیت میں آسمان کو تلچھٹ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کما قال اللہ تعالیٰ یومَ تکُونُ السَّمَاءُ کَالمُهْلِ اور مُهْل تیل کی تلچھٹ کو کہتے ہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ دھان اسم مفرد ہو جیسا کہ زمخشری نے کہا ہے کہ دھان اسم لِمَا یُدَّھَنُ بہ.

قولہ: وَالْجَانُّ ھٰهُنا وفیما سیاتی بمعنی الجنیّ وَالِانس فیھِمَا بمعنی الِانسِیّ اس پوری عبارت کے اضافہ سے مفسر علام کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سوال: یہ ہے کہ جانّ اور اِنس یہ دونوں اسم جنس ہیں اور سوال جنس سے نہیں بلکہ افراد جنس سے ہوتا ہے۔

جواب: اسی سوال کا جواب دینے کے لئے مفسر علام نے فرمایا جَانٌّ، جِنِیٌّ کے اور اِنسٌ، اِنسیٌّ کے معنی میں ہے اور یہ

دونوں جنس کے افراد میں سے ہیں، یہ دونوں ان الفاظ میں سے ہیں کہ جن کی جنس اور فرد میں امتیاز یاء کے اضافہ سے ہوتا ہے، جیسے زنج اور زنجیٌ میں ہے۔

قَوْلُهٗ: زرقة العیون نیلگوں آنکھیں، اس کو گربہ چشم بھی کہتے ہیں، اس کو کرنجی آنکھیں بھی کہتے ہیں۔

قَوْلُهٗ: آنٍ یہ اِنِیّ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے کھولتا ہوا پانی۔

تفسیر و تشریح

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ، عَلَيْهَا کی ضمیر کا مرجع، ارض ہے جس کا ذکر وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ماقبل میں گذر چکا ہے، اس کے علاوہ الارض ان عام اشیاء میں سے ہے جن کی طرف ضمیر راجع کرنے کے لئے پہلے، مرجع کا ذکر لازم نہیں، مطلب یہ ہے کہ جو جنات اور انسان زمین پر ہیں سب فنا ہونے والے ہیں، اس میں جن وانس کے ذکر کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ اس سورت میں مخاطب یہی دونوں ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آسمان اور آسمان والی مخلوقات فانی نہیں ہیں، کیونکہ دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے عام لفظوں میں پوری مخلوقات کا فانی ہونا بھی واضح فرما دیا ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ مذکورہ دوسری آیت سے لیکر آیت ۳۰ تک اللہ تعالیٰ نے دو حقیقتوں کو بیان فرمایا ہے۔

ایک یہ کہ نہ تو تم خود لافانی ہو اور نہ وہ سروسامان لازوال ہے جس سے تم اس دنیا میں متمتع ہو رہے ہو، لازوال اور لافانی تو صرف اس خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے جس کی عظمت پر یہ کائنات گواہی دے رہی ہے اور جس کے کرم سے تم کو یہ کچھ نعمتیں نصیب ہوئی ہیں، اب اگر تم میں سے کوئی شخص گھمنڈ و غرور میں مبتلا ہو کر "ہم چو من دیگرے نیست" کا نعرہ بلند کرتا ہے تو یہ محض اس کی بے وقوفی اور کم ظرفی ہے، اپنے ذرا سے دائرۂ اختیار میں کوئی بے وقوف کبریائی کے ڈنکے بجالے، چند بندے جو اس کے گرد جمع ہو جائیں، ان کا بزعم خویش خدا بن بیٹھے، تو یہ دھوکے کی ٹٹی کتنی دیر کھڑی رہ سکتی ہے، کائنات کی وسعتوں میں جس زمین کی حیثیت ایک رائی کے دانے کے برابر نہیں ہے، اس کے ایک کونے میں دس بیس سال یا سو پچاس سال جو خدائی اور کبریائی چلے اور قصہ پارینہ اور داستان ماضی بن جائے وہ آخر کیا خدائی؟ اور کیا کبریائی ہے؟ جس پر پھولے نہ سمائے۔

دوسری اہم حقیقت جس پر ان دونوں مخلوقوں کو متنبہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے سوا دوسری جن ہستیوں کو بھی تم معبود و مشکل کشا اور حاجت روا بنائے ہوئے ہو خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیاء واولیاء یا چاند اور سورج یا دیوی دیوتا یا اور کسی قسم کی مخلوق، ان میں سے کوئی تمہاری حاجت کو پورا نہیں کر سکتا، وہ بے چارے تو خود اپنی ضروریات اور حاجات کے لئے اللہ کے محتاج ہیں، ان کے ہاتھ تو خود اس کے آگے پھیلے ہوئے ہیں وہ خود اپنی حاجت روائی نہیں کر سکتے تو تمہاری مشکل کشائی کیا خاک کریں گے، اس ناپیدا کنار کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، تنہا ایک خدا کے حکم سے ہو رہا ہے، اس کی کارفرمائی میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْن یعنی ہر وقت اس کارگاہ عالم میں اس کی کارفرمائی کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے، ظاہر ہے کہ پوری کائنات میں ارضی اور سمائی مخلوقات کی بے شمار حاجتیں ہیں، جن کو ہر گھڑی اور ہر آن سوائے اس عظمت وجلال والے قادرِ مطلق کے کون سن سکتا ہے، اور کون ان کو پورا کرسکتا ہے، اسی لئے كُلَّ يومٍ هُوَ فِىْ شَان یعنی ہر لحظہ اور ہر لمحہ حق تعالیٰ کی ایک شان ہوتی ہے وہ کسی کو زندہ کرتا ہے کسی کو موت دیتا ہے کسی کو عزت دیتا ہے تو کسی کو ذلیل کرتا ہے کسی تندرست کو بیمار کرتا ہے تو کسی مریض کو تندرست کرتا ہے، کسی مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دیتا ہے تو کسی کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے کسی کو رُلاتا ہے تو کسی کو ہنساتا ہے، کسی کو عطا کرتا ہے تو کسی سے سلب کرتا ہے، کسی کو با اقتدار کرتا ہے تو کسی کو اقتدار سے محروم کرتا ہے، کسی کو سربلند کرتا ہے تو کسی کو قعر مذلت میں دھکیل دیتا ہے، غرضیکہ اللہ جل شانہ کی ہر آن اور ہر لمحہ ایک عجیب ونرالی شان ہوتی ہے۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلان، ثَقَلان، ثِقْلٌ کا تثنیہ ہے، ثِقل خاص طور پر اس بوجھ کو کہتے ہیں جو کسی پر لدا ہوا ہو اور قابل قدر شئ کو بھی کہتے ہیں ایک حدیث میں یہی معنی مراد ہیں، مراد اس سے جنات اور انسان ہیں اس لئے کہ شروع سے روئے سخن انہی کی طرف ہے، مطلب یہ ہے کہ اے جن اور انسانو! جو زمین پر بوجھ بنے ہوئے ہو میں عنقریب تمہاری خبر لینے کے لئے متوجہ ہونے والا ہوں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ ایسا مشغول ہے کہ اسے ان نافرمانوں سے باز پرس کرنے کی فرصت نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے ایک خاص اوقات نامہ مقرر کر رکھا ہے جس کے مطابق وہ اس کائنات کے تصرفات میں عمل پیرا ہے جب جس کام کا وقت آجائے گا تو وہ کام اس وقت پر ہوجائے گا، فی الوقت اس امتحان گاہ میں پہلے دور (امتحان) کا سلسلہ چل رہا ہے، وقت پورا ہوتے ہی یک لخت امتحان کا سلسلہ ختم کردیا جائے گا اور یہ امتحان گاہ بھی ختم کردی جائے گی، اس کے بعد اس سلسلہ کا دوسرا دور شروع ہوگا، جس میں جن اور انسانوں کے اعمال کی جانچ شروع ہوگی اولین وآخرین کو از سر نو زندہ کرکے جمع کیا جائے گا، اس اوقات نامہ کے اعتبار سے یہ دوسرے دور کی کارروائی ہوگی، اس اوقات نامے کے لحاظ سے فرمایا گیا ہے کہ ابھی پہلے دور کا کام چل رہا ہے، دوسرے دور کا وقت ابھی نہیں آیا۔

يَا مَعْشَرَ الجِنِّ والانس (الآية) اس کا مطلب یہ ہے کہ اے جن اور انسانو! اگر تمہیں یہ گمان ہو کہ ہم بھاگ جائیں گے اور موت کے چنگل سے بچ جائیں گے، یا میدان حشر سے بھاگ کر نکل جائیں گے، اور حساب وکتاب سے بچ جائیں گے تو لو اپنی قوت آزما دیکھو، اگر تمہیں اس پر قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کے دائرہ سے باہر نکل جاؤ، تو نکل کر دکھاؤ، یہ کوئی آسان کام نہیں۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ (الآية) حضرت ابن عباس اور دیگر ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ شُوَاظٌ ضمہ شین کے ساتھ، آگ کا وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو اور نحاس اس دھوئیں کو کہا جاتا ہے جس میں آگ نہ ہو، اس آیت میں بھی جن وانس کو مخاطب کرکے ان پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑنے کا بیان ہے، مطلب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے جہنم کے مجرمین کو مذکورہ دونوں قسم کا عذاب دیا جائے، اور بعض مفسرین نے اس آیت کو پچھلی آیت کا تکملہ قرار دیکر یہ معنی کئے ہیں کہ اے جن وانسانو! آسمانوں کی حدود سے نکل

جانا تمہارے بس کی بات نہیں، اگر تم ایسا ارادہ کر بھی لو تو جس طرف تم بھاگ کر جاؤ گے تو آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بگولے تمہیں گھیر لیں گے (ابن کثیر) اس وقت تمہاری کوئی مدد نہ کرے گا۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهِ اِنْسٌ وَّلَا جَانٌّ اس کی تشریح آگے والا فقرہ يُعْرَفُ المجرمُونَ بسيمٰهُمْ فيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي والاَقْدام کررہا ہے، کہ مجرم اپنے چہروں سے پہچان لئے جائیں گے، مطلب یہ ہے کہ اس عظیم الشان مجمع میں جہاں تمام اولین اور آخرین جمع ہوں گے، یہ پوچھتے پھرنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ کون کون لوگ مجرم ہیں؟ مجرموں کے اترے ہوئے چہرے اور ذلت و ندامت سے جھکی ہوئی آنکھیں اور بدن سے چھوٹتا ہوا پسینہ خود ہی یہ راز فاش کردیں گے، اگر بازپرس ہوگی تو اس بات کی کہ تم نے یہ جرم کیوں کیا؟ نہ یہ کہ کیا یا نہیں، یہ بعض مقام کا بیان ہے۔

نَوَاصِيْ، ناصية کی جمع ہے، پیشانی کے بالوں کو کہتے ہیں نَوَاصِي و الاقدام سے پکڑنے کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کو سر کے بال پکڑ کر گھسیٹا جائے گا، اور کسی کو ٹانگیں پکڑ کر یا کبھی اس طرح اور کبھی اس طرح، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ پیشانی کے بالوں اور ٹانگوں کو ایک جگہ جکڑ دیا جائے گا اور ڈنڈا ڈولی کرکے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(واللہ اعلم بالصواب)

وَلِمَنْ خَافَ اى لِكُلِّ منهما او لِمَجْموعِهِم مَقَامَ رَبِّهٖ قيامَهُ بينَ يَدَيه لِلحسَابِ فتَرَكَ مَعْصِيتَهُ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ تَثْنِيَةُ ذَوَاتٍ عَلَى الاصلِ ولامُهَا ياءٌ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ اَغْصَانٍ جمعُ فَنَنٍ كطَلَلٍ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ فِى الدنيا او كُلِّ ما يُتَفَكَّهُ به زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ نَوعَانِ رطبٌ ويابسٌ والمُرُّ منهما فى الدُّنيا كالحَنْظَلِ حُلْوٌ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ حالٌ عامِلُه محذوفٌ اى يَتنعَّمُونَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ما غَلُظَ من الدِّيبَاجِ وخَشِنَ والظَّهَائِرُ مِنَ السُّنْدُسِ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ ثَمَرُهُما دَانٍ ﴿۵۴﴾ قريبٌ ينالُه القائمُ والقَاعِدُ والمُضْطَجِعُ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِيْهِنَّ فى الجَنَّتَيْنِ ومَا اشْتَمَلَتَا عليه مِنَ العُلالِيِّ والقُصُورِ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ العينِ على أزواجِهِنَّ المُتَّكِئِينَ مِنَ الانسِ والجِنِّ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ يَفْتَضُّهُن وهُنَّ مِن الحُورِ او مِن نساءِ الدُّنيا المُنْشَأتِ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ صَفَاءً وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ اى اللُّؤلُؤُ بَيَاضًا فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ ما جَزَآءُ الْاِحْسَانِ بالطَّاعَةِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ بالنعيم فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا اى الجَنَّتَيْنِ المذكُورَتَينِ جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ اَيضًا لِمَنْ خافَ مَقامَ ربِّه فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ سَوْدَاوَانِ مِن شِدَّةِ خُضْرَتِهِما فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَوَّارَتَانِ بالماءِ لا يَنْقَطِعَانِ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ هما منها وقيلَ من غيرِها

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ اى الجَنَّتَيْنِ وقُصورِهِما خَيْرٰتٌ اَخلاقًا حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ وُجُوهًا فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾
حُوْرٌ شَدِيدَاتُ سَوَادِ العُيُون وبَيَاضِهَا مَّقْصُوْرٰتٌ مَسْتُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ مِن دُرٍّ مُجَوَّفٍ مُضَافَةٌ الى الصُور
شَبِيهَةٌ بِالخُدُورِ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ قبلَ ازواجِهِنَّ وَلَا جَاۗنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾
مُتَّكِــِٕيْنَ اى اَزْوَاجُهُنَّ واِعْرَابُه كَمَا تَقَدَّمَ عَلٰي رَفْرَفٍ خُضْرٍ جَمْعُ رَفْرَفَةٍ اى بُسُطٍ او وَسَائِد وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾
جَمْعُ عبقرِيَّةٍ اى طَنَافِسَ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾ تَقَدَّمَ ولَفظُ اِسْمِ زائدٌ.

ترجمہ: اور اس شخص کے لئے یعنی ان میں سے ہر ایک کے لئے یا دونوں کے مجموعہ کے لئے جو اپنے رب کے روبرو حساب کے لئے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے اس کی نافرمانی ترک کر دی دو باغ ہیں سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ (دونوں باغ) کثیر شاخوں والے (گھنے) ہوں گے ذَوَاتَا، ذَوَاتٌ کا تثنیہ ہے اصل کے مطابق اور اس کا لام یاء ہے، اَفْنَان، فَنَن کی جمع ہے (جیسا کہ) اَطْلَال، طَلَلٍ کی جمع ہے، سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ ان دونوں باغوں میں دو بہتے ہوئے چشمے ہیں، سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ ان دونوں باغوں میں دنیاوی ہر قسم کے میووں کی یا ہر اس میوے کی جس سے تفکہ حاصل کیا جائے دو قسمیں ہیں تر اور خشک اور ان دونوں قسم کے میووں سے دنیا میں جو کڑوا ہے، جنت میں وہ شیریں ہوگا، جیسا کہ حنظل (صبر) سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ جنتی ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر دبیز سبز ریشم کے ہوں گے مُتَّکِئِیْنَ حال ہے، اس کا عامل یَتَنَعَّمُوْنَ محذوف ہے، استبرق، ریشم کے اس کپڑے کو کہتے ہیں جو دبیز اور کھردرا ہو اور اَبرا (اوپر کا کپڑا) سندس یعنی باریک ریشم کا ہوگا، اور ان دونوں باغوں کے پھل بالکل قریب قریب ہوں گے جن کو کھڑے ہونے والا اور بیٹھنے والا اور لیٹنے والا (بھی) لے سکتا ہے، سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ ان باغوں میں اور جس پر وہ باغ مشتمل ہوں گے (مثلاً) بالاخانے اور محلات وغیرہ ایسی عورتیں ہوں گی جو اپنی نظروں کو جن و انس میں سے اپنے شوہروں پر محبوس کئے ہوں گی جو ٹیک لگائے ہوں گے ان سے پہلے ان میں نہ کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا اور نہ جن نے یعنی ان سے کسی نے وطی نہ کی ہوگی اور وہ حوروں کے قبیل سے ہوں گی، یا دنیا کی عورتوں کے قبیل سے ہوں گی جن کو (ولادت کے توسط کے بغیر) پیدا کیا گیا ہوگا، سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ وہ حوریں صفائی میں یاقوت کے اور سفیدی میں موتی کے مانند ہوں گی سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ بھلا اطاعت کا بدلہ نعمتوں کے احسان کے سوا اور کچھ ہو سکتا ہے؟ سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ مذکورہ دونوں باغوں کے علاوہ دو باغ اور بھی ہیں جو درجے میں ان سے کم ہوں گے، اس کے لئے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا سوتم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ دونوں باغ گہرے سبز رنگ کے ہوں گے ان کی سبزی کے زیادہ ہونے کی وجہ سے سوتم اپنے رب کی کون کون سی

نعمتوں کا انکار کرو گے؟ ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے جو ایسے پانی سے جوش مارتے ہوں گے جو کبھی منقطع نہ ہوگا سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ اور ان دونوں باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے وہ دونوں (یعنی) کھجور اور انار فواکہ سے ہوں گے، اور کہا گیا ہے کہ ان کے علاوہ سے ہوں گے، سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ اور ان باغوں (کے مکانوں میں) خوبصورت عورتیں ہوں گی سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ وہ عورتیں گوری گوری رنگت والی اور ان کی آنکھوں کی سیاہی نہایت سیاہ اور سفیدی نہایت سفید ہوگی، وہ دُرِّ مجوف کے خیموں میں مستور ہوں گی، حال یہ کہ وہ خیمے محلوں پر اضافہ شدہ اوڑھنی کے مشابہ ہوں گے، سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ ان سے پہلے ان پر نہ تو کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا، اور نہ کسی جن نے، یعنی ان کے شوہروں سے پہلے سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ ان کے شوہر سبز مسندوں اور عمدہ گدوں پر تکیہ لگائے ہوں گے، اور اس کا اعراب ماقبل میں گذرے ہوئے کے مانند ہے، رَفرف، رفرفة کی جمع ہے سبز تکیوں کو کہتے ہیں، سو تم اپنے رب کی کون کون سے نعمتوں کا انکار کرو گے؟ تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے جو عزت اور جلال والا ہے اور لفظ اِسمُ زائد ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: قِیَامَہٗ یہ مَقَامٌ کی تفسیر ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقام مصدر ہے۔

قَوْلُہٗ: ذوات علی الاصل و لامُهاياءٌ، ذَاتٌ کے تثنیہ میں دو لغت ہیں، ایک اصل کے اعتبار سے دوسرے لفظ کے اعتبار سے، ذاتٌ کی اصل ذَوَيَةٌ ہے اس میں عین کلمہ واؤ ہے اور لام کلمہ یاء ہے، اس کا مفرد اصل میں ذَوَاتٌ ہے، اصل کے مطابق اس کا تثنیہ ذَوَاتَان ہے، اضافت کی وجہ سے نونِ تثنیہ ساقط ہوگیا، جس کی وجہ سے ذَوَاتَا رہ گیا، اور مفرد کو خلافِ اصل ذَاتٌ ہی استعمال کیا۔ (ترويح الارواح)

قَوْلُہٗ: جَمْعُ فَنَنٍ جیسا کہ اَطْلَال جمع طَلَلٍ اس اضافہ وتشریح سے مفسر علام کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اَفْنَانٌ، فَنَنٌ کی جمع ہے نہ کہ فَنٌّ کی جیسا کہ اَطلال، طَلَلٌ کی جمع ہے نہ کہ طَلٌّ کی۔

قَوْلُہٗ: وجَنَا الجَنَّتين دَانٍ، جَنَا الجَنَّتَيْنِ مبتداء اور دَان اس کی خبر جَنٰی بمعنی مجنًّی ہے اور دَانٍ اصل میں دانوٌ تھا۔

قَوْلُہٗ: فِی الْجَنَّتَيْنِ وَمَا اشتمَلَتَا الخ یہ فِیْهِنَّ کی تفسیر ہے اس تفسیر کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سُوَال: فِیْهِنَّ کا مرجع جنتان ہے جو کہ تثنیہ ہے لہٰذا اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر بھی تثنیہ ہونی چاہئے تا کہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہو جائے مفسر علام نے وماشتَمَلتا علیه من العَلَالی و القصور کا اضافہ کر کے اسی سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ فِیْهِنَّ کا مرجع فقط جَنَّتَان ہی نہیں ہے بلکہ وہ بھی ہیں جن کو جنتان شامل ہیں مثلاً محلات اور بالا خانے وغیرہ۔

قولہ: مِن نساءِ الدنیا المنشآت، اَلمنشآت، نساء الدنیا کی صفت المنشآت لاکر اشارہ کردیا کہ دنیا کی عورتیں بھی اہل جنت کو ملیں گی مگر ان کو نئے سرے سے بنایا جائے گا یعنی دوبارہ ان کی تخلیق ہوگی مگر یہ تخلیق ولادت کے واسطہ سے نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے دست قدرت سے بنائیں گے۔

قولہ: صفاءً وبَیَاضًا جنتی عورتوں کو صفائی میں یاقوت اور سفیدی میں لؤلؤ کے ساتھ تشبیہ دینا مقصود ہے نہ کہ ان کی تمام صفات میں۔

قولہ: هَلْ ما جَزَاءُ الإحسان اِلَّا الاحسان، هَلْ کا استعمال چار طریقہ پر ہوتا ہے بمعنی قَدْ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ① هَلْ اَتٰی عَلَی الِانْسَان ② بمعنی استفہام، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا ③ بمعنی الامر، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ ④ بمعنی نفی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول فَهَلْ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا البَلَاغُ المبینُ یہاں بھی هَلْ بمعنی نفی ہے۔

قولہ: مُدْهَامَّتَان یہ الدُّهْمَةُ سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں سیاہی، اسی سے فَرَسٌ اَدْهَم ہے، اور سبزی جب شدید ہوجاتی ہے تو وہ سیاہی مائل ہوتی ہے۔

قولہ: وَهُمَا مِنها یعنی نَخْلٌ اور رُمَّان یہ دونوں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فواکہ میں شمار ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فواکہ میں شامل نہیں ہیں، اس لئے کہ عطف مغائرت کو چاہتا ہے۔

قولہ: مِنْ دُرٍّ مُجَوَّفٍ، مُضَافةً الی القصور شبیهًا بالخُدُورِ یعنی وہ خیمے درمجوف کے ہوں گے یعنی اتنا بڑا موتی ہوگا کہ جس کو اندر سے خالی کرکے خیمہ بنایا جائے گا، اور مضافة الی القصور کا مطلب ہے وہ خیمے قصر (محل) کے اندر ہوں گے اور بمنزلہ اوڑھنی کے ہوں گے جیسا کہ گھر کے اندر عورتیں ہوتی ہیں اور ان کے سروں پر اوڑھنی بھی ہوتی ہے۔

قولہ: عَبْقَرِیٍّ یہ عَبْقَرْ کی طرف منسوب ہے عرب کا خیال ہے کہ وہ جنوں کی ایک بستی ہے لہٰذا ہر عجیب وغریب چیز کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور قاموس میں ہے کہ عَبْقَر اس مقام کا نام ہے جہاں جنات بکثرت ہوتے ہیں، اور عَبْقَرِی اس کو کہتے ہیں جو ہر طرح سے کامل ہو۔ (اعراب القرآن ملخصًا)

تفسیر وتشریح

ربط:

سابقہ آیتوں میں جن وانس پر دنیوی نعمتوں اور مجرمین کی سزاؤں کا ذکر تھا، ان آیات میں اخروی نعمتوں اور صالحین کے بہتر صلہ کا ذکر ہے، اور اہل جنت کے دو باغوں کا ذکر اور ان میں جو نعمتیں ہیں ان کا بیان ہے اس کے بعد دوسرے

باغوں کا اوران میں مہیا کی ہوئی نعمتوں کا ذکر ہے۔

پہلے دوباغ جن حضرات کے لئے مخصوص ہیں ان کو تو لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَان سے متعین کر کے بتلا دیا ہے، یعنی ان اعلیٰ قسم کے دوباغوں کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو ہر وقت ہر حال میں اللہ کے سامنے قیامت کے روز کی پیشی اور حساب و کتاب سے ڈرتے رہتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ کسی گناہ کے پاس نہیں جاتے اور وہ اس بات کا احساس رکھتے ہیں کہ انہیں دنیا میں غیر ذمہ دار شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑ ا گیا بلکہ ایک روز مجھے اپنے رب کے سامنے پیش ہونا اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، ظاہر بات ہے کہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہوگا وہ لامحالہ خواہشات نفس کی بندگی سے بچے گا، اور حق و باطل، ظلم وانصاف، حلال وحرام، پاک و ناپاک میں تمیز کرے گا، ظاہر ہے کہ ایسے لوگ سابقین اور مقربین خاص ہی ہوسکتے ہیں۔

دوسرے دوباغوں کے مستحق کون لوگ ہوں گے؟ اس کی تصریح آیات مذکورہ میں نہیں کی گئی، مگر یہ بتلا دیا گیا ہے کہ یہ دونوں باغ پہلے دوباغوں کی بہ نسبت کم درجے کے ہوں گے وَمِنْ دونھما جنتٰن یعنی پہلے دوباغوں سے یہ دونوں باغ کمتر ہوں گے، اس سے بقرینہ مقام معلوم ہو گیا، کہ ان دوباغوں کے مستحق عام مومنین ہوں گے، جو مقربین خاص سے درجہ میں کم ہیں، روایات حدیث سے بھی یہی تفسیر راجح معلوم ہوتی ہے، درمنثور میں منقول ایک مرفوع حدیث بھی اسی تفسیر کی تائید کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے مذکورہ دونوں باغوں کی تفسیر میں فرمایا مقربین کے لئے سونے کے دوباغ ہوں گے اور اصحاب الیمین کے لئے دوباغ چاندی کے ہوں گے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دوباغ اعلیٰ درجہ کے اور دوسرے دوباغ اس سے کم درجہ کے ہوں گے۔

اور قرطبی وغیرہ بعض مفسرین نے ''قیام رب'' کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ جو شخص اس بات سے ڈرا کہ ہمارا رب ہمارے ہر قول و فعل خفیہ وعلانیہ عمل پر نگران اور قائم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول اَفَمَنْ ھُوَ قَائِمٌ عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ مجاہد اور نخعی نے کہا کہ مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ سے وہ شخص مراد ہے جس نے کسی معصیت کا ارادہ کیا ہو اور پھر وہ خوفِ خدا کی وجہ سے اس معصیت کے ارتکاب سے باز رہا ہو۔ (فتح القدیر شوکانی)

تمت

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتٌّ وَتِسْعُوْنَ آيَةً وَثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا: اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ الآية وثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ الآية، وهِىَ سِتٌّ او سَبْعٌ اَوْتِسْعٌ وتِسْعُوْنَ آية.

سورۂ واقعہ مکی ہے، سوائے اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ (الآية) اور ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ (الآية) کے اور ۹۶/۹۷/۹۹ آیتیں ہیں۔ ابن عباس اور قتادہ سے آیات کی تعداد ۹۹ حجازی اور شامی ہیں، اور ۹۷ بصری، ۹۶ کوفی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ** ① قَامَتِ القِيَامَةُ **لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ** ② نَفْسٌ تُكَذِّبُ بِاَنْ تَنْفِيَهَا كَمَا نَفَتْهَا فِى الدُّنيا **خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ** ③ هِىَ مُظْهِرَةٌ لِخَفْضِ اَقْوَامٍ بِدُخُولِهِمُ النَّارَ وَلِرَفْعِ اٰخَرِيْنَ بِدُخُولِهِمُ الجنةَ **اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا** ④ حُرِّكَتْ حَرَكَةً شَدِيْدَةً **وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا** ⑤ فُتِّتَتْ **فَكَانَتْ هَبَآءً** غُبَارًا **مُّنْۢبَثًّا** ⑥ مُنْتَشِرًا واذا الثانِيَةُ بَدَلٌ من الاُولىٰ **وَّكُنْتُمْ** فى القِيٰمَةِ **اَزْوَاجًا** اَصْنَافًا **ثَلٰثَةً** ⑦ **فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ** وَهُمُ الذِيْنَ يُؤْتَوْنَ كُتُبَهُم بِاَيْمَانِهِم مُبْتَدأٌ خَبَرُه **مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ** ⑧ تَعْظِيْمٌ لِشَانِهِم بِدُخُولِهِم الجَنَّةَ **وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ** الشِّمَالِ بِاَن يُوتىٰ كُلٌّ مِنهم كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ **مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ** ⑨ تَحْقِيرٌ لِشَانِهِم بِدُخُولِهِمُ النَّارَ **وَالسّٰبِقُوْنَ** الى الخَيْرِ وهُمُ الانبياءُ مُبْتَدَأٌ **السّٰبِقُوْنَ** ⑩ تَاكِيدٌ لتَعظِيم شانهم والخَبَرُ **اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ** ⑪ **فِىْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ** ⑫ **ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ** ⑬ مُبْتَدَأٌ اى جَمَاعَةٌ مِنَ الأُمَمِ المَاضِيَةِ **وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ** ⑭ مِن اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم وهُم السَّابِقُونَ مِنَ الاُمَمِ الماضِيَةِ وهذه الأُمَّةِ والخَبَرُ **عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ** ⑮ مَنْسُوجَةٍ بِقُضْبَانِ الذَّهَبِ والجَوَاهِرِ **مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ** ⑯ حالان مِنَ الضَمِيرِ فى الخَبَرِ **يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ** ⑰ اى عَلىٰ شَكْلِ الاَولادِ لَا يَهْرَمُونَ **بِاَكْوَابٍ** اَقْدَاحٍ لاعُرىٰ لها

وَّاَبَارِیْقَ لها عُرًى وخراطيم وَكَاْسٍ اِناء شُرب الخمر مِّنْ مَّعِیْنٍ ﴿۱۸﴾ اى خَمرٌ جارِيَةٌ مِن مَّنبَعٍ لا يَنقَطِعُ اَبدًا لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا یُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ بفتح الزَّاي وَكَسْرِهَا من نَزَفَ الشَّارِبُ وأنزَفَ اى لَا يَحصُلُ لهم منها صُداعٌ ولا ذِهاب عقلٍ بخلافِ خمرِ الدنيا وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ لهم للاستِمتَاع حُوْرٌ نساءٌ شديداتُ سوادِ العُيون وبَياضِها عِیْنٌ ﴿۲۲﴾ ضِخامُ العُيون كُسِرَتْ عَينُهُ بدَلَ ضَمِّها لمُجانَسةِ اليَاء مُفرَدُه عَيناءُ كحمراء وفي قراءة بجرّ حورٍ عينٍ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ المَصون جَزَآءً مفعُولٌ له او مَصدَرٌ والعَامِلُ مُقدَّرٌ اى جَعَلنالهم ما ذُكِرَ للجزاءِ او جَزَيناهم بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا في الجَنةِ لَغْوًا فاحِشًا مِنَ الكَلام وَّلَا تَاْثِیْمًا ﴿۲۵﴾ ما يُوثِم اِلَّا لكن قِیْلًا قولاً سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ بَدلٌ مِن قِيلاً فإنّهم يَسمَعُونَه وَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ﴿۲۷﴾ فِیْ سِدْرٍ شَجرِ النَّبق مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ لا شَوكَ فيه وَّطَلْحٍ شَجرِ المَوزِ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ بالحَملِ مِن اَسفلِه الى اعلاهُ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ دائم وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ جارٍ دائمًا وَّفَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ في زَمَنٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ بثَمَنٍ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ على السُّرُرِ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ اى الحُورَ العِينَ مِن غيرِ ولادةٍ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عَذارَى كُلَّما اَتاهُن اَزْوَاجُهُن وَجَدُوهن عَذارى ولا وَجَعَ عُرُبًا بضَمِّ الراءِ وسكونِها جمعُ عَرُوب وهى المُتَحَبِّبَةُ الى زَوجِها عِشقًا له اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ جمعُ تِربٍ اى مُستَوِياتٍ في السِّنِّ لِّاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۳۸﴾ صِلَةُ اَنشَاناهُن او جَعَلناهُن.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے جب واقع ہونے والی واقع ہوگی یعنی قیامت قائم ہوگی اس کے وقوع کی کوئی نفس تکذیب کرنے والا نہیں ہوگا کہ اس کا انکار کردے جیسا کہ دنیا میں اس کا انکار کیا تھا وہ بلند اور پست کرنے والی ہوگی وہ قوموں کی پستی کو ظاہر کرنے والی ہوگی، ان کے جہنم میں داخل ہونے کی وجہ سے اور دوسری قوموں کو بلند کرنے والی ہوگی ان کے جنت میں داخل ہونے کی وجہ سے جبکہ زمین پوری طرح ہلا دی جائے گی، یعنی شدید حرکت دیدی جائے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے تو وہ منتشر غبار کے مانند ہوجائیں گے ثانی اِذا پہلے اِذا سے بدل ہے تم قیامت میں تین قسم کے گروہ ہوجاؤ گے تو دائیں ہاتھ والے اور وہ وہ ہوں گے جن کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے (فَاَصْحٰبُ المیمنۃِ) مبتداء ہے اور مَا اَصْحٰبُ المَیْمَنَة اس کی خبر، کیا ہی خوب ہوں گے دائیں ہاتھ والے ان کے جنت میں داخل ہونے کی وجہ سے، ان کی تعظیم شان کا بیان ہے، اور بائیں ہاتھ والے، بایں طور کہ ان میں سے ہر ایک کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا کیا ہی برے ہیں بائیں ہاتھ والے؟ ان کے دوزخ میں داخل ہونے کی وجہ سے، ان کی تحقیر شان کا بیان ہے، اور خیر کی طرف سبقت کرنے والے اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں مبتداء ہے۔ سبقت کرنے والے ہیں ان کی تعظیم شان کے لئے تاکید ہے یہی لوگ ہیں مقرب نعمتوں والی جنت میں ایک بڑا گروہ تو پہلے لوگوں میں سے (ثُلَّةٌ مِن

الاَوَّلِینَ) مبتداء ہے یعنی گذشتہ امتوں میں سے ایک بہت بڑی جماعت اور بعد والوں میں سے ایک چھوٹا گروہ امت محمد ﷺ سے یہ امم ماضیہ میں سے اور اس امت میں سے سبقت کرنے والے ہیں ایسی مسہریوں پر ہوں گے جو سونے اور جواہرات کے تاروں سے بنی ہوئی ہوں گی ان پر ٹیک لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے خبر کی ضمیر سے دونوں حال ہیں ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یعنی لڑکوں ہی کی شکل میں رہیں گے، بوڑھے نہ ہوں گے، ایسے آبخورے لئے کہ جن میں دستہ نہیں ہوگا اور لوٹے لئے کہ جن میں دستہ اور ٹونٹی (نائزہ) ہوگی آمدورفت کریں گے اور بہتی شراب سے بھرے ہوئے جام شراب لے کر (آمدورفت کریں گے) کَاسٌ شراب پینے کے برتن کو کہتے ہیں یعنی ایسے چشمے کی شراب کہ جو کبھی منقطع نہ ہوگا نہ اس سے سر میں درد ہوگا اور نہ عقل میں فتور آئے گا (یُنْزَفُونَ) زاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ، یہ نَزَفَ الشاربُ وَاُنْزِفَ سے مشتق ہے، یعنی نہ ان کو دردِ سر لاحق ہوگا اور نہ عقل زائل ہوگی بخلاف دنیوی شراب کے اور ایسے میوے لئے ہوئے جو ان کو پسند ہوں اور پرندوں کا گوشت لئے ہوئے جو ان کو مرغوب ہو اور ان کے استفادے کے لئے بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں یعنی ایسی عورتیں کہ جن کی آنکھوں کی سیاہی نہایت سیاہ اور ان کی سفیدی نہایت سفید ہوگی (عُیُوْنٌ) میں عین کو ضمہ کے عوض کسرہ دیا گیا، یاء کی موافقت کی وجہ سے، اس کا واحد عَیْنَاءُ ہے، جیسا کہ حُمْرٌ کا واحد حَمْرَاءُ ہے، اور ایک قراءت میں حورٍ عینٍ جر کے ساتھ ہے، جو محفوظ موتی کی طرح ہیں یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا جـــزاءً مفعول لہ ہے، یا مصدر ہے اور عامل محذوف ہے (تقدیر عبارت یہ ہے) جَعَلْنَا لَهُمْ مَا ذُکِرَ للجَزاء (یا) جَزَیْنَاهُمْ نہ وہاں (یعنی جنت میں) بکواس یعنی فحش کلام سنیں گے، اور نہ گناہوں کی بات سنیں گے، صرف سلام ہی سلام کی آواز سنیں گے، (سلاماً سلاماً) قِیلاً سے بدل ہے یعنی وہ اس آواز کو سنیں گے اور داہنے ہاتھ والے کیا ہی خوب ہیں داہنے ہاتھ والے وہ بغیر خار کے بیروں میں ہوں گے سِدرٌ بیر کے درخت کو کہتے ہیں اور تہ بہ تہ کیلوں میں ہوں گے طَلْحٌ کیلے کے درخت کو کہتے ہیں جو نیچے سے اوپر تک لدے ہوئے ہوں گے اور دراز دراز ہمیشہ رہنے والے سایوں میں ہوں گے اور ہمیشہ جاری پانی میں ہوں گے اور بکثرت پھلوں میں ہوں گے، نہ وہ کسی وقت ختم ہوں گے اور نہ ادائیگی ثمن کے لئے روکے جائیں گے اور مسہریوں پر اونچے اونچے غالیچوں پر ہوں گے ہم نے ان حوروں کو خاص طور پر بغیر ولادت کے بنایا ہے اور ہم نے ان کو باکرہ بنایا ہے یعنی ایسی دوشیزہ کہ جب بھی ان کے پاس ان کے شوہر آئیں گے تو ان کو دوشیزہ ہی پائیں گے اور کوئی تکلیف بھی نہ ہوگی، محبت کرنے والیاں ہم عمر ہوں گی (عُرُبًا) راء کے ضمہ اور سکون کے ساتھ عورتیں دائیں ہاتھ والوں کے لئے (لِاَصْحٰبِ الیَمِیْنِ) أنشاناهُنَّ سے متعلق ہے، یا جَعَلْنَاهُنَّ سے متعلق ہے، (یعنی یہ سب چیزیں اصحاب الیمین کے لئے ہوں گی)۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلِہٗ: اِذَا وَقَعَتِ الوَاقِعَة، ''واقعہ'' قیامت کے متعدد ناموں میں سے ایک نام ہے، قیامت کو واقعہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ لامحالہ واقع ہوگی اِذَا وَقَعَتِ الوَاقِعَة، اِذَا میں چند وجوہ ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں، اِذَا ظرفِ محض کے لئے

ہے یعنی اس میں شرط کے معنی نہیں ہیں اور اس کا عامل لَیْسَ ہے، اس کے معنی نفی پر متضمن ہونے کی وجہ سے گویا کہ کہا گیا ہے اِنتفَی التکذیبُ وقتَ وُقُوعِهَا یا شرطیہ ہے اس کا جواب محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا وَقَعَتِ الواقعة کان کَیْتَ و کَیْتَ اور یہی اس میں عامل ہے۔

قِوْلَہٗ: لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا لام، بمعنی فی ہے، مضاف محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَیْسَ نَفْسٌ کَاذِبَةٌ تُوْجَدُ فِي وَقْتِ وُقُوْعِهَا، کَاذِبَةٌ کا موصوف نفسٌ محذوف ہے۔

قِوْلَہٗ: خافِضَةٌ رافِعَةٌ، هِیَ مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ مفسر علام نے هِیَ کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا ہے مُظْهِرَةٌ کے لفظ سے اشارہ کردیا کہ خفض ورفع تو علم ازلی کے اعتبار سے مقدر ہو چکا ہے قیامت اس کو ظاہر کردے گی۔

قِوْلَہٗ: اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ یا تو اول اِذَا سے بدل ہے جیسا کہ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا مختار ہے یا پھر ثانی اِذَا اولیٰ کی تاکید ہے یا پھر شرطیہ ہے اور اس کا عامل مقدر ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد والا فعل (رُجَّتْ) عامل ہو۔

قِوْلَہٗ: فَأَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ مَا أَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ، اَصْحٰبُ المیمنة مبتداء اول اور ما استفہامیہ مبتداء ثانی اَصْحٰبُ المیمنة جملہ ہو کر مبتداء ثانی کی خبر، مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول کی خبر۔

سَوَال: خبر جب جملہ ہوتی ہے تو اس میں عائد ہونا ضروری ہوتا ہے یہاں عائد نہیں ہے۔

جَوَاب: اسم ظاہر قائم مقام ضمیر کے ہے، لہٰذا عائد کی ضرورت نہیں بعد والے جملہ کی بھی یہی ترکیب ہوگی، ما اگرچہ شئ کی حقیقت سے سوال کے لئے آتا ہے مگر کبھی اس کے ذریعہ صفت اور حالت کا سوال بھی مطلوب ہوتا ہے جیسا کہ تو کہے مَا زَیْدٌ فیقال عالم اور طبیبٌ. (روح المعانی)

قِوْلَہٗ: ثُلَّةٌ ضمہ کے ساتھ انسانوں کی بڑی جماعت اور فتحہ کے ساتھ بکریوں کا ریوڑ۔

قِوْلَہٗ: مَوْضُوْنَة، الوَضْنُ بمعنی نَضْنُ الدِّرْعِ زرہ بنانا، یہاں مطلق بُننے کے معنی میں ہے۔

قِوْلَہٗ: عَلیٰ سُرُرٍ مَوْضُوْنَةٍ یہ ثُلَّةٌ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ مستقرین کے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر ہے اور مُتَّكِئِیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ یہ دونوں مستقرین کی ضمیر سے حال ہیں۔

قِوْلَہٗ: یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ یہ جملہ مستانفہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مُقَرَّبُوْنَ سے حال ہو المعنٰی یَدُوْرُ حَوْلَهُمْ لِلْخِدْمَةِ غِلْمَانٌ لا یَهْرُمُوْنَ وَلَا یَتَغَیَّرُوْنَ.

قِوْلَہٗ: لا یَهْرُمُوْنَ یہ مخلدون کی تفسیر ہے۔

قِوْلَہٗ: اَبَارِیْقُ، اِبْرِیْق کی جمع ہے آفتابہ (لوٹا) یہ بَرْقٌ سے مشتق ہے، آفتابے چونکہ بہت زیادہ چمکدار ہوں گے اس لئے اس کو ابریق کہتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: حُوْرٌ عِیْنٌ مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے، جس کی طرف مفسر علام نے اپنے قول لَهُمْ للاستمتاع سے اشارہ کردیا ہے۔

قَوْلُهُ: مخضودٌ، خَضَدَ الشجرَ خَضْدًا سے ماخوذ ہے (ض) کانٹے توڑنا۔
قَوْلُهُ: بِثَمَنٍ اگر مفسر علام بشیٍ فرماتے تو زیادہ بہتر ہوتا، اس لئے کہ صرف ثمن اور قیمت ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی بھی وجہ سے جنتیوں کو منع نہیں کیا جائے گا۔

تَفسِیروتَشریح

رابط:

سورۂ رحمٰن اور اس سورت کے مضمون میں یکسانیت ہے اس لئے کہ دونوں سورتوں میں قیامت، دوزخ اور جنت کے حالات واوصاف بیان کئے گئے ہیں، اور بحر میں کہا ہے کہ دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں مجرمین کی سزا اور مطیعین کی جزاء کا ذکر ہے۔

سورۂ واقعہ کی خصوصی فضیلت:

الشعب میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مَنْ قَرأ سُورَةَ الوَاقِعَةِ كُلَّ لَيْلَةٍ لَم تُصِبْهُ فَاقَةٌ جو شخص روزانہ رات کو سورۂ واقعہ تلاوت کرے گا اس کو فاقہ کی نوبت نہیں آئے گی، اور ابن عساکر نے ابن عباس رَضِحَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا سے مرفوعاً اسی کے مثل روایت کیا ہے اور ابن مردویہ نے حضرت انس رَضِحَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سورةُ الواقعةِ سورة الغِنٰی فاقرء وھا وعَلِّمُوھا اَوْلَادَكُمْ سورۂ واقعہ سورۂ غنا ہے تم اسے پڑھا کرو اور اپنے بچوں کو سکھاؤ۔ (روح المعانی)

عبداللہ بن مسعود کے مرض الوفات کا سبق آموز واقعہ:

ابن کثیر نے بحوالہ ابن عساکر ابوظبیہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِحَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ کے مرض وفات میں حضرت عثمان غنی رَضِحَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ عیادت کے لئے تشریف لے گئے، حضرت عثمان رَضِحَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے پوچھا مَا تَشْتَكِی آپ کو کیا تکلیف ہے) تو فرمایا ذُنُوبِی (اپنے گناہوں کی تکلیف ہے) پھر پوچھا مَا تَشْتَهِی آپ کی کیا خواہش ہے تو فرمایا رَحْمَةَ رَبِّی یعنی اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں، پھر حضرت عثمان رَضِحَاللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے فرمایا، میں آپ کے لئے کسی طبیب کو بلاتا ہوں تو فرمایا الطَّبِيبُ اَمْرَضَنِی (مجھے طبیب ہی نے بیمار کیا ہے) پھر حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے بیت المال سے کوئی عطیہ بھیج دوں، تو فرمایا لَا حَاجَةَ لِی فِيهَا (مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں) حضرت عثمان نے فرمایا کہ عطیہ لے لیجئے، وہ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا، تو فرمایا کیا آپ کو میری لڑکیوں کے بارے میں یہ

فکر ہے کہ وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی، مگر مجھے یہ فکر اس لئے نہیں کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کریں، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ كُلَّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا (ابن کثیر، معارف) (ترجمہ) جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ میں مبتلا نہ ہوگا۔

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ① اول یہ ہے کہ دنیا میں تو وقوع قیامت کی تکذیب کرنے والے بے شمار لوگ ہیں مگر جب قیامت برپا ہوگی اور روز روشن کی طرح سامنے آ کھڑی ہوگی تو کوئی متنفس یہ کہنے والا نہ ہوگا کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا ہے، مفسر علام نے بھی اسی مطلب کو اختیار کیا ہے ② دوسرا یہ کہ اس کے وقوع کا ٹل جانا ممکن نہ ہوگا اور خدا کے سوا اس کو کوئی ٹال بھی نہیں سکتا مگر وہ ٹالے گا نہیں۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ سب کو الٹ پلٹ اور تہ و بالا کر کے رکھ دے گی اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اٹھانے والی اور گرانے والی ہوگی، مطلب یہ کہ دنیا میں جو بلند مرتبہ اور عالی مقام سمجھے جاتے ہیں وہ قیامت کے روز ذلیل و خوار ہوں گے، اور دنیا میں جو لوگ حقیر اور بے حیثیت سمجھے جاتے ہیں وہ عالی مقام اور سرخ رو ہوں گے یعنی قیامت کے روز عزت و ذلت کا فیصلہ ایک دوسری بنیاد پر ہوگا جو دنیا میں بڑی عزت والے بنے پھرتے ہیں وہ ذلیل ہو جائیں گے اور جو ذلیل سمجھے جاتے ہیں وہ عزت پائیں گے۔

میدان حشر میں حاضرین کی تین قسمیں ہوں گی:

ایک جماعت تو وہ ہوگی جن کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے یہ اصحاب الیمین ہوں گے اور یہ عرش کے دائیں جانب ہوں گے یہ سب لوگ جنتی ہوں گے، اور ایک جماعت وہ ہوگی جن کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، یہ اصحاب الشمال ہوں گے، اور ان کا مقام عرش کے بائیں جانب ہوگا، اور یہ سب لوگ جہنمی ہوں گے، تیسری جماعت ایک اور ہوگی یہ سابقین و مقربین کی ہوگی، اور ان لوگوں کا مقام عرش کے سامنے خصوصی امتیاز اور قرب کے مقام میں ہوگا۔ (ابن کثیر ملخصًا)

سابق سے قیامت کے احوال اور اہوال کا ذکر چل رہا ہے اسی سلسلہ میں فرمایا گیا کہ زمین کو زلزلے کے شدید جھٹکے سے دوچار کر دیا جائے گا، اور یہ جھٹکا مقامی یا علاقائی نہ ہوگا بلکہ عالمی ہوگا، اس جھٹکے کے نتیجے میں پہاڑ جیسی مضبوط اور پائیدار مخلوق ریزہ ریزہ ہو کر ریگ رواں اور پراگندہ غبار ہو جائے گی۔

وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً، كُنْتُمْ کا خطاب اگرچہ بظاہر ان لوگوں سے ہے جن کو یہ کلام سنایا جا رہا ہے یا اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو اس کو پڑھ اور سن رہے ہیں، مگر مراد اس سے تمام مکلفین ہیں خواہ جن ہوں یا انس، جو روز آفرینش سے قیامت تک پیدا ہوئے ہیں، یہ سب کے سب تین گروہوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ الخ اس جگہ میمنة کا لفظ استعمال ہوا ہے، مَيْمَنَة یمین سے بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی

داہنے ہاتھ کے ہیں اور یمنٌ سے بھی ہوسکتا ہے جس کے معنی نیک فال کے اور نیک شگون کے ہیں، اگر اس کو یمین سے مشتق مانا جائے تو اصحاب المیمنۃ کے معنی ہوں گے، داہنے ہاتھ والے اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ظاہر ہے کہ اصحاب الیمین سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، یا خوش نصیب اور سعید لوگ مراد ہوں گے، اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اصحاب الیمین سے مراد عالی مرتبہ لوگ ہوں، اہل عرب سید ھے ہاتھ کو قوت اور عزت کا نشان سمجھتے تھے، جس کا احترام مقصود ہوتا تھا اس کو مجلس میں داہنے ہاتھ کی طرف بٹھاتے تھے، اگر عرب کسی کے متعلق عزت واحترام کا کلمہ کہنا چاہتے تو کہتے فُلانٌ مِنّی بالیمین.

وَاَصْحٰبُ المشئمةِ اس آیت میں لفظ المشئمة استعمال ہوا ہے مشئمة، شَؤمٌ سے ہے جس کے معنی بدبختی نحوست اور بدفالی کے ہیں اور عربی زبان میں بائیں ہاتھ کو شومیٰ بولا جاتا ہے، شومیٔ قسمت اسی سے ماخوذ ہے پس اصحاب المشئمۃ سے مراد بدبخت لوگ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ذلت سے دوچار ہوں گے اور دربارِ الٰہی میں بائیں طرف کھڑے ہوں گے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ امام احمد نے حضرت صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ قیامت کے روز ظل اللہ کی طرف سبقت کرنے والے کون لوگ ہوں گے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا، اللّٰہ ورسوله اعلم.

آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو حق کی طرف دعوت دیجائے تو اس کو قبول کرلیں، اور جب ان سے حق مانگا جائے تو ادا کردیں، اور لوگوں کے معاملات میں وہ فیصلہ کریں جو اپنے حق میں کرتے ہیں۔

مجاہد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا سابقین سے مراد انبیاء ہیں، ابن سیرین نے فرمایا کہ جن لوگوں نے دو قبلوں یعنی بیت المقدس اور بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی ہے وہ سابقین میں ہیں، اور حضرت حسن رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ ہر امت میں سابقین ہوں گے ابن کثیر نے ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرمایا یہ سب اقوال اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں ان میں کوئی اختلاف وتضاد نہیں ہے، کیونکہ سابقین سے وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے دنیا میں نیک اعمال کی طرف سبقت کی ہو، اور دوسروں سے آگے نکل گئے ہوں، خواہ جہاد کا معاملہ ہو یا انفاق فی سبیل اللہ کا، یا خدمت خلق کا معاملہ ہو یا دعوت الی الحق کا، غرض دنیا میں خیر پھیلانے اور برائی مٹانے کے لئے ایثار وقربانی اور محنت وجانفشانی میں پیش پیش رہے ہوں، اسی وجہ سے آخرت میں بھی یہی لوگ سب سے آگے ہوں گے، گویا وہاں اللہ کے دربار کا نقشہ یہ ہوگا کہ دائیں طرف صالحین اور بائیں جانب فاسقین، اور سب سے آگے بارگاہِ خداوندی کے قریب سابقین ہوں گے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث سے ظاہر ہے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْآخِرِيْنَ، ثُلَّةٌ ثاء کے ضمہ کے ساتھ، جماعت کو کہتے ہیں، زمخشری نے کہا ہے کہ بڑی جماعت کو کہتے ہیں (روح المعانی) یہاں اولین وآخرین سے کیا مراد ہے؟ اولین وآخرین کے مصداق کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے وقت سے نبی ﷺ کی بعثت تک جتنی امتیں گذری ہیں وہ اولین ہیں، اور آپ کی بعثت کے بعد سے قیامت تک کے لوگ آخرین ہیں، اس اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بعثت محمدی سے

پہلے ہزار ہا برس کے دوران جتنے انسان گذرے ہیں ان کے سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی اور آپ کی بعثت کے بعد سے قیامت تک آنے والے انسانوں میں جو لوگ سابقین کا مرتبہ پائیں گے ان کی تعداد کم ہوگی۔

دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ یہاں اولین و آخرین سے آپ ﷺ کی امت کے اولین و آخرین مراد ہیں، یعنی آپ ﷺ کے ابتدائی دور کے لوگ اولین ہیں جن میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی، اور بعد کے لوگ آخرین ہیں جن میں سابقین کی تعداد کم ہوگی۔

تیسری جماعت کہتی ہے کہ اس سے ہر نبی کی امت کے اولین و آخرین مراد ہیں یعنی ہر نبی کے ابتدائی پیروؤں میں سابقین زیادہ ہوں گے اور بعد کے آنے والے لوگوں میں کم ہوں گے، آیت کے الفاظ ان تینوں مفہوموں کے حامل ہیں اور بعید نہیں کہ یہ تینوں ہی صحیح ہوں کیونکہ ان تینوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَان مُّخَلَّدُوْنَ اس سے مراد ایسے لڑکے ہیں جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، ان کی عمر ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہے گی، ان جنتی غلمانوں کے متعلق راجح تحقیق یہ ہے کہ وہ حوروں کی طرح جنت ہی میں پیدا ہوئے ہوں گے، اور یہ سب اہل جنت کے خادم ہوں گے، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ یہ اہل دنیا کے وہ بچے ہوں گے جو بالغ ہونے سے پہلے فوت ہوگئے ہوں گے، چونکہ ان کی نیکی بدی کچھ نہ ہوگی جس کی وجہ سے وہ نہ جزاء کے مستحق ہوں گے اور اور نہ سزا کے، خیال رہے کہ اہل دنیا سے وہی لوگ مراد ہیں جن کو جنت نصیب نہ ہوئی ہو، ورنہ تو مومنین صالحین کے بچوں کے بارے میں خود قرآن نے شہادت دی ہے کہ وہ اپنے آباء کے ساتھ جنت میں ہوں گے اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (الآية) سورۂ طور آیت ۲۱۔ (مظهری، معارف ملخصًا)

اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاءً، اِنشاء کے معنی پیدا کرنے کے ہیں، آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے جنت کی عورتوں کی تخلیق ایک خاص انداز سے کی ہے یہ خاص انداز حورانِ جنت کے لئے تو اس طرح ہے کہ وہ جنت ہی میں بغیر واسطہ ولادت کے پیدا کی گئی ہیں اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں جائیں گی ان کی خاص تخلیق سے مطلب یہ ہوگا کہ جو دنیا میں بدشکل سیاہ رنگ یا بوڑھی تھی اب اس کو حسین شکل وصورت میں جوان رعنا کر دیا جائے گا، جیسا کہ ترمذی اور بیہقی میں حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ کی تفسیر میں فرمایا کہ جو عورتیں دنیا میں بوڑھی چندھی سفید بال بدشکل تھیں انھیں یہ نئی تخلیق حسین اور نوجوان بنادے گی، اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت کیا ہے کہ ایک روز آپ ﷺ گھر میں تشریف لائے میرے پاس ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھیں، آپ نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میری رشتہ کی خالہ ہے، آنحضرت نے بطور مزاح فرمایا لَاتَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَجُوْزٌ یعنی جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی، یہ بیچاری بہت غمگین ہوئیں، بعض روایات میں ہے کہ رونے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو تسلی دی اور اپنی بات کی حقیقت بیان فرمائی، کہ جس وقت یہ جنت میں جائیں گی تو بوڑھی نہ ہوں گی بلکہ جوان ہو کر داخل ہوں گی اور یہی آیت تلاوت فرمائی۔

(مظهری، معارف)

وهم ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَا اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِيْ سَمُوْمٍ﴾ ريح حارَّةٍ مِنَ النَّار تَنفُذُ في المَسَامّ ﴿وَّحَمِيْمٍ ﴿٤٢﴾﴾ ماءٍ شديدِ الحرارةِ ﴿وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿٤٣﴾﴾ دُخان شديد السَّوادِ ﴿لَّا بَارِدٍ﴾ كغيرِه مِن الظِلال ﴿وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿٤٤﴾﴾ حسَنِ المَنظَرِ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ﴾ فِي الدُّنيا ﴿مُتْرَفِيْنَ ﴿٤٥﴾﴾ مُنعَمِينَ لا يَتعبُونَ في الطاعةِ ﴿وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿٤٦﴾﴾ اي الشِّركِ ﴿وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾﴾ في الهَمزتَينِ في المَوضِعَينِ التَحقيقُ وتسهيلُ الثَّانيةِ وإدخالُ الفٍ بينهما على الوَجهَينِ ﴿اَوَاٰبَاۤؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٨﴾﴾ بفتحِ الواوِ لِلعَطفِ والهَمزةِ للاستِفهام وهو في ذلك وفيما قبله لِلاستِبعَادِ وفي قِراءَةٍ بسُكون الواو عطفًا باَوْ والمَعطُوفُ عليه مَحلُّ اِنَّ واسمِها ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ﴾ لِوَقتِ ﴿يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٥٠﴾﴾ اي يوم القِيمةِ ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّاۤلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾﴾ بَيانٌ لِلشَّجر ﴿فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا﴾ من الشَجرِ ﴿الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ﴾ اي الزَّقُّومِ المَاكُول ﴿مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ﴾ بفتحِ الشِّينِ وضمِّها مَصدرٌ ﴿الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾﴾ الابلِ العَطَّاشِ جمعُ هَيمَانِ لِلذَكرِ وهَيمىٰ لِلانثىٰ كعَطشَانَ وعَطشىٰ ﴿هٰذَا نُزُلُهُمْ﴾ ما أعدَّ لَهم ﴿يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾﴾ يومَ القِيمةِ ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ﴾ اوجدناكم عَن عدمٍ ﴿فَلَوْلَا﴾ هَلَّا ﴿تُصَدِّقُوْنَ ﴿٥٧﴾﴾ بالبَعثِ اِذ القادرُ على الانشاءِ قادرٌ على الاِعادَةِ ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿٥٨﴾﴾ تُريقُونَ المَنِيَّ فِي اَرحامِ النِساءِ ﴿ءَاَنْتُمْ﴾ بتَحقيقِ الهَمزتَينِ وابدالِ الثَّانيةِ اَلِفًا وتَسهيلِها وإدخالِ الفٍ بَينَ المُسهَّلة والأُخرىٰ وتركِه في المَواضعِ الاربعةِ ﴿تَخْلُقُوْنَهٗ﴾ اي المَنِيَّ بَشَرًا ﴿اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا﴾ بالتَشديدِ والتَخفيفِ ﴿بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾﴾ بعاجزينَ ﴿عَلٰى﴾ عن ﴿اَنْ نُّبَدِّلَ﴾ نَجعَلَ ﴿اَمْثَالَكُمْ﴾ مَكانَكم ﴿وَنُنْشِئَكُمْ﴾ نَخلقَكُم ﴿فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾﴾ من الصُور كالقِرَدَةِ والخنازيرِ ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى﴾ وفِي قِراءَةٍ بسُكون الشينِ ﴿فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾﴾ فيه إدغامُ التاءِ الثانيةِ في الاصل في الذال ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾﴾ تُثيرونَ الارضَ وتُلقونَ البَذرَ فيها ﴿ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ﴾ تُنبتُونه ﴿اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَوْ نَشَاۤءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا﴾ نَباتًا يابسًا لا حَبَّ فيه ﴿فَظَلْتُمْ﴾ اَصلُه ظَلِلتُم بكسرِ اللامِ فحُذِفت تخفيفًا اي اَقمتُم نَهارًا ﴿تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾﴾ حُذِفَ منه إحدى التائين في الاصل تَعجَّبُونَ مِن ذلك وتقُولُونَ ﴿اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾﴾ نَفقَة زرعِنا ﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾﴾ ممنُوعُونَ رِزقَنا ﴿اَفَرَءَيْتُمُ الْمَاۤءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ﴾ السَحاب جمعُ مُزنَةٍ ﴿اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَاۤءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا﴾ مِلحًا لايمكِنُ شربُه ﴿فَلَوْلَا﴾ فهلَّا ﴿تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾﴾ تُخرِجُونَ مِن الشَجرِ الاخضرِ ﴿ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿٧٢﴾﴾ كالمَرخ والعَفارِ والكَلخ ﴿نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً﴾ لِنارِ جَهنَّمَ ﴿وَّمَتَاعًا﴾ بُلغَةً ﴿لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾﴾ لِلمُسافِرينَ مِن اقوى القومِ اي صارُوا بالقِوىٰ بالقصرِ والمَدِّ اي القَفرِ وهو مَفازَةٌ لا نَباتَ فيها ولا ماءَ ﴿فَسَبِّحْ﴾ نزِّه ﴿بِاسْمِ﴾ زائدٌ ﴿رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾﴾ اي اللهَ.

ترجمہ: ایک بڑی جماعت اولین میں سے ہوگی اور ایک بڑی جماعت آخرین میں سے ہوگی اور اصحاب الشمال کیا ہی بُرے ہیں یعنی بائیں ہاتھ والے یہ لوگ آگ کی گرم ہوا (لُو) میں ہوں گے جو مسامات میں نفوذ کر جائے گی اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے جو نہایت ہی گرم ہوگا اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے یَحْمُوم وہ دُھواں جو نہایت سیاہ ہو، جو نہ ٹھنڈا ہوگا، جیسا کہ دیگر سائے ٹھنڈے ہوتے ہیں اور نہ فرحت بخش یعنی خوش منظر یہ لوگ اس سے پہلے دنیا میں بڑی خوشحالی میں رہتے تھے طاعت کے لئے مشقت نہیں اٹھاتے تھے بڑے بھاری گناہ پر اصرار کرتے تھے یعنی شرک پر اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ (اَوَ) واوٌ مفتوح کے ساتھ عطف کے لئے ہے اور ہمزہ استفہام کے لئے ہے، اور یہ استفہام یہاں اور اس سے پہلے استبعاد کے لئے ہے اور ایک قراءت میں واوٌ کے سکون کے ساتھ ہے عطف کے طور پر، اور معطوف علیہ اِنَّ اور اس کے اسم کا محل ہے آپ کہہ دیجئے اگلے پچھلے سب جمع کئے جائیں گے ایک معین وقت پر یعنی قیامت کے دن پھر تم کو اے گمراہو! جھٹلانے والو! تھوہڑ کے درخت سے کھانا ہوگا (مِن زَقُّومٍ) شجرٌ کا بیان ہے پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا پھر اس پر یعنی زقوم کے کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا اور پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں کے مانند شُربٌ شین کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ مصدر ہے اَلھِیم پیاسے اونٹ کو کہتے ہیں، یہ ھَیْمَانٌ کی جمع ہے ھَیْمٰی اس کی مؤنث ہے پیاسی اونٹنی، جیسے عطشان و عَطْشٰی (غرض یہ کہ) یہ ان کی ضیافت ہوگی جو ان کے لئے قیامت میں تیار کی گئی ہے ہم نے تم کو پیدا کیا یعنی عدم سے وجود میں لائے پھر تم کس لئے بعث بعد الموت کی (موت کے بعد زندہ ہونے کی) تصدیق نہیں کرتے؟ اس لئے کہ جو ذات ابتداء پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اعادہ پر بھی قادر ہے کیا تم نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ منی کا جو نطفہ تم عورتوں کے رحم میں پہنچاتے ہو کیا تم اس منی کو انسان بناتے ہو؟ (أأنْتُمْ) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے بدل کر اور اس کی تسہیل کے ساتھ اور مسہلہ اور دوسرے ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے اور ترکِ ادخال کر کے چاروں جگہ پر اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کی موت کا وقت مقرر کیا ہے (قَدَّرْنَا) میں دال کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں، کہ ہم تمہاری جگہ تمہارے جیسے پیدا کر دیں اور تمہاری ایسی صورت بنا دیں کہ تم جانتے بھی نہیں ہو جیسا کہ بندر اور خنزیر اور تم کو اول پیدائش کا علم ہے اور ایک قراءت میں (نشأة) میں شین کے سکون کے ساتھ ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے؟ (تَذَکَّرُوْنَ) میں تائے ثانیہ کا اصل میں ذال میں ادغام ہے کیا تم نے کبھی اس بات پر غور کیا؟ جو تم کاشت کرتے ہو (یعنی) زمین کو جوتتے ہو اور اس میں تخم ریزی کرتے ہو کیا اس کو تم اگاتے ہو؟ یا اس کو ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چورہ چورہ کر دیں یعنی خشک گھاس کر دیں کہ اس میں ایک بھی دانہ نہ ہو تو تم دن بھر تعجب کرتے رہ جاؤ (ظَلْتُمْ) کی اصل ظَلِلْتُمْ لام کے کسرہ کے ساتھ ہے لام کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے، یعنی تم دن بھر حیرت زدہ رہ جاؤ (تَفَکَّھُوْنَ) میں اصل میں ایک تاء حذف کر دی گئی ہے یعنی تم اس سے تعجب میں رہ جاؤ اور کہنے لگو ہم پر تو کھیتی کی لاگت کا بھی تاوان پڑ گیا، بلکہ ہم تو

رزق سے بالکل ہی محروم رہ گئے یا تم نے کبھی اس پانی میں غور کیا؟ جس کو تم پیتے ہو کیا اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ (مُـزْنٌ) مُـزْنَةٌ کی جمع ہے بمعنی بادل اگر ہم چاہیں تو اس کو نمکین کردیں کہ اس کا پینا ہی ممکن نہ رہے تو تم شکر کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم نے کبھی اس آگ پر غور کیا جس کو تم روشن کرتے ہو؟ (یعنی) سبز درخت سے نکالتے ہو کیا تم نے اس درخت کو پیدا کیا؟ جیسا کہ مَرَخ، عِفَار اور کَلخ یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم نے اس کو یعنی ان درختوں کو نارِ جہنم کے لئے یاد دہانی کی چیز اور مسافروں کے لئے کامل فائدہ کی چیز بنایا ہے (مُـقْوِیْـنَ) اَقْوَی الْـقَـوْمُ سے ماخوذ ہے یعنی چٹیل میدان میں پہنچ گئے (اَلْـقِوٰی) قاف کے کسرہ اور یاء کے مد کیساتھ یعنی قَـفْر (چٹیل میدان) ایسا جنگل کہ جس میں آب و گیاہ کچھ نہ ہو سوا اپنے عظیم الشان رب کی یعنی اللہ کی پاکی بیان کیجئے اسم کا لفظ زائد ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: هُمْ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ الخ یہ هُمْ مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کردیا ہے۔

قَوْلُهُ: سَمُوْمٌ، لُو، تیز بھاپ، وہ گرم ہوا جو زہر کے مانند اثر کرے، مؤنث سماعی ہے (ج) سَمائمُ، سموم کو سموم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ جسم کے مسامات میں داخل ہو جاتی ہے اسی سے السَّمُّ بمعنی زہر ماخوذ ہے، اس لئے کہ زہر بھی مسامات میں داخل ہو کر ہلاک کردیتا ہے۔

قَوْلُهُ: اِنَّهُمْ كَانُوْ قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ یہ جملہ ماقبل کی علت ہونے کی وجہ سے تعلیلیہ ہے، یعنی اصحاب شمال مذکورہ عذاب کے مستحق اس لئے ہوں گے کہ وہ اپنی خوشحالی میں مگن اور مست ہونے کے ساتھ ساتھ شرک و کفر پر جو کہ سب سے بڑا گناہ ہے مصر تھے اور بعث بعد الموت کے منکر۔

قَوْلُهُ: اِدْخَالُ الفٍ بَیْنَهما علی الوَجْهَیْنِ مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ وَ تَرْكِهٖ کا اضافہ فرماتے تاکہ چار قراءتیں ہو جاتیں، مفسر علام کی عبارت سے صرف دو قراءتیں مفہوم ہوتی ہیں۔

قَوْلُهُ: والمعطوف علیه محل اِنَّ واسمها اِنَّ واسمها میں واو بمعنی مع ہے یعنی اٰبَاؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ کا عطف اِنّ کے محل پر ہے مع اس کے اسم کے اسی وجہ سے آباؤنا الاَوَّلون مرفوع ہے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ معطوف کو اِنّا کی خبر لَـمَبْعُوْثُوْنَ پر مقدم مانا جائے، تقدیر عبارت یہ ہو اِنَّا وَاٰبَاؤُنَا لَمَبْعُوْثُوْنَ ورنہ تو عطف لَمَبْعُوْثُوْنَ کی ضمیر مرفوع مستتر پر ہوگا۔

سُوَال: ضمیر مرفوع مستتر متصل پر عطف کے لئے ضروری ہے کہ ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ تاکید لائی جائے جو یہاں موجود نہیں ہے، تقدیر عبارت لَمَبْعُوْثُوْنَ نَحْنُ ہونی چاہئے۔

جَوَاب: ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید اس وقت ضروری ہے جب معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل نہ ہو ورنہ تو ضروری نہیں ہے، یہاں اَوَ آباؤنا میں ہمزہ استفہام کا فصل موجود ہے۔

قولہ: لِوَقْتٍ ای فی وَقْتِ میقات بمعنی وقت ہے اور لام بمعنی فی ہے۔

سوال: لَمَجْمُوْعُوْنَ کا صلہ فی آتا ہے نہ کہ الیٰ حالانکہ یہاں الیٰ لایا گیا ہے۔

جواب: لَمَجْمُوْعُوْنَ لَمَسُوْقُوْنَ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے اس کا صلہ الیٰ لایا گیا ہے۔

قولہ: مَالِئُوْنَ مِنْهَا، مِنْهَا کی ضمیر شجر کی طرف لوٹ رہی ہے اسم جنس ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ اسم جنس میں مذکر اور مؤنث دونوں کی گنجائش ہوتی ہے۔ (جمل)

قولہ: اَلْهِيْمِ شدید پیاسے اونٹ کو کہتے ہیں، هَيَامٌ مرض استسقاء جس میں پیاس زیادہ لگتی ہے پانی پینے سے سیرابی نہیں ہوتی ہے، اس مرض کو جلندھر بھی کہتے ہیں، مفسر علام کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ هيمٌ هيمانٌ مذکر اور هَيْمٰى مؤنث دونوں کی جمع ہے، مفسر علام کا هِيْمٌ کو هَيْمَان کی جمع لکھنا سبقت قلم ہے، درست یہ ہے کہ اَهْيَمْ کی جمع ہے، اس لئے کہ هِيْمٌ اصل میں هُيْمٌ تھا، ضمۂ ہاء کے ساتھ ہے بروزن حُمْرٌ ہاء کے ضمہ کو یاء کی موافقت کے لئے کسرہ سے بدل دیا، اور فُعْلٌ اَفْعَلُ کی جمع ہے جیسے حُمْرٌ اَحْمَرُ کی جمع ہے۔

قولہ: لَوْنَشَاءُ جَعَلْنَاهُ اُجَاجًا.

سوال: لو کے جواب میں لام لانا ضروری ہوتا ہے لہٰذا لَجَعَلْنَاهُ ہونا چاہئے، لام تاکید کو کس مصلحت کے لئے حذف کیا گیا؟

جواب: یہاں لام تاکید کی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ بادلوں کی ملکیت اور ان کے پانی کو کھارا بنانا یہ کسی بشر کی قدرت میں نہیں ہے یہ کام تو مالک الکل اللہ رب العالمین ہی کا ہے، بخلاف کھیتی اور زمین کے، اس میں مِلك کا شائبہ ہے اسی وجہ سے سابق میں لَوْنَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا میں لام تاکید لایا گیا ہے۔

تفسیر و تشریح

ثُلَّةٌ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِنَ الْاٰخِرِيْنَ، ثُلَّةٌ بڑی جماعت کو کہتے ہیں، اولین و آخرین کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے دو قول اوپر سابقون کے بیان میں بیان ہو چکے ہیں، اگر اولین سے مراد حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر آپ ﷺ کی بعثت تک کے لوگ مراد ہوں اور آخرین سے آپ ﷺ کی امت تا قیامت مراد ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا ہے تو اس آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ اصحاب الیمین یعنی مومنین متقین کی تعداد پچھلی امتوں کے مجموعہ میں ایک بڑی جماعت ہوگی، اور تنہا امت محمدیہ میں ایک بڑی جماعت ہوگی، اس صورت میں اول تو امت محمدیہ کی فضیلت کے لئے یہ بھی کچھ کم نہیں کہ پچھلے لاکھوں انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی برابر یہ امت ہو جائے جس کا زمانہ بہت مختصر ہے، اس کے علاوہ لفظ ثلة میں اس کی بھی گنجائش ہے، یہ ثُلَّةٌ آخرین تعداد میں اولین سے بڑھ جائیں۔

اور اگر دوسری تفسیر مراد لی جائے کہ اولین و آخرین دونوں اسی امت کے مراد ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بغوی نے اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا هُمَا مِن

اُمَّتِی یعنی یہ اولین وآخرین میری امت ہی کے دو طبقے ہیں، اس معنی کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ سابقین اولین صحابہ وتابعین وغیرہ جیسے حضرات سے بھی یہ امت آخر تک محروم نہ ہوگی اگر چہ آخری دور میں ایسے لوگ بہت کم ہوں گے، اور مومنین ومتقین اولیا اللہ تو اس پوری امت کے اول وآخر میں بھاری تعداد میں رہیں گے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری ومسلم میں حضرت معاویہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور ہزاروں مخالفوں کے نرغے میں بھی وہ اپنا رشد وہدایت کا کام کرتی رہے گی، اس کو کسی کی مخالفت نقصان نہ پہنچا سکے گی، حتی کہ یہ جماعت تا قیام قیامت اپنے کام میں لگی رہے گی۔ (معارف القرآن)

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْ لَا تُصَدِّقُوْنَ الخ شروع سورت سے یہاں تک محشر میں انسانوں کی تین قسموں کا ذکر تھا، مذکورۃ الصدر آیات میں ان گمراہ لوگوں کو تنبیہ ہے جو سرے سے قیامت قائم ہونے اور دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہیں اور اس کی توحید کے قائل ہونے کے بجائے مختلف مظاہر قدرت کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

مذکورہ مختصر فقرے میں ایک بڑا اہم سوال انسان کے سامنے پیش کیا گیا ہے، دنیا کی تمام چیزوں کو چھوڑ کر انسان صرف اسی ایک بات پر غور کرے کہ وہ خود کس طرح پیدا ہوا ہے، تو اسے نہ قرآن کی تعلیم توحید میں کوئی شک رہ سکتا ہے نہ اس کی تعلیم آخرت میں، انسان آخر اسی طرح تو پیدا ہوتا ہے کہ مرد اپنا نطفہ عورت کے رحم تک پہنچا دیتا ہے مگر کیا اس نطفہ میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت خود بخود پیدا ہوگئی ہے؟ یا انسان نے خود پیدا کی ہے یا خدا کے سوا کسی اور نے پیدا کر دی ہے؟ پھر استقرار حمل سے وضع حمل تک ماں کے پیٹ میں بچے کی درجہ بدرجہ تخلیق وپرورش اور ہر بچہ کی الگ الگ صورت گری اور ہر بچہ کے اندر مختلف ذہنی صلاحیتوں اور جسمانی قوتوں کو ایک خاص تناسب کے ساتھ رکھنا جس سے وہ ایک خاص شخصیت کا انسان بن کر اٹھے کیا یہ سب کچھ ایک خدا کے سوا کسی اور کا کام ہے؟ اگر کوئی شخص ضد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا نہ ہو تو وہ خود محسوس کرے گا کہ شرک یا دہریت کی بنیاد پر ان سوالات کا کوئی معقول جواب نہیں دیا جا سکتا۔

ظاہر بیں نظریں ظاہری اسباب میں الجھ کر رہ جاتی ہیں اور تخلیق کائنات کو ان ہی اسباب کی طرف منسوب کرنے لگتی ہیں، اصل قدرت اور حقیقی قوت فاعلہ جو ان اسباب ومسببات کو گردش دینے والی ہے اس کی طرف التفات نہیں کرتی۔

نحن قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الموتَ وما نحن بِمَسْبُوقِينَ یعنی جس طرح ہم انسانی زندگی کے خالق اور مالک ہیں اس میں ہمارا نہ کوئی شریک ہے اور نہ مددگار، اسی طرح ہم ہر متنفس کی موت کے بھی تنہا مالک ہیں اور ہر شخص کی موت کا وقت مقرر کر دیا ہے جس سے کوئی تجاوز نہیں کر سکتا چنانچہ کوئی رحم مادر میں تو کوئی بچپن میں تو کوئی جوانی میں تو کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے۔

علی أن نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكم یعنی اگر ہم چاہیں تو تمہاری صورتیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیں اور تمہاری جگہ کوئی دوسری مخلوق پیدا کر دیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولٰى یعنی تم یہ کیوں نہیں سمجھتے جس طرح اس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا جس کا تمہیں علم ہے وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ پہلا سوال لوگوں کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلا تا تھا کہ تم از خود پیدا نہیں ہو گئے بلکہ اللہ کے ساختہ پرداختہ ہو، اور اسی کی تخلیق سے وجود میں آئے ہو، اب یہ دوسرا سوال ایک دوسری اہم حقیقت کی طرف توجہ دلا رہا ہے، کہ جس رزق پر تم پلتے ہو وہ بھی اللہ ہی تمہارے لئے پیدا کرتا ہے جس طرح تمہاری پیدائش میں انسانی کوشش کا دخل اس سے زائد کچھ نہیں کہ تمہارا باپ تمہاری ماں کے رحم میں نطفہ ڈال دے اسی طرح تمہارے رزق کی پیداوار میں بھی انسان کی کوشش کا دخل اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہ کسان زمین میں بیج ڈال دے، زمین جس میں کسان بیج ڈالتا ہے تمہاری بنائی ہوئی نہیں ہے اس کے اندر جو بیج تم ڈالتے ہو اس کو نشو و نما کے قابل تم نے نہیں بنایا، ان میں سے کوئی چیز بھی تمہاری تدبیر کا نتیجہ نہیں ہے یہ سب کچھ اللہ ہی کی قدرت اور اسی کی پروردگاری کا کرشمہ ہے، جب تم وجود میں اسی کے لانے سے آئے ہو اور اسی کے پیدا کردہ رزق سے پل رہے ہو تو تم کو اس کے مقابلہ میں خود مختاری کا یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کا حق آخر کیسے پہنچتا ہے؟

اَفَرَاَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ تمہاری بھوک مٹانے کا ہی نہیں تمہاری پیاس بجھانے کا انتظام بھی ہمارا ہی کیا ہوا ہے، یہ پانی جو تمہاری زندگی کے لئے روٹی سے بھی زیادہ ضروری ہے تمہارا اپنا فراہم کیا ہوا نہیں ہے بلکہ اسے ہم نے فراہم کیا ہے۔

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ مقوین اقواء سے مشتق ہے اور وہ قواء بمعنی صحرا سے مشتق ہے مقوی کے معنی ہوئے صحرا میں فروکش ہونے والا، مراد اس سے وہ مسافر ہے جو جنگل میں کہیں ٹھہر کر اپنے کھانے کے انتظام میں لگا ہو مراد آیت کی یہ ہے کہ سب تخلیقات ہماری ہی قدرت و حکمت کا نتیجہ ہیں۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ اس کا لازمی اور عقلی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ انسان حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور توحید پر ایمان لائے اور اپنے رب عظیم کی تسبیح پڑھا کرے کہ یہی اس کی نعمتوں کا شکر ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ لا زائدۃٌ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ بمَسَاقِطِها لِغُروبها وَاِنَّهٗ ای القَسَمَ بها لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ﴿۷۶﴾ ای لو کُنتُم مِن ذوی العِلْمِ لَعَلِمْتُمْ عظمَ هذا القسمِ اِنَّهٗ ای المَتلُوَّ علیکم لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ﴿۷۷﴾ فِیْ كِتٰبٍ مکتوبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ مَصُونٍ وهو المُصحَفُ لَّا یَمَسُّهٗۤ خبرٌ بمعنی النَّهیِ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ ای الذین طَهَّرُوا اَنْفُسَهم من الاحداثِ تَنْزِیْلٌ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ القران اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ مُتهاوِنونَ مُکَذِّبُونَ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ مِن المَطَرِ ای شکرہ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ بسُقیا اللّٰهِ حیثُ قُلتُم مُطِرْنَا بنَوءِ کذا فَلَوْلَآ فهلَّا اِذَا بَلَغَتِ الرُّوحُ وقتَ النزعِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وهو مَجری الطَّعامِ وَاَنْتُمْ یا حاضری المَیّتِ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ الیه وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ بالعِلْمِ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ مِن البَصِیرةِ ای لا تَعلَمونَ ذلك فَلَوْلَآ فهلَّا اِنْ كُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ ﴿۸۶﴾ مَجزِیِّینَ بانْ تُبعَثُوا ای غیرَ مَبعُوثِینَ بزَعمِکم تَرْجِعُوْنَهَآ تَرُدُّونَ الروحَ الی الجَسَدِ بعدَ بُلوغِ الحُلقومِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۸۷﴾

فیما زعمتم فلو لا الثانیة تاکید للاولی واذا ظرف لترجعون المتعلق به الشرطان والمعنی هلّا ترجعونها ان نفیتم البعث صادقین فی نفیه ای لینتفی عن محلها الموت فَاَمَّآ اِنْ کَانَ المیت مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ ای فله استراحة وَّرَیْحَانٌ ۙ رزق حسن وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ ﴿۸۹﴾ وهل الجواب لامّا اولان اولهما اقوال وَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّکَ ای له السلامة من العذاب مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۹۱﴾ من جهة انه منهم وَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنَ الْمُکَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْیَقِیْنِ ﴿۹۵﴾ من اضافة الموصوف الی صفته فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ ﴿۹۶﴾ تقدم.

ترجمہ: سو میں قسم کھاتا ہوں غروب ہونے کے لئے چھپنے والے ستاروں کی اگر تم سمجھو تو یہ یعنی ان کی قسم ایک بڑی قسم ہے یعنی اگر تم اہل علم میں سے ہو تو اس قسم کی عظمت کو جان لوگے یہ یعنی جو تم کو سنایا جارہا ہے مکرم قرآن ہے جو ایک محفوظ کتاب میں ہے اور وہ مصحف ہے اس کو پاک (لوگ) ہی چھوتے ہیں (لا یمسّہٗ) نہی بمعنی خبر ہے یعنی وہ جنہوں نے خود کو احداث سے پاک کرلیا رب العالمین کی جانب سے نازل کردہ ہے تو کیا اس کلام یعنی قرآن کو سرسری کلام سمجھتے ہو اہمیت نہیں دیتے ہو تکذیب کرتے ہو کیا تم نے اس کی تکذیب ہی کو غذا (دھندا) بنالیا ہے؟ اور تم بارش کے ذریعہ اس کے رزق کے شکر کے بجائے ناشکری کرتے ہو یعنی اللہ کی سیرابی کی مطرنا بنوءِ کذا کہہ کر ناشکری کرتے ہو (یعنی فلاں ستارے کے طلوع یا غروب کی وجہ سے بارش ہوئی ہے) پس جب روح نزع کے وقت نرخرے تک پہنچ جائے اور وہ کھانے کی نلی ہے، اور اے میت کے پاس حاضر لوگو! تم اس مرنے والے کو دیکھ رہے ہو اور ہم مرنے والے سے تمہاری بہ نسبت علم کے اعتبار سے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے (تبصرون) بصیرت سے ماخوذ ہے، یعنی تم کو ہماری موجودگی کا علم نہیں ہوتا، پس اگر تم کو زندہ کرکے تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے یعنی تمہارے اعتقاد کے مطابق تم کو زندہ کیا جانے والا نہیں ہے تو کس لئے تم روح کو حلق میں پہنچنے کے بعد جسم کی طرف نہیں لوٹا لیتے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو ثانی لَوْلَا پہلے لَوْلَا کی تاکید ہے، اور اِذا بَلَغَتْ میں اِذَا، ترجعون کا ظرف ہے، اور ترجعون سے دو شرطیں متعلق ہیں یعنی اگر بعث کی نفی میں تم سچے ہو تو اس کو کیوں نہیں لوٹا لیتے ہو، تاکہ موت نفس کے محل سے منتفی ہوجائے پس اگر میت مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے راحت ہے اور رزق حسن ہے اور آرام والی جنت ہے (فَرَوحٌ) یا تو اِمّا کا جواب ہے یا اِنْ کا یا دونوں کا (اس میں) تین قول ہیں اور جو شخص اصحاب الیمین میں سے ہے تو تیرے لئے یعنی اصحاب الیمین کے لئے عذاب سے سلامتی ہے اس وجہ سے کہ وہ اصحاب الیمین میں سے ہے لیکن اگر کوئی جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہو تو کھولتے ہوئے گرم پانی کی ضیافت ہے اور دوزخ میں جانا ہے یہ خبر سراسر حق قطعاً یقینی ہے، موصوف کی اپنی صفت کی طرف اضافت کے قبیل سے ہے، پس تو اپنے عظیم الشان رب کی تسبیح بیان کر جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلِہٗ: فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ، لَا جمہور مفسرین کے نزدیک تاکید کے لئے زائدہ ہے معنی میں فَاُقْسِمُ کے ہے، جیسے لَا وَاللّٰہِ اور بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ لَا مخاطب کے گمان کی نفی کرنے کے لئے اور منفی محذوف ہے اور وہ کفار کا کلام ہے اور یہ لیسَ کما تقول کے معنی میں ہے، فرّاء نے کہا ہے کہ یہ لانفی کے لئے ہے اور لَیْسَ الْاَمْرُ کَمَا تَقُوْلُوْنَ کے معنی میں ہے بعض حضرات نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

قِوْلِہٗ: مَوَاقِع، موقِعٌ کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں ستاروں کے غروب ہونے کی جگہ یا وقت، بعض حضرات نے مَواقِع سے مراد نجوم کی منزلیں اور بعض نے نزولِ قرآن مراد لیا ہے، اس لئے کہ قرآن کریم بھی بتدریج آپ پر نازل ہوا ہے۔

قِوْلِہٗ: وَاِنَّہٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تعلمونَ عظیمٌ، لَا اُقْسِمُ قسم ہے اور لقرآنٌ کریمٌ جواب قسم ہے اور اِنَّہٗ لقسمٌ لو تعلمونَ عظیمٌ، قسم اور جواب قسم کے درمیان جملہ معترضہ ہے، اور جملہ معترضہ میں بھی موصوف وصفت کے درمیان جملہ معترضہ اور وہ لو تَعْلَمُوْنَ ہے۔

قِوْلِہٗ: لَعَلِمْتُمْ عظم ھٰذا القسم اس کے اضافہ سے مفسر علام نے جواب لو کے حذف کی طرف اشارہ کردیا۔

قِوْلِہٗ: وَھُوَ المصحَفُ بعض حضرات نے کتاب مکنون سے لوح محفوظ مراد لی ہے، اس صورت میں لا یمسُّہٗ کے معنی ہوں گے لا یطَّلِعُ علیہِ اِلَّا الملائکۃ المُطَھَّرُوْنَ اس صورت میں یہ آیت بغیر طہارت قرآن کو چھونے کے عدم جواز کی دلیل نہ ہوگی۔

قِوْلِہٗ: خبرٌ بمعنی النھیِ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سِوَال: قرآن میں کہا گیا ہے لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ یہ خلاف واقعہ ہے اس لئے کہ بہت سے لوگ قرآن بغیر طہارت کے چھوتے ہیں، اور قرآن خلاف واقعہ کی خبر نہیں دے سکتا۔

جِوَاب: خبر بمعنی نہی ہے۔

قِوْلِہٗ: مُنَزَّلٌ اس سے اشارہ کردیا کہ تَنْزِیْلٌ مصدر بمعنی مُنَزَّلٌ اسم مفعول ہے۔

قِوْلِہٗ: اَفَبِھٰذَا الحدیث میں استفہام توبیخی ہے یعنی تمہارے لئے یہ مناسب نہیں ہے۔

قِوْلِہٗ: مُدْھِنُوْنَ یہ اِدْھَانٌ سے ہے اِدْھَان اور تدھین کے معنی ہیں کسی چیز پر تیل لگا کر چکنا اور نرم کرنا، مُداھنت فی الدین اسی سے ہے دین میں مداہنت اختیار کرنا اور اس کے لازم معنی نفاق کے بھی ہیں، جس چیز پر تیل وغیرہ لگا کر نرم اور چکنا کیا جاتا ہے اس کا باطن ظاہر کے خلاف ہوتا ہے اوپر سے نرم اور چکنی معلوم ہوتی ہے حالانکہ اندر اس کے عکس ہوتا ہے نفاق میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے، یہاں مراد مطلقاً کفر ہے اور قرآن کو سرسری، معمولی سمجھنا اور حیثیت نہ دینا بھی اِدھان کا مصداق ہے۔

قِوْلِہٗ: مِنَ المطر اس میں اشارہ ہے کہ رزق سے مراد سبب رزق ہے اور اَیْ شکرہٗ سے اشارہ کردیا کہ عبارت حذف

مضاف کے ساتھ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، تَكْفُرُوْنَ شُكْرَ المطر یعنی خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرنا تم نے اپنا مشغلہ اور اپنی غذا بنالیا ہے، حتی کہ خداداد بارش کو بعض ستاروں کے طلوع و غروب کی طرف منسوب کرتے ہو۔

قَوْلُہٗ: بِسُقْيَا اللّٰهِ یہ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اصل میں سَقَى اللّٰهُ ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذَا ظرفٌ لِتَرْجِعُوْنَ ، اِذَا بَلَغَتِ الحُلْقوم، تَرْجِعُوْنَ کا ظرف مقدم ہے تَرْجِعُوْنَ سے دو شرطیں متعلق ہیں اور وہ اِنْ كُنتمْ غيرَ مَدِينِينَ اور ان كنتم صَادِقِينَ ہیں، متعلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں کی جزاء ہیں۔

فَائِدَہ: کلام میں قلب ہے معنی یہ ہیں هَلَّا ترجِعُونَها اِنْ نفَيتُمُ البَعْثَ صَادِقِين فی نفيه.

قَوْلُہٗ: فَلَهٗ رَوْحٌ اس میں اشارہ ہے کہ روحٌ مبتداء ہے اور فَلَهٗ خبر مقدم ہے۔

قَوْلُہٗ: هل الجواب لأما او لِاِنْ اولهُما ، فَروحٌ الخ جواب ہے، اس میں تین قول ہیں ① أمّا کا جواب ② اِنْ کا جواب ③ دونوں کا جواب ہو، راجح یہ ہے کہ فَرَوْحٌ و رَيْحان الخ، أمّا کا جواب ہے اور اِنْ کا جواب محذوف ہے اس لئے کہ اِنْ کے جواب کا حذف کثیر الوقوع ہے۔

قَوْلُہٗ: اَی لَهُ السَّلَامة مِنَ العَذَاب اس میں اشارہ ہے کہ سلام بمعنی سلامت ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنْ جهةِ اَنَّهٗ مِنْهُمْ اس میں اشارہ ہے کہ مِنْ اصحٰبِ اليمين میں من تعليليه ہے ای مِنْ اجل اَنَّهٗ مِنْهُمْ.

قَوْلُہٗ: فَنُزُلٌ مبتداء ہے اس کی خبر لہٗ محذوف ہے ای لَهٗ نُزُلٌ.

قَوْلُہٗ: تَقَدَّمَ یعنی سَبِّحْ نزِّہ اور لفظ اسم زائدہ ہے۔

تفسیر و تشریح

سابقہ آیات میں عقلی اور مشاہداتی دلائل سے دوبارہ زندہ ہونے کا ثبوت حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس دنیا کی تخلیق کے ذریعہ دیا گیا تھا، آگے حق تعالیٰ کی طرف سے قسم کے ساتھ نقلی دلیل پیش کی گئی ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ اگر لا کو قرآن کے بارے میں مزعوم اور ظن باطل کی نفی کے لئے لیا جائے جیسا کہ بعض مفسرین کا یہی خیال ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ قرآن شاعری یا کہانت نہیں ہے جیسا کہ تمہارا خیال ہے بلکہ ستاروں کے گرنے یا ان کے مطلع و مغرب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن بڑا باعظمت ہے۔

ستاروں اور تاروں کے مواقع سے مراد ان کے مقامات، ان کے مدار، اور منزلیں ہیں اور قرآن کے بلند پایہ کتاب ہونے پر ان کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ عالم بالا میں اَجرام فلکی کا نظام جیسا محکم اور مضبوط ہے ویسا ہی مضبوط اور محکم یہ کلام بھی ہے جس خدا نے وہ نظام بنایا ہے اسی خدا نے یہ کلام نازل فرمایا ہے۔

بعض حضرات نے یہ ترجمہ کیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں آیتوں کے پیغمبروں کے دلوں پر اترنے کی، نجوم سے مراد آیات لی ہیں اور مواقع النجوم سے پیغمبروں کے قلوب (موضح القرآن) اور بعض حضرات نے قیامت کے دن ستاروں کا گرنا اور جھڑنا مراد لیا ہے۔

فِی کِتَابٍ مَّکْنُوْنٍ کے معنی ہیں چھپی ہوئی کتاب، مراد اس سے لوح محفوظ ہے۔

لَا یَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ یہاں دو مسئلے غور طلب ہیں اور ائمہ تفسیر میں مختلف فیہ ہیں، اول یہ کہ جس کتاب کی صفت مَکْنُوْنٌ بیان کی گئی ہے یہ جملہ اسی کتاب کی دوسری صفت ہے، اور لَا یَمَسُّهٗ کی ضمیر اسی کتاب کی طرف راجع ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کتابٍ مکنُون یعنی لوح محفوظ کو سوائے پاک ہستیوں کے کوئی نہیں چھو سکتا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں مُطَهَّرُوْنَ سے مراد صرف فرشتے ہی ہو سکتے ہیں جن کی رسائی لوح محفوظ تک ہو سکے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں مَسٌّ سے مراد حقیقی معنی یعنی ہاتھ سے چھونا مراد نہیں لیا جا سکتا، بلکہ لازمی اور مرادی معنی یعنی مطلع ہونا مراد ہو سکتے ہیں اس لئے کہ لوح محفوظ کو چھونا کسی مخلوق کا کام نہیں۔

دوسرا احتمال اس جملہ کی ترکیب نحوی میں یہ ہے کہ اس کو قرآن کی صفت بنایا جائے جو اوپر اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ میں مذکور ہے، اس صورت میں لَا یَمَسُّهٗ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہوگی اور اس سے مراد وہ صحیفہ ہوگا جس میں قرآن لکھا ہوا ہو، اور لفظ مَسّ سے ہاتھ سے چھونے کے حقیقی معنی مفہوم ہوں گے۔

قرآن بے طہارت چھونے کے مسئلہ میں فقہاء کے مسالک:

❶ مسلک حنفی:

مسلک حنفی کی تشریح امام علاؤ الدین کاشانی نے بدائع والصنائع میں یوں کی ہے، جس طرح بے وضو نماز پڑھنا جائز نہیں اسی طرح قرآن کریم کو بھی ہاتھ لگانا جائز نہیں، البتہ اگر غلاف کے اندر ہو تو ہاتھ لگایا جا سکتا ہے، غلاف سے بعض فقہاء کے نزدیک جلد اور بعض کے نزدیک وہ جزدان مراد ہے جس میں قرآن لپیٹ کر رکھا جاتا ہے، رہا قرآن کو بے وضو حفظ پڑھنا تو یہ درست ہے، فتاویٰ عالمگیری میں اس حکم سے بچوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، تعلیم کے لئے بچوں کو قرآن مجید بے وضو ہاتھ میں دیا جا سکتا ہے۔

❷ مسلک شافعی:

امام نووی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے المنہاج میں مسلک شافعی کو یوں بیان فرمایا ہے نماز اور طواف کی طرح مصحف کو ہاتھ لگانا اور اس کے کسی ورق کو بے وضو چھونا ممنوع ہے، حتی کہ قرآن کریم جزدان یا لفافے وغیرہ میں ہو تب بھی جائز نہیں البتہ قرآن کسی کے سامان میں رکھا ہوا ہو یا سکہ پر کوئی آیت لکھی ہو تو اس کو ہاتھ لگانا جائز ہے، بچہ اگر بے وضو ہو تو وہ بھی قرآن کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔ (ملخصًا)

❸ مالکی مسلک:

جمہور فقہاء کے ساتھ وہ اس امر میں متفق ہیں کہ قرآن کو ہاتھ لگانے کے لئے وضوشرط ہے لیکن قرآن کی تعلیم کے لئے وہ استاذ اور شاگرد دونوں کے لئے ہاتھ لگانا جائز قرار دیتے ہیں، ابن قدامہ نے مغنی میں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جنابت کی حالت میں قرآن پڑھنا ممنوع ہے مگر عورت حالتِ حیض میں قرآن پڑھ سکتی ہے، کیونکہ ایک عرصہ تک اگر ہم اس کو قرآن کی تلاوت سے روکیں گے تو اس کے بھول جانے کا امکان ہے۔ (الفقه علی المذاهب الاربعة)

❹ مسلک حنبلی:

مذہب حنبلی کے مسائل جو ابن قدامہ نے نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں، حالت جنابت وحیض ونفاس میں قرآن یا اس کی پوری آیت کا پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ بسم اللہ اور الحمد للہ وغیرہ کہہ سکتی ہے، رہا بلا وضو قرآن کو ہاتھ لگانا تو یہ کسی حالت میں درست نہیں۔

لَا يَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اگرچہ جملہ خبریہ ہے مگر معنی میں نہی کے ہے یہ تفسیر حضرت عطاء طاؤس سالم اور حضرت محمد باقر رحمهم الله تعالیٰ سے منقول ہے۔ (روح المعانی ملخصاً) مطلب یہ ہے کہ قرآن کو چھونے کیلئے حدثِ اصغر اور اکبر نیز ظاہر نجاست سے بھی ہاتھ کا پاک ہونا ضروری ہے، قرطبی نے اسی تفسیر کو اظہر کہا ہے، تفسیر مظہری میں اسی کی ترجیح پر زور دیا ہے۔

فاروق اعظم کے اسلام لانے کے واقعہ میں جو مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کو قرآن پڑھتے ہوئے پایا تو قرآن کے اوراق کو دیکھنا چاہا، ان کی بہن نے یہی آیت پڑھ کر اوراق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دینے سے انکار کر دیا کہ اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوسکتا، فاروق اعظم نے مجبور ہو کر اول غسل کیا، پھر یہ اوراق ان کے ہاتھ میں دیئے گئے، اس واقعہ سے بھی اسی تفسیر کی ترجیح ثابت ہوتی ہے، روایات حدیث جن میں غیر طاہر کو قرآن کے چھونے سے منع کیا گیا ہے ان روایات کو بھی بعض حضرات نے اس آخری تفسیر کی ترجیح کے لئے پیش کیا ہے۔

مگر چونکہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا اختلاف ہے اس لئے بہت سے حضرات نے بے وضو قرآن کو ہاتھ لگانے کی ممانعت کے مسئلہ میں آیت مذکورہ سے استدلال چھوڑ کر صرف روایات حدیث کو پیش کیا ہے وہ احادیث یہ ہیں:

امام مالک نے مؤطا میں رسول اللہ ﷺ کا وہ مکتوب گرامی نقل کیا ہے جو خط آپ نے حضرت عمرو بن حزم کو لکھا تھا جس میں ایک جملہ یہ بھی ہے لَا يَمَسَّ القرآنَ اِلَّا الطَّاهر (ابن کثیر) یعنی قرآن کو وہ شخص نہ چھوئے جو طاہر نہ ہو اور روح المعانی میں یہ روایت مسند عبد الرزاق، ابن ابی داؤد اور ابن المنذر سے بھی نقل کی ہے، اور طبرانی میں ابن مردویہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَا يَمَسَّ القرآنَ اِلَّا طَاهِرٌ.

مذکورہ روایت کی بناء پر جمہور امت اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کے لئے طہارت

ضروری ہے، اور ظاہری نجاست سے ہاتھ کا پاک صاف ہونا بھی ضروری ہے، حضرت علی، ابن مسعود، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ، اور زہری، نخعی، حکم، حماد، امام مالک، شافعی، ابوحنیفہ رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالیٰ سب کا یہی مسلک ہے اوپر جو اختلاف نقل کیا گیا ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ یہ مسئلہ جو احادیث مذکورہ سے ثابت ہے اور جمہور امت کے نزدیک مسلم ہے، کیا یہ بات قرآن کی آیت مذکورہ سے بھی ثابت ہے یا نہیں، بعض حضرات نے ان احادیث اور آیت مذکورہ کا مفہوم ایک قرار دیا ہے، دوسرے حضرات نے آیت کو استدلال میں پیش کرنے سے بوجہ اختلاف صحابہ احتیاط کی ہے، اس لئے کہ اختلاف مسئلہ میں نہیں بلکہ اس کی دلیل میں ہے۔

مَسْئَلَہ: قرآن کا غلاف جس کو چولی کہتے ہیں جو قرآن کے ساتھ سلی ہوتی ہے وہ بھی قرآن کے حکم میں ہے اس کے ساتھ بھی قرآن کو بے وضو ہاتھ لگانا درست نہیں، البتہ جزدان جس میں قرآن کو رکھتے ہیں اگر قرآن اس میں رکھا ہو تو اس کو بلا وضو چھونا جائز ہے، مگر امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اور امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں ہے۔ (مظہری)

مَسْئَلَہ: جو کپڑا آدمی پہنا ہوا ہے اس کی آستین یا دامن سے قرآن کو بلا وضو چھونا بھی جائز نہیں البتہ علیحدہ رومال یا چادر یا ٹوپی وغیرہ سے چھونا جائز ہے۔ (مظہری)

وَاَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تنظرون یعنی روح نکلتے ہوئے تم بے بسی اور لاچاری کے ساتھ دیکھتے ہو لیکن اس کو ٹال سکنے کی یا اسے کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے، اس وقت تمہاری بہ نسبت علم کے اعتبار سے ہم اس سے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے۔

فَلَوْلَا اِنْ کنتم غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ، مَدِیْنِیْنَ، دان یَدِیْنُ سے ہے، اس کے ایک معنی ہیں ماتحت ہونا، دوسرے معنی ہیں بدلہ دینا یعنی اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ کوئی تمہارا آقا اور مالک نہیں جس کے تم زیر فرمان اور ماتحت ہو یا کوئی جزا سزا کا دن نہیں آئے گا تو اس قبض کی ہوئی روح کو اپنی جگہ پر واپس لوٹا کر دکھاؤ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہارا گمان باطل ہے، یقیناً تمہارا ایک آقا ہے اور یقیناً ایک دن آئے گا جس میں وہ آقا ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔

فَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنَ المقربینَ سورت کے شروع میں اعمال کے لحاظ سے انسانوں کی جو تین قسمیں بیان کی گئی تھیں ان کا پھر ذکر کیا جا رہا ہے یہ ان کی پہلی قسم ہے جنہیں مقربین کے علاوہ سابقین بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ نیکی کے ہر کام میں آگے آگے ہوتے ہیں، اور قبول ایمان میں بھی دوسروں سے سبقت کرتے ہیں، اور اپنی اسی خوبی کی وجہ سے وہ مقربین بارگاہِ الٰہی قرار پاتے ہیں۔

وَاَمَّآ اِن کَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الیمین یہ دوسری قسم ہے، یہ عام مومنین ہیں یہ بھی جہنم سے بچ جائیں گے، اور جنت میں جائیں گے تاہم درجات میں سابقین سے کم ہوں گے، موت کے وقت ان کو بھی سلامتی کی خوشخبری دیتے ہیں۔

وَاَمَّا اِنْ کَانَ مِنَ المکذبینَ الضالینَ یہ تیسری قسم ہے جن کو آغازِ سورت میں اصحاب المشئمة کہا گیا تھا، بائیں ہاتھ والے یا حاملین نحوست یہ اپنے کفر کی سزا عذاب جہنم کی صورت میں بھگتیں گے۔

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ آيَةً.

سورۂ حدید مکی ہے یا مدنی ہے، ۲۹ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اى نَزَّهَهُ كُلُّ شَيْءٍ فَاللَّامُ مزيدةٌ وجِئَ بما، دُوْنَ مَنْ تغليبًا للاكثر وَهُوَ الْعَزِيْزُ فى مُلْكِهِ الْحَكِيْمُ ① فى صُنْعِهِ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيِ بالانشاءِ وَيُمِيْتُ بعده وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ قبلَ كُلِّ شَيْءٍ بلا بدايةٍ وَالْاٰخِرُ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ بلانهايةٍ وَالظَّاهِرُ بالادلّةِ عليه وَالْبَاطِنُ عن اِدراكِ الحواسّ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ مِن اَيَّام الدُّنيا اَوَّلُها الاحدُ واٰخِرُها الجُمعة ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ الكُرسيّ اِسْتِوَاءً يَلِيقُ به يَعْلَمُ مَا يَلِجُ يدخلُ فِى الْاَرْضِ كالمَطَرِ والاموات وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا كالنَّباتِ والمَعادِنِ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ كالرَّحمةِ والعَذاب وَمَا يَعْرُجُ يَصْعَدُ فِيْهَا كالاعمالِ الصَّالحةِ والسَّيئةِ وَهُوَ مَعَكُمْ بعلمه اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ④ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤ الموجوداتُ جميعُها يُوْلِجُ الَّيْلَ يُدخِلُه فِى النَّهَارِ فيزيدُ ويَنقُصُ اللَّيلُ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ فيزيدُ ويَنقُصُ النَّهارُ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥ بما فيها مِنَ الاَسرارِ والمُعتَقَداتِ اٰمِنُوْا دُومُوا على الايمان بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا في سبيلِ اللّٰهِ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ مِن مَّالِ مَن تَقَدَّمَكُم ويَستَخلِفُكم فيه مَن بَعدَكم نَزَلَ فِي غَزْوَةِ العُسرةِ وهي غَزْوَةُ تبوكَ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا اِشارةٌ الى عُثمان رضيَ اللّٰهُ تعالىٰ عنه لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ خِطابٌ لِلكُفَّارِ اى لا مَانِعَ لكم مِنَ الايمان بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ بضمّ الهمزةِ وكسرِ الخاءِ وبفتحِهما ونصبِ ما بَعدَه مِيْثَاقَكُمْ عليه اى اَخَذَهُ اللّٰهُ فِي عَالَمِ الذَّرِّ، حين اَشهَدَهُم على اَنفسِهم اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ قالوا بلى اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ اى مُريدين الايمان به فبادِرُوا اليه هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ آياتِ القُرانِ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ الكُفرِ اِلَى النُّوْرِ الايمان

وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ فی اِخراجِکُم مِنَ الکُفر الی الاِیمان لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۹ وَمَا لَكُمْ بعدَ اِیمانِکُمْ اَلَّا فیه اِدْغامُ نون اَنْ فی لامِ لا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بما فیهما فَیَصِلُ الیه اَمْوالُکم مِن غیر اَجرِ الاِنفاقِ بخلافِ ما لو اَنفَقْتُم فتوجَرُونَ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ لِمَکَّةَ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا مِنَ الفَرِیقَین وفی قراءَةٍ بالرَّفعِ مُبتدأٌ وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى الجَنَّةَ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۰ فیُجازیکم به.

ع-۱۷

ترجمہ: میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے یعنی ہر چیز اس کی پاکی بیان کرتی ہے (لِلّٰہ) میں لام زائدہ ہے مَن کے بجائے مَا کا استعمال اکثر کو غلبہ دینے کے اعتبار سے ہے وہ اپنے ملک میں زبردست اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے زمین اور آسمان کی بادشاہت اسی کی ہے پیدا کر کے زندگی دیتا ہے اس کے بعد موت دیتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی اول ہے بغیر ابتداء کے ہر چیز سے پہلے اور وہی آخر ہے یعنی بلانہایت کے ہر چیز کے بعد رہے گا وہی ظاہر ہے اس پر دلائل موجود ہونے کی وجہ سے اور وہ حواس کے ادراک سے مخفی ہے اور ہر شئ کو جاننے والا ہے وہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو دنیا کے ایام کے مطابق چھ دنوں میں پیدا فرمایا ان میں پہلا دن یکشنبہ (اتوار) کا ہے اور آخری دن جمعہ کا، پھر وہ عرش کرسی پر مستوی ہو گیا ایسا استواء جو اس کی شان کے لائق ہے وہ اس چیز کو بھی جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے جیسا کہ بارش کا پانی اور مردے، اور اس کو بھی جو زمین سے نکلتی ہے جیسا کہ نباتات اور معدنیات اور جو آسمان سے نازل ہو، جیسا کہ رحمت اور عذاب اور جو اس کی طرف چڑھے، جیسا کہ اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ اور تم جہاں کہیں ہو وہ علم کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے، آسمان اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے اور اسی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے یعنی تمام موجودات، وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے تو دن بڑھ جاتا ہے اور رات گھٹ جاتی ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے تو رات بڑھ جاتی ہے اور دن گھٹ جاتا ہے اور وہ سینوں کے رازوں کا پورا عالم ہے یعنی سینوں میں جو راز اور معتقدات ہیں ان کو بخوبی جانتا ہے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ یعنی ایمان پر دائم رہو، اللہ کے راستہ میں اس مال میں سے خرچ کرو جس میں تم کو نائب بنایا ہے ان لوگوں کے مال میں جو تم سے پہلے گذر چکے اور اس میں تمہارے بعد والوں کو تمہارا خلیفہ بنائے گا، یہ آیت غزوۂ عسرہ کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ غزوۂ تبوک ہے پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور خرچ کیا ان کے لئے بڑا اجر ہے (اس میں) حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف اشارہ ہے، تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ یہ کفار کو خطاب ہے یعنی اللہ پر ایمان لانے سے کوئی چیز تم کو مانع نہیں ہے حالانکہ خود رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے، اور خود خدا نے تم سے اس پر عہد لیا تھا، اگر تم کو ایمان لانا ہو یعنی اگر اس پر ایمان لانے کا ارادہ ہو تو اس کی طرف سبقت کرو (اُخِذَ) ہمزہ کے ضمہ اور خاء کے کسرہ کے

ساتھ اور دونوں کے فتحہ کے ساتھ اور اس کے مابعد فتحہ کے ساتھ ہے، یعنی اللہ نے انسان سے عالم ذر (نمل) میں جبکہ ان کو خود ان کے اوپر اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے ذریعہ شاہد بنایا تھا تو سب نے جواب دیا تھا بلیٰ وہی ہے جو اپنے بندے پر قرآن کی واضح آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ تم کو کفر کی ظلمت سے ایمان کے نور کی طرف نکالے یقیناً اللہ تعالیٰ تم کو کفر سے ایمان کی طرف نکال کر تم پر بڑا نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان کے بعد اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے؟ آسمانوں اور زمین کی میراث مع تمام ان چیزوں کے جو ان میں ہیں اللہ کے لئے ہے تمہارے اموال بغیر اجر انفاق کے اسی کے پاس پہنچ جائیں گے، بخلاف اس مال کے جس کو تم نے خرچ کیا تو اس پر تم کو اجر عطا کیا جائے گا، تم میں سے جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور (فی سبیل اللہ) لڑ چکے برابر نہیں یہی لوگ ہیں بڑے درجے والے ان لوگوں سے جنہوں نے (فتح مکہ کے بعد) خرچ کیا اور قتال کیا، دونوں فریقوں میں سے ہر ایک سے اللہ کا جنت کا وعدہ ہے اور ایک قراءت میں (کُلٌّ) رفع کے ساتھ مبتداء ہے جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے سو وہ اس کی تم کو جزاء دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سُؤَالٌ: سَبَّحَ لِلّٰهُ میں سَبَّحَ کو متعدی بالام لایا گیا ہے حالانکہ سبح متعدی بنفسہ استعمال ہوتا ہے۔

جَوَابٌ: لام زائدہ تاکید کے لئے ہے جیسے نَصَحْتُ لَهٗ وشَكَوْتُ له یا تعلیل کے لئے ہے، مفسر علام نے سَبَّحَ لِلّٰهِ کی تفسیر نَزَّهَهٗ سے کرکے اور فاللّام مزيدة کا اضافہ کرکے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے۔

قَوْلُهٗ: بالانشاء اس لفظ سے اشارہ کر دیا کہ یُحْیِیْ سے مراد زندہ چھوڑنا نہیں ہے جیسا کہ نمرود بعض کو قتل کر دیتا تھا اور بعض کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے محاجہ کرتے ہوئے انا اُحیی و اُمیتُ کہا اور دو آدمیوں کو بلایا جن میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا اور کہا انا اُحیی و اُمیتُ بعض کو قتل نہ کرنا زندہ کرنا نہیں ہے بلکہ یُحْیِیْ سے مراد انشاء حیات ہے۔

قَوْلُهٗ: الکرسی مناسب تھا کہ العرش کی تفسیر کرسی سے کرنے کے بجائے اپنی حالت پر رہنے دیتے۔

قَوْلُهٗ: استواء یلیق به یہ سلف کی تفسیر ہے، خلف اس کی تاویل قہر اور غلبہ سے کرتے ہیں۔

قَوْلُهٗ: والسَّیِّـــئة بہتر ہوتا کہ اس کو حذف کر دیتے اس لئے کہ آسمان کی طرف کلمات طیبات صعود کرتے ہیں نہ کہ کلمات سیئہ۔

قَوْلُهٗ: دُوْمُوْا علیٰ الایمان اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: خطاب مومنین کو ہے لہٰذا ان سے آمنوا کہنا تحصیل حاصل ہے۔

جَوَابٌ: آمنوا سے مراد دوام و قرار علی الایمان ہے جو کہ مومنین سے بھی مطلوب ہے۔

قولہ: والرسول یدعوکم یہ لا تؤمنون کی ضمیر سے حال ہے۔

قولہ: وَقَدْاَخذَ مِیْثَاقَکُمْ یہ یَدْعوکم کے کُمْ ضمیر سے حال ہے۔

قولہ: ای مُرِیْدِیْنَ الْاِیْمَانَ یہ عبارت بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: اول فرمایا مالکم لاتؤمنون باللہ جس کا مقتضی ہے کہ مخاطب مومن نہیں ہے اس کے بعد ارشاد فرمایا اِنْ کُنْتُمْ مومنین جس کا مقتضیٰ ہے کہ مخاطب مومن ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تم اللہ کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ اگر تم موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان رکھتے ہو، اس لئے کہ ان حضرات کی شریعت بھی اس بات کی مقتضی ہے کہ تم محمد پر ایمان لاؤ۔

قولہ: فَبَادِرُوْا اِلَیْہِ اس میں اشارہ ہے کہ جواب شرط محذوف ہے اور وہ فَبَادِرُوا الخ ہے۔

قولہ: مَنْ اَنْفَقَ من قبل یہ لا یستوی کا فاعل ہے اور اِسْتَوٰی دو چیزوں سے کم میں نہیں ہوتا، معلوم ہوا اس کا مقابل اس کے واضح ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اور وہ مَنْ اَنْفَقَ مِن بَعْدِ الفتح ہے۔

قولہ: کُلًّا، وَعَدَاللّٰہُ کا مفعول مقدم ہے، اور ابن عامر نے کُلٌّ مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط:

سورۂ واقعہ کو فَسَبِّحْ باسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ پر ختم فرمایا ہے، اس میں تسبیح کا حکم دیا گیا ہے اور سورۂ حدید کو سَبَّحَ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے شروع فرمایا ہے، تو گویا کہ سورۂ حدید کی ابتداء علت ہے سورۂ واقعہ کے اختتامی مضمون کی، گویا کہ فرمایا گیا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ العظیم لِاَنَّہٗ سَبَّحَ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ والْاَرْضِ.

سورۂ حدید کے فضائل:

ابوداؤد، ترمذی، نسائی میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو سونے سے پہلے مُسَبِّحات پڑھا کرتے تھے اور آپ نے فرمایا اِنَّ فِیْھِنَّ آیَۃً اَفْضَلُ مِنَ اَلفِ آیۃٍ آپ نے فرمایا ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ایک ہزار آیتوں سے افضل ہے، اور ابن ضرس نے یحییٰ بن ابی کثیر سے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے، اور یحییٰ نے کہا کہ ہم ہزار آیتوں کے مساوی آیت سورۂ حشر کی آخری آیت کو سمجھتے تھے۔ (روح)

سُوَر مُسَبِّحات پانچ سورتوں کو حدیث میں مسبحات سے تعبیر کیا گیا ہے جن کے شروع میں سبح یا یسبح آیا ہے ان میں پہلی

سورت سورۂ حدید ہے، دوسری حشر، تیسری صف، چوتھی جمعہ، پانچویں تغابن، ان پانچوں سورتوں میں سے تین یعنی حدید، حشر، صف میں، سَبَّحَ بصیغۂ ماضی آیا ہے، اور آخری دو سورتوں یعنی جمعہ اور تغابن میں یُسَبِّحُ بصیغۂ مضارع آیا ہے، اس میں اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کا ذکر ہر زمانے اور ہر وقت خواہ ماضی ہو یا مستقبل و حال، جاری رہنا چاہئے، اور کائنات کا ذرہ ذرہ ہمیشہ اپنے خالق کی پاکی بیان کرتا رہتا ہے آج بھی کر رہا ہے اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔

هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ حصر کے ساتھ فرمایا، وہی عزیز اور حکیم ہے، عزیز کے معنی ہیں قوی طاقتور، اور حکیم کے معنی ہیں حکمت کے ساتھ کام کرنے والا یعنی وہ جو کچھ بھی کرتا ہے حکمت اور دانائی کے ساتھ کرتا ہے، اس کی تخلیق اس کی تدبیر، اس کی فرمانروائی، اس کے احکام، اس کی ہدایات سب حکمت پر مبنی ہیں، اس کے کسی کام میں نادانی اور حماقت و جہالت کا شائبہ تک نہیں ہے، اور وہ ایسا عزیز و طاقتور ہے کہ وہ کائنات میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔

لطیف نکتہ:

اس مقام پر ایک لطیف نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے، جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، قرآن مجید میں کم ہی مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے ساتھ قویٌّ، مقتدرٌ، جبّارٌ، ذو انتقام جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن سے محض اس کے اقتدار مطلق کا اظہار ہوتا ہے، اور وہ بھی صرف ان مواقع پر استعمال ہوا ہے، جہاں سلسلۂ کلام اس بات کا متقاضی تھا کہ ظالموں اور نافرمانوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا جائے، اس طرح کے چند مقامات کو چھوڑ کر باقی جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لئے عزیزٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہاں اس کے ساتھ حکیمٌ، علیمٌ، غفورٌ، وهابٌ اور حمیدٌ میں سے کوئی لفظ ضرور استعمال ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ہستی ایسی ہو جسے بے پناہ طاقت حاصل ہو مگر اس کے ساتھ وہ نادان ہو، جاہل ہو، بے رحم ہو، معاف اور درگذر کرنا جانتی ہی نہ ہو، بخیل ہو اور بدسیرت اور تندخو ہو، ضدی اور ہٹ دھرم ہو تو اس کے اقتدار کا نتیجہ ظلم کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا دنیا میں جہاں کہیں بھی ظلم ہو رہا ہے اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ جس شخص یا جماعت کو دوسروں پر بالادستی حاصل ہے، وہ اپنی طاقت کو یا تو نادانی اور جہالت کے ساتھ استعمال کر رہا ہے، یا وہ بے رحم اور سنگ دل ہے، طاقت کے ساتھ ان بُری صفات کا اجتماع جہاں کہیں بھی ہو وہاں کسی خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی، اسی لئے اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی صفت عزیز کے ساتھ اس کے حکیم وعلیم، اور رحیم وغفور اور حمید ووہاب ہونے کا ذکر لازماً کیا گیا ہے اور یہ تمام صفاتِ کمال اس کی ذات میں شامل ہیں۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وہی اول ہے یعنی اس سے پہلے کچھ نہ تھا اس لئے کہ تمام موجودات اسی کی پیدا کردہ ہیں اور آخِرُ کے معنی بعض حضرات نے یہ کئے ہیں تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی وہ موجود رہیگا جیسا کہ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وجهَهٗ میں اس کی تصریح موجود ہے، مطلب یہ ہے کہ جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا اور جب کچھ نہ رہے گا تو وہ رہے گا، اور سب ظاہروں سے بڑھ کر ظاہر ہے کیونکہ دنیا میں جو کچھ بھی ظہور ہے اسی کی صفات اسی کے افعال اور اسی کے نور کا ظہور ہے، اور وہ ہر مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے، کیونکہ حواس سے اس کی ذات اور اس کی کنہ کو محسوس کرنا تو درکنار عقل وفکر وخیال تک

اس کی کنہ اور حقیقت کو نہیں پا سکتے، اور وہ اپنی ذات اور کنہ کے اعتبار سے ایسا باطن اور مخفی ہے کہ اس کی حقیقت تک کسی عقل وخیال کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ؎

اے برتر از قیاس و گمان و خیال و وہم واز ہرچہ دیدہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

اس کی بہترین تفسیر نبی ﷺ کی دعاء کے وہ الفاظ ہیں، جو آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کو سکھائے تھے اور پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی۔

اللّٰھُمَّ رَبَّ السمٰوٰاتِ السَبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ العظیم، رَبَّنَا وَرَبَّ کُلَّ شیْءٍ مُنْزِلَ التَّوْرَاتِ والانجیل وَالفُرقان، فَالِقَ الحَبِّ والنَّوٰی، اَعُوْذُبِکَ مِن شَرِّ کُلِّ شیْءٍ اَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِیَتِہٖ، اللّٰھُمَّ انت الاَوَّلُ فَلَیسَ قَبْلَکَ شیْءٌ وَاَنْتَ الآخِر فَلَیْس بَعْدَکَ شیْءٌ وَاَنْتَ الظَّاھِر فَلَیْسَ فوقَکَ شیْءٌ وَاَنْتَ الباطِن فَلَیسَ دونَکَ شیْءٌ اقضِ عنَّا الدینَ وَاَغْنِنَا مِنَ الفَقْرِ. (بخاری، مسلم کتاب الذکر والدعاء)

اس دعاء میں جو ادائیگی قرض کے لئے مسنون ہے اور اول وآخر وظاہر وباطن کی بہترین تفسیر ہے۔

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا (الآیۃ) یعنی زمین میں بارش کے جو قطرات اور غلہ جات ومیوہ جات ہیں اور جو بیج داخل ہوتے ہیں ان کی کمیت وکیفیت کو وہ جانتا ہے وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ یعنی اللہ علم کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اس معیت کی حقیقت اور کیفیت کسی مخلوق کے احاطۂ علم میں نہیں آسکتی مگر اس کا وجود یقینی ہے اس کے بغیر انسان کا نہ وجود قائم رہ سکتا ہے اور نہ کوئی کام اس سے ہو سکتا ہے اس کی مشیئت اور قدرت ہی سے سب کچھ ہوتا ہے جو ہر حال اور ہر جگہ میں ہر انسان کے ساتھ رہتی ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ یہ آیت غزوۂ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے، روح المعانی میں ہے والآیۃُ علیٰ مَا رُوِیَ عنِ الضحاکِ نَزَلَتْ فی تَبُوك فَلَا تَغْفلْ. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاب کا روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے اس لئے کہ جن حالات میں انفاق فی سبیل اللہ کی بڑے زور دار اور نئے انداز سے اپیل کی جارہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپیل اور ترغیب غیر معمولی حالات کے پیش نظر کی جارہی ہے جس میں حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا کل مال اور حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے نصف مال اس ہنگامی فوجی اور قومی ضرورت کے لئے خدمت میں پیش کیا اور حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اس غزوہ میں ایک ہزار دینار اور تین سو اونٹ مع ساز وسامان کے پیش کئے، اور ایک دوسری روایت کی رو سے اس ہنگامی اور فوری ضرورت کے لئے حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے مع ان کے ساز وسامان کے پیش کئے، اسی موقع پر آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے حق میں فرمایا ما علی عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ بعد ھذہ اور ایک روایت میں ہے، آپ نے فرمایا: غَفَرَ اللّٰہُ لكَ یا عُثمانُ مَا اَسْرَرْتَ وَمَا اَعْلَنْتَ وَمَا ھُوَ کَائِنٌ الٰی یَوْمِ القِیَامَۃِ مَا یُبَالِی مَا عَمِلَ بَعْدَھَا. (صاوی)

ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب غیر مسلموں سے نہیں ہے بلکہ بعد کی پوری تقریر یہ ظاہر کر رہی ہے کہ مخاطب وہ مسلمان ہیں جو کلمۂ اسلام کا اقرار کر کے مسلمانوں کے گروہ میں بظاہر شامل ہو چکے تھے مگر ایمان کے تقاضے پورا کرنے سے پہلو تہی کر رہے تھے، ظاہر ہے کہ غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دینے کے ساتھ فوراً ہی ان سے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے مصارف میں دل کھول کر اپنا حصہ ادا کرو اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تم میں سے جو فتح مکہ سے پہلے جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کرے گا اس کا درجہ ان لوگوں سے بلند تر ہوگا جو بعد میں یہ خدمت انجام دیں گے غیر مسلم کو دعوت ایمان دینے کی صورت میں تو پہلے اس کے سامنے ایمان کے ابتدائی تقاضے پیش کئے جاتے ہیں نہ کہ انتہائی، اگرچہ آمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ الخ کے عموم کے لحاظ سے اس بات کی گنجائش ہے کہ مخاطبین میں غیر مسلمین بھی شامل ہوں مگر سیاق وسباق اور فحوائے کلام کے لحاظ سے یہاں آمنوا باللّٰہِ ورسولہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان کا دعویٰ کر کے مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو گئے ہو، اللہ اور اس کے رسول کو سچے دل سے مانو اور وہ طرز عمل اختیار کرو جو اخلاص کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اختیار کرنا چاہئے۔

سیاق وسباق اور آیت کے شانِ نزول اور موقع نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر خرچ کرنے سے مراد عام بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنا نہیں ہے بلکہ آیت نمبر ۱۰ کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں اس جدوجہد کے مصارف میں حصہ لینا مراد ہے جو اس وقت کفر کے مقابلہ میں اسلام کو سربلند کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں جاری تھی، خاص طور پر اس وقت دو ضرورتیں تھیں جن کے لئے فراہمی مالیات کی طرف فوری توجہ کرنے کی سخت ضرورت تھی، ایک جنگی ضروریات اور دوسرے ان مظلوم مسلمانوں کی باز آبادکاری جو کفار کے ظلم وستم سے تنگ آ کر عرب کے ہر حصہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے اور آ رہے تھے، مخلص اہل ایمان ان مصارف کو پورا کرنے کے لئے اپنے اوپر اتنا بوجھ برداشت کر رہے تھے جو ان کی طاقت ووسعت سے بہت زیادہ تھا، لیکن مسلمانوں کے گروہ میں بکثرت اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگ ایسے موجود تھے جو کفر واسلام کی اس کشمکش کو محض تماشائی بن کر دیکھ رہے تھے اور اس بات کا انہیں کوئی احساس نہ تھا کہ جس چیز پر وہ ایمان لانے کا دعویٰ کر رہے ہیں اس کے کچھ حقوق بھی ان کی جان ومال پر عائد ہوتے ہیں، یہی دوسرے قسم کے لوگ اس آیت کے مخاطب ہیں، ان سے کہا جا رہا ہے کہ سچے مومن بنو اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔

راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب وفضیلت:

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ روح المعانی میں اس آیت کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں، ایک یہ کہ جو مال تمہارے پاس ہے یہ دراصل تمہارا ذاتی مال نہیں بلکہ اللہ کا بخشا ہوا مال ہے اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے، اللہ نے اپنے خلیفہ کی حیثیت سے یہ تمہارے تصرف میں دیا ہے، لہٰذا اصل مالک کی خدمت میں اسے صرف کرنے سے دریغ نہ کرو، نائب کا یہ کام نہیں کہ مالک کے مال کو مالک ہی کے کام میں خرچ کرنے سے جی چرائے۔

دوسرا مطلب وَقِيْلَ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِمَّنْ تَرِثُوْنَهٗ وَسَيَنْتَقِلُ اِلٰى غَيْرِكُمْ مِمَّنْ يَرِثُكُمْ

فَلَا تَبْخَلُوْا بِهٖ (روح المعانی) اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مال ہمیشہ سے نہ تمہارے پاس تھا نہ ہمیشہ تمہارے پاس رہنے والا ہے، کل یہ دوسرے لوگوں کے پاس تھا پھر اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنا کر اسے تمہارے حوالہ کیا، پھر ایک وقت آئے گا کہ جب یہ تمہارے پاس نہ رہے گا، دوسرے لوگ اس پر تمہارے جانشین بن جائیں گے، اس عارضی جانشینی کی تھوڑی سی مدت میں جب یہ تمہارے قبضۂ تصرف میں ہے، اسے اللہ کے کام میں خرچ کرو تا کہ آخرت میں اس کا مستقل اور دائمی اجر تمہیں حاصل ہو، اسی مطلب کے مطابق اس اعرابی کا قول ہے جس سے کسی نے سوال کیا لِمَنْ هذه الابلُ؟ فقال هِيَ لِلّٰهِ تعالٰى عندی یہ اللہ کا اونٹ ہے جو میرے پاس امانت ہے۔

اسی مضمون کو حضور ﷺ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے، ترمذی میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے کہ ایک روز ہم نے ایک بکری ذبح کی جس کا اکثر حصہ تقسیم کر دیا، ایک دست گھر کے لئے رکھ لیا، آنحضرت ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اس بکری میں سے تقسیم کے بعد کیا باقی رہا؟ حضرت عائشہ نے عرض کیا مَا بَقِيَ اِلَّا كَتِفُهَا ایک شانے کے سوا کچھ نہیں بچا، آپ ﷺ نے فرمایا بَقِيَ كُلُّهَا اِلَّا كَتِفُهَا ایک شانے کے سوا پوری بکری باقی رہ گئی یعنی خدا کی راہ میں جو کچھ دیدیا در اصل وہی باقی رہ گیا۔

بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا يَقُوْلُ ابنُ آدم مَالِي مَالِي، وَهَلْ لَكَ مِنْ مَالِكَ اِلَّا مَا اَكَلْتَ فَاَفْنَيْتَ، اَوْ لَبِسْتَ فَاَبْلَيْتَ اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَيْتَ وَمَا سِوَا ذٰلِكَ فَذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاس.

آدمی کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ تیرے مال میں تیرا حصہ اس کے سوا کیا ہے جو تو نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تیرے ہاتھ سے جانے والا ہے، اور اسے دوسروں کے لئے چھوڑ جانے والا ہے۔ (مسلم)

گذشتہ آیات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تاکید بیان فرمانے کے بعد اگلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو خرچ کیا جائے ثواب تو ہر ایک کو ہر حال میں ملے گا، لیکن ثواب کے درجات میں ایمان و اخلاص اور مسابقت کے اعتبار سے فرق ہوگا، اس کے لئے فرمایا۔

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ یعنی اجر کے مستحق تو دونوں ہی ہیں لیکن ایک گروہ کا رتبہ دوسرے گروہ سے لازماً بلند تر ہے کیونکہ اس نے زیادہ سخت حالات میں اللہ تعالٰی کی خاطر وہ خطرات مول لئے جو دوسرے گروہ کو درپیش نہ تھے، اس نے ایسی حالت میں مال خرچ کیا کہ جب دور دور کہیں یہ امکان نظر نہ آتا تھا کہ کبھی فتوحات سے اس خرچ کی تلافی ہو جائے گی اور اس نے ایسے نازک دور میں کفار سے جنگ مول لی جب ہر وقت یہ اندیشہ تھا کہ دشمن غالب آ کر اسلام کا نام لینے والوں کو پیس ڈالیں گے۔

مجاہد و قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہاں فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور عامر و شعبی وغیرہ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ مراد ہے پہلے قول کو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے۔

اُولٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان شرف وفضل میں تفاوت تو ضرور ہے لیکن تفاوت درجات کا مطلب یہ نہیں کہ بعد میں مسلمان ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایمان واخلاق کے اعتبار سے بالکل گئے گذرے تھے جیسا کہ بعض حضرات امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر بعض ایسے ہی جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں ہرزہ سرائی یا انہیں طلقاء کہہ کر ان کی تنقیص واہانت کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں فرمایا لاتسبُّوا اصحابی میرے اصحاب پر سب وشتم نہ کرو قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر اللہ کی راہ میں خرچ کرے وہ میرے صحابی کے خرچ کئے ہوئے ایک مد بلکہ نصف مد کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة)

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ بِاِنْفَاقِ مَالِهٖ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ قَرْضًا حَسَنًا بِاَنْ يُنْفِقَهٗ لِلّٰهِ تَعَالٰى فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَفِي قِرَاءَةٍ فَيُضَعِّفَهٗ بِالتَّشْدِيْدِ مِنْ عَشْرٍ اِلٰى اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِ مِائَةٍ كَمَا ذُكِرَ فِي الْبَقَرَةِ وَلَهٗ مَعَ الْمُضَاعَفَةِ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ⑪ مُقْتَرِنٌ بِهٖ رِضًى وَاِقْبَالٌ، اُذْكُرْ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ اَمَامَهُمْ وَيَكُوْنُ بِاَيْمَانِهِمْ وَيُقَالُ لَهُمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ اَيْ دُخُوْلُهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا اَبْصِرُوْنَا وَفِي قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِ الظَّاءِ اَيْ اَمْهِلُوْنَا نَقْتَبِسْ نَاْخُذِ الْقَبَسَ وَالْاِضَاءَةَ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ لَهُمْ اِسْتِهْزَاءً بِهِمْ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَرَجَعُوْا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِسُوْرٍ قِيْلَ هُوَ سُوْرُ الْاَعْرَافِ لَهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ مِنْ جِهَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَظَاهِرُهٗ مِنْ جِهَةِ الْمُنَافِقِيْنَ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ⑬ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ عَلَى الطَّاعَةِ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِالنِّفَاقِ وَتَرَبَّصْتُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ الدَّوَائِرَ وَارْتَبْتُمْ شَكَكْتُمْ فِي دِيْنِ الْاِسْلَامِ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ الْاَطْمَاعُ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ الْمَوْتُ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑭ الشَّيْطَانُ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَاْوٰىكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلٰىكُمْ اَوْلٰى بِكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑮ هِيَ اَلَمْ يَاْنِ يَحِنْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا نَزَلَتْ فِي شَانِ الصَّحَابَةِ لَمَّا اَكْثَرُوا الْمِزَاحَ اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مِنَ الْحَقِّ الْقُرْاٰنِ وَلَا يَكُوْنُوْا مَعْطُوْفٌ عَلٰى تَخْشَعَ كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ هُمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ الزَّمَنُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اَنْبِيَائِهِمْ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ لَمْ تَلِنْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑯ اِعْلَمُوْٓا خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ الْمَذْكُوْرِيْنَ اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا بِالنَّبَاتِ فَكَذٰلِكَ يَفْعَلُ بِقُلُوْبِكُمْ بِرَدِّهَا اِلَى الْخُشُوْعِ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ الدَّالَّةَ عَلٰى قُدْرَتِنَا بِهٰذَا وَغَيْرِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ⑰ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ مِنَ التَّصَدُّقِ وَاُدْغِمَتِ التَّاءُ

فی الصَّادِ ای الّذین تَصَدَّقُوا وَالْمُصَّدِّقٰتِ اللاتِی تَصَدَّقْنَ وفی قراءَ ۃٍ بتَخْفِیفِ الصَّادِ فیهما مِنَ التَّصدیقِ الایمان وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا راجِعٌ الی الذُّکُورِ والاِناثِ بالتَّغْلِیبِ وعَطْفُ الفِعلِ علی الاسم فی صلَةِ ال لِاَنَّهُ فیها حَلَّ مَحلَّ الفِعلِ وذِکْرُ القرض بوصفه بعدَ التصدُّق تقییدٌ له یُّضٰعَفُ وفی قراءَ ۃٍ یُضَعَّفُ بالتَّشدیدِ ای قرضُهم لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ المُبالِغُونَ فی التَصدیقِ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ علی المُکَذِّبینَ مِنَ الأُمَمِ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ الدَّالَّةِ علی وحدَانِیَّتِنا اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۹﴾ النار.

ترجمہ: کون شخص ہے کہ جو اپنا مال اللہ کو قرض حسن کے طور پر دے یعنی اللہ کے راستہ میں خرچ کرے؟ اس طریقہ پر کہ (خالص) اللہ کے لئے خرچ کرے پھر اللہ تعالیٰ اس قرض کو اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے، اور ایک قراءت میں فیُضَعِّفَهُ تشدید کے ساتھ ہے دس گنے سے سات سو گنے تک زیادہ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں مذکور ہوا، اور اس کے لئے (اجر) بڑھانے کے ساتھ پسندیدگی کا اجر بھی ہے (یعنی) اس اجر کے ساتھ رضامندی اور قبولیت ہے، اس دن کا ذکر کیجئے کہ جس دن آپ مومنین اور مومنات کو دیکھیں گے، کہ ان کا اجر ان کے سامنے ہے اور نور ان کے داہنی جانب دوڑتا ہوگا اور ان سے کہا جائے گا آج تمہارے لئے ایسی جنت کی یعنی اس میں داخل ہونے کی خوشخبری ہے کہ جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے، جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے (ذرا) ہماری طرف (بھی) دیکھ لو اور ایک قراءت میں ہمزہ کے فتحہ اور ظاء کے کسرہ کے ساتھ ہے (یعنی ذرا ہمارا بھی) انتظار کرلو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں ان سے استہزاء کے طور پر کہا جائے گا تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور روشنی تلاش کرو تو وہ لوٹ جائیں گے، تو ان کے اور مومنین کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی کہا گیا ہے کہ وہ اعراف کی دیوار ہوگی اس کا ایک دروازہ ہوگا اس کے اندرونی حصہ میں مومنین کی جانب رحمت ہوگی اور اس کے باہر منافقین کی جانب عذاب ہوگا یہ لوگ چلا کر ان سے کہیں گے کیا طاعت میں ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ وہ کہیں گے ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے خود کو نفاق کے فتنہ میں پھنسا رکھا تھا اور مومنین پر حوادثات کے منتظر رہا کرتے تھے اور دین اسلام میں شبہ کرتے تھے اور تمہیں تمہاری (فضول) تمناؤں نے دھوکے میں رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم یعنی موت آپہنچی، اور تمہیں اللہ کے بارے میں ایک دھوکہ باز شیطان نے دھوکے ہی میں رکھا، الغرض! آج تم سے نہ فدیہ قبول کیا جائے گا یاء اور تاء کے ساتھ اور نہ کافروں سے، تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہی تمہارے لائق ہے (یعنی) تمہارے لئے اولیٰ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے کیا ایمان والوں کے لئے اب تک وہ وقت نہیں آیا؟ یہ آیت صحابہ کرام کی شان میں اس وقت نازل ہوئی کہ جب وہ مذاق، دل لگی زیادہ کرنے لگے کہ ان کے قلوب ذکر الٰہی سے اور اس حق یعنی قرآن سے نرم ہوجائیں جو

نازل ہو چکا ہے (نَزَّلَ) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے ان لوگوں کے مانند کہ جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی اور وہ یہود ونصاریٰ ہیں پھر جب ان پر ایک طویل زمانہ گذر گیا یعنی ان کے اور ان کے انبیاء کے درمیان (زمانہ دراز گذر گیا) تو ان کے قلوب سخت ہو گئے اللہ کے ذکر کے لئے نرم نہ رہے اور ان میں بہت سے فاسق ہیں یقین مانو مومنین مذکورین کو خطاب ہے کہ اللہ ہی زمین کو گھاس اگا کر اس کی موت کے بعد اس کو زندہ کر دیتا ہے چنانچہ تمہارے قلوب کے ساتھ بھی ایسا ہی کرے گا ان کو خشوع کی جانب لوٹا کر ہم نے تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان کر دیں جو ہر طریقہ سے ہماری قدرت پر دلالت کرتی ہیں تاکہ تم سمجھو، بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد یہ تصدق سے ماخوذ ہے تاء کو صاد میں ادغام کر دیا گیا ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے صدقہ کیا اور وہ عورتیں جنہوں نے صدقہ کیا اور ایک قراءت میں صاد کی تخفیف کے ساتھ ہے، تصدیق سے ماخوذ ہے، اور مراد ایمان ہے اور جو خلوص کے ساتھ قرض حسن دے رہے ہیں یہ تغلیبا ذکور اور اناث دونوں کی طرف راجع ہے، اور فعل کا عطف اس اسم پر ہے جو الف لام کے صلہ میں ہے اس لئے (جائز ہے) کہ اسم یہاں فعل کے معنی میں واقع ہو، تصدق کے ذکر کے بعد قرض کو اس کی صفت کے ساتھ ذکر کرنا تصدق کو مقید کرنے کے لئے ہے ان کا قرض ان کے لئے بڑھا دیا جائے گا اور ایک قراءت میں یُضَعَّفُ تشدید کے ساتھ ہے، اور ان کے لئے پسندیدہ اجر ہے اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق یعنی تصدیق میں مبالغہ کرنے والے ہیں اور تکذیب کرنے والی امم سابقہ پر گواہ ہیں ان کے لئے ان کا اجر اور ان کا نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری وحدانیت پر دلالت کرنے والی آیتوں کو جھٹلایا ان کے لئے جہنم کی آگ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا اس میں ترکیب کے اعتبار سے چند صورتیں ہیں ① مَنْ استفہامیہ مبتداء ذَا اس کی خبر، اور الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہ اس سے بدل یا صفت ② مَنْ ذَا مبتداء اور الَّذِیْ اس کی خبر ③ ذَا مبتداء موصوف اور الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہ موصول صلہ سے مل کر صفت اور مَنْ خبر مقدم، اس میں معنی استفہام ہونے کی وجہ سے مقدم کر دیا۔

قولہ: یُضَاعِفَہٗ فاء کے بعد أن مقدرہ کے ذریعہ جواب استفہام ہونے کی وجہ سے منصوب، استیناف یا یقرِضُ پر عطف ہونے کی وجہ سے مرفوع۔

قولہ: رِضًا وإقبالٌ معطوف علیہ معطوف سے مل کر مُقْتَرِنٌ کا فاعل۔

قولہ: اُذْکُرْ مفسر علام نے اُذْکُرْ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ یَوْمَ فعل محذوف کا ظرف ہے، یعنی اس دن کو یاد کرو الخ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَجْرٌ کَرِیْمٌ کا ظرف ہو یعنی اس دن میں اجر کریم ہے اور تیسری صورت یہ بھی جائز ہے کہ یَسْعٰی کا

ظرف ہو یعنی تو دیکھے گا کہ مومنین و مومنات کا نور اس دن میں ان کے سامنے دوڑے گا۔

قولہ: يَسْعٰى نُوْرُهم جملہ حالیہ ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ یسعٰی کو یومَ میں عامل نہ قرار دیا جائے۔

قولہ: ويكونُ، يكون کو مقدر مان کر اس احتمال کو ختم کر دیا کہ وبِاَيْمَانِهِم، یسعٰی کے ماتحت ہو اور معنی یہ ہوں کہ نور ان کی داہنی جانب ان سے دور ہو گا، اس لئے کہ اَيمانٌ سے جمیع جہات مراد ہیں۔

قولہ: دُخولُهَا اس کو محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ جنّٰتٌ حذف مضاف کے ساتھ ہے بُشرٰکم مبتداء کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے بُشرٰكم اليَوْمَ بدخول الجنة.

قولہ: ذٰلك اى دخول الجنة.

قولہ: يَوْمَ يَقُوْلُ المنافِقُوْنَ یہ یومَ ترٰی سے بدل ہے۔

قولہ: لَهٗ بَابٌ بَاطِنهٗ فِيْهِ الرَّحمَة، لهٗ بابٌ جملہ ہو کر نورٌ کی صفت اول ہے اور بَاطِنُهٗ فيه الرحمة صفت ثانی ہے۔

قولہ: الغَرُور بالفتح بمعنی شیطان كما قال المفسر وبالضم شذوذًا مصدر بمعنی اغتراء بالباطل۔

قولہ: مَاوَاكُمُ النَّارُ ما واكم خبر مقدم النَّارُ مبتداء مؤخر اس کا عکس بھی جائز ہے۔

قولہ: هِيَ مَولاكم، مولا مصدر بھی ہو سکتا ہے ای ولَايتكم ای ذاتُ وِلَايتكم یا بمعنی مکان ہو ای مكانَ وِلَايتكم یا بمعنی اولیٰ ہو سکتا ہے جیسا کہ هو مَولاهُ اى اَولیٰ هِيَ ناصِرُكم وہ آگ ان کی ناصر و مددگار ہے اور یہ استہزاءً ہے۔

قولہ: اَلَمْ يأنِ لِلذين آمنوا جمہور کے نزدیک یأن سکون ہمزہ اور نون کے کسرہ کے ساتھ انٰی یانی (رَمٰی یرمی) کا مضارع واحد مذکر غائب ہے، پھر یاء کو جو کہ عین کلمہ ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا۔

قولہ: رَاجِعٌ الى الذكور والاناث اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ واقرِضُوا اللّٰه کا عطف دونوں فعلوں یعنی المصدقين والمصدقات پر ہے صرف اول پر ماننے کی صورت میں صلہ کے تام ہوئے بغیر عطف لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ہے۔

سوال: اَقرِضُوا اللّٰه کا عطف المصّدِقينَ پر ہے، جو کہ اسم ہے، لہٰذا فعل کا عطف اسم پر لازم آتا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

جواب: جس اسم پر الف لام بمعنی الَّذِیْ داخل ہو تو وہ اسم بھی فعل کے حکم میں ہو جاتا ہے لہٰذا عطف درست ہے۔

قولہ: وذكر القرض بوصفه اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: المصّدّقين تشدید کے ساتھ بمعنی صدقہ دینے والے ہے، پھر اس کے بعد فرمایا وَاَقرِضُوا اللّٰهَ قَرضًا حَسَنًا اس کا مطلب بھی صدقہ کرنا ہے تو المصّدّقين کے ذکر کرنے کے بعد واَقرِضوا اللّٰه قرضًا حسنًا کے ذکر کی کیا

ضرورت رہتی ہے یہ تو تکرار ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اضافہ کا مقصد صدقہ کو صفت حسن کے ساتھ متصف کرنا ہے یعنی صدقہ اخلاص اور للّٰھیت کے ساتھ دیا جائے، لہٰذا یہ تکرار بے فائدہ نہیں۔

قولہ: وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اُولٰئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ، والَّذِیْنَ آمنوا مبتداء، اولٰئِکَ مبتداء ثانی اور ھُمْ میں یہ بھی جائز ہے کہ مبتداء ثالث ہو اور الصدّیقون اس کی خبر مبتداء خبر سے مل کر خبر مبتداء ثانی کی اور مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر خبر ہوئی مبتداء اول کی اور یہ بھی جائز ہے کہ ھُمْ ضمیر فصل ہو اور اولٰئِکَ اور اس کی خبر مل کر مبتداء اول کی خبر ہو۔

تفسیر وتشریح

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا الخ یہ وہ عجیب وغریب، پُر تاثیر، درد انگیز الفاظ ہیں کہ جو کفر کے مقابلہ میں اسلام کی جانی اور مالی نصرت کی اپیل کے لئے استعمال کئے گئے ہیں، خدا کی یہ شان کریمی ہی تو ہے کہ آدمی اگر اس کے عطا کئے ہوئے مال کو اسی کی راہ میں صرف کرے تو اسے وہ اپنے ذمہ قرض قرار دے بشرطیکہ وہ قرض حسن ہو لِوَجْہِ اللّٰہ خلوص نیت کے ساتھ ہو، اس قرض کے متعلق اللہ کے دو وعدے ہیں ایک یہ کہ وہ اس کو کئی گنا بڑھا کر واپس کر دے گا دوسرے یہ کہ وہ اس پر اپنی طرف سے بہترین اجر بھی عطا کرے گا۔

انفاق فی سبیل اللہ کا عجیب واقعہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے لوگوں نے اسے سنا تو حضرت ابوالدحداح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں! اے ابوالدحداح! انہوں نے کہا ذرا اپنا ہاتھ دکھائیے، آپ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا، انہوں نے آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا، میں نے اپنے رب کو اپنا باغ قرض دیدیا، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے، اسی میں ان کا گھر تھا وہیں ان کے بال بچے رہتے تھے، رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کر کے وہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا دحداح کی ماں باہر نکل آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دیدیا ہے، وہ بولیں تم نے نفع کا سودا کیا، دحداح کے باپ! اور اسی وقت اپنا سامان اور اپنے بچے لے کر باغ سے نکل گئیں (ابن ابی حاتم) اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخلص اہل ایمان کا طرز عمل اس وقت کیا تھا؟ اور اسی سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ وہ کیسا قرض حسن ہے جسے کئی گنا بڑھا کر واپس دینے اور پھر اوپر سے اجر کریم عطا کرنیکا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (الآیۃ) ''اس دن'' سے مراد قیامت کا دن ہے اور یہ نور عطا ہونے کا معاملہ پل صراط پر چلنے سے کچھ پہلے پیش آئے گا، میدان حشر سے جس وقت پل صراط پر جائیں گے، کھلے کافر تو پل صراط تک پہنچنے

سے پہلے ہی جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے، البتہ کسی بھی نبی کے سچے یا کچے امتیوں کو پل صراط پر چلنے سے پہلے روشنی عطا کی جائے گی، وہاں روشنی جو کچھ بھی ہوگی صالح عقیدے اور صالح عمل کی ہوگی، ایمان کی صداقت اور کردار کی پاکیزگی ہی نور میں تبدیل ہوجائے گی، جس شخص کا عمل جتنا تابندہ ہوگا اس کی روشنی اتنی ہی زیادہ تیز ہوگی اور جب وہ محشر سے جنت کی طرف چلیں گے تو ان کی روشنی ان کے سامنے اور داہنی جانب ہوگی، اس کی بہترین تشریح قتادہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی ایک مرسل روایت میں ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی کا نور اتنا تیز ہوگا کہ جتنی مدینہ سے عدن تک کی مسافت ہے اور کسی کا نور مدینہ سے صنعاء کی مسافت کی مقدار ہوگا، اور کسی کا اس سے کم یہاں تک کہ کوئی مومن ایسا بھی ہوگا جس کا نور اس کے قدموں سے آگے نہ بڑھے گا۔ (ابن جریر ملخصًا)

حضرت ابوامامہ باہلی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ظلمت شدیدہ کے وقت مومنین اور مومنات کو نور تقسیم کیا جائے گا تو منافقین اس سے بالکل محروم رہیں گے۔

مگر طبرانی نے حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''پل صراط کے پاس اللہ تعالیٰ ہر مومن و منافق کو نور عطا کرے گا جب یہ پل صراط پر پہنچ جائیں گے تو منافقین کا نور سلب کرلیا جائے گا''۔

بہر حال خواہ ابتداء ہی سے منافقین کو نور نہ ملا ہو یا مل کر بجھ گیا ہو، اس وقت وہ مومنین سے درخواست کریں گے کہ ذرا ٹھہرو ہم بھی تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھالیں، کیونکہ ہم دنیا میں بھی نماز، زکوٰۃ، حج، جہاد سب چیزوں میں تمہارے شریک رہا کرتے تھے، تو ان کو ان درخواست کا جواب نامنظوری کی شکل میں دیا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ روشنی پیچھے تلاش کرو پیچھے تقسیم ہورہی ہے، وہ لوگ روشنی حاصل کرنے کے لئے پیچھے کی طرف پلٹیں گے تو ان کے اور جنتیوں کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی۔

سَوَال: حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا اور حضرت ابوامامہ باہلی کی روایتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے ان میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

جَوَاب: تفسیر مظہری میں دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق اس طرح بیان کی گئی ہے کہ اصل منافقین جو کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھے ان کو تو شروع ہی سے کفار کی طرح کوئی نور نہ ملے گا، مگر وہ منافقین جو اس امت میں رسول اللہ ﷺ کے بعد ہوں گے جن کو منافق کا نام تو نہیں دیا جاسکتا اس لئے کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہوچکا ہے لہٰذا کسی کے لئے قطعی طور پر منافق کہنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اللہ تعالیٰ دلوں کے حال سے واقف ہے سے معلوم ہے کہ کون منافق ہے اور کون مومن؟ لہٰذا سلب نور کا یہ معاملہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں منافق ہوں گے۔ (ملخصًا)

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (الآية) الفاظ اگرچہ عام ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاب عام مومنین کو ہے، مگر تمام مسلمان مراد نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کا وہ خاص گروہ مراد ہے کہ جو زبانی ایمان کا اقرار کرکے رسول اللہ ﷺ کے ماننے والوں میں شامل ہوگیا تھا اس کے باوجود اسلام کے درد سے اس کا دل خالی تھا، آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ کفر کی

تمام طاقتیں اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تلی ہوئی ہیں، چاروں طرف سے انہوں نے اہل ایمان پر نرغہ کر رکھا ہے عرب کی سرزمین میں جگہ جگہ مسلمانوں کو تختۂ مشق بنایا جا رہا ہے، گوشے گوشے سے مظلوم مسلمان سخت بے سروسامانی کی حالت میں پناہ لینے کے لئے مدینے کی طرف بھاگے چلے آرہے ہیں، مخلص مسلمانوں کی کمر ان مظلوموں کو سہارا دیتے دیتے ٹوٹی جارہی ہے، اور دشمن کے مقابلہ میں بھی یہی مخلص مومن سربکف ہیں مگر یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ایمان کا دعویٰ کرنے والا یہ گروہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا، اس پر ان لوگوں کو شرم دلائی جارہی ہے کہ تم کیسے ایمان والے ہو؟ اسلام کے لئے حالات نزاکت کی اس حد کو پہنچ چکے ہیں، کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کا ذکر سن کر تمہارے دل پگھلیں اور اس کے دین کے لئے تمہارے دلوں میں ایثار و قربانی اور سرفروشی کا جذبہ پیدا ہو؟ کیا ایمان لانے والے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ اللہ کے دین پر بُرا وقت آئے اور وہ اس کی ذرا سی ٹیس بھی اپنے دل میں محسوس نہ کریں، اللہ کے نام پر انہیں پکارا جائے اور وہ اپنی جگہ سے ہلیں تک نہیں، اللہ اپنی نازل کردہ کتاب میں خود چندے کی اپیل کرے اور اسے اپنے ذمہ قرض قرار دے اور صاف صاف یہ سنا دے کہ ان حالات میں جو اپنے مال کو میرے دین سے عزیز تر رکھے گا وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہوگا، اس پر بھی ان کے دل نہ خدا کے خوف سے کانپیں اور نہ اس کے آگے جھکیں، یعنی ایمان وہی ہے کہ دل نرم ہو نصیحت اور خدا کی یاد کا اثر جلد قبول کرے شروع میں اہل کتاب یہ باتیں اپنے پیغمبروں سے پاتے تھے، مدت کے بعد ان پر غفلت چھا گئی، دل سخت ہوگئے، وہ بات نہ رہی، اکثروں نے نہایت سرکشی اور نافرمانی شروع کردی، اب مسلمانوں کی باری آئی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی صحبت میں رہ کر نرم دلی، انقیاد کامل اور خشوع لذکر اللہ کی صفات سے متصف ہوں اور مقام بلند پر پہنچیں جہاں کوئی امت نہیں پہنچی۔

اِعلمُوا اَنَّ اللّٰهَ يُحيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نبوت کے نزول کو بارش کی برکات سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ انسانیت پر اس کے وہی اثرات مرتب ہوتے ہیں جو زمین پر بارش کے ہوتے ہیں جس طرح مردہ پڑی ہوئی زمین بارانِ رحمت کا ایک چھینٹا پڑتے ہی لہلہا اٹھتی ہے، اسی طرح جس ملک میں اللہ کی رحمت سے ایک نبی مبعوث ہوتا ہے اور وحی کتاب کا نزول شروع ہوتا ہے وہاں مری ہوئی انسانیت یکا یک جی اٹھتی ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ تزيينٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ اى الاشتغال فيها واما الطاعاتُ وما يُعِينُ عليها فمِن اُمُورِ الآخرةِ كَمَثَلِ اى هى فى اعْجَابِها لكم واضمِحلالِها كمَثَل غَيْثٍ مَطر اَعْجَبَ الْكُفَّارَ الزرّاعَ نَبَاتُهٗ الناشِى عنه ثُمَّ يَهِيْجُ يَيْبَسُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا فُتاتًا يَضمَحِلُ بالرِّياح وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ لمَن اٰثَرَ عليها الدُنيا وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ لمَن لم يُوثِر عليها الدُنيا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ما التَمتّعُ فيها اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لو وُصِلَت اِحدٰهُما بالاُخرٰى والعَرضُ السّعةُ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْأَرْضِ بالجدب وَلَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ كالمرض وفقد الولد إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ يعني اللوح المحفوظ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا نخلقها ويقال في النعمة كذلك إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا كي ناصبة للفعل بمعنى أن اي أخبر بذلك تعالى لِئَلَّا تَأْسَوْا تحزنوا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا أي فرح بطر بل فرح شكر على النعمة بِمَا آتٰكُمْ بالمد اعطاكم وبالقصر جاءكم منه وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ متكبر بما أوتي فَخُوْرٍ ﴿۲۳﴾ به على الناس الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بما يجب عليهم وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ به لهم وعيد شديد وَمَنْ يَّتَوَلَّ عما يجب عليه فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ ضمير فصل وفي قراءة بسقوطه الْغَنِيُّ عن غيره الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ لأوليائه لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا الملائكة الى الانبياء بِالْبَيِّنٰتِ بالحجج القواطع وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بمعنى الكتب وَالْمِيْزَانَ العدل لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ اخرجناه من المعادن فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ يقاتل به وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ علم مشاهدة معطوف على ليقوم الناس مَنْ يَّنْصُرُهٗ بالات الحرب من الحديد وغيره وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ حال من هاء ينصره اي غائبا عنهم في الدنيا قال ابن عباس رضي الله عنه ينصرونه ولا يبصرونه إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ لا حاجة له الى النصرة لكنها تنفع من ياتي بها.

ترجمہ: خوب جان لو دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا زینت اور آپس میں فخر (غرور) اور مال و اولاد کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جتلانا ہے یعنی ان میں مشغول ہو جانا ہے، لیکن طاعت اور وہ چیزیں جو اس میں معاون ہوں (مثلاً) توبہ، امورِ آخرت سے ہیں (مذکورہ چیزوں کی مثال) ان چیزوں کی مثال تیرے لئے تعجب خیز ہونے میں اور (جلدی) مضمحل ہونے میں ایسے ہے جیسے بارش سے پیدا ہونے والی کھیتی کسانوں کو خوش کرتی ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اس کو زرد دیکھتے ہو پھر وہ چورہ چورہ ہو جاتی ہے پھر ہوا کے ذریعہ نیست و نابود ہو جاتی ہے اور آخرت میں اس کے لئے سخت عذاب ہے جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے اور اللہ کی طرف سے نصرت اور خوشنودی ہے اس شخص کے لئے جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دی اور دنیا کی زندگی یعنی اس سے تمتع حاصل کرنا محض دھوکے کا سامان ہے تم اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف دوڑو جس کی وسعت آسمان اور زمین کے برابر ہے اگر ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا لیا جائے اور عرض سے مراد وسعت ہے (نہ کہ چوڑائی) یہ ان کے لئے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے نہ دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے خشک سالی وغیرہ اور نہ خاص تمہارے نفس میں جیسا کہ مرض اور بچے (وغیرہ) کا فوت ہو جانا، مگر یہ کہ وہ کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوتی ہے ان نفوس کو پیدا کرنے سے پہلے اور نعمت میں بھی ایسا ہی کہا جائے گا (جیسا کہ مصیبت کے بارے میں کہا گیا) یہ کام اللہ کے لئے بالکل آسان ہے (لِکَیْلَا) میں کَیْ فعل کا ناصب ہے أن کے معنی میں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی تا کہ تم فوت شدہ چیز پر رنجیدہ نہ ہو اور نہ تم اس نعمت پر جو تم کو عطا کی گئی ہے

اترانے کے طور پر خوشی کا اظہار کرو بلکہ نعمت پر شکریہ کے طور پر اظہار مسرت کرو (اٰتٰکُمْ) مد کے ساتھ اَعْطَاکُمْ کے معنی میں ہے اور قصر کے ساتھ جَاءَ کُمْ مِنْه کے معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ عطا کردہ نعمت پر کسی اترانے والے اور اس نعمت کی وجہ سے لوگوں پر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور جو لوگ خود (بھی) اپنے اوپر واجبات میں بخل کرتے ہیں اور اس میں لوگوں کو (بھی) بخل کی تعلیم دیتے ہیں تو ان کے لئے سخت وعید ہے (سنو) جو شخص بھی اپنے اوپر واجبات سے منہ پھیرے بلاشبہ اللہ هُوَ ضمیر فصل ہے اور ایک قراءت هُوَ کے سقوط کے ساتھ ہے، بے نیاز ہے اور اپنے اولیاء کی حمد کا سزاوار ہے یقیناً ہم نے اپنے رسول ملائکہ کو اپنے انبیاء کی طرف حجج قاطعہ دیکر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب بمعنی کتب اور ترازو (یعنی) عدل کو نازل کیا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا یعنی معادن سے نکالا جس میں شدید ہیبت ہے اس کے ذریعہ قتال کیا جاتا ہے، اور لوگوں کے لئے (اور بھی) بہت سے فوائد ہیں اور اس لئے بھی تاکہ اللہ مشاہدہ کے طور پر جان لے (لِیَعْلَمَ) کا عطف لِیَقُوْمَ النَّاسُ پر ہے کہ کون اس کی اور اس کے رسول کی بغیر دیکھے مدد کرتا ہے؟ (یعنی) کون اس کے دین کی لوہے کے آلات وغیرہ کے ذریعہ مدد کرتا ہے؟ (بالغیب) یَنْصُرُهٗ کی ہاء سے حال ہے یعنی دنیا میں ان سے غائبانہ طور پر، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا اس کی مدد کرتے ہیں حالانکہ اس کو دیکھتے نہیں ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور زبردست ہے اس کو نصرت کی حاجت نہیں لیکن جو نصرت کرے گا اسی کو فائدہ دے گی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَهُ: اَیْ الاشتِغَالُ فِیْهَا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مال اور اولاد فی نفسہ بری چیز نہیں ہیں بلکہ ان میں انہماک واشتغال ناپسندیدہ اور ممنوع ہے۔

قِوْلَهُ: ای هِیَ اس میں اشارہ ہے کہ فِی اِعْجابِهَا، هِیَ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قِوْلَهُ: الزُّرَّاعَ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کفار کافر بمعنی زارع (کسان) کی جمع ہے، حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا المراد بالکفار الزرّاع زہری نے کہا ہے کہ عرب زارع کو کافر کہتے ہیں اس لئے کہ وہ بیج کو مٹی میں چھپاتا ہے یعنی یکْفُرُ بمعنی یَسْتُرُ ہے۔

قِوْلَهُ: التمتع فیھا کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ما الحیوٰة الدنیا حذف مضاف کے ساتھ مبتداء ہے تاکہ متاع الغرور کا حمل حیوٰة الدنیا پر ہو سکے۔

قِوْلَهُ: والعرض، السعَةُ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جنت کے عرض یعنی چوڑائی کا ذکر کیا گیا ہے مگر طول (لمبائی) کا ذکر نہیں کیا۔

جَوَابُ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں العرض سے مراد چوڑائی نہیں ہے جو کہ طول کا مقابل ہے بلکہ مطلقاً وسعت مراد

ہے جس میں طول وعرض دونوں شامل ہیں۔

قَوْلُہٗ: ویقالُ فی النِعْمَةِ کذالك یعنی جس طرح نفس و مال میں مصیبتیں اور بلائیں منجانب اللہ آتی ہیں اسی طرح نعمتیں اور راحتیں بھی اسی کی تقدیر اور حکم سے آتی ہیں۔

قَوْلُہٗ: مِنْہُ ای من فضل اللّٰہ.

قَوْلُہٗ: لَہٗ وَعِیْدٌ شدیدٌ اس سے اشارہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الخ مبتداء ہے اس کی خبر لَھُمْ وَعِیْدٌ شدیدٌ محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَنْ یَتَوَلَّ، من شرطیہ ہے اس کا جواب محذوف ہے اور وہ فَالْوَبَالُ علیہِ ہے۔

تفسیر و تشریح

اِعْلَمُوْآ اَنَّمَا الحَیٰوۃُ الدُّنیا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وتکاثُرٌ فِی الْاَموَالِ وَالْاَوْلَادِ سابقہ آیات میں اہل جنت کے اور اہل جہنم کے حالات کا بیان تھا، جو آخرت میں پیش آئیں گے اور دائمی ہوں گے، اور آخرت کی نعمتوں سے محرومی اور عذاب میں گرفتاری کا بڑا سبب انسان کے لئے دنیا کی فانی لذتیں اور ان میں انہماک، آخرت سے غفلت کا سبب ہے، اس لئے ان آیات میں اس فانی دنیا کا نا قابل اعتماد ہونا بیان کیا گیا ہے اور اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ وہ حقیر اور نا قابل بھروسہ چیزیں ہیں کہ ان کی طرف مائل ہونا بھی عقل و دانشمندی کے خلاف ہے چہ جائیکہ ان پر مطمئن ہو جانا۔

اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے غفلت کے اسباب کو واقعاتی ترتیب کے ساتھ نہایت پُر تاثیر طریقہ پر مشاہداتی مثال کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

ابتدائے عمر سے آخر عمر تک جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے اور جن میں دنیا دار منہمک اور مشغول اور اس پر خوش رہتے ہیں اس کا بیان ترتیب کے ساتھ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی کا خلاصہ بہ ترتیب چند چیزیں اور چند حالات ہیں ان حالات کی قرآنی اور واقعاتی ترتیب یہ ہے، پہلے لعب پھر لہو، پھر زینت، پھر مال و اولاد کی کثرت پر فخر۔

لعب وہ کھیل ہے کہ جس میں فائدہ مطلق پیش نظر نہ ہو، جیسے بہت چھوٹے بچوں کی حرکتیں کہ ان میں سوائے تعب و مشقت کے کوئی فائدہ نہیں، اور لہو وہ کھیل ہے جس کا اصل مقصد تو تفریح اور دل بہلانا اور وقت گذاری کا مشغلہ ہوتا ہے ضمنی طور پر کوئی ورزش یا دوسرا فائدہ بھی اس میں حاصل ہو جاتا ہے جیسے بڑے بچوں کے کھیل مثلاً گیند، بلا، تیراکی یا نشانہ بازی وغیرہ، حدیث میں نشانہ بازی اور تیرنے کی مشق کو اچھا کھیل فرمایا ہے، زینت، بدن اور لباس وغیرہ کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور بناؤ سنگار، اس سے کوئی شرف ذاتی حاصل نہیں ہوتا اور نہ اس میں اضافہ ہوتا، ہر انسان اس دور سے گذرتا ہے۔

مطلب یہ کہ عمر کا بالکل ابتدائی حصہ تو خالص کھیل یعنی لعب میں گذرا، اس کے بعد لہو شروع ہوتا ہے، اس دور میں

انسان لایعنی اور غیر اہم کاموں میں وقت کو ضائع کر دیتا ہے، اس کے بعد اس کو اپنے تن بدن اور لباس کی زینت کی فکر ہونے لگتی ہے اس کے بعد تفاخر کا دور شروع ہوتا ہے ہر شخص میں اپنے ہمعصروں اور ہم عمروں سے آگے بڑھنے اور ان پر فخر جتلانے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، اور وہ بزعم خود اپنے نسب اور خاندان اور ظاہری وجاہت پر فخر کرنے لگتا ہے جو پارینہ قصوں اور بوسیدہ ہڈیوں پر فخر اور پدرم سلطان بود کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

انسان پر جتنے دور اس ترتیب سے آتے ہیں غور کرو تو ہر دور میں وہ اسی حال پر قانع اور اسی کو سب سے بہتر سمجھتا ہے، جب ایک دور سے دوسرے دور کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو سابقہ دور کی کمزوری اور لغویت سامنے آجاتی ہے، بچے ابتدائی دور میں جن کھیلوں کو اپنا سرمایہ زندگی اور سب سے بڑی دولت جانتے ہیں، اگر کوئی ان سے چھین لے تو ان کو ایسا ہی صدمہ ہوتا ہے جیسے کسی بڑے آدمی کا مال واسباب اور کوٹھی بنگلہ چھین لیا جائے، لیکن اس دور سے آگے بڑھنے کے بعد اس کو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ جن چیزوں کو ہم نے اس وقت مقصود زندگی بنایا تھا وہ کچھ نہ تھیں، بچپن میں لعب پھر لہو میں مشغولیت رہی جوانی میں زینت اور تفاخر کا مشغلہ ایک مقصد بنا رہا، بڑھاپا آیا، اب مشغلہ تکاثر فی الاموال والاولاد کا ہو گیا کہ اپنے مال ودولت کے اعداد وشمار اور اولاد ونسل کی زیادتی پر خوش ہوتا رہے ان کو گنتا گناتا رہے، مگر جیسے جوانی کے زمانہ میں بچپن کی حرکتیں لغو معلوم ہونے لگی تھیں بڑھاپے میں پہنچ کر جوانی کی حرکتیں لغو اور ناقابل التفات نظر آنے لگیں اب بڑے میاں کی آخری منزل بڑھاپا ہے، اس میں مال کی بہتات، اولاد کی کثرت اور ان کے جاہ ومنصب پر فخر سرمایہ زندگی کا مقصود اعظم بنا ہوا ہے، قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ دور بھی گذر جانے والا ہے اگلا دور برزخ پھر قیامت ہے اس کی فکر کرو کہ وہی اصل ہے قرآن کریم نے اس ترتیب کے ساتھ ان سب مشاغل اور مقاصد دنیویہ کا زوال پذیر، ناقص، ناقابل اعتماد ہونا بیان فرما دیا اور آگے اس کو کھیتی کی ایک مثال سے واضح فرما دیا۔

دنیا کی ناپائیداری کی ایک مشاہداتی مثال:

كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا اس آیت میں دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو سرعت زوال میں کھیتی کی مثال سے سمجھایا ہے اس مثال سے جو بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی وہ یہ ہے کہ یہ دنیا کی زندگی دراصل ایک عارضی زندگی ہے یہاں کی بہار بھی عارضی اور خزاں بھی عارضی، دل بہلانے کا سامان یہاں بہت کچھ ہے مگر وہ درحقیقت نہایت حقیر اور چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں، جنہیں آدمی کم عقلی کی وجہ سے بڑی چیز سمجھتا ہے حالانکہ یہاں بڑے سے بڑے اور لطف ولذت کے سامان جو حاصل ہونے ممکن ہیں وہ نہایت حقیر اور چند سال کی حیات مستعار تک محدود ہیں اور ان کا بھی حال یہ ہے کہ تقدیر کی ایک ہی گردش خود اسی دنیا میں ان سب پر جھاڑو پھیر دینے کے لئے کافی ہے۔

مثال کا خلاصہ:

اس مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بارانِ رحمت کے چھینٹے مردہ اور خشک زمین پر پڑتے ہیں تو یہ مردہ زمین گل بوٹوں سے لالہ زار بن جاتی ہے، اور نباتات کی روئیدگی سے ایسی ہری بھری ہو جاتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے قدرت نے زمرد سبز کا فرش بچھا دیا ہے، کاشتکار اپنی سرسبز اور شاداب لہلہاتی کھیتی کو دیکھ کر مست و مگن نظر آنے لگتا ہے، مگر آخر کار وہ پیلی اور زرد پڑنی شروع ہو جاتی ہے اور مرجھا کر خشک ہو جاتی ہے، آخر ایک دن وہ آتا ہے کہ بالکل چورا چورا سا ہو جاتی ہے، یہی مثال انسان کی ہے کہ شروع میں تر و تازہ حسین خوبصورت ہوتا ہے بچپن سے جوانی تک کے مراحل اسی طرح طے کرتا ہے، مگر آخر کار بڑھاپا آ جاتا ہے جو آہستہ آہستہ بدن کی تازگی اور حسن و جمال سب ختم کر دیتا ہے اور بالآخر مر کر مٹی ہو جاتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور زوال پذیر ہونے کا بیان فرمانے کے بعد پھر اصل مقصود، آخرت کی فکر کی طرف توجہ دلانے کے لئے آخرت کے حال کا ذکر فرمایا۔

وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ یعنی آخرت میں ان دو حالوں میں سے ایک حال میں ضرور پہنچے گا، ایک حال کفار کا ہے ان کے لئے عذاب شدید ہے اور دوسرا حال مومنین کا ہے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے، عذابِ شدید کے مقابلہ میں دو چیزیں ارشاد فرمائیں، مغفرت اور رضوان جس میں اشارہ ہے کہ گناہوں اور خطاؤں کی معافی ایک نعمت ہے جس کے نتیجے میں آدمی عذاب سے بچ جاتا ہے مگر یہاں صرف اتنا ہی نہیں بلکہ عذاب سے بچ کر پھر جنت کی دائمی نعمتوں سے بھی سرفراز ہونا ہے جس کا سبب رضوان یعنی حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

اس کے بعد دنیا کی حقیقت کو ان نہایت مختصر الفاظ میں بیان فرمایا ہے وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ یعنی ان سب باتوں کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد ایک عاقل اور صاحب بصیرت انسان کے لئے اس نتیجے پر پہنچنا بالکل آسان ہے کہ دنیا دھوکے کی ٹٹی اور ناقابل اعتماد سرمایہ ہے اگر انسان اس بات کو سمجھتا ہے اور یقین رکھتا ہے تو اس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہئے کہ دنیا کی لذتوں میں منہمک نہ ہو بلکہ آخرت کی فکر زیادہ کرے۔

سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَّبِّكُمْ، سَابِقُوْا، مُسَابَقَةٌ سے ماخوذ ہے یعنی اپنے ہمعصروں سے مغفرت یعنی اسباب مغفرت کی جانب آگے بڑھنے کی کوشش کرو، یعنی جس طرح تم دنیا کی دولت و لذتیں اور فائدے سمیٹنے میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی جو کوشش کر رہے ہو اسے چھوڑ کر یا اس کے ساتھ ساتھ اس چیز کو ہدف اور مقصود بناؤ اور اس طرف دوڑنے میں بازی لیجانے کی کوشش کرو۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اس سے پہلی آیت میں جنت اور اس کی نعمتوں کے لئے مسابقت اور کوشش کا حکم تھا، اس سے کسی کو یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ جنت اور اس کی لازوال نعمتیں ہمارے عمل کا ثمرہ ہیں اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے اعمال حصول جنت کے لئے علت تامہ نہیں کہ جن پر حصول جنت کا مرتب ہونا لازمی ہو، انسان کے عمر بھر کے اعمال تو ان نعمتوں کا بدلہ بھی نہیں ہو سکتے جو دنیا میں اسے مل چکی ہیں، ہمارے یہ

اعمال جنت کی لازوال نعمتوں کی قیمت نہیں بن سکتے، جنت میں جو بھی داخل ہوگا وہ محض اللہ کے فضل وکرم سے ہی داخل ہوگا، جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ تم میں سے کسی کو صرف اس کا عمل نجات نہیں دلا سکتا، صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ نے عرض کیا، کیا آپ کو بھی، آپ ﷺ نے جواب دیا، ہاں! میں بھی، بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ورحمت ہو جائے۔ (مظہری، معارف)

اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی دو چیزیں:

دو چیزیں انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی ہیں ایک راحت وعیش جس میں منہمک ہو کر انسان اللہ کو بھلا بیٹھتا ہے اس سے بچنے کی ہدایت سابقہ آیات میں آچکی ہے دوسری چیز مصیبت اور غم ہے اس میں مبتلا ہو کر بھی بعض اوقات انسان مایوس اور خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے جس کو مَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مِّنْ قبلِ أن نَبْرَأَهَا میں بیان فرمایا ہے، یعنی جو مصیبت تم کو زمین میں یا تمہاری جانوں میں پہنچتی ہے وہ سب ہم نے کتاب یعنی لوح محفوظ میں مخلوقات کے پیدا کرنے سے بھی پہلے لکھ دیا تھا، زمین کی مصیبت سے مراد زمینی آفات مثلاً قحط زلزلے کھیت وباغ وغیرہ میں کمی اور اپنی جان ومال واولاد میں نقصان ہونا وغیرہ ہیں۔

لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَافَاتَکُمْ (الآیة) یہاں جس حزن وفرح سے روکا گیا ہے، وہ، وہ غم اور خوشی ہے جو انسانوں کو ناجائز کاموں تک پہنچا دیتی ہے، ورنہ تکلیف پر رنجیدہ اور راحت پر خوش ہونا یہ ایک فطری عمل ہے، اور اسلام دین فطرت ہے اس میں خالق فطرت نے انسانی فطرت کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے، لیکن مومن تکلیف پر صبر کرتا ہے کہ یہی اللہ کی مشیئت اور تقدیر ہے جزع فزع کرنے سے اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، اور راحت پر اتراتا نہیں ہے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ یہ صرف اس کی اپنی سعی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ کا فضل وکرم ہے اور اس کا احسان ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنَاتِ (الآیة) میزان سے مراد انصاف ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے، بعض نے اس کے معنی ترازو کے کئے ہیں، ترازو کے اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ترازو کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی، تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو پورا پورا ان کا حق دیں وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ یہاں بھی اَنْزَلْنَا خلقناہ اور اس کی صنعت سکھانے کے معنی میں ہے لوہے سے بے شمار اشیاء تیار ہوتی ہیں، جنگی ضرورت کی بھی اور غیر جنگی ضرورت کی بھی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ یَعْنِی الکُتُبَ الاَرْبَعَةَ التوراةَ والاِنجیل والزبورَ والفُرقان فانها فِی ذُرِّیَّةِ ابراهیمَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَکَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِیَّةَ هی رَفضُ النِّساءِ واتِّخاذُ الصَّوامِعِ ابْتَدَعُوْهَا مِن قِبلِ اَنفُسِهم مَا کَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ ما اَمَرنَاهم بها اِلَّا لٰکن فَعَلُوها ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ مَرضَاةِ

اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا اذ ترکھا کثیرٌ منهم و کفروا بدین عیسٰی علیه الصّلوٰة والسّلام ودخلوا فی دین ملکهم وبقی علی دین عیسٰی کثیرٌ منهم فآمنوا بنبیّنا فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا به مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا بعیسٰی اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ محمّدٍ صلی اللّٰه علیه وسلم وعلی عیسٰی يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ نصیبین مِنْ رَّحْمَتِهٖ لِایمانکم بالنّبیّین وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ علی الصراط وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ ای اعلمکم بذٰلک لیعلم اَهْلُ الْكِتٰبِ التوراة الذین لم یؤمنوا بمحمدٍ صلی اللّٰه علیه وسلم اَنْ مخففةٌ من الثقیلة واسمها ضمیرُ الشان والمعنی انهم لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ خلافَ ما فی زعمهم انهم احبّاءُ اللّٰهِ واهلُ رضوانه وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ یعطیه مَنْ يَّشَآءُ فاتی المؤمنین منهم اجرَهم مرّتین کما تقدّمَ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی ذرّیت میں نبوت اور کتاب جاری رکھی یعنی چاروں کتابیں، تورات، انجیل اور زبور اور قرآن، یہ سب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذرّیت میں ہیں ان میں سے کچھ تو، راہ یافتہ ہوئے اور ان میں اکثر نافرمان رہے پھر بھی ان کے پیچھے پے در پے ہم رسولوں کو بھیجتے رہے اور ان کے پیچھے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ابن مریم کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا کی، اور ان کے ماننے والوں کے دلوں میں شفقت و رحمت پیدا کی اور رہبانیت: وہ عورتوں کو ترک کر دینا ہے، اور خلوت خانے بنانا ہے تو انہوں نے از خود ایجاد کر لی ہم نے اسے ان پر واجب نہیں کیا تھا یعنی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا لیکن ان لوگوں نے رہبانیت کو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اختیار کیا سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہیں کی جب کہ ان میں سے اکثر نے اس کو ترک کر دیا، اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے منکر ہو گئے اور اپنے بادشاہوں کے دین کو اختیار کر لیا اور بہت سے حضرت عیسیٰ کے دین پر قائم رہے، پھر ہمارے نبی ﷺ پر ایمان لائے، سو ان میں جو آپ ﷺ پر ایمان لائے ہم نے ان کو اجر عطا کیا اور زیادہ تر ان میں نافرمان رہے اے وہ لوگو! جو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول محمد ﷺ پر اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے تمہارے دو نبیوں پر ایمان لانے کی وجہ سے دو حصے (اجر) عطا فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ تم کو ایسا نور عطا کرے گا کہ جس کو لیکر تم پل صراط پر چلو گے اور وہ تم کو بخش دے گا اور وہ غفور رحیم ہے تاکہ جان لیں یعنی تم کو اس کے ذریعہ بتا دیا کہ اہل کتاب یعنی تورات والے جو محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے، اَنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی شی پر بھی قادر نہیں ہیں ان کے گمان کے برخلاف کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں اور اس کی رضا مندی والے ہیں اور بلاشبہ فضل، اللہ کے قبضہ میں ہے جس کو چاہے عطاء کرے ان (اہل کتاب) میں سے ایمان لانے والوں کو دوہرا اجر عطا کیا، جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا وَّاِبْرَاھِیْمَ (الآیۃ) واؤ عاطفہ ہے، معطوف علیہ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا ہے، لام جواب قسم کے لئے ہے اور قسم یعنی اقسمُ محذوف ہے، اعتناء اور تعظیم کی زیادتی کے لئے قسم کو مکرر لایا گیا ہے۔

سوال: حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام ہی کو کیوں خاص کیا گیا؟

جواب: مذکورہ دونوں حضرات کا بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ تمام انبیاء ان ہی کی ذریت میں سے ہیں، حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام ابوالثانی ہیں اور حضرت ابراہیم ابوالعرب والروم و بنی اسرائیل ہیں۔ (صاوی)

قولہ: وَجَعَلْنَا فِی ذُرِّیَّتِھِمَا مفعول ثانی مقدم کے محل میں ہے اَلنُّبُوَّۃَ مفعول اول ہے۔

قولہ: اَلْکُتُبُ اس سے اشارہ ہے کہ الکتابُ میں الف لام جنس کا ہے۔

قولہ: وَرَھْبَانِیَّۃَ، رھبانیۃَ اکثر کے نزدیک باب اشتغال کے قاعدہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ابْتَدَعُوا الرَّھْبَانِیَّۃَ ابْتَدَعُوْھَا اور بعض حضرات نے رَافَۃً پر عطف کی وجہ سے منصوب کہا ہے، اور اِبْتَدَعُوْھَا رَھْبَانِیَّۃً کی صفت ہے۔

قولہ: لٰکِن فَعَلُوھا، اِلَّا کی تفسیر لکن سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اور کہا گیا ہے کہ مستثنیٰ متصل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مَا کَتَبْنَا ھَا عَلَیْھِمْ لِشَیْءٍ مِنَ الاشیاءِ اِلَّا لِابْتِغَاءِ مَرْضَاتِ اللّٰہِ اس صورت میں عموم احوال سے استثناء ہوگا، اور کَتَبَ بمعنی قَضٰی ہے۔

قولہ: رَھْبَانِیَّۃَ، رَھبانیۃ کے معنی عبادت و ریاضت میں حد سے زیادہ مبالغہ کرنا اور لوگوں سے کنارہ کشی کر کے گوشۂ تنہائی اختیار کر لینا ہے، راء کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں رھبان کی طرف نسبت ہوگی جو کہ راھِبٌ کی جمع ہے جیسا کہ رُکْبان رَاکِبٌ کی جمع ہے۔

قولہ: اَیْ اَعْلَمَکُمْ بِذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اس میں اشارہ ہے کہ لِئَلَّا میں لا زائدہ ہے تاکید کے لئے۔

قولہ: واللّٰہ ذو الفضل العظیم، اللہ مبتداء اور ذو الفضل اس کی خبر، اور العظیم، الفضل کی صفت ہے۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں اس عالم کی ہدایت اور اس میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے انبیاء و رسل اور ان کے ساتھ کتاب و میزان نازل کرنے کا عمومی ذکر تھا، مذکورۃ الصدر آیات میں ان میں سے خاص خاص انبیاء و رسل کا ذکر ہے پہلے حضرت نوح

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کہ وہ آدم ثانی ہیں اور طوفان کے بعد کے انسان ان کی نسل سے ہیں، دوسرے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہے جو ابو الانبیاء ہیں اس کے بعد ایک مختصر جملے وَقَفَّيْنَا عَلٰى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا میں پورے سلسلہ انبیاء و رسل کا ذکر فرمایا، آخر میں خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرکے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی شریعت کا ذکر فرمایا، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والوں کی خاص صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً یعنی جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یا انجیل کا اتباع کیا ہم نے ان کے دلوں میں رأفت اور رحمت پیدا کر دی یعنی یہ لوگ آپس میں مہربان اور رحیم ہیں، یا پوری خلق خدا کے ساتھ ان کو شفقت و رحمت کا تعلق ہے، رافت اور رحمت قریب قریب ہم معنی ہیں مگر جب ایک ساتھ بولے جاتے ہیں تو رافت سے مراد رقیق القلبی ہوتی ہے جو کسی کو تکلیف و مصیبت میں دیکھ کر ایک شخص کے دل میں پیدا ہو، اور رحمت سے مراد وہ جذبہ ہوتا ہے جس کے تحت وہ اس کی مدد کی کوشش کرے، حضرت عیسیٰ چونکہ نہایت رقیق القلب اور خلقِ خدا کے لئے رحیم و شفیق تھے اس لئے ان کی سیرت کا یہ اثر ان کے پیروؤں میں سرایت کر گیا وہ اللہ کے بندوں پر ترس کھاتے تھے اور ہمدردی کے ساتھ ان کی خدمت کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صفات جو سورۂ فتح میں بیان فرمائی ہیں جن میں ایک صفت رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ بھی ہے، مگر وہاں اس صفت سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک اور خاص صفت اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ بھی بیان فرمائی ہے، فرق کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں کفار سے جہاد و قتال کے احکام نہ تھے، اس لئے کفار کے مقابلہ میں شدت ظاہر کرنے کا وہاں کوئی محل نہ تھا۔ (معارف ملخصاً)

رہبانیت کا مفہوم:

اس کا تلفظ راء کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ ہے، اس کا مادہ رَهَبٌ ہے، جس کے معنی خوف کے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں فسق و فجور عام ہو گیا، خصوصاً بادشاہوں اور رؤساء نے، انجیل میں ترمیم کرکے اس سے کھلی بغاوت شروع کر دی، ان میں جو علماء و صلحاء تھے انہوں نے اس بدعملی سے روکا تو ان کو قتل کر دیا گیا، جو کچھ بچ گئے انہوں دیکھا کہ اب نہ مقابلہ کی طاقت ہے اور نہ بچنے کی کوئی صورت، لہٰذا ان لوگوں نے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر یہ صورت نکالی کہ اپنے اوپر یہ بات لازم کر لی کہ اب دنیا کی سب جائز لذتیں اور آرام بھی چھوڑ دیں، نکاح نہ کریں، کھانے پینے کی چیزیں جمع کرنے کی فکر نہ کریں اور رہنے کے لئے مکان کا انتظام نہ کریں، لوگوں سے دور کسی جنگل یا پہاڑ میں زندگی بسر کریں، تاکہ دین کے احکام پر آزادی کے ساتھ عمل کر سکیں ان کا یہ عمل چونکہ خدا کے خوف سے تھا اس لئے ایسے لوگوں کو راہب یا رہبان کہا جانے لگا، ان کی طرف نسبت کرکے ان کے طریقہ کو رہبانیت سے تعبیر کرنے لگے۔

ان کا یہ طریقہ کوئی شرعی طریقہ نہیں تھا بلکہ یہ طریقہ حالات سے مجبور ہو کر اپنے دین کی حفاظت کے لئے اختیار کیا گیا تھا اس لئے اصالۃً کوئی مذموم چیز نہ تھی، مگر جب ایک چیز کو اپنے اوپر لازم کر لیا تو اس کو نبھانا چاہئے تھا، مگر ان لوگوں نے اس کی رعایت

نہیں کی بلکہ اس میں کوتاہی اور اس کی خلاف ورزی شروع کردی، قرآن مجید میں اس آیت میں ان کی اسی بات پر نکیر فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی ایک طویل حدیث اس پر شاہد ہے، ابن کثیر نے بروایت ابن ابی حاتم اور ابن جریر، ایک طویل حدیث نقل کی ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگئے تھے، جن میں سے صرف تین فرقوں کو عذاب سے نجات ملی جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ظالم و جابر بادشاہوں اور دولت وقوت والے فاسقوں وفاجروں کو ان کے فسق وفجور سے روکا، ان کے مقابلہ میں حق کا کلمہ بلند کیا اور دین عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دعوت دی، ان میں سے پہلے فرقے نے قوت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا مگر ان کے مقابلہ میں مغلوب ہوئے اور قتل کردیئے گئے، پھر ان کی جگہ ایک دوسری جماعت کھڑی ہوئی جن کو مقابلہ کی اتنی بھی طاقت نہیں تھی، مگر کلمہ حق پہنچانے کے لئے اپنی جانوں کی پرواہ کئے بغیر ان کو حق کی دعوت دی، ان سب کو بھی قتل کردیا گیا، بعض کو آروں سے چیرا گیا، بعض کو زندہ آگ میں جلایا گیا، مگر انہوں نے اللہ کی رضا کے لئے ان سب مصائب پر صبر کیا، یہ بھی نجات پا گئے، پھر ایک تیسری جماعت ان کی جگہ کھڑی ہوئی جن میں نہ مقابلہ کرنے کی قوت تھی نہ ان کے ساتھ رہ کر خود اپنے دین پر عمل کرنے کی صورت بنتی تھی اس لئے ان لوگوں نے جنگلوں اور پہاڑوں کا راستہ لیا، اور راہب بن گئے یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ نے اس آیت میں کیا ہے وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ۔

اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ ہم نے ان پر اس رہبانیت کو فرض نہیں کیا تھا بلکہ جو چیز ان پر فرض کی تھی وہ یہ تھی کہ وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور دوسرا مطلب یہ کہ رہبانیت ہماری فرض کی ہوئی نہ تھی بلکہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے خود انہوں نے اسے اپنے اوپر فرض کرلیا تھا۔

دونوں صورتوں میں یہ آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ رہبانیت ایک غیر اسلامی چیز ہے اور یہ کبھی دین حق میں شامل نہیں رہی، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں (مسند احمد) ایک اور حدیث میں ہے رَهْبَانِيَّةُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اس امت کی رہبانیہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ (مسند احمد، مسند ابویعلیٰ) یعنی اس امت کی روحانی ترقی کا راستہ جہاد فی سبیل اللہ ہے ترک دنیا نہیں، یہ امت فتنوں سے ڈر کر جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نہیں بھاگتی بلکہ راہ خدا میں جہاد کرکے ان کا مقابلہ کرتی ہے، بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ میں سے ایک صاحب نے کہا میں کبھی شادی نہ کروں گا، اور عورت سے کوئی واسطہ نہیں رکھوں گا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا أما واللّٰه انّی لَاخشاکُمْ لِلّٰہ واتقاکم لہٗ لکنّی اَصُوْمُ وافطِرُ واُصَلِّی وارْقُدُ واَتَزَوَّجُ النساء فمن رَغِبَ عَن سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّی خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور اس سے تقویٰ کرتا ہوں مگر میرا طریقہ یہ ہے کہ روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں جس کو میرا طریقہ پسند نہ ہو اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

رہبانیت مطلقاً مذموم وناجائز ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

صحیح بات یہ ہے کہ رہبانیت کا عام اطلاق ترکِ لذات، ترک مباحات کے لئے ہوتا ہے، اس کے چند درجے ہیں ایک یہ کہ کسی مباح وحلال چیز کو اعتقاداً یا عملاً حرام قرار دے، یہ تو دین کی تحریف وتغییر ہے، اس معنی کے اعتبار سے رہبانیت قطعاً حرام ہے اور قرآنی آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمْ میں اسی کی ممانعت ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی مباح کو اعتقاداً حرام قرار نہیں دیتا مگر کسی دنیوی یا دینی ضرورت کی وجہ سے اس کو چھوڑنے کی پابندی کرتا ہے دنیوی ضرورت جیسے بیماری کے خطرہ سے کسی مباح چیز سے پرہیز کرے اور دینی ضرورت یہ ہے کہ یہ محسوس کرے کہ اگر میں نے اس مباح کو اختیار کیا تو انجام کار کسی گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا، جیسے جھوٹ غیبت وغیرہ سے بچنے کے لئے کوئی شخص لوگوں سے اختلاط ہی چھوڑ دے یا کسی نفسانی رذیلہ کے علاج کے لئے چند روز بعض مباحات کو ترک کردے اور اس ترک کی پابندی کو بطور علاج ودوا کے اس وقت تک کرے جب تک وہ رذیلہ دور نہ ہو جائے جیسے کہ صوفیاء کرام مبتدی کو کم کھانے اور کم سونے کم اختلاط کی تاکید کرتے ہیں کہ یہ ایک مجاہدہ ہے نفس کو اعتدال پر لانے کا جب نفس پر قابو ہو جاتا ہے تو یہ پرہیز چھوڑ دیا جاتا ہے، درحقیقت یہ رہبانیت نہیں تقویٰ ہے جو مطلوب ہے، اور اسلاف اور صحابہ کرام وتابعین عظام اور ائمہ دین سے ثابت ہے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی مباح کو تو حرام قرار نہیں دیتا مگر اس کا استعمال جس طرح سنت سے ثابت ہے اس طرح کے استعمال کو بھی چھوڑنا ثواب اور افضل جان کر اس سے پرہیز کرتا ہے، یہ ایک قسم کا غلو ہے جس سے احادیث کثیرہ میں رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور جس حدیث میں لا رهبانية في الاسلام آیا ہے اس سے ایسا ہی ترک مباحات مراد ہے، کہ اس کے ترک کو افضل وثواب سمجھے۔ (معارف)

یا ایُّھا الذین آمنوا یہ لفظ عام طور پر صرف مسلمانوں کے لئے بولا جاتا ہے مگر یہاں اہل کتاب مراد ہیں، شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ آگے ان کو حکم دیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر صحیح ایمان لانے کا تقاضہ یہ ہے کہ خاتم الانبیاء ﷺ پر بھی ایمان لاؤ اور جب وہ ایسا کرلیں تو الذین آمنوا کے خطاب کے مستحق ہوں گے۔

لِئَلَّا یعلَمَ اَھْلُ الکتاب اس میں لا زائدہ ہے معنی لِیَعْلَمَ اَھْلُ الکِتَابِ کے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مذکورۃ الصدر احکام اس لئے بیان کئے گئے تاکہ اہل کتاب سمجھ لیں کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں کہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر تو ایمان ہے، رسول اللہ ﷺ پر نہیں، اس حالت میں وہ اللہ کے کسی فضل کے مستحق نہیں جب تک حضرت خاتم النبیین پر ایمان نہ لے آئیں۔ (معارف)

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ ثِنْتَان وعِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ مجادلہ مدنی ہے، بائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِىْ تُجَادِلُكَ تُراجِعُك ايُّها النَّبِیُّ فِىْ زَوْجِهَا المُظاهِرِ منها وكانَ قالَ لها اَنتِ عَلَىَّ كَظَهْرِ اُمِّى وقد سَالَتِ النَّبِیَّ صلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ عَن ذٰلك فَاَجابَها بِاَنَّها حُرِّمَتْ عليه على ما هو المَعْهُودُ عِندَهُم مِن اَنَّ الظِّهارَ مُوجِبُ فُرْقَةٍ مُؤَبَّدَةٍ وهى خَوْلَةُ بِنْتُ ثَعلَبَةَ وهو اَوسُ بنُ الصَّامِتِ وَتَشْتَكِىْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَحْدَتَها وفَاقَتَها وصبيةً صِغارًا اِنْ ضَمَّتَهم اِليه ضاعُوا او اِليها جاعُوا وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ تَراجُعَكُما اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① عالِمٌ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ اَصلُهٗ يَتَظَهَّرُوْنَ اُدْغِمَتِ التاءُ فى الظاء وفى قِراءَةٍ بِاَلِفٍ بَيْنَ الظّاءِ والهاءِ الخفيفةِ وفى اُخرى كَيُقاتِلُوْنَ والموضِعُ الثّانى كذٰلك مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗىِٔىْ بِهَمْزَةٍ وياءٍ وبلا ياءٍ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ بالظِّهارِ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ كَذِبًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② للمُظاهِرِ بالكفّارةِ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا اى فيه بِاَنْ يُخالِفُوْهُ بِاِمْساكِ المُظاهَرِ مِنها الّذى هو خِلافُ مقصودِ الظِّهارِ مِن وَصْفِ المَرْأَةِ بالتَّحريمِ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ اى اِعْتاقُها عليه مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ بالوَطْءِ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ رَقبةً فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اى الصِّيامَ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ عليه اى مِن قَبلِ اَنْ يَّتَماسَّا حَمْلاً للمُطلَقِ على المُقَيَّدِ لِكُلِّ مِسكينٍ مُدٌّ مِن غالِبِ قُوتِ البَلَدِ ذٰلِكَ اى التَّخفيفُ فى الكفّارةِ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ اى الاَحكامُ المَذكورةُ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ بِها عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④ مُؤلِمٌ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ يُخالِفُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا اُذِلُّوا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فى مُخالَفَتِهِم رُسُلَهم وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ دالَّةٍ على صِدْقِ الرَّسُولِ وَلِلْكٰفِرِيْنَ بالاٰياتِ عَذَابٌ

مُّهِينٌ ۝ ذُو إِهَانَةٍ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۗ أَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ ع

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، اے نبی یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی، جو آپ سے اپنے ظہار کرنے والے شوہر کے بارے میں تکرار کررہی تھی اور اس کے شوہر نے اس سے کہا تھا اَنتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ تو میرے لئے میری ماں کی پیٹھ کے مانند (حرام) ہے، اور آپ ﷺ سے اس عورت نے اس بارے میں دریافت کیا تھا، تو آپ نے اس کو عرف کے مطابق جواب دیا کہ وہ (تو) اس پر حرام ہوگئی جیسا کہ ان کے یہاں یہ دستور تھا کہ ظہار دائمی فرقت کا موجب مانا جاتا تھا، اور وہ خولہ بنت ثعلبہ تھی اور اس کے شوہر اوس بن صامت تھے، اور اللہ سے اپنی تنہائی کی اور اپنے فاقہ کی اور چھوٹے بچوں کی شکایت کررہی تھی اگر ان بچوں کو اپنے شوہر کو دیتی ہے تو ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور اگر اپنے ساتھ رکھتی ہے تو بھوکے مرنے کا اندیشہ ہے اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا، بے شک اللہ سننے دیکھنے والا ہے، تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (يَظَّهَّرُوْنَ) کی اصل يَتَظَهَّرُوْنَ تھی، تا کو ظاء میں ادغام کردیا گیا، اور ایک قراءت میں ظا اور ہاء خفیفہ کے درمیان الف کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت میں (يُظَاهِرُوْنَ) يُقَاتِلُوْنَ کے وزن پر ہے اور دیگر جگہ بھی ایسا ہی ہے، وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جاتیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے ہیں (أَللَّائِی) ہمزہ اور یاء اور بغیر یاء کے ہے اور وہ لوگ ظہار کرکے ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ مظاہر کو کفارہ کے ذریعہ بخشنے والا اور معاف کرنے والا ہے اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر ظہار میں اپنے قول سے رجوع کرنا چاہتے ہیں یعنی ظہار کے بارے میں کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہتے ہیں، بایں طور کہ اپنی کہی ہوئی بات کا خلاف کرنا چاہتے ہیں مظاہر منہا بیویوں کو روک کر جو ظہار کے مقصد کے خلاف ہے اور وہ (مقصد) بیوی کو وصفِ حرمت سے متصف کرنا ہے تو اس پر بیوی کو ہاتھ لگانے (جماع) سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے اس (حکم کفارہ) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ہاں جو شخص غلام نہ پائے تو اختلاط کرنے سے پہلے لگاتار دو مہینے کے روزے رکھتا رہے اور جو شخص روزہ بھی نہ رکھ سکے تو اس پر اختلاط سے پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے، ہر مسکین کو ایک مُد شہر کی غالب خوراک کے اعتبار سے اور کفارہ میں یہ سہولت اس لئے ہے کہ تم اللہ اور رسول پر ایمان لے آؤ اور یہ یعنی مذکورہ احکام اللہ کی بیان کردہ حدود ہیں اور ان احکام کے منکر کے لئے دردناک عذاب ہے بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں ذلیل کئے جائیں گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ اپنے رسولوں کی مخالفت کی وجہ سے ذلیل کئے گئے تھے اور بے شک ہم واضح آیتیں نازل کرچکے ہیں جو رسول کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں اور ان آیتوں کے انکار کرنے والوں کے لئے اہانت والا عذاب ہے جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا پھر ان کو ان کے کئے ہوئے اعمال سے آگاہ کردے گا جنہیں اللہ نے شمار کر رکھا ہے اور جنہیں یہ بھول گئے تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سورۂ مجادلہ تعداد سورت کے اعتبار سے نصف ثانی کی پہلی سورت ہے، قرآن میں کل ۱۱۴ سورتیں ہیں، یہ اٹھاونویں سورت ہے، اس سورت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی کوئی سطر اس بات سے خالی نہیں کہ اس میں اللہ کا لفظ، ایک یا دو یا تین مرتبہ مذکور نہ ہوا بلکہ ۳۵ مرتبہ لفظ اللہ اس سورت میں مذکور ہوا ہے۔

قولہ: قد سمعَ اللّٰه ای اَجابَ اللّٰه، قَدْ تحقیق کے لئے ہے۔

قولہ: فِی زَوجِهَا ای فی شان زوجِهَا.

قولہ: لِمَا قَالُوْا ای لِقولِهِمْ مامصدریہ ہے۔

قولہ: فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ای اِعْتَاقُهَا عَلَيْهِ ای اِعْتَاقُهَا، تحْرِيْرُ رَقَبَةٍ کی تفسیر، بیان معنی کے لئے ہے تحریرُ رَقَبَةٍ یہ ترکیب اضافی مبتداء ہے، اور عَلَيْهِ اس کی خبر ہے، بہتر ہوتا کہ مفسر علام عَلَيْهِ کے بجائے عَلَيْهِمْ فرماتے، اس لئے کہ یہ جملہ ہوکر وَالَّذِيْنَ يُظَّهَّرُوْنَ کی خبر ہے، مبتداء جمع ہے لہٰذا خبر کا بھی جمع ہونا ضروری ہے، فتحریرُ رَقَبَةٍ پر فاء، اس لئے داخل ہے کہ مبتداء متضمن بمعنی شرط ہے۔

قولہ: بالوطی أن يَّتَمَاسَّا کی تفسیر، وطی سے امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ کے مسلک کے مطابق ہے، امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ کے نزدیک دواعی وطی بھی وطی کے حکم میں ہیں۔

قولہ: حَمْلاً لِلْمُطْلَقِ عَلَى الْمُقَيَّدِ یہ تفسیر امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ کے مسلک کے مطابق ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلام آزاد کرنا اور روزے رکھنا جماع سے پہلے ضروری ہیں، اسی طرح اطعام بھی جماع سے پہلے ہی ہونا چاہئے، اطعام میں اگرچہ قبل ان یتماسا کی قید نہیں ہے مگر اس کو بھی تحریر رقبة اور صیام شهرین پر قیاس کرتے ہوئے قَبْلَ اَنْ يَتَمَاسَّا کی قید کے ساتھ مقید کریں گے۔

قولہ: لِکُلِّ مسکین مُدٌّ من غالب قوت البلد یہ تفسیر بھی امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ کے مسلک کے مطابق ہے اسلئے کہ ان کے یہاں ہر مسکین کو ایک مد دینا ضروری ہے، خواہ گندم ہو یا جو یا تمر وغیرہ، امام صاحب کے نزدیک گندم اگر ہو تو نصف صاع ہے اور جو وغیرہ ایک صاع ہے۔

قولہ: ای التخفيفُ فی الكفّارةِ کفارۂ ظہار میں جو تین چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا ہے یہ بھی ایک قسم کی تخفیف اور سہولت ہے اس لئے کہ اگر ایک ہی چیز متعین کردی جاتی تو زحمت کا باعث ہوسکتی تھی۔

قولہ: كُبِتُوا یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

اس سورت کی ابتدائی آیات کے نزول کا سبب ایک واقعہ ہے، احادیث کی روشنی میں واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے، یہ خاتون جن کے معاملہ میں اس سورت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں ہیں قبیلہ خزرج کی خولہ بنت ثعلبہ تھیں، اور ان کے شوہر اَوس بن صامت انصاری قبیلہ اوس کے سردار عبادہ بن صامت کے بھائی تھے، اس واقعہ کی تفصیل میں اگرچہ فروعی اختلاف بہت ہیں مگر قانونی اور اصولی باتوں میں اتفاق ہے، خلاصہ ان روایات کا یہ ہے کہ حضرت اَوس بن صامت بڑھاپے میں کچھ چڑچڑے سے ہوگئے تھے، اور بعض روایات کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر کچھ جنون کی سی لٹک پیدا ہوگئی تھی، جس کے لئے راویوں نے کَانَ بِہٖ لَمَمٌ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، لَمَمٌ کے معنی دیوانگی کے نہیں بلکہ اسی طرح کی کیفیت کو کہتے ہیں جس کو اردو زبان میں غصہ میں پاگل ہوجانا کہتے ہیں، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت کے مطابق اسلام میں ظہار کا یہ پہلا واقعہ ہے، اس واقعہ کی وجہ صاحب جمل اور صاوی نے کچھ اس طرح بیان کی ہے، ایک روز اوس بن صامت گھر میں داخل ہوئے ان کی بیوی نماز پڑھ رہی تھیں اور تھیں شکیل وجمیل اور متناسب الاعضاء، حضرت اَوس نے جب ان کو سجدہ میں دیکھا اور ان کے پچھونڈے پر نظر پڑی تو ان کو اس صورت حال نے تعجب میں ڈال دیا، جب حضرت خولہ نماز سے فارغ ہوگئیں تو ان سے حضرت اوس نے جماع کی خواہش ظاہر کی حضرت خولہ نے انکار کردیا جس پر حضرت اوس کو غصہ آگیا، اور غصہ کی حالت میں ان کے منہ سے اَنتِ عَلَیَّ کَظَھرِ اُمِّی کے الفاظ نکل گئے، اس مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے حضرت خولہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور سارا قصہ آپ سے بیان کیا اس وقت تک اس خاص مسئلہ کے متعلق آنحضرت ﷺ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے آپ نے قول مشہور اور سابق دستور کے موافق ان سے فرمایا مَا اَرَاکِ اِلَّا قَدْ حرمت علیه یعنی میری رائے میں تم اپنے شوہر پر حرام ہوگئیں، وہ یہ سن کر واویلا کرنے لگیں کہ میری پوری جوانی اس شوہر کی خدمت میں ختم ہوگئی، اب بڑھاپے میں انہوں نے مجھ سے یہ معاملہ کیا، اب میں کہاں جاؤں میرا اور میرے بچوں کا گذارا کیسے ہوگا؟ بار بار انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ انہوں نے طلاق کے الفاظ تو نہیں کہے ہیں، تو پھر طلاق کیسے پڑگئی، آپ کوئی صورت ایسی بتائیں جس سے میں اور میرے بچے اور بوڑھے شوہر کی زندگی تباہ ہونے سے بچ جائے، مگر ہر مرتبہ حضور اس کو وہی جواب دیتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ خولہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے اللہ سے فریاد کی اَللّٰھُمَّ اَشْکُوْا اِلَیْکَ ''اے میرے اللہ میں تجھ ہی سے فریاد کرتی ہوں'' ایک روایت میں ہے کہ آپ نے خولہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے فرمایا مَا اُمِرْتُ فِی شَانِکِ بِشَیْءٍ حَتّٰی الآنَ ان تمام روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، سب ہی اقوال صحیح ہوسکتے ہیں، حضرت خولہ نے بار بار اپنی بات دہرائی اور کوئی صورت نکالنے پر اصرار کیا، اسی کو قرآن کریم میں تُجَادِلُ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے حضرت خولہ اصرار کرتی رہیں اور آپ ﷺ ایک ہی جواب دیتے رہے، حضرت عائشہ فرماتی

ہیں کہ میں اس وقت آپ ﷺ کا سر مبارک دھو رہی تھی اور خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی بات دہرا رہی تھیں، آخر مجھے کہنا پڑا کہ کلام کو مختصر کرو، اتنے میں آپ ﷺ پر وحی کے نزول کی کیفیت طاری ہوگئی اور سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ ان کے شوہر کو بلا کر فرمایا، کہ ایک غلام آزاد کرنا ہوگا، انہوں نے اس سے معذوری ظاہر کی، تو فرمایا دو مہینے کے لگاتار روزے رکھو، انہوں نے عرض کیا اُس کا حال تو یہ ہے کہ دن میں اگر دو تین مرتبہ کھائے پیے نہیں تو اس کی بینائی جواب دینے لگتی ہے، آپ نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا، انہوں نے کہا وہ اتنی قدرت نہیں رکھتے الا یہ کہ آپ مدد فرمائیں، آپ نے ان کو کچھ غلہ عطا فرمایا اور دوسرے لوگوں نے بھی کچھ جمع کر دیا، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بیت المال سے ان کی مدد فرمائی، اس طرح فطرہ کی مقدار دے کر کفارہ ادا کیا گیا۔

(مظهری، معارف، فتح القدير، شوكانی)

مسئلہ ظہار سے تین اصولی بنیادیں مستنبط ہوتی ہیں:

① ایک یہ کہ ظہار سے نکاح نہیں ٹوٹتا، بلکہ عورت بدستور شوہر کی بیوی رہتی ہے۔ ② دوسرے یہ کہ بیوی شوہر کے لئے وقتی طور پر حرام ہوتی ہے۔ ③ تیسرے یہ کہ یہ حرمت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ شوہر کفارہ ادا نہ کر دے اور یہ کہ صرف کفارہ ہی اس حرمت کو رفع کر سکتا ہے۔

ظہار کی تعریف اور اس کا شرعی حکم:

اصطلاح شرع میں ظہار کی تعریف یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی محرمات ابدیہ مثلاً ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا کہ جس کو دیکھنا اس کے لئے جائز نہیں، ماں کی پشت بھی اسی کی مثال ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کے لئے بولا جاتا تھا، اور طلاق کے لفظ سے بھی زیادہ ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ طلاق کے بعد تو رجعت یا نکاح جدید ہو کر پھر بیوی بن سکتی ہے مگر ظہار کی صورت میں رسم جاہلیت کے مطابق ان کے آپس میں میاں بیوی ہو کر رہنے کی قطعی کوئی صورت نہیں تھی۔

قاعدہ: وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا، لِمَا قَالُوْا میں لام، عن کے معنی میں ہے۔

ما مصدریہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے قول سے رجوع کرتے ہیں، اس آیت سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ کفارہ کا وجوب بیوی کے ساتھ اختلاط حلال ہونے کی غرض سے ہے، بیوی کفارہ کے بغیر حلال نہ ہوگی، خود ظہار کفارہ کی علت نہیں، اسی سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا اور وہ اس سے اختلاط کا خواہشمند نہیں تو کفارہ لازم نہیں، البتہ بیوی کی حق تلفی ناجائز ہے، اگر وہ مطالبہ کرے تو کفارہ ادا کر کے اختلاط کرنا یا پھر طلاق دیکر آزاد کرنا واجب ہے، اگر یہ شوہر خود نہ کرے تو بیوی حاکم کی طرف مراجعت کر کے شوہر کو اس پر مجبور کر سکتی ہے۔ (معارف ملخصًا)

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ (الآية) کفارۂ ظہار یہ ہے کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو دو مہینے کے مسلسل

روزے رکھے اگر کسی عذر شرعی کی وجہ سے اتنے روزے رکھنے پر قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، کھانا کھلانے کے قائم مقام یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو فی کس ایک فطرہ کی مقدار گندم یا اس کی قیمت دیدے، فطرہ کے گندم کی مقدار نصف صاع ہے، جس کا صحیح صحیح وزن ایک کلو چھ سو تینتیس گرام ہوتا ہے۔

مسائل:

مَسْئَلَہ: ظہار کرنے والے کے بارے میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ ظہار اسی شخص کا معتبر ہے جو عاقل بالغ ہو، اور بحالت ہوش و حواس ظہار کے الفاظ زبان سے ادا کرے، لہٰذا بچے اور پاگل اور سونے والے کا ظہار معتبر نہیں۔

مَسْئَلَہ: حالت نشہ میں ظہار کرنے والے کے متعلق ائمہ اربعہ سمیت فقہاء کی ایک بڑی اکثریت یہ کہتی ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی نشہ آور چیز جان بوجھ کر استعمال کی ہو تو اس کا ظہار اس کی طلاق کی طرح قانوناً صحیح مانا جائے گا، کیونکہ اس نے یہ حالت اپنے اوپر خود طاری کی ہے، البتہ اگر مرض کی وجہ سے اس نے کوئی دوا پی ہو اور اس سے نشہ لاحق ہو گیا ہو اور نشہ کی حالت میں اس کے منہ سے ظہار یا طلاق کے الفاظ نکل گئے ہوں تو ان الفاظ کو نافذ نہیں کیا جائے گا، احناف اور شوافع اور حنابلہ کی رائے یہی ہے اور صحابہ کرام کا مسلک بھی یہی تھا، حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی رائے اس کے خلاف تھی ان کے نزدیک حالت نشہ کی طلاق و ظہار معتبر نہیں، احناف میں سے امام طحاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اور امام کرخی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا بھی ایک قول اس کی تائید میں ہے، مالکیہ کے نزدیک ایسے نشہ کی حالت میں ظہار معتبر ہوگا جس میں آدمی بالکل بہک نہ گیا ہو بلکہ وہ مربوط اور مرتب کلام کر رہا ہو اور اسے یہ احساس ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟

مَسْئَلَہ: امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک ظہار اس شوہر کا معتبر ہے جو مسلمان ہو، ذمیوں پر ان احکام کا اطلاق نہیں ہوتا اس لئے کہ قرآن کریم میں اَلَّذِیْنَ یُظَاهِرُوْنَ مِنْكُمْ کے الفاظ ارشاد ہوئے ہیں، جن میں خطاب مسلمانوں سے ہے اور تین قسم کے کفاروں میں سے ایک کفارہ قرآن میں روزہ بھی تجویز کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ ذمیوں کے لئے نہیں ہوسکتا، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اور امام احمد کے نزدیک یہ احکام ذمی اور مسلمان دونوں کے ظہار پر نافذ ہوں گے البتہ ذمی کے لئے روزہ نہیں ہے وہ یا غلام آزاد کرے یا مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

کیا مرد کی طرح عورت بھی ظہار کرسکتی ہے؟

مثلاً اگر بیوی شوہر سے کہے تو میرے لئے میرے باپ کی طرح ہے یا میں تیرے لئے تیری ماں کی طرح ہوں تو کیا یہ بھی ظہار ہوگا، ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ یہ ظہار نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن مجید نے صریح الفاظ میں یہ احکام صرف اس صورت کیلئے بیان کئے ہیں، جبکہ شوہر بیوی سے ظہار کرے اَلَّذِیْنَ یُظَاهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَائِهِمْ اور ظہار کرنے کے اختیارات اسی کو حاصل ہوسکتے ہیں جسے طلاق دینے کا اختیار ہے، یہی رائے سفیان ثوری اور اسحٰق بن راہویہ وغیرہ کی ہے۔

امام ابو یوسف رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ یہ ظہار تو نہیں ہے مگر اس سے عورت پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا، کیونکہ عورت کا ایسے الفاظ کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے اپنے شوہر سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھائی ہے، امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ابن قدامہ نے نقل کیا ہے، امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر شادی سے پہلے عورت نے یہ بات کہی ہو کہ میں اگر اس شخص سے شادی کروں تو وہ میرے لئے ایسا ہے جیسے میرا باپ، تو ظہار ہوگا، اور اگر شادی کے بعد کہے تو قسم کے معنی میں ہوگا جس سے کفارۂ یمین لازم آئے گا، بخلاف اس کے حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی اور حسن بن زیاد لؤلؤی کہتے ہیں کہ یہ ظہار ہے، اور ایسا کہنے سے عورت پر کفارۂ ظہار لازم آئے گا، البتہ عورت کو یہ حق نہ ہوگا کہ کفارہ دینے سے پہلے شوہر کو اپنے پاس آنے سے روک دے، ابراہیم نخعی اس کی تائید میں یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی صاحبزادی عائشہ کو حضرت زبیر کے صاحبزادے مصعب نے نکاح کا پیغام دیا، اس نے رد کرتے ہوئے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ اگر میں ان سے نکاح کروں تو **ھُوَ عَلَیَّ کَظَھْرِ اَبِی** وہ میرے لئے ایسے ہیں جیسے میرے باپ کی پیٹھ، کچھ مدت کے بعد وہ ان سے شادی کرنے پر راضی ہوگئیں، مدینہ کے علماء سے اس کے متعلق فتویٰ لیا گیا تو بہت سے فقہاء نے جن میں متعدد صحابہ بھی شامل تھے یہ فتویٰ دیا کہ عائشہ پر کفارۂ ظہار لازم ہے، اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد ابراہیم نخعی اپنی یہ رائے بیان کرتے ہیں کہ اگر عائشہ یہ بات شادی کے بعد کہتیں تو کفارہ لازم نہ آتا، مگر انہوں نے شادی سے پہلے یہ کہا تھا جب انہیں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل تھا، اس لئے کفارہ اس پر واجب ہوگیا۔

کفارۂ ظہار ادا کرنے سے پہلے تعلق قائم کرنے کا حکم:

کفارہ ادا کرنے سے پہلے اگر شوہر نے زن و شوہر کے تعلقات قائم کر لئے تو ائمہ اربعہ کے نزدیک اگرچہ یہ گناہ ہے اور آدمی کو اس پر استغفار کرنا چاہئے اور پھر اس کا اعادہ نہ کرنا چاہئے مگر کفارہ اسے ایک ہی ادا کرنا ہوگا، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جن لوگوں نے ایسا کیا تھا ان سے آپ نے یہ تو فرمایا تھا کہ استغفار کرو اور اس وقت تک بیوی سے الگ رہو جب تک کہ کفارہ ادا نہ کرو مگر آپ ﷺ نے انہیں یہ حکم نہیں دیا تھا کہ کفارۂ ظہار کے علاوہ کوئی اور کفارہ دینا ہوگا۔

بیوی کو کس کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے؟

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، عامر شعبی کہتے ہیں کہ صرف ماں سے تشبیہ دینا ظہار ہے، اور ظاہریہ کہتے ہیں کہ ماں کی بھی صرف پیٹھ کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے، مگر فقہاء امت میں سے کسی نے بھی ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا، کیونکہ قرآن نے ماں سے تشبیہ کو گناہ قرار دینے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ نہایت بیہودہ اور جھوٹی بات ہے، اب یہ ظاہر ہے کہ جن عورتوں کی حرمت ماں جیسی ہے ان کے ساتھ تشبیہ دینا بیہودگی اور جھوٹ میں اس سے کچھ مختلف نہیں ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اس کا حکم وہی نہ ہو جو ماں سے تشبیہ دینے کا ہے۔

ظہار کے صریح اور غیر صریح الفاظ کیا ہیں؟

حنفیہ کے نزدیک ظہار کے صریح الفاظ وہ ہیں جن میں صاف طور پر بیوی کو محرمات ابدیہ میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو، یا تشبیہ ایسے عضو کے ساتھ دی گئی ہو کہ اس پر نظر ڈالنا حلال نہیں ہے، مثلاً یہ کہا ہو کہ تو میرے لئے میری ماں کے پیٹ یا ران کے جیسی ہے۔

مذکورہ مسائل کے مراجع اور مصادر:

(فقہ حنفی) ہدایہ، فتح القدیر، بدائع الصنائع، احکام القرآن للجصاص (فقہ مالکی) حاشیہ دسوقی علی الشرح الکبیر، بدایۃ المجتہد، احکام القرآن ابن عربی (فقہ شافعی) المنہاج للنووی، تفسیر کبیر، (فقہ حنبلی) المغنی لابن قدامہ (فقہ ظاہری) المحلی لابن حزم، الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔

خولہ بنت ثعلبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا صحابہ کرام کی نظر میں:

ان صحابیہ کی فریاد کا بارگاہ الٰہی میں مسموع ہونا اور فوراً ہی ان کی فریاد رسی کے لئے فرمان مبارک نازل ہونا ایسا واقعہ تھا کہ جس کی وجہ سے صحابہ کرام میں ان کی ایک خاص قدر و منزلت تھی، ابن عبد البر نے استیعاب میں قتادہ کی روایت نقل کی ہے کہ یہ خاتون راستہ میں ایک روز حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ملیں، تو آپ نے ان کو سلام کیا یہ سلام کا جواب دینے کے بعد کہنے لگیں اوہو، اے عمر! ایک وقت تھا جب میں نے تم کو بازار عکاظ میں دیکھا تھا، اس وقت تم عمیر کہلاتے تھے، لاٹھی ہاتھ میں لئے بکریاں چراتے پھرتے تھے، پھر کچھ زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ تم عمر کہلانے لگے پھر ایک وقت آیا کہ تم امیر المومنین کہے جانے لگے، ذرا رعیت کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو، یاد رکھو جو اللہ کی وعید سے ڈرتا ہے اس کے لئے دور کا آدمی بھی رشتہ دار کی طرح ہوتا ہے اور جو موت سے ڈرتا ہے اس کے حق میں اندیشہ ہے کہ وہ اسی چیز کو کھودے گا جسے وہ بچانا چاہتا ہے، اس پر جارود عبدی جو حضرت عمر کے ساتھ تھے، بولے، اے عورت تو نے امیر المومنین کے ساتھ بہت باتیں کرلیں، حضرت عمر نے فرمایا: انہیں کہنے دو، جانتے بھی ہو یہ کون ہیں؟ ان کی بات تو سات آسمانوں کے اوپر سنی گئی تھی، عمر کو تو بدرجہ اولی سننی چاہئے، امام بخاری نے بھی اپنی تاریخ میں اختصار کے ساتھ اس سے ملتا جلتا قصہ نقل کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ تعلم اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ بعلمه وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑦ اَلَمْ تَرَ تنظر اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ هُمُ اليهود نهاهم النبي صلى الله

علیہ وسلّم عمّا کانوا یفعلون من تناجیہم ای تحدثہم سرًا ناظرین الی المؤمنین لیوقعوا فی قلوبہم الریبۃ **وَاِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ** ایہا النبی **بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ** وہو قولہم السّام علیك ای الموت **وَیَقُوْلُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا** ہلا **یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ** من التحیۃ وانہ لیس بنبی، ان کان نبیًا **حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ یَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ** ⑧ ہی **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ** ⑨ **اِنَّمَا النَّجْوٰی** بالاثم ونحوہ **مِنَ الشَّیْطٰنِ** بغرورہ **لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیْسَ** ہو **بِضَآرِّهِمْ شَیْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** ای ارادتہ **وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ** ⑩ **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا** توسّعوا **فِی الْمَجٰلِسِ** مجلس النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم او الذکر حتّی یجلس من جاء کم وفی قراءۃ المجالس **فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ** فی الجنۃ **وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا** قوموا الی الصّلوۃ وغیرہا من الخیرات **فَانْشُزُوْا** وفی قراءۃ بضم الشین فیہما **یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ** بالطّاعۃ فی ذلك و یرفع **الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ** فی الجنۃ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ** ⑪ **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ** اردتم مناجاتہ **فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ** قبلہا **صَدَقَةً ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ** لذنوبکم **فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا** ما تتصدّقون بہ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لمناجاتکم **رَّحِیْمٌ** ⑫ بکم یعنی فلا علیکم فی المناجات من غیر صدقۃ ثمّ نسخ ذلك بقولہ **ءَاَشْفَقْتُمْ** بتحقیق الہمزتین وابدال الثانیۃ الفًا وتسہیلہا وادخال الف بین المسہّلۃ والاخری وترکہ ای اخفتم من **اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ** للفقر **فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا** الصدقۃ **وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ** رجع بکم عنہا **فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** ای دوموا علی ذلك **وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ** ⑬

ترجمہ: کیا آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ سب کو جانتا ہے؟ کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں ایسی نہیں ہوتی کہ چوتھا اپنے علم کے اعتبار سے اللہ نہ ہو اور نہ پانچ کی سرگوشی مگر یہ کہ چھٹا ان میں اللہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر یہ کہ اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوں پھر ان سب کو قیامت میں ان کے کئے ہوئے اعمال بتلا دے گا، اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے، کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جن کو کانا پھوسی سے منع کر دیا گیا تھا، پھر بھی وہ اس منع کئے ہوئے کام کو کرتے ہیں اور آپس میں گناہ کی اور ظلم وزیادتی کی اور پیغمبر کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں (اور) وہ یہود ہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کانا پھوسی سے منع فرمایا تھا جو کہ وہ کیا کرتے تھے، یعنی مومنین کی طرف دیکھ کر چپکے چپکے باتیں کرتے تھے، تاکہ مومنین کے دل میں شک ڈالیں، اور اے نبی جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ نے نہیں کیا، اور ان کا وہ لفظ السَّامُ عَلَیْكَ ہے یعنی آپ پر موت ہو اور وہ آپس میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں

اس سلام پر جو ہم کرتے ہیں سزا کیوں نہیں دیتا؟ اور یہ کہ وہ نبی نہیں ہے، اگر وہ نبی ہوتا تو (اللہ تعالیٰ ضرور ہم کو گرفتار عذاب کردیتا) ان کے لئے جہنم کافی ہے جس میں یہ جائیں گے سو وہ بُرا ٹھکانہ ہے اے ایمان والو! جب تم سرگوشیاں کرو تو یہ سرگوشیاں گناہ اور ظلم و زیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی نہ ہوں بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی سرگوشیاں کرو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے گناہ وغیرہ کی سرگوشیاں شیطانی کام ہیں اس کے فریب کی وجہ سے، جس سے اہل ایمان کو رنج پہنچے گو وہ اللہ کی اجازت اور ارادہ کے بغیر ان کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور ایمان والوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کشادہ کرلو آپ ﷺ کی مجلس میں یا ذکر کی مجلس میں تاکہ تمہارے پاس (بعد میں) آنے والا بھی بیٹھ جائے، اور ایک قراءت میں مجلس کے بجائے مجالس ہے، تو کشادگی کرلیا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے جنت میں کشادگی فرمائیں گے اور جب تم سے یہ کہا جائے کہ نماز وغیرہ یا کسی بھلے کام کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو اور ایک قراءت میں (فَانشُزُوا) میں دونوں (یعنی شین اور زا کے ضمہ کے ساتھ ہے) اور اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اس حکم قیام کی اطاعت کی وجہ سے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے جنت میں درجات بلند فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے، اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی (تنہائی میں مشورہ) کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے فقراء کو کچھ صدقہ دیدیا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر اور تمہارے گناہوں کے لئے پاکیزہ تر ہے، ہاں اگر صدقہ کرنے کی چیز نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہاری سرگوشی کو بخشنے والا اور مہربان ہے یعنی بغیر صدقہ کے تمہارے سرگوشی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے پھر یہ حکم اللہ تعالیٰ کے حکم أأشْفَقْتُمْ سے منسوخ ہو گیا، دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے بدل کر اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ اور مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کرکے اور ترک ادخال کرکے کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے فقراء کے لئے صدقہ نکالنے سے ڈر گئے، پس جب تم نے یہ نہ کیا یعنی صدقہ نہ دیا اور اللہ نے بھی تمہیں معاف کردیا اور تم پر اس کے وجوب سے رجوع کرلیا، تو اب نمازوں کو قائم رکھو، اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، یعنی اس کی پابندی رکھو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: اَلَمْ تَرَ تَعْلَمْ، تَرَ کی تفسیر تَعْلَمْ سے کرکے اشارہ کردیا کہ رؤیت سے رؤیت قلبی مراد ہے۔

قِوْلُہٗ: مَا یکونُ میں مانافیہ ہے اور یَکُوْنُ تامہ ہے، یعنی یُوْجَدُ وَیَقَعُ، من زائدہ ہے نَجْویٰ مصدر ہے تنَاجِی کے معنی میں ہے اور یکون کا فاعل ہے جملہ مَا یَکُوْنُ مستانفہ ماقبل کی تاکید کے لئے ہے جو حق تعالیٰ کی وسعت علم کی تاکید کررہا

ہے، النجوی، اَلتَّحدُّثُ سِرًّا چپکے چپکے باتیں کرنا، کانا پھوسی کرنا، نَجْویٰ ثَلٰثَۃٍ میں اضافۃ المصدر الی الفاعل ہے، یہاں اِلَّا کے بعد واقع ہونے والے جملے مستثنیٰ متصل ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہیں، اور عمومِ حال سے مستثنیٰ ہیں، ای مَا یُوْجَدُ مِن ھٰذِہِ الْاَشیاء اِلَّا فِی حالٍ مِنْ ھٰذِہِ الْاحوال.

قَوْلُہٗ: اَلَمْ تَرَ الی الَّذِیْنَ نُھُوا الخ یہ آیت یہود اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔

قَوْلُہٗ: ومعصیت الرسول یہاں اور آئندہ تاء مجرورہ (لمبی) تاء کے ساتھ لکھا گیا ہے حالت وقف میں بعض قراء ھاء پر وقف کرتے ہیں اور بعض تاء پر، لیکن وصل کی صورت میں تاء پر متفق ہیں۔

قَوْلُہٗ: اُنْشُزُوْا تم اٹھ کھڑے ہو (ض، ن) امر جمع مذکر حاضر۔

تَفسِیر وتَشریح

شان نزول:

اسبابِ نزول ان آیات کے چند واقعات ہیں:

❶ اول واقعہ:

آپ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلا جو سیاسی قدم اٹھایا وہ یہ تھا کہ یہود اور مسلمانوں کے درمیان معاہدۂ صلح فرمایا تاکہ مدینہ کے یہود کی طرف سے اطمینان ہو جائے کیونکہ مشرکین مکہ کی جانب سے ریشہ دوانیاں رہتی تھیں اور ہمہ وقت خطرہ رہتا تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ دو طرفہ پریشانی میں مبتلا ہو جائیں، مگر صلح کے باوجود یہود اپنی نازیبا حرکتوں سے باز نہیں آتے تھے، یہود جب کسی مسلمان کو دیکھتے تو اس کو ذہنی طور پر پریشان کرنے کے لئے آپس میں سر جوڑ کر کھسر پھسر کرنے لگتے اور اس کی طرف دیکھتے جاتے اور بعض اوقات آنکھ وغیرہ سے اشارہ بھی کرتے تاکہ مسلمان یہ سمجھے کہ ان کے خلاف یا اسلام کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے، آنحضرت ﷺ نے یہود کو اس نازیبا حرکت سے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آئے، اس پر یہ آیت اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُھُوْا عَنِ النَّجْویٰ الخ نازل ہوئی۔

❷ دوسرا واقعہ:

اسی طرح منافقین بھی اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے باہم کانا پھوسی اور سرگوشی کرتے تھے، اس پر یہ آیت اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا الخ اور اِنَّمَا النَّجْویٰ الخ نازل ہوئی۔

❸ تیسرا واقعہ:

یہود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو از راہِ شرارت بجائے السلام علیکم کہنے کے السام علیکم کہتے، سام کے معنی موت کے ہیں۔

❹ چوتھا واقعہ:

منافقین بھی اسی طرح کہتے تھے، ان دونوں واقعوں پر وَاِذَا جَاءُوْكَ حَيَّوْكَ نازل ہوئی، اور امام ابن کثیر نے امام احمد کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہود اس طرح کر کے خفیہ طور پر کہتے لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ یعنی اگر ہم نے یہ گناہ کیا ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟

❺ پانچواں واقعہ:

ایک مرتبہ آپ مسجد کے صفہ میں تشریف رکھتے تھے اور مجلس میں مجمع زیادہ تھا چند صحابہ جو غزوۂ بدر کے شرکاء میں سے تھے آئے تو ان کو کہیں جگہ نہیں ملی اور نہ اہل مجلس نے جگہ میں گنجائش نکالی کہ مل مل کر بیٹھ جاتے جس سے جگہ نکل آتی، جب آپ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو بعض آدمیوں کو مجلس سے اٹھنے کے لئے فرمایا، اس پر منافقین نے طعن کیا کہ یہ کونسی انصاف کی بات ہے؟ اور آپ نے یہ بھی فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے بھائی کے لئے جگہ کھول دے، سو لوگوں نے جگہ کھول دی، اس پر آیت يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا الخ نازل ہوئی۔ (معارف ملخصًا)

❻ چھٹا واقعہ:

بعض اغنیاء آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑی دیر تک آپ سے سرگوشی کیا کرتے تھے اور فقراء کو استفادہ کا موقع کم ملتا تھا، آپ کو ان لوگوں کا دیر تک بیٹھنا اور دیر تک سرگوشی کرنا ناگوار گذرتا تھا، اس پر یہ آیت اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ نازل ہوئی۔

❼ ساتواں واقعہ:

جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم ہوا تو بہت سے آدمی ضروری بات کرنے سے بھی رک گئے، اس پر یہ آیت أَأَشْفَقْتُمْ نازل ہوئی۔ (معارف ملخصًا)

آیاتِ مذکورہ اگرچہ خاص واقعات کی بناء پر نازل ہوئی ہیں جن کا ذکر اوپر شانِ نزول میں آچکا ہے، لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ آیت کا شانِ نزول کچھ بھی ہو، ہدایاتِ قرآنی عام ہوتی ہیں، اعتبار معنی کے عموم کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کے خصوص کا۔

خفیہ مشوروں کے متعلق ہدایات:

خفیہ مشورہ عموماً مخصوص اور راز دار دوستوں سے ہوتا ہے، جن پر اطمینان کیا جائے کہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کریں گے، اس لئے ایسے موقع پر ایسے منصوبے بھی بنائے جاتے ہیں جن میں کسی پر ظلم کرنا ہے یا کسی کو قتل کرنا ہے یا کسی کی املاک پر قبضہ کرنا ہے وغیرہ وغیرہ، حق تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور سمع و بصر کے اعتبار سے تمہارے پاس موجود ہوتا ہے اور تمہاری ہر بات کو سنتا اور ہر حرکت کو دیکھتا اور جانتا ہے اگر تم کوئی مجرمانہ حرکت کرو گے تو اس کی سزا سے نہ بچ سکو گے، آیت کا مقصد تو یہ ہے کہ تم کتنے ہی زیادہ یا کم سرگوشی میں شریک ہو حق تعالیٰ موجود ہوتا ہے، یہاں مثال کے طور پر دو، عددوں کا ذکر کیا گیا ہے، تین اور پانچ یعنی اگر تم تین آدمی خفیہ مشورہ کر رہے ہو تو چوتھا حق تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور اگر پانچ آدمی مشورہ کر رہے ہو تو سمجھو کہ چھٹا وہاں اللہ موجود ہے، تین اور پانچ کے عدد کی تخصیص میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ جماعت کے لئے اللہ کے نزدیک طاق عدد پسند ہے۔

مسلمانوں کے لئے سرگوشی سے متعلق ہدایت:

بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِذَا کُنْتُمْ ثَلٰثَة فَلَا یَتَنَاجَ رَجُلَان دونَ الآخر حَتّٰی یختلِطُوا بِالنَّاسِ فَاِنَّ ذٰلِكَ یَحْزُنُهٗ یعنی جس جگہ تم تین آدمی جمع ہو تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر باہم سرگوشی اور خفیہ باتیں نہ کرو جب تک کہ دوسرے (تیسرے) آدمی نہ آجائیں کیونکہ اس سے اس کی دل شکنی ہوگی۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ الخ سابقہ آیات میں کفار کو ناجائز سرگوشی پر تنبیہ کی گئی تھی، اسی آیت سے مسلمانوں کے لئے بھی ہدایت نکل آئی کہ وہ بھی اپنی سرگوشیوں اور خفیہ مشوروں میں اس کا دھیان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے سب حالات معلوم ہیں اور ہماری ہر گفتگو کا علم ہے اس استحضار کے ساتھ یہ کوشش کریں کہ ان کے مشوروں اور سرگوشیوں میں کوئی بات فی نفسہٖ گناہ کی یا دوسروں پر ظلم کی یا خلافِ شرع کام کی نہ ہو بلکہ جب بھی آپسی مشورہ ہو نیک کام کا ہو۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ اس سے پہلی آیت میں اس چیز کو بیان فرمایا کہ جو لوگوں کے درمیان تباغض اور تنافر کا سبب ہوتی ہے وہ تناجی بالاثم والعدوان والمعصیة ہے، اور اس آیت میں اس چیز کو بیان فرمایا جو آپس میں مودّت اور محبت کا سبب بنتی ہے مثلاً مجلس میں کشادگی پیدا کرنا، دوسروں کو جگہ دینا مل کر بیٹھنا، یہ سب وہ باتیں ہیں جن سے آپس میں محبت اور مودّت پیدا ہوتی ہے۔

مذکورہ آیت کا شانِ نزول:

ابن ابی حاتم نے مقاتل سے نقل کیا ہے کہ ایک جمعہ کو آپ ﷺ صفہ میں تشریف فرما تھے، جگہ تنگ تھی، آپ ﷺ بدریین کا بہت اکرام فرماتے تھے، مجلس بھری ہوئی تھی، اہل بدر میں سے چند لوگ آئے جن میں ثابت بن قیس بن شماس بھی تھے لوگ اپنی اپنی جگہ لے چکے تھے، یہ بدریین حضرات آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور کہا **السلام علیك ایّها النبی ورحمة اللّٰهِ وبرکاتهٗ** آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا پھران بدریین حضرات نے قوم کو سلام کیا، قوم نے بھی جواب دیا، یہ حضرات اس امید پر کھڑے رہے کہ ان کے لئے جگہ کردی جائے گی مگر اہل مجلس نے ان کے لئے جگہ نہ کی، یہ بات آپ ﷺ پر گراں گذری، چنانچہ آپ نے اپنے آس پاس والوں میں سے بعض سے فرمایا **قُمْ یا فلان و یا فلان** چنانچہ چند لوگ اٹھ گئے مگر یہ بات ان کو شاق گذری اور ناگواری کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہونے لگے، منافقین بھی کہنے لگے کہ بیٹھے ہوؤں کو اٹھا کر بعد میں آنے والوں کو بٹھانا یہ کیسا انصاف ہے؟ اسی واقعہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

(روح المعانی)

اس آیت میں دوسرا حکم آداب مجلس سے متعلق یہ ہے کہ **اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا** یعنی جب تم میں سے کسی سے کہا جائے کہ مجلس سے اٹھ جاؤ تو اسے اٹھ جانا چاہئے، اس آیت میں لفظ قیل مجہول استعمال ہوا ہے، اس کا ذکر نہیں کہ یہ کہنے والا کون ہو؟ مگر احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنے والے شخص کو اپنے لئے جگہ کرنے کے واسطے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانا جائز نہیں ہے۔

صحیحین اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لَا یُقِیْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ فَیَجْلِسُ فیه ولکن تَفَسَّحُوْا وتَوَسَّعُوْا** یعنی کوئی شخص دوسرے شخص کو اٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھے بلکہ مجلس میں کشادگی پیدا کرکے آنے والے کو جگہ دیدیا کریں۔ (ابن کثیر، معارف)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھ جانے کے لئے کہنا، آنے والے شخص کے لئے تو جائز نہیں، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ اس کا کہنے والا امیر مجلس یا مجلس کا منتظم ہوسکتا ہے، تو مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اگر امیر مجلس یا اس کی طرف سے کوئی منتظم کسی کو اس کی جگہ سے اٹھ جانے کے لئے کہیں تو آداب مجلس میں سے یہ ہے کہ ان سے مزاحمت نہ کرے بلکہ اپنی جگہ سے اٹھ جائے، اس لئے کہ بعض اوقات مصلحت اور ضرورت کا تقاضہ بھی یہی ہوتا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَةً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس حکم کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ مسلمان آپ ﷺ سے تخلیہ یعنی تنہائی میں زیادہ باتیں کرنے لگے تھے جس کی وجہ سے عام مسلمانوں کو دقت ہوتی تھی، اور عمومی مجلس کا حرج بھی ہوتا تھا ہر شخص یہ کوشش کرتا تھا کہ میں آپ

ﷺ سے تنہائی میں زیادہ سے زیادہ باتیں کروں اس سے آپ ﷺ کو بھی تکلیف ہوتی تھی، اس دقت سے نجات کی اور اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ شکل نکالی کہ جولوگ آپ ﷺ سے تخلیہ میں باتیں کرنا چاہیں وہ پہلے کچھ صدقہ کریں، حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جب یہ حکم نازل ہوا تو حضور ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کتنا صدقہ مقرر کیا جائے، کیا ایک دینار؟ میں نے عرض کیا یہ لوگوں کی قدرت سے زیادہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا نصف دینار۔ میں نے عرض کیا لوگ اس کی قدرت بھی نہیں رکھتے، فرمایا پھر کتنا؟ میں نے عرض کیا بس ایک جو، برابر سونا، آپ نے فرمایا یا علی أنت زهید حضرت علی فرماتے ہیں کہ قرآن کی اس آیت پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا، اس حکم کے آتے ہی میں نے صدقہ پیش کیا اور ایک مسئلہ آپ سے دریافت کرلیا۔ (ابن جریر، حاکم، ابن المنذر، عبدبن حمید)

اس کے علاوہ کچھ منافقین کی شرارت بھی اس میں شامل ہوگئی کہ مخلص مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کے لئے آپ ﷺ سے علیحدہ سرگوشی کا وقت مانگتے تھے اور اس طرح مجلس کو طویل کر دیتے تھے، زید بن اسلم نے فرمایا کہ یہ آیت منافقین اور یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، منافقین اور یہود تخلیہ کے بہانے آپ کا بہت سا وقت ضائع کر دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ محمد تو کان کے کچے ہیں، ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں، اس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی تھی، ان ہی وجوہ سے اللہ تعالیٰ نے پابندی لگادی۔ (فتح القدیر شوکانی)

جب قرآن کریم میں آپ ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک دینار تھا میں نے اس کے دس درہم کر لئے اور ایک درہم صدقہ کر کے آپ سے سرگوشی کر کے سب سے پہلے میں نے اس آیت پر عمل کیا، حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں ایک آیت ایسی ہے کہ اس پر نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ بعد میں عمل کرے گا، اسلئے کہ یہ آیت بہت جلد منسوخ ہوگئی، قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ایک دن سے بھی کم مدت باقی رہا، مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ دس دن تک رہا پھر منسوخ ہوگیا، مذکورہ حکم اگر چہ منسوخ ہوگیا مگر جس مصلحت کے لئے یہ حکم جاری کیا گیا تھا وہ حاصل ہوگئی مسلمان تو اپنی دلی محبت کے تقاضے سے ایسی مجلس طویل کرنے سے اجتناب کرنے لگے اور منافقین اس لئے رک گئے کہ ان کے لئے مال خرچ کرنا گراں گذرتا تھا اور ان کو یہ بھی خوف لاحق ہوا کہ اگر ہم مسلمانوں کے خلاف طرز اختیار کریں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا نفاق ظاہر ہو جائے۔

اَلَمْ تَرَ تَنظُرُ **اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا** هُمُ المُنَافِقُونَ **قَوْمًا** هُم اليَهُودُ **غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ** اى المُنافِقُونَ **مِّنْكُمْ** مِنَ المُؤمِنِينَ **وَلَا مِنْهُمْ** مِنَ اليَهُودِ بَل هم مُذَبذَبُونَ **وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ** اى قولِهم انهم مؤمنون **وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ**⁽¹⁴⁾ انَّهُم كاذِبُونَ فيه **اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ**⁽¹⁵⁾ مِنَ المَعَاصِي

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً سِتْرًا عن انفسهم واموالهم فَصَدُّوْا بها المؤمنين عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اى الجهاد فيهم بقتلهم واخذ اموالهم فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ ذواهانة لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ من عذابه شَيْئًا من الاغناء اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اذكر يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ انهم مؤمنون كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ من نفع حلفهم في الاخرة كالدنيا اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ استولى عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ بطاعتهم له فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اتباعه اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ يخالفون اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ المغلوبين كَتَبَ اللّٰهُ في اللوح المحفوظ او قضى لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ بالحجة او السيف اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ يصادقون مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اى المحادون اٰبَآءَهُمْ اى المؤمنين اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ بل يقصدونهم بالسوء ويقاتلونهم على الايمان كما وقع لجماعة من الصحابة رضي الله تعالى عنهم اُولٰٓئِكَ الذين لا يوادونهم كَتَبَ اثبت فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ بنور مِّنْهُ تعالى وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بطاعته وَرَضُوْا عَنْهُ بثوابه اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ يتبعون امره ويجتنبون نهيه اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ الفائزون.

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں منافقوں کو دیکھا؟ جنہوں نے اس قوم سے دوستی کی جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے، اور وہ یہود ہیں، یہ منافق نہ تم میں سے ہیں یعنی مومنین میں سے اور نہ ان میں سے یعنی یہود میں سے بلکہ مذبذب ہیں جھوٹی قسم کھاتے ہیں یعنی اس بات پر کہ وہ مومن ہیں حالانکہ وہ (خود بھی) جانتے ہیں کہ وہ (اپنی) اس قسم میں جھوٹے ہیں اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے بلاشبہ جو یہ نافرمانی کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں، ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے یعنی اپنی جان اور اپنے مال کے لئے ڈھال بنا رکھا ہے سو قسموں کے ذریعہ مومنین کو اپنے ساتھ جہاد کرنے سے یعنی خود کو قتل ہونے اور اپنے مالوں کو لینے سے بچائے ہوئے ہیں سو ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے عذاب سے بچانے میں کچھ کام نہ آئیں گے (یُغنی) اِغْنَاء سے ہے یہ تو جہنمی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ اٹھا کھڑا کرے گا تو اس کے سامنے بھی قسمیں کھانے لگیں گے کہ وہ مومن ہیں جیسا کہ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور سمجھیں گے کہ دنیا کے مانند آخرت میں ان کی قسم سے ان کو کچھ فائدہ ہوگا یقین مانو کہ وہی جھوٹے ہیں ان کے شیطان کی اتباع کرنے کی وجہ سے شیطان نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے یہ شیطانی لشکر ہے اس

کے متبعین ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ شیطانی لشکر ہی خسارہ میں ہے بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہی لوگ مغلوبین میں سے ہیں اللہ تعالیٰ لوح محفوظ میں لکھ چکا ہے یا فیصلہ کر چکا ہے کہ بے شک میں اور میرے رسول دلیل کے ذریعہ یا تلوار کے ذریعہ غالب رہیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا زور آور اور غالب ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھنے والا (یعنی) سچی دوستی کرنے والا ہرگز نہ پائیں گے گو وہ مخالفت کرنے والے ان کے یعنی مومنین کے باپ دادے یا بیٹے یا بھائی یا ان کے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں بلکہ ان کو ضرر پہنچانے اور ایمان کی بابت ان سے قتال کرنے کا قصد رکھتے ہیں، جیسا کہ صحابہ کی ایک جماعت کے لئے ایسا واقعہ پیش آیا بھی ہے یہی لوگ جو ان سے سچی دوستی نہیں رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے قلوب میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثابت کر دیا ہے اور جن کی تائید اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے کی ہے اور جنہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اس میں رہیں گے اور اللہ ان سے ان کی طاعت کی وجہ سے راضی ہے اور وہ اللہ کے ثواب سے خوش ہیں، یہ خدائی لشکر ہے جو اس کے حکم کی اتباع کرتا ہے اور اس کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرتا ہے آگاہ رہو اللہ کی جماعت ہی کامیاب لوگ ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ یہ کلام مستانف ہے منافقین کی حالت پر اظہار تعجب کے لئے لایا گیا ہے جو کہ یہود سے دوستی رکھتے اور ان کی خیر خواہی کرتے تھے، اور مسلمانوں کے راز یہودیوں کو پہنچا دیا کرتے تھے یہ نہ خالص مسلمان تھے، اور نہ کافر بلکہ ان کا ایک سرا اسلام سے ملا ہوا تھا اور دوسرا کفر سے، اس لئے کہ منافق بظاہر مسلمان تھے اور درباطن کافر، گویا کہ دو کشتیوں کے سوار تھے جس میں ہلاکت یقینی ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: تَوَلَّوْا، تَوَلّٰى سے مضارع جمع مذکر غائب وہ لوگ دوستی کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ یہ جملہ یا تو مستانفہ ہے یا پھر تَوَلَّوْا کے فاعل سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ یہ جملہ يَحْلِفُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً یہ دونوں اِتَّخَذُوْا کے مفعول ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان منافقوں نے اپنی قسموں کو اپنے اور اپنے مالوں کی حفاظت کے لئے ڈھال اور وقایہ بنا رکھا ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنْ عَذَابِهٖ یہ حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنَ الْاِغْنَاءِ، شَيْئًا کے بعد مِنَ الْاِغْنَاءِ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ یہ لَنْ تُغْنِيَ کا مفعول مطلق ہے ای لن

تُغْنِیَ اغنَاءً شیئًا.

قَوْلَہٗ: وَیَحْسَبُوْنَ، یَحْلِفُوْنَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

قَوْلَہٗ: اِسْتَحْوَذَ یہ اصل کے مطابق فعل ماضی ہے، ای غَلَبَ واِسْتَوْلٰی وہ مسلط ہوگیا، اس نے قابو کرلیا، اِسْتِحْوَاذٌ سے ہے، بروزن اِسْتِصْوَابٌ یہ خلافِ قیاس ہے اس لئے کہ قیاس استحاذ ہے، جیسا کہ اِسْتِعَاذ اور اِسْتِقَامَ واو کو الف سے بدل کر۔

قَوْلَہٗ: لأَغْلِبَنَّ یہ اُقْسِمُ قسم محذوف کا جواب بھی ہوسکتا ہے اسی وجہ سے اس کے اوپر لام قسم داخل کیا گیا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کَتَبَ اللّٰہُ قسم کے معنی میں ہو اور لَاَغْلِبَنَّ جواب قسم ہو۔

تفسیر وتشریح

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قومًا غضبَ اللّٰہُ علَیْھِمْ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بدحالی اور انجام کار عذاب شدید کا ذکر فرمایا: جو اللہ کے دشمنوں سے دوستی رکھیں گے، مَغْضُوْب عَلَیْھِمْ جن پر خدا کا غضب نازل ہوا وہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق یہود ہیں، اور ان سے دوستی کرنے والے منافقین ہیں، یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جس وقت مدینہ میں منافقین کا زور تھا اور یہودیوں کی سازشیں بھی عروج پر تھیں، یہود کو مدینہ سے جلاوطن نہیں کیا گیا تھا۔

کفار خواہ مشرکین ہوں یا یہود ونصاریٰ، یا دوسرے اقسام کے کفار، کسی مسلمان کے لئے ان سے دلی دوستی جائز نہیں، اس لئے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں موالات کفار کی شدید ممانعت ومذمت وارد ہوئی ہے اور جو مسلمان کسی غیر مسلم سے دلی دوستی رکھے تو اس کو کفار ہی کے زمرے میں رکھنے کی وعید آئی ہے مگر یہ بات یاد رہے کہ یہ سب احکام دلی اور قلبی دوستی کے متعلق ہیں۔

کفار کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی، خیرخواہی، ان پر احسان، حسن اخلاق سے پیش آنا، یا اقتصادی اور تجارتی معاملات ان سے کرنا دوستی کے مفہوم میں داخل نہیں، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا تعامل اس پر شاہد ہے، البتہ ان سب چیزوں کی رعایت ضروری ہے کہ ان کے ساتھ ایسے معاملات رکھنا جائز ہیں جو اپنے دین کے لئے مضر نہ ہوں اور نہ اسلام اور دیگر مسلمانوں کے لئے مضر ہوں۔

اِتَّخَذُوْا اَیْمَانَھُمْ جُنَّةً، أیمانهم کو جمہور نے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ یمین کی جمع ہے بمعنی قسم یعنی یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہ وہ مسلمان ہیں مسلمانوں کی گرفت سے بچے ہوئے ہیں اور حسن رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور ابو العالیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی ان منافقوں نے اپنے ظاہری ایمان کو اپنے اور اپنے اموال کے لئے ڈھال اور وقایہ بنا رکھا ہے۔

یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ مطلب یہ ہے کہ یہ منافقین صرف دنیا ہی میں اور صرف انسانوں ہی کے سامنے جھوٹی قسمیں نہیں کھاتے بلکہ آخرت میں خود اللہ جل شانہٗ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں کھانے سے باز نہ رہیں گے، جھوٹ اور فریب ان کی رگ رگ اور نس نس میں اس طرح پیوست ہو چکا ہے کہ مر کر بھی یہ ان سے نہ چھوٹے گا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا آبائهم پہلی آیت میں کفار و مشرکین سے دوستی کرنے والوں یعنی غیر مخلصین (منافق) مسلمانوں کا ذکر تھا جن کے لئے غضب الٰہی اور عذاب شدید کا ذکر تھا، اس آیت میں مومنین مخلصین کا ان کے مقابل ذکر فرمایا کہ وہ کسی ایسے شخص سے دوستی اور دلی تعلق نہیں رکھتے جو اللہ کا مخالف یعنی کافر ہے اگر چہ وہ ان کا باپ یا بیٹا یا بھائی یا اور قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

اس آیت میں دو باتیں ارشاد ہوئی ہیں، ایک بات اصولی ہے اور دوسری امر واقعی، اصولی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ دین حق پر ایمان اور اعدائے حق کی محبت، دو بالکل متضاد چیزیں ہیں جن کا ایک جگہ اجتماع کسی طرح قابل تصور نہیں ہے، یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ ایمان اور دشمنانِ خدا اور رسول کی محبت ایک دل میں جمع ہو جائیں، اسی طرح جن لوگوں نے اسلام اور مخالفین اسلام سے بیک وقت رشتہ جوڑ رکھا ہے ان کو اپنے بارے میں اچھی طرح غور کر لینا چاہئے کہ وہ فی الواقع کیا ہیں مومن ہیں یا منافق؟ اگر ان کے اندر کچھ بھی راستبازی موجود ہے اور وہ کچھ بھی یہ احساس اپنے اندر رکھتے ہیں کہ اخلاقی حیثیت سے منافقت انسان کے لئے ذلیل ترین رویہ ہے تو انہیں بیک وقت دو کشتیوں میں سوار ہونے کی کوشش چھوڑ دینی چاہئے، ایمان تو ان سے دوٹوک فیصلہ چاہتا ہے مومن رہنا چاہتے ہیں تو ہر اس رشتہ اور تعلق کو قربان کر دیں جو اسلام کے ساتھ ان کے تعلق سے متصادم ہوتا ہو، اور اگر اسلام کے رشتے سے کسی اور رشتے کو عزیز تر رکھتے ہیں تو بہتر ہے کہ ایمان کا جھوٹا دعویٰ چھوڑ دیں۔

یہ تو ہے اصولی بات، مگر اللہ تعالیٰ نے یہاں صرف اصول بیان کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس امر واقعی کو بھی مدعیان ایمان کے لئے نمونے کے طور پر پیش فرما دیا ہے کہ جو لوگ سچے مومن تھے انہوں نے فی الواقع سب کی آنکھوں کے سامنے تمام ان رشتوں کو کاٹ کر پھینک دیا جو اللہ کے دین کے ساتھ ان کے تعلق میں حائل ہوئے۔

تمام صحابہ کرام کا یہی حال تھا، اس جگہ مفسرین نے بہت سے صحابہ کرام کے ایسے واقعات بیان کئے ہیں، اس کی نظیریں بدر و اُحد کے معرکوں میں سارا عرب دیکھ چکا تھا، مکہ سے جو صحابہ کرام ہجرت کر کے آئے تھے وہ صرف خدا اور اس کے دین کی خاطر اپنے قبیلے اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے لڑ گئے تھے، حضرت ابو عبیدہ نے اپنے والد عبد اللہ بن جراح کو قتل کیا، حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا عبد اللہ بن ابی منافق کے بیٹے عبد اللہ کے سامنے اس کے منافق باپ نے حضور کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی کہ آپ اجازت دیں تو میں اپنے باپ کو قتل

کردوں، آپ نے منع فرمایا حضرت ابوبکر کے سامنے ان کے والد ابوقحافہ نے حضور کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تو ارحم امت صدیق اکبر کو اتنا غصہ آیا کہ زور سے طمانچہ رسید کیا جس سے ابوقحافہ گر پڑے، جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا، اس قسم کے بہت سے واقعات صحابہ کرام کے ساتھ پیش آئے ان پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ یہاں روح کی تفسیر بعض حضرات نے نور سے کی ہے جو منجانب اللہ مومن کو ملتا ہے اور وہی اس کے عمل صالح کا اور قلب کے سکون کا ذریعہ ہوتا ہے اور بعض حضرات نے روح کی تفسیر قرآن اور دلائل قرآن سے کی ہے کہ وہی مومن کی اصل طاقت اور قوت ہے۔ (قرطبی، معارف ملخصًا)

تمّ بحمد اللہ

سورة الحشر مدنية وهي اربع وعشرون آية وثلث ركوعات

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ حشر مدنی ہے، چوبیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اى نَزَّهَهٗ فَاللَّامُ مَزِيْدَةٌ وفى الاتيان بما تغليبٌ لِلاكثر وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① فى مُلكه وصُنعه هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ هم بنو النضير من اليهود مِنْ دِيَارِهِمْ مساكنهم بالمدينة لِاَوَّلِ الْحَشْرِ هو حشرهم الى الشام وآخره ان جلاهم عمر رضى الله تعالى عنه فى خلافته الى خيبر مَا ظَنَنْتُمْ ايها المؤمنون اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ خبر انّ حُصُوْنُهُمْ فاعلُه به تمّ الخبر مِّنَ اللّٰهِ من عذابه فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ امره وعذابه مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا لم يخطر ببالهم من جهة المؤمنين وَقَذَفَ القى فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ بسكون العين وضمها الخوف بقتل سيدهم كعب بن الاشرف يُخْرِبُوْنَ بالتشديد والتخفيف من اخرب بُيُوْتَهُمْ لينقلوا ما استحسنوه منها من خشب وغيره بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ② وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ قضى عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ الخروج من الوطن لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا بالقتل والسبى كما فعل بقريظة من اليهود وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا خالفوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④ له مَا قَطَعْتُمْ يا مسلمين مِّنْ لِّيْنَةٍ نخلة اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ اى خيّركم فى ذلك وَلِيُخْزِيَ بالاذن فى القطع الْفٰسِقِيْنَ ⑤ اليهود فى اعتراضهم بانّ قطع الشجر المثمر فسادٌ وَمَآ اَفَآءَ ردّ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ اسرعتم يا مسلمين عَلَيْهِ مِنْ زائدة خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ ابل اى لم تقاسوا فيه مشقة وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥ فلا حق لكم فيه ويختص به النبى صلى الله عليه وسلم ومن ذكر معه فى الاية الثانية من الاصناف الاربعة على ما كان يقسمه من ان لكل منهم خمس الخمس وله صلى الله عليه وسلم الباقى يفعل فيه ما يشاء

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فَاَعْطٰی منه المُهاجرينَ وثلاثةً مِنَ الانصار لفقرهم مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی كَالصَّفْرَاءِ وَوَادِي القُرٰى ويَنْبُعَ فَلِلّٰهِ يَأمُرُ فيه بما يَشاءُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی صاحبِ الْقُرْبٰی قرابةِ النَّبِي صلى اللّٰه عليه وسلم مِن بني هاشمٍ وبني المُطلبِ وَالْيَتٰمٰی اطفالِ المُسلِمينَ الَّذينَ هَلَكَتْ اٰباؤُهم فُقراءُ وَالْمَسٰكِيْنِ ذَوِي الحاجةِ مِنَ المُسلِمينَ وَابْنِ السَّبِيْلِ المُنْقَطِعِ فِي سَفَرِه مِنَ المُسْلِمينَ اى يَسْتَحِقُّه النبي والاربعةُ عَلٰى مَا كانَ يُقَسِّمه مِن اَنَّ لِكُلٍّ مِنَ الاربعةِ خُمُسَ الخُمُس وله الباقي كَیْ لَا كي بمعنى اللَّام واَن مُقَدَّرَةٌ بعدَها يَكُوْنَ الفيءُ عِلَّةُ القِسمةِ كذٰلك دُوْلَةً مُتَدا ولًا بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ اَعطاكم الرَّسُوْلُ مِنَ الفيءِ وغيره فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞ لِلْفُقَرَآءِ مُتَعَلِّقٌ بمحذوفٍ اى اعْجَبُوا الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۞ فِي ايمانهم وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ المدينةَ وَالْاِيْمَانَ اى اَلِفُوه وهم الانصارُ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً حَسَدًا مِّمَّآ اُوْتُوْا اى اٰتَى النَّبِيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم المُهاجِرِينَ مِن اَمْوالِ بني النَّضِيرِ المُخْتَصَّةِ به وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۟ؕ حاجَةٌ الى مَا يُؤثِرُونَ به وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ حِرْصَها على المال فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ مِن بعدِ المُهاجرينَ وَالانصارِ الى يومِ القيٰمةِ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا حِقْدًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۞

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آسمان اور زمین میں جو شی بھی ہے وہ اس کی تسبیح بیان کرتی ہے یعنی اس کی پاکی بیان کرتی ہے، لام زائدہ ہے، اور مَن کے بجائے مَا لانا اکثر (یعنی غیر ذوی العقول) کو غلبہ دینے کی بناء پر ہے، وہ اپنے ملک انتظام میں غالب اور حکمت والا ہے، اور وہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو کہ وہ بنونضیر کے یہودی تھے، مدینہ میں ان کے گھروں سے پہلے ہی حشر میں نکالا، ان کا یہ اخراج (مدینہ) سے خیبر کی جانب تھا، اور دوسرا حشر وہ تھا کہ جب حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کو اپنے دور خلافت میں خیبر سے شام کی طرف نکالا تھا۔

نوٹ: متن میں تسامح ہے، جس کو ترجمہ میں درست کر دیا گیا ہے۔

اے مومنو! تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ بھی یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے اللہ کے عذاب سے ان کی حفاظت کریں گے مَانِعَتُهُمْ، أن کی خبر ہے اور حُصُوْنُهُمْ، مَانِعَتُهُمْ کا فاعل ہے اس سے خبر تام ہوگئی، مگر اللہ یعنی اس کا حکم اور اس کا عذاب ایسی جگہ سے آپڑا کہ ان کو (وہم) و گمان بھی نہ تھا، یعنی مومنوں کی جانب سے، ان کے دل میں کبھی یہ بات آئی بھی نہ تھی اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا (رُعب) عین کے سکون اور ضمہ کے

ساتھ ہے ان کے سردار کعب بن اشرف کو قتل کر کے اور وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے (یُخَرِّبُوْنَ) اَخْرَبَ سے تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے، تاکہ وہ اپنی پسندیدہ چیزوں، لکڑی وغیرہ کو منتقل کر سکیں، اور مومنین کے ہاتھوں سے اُجڑوار ہے تھے، سوائے دانشمندو! عبرت حاصل کرو اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جلاوطنی (یعنی وطن سے نکلنا) مقدر نہ کردی ہوتی تو دنیا ہی میں اللہ ان کو قتل وقید کی سزا دیتا جیسا کہ قریظہ کے یہود کے ساتھ کیا گیا، اور آخرت میں تو ان کے لئے آگ کا عذاب ہے، ہی یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ کی مخالفت کرے گا اللہ اس کو شدید عذاب دے گا اے مسلمانو! تم نے جو کھجور کے درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے کھڑے رہنے دیا یہ سب اللہ کے حکم سے تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا اختیار دیدیا تھا، اور اس لئے بھی کہ کاٹنے کی اجازت دیکر فاسقوں (یعنی یہود) کو اللہ رسوا کرے، ان کے اس اعتراض کے جواب میں کہ پھلدار درختوں کو کاٹنا فساد ہے، اور ان کا جو مال اللہ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگا دیا ہے اے مسلمانو! نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ یعنی تم نے اس مال کے لئے کوئی مشقت نہیں اٹھائی لیکن اللہ جس پر چاہے اپنے رسول کو غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے لہٰذا اس مال میں تمہارا حق نہیں اور وہ مال آپ ﷺ اور ان لوگوں کے لئے خاص کیا گیا ہے جن چار قسموں کا دوسری آیت میں آپ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس کے مطابق آپ اس مال کو تقسیم فرماتے تھے، اس طریقہ پر کہ ان میں ہر ایک کے لئے دسواں حصہ اور باقی آپ ﷺ کے لئے ہے اس میں آپ جو چاہیں کریں چنانچہ اس میں سے آپ نے مہاجرین کو عطا فرمایا اور فقراء انصار میں سے تین (آدمیوں) کو عطا فرمایا بستی والوں جیسا کہ صفراء اور وادی القریٰ اور ینبع کا جو مال اللہ تعالیٰ نے تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگایا وہ اللہ کا ہے اس میں جس کے لئے چاہے حکم فرمائے اور رسول کا ہے اور قرابت والوں کا ہے یعنی بنی ہاشم و بنی مطلب میں سے نبی ﷺ کی قرابت والوں کا، اور یتیموں یعنی مسلمانوں کے ان بچوں کا جن کے آباء ہلاک ہوگئے، اور وہ محتاج ہیں، اور مسکینوں کا یعنی مسلمانوں میں سے حاجتمندوں کا اور مسافروں کا یعنی ان مسلمان مسافروں کا جو اپنے سفر کو جاری نہ رکھ سکیں، یعنی اس مال کے مستحق نبی ﷺ ہیں اور چار فریق ہیں جیسا کہ آپ تقسیم فرماتے تھے، اس طریقہ پر کہ چاروں کے مجموعہ کے لئے دسواں حصہ اور باقی آپ ﷺ کے لئے ہے تاکہ تمہارے دولتمندوں کے ہاتھوں میں ہی مال گردش کرتا نہ رہ جائے (کَیْلَا) کَیْ بمعنی لام ہے اور لام کے بعد أن مقدر ہے (کَیْلَا) سے مذکورہ طریقہ پر تقسیم کرنے کی علت کا بیان ہے اور رسول جو کچھ تمہیں مال فئ وغیرہ سے دے اس کو لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے ان فقراء مہاجرین کے لئے (شاباشی ہے) جو ان کے گھروں سے اور ان کے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں (درحقیقت) یہی ہیں سچے لوگ اپنے ایمان میں اور ان کے لئے جنہوں نے اپنے گھر (یعنی مدینہ) میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی یعنی ایمان سے الفت کرلی اور وہ انصار ہیں اپنی طرف ہجرت کر کے

آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور ان مہاجرین کو جو کچھ دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہیں کرتے یعنی نبی ﷺ نے مہاجرین کو بنی نضیر سے حاصل شدہ مال میں سے جو کہ آپ ﷺ کے لئے خاص تھا کچھ دیدیا تھا، بلکہ اپنے اوپر ان کو ترجیح دیتے ہیں گو خود کو اس مال کی کتنی ہی حاجت کیوں نہ ہو اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا یعنی مال کی حرص سے وہی ہیں کامیاب لوگ اور وہ لوگ جو ان کے یعنی مہاجرین وانصار کے بعد قیامت تک آئیں گے کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان والوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ نہ ڈال، اے ہمارے پروردگار بے شک تو شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سورۂ حشر انسٹھویں سورت ہے، اس کا دوسرا نام سورۃ النضیر ہے، یہ بالاتفاق مدنی سورت ہے۔

قِوْلَهُ: بنو نضیر یہ قبیلہ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت میں سے تھا۔

قِوْلَهُ: لِأَوَّلِ الحَشْرِ لام بمعنی فی ہے ای فی اول الحشرِ اور لام بمعنی عند بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ لِدُلوكِ الشمسِ میں ہے اس وقت لام توقیت کے لئے ہوگا، اَوَّل الحشر یہ اضافت صفت الی الموصوف کے قبیل سے ہے، ای الحشر الاوّل.

قِوْلَهُ: الی خَيْبَرَ صحیح مِنْ خَيْبَرَ ہے۔

قِوْلَهُ: تَـمَّ بِهِ الخبر، اَنَّهُمْ، میں هُمْ أنّ کا اسم ہے مَانِعَة اسم فاعل هُم اس کا مفعول حصُونُهُمْ اس کا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر أنّ کی خبر جیسے أن زيدًا قائمٌ ابوه اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حصُونُهُمْ مبتداء مؤخر اور مانِعَتُهُمْ خبر مقدم، مبتداء اپنی خبر مقدم سے مل کر أنّ کی خبر ہو۔

قِوْلَهُ: حُصُوْنٌ، حِصْنٌ کی جمع ہے بمعنی قلعے۔

قِوْلَهُ: مِنْ اَخْرَبَ اس کا تعلق تخفیف سے ہے، مطلب یہ کہ يُـخْرِبُوْنَ کو تخفیف کے ساتھ پڑھیں تو اَخْرَبَ سے ہوگا، اور اگر تشدید کے ساتھ پڑھیں يُخَرِّبُوْنَ تو (تفعیل) سے ہوگا۔

قِوْلَهُ: لَوْلَا أن كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ، أن مصدر یہ ہے، أن مع اپنے مابعد کے مصدر کی تاویل میں ہو کر مبتداء محلاً مرفوع ہے اس کی خبر وجوباً محذوف ہے اور وہ مَوْجُوْدٌ ہے ای لو لَا كِتَابَ اللّٰه عَلَيْهِمْ موجودٌ لَعَذَّبَهُمْ، لعذّبهم لو لا کا جواب ہے۔

قِوْلَهُ: الجلاء ای الخروج من الوطن مع الاهل و الولد، جلاوطنی کہتے ہیں مع اہل وعیال کے وطن چھوڑ کر چلے جانا، بخلاف خروج کے کہ وہ تنہا اور مع اہل وعیال دونوں طریقوں سے ہوسکتا ہے۔

قِوْلَهُ: اَللِّيْنَةُ یہ لِيْنٌ سے مشتق ہے عمدہ کھجور کو کہتے ہیں (ای النَّخْلَةُ الكَرِيْمَةُ) اس کی جمع اَلْيَانٌ آتی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلِیُخْزِیَ الْفَاسِقِیْنَ واؤ عاطفہ ہے معطوف علیہ محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَذِنَ فِیْ قَطْعِھَا لِیُعجز المؤمنین ویُخْزِی الْمُنَافِقِیْنَ.

قَوْلُہٗ: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِیْنَ ایک تو یہ ہے کہ لِلْفُقَرَاء کا تعلق فعل محذوف سے کیا جائے جیسا کہ علامہ محلی کی رائے ہے علامہ محلی نے اعْجَبُوْا فعل محذوف مانا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اعْجَبُوْا لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا (الآیة) اور یہ اظہار تعجب علیٰ سبیل المدح ہے، یعنی تعجب ہے کہ مہاجرین نے حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا کہ اپنا گھر بار عزیز وا قارب، مال و دولت، غرضیکہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اپنا سب کچھ تیاگ دیا اور بے یار و مددگار غریب الوطن ہو کر دیارِ غیر میں مقیم ہو گئے، لِلْفُقَرَاء کو فعل محذوف سے متعلق کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ذِی الْقُرْبیٰ کے لئے فقر شرط نہ ہوگا، بلکہ مال غنیمت (فیٔ) میں ذوی القربیٰ کا حق ہوگا خواہ وہ محتاج اور حاجتمند ہوں یا نہ ہوں، یہی مسلک امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا ہے مفسر علام چونکہ شافعی المسلک ہیں اس لئے اسی کے پیش نظر اعْجَبُوْا فعل محذوف مانا ہے تاکہ لِلْفُقَرَاء کو ذی القربیٰ سے بدل قرار نہ دینا پڑے، دوسری صورت یہ کہ للفقراء کو ذی القربیٰ سے بدل قرار دیا جائے جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ لِلْفُقَرَاءِ کو ذی القربیٰ اور اس کے مابعد سے بدل الکل قرار دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ فقر اور حاجت مع ذو القربیٰ تمام مذکورین کے لئے شرط ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذوالقربیٰ میں جو نادار اور غریب ہوں گے تو وہ مال فیٔ (غنیمت) میں حصہ دار ہوں گے ورنہ نہیں۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُ و الدَّار مدح انصار کے لئے کلام مستانف ہے یا اس کا عطف لِلْفُقَرَاء پر بھی کر سکتے ہیں، الَّذِیْنَ مذکورہ دونوں صورتوں میں یا تو مبتداء ہوگا یا پھر اس کا عطف لِلْفُقَرَاء پر ہوگا۔ اس صورت میں الذین محل جر میں ہوگا کہ الذین مبتداء ہو تو یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ الیهم جملہ ہو کر اس کی خبر ہوگی۔

قَوْلُہٗ: آلفُوه یہ اشارہ ہے کہ الایمان فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

ربط:

سابقہ سورت میں منافقین کی یہود کے ساتھ دوستی کی مذمت کا بیان تھا، اس سورت میں یہود پر دنیا میں جلاوطنی کی سزا اور آخرت میں شدید عذاب کا ذکر ہے۔

شانِ نزول:

آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے سیاسی اقدام کے طور پر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ قبائل یہود کے ساتھ جن میں بنو نضیر اور بنو قریظہ اور بنو قینقاع بھی شامل تھے، تحریری معاہدۂ صلح فرمایا جس کی رو سے یہود اور مسلمان آپس میں

ایک دوسرے کے حلیف ہوگئے، یہ معاہدہ مندرجہ ذیل چودہ دفعات پر مشتمل تھا، جو ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد ہوا تھا:
① قصاص اور خون بہا کے جو طریقے قدیم زمانہ سے چلے آرہے ہیں وہ عدل اور انصاف کے ساتھ بدستور قائم رہیں گے۔
② ہر گروہ کو اپنی جماعت کا عدل وانصاف کے ساتھ فدیہ دینا ہوگا۔ ③ ظلم اور اثم اور عدوان اور فساد کے مقابلہ میں سب متفق رہیں گے۔ ④ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی کافر کے مقابلہ میں قتل کرنے کا مجاز نہ ہوگا اور نہ کسی مسلمان کے مقابلہ میں کسی کافر کی کسی قسم کی مدد کی اجازت ہوگی۔ ⑤ ایک ادنیٰ مسلمان کو پناہ دینے کا وہی حق ہوگا جو ایک بڑے رتبہ کے مسلمان کو ہوگا۔ ⑥ جو یہود مسلمانوں کے تابع ہو کر رہیں گے ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی ⑦ کسی کافر اور مشرک کو یہ حق نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش کے کسی کی جان یا مال کو پناہ دے سکے یا قریش اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہو۔
⑧ بوقت جنگ یہود کو مسلمانوں کا ساتھ جان ومال سے ساتھ دینا ہوگا، مسلمانوں کے خلاف مدد کی اجازت نہ ہوگی۔ ⑨ نبی ﷺ کا کوئی دشمن اگر مدینہ پر حملہ کرے تو یہود پر آپ ﷺ کی مدد لازم ہوگی۔ ⑩ جو قبائل اس عہد میں شریک ہیں اگر ان میں سے کوئی قبیلہ علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو آپ ﷺ کی اجازت ضروری ہوگی۔ ⑪ کسی فتنہ پرداز کی مدد یا اس کو ٹھکانہ دینے کی اجازت نہ ہوگی اور جو شخص کسی بدعتی کی مدد کرے گا اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہے، قیامت تک اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔ ⑫ مسلمان اگر کسی سے صلح کریں گے تو یہود کو بھی اس صلح میں شریک ہونا ضروری ہوگا۔ ⑬ جو کسی مسلمان کو قتل کرے اور شہادت موجود ہو تو قصاص لیا جائے گا، الّا یہ کہ مقتول کا ولی دیت وغیرہ پر راضی ہو جائے۔ ⑭ جب کبھی نزاع یا کسی میں اختلاف رونما ہوگا تو اس میں آپ ﷺ سے رجوع کیا جائے گا۔ (البدایہ والنہایہ ملخصًا)

قبیلہ بنو نضیر مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلہ پر رہتا تھا، اسی دوران عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے قبیلہ بنی عامر کے دو کافروں کے قتل کا ایک واقعہ پیش آیا، بنو عامر سے آنحضرت ﷺ کا معاہدہ تھا۔

بیر معونہ اور عمرو بن امیہ ضمری کا واقعہ:

بیر معونہ کا واقعہ جو کہ تاریخ اسلام میں بڑا دردناک واقعہ ہے اس کا مختصر حال اس طرح ہے کہ حادثہ رجیع کے چند روز بعد ہی ماہِ صفر ۴ھ میں ابوالبراء عامر بن مالک بن جعفر نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی بستی میں تبلیغ اسلام کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت بھیجنے کی درخواست کی، آنحضرت ﷺ نے ستر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت ان کے ساتھ کردی بعد میں معلوم ہوا کہ یہ محض ایک سازش تھی جو کہ مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے تیار کی گئی تھی، چنانچہ وہ اس میں کامیاب ہوگئے، ان قراء کی جماعت میں سے صرف عمرو بن امیہ ضمری کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے، اتفاق یہ ہوا کہ مدینہ طیبہ آنے کے وقت راستہ میں ان کو دو کافر ملے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اپنے انہتر ساتھیوں کا بے رحمانہ قتل اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے ان کا غم وغصہ کتنا ہوگا ہر شخص سمجھ سکتا ہے، اس لئے انہوں نے یہ ٹھان لیا کہ ان سے اپنے انہتر مقتول ساتھیوں کا بدلہ لینا چاہئے، چنانچہ عمرو بن امیہ ضمری نے موقع پا کر ان دونوں کافروں کو قتل

کردیا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ دونوں آدمی قبیلہ بنی عامر کے تھے جن سے رسول اللہ ﷺ کا معاہدۂ صلح تھا، جب آنحضرت ﷺ کو اس کی غلطی کا علم ہوا تو آپ نے معاہدہ اور اصول شرعیہ کے مطابق ان دونوں کی دیت (خونبہا) ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس کے لئے مسلمانوں سے چندہ کیا اس سلسلہ میں بنونضیر کے پاس بھی جانا ہوا۔ (ابن کثیر، معارف)

یہود کا تاریخی پس منظر:

عرب کے یہودیوں کی کوئی مستند تاریخ دنیا میں موجود نہیں ہے، جو کچھ بھی ہے محض ان ہی کی زبانی روایات ہیں، درحقیقت جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جب ۷۰ء میں رومیوں نے فلسطین میں یہودیوں کا قتل عام کیا اور ۱۳۲ء میں ان کو سرزمین فلسطین سے نکالدیا، اس دور میں بہت سے یہودی قبائل بھاگ کر حجاز میں پناہ گزیں ہوگئے، یہاں آکر انہوں نے جہاں جہاں چشمے اور سرسبز مقامات دیکھے وہاں آباد ہوگئے اور پھر رفتہ رفتہ اپنے جوڑ توڑ اور سازشی فطرت کے ذریعہ ان مقامات پر پورا قبضہ جمالیا، ایلہ، مقنا، تبوک، تیما اور وادی القریٰ، فدک، اور خیبر پر ان کا تسلط اسی دور میں قائم ہوا، اور بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع بھی اسی دور میں آکر یثرب پر قابض ہوگئے، یہ لوگ جب مدینہ میں آکر آباد ہوئے تو اس وقت دوسرے عرب قبائل بھی آباد تھے جن کو انہوں نے دبالیا، اور عملاً اس علاقہ کے مالک بن بیٹھے، اس کے تقریباً تین صدی بعد ۴۵۰ء میں یمن کے اس سیلاب عظیم کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر سورۂ سبا کے دوسرے رکوع میں گذر چکا ہے اس سیلاب کی وجہ سے قوم سبا کے مختلف قبیلے یمن سے نکل کر عرب کے اطراف میں پھیل گئے ان میں سے غسانی شام میں اور بنی خزاعہ مکہ اور جدہ کے درمیان اور اوس اور خزرج یثرب میں جا کر آباد ہوگئے، یثرب پر چونکہ یہودی چھائے ہوئے تھے ان ہی کا مکمل کنٹرول تھا، اس لئے انہوں نے اول اول اوس وخزرج کی دال نہ گلنے دی، جس کی وجہ سے یہ دونوں قبیلے چارو لاچار بنجر اور سنگلاخ زمینوں پر بس گئے، آخر کار ان کے سرداروں میں سے ایک شخص اپنے غسانی بھائیوں سے مدد لینے کے لئے شام گیا اور وہاں سے ایک لشکر لاکر ان یہودیوں کا زور توڑ دیا، اس طرح اوس اور خزرج نے یثرب پر پورا تسلط حاصل کرلیا، یہودیوں کے دو بڑے قبیلے بنونضیر اور بنوقریظہ یثرب کے باہر جا کر بسنے پر مجبور ہوگئے، تیسرے قبیلے بنوقینقاع سے چونکہ مذکورہ دونوں یہودی قبیلوں کی ان بن تھی، اس لئے وہ شہر کے اندر ہی مقیم رہا، مگر یہاں رہنے کے لئے ان کو قبیلہ خزرج کی پناہ لینی پڑی، اور اس کے مقابلہ میں بنی نضیر اور بنی قریظہ نے قبیلہ اوس کی پناہ لی، ذیل کے نقشے سے ظاہر ہوجائے گا کہ یہودیوں کی بستیاں کہاں کہاں تھیں؟

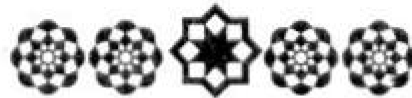

(عہد نبوی میں قبائل عرب کے علاقے کے نقشے)

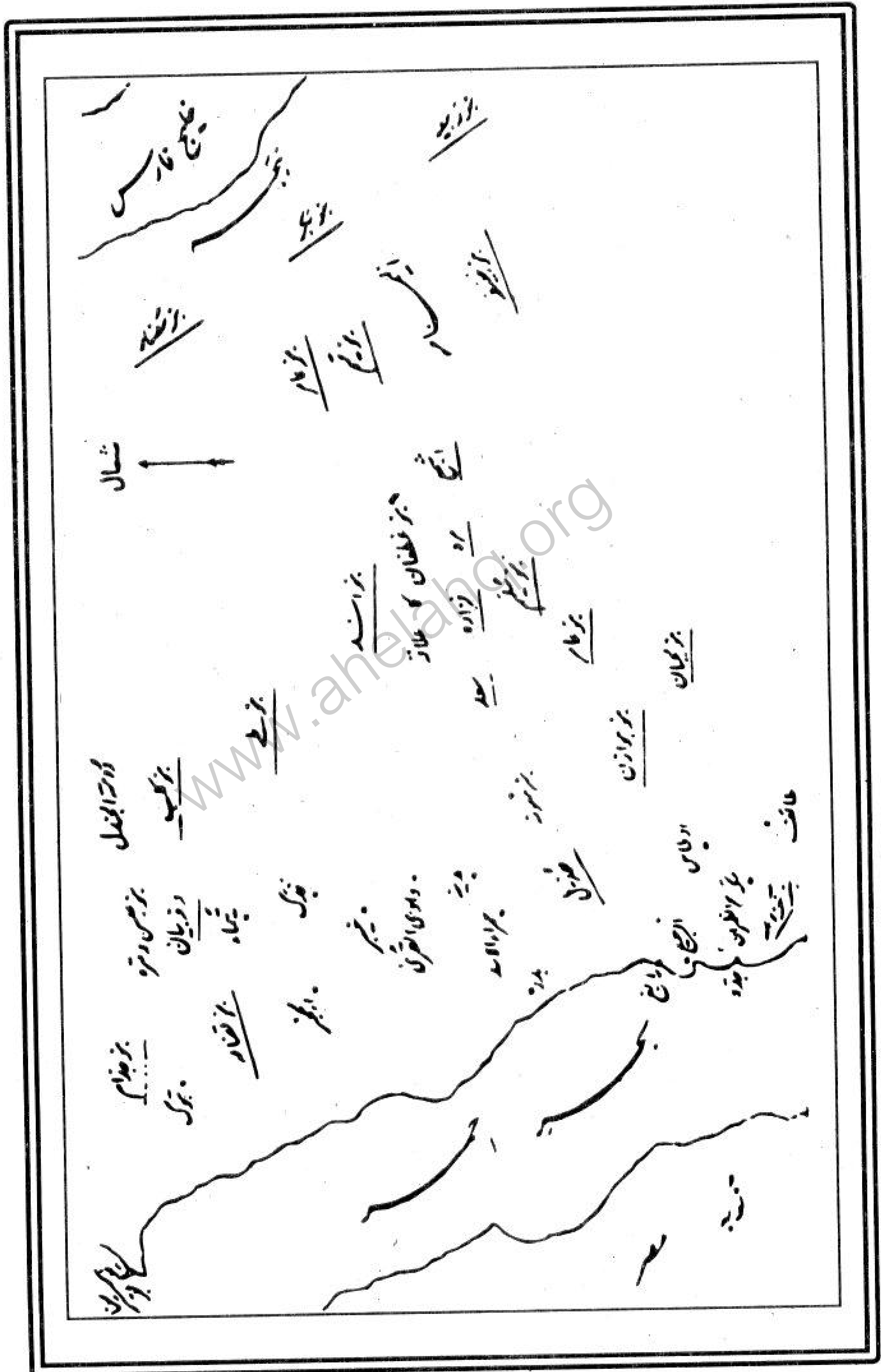

یہود اور ان کی عہد شکنی:

غزوۂ احد تک تو یہ لوگ بظاہر اس صلح نامہ کے پابند رہے مگر احد کے بعد انہوں نے غداری کی اور خفیہ خیانت شروع کر دی، اس غداری اور خیانت کی ابتداء اس سے ہوئی کہ بنونضیر کا ایک سردار کعب بن اشرف غزوۂ احد کے بعد اپنے ساتھ چالیس یہودیوں کا ایک قافلہ لے کر مکہ معظمہ پہنچا، ادھر ابوسفیان اپنے چالیس آدمیوں کو لیکر حرم بیت اللہ میں داخل ہوا اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر یہ معاہدہ کیا، کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے۔

کعب بن اشرف اس معاہدہ کے بعد جب مدینہ طیبہ واپس آیا تو جبرائیل امین نے آنحضرت ﷺ کو سارا واقعہ اور معاہدہ کی تفصیل بتادی، آپ ﷺ نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم جاری فرمادیا، چنانچہ محمد بن مسلمہ انصاری نے اس کے قتل کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔

کعب بن اشرف کا قتل اور اس کے اسباب:

مدینہ منورہ میں جب فتح بدر کی بشارت پہنچی تو کعب بن اشرف یہودی کو بے حد صدمہ ہوا، اور یہ کہا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے، کہ مکہ کے بڑے سردار اور اشراف مارے گئے، تو پھر زمین کا بطن اس کی ظہر سے بہتر ہے یعنی جینے سے مرجانا بہتر ہے تاکہ آنکھیں اس ذلت اور رسوائی کو نہ دیکھیں۔

لیکن جب خبر کی تصدیق ہوگئی تو مقتولین بدر کی تعزیت کے لئے ایک وفد لیکر مکہ روانہ ہوا اور مقتولین بدر کے مرثئے لکھے جن کو پڑھ پڑھ کر خود بھی روتا تھا اور دوسروں کو بھی رلاتا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں لوگوں کو جوش دلا کر آمادۂ قتال کرتا تھا، آخر ایک روز قریش کو حرم مکہ میں لے جا کر اور غلاف کعبہ پکڑ کر مسلمانوں سے قتال کرنے کا حلف اٹھایا، اس کے بعد جب مدینہ واپس آیا تو مسلمان عورتوں کے متعلق عشقیہ اشعار کہنے شروع کئے، کعب بن اشرف بڑا شاعر تھا، آپ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہتا تھا اور کفار مکہ کو آپ ﷺ کے مقابلہ کے لئے ہمیشہ بھڑکاتا رہتا تھا اور مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی ایذائیں دیتا رہتا تھا، جب صبر وتحمل کی حد ہوگئی اور پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور وہ کسی طرح باز نہ آیا تو آخرکار مجبور ہوکر آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ (ابوداؤد، ترمذی، فتح الباری)

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ کعب بن اشرف نے آپ کو دعوت کے بہانے سے بلایا اور کچھ آدمی متعین کر دیئے کہ جب آپ تشریف لائیں تو قتل کر ڈالیں، آپ آکر بیٹھے ہی تھے کہ جبرائیل امین نے آکر آپ کو ان کے ارادہ سے مطلع کر دیا آپ فوراً وہاں سے جبرائیل امین کے پروں کے سایہ میں باہر تشریف لے آئے، اور واپسی کے بعد اس کے قتل کا حکم دیا۔

(فتح الباری: ج۷ ص۲۵۹)

صحیح بخاری میں حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کعب بن اشرف کو قتل

کرنے کے لئے کون تیار ہے؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت ایذا پہنچائی ہے، یہ سنتے ہی محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ اس کا قتل چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! محمد بن مسلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیجئے جن کو سن کر بظاہر وہ خوش ہو جائے، آپ نے فرمایا اجازت ہے۔

محمد بن مسلمہ ایک روز کعب بن اشرف سے ملنے گئے اور اثناء گفتگو میں یہ کہہ دیا کہ یہ شخص (یعنی رسول اللہ ﷺ) ہم سے صدقہ اور زکوٰۃ مانگتا ہے اور اس شخص نے ہم کو مشقت میں ڈال دیا ہے، میں اس وقت آپ کے پاس قرض لینے کے لئے آیا ہوں، کعب بن اشرف نے کہا ابھی کیا ہے؟ آگے چل کر دیکھنا، خدا کی قسم تم ان سے اُکتا جاؤ گے، محمد بن مسلمہ نے کہا اب تو ہم اس کے پیرو ہو چکے ہیں ان کا چھوڑنا ہم پسند نہیں کرتے انجام کے منتظر ہیں، اس وقت ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ غلہ ہم کو بطور قرض دیدیں، کعب نے کہا بہتر ہے مگر میرے پاس کوئی چیز رہن رکھ دو، انہوں نے کہا کہ آپ کیا چیز رہن رکھوانا چاہتے ہیں؟ کعب نے کہا اپنی عورتوں کو رہن رکھ دو، انہوں نے کہا اپنی عورتوں کو رہن کیسے رکھ سکتے ہیں، اول تو غیرت وحمیت گوارہ نہیں کرتی، پھر یہ کہ آپ نہایت حسین وجمیل ہیں، کعب نے کہا آپ اپنے لڑکوں کو رہن رکھ دو، انہوں نے کہا یہ تو ساری عمر کی عار ہے، لوگ ہماری اولاد کو طعنہ دیں گے کہ تم وہی ہو جو دو سیر اور تین سیر غلہ کے عوض رہن رکھے گئے تھے، ہاں ہم اپنا ہتھیار آپ کے پاس رہن رکھ سکتے ہیں۔

حسبِ وعدہ یہ لوگ رات کو ہتھیار لیکر پہنچے اور جا کر کعب کو آواز دی، کعب نے اپنے قلعہ سے اترنے کا ارادہ کیا، بیوی نے کہا اس وقت کہاں جاتے ہو؟ کعب نے کہا محمد بن مسلمہ ابو نائلہ میرا دودھ شریک بھائی ہے کوئی غیر نہیں تم فکر نہ کرو، بیوی نے کہا مجھے اس آواز سے خون ٹپکتا ہوا نظر آتا ہے، کعب نے کہا اگر شریف آدمی رات کے وقت نیزہ مارنے کے لئے بھی بلایا جائے تو اس کو ضرور جانا چاہئے، اس دوران محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں کو یہ سمجھا دیا کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے بال سونگھوں گا، جب دیکھو کہ میں نے اس کے بالوں کو مضبوط پکڑ لیا ہے تو فوراً اس کا سر اتار لینا، چنانچہ جب کعب نیچے آیا تو سرتاپا خوشبو سے معطر تھا، محمد بن مسلمہ نے کہا، آج جیسی خوشبو تو میں نے کبھی سونگھی ہی نہیں، کعب نے کہا میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ حسین وجمیل اور سب سے زیادہ معطر عورت ہے، محمد بن مسلمہ نے آگے بڑھ کر خود بھی سر کو سونگھا اور اپنے رفقاء کو بھی سونگھایا، کچھ دیر کے بعد پھر محمد بن مسلمہ نے کہا آپ دوبارہ اپنا سر سونگھنے کی اجازت دیں گے؟ کعب نے کہا شوق سے، محمد بن مسلمہ اٹھے اور سر سونگھنے میں مشغول ہو گئے جب سر کے بال مضبوط پکڑ لئے تو ساتھیوں کو اشارہ کیا، فوراً ہی سب نے اس کا سر قلم کر دیا اور آناً فاناً اس کا کام تمام کر دیا۔ (فتح الباری: ج۷، ص ۲۶۰)

اور اخیر شب میں رسول اللہ کی خدمت میں پہنچے، آپ نے دیکھتے ہی یہ ارشاد فرمایا اَفْلَحَتِ الْوُجُوْهُ" یہ چہرے کامیاب ہوئے" ان لوگوں نے جواباً عرض کیا، وَوَجْهُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ "اے اللہ کے رسول آپ کا چہرہ مبارک بھی" اس کے بعد کعب بن اشرف کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا، آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا، جب یہود کو اس کا علم ہوا تو یکلخت مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے، اور جب صبح ہوئی تو یہود کی ایک جماعت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض

کیا: کہ ہمارا سردار اس طرح مارا گیا، آپ نے فرمایا وہ مسلمانوں کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتا تھا، اور لوگوں کو ہمارے قتال پر آمادہ کرتا تھا، یہود دم بخود رہ گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے، بعد ازاں آپ نے ان سے ایک عہد نامہ لکھوایا کہ یہود میں سے آئندہ کوئی اس قسم کی حرکت نہ کرے گا۔ (طبقات ابن سعد)

کعب بن اشرف اور اس کی دریدہ دہنی اور قتل کے اسباب:

① نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں دریدہ دہنی اور سب وشتم اور گستاخانہ کلمات کا زبان سے نکالنا۔ ② آپ کی ہجو میں اشعار کہنا۔ ③ غزلیات اور عشقیہ اشعار میں مسلمان عورتوں کا بطور تشبیب ذکر کرنا۔ ④ غدر اور نقض عہد۔ ⑤ لوگوں کو آپ کے مقابلہ کے لئے ابھارنا۔ ⑥ دعوت کے بہانہ سے آپ کے قتل کی سازش کرنا۔ ⑦ دین اسلام پر طعن کرنا۔

بنونضیر کی جلاوطنی کے وقت مسلمانوں کی رواداری:

آج کے بڑے حکمراں اور بڑی حکومتیں جو انسانی حقوق کے تحفظ پر بڑے بڑے لکچر دیتے ہیں اور حقوق انسانی کے تحفظ کے نام سے بڑی بڑی عالمی اور ملکی اور علاقائی انجمنیں بنا رکھی ہیں اور تحفظ حقوق انسانی کے چودھری کہلاتے ہیں، ذرا اس واقعہ پر نظر ڈالیں کہ بنونضیر کی مسلسل سازشیں، خیانتیں، قتل رسول کے منصوبے جو آپ ﷺ کے سامنے آتے رہے، اگر آج کل کے کسی حکمراں اور کسی سربراہِ مملکت کے سامنے آئے ہوتے تو ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا؟ آج کل تو زندہ لوگوں پر پیٹرول چھڑک کر میدان صاف کر دینا کسی بڑے اقتدار و حکومت کا بھی محتاج نہیں، کچھ غنڈے شریر جمع ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ کر ڈالتے ہیں۔

آپ ﷺ کے بدترین دشمن کے ساتھ بے مثال رواداری:

یہ حکومت خدا کی اور اس کے رسول کی ہے جب غداریاں اور سازشیں انتہا کو پہنچ گئیں تو اس وقت بھی ان کے قتل عام کا ارادہ نہیں فرمایا، ان کے مال واسباب چھین لینے کا کوئی تصور نہیں تھا بلکہ اپنا سب مال لے کر صرف شہر خالی کر دینے کا فیصلہ فرمایا، اور اس کے لئے بھی ان کو دس روز کی مہلت دی تاکہ آسانی کے ساتھ اپنا سامان لیکر اطمینان سے کسی دوسرے مقام پر منتقل ہو جائیں، جب اس حکم کی بھی خلاف ورزی کی تو فوجی اقدام کی ضرورت پیش آئی۔

یہود کی شرارت اور بدعہدی:

بنی عامر کے دو آدمیوں کی دیت کے سلسلہ میں آپ اپنے چند رفقاء کے ہمراہ یہود کی بستی بنونضیر تشریف لے گئے، بنونضیر نے آپ کے تشریف لے جانے پر بظاہر دیت میں شرکت کے بارے میں آمادگی کا اظہار کیا، اور آپ کو ایک قلعہ کی دیوار کے سایہ

میں بٹھا دیا اور لوگوں کو جمع کرنے کے بہانے ادھر ادھر چلے گئے اور جدا ہو کر آپس میں یہ مشورہ کیا کہ یہ بہت اچھا موقع ہے کہ کوئی شخص قلع پر چڑھ کر اوپر سے پتھر دھکیل دے تاکہ محمد ﷺ اور ان کے تینوں ساتھی کچل جائیں۔

چنانچہ ایک شخص عمر بن محاسن بن کعب فوراً اوپر چڑھا کہ پتھر آپ پر گرا دے ابھی وہ گرانے نہ پایا تھا کہ آپ کو خدا نے بذریعہ وحی یہودیوں کے اس منصوبے کی اطلاع دے دی، آپ ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہمراہ لیکر مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے، یہودیوں نے آپ کو واپس بلانا چاہا، آپ نے فرمایا کہ تم نے ہمارے قتل کا منصوبہ تیار کیا اب ہم کو تمہارا اعتبار نہیں رہا، اور بنو نضیر اس الزام کا انکار بھی نہ کر سکے، اب ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کا سوال ہی نہیں رہا، آپ ﷺ نے ان کو یہ الٹی میٹم بھیج دیا کہ تم یہاں سے دس دن کے اندر جلا وطن ہو جاؤ، دس دن کے بعد اگر تمہاری بستی میں کوئی شخص پایا گیا تو اس کی گردن ماردی جائے گی، بنو نضیر نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور لڑائی کے لئے مستعد ہو گئے، دوسری طرف عبداللہ بن ابی منافق نے یہودیوں کو پیغام بھیج دیا کہ میں دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کروں گا، اور بنی قریظہ اور بنی غطفان بھی تمہاری مدد کے لئے آئیں گے، اسی جھوٹے بھروسے اور اعتماد پر انہوں نے آپ ﷺ کے الٹی میٹم کا یہ جواب دیا کہ ہم یہاں سے نہیں نکلیں گے، آپ سے جو کچھ ہو سکے کر لیجئے، اس پر آپ ﷺ نے ربیع الاول ۴ھ میں ان کا محاصرہ کر لیا جو پندرہ دن جاری رہا، اس محاصرہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ بنو نضیر نے عبداللہ بن ابی کے ذریعہ آپ کو پیغام بھیجا کہ اگر ہماری جان بخشی کی جائے تو ہم جلا وطنی کو تیار ہیں، آپ نے حکم دیا کہ سوائے ہتھیاروں کے دیگر تمام مال و اسباب جو اونٹوں پر بار ہو سکتا ہو لیکر یہاں سے نکل جاؤ، چنانچہ بنو نضیر ہتھیاروں کے علاوہ دیگر مال اونٹوں پر لاد کر لے گئے حتی کہ در اور مکان کی کڑیاں اور الماریاں وغیرہ سب لے گئے اور مکانوں کو ویران و مسمار کر گئے، غرضیکہ کوئی چیز قابل استعمال نہیں چھوڑی حتی کہ مٹکے تک توڑ گئے، یہاں سے روانہ ہو کر کچھ تو خیبر میں مقیم ہو گئے اور کچھ شام میں جا کر آباد ہو گئے، یہودیوں میں یامین بن عمیر اور سعید بن وہب دو شخص مسلمان ہوئے اس لئے ان کے مال و اسباب اور اسلحہ وغیرہ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا، اسی غزوہ کے بارے میں سورۂ حشر نازل ہوئی۔

(تاریخ الاسلام، اکبر شاہ خان نجیب آبادی ملخصًا)

لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ''حشر'' کے معنی منتشر افراد کو جمع کرنا یا منتشر افراد کو جمع کر کے نکال دینا، اور لاول الحشر کے معنی ہیں پہلے حشر کے ساتھ یا پہلے حشر کے موقع پر، اب رہا یہ سوال کہ یہاں اول حشر سے کیا مراد ہے؟ تو اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے ایک گروہ کے نزدیک اس سے بنی نضیر کا مدینہ سے اخراج مراد ہے، اور اس کو پہلا حشر اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ دوسرا حشر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوا جب یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکالا گیا، دوسرے گروہ کے نزدیک اس سے مسلمانوں کی فوج کا اجتماع مراد ہے جو بنی نضیر سے جنگ کرنے کے لئے جمع ہوا تھا، اس صورت میں لاول الحشر کے یہ معنی ہیں کہ ابھی مسلمان ان سے لڑنے کے لئے جمع ہی ہوئے تھے، اور کشت و خون کی نوبت نہ آئی کہ اللہ کی قدرت سے وہ جلا وطنی کے لئے تیار ہو گئے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً الخ مسلمانوں نے جب محاصرہ شروع کیا تو بنی نضیر کی بستی کے اطراف میں

نخلستان واقع تھے ان کے بہت سے درختوں کو کاٹ ڈالا یا جلا ڈالا گیا تھا، تا کہ محاصرہ بآسانی کیا جاسکے اور درخت فوجی نقل وحرکت میں حائل نہ ہوں چنانچہ جو درخت حائل نہیں تھے انہیں کھڑا رہنے دیا گیا تھا، اس پر مدینہ کے منافقوں اور بنوقریظہ اور خود بنونضیر نے شور مچادیا کہ محمد ﷺ تو فساد فی الارض سے منع کرتے ہیں مگر خود ہرے اور پھلدار درختوں کو کاٹے جارہے ہیں، یہ آخر فساد فی الارض نہیں تو اور کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ تم لوگوں نے جو درخت کاٹے اور جن کو کھڑا رہنے دیا ان میں سے کوئی فعل بھی ناجائز نہیں ہے بلکہ دونوں کو اللہ کا اذن حاصل ہے، اس سے شرعی مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ جو جنگی ضروریات کے لئے تخریبی کارروائی ناگزیر ہو وہ فساد فی الارض کی تعریف میں نہیں آتی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے یہ وضاحت فرمادی ہے، قَطَعُوا منها مَا كَانَ موضع القتال مسلمانوں نے بنونضیر کے درختوں میں سے صرف وہ درخت کاٹے تھے جو جنگ کے مقام پر واقع تھے۔ (تفسیر نیشا پوری)

مَسْئَلَہٌ: بحالت جنگ کفار کے گھروں کو منہدم کرنا یا جلانا، اسی طرح درختوں اور کھیتوں کو برباد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحالت جنگ ان سب کاموں کو جائز قرار دیا ہے، مگر شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ جواز اس وقت ہے جبکہ اس کے بغیر کفار پر غلبہ پانا مشکل ہو۔

مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ (الآیة) افَاءَ، فیئ سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں، اسی لئے زوال کے وقت کے سایہ کو فیئ کہتے ہیں، اس لئے کہ زوال سے پہلے جو سایہ مغرب کی طرف تھا زوال کے بعد وہ سایہ مشرق کی طرف لوٹتا ہے، جو اموال غنیمت کفار سے حاصل ہوتے ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ کفار کے باغی ہوجانے کی وجہ سے ان کے اموال بحق سرکار ضبط ہوجاتے ہیں، اور ان کی ملکیت سے نکل کر پھر مالک حقیقی کی طرف لوٹ آتے ہیں، اس لئے ان کے حاصل ہونے کو اَفَآءَ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، اس کا تقاضہ یہ تھا کہ کفار سے حاصل ہونے والے تمام قسم کے اموال کو فیئ کہا جائے، مگر جو مال جہاد وقتال کے ذریعہ حاصل ہو اس میں انسانی عمل اور جدوجہد کو بھی ایک قسم کا دخل ہوتا ہے اس لئے اس کو لفظ غنیمت سے تعبیر فرمایا وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مال بغیر جہاد وقتال کے حاصل ہوا ہے وہ مجاہدین اور غانمین میں مالِ غنیمت کے قانون کے مطابق تقسیم نہیں ہوگا بلکہ اس کا کلی اختیار رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا، جس کو جتنا چاہیں عطا فرمادیں، یا اپنے لئے رکھیں، البتہ یہ پابندی عائد کردی گئی اور چند اقسام مستحقین کی متعین کردی گئیں کہ اس مال کی تقسیم ان ہی اقسام میں دائر رہنی چاہیے، اس کا بیان آئندہ آیت میں اس طرح فرمایا مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى اس میں اہل قریٰ سے مراد بنونضیر اور ان جیسے دوسرے قبائل بنوقریظہ وغیرہ ہیں جن کے اموال بغیر قتال کے حاصل ہوئے، آگے مصارف ومستحقین کی پانچ قسمیں بیان فرمائی گئی ہیں جن کا بیان آگے آتا ہے۔ (معارف)

آیاتِ مذکورہ میں فیئ کے احکام اس کے مستحقین اور ان میں تقسیم کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے، اوپر مال غنیمت اور مال فیئ میں فرق کا بیان ہوچکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو کفار سے جہاد وقتال کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے اور فیئ وہ مال جو بغیر جہاد وقتال کے حاصل ہوا خواہ اس طرح کہ وہ اپنا مال چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں یا رضامندی سے بصورت جزیہ

وخراج یا تجارتی ڈیوٹی وغیرہ کے ذریعہ ان سے حاصل ہوا ہو، مذکورہ فرق کو فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ سے ظاہر کیا گیا ہے، اونٹ اور گھوڑے دوڑانے سے مراد جنگی کارروائی ہے، لہٰذا جو مال براہِ راست اس کارروائی سے ہاتھ آئے وہ غنیمت ہے، اور جس مال کے حصول کا اصل سبب یہ کارروائی نہ ہو وہ مال فئی ہے۔

مذکورہ مسئلہ کی مزید وضاحت:

مال غنیمت اور مال فئی کے درمیان اوپر فرق بیان کیا گیا ہے اس کو اور زیادہ کھول کر فقہائے اسلام نے اس طرح بیان کیا ہے، کہ مال غنیمت صرف اموال منقولہ ہیں جو جنگی کارروائیوں کے دوران دشمن کے لشکروں سے حاصل ہوں، اور اس کے ماسوا دشمن کے ملک کی زمینیں مکانات اور دیگر اموال منقولہ وغیر منقولہ غنیمت کی تعریف سے خارج ہیں، اس تشریح کا ماخذ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا وہ خط ہے جو انہوں نے سعد بن ابی وقاص کو فتح عراق کے بعد لکھا تھا، اس میں وہ فرماتے ہیں فَانظر مَا اَجْلَبُوا بہ عَلَیك فی العسکر مِن کراعٍ اَو مالٍ فَاقسِمْہُ بین مَن حَضَرَ مِنَ المُسلمینَ وَاتْرُكِ الاَرضین والاَنہار لِعُمَّالِھَا لیکونَ ذٰلك فی اَعْطیَاتِ المسلمین.

''جو مال ومتاع فوج کے لوگ تمہارے لشکر میں سمیٹ لائے ہیں اس کو ان مسلمانوں میں تقسیم کردو جو جنگ میں شریک تھے، اور زمینیں اور نہریں ان لوگوں کے پاس چھوڑ دو جو ان پر کام کرتے ہیں تاکہ ان کی آمدنی مسلمانوں کی تنخواہوں کے کام آئے''۔ (کتاب الخراج لابی یوسف رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ص ۲۴) اسی بنیاد پر حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ جو کچھ دشمن کے کیمپ سے ہاتھ آئے وہ ان کا حق ہے جنہوں نے اس پر فتح پائی، اور زمین مسلمانوں کے لئے ہے، مال غنیمت میں پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے فوج میں تقسیم کئے جائیں گے، یہ رائے یحییٰ بن آدم کی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ''الخراج'' میں بیان فرمائی ہے اس سے بھی زیادہ جو چیز غنیمت اور فئی کے فرق کو واضح کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جنگ نہاوند کے بعد جب مالِ غنیمت تقسیم ہو چکا تھا اور مفتوحہ علاقہ اسلامی حکومت میں داخل ہو گیا تھا ایک صاحب سائب بن اقرع کو قلعہ میں جواہر کی دو تھیلیاں ملیں، ان کے دل میں یہ الجھن پیدا ہوئی کہ آیا یہ مال غنیمت ہے جسے فوج میں تقسیم کیا جائے یا اس کا شمار اب فئی میں ہے، جسے بیت المال میں جمع ہونا چاہئے؟ آخر کار انہوں نے مدینہ حاضر ہو کر معاملہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سامنے پیش کیا، اور انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ اسے فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے، اس سے معلوم ہوا کہ غنیمت صرف وہ اموالِ منقولہ ہیں جو دورانِ جنگ فوج کے ہاتھ آئیں، جنگ ختم ہونے کے بعد اموال غیر منقولہ کی طرح اموال منقولہ بھی فئی کے حکم میں داخل ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ آیت میں مستحقین کی تعداد چھ بتائی گئی ہے، جن میں ایک اللہ ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو پوری کائنات کا مالک ہے اسے حصے کی کیا ضرورت؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو یہ مال ملک تصرف کے طور پر دے رکھا تھا جب انہوں نے غداری کی اور مالک حقیقی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تو اللہ نے اپنے وفادار بندوں کے ذریعہ یہ مال واپس

اپنی ملکیت میں لے لیا، اسی وجہ سے اس کو مال فئ کہتے ہیں، اب اس میں سے جس کو بھی ملے گا، وہ کسی انسان کی جانب سے خیرات یا صدقہ نہیں ہوگا بلکہ وہ اللہ رب العالمین کی جانب سے نہایت پاکیزہ عطیہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ مال فئ میں سے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بھی دیا جاتا تھا۔

اب مستحق اور مصارف کل پانچ رہ گئے (۱) رسول (۲) ذوی القربیٰ (۳) یتیم (۴) مسکین (۵) مسافر۔ یہی پانچ مصارف مال غنیمت کے خمس کے ہیں، جس کا بیان سورۂ انفال میں آیا ہے، اور یہی مصارف مال فئ کے ہیں، مال فئ کے بارے میں یہ بات پہلے مذکور ہوچکی ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اغنیاء ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط ہوگیا، فقراء ذوی القربیٰ کا حصہ آج بھی باقی ہے، یہ مسلک امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اغنیاء ذوی القربیٰ کے حصہ کو آپ کی وفات کے بعد ساقط نہیں کرتے بلکہ جس طرح آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ان کا حصہ تھا آج بھی حصہ ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی دلیل یہ بیان کی گئی کہ ذوی القربیٰ کو حصہ ان کے احترام واکرام کے طور پر دیا جاتا تھا اس میں اغنیاء اور فقراء سب شامل ہیں مثلاً حضرت عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا مالدار آدمی تھے مگر ان کو بھی مال فئ میں سے دیا جاتا تھا۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ ذوی القربیٰ کو مال فئ سے دینے کی دو وجہ ، ایک نصرتِ رسول ﷺ یعنی اسلامی کاموں میں رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنا، اس لحاظ سے اغنیاء ذوی القربیٰ کو بھی حصہ دیا جاتا تھا، دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے ذوی القربیٰ پر مال صدقہ حرام کردیا گیا ہے، تو ان کے فقراء ومساکین کو صدقہ کے بدلہ میں مال فئ سے حصہ دیا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد نصرت وامداد کا سلسلہ ختم ہوگیا، تو یہ وجہ باقی نہ رہی اس لئے اغنیاء ذوی القربیٰ کا حصہ بھی رسول کے حصہ کی طرح ختم ہوگیا البتہ فقراء ذوی القربیٰ کا حصہ بحیثیت فقر واحتیاج کے اس مال میں باقی رہا، البتہ وہ اس مال میں دوسرے فقراء ومساکین کے مقابلہ میں مقدم رکھے جائیں گے۔ (کذافی الهدایہ)

كَيْلَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ، دُوْلَةً دال کے ضمہ کے ساتھ اور ایک لغت فتحہ کے ساتھ بھی ہے دست گرداں (چرخہ) دَالَ يَدُوْلُ دَوْلًا (ن) گردش کرنا، دولت بھی چونکہ گردش کرتی ہے، آج اس کے پاس تو کل اُس کے پاس، اس لئے اس کو دولت کہتے ہیں (لغات القرآن) آیت کا مطلب یہ ہے کہ مال فئ کے مستحقین اس لئے متعین کردیئے گئے ہیں تاکہ یہ مال مالداروں ہی کے درمیان گردش کرنے والی چیز نہ بن جائے۔

یہ آیت قرآن مجید کی اہم ترین اصولی آیات میں سے ہے، جس میں اسلامی معاشرہ اور حکومت کی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہونی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ مال صرف مالداروں ہی میں گھومتا ہے، جس کے نتیجے میں امیر روز بروز امیر تر اور غریب روز بروز غریب تر ہوتے چلے جائیں، قرآن مجید میں اس پالیسی کو صرف بیان کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ اسی مقصد کے لئے سود، سٹہ، جوا، جو اکتساب مال کے ایسے ذرائع ہیں کہ ان کے ذریعہ دولت چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے، ان سب کو سخت حرام قرار دیا ہے، اور زکوٰۃ فرض کی گئی ہے، اموال غنیمت میں سے خمس نکالنے کا حکم دیا گیا ہے جن سے دولت کی معاشرے کے غریب طبقات تک رسائی ہوسکے، اخلاقی حیثیت سے بھی

بخل کو سخت قابل مذمت اور فیاضی کو بہترین صفت قرار دیا گیا ہے، خوشحال طبقوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ ان کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے جسے خیرات سمجھ کر ادا کرنا چاہئے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی کی اہم ترین مدات دو ہیں، ایک زکوٰۃ اور دوسرے فئی زکوٰۃ صاحب نصاب مسلمانوں کے سرمایہ، مویشی، اموال تجارت اور زرعی پیداوار سے وصول کی جاتی ہے اور وہ زیادہ تر غریبوں ہی کے لئے مخصوص ہے، اور فئی میں جزیہ اور خراج سمیت وہ تمام آمدنیاں شامل ہیں جو غیر مسلموں سے حاصل ہوتی ہیں، اور انکا بھی بڑا حصہ غریبوں ہی کے لئے مخصوص کیا گیا ہے، یہ اس طرف کھلا ہوا اشارہ ہے کہ اسلامی حکومت کو اپنی آمد وخرچ کا نظام اور تمام مالی اور معاشی معاملات کا انتظام اس طرح کرنا چاہئے کہ دولت کے ذرائع پر مالدار اور بااثر لوگوں کی اجارہ داری قائم نہ ہو اور نہ دولت مندوں کے درمیان گردش کرتی رہ جائے، کیسے بے بصیرت ہیں وہ لوگ جو اسلام جیسے منصفانہ اور عادلانہ اور حکیمانہ نظام کو چھوڑ کر نئے نئے ازموں کو اختیار کر کے امن عالم کو برباد کرتے ہیں؟

مَاآتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فخذُوْہُ ومَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ (الآیة) یہ آیت اگرچہ مال فئی کے سلسلہ میں آئی ہے اور اس سلسلہ کے مناسب اس کا مفہوم یہ ہے کہ مال فئی میں اگرچہ مستحقین کے طبقات بیان کردیئے ہیں مگر ان میں کس کو کتنا دیں اس کی تعیین رسول اللہ ﷺ کی صوابدید پر رکھی ہے اس لئے مسلمانوں کو اس آیت میں ہدایت دی گئی ہے کہ جس کو جتنا آپ عطا فرمائیں اسی کو راضی ہو کر لے لیں، اور جو نہ دیں اس کی فکر میں نہ پڑیں، آگے اس کو اتقوا اللّٰہ کے حکم سے مؤکد کر دیا کہ اگر اس معاملہ میں کچھ غلط حیلے بہانے بنا کر زائد وصول کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے وہ اس کی سزا دے گا۔

لِلْفُقَرَاءِ المھاجِرِیْنَ ترکیب نحوی کے اعتبار سے لِلْفُقَرَاءِ کو لِذِی الْقُرْبٰی کا بدل قرار دیا گیا ہے جو اس سے پہلی آیت میں مذکور ہے۔ (مظہری) اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ پچھلی آیت میں جو عام یتیموں مسکینوں اور مسافروں کو ان کے فقر واحتیاج کی بناء پر مال فئی کے مستحقین میں شمار کیا گیا ہے ان آیات میں اس کی مزید تشریح اس طرح کی گئی ہے اگرچہ حقدار اس مال میں تمام فقراء ومساکین ہیں لیکن پھر بھی ان میں یہ حضرات اور سب لوگوں سے مقدم ہیں، جن کی دینی خدمات اور ذاتی اوصاف کمالاتِ دینیہ معروف ہیں، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے للمھاجرین کو وَلِذِی الْقُرْبٰی سے بدل قرار دینے کے بجائے فعل محذوف سے متعلق مانا ہے، اسی کے پیش نظر مفسر علام نے اس کو اعْجَبُوا فعل مقدر کے متعلق کیا، اس کی مزید وضاحت تحقیق وترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے، ملاحظہ فرمالی جائے۔

مذکورہ آیت میں مال فئی کا صحیح ترین مصرف بیان کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی مہاجرین کی فضیلت ان کے اخلاص اور ان کی راست بازی کی وضاحت ہے، جس کے بعد ان کے ایمان میں شک کرنا گویا قرآن کا انکار ہے، معاذ اللہ روافض جو ان حضرات کو منافق کہتے ہیں یہ اس آیت کی کھلی تکذیب ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو تقویٰ کے لئے آزمائے جانے کی گواہی دی ہے، ان حضرات مہاجرین کا اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک یہ مقام تھا کہ اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے ان فقراء مہاجرین کا وسیلہ دے کر دعا فرماتے تھے۔ (بغوی، مظہری)

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُ و الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ، تَبَوُّءٌ کے معنی ٹھکانے بنانے کے ہیں، اور دار سے مراد دارِ ہجرت یا دار ایمان یعنی مدینہ طیبہ ہے مدینہ طیبہ کو دار ایمان کہنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ عرب کے تمام علاقہ جہاد اور فوج کشی کے ذریعہ فتح ہوئے مگر مدینہ طیبہ ایمان کے ذریعہ فتح ہوا۔ (قرطبی)

اس آیت میں ایمان کا دار پر عطف کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انصار نے دار ہجرت میں ٹھکانہ بنایا اور ایمان میں ٹھکانہ بنایا حالانکہ ٹھکانہ بنانا کسی مقام اور جگہ میں ہوتا ہے ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس میں ٹھکانہ بنایا جاسکے، اس لئے بعض حضرات نے کہا کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے یعنی اَخْلَصُوا الْاِیْمَانَ یعنی یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے دار ہجرت کو ٹھکانہ بنایا اور ایمان میں مخلص اور مضبوط رہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ واؤ بمعنی مع ہو تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے ایمان کے ساتھ دارِ ہجرت کو ٹھکانہ بنایا، مِنْ قَبْلِھِمْ کا مطلب ہے مہاجرین کے ہجرت کر کے آنے سے پہلے ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہوکر پختہ ہو چکا تھا، انصار کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی کہ مہاجرین کو اللہ کا رسول جو کچھ دے اس پر حسد اور انقباض محسوس نہیں کرتے، جیسے مال فئ کا اولین مستحق مہاجرین کو قرار دیا مگر انصار نے برا نہیں مانا۔

یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَةٌ یعنی اپنے مقابلہ میں مہاجرین ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں خود بھوکے رہتے ہیں لیکن مہاجرین کو کھلاتے ہیں، جیسے حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا لیکن آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ تھا چنانچہ ایک انصاری اسے اپنے گھر لے گیا، گھر جا کر بیوی کو بتلایا تو بیوی نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کی خوراک ہے، انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بچوں کو تو آج بھوکا سلادیں اور ہم خود بھی ایسے ہی کچھ کھائے بغیر سو جائیں گے، البتہ مہمان کو کھلاتے وقت چراغ گل کر دینا تاکہ مہمان کو ہماری بابت علم نہ ہو کہ ہم اس کے ساتھ کھانا نہیں کھا رہے ہیں، صبح جب وہ انصاری صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں میاں بیوی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ الآیة.

(صحیح بخاری تفسیر سورۃ الحشر)

وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰئِكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اس آیت میں ایک عام ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچ گئے تو اللہ کے نزدیک وہ ہی فلاح اور کامیابی پانے والے ہیں، لفظ شح اور بخل تقریباً ہم معنی ہیں، البتہ لفظ شح میں کچھ مبالغہ ہے اور وہ یہ کہ شح کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے کہ جب بخیلی نفس میں خوب رچ بس کر پختہ ہوگئی ہو، حدیث شریف میں ہے کہ شح سے بچو، اس حرص نفس نے ہی پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اس نے انہیں خونریزی پر آمادہ کیا اور انہوں نے محارم کو حلال کیا۔ (صحیح مسلم کتاب البر)

وَالَّذِیْنَ جَاءُ وْ مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا (الآیة) یہ مال فئ کے مستحقین کی تیسری قسم ہے یعنی صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ کے بعد آنے والے اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ کے نقش قدم پر چلنے والے، اس میں تابعین اور تبع تابعین اور قیامت

تک ہونے والے اہل ایمان وتقویٰ سب آگئے، لیکن شرط یہی ہے کہ وہ انصار ومہاجرین کو مومن مانتے ہوں، اوران کے حق میں دعائے مغفرت کرنے والے ہوں نہ کہ ان کے ایمان میں شک کرنے والے اوران پرسب وشتم کرنے والے اوران کے خلاف اپنے دلوں میں بغض وعناد رکھنے والے، امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے یہی بات فرمائی اِنَّ الرافضی الّذی یَسُبُّ الصَّحابَۃَ لَیْسَ لَہٗ فِی مالِ الفَیٔ نصیبٌ لِعَدمِ اِتصافِہٖ بِمَا مَدَحَ اللّٰہُ بہٖ ھٰؤلاءِ فِی قولِھم رافضی کو جوصحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ پرسب وشتم کرتے ہیں مال فی سے حصہ نہیں ملے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کی مدح کی ہے اور رافضی ان کی ہی مذمت کرتے ہیں۔ (ابن کثیر)

اَلَمْ تَرَ تَنْظُرْ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وهم بَنُو النَّضِیر واخوانُهم فی الكفر لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ فی الاربعةِ اُخْرِجْتُمْ مِنَ المَدِینةِ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْكُمْ فِی خُذلانِكم اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ حُذِفَتْ مِنه اللامُ المُوطِّئَةُ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑪ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ جاءُوا لِنَصْرِهم لَیُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ واستغنٰی بجوابِ القسمِ المُقدَّرِ عن جوابِ الشرطِ فی المَواضعِ الخمسةِ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ ⑫ ای الیهودُ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً خوفًا فِیْ صُدُوْرِهِمْ ای المُنافقینَ مِّنَ اللّٰهِ لتاخیرِ عذابِه ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ⑬ لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ ای الیهودُ جَمِیْعًا مُجتمعینَ اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ سُورٍ وفی قِراءةٍ جُدر بَاْسُهُمْ حَرْبُهم بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا مُجتمعینَ وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰی مُتفرّقةٌ خلافَ الحسبانِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ⑭ مَثَلُهم فی تَرْكِ الایمانِ كَمَثَلِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِیْبًا بزمنٍ قریبٍ وهم اهلُ بدرٍ مِنَ المُشركینَ ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ عقوبتَه فی الدُّنیا مِنَ القتلِ وغیرِه وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ⑮ مُؤلِمٌ فِی الاٰخِرةِ مَثَلُهم ایضًا فی سَماعِهم مِنَ المُنافقینَ وتخلُّفِهم عنهم كَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ⑯ كذبًا منه ورِیاءً فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ ای الغاوِی والمَغْوِیّ وقُرِئَ بالرَّفعِ اسمُ كان اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ⑰ الكافِرینَ.

ترجمہ: کیا آپ نے منافقوں کو نہ دیکھا؟ کہ اپنے اہل کتاب بھائیوں سے کہتے ہیں اور وہ بنونضیر اوران کے کفر کے بھائی ہیں، اگر تم کو مدینہ سے نکالا گیا چاروں جگہ لام قسم کا ہے تو یقیناً ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہاری ذلت کے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اوراگر تم سے قتال کیا گیا (قُوْتِلْتُم) سے لام قسم حذف کردیا گیا ہے تو بخدا ہم تمہاری مدد کریں گے اوراللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں اگر وہ جلاوطن کئے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے اور

اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر بالفرض ان کی مدد پر آ بھی گئے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے پانچوں جگہ قسم مقدر کے جواب کی وجہ سے جواب شرط سے استغناء ہے پھر یہود کی مدد نہ کی جائے گی (مسلمانو! یقین مانو) تمہاری ہیبت ان منافقوں کے دل میں بہ نسبت اللہ کی ہیبت کے بہت زیادہ ہے اس کے عذاب کے مؤخر ہونے کی وجہ سے یہ اس لئے ہے کہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں، یہ یعنی یہود سب مل کر بھی لڑ نہیں سکتے، ہاں یہ اور بات ہے کہ قلعہ بند مقامات میں ہوں یا دیوار کی آڑ میں ہوں اور ایک قراءت میں جدار کے بجائے جُدُرٌ ہے، ان کی لڑائی تو ان کے آپس میں ہی بڑی سخت ہے گو آپ انہیں متحد سمجھ رہے ہیں لیکن گمان کے برخلاف ان کے دل ایک دوسرے سے جدا ہیں اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں ترکِ ایمان میں ان لوگوں کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے گذرے ہیں، قریبی زمانہ میں اور وہ مشرکین اہل بدر ہیں، جنہوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا اس کا انجام قتل وغیرہ دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب تیار ہے نیز ان کی مثال منافقوں کی بات سننے میں اور ان سے تخلف اختیار کرنے میں شیطان کے مانند ہے کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر چنانچہ جب وہ کفر کر چکا تو (شیطان) کہنے لگا میں تجھ سے بری ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور اس کا یہ قول ریا اور کذب پر مبنی ہے پس ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ آتش (دوزخ) میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے یعنی گمراہ کرنے والا اور گمراہ ہونے والا اور (عاقِبَتُهُمَا) کو اسم کان کے طور پر مرفوع بھی پڑھا گیا ہے، اور ظالموں کافروں کی یہی سزا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلَهُ: اِخْوَانُهُمْ فِی الْکُفْرِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قرآن میں جو منافقوں کو بنونضیر (یہود) کا بھائی کہا گیا ہے یہ باعتبار کفر میں ہم مذہب ہونے کے ہے، نہ کہ باعتبار ہم نسب ہونے کے اس لئے کہ بنونضیر وغیرہ یہود تھے، اور منافقین کا تعلق اوس وخزرج سے تھا۔

قَوْلَهُ: لامُ قسمٍ فی اربعةِ مواقع چار مواقع میں لام قسم کا ہے جو قسم محذوف پر دلالت کرتا ہے اور وہ چار مقام یہ ہیں ① لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ ② لَاِنْ اُخرِجُوْا ③ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا ④ وَلَئِنْ نَصَرُوْهُمْ ایک پانچویں جگہ اور ہے اور وہ وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ الخ ہے یہاں لام قسم مقدر ہے۔

قَوْلَهُ: وَاسْتَغْنٰی بجواب القسمِ یعنی جواب قسم مذکورہ پانچوں جگہ جواب قسم کی وجہ سے جواب شرط سے مستغنی ہے اس لئے کہ قاعدہ معروف ہے کہ جب قسم اور شرط دونوں جمع ہو جائیں تو مؤخر کا جواب محذوف ہوتا ہے (ابن مالک نے کہا ہے)۔

وَاحْذِفْ لَدٰی اِجْتِمَاعِ شرطٍ وقسمٍ جَوَابَ مَا اُخِّرْتَ فَهُوَ مُلْتَزَم

تَرْجَمَهُ: جب قسم اور شرط جمع ہو جائیں تو ان میں سے مؤخر کی جزا کو لازمی طور پر حذف کر دے۔

وہ پانچ مقامات جو قسم محذوف کا جواب واقع ہو رہے ہیں اور جن کی دلالت کی وجہ سے جواب شرط کو حذف کر دیا گیا یہ ہیں:
① لَنَخْرُجَنَّ ② لَنَنْصُرَنَّكُمْ ③ لَايَخْرُجُوْنَ ④ لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ⑤ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ.

قِوْلَهُ: مُجتَمِعِينَ اس میں اشارہ ہے کہ جمیعًا. لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

قِوْلَهُ: مَثَلُهُمْ فِي تَرْكِ الْإِيْمَان اس عبارت کو محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ کَمَثَلِ الَّذِيْنَ الخ مَثَلُهُمْ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قِوْلَهُ: وَقُرِئَ بِالرَّفْعِ اِسْمُ كَانَ ، عَاقِبَتَهُمَا میں تاء پر نصب اور رفع دونوں جائز ہیں، نصب کی وجہ یہ ہے کہ کَانَ کی خبر مقدم ہے اور أَنَّهُمَا فِى النَّارِ، أَنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر کَانَ کا اسم مؤخر ہے، اور تاء کے رفع کی صورت میں عَاقِبَتُهُمَا کان کا اسم ہے اور اَنَّهُمَا فِى النَّارِ جملہ ہو کر کَانَ کی خبر۔

تفسیر وتشریح

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (الآية) جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنونضیر کو دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جانے کا نوٹس بھیجا تو عبداللہ بن ابی اور مدینہ کے دوسرے منافق لیڈروں نے بنونضیر کے یہودیوں کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ ہم دو ہزار جنگ جو بہادروں کے ساتھ تمہاری مدد کو آئیں گے اور بنوغطفان اور بنوقریظہ بھی تمہاری حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے، لہٰذا تم مسلمانوں کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ اور ہرگز ان کے آگے ہتھیار نہ ڈالو اگر تمہارے ساتھ جنگ کی گئی تو ہم تمہارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑیں گے اور اگر تم کو مدینہ سے نکالدیا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب نزولی کے اعتبار سے دوسرا رکوع پہلے نازل ہوا ہے اور پہلا رکوع اس کے بعد نازل ہوا ہے جبکہ بنونضیر مدینہ سے نکالے جا چکے تھے، دوسرے رکوع میں اہم ترین مضمون ہونے کی وجہ سے ترتیب قرآنی کے اعتبار سے اس کو مقدم کر دیا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ چنانچہ منافقین کا جھوٹ واضح ہو کر سامنے آ گیا، کہ بنونضیر جلاوطن کر دیئے گئے لیکن یہ ان کی مدد کو نہ پہنچے، اور نہ ان کی حمایت میں مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوئے،

وَلَئِنْ نَصَرُوْهُمْ اَیْ جَاءُوْا لِنَصْرِهِمْ اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فقرے میں فرمایا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ اس کا مطلب ہے کہ منافقین یہود کی مدد کو نہیں آئیں گے، دوسرے فقرے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَئِنْ نَصَرُوْهُمْ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہود کی مدد کو آئیں گے۔

جَوَابٌ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ مفسر علام نے لئن نصروهم کی تفسیر جاءُوْا لِنَصْرِهِم سے کر کے جواب دیدیا کہ یہ بطور فرض کے ہے یعنی بالفرض والتقدیر مدد کے لئے نکلے بھی تو ان کی مدد نہ کریں گے، ورنہ تو جس چیز کی نفی اللہ تعالیٰ فرما دیں اس

کا وجود کیونکر ممکن ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر یہ یہود کی مدد کا ارادہ کریں بھی تو ان کی مدد نہ کرسکیں گے۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (مسلمانو! یقین مانو) کہ تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں بہ نسبت اللہ کی ہیبت کے بہت زیادہ ہے یہ اس لئے کہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں یعنی تمہارا خوف ان کی ناسمجھی کی وجہ سے ہے ورنہ اگر یہ سمجھ دار ہوتے تو سمجھ جاتے کہ مسلمانوں کا غلبہ وتسلط اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لہٰذا ڈرنا اللہ سے چاہئے نہ کہ مسلمانوں سے۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جميعًا (الآیة) یعنی یہ منافقین اور یہودی مل کر بھی کھلے میدان میں تم سے لڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتے، البتہ قلعوں میں محصور ہو کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر تم پر وار کرسکتے ہیں، جس سے یہ واضح ہے کہ یہ نہایت بزدل ہیں، اور تمہاری ہیبت سے لرزاں وترساں ہیں۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى یہ منافقین کی دوسری کمزوری کا بیان ہے، پہلی کمزوری یہ تھی کہ وہ بزدل تھے خدا سے ڈرنے کے بجائے انسانوں سے ڈرتے تھے، دوسری کمزوری یہ ہے کہ جن کو تم متحد ومتفق سمجھ رہے ہو یہ آپس میں ایک دوسرے کے سخت خلاف ہیں، جس بات نے ان کو جمع کردیا ہے وہ صرف یہ بات ہے کہ اپنے شہروں میں باہر سے آئے ہوئے (محمد ﷺ) کی پیشوائی اور فرمانروائی چلتے دیکھ کر ان سب کے دل جل رہے ہیں اور اپنے ہی ہم وطن انصار کو مہاجرین کی پذیرائی کرتے دیکھ کر ان کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے ہیں، اس کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہ تھی جو ان کو ملا سکے، ہر ایک اپنی چودھراہٹ چاہتا تھا کوئی کسی کا مخلص دوست نہ تھا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بنونضیر سے پہلے ہی منافقین کی اندرونی حالت کا تجزیہ کرکے مسلمانوں کو بتادیا کہ ان کی طرف سے فی الحقیقت کوئی خطرہ نہیں ہے، لہٰذا تمہیں یہ خبریں سن کر گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ جب تم بنونضیر کا محاصرہ کرنے کے لئے نکلو گے تو یہ منافق سردار دو ہزار کا لشکر لے کر پیچھے سے تم پر حملہ کردیں گے، اور ساتھ ہی ساتھ بنی قریظہ اور بنی غطفان کو بھی تم پر چڑھا لائیں گے، یہ سب لاف زنیاں ہیں جن کی ہوا آزمائش کی پہلی گھڑی ہی نکال دیگی۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا (الآیة) یہ بنونضیر کی مثال کا بیان ہے اور اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کی تفسیر میں حضرت مجاہد رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ کفار اہل بدر مراد ہیں اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا نے فرمایا یہود کا قبیلہ بنوقینقاع مراد ہے دونوں کا انجام بد قریبی زمانہ میں واضح ہوچکا تھا، کیونکہ بنونضیر کی جلاوطنی کا واقعہ غزوۂ بدر واُحد کے بعد واقع ہوا ہے اور بنوقینقاع کا واقعہ بھی واقعۂ بدر کے بعد پیش آیا تھا۔

غزوۂ بنی قینقاع:

غزوۂ بنی قینقاع ۱۵ شوال بروز شنبہ ۲ھ میں واقع ہوا، بنی قینقاع عبداللہ بن سلام کی برادری کے لوگ تھے جو کہ نہایت شجاع اور بہادر تھے، زرگری کا کام کرتے تھے مدینہ کے جوہری بازار پر ان کا قبضہ تھا، مسلمان مردوں اور عورتوں کی بھی بازار میں

آمد و رفت تھی، آپ ﷺ نے بنی نضیر اور بنی قریظہ کے ساتھ بنی قینقاع سے بھی معاہدہ فرمایا تھا، سب سے پہلے بنی قینقاع نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی جس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے باقاعدہ ان سے معاہدہ فسخ کرنے کا اعلان فرمادیا، اسی دوران بنوقینقاع کے ایک یہودی نے ایک مسلمان عورت کو چھیڑا اور اس کو برسرِ بازار برہنہ کردیا جس کی وجہ سے مسلمانوں اور یہود میں تکرار شروع ہوگئی اور یہ تو تو میں میں بڑھ جانے کی وجہ سے قتل وقتال کی نوبت آگئی، جس میں ایک مسلمان اور ایک یہودی مارا گیا، اسی دوران آپ ﷺ ان کے بازار میں تشریف لے گئے اور سب کو جمع کر کے وعظ ونصیحت فرمائی، آپ نے فرمایا:

''اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو جیسے بدر میں قریش پر خدا کا عذاب نازل ہوا کہیں اسی طرح تمہارے اوپر بھی نازل نہ ہوجائے، اسلام لے آؤ اس لئے کہ تم یقینی طور پر خوب پہچانتے ہو کہ میں بالیقین اللہ کا نبی ہوں جس کو تم اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہو اور اللہ نے تم سے اس کا عہد لیا ہے''۔

یہود یہ سنتے ہی مشتعل ہوگئے، اور یہ جواب دیا کہ آپ اس غرہ میں ہرگز نہ رہنا جس کی وجہ سے ایک ناواقف اور ناتجربہ کار قوم یعنی قریش سے مقابلہ میں آپ غالب آگئے، واللہ اگر ہم سے مقابلہ ہوا تو خوب معلوم ہوجائے گا کہ ہم مرد ہیں، اس پر حق جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا (الآیة).

بنوقینقاع مضافات مدینہ میں رہتے تھے، آپ ﷺ نے بنی قینقاع کا محاصرہ فرمایا بنوقینقاع قلعہ بند ہوگئے یہ محاصرہ پندرہ شوال سے لیکر ذی قعدہ کی ابتدائی تاریخوں تک جاری رہا، بالآخر مجبور ہوکر سولھویں روز یہ لوگ قلعے سے اتر آئے، آپ ﷺ نے ان کی مشکیں باندھنے کا حکم فرمایا۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی الحاح وزاری اور بے حد اصرار کی وجہ سے قتل سے تو درگذر فرمایا مگر ان کو جلاوطن کردیا گیا، اور ان کا تمام مال بطور مال غنیمت لیکر مدینہ واپس تشریف لائے اس مال میں سے ایک خمس خود لیا اور بقیہ چار خمس غانمین پر تقسیم فرمادیئے۔ (سیرتِ مصطفیٰ ملخصًا)

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ (الآیة) یہ یہود اور منافقین کی ایک اور مثال بیان فرمائی ہے کہ منافقین نے یہودیوں کو اس طرح بے یار ومددگار چھوڑ دیا جس طرح شیطان انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، پہلے وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے اور جب انسان شیطان کے پیچھے لگ کر کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو شیطان اس سے براءت کا اعلان کردیتا ہے، اور جھوٹے ہی کہہ دیتا ہے کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ میں انسان سے اسم جنس مراد ہے، اور کہا گیا ہے کہ شیطان نے جس انسان سے اُكْفُرْ کہا تھا وہ برصیصا نام کا ایک راہب تھا، اس کے پاس ایک عورت آئی شیطان نے راہب کے دل میں وسوسہ ڈالا اس راہب نے اس عورت کو اپنے پاس بلایا شیطان نے اس کو زنا میں مبتلا کردیا، جس کی وجہ سے وہ عورت حاملہ ہوگئی، راہب نے بدنامی کے خوف سے اس کو قتل کر کے دفن کردیا، ادھر شیطان نے قوم کو سارا واقعہ بتادیا اور دفن کی جگہ کی بھی نشاندہی کردی لوگوں نے عورت کی لاش کو برآمد کرلیا اور راہب کو قتل کرنے کے لئے صومعہ سے نیچے اتار لائے، اسی وقت شیطان حاضر ہوا اور اس راہب سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اسے سجدہ کرے تو وہ اسے ان کے ہاتھ سے بچا سکتا ہے، چنانچہ راہب نے اس کو سجدہ

کردیا، اس کے بعد شیطان نے اس سے براءت ظاہر کردی۔ (جمل)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ليوم القيٰمة وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ تركوا طاعته فَاَنْسٰـىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ ان يقدموا لها خيرًا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۹ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۲۰ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ وجعل فيه تمييز كالانسان لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا متشققا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ المذكورة نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱ فيؤمنون هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ السر والعلانية هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝۲۲ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ الطاهر عما لا يليق به السَّلٰمُ ذو السلامة من النقائص الْمُؤْمِنُ المصدق رسله بخلق المعجزة لهم الْمُهَيْمِنُ من هيمن يهيمن اذا كان رقيبا على الشيء اي الشهيد على عباده باعمالهم الْعَزِيْزُ القوي الْجَبَّارُ جبر خلقه على ما اراد الْمُتَكَبِّرُ عما لا يليق به سُبْحٰنَ اللّٰهِ نزه نفسه عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۲۳ به هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ المنشئ من العدم الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ التسعة والتسعون الوارد بها الحديث والحسنى مؤنث الاحسن يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲۴ تقدم اولها.

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص غور کرلے کہ کل (قیامت کے دن) کے واسطے (اعمال) کا کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے؟ اور (ہروقت) اللہ سے ڈرتے رہو اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اور تم ان لوگوں کے مانند مت ہوجانا جنہوں نے اللہ (کے احکام) کو بھلا دیا یعنی اس کی اطاعت کو ترک کردیا تو اللہ نے بھی انہیں ان کی جانوں سے غافل کردیا اس بات سے کہ وہ اپنی ذات کے لئے نیکی آگے بھیجیں، ایسے ہی لوگ فاسق ہوتے ہیں، اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں، جو اہل جنت ہیں وہی کامیاب ہیں، اور اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے اور اس کے اندر انسان کے مانند شعور پیدا کردیا جاتا تو تو دیکھتا اس کو کہ خشیت الٰہی سے وہ پست ہوکر پھٹا جاتا ہے ہم ان مذکورہ مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں، پھر ایمان لے آئیں، وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں غائب اور حاضر یعنی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے وہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ ہے سب باتوں سے جو اس کی شایان شان نہیں پاک صاف ہے، تمام نقائص سے سالم ہے اپنے رسولوں کی ان کے لئے معجزات کی تخلیق کرکے نصرت کرنے والا ہے نگہبان ہے یہ هَيْمَنَ يُهَيْمِنُ سے مشتق ہے یعنی جب کسی شی پر نگہبان ہو یعنی اپنے بندوں کے اعمال کا مشاہدہ کرنے والا ہے قوی ہے جبار ہے اس نے اپنی مخلوق کو بنایا جیسا چاہا، بڑائی والا ہے (برتر ہے) اس شی سے جو اس کے لائق نہیں اللہ پاک ہے اس نے اپنی خود ہی پاکی بیان کی ہے ان چیزوں سے جن کو اس

کے ساتھ شریک کرتے ہیں وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا عدم سے وجود بخشنے والا صورت بنانے والا اس کے ننانوے نہایت اچھے نام ہیں جن کے بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے اور حسنٰی اَحْسَنُ کا مؤنث ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی پاکی بیان کرتی ہے وہی غالب حکمت والا ہے ایسا ہی اس سورت کے شروع میں گذر چکا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تَرَكُوْا طَاعَتَهٗ اس عبارت کے اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ یہاں نسیان کے لازم معنی مراد ہیں جو کہ ترک ہیں، اس لئے کہ نسیان کے لئے ترک لازم ہے، نہ کہ عدم حفظ و الذکر.

قولہ: اَنْ يُقَدِّمُوْا لَهَا خَيْرًا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَاَنْسَاهُمْ تقدمَ خيرٍ لِاَنْفُسِهِمْ.

تفسیر و تشریح

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اہل ایمان کو مخاطب کر کے انہیں نصیحت کی جارہی ہے اور کہا جارہا ہے، کہ تقویٰ اختیار کرو، اور ہر نفس اس بات پر غور کرلے کہ اس نے آخرت کے لئے کیا سامان بھیجا ہے۔

اس آیت میں چند باتیں غور طلب ہیں، اول یہ کہ اس آیت میں قیامت کو لفظ غد سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی ہیں آنے والی کل، اور کل سے مراد ہے آخرت، گویا کہ دنیا کی پوری زندگی آج ہے، اور کل وہ قیامت کا دن ہے جو اس آج کے بعد آنے والا ہے، غد کے لفظ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح آج کے بعد کل کا آنا یقینی ہے، اسی طرح دنیا کے بعد آخرت کا آنا ضروری اور یقینی ہے، جس طرح آج کے بعد کل کے آنے میں کسی کو شبہ نہیں ہوتا، اسی طرح قیامت کا آنا بھی بے ریب ہے، دوسری بات یہ کہ اس میں قرب قیامت کی طرف اشارہ ہے جس طرح آج کے بعد کل جلدی ہی آجاتی ہے، اسی طرح قیامت جلدی آنے والی ہے، ایک قیامت تو پورے عالم کی ہے جس دن زمین آسمان سب فنا ہو جائیں گے وہ بھی اگرچہ ہزاروں لاکھوں سال بعد ہو مگر بمقابلہ آخرت کی مدت کے بالکل قریب ہی ہے، دوسری قیامت ہر انسان کی ہے جو اس کی اپنی ہے جو اس کی موت کے وقت آجاتی ہے جیسا کہ مقولہ مشہور ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ یعنی جو شخص مرگیا اس کی قیامت قائم ہوگئی، کیونکہ عالم برزخ ہی سے قیامت کے آثار شروع ہو جاتے ہیں، کیونکہ عالم قبر جس کو عالم برزخ بھی کہتے ہیں اس کی مثال دنیا کی انتظار گاہ (ویٹنگ روم) کی سی ہے، جو فرسٹ کلاس سے لیکر تھرڈ کلاس تک کے لوگوں کے لئے مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور مجرموں کا ویٹنگ روم، حوالات یا جیل خانہ ہوتا ہے اسی انتظار گاہ سے ہر شخص اپنا اپنا درجہ متعین کرسکتا ہے، اس لئے مرنے کے ساتھ ہی ہر شخص کی قیامت آجاتی ہے۔

دوسری بات جو غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس میں انسان کو اس پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے کہ قیامت جس کا آنا یقینی بھی ہے اور قریب بھی، اس کے لئے تم نے کیا سامان بھیجا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا اصلی وطن آخرت ہے دنیا میں تو یہ چند دن کے لئے ویزے پر آیا ہوا ہے، اس کی نیشنلٹی تو آخرت کی ہے یعنی یہ حقیقی طور پر آخرت کا باشندہ ہے، جس طرح دنیا میں اپنے ملک سے ویزا لے کر دوسرے ملک جاتے ہیں اور وہاں جا کر کچھ کما کر اپنے وطن کو نہ بھیجے اور سراسر بھول جائے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہاں سے دنیا کا سامان مال و دولت کوئی شخص وہاں ساتھ نہیں لے جا سکتا تو بھیجنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ایک ملک سے دوسرے ملک مال منتقل کرنے کا جو طریقہ ہے کہ یہاں کی حکومت کے بینک میں جمع کر کے دوسرے ملک کی کرنسی حاصل کرے جو وہاں چلتی ہے، یہی صورت آخرت کے معاملہ میں بھی ہے کہ جو کچھ یہاں اللہ کی راہ میں اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں خرچ کیا جاتا ہے وہ آسمانی حکومت کے بینک میں جمع ہو جاتا ہے اور وہاں کی کرنسی ثواب کی صورت میں اس کے لئے لکھ دی جاتی ہے اور وہاں پہنچ کر بغیر کسی دعوے اور مطالبہ کے اس کے حوالہ کر دی جاتی ہے، کس قدر نادان ہے وہ شخص جو آج کے لطف و لذت میں اپنا سب کچھ لٹا رہا ہے اور نہیں سوچتا کہ کل اس کے پاس کھانے کو روٹی اور سر چھپانے کو جگہ بھی باقی رہے گی یا نہیں؟ اسی طرح وہ شخص بھی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہا ہے جو اپنی دنیا بنانے کی فکر میں ایسا منہمک ہے کہ اپنی آخرت سے بالکل غافل ہو چکا ہے۔

فَاَنسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ یعنی ان لوگوں نے اللہ کو بھول اور نسیان میں کیا ڈالا درحقیقت خود اپنے آپ کو بھول میں ڈال دیا کہ اپنے نفع نقصان کی خبر نہ رہی، یعنی خدا فراموشی کا لازمی نتیجہ خود فراموشی ہے، جب آدمی یہ بھول جاتا ہے کہ وہ کسی کا بندہ ہے تو لازماً وہ دنیا میں اپنی ایک غلط حیثیت متعین کر بیٹھتا ہے، اسی طرح جب وہ یہ بھول جاتا ہے، کہ وہ ایک خدا کے سوا کسی کا بندہ نہیں ہے تو وہ اس ایک خدا کی بندگی تو نہیں کرتا جس کا وہ درحقیقت بندہ ہے اور ان بہت سوں کی بندگی کرتا رہتا ہے جن کا وہ فی الواقع بندہ نہیں ہے جو سراسر قانون دنیا کی بھی خلاف ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن جس طرح خدا کی کبریائی اور اس کے حضور بندے کی ذمہ داری اور جواب دہی کو صاف صاف بیان کر رہا ہے، اس کا فہم اگر پہاڑ جیسی عظیم مخلوق کو نصیب ہوتا اور اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کو رب قدیر کے سامنے جواب دہی کرنی ہے تو وہ بھی خوف سے کانپ اٹھتا لیکن حیرت کے لائق ہے اس انسان کی بے حسی اور بے فکری کہ جس انسان کے دل پر قرآن کا کچھ اثر نہ ہو حالانکہ قرآن کی تاثیر اس قدر زبردست ہے کہ اگر وہ پہاڑ جیسی مضبوط اور سخت چیز پر اتارا جاتا اور اس میں سمجھ کا مادہ موجود ہوتا تو وہ بھی متکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا اور مارے خوف کے پارہ پارہ ہو جاتا، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے والد محترم کی ایک طویل نظم کے تین شعر جو محل اور موقع کے لحاظ سے موزوں ہیں نقل کئے جاتے ہیں۔ (فوائد عثمانی)

سنتے سنتے نغمۂ ہائے محفل بدعات کو	کان بہرے ہوگئے دل بدمزہ ہونے کو ہے
آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمۂ مشروع بھی	پارہ جس کے لحن سے طور ہدیٰ ہونے کو ہے
حیف گر تاثیر اس کی تیرے دل پر کچھ نہ ہو	کوہ جس سے خاشعاً متصدعا ہونے کو ہے

حضرت شاہ صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ یعنی کافروں کے دل بڑے سخت ہیں کہ یہ کلام سن کر بھی ایمان نہیں لاتے اگر پہاڑ سنیں تو وہ بھی دب جائیں، یہ تو کلام کی عظمت کا ذکر تھا اگلی آیت هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الخ میں متکلم کی عظمت کا ذکر ہے، قرآن مجید میں اگر چہ جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی صفات بےنظیر طریقہ سے بیان کی گئی ہیں، جن سے ذات الٰہی کا نہایت واضح تصور حاصل ہوتا ہے لیکن دو مقامات ایسے ہیں جن میں صفات باری کا جامع ترین بیان پایا جاتا ہے، ایک سورۂ بقرہ میں آیت الکرسی دوسرے سورۂ حشر کی یہ آیات۔

روایات میں سورۂ حشر کی ان تین آیتوں هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لا اِلٰهَ اِلَّا هو سے آخر تک کی بہت فضیلت آئی ہے مومن کو چاہئے کہ صبح وشام ان آیات کی تلاوت کی پابندی رکھے۔

﴿ تمت ﴾

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثَ عَشْرَةَ اٰيَةً.

سورۂ ممتحنہ مدنی ہے، تیرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اى كُفَّارَ مَكَّةَ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ توصِلُونَ اِلَيْهِمْ قَصْدَ النبىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَهُمُ الَّذِىْ اَسَرَّهُ اِلَيْكُمْ وورّى بِحُنَيْنٍ بِالْمَوَدَّةِ بَيْنَكُمْ وبينهم كَتَبَ حَاطِبُ بْنُ اَبِىْ بَلْتَعَةَ اِلَيْهِمْ كِتَابًا بِذٰلِكَ لِمَالَهُ عِنْدَهُمْ مِنَ الْاَوْلَادِ وَالْاَهْلِ الْمُشْرِكِيْنَ فَاسْتَرَدَّهُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ اَرْسَلَهُ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ تعالىٰ لَهُ بِذٰلِكَ وقَبِلَ عُذْرَ حَاطِبٍ فِيْهِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ اى دِيْنِ الاِسْلَامِ وَالقُرْانِ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ مِنْ مَكَّةَ بِتَضْيِيْقِهِمْ عَلَيْكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا اى لِاَجْلِ اَنْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا لِلْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ وجوابُ الشرطِ دَلَّ عليه مَا قَبْلَهُ اى فَلَا تَتَّخِذُوْهُمْ اَوْلِيَاءَ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ اى اِسْرَارَ خَبَرِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم اِلَيْهِمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اَخْطَأَ طَرِيْقَ الهُدٰى والسَّوَاءُ فى الاَصْلِ الوَسْطُ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَظْفَرُوا بكم يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ بِالْقَتْلِ والضَّرْبِ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ بِالسَّبِّ والشَّتْمِ وَوَدُّوْا تَمَنَّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ قَرَابَتُكم وَلَآ اَوْلَادُكُمْ المُشْرِكُوْنَ الَّذِيْنَ لِاَجْلِهِمْ اَسْرَرْتُمُ الخَبَرَ مِنَ العَذَابِ فِى الاٰخِرَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بِالبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ والفَاعِلِ بَيْنَكُمْ وبينهم فتَكُوْنُوْنَ فى الجَنَّةِ وهُمْ فِى جُمْلَةِ الكُفَّارِ فى النَّارِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ بِكَسْرِ الهمزةِ وضَمِّهَا فِى المَوْضِعَيْنِ قُدْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ اى به قَوْلًا وفِعْلًا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ مِنَ المُؤْمِنِيْنَ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا جَمْعُ بَرِئٍ كَظَرِيْفٍ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ اَنْكَرْنَاكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا بِتَحْقِيْقِ الهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ وَاوًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مُسْتَثْنًى مِنْ اُسْوَةٍ اى فَلَيْسَ لكم

موافقتنا | السماع الوقف على القيمة عند المتأخرين

التَّأَسِّي بِهِ فِي ذٰلِكَ بِأَنْ تَسْتَغْفِرُوا لِلْكُفَّارِ وَقَوْلُهُ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ اى مِن عذابِه وثوابِه مِنْ شَيْءٍ كنى به عن اَنَّهُ لَا يملِكُ لَه غيرُ الاِسْتِغفَارِ فَهُوَ مبنيٌّ عَلَيه مُسْتَثْنٰى مِن حيثُ المُراد منه وان كان من حيث ظاهره مِمَّا يُتَأَسّٰى فيه قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لكم مِنَ اللّٰهِ شيئًا واستغفارُه قَبْلَ اَنْ يَّتَبَيَّنَ له اَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ كما ذُكِرَ في براءةٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٤﴾ من مَقُولِ الخليلِ ومَن مَّعَهُ اى وقالوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اى لَا تُظهِرهم عَلَينا فيظُنُّوا اَنَّهم على الحَقِّ فيُفتَنُوا اى تَذْهَبُ عُقُولُهم بنا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٥﴾ في مُلكِكَ وصُنعِكَ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ يا اُمَّةَ محمَّدٍ جواب قَسَمٍ مُقدَّرٍ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ بدلُ اشتمالٍ مِن كُمْ بِاِعادةِ الجارِّ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ اى يخافُهما او يَظُنُّ الثوابَ والعِقابَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ بِاَنْ يُّوَالِيَ الكُفَّار فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ عَن خَلقِه الْحَمِيْدُ ﴿٦﴾ لِاَهلِ طَاعَتِه۔

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو میرے اور اپنے دشمنوں کفار مکہ کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کے پاس آپسی دوستی کی وجہ سے نبی ﷺ کے ان سے جہاد کرنے کے ارادہ کا پیغام بھیجتے ہو، جس کو انہوں نے رازدارانہ طور پر تم کو بتا دیا ہے اور ارادہ حنین کا ظاہر فرمایا۔

نوٹ: بعض نسخوں میں وَرّٰی بِخَیْبَرَ ہے جو کہ سبقت قلم ہے صحیح وَرّٰی بِحُنَیْنٍ ہے۔

حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کے پاس اس معاملہ میں ایک خط بھیج دیا تھا، اس لئے کہ ان (اہل مکہ) کے پاس ان (حاطب بن ابی بلتعہ) کی مشرک اولاد اور اہل خانہ تھے، چنانچہ حضور ﷺ نے وہ خط اس شخص سے، اللہ تعالیٰ کے (بذریعہ) وحی اطلاع دینے کی وجہ سے واپس منگالیا تھا، جس کے ذریعہ وہ بھیجا تھا اور حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس معاملہ میں عذر قبول فرمالیا تھا اور اس حق یعنی دین اسلام اور قرآن کے ساتھ جو تمہارے پاس آچکا ہے کفر کرتے ہیں وہ پیغمبر کو اور (خود) تمہیں بھی مکہ سے ان کو تنگ کرکے محض اس وجہ سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان رکھتے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے اور میری رضا جوئی کے لئے نکلے ہو جواب شرط جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے "فَلَا تَتَّخِذُوْهُمْ اَوْلِيَاءَ" ہے یعنی ان کو اپنا دوست نہ بناؤ، تو تم ان کے پاس دوستی کی وجہ سے خفیہ طور پر پیغام بھیجتے ہو مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا ہے، تم میں سے جو بھی آپ کے پیغام کو خفیہ طور پر پہنچانے کا کام کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بہک جائے گا یعنی راہ ہدایت سے بھٹک گیا، سَوَاء، کے اصل معنی وسط کے ہیں، اگر وہ تم پر قابو پالیں یعنی کامیاب ہو جائیں، تو تمہارے (کھلے) دشمن ہو جائیں گے اور قتل اور مار پیٹ کے لئے تم پر دست درازی اور گالی گلوچ کے لئے زبان درازی کرنے لگیں اور دل سے چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگو، تمہاری قرابت داری اور تمہاری مشرک اولاد جن کے لئے تم نے خفیہ پیغام رسانی کی ہے آخرت میں عذاب سے (بچانے) میں کچھ کام نہ آئیں گی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا

(یــفــصــل) مجہول اور معروف دونوں ہیں تو تم جنت میں ہوؤ گے اور وہ منجملہ کفار کے دوزخ میں ہوں گے اور جو کچھ تم کررہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے (مسلمانو!) تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام (کے طرز عمل) میں (اُسْوۃ) ہمزہ کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہے، اور ان کے مومن ساتھیوں میں قولاً وفعلاً بہترین نمونہ ہے جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو ان سب سے بیزار ہیں (بُرَءٰ اءُ) بَرِیْءٌ کی جمع ہے، جیسا کہ ظَرِیْف کی جمع ظُرَفَاءُ آتی ہے، ہم تمہارے (عقائد) کے بالکل منکر ہیں کَفَرْنَا بِکم بمعنی اَنْکَرْنَا ہے، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے بغض وعداوت ظاہر ہوگئی اَلْبَغْضَاءُ اَبَدًا میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کو واؤ سے بدل کر، جب تک کہ اللہ وحدہ پر ایمان نہ لاؤ، مگر اپنے باپ سے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے قول کہ میں آپ کے لئے ضرور استغفار کروں گا یہ اُسْوَۃ سے مستثنیٰ ہے، یعنی تمہارے لئے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے اس قول لَاَسْتَغْفِرَنَّ میں اسوۂ حسنہ نہیں ہے، بایں طور کہ تم کفار کے لئے استغفار کرنے لگو، اور مجھے خدا کے سامنے اس کے عذاب اور ثواب میں سے کسی چیز کا اختیار نہیں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے اس قول (مَـا اَمْلِكُ) سے اس بات کی طرف کنایہ کیا ہے کہ وہ اس کے لئے سوائے استغفار کے کسی چیز کا مالک نہیں، (مَـا اَمْلِكُ) لَاَسْتَغْفِرَنَّ پر معطوف ہے اور باعتبار مراد کے مستثنیٰ ہے اور اگرچہ، مَا اَمْلِكُ، اپنے ظاہر یعنی معنی وضعی کے اعتبار سے ان میں سے ہے، جس کی اقتداء کی جائے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا) قل فَمَنْ یملكُ لکم من اللّٰہ شیئًا، اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنے والد کے لئے استغفار حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر اس کے اللہ کا دشمن ظاہر ہونے سے پہلے تھا، جیسا کہ سورۂ براءت میں ذکر کیا گیا، اے ہمارے پروردگار ہم تجھ پر توکل کرتے ہیں اور تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے، یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کے ساتھیوں کا مقولہ ہے، یعنی انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! تو ہم کو کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال یعنی تو ان کو ہم پر غالب نہ فرما کہ وہ یہ سمجھنے لگیں کہ وہ حق پر ہیں اور فتنہ پردازی کرنے لگیں، یعنی ہمارے بارے میں ان کے دماغ خراب ہوجائیں، اور اے ہمارے پروردگار! تو ہماری خطاؤں کو معاف کردے، بے شک تو ہی اپنے ملک میں اور اپنی صنعت میں غالب حکمت والا ہے اے امت محمدیہ! یقیناً تمہارے لئے ان میں اچھا نمونہ ہے یہ قسم مقدر کا جواب ہے، اس شخص کے لئے (لِمَنْ) کُمْ، سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل الاشتمال ہے کہ کفار سے (دلی) دوستی رکھے، تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بالکل بے نیاز ہے اور اپنے اطاعت گزار بندوں کی حمد و (ثنا) کا سزاوار ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: قَصَدَ النبیّ ﷺ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تُلْقُوْنَ، کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَرّیٰ، یہ تَوْرِیَۃً کا فعل ماضی ہے، تَوْرِیہ کہتے ہیں، مقصد کو پوشیدہ رکھنا اور خلاف مقصد کو ظاہر کرنا، یا ایسا لفظ بولنا جو ذو معنیین ہو، ایک معنی قریب ہوں اور دوسرے بعید، متکلم معنی بعید کا ارادہ کرے اور مخاطب معنی قریب مراد لے، جیسا کہ حضرت

ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے تعاقب کرنے والے دشمن کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا: رَجُلٌ یَھْدِیْنِی السَّبِیْل ہدایت کے معنی رہبری کرنے کے ہیں، رہبری دنیا کے راستہ کی بھی ہوتی ہے یہ معنی قریب ہیں اس لئے اولاً ذہن اسی معنی کی طرف سبقت کرتا ہے اور دوسرے معنی آخرت کی رہنمائی و رہبری کرنے کے ہیں یہ اس کے معنی بعید ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہی معنی مراد لئے تھے۔

قِوْلُہُ: بِخَیْبَرَ، یہ ناقلین کی تصحیف ہے صحیح بِحُنَیْنٍ ہے، اس لئے کہ غزوۂ خیبر ماہ محرم ۷ھ میں فتح مکہ سے ایک سال پہلے واقع ہوا ہے اور فتح مکہ ماہ رمضان ۸ھ میں پیش آیا ہے، یہ آیات فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی ہیں اور خیبر اس سے پہلے ہی فتح ہو چکا تھا لہٰذا خیبر کی طرف توریہ کی کوئی صورت نہیں بن سکتی۔

قِوْلُہُ: بالمودة، میں باء سببیہ ہے۔

قِوْلُہُ: باعلام اللّٰہ تعالٰی، یہ فاسْتَرَدَّہٗ، کے متعلق ہے۔

قِوْلُہُ: لِاَجْلِ اَنْ اٰمَنْتُمْ، یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اَنْ تُؤْمِنُوْا، بتاویل مصدر ہو کر یُخْرِجُوْنَ کا مفعول لہٗ ہے۔

قِوْلُہُ: لِلْجِھَاد، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جِھَادًا مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اِنْ کُنْتُمْ، کا جواب شرط محذوف ہے، جس پر "لا تتخذوا" دلالت کرتا ہے، اور وہ فَلَا تتخذوھم اولیاء ہے۔

قِوْلُہُ: تُسِرّون، یہ تلقون سے بدل ہے۔

قِوْلُہُ: سَوَاءَ السَّبِیْل، یہ اضافت صفت الی الموصوف ہے، ای السبیل السواء.

قِوْلُہُ: لوتکفرون، لو بمعنی اَنْ مصدریہ ای تمنوا کفرکم.

قِوْلُہُ: مِنَ الْعَذَابِ، لَنْ یَنْفَعَکُمْ منفی کے متعلق ہے۔

قِوْلُہُ: یَوْمَ الْقِیٰمَةِ، اگر یہ لَن تَنْفَعَکُمْ سے متعلق ہو تو اس وقت یَوْمَ الْقِیَامَةِ پر وقف ہوگا اور یَفْصِلُ سے جملہ مستانفہ ہوگا اور یہ بھی درست ہے کہ اپنے مابعد یَفْصِلُ سے متعلق ہو، اس صورت میں اَوْلَادُکُمْ پر وقف ہوگا، اور یَوْمَ الْقِیٰمَةِ سے جملہ مستانفہ ہوگا۔

قِوْلُہُ: اِنَّا بُرَءٰ اؤُا جمع بَرِیْءٍ کَظَرِیْفٍ یعنی جس طرح ظریف کی جمع ظُرَفَاءُ آتی ہے اسی طرح بَرِیْءٌ کی جمع بُرءٰ اؤُا آتی ہے۔

قِوْلُہُ: وَاِبْدَالِ الثانیة وَاوًا یعنی اَبَدًا کو وَبَدًا بھی پڑھ سکتے ہیں۔

قِوْلُہُ: مستثنٰی مِنْ اُسْوَةٍ یعنی اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاھِیْمَ الخ قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْ اِبْرَاھِیْمَ سے مستثنیٰ ہے، مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے ہر قول و فعل میں اچھا نمونہ ہے مگر کفار کے لئے استغفار کرنے میں نہیں ہے۔

قولہ: اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ، اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِیْمَ الخ مستثنیٰ ہے اور سابق میں قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ مستثنیٰ منہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا ہر قول وفعل قابل تأسّی (یعنی قابل اقتداء) ہے مگر ان کا قول لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ الخ قابل تأسّی نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے جو اپنے کافر والد کے لئے استغفار کیا یہ ہمارے لئے قابلِ تأسّی نہیں کہ ہم بھی کافر کے لئے استغفار کرسکیں گویا کہ کافر باپ کے لئے استغفار کرنا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے خاص ہے دوسروں کیلئے اس بارے میں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی اقتداء جائز نہیں۔

قولہ: وَمَا اَمْلِکُ لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ، کا عطف لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ پر ہے اور معطوف ومعطوف علیہ کا حکم ایک ہی ہوتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے والد سے فرمایا کہ: میں آپ کے لئے استغفار کروں گا، اور یہ بھی فرمایا کہ میں آپ کے لئے کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا، گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے والد سے دو باتیں کہیں اول یہ کہ میں آپ کے لئے استغفار کروں گا دوسری یہ کہ میں آپ کے لئے اللہ کی طرف سے کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا، ان دونوں باتوں کو اِلَّا قَوْلَ ابراهیم کہہ کر قابل اقتداء ہونے سے خارج کردیا، حالانکہ دوسری بات یعنی مَا اَمْلِکُ لَکَ الخ قابل اقتداء ہے، دلیل اس کی اللہ تعالیٰ کا قول: قُلْ فَمَنْ یَّمْلِکُ لَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا، ہے (سورۂ فتح) بظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے یعنی مَا اَمْلِکُ لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ اور سورۂ فتح کی آیت: قُلْ فَمَنْ یَمْلِکُ لَکُمْ الخ میں تعارض ہے۔

اعتراض: اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے ہر قول وفعل کو قابل تأسّی یعنی قابل اقتداء قرار دیا ہے مگر ان میں سے کافر کے لئے استغفار کو قابل اقتداء ہونے سے مستثنیٰ کردیا ہے اور اس مستثنیٰ پر وَمَا اَمْلِکُ لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ کا عطف کیا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف کا حکم ایک ہی ہوتا ہے؛ لہٰذا مَا اَمْلِکُ لَکَ الخ بھی قابل اقتداء ہونے سے خارج ہوگیا، حالانکہ سورۂ فتح کی آیت "قُلْ فَمَنْ یَمْلِکُ لَکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا" سے اس کا قابل اقتداء ہونا معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ کوئی بھی شخص اللہ کی طرف سے کسی خیر وشر کا مالک نہیں ہے، لہٰذا یہ معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا قول "مَا اَمْلِکُ لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ" قابل اقتداء ہے نہ کہ نا قابل اقتداء۔

قولہ: کَنّٰی بِهٖ عَنْ اَنَّهٗ لَا یَمْلِکُ لَهٗ غَیْرَ الْاِسْتِغْفَارِ، سے مذکورہ اعتراض کا جواب دیا گیا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مَا اَمْلِکُ لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ کے دو معنی ہیں ایک معنی مرادی جو کہ یہاں مقصود ہیں، جس کو کَنّٰی بِهٖ سے تعبیر کیا ہے اور دوسرے معنی وضعی جو کہ مقصود نہیں ہیں اور وہ یہ ہے کہ مَا اَمْلِکُ لَکَ مِنَ اللّٰہِ الخ کو معطوف علیہ یعنی لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ الخ سے خارج کردیا جائے یعنی نہ تو کافر کے لئے استغفار کرنا قابل اقتداء اور نہ یہ کہنا قابل اقتداء ہے کہ میں آپ کے لئے اللہ کی جانب سے کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں، حالانکہ دوسری بات آیت فتح کی روشنی میں قابل اقتداء ہے۔

خلاصۂ کلام:

خلاصہ کلام یہ کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا قول مَا اَمْلِكُ لَكَ الخ معنی مرادی کے اعتبار سے قابلِ اقتداء ہے؛ مگر معنی وضعی کے اعتبار سے قابل اقتداء نہیں ہے، مفسر علام کے قول مستثنٰی مِنْ حَيْثُ المراد منه وَاِن كان من حيث ظاهره مما يُتَأسّٰى فيه کا یہی مطلب ہے۔

مذکورہ اعتراض کا دوسرا جواب:

قَوْلَہٗ: وَمَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ، یہ مستثنٰی کا تتمہ ہے، اصل مستثنٰی لَاَسْتَغْفِرَنَّ الخ ہے، وَمَا اَمْلِكُ لَكَ جملہ حالیہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور مجموعہ کے استثناء سے تمام احوال سے استثناء لازم نہیں آتا، لہٰذا مستثنٰی کا آخری جزء یعنی وَمَا اَمْلِكُ لَكَ الخ جو دراصل مستثنٰی کے لئے قید ہے، قابل تأسّی ہونے سے خارج نہ ہوگا، اس کی تائید روح البیان کی عبارت سے بھی ہوتی ہے، فمورد الاستثناء نفس الاستغفار لا قيده یعنی اصل مستثنٰی نفس استغفار ہے نہ کہ اس کی قید: مَا اَمْلِكُ لَكَ الخ.

قَوْلَہٗ: لِمَنْ كَانَ یہ اعادۂ جار کے ساتھ لَكُمْ کی كُمْ ضمیر سے بدل الاشتمال ہے، صحیح تو یہ ہے کہ بدل البعض ہے، اس لئے کہ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ، كُمْ کا بعض ہے، البتہ بعض اوقات بدل الاشتمال کا اطلاق بدل البعض پر ہو جاتا ہے (كما صرح الرضی) اور جن حضرات نے ضمیر سے بدل واقع ہونے کو منع کیا ہے، تو انہوں نے بدل الکل کو منع کیا ہے اور سیبویہ کے نزدیک بدل مطلقاً جائز ہے۔

قَوْلَہٗ: مَنْ يَتَوَلَّ شرط ہے اور جواب شرط محذوف ہے اس کی تفسیر فوباله علىٰ نفسه، اللہ تعالیٰ کا قول فَاِنَّ اللّٰهَ الخ جواب کی علت ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ اس سورت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کے نزول کا زمانہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان کا ہے جمہور مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور ابن عباس، مجاہد، قتادہ، اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ کی بھی متفقہ رائے یہی ہے کہ ان آیات کا نزول اس وقت ہوا جس وقت کہ مشرکین مکہ کے نام حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط پکڑا گیا تھا۔

واقعہ کی تفصیل:

مشرکین مکہ اور نبی ﷺ کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا، اہل مکہ نے اس کی خلاف ورزی کی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مکہ پر حملہ کرنے کی خفیہ طور پر تیاری شروع فرمادی، اس پروگرام کو صیغۂ راز میں رکھا گیا اور چند مخصوص صحابہ کے علاوہ آپ ﷺ نے کسی کو نہ بتایا کہ آپ ﷺ کس مہم کے لئے تیاری فرما رہے ہیں؟ ایسا جنگی چال کے طور پر کیا گیا تا کہ دشمن کو قبل از وقت مسلمانوں کی سرگرمیوں اور ان کے منصوبوں کا پتہ نہ چل سکے، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں، جو کہ بدریین میں سے تھے، یمن کے رہنے والے تھے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں بود و باش اختیار کر لی تھی، مکہ والوں سے ان کی کوئی رشتہ داری نہیں تھی، لیکن ان کے بیوی بچے اور دیگر اہل خانہ مکہ ہی میں تھے۔

انہوں نے سوچا کہ میں قریش مکہ کو آپ ﷺ کی مکہ پر حملہ کی تیاری کی اطلاع دے کر ایک احسان کر دوں؛ تا کہ وہ اس احسان کے بدلے ان کے بیوی بچوں کا خیال رکھیں، اتفاق سے اسی زمانہ میں مکہ معظّمہ سے ایک عورت آئی جو پہلے بنی عبدالمطلب کی لونڈی تھی، اس نے آزاد ہو کر گانے بجانے کا کام شروع کر دیا تھا، اس کا نام سارہ تھا اس نے مدینہ آ کر آپ ﷺ سے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور کچھ مالی مدد کی طالب ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا ہجرت کر کے آئی ہو؟ تو اس نے کہا نہیں، اس کے بعد دریافت فرمایا کیا تم مسلمان ہو کر آئی ہو؟ اس کا جواب بھی نفی میں دیا، تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ پھر تم یہاں کس غرض سے آئی ہو؟ تو اس نے کہا کہ آپ ﷺ مکہ کے اعلیٰ خاندان کے لوگ تھے آپ ﷺ لوگوں ہی سے میرا گذارا تھا، مکہ کے بڑے بڑے سردار تو غزوۂ بدر میں مارے گئے اور آپ لوگ یہاں چلے آئے، اب میرا گذارہ مشکل ہو گیا ہے، میں سخت حاجت اور ضرورت میں مبتلا ہو کر آپ سے مدد لینے کے لئے یہاں آئی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم تو مکہ مکرمہ کی پیشہ ور مغنیہ ہو وہ مکہ کے نوجوان کیا ہوئے (جو تجھ پر روپئے پیسے کی بارش کرتے تھے) اس نے کہا واقعۂ بدر کے بعد ان کی تقریبات جشنِ طرب ختم ہو چکی ہیں، اس وقت سے مجھے کسی نے نہیں بلایا، رسول اللہ ﷺ نے بنی عبدالمطلب کو اس کی مدد کی ترغیب دی، انہوں نے اس کو نقد اور کپڑے وغیرہ دے کر رخصت کیا۔ (معارف ملخصًا)

جب وہ مکہ جانے لگی تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے ملے اور چپکے سے اس کو بعض سرداران مکہ کے نام ایک خط دے دیا اور دس دینار دیئے، تا کہ وہ راز فاش نہ کرے اور یہ خط مکہ کے سرداروں کو پہنچا دے بعض روایتوں میں دس دیناروں کے ساتھ ایک چادر دینے کا بھی ذکر ہے (اعراب القرآن بحوالہ قشیری والثعلبی) ابھی وہ مدینہ سے روانہ ہی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس واقعہ کی اطلاع آپ ﷺ کو دے دی، آپ ﷺ نے فوراً ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے پیچھے روانہ کیا (بعض روایات میں دوسرے ناموں کا ذکر ہے) اور حکم دیا کہ تیزی سے جاؤ، روضۂ خاخ کے مقام پر ایک عورت ملے گی جس کے پاس مشرکین کے نام حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خط ہے جس طرح بھی ہو اس سے وہ خط حاصل کرو اگر وہ دیدے تو اسے چھوڑ دینا اگر نہ دے تو اس کو قتل کر دینا۔

خط کا متن:

اَمَّا بعد! فَاِنَّ رسول اللّٰہ قَدْ تَوَجَّهَ اِلَیْکم بجیشٍ کاللیل یَسِیر کالسَّیْل، واقسم باللّٰہ لَوْلَمْ یسر الیکم اِلّا وَحْدَہٗ لَاَظْفَرَہُ اللّٰہ بکم، وَلَاَنْجزَلَہٗ مَوْعِدَہٗ فِیْکم، فَاِنَّ اللّٰہ وَلِیُّہٗ وَنَاصِرُہٗ.

ترجمہ: حمد وصلوٰۃ کے بعد، بے شک اللہ کے رسول تمہاری طرف متوجہ ہوئے ہیں ایسا لشکر لے کر جو (کثرت میں) رات کی مانند ہے اور چلنے میں سیلاب کی مانند ہے، اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں اگر وہ تمہاری طرف صرف اکیلے ہی متوجہ ہوتے تو بھی اللہ تعالیٰ یقیناً ان کو تم پر فتح عطا فرماتا اور ان سے تمہارے بارے میں اپنے وعدے کی ضرور تکمیل فرماتا، بلاشبہ اللہ اس کا والی اور ناصر ہے۔

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ہم نے حکم کے مطابق تیزی سے اس کا تعاقب کیا، اور ٹھیک اسی جگہ جہاں کے لئے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے خبر دی تھی اس عورت کو اونٹ پر سوار جاتے ہوئے پکڑ لیا، ہم نے اس سے کہا وہ خط نکالو جو تمہارے پاس ہے، اس نے کہا میرے پاس کسی کا کوئی خط نہیں ہے، ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھا دیا، اس کی تلاشی لی مگر خط ہمارے ہاتھ نہ لگا، لیکن ہم نے دل میں کہا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خبر غلط نہیں ہو سکتی ضرور خط اس نے کہیں چھپایا ہے، پھر ہم نے اس سے کہا، تو خط نکال کر دیدے ورنہ ہم ننگا کر کے تیری جامہ تلاشی لیں گے، جب اس نے دیکھا کہ ہم سے نجات مشکل ہے، تو اس نے اپنی چوٹی سے خط نکال کر دیا، حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ہم یہ خط لے کر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، حضرت عمر بن الخطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے واقعہ سنتے ہی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا کہ اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول اور سب مسلمانوں سے خیانت کی ہے، ہمارا راز کفار کو لکھ دیا، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا اے عمر! حاطب بدر میں حاضر تھا اور تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے قلوب پر مطلع ہو گیا (یعنی ان کے اخلاص وایمان کو جانچ لیا ہے) اور فرمایا ہے: **اعملوا ما شئتم فقد غفرتُ لکم** جو چاہو سو کرو میں نے تمہارے گناہ بخش دیئے ہیں۔ (خلاصۃ التفاسیر) آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی جانب سے معافی کا اعلان سنا تو عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ (ابن کثیر)

حاطب بن ابی بلتعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں:

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حاطب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے پوچھا تم نے یہ کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے یہ کام کفر وارتداد کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دیگر مہاجرین کے رشتہ دار مکہ میں موجود ہیں جو ان کے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں، میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو میں نے یہ سوچا کہ میں اہل مکہ کو کچھ اطلاع کردوں تاکہ وہ میرے احسان مند رہیں

اور میرے بچوں کی حفاظت کریں، آپ ﷺ نے ان کی سچائی کی وجہ سے انہیں کچھ نہیں کہا تاہم اللہ نے تنبیہ کے طور پر یہ آیات نازل فرمادیں، تاکہ آئندہ کوئی مومن کسی کافر کے ساتھ اس طرح کا تعلق مودت قائم نہ کرے، سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیتیں اسی واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۃ الممتحنہ، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة)

تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ (الآیة) مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کی خفیہ باتیں ان تک پہنچا کر ان سے دوستانہ تعلق قائم رکھنا چاہتے ہو، حالانکہ تم کو میرے اور اپنے دشمنوں کے ساتھ دوستی کے تعلقات قائم نہیں کرنے چاہئیں کفار کو اس قسم کے خط لکھنا یہ ان کو دوستی کا پیغام دینا ہے، اپنے اور خدا کے دشمنوں سے دوستی کی توقع رکھنا سخت دھوکا ہے اس سے بچنا چاہئے، اور یہ بات یاد رکھو، کہ کافر جب تک کافر ہے وہ کسی مسلمان کا اور مسلمان جب تک کہ وہ مسلمان ہے کبھی کافر کا دوست نہیں ہوسکتا، شرک اور کفر کی وجہ سے تمہارا اور ان کا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا، اللہ کے پرستاروں کا بھلا غیر اللہ کے پجاریوں سے کیا تعلق؟

یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ (الآیة) یعنی پیغمبر ﷺ اور تم کو کیسی کیسی ایذائیں دیکر ترک وطن پر مجبور کیا محض اس قصور پر کہ تم ایک اللہ کو جو کہ تمہارا اور سب کا رب ہے کیوں مانتے ہو؟ اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ (الآیة) یعنی تمہارا گھر بار کو چھوڑ کر نکلنا اگر میری خوشنودی اور میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے ہے اور خالص میری رضا کے واسطے تم نے سب کو اپنا دشمن بنایا ہے، تو پھر انہیں دشمنوں سے دوستی گانٹھنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا جنہیں ناراض کر کے اللہ کو راضی کیا تھا اب انہیں راضی کر کے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو؟ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَیْتُمْ (الآیة) یعنی اگر کوئی انسان کوئی کام دنیا سے چھپا کر کرتا ہے، تو کیا اس کو اللہ سے بھی چھپا پائے گا، دیکھو حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس قدر کوشش کی کہ خط کی اطلاع کسی کو نہ ہو، مگر اللہ نے اپنے رسول کو مطلع فرمادیا۔

اِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ یَکُوْنُوْا لَکُمْ اَعْدَاءً یعنی ان کافروں سے بحالت موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو، خواہ تم کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کرلو گے وہ کبھی تمہارے خیر خواہ نہیں ہوسکتے، انتہائی رواداری کے باوجود اگر تم پر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگذر نہ کریں گے، زبان سے ہاتھ سے، غرضیکہ ہر طرح سے ایذاء پہنچائیں گے، اور ان کی یہ خواہش ہوگی کہ تم کفر میں واپس پلٹ آؤ، کیا ایسے شریر اور بدباطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا (الآیة) یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ اور تسلط عطا نہ فرما، اس طرح وہ سمجھیں گے کہ وہ حق پر ہیں، یوں ہم ان کے لئے فتنہ کا باعث بن جائیں گے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مِن كُفَّارِ مَكَّةَ طَاعَةً لِلّٰهِ تعالىٰ مَّوَدَّةً بِاَنْ يَّهْدِيَهُمْ لِلْاِيْمَانِ فَيَصِيْرُوا لَكُمْ اَوْلِيَاءَ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ عَلىٰ ذٰلِكَ وَقَدْ فَعَلَهُ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ لَهُمْ مَا سَلَفَ رَّحِيْمٌ ⑦ بِهِمْ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ مِنَ الْكُفَّارِ بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِن

اَلَّذِینَ وَتُقْسِطُوْٓا تَقْضُوا اِلَيْهِمْ بِالْقِسْطِ اَیِ الْعَدْلِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۝ العَادِلِينَ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَاوَنُوا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ بَدلُ اشْتِمَالٍ مِنَ الَّذِينَ تَتَّخِذُوْهُمْ اَوْلِيَاءَ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَلْسِنَتِهِنَّ مُهٰجِرٰتٍ مِنَ الْكُفَّارِ بَعْدَ الصُّلْحِ مَعَهُمْ فِي الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰی اَنَّ مَنْ جَاءَ مِنهم اِلَی الْمُؤْمِنِينَ يُرَدُّ فَامْتَحِنُوْهُنَّ بِالْحَلْفِ انهن مَاخَرَجْنَ اِلَّا رَغْبَةً فِی الاسلام لَا بُغْضًا لِاَزْوَاجِهِنَّ الْكُفَّارِ وَلَا عِشْقًا لِرِجَالٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَذَا كَانَ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم يُحَلِّفُهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ ظَنَنْتُمُوهُنَّ بِالْحَلْفِ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ تَرُدُّوهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَاٰتُوْهُمْ اَیِ اَعْطُوا الْكُفَّارَ اَزْوَاجَهُنَّ مَّآ اَنْفَقُوْا عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمُهُورِ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ بِشَرْطِهٖ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُهُورَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوْا بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ زَوْجَاتِكُم لِقَطْعِ اِسْلَامِكُم لها بِشَرْطِهٖ او اللَّاحِقَاتِ بِالْمُشْرِكِينَ مُرْتَدَّاتٍ لِقَطْعِ ارْتِدَادِهِنَّ نِكَاحَكُم بِشَرْطِهٖ وَسْئَلُوْا اُطْلُبُوا مَآ اَنْفَقْتُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمُهُورِ فِي صُورَةِ الْارْتِدَادِ مِمَّنْ تَزَوَّجَهُنَّ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا عَلَى الْمُهَاجِرَاتِ كَمَا تَقَدَّمَ اَنَّهُم يُؤْتُونَه ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ بِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۝ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اَیْ وَاحِدَةٌ فَاَكْثَرُ مِنْهُنَّ اَوْ شَیْءٌ مِنْ مُهُورِهِنَّ بِالذَّهَابِ اِلَى الْكُفَّارِ مُرْتَدَّاتٍ فَعَاقَبْتُمْ فَغَزَوْتُمْ وَغَنِمْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِنَ الْغَنِيمَةِ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا لِفَوَاتِهٖ عَلَيْهِم مِنْ جِهَةِ الْكُفَّارِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۝ وَقَد فَعَلَ الْمُؤْمِنُونَ مَا اُمِرُوا بِهٖ مِنَ الْاِيْتَاءِ لِلْكُفَّارِ وَالْمُؤْمِنِينَ ثُمَّ ارْتَفَعَ هٰذَا الْحُكْمُ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ كَمَا كَانَ يُفْعَلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ وَأْدِ الْبَنَاتِ اَیْ دَفْنِهِنَّ اَحْيَاءً خَوْفَ الْعَارِ وَالْفَقْرِ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ اَیْ بِوَلَدٍ مَلْقُوطٍ يَنْسُبْنَهٗ اِلَى الزَّوْجِ وَوُصِفَ بِصِفَةِ الْوَلَدِ الْحَقِيقِيِّ فَاِنَّ الْاُمَّ اِذَا وَضَعَتْهُ سَقَطَ بَيْنَ يَدَيْهَا وَرِجْلَيْهَا وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ هُوَ مَا وَافَقَ طَاعَةَ اللّٰهِ تَعَالٰی كَتَرْكِ النِّيَاحَةِ وَتَمْزِيقِ الثِّيَابِ وَجَزِّ الشَّعْرِ وَشَقِّ الْجَيْبِ وَخَمْشِ الْوَجْهِ فَبَايِعْهُنَّ فَعَلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ بِالْقَوْلِ وَلَمْ يُصَافِحْ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ هُمُ الْيَهُودُ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ اَیْ مِنْ ثَوَابِهَا مَعَ اِيْقَانِهِم بِهَا لِعِنَادِهِمُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم مَعَ عِلْمِهِمْ بِصِدْقِهٖ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ الْكَائِنُونَ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ۝ اَیِ الْمَقْبُورِينَ مِنْ خَيْرِ الْاٰخِرَةِ اِذْ تُعْرَضُ عَلَيْهِمْ مَقَاعِدُهُم مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ كَانُوا اٰمَنُوا وَمَا يَصِيرُونَ اِلَيْهِ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ہی تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے جن کفار مکہ سے تم نے خدا کی طاعت میں دشمنی کی ہے، اس طریقہ سے کہ وہ ان کو ایمان کی ہدایت دیدے، تو وہ تمہارے دوست ہو جائیں، اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے، اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے بعد ایسا کر بھی دیا، اور اللہ تعالیٰ ان کے سابقہ (گناہوں) کو معاف کرنے والا ان پر رحم کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ تم کو ان کفار کے ساتھ جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے حسن سلوک کرنے سے اَلَّذِیْنَ سے بدل الاشتمال ہے، اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا اور یہ حکم، جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمہیں جلاوطن کیا، اور تم کو جلاوطن کرنے میں مدد کی اَلَّذِیْنَ سے بدل الاشتمال ہے، یعنی یہ کہ تم ان کو دوست نہ بناؤ، جو لوگ ایسے کافروں سے محبت کریں وہ (قطعاً) ظالم ہیں، اے ایمان والو! جب تمہارے پاس اقرار کرنے والی مومن عورتیں کفار سے ہجرت کر کے آئیں ان کے ساتھ حدیبیہ میں اس بات پر صلح کرنے کے بعد کہ جو ان میں سے مومنین کے پاس آئے گا اس کو لوٹا دیا جائے گا، تو ان کو حلف کے ذریعہ جانچ کر لیا کریں کہ وہ صرف اسلام میں رغبت کی وجہ سے ہجرت کر کے آئی ہیں، نہ کہ اپنے کافر شوہروں سے بغض کی وجہ سے، اور نہ کسی مسلمان سے عشق کی وجہ سے، آپ ﷺ ان سے ایسی ہی قسم لیا کرتے تھے، ان کے حقیقی ایمان کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے لیکن اگر وہ تمہیں قسم کی وجہ سے مومنہ معلوم ہوں، تو تم ان کو کافروں کی طرف مت لوٹاؤ یہ ان کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں اور ان کے کافر شوہروں کا جو مہر ان پر خرچ ہوا ہو وہ ان کو دیدو اور جب تم ان عورتوں کا مہر ادا کر دو تو تم پر ان سے نکاح کرنے میں نکاح کی شرط کے ساتھ کوئی گناہ نہیں ہے اور اپنی بیویوں میں سے کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضے میں نہ رکھو تمہارے اسلام کے ان کو (تم سے) منقطع کرنے کی وجہ سے اس کی شرط کے ساتھ، یا ان بیویوں کے مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملنے کے سبب ان کے ارتداد کے سبب، تمہارے نکاح منقطع کرنے کی وجہ سے اس کی شرط کے ساتھ، اور جو کچھ تم نے ان پر مہر خرچ کیا ہو ان کے ارتداد کی صورت میں ان کے کافر شوہروں سے طلب کر لو، اور وہ بھی مہاجرات پر خرچ کیا ہوا مال طلب کر لیں جیسا کہ سابق میں گذر چکا، کہ ان کو دیا جائے گا، یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو تمہارے درمیان کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ بڑا علم و حکمت والا ہے اور اگر تمہاری کوئی بیوی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے ایک یا اس سے زیادہ یا ان کا کچھ مہر فوت ہو جائے اور مرتد ہو کر ان کفار سے جا ملنے کی وجہ سے، پھر جب تم ان سے جہاد کرو اور تم کو مال غنیمت حاصل ہو تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں تو انہیں ان کے اخراجات کے برابر ان کو مال غنیمت سے دیدو کفار کی طرف سے ان کے نفقہ کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو اور بلا شبہ مومنین نے اس پر عمل کیا جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا، یعنی کافروں اور مومنین کو دیکر، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا، اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں آپ

ﷺ سے ان باتوں پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور زنا، نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی جیسا کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں بیٹیوں کو زندہ دفن کیا کرتی تھیں یعنی شرم یا فقر کے خوف سے ان کو زندہ دفن کیا کرتی تھیں، اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان بنالیویں یعنی اٹھائے ہوئے بچہ کو اپنے شوہر کی طرف منسوب نہ کریں گی (بین ایدیھن) سے ولد حقیقی کا وصف بیان کیا ہے، اس لئے کہ ماں جب اس کو جنتی ہے تو وہ اس کے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان گرتا ہے، اور کسی نیک کام میں تیری حکم عدولی نہ کریں گی اور نیک کام وہ ہے جو اللہ کی طاعت کے مطابق ہو، جیسا کہ نوحہ کرنے کو اور کپڑے پھاڑنے کو، اور بال نوچنے کو اور گریبان پھاڑنے کو اور چہرہ نوچنے کو ترک کرنا ہے، تو آپ ﷺ ان سے بیعت فرمالیا کریں آپ ﷺ نے بیعت کا یہ عمل قولاً فرمایا، اور کسی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا، اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا معاف کرنے والا ہے اے مسلمانو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے وہ یہود ہیں جو آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں یعنی اس کے ثواب سے آخرت پر ایمان رکھنے کے باوجود آنحضرت ﷺ سے عناد کی وجہ سے ان کے برحق ہونے کا علم رکھنے کے باوجود جیسا کہ کفار جو قبروں میں آخرت کی خیر سے ناامید ہو چکے ہیں جب کہ ان کے روبرو ان کا جنت کا ٹھکانہ پیش کیا جائے گا اگر ایمان لائے ہوتے اور جہنم کا وہ ٹھکانہ جس کی طرف وہ جارہے ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: طاعةً للّٰہِ تعالٰی، اَیْ عَادَیْتُمْ لِاَجْلِ طَاعَةِ اللّٰہ، طَاعَةً لِلّٰہِ، یہ عَادَیْتُمْ کا مفعول لہٗ ہے۔

قولہ: تَقْضُوْا، تُقْسِطُوْا کی تفسیر تَقْضُوْا سے کر کے یہ بتادیا کہ تُقْسِطُوْا، تَقْضُوْا کے معنی کو متضمن ہے؛ تاکہ اس کا صلہ اِلٰی لانا صحیح ہو جائے، تقسطُوْا کا عطف تبرُّوْھُمْ پر عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، بہتر ہوتا کہ تقسطوا کی تفسیر تعطُوھم قِسْطًا مِنْ اَمْوَالِکُمْ سے کرتے یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور ان کو اپنے اموال میں سے کچھ دیدیا کرو، اس لئے کہ صرف نہ لڑنے والے کافروں کے ساتھ انصاف کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں، عدل وانصاف تو ہر ایک کے ساتھ ضروری ہے خواہ وہ محارب ہو یا نہ ہو، لہٰذا عدل کی تخصیص صرف غیر مہاجرین کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔

قولہ: بشرطہ یعنی نکاح کے شرائط کو پورا کر کے تم ان سے نکاح کر سکتے ہو مثلاً یہ کہ حالت اسلام میں اس کی عدت گذر جائے اگر وہ مدخول بہا ہو، اور یہ کہ گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہو۔

قولہ: عِصَمْ، عِصْمَةٌ کی جمع ہے بمعنی نکاح، ناموس، کَوَافِر، جمع کافِرةٍ، جیسا کہ ضَوارِبُ، جمع ضَارِبَةٍ.

قولہ: لقطع اسلامکم لَھا بشرطہٖ، ای بشرط القطع.

تفسیر وتشریح

سابقہ آیات میں مسلمانوں کو اپنے کافر رشتہ داروں سے قطع تعلق کی جو تلقین کی گئی تھی، اس پر سچے اہل ایمان اگرچہ بڑے صبر وضبط کے ساتھ عمل کررہے تھے، مگر اللہ کو معلوم تھا کہ اپنے ماں، باپ، بھائی، بہنوں اور قریب ترین عزیزوں سے تعلق توڑ لینا کیسا سخت اور مشکل کام ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی کہ وہ وقت دور نہیں ہے جب تمہارے یہی کافر رشتہ دار، مسلمان ہوجائیں گے، اور آج کی دشمنی کل پھر محبت میں تبدیل ہوجائے گی، جن حالات میں یہ بات کہی گئی تھی کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ نتیجہ کیسے رونما ہوگا اس لئے کہ بظاہر دور دور تک بھی اس کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی، ان آیات کے نزول کے چند ہی ہفتہ بعد مکہ فتح ہوگیا اور مکہ کے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، اور مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جس چیز کی انہیں امید دلائی گئی تھی وہ کیسے پوری ہوئی۔

لَا يَنْهٰكُمُ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ (الآية) اس مقام پر یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ دشمنی نہ کرنے والے کافروں سے حسن سلوک کرنا تو اچھی بات ہے مگر کیا انصاف بھی ان ہی کے لئے مخصوص ہے، اور کیا دشمن کافروں کے ساتھ ناانصافی کرنا چاہئے؟ جواب یہ ہے کہ عدل وانصاف تو ہر شخص کے ساتھ ضروری ہے، خواہ کافر ہو یا غیر کافر حتی کہ اسلام کی تو یہ ہدایت ہے کہ دشمنوں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کیا جائے اس میں کافر وغیر کافر اور حربی وغیر حربی سب برابر ہیں، بلکہ اسلام میں تو انصاف جانوروں کے ساتھ بھی ضروری ہے، اس آیت میں بھلائی اور احسان کرنے کی ہدایت ہے، ان ہی معنی کی رعایت کے لئے تُقْسِطُوْا کو تعطوا کے معنی میں اور مقسطین بمعنی مُعْطِیْنَ لیا ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نفلی صدقات ذمی اور مصالح کافر کو دیئے جاسکتے ہیں، صرف کافر حربی کو دینا ممنوع ہے۔

مذکورہ آیت میں ان کفار کے بارے میں بتایا گیا کہ جو مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ کررہے ہوں اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے میں حصہ لے رہے ہوں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موالات اور دلی دوستی سے منع فرماتا ہے، اس میں بر واحسان کا معاملہ کرنے سے ممانعت نہیں، بلکہ صرف قلبی دوستی سے منع کیا گیا ہے، اور یہ ممانعت صرف برسرپیکار دشمنوں کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ اہل ذمہ اور اہل صلح کافروں کے ساتھ بھی قلبی موالات اور دوستی جائز نہیں۔

سابقہ آیات میں کفار سے جس ترک تعلق کی ہدایت کی گئی تھی اس کے متعلق کسی کو یہ غلط فہمی لاحق ہوسکتی تھی کہ یہ ان کے کافر ہونے کی وجہ سے ہے، اس لئے اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ (الآية) میں یہ بتایا گیا کہ اس کی اصل وجہ ان کا کفر نہیں بلکہ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ ان کی عداوت اور ان کی ظالمانہ روش ہے، لہٰذا مسلمانوں کو دشمن کافر اور غیر دشمن کافر میں فرق کرنا چاہئے، اور ان کافروں کے ساتھ احسان وحسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے، جنہوں نے کبھی ان کے ساتھ برائی نہ کی ہو، اس کی بہترین تشریح وہ واقعہ ہے جو حضرت اسماء بنت ابی بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور ان کی کافر والدہ کے درمیان پیش آیا تھا، حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ایک بیوی قتیلہ بنت عبدالعزی کافرہ تھیں اور ہجرت کے بعد مکہ ہی میں رہ گئی تھیں حضرت اسماء بنت ابی بکر

رَضَیَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا ان ہی کے بطن سے تھیں، صلح حدیبیہ کے بعد جب مکہ اور مدینہ کے درمیان آمد ورفت کا راستہ کھل گیا تو وہ اپنی بیٹی (اسماء رَضَیَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا) سے ملنے کے لئے مدینہ طیبہ آئیں، اور کچھ تحفہ تحائف بھی لائیں، خود حضرت اسماء رَضَیَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کی یہ روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے معلوم کیا کہ کیا اپنی ماں سے مل لوں؟ اور کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی بھی کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا ان سے صلہ رحمی کرو، (مسند احمد بخاری، مسلم) اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک مسلمان کے لئے اپنے کافر ماں باپ کی خدمت کرنا بھائی، بہنوں اور رشتہ داروں کی مدد کرنا جائز ہے، جب کہ وہ دشمن اسلام نہ ہوں۔

(احکام القرآن للجصاص، روح المعانی)

شانِ نزول:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ (الآیۃ) یہ آیتیں صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک خاص واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں ہیں، اس واقعہ کا بیان سورۂ فتح کے آغاز میں گذر چکا ہے۔

معاہدۂ صلح حدیبیہ کی بعض شرائط کی تحقیق:

واقعۂ حدیبیہ کی تفصیل سورۂ فتح میں گذر چکی ہے، جس میں قریش مکہ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان ایک معاہدۂ صلح دس سال کے لئے لکھا گیا تھا، اس معاہدہ کی بعض شرائط ایسی تھیں جن میں دب کر صلح کرنے اور مسلمانوں کی بظاہر مغلوبیت محسوس ہوتی تھی، اسی لئے صحابہ کرام رَضَیَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ میں اس پر غم وغصہ کا اظہار ہوا مگر رسول اللہ ﷺ باشارات ربانی یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس وقت کی چند روزہ مغلوبیت بالآخر ہمیشہ کے لئے فتح مبین کا پیش خیمہ بننے والی ہے، اس لئے قبول فرمالیا اور پھر سب صحابہ کرام رَضَیَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ بھی مطمئن ہو گئے۔

اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی آدمی مدینہ جائے گا تو آپ ﷺ اس کو واپس کر دیں گے اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، اور اگر مدینہ طیبہ سے کوئی مکہ مکرمہ چلا جائے گا تو قریش اس کو واپس نہ کریں گے، اس معاہدہ کے الفاظ عام تھے جس میں بظاہر مرد وعورت دونوں داخل تھے یعنی کوئی مسلمان مرد یا عورت، جو بھی مکہ سے آنحضرت ﷺ کے پاس جائے اس کو آپ ﷺ واپس کریں گے۔

جس وقت یہ معاہدہ مکمل ہو چکا اور آپ ﷺ ابھی مقام حدیبیہ ہی میں تشریف فرما تھے کہ کئی ایسے واقعات پیش آئے جو مسلمانوں کے لئے بہت صبر آزما تھے، جن میں ایک واقعہ ابوجندل رَضَیَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا ہے جس کو قریش مکہ نے قید میں ڈال رکھا تھا وہ کسی طرح ان کی قید سے فرار ہو کر آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے صحابۂ کرام رَضَیَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ میں ان کو دیکھ کر بہت تشویش ہوئی کہ معاہدہ کی رو سے ان کو واپس کیا جانا چاہئے، لیکن ہم اپنے مظلوم بھائی کو پھر ظالموں کے ہاتھ میں دیدیں یہ کیسے ہوگا؟

مگر رسول اللہ ﷺ معاہدہ تحریر فرما چکے تھے، ایک فرد کی خاطر اس معاہدہ کو ترک نہیں کیا جا سکتا تھا، جس کی وجہ سے آپ

ﷺ نے ابوجندل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔

اسی کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ یہ پیش آیا جس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ جو مسلمان تھیں، صیفی بن الراہب کے نکاح میں تھیں جو کافر تھا بعض روایات میں اس کے شوہر کا نام مسافر المخزومی بتلایا گیا ہے (اس وقت تک مسلمانوں اور کافروں کے درمیان رشتۂ مناکحت طرفین سے حرام نہیں ہوا تھا) یہ مسلمان عورتیں مکہ سے بھاگ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئیں (روح المعانی) آپ ﷺ نے ان کو واپس نہیں کیا البتہ اس پر جو کچھ مہر وغیرہ خرچ ہوا تھا وہ دیدیا اس کے بعد حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اس سے نکاح کرلیا۔ (روح المعانی)

مذکورہ آیات کا پس منظر:

اس حکم کا پس منظر یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اول اول تو مسلمان مرد مکہ سے بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے رہے اور انہیں معاہدہ کی شرائط کے مطابق واپس کیا جاتا رہا، پھر مسلمان عورتوں کے آنے کا سلسلہ شروع ہوگیا سب سے پہلے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں، کفار نے معاہدہ کا حوالہ دے کر ان کی واپسی کا بھی مطالبہ کیا، ام کلثوم کے دو بھائی ولید بن عقبہ اور عمارہ بن عقبہ انہیں واپس لے جانے کے لئے آئے، اور آپ ﷺ سے اپنی بہن ام کلثوم کی واپسی کا مطالبہ کیا، اس کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس کو واپس نہیں کیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ مذکورہ آیت اُمیمہ بنت بشر جو کہ بنی عمرو بن عون کی عورت تھی اور ابی حسان بن الدحداحہ کے نکاح میں تھی مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اس کے اہل خانہ نے واپسی کا مطالبہ کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے انکو رد فرما دیا، اس کے بعد سہیل بن حنیف نے اس سے نکاح کرلیا عبداللہ بن سہیل ان سے پیدا ہوئے۔ (روح المعانی)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت کے اسباب نزول متعدد ہیں بہرحال شان نزول کا واقعہ جو بھی ہو مگر آیت عہد نامۂ صلح کی اس دفعہ کی وضاحت کے لئے نازل ہوئی جس کے الفاظ کے عموم کی رو سے ہر مسلمان کو خواہ مرد ہو یا عورت واپس کرنا ضروری تھا، چنانچہ آیت نے وضاحت فرما دی کہ عہد نامہ کے الفاظ اگرچہ عام ہیں مگر اس میں عورتیں داخل نہیں ہیں، مطلب یہ کہ عورتوں کو واپس نہ کرنا نقض عہد کا مسئلہ نہیں تھا؛ بلکہ عہد نامہ کی ایک دفعہ کی تشریح کا مسئلہ تھا، کفار مکہ اس دفعہ کی تشریح اس کے برخلاف کرتے تھے جو مسلمان کرتے تھے کہ عورتیں اس عموم میں داخل نہیں چنانچہ آیت شریفہ نے اس دفعہ کی یہی تشریح و وضاحت فرمائی، ہاں عورتوں کے معاملہ میں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آئے اس کے کافر شوہر نے جو کچھ اس پر مہر کی صورت میں خرچ کیا ہے وہ خرچ اس کو واپس کر دیا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ، اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ (الآیة) عورتوں کی معاہدہ سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ، ان کا مسلمان ہونا ہے، مکہ سے مدینہ آنے والی عورتوں میں یہ احتمال تھا کہ وہ ایمان اور اسلام کی

خاطر نہ آئی ہوں؛ بلکہ کوئی اور غرض ہو مثلاً اپنے شوہر سے ناراضی کے سبب یا مدینہ کے کسی شخص کی محبت کے سبب آئی ہو یا کسی اور دنیوی غرض سے ہجرت کر کے آگئی ہو، وہ عند اللہ اس شرط سے مستثنیٰ نہیں اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کا امتحان لو۔ (معارف)

''مہاجرات'' کے امتحان لینے کا طریقہ:

حضرت ابن عباس رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا سے روایت ہے کہ مہاجرات کے امتحان کا طریقہ یہ تھا کہ مہاجرات سے حلف لیا جاتا تھا کہ وہ اپنے شوہر سے بغض و نفرت یا مدینہ کے کسی آدمی کی محبت کی وجہ سے یا کسی اور دنیوی غرض سے نہیں آئی ہیں، بلکہ ان کا آنا خالص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور رضا جوئی کے لئے ہے، جب وہ یہ حلف اٹھا لیتیں تو رسول اللہ ﷺ اس کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دیدیتے، اور اس کا مہر وغیرہ جو اس نے اپنے کافر شوہر سے وصول کیا تھا وہ اس کے کافر شوہر کو واپس دے دیتے تھے۔ (قرطبی)

حضرت عائشہ صدیقہ رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهَا کی ترمذی میں روایت ہے جس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے امتحان کی صورت وہ بیعت تھی جس کا ذکر اگلی آیت میں تفصیل سے آیا ہے '' اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ '' (الآية) گویا آنے والے مہاجر عورتوں کے امتحان کا طریقہ ہی یہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر ان چیزوں کا عہد کریں جو اس بیعت کے بیان میں آگے آتی ہیں اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ابتدائی طور پر پہلے وہ کلمات مہاجرات سے کہلوائے جاتے ہوں جو بروایت ابن عباس رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا اوپر ذکر کئے گئے ہیں اور اس کی تکمیل اس بیعت سے ہوتی ہو جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

ابن منذر اور طبرانی نے کبیر میں اور ابن مردویہ نے سند حسن کے ساتھ اور ایک جماعت نے ابن عباس رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا سے مہاجرات کے امتحان کی کیفیت اس طرح نقل کی ہے کہ جب کوئی مہاجر عورت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تو حضرت عمر رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اس طرح حلف لیتے کہ واللہ! نہ تو میں گھومنے پھرنے کی غرض سے آئی ہوں اور نہ میں شوہر سے ناراضگی کی وجہ سے آئی ہوں اور نہ میں کسی دنیوی غرض سے آئی ہوں واللہ! میں تو صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں آئی ہوں۔

(روح المعانی)

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ یعنی جب بطرز مذکور ان مہاجرات کے ایمان کا امتحان لے کر تم ان کو مومن قرار دیدو تو پھر ان کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہیں اور نہ یہ عورتیں کافر مردوں کے لئے حلال ہیں اور نہ کافر شوہر ان کے لئے حلال ہیں کہ ان سے دوبارہ نکاح کر سکیں۔

مَسْئَلَۃٌ: اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ جو عورت کسی کافر کے نکاح میں تھی اور پھر وہ مسلمان ہو گئی تو کافر سے اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو گیا اور یہی وجہ عورتوں کو شرط صلح میں واپسی سے مستثنیٰ کرنے کی ہے۔

وَاٰتُوْهُمْ مَا اَنْفَقُوْا اس آیت میں مال کی واپسی کے سلسلے میں خطاب مہاجر عورتوں کو نہیں کیا گیا کہ تم واپس کرو، بلکہ عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واپس کریں کیونکہ بہت ممکن بلکہ غالب یہ ہے کہ جو مال ان کو ان کے شوہروں نے دیا تھا وہ ختم ہو چکا ہوگا اب ان سے واپس دلانے کی صورت ہی نہیں ہوسکتی، اس لئے یہ فریضہ عام مسلمانوں پر ڈال دیا گیا، اگر بیت المال سے دیا جاسکتا ہو تو وہاں سے، ورنہ عام مسلمان چندہ کر کے دیں۔ (قرطبی، معارف ملخصًا)

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ گذشتہ آیت سے یہ معلوم ہو چکا کہ ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورت کا نکاح اس کے کافر شوہر سے فسخ ہو چکا ہے اور یہ اس پر حرام ہو چکی ہے، یہ آیت سابقہ آیت کا تکملہ ہے کہ اب مسلمان مرد اس سے نکاح کرسکتا ہے اگرچہ سابق کافر شوہر بھی زندہ ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی مگر شرعی حکم سے نکاح فسخ ہو چکا۔

کافر مرد کی بیوی مسلمان ہو جائے تو نکاح کا فسخ ہو جانا آیت مذکورہ سے معلوم ہو چکا لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کس وقت جائز ہوگا، اس کے متعلق امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہو جائے تو حاکم اسلام اس کے شوہر کو بلا کر کہے کہ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو نکاح برقرار رہے گا ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کرے تو اب ان دونوں کے درمیان فرقت کی تکمیل ہوگئی، اس وقت وہ کسی مسلمان مرد سے نکاح کرسکتی ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہیں ہوسکتا ہے جہاں حکومت اسلامی ہو دارالکفر یا دارالحرب میں یہ صورت ممکن نہیں ہے، البتہ اگر وہ عورت دارالکفر سے دارالاسلام میں آجائے تو اس کا نکاح خودبخود فسخ ہو جائے گا، دوسرا مسلمان مرد اگر چاہے تو مہر دے کر اس سے نکاح کرسکتا ہے۔

اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ کو بطور شرط کے فرمایا کہ تم ان سے نکاح کرسکتے ہو بشرطیکہ ان کے مہر ادا کر دو یہ درحقیقت نکاح کی شرط نہیں، اس لئے کہ باتفاق امت نکاح کا انعقاد ادائے مہر پر موقوف نہیں ہے، البتہ مہر کی ادائیگی لازم اور واجب ہے، یہاں اس کو بطور شرط کے شاید اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے اس شخص کو یہ خیال ہو کہ ابھی ایک مہر تو اس کے کافر شوہر کو واپس کرایا جا چکا ہے اب جدید مہر کی ضرورت نہیں، اس لئے فرمادیا کہ اس مہر کا تعلق پچھلے نکاح سے تھا لہٰذا یہ دوسرا نکاح جدید مہر کے ساتھ ہوگا۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَا اَنْفَقْتُمْ (الآية) عِصَمٌ، عِصْمَة کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد عصمت عقد نکاح ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر مسلمان ہو جائے اور بیوی بدستور کافر اور مشرک رہے تو ایسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں، اسے فوراً طلاق دے کر علیحدہ کر دیا جائے، طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے قطع تعلق کر لیا جائے، چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو اور حضرت طلحہ بن عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، روایت کیا گیا ہے کہ عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسی وجہ سے اپنی بیوی فاطمہ بنت ابوامیہ مخزومیہ کو طلاق دیدی اور معاویہ بن ابی سفیان نے اس سے نکاح کر لیا، اور دوسری بیوی کلثوم بنت جرول الخزاعی کو بھی اسی وجہ سے طلاق دے دی۔ اسی طرح

حضرت طلحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اپنی مشرکہ بیوی اروی بنت ربیعہ کو طلاق دے دی۔ (روح المعانی) البتہ اگر بیوی کتابیہ ہو تو اسے طلاق دینا ضروری نہیں؛ کیونکہ ان سے نکاح جائز ہے۔

اگر کسی کافر کی بیوی مسلمان ہو کر مسلمان کے پاس چلی گئی ہو، تو اس عورت کو تو واپس نہیں کیا جائے گا؛ البتہ کافر شوہر کو یہ حق ہے کہ وہ مہر وغیرہ صرف کیا ہوا مال مسلمانوں سے طلب کرلے، اسی طرح اگر کوئی مسلمان عورت مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلی گئی ہو، تو مسلمان شوہر بھی مہر وغیرہ میں خرچ کیا ہوا مال کافروں سے طلب کرلیں، مسلمانوں نے اس حکم پر بطیب خاطر عمل کیا مگر کافروں نے عمل نہیں کیا۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ (الآیۃ) اس معاملہ کی دو صورتیں تھیں: ایک صورت یہ تھی کہ جن کفار سے مسلمانوں کے معاہدانہ تعلقات تھے ان سے مسلمانوں نے یہ معاملہ طے کرنا چاہا کہ جو عورتیں ہجرت کر کے ہماری طرف آگئی ہیں ان کے مہر ہم واپس کردیں گے، اور ہمارے آدمیوں کی جو کافر بیویاں ادھر رہ گئی ہیں ان کے مہر تم واپس کردو، لیکن انہوں نے اس بات کو قبول نہ کیا، چنانچہ امام زہری بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے مسلمان ان عورتوں کا مہر ادا کرنے کے لئے تیار ہو گئے جو مشرکین کے پاس مکہ میں رہ گئی تھیں، مگر مشرکوں نے ان کے مہر دینے سے انکار کردیا اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مہاجر عورتوں کے جو مہر تمہیں مشرکین کو واپس کرنے ہیں وہ ان کو بھیجنے کے بجائے مدینہ ہی میں جمع کرلئے جائیں اور جن لوگوں کو مشرکین سے اپنے دیئے ہوئے مہر واپس لینے ہیں ان میں سے ہر ایک کو اتنی رقم دے دی جائے جو اسے کفار سے ادا ہونی چاہئے تھی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تم کافروں سے جہاد کرو اور جو مال غنیمت حاصل ہو اس میں سے تقسیم سے پہلے ان مسلمانوں کو جن کی بیویاں دارالکفر چلی گئی ہیں ان کے خرچ کے بقدر ادا کردو۔ (ایسر التفاسیر وابن کثیر) اگر مال غنیمت سے بھی تلافی کی صورت نہ ہو تو بیت المال سے تعاون کیا جائے۔ (ایسر التفاسیر)

کیا مسلمانوں کی کچھ عورتیں مرتد ہو کر مکہ چلی گئی تھیں؟

ایسا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک صرف ایک ہی پیش آیا تھا، حضرت عیاض بن غنم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قریشی کی بیوی ام الحکم بنت ابی سفیان مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلی گئی تھی اور پھر یہ بھی اسلام کی طرف لوٹ آئی۔ (معارف)

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے کل چھ عورتوں کا اسلام سے انحراف اور کفار کے ساتھ مل جانا ذکر کیا ہے، جن میں سے ایک تو یہی ام الحکم بنت ابی سفیان تھی، باقی پانچ عورتیں جو ہجرت کے وقت ہی مکہ میں رک گئی تھیں اور پہلے ہی سے کافرہ تھیں، جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی جس نے مسلم و کافرہ کے نکاح کو توڑ دیا، اس وقت بھی وہ مسلمان ہونے کے لئے تیار نہ ہوئیں، اس کے نتیجے میں یہ بھی ان عورتوں میں شمار کی گئیں جن کا مہر ان کے مسلمان شوہروں کو کفار مکہ کی طرف سے واپس ملنا چاہئے تھا، جب انہوں نے نہیں دیا تو رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت سے ان کا حق ادا کیا، (قرطبی) اور

بغوی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے بروایت ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا نقل کیا ہے کہ باقی پانچ عورتیں جو اس میں شمار کی گئی تھیں وہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئیں۔ (مظهری)

عورتوں کی بیعت:

جب مکہ فتح ہوا تو قریش کے لوگ جوق در جوق حضور ﷺ سے بیعت کرنے کے لئے آنے لگے آپ ﷺ نے مردوں سے کوہ صفا پر خود بیعت لی، اور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کو اپنی طرف سے مامور فرمایا کہ وہ عورتوں سے بیعت لیں اور ان باتوں کا اقرار کرائیں جو اس آیت میں بیان ہوئی ہیں (ابن جریر بروایت ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا) پھر مدینہ واپس لے جا کر آپ ﷺ نے ایک مکان میں انصار کی خواتین کو جمع کرنے کا حکم دیا، اور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کو ان سے بیعت لینے کے لئے بھیجا۔ (ابن جریر) ان مواقع کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں عورتیں فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کرتی رہیں جن کا ذکر متعدد احادیث میں ہے۔

ابوسفیان رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کی بیوی ہند بنت عتبہ کی بیعت:

مکہ معظمہ میں جب عورتوں سے بیعت کی جا رہی تھی اس وقت حضرت ابوسفیان رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کی بیوی ہند بنت عتبہ نے اس حکم کی تشریح دریافت کرتے ہوئے حضور سے عرض کیا، یا رسول اللہ! ابوسفیان ذرا بخیل آدمی ہیں؛ کیا میرے اوپر اس میں کوئی گناہ ہے کہ میں اپنی اور اپنے بچوں کی ضروریات کے لئے ان سے پوچھے بغیر ان کے مال میں سے کچھ لے لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، مگر بس معروف حد تک یعنی بس اتنا مال لے لیا کرو جو فی الواقع جائز ضروریات کے لئے کافی ہو۔

(احکام القرآن لابن العربی)

دو اہم قانونی نکتے:

وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ یعنی وہ کسی (معروف) نیک کام میں آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں گی، اس مختصر فقرے میں دو اہم قانونی نکتے بیان کئے گئے ہیں،

پہلا نکتہ:

یہ کہ نبی ﷺ کی اطاعت پر بھی اطاعت فی المعروف کی قید لگائی گئی ہے، حالانکہ آپ ﷺ کے بارے میں اس امر کے کسی ادنیٰ شبہ کی گنجائش بھی نہ تھی کہ آپ کبھی منکر کا حکم بھی دے سکتے ہیں، اس سے خود بخود یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیا میں کسی مخلوق کی اطاعت قانون خداوندی کی حدود سے باہر جا کر نہیں کی جا سکتی؛ کیونکہ جب خدا کے رسول ﷺ تک کی

اطاعت معروف کی شرط سے مشروط ہے تو پھر کسی دوسرے کا یہ مقام کہاں ہوسکتا ہے کہ اسے غیر مشروط اطاعت کا حق پہنچے، اس قاعدہ کو رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ''لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فی معصیة اللّٰہ انما الطاعة فی المعروف، اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں ہے، اطاعت تو صرف معروف اور اچھی چیزوں میں ہے۔

(مسلم، ابو داؤد، نسائی)

دوسرا اہم نکتہ:

دوسری بات جو قانونی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتی ہے یہ ہے کہ اس آیت میں پانچ منفی احکام دینے کے بعد مثبت حکم صرف ایک ہی دیا گیا ہے، اور وہ یہ کہ تمام نیک کاموں میں نبی ﷺ کے احکام کی اطاعت کی جائے گی، جہاں تک برائیوں کا تعلق ہے، تو وہ بڑی بڑی برائیاں گنا دی گئیں جن میں زمانۂ جاہلیت کی عورتیں مبتلا تھیں، اور ان سے باز رہنے کا عہد لے لیا گیا، مگر جہاں تک بھلائیوں کا تعلق تھا ان کی کوئی فہرست دے کر اس پر عہد نہیں لیا گیا کہ تم فلاں فلاں اعمال کروگی؛ بلکہ صرف یہ عہد لیا گیا کہ جس نیک کام کا بھی حضور ﷺ حکم فرمائیں گے اس کی پیروی تمہیں کرنی ہوگی، اب یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ نیک اعمال صرف وہی ہوں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیا ہے تو عہد ان الفاظ میں لیا جانا چاہئے تھا کہ تم اللہ کی نافرمانی نہ کروگی، یا یہ کہ تم قرآن کے احکام کی نافرمانی نہ کروگی، لیکن جب عہد ان الفاظ میں لیا گیا کہ جس نیک کام کا بھی حکم رسول اللہ ﷺ دیں گے تم اس کی خلاف ورزی نہ کروگی، تو اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معاشرے کی اصلاح کے لئے حضور ﷺ کو وسیع ترین اختیارات دیئے گئے ہیں اور آپ ﷺ کے تمام احکام واجب الاطاعت ہیں خواہ وہ قرآن میں موجود ہوں یا نہ ہوں۔

اسی آئینی اختیار کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے بیعت لیتے ہوئے ان بہت سی برائیوں کے چھوڑنے کا بھی عہد لیا جو اس وقت عرب معاشرہ میں عورتوں میں پھیلی ہوئی تھیں اور متعدد ایسے احکام دیئے جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں، اس کے لئے حسب ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا، ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا، اور ام عطیہ انصاریہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا وغیرہ سے روایات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت یہ عہد لیا کہ وہ مرنے والوں پر نوحہ نہیں کریں گی، یہ روایات بخاری، مسلم، نسائی وغیرہ میں ہیں، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی ایک روایت میں یہ تفصیل بھی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو عورتوں سے بیعت لینے کے لئے مامور کیا اور حکم دیا کہ ان کو نوحہ کرنے سے منع کریں، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں مرنے والوں پر نوحہ کرتے ہوئے کپڑے پھاڑتی تھیں، منہ نوچتی تھیں، بال کاٹتی تھیں اور سخت واویلا مچاتی تھیں۔ (ابن جریر)

زید بن اسلم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بیعت لیتے وقت عورتوں کو اس سے منع فرمایا کہ وہ مرنے

والوں پر نوحہ کرتے ہوئے منہ نوچیں، گریبان پھاڑیں۔ (ملخصًا ابن جریر)

قتادہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ اور حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ روایت کرتے ہیں کہ جو عہد آپ ﷺ نے بیعت لیتے وقت عورتوں سے لئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ غیر محرم مردوں سے بات نہ کریں گی، ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا کی روایت میں اس کی یہ وضاحت ہے کہ غیر مردوں سے تخلیہ میں بات نہ کریں گی، حضرت قتادہ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے مزید یہ وضاحت کی ہے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم گھر پر نہیں ہوتے اور ہمارے یہاں کوئی صاحب ملنے آجاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا میری مراد یہ نہیں ہے، یعنی عورت کا کسی آنے والے سے اتنی بات کہہ دینا ممنوع نہیں ہے کہ صاحبِ خانہ گھر میں موجود نہیں ہیں۔ (یہ روایت ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے نقل کی ہے)۔

حضرت فاطمہ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهَا کی خالہ امیمہ بنت رقیقہ سے عبداللہ بن عمرو بن عاص رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے یہ عہد لیا کہ نوحہ نہ کرنا اور جاہلیت کے بناؤ سنگھار کر کے اپنی نمائش نہ کرنا۔ (مسند احمد)

حضور ﷺ کی خالہ بنت قیس کہتی ہیں کہ میں انصار کی چند عورتوں کے ساتھ بیعت کے لئے حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے قرآن کی اس آیت کے مطابق ہم سے عہد لیا، پھر فرمایا "وَلَا تَغْشُشْنَ اَزْوَاجَكُنَّ" اپنے شوہروں سے دھوکے بازی نہ کرنا، جب ہم واپس ہونے لگیں تو ایک عورت نے مجھ سے کہا کہ جا کر حضور ﷺ سے پوچھو، شوہروں سے دھوکے بازی کرنے کا کیا مطلب ہے؟ میں نے جا کر پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا "تاخذُ مَالَهٗ فتحابی غَيْرَهٗ" یہ کہ تو شوہر کا مال لے اور دوسرے پر لٹا دے۔ (مسند احمد)

جو لوگ حضور ﷺ کے اس آئینی اختیار کو آپ ﷺ کی حیثیت رسالت کے بجائے حیثیت امارت سے متعلق قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ چونکہ اپنے وقت کے حکمراں بھی تھے اس لئے اپنی اس حیثیت میں آپ ﷺ نے جو احکام دیئے ہیں وہ صرف آپ ﷺ کے زمانہ تک ہی واجب الاطاعت تھے، وہ بڑی جہالت کی بات کرتے ہیں، اوپر کے سطور میں جو احکام نقل کئے گئے ہیں ان پر آپ ایک نظر ڈال لیجئے، ان میں عورتوں کی اصلاح کے لئے جو ہدایات آپ ﷺ نے دی ہیں وہ اگر محض حاکم وقت ہونے کی حیثیت سے ہوتیں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پوری دنیا کے مسلم معاشرے کی عورتوں میں یہ اصلاحات کیسے رائج ہوسکتی تھیں؟ آخر دنیا کا وہ کونسا حاکم ہے جس کو یہ مرتبہ حاصل ہو کہ ایک مرتبہ اس کی زبان سے ایک حکم صادر ہو اور روئے زمین پر جہاں جہاں بھی مسلمان آباد ہیں وہاں کے مسلم معاشرے میں ہمیشہ کے لئے وہ اصلاحات رائج ہوجائیں، جس کا حکم اس نے دیا ہے؟

تمت

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَكِّيَة اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعَ عَشَرَةَ اٰيَةً.

سورۂ صف مکی (یا) مدنی ہے، چودہ (۱۴) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اى نَزَّهَهٗ فاللَّامُ مَزِيْدَةٌ وَجِيْئَ بِمَا، دُوْنَ مَنْ تَغْلِيْبًا لِلْاَكْثَرِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ فِي مُلْكِهٖ الْحَكِيْمُ ① فِي صُنْعِهٖ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ فِي طَلَبِ الْجِهَادِ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② اِذَا انْهَزَمْتُمْ بِاُحُدٍ كَبُرَ عَظُمَ مَقْتًا تَمْيِيْزٌ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا فَاعِلُ كَبُرَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ يَنْصُرُ وَيُكْرِمُ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا حَالٌ اى صَافِّيْنَ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④ مُلْزَقٌ بَعْضُهٗ اِلَى بَعْضٍ ثَابِتٌ وَ اذْكُرْ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ قَالُوْا اِنَّهٗ اٰدَرُ اى مُنْتَفِخُ الْخُصْيَةِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ وَكَذَّبُوْهُ وَقَدْ لِلتَّحْقِيْقِ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ الْجُمْلَةُ حَالٌ وَالرَّسُوْلُ يُحْتَرَمُ فَلَمَّا زَاغُوْۤا عَدَلُوْا عَنِ الْحَقِّ بِاِيْذَائِهٖ اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ اَمَالَهَا عَنِ الْهُدٰى عَلٰى وَفْقِ مَا قَدَّرَهٗ فِي الْاَزَلِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤ الْكَافِرِيْنَ فِيْ عِلْمِهٖ وَ اذْكُرْ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ لَمْ يَقُلْ يَا قَوْمِ لِاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ لَهٗ فِيْهِمْ قَرَابَةٌ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ قَبْلِيْ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَمَّا جَآءَهُمْ جَاءَ اَحْمَدُ الْكُفَّارَ بِالْبَيِّنٰتِ الْاٰيَاتِ وَالْعَلَامَاتِ قَالُوْا هٰذَا اى الْمَجِيْئُ بِهٖ سِحْرٌ وَفِي قِرَاءَةٍ سَاحِرٌ اى الْجَائِيْ بِهٖ مُّبِيْنٌ ⑥ بَيِّنٌ وَمَنْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ اَشَدُّ ظُلْمًا مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ اِلَيْهِ وَوَصْفِ اٰيَاتِهٖ بِالسِّحْرِ وَهُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑦ الْكَافِرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا مَنْصُوْبٌ بِاَنْ مُقَدَّرَةٍ وَاللَّامُ مَزِيْدَةٌ نُوْرَ اللّٰهِ شَرْعَهٗ وَبَرَاهِيْنَهٗ بِاَفْوَاهِهِمْ بِاَقْوَالِهِمْ اِنَّهٗ سِحْرٌ وَشِعْرٌ وَكَهَانَةٌ وَاللّٰهُ مُتِمُّ مُظْهِرُ نُوْرِهٖ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالْاِضَافَةِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑧ ذٰلِكَ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ يُعْلِيَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ جَمِيْعِ الْاَدْيَانِ الْمُخَالِفَةِ لَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ⑨

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، زمین و آسمان میں ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے یعنی اس کی تنزیہ کرتی ہے (للّٰہ) میں لام زائدہ ہے اور مَنْ کے بجائے، مَا اکثر کو غلبہ دینے کے اعتبار سے لایا گیا ہے، وہ اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی صنعت میں حکیم ہے اے ایمان والو! طلب جہاد میں تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ جب کہ تم اُحد میں شکست کھا گئے اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسند ہے مَقْتًا تمیز ہے (اَنْ تَقُوْلُوْا) کَبُرَ کا فاعل ہے، کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں ہو، بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے (یعنی) مدد اور اکرام کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں (صَفًّا) حال ہے بمعنی صَافِّیْنَ گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی باہم پیوستہ ایک عمارت ہیں اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں ستا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ موسیٰ آدرُ ہے یعنی پھولے ہوئے خصیوں والا ہے، حالانکہ ایسی بات نہیں تھی اور ان کی تکذیب کی حالانکہ تم کو (بخوبی) معلوم ہے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں قَدْ تحقیق کے لئے ہے جملہ حالیہ ہے اور رسول محترم ہوتا ہے چنانچہ جب وہ ان کو ایذا پہنچا کر جادۂ حق سے ہٹ گئے تو اللہ نے ان کے قلوب کو ہدایت سے پھیر دیا اس کے مطابق جو ازل میں مقدر کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو جو اس کے علم میں کافر ہے ہدایت نہیں دیتا اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا اے بنی اسرائیل! (یہاں) یَاقوم نہیں فرمایا اس لئے کہ حضرت عیسیٰ کی ان میں قرابت داری نہیں تھی میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر جب احمد ان کافروں کے پاس کھلی دلیلیں اور نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے یہ چیز جس کو یہ لیکر آئے ہیں کھلا جادو ہے اور ایک قراءت میں سَاحِر ہے یعنی اس کے لانے والا جادوگر ہے اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا؟ جس نے اللہ کی طرف شرک کی اور ولد کی نسبت کر کے بہتان لگایا اور اس کی آیات کو سحر سے متصف کیا حالانکہ وہ اسلام کی جانب بلایا جاتا ہے اللہ ظالم کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو یعنی اس کی شریعت اور براہین کو اپنے مونہوں باتوں سے بجھا دیں کہ یہ تو سحر ہے اور شعر ہے اور کہانت ہے، (لِیُطْفِؤُوا) اَنْ مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے اور لام زائدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو ظاہر کرنے والا ہے اور ایک قراءت میں (مُتِمُّ نُوْرِہٖ) اضافت کے ساتھ ہے اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور دین حق دیکر بھیجا؛ تاکہ دیگر تمام مذاہب پر یعنی تمام مخالف دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک اس کو ناپسند کریں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مَكِّيَّةٌ او مَدَنية عکرمہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ، قتادہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اور حسن رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے قول کے مطابق مکی ہے، جمہور کے قول کے مطابق مدنی ہے۔

قَوْلُہٗ: مَقْتًا تمییز یعنی فاعل سے منقول ہوکر تمیز ہے، یعنی مَقْتًا اصل میں فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے کَبُرَتْ مَقْتُ قولکم، اَلْمَقْتُ: اشد البغض، ناپسندیدہ۔

قَوْلُہٗ: مَرْصُوْصٌ، رَصٌّ سے اسم مفعول، مضبوط، سیسہ پلائی ہوئی، رَصٌّ، دو چیزوں کو ملا کر جوڑنا، چمٹانا، رَصَاص، رانگ، سیسہ۔

قَوْلُہٗ: یَنْصُرُ وَیُکْرِمُ یہ یُحِبُّ کے لازم معنی کا بیان ہے، مقصد اس تفسیر سے ایک اعتراض کا جواب دینا ہے۔

اعتراض: مَحَبَّة کے معنی میلانِ قلب کے ہیں یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں اس لئے کہ میلان قلب کے لئے قلب لازم ہے اور قلب کے لئے جسم لازم ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جسم سے منزہ اور پاک ہیں۔

جَوَابٌ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ مَحَبَّة کے لازم معنی مراد ہیں یعنی میلان قلب اور رقت قلب کے لئے نصرت اور اکرام لازم ہے جو یہاں مراد ہے، لہٰذا یہاں لازم معنی مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ: صَفًّا یہ یقاتِلُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے، صَافِّین کا مفعول، اَنْفُسَهُمْ محذوف ہے، ای صَافِّیْنَ اَنْفُسَهُمْ۔

قَوْلُہٗ: لِاَنَّهٗ لَمْ یَكُنْ لَهٗ فِیْهِمْ قَرابَة قرابت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرابت اور نسب کا تعلق اَبٌ (والد) سے ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی اَبٌ نہیں تھا۔

قَوْلُہٗ: مُصَدِّقًا یہ رسولٌ بمعنی مرسلٌ کی ضمیر سے حال ہے اور اسی طرح مبشراً بھی۔

قَوْلُہٗ: یَاتِیْ مِنْ بَعْدِی جملہ ہوکر رسول کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْمَجِیُٔ یہ جاء سے اسم مفعول ہے مَجِیْءٌ دراصل مَجْیُوْءٌ تھا بروزن مَضْرُوْبٌ یاء کا ضمہ جیم کو دے دیا، دو ساکن یاء اور واؤ جمع ہوئے، واؤ کو حذف کر دیا اور جیم کو یاء کی مناسبت سے کسرہ دے دیا، مَجِیْءٌ ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: لَا اَحَدَ اس سے اشارہ ہے کہ وَمَنْ اَظْلَمُ میں مَنْ استفہام انکاری بمعنی نفی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَوَصفِ آیاتِهٖ وصف کا عطف نِسْبَةِ الشِّرْكِ پر ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔

قَوْلُہٗ: وَهُوَ یُدْعٰی اِلَی الْاِسْلَامِ جملہ حالیہ ہے۔

تفسیر و تشریح

شان نزول:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ یہاں ندا اگرچہ عام ہے لیکن مخاطب وہ مومنین ہیں جو کہہ رہے تھے کہ اگر ہمیں احب الاعمال کا علم ہو جائے تو انہیں کریں، لیکن جب انہیں بعض احب الاعمال بتلائے گئے تو سست ہوگئے، اس لئے اس آیت میں ان کو توبیخ کی گئی ہے، ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی

ہے کہ صحابۂ کرام رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ کی ایک جماعت نے آپس میں ایک روز یہ مذاکرہ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کونسا ہے تو ہم اس پر عمل کریں؟ بغوی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى نے اس میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان حضرات میں سے بعض نے کچھ ایسے الفاظ بھی کہے کہ اگر ہمیں احب الاعمال عند اللہ معلوم ہو جائے تو ہم اپنی جان ومال سب اس کے لئے قربان کردیں۔ (مظہری)

ابن کثیر نے مسند احمد کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ چند حضرات نے جمع ہو کر مذاکرہ کیا اور چاہا کہ کوئی صاحب جا کر رسول اللہ ﷺ سے اس کا سوال کرے، مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی، ابھی یہ لوگ اسی حالت پر تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سب لوگوں کو نام بنام اپنے پاس بلایا (جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ان کا اجتماع اور ان کی گفتگو معلوم ہوگئی تھی) جب یہ سب لوگ حاضر خدمت ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے پوری سورۂ صف پڑھ کر سنائی جو اس وقت آپ ﷺ پر نازل ہوئی تھی اس سورت میں یہی بتایا گیا ہے کہ احب الاعمال کہ جس کی تلاش میں یہ حضرات تھے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور ساتھ ہی ان حضرات نے جو ایسے کلمات کہے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم اس پر عمل کرنے میں ایسی ایسی جانبازی دکھائیں وغیرہ وغیرہ، جن میں ایک قسم کا دعویٰ ہے کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں اس پر ان حضرات کو تنبیہ کی گئی کہ کسی مومن کے لئے ایسے دعوے کرنا درست نہیں اسے کیا معلوم ہے کہ وقت پر وہ اپنے ارادہ کو پورا کر بھی سکے گا یا نہیں۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ یہ سابقہ آیت کی مزید تاکید ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: اس سے معلوم ہوا کہ ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور اس کو کرنا ہی نہ ہو تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور اللہ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ کا مصداق یہی ہے اور جہاں یہ صورت نہ ہو؛ بلکہ کرنے کا ارادہ ہو وہاں بھی اپنی قوت وقدرت پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا ممنوع ومکروہ ہے۔

وَ اذکر اِذْقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِىْ یہ جانتے ہوئے بھی کہ موسیٰ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اللہ کے سچے نبی ہیں پھر بھی بنی اسرائیل انہیں اپنی زبان سے ایذاء پہنچاتے تھے، حتی کہ بعض جسمانی عیوب بھی ان کی طرف منسوب کرتے تھے حالانکہ وہ بیماری ان کے اندر نہیں تھی، بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ حضرت موسیٰ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کو عظم الخصیتین کی بیماری ہے جس کو عربی میں اُدْرَة کہتے ہیں حضرت موسیٰ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ چونکہ بہت باحیا تھے اس لئے وہ اپنا ستر کھلنے نہیں دیتے تھے اور نہ دیگر بنی اسرائیل کے مانند ننگے غسل کرتے تھے اسی وجہ سے بنی اسرائیل سمجھتے تھے کہ موسیٰ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ آدر ہیں، واقعہ کی تفصیل سورۂ احزاب میں گذر چکی ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ جو لوگ خود ٹیڑھی راہ چلنا چاہیں انہیں وہ خواہ مخواہ سیدھی راہ چلائے اور جو لوگ اس کی نافرمانی پر تلے ہوئے ہوں ان کو زبردستی ہدایت سے سرفراز فرمائے، اس سے یہ بات خود بخود واضح ہوگئی کہ کسی شخص یا قوم کی گمراہی کا آغاز اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا؛ بلکہ خود اس شخص یا قوم کی طرف سے ہوتا ہے، البتہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو گمراہی کو پسند کرے وہ اس کے لئے راست روی کے نہیں بلکہ گمراہی کے اسباب ہی

فراہم کرتا ہے، تاکہ جن راہوں میں وہ بھٹکنا چاہے بھٹکتا چلا جائے اللہ تعالیٰ نے تو اسے انتخاب کی آزادی عطا فرمادی ہے اس انتخاب میں کوئی جبر اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ اس لئے بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل نے جس طرح موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی کی اسی طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی انکار کیا، اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہ یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ ایسا نہیں کررہے ہیں؛ بلکہ ان کی تو ساری تاریخ ہی انبیاء علیہم السلام کی تکذیب سے بھری پڑی ہے۔ تورات کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ میں جو دعوت دے رہا ہوں یہ وہی ہے جو تورات کی بھی دعوت ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ جو پیغمبر مجھ سے پہلے تورات لے کر آئے اور اب میں انجیل لے کر آیا ہوں، ہم دونوں کا اصل ماخذ ایک ہی ہے؛ اس لئے جس طرح تم موسیٰ وہارون، داؤد وسلیمان علیہم السلام پر ایمان لائے مجھ پر بھی ایمان لاؤ، اس لئے کہ میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں، نہ کہ اس کی تردید وتکذیب۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَاْتِىْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗ اَحْمَدُ یہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بعد آنے والے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری سنائی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنَا دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَبَشَارَةُ عِيْسٰى (ایسر التفاسیر) میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت کا مصداق ہوں، عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف صاف نام لے کر خوشخبری دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مشہور نام ہیں احمد اور محمد یہاں احمد نام لیا گیا ہے، احمد اگر یہ فاعل سے مبالغہ کا صیغہ ہو تو معنی ہوں گے، دوسرے تمام لوگوں سے اللہ کی زیادہ حمد بیان کرنے والا، اور اگر یہ مفعول سے ہو تو معنی ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے جتنی تعریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کی گئی اتنی کسی کی بھی نہیں کی گئی۔ (فتح القدیر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی میں احمد بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مشہور ومعروف تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد اور والدہ نے احمد رکھا تھا، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انا محمد وانا احمد والحاشر''.

''محمد'' نام رکھنے کی وجہ:

ولادت کے ساتویں دن عبد المطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیقہ کیا اور اس تقریب میں تمام قریش کو دعوت دی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا نام تجویز کیا، قریش نے کہا اے ابو الحارث! (ابو الحارث عبد المطلب کی کنیت ہے) آپ نے ایسا نام کیوں تجویز کیا؟ جو آپ کے آبا واجداد اور آپ کی قوم میں اب تک کسی نے نہیں رکھا؟ عبد المطلب نے کہا میں نے یہ نام اس لئے رکھا ہے کہ اللہ آسمان میں اور اللہ کی مخلوق دنیا میں اس مولود کی حمد وثنا کرے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد رکھا۔

(سیرۃ المصطفیٰ ملخصًا)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا، جو اس نام کے رکھنے کا

باعث ہوا، وہ یوں ہے کہ عبدالمطلب کی پشت سے ایک زنجیر ظاہر ہوئی کہ جس کی ایک جانب آسمان میں ہے اور دوسری جانب زمین میں اور ایک جانب مشرق میں اور دوسری جانب مغرب میں، کچھ دیر کے بعد وہ زنجیر درخت بن گئی جس کے ہر پتہ پر ایسا نور ہے کہ جو آسمان کے نور سے ستر درجہ زائد ہے مشرق و مغرب کے لوگ اس کی شاخوں سے لپٹے ہوئے ہیں، قریش میں سے بھی کچھ لوگ اس کی شاخوں کو پکڑے ہوئے ہیں، اور قریش میں سے کچھ لوگ اس کو کاٹنے کا ارادہ کرتے ہیں، یہ لوگ جب اس ارادے سے اس درخت کے قریب آنا چاہتے ہیں تو ایک نہایت حسین وجمیل نوجوان ان کو آکر ہٹا دیتا ہے۔ (سیرة المصطفی)

عبدالمطلب کے خواب کی تعبیر:

مُعبّرین نے عبدالمطلب کے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تمہاری نسل سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا کہ مشرق سے لیکر مغرب تک، لوگ اس کی اتباع کریں گے اور آسمان وزمین والے اس کی حمد وثنا کریں گے، اس وجہ سے عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام محمد رکھا ادھر آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کو رویائے صالحہ کے ذریعہ سے یہ بتلایا گیا کہ تم برگزیدۂ خلائق سید الامم سے حاملہ ہو اس کا نام محمد رکھنا اور ایک روایت میں ہے احمد رکھنا، حضرت بریدہ رَضِّوَاللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ اور ابن عباس رَضِّوَاللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا کی روایت میں یہ ہے کہ محمد اور احمد نام رکھنا۔ (خصائص الکبری، سیرة المصطفی)

انجیل میں محمد کے بجائے احمد نام سے بشارت کی مصلحت:

مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهُ أَحْمَدُ حضرت عیسیٰ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نے آنے والے رسول کا نام احمد بتایا ہے، آپ ﷺ کا نام بھی احمد تھا اور محمد بھی اور دیگر نام بھی، مگر انجیل میں احمد کے نام سے بشارت دی گئی ہے اور یہ دونوں ہی نام ایسے تھے کہ اس سے پہلے کسی کے نہیں رکھے گئے، حافظ ابن سید الناس عیون الاثر میں فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ نے عرب اور عجم کے دلوں اور زبانوں پر ایسی مہر لگائی کہ کسی کو محمد اور احمد نام رکھنے کا خیال ہی نہ آیا، اسی وجہ سے قریش نے متعجب ہو کر عبدالمطلب سے یہ سوال کیا کہ آپ نے یہ نیا نام کیوں تجویز کیا؟ جو آپ کی قوم میں کسی نے نہیں رکھا، لیکن ولادت سے کچھ عرصہ پہلے لوگوں نے جب علماء بنی اسرائیل کی زبانی یہ سنا کہ عنقریب محمد اور احمد نام سے ایک نبی پیدا ہونے والا ہے تو چند لوگوں نے اسی امید پر اپنی اولاد کا نام محمد رکھا مگر خدا کی مشیت کہ ان میں سے کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ (سیرة المصطفی)

انجیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت:

انجیل برنا باس جس کے متعلق ہم مضمون کے آخر میں تفصیلی گفتگو کریں گے، اس کے باب ۱۷ میں آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری دی گئی ہے، ہم ان میں سے چار بشارتیں نقل کرتے ہیں۔

پہلی بشارت:

تمام انبیاء جن کو خدا نے دنیا میں بھیجا جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی انہوں نے ابہام کے ساتھ بات کی مگر میرے بعد تمام انبیاء اور مقدس ہستیوں کا نور آئے گا جو انبیاء کی کہی ہوئی باتوں کے اندھیرے پر روشنی ڈال دے گا کیوں کہ وہ خدا کا رسول ہے۔

فریسیوں اور لاویوں نے کہا اگر نہ تو مسیح ہے اور نہ الیاس اور نہ کوئی اور نبی، تو کیوں تو نئی تعلیم دیتا ہے؟ اور اپنے آپ کو مسیح سے بھی زیادہ بنا کر پیش کرتا ہے؟ یسوع نے جواب دیا، جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے دکھاتا ہے وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو خدا چاہتا ہے، ورنہ درحقیقت میں اپنے آپ کو اس (مسیح) سے بڑا شمار کئے جانے کے قابل نہیں قرار دیتا، جس کا تم ذکر کر رہے ہو، میں تو خدا کے اس رسول کے موزے کے بند، یا اس کے جوتی کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں ہوں جس کو تم مسیح کہتے ہو، جو مجھ سے پہلے بنایا گیا تھا اور میرے بعد آئے گا اور صداقت کی باتیں لیکر آئے گا؛ تاکہ اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہو۔ (باب ۴۲)

دوسری بشارت:

بالیقین میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر نبی جو آیا ہے وہ صرف ایک قوم کے لئے خدا کی رحمت کا نشان بن کر پیدا ہوا ہے، اسی وجہ سے ان انبیاء کی باتیں ان لوگوں کے سوا اور کہیں نہیں پھیلیں جن کے لئے وہ بھیجے گئے تھے، مگر خدا کا رسول جب آئے گا خدا کو یا اس کو اپنے ہاتھ ہی مہر دے دیگا، یہاں تک کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کو جو اس کی تعلیم پائیں گی، نجات اور رحمت پہنچادے گا، وہ بے خدا لوگوں پر اقتدار لے کر آئے گا، اور بت پرستی کا ایسا قلع قمع کرے گا کہ شیطان پریشان ہو جائے گا، اس کے آگے ایک طویل مکالمہ میں شاگردوں کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام تصریح کرتے ہیں کہ وہ بنی اسماعیل میں سے ہوگا۔ (باب ۴۳)

میرے جانے سے تمہارا دل پریشان نہ ہو، نہ تم خوف کرو، کیونکہ میں نے تم کو پیدا نہیں کیا ہے، بلکہ خدا ہمارا خالق ہے، جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، وہی تمہاری حفاظت کرے گا، رہا میں! تو اس وقت میں دنیا میں اس رسولِ خدا کے لئے راستہ تیار کرنے آیا ہوں جو دنیا کے لئے نجات لے کر آئے گا، اندریاس نے کہا، استاذ ہمیں اس کی نشانی بتادے، تاکہ ہم اسے پہچان لیں، یسوع نے جواب دیا، وہ تمہارے زمانہ میں نہیں آئے گا، بلکہ تمہارے کچھ سال بعد آئے گا جب کہ میری انجیل ایسی مسخ ہو چکی ہوگی کہ مشکل سے کوئی ۳۰ آدمی مومن باقی رہ جائیں گے، اس وقت اللہ دنیا پر رحم فرمائے گا، اور اپنے رسول کو بھیجے گا، جس کے سر پر بادل کا سایہ ہوگا، جس سے وہ خدا کا برگزیدہ جانا جائے گا، اور اس کی تقدیس ہوگی، اور میری صداقت دنیا کو معلوم ہوگی اور وہ ان لوگوں سے انتقام لے گا جو مجھے انسان سے بڑھ کر کچھ قرار دیں گے، وہ ایک ایسی صداقت کے ساتھ آئے گا جو تمام انبیاء کی لائی ہوئی صداقت سے زیادہ واضح ہوگی۔ (باب ۷۲)

تیسری بشارت:

خدا کا عہد یروشلم میں معبد سلیمان کے اندر کیا گیا تھا نہ کہ کہیں اور، مگر میری بات کا یقین کرو کہ ایک وقت آئے گا جب خدا اپنی رحمت ایک اور شہر میں نازل فرمائے گا، پھر ہر جگہ اس کی صحیح عبادت ہو سکے گی، اور اللہ اپنی رحمت سے ہر جگہ سچی نماز قبول فرمائے گا، میں دراصل اسرائیل کے گھرانے کی طرف نجات کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، مگر میرے بعد مسیح آئے گا خدا کا بھیجا ہوا تمام دنیا کی طرف، جس کے لئے خدا نے یہ ساری دنیا بنائی ہے اس وقت ساری دنیا میں اللہ کی عبادت ہوگی اور اس کی رحمت نازل ہوگی۔

(باب ۸۳)

چوتھی بشارت:

(یسوع نے سردار کاہن سے کہا) زندہ خدا کی قسم جس کے حضور میری جان حاضر ہے، میں وہ مسیح نہیں ہوں جس کی آمد کا دنیا کی تمام قومیں انتظار کر رہی ہیں، جس کا وعدہ خدا نے ہمارے باپ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے یہ کہہ کر کیا تھا کہ تیری نسل کے وسیلے سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی، (پیدائش ۲۲:۱۸) مگر خدا جب مجھے دنیا سے لے جائے گا تو شیطان پھر یہ بغاوت برپا کرے گا کہ ناپرہیزگار لوگ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا مانیں، اس کی وجہ سے میری باتوں اور میری تعلیمات کو مسخ کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ بمشکل ۳۰ موجب ایمان باقی رہ جائیں گے، اس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنا رسول بھیجے گا، جس کے لئے اس نے دنیا کی یہ ساری چیزیں بنائی ہیں، جو قوت کے ساتھ جنوب سے آئے گا، اور بتوں کو بت پرستوں کے ساتھ برباد کر دے گا، جو شیطان سے وہ اقتدار چھین لے گا جو اس نے انسانوں پر حاصل کر لیا ہے، وہ خدا کی رحمت ان لوگوں کی نجات کے لئے اپنے ساتھ لائے گا جو اس پر ایمان لائیں گے، اور مبارک ہے وہ جو اس کی باتوں کو مانے۔ (باب ۹۶)

سردار کاہن نے پوچھا کیا خدا کے اس رسول کے بعد دوسرے نبی بھی آئیں گے؟ یسوع نے جواب دیا، اس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبی نہیں آئیں گے، مگر بہت سے جھوٹے نبی آجائیں گے جس کا مجھے بڑا غم ہے، کیونکہ شیطان خدا کے عادلانہ فیصلے کی وجہ سے ان کو اٹھائے گا اور میری انجیل کے پردے میں اپنے آپ کو چھپائیں گے۔ (باب ۹۷)

سردار کاہن نے پوچھا وہ نبی کس نام سے پکارا جائے گا اور کیا نشانیاں اس کی آمد کو ظاہر کریں گی؟ یسوع نے جواب دیا، اس مسیح کا نام قابل تعریف ہے کیونکہ خدا نے جب اس کی روح پیدا کی تھی اس وقت اس کا یہ نام خود رکھا تھا اور وہاں اسے ایک ملکوتی شان میں رکھا گیا تھا، خدا نے کہا، اے محمد! انتظار کر، کیونکہ تیری ہی خاطر میں جنت، دنیا، اور بہت سی مخلوق پیدا کروں گا، اور اس کو تجھے تحفے کے طور پر دوں گا، یہاں تک کہ جو تیری تعریف کرے گا اسے برکت دی جائے گی اور جو تجھ پر لعنت کرے گا اس پر لعنت کی جائے گی، جب میں تجھے دنیا کی طرف بھیجوں گا تو میں تجھ کو اپنے پیغامبر نجات کی حیثیت سے بھیجوں گا، تیری بات سچی ہوگی یہاں تک کہ زمین و آسمان مل جائیں گے مگر تیرا دین نہیں ٹلے گا، سو اس کا مبارک نام محمد ہے۔ (باب ۹۷)

برناباس لکھتا ہے کہ ایک موقع پر شاگردوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے بتایا کہ میرے ہی شاگردوں میں سے ایک (جو بعد میں یہوداہ اسکریوتی نکلا) مجھے ۳۰ سکوں کے عوض دشمنوں کے ہاتھ بیچ دے گا، پھر فرمایا:

اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہی میرے نام سے مارا جائے گا، کیونکہ خدا مجھے زمین سے اوپر اٹھا لے گا، اور اس غدار کی صورت ایسی بدل دے گا کہ ہر شخص یہ سمجھے گا کہ وہ میں ہی ہوں، مگر جب وہ ایک بری موت مرے گا تو ایک مدت تک میری ہی تذلیل ہوتی رہے گی، مگر جب محمد ﷺ خدا کا مقدس رسول آئے گا تو میری وہ بدنامی دور کر دی جائے گی، اور خدا یہ اس لئے کرے گا کہ میں نے اس مسیح کی صداقت کا اقرار کیا ہے، وہ مجھے اس کا یہ انعام دے گا تا کہ لوگ یہ جان لیں گے کہ میں زندہ ہوں اور اس ذلت کی موت سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ (باب ۱۱۳)

حواری برناباس کا تعارف:

انجیل برنابا (یا) برناباس، کا تعارف کرانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برناباس کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی جائے تا کہ معلوم ہو جائے کہ برناباس کون ہے؟ اور حواریوں میں اس کا مقام کیا تھا؟ اور ان کے عقائد ونظریات کیا تھے؟ برناباس حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے حواریوں میں سے ایک جلیل القدر حواری ہیں، انجیل برناباس ان ہی کی طرف منسوب ہے، دوسرے حواریوں کی طرح انہوں نے بھی حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کی سوانح حیات اور آپ کے اشادات کو جمع کیا تھا، لیکن یہ انجیل عرصۂ دراز سے غائب تھی، گم شدہ کتابوں میں اس کا ذکر آیا کرتا تھا، برناباس حواری کے تعارف کے سلسلہ میں ایک جملہ پولوس کے شاگرد لوقا کی کتاب الاعمال میں ملتا ہے وہ لکھتے ہیں۔

اور یوسف نام کا ایک لاوی تھا جس کا لقب رسولوں نے برناباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا، اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی، اس کا ایک کھیت تھا جسے اس نے بیچا اور قیمت لا کر (حواریوں) رسولوں کے پاؤں پر رکھ دی۔

(اعمال ٤: و ٣٦، ٣٧ بحواله بائبل سے قرآن تك، حاشيه، ص: ٣٦١)

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ برناباس حواریوں میں بلند مقام کے حامل تھے، اسی وجہ سے حواریوں نے ان کا نام نصیحت کا بیٹا رکھ دیا تھا، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انہوں نے خدا کی رضا جوئی کی خاطر اپنی ساری دنیوی پونجی تبلیغی مقاصد کے لئے صرف کر دی تھی۔

اس کے علاوہ برناباس کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہی تمام حواریوں سے پولس کا تعارف کرایا تھا، حواریوں میں سے کوئی یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ وہ ساؤل (پولس) جو کل تک ہم لوگوں کو ستاتا اور تکلیف پہنچاتا رہا ہے آج اخلاص کے ساتھ ہمارا دوست اور ہم مذہب ہوسکتا ہے، لیکن یہ برناباس ہی تھے جنہوں نے تمام حواریوں کے سامنے پولس کی تصدیق کی اور انہیں بتایا کہ یہ فی الواقع تمہارا ہم مذہب ہو چکا ہے، چنانچہ لوقا، پولس کے بارے میں لکھتا ہے۔

اس نے یروشلم میں پہنچ کر شاگردوں (حواریوں) میں مل جانے کی کوشش کی اور سب اس سے ڈرتے تھے کیونکہ ان کو یقین

نہیں آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے مگر برناباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر ان سے بیان کیا کہ اس نے اِس اِس طرح راہ خدا کو دیکھا اور اِس نے اُس سے باتیں کیں اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی۔

(اعمال ۹: ۲۶، ۲۷ بحوالہ مذکور)

اس کے بعد کتاب الاعمال ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور برناباس عرصۂ دراز تک ایک دوسرے کے ہم سفر رہے اور انہوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا، یہاں تک کہ دوسرے حواریوں نے ان دونوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ یہ دونوں ایسے آدمی ہیں کہ جنہوں نے اپنی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام پر نثار کر رکھی ہیں۔ (اعمال ۱۵: ۲۶)

کتاب الاعمال کے پندرھویں باب تک برناباس اور پولس ہر معاملہ میں شیر وشکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اتنے عرصہ ساتھ رہنے اور تبلیغ و دعوت میں اشتراک کے بعد اچانک دونوں میں اس قدر سخت اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کے روادار نہیں تھے، یہ واقعہ کتاب الاعمال کے بیان کے مطابق کچھ اس قدر نا گہانی اور ڈرامائی انداز سے پیش آیا کہ قاری پہلے سے اس کا مطلق اندازہ نہیں لگا سکتا لوقا لکھتے ہیں۔

ایک روز پولس نے برناباس سے کہا جن جن شہروں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا آؤ پھر ان میں چل کر بھائیوں کو دیکھیں کہ کیسے ہیں، اور برناباس کا مشورہ تھا کہ یوحنا (جو مرقس کہلاتا ہے) کو بھی لے چلیں، اس میں دونوں میں ایسی تکرار ہوئی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ (کتاب الاعمال: ۱۵، ۳۵ تا ۴۱، بحوالہ مذکورہ)

کیا اتنا شدید اختلاف صرف اس بنا پر ہوسکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا کو رفیق سفر بنانا چاہتا ہے اور دوسرا اسی لاس کو؟

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ بعد میں پولس یوحنا (مرقس) کی رفاقت کو گوارا کر لیتا ہے، چنانچہ تیمتھیس کے نام دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے: مرقس کو ساتھ لے کر آجا، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے کام کا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرقس سے پولس کا اختلاف بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہ تھا اس لئے اس نے بعد میں اس کی رفاقت کو گوارا کر لیا، لیکن پورے عہد نامۂ جدید یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برناباس کے ساتھ بھی پولس کے تعلقات استوار ہو گئے، اگر جھگڑے کی وجہ مرقس ہی تھا تو اس کے ساتھ پولس کی رضامندی کے بعد برناباس اور پولس کے تعلقات کیوں استوار نہیں ہوئے؟

جب ہم خود پولس کے خطوط میں برناباس سے اس کی ناراضی کے اسباب تلاش کرتے ہیں تو ہمیں یہ کہیں نہیں ملتا کہ برناباس سے اس کی ناراضی کا سبب یوحنا (مرقس) تھا، اس کے برخلاف ہمیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے جس سے دونوں کے اختلاف کے اصل سبب پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے گلتیوں کے نام اپنے خط میں پولس لکھتا ہے۔

لیکن جب کیفا (یعنی پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا، اور کنارہ کش ہو گیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برناباس بھی ان کے

ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا۔ (گلتیون ٢: تا ١٣، حاشیہ بائبل سے قرآن تک، ص: ٣٦٥ ملخصًا)

اس خط میں پولس دراصل اس اختلاف کو ذکر کر رہا ہے جو حضرت مسیح کے عروجِ آسمانی کے کچھ عرصہ بعد یروشلم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں پیش آیا تھا، یروشلم کے اکثر لوگ پہلے یہودی تھے اور انہوں نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے اکثر لوگ پہلے بت پرست یا آتش پرست تھے اور حواریوں کی تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہوئے تھے، پہلی قسم کو بائبل میں یہودی مسیحی اور دوسری قسم کو غیر قوم کے لوگ کہا گیا ہے، یہودی مسیحیوں کا کہنا یہ تھا کہ ختنہ کرانا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی تمام رسموں پر عمل کرنا ضروری ہے اسی لئے انہیں مختون بھی کہا جاتا ہے اور غیر قوموں کا کہنا یہ تھا کہ ختنہ ضروری نہیں، اس لئے انہیں نا مختون کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ یہودی مسیحیوں میں چھوت چھات کی رسم بھی جاری تھی، اور وہ غیر قوموں کے ساتھ کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پولس اس معاملہ میں سو فیصد غیر قوموں کا حامی تھا، اور ختنہ اور دوسری شریعت کی رسوم کی منسوخی اس کے انقلاب انگیز نظریات میں سے ایک نظریہ ہے، جسے ثابت کرنے کے لئے اس نے اپنے خطوط میں جابجا مختلف دلائل پیش کئے ہیں، (جن کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے)۔

اوپر ہم نے گلتیون کے نام کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں پولس نے جناب پطرس اور برناباس پر اسی لئے ملامت کی کہ انہوں نے انطاکیہ میں رہتے ہوئے مختونوں (یعنی یہودی مسیحیوں) کا ساتھ دیا اور پولس کے ان نئے مریدوں سے علیحدگی اختیار کی جو ختنہ اور دوسری شریعت کے قائل نہ تھے، چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے پادری جے پیٹرسن اسمتھ لکھتے ہیں:

پطرس اسی اجنبی شہر (انطاکیہ) میں زیادہ تر ان لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے جو یروشلم سے آئے تھے، اور جو اس کے پرانے ملاقاتی تھے، لہٰذا وہ بہت جلد ان کا ہم خیال ہونے لگتا ہے، دوسرے مسیحی یہودی پطرس سے متاثر ہوتے ہیں یہاں تک کہ برناباس بھی غیر قوم مریدوں سے علیحدگی اختیار کرنے لگتا ہے، اس قسم کے سلوک کو دیکھ کر ان نئے مریدوں کی دلشکنی ہوتی ہے، جہاں تک ممکن ہے پولس اس بات کو برداشت کرتا ہے، مگر بہت جلد وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے، گو ایسا کرنے سے اسے اپنے ساتھیوں کی مخالفت کرنا پڑتی ہے۔ (حاشیہ بائبل سے قرآن تک ص:٣٦٦)

واضح رہے کہ یہ واقعہ برناباس اور پولس رسول کی جدائی سے چند ہی دن پہلے کا ہے، اس لئے کہ انطاکیہ میں پطرس کی آمد یروشلم میں حواریوں کے اجتماع کے بعد ہوئی تھی، اور یروشلم کے اجتماع اور برناباس کی جدائی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لوقا نے دونوں واقعات کتاب الاعمال کے باب ١۵ میں بیان کئے ہیں۔

اس لئے یہ بات انتہائی قرینِ قیاس ہے کہ پولس اور برناباس کی وہ جدائی جس کا ذکر لوقا نے غیر معمولی طور پر سخت الفاظ میں کیا ہے، یوحنا (مرقس) کی ہمسفری سے زیادہ اس بنیادی اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ تھی، پولس اپنے نئے مریدوں کے لئے ختنہ اور دوسری شریعت کے احکام کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، اور اس نے چار چیزوں کے سوا ہر گوشت حلال کر دیا تھا، اور برناباس ان احکام کو پس پشت ڈالنے کے لئے تیار نہ تھا جو بائبل میں انتہائی تاکید کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔ (مثلاً) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب ہے: ''اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان

ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے، اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کیا کرنا، اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے، تمہارے یہاں پشت در پشت ہر لڑکے کا ختنہ جب وہ آٹھ روز کا ہو کیا جائے، خواہ وہ گھر میں پیدا ہو خواہ اسے کسی پردیسی سے خریدا ہو، جو تیری نسل سے نہیں، لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زرخرید کا ختنہ کیا جائے، اور میرا عہد تمہارے جسم پر ابدی عہد ہوگا اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اپنے لوگوں میں کاٹ ڈالا جائے کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا''۔ (پیدائش ۱۷: ۱ تا ١٤)

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

''اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے''۔ (احبار ۱۲: ۳ بحوالہ مذکور)

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی ختنہ کی گئی تھی، چنانچہ انجیل لوقا میں ہے ''اور جب آٹھ دن پورے ہوئے اور ان کی ختنہ کا وقت آیا تو اس کا نام یسوع رکھا گیا''۔ (لوقا ۲: ۲۱)

اس کے بعد حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی ارشاد ایسا منقول نہیں ہے کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

لہٰذا یہ بات عین قرین قیاس ہے کہ وہ برناباس جس نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہ راست ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا، پولس سے اس بنا پر برگشتہ ہوا ہو کہ وہ ایک عرصۂ دراز تک اپنے آپ کو سچا عیسائی ظاہر کرنے کے بعد مذہب عیسوی کے بنیادی عقائد و احکام میں تحریف کا مرتکب ہو رہا تھا، شروع میں برناباس نے پولس کا ساتھ اس لئے دیا تھا کہ وہ اسے مخلص عیسائی سمجھتے تھے، لیکن جب اس نے غیر اقوام کو اپنا مرید بنانے کے لئے مذہب کی بنیادوں کو منہدم کرنے اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کا سلسلہ شروع کیا تو وہ اس سے جدا ہو گئے، اور اسی بنا پر گلتیوں کے نام خط میں برناباس کو ملامت کرتے ہوئے یہ لکھتا ہے:

''مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کی طرح ریاکاری کی، یہاں تک کہ برناباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا''۔ (گلتیوں ۲: ۱۳)

اس بات کو پادری جے پیٹرسن اسمتھ بھی محسوس کرتے ہیں کہ پولس اور برناباس کی جدائی کا سبب صرف مرقس (یوحنا) نہ تھا بلکہ اس کے پس پشت یہ نظریاتی اختلاف بھی کام کر رہا تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''برناباس اور پطرس نے جو کہ بڑے عالی حوصلہ شخص تھے ضرور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہوگا اور یوں وہ دقت دور ہو جاتی ہے، لیکن باوجود اس کے یہ احتمال ضرور گذرتا ہے کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے، جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے''۔

(حیات و خطوط، پولس ۸۹، ۹۰)

انجیل برناباس کا تعارف:

مندرجہ بالا بحث کو ذہن میں رکھ کر اب انجیل برناباس پر آجائیے ہمیں اس انجیل کے بالکل شروع میں جو عبارت ملتی ہے وہ یہ ہے:

اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے، اور آخری زمانہ میں ہمیں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت سے

آزمایا، اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعہ جنہیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا، جو تقوے کا دعویٰ کرتے ہیں اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں، مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں ختنہ کا انکار کرتے ہیں جس کا اللہ نے ہمیشہ کے لئے حکم دیا ہے اور ہر نجس گوشت کو جائز کہتے ہیں انہی کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہو گیا جس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر افسوس کے ساتھ، اور وہی سبب ہے جس کی وجہ سے وہ حق بات لکھ رہا ہوں جو میں نے یسوع کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے تاکہ تم نجات پاؤ اور تمہیں شیطان گمراہ نہ کرے، اور تم اللہ کے حق میں ہلاک نہ ہو جاؤ، اور اس بنا پر ہر اس شخص سے بچو جو تمہیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے جو میرے لکھنے کے خلاف ہو، تاکہ تم ابدی نجات پاؤ۔ (برناباس: ۲ تا ۹)

کیا یہ عین قرین قیاس نہیں ہے کہ پولس سے نظریاتی اختلاف کی بنا پر جدا ہونے کے بعد برناباس نے جو عرصۂ دراز تک حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ رہے تھے، حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کی ایک سوانح لکھی ہو اور اس میں پولس کے نظریات پر تنقید کر کے صحیح عقائد و نظریات بیان کئے ہوں؟ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خود بائبل میں برناباس کا جو کردار پیش کیا گیا ہے اس میں پولس کے ساتھ ان کے جن اختلافات کا ذکر ہے ان کے پیش نظر یہ بات چنداں بعید نہیں ہے کہ برناباس نے ایک ایسی انجیل لکھی ہو جس میں پولس کے عقائد و نظریات پر تنقید کی گئی ہو اور وہ مروجہ عیسائی عقائد کے خلاف ہو، اگر یہ بات ذہن نشین ہو جائے تو انجیل برناباس کو برناباس کی تصنیف سمجھنے کے راستہ سے ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہو گئی، اس لئے کہ عام لوگوں، بالخصوص عیسائی حضرات کے دل میں اس کتاب کی طرف سے ایک بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا شبہ اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اس میں بہت سی باتیں ان نظریات کے خلاف نظر آتی ہیں جو پولس کے واسطے سے پہنچی ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ اس کتاب کی بہت سی باتیں اناجیل اربعہ اور مروجہ عیسائی نظریات کے خلاف ہیں تو وہ کسی طرح یہ باور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ یہ واقعی برناباس کی تصنیف ہے۔

لیکن اوپر جو گذارشات ہم نے پیش کی ہیں ان کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر برناباس کی کسی تصنیف میں پولس کے عقائد و نظریات کے خلاف کوئی عقیدہ یا واقعہ بیان کیا گیا ہو تو وہ کسی طرح تعجب خیز نہیں ہو سکتا اور محض اس بنا پر اس تصنیف کو جعلی نہیں قرار دیا جا سکتا کہ وہ پولس کے نظریات کے خلاف ہے؛ اس لئے کہ مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ پولس اور برناباس میں کچھ نظریاتی اختلاف تھا جس کی بنا پر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے۔

اس بنیادی نکتے کو قدرے تفصیل اور وضاحت سے ہم نے اس لئے بیان کیا ہے تاکہ انجیل برناباس کی اصلیت کی تحقیق کرتے ہوئے وہ غلط تصور ذہن سے دور ہو جائے جو عام طور سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ذہن میں آ ہی جاتا ہے، اس کے بعد آیئے دیکھیں کہ کیا واقعی برناباس نے کوئی انجیل لکھی تھی؟ جہاں تک ہم نے اس موضوع پر مطالعہ کیا ہے اس بات میں دو رائیں نہیں ہیں کہ برناباس نے ایک انجیل لکھی تھی، عیسائیوں کے قدیم مآخذ میں برناباس کی انجیل کا تذکرہ ملتا ہے اظہار الحق میں (ص: ۲۳۴، ج:۱) پر اکیہو مو کے حوالہ سے جن گم شدہ کتابوں کی فہرست نقل کی گئی ہے اس میں انجیل برناباس کا نام بھی موجود ہے امریکانا، (ص: ۲۶۲، ج: ۳) کے مقالہ برناباس میں بھی اس کا اعتراف کیا گیا ہے، چونکہ انجیل برناباس دوسری انجیلوں کی طرح رواج نہیں پا سکی، اس لئے کسی غیر جانبدار کتاب سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کے مضامین کیا تھے، لیکن کلیسا کی تاریخ میں یہیں ایک

واقعہ ایسا ملتا ہے جس سے اس کے مندرجات پر ہلکی سی روشنی پڑتی ہے، اور جس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ برناباس کی انجیل میں عیسائیوں کے عام عقائد ونظریات کے خلاف کچھ باتیں موجود تھیں، وہ واقعہ یہ ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں یعنی آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے بہت پہلے ایک پوپ جیلاشیس اول کے نام سے گذرا ہے اس نے اپنے دور میں ایک فرمان جاری کیا تھا جو فرمانِ ''جیلاشیس'' کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چند کتابوں کے پڑھنے کو ممنوع قرار دیا تھا ان کتابوں میں سے ایک کتاب انجیل برناباس بھی ہے۔

(دیکھئے انسائیکلوپیڈیا امریکانا، ص ٢٦٢، ج٣، مقالہ برناباس، اور مقدمۂ انجیل برناباس از ڈاکٹر خلیل سعادت مسیحی)

انجیل برناباس کی مخالفت کی اصل وجہ:

عیسائی جس وجہ سے انجیل برناباس کے مخالف ہیں وہ دراصل یہ نہیں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق جگہ جگہ صاف اور واضح بشارتیں ہیں، کیونکہ وہ تو حضور ﷺ کی پیدائش سے بہت پہلے اس انجیل کو رد کر چکے تھے، ان کی ناراضگی کی اصل وجہ کو سمجھنے کے لئے تھوڑی سی تفصیلی بحث درکار ہے۔

حضرت عیسیٰ کے ابتدائی پیرو آپ کو صرف نبی مانتے تھے، دوسری شریعت کا اتباع کرتے تھے، عقائد اور احکام اور عبادات کے معاملہ میں اپنے آپ کو دوسرے بنی اسرائیل سے قطعاً الگ نہ سمجھتے تھے اور یہودیوں سے ان کا اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ یہ حضرت عیسیٰ کو مسیح تسلیم کر کے ان پر ایمان لائے تھے، اور وہ ان کو مسیح ماننے سے انکار کرتے تھے، بعد میں جب سینٹ پال (پولس) اس جماعت میں داخل ہوا تو اس نے رومیوں، یونانیوں اور دوسرے غیر یہودی اور غیر اسرائیلی لوگوں میں بھی اس دین کی تبلیغ واشاعت شروع کر دی اور اس غرض کے لئے ایک نیا دین بنا ڈالا جس کے عقائد واصول اور احکام اس دین سے بالکل مختلف تھے جسے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش کیا تھا اس شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی صحبت نہیں پائی تھی بلکہ ان کے زمانہ میں وہ ان کا سخت مخالف تھا، اور ان کے بعد بھی کئی سال تک ان کے پیرووں کا دشمن رہا، پھر جب اس جماعت نے ان سے ایک نیا دین بنانا شروع کیا اس وقت بھی اس نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی قول کی سند پیش نہیں کی بلکہ اپنے کشف و الہام کو بنیاد بنایا اس نئے دین کی تشکیل میں اس کے پیش نظر بس یہ مقصد تھا کہ دین ایسا ہو جسے عام غیر یہودی دنیا قبول کرے، اس نے اعلان کر دیا کہ ایک عیسائی شریعت یہود کی تمام پابندیوں سے آزاد ہے اس نے کھانے پینے میں حرام وحلال کی تمام قیود ختم کر دیں، اس نے ختنہ کے حکم کو بھی منسوخ کر دیا جو غیر یہودی دنیا کو خاص طور سے ناگوار تھا حتی کہ اس نے مسیح کی الوہیت اور اس کے ابن خدا ہونے کا اور صلیب پر جان دیکر اولاد آدم کے پیدائشی گناہ کا کفارہ بن جانے کا عقیدہ بھی تصنیف کر ڈالا کیونکہ عام مشرکین کے مزاج سے یہ بہت مناسبت رکھتا تھا، مسیح کے ابتدائی پیرووں نے اس کی مزاحمت کی مگر سینٹ پال (پولس) نے جو جو دروازہ کھولا تھا اس سے یہودی عیسائیوں کا ایک ایسا زبردست سیلاب اس مذہب میں داخل ہو گیا جس کے مقابلے میں وہ مٹھی بھر لوگ کسی طرح نہ ٹھہر سکے تاہم تیسری صدی عیسوی کے اختتام تک بکثرت ایسے لوگ موجود تھے جو مسیح کی الوہیت کے عقیدے

سے انکار کرتے تھے، مگر چوتھی صدی کے آغاز ۳۲۵ء میں نیقیہ (Nicaea) کونسل نے پولُسی عقائد کو قطعی طور پر مسیحیت کا مسلّم مذہب قرار دیدیا، پھر رومی سلطنت خود عیسائی ہوگئی اور قیصر تھیوڈورشیئس کے زمانہ میں یہی مذہب سلطنت کا سرکاری مذہب بن گیا، اس کے بعد قدرتی بات تھی کہ وہ تمام کتابیں جو اس عقیدے کے خلاف ہوں، مردود قرار دیدی جائیں اور صرف وہی کتابیں معتبر ٹھہرائی جائیں جو اس عقیدے سے مطابقت رکھتی ہوں، ۳۶۷ء میں پہلی مرتبہ اٹھاناسیوس (Athana sius) کے ایک خط کے ذریعہ معتبر و مسلّم کتابوں کے ایک مجموعہ کا اعلان کیا گیا پھر اس کی توثیق ۳۸۶ء میں پوپ ڈیمیسیئس (Damasius) کے زیر صدارت ایک مجلس نے کی، اور پانچویں صدی کے آخر میں پوپ گلاسئیس (Galasius) نے اس مجموعہ کو مسلّم قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کی ایک فہرست مرتب کردی جو غیر مسلّم تھیں، حالانکہ جن پولُسی عقائد کو بنیاد بنا کر مذہبی کتابوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے کا فیصلہ کیا گیا تھا ان کے متعلق کبھی کوئی عیسائی عالم یہ دعویٰ نہیں کرسکا کہ ان میں سے کسی عقیدے کی تعلیم خود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی تھی بلکہ معتبر کتابوں کے مجموعہ میں جو انجیلیں شامل ہیں خود ان میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے کسی قول سے ان عقائد کا ثبوت نہیں ملتا، انجیل برناباس ان غیر مسلم کتابوں میں اس لئے شامل کی گئی کہ وہ مسیحیت کے اس سرکاری عقیدہ کے بالکل خلاف تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا ثبوت اہل کتاب سے:

اس بشارت کا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہونا خود اہل کتاب کے بیان سے حدیثوں میں ثابت ہے؛ چنانچہ خازن میں بروایت ابوداؤد، نجاشی بادشاہ حبشہ کا جو کہ نصاریٰ کے عالم بھی تھے یہ قول آیا ہے کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی تھی، اور خازن ہی میں ترمذی سے عبداللہ بن سلام کا قول جو کہ علماء یہود میں سے تھے، آیا ہے کہ تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت لکھی ہے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدفون ہوں گے اور چونکہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تورات کے مبلغ تھے اس لئے تورات میں اس بشارت کا ہونا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے منقول کہا جائے گا، اور مولانا رحمت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اظہار الحق میں خود تورات کے موجود نسخوں سے متعدد بشارتیں نقل کی ہیں (جلد دوم صفحہ ۱۶۴ مطبوعہ قسطنطنیہ) اور ان مضامین کا انجیل موجودہ میں نہ ہونا اس لئے مضر نہیں کہ حسب تحقیق علماء محققین، اناجیل کے نسخ محفوظ نہیں رہے مگر پھر بھی جو کچھ موجود ہیں ان میں بھی اس قسم کا مضمون موجود ہے چنانچہ یوحنا کی انجیل ترجمہ عربی مطبوعہ لندن ۱۸۲۱ء و ۱۸۳۳ء کے چودھویں باب میں ہے کہ ”تمہارے لئے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آوے، پس اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا“، فارقلیط احمد کا ترجمہ ہے، اہل کتاب کی عادت ہے کہ وہ ناموں کا ترجمہ کردیتے ہیں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبرانی میں احمد فرمایا تھا جب یونانی میں ترجمہ ہوا تو بیرکلوطوس لکھ دیا جس کے معنی ہیں احمد، یعنی بہت سراہا گیا بہت حمد کرنے والا، پھر جب یونانی سے عبرانی میں ترجمہ کیا گیا تو فارقلیط کردیا۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذکورہ تمام مضامین اور معجزات

پیش فرما کر اپنی ثبوت کا اثبات فرمایا، تو وہ لوگ کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے بعض نے اس سے نبی ﷺ مراد لئے ہیں اور قَالُوْا کا فاعل کفار مکہ کو بنایا ہے لِيُطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰہ نور سے مراد قرآن یا اسلام یا محمد ﷺ یا دلائل و براہین ہیں منہ سے بجھانے کا مطلب وہ طعن و تشنیع اور وہ شکوک و شبہات پیدا کرنے کی باتیں ہیں جو وہ کہا کرتے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ بالتخفيفِ والتشديدِ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩ مُؤلِمٍ فكأنهم قالوا نعم فقال تُؤْمِنُوْنَ تدومون على الايمان بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪ انه خيرٌ لكم فافعلوه يَغْفِرْ جوابُ شرطٍ مقدّرٍ اي اِنْ تفعلوه يغفر لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ اقامةٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ ويؤتكم نعمةً وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑬ بالنصرِ والفتحِ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ لدينه وفي قراءةٍ بالاضافةِ كَمَا كان الحواريون كذلك الدالُّ عليه قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ اي من الانصار الذين يكونون معي متوجهًا الى نصرةِ اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ والحواريّون اصفياءُ عيسٰى عليه السلام وهم اوّلُ من اٰمن به وكانوا اثني عشر رجلاً من الحَوَرِ وهو البياضُ الخالصُ وقيل كانوا قصّارين يحورون الثيابَ يبيّضونها فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بعيسٰى وقالوا انه عبدُ اللّٰهِ رُفِعَ الى السماءِ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ لقولهم انه ابنُ اللّٰهِ رفعه اليه فاقتتلت الطائفتان فَاَيَّدْنَا قوّينا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا من الطائفتين عَلٰى عَدُوِّهِمْ الطائفةِ الكافرةِ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ⑭ غالبين.

ترجمہ: اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت نہ بتاؤں کہ جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے؟ (تنجیکم تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے)، گویا کہ انہوں نے کہا ہاں، تم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ یعنی ایمان پر قائم رہو اور اپنی جان سے اور اپنے مالوں سے اللہ کے راستہ میں جہاد کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ بہتر ہے تو اس کام کو کرو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور تمہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صاف ستھرے گھروں میں جو جنت عدن (قابل رہائش) جنت میں ہوں گے یہ بڑی کامیابی ہے اور تم کو ایک دوسری نعمت بھی عطا کرے گا جس کو تم پسند کرتے ہو وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے (آپ ﷺ) مومنین کو فتح و نصرت کی خوشخبری سنا دیجئے! اے ایمان والو! اللہ کے یعنی اس کے دین کے مددگار بن جاؤ اور ایک قراءت میں (انصار اللہ) اضافت کے ساتھ ہے جیسا کہ (حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حواری انصار اللہ ہوئے، اس پر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول دلالت کرتا ہے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ابن مریم نے حواریوں سے فرمایا کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہو؟ یعنی ان مددگاروں میں سے جو میرے ساتھ اللہ کی

نصرت کی جانب متوجہ ہوں؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں، اور حواری حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منتخب کردہ تھے، یہ وہ لوگ تھے جو شروع ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے تھے، اور وہ بارہ اشخاص تھے، یہ حَـوْرٌ سے مشتق ہے، حَـوْرٌ خالص سفیدی کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ دھوبی تھے جو کپڑوں کو دھوتے یعنی سفید کیا کرتے تھے، پس بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائی اور انہوں نے کہا وہ (عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) اللہ کے بندے ہیں جن کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا گیا اور ایک جماعت نے کفر کیا ان کے اس قول کی وجہ سے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بیٹے ہیں ان کو آسمانوں پر اٹھالیا گیا دونوں جماعتیں آپس میں قتال کرنے لگیں تو ہم نے ان لوگوں کی، یعنی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی جو دونوں فریقوں میں سے ایمان لائے، یعنی کافر جماعت پر، پس وہ غالب آ گئے یعنی فتح یاب ہو گئے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ استفہام بمعنی خبر ہے خبر کو لفظ استفہام سے ذکر کرنے کا مقصد تشویق وترغیب ہے، اس لئے کہ استفہام اوقع فی النفس ہوتا ہے، جہاد کو تجارت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ" (الآية) یعنی مجاہد کی جان و مال جس کو وہ راہِ خدا میں صرف کرتا ہے اس خرچ کرنے کو اشتریٰ سے تعبیر فرمایا ہے جو کہ تجارت میں ہوتا ہے۔

قولہ: تُؤْمِنُوْنَ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای هِیَ تُؤْمِنُوْنَ یا جملہ مستانفہ ہے جو کہ سوال مقدر کے جواب میں واقع ہے، ای مَا هِیَ التجارة؟ اس کا جواب دیا گیا هِیَ تُؤْمِنُوْنَ الخ.

قولہ: ذالکم خیر لکم الخ، ذلکم مبتداء خَيْرٌ خبر۔

قولہ: اَنَّهٗ خَيْرٌ لَكُمْ سے اشارہ کر دیا کہ تَعْلَمُوْنَ کا مفعول محذوف ہے اور فَافْعَلُوْا سے اشارہ کر دیا کہ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا جواب شرط محذوف ہے۔

قولہ: يَغْفِرْ لَكُمْ یہ شرطِ محذوف کا جواب ہے ای اِنْ تَفْعَلُوْهُ.

قولہ: يَغْفِرْ لَكُمْ یہ شرط مقدر کا جواب ہے ای اِنْ تَفْعَلُوْا، يَغْفِرْ لَكُمْ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس امر کا جواب ہونے کی وجہ سے مجزوم ہو جو تُؤْمِنُوْنَ سے مفہوم ہے اس لئے کہ تُؤْمِنُوْنَ، آمَنُوْا کے معنی میں ہے۔

قولہ: يُؤْتِكُمْ نِعْمَةً مفسر علام نے يُؤْتِكُمْ عامل کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اُخْرٰی موصوف محذوف کی صفت ہے اور موصوف صفت سے مل کر يُؤْتِكُمْ مقدر کا مفعول ہے اور اس عامل مقدر کا عطف مذکور یعنی يُدْخِلْكُمْ پر ہے۔

قولہ: تُحِبُّوْنَهَا، اُخْرٰی کی صفت ہے۔

قولہ: نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ الخ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای تلك النعمة الأُخْرٰی نصر من اللّٰه.

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

یَآیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ (الآیة) قرطبی میں ہے کہ مقاتل نے فرمایا یہ آیت حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز آپ ﷺ سے عرض کیا، اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں (اپنی بیوی) خولہ کو طلاق دیدوں؟ اور ترک دنیا اختیار کرلوں، اور خصّی ہو جاؤں، اور گوشت کو حرام کرلوں (یعنی ترک کردوں) اور رات کو کبھی نہ سوؤں، اور ہمیشہ دن میں روزہ رکھوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا بلا شبہ نکاح میری سنت ہے اور اسلام میں رہبانیت (ترک دنیا) نہیں ہے میری امت کی رہبانیت اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے، اور میری امت کا خصّی ہونا روزہ رکھنا ہے اور اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام نہ کرو، اور میرا طریقہ یہ ہے کہ میں سوتا بھی ہوں اور (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں جو میری سنت سے صرف نظر کرے وہ میرا نہیں ہے، پھر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اللہ کے نزدیک کونسی تجارت پسندیدہ ہے، تاکہ میں وہ تجارت کروں تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اور ابن مردویہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ تذکرہ کیا کہ کاش ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین ہے تو ہم وہ عمل کرتے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں ایمان اور مجاہدہ بالمال والنفس کو تجارت فرمایا ہے کیونکہ جس طرح تجارت میں کچھ مال خرچ کرنے اور محنت کرنے کے صلہ میں منافع حاصل ہوتے ہیں ایمان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کے بدلے میں اللہ کی رضا اور آخرت کی دائمی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں جن کا ذکر اگلی آیت میں ہے کہ جس نے یہ تجارت اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادے گا اور جنت میں اس کو پاکیزہ بہترین مساکن و مکانات عطا فرمائے گا جن میں ہر طرح کے آرام و عیش کے سامان ہوں گے، جیسا کہ حدیث میں "مساکن طیبہ" کی تفسیر میں اس کا بیان آیا ہے، آگے آخرت کی نعمتوں کے ساتھ کچھ دنیا کی نعمتوں کا بھی وعدہ فرماتے ہیں۔ (معارف)

وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَھَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ (الآیة) لفظ اُخریٰ، نعمة کی صفت ہے معنی یہ ہیں کہ آخرت کی نعمتیں اور جنت کے مکانات تو ملیں گے ہی جیسا کہ وعدہ کیا گیا ہے، ایک نعمت نقد دنیا میں بھی ملنے والی ہے وہ ہے اللہ کی مدد اور اس کے ذریعہ فتح قریب، یعنی دشمنوں کے ممالک کا فتح ہونا، "نعمت اخریٰ" سے مراد یا تو آخرت کی نعمتیں ہیں ان کو دنیا کے اعتبار سے قریب کہا گیا ہے یا پھر اس سے مراد خیبر اور مکہ کی فتح ہے اور یہ تو ظاہر ہے قریبی فتح کو محبوب اور پسندیدہ اس لئے کہا گیا کہ انسان فطری طور پر نقد فائدہ کا دلدادہ اور متمنی ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کو محبوب سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے بارے میں فرمایا "خُلِقَ الانسان عَجُوْلًا" دنیا میں فتح و کامرانی بھی اگرچہ اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے لیکن مومن کے لئے اصل اہمیت کی چیز یہ نہیں ہے

بلکہ آخرت کی کامیابی ہے اسی لئے جو نتیجہ دنیا کی اس زندگی میں حاصل ہونے والا ہے اس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے اور جو نتیجہ آخرت میں رونما ہونے والا ہے اس کے ذکر کو مقدم رکھا گیا۔

كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّيْنَ الآية حواریین، حواری کی جمع ہے جس کے معنی مخلص دوست کے ہیں جو ہر عیب سے پاک وصاف ہو، اسی لئے ان لوگوں کو جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے حواری کہا گیا، ان کی تعداد بارہ تھی، اس آیت میں زمانۂ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک واقعہ کا ذکر کر کے مسلمانوں کو اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں، جیسا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب دشمن سے تنگ آ گئے تو آپ نے لوگوں سے کہا، مَنْ انصاری الی اللّٰه یعنی اللہ کے دین کی اشاعت میں کون میرا مددگار ہوگا؟ بارہ آدمیوں نے وفاداری کا عہد کیا اور پھر دین عیسوی کی اشاعت میں خدمات انجام دیں، تو مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اللہ کے دین کے انصار و مددگار بنیں۔

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھیوں کے لئے بائبل میں عموماً لفظ ''شاگرد'' استعمال کیا گیا ہے، لیکن بعد میں ان کے لئے ''رسول'' کی اصطلاح عیسائیوں میں رائج ہوگئی، اس معنی میں نہیں کہ وہ اللہ کے رسول تھے بلکہ اس معنی میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو اپنی طرف سے مبلغ بنا کر بھیجا کرتے تھے، یہ لفظ یہودیوں کے یہاں ان لوگوں کے لئے بولا جاتا تھا کہ جو ہیکل کے لئے چندہ جمع کرتے تھے، اس کے مقابلہ میں قرآن کی اصطلاح، حواری، مذکورہ دونوں اصطلاحوں سے بہتر ہے اس لفظ کی اصل ''حَوْرٌ'' ہے جس کے معنی سفیدی کے ہیں، دھوبی کو حواری اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ کپڑے کو دھو کر سفید کرتا ہے، خالص اور بے آمیز چیز کو بھی حواری کہا جاتا ہے اسی لئے مخلص دوست کو حواری کہتے ہیں۔

عیسائیوں کے تین فرقے:

فَآمَنَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تو عیسائیوں میں تین فرقے ہو گئے، ایک فرقے نے کہا وہ خود خدا تھے، آسمان پر چلے گئے، دوسرے فرقے نے کہا وہ خدا نہیں بلکہ خدا کے بیٹے تھے اللہ نے ان کو اٹھا لیا، اور دشمنوں پر فوقیت دیدی، اور تیسرے فرقے نے وہ بات کہی جو حق اور صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے، بلکہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں سے حفاظت اور رفعت درجہ کے لئے آسمانوں پر اٹھا لیا، یہ لوگ صحیح مومن تھے، تینوں فرقوں کے ساتھ کچھ عوام لگ گئے جس کی وجہ سے نزاع بڑھتے بڑھتے قتال تک کی نوبت آ گئی، اتفاق سے دونوں کافر فرقے مومن فرقے پر غالب آ گئے، یہاں کہ تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، جنہوں نے اس مومن فرقے کی تائید کی، اس طرح انجام کار وہ مومن فرقہ بحیثیت حجت اور دلیل کے غالب آ گیا۔ (مظهری، معارف)

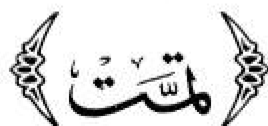

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً.

سورۂ جمعہ مدنی ہے، گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ يُنَزِّهُهُ فاللَّامُ زَائِدَةٌ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ فِي ذِكْرِ مَا تَغْلِيْبٌ لِلْاَكْثَرِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْمُنَزَّهِ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① فِي مُلْكِهِ وصُنْعِهِ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ الْعَرَبِ وَالْاُمِّيُّ مَنْ لَا يَكْتُبُ وَلَا يَقْرَأُ كِتَابًا رَسُوْلًا مِّنْهُمْ هُوَ مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وسلم يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ القُرْاٰنَ وَيُزَكِّيْهِمْ يُطَهِّرُهُمْ مِنَ الشِّرْكِ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ القُرْاٰنَ وَالْحِكْمَةَ مَا فِيْهِ مِنَ الاَحْكَامِ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ وَاِنَّهُمْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ قَبْلَ مَجِيْئِهٖ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ② بَيِّنٍ وَّاٰخَرِيْنَ عَطْفٌ عَلَى الْاُمِّيّٖنَ اَيِ الْمَوْجُوْدِيْنَ وَالْاٰتِيْنَ مِنْهُمْ بَعْدَهُمْ لَمَّا لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ فِي السَّابِقَةِ وَالْفَضْلِ وَهُمُ التَّابِعُوْنَ وَالْاِقْتِصَارُ عَلَيْهِمْ كَافٍ فِيْ بَيَانِ فَضْلِ الصَّحَابَةِ الْمَبْعُوْثِ فِيْهِمُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلٰى مَنْ عَدَاهُمْ مِمَّنْ بُعِثَ اِلَيْهِمْ وَاٰمَنُوْا بِهٖ مِنْ جَمِيْعِ الاِنْسِ وَالْجِنِّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لِاَنَّ كُلَّ قَرْنٍ خَيْرٌ مِمَّنْ يَلِيْهِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ فِي مُلْكِهٖ وَصُنْعِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ النَّبِيَّ وَمَنْ ذُكِرَ مَعَهُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ كُلِّفُوا الْعَمَلَ بِهَا ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا لَمْ يَعْمَلُوْا بِمَا فِيْهَا مِنْ نَعْتِهٖ صلى الله عليه وسلم فَلَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا اَيْ كُتُبًا فِيْ عَدَمِ انْتِفَاعِهٖ بِهَا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ الْمُصَدِّقَةِ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مُحَمَّدٍ وَالْمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوْفٌ تَقْدِيْرُهٗ هٰذَا الْمَثَلُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑤ الْكَافِرِيْنَ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑥ تَعَلَّقَ بِتَمَنِّيْهِ الشَّرْطَانِ عَلٰى اَنَّ الْاَوَّلَ قَيْدٌ فِي الثَّانِيْ اَيْ اِنْ صَدَقْتُمْ فِيْ زَعْمِكُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ وَالْوَلِيُّ يُؤْثِرُ الْاٰخِرَةَ وَمَبْدَؤُهَا الْمَوْتُ فَتَمَنَّوْهُ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ مِنْ كُفْرِهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمُسْتَلْزِمِ لِكَذِبِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ⑦ الْكَافِرِيْنَ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ وَالْفَاءُ زَائِدَةٌ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں، لام زائدہ ہے مَنْ کے بجائے مَا ذکر کرنے میں اکثر کو غلبہ دینا ہے جو بادشاہ ہے، ان چیزوں سے پاک ہے جو اس کی شایان شان نہیں، وہ اپنے ملک میں غالب اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں (یعنی) عرب میں ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا اُمّی وہ شخص ہے جو پڑھنا لکھنا نہ جانتا ہو، اور وہ محمد ﷺ ہیں، جو انہیں اس قرآن کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو شرک سے پاک کرتا ہے، اور ان کو کتاب قرآن اور حکمت (یعنی) جس میں احکام ہیں اِنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے ای اِنَّھُمْ، سکھاتا ہے یقیناً یہ اس کی آمد (بعثت) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور بعد والوں میں (مبعوث فرمایا) اور آخَرِیْنَ کا عطف اَلْاُمِّیّٖنَ پر ہے یعنی ان امیوں میں سے موجودین میں اور (آئندہ) ان کے بعد آنے والے امیوں میں، لیکن سبقت اور فضل میں ان کے برابر نہیں پہنچے، اور وہ (نہ پہنچنے والے) تابعین ہیں، اور تابعین پر، تابعین کے بعد تا قیامت آنے والے جن وانس جو کہ آپ ﷺ پر ایمان لائے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے تابعین پر اثباتِ فضیلت پر اقتصار کرنا کافی ہے، وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں کہ جن میں آپ ﷺ مبعوث فرمائے گئے، اس لئے کہ ہر زمانہ اپنے مابعد متصل زمانہ سے بہتر ہوتا ہے، اپنے ملک وصنعت میں وہی غالب باحکمت ہے یہ خدا کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے یعنی نبی کو اور ان کو جن کا نبی کے ساتھ ذکر کیا گیا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا یعنی جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا مکلف بنایا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان صفات پر جو آپ ﷺ کی (صفات) اس (تورات) میں تھیں جس کی وجہ سے وہ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے، ان کی مثال فائدہ حاصل نہ کرنے میں اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے، غرضیکہ ان لوگوں کا برا حال ہے جنہوں نے خدا کی ان آیتوں کو جھٹلایا جو محمد ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرنے والی ہیں، اور مخصوص بالذم محذوف ہے، اور اس کی تقدیر ہٰذا المثل ہے، اور اللہ ظالم یعنی کافر کو ہدایت نہیں دیتا، آپ کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم بلا شرکتِ غیرے اللہ کے مقبول (محبوب) ہو تو تم موت کی تمنا کرو (تَمَنَّوا) سے دو شرطیں متعلق ہیں اس طریقہ پر کہ اول ثانی میں قید ہے، یعنی اگر تم اپنے گمان میں اس بات میں سچے ہو کہ تم اللہ کے محبوب ہو اور محبوب آخرت کو ترجیح دیتا ہے اور اس کا مبداء موت ہے لہٰذا تم اس کی تمنا کرو، وہ کبھی اس موت کی تمنا نہیں کریں گے، بوجہ ان اعمالِ کفریہ کے جن کو وہ اختیار کر چکے ہیں، یعنی بوجہ آپ ﷺ کے انکار کے جو ان کی تکذیب کو مستلزم ہے اللہ تعالیٰ ان ظالموں کافروں کو خوب جانتا ہے آپ کہہ دیجئے کہ تم جس موت سے بھاگتے ہو وہ تم کو آپکڑے گی فَاِنَّهٗ میں فاء زائدہ ہے، پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے کے پاس لے جائے جاؤ گے پھر وہ تم کو تمہارے سب کئے ہوئے کام بتادے گا اور تم کو اس کی جزاء دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: اَلْقُدُّوْسُ مبالغہ کا صیغہ ہے بہت پاک، برکت والا، بروزن فُعُّوْلٌ بضم فاء عربی میں اس وزن پر صرف چار الفاظ آئے ہیں، قُدُّوْسٌ، سُبُّوْحٌ، ذُرُّوْحٌ، فُرُّوْخٌ، ان کو بھی بفتح الفاء پڑھنا جائز ہے باقی اس وزن پر جتنے بھی الفاظ آئے ہیں سب فتحہ فاء کے ساتھ آئے ہیں۔

قَوْلَہٗ: فِی الْاُمِّیِّیْنَ ای اِلٰی اُمِّیِّیْنَ وَآخَرِیْنَ، ای اِلٰی آخَرِیْنَ فی بمعنی الی ہے۔

قَوْلَہٗ: یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ یہ رَسُوْلًا کی صفت ہے یا اس سے حال ہے۔

قَوْلَہٗ: مخففۃ من الثقیلۃ وَاِنْ کَانُوْا میں اِنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے اصل میں اِنَّھُمْ تھا اور دلیل اس کی مابعد میں لام کا واقع ہونا ہے، ای لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ اس قسم کا لام مخففہ عن الثقیلہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

قَوْلَہٗ: عطف عَلَی الْاُمِّیِّیْنَ یعنی آخرین کے اعراب میں دو وجہ ہیں، اول یہ کہ آخَرِیْنَ، اُمِّیِّیْنَ پر عطف ہونے کی وجہ سے مجرور ہو، ای بَعَثَہٗ فی الْاُمِّیِّیْنَ وفی الْآخَرِیْنَ مِنَ الْاُمِّیِّیْنَ اور۔

قَوْلَہٗ: لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ یہ آخَرِیْنَ کی صفت ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ آخَرِیْنَ، یُعَلِّمُھُمْ کی ضمیر پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، ای یُعَلِّمُ الْآخَرِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ۔

قَوْلَہٗ: اَلْمَوْجُوْدِیْنَ مِنْھُمْ یہ اَلْاُمِّیِّیْنَ معطوف علیہ کی تفسیر ہے اور مراد اُمِّیِّیْنَ سے وہ عرب ہیں جو آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔

قَوْلَہٗ: لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ فِی السَّابِقَۃِ، لَمَّا کی تفسیر لَمْ سے کرکے اشارہ کر دیا کہ یہ عدم سابقیت تا قیامت ہے، یہ مطلب نہیں کہ اب تک سابقیت میں مساوی نہیں ہوئے مگر آئندہ امید ہے، جیسا کہ لَمَّا سے مفہوم ہوتا ہے اس لئے کہ لَمَّا کا مفہوم ہے تاہنوز، اور لَمْ کے ذریعہ نفی عام ہوتی ہے خواہ متوقع الحصول ہو یا نہ ہو بخلاف لَمَّا کے کہ اس کا استعمال اس منفی میں ہوتا ہے جو متوقع الحصول ہو۔

قَوْلَہٗ: وَالاقْتِصَار عَلَیْھِمْ یعنی آخَرِیْنَ کی تفسیر میں تابعین پر اقتصار کرنا کافی ہے، دراصل یہ مفسر علام کی جانب سے دیگر مفسرین کی تفسیر سے عدول کرنے کا اعتذار ہے، یعنی دیگر مفسرین حضرات نے صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ کی فضیلت تا قیامت آنے والے مسلمانوں پر بیان فرمائی ہے، اور مفسر علام محلّی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی عبارت سے صرف تابعین پر فضیلت معلوم ہوتی ہے، حق دیگر مفسرین کے ساتھ ہے، اعتذار کا حاصل یہ ہے کہ جب تابعین پر صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ کی فضیلت ثابت ہوگئی تو تابعین کے بعد والے حضرات پر تو بطریق اولیٰ فضیلت ثابت ہوگی، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ہر قرن اپنے مابعد متصل قرن سے بہتر ہوتا ہے۔

قَوْلَہٗ: مِمَّنْ بُعِثَ اِلَیْھِمْ، مَنْ عَدَاھُمْ کا بیان ہے۔

قَوْلَہٗ: مِنْ جَمِیْعٍ یہ بیان کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاَنَّ كُلَّ قَرْنٍ یہ مفسر کے قول کافٍ کی علت ہے۔
قَوْلُہٗ: اَلنَّبِی وَمَنْ ذُكِرَ مَعَهٗ یہ مَنْ یَّشَاءُ کی تفسیر ہے اور مَنْ ذُكِرَ سے مراد امیون اور آخرون ہیں۔
قَوْلُہٗ: شرطان، ای اِنْ زَعَمْتُمْ اور اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ.
قَوْلُہٗ: الاول قید فی الثانی.

اعتراض: یعنی اول ثانی کی شرط ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ اصل شرط ثانی ہے اور اول اس کی قید ہے، اور یہ مشہور قاعدہ کے خلاف ہے، اور قاعدہ مشہورہ یہ ہے کہ جب ایک جزاء دو شرطوں سے متعلق ہو تو درحقیقت اول ہی شرط ہوتی ہے اور ثانی اول کی شرط ہوتی ہے گویا کہ شرط اول اور شرط ثانی مل کر معنی میں اِنْ صَدَقْتُمْ فِی زَعْمِكُمْ کے ہیں۔

جواب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ قاعدہ مشہورہ اس وقت ہے جب کہ جزاء دونوں شرطوں کے بعد یا پہلے واقع ہو، یہاں جزاء دونوں شرطوں کے درمیان واقع ہے، لہٰذا یہ قاعدہ مشہورہ کے خلاف نہیں ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

نام:

الجمعة آیت نمبر ۹ کے فقرے، اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول:

پہلے رکوع کا زمانۂ نزول ۷ھ ہے، اور غالباً یہ رکوع فتح خیبر کے موقع پر یا اس کے قریبی زمانہ میں نازل ہوا ہے، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، اور ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے جب یہ آیات نازل ہوئیں، اور حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے متعلق یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ صلح حدیبیہ ٦ھ کے بعد اور فتح خیبر سے پہلے ایمان لائے تھے، اور خیبر کی فتح ابن ہشام کے بقول محرّم میں اور ابن سعد کے بقول جمادی الاولیٰ ۷ھ میں ہوئی ہے۔

دوسرا رکوع ہجرت کے بعد قریبی زمانہ میں نازل ہوا ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی پانچویں روز جمعہ قائم کر دیا، اور اس رکوع کی آخری آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ صاف بتا رہا ہے کہ وہ اقامتِ جمعہ کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد لازماً کسی ایسے زمانہ میں پیش آیا ہوگا جب لوگوں کو دینی اجتماعات کے آداب کی پوری تربیت ابھی نہیں ملی تھی۔

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ نبی ﷺ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھا کرتے تھے، (مسلم شریف کتاب الجمعہ) قرآن کریم کی جو سورتیں سَبَّحَ، یُسَبِّحُ سے شروع ہوئی ہیں ان کو مُسَبِّحَات کہا جاتا ہے، ان تمام

سورتوں میں زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہیں سب کے لئے اللہ کی تسبیح خوانی ثابت کی گئی ہے، اگر اس تسبیح سے مراد تسبیح حالی ہے یعنی بزبان حال تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا ذرہ ذرہ اپنے صانع حکیم کی حکمت و قدرت پر گواہی دیتا ہے، یہی اس کی تسبیح ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ ہر چیز اپنے اپنے شعور اور طرز کے مطابق حقیقی تسبیح کرتی ہے، اس لئے کہ شعور و ادراک اللہ تعالیٰ نے ہر شجر و حجر بلکہ ہر شئی میں رکھا ہے، اس عقل و شعور کا لازمی نتیجہ اور لازمی تقاضہ تسبیح ہے، مگر ان چیزوں کی تسبیح کو لوگ سنتے نہیں ہیں، اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ.

اس تمہید کو آگے کے مضمون سے بڑی گہری مناسبت ہے، عرب کے یہودی رسول اللہ ﷺ کی ذات وصفات اور کارناموں میں رسالت کی صریح نشانیاں بچشم سر دیکھ لینے کے باوجود اور اس کے باوجود کہ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے آپ کے آنے کی صریح بشارت دی تھی جو آپ ﷺ کے سوا کسی اور پر صادق نہیں آتی تھی، صرف اس بناء پر آپ ﷺ کا انکار کرتے تھے کہ اپنی قوم و نسل سے باہر کے کسی شخص کی رسالت مان لینا سخت ناپسند کرتے تھے، آگے کی آیتوں میں ان کے اسی رویہ پر انہیں ملامت کی جارہی ہے، اس لئے کلام کا آغاز اس تمہیدی فقرے سے کیا گیا ہے اس میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کررہی ہے یعنی یہ پوری کائنات اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ ان تمام نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے جن کی بناء پر یہودیوں نے اپنی نسلی برتری کا تصور قائم کررکھا ہے، وہ کسی کا رشتہ دار نہیں، نہ جانب داری کا اس کے یہاں کوئی کام، اپنی ساری مخلوق کے ساتھ اس کا معاملہ یکساں عدل و رحمت اور ربوبیت کا ہے، کوئی خاص نسل یا قوم اس کی چہیتی نہیں ہے کہ وہ خواہ کچھ بھی کرتی رہے ہر حال میں اس کی نوازشیں اسی کے لئے مخصوص رہیں اور کسی دوسری نسل یا قوم سے اس کو عداوت نہیں ہے کہ وہ اپنے اندر خوبیاں بھی رکھتی ہو تو بھی وہ اس کی عنایتوں سے محروم رہے، پھر فرمایا گیا کہ وہ بادشاہ ہے یعنی دنیا کی کوئی طاقت اس کے اختیارات کو محدود کرنے والی نہیں ہے تم بندے اور رعیت ہو، تمہارا یہ منصب کب سے ہوگیا کہ تم یہ طے کرو کہ وہ تمہاری ہدایت کے لئے اپنا پیغمبر کسے بنائے؟ اور کسے نہ بنائے اس کے بعد ارشاد ہوا کہ وہ قدوس ہے یعنی وہ اس سے بدرجہا منزہ اور پاک ہے کہ اس کے فیصلہ میں کسی خطا اور غلطی کا امکان ہو، آخر میں اللہ کی دو مزید صفتیں بیان فرمائی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ زبردست ہے، اس سے لڑکر کوئی جیت نہیں سکتا، دوسری یہ کہ وہ حکیم ہے یعنی جو کچھ وہ کرتا ہے وہ عین حکمت کے مطابق ہوتا ہے، اور اس کی تدبیریں ایسی محکم ہوتی ہیں کہ دنیا میں کوئی ان کو توڑ نہیں سکتا۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّيِّيْنَ الخ اُمِّيِّيْن، اُمِّیٌّ کی جمع ہے، ناخواندہ شخص کو کہا جاتا ہے، عرب کے لوگ اس لقب سے معروف ہیں، کیونکہ ان میں نوشت و خواند کا رواج نہیں تھا، بہت کم لوگ پڑھے لکھے ہوتے تھے، اور یہ کہ جو رسول بھیجا گیا ہے وہ بھی انہیں میں سے ہے یعنی امی ہے، اس لئے یہ معاملہ بڑا حیرت انگیز ہے کہ قوم ساری امی اور جو رسول بھیجا گیا وہ بھی اُمّی اور جو فرائض اس رسول کے سپرد کئے گئے ہیں جن کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے، وہ سب علمی، تعلیمی اور اصلاحی ایسے ہیں کہ نہ کوئی امی ان کو سکھا سکتا ہے اور نہ امی قوم ان کو سیکھنے کے قابل ہے۔

یہ صرف حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کاملہ سے رسول اللہ ﷺ کا اعجاز ہی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے جب تعلیم و

اصلاح کا کام کیا تو انہی امیین میں وہ علماء اور حکماء پیدا ہو گئے کہ جن کے علم و حکمت، عقل و دانش اور ہر کام کی عمدہ صلاحیت نے سارے جہان سے اپنا لوہا منوالیا۔

بعثت نبوی کے تین مقاصد:

یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے تین مقاصد صفت نعمت الٰہیہ کے ضمن میں بیان کئے گئے ہیں، ایک تلاوت قرآن، یعنی قرآن پڑھ کر امت کو سنانا، اور دوسرے ان کو ظاہر و باطن غرضیکہ ہر قسم کی نجاست سے پاک کرنا، جس میں بدن، لباس وغیرہ کی ظاہری گندگی بھی شامل ہے اور عقائد و اعمال اور اخلاق و عادات کی پاکیزگی بھی، تیسرے کتاب و حکمت کی تعلیم ہے، یہ تینوں چیزیں حق تعالیٰ کے انعامات بھی ہیں اور آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد بھی۔

وَآخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ آخرین کے لفظی معنی، دوسرے لوگ، لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ کے معنی، جو ابھی تک ان لوگوں یعنی امیین کے ساتھ نہیں ملے، مراد ان سے وہ تمام مسلمان ہیں جو قیامت تک اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے۔ (معارف)

اس میں اشارہ ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمان سب کے سب مومنین اولین یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کے ساتھ سمجھے جائیں گے، یہ بعد کے مسلمانوں کے لئے بڑی بشارت ہے۔ (روح، معارف)

لفظ آخرین کے عطف میں دو قول ہیں، بعض حضرات نے اس کا امیین پر عطف قرار دیا ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ بھیجا اللہ نے اپنا رسول ﷺ اُمیین میں اور ان لوگوں میں جو ابھی ان سے نہیں ملے، اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اُمیین یعنی موجودین میں رسول ﷺ کا بھیجنا تو ظاہر ہے مگر جو لوگ ابھی آئے ہی نہیں ان میں رسول ﷺ بھیجنے کا کیا مطلب ہوگا؟ اس کا جواب بیان القرآن میں یہ دیا گیا ہے کہ ان میں بھیجنے سے مراد ان کے لئے بھیجنا ہے، کیونکہ لفظ ''فِیْ'' عربی زبان میں ''کیلئے'' کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ آخرین کا عطف یُعَلِّمُھُمْ کی ضمیر منصوب پر ہے، جس کا یہ مطلب ہوا کہ آنحضرت ﷺ تعلیم دیتے ہیں امیین کو اور ان لوگوں کو بھی جو ابھی ان کے ساتھ نہیں ملے۔ (اختارہٗ فی المظھری، معارف)

اس کی مزید تفصیل، تسہیل و تحقیق کے زیر عنوان گذر چکی ہے ملاحظہ کر لی جائے۔

صحیح مسلم و بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۂ جمعہ آپ ﷺ پر نازل ہوئی، اور آپ ﷺ نے ہمیں سنائی جب آپ ﷺ نے آیت ''وَآخَرِیْنَ مِنْھُمْ'' (الآیۃ) پڑھی تو ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ جن کا ذکر آخرین کے لفظ سے کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے اس وقت سکوت فرمایا، مکرر مکرر سوال کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رکھ دیا (جو اس وقت مجلس میں موجود

تھے) اور فرمایا: اگر ایمان ثریا ستارے کی بلندی پر بھی ہوگا تو ان کی قوم کے کچھ لوگ وہاں سے بھی ایمان کو لے آئیں گے۔

(مظھری)

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ (الآیة) اَسْفَار، سِفْرٌ کی جمع ہے بڑی کتاب کو کہتے ہیں، کتاب کو سفر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو گویا قاری اس کے معانی میں سفر کرتا ہے اس لئے کتاب کو سفر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر)

اس آیت میں بے عمل یہودیوں کی مثال بیان کی گئی ہے اور عمل نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تورات میں صاف صاف آپ ﷺ کی آمد کی بشارت دی گئی تھی آپ ﷺ کی ایسی علامات بیان کی گئی تھیں کہ جو صرف آپ ﷺ ہی پر چسپاں ہوتی تھیں جس کا تقاضہ تھا کہ یہ لوگ سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لاتے مگر حسد اور دشمنی کی وجہ سے یہ لوگ ایمان نہیں لائے، یہود کی اس بے عملی کی مثال دی گئی ہے کہ جس طرح گدھے کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی کمر پر جو کتابیں رکھی ہوئی ہیں ان میں کیا لکھا ہوا ہے؟ اس کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں یا کوڑا کرکٹ؟

اللہ تعالیٰ نے یہود کو توارت کا حامل بنایا تھا مگر یہود نے اس کی ذمہ داری نہ سمجھی اور نہ ادا کی، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہوں اور اسے کچھ معلوم نہ ہو کہ وہ کس چیز کا بار اٹھائے ہوئے ہے، بلکہ یہود کی حالت گدھے سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ وہ تو سمجھ بوجھ نہیں رکھتا مگر یہود سمجھ بوجھ رکھتے ہیں اور پھر بھی کتاب اللہ کے حامل ہونے کی ذمہ داری سے سرفرازی اختیار نہیں کرتے، بلکہ دانستہ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں، اس کے باوجود ان کا زعم یہ ہے کہ وہ اللہ کے چہیتے ہیں اور رسالت کی نعمت ہمیشہ کیلئے ان کے نام لکھ دی گئی ہے گویا یہود کی رائے یہ ہے کہ خواہ وہ اللہ کے پیغام کا حق ادا کریں یا نہ کریں، بہر حال اللہ اس کا پابند ہے کہ وہ اپنے پیغام کا حامل ان کے سوا کسی کو نہ بنائے۔

یہود اپنے کفر و شرک اور ساری بد اخلاقیوں کے باوجود یہ دعویٰ بھی رکھتے تھے، نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاءُهٗ یعنی ہم تو اللہ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں، اور اپنے سوا کسی کو جنت کا مستحق نہیں سمجھتے، بلکہ یوں کہا کرتے تھے، لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى گویا وہ آخرت کے عذاب سے خود کو بالکل محفوظ اور مامون سمجھتے تھے اور جنت کی نعمتوں کو اپنی جاگیر سمجھتے تھے۔

جب یہود اپنے آپ کو خدا کا محبوب اور چہیتا سمجھتے ہیں، اگر آخرت کی تمام نعمتوں کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں، اور یہ بھی ان کا ایمان ہے کہ آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے ہزار ہا درجہ اعلیٰ اور بہتر ہیں، تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ ان کے دل میں موت کی تمنا پیدا ہو، تا کہ دنیا کی مکدر اور رنج و غم سے بھری ہوئی زندگی سے نکل کر خالص آرام و راحت اور دائمی زندگی میں پہنچ جائیں۔

اس لئے آیت مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کو ہدایت کی گئی کہ آپ ﷺ یہود سے فرمائیں کہ جب تم خدا کے محبوب اور لاڈلے ہو اور تمہیں یہ خطرہ بالکل نہیں کہ آخرت میں تمہیں کوئی عذاب ہو سکتا ہے تو پھر تم ذرا موت کی تمنا کرو۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ قرآن نے خود ہی ان کا جواب دیدیا، یعنی یہ لوگ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے، اس لئے کہ ان کا موت سے فرار بے سبب نہیں ہے، وہ زبان سے خواہ کیسے لمبے چوڑے دعوے کریں، مگر ان کے ضمیر خوب

جانتے ہیں کہ خدا اور اس کے دین کے ساتھ ان کا معاملہ کیا ہے اور آخرت میں ان حرکتوں کے کیا نتائج نکلنے کی توقع کی جاسکتی ہے جو وہ دنیا میں کررہے ہیں، اسی لئے ان کا نفس خدا کا سامنا کرنے سے جی چراتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ کسی راہ میں بھی جان دینے کے لئے تیار نہ تھے، نہ خدا کی راہ میں اور نہ قوم کی راہ میں اور نہ خود اپنی جان و مال وعزت کی راہ میں، انہیں صرف زندگی درکار تھی خواہ کیسی ہی زندگی ہو، اسی چیز نے ان کو بزدل بنادیا تھا۔

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ یہود خدا کی محبوبیت اور جنت کی ٹھیکے داری کے دعوے کے باوجود، موت سے بھاگتے ہیں، آپ ﷺ ان سے فرما دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ آکر رہے گی، اب نہیں تو آئندہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ بِمَعْنَى فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا فَامْضُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ أَيِ اتْرُكُوا عَقْدَهُ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ⑨ أَنَّهُ خَيْرٌ فَافْعَلُوهُ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ أَمْرُ إِبَاحَةٍ وَابْتَغُوا أَيِ اطْلُبُوا الرِّزْقَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ⑩ تَفُوزُونَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَدِمَتْ عِيرٌ وَضُرِبَ لِقُدُومِهَا الطَّبْلُ عَلَى الْعَادَةِ فَخَرَجَ لَهَا النَّاسُ مِنَ الْمَسْجِدِ غَيْرَ اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا فَنَزَلَ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا أَيِ التِّجَارَةِ لِأَنَّهَا مَطْلُوبُهُمْ دُونَ اللَّهْوِ وَتَرَكُوكَ فِي الْخُطْبَةِ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الثَّوَابِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ⑪ يُقَالُ كُلُّ إِنْسَانٍ يَرْزُقُ عَائِلَتَهُ أَيْ مِنْ رِزْقِ اللَّهِ تَعَالَى.

ع ۲ / ۱۲

ترجمہ: اے ایمان والو جب جمعہ کے روز جمعہ (کی نماز) کے لئے اذان کہی جائے تو تم اللہ کی یاد (نماز) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو، مِنْ بمعنی فی ہے اور خرید و فروخت ترک کردیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھتے ہو کہ یہ بہتر ہے، پھر تم اس پر عمل کرو، پھر جب نماز ہو چکے تو تم زمین میں پھیل جاؤ امر اباحت کے لئے ہے، اور خدا کا فضل (روزی) طلب کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہا کرو تاکہ تم کامیاب ہو آپ ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے کہ ایک قافلہ آیا، اور دستور کے مطابق اس کی آمد پر ڈھول بجایا گیا تو لوگ اس کے لئے مسجد سے نکل گئے، سوائے بارہ آدمیوں کے تو یہ آیت نازل ہوئی، وہ لوگ جب کسی تجارت کو دیکھیں یا کوئی تماشہ نظر آجائے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں، یعنی تجارت کی طرف، اس لئے کہ وہ ان کا مطلوب ہے نہ کہ تماشہ اور آپ کو خطبہ میں کھڑا چھوڑ جاتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ جو اللہ کے پاس ثواب ہے وہ ایمان والوں کے لئے کھیل اور تجارت سے بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی رساں ہے کہا جاتا ہے ہر شخص اپنے اہل و عیال کو روزی دیتا ہے یعنی اللہ کے رزق میں سے روزی دیتا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: مِنْ بمعنی فِیْ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ میں مِنْ بمعنی فِیْ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ مِنْ بیانیہ ہو اور اِذَا نُوْدِیَ کا بیان ہو۔

قولہ: یَوْمَ الْجُمُعَةِ، الجمعة میں دو قراءتیں ہیں، اول دونوں یعنی جیم اور میم کے ضمہ کے ساتھ یہ جمہور کی قراءت ہے اور دوسری جُمْعَةِ کے میم کے سکون کے ساتھ یہ شاذ ہے، اور ایک قراءت میم کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے مگر یہ بھی شاذ ہے۔

قولہ: فامضوا، فَاسْعَوْا کی تفسیر فامْضُوْا سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں سعی کے معروف معنی یعنی دوڑنا مراد نہیں ہے اس لئے کہ نماز کے لئے دوڑنا ممنوع ہے بلکہ مراد متوجہ ہونا اور پاپیادہ چلنا ہے۔

قولہ: اَنَّهٗ خَیْرٌ یہ جملہ محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ تَعْلَمُوْنَ کا مفعول بہ محذوف ہے اور فَافْعَلُوْه، محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ اِنْ كُنْتُمْ شرط کی جزاء محذوف ہے۔

قولہ: لِاَنَّهَا مطلوبُهُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ ماقبل میں دو چیزوں کا ذکر ہے، تجارت اور لهو، لہٰذا مناسب یہ تھا کہ لَهَا کے بجائے لَهُمَا فرماتے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سابق میں مذکور اگرچہ دو چیزیں ہیں مگر مطلوب ان میں سے صرف ایک یعنی تجارت ہی ہے لهو مطلوب نہیں ہے، اسی وجہ سے لَهَا کی ضمیر کو مفرد لایا گیا ہے، اس سوال کا دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ اَوْ کے ذریعہ عطف کیا گیا ہے لہٰذا مراد تو ایک ہی ہے خواہ تجارت ہو یا لهو، ضمیر مؤنث لاکر متعین کردیا کہ تجارت مراد ہے۔

قولہ: وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا یہ جملہ اِنْفَضُّوْا کا فاعل ہے اور قائمًا سے اشارہ کردیا کہ خطبہ کھڑے ہوکر ہونا چاہئے نہ کہ بیٹھ کر۔

قولہ: یقال كُلُّ اِنْسَانٍ یَرْزُقُ عَائِلَتَهٗ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ وَاللّٰهُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ میں خَیْرٌ اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو تعدد کا تقاضہ کرتا ہے اس لئے کہ اسم تفضیل کا استعمال کم از کم دو کے درمیان ہوتا ہے، تاکہ مفضل اور مفضل علیہ کا ثبوت ہوجائے اور یہاں رازق ایک ہی ہے اور وہ اللہ ہے تو اسم تفضیل کا استعمال کیسے درست ہوا؟

جواب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں خَیْرٌ کا صیغہ متعدد ہی میں استعمال ہوا ہے، اس لئے کہ کہا جاتا ہے کہ كُلُّ اِنْسَانٍ یَرْزُقُ عَائِلَتَهٗ، تو معلوم ہوا کہ ہر انسان اپنے اہل و عیال کا رازق ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ رازق حقیقی ہے اور انسان رازق مجازی کیوں کہ انسان اللہ کے عطا کردہ رزق ہی میں سے دیتا ہے لہٰذا اسم تفضیل کا استعمال صحیح ہے۔

تفسیر وتشریح

یَوْمِ الْجُمُعَةِ یوم الجمعہ کو یوم الجمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے، کائنات کی تخلیق کا بھی آخری دن ہے، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی روز پیدا ہوئے، اسی دن قیامت آئے گی۔

''جمعہ'' دراصل ایک اسلامی اصطلاح ہے زمانۂ جاہلیت میں اس کو یوم عروبہ کہا کرتے تھے، جب اسلام میں اس دن کو مسلمانوں کے اجتماع کا دن متعین کیا گیا تو اس کو یوم الجمعہ کہا جانے لگا، سب سے پہلے عرب میں کعب بن لوی نے اس کا نام جمعہ رکھا، قریش اس روز جمع ہوتے اور کعب بن لوی خطبہ دیتے، یہ واقعہ آپ ﷺ کی پیدائش سے پانچ سو ساٹھ سال پہلے کا ہے، کعب بن لوی حضور ﷺ کے جد ابعد میں سے ہیں۔

اسلام سے پہلے ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لئے مخصوص کرنے اور اس کو شعار ملت قرار دینے کا طریقہ اہل کتاب میں موجود تھا، یہودیوں کے یہاں اس غرض کے لئے سبت (ہفتہ) کا دن مقرر تھا، کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دی تھی، عیسائیوں نے اپنے آپ کو یہودیوں سے ممتاز کرنے کے لئے اپنا شعارِ ملت اتوار کو قرار دیا، اگرچہ اس کا کوئی حکم نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیا تھا اور نہ انجیل میں اس کا کوئی ذکر ہے، لیکن عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ صلیب پر جان دینے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی روز قبر سے نکل کر آسمان کی طرف گئے تھے، اسی وجہ سے بعد کے عیسائیوں نے اس دن کو اپنی عبادت کے لئے مقرر کرلیا، اور پھر ۳۲۱ء میں رومی سلطنت نے ایک حکم نامہ کے ذریعہ اس کو عام تعطیل کا دن قرار دیدیا، اسلام نے امتیاز کے لئے ان ملتوں کے شعار کو چھوڑ کر جمعہ کو شعار ملت قرار دیا ہے۔

نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ میں نُوْدِیَ سے جمعہ کی اذان مراد ہے وَذَرُوا الْبَیْعَ، بیع کو ترک کرنے کا مطلب ہر وہ کام ترک کرنا ہے جو سعی الی الجمعہ میں مخل ہو، اس لئے اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا، سونا، حتی کہ مطالعہ وغیرہ کرنا سب ممنوع ہیں۔

جمعہ کی اذان شروع میں صرف ایک ہی تھی، جو خطبہ کے وقت امام کے سامنے کہی جاتی ہے، آپ ﷺ اور ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے زمانہ تک ایک ہی اذان تھی، حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے زمانہ میں جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور مدینہ طیبہ کی آبادی دور دور تک پھیل گئی تو حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک اور اذان مسجد سے باہر اپنے مکان ''زوراء'' پر شروع کرادی، جس کی آواز پورے مدینہ میں پہنچنے لگی، صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ لہٰذا یہ اذان اجماع صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے ثابت ہوگئی جو ایک مستقل حجت ہے، بیع وشراء یا دیگر کاروبار میں مشغولیت جو خطیب کے روبرو اذان کے بعد حرام قرار دی گئی تھی اب وہ پہلی اذان سے شروع ہوگئی۔

شان نزول:

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً (الآیۃ) یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ ایک روز آپ ﷺ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ ضروریات زندگی کا سامان لے کر شام سے آگیا، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قافلہ ایک بہت بڑے تاجر دحیہ کلبی کا تھا، اطلاع عام کے لئے ڈھول وغیرہ بجوا کر عام منادی کرادی گئی، مدینہ میں ان دنوں خشک سالی تھی ہر شخص کو خورد ونوش کے سامان کی اشد ضرورت تھی جن میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی شامل تھے، اس اندیشہ کے پیش نظر کہ کہیں قافلہ کا سامان ختم ہو جائے جس کی وجہ سے ہم نہ پاسکیں آپ ﷺ کو خطبہ پڑھتا چھوڑ کر سوائے بارہ آدمیوں کے سب بازار میں چلے گئے، یہ روایت ابوداؤد نے مراسیل میں بیان فرمائی ہے، یاد رہے کہ اس وقت خطبہ جمعہ کے بعد ہوا کرتا تھا، جیسا کہ آج بھی عیدین کے بعد خطبہ ہوتا ہے، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی، اس وقت تک یہ معلوم نہ تھا کہ خطبۂ جمعہ لازمی اور ضروری ہے اس کے بعد جمعہ کا خطبہ جمعہ کی نماز سے پہلے ہونے لگا۔

بحمد اللہ تمّ

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْمُنَافِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً.

سورۂ منافقون مدنی ہے، گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا بِاَلْسِنَتِهِمْ عَلٰى خِلَافِ مَا فِي قُلُوْبِهِمْ نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ يَعْلَمُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ① فِيْمَا اَضْمَرُوْهُ مُخَالِفًا لِمَا قَالُوْهُ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً سُتْرَةً عَنْ اَمْوَالِهِمْ وَدِمَائِهِمْ فَصَدُّوْا بِهَا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اَيْ عَنِ الْجِهَادِ فِيْهِمْ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِكَ اَيْ سُوْءُ عَمَلِهِمْ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِاللِّسَانِ ثُمَّ كَفَرُوْا بِالْقَلْبِ اَيْ اسْتَمَرُّوْا عَلٰى كُفْرِهِمْ بِهٖ فَطُبِعَ خُتِمَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ بِالْكُفْرِ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③ الْاِيْمَانَ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ لِجَمَالِهَا وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ لِفَصَاحَتِهٖ كَاَنَّهُمْ مِنْ عِظَمِ اَجْسَامِهِمْ فِيْ تَرْكِ التَّفَهُّمِ خُشُبٌ بِسُكُوْنِ الشِّيْنِ وَضَمِّهَا مُّسَنَّدَةٌ ۭ مُمَالَةٌ اِلَى الْجِدَارِ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ تُصَاحُ كَنِدَاءٍ فِي الْعَسْكَرِ وَاِنْشَادِ ضَالَّةٍ عَلَيْهِمْ ۭ لِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الرُّعْبِ اَنْ يَنْزِلَ فِيْهِمْ مَا يُبِيْحُ دِمَائَهُمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ فَاِنَّهُمْ يُفْشُوْنَ سِرَّكَ لِلْكُفَّارِ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَهْلَكَهُمْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ④ كَيْفَ يُصْرَفُوْنَ عَنِ الْاِيْمَانِ بَعْدَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا مُعْتَذِرِيْنَ يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ عَطَفُوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ يُعْرِضُوْنَ عَنْ ذٰلِكَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ⑤ سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اِسْتَغْنٰى بِهَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑥ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لِاَصْحَابِهِمْ مِنَ الْاَنْصَارِ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ يَتَفَرَّقُوْا عَنْهُ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِالرِّزْقِ فَهُوَ الرَّازِقُ لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَغَيْرِهِمْ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ⑦ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اَيْ مِنْ غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ عَنَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ عَنَوْا بِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ الْغَلَبَةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑧ ذٰلِكَ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آپ ﷺ کے پاس جب منافق آتے ہیں تو اپنے دل کی بات کے برخلاف زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ ﷺ یقیناً اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں، اس بات میں جو یہ اپنے قول کے برخلاف (دل) میں چھپائے ہوئے ہیں ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے (یعنی) اپنی جان و مال کے لئے وِقایہ بنا رکھا ہے پس ان قسموں کے ذریعہ اللہ کے راستہ سے یعنی اس میں جہاد کرنے سے محفوظ ہو گئے ہیں بلاشبہ وہ کام جو یہ کر رہے ہیں بُرا ہے یہ یعنی ان کی بدعملی یہ ہے کہ وہ زبانی ایمان لائے پھر دل سے کافر ہو گئے یعنی اپنے کفر پر بدستور قائم رہے پس ان کے قلوب پر کفر کی وجہ سے مہر کر دی گئی ہے اب یہ ایمان کو سمجھتے نہیں ہیں جب آپ ﷺ انہیں دیکھیں تو آپ ﷺ کو ان کے جسم ان کی خوبصورتی کی وجہ سے خوشنما معلوم ہوں اور جب یہ باتیں کریں تو آپ ﷺ ان کے کلام کی طرف اس کی فصاحت کی وجہ سے (اپنا) کان لگائیں گویا کہ وہ جسموں کے عظیم ہونے اور ناسمجھ ہونے میں لکڑیاں ہیں دیوار کے سہارے لگائی ہوئی (خُشْبٌ) شین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ ہر اس آواز کو جو لگائی جاتی ہے اپنے خلاف سمجھتے ہیں یعنی ہر ندا کو مثلاً لشکر کے کوچ کے نداء اور گمشدہ کا اعلان، اس لئے کہ ان کے قلوب میں اس بات کی ہیبت ہے کہ کہیں ان کے بارے میں کوئی ایسا حکم نازل نہ ہو گیا ہو جو ان کے خون کو حلال کر دے، یہی حقیقی دشمن ہیں ان سے بچو یہ آپ ﷺ کے راز کافروں پر ظاہر کر دیتے ہیں، اللہ انہیں غارت کرے کہاں پھرے جا رہے ہیں؟ (یعنی) برہان قائم ہونے کے بعد ایمان سے کہاں پھرے جا رہے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے معذرت کرتے ہوئے کہ آؤ تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ استغفار کریں، تو اپنے سر مٹکاتے ہیں (لَوَّوْا) تشدید و تخفیف کے ساتھ، یعنی وہ سروں کو گھماتے ہیں، اور آپ ﷺ ان کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے اعراض کرتے ہیں حال یہ کہ وہ تکبر کر رہے ہوتے ہیں، ان کے حق میں آپ ﷺ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل سے مستغنی ہو گیا، اللہ ان کو ہرگز معاف نہ کرے گا اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے انصاری بھائیوں سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جو مہاجرین جمع ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کے پاس سے منتشر ہو جائیں، اور آسمانوں اور زمین کے رزق کے سب خزانے اللہ ہی کی ملک ہیں مہاجرین وغیرہ کا وہی رازق ہے لیکن یہ منافق سمجھتے نہیں ہیں، یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم غزوۂ بنی مصطلق سے لوٹ کر مدینہ پہنچ گئے تو عزت والا مراد اس سے انہوں نے خود کو لیا ہے ذلت والے کو مراد اس سے مومنین کو لیا، مدینہ سے نکال دے گا (سنو) عزت غلبہ تو صرف اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے اور مومنین کے لئے ہے لیکن یہ منافقین اس کو جانتے نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: سورۃُ الْمُنَافِقُوْنَ بعض نسخوں میں سورۃ المنافقین یاء کے ساتھ ہے۔

قِوْلَہٗ: اِذَا جَاءَ كَ الْمُنَافِقُوْنَ شرط ہے اور قَالُوْا نَشْهَدُ الخ جواب شرط ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ جواب شرط محذوف ہے اور قَالُوْا، اَلْمُنَافِقُوْنَ سے حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے "اِذَا جَاءَ كَ الْمُنَافِقُوْنَ حَالَ كَوْنِهِمْ قَائِلِيْنَ كَيْتَ وَ كَيْتَ فَلَا تَقْبَل مِنْهُمْ" فَلَا تَقْبَلْ مِنْهُمْ جواب شرط ہے۔

قِوْلَہٗ: نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ یہ جملہ قسم کے قائم مقام ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے مابعد پر لام داخل ہے، گو وہ جواب قسم ہے، اور نَشْهَدُ بمعنی نحلف ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نَشْهَدُ اپنے معنی ہی میں ہو اور مقصد اپنے اوپر سے نفاق کی تہمت کو دفع کرنا ہو۔

قِوْلَہٗ: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ، نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ اور وَاللّٰهُ يَشْهَدُ الخ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قِوْلَہٗ: جُنَّةٌ جیم کے ضمہ کے ساتھ یعنی ڈھال، وقایہ، جمع جُنَنٌ.

قِوْلَہٗ: بِاللِّسان، بِاَنَّهُمْ آمَنُوْا کے بعد بِاللِّسَانِ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: منافقین کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ ایمان لائے اس کے بعد کفر اختیار کیا حالانکہ وہ سرے سے ایمان ہی نہیں لائے تو پھر ثُمَّ كَفَرُوْا کہنے کا کیا مقصد ہے؟

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ثُمَّ ترتیب اخباری کے لئے ہے نہ کہ ترتیب ایجادی کے لئے مطلب یہ ہے کہ لسانی طور پر ایمان لائے اور قلوب سے کفر اختیار کیا، لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔

قِوْلَہٗ: تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ.

سُوَالٌ: تَسْمَعْ کا صلہ لام نہیں آتا حالانکہ یہاں تَسْمَعُ کا صلہ لام استعمال ہوا ہے۔

جَوَابٌ: تَسْمَعُ، تَصْغٰى کے معنی کو متضمن ہے جس کی وجہ سے تسمع کا صلہ لام لانا درست ہے۔

قِوْلَہٗ: كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ اس میں دو وجہ ہیں اول یہ کہ یہ جملہ مستانفہ ہے، دوسری یہ کہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور وہ هُمْ ہے، ای هُمْ كَاَنَّهُمْ.

قِوْلَہٗ: فِي تَرْكِ التَّفَهُّمِ یہ وجہ شبہ کا بیان ہے، یعنی منافقوں کو ان لکڑیوں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جن کو دیوار سے لگا کر رکھ دیا گیا ہو، منافقین جن میں رأس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی شامل ہے آپ ﷺ کی مجلس میں آکر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے جسم و جثہ کے اعتبار سے لحیم شحیم تھے اور شکل وصورت میں بھی شکیل و جمیل تھے مگر دین کی کچھ بھی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے، یعنی جس طرح دیوار سے لگی لکڑی فی الوقت مفید و کارآمد نہیں ہوتی اسی طرح یہ لوگ بھی علم و نظر سے خالی تھے۔ (صاوی ملخصًا)

قِوْلَہٗ: يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ، كُلَّ صَيْحَةٍ، يَحْسَبُوْنَ کا مفعول بہ اول ہے اور عَلَيْهِمْ مفعول بہ ثانی ہے ای

كَائِنَةً عَلَيْهِمْ.

قَوْلُهُ: تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ، تَعَالَوْا اور يَسْتَغْفِرُ، رَسُوْلُ اللّٰهِ میں تنازع کر رہے ہیں، تَعَالَوْا مفعول چاہتا ہے اور يَسْتَغْفِرُ فاعل چاہتا ہے، بصریین کے مذہب کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیکر اول کیلئے مفعول محذوف مان لیا گیا ہے ای تَعَالَوْا اِلَيْهِ.

قَوْلُهُ: لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ، اِذَا کا جواب ہے۔

قَوْلُهُ: لَوَّوْا صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعیل سے، مصدر تَلْوِيَةً. لَيٌّ مادہ ہے گھمانا، مٹکانا وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر وتشریح

سورۂ منافقون کے نزول کا مفصل واقعہ:

جو واقعہ اس سورت کے نزول کا سبب بنا، وہ غزوۂ مریسیع جس کو غزوۂ بنی مصطلق بھی کہتے ہیں کے موقع پر پیش آیا تھا، جو محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق شعبان ٦ ھ میں اور قتادہ اور عروہ کی روایت کے مطابق ٢ رشعبان سن ٥ ھ میں پیش آیا حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ سعد بن معاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا اس غزوہ میں شریک ہونا صحیح بخاری میں مذکور ہے اور روایات صحیحہ اور احادیث معتبرہ سے یہ ثابت ہے کہ سعد بن معاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے غزوۂ خندق سے فارغ ہو کر غزوۂ بنی قریظہ کے زمانہ میں وفات پائی جو سن ٥ ھ میں ہوا ہے پس اگر غزوۂ مریسیع سن ٦ ھ میں غزوۂ بنی قریظہ کے ایک سال بعد مانا جائے تو سعد بن معاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی اس میں شرکت کیسے ممکن ہو سکتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سن ٥ ھ کی روایت صحیح ہے۔

غزوۂ مریسیع کا سبب:

رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ قبیلۂ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بہت سی فوج جمع کر رکھی ہے اور حملہ آور ہونے کی تیاری میں ہے آپ ﷺ نے اس خبر کی تصدیق کیلئے بریدہ بن حصیب اسلمی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو روانہ فرمایا، بریدہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آ کر خبر کی تصدیق کی، آپ ﷺ نے صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو خروج کا حکم دیا، صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ فوراً تیار ہو گئے، تیس گھوڑے ہمراہ لئے جن میں سے دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے، اس مرتبہ مالِ غنیمت کی طمع میں منافقین کی بھی ایک بڑی تعداد ہمراہ ہو گئی تھی آپ ﷺ نے مدینہ میں زید بن حارثہ کو نائب مقرر فرمایا اور ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور ام المومنین ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو ساتھ لیا اور ٢ ر شعبان دوشنبہ سن ٥ ھ کو مریسیع کی طرف روانہ ہوئے۔

مریسیع ایک چشمہ یا تالاب کا نام ہے، اسی مقام پر بنی مصطلق سے مقابلہ ہوا آپ ﷺ نے تیز رفتاری کے ساتھ چل کر اچانک ان پر حملہ کر دیا اس وقت وہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے، اُن کے دس آدمی مقتول ہوئے اور باقی مرد عورت، بچے، بوڑھے سب گرفتار کر لئے گئے، دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں ہاتھ آئیں دو سو گھرانے قید ہوئے، انہیں قیدیوں میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں، مالِ غنیمت کی تقسیم کے نتیجے میں جویریہ ثابت بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے حصے میں آئیں ثابت بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کو ایک بڑی رقم کے عوض مکاتبہ بنا دیا۔

حضرت جویریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بدل کتابت کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس مالی تعاون کے لئے آئیں اور صورت حال بتاتے ہوئے عرض کیا کہ: میں سردار بنی مصطلق حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں، میری اسیری کا حال آپ ﷺ پر مخفی نہیں، میں تقسیم میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں، انہوں نے مجھے مکاتبہ بنا دیا ہے اب میں بدل کتابت میں آپ سے مدد کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تم کو اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں اگر تم پسند کرو، وہ یہ کہ تمہاری طرف سے بدل کتابت کی رقم میں ادا کر دوں اور آزاد کر کے تم کو اپنی زوجیت میں لے لوں، حضرت جویریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا میں اس پر راضی ہوں۔

(سیرت المصطفی، رواہ ابو داؤد)

ادھر جویریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے والد حارث بن ابی ضرار، عبداللہ بن زیاد کی روایت کے مطابق بہت سے اونٹ لے کر مدینہ حاضر ہوئے تاکہ زر فدیہ دے کر اپنی بیٹی جویریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو آزاد کرا لائیں، نہایت عمدہ قسم کے دو اونٹ جو نہایت پسندیدہ تھے ایک گھاٹی میں چھپا دیئے مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور وہ اونٹ آپ ﷺ کی خدمت میں اپنی بیٹی کے زرِ فدیہ کے طور پر پیش کئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا آئے ہو؟ حارث نے کہا؟ "اَشْهَدُ اَنَّكَ رسول اللّٰه" میں گواہی دیتا ہوں بے شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اللہ کے سوا اس کا کسی کو علم نہ تھا اللہ ہی نے آپ ﷺ کو اس سے مطلع کر دیا۔

الغرض آپ ﷺ نے حضرت جویریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا، صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو جب یہ معلوم ہوا تو بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے دامادی رشتہ دار ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت المصطفیٰ)۔

ایک ناخوشگوار واقعہ:

ابھی مسلمانوں کا لشکر چشمہ مریسیع پر ہی تھا کہ ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا، جو کہ پانی کے چشمے پر ایک مہاجر جن کا نام جہجاہ تھا اور ایک انصاری جن کا نام سنان بن وبرہ تھا کے درمیان پیش آیا تھا، صورت واقعہ کی یہ ہوئی کہ جہجاہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے

ملازم تھے جوان کے گھوڑے کی نگہداشت کرتے تھے، ان کے اور سنان کے درمیان پانی کے سلسلے میں چہ می گوئیاں ہوگئیں اور بات زیادہ بڑھ گئی حتی کہ ہاتھا پائی کی نوبت آ گئی جہجاہ مہاجری نے انصاری کے ایک طمانچہ یا لات ماردی، مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو انصاری نے اپنی مدد کے لئے انصار کو آواز دی، دونوں طرف سے کچھ لوگ جمع ہو گئے قریب تھا کہ باہم مسلمانوں میں ایک فتنہ کھڑا ہو جائے جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ فوراً موقع پر پہنچے اور سخت ناراضی کے ساتھ فرمایا "مَا بَالُ دَعْوَى الجَاهِلِية" یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے؟ اور آپ ﷺ نے فرمایا "دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مُنْتِنَةٌ" اس نعرہ کو چھوڑ دو یہ بدبودار نعرہ ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرنی چاہئے خواہ ظالم ہو یا مظلوم، مظلوم کی مدد کرنا تو ظاہر ہے، اور ظالم کی مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے کیونکہ اس کی حقیقی مدد یہی ہے۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سنتے ہی جھگڑا ختم ہو گیا، تحقیق سے زیادتی جہجاہ مہاجری کی ثابت ہوئی، عبادہ بن صامت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سمجھانے سے سنان بن وبرہ نے اپنا حق معاف کر دیا، اور دونوں جھگڑنے والے پھر آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

عبداللہ بن اُبی کی شرارت

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس غزوہ میں مال غنیمت کی طمع میں بہت سے منافق اور خود عبداللہ بن اُبیّ ابن سلول بھی شریک ہو گیا تھا، عبداللہ بن اُبیّ نے موقع کو غنیمت سمجھا اور مسلمانوں میں نااتفاقی پیدا کرنے اور فتنہ برپا کرنے کی پوری کوشش کی، اور اپنی مجلس میں جس میں منافقین جمع تھے اور مومنین میں سے صرف زید بن ارقم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ موجود تھے اس وقت حضرت زید کم عمر تھے عبداللہ بن اُبیّ نے مجلس میں انصار کو مہاجرین کے خلاف بھڑکایا، اور کہنے لگا تم نے ان کو اپنے وطن میں بلا کر اپنے سروں پر مسلط کیا اپنے اموال اور جائداد ان کو تقسیم کر کے دے دیئے، یہ تمہاری ہی روٹیوں پر پلے ہوئے اب تمہارے ہی مقابلہ پر آ گئے ہیں اس کی مثال: سمّن كلبك يا كلك ہے "اگر تم نے اب بھی اپنے انجام کو نہ سمجھا تو آگے یہ تمہارا جینا مشکل کر دیں گے" اس لئے تمہیں چاہئے کہ آئندہ ان کی مالی مدد نہ کرو جس سے یہ خود منتشر ہو جائیں گے، اور اب تمہیں چاہئے کہ جب تم مدینہ پہنچ جاؤ تو عزت والا ذلت والوں کو نکال دے، اس نے عزت والے سے خود کو مراد لیا اور ذلت والوں سے مراد مسلمانوں کو لیا، حضرت زید بن ارقم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب اس کا یہ کلام سنا تو فوراً بول پڑے کہ واللہ تو ہی ذلیل وخوار ومبغوض ہے، عبداللہ بن اُبیّ کو جب محسوس ہوا کہ میرا نفاق ظاہر ہو جائے گا تو باتیں بنانے لگا اور حضرت زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کہنے لگا کہ میں نے تو یہ بات یوں ہی ہنسی مذاق میں کہہ دی تھی۔

حضرت زید بن ارقم عبداللہ منافق کی مجلس سے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا، رسول اللہ ﷺ پر یہ خبر شاق گذری، زید بن ارقم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کم عمر صحابی تھے، آپ ﷺ نے فرمایا اے لڑکے تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو؟ زید بن ارقم نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے یہ الفاظ خود اپنے کانوں سے سنے ہیں، آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہیں تم کو شبہ تو نہیں ہو گیا؟ مگر زید نے پھر وہی جواب دیا، پھر اس بات کا پورے لشکر میں چرچا ہونے لگا۔

جب حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو عبداللہ بن اُبَیّ کی گستاخی اور فتنہ پردازی کا علم ہوا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ! اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر! اس کا انجام کیا ہوگا؟ لوگوں میں یہ شہرت دی جائے گی کہ میں اپنے اصحاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو قتل کردیتا ہوں؟ اس لئے آپ ﷺ نے عبداللہ منافق کے قتل سے عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو روک دیا، اس واقعہ کی خبر جب عبداللہ بن اُبَیّ منافق کے صاحبزادے عبداللہ بن عبداللہ مومن کو ہوئی تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اگر آپ ﷺ کا ارادہ اس گفتگو کے نتیجے میں میرے والد کو قتل کرنے کا ہے؟ تو آپ ﷺ اجازت دیجئے میں اپنے باپ کا سر قبل اس کے کہ آپ ﷺ اپنی مجلس سے اٹھیں آپ کی خدمت میں پیش کردوں، آپ ﷺ نے فرمایا میرا ارادہ اس کو قتل کرنے کا نہیں ہے اور نہ میں نے کسی کو اس کا حکم دیا۔

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عام عادت کے خلاف بے وقت سفر کرنے کا اعلان عام فرمادیا اور آپ ﷺ بھی اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہوگئے، جب عام صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ روانہ ہوگئے تو آپ ﷺ نے عبداللہ منافق کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ کیا تم نے ایسا کہا ہے؟ عبداللہ منافق قسم کھا گیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا یہ لڑکا زید بن ارقم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جھوٹا ہے، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے عبداللہ منافق کا عذر قبول فرمالیا اور زید بن ارقم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنی رسوائی کے سبب لوگوں سے چھپے رہنے لگے۔

آپ ﷺ پورے دن اور پوری رات اپنی عادت کے برخلاف سفر کرتے رہے، جب دھوپ تیز ہوگئی تو آپ ﷺ نے ایک جگہ قافلہ کو ٹھہرنے کا حکم فرمایا، قافلہ مسلسل شب وروز چلنے کی وجہ سے چونکہ تھکا ہوا تھا فوراً منزل پر اترتے ہی محوخواب ہوگیا۔

ادھر زید بن ارقم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بار بار آنحضرت ﷺ کے قریب آتے تھے کیونکہ ان کو پورا یقین تھا کہ اس شخص عبداللہ منافق نے مجھے پوری قوم میں جھوٹا ثابت کرکے رسوا کیا ہے اللہ تعالیٰ ضرور میری تصدیق اور اس شخص کی نکیر میں قرآن نازل فرمائے گا، اچانک زید بن ارقم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دیکھا کہ آپ ﷺ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو وحی کے وقت ہوتی تھی تو زید سمجھ گئے کہ اس بارے میں ضرور کوئی وحی نازل ہوئی ہوگی، جب آپ ﷺ کی یہ کیفیت رفع ہوئی تو زید بن ارقم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہی فرماتے ہیں کہ میری سواری چونکہ آپ ﷺ کی سواری کے قریب تھی آپ ﷺ نے اپنی سواری ہی پر سے میرا کان پکڑا اور فرمایا، یَا غلام! صَدَّقَ اللّٰہ حَدِیْثَكَ اور پوری سورۃ المنافقون عبداللہ بن اُبَیّ کے بارے میں نازل ہوئی۔ (معارف)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ تُشْغِلْكُم اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ الصَّلَوَاتِ الخَمْسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَنْفِقُوْا فِي الزَّكَاةِ مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ بِمَعْنَى هَلَّا اَوْ لَا زَائِدَةٌ وَلَوْ لِلتَّمَنِّي اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ بِإِدْغَامِ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الصَّادِ اَتَصَدَّقُ بِالزَّكوٰةِ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾ بِاَنْ اَحُجَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَا قَصَرَ اَحَدٌ فِي الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ اِلَّا

سأَلَ الرَّجْعَةَ عِندَ المَوتَ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١١﴾ بِالتَّاءِ واليَاءِ.

تَرْجَمَہ: اے مسلمانو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر پنج وقتہ نماز سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کریں وہ بڑے زیاں کاروں میں ہیں اور جو کچھ ہم نے تم کو دے رکھا ہے اس میں سے زکوٰۃ میں خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو کہنے لگے اے میرے پروردگار! تو کس لئے مجھے تھوڑی دیر کی مہلت نہیں دیتا؟ (لَولَا) بمعنی هَلَّا یا لَا زائدہ ہے، اور لَو تمنی کے لئے ہے کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں، کہ حج کروں، (فَاَصَّدَّقَ) تاء کو اصل میں صاد میں ادغام کر کے، یعنی زکوٰۃ ادا کروں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، کسی نے حج وزکوٰۃ میں کوتاہی نہیں کی مگر یہ کہ اس نے موت کے وقت (دنیا میں) واپسی کا سوال نہ کیا ہو، اور جب کسی کا وقتِ مقرر آجاتا ہے پھر اس کو اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی واقف ہے یاء اور تاء کے ساتھ۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: اَنْ يَأْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ، ای اَمَارَاتُهٗ، وُمُقَدِّمَاتُهٗ مضاف محذوف ہے اس لئے کی موت کے بعد کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

قِوْلُہٗ: لَوْلَا، بمعنی هَلَّا یعنی لولا تحضیضیہ ہے جو کہ ماضی کے ساتھ خاص ہے مگر معنی میں مضارع کے ہے جیسا کہ یہاں مناسب یہ ہے کہ لَوْلَا التماس، دعاء، عرض، گذارش کے معنی میں ہو، اس لئے کہ لَوْلَا تحضیضیہ کا یہاں کوئی موقع نہیں ہے دوسری صورت یہ کہ لَوْلَا میں لَا زائدہ ہو اور لَوْ بمعنی تمنا ہو، ای لَيْتَكَ اَخَّرْتَنِيْ.

قِوْلُہٗ: اَجَلٍ قَرِيْبٍ، ای زمانٍ قليلٍ.

قِوْلُہٗ: واَكُنْ (ن) سے، اصل میں اَكُوْنَ تھا مصحف عثمانی کے رسم الخط کے مطابق بغیر واؤ کے لکھا گیا ہے ورنہ اَكُوْنَ ہونا چاہئے، تلفظ میں دونوں صورتیں جائز ہیں واؤ اور حذفِ واؤ کے ساتھ اور اس کو فَاَصَّدَّقَ پر عطف کرتے ہوئے نصب ہوگا اور محل فَاَصَّدَّقَ پر عطف ہونے کی وجہ سے حذف واؤ اور جزم ہوگا، فَاَصَّدَّقَ اصل میں فَاَتَصَدَّقَ تھا جمہور نے تاء کو صاد میں ادغام کر کے پڑھا ہے اور یہ جوابِ تمنی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوْلُہٗ: وَلَنْ يُّؤخِرَ اللّٰهُ نَفْسًا یہ جملہ مستانفہ ہے جو کہ سوال مقدر کا جواب ہے تقدیر عبارت یہ ہے هَلْ يُؤَخَّرُ هٰذَا لِلتَّمنِّيْ، فقال، وَلَنْ يُّؤخِرَ اللّٰهُ نَفْسًا الخ.

تفسیر وتشریح

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یہاں تمام ان لوگوں سے خطاب ہے جو دائرۂ اسلام میں داخل ہوں قطع نظر اس سے کہ سچے مومن ہوں یا محض زبانی اقرار کرنے والے، اس عام خطاب کے ذریعہ ایک کلمہ نصیحت ارشاد فرمایا جا رہا ہے یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ قرآن مجید میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے ذریعہ کبھی تو سچے اہل ایمان کو خطاب کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے مخاطب منافقین ہوتے ہیں؛ کیونکہ وہ زبانی اقرار کرنے والے ہوتے ہیں اور کبھی بالعموم ہر طرح کے مسلمان اس سے مراد ہوتے ہیں، کلام کا موقع ومحل بتا دیتا ہے کہ کہاں کونسا گروہ مراد ہے؟

اس سورت کے پہلے رکوع میں منافقین کی جھوٹی قسموں اور ان کی سازشوں کا ذکر تھا اور ان سب کا مقصد دنیا کی محبت سے مغلوب ہونا تھا، اسی وجہ سے ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرتے تھے کہ مسلمانوں کی زد سے بچے رہیں اور مالِ غنیمت سے حصہ بھی ملے، اس دوسرے رکوع میں خطاب مخلص مومنین کو ہے جس میں ان کو ڈرایا گیا ہے کہ دنیا کی محبت میں ایسے مدہوش اور غافل نہ ہو جائیں جیسے منافقین ہو گئے، دنیا کی سب سے بڑی دو چیزیں ہیں جو انسان کو اللہ سے غافل کرتی ہیں، مال اور اولاد، اس لئے خاص طور پر ان کا نام لیا گیا ہے ورنہ مراد اس سے پوری متاع دنیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مال واولاد کی محبت تم پر اتنی غالب نہ آجائے کہ تم اللہ کے بتلائے ہوئے احکام وفرائض سے غافل ہو جاؤ اور اللہ کی قائم کردہ حدود کی پروانہ کرو، منافقین کے ذکر کے فوراً بعد اس تنبیہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ منافقین کا شیوہ اور کردار ہے جو انسان کو خسارہ میں ڈال دیتا ہے، اہل ایمان کا کردار اس کے برعکس ہوتا ہے، وہ یہ کہ وہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھتے ہیں یعنی اس کے احکام کی پابندی اور حلال وحرام کے درمیان تمیز کرتے ہیں۔

فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب تھی اور ادا نہیں کی یا حج فرض تھا مگر نہیں کیا، وہ موت سامنے آجانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس کی تمنا کرے گا کہ میں پھر دنیا کی طرف لوٹ جاؤں یعنی موت میں کچھ مہلت مل جائے تاکہ میں صدقہ خیرات کرلوں اور فرائض سے سبکدوش ہو جاؤں، مگر حق تعالیٰ شانہٗ نے اگلی آیت لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ (الآیۃ) میں بتلا دیا کہ موت کے آجانے کے بعد کسی کو مہلت نہیں دی جاتی یہ تمنائیں لغو اور فضول ہیں۔ (معارف)

بحمد اللہ تعالیٰ

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِي عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سُوْرَةُ التَغابُنِ مَكِيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَمانِى عَشَرَةَ اٰيَةً.

سورۂ تغابن مکی ہے یا مدنی ہے، اٹھارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يُنَزِّهُهُ فَاللَّامُ زَائِدَةٌ وَاُتِىَ بِمَا، دُونَ مَنْ تَغْلِيبًا لِلْاَكْثَرِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ فِى اَصْلِ الْخِلْقَةِ ثُمَّ يُمِيتُهُم وَيُعِيدُهُم عَلٰى ذٰلِكَ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ اِذْ جَعَلَ شَكْلَ الْآدَمِيِّ اَحْسَنَ الْاَشْكَالِ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④ بِمَا فِيهَا مِنَ الْاَسْرَارِ وَالْمُعْتَقَدَاتِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ نَبَؤُا خَبَرُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ عُقُوبَةَ كُفْرِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْآخِرَةِ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤ مُؤلِمٌ ذٰلِكَ اَىْ عَذَابُ الدُّنْيَا بِاَنَّهُ ضَمِيرُ الشَّانِ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ الْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ عَلَى الْاِيمَانِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ اُرِيدَ بِهِ الْجِنْسُ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا عَنِ الْاِيمَانِ وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ عَنْ اِيمَانِهِم وَاللّٰهُ غَنِيٌّ عَنْ خَلْقِهِ حَمِيْدٌ ⑥ مَحْمُودٌ فِى اَفْعَالِهِ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ مُخَفَّفَةٌ وَاسْمُهَا مَحْذُوفٌ اَىْ اَنَّهُم لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الْقُرْآنِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑧ اُذْكُرْ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ يَغْبِنُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ بِاَخْذِ مَنَازِلِهِم وَاَهْلِيهِم فِى الْجَنَّةِ لَوْ اٰمَنُوا وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ وَفِى قِرَاءَةٍ بِالنُّونِ فِى الْفِعْلَيْنِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ الْقُرْآنِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑩ هِىَ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آسمانوں اور زمین میں جو بھی چیزیں ہیں

وہ اللہ کی تسبیح پا کی بیان کرتی ہیں لِلّٰہ میں لام زائدہ ہے اور مَنْ کے بجائے مَا کو لایا گیا ہے اکثر کو غلبہ دینے کے لئے، اسی کی سلطنت ہے اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس نے تم کو پیدا کیا، سو تم میں سے بعضے تو اصل خلقت میں کافر ہیں اور بعضے مومن پھر وہ اس کے مطابق تم کو موت دے گا، اور لوٹائے گا، اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھ رہا ہے، اسی نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا اور اسی نے تمہاری صورتیں بنائی، اور بہت اچھی بنائیں، اس لئے کہ اس نے انسانی شکل کو سب شکلوں میں بہتر بنایا، اور اسی کی طرف لوٹنا ہے، وہ آسمان اور زمین کی ہر ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور جو تم چھپاؤ اور جو تم ظاہر کرو، وہ اس کو جانتا ہے اور اللہ تو دلوں کے رازوں یعنی اسرار و معتقدات کو بھی جانتا ہے اے کفار مکہ! کیا تمہارے پاس پہلے کافروں کی خبریں نہیں پہنچیں؟ جنہوں نے اپنے اعمال کا وبال یعنی کفر کا انجام دنیا میں چکھ لیا اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے یہ یعنی دنیا کا عذاب اس لئے ہے کہ ان کے پاس (بِاَنَّهٗ) میں ضمیر شان ہے ان کے رسول ایمان پر دلالت کرنے والی واضح دلیلیں لے کر آئے، تو انہوں نے کہہ دیا کہ کیا انسان ہماری رہنمائی کرے گا؟ بشر سے جنس بشر مراد ہے سو انکار کر دیا اور ایمان سے منہ پھیر لیا اور اللہ نے بھی ان کے ایمان سے بے نیازی کی، اللہ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے، وہ اپنے افعال میں محمود ہے ان کافروں نے خیال کیا کہ دوبارہ ہرگز نہ اٹھائے جائیں گے، اَنْ مخففہ من الثقیلہ ہے اس کا اسم محذوف ہے ای اَنَّھُمْ، آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں؟ میرے رب کی قسم! تم دوبارہ ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر تمہیں تمہارے کئے ہوئے اعمال کی خبر دی جائے گی اور اللہ کے لئے یہ بالکل آسان ہے سو تم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور نور یعنی قرآن پر جس کو ہم نے نازل کیا ہے ایمان لے آؤ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے اس دن کو یاد کرو جس دن تم کو جمع کرنے کے دن یعنی قیامت کے دن جمع کریگا وہی دن ہے ہار جیت کا مومنین کافروں کو ہرا دیں گے جنت میں ان کے گھروں کو اور ان کے اہل کو لے کر، اگر وہ ایمان لاتے اور جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور نیک اعمال کئے اللہ اس کی برائیاں دور کریگا اور اس کو ایسی جنت میں داخل کرے گا جس میں نہریں جاری ہوں گی اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں قرآن کو جھٹلایا یہی لوگ جہنمی ہیں، جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ ان کا بُرا ٹھکانہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سورۂ تغابن مکی ہے سوائے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ الخ کے یہ آیت مدینہ میں عوف بن مالک کے بارے میں نازل ہوئی۔

قَوْلُهٗ: لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ دونوں میں جار مجرور کو حصر کے لئے مقدم کیا گیا ہے اس لئے کہ حقیقی ملک اور حقیقی حمد اللہ ہی کی ہے، اگرچہ مجازی طور پر غیر اللہ کی بھی ملک وحمد ہوتی ہے۔

قَوْلُهٗ: وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یہ ماقبل کی دلیل کے طور پر ہے۔

قَوْلَهُ: ثُمَّ يُمِيْتُهُمْ وَيُعِيْدُهُمْ اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے اس لئے کہ موقع يُمِيْتُكُمْ وَيُعِيْدُكُمْ کا ہے۔

قَوْلَهُ: فَذَاقُوْا اس کا عطف كَفَرُوْا پر ہے، یہ عطف مسبب علی السبب کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ کفر، ذوق وبال کا سبب ہے۔

قَوْلَهُ: وَبَال ثقل، شدت، اعمال کی سخت سزا (كَرُمَ) سے۔

قَوْلَهُ: أُرِيْدَبِهِ الجنس اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بَشَرٌ اور يَهْدُوْنَنَا میں مطابقت ثابت کرنا ہے یا کہا جاسکتا ہے کہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: سوال یہ ہے کہ يَهْدُوْنَنَا کی ضمیر بَشَرٌ کی طرف راجع ہے حالانکہ مرجع مفرد ہے اور ضمیر جمع ہے۔

جَوَاب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ بَشَرٌ سے جنس بشر مراد ہے لہٰذا بشر میں جمعیۃ کے معنی موجود ہیں جس کی وجہ سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلَهُ: زَعَمَ، متعدی بدو مفعول ہے اور لَنْ يُبْعَثُوْا قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

قَوْلَهُ: فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ یہ مکہ کے کافروں سے خطاب ہے اور فاء جواب شرط پر واقع ہے، اور شرط محذوف ہے اَیْ اِذَا كَانَ الْاَمْرُ كذالك فَآمنوا.

تفسیر وتشریح

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ آسمان اور زمین کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہر نقص وعیب سے تنزیہ اور تقدیس بیان کرتی ہے، زبان حال سے بھی اور زبان قال سے بھی۔

لَهُ الملكُ ولهُ الْحمد (الآية) یہ پوری کائنات اسی کی سلطنت میں ہے اگر کسی کو کوئی اختیار حاصل بھی ہے تو وہ اسی کا عطا کردہ ہے جو عارضی ہے، اگر کسی کے پاس کچھ حسن وکمال ہے تو اسی کے مبدأ فیض کی کرم گستری کا نتیجہ ہے جب چاہے سلب کرسکتا ہے اس لئے اصل تعریف کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ انسان کے لئے خیر وشر، نیکی وبدی اور کفر وایمان کے راستوں کی وضاحت کے بعد اللہ نے انسان کو ارادہ واختیار کی جو آزادی بخشی ہے اسی کی رو سے کسی نے کفر کا اور کسی نے ایمان کا راستہ اپنایا ہے اس نے کسی پر جبر نہیں کیا، اگر وہ جبر کرتا تو کوئی شخص بھی کفر ومعصیت کا راستہ اختیار کرنے پر قادر نہ ہوتا، لیکن اس طرح انسان کی آزمائش ممکن نہیں تھی، جب کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت انسان کو آزمانا تھا "اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا !؟" (سورۃ الملک) لہٰذا جس طرح کافر کا خالق اللہ ہے، کفر کا خالق بھی اللہ ہے لیکن یہ کفر اس کافر کا عمل وکسب ہے، جس نے اسے اپنے ارادے سے اختیار کیا ہے، اسی طرح مومن اور مومن کے ایمان کا خالق

بھی اللہ ہی ہے لیکن ایمان اس مومن کا کسب و عمل ہے جس نے اسے اختیار کیا ہے اور اس کسب و عمل پر دونوں کو ان کے عملوں کے مطابق جزا و سزا ملے گی کیونکہ وہ سب کے عمل کو دیکھ رہا ہے۔

انسانوں کی صرف دو ہی قسمیں ہیں:

قرآن حکیم نے انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے، کافر اور مومن، جس سے معلوم ہوا کہ اولاد آدم سب ایک برادری ہے اور دنیا کے پورے انسان اس برادری کے افراد ہیں، اس برادری کو دو گروہوں میں تقسیم کرنے والی چیز صرف کفر ہے جو شخص کافر ہو گیا اس نے انسانی برادری کا رشتہ توڑ دیا، اس طرح پوری دنیا میں انسانوں میں تحزب اور گروہ بندی صرف ایمان و کفر کی بنا پر ہو سکتی ہے، رنگ اور زبان، نسب و خاندان، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز ایسی نہیں کہ جو انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے، ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں اور علاقوں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہو جاتے، اختلاف رنگ و زبان وطن و ملک کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی ہی ہوتے ہیں، کوئی سمجھدار انسان ان کو مختلف گروہ قرار نہیں دے سکتا۔ (معارف)

بدبودار نعرہ:

ایک مرتبہ پانی کے معاملہ میں ایک انصاری اور مہاجر کے درمیان جھگڑا ہو گیا، نوبت زبانی تکرار سے بڑھ کر، ہاتھا پائی تک پہنچ گئی انصاری نے انصار کو اور مہاجر نے مہاجرین کو مدد کے لئے پکارا، دونوں طرف سے لوگ جمع ہو گئے مسلمانوں میں فتنہ برپا ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا، جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ موقع پر تشریف لے گئے اور سخت ناراضی کے ساتھ فرمایا ''مَا بَالُ دعوی الجاهلية'' یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے؟ اور آپ ﷺ نے فرمایا ''دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مُنْتِنَةٌ'' اس نعرہ کو چھوڑ دو یہ بدبودار ہے۔

وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور بہترین صورتیں بنائیں، صورت گری درحقیقت خالق کائنات کی ایک مخصوص صفت ہے، اسی لئے اسماء الٰہیہ میں اللہ تعالیٰ کا نام مُصَوِّرُ آیا ہے، غور کرو تو کائنات میں کتنی اجناس مختلفہ ہیں اور ہر جنس میں کتنی انواع مختلفہ ہیں کسی کی شکل صورت کسی سے نہیں ملتی، ایک انسان ہی کو لے لیجئے کہ انسانی چہرہ جو چھ سات مربع انچ سے زیادہ کا نہیں، اربوں انسانوں کا ایک ہی قسم کا چہرہ ہونے کے باوجود ایک کی صورت بالکلیہ دوسرے سے نہیں ملتی کہ پہنچانا دشوار ہو جائے، مذکورہ آیت میں انسان کی بہترین صورت گری کو بطور احسان ذکر فرمایا ہے یعنی شکل انسانی کو ہم نے تمام کائنات میں سب صورتوں سے زیادہ حسین بنایا ہے، کوئی انسان اپنی جماعت میں خواہ کتنا ہی بدشکل اور بدصورت کیوں نہ سمجھا جاتا ہو مگر باقی تمام حیوانات کی اشکال کے اعتبار سے وہ بھی حسین ہے ''فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الخالقين''۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التغابن قیامت کو ''یوم الجمع'' اس لئے کہا گیا ہے کہ اس دن اولین و آخرین ایک

ہی میدان میں جمع کئے جائیں گے، اور اس دن کو یوم التغابن، خسارہ کا یا ہار جیت کا دن، اس لئے کہا گیا ہے کہ اس دن ایک گروہ نقصان میں اور ایک گروہ فائدے میں رہے گا یا ایک گروہ جیت جائے گا اور دوسرا گروہ ہار جائے گا، اہل حق باطل پر، اہل ایمان اہل کفر پر اور اہل طاعت اہل معصیت پر سبقت لے جائیں گے، سب سے بڑی جیت اہل ایمان کو یہ حاصل ہوگی کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں ان گھروں کے بھی مالک بن جائیں گے جو جہنمیوں کے لئے تھے اگر وہ ایمان لاتے، اور سب سے بڑی ہار جہنمیوں کی ہوگی یہ کہ ان کے لئے جنت میں جو نعمتیں رکھی تھیں (اگر وہ ایمان لاتے) ان سے محروم ہو جائیں گے، جنتی بھی اپنا بایں معنی نقصان محسوس کریں گے کہ اگر وہ دنیا میں اور زیادہ نیک عمل کرتے تو ان کی نعمتوں میں اور زیادہ اضافہ ہوتا۔

مفلس کون ہے؟

صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے عرض کیا جس شخص کے پاس مال و متاع نہ ہو تو ہم اس کو مفلس سمجھتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت میں اپنے اعمال صالحہ نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ وغیرہ لیکر آئے گا مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کو مارا یا قتل کیا ہوگا، کسی کا مال غصب کیا ہوگا (تو یہ سب جمع ہوں گے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے) کوئی اس کی نماز لے جائے گا اور کوئی روزہ لے جائے گا تو کوئی زکوۃ اور دوسری حسنات لے جائے گا جب اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے، اور ان کا بدلہ چکا دیا جائے گا جس کا انجام یہ ہوگا کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ بقضائه **وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ** في قوله اِنَّ الْمُصِيبَةَ بقضائِه **يَهْدِ قَلْبَهٗ** للصَّبرِ عليها **وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٢﴾** البَيِّنُ **اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ** بِاَنْ تُطِيعُوهُمْ فِي التَخَلُّفِ عَنِ الْخَيرِ كَالْجِهَادِ وَالْهِجرَةِ فَاِنَّ سَبَبَ نُزُولِ الآيةِ الاِطَاعَةُ فِي ذٰلك **وَاِنْ تَعْفُوْا** عَنهُم فِي تَثْبِيطِهِمْ اِيَّاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ الْخَيرِ مُعْتَلِّينَ بِمَشَقَّةِ فِرَاقِكُمْ عَلَيهِمْ **وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ** لَكُمْ شَاغِلَةٌ عَنْ اُمُورِ الاٰخرة **وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾** فَلَا تَفُوتُوهُ بِاشْتِغَالِكُمْ بِالاَمْوَالِ وَالاَوْلَادِ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** ناسخةٌ لقوله اتقوا الله حقّ تُقاته **وَاسْمَعُوْا** ما اُمِرتُم به سَمَاعَ قَبُولٍ **وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا** فِي الطَاعَةِ **خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ** خَبَرُ يَكُنْ مُقَدَّرَةٍ جَوَابَ الاَمْرِ **وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٦﴾** الفَائِزُونَ **اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا** بِاَن تَتَصَدَّقُوا عَن طِيبِ قَلبٍ **يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ** وفي قِرَاءَةٍ يُضَعِّفْهُ بِالتَّشْدِيدِ بِالوَاحِدَةِ عَشرًا اِلٰى سَبْعِمِاءَةٍ وَاَكْثَرَ وَهُوَ التَصَدُّقُ عَنْ طِيبِ قَلبٍ

وَيَغْفِرْلَكُمْ مَا يَشَاءُ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ مُجَازٍ عَلَى الطَّاعَةِ حَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ فِي الْعِقَابِ عَلَى الْمَعْصِيَةِ عٰلِمُ الْغَيْبِ السِّرِّ وَالشَّهَادَةِ العَلَانِيَةِ الْعَزِيْزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾ فِي صُنْعِهِ.

ترجمہ: کوئی مصیبت قضاء الٰہی کے بغیر نہیں پہنچ سکتی جو اللہ پر اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ مصیبت تقدیر الٰہی ہی سے آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اس مصیبت پر صبر کی ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر شئ کا جاننے والا ہے (اے لوگو!) اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اگر تم روگردانی کروگے تو ہمارے رسولوں پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے، اللہ معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مومنوں کو چاہئے کہ اللہ پر بھروسہ کریں، اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے دشمن ہیں پس ان سے ہوشیار رہو کہ خیر سے پیچھے رہنے میں ان کی بات نہ مانو، مثلاً جہاد و ہجرت (وغیرہ میں) آیت کے نزول کا سبب اُن باتوں میں اطاعت کرنا ہے اور اگر تم ان کو اس خیر سے تم کو روکنے کو معاف کر دو حال یہ ہے کہ وہ تمہاری جدائی کی علت جدائی کی مشقت بیان کریں، اور درگذر کردو، اور معاف کردو تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، تمہارے مال اور تمہاری اولاد سراسر تمہاری آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے لہٰذا مال و اولاد میں مشغول ہو کر اس کو فوت نہ کرو جس قدر ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو یہ آیت اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ کے لئے ناسخ ہے، اور جس بات کا تم کو حکم کیا جائے اس کو تسلیم کرنے کے طور پر سنو اور اطاعت کرو اور اس کی اطاعت میں خرچ کرو، جو تمہارے لئے بہتر ہے (خَيْرًا) يَكُنْ مقدر کی خبر (اور جملہ ہو کر) انْفِقُوْا امر کا جواب ہے اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے، اگر تم اللہ کو اچھا قرض دوگے اس طریقہ پر کہ طیب خاطر سے خرچ کروگے تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا رہے گا اور ایک قراءت میں (يُضَعِّفْهُ) تشدید کے ساتھ صیغۂ افراد کے ساتھ ہے دس سے سات سو اور اس سے بھی زیادہ اور جو چاہے گا (تمہارے گناہ بھی) معاف فرمادے گا، اللہ بڑا قدردان ہے یعنی طاعت پر اجر دینے والا بردبار ہے معصیت پر سزا دینے میں، غائب اور حاضر کا جاننے والا ہے اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: مَا اَصَابَ مِنْ مُصِيْبَةٍ، اَصَابَ کا اَحَدًا مفعول بہ محذوف ہے اور مِنْ مُصِيْبَةٍ، مِنْ کی زیادتی کے ساتھ اَصَابَ کا فاعل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مَا اَصَابَ اَحَدًا مُصِيْبَةٌ.

قِوْلَهُ: فی قوله ای فی قول القائل.

قِوْلَهُ: فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ اس کی جزاء محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَلَا ضَيْرَ وَلَا بَأْسَ عَلٰى رَسُوْلِنَا.

قِوْلَهُ: فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا جزاء محذوف کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ، اللّٰہ مبتداء ہے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنْ تُطِیْعُوْھُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ مضاف محذوف ہے، یعنی اگر تمہاری ازواج اور اولاد کار خیر میں آڑے آئیں تو ان کی اطاعت سے اجتناب کرو، یہ آیت کہا گیا ہے کہ عوف بن مالک اشجعی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

قَوْلُہٗ: خَبَرُ یَکُنْ مُقَدَّرَۃٍ یعنی خَیْرًا، یکن مقدر کی خبر ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ فعل محذوف کا مفعول بہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی یؤتِکُمْ خَیْرًا اور یہی اَولیٰ ہے اس لئے کہ کَانَ اور اس کے اسم کا حذف مع بقاء الخبر، اِنْ اور لَوْ کے بعد اکثر ہوتا ہے، یکن اپنے اسم وخبر سے مل کر اَنْفِقُوْا امر کا جواب ہے۔

قَوْلُہٗ: شُحَّ بخل، حرص، یہ باب عَلِمَ وضَرَبَ کا مصدر ہے شُحَّ خاص طور سے ایسی بخیلی کو کہتے ہیں جو عادت بن گئی ہو۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

کہا گیا ہے کہ اس آیت کی نزول کا سبب کافروں کا یہ قول تھا کہ ”لَوْ کَانَ مَا عَلَیْہِ المسلمون حَقٌّ لصَانھُم اللّٰہ من المصائب فی الدنیا“ اگر مسلمانوں کا مذہب حق ہوتا، تو دنیا میں ان کو مصیبت اور تنگی نہ پہنچتی، (فتح القدیر) قلب کو مصیبت کے وقت ہدایت دینے کا یہ مطلب ہے کہ قلب یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ مصیبت اللہ ہی کی طرف سے ہے، جس کی وجہ سے اس پر صبر کرنا آسان ہوجاتا ہے اور بے ساختہ اس کے منہ سے ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ“ نکل جاتا ہے۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلیٰ رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ یعنی اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کروگے تو ہمارے رسول ﷺ کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اس کا کام تو صرف تبلیغ ہے، امام زہری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی فرماتے ہیں اللہ کا کام رسول بھیجنا ہے، رسول کا کام تبلیغ ہے، اور لوگوں کا کام تسلیم کرنا ہے۔

(فتح القدیر)

شان نزول:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ ترمذی، حاکم اور ابن جریر نے ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کیا ہے یہ آیت مکہ کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ایمان لے آئے تھے اور انہوں نے مدینہ ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کے بیوی بچے آڑے آئے اور روکنے کی کوشش کی، مگر وہ پھر بھی ہجرت کرکے مدینہ آپ ﷺ کی

خدمت میں پہنچ گئے وہاں جا کر لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے دین میں کافی تفقہ حاصل کرلیا ہے اس سے ان کو کار خیر میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے رنج ہوا تو انہوں نے اپنے بچوں کو جو کہ اس کار خیر میں حارج ہوئے تھے سزا دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ (روح المعانی)

اور عطاء بن ابی رباح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ عوف بن مالک اشجعی نے نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ کرنے کا ارادہ کیا، ان کے بیوی بچوں نے مل کر ان کو غزوہ میں جانے سے روک لیا اور جدائی کو اپنے لئے شاق اور ناقابل برداشت بتایا، بعد میں جب عوف بن مالک کو تنبہ اور ندامت ہوئی تو اپنے بیوی بچوں کو سزا دینے کا ارادہ کیا، اس سلسلہ میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی)

وَاِنْ تَعفُوا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ سابقہ آیت میں جن کے بیوی بچوں کو دشمن قرار دیا ہے، ان کو جب اپنی غلطی پر تنبہ ہوا تھا تو ارادہ کیا تھا کہ آئندہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ سختی اور تشدد کا معاملہ کریں گے اس پر آیت کے اس حصہ میں یہ ارشاد نازل ہوا کہ اگرچہ ان کے بیوی بچوں نے تمہارے لئے دشمن کا سا کام کیا ہے کہ تمہارے لئے فرض سے مانع ہوئے مگر اس کے باوجود ان کے ساتھ تشدد اور بے رحمی کا معاملہ نہ کرو بلکہ عفو ودرگذر اور معافی کا برتاؤ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت بھی مغفرت اور رحمت کی ہے۔ (معارف)

اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ یعنی تمہارے اموال اور اولاد جو تمہیں کسب حرام پر اکساتے اور اللہ کے حقوق ادا کرنے سے روکتے ہیں تمہاری آزمائش ہیں، پس اس آزمائش میں تم اس وقت سرخ رو ہو سکتے ہو جب کہ تم اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت نہ کرو مطلب یہ ہے کہ مال واولاد انسان کی آزمائش کا ذریعہ ہوتے ہیں، یہ دونوں چیزیں جہاں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں وہیں انسان کی آزمائش کا ذریعہ بھی ہیں۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدنِيَّةٌ ثَلَاثَ عَشرَةَ اٰيَةً.

سورۂ طلاق مدنی ہے، تیرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ **يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ** المُرَادُ اُمَّتُهٗ بِقَرِيْنَةِ مَا بَعْدَهٗ اَوْقُلْ لَهُمْ **اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ** اَرَدْتُّمُ الطَّلَاقَ **فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ** لِاَوَّلِهَا بِاَنْ يَكُوْنَ الطَّلَاقُ فِي طُهْرٍ لم تَمُسَّ فِيْهِ لِتَفْسِيْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ **وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ** اِحْفَظُوْهَا لِتُرَاجِعُوْا قَبْلَ فَرَاغِهَا **وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ** اَطِيْعُوْهُ فِي اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ **لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ** مِنْهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهُنَّ **اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ** زِنًا **مُّبَيِّنَةٍ** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا اي بُيِّنَتْ اَوْ بَيِّنَةٍ فَيُخْرَجْنَ لِاِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِنَّ **وَتِلْكَ** الْمَذْكُوْرَاتُ **حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①** مُرَاجَعَةً فِيْمَا اِذَا كَانَ وَاحِدَةً اَوْ ثِنْتَيْنِ **فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ** قَارَبْنَ انْقِضَاءَ عِدَّتِهِنَّ **فَاَمْسِكُوْهُنَّ** بِاَنْ تُرَاجِعُوْهُنَّ **بِمَعْرُوْفٍ** مِنْ غَيْرِ ضِرَارٍ **اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ** اُتْرُكُوْهُنَّ حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهُنَّ وَلَا تُضَارُّوْهُنَّ بِالْمُرَاجَعَةِ **وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ** عَلَى الرَّجْعَةِ او الفِرَاقِ **وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ** لا لِلْمَشْهُوْدِ عَلَيْهِ اوله **ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ڛ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ②** مِنْ كَرْبِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ **وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ** يَخْطُرُ بِبَالِهٖ **وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** فِي اُمُوْرِهٖ **فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ** كَافِيْهِ **اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ** مُرَادِهٖ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالْاِضَافَةِ **قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ** كَرُخَاءٍ وَشِدَّةٍ **قَدْرًا ③** مِيْقَاتًا **وَالّٰٓـِٔيْ** بِهَمْزَةٍ وَيَاءٍ وَبِلَا يَاءٍ فِي الْمَوْضِعَيْنِ **يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ** بِمَعْنَى الْحَيْضِ **مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ** شَكَكْتُمْ فِي عِدَّتِهِنَّ **فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ** لِصِغَرِهِنَّ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَالْمَسْئَلَتَانِ فِي غَيْرِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ، اما هُنَّ فَعِدَّتُهُنَّ ما في اٰيَةِ البَقَرَةِ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا **وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ** انْقِضَاءُ عِدَّتِهِنَّ مُطَلَّقَاتٍ او مُتَوَفّٰى عَنْهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ **اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ④** فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ **ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ فِي الْعِدَّةِ

أَمْرُ اللّٰهِ حُكْمُهٗ أَنْزَلَهٗٓ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ أَجْرًا ۝ أَسْكِنُوْهُنَّ اى الـمُطَلَّقَاتِ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ اى بَعْضَ مَسَاكِنِكُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ اى سَعَتِكُمْ عَطْفُ بَيَانٍ او بَدَلٌ مما قَبْلَهٗ بإعَادَةِ الْجَارِّ وَتَقْدِيرِ مُضَافٍ اى اَمْكِنَةِ سَعَتِكُم لَا مَا دُوْنَها وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۚ الـمَسَاكِنَ فَيَحْتَجْنَ اِلَى الْخُرُوْجِ اَو النَّفَقَة فَيَفْتَدِيْنَ مِنْكُمْ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ اَوْلَادَكُمْ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ ۚ عَلَى الارْضَاعِ وَأْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۚ بِجَمِيْلٍ فِي حَقِّ الْاَوْلَادِ بالتَّوَافُقِ عَلٰى اَجْرٍ مَعْلُوْمٍ عَلَى الْاِرْضَاعِ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ تَضَايَقْتُم فى الْاِرْضَاعِ فَامْتَنَعَ الْاَبُ مِنَ الْاُجْرَةِ والْاُمُّ مِنْ فِعْلِهٖ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ لِلْاَبِ أُخْرٰى ۝ وَلَا تُكْرَهُ الْاُمُّ عَلٰى اِرْضَاعِهٖ لِيُنْفِقْ عَلَى الْمُطَلَّقَاتِ وَالْمُرْضِعَاتِ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۖ وَمَنْ قُدِرَ ضُيِّقَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۚ اى عَلٰى قَدْرِهٖ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ وَقَدْ جَعَلَهٗ بِالْفُتُوْحِ۔

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے نبی! مابعد کے قرینہ سے مراد آپ کی امت ہے، یا اس کے بعد قل لَهُمْ محذوف ہے (اے نبی! آپ ﷺ مسلمانوں سے کہئے) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینے لگو یعنی طلاق دینا چاہو تو تم ان کو طلاق عدت کے شروع وقت میں دو اس طریقہ سے کہ طلاق ایسے طہر میں ہو کہ جس میں قربت (وطی) نہ کی ہو، آنحضرت ﷺ کے یہ تفسیر کرنے کی وجہ سے، (رواه الشيخان) اور تم عدت کو یاد رکھو تاکہ عدت پوری ہونے سے پہلے تم رجوع کرسکو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے اس کے امر و نہی میں اس کی اطاعت کرو ان عورتوں کو ان کے مسکن سے نہ نکالو اور نہ وہ خود اس سے نکلیں یہاں تک کہ ان کی عدت پوری ہو جائے، الا یہ کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کریں (زنا وغیرہ) یاء کے فتح اور کسرہ کے ساتھ یعنی ظاہر یا ظاہر کرنے والی ہوں تو ان پر حدود قائم کرنے کے لئے ان کو نکالا جائے، یہ مذکورہ سب اللہ کے مقرر کردہ احکام ہیں، جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تجھے کیا معلوم کہ شاید اللہ تعالیٰ اس طلاق کے بعد مراجعت کی صورت نکال دے اس صورت میں جب کہ طلاق ایک یا دو ہوں پھر جب وہ (مطلقہ) عورتیں اپنی عدت گذارنے کے قریب پہنچ جائیں یعنی ان کی عدت گذرنے کے قریب ہو جائے تو ان کو قاعدہ کے مطابق بغیر ضرر پہنچائے (رجعت کرکے) نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے مطابق ان کو رہائی دو یعنی ان کو چھوڑ دو کہ ان کی عدت پوری ہو جائے، اور (بار بار) رجعت کرکے ان کو ضرر نہ پہنچاؤ، رجعت یا فرقت پر آپس میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ بنالو اور تم ٹھیک ٹھیک بلا رو رعایت کے اللہ کے لئے گواہی دو اور تمہارا ارادہ کسی کو نہ فائدہ پہنچانے کا ہو اور نہ نقصان پہنچانے کا، اس مضمون سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے نجات کی شکل نکال دیتا ہے یعنی دنیا و آخرت کی تکلیف سے، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچا دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا یعنی

اس کے دل میں خیال بھی نہیں آتا، جو شخص اپنے کاموں میں اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اس کے لئے کافی ہے اللہ تعالیٰ اپنا کام یعنی مراد پوری کر کے رہتا ہے اور ایک قراءت میں اضافت کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ نے ہر شئ مثلاً فراخی اور شدت (تنگی) کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اور تمہاری وہ بیویاں جو حیض سے ناامید ہوگئی ہیں (وَالّٰئِی) میں ہمزہ اور یاء اور بلا یاء کے دونوں جگہ، اگر تم کو ان کی عدت کے بارے میں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے (اور اسی طرح) وہ عورتیں کہ جن کو صغرسنی کی وجہ سے حیض نہیں آیا تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہے مذکورہ دونوں مسئلے ان عورتوں کے ہیں کہ جن عورتوں کے شوہروں کی وفات نہ ہوئی ہو، اب رہی وہ عورتیں کہ جن کے شوہروں کی وفات ہوئی ہے تو ان عورتوں کی عدت وہ ہے جس کا ذکر "یَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا" میں ہے اور حاملہ عورتوں کی عدت خواہ مطلقات ہوں یا "مُتَوَفّٰی عَنْهُنَّ أَزْوَاجُهُنَّ" ہوں ان کے اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں دنیا و آخرت میں آسانی فرما دے گا عدت کے بارے میں جو مذکور ہوا یہ اللہ کا حکم ہے جو تمہارے پاس بھیجا ہے جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دور فرما دے گا اور اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا تم ان مطلقہ عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو یعنی اپنی گنجائش کے مطابق نہ کہ اس سے کم اور گھر میں ان پر تنگی کر کے ان کو تکلیف مت پہنچاؤ کہ وہ نکلنے یا نفقہ پر مجبور ہو جائیں کہ وہ تمہارے پاس سے چلی جائیں اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حاملہ ہوں تو بچہ کی ولادت ہونے تک ان کو خرچ دو پھر وہ عورتیں (مدت کے بعد) ان سے تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو تم ان کو دودھ پلائی کی اجرت دو اور آپس میں اولاد کے حق میں مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو دودھ پلائی کی اجرت معروفہ پر اتفاق کر کے اور اگر تم دودھ پلانے کے معاملہ میں باہم کشمکش (تنگی) کرو گے تو باپ اجرت دینے سے اور ماں دودھ پلانے سے رک جائیں گے تو باپ کے لئے کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی اور مطلقات اور مرضعات پر وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہئے، اور جس کو (اللہ نے) تنگ روزی بنایا ہو تو اس کو چاہئے کہ اللہ نے جتنا اس کو عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ تعالیٰ کسی کو اس سے زیادہ مکلف نہیں بناتا جتنا اس کو دیا ہے خدا تعالیٰ جلدی ہی تنگی کے بعد فراغت عطا فرمائے گا، اور بلا شبہ فتوحات کے بعد اس نے ایسا کر دیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: بِقَرِينَةِ ما بَعْدَهُ. مابعد سے مراد اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ ہے اس لئے کہ اس میں صیغہ جمع استعمال ہوا ہے جس سے مراد امت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خطاب آپ ﷺ ہی کو ہو اور طَلَّقْتُمْ جمع کا صیغہ بطور تعظیم لایا گیا ہو، اَوْ قُلْ لَهُمْ سے احتمال ثانی کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ: اَرَدْتُمُ الطَّلَاقَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا ازالہ ہے، شبہ ہوتا ہے کہ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ میں ترتب شئ علی نفسہٖ لازم آرہا ہے اور یہ تحصیل حاصل ہے جو محال ہے اس لئے کہ شئ کا حمل خود اپنے

او پر درست نہیں ہوتا، اس شبہ کو دفع کرنے کے لئے مفسر علام نے اردتم الطلاق کا اضافہ فرمایا، تاکہ ترتیب شئ علی نفسہ کا شبہ ختم ہو جائے۔

قولہ: لِاَوَّلِهَا، اَیْ فِی اَوَّلِ الْعِدَّةِ یعنی عدت کے اول وقت میں اور عدت کا وقت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طہر کا وقت ہے مطلب یہ ہے کہ اول طہر میں جس میں قربت نہ کی ہو طلاق دو، یہ تفسیر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کے مطابق ہے۔

قولہ: بُیِّنَتْ او بَیِّنَةٍ یہ مُبَیَّنَه بفتح الیاء اور بکسر الیاء کی قراءت کی تشریح ہے بُیِّنَتْ فتحہ کی صورت میں اور بَیِّنَةٍ کسرہ کی صورت میں۔

قولہ: احفظوھا، ای احفظوا وقت عِدَّتِهَا یعنی اس وقت کو یاد رکھو جس میں طلاق واقع ہوئی ہے۔

قولہ: ذٰلِکُمْ یُوْعَظُ بِهٖ، ای المذکور من اول السورة اِلٰی هُنَا.

قولہ: وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا یہ احکام نساء کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: وَفی قراءَةٍ بالْاِضَافَةِ، ای بالغ اَمْرِهٖ.

قولہ: وَاللَّائِی مبتداء ہے اور فَعِدَّتُهُنَّ اس کی خبر ہے۔

قولہ: اِنِ ارْتَبْتُمْ شرط ہے اور اس کا جواب محذوف ہے ای فَاعْلَمُوا اَنَّهَا ثلثة اَشْهر شرط اور جواب شرط جملہ معترضہ ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فَعِدَّتُهُنَّ جواب شرط ہو۔

قولہ: اُولَاتُ الْاَحْمَال مبتداء ہے اَجَلُهُنَّ مبتداء ثانی ہے۔

قولہ: اَنْ یَّضَعْنَ ثانی مبتداء کی خبر ہے اور مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

تفسیر و تشریح

نام:

اس سورت کا نام الطلاق ہے، بلکہ یہ اس سورت کے مضمون کا عنوان بھی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا دوسرا نام، سورۃ النساء القصریٰ، چھوٹی سورۂ نساء بھی منقول ہے، مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا نزول سورۂ بقرہ کی ان آیات کے بعد ہوا ہے جن میں طلاق کے احکام پہلی مرتبہ دیئے گئے تھے۔

اس سورت کے احکام کو سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ان ہدایات کو ذہن نشین کرلیا جائے جو طلاق اور عدت سے متعلق اس سے پہلے قرآن میں بیان ہو چکی ہیں۔

❶ طلاق دوبار ہے، پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا پھر بھلے طریقے سے رخصت کر دیا جائے۔ (البقرہ، ٢٢٩)

❷ اور مطلقہ عورتیں (طلاق کے بعد) اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں اور ان کے شوہر اس مدت میں ان کو (اپنی زوجیت میں) واپس لے لینے کے حقدار ہیں اگر وہ اصلاح پر آمادہ ہوں۔ (البقرہ، ٢٢٨)

پھر اگر وہ (تیسری بار) ان کو طلاق دیدیں تو اس کے بعد وہ اس کے لئے حلال نہ ہوں گی جب تک کہ اس عورت کا نکاح کسی اور سے نہ ہو جائے۔ (البقرہ، ٢٣٠)

❸ جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہے جس کے پورا کرنے کا تم مطالبہ کرو۔ (الاحزاب، ٤٩)

❹ اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں چار ماہ دس دن اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ (البقرہ، ٢٣٤)

ان آیات میں جو قواعد مقرر کئے گئے تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

❶ مرد اپنی بیوی کو زیادہ سے زیادہ تین طلاق دے سکتا ہے۔

❷ ایک یا دو طلاق کی صورت میں مرد کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق رہتا ہے، اور عدت گذر جانے کے بعد اگر وہی شوہر اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اس کے لئے تحلیل کی کوئی شرط نہیں ہے۔

❸۔ مدخولہ عورت جس کو حیض آتا ہو اس کی عدت یہ ہے کہ اسے طلاق کے بعد تین حیض آجانے تک چھوڑے رکھے، ایک یا دو صریح طلاق کی صورت میں شوہر کو مدت کے اندر رجوع کا حق حاصل ہوگا، تین طلاق کے بعد رجعت کا حق باقی نہیں رہتا۔

❹ غیر مدخولہ عورت جسے ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دیدی جائے اس کے لئے کوئی عدت نہیں وہ چاہے تو طلاق کے فوراً بعد نکاح کر سکتی ہے۔

❺ جس عورت کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

سورۂ طلاق کے نزول کا مقصد:

سورۂ طلاق کے نزول کے دو مقاصد ہیں:

❶ ایک یہ کہ مرد کو جو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے اس کو استعمال کرنے کے حکیمانہ طریقے بتائے جائیں، جن سے حتی الامکان جدائی کی نوبت ہی نہ آنے پائے اور اگر جدائی ناگزیر ہو تو ایسی صورت میں ہو کہ باہمی موافقت کے سارے امکانات ختم ہو چکے ہوں، کیونکہ خدائی شریعت میں طلاق ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر رکھی گئی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس بات کو سخت ناپسند فرماتا ہے،

نبی ﷺ کا ارشاد ہے "مَا اَحَلَّ اللّٰہُ شَیْئًا اَبْغَضَ اِلَیْهِ مِنَ الطَّلَاقِ" تمام حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔ (ابوداؤد)

❷ دوسرا مقصد یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے بعد جو مزید مسائل جواب طلب باقی رہ گئے تھے ان کا جواب دیکر اسلام کے عائلی قانون کے اس شعبہ کی تکمیل کردی جائے، اس سلسلہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن مدخولہ عورتوں کو حیض آنا بند ہوگیا ہو یا جنہیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو، طلاق کی صورت میں ان کی عدت کیا ہوگی، اور جو عورت حامل ہو اسے اگر طلاق دیدی جائے یا اس کا شوہر مرجائے تو اس کی عدت کیا ہے؟ اور مختلف قسم کی مطلقہ عورتوں کی نفقہ اور سکونت کا انتظام کس طرح ہوگا، اور جس بچے کے والدین طلاق کے ذریعہ الگ ہوگئے ہوں ان کی رضاعت کا انتظام کس طرح کیا جائے؟

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ یہاں خطاب اگرچہ بظاہر آپ ﷺ ہی کو معلوم ہوتا ہے مگر مراد امت ہے، اس کی تائید طَلَّقْتُمْ کے جمع کے صیغہ سے بھی ہوتی ہے اگرچہ یہ بھی درست ہے کہ طَلَّقْتُمْ جمع کا صیغہ آپ ﷺ ہی کے لئے تعظیم کے طور پر بولا گیا ہو، امت کے مراد ہونے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ جہاں خاص طور پر آپ ﷺ ہی کو خطاب مقصود ہوتا ہے تو وہاں اکثر یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ فرمایا جاتا ہے اور جہاں امت کو خطاب مقصود ہوتا ہے وہاں یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ فرمایا جاتا ہے۔

اسلامی عائلی قانون کی روح:

اسلامی عائلی قانون کی روح یہ ہے کہ جن مردوں اور عورتوں میں ازدواجی تعلق قائم ہو وہ پائیدار اور عمر بھر کا رشتہ ہو جس سے ان دونوں کی دنیا اور آخرت دونوں درست ہوں، اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کے اعمال و اخلاق بھی درست ہوں، اسی لئے نکاح کے معاملہ میں شروع سے آخر تک اسلام کی ہدایات یہ ہیں کہ اس تعلق کو تلخیوں اور رنجشوں سے پاک وصاف رکھنے کی اور اگر کبھی پیدا ہوجائے تو ان کے ازالہ کی پوری کوشش کی گئی ہے، لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود بعض اوقات طرفین کی زندگی کی فلاح اسی میں منحصر ہوجاتی ہے کہ یہ تعلق ختم کردیا جائے، جن مذاہب میں طلاق کا اصول نہیں ہے ان میں ایسے واقعات میں سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور بعض اوقات انتہائی برے نتائج سامنے آتے ہیں، اس لئے اسلام نے نکاح کی طرح طلاق کے بھی قواعد وضوابط مقرر فرمادیئے مگر ساتھ ہی یہ ہدایت بھی دیدی کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض ومکروہ کام ہے جہاں تک ممکن ہو اس سے پرہیز کرنا چاہئے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک طلاق ہے" (ابوداؤد) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "تَزَوَّجُوا وَلَا تُطَلِّقُوا فَاِنَّ الطَّلَاقَ یَهْتَزُّ مِنْهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ" یعنی نکاح کرو طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے عرش رحمٰن ہل جاتا ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ نے زمین پر جو کچھ پیدا فرمایا ہے ان میں سب سے زیادہ محبوب اللہ

تعالیٰ کے نزدیک غلاموں کا آزاد کرنا ہے اور سب سے زیادہ مبغوض و مکروہ طلاق ہے''۔ (معارف، قرطبی)

بہر حال اسلام نے اگرچہ طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ حتی الامکان اس کو روکنے کی کوشش کی ہے لیکن بعض ناگزیر موقعوں پر شرائط کے ساتھ اجازت دی تو اس کے لئے کچھ اصول اور قواعد بنا کر اجازت دی جن کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا ہی ضروری ہو جائے تو وہ بھی خوبصورتی اور حسن معاملہ کے ساتھ انجام پائے، محض غصہ اتارنے اور انتقام لینے کی صورت نہ بنے۔

پہلا حکم:

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ''عدت'' کے لغوی معنی شمار کرنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں اس عدت کو کہا جاتا ہے جس میں عورت ایک شوہر کے نکاح سے نکلنے کے بعد دوسرے سے ممنوع ہو جاتی ہے، اس مدت انتظار کو عدت کہتے ہیں، اور نکاح سے نکلنے کی دو صورتیں ہیں، ① ایک یہ کہ شوہر کا انتقال ہو جائے اس عدت کو عدت وفات کہا جاتا ہے جو غیر حاملہ کے لئے چار ماہ دس دن مقرر ہے، ② دوسری صورت طلاق ہے، عدت طلاق غیر حاملہ کے لئے امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ اور بعض دیگر ائمہ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کے نزدیک تین حیض مکمل ہیں اور امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ اور دوسرے بعض ائمہ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کے نزدیک طہر عدت طلاق ہے یعنی کچھ ایام یا مہینے مقرر نہیں، جتنے مہینوں میں تین حیض اور تین طہر پورے ہو جائیں وہی عدت طلاق ہوگی، اور جن عورتوں کو ابھی کم عمری کی وجہ سے حیض نہ آیا ہو یا عمر زیادہ ہو جانے کی وجہ سے حیض منقطع ہو چکا ہے ان کا حکم آئندہ مستقلاً آرہا ہے، اور اسی طرح حمل والی عورتوں کا حکم بھی آگے آرہا ہے اس میں عدت وفات اور عدت طلاق دونوں یکساں ہیں، فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ اور صحیح مسلم کی حدیث ہے آپ ﷺ نے فَطَلِّقُوْا لِقُبُلِ عِدَّتِهِنَّ تلاوت فرمایا، آیت مذکورہ کی دونوں قراءتوں اور ایک روایت سے آیت مذکورہ کا یہ مفہوم متعین ہو گیا کہ جب کسی عورت کو طلاق دینا ہو تو عدت شروع ہونے سے قبل طلاق دی جائے اور امام شافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ وغیرہ کے نزدیک چونکہ عدت طہر سے شروع ہوتی ہے اس لئے لِقُبُلِ عِدَّتِهِنَّ کا مفہوم یہ قرار دیا کہ بالکل شروع طہر میں طلاق دے دی جائے۔

طَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ طلاق حیض کی حالت میں نہ دے اور نہ اس طہر میں دے جس میں شوہر مباشرت کر چکا ہو، جب عورت حیض سے فارغ ہو جائے تو اس کو ایک طلاق دیدے، اس صورت میں اگر شوہر رجوع نہ کرے اور عدت گذر جائے تو وہ صرف ایک ہی طلاق سے جدا ہو جائے گی۔ (ابن جریر)

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ فرماتے ہیں عدت کے لئے طلاق یہ ہے کہ طہر کی حالت میں مباشرت کئے بغیر طلاق دی جائے، یہی تفسیر عبداللہ بن عمر، عطاء، مجاہد، میمون بن مہران، مقاتل وغیرہم سے مروی ہے۔ (ابن کثیر)

اس آیت کے منشا کو بہترین طریقہ سے خود رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر واضح فرمایا تھا جب حضرت عبداللہ بن عمر

رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دیدی تھی، اس واقعہ کی تفصیلات قریب قریب حدیث کی ہر کتاب میں نقل ہوئی ہیں۔

قصہ اس کا یہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تو حضرت عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ ﷺ سن کر سخت ناراض ہوئے، اور فرمایا کہ اس سے کہو کہ بیوی سے رجوع کرے یہاں تک کہ وہ طاہر ہوجائے پھر اسے حیض آئے اور اس سے فارغ ہوکر وہ طاہر ہوجائے اس کے بعد اگر وہ طلاق دینا چاہے تو طہر کی حالت میں مباشرت کئے بغیر طلاق دے۔

اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوئیں، اوّل یہ کہ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے، دوسری یہ کہ اگر کسی نے ایسا کرلیا تو اس طلاق سے رجعت کرلینا واجب ہے (بشرطیکہ طلاق قابل رجعت ہو جیسا کہ ابن عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے واقعہ میں تھی) تیسری یہ کہ جس طہر میں طلاق دینی ہو اس میں مباشرت نہ ہو، چوتھی یہ کہ یہ آیت فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کی یہی تفسیر ہے۔

دوسرا حکم:

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ہے مطلب یہ کہ عدت کے ایام کو اہتمام سے یاد رکھنا چاہئے، یاد رکھنے کی ذمہ داری اگرچہ دونوں کی ہے مگر چونکہ ایسے معاملات میں جن کی ذمہ داری مرد اور عورت دونوں کی ہوتی ہے اکثر خطاب مرد کو ہوتا ہے۔

تیسرا حکم:

لَاتُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اس آیت میں لفظ بُيُوْتِهِنَّ سے اشارہ کردیا کہ گھر میں عورت کا بھی حق سکونت ہے اور جب تک اس کی عدت ختم نہیں ہوجاتی عورت کا حق سکونت باقی رہتا ہے محض طلاق دینے سے سکنیٰ کا حق ساقط نہیں ہوجاتا، اور نہ وہ خود نکل سکتی ہے اگرچہ شوہر اس کی اجازت بھی دیدے، اس لئے کہ سکنیٰ محض حقوق العباد میں سے نہیں بلکہ حق اللہ بھی ہے۔

چوتھا حکم:

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ یہ ماقبل کی آیت کے مضمون سے مستثنیٰ ہے مطلب یہ ہے کہ بیت سکنیٰ سے نہ تو مرد کا معتدہ کو نکالنا جائز ہے اور نہ اس کا خود نکلنا جائز ہے مگر یہ کہ عورت کوئی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے، بے حیائی سے مراد مثلاً خود ہی گھر سے نکل بھاگے یا زنا کا ارتکاب کرے یا زبان درازی سے سب کو تنگ کردے۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ (الآية) اس آیت سے احکام مذکورہ کی پابندی کی تاکید ہے کہ یہ شریعت کے مقرر کردہ حدود وقواعد ہیں

جو شخص ان مقررہ حدود سے تجاوز کرے گا، تو اس نے گویا خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

مطلقہ مدخولہ کی عدت تین حیض ہے، اگر رجوع کرنا ہو تو عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے رجوع کرو، بصورت دیگر انہیں معروف طریقہ کے مطابق اپنے سے جدا کر دو۔

اس رجعت یا طلاق پر گواہ بنالو یہ امر استحباب کے لئے ہے، بعض حضرات کے نزدیک وجوب کے لئے ہے، نیز گواہوں کو تاکید کی گئی ہے کہ کسی کی رورعایت کے بغیر گواہی دیں نہ کسی کو فائدہ پہنچانا مقصد ہو اور نہ نقصان پہنچانا۔

جن عورتوں کا حیض کبرسنی یا کسی اور وجہ سے منقطع ہو گیا ہو یا صغرسنی کی وجہ سے ابھی شروع نہ ہوا ہو تو ایسی عورتوں کی عدت تین ماہ ہے۔

مطلقہ اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے خواہ دوسرے ہی دن وضع حمل ہو جائے، حاملہ متوفّٰی عنھا زوجھا کی عدت وضع حمل ہے اور غیر حاملہ کی چار ماہ دس دن، نیز مطلقہ رجعیہ اور بائنہ کے لئے سکنی ہے۔

وَكَأَيِّنْ هي كاف الجر دخلت على اي بمعنى كم مِّن قَرْيَةٍ اى وَكَثِيرٌ مِنَ القُرى عَتَتْ عَصَتْ يَعْنِى اَهْلُهَا عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَٰهَا فِى الآخِرَةِ وانْ لَم تجئ لِتَحَقُّقِ وُقُوعِهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨﴾ بسكون الكافِ وَضَمِّهَا فَظِيعًا وهُوَ عَذَابُ النَّار فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا عُقُوبَتَهُ وَكَانَ عَٰقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٩﴾ خسارًا وهلاكا أَعَدَّ ٱللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا تكريرُ الوَعِيدِ تاكيدٌ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ اَصْحَابَ العُقُولِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ نعتٌ لِلمُنَادى او بَيَانٌ له قَدْ أَنزَلَ ٱللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾ هُوَ القُرْاٰنُ رَّسُولًا اى مُحَمَّدًا مَنْصُوبٌ بِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ اى وَاَرْسَلَ يَتْلُوا۟ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ مُبَيِّنَٰتٍ بِفَتْحِ اليَاءِ وكَسْرِهَا كَمَا تَقَدَّمَ لِّيُخْرِجَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ بَعْدَ مَجِئِ الذِكْرِ والرَّسُوْلِ مِنَ ٱلظُّلُمَٰتِ الكُفرِ الَّذِىْ كَانُوْا عَلَيْهِ إِلَى ٱلنُّورِ الإيمَانِ الَّذِىْ قَامَ بِهِمْ بَعْدَ الكُفْرِ وَمَن يُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ وَيَعْمَلْ صَٰلِحًا يُدْخِلْهُ وَفِى قِرَاءَةٍ بالنُّوْنِ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا قَدْ أَحْسَنَ ٱللَّهُ لَهُۥ رِزْقًا ﴿١١﴾ هُوَ رِزْقُ الجَنَّةِ الَّتِى لَا يَنْقَطِعُ نَعِيمُهَا ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَ سَبْعَ سَمَٰوَٰتٍ وَمِنَ ٱلْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَعْنِى سَبْعَ اَرَضِيْنَ يَتَنَزَّلُ ٱلْأَمْرُ الوَحْىُ بَيْنَهُنَّ بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ يَنْزِلُ جِبْرَئِيلُ مِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ اِلَى الاَرْضِ السَّابِعَةِ لِتَعْلَمُوٓا۟ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اى اَعْلَمَكُمْ بِذٰلِكَ الخَلْقِ والتَنْزِيلِ أَنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ ٱللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًۢا ﴿١٢﴾

ترجمہ: اور بہت سی بستیاں (کَاَیِّنْ) میں کاف جر ہے، جو اَیٌّ پر داخل ہے کَمْ کے معنی میں ہے، جس کے رہنے والوں نے اپنے رب کے حکم کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے آخرت میں ان کا سخت محاسبہ کیا اور سخت عذاب دیا اگرچہ آخرت کا وقوع ابھی نہیں ہوا مگر یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے، نُکْرًا کاف کے سکون اور ضمہ کے

ساتھ بمعنی شدید ہے، اور وہ آگ کا عذاب ہے، پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا مزا چکھ لیا (یعنی ان کا انجام بھگت لیا) انجام کار ان کا خسارہ زیاں اور ہلاکت ہی ہوئی، اللہ نے ان کے لئے شدید عذاب تیار کر رکھا ہے وعید کی تکرار تاکید کے لئے ہے پس اللہ سے ڈرو، اے عقلمندو اور ایمان والو! (اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا) منادیٰ کی صفت یا اس کا بیان ہے، یقیناً اللہ نے تمہاری طرف ذکر قرآن نازل فرمایا ہے رسول ﷺ یعنی محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا رَسُوْلاً فعل مقدر یعنی اَرْسَلَ کی وجہ سے منصوب ہے، وہ تم کو اللہ کی واضح آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، مبیّنٰت یاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ، جیسا کہ سابق میں گذر چکا تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ذکر اور رسول آنے کے بعد اس کفر کی ظلمت سے جس پر وہ تھے نور یعنی اس ایمان جس پر وہ کفر کے بعد قائم رہے، کی طرف نکالے اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا (اللہ) اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں جاری ہوں گی اور ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے بے شک اللہ نے اسے بہترین روزی دے رکھی ہے اور وہ جنت کی روزی ہے جس کی نعمتیں کبھی منقطع ہونے والی نہیں، اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی یعنی سات زمینیں وحی ان کے درمیان یعنی آسمانوں اور زمینوں کے درمیان اترتی ہے، حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام اس کو ساتویں آسمان سے ساتویں زمین پر لے کر اترتے ہیں تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو علم کے اعتبار سے گھیر رکھا ہے۔ (یعنی علمی احاطہ کر رکھا ہے)۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ یہ کلام مستانف ہے وعدۂ فتح کی تصدیق کے لئے لایا گیا ہے، کَاَيِّنْ خبریہ بمعنی کَمْ ہے مِنْ قَرْيَةٍ، کَاَيِّنْ کی تمیز ہے کَاَيِّنْ مبتداء ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہے اور عَتَتْ اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: عَتَتْ، اَعْرَضَتْ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی بِعَنْ ہے۔

قَوْلُہٗ: يعنى اهلها قریۃ بول کر اہل قریہ مراد لیا گیا ہے، اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اور مجاز مرسل کے قبیل سے ہے، علاقہ حال و محل کا ہے یعنی محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: لتحقق وقوعها اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: جزاء سزا اور حساب و کتاب آخرت میں ہوگا، پھر حَاسَبْنَاهَا ماضی کے صیغہ سے تعبیر کرنے کا کیا مقصد ہے؟

جَوَابِ: حساب کا وقوع چونکہ یقینی ہے اس لئے ماضی کے صیغہ سے تعبیر کر دیا یعنی اس کا وقوع ایسا ہی یقینی ہے جیسا کہ ماضی کا وقوع یقینی ہوتا ہے، یا اس لئے کہ اللہ کے علم ازلی میں اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ (بالاضافه صاوی)

قَوْلُہٗ: تكرير الوعيد توكيد یعنی مذکورہ چار جملوں میں وعید کو تاکید کے لئے مکرر ذکر کیا ہے، وہ چار جملے یہ ہیں،

① فَحَاسَبْنَاهَا ② وَعَذَّبْنَاهَا ③ فذاقت وَبَالَ اَمْرِهَا ④ وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِها خُسْرًا.

قِوْلَہٗ: اَوْبَيَانٌ بیان سے مرادعطف بیان ہے۔

قِوْلَہٗ: مُبَيِّنَاتٍ یہ آیات سے حال ہے، فتحہ کی صورت میں اللہ نے اس کو واضح کر دیا، کسرہ کی صورت میں وہ خود واضح ہے۔

(صاوی)

تفسیر و تشریح

فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا اس آیت میں ان قوموں کے حساب وعذاب کا ذکر ہے جو آخرت میں ہونے والا ہے، مگر یہاں اس کو ماضی کے صیغے حَاسَبْنَا اور عَذَّبْنَا سے تعبیر کرنا اس کے یقینی الوقوع ہونے کے اعتبار سے ہے (کمافی روح) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں سوالات اور باز پرس مراد نہ ہو بلکہ سزا کی تعیین ہو اسی کو حساب کرنے سے تعبیر فرمادیا۔

قَدْاَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا اس آیت کی آسان توجیہ یہ ہے کہ یہاں لفظ اَرْسَلَ محذوف مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ نازل کیا ذکر یعنی قرآن کو اور بھیجا رسول کو، دیگر مفسرین حضرات نے اور توجیہات بھی لکھی ہیں مثلاً یہ کہ ذکر سے مراد خود رسول ہوں کثرت ذکر کی وجہ سے رسول گویا خود ذکر ہو گیا تو یہ زیدٌ عدلٌ کے قبیل سے ہوگا۔

لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ یعنی جہالت کی تاریکی سے علم کی روشنی کی طرف نکال لائے، اس ارشاد کی پوری اہمیت اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب انسان طلاق، عدت اور نفقات کے متعلق دنیا کے دوسرے قدیم اور جدید عائلی قوانین کا مطالعہ کرتا ہے، اور اس تقابلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بار بار کی تبدیلیوں اور نئی نئی قانون سازیوں کے باوجود آج تک کسی قوم کو ایسا معقول اور فطری اور معاشرہ کے لئے مفید قانون میسر نہیں آسکا جیسا اس کتاب اور اس کے لانے والے رسول ﷺ نے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہم کو دیا تھا، اور جس پر کسی نظر ثانی کی ضرورت نہ کبھی پیش آئی اور نہ پیش آسکتی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ، مِثْلَهُنَّ میں تشبیہ اجمالی ہے کہ کس چیز میں زمین مثل سماوات ہے اس آیت سے اتنی بات تو واضح طور پر ثابت ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں، پھر یہ سات زمینیں کہاں کہاں ہیں اور کس وضع وصورت میں ہیں؟ تہ بر تہ طبقات کی شکل میں ہیں یا ہر زمین کا مقام الگ الگ ہے؟ اگر اوپر نیچے طبقات ہیں تو کیا جس طرح سات آسمانوں میں ہر دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ ہے اور ہر آسمان میں فرشتے آباد ہیں اسی طرح ایک زمین اور دوسری زمین کے درمیان بھی فاصلہ ہے اور اس میں کوئی مخلوق آباد ہے یا یہ طبقات زمین ایک دوسرے سے متصل اور پیوستہ ہیں؟ قرآن مجید اس سے ساکت ہے اور روایات حدیث جو اس

سلسلہ میں آئی ہیں ان میں اکثر ائمہ حدیث کا اختلاف ہے بعض نے ان کو صحیح اور ثابت قرار دیا ہے اور بعض نے موضوع اور منگھڑت تک کہہ دیا ہے، مگر عقلاً یہ سب صورتیں ممکن ہیں۔ (معارف)

مِثْلَهُنَّ کی تفسیر احادیث کی روشنی میں:

اس کی تفسیر صحاح میں یوں آئی ہے، بخاری اور مسلم میں ہے، جس نے کسی کی زمین ظلماً غصب کر لی تو قیامت میں وہ زمین اپنے ساتوں طبقوں سمیت اس کے گلے میں ڈال دی جائے گی "طَوَّقَهٗ مِنْ اَرْضٍ سَبْعِیْنَ" اور بخاری میں ہے "خُسِفَ بِهٖ اِلٰی سَبْعِ اَرْضِیْنَ" ان احادیث سے سات زمینوں کا ثبوت اطمینان بخش طریقہ پر ثابت ہو گیا ہے۔

اور ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے اثر میں ہر زمین پر مخلوق اور نبی کا ہونا بھی منقول ہے۔ (خلاصة التفاسير)

قدیم مفسرین میں صرف ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ایسے مفسر ہیں جنہوں نے اس دور میں اس حقیقت کو بیان کیا تھا جب آدمی اس کا تصور بھی کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ کائنات میں اس زمین کے علاوہ کہیں اور بھی ذی عقل مخلوق بستی ہے؟ موجودہ زمانہ کے سائنس دانوں تک کو اس کے امر واقعہ ہونے میں شک ہے، کجا کہ سوا چودہ سو سال پہلے کے لوگ اسے بآسانی باور کر سکتے، اسی لئے ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا عام لوگوں کے سامنے یہ بات کہتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں اس سے لوگوں کے ایمان متزلزل نہ ہو جائیں، چنانچہ مجاہد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ ان سے جب اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اگر میں اس کی تفسیر تم لوگوں سے بیان کر دوں تو تم کافر ہو جاؤ گے اور تمہارا کفر یہ ہوگا کہ اسے جھٹلاؤ گے، قریب قریب یہی بات سعید بن جبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی منقول ہے، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا، کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر میں تمہیں اس کا مطلب بتا دوں تو تم کافر نہ ہو جاؤ گے؟ (ابن جریر، عبد بن حمید) تاہم ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے اور بیہقی نے ابوالضحیٰ کے واسطے سے باختلاف الفاظ ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی یہ تفصیل نقل کی ہے "فِی کُلِّ اَرْضٍ نَبِیٌّ کَنَبِیِّکُمْ وَ آدَمُ کَآدَمِکُمْ، وَنُوْحٌ کَنُوْحِکُمْ وَ ابراهيم كابراهيمكم وعيسٰى كعيسٰكم" ان میں سے ہر زمین میں نبی ہے تمہارے نبی جیسا اور آدم ہے تمہارے آدم جیسا، اور نوح ہے تمہارے نوح جیسا، اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم جیسا اور عیسیٰ ہے تمہارے عیسیٰ جیسا، اس روایت کو ابن حجر نے فتح الباری میں اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی نقل کیا ہے اور امام ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، البتہ میرے علم میں ابوالضحیٰ کے علاوہ کسی نے اسے روایت نہیں کیا ہے، اس لئے یہ بالکل شاذ روایت ہے، بعض دوسرے علماء نے اس کو کذب اور موضوع قرار دیا ہے، اور ملا علی قاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس کو موضوعات کبیر میں (ص ۱۹) میں موضوع کہتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر یہ ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ہی کی روایت ہے تب بھی اسرائیلیات میں سے ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے رد کرنے کی اصل وجہ لوگوں کا اسے بعید از عقل و فہم سمجھنا ہے، ورنہ بجائے خود اس میں کوئی بات بھی خلاف عقل نہیں ہے چنانچہ

علامہ آلوسی اپنی تفسیر میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اس کو صحیح ماننے میں نہ عقلاً کوئی چیز مانع ہے اور نہ شرعاً، مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں ایک مخلوق ہے جو ایک اصل کی طرف اسی طرح راجع ہوتی ہے جس طرح آدمی ہماری زمین میں آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف راجع ہوتے ہیں اور ہر زمین میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو اپنے یہاں دوسروں کی بہ نسبت اسی طرح ممتاز ہیں جس طرح ہمارے نوح اور ابراہیم علیہما السلام ممتاز ہیں، آگے چل کر علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ زمین سات سے زیادہ ہوں اور اسی طرح آسمان بھی صرف سات ہی نہ ہوں سات کے عدد پر جو عدد تام ہے اکتفا کرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس سے زائد کی نفی ہو پھر بعض احادیث میں ایک ایک آسمان کی درمیانی دوری جو پانچ پانچ سو برس بیان کی گئی ہے اس کے متعلق علامہ موصوف فرماتے ہیں "هو من باب التقريب للافهام" یعنی اس سے ٹھیک ٹھیک مسافت کی پیمائش بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود بات کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ وہ لوگوں کی سمجھ سے قریب تر ہو جائے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ حال ہی میں امریکہ کے رانڈ کارپریشن نے فلکی مشاہدات سے اندازہ لگایا ہے کہ زمین جس کہکشاں (Galaxy) میں واقع ہے صرف اس کے اندر تقریباً ٦٠ کروڑ ایسے سیارے پائے جاتے ہیں جن کے طبعی حالات زمین سے بہت کچھ مشابہ اور ملتے جلتے ہیں اور امکان ہے کہ ان کے اندر بھی جاندار مخلوق آباد ہوں۔

(اکانومسٹ، لندن، مورخہ ٢٦ جولائی ١٩٦٩ء)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اثر میں ہر زمین پر مخلوق اور نبی کا ہونا منقول ہے، اس کی تفصیل اور تقریر میں جناب مولانا ابوالحسنات مولانا محمد عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسائل تصنیف کئے ہیں، اور بعض لوگوں کو جو یہ شبہ ہوا ہے کہ ہر زمین میں مثل ان انبیاء کا ہونا مستوجب ہے مماثلت نبی کریم ﷺ سردار انبیاء کو اور مستلزم ہیں اس بات کو کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء نہ ہوں، اس نے غور نہیں کیا، معانی اور مفاد تشبیہ میں، بلکہ وہ حضرت نبی کریم ﷺ کی علوشان کو نہ سمجھا ورنہ ایسی جرأت نہ ہوتی نہ مماثلت موجب مساوات ہے اور نہ حضور ﷺ کے فضل خاتمیت کا معارض۔

(حاشیہ خلاصۃ التفاسیر للنائب لکھنوی ملخصًا)

بحمد اللہ تمّ

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثِنْتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ اِثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً.

سورۂ تحریم مدنی ہے، بارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ مِنْ اَمَتِكَ مَارِيَةَ الْقِبْطِيَّةِ لَمَّا وَاقَعَهَا فِي بَيْتِ حَفْصَةَ وَكَانَتْ غَائِبَةً فَجَاءَتْ وَشَقَّ عَلَيْهَا كَوْنُ ذٰلِكَ فِي بَيْتِهَا وَعَلٰى فِرَاشِهَا حَيْثُ قُلْتَ هِيَ حَرَامٌ عَلَيَّ تَبْتَغِيْ بِتَحْرِيْمِهَا مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ اَيْ رِضَاهُنَّ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① غَفَرَ لَكَ هٰذَا التَّحْرِيْمَ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ شَرَعَ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ تَحْلِيْلَهَا بِالْكَفَّارَةِ الْمَذْكُوْرَةِ فِيْ سُوْرَةِ الْمَائِدَةِ وَمِنَ الْاَيْمَانِ تَحْرِيْمُ الْاَمَةِ وَهَلْ كَفَّرَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُقَاتِلٌ اَعْتَقَ رَقَبَةً فِيْ تَحْرِيْمِ مَارِيَةَ وَقَالَ الْحَسَنُ لَمْ يُكَفِّرْ لِاَنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَهٗ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ نَاصِرُكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ② وَ اذْكُرْ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ هِيَ حَفْصَةُ حَدِيْثًا هُوَ تَحْرِيْمُ مَارِيَةَ وَقَالَ لَهَا لَا تُفْشِيْهِ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ عَائِشَةَ ظَنًّا مِنْهَا اَنْ لَّا حَرَجَ فِيْ ذٰلِكَ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ اَطْلَعَهٗ عَلَيْهِ عَلَى الْمُنَبَّاِ بِهٖ عَرَّفَ بَعْضَهٗ لِحَفْصَةَ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ تَكَرُّمًا مِنْهُ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ③ اِنْ تَتُوْبَا اَيْ حَفْصَةُ وَعَائِشَةُ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا مَالَتْ اِلٰى تَحْرِيْمِ مَارِيَةَ اَيْ سَرَّكُمَا ذٰلِكَ مَعَ كَرَاهَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهٗ ذٰلِكَ ذَنْبٌ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَيْ تُقْبَلَا وَاُطْلِقَ قُلُوْبٌ عَلٰى قَلْبَيْنِ وَلَمْ يُعَبَّرْ بِهٖ لِاسْتِثْقَالِ الْجَمْعِ تَثْنِيَتَيْنِ فِيْمَا هُوَ كَالْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ وَاِنْ تَظٰهَرَا بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِي الظَّاءِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِدُوْنِهَا فَتَعَاوَنَا عَلَيْهِ اَيِ النَّبِيِّ فِيْمَا يَكْرَهُهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ فَصْلٌ مَوْلٰهُ نَاصِرُهٗ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ مَعْطُوْفٌ عَلٰى مَحَلِّ اسْمِ اِنَّ فَيَكُوْنُوْنَ نَاصِرِيْهِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ بَعْدَ نَصْرِ اللّٰهِ وَالْمَذْكُوْرِيْنَ ظَهِيْرٌ ④ ظُهَرَاءُ اَعْوَانٌ لَهٗ فِيْ نَصْرِهٖ عَلَيْكُمَا عَسٰى رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَيْ طَلَّقَ النَّبِيُّ اَزْوَاجَهٗ اَنْ يُّبْدِلَهٗ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ خَبَرُ عَسٰى وَالْجُمْلَةُ جَوَابُ الشَّرْطِ وَلَمْ يَقَعِ التَّبْدِيْلُ لِعَدَمِ وُقُوْعِ الشَّرْطِ مُسْلِمٰتٍ مُقِرَّاتٍ بِالْاِسْلَامِ مُّؤْمِنٰتٍ مُخْلِصَاتٍ

قٰنِتٰتٍ مُطِيعَاتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ صائِماتٍ او مُهاجراتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ بالحَملِ عَلى طاعَةِ اللهِ تعالىٰ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ الكُفّارُ وَالْحِجَارَةُ كَاَصْنامِهِم مِنها يَعْنِى انَّها مُفرِطَةُ الحَرارةِ تُتَّقَدُ بما ذُكِرَ لا كَنارِ الدُّنيا تُتَّقَدُ بالحَطَبِ ونحوِه عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ خَزَنَتُها عِدَّتُهُم تِسعةَ عَشَرَ كما سَياتِي فِى المُدَّثِّرِ غِلَاظٌ مِن غِلَظِ القَلبِ شِدَادٌ فِى البَطشِ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ بَدَلٌ مِنَ الجَلالَةِ اى لا يَعصُونَ ما امَرَ اللهُ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ تاكِيدٌ والاٰيَةُ تَخويفٌ لِلمُؤمِنِينَ عَنِ الارْتِدادِ ولِلمُنافِقِينَ المُؤمِنِينَ بِالسِنَتِهِم دُونَ قُلُوبِهِم يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ يُقالُ لَهُم ذٰلِكَ عِندَ دُخُولِهِمُ النَّارَ اى لِانَّه لا يَنفَعُكُم اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ اى جَزاءَهُ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے نبی! آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس کو جس کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے؟ یعنی اپنی باندی ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب کہ آپ ﷺ نے اس سے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ہمبستری فرمائی، اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود نہیں تھیں، اچانک آگئیں اور یہ بات ان کے گھر میں ان کے بستر پر ان کو گراں گذری، اس وقت آپ ﷺ نے هِيَ حَرَامٌ عَلَيَّ وہ میرے اوپر حرام ہے فرمادیا، اس کو حرام کر کے اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، اللہ بخشنے والا مہربان ہے آپ ﷺ کے اس حرام کرنے کو معاف فرمادیا، تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسموں کو کفارہ دے کر جس کا سورۂ مائدہ میں ذکر ہے کھول ڈالنا فرض مشروع کیا ہے اور باندی کو حرام کر لینا بھی قسم میں داخل ہے! کیا آپ ﷺ نے کفارہ ادا فرمایا (یا ادا نہیں فرمایا) مقاتل نے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تحریم کے سلسلہ میں ایک غلام آزاد فرمایا، اور حسن نے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے کفارہ ادا نہیں فرمایا، اس لئے کہ آپ ﷺ تو بخشے بخشائے ہیں، اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہی حکمت والا ہے اور یاد کرو اس وقت کو جب آپ ﷺ نے اپنی بعض ازواج سے اور وہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں رازدارانہ طور پر ایک بات کہی اور وہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تحریم کی بات تھی اور آپ ﷺ نے (حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے یہ بھی فرمایا کہ اس راز کو ظاہر نہ کرنا مگر اس نے اس بات کی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خبر کر دی یہ سمجھتے ہوئے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اللہ نے اپنے نبی کو اس بات سے آگاہ کر دیا تھا تو نبی نے حفصہ کو تھوڑی سی بات تو بتادی اور تھوڑی ٹال گئے آپ ﷺ کے کرم (حسن خلق کی وجہ سے) سو پیغمبر نے اس بیوی کو وہ بات جتلادی تو کہنے لگی آپ ﷺ کو اس کی خبر کس نے دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے جاننے والے بڑے خبر رکھنے والے (اللہ) نے خبر دی اے حفصہ اور عائشہ! اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کر لو تو بہتر ہے، یقیناً تم دونوں کے دل ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تحریم کی طرف مائل ہو گئے ہیں یعنی ان کو (اس تحریم) نے خوش کیا حالانکہ آنحضرت ﷺ کو یہ بات ناگوار گذری، اور یہ بات گناہ ہے اور جواب شرط محذوف ہے (ای تقبلا) اور قلبین پر قلوب کا اطلاق کیا، دونوں کو تثنیہ سے تعبیر نہیں کیا، دو تثنیوں

کے کلمۂ واحد کے مانند میں جمع ہونے کے ثقیل ہونے کی وجہ سے، اور اگر تم دونوں نبی کے خلاف اس چیز میں جس کو نبی ناپسند کرتا ہے مدد کرو گی تو اللہ اس کا مددگار ہے هُــوَ ضمیر فصل ہے اور جبرائیل اور نیک اعمال والے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجبرئیل وصالح المؤمنون کا اِنَّ کے اسم کے محل پر عطف ہے تو یہ سب آپ ﷺ کے مددگار ہیں اور اللہ اور مذکورین کی مدد کے علاوہ فرشتے اس کے مددگار ہیں یعنی تمہارے مقابلہ میں اس کی نصرت کے معاون (ومددگار ہیں) اگر نبی تم کو طلاق دیدے یعنی نبی اپنی ازواج کو طلاق دیدے، تو بہت جلد انہیں ان کا رب تمہارے عوض میں تم سے بہتر بیویاں عنایت فرمائے گا، (یُبْدِلَهٗ) دال کی تشدید و تخفیف کے ساتھ ہے (اَزْوَاجًا) عَسٰی کی خبر اور جملہ جواب شرط ہے اور شرط کے واقع نہ ہونے کی وجہ سے تبدیلی واقع نہیں ہوئی، جو اسلام لانے والیاں ہوں گی توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزے رکھنے والیاں؛ ہجرت کرنے والیاں ہوں گی بیوہ اور کنواریاں ہوں گی اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو اللہ کی طاعت پر آمادہ کر کے نار جہنم سے بچاؤ جس کا ایندھن کافر انسان ہیں اور پتھر ہیں جیسا کہ پتھر کے بت یعنی جہنم شدید حرارت والی ہے جس کو مذکورہ چیزوں سے جلایا گیا ہے نہ کہ دنیا کی آگ کے مانند جس کو لکڑی وغیرہ سے جلایا جاتا ہے جس کے نگراں سخت دل فرشتے ہیں جن کی تعداد انیس ہے جیسا کہ سورۂ مدثر میں آئے گا غــلاظ، غلظ القلب سے ماخوذ ہے اور پکڑ کرنے کے اعتبار سے شدید ہیں جن کو جو حکم اللہ تعالیٰ دیتے ہیں اس کی نافرمانی نہیں کرتے (مَــا اَمَـرَ الـلّٰــه) لفظ اللہ سے بدل ہے مطلب یہ کہ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے (بلکہ) جس بات کا حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں یہ تاکید ہے اور آیت میں مومنین کے لئے ارتداد سے اور زبان سے نہ کہ دل سے ایمان لانے والے منافقین کے لئے ڈراوا ہے، اے کافرو! تم آج عذر بہانہ مت کرو ان سے یہ بات دوزخ میں داخلے کے وقت کہی جائے گی، یہ اس لئے کہ عذر و معذرت ان کو کوئی نفع نہ دے گی، تمہیں صرف تمہارے کرتوتوں کا بدلہ دیا جا رہا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سورۂ تحریم کا دوسرا نام سورۃ النبی بھی ہے۔ (قرطبی)

قَوْلُهٗ: ماریة القبطیة یہ وہ باندی تھیں جنہیں مصر کے بادشاہ مقوقس نے آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا، یہ واقعہ ۷ھ میں پیش آیا اور ان کے بطن سے ذی الحجہ ۸ھ میں آپ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تھے۔

قَوْلُهٗ: تَحِلَّةَ کھولنا، حلال کرنا حَلَّلَ کا مصدر ہے۔

قَوْلُهٗ: جواب الشرط محذوف، اِنْ تَتُوْبَا شرط ہے اور فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا علت شرط ہے یعنی تم توبہ اس لئے کرو کہ تمہارے قلوب حق سے غیر حق کی طرف مائل ہو گئے ہیں، جواب شرط تُقْبَلَا محذوف ہے یعنی اگر تم توبہ کرو گی تو قبول کر لی جائے گی کما صرَّح به المفسر العلام، اور بعض حضرات نے یکن خیرًا لکم جزاء محذوف مانی ہے۔

قَوْلُہٗ: اُطْلِق قُلُوْبٌ عَلٰی قَلْبَیْنِ الخ.

سَوَال: قُلُوْبُکُمَا میں تثنیہ کی جگہ قلوب جمع لایا گیا ہے حالانکہ قیاس کا تقاضہ قَلْبَاکُمَا تھا اس لئے کہ دو آدمیوں کے دو ہی قلب ہوتے ہیں۔

جَوَاب: مثل کلمہ واحدہ میں دو تثنیوں کا اجتماع ثقیل ہونے کی وجہ سے قلوب جمع لایا گیا ہے۔

سَوَال: مثل کلمہ واحدہ کیوں فرمایا نہ کہ کلمہ واحدہ؟

جَوَاب: مضاف اور مضاف الیہ حقیقت میں دو کلمے ہوتے ہیں مگر شدت اتصال کی وجہ سے مثل کلمہ واحدہ کے شمار ہوتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلَاہُ یہ شرط کی جزاء محذوف کی علت ہے وہ ناصر سے محروم اس لئے نہیں ہوگا کہ اللہ اس کا مولا اور ناصر ہے۔

قَوْلُہٗ: صَالِحٌ اسم جنس ہے جس کا اطلاق واحد، تثنیہ، جمع سب پر ہوتا ہے اسی لئے اس کی صفت المومنون لانا صحیح ہے، کتاب میں مذکور ترکیب کے علاوہ ایک صورت یہ بھی جائز ہے کہ جبرئیل اور اس کے معطوفات مبتداء ہوں اور ظھیر بمعنی ظھراء مبتداء کی خبر۔

سَوَال: ظھیر خبر مفرد ہے اور مبتداء جمع ہے یہ جائز نہیں ہے۔

جَوَاب: ظھیر فعیل کے وزن پر ہے اس وزن میں واحد، تثنیہ، جمع سب برابر ہوتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: خَبَرُ عَسٰی، اَنْ یُّبْدِلَہٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِنْکُنَّ، عَسٰی کی خبر ہے اور رَبُّہٗ، عَسٰی کا اسم ہے عَسٰی اپنے اسم و خبر سے مل کر جواب شرط ہے اور اِنْ طَلَّقَکُنَّ شرط ہے، مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ اس جملہ کا فعل جامد ہے اور جب جملہ اس قسم کا ہو تو اس پر فاء لازم ہوتی ہے حالانکہ یہاں فاء نہیں ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ جزاء محذوف مانی جائے اور اس جملہ کو دلیل جزاء قرار دیا جائے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: قُوْا بروزن عُوْا امر جمع مذکر حاضر یہ اصل میں اِوْقِیُوا تھا۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ (الآیۃ) اس آیت کے سبب نزول کے سلسلے میں چند اقوال ہیں، واحدی نے کہا ہے کہ اکثر مفسرین کا قول یہ ہے حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کے گھر میں ماریہ قبطیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کا واقعہ سبب نزول ہے، وقال القرطبی اکثر المفسرین علٰی اَنَّ الآیت نَزَلَتْ فی حفصۃ اور بعض مفسرین نے حضرت زینب بنت جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کے گھر شہد پینے کے واقعہ کو سبب نزول قرار دیا ہے، اور بعض مفسرین نے اس عورت کے واقعہ کو شان نزول قرار دیا

ہے جس نے خودکو آپ ﷺ کو ہبہ کر دیا تھا۔ (فتح القدير، شوکانی)

فائدہ: ۶ھ میں صلح حدیبیہ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو خطوط اطراف ونواح میں بادشاہوں کو بھیجے تھے ان میں سے ایک اسکندریہ کے رومی بطریق کے نام بھی تھا جسے عرب میں مقوقس کہتے تھے، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نامہ مبارک لیکر گئے تھے، حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس کے پاس پہنچے تو اس نے اسلام تو قبول نہ کیا مگر حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خوش اخلاقی اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آیا اور جواب میں لکھا کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ ابھی ایک نبی آنا باقی ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ وہ شام میں نکلے گا تاہم میں آپ کے قاصد کے ساتھ احترام سے پیش آیا ہوں اور آپ کی خدمت میں دولڑکیاں (باندیاں) بھیج رہا ہوں جو قبطیوں میں بڑا رتبہ رکھتی ہیں (ابن سعد) ان لڑکیوں میں سے ایک سیرین تھیں اور دوسری ماریہ (عیسائی حضرت مریم کو ماریہ کہتے ہیں) مصر سے واپسی پر حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کے سامنے اسلام پیش کیا، دونوں مشرف باسلام ہوگئیں، جب دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئیں تو آپ ﷺ نے سیرین حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرما دیں اور حضرت ماریہ کو اپنے پاس رکھ لیا، ان ہی کے بطن سے ۸ھ میں آپ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ (الاستیعاب، الاصابہ) یہ خاتون نہایت خوبصورت تھیں، حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں ان کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مجھے کسی عورت کا آنا اس قدر ناپسند نہ ہوا جتنا ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آنا ہوا تھا، کیونکہ وہ حسین وجمیل تھیں اور آپ ﷺ کو بہت پسند آئی تھیں ان کے بارے میں متعدد طریقوں سے جو قصہ احادیث میں نقل ہوا ہے وہ مختصراً یہ ہے۔

حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ:

آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کے لئے باری مقرر فرمائی تھی، حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی باری میں آپ ﷺ سے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے اجازت دیدی، اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلب فرمایا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کے گھر ہم بستر ہوئے، حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واپس آئیں تو دروازہ بند پایا دروازہ پر بیٹھ گئیں اور رونے لگیں جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو رونے کا سبب دریافت فرمایا، تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا، میری باری، میرا حجرہ، میرا بستر، میرے حق کی کچھ رعایت نہ کی گئی، کیا آپ ﷺ نے مجھے اس لئے اجازت دی تھی آپ ﷺ نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نرمی سے سمجھا کر خوش کیا اور فرمایا میں نے اسے حرام کرلیا، اور میرے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوں گے مگر یہ راز مخفی رہے (بخاری، بحوالہ خلاصۃ التفاسیر) یہی واقعہ مذکورہ آیت کے نزول کا سبب ہوا۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ:

صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے سب بیویوں کے پاس (خبر گیری کے لئے) تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک روز حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہرے اور شہد نوش فرمایا، تو مجھے رشک آیا اور میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آپ ﷺ تشریف لائیں تو وہ یوں کہے کہ آپ ﷺ نے مغافیر نوش فرمایا ہے (مغافیر ایک خاص قسم کا گوند ہوتا ہے جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ﷺ جس بیوی کے پاس تشریف لے جاتے یہی بات سننے کو ملتی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے، ان بیوی نے کہا شاید کوئی مکھی مغافیر کے درخت پر بیٹھی ہو اور اس کا رس چوسا ہو، اسی وجہ سے شہد میں بدبو آنے لگی ہو؟ رسول اللہ ﷺ بدبو کی چیزوں سے بہت زیادہ پرہیز فرماتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے قسم کھالی کہ آئندہ میں شہد نہ پیوں گا اور اس خیال سے کہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ بات ناگوار ہو اس بات کے اخفاء کی تاکید فرمائی مگر ان صاحبہ نے دوسری بیوی سے کہہ دیا، بعض روایات میں ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شہد پلانے والی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وصفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صلاح و مشورہ کرنے والی ہیں اور بعض روایات میں یہ قصہ دوسری طرح بھی آیا ہے۔ ممکن ہے کہ کئی واقعات ہوں اور ان کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہو۔ (معارف)

اکابر اہل علم نے ان دونوں قصوں میں سے اسی دوسرے قصے کو صحیح قرار دیا ہے، امام نسائی فرماتے ہیں کہ شہد کے معاملہ میں حضرت عائشہ کی حدیث نہایت صحیح ہے، اور حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حرام کر لینے کا قصہ کسی عمدہ طریق سے نقل نہیں ہوا، قاضی عیاض فرماتے ہیں یہ آیت حضرت ماریہ کے معاملہ میں نہیں بلکہ شہد کے معاملہ میں نازل ہوئی ہے، قاضی ابوبکر ابن عربی شہد ہی کے قصے کو صحیح قرار دیتے ہیں، اور یہی رائے امام نووی اور حافظ بدر الدین عینی کی ہے، ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت شہد کو اپنے اوپر حرام کر لینے کے بارے میں نازل ہوئی، ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (الآیة) اس آیت میں بھی قرآن کے عام اسلوب کے مطابق آپ ﷺ کا نام لیکر خطاب فرمانے کے بجائے آپ ﷺ کے اعزازی لقب يَاَيُّهَا النَّبِيُّ سے خطاب فرمایا ہے، فرمایا آپ ﷺ اپنی ازواج کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے اپنے اوپر حلال چیز کو حرام فرما کر کیوں تنگی کرتے ہیں يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ میں اگرچہ صورت استفہام کی ہے مگر مقصد ناپسندیدگی کا اظہار ہے یہ کلام اگرچہ از روئے شفقت ہوا مگر صورت جواب طلبی کی تھی اور آپ ﷺ کو اس بات پر تنبیہ کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا جو فعل آپ ﷺ سے صادر ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ نے جس چیز کو حلال کیا ہے اسے حرام کرنے کا اختیار

کسی کو بھی نہیں ہے حتی کہ خود نبی ﷺ کو بھی نہیں ہے، اگر چہ حضور ﷺ نے اس چیز کو نہ عقیدۃً حرام سمجھا تھا اور نہ اسے شرعاً حرام قرار دیا تھا؛ بلکہ صرف اپنی ذات پر اس کے استعمال کو ممنوع کر لیا تھا، لیکن چونکہ آپ ﷺ کی حیثیت ایک عام آدمی کی نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کی تھی، اور آپ ﷺ کے کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے یہ خطرہ پیدا ہو سکتا تھا کہ امت بھی اس شئی کو حرام یا کم از کم مکروہ سمجھنے لگے، یا امت کے افراد یہ خیال کرنے لگیں کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اس فعل پر مشفقانہ گرفت فرمائی اور آپ ﷺ کو اس تحریم سے باز رہنے کا حکم دیا۔

کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے کی تین صورتیں ہیں، ① اگر کوئی شخص کسی حلال قطعی کو عقیدۃً حرام قرار دے تو یہ کفر اور گناہ عظیم ہے ② اور اگر عقیدۃً حرام نہ سمجھے مگر بلا کسی ضرورت و مصلحت کے قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کر لے تو یہ گناہ ہے، اس قسم کو توڑنا اور کفارہ ادا کرنا واجب ہے اور اگر کسی ضرورت و مصلحت سے ہو تو جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے ③ تیسری صورت یہ کہ نہ عقیدۃً حرام سمجھے نہ قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرے مگر عملاً اس کو ترک کرنے کا دل میں عزم کر لے، یہ عزم اگر اس نیت سے کرے کہ اس کا دائمی ترک باعث ثواب ہے تب تو یہ بدعت اور رہبانیت ہے جو شرعاً گناہ اور مذموم ہے اور ترک دائمی کو ثواب سمجھ کر نہیں بلکہ اپنے کسی جسمانی یا روحانی مرض کے علاج کے طور پر کرتا ہے تو بلا کراہت جائز ہے جیسا کہ کوئی شوگر (شَکَر) کا مریض (شَکَر) کا استعمال ترک کر دے۔ (معارف)

واقعہ مذکورہ میں آپ ﷺ نے قسم کھالی تھی نزول آیت کے بعد اس قسم کو توڑا اور کفارہ ادا کیا، جیسا کہ درمنثور کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک غلام کفارۂ قسم میں آزاد کیا۔ (از بیان القرآن)

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ یعنی ایسی صورت میں جہاں قسم کا توڑنا ضروری یا مستحسن ہو تمہاری قسموں سے حلال ہونے یعنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینے کا راستہ نکال دیا ہے، قسم کا یہ کفارہ سورۂ مائدہ آیت ۸۹ میں بیان کیا گیا ہے چنانچہ آنحضور ﷺ نے بھی کفارہ ادا کیا۔ (کما مر آنفا)

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ (الآیة) وہ راز کی بات کیا تھی جو آپ ﷺ نے اپنی کسی بیوی سے کہی تھی، صحیح اور اکثر روایات کی رو سے شہد کو حرام کرنے کی بات تھی، اور مخفی رکھنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو اس سے تکلیف و رنج نہ ہو، مگر اس بیوی نے یہ راز دوسری بیوی پر ظاہر کر دیا، اس راز کی بات کے بارے میں اگر چہ اور اقوال بھی منقول ہیں مگر راجح یہی قول ہے۔

فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ (الآیة) جب اس بیوی نے وہ راز کی بات دوسری بیوی سے کہہ دی اور اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اس افشائے راز کی خبر کر دی تو آپ ﷺ نے اس بیوی سے افشائے راز کا شکوہ کیا مگر پوری بات نہیں کھولی کچھ بات کہی اور کچھ کو ٹال گئے تاکہ اس بیوی کو زیادہ خجالت اور شرمندگی نہ ہو، یہ آنحضرت ﷺ کا کرم اور حسن سلوک تھا، جس بیوی سے راز کی بات کہی تھی وہ کون تھی؟ اور جس پر راز ظاہر کیا وہ کون؟ قرآن کریم نے اس کو بیان نہیں کیا، اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ راز کی بات حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے کہی گئی تھی انہوں نے حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے ذکر کر دیا۔

بعض روایات حدیث میں ہے کہ حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کے راز فاش کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا، مگر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو بھیج کر آپ ﷺ کو طلاق سے روک دیا اور فرمایا کہ وہ بہت نماز گذار اور بکثرت روزے رکھنے والی ہیں اور ان کا نام جنت میں آپ ﷺ کی بیویوں میں لکھا ہوا ہے۔ (مظہری، معارف) بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک طلاق دیدی تھی مگر جبرئیل کے کہنے سے آپ ﷺ نے رجوع فرمالیا۔

اِنْ تَتُوْبَا اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا، اِنْ تَتُوْبَا تثنیہ کا صیغہ ہے جس سے مراد دو بیویاں ہیں وہ دو کون ہیں؟ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کی ایک طویل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا اور حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا ہیں، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے ایک روز موقع پا کر خود حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے ان دونوں کے بارے میں دریافت فرمایا تو حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا وہ حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا اور عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا ہیں، اِنْ تَتُوْبَا میں دونوں ازواج کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہارے قلوب حق سے مائل ہو گئے ہیں اس کا تقاضہ ہے کہ تم توبہ کرو، کیونکہ آپ ﷺ کی محبت اور رضا جوئی ہر مومن کے لئے ضروری ہے، مگر تم دونوں نے باہم مشورہ کر کے ایسی صورت اختیار کی جس سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچی لہٰذا اس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا اس آیت میں اہل ایمان کو ایک نہایت ہی اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور وہ ہے اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کی بھی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام، تاکہ یہ سب جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو اور دس سال کی عمر میں بچوں میں نماز سے تساہل دیکھو تو انہیں سرزنش کرو۔ (سنن ابی داؤد و سنن ترمذی)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا بفتح النُّون وضمّها صادِقَةً بأنْ لّا يُعادَ اِلى الذَّنْبِ ولا يُرادَ العَوْدُ اِلَيْهِ عَسٰی رَبُّکُمْ ترجِيَةٌ تَقَعُ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ بَساتِينَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ بادخالِ النّارِ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ اَمامَهُمْ وَ يَكُونُ بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ مُسْتانِفٌ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا اِلى الجَنَّةِ والمُنافِقُونَ يُطْفىٰ نُورُهُم وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿٨﴾ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ بالسَّيفِ وَالْمُنٰفِقِیْنَ بِاللِّسانِ والحُجَّةِ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ بالانْتِهارِ والمَقْتِ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿٩﴾ هِيَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ کَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فِي الدِّينِ اِذ كَفَرَتا وكانَتْ اِمْرَأَةُ نُوحٍ وَاسْمُهَا وَاهِلَةُ تَقُولُ لِقَومِه اِنَّهُ مَجْنُونٌ وَامْرَأَةُ لُوطٍ وَاسْمُهَا وَاعِلَةُ تَدُلُّ عَلىٰ اَضْيافِهِ اِذا نَزَلُوا بِه لَيْلًا بِاِيْقادِ النّارِ ونَهارًا بالتَّدخِينِ فَلَمْ یُغْنِیَا اي نُوحٌ ولُوطٌ عَنْهُمَا مِنَ اللّٰہِ مِنْ عَذابِه شَیْئًا وَّقِیْلَ لَهُما ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ﴿١٠﴾ مِنْ كُفّارِ قَومِ نُوحٍ وقَومِ لُوطٍ وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اٰمَنَتْ بِمُوسىٰ وَاسْمُهَا اٰسِيَةُ فَعَذَّبَهَا فِرْعَوْنُ بِاَنْ اَوْتَدَ يَدَيْهَا ورِجْلَيْهَا وَالْقىٰ عَلىٰ صَدْرِهَا رَحىٰ عَظِيْمَةً

وَاسْتَقْبَلَ بِهَا الشَّمْسَ فَكَانَتْ اِذَا تَفَرَّقَ عَنْهَا مَنْ وُكِّلَهَا ظَلَّلَتْهَا المَلَائِكَةُ **اِذْ قَالَتْ** فِي حَالِ التَّعْذِيْبِ **رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ** فَكَشَفَ لَهَا فَرَأَتْهُ فَسَهَلَ عَلَيْهَا التَّعْذِيْبُ **وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ** وَتَعْذِيْبِهِ **وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۱۱﴾ اَهْلِ دِيْنِهِ فَقَبَضَ اللّٰهُ رُوْحَهَا وقَالَ ابْنُ كَيْسَان رُفِعَتْ اِلَى الْجَنَّةِ حَيَّةً فَهِيَ تَاكُلُ وَتَشْرَبُ **وَمَرْيَمَ** عَطْفٌ عَلٰى اِمْرَأَةِ فِرْعَوْنَ **ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا** حَفِظَتْه **فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا** اَى جِبْرَئِيْلُ حَيْثُ نَفَخَ فِي جَيْبِ دِرْعِهَا بِخَلْقِ اللّٰهِ فِعْلَه الوَاصِلَ اِلٰى فَرْجِهَا فَحَمَلَتْ بِعِيْسٰى **وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا** بِشَرَائِعِهِ **وَكُتُبِهِ** المُنْزَلَةِ **وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ** ﴿۱۲﴾ مِنَ القَوْمِ المُطِيْعِيْنَ.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی توبہ کرو (نَصُوْحًا) میں نون کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ اس طریقہ پر کہ نہ دوبارہ گناہ کرے گا اور نہ اس کا ارادہ کرے گا امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہوں کو دور کردے گا اور یہ ایسی توقع ہے کہ جس کا وقوع (یقیناً) ہوگا، تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جس دن اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو آگ میں داخل کرکے رسوانہ کرے گا ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا اللہ سے دعاء کرتے ہوں گے (یَقُوْلُوْنَ) جملہ مستانفہ ہے، اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے اس نور کو جنت میں پہنچنے تک باقی رکھئے اور منافقوں کا نور بجھ جائے گا، اور اے ہمارے پروردگار! تو ہماری مغفرت فرما بے شک تو ہر شئ پر قادر ہے اے نبی! کفار سے تلوار سے اور منافقین سے زبان اور دلیل سے جہاد کیجئے اور ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑک سے ان پر سختی کیجئے، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نوح اور لوط کی بیویوں کی مثال بیان فرمائی ہے اور یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں ان دونوں نے ان کے دین میں جب کہ کفر کیا خیانت کی نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی بیوی جس کا نام واہلہ تھا، اپنی قوم سے کہا کرتی تھی کہ یہ (میرا شوہر) پاگل ہے اور لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی بیوی جس کا نام واعلہ تھا اپنی قوم کو لوط علیہ الصلاۃ والسلام کے مہمانوں کی نشاندہی کردیتی تھی، جب رات کو آتے تھے تو آگ جلا کر اور دن میں دھواں کرکے، نوح علیہ الصلاۃ والسلام اور لوط علیہ الصلاۃ والسلام ان سے اللہ کے عذاب کو روکنے میں کچھ کام نہ آئے ان کو حکم دیا جائے گا کہ قوم نوح اور قوم لوط میں سے داخل ہونے والے کافروں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہوجاؤ اور اللہ نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی جو کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان لائی تھی اور اس کا نام آسیہ تھا، اور فرعون اس کے ہاتھ اور پیروں میں میخ گاڑ کر سزا دیتا تھا، اور اس کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا تھا، اور اس کو سورج کے رخ کردیتا تھا، اور جب وہ لوگ جن کے اس کو حوالہ کیا تھا الگ ہوجاتے تو فرشتے اس پر سایہ فگن ہوجاتے، جب کہ اس نے حالت تعذیب میں دعاء کی اے میرے پروردگار! تو میرے لئے اپنے پاس جنت میں مکان بنادے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے (پردے) اٹھادیئے، جس سے اس نے اپنا مکان دیکھ لیا، اور سزا کو

برداشت کرنا اس کے لئے آسان ہوگیا، اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے (یعنی اس کی سزا سے) بچا اور مجھے اس کی ظالم قوم یعنی اس کے ہم مذہب لوگوں سے بچا تو اللہ نے اس کی روح کو قبض کرلیا، اور ابن کیسان نے کہا ہے کہ ان کو زندہ جنت کی طرف اٹھالیا گیا، تو وہ کھاتی ہے اور پیتی ہے، (اور مثال بیان فرمائی) مریم بنتِ عمران کی اس کا عطف اِمْرَأَةَ فِرْعَوْنَ پر ہے، جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دی، یعنی جبرائیل نے اس طریقہ پر کہ اس نے اس کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماردی، اللہ نے جبرئیل کے فعل کو تخلیق کرکے چنانچہ وہ عیسیٰ سے حاملہ ہوگئیں، اور اس نے اپنے رب کی باتوں کی شریعت کی اور اس کی نازل کردہ کتابوں کی تصدیق کی، اور وہ عبادت گذار لوگوں میں سے تھی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: نَصُوْحًا نون کے فتحہ کے ساتھ، مبالغہ کا صیغہ ہے، بروزن شَکُوْرٌ، تَوْبَةٌ کی صفت ہے یعنی انتہائی خالص توبہ، اور نون کے ضمہ کے ساتھ، مصدر ہے جیسے نَصَحَ نُصْحًا و نُصُوحًا اس صورت میں توبةً کی صفت مبالغةً ہوگی اور زیدٌ عدل کے قبیل سے ہوگی، ورنہ تو مصدر کا حمل ذات پر لازم آئے گا، نُصُوْحًا، تَوْبَةً کی صفت اسناد مجازی کے طور پر ہوگی ورنہ حقیقت میں نصوحًا تائب کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: تَرَجِّيَةٌ تَقَعُ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ عَسٰی ترجی اور توقع کے لئے استعمال ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ترجی اور توقع نہیں ہوتی بلکہ یقینی الوقوع ہوتی ہے۔

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عَسٰی اگرچہ توقع و ترجی، امید و طمع کے لئے آتا ہے مگر قرآن میں یقینی الوقوع کے لئے استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ یہاں ہے۔

قَوْلُہٗ: یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ، یَوْمَ یا تو، یُدْخِلَکُمْ کی وجہ سے منصوب ہے یا اُذْکُر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا یا تو اس کا عطف النبی پر ہے اس صورت میں وقف مَعَهٗ پر ہوگا اور نورھم یَسْعٰی کلام مستانف ہوگا اس صورت میں نورھم مبتداء ہوگا اور یَسْعٰی بینھُمْ اس کی خبر اور یہ بھی ہوسکتا ہے نُوْرُھُمْ یَسْعٰی جملہ حال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہو۔

قَوْلُہٗ: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا، ضَرَبَ بمعنی جَعَلَ متعدی بدو مفعول ہے مَثَلًا مفعول بہ ثانی مقدم اِمْرَأَةَ نوحٍ مفعول بہ اول

ہے مفعول بہ اول کو مؤخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کانَتَا تحتَ عَبْدَیْنِ الخ سے مفعول اول یعنی اِمرأۃ نوحٍ، امرأۃ لوطٍ کا حال بیان کیا جارہا ہے لہٰذا مفعول اول کو مؤخر کردیا تا کہ حال اور صاحب حال متصل ہوجائیں۔

قِوْلَہٗ: اِمْرَاَتَ نُوْحٍ وامْرَأتَ لوطٍ مصحف امام کے رسم الخط کے مطابق اِمْرأۃ کو لمبی تاء کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: شیئًا یہ حذف موصوف کے ساتھ لم یُغْنِیَا کا مفعول مطلق ہے ای لم یُغْنیا اِغْناءً شَیْئًا۔

قِوْلَہٗ: قِیْلَ یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے، اور قائل ملائکہ ہیں۔

قِوْلَہٗ: وتَعْذِیْبِہٖ یہ عَمَلِہٖ کا عطف تفسیری ہے۔

قِوْلَہٗ: ای جبرئیل، جبرئیل، رُوْحَنَا کی تفسیر ہے۔

تفسیر وتشریح

تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَصُوحا "توبہ" کے لفظی معنی لوٹنے، رجوع کرنے کے ہیں، مراد گناہوں سے رجوع کرنا ہے، قرآن وسنت کی اصطلاح میں توبہ اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے پچھلے گناہ پر نادم وشرمندہ ہو اور آئندہ اس کے ارتکاب نہ کرنے کا پختہ عزم کرے، نَصُوح، نُصْحٌ کے معنی عربی زبان میں خلوص اور خیر خواہی کے ہیں، خالص شہد کو عَسَلٌ ناصحٌ کہتے ہیں اس لئے کہ وہ موم اور دیگر آلائشوں سے پاک صاف ہوتا ہے، پھٹے ہوئے کپڑوں کی مرمت کرنے کو بھی نصاحۃ کہتے ہیں، تَوْبَۃُ النصوح کا مطلب ہوگا ایسی خالص توبہ کہ جس میں ریاء ونفاق کا شائبہ تک نہ ہو، یا آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی کرے اور گناہ سے توبہ کر کے خود کو بدانجامی سے بچالے، یا یہ کہ گناہ کی وجہ سے اس دین میں جو شگاف پڑ گیا ہے توبہ کے ذریعہ اس کی اصلاح کرے حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ توبۃ النصوح یہ ہے کہ آدمی اپنے گذشتہ عمل پر نادم ہو اور اس کی طرف نہ لوٹنے کا پختہ عزم رکھتا ہو، اور کلبی نے کہا کہ توبۃ النصوح یہ ہے کہ زبان سے استغفار کرے اور دل میں نادم ہو اور اپنے بدن واعضاء کو آئندہ اس گناہ سے روکے، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک مرتبہ ایک بدو کو جلدی جلدی توبہ کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ توبۃُ الکذّابین ہے، اس نے پوچھا پھر صحیح توبہ کیا ہے؟ فرمایا اس کے ساتھ چھ چیزیں ہونی چاہئے ① جو کچھ ہو چکا اس پر نادم ہو ② جن فرائض سے غفلت کی ان کو ادا کرے ③ جس کا حق مارا ہو اس کو واپس کرے ④ جس کو تکلیف پہنچائی ہو اس سے معافی مانگے ⑤ آئندہ کے لئے عزم کرے کہ اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا ⑥ اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں گلا دے، جس طرح تو نے اب تک اسے معصیت کا خوگر بنائے رکھا ہے اور اس کو اطاعت کی تلخی کا مزا چکھا، جس طرح اب تک تو اسے معصیتوں کی حلاوت کا مزا چکھاتا رہا ہے۔

(کشاف، مظہری)

فائدہ: توبہ کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے، اول یہ کہ توبہ درحقیقت کسی معصیت پر اس لئے نادم ہونا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی ہے، ورنہ کسی گناہ سے اس لئے پرہیز کا عہد کر لینا کہ مثلاً وہ صحت کے لئے نقصان دہ ہے یا کسی بدنامی یا مالی نقصان کا موجب ہے، یہ توبہ کی تعریف میں نہیں آتا، دوسرے یہ کہ جس وقت یہ احساس ہو جائے کہ اس سے اللہ کی نافرمانی ہوئی ہے تو توبہ کرنے میں جلدی کرے اور بلا تاخیر اس کی تلافی کرنی چاہئے، تیسرے یہ کہ توبہ کر کے بار بار توڑتے چلے جانا اور توبہ کو کھیل بنا لینا اور اسی گناہ کا بار بار اعادہ کرنا جس سے توبہ کی گئی ہے یہ توبہ کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے، چوتھے یہ کہ جو شخص سچے دل سے توبہ کر کے یہ عزم کر چکا ہو کہ پھر اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا اس سے اگر بشری کمزوری کی بنا پر اسی گناہ کا اعادہ ہو جائے تو پچھلا گناہ تازہ نہ ہوگا، البتہ اسے بعد والے گناہ پر پھر توبہ کرنی چاہئے، پانچویں یہ کہ ہر مرتبہ جب معصیت یاد آئے تو توبہ کی تجدید کرنا لازم نہیں ہے لیکن اگر اس کا نفس اپنی سابقہ گنہگارانہ زندگی کی یاد سے لطف لے رہا ہو تو بار بار توبہ کرنی چاہئے یہاں تک کہ گناہوں کی یاد اس کے لئے لذت کے بجائے شرمساری کی موجب بن جائے۔

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ آیت میں لفظ عَسٰی استعمال ہوا ہے اس کے معنی امید اور توقع کے ہیں مگر یہاں اس سے مراد وعدہ ہے اس لئے کہ بڑے لوگوں مثلاً بادشاہوں کا امید دلانا وعدہ سمجھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ تو بادشاہوں کے بادشاہ ان کی توقع اور امید دلانا وعدہ ہی سمجھا جائے گا، مگر لفظ عَسٰی استعمال کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ انسان کا کوئی بھی عمل یا تمام اعمالِ صالحہ بھی جنت کی قیمت نہیں بن سکتے اور نہ از روئے انصاف اللہ پر یہ لازم آتا ہے کہ عمل صالح کے بدلے میں ضرور جنت میں داخل کرے یہ محض اللہ کے فضل و کرم پر موقوف ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو صرف اس کا عمل نجات نہیں دلا سکتا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ کو بھی آپ ﷺ نے فرمایا ہاں مجھے بھی جب تک اللہ اپنے فضل و رحمت کا معاملہ نہ کرے۔ (بخاری، مظہری)

لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ مطلب یہ کہ اللہ پر واجب اور لازم نہیں کہ محض عمل کے عوض کسی کو جنت میں داخل کرے مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے اور مومنین کے اجر کو ضائع نہ کرے گا، کفار اور منافقین کو یہ کہنے کا موقع ہرگز نہ دے گا کہ ان لوگوں نے خدا پرستی کی بھی تو ان کو کیا صلہ ملا؟ رسوائی باغیوں اور نافرمانوں کے حصہ میں آئے گی نہ کہ وفاداروں اور فرمانبرداروں کے حصے میں۔

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ (الآیۃ) سورت کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے چار عورتوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں، پہلی دو عورتیں دو پیغمبروں کی بیویاں ہیں جنہوں نے دین کے معاملہ میں اپنے شوہروں کی مخالفت کی جس کے نتیجے میں جہنم میں گئیں، اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں کی زوجیت بھی ان کو عذاب سے نہ

بچاسکی، ان سے میں ایک حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی جس کا نام واہلہ بیان کیا گیا ہے، دوسری حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی جس کا نام واعلہ بیان کیا گیا ہے (قرطبی) اُن کے ناموں میں اور بھی مختلف اقوال ہیں تیسری وہ عورت جو سب سے بڑے کافر خدائی کے مدعی فرعون کی بیوی آسیہ تھی مگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آئی، اس کو اللہ نے یہ درجہ دیا کہ دنیا ہی میں اس کو جنت کا مقام دکھلا دیا، شوہر کی فرعونیت اس کی راہ میں کچھ حائل نہیں ہوسکی، چوتھی حضرت مریم ہیں جو کسی کی بیوی نہیں مگر ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ درجہ دیا کہ ان کو نبوت کے کمالات عطا کئے اگرچہ جمہور امت کے نزدیک وہ نبی نہیں۔ (معارف)

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ (الآية) یہ مثال فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم کی ہے جس وقت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جادوگروں کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے اور جادوگر ایمان لے آئے تو آسیہ بنت مزاحم نے بھی اپنے ایمان کا اظہار کر دیا، فرعون نے ان کو سخت سزا دینا تجویز کی، بعض روایات میں ہے کہ ان کو چومیخہ کر کے ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا، مگر ان سب کچھ کے باوجود کفر کی صولت وشوکت ان کی استقامت فی الدین، شدائد ومصائب پر صبر وثابت قدمی کو متزلزل نہ کرسکی۔

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ کلمات سے مراد آسمانی صحیفے ہیں اور کتب سے مراد مشہور آسمانی کتابیں ہیں۔

بحمد اللہ تمّ

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ ملک مکی ہے، تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ تَبٰرَكَ تَنَزَّهَ عَنْ صِفَاتِ الْمُحْدَثِيْنَ الَّذِيْ بِيَدِهِ فِي تَصَرُّفِهِ الْمُلْكُ السُّلْطَانُ وَالْقُدْرَةُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ فِي الدُّنْيَا وَالْحَيٰوةَ فِي الْاٰخِرَةِ اوهُمَا فِي الدُّنْيَا فالنُّطْفَةُ تُعْرَضُ لَهَا الْحَيٰوةُ وهي مَا به الاِحْسَاسُ والمَوْتُ ضِدُّهَا اَوْعَدَمُهَا قَوْلَان وَالْخَلْقُ عَلَى الثانِي بِمَعْنَى التقدِيرِ لِيَبْلُوَكُمْ لِيَخْتَبِرَكُم فِي الْحَيٰوةِ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اَطْوَعُ لِلّٰهِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ فِي اِنْتِقَامِهِ مِمَّنْ عَصَاه الْغَفُوْرُ ② لِمن تَابَ اِلَيْهِ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا بَعْضُهَا فوقَ بَعْضٍ مِن غيرِ مُمَاسَّةٍ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ لَهن ولَا لِغيرِهنَّ مِنْ تَفٰوُتٍ تَبَايُنٍ وعدمِ تَنَاسُبٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ اَعِدْه اِلَى السَّمَاءِ هَلْ تَرٰى فيها مِنْ فُطُوْرٍ ③ صُدُوعٍ وشُقُوقٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ كَرَّةً بَعْدَ كَرَّةٍ يَنْقَلِبْ يَرْجِعْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا ذَلِيْلًا لِعَدَمِ ادراكِ خَلَلٍ وَّهُوَ حَسِيْرٌ ④ مُنْقَطِعٌ عَنْ رُؤْيَةِ خَلَلٍ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا القُرْبٰى الى الاَرْضِ بِمَصَابِيْحَ بِنُجُومٍ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا مَرَاجِمَ لِّلشَّيٰطِيْنِ اِذَا اسْتَرَقُوْا السَّمْعَ بِاَن يَّنْفَصِلَ شِهَابٌ عَنِ الكَوْكَبِ كالقَبَسِ يُوخَذُ مِنَ النَّارِ فَيَقْتُلُ الجِنِّيَّ او يَخْبِلُه لا اَنَّ الكَوْكَبَ يَزُوْلُ عن مَكَانِهٖ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ⑤ النَّارِ المُوقَدَةِ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑥ هي اِذَا اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا صَوْتًا مُنْكَرًا كَصَوْتِ الحِمَارِ وَّهِيَ تَفُوْرُ ⑦ تَغْلِيْ تَكَادُ تَمَيَّزُ وقُرِئَ تَتَمَيَّزُ على الاَصْلِ تَنْقَطِعُ مِنَ الْغَيْظِ غَضَبًا على الكُفَّارِ كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ جماعَةٌ منهم سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَا سُؤَالَ تَوْبِيخٍ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ⑧ رسولٌ يُنْذِرُكم عذابَ اللّٰهِ تعالٰى قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ ما اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ⑨ يَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ مِن كَلَامِ المَلَائِكَةِ لِلْكُفَّارِ حِيْنَ اَخْبَرُوا بالتَكذِيبِ واَنْ يَّكُونَ مِن كلامِ الكُفَّارِ لِلنُّذُرِ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اي سَمَاعَ تَفَهُّمٍ اَوْ نَعْقِلُ اي عَقْلَ

تفكر ﴿مَا كُنَّا فِىٓ أَصْحٰبِ السَّعِيرِ﴾ ﴿فَاعْتَرَفُوا﴾ حيث لا ينفع الاعتراف ﴿بِذَنۢبِهِمْ﴾ وهو تكذيب النذر ﴿فَسُحْقًا﴾ بسكون الحاء وضمها ﴿لِّأَصْحٰبِ السَّعِيرِ﴾ فبعدًا لهم عن رحمة الله تعالى ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم﴾ يخافونه ﴿بِالْغَيْبِ﴾ في غيبتهم عن اعين الناس فيطيعونه سرًّا فيكون علانية اولى ﴿لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ﴾ اى الجنة ﴿وَأَسِرُّوا﴾ ايها الناس ﴿قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِۦٓ ۖ إِنَّهُۥ﴾ تعالى ﴿عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ بما فيها فكيف بما نطقتم به وسبب نزول ذلك ان المشركين قال بعضهم لبعض اسروا قولكم لا يسمعكم اله محمد ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾ ما تسرون اى اينتفي علمه بذلك ﴿وَهُوَ اللَّطِيفُ﴾ في علمه ﴿الْخَبِيرُ﴾ فيه لا.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، وہ بڑا عالی شان ہے مُحدثین (مخلوق) کی صفات سے پاک ہے، جس کے قبضہ تصرف میں بادشاہی اور قدرت ہے جس نے دنیا میں موت کو پیدا فرمایا اور حیات کو آخرت میں پیدا فرمایا، یا دونوں کو دنیا میں پیدا فرمایا چنانچہ نطفہ میں حیات ڈالی جاتی ہے، اور حیات وہ ہے کہ جس سے احساس ہوتا ہے، اور موت اس کی ضد ہے یا عدم حیات کا نام موت ہے، یہ دونوں قول ہیں، اور ثانی صورت میں خَلَق بمعنی تقدیر ہوگا، تاکہ حیات میں تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے؟ یعنی زیادہ فرمانبردار ہے، وہ اپنی نافرمانی کرنے والے سے انتقام لینے میں زبردست ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو معاف کرنے والا ہے اس نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کئے بعض بعض کے اوپر اتصال کے بغیر، تو خدا کی اس صنعت میں یا اس کے علاوہ (کسی اور صنعت) میں کوئی خلل مثلاً تباین اور عدم تناسب نہیں دیکھے گا پھر نظر آسمان کی طرف لوٹا کہیں تجھے کوئی خلل یعنی شگاف اور خستگی نظر آتی ہے؟ پھر نظر مکرر بار بار ڈال نقص کا ادراک نہ کرنے کی وجہ سے ذلیل و درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹے گی حال یہ کہ وہ نقص کے ادراک سے عاجز ہوگی بے شک ہم نے آسمان دنیا کو یعنی زمین سے قریبی آسمان کو چراغوں ستاروں سے آراستہ کیا ہے اور ہم نے انہیں شیاطین کو مارنے کا آلہ (ذریعہ) بنایا ہے جب کہ وہ چوری چھپے سننے کے لئے کان لگاتے ہیں اس طریقہ سے کہ ستارہ سے شعلہ جدا ہوتا ہے، جس طرح کہ چنگاری آگ سے جدا ہوتی ہے تو وہ جنی کو قتل کر دیتا ہے، یا اس کو پاگل بنا دیتا ہے، نہ یہ کہ ستارہ اپنی جگہ سے ہٹ جاتا ہے اور ہم نے شیطانوں کے لئے دوزخ کا جلانے والا عذاب یعنی جلانے والی آگ تیار کر رکھا ہے اور اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے اور جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو وہ اس کی گدھے کی آواز کے مانند ناخوشگوار آوازیں سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی قریب ہے کہ کافروں پر غصہ کے مارے پھٹ جائے اور اصل کے مطابق تتمیّز بھی پڑھا گیا ہے بمعنی تنقطعُ جب کبھی اس میں ان میں کی کوئی جماعت جہنم میں ڈالی جائے گی تو جہنم کے نگراں بطور توبیخ ان سے سوال کریں گے کیا تمہارے پاس ڈرانے والا رسول کہ جس نے تم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا ہو نہیں آیا تھا؟ تو وہ جواب دیں گے بے شک آیا تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلا دیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ

بھی نازل نہیں کیا تم بہت بڑی گمراہی میں ہو احتمال یہ ہے کہ یہ نبیوں کو کفار کا جواب ہو، اور وہ فرشتوں سے (یہ بھی) کہیں گے اگر ہم سمجھنے کے لئے سنتے یا غور کرنے کے لئے سمجھتے تو ہم جہنمیوں میں سے نہ ہوتے غرض وہ اپنے جرم کا اقرار کریں گے جب کہ ان کا اعترافِ جرم ان کو کوئی فائدہ نہیں دے گا، اور وہ جرم رسولوں کی تکذیب ہے سو اہل دوزخ پر لعنت ہے یعنی ان کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے، (سُحْقًا) حاء کے سکون اور ضمہ کے ساتھ بیشک وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے غائبانہ ڈرتے ہیں (یعنی) جب کہ وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہوتے ہیں تو وہ چھپ کر اس کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ ظاہر میں بطریق اولی اطاعت کرنے والے ہوں گے، ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے یعنی جنت، اور اے لوگو! تم خواہ چھپ کر بات کرو یا ظاہر کر کے بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں کا جاننے والا ہے تو پھر جو تم بولتے ہو اس کا کیا حال ہوگا؟ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ مشرکین نے آپس میں کہا کہ تم خفیہ طور پر باتیں کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ محمد (ﷺ) کا خدا سن لے، کیا وہ نہ جانے گا جس نے اس چیز کو پیدا کیا جس کو تم چھپاتے ہو یعنی کیا اس کا علم اس سے منتفی ہو جائے گا؟ نہیں، وہ اپنے علم کے اعتبار سے باریک بین اور اس سے باخبر ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: خَلَقَ الْمَوْتَ فی الدنیا، والحَیَاۃَ فِی الآخرۃ، اَوْ ھُمَا فِی الدُّنْیَا، موت اور حیات کے بارے میں اختلاف ہے ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا، کلبی اور مقاتل سے منقول ہے کہ موت اور حیات دونوں جسم ہیں، اس صورت میں موت اور حیات دونوں، وجودی ہوں گے اور خَلَقَ اپنے اصلی معنی میں ہوگا، دونوں کے درمیان تقابل تضاد ہوگا، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ موت عدم حیات کا نام ہے اس صورت میں حیات وجودی اور موت عدمی ہوگی، اس صورت میں تقابل عدم والملکہ کا ہوگا، جیسا کہ عدم البصر میں، موت کی دوسری تفسیر کی صورت میں خَلَقَ بمعنی قَدّر ہوگا، اس لئے کہ تقدیر کا تعلق عدمی اور وجودی دونوں سے جائز ہے، بخلاف خلق کے کہ اس کا تعلق وجودی شئ سے تو درست ہے مگر عدمی سے درست نہیں ہے۔

حق بات:

حق بات یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک موت وجودی ہے مگر حیات کی ضد ہے جیسا کہ حرارت اور برودت، دونوں آپس میں متضاد ہونے کے باوجود وجودی ہیں پہلا قول اہل سنت والجماعت اور دوسرا معتزلہ کا ہے۔

(حاشیہ جلالین ملخصًا)

بہتر ہوتا کہ مفسر علام (بیدہٖ) کی تفسیر بقدرتہٖ سے کرتے اس لئے کہ ''ملک'' استیلاء تصرف کو کہتے ہیں، لہٰذا مطلب ہوگا فی تصرفہ التصرف جس کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالْحَيَاةَ فِى الآخرة یعنی موت دنیا میں پیدا کی اور حیات آخرت میں، مگر اس قول کی مساعدت اللہ تعالیٰ کا قول لِيَبْلُوَكُمْ نہیں کرتا، اس لئے کہ امتحان اور آزمائش کا تعلق دنیوی حیات سے ہے نہ کہ اُخروی حیات سے، معلوم ہوا موت وحیات کا تعلق دنیا سے ہے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: اَلْقُرْبیٰ یہ قریب کا اسم تفضیل ہے یعنی وہ آسمان جو زمین سے قریب تر ہے، دنیا کو دنیا اسی وجہ سے کہتے ہیں یہ آخرت کی بنسبت قریب ہے۔

قَوْلُہٗ: يَنْقَلِبْ جمہور کے نزدیک باء کے سکون کے ساتھ ہے جواب امر ہونے کی وجہ سے اور بعض حضرات نے باء کے رفع کے ساتھ بھی پڑھا ہے یا تو جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے یا حال مقدرہ ہونے کی وجہ سے اور فاء کو حذف کر دیا گیا ہے اصل میں فَيَنْقَلِبُ تھا۔

قَوْلُہٗ: رُجُوْمًا، رُجُوْمٌ، رَجْمٌ کی جمع ہے رَجْمٌ مصدر ہے اس کا اطلاق مرجوم بہ پر کیا گیا ہے اسی لئے مفسر علام نے رجوم کی تفسیر مَرَاجِمَ سے کی ہے اَیْ یُرْجَمُ بِهٖ.

قَوْلُہٗ: بِاَنْ يَنْفَصِلَ شِهَابٌ الخ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نجوم کے ذریعہ آسمان دنیا کو زینت بخشی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ نجوم اپنی جگہ پر قائم رہیں اور وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ کا مقتضی ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں دونوں باتوں میں تضاد وتعارض ہے؟

جَوَاب: کا خلاصہ یہ ہے کہ پورا نجم شیاطین کو مارنے کے لئے اپنی جگہ نہیں چھوڑتا بلکہ اس کا ٹکڑا شیاطین کو مارتا ہے، جیسا کہ آگ میں سے ایک چنگاری۔

قَوْلُہٗ: يَخْبِلُهٗ یہ خَبْلٌ بہ سکون باء سے مشتق ہے جس کے معنی فساد فی العقل کے ہیں۔

قَوْلُہٗ: وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ، وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا خبر مقدم ہے اور عذاب جهنم مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلُہٗ: وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ جملہ حالیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: فیہ لَا اس میں اشارہ ہے کہ استفہام انکاری ہے، لہٰذا نفی النفی ہو کر اثبات ہو گیا، مقصد اللہ تعالیٰ کے احاطہ علمی کا اثبات ہے۔

تفسیر وتشریح

سورۂ ملک کے فضائل:

اس سورت کی فضیلت میں متعدد روایات آئی ہیں، جن میں چند روایات صحیح یا حسن ہیں، ایک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس میں صرف ۳۰ آیات ہیں یہ آدمی کی سفارش کرے گی یہاں تک کہ اس کو بخش

دیا جائے گا''۔ (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، مسند احمد)

دوسری روایت میں ہے ''قرآن مجید میں ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے والے کی طرف سے لڑے گی حتی کہ اسے جنت میں داخل کروائے گی''۔ (مجمع الزوائد)

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو سونے سے پہلے سورۂ الٓمٓ السجدہ اور سورۂ ملک ضرور پڑھتے تھے۔

سورۂ ملک کے دیگر نام:

اس سورت کو حدیث میں واقیہ اور منجیہ بھی فرمایا گیا ہے، ''واقیہ'' کے معنی ہیں بچانے والی اور ''منجیہ'' کے معنی ہیں نجات دینے والی۔

تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، تبارَكَ، برکۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنی بڑھنے اور زیادتی کے ہیں، جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی شان میں بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ''سب سے بالا و برتر'' ہونے کے ہوتے ہیں، بِیَدِهِ الْمُلْكُ ملک اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہاتھ سے مراد یہ معروف ہاتھ نہیں ہے بلکہ ہاتھ سے مراد قدرت، اور اختیار ہے یعنی ہر شئ اس کے شاہانہ اختیار میں ہے یَدٌ وغیرہ جیسے الفاظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے متشابہات میں سے ہیں، جس کے حق ہونے پر ایمان لانا واجب ہے مگر اس کی کیفیت و حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جسم و جوارح سے بالاتر اور پاک ہے، تفسیر مظہری میں ہے کہ موت اگرچہ عدمی چیز ہے مگر عدم محض نہیں، بلکہ ایسی چیز کا عدم ہے جس کو وجود میں کسی وقت آنا ہے، اور ایسی تمام معدومات کی شکلیں عالم مثال میں ناسوتی وجود سے قبل موجود ہوتی ہیں جن کو اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے ان اشکال کی وجہ سے ان کو قبل الوجود بھی ایک قسم کا وجود حاصل ہے اور عالم مثال کے موجود ہونے پر بہت سی روایات حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔

موت و حیات کے درجات مختلفہ:

اللہ جل شانہ نے اپنی قدرت اور حکمت بالغہ سے مخلوقات و ممکنات کی مختلف اقسام میں تقسیم فرما کر ہر ایک کو حیات کی ایک قسم عطا فرمائی ہے سب سے زیادہ کامل اور مکمل حیات انسان کو عطا فرمائی ہے، جس میں یہ صلاحیت بھی رکھ دی کہ وہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت ایک خاص حد تک حاصل کر سکے، اور یہ معرفت ہی احکام شرعیہ کی تکلیف کا مدار ہے اور وہ بار امانت ہے کہ جس کے اٹھانے سے آسمان اور زمین اور پہاڑ ڈر گئے تھے، اور انسان نے اُسے اپنی اس خداداد صلاحیت کے سبب اٹھالیا اس حیات کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت اَفَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ میں ذکر فرمایا ہے کہ کافر کو مردہ اور مومن کو زندہ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ کافر نے اپنی اس معرفت کو ضائع کر دیا جو انسان کی مخصوص حیات تھی اور مخلوقات کی بعض اصناف و اقسام حیات کا یہ درجہ تو نہیں رکھتیں مگر ان میں حس و حرکت موجود ہے اس کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ میں آیا ہے کہ اس جگہ حیات سے مراد حس و حرکت اور موت سے مراد اس کا

ختم ہو جاتا ہے اور ممکنات کی بعض اقسام میں یہ حس و حرکت بھی نہیں صرف نمو (بڑھنے کی صلاحیت) ہے جیسا کہ درخت اور عام نباتات میں اس کے بالمقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن کی آیت یُحیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا میں آیا ہے، حیات کی یہ تین قسمیں انسان، حیوان، نبات، میں منحصر ہیں، ان کے علاوہ اور کسی میں یہ اقسام حیات نہیں ہیں اس لئے حق تعالیٰ نے پتھروں سے بنے بتوں کے لئے فرمایا "اَمْوَاتٌ غیر احیاء" لیکن اس کے باوجود بھی جمادات میں ایک قسم کی حیات موجود ہے جو وجود کے ساتھ لازم ہے، اسی حیات کا اثر ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں وَاِنْ مِنْ شیٔ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو، اور آیت میں موت کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ بھی اس بیان سے واضح ہوگئی کہ اصل کے اعتبار سے موت ہی مقدم ہے ہر چیز وجود میں آنے سے پہلے موت کے عالم میں تھی، بعد میں اس کو حیات عطا ہوئی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ یہ اہل کفر کی تکذیب کے مقابلہ میں اہل ایمان کا اور ان کی نعمتوں کا ذکر ہے جو انہیں قیامت والے دن اللہ کے یہاں ملیں گی، بالغیب کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو دیکھا تو نہیں لیکن پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہوئے وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگوں کی نظروں سے غائب یعنی خلوتوں میں اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (مظهری ملخصًا)

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا سَهْلَةً لِلْمَشْيِ فِيهَا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا جَوَانِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ الْمَخْلُوقِ لِاَجْلِكُمْ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ مِنَ الْقُبُورِ لِلْجَزَاءِ ءَاَمِنْتُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْاُخْرَى وَتَرْكِهَا وَاِبْدَالِهَا اَلِفًا مَّنْ فِی السَّمَآءِ سُلْطَانُهُ وَقُدْرَتُهُ اَنْ یَّخْسِفَ بَدَلٌ مِنْ مَنْ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ تَتَحَرَّكُ بِكُمْ وَتَرْتَفِعُ فَوْقَكُمْ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ بَدَلٌ مِنْ مَنْ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا رِيحًا تَرْمِيكُمْ بِالْحَصْبَاءِ فَسَتَعْلَمُوْنَ عِنْدَ مُعَايَنَةِ الْعَذَابِ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾ اِنْذَارِي بِالْعَذَابِ اَيْ اَنَّهُ حَقٌّ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْاُمَمِ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۱۸﴾ اِنْكَارِي عَلَيْهِمْ بِالتَّكْذِيبِ عِنْدَ اِهْلَاكِهِمْ اَيْ اَنَّهُ حَقٌّ اَوَلَمْ یَرَوْا يَنْظُرُوا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ فِي الْهَوَاءِ صٰٓفّٰتٍ بَاسِطَاتٍ اَجْنِحَتَهُنَّ وَّیَقْبِضْنَ اَجْنِحَتَهُنَّ بَعْدَ الْبَسْطِ اَيْ وَقَابِضَاتٍ مَا یُمْسِكُهُنَّ عَنِ الْوُقُوعِ فِي حَالِ الْبَسْطِ وَالْقَبْضِ اِلَّا الرَّحْمٰنُ بِقُدْرَتِهِ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾ الْمَعْنَى لَمْ يَسْتَدِلُّوا بِثُبُوتِ الطَّيْرِ فِي الْهَوَاءِ عَلَى قُدْرَتِنَا اَنْ نَفْعَلَ بِهِمْ مَا تَقَدَّمَ وَغَيْرَهُ مِنَ الْعَذَابِ اَمَّنْ مُبْتَدَأٌ هٰذَا خَبَرُهُ الَّذِیْ بَدَلٌ مِنْ هٰذَا هُوَ جُنْدٌ اَعْوَانٌ لَّكُمْ صِلَةُ الَّذِي یَنْصُرُكُمْ صِفَةُ جُنْدٍ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اَيْ غَيْرِهِ يَدْفَعُ عَنْكُمْ عَذَابَهُ اَيْ لَا نَاصِرَ لَكُمْ اِنْ مَا الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ غَرَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِاَنَّ الْعَذَابَ لَا يَنْزِلُ بِهِمْ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ الرَّحْمٰنُ رِزْقَهٗ اَيِ الْمَطَرَ عَنْكُمْ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوفٌ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ اَيْ فَمَنْ يَرْزُقُكُمْ اَيْ

لَارازق لکم غیرُہٗ بَلْ لَّجُّوْا تمادوا فِیْ عُتُوٍّ تکبّرٍ وَّنُفُوْرٍ ﴿٢١﴾ تباعدٍ عن الحقّ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا واقعًا
عَلٰی وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا معتدلًا عَلٰی صِرَاطٍ طریقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿٢٢﴾ وخبرُ من الثانیة محذوفٌ دلّ
علیه خبرُ الاُولٰی ای اَهْدٰی والمَثَلُ فی المؤمنِ والکافرِ ای اَیُّهُمَا علٰی هُدًی قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ
خلقکم وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ القلوبَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ ما مزیدةٌ والجملةُ مستانفةٌ
مخبرةٌ بقلّةِ شکرهم جدًا علی هذه النعم قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَکُمْ خلقکم فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٤﴾
للحساب وَیَقُوْلُوْنَ للمؤمنین مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ وعدُ الحشر اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿٢٥﴾ فیه قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ
بمجیئه عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿٢٦﴾ بَیِّنُ الانذار فَلَمَّا رَاَوْهُ ای العذابَ بعدَ الحشرِ زُلْفَةً قریبًا
سِیْٓئَتْ اسودّت وُجُوْهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَقِیْلَ ای قال الخزنةُ لهم هٰذَا ای العذابُ الَّذِیْ کُنْتُمْ بِهٖ بانذاره
تَدَّعُوْنَ ﴿٢٧﴾ انکم لا تُبعثون وهذه حکایةُ حالٍ تاتی عُبّر عنها بطریقِ المضی لتحقّقِ وقوعها
قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَکَنِیَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِیَ من المؤمنین بعذابه کما تقصدون اَوْ رَحِمَنَا فلم یعذّبنا
فَمَنْ یُّجِیْرُ الْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿٢٨﴾ ای لا مجیرَ لهم منه قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَکَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ بالتاء
والیاء عند معاینةِ العذاب مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿٢٩﴾ بینٍ انحن ام انتم ام هم قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ
مَآؤُکُمْ غَوْرًا غائرًا فی الارض فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ﴿٣٠﴾ جارٍ تنالُه الایدی والدِّلاءُ کمائکم ای لا یاتی
به الا اللّٰه فکیف تنکرون ان یبعثکم ویستحبّ ان یقولَ القاریُ عقیبَ معینٍ اللّٰهُ ربُّ العلمین کما
وردَ فی الحدیث وتُلیت هذه الآیةُ عند بعض المتجبّرین فقال تاتی به الفؤسُ والمعاولُ فذهب ماءُ
عینه وعمی نعوذُ باللّٰه من الجرأةِ علی اللّٰه وعلی اٰیاته.

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر نرم، اس پر چلنے کے قابل کر رکھا ہے تاکہ تم اس کے اطراف و جوانب میں چلو پھرو اور خدا کی روزی میں سے جس کو اس نے تمہارے لئے پیدا کیا، کھاؤ، اور قبروں میں سے جزاء کے لئے اسی کی طرف اٹھ کھڑا ہونا ہے، کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے؟ (أأمِنْتُم) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ، اور مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال کر کے، اور اس کو الف سے بدل کر، کہ آسمان والا یعنی آسمان میں جس کی سلطنت اور قدرت ہے تم کو زمین میں دھنسا دے (اَنْ یَخْسِفَ) مَنْ سے بدل ہے اور اچانک زمین لرزنے لگے، یعنی تم کو لے کر تھرتھرانے لگے اور تمہارے اوپر پلٹ جائے، کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے؟ اس بات سے کہ وہ ایسی آندھی بھیج دے کہ جو تمہارے اوپر سنگ ریزے برسائے، عنقریب معائنۂ عذاب کے وقت، تم کو معلوم ہو جائے گا کہ عذاب سے میرا ڈرانا کیسا رہا!!! اس سے پہلے جو

امتیں گذر چکی ہیں انہوں نے بھی (دین حق کو) جھٹلایا (سو دیکھ لو!) موت کے وقت میرا عذاب ان کے جھٹلانے کی وجہ سے کیسا رہا!! یعنی وہ عذاب مقتضی کے مطابق رہا، کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر ہوا میں پر پھیلائے اور پروں کو سمیٹے ہوئے پر پھیلانے کے بعد پرندوں پر نظر نہیں کی حالت بسط وقبض میں رحمٰن ہی (ان کو) اپنی قدرت سے تھامے رہتا ہے، بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے (آیت کا) مطلب یہ ہے کہ کیا یہ لوگ پرندوں کے ہوا میں ٹھہرے رہنے سے ہماری قدرت پر استدلال نہیں کرتے، کہ ہم ان کے ساتھ ماقبل میں مذکور وغیرہ عذاب کا معاملہ کر سکتے ہیں خدا کے سوا تمہارا وہ کونسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ یعنی تم سے اس کے عذاب کو دفع کر سکے (اَمَّنْ) مبتداء ہے (هٰذا) اس کی خبر ہے (الَّذِیْ) هذا سے بدل ہے (جُنْدٌ) بمعنی اَعْوان ہے (لَکُمْ) اَلَّذِیْ کا صلہ ہے اور یَنْصُرُکُمْ جُنْدٌ کی صفت ہے، یعنی اس کے سوا تمہارے عذاب کو دفع کر سکے، مطلب یہ ہے کہ تمہارا کوئی مددگار نہیں، یہ کافر محض دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، شیطان نے یہ کہہ کر ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے کہ ان پر عذاب ہونے والا نہیں ہے، وہ کون ہے؟ جو تم کو روزی پہنچا سکے اگر رحمٰن اپنی روزی یعنی بارش کو تم سے روک لے اور جوابِ شرط محذوف ہے، جس پر اس کا ماقبل دلالت کر رہا ہے، (اور وہ) فَمَنْ یَرْزُقُکُمْ ہے، یعنی اس کے علاوہ تمہارا کوئی رازق نہیں، بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت میں حق سے دوری پر اڑے ہوئے ہیں (اچھا بتاؤ!) وہ شخص جو اوندھا، منہ کے بل چلے منزل مقصود پر پہلے پہنچنے والا ہوگا یا وہ شخص جو سیدھا کھڑے ہو کر ہموار سڑک پر چلے ثانی مَنْ کی خبر محذوف ہے جس پر پہلے مَنْ کی خبر یعنی اَهْدیٰ دلالت کر رہی ہے اور (مذکورہ) مثال مومن اور کافر کی ہے، یعنی ان میں سے کونسا ہدایت پر ہے؟ آپ ان سے کہئے وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور جس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم میں بہت کم لوگ ہیں جو شکر گذار ہیں (مَا) زائدہ ہے اور جملہ مستانفہ ہے، ان نعمتوں پر ان کی بہت کم شکر کی خبر دے رہا ہے آپ (یہ بھی) کہئے کہ وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلایا (پیدا کیا) اور حساب کے لئے، اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے، اور یہ لوگ مومنین سے کہتے ہیں یہ حشر کا وعدہ کب (پورا ہوگا؟) اگر تم اس وعدہ میں سچے ہو (تو بتلاؤ!) آپ کہئے کہ اس کی آمد کے وقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں یعنی واضح طور پر ڈرانے والا ہوں، جب یہ لوگ حشر کے بعد عذاب کو قریب تر دیکھیں گے تو ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے یعنی سیاہ ہو جائیں گے اور کہا جائے گا یعنی دوزخ کے نگران ان سے کہیں گے یہی ہے وہ عذاب کہ جس سے ڈرانے کے سبب تم دعویٰ کرتے تھے کہ تم کو مرنے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا، یہ آنے والی حالت کا بیان ہے جس کو متحقق الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کر دیا گیا ہے، آپ ان سے کہئے کہ اچھا تم بتاؤ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو جو مومن ہیں اپنے عذاب سے ہلاک کر دے جیسا کہ تم چاہتے ہو یا ہمارے اوپر رحم فرمائے کہ ہم کو عذاب نہ دے، تو کافروں کو عذاب الیم سے کوئی بچائے گا؟ یعنی ان کو عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہی رحمان ہے ہم تو اسی پر ایمان لا چکے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے، عذاب دیکھنے کے وقت تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا،

فستعلمون تاءاوریاء کے ساتھ کہ کھلی گمراہی میں کون ہے؟ ہم یا تم یا وہ؟ آپ ان سے کہئے کہ اچھا یہ بتاؤ اگر تمہارا پانی گہرائی میں اتر جائے یعنی زمین میں نیچے چلا جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے چشمہ کا پانی لائے؟ جس کو تم ہاتھوں اور ڈولوں سے حاصل کرسکو جیسا کہ تمہارا (موجودہ) پانی، یعنی اللہ کے سوا اس کو کوئی نہیں لاسکتا پھر تم تمہارے زندہ ہوا ٹھنے کا کیوں انکار کرتے ہو؟ اور مستحب ہے کہ تلاوت کرنے والا (معین) کے بعد کہے اللّٰہ رب العالمین جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، بعض جبارین کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی گئی تو اس نے کہا پھاوڑے اور کدال لے آئیں گے، چنانچہ اس کی آنکھ کا پانی خشک ہوگیا اور اندھا ہوگیا، ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اللہ اور اس کی آیتوں پر بے باکی کرنے سے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: مَنَاكِبِهَا جمع منتہی الجموع ہے، واحد مَنْكِبٌ بمعنی جانب، طرف، اسی نسبت سے آدمی کے مونڈھوں کو منکب کہا جاتا ہے۔

قَوْلُهُ: بتحقیق الهمزتین الخ اس میں کل پانچ قراءتیں ہیں، پہلا ہمزہ محقق ہی ہوتا ہے، دوسرا کبھی محقق اور کبھی مسہل، دونوں صورتوں میں دونوں کے درمیان الف داخل کرکے اور ترک ادخال کرکے، یہ چار صورتیں ہوگئیں، اور ایک صورت دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر کل پانچ صورتیں ہوگئیں۔

قَوْلُهُ: اَنْ يَخْسِفَ یہ مَنْ سے بدل الاشتمال ہے۔

قَوْلُهُ: حَاصِبٌ بادِ سخت کہ سنگ ریزہ بردارد (صراح) حَاصِبًا، بادِ سنگبار، سخت آندھی، حَصْبَاء کنکریوں کو کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: اِنذاری اس میں اشارہ ہے کہ نذیر بمعنی انذار ہے اور یاء محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: اَوَلَمْ يَرَوْا واؤ عاطفہ ہے اور ہمزہ محذوف پر داخل ہے تقدیر عبارت یہ ہے أَغَفَلُوْا وَلَمْ يَرَوْا.

قَوْلُهُ: صٰفّٰتٍ وَيَقْبِضْنَ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔

سَوَال: يَقْبِضْنَ کا عطف صافات پر ہے، کیا وجہ ہے کہ معطوف علیہ اسم ہے اور معطوف فعل؟

جَوَاب: پرندوں میں اصل یہ ہے کہ ان کے پر کھلے ہوئے اور پھیلے ہوئے ہوں اس لئے کہ طائر کو طائر یا پرندہ کو پرندہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں صفتِ طیر اور صفت پرواز اصل ہے اور قبض یعنی پروں کو سکیڑنا یہ طاری (خلاف اصل) ہے لہٰذا اصلی صفت کو اسم سے تعبیر کیا اس لئے کہ اسم استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے، اور قبض (یعنی سکیڑنے) کو فعل سے تعبیر کیا کیونکہ وہ طاری اور حادث ہے اور فعل حدوث پر دلالت کرتا ہے۔

قَوْلُهُ: قابضاتٍ اس میں اشارہ ہے کہ يَقْبِضْنَ، قابضات کی تاویل میں ہے تاکہ عطف درست ہوجائے، دونوں جگہ اَجْنِحَتَهُنَّ ظاہر کرکے اشارہ کردیا کہ دونوں کے دونوں مفعول محذوف ہیں، دوسرے مَنْ مبتداء کی خبر پہلے مَنْ مبتداء کی خبر پر

قیاس کرتے ہوئے حذف کردی گئی ہے ای اَھْدیٰ اور اَھْدیٰ اسم تفضیل اسم فاعل کے معنی میں ہے، مفسر علام نے اپنے قول اَیُّھُما علی ھُدًی سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ: ما مَزِیدة، قَلِیْلًا مَّا میں مَا تاکید قلت کے لئے زائدہ ہے اور قَلِیْلًا موصوف محذوف کی صفت ہے ای شُکرًا قلیلًا.

قولہ: اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِینَ یہ شرط ہے اس کی جزاء محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ کُنْتُمْ صادِقِیْنَ فَبَیِّنُوا وَقْتَهُ.

قولہ: بمَجِیْئِهٖ ای بوقت مجیئه مضاف محذوف ہے۔

قولہ: زُلْفَةً یہ اِزْلافٌ کا اسم مصدر ہے، بمعنی قریب۔

قولہ: اَنَّکُمْ لَا تُبْعَثُوْنَ اس میں اشارہ ہے کہ تدّعون کا مفعول محذوف ہے۔

قولہ: وهذه حكاية حال تاتی یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: فرشتے روز قیامت کافروں سے کہیں گے کہ یہ وہی عذاب ہے جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا اور تم اس کی تردید و تکذیب کرتے تھے، یہ سوال و جواب سب زمانۂ مستقبل (قیامت) میں ہوں گے اس کا تقاضا تھا کہ قِیْلَ کے بجائے یقولون سے تعبیر کرتے؟

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ وقوع یقینی کی وجہ سے حکایت حال آتیہ کو ماضی سے تعبیر کردیا ہے، مذکورہ عبارت سے اسی سوال کا جواب دیا ہے۔

قولہ: اَرَأَیْتُمْ، اَرَأَیْتُمْ بمعنی اَخبرونی ہے جو دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے، اِنْ اَھْلَکَنِیَ اللّٰهُ الخ جملہ شرطیہ قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

قولہ: لَا مُجِیْرَ لَھُمْ اس میں اشارہ ہے کہ فَمَنْ یُجِیْرُکُمْ میں استفہام انکاری ہے۔

قولہ: اَمْ اَنْتُمْ کا تعلق فَسَتَعْلَمون میں تاء کی قراءت کی صورت میں ہے اور اَمْ ھُمْ کا تعلق فَسَیَعْلَمُوْنَ یاء کی قراءت کی صورت میں ہے۔

قولہ: مَعِیْنٌ یہ اصل میں مَعْیُوْنٌ بروزن مفعول ہے جیسا کہ مبیعٌ اصل میں مَبْیُوْعٌ تھا یاء کا ضمہ ماقبل عین کو دیدیا یا اور واو میں التقاء ساکنین ہوا واو حذف ہوگیا عین کو ی کی مناسبت سے کسرہ دیدیا گیا۔

قولہ: وعَمِیَ یہ ذَھَبَ مَاءُ عینه کا عطف تفسیری ہے۔

تفسیر وتشریح

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا (الآیة) ذلول کے معنی مطیع ومنقاد کے ہیں، اس جانور کو ذلول کہا جاتا ہے جو سواری دینے میں سرتابی اور شوخی نہ کرے، زمین کو مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زمین کا قوام اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا کہ نہ تو پانی کی

طرح سیال ورقیق اور نہ روئی اور کیچڑ کی طرح دبنے والا، کیونکہ اگر زمین ایسی ہوتی تو اس پر چلنا اور ٹھہرنا مشکل ہو جاتا، اسی طرح زمین کو لوہے اور پتھر کی طرح سخت بھی نہیں بنایا اگر ایسا ہوتا تو اس میں نہ کھیتی کی کاشت کی جاتی اور نہ درخت لگائے جاتے اور نہ اس میں کنویں اور نہریں کھودی جاسکتیں۔

زمین کا اپنی بے حد وحساب مختلف النوع آبادی کے لئے جائے قرار ہونا بھی کوئی معمولی یا سرسری بات نہیں ہے، اس کرۂ خاکی کو جن حکیمانہ مناسبتوں کے ساتھ قائم کیا گیا ہے، ان کی تفصیلات پر انسان غور کرے تو اس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مناسبتیں ایک حکیم ودانا قادر مطلق کی تدبیر کے بغیر قائم نہیں ہوسکتی تھیں۔

یہ کرۂ ارضی فضائے بسیط میں معلق ہے کسی چیز پر ٹکا ہوا نہیں ہے باوجودیکہ زمین مغرب سے مشرق کی جانب ۱۰۳۵/۶ میل برابر تقریباً ۱۶۵۵ کلومیٹر فی گھنٹہ محوری حرکت کرتی ہے (فلکیات جدیدہ) اس میں کوئی اضطراب واہتزاز نہیں ہے اگر اس میں ذرا سا بھی اہتزاز (جھٹکا) ہوتا جس کے خطرناک نتائج کا ہم کبھی زلزلہ آنے سے بآسانی لگا سکتے ہیں تو کرۂ ارض پر کوئی آبادی ممکن نہ ہوتی یہ کرۂ ارضی باقاعدگی سے سورج کے سامنے آتا اور جاتا ہے جس سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں، اگر اس کا ایک ہی رخ ہر وقت سورج کے سامنے رہتا اور دوسرا رخ ہمیشہ پوشیدہ رہتا تو یہاں کسی ذی حیات کا وجود ممکن نہ ہوتا، کیونکہ پوشیدہ رخ کی سردی اور بے نوری، نباتات اور حیوانات کو پیدائش کے قابل نہ رکھتی اور دوسرے رخ کی گرمی کی شدت روئے زمین کو بے آب وگیاہ اور غیر آباد بنا دیتی، اس کرۂ ارضی پر پانچ سو میل تقریباً ۸۰۵ کیلومیٹر بلندی تک ہوا کا ایک کثیف غلاف چڑھا ہوا ہے جو شہابوں کی خوفناک بمباری سے اسے بچائے ہوئے ہے ورنہ روزانہ دو کروڑ شہاب جو ہوا میں فی سکنڈ ۳۰ میل برابر کی رفتار سے زمین کی طرف گرتے ہیں کرۂ ارض پر وہ تباہی مچاتے کہ کسی بھی ذی حیات اور نباتات کی بقا ممکن نہ ہوتی۔

وَكُلُوا مِنْ رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ پہلے زمین میں چلنے پھرنے کی ہدایت فرمائی تھی، اس میں اشارہ ہوسکتا ہے کہ تجارت کے لئے سفر اور مال کی درآمد برآمد اللہ کے رزق کا دروازہ ہے اِلَيْهِ النُّشُوْرُ میں بتلا دیا کہ کھانے پینے رہنے سہنے کے فوائد زمین سے حاصل کرنے کی اجازت ہے مگر موت اور آخرت سے بے فکر ہو کر نہیں، انجام کار اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، زمین پر رہتے ہوئے آخرت کی تیاری میں لگے رہو۔

أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُوْرُ اس آیت میں مشرکوں، کافروں اور نافرمانوں کو ڈرایا گیا ہے کہ وہ ذات جو عرش پر جلوہ گر ہے جب چاہے تمہیں زمین میں دھنسا دے یعنی وہی زمین جو تمہاری قرارگاہ اور آرام گاہ ہے اور تمہاری روزی کا مخزن ومنبع ہے، اللہ تعالیٰ اسی زمین کو جو نہایت ہی پرسکون ہے حرکت وجنبش میں لاکر تمہاری ہلاکت کا باعث بنا سکتا ہے۔

جس طرح وہ زمین کو جنبش اور حرکت دیکر تم کو ہلاک کرسکتا ہے اسی طرح وہ آسمان سے کنکر اور پتھر برسا کر بھی تم کو نیست ونابود کرسکتا ہے جیسا کہ وہ اس سے پہلے قوم لوط اور اصحاب فیل کے ساتھ کر چکا ہے، لیکن اس وقت سمجھ میں آنا بے سود ہوگا۔

اگلی آیت میں عبرت ونصیحت کے لئے ان قوموں کی طرف اشارہ ہے جو اپنے زمانہ میں اللہ کے نبیوں کو جھٹلا کر مبتلائے عذاب ہو چکی تھیں، اس کے بعد چند آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے نمونوں کو بیان فرمایا ہے جو اسی کی اور صرف اسی کی قدرت وحکمت سے ممکن ہے، وہی ہر چیز کا نگہبان اور ہر شئ اسی کی زیر قدرت ہے اگر وہ تمہاری روزی اور اس کے اسباب کو روک لے تو تمہارے پاس کونسا لشکر ہے جو رحمان کے مقابلہ میں مدد کر کے تمہارے رزق کو جاری کرا سکے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ سرکشی پر اڑے ہوئے ہیں، اور جانوروں کی طرح منہ نیچا کئے ہوئے اسی جگہ پر چلے جا رہے ہیں جس پر انہیں کسی نے ڈال دیا ہے۔

قُلْ اَرَأَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاءُ كُمْ غَوْرًا (الآیة) یعنی آپ ﷺ ان لوگوں کو بتلا دیجئے کہ اس بات پر غور کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ پانی کو خشک فرما دیں کہ اس کا وجود ہی ختم ہو جائے یا اتنی گہرائی میں کر دیں کہ ساری مشینیں پانی نکالنے میں ناکام ہو جائیں تو بتلاؤ! پھر کون ہے جو تمہیں پانی مہیا کر دے؟ یہ اللہ کی مہربانی ہی ہے کہ تمہاری معصیتوں کے باوجود تمہیں پانی سے بھی محروم نہیں فرمایا۔

بحمد اللہ تعالیٰ

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ النُّوْنِ مَكِّيَّةٌ اثنَتَان و خَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ نون مکی ہے، باون آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ نٓ اَحَدُ حُرُوفِ الهِجاءِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرادِهٖ به وَالْقَلَمِ الَّذِىْ كُتِبَ به الكائناتُ فى اللَّوْحِ المَحفوظِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ① اى المَلائكةُ مِنَ الخَيْرِ والصَّلاحِ مَآ اَنْتَ يا مُحَمَّدُ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ② اى انْتَفَى الجُنُونُ عَنْكَ بِسَبَبِ اِنْعَامِ رَبِّكَ عليكَ بالنُّبُوةِ وغيرِها وهذا رَدٌّ لِقَولِهم اِنَّهُ لَمَجْنُونٌ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ③ مَقْطُوعٍ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ دِينٍ عَظِيْمٍ ④ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ⑤ بِاَيِّيْكُمُ الْمَفْتُوْنُ ⑥ مَصْدَرٌ كالمَعقُولِ اى الفُتُونُ بِمَعْنَى الجُنُونِ اى اَبِكَ اَمْ بِهِم اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ⑦ له وَاَعْلَمُ بِمَعْنَى عالِمٌ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑧ وَدُّوْا تَمَنَّوا لَوْ مَصدَرِيَّةٌ تُدْهِنُ تُلِينُ لهم فَيُدْهِنُوْنَ ⑨ يُلِينُونَ لك وهو مَعْطُوفٌ عَلٰى تُدْهِنُ وَاِنْ جُعِلَ جَوَابَ التَّمَنِّي المَفْهُومِ مِن وَدُّوا قُدِّرَ قَبْلَهُ بَعْدَ الفَاءِ هُمْ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ كَثِيرِ الحَلْفِ بالبَاطِلِ مَّهِيْنٍ ⑩ حَقِيرٍ هَمَّازٍ عَيَّابٍ اى مُغْتَابٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ⑪ سَاعٍ بالكَلامِ بَيْنَ النَّاسِ عَلٰى وَجْهِ الافسادِ بينهم مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ بَخِيلٍ بِالمَالِ عَنِ الحُقُوقِ مُعْتَدٍ ظَالِمٍ اَثِيْمٍ ⑫ آثِمٍ عُتُلٍّ غَلِيظٍ جَافٍ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ⑬ دَعِيٍّ فى قُرَيْشٍ وهو الوَلِيدُ بنُ المُغِيرَةِ اِدَّعَاهُ اَبُوهُ بَعْدَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سَنَةً قَالَ ابنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالٰى عنه لا نَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وتعالٰى وَصَفَ اَحَدًا بِمَا وَصَفَهُ مِنَ العُيُوبِ فَالحَقَ به عَارًا لا يُفارِقُهُ اَبَدًا وتَعَلَّقَ بِزَنِيمٍ الظَّرْفُ قَبْلَهُ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ⑭ اى لِاَنْ وهو مُتَعَلِّقٌ بِمَا دَلَّ عليه اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا القرانُ قَالَ هِيَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ⑮ اى كَذَّبَ بها لِاِنْعَامِنَا عليه بِمَا ذُكِرَ وفى قِرَاءَةٍ ءَ اَنْ بِهَمْزَتَيْنِ مَفْتُوحَتَيْنِ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ⑯ سَنَجْعَلُ عَلٰى اَنْفِهٖ عَلَامَةً يُعَيَّرُ بِهَا مَا عَاشَ فَخُطِمَ اَنْفُهُ بِالسَّيفِ يَوْمَ بَدْرٍ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ اِمْتَحَنَّا اَهْلَ مَكَّةَ بِالقَحْطِ والجُوعِ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ البُسْتَانِ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا يَقْطَعُونَ ثَمَرَتَهَا مُصْبِحِيْنَ ⑰ وَقْتَ الصَّبَاحِ كَيْلَا يَشْعُرَ لهم المَسَاكِينُ فَلَا

يُعْطُونَهم منها ما كان ابوهم يَتَصَدَّقُ به عَلَيهم مِنها **وَلَا يَسْتَثْنُونَ** ﴿١٨﴾ فِي يَمِينِهم بمشِيَّةِ اللهِ تعالىٰ والجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ اى وشَانُهم ذلك **فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ** نَارٌ اَحرَقَتها لَيلًا **وَهُمْ نَائِمُونَ** ﴿١٩﴾ **فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ** ﴿٢٠﴾ كَاللَّيلِ الشَّدِيد الظُلْمَةِ اى سَوْداءَ **فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ** ﴿٢١﴾ **أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ** غَلَّتِكُم تفسِيرٌ لِلتَّنادِيْ اَوْ اَنْ مَصْدَرِيَّةٌ اى بَانْ **إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ** ﴿٢٢﴾ مُرِيدِينَ القَطْعِ وجَوابُ الشَّرْط دَلَّ عليه مَا قَبْلَهُ **فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ** ﴿٢٣﴾ يَتَسارُونَ **أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ** ﴿٢٤﴾ تَفسيرٌ لِمَا قبلَهُ او اَنْ مَصْدَرِيَّةٌ اى بِاَنْ **وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ** مَنْعٍ لِلفُقَراءِ **قَادِرِينَ** ﴿٢٥﴾ عليه في ظَنِّهم **فَلَمَّا رَأَوْهَا** سَوْداءَ مُحْتَرِقَةً **قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ** ﴿٢٦﴾ عنها اى لَيسَتْ هذه ثم قالُوا لَمَّا عَلِمُوها **بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ** ﴿٢٧﴾ ثَمَرَتَها بمنعِنا الفقَراءَ منها **قَالَ أَوْسَطُهُمْ** خَيْرُهم **أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا** هَلَّا **تُسَبِّحُونَ** ﴿٢٨﴾ اللهَ تائِبِينَ **قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ** ﴿٢٩﴾ بِمَنْعِ الفُقَراءِ حَقَّهُم **فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ** ﴿٣٠﴾ **قَالُوا يَا** لِلتنبِيهِ **وَيْلَنَا** هلاكنا **إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ** ﴿٣١﴾ **عَسَىٰ رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا** بالتشديد والتَّخفِيفِ **خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رَاغِبُونَ** ﴿٣٢﴾ لِيَقْبَلَ تَوْبَتَنا ويَرُدَّ علينا خَيْرًا مِن جَنَّتِنا رُوِيَ انَّهم أُبدِلُوا خَيْرًا مِنها **كَذَٰلِكَ** اى مِثْلُ العَذابِ لِهٰؤُلاءِ **الْعَذَابُ** لِمَنْ خَالَفَ اَمرَنا مِنْ كُفّارِ مَكَّةَ وغيرِهِم **وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ** ﴿٣٣﴾ عَذابَها ما خَالَفُوا اَمرَنا ونزل لَمّا قالُوا اِنْ بُعِثنا نُعْطىٰ اَفْضَلَ مِنكُم

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، نٓ، یہ حروف تہجی میں سے ایک ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس سے اپنی مراد کو بہتر جانتا ہے اور قسم ہے اس قلم کی جس کے ذریعہ کائنات لوح محفوظ میں لکھی گئی، اور اس خیر وصلاح کی جس کو فرشتے لکھتے ہیں اے محمد ﷺ! آپ ﷺ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں یعنی تیرے رب کے تیرے اوپر نبوت وغیرہ کے فضل کے سبب سے تجھ سے جنون منتفی ہے یہ ان (مشرکوں) کے ان قول کا رد ہے کہ آپ مجنون ہیں اور بے شک تیرے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے اور آپ ﷺ بڑے (عمدہ خُلق) دین پر ہیں اب آپ ﷺ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کس کو جنون ہے؟ مفتون مصدر ہے جیسا کہ معقول یعنی فتون بمعنی جنون یعنی (جنون) آپ ﷺ کو ہے یا ان کو؟ بلاشبہ تیرا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ ان کو بھی بخوبی جانتا ہے جو راہ ہدایت پر ہیں اور اَعْلَمُ بمعنی عَالِمٌ ہے، تو آپ ﷺ ان تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانئے، وہ چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہو جائیں لَوْ مصدریہ ہے فَیُدْهِنُوْنَ کا عطف تُدْهِنُ پر ہے، اور اگر فَیُدْهِنُوْنَ کو جواب تمنی قرار دیا جائے جو کہ وَدُّوْا سے مفہوم ہے تو یُدْهِنُوْنَ سے پہلے اور فاء کے بعد هُمْ مقدر مانا جائے گا، اور کسی ایسے شخص کا بھی کہنا نہ ماننا کہ جو جھوٹی بہت قسم کھانے والا بے وقار عیب گو یعنی غیبت کرنے والا چغل خور ہو یعنی لوگوں کے درمیان فساد برپا کرنے کی نیت سے اِدھر کی اُدھر لگانے کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو، یعنی حقوق کے معاملہ میں مال خرچ کرنے میں بخیل ہو، حد

اعتدال سے گزرنے والا ظالم ہو، گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہو، تند خو سخت مزاج ہو پھر اس کے ساتھ بے نسب بھی ہو (یعنی) قریش کے نسب میں داخل کیا گیا ہو، اور وہ ولید بن مغیرہ ہے اس کے والد نے اس کو اٹھارہ سال بعد متبنی بنایا تھا، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ ہمارے علم میں نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے علاوہ کسی کے ایسے اوصاف بیان کئے ہوں، اور اس کے ساتھ ایسے شرم (کے اوصاف) لاحق کر دیئے ہوں کہ جو اس سے کبھی جدا نہ ہوں، زنیـــم سے اس کے ماقبل کا ظرف (یعنی ذالك) متعلق ہے (اور یہ سرکشی محض اس لئے ہے) کہ وہ مال اور اولاد والا ہے اَنّ معنی میں لِاَنَّ کے ہے، اور لِاَنَّ اس سے متعلق ہے جس پر اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ دلالت کرتا ہے، اور وہ کذّب بها الخ ہے، جب اس کو ہماری آیتیں یعنی قرآن پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ تو گذشتہ لوگوں کے قصے ہیں یعنی اس نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا، ہمارے اس کے اوپر مذکورہ انعام (مال واولاد) کی وجہ سے، اور ایک قراءت میں أن کَانَ کے بجائے أأنْ کَانَ دو مفتوحہ ہمزوں کے ساتھ ہے ہم اس کی ناک پر عنقریب داغ لگا دیں گے یعنی عنقریب ہم اس کی ناک پر ایسی علامت لگا دیں گے کہ زندگی بھر اس کے ذریعہ اس کو عار دلائی جائے گی، چنانچہ یوم بدر میں اس کی ناک پر تلوار کا زخم لگا دیا گیا، بے شک ہم نے ان اہل مکہ کو قحط اور بھوک کے ساتھ ایسے ہی آزمایا جیسا کہ ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جب کہ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ وہ باغ کے پھلوں کو صبح تڑکے ضرور توڑلیں گے، تاکہ مساکین کو ان کے پھل توڑنے کا علم نہ ہو سکے اور وہ مساکین کو پھلوں میں سے وہ حصہ نہ دیں گے جو حصہ ان کے والدان پر صدقہ کیا کرتے تھے، مگر انہوں نے اپنی قسم میں استثناء نہیں کیا (یعنی) انشاء اللہ نہیں کہا، اور جملہ مستانفہ ہے ای شـــانهـم لَایَسْتَثْنُوْنَ ذٰلِكَ، پس اس باغ پر تیرے رب کی جانب سے ایک گھومنے والی (بلا) گھوم گئی، یعنی ایسی آگ کہ اس نے باغ کو راتوں رات جلا دیا، اور وہ پڑے سوتے ہی رہے اور وہ باغ نہایت تاریک رات کے مانند ہو گیا یعنی خاک سیاہ ہو گیا، اب صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں کہ اگر تم کو پھل توڑنے ہیں تو صبح تڑکے اپنی کھیتی پر چلو، اَن اغـــدُوْا، تَـنَادَوْا کی تفسیر ہے (یعنی أن بمعنی ای ہے) یا أن مصدریہ ہے ای بِاَنْ اور جواب شرط (محذوف ہے) جس پر اس کا ماقبل یعنی اَن اغـدُوْا دلالت کر رہا ہے، پھر وہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے کہ آج کے دن کوئی مسکین تمہارے پاس آنے نہ پائے یہ ماقبل کی تفسیر ہے (اور أن بمعنی أیْ ہے) یا أن مصدریہ ہے اور معنی میں بـــاَنْ کے ہے اور وہ بزعم خویش فقراء کو نہ دینے پر خود کو قادر سمجھ کر چلے، جب انہوں نے اس باغ کو جلا ہوا سیاہ دیکھا تو کہنے لگے ہم یقیناً باغ کا راستہ بھول گئے ہیں یعنی یہ ہمارا باغ نہیں ہے پھر جب ان کو معلوم ہوا تو کہنے لگے ہم تو فقراء کو پھلوں سے روکنے کی وجہ سے، پھلوں سے محروم ہو گئے، ان میں سے جو بہتر تھا اس نے کہا کہ کیا میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس کی پاکی بیان کیوں نہیں کرتے؟ تو سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے فقراء سے ان کا حق روک کر ہم ہی ظالم تھے پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ملامت کرنے لگے، کہنے لگے: ہائے افسوس! ہماری بدقسمتی یہ یقیناً سرکش تھے کیا عجب کہ ہمارا رب اس سے بہتر بدلہ دے (یُبْـدِلَـنَـا) تشدید وتخفیف کے ساتھ ہے، ہم تو اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ وہ ہماری توبہ قبول فرمائے، اور ہمیں ہمارے باغ سے

بہتر باغ عطا فرمادے، روایت کیا گیا ہے کہ ان کو اس سے بہتر باغ بدلے میں عطا کر دیا گیا، اسی طرح عذاب ہوا کرتا ہے یعنی ان لوگوں کے عذاب کے مانند اہل مکہ میں سے جنہوں نے ہمارے حکم کی خلاف ورزی کی، اور آخرت کا عذاب اس سے بڑھ کر ہے اگر یہ آخرت کے عذاب کو جان لیتے تو ہمارے حکم کی خلاف ورزی نہ کرتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: سورة نٓ اس کا دوسرا نام سورۃ القلم بھی ہے۔

قولہ: احد حروف الهجاء اس عبارت کا مقصد ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ (ن) رحمٰن کا آخری حرف ہے یا نصر، ناصر، نور، کا پہلا حرف ہے۔

قولہ: وَمَا يَسْطُرُوْنَ، مَا مصدریہ ہے یا موصولہ مَا يَسْطُرُوْنَ ای بِمَسطورهم یعنی قسم ہے اس کی جو فرشتے لکھتے ہیں۔

قولہ: مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ یہ جواب قسم ہے اور بِنِعْمَةِ میں باء سببیہ ہے یعنی اپنے رب کے فضل کے سبب سے آپ ﷺ مجنون نہیں ہیں بنعمة جار مجرور سے مل کر اس فعل نفی کے متعلق ہے جس پر مَا دلالت کرتا ہے ای انتفی بنعمة ربك عنك الجنون، بمجنون میں باء زائدہ ہے۔ (جمل)

قولہ: بسبب انعامه اس سے جس طرح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باء سببیہ ہے اسی طرح اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اَنْتَ، مَا کا اسم اور بمجنون اس کی خبر ہے۔

قولہ: وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا الخ یہ اور اس کا مابعد جواب قسم پر معطوف ہے، گویا کہ مقسم علیہ دو ہیں ایک مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ اور دوسرا وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ.

قولہ: بِاَيِّكُمُ خبر مقدم ہے اور اَلْمَفْتُوْنُ مبتداء مؤخر ہے۔

قولہ: هُوَ مَعْطُوْفٌ عَلٰى تُدْهِنُ یعنی فَيُدْهِنُوْنَ کا عطف تُدْهِنُ پر ہے اور جس طرح معطوف لَوْ کے ماتحت ہونے کی وجہ سے مُتَمَنّٰى ہے فَيُدْهِنُوْنَ بھی مُتَمَنّٰى ہوگا، اس طرح دو چیزیں مُتَمَنّٰى ہوں گی مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ فَيُدْهِنُوْنَ جواب تَمَنِّي ہے لہٰذا منصوب ہونے کی وجہ سے اس کا نون اعرابی ساقط ہونا چاہئے، حالانکہ فَيُدْهِنُوْنَ میں نون اعرابی باقی ہے؟

جواب: یہ ہے کہ نون کے ساقط ہونے کے لئے فا کا سببیہ ہونا ضروری ہے اور یہاں فا عاطفہ ہے نہ کہ سببیہ۔

دوسرا جواب: مفسر علام نے قُدِّرَ قَبْلَه بعد الفاء سے دیا ہے، اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ فَيُدْهِنُوْنَ کی فاء کے بعد هُمْ مبتداء مقدر مان لیا جائے اور يُدْهِنُوْنَ مبتداء کی خبر ہوگی، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب تمنی ہوگا، لہٰذا اس صورت میں حذفِ نون کی ضرورت نہیں ہوگی (ترویح الارواح، فتح القدیر، شوکانی) اور بعض قراءتوں میں فَيُدْهِنُوا

بھی ہے اس صورت میں فَيُدْهِنُوْا جواب تمنی ہوگا اور فاء سببیہ ہوگی جس کی وجہ سے نون اعرابی ساقط ہوگیا۔

(فتح القدیر)

قَوْلُهٗ: ای مُعْتَابٌ، ای حرف تفسیر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مُعْتَابٌ، عَيَّابٌ کی تفسیر ہے حالانکہ مُعتابٌ، عیّابٌ کی تفسیر نہیں ہے لہٰذا مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ ایْ کے بجائے اَوْ کہتے تاکہ ھَمَّاز کی دوسری تفسیر ہو جاتی۔ (صاوی)

قَوْلُهٗ: بِـنَـمِيْـمٍ یہ مَشّـاءٍ کے متعلق ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ادھر کی ادھر لگانے کے لئے بہت دوڑ دھوپ کرنے والا ہے۔

قَوْلُهٗ: غَلِيظٌ، تندخو، جَافٌ خشک مزاج۔

قَوْلُهٗ: بعد ذلك یعنی مذکورہ تمام عیوب میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ غیر ثابت النسب ہے۔

قَوْلُهٗ: زَنِيْمٌ، الـزنمةُ سے ماخوذ ہے وہ چھلا جو بھیڑ بکری وغیرہ کے کان میں ڈال دیا جاتا ہے، مجازاً اس شخص کو کہا جانے لگا جس کو نسب میں شامل کرلیا گیا ہو، حقیقت میں وہ نسب میں داخل نہ ہو، عربی میں اس کو مستلحق کہتے ہیں، ولید بن مغیرہ ایسا ہی تھا۔

قَوْلُهٗ: لِاَنْ وَهُـوَ متـعلق بِمَا دَلَّ عَلَيْهِ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَنْ کَـانَ ذَا مَالٍ وَبَنِيْنَ میں اَنْ سے پہلے لام جارہ مقدر ہے اور وہ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ آيَاتُنَا کے مدلول سے متعلق ہے اور مدلول كَذَّبَ بِهَا ہے جس کو مفسر علام نے ظاہر کردیا ہے۔

قَوْلُهٗ: وَفِي قراءَةٍ أأنْ دو ہمزوں کے ساتھ پہلا ہمزہ استفہام توبیخی ہے اور دوسرا اَن مصدریہ کا ہے اس سے پہلے لام مقدر ہے اور معنی أَكَذَبَ بِهَا لِاَنْ ذَا مَالٍ وَبَنِيْنَ.

قَوْلُهٗ: الـخـرطـوم درندوں کی تھوتھڑی کو کہتے ہیں خاص طور پر ہاتھی اور خنزیر کی سونڈ اور تھوتھڑی کو، ولید بن مغیرہ کی ناک کو استہزاء خرطوم کہا گیا ہے۔

قَوْلُهٗ: وجـواب الشرط دَلَّ عَلَيْهِ مَاقبله یعنی اِنْ كُنْتُمْ شرط کا جواب شرط محذوف ہے، جس پر ماقبل یعنی اَن اغدوا دلالت کررہا ہے تقدیر عبارت یہ ہے انْ كُنْتم صَارِمِيْن اغدوا.

تفسیر وتشریح

نٓ والـقـلـم ومـا يسْطُرُوْنَ نون اسی طرح حروف مقطعات میں سے ہے جیسے اس سے قبل صٓ، قٓ وغیرہ گذر چکے ہیں، اس میں قلم کی قسم کھا کر یہ بات کہی گئی ہے کہ آپ ﷺ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں، اور آپ ﷺ کے لئے ختم نہ ہونے والا اجر ہے، قلم کی اس لحاظ سے ایک اہمیت ہے کہ اس سے تبیین اور توضیح ہوتی ہے، بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ قلم سے خاص قلم مراد ہے جسے اللہ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا، اور اسے تقدیر لکھنے کا حکم دیا، چنانچہ اس نے قیامت تک ہونے والی ساری چیزیں لکھ دیں۔ (سنن ترمذی) مَا يَسْطُرُوْنَ میں مَا مصدریہ ہے مطلب یہ کہ قلم کی قسم اور جو کچھ فرشتے

لکھتے ہیں ان کے لکھنے کی قسم، مقسم بہ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے اس کے مناسب کسی چیز کی قسم کھائی جاتی ہے اور وہ قسم مضمون پر ایک شہادت ہوتی ہے، یہاں مَا یَسْطُرُوْنَ سے دنیا کی تاریخ میں جو کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے اس کو بطور شہادت پیش کیا جا رہا ہے کہ دنیا کی تاریخ کو دیکھو، ایسے اعلیٰ اخلاق و اعمال والے کہیں مجنون ہوتے ہیں؟ وہ تو دوسروں کی عقل درست کرنے والے ہوتے ہیں نہ کہ خود مجنون۔

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ یہ جواب قسم ہے جس میں کفار کے قول کو رد کیا گیا ہے کیوں کہ وہ آپ ﷺ کو مجنون اور دیوانہ کہتے تھے، آپ ﷺ نے فریضۂ نبوت کی ادائیگی میں جتنی زیادہ تکلیفیں برداشت کیں اور دشمنوں کی طعن و تشنیع سنیں ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ختم ہونے والا اجر ہے، مَنٌّ کے معنی ختم ہونے اور قطع کرنے کے ہیں۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ. خلق عظیم سے مراد اسلام، دین یا قرآن ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ تو اس خلق پر ہیں کہ جس کا حکم اللہ نے قرآن میں دیا ہے، یا اس سے مراد تہذیب و شائستگی نرمی و شفقت، امانت و صداقت، حلم و کرم اور دیگر اخلاقی خوبیاں ہیں، جن میں آپ ﷺ نبوت سے پہلے بھی ممتاز تھے اور نبوت کے بعد ان میں مزید اور وسعت آئی، اسی لئے جب حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا سے آپ ﷺ کے خلق کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کان خُلُقُهُ القرآن. (صحیح مسلم)

بلند اخلاقی اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ کفار آپ ﷺ پر دیوانگی اور جنون کی جو تہمت رکھ رہے ہیں وہ سراسر جھوٹی ہے کیونکہ اخلاق کی بلندی اور دیوانگی دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں، دیوانہ وہ شخص ہوتا ہے جس کا ذہنی توازن بگڑا ہوا ہو، اس کے برعکس آدمی کے بلند اخلاق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ نہایت صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت ہے، رسول اللہ ﷺ کے اخلاق سے اہل مکہ ناواقف نہیں تھے، اس لئے ان کی طرف محض اشارہ کر دینا ہی اس بات کے لئے کافی تھا کہ مکہ کا ہر معقول آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ وہ لوگ کس قدر بے شرم ہیں جو ایسے بلند اخلاق آدمی کو مجنون کہہ رہے ہیں، ان کی یہ بے ہودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ دماغی توازن آپ ﷺ کا نہیں بلکہ ان لوگوں کا خراب ہے جو مخالفت کے جوش میں پاگل ہو کر پاگلوں والی باتیں کرتے ہیں، یہی معاملہ ان مدعیان علم و تحقیق کا بھی ہے جو اس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ پر مرگی اور جنون کی تہمت رکھتے ہیں۔

آپ ﷺ کے اخلاق کے سلسلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا کا یہ قول "کَانَ خُلُقُهُ الْقرآن" قرآن آپ ﷺ کا اخلاق تھا، کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا کے سامنے محض قرآن کی تعلیم ہی پیش نہیں فرمائی بلکہ خود اس کا مجسم نمونہ بن کر دکھایا تھا، ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی خادم کو نہیں مارا اور نہ کبھی عورت پر ہاتھ اٹھایا، جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کبھی آپ ﷺ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی ہے، آپ ﷺ نے کبھی میری کسی بات پر اُف تک نہ کی، کبھی میرے کام پر یہ نہ فرمایا کہ تو نے یہ کیوں کیا؟ اور کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ نہیں

فرمایا کہ تو نے یہ کیوں نہ کیا؟ (بخاری مسلم)

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ مکہ کے یہ بد باطن مشرکین عداوت کے جوش میں پاگل ہو کر جو حقیقت کو چھپانے اور نور حق کو بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں جب عنقریب قیامت کے دن حق واضح ہو جائے گا اور سارے پردے اٹھ جائیں گے تو ساری دنیا دیکھ لے گی کہ کون دیوانہ تھا اور کون فرزانہ؟ بعض مفسرین نے ظہور حقیقت کے دن سے یوم بدر مراد لیا ہے

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ یعنی آپ ﷺ ان جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں، یہ تو یوں چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ تبلیغ احکام میں کچھ نرم پڑ جائیں، تو یہ بھی نرم پڑ جائیں کہ آپ ﷺ پر طعن و تشنیع اور ایذا رسانی ترک کر دیں۔ (قرطبی)

مَسْئَلَہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و فجار کے ساتھ یہ سودا کر لینا کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے تم بھی ہمیں کچھ نہ کہو، یہ مداہنت فی الدین اور حرام ہے (معارف، مظہری) یعنی بلا کسی اضطراب اور مجبوری کے ایسا معاہدہ جائز نہیں۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ (الآیة) پہلی آیت میں عام کفار کی بات نہ ماننے اور دین کے معاملہ میں ان کی وجہ سے کوئی مداہنت نہ کرنے کا عام حکم تھا، اس آیت میں ایک خاص شریر کافر ولید بن مغیرہ کی صفات رذیلہ بیان کر کے اس سے اعراض کرنے اور اس کی بات نہ ماننے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے، اس لئے کہ حق بات میں مداہنت، حکمتِ تبلیغ کے لئے سخت نقصان دہ ہے، مذکورہ آیت میں جو نو اوصاف رذیلہ بیان کئے گئے ہیں ان کے بارے میں راجح قول تو یہی ہے کہ یہ ولید بن مغیرہ کے اوصاف ہیں اس کے علاوہ بھی کئی اقوال ہیں، کسی نے ان اوصاف کا مصداق اسود بن عبد یغوث کو اور کسی نے اخنس بن شریق کو قرار دیا ہے، تفسیر زاہدی وغیرہ میں ہے کہ ولید جب اٹھارہ سال کا ہوا تو مغیرہ نے دعویٰ کیا کہ: میں اس کا باپ ہوں، جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو ولید نے اپنی ماں سے کہا کہ محمد ﷺ نے میرے نو اوصاف بیان کئے ہیں، میں ان میں سے سوائے نویں (زنیم) کے سب کو جانتا ہوں اور صرف اس کو نہیں جانتا، اگر تو مجھے صحیح صحیح نہ بتائے گی تو میں تیری گردن اڑا دوں گا تو اس کی ماں نے کہا تیرا باپ نامرد تھا مجھے مال کے بارے میں تیرے چچا زاد بھائیوں سے اندیشہ ہوا تو میں نے فلاں غلام کو اپنے اوپر قابو دیدیا تو اسی سے ہے۔ (حاشیہ جلالین ملخصًا)

باغ والوں کا قصہ:

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ (الآیة) یہ باغ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے قول کے مطابق یمن میں تھا اور حضرت سعید بن جبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ایک روایت یہ ہے کہ صنعاء جو یمن کا مشہور شہر ہے اس سے چھ میل کے فاصلہ پر تھا، اور بعض حضرات نے اس کا محل وقوع حبشہ بتایا ہے۔ (ابن کثیر) یہ لوگ اہل کتاب تھے اور یہ واقعہ رفع عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے کچھ عرصہ بعد کا ہے، (معارف) دو باغ والوں کا اسی قسم کا ایک واقعہ تمثیل کے طور پر سورۂ کہف رکوع ۵ میں بیان ہوا ہے۔

باغ والوں کا واقعہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت سے اس طرح منقول ہے کہ صنعاء یمن سے دو فرسخ کے فاصلہ پر ایک باغ تھا اس مقام کو صروان کہا جاتا تھا، یہ باغ ایک صالح نیک بندے کا تھا، اس کا عمل یہ تھا کہ جب درختوں سے

پھل توڑتا تو پھل توڑنے کے دوران جو پھل نیچے گر جاتے وہ فقیروں اور مسکینوں کے لئے چھوڑ دیتا، اسی طرح کھیتی کاٹتے وقت جو خوشہ گر جاتا اور کھلیان میں جو دانہ بھوسے کے ساتھ چلا جاتا وہ بھی فقیروں کے لئے چھوڑ دیتا (یہی وجہ تھی کہ جب پھل توڑنے اور کھیتی کاٹنے کا وقت آتا تو بہت سے فقراء و مساکین جمع ہو جاتے تھے) اس مرد صالح کا انتقال ہو گیا اس کے تین بیٹے باغ اور زمین کے وارث ہوئے، انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب ہماری عیالداری بڑھ گئی ہے اور پیداوار ضرورت سے کم ہے اس لئے اب ان فقراء کے لئے اتنا غلہ اور پھل چھوڑنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے، ہمیں یہ سلسلہ بند کرنا چاہئے، آگے ان کا قصہ خود قرآن کریم حسب ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ یعنی انہوں نے قسم کے ساتھ یہ عہد کر لیا کہ اب کی مرتبہ ہم صبح سویرے ہی جا کر کھیتی کاٹ لیں گے، تاکہ فقراء و مساکین کو خبر نہ ہو اور ساتھ نہ لگ لیں، ان کو اپنے اس منصوبے پر اتنا یقین تھا کہ انشاء اللہ کہنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی، بعض مفسرین نے "لَا يَسْتَثْنُوْنَ" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ پورا کا پورا غلہ اور پھل گھر لے آئیں گے اور فقراء کا حصہ مستثنیٰ نہ کریں گے۔ (مظہری)

فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ ادھر تو یہ لوگ یہ مشورہ کر رہے تھے اور ادھر آسمانی بلا نے باغ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا، جب صبح تڑکے پھل توڑنے کے لئے جانے لگے تو ایک دوسرے کو آہستہ آہستہ پکارنے لگے، تاکہ فقیر و مسکین لوگ سن نہ لیں اور وہ اس بات پر خوش تھے کہ آج باغ میں آکر ہم سے کوئی کچھ نہ مانگے گا، اور وہ اپنے آپ کو اپنے اس منصوبہ میں کامیاب سمجھ رہے تھے۔

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْا اِنَّا لَضَالُّوْنَ مگر جب اس جگہ باغ و کھیت کچھ نہ پایا، تو اول تو یہ کہنے لگے کہ ہم اپنے باغ کا راستہ بھول کر کسی دوسری طرف نکل آئے ہیں، یہاں نہ تو باغ ہے اور نہ کھیت، مگر جب دیگر نشانیوں پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ جگہ تو یہی ہے، مگر کھیت اور باغ وغیرہ سب جل کر ختم ہو گیا ہے تو کہنے لگے "بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ" یعنی تباہ شدہ باغ ہمارا ہی باغ ہے جس کو اللہ نے ہمارے طرز عمل کی پاداش میں ایسا کر دیا، واقعی ہم اس نعمت سے بلکہ لاگت سے بھی محروم کر دیئے گئے، یہ واقعی حرمان نصیبی ہے۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ (الآیۃ) اس کا مطلب یہ ہے ان میں جو نسبۃً بہتر تھا اس نے اس وقت بھی جب وہ فقیروں کو نہ دینے کی قسم کھا رہے تھے کہا تھا کہ تم خدا کو بھول گئے؟ انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے؟ مگر انہوں نے اس کی پروانہ کی۔

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ یعنی اب انہیں احساس ہوا کہ ہم نے اپنے باپ کے طرز عمل کے خلاف قدم اٹھا کر غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا اللہ نے ہمیں دی ہے، اور اس تباہی و بربادی کا الزام آپس میں ایک دوسرے کو دینے لگے۔

عَسٰى رَبُّنَا اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا کہتے ہیں کہ انہوں نے آپس میں عہد کیا کہ اب اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو اپنے باپ کی طرح اس میں سے غرباء و مساکین کا حق بھی ادا کریں گے۔

امام بغوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جب ان سب لوگوں نے سچے دل سے توبہ کرلی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر باغ عطا فرمادیا جس کے انگوروں کے خوشے اتنے بڑے ہوتے کہ ایک خوشہ ایک خچر پر لادا جاتا تھا۔ (مظہری، معارف، واللہ اعلم بالصواب)

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿٣٤﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿٣٥﴾ ای تابعین لهم فی العَطاءِ مَالَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٦﴾ هذا الحُكمَ الفاسِدَ اَمْ بل لَكُمْ كِتٰبٌ مُنزَّلٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿٣٧﴾ تقرءُ وْن اِنَّ لَكُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ ﴿٣٨﴾ تختارُون اَمْ لَكُمْ اَیْمَانٌ عُهودٌ عَلَیْنَا بَالِغَةٌ واثِقةٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مُتعلِّقٌ معنًی بعَلَیْنا وفِی هذا الكَلامِ معنی القَسَمِ ای اَقْسَمْنَا لكم وجَوابُهُ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٩﴾ به لِانفسِكم سَلْهُمْ اَیُّهُمْ بِذٰلِكَ الحُكمِ الَّذی یَحكُمُونَ به لِانفسِهِم مِن اَنَّهم یُعطَونَ فِی الاٰخِرَةِ اَفضَلَ مِنَ المُؤمنینَ زَعِیْمٌ ﴿٤٠﴾ كفیلٌ لهم اَمْ لَهُمْ ای عِندهم شُرَكَآءُ مُوافِقونَ لَهم فِی هذا القَولِ یَكفُلُونَ لَهم به فَاِنْ كانَ كذٰلك فَلْیَاْتُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ الكافِلینَ لهم به اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ﴿٤١﴾ اُذكُرْ یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ هُوَ عِبارَةٌ عن شِدَّةِ الاَمرِ یومَ القِیٰمةِ لِلحِسابِ والجَزاءِ یُقالُ كَشَفَتِ الحَرْبُ عَن ساقٍ اِذا اشتَدَّ الاَمرُ فیها وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ اِمتِحانًا لِاِیمانِهم فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿٤٢﴾ تصیرُ ظُهورُهم طَبقًا واحِدًا خَاشِعَةً حالٌ مِن ضَمیرِ یُدعَونَ ای ذَلیلةً اَبْصَارُهُمْ لا یَرفَعُونها تَرْهَقُهُمْ تَغشاهُم ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا یُدْعَوْنَ فی الدُنیا اِلَی السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَلا یَاتُونَ به بِاَنْ لا یُصَلُّوا فَذَرْنِیْ دَعْنِی وَمَنْ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ القراٰن سَنَسْتَدْرِجُهُمْ ناخذُهم قَلیلاً مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاُمْلِیْ لَهُمْ اُمهِلُهُمْ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿٤٥﴾ شدیدٌ لا یُطاقُ اَمْ بل تَسْـَٔلُهُمْ علی تبلیغ الرِّسالة اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مِمَّا یُعطُونكه مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٦﴾ فَلا یُؤمِنُونَ لِذٰلك اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ ای اللَّوحُ المَحفُوظُ الَّذی فیه الغَیبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿٤٧﴾ منه ما یَقُولُونَ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فیهم بِمَا یَشاءُ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ فی الضَجَرِ والعُجلَةِ وهُو یُونُسُ علیه الصَلٰوةُ والسَّلامُ اِذْ نَادٰی دَعا رَبَّهُ وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿٤٨﴾ مَملُوءٌ غَمًّا فی بَطنِ الحُوتِ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ اَدرَكَهُ نِعْمَةٌ رَحمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ مِن بَطنِ الحُوتِ بِالْعَرَآءِ بالاَرضِ الفَضاءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿٤٩﴾ لٰكِنَّهُ رُحِمَ فنُبِذَ غَیرَ مَذمُومٍ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ بالنُّبُوَّةِ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿٥٠﴾ الاَنبیاءِ وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بضَمِّ الیاءِ وفَتحِها بِاَبْصَارِهِمْ ای یَنظُرُونَ اِلَیكَ نَظرًا شَدِیدًا یَكادُ اَن یُصرِعَكَ ویُسقِطَكَ عَن مَكانِكَ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ القراٰنَ وَیَقُوْلُوْنَ حَسَدًا اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٥١﴾ بِسَبَبِ القُراٰنِ الَّذی جاءَ بِه وَمَا هُوَ ای القُراٰنُ اِلَّا ذِكْرٌ مَوعِظَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿٥٢﴾ الانسِ والجِنِّ لَا یَحدُثُ بِسَبَبِه جُنُونٌ.

ترجمہ: (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے کہا، اگر ہم کو دوبارہ زندہ کیا گیا تو تم سے بہتر ہم کو عطا کیا جائے گا، پرہیز گاروں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں، کیا ہم مسلمین اور مجرمین کو برابر کردیں گے؟ یعنی گنہگاروں کو مسلمانوں کے برابر کردیں گے؟ تمہیں کیا ہوگیا؟ تم یہ فاسد فیصلے کیسے کررہے ہو؟ بلکہ کیا تمہارے پاس نازل کردہ کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیزیں (لکھی) ہوں جن کو تم پسند کرتے ہو یا تمہارے لئے ہم پر کچھ پختہ قسمیں ہیں؟ (الی یوم القیامه) معنی کے اعتبار سے عَلَيْنَا سے متعلق ہے اور اس کلام میں قسم کے معنی ہیں، یعنی اَقْسَمْنَا لَكُمْ اور جواب قسم (اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ) ہے کہ تمہارے لئے وہ سب کچھ ہے جسے تم اپنی طرف سے اپنے لئے مقرر کرلو آپ ﷺ ان سے دریافت فرمائیں کہ اس حکم کا کہ جس کا تم اپنے لئے فیصلہ کررہے ہو وہ یہ کہ تم کو آخرت میں مسلمانوں سے بہتر عطا کیا جائے گا، کوئی ذمہ دار ہے؟ کیا ان کے پاس شرکاء ہیں؟ جو اس بات میں ان کے موافق اور اس سلسلے میں ان کے لئے کفیل ہیں، اگر ایسا ہے تو اپنے کفالت کرنے والے شرکاء کو لے آئیں، اگر وہ سچے ہیں، اس دن کو یاد کرو جس دن ساق کی تجلی ظاہر ہوجائے گی، یہ عبارت ہے قیامت کے دن حساب اور جزاء کی شدت سے، جب شدت کا رن پڑجائے تو بولا جاتا ہے، كَشَفَتِ السَّاقُ عَنِ الْحَرْبِ، حرب نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں، اور ان کو ان کے ایمان کی آزمائش کے لئے سجدہ کے لئے بلایا جائے گا، تو وہ سجدہ نہ کرسکیں گے ان کی کمریں ایک تختہ ہوجائیں گی حال یہ ہے کہ ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی خَاشِعَةً، یدعون کی ضمیر سے حال ہے، حال یہ کہ ذلیل ہوں گی، نظروں کو اوپر نہ اٹھائیں گے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، یہ سجدہ کے لئے دنیا میں بلائے جاتے تھے حال یہ کہ وہ صحیح سالم تھے تو یہ سجدہ نہ کرسکیں گے، اس لئے کہ انہوں نے (دنیا) میں نماز نہیں پڑھی تھی مجھ کو اور اس شخص کو جو جھٹلا رہا ہے اسی حال میں رہنے دے، ہم ان کو بتدریج اس طرح کھینچیں گے کہ ان کو معلوم بھی نہ ہوگا یعنی ہم ان کو آہستہ آہستہ گرفت میں لیں گے، اور میں ان کو ڈھیل دوں گا، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط شدید ہے کوئی اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کیا آپ ﷺ ان سے تبلیغ رسالت پر کچھ اجرت طلب کرتے ہیں کہ یہ اس کے بوجھ سے کہ جو یہ آپ ﷺ کو دیتے ہیں دبے جارہے ہیں؟ جس کی وجہ سے یہ لوگ ایمان نہیں لاتے؟ یا ان کے پاس علم غیب ہے یعنی لوح محفوظ ہے کہ جس میں غیب (کی باتیں) ہیں کہ جو کہتے ہیں اس سے لکھ لیتے ہیں پس تو ان کے بارے میں جو وہ چاہتا ہے اپنے رب کے حکم کا صبر سے انتظار کر اور تنگ دلی اور عجلت میں مچھلی والے کے مانند نہ ہوجا، اور وہ یونس علیہ الصلاۃ والسلام ہیں، اس نے اپنے رب سے غم کی حالت میں دعاء کی (یعنی) مغموم ہو کر مچھلی کے پیٹ میں دعاء کی، اگر اسے اس کے رب کی نعمت رحمت نہ پالیتی تو مچھلی کی پیٹ سے بری حالت میں چٹیل میدان میں پھینک دیا جاتا، لیکن اس پر رحم فرمایا گیا، اور اس کو بری حالت میں نہیں ڈالا گیا، پھر اس کے رب نے اس کو نبوت سے نوازا تو اس کو صالحین انبیاء میں شامل کر

دیا اور قریب ہے کہ کافر آپ ﷺ کو تیز نگاہوں سے پھسلا دیں، یاء کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، یعنی وہ لوگ آپ ﷺ کو گھور گھور کر دیکھتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو زمین پر پچھاڑ دیں گے اور آپ ﷺ کو اپنی جگہ سے گرا دیں گے جب وہ قرآن سنتے ہیں اور حسد کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں یہ تو اس قرآن کی وجہ سے جس کو یہ لایا ہے دیوانہ ہو گیا ہے، درحقیقت یہ قرآن جہان والوں کے لئے یعنی جن وانس کے لئے نصیحت ہے اس کی وجہ سے جنون پیدا نہیں ہو سکتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: ای تابعین مناسب تھا کہ مفسر علام تابعین کے بجائے مساوین لھم فی العطا فرماتے۔

قِوْلَہٗ: مَالَکُمْ یہ مبتداء خبر سے ملکر جملہ ہے اس لئے اس پر وقف کیا جاتا ہے ای اَیُّ شَیءٍ یَحْصُلُ لکم من ھذہ الاحکام البعیدۃ عن الصواب.

قِوْلَہٗ: کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ یہ دوسرا جملہ ہے۔

قِوْلَہٗ: اِنَّ لَکُمْ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ، اِنَّ لَکُمْ دراصل ان لکم فتحہ کے ساتھ تھا اس لئے کہ یہ تَدْرُسُوْنَ کا مفعول ہے لیکن خبر میں لَمَا تَخَیَّرُوْن میں لام سے تاکید لایا گیا تو اِنَّ کو کسرہ دے دیا گیا، جیسا کہ علمتُ اِنَّکَ لَعَاقِلٌ میں اور طلحہ بن مصرف اور ضحاک نے ان ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، لام کو زائد برائے تاکید قرار دیکر۔

قِوْلَہٗ: متعلق مَعْنًی بعَلَیْنَا، ای متصل بہ، یعنی اِلٰی یوم القیامۃ، عَلَیْنَا کے متصل ہے یہاں متعلق سے مراد نحوی تعلق نہیں ہے کہ وہ تعلق فعل یا اس کے ساتھ خاص ہو جو فعل کے معنی میں ہو اَمْ لَکُمْ ایمانٌ علینا الخ قسم کے معنی میں ہے اور اِنَّ لَکُمْ لَمَا تَحْکُمُوْن جواب قسم ہے۔

قِوْلَہٗ: اِنْ کَانُوا صَادِقِیْنَ اس کی جزاء ماقبل کی دلالت کی وجہ سے محذوف ہے۔

قِوْلَہٗ: مِنْ حَیْثُ لَایَعْلَمُوْنَ، لَا یَعْلَمُوْنَ کا مفعول محذوف ہے ای لَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ اِسْتِدْرَاج.

قِوْلَہٗ: وَاُمْلِیْ لَھُمْ یہ عطف تفسیری ہے اس کا عطف سَنَسْتَدْرِجُھُمْ پر ہے۔

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

صنادید قریش نے جب آپ ﷺ کی زبانی سنا کہ مسلمانوں کو آخرت میں ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی، تو کہنے لگے کہ اگر بالفرض قیامت قائم ہوگئی تو ہم وہاں بھی مسلمانوں سے بہتر ہی ہوں گے، جیسے دنیا میں ہم مسلمانوں سے بہتر اور آسودہ حال ہیں، یا کم از کم مساوی ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا "اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ؟ یہ کس طرح ممکن

ہے کہ ہم مسلمانوں یعنی اپنے فرمانبرداروں کو مجرموں یعنی نافرمانوں کی طرح کردیں؟ مطلب یہ کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کے خلاف دونوں کو یکساں کردے، اَفَنَجْعَلُ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے اور فا عاطفہ ہے معطوف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی أنحیف فی الحکم فنجعل المسلمین کالمجرمین الخ یعنی یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں تمیز نہ کرے، آخر تمہاری عقل میں یہ بات کیسے آئی کہ کائنات کا خالق کوئی اندھا راجا ہے؟ جس کے یہاں چوپٹ نگری کا راج ہے کہ جہاں ''سب دھان ستائیس سیر'' اور ''ٹکا سیر بھاجی'' اور ''ٹکا سیر کھاجا'' کا قانون جاری ہے، جو یہ نہ دیکھے گا کہ کن لوگوں نے دنیا میں اس کے احکام کی اطاعت کی اور برے کاموں سے پرہیز کیا اور کون لوگ تھے جنہوں نے بے خوف ہوکر ہر طرح کے گناہ اور جرائم اور ظلم وستم کا ارتکاب کیا؟ اگر ایسا ہو تو اس سے بڑا ظلم اور ناانصافی کیا ہوسکتی ہے، قیامت کا آنا اور حساب وکتاب کا ہونا اور نیک وبد کی سزا یہ سب تو عقلاً بھی ضروری ہے، کیونکہ اس کا دنیا میں ہر شخص مشاہدہ کرتا ہے اور کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ دنیا میں جو عموماً فساق، فجار، بدکار، ظالم، چور اور ڈاکو ہیں نفع میں رہتے ہیں، بسا اوقات ایک چور اور ڈاکو ایک رات میں اتنا مال جمع کرلیتا ہے کہ شریف آدمی عمر بھر میں بھی حاصل نہیں کرسکتا، اس کے علاوہ نہ خوف کو جانتا ہے اور نہ آخرت کو اور نہ کسی شرم وحیا کا پابند ہوتا ہے، اپنی خواہشات کو جس طرح چاہتا ہے پورا کرتا ہے، نیک اور شریف آدمی اول تو خدا سے ڈرتا ہے آخرت کی جواب دہی کا خوف دامن گیر رہتا ہے، اس کے علاوہ شرم وحیا کا بھی پاس ولحاظ کرتا ہے، خلاصہ یہ کہ دنیا کے کارخانہ میں بدکار وبدمعاش کامیاب اور شریف آدمی ناکام نظر آتا ہے، اب اگر آگے بھی کوئی ایسا وقت نہ آئے جس میں حق وناحق کا صحیح فیصلہ ہو اور بدکار کو سزا و نیکوکار کو جزا ملے تو پھر تو کسی برائی کو برائی اور گناہ کو گناہ کہنا لغو لا حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ ایک انسان کو بلاوجہ اس کی خواہشات سے روکتا ہے اور دوسرا شتر بے مہار ہوکر اپنی خواہشات کے پیچھے بے روک ٹوک سرپٹ دوڑ رہا ہے، انجام کار نتیجے میں دونوں برابر ہوں یہ تو عقل وانصاف کے بالکل خلاف ہے، قرآن کریم کے اس لفظ ''اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ'' نے اس حقیقت کو واضح کردیا کہ عقلاً یہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت ضرور آئے کہ جس میں سب کا حساب ہو اور مجرموں کے لئے دنیا کی طرح کوئی چور دروازہ نہ ہو، جہاں انصاف ہی انصاف ہو، اگر یہ نہیں ہے تو دنیا میں کوئی برا کام برا نہیں اور کوئی جرم جرم نہیں اور پھر خدائی عدل وانصاف کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

اَمْ لَکُمْ کِتَابٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ یعنی تم جو یہ دعویٰ کررہے ہو کہ ہمیں وہاں بھی وہ سب کچھ ملے گا جو یہاں ملا ہوا ہے، کیا تمہارے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے کہ جس میں یہ بات لکھی ہوئی ہے اور تم اس میں پڑھ کر یہ حکم لگاتے ہو، یا ہم نے تم سے پختہ عہد کر رکھا ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے کہ تمہارے لئے وہی کچھ ہوگا جو تم پسند کروگے؟

آپ ﷺ ان سے پوچھئے تو کہ ان میں سے کون اس بات کا ذمہ دار ہے کہ قیامت کے دن ان کے لئے وہی فیصلے کروائے گا جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے فرمائے گا؟ یا جن کو انہوں نے اس کا شریک ٹھہرا رکھا ہے وہ ان کی مدد کرکے ان کو اچھا مقام دلوادیں گے؟ اگر ان کے شریک ایسے ہیں تو ان کو سامنے لائیں تا کہ ان کی صداقت واضح ہو۔

یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ بعض نے ''کشف ساق'' سے قیامت کے شدائد اور اس کی ہولناکیاں مراد لی ہیں، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ الفاظ محاورے کے طور پر استعمال ہو گئے ہیں، عربی محاورہ کے مطابق سخت وقت آپڑنے کو کشف ساق سے تعبیر کیا جاتا ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں اور ثبوت میں کلام عرب سے استشہاد کیا ہے، ایک اور قول جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے اس میں کشف ساق سے مراد حقائق پر سے پردہ اٹھا لیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس روز تمام حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں گی اور لوگوں کے اعمال کھل کر سامنے آجائیں گے۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ یعنی دنیا میں تو ان کی گردنیں اکڑی رہتی تھیں اور سینے تنے رہتے تھے، آخرت میں دنیا کے برعکس معاملہ ہوگا کہ ندامت و شرمندگی کی وجہ سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت و خواری چھائی ہوگی۔

فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نمٹنے کی فکر میں نہ پڑیں، ان سے نمٹنا میرا کام ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کو جھٹلانے والوں کو اور مجھے چھوڑ دیں، پھر دیکھیں کہ ہم کیا کرتے ہیں، یہاں چھوڑ دینا ایک محاورہ کے طور پر استعمال ہوا ہے، مراد اس سے اللہ پر بھروسہ اور توکل کرنا ہے، یعنی کفار کی جانب سے جو یہ مطالبہ بار بار پیش ہوتا رہتا ہے کہ ہم اگر واقعی اللہ کے نزدیک مجرم ہیں اور اللہ ہمیں عذاب دینے پر قادر ہے تو پھر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟ ایسے دل آزار مطالبوں کی وجہ سے کبھی کبھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بھی یہ خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ ان لوگوں پر اسی وقت عذاب آجائے تو باقی ماندہ لوگوں کی اصلاح کی توقع ہے، اس پر فرمایا گیا کہ اپنی حکمت کو ہم خوب جانتے ہیں، ایک مدت تک ان کو مہلت دیتے ہیں فوراً عذاب نہیں بھیجتے، اس میں ان کی آزمائش بھی ہے اور ایمان لانے کی مہلت بھی۔

وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ اس کے بعد حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ ذکر فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرمائی گئی ہے کہ جس طرح یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لوگوں کے مطالبہ سے تنگ آکر جلد بازی میں اپنی قوم کے لئے عذاب کی دعاء کر دی اور عذاب کے آثار سامنے آبھی گئے، اور یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جائے عذاب سے دوسری جگہ منتقل ہو بھی گئے، مگر پھر پوری قوم نے الحاح وزاری اور اخلاص کے ساتھ توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معافی دیدی اور عذاب ہٹا لیا تو اب یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ شرمندگی محسوس کی کہ میں ان لوگوں میں جھوٹا قرار پاؤں گا، اس بدنامی کے خوف سے اللہ تعالیٰ کے اذن صریح کے بغیر اپنے اجتہاد سے یہ راہ اختیار کر لی کہ اب ان لوگوں میں نہ جائیں، اس پر حق تعالیٰ نے ان کی تنبیہ کے لئے دریا کے سفر کا، پھر مچھلی کے نگل جانے کا معاملہ فرمایا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام لغزشوں کو معاف فرما کر اور رسالت سے نواز کر انہیں اپنی قوم کی طرف بھیجا، جیسا کہ سورۂ صافات میں گذرا۔

وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ، لَیُزْلِقُوْنَكَ، اِزْلَاقٌ سے مشتق ہے جس کے معنی پھسلانے اور گرا دینے کے ہیں، مطلب یہ کہ کفار مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غضبناک اور ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ اور مقام سے لغزش دیدیں یعنی کار رسالت سے روک دیں، چنانچہ جب وہ اللہ کا کلام سنتے ہیں تو کہنے

لگتے ہیں کہ ''یہ تو مجنون ہے''۔ (معارف)

اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ، یعنی اگر تجھے اللہ کی حمایت اور حفاظت حاصل نہ ہوتی تو ان کفار کی حاسدانہ نظروں سے تو نظر بد کا شکار ہو جاتا یعنی ان کی نظر تجھے لگ جاتی، امام ابن کثیر نے اس کا یہی مطلب لیا ہے، مزید لکھتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نظر کا لگ جانا اور اس کا اللہ کے حکم سے اثر انداز ہونا حق ہے، جیسا کہ متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے، چنانچہ احادیث میں اس سے بچنے کے لئے دعائیں بھی بیان کی گئی ہیں، اور یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ جب تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو ''ماشاءاللہ'' یا ''بارک اللہ'' کہا کرو، تاکہ اسے نظر بد نہ لگے، اسی طرح اگر کسی کو کسی کی نظر لگ جائے تو فرمایا: اسے غسل کروا کر اس کا پانی اس شخص پر ڈالا جائے جس کو اس کی نظر لگی ہے۔

وَذَكَرَ الماوردی اَنَّ العَیْنَ کَانَتْ فِیْ بنی اسد من العرب، ماوردی نے ذکر کیا ہے کہ نظر بد بنی اسد میں زیادہ تھی، اور ان میں کا جب کوئی شخص کسی کو یا کسی کے مال کو نظر لگانا چاہتا تو تین روز تک خود کو بھوکا رکھتا پھر وہ اس شخص یا اس مال کے پاس جاتا جس کو نظر لگانی مقصود ہوتی اور اس کے بارے میں پسندیدہ الفاظ کہتا، اور تعریف و توصیف کرتا تو اس شخص یا مال کو نظر لگ جاتی اور ہلاک و برباد ہو جاتا۔ (صاوی، جمل)

وَاِنْ یَکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُو الذکر وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ اگر مذکورہ آیت کو پانی پر دم کر کے پلایا جائے یا دم کیا جائے تو ازالۂ نظر بد کے لئے مجرب ہے۔ (صاوی)

امام بغوی وغیرہ مفسرین نے ان آیات کا ایک خاص واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ انسان کی نظر بد لگ جانا اور اس سے کسی کو نقصان اور بیماری بلکہ ہلاکت تک پہنچ جانا جیسا کہ حقیقت ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کا حق ہونا وارد ہے، مکہ میں ایک شخص نظر لگانے میں بڑا مشہور و معروف تھا، اونٹوں اور جانوروں کو نظر لگا دیتا تو وہ (اللہ کے حکم سے) فوراً مر جاتے، کفار مکہ کو آپ ﷺ سے عداوت تو تھی ہی اور ہر طرح کی کوشش آپ ﷺ کو قتل کرنے اور ایذا پہنچانے کی کیا کرتے تھے، ان کو یہ سوجھی کہ اس شخص سے رسول اللہ ﷺ کو نظر لگوائیں اور اس شخص کو بلایا، اس نے نظر لگانے کی پوری کوشش کر لی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی یہ آیات اسی سلسلہ میں نازل ہوئیں۔

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظر بد کسی شخص کی لگ گئی ہو تو اس پر ان آیات کو پڑھ کر دم کر دینا اس کے اثر کو زائل کر دیتا ہے یعنی وَاِنْ یَکَادُ الَّذِیْنَ سے آخر تک۔ (معارف القرآن، مظہری)

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الحاقَّةِ مَكِّيَّةٌ اِحْدٰى اَوْ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ حاقہ مکی ہے، اکیاون یا باون آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **اَلْحَاقَّةُ**① القِيٰمَةُ الَّتِیْ يُحَقُّ فِيْهَا مَا اُنْكِرَ مِنَ البَعْثِ والحِسَابِ والجَزَاءِ او المُظْهِرَةُ لِذٰلِكَ **مَا الْحَاقَّةُ**② تَعْظِيْمٌ لِشَانِهَا وهُمَا مُبْتَدأٌ وَخَبَرٌ خَبَرُ الحاقَّةِ **وَمَآ اَدْرٰىكَ** اى اَعْلَمَكَ **مَا الْحَاقَّةُ**③ زِيَادَةُ تَعْظِيْمٍ لِشَانِهَا فَمَا الاُوْلٰى مُبْتَدأٌ وَمَا بَعْدَهٗ خَبَرُهٗ وَمَا الثَّانِيَةُ وخَبَرُهَا فِی مَحَلِّ المَفْعُوْلِ الثَّانِیْ لِاَدْرٰى **كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ**④ القِيَامَةِ لِاَنَّهَا تَقْرَعُ القُلُوْبَ بِاَهْوَالِهَا **فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ**⑤ بالصَّيْحَةِ المُجَاوِزَةِ لِلْحَدِّ فِی الشِّدَّةِ **وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ** شَدِيْدَةِ الصَّوْتِ **عَاتِيَةٍ**⑥ قَوِيَّةٍ شَدِيْدَةٍ عَلٰى عَادٍ مَعَ قُوَّتِهِمْ وشِدَّتِهِمْ **سَخَّرَهَا** اَرْسَلَهَا بالقَهْرِ **عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ** اَوَّلُهَا مِنْ صُبْحِ يَوْمِ الاَرْبِعَاءِ لِثَمَانٍ بَقِيْنَ مِنْ شَوَّالٍ وكَانَتْ فِی عَجُزِ الشِّتَاءِ **حُسُوْمًا** مُتَتَابِعَاتٍ شُبِّهَتْ بِتَتَابُعِ فِعْلِ الحَاسِمِ فِی اِعَادَةِ الكَيِّ عَلَى الدَّاءِ كَرَّةً بَعْدَ اُخْرٰى حَتّٰى يَنْحَسِمَ **فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى** مَطْرُوْحِيْنَ هَالِكِيْنَ **كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ** اُصُوْلُ **نَخْلٍ خَاوِيَةٍ**⑦ سَاقِطَةٍ فَارِغَةٍ **فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ**⑧ صِفَةُ نَفْسٍ مُقَدَّرَةٍ والتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ اى بَاقٍ، لا، **وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ** اَتْبَاعُهٗ وفِی قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ القَافِ وسُكُوْنِ البَاءِ اى مَنْ تَقَدَّمَهٗ مِنَ الاُمَمِ الكَافِرَةِ **وَالْمُؤْتَفِكٰتُ** اى اَهْلُهَا وَهِيَ قُرٰى قَوْمِ لُوْطٍ **بِالْخَاطِئَةِ**⑨ بِالفَعَلَاتِ ذَاتِ الخَطَأِ **فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ** اى لُوْطًا وغَيْرَهٗ **فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً**⑩ زَائِدَةً فِی الشِّدَّةِ عَلٰى غَيْرِهَا **اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ** عَلَا فَوْقَ كُلِّ شَیْءٍ مِنَ الجِبَالِ وغَيْرِهَا زَمَنَ الطُّوْفَانِ **حَمَلْنٰكُمْ** يَعْنِیْ اٰبَائَكُمْ اِذْ اَنْتُمْ فِیْ اَصْلَابِهِمْ **فِی الْجَارِيَةِ**⑪ السَّفِيْنَةِ الَّتِیْ عَمِلَهَا نُوْحٌ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وسَلَامُهٗ عَلَيْهِ ونَجَا هُوَ ومَنْ كَانَ مَعَهٗ فيها وغَرِقَ البَاقُوْنَ **لِنَجْعَلَهَا** اى هٰذِهِ الفَعْلَةَ وهی اِنْجَاءُ المُؤْمِنِيْنَ واِهْلَاكُ الكَافِرِيْنَ **لَكُمْ تَذْكِرَةً** عِظَةً **وَّتَعِيَهَآ** لِتَحْفَظَهَا **اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ**⑫ حَافِظَةٌ لِمَا تَسْمَعُ **فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ**

نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ لِلْفَصْلِ بَيْنَ الْخَلَائِقِ وَهِيَ الثَّانِيَةُ وَّحُمِلَتِ رُفِعَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دُقَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿١٤﴾
فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ قَامَتِ الْقِيَامَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ ضَعِيْفَةٌ وَّالْمَلَكُ يَعْنِي الْمَلَائِكَةَ
عَلٰى اَرْجَائِهَا جَوَانِبِ السَّمَاءِ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ اَيِ الْمَلَائِكَةِ الْمَذْكُوْرِيْنَ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾ مِنَ
الْمَلَائِكَةِ اَوْ مِنْ صُفُوْفِهِمْ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لِلْحِسَابِ لَا تَخْفٰى بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ مِنَ السَّرَائِرِ
فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ خِطَابًا لِجَمَاعَتِهٖ لِمَا سَرَّبِهٖ هَاؤُمُ خُذُوْا اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ تَنَازَعَ فِيْهِ
هَاؤُمُ وَاقْرَءُوْا اِنِّيْ ظَنَنْتُ تَيَقَّنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ مَرْضِيَّةٍ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾
قُطُوْفُهَا ثِمَارُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ قَرِيْبَةٌ يَتَنَاوَلُ مِنْهَا الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ فَيُقَالُ لَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا
حَالٌ اَيْ مُتَهَنِّئِيْنَ بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾ الْمَاضِيَةِ فِي الدُّنْيَا وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يَا
لِلتَّنْبِيْهِ لَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يٰلَيْتَهَا اَيِ الْمَوْتَةَ فِي الدُّنْيَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾
الْقَاطِعَةَ لِحَيَاتِيْ بِاَنْ لَّا اُبْعَثَ مَا اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿٢٩﴾ قُوَّتِيْ وَحُجَّتِيْ وَهَاءُ كِتَابِيَهْ
وَحِسَابِيَهْ وَمَالِيَهْ وَسُلْطَانِيَهْ لِلسَّكْتِ تُثْبَتُ وَقْفًا وَوَصْلًا اِتِّبَاعًا لِمُصْحَفِ الْاِمَامِ وَالنَّقْلِ وَمِنْهُمْ
مَنْ حَذَفَهَا وَصْلًا خُذُوْهُ خِطَابٌ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ فَغُلُّوْهُ ﴿٣٠﴾ اِجْمَعُوْا يَدَيْهِ اِلٰى عُنُقِهٖ فِي الْغُلِّ ثُمَّ
الْجَحِيْمَ النَّارَ الْمُحْرِقَةَ صَلُّوْهُ ﴿٣١﴾ اَدْخِلُوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا بِذِرَاعِ الْمَلَكِ
فَاسْلُكُوْهُ ﴿٣٢﴾ اَيْ اَدْخِلُوْهُ فِيْهَا بَعْدَ اِدْخَالِهِ النَّارَ وَلَمْ تَمْنَعِ الْفَاءُ مِنْ تَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِالظَّرْفِ الْمُقَدَّمِ اِنَّهٗ
كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿٣٥﴾ قَرِيْبٌ يَنْتَفِعُ
بِهٖ وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿٣٦﴾ صَدِيْدِ اَهْلِ النَّارِ اَوْ شَجَرٍ فِيْهَا لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخٰطِئُوْنَ ﴿٣٧﴾ الْكَافِرُوْنَ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، برپا ہونے والی، قیامت، کہ جس میں وہ چیز ثابت ہوگی جس کا انکار کیا گیا ہے، یعنی بعث اور حساب اور جزاء یا ان (مذکورہ) چیزوں کو ظاہر کرنے والی، کیسی کچھ ہے وہ برپا ہونے والی؟ یہ اس کی عظمت شان کا بیان ہے (مَا الْحَاقَّةُ) مبتدا و خبر ہے اور مبتدا خبر سے مل کر اول حاقہ کی خبر ہے اور آپ ﷺ کو کیا خبر کہ کیسی کچھ ہے وہ برپا ہونے والی چیز؟ یہ بھی اس کی عظمت شان کی زیادتی کا بیان ہے مَا اُولٰی (یعنی مَا اَدْرَاکَ) میں مَا مبتداء ہے اور اس کا مابعد (یعنی اَدْرَاکَ) اس کی خبر ہے ثمود اور عاد نے کھڑکھڑا دینے والی قیامت کو جھٹلایا قیامت کو قارعہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ قلوب کو اپنی ہولناکیوں کی وجہ سے کھڑکھڑا دینے والی ہے سو ثمود تو ایک زوردار آواز سے ہلاک کردیئے گئے، یعنی ایسی آواز سے جو بے حد شدید تھی، اور عاد تو وہ ایک شدید آواز والی تیز و تند ہوا سے جو قوم عاد پر چلی اور ان کی قوت و شدت کے باوجود ہلاک کردیئے گئے، جس کو ان پر اللہ نے مسلسل سات راتوں اور آٹھ دنوں تک قہر کے ساتھ

مسلط کر دیا اس کی ابتداء چہارشنبہ کی صبح سے ہوئی جب کہ ماہِ شوال کے ختم ہونے میں آٹھ روز باقی تھے، اور یہ واقعہ موسم سرما کے آخر میں پیش آیا (تسلسل میں) داغنے والے کے فعل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، مرض پر عمل کَیّ (داغنے کا عمل) کے بار بار کرنے کی وجہ سے تا آنکہ مادۂ مرض ختم ہو جائے تو تم، لوگوں کو دیکھتے کہ وہ زمین پر ہلاک ہو کر گری ہوئی کھوکھلی کھجور کے تنے ہیں سو کیا تم کو ان میں سے کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے؟ باقیۃٍ، نَفْسٌ مقدر کی صفت ہے یا، تا، مبالغہ کے لئے ہے یعنی باقیۃٍ بمعنی باقٍ نہیں، اور فرعون نے اور اس کے متبعین نے، اور ایک قراءت میں قَبلَهٗ کے بجائے قِبَلَهٗ ہے قاف کے فتحہ اور باء کے سکون کے ساتھ، یعنی وہ لوگ جو کافر امتوں میں سے پہلے گزر چکے ہیں، اور الٹی ہوئی بستی کے خطا کاروں نے اور وہ قوم لوط کی بستی والے تھے بھی خطائیں کیں اور اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی یعنی لوط علیہ الصلاۃ والسلام وغیرہ کی، تو ہم نے انہیں (بھی) زبردست گرفت میں لے لیا رَابِيَةً شدت میں دوسروں سے بڑھی ہوئی، جب پانی میں طغیانی آ گئی یعنی طوفان کے زمانہ میں جب پانی ہر چیز پر چڑھ گیا، تو ہم نے تم کو یعنی تمہارے آباء کو، جب تم ان کی پشتوں میں تھے، کشتی میں جس کو نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے بنایا تھا، چڑھا لیا اور نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو اور جو کشتی میں ان کے ساتھ سوار تھے بچالیا، اور باقی غرق ہو گئے، تاکہ ہم اس فعل کو جو کہ مومنین کو نجات دینا اور کافروں کو ہلاک کرنا ہے تمہارے لئے نصیحت بنا دیں اور تاکہ یاد رکھنے والے کان جب اس کو سنیں تو یاد رکھیں پس جب صور میں مخلوق کے درمیان فیصلے کے لئے ایک پھونک پھونکی جائے گی اور یہ نفخۂ ثانیہ ہوگا اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے اور ایک ہی چاٹ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی (یعنی) قیامت برپا ہو جائے گی، اور آسمان پھٹ پڑے گا اور اس دن وہ بالکل بودا ہو جائے گا، اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے (یعنی) آسمان کے کناروں پر اور اس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے یعنی ملائکہ مذکورین (آٹھ ہوں گے) یا ملائکہ کی آٹھ صفیں ہوں گی اس دن تم سب حساب کے لئے پیش کئے جاؤ گے اور تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہیں رہے گا یَخْفٰی تا اور یاء کے ساتھ ہے سو جس شخص کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ اس سے خوش ہو کر اپنے اہل سے مخاطب ہو کر کہے گا لو میرا اعمال نامہ پڑھو ھَاؤُم اور اِقْرَءُوْا نے کِتَابِیَہْ میں تنازع کیا، مجھے تو یقین تھا کہ مجھے میرا حساب ملنا ہے پس وہ ایک پسندیدہ عیش میں اور بلند و بالا جنت میں ہوگا، جس کے پھل قریب ہوں گے جن کو کھڑے ہونے والا اور بیٹھنے والا اور لیٹنے والا حاصل کر سکے گا، اور اس سے کہا جائے گا، مزے سے کھاؤ، پیو اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم نے گذشتہ زمانہ میں دنیا میں کئے، لیکن جسے اس کے اعمال کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی تو وہ کہے گا: کاش مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی! یا تنبیہ کے لئے ہے اور کاش میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیسا ہے کاش دنیا ہی میں موت میرا کام تمام کر دیتی یعنی موت میری حیات کو (اس طرح) منقطع کر دیتی کہ دوبارہ نہ اٹھایا جاتا، میرے مال نے بھی مجھے کچھ فائدہ نہ دیا اور میرا جاہ یعنی قوت اور حجت بھی جاتا رہا کِتَابِیَہْ اور حِسَابِیَہْ اور مَالِیَہْ اور سُلْطَانِیَہْ میں ھا سکوت کے ساتھ ہے حالت وقف اور وصل میں، مصحف امام اور نقل کے اتباع میں باقی رہتی ہے اور ان میں سے بعض نے حالت وصل میں حذف کیا ہے (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو یہ جہنم کے

نگرانوں کو خطاب ہے پھر اس کو طوق پہنا دو یعنی اس کے دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ طوق میں جکڑ دو پھر دوزخ کی جلتی ہوئی آگ میں اس کو داخل کر دو، پھر اسے ایسی زنجیروں میں کہ جس کی درازی فرشتوں کے ہاتھ سے ستر ہاتھ ہے یعنی آگ میں داخل کرنے کے بعد اس کو جکڑ دو، اور فاء ظرف مقدم سے فعل کے تعلق کو مانع ہے، بے شک یہ اللہ عظمت والے پر ایمان نہ رکھتا تھا اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا، پس آج اس کا نہ کوئی عزیز ہے کہ یہ اس سے فائدہ اٹھائے اور نہ پیپ کے سوا کوئی کھانا، یعنی اہل دوزخ کا پیپ یا جہنم کا درخت (تھوہڑ) جسے گنہگاروں کافروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَلْحَاقَّةُ، القیامة وہ ساعت جس کا وقوع واجب ولازم ہے، یہ حقّ الشیُّ سے اسم فاعل ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْحَاقَّة، اَلْقیامَة موصوف محذوف کی صفت ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: مَاالْحَاقَّةُ استفہام کے طریقہ پر بیان کرنے کا مقصد اس کی عظمت شان کو ظاہر کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّة، اَلْحاقَّةُ مبتداء اول ہے اور مَا مبتداء ثانی ہے اور ثانی اَلْحَاقَّة مبتدا ثانی کی خبر ہے مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

سُوَال: خبر جب جملہ ہوتی ہے تو عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے؟

جَوَاب: اگر مبتداء کا بلفظہٖ اعادہ کر دیا جائے تو یہ عائد کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَا اَدْرَاكَ، مَا مبتداء ہے اور اس کا مابعد یعنی اَدْرَاكَ اپنے مفعول كَ اور مَا الْحَاقَّة باء مبتداء خبر جملہ ہو کر مفعول ثانی ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاَنَّهَا تَقْرَعُ القلوب یہ قیامت کو القارعہ کہنے کی وجہ تسمیہ کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: حُسُوْمًا اس کے دو معنی ہیں ① جڑ سے کاٹ ڈالنا ② لگاتار، مسلسل، یہ معنی داغنے کے تسلسل کے اعتبار سے ہوں گے، یعنی جس طرح داغنے والا مادۂ مرض ختم ہونے تک داغتا رہتا ہے، اسی طرح وہ ہوا مسلسل چلتی رہی، حَاسِمٌ داغنے والا۔

قَوْلُہٗ: الكيّ، كَوىٰ يَكْوِىْ (ض) كَيًّا، داغنا اَلْمِكْواةُ داغنے کا آلہ، اس کو اردو میں کایاں کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: المؤتَفِكَاتُ اسم فاعل جمع مؤنث، واحد مُؤْتَفِكَةٌ (افتعال) اِيْتِفَاك مصدر ہے مادہ اِفْكٌ الٹی ہونے والی، پلٹنے والی، مراد حضرت لوط عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کی بستیاں ہیں جو بحر مردار کے ساحل پر آباد تھیں، اور ان کی تخت گاہ (پایۂ تخت) سذوم یا سندوم یا سدوم تھا۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: ذات الخطاء اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ الخاطئة اسم فاعل نسبت کے لئے ہے جیسا کہ لَابِنٌ (دودھ بیچنے والا) تامِرٌ (تمر بیچنے والا) اس لئے کہ فعل خطا کار نہیں ہوتا بلکہ صاحب فعل خطا کار رہتا ہے۔

قَوْلُہٗ: رَابِيَةً واحد مؤنث، بمعنی زائدہ، رُبُوٌّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی بڑھنے اور زائد ہونے کے ہیں اسی سے رَبْوَةٌ ہے ٹیلے کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: هٰذه الفِعْلَة یہ نَجْعَلَهَا کی ضمیر کے مرجع کا بیان ہے فعلة ای صَنْعَةٌ اور بعض حضرات نے هَا ضمیر کا مرجع سفینة کو قرار دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: كتابِيَهْ یہ اصل میں كتابی ہے، اس پر ھاءِ سکتہ داخل ہوگئی، تاکہ یاء کا فتحہ ظاہر ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: تنازع فيه هَاؤُمُ اور وَاقْرَءُوْا، كتابِيَهْ میں دونوں فعلوں نے نزاع کیا، فعل ثانی کو عمل دے دیا اور اول کے لئے ضمیر لے آئے، مگر فضلہ ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا۔

قَوْلُہٗ: مَرْضِيَّةٌ، راضِيَّة کی تفسیر مرضية سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اسم فاعل بمعنی اسم مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: ولم تمنع الفاء اپنے مدخول اسلكوه فعل کے تعلق کو ظرف مقدم یعنی فی سِلْسِلَةٍ سے مانع نہیں ہے، اہتمام و تخصیص کے پیش نظر ظرف کو مقدم کر دیا گیا ہے، اصل میں فَاسْلُكُوْهُ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُها سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا ہے جیسا کہ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ میں جحیم کو اختصاصاً مقدم کر دیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

اَلْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ اس سورت میں قیامت کے ہولناک مناظر کا بیان ہے اور کفار و مومنین کی جزاء سزا کا ذکر ہے اَلْحَاقَّه قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، قرآن کریم میں قیامت کے بہت سے نام آئے ہیں، تین نام اسی سورت میں آئے ہیں اَلْحَاقَّه، القارعه، الواقعه، حَاقَّه کے معنی ثابت شدہ اور ثابت کرنے والی، کے ہیں، قیامت خود بھی ثابت اور برحق ہے اور امر الٰہی کو ثابت کرنے والی بھی، یہاں سوال کی صورت میں الحاقه کو ذکر کرنے کا مقصد اس کی ہولناکی اور حیرت انگیزی بیان کرنا ہے، قارعه کے معنی کھڑکھڑا دینے والی کے ہیں، قیامت کے لئے قارعه کا لفظ اس لئے بولا گیا ہے کہ وہ تمام مخلوق کو مضطرب کرنے والی اور زمین و آسمان کو منتشر کرنے والی ہوگی، طاغيه یہ طغیان سے مشتق ہے جس کے معنی حد سے نکلنے کے ہیں مراد ایسی آواز ہے کہ دنیا کی تمام آوازوں سے بڑھی ہوئی ہو، قوم ثمود سخت آواز کے عذاب سے ہلاک کی گئی تھی صرصر اس تیز وتند ہوا کو کہتے ہیں کہ جس میں پالا بھی ہو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آندھی بدھ کے روز صبح سے شروع ہو کر، دوسرے بدھ کی شام تک رہی، اس طرح آٹھ دن سات راتیں ہوئی، حُسُوْمًا، حَاسم کی جمع ہے جس کے معنی قطع کرنے، جڑ سے اکھاڑ پھینکنے والے کے ہیں اور فاسد مادہ کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے داغنے کا عمل چونکہ بار بار کیا جاتا ہے، اسی مناسبت سے حُسُوْمًا کے معنی مسلسل اور پے در پے کے کر دیئے جاتے ہیں، نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ مطلب یہ ہے کہ یکبارگی، اور اچانک صور کی آواز شروع ہو جائے گی اور یہ آواز مسلسل رہے گی یہاں تک کہ اس آواز سے سب مر جائیں گے، قرآن وسنت کی نصوص سے قیامت میں صور کے دو نفخے ہونا ثابت ہے پہلے نفخہ کو صعق کہا جاتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں فَصَعِقَ مَن في السمٰوٰت وَمَنْ في

الارض کہا گیا ہے، دوسرے نفخہ کو نفخہ بعث کہا گیا ہے، بعض روایتوں میں جو دو نفخوں سے پہلے ایک تیسرے نفخہ کا ذکر ہے جس کو نفخہ فزع کہا گیا ہے، تو مجموعہ روایات ونصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلا نفخہ ہی ہے اس کو ابتداء نفخہ فزع کہا گیا ہے اور انتہا میں وہی نفخہ صعق ہو جائے گا۔ (معارف، مظہری)

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ اس رکوع کی اکثر آیات کی تشریح تسہیل وتحقیق کے زیر عنوان گذر چکی ہے، زیر نظر آیت متشابہات میں سے ہے جس کے معنی متعین کرنا مشکل ہیں ہم نہ یہ جان سکتے ہیں کہ عرش کی حقیقت کیا ہے اور نہ یہ جان سکتے ہیں کہ قیامت کے روز عرش کو آٹھ فرشتوں کے اٹھانے کی کیا کیفیت ہوگی؟ لیکن یہ بات بہر حال قابل تصور نہیں، کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھے ہوئے ہوں گے، اور ذات باری کا جو تصور قرآن پیش کرتا ہے وہ بھی اس خیال کے کرنے سے مانع ہے کہ وہ جسم، جہت اور مقام سے منزہ ہستی کسی جگہ متمکن ہو اور کوئی مخلوق اسے اٹھائے، اس لئے کھوج کرید کر کے اس کے معنی متعین کرنے کی کوشش کرنا اپنے آپ کو گمراہی کے خطرہ میں مبتلا کرنا ہے، البتہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن مجید میں اللہ کی حکومت اور فرمانروائی اور اس کے معاملات کا تصور دلانے کے لئے لوگوں کے سامنے وہی نقشہ پیش کیا گیا ہے جو دنیا میں بادشاہی کا نقشہ ہوتا ہے اور اس کے لئے وہی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں جو انسانی زبانوں میں سلطنت اور اس کے مظاہر ولوازم کے لئے مستعمل ہیں، کیونکہ انسانی ذہن اسی نقشہ اور انہیں اصطلاحات کی مدد سے کسی حد تک کائنات کی سلطانی کے معاملات کو سمجھ سکتا ہے، یہ سب کچھ اصل حقیقت کو انسانی فہم سے قریب تر کرنے کے لئے ہے، اس کو بالکل لفظی معنوں میں لینا درست نہیں ہے۔

فَلَآ لا زائدۃٌ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ مِنَ المَخلُوقاتِ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ مِنها ای بِكُلِّ مَخلُوقٍ إِنَّهٗ ای القُرانَ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ ای قَالَهُ رِسَالَةً عَنِ اللّٰهِ سُبحَانَهُ وتعالیٰ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ بالتاءِ والياءِ فی الفِعْلَین وما زائدۃٌ مُؤكِّدَةٌ والمعنی انَّهم آمَنُوا بأشياءَ يَسِيرَةٍ وتَذَكَّرُوهَا مِمَّا أتَى به النبیُّ صلی اللّٰه علیه وسلم مِنَ الخَيرِ والصِلَةِ والعَفَافِ فَلَمْ تُغْنِ عنهم شَيئًا بل هو تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ ای النبیُّ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ بِأنْ قَالَ عَنَّا مَالَمْ نَقُلْهُ لَاَخَذْنَا لَنِلْنَا مِنْهُ عِقَابًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ بالقُوَّةِ والقُدرةِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ نِيَاطَ القَلبِ وهُوَ عِرقٌ مُتَّصِلٌ به إذَا انقَطَعَ مَاتَ صَاحِبُهُ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ هُو اسمُ ما ومِن زائدةٌ لِتاكِيدِ النَّفیِ ومنكم حَالٌ مِن اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ مَانِعِينَ خَبَرُ ما وجُمِعَ لِأنَّ اَحَدًا فی سِيَاقِ النَّفیِ بِمَعنَی الجَمْعِ وضَمِيرُ عنه لِلنَّبیِ صلی اللّٰه علیه وسلم ای لا مَانِعَ لَنَا عَنهُ مِن حَيثُ العِقَابِ وَاِنَّهٗ ای القُرانَ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ ایُّها النَّاسُ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ بالقُرانِ ومُصدِّقِينَ وَاِنَّهٗ ای القُرانَ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ إذَا رَأَوا ثَوَابَ المُصَدِّقِينَ وعِقَابَ المُكَذِّبِينَ به وَاِنَّهٗ ای القُرانَ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ ای لِلْيَقِين حَقَّ اليَقِينِ فَسَبِّحْ نَزِّهْ بِاسْمِ زائدٌ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم مخلوقات میں دیکھتے ہو، فَلَا میں لَا زائدہ ہے اور مخلوقات میں سے جن کو تم نہیں دیکھتے ہو یعنی تمام مخلوقات کی کہ بیشک یہ (قرآن) بزرگ رسول کا قول ہے یعنی اس نے اللہ کی جانب سے ایک پیغام رساں کی حیثیت سے نقل کیا اور یہ کسی کا قول نہیں (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے اور نہ کسی کاہن کا قول ہے (افسوس) تم بہت کم نصیحت لے رہے ہو دونوں فعلوں میں تا اور یا کے ساتھ ہے، اور، مَا زائدہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ باتوں پر بہت کم یقین رکھتے ہیں، اور ان کا آپ ﷺ کی لائی ہوئی چیزوں میں سے بعض پر ایمان لانا مثلاً صدقہ وخیرات پر اور صلہ رحمی پر اور زنا وغیرہ سے باز رہنے پر، تو اس سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا (بلکہ یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا کلام ہے اور اگر نبی ہم پر کوئی بھی بات گھڑ لیتا بایں طور کہ جو بات ہم نے نہیں کہی، ہماری طرف منسوب کر کے کہہ دیتا تو البتہ ہم یقیناً قوت اور قدرت کے ساتھ سزا میں پکڑ لیتے پھر ہم اس کی شہ رگ کاٹ دیتے یعنی قلب کی رگیں کاٹ دیتے، اور وہ تین رگیں ہیں جو قلب سے متصل ہیں، جب وہ رگیں کٹ جاتی ہیں تو وہ شخص مر جاتا ہے، پھر تم میں سے کوئی بھی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوگا اَحَدٌ، مَا کا اسم ہے اور مِن تاکید نفی کے لئے زائدہ ہے، اور منکم، اَحَدٌ سے حال ہے اور حاجزین بمعنی مانعین، مَا کی خبر ہے اور ما نعین کو جمع لایا گیا ہے، اس لئے کہ اَحَدٌ نفی کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے جمع کے معنی میں ہے اور عَنْهُ کی ضمیر آپ ﷺ کی طرف راجع ہے یعنی ہم کو اسے عذاب دینے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی، یقیناً یہ قرآن پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے، ہم کو پوری طرح معلوم ہے کہ تم میں سے اے لوگو! بعض لوگ قرآن کی تکذیب کرنے والے ہیں اور بعض تصدیق کرنے والے اور بے شک یہ قرآن (یعنی اس کی تکذیب) کافروں کے لئے حسرت ہے جب کہ یہ لوگ تصدیق کرنے والوں کے اجر کو اور تکذیب کرنے والوں کے عذاب کو دیکھیں گے اور بے شک یہ قرآن یقینی حق ہے، پس آپ اپنے رب عظیم کی پاکی بیان کریں، لفظ اسم زائد ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ یہ اور وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ اور وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ یہ تینوں جواب قسم ہیں مقاتل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ جب ولید بن مغیرہ نے کہا کہ محمد ﷺ ساحر ہیں اور ابوجہل نے کہا کہ شاعر ہیں اور عقبہ نے کہا کہ کاہن ہیں تو اللہ نے اپنے مذکورہ کلام سے مذکورہ تینوں کا رد فرمایا۔

قولہ: ای قَالَهُ رِسَالَةً اس اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب دینا ہے کہ اللہ کے کلام کو رسول کا کلام کیوں کہا گیا؟

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ رسول کی جانب وہ رسول خواہ جبرئیل ہوں یا نبی، ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے نسبت کر دی گئی ہے حضرت جبرئیل امین چونکہ پیغام رساں کی حیثیت سے کلام کو لاتے ہیں اور رسول ﷺ اپنی امت کو تبلیغ کرتے ہیں اسی لئے

اس کلام کی نسبت آپ ﷺ کی اور جبرئیل کی طرف کرنا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: قَلِیْلًا، قَلِیْلًا دونوں جگہ موصوف محذوف کی صفت ہے ای ایمانًا قلیلًا و ذِکرًا قلیلًا.

قَوْلُہٗ: نِیَاطُ القلب وہ رگ جو قلب سے متصل ہوتی ہے، اس کو شہ رگ اور رگِ جان بھی کہتے ہیں اس کے کٹنے سے یقینًا موت واقع ہوجاتی ہے۔

قَوْلُہٗ: وجُمِعَ الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوْال: مِنْ اَحَدٍ، مَا کا اسم ہے اور حاجزین اس کی خبر ہے اسم وخبر میں مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ اسم واحد جبکہ خبر جمع ہے۔

جَوَاب: اَحَدٌ نکرہ تحت النفی ہونے کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں رہا۔

قَوْلُہٗ: وَمُصَدِّقِیْنَ اس کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ معطوف مع حرف عطف محذوف ہے، اس کا عطف مکذبین پر ہے۔

قَوْلُہٗ: حَقّ الیقین اس کی تفسیر لِلْیَقِیْنِ سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ اضافت صفت الی الموصوف ہے۔

تفسیر وتشریح

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ یعنی قسم ہے ان تمام چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو یا دیکھ سکتے ہو اور جن کو تم نہ دیکھتے ہو اور نہ دیکھ سکتے ہو یعنی تمام چیزوں کی قسم خواہ وہ مرئی ہوں یا غیر مرئی۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ مطلب یہ کہ نبی ﷺ کو اپنی طرف سے وحی میں کسی کمی بیشی کا اختیار نہیں ہے، اور اگر وہ ایسا کرے تو ہم اس کو سخت سزا دیں، بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ غلط استدلال کیا ہے کہ جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے اس کی شہ رگ فوراً نہ کاٹ ڈالی جائے تو یہ اس کے نبی ہونے کا ثبوت ہے؛ حالانکہ اس آیت میں جو بات کہی گئی ہے، وہ سچے نبی ﷺ کے بارے میں ہے کہ وہ بھی اگر ایسا کریں تو سخت قابل مؤاخذہ ہوں گے نہ کہ جھوٹے مدعی نبوت کے بارے میں جو کہ سراسر ظالم وگناہگار ہیں۔

تمت

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ اربعٌ وَّارْبَعُوْنَ ايَةً.

سورۂ معارج مکی ہے، چوالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ سَاَلَ سَآئِلٌ دَعَا دَاعٍ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ① لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ② هُوَ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ، الاٰيَةَ، مِّنَ اللّٰهِ مُتَّصِلٌ بِوَاقِعٍ ذِي الْمَعَارِجِ ③ مَصَاعِدِ الْمَلَائِكَةِ وَهِيَ السَّمٰوٰتُ تَعْرُجُ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ جِبْرِيْلُ اِلَيْهِ اِلٰى مَهْبَطِ اَمْرِهٖ مِنَ السَّمَاءِ فِيْ يَوْمٍ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ يَقَعُ الْعَذَابُ بِهِمْ فِيْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ④ بِالنِّسْبَةِ اِلَى الْكَافِرِ لِمَا يَلْقٰى فِيْهِ مِنَ الشَّدَائِدِ وَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَكُوْنُ عَلَيْهِ اَخَفَّ مِنْ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ يُصَلِّيْهَا فِي الدُّنْيَا كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ فَاصْبِرْ هٰذَا قَبْلَ اَنْ يُؤْمَرَ بِالْقِتَالِ صَبْرًا جَمِيْلًا ⑤ اَيْ لَا فَزَعَ فِيْهِ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ اَيِ الْعَذَابَ بَعِيْدًا ⑥ غَيْرَ وَاقِعٍ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ⑦ وَاقِعًا لَا مُحَالَةَ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ يَقَعُ كَالْمُهْلِ ⑧ كَذَائِبِ الْفِضَّةِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ⑨ كَالصُّوْفِ فِي الْخِفَّةِ وَالطَّيَرَانِ بِالرِّيْحِ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ⑩ قَرِيْبٌ قَرِيْبَهٗ لِاشْتِغَالِ كُلٍّ بِحَالِهٖ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يُبْصِرُ الْاَحِمَّاءُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَيَتَعَارَفُوْنَ وَلَا يَتَكَلَّمُوْنَ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ يَتَمَنَّى الْكَافِرُ لَوْ بِمَعْنٰى اَنْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِكَسْرِ الْمِيْمِ وَفَتْحِهَا بِبَنِيْهِ ⑪ وَصَاحِبَتِهٖ زَوْجَتِهٖ وَاَخِيْهِ ⑫ وَفَصِيْلَتِهٖ عَشِيْرَتِهٖ لِفَصْلِهٖ مِنْهَا الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ⑬ تَضُمُّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ⑭ ذٰلِكَ الْاِفْتِدَاءُ عَطْفٌ عَلٰى يَفْتَدِيْ كَلَّا رَدْعٌ لِمَا يَوَدُّهٗ اِنَّهَا اَيِ النَّارُ لَظٰى ⑮ اِسْمٌ لِجَهَنَّمَ لِاَنَّهَا تَتَلَظّٰى اَيْ تَتَلَهَّبُ عَلَى الْكُفَّارِ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ⑯ جَمْعُ شَوَاةٍ وَهِيَ جِلْدَةُ الرَّأْسِ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ⑰ عَنِ الْاِيْمَانِ بِاَنْ تَقُوْلَ اِلَيَّ اِلَيَّ وَجَمَعَ الْمَالَ فَاَوْعٰى ⑱ اَمْسَكَهٗ فِيْ وِعَائِهٖ وَلَمْ يُؤَدِّ حَقَّ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْهُ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ⑲ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ وَتَفْسِيْرُهٗ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ⑳ وَقْتَ مَسِّ الشَّرِّ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ㉑ وَقْتَ مَسِّ الْخَيْرِ اَيِ الْمَالِ بِحَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى

مِنهُ ﴿اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ﴾ اى المُؤمِنِينَ ﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ﴾ مُواظِبُونَ ﴿وَالَّذِيْنَ فِىْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ﴾ هُوَ الزكوة ﴿لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ المُتَعَفِّفِ عَنِ السُّؤالِ فَيُحرَمُ ﴿وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ الجَزاءِ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ﴾ خَائِفُونَ ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ﴾ نُزُولُهُ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ مِنَ الاِماءِ ﴿فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ المُتَجَاوِزُونَ الحَلالَ اِلَى الحَرَامِ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ﴾ وفِى قِراءَةٍ بالاِفرادِ مَا اُئْتُمِنُوا عَلَيهِ مِن اَمرِ الدِّينِ والدُّنيا ﴿وَعَهْدِهِمْ﴾ المَاخُوذِ عَلَيهِمْ فى ذٰلك ﴿رٰعُوْنَ﴾ حَافِظُونَ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ﴾ وفِى قِراءَةٍ بالجَمعِ ﴿قَآئِمُوْنَ﴾ يُقِيمُونَهَا ولَا يَكتُمُونَهَا ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ بِاَدائِهَا فى اَوقَاتِهَا ﴿اُولٰٓئِكَ فِىْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ﴾

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، ایک سوال کرنے والے یعنی ایک مانگنے والے نے کافر پر ایسے اللہ کی طرف سے واقع ہونے والا عذاب مانگا جس کو اللہ کی طرف سے کوئی دفع کرنے والا نہیں وہ نضر بن حارث ہے اس نے کہا اے اللہ! اگر یہ حق ہے (الآیۃ) مِنَ اللّٰہِ، واقعٌ سے متعلق ہے کہ جو ملائکہ کے لئے سیڑھیوں والا ہے اور وہ آسمان ہے جس کی طرف فرشتے اور روح یعنی جبرئیل چڑھتے ہیں (تَعْرُجُ) تا اور یا کے ساتھ یعنی اس کے حکم کے نازل ہونے کی جگہ کہ وہ آسمان ہے ایسے دن میں (فی یومٍ) محذوف کے متعلق ہے یعنی ان پر قیامت کے دن میں عذاب واقع ہوگا اور اس دن کی مقدار کافر کی نسبت سے تکالیف کے اس دن میں لاحق ہونے کی وجہ سے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی رہا مومن تو اس کے لئے ایک فرض نماز کے وقت سے بھی کم مدت ہوگی جس کو وہ دنیا میں پڑھا کرتا تھا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، سو آپ ﷺ صبر کیجئے یہ حکم جہاد کے حکم کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے، یعنی جس میں جزع فزع (شکوہ وشکایت نہ ہو) بے شک یہ لوگ اس عذاب کو بعید یعنی ناممکن الوقوع سمجھ رہے ہیں، اور ہم اس کو قریب یعنی لامحالہ عنقریب واقع ہونے والا سمجھ رہے ہیں (یہ عذاب اس دن) واقع ہوگا جس دن آسمان پگھلی ہوئی چاندی کے مانند ہو جائے گا اور پہاڑ ہلکے اور ہوا کے ذریعہ اڑنے میں اون کے مانند ہو جائیں گے اور ہر شخص کے اپنے حالات میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دوست دوست کی (بھی) بات نہ پوچھے گا یعنی قرابت دار قرابت دار کی بات نہ پوچھے گا حالانکہ ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں گے یعنی دوست آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ لیں گے اور ایک دوسرے کو پہچان بھی لیں گے، مگر بات نہ کریں گے (یُبَصَّرُوْنَهُمْ) جملہ مستانفہ ہے مجرم چاہے گا یعنی کافر تمنا کرے گا کہ اس کے عذاب کے بدلے فدیہ میں (یَوْمِئِذٍ) میم کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبے کو، کنبے کو فصیلہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ فرد کنبے ہی سے جدا ہوتا ہے جو اس کو پناہ دیتے ہیں یعنی اپنے ساتھ ملا لیتا ہے اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا تا کہ یہ فدیہ دینا اس کو نجات دلا دے اس کا عطف

یَفْتَدِیْ پر ہے مگر ہرگز ایسا نہ ہوگا یہ اس کی تمنا کا رد ہے یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے لَظٰی جہنم کا نام ہے اس لئے کہ وہ شعلہ زن ہوگی، یعنی کفار پر شعلہ زن ہوگی جو سر کی کھال کو کھینچنے والی ہوگی شَوٰی، شَوَاۃٌ کی جمع ہے اور وہ سر کی کھال ہے، وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو ایمان سے پیٹھ پھیرتا ہے اور سرتابی کرتا ہے وہ کہے گی (اِلَیَّ اِلَیَّ) میری طرف آؤ! میری طرف آؤ!، اور مال جمع کر کے سنبھال کر رکھتا ہے (ذخیرہ کرتا ہے) یعنی اس کو تجوری میں بند کر کے رکھتا ہے اور اس میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کرتا انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے یہ حال مقدرہ ہے اور (ھلوع) کی تفسیر (اِذا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا) ہے جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو تکلیف لاحق ہونے کے وقت جزع فزع (واویلا) کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی حاصل ہوتی ہے یعنی مال حاصل ہوتا ہے تو اس مال میں حقوق اللہ سے بخیلی کرنے لگتا ہے مگر وہ نمازی یعنی مومن جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور ان کے مالوں میں سوالی اور غیر سوالی کے لئے حق ہے اور وہ زکوٰۃ ہے، محروم وہ شخص ہے جو سوال سے اجتناب کرے اور وہ جو جزاء کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں؛ مگر بیویوں سے اور باندیوں سے کیونکہ ان پر کوئی ملامت نہیں، ہاں جو ان کے علاوہ کا طلبگار ہوا ایسے ہی حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں کا اور اپنے قول و قرار کا پاس رکھتے ہیں جس میں ان سے مؤاخذہ ہو اور ایک قراءت میں (اَمَانَتُهُمْ) مفرد ہے یعنی جس چیز پر ان کو امین بنایا جائے خواہ وہ امرِ دین سے ہو یا امر دنیا سے اور وہ لوگ جو اپنی شہادتوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والے ہیں اور ایک قراءت میں شہادات جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی گواہی ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی ان کے اوقات میں ادا کر کے حفاظت کرتے ہیں ایسے ہی لوگ جنت میں باعزت داخل ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: لِلْکَافِرِیْنَ لام تعلیل کا بھی ہوسکتا ہے ای نَازِلٌ مِنْ اجل الکافرین یا بمعنی عَلٰی ہے ای واقع علی الکافرین.

قَوْلُهُ: لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌ یا تو یہ عذاب کی صفت ثانی ہے یا عذاب سے حال ہے یا جملہ مستانفہ ہے، اگر جملہ مستانفہ ہوگا تو عامل و معمول کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔

قَوْلُهُ: مَعَارِج، معرج کی جمع ہے بمعنی سیڑھی۔

قَوْلُهُ: جبرئیل اس میں اشارہ ہے کہ والرُّوح یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام ملائکہ میں شامل ہیں۔

قَوْلُهُ: اِلٰی مَهْبَطِ اَمْرِهٖ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک خاص مقام میں ہیں اور ملائکہ اس کی طرف صعود کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ جسم ومکان سے بری اور پاک ہے۔

جَوَاب: کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے ای اِلَی مَحَلِ هُبُوطِ امرہٖ یعنی اللہ کے امر کے اترنے کی جگہ کی طرف چڑھتے ہیں نہ کہ اللہ کی طرف۔

قَوْلُهُ: اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا، ای یعتقدونه محالاً.

قَوْلُهُ: لَوْ بمعنی اَنْ، یعنی لَوْ اَنْ مصدریہ کے معنی میں ہے اسی لئے لَوْ کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: تَضُمُّهٗ، ای فی النسب.

قَوْلُهُ: اِنَّهَا، ای النار مقصد ضمیر کے مرجع کی تعیین ہے

سُوَال: هَا ضمیر کا مرجع مفسر علام نے النار کو قرار دیا ہے حالانکہ النار سابق میں کہیں مذکور نہیں ہے۔

جَوَاب: النار کا لفظ اگرچہ سابق میں صراحۃً مذکور نہیں ہے مگر اَلْعَذَاب سے مفہوم ہے۔

قَوْلُهُ: لَظٰی، اِنَّ کی خبر اول اور نَزَّاعَةٌ خبر ثانی ہے۔

قَوْلُهُ: لَظٰی علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

قَوْلُهُ: خُلِقَ هَلُوْعًا یہ حال مقدرہ ہے اس لئے کہ انسان بوقت پیدائش اس صفت سے متصف نہیں ہوتا۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

شانِ نزول:

سَاَلَ سَائِلٌ سوال کبھی کسی چیز کی تحقیق کے لئے بھی ہوتا ہے اس وقت اس کا صلہ عَنْ استعمال ہوتا ہے اور کبھی سوال بمعنی درخواست استعمال ہوتا ہے اس صورت میں اس کا صلہ باء آتا ہے یہاں ایسا ہی ہے سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَاب ایک سوال کرنے والے نے عذاب کی درخواست کی، یہ سائل کون تھا؟ اور اس نے عذاب کا سوال کیوں کیا تھا؟ نسائی اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کی ہے کہ عذاب کا سوال کرنے والا شخص نضر بن حارث بن کلدہ تھا، جس نے قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب میں اس جرأت سے کام لیا کہ کہنے لگا "اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (انفال) یعنی یہ دعاء کی کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے حق ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسادے یا کوئی اور دردناک عذاب بھیج دے، اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں اس کو مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب دیا، آگے اس عذاب کی کچھ حقیقت کا بیان ہے کہ یہ عذاب کافروں پر ضرور واقع ہو کر رہے گا اس عذاب کو دفع کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔

فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ یہ جملہ فعل محذوف سے متعلق ہے ای یَقَعُ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب جس کا ذکر اوپر آیا ہے کافروں پر ضرور واقع ہوکر رہے گا، اس کا وقوع اس روز ہوگا کہ جس کی مدت پچاس ہزار سال ہوگی حضرت ابوسعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے رسول اللہ ﷺ سے اس دن کے متعلق سوال کیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی کہ یہ دن کتنا دراز ہوگا؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یہ دن مومن پر ایک فرض نماز ادا کرنے کے وقت سے بھی کم ہوگا، یہ بطور تمثیل کے مومنین پر اس وقت کے ہلکا ہونے کا بیان ہے حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ایک روایت میں ہے کہ قیامت کا دن ظہر اور عصر کے درمیانی وقت سے بھی کم ہوگا۔

قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا یا پچاس ہزار سال:

سُوَال: اس آیت میں روز قیامت کی مقدار پچاس ہزار سال بتائی گئی ہے اور سورۂ تنزیل السجدہ کی آیت میں ایک ہزار سال کا ذکر ہے، بظاہر ان دونوں آیتوں کے مضمون میں تعارض اور تضاد ہے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ مدت مختلف لوگوں کے اعتبار سے ہے کسی کے لئے پچاس ہزار سال کی اور کسی کے لئے ایک ہزار سال کی اور کسی کے لئے ایک فرض نماز کے وقت کی مقدار ہوگی، اور وقت کی درازی عذاب کی شدت وخفت کے اعتبار سے کم وبیش معلوم ہوگی۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ھَلُوْعًا، ھَلُوْعٌ کے لفظی معنی ہیں حریص، بےصبرا، کم ہمت، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا ھَلُوع وہ شخص ہے جو کہ مالِ حرام کی حرص میں مبتلا ہو، یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ جب انسان کو پیدا ہی اس حال میں کیا گیا ہے تو پھر اس کا کیا قصور؟ وہ مجرم کیوں قرار دیا گیا؟ وجہ یہ ہے کہ مراد اس سے انسانی فطرت اور جبلت میں رکھی ہوئی استعداد اور مادہ ہے تو حق تعالیٰ نے انسان میں ہر خیر وشر کا مادہ اور استعداد بھی رکھی ہے اور شر وفساد کی بھی اور اس کو عقل وہوش بھی عطا فرمائے ہیں اور اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ ہر ایک کا انجام بھی بتادیا، اب انسان کو اختیار ہے کہ دونوں قسم کی صلاحیتوں میں سے جس کو چاہے بروئے کار لائے اور جس کو چاہے نہ لائے؛ لہٰذا یہ جو کچھ بھی کرے گا اپنے اختیار سے کرے گا اور اسی اختیار کی بناء پر اس کو جزا یا سزا ملے گی۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ نَحْوَكَ **مُهْطِعِيْنَ**﴿۳۶﴾ حَالٌ اي مُدِيْمِي النَّظَرِ **عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ** مِنْكَ **عِزِيْنَ**﴿۳۷﴾ حَالٌ اَيْضًا اي جَمَاعَاتٍ حَلَقًا حَلَقًا يَقُوْلُوْنَ اِسْتِهْزَاءً بالمُؤْمِنِيْنَ لَئِنْ دَخَلَ هٰؤُلَاءِ الجَنَّةَ لَنَدْخُلَنَّهَا قَبْلَهُمْ قَالَ تَعَالٰى **اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ**﴿۳۸﴾ **كَلَّا** رَدْعٌ لَهُمْ عَنْ طَمَعِهِمْ فِي الْجَنَّةِ **اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ** كَغَيْرِهِمْ **مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ**﴿۳۹﴾ مِنْ نُطَفٍ فلا يُطْمَعُ بِذٰلِكَ فِي الجَنَّةِ وَاِنَّمَا يُطْمَعُ فيها بالتَّقْوٰى **فَلَآ**

لَا زَائِدَةٌ **أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ** لِلشَّمْسِ والقمرِ وسَائِرِ الكَوَاكِبِ **إِنَّا لَقَادِرُونَ ۝ عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ** نَاتِي بَدَلَهُمْ **خَيْرًا مِنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝** بِعَاجِزِينَ عَنْ ذٰلِكَ **فَذَرْهُمْ** اُتْرُكْهُمْ **يَخُوضُوا** فِي بَاطِلِهِمْ **وَيَلْعَبُوا** فِي دُنْيَاهُمْ **حَتَّىٰ يُلَاقُوا** يَلْقَوْا **يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ۝** فِيهِ العَذَابَ **يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ** القُبُوْرِ **سِرَاعًا** اِلَى المَحْشَرِ **كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ** وفِي قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الحَرْفَيْنِ شَيْءٌ مَنْصُوبٌ كَعَلَمٍ او رَايَةٍ **يُوفِضُونَ ۝** يُسْرِعُوْنَ **خَاشِعَةً** ذَلِيلَةً **أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ** تَغْشَاهُمْ **ذِلَّةٌ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝** ذٰلِكَ مُبْتَدأٌ ومَا بَعْدَهُ الخَبَرُ ومَعْنَاه يَوْمُ القِيٰمَةِ.

ترجمہ: کافروں کو کیا ہوا کہ تمہاری طرف دائیں اور بائیں طرف سے گھورتے ہوئے جماعتیں بن بن کر چلے آرہے ہیں، مُهْطِعِيْنَ، كَفَرُوْا سے حال ہے عِزِيْنَ بھی كفروا سے حال ہے، یعنی جماعت اور حلقے بنا بنا کر مومنین سے استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر یہ جنت میں داخل ہوں گے تو ہم یقیناً ان سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، کیا ان میں کا ہر شخص اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ نعمتوں کی جنت میں داخل کرلیا جائے گا؟ یہ ہرگز نہ ہوگا یہ ان کی دخول جنت کی تردید ہے ہم نے ان کو دوسروں کے مانند اس چیز سے پیدا کیا ہے جو ان کو معلوم ہے یعنی نطفوں سے، لہٰذا اس بناء پر جنت کی طمع نہیں کرسکتے ہاں البتہ جنت کی طمع تقوے کی بناء پر کرسکتے ہیں، پھر میں قسم کھاتا ہوں لَا زائدہ ہے شمس و قمر اور تمام ستاروں کے مشرقوں اور مغربوں کے رب کی ہم اس پر قادر ہیں کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں، اور ہم اس کام سے عاجز نہیں ہیں تو آپ ﷺ ان کو اسی شغل باطل اور دنیا کی تفریح میں رہنے دیجئے، یہاں تک کہ ان کو ان کے اس دن سے سابقہ پڑے کہ جس دن میں ان سے عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے جس دن یہ قبروں سے نکل کر محشر کی جانب دوڑیں گے جیسے کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہوں اور ایک قراءت میں دونوں حرفوں کے ضمہ کے ساتھ ہے، وہ شئ جس کو نصب کیا گیا ہو جیسا کہ علم یا پرچم ان کی آنکھیں نیچے کو جھکی ہوں گی (اور) ان پر ذلت چھائی ہوگی یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا (**ذلك**) مبتداء ہے اور اس کا مابعد خبر ہے، اور مراد اس سے قیامت کا دن ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لام جارہ، مصحف امام کے رسم الخط کی اتباع میں الگ لکھا گیا ہے، مَا مبتداء ہے اور اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اس کی خبر ہے ای فَاَيُّ شئٍ حَمَلَهُمْ عَلٰى نظرهم اِلَيْكَ.

قَوْلُهُ: مهطعين ای مسرعين. اِهْطَاعٌ سے اسم فاعل جمع مذکر، سر جھکائے نظر جمائے تیزی سے دوڑنے والے۔

قَوْلُهُ: عِزِيْنَ یہ عزة کی جمع ہے اور عِزَةٌ بمعنی جماعت ہے۔

قَوْلُهُ: اِنَّا لَقَادِرُوْنَ یہ مقسم علیہ ہے۔

قَوْلُهُ: وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ یہ مقسم علیہ کا جز ہے۔

قَوْلُهُ: یَلْقَوْا، یُلَاقُوْا کی تفسیر یَلْقَوْا سے کر کے اشارہ کردیا کہ باب مفاعلہ اپنی اصل پر نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ یہ یَوْمَهُمُ الَّذِیْ سے بدل البعض ہے۔

قَوْلُهُ: ذلك الیوم مبتداء اور اَلَّذِیْن الخ خبر ہے۔

تفسیر و تشریح

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ یہ آپ ﷺ کے زمانہ کے کافروں کا ذکر ہے کہ وہ آپ کی مجلس میں دوڑے دوڑے آتے؛ لیکن آپ کی باتیں سن کر عمل کرنے کے بجائے ان کا مذاق اڑاتے اور ٹولیوں میں بٹ جاتے اور دعویٰ یہ کرتے کہ اگر مسلمان جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جنت میں جائیں گے اللہ نے اگلی آیت میں ان کے اس زعم باطل کی تردید فرمائی ہے، یعنی یہ کیسے ممکن ہے کہ مومن اور کافر دونوں جنت میں جائیں، رسول کو ماننے والے اور نہ ماننے والے تصدیق کرنے والے، اور تصدیق نہ کرنے والے دونوں برابر ہو جائیں، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا، مطلب یہ ہے کہ خدا کی جنت تو ان لوگوں کیلئے ہے جن کی صفات ابھی بیان کی گئی ہیں، اب کیا یہ لوگ جو حق بات سننا تک گوارا نہیں کرتے اور حق کی آواز کو دبا دینے کے لئے دوڑے چلے آرہے ہیں، کیا ایسے لوگ جنت کے امیدوار ہوسکتے ہیں؟

كَلَّا اِنَّا خَلَقْنَاهم مِمَّا يَعلمونَ مطلب یہ کہ جس مادہ سے یہ بنے ہیں اس لحاظ سے تو سب انسان برابر ہیں اگر وہ مادہ ہی انسان کے جنت میں جانے کا سبب ہو تو نیک و بد، ظالم و عادل سب ہی کو جنت میں جانا چاہئے؛ لیکن معمولی عقل بھی یہ فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ جنت کا استحقاق انسان کے مادۂ تخلیق کی بناء پر نہیں؛ بلکہ اس کے اوصاف کی بناء پر ہوتا ہے۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ ثَمَانٌ اَوْ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ نوح مکی ہے، اٹھائیس یا انتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا **عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ① مُؤْلِمٌ فِى الدُّنيا والاخرةِ **قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ** ② بَيِّنُ الْاِنْذارِ **اَنِ** اى بِاَنْ اَقُوْلَ لَكُمْ **اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ** ③ **يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ** مِنْ زَائِدَةٌ فَاِنَّ الْاِسْلَامَ يُغْفَرُ بِهٖ مَا قَبْلَه او تَبْعِيْضِيَّةٌ لِاِخْرَاجِ حُقُوْقِ الْعِبَادِ **وَيُؤَخِّرْكُمْ** بلا عَذَابٍ **اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى** اَجَلِ الْمَوْتِ **اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ** بِعَذَابِكُمْ اِنْ لَم تُؤْمِنُوا **اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ④ ذٰلِكَ لَاٰمَنْتُمْ **قَالَ رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّنَهَارًا** ⑤ دَائِمًا مُتَّصِلًا **فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىْٓ اِلَّا فِرَارًا** ⑥ عَنِ الاِيْمَانِ **وَاِنِّىْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ** لِئَلَّا يَسْمَعُوْا كَلَامِىْ **وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ** غَطَّوْا رُؤُسَهُمْ بِهَا لِئَلَّا يَنْظُرُوْنِىْ **وَاَصَرُّوْا** عَلٰى كُفْرِهِمْ **وَاسْتَكْبَرُوا** عَنِ الاِيْمَانِ **اسْتِكْبَارًا** ⑦ **ثُمَّ اِنِّىْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا** ⑧ اى بِاِعْلَاءِ صَوْتِىْ **ثُمَّ اِنِّىْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ** صَوْتِىْ **وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ** الكَلَامَ **اِسْرَارًا** ⑨ **فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ** مِنَ الشِّرْكِ **اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا** ⑩ **يُّرْسِلِ السَّمَآءَ** المَطَرَ وَكَانُوا قَدْ مُنِعُوْهُ **عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا** ⑪ كَثِيْرَ الدُّرُوْرِ **وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ** بَسَاتِيْنَ **وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا** ⑫ جَارِيَةً **مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا** ⑬ اى تَامُلُوْنَ وَقَارَ اللّٰهِ اِيَّاكُمْ بِاَنْ تُؤْمِنُوْا **وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا** ⑭ جَمْعُ طَوْرٍ وهو الحَالُ فَطَوْرًا نُطْفَةً وطَوْرًا عَلَقَةً اِلٰى تَمَامِ خَلْقِ الْاِنْسَانِ والنَّظْرُ فِى خَلْقِهٖ يُوْجِبُ الْاِيْمَانَ بِخَالِقِهٖ **اَلَمْ تَرَوْا** تَنْظُرُوا **كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا** ⑮ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ **وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ** اى فى مَجْمُوْعِهِنَّ الصَّادِقِ بِالسَّمَاءِ الدُّنيا **نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا** ⑯ مِصْبَاحًا مُضِيْئًا وهُوَ اَقْوٰى مِنْ نُوْرِ الْقَمَرِ **وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ** خَلَقَكُمْ **مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا** ⑰ اِذْ خَلَقَ اَبَاكُمْ اٰدَمَ مِنْهَا **ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا** مَقْبُوْرِيْنَ **وَيُخْرِجُكُمْ** لِلْبَعْثِ **اِخْرَاجًا** ⑱ **وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا** ⑲ مَبْسُوْطَةً **لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا** طُرُقًا

وقف لازم

فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ وَاسِعَةً.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، یقیناً ہم نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈراؤ قبل اس کے کہ ان پر دنیا و آخرت میں دردناک عذاب آئے اگر وہ ایمان نہ لائے، نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں بایں طور کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اللہ کی بندگی کرو اور اسی سے ڈرو اور میری بات مانو وہ تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا مِنْ زائدہ ہے بلاشبہ اسلام کے ذریعہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں یا مِنْ تبعیضیہ ہے حقوق العباد کو خارج کرنے کے لئے اور تم کو بلا عذاب مہلت دے گا موت کے مقررہ وقت تک یقیناً تم پر اللہ کے عذاب کا وعدہ جب آجائے گا اگر تم ایمان نہ لائے تو مؤخر نہ ہوگا اگر تم اس بات کو جان لیتے تو ایمان لے آتے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن ہمیشہ مسلسل تیری طرف بلایا مگر میرے بلانے سے یہ لوگ ایمان سے اور زیادہ بھاگنے لگے، میں نے انہیں جب کبھی تیری بخشش کے لئے بلایا تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں تاکہ میری بات نہ سنیں اور انہوں نے اپنے کپڑے اوڑھ لئے یعنی کپڑوں سے انہوں نے اپنے سروں کو چھپالیا تاکہ مجھے نہ دیکھیں، اور وہ اپنے کفر پر ڈٹے رہے اور ایمان کے مقابلہ میں بڑا تکبر کیا پھر میں نے انہیں بآواز بلند بلایا اور پھر میں نے ان کو اعلانیہ بھی سمجھایا اور چپکے سے بھی سمجھایا اور میں نے ان سے کہا تم اپنے رب سے شرک سے معافی طلب کرو وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے کثرت سے تمہارے لئے زوردار بارش بھیجے گا اور وہ لوگ بارش سے محروم کردیئے گئے تھے اور تمہارے مال و اولاد میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لئے باغات لگادے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کردے گا تمہیں کیا ہوگیا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو، یعنی اللہ سے اپنے وقار کی امید نہیں رکھتے کہ ایمان لے آؤ، حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح سے بنایا اَطْوَار، طَوْرٌ کی جمع ہے، اس کے معنی حال کے ہیں چنانچہ ایک حالت نطفہ کی ہے، اور ایک حالت دم بستہ کی ہے انسان کی تخلیق کے مکمل ہونے تک اور انسان کی تخلیق میں غور کرنا اس کے خالق پر ایمان کو واجب کرتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے کس طرح تہ بہ تہ سات آسمان پیدا کئے، یعنی بعض کو بعض کے اوپر رکھا اور چاند کو ان میں یعنی ان کے مجموعہ میں جو سماء دنیا پر بھی صادق ہے نور بنایا اور سورج کو روشن چراغ بنایا اور وہ چاند کے نور سے قوی تر ہے اور تم کو زمین سے ایک خاص طریقہ سے پیدا کیا پھر وہ تم کو اسی میں لے جائے گا حال یہ کہ تم قبر میں مدفون ہوگے اور وہ تم کو بعث کے لئے نکالے گا اور اللہ نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ثمان او تسعٌ وعشرون آیةً، ثُمان، ثاء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ آخر سے یا حذف ہوگئی قاضٍ کے قاعدہ سے یا یَدٌ و دَمٌ کے قاعدہ سے اصل میں ثمانیٌ تھا۔

قَوْلُہٗ: بانذارٍ اس سے اشارہ کر دیا کہ انْ انذر میں انْ مصدریہ ہے اور تفسیریہ بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ ارسال میں قول کے معنی ہیں۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: بانْ اقول لکُم کہ انِ اعبُدُوا اللّٰہ میں انْ تفسیریہ ہے اور مصدریہ ہونا بھی صحیح ہے، کما سبق۔

قَوْلُہٗ: یَغفِرلکُم یہ ماقبل میں مذکور تینوں امروں کا جواب ہے اور اسی وجہ سے مجزوم ہے۔

قَوْلُہٗ: بلا عَذابٍ اس کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: اللہ تعالیٰ نے وَیُؤخّرکُم الٰی اَجلٍ مُّسَمًّی فرمایا حالانکہ دوسری آیت میں "ولَن یُؤخر اللّٰہ نفسًا اذا جاء اجلُھا" فرمایا گیا ہے دونوں میں تعارض ہے؟

جَوَاب: یُؤخر کم سے مراد دنیا میں عذاب کی تاخیر ہے موت تک نہ کہ موت کے مقررہ وقت میں تاخیر ہے۔

(جمل، صاوی)

قَوْلُہٗ: بعذابکُم ان لم تؤمنوا اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی سابقہ تعارض کو دفع کرنا ہے۔ (حاشیہ جلالین)

قَوْلُہٗ: لَاٰمنتُم اس میں اشارہ ہے کہ لَوْ شرطیہ ہے اور لَاٰمنتُم اس کی جزاء ہے۔

تفسیر و تشریح

نام:

اس سورت کا نام سورۂ نوح ہے، اس میں اول سے آخر تک حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے جس طرح کہ سورۂ یوسف میں حضرت یوسف کا قصہ بالتفصیل بیان ہوا ہے مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ سورۂ یوسف قصہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے خاص ہے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ قرآن میں اور کہیں نہیں آیا دیگر مقامات پر صرف نام آیا ہے برخلاف حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ یہ سورت مخصوص قصہ نوح کے لئے ہے مگر قصہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سورت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ قرآن کریم میں دیگر ۴۳ مقامات پر بھی مفصلاً و مجملاً حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر آیا ہے۔

(قصص القرآن، خلاصۃ التفاسیر)

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے رسول ہیں:

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پہلے نبی ہیں کہ جن کو رسالت سے نوازا گیا صحیح مسلم میں باب شفاعت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل روایت ہے اس میں اول رسول ہونے کی صراحت ہے۔

یَا نُوحُ اَنتَ اَوَّلُ الرُّسُلِ اِلَی الْاَرْضِ اے نوح! تم کو زمین پر پہلا رسول بنایا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ اجمالاً:

تورات کے بیان کے مطابق حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نسب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آٹھ واسطوں سے ملتا ہے: نوح بن لامک بن متوشالخ بن اخنوخ بن یارد بن مہلئیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم (قصص القرآن) مگر یہ ظن وتخمین پر مبنی ہے یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں تورات کے مختلف نسخوں میں بھی کافی اختلاف ہے۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے پوری قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے یکسر نا آشنا ہو چکی تھی اور حقیقی خدا کی جگہ خود ساختہ معبودوں نے لے لی تھی، اس قوم کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہادی اور اپنے سچے رسول حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کیا، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بد بخت قوم کو سمجھانے میں انتہائی کوشش کی اور بہت چاہا کہ رحمت الٰہی کی آغوش میں آجائے مگر قوم نے ایک نہ سنی اور جس قدر اس جانب سے تبلیغی جد وجہد ہوئی اسی قدر قوم کی جانب سے بغض وعناد میں سرگرمی کا اظہار ہوا اور ایذاء رسانی اور تکلیف دہی کے تمام ذرائع استعمال کئے گئے اور قوم کے بڑوں نے عوام الناس سے صاف صاف کہہ دیا کہ وَدّ، سواع، یغوث، یعوق، اور نسر جیسے بتوں کی پرستش کو نہ چھوڑنا، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساڑھے نو سو سال کی انتھک کوشش کے نتیجے میں ایک روایت کے اعتبار سے اسّی افراد سے زیادہ ایمان نہ لائے۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تبلیغ کا آغاز ان تین باتوں سے فرمایا ایک یہ کہ اللہ کی بندگی، دوسرے تقویٰ، تیسرے رسول کی اطاعت، مطلب یہ کہ اگر تم ان تین باتوں کو قبول کرلو تو اب تک جو گناہ تم سے ہو چکے ہیں ان سے وہ درگذر فرمائے گا، يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى الخ میں بعض مفسرین نے حقوق العباد کو خارج کرنے کے لئے مِنْ کو تبعیض کا لیا ہے، اسلام اور ایمان لانے سے حقوق اللہ معاف ہو جائیں گے مگر حقوق العباد کی معافی کے لئے صاحب حق سے معافی ضروری ہوگی، بعض مفسرین نے یہاں مِنْ زائدہ یا بمعنی عن لیا ہے مطلب یہ کہ ایمان لانے سے تمہارے سب گناہ معاف ہو جائیں گے مگر دوسری نصوص کی بنا پر شرط مذکور بہر حال ضروری ہے۔

یعنی اگر تم نے یہ تینوں باتیں مان لیں تو تمہیں دنیا میں اس وقت تک بلا عذاب جینے کی مہلت دے دی جائے گی جو اللہ نے تمہاری طبعی موت کے لئے مقرر کی ہے یعنی مقررہ مدت عمر سے پہلے کسی دنیاوی عذاب میں پکڑ کر ہلاک نہ کرے گا، اس کا حاصل یہ ہوا کہ اگر ایمان نہ لائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ مدت مقررہ سے پہلے ہی تم پر عذاب لا کر ہلاک کر دے، معلوم ہوا کہ عمر کی مدت مقررہ میں بعض اوقات کوئی شرط ہوتی ہے کہ اس نے فلاں کام کرلیا تو اس کی عمر مثلاً اسّی سال ہوگی اور نہ کیا تو ساٹھ سال ہوگی، اعمال صالحہ سے عمر کے بڑھنے اور نافرمانی کے کاموں کی وجہ سے عمر کے گھٹنے کا یہی مطلب ہے۔ (معارف ملخصًا)

اس سے معلوم ہوا کہ تقدیر الٰہی کی دو قسمیں ہیں: ① معلق اور ② مبرم۔ ان دونوں تقدیروں کی طرف قرآن کریم میں اشارہ موجود ہے "يمحوا الله ما يشآء ويثبت وعنده ام الكتاب"، یعنی اللہ تعالیٰ لوح محفوظ میں اثبات یعنی ترمیم وتبدیل کرتا رہتا ہے اور اللہ کے پاس اصل کتاب ہے، اصل کتاب سے مراد وہ کتاب جس میں تقدیر

لکھی ہوئی ہے کیونکہ تقدیر معلق میں جو شرط لکھی گئی ہے اللہ کو پہلے ہی سے یہ معلوم ہے کہ وہ شخص یہ شرط پوری کرے گا یا نہیں اس لئے تقدیر مبرم میں قطعی فیصلہ لکھا جاتا ہے۔ (معارف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے مطابق حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور قرآن کی تصریح کے مطابق نو سو پچاس سال اپنی قوم کو تبلیغ کی اور طوفان کے بعد ساٹھ سال بقید حیات رہے، اس حساب سے آپ کی عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات اور ولادت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ۱۰۲ سال کا فاصلہ ہے اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر ۹۳۰ سال ہوئی ہے۔

(قصص القرآن، حضرت مولانا حفظ الرحمن سیو ہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ)

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا اى السَفَلَةُ والفُقَرَاءُ مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ وهُم الرُّؤَسَاءُ المُنْعَمُ عليهم بذلك وَوُلْدُ بضَمِّ الوَاوِ وسُكُونِ اللام وبفَتْحِهِمَا والاَوَّلُ قِيلَ جَمْعُ وَلَدٍ بفَتْحِهِمَا كَخَشَبٍ وخُشُبٍ وقِيلَ بمَعْناه كبُخْلٍ وبَخَلٍ إِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾ طُغْيَانًا وكُفرًا وَمَكَرُوا اى الرُّؤَسَاءُ مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾ عَظِيمًا جِدًّا بِاَنْ كَذَّبُوا نُوحًا واٰذَوْهُ ومَن اتَّبَعَهُ وَقَالُوا للسَفَلَةِ لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا بفتح الواو وضَمِّهَا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ هِيَ اَسْمَاءُ اَصْنَامِهِم وَقَدْ أَضَلُّوا بِهَا كَثِيرًا مِنَ النَاسِ بِاَنْ اَمَرُوهُم بعِبَادَتِهَا وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿٢٤﴾ عَطْفٌ عَلٰى قد اَضَلُّوا دَعَا عليهم لَمَّا اُوحِيَ اِلَيْهِ اَنَّهُ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ مِمَّا مَاصِلَةٌ خَطِيئَاتِهِمْ وفي قِراءَةٍ خَطِيْئَاتِهِم بالهَمْزَةِ أُغْرِقُوا بالطُوفَانِ فَأُدْخِلُوا نَارًا عُوقِبُوا بها عَقِبَ الاِغْرَاقِ تَحْتَ المَاءِ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ اى غيرِ اللهِ أَنصَارًا ﴿٢٥﴾ يَمْنَعُوْنَ عَنْهُم العَذَابَ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ اى نَازِلَ دَارٍ والمَعْنٰى اَحَدًا إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ مَنْ يَفْجُرُ ويَكْفُرُ قال ذٰلكَ لِمَا تَقَدَّمَ مِنَ الاِيحَاءِ اِلَيْهِ رَّبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وكَانَا مُؤْمِنَيْنِ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مَنْزِلِي او مَسْجِدِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اِلٰى يَوْمِ القِيَامَةِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾ ع هَلَاكًا فَاُهْلِكُوا.

(النصف ۸ ع)

ترجمہ: نوح بن لامك بن مُتَوشلخ بن اُحنوخ واسم امّه شمخی بروزن سكری علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور کمزور طبقے اور فقراء نے ان لوگوں کی اطاعت کی کہ جن کے مال واولاد نے سرکشی اور کفر کے اعتبار سے ان کو نقصان ہی پہنچایا، جو ایسے رئیس ہیں کہ جن کے اوپر ان چیزوں کا انعام فرمایا، وُلْدٌ واؤ کے ضمہ اور لام کے سکون اور دونوں کے فتحہ کے ساتھ (وَلَدٌ) اور اول کہا گیا ہے کہ وُلْدٌ (بفتحهما) کی جمع ہے جیسا

کہ خُشُبٌ، خَشَبٌ کی جمع ہے، اور کہا گیا کہ جمع کے معنی میں ہے جیسا کہ بُخْلٌ اور بَخَلٌ اور ان لوگوں نے بڑا تکبر کیا اس طریقہ پر کہ انہوں نے نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی تکذیب کی، اور ان کو اور ان کے پیروکاروں کو ایذا پہنچائی انہوں نے کمزور طبقے کے لوگوں سے کہا تم اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور وَدّ کو نہ چھوڑنا واو کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ نسر کو چھوڑنا، یہ ان کے بتوں کے نام ہیں اور ان لوگوں نے ان بتوں کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا اس طریقہ پر کہ ان لوگوں کو ان بتوں کی بندگی کرنے کا حکم دیا (الٰہی!) تو ان لوگوں کی گمراہی اور بڑھا دے یہ عطف ہے قَدْ اَضَلُّوْا پر اور حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے لئے یہ بد دعاء اس وقت کی کہ جب بذریعۂ وحی ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ تیری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی ایمان لانے والا نہیں، ان لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے طوفان میں غرق کر دیا گیا مَا زائدہ ہے، ایک قراءت میں خَطِيْئَاتِهِمْ ہے ہمزہ کے ساتھ، اور جہنم میں پہنچا دیا گیا اور اللہ کے سوا انہوں نے اپنا کوئی مددگار نہ پایا کہ جو ان سے عذاب کو روک سکے اور نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا اے میرے پروردگار! تو روئے زمین پر کوئی بسنے والا نہ چھوڑ یعنی گھر میں آنے والا مطلب یہ کہ کسی کو نہ چھوڑ اگر تو ان کو چھوڑ دے گا تو یقیناً یہ تیرے (دیگر) بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور فاجروں اور کافروں ہی کو جنم دیں گے یعنی ان لوگوں کو جو کفر و فسق ہی کریں گے، اور آپ نے یہ بد دعاء آپ کے پاس وحی آنے کے بعد کی۔ اے میرے پروردگار! تو میرے والدین کو کہ دونوں مومن تھے اور ہر اس شخص کو جو مومن ہو کر میرے گھر میں میری مسجد میں داخل ہو اور قیامت تک آنے والے مومنین و مومنات کو بخش دے اور کافروں کو سوائے ہلاکت کے اور کسی چیز میں نہ بڑھا چنانچہ وہ سب لوگ ہلاک کر دیئے گئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بذٰلك، اى بالمال والولد.

قَوْلُہٗ: والاول اى وُلْدٌ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وَلَدٌ کی جمع ہے جیسا کہ خُشُبٌ، خَشَبٌ کی جمع اور کہا گیا ہے کہ جمع نہیں ہے البتہ معنی میں جمع کے ہے جیسا کہ بَخَلٌ، بُخْلٌ کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: وَدّ مرد کی شکل کے ایک بت کا نام ہے، سُوَاع عورت کی شکل کے ایک بت کا نام ہے، یغوث شیر کی شکل کے بت کا نام ہے، یعوق گھوڑے کی شکل کے بت کا نام ہے، نَسْرَ کرگس کی شکل کے بت کا نام ہے۔

تفسیر و تشریح

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ (الآية) یعنی میری نافرمانی پر اڑے رہے میری ایک نہ سنی اور مالداروں سرداروں کی پیروی کی کہ جن کو ان کے مال و اولاد نے سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہیں دیا بلکہ سراسر نقصان میں رہے۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا یہ مکر شدید کیا تھا؟ مکر سے مراد ان سرداروں اور پیشواؤں کے وہ مکر وفریب ہیں جس سے وہ اپنی قوم کے عوام کو حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کے خلاف بہکاتے تھے اور بہکانے کے طریقے تقریباً تمام وہی تھے جو مشرکین عرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے روکنے کے لئے کرتے تھے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مکر سے مراد حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے قتل کی سازش ہے، اور بعض کے نزدیک ان کے بڑوں کا چھوٹوں سے یہ کہنا تھا کہ تم اپنے معبودوں کی عبادت پر جمے رہنا ان کو ہرگز مت چھوڑنا۔

ولا تذرن وَدًّا الخ یہ پانچوں، قوم نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے نیک آدمی تھے اور یہ انہیں کے نام ہیں جب ان کا انتقال ہو گیا تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں سے کہا کہ ان کی تصویریں بنا کر تم اپنے گھروں اور عبادت خانوں میں رکھ لو، تا کہ ان کی یاد تازہ رہے اور ان کے تصور سے تم بھی ان کی طرح نیکیاں کرتے رہو جب یہ تصویر بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں مبتلا کر دیا کہ تمہارے آباء تو ان کی پوجا کرتے تھے جن کی تصویریں تمہارے گھروں میں لٹک رہی ہیں، چنانچہ انہوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ (بخاری تفسیر، سورۂ نوح)

قوم نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے ان پانچوں بزرگوں کی اتنی شہرت ہوئی کہ عرب میں بھی ان کی پوجا ہونے لگی، چنانچہ ''وَدّ'' دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب کا معبود تھا اور ''سُواع''، ساحل بحر کے قبیلہ ہذیل کی دیوی تھی، ''یغوث'' سباء کے قریب قبیلہ طے کی بعض شاخوں کا بت تھا اور ''یعوق'' ہمدان کے علاقہ میں قبیلہ ہمدان کی شاخ خیوان کا بت تھا، اور یہ گھوڑے کی شکل کا تھا، اور ''نسر'' قبیلہ حمیر کا بت تھا جس کی شکل گدھ کی سی تھی۔

قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا، اَضَلُّوا کا فاعل قوم نوح کے رؤساء ہیں جنہوں نے مذکورہ پانچوں بزرگوں کے ناموں سے لوگوں کو گمراہ کیا۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بددعاء اس وقت فرمائی جب حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام ان کے ایمان لانے سے بالکل ناامید اور مایوس ہو گئے، اور اللہ نے بھی بذریعہ وحی اطلاع کر دی کہ اب ان میں سے کوئی ایمان لانے والا نہیں دَیَّارٌ، فَیْعَالٌ کے وزن پر دَیْوَارٌ تھا واؤ کو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کر دیا، رہنے بسنے والے۔

تمّ بحمد اللہ

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ثَمَانٍ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ جن مکی ہے، اٹھائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِلنَّاسِ **اُوْحِيَ اِلَيَّ** اُخْبِرْتُ بِالْوَحْيِ مِنَ اللهِ **اَنَّهُ** الضَّمِيْرُ لِلشَّانِ **اسْتَمَعَ** لِقِرَاءَتِي **نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ** جِنِّ نَصِيْبِيْنَ وَذٰلِكَ فِي صَلٰوةِ الصُّبْحِ بِبَطْنِ نَخْلَةٍ مَوْضِعٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَهُمُ الَّذِيْنَ ذُكِرُوْا فِي قَوْلِهِ تَعَالٰى وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ الْاٰيَةَ **فَقَالُوْا** لِقَوْمِهِمْ لَمَّا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ **اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا**① يُتَعَجَّبُ مِنْهُ فِي فَصَاحَتِهِ وَغَزَارَةِ مَعَانِيْهِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ** الْاِيْمَانِ وَالصَّوَابِ **فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ** بَعْدَ الْيَوْمِ **بِرَبِّنَا اَحَدًا**② **وَّاَنَّهُ** الضَّمِيْرُ لِلشَّانِ فِيْهِ وَفِي الْمَوْضِعَيْنِ بَعْدَهُ **تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا** تَنَزَّهَ جَلَالُهُ وَعَظَمَتُهُ عَمَّا نُسِبَ اِلَيْهِ **مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً** زَوْجَةً **وَّلَا وَلَدًا**③ **وَّاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا** جَاهِلُنَا **عَلَى اللهِ شَطَطًا**④ غُلُوًّا فِي الْكَذِبِ بِوَصْفِهٖ بِالصَّاحِبَةِ وَالْوَلَدِ **وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ** مُخَفَّفَةٌ اَيْ اَنَّهُ **لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللهِ كَذِبًا**⑤ بِوَصْفِهٖ بِذٰلِكَ حَتّٰى بَيَّنَّا كَذِبَهُمْ بِذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰى **وَّاَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ** يَسْتَعِيْذُوْنَ **بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ** حِيْنَ يَنْزِلُوْنَ فِي سَفَرِهِمْ بِمَخُوْفٍ فَيَقُوْلُ كُلُّ رَجُلٍ اَعُوْذُ بِسَيِّدِ هٰذَا الْمَكَانِ مِنْ شَرِّ سُفَهَائِهٖ **فَزَادُوْهُمْ** بِعَوْذِهِمْ بِهِمْ **رَهَقًا**⑥ طُغْيَانًا فَقَالُوْا سُدْنَا الْجِنَّ وَالْاِنْسَ **وَّاَنَّهُمْ** اَيِ الْجِنَّ **ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ** يَا اِنْسُ **اَنْ** مُخَفَّفَةٌ اَيْ اَنَّهُ **لَّنْ يَّبْعَثَ اللهُ اَحَدًا**⑦ بَعْدَ مَوْتِهٖ قَالَ الْجِنُّ **وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ** رُمْنَا اِسْتِرَاقَ السَّمْعِ مِنْهَا **فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا** مِنَ الْمَلَائِكَةِ **شَدِيْدًا وَّشُهُبًا**⑧ نُجُوْمًا مُحْرِقَةً وَذٰلِكَ لَمَّا بُعِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَّاَنَّا كُنَّا** اَيْ قَبْلَ مَبْعَثِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ** اَيْ نَسْتَمِعُ **فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا**⑨ اَيْ اُرْصِدَ لَهٗ لِيُرْمٰى بِهٖ **وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ** بَعْدَ اسْتِرَاقِ السَّمْعِ **بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا**⑩ خَيْرًا **وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ** بَعْدَ اسْتِمَاعِ الْقُرْاٰنِ **وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ** اَيْ قَوْمٌ غَيْرُ صَالِحِيْنَ **كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا**⑪

فِرَقًا مُخْتَلِفِيْنَ مُسْلِمِيْنَ وَ كَافِرِيْنَ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ مُخَفَّفَةٌ اَىْ اَنَّهُ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِى الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ اَىْ لَا نَفُوْتُهٗ كَائِنِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَوْ هَارِبِيْنَ مِنْهَا اِلَى السَّمَاءِ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى الْقُرْاٰنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بِتَقْدِيْرِ هُوَ بَعْدَ الْفَاءِ بَخْسًا نَقْصًا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ ظُلْمًا بِالزِّيَادَةِ فِىْ سَيِّئَاتِهٖ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ الْجَائِرُوْنَ بِكُفْرِهِمْ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ قَصَدُوْا هِدَايَةً وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَقُوْدًا وَاَنَّا وَاَنَّهُمْ وَاَنَّهٗ فِىْ اِثْنَىْ عَشَرَ مَوْضِعًا هِىَ وَاَنَّهٗ تَعَالٰى اِلٰى قَوْلِهٖ وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمَا بَيْنَهُمَا بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ اِسْتِيْنَافًا وَبِفَتْحِهَا بِمَا يُوَجَّهُ بِهٖ قَالَ تَعَالٰى فِىْ كُفَّارِ مَكَّةَ وَّاَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَىْ وَاَنَّهُمْ وَهُوَ مَعْطُوْفٌ عَلٰى اَنَّهُ اسْتَمَعَ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ اَىْ طَرِيْقَةِ الْاِسْلَامِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ كَثِيْرًا مِنَ السَّمَاءِ وَذٰلِكَ بَعْدَ مَا رُفِعَ الْمَطَرُ عَنْهُمْ سَبْعَ سِنِيْنَ لِّنَفْتِنَهُمْ لِنَخْتَبِرَهُمْ فِيْهِ ۭ فَنَعْلَمُ كَيْفَ شُكْرُهُمْ عِلْمَ ظُهُوْرٍ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ الْقُرْاٰنِ يَسْلُكْهُ بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ نُدْخِلْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ شَاقًّا وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ مَوَاضِعَ الصَّلٰوةِ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا فِيْهَا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ بِاَنْ تُشْرِكُوْا كَمَا كَانَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى اِذَا دَخَلُوْا كَنَائِسَهُمْ وَبِيَعَهُمْ اَشْرَكُوْا وَّاَنَّهٗ بِالْفَتْحِ وَبِالْكَسْرِ اسْتِيْنَافًا وَالضَّمِيْرُ لِلشَّاْنِ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ مُحَمَّدٌ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْهُ يَعْبُدُهٗ بِبَطْنِ نَخْلٍ كَادُوْا اَىِ الْجِنُّ الْمُسْتَمِعُوْنَ لِقِرَاءَتِهٖ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ بِكَسْرِ اللَّامِ وَضَمِّهَا جَمْعُ لِبْدَةٍ كَاللِّبَدِ فِىْ رُكُوْبِ بَعْضِهِمْ اِزْدِحَامًا حِرْصًا عَلٰى سَمَاعِ الْقُرْاٰنِ.

ع ۱۹ / ۱۱

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے محمد ﷺ! لوگوں کو بتائیے کہ مجھے وحی کے ذریعہ یہ بات بتائی گئی ہے (یعنی) وحی کے ذریعہ اللہ کی طرف سے مجھے خبر دی گئی ہے کہ نصیبین کے جنوں کی ایک جماعت نے میری قراءت سنی اور یہ واقعہ بطن نخلہ میں جو کہ مکہ اور طائف کے درمیان ہے فجر کی نماز میں پیش آیا اور یہ جن وہی ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قول "وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ" میں کیا گیا ہے، تو انہوں نے اپنی قوم کے پاس واپس جا کر کہا ہم نے عجیب قرآن سنا ہے کہ اس کی (لفظی) فصاحت اور (معنوی) بلاغت وغیرہ سے تعجب ہوتا ہے جو راہِ راست (اور) ایمان کی طرف رہنمائی کرتا ہے ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں آج کے بعد ہم کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہ ٹھہرائیں گے، اور بے شک ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے (اَنَّهٗ) میں اور اس کے بعد دونوں جگہ ضمیر شان ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے جلال و عظمت کی تمام ان چیزوں کی کہ اس کی طرف نسبت کرنے سے (جو اس کی شایانِ شان نہیں) پاکی بیان فرمائی نہ اس نے کسی کو (اپنی) بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا، اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف جاہل اللہ کے بارے میں اللہ کو بیوی اور بیٹے سے متصف کر کے افتراء پردازی میں غلو کرتا ہے اور ہم تو یہی سمجھتے رہے (اَنْ) مخففہ ہے اَىْ اَنَّهٗ کہ

انس اور جن اس کو ان چیزوں سے متصف کر کے اس پر ہرگز افتراء پردازی نہ کریں گے حتیٰ کہ ہمارے اوپر اس بارے میں ان کا کذب ظاہر ہو گیا بات یہ ہے کہ بعض لوگ جب کہ وہ اپنے سفر کے دوران کسی خطرناک مقام پر فروکش ہوتے تھے تو بعض لوگ جنات کی پناہ طلب کیا کرتے تھے اور ہر شخص کہتا تھا کہ میں اس مقام کے سردار کی اس مقام کے بے وقوف (جنوں) سے پناہ چاہتا ہوں جس کی وجہ سے جنات اپنی سرکشی میں اور چڑھ گئے اور کہنے لگے ہم جنوں اور انسانوں کے سردار ہو گئے، اے انسانو! جنات نے بھی تمہاری طرح گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو موت کے بعد دوبارہ زندہ نہ کرے گا، (اَنْ) مخففہ عن الثقیلہ ہے، اور ہم نے چوری سے سننے کے لئے آسمان کا قصد کیا تو ہم نے اس کو دیکھا کہ پہرہ دار فرشتوں اور سخت جلا دینے والے شہابوں سے بھرا پڑا ہے اور یہ اس وقت ہوا جب آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا اور ہم آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے باتیں سننے کے لئے (آسمانوں پر) جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے اب جو بھی کان لگاتا ہے ایک شعلہ کو اپنی تاک میں پاتا ہے یعنی اس کو تاک میں لگا دیا گیا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ ان کو مارے اور ہم نہیں جانتے کہ سننے کی ممانعت سے آیا زمین والوں کے ساتھ کسی شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہے؟ اور یہ کہ قرآن سننے کے بعد بعض ہم میں سے نیک بھی ہیں اور بعض اس کے برعکس بھی یعنی بعض لوگ غیر صالح بھی ہیں، اور ہم مختلف طریقوں میں بٹے ہوئے ہیں یعنی مختلف فرقے ہو گئے ہیں، کہ بعض مسلمان اور بعض کافر ہیں، اور ہم نے سمجھ لیا کہ ہم اللہ کی زمین میں اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے، اَنْ مخففہ ہے اَیْ اَنَّہٗ اور نہ بھاگ کر ہم اسے ہرا سکتے ہیں، یعنی نہ ہم اس کو زمین میں رہتے ہوئے عاجز کر سکتے ہیں اور نہ زمین سے آسمان کی طرف بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں، ہم تو ہدایت کی بات (قرآن) سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے، اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا، اسے اس کی نیکیوں میں نقصان کا اندیشہ نہ ہوگا اور نہ ظلم و زیادتی کا یعنی اس کی بدیوں میں زیادتی کا، ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض اپنے کفر کی وجہ سے ظالم ہیں پس جو فرمانبردار ہو گئے انہوں نے تو راہِ راست کا قصد کیا یعنی اس کی ہدایت کا قصد کیا اور جو ظالم ہیں جہنم کا ایندھن بن گئے اور اِنَّ اور اِنَّھُمْ اور اِنَّہٗ یہ کل بارہ جگہ ہیں اور اَنَّہٗ تعالیٰ اور اَنَّا مِنَّا المسلمون اور ان کے درمیان ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ بطور استیناف کے اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ تاویل کر کے اور اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے بارے میں فرمایا (اور اے نبی! یہ بھی کہہ دو) اَنْ ثقیلہ سے مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے، اَیْ اَنَّھُمْ اور اس کا عطف اَنَّـہٗ اسْتَمَعَ پر ہے کہ اگر لوگ راہِ راست طریقہ اسلام پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بڑی وافر مقدار میں آسمان سے پانی پلائیں گے اور یہ (یعنی آیت کا نزول) اس کے بعد ہوا کہ سات سالوں تک (اہل مکہ) سے بارش روک لی گئی تھی تاکہ اس میں ہم انہیں آزمائیں اور تاکہ ہم ان کے شکر کی کیفیت کو اپنے علم کے مطابق ظاہر کریں اور جو اپنے پروردگار کے ذکر (قرآن) سے روگردانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا، یَسْلُکْـہ نون اور یاء کے ساتھ ہے اور یہ کہ مسجدیں نماز کے مقامات صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو نہ پکارو بایں

بطور کر تم شرک کرنے لگو جیسا کہ یہود و نصاریٰ جب اپنے کنیسوں اور عبادت خانوں میں داخل ہوتے تو شرک کرتے اور جب اللہ کا بندہ محمد ﷺ اس کی عبادت کے لئے بطن نخل میں کھڑا ہوتا ہے (اَنَّهٗ) فتحہ کے ساتھ بطور استیناف کے ہے، اور ضمیر شان کی ہے، تو اس کی قراءت کو سننے والے جن اس پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں (لِبَدًا) لام کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ لِبْدَۃٌ کی جمع ہے یعنی ہجوم کے مانند ہوتے ہیں بعض کے بعض پر بھیڑ کر کے چڑھنے کی وجہ سے قرآن سننے کی حرص میں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: نفر، نفر تین سے دس تک کی جماعت کو کہتے ہیں جمع انفار آتی ہے، نصیبین یمن میں ایک قریہ کا نام ہے علمیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

قولہ: جدّ ربّنا، جدٌّ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے یہاں عظمت اور بزرگی کے معنی میں مستعمل ہے۔

قولہ: کذبًا یہ موصوف محذوف کی صفت ہے ای قولًا کذبًا.

قولہ: قال تعالیٰ اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنات کے کلام کے درمیان یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

قولہ: فزادوھم یعنی انسانوں نے جنات کی طغیانی اور سرکشی میں اضافہ کر دیا۔

قولہ: وانّھم ظنّوا کما ظننتم اَن لن یبعث اللّٰہ احدًا یہ جنات کا مقولہ ہے یعنی اے انسانو! جس طرح تمہارا عقیدہ ہے کہ اللہ مرنے کے بعد کسی کو زندہ نہیں کرے گا جنات کا بھی یہی عقیدہ تھا، اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا، ظَنَنْتُمْ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے، اور یہ تنازع فعلان کے قبیل سے ہے، ثانی کو عمل دیا اور اول کے لئے ضمیر مان کر حذف کر دیا۔

قولہ: فوجدناھا مُلِئَتْ، ھا ضمیر وجدنا کا مفعول اول ہے اور مُلِئَتْ جملہ ہو کر مفعول ثانی اور حَرَسًا تمیز حرس، حارس کی جمع ہے پہرے دار نگران۔

قولہ: شُھُبٌ، شھاب کی جمع ہے شعلہ۔

قولہ: نجومًا مُحْرِقَۃً مناسب تھا کہ شعلۃ منفصلۃ من نار الکوکب فرماتے۔　　(صاوی)

قولہ: بتقدیر ھو، ای فھو لا یخاف یہ جملہ اسمیہ ہے اگر فاء کے بعد ھُوَ محذوف نہ ہو تو فاء محذوف ہوگی اور جزاء شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوگا۔

قولہ: ندخلہ اس کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ نسلکہ، ندخلہ کے معنی کو متضمن ہے جس کی وجہ سے اس کا دو مفعولوں کی طرف متعدی ہونا درست ہو گیا، صعدًا کی تفسیر شاقًا تفسیر باللازم ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

آیات بالا کی تفسیر کوصحیح طریقہ سے سمجھنے کیلئے پہلے چند واقعات کوذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

پہلا واقعہ:

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے شیاطین آسمانوں تک پہنچ کر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے، آپ ﷺ کی بعثت کے بعد شہاب الثاقب کے ذریعہ ان کوروک دیا گیا اسی حادثہ کی تحقیق کے ضمن میں جنات آپ ﷺ تک پہنچے جیسا کہ سورۂ احقاف میں گذرا۔

دوسرا واقعہ:

زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب کسی جنگل یا وادی میں سفر کے دوران قیام کی ضرورت پیش آتی تو اس اعتقاد سے کہ جنات کے سردار ہماری حفاظت کردیں گے، یہ الفاظ کہا کرتے تھے اعوذ بعزیز ھذا الوادی من شرّ سُفَھاء قومِہٖ یعنی میں اس جنگل کے سرداروں کی پناہ لیتا ہوں اس کی قوم کے بے وقوف شریر لوگوں سے۔

تیسرا واقعہ:

مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کی بددعاء سے قحط پڑا تھا اور کئی سال تک رہا۔

چوتھا واقعہ:

جب آپ ﷺ نے دعوت اسلام شروع کی تو کفار مخالفین کا آپ کے خلاف ہجوم اور نرغہ ہوا۔ (معارف)

بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے چند اصحاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے ساتھ بازار عکاظ تشریف لیجارہے تھے، راستہ میں نخلہ کے مقام پر آپ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی، اس وقت جنوں کا ایک گروہ ادھر سے گذر رہا تھا، تلاوت کی آواز سن کر وہ ٹھہر گیا اور غور سے قرآن سنتا رہا اسی واقعہ کا ذکر اس سورت میں ہے۔

اکثر مفسرین نے اس روایت کی بناء پر یہ سمجھا ہے کہ یہ حضور ﷺ کے مشہور سفر طائف کا واقعہ ہے جو ہجرت سے تین سال پہلے ۱۰ھ نبوی میں پیش آیا تھا مگر یہ قیاس متعدد وجوہ سے صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ طائف کے اس سفر میں جنوں کے قرآن سننے کا جو واقعہ پیش آیا تھا اس کا قصہ سورۂ احقاف میں بیان کیا گیا ہے، سورۂ احقاف کی ان آیات پر نظر ڈالنے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر جو جن قرآن مجید سن کر ایمان لائے تھے وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور تورات پر ایمان رکھتے تھے، اس کے برعکس اس سورت کی آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر قرآن سننے والے جن مشرکین اور منکرین آخرت و رسالت تھے پھر یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ طائف کے اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کوئی آپ ﷺ کے ساتھ نہیں تھا بخلاف اس سفر کے، حضرت ابن عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چند اصحاب آپ کے ہمراہ تھے۔

مزید براں روایات اس پر بھی متفق ہیں کہ اُس سفر میں جنوں نے قرآن کی روایت کے مطابق جنوں کے قرآن سننے کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ مکہ مکرمہ سے عکاظ تشریف لے جا رہے تھے، ان وجوہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ احقاف اور سورۂ جن کے واقعے دو الگ الگ ہیں۔

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا، عَجَبًا مصدر ہے بطور مبالغہ یا حذف مضاف کے ساتھ ہے ای ذا عجب، معجب کے معنی میں یَهْدِي اِلَى الرُّشْد یہ قرآن کی دوسری صفت ہے کہ وہ راہ راست حق و صواب کو واضح کرتا ہے جَدٌّ کے معنی عظمت اور جلال کے ہیں یعنی ہمارے رب کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کے اولاد یا بیوی ہو۔

قُلْ مُجِيبًا لِلْكُفَّارِ فِي قَوْلِهِمْ ارْجِعْ عَمَّا اَنْتَ فِيْهِ وَفِي قِرَاءَةٍ قَالَ اِنَّمَا اَدْعُوْا رَبِّيْ اِلٰهًا وَلَا اُشْرِكُ بِهٖ اَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ اِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا غَيًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ خَيْرًا قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابِهٖ اِنْ عَصَيْتُهٗ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ اَيْ غَيْرِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾ مُلْتَجَأً اِلَّا بَلٰغًا اِسْتِثْنَاءٌ مِنْ مَفْعُوْلِ اَمْلِكُ لَكُمْ اَلَا الْبَلَاغَ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اَيْ عَنْهُ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ عَطْفٌ عَلٰى بَلَاغًا وَمَا بَيْنَ الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ وَالْاِسْتِثْنَاءِ اِعْتِرَاضٌ لِتَاكِيْدِ نَفْيِ الْاِسْتِطَاعَةِ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فِي التَّوْحِيْدِ فَلَمْ يُؤْمِنْ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ مَنْ فِي لَهٗ رِعَايَةً لِمَعْنَاهَا وَهِيَ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ وَالْمَعْنٰى يَدْخُلُوْنَهَا مُقَدَّرًا خُلُوْدُهُمْ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿٢٣﴾ؕ حَتّٰى اِذَا رَاَوْا حَتّٰى اِبْتِدَائِيَّةٌ فِيْهَا لِمُقَدَّرٍ قَبْلَهَا اَيْ لَا يَزَالُوْنَ عَلٰى كُفْرِهِمْ اِلٰى اَنْ يَّرَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ مِنَ الْعَذَابِ فَسَيَعْلَمُوْنَ عِنْدَ حُلُوْلِهٖ بِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ اَوْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿٢٤﴾ اَعْوَانًا اَهُمْ اَمِ الْمُؤْمِنُوْنَ عَلَى الْقَوْلِ الْاَوَّلِ اَوْ اَنَا اَمْ هُمْ عَلَى الثَّانِيْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ فَنَزَلَ قُلْ اِنْ اَيْ مَا اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ مِنَ الْعَذَابِ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿٢٥﴾ غَايَةً وَاَجَلًا لَا يَعْلَمُهُ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ مَا غَابَ بِهٖ عَنِ الْعِبَادِ فَلَا يُظْهِرُ يُطْلِعُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾ۙ مِنَ النَّاسِ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ مَعَ اِطْلَاعِهٖ عَلٰى مَا شَاءَ مِنْهُ مُعْجِزَةً لَهٗ يَسْلُكُ يَجْعَلُ وَيُسَيِّرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ اَيِ الرَّسُوْلِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿٢٧﴾ۙ مَلَائِكَةً

يَحفَظُونَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ فِي جُملَةِ الوَحيِ **لِّيَعْلَمَ** اللّٰهُ عِلمَ ظُهُورٍ **أَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ اَىْ انه **قَدْ أَبْلَغُوْا** اَيِ الرُّسُلُ **رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ** رُوعِيَ بِجَمعِ الضَّمِيرِ مَعنٰى مَنْ **وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ** عَطفٌ عَلٰى مُقَدَّرٍ اَىْ فَعَلِمَ ذٰلِكَ **وَأَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا** ﴿۲۸﴾ تَميِيزٌ وَهُوَ مُحَوَّلٌ عَنِ المَفعُولِ والاَصلُ اَحصٰى عَدَدَ كُلِّ شَيْءٍ.

ترجمہ: کفار کی اس بات کے جواب میں کہ آپ اپنی اس تبلیغ سے باز آجائیے آپ نے جواباً فرمایا ایک قراءت میں قل ہے، میں تو اپنے رب ہی کو معبود ہونے کے اعتبار سے پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا آپ کہہ دیجئے میں تمہارے نفع نقصان کا مالک نہیں آپ کہہ دیجئے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے (یعنی) اس کے عذاب سے اگر میں اس کی نافرمانی کروں نہیں بچا سکتا اور میں اس کے علاوہ ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پاتا مگر میرا کام اللہ کی بات اور اس کے پیغامات پہنچا دینا ہے اِلّا بلاغًا، اَملِكُ کے مفعول سے استثناء ہے یعنی میں تمہارے لئے سوائے اللہ کی طرف سے پیغام پہنچانے کے کسی چیز کا مالک نہیں وَرِسَالَاتِهٖ کا عطف بلاغًا پر ہے اور مستثنیٰ منہ اور استثناء کے درمیان استطاعت کی نفی کی تاکید کے لئے جملہ معترضہ ہے، اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی توحید میں نافرمانی کرے گا کہ ایمان نہ لائے گا، اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا خالدین مَنْ کی طرف لوٹنے والی لَهٗ کی ضمیر سے معنی کے اعتبار سے حال ہے اور یہ حال مقدرہ ہے معنی یہ ہیں کہ اس میں داخل ہوں گے حال یہ کہ ان کے لئے جہنم میں داخلہ ہمیشہ کے لئے مقدر ہو چکا ہے، یہ لوگ اپنے کفر پر قائم رہیں گے حتی کہ اس عذاب کو دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے حتّٰی ابتدائیہ ہے اس میں (مغیا) مقدر کی غایت کے معنی ہیں تقدیر عبارت یہ ہے لا یَزالونَ علىٰ کفرھم الی اَنْ یَروا سو بدر کے دن یا قیامت کے دن جب یہ اس میں داخل ہوں گے تو عنقریب سب معلوم ہو جائے گا کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے، وہ یا مسلمان، اول قول (بدر) کی صورت میں یا میں یا وہ، ثانی قول (قیامت) کی صورت میں تو ان میں سے بعض نے کہا یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ تو (قُلْ اِنْ اَدْرِیْ) نازل ہوئی (آپ) کہہ دیجئے مجھے معلوم نہیں کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا اس کے لئے میرا رب مدت بعید مقرر کرے گا جس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا غیب (یعنی) جو بندوں سے غائب ہے کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی شخص کو مطلع نہیں کرتا مگر اس رسول کو جس کو وہ پسند کرے، مگر جس رسول کو چاہے بطور معجزہ مطلع کر دیتا ہے اس کو اطلاع کرنے کے باوجود اس قاصد کے آگے پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ فرشتہ اس وحی کو منجملہ وحی کے پہنچا دیتا ہے تاکہ اللہ علم ظہور کے طور پر جان لے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کے پیغام (رسول تک بحفاظت) پہنچا دیا اَنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے اَیْ اَنَّهٗ ضمیر کے جمع لانے میں مَنْ کے معنی کی رعایت کی گئی ہے اور اللہ ان (پہرہ داروں) کے احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے (وَاَحَاطَ) کا عطف مقدر پر ہے ای فَعَلِمَ ذلك وَاَحَاطَ اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے (عددًا) تمیز ہے اور یہ مفعول سے منقول ہے اور اصل اَحْصٰی عدد کُلِّ شیٔ ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اُدْعُوْا رَبِّی اِلٰھًا، اِلٰھًا مقدر مان کراشارہ کردیا کہ اُدْعُوْا بمعنی اَعْتَقِدُ ہے جومتعدی بدومفعول ہے دوسرا مفعول اِلٰھًا ہے، اگر اَعْبُدُ کے معنی میں ہوتو اِلٰھًا مقدر ماننے کی ضرورت نہیں۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا بَلاغًا یہ لَا اَمْلِكُ کے مفعول سے مستثنیٰ ہے، یعنی میں تمہارے لئے سوائے پیغام رسانی کے کسی شی کا مالک نہیں ہوں نہ نفع کا اور نہ نقصان کا گویا کہ آپ نے فرمایا لا اَمْلِكُ لَکُمْ شَیْئًا اِلَّا بَلاغًا اس صورت میں مستثنیٰ متصل ہوگا اور قُلْ اِنِّی لَنْ یُّجِیْرَنِیْ الخ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان میں جملہ معترضہ نفی استطاعت کی تاکید کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: وَرِسَالَاتِہٖ اس کا عطف بلاغًا پر ہے ای لا اَمْلِكُ لکم الّا التبلیغ والرسالۃ.

قَوْلُہٗ: علی القول الاول وعلی القول الثانی اول قول سے مراد اَضْعَفُ نَاصِرًا اور ثانی سے اَقَلُّ عَدَدًا ہے یعنی مدد کے اعتبار سے مومنین کمزور ہیں یا وہ اور عدد کے اعتبار سے میں کمزور ہوں یا وہ۔

تَنْبِیْہ: اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ دونوں صورتوں میں دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: فَقَالَ بَعْضُھُمْ کہا گیا ہے کہ قائل نضر بن حارث ہے۔

قَوْلُہٗ: عالم الغیب یہ رَبِّی سے بدل ہے، مبتداء محذوف کی خبر ہے ای ھُوَ رَبِّی.

قَوْلُہٗ: ماغاب بہ عن العباد، بِہٖ کو ذکر نہ کیا جائے تو مناسب ہے۔

تفسیر وتشریح

قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا یعنی مجھے تمہاری گمراہی یا نفع ونقصان کا اختیار نہیں ہے میں تو صرف اس کا بندہ ہوں جسے اللہ نے وحی رسالت کے لئے چن لیا ہے۔

اِلَّا بلاغًا الخ یہ لَا اَمْلِكُ لکم سے مستثنیٰ ہے یہ بھی ممکن ہے کہ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ سے مستثنیٰ ہو یعنی مجھے اللہ (کے عذاب) سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ میں تبلیغ ورسالت کا فریضہ بجالاؤں جس کی ادائیگی اللہ نے میرے اوپر واجب کی ہے، رسالاتِہٖ کا عطف اللہ پر ہے یا بَلاغًا پر۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ (الآیۃ) ان آیتوں میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم فرمایا کہ آپ ان منکرین سے جو آپ کو قیامت کا معین وقت بتلانے پر مجبور کرتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں، یہ فرما دیجئے کہ قیامت کا آنا اور جزاء سزا کا ہونا تو یقینی ہے لیکن اس کے واقع ہونے کی صحیح تاریخ اور وقت کو اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا، اس لئے میں نہیں جانتا کہ وہ روز قیامت قریب آچکا ہے یا میرا رب اس کے لئے کوئی دور کی مدت مقرر کرے گا دوسری آیت میں اس کی دلیل ارشاد فرمائی، عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا یعنی قیامت کے وقت معین سے میری لاعلمی اس لئے ہے

کہ میں عالم الغیب نہیں بلکہ عالم الغیب ہونا صرف اللہ رب العالمین کی خصوصی صفت ہے عالم الغیب میں الف لام استغراق جنسی کے لئے ہے یعنی ہر ہر فرد و جنس کا علم اللہ کی مخصوص صفت ہے۔

مقصود اس کلام سے علم غیب کلی کا جس سے کائنات کا کوئی ذرہ مخفی نہ ہو اس کی غیر اللہ سے نفی اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات ہے۔

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الآیۃ) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بعض امور غیب سے مطلع کر دیتا ہے جن کا تعلق یا تو اس کے فرائض رسالت سے ہوتا ہے یا وہ اس کی صداقت کی دلیل ہوتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ اللہ کے مطلع کرنے سے پیغمبر عالم الغیب نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر پیغمبر عالم الغیب ہو تو پھر اس پر اللہ کی طرف سے اظہار کا کوئی مطلب نہیں رہتا اللہ تعالیٰ اپنے غیب کا اظہار اسی وقت اور اسی رسول پر کرتا ہے جس کو پہلے اس غیب کا علم نہیں ہوتا اسلئے عالم الغیب صرف اللہ ہی کی ذات ہے جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت فرمائی گئی ہے۔

علم غیب اور غیبی خبروں میں فرق:

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الآیۃ) استثناء کا حاصل اس شبہ کا جواب ہے کہ علم غیب کلی کی نفی سے مطلقاً غیب کی نفی ہوتی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ منصب رسالت کے لئے جس قدر علم غیب کی خبروں، غیب کی چیزوں کا کسی رسول کو دینا ضروری ہے وہ ان کو منجانب اللہ بذریعہ وحی دے دیا جاتا ہے اور وہ ایسے محفوظ طریقہ سے دیا جاتا ہے کہ جب ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نازل ہوتی ہے تو اس کے ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تاکہ شیطان اس میں کوئی مداخلت نہ کر سکیں، اس میں اول تو رسول کے لفظ سے اس غیب کی نوعیت متعین کر دی گئی جس کا علم نبی کو دیا ہے اور وہ ظاہر ہے شرائع اور احکام یا ان چیزوں کا علم ہوتا ہے جو دلیل نبوت ہوں۔

بعض ناواقف لوگ "غیب" اور "انباء الغیب" میں فرق نہیں سمجھتے اس لئے انبیاء اور خصوصاً خاتم الانبیاء ﷺ کے لئے علم غیب کلی ثابت کرتے ہیں اور آپ کو بالکل اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب ہر ذرہ کائنات کا علم رکھنے والا کہنے لگتے ہیں جو کھلا ہوا شرک اور رسول کو خدا کا درجہ دینا ہے، اگر کوئی شخص اپنا خفیہ راز کسی دوست کو بتادے جو کسی اور کے علم میں نہ ہو تو اس سے دنیا میں کوئی بھی اس دوست کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتا اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو ہزاروں غیب کی چیزوں کا بذریعہ وحی بتلا دینا ان کو عالم الغیب نہیں بنا دیتا۔

آخر سورت میں وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا یعنی اللہ تعالیٰ ہی ذات خاص ہے کہ جس کے علم میں ہر چیز کے اعداد و شمار ہیں اس کو ریگ زاروں کے ذروں اور دریاؤں کے قطروں اور درختوں کے پتوں غرضیکہ کائنات کی ہر شئ کا پوری طرح تفصیلی علم ہے ان تمام چیزوں کے علم کی نبی کو نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے کوئی ضرورت نہیں ہے، سورۂ نمل میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ او اِلَّا قَوْلَهُ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اِلٰى اٰخِرِهَا فَمَدَنِيٌّ تِسْعَ عَشَرَةَ او عِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ مزمل مکی ہے، یا، سوائے اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ آخر تک مدنی ہے، انّیس یا بیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ النَّبِيُّ وَاَصْلُهُ الْمُتَزَمِّلُ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الزَّايِ اَيِ الْمُتَلَفِّفُ بِثِيَابِهٖ حِيْنَ مَجِيْءِ الْوَحْيِ لَهُ خَوْفًا مِنْهُ لِهَيْبَتِهٖ قُمِ الَّيْلَ صَلِّ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ بَدَلٌ مِنْ قَلِيْلًا وَقِلَّتُهُ بِالنَّظَرِ اِلَى الْكُلِّ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ مِنَ النِّصْفِ قَلِيْلًا ﴿۳﴾ اِلَى الثُّلُثِ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ اِلَى الثُّلُثَيْنِ واو لِلتَّخْيِيْرِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَثَبَّتْ فِي تِلَاوَتِهٖ تَرْتِيْلًا ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا قُرْاٰنًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ مُهِيْبًا او شَدِيْدًا لِمَا فِيْهِ مِنَ التَّكَالِيْفِ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ الْقِيَامَ بَعْدَ النَّوْمِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً مُوَافَقَةَ السَّمْعِ لِلْقَلْبِ عَلٰى تَفَهُّمِ الْقُرْاٰنِ وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿۶﴾ اَبْيَنُ قَوْلًا اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿۷﴾ تَصَرُّفًا فِي اَشْغَالِكَ لَا تَفْرُغُ فِيْهِ لِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اَيْ قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِي ابْتِدَاءِ قِرَاءَتِكَ وَتَبَتَّلْ اِنْقَطِعْ اِلَيْهِ فِي الْعِبَادَةِ تَبْتِيْلًا ﴿۸﴾ مَصْدَرُ بَتَّلَ جِيْءَ بِهٖ رِعَايَةً لِلْفَوَاصِلِ وَهُوَ مَلْزُوْمُ التَّبَتُّلِ هُوَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾ مَوْكُوْلًا لَهُ اُمُوْرُكَ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ مِنْ اَذَاهُمْ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ لَا جَزَعَ فِيْهِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِقِتَالِهِمْ وَذَرْنِيْ اُتْرُكْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ عَطْفٌ عَلَى الْمَفْعُوْلِ اَوْ مَفْعُوْلٌ مَعَهٗ وَالْمَعْنٰى اَنَا كَافِيْكَهُمْ وَهُمْ صَنَادِيْدُ قُرَيْشٍ اُولِي النَّعْمَةِ التَّنَعُّمِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ مِنَ الزَّمَنِ فَقُتِلُوْا بَعْدَ يَسِيْرٍ مِنْهُ بِبَدْرٍ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا قُيُوْدًا ثِقَالًا جَمْعُ

نِكْلٍ بِكَسْرِ النُّوْنِ وَّجَحِيْمًا ﴿١٢﴾ نَارًا مُحْرِقَةً وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ يُغَصُّ بِهٖ فِي الْحَلْقِ وَهُوَ الزَّقُّوْمُ اَوِ الضَّرِيْعُ اَوِ الْغِسْلِيْنُ اَوْ شَوْكٌ مِنْ نَارٍ لَا يَخْرُجُ وَلَا يَنْزِلُ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٣﴾ مُؤْلِمًا زِيَادَةً عَلٰى مَا ذُكِرَ لِمَنْ كَذَّبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ تَرْجُفُ تَزَلْزَلُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا رَمْلًا مُجْتَمِعًا مَّهِيْلًا ﴿١٤﴾ سَائِلًا بَعْدَ اجْتِمَاعِهٖ وَهُوَ مِنْ هَالَ يَهِيْلُ وَاَصْلُهٗ مَهْيُوْلٌ اُسْتُثْقِلَتِ الضَّمَّةُ عَلَى الْيَاءِ فَنُقِلَتْ اِلَى الْهَاءِ وَحُذِفَتِ الْوَاوُ ثَانِي السَّاكِنَيْنِ لِزِيَادَتِهَا وَقُلِبَتِ الضَّمَّةُ كَسْرَةً لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ يَا اَهْلَ مَكَّةَ رَسُوْلًا هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَا يَصْدُرُ مِنْكُمْ مِنَ الْعِصْيَانِ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾ وَهُوَ مُوْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿١٦﴾ شَدِيْدًا فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ فِي الدُّنْيَا يَوْمًا مَفْعُوْلُ تَتَّقُوْنَ اَيْ عَذَابَهٗ اَيْ بِاَيِّ حِصْنٍ تَتَحَصَّنُوْنَ مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿١٧﴾ جَمْعُ اَشْيَبَ لِشِدَّةِ هَوْلِهٖ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَالْاَصْلُ فِيْ شِيْنِ شِيْبَ الضَّمُّ وَكُسِرَتْ لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ وَيُقَالُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ يَوْمٌ يُشَيِّبُ نَوَاصِيَ الْاَطْفَالِ وَهُوَ مَجَازٌ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ الْمُرَادُ فِي الْاٰيَةِ الْحَقِيْقَةَ اِلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ ذَاتُ انْفِطَارٍ اَيِ انْشِقَاقٍ بِهٖ بِذٰلِكَ الْيَوْمِ لِشِدَّتِهٖ كَانَ وَعْدُهٗ تَعَالٰى بِمَجِيْءِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مَفْعُوْلًا ﴿١٨﴾ اَيْ هُوَ كَائِنٌ لَا مُحَالَةَ اِنَّ هٰذِهٖ الْاٰيَاتِ الْمُخَوِّفَةَ تَذْكِرَةٌ عِظَةٌ لِلْخَلْقِ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿١٩﴾ طَرِيْقًا بِالْاِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے کپڑے میں لپٹنے والے نبی! (مُزّمّل) کی اصل متزمل تھی، تاء کو زاء میں ادغام کردیا گیا، یعنی اس پر وحی کے نازل ہونے کے وقت وحی کی ہیبت کے خوف سے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات کو قیام کر نماز پڑھ مگر کم، آدھی رات (نصفہٗ) قلیلاً سے بدل ہے اور نصف کا قلیل ہونا پوری رات کے اعتبار سے ہے، یا اس سے یعنی نصف سے، بھی کچھ کم کرلے ثلث رات تک یا اس پر (دو تہائی تک) زیادہ کرلے، اَوْ تخییر کے لئے ہے، اور قرآن خوب صاف صاف اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ ہم تم پر ایک بھاری کلام قرآن نازل کرنے والے ہیں یعنی بارعب کلام یا شدید، اس لئے کہ اس میں احکام تکلیفیہ ہیں، بلا شبہ سونے کے بعد (رات) کو اٹھنا قرآن فہمی کے لئے دل اور کان کی موافقت کی وجہ سے نہایت موثر ہے اور بات کو خوب واضح اور صاف کرنے والا ہے یقیناً آپ کو دن میں بہت شغل رہتا ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو تلاوتِ قرآن کی فرصت نہیں ہوتی، تو اپنے رب کا نام لے، یعنی اپنی قراءت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ اور سب سے تعلق منقطع کرکے عبادت میں اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہوجا، تبتیلاً، بَتَّلَ کا مصدر ہے اس کو فواصل کی رعایت سے لایا گیا ہے، یہ تبتّل کا ملزوم ہے، وہ مشرق و مغرب کا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کو اپنا کارساز بنالو یعنی اپنے تمام امور اسی کو سپرد کردو اور جو کچھ کفار مکہ ایذا رسانی کی باتیں

کرتے ہیں آپ ﷺ ان پر صبر کریں اور وضع داری کے ساتھ اس سے الگ ہو جاؤ کہ جس میں جزع وفزع نہ ہو، یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور مجھے اور جھٹلانے والے آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ دے (والمکذبین) کا عطف (ذرنی) کے مفعول پر ہے یا یہ مفعول معہٗ ہے، اور معنی یہ ہیں کہ میں ان کے لئے تمہاری طرف سے کافی ہوں اور وہ سرداران قریش ہیں، اور انہیں تھوڑے دن اور مہلت دو، چنانچہ کچھ ہی مدت کے بعد بدر میں وہ قتل کئے گئے بلاشبہ ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں، انکال، نِکل نون کے کسرہ کے ساتھ، کی جمع ہے، اور دہکتی ہوئی آگ ہے، اور گلے میں پھنسنے والا کھانا ہے یعنی وہ گلے میں اٹک جاتا ہے، اور وہ زقوم ہے یا ضریع ہے یا پیپ ہے یا آگ کے کانٹے، نہ (باہر) نکلیں گے اور نہ (نیچے) اتریں گے، اور دردناک عذاب ہے جو عذاب نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے کے لئے ذکر کیا گیا ہے، یہ اس سے زیادہ ہے جس روز زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی مانند ان کے جمع ہونے کے بعد اڑتے ہوئے غبار کے مانند ہو جائیں گے (مَهِيْلًا) هَالَ يَهِيْلُ سے ہے اس کی اصل مَهْيُوْلٌ ہے، یاء پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ھا کی طرف منتقل کر دیا اور واؤ ثانی، التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا، اس کے زائدہ ہونے کی وجہ سے اور ضمہ کو یاء کی مناسبت کی وجہ سے کسرہ سے بدل دیا گیا، اے اہل مکہ! ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے اور وہ محمد ﷺ ہیں جو قیامت کے دن تمہارے خلاف گواہی دے گا ان گناہوں پر جو تم سے صادر ہوتے ہیں، جیسا ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا اور وہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، پھر فرعون نے اس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کی سخت پکڑ کی سو اگر تم دنیا میں کفر کرو گے تو اس دن (کی مصیبت) سے کیسے بچو گے؟ جو بچوں کو اپنی ہولناکی کی وجہ سے بوڑھا کر دے گا اور وہ قیامت کا دن ہے، شِيْبًا، اَشْيَبُ کی جمع ہے اور اصل میں شِيْبٌ کے شین پر ضمہ ہے یاء کی مجانست کی وجہ سے کسرہ دے دیا ہے اور یوم شدید کے بارے میں کہا جاتا ہے "يومٌ يشيبُ نواصى الأطفال" ایسا دن کہ جس میں بچوں کے بال سفید ہو جائیں گے اور یہ مجاز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ آیت میں حقیقت مراد ہو (اور جس دن میں) آسمان پھٹ جائے گا یعنی اس میں اس دن شگاف ہو جائیں گے بے شک اس دن کے آنے کا اس کا وعدہ ضرور پورا ہونے والا ہے بلاشبہ یہ ڈرانے والی آیتیں مخلوق کے لئے نصیحت ہیں پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کرے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ یہ آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے۔

قَوْلُهٗ: اَلْمُزَّمِّلُ، اى المتلفف بثيابه، اپنے کپڑوں میں لپٹنے والے، مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں، کہا گیا ہے کہ مُزَّمِّلُ بمعنی حامل النبوة یا بمعنی حامل القرآن ہیں، زَامِلَةٌ، اونٹنی کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ بہت زیادہ وزن اٹھاتی ہے، اب يٰاَيُّهَا المزّمّلُ کا مطلب ہو گا اے حامل نبوۃ یا اے حامل قرآن! رات کو اٹھ، یہ آپ ﷺ کے اسماء توقیفی میں سے ہے

آپ ﷺ کیلئے قرآن میں مزمل کالفظ استعمال ہوا ہے لہٰذا آپ پر مزمل کا اطلاق صحیح ہے سہیلی رَحَمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اس میں اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ مزمل کا اطلاق آپ ﷺ پر بطور اسم درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ آپ ﷺ کی ایک وقتی حالت سے مشتق ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وقتی حالت سے بھی اسم کا اطلاق درست ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی ایک وقتی حالت سے اسم کا اطلاق فرمایا ہے حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ ایک روز زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے پہلو پر مٹی لگی ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا "قُمْ یَا ابا تراب". (صاوی ملخصًا، واضافة)

قَوْلُہٗ: قِلَّتُهُ بِالنَّظْرِ اِلَى الْكُلِّ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: نصف، نصف کے مساوی ہوتا ہے، ایک نصف کو دوسرے نصف سے قلیل کہنا درست نہیں ہے، حالانکہ یہاں "اِلَّا قَلِيلًا نِّصْفَهُ" کہا گیا ہے۔

جَوَاب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ نصف کو قلیل، کُل کے اعتبار سے کہا گیا ہے، یعنی پوری رات قیام کرنے کے مقابلہ میں نصف شب، قیام قلیل ہے۔

قَوْلُہٗ: نِصْفَهٗ یہ قليلًا سے بدل ہے نہ کہ لَيْلًا سے مطلب یہ کہ آپ ﷺ کو تین باتوں میں اختیار دیا گیا، نصف میں، نصف سے کم میں، نصف سے زیادہ میں۔

قَوْلُہٗ: اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا یہ جملہ امر بالقیام اور اس کی علت کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ امر بالقیام کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: وَطْأً بمعنی تکلیف، مشقت، دشواری، ایک قراءت میں وِطَاءٌ، مُوَاطَاةٌ (مفاعلة) سے مصدر ہے بمعنی موافقت یعنی سننے کی سمجھنے سے موافقت، کانوں کی دل کے ساتھ موافقت۔

قَوْلُہٗ: جِیْئَ بِهٖ رِعَايَةً لِلْفَوَاصِلِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: تَبْتِيْلًا، تَبَتَّلَ کا مصدر بلفظہ نہیں ہے، جبکہ مصدر بلفظہ تَبَتَّلَ، تَبَتُّلًا ہونا چاہئے؟

جَوَاب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے مصدر دوسرے باب کا لایا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: هُوَ مَلْزُوْمُ التَّبَتُّلِ اس کا مقصد بھی سوال مذکور کا جواب ہے؛ مگر پہلا جواب باعتبار لفظ کے ہے اور یہ باعتبار معنی کے، اس کا خلاصہ یہ ہے تَبْتِيْل جو کہ بَتَّلَ کا مصدر ہے، بول کر مراد اس سے تَبَتُّل ہے، تَبَتَّلَ بَتَّلَ کا ملزوم ہے یعنی لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، جیسے تَكَرَّمَ تكريمًا، وتَعَلَّمَ تعليمًا.

قَوْلُہٗ: هُوَ رَبُّ المشرقِ والمغرب، هُوَ کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ ربُّ المشرقِ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور رَبِّكَ سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور بھی جائز ہے۔

قَوْلُہٗ: ضريع، نوعٌ من الشوك لا تَرْعَاهُ دَابَّةٌ لِخُبْثِهٖ ایک قسم کی کانٹے دار گھاس ہے جسے کوئی جانور نہیں کھاتا، سوائے

ونٹ کے اور اونٹ بھی اسی وقت تک کھاتا ہے جب تک وہ ہری رہتی ہے، اردو میں اس کو اونٹ کٹارا کہا جاتا ہے۔

(ترویح الارواح)

قَوْلُہٗ: زِیَادَۃٌ عَلٰی مَا ذُکِرَ لِمَنْ کَذَّبَ النَّبِیَّ ﷺ ماقبل میں اِنَّ لَدَیْنَا اَنْکَالًا الخ تک جہنم کے جس عذاب کا ذکر فرمایا ہے اب عَذَابًا اَلِیْمًا کہہ کر مبہم طریقہ پر اس کے علاوہ دردناک عذاب کا ذکر فرمایا جو آنحضرت ﷺ کی تکذیب کرنے والوں کے لئے ہوگا۔

قَوْلُہٗ: یَوْمَ تَرْجُفُ یہ فعل محذوف کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای اِسْتَقَرَّ بِھِمْ عِنْدَنَا مَا ذُکِرَ یَوْمَ تَرْجُفُ.

قَوْلُہٗ: مفعول تَتَّقُوْنَ، یَوْمًا حذف مضاف کے ساتھ تتقون کا مفعول ہے ای تتقون عَذَابَ یَوْمٍ یا حذفِ جار کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے، اصل میں بِیَوْمٍ تھا اَیْ بِیَوْمٍ یَجْعَلُ الوِلْدَانَ شِیْبًا.

قَوْلُہٗ: وَیَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ الْمُرَادُ فِی الْاٰیَۃِ الْحَقِیْقَۃَ یعنی یَوْمًا یَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا سے مجاز اور درازی مدت بھی مراد ہوسکتی ہے اور حقیقی معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں یعنی حقیقۃً بچے بوڑھے ہوجائیں گے۔

تفسیر و تشریح

یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ، جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں آپ ﷺ چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے مشفقانہ خطاب فرمایا، مطلب یہ کہ اب چادر چھوڑ دیں اور رات کو تھوڑا قیام کریں، یعنی تہجد کی نماز پڑھیں، کہا گیا ہے کہ اسی حکم کی وجہ سے آپ ﷺ پر تہجد فرض کیا گیا ہے، حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْھَا فرماتی ہیں کہ تہجد کی نماز آپ ﷺ پر واجب تھی، ایک سال بعد جب سورت کا آخری حصہ نازل ہوا تو تہجد کی فرضیت منسوخ کر دی گئی، غارِ حرا میں نبی کریم ﷺ پر جب جبرئیل امین عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نازل ہوئے اور سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیتیں آپ ﷺ کو سنائیں، تو فرشتے کے نزول وحی کی شدت سے آپ ﷺ کو چونکہ پہلی مرتبہ سابقہ پڑا تھا، اس لئے طبعی طور پر آپ ﷺ پر خوف طاری ہوا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو سردی محسوس ہوئی آپ ﷺ حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْھَا کے پاس تشریف لے گئے سردی کی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ یعنی مجھے کپڑے اڑھا دو، اس کے بعد کچھ مدت تک نزول وحی کا سلسلہ بند رہا، اس زمانہ کو فترت کا زمانہ کہا جاتا ہے، فترتِ وحی کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک روز میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک میں نے آواز سنی تو میں نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی، دیکھتا کیا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اس کو دیکھ کر مجھ پر پھر وہی رعب و ہیبت کی کیفیت طاری ہوگئی جو پہلی ملاقات کے وقت طاری ہوچکی تھی میں واپس گھر چلا آیا اور گھر والوں سے میں نے کہا مجھے ڈھانپ دو، اس پر یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ نازل ہوئی، اس حدیث میں آیت یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کے نزول کا ذکر ہے، ہوسکتا ہے اسی حالت کو بیان کرنے کے لئے یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کا خطاب بھی آیا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کے لقب کا واقعہ الگ ہو۔

اس آیت میں قیام لیل یعنی تہجد کی نماز کو صرف فرض ہی نہیں کیا گیا؛ بلکہ اس میں کم از کم ایک چوتھائی رات مشغول رہنا بھی فرض قرار دیا گیا ہے، امام بغوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ روایات حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُم رات کے اکثر حصہ کو نماز تہجد میں صرف فرماتے تھے حتی کہ ان کے قدم ورم کر جاتے، ایک سال بعد اس سورت کا آخری حصہ فاقرءُوْا مَا تَیَسَّرَ منہ نازل ہوا جس سے اس طویل قیام کی پابندی منسوخ کر دی گئی، اور اختیار دے دیا گیا کہ جتنی دیر کسی کے لئے آسان ہو سکے اتنا وقت صرف کرنا کافی ہے۔ (معارف)

اِنَّــا سَنُلْقِــیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیلًا، مطلب یہ ہے کہ تم کو رات کی نماز کا حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ ایک بھاری کام ہم آپ ﷺ پر نازل کرنے والے ہیں جس کا بار اٹھانے کے لئے آپ ﷺ میں تحمل کی صلاحیت پیدا ہونی ضروری ہے اور یہ طاقت اسی طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ راتوں کو اپنا آرام چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھو اور آدھی آدھی رات یا کچھ کم وبیش عبادت میں گذارا کرو، قرآن کو بھاری کام اس بنا پر بھی کہا گیا کہ اس کے احکام پر عمل کرنا، اس کی تعلیم کا نمونہ بن کر دکھانا، اس کی دعوت لے کر ساری دنیا کے مقابلہ میں اٹھنا اور اس کے مطابق عقائد وافکار، اخلاق وآداب اور تہذیب وتمدن کے پورے نظام میں انقلاب برپا کر دینا، ایک ایسا کام ہے جس سے بڑھ کر کسی بھاری کام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اِنَّ نَــاشِئَةَ الــلَّیل هِــیَ اَشَدُّ، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ رات کو عبادت کے لئے اٹھنا اور دیر تک کھڑے رہنا چونکہ طبیعت پر بار ہوتا ہے کیوں کہ نفس اس وقت آرام کا طالب ہوتا ہے اس لئے یہ عمل ایک ایسا مجاہدہ ہے جو نفس کو دبانے اور اس پر قابو پانے کی بڑی زبردست تاثیر رکھتا ہے اس مجاہدہ کے بعد جو ایک روحانی قوت پیدا ہوگی اور وہ اس طاقت کو خدا کے احکام میں استعمال کرے گا تو زیادہ مضبوطی کے ساتھ دین حق کی دعوت کو دنیا میں غالب کرنے کے لئے کام کر سکتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ کہ دل وزبان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا یہ بڑا مؤثر ذریعہ ہے کیونکہ رات کے ان اوقات میں بندے اور خدا کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہیں ہوتا۔

تیسرا مطلب یہ کہ یہ آدمی کے ظاہر وباطن میں مطابقت پیدا کرنے کا بڑا کارگر ذریعہ ہے کیونکہ رات کی تنہائی میں جو شخص اپنا آرام چھوڑ کر عبادت کے لئے اٹھے گا وہ لامحالہ اخلاص ہی کی بنا پر ایسا کرے گا، اس میں ریا کاری کا سرے سے کوئی موقع ہی نہیں ہے۔

اِنَّ لَكَ فِی النَّهارِ سَبْحًا طَوِیْلًا، یہاں سَبْحٌ سے دن بھر کے مشاغل مراد ہیں جن میں تعلیم، تبلیغ، اصلاحِ خلق یا۔ معاشی مصالح کے لئے چلنا پھرنا داخل ہے، مذکورہ مشاغل کی وجہ سے دن میں عبادت کے لئے وقت نکالنا دشوار ہوتا ہے، اس کے علاوہ شور وشغب کی وجہ سے یکسوئی میں خلل پڑنے کا اندیشہ بھی رہتا ہے، رات کا وقت اس کام کے لئے نہایت موزوں ومناسب ہے؛ لہٰذا بقدر ضرورت آرام کے ساتھ قیام لیل کی عبادت بھی یکسوئی اور اطمینان قلبی کے ساتھ ہو جائے گی۔

فَائِدَہ: حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء ومشائخ جو تعلیم وتربیت اور اصلاح خلق کی خدمت میں لگے رہتے ہیں ان کو بھی چاہئے کہ یہ کام دن ہی تک محدود رکھیں، رات کا وقت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور عبادت کے

فارغ رکھنا بہتر ہے، جیسا کہ علماء سلف کا معمول رہا ہے، اتفاقی اہم ضرورت اس سے مستثنیٰ ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا، دن کے اوقات کی مصروفیتوں کے ذکر کرنے کے بعد یہ ارشاد ہے کہ اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو، اس سے یہ مفہوم خود بخود ظاہر ہوتا ہے کہ دن میں ہر طرح کے کاموں میں مشغول رہنے کے بعد بھی اپنے رب کی یاد سے کبھی غافل نہ ہوئے اور کسی نہ کسی شکل میں اس کا ذکر کرتے رہے، ذکر لسانی کا کسی کام میں مخل نہ ہونا صاف ظاہر ہے نہ اس کے لئے کسی مخصوص وقت کی ضرورت، نہ طہارت کی اور نہ کسی مخصوص ہیئت کی اور اگر بعض اوقات ذکر لسانی ممنوع ہو مثلاً بیت الخلاء وغیرہ کی حالت میں تو ذکر خیالی یعنی خدا کی کائنات اور اس کی قدرت میں غور وفکر کرنا کسی وقت بھی ممنوع نہیں۔

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا، تَبَتُّلْ کے معنی انقطاع اور علیحدگی کے ہیں، یعنی اللہ کی عبادت اور دعاء ومناجات کے لئے یکسو اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، یہ رہبانیت سے بالکل الگ اور مختلف چیز ہے رہبانیت تو تجرد اور ترک دنیا کا نام ہے جو اسلام میں ناپسندیدہ چیز ہے، تَبَتُّلْ کا مطلب ہے امور دنیا کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ عبادت اور خشوع وخضوع اور اللہ کی طرف یکسوئی جو محمود اور مطلوب ہے۔

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا، الگ ہو جاؤ، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان سے مقاطعہ کر کے اپنی تبلیغ بند کر دو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے منہ نہ لگو، ان کی بے ہودگیوں کو بالکل نظر انداز کر دو اور ان کی کسی بدتمیزی کا جواب نہ دو پھر یہ احتراز بھی کسی غم اور غصے اور جھنجھلاہٹ کے ساتھ نہ ہو بلکہ اس طرح ہو جس طرح کہ ایک شریف انسان کسی بازاری آدمی کی گالی سن کر اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور دل پر میل تک نہیں آنے دیتا اور سمجھ لیتا ہے کہ وہ گالی مجھے نہیں کسی اور کو دے رہا ہے، اگرچہ آپ ﷺ مذکورہ تمام باتوں پر پہلے سے عمل پیرا تھے پھر بھی حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ بھی آپ ﷺ اسی طرز عمل پر قائم رہیں اور ادھر مشرکوں کو یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کا نظر انداز کرنا کچھ مجبوری یا بزدلی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شرافت کی وجہ سے ہے، تم اس شرافت کو بزدلی نہ سمجھو۔

وَذَرْنِىْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِى النَّعْمَةِ الخ ان الفاظ میں صاف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ مکہ میں دراصل جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو جھٹلا رہے تھے اور طرح طرح کے فریب دے کر، تعصبات کو ابھار کر، عوام کو آپ ﷺ کی مخالفت پر آمادہ کر رہے تھے، وہ قوم کے کھاتے پیتے اور خوشحال لوگ تھے کیونکہ اسلام کی اس دعوتِ اصلاح کی براہ راست زد، ان کے مفادات پر پڑ رہی تھی، قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ یہ معاملہ صرف رسول اللہ ﷺ ہی کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ ہمیشہ یہی گروہ، اصلاح کی راہ روکنے کے لئے سنگ گراں بن کر حائل ہوتا رہا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى اَقَلَّ مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ بِالْجَرِّ عَطْفٌ عَلٰى ثُلُثَيْ وَبِالنَّصْبِ

عَطفٌ عَلٰی اَدنٰی وَقِیَامُہٗ کَذٰلِكَ نَحوُما اُمِرَ به اَوَّلَ السُّورَةِ. وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ عَطفٌ عَلٰی ضَمِیرِ تَقُومُ وجَازَ مِنْ غَیرِ تاکِیدٍ لِلفَصلِ وقِیَامُ طَائِفَةٍ مِنْ اَصحَابِہٖ کَذٰلِكَ لِلتَّاَسِّی بِہٖ وَمِنهُم مَنْ کَانَ لَا یَدرِیْ کَمْ صَلّٰی مِنَ اللَّیلِ وَکَمْ بَقِیَ مِنْهُ فَکَانَ یَقُومُ اللَّیلَ کُلَّہٗ اِحتِیَاطًا فَقَامُوا حَتّٰی اِنْتَفَخَتْ اَقدَامُهُم سَنَةً او اَکثَرَ فَخَفَّفَ عَنهُم قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ یُحصِی الَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِیلَةِ وَاِسمُهَا مَحذُوفٌ اَیْ اَنَّہٗ لَّنْ تُحْصُوْهُ اَیِ اللَّیلَ لِتَقُومُوا فِیمَا یَجِبُ القِیَامُ فِیهِ الا بِقِیَامِ جَمِیعِہٖ وذٰلِكَ یَشُقُّ عَلَیکُم فَتَابَ عَلَيْكُمْ رَجَعَ بِکُم اِلَی التَّخفِیفِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ فِی الصَّلَاةِ بِاَنْ تُصَلُّوا مَا تَیَسَّرَ عَلِمَ اَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِیلَةِ اَیْ اَنَّہٗ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ یُسَافِرُونَ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ یَطلُبُونَ مِنْ رِزقِہٖ بِالتِّجَارَةِ وغَیرِهَا وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَکُلٌّ مِنَ الفِرَقِ الثَّلَاثِ یَشُقُّ عَلَیهِم مَا ذُکِرَ فِی قِیَامِ اللَّیلِ فَخَفَّفَ عَنهُم بِقِیَامِ مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ ثُمَّ نُسِخَ ذٰلِكَ بِالصَّلَوَاتِ الخَمسِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ كَمَا تَقَدَّمَ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ المَفرُوضَةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ بِاَنْ تُنفِقُوا مَا سِوَی المَفرُوضِ مِنَ المَالِ فِی سَبِیلِ الخَیرِ قَرْضًا حَسَنًا عَنْ طِیبِ قَلبٍ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا مِمَّا خَلَّفتُم وَهُوَ فَصلٌ وَمَا بَعدَہٗ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ مَعرِفَةً یُشبِهُهَا لِامتِنَاعِہٖ مِنَ التَّعرِیفِ وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ لِلمُؤمِنِینَ.

ترجمہ: بے شک تیرا رب بخوبی جانتا ہے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے قیام لیل کرتی ہے (ثُلُثِہٖ) جر کی صورت میں ثُلُثَی پر عطف ہوگا اور نصب کی صورت میں اَدْنٰی پر عطف ہوگا اور آپ کا قیام لیل اول سورت میں مذکور کے مطابق ہی تھا، طائفۃٌ کا عطف تَقُوْمُ کی ضمیر پر ہے، اور فصل واقع ہونے کی وجہ سے بغیر تاکید کے بھی (عطف) درست ہے، اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک جماعت کا قیام آپ ﷺ کی اقتداء کے طور پر اسی طریقہ پر تھا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بعض حضرات ایسے بھی تھے کہ ان کو اس بات کا علم نہیں ہوتا تھا کہ کتنی رات نماز میں گذر گئی اور کتنی باقی رہی جس کی وجہ سے احتیاطاً پوری رات تہجد کے لئے کھڑے رہتے تھے، وہ اسی طریقہ پر ایک سال تک یا اس سے زیادہ عمل پیرا رہے حتی کہ ان کے قدم متورم ہوگئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تخفیف فرمادی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور رات کا پورا اندازہ اللہ ہی کو ہے یہ بھی وہ جانتا ہے کہ تم (مقدار وقت) کو ضبط نہ کرسکو گے کہ اس میں بقدر واجب قیام کرسکو، مگر اس صورت میں کہ پوری رات کھڑے رہو، اور یہ تمہارے لئے دشوار ہوگا، تو اس لئے تمہارے حال پر عنایت کی یعنی تم کو سہولت کی طرف لوٹا دیا سو (اب) تم سے جتنا قرآن نماز میں آسانی سے پڑھا ج

سکے پڑھ لیا کرو یعنی جس قدر آسان ہو نماز پڑھ لیا کرو، اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے بعضے آدمی بیمار ہوں گے (اَنْ) مخففہ عن الثقیلہ ہے یعنی اَنَّہٗ اور بعضے تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے یعنی تجارت وغیرہ کے ذریعہ رزق طلب کریں گے، اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے مذکورہ تینوں فریقوں میں سے ہر ایک پر، مذکورہ طریقہ پر قیام لیل دشوار ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے بقدر سہولت قیام کے ذریعہ ان پر تخفیف فرما دی پھر اس کو بھی پنج وقتہ نماز کے ذریعہ منسوخ فرما دیا سو آسانی سے جتنا قرآن (نماز میں) تم سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو جیسا کہ اوپر گذرا، اور فرض نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو اچھی طرح خوش دلی سے قرض دو اس طریقہ پر کہ فرض مقدار کے علاوہ مال میں سے خیر کے راستوں میں خرچ کرو، اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے جو تم نے پیچھے چھوڑا ہے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے، ھُوَ ضمیر فصل ہے اور اس کا مابعد اگرچہ معرفہ نہیں ہے مگر مشابہ معرفہ ہے اس لئے کہ وہ تعریف سے ممتنع ہے اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ مومنین کیلئے غفور و رحیم ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی الخ یہ ابتداء سورت میں بیان کردہ حکم "قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا" کے ناسخ کی تمہید ہے، اصل ناسخ "فَتَابَ عَلَیْکُمْ" ہے۔

قولہ: اَقَلَّ مِنْ ثُلُثَیِ اللَّیْلِ وَنِصْفَہٗ اس کا مطلب ہے کہ تیرا رب آپ ﷺ کے دو ثلث رات اور نصف رات اور ایک ثلث رات سے کم قیام لیل کو جانتا ہے، ابتداء سورت میں آپ کو دو ثلث شب سے کم اور نصف شب سے کم قیام لیل میں اختیار دیا گیا تھا، اور یہاں وَاَدْنٰی مِنْ ثُلُثِہٖ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ثلث سے کم شب میں بھی اختیار تھا حالانکہ ایسی بات نہیں ہے اور یہ صورت نِصْفِہٖ جر کی قراءت کی صورت میں ہوگی۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ادنیٰ سے تقریب مراد ہے یعنی وہ جانتا ہے آپ ﷺ کے دو تہائی اور نصف کے اور ثلث شب کے قریب قیام لیل کو، اسی کو ادنیٰ سے تعبیر کر دیا ہے اس لئے کہ مذکورہ مقداریں امور ظنیہ تخمینیہ میں سے ہیں اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آپ ﷺ اسی کے مکلف تھے اور نہ اس زمانہ میں ایسا کوئی نظام تھا کہ ٹھیک ٹھیک اوقات کی تعیین کی جا سکے اسلئے کہ یہ نہایت دشوار اور مشکل کام ہے جو کہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی بہت مشکل اور دقت طلب ہے جب کہ اس زمانہ میں گھڑی وغیرہ بھی نہیں تھیں صرف ستاروں کی رفتار سے وقت کا تعیین کرتے تھے۔

قولہ: وبالنصب یہ نِصْفَہٗ کی دوسری قراءت کا بیان ہے نصب کی صورت میں ادنیٰ پر عطف ہوگا اور تقوم کا مفعول ہوگا، معنی ہوں گے تقوم نصفه تارةً وَثُلُثَہٗ تارةً اُخْرٰی نصب کی صورت ابتداء سورت میں دیئے گئے حکم کے مطابق ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وقیامُهٗ کذالك نحوما اُمِرَ بِهٖ آپ ﷺ کا اس طرح قیام اول سورت میں بیان کردہ حکم کے مطابق ہوگا، قیامُهٗ کذالك مبتدا ہے اور مَا اُمِرَ بِهٖ اول السورة خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: وَطَائفَةٌ مِن الَّذِيْنَ مَعَكَ اس کا تَقُوْمُ کی ضمیر مرفوع متصل پر عطف ہے۔

سُوَال: ضمیر مرفوع متصل پر عطف کے لئے قاعدہ ہے کہ ضمیر مذکور پر عطف درست ہونے کے لئے ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید ضروری ہوتی ہے حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: وجَازَ من غیر تاکید للفصل سے مفسر علام نے اسی اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے ① ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ لائی گئی ہو ② یا معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل ہو یہاں دوسری صورت یعنی فصل موجود ہے، اور وہ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ و نصفه و ثلثهٗ ہے، لہٰذا عطف درست ہے۔

قَوْلُہٗ: هُوَ فَصْلٌ، ای ضمیرُ فَصْلٍ۔

قَوْلُہٗ: وَمَا بَعْدَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَكُن معرفة يُشْبِهُهَا الخ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: ضمیر فصل دو معرفوں کے درمیان لائی جاتی ہے نہ کہ ایک معرفہ اور ایک نکرہ کے درمیان اور یہاں ایسا ہی ہے اس لئے کہ اللّٰه معرفہ ہے اور خَيْرًا نکرہ؟

جَوَاب: خَيْرًا خالص نکرہ نہیں ہے بلکہ مشابہ معرفہ ہے اس لئے کہ اس پر حرف تعریف الف لام داخل نہیں ہوتا اگر خالص نکرہ ہوتا تو حرف تعریف کا داخل ہونا صحیح ہوتا؛ لہٰذا دونوں کے درمیان ضمیر فصل لانا جائز ہے۔

تفسیر و تشریح

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى، جب سورت کے آغاز میں نصف شب یا اس سے کم یا زیادہ قیام کا حکم دیا گیا تو نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت رات کو قیام کرتی تھی، کبھی دو تہائی سے کم کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی، جیسا کہ یہاں ذکر ہے، لیکن ایک تو رات کا یہ مستقل قیام نہایت گراں تھا دوسرے نصف یا ثلث یا دو ثلث شب کے قیام کا تعین اس سے بھی زیادہ مشکل تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تخفیف کا حکم نازل فرما دیا جس کا مطلب بعض کے نزدیک ترک قیام کی اجازت ہے اور بعض کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ فرض کو استحباب میں تبدیل کر دیا گیا، اب یہ نہ امت کے لئے فرض ہے اور نہ نبی کے لئے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ تخفیف صرف امت کے لئے ہے نبی ﷺ کے لئے تہجد فرض تھا۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيرٍ تَجدوه عِند اللّٰه، یعنی تم نے آگے اپنی آخرت کے لئے جو کچھ بھیج دیا وہ تمہارے لئے اس سے زیادہ نافع ہے جو تم نے دنیا میں روک رکھا ہے، اور کسی بھلائی کے کام میں اللہ کی رضا کے لئے خرچ نہ کیا، حدیث میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا "اَيُّكُمْ مَالُهُ اَحَبّ اِلَيْه من مالِ وَارِثِهٖ" تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو، فرمایا اِعْلَموا مَا تقولون سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا حال واقعی یہی ہے اس پر حضور ﷺ نے فرمایا "اِنَّما مَالُ اَحدِكُمْ مَا قَدَّمَ وَمَالُ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ" تمہارا اپنا مال تو وہ ہے جو تم نے اپنی آخرت کے لئے آگے بھیج دیا اور جو کچھ تم نے روک رکھا ہے وہ تو وارث کا مال ہے۔ (بخاری، نسائی)

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ مدثر مکی ہے، پچپن آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① النَّبِيُّ وَاَصْلُهُ الْمُتَدَثِّرُ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الدَّالِ اَىِ الْمُتَلَفِّفُ بِثِيَابِهِ عِنْدَ نُزُوْلِ الْوَحْيِ عَلَيْهِ قُمْ فَاَنْذِرْ ② خَوِّفْ اَهْلَ مَكَّةَ بِالنَّارِ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ عَظِّمْ عَنْ اِشْرَاكِ الْمُشْرِكِيْنَ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④ عَنِ النَّجَاسَةِ او قَصِّرْهَا خِلَافَ جَرِّ الْعَرَبِ ثِيَابَهُمْ خُيَلَاءَ فَرُبَمَا اَصَابَهَا نَجَاسَةٌ وَالرُّجْزَ فَسَّرَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بالاوثان فَاهْجُرْ ⑤ اَىْ دُمْ عَلٰى هَجْرِهٖ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ⑥ بِالرَّفْعِ حَالٌ اَىْ لَا تُعْطِ شَيْئًا لِتَطْلُبَ اَكْثَرَ مِنْهُ وَهٰذَا خَاصٌّ بِهٖ صلى الله عليه وسلم لِاَنَّهٗ مَاْمُوْرٌ بِاَجْمَلِ الْاَخْلَاقِ وَاَشْرَفِ الْاٰدَابِ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ⑦ عَلَى الْاَوَامِرِ وَالنَّوَاهِيْ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ⑧ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ وَهُوَ الْقَرْنُ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ فَذٰلِكَ اَىْ وَقْتُ النَّقْرِ يَوْمَئِذٍ بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهٗ الْمُبْتَدَاُ وَبُنِيَ لِاِضَافَتِهٖ اِلٰى غَيْرِ مُتَمَكِّنٍ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَاِ يَوْمٌ عَسِيْرٌ ⑨ وَالْعَامِلُ فِيْ اِذَا مَا دَلَّتْ عَلَيْهِ الْجُمْلَةُ اَىِ اشْتَدَّ الْاَمْرُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ⑩ فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّهٗ يَسِيْرٌ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اى فِيْ عُسْرِهٖ ذَرْنِيْ اُتْرُكْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ عَطْفٌ عَلَى الْمَفْعُوْلِ او مَفْعُوْلٌ مَعَهٗ وَحِيْدًا ⑪ حَالٌ مِنْ مَنْ او مِنْ ضَمِيْرِهِ الْمَحْذُوْفِ مِنْ خَلَقْتُ اى مُنْفَرِدًا بِلَا اَهْلٍ وَلَا مَالٍ وَهُوَ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ⑫ وَاسِعًا مُتَّصِلًا مِنَ الزُّرُوْعِ وَالضُّرُوْعِ وَالتِّجَارَةِ وَّبَنِيْنَ عَشَرَةً اواكثر شُهُوْدًا ⑬ يَشْهَدُوْنَ الْمَحَافِلَ وَتُسْمَعُ شَهَادَتُهُمْ وَّمَهَّدْتُّ بَسَطْتُّ لَهٗ فِي الْعَيْشِ وَالْعُمْرِ وَالْوَلَدِ تَمْهِيْدًا ⑭ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ⑮ كَلَّا لَا اَزِيْدُهٗ عَلٰى ذٰلِكَ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا اى الْقُرْاٰنِ عَنِيْدًا ⑯ مُعَانِدًا سَاُرْهِقُهٗ اُكَلِّفُهٗ صَعُوْدًا ⑰ مَشَقَّةً مِنَ الْعَذَابِ او جَبَلًا مِنْ نَارٍ يَصْعَدُ فيه ثم يَهْوِىْ اَبَدًا اِنَّهٗ فَكَّرَ فِيْمَا يَقُوْلُ فِي الْقُرْاٰنِ الَّذِيْ سَمِعَهٗ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدَّرَ ⑱ فِيْ نَفْسِهٖ ذٰلِكَ فَقُتِلَ لُعِنَ وَعُذِّبَ كَيْفَ قَدَّرَ ⑲ عَلٰى اَىِّ حَالٍ كَانَ تَقْدِيْرُهٗ

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ في وجوه قومه او فيما يقدح به ثُمَّ عَبَسَ قبض وجهه و كلحه ضيقا بما يقول وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ زاد في القبض والكلوح ثُمَّ أَدْبَرَ عن الايمان وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ تكبر عن اتباع النبي صلى الله عليه وسلم فَقَالَ فيما جاء به إِنْ ما هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ ينقل عن السحرة إِنْ ما هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ كما قالوا انما يعلمه بشر سَأُصْلِيهِ ادخله سَقَرَ ﴿٢٦﴾ جهنم وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ تعظيم لشانها لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ شيئا من لحم ولا عصب الا اهلكته ثم يعود كما كان لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ محرقة لظاهر الجلد عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ ملكا خزنتها قال بعض الكفار وكان قويا شديد الباس انا اكفيكم سبعة عشر واكفوني انتم اثنين قال تعالى وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً اى فلا يطاقون كما يتوهمون وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ ذلك إِلَّا فِتْنَةً ضلالا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا بان يقولوا لم كانوا تسعة عشر لِيَسْتَيْقِنَ ليستبين الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ اى اليهود صدق النبي في كونهم تسعة عشر الموافق لما في كتابهم وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا من اهل الكتاب إِيمَانًا تصديقا لموافقة ما اتى به النبي صلى الله عليه وسلم لما في كتابهم وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ من غيرهم في عدد الملائكة وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ شك بالمدينة وَالْكَافِرُونَ بمكة مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا العدد مَثَلًا سموه لغرابته بذلك واعرب حالا كَذَٰلِكَ اى مثل اضلال منكر هذا العدد وهدى مصدقه يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ الملائكة في قوتهم واعوانهم إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ اى سقر إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، اے کپڑا اوڑھنے والے! نبی ﷺ (مدثر) کی اصل متدثر تھی، تاء کو دال میں ادغام کر دیا گیا، یعنی نزول وحی کے وقت اپنے اوپر کپڑا لپیٹنے والے! کھڑا ہو جا اور اہل مکہ کو آگ سے ڈرا اگر ایمان نہ لائیں، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر، مشرکین کے شرک کرنے سے بڑائی بیان کر، اور اپنے کپڑوں کو نجاست سے پاک رکھا کر یا ان کو اونچا رکھ، متکبرین عرب کے کپڑوں کو (زمین) پر گھسیٹنے کے بر خلاف، اس لئے کہ بسا اوقات کپڑوں کو نجاست لگ جاتی ہے، اور بتوں کو چھوڑ دے، رُجز کی تفسیر آپ ﷺ نے بتوں سے فرمائی ہے، یعنی ترک بتاں پر قائم رہ، اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر رفع کے ساتھ حال ہے زیادہ طلب کرنے کے لئے کوئی چیز نہ دے (یہ حکم) آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ آپ ﷺ اجمل آداب اور اشرف اخلاق کے مامور ہیں، اور اپنے رب کے لئے اوامر و نواہی پر صبر کریں جب صور میں پھونک ماری جائے گی (اور) وہ سینگ ہے، یہ نفخہ ثانیہ ہوگا، تو وہ پھونکنے کا دن بڑا سخت دن ہوگا یَوْمَئِذٍ اپنے ماقبل (ذلك) مبتداء سے بدل ہے اور غیر

متمکن کی طرف اس کی اضافت کی وجہ سے مبنی ہے، اور مبتداء کی خبر یَومٌ عَسِیْرٌ ہے اور اِذَا میں عامل وہ ہے جس پر جملہ (جزائیہ) دلالت کررہا ہے، اور (مدلول) اِشْتَدَّ الْاَمْرُ ہے جو کافروں پر آسان نہ ہوگا اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ وہ مومن کے لئے آسان ہے یعنی وہ دن اپنی عسرت کے باوجود مومنین کے لئے عسیر نہ ہوگا، مجھے اور اسے جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا ہے چھوڑ دے (وَمَنْ خَلَقْتُ) کا عطف ذَرْنِیْ کے مفعول پر ہے یا مفعول معہٗ ہے، (وَحِیْدًا) مَنْ سے یا مَنْ کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف سے حال ہے (ای خَلَقتهٗ) وَحِیْدًا معنی میں منفردًا کے ہے یعنی بلا اہل اور بلا مال کے پیدا کیا، اور وہ ولید بن مغیرہ مخزومی ہے، اور اسے میں نے بہت سا مال دے رکھا ہے جو کہ کھیتی اور جانور اور مال تجارت پر مشتمل ہے اور حاضر باش دس یا اس سے زیادہ فرزند بھی دیئے جو محفلوں میں حاضر رہتے ہیں اور ان کی شہادت سنی جاتی ہے اور میں نے اسے عیش میں اور عمر میں اور اولاد میں بہت کچھ کشادگی دے رکھی ہے پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں، ہرگز نہیں! میں اس سے زیادہ نہیں دوں گا وہ ہماری آیتوں قرآن کا دشمن ہے میں اسے عنقریب عذاب کی ایک بڑی مشقت میں ڈالوں گا یا آگ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا جس پر وہ ہمیشہ ہمیش چڑھتا اترتا رہے گا، اس کو غور وفکر کرنے کے بعد تجویز سوجھی اس کے لئے ہلاکت ہو ملعون اور معذب ہو، کیسی تجویز سوجھی؟!! یعنی کس طرح کی تجویز سوجھی، وہ پھر غارت ہو کیسی تجویز سوجھی؟!! پھر اس نے اپنی قوم کی طرف دیکھا یا سوچا کہ کس طریقہ سے اس میں عیب نکالے؟ پھر اس نے منہ بنایا اور بات کہنے کے لئے منہ سکیڑا (پھر) اور زیادہ منہ بنایا اور بگاڑا، پھر وہ ایمان سے پیچھے ہٹ گیا، اور نبی ﷺ کے اتباع سے تکبر کیا پھر اس نے بات کہی تو اس نے کہا یہ تو پہلے سے چلا آتا جادو ہے اور یہ تو محض انسانی کلام ہے جیسا کہ انہوں نے کہا کہ اس کو کوئی بشر سکھاتا ہے میں اس کو عنقریب جہنم میں داخل کروں گا اور تجھے کیا خبر کہ جہنم کیا چیز ہے؟ ابہام جہنم کی تعظیم شان کے لئے ہے، گوشت اور رگ پٹھوں سے نہ کچھ باقی رہنے دیتی ہے اور نہ چھوڑتی ہے مگر یہ کہ اس کو سوختہ کردیتی ہے پھر وہ سابقہ حالت پر ہوجاتا ہے اور وہ کھال کو جھلسا دیتی ہے یعنی ظاہر جلد کو جلا کر رکھ دیتی ہے اور اس پر انیس نگران فرشتے مقرر ہیں بعض کفار نے جو کہ طاقتور اور سخت گرفت والا تھا کہا سترہ کے لئے میں (اکیلا) کافی ہوں گا، اور دو سے تم میری مدد کرنا، اور ہم نے دوزخ کے نگران صرف فرشتے رکھے ہیں یعنی یہ ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے جیسا کہ ان کا خیال ہے اور ہم نے فرشتوں کی مذکورہ تعداد کافروں کی آزمائش کے لئے رکھی ہے، بایں طور کہ انہوں نے کہا کہ فرشتے انیس ہی کیوں ہیں؟ تاکہ اہل کتاب پر جو کہ یہود ہیں فرشتوں کی تعداد کے انیس ہونے میں آپ ﷺ کی صداقت ظاہر ہوجائے اس لئے یہ تعداد اس تعداد کے مطابق ہے کہ جو ان کی کتاب میں ہے اور تاکہ اہل کتاب میں سے مومنین کا ایمان اس تعداد سے کہ جو آپ ﷺ نے بیان فرمائی اس تعداد کے مطابق ہونے کی وجہ سے جو ان کی کتاب میں ہے اور زیادہ ہوجائے، اور مومنین اور اہل کتاب وغیرہ شک نہ کریں، اور مدینہ کے وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض شک ہے اور مکہ کے کافر کہیں کہ اس تعداد کے بیان کرنے میں اللہ کا کیا مقصد ہے؟ (اس بیان تعداد کو)

اس کی غرابت کی وجہ سے اس کا نام مثل رکھا ہے اور مثلاً حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس طرح یعنی اس عدد کے منکر اور اس کی تصدیق کرنے والے کے مثل، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تیرے رب کے فرشتوں کے لشکر کی تعداد کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ان کی قوت میں اور تعداد میں اور یہ دوزخ تو بنی آدم کے لئے سراسر نصیحت ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: یاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ، اَلْـمُدَّثِّرُ، لَابِسُ الدِّثَار، وَھُوَ مَا فَوْقَ الشِعَارِ، شِعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو بدن سے متصل ہو جیسا کہ بنیان وغیرہ اور دثار وہ کپڑا جو شعار کے اوپر پہنا جائے مثلاً چادر، چوغہ، شیروانی، کوٹ وغیرہ۔

قِوْلَہٗ: قُمْ، قمر کے معنی خواب گاہ وغیرہ سے اٹھنے کے بھی ہیں اور کسی کام کو شروع کرنے کے بھی ہیں یقال قُمتُ بکذا میں نے فلاں کام شروع کر دیا۔

قِوْلَہٗ: وَالرجزَ، راء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ زَاء، سین سے بدلی ہوئی ہے، اصل میں رجسٌ ہے بمعنی ناپاکی، گندگی، بت، گناہ وغیرہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ.

قِوْلَہٗ: بَدَلٌ مما قَبْلَهُ یعنی یَوْمَئِذٍ، ذٰلِكَ اسم اشارہ سے بدل ہے۔

قِوْلَہٗ: المبتداء یہ مِمَّا قبلهٗ میں مَا کا بیان ہے یعنی یَوْمَئِذٍ، ذٰلِكَ سے بدل ہے جو کہ متبداء ہے۔

قِوْلَہٗ: بُنِیَ لِاِضَافَتِهٖ اِلٰی غیر متمکّنٍ یعنی یَوْمَ مبنی ہے غیر متمکن یعنی اِذْ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے، یَوْمَئِذٍ کی تنوین جملہ محذوف کے عوض میں ہے ای یَوْمَ اِذْ نُقِرَ فی الناقور.

قِوْلَہٗ: والعامل فی اِذَا، مادَلَّتْ علیه الجملة، یعنی اِذا نُقِرَ فی الناقور میں اِذَا کا عامل وہ فعل محذوف ہے جس پر جملہ جزائیہ یعنی فَذٰلِك یَوْم عَسِیرٌ دلالت کر رہا ہے اور وہ عامل اشتَدَّ الْاَمْرُ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اشْتَدَّ الامر اذا نُقِرَ فی الناقور.

قِوْلَہٗ: عطف علی المفعول یعنی ذَرْنِیْ کی یاء پر، یا پھر مفعول معهٗ ہے یعنی وَمَنْ خَلَقْتُ میں واؤ بمعنی مع ہے۔

قِوْلَہٗ: اَوْ مِنْ ضَمِیْرِہِ المحذوف یعنی وَحِیْدًا یا تو مَنْ سے حال ہے یا خلقتُ کی ضمیر محذوف سے حال ہے اس لئے کہ اصل میں خلقتُهٗ ہے۔

قِوْلَہٗ: لا تُبْقِی ولَا تَذَرُ دونوں جملوں کا مفہوم ایک ہی ہے یہ عطف تاکید کے لئے ہے۔

قِوْلَہٗ: مِنْ غَیْرِھِمْ اس کے اضافہ کا مقصد، اعتراض تکرار کو دفع کرتا ہے۔

اعتراض: وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں اہل کتاب میں سے مومنین مراد ہیں اور وَلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوتوا لکتاب

سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو ایمان نہیں لائے اور والمؤمنون سے پھر وہ اہل کتاب مراد ہیں جن کا بیان شروع میں ہوا لہٰذا یہ تکرار ہے، مِنْ غیرھم کہہ کر اس اعتراض کو دفع کر دیا، دفع کا خلاصہ یہ ہے کہ اول سے مومنین اہل کتاب مراد ہیں اور ثانی المؤمنون سے غیر اہل کتاب مراد ہیں۔

قَوْلُهٗ: بالمدینة، اَیْ کائنًا بالمدینة یہ حال ہے، مدینہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ نفاق مدینہ میں ہی تھا، مکہ میں نفاق نہیں تھا۔

قَوْلُهٗ: وَهَذِی، هَا کا فتحہ اور دال کا سکون نیز هَا کا ضمہ اور دال کا فتح دونوں جائز ہیں۔ (صاوی)

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ (الآیة) سورۂ مدثر قرآن کریم کی ان سورتوں میں سے ہے جو نزول قرآن کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہیں، اسی لئے بعض حضرات نے اس سورت کو سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت بھی کہا ہے مگر روایات صحیحہ معروفہ کی رو سے سورۂ اقرا کی مالم یعلم تک، ابتدائی آیات کا سب سے پہلے نزول ہوا ہے، فترتِ وحی کے تین سالہ زمانہ کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی سورۃ المدثر کی فاھجر تک، کی آیات ہیں، فترتِ وحی کی وجہ سے آپ ﷺ زیادہ کبیدہ خاطر رہتے تھے، بعض اوقات یہ کبیدگی اس قدر بڑھ جاتی تھی کہ آپ ﷺ کا جی چاہتا تھا کہ کسی پہاڑ کی چوٹی سے گر کر اپنی جان قربان کر دیں مگر جبرئیل امین ظاہر ہوتے اور فرماتے آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اس سے آپ ﷺ کو سکون ہوتا اور اضطرابی کیفیت دور ہو جاتی۔ (ابن جریر)

اسی زمانۂ فترت کے آخر میں امام زہری کی روایت کے مطابق یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک روز آپ ﷺ مکہ میں کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے آپ ﷺ نے ایک آواز سنی تو اِدھر اُدھر دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا جب آسمان کی طرف دیکھا تو وہی فرشتہ جو غارِ حراء میں سورۂ اقرا کی آیات لے کر آیا تھا وہی آسمان کے نیچے فضاء میں ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، اس کو اس حال میں دیکھ کر وہی رعب و ہیبت کی کیفیت طاری ہو گئی جو غارِ حراء میں سورۂ اقرا کی آیات نازل ہونے کے وقت ہوئی تھی، سخت سردی اور کپکپی کے احساس سے، آپ ﷺ گھر واپس تشریف لے آئے اور آپ ﷺ نے فرمایا زملونی، زملونی اور آپ ﷺ کپڑا اوڑھ، لپیٹ کر لیٹ گئے، اور بعض روایات میں آپ ﷺ نے فرمایا دَثِّرُوْنِی، دثرونی مجھے کپڑا اُڑھاؤ، دونوں کلموں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں، اسی حالت میں حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوئے اور فرمایا:

''یاَیُّها المدثر'' اس کے بعد آپ ﷺ پر لگاتار وحی کے نزول کا سلسلہ شروع ہوا تو اس سورت کی ابتدائی سات آیتیں نازل ہوئیں، یاَیُّها المدثر اور یاَیُّها المزمل یہ طرز خطاب، عام خطاب یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ، یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ کے خطاب سے

مختلف ہے اس خطاب میں شفقت، محبوبیت اور قربت نمایاں ہے اس طرز خطاب سے اللہ کا مقصد آپ ﷺ کے اس خوف کو دور کرنا تھا جو جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھ کر طبعی طور پر آپ ﷺ پر طاری ہو گیا تھا، فرمایا آپ اوڑھ لپیٹ کر لیٹ کہاں گئے، اٹھئے! اب لیٹنے کا وقت ختم ہوا، آپ ﷺ پر تو ایک کار عظیم کا بوجھ ڈالا گیا ہے جسے انجام دینے کے لئے آپ ﷺ کو پورے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑا ہونا ہے۔

سورۂ مدثر اور سورۂ مزمل میں سے کونسی سورت پہلے نازل ہوئی اس میں روایات بہت مختلف ہیں؛ لیکن اتنی بات طے شدہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں نزول قرآن کے ابتدائی دور کی ہیں اور ان دونوں کے نزول کا زمانہ بھی بہت قریب ہے اور دونوں کا نزول ایک ہی واقعہ میں ہوا ہے، (معارف) مگر فرق دونوں میں یہ ہے کہ سورۂ مزمل کے شروع میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ اپنی ذاتی شخصیت کی اصلاح سے متعلق ہیں اور سورۂ مدثر کے شروع میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر دعوت و تبلیغ اور اصلاح خلق سے ہے۔

سورۂ مدثر میں سب سے پہلا حکم جو آپ ﷺ کو دیا گیا ہے، وہ قُمْ فَاَنْذِرْ ہے یعنی کھڑے ہو جایئے، اس کے معنی حقیقی قیام کے بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ ﷺ جو کپڑوں میں لپٹ کر لیٹ گئے ہیں اس کو چھوڑ کر کھڑے ہو جایئے اور یہ معنی بھی بعید نہیں کہ قیام سے مراد کام کے لئے مستعد ہو کر کمر کسنا ہو اور مطلب یہ ہو کہ آپ ﷺ ہمت کر کے خلق خدا کی اصلاح کی ذمہ داری سنبھال لیجے، فَانذر یہ انذار سے مشتق ہے جس کے معنی شفقت اور محبت سے ڈرانے کے ہیں جس میں شفقت کے ساتھ ساتھ مضرت سے بھی بچانا ہو جیسے باپ اپنے بچہ کو سانپ بچھو آگ وغیرہ سے ڈراتا ہے، انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے، اسی لئے ان کا لقب نذیر اور بشیر ہوتا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور آپ ﷺ کے گرد و پیش خدا کے جو بندے خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ان کو خبردار کر دو انہیں اس انجام سے ڈراؤ جس سے وہ یقیناً دوچار ہوں گے اگر اسی حالت میں بمتلا رہے، اور انہیں یہ بھی بتا دو کہ وہ کسی اندھیر نگری میں نہیں رہتے جس میں وہ اپنی مرضی سے جو کچھ چاہیں کرتے رہیں اور ان کے کسی عمل کی کوئی باز پرس نہ ہو۔

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ، ایک نبی کا سب سے پہلا اور بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ جاہل انسان جن جن کی بڑائی مان رہے ہیں، ان کی نفی کر دے اور ہانکے پکارے دنیا بھر میں یہ اعلان کر دے کہ اس کائنات میں بڑائی ایک خدا کے سوا کسی کی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام میں کلمۂ اللہ اکبر کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اذان و اقامت کی ابتداء اللہ اکبر کے اعلان سے ہوتی ہے، نماز میں بھی مسلمان اللہ اکبر کہہ کر داخل ہوتا ہے، اور بار بار اللہ اکبر کہہ کر اُٹھتا اور بیٹھتا ہے اور جب ذبح کرتا ہے تو بسم اللہِ اللہُ اکبر کہہ کر، اور نعرۂ تکبیر پوری دنیا میں مسلمانوں کا سب سے زیادہ نمایاں امتیازی شعار ہے، کیونکہ اس امت کے نبی نے اپنا کام ہی اللہ اکبر کی تکبیر سے شروع کیا ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ، ثِيَاب، ثَوْبٌ کی جمع ہے اس کے حقیقی معنی کپڑے کے ہیں اور مجازی طور پر عمل کو بھی ثوب و لباس

کہا جاتا ہے، قلب و نفس کو، خلق و دین کو اور انسانی جسم کو بھی ثوب سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کے شواہد قرآن مجید اور محاورات عرب میں بکثرت موجود ہیں، اس آیت میں بھی حضرات مفسرین سے یہ سب ہی معنی منقول ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ ان تمام معنی میں کوئی تضاد و تناقض نہیں، بطور عموم مجاز کے اگر یہ سب ہی معنی مراد لئے جائیں، تو اس میں کوئی بعد نہیں، اور معنی اس حکم کے یہ ہوں گے کہ اپنے کپڑوں اور جسم کو ظاہری ناپاکیوں سے پاک رکھئے قلب و نفس کو باطل عقائد و خیالات سے اور اخلاق رذیلہ سے پاک رکھئے، پاجامہ یا تہبند کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی ممانعت بھی اسی سے مستفاد ہے؛ اس لئے کہ نیچے لٹکے ہوئے کپڑوں کا نجاست سے آلودہ ہو جانا بعید نہیں۔

اللہ تعالیٰ طہارت کو پسند فرماتا ہے "اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ" اور حدیث میں طہارت کو نصف ایمان کہا گیا ہے، اس لئے مسلمان کو ہر حال میں اپنے جسم، مکان اور لباس کی ظاہری طہارت کا بھی اہتمام رکھنا ضروری ہے اور قلب کی باطنی طہارت کا بھی۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُر، گندگی سے مراد ہر قسم کی گندگی ہے، خواہ وہ عقائد و خیالات کی گندگی ہو یا اخلاق و اعمال کی یا جسم و لباس اور رہن سہن کی، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے گرد و پیش سارے معاشرے میں طرح طرح کی جو گندگیاں پھیلی ہوئی ہیں ان سب سے اپنا دامن بچا کر رکھو، کوئی شخص آپ ﷺ پر انگلی نہ اٹھا سکے کہ جن برائیوں سے آپ ﷺ لوگوں کو روک رہے ہوں ان میں سے کسی کا بھی کوئی شائبہ آپ ﷺ کی زندگی میں پایا جائے۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جس پر احسان کرو بے غرضانہ کرو، آپ ﷺ کی عطا و بخشش، جود و سخا، حسن سلوک و ہمدردی محض اللہ کے لئے ہو اس میں کوئی شائبہ اس خواہش کا نہ ہو کہ احسان کے بدلے آپ ﷺ کو کسی قسم کے دنیوی فوائد حاصل ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو ہدیہ و تحفہ اس نیت سے دینا کہ وہ اس کے عوض اس سے زیادہ دے گا، یہ مذموم اور مکروہ ہے، قرآن کریم کی دوسری آیات سے اگرچہ عام لوگوں کے لئے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے مگر وہ بھی کراہت سے خالی نہیں اور شریفانہ اخلاق کے بھی منافی ہے۔

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ، یعنی جو کام آپ ﷺ کے سپرد کیا جا رہا ہے بڑے جان جوکھوں کا کام ہے، اس میں سخت مصائب اور صبر آزما مشکلات اور تکلیفوں سے آپ ﷺ کو سابقہ پڑے گا، آپ کی اپنی قوم آپ ﷺ کی دشمن ہو جائے گی، پورا عرب آپ ﷺ کے خلاف صف آرا ہو جائے گا مگر جو کچھ اس راہ میں پیش آئے اپنے رب کی خاطر اس پر صبر کرنا اور اپنے فرض کو پوری ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے انجام دینا، اس سے باز رکھنے کے لئے خوف، طمع، لالچ، دوستی، دشمنی، محبت، غرضیکہ ہر چیز آپ ﷺ کے راستہ میں حائل ہوگی ان سب کے مقابلہ میں مضبوطی سے اپنے موقف پر قائم رہنا ہوگا۔

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ، فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ، اس سورت کا یہ حصہ، سورت کی ابتدائی آیات کے چند ماہ بعد اس

وقت نازل ہوا، جب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علانیہ تبلیغ اسلام شروع ہو جانے کے بعد پہلی مرتبہ حج کا زمانہ آیا، تو سردارانِ قریش کو یہ اندیشہ ہوا کہ اس موقع پر پورے عرب کے لوگ آئیں گے ایسا نہ ہو کہ محمد ﷺ کے نئے دین سے لوگ متاثر ہو جائیں جس سے اس دین کو تقویت حاصل ہو جائے لہٰذا اس کے سدباب کے لئے کوئی متفقہ لائحہ عمل تیار کیا جائے۔

متفقہ لائحہ عمل کے لئے مشرکین مکہ کی کانفرنس:

قُمْ فَانْذِرْ، کی تعمیل میں جب آپ ﷺ نے اسلام کی تبلیغ شروع کی اور قرآن مجید کی پے در پے نازل ہونے والی سورتوں کو آپ ﷺ نے سنانا شروع کیا تو مکہ میں کھلبلی مچ گئی، اور مخالفتوں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا، چند مہینے اس حال پر گذرنے تھے کہ حج کا زمانہ آ گیا تو مکہ کے لوگوں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اس موقع پر تمام عرب سے حاجیوں کے قافلے آئیں گے، اگر محمد ﷺ نے ان قافلوں کی قیام گاہوں پر جا کر آنے والے حاجیوں سے ملاقاتیں کیں اور حج کے اجتماعات میں جگہ جگہ کھڑے ہو کر قرآن جیسا بے نظیر اور پر تاثیر کلام سنانا شروع کر دیا، تو عرب کے ہر گوشہ تک ان کی دعوت پہنچ جائے گی، اس لئے قریشی سرداروں نے ایک کانفرنس کی، جس میں یہ طے کیا گیا کہ حاجیوں کے آتے ہی ان کے اندر رسول اللہ ﷺ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا جائے، اس پر اتفاق ہو جانے کے بعد ولید بن مغیرہ نے حاضرین سے کہا: اگر آپ لوگوں نے محمد ﷺ کے متعلق مختلف باتیں لوگوں سے کہیں تو ہم سب کا اعتبار جاتا رہے گا، اس لئے کوئی ایک بات طے کر لیجئے جسے سب بالاتفاق کہیں، کچھ لوگوں نے کہا ہم محمد ﷺ کو کاہن کہیں گے، ولید نے کہا نہیں خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہے، ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے ان کے کلام سے قرآن کو دور کی بھی نسبت نہیں ہے، کچھ اور لوگ بولے: انہیں مجنون کہا جائے، ولید نے کہا وہ مجنون بھی نہیں ہے، ہم نے دیوانے اور پاگل بہت دیکھے ہیں مجنون جیسی بہکی بہکی، الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہیں، کون باور کرے گا کہ محمد ﷺ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ دیوانے کی بڑ ہے، لوگوں نے کہا: اچھا تو ہم شاعر کہیں گے، ولید نے کہا وہ شاعر بھی نہیں ہے ہم شعر کی ساری اقسام سے واقف ہیں، اس کے کلام پر شاعری کی کسی قسم کا اطلاق بھی نہیں ہو سکتا، کچھ لوگ بولے تو ہم انہیں ساحر کہیں گے، ولید نے کہا وہ ساحر بھی نہیں ہے، جادوگروں کو ہم جانتے ہیں، جادوگر اپنے جادو کیلئے جو طریقہ اختیار کرتے ہیں ان سے بھی ہم واقف ہیں، یہ باتیں بھی محمد ﷺ پر چسپاں نہیں ہوتیں، پھر ولید نے کہا ان باتوں میں سے جو بات بھی تم کہو گے لوگ اس کو ناروا الزام سمجھیں گے، خدا کی قسم! اس کلام میں بڑی حلاوت ہے اس کی جڑ بڑی گہری اور اس کی ڈالیاں بڑی ثمر دار ہیں، اس پر ابو جہل ولید کے سر ہو گیا اور اس نے کہا تمہاری قوم تم سے راضی نہ ہوگی جب تک کہ تم محمد ﷺ کے بارے میں کوئی بات نہ کہو، اس نے کہا اچھا مجھے سوچ لینے دو، پھر سوچ کر بولا: قریب ترین جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ تم عرب کے لوگوں سے کہو، یہ شخص جادوگر ہے، یہ ایسا کلام پیش کرتا ہے جو آدمی کو اس کے باپ، بھائی، بیوی، بچوں اور سارے خاندان سے جدا کر دیتا ہے، ولید کی اس بات کو سب نے قبول کر لیا پھر ایک منصوبہ کے مطابق حج کے زمانہ میں قریش کے وفود، حاجیوں کے درمیان پھیل گئے اور انہوں نے آنے والے زائرین کو خبردار کرنا شروع کر دیا کہ یہاں ایک ایسا شخص ہے جو بڑا جادوگر ہے اور

اس کا جادو خاندانوں میں تفریق ڈال دیتا ہے اس سے ہوشیار رہنا، مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کا نام خود ہی سارے عرب میں مشہور کر دیا۔ (سیرت ابن ھشام)

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا یہ کلمہ وعید اور تہدید کے لئے ہے، یہ شخص جسے میں نے ماں کے پیٹ سے اکیلا پیدا کیا ہے اس کے پاس نہ مال تھا اور نہ اولاد، یہ ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے، اللہ نے اسے اولاد ذکور سے نوازا تھا اس کے دس بارہ لڑکے تھے جو ہر وقت اس کے پاس رہتے تھے، مجلسوں اور محفلوں میں بلائے جاتے تھے، گھر میں دولت کی فراوانی تھی، اس لئے بیٹوں کو کاروبار اور تجارت کے لئے باہر جانیکی ضرورت نہیں تھی، بارہ بیٹوں میں سے تین مسلمان ہو گئے تھے، خالد، ہشام اور ولید بن ولید۔ (فتح القدير)

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً، جب جہنم کے نگرانوں کا ذکر فرمایا اور ان کی تعداد بیان فرمائی تو ابوجہل نے جماعت قریش کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم میں سے ہر دس آدمی کا گروپ ایک ایک فرشتہ کے لئے کافی نہیں ہوگا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کلدہ نامی ایک شخص نے جسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا کہا، تم سب صرف دو فرشتے سنبھال لینا، سترہ فرشتوں کے لئے میں اکیلا ہی کافی ہوں، کہتے ہیں کہ اسی نے آپ ﷺ کو کئی مرتبہ کشتی کا بھی چیلنج دیا اور ہر مرتبہ شکست کھائی مگر ایمان نہیں لایا کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ رکانہ بن عبد یزید کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے کشتی لڑی تھی مگر وہ شکست کھا کر مسلمان ہو گئے تھے، (ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ یہ تعداد بھی ان کے استہزاء اور آزمائش کا سبب بن گئی۔

كَلَّا اِسْتِفْتَاحٌ بِمَعْنَى اَلَا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ بِفَتْحِ الذَّالِ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ جَاءَ بَعْدَ النَّهَارِ وَفِي قِرَاءَةٍ إِذْ أَدْبَرَ بِسُكُونِ الذَّالِ بَعْدَهَا هَمْزَةٌ اَيْ مَضٰى وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ ظَهَرَ إِنَّهَا اَيْ سَقَرَ لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ الْبَلَايَا الْعِظَامِ نَذِيرًا حَالٌ مِنْ اِحْدٰى وَذُكِّرَ لِاَنَّهَا بِمَعْنَى الْعَذَابِ لِلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ بَدَلٌ مِنَ الْبَشَرِ أَنْ يَتَقَدَّمَ اِلَى الْخَيْرِ وَالْجَنَّةِ بِالْاِيْمَانِ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾ اِلَى الشَّرِّ اَوِ النَّارِ بِالْكُفْرِ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ مَرْهُوْنَةٌ مَاخُوْذَةٌ بِعَمَلِهَا فِي النَّارِ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ فَنَاجُوْنَ مِنْهَا كَائِنُوْنَ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ بَيْنَهُمْ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ وَحَالِهِمْ وَيَقُوْلُوْنَ لَهُمْ بَعْدَ اِخْرَاجِ الْمُوَحِّدِيْنَ مِنَ النَّارِ مَا سَلَكَكُمْ اَدْخَلَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ فِي الْبَاطِلِ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٤٦﴾ اَلْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ حَتّٰى أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿٤٧﴾ اَلْمَوْتُ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿٤٨﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالْاَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَالْمَعْنٰى لَا شَفَاعَةَ لَهُمْ فَمَا مُبْتَدَأٌ لَهُمْ خَبَرُهُ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ وَانْتَقَلَ ضَمِيْرُهُ اِلَيْهِ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ حَالٌ مِنَ الضَّمِيْرِ وَالْمَعْنٰى اَيُّ شَيْءٍ حَصَلَ لَهُمْ فِي اِعْرَاضِهِمْ عَنِ الْاِتِّعَاظِ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ وَحْشِيَّةٌ

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ اَسَدٍ ای هَرَبَتْ مِنْهُ اَشَدَّ الْهَرْبِ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ ای مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى بِاِتِّبَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهٗ كَلَّا رَدْعٌ عَمَّا اَرَادُوْهُ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ ای عَذَابَهَا كَلَّآ اِسْتِفْتَاحٌ اِنَّهٗ ای الْقُرْاٰنَ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ عِظَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ قَرَأَهٗ فَاتَّعَظَ بِهٖ وَمَا يَذْكُرُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى بِاَنْ يُّتَّقٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ بِاَنْ يَّغْفِرَ لِمَنِ اتَّقَاهُ.

ترجمہ: ہرگز نہیں! قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ جانے لگے (کلا) استفتاح کیلئے بمعنی اَلَا ہے (اِذَا) ذال کے فتح کے ساتھ (دَبَرَ) بمعنی جاءَ بعد النهار اور ایک قراءت میں اِذْ اَدْبَرَ ذال کے سکون کے ساتھ، اس کے بعد ہمزہ، بمعنی مضی یعنی گیا، اور قسم ہے صبح کی جب کہ روشن ہو جائے کہ یقیناً جہنم بڑی بھاری چیزوں میں سے ایک ہے یعنی بڑی مصیبتوں میں سے ایک ہے، بنی آدم کو ڈرانے والی ہے (نَذِيْرًا) اِحْدٰى سے حال ہے (نَذِيْرًا) کو مذکر لایا گیا ہے اس لئے کہ (سَقَر) عذاب کے معنی میں ہے، ہر اس شخص کے لئے جو تم میں سے ایمان کے ذریعہ خیر یا جنت کی طرف آگے بڑھے یا (لِمَنْ شَاءَ) البَشَر سے بدل ہے، (اس شخص کے لئے بھی) کہ وہ نار کی طرف کفر کے ذریعہ پیچھے ہٹے ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) کی وجہ سے دوزخ میں مرہون و ماخوذ ہے، مگر دائیں ہاتھ والے اور وہ مومنین ہیں کہ وہ جہنم سے نجات پانے والے ہیں کہ وہ جنتوں میں ہوں گے اور آپس میں مجرموں کے اور ان کے حال کے بارے میں پوچھتے ہوں گے اور موحدین، دوزخ سے نکلنے کے بعد مجرمین سے سوال کریں گے کہ تم کو دوزخ میں کس چیز نے داخل کر دیا؟ وہ جواب دیں گے، نہ تو ہم نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور ہم بھی (باطل) کے مشغلوں میں رہنے والوں کے ساتھ باطل کے مشغلہ میں رہا کرتے تھے، اور ہم یوم بعث اور روز جزاء کو جھٹلایا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی حتی کہ ان کو شفاعت کرنے والوں یعنی فرشتوں اور نبیوں اور صالحین کی شفاعت کچھ نفع نہ دے گی مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے شفاعت نہ ہوگی، تو انہیں کیا ہوا؟ مَا مبتداء ہے اور لَهُمْ اس کی خبر ہے، محذوف (حَصَلَ) کے متعلق ہے، جس کی طرف خبر کی ضمیر راجع ہے کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں، مُعْرِضِيْنَ (لَهُمْ) کی ضمیر سے حال ہے، مطلب یہ ہے کہ نصیحت سے اعراض کرنے سے ان کو کیا حاصل ہوا؟ گویا کہ وہ وحشی گدھے ہیں جو شیر سے تیزی کے ساتھ بھاگے جا رہے ہیں بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے اتباع نبی کے سلسلہ میں اللہ کی طرف سے کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم ہرگز آپ ﷺ پر ایمان نہ لائیں گے، تا آں کہ ہم پر کتاب نازل نہ کی جائے جس کو ہم پڑھیں ایسا ہرگز نہیں، كَلَّا حرف ردع ہے اس چیز کا انکار کرنے کے لئے جس کا انہوں نے ارادہ کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت یعنی اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے، ہرگز نہیں! كَلَّا برائے استفتاح ہے، یہ قرآن ہی نصیحت ہے اب جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے کہ اس کو پڑھے اور اس سے نصیحت حاصل کرے اور یہ لوگ

خدا کی مشیت کے بغیر نصیحت حاصل نہیں کر سکتے وہ اسی لائق ہے کہ اس سے ڈریں اور وہ اس لائق ہے کہ بخشے یعنی جو اس سے ڈرے اسے معاف کرے۔

تَحقیق وتَرکیب وتَسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہُ: کَلَّا اِستفتاحٌ بمعنی اَلَا، کَلَّا حرفِ رَدَع ہے یہ اس شخص کیلئے زجروتوبیخ ہے جو سقر (دوزخ) کو بڑی مصیبتوں میں سے تسلیم نہ کرے، واؤ قسمیہ جارہ ہے اور القمر مجرور ہے دونوں اُقسِمُ محذوف کے متعلق ہیں اِنَّھا لَاِحْدی الکُبَر مقسم علیہ ہے اور کُبَر، کُبْری کی جمع ہے، (اعراب القرآن للدرویش) درویش نے کہا ہے کہ علامہ جلال الدین محلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے جو یہ فرمایا ہے کہ کَلَّا استفتاح بمعنی اَلَا ہے، اس کا کوئی معنی نہیں ہے۔

قِوْلَہُ: اِذَا دَبَرَ اس میں دو قراءتیں ہیں ① اِذَادَبَرَ، ذال کے فتحہ کے ساتھ ② اِذْ اَدْبَرَ، ذال کے سکون کے ساتھ بعض نے کہا ہے کہ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، بعض نے کہا ہے دَبَرَ بمعنی جاءَ اور اَدْبَرَ بمعنی مضٰی، مفسر علام اسی طرف گئے ہیں۔

قِوْلَہُ: ذُکِّرَ لِاَنَّھَا بِمَعْنَی العَذَاب یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: سوال یہ ہے کہ اِحْدَی الکُبَر، ذوالحال مؤنث ہے اور نذیرًا حال مذکر ہے حالانکہ حال ذوالحال میں مطابقت ضروری ہے؟

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اِحْدَی الْکُبَر سے مراد عذاب ہے جو کہ مذکر ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قِوْلَہُ: کَائنون، کَائنون محذوف مان کر مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ فِی جَنّٰتٍ یَتَسَاءَ لُوْنَ، محذوف کے متعلق ہے اور وہ جملہ ہو کر ھُمْ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور مبتداء خبر سے مل کر جملہ مستانفہ ہے جو کہ سوال مقدر کا جواب ہے ماشانُھُمْ و حَالُھم سوال ہے اور ھم فی جَنّٰتٍ جواب ہے۔

قِوْلَہُ: عن المجرمین ای عن حال المجرمین مضاف محذوف ہے۔

قِوْلَہُ: والمعنی لا شفاعۃ لَھُمْ یہ بھی دراصل ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: سوال یہ ہے "فَمَا تَنْفَعُھُمْ شَفَاعَۃُ الشَّافِعِیْنَ" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لئے شفاعت کرنے والے تو ہوں گے مگر شفاعت ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے لئے شفاعت ہی نہ ہوگی؟

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نفی قید اور مقید دونوں پر داخل ہے یعنی نہ شفاعت ہوگی اور نہ شفاعت کا نفع۔

قِوْلَہُ: معرضین یہ لَھُمْ کی ضمیر سے حال ہے، اور مَالَھُمْ عن التذکرۃِ معرضین کا مطلب ہے اَیُّ شیءٍ حَصَلَ لَھُمْ فِیْ اِعْرَاضِھِمْ عَنِ الْاِتِّعَاظ؟ ان کو نصیحت سے اعراض کر کے کیا حاصل ہوا؟ مَا بمعنی مبتداء ہے لَھُمْ، حَصَلَ محذوف

کے متعلق ہوکر مبتداء کی خبر، اور حَصَلَ محذوف کی ضمیر مستتر، خبر یعنی جار مجرور لَهُمْ کی جانب راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: وَحْشِيَةٌ یہ مستنفرة کی تفسیر نہیں ہے بلکہ "حمارِ وحشی" ایک خاص قسم کے حمار کا نام ہے لہٰذا مناسب ہوتا اگر اسے حُمُرٌ کے بعد متصلاً، لاتے، اور حُمُرٌ وحشية مستنفرة فرماتے۔

تفسیر وتشریح

اِنَّها لَاِحْدَى الْكُبَر، ھَا ضمیر سقر کی طرف راجع ہے جس کا ذکر اوپر کی آیت میں آیا ہے، كُبَرْ، كُبْریٰ کی جمع ہے اور مصيبةٌ یا دَاهِيَةٌ کی صفت ہے۔

لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَأَخَّرَ، یہاں تَقَدَّم سے مراد تقدم الى الايمان والطاعة ہے اور تَأَخُّرْ سے مراد ایمان اور طاعۃ سے پیچھے ہٹنا ہے۔

رَهِيْنَةٌ، بمعنی مرهونة ہے یعنی ہر شخص اپنے اعمال کا گروی ہے، یعنی وہ عمل اگر نیک ہے تو اس کو عذاب سے چھڑا لے گا اور اگر برے ہیں تو ہلاک کرا دے گا۔ (بقیہ آیات کی تفسیر واضح ہے)۔

بحمد اللہ تمام

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ قیامہ مکی ہے، چالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ لَآ زَائِدَةٌ فِي الْمَوْضِعَيْنِ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ① وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ② اَلَّتِيْ تَلُوْمُ نَفْسَهَا وَاِنِ اجْتَهَدَتْ فِي الْاِحْسَانِ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ اي لَتُبْعَثُنَّ دَلَّ عَلَيْهِ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اي الْكَافِرُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ③ لِلْبَعْثِ وَالْاِحْيَاءِ بَلٰى قٰدِرِيْنَ مَعَ جَمْعِهَا عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ④ وَهُوَ الْاَصَابِعُ اي نُعِيْدُ عِظَامَهَا كَمَا كَانَتْ مَعَ صِغَرِهَا فَكَيْفَ بِالْكَبِيْرَةِ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اللَّامُ زَائِدَةٌ وَنَصْبُهٗ بِاَنْ مُقَدَّرَةٍ اي اَنْ يَّكْذِبَ اَمَامَهٗ ⑤ اي يَوْمَ الْقِيٰمَةِ دَلَّ عَلَيْهِ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ مَتٰى يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ⑥ سُؤَالَ اسْتِهْزَاءٍ وَتَكْذِيْبٍ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ⑦ بِكَسْرِ الرَّاءِ وَفَتْحِهَا دَهِشَ وَتَحَيَّرَ لَمَّا رَاٰى مِمَّا كَانَ يُكَذِّبُ بِهٖ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ⑧ اَظْلَمَ وَذَهَبَ ضَوْءُهٗ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ⑨ فَطَلَعَا مِنَ الْمَغْرِبِ اَوْ ذَهَبَ ضَوْءُهُمَا وَذٰلِكَ فِيْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ⑩ الْفِرَارُ كَلَّا رَدْعٌ عَنْ طَلَبِ الْفِرَارِ لَا وَزَرَ ⑪ لَا مَلْجَاَ يُتَحَصَّنُ بِهٖ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ⑫ مُسْتَقَرُّ الْخَلَائِقِ فَيُحَاسَبُوْنَ وَيُجَازَوْنَ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ⑬ بِاَوَّلِ عَمَلِهٖ وَاٰخِرِهٖ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ⑭ شَاهِدٌ تَنْطِقُ جَوَارِحُهٗ بِعَمَلِهٖ وَالْهَاءُ لِلْمُبَالَغَةِ فَلَا بُدَّ مِنْ جَزَائِهٖ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ⑮ جَمْعُ مَعْذِرَةٍ عَلٰى غَيْرِ قِيَاسٍ اي لَوْ جَاءَ بِكُلِّ مَعْذِرَةٍ مَا قُبِلَتْ مِنْهُ قَالَ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ بِالْقُرْاٰنِ قَبْلَ فَرَاغِ جِبْرَئِيْلَ مِنْهُ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ⑯ خَوْفَ اَنْ يَّنْفَلِتَ مِنْكَ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ فِيْ صَدْرِكَ وَقُرْاٰنَهٗ ⑰ قِرَاءَتَكَ اِيَّاهُ اي جَرَيَانَهٗ عَلٰى لِسَانِكَ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ عَلَيْكَ بِقِرَاءَةِ جِبْرَئِيْلَ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ⑱ اِسْتَمِعْ قِرَاءَتَهٗ فَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ ثُمَّ يَقْرَاُ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ⑲ بِالتَّفْهِيْمِ لَكَ وَالْمُنَاسَبَةُ بَيْنَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَمَا قَبْلَهَا اَنَّ تِلْكَ تَضَمَّنَتِ الْاِعْرَاضَ عَنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهٰذِهٖ تَضَمَّنَتِ الْمُبَادَرَةَ اِلَيْهَا بِحِفْظِهَا كَلَّا اِسْتِفْتَاحٌ بِمَعْنَى اَلَا

بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ الدُّنيا بالتاءِ والياءِ فِي الفِعلَيْنِ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٢١﴾ فلا تَعمَلُونَ لَهَا وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ اى فِي يَوم القِيامةِ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ حَسَنَةٌ مُضِيئَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ كَالِحَةٌ شَدِيدَةُ العُبُوسِ تَظُنُّ تُوقِنُ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾ دَاهِيَةٌ عَظِيمَةٌ تَكسِرُ فِقارَ الظَّهرِ كَلَّآ بِمَعنَى اَلَا اِذَا بَلَغَتِ النفسُ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ عِظامَ الحَلقِ وَقِيْلَ قالَ مَن حَولَهٗ مَنْ ٚ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ يَرقِيهِ لِيَشفِيَ وَّظَنَّ اَيقَنَ مَن بَلَغَت نَفسُهٗ ذٰلِكَ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ فِراقُ الدُّنيا وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ اى اِحدٰى سَاقَيهِ بِالاُخرٰى عِندَ المَوتِ اَوِالتَفَّت شِدَّةُ فِراقِ الدُّنيا بِشِدَّةِ اِقبالِ الاٰخِرَةِ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ﹰالْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ اَىِ السَّوقُ وَهٰذا يَدُلُّ عَلَى العَامِلِ فِي اِذَا المَعنٰى اِذَا بَلَغَتِ النَّفسُ الحُلقُومَ تُساقُ اِلٰى حُكمِ رَبِّهَا.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، (لَا اُقْسِمُ) میں لَا زائدہ ہے، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں بہت ملامت کرنے والے نفس کی کہ جو خود کو ملامت کرے، باوجودیکہ وہ نیکی کرنے میں جدوجہد کرتا ہے، اور جواب قسم محذوف ہے، یعنی تم کو ضرور زندہ کیا جائے گا، (اس حذف پر) اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ الخ دلالت کرتا ہے، کیا یہ کافر انسان یہ سمجھتا ہے کہ بعث اور حیات کے لئے ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کریں گے؟ کیوں نہیں! ہم ان کو ضرور جمع کریں گے ہم ان کے جمع کرنے پر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر بھی قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کردیں (بَنَانٌ) انگلیاں، یعنی ہم اس کی ہڈیوں کو چھوٹا ہونے کے باوجود اس حالت پر لوٹا دیں گے جس حالت پر وہ تھیں، تو بڑی ہڈیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ آنے والی قیامت کو جھٹلا دے، لام زائدہ ہے اور اس کا نصب اَنْ مقدرہ کی وجہ سے ہے، اس پر يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ القِيَامَةِ دلالت کرتا ہے، وہ استہزاء اور تکذیب کے طور پر، سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟ پس جب کہ نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی (چندھیا جائیں گی) بَرِقَ راء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے یعنی مدہوش و متحیر ہو جائیں گی جب کہ وہ ان چیزوں کو دیکھے گا جن کی وہ تکذیب کیا کرتا تھا، اور چاند بے نور ہو جائے گا (یعنی) تاریک ہو جائے گا، اور اس کی روشنی ختم ہو جائے گی، اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے بایں طور کہ دونوں مغرب سے طلوع ہوں گے، یا دونوں کی روشنی ختم ہو جائے گی، اور ایسا قیامت کے دن ہوگا، اس دن انسان کہے گا آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ ہرگز نہیں! یہ فرار کی تردید ہے، کوئی پناہ گاہ نہیں، یعنی ایسا کوئی ٹھکانہ نہیں کہ جس میں وہ پناہ لے سکے، آج تو تیرے پروردگار ہی کی طرف فرار گاہ ہے (یعنی) مخلوق کا ٹھکانہ ہے، لہٰذا ان کا حساب لیا جائے گا اور ان کو صلہ دیا جائے گا اس انسان کو اگلے پچھلے سب اعمال سے آگاہ کر دیا جائے گا یعنی اس کا اول عمل بھی اور آخر عمل بھی بتلا دیا جائے گا بلکہ انسان خود اپنے نفس پر شاہد ہوگا، اس کے اعضاء اس کے اعمال کی گواہی دیں گے، بَصِيْرَة (میں) ھا مبالغہ کے لئے ہے لہٰذا اس کی جزاء کا واقع ہونا ضروری ہے، اگرچہ کتنے ہی حیلے بہانے پیش کرے، مَعَاذِيْرَة، مَعْذِرَة کی جمع غیر قیاسی ہے، یعنی اگرچہ ہر قسم کے حیلے بہانے پیش کرے گا

مگر قبول نہیں کئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم اس کو ضرور آگاہ کردیں گے (اے نبی!) آپ ﷺ قرآن پڑھنے کے لئے جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس سے فارغ ہونے سے پہلے اپنی زبان کو قرآن کے فوت ہونے کے اندیشہ کے پیش نظر عجلت کرتے ہوئے حرکت نہ دیجئے، آپ ﷺ کے سینے میں اس کا جمع کرنا اور آپ ﷺ کو اس کا پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے یعنی اس کا آپ ﷺ کی زبان پر جاری کرنا (ہمارے ذمہ ہے) پس جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قراءت کے ذریعہ آپ ﷺ سنیں تو آپ ﷺ اس کی قراءت کو سماعت فرمائیں چنانچہ آپ ﷺ (اول) سنتے پھر اس کو پڑھتے، پھر آپ ﷺ کو سمجھانے کے لئے اس کا واضح کردینا ہمارے ذمہ ہے اس آیت اور سابقہ آیت کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ وہ آیت خدا کی آیتوں سے اعراض (کے مضمون) پر مشتمل ہے اور یہ آیت اللہ کے آیتوں کی حفاظت کی طرف سبقت (کے مضمون پر) مشتمل ہے (گویا کہ دونوں آیتوں میں علاقۂ تضاد ہے لہٰذا دونوں آیتیں بے ربط نہیں ہیں) ہرگز ایسا نہیں! کَلَّا بمعنی اَلَا استفتاح کے لئے ہے، بلکہ تم دنیا کو محبوب رکھتے ہو، دونوں فعلوں میں یاء اور تاء کے ساتھ، اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو، کہ اس کے لئے عمل نہیں کرتے، اس دن یعنی قیامت کے دن بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے، اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے یعنی آخرت میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہوں گے اور بہت سے چہرے اس روز بدرونق (اداس) بگڑے ہوئے ہوں گے یقین کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑنے والا معاملہ کیا جائے گا یعنی ایسی مصیبت نازل کی جائے گی کہ کمر کے منکوں کو توڑ کر رکھ دے گی، ہرگز ایسا نہیں! کلّا بمعنی اَلَا ہے، جب روح حلق کی ہڈیوں (ہنسلی) تک پہنچے گی اور کہا جائے گا اور کہنے والے وہ ہوں گے جو اس (مرنے والے) کے آس پاس ہوں گے، کیا کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ کہ اس پر جھاڑ پھونک کرے، تاکہ اس کو شفاء ہو جائے، اور جس شخص کی روح حلق میں پہنچے گی وہ یقین کرلے گا کہ یہ دنیا کو ترک کرنے کا وقت ہے اور موت کے وقت پنڈلیاں آپس میں لپٹ جائیں گی یا دنیا کو چھوڑنے کی تکلیف آخرت میں داخل ہونے کی تکلیف سے لپٹ جائے گی، آج تیرے پروردگار کی طرف چلنا ہے مَسَاق بمعنی سَوْق ہے اور یہ اِذَا میں عامل پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ ہیں، جب روح حلق میں پہنچے گی تو اس کو اس کے رب کے حکم کی طرف لے جایا جائے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: لَا اُقْسِمُ، لَا قسم پر زائدہ ہے، اور یہ کلام عرب میں نظم ونثر میں کثیر الوقوع ہے، قال امرؤ القیس۔

وَلَا وَاَبِیْکِ اِبْنَۃَ الْعَامِرِیّ لَا یَدَّعِی الْقَوْمُ اَنِّی اَفِر

اور کہا گیا ہے کہ لَا نافیہ ہے، مقصد دعویٰ خصم کو رد کرنا ہے، یہاں لا منکرین بعث پر رد کرنے کے لئے لایا گیا ہے، گویا کہ کہا ''لَیْسَ الامر کما زَعَمُوْا اُقْسِمُ الخ'' اور جیسا کہ کہا جاتا ''لا وَاللہ''۔

قولہ: اَلَّنْ نَجْمَعَ، اَنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے، ای اَنَّہٗ اور لَنْ اور اس کا مدخول اَنَّ کی خبر ہے، اَنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ ہو کر حَسِبَ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے، (اَلَّنْ) میں ہمزہ اور لام کے درمیان نون نہیں ہے، یہ رسم مصحف کے طور پر ہے۔

قولہ: قَادِرِیْنَ یہ فعل مقدر نَجْمَعُهَا کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

قولہ: بَرِقَ الْبَصَرُ، بَرِقَ میں دو قراءتیں ہیں، راء کے کسرہ کے ساتھ اور فتحہ کے ساتھ، کسرہ کی صورت میں مُتَحَیَّرْ اور خیرہ ہونے کے معنی ہیں اور فتحہ کی صورت میں دَهِشَ کے معنی ہیں، مفسر علام نے دونوں معنی کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

قولہ: یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یہ اِذَا کا جواب ہے۔

قولہ: بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ، بَلِ الانسان مبتداء ہے بَصِیْرَة خبر، یہاں انسان سے مراد جوارح (اعضاء) ہیں جو کہ جمع ہے لہٰذا مطابقت موجود ہے مفسر علام نے تَنْطِقُ جَوَارِحُهٗ کہہ کر اس جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دوسرا جواب: دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بَصِیْرَة میں تاء مبالغہ کی ہے نہ کہ تانیث کی؛ لہٰذا کوئی اعتراض ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قولہ: مَا قُبِلَتْ مِنْهُ مفسر علام نے اس عبارت کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ وَلَوْ اَلْقٰی میں لَوْ شرطیہ ہے اور مَا قُبِلَتْ اس کی جزاء مقدر ہے۔

قولہ: اَنَّہٗ، ای النَّازِلُ بِهٖ.

تفسیر و تشریح

لَا اُقْسِمُ، کلام کی ابتداء، "نہیں" سے کرنا خود بخود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے سے کوئی بات چل رہی تھی جس کی تردید میں یہ سورت نازل ہوئی ہے اور اگلے مضمون سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ وہ کیا بات تھی جس کی تردید مقصود ہے، اور وہ قیامت اور آخرت کی زندگی کے بارے میں تھی جس کا اہل مکہ انکار کر رہے تھے بلکہ ساتھ ہی ساتھ اس کا مذاق بھی اڑا رہے تھے۔

قرآن کریم نے نفس انسانی کی تین قسموں کا ذکر کیا ہے، ① ایک وہ نفس جو انسان کو برائیوں پر اکساتا ہے اس کا نام "نفسِ امارہ" ہے، ② وہ نفس جو غلط کام کرنے یا غلط سوچنے یا بری نیت رکھنے پر نادم ہوتا ہے اور خود کو اس پر ملامت کرتا ہے، اس کا نام "نفسِ لوامہ" ہے، اسی کو آج کل کی اصطلاح میں ضمیر کہتے ہیں، ③ وہ نفس جو صحیح راہ پر چلنے اور غلط راہ چھوڑنے پر اطمینان محسوس کرتا ہے اس کا نام "نفسِ مطمئنہ" ہے۔

حسن بصری رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے "نفسِ لوامہ" کی تفسیر "نفسِ مؤمنہ" سے کی ہے اور فرمایا واللہ مومن تو ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے نفس کو ملامت ہی کرتا رہتا ہے، سیئات پر ملامت تو ظاہر ہی ہے، حسنات اور نیک کاموں میں بھی وہ بہ مقابلہ شان حق سبحانہ

کے، کمی اور کوتاہی محسوس کرتا ہے کیونکہ حق عبادت پورا ادا کرنا تو کسی کے بس کی بات نہیں ہے اس لئے ادائے حق میں کوتاہی اس کے پیش نظر رہتی ہے اس پر وہ ملامت کرتا رہتا ہے۔

نفسِ امارہ، لوامہ، مطمئنہ:

حضرات صوفیائے کرام نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ نفس اپنی جبلت اور فطرت کے اعتبار سے (اَمّارة بالسُّوْء) ہوتا ہے مگر ایمان اور عمل صالح اور ریاضت ومجاہدہ سے یہ ''نفس لوّامہ'' بن جاتا ہے مگر برائی سے بالکلیہ اس کا انقطاع نہیں ہوتا، آگے عمل صالح میں ترقی اور قرب حق کے حصول میں کوشش کرتے کرتے جب اس کا یہ حال ہو جائے کہ شریعت اس کی طبیعت ثانیہ بن جائے اور خلافِ شرع کام سے طبعی نفرت بھی ہونے لگے تو اس نفس کا لقب ''مطمئنہ'' ہو جاتا ہے۔

یکا یک سلسلہ کلام کو موقوف کر کے آیت ۱۶ سے ۱۹ تک جملہ معترضہ کے طور پر آپ ﷺ سے فرمایا جاتا ہے کہ اس وحی کو یاد کرنے کے لئے آپ ﷺ اپنی زبان مبارک کو حرکت نہ دیجئے اس کو یاد کرانا اور پڑھوانا ہمارا کام ہے الخ، اس کے بعد آیت ۲۰ سے پھر وہی مضمون شروع ہو جاتا ہے جو شروع سے چلا آرہا ہے، یہ جملہ معترضہ اپنے موقع ومحل سے اور روایات کی رو سے بھی اس بنا پر دورانِ کلام میں وارد ہوا ہے کہ جس وقت حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سورۃ حضور ﷺ کو سنا رہے تھے اس وقت آپ ﷺ اس اندیشہ سے کہ کہیں بعد میں بھول نہ جاؤں اس کے الفاظ اپنی زبان مبارک سے دہراتے جا رہے تھے، بعد میں جب آپ ﷺ کو اچھی طرح مشق ہوگئی اور تحمل وحی کی عادت پڑ گئی تو اس قسم کی ہدایت دینے کی ضرورت نہیں رہی، لہٰذا وہ شبہ بھی ختم ہوگیا کہ آیت نمبر ۱۴ اور ۱۵ میں کوئی جوڑ اور ربط نہیں ہے جس کو مفسر علام نے علاقہ تضاد ثابت کر کے علاقہ ثابت کرنے کی بایں طور کوشش کی ہے کہ سابقہ آیات میں آیات سے اعراض کا ذکر تھا اور اِن آیات میں سبقت الی الآیات کا ذکر ہے، اور یہی علاقۂ تضاد ہے۔

يُنَبَّؤُا الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ، یہ ایک بڑا جامع فقرہ ہے، اس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں، ایک معنی اس کے یہ ہیں کہ آدمی کو اس روز یہ بھی بتا دیا جائے گا کہ اس نے اپنی دنیا کی زندگی میں مرنے سے پہلے کیا نیکی یا بدی کما کر اپنی آخرت کے لئے آگے بھیجی تھی؟ اور یہ حساب بھی اس کے آگے رکھ دیا جائے گا کہ اچھے یا برے اعمال کے کیا اثرات وہ اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آیا تھا جو اس کے بعد مدتہائے دراز تک آنے والی نسلوں میں چلتے رہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ اسے وہ سب کچھ بتا دیا جائے گا جو اسے کرنا چاہئے تھا مگر اس نے نہیں کیا اور جو کچھ نہ کرنا چاہئے تھا مگر اس نے کر ڈالا، تیسرے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ اس نے پہلے کیا اور جو کچھ بعد میں کیا اس کا پورا حساب تاریخ وار اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا، چوتھے معنی یہ ہیں کہ جو نیکی یا بدی اس نے کی وہ بھی اسے بتا دی جائے گی اور جن نیکی یا بدی کے کرنے سے وہ باز رہا اس سے بھی اسے آگاہ کر دیا جائے گا۔

بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ، انسان کا اعمال نامہ اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا مگر اس رکھنے کی غرض درحقیقت یہ

نہیں ہوگی کہ مجرم کو اس کا جرم بتایا جائے بلکہ ایسا کرنا تو اس وجہ سے ضروری ہوگا کہ انصاف کے تقاضے بر سرِ عدالت جرم کا ثبوت پیش کئے بغیر پورے نہیں ہوتے ورنہ ہر انسان خوب جانتا ہے کہ وہ خود کیا ہے؟ اپنے آپ کو جاننے کے لئے وہ اس کا محتاج نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا اسے بتائے کہ وہ خود کیا ہے؟ ایک جھوٹا دنیا بھر کو دھوکا دے سکتا ہے لیکن اسے خود کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے، ایک چور لاکھ حیلے بہانے اپنی چوری چھپانے کے لئے اختیار کر سکتا ہے مگر اس کے نفس سے تو یہ بات مخفی نہیں کہ وہ چور ہے، اس لئے آخرت کی عدالت میں پیش ہوتے وقت ہر کافر، ہر منافق، ہر فاسق، ہر فاجر اور ہر مجرم خود جانتا ہوگا کہ وہ کیا کر کے آیا ہے اور کس حیثیت میں آج اپنے خدا کے سامنے کھڑا ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ، یہاں سے لے کر آیت ۱۹ تک ایک جملہ معترضہ ہے جو سلسلۂ کلام کو توڑ کر نبی ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے جیسا کہ ماقبل میں ہم اس کی وضاحت کر آئے ہیں۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ، یہ ایک بڑی اہم آیت ہے جس سے چند ایسی اصولی باتیں ثابت ہوتی ہیں جنہیں اگر آدمی اچھی طرح سمجھ لے تو ان گمراہیوں سے بچ سکتا ہے جن میں پہلے بھی بعض لوگ مبتلا ہوتے رہے ہیں اور آج بھی مبتلا ہو رہے ہیں۔

اول اس سے صریح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صرف وہی وحی نازل نہیں ہوتی تھی جو قرآن میں درج ہے؛ بلکہ اس کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ سے آپ ﷺ کو ایسا علم دیا جاتا تھا جو قرآن میں درج نہیں ہے جس کو اصطلاح میں ''وحی غیر متلو'' کہا جاتا ہے اس لئے کہ قرآن کے احکام و فرامین اس کے اشارات اور اس کی مخصوص اصطلاحات کا جو مفہوم و مدعا حضور ﷺ کو سمجھایا جاتا تھا وہ اگر قرآن ہی میں درج ہوتا تو یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ اس کا مطلب سمجھا دینا یا اس کی تشریح کر دینا بھی ہمارے ذمہ ہے، کیونکہ وہ تو پھر قرآن ہی میں مل جاتا لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مطالب قرآن کی تفہیم و تشریح جو اللہ کی طرف سے کی جاتی تھی وہ بہر حال الفاظ قرآن کے ماسوا تھی یہ ''وحی خفی'' کا ایک اور ثبوت ہے جو ہمیں قرآن سے ملتا ہے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ، یہاں سے سلسلہ کلام پھر جڑ جاتا ہے جو جملہ معترضہ سے پہلے چلا آرہا تھا، ہرگز نہیں؛ کا یہ مطلب ہے کہ تمہارے انکار آخرت کی اصل یہ وجہ نہیں ہے کہ تم خالق کائنات کو قیامت برپا کرنے اور مرنے کے بعد زندہ کرنے سے عاجز سمجھتے ہو؛ بلکہ اصل وجہ یہ ہے اور یہ انکار آخرت کی دوسری وجہ ہے پہلی وجہ آیت ۵ میں بیان کی گئی تھی کہ انسان چوں کہ فجور اور بے راہ روی کی کھلی چھوٹ چاہتا ہے اور ان اخلاقی پابندیوں سے بچنا چاہتا ہے جو آخرت کے ماننے سے لازماً اس پر عائد ہوتی ہیں، اس لئے خواہشات نفس اسے انکار آخرت پر ابھارتی ہیں اور وہ عقلی دلیلیں بگھارتا ہے تاکہ اپنے اس انکار کو معقول ثابت کرے، اب دوسری وجہ یہ بیان کی جارہی ہے کہ منکرین آخرت چوں کہ تنگ نظر اور کوتاہ بین ہیں اس لئے ان کی نگاہ میں ساری اہمیت انہیں نتائج کی ہے جو اسی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان نتائج کو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا جو آخرت میں ظاہر ہونے والے ہیں۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ، ناضرة بمعنی تر و تازہ یعنی اس روز کچھ چہرے ہشاش بشاش اور تر و تازہ ہوں گے، یہ چہرے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے، اس سے ثابت ہوا کہ آخرت میں اہل جنت کو حق تعالیٰ کا دیدار بچشم سر نصیب ہوگا،

اس پر اہل سنت والجماعت وفقہاء کا اجماع ہے، صرف معتزلہ اور خوارج منکر ہیں اور ان کے انکار کی وجہ فلسفیانہ موشگافیاں اور شبہات ہیں کہ آنکھ سے دیکھنے کے لئے دیکھنے والے اور جس کو دیکھا جائے ان دونوں کے درمیان مسافت کے لئے جو شرائط ہیں، خالق اور مخلوق کے درمیان ان کا تحقق نہیں ہو سکتا۔ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ آخرت میں حق تعالیٰ کی رویت وزیارت ان سب شرائط سے بے نیاز ہوگی نہ کسی جہت سے اس کا تعلق اور نہ کسی سمت سے اس کو ربط اور نہ کسی ہیئت وصورت سے اس کو سروکار روایات حدیث سے یہ مضمون بڑی صراحت ووضاحت سے ثابت ہے، بخاری شریف کی روایت ہے "اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا"، تم اپنے رب کو کھلم کھلا دیکھو گے، مسلم وترمذی میں حضرت صہیب رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں مزید کچھ عطا کروں؟ وہ عرض کریں گے: کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیئے؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ اور کیا آپ نے ہمیں جہنم سے بچا نہیں لیا؟ اس پر اللہ تعالیٰ پردہ ہٹا دے گا اس وقت ان لوگوں کو جو کچھ انعامات ملے تھے ان میں سے کوئی بھی انہیں اس سے زیادہ محبوب نہ ہوگا کہ وہ اپنے رب کی دیدار سے مشرف ہوں، اور یہی وہ مزید انعام ہے جس کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا ہے "لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ"، بخاری ومسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت ابوسعید خدری رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور حضرت ابو ہریرہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے روز اپنے رب کو دیکھیں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں سورج اور چاند دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے جب کہ درمیان میں بادل بھی نہ ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح تم اپنے رب کو دیکھو گے۔ اسی مضمون سے ملتی جلتی اور کئی روایتیں ہیں جن سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں حق تعالیٰ کا دیدار ہوگا، لیکن دیدار کی کیفیت اللہ کو معلوم ہے۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ (الآية) اس آیت میں انسان کو متوجہ کیا گیا ہے کہ اپنی موت کو نہ بھولے، موت سے پہلے پہلے ایمان اور عمل صالح کی طرف آجائے، تاکہ آخرت میں نجات ملے اس آیت میں موت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ غفلت شعار انسان غفلت میں رہتا ہے یہاں تک کہ موت سر پر آ کھڑی ہو اور روح ترقوہ یعنی گلے کی ہنسلی میں آ پھنسے اور تیماردار لوگ دوا، علاج سے عاجز ہو کر جھاڑ پھونک کرنے والوں کو تلاش کرنے لگیں اور ایک پاؤں کی پنڈلی دوسری پر لپٹنے لگے تو یہ وقت اللہ کے پاس جانے کا ہے، اب نہ توبہ قبول ہوتی ہے اور نہ عمل، اس لئے عقلمند پر لازم ہے کہ اس وقت سے پہلے اصلاح کی فکر کرے۔

فَلَا صَدَّقَ الانسانُ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ اى لَمْ يُصَدِّقْ وَلَمْ يُصَلِّ وَلٰكِنْ كَذَّبَ بالقرآنِ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ عَنِ الايمانِ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ يَتَبَخْتَرُ فِي مِشْيَتِهٖ اِعْجَابًا اَوْلٰى لَكَ فِيهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ وَالْكَلِمَةُ اِسْمُ فِعْلٍ وَاللَّامُ لِلتَّبْيِيْنِ اى وَلِيَكَ مَا تَكْرَهُ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ اى فَهُوَ اَوْلٰى بِكَ مِنْ غَيْرِكَ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ تَاكِيْدٌ اَيَحْسَبُ يَظُنُّ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ هَمَلًا لَا يُكَلَّفُ بِالشَّرَائِعِ اى لَا يَحْسَبُ ذٰلِكَ

اَلْمَرِيْكُ اى كَانَ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ بالياءِ والتاءِ تُصَبُّ فِى الرَّحِمِ ثُمَّ كَانَ المَنِىُّ عَلَقَةً فَخَلَقَ اللّٰهُ مِنْهَا الْاِنْسَانَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ عَدَّلَ اَعْضَائَهُ فَجَعَلَ مِنْهُ مِنَ الْمَنِيِّ الَّذِى صَارَ عَلَقَةً اى قِطْعَةَ دَمٍ ثُمَّ مُضْغَةً اى قِطْعَةَ لَحْمٍ الزَّوْجَيْنِ النَّوعَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ يَجْتَمِعَانِ تَارَةً وَيَنْفَرِدُ كُلٌّ مِنْهُمَا عَنِ الاٰخَرِ تَارَةً اَلَيْسَ ذٰلِكَ الفَعَّالُ لِهٰذِهِ الاَشْيَاءِ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلٰى.

ع ۲ ۱۸

تَرجَمہ: انسان نے نہ تو تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی؛ لیکن اس نے قرآن کی تکذیب کی اور ایمان سے روگردانی کی (خود پسندی) سے اِتراتا ہوا اپنے گھر والوں کے پاس گیا؛ افسوس ہے تجھ پر اس میں غیبت سے (حاضر کی طرف) التفات ہے، اور (ویلٌ) کلمہ اسم فعل ہے اور لام تبیین کے لئے ہے یعنی جس چیز کو تو ناپسند کرتا ہے، تجھ کو پیش آنے والی ہے حسرت ہے تجھ پر، پس وہ اولی ہے تیرے لئے یعنی وہ تیرے لئے دوسروں کے اعتبار سے بہتر ہے، پھر وائے ہے تیرے لئے اور خرابی ہے تاکید ہے کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو بے کار چھوڑ دیا جائے گا؟ کہ اس کو (احکام) وشرائع کا مکلّف نہ بنایا جائے گا، کیا وہ منی کا نطفہ نہیں تھا جو ٹپکایا گیا تھا؟ یاء اور تاء کے ساتھ (یعنی) رحم میں ٹپکایا گیا ہے پھر وہ منی کا قطرہ خون کا لوتھڑا ہو گیا؟ بعد ازاں اللہ نے اس سے انسان پیدا فرمایا پھر اس کے اعضاء کو درست کیا پھر اس نطفۂ منی سے جو علقہ یعنی خون کا لوتھڑا ہو گیا تھا مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا ہو گیا مذکر ومؤنث کا جوڑا بنایا؟ کبھی لڑکا لڑکی جمع ہو جاتے ہیں کبھی دونوں الگ الگ ہوتے ہیں، کیا ان چیزوں کا کرنے والا اس بات پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! کیوں نہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: والـلام للتبيين، اَوْلٰى لَكَ میں لام مفعول کی وضاحت کے لئے زائدہ ہے جو مفعول پر داخل ہے جیسا کہ سقیًا لك وردف لكم میں ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلِيَكَ مَا تكرَهُ یہ معنی فعل کا بیان ہے یعنی جس کو تو ناپسند کرتا ہے وہ تجھ کو پیش آئے گا۔

قَوْلُہٗ: يُمْنٰى، باليـاء والتاء، اگر یاء کیساتھ ہے تو مرجع منی ہوگا اور اگر تاء کے ساتھ ہو تو مرجع نطفہ ہوگا۔

تفسیر وتشریح

اَوْلٰى لَكَ فَـاَوْلٰى الخ لفظ اَوْلٰى، وَيْلٌ کا مقلوب ہے "وَیل" کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں، یہاں اس شخص کیلئے جس نے کفر وتکذیب ہی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور دنیا کے مال ودولت میں مست رہا ہے، پھر اسی حالت پر مر گیا

اس کیلئے چار مرتبہ لفظ ہلاکت و بربادی استعمال کیا گیا ہے سب علی الترتیب ثابت ہوں گے، مرنے کے وقت، پھر قبر میں، پھر حشر میں، پھر جہنم میں۔

اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ الخ یعنی کیا وہ ذات حق جس کے قبضے میں موت وحیات اور سارا جہاں ہے اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کردے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ قیامہ کی اس آیت کی تلاوت کرے تو اس کو یہ کلمات کہنا چاہئیں ''بَلٰی و أنا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ''۔

بعض مفسرین نے فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی الخ کا یہ ترجمہ کیا ہے، مگر اس نے نہ سچ مانا اور نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور پلٹ گیا پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چل دیا، یہ روش تیرے ہی لئے سزاوار ہے اور تجھی کو زیب دیتی ہے، ہاں یہ روش تیرے ہی لئے سزاوار ہے اور تجھے ہی زیب دیتی ہے۔

مفسرین نے اولٰی لَكَ، کے متعدد معنی بیان کئے ہیں: تف ہے تجھ پر، ہلاکت ہے تجھ پر، خرابی یا تباہی یا کمبختی ہے تیرے لئے، لیکن موقع ومحل کے لحاظ سے اس کا مناسب ترین مفہوم وہ ہے جو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جب تو اپنے خالق سے کفر کرنے کی جرأت کر چکا ہے تو پھر تجھ جیسے آدمی کو یہی چال زیب دیتی ہے جو تو چل رہا ہے۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الدَّهرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِحْدَى وَثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْاِنْسَانِ مَكِّيَّةٌ اِحْدٰى وَثَلٰثُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ انسان مکی ہے، اکتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ هَلْ قَدْ **اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ** اٰدَمَ **حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ** اَرْبَعُوْنَ سَنَةً **لَمْ يَكُنْ** فِيْهِ **شَيْئًا مَّذْكُوْرًا** ① كَانَ فِيْهِ مُصَوَّرًا مِنْ طِيْنٍ لَا يُذْكَرُ اَوِ الْمُرَادُ بِالْاِنْسَانِ الْجِنْسُ وَبِالْحِيْنِ مُدَّةُ الْحَمْلِ **اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ** الْجِنْسَ **مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ** اَخْلَاطٍ اَيْ مِنْ مَّاءِ الرَّجُلِ وَمَاءِ الْمَرْاَةِ الْمُخْتَلِطَيْنِ الْمُمْتَزِجَيْنِ **نَّبْتَلِيْهِ** نَخْتَبِرُهٗ بِالتَّكْلِيْفِ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ اَوْ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَيْ مُرِيْدِيْنَ ابْتِلَاءَهٗ حِيْنَ تَاَهَّلَهٗ **فَجَعَلْنٰهُ** بِسَبَبِ ذٰلِكَ **سَمِيْعًا بَصِيْرًا** ② **اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ** بَيَّنَّا لَهٗ طَرِيْقَ الْهُدٰى بِبَعْثِ الرُّسُلِ **اِمَّا شَاكِرًا** اَيْ مُؤْمِنًا **وَّاِمَّا كَفُوْرًا** ③ حَالَانِ مِنَ الْمَفْعُوْلِ اَيْ بَيَّنَّا لَهٗ فِيْ حَالِ شُكْرِهٖ اَوْ كُفْرِهِ الْمُقَدَّرَةِ وَاِمَّا لِتَفْصِيْلِ الْاَحْوَالِ **اِنَّا اَعْتَدْنَا** هَيَّأْنَا **لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا** يُسْحَبُوْنَ بِهَا فِي النَّارِ **وَاَغْلٰلًا** فِيْ اَعْنَاقِهِمْ تُشَدُّ فِيْهَا السَّلَاسِلُ **وَّسَعِيْرًا** ④ نَارًا مُسَعَّرَةً اَيْ مُهَيَّجَةً يُعَذَّبُوْنَ بِهَا **اِنَّ الْاَبْرَارَ** جَمْعُ بَرٍّ اَوْ بَارٍّ وَهُمُ الْمُطِيْعُوْنَ **يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ** هُوَ اِنَاءُ شُرْبِ الْخَمْرِ وَهِيَ فِيْهِ وَالْمُرَادُ مِنْ خَمْرٍ تَسْمِيَةً لِلْحَالِّ بِاسْمِ الْمَحَلِّ وَمِنْ لِلتَّبْعِيْضِ **كَانَ مِزَاجُهَا** مَا يُمْزَجُ بِهٖ **كَافُوْرًا** ⑤ **عَيْنًا** بَدَلٌ مِنْ كَافُوْرًا فِيْهَا رَائِحَتُهٗ **يَّشْرَبُ بِهَا** مِنْهَا **عِبَادُ اللّٰهِ** اَوْلِيَاؤُهٗ **يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا** ⑥ يَقُوْدُوْنَهَا حَيْثُ شَاءُوْا مِنْ مَّنَازِلِهِمْ **يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ** فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ **وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا** ⑦ مُنْتَشِرًا **وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ** اَيِ الطَّعَامِ وَشَهْوَتِهِمْ لَهٗ **مِسْكِيْنًا** فَقِيْرًا **وَّيَتِيْمًا** لَا اَبَ لَهٗ **وَّاَسِيْرًا** ⑧ يَعْنِي الْمَحْبُوْسَ بِحَقٍّ **اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ** لِطَلَبِ ثَوَابِهٖ **لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا** ⑨ شُكْرًا فِيْهِ عَلَى الْاِطْعَامِ وَهَلْ تَكَلَّمُوْا بِذٰلِكَ اَوْ عَلِمَهُ اللّٰهُ مِنْهُمْ فَاَثْنٰى عَلَيْهِمْ بِهٖ قَوْلَانِ **اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا** تُكْلَحُ الْوُجُوْهُ فِيْهِ اَيْ كَرِيْهَ الْمَنْظَرِ لِشِدَّتِهٖ **قَمْطَرِيْرًا** ⑩ شَدِيْدًا فِيْ ذٰلِكَ **فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ** اَعْطَاهُمْ **نَضْرَةً** حُسْنًا وَاِضَاءَةً فِيْ وُجُوْهِهِمْ **وَّسُرُوْرًا** ⑪

وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا بِصَبْرِهِمْ عَنِ الْمَعْصِيَةِ جَنَّةً اُدْخِلُوْهَا وَّحَرِيْرًا ﴿١٢﴾ اُلْبِسُوْهُ مُّتَّكِئِيْنَ حَالٌ مِنْ مَرْفُوْعِ اُدْخُلُوْهَا الْمُقَدَّرَةِ وَكَذَا لَا يَرَوْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ السُّرُرِ فِى الْحِجَالِ لَا يَرَوْنَ يَجِدُوْنَ حَالٌ ثَانِيَةٌ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿١٣﴾ اى لَا حَرًّا وَلَا بَرْدًا وَقِيْلَ الزَّمْهَرِيْرُ الْقَمَرُ فَهِىَ مُضِيْئَةٌ مِنْ غَيْرِ شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ وَدَانِيَةً قَرِيْبَةً عَطْفٌ عَلَى مَحَلِّ لَا يَرَوْنَ اى غَيْرَ رَائِيْنَ عَلَيْهِمْ مِنْهُمْ ظِلٰلُهَا شَجَرُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿١٤﴾ اُدْنِيَتْ ثِمَارُهَا فَيَنَالُهَا الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ اَقْدَاحٍ بِلَا عُرًى كَانَتْ قَوَارِيْرَا ﴿١٥﴾ قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ اى اَنَّهَا مِنْ فِضَّةٍ يُرٰى بَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرٍ كَالزُّجَاجِ قَدَّرُوْهَا اى الطَّائِفُوْنَ تَقْدِيْرًا ﴿١٦﴾ عَلَى قَدْرِ رَىِّ الشَّارِبِيْنَ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ وَلَا نَقْصٍ وَذٰلِكَ اَلَذُّ الشَّرَابِ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا اى خَمْرًا كَانَ مِزَاجُهَا مَا تُمْزَجُ بِهٖ زَنْجَبِيْلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا بَدَلٌ مِنْ زَنْجَبِيْلًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿١٨﴾ يَعْنِى اَنَّ مَاءَهَا كَالزَّنْجَبِيْلِ الَّذِىْ تَسْتَلِذُّ بِهِ الْعَرَبُ سَهْلُ الْمَسَاغِ فِى الْحَلْقِ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ بِصِفَةِ الْوِلْدَانِ لَا يَشِيْبُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لِحُسْنِهِمْ وَانْتِشَارِهِمْ فِى الْخِدْمَةِ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿١٩﴾ مِنْ سِلْكِهٖ اَوْ مِنْ صَدَفِهٖ وَهُوَ اَحْسَنُ مِنْهُ فِى غَيْرِ ذٰلِكَ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ اى وُجِدَتِ الرُّؤْيَةُ مِنْكَ فِى الْجَنَّةِ رَاَيْتَ جَوَابُ اِذَا نَعِيْمًا لَا يُوْصَفُ وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿٢٠﴾ وَاسِعًا لَا غَايَةَ لَهٗ عٰلِيَهُمْ فَوْقَهُمْ فَنَصْبُهٗ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ وَهُوَ خَبَرُ الْمُبْتَدَاِ بَعْدَهٗ وَفِى قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الْيَاءِ مُبْتَدَاٌ وَمَا بَعْدَهٗ خَبَرُهٗ وَالضَّمِيْرُ الْمُتَّصِلُ بِهٖ لِلْمَطُوْفِ عَلَيْهِمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ حَرِيْرٍ خُضْرٌ بِالرَّفْعِ وَّاِسْتَبْرَقٌ بِالْجَرِّ مَا غَلُظَ مِنَ الدِّيْبَاجِ وَهُوَ الْبَطَائِنُ وَالسُّنْدُسُ الظَّهَائِرُ وَفِى قِرَاءَةٍ عَكْسُ مَا ذُكِرَ فِيْهِمَا وَفِى اُخْرٰى بِرَفْعِهِمَا وَفِى اُخْرٰى بِجَرِّهِمَا وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَفِى مَوْضِعٍ اٰخَرَ مِنْ ذَهَبٍ لِلْاِيْذَانِ بِاَنَّهُمْ يُحَلَّوْنَ مِنَ النَّوْعَيْنِ مَعًا وَمُفَرَّقًا وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿٢١﴾ مُبَالَغَةٌ فِى طَهَارَتِهٖ وَنَظَافَتِهٖ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا اِنَّ هٰذَا النَّعِيْمَ كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿٢٢﴾

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، بے شک انسان (یعنی) آدم پر، زمانہ میں ایسا وقت (یعنی) چالیس سال بھی گذرا ہے کہ وہ اس میں کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا (بلکہ) وہ اس زمانہ میں ایک نا قابل ذکر مٹی کا پتلا تھا، یا انسان سے جنس انسان مراد ہے، اور حین سے مدت حمل مراد ہے، بے شک ہم نے انسان کو مرد اور عورت (یعنی) حال یہ کہ ہم اس کو اہل بنا کر آزمانے والے تھے، اسی لئے ہم نے اس کو شنوا اور بینا بنایا، ہم نے اس کو راہ دکھائی (یعنی) رسول بھیج کر اس کے لئے راہ ہدایت واضح فرمائی، اب خواہ وہ شکر گذار مومن بنے، یا ناشکرا دونوں مفعول سے حال ہیں یعنی اس کی حالت شکر یا حالت کفر میں جو اس کے لئے مقدر ہے (یعنی) راستہ واضح کر دیا، اور اِمّا حالات کی تفصیل کے لئے ہے، بے

شک ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں جن کے ذریعہ ان کو آگ میں گھسیٹا جائے گا اور طوق ان کی گردن میں کہ جن میں زنجیروں کو باندھا جائے گا اور دہکتی ہوئی آگ جس میں ان کو عذاب دیا جائے گا تیار کر رکھی ہے، بے شک نیک لوگ ایسا جام شراب پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی کاسٌ شراب کے اس پیالے کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو اور کاس سے مراد جام کی شراب ہے، یعنی محل بول کر حال مراد ہے اور مِنْ تبعیضیہ ہے، (کافور) ایک چشمہ ہے کہ جس سے اللہ کے نیک بندے اس کے ولی پئیں گے عَیْنًا، کافور سے بدل ہے، وہ چشمہ کہ جس میں کافور کی خوشبو ہوگی اور اپنے گھروں میں جہاں چاہیں گے اس سے نہریں نکال کر لے جائیں گے اور خدا کی طاعت میں جو نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے اور مسکین کو یعنی فقیر اور یتیم کو جس کا باپ نہ ہو اور قیدیوں کو جو (اس پر) کسی کے حق میں محبوس ہو اس کھانے کی خواہش کے باوجود کھلاتے ہیں (حال یہ کہ وہ کہتے ہیں) ہم تو تمہیں خدا کی رضامندی یعنی طلب ثواب کے لئے کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے کوئی صلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گذاری، اس میں کھانا کھلانے کی علت کا بیان ہے، خواہ انہوں نے یہ بات کہی ہو یا خدا کو ان کے بارے میں اس بات کا علم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہو، دونوں قول ہیں، بے شک ہم اپنے پروردگار سے اداسی کے دن سے جس میں چہرے بگڑ جائیں گے ڈرتے ہیں یعنی اس دن کی نہایت شدت کی وجہ سے کریہہ المنظر ہو جائیں گے، پس انہیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برائی سے بچالیا اور انہیں تازگی (یعنی) حسن اور چہرے کی رونق اور خوشی عطا فرمائی اور ان کے معصیت سے باز رہنے پر صبر کرنے کے بدلے انہیں جنت میں داخلہ اور ریشم کا لباس عطا فرمایا، یہ لوگ وہاں مسہریوں پر خیموں میں تکیہ لگائے بیٹھیں گے (متکئین) ادخلوھا مقدر کی ضمیر مرفوع سے حال ہے نہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں گے اور نہ جاڑے کی سردی، یعنی نہ گرمی اور نہ سردی ہوگی، (لَایَرَوْنَ) لَایَجِدُوْنَ کے معنی میں حال ثانیہ ہے، کہا گیا ہے کہ زمہریر سے مراد قمر ہے (جنت) بغیر شمس وقمر کے (نور عرش سے منور ہوگی) اور ان پر جنت کے درختوں کے سایہ جھکے ہوئے ہوں گے، (دانیة) کا عطف لَایَرَوْنَ کے محل پر ہے ای لَایَرَوْنَ غَیْرَ رَائِیْنَ کے معنی ہیں، اور ان درختوں کے پھلوں کے گچھے نیچے لٹکائے گئے ہوں گے، یعنی ان درختوں کے پھل قریب کر دیئے گئے ہوں گے، کہ ان کو کھڑے کھڑے اور بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے حاصل کرلیں، اور جنت میں ان پر چاندی کے برتنوں اور ایسے جاموں کا دور چلایا جائے گا، کہ جو شیشے کے ہوں گے (اکواب) ایسے جام کہ جن میں ٹونٹی نہ ہو اور شیشے بھی چاندی کے یعنی وہ جام ایسی چاندی کے ہوں گے کہ جن کا اندر باہر سے نظر آئے گا، کانچ کے مانند اور دور چلانے والے ان جاموں کو ایک انداز سے پینے والوں کے پیاس سے مطابق بغیر زیادتی اور کمی کے بھریں گے اور یہ (طریقہ) لذیذ ترین طریقہ ہے اور انہیں وہاں ایسے جام شراب پلائے جائیں گے کہ جن کی آمیزش زنجبیل (سونٹھ) کی ہوگی یعنی ان میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی، جنت کے ایک چشمے سے کہ جس کا نام سلسبیل ہے، عَیْنًا، زنجبیل سے بدل ہے یعنی اس کا پانی زنجبیل کی مانند ہوگا جس سے عرب لذت حاصل کرتے ہیں جس کا حلق سے اترنا سہل ہوگا، اور ان کے پاس ایسے نوخیز لڑکے آمد و رفت رکھیں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، یعنی نوجوانی کی

صفت سے ہمیشہ متصف رہیں گے کبھی بوڑھے نہ ہوں گے، اور جب تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ وہ لڑی یا صدف سے بکھرے ہوئے موتی ہیں اور لڑی میں یا صدف میں حسین ترین معلوم ہونے کی وجہ سے، اور تو وہاں جہاں کہیں نظر ڈالے گا یعنی جب بھی تیری طرف سے رویت پائی جائے گی تو تو نعمت ہی نعمت کہ ان کی صفت بیان نہیں ہو سکتی اور بڑا ملک دیکھے گا ایسا وسیع کہ اس کی کوئی انتہا نہ ہوگی وہ سبز ریشم کے موٹے اور باریک کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے (عَالِيَهُمْ) ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے، اور اس کا مابعد مبتداء کی خبر ہے، اور ایک قراءت میں یاء کے سکون کے ساتھ مبتداء ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے، اور (عَالِيَهُمْ) کی ضمیر متصل معطوف علیہ (یعنی) جنتیوں کی طرف راجع ہے، خُضْر رفع کے اور استبرقٍ جر کے ساتھ، ریشم کے موٹے کپڑے کو کہتے ہیں اور وہ استر ہوگا، اور سُنْدُسٌ ابرا (اوپر کا کپڑا) اور ایک قراءت میں مذکورہ قراءت کا عکس ہے اور ایک تیسری قراءت میں دونوں کا رفع ہے اور ایک اور قراءت میں دونوں کا جر ہے، اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ایک دوسری جگہ ہے کہ ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو دونوں قسم کے زیور ایک ساتھ یا متفرق طریقہ پر پہنائے جائیں گے، اور انہیں ان کا رب پاک صاف شراب پلائے گا وہ شراب اپنی طہارت اور نظافت میں انتہا درجہ پہنچی ہوگی بخلاف دنیا کی شرابوں کے (ان سے کہا جائے گا) یہ نعمتیں تمہارے لئے بطور صلہ کے ہیں اور تمہاری کوشش کی قدر کی گئی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: هَلْ قَدْ اس میں اشارہ ہے کہ هَلْ بمعنی قَدْ ہے اس لئے کہ استفہام کے معنی اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہیں، یا پھر استفہام تقریری ہو سکتا ہے۔

قولہ: على الانسان، آدم یہاں انسان کی تفسیر آدم سے کی ہے اور آئندہ انسان کی تفسیر جنس آدم سے کی ہے، حالانکہ قاعدہ ہے اِذَا أُعِيدَت المعرفة كانت عين الاولى جب معرفہ کا اعادہ کیا جائے تو عین اولیٰ مراد ہوتا ہے اس کا مقتضی ہے کہ دونوں جگہ انسان کی تفسیر آدم سے ہو۔

جواب: یہ قاعدہ اکثر یہ ہے کلیہ نہیں۔

دوسرا جواب: خلقنا الانسان میں مضاف محذوف ہے ای خَلَقْنَا ذُرِّيَةَ الْإِنْسَانِ.

قولہ: نَبْتَلِيْهِ جملہ مستانفہ ہے یا خلقنا کی ضمیر فاعل سے حال مقدرہ ہے ای خَلَقْنَاهُ حال كونه مريدين اِبتلاءَ اس لئے کہ ابتلا بالتکالیف سمیع و بصیر ہونے کے بعد ہی ہوتی ہے نہ کہ اس سے پہلے۔

قولہ: اِنَّا هَدَيْنَاهُ یہاں ہدایت سے مراد دلالت اور رہنمائی ہے مفسر علام نے بَيَّنَّا کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ: كَأسٍ "جامِ شراب" یہاں كأس بول کر مجازاً شراب مراد ہے یعنی ظرف بول کر مظروف مراد ہے، اور اگر كأس سے ظرف ہی مراد لیا جائے تو مِنْ کو ابتدائیہ ماننا ہوگا یعنی شراب پینے کی ابتداء جام شراب سے ہوگی، ظرف بول کر مظروف مراد

لینے سے تکلف کی وجہ یہ ہے کہ کَانَ مِزَاجُهَا کافورًا جملہ ہوکر کأسٍ کی صفت واقع ہورہی ہے ترجمہ یہ ہوگا، جنتی ایسے جام سے پئیں گے کہ جس میں کافور کی آمیزش ہوگی حالانکہ جام میں کافور کی آمیزش کا کوئی مطلب نہیں ہے؛ البتہ شراب میں آمیزش ہوسکتی ہے اسی شبہ کو دفع کرنے کے لئے کہہ دیا کأس سے مافی الکأس مراد ہے۔

قِوْلَہٗ: يَشْرَبُ بِهَا، باء میں چند وجوہ ہیں، ① باء زائدہ ای یشربها اس وقت یشرب متعدی بنفسہ ہوگا، ② بمعنی مِنْ مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں، ③ باء حالیہ، ای ممزوجة بها ④ یشربون یلتذون کے معنی کو متضمن ہو، ای یلتذون بِهَا شاربین.

قِوْلَہٗ: المحبوس بحق اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر کسی کا حق واجب ہے مثلاً قرض وغیرہ جس کو یہ ادا نہیں کرسکتا، قرض خواہ نے اپنے حق کے عوض اس کو قید کرا دیا، اس لئے کہ قرض خواہ کو یہ حق ہے کہ مقروض کو عدم ادائیگی کی صورت میں قید کرادے اور اگر کوئی شخص باطل اور غلط طریقہ پر محبوس ہے تو اس کو کھانا کھلانا بطریق اولیٰ کار ثواب ہوگا۔

قِوْلَہٗ: اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ الخ، قائلین اس سے پہلے محذوف ہے۔

قِوْلَہٗ: شُكُوْرًا، شكرًا کے معنی میں ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے شکورًا لایا گیا ہے، ایک نسخہ میں فیه علة الاِطْعام ہے، اس کا مطلب ہے کہ انّما نُطْعِمُكم لوجه اللّٰه یہ اطعام کی علت ہے، اور بعض نسخوں میں علة کے بجائے عَلٰی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تم کو لوجہ اللہ کھانا کھلاتے ہیں اس کھلانے پر ہم شکریہ کے طالب نہیں ہیں، مگر اس صورت میں فیهِ کی ضرورت نہیں ہے۔

قِوْلَہٗ: وَهَلْ تَكَلَّمُوْا بِذٰلِكَ اَوْ عَلِمَهُ اللّٰهُ مِنْهُمْ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مذکورہ جملہ میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ یہ مقولہ کھانا کھلانے والوں کا ہو اور انہوں نے زبان مقال سے یہ بات کہی ہو، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مقولہ اللہ تعالیٰ کا ہو، اور اللہ تعالیٰ کو چونکہ ہر شخص کی نیت اور ارادہ کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ انہوں نے کھانا لوجہ اللہ کھلایا ہے کسی صلہ یا شکریہ کا طالب ہوکر نہیں کھلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے یہ جملہ فرمایا۔

قِوْلَہٗ: يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا، عَبُوْسٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے منہ بگاڑنے والا، ترش رو ہونے والا، قمطریرًا مصیبت اور رنج کا طویل دن (یعنی روز قیامت) کو کہتے ہیں، اصل محاورہ میں قَمْطَرتِ الناقة اس وقت بولتے ہیں جب اونٹنی دُم اٹھا کر، ناک چڑھا کر، منہ بنا کر مکروہ شکل اختیار کرلے، اسی مناسبت سے ہر مکروہ اور رنج دہ دن کو ”قمطریر“ کہتے ہیں اصل مادہ قَطْرٌ ہے میم زائد ہے (لغات القرآن) يَوْمًا موصوف ہے عَبُوْسًا صفت اول ہے اور قَمْطَرِيرًا صفت ثانی ہے جملہ ہوکر نَخَافُ کا ظرف ہے۔

قِوْلَہٗ: فِی ذٰلِكَ، ای فی العبوس.

قِوْلَہٗ: لَايَرَوْنَ یہ بھی اُدْخُلُوْا کی ضمیر سے حال ثانیہ ہے۔

قولہ: زمھریرا، زمھریر کے معنی سخت سردی کے ہیں فلسفہ کی اصطلاح میں زمہریر فضاء میں ایک نہایت شدید سرد طبقہ کا نام ہے اس کے علاوہ فضاء میں کرۂ ناری اور کرۂ ہوائی بھی ہیں۔

قولہ: عَلٰی مَحَلِّ لا یَرَوْنَ، لَا یَرَوْنَ حال ہونے کی بنا پر محلًا منصوب ہے اسی وجہ سے دانیة بھی منصوب ہے۔

قولہ: عَلَیْھِمْ، مِنْھُمْ، عَلٰی کی تفسیر مِنْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ علٰی بمعنی من ہے اس لئے کہ دَانِیَةٌ کا صلہ مِنْ مستعمل ہے نہ کہ علٰی.

قولہ: شجرھا، ظلالُھَا کی تفسیر شجرھا سے کرنے کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض یہ ہے کہ جنت کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے، حالانکہ سایہ سورج کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور جنت میں شمس وقمر نہ ہوں گے تو سایہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب دیا کہ ظلال سے مراد نفس شجر ہے، یعنی درخت کی شاخیں جھکی ہوئی ہوں گی۔

قولہ: اَحْسَنُ مِنْهُ فی غَیْرِ ذٰلِكَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سوال: جنت کے غلمان کو بکھرے ہوئے موتیوں سے تشبیہ دینے میں کیا حکمت ہے؟ جب کہ عام طور پر منظوم اور پروئے ہوئے موتیوں سے تشبیہ دی جاتی ہے؟

جواب: جنتی غلمان کو حسن وانتشار میں غیر مثقب (بن بندھے) موتیوں سے تشبیہ دینا مقصود ہے، اس لئے کہ موتی میں سوراخ ہونے کے بعد چمک اور صفائی کم ہو جاتی ہے جو کہ ایک قسم کا نقص ہے اور بن بندھے (غیر مثقب) موتی منتشر ہی ہوتے ہیں، یعنی موتی جب صدف اور سلک میں نہیں ہوتا تو وہ حسن وخوبی میں بہتر ہوتا ہے اس سے جو صدف یا سلک میں ہوتا ہے۔

قولہ: اِذَا رَاَیْتَ ای وَجَدْتَ، رَاَیْتَ کی تفسیر وَجَدْتَّ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ رأیت یہاں لازم ہے اسی وجہ سے اس کے مفعول کو حذف کر دیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ، هَلْ بمعنی قَدْ ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے الانسان سے بعض حضرات نے ابوالبشر ''آدم علیہ الصلاۃ والسلام'' مراد لئے ہیں، اور حین سے روح پھونکنے تک کا زمانہ مراد لیا ہے، جو چالیس سال ہے، اور اکثر مفسرین نے الانسان کو بطور جنس کے استعمال کیا ہے، اور حین سے مراد حمل کی مدت لی ہے جس میں جنین قابل ذکر شئ نہیں ہوتی، اس میں گویا انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک پیکر حسن وجمال کی صورت میں رحم مادر سے باہر آتا ہے اور جب عنفوان شباب کا زمانہ آتا ہے تو اپنے رب کے سامنے اکڑتا اور اتراتا ہے، اسے اپنی حیثیت اور حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ میں تو وہی ہوں کہ مجھ پر ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے جب میں عالم نیست میں تھا اور کوئی قابل ذکر شئ نہ تھا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ، پہلی آیتوں میں اشقیاء کا ذکر تھا اب ان کے مقابلہ میں سعداء کا ذکر ہے، کأس اس جام کو کہتے ہیں جو بھرا ہوا ہو، کافور ایک ٹھنڈی اور مخصوص خوشبو کی حامل شئ ہوتی ہے اس کی آمیزش سے شراب کا ذائقہ دو آتشہ اور اس کی خوشبو

مشام جان کو معطر کرنے والی ہو جاتی ہے۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذرِ الخ ، یعنی صرف ایک اللہ کی اطاعت اور عبادت کرتے ہیں اور نذر بھی مانتے ہیں تو صرف اللہ کے لئے اور پھر اسے پورا کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نذر کا پورا کرنا ضروری ہے بشرطیکہ معصیت کی نہ ہو۔

نذر ماننے کی چند شرائط:

مسئلہ: نذر ماننے کی چند شرائط ہیں، اول یہ کہ جس کام کی نذر مانی جائے وہ جائز ہو معصیت نہ ہو، اگر کسی شخص نے ناجائز کام کی نذر مانی تو اس پر لازم ہے کہ وہ ناجائز کام نہ کرے اور قسم کو توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کر دے اگر نذر قسم کے ساتھ مانی ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ پہلے سے واجب نہ ہو اس لئے کہ اگر کوئی شخص واجب یا فرض کی نذر مان لے تو یہ لغو ہوگی۔

امام صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس کام کو بذریعہ نذر اپنے اوپر لازم کیا ہے، اس کی جنس کی کوئی عبادت شریعت میں واجب کی گئی ہو جیسے نماز، روزہ، صدقہ، حج، قربانی وغیرہ، اور جس کی جنس کی شریعت میں کوئی عبادت واجب نہیں، اس کی نذر ماننے سے نذر لازم نہ ہوگی، جیسے کسی مریض کی عیادت کی نذر یا جنازہ کے پیچھے چلنے کی نذر وغیرہ، نذر کے احکام کی تفصیل کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع کریں۔

ویُطعمون الطعام الخ، یعنی اہل جنت کے لئے مذکورہ انعامات اس لئے بھی ہیں کہ وہ دنیا میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے، عَلٰی حُبِّہٖ میں علی بمعنی مع ہے مطلب یہ کہ یہ لوگ ایسی حالت میں بھی غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے، جب کہ وہ خود کھانے کے محتاج اور ضرورت مند ہوتے تھے، قیدی سے مراد وہ قیدی ہیں جنہیں اصول شریعت کے مطابق قید کیا گیا ہو، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، مگر بہر حال قیدیوں کو کھانا کھلانا حکومت اور بیت المال کی ذمہ داری ہے جو شخص ان کو کھانا کھلاتا ہے وہ حکومت اور بیت المال کی مدد کرتا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ تَاكِيْدٌ لِاسْمِ اِنَّ او فَصْلٌ **نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا**﴿۲۳﴾ خَبَرُ اِنَّ اى فَصَّلْنَاهُ وَلَمْ نُنَزِّلْهُ جُمْلَةً وَاحِدَةً **فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ** عَلَيْكَ بِتَبْلِيغِ رِسَالَتِهٖ **وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ** اى الكُفَّارِ **اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا**﴿۲۴﴾ اى عُتْبَةَ بْنَ رَبِيْعَةَ والوَلِيْدَ بْنَ المُغِيْرَةِ قَالَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعْ عَنْ هٰذَا الاَمْرِ وَيَجُوْزُ اَنْ يُّرَادَ كُلُّ اٰثِمٍ وَكَافِرٍ اى لَا تُطِعْ اَحَدَهُمَا اَيًّا كَانَ فِيْمَا دَعَاكَ اِلَيْهِ مِنْ اِثْمٍ وَكُفْرٍ **وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ** فِى الصَّلٰوةِ **بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا**﴿۲۵﴾ يَعْنِى الْفَجْرَ والظُّهْرَ والعَصْرَ **وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ** يَعْنِى المَغْرِبَ والعِشَاءَ **وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا**﴿۲۶﴾ صَلِّ التَّطَوُّعَ فِيْهِ كَمَا تَقَدَّمَ مِنْ ثُلُثَيْهِ او نِصْفِهٖ او ثُلُثِهٖ **اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ** الدُّنْيَا يَخْتَارُوْنَ عَلَى الاٰخِرَةِ **وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا**﴿۲۷﴾ شَدِيْدًا اى يَوْمَ القِيٰمَةِ لَا يَعْمَلُوْنَ لَهٗ **نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ** قَوَّيْنَا **اَسْرَهُمْ** اَعْضَاءَهُمْ وَمَفَاصِلَهُمْ **وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ** جَعَلْنَا **اَمْثَالَهُمْ** فِى الخِلْقَةِ بَدَلًا مِنْهُمْ بِاَنْ نُهْلِكَهُمْ **تَبْدِيْلًا**﴿۲۸﴾ تَاكِيْدٌ

ووقعت اذا موقع اِنْ نحو اِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ لِاَنَّهُ تعالى لم يشأ ذلك واذا لِما يقع **اِنَّ هٰذِهٖ** السورة **تَذْكِرَةٌ** عظةٌ للخلق **فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴿٢٩﴾** بالطاعة **وَمَا تَشَآءُوْنَ** بالتاء والياء اتخاذ السبيل بالطاعة **اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ** ذلك **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا** بخلقه **حَكِيْمًا﴿٣٠﴾** في فعله **يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ** جنته وهم المؤمنون **وَالظّٰلِمِيْنَ** ناصبه فعلٌ مقدَّرٌ اى أعَدَّ يفسره **اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴿٣١﴾** مؤلما وهم الكافرون.

ترجمہ: بے شک ہم نے قرآن کو آپ ﷺ پر بتدریج نازل کیا نحن، اِنّ کے اسم کی تاکید ہے یا فصل کے لئے ہے (نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الخ) اِنَّ کی خبر ہے یعنی ہم نے قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا، پس تو اپنے رب کے حکم پر اس کے پیغام کو پہنچا کر قائم رہ اور ان کفار میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کی بات نہ مان یعنی عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ کی جنہوں نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ تم اپنی اس تحریک سے باز آ جاؤ اور یہ بھی درست ہے کہ ہر گنہگار اور کافر مراد ہو یعنی ان میں سے تو کسی کی بات نہ مان اس گناہ اور کفر کے معاملہ میں جس کی طرف یہ آپ ﷺ کو دعوت دے رہے ہیں، اور اپنے رب کے نام کا نماز میں صبح وشام ذکر کیا کر یعنی فجر اور ظہر اور عصر میں اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدہ کر یعنی مغرب اور عشاء کی نماز پڑھ، اور بہت رات تک اس کی تسبیح کیا کر (یعنی) رات میں نفل نماز پڑھا کر جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے، دو تہائی یا نصف رات یا ایک تہائی رات، بے شک یہ لوگ دنیا کو چاہتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن کو چھوڑ دیتے ہیں سخت دن کو، یعنی قیامت کے دن کو، کہ اس کے لئے عمل نہیں کرتے ہم نے ان کو پیدا کیا اور ان کے اعضاء ومفاصل کو مضبوط کیا اور ہم جب چاہیں ان کے بدلے تخلیق میں ان جیسے (دیگر لوگ) لے آئیں اس طریقہ پر کہ ان کو ہلاک کر دیں تبدیلاً تاکید ہے اور اِذا، اِنْ کی جگہ واقع ہوا ہے جیسا کہ "اِنْ یَّشَأْ یُذْهِبْکُمْ" میں، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا، اور اذا، یقینی الوقوع کے لئے استعمال ہوتا ہے، بے شک یہ سورت مخلوق کے لئے نصیحت ہے پس جو چاہے طاعت کے ذریعہ اپنے رب کی راہ اختیار کرے اور تم طاعت کے ذریعہ راستہ نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے (تشاؤن) تاء اور یاء کے ساتھ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق اور اپنے فعل کے بارے میں علم وحکمت والا ہے جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے اور وہ مومنین ہیں اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ کافر ہیں (الظالمین) کا ناصب فعل مقدر ہے اور وہ اَعَدَّ ہے جس کی تفسیر اَعَدَّ لهم کر رہا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: تاکیدٌ لِاسم اِنَّ، او فصل، اس عبارت کا مقصد اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الخ کی دو ترکیبوں کی طرف اشارہ کرنا ہے، ① نَحْنُ، اِنَّا کی ضمیر کی تاکید ہے اور تاکید مؤکد سے مل کر مبتداء اور نَزَّلْنَا اس کی خبر، ② اِنَّا مبتداء اول نحنُ ضمیر فصل، مبتداء ثانی نَزَّلْنَا خبر مبتداء ثانی وہ اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر، مبتداء اول کی خبر۔

قولہ: اِنَّ هٰؤُلَاءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ یہ ماقبل مذکورامرونہی کی علت ہے، یعنی آپ ﷺ مذکورین سے اعراض اور توجہ الی ذکراللہ اس لئے کیجئے کہ ان لوگوں کے توجہ الی اللہ نہ کرنے کی وجہ دنیا طلبی اور آخرت سے بےخوفی ہے۔

قولہ: وَيَذَرُوْنَ وَرَاءَ هُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا، وَرَاءَ هُمْ، يَوْمًا سے حال مقدم ہے اس لئے کہ دراصل وَرَاءَ هُمْ، يَوْمًا نکرہ کی صفت ہے يَوْمًا ثقيلًا موصوف صفت سے مل کر يذرون کا مفعول ہے۔

قولہ: وَقَعَتْ اِذَا موقع اِنْ اس عبارت کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: اِذَا امور محققہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ تبدیلی واقع نہیں ہوئی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا تو یہ امر محتمل ہوا نہ کہ محقق اور امور محتملہ کے لئے اِنْ آتا ہے نہ کہ اِذا؟

جواب: اِذَا بمعنی اِنْ ہے مجازاً۔

قولہ: ذٰلك، اى اتخاذ السبيل.

قولہ: نَاصِبُهٗ فعلٌ مقدرٌ یہ ما اُضْمِرَ عامله على شريطة التفسير کے قبیل سے ہے یعنی الظالمین فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اى اَعَدَّ الظّٰلمين اَعَدَّلَهُمْ.

تفسیر وتشریح

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ الخ یعنی آپ ﷺ کے رب نے جس کار عظیم پر آپ کو مامور کیا ہے اس کی راہ میں سختیوں اور تکالیف پر صبر کرو، آپ ﷺ پر اس سلسلہ میں جو حالات بھی آئیں انہیں پامردی سے برداشت کرو، اور اس معاملہ میں کسی منکر حق کی بات نہ مانو خواہ وہ تمہیں کتنا ہی لالچ دے یا ڈرائے۔ کہا گیا ہے کہ آثم سے مراد عتبہ بن ربیعہ اور کفور سے مراد ولید بن مغیرہ ہے اس لئے کہ ان دونوں نے آپ ﷺ سے کہا تھا کہ اگر تم اپنے اس تبلیغی مشن کو ترک کردو تو ہم تم کو مالا مال کردیں گے اور عرب کی حسین ترین عورت سے شادی کردیں گے اور اپنا بادشاہ تسلیم کرلیں گے۔

﴿تمت﴾

سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ آيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ الْمُرْسَلَاتِ مَكِّيَّةٌ خَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ مرسلات مکی ہے، پچاس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ① اي الرِّيَاح مُتَتَابعَةً كَعُرْفِ الفَرَسِ يَتْلُوْ بَعْضُهُ بَعْضًا ونَصْبُه عَلَى الحَالِ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ② الرِّيَاح الشَّدِيْدَةِ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ③ الرِّيَاح تَنْشُرُ المَطَرَ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ④ اي اٰيَاتِ القُرْاٰنِ تَفرقُ بَيْنَ الحَقِّ والبَاطِلِ والحَلَالِ والحَرَامِ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ⑤ اي المَلَائِكَةِ تَنْزِلُ بِالوَحْيِ اِلَى الاَنْبِيَاءِ والرُّسُلِ يُلْقُوْنَ الوَحْيَ اِلَى الاُمَمِ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ⑥ اي لِلْاِعْذَارِ وَلِلْاِنْذَارِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وفِي قِرَاءَةٍ بِضَمِّ ذَالِ نُذُرًا وقُرِئَ بِضَمِّ ذَالِ عُذُرًا اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ اي كُفَّارُ مَكَّةَ مِنَ البَعْثِ والعَذَابِ لَوَاقِعٌ ⑦ كَائِنٌ لَا مُحَالَةَ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ⑧ مُحِيَ نُوْرُهَا وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ⑨ شُقَّتْ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ⑩ فُتِّتَتْ وسُيِّرَتْ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ⑪ بِالوَاوِ وبِالهَمْزَةِ بَدَلًا مِنْهَا اي جُمِعَتْ لِوَقْتٍ لِاَيِّ يَوْمٍ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ اُجِّلَتْ ⑫ لِلشَّهَادَةِ عَلَى اُمَمِهِمْ بِالتَّبْلِيْغِ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ⑬ بَيْنَ الخَلْقِ ويُؤْخَذُ مِنْهُ جَوَابُ اِذَا اي وَقَعَ الفَصْلُ بَيْنَ الخَلَائِقِ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ⑭ تَهْوِيْلٌ لِشَانِهِ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑮ هذا وَعِيْدٌ لَهُمْ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ⑯ بِتَكْذِيْبِهِمْ اي اَهْلَكْنَاهُمْ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ⑰ مِمَّنْ كَذَّبُوْا كَكُفَّارِ مَكَّةَ فَنُهْلِكُهُمْ كَذٰلِكَ مِثْلَ فِعْلِنَا بِالمُكَذِّبِيْنَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ⑱ بِكُلِّ مَنْ اَجْرَمَ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ فَنُهْلِكُهُمْ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑲ تَاكِيْدٌ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ⑳ ضَعِيْفٍ وَهُوَ المَنِيُّ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ㉑ حَرِيْزٍ وهُوَ الرَّحِمُ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ㉒ وهُوَ وَقْتُ الوِلَادَةِ فَقَدَرْنَا عَلَى ذٰلِكَ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ㉓ نَحْنُ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ㉔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ㉕ مَصْدَرُ كَفَتَ بِمَعْنَى ضَمَّ اي ضَامَّةً اَحْيَآءً عَلَى ظَهْرِهَا وَّاَمْوَاتًا ㉖ فِي بَطْنِهَا وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ جِبَالًا مُرْتَفِعَاتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ㉗ عَذْبًا وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ㉘ ويُقَالُ لِلْمُكَذِّبِيْنَ يَوْمَ القِيَامَةِ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ مِنَ العَذَابِ تُكَذِّبُوْنَ ㉙

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ هُوَ دُخَانُ جَهَنَّمَ اِذَا ارْتَفَعَ افْتَرَقَ ثَلَاثَ فِرَقٍ لِعَظْمَتِهٖ لَّا ظَلِيْلٍ كَنِيْنٍ يُظَلِّلُهُمْ مِنْ حَرِّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَّلَا يُغْنِىْ يَرُدُّ عَنْهُمْ شَيْئًا مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ لِلنَّارِ اِنَّهَا اَىِ النَّارُ تَرْمِىْ بِشَرَرٍ هُوَ مَا تَطَايَرَ مِنْهَا كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ مِنَ الْبِنَاءِ فِى عَظَمِهٖ وَارْتِفَاعِهٖ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ جَمْعُ جِمَالَةٍ جَمْعُ جَمَلٍ وَفِى قِرَاءَةٍ جِمَالَةٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ فِى هَيْئَتِهَا وَلَوْنِهَا وَفِى الْحَدِيْثِ شِرَارُ جَهَنَّمَ اَسْوَدُ كَالْقِيْرِ وَالْعَرَبُ تُسَمِّىْ سُوْدَ الْاِبِلِ صُفْرًا لِشَوْبِ سَوَادِهَا بِصُفْرَةٍ فَقِيْلَ صُفْرٌ فِى الْاٰيَةِ بِمَعْنٰى سُوْدٌ لِمَا ذُكِرَ وَقِيْلَ لَا وَالشَّرَرُ جَمْعُ شَرَرَةٍ وَالشِّرَارُ جَمْعُ شِرَارَةٍ وَالْقِيْرُ الْقَارُ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا اَىْ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ فِيْهِ بِشَىْءٍ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فِى الْعُذْرِ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ عَطْفٌ عَلٰى يُؤْذَنُ مِنْ غَيْرِ تَسَبُّبٍ عَنْهُ فَهُوَ دَاخِلٌ فِى حَيِّزِ النَّفْىِ اَىْ لَا اِذْنَ فَلَا اعْتِذَارَ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ اَيُّهَا الْمُكَذِّبُوْنَ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ قَبْلَكُمْ فَتُحَاسَبُوْنَ وَتُعَذَّبُوْنَ جَمِيْعًا فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ حِيْلَةٌ فِى دَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ فَافْعَلُوْهَا وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾

ع ۲۱

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے مسلسل چلنے والی ہواؤں کی یعنی ان ہواؤں کی جو تسلسل میں گھوڑے کے (گردن) کے بالوں کی مانند ہیں، عُرفًا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، پھر زور سے چلنے والی ہواؤں کی قسم یعنی زوردار ہواؤں کی اور پھیلانے والی ہواؤں کی قسم، یعنی ان ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں، پھر فرق کرنے والی آیات کی قسم یعنی قرآنی آیات کی جو حق و باطل اور حلال و حرام کے درمیان فرق کرتی ہیں، پھر وحی کا القاء کرنے والوں کی قسم یعنی ان فرشتوں کی قسم جو انبیاء علیہم السلام پر وحی لے کر نازل ہوتے ہیں یا ان رسولوں کی قسم جو اس وحی کو امت کو پہنچا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کا یا ڈرانے کا القاء کرتے ہیں اور ایک قراءت میں نُـذُرًا کے ذال کے ضمہ کے ساتھ نُـذُرًا آیا ہے، اور عُـذُرًا بھی ضمۂ ذال کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اے مکہ کے کافرو! جس بعث و عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ہونے والا ہے یعنی لامحالہ واقع ہونے والا ہے جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے یعنی ان کا نور سلب کر لیا جائے گا، اور جب آسمان پھاڑ دیا جائے گا اور پہاڑ توڑ پھوڑ کر اڑا دیئے جائیں گے اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر جمع کیا جائے گا (وُقِّتَتْ) واؤ کے ساتھ اور واؤ کے عوض ہمزہ کے ساتھ، کس دن کے لئے (ان سب کو) مؤخر کیا جائے گا؟ بڑے دن میں امتوں پر تبلیغ (رسالت) کی شہادت کے لئے (مؤخر) کیا جائے گا مخلوق کے درمیان فیصلے کے دن کے لئے (مؤخر کیا جائے گا) اور اس سے اِذَا کا جواب اخذ کیا جاتا ہے اور وہ جواب "وَقَـعَ لفصل بین الخلائق" ہے، اور تجھے کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟ (ابہام) اس دن کی ہولناکی کو بیان کرنے کے لئے ہے، اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے یہ ان کے لئے وعید ہے کیا ہم نے اگلوں کو ان کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک نہیں

کر دیا؟ یعنی ان کو ہلاک کر دیا، پھر ہم ان کے بعد تکذیب کرنے والوں میں پچھلوں کو لائیں گے جیسا کہ کفار مکہ کہ ان کو ہم نے ہلاک کر دیا، اور ہم ایسا ہی ہمارے تکذیب کرنے والوں کے ساتھ کرنے کے مانند ہر مجرم کے ساتھ کریں گے یعنی ہر اس شخص کے ساتھ کریں گے جو مستقبل میں جرم کرے گا، ان کو بھی ہلاک کر دیں گے، اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے یہ تاکید ہے، کیا ہم نے تم کو ایک حقیر پانی سے کہ وہ نطفۂ منی ہے نہیں پیدا کیا؟ کہ ہم نے اس (پانی) کو ایک وقت مقررہ تک کے لئے ایک محفوظ جگہ میں کہ وہ رحم مادر ہے رکھ دیا اور وہ وقت ولادت ہے غرض ہم نے اس کی منصوبہ بندی کی (پلاننگ) کی ہم کیسے اچھے منصوبہ بندی کرنے والے ہیں؟ جھٹلانے والوں کے لئے اس دن بڑی خرابی ہے، کیا ہم نے زمین کو زندوں کو اپنی پیٹھ پر اور مردوں کو اپنے پیٹ میں سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ (کِفَاتًا) کَفَتَ کا مصدر ہے (کَفَتَ) بمعنی ضَمَّ یعنی سمیٹنے والی، اور ہم نے ان میں بلند و بالا پہاڑ بنا دیئے اور ہم نے تم کو شیریں پانی پلایا، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے، قیامت کے دن جھٹلانے والوں سے کہا جائے گا کہ تم اس عذاب کی طرف چلو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہوں گی اور وہ جہنم کا دھواں ہے، جب وہ بلند ہوگا تو اس کے عظیم ہونے کی وجہ سے اس کی تین شاخیں ہو جائیں گی جس میں نہ ٹھنڈا سایہ ہے کہ اس دن کی گرمی سے ان پر سایہ فگن ہو اور وہ نہ ان کو آگ کے شعلوں سے ذرا بھی بچا سکے گا وہ آگ کے انگارے برسائے گی شرر اس چنگاری کو کہتے ہیں جو آگ سے اڑتی ہے محل کے مانند یعنی وہ (انگارے) عظیم ہونے میں اور بلند ہونے میں عمارت کی مانند ہوں گے گویا کہ وہ کالے کالے اونٹ ہیں ہیئت میں اور رنگ میں، جمالات، جمالة کی جمع ہے اور جمالةٌ، جملٌ کی جمع ہے اور ایک قراءت میں جِمَالَةٌ ہے، اور حدیث میں ہے کہ آگ کے شعلے تارکول کے مانند سیاہ ہوں گے، اور عرب کالے اونٹ کو صُفْرٌ کہتے ہیں اس کی سیاہی میں زردی کے ملنے کی وجہ سے لہٰذا کہا گیا ہے کہ آیت میں صُفْرٌ بمعنی سُوْدٌ ہے، مذکورہ قول کی وجہ سے اور کہا گیا ہے کہ صُفْرٌ بمعنی سودٌ نہیں ہے، اور شَرَرٌ شررة کی جمع ہے اور شرار، شرارة کی جمع ہے اور قیر کے معنی قار (تارکول) کے ہیں، اس دن جھٹلانے والوں کیلئے بڑی خرابی ہے، یہ قیامت کا دن ایسا ہے کہ وہ اس دن میں کچھ بھی نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو عذر خواہی کی اجازت ہوگی کہ اس میں وہ معذرت کر سکیں، یہ یُؤْذَنُ پر عطف ہے، معطوف علیہ سے تسبب کے بغیر، لہٰذا وہ نفی کے تحت داخل ہے ای لَا اذنَ فلَا اِعتذارَ، یعنی جب اجازت نہیں تو معذرت بھی نہیں، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے، یہ فیصلے کا دن ہے اے اس امت میں سے تکذیب کرنے والو! ہم نے تم کو اور تم سے پہلے تکذیب کرنے والوں کو جمع کر لیا لہٰذا تم سب کا حساب لیا جائے گا اور عذاب دیا جائے گا، اگر تمہارے پاس تم سے عذاب کو دفع کرنے کی کوئی تدبیر ہو تو کر لو، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے پانچ صفات کی قسم کھائی ہے جن کے موصوف محذوف ہیں، بعض حضرات تمام موصوفات اَلرِّیَاح (ہواؤں) کو محذوف مانتے ہیں اور بعض کل میں ملائکہ موصوفات محذوف مانتے ہیں اور بعض نے مختلف یعنی بعض کے ملائکہ اور بعض کے اَلرِّیَاح.

قَوْلُهُ: عُرْفًا، عُرْف گھوڑے کی گردن کے بالوں کو کہتے ہیں، پھر حقیقت عرفیہ کے طور پر تسلسل و تتابع کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

قَوْلُهُ: اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ جواب قسم ہے اور مَا بمعنی اَلَّذِیْ ہے اور عائد محذوف ہے، ای تُوْعَدُوْنَهُ.

قَوْلُهُ: وَیُؤْخَذُ مِنْهُ جواب اِذَا، مِنْهُ ای من یوم الفصل یعنی اِذَا کی شرط محذوف ہے جو لِیَوْمِ الْفَصْلِ سے مفہوم ہے ای وَقَعَ الفصلُ بین الخلائق.

قَوْلُهُ: وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِلْمُکَذِّبِیْنَ، وَیْلٌ دراصل مصدر ہے جو اپنے فعل کے قائم مقام ہے مگر ثبات و دوام پر دلالت کرنے کے لئے نصب سے رفع کی طرف عدول کرلیا گیا ہے، جیسا کہ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ میں ہے، کہ اصل میں سلمت سلامًا تھا۔

قَوْلُهُ: لاظلیل، لا نافیہ ہے یہ ظِلٍّ کی صفت ہے اور بطور تہکم مشرکین کے وہم کا رد ہے، اس لئے کہ ظل تو ظلیل ہوتا ہی ہے ان کے اس وہم کو لا ظَلِیْلٍ کہہ کر رد کردیا کہ ظل ہی نہیں ہوگا۔

قَوْلُهُ: مِن غیر تسبُّبٍ عنه یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ فاء کے ذریعہ منفی پر عطف معطوف پر نصب کا تقاضہ کرتا ہے کیونکہ معطوف بھی منفی کے حکم میں ہوتا ہے حالانکہ یہاں فَیَعْتَذِرُوْنَ کو حالت رفع میں لایا گیا ہے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ مابعد فاء پر نصب اس وقت ہوتا ہے جب معطوف علیہ معطوف کا سبب ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے یعنی ایسی بات نہیں ہے کہ ان کی طرف سے معذرت اس لئے نہیں ہوئی کہ ان کو معذرت کی اجازت نہیں ملی، ای لا اِذْنَ فلا اعتذارَ، اور معطوف علیہ معطوف کے لئے سبب ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ معذرت اس لئے نہ کرسکے کہ ان کو عذر خواہی کی اجازت نہیں ملی، اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ معذور تھے مگر عذر خواہی کی اجازت نہیں ملی، اور یہ خلاف واقعہ ہے: اگر معطوف علیہ کو معطوف کا سبب قرار دیا جائے تو معطوف پر حذف نون کے طور پر نصب آئے گا جیسے "لَایُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا" یہاں چونکہ معطوف علیہ معطوف کا سبب ہے اس لئے معطوف حذف نون کے ساتھ منصوب ہے یعنی نہ مرنے کا سبب ان کی موت کے فیصلہ کا نہ ہونا ہے، ابن عطیہ نے کہا ہے کہ فَیَعْتَذِرُوْنَ کے حذف نون کے ساتھ منصوب نہ ہونے کی وجہ فواصل کی رعایت ہے، مطلب یہ کہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے فَیَعْتَذِرُوْنَ میں نون کو حذف نہیں کیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ منیٰ کی ایک غار میں تھے کہ اچانک سورۂ مرسلات نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ اس کو پڑھتے جاتے تھے اور میں آپ ﷺ کے دہن مبارک سے اس کو سنتا اور یاد کرتا جاتا تھا، آپ ﷺ کا دہن مبارک اس سورت کی حلاوت سے رطب تھا کہ اچانک ایک سانپ نے ہم پر حملہ کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم فرمایا، ہم اس کی طرف جھپٹے مگر وہ نکل بھاگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح تم اس کے شر سے محفوظ رہے وہ بھی تمہارے شر سے محفوظ ہو گیا، (معارف) اس سورت میں حق تعالیٰ نے پانچ چیزوں کی قسم کھا کر یہ بتایا ہے کہ قیامت یقیناً واقع ہوگی، مگر ان پانچ چیزوں کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ان کی صفات کا ذکر فرمایا ہے اب وہ موصوف کیا ہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض نے سب کا موصوف ہواؤں کو قرار دیا ہے اور بعض نے ملائکہ اور بعض نے پہلی تین صفات کا موصوف ہواؤں کو اور بقیہ دو کا ملائکہ کو، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا، یہ مُلْقِیَاتِ ذِکْرًا، سے متعلق ہے، یعنی یہ ذکر اور وحی انبیاء ورسل علیہم السلام پر اس لئے نازل کی جاتی ہے کہ مومنین کے لئے ان کی کوتاہیوں سے معذرت کا سبب بنے اور اہل باطل اور کافروں کے لئے عذاب سے ڈرانے کا ذریعہ ہو۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ، تمام قسموں کا مقسم ہے، کہ تم سے جس قیامت اور حساب وکتاب کا وعدہ بذریعۂ انبیاء کیا جا رہا ہے وہ ضرور پورا اور واقع ہو کر رہے گا، آگے اس کے واقع ہونے کے وقت کے چند حالات کا ذکر ہے، وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ مطلب یہ کہ انبیاء ورسل علیہم السلام کے لئے جو میعاد اور وقت مقرر کیا گیا تھا کہ اس وقت میں اپنی اپنی امتوں کے معاملہ میں شہادت کے لئے حاضر ہوں، وہ اس میعاد کو پہنچ گئے اور ان کی حاضری کا وقت آ گیا۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ، کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ان کے کفر وعناد کی وجہ سے ہلاک نہیں کیا؟ ثُمَّ نُتْبِعُهُمْ مشہور قراءت کی رو سے عین پر جزم کے ساتھ ہے، اور نُهْلِكُ پر عطف ہے معنی یہ ہیں کہ کیا ہم نے اولین کے بعد آخرین کو ان کے پیچھے ہلاک نہیں کر دیا؟ اس لئے آخرین سے مراد بھی سابقہ امتوں ہی کے آخرین مراد ہوں گے، جن کی ہلاکت نزول قرآن سے پہلے ہو چکی ہے، دوسری ایک قراءت میں عین کے ضمہ کے ساتھ ہے، اس قراءت کے مطابق یہ جملہ اور آخرین سے مراد امت محمدیہ ﷺ کے کفار ہیں، پچھلی امتوں کی ہلاکت کی خبر دینے کے بعد موجودہ کفار اہل مکہ کو آئندہ ان پر آنے والے عذاب کی خبر دینا مقصود ہے جیسا کہ غزوۂ بدر وغیرہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان پر ہلاکت کا عذاب نازل ہوا۔ (معارف)

فرق یہ ہے کہ پچھلی امتوں پر آسمانی عمومی عذاب آتا تھا جس سے پوری بستیاں تباہ ہو جاتی تھیں، امت محمدیہ ﷺ کا آنحضرت ﷺ کی وجہ سے یہ اکرام خاص ہے کہ ان کے کفار پر آسمانی عمومی عذاب نہیں آتا: بلکہ ان کا عذاب مسلمانوں کی تلوار سے آتا ہے جس میں ہلاکت عام نہیں ہوتی ہے صرف بڑے بڑے سرکش مجرم ہی مارے جاتے ہیں۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ ظِلٰلٍ اى تَكَاثُفِ اَشْجَارٍ اِذْ لَا شَمْسَ يُظَلُّ مِنْ حَرِّهَا وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ نَابِعَةٍ مِنَ الْمَاءِ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْهِ اِعْلَامٌ بِاَنَّ الْمَاكَلَ وَالْمَشْرَبَ فِى الْجَنَّةِ بِحَسْبِ شَهَوَاتِهِمْ بِخِلَافِ الدُّنْيَا فَبِحَسْبِ مَا يَجِدُ النَّاسُ فِى الْاَغْلَبِ وَيُقَالُ لَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا حَالٌ اى مُتَهَنِّئِيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ مِنَ الطَّاعَاتِ اِنَّا كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنَا الْمُتَّقِيْنَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا خِطَابٌ لِلْكُفَّارِ فِى الدُّنْيَا قَلِيْلًا مِنَ الزَّمَانِ وَغَايَتُهُ اِلَى الْمَوْتِ وَفِى هٰذَا تَهْدِيْدٌ لَهُمْ اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا صَلُّوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ لَا يُصَلُّوْنَ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ اى الْقُرْاٰنِ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ اى لَا يُمْكِنُ اِيْمَانُهُمْ بِغَيْرِهِ مِنْ كُتُبِ اللّٰهِ تَعَالٰى بَعْدَ تَكْذِيْبِهِمْ بِهٖ لِاشْتِمَالِهٖ عَلَى الْاِعْجَازِ الَّذِىْ لَمْ يَشْتَمِلْ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ.

ع ۲ / ۲۲

ترجمہ: بے شک پرہیزگار لوگ سایوں یعنی گھنے درختوں میں ہوں گے اس لئے کہ (وہاں) سورج نہیں ہوگا، کہ اس کی گرمی سے سایہ حاصل کیا جائے اور بہتے ہوئے پانی کے چشموں میں ہوں گے، یعنی اُبلتے ہوئے پانی کے، اور دل پسند میووں میں ہوں گے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت میں کھانے پینے کی چیزیں حسب خواہش ہوں گی بخلاف دنیا کے کہ یہاں وہی میوے (پھل) ملتے ہیں جو اغلباً لوگوں کو دستیاب ہوتے ہیں اور ان سے کہا جائے گا (اے جنتیو!) تم خوشگواری کے ساتھ اپنے طاعت اعمال کے صلہ میں کھاؤ پیو، ھَنِیْئًا حال ہے ای مُتَھَنِّئِیْنَ، بے شک ہم ایسی جزاء جیسی کہ تمام پرہیزگاروں کو دی ہے ہر نیکوکار کو دیں گے، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے (اے جھٹلانے والو!) یہ کافروں کو خطاب ہے تم دنیا میں تھوڑے دن یعنی موت تک کھالو اور مزے اڑا لو اس میں تہدید (دھمکی) ہے بلاشبہ تم مجرم ہو، اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے، اب اس قرآن کے بعد تم کس بات پر ایمان لاؤ گے؟ یعنی اس کتاب (قرآن) کی تکذیب کے بعد ان کے لئے ممکن نہیں کہ دیگر آسمانی کتابوں پر ایمان لائیں، اس قرآن کے ایسے اعجاز پر مشتمل ہونے کی وجہ سے کہ دیگر کتابیں اس اعجاز پر مشتمل نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: مِن تکاثف الاشجار یہ اضافت صفت الی الموصوف کے قبیل سے ہے، ای الاشجار المتکاثفة.

قَوْلُہٗ: کما جزینا المتقین، نجزی المحسنین.

سَوَال: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے متقین اور محسنین میں مغایرت نہیں ہے بلکہ دونوں ایک ہیں، لہٰذا یہ فرمانا کہ ہم

نے جیسی جزاء متقین کو دی ہے محسنین کو بھی دیں گے یہ تشبیہ الشئ بنفسہ ہے؟ جو کہ درست نہیں ہے۔

جواب: متقین سے مراد کاملین فی الطاعۃ ہیں، اور محسنین سے وہ لوگ مراد ہیں جو نفس ایمان کے حامل ہیں، چنانچہ مغایرت پائی گئی، فلا اشکال۔

تفسیر وتشریح

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ الخ، سورۂ دہر میں کفار کے احوال اختصار کے ساتھ اور مومنین کے احوال تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے اور یہاں اس کا عکس ہے تاکہ دونوں سورتوں میں تعادل وتساوی ثابت ہو جائے۔

کُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِیْلًا اِنَّکُمْ مُّجْرِمُوْنَ، چند دن یعنی موت تک کھا پی لو اور مزے اڑا لو، آخر کار تم کو سخت عذاب میں جانا ہے اس لئے کہ تم مجرم ہو۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ ارْکَعُوْا لَا یَرْکَعُوْنَ، کہا گیا ہے کہ یہ آیت بنی ثقیف کے بارے میں نازل ہوئی، جب کہ ان سے کہا گیا کہ نماز پڑھو، تو انہوں نے کہا ہم جھک نہیں سکتے جھکنا ہمارے لئے مشکل ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا ''لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع ولا سجود'' اور کہا گیا ہے کہ یہ ان سے آخرت میں کہا جائے گا، مگر وہ رکوع سجدہ پر قادر نہ ہوں گے۔ (فتح القدیر، شوکانی)

اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں ''رکوع'' کے لغوی معنی یعنی جھکنا اور اطاعت کرنا مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب ان سے دنیا میں احکام الٰہیہ کی اطاعت کے لئے کہا جاتا تھا تو یہ اطاعت نہ کرتے تھے، اور بعض حضرات نے رکوع کے اصطلاحی معنی بھی مراد لئے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب ان کو نماز کے لئے بلایا جاتا تھا تو وہ نماز نہیں پڑھتے تھے، رکوع بول کر پوری نماز مراد لی گئی ہے۔ (معارف، روح)

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ، یعنی جب یہ لوگ قرآن جیسی عجیب وغریب حکمتوں سے پُر، واضح دلائل اور سابقہ تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی کتاب پر ایمان نہیں لاتے تو پھر کونسی کتاب پر ایمان لائیں گے؟ حدیث شریف میں ہے کہ جب قاری اس آیت پر پہنچے تو اس کو کہنا چاہئے، آمَنَّا بِاللّٰہِ یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے مگر فرائض میں ان الفاظ کے کہنے سے احتراز کرے۔ (معارف ملخصًا)

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ النَّبَأ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ النَّبَأ مَكِّيَّةٌ اِحْدٰى وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ نبأ مکی ہے، اکتالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ عَمَّ عن اي شيء يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ يسأل بعض قريش بعضا عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝ بيان لذلك الشيء والاستفهام لتفخيمه وهو ما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم من القران المشتمل على البعث وغيره الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝ فالمؤمنون يثبتونه والكافرون ينكرونه كَلَّا ردع سَيَعْلَمُوْنَ ۝ ما يحل بهم على انكارهم له ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ تاكيد وجيء فيه بثم للايذان بان الوعيد الثاني اشد من الاول ثم أومأ تعالى الى القدرة على البعث فقال اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ فراشا كالمهد وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ يثبت بها الارض كما يثبت الخيام بالاوتاد والاستفهام للتقرير وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ ذكورا واناثا وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ راحة لابدانكم وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ ساترا بسواده وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ وقتا للمعايش وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا سبع سموت شِدَادًا ۝ جمع شديدة اي قوية محكمة لا يؤثر فيها مرور الزمان وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا منيرا وَّهَّاجًا ۝ وقادا يعني الشمس وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ السحابات التي حان لها ان تمطر كالمعصر الجارية التي دنت من الحيض مَآءً ثَجَّاجًا ۝ صبابا لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا كالحنطة وَّنَبَاتًا ۝ كالتبن وَّجَنّٰتٍ بساتين اَلْفَافًا ۝ ملتفة جمع لفيف كشريف واشراف اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ بين الخلائق كَانَ مِيْقَاتًا ۝ وقتا للثواب والعقاب يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ القرن بدل من يوم الفصل او بيان له والنافخ اسرافيل فَتَاْتُوْنَ من قبوركم الى الموقف اَفْوَاجًا ۝ جماعات مختلفة وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ بالتشديد والتخفيف شققت لنزول الملائكة فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝ ذات ابواب وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ ذهب بها عن اماكنها فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ هباء اي مثله في خفة سيرها اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ راصدة او مرصدة لِّلطّٰغِيْنَ الكافرين فلا يتجاوزونها مَاٰبًا ۝ مرجعا

لَہُمْ فَیَدْخُلُوْنَہَا **لّٰبِثِیْنَ** حَالٌ مُقَدَّرَۃٌ اَیْ مُقَدَّرًا لُبْثُہُمْ **فِیْہَآ اَحْقَابًا**﴿۲۳﴾ دُہُوْرًا لَا نِہَایَۃَ لَہَا جَمْعُ حُقْبٍ بِضَمِّ اَوَّلِہٖ **لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْہَا بَرْدًا** نَوْمًا **وَّلَا شَرَابًا**﴿۲۴﴾ مَا یُشْرَبُ تَلَذُّذًا **اِلَّا** لٰکِنْ **حَمِیْمًا** مَاءً حَارًّا غَایَۃَ الْحَرَارَۃِ **وَّغَسَّاقًا**﴿۲۵﴾ بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ مَا یَسِیْلُ مِنْ صَدِیْدِ اَہْلِ النَّارِ فَاِنَّہُمْ یَذُوْقُوْنَہٗ، جُوْزُوْا بِذٰلِکَ **جَزَآءً وِّفَاقًا**﴿۲۶﴾ مُوَافِقًا لِعَمَلِہِمْ فَلَا ذَنْبَ اَعْظَمُ مِنَ الْکُفْرِ وَلَا عَذَابَ اَعْظَمُ مِنَ النَّارِ **اِنَّہُمْ کَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ** یَخَافُوْنَ **حِسَابًا**﴿۲۷﴾ لِاِنْکَارِہِمُ الْبَعْثَ **وَّکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ **کِذَّابًا**﴿۲۸﴾ تَکْذِیْبًا **وَکُلَّ شَیْءٍ** مِنَ الْاَعْمَالِ **اَحْصَیْنٰہُ** ضَبَطْنَاہُ **کِتٰبًا**﴿۲۹﴾ کَتْبًا فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لِنُجَازِیَ عَلَیْہِ وَمِنْ ذٰلِکَ تَکْذِیْبُہُمْ بِالْقُرْاٰنِ **فَذُوْقُوْا** اَیْ فَیُقَالُ لَہُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عِنْدَ وُقُوْعِ الْعَذَابِ عَلَیْہِمْ ذُوْقُوْا جَزَائَکُمْ **فَلَنْ نَّزِیْدَکُمْ اِلَّا عَذَابًا**﴿۳۰﴾ فَوْقَ عَذَابِکُمْ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، یہ قریشی آپس میں کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ کیا اس بڑی خبر کے بارے میں جس کے متعلق یہ لوگ مختلف قسم کی چہ میگوئیاں کرتے ہیں؟ (عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ) (شیٔ مسئول کا) عطف بیان ہے، اور استفہام اس شیٔ کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے ہے اور وہ قرآن ہے جس کو نبی ﷺ لائے جو کہ بعث وغیرہ پر مشتمل ہے، (بایں طور) کہ مومنین اس کو ثابت کرتے ہیں اور کافر اس کا انکار کرتے ہیں، خبردار! ان کو عنقریب وہ چیز معلوم ہو جائے گی جو ان کے اوپر اس کے انکار کی وجہ سے نازل ہوگی (کَلَّا) حرف توبیخ ہے، پھر بالیقین انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا، یہ تاکید ہے، اس میں ثُمَّ اس بات کو بتانے کے لئے لایا گیا ہے کہ دوسری وعید پہلی سے شدید تر ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے قدرت علی البعث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا (اَلَمْ نَجْعَلِ الخ) کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم نے زمین کو گہوارہ کے مانند بچھونا بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کے مانند گاڑ دیا، زمین کو پہاڑوں کے ذریعہ ساکن (غیر مضطرب) کر دیا جس طرح خیموں کو میخوں کے ذریعہ قائم کر دیا جاتا ہے، اور استفہام تقریر کے لئے ہے، اور ہم نے تم کو مردوں اور عورتوں کے جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا اور تمہاری نیند کو ہم نے تمہارے جسموں کے لئے (باعث) راحت بنایا اور ہم نے رات کو اس کی ظلمت کی وجہ سے ساتر بنایا اور دن کو معاش یعنی معاش کا وقت بنایا، اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان قائم کئے شِدَادًا، شدیدۃ کی جمع ہے یعنی ایسے قوی اور مضبوط کہ ان میں مرور زمان بھی اثر نہ کر سکے، اور ایک نہایت ہی روشن دہکتا ہوا چراغ یعنی سورج بنایا اور ہم نے پانی بھرے بادلوں سے یعنی ان بادلوں سے جو برسنے کے قریب ہو گئے ہوں مثل اس عورت کے کہ جو قریب البلوغ ہو اور جس کے حیض کا زمانہ قریب آ گیا ہو، بہتا ہوا پانی برسایا، تاکہ ہم اس (پانی) کے ذریعہ غلہ مثل گندم اور گھاس مثل بھوسہ کے پیدا کریں اور گھنے گتھے ہوئے باغات اگائیں (اَلْفَافٌ) لفیف کی جمع ہے جیسا کہ اشراف، شریف کی جمع ہے، بلاشبہ مخلوق کے درمیان فیصلے کا دن ایک مقرر وقت ہے (یعنی) ثواب و عقاب کا وقت ہے، جس روز صور میں پھونک ماری جائے گی صور بمعنی قرن، (یَوْمَ یُنْفَخُ) یَوْمَ الْفَصْلِ سے بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے، اور صور پھونکنے والے (حضرت) اسرافیل

علیہ الصلاۃ والسلام ہیں تو تم اپنی قبروں سے محشر کی جانب مختلف جماعتوں کی شکل میں چلے آؤ گے، اور آسمان کھول دیا جائے گا (فُتِحت) تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے یعنی (آسمان کو) نزول ملائکہ کے لئے پھاڑ دیا جائے گا، تو وہ دروازے ہی دروازے ہو جائے گا یعنی دروازوں والا ہو جائے گا، اور پہاڑ چلائے جائیں گے یعنی ان کو ان کی جگہ سے اکھاڑ دیا جائے گا، تو وہ چمکتے ہوئے ریت ہو جائیں گے (یعنی) اڑنے میں اور ہلکے پن میں مثل غبار (ہو جائیں گے) بلاشبہ جہنم کافروں کے گھات میں ہے کہ اس سے بچ کر نہیں جا سکتے یا (کافروں کے لئے) تیار کی گئی ہے کہ وہ ان کا ٹھکانہ ہے جس میں وہ داخل ہوں گے، اور وہ اس میں قرنہا قرن رہیں گے (لابثین) حالِ مقدرہ ہے یعنی ان کے لئے اس میں داخل ہونا مقدر ہو چکا ہے نہ ان کو وہاں نیند میسر ہوگی اور نہ لذت کے ساتھ پینے کے قابل کوئی چیز اور اگر کچھ ملے گا تو بس نہایت گرم پانی اور بہتی پیپ (غسّاقًا) تخفیف اور تشدید کے ساتھ یعنی وہ چیز جو دوزخیوں کے زخموں سے نکلے گی، بس وہ اسی کو چکھیں گے، اور اسی کے ذریعہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق بھرپور بدلہ دیا جائے گا، یہ لوگ ان کے بعث سے منکر ہونے کی وجہ سے حساب کا اندیشہ نہ رکھتے تھے اور انہوں نے ہماری آیتوں قرآن کو بالکل جھٹلا دیا تھا، حال یہ ہے کہ ہم نے ان کے ہر عمل کو گن کر ضبط کر لیا تھا یعنی لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا تا کہ ہم اس کا بدلہ دیں اور ان ہی (اعمال) میں سے ان کا قرآن کو جھٹلانا بھی ہے، اب چکھو مزہ یعنی ان پر عذاب واقع کرتے وقت ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنے (اعمال) کا بدلہ چکھو، اب ہم تمہارے لئے عذاب پر عذاب ہی کا اضافہ کرتے جائیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: عَمَّ، عَمَّ دو حرفوں عَنْ، اور مَا سے مرکب ہے، اصل میں عَمَّا تھا، مَا استفہامیہ ہے اس پر حرفِ جر داخل ہے قاعدہ معروفہ کی وجہ سے مَـا سے الف حذف ہو گیا، قاعدہ معروفہ یہ ہے کہ جب مَـا استفہامیہ پر حرف جر داخل ہو تو الف کو حذف کر دیا جاتا ہے، البتہ ضرورت شعری وغیرہ کے لئے باقی بھی رکھا جا سکتا ہے، مَـا استفہامیہ یہاں تفخیم و عظمت کیلئے ہے، اس لئے کہ یہاں استفہام کے حقیقی معنی ممکن نہیں کیوں کہ استفہام کے لئے مستفہِم کا ناواقف ہونا ضروری ہے اور یہ خدا کے لئے محال ہے۔

قَوْلُهٗ: اَلـنَّبَـأ، نَبَاء عظیم الشان اور بڑی خبر کو کہتے ہیں، یہاں عظیم الشان خبر سے مراد قیامت ہے، کَلَّا یہ حرف زجر و توبیخ ہے اس میں وعید و تہدید کے معنی ہیں۔

قَوْلُهٗ: مَا یَحِلُّ بِھِمْ یہ یَعْلَمُوْنَ کا مفعول بہ ہے۔

قَوْلُهٗ: وَجِیَٔ بِثُمَّ لِلْاِیْذَانِ الخ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: اعتراض یہ ہے کہ جو مفہوم معطوف علیہ کا ہے وہی بعینہٖ معطوف کا ہے اور یہ عطف الشئ علیٰ نفسہٖ ہے جو کہ جائز نہیں ہے؟

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ثُمَّ کے ذریعہ عطف کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا ہے کہ دوسری تاکید پہلی کی بہ نسبت شدید ہے، پس دونوں میں تغائر موجود ہے لہٰذا عطف الشئ علیٰ نفسہ کا اعتراض دفع ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهَادًا ، اَلْاَرْضَ مفعول بہ اول ہے اور مِهَادًا مفعول بہ ثانی جب کہ جَعَلَ بمعنی صَیَّرَ ہو اور اگر بمعنی خلقَ ہو تو مِهَادًا، اَلْاَرْضَ سے حال ہوگا۔

قَوْلُہٗ: سُبَاتًا، سُبات، سَبْتٌ سے مشتق ہے اس کے معنی مونڈنے اور قطع کرنے کے ہیں، نیند چونکہ ہموم وغموم کو قطع کردیتی ہے جس کی وجہ سے جسم کو راحت اور دماغ کو سکون نصیب ہوتا ہے، اسی وجہ سے بعض حضرات نے سُبات کے معنی راحت کے لئے ہیں، انہیں میں سے مفسر علام بھی ہیں، یوم السبت کو سبت اس لئے کہتے ہیں کہ یوم السبت میں بقول یہود کے اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے فارغ ہونے کے بعد آرام فرمایا تھا۔

قَوْلُہٗ: وَقْتًا لِلْمَعَايِشِ اس میں اشارہ کردیا کہ معاش مصدر میمی بمعنی ظرف زمان ہے۔

قَوْلُہٗ: الجارية یہاں مطلق انثیٰ مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ یہ کلام مستانف ہے جو کہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ وہ وقت کونسا ہے جو ادلۂ متقدمہ سے ثابت کیا گیا ہے؟ اس کا جواب اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ سے دیا گیا ہے کہ وہ مخلوق کے درمیان فیصلے کا دن ہے اس دن کے آنے میں چونکہ کفار کو تردد تھا اس لئے کلام کو اِنَّ کے ذریعہ مؤکد لایا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: جُوزُوْا بِذٰلِكَ اس عبارت کے اضافہ سے اشارہ کردیا کہ جَزَاءً وِفَاقًا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، ای جُوزُوْا جَزَاءً وِفَاقًا.

قَوْلُہٗ: مُوَافِقًا لِعَمَلِهِمْ اس سے اشارہ کردیا کہ وِفَاقًا مصدر بمعنی اسم فاعل ہے اور جَزَاءً کی صفت ہے، ای جَزَاءً مُوَافِقًا لِعَمَلِهِمْ.

قَوْلُہٗ: وَكُلَّ شَيْءٍ یہ اشتغال کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَحْصَيْنَا كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ اور بعض حضرات نے كُلُّ کو ابتداء کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے، اور یہ جملہ سبب اور مسبب کے درمیان معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: كِتَابًا، کتابًا مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے اس لئے کہ اَحْصَيْنَا بمعنی كَتَبْنَا ہے ای کتبناہ کتابًا.

قَوْلُہٗ: فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا یہ جملہ ان کے کفر وتکذیب کا مسبب ہے۔

تفسیر وتشریح

جب رسول اللہ ﷺ کو خلعت نبوت سے نوازا گیا، اور آپ ﷺ نے توحید، قیامت وغیرہ کو بیان فرمایا، تو کفار آپس میں پوچھ تاچھ کرتے کہ کیا واقعی قیامت برپا ہوسکتی ہے؟ اور یہ قرآن جس کو یہ شخص اللہ کا کلام کہتا ہے کیا واقعی اللہ کا کلام ہے؟

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے منقول ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو کفار مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اس کے متعلق رائے زنی اور چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے خود ہی سوال کر کے ان امور کی حیثیت واہمیت کو واضح فرمایا اور پھر خود ہی جواب دے کر فیصلہ فرما دیا اور کَلَّا کے ذریعہ ڈانٹ ڈپٹ کر کے فرمایا کہ یہ چیزیں بحث ومباحثہ اور تنقید وتبصرہ سے سمجھ میں آنے والی نہیں ہیں، جب اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھو گے تو سب کچھ خود ہی معلوم ہو جائے گا اور یہ عنقریب ہونے والا ہے۔

نیند بہت بڑی نعمت ہے:

اللہ تعالیٰ نے عورت ومرد کے جوڑے کا ذکر کرنے کے بعد جو کہ اسباب راحت میں ایک ہے، نیند کا ذکر فرمایا، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نیند ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ انسان کی ساری راحتوں کا مدار اسی پر ہے اور اس نعمت کو اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق کے لئے ایسا عام فرما دیا ہے کہ امیر، غریب، عالم، جاہل، بادشاہ وفقیر سب کو یہ دولت یکساں اور مفت عطا ہوتی ہے، اگر دنیا کے حالات کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ غریبوں اور محنت کشوں کو یہ نعمت جیسی حاصل ہوتی ہے ویسی وہ مالداروں اور بڑے بڑے سرداروں اور بادشاہوں کو نصیب نہیں ہوتی، ان کے پاس راحت کے سامان تو ہیں مگر راحت نہیں ہے، راحت کا مکان ہے، نیز سردی گرمی کے اعتدال کا انتظام ہے گرم تکیے گدّے سب کچھ ہیں جو غریبوں کو بہت کم نصیب ہوتے ہیں، مگر نیند کی نعمت ان گدّوں، تکیوں یا کوٹھی، بنگلوں کی فضا کے تابع نہیں وہ تو حق تعالیٰ کی نعمت ہے بعض اوقات مفلس بے سامان کو یہ نعمت بغیر کسی بستر اور تکئے کے کھلی زمین پر فراوانی سے دے دی جاتی ہے اور بعض اوقات ساز وسامان والوں کو نہیں دی جاتی حتی کہ ان کو خواب آور گولیاں کھا کر بھی یہ نعمت حاصل نہیں ہوتی۔

رات کو تاریک بنایا تاکہ لوگوں کو آرام وراحت نصیب ہو اور دن کو روشن بنایا تاکہ لوگ کسب معاش کے لئے جدوجہد کریں، اور زیادہ سے زیادہ سہولت کے ساتھ انسان اپنی معاش کی جستجو کر سکے۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا، مُعْصِرات، مُعْصِرَةٌ کی جمع ہے، ایسے بادل کو کہتے ہیں جو پانی سے بھرا ہوا ہو، اور برسنے کے قریب ہو گیا ہو، اَلْمَرْاَةُ المعصرة اس عورت کو کہتے ہیں جس کی ماہواری کا وقت قریب آ گیا ہو، ثَجَّاجًا کثرت سے بہنے والا پانی، جَزَاءً وِفَاقًا پورا بدلہ، یعنی جو سزا ان کو جہنم میں دی جائے گی وہ ان کے عقائد باطلہ اور اعمال سیئہ کے مطابق ہوگی، از روئے عدل وانصاف اس میں کوئی زیادتی نہ ہوگی۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ مَكَانَ فَوْزٍ فِي الْجَنَّةِ **حَدَآئِقَ** بَسَاتِيْنَ بَدَلٌ مِنْ مَفَازًا او بَيَانٌ لَهٗ **وَاَعْنَابًا** ﴿۳۲﴾ عَطْفٌ عَلٰى مَفَازًا **وَّكَوَاعِبَ** جَوَارِيَ تَكَعَّبَتْ ثُدِيُّهُنَّ جَمْعُ كَاعِبٍ **اَتْرَابًا** ﴿۳۳﴾ عَلٰى سِنٍّ وَاحِدٍ جَمْعُ تِرْبٍ بِكَسْرِ التَّاءِ وَسُكُوْنِ الرَّاءِ **وَّكَاْسًا دِهَاقًا** ﴿۳۴﴾ خَمْرًا مَالِئَةً مَحَالَّهَا وفِي القِتَالِ وَاَنْهٰرٌ مِنْ خَمْرٍ **لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا** اي الجَنَّةِ عِنْدَ شُرْبِ الخَمْرِ وغَيْرِهِ مِنَ الْاَحْوَالِ **لَغْوًا** بَاطِلًا مِنَ القَوْلِ **وَّلَا كِذّٰبًا** ﴿۳۵﴾ بِالتَّخْفِيْفِ اي كَذِبًا وبِالتَّشْدِيْدِ

ای تکذیبًا مِن واحدٍ لِغیرِہ بخلافِ ما یقعُ فِی الدُّنیا عِندَ شُربِ الخمرِ **جَزَآءً مِّن رَّبِّكَ** ای جازاہُمُ اللّٰہُ بذلِکَ جزاءً **عَطَآءً** بدلٌ مِن جزاءً **حِسَابًا** ای کثیرًا مِن قولِہِم اَعطانِی فاَحسبَنِی ای اَکثرَ علیَّ حتّٰی قُلتُ حَسبِی **رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** بالجرِّ والرّفعِ **وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ** کذٰلِکَ وبرفعِہ مَعَ جرِّ ربِّ السَّمٰوٰتِ **لَا يَمْلِكُوْنَ** ای الخلقُ **مِنْهُ** تعالٰی **خِطَابًا** ای لا یقدِرُ اَحدٌ اَن یُخاطِبَہ خوفًا مِنہُ **يَوْمَ** ظرفٌ لِلا یملِکُونَ **يَقُوْمُ الرُّوْحُ** جبرِیلُ او جُندُ اللّٰہِ **وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا** حالٌ ای مُصطفِّینَ **لَا يَتَكَلَّمُوْنَ** ای الخلقُ **اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ** فِی الکلامِ **وَقَالَ** قولًا **صَوَابًا** مِنَ المُؤمِنِینَ والمَلائکۃِ کاَن یَّشفعُوا لِمَنِ ارتضٰی **ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ** الثابتُ وُقُوعُہ وہُوَ یومُ القِیمۃِ **فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا** مَرجِعًا ای رَجعَ اِلَی اللّٰہِ تعالٰی بطاعتِہ لِیَسلَمَ مِنَ العذابِ فِیہِ **اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ** ای کُفّارَ مکَّۃَ **عَذَابًا قَرِيْبًا** ای عذابَ یومِ القِیمۃِ الاٰتِی وکُلُّ اٰتٍ قریبٌ **يَّوْمَ** ظرفٌ لِعذابًا بصِفتِہ **يَنْظُرُ الْمَرْءُ** کُلُّ امرِءٍ **مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ** مِن خیرٍ وشرٍّ **وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يَا** حرفُ تنبِیہٍ **لَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا** یعنِی فلا اُعذَّبُ یقُولُ ذٰلِکَ عِندَ ما یقولُ اللّٰہُ تعالٰی لِلبَہائمِ بعدَ الاِقتِصاصِ مِن بعضِہا لِبعضٍ کُونِی تُرابًا.

ترجمہ: یقیناً پرہیز گاروں کے لئے کامیابی ہے (یعنی) جنت میں کامیابی کا مقام ہے، باغات ہیں (حدائق مَفَازًا سے بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے اور انگور ہیں مَفَازًا پر عطف ہے اور ہم عمر ابھری ہوئی پستانوں والی نوخیز لڑکیاں ہیں کَوَاعِب، کاعِبَۃٌ کی جمع ہے وہ لڑکیاں جو نوجوان ہوں اور ان کی پستانیں ابھری ہوئی ہوں، (اَتراب) تِربٌ کی جمع ہے ہم عمر کو کہتے ہیں اور چھلکتے ہوئے جامِ شراب ہیں (یعنی) ایسی شراب ہے جو جاموں کو بھرنے والی ہے اور سورۂ قتال میں ہے، اور شراب کی نہریں ہیں، وہاں یعنی جنت میں کسی بھی وقت نہ تو شراب پینے کے وقت اور نہ اس کے علاوہ نہ تو بیہودہ کلام ہوگا یعنی باطل قول اور نہ جھوٹی باتیں سنیں گے (کِذّابًا) تخفیف کے ساتھ بمعنی کذب اور تشدید کے ساتھ بمعنی تکذیب ہے یعنی کسی سے کسی کی تکذیب نہ سنیں گے، بخلاف اس کے جو دنیا میں شراب پینے کے وقت ہوتا ہے (یعنی دنیا میں جو شراب پی کر مستی کی حالت میں گالی گلوچ اور بکواس کرتے ہیں یہ کیفیت جنت کی شراب میں نہ ہوگی) یہ تیرے رب کی جانب سے بدلہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ جزاء عطا فرمائی جو کثیر انعام ہوگا (عطاءً) جزاءً سے بدل ہے اور یہ عرب کے قول "اعطانی فَاَحسَبَنِی" سے مشتق ہے یعنی میرے اوپر اس کثرت سے انعامات کی (بارش کی) کہ میں نے بس بس کہہ دیا (یہ بدلہ) اس رب کی طرف سے ہوگا جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کا مالک ہے (وَالْاَرْض) جر اور رفع کے ساتھ ہے (اور جو) رحمٰن ہے اس میں بھی دونوں اعراب ہیں، کسی مخلوق کو اس سے بات چیت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا یعنی خوف کی وجہ سے اس سے بات کرنے پر کوئی قادر نہ ہوگا رب پر کسرہ کے ساتھ، رحمٰن پر رفع بھی درست ہے، جس دن روح یعنی جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام یا اللہ

کالشکر اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے (صَفًّا) حال ہے بمعنی مصطفین تو کوئی مخلوق بات نہ کر سکے گی سوائے ان کے جن کو رحمٰن کلام کی اجازت دے گا اور مومنین اور فرشتوں میں سے ٹھیک بات کہے گا بایں طور کہ اس کی سفارش کریں، جس کے لئے خدا نے رضامندی ظاہر کردی، یہ دن حق ہے یعنی اس کا وقوع ثابت ہے اور وہ قیامت کا دن ہے اب جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ بنائے یعنی اس کی اطاعت کرکے اس کی طرف رجوع کرے، تاکہ وہ اس ٹھکانہ میں عذاب سے محفوظ رہے اے کفار مکہ! ہم نے تم کو عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرایا یعنی قیامت کے دن آنے والے عذاب سے، اور ہر آنے والی، قریب ہے، جس دن انسان اپنے ہاتھوں کی کمائی خیر و شر کو دیکھ لے گا (یَوْمَ) عَذَابًا کا مع اس کی صفت کے ظرف ہے اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا، یا، حرف تنبیہ ہے، یعنی پھر مجھے عذاب نہ دیا جاتا، یہ اس وقت کہے گا جب اللہ تعالیٰ جانوروں سے بعض کا بعض سے بدلہ دلوانے کے بعد کہے گا "تم مٹی ہو جاؤ"۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ یہ کلام مستانف ہے، اہل جنت کے احوال کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، اس کے ماقبل اہل نار کے احوال بیان فرمائے، لِلْمتقین، اِنَّ کی خبر مقدم اور مَفَازًا اسم مؤخر ہے، اِنَّ لِلْمتقین مَفَازًا، اِنَّ لِلطَّاغِیْنَ مآبا کے مقابلہ میں لایا گیا۔

قولہ: عطف علی مَفَازًا مناسب یہ ہے کہ اَعْنَابًا کا عطف حَدَائِقَ پر ہو اور یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہوگا۔

قولہ: ثُدِیُّهُنَّ یہ ثَدِیٌّ کی جمع ہے بمعنی پستان۔

قولہ: خَمْرًا مَالِئَةً مفسر علام نے کَأسًا کی تفسیر خَمْرًا سے کی ہے اور دهاقًا کی تفسیر مالِئَةً سے کی ہے، یعنی جام کو بھرنے والی شراب، گویا کہ ظرف بول کر مظروف مراد لیا ہے، زیادہ بہتر ہوتا کہ کَأسًا کو اپنے معنی ہی میں رہنے دیتے، اور مَالِئَةً بمعنی مُمْتَلِئَةً ہو مطلب واضح ہے، لبالب بھرا ہوا جام۔

قولہ: عِنْدَ شُرْبِ الخَمْرِ وغَیْرِهَا، ها ضمیر شُرْبٌ کی طرف راجع ہے یہاں سوال ہوگا کہ ها ضمیر مؤنث ہے اور شربٌ مذکر ہے لہٰذا شربٌ کی طرف ضمیر لوٹانا درست نہیں ہے؟

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ شُرْبٌ نے تانیث اپنے مضاف الیہ خَمْرًا سے حاصل کرلی ہے اور یہ بات درست ہے کہ مضاف الیہ کی رعایت سے مؤنث کی ضمیر لائی جائے خَمْرٌ مؤنث سماعی ہے، گو بعض اوقات مذکر بھی استعمال ہوتی ہے، اور بعض نسخوں میں غَیْرِهَا کے بجائے غَیْرِہٖ ہے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں ہوگا۔

قولہ: حِسَابًا یہ عَطَاءً کی صفت ہے، حِسَابًا اگرچہ مصدر ہے مگر قائم مقام صفت کے ہے، یا پھر بطور مبالغہ وصف ہے، یا پھر مضاف محذوف ہے، ای ذو کِفَایَةٍ اس صورت میں زیدٌ عدلٌ کے قبیل سے ہوگا۔ (صاوی)

قولہ: کذٰلک وبرفعہٖ مع جرّ ربّ یعنی ربّ کا جو اعراب ہے یعنی رفع اور جر ہے وہی اعراب الرحمٰن کا بھی ہے، ایک مزید اعراب رحمٰن میں یہ بھی ہے کہ ربّ کے جر کے باوجود رحمٰن پر رفع ہو، اس صورت میں رحمٰن، ھو مبتداء محذوف کی خبر ہوگی، یا الرحمٰن مبتداء ہوگا اور لَا یَمْلِکُوْنَ اس کی خبر ہوگی۔

تفسیر وتشریح

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا، کافروں کے احوال اور ان کی سزا کے بیان کرنے کے بعد یہاں سے مومنین کے حالات اور ان کے لئے تیار کردہ انعامات کا ذکر ہے۔

جَزَاءً مِنْ رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا، یعنی اوپر جنت کی جن نعمتوں کا ذکر آیا ہے وہ مومنین کے اعمال صالحہ کی جزاء اور ان کے رب کی جانب سے عطا ہیں، یہاں نعمتوں کو اول جزاءِ اعمال بتایا پھر عطاء ربانی فرمایا، بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ جزاء عوض اور بدلے کو کہتے ہیں اور عطاء وہ انعام ہے جو بلا کسی بدلے کے ہو؟ اس پر کہا جائے گا کہ مذکورہ دونوں لفظوں کو جمع کرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بظاہر تو جنت کے انعامات جزاء اعمال ہوں گے مگر حقیقت میں وہ عطاء ربانی اور انعامات یزدانی ہوں گے اس لئے کہ بندے کے لئے اعمال تو دنیوی انعامات کے مقابلہ میں بھی کم ہیں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ دونوں لفظوں کو لاکر یہ بتانا مقصود ہے کہ نیک بندے کو صلہ صرف استحقاق ہی کے مطابق نہیں ملے گا بلکہ اس سے کہیں زیادہ بطور عطاء، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے عنایت فرمائیں گے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ کوئی شخص محض اپنے اعمال کے بل بوتے پر جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ حق تعالیٰ کا فضل نہ ہو، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا، کیا آپ بھی یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں بھی۔

لَا یَمْلِکُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا، یعنی میدان حشر میں دربار الٰہی کے رعب کا یہ عالم ہوگا کہ اہل زمین ہوں یا اہل آسمان کسی کو بھی یہ مجال نہ ہوگی کہ از خود بغیر اجازت خداوندی کے اللہ تعالیٰ کے حضور زبان کھول سکے، یا عدالت کے کام میں مداخلت کرے کہ فلاں کو اتنا زیادہ کیوں دیا؟ اور فلاں کو اتنا کم کیوں دیا؟

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلَائِکَةُ صَفًّا، روح سے مراد بعض ائمہ تفسیر کے نزدیک جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام ہیں چونکہ حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کا ملائکہ میں ایک خاص امتیازی مقام ہے اس وجہ سے عام ملائکہ سے الگ ان کا ذکر فرمایا، اور بعض روایات میں ہے کہ روح، اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان مخصوص لشکر ہے جو فرشتے نہیں ہیں، اس تفسیر کی رو سے دو صفیں ہوں گی ایک روح کی اور دوسری فرشتوں کی۔ (معارف ملخصًا)

لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا، یہاں کلام نہ کرنے سے مراد شفاعت نہ کرنا ہے، شفاعت کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ ممکن ہوگی، ایک شرط یہ کہ جس شخص کو جس گنہگار کے حق میں شفاعت کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گی صرف وہی شخص اسی کے حق میں شفاعت کر سکے گا، دوسری شرط یہ کہ شفاعت کرنے والا بجا اور درست بات کہے یعنی بے جا سفارش نہ کرے اور جس کے معاملہ میں وہ سفارش کر رہا ہو وہ دنیا میں کم از کم کلمۂ حق کا قائل رہا ہو یعنی وہ گنہگار رہو، کافر مشرک نہ ہو۔

يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ، ظاہر یہی ہے کہ اس دن سے مراد روز قیامت ہے اور محشر میں ہر شخص اپنے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، یا اعمال نامہ کی صورت میں کہ اس کا نامۂ عمل اس کے ہاتھ میں آجائے گا جس میں وہ بچشم خود اپنے اعمال کی تفصیل دیکھ لے گا، یا اس طرح کہ اس کے اعمال متشکل ہو کر خود اس کے سامنے آجائیں گے جیسا کہ روایات حدیث سے ثابت ہے کہ وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہوگی وہ ایک زہریلے اژدہے کی شکل میں اس پر مسلط کر دیا جائے گا، اور يَوْمٌ سے موت کا دن بھی مراد ہو سکتا ہے اس وقت اعمال کو دیکھنے سے عالم برزخ میں دیکھنا مراد ہوگا۔ (مظہری)

وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا، حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز پوری زمین ایک سطح مستوی ہو جائے گی، جس میں انسان و جنات اور وحشی و پالتو جانور سب جمع کر دیئے جائیں گے، اور جانوروں میں سے اگر کسی نے دوسرے جانور پر دنیا میں ظلم کیا ہوگا تو اسے اس کا انتقام دلوایا جائے گا، حتی کہ اگر سینگ والی بکری نے بے سینگ والی بکری کو مارا ہوگا تو آج اس کو یہ بدلہ دلوایا جائے گا، جب اس سے فراغت ہوگی تو تمام جانوروں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہو جاؤ، وہ سب مٹی ہو جائیں گے، اس وقت کافر یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے اور اس وقت مٹی ہو جاتے اور حساب و کتاب اور جہنم کی سزا سے بچ جاتے۔ (معارف)

بحمد اللہ تمّ

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُوْرَةُ وَالنَّازِعَاتِ مَكِّيَّةٌ سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ والنازعات مکی ہے، چھیالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالنّٰزِعٰتِ الملائِكةِ تَنزِعُ اَرواحَ الكُفّار غَرْقًا ﴿۱﴾ نَزْعًا بِشِدَّةٍ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿۲﴾ الملائِكةِ تَنشِطُ اَرواحَ المُؤمِنِينَ اى تَسُلُّها بِرِفقٍ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿۳﴾ الملائِكةِ تَسْبَحُ مِنَ السَّماءِ بِاَمرِهٖ تَعالٰى اى تَنزِلُ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿۴﴾ اى الملائِكةِ تَسْبِقُ بِاَرواحِ المُؤمِنِينَ اِلَى الجَنَّةِ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿۵﴾ الملائِكةِ تُدَبِّرُ اَمرَ الدُّنيا اى تَنزِلُ بِتَدبِيرِهٖ وجَوابُ هٰذِهِ الاَقسامِ مَحذُوفٌ اى لَتُبْعَثُنَّ يا كُفّارَ مَكَّةَ وهُوَ عامِلٌ فِي يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾ النَّفخَةُ الاُولٰى بِها يَرجُفُ كُلُّ شَيءٍ اى يَتَزَلزَلُ فَوُصِفَتْ بِما يَحدُثُ مِنها تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۷﴾ النَّفخَةُ الثّانِيَةُ وبَينَهُما اَربَعُونَ سَنَةً والجُملَةُ حالٌ مِنَ الرّاجِفَةِ فَاليَومُ واسِعٌ لِلنَّفخَتَينِ وغَيرِهِما فَصَحَّ ظَرفِيَّتُهٗ لِلبَعثِ الواقِعِ عَقِيبَ الثّانِيَةِ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿۸﴾ خائِفَةٌ قَلِقَةٌ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿۹﴾ ذَلِيلَةٌ لِهَولِ ما تَرٰى يَقُوْلُوْنَ اى اَربابُ القُلُوبِ والاَبصارِ اِستِهزاءً واِنكارًا لِلبَعثِ ءَاِنَّا بِتَحقِيقِ الهَمزَتَينِ وتَسهِيلِ الثّانِيَةِ واِدخالِ اَلِفٍ بَينَهُما عَلَى الوَجهَينِ فِي المَوضِعَينِ لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿۱۰﴾ اى اَنُرَدُّ بَعدَ المَوتِ اِلَى الحَيوٰةِ والحافِرَةُ اِسمٌ لِاَوَّلِ الاَمرِ ومِنهُ رَجَعَ فُلانٌ فِي حافِرَتِهٖ اِذا رَجَعَ مِن حَيثُ جاءَ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿۱۱﴾ وفِي قِراءَةٍ ناخِرَةً بالِيَةً مُتَفَتِّتَةً نُحيٰى قَالُوْا تِلْكَ اى رَجعَتُنا اِلَى الحَياةِ اِذًا اِن صَحَّت كَرَّةٌ رَجعَةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۱۲﴾ ذاتُ خُسرانٍ قالَ تَعالٰى فَاِنَّمَا هِيَ اى الرّادِفَةُ الَّتِي يَعقُبُها البَعثُ زَجْرَةٌ نَفخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فَاِذا نُفِخَتْ فَاِذَا هُمْ اى كُلُّ الخَلائِقِ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾ بِوَجهِ الاَرضِ اَحياءً بَعدَ ما كانُوا بِبَطنِها اَمواتًا هَلْ اَتٰىكَ يا مُحَمَّدُ! حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۵﴾ عامِلٌ فِي اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِسمُ الوادِي بِالتَّنوِينِ وتَركِهٖ فَقالَ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ تَجاوَزَ الحَدَّ فِي الكُفرِ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اَدعُوكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وفِي قِراءَةٍ بِتَشدِيدِ الزّاي بِاِدغامِ التّاءِ الثّانِيَةِ فِي الاَصلِ فِيها تَطَهَّرُ مِنَ الشِّركِ بِاَن تَشهَدَ اَن لّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وقف لازم وقف لازم وقف لازم وقف لازم

وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ اَدُلُّكَ عَلٰى مَعْرِفَتِهٖ بِالْبُرْهَانِ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَتَخَافُهٗ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ مِنْ اٰيَاتِهِ التِّسْعِ وَهِيَ الْيَدُ اَوِ الْعَصَا فَكَذَّبَ فِرْعَوْنُ مُوْسٰى وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ اللّٰهَ تَعَالٰى ثُمَّ اَدْبَرَ عَنِ الْاِيْمَانِ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فِي الْاَرْضِ بِالْفَسَادِ فَحَشَرَ جَمَعَ السَّحَرَةَ وَجُنْدَهٗ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ لَا رَبَّ فَوْقِيْ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ اَهْلَكَهٗ بِالْغَرَقِ نَكَالَ عُقُوْبَةَ الْاٰخِرَةِ اَيْ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اَيْ قَوْلِهٖ قَبْلَهَا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ وَكَانَ بَيْنَهُمَا اَرْبَعُوْنَ سَنَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ اللّٰهَ تَعَالٰى.

ع ۴

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے ان فرشتوں کی جو کفار کی روح کو ڈوب کر سختی سے کھینچنے والے ہیں، قسم ہے ان فرشتوں کی جو نرمی سے مسلمانوں کی (روح) کو نکالنے والے ہیں یعنی روح کو آسانی کے ساتھ نکالنے والے ہیں، قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان میں تیزی سے تیرنے والے ہیں یعنی نازل ہوتے ہیں، پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو مومنین کی روحوں کو لے کر جنت کی طرف سبقت کرنے والے ہیں، پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو دنیاوی معاملات کی تدبیر کرتے ہیں یعنی اس کی تدبیر کو لے کر نازل ہوتے ہیں، ان قسموں کا جواب محذوف ہے اور وہ لَتُبْعَثُنَّ یا کُفّار مکۃ ہے، (اے کفار مکہ! تم کو ضرور اٹھایا جائے گا) اور یہی یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ میں عامل ہے، جس دن ہلا ڈالنے والا (یعنی) نفخۂ اولیٰ، اس کی وجہ سے ہر چیز کانپنے لگے گی یعنی ہر شئ متزلزل ہو جائے گی (قیامت کو) اسی صفت سے متصف کیا گیا ہے جو اس سے پیدا ہوگی، اور اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا پڑے گا یعنی دوسرا نفخہ، اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا، اور جملہ رَاجِفَةٌ سے حال ہے، (روز قیامت میں) دونوں نفخوں وغیرہما کی گنجائش ہوگی، لہٰذا روز قیامت کا اس بعث کے لئے ظرف بننا صحیح ہے جو نفخۂ ثانیہ کے بعد واقع ہوگا، بہت سے دل ہوں گے جو اس دن خوف کی وجہ سے کانپ رہے ہوں گے یعنی اضطراب کی وجہ سے خوف زدہ ہوں گے ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اس ہولناکی کی وجہ سے جس کو وہ دیکھ رہی ہوں گی، پست ہوں گی، یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں واپس لائے جائیں گے یعنی یہ قلب ونظر والے (کفار مکہ) استہزاء اور انکار بعث کے طور پر کہتے ہیں (کیا ہم پہلی حالت میں واپس لائے جائیں گے) یعنی کیا ہم مرنے کے بعد لوٹائے جائیں گے اور حافرہ اول امر کا نام ہے، اسی سے رجع فلان فی حافرته ہے (یعنی فلاں شخص اپنے سابقہ حال پر آ گیا) یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسی طرف لوٹ جائے جہاں سے آیا تھا، کیا اس وقت جب کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے اور ایک قراءت میں ناخِرَة ہے بمعنی بوسیدہ، ریزہ ریزہ، زندہ کئے جائیں گے کہتے ہیں پھر تو یہ ہمارا حیات کی طرف لوٹنا بڑے گھاٹے کا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس یہ یعنی نفخۂ ثانیہ ایک آواز ہوگی جس کے بعد بعث ہوگی جب وہ پھونک دی جائے گی تو اچانک پوری مخلوق زندہ ہو کر سطح زمین پر آ جائے گی حالانکہ وہ مردے تھے زمین کے نیچے، کیا آپ ﷺ کو اے محمد ﷺ! موسیٰ کا قصہ پہنچا ہے (حَدِيْثُ) اِذْ نَادَاهُ میں عامل ہے (نہ کہ اَتٰكَ) جب کہ ان کو ان کے

رب نے مقدس، میدان طویٰ میں پکارا (طُـوًی) ایک وادی کا نام ہے، تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین کے، تو فرمایا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ کہ اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے یعنی کفر میں حد سے تجاوز کر گیا ہے، اس سے کہو کہ کیا تیری چاہت ہے کہ میں تجھ کو ایسی چیز کی دعوت دوں جس سے تو پاک ہو جائے؟ ایک قراءت میں (تَـزَّكّٰی) میں زا کی تشدید کے ساتھ ہے، تـزکـی کی تاء ثانیہ کو اصل میں زاء میں ادغام کر کے، یعنی شرک سے پاک ہو جائے، اس طریقہ سے کہ تو لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کی شہادت دے اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں کہ تو اس سے ڈرنے لگے، یعنی دلیل کے ساتھ اس کی معرفت کی طرف تیری رہنمائی کروں پھر موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے اس کو نو نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی دکھائی اور وہ ید بیضاء یا عصاء کی نشانی ہے، مگر فرعون نے موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی پھر (اس نے) ایمان سے روگردانی کی اور فساد فی الارض کے لئے دوڑ دھوپ کرنے لگا، پھر اس نے جادوگروں اور اپنے لشکر کو جمع کیا اور پکار کر کہا میں تمہارا بڑا رب ہوں مجھ سے بڑا کوئی رب نہیں ہے، پھر اللہ نے اس کو غرق آب کے ذریعہ ہلاک کر کے آخری کلمہ اور پہلے کلمے کے عذاب میں پکڑ لیا یعنی آخری کلمہ سے پہلے کلمے کے عذاب میں (اور وہ پہلا کلمہ) "مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ" ہے اور ان دونوں کلموں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ تھا بے شک اس (مذکور) میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَلنَّازِعَاتِ (ض) نَزْعٌ سے اسم فاعل جمع مونث، کھینچ کر نکالنے والیاں، یہاں طائفة کے معنی میں ملائکہ مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ: غَرْقًا یہ حذف زوائد کے ساتھ مصدر ہے ای اِغْرَاقًا اپنے عامل النازعات کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مفعول مطلق ہے جیسے قُمْتُ وُقُوْفًا، یا قعدتُ جُلُوْسًا، یا حال ہے ای ذَوَاتَ اِغْرَاقٍ، اَغْرَقَ فی الشیئ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی معاملہ میں انتہائی حد کو پہنچ جائے۔

قَوْلُہٗ: اَلنَّاشِطَاتِ (ض) نَشْطًا سے اسم فاعل جمع مؤنث، کھولنے والیاں، سہولت کرنے والیاں، نَشَطَ فی العملِ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی چیز میں سہولت اور جلدی کرتے ہیں، نَشْـطًا اور اس کے مابعد سب اپنے عوامل کی تاکید کرنے والے مصادر ہیں۔

قَوْلُہٗ: ای تَـنْـزِلُ بتـدبیرہٖ اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ تدبیر کی نسبت ملائکہ کی جانب اسناد مجازی کے طور پر ہے، اصل مدبر اللہ تعالیٰ ہیں، اسی کے حکم سے ملائکہ تدبیر کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: لَتُبْعَثُنَّ یا کفار مکة یہ مذکورہ قسموں کا جواب ہے، کفار مکہ کی تخصیص صرف اس لئے ہے کہ وہ بعث کے منکر ہیں ورنہ بعث مومن و کافر سب کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: فَالْيَوْمُ وَاسِعٌ لِلنَّفْخَتَيْنِ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: سوال یہ ہے کہ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَة سے نفخۂ اولیٰ مراد ہے، جو کہ موت کا سبب ہوگا تو پھر وہ لَتُبْعَثُنَّ مقدر کا ظرف کس طرح ہو سکتا ہے، اس لئے کہ بعث تو نفخۂ ثانیہ کے وقت ہوگا۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ وہ دن اتنا بڑا ہوگا کہ اس میں دونوں نفخوں کی گنجائش ہوگی اگرچہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا، چالیس سال کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی دن چالیس سال کے برابر ہوگا، فَصَحَّ ظَرْفِيَّتُهٗ للبعث یعنی یوم کا بعث مقدر کے لئے ظرف واقع ہونا صحیح ہے۔

قَوْلُہٗ: تَتْبَعُهَا الرَّادِفَة، رَادِفَة کے معنی ہیں متصلاً بعد میں آنے والا، نفخۂ ثانیہ چونکہ اولیٰ کے بعد واقع ہوگا ان کے درمیان اور کوئی شئ حائل نہ ہوگی اسی وجہ سے نفخۂ ثانیہ کو رادفہ کہا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: قُلُوْبٌ يَوْمَئِذٍ واجفة، قُلُوْبٌ مبتداء ہے اور اَبْصَارُهَا اس کی خبر ہے۔

سُوَال: قُلُوْبٌ نکرہ ہے اس کا مبتداء بننا صحیح نہیں ہے؟

جَوَاب: وَاجفة، قُلُوْبٌ کی صفت مخصصہ ہے جس کی وجہ سے نکرہ کا مبتدا بننا صحیح ہے، یعنی واجفة، يَوْمَئِذٍ اپنے ظرف سے مل کر قلوب کی صفت ہے اَبْصَارُهَا میں هَا ضمیر قلوب کی طرف راجع ہے اور قلوبٌ کا مضاف محذوف ہے، ای ابصارُ اصحاب القلوب خاشعة.

تَرْكِيب: قُلُوْبٌ موصوف يَوْمَئِذٍ، وَاجِفَةٌ کا ظرف مقدم، وَاجِفَةٌ اپنے ظرفِ مقدم سے مل کر قُلُوْبٌ کی صفت، موصوف صفت سے مل کر مبتداء، اَبْصَارُهَا مبتدا ثانی، خَاشِعَةٌ اس کی خبر، مبتدا خبر سے مل کر جملہ ہو کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: فِي الْحَافِرَةِ، ای الی الحافرة، فی بمعنی الی اور حافرہ بمعنی حیات۔

قَوْلُہٗ: ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَة، اذا کا عامل محذوف ہے جس پر مردودون دلالت کر رہا ہے، ای ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا بَالِيَة نُرَدُّ وَنُبعَثُ.

قَوْلُہٗ: نَخِرَة یہ نَخِرَ الْعَظْمُ سے ماخوذ ہے بوسیدہ اور کھوکھلی ہڈی کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: قالوا تلك، تلك مبتداء ہے اور اس کا مشارٌ الیہ رجعة ہے، كَرَّةٌ بمعنی رجعةٌ موصوف ہے، خَاسِرَةٌ صفت، موصوف صفت سے مل کر مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: خَاسِرَةٌ اس کی تفسیر ذاتُ خُسْرَان سے کر کے ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا۔

سُوَال: خَاسِرَةٌ کا حمل كَرَّةٌ پر درست نہیں ہے؟

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خَاسِرَةٌ، ذات خسران کے معنی میں ہے، یا خاسِرَة سے اصحاب خسران مراد ہیں، اور اسناد مجازی ہے جیسا کہ رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ میں اسناد مجازی ہے۔

قَوْلُہٗ: فَاِذَا نُفِخَتْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ فَاِذَاهُمْ بِالسَّاهِرَة شرط محذوف کی جزاء ہے۔

قَوْلُہٗ: فقال، ای فقال تعالیٰ.

قَوْلُہٗ: بالتنوین وترکہ، یعنی طوًی اگر مَکَانٌ کے معنی میں ہوتو منصرف ہونے کی وجہ سے مُنَوَّنْ ہوگا اور اگر بُقْعَةٌ کے معنی میں ہوتو غیر منصرف ہونے کی وجہ سے غیر مُنَوَّنْ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: نَکَالَ الآخِرَةِ، آخِرَةِ سے مراد بعد والا کلمہ ہے جو کہ "اَنَا رَبُّکُمُ الاَعْلٰی" ہے اور اولٰی سے مراد پہلا کلمہ ہے اور وہ "مَا عَلِمْتُ لکم مِنْ اِلٰہٍ غیری" ہے اور بعض حضرات نے اولٰی سے عذابِ غرق اور آخرة سے عذابِ حرق مراد لیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

تَفسِیر وتَشریح

وَالنّٰزِعَاتِ غَرْقًا، نَازِعَات، نَزْعٌ سے مشتق ہے اس کے معنی کسی چیز کو کھینچ کر نکالنے کے ہیں، اور غرقًا اس کی تاکید ہے اس لئے کہ غرق اور اِغراق کے معنی پوری طاقت صرف کرنے کے ہیں "اَغْرَقَ النَّازِعُ" اس وقت بولتے ہیں جب کمان کھینچنے والا کمان کھینچنے میں پورا زور لگادے، یہ جان نکالنے والے فرشتوں کی صفت ہے، فرشتے کافروں کی جان نہایت سختی سے نکالتے ہیں، اور اس سختی کا تعلق روح سے ہوتا ہے اگر کسی کافر یا مجرم کی جان بظاہر آسانی سے نکلتی معلوم ہوتو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی روح کو سختی سے نہیں نکالا گیا۔

وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا، نَشْطٌ گرہ کھولنے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح گرہ کھولنے کے بعد چیز آسانی سے نکل جاتی ہے، اسی طرح مومن کی روح بھی فرشتے آسانی سے نکالتے ہیں۔

وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا، سَبْحٌ کے لغوی معنی تیرنے کے ہیں، یہاں تیزی سے چلنا مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ روح قبض کرنے کے بعد فرشتے روح کو لے کر تیزی سے بلا روک ٹوک آسمانوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا، یعنی ان فرشتوں کی قسم جو سبقت کرنے والے ہیں، کس چیز میں سبقت کرنے والے ہیں؟ تو واضح رہے کہ یہاں روحوں کو ان کے ٹھکانے پر پہنچانے میں سبقت کرنا مراد ہے، ورنہ تو اس امر خاص میں سبقت اور عجلت کے علاوہ فرشتے ہر امر خداوندی کی بجا آوری میں سبقت کرتے ہیں۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا، یعنی امر الٰہی کی تدبیر وتنفیذ کرنے والے ہیں، امر الٰہی کی تدبیر وتنفیذ سے روح کے معاملے میں تدبیر وتنفیذ مراد ہے اور اس کے علاوہ اور دیگر امور میں بھی تدبیر وتنفیذ مراد ہو سکتی ہے۔

خُلاصَہ: یہاں پانچ اوصاف رکھنے والی ہستیوں کی قسم جس بات پر کھائی گئی ہے اس کی وضاحت نہیں کی گئی لیکن بعد کا مضمون اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ قیامت ضرور آئے گی اور تمام مردوں کو از سرِ نو ضرور زندہ کیا جائے گا، نیز اس امر کی وضاحت بھی نہیں کی گئی کہ یہ اوصاف کن ہستیوں کے ہیں لیکن صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور تابعین اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ ان سے مراد فرشتے ہیں۔

نفس اور روح سے متعلق قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث مشکوٰۃ میں بحوالہ مسند احمد مذکور ہے، اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نفس انسان ایک لطیف جسم ہے جو اس کے جسم کثیف میں سمایا ہوا ہے اور وہ انہی مادی عناصر اربعہ سے بنا ہے، فلاسفہ اور اطباء اسی کو روح کہتے ہیں، مگر در حقیقت روح انسانی ایک جوہر مجرد اور لطیفۂ ربانی ہے جو اس طبعی روح یعنی نفس کے ساتھ ایک خاص ربط و تعلق رکھتا ہے اور اس طبعی روح یعنی نفس کی حیات خود اس لطیفۂ ربانی پر موقوف ہے، اس کو روح الروح بھی کہہ سکتے ہیں، کہ جسم کی زندگی نفس سے اور نفس کی زندگی روح سے ہے، اس لطیفۂ ربانی کا تعلق اس جسم لطیف (نفس) کے ساتھ کس قسم کا ہے؟ اس کی حقیقت کا علم ان کے پیدا کرنے والے کے علاوہ کسی کو نہیں، اور یہ جسم لطیف جس کا نام نفس ہے اس کو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک آئینہ کے مثل بنایا ہے جو آفتاب کے بالمقابل رکھ دیا گیا ہو تو آفتاب کی روشنی اس میں ایسی آجاتی ہے کہ یہ خود آفتاب کی طرح روشنی پھیلاتا ہے، نفس انسانی اگر تعلیم وحی کے مطابق ریاضت و محنت کر لیتا ہے تو وہ بھی منور ہو جاتا ہے یہی وہ جسم لطیف ہے جس کو فرشتے اوپر لے جاتے ہیں اور یہی جسم لطیف اعمال صالحہ سے منور اور خوشبودار ہو جاتا ہے اور کفر و شرک سے تاریک و بدبودار ہو جاتا ہے، روح مجرد کا تعلق بواسطہ جسم لطیف یعنی نفس کے واسطے سے ہوتا ہے، اس جسم لطیف پر موت طاری نہیں ہوتی قبر (برزخ) کا عذاب و ثواب بھی اسی روح سے متعلق ہوتا ہے اس نفس کا تعلق قبر (برزخ) سے رہتا ہے اور روح مجرد اعلیٰ علیین میں رہتی ہے، اور روح مجرد اس ثواب و عقاب سے بواسطہ نفس متاثر ہوتی ہے، اس طرح روح کا قبر میں ہونا بمعنی نفس کے صحیح ہے اور اس کا عالم ارواح میں ہونا بمعنی روح مجرد صحیح ہے، اس سے ان روایات مختلفہ میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں سے بعض کی رو سے روح کا قبر میں ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض سے اعلیٰ علیین میں ہونا۔

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ، سَاهِرَة، سے مراد سطح زمین ہے، قیامت کے دن پوری زمین سطح اور چٹیل میدان ہو جائے گی، نہ کہیں نشیب و فراز ہوگا اور نہ آڑ پہاڑ، اس کے بعد کفار اور منکرین بعث کی ضد سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچی تھی اس کا ازالہ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بیان کر کے کیا گیا ہے کہ مخالفین سے ایذاء پہنچ جانا کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں، انبیاء سابقین علیہم السلام کو بھی بڑی بڑی اذیتیں دی گئی تھیں انہوں نے صبر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صبر کیجئے۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی، ''نکال'' ایسے عذاب کو کہا جاتا ہے جس کو دیکھ کر دوسروں کو عبرت حاصل ہو، ''آخرة'' اور ''اولی'' کا مطلب مفسر علام نے جو لیا ہے وہ تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکا ہے، ملاحظہ فرما لیا جائے، بعض حضرات نے نکال الآخرة سے فرعون کے لئے عذابِ آخرت مراد لیا ہے، اور نکال اولی سے مراد وہ عذاب ہے جو دنیا میں اس کی پوری قوم کو غرقِ دریا ہو جانے سے پہنچا۔ (معارف)

ءَاَنْتُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهِ اَیْ

مُنْكِرُوا البَعْثِ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ اَشَدُّ خَلْقًا بَنٰهَا ﴿٢٧﴾ بَيَانٌ لِكَيْفِيَةِ خَلْقِهَا رَفَعَ سَمْكَهَا تَفْسِيرٌ لِكَيْفِيَةِ البِنَاءِ اي جَعَلَ سَمْتَهَا مِنْ جِهَةِ العُلُوِّ رَفِيعًا وقِيلَ سَمْكُهَا سَقْفُهَا فَسَوّٰهَا ﴿٢٨﴾ جَعَلَهَا مُسْتَوِيَةً بلاعَيْبٍ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا اَظْلَمَهُ وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ﴿٢٩﴾ اَبْرَزَ نُورَ شَمْسِهَا وأُضِيفَ اِلَيْهَا اللَّيْلُ لِاَنَّهُ ظِلُّهَا والشَّمْسُ لِاَنَّهَا سِرَاجُهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ﴿٣٠﴾ بَسَطَهَا وَكَانَتْ مَخْلُوقَةً قَبْلَ السَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ دَحْوٍ اَخْرَجَ حَالٌ بِاِضْمَارِ قَدْ اي مُخْرِجًا مِنْهَا مَآءَهَا بِتَفْجِيرِ عُيُونِهَا وَمَرْعٰهَا ﴿٣١﴾ مَا تَرْعَاهُ النَّعَمُ مِنَ الشَّجَرِ والعُشْبِ وَمَا يَاكُلُهُ النَّاسُ مِنَ الاَقْوَاتِ والثِّمَارِ واِطْلَاقُ المَرْعٰى عَلَيْهِ اِسْتِعَارَةٌ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ﴿٣٢﴾ اَثْبَتَهَا عَلٰى وَجْهِ الاَرْضِ لِتَسْكُنَ مَتَاعًا مَفْعُولٌ لَهُ لِمُقَدَّرٍ اي فَعَلَ ذٰلِكَ مُتْعَةً او مَصْدَرٌ اي تَمْتِيعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾ جَمْعُ نَعَمٍ وَهِيَ الاِبِلُ والبَقَرُ والغَنَمُ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ بَدَلٌ مِنْ اِذَا مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ فِي الدُّنْيَا مِنْ خَيْرٍ وشَرٍّ وَبُرِّزَتِ اُظْهِرَتِ الْجَحِيْمُ النَّارُ المُحْرِقَةُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ رَاءٍ وَجَوَابُ اِذَا فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾ كَفَرَ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ بِاتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾ مَاْوَاهُ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ قِيَامَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَنَهَى النَّفْسَ الاَمَّارَةَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ المُرْدِي بِاتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾ وحَاصِلُ الجَوَابِ فَالعَاصِي فِي النَّارِ والمُطِيعُ فِي الجَنَّةِ يَسْـَٔلُوْنَكَ اي كُفَّارُ مَكَّةَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿٤٢﴾ مَتٰى وُقُوعُهَا وقِيَامُهَا فِيْمَ فِي اَيِّ شَيْءٍ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ﴿٤٣﴾ اي لَيْسَ عِنْدَكَ عِلْمُهَا حَتّٰى تَذْكُرَهَا اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿٤٤﴾ مُنْتَهٰى عِلْمِهَا لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ اِنَّمَا يَنْفَعُ اِنْذَارُكَ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿٤٥﴾ يَخَافُهَا كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا فِي قُبُورِهِمْ اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿٤٦﴾ اي عَشِيَّةَ يَوْمٍ او بُكْرَتَهُ وَصَحَّ اِضَافَةُ الضُّحٰى اِلَى العَشِيَّةِ لِمَا بَيْنَهُمَا مِنَ المُلَابَسَةِ اِذْ هُمَا طَرَفَا النَّهَارِ وَحَسَّنَ الاِضَافَةَ وُقُوعُ الكَلِمَةِ فَاصِلَةً.

ترجمہ: اے بعث کے منکرو! کیا تمہاری تخلیق زیادہ دشوار ہے یا آسمان کی؟ (ءَاَنْتُمْ) دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کو الف سے بدل کر اور ثانی کی تسہیل کے ساتھ اور مسہلہ اور دوسرے کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال کے ساتھ، اللہ نے اس کو بنایا یہ آسمان کی تخلیق کی کیفیت کا بیان ہے، اس کو بلند و بالا بنایا یہ کیفیت بناء کا بیان ہے یعنی اس کی بلندی کو اونچا کیا، کہا گیا ہے کہ رَفَعَ سَمْكَهَا سے مراد رَفَعَ سَقْفَهَا ہے، یعنی اس کی چھت خوب اونچی اٹھائی، پھر اس کو ٹھیک ٹھاک کیا (یعنی) اس کو بلا نقص کے سپاٹ بنایا، اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کا دن نکالا یعنی اس کے آفتاب کا نور ظاہر کیا، اور لیل کی اضافت آسمان کی جانب اس لئے کی کہ رات اس کا سایہ ہے اور شمس کی اضافت آسمان کی طرف کی گئی ہے اس لئے کہ شمس اس کا چراغ ہے، اور اس کے بعد زمین کو بچھایا وہ بغیر بچھائے اس کی تخلیق خلق سماء سے پہلے ہی ہو چکی تھی، اور اس سے اس کا پانی

نکالا اس کے چشموں کو جاری کر کے (اَخْرَجَ) قد کے اضمار کے ساتھ حال ہے مُخرِجًا کے معنی میں، اور اس کے چارے کو نکالا یعنی وہ جس کو مویشی کھاتے ہیں خواہ درخت کے قبیل سے ہو یا گھاس کے، اور وہ چیز پیدا کی جس کو انسان کھاتے ہیں خواہ غلہ ہو یا پھل، اور انسانی خوراک پر مرعیٰ کا اطلاق بطور استعارہ (مجاز) کے ہے، اور پہاڑوں کو اس پر قائم کر دیا یعنی زمین پر ثبت کر دیا، تاکہ اس کا اضطراب ختم ہو جائے، یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے ہیں (مَتَاعًا) فعل مقدر کا مفعول لہٗ ہے ای فَعَلَ ذٰلِكَ مُتْعَةً یا مَتَاعًا بمعنی تمتیعًا مصدر ہے (اس کا بھی فعل مَتَّعْنَا مقدر ہوگا ای مَتَّعْنَا تمتیعًا) اَنْعَامٌ، نَعَمٌ کی جمع ہے اور اَنْعام اونٹ، گائے اور بکری کو کہتے ہیں، سو جب ہنگامۂ عظیم آوے گا یعنی نفخۂ ثانیہ، یعنی جس دن انسان دنیا میں اپنے کئے ہوئے خیر و شر کو یاد کرے گا (یَوْمَ) اِذَا سے بدل ہے اور ہر دیکھنے والے کے سامنے جہنم یعنی جلا دینے والی آگ ظاہر کی جائے گی اور اِذَا کا جواب فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ہے تو جس شخص نے سرکشی یعنی کفر کیا اور خواہشات کی اتباع کی وجہ سے دنیوی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے، ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس امارہ کو شہوتوں کی اتباع کے ذریعہ ہلاک کرنے والی خواہشات سے روکا ہوگا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہی ہے، اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ نافرمان دوزخ میں ہوگا اور فرمانبردار جنت میں، کفار مکہ آپ ﷺ سے قیامت واقع ہونے کا وقت دریافت کرتے ہیں یعنی یہ کہ اس کا وقوع اور قیام کب ہوگا؟ اس کے بیان کرنے سے آپ ﷺ کا کیا تعلق، یعنی آپ ﷺ کے پاس اس کا علم نہیں ہے کہ آپ ﷺ اس کو بیان کریں، اس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے (یعنی) وقوع قیامت کے علم کی انتہا (اسی کی طرف ہے) یعنی اللہ کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا، آپ ﷺ تو صرف اس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے والے ہیں یعنی آپ ﷺ کا ڈرانا صرف اس شخص کو فائدہ دے گا جو اس سے ڈرے گا، جس روز یہ اسے دیکھ لیں گے، تو ایسا معلوم ہوگا کہ وہ اپنی قبروں میں صرف دن کے پچھلے پہر یا اگلے پہر کی مقدار رہے ہیں یعنی ایک دن کی شام یا صبح کی مقدار، اور ضُحٰی کی اضافت عَشِیَّةً کی جانب اس وجہ سے ہے کہ ان کے درمیان تعلق ہے، اس لئے کہ دونوں دن کے کنارے ہیں اور اضافت کو کلمۂ فاصلہ (او) کے واقع ہونے نے حسین بنا دیا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ءَاَنْتُمْ یہ استفہام منکرین بعث کی توبیخ کے لئے ہے۔

قولہ: بتحقیق الھمزتین ای مع اِدْخالِ الالفِ وَتَرکہٖ، پہلا ہمزہ ہمیشہ محقق ہی ہوتا ہے تسہیل و تحقیق صرف دوسرے میں ہوتی ہے، لہٰذا دونوں ہمزوں کے محقق ہونے کی صورت میں ادخال الف اور ترک ادخال، یہ دو قراءتیں ہوئیں اور دوسرے ہمزہ کے مسہلہ ہونے کی صورت میں بھی ادخال الف اور ترکِ ادخال، دو یہ ہوئیں، اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر ایک قراءت یہ ہوئی، کل پانچ قراءتیں ہوگئیں۔

قَوْلُہٗ: اَشَدُّ خَلْقًا اس سے اشارہ کردیا ہے کہ اَمِ السَّمآءُ مبتداء ہے اور اَشَدُّ خلقًا اس کی خبر محذوف ہے۔
قَوْلُہٗ: وَالْاَرْضَ، اَلْاَرْضَ اشتغال کی وجہ سے منصوب ہے۔
قَوْلُہٗ: كانت مخلوقة یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔
سَوَال: سوال یہ ہے کہ سورۂ فصلت میں ہے کہ ابتداء تخلیق، ارض سے ہوئی اس کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی اور یہاں اس کا عکس ہے جو تعارض ہے؟
جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ زمین کے مادہ کی تخلیق تو تخلیقِ آسمان سے مقدم ہی ہے مگر اس کا پھیلانا اور بچھانا بعد میں ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔
قَوْلُہٗ: واطلاق المرعٰى عليه استعارة یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ انسان کی غذا پر چارے کا اطلاق کیا گیا ہے جو کہ مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ چارا جانور کی خوراک کو کہا جاتا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ اطلاق بطور مجاز کے ہے یعنی اس سے مطلقاً ماکول مراد ہے، جس میں انسانی اور حیوانی دونوں غذائیں شامل ہیں۔
قَوْلُہٗ: وجوابُ اِذَا فَاَمَّا مَنْ طَغٰى الخ یعنی اِذَا کا جواب فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ہے، اس میں قدرے تسہّل ہے، اس لئے کہ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى یہ دنیا میں لوگوں کی حالت کا بیان ہے اور فَاِذَا جَاءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى آخرت میں لوگوں کی حالت کا بیان ہے جس کی وجہ سے جزاء اور شرط دو الگ الگ مقاموں میں ہوں گی، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اِذَا کا جواب محذوف مانا جائے جیسا کہ دیگر مفسرین نے مانا ہے، اور وہ یہ ہے "دَخَلَ اَهْلُ النَّارِ النَّارَ وَاَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ"۔
قَوْلُہٗ: مَأواه اس میں اشارہ ہے کہ هِيَ الْمَاوٰى میں الف لام ضمیر کے عوض میں ہے جو کہ "مَنْ طَغٰى" کی جانب لوٹ رہی ہے "اِذَا" کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ عاصی دوزخ میں اور مطیع جنت میں ہوں گے، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اِذَا کا جواب فَاَمَّا مَنْ طَغٰى کو قرار دینے کے بجائے محذوف مانا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا، جیسا کہ سابق میں اشارہ کیا گیا۔ (صاوی)
قَوْلُہٗ: فِيْمَ اَنْتَ، فِيْمَ اصل میں فِيْمَا تھا قاعدہ معروفہ کی وجہ سے الف کو حذف کردیا گیا، اور فِيْمَ خبر مقدم ہے اور اَنْتَ مبتداء مؤخر ہے۔
قَوْلُہٗ: وصح اضافة الضحٰى یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔
سَوَال: سوال یہ ہے کہ رات کے لئے ضحٰی نہیں ہوتا ضحٰی تو دن کے لئے ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ضحٰی کی اضافت عشية کی طرف لوٹنے والی ضمیر کی طرف کی گئی ہے؟
جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ عشية اور ضحٰى دونوں یوم کے اطراف (کنارے) ہیں لہٰذا ان دونوں کے درمیان ربط و تعلق ہے، اسی وجہ سے ایک کی اضافت دوسرے کی طرف درست ہے۔

قَوْلُہٗ: وَحَسَّنَ الاِضَافَةَ وُقُوْعُ الْكَلِمَةِ فَاصِلَةً مطلب یہ ہے کہ اس ادنی مناسبت کی وجہ سے اضافت میں، فواصل آیات کی رعایت نے حسن پیدا کر دیا۔

تفسیر و تشریح

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا، یہ کفار مکہ کو خطاب ہے اور مقصد زجر و توبیخ ہے، مطلب یہ ہے کہ تم جو موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کو بڑا ہی امر محال سمجھتے ہو اور بار بار کہتے ہو کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو ہمارے جسم کے پراگندہ اور منتشر اجزاء دوبارہ جمع کر دیئے جائیں؟ اور ان میں جان ڈال دی جائے؟ کبھی تم اس بات پر بھی غور کرتے ہو کہ اس عظیم کائنات کا بنانا زیادہ مشکل کام ہے یا تمہارا دوبارہ پیدا کرنا؟ جس خدا کے لئے اتنی بڑی اور عظیم کائنات کو پیدا کر دینا کوئی مشکل کام نہیں، تو اس کے لئے آخر تمہارا دوبارہ پہلی شکل میں پیدا کر دینا کیوں مشکل ہے؟

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا، اَغْطَشَ بمعنی اَظْلَمَ اور اَخْرَجَ کا مطلب ہے اَبْرَزَ، اور نہار کی جگہ ضُحٰهَا اس لئے کہا کہ چاشت کا وقت سب سے اچھا اور عمدہ ہے مطلب یہ ہے کہ دن کو سورج کے ذریعہ روشن کیا۔

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا اس آیت میں زمین کو پھیلانے اور ہموار کرنے کا ذکر ہے، خلق یعنی (پیدا کرنا) اور چیز ہے اور دَحْی (پھیلانا) اور چیز ہے، زمین کا مادہ تخلیق آسمان سے پہلے پیدا کیا البتہ زمین کو ہموار تخلیق آسمان کے بعد کیا اور پھیلانے کا مطلب صرف ہموار کرنا ہی نہیں ہے بلکہ زمین کو رہائش کے قابل بنانا اور اس پر رہنے بسنے والوں کے لئے تمام ضروریات زندگی کے اسباب مہیا کرنا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى الخ، اول اہل جہنم کی خاص علامات بیان کی گئی تھیں اور وہ دو ہیں: اول طغیان، یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مقابلہ میں سرکشی اختیار کرنا، اور دوسرے دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینا، ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم بتایا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ الخ، اس آیت میں اہل جنت کی دو علامتوں کو بیان فرمایا، اول یہ کہ جس شخص کو دنیا میں ہر عمل کے کرنے کے وقت یہ خوف اور اندیشہ لگا رہا کہ مجھے ایک روز حق تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر اپنے تمام اعمال کی جواب دہی کرنی ہے، دوسرے اپنے نفس کو ناجائز خواہشات سے قابو میں رکھا، جس نے دنیا میں یہ دو وصف حاصل کر لئے اس کے لئے قرآن کریم یہ خوشخبری دے رہا ہے کہ اس کا ٹھکانہ جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

تمت بحمد اللہ

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعٌ وَّاحِدٌ

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ اِثْنَتَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ عبس مکی ہے، بیالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ عَبَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَحَ وَجْهَهٗ **وَتَوَلّٰى**① اَعْرَضَ لِاَجْلِ **اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰى**② عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَقَطَعَهٗ عَمَّا هُوَ مَشْغُوْلٌ بِهٖ مِمَّنْ يَرْجُوْا اِسْلَامَهٗ مِنْ اَشْرَافِ قُرَيْشٍ الَّذِيْ هُوَ حَرِيْصٌ عَلٰى اِسْلَامِهِمْ وَلَمْ يَدْرِ الْاَعْمٰى اَنَّهٗ مَشْغُوْلٌ بِذٰلِكَ فَنَادَاهُ عَلِّمْنِيْ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَيْتِهٖ فَعُوْتِبَ فِيْ ذٰلِكَ بِمَا نَزَلَ فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ يَقُوْلُ لَهٗ اِذَا جَاءَ مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِيْ فِيْهِ رَبِّيْ وَيَبْسُطُ لَهٗ رِدَاءَهٗ **وَمَا يُدْرِيْكَ** يُعْلِمُكَ **لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى**③ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الزَّايِ اَيْ يَتَطَهَّرُ مِنَ الذُّنُوْبِ بِمَا يَسْمَعُ مِنْكَ **اَوْ يَذَّكَّرُ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ اَيْ يَتَّعِظُ **فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى**④ الْعِظَةُ الْمَسْمُوْعَةُ عَنْكَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِنَصْبِ تَنْفَعَهٗ جَوَابُ التَّرَجِّيْ **اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى**⑤ بِالْمَالِ **فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى**⑥ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ الصَّادِ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِيْهَا تُقْبِلُ وَتَتَعَرَّضُ **وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى**⑦ يُؤْمِنُ **وَاَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعٰى**⑧ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ جَاءَ **وَهُوَ يَخْشٰى**⑨ اللّٰهَ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ يَسْعٰى وَهُوَ الْاَعْمٰى **فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى**⑩ فِيْهِ حَذْفُ التَّاءِ الْاُخْرٰى فِي الْاَصْلِ اَيْ تَتَشَاغَلُ **كَلَّآ** لَا تَفْعَلْ مِثْلَ ذٰلِكَ **اِنَّهَا** السُّوْرَةَ اَوِ الْاٰيَاتِ **تَذْكِرَةٌ**⑪ عِظَةٌ لِلْخَلْقِ **فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهٗ**⑫ حَفِظَ ذٰلِكَ فَاتَّعَظَ بِهٖ **فِيْ صُحُفٍ** خَبَرٌ ثَانٍ لِاَنَّهَا وَمَا قَبْلَهٗ اِعْتِرَاضٌ **مُّكَرَّمَةٍ**⑬ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى **مَّرْفُوْعَةٍ** فِي السَّمَاءِ **مُّطَهَّرَةٍ**⑭ مُنَزَّهَةٍ عَنْ مَسِّ الشَّيَاطِيْنِ **بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ**⑮ كَتَبَةٍ يَنْسَخُوْنَهَا مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ **كِرَامٍ بَرَرَةٍ**⑯ مُطِيْعِيْنَ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَهُمُ الْمَلَائِكَةُ **قُتِلَ الْاِنْسَانُ** لُعِنَ الْكَافِرُ **مَآ اَكْفَرَهٗ**⑰ اسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ اَيْ مَا حَمَلَهٗ عَلَى الْكُفْرِ **مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ**⑱ اسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ ثُمَّ بَيَّنَهٗ فَقَالَ **مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ**⑲ عَلَقَةً ثُمَّ مُضْغَةً اِلٰى اٰخِرِ خَلْقِهٖ **ثُمَّ السَّبِيْلَ** اَيْ طَرِيْقَ خُرُوْجِهٖ مِنْ بَطْنِ اُمِّهٖ **يَسَّرَهٗ**⑳

وقف لازم

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ جَعَلَهٗ فِي قَبْرٍ يَسْتُرُه ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ لِلْبَعْثِ كَلَّا حَقًّا لَمَّا يَقْضِ لم يَفْعَلْ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ بِه رَبُّهٗ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ نَظَرَ اِعْتِبَارٍ اِلٰى طَعَامِهٖ ﴿۲۴﴾ كَيْفَ قَدَّرَ وَدَبَّرَ لَهٗ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ مِنَ السَّحَابِ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ بِالنَّبَاتِ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ كَالْحِنْطَةِ والشَّعِيْرِ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ هُوَ الْقَتُّ الرَّطْبُ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ بَسَاتِيْنَ كَثِيْرَةَ الْاَشْجَارِ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَا تَرْعَاهُ الْبَهَائِمُ وَقِيْلَ التِّبْنُ مَّتَاعًا مُتْعَةً او تَمْتِيْعًا كَمَا تَقَدَّمَ فِي السُّوْرَةِ قَبْلَهَا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ تقدم فيها اَيْضًا فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ زوجته وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ يَوْمَ بَدَلٌ مِنْ اِذَا وجوابُهَا دَلَّ عَلَيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ حَالٌ يَشْغَلُهٗ عَنْ شَانِ غَيْرِهٖ اَيْ اشْتَغَلَ كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهٖ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ مُضِيْئَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ فَرِحَةٌ وهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ غُبَارٌ تَرْهَقُهَا تَغْشَاهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ ظُلْمَةٌ وسَوَادٌ اُولٰٓئِكَ اَهْلُ هٰذِهِ الْحَالَةِ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ اي الجَامِعُوْنَ بَيْنَ الْكُفْرِ والفُجُوْرِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، ترش رو ہوئے محمد ﷺ یعنی منہ بنایا، اور اعراض کیا، اس وجہ سے کہ نابینا ان کے پاس آیا، عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سو اس نے آپ ﷺ کے اس کام میں خلل ڈالا جس میں آپ ﷺ مشغول تھے ان لوگوں کے ساتھ اشراف قریش میں سے جن کے اسلام کی آپ ﷺ امید رکھتے تھے، اس لئے کہ آپ ﷺ ان کے اسلام کے بڑے حریص تھے، اور نابینا کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ آپ ﷺ کسی (اہم کام) میں مشغول ہیں، تو اس نے آپ ﷺ کو پکارنا شروع کر دیا کہ مجھے اس میں سے کچھ سکھا دو جو اللہ نے آپ ﷺ کو سکھایا ہے پھر آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے، اس بارے میں آپ ﷺ پر عتاب فرمایا گیا اس کے ذریعہ جو اس سورت میں نازل ہوا، تو اس کے بعد آپ ﷺ عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کرتے تھے جب وہ آیا کرتے تھے، اس شخص کے لئے مرحبا ہو جس کے بارے میں مجھ پر میرے رب نے عتاب فرمایا اور آپ ﷺ ان کے لئے اپنی چادر بچھا دیا کرتے تھے، اور آپ کو کیا معلوم شاید کہ وہ سنور جاتا یَزَّکّٰی میں تاء کا ادغام ہے اصل زاء میں یعنی گناہوں سے پاک ہو جاتا آپ ﷺ کی باتیں سن کر اور نصیحت قبول کرتا (یَذَّکَّرُ) میں اصل میں تاء کا ادغام ہے ذال میں، یعنی نصیحت قبول کرتا، اور نصیحت اس کے لئے نافع ہوتی یعنی آپ ﷺ سے سنی ہوئی نصیحت اس کے لئے سودمند ہوتی اور ایک قراءت میں جواب ترجی کی وجہ سے تَنْفَعَهٗ نصب کے ساتھ ہے، جو شخص مال کی وجہ سے بے پرواہی کرتا ہے آپ ﷺ اس کی فکر میں تو پڑے ہیں اور ایک قراءت میں صاد کی تشدید کے ساتھ ہے، اصل میں تاء ثانیہ کو صاد میں ادغام کر کے (یعنی) توجہ کرتے ہیں اور فکر کرتے ہیں، حالانکہ اگر وہ نہ ایمان لائے تو آپ ﷺ پر اس کی کوئی ذمہ

داری نہیں، اور جو آپ ﷺ کے پاس دوڑا آتا ہے کے فاعل سے حال ہے اور وہ اللہ سے ڈرتا بھی ہے یہ یسعیٰ کے فاعل سے حال ہے اور وہ نابینا ہے سو آپ ﷺ اس سے بے رخی برتتے ہیں اس میں اصل میں تاء ثانیہ کا حذف ہے، یعنی آپ ﷺ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں، خبردار! آپ ﷺ ایسا ہرگز نہ کریں، یہ سورت یا آیات تو نصیحت ہیں مخلوق کے لئے، جس کا جی چاہے اسے قبول کرے (یاد رکھے) اور نصیحت حاصل کرے، یہ ایسے صحیفوں میں درج ہیں جو عنداللہ مکرم ہیں (فی صحف) اِنّ کی خبر ثانی ہے اور اس کے ماقبل جملہ معترضہ ہے، آسمان میں بلند مرتبہ ہیں شیاطین کے مس کرنے سے پاکیزہ ہیں معزز اور نیک یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار کاتبوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں، جو اس کو لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں، اور وہ ملائکہ ہیں، لعنت ہو کافر انسان پر کیسا سخت منکر حق ہے؟ استفہام توبیخ کے لئے ہے یعنی کس نے اس کو کفر پر آمادہ کیا؟ کیسی حقیر چیز سے (اللہ نے) اس کو پیدا کیا یہ استفہام تقریری ہے، پھر اس کو (خود ہی) بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا نطفہ سے، اس کی صورت بنائی پھر اس میں مختلف اطوار جاری فرمائے (اول) دمِ بستہ بنایا پھر گوشت کا لوتھڑا بنایا، اس کی تخلیق کے مکمل ہونے تک تغیرات کو جاری فرمایا پھر اس کی ماں کے پیٹ سے اس کے نکلنے کا راستہ آسان فرمایا، پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچایا یعنی اس کو ایسی قبر میں پہنچادیا جس نے اس کو چھپالیا، پھر جب اللہ چاہے گا اسے بعث کے لئے زندہ کرے گا، ہرگز نہیں اس نے وہ فرض ادا نہیں کیا جس کا اس کو اس کے رب نے حکم دیا پھر انسان ذرا نظر عبرت سے اپنی خوراک کو دیکھے کہ کس طرح اس کو مقدر کیا اور اس کے لئے تدبیر کی، کہ ہم نے بادلوں سے خوب پانی برسایا پھر ہم نے نباتات کے ذریعہ زمین کو عجیب طریقہ سے پھاڑا پھر ہم نے اس میں غلہ مثلاً گندم، جو، اور انگور اور سبزہ اور وہ ہرا چارہ ہے زیتون اور کھجور اور گھنے باغ (یعنی) بکثرت درختوں والے باغات اور میوے اور چارہ پیدا کیا جس کو مویشی چرتے ہیں اور کہا گیا ہے، گھاس (پیدا کی) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کے لئے تاکہ فائدہ پہنچائے تم کو فائدہ پہنچانا، جیسا کہ اسی سورت میں اس سے پہلے گذر چکا ہے، (وَلِاَنْعَامِکُمْ) کی تفسیر بھی ابل، بقر، غنم سے سابق میں گذر چکی ہے پھر آخر جب وہ کانوں کو بہرہ کردینے والی آواز آئے گی یعنی نفخۂ ثانیہ، اس روز آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا یَوْمَ، اِذَا سے بدل ہے اور اس کا جواب وہ ہے جس پر لِکُلِّ امْرِئٍ دلالت کرتا ہے، اس دن میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا کہ جو اس کو کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہونے دے گا، (یعنی) ایسا حال ہوگا جو اس کو دوسروں کے حال سے بے خبر کردے گا یعنی ہر شخص اپنے حال میں مبتلا ہوگا، کچھ چہرے اس روز روشن ہشاش بشاش ہوں گے یعنی خوش و خرم ہوں گے اور وہ مؤمن ہیں، اور کچھ چہرے اس روز خاک آلود ہوں گے جن پر ظلمت چھائی ہوگی یعنی تاریکی اور سیاہی، یہی اس حالت والے کافر اور فاجر لوگ ہوں گے یعنی کفر و فجور کے جامع ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہُ: عبس وتولی (ض) عَبْسًا، عُبُوْسًا، ترش رو ہونا، چیں بہ جبیں ہونا، اظہار نا گواری کرنا، ماتھے پر بل ڈالنا، اور اگر ماتھے پر بل ڈالنے کے ساتھ دانت بھی ظاہر ہو جائیں تو کَـلَحٌ کہتے ہیں اور اگر منہ بھی بنایا جائے تو بُسْرٌ کہتے ہیں اور ساتھ میں غصہ بھی ہو تو بَسْلٌ کہتے ہیں (لغات القرآن) عَبَسَ اور وَتَولّٰی میں غائب کے صیغے استعمال فرمانا، انتہائی لطف وکرم کے اظہار کے طور پر ہے کہ عتاب کے وقت حاضر کے صیغے استعمال نہیں فرمائے؛ تاکہ ایسا معلوم ہو کہ جس کام پر عتاب کیا جارہا ہے وہ آپ ﷺ نے نہیں کیا؛ بلکہ کسی اور نے کیا ہے، پھر آگے وَمَایُدْرِیْكَ، وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّکّٰی میں حاضر کے صیغے سے خطاب فرمایا، اس میں بھی آپ ﷺ کی دل جوئی اور احترام ملحوظ ہے اگر بالکل خطاب کا صیغہ نہ فرماتے تو اس سے اعراض کا شبہ پیدا ہوسکتا تھا جس سے آپ ﷺ کو ناقابل برداشت رنج وغم ہوتا۔

قِوْلَہُ: عَبَسَ وَتَوَلّٰی ان دونوں فعلوں نے اَنْ جَاءَہُ الاَعْمٰی میں تنازع کیا، دونوں اس کو مفعول لاجلہ بنانا چاہتے ہیں، ایک کو عمل دے کر، دوسرے کے لئے ضمیر کو حذف کر دیا فضلہ ہونے کی وجہ سے۔

قِوْلَہُ: عبداللّٰہ ابن ام مکتوم، ای ابن شریح بن مالك بن ربیعة الفھری من بنی عامر بن لؤی، اپنی دادی کی کنیت سے مشہور ہیں، قدیم الاسلام ہیں، حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا بنت خویلد کے خالہ زاد بھائی ہیں، آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو تیرہ مرتبہ مدینہ طیبہ پر نائب مقرر فرمایا، آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے۔

قِوْلَہُ: وَمَا یُدْرِیْكَ اس میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے مَا استفہامیہ مبتداء ہے یُدْرِیْكَ فعل متعدی بدو مفعول ہے، کاف مفعول اول ہے اور لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰی جملہ ہو کر قائم مقام دوسرے مفعول کے ہے۔

قِوْلَہُ: فَتَنْفَعَہُ مرفوع ہے یذّکّرُ پر عطف کی وجہ سے اور منصوب ہے جواب ترجی ہونے کی وجہ سے۔

قِوْلَہُ: فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی جار مجرور تَصَدّٰی کے متعلق ہے، فواصل کی رعایت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے۔

قِوْلَہُ: تَصَدّٰی اصل میں تَصَدَّدَ تھا دوسری دال کو حرف علت یاء سے بدل دیا گیا۔

قِوْلَہُ: وَمَا عَلَیْكَ، مَا نافیہ ہے اور عَلَیْكَ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور اَلَّا یَزَّکّٰی مبتداء محذوف کے متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، لَیْسَ عَلَیْكَ بَأس فِی عَدَمِ تَزْکِیَتِہٖ۔

قِوْلَہُ: وَمَا قبلہ اعتراض یعنی اِنَّ کی دونوں خبروں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قِوْلَہُ: بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ بمعنی کاتبین، سَفَرَة جمع سَافِر جیسا کہ کَتَبَة جمع کاتب۔

قِوْلَہُ: لُعِنَ الْکَافِرُ اس میں اشارہ ہے کہ انسان سے مطلق انسان مراد نہیں ہے بلکہ انسان کافر مراد ہے۔

قِوْلَهُ: قُتِلَ الانسان اس آیت میں دو طریقہ سے اشکال ہے۔

پہلا اشکال:

یہ کہ اس سے بددعاء کا وہم ہوتا ہے اور دعاء یا بددعاء عاجز کیا کرتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے؟ لہٰذا یہ اس کی شایان شان نہیں۔

دوسرا اشکال:

تعجب اس امر عظیم سے ہوا کرتا ہے جس کا سبب مخفی ہو، اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہیں؟ اس لئے کہ وہ تو علم کی تمام اشیاء سے اجمالاً اور تفصیلاً واقف ہے؟

اشکال اول کا پہلا جواب:

یہ کلام، عرب کے کلام کے اسلوب پر ہے گویا کہ اس میں استحقاق عذاب عظیم کی طرف اشارہ ہے ان کے عظیم ترین جرم کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے، عرب جب کسی چیز سے تعجب کرتے ہیں تو کہتے ہیں، قاتَلَه اللّٰه مَا اَخْبَثَهُ اللّٰه اس کو ہلاک کرے کس قدر خبیث ہے۔

دُوسرا جَوَابُ: قُتِلَ الانسان بددعا نہیں ہے؛ بلکہ یہ اس بات کی خبر دینا ہے کہ اللہ نے اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔

دوسرے اشکال کا جواب:

یہ استفہام تعجب نہیں ہے بلکہ استفہام توبیخ ہے اور مفسر علام نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

قِوْلَهُ: فَقَدَّرَهٗ یہ من نطفة خلقه کی تفصیل ہے ای قدّرَ اَطْوارہ یعنی اس کے مراحل تخلیق کو بیان فرمایا ہے۔

قِوْلَهُ: ثم السبیل یَسَّرَہ یہ بابِ اشتغال سے ہے، ای یَسَّرَ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ.

قِوْلَهُ: اِذَا شَاءَ اَنْشَرَہ مشیت کا مفعول محذوف ہے، ای اِذا شَاء اِنشَارَهٗ اَنْشَرَهٗ.

قِوْلَهُ: هُوَ القت الرطب جانوروں کا ہرا چارا، ہرے چارے کو قضبًا کہا ہے، اس لئے کہ قضبًا کے معنی کاٹنے کے ہیں اور چارا چونکہ بار بار کاٹا جاتا ہے، اس لئے اس کو قضب کہتے ہیں۔

قولہ: غُلْبًا یہ اَغْلَب وَغُلْباء کی جمع ہے جیسے اَحْمَرُ، حمراء کی جمع حُمْرٌ آتی ہے، گھنے درختوں کو کہتے ہیں۔

قولہ: وَاَبًّا، اَبٌّ بھی جانوروں کے چارے کو کہتے ہیں، مگر قَضْبٌ اور اَبٌّ میں فرق یہ ہے کہ قضبٌ ہرے چارے کو کہتے ہیں اور اَبٌّ عام ہے خواہ ہرا ہو یا خشک۔

قولہ: قیل التِبْنُ یہ اَبًّا کے دوسرے معنی کا بیان ہے، تبن کے معنی خشک گھاس کے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے اَبٌّ، قضبٌ کی ضد ہوگی۔

قولہ: مُتْعَة او تَمْتیعًا، مَتَاعًا کی تفسیر متعة اور تَمْتِیْعًا سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے اور مفعول مطلق بھی۔

قولہ: والصَّاخة، صَاخّه زوردار آواز جو کانوں کو بہرا کردے۔

قولہ: لکل امریءٍ بھاگنے کے سبب کو بیان کرنے کے لئے جملہ مستانفہ ہے۔

قولہ: اَشْغَلَ کُلَّ واحدٍ بنفسهٖ یہ اِذَا کا جواب محذوف ہے۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ عَبَسَ وتولّٰی الخ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ قریش کے سرداروں کی ایک جماعت، جن کے ناموں کی مختلف روایات میں یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ عتبہ، شیبہ، ابوجہل، امیہ بن خلف، ابی بن خلف جیسے اسلام کے بدترین دشمن تھے، جو ایک روز آپ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش فرمارہے تھے، اتنے میں عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی جو کہ نابینا تھے، حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے اسلام کے متعلق آپ ﷺ سے کچھ پوچھنا چاہا، حضور ﷺ کو ان کی اس مداخلت پر ناگواری ہوئی اور آپ ﷺ نے ان سے بے رخی برتی، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سورت نازل ہوئی۔

(ترمذی شریف)

عَبَسَ وتولّٰی، اس فقرہ کا انداز بیان، اپنے اندر عجیب لطف رکھتا ہے اگرچہ بعد کے فقروں میں براہ راست آپ ﷺ کو خطاب ہے، جس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ ترش روئی اور بے اعتنائی برتنے کا فعل آپ ﷺ ہی سے صادر ہوا تھا

لیکن کلام کی ابتداء اس طرح کی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نہیں بلکہ اور کوئی شخص ہے جس سے یہ فعل صادر ہوا ہے، اس طرز بیان سے ایک نہایت لطیف طریقہ پر رسول اللہ ﷺ کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ یہ ایسا کام تھا جو آپ ﷺ کے کرنے کا نہ تھا، گویا کہ یہ حسنات الابرار، سیئات المقربین کے قاعدہ کے مطابق خلاف اولیٰ کے اختیار پر تنبیہ تھی، مقصد یہ ہے کہ خلاف اولیٰ کا ارتکاب بھی آپ ﷺ کی شایان شان نہیں ہے۔

آپ ﷺ کا اجتہاد اور اس کی اصلاح:

سرداران قریش کی طرف توجہ کرنے اور عبداللہ ابن ام مکتوم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف توجہ نہ کرنے میں آپ ﷺ کا خیال یہ تھا کہ میں اس وقت جن لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں، ان میں سے اگر کوئی ایک شخص بھی ہدایت پالے تو وہ اسلام کی تقویت کا بڑا ذریعہ بن سکتا ہے، بخلاف ابن ام مکتوم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے کہ وہ تو ایمان لا ہی چکے ہیں اور جو کچھ ان کو معلوم کرنا ہے وہ بعد میں بھی معلوم کر سکتے ہیں، اسی اجتہادی خطاء پر گرفت فرماتے ہوئے فرمایا وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى الخ آپ ﷺ کو کیا معلوم کہ یہ صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو بات دریافت کر رہے تھے اس کا فائدہ متیقن تھا کہ آپ ان کو تعلیم دیتے، تو یہ اسکے ذریعے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیتے یا کم از کم ذکر اللہ سے ابتدائی نفع حاصل کرتے۔

تبلیغ و تعلیم کا ایک اہم قرآنی اصول:

یہ بات تو ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے دو کام بیک وقت آگئے ایک مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی دل جوئی، دوسرے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف لانے کے لئے ان کی طرف توجہ، قرآن کریم کے اس ارشاد نے یہ واضح کر دیا کہ پہلا کام دوسرے کام پر مقدم ہے، دوسرے کام کی وجہ سے پہلے کام میں تاخیر کرنا یا کوئی خلل ڈالنا درست نہیں، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی اصلاح کی فکر غیر مسلموں کے شبہات کے ازالے اور ان کو اسلام سے مانوس کرنے کی خاطر ایسے کام کرنے کہ جس سے عام مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات یا شکایات پیدا ہو جائیں مناسب نہیں ہیں؛ بلکہ ان قرآنی ہدایات کے مطابق مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور حفاظت کو مقدم رکھنا چاہئے، اکبر مرحوم نے خوب فرمایا ہے۔

بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو دیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بد نامی بھلی

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى، یعنی ایسا ہرگز نہ کرو، خدا کو بھولے ہوئے اور اپنی دنیوی وجاہت پر پھولے

ہوئے لوگوں کو بے جا اہمیت نہ دو، اور نہ اسلامی تعلیم ایسی چیز ہے کہ جو اس سے منہ موڑے اس کے سامنے اسے بالحاح پیش کیا جائے اور نہ آپ ﷺ کی یہ شان ہے کہ ان مغرور لوگوں کو اسلام کی طرف لانے کے لئے کسی ایسے انداز سے کوشش کرو کہ جس سے یہ اس غلط فہمی میں پڑ جائیں کہ تمہاری کوئی غرض ان سے اٹکی ہوئی ہے، حق ان سے اس سے زیادہ بے نیاز ہے جتنے یہ حق سے بے نیاز ہیں۔

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى، اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ ﷺ کا کام تو صرف تبلیغ ہے اس لئے اس قسم کے کفار کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى، یعنی ایسے شخص کی جن کے دل میں خدا کا خوف ہو جس کی وجہ سے یہ امید ہے کہ وہ آپ ﷺ کی باتوں پر عمل کرے گا اور آپ کی نصیحت اس کے لئے مفید ثابت ہوگی، قدر کرنیکی ضرورت ہے، نہ کہ ان سے بے رخی برتنے کی، ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ دعوت و تبلیغ میں کسی کو خاص نہیں کرنا چاہئے بلکہ اصحابِ حیثیت اور بے حیثیت، امیر اور غریب، آقا وغلام، مرد وعورت چھوٹے اور بڑے سب کو یکساں حیثیت دی جائے اور سب کو مشترکہ خطاب کیا جائے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی حکمت بالغہ کے تحت ہدایت سے نواز دے گا۔ (ابن کثیر)

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ، یہاں سے عتاب کا رخ براہ راست ان کفار کی طرف پھرتا ہے جو حق سے بے نیازی برت رہے تھے۔ اس سے پہلے ابتداء سورت سے آیت ۱۶ تک خطاب نبی ﷺ سے تھا اور عتاب در پردہ کفار پر، اس کا انداز بیان یہ تھا کہ اے نبی! ایک طالبِ حق کو چھوڑ کر آپ ﷺ یہ کن لوگوں پر اپنی توجہ صرف کر رہے ہیں، جو دعوتِ حق کے نقطۂ نظر سے بالکل بے قدر و قیمت ہیں؟ اور جن کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ آپ ﷺ جیسا عظیم القدر پیغمبر قرآن جیسی بلند مرتبہ چیز کو ان کے آگے پیش کرے۔

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ، اس آیت میں سرکش اور خدا کے باغی انسان کو یہ بات یاد دلائی گئی ہے کہ پہلے وہ ذرا اپنی حقیقت پر غور کرے کہ وہ کس چیز سے وجود میں آیا؟ کس جگہ اس نے پرورش پائی؟ اور کس راستے سے وہ دنیا میں آیا؟ اور رحم مادر میں اس نے کیا غذا کھائی؟ اور کس بے بسی کی حالت میں اس کی زندگی کی ابتدا ہوئی؟ اپنی اس اصل اور حقیقت کو بھول کر ''ہمچو من دیگرے نیست'' کی غلط فہمی میں کیسے مبتلاء ہو جاتا ہے۔

خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ، یعنی یہی نہیں کہ نطفہ سے ایک جاندار کا وجود بنا دیا بلکہ اس کو ایک خاص اندازہ اور بڑی حکمت سے بنایا، اس کے قد و قامت اور جسامت اور شکل وصورت اور اعضاء کا طول وعرض اور جوڑ و بند، آنکھ، ناک وغیرہ کی تخلیق میں ایسا اندازہ قائم کیا کہ ذرا اس کے خلاف ہو جائے تو انسان کی صورت بگڑ جائے۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ، تخلیق انسانی کی ابتداء بیان کرنے کے بعد اس کی انتہاء کو بیان فرمایا کہ اس کی انتہاء موت اور قبر ہے، اس کا ذکر بسلسلۂ انعامات فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی موت درحقیقت کوئی مصیبت نہیں، نعمت ہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا "تحفة المؤمن الموت" کہ مومن کا تحفہ موت ہے، اور اس میں مجموعۂ عالم کے اعتبار سے بڑی حکمتیں ہیں فَاَقْبَرَهٗ پھر اس کو قبر میں داخل کیا، یہ بھی ایک انعام ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے عام جانوروں کی طرح نہیں رکھا کہ مرگیا تو وہیں زمین پر پڑا سڑتا اور پھولتا پھٹتا رہے، بلکہ اس کا اکرام یہ کیا گیا کہ اس کو نہلا کر نئے اور پاک صاف کپڑوں میں ملبوس کر کے احترام کے ساتھ قبر میں دفن کرنا واجب ہے۔

مَسْئَلَہ: اس سے معلوم ہوا کہ مردہ انسان کو دفن کرنا واجب ہے۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ میدان محشر میں ننگے بدن، ننگے پیر اور غیر مختون ہوں گے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ سے معلوم کیا اس طرح شرمگاہوں پر نظریں نہیں پڑیں گی؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی، اور فرمایا کہ اس روز کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔ (نسائی، ترمذی وغیرہ)

تمت

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وعِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ تکویر مکی ہے، انتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ**﴿۱﴾ لُفِفَتْ وذُهِبَ بِنُوْرِهَا **وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ**﴿۲﴾ اِنْقَضَتْ وتَسَاقَطَتْ عَلَى الارْضِ **وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ**﴿۳﴾ ذُهِبَ بِهَا عَنْ وَجْهِ الاَرْضِ فَصَارَتْ هَبَاءً مُنْبَثًّا **وَاِذَا الْعِشَارُ** النُّوْقُ الحَوَامِلُ **عُطِّلَتْ**﴿۴﴾ تُرِكَتْ بلاَ رَاعٍ او بلاَ حَلْبٍ لِمَا دَهَاهُمْ مِنَ الاَمْرِ ولَمْ يَكُنْ مَالٌ اَعْجَبَ اِلَيْهِمْ مِنْهَا **وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ**﴿۵﴾ جُمِعَتْ بَعْدَ البَعْثِ لِيُقْتَصَّ لِبَعْضٍ مِنْ بَعْضٍ ثُمَّ تَصِيْرُ تُرَابًا **وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ**﴿۶﴾ بالتَخْفِيْفِ والتَشْدِيْدِ اُوْقِدَتْ فَصَارَتْ نَارًا **وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ**﴿۷﴾ قُرِنَتْ بِاَجْسَادِهَا **وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ** الجَارِيَةُ تُدْفَنُ حَيَّةً خَوْفَ العَارِ والحَاجَةِ **سُئِلَتْ**﴿۸﴾ تَبْكِيتًا لِقَاتِلِهَا **بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ**﴿۹﴾ وقُرِئَ بِكَسْرِ التَاءِ حِكَايَةً لِمَا تُخَاطَبُ بِهٖ وجَوَابُهَا اَنْ تَقُوْلَ قُتِلْتُ بلاَ ذَنْبٍ **وَاِذَا الصُّحُفُ** صُحُفُ الاَعْمَالِ **نُشِرَتْ**﴿۱۰﴾ بالتَخْفِيْفِ والتَشْدِيْدِ فُتِحَتْ وبُسِطَتْ **وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ**﴿۱۱﴾ نُزِعَتْ عَنْ اَمَاكِنِهَا كَمَا يُنْزَعُ الجِلْدُ عَنِ الشَاةِ **وَاِذَا الْجَحِيْمُ** النَارُ **سُعِّرَتْ**﴿۱۲﴾ بالتَخْفِيْفِ والتَشْدِيْدِ اُجِّجَتْ **وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ**﴿۱۳﴾ قُرِّبَتْ لِاَهْلِهَا لِيَدْخُلُوْهَا وجَوَابُ اِذَا اَوَّلَ السُّوْرَةِ وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا **عَلِمَتْ نَفْسٌ** اى كُلُّ نَفْسٍ وَقْتَ هٰذِهِ المَذْكُوْرَاتِ وهُوَ يَوْمُ القِيَامَةِ **مَّآ اَحْضَرَتْ**﴿۱۴﴾ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ **فَلَآ اُقْسِمُ** لَا زَائِدَةٌ **بِالْخُنَّسِ**﴿۱۵﴾ **الْجَوَارِ الْكُنَّسِ**﴿۱۶﴾ هِيَ النُّجُوْمُ الخَمْسَةُ زُحَلٌ والمُشْتَرِيْ والمِرِّيْخُ والزُهَرَةُ وعُطَارِدُ تَخْنُسُ بِضَمِّ النُّوْنِ اى تَرْجِعُ فِي مَجْرَاهَا وَرَاءَهَا بَيْنَمَا تَرَى النَجْمَ فِي اٰخِرِ البُرْجِ اِذْ كَرَّ رَاجِعًا اِلٰى اَوَّلِهٖ وتَكْنِسُ بِكَسْرِ النُّوْنِ تَدْخُلُ فِي كِنَاسِهَا اى تَغِيْبُ فِي المَوَاضِعِ الَّتِي تَغِيْبُ فِيْهَا **وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ**﴿۱۷﴾ اَقْبَلَ بِظَلَامِهٖ اَوْ اَدْبَرَ **وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ**﴿۱۸﴾ اِمْتَدَّ حَتّٰى يَصِيْرَ نَهَارًا بَيِّنًا **اِنَّهٗ** اى القُرْاٰنَ **لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ**﴿۱۹﴾ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وهُوَ جِبْرِيْلُ اُضِيْفَ اِلَيْهِ لِنُزُوْلِهٖ بِهٖ **ذِيْ قُوَّةٍ** اى شَدِيْدِ القُوٰى **عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ** اَيِ اللّٰهِ تَعَالٰى **مَكِيْنٍ**﴿۲۰﴾ ذِي مَكَانَةٍ مُتَعَلِّقٌ بِهٖ عِنْدَ

مُّطَاعٍ ثَمَّ اى تُطِيْعُهُ المَلَائِكَةُ فِي السَّمٰوٰتِ اَمِيْنٍ ؁ عَلَى الوَحْيِ وَمَا صَاحِبُكُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَطفٌ عَلٰى اِنَّهٗ اِلٰى اٰخِرِ المُقسَمِ عَلَيْهِ بِمَجْنُوْنٍ ؁ كَمَا زَعَمْتُمْ وَلَقَدْ رَاٰهُ رَاى مُحَمَّدٌ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ والسَّلَامُ عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِىْ خُلِقَ عَلَيْهَا بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ؁ البَيِّنِ وَهُوَ الاَعْلٰى بِنَاحِيَةِ المَشْرِقِ وَمَا هُوَ اى مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ والسَّلَامُ عَلَى الْغَيْبِ مَا غَابَ مِنَ الوَحْيِ وَخَبَرِ السَّمَاءِ بِضَنِيْنٍ ؁ بِمُتَّهَمٍ وفِى قِرَاءَةٍ بِالضَّادِ اى بِبَخِيْلٍ فَيَنْقُصُ شَيْئًا مِنْهُ وَمَا هُوَ اى القُرْاٰنُ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ مُسْتَرِقِ السَّمْعِ رَّجِيْمٍ ؁ مَرْجُوْمٍ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ؁ فَاَىَّ طَرِيْقٍ تَسْلُكُوْنَ فِى اِنْكَارِكُمُ القُرْاٰنَ واِعْرَاضِكُمْ عَنْهُ اِنْ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ عِظَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ؁ الاِنْسِ والجِنِّ لِمَنْ شَاۤءَ مِنْكُمْ بَدَلٌ مِنَ العَالَمِيْنَ بِاِعَادَةِ الجَارِّ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ؁ بِاتِّبَاعِ الحَقِّ وَمَا تَشَاۤءُوْنَ الاِسْتِقَامَةَ عَلَى الحَقِّ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۤءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ؁ الخَلَائِقِ اِسْتِقَامَتَكُمْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، اور اس کی روشنی ختم کردی جائے گی، اور جب تارے جھڑ جائیں گے اور زمین پر گر جائیں گے، اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے، یعنی ان کو سطح زمین سے اکھاڑ دیا جائے گا، تو وہ اڑتے ہوئے غبار کی مانند ہوجائیں گے، اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی (یعنی) بغیر نگران یا بغیر دوہے چھوڑ دی جائیں گی، اس لئے کہ ان کو ایک عظیم ہولناکی نے خوف زدہ کردیا ہوگا، اور عرب کے نزدیک دس ماہہ گابھن اونٹنی سے زیادہ نفیس مال کوئی نہیں تھا، اور جب بعث کے بعد جنگلی جانور سمیٹ کر جمع کردیئے جائیں گے تاکہ بعض کا بعض سے بدلہ لیا جائے اور پھر وہ مٹی ہوجائیں اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے تخفیف وتشدید کے ساتھ تو وہ آگ (کے مانند) ہوجائیں گے، اور جب جانیں اپنے جسموں سے جوڑ دی جائیں گی اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے قاتل کو لاجواب کرنے کے لئے پوچھا جائے گا، کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟ اور (قُتِلْتِ) کو تاء کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس کی حکایت کرتے ہوئے جس کے ذریعہ اس کو خطاب کیا جائے گا اور اس کا جواب یہ ہوگا کہ وہ کہے گی کہ مجھے بلا کسی قصور کے قتل کیا گیا، اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے اور پھیلائے جائیں گے، تخفیف اور تشدید کے ساتھ، اور جب آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا، (یعنی) اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا جس طرح بکری سے کھال اتار دی جاتی ہے اور جب جہنم کی آگ دہکائی جائے گی، (سُعِّرَتْ) تخفیف اور تشدید کے ساتھ اور جب جنت قریب کردی جائے گی، جنتیوں کے لئے تاکہ اس میں داخل ہوجائیں، اول سورت میں اِذَا اور اس پر جو معطوف ہے اس کا جواب عَلِمَتْ نَفْسٌ الخ ہے (اس وقت) ہر شخص کو معلوم ہوجائے گا، یعنی ہر شخص کو ان مذکورہ اوقات میں اور وہ قیامت کا دن ہے (معلوم ہوجائے گا) کہ وہ خیر وشر میں سے کیا لایا ہے؟ بس میں قسم کھاتا ہوں پلٹنے والے اور چھپنے والے ستاروں کی (لَا زائدہ ہے) اور وہ پانچ ستارے ہیں ① زحل ② مُشتری ③ مریخ ④ زہرہ ⑤ عطارد، تخنس نون کے ضمہ کے ساتھ، یعنی اپنے راستہ میں پیچھے کی

طرف پلٹتے ہیں جب تو ان ستاروں کو آخر برج میں دیکھے کہ اچانک پلٹ جاتے ہیں اپنے اول برج کی طرف اور تکنس نون کے کسرہ کے ساتھ، (اس کے معنی ہیں) داخل ہو جائے اپنی جھاڑی میں یعنی ایسے مقام میں گھس جائے جہاں وہ چھپ سکے، اور (قسم ہے) رات کی جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ آئے یا جائے، اور صبح کی جب کہ وہ دراز ہو یہاں تک کہ روشن دن ہو جائے یہ قرآن فی الواقع ایک پیغامبر کا قول ہے جو عند اللہ بزرگی والا ہے اور وہ جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام ہے، قول کی نسبت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف اس کے ذریعہ نازل ہونے کی وجہ سے کر دی گئی ہے قوت والا یعنی مضبوط قویٰ والا ہے اور عرش والے یعنی اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ ہے، عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ، مَكِيْنٍ سے متعلق ہے وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے یعنی آسمانوں میں فرشتے اس کی بات مانتے ہیں، وہ وحی کے بارے میں بااعتماد ہے (اور اے اہل مکہ!) تمہارا رفیق، محمد ﷺ جیسا کہ تم گمان کرتے ہو مجنون نہیں ہے (وَمَا صَاحِبُكُمْ) کا عطف اِنَّهٗ لَقَوْلُ الخ مقسم علیہ پر ہے اس نے اس پیغامبر کو یعنی محمد ﷺ نے جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کو اس کی اس اصلی صورت میں صاف کنارے پر دیکھا ہے، جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے، جبکہ وہ مشرق کی جانب اونچے کنارے پر تھا، اور وہ یعنی محمد ﷺ مغیبات کے بارے میں جو وحی اور آسمانی خبریں ہیں، متہم نہیں ہے، اور ایک قراءت میں ضاد کے ساتھ ہے یعنی بخیل نہیں ہے کہ وحی میں سے کچھ چھپالے اور وہ یعنی قرآن چوری سے سننے والے شیطان مردود کا کلام نہیں ہے پھر تم لوگ کدھر چلے جارہے ہو؟ یعنی قرآن کا انکار کر کے اور اس سے اعراض کر کے تم کونسے راستہ پر جارہے ہو؟ یہ تو سارے جہان والوں (یعنی) جن وانس کے لئے نصیحت ہے، تم میں سے ہر اس شخص کے لئے جو (لِمَنْ شَاءَ الخ) اعادۂ جار کے ساتھ العٰلمين سے بدل ہے، اتباع حق کے ذریعہ سیدھے راستہ پر چلنا چاہے، تمہارے استقامت علی الحق کو چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ رب العٰلمین تمہارے لئے استقامت علی الحق نہ چاہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، اَلشَّمْسُ بابِ اشتغال سے ہے بصریین کے نزدیک فعل محذوف کی وجہ سے مرفوع ہے بعد والا فعل، فعلِ محذوف کی تفسیر کر رہا ہے اس لئے کہ حرف شرط بصریین کے نزدیک اسم پر داخل نہیں ہوتا، تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا كُوِّرَتِ الشمسُ كُوِّرَتْ، البتہ اخفش اور کوفیین کے نزدیک اَلشَّمْسُ کا مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہونا درست ہے، مبتداء کا مابعد مبتداء کی خبر ہے، اِذَا بارہ جگہ واقع ہوا ہے وہ سب شرط ہیں اور عَلِمَتْ نَفْسٌ مَا اَحْضَرَتْ جواب شرط ہے۔

قَوْلُهٗ: اَلْعِشَارُ دس ماہ کی گابھن اونٹنی، عِشَارُ، عُشَرَاء کی جمع ہے جیسے کہ نِفَاس نُفَسَاءُ کی جمع ہے۔

قَوْلُهٗ: خُنَّسِ پیچھے ہٹ جانے والے، یہ خانِسٌ کی جمع ہے، بعض مفسرین کے نزدیک مطلقاً ستارے مراد ہیں اور بعض کے نزدیک چاند اور سورج، کیونکہ یہ دن میں چھپ جاتے ہیں اور بعض کے نزدیک مریخ، زحل، عطارد، زہرہ، اور مشتری مراد ہیں، ان کو "خمسہ متحیرہ" بھی کہتے ہیں، یہ پانچوں ستارے آگے کی طرف چلتے چلتے یک لخت پیچھے کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔

قَوْلُهُ: كُنَّسِ یہ کانِسٌ کی جمع ہے کناس ہرن کی جھاڑی کو کہتے ہیں اور جھاڑی میں چھپنے کو بھی کہتے ہیں۔
(لغات القرآن ملخصًا)

قَوْلُهُ: بَيْنَا ترى النجم بعض نسخوں میں بَيْنَمَا ہے بَيْنَا میں الف اشباع کا ہے، اصل میں بَيْنَ ہے اور بَيْنَما میں میم بھی زائدہ ہے یہ ظروف زمانیہ میں سے ہے بَيْنَا دراصل بَانَ يَبِيْنُ کا مصدر ہے بین کی اضافت ہمیشہ مفرد کی طرف ہوتی ہے اگر جملہ کی جانب اضافت کی جائے تو فتحہ کو کھینچتے ہیں جس کی وجہ سے الف ہو جاتا ہے، مفسر علام جلال الدین رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے قول کے معنی یہ ہیں اے مخاطب! جب تو ستارے کو آخر برج میں دیکھے تو وہ تیزی سے برج کے اول حصہ کی طرف پلٹ جاتا ہے۔

قَوْلُهُ: اِذْ كَرَّ، اِذْ مفاجاتیہ ہے اور كَرَّ بمعنی اَسْرَعَ رَاجِعًا.

قَوْلُهُ: اَقْبَلَ بظلامه اَوْ اَدْبَرَ اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ عَسْعَسَ اضداد میں سے ہے، اس کے معنی آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے، دونوں کے ہیں۔

قَوْلُهُ: وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ، اِذَا تَنَفَّسَ بالفارسیہ، آنگاہ کہ دم زند، یعنی طلوع کند، طلوع ہونا۔

قَوْلُهُ: مُتَعَلِّقٌ بِهٖ عِنْدَ، بِهٖ کی ضمیر مَكِيْنٌ کی طرف راجع ہے یعنی عِنْدَ، مَكِيْنٌ سے متعلق ہے عند خبر مقدم اور مَكِيْنٌ مبتدا مؤخر ہے۔

قَوْلُهُ: اِلٰى آخر المقسم عَلَيْهِ، اَیْ عِنْدَ ذی العرش.

قَوْلُهُ: مِنَ الْوحی الخ، من بیانیہ ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، یہ سورج کے بے نور ہونے کے لئے یہ ایک بے نظیر استعارہ ہے تکویر کے معنی لپیٹنے کے ہیں، سر پر عمامہ باندھنے کو تکویر العمامة کہتے ہیں جس طرح پھیلے ہوئے عمامہ کو سر پر لپیٹ دیا جاتا ہے اسی طرح سورج کی پھیلی ہوئی روشنی کو لپیٹ دیا جائے گا، جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن بے نور ہو جائے گا۔

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ، عربوں کو کسی چیز کی سختی اور ہولناکی کا تصور دلانے کے لئے یہ بہترین طرز بیان تھا، اس زمانہ میں عرب کے نزدیک دس مہینے کی گابھن اونٹنی سے زیادہ قیمتی اور کوئی مال نہیں ہوتا تھا، ایسی اونٹنی کی بہت زیادہ حفاظت اور دیکھ بھال کی جاتی تھی، ایسی اونٹنی سے لوگوں کا غافل ہو جانا گویا یہ معنی رکھتا تھا کہ اس وقت کچھ ایسی سخت افتاد لوگوں پر پڑے گی کہ انہیں اپنے اس عزیز ترین مال کی حفاظت کا بھی ہوش نہ رہے گا۔

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ، سُجِّرَتْ، تَسْجِير سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے تَسْجِیْر تنور میں آگ دہکانے کو کہتے ہیں، بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ قیامت کے دن سمندروں میں آگ بھڑک اُٹھے گی، لیکن اگر پانی کی حقیقت معلوم ہو تو اس میں کوئی چیز قابل تعجب نہیں، اس سے سراسر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہوتا ہے کہ اس نے آکسیجن اور

ہائیڈروجن، دوایسی گیسوں کو ملا دیا جن میں سے ایک آگ بھڑکانے والی اور دوسری بھڑک اٹھنے والی ہے اور ان دونوں کی ترکیب سے پانی جیسا مفید اور کارآمد مادہ پیدا کیا جو آگ کو بجھانے والا ہے، اللہ تعالیٰ کا ایک اشارہ اس بات کے لئے بالکل کافی ہے کہ وہ پانی کی اس ترکیب کو بدل ڈالے اور یہ دونوں گیسیں ایک دوسرے سے الگ ہو کر بھڑکنے اور بھڑکانے لگیں، جو ان کی اصل بنیادی خاصیت ہے۔

وَإِذَا الْمَوْءُ وْدَةُ سُئِلَتْ، اس آیت کے انداز بیان میں ایسی شدید غضب ناکی پائی جاتی ہے، جس سے زیادہ غضب ناکی کا تصور نہیں کیا جا سکتا، بیٹی کو زندہ درگور کرنے والے والدین اللہ کی نظر میں ایسے قابل نفرت ہوں گے کہ ان کو مخاطب کر کے ان سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اس معصوم کو کیوں قتل کیا؟ بلکہ اس سے نگاہ پھیر کر معصوم بچی سے پوچھا جائے گا کہ تو بے چاری آخر کس قصور میں ماری گئی؟ اور وہ اپنی داستان مظلومیت سنائے گی، اس آیت کے مضمون سے ایک اہم بات خود بخود یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس میں آخرت کے ضروری ہونے کی ایک صریح دلیل پیش کی گئی ہے، جس لڑکی کو زندہ دفن کر دیا گیا، آخر اس کی کہیں تو دادرسی ہونی چاہئے، اور جن ظالموں نے یہ ظلم کیا، آخر کبھی تو وہ وقت آنا چاہئے جب ان سے اس بے دردانہ ظلم کی بازپرس کی جائے، دفن ہونے والی لڑکی کی فریاد دنیا میں تو کوئی سننے والا نہ تھا، بچوں کا ناز ونخرہ والدین پر ہوا کرتا ہے، والدین نے خود ہی اپنے ہاتھوں سے اس معصوم اور مظلوم بچی کو زندہ دفن کر دیا، اب معاشرہ ہی تھا کہ جس سے کچھ دادرسی کی توقع کی جا سکتی تھی؛ مگر معاشرہ نے بھی تو اس فعل کو پہلے ہی جائز قرار دے رکھا تھا، اس فعل پر نہ ماں باپ کو کوئی ندامت اور نہ اہل خاندان کو کوئی شرم، اور نہ معاشرہ میں اس پر کوئی گرفت کرنے والا، تو اب اس مظلوم کی فریاد کون سنے؟ تو کیا خدا کی خدائی میں یہ ظلم عظیم بالکل ہی بے دادرہ جانا چاہئے؟ اگر ایسا ہی ہو تو یہ ''اندھیر نگری چوپٹ راجہ'' کا مصداق ہوگا، جو خدا کی خدائی میں ممکن نہیں ہے۔

لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کی وجہ:

عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا یہ بے رحمانہ طریقہ، قدیم زمانہ میں مختلف وجوہ سے رائج ہو گیا تھا، ایک تو معاشی بدحالی جس کی وجہ سے لوگ چاہتے تھے کہ کھانے والے افراد کم ہوں اور اولاد کو پالنے پوسنے کا باران پر نہ پڑے، بیٹوں کو تو اس امید پر پال لیا جاتا تھا کہ وہ حصول معاش میں معاون ہوں گے، مگر بیٹیوں سے یہ توقع نہیں ہوتی تھی، علاوہ ازیں بیٹیوں کو پال پوس کر جوان ہونے کے بعد دوسروں کے حوالہ کر دینا ہوگا جس میں سراسر زیان ہی زیان ہے، اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قبائلی لڑائیوں میں دفاع میں وہ کچھ کام نہ آتی تھیں بلکہ الٹی ان کی حفاظت کرنی پڑتی تھی اور اگر دشمن ان کو گرفتار کر کے لے جاتا تو ان کو باندی بنا لیتا تھا یا بازار میں فروخت کر دیتا تھا جس کی وجہ سے رسوائی ہوتی تھی، انہی وجوہ سے عرب میں یہ طریقہ چل پڑا تھا کہ کبھی تو زچگی کے وقت ہی عورت کے آگے ایک گڑھا کھود کر رکھا جاتا تھا؛ تاکہ اگر لڑکی پیدا ہو تو اسی وقت اسے گڑھے میں ڈال کر مٹی ڈال دی جائے اور اگر کبھی ماں اس پر راضی نہ ہوتی یا اور کوئی وقتی مصلحت مانع ہوتی، تو بادلِ ناخواستہ اسے کچھ مدت تک برداشت کر لیا جاتا اور پھر کسی وقت صحرا میں لے جا کر زندہ دفن کر دیا جاتا، اس

معاملہ میں جو شقاوت برتی جاتی تھی اس کا قصہ ایک شخص نے خود رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا۔

بیٹی کے ساتھ بے رحمی کا واقعہ:

سنن دارمی کے پہلے ہی باب میں یہ حدیث منقول ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے اپنے عہد جاہلیت کا یہ واقعہ بیان کیا کہ میری ایک بیٹی تھی جو مجھ سے بہت مانوس تھی، جب میں اس کو پکارتا تھا تو وہ دوڑی دوڑی میرے پاس آتی تھی، ایک روز میں نے اس کو بلایا اور اپنے ساتھ لے کر چل پڑا، راستہ میں ایک کنواں آیا میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنویں میں دھکا دے دیا، آخری آواز جو اس کی میرے کانوں میں آئی وہ یہ تھی، ہائے ابا، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ رو دیئے اور آپ ﷺ کے آنسو بہنے لگے، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا اے شخص! تو نے حضور ﷺ کو غمگین کر دیا، حضور ﷺ نے فرمایا اسے مت روکو، جس چیز کا اسے سخت احساس ہے اس کے بارے میں اسے سوال کرنے دو، پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تو اپنا قصہ پھر بیان کر، اس نے دوبارہ بیان کیا آپ ﷺ سن کر اس قدر روئے کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا جاہلیت میں جو کچھ ہوگیا اللہ نے اسے معاف کر دیا اب نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کر۔

یہ خیال صحیح نہیں کہ اہل عرب اس انتہائی غیر انسانی فعل کی قباحت ہی نہ رکھتے تھے، ظاہر بات ہے کہ کوئی معاشرہ خواہ کتنا ہی بگڑ چکا ہو، ایسے ظالمانہ افعال کی برائی کے احساس سے بالکل خالی نہیں ہوسکتا، عرب کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو زمانہ جاہلیت میں اس رسم کی قباحت کا احساس تھا، طبرانی میں ایک روایت ہے کہ فرزدق شاعر کے دادا صعصعہ بن ناجیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے جاہلیت کے زمانہ میں کچھ اچھے اعمال بھی کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے ۳۶۰ لڑکیوں کو زندہ دفن ہونے سے بچایا اور ہر ایک کی جان کے لئے دو دو اونٹ فدیے میں دیئے ہیں تو کیا مجھے اس پر اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تیرے لئے اجر ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے تجھے اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔

اسلام کا عورت پر احسان:

دراصل یہ اسلام کی برکتوں میں سے ایک بڑی برکت ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ عرب سے اس انتہائی سنگدلانہ رسم کا خاتمہ کیا، بلکہ اس تخیل کو مٹایا کہ بیٹی کی پیدائش کوئی حادثہ اور مصیبت ہے، جسے بادلِ ناخواستہ برداشت کیا جائے، اس کے برعکس اسلام نے یہ تعلیم دی کہ بیٹیوں کی پرورش کرنا ان کی عمدہ تعلیم و تربیت کرنا اور انہیں اس قابل بنانا کہ وہ ایک اچھی گھر والی بن سکے بہت بڑا نیکی کا کام ہے، اس کا اندازہ ان احادیث سے ہوسکتا ہے جو آپ ﷺ سے منقول ہیں، مثال کے طور پر ذیل میں آپ ﷺ کے چند ارشادات نقل کئے جاتے ہیں۔

❶ مَنْ اُبْتُلِیَ مِنْ هذه البنات بشیءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ کُنَّ لَهٗ سِترًا مِن النار. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: جوشخص ان لڑکیوں کی پیدائش سے آزمائش میں ڈالا جائے اور پھر وہ ان سے نیک سلوک کرے تو یہ اس کیلئے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی۔

❷ مَنْ عَالَ جَارِيتينِ حَتّٰى تَبْلُغا جَاء يَوْم القيامة انا وهو هٰكذا وَضَمَّ اَصَابعَهٗ. (مسلم شریف)

ترجمہ: جس نے دولڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں تو قیامت کے روز میرے ساتھ وہ اس طرح آئے گا، یہ فرما کر حضور نے اپنی انگلیوں کو ملا کر بتایا۔

❸ مَنْ كَانَ لَهٗ انثٰى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يَهِنْهَا وَلَمْ يؤثِر وَلَدَهٗ عَلَيها ادخله اللّٰه الجنة. (ابوداؤد)

ترجمہ: جس کے یہاں لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ ذلیل کر کے رکھے، نہ بیٹے کو اس پر ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

❹ مَنْ كَانَ لَهٗ ثَلٰثُ بَنَاتٍ وَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهٖ كنّ له حجابًا من النار. (بخاری، ابن ماجہ)

ترجمہ: جس کے یہاں تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے اور اپنی وسعت کے مطابق ان کو اچھے کپڑے پہنائے تو وہ اس کیلئے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔

❺ ما من مسلم تدرکه ابنتان فيحسنُ صحبتهما اِلّا اَدْخَلَتَاهُ الجنة. (بخاری ادب المفرد)

ترجمہ: جس مسلمان کے یہاں دو بیٹیاں ہوں اور وہ ان کو اچھی طرح رکھے تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اسے جنت میں نہ پہنچائیں۔

❻ اِنَّ النّبی ﷺ قال لِسُراقَةَ بن جُعشم اَلَا اَدُلُّكَ على اعظم الصدقة قال بلٰى يا رسول اللّٰه ﷺ قال اِبْنَتُك اَلْمردودة اِلَيْكَ ليس لها كاسِبٌ غيرك. (بخاری، ابن ماجہ)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے سراقہ بن جعشم سے فرمایا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بڑا صدقہ (یا فرمایا بڑے صدقوں میں سے ایک) کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ضرور بتائیے یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا تیری وہ بیٹی جو (طلاق پا کر یا بیوہ ہو کر) تیری طرف پلٹ آئے اور تیرے سوا اس کیلئے کمانے والا کوئی نہ ہو۔

یہی وہ تعلیم ہے جس نے لڑکیوں کے متعلق لوگوں کا نقطۂ نظر صرف عرب ہی میں نہیں بلکہ دنیا کی ان تمام قوموں میں بدل دیا جو اسلام کی نعمت سے فیض یاب ہوتی چلی گئیں۔

مسئلہ: کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے، جیسے آج کل ضبط تولید کے نام سے دنیا میں ہزاروں صورتیں رائج ہوگئی ہیں، اس کو بھی رسول اللہ ﷺ نے وَأْدٌ خفيٌّ یعنی خفیہ طور پر بچہ کو زندہ درگور کرنا، فرمایا ہے۔ (مسلم) اور بعض دوسری روایات میں جو عزل یعنی ایسی تدبیر کرنا کہ نطفہ رحم میں نہ جائے، اس پر رسول اللہ ﷺ سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے، وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لئے قطع نسل کی صورت نہ بنے۔ (مظہری، معارف)

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْاِنفطَارِ مَكِّيَّةٌ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً.

سورۂ انفطار مکی ہے، انّیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿١﴾ اِنْشَقَّتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿٢﴾ اِنْقَضَّتْ وتَساقَطَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿٣﴾ فُتِحَ بَعْضُهَا فِي بَعْضٍ فَصَارَتْ بَحْرًا وَاحِدًا وَاخْتَلَطَ العَذْبُ بِالمِلْحِ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾ قُلِبَ تُرَابُهَا وبُعِثَ مَوْتَاهَا وجَوابُ اِذَا وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا عَلِمَتْ نَفْسٌ اى كُلُّ نَفْسٍ وَقْتَ هٰذِهِ المَذْكُوراتِ وهُوَ يَوْمُ القِيامَةِ مَّا قَدَّمَتْ مِنَ الاَعْمَالِ وَ مَا اَخَّرَتْ ﴿٥﴾ مِنْهَا فَلَمْ تَعْمَلْهُ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ الكَافِرُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿٦﴾ حَتّٰى عَصَيْتَهُ الَّذِيْ خَلَقَكَ بَعْدَ اَنْ لَّمْ تَكُنْ فَسَوّٰىكَ جَعَلَكَ مُسْتَوِيَ الخَلْقِ سَالِمَ الاَعْضَاءِ فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾ بِالتَّخْفِيفِ والتَّشْدِيدِ جَعَلَكَ مُعْتَدِلَ الخَلْقِ مُتَنَاسِبَ الاَعْضَاءِ لَيْسَتْ يَدٌ اورِجْلٌ اَطْوَلَ مِنَ الأُخْرىٰ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا زَائِدَةٌ شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿٨﴾ كَلَّا رَدْعٌ عَنِ الاِغْتِرَارِ بِكَرَمِ اللّٰهِ تَعَالىٰ بَلْ تُكَذِّبُوْنَ اى كُفَّارُ مَكَّةَ بِالدِّيْنِ ﴿٩﴾ الجَزاءِ عَلَى الاَعْمَالِ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿١٠﴾ مِنَ المَلَائِكَةِ لِاَعْمَالِكُمْ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿١١﴾ لَهَا يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿١٢﴾ جَمِيْعَهُ اِنَّ الْاَبْرَارَ المُؤْمِنِيْنَ الصَّادِقِيْنَ فِي اِيْمَانِهِمْ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿١٣﴾ جَنَّةٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ الكُفَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿١٤﴾ نارٍ مُحْرِقَةٍ يَّصْلَوْنَهَا يَدْخُلُوْنَهَا ويُقَاسُوْنَ حَرَّهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿١٥﴾ الجَزاءِ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿١٦﴾ بِمُخْرَجِيْنَ وَمَآ اَدْرٰىكَ اَعْلَمَكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٨﴾ تَعْظِيْمٌ لِشَانِهِ يَوْمَ بِالرَّفْعِ اى هُوَ يَوْمُ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا مِنَ المَنْفَعَةِ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾ لَا اَمْرَ لِغَيْرِهِ فِيْهِ اى لَمْ يُمْكِنْ اَحَدٌ مِنَ التَّوَسُّطِ فِيْهِ بِخِلَافِ الدُّنْيَا.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب ستارے جھڑ جائیں گے اور گر جائیں گے، اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے بعد ازاں آپس میں مل جائیں گے تو سب مل کر ایک

سمندر ہو جائیں گے اور شیریں شور کے ساتھ مخلوط ہو جائیں گے، اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی ان کی مٹی پلٹ دی جائے گی، اوران میں مدفون مردوں کو زندہ کر دیا جائے گا، اِذا اوراس پر معطوف کا جواب عَلِمَتْ نَفْسٌ ہے، ہر شخص اپنے اگلے اعمال کو اور پچھلے اعمال جن کو نہیں کیا یعنی ہر نفس ان مذکورہ اوقات میں جو کہ قیامت کا دن ہے جان لے گا، اے کافر انسان! کس چیز نے تجھے اپنے اس رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا، حتیٰ کہ تو نے اس کی نافرمانی کی جس نے تجھ کو بعد اس کے کہ تو نہیں تھا پیدا کیا، پھر تجھ کو درست کیا تجھ کو اعضاء کی سلامتی کے ساتھ مناسب اعتدال بخشا، اور تجھ کو متناسب (الاعضاء) بنایا (فَعَدَلَكَ) (دال) کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ، یعنی تجھ کو معتدل الخلق اور متناسب الاعضاء بنایا، کہ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے اور ایک پیر دوسرے پیر سے طویل نہیں ہے، جس صورت میں تجھ کو چاہا ترکیب دیا، مَا زائدہ ہے، ہرگز نہیں! کلّا خدا کے بارے میں دھوکے میں پڑنے سے روکنے کے لئے، حرف توبیخ ہے، بلکہ (اصل بات یہ ہے) اے مکہ کے کافرو! تم جزاءِ اعمال کو جھٹلاتے ہو، حالانکہ تمہارے اوپر ملائکہ میں سے تمہارے اعمال کے نگران مقرر ہیں ایسے عند اللہ معزز اعمال کے کاتب جو کچھ تم کرتے ہو سب کو جانتے ہیں، بے شک اپنے ایمان میں مخلص نعمتوں والی جنت میں ہوں گے اور بے شک کفار فجار جلا دینے والی آگ میں ہوں گے اس میں جزاء کے دن داخل ہوں گے، اور اس کی گرمی کو برداشت کریں گے اس سے باہر نہ ہوں گے (یعنی) نکلیں گے نہیں، اور آپ ﷺ کو کچھ خبر ہے کہ یوم جزاء کیا ہے؟ پھر (مکرر) آپ ﷺ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزاء کیا ہے؟ (یہ تکرار) یوم جزاء کی تعظیم کے لئے ہے، یومُ رفع کے ساتھ ہے ای هُوَ یَوْمٌ، وہ ایسا دن ہے جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لئے کچھ بس نہ چلے گا اور تمام تر حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی اس دن میں کسی غیر کی حکومت نہ ہوگی یعنی اس (دن) میں کسی کا واسطہ ممکن نہ ہوگا بخلاف دنیا کے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَقْتَ هٰذِهِ المذكوراتِ، ای المذکورات الاربعة ① اذا السَّمَاءُ انفطَرَتْ ② اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ③ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ④ اِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ.

قَوْلُهُ: مَا قَدَّمَتْ یعنی نفس نے جو اچھے برے اعمال کئے، ان کو اپنے اعمال ناموں میں دیکھ لے گا، ما اخرت سے وہ رسوم نیک و بد مراد ہیں جو اس نے دنیا میں جاری کیں، ان کا عذاب یا ثواب اس کو ہمیشہ ملتا رہے گا، اور بعض حضرات نے کہا ہے ماقدمت سے مراد وہ فرائض ہیں جو اس نے ادا کئے اور مَا اَخَّرت سے وہ فرائض مراد ہیں جو اس نے نہیں کئے۔

قَوْلُهُ: فی ایِّ صورة یہ رَكَّبك کے متعلق ہے اور شَاءَ، صورة کی صفت ہے۔

قَوْلُهُ: وَمَا اَدْرٰكَ، مَا استفہامیہ، مبتدا، اَدْرا فعل، کاف مفعول اول، ما یوم الدین مبتدا، خبر سے مل کر اَدْرا کا مفعول ثانی۔

قَوْلُہٗ: يَوْمُ الدین، هُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع، اور اَعْنِیْ فعل محذوف کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب۔

تفسیر وتشریح

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ، یعنی جب قیامت کے وہ حالات پیش آچکے ہوں گے جن کا ذکر شروع سورت میں کیا گیا ہے مثلاً آسمان کا پھٹنا وغیرہ، تو اس وقت ہر انسان کو اپنے کرے دھرے کا سب تفصیلی پتہ چل جائے گا، یعنی کیا اس نے آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا؟ آگے بھیجنے سے مراد عمل کرنا اور پیچھے چھوڑنے کا مطلب ترک عمل کرنا اور آگے بھیجنے اور پیچھے چھوڑنے کا ایک مطلب، اچھے برے عمل کے نمونے چھوڑنا بھی ہوسکتا ہے کہ اس چھوڑے ہوئے نمونوں پر لوگ عمل کرتے ہیں، اگر یہ نمونے اچھے ہیں تو اس کے مرنے کے بعد لوگ ان پر عمل کریں گے تو اس کا ثواب اس کو بھی پہنچتا رہے گا، اور اگر یہ دنیا میں بُرے نمونے چھوڑ کر گیا ہے تو جو اِن بُرے نمونوں اور طریقوں پر عمل کرے گا اس کا گناہ بھی اس کو پہنچتا رہے گا۔

فِیْ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ، اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بچہ کو جس کے چاہے مشابہ بنادے، باپ کے یا ماں کے، چچا یا ماموں وغیرہ کے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ جس شکل صورت میں چاہے بنادے حتی کہ قبیح ترین جانور کی شکل میں بھی ڈھال سکتا ہے؛ لیکن یہ اس کا لطف وکرم ہی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا اور بہترین انسانی شکل ہی میں پیدا فرماتا ہے۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ، یعنی تم لوگ چاہے یوم جزاء کا انکار کرو، یا اس کا مذاق اڑاؤ، اس سے حقیقت نہیں بدلتی، حقیقت یہ ہے کہ تمہارے رب نے تمہیں شترِ بے مہار بنا کر نہیں چھوڑا؛ بلکہ اس نے تم میں سے ایک ایک آدمی پر نہایت راست باز، نگران مقرر کر رکھے ہیں، جو بالکل بے لاگ اور غیر جانب دارانہ طریقہ سے تمہارے تمام اچھے اور برے اعمال کو ریکارڈ کر رہے ہیں، اور ان سے تمہارا کوئی کام چھپا ہوا نہیں ہے، خواہ تم اندھیرے میں، خلوتوں میں، سنسان جنگلوں میں، یا کسی اور حالت میں اس کا ارتکاب کرو جہاں تمہیں پورا اطمینان ہو کہ جو کچھ تم نے کیا ہے وہ نگاہ خلق سے مخفی رہ گیا ہے، اِن نگران فرشتوں کے لئے اللہ نے کِرَامًا کَاتِبِیْنَ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں یعنی ایسے کاتب جو نہایت کریم اور بزرگ ہیں اور معزز ہیں، کسی سے نہ ذاتی محبت رکھتے ہیں اور نہ عداوت کہ ایک کی بے جا رعایت اور دوسرے کی ناروا مخالفت کر کے خلافِ واقعہ ریکارڈ تیار کریں، خائن بھی نہیں ہیں کہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوئے بغیر بطور خود، غلط سلط اندراجات کرلیں، رشوت خور بھی نہیں کہ کچھ لے دے کر کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف جھوٹی رپورٹیں کردیں، ان کا مقام ان ساری اخلاقی کمزوریوں سے بلند ہے اس لئے نیک وبد دونوں قسم کے انسانوں کو مطمئن رہنا چاہئے کہ ہر ایک کی نیکی اور بدی بے کم وکاست ریکارڈ ہوگی۔

کسی کی وہاں یہ طاقت نہ ہوگی کہ وہ کسی شخص کو اس کے اعمال کے نتائج بھگتنے سے بچا سکے، کوئی وہاں ایسا بااثر یا زور آور یا اللہ کا چہیتا نہ ہوگا کہ عدالت خداوندی میں اڑ کر بیٹھ جائے اور یہ کہہ سکے کہ فلاں شخص میرا عزیز یا متوسل ہے، اسے تو بخشنا ہی ہوگا، خواہ یہ دنیا میں کیسے ہی برے اعمال کرکے آیا ہو۔

سُوْرَةُ التَّطْفِيْفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ او مَدَنِيَّةٌ سِتٌّ وَّثَلاثُوْنَ ايَةً.

سورۂ مطففین مکی ہے یا مدنی ہے، چھتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَيْلٌ كَلِمَةُ عَذَابٍ او وَادٍ فِي جَهَنَّمَ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ① الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى اى مِنَ النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ② الكَيْلَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اى كَالُوْا لَهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ اى وَزَنُوْا لَهُمْ يُخْسِرُوْنَ ③ يَنْقُصُوْنَ الكَيْلَ او الوَزْنَ اَلَا اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ يَظُنُّ يَتَيَقَّنُ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ④ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑤ اى فيه وهُوَ يَوْمُ القِيَامَةِ يَّوْمَ بَدَلٌ مِنْ مَحَلِّ لِيَوْمٍ فَنَاصِبُهُ مَبْعُوْثُوْنَ يَقُوْمُ النَّاسُ مِنْ قُبُوْرِهِمْ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑥ الخَلَائِقِ لِاَجْلِ اَمْرِهٖ وحِسَابِهٖ وجَزَائِهٖ كَلَّآ حَقًّا اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ اى كُتُبَ اَعْمَالِ الكُفَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ⑦ قِيْلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِاَعْمَالِ الشَّيَاطِيْنِ والكَفَرَةِ وقِيْلَ هُوَ مَكَانٌ اَسْفَلَ الاَرْضِ السَّابِعَةِ وهُوَ مَحَلُّ اِبْلِيْسَ وجُنُوْدِهٖ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ⑧ مَا كِتَابُ سِجِّيْنٍ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ⑨ مَخْتُوْمٌ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑩ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ⑪ الجَزَاءِ بَدَلٌ او بَيَانٌ لِلْمُكَذِّبِيْنَ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ مُتَجَاوِزِ الحَدِّ اَثِيْمٍ ⑫ صِيْغَةُ مُبَالَغَةٍ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا القُرْاٰنُ قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬ الحِكَايَاتُ الَّتِيْ سُطِرَتْ قَدِيْمًا جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بالضَّمِّ او اِسْطَارَةٍ بالكَسْرِ كَلَّا رَدْعٌ وزَجْرٌ لِقَوْلِهِمْ ذٰلِكَ بَلْ رَانَ غَلَبَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَغَشَّهَا مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑭ مِنَ المَعَاصِيْ فَهُوَ كَالصَّدَاءِ كَلَّآ حَقًّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ القِيَامَةِ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ⑮ فَلَا يَرَوْنَهٗ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ⑯ لَدَاخِلُوا النَّارِ المُحْرِقَةِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُمْ هٰذَا اى العَذَابُ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ⑰ كَلَّآ حَقًّا اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ اى كُتُبَ اَعْمَالِ المُؤْمِنِيْنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْ اِيْمَانِهِمْ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ⑱ قِيْلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِاَعْمَالِ الخَيْرِ مِنَ المَلَائِكَةِ ومُؤْمِنِي الثَّقَلَيْنِ وقِيْلَ هُوَ مَكَانٌ فِي السَّمَاءِ السَّابِعَةِ تَحْتَ العَرْشِ وَمَآ اَدْرٰىكَ اَعْلَمَكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ⑲ مَا كِتَابُ عِلِّيِّيْنَ هُوَ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ⑳ مَخْتُوْمٌ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ㉑ مِنَ المَلَائِكَةِ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ㉒ جَنَّةٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ

السُّرُرِ فِي الحِجَالِ ﴿يَنظُرُونَ﴾ ۲۳ مَا أُعْطُوا مِنَ النَّعِيمِ ﴿تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ﴾ ۲۴ بَهْجَةَ التَّنَعُّمِ وَحُسْنَهُ ﴿يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ﴾ خَمْرٍ خَالِصَةٍ مِنَ الدَّنَسِ ﴿مَّخْتُومٍ﴾ ۲۵ عَلَى إِنَائِهَا لَا يُفَكُّ خَتْمُهُ إِلَّا هُمْ ﴿خِتَامُهُ مِسْكٌ﴾ أَيْ آخِرُ شُرْبِهِ يَفُوحُ مِنْهُ رَائِحَةُ المِسْكِ ﴿وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ﴾ ۲۶ فَلْيَرْغَبُوا بِالْمُبَادَرَةِ إِلَى طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالَى ﴿وَمِزَاجُهُ﴾ أَيْ مَا يُمْزَجُ بِهِ ﴿مِن تَسْنِيمٍ﴾ ۲۷ فُسِّرَ بِقَوْلِهِ ﴿عَيْنًا﴾ فَنَصْبُهُ بِأَمْدَحُ مُقَدَّرًا ﴿يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ﴾ ۲۸ أَيْ مِنْهَا أَوْ ضَمِنَ يَشْرَبُ مَعْنَى يَلْتَذُّ ﴿إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا﴾ كَأَبِي جَهْلٍ وَنَحْوِهِ ﴿كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ كَعَمَّارٍ وَبِلَالٍ وَنَحْوِهِمَا ﴿يَضْحَكُونَ﴾ ۲۹ اِسْتِهْزَاءً بِهِمْ ﴿وَإِذَا مَرُّوا﴾ أَيِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ﴾ ۳۰ أَيْ يُشِيرُ الْمُجْرِمُونَ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ بِالْجَفْنِ وَالْحَاجِبِ اِسْتِهْزَاءً ﴿وَإِذَا انقَلَبُوا﴾ رَجَعُوا ﴿إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انقَلَبُوا فَكِهِينَ﴾ ۳۱ وَفِي قِرَاءَةٍ فَكِهِينَ مُعْجَبِينَ بِذِكْرِهِمُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿وَإِذَا رَأَوْهُمْ﴾ رَأَوُا الْمُؤْمِنِينَ ﴿قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ﴾ ۳۲ لِإِيمَانِهِمْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَالَى ﴿وَمَا أُرْسِلُوا﴾ أَيِ الْكُفَّارُ ﴿عَلَيْهِمْ﴾ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿حَافِظِينَ﴾ ۳۳ لَهُمْ أَوْ لِأَعْمَالِهِمْ حَتَّى يَرُدُّوهُمْ إِلَى مَصَالِحِهِمْ ﴿فَالْيَوْمَ﴾ أَيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ﴾ ۳۴ ﴿عَلَى الْأَرَائِكِ﴾ فِي الْجَنَّةِ ﴿يَنظُرُونَ﴾ ۳۵ مِنْ مَنَازِلِهِمْ إِلَى الْكُفَّارِ وَهُمْ يُعَذَّبُونَ فَيَضْحَكُونَ مِنْهُمْ كَمَا ضَحِكَ الْكُفَّارُ مِنْهُمْ فِي الدُّنْيَا ﴿هَلْ ثُوِّبَ﴾ جُوزِيَ ﴿الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ ۳۶

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، بڑی خرابی ہے (ویل) کلمہ عذاب ہے یا جہنم میں ایک وادی ہے، ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے، کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں یعنی ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، کیا انہیں یہ استفہام توبیخ کے لئے ہے یقین نہیں کہ انہیں ایک عظیم (سخت) دن میں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، اور وہ قیامت کا دن ہے، جس دن لوگ اپنی قبروں سے رب العالمین یعنی مخلوق کے پروردگار کے حضور میں اس کے حکم سے اپنے حساب اور جزاء کے لئے کھڑے ہوں گے، یَوْمَ، لِیَوْمٍ کے محل سے بدل ہے اور اس کا ناصب مبعوثون ہے، ہرگز نہیں! یقیناً کافروں کا نامۂ عمل قید خانہ کے دفتر میں ہے کہا گیا ہے کہ وہ شیاطین اور کافروں کے اعمال کے لئے ایک جامع کتاب ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ ساتویں زمین کے نیچے ایک مقام ہے اور وہ ابلیس اور اس کے لشکر کا ٹھکانہ ہے، تجھے کیا معلوم سجین کیا ہے؟ یعنی جیل خانہ کا دفتر کیا ہے؟ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی مہر شدہ، اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو روز جزاء کو جھٹلاتے ہیں (الَّذِیْن) مکذبین کا بیان یا بدل ہے، اور اسے وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد سے تجاوز کرنے والا بدعمل ہے (اثیمٌ) مبالغہ کا صیغہ ہے، جب اسے ہماری کتاب قرآن سنائی جاتی ہے تو کہتا ہے یہ تو اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں یعنی وہ کہانیاں جو اگلے زمانوں میں لکھی گئیں، (اَساطیر) اسطورہ بالضم یا اِسطارۃ بالکسر کی جمع ہے (یہ بات) ہرگز نہیں! کلّا، انّ الخ اس قول کے لئے حرف توبیخ ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں پر

ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے پس وہ بدعملی زنگ کے مانند ہے، ہرگز نہیں! بالیقین یہ لوگ قیامت کے دن خدا کے دیدار سے محروم ہوں گے جس کی وجہ سے ان کو خدا کا دیدار نصیب نہ ہوگا، پھر وہ جہنم میں جا پڑیں گے، یعنی جلا دینے والی آگ میں داخل ہوں گے، پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہی عذاب ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے، ہرگز نہیں! بے شک نیک آدمیوں کا نامۂ اعمال یعنی مومنین، صادقین فی الایمان کا نامۂ عمل علیین میں ہے کہا گیا ہے کہ (علیین) ملائکہ اور مومنین جن وانس کے اعمال خیر کی جامع ایک کتاب ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ عرش کے نیچے ایک مقام ہے، تجھے کیا معلوم کہ علیون کیا ہے؟ وہ تو لکھی ہوئی مہر شدہ ایک کتاب ہے جس کی نگہداشت مقرب فرشتے کرتے ہیں یقیناً نیک لوگ جنت کے خیموں میں مسہریوں پر ہوں گے، جو ان کو عطا کیا جا رہا ہوگا اس کو دیکھ رہے ہوں گے ان کے چہروں پر تم خوش حالی کی رونق اور اس کی تروتازگی محسوس کرو گے یہ لوگ میل سے پاک صاف سربمہر شراب پلائے جائیں گے یعنی شراب کی صراحی سیل بند ہوگی اس کی سیل کو خود وہی توڑیں گے، اور اس کے آخری گھونٹ میں مشک کی خوشبو مہک رہی ہوگی، سبقت کرنے والوں کو اسی میں سبقت کرنی چاہئے لہٰذا ان کو اللہ کی طاعت کی طرف سبقت کرنے میں سبقت کرنی چاہئے، اور اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی تسنیم کی تفسیر عَيْنًا سے کی گئی ہے لہٰذا (عَيْنًا) کا نصب اَمْدَحُ مقدر کی وجہ سے ہے، اس چشمہ کا پانی مقرب لوگ پئیں گے، یا یَشْرَبُ، یَتَلَذَّذُ کے معنی کو متضمن ہے، اور ابوجہل اور اس جیسے مجرم لوگ ایمان والوں مثلاً عمار رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور ان جیسے لوگوں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے، اور مومنین جب ان کے پاس سے گذرتے تھے تو مجرمین مؤمنین کی طرف آنکھ اور ابرو سے استہزاءً اشارہ کرتے تھے اور جب وہ اپنے گھر والوں کے پاس جاتے تھے (تو وہاں بھی) تمسخر کرتے تھے اور ایک قراءت میں فکھین ہے یعنی مومنین کے ذکر سے تعجب کرتے تھے، (مزے لیتے تھے) اور جب مومنین کو دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ محمد ﷺ پر ایمان لا کر گمراہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان کافروں کو مومنین کا یا ان کے اعمال کا پاسبان بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ یہ ان کو ان کی اصلاح کی جانب لوٹائیں، پس آج قیامت کے دن ایمان والے کافروں پر ہنسیں گے جنت میں مسہریوں پر بیٹھے ہوئے کافروں کے ٹھکانوں کو دیکھ رہے ہوں گے حال یہ کہ کافروں کو عذاب دیا جا رہا ہوگا، تو مومنین کافروں پر ہنسیں گے جیسا کہ وہ دنیا میں مومنین پر ہنسا کرتے تھے، واقعی کافروں کو ان کے کئے کا خوب بدلہ ملا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَيْلٌ، وَيْلٌ کے مفسر علام نے دو معنی بیان کئے ہیں: ایک بمعنی عذاب اور دوسرے جہنم میں ایک وادی کا نام، ویل اگر بمعنی عذاب ہو تو نکرہ ہوگا اور اگر جہنم کی وادی کا علم ہو تو معرفہ ہوگا، وَيْلٌ مبتدا اور لِلْمُطَفِّفِيْنَ اس کی خبر، علم ہونے کی صورت میں ویل کے مبتداء بننے میں کوئی قباحت نہیں ہے البتہ اگر بمعنی عذاب ہو تو یہ اعتراض ہوگا کہ ویل نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہوگا کہ نکرہ جب دعاء یا بددعاء کے معنی میں ہو تو اس کا مبتداء واقع ہونا صحیح ہو جاتا ہے،

ویل یہاں بددعاء کے معنی میں ہے؛ لہٰذا اس کا مبتداء بننا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: مُطَفِّفِیْنَ، یہ مُطَفِّف کی جمع ہے، کم کرنے والے کو کہتے ہیں کمی خواہ ناپ تول میں ہو یا کسی اور چیز میں، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک شخص کو جلدی جلدی نماز پڑھتے دیکھا اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو آپ نے فرمایا "طَفَّفْتَ یا رجل" اے شخص تو نے نماز کا حق ادا نہیں کیا۔

قَوْلُہٗ: مِن الناس اس میں اشارہ ہے کہ علی بمعنی من ہے۔

قَوْلُہٗ: ای کالوا لھم اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کَالُوْھُمْ میں ھُمْ ضمیر مفعول ہے یہ اصل میں لَھُمْ تھا، لام حرف جر کو حذف کر دیا، حرف جر کے حذف کے بعد کالوا متعدی بنفسہٖ ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: ای فیہِ اس میں اشارہ ہے کہ لِیَوْمٍ میں لام بمعنی فی ہے لِیَوْم، مبعوثون کا ظرف ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، یَوْمَ یقوم الناس میں یَوْمَ، لِیَوْم کے محل پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: کتب بمعنی مکتوب اعمال الکفار میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کتاب بمعنی کتب ہے۔

قَوْلُہٗ: سِجِّیْن، سِجّین کے نون کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ نون اصلی ہے اور یہ لفظ سجن سے مشتق ہے جس کے معنی قید و بند کے ہیں، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ نون، لام سے بدلا ہوا ہے یہ اصل میں سِجِیْلٌ جو سِجْلٌ سے ماخوذ ہے اس کے معنی لکھنے کے ہیں سِجِّیْلٌ بمعنی کتابٌ جامعٌ ہے۔

قَوْلُہٗ: مَرْقُوْمٌ یہ کتاب الفجار میں مذکور کتاب کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں اعمال لکھے ہوئے ہیں، بعض حضرات نے رقمٌ بمعنی ختم (مہر) لئے ہیں مفسر علام نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں۔

قَوْلُہٗ: عِلِّیِّیْنَ یہ اسم مفرد، بروزن جمع ہے لفظوں میں اس کی جمع نہیں۔

تفسیر و تشریح

وَیْلٌ لِلْمُطَفِّفِیْنَ، تطفیف سے مشتق ہے جس کے معنی ناپ تول میں کمی کرنے کے ہیں، عربی زبان میں طفیف چھوٹی اور حقیر چیز کے لئے بولا جاتا ہے، ناپ تول میں کمی کرنے والا بھی کوئی بڑی مقدار نہیں اڑاتا؛ بلکہ ہر گاہک سے تھوڑا تھوڑا اڑاتا رہتا ہے، جو عام طور پر خریدار کو معلوم بھی نہیں ہوتا، ناپ تول میں کمی کرنا قرآنی حکم کے اعتبار سے حرام ہے، تطفیف صرف ناپ تول ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر حق واجب میں کمی کرنے کو تطفیف کہتے ہیں، ایک مزدور اگر کام کی چوری کرتا ہے یا کوئی ملازم اپنے فرض منصبی میں کوتاہی کرتا ہے یہ سب بھی تطفیف میں شامل ہیں۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ کے لوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، اس پر یہ سورت نازل ہوئی، اس سورت کے نازل ہونے کے بعد یہ لوگ اس بری

عادت سے باز آگئے اور ایسے باز آئے کہ آج تک اہل مدینہ پورا ناپنے تولنے میں معروف مشہور ہیں۔

(رواہ الحاکم و النسائی)

قوم شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جس جرم کی وجہ سے عذاب نازل ہوا تھا وہ یہی تھا کہ اس کے اندر ناپ تول میں کمی کرنے کا مرض عام تھا حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مسلسل نصیحت کرنے کے باوجود یہ قوم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی تھی۔

سجین کے معنی جیل یا قید خانہ کے ہیں، کتابٌ مرقومٌ میں اس کی تشریح کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سِجّین سے مراد وہ رجسٹر ہے جس میں سزا پانے والے لوگوں کے اعمال نامے درج کئے جا رہے ہیں۔

کَلَّا بَلْ رَّانَ، یعنی جزاء، سزا کو افسانہ اور اساطیر الاولین قرار دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے؛ لیکن جس وجہ سے یہ لوگ اسے افسانہ قرار دے رہے ہیں وہ یہ ہے کہ جن گناہوں کا یہ ارتکاب کرتے رہے ہیں ان کا زنگ ان کے دلوں پر پوری طرح چڑھ گیا ہے اس لئے جو چیز سراسر معقول ہے وہ ان کو افسانہ نظر آتی ہے، اس زنگ کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر وہ توبہ کرلے تو وہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہی چلا جائے تو وہ نقطہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ (مسند احمد، ترمذی، نسائی)

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ، اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جن برتنوں میں وہ شراب رکھی ہوئی ہوگی اس پر لاکھ یا موم کی مہر کے بجائے مشک کی مہر ہوگی، جو نہروں میں بہنے والی شراب سے اعلیٰ اور افضل ہوگی، اور اسے جنت کے خدام، مشک کی مہر لگے ہوئے برتنوں میں اہل جنت کو پیش کریں گے، دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شراب جب پینے والوں کے حلق سے اترے گی تو آخر میں ان کو مشک کی خوشبو محسوس ہوگی یہ کیفیت دنیا کی شرابوں کے بالکل برعکس ہے جس کی بوتل کھلتے ہی بدبو کا ایک بھبکا ناک میں آجاتا ہے۔

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ثلٰث اَوْ خَمْسٌ وعِشْرُوْنَ اٰيَة.

سورۂ انشقاق مکی ہے، تیئیس یا پچیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ**① **وَاَذِنَتْ** سَمِعَتْ وَاَطَاعَتْ فِي الاِنْشِقَاقِ **لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ**② اي حُقَّ لَهَا اَنْ تَسْمَعَ وَتُطِيْعَ **وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ**③ زِيْدَ فِي سِعَتِهَا كَمَا يُمَدُّ الاَدِيْمُ وَلَمْ يَبْقَ عَلَيْهَا بِنَاءٌ وَلَا جَبَلٌ **وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا** مِنَ الْمَوْتٰى اِلٰى ظَاهِرِهَا **وَتَخَلَّتْ**④ عَنْهُ **وَاَذِنَتْ** سَمِعَتْ وَاَطَاعَتْ فِي ذٰلِكَ **لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ**⑤ وَذٰلِكَ كُلُّهُ يَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَوَابُ اِذَا وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا مَحْذُوْفٌ دَلَّ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهُ تَقْدِيْرُهُ لَقِيَ الْاِنْسَانُ عَمَلَهُ **يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ** جَاهِدٌ فِي عَمَلِكَ **اِلٰى** لِقَاءِ **رَبِّكَ** وَهُوَ الْمَوْتُ **كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ**⑥ اي مُلَاقٍ عَمَلَكَ الْمَذْكُوْرَ مِنْ خَيْرٍ او شَرٍّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ **فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ** كِتَابَ عَمَلِهِ **بِيَمِيْنِهٖ**⑦ وَهُوَ الْمُؤْمِنُ **فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا**⑧ هُوَ عَرْضُ عَمَلِهِ عَلَيْهِ كَمَا فُسِّرَ فِي حَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ وَفِيْهِ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ وَبَعْدَ الْعَرْضِ يُتَجَاوَزُ عنه **وَّيَنْقَلِبُ اِلٰى اَهْلِهٖ** فِي الْجَنَّةِ **مَسْرُوْرًا**⑨ بِذٰلِكَ **وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ**⑩ هُوَ الْكَافِرُ تُغَلُّ يُمْنَاهُ اِلٰى عُنُقِهِ وَتُجْعَلُ يُسْرَاهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ فَيَاخُذُ بِهَا كِتَابَهُ **فَسَوْفَ يَدْعُوْا** عِنْدَ رُؤْيَةِ مَا فِيْهِ **ثُبُوْرًا**⑪ يُنَادِي هَلَاكَهُ بِقَوْلِهِ يَا ثُبُوْرَاه **وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا**⑫ يَدْخُلُ النَّارَ الشَّدِيْدَةَ وَفِي قِرَاءَةٍ بِضَمِّ اليَاءِ وَفَتْحِ الصَّادِ وَتَشْدِيْدِ اللَّامِ **اِنَّهٗ كَانَ فِيْ اَهْلِهٖ** عَشِيْرَتِهِ فِي الدُّنْيَا **مَسْرُوْرًا**⑬ بَطَرًا بِاتِّبَاعِهِ لِهَوَاهُ **اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اي اَنَّهُ **لَّنْ يَّحُوْرَ**⑭ يَرْجِعَ اِلَى رَبِّهِ **بَلٰى** يَرْجِعُ اِلَيْهِ **اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا**⑮ عَالِمًا بِرُجُوْعِهِ اِلَيْهِ **فَلَآ اُقْسِمُ** لَا زَائِدَةٌ **بِالشَّفَقِ**⑯ هُوَ الْحُمْرَةُ فِي الْاُفُقِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ **وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ**⑰ جَمَعَ مَا دَخَلَ عَلَيْهِ مِنَ الدَّوَابِّ وَغَيْرِهَا **وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ**⑱ اِجْتَمَعَ وَتَمَّ نُوْرُهُ وَذٰلِكَ فِي اللَّيَالِي الْبِيْضِ **لَتَرْكَبُنَّ** اَيُّهَا النَّاسُ اَصْلُهُ تَرْكَبُوْنَنَّ حُذِفَتْ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي الْاَمْثَالِ وَالْوَاوُ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ **طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ**⑲ حَالًا بَعْدَ حَالٍ

وہو الموتُ ثم الحیاۃُ وما بعدہا من احوالِ القیامۃِ **فَمَا لَهُمْ** ای الکفار **لَا يُؤْمِنُونَ** ﴿۲۰﴾ ای ای مانع لہم من الایمان او ای حجۃ لہم فی ترکہ مع وجود براہینہ **وَ** مالہم **إِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ** ﴿۲۱﴾ یخضعون بان یؤمنوا بہ لاعجازہ **بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ** ﴿۲۲﴾ بالبعث وغیرہ **وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ** ﴿۲۳﴾ یجمعون فی صحفہم من الکفر والتکذیب واعمالہم السوء **فَبَشِّرْهُم** اخبرہم **بِعَذَابٍ أَلِيمٍ** ﴿۲۴﴾ مؤلم **إِلَّا** لکن **الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ** ﴿۲۵﴾ غیر مقطوع ولا منقوص ولا یمن بہ علیہم۔

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا، (یعنی اس کا حکم) سنے گا، اور پھٹنے میں اس کی تعمیل کرے گا، اور اس کے لئے یہی حق ہے (کہ اپنے رب کا حکم مانے) یعنی اس پر لازم کر دیا گیا ہے کہ سنے اور اطاعت کرے اور جب زمین ہموار کر دی جائے گی۔ یعنی اس کی وسعت میں اضافہ کر دیا جائے گا جس طرح چمڑے کو پھیلا دیا جاتا ہے اور نہ اس پر کوئی عمارت رہے گی اور نہ پہاڑ، اور مردے (وغیرہ) جو کچھ اس کے اندر ہیں انہیں باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کا حکم سنے گی اور اس باہر پھینکنے میں اپنے رب کی اطاعت کرے گی اور اس کے لئے حق یہی ہے اور یہ سب کچھ قیامت کے دن ہوگا اور اِذَا اور اس پر معطوف کا جواب محذوف ہے جس پر اس کا مابعد دلالت کرتا ہے، اس کی تقدیر لَقِیَ الْاِنْسَانُ عَمَلَهُ ہے، اے انسان! تو اپنے عمل میں اپنے رب سے ملنے تک کوشش میں لگا ہوا ہے اور وہ (وقت) موت ہے، سو تو اس سے ملنے والا ہے یعنی قیامت کے دن اپنے اچھے برے مذکور عمل سے ملنے والا ہے، سو جس کے دائیں ہاتھ میں اس کا نامۂ عمل دیا جائے گا حال یہ کہ وہ مومن بھی ہو تو اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا، اور وہ اس کے عمل کو اس پر پیش کرنا ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں تفسیر کی گئی ہے، اور حدیث میں ہے کہ جس کے حساب کی جانچ پڑتال کی گئی، وہ مارا گیا، اور پیش کرنے کے بعد اس سے درگزر کر دیا جائے گا، اور وہ جنت میں اپنے اہل کی جانب اس بات پر خوش و خرم لوٹے گا، لیکن رہا وہ شخص جس کا نامۂ عمل اس کی پشت کی جانب سے دیا جائے گا (اور) حال یہ کہ وہ کافر ہوگا، تو اس کا داہنا ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیا جائے گا اور اس کا بایاں ہاتھ پشت کے پیچھے کر دیا جائے گا تو وہ اس سے اپنا نامۂ عمل پکڑے گا، تو وہ اس میں مندرجات کو دیکھ کر موت کو پکارے گا (یعنی) اپنی ہلاکت کو آواز دے گا اپنے قول یَا ثُبُوْرَاہُ سے اور نہایت سخت آگ میں جا پڑے گا اور ایک قراءت میں یاء کے ضمہ اور صاد کے فتحہ اور لام کی تشدید کے ساتھ ہے وہ اپنے گھر والوں میں یعنی دنیا میں اپنے خاندان والوں میں مگن تھا، اس کے اپنی خواہش کی اتباع کرنے کی وجہ سے، اس نے سمجھا تھا کہ اسے اپنے رب کی طرف کبھی پلٹنا نہیں ہے (اَنْ) مخففہ عن الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے، ہاں پلٹنا کیوں نہ ہوگا اس کی طرف پلٹے گا یقیناً اس کا رب اپنی طرف اس کے لوٹنے سے بخوبی واقف تھا پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی لا

زائدہ ہے، اور وہ غروب شمس کے بعد کنارے کی سرخی ہے اور قسم ہے رات کی اور اس کی جس کو وہ سمیٹ لیتی ہے یعنی ہر اس چیز کو جمع کر لیتی ہے جس پر وہ داخل ہوتی ہے مثلاً جانور وغیرہ اور چاند کی جب کہ کامل ہو جائے اور اس کا نور کامل ہو جائے اور یہ چاندنی راتوں میں ہوتی ہے، اے انسان! تجھ کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف گذرتے چلے جانا ہے اور (وہ حالت) موت ہے اور پھر حیات ہے، اور اس کے بعد قیامت کے حالات ہیں (تَرْكَبُنَّ) تَرْكَبُوْنَنَّ تھا تین نونوں کے جمع ہونے کی وجہ سے نون رفع کو حذف کیا گیا اور واو کو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا پھر ان کافروں کو کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے؟ یعنی ان کو ایمان لانے سے کیا مانع ہے، یعنی ترک ایمان کی ان کے پاس کیا دلیل ہے؟ جب کہ ایمان لانے کی دلیل موجود ہے، اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے کہ جھک جائیں بایں طور کہ قرآن پر ایمان لے آئیں، قرآن کے اعجاز کی وجہ سے، بلکہ یہ کافر تو بعث وغیرہ کو جھٹلاتے ہیں حالانکہ یہ جو کچھ اپنے اعمال ناموں میں جمع کر رہے ہیں اللہ اس کو بخوبی جانتا ہے ان کے کفر اور تکذیب اور ان کے اعمال بد کو، لہٰذا ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو، البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے کبھی ختم اور کم نہ ہونے والا ثواب ہے اور نہ ان پر اس ثواب کا احسان جتایا جائے گا۔

تَحقِیق وَتَرکِیب وَتَسہِیل وَتَفسِیرِی فَوائِد

قَوْلُهُ: وحُقَّتْ ماضی مجہول واحد مؤنث غائب، اس کے فاعل اور مفعول دونوں محذوف ہیں، اصل میں حَقّ اللّٰه عَلَيْهَا اِسْتِمَاعَها فاعل اور مفعول دونوں کو حذف کر کے فعل کی اسناد سمٰوات کی طرف لوٹنے والی ضمیر کی طرف کر دی۔

قَوْلُهُ: اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ یہ تکرار نہیں ہے اس لئے کہ اول سمٰوات کے بارے میں ہے اور یہ ارض کے بارے میں، اِذَا کا جواب محذوف ہے جس پر اس کا مابعد یعنی فَمُلاَقِيْهِ دلالت کرتا ہے، اور جواب شرط لَقِيَ الْاِنْسَانُ عَمَلَهٗ ہے، اور بعض حضرات نے عَلِمَتْ نَفْسٌ کو جوابِ شرط محذوف مانا ہے، اور یہ زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ سورۂ تکویر اور انفطار میں عَلِمَتْ نَفْسٌ کو ہی محذوف مانا ہے۔

قَوْلُهُ: كَادِحٌ، اَلْكَدْحُ، العمل والكسب والسعي کوشش کرنا۔

قَوْلُهُ: اِلٰى رَبِّكَ، الی حرف غایت ہے، اور معنی ہیں كَدْحُكَ فی الخير والشرِّ ينتهي بلقاء رَبِّكَ وهو الموت.

قَوْلُهُ: فَمُلاَقِيْهِ اس کا عطف كَادِحٌ پر ہے، یا پھر فانت مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای فَاَنْتَ مُلاَقِيْه، اور جملہ معطوف ہے سابقہ جملہ اِنَّكَ كَادِحٌ پر۔

قَوْلُهُ: ای مُلاَقٍ عَمَلَكَ، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ فَمُلاَقِيْه کی ضمیر مفعولی كَدْحٌ بمعنی عمل کی طرف راجع ہے اور مضاف محذوف ہے، ای فَمُلاَقٍ حِسَاب عَمَلِهٖ اور یہ بھی درست ہے کہ مُلاقيهِ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو، ای فَمُلاَقٍ رَبَّهٗ یعنی اس کے لئے کوئی مفر نہیں ہے۔

قولہ: یَدْعُوا ثُبُوْرًا ای یَتَمَنَّاہ، موت کو پکارنے کا مطلب ہے موت کی تمنا کرنا اس لئے کہ لا یعقل کو نداء تمنا ہی ہوتی ہے۔

قولہ: فَلَا اُقْسِمُ یہ شرط محذوف کا جواب ہے ای اِذَا عَرَفْتَ ھٰذا فلا اقسِمُ، لَا زائدہ ہے۔

تفسیر وتشریح

اس سورت میں قیامت کے احوال، حساب وکتاب جزاء وسزا کا ذکر ہے، اور غافل انسان کو گرد وپیش میں غور وفکر کر کے ایمان باللہ تک پہنچنے کی ہدایت ہے اَذِنَ بمعنی سن لیا، اور مراد سن کر اطاعت کرنا، ذرہ برابر سرتابی نہ کرنا ہے۔

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ، زمین کو پھیلا دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ سمندر اور دریا پاٹ دیئے جائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیئے جائیں گے اور زمین کی ساری اونچ نیچ ختم کر کے ہموار میدان بنا دیا جائے گا، سورۂ طٰہٰ میں اس کیفیت کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے چٹیل میدان بنا دے گا جس میں تم کوئی بل اور سلوٹ نہ پاؤ گے۔

وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ، یعنی ہر اس چیز کو اُگل دے گی جو اس کے بطن میں ہے اور بالکل خالی ہو جائے گی زمین کے بطن میں خزائن و دفائن و معادن بھی ہیں اور ابتداء آفرینش سے مرنے والوں کے اجسام و ذرات بھی، زمین ایک زلزلہ کے ساتھ یہ سب چیزیں اپنے بطن سے باہر نکال دے گی، کوئی چیز بھی چھپی ہوئی یا دبی ہوئی نہیں رہ جائے گی، یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس لئے کہ آگے کا مضمون خود بتا رہا ہے کہ اے انسان! تو اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے، تو اس کے سامنے حاضر ہونے والا ہے تیرا اعمال نامہ تجھے دیئے جانے والا ہے اور تیرے اعمال نامہ کے مطابق تیری جزاء یا سزا کا فیصلہ ہونے والا ہے۔

اِنَّکَ کَادِحٌ، کَدْحٌ کے معنی کسی کام میں پوری جدوجہد اور توانائی صرف کرنے کے ہیں اور اِلٰی رَبِّکَ کا مطلب ہے اِلٰی لِقَاءِ رَبِّکَ یعنی ساری تگ ودو اور دوڑ دھوپ صرف دنیوی زندگی تک محدود ہے؛ لیکن حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے رب کی طرف جا رہا ہے وہی انسان کی منزل اور ٹھکانہ ہے۔

فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا جس کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا اس سے آسان حساب لیا جائے گا، مطلب یہ ہے کہ اس سے سخت حساب فہمی نہ کی جائے گی، اس سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ فلاں کام تو نے کیوں کیا؟ البتہ جس سے سخت حساب لیا جائے گا اس سے ہر بدی کے لئے سخت مناقشہ کیا جائے گا، بخاری شریف کی ایک حدیث جو حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا مَنْ حُوْسِبَ یوم القیامة عُذِّبَ، یعنی روز قیامت جس سے حساب لیا گیا وہ مارا گیا، اس پر حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے سوال کیا کہ کیا قرآن میں حق تعالیٰ نے نہیں فرمایا یُحَاسَبُ حِسَابًا یسیرًا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آیت میں جس کو حساب یسیر فرمایا گیا ہے درحقیقت وہ مکمل حساب نہیں ہے؛ بلکہ صرف رب العالمین کے روبرو پیشی ہے اور جس شخص سے اس کے اعمال کا پورا حساب لیا گیا وہ ہرگز عذاب سے نہ بچے گا۔

اِلٰی اَھْلِهٖ مَسْرُوْرًا ، ''اہل'' سے مراد اہل خاندان، دوست واحباب بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کو حساب یسیر کے بعد چھوڑ دیا گیا ہوگا، اور جنت میں ملنے والے حور وغلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

فَلَا اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ الخ اس آیت میں حق تعالیٰ نے تین چیزوں کی قسم کے ساتھ مؤکد کر کے انسان کو پھر ان چیزوں کی طرف متوجہ کیا ہے جن کا ذکر کچھ پہلے اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰی رَبِّكَ كَدْحًا میں آچکا ہے، یہ تینوں چیزیں جن کی قسم کھائی گئی ہے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اس مضمون کی شاہد ہیں جو جواب قسم میں آنے والا ہے، یعنی انسان کو ایک حالت پر قرار نہیں اس کے حالات ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔

تمت

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ اِثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ بروج مکی ہے، بائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ لِلكَواكِبِ اثنَا عَشَرَ بُرجًا تَقَدَّمَتْ فِى الفُرقَانِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ يومِ القيامةِ وَشَاهِدٍ يومِ الجُمُعَةِ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾ يومِ عَرفَةٍ كذا فُسِّرَتِ الثَّلٰثَةُ فى الحديثِ فالاوّل موعُودٌ به والثانى شاهدٌ بالعملِ فيه والثالثُ يَشْهَدُهُ النّاسُ والملائكةُ وجَوَابُ القَسَمِ مَحْذُوفٌ صَدْرُهُ اى لَقَد قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ الشَّقِّ فى الارضِ النَّارِ بَدَلُ اشْتِمَالٍ منه ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ مَا تُوقَدُ فيه اِذْ هُمْ عَلَيْهَا اى حَوْلَها عَلٰى جانبِ الاُخْدُودِ عَلَى الكَرَاسِيِّ قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ باللهِ مِنْ تَعْذِيبِهِم بالالقاءِ فى النّارِ اِنْ لَّمْ يَرْجِعُوا عن ايمانهم شُهُوْدٌ ﴿۷﴾ حُضُورٌ رُوِىَ اَنَّ اللهَ اَنْجَى المُؤْمِنِينَ المُلْقِينَ فى النَّارِ بقَبْضِ اَرْوَاحِهِمْ قَبْلَ وُقُوعِهِم فيها وخَرَجَتِ النَّارُ الٰى مَن ثَمَّ فَاَحْرَقَتْهُمْ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللهِ الْعَزِيْزِ فى مُلْكِه الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾ المَحْمُودِ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۹﴾ اى مَا اَنْكَرَ الكُفَّارُ على المُؤْمِنِينَ اِلَّا ايمانَهُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بالاحْرَاقِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ بكُفْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾ اى عذابُ اِحْرَاقِهِمُ المُؤْمِنِينَ فى الاٰخِرَةِ وقِيلَ فِى الدُّنيا بان خَرَجَتِ النَّارُ فَاَحْرَقَتْهُمْ كَمَا تَقَدَّمَ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ بالكُفَّارِ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾ بحَسْبِ ارادَتِه اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ الخَلْقَ وَيُعِيْدُ ﴿۱۳﴾ فلا يُعْجِزُه ما يُرِيدُ وَهُوَ الْغَفُوْرُ لِلمُؤْمِنِينَ المُذْنِبِينَ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ المُتَوَدِّدُ الٰى اَوْلِيَائِه بالكَرَامَةِ ذُو الْعَرْشِ خَالِقُهُ ومَالِكُه الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾ بالرَّفْعِ المُسْتَحِقُّ لِكَمَالِ صِفَاتِ العُلُوِّ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾ لا يُعْجِزُه شَىْءٌ هَلْ اَتٰىكَ يا محمّدُ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَدَلٌ مِنَ الجُنُودِ واسْتَغْنٰى بذِكْرِ فِرْعَوْنَ عَن اَتْبَاعِه وحَدِيثُهُم اَنَّهُم اُهْلِكُوا بكُفْرِهِم وهٰذا تَنْبِيهٌ لِمَنْ كَفَرَ

بالنّبی صلی اللّٰہُ علیہ وسلّمَ والقُراٰن لِیَتَّعِظُوْا بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ تَکْذِیْبٍ ﴿۱۹﴾ بِمَا ذُکِرَ وَّاللّٰہُ مِنْ وَّرَآئِہِمْ مُّحِیْطٌ ﴿۲۰﴾ لَا عَاصِمَ لَہُمْ مِنہ بَلْ ہُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ﴿۲۱﴾ عظِیمٌ فِیْ لَوْحٍ ہُوَ فِی الہَوَاءِ فَوْقَ السَّمَاءِ السَّابِعَۃِ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ بِالجَرِّ مِنَ الشَّیَاطِیْنِ وَمِن تَغَیُّرِ شَیْءٍ مِنْہُ وَطُوْلُہٗ مَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالاَرْضِ وَعَرْضُہٗ مَابَیْنَ المَشْرِقِ وَالمَغْرِبِ وَہُوَ مِنْ دُرَّۃٍ بَیْضَاءَ قَالَہٗ ابنُ عبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا۔

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے بُرجوں والے آسمان کی سبع سیارہ کے بارہ برج ہیں (جن کی تفصیل سورۂ فرقان میں گذر چکی ہے) اور قسم ہے یومِ موعود (یعنی) قیامت کے دن کی اور حاضر ہونے والے جمعہ کے دن کی قسم اور اس دن کی قسم جس میں حاضری ہوتی ہے یعنی یومِ عرفہ کی، حدیث شریف میں تینوں کی ایسی ہی تفسیر کی گئی ہے اول **موعود بہ** ہے دوسرا (یعنی جمعہ) اپنے اندر ہونے والے عمل کی شہادت دینے والا ہے اور تیسرا (یعنی) یوم عرفہ کہ اس میں انسان اور ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جواب قسم کا صدر محذوف ہے اور وہ **لَقَدْ** ہے ای **لَقَدْ قُتِلَ اَصْحٰبُ الاخدود**، ہلاک کئے گئے گڑھے والے یعنی زمین میں خندق والے، وہ ایک آگ تھی ایندھن والی، **النّار**، **اخدود** سے بدل الاشتمال ہے **وَقُود** اس ایندھن کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ آگ جلائی جاتی ہے، جب کہ وہ لوگ اس خندق کے اردگرد کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، اور مومنین کے ساتھ ایمان سے باز نہ آنے کی صورت میں آگ میں ڈالنے کا جو عمل کر رہے تھے اس کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ میں ڈالے جانے والے مومنین کو آگ میں ڈالے جانے سے پہلے روح قبض کر کے نجات دی اور آگ ان لوگوں کی طرف نکلی جو وہاں موجود (تماشہ دیکھ رہے) تھے اور ان کو جلا ڈالا، اور اہل ایمان سے ان کی دشمنی کی وجہ اس کے سواء کچھ نہ تھی کہ وہ اس اللہ پر جو اپنے ملک میں غالب اور محمود ہے ایمان رکھتے تھے اور آسمانوں اور زمین کی ملکیت اسی کی ہے اور وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے یعنی کافروں کو مومنین کی سوائے ان کے ایمان لانے کے اور کوئی بات ناپسند نہیں تھی، یقیناً ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں پر آگ میں جلا کر ظلم ڈھایا پھر توبہ نہ کی تو ان کے لئے ان کے کفر کی وجہ سے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے آخرت میں جلانے کا یعنی مومنین کو آگ میں جلانے کی وجہ سے عذاب ہے اور کہا گیا ہے کہ دنیا ہی میں ہے، اس طریقہ پر کہ (خندق سے) آگ نکلی اور ان کو جلا دیا جیسا کہ ماسبق میں گذرا، جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے یقیناً ان کے لئے جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ ہے بڑی کامیابی بے شک کافروں پر تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے اس کے ارادے کے مطابق، وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا اس کو اس کے ارادہ سے کوئی چیز باز نہیں رکھ سکتی وہ گنہگار مومنین کو بخشنے والا ہے اور اکرام کے ذریعہ اپنے اولیاء سے محبت کرنے والا ہے اور عرش کا مالک ہے یعنی اس کا خالق ہے، اور مالک ہے، اور بزرگ و برتر ہے (**المجیدُ**) کے رفع کے ساتھ، وہ صفاتِ کمالات عالیہ کا مستحق ہے اور جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے اس کو کوئی

شئ عاجز نہیں کرسکتی، کیا اے محمد ﷺ! تمہیں فرعون اور ثمود کے لشکروں کی خبر پہنچی؟ یہ جنود سے بدل ہے، اور فرعون کے ذکر کی وجہ سے اس کے اتباع کے ذکر کی ضرورت نہیں رہی، اور ان کا واقعہ یہ ہے کہ ان کو ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کردیا گیا، اور (در اصل) ان لوگوں کو تنبیہ ہے جنہوں نے نبی ﷺ اور قرآن کا انکار کیا، تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں، مگر جنہوں نے کفر کیا وہ مذکور کے جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں حالانکہ اللہ نے ان کو ہر طرف سے گھیرے میں لے رکھا ہے، اس سے ان کو کوئی نہیں بچا سکتا، بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے اس لوح میں جو فضا میں ساتویں آسمان کے اوپر ہے محفوظ ہے اور اس کا طول آسمان اور زمین کے فاصلہ کے برابر ہے اور اس کا عرض مشرق سے مغرب تک کی مسافت کے برابر ہے اور وہ (لوح) سفید موتی کی ہے یہی حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا نے فرمایا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

① الحمل ② الثور ③ الجوزاء ④ السرطان ⑤ الاسد ⑥ السنبلة ⑦ الميزان ⑧ العقرب ⑨ القوس ⑩ الجدی ⑪ الدلو ⑫ الحوت، یہ مذکورہ بارہ برج، سات سیاروں کے ہیں، مریخ کے دو برج ہیں، حمل اور عقرب، اور زہرہ کے بھی دو برج ہیں، ثور اور میزان، اور عطارد کے بھی دو دو برج ہیں، الجوزاء اور سنبلہ، قمر کا ایک برج ہے اور وہ سرطان ہے، اور شمس کا بھی ایک ہی ہے اور وہ اسد ہے، اور مشتری کے دو ہیں، القوس اور حوت، اور زحل اس کے بھی دو ہیں، الجدی اور دلو۔

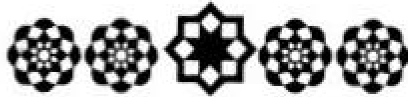

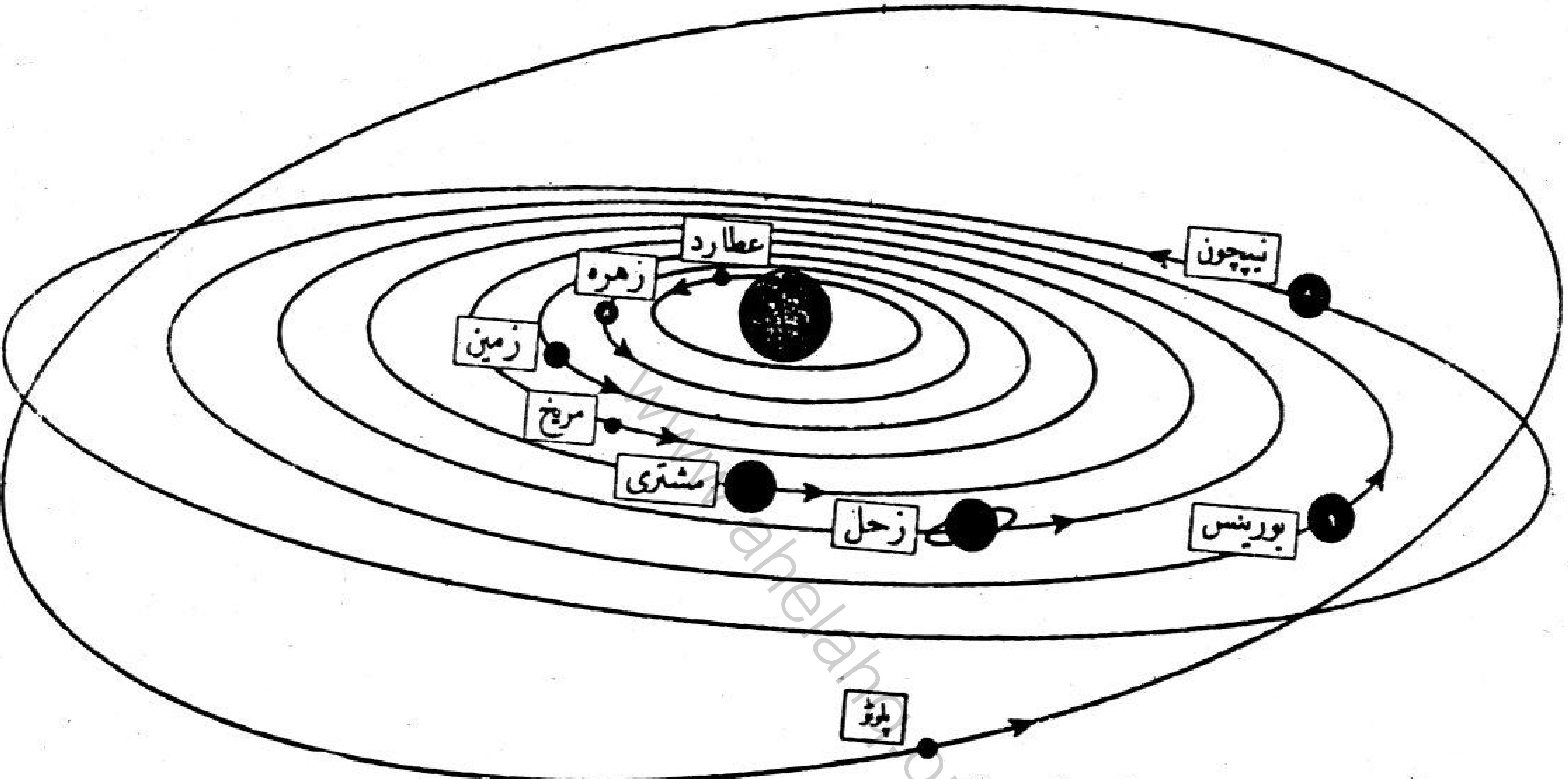

اس شکل میں نظامِ شمسی کے نو سیارے اپنے اپنے مدار میں دکھائے گئے ہیں۔ شکل میں ان سیارات کے مداروں کی ترتیب اور سمت گردش کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ پلوٹو کا مدار قدرے ترچھا ہے جس کی وجہ سے پلوٹو گاہے گاہے نیپچون کے مدار کو کاٹ کر اس کے اندر اندر چلتا ہے اس دوران بجائے پلوٹو کے نیپچون سورج سے بعید ترین سیارہ ہوتا ہے۔

قولہ: الموعود ای موعود بِہٖ ھو القیامۃ.

قولہ: محذوف صَدْرُہٗ یعنی ماضی مثبت جس کا معمول مقدم نہ ہو جب جواب قسم واقع ہو تو اس پر لام اور قد داخل کرنا ضروری ہے ایک پر اکتفا جائز نہیں ہے البتہ طول کلام یا ضرورت کی وجہ سے ایک پر اکتفا کر سکتے ہیں، جیسا کہ قَدْ اَفْلَحَ میں طول کلام کی وجہ سے صرف قد پر اکتفا کیا ہے قُتِلَ اَصْحَابُ الاخدود، ای لَقَدْ قُتِلَ اصحٰبُ الاخدود، اُخْدُوْدٌ مفرد ہے جمع اَخَادِیْدٌ بمعنی خندق۔

قولہ: النَّارُ بدل الاشتمال منه، النَّارُ، اُخدود سے بدلِ اشتمال ہے اس لئے کہ اُخْدود، نار پر مشتمل ہے۔

قولہ: الوَقُوْد، واؤ کے فتحہ کے ساتھ بمعنی ایندھن اور ضمہ کے ساتھ مصدر ہے، جلانا۔

قولہ: اِذْھم علَیْھا، قُتِل مقدم کا ظرف مؤخر ہے، یعنی مومنین کو خندق کی آگ میں جلاتے وقت خندقوں کے کنارے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، شھودٌ بعض نے کہا ہے کہ شھادةٌ بمعنی گواہی سے مشتق ہے، یعنی بادشاہ کے حضور بعض بعض کی حسن کارکردگی کی شہادت دیتے تھے یا شھادۃ بمعنی حُضورٌ سے مشتق ہے، مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں مطلب یہ ہے کہ مومنین کے ساتھ تعذیب اور احراق فی النار کا جو معاملہ کیا جاتا تھا اس کو کرسیوں پر بیٹھ کر تماشہ کے طور پر دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔

قولہ: الَّذِیْ لَہٗ مُلك السمٰوات والارض یہ العزیز الحمید کا بیان ہے۔

قولہ: فَلَھُمْ عذابُ جھنم یہ اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا کی خبر ہے، مبتداء چونکہ متضمن بمعنی شرط ہے اس لئے خبر پر فاء داخل ہوئی ہے۔

قولہ: بدل مِنَ الجنود، فرعون حذف مضاف کے ساتھ جنود سے بدل ہے، ای جنود فرعون، فرعون کو ذکر کرنے کے بعد اَتباعِ فرعون کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

قولہ: بِما ذُکِرَ، ای القرآن والنبی ﷺ، مَا سے مراد قرآن یا نبی ﷺ ہیں۔

تفسیر وتشریح

سورۂ بروج مکہ معظمہ کے اس دور میں نازل ہوئی ہے جب ظلم وستم پوری شدت کے ساتھ برپا تھا اور مشرکین مکہ مسلمانوں کو سخت سے سخت اذیتیں دے کر ایمان سے منحرف کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سورۂ بروج کے نزول کی حکمت:

کفار کو اس ظلم وستم کے بُرے انجام سے آگاہ کرنا ہے جو وہ ایمان لانے والوں پر توڑ رہے تھے، اور اہل ایمان کو یہ تسلی دینا ہے کہ اگر وہ ان مظالم کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں گے تو ان کو بہترین اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے بدلہ لے گا۔

بُرُوج، بُرج کی جمع ہے، بڑے محل یا قلعہ کو کہتے ہیں، قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے "وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ" بُرْجٌ کے اصل معنی ظہور کے ہیں، تَبَرُّجْ بے پردہ کھلے پھرنے کو کہتے ہیں اس آیت میں جمہور مفسرین کے نزدیک بڑے بڑے ستارے مراد ہیں، حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک، حسن بصری، قتادہ، سدی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ ان سب حضرات کا یہی قول ہے، یعنی قسم ہے ستاروں والے آسمان کی اور بعض نے آسمان کے دروازے یا چاند کی منزلیں مراد لی ہیں۔ (فتح القدير)

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ، شاہد اور مشہود کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے، علامہ شوکانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے آثار وروایات کی بنیاد پر کہا ہے کہ شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے یعنی اس دن جس نے جو بھی عمل کیا ہوگا یہ قیامت کے دن اس کی گواہی دے گا اور مشہود سے مراد عرفہ کا دن ہے جس میں لوگ ۹ رذی الحجہ کو عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔

اصحابِ اخدود کا واقعہ:

اس سورت میں "اصحاب اخدود" کا واقعہ بیان ہوا ہے اور یہی واقعہ اس سورت کے نزول کا سبب ہے، گڑھوں میں آگ جلا کر ایمان والوں کو اس میں ڈال کر جلا دینے کے متعدد واقعات روایات میں بیان ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں متعدد مرتبہ اس قسم کے واقعات ہوئے ہیں۔

ان میں سے ایک واقعہ صہیب رومی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک ساحر تھا، (بعض روایتوں میں کاہن کا لفظ ہے) جب وہ ساحر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں لہٰذا مجھے ایک ذہین لڑکا دے دیا جائے تاکہ میں اس کو اپنا علم سحر سکھا دوں میرے مرنے کے بعد اس علم کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے بادشاہ نے ایک ذہین لڑکا مقرر کر دیا وہ لڑکا ساحر کے پاس جاتے آتے ایک راہب سے بھی راستہ میں ملنے لگا اور اس کی باتوں سے متاثر ہو کر ایمان لے آیا حتی کہ اس کی تربیت سے صاحب کشف وکرامات ہو گیا، جس بادشاہ کا ذکر اس واقعہ میں آیا ہے وہ ملک یمن کا بادشاہ تھا جس کا نام حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت میں یوسف ذونواس بتایا گیا ہے، اس کا زمانہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے ستر سال پہلے تھا اور اس لڑکے کا نام جس کو سحر سیکھنے کے لئے مقرر کیا

گیا تھا عبداللہ بن تامر تھا، اور وہ راہب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مذہب کا پیروکار تھا، وہ لڑکا کشف وکرامات کے ذریعہ اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کرنے لگا، اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا پختہ ایمان نصیب فرمایا کہ ایمان کی خاطر لوگوں کی اذیتیں برداشت کرتا تھا، ساحر کے پاس جاتے وقت راستہ میں راہب کے پاس کچھ دیر بیٹھتا تھا جس کی وجہ سے ساحر اس کو تاخیر کی وجہ سے مارتا تھا اور واپسی کے وقت بھی راہب کے پاس بیٹھتا جس کی وجہ سے گھر پہنچنے میں دیر ہو جاتی تو گھر والے اس کی پٹائی کرتے، مگر اس نے کسی کی پرواہ کئے بغیر راہب کی صحبت اور مجالست نہ چھوڑی، اور خفیہ طور پر مسلمان ہو گیا، ایک بار اس لڑکے نے دیکھا کہ شیر وغیرہ کسی درندے نے راستہ روک رکھا ہے اور لوگ پریشان ہیں تو اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعاء کی کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے اور اگر کاہن کا دین سچا ہے تو نہ مارا جائے، یہ کہہ کر اس نے پتھر مارا جس کی وجہ سے وہ شیر ہلاک ہو گیا، اس واقعہ سے لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ اس لڑکے کو کوئی عجیب علم آتا ہے ایک نابینا نے جب یہ سنا تو آکر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی ہو جائیں گی؟ لڑکے نے کہا بشرطیکہ تو مسلمان ہو جائے۔ نابینا نے یہ شرط قبول کر لی، لڑکے نے اللہ سے دعاء کی چنانچہ وہ نابینا بینا ہو گیا اسی قسم کے بہت سے واقعات وکرامات ظاہر ہوئیں، جب بادشاہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے راہب کو اور لڑکے کو اور نابینا کو گرفتار کر کے حاضر کرنے کا حکم دیا چنانچہ تینوں گرفتار کر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر کئے گئے راہب اور نابینا کو تو فوراً ہی قتل کرا دیا، اور لڑکے کے لئے حکم دیا کہ اس کو پہاڑ کے اوپر سے گرا کر ہلاک کر دیا جائے، مگر جو لوگ اس کو لے کر پہاڑ پر گئے تھے وہ سب ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سلامت واپس آگیا، اس کے بعد بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا وہ اس سے بھی بچ گیا اور جو لوگ اس کو لے کر گئے تھے وہ سب غرق ہو گئے غرضیکہ کوئی ہتھیار اور کوئی حربہ کارگر نہ ہوا آخر کار لڑکے نے بادشاہ سے کہا اگر تو مجھے قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو مجمع عام میں "بِاسْمِ اللّٰهِ رَبِّ هٰذَا الغلام" کہہ کر تیر مار میں مر جاؤں گا، چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا مر گیا، لوگ پکار اٹھے کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے، بادشاہ کے مصاحبوں نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ یہ تو وہی کچھ ہو گیا جس سے آپ بچنا چاہتے تھے، لوگوں نے آپ کے دین کو چھوڑ کر لڑکے کے دین کو قبول کر لیا، بادشاہ یہ دیکھ کر غصے میں بھر گیا، اس نے خندقیں کھدوائیں اور ان کو آگ سے بھر دیا اور اشتہار دیا کہ جو اسلام سے نہ پھرے گا اس آگ میں جلا دیا جائے گا چنانچہ ایک ایک مسلمان کو لایا جاتا اور اس سے کہا جاتا کہ یا تو ایمان ترک کر دو، ورنہ اس خندق میں جلنا پڑے گا، اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کو ایسی استقامت بخشی کہ ان میں سے ایک بھی ایمان چھوڑنے پر راضی نہ ہوا اور آگ میں جل کر مر جانا قبول کیا صرف ایک عورت جس کی گود میں شیر خوار بچہ تھا وہ جھجکی تو فوراً ہی وہ بچہ بولا اے اماں! تو صبر کر کیونکہ تو حق پر ہے، جن لوگوں کو اس ظالم بادشاہ نے اس طرح آگ میں جلا کر ہلاک کیا ان کی تعداد بعض روایات میں بارہ ہزار اور بعض میں اس سے بھی زیادہ آئی ہے۔

(روح المعانی، احمد، مسلم، ترمذی، ابن جریر، عبدالرزاق ابن ابی شیبہ وغیرہ)

عجیب تاریخی واقعہ:

محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ لڑکا جس کا نام عبداللہ بن تامر تھا جس جگہ مدفون تھا حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے زمانۂ خلافت میں کسی ضرورت سے جب وہ زمین کھودی گئی تو اس میں سے عبداللہ بن تامر کا جسم صحیح سالم اس طرح برآمد ہوا کہ ان کا ہاتھ تیر لگنے کی جگہ کنپٹی پر رکھا ہوا ہے، کسی شخص نے ان کا ہاتھ کنپٹی سے ہٹایا تو زخم سے خون جاری ہوگیا جب ہاتھ اسی جگہ رکھ دیا تو خون بند ہوگیا ان کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس پر "اللّٰہ ربّی" لکھا ہوا تھا، یمن کے حاکم نے اس واقعہ کی اطلاع مدینہ منورہ فاروق اعظم حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو دی تو آپ نے جواب میں لکھا کہ ان کو ان کی ہیئت پر مع انگوٹھی کے اسی جگہ دفن کر دیا جائے جہاں وہ ظاہر ہوئے ہیں۔ (معارف، ابن کثیر)

فائدہ: ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کیا ہے کہ آگ کی خندق کے واقعات دنیا میں مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں پیش آئے ہیں، ابن ابی حاتم نے خصوصیت کے ساتھ تین واقعات کا ذکر کیا ہے۔

پہلا واقعہ:

یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا جو کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ولادت باسعادت سے ستر سال قبل ملک یمن میں پیش آیا، دوسرا واقعہ شام میں، تیسرا فارس میں، اس سورت میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ ملک یمن نجران کے علاقہ میں پیش آیا تھا، یہ عرب کا علاقہ تھا۔ (معارف)

دوسرا واقعہ:

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ ایران کے ایک بادشاہ نے شراب پی کر اپنی بہن سے زنا کیا اور دونوں کے درمیان تعلقات استوار ہوگئے جب بات کھل گئی اور لوگوں میں اس کا بہت چرچا ہوگیا تو بادشاہ نے اعلان کرایا کہ خدا نے بہن سے نکاح حلال کر دیا ہے لوگوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے لوگوں کو طرح طرح کے عذاب دے کر یہ بات ماننے پر مجبور کیا یہاں تک کہ وہ آگ سے بھری ہوئی خندقوں میں ہر اس شخص کو ڈلوا دیتا تھا جو اس بات کو ماننے سے انکار کرتا، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا بیان ہے کہ اسی وقت سے مجوسیوں میں محرمات سے نکاح کا طریقہ رائج ہوا ہے۔ (ابن جریر)

تیسرا واقعہ:

حضرت ابن عباس نے غالبًا اسرائیلی روایات سے نقل کیا ہے کہ بابل والوں نے یہودیوں کو دین موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منحرف ہو جانے پر مجبور کیا تھا یہاں تک کہ انہوں نے آگ سے بھری ہوئی خندقوں میں ان لوگوں کو پھینک دیا جو اس سے انکار کرتے تھے۔ (ابن جریر، عبد بن حمید)

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ یہ ان ظالموں کی سزا کا بیان ہے جنہوں نے مسلمانوں کو صرف ان کے ایمان کی بناء پر آگ کی خندق میں ڈال کر جلایا تھا اور سزا میں دو باتیں ارشاد فرمائیں فَلَهُمْ عذابُ جَهنَّم یعنی ان کے لئے آخرت میں جہنم کا عذاب ہے دوسری وَلَهُمْ عذاب الحریق یعنی ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے، ہوسکتا ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بیان اور تاکید ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے جملے میں ان کی اسی سزا کا ذکر ہو جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ جن مومنین کو ان لوگوں نے آگ کی خندق میں ڈالا تھا اللہ نے ان کو تو تکلیف سے اس طرح بچا لیا کہ آگ کے چھونے سے پہلے ہی ان کی ارواح قبض کر لی گئیں، پھر یہ آگ اس قدر بھڑک اٹھی کہ خندق کی حدود سے نکل کر شہر میں پھیل گئی اور ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے اس آگ نے جلا دیا صرف بادشاہ یوسف ذونواس بھاگ نکلا اور آگ سے بچنے کے لئے دریا میں کود گیا جس کی وجہ سے غرق ہو کر مر گیا۔

(مظہری)

تمت بالحمد للہ

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ سَبْعَ عَشرَةَ اٰيَة.

سورۂ طارق مکی ہے، سترہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿١﴾ اَصْلُهٗ كُلُّ اٰتٍ لَيْلًا وَمِنْهُ النُّجُوْمُ لِطُلُوْعِهَا لَيْلًا وَمَآ اَدْرٰكَ اَعْلَمَكَ مَا الطَّارِقُ ﴿٢﴾ مُبْتَدأٌ وخَبرٌ فِي مَحَلِّ المَفْعُوْلِ الثَّانِي لِاَدْرٰى ومَا بَعْدَ مَا الأُوْلٰى خَبرُهَا وفِيْه تَعْظِيْمٌ لِشَانِ الطَّارِقِ المفسَّرِ بمَا بَعْدَهٗ هُوَ النَّجْمُ اي الثُّرَيَّا او كُلُّ نَجمٍ الثَّاقِبُ ﴿٣﴾ المُضِئُ لِثَقْبِهِ الظَّلَامَ بِضَوْئِهٖ وَجَوابُ القَسَمِ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿٤﴾ بتَخفِيْفِ مَا فَهِيَ مَزِيْدَةٌ وانْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اي اِنَّهٗ واللَّامُ فَارِقَةٌ وبتَشْدِيْدِهَا فَاِنْ نَافِيَةٌ ولَمَّا بمَعْنٰى اِلَّا وَالحَافِظُ مِنَ المَلَائِكَةِ يَحْفَظُ عَمَلَهَا مِنْ خَيرٍ وشَرٍّ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ نَظَرَ اعْتِبَارٍ مِمَّ خُلِقَ ﴿٥﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ جَوابُه خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿٦﴾ ذِيْ اِنْدِفَاقٍ مِنَ الرَّجُلِ والمَرْأَةِ فِي رَحِمِهَا يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ لِلرَّجُلِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿٧﴾ لِلْمَرْأَةِ وهِيَ عِظَامُ الصَّدْرِ اِنَّهٗ تَعالٰى عَلٰى رَجْعِهٖ بَعْثِ الْاِنسَانِ بَعْدَ مَوْتِه لَقَادِرٌ ﴿٨﴾ فَاِذَا اعْتَبَرَ اَصْلَهٗ عَلِمَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى ذٰلِكَ قَادِرٌ عَلٰى بَعْثِهٖ يَوْمَ تُبْلَى تُخْتَبَرُ وتُكْشَفُ السَّرَآئِرُ ﴿٩﴾ ضَمَائِرُ القُلُوْبِ فِي العَقَائِدِ والنِّيَّاتِ فَمَا لَهٗ لِمُنْكِرِ البَعْثِ مِنْ قُوَّةٍ يَمْتَنِعُ بِهَا عَنِ الْعَذَابِ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ يَدْفَعُهٗ عَنْهُ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾ المَطَرِ لِعَوْدِهٖ كُلَّ حِيْنٍ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾ الشَّقِّ عَنِ النَّبَاتِ اِنَّهٗ اي القُرْاٰنَ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿١٣﴾ يَفْصِلُ بَيْنَ الحَقِّ وَالبَاطِلِ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾ بِاللَّعِبِ والبَاطِلِ اِنَّهُمْ اي الكُفَّارَ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿١٥﴾ يَعْمَلُوْنَ الْمَكَائِدَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾ اَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ فَمَهِّلِ يَا مُحَمَّدُ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ تَاكِيْدٌ حَسَنَهٗ مُخَالَفَةُ اللَّفْظِ اي اَنْظِرْهُم رُوَيْدًا ﴿١٧﴾ قَلِيْلًا وهُوَ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَعْنَى العَامِلِ مُصَغَّرُ رُوْدًا اوِ ارْوَادٍ عَلَى التَّرْخِيْمِ وقَدْ اَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَنُسِخَ الْاِمْهَالُ بِاٰيَةِ السَّيْفِ اي بِالْاَمْرِ بِالْجِهَادِ وَالْقِتَالِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے طارق اصل میں رات میں ہر آنے والے کو کہتے ہیں، اور اسی میں سے ستارے ہیں اس لئے کہ یہ بھی رات ہی کو طلوع ہوتے ہیں، اور آپ ﷺ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ (مَــا الطارق) مبتداء اور خبر ہیں جو کہ اَدْرٰی کے مفعول ثانی کے محل میں ہے اور پہلے مَــا کا مابعد اس کی خبر ہے اور اس میں طارق کی شان کی تعظیم ہے جس کی مابعد کے ذریعہ تفسیر کی گئی ہے (اور طــارق) روشن ثریا یا ہر روشن ستارہ ہے جو اپنی روشنی کے ذریعہ تاریکی کو پھاڑنے کی وجہ سے ثاقب کہلاتا ہے اور جواب قسم محذوف ہے، کوئی جان ایسی نہیں کہ جس کے اوپر کوئی نگہبان نہ ہو، مَا کی تخفیف کے ساتھ، سو وہ زائدہ ہے اور اِنْ ثقیلہ سے مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے ای اِنَّهٗ اور لام (مخففہ اور نافیہ) کے درمیان فارقہ ہے اور لَـمَّـا تشدید کے ساتھ بھی ہے سو اِنْ نافیہ ہے اور لَـمَّـا بمعنی اِلَّا ہے اور نگرانی کرنے والے فرشتے ہیں جو کہ ہر نفس کے اچھے برے عمل کی نگرانی کرتے ہیں پھر ذرا انسان اسی پر عبرت کی نظر کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اس کا جواب خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ ہے (یعنی) مرد اور عورت کے رحم میں اچھلنے والی پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو مرد کی پیٹھ اور عورت کی پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے اور تَرَائب سینے کی ہڈیوں کو کہتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ انسان کے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے پس جب انسان اپنی اصل میں نظر عبرت سے غور کرے گا تو یہ بات سمجھ لے گا کہ جو ذات اس (ابتداء تخلیق) پر قادر ہے وہ اس کے اعادہ پر بھی قادر ہے، جس روز پوشیدہ اسرار کی جانچ پڑتال ہوگی اور ظاہر کئے جائیں گے، یعنی عقیدے اور نیتوں کے بارے میں دلوں کے مخفی رازوں کی (جانچ پڑتال ہوگی) تو اس وقت اس منکر بعث کے پاس نہ خود اپنا کوئی زور ہوگا کہ جس کے ذریعہ عذاب سے بچ سکے، اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہوگا جو اس کا دفاع کر سکے اور قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی مطر کو رَجْعٌ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بار بار رجوع کرتی ہے، اور شگاف والی زمین کی یعنی وہ شگاف جو نباتات کے نکلنے سے ہوتے ہیں بلاشبہ یہ قرآن ایک قول فیصل ہے، (جو) حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرتا ہے، اور وہ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے یعنی لہو و لعب اور باطل نہیں ہے، یہ کفار کچھ چالیں چل رہے ہیں یعنی نبی ﷺ کے ساتھ مکر کر رہے ہیں اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں، یعنی ان کو ڈھیل دے رہا ہوں اس طریقہ پر کہ وہ سمجھ نہیں پا رہے ہیں پس اے محمد ﷺ! ان کافروں کو چھوڑ دو اَمْهِلْهُم تاکید ہے لفظی الفت نے اس میں حسن پیدا کر دیا ہے یعنی ان کو کچھ وقت مہلت دیجئے (رُوَیْدًا) معنی عامل کے لئے مؤکد ہے اور رُوْدًا حذف زوائد کے ساتھ اَرْوَادٍ کا مصغر ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدر میں پکڑ لیا، اور مہلت آیت سیف سے منسوخ ہوگئی، یعنی قتال و جہاد کے حکم سے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَصْلُہٗ کُلُّ آتٍ لَیْلًا، طارق، طارق لغت میں کھٹکھٹانے والے کو کہتے ہیں رات میں آنے والے کو اسی لئے طارق کہتے ہیں کہ وہ بھی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، پھر اس میں وسعت کر کے رات میں ہر ظاہر ہونے والی چیز پر اطلاق ہونے لگا، پھر اس میں بھی توسیع دے کر مطلقاً ظاہر ہونے والی چیز کو کہا جانے لگا خواہ دن میں ظاہر ہو یا رات میں، اسی سے یہ حدیث ہے "اَعُوْذُبِكَ مِن شرِّ طارق اللیل والنھارِ الّا طارقًا یَطْرقُ بِخَیرٍ یا رحمن".

قَوْلُہٗ: وَمَا اَدْرٰكَ استفہام انکاری ہے اور مَا الطارق میں استفہام تعظیم و تفخیم کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: النجم، ھُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور یہ اس ابہام کی تفسیر بھی ہے جو استفہام سے پیدا ہوا ہے۔

قَوْلُہٗ: الثُریَّا او کل نجمٍ یہ النجم کی تفسیر کے تین اقوال میں سے دو ہیں تیسرا قول زحل کا ہے اور زحل کا مقام ساتواں آسمان ہے زحل آسمان کی خوبصورت ترین چیزوں میں سے ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنْ کُلُّ نفس الخ جوابِ قسم ہے، قسم اور جواب قسم کے درمیان وَمَا اَدْرٰكَ الخ جملہ معترضہ ہے جو کہ مقسم بہ کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بتخفیف مَا، لَمَا میں دو قراءتیں ہیں اول مَا کی تخفیف کے ساتھ زائدہ اس صورت میں اِنْ مخففہ عن الثقیلہ ہوگا اور اس کا اسم محذوف ہوگا، ای اِنَّہٗ اور لَمَا کا لام اِنْ مخففہ اور نافیہ کے درمیان فارقہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: بتشدیدھا یہ لَمَّا کی دوسری قراءت کا بیان ہے اس صورت میں لَمّا مشدد بمعنی اِلَّا ہوگا اور اِن نافیہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: ذی اِنْدِفَاقٍ یہ دَافِقٍ کی تفسیر ہے اس تفسیر کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ دَافِقٍ اسم فاعل برائے نسبت ہے، جیسا کہ لَابِنٌ دودھ فروخت کرنے والا، تَامِرٌ تمر فروخت کرنے والا، دافقٌ اچھلنے والا۔

قَوْلُہٗ: فی رحمھا یہ دافق سے متعلق ہے، مطلب یہ ہے کہ مرد کے نطفہ کا اندفاق، رحم مادر میں ہوتا ہے اور عورت کے نطفہ کا آلہ اندفاق تو رحم کے اندر ہوتا ہی ہے اس طرح مرد اور عورت دونوں کے نطفہ کا اندفاق رحم ہی میں ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: من بَیْنِ الصلبِ میں بین زائدہ ہے اس لئے کہ بین کا استعمال متعدد میں ہوتا ہے اور صلب میں تعدد نہیں ہے الا یہ کہ صلب سے مراد اجزاء صلب ہوں تو تعدد کی صورت ہو سکتی ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنَّہٗ لقولٌ فصلٌ، فصل بمعنی فاصل ہے یہ والسماء ذات الرجع الخ کا جواب قسم ہے۔

قَوْلُہٗ: تاکید حسَنَۃٌ مخالفة اللفظ یعنی اَمْھِلْھُمْ، فَمَھِّلْ کی تاکید ہے مؤکد اور مؤکد کے درمیان لفظی اختلاف نے ایک قسم کا حسن پیدا کر دیا ہے اور وہ اختلاف یہ ہے کہ مؤکد یعنی فمھل میں اسناد اسم ظاہر یعنی کافرین کی طرف ہے اور مؤکد یعنی اَمْھِلْھُمْ میں ضمیر ھم کی جانب ہے اس اختلاف سے افادۂ جدید ہوا جو کہ حکم میں تاسیس کے ہے اور تاسیس تاکید سے بہتر ہے،

اور مؤکد ومؤکِد میں صیغہ کے اعتبار سے بھی اختلاف ہے یہ اختلاف بھی عبارت کے تنوع پر دلالت کرتا ہے جو کہ مطلوب ہے۔

قولہ: علی الترخیم اس کا تعلق اروادًا سے ہے، اور رُوَیْدَا اِرْوَادًا کی تصغیر ہے حذف زوائد کے بعد، امہال کا حکم جہاد کے حکم سے منسوخ ہوگیا۔

تفسیر وتشریح

وَالسَّمَاءِ والطَّارِق اس سورت میں حق تعالیٰ نے آسمان اور ستاروں کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ ہر انسان پر محافظ اور نگران مقرر ہے جو اس کے تمام حرکات وسکنات وافعال واعمال کو دیکھتا اور لکھتا ہے اور یہ لکھنا اور محفوظ کرنا حساب کے لئے ہے جو قیامت کے دن ہوگا اس لئے عقل کا تقاضہ ہے کہ انسان کبھی آخرت کی فکر سے غافل نہ ہو۔

حضرت خالد عدوانی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ثقیف کے بازار میں کمان یا لاٹھی کے سہارے کھڑے دیکھا آپ ﷺ میرے پاس مدد حاصل کرنے آئے تھے، میں نے وہاں آپ ﷺ سے سورۂ طارق سنی اور میں نے اسے یاد کرلیا حالانکہ میں ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا پھر مجھے اللہ نے ایمان کی دولت سے نواز دیا۔ (مسند احمد، مجمع الزوائد)

طارق سے کیا مراد ہے؟ خود قرآن نے واضح کردیا کہ روشن ستارہ مراد ہے، طارق طروق سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی کھٹکھٹانے کے ہیں، رات میں آنے والے کو بھی طارق کہتے ہیں اس لئے کہ وہ بھی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے ستاروں کو بھی اسی لئے طارق کہتے ہیں کہ وہ دن کو چھپے رہتے ہیں اور رات کو نمودار ہوتے ہیں۔

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَمَّا عَلَيْهَا حافظ یعنی ہر نفس پر اللہ کی طرف سے محافظ اور نگران مقرر ہیں اور وہ فرشتے ہیں جیسا کہ سورۂ رعد کی آیت ۱۱ر سے معلوم ہوتا ہے اور بعض مفسرین نے حافظ سے مراد خود اللہ تعالیٰ کو لیا ہے۔

يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ "صلب" ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں اور ترائب، تَرِيْبَةٌ کی جمع ہے سینے کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں ہار پہنا جاتا ہے، انسان کا مادۂ تولید اس حصہ سے نکلتا ہے جو صلب اور سینے کے درمیان واقع ہے۔

خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ یعنی انسان کو ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے انسان کا مادۂ تولید مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے خارج ہوتا ہے اور یہ مادہ انسان کے ہر عضو سے نکل کر یہاں جمع ہوتا ہے لہٰذا دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

والسماء ذات الرجع، رجعٌ کے لغوی معنی لوٹنا، پلٹنا کے ہیں، بارش کو رجع اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ پلٹ کر بار بار آتی ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فصلٌ یہ جواب قسم ہے یعنی کھول کر بیان کرنے والا جس سے حق و باطل میں امتیاز ہو جائے وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ یعنی جس طرح آسمان سے بارش کا برسنا اور زمین کا شق ہو کر نباتات کو اپنے اندر سے اگلنا کوئی مذاق نہیں ہے بلکہ ایک سنجیدہ حقیقت ہے، اسی طرح قرآن خبر دے رہا ہے کہ انسان کو پھر اپنے خدا کی طرف پلٹنا ہے یہ بھی کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے بلکہ ایک دوٹوک بات ہے اور ایک سنجیدہ حقیقت ہے جسے پورا ہو کر رہنا ہے۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كيدًا یعنی یہ کفار قرآنی دعوت کو شکست دینے کے لئے طرح طرح کی چالیں چل رہے ہیں، اپنی پھونکوں سے اس چراغ کو بجھانا چاہتے ہیں، ہر قسم کے شبہات لوگوں کے دلوں میں ڈال رہے ہیں، ایک سے ایک جھوٹا الزام تراش کر اس کے پیش کرنے والے نبی ﷺ پر لگا رہے ہیں تاکہ دنیا میں اس کی بات چلنے نہ پائے اور کفر و جہالت کی وہی تاریکی چھائی رہے جسے وہ چھانٹنے کی کوشش کر رہا ہے، اور خدا بھی ایک تدبیر کر رہا ہے کہ ان کی کوئی تدبیر اور مکر چلنے نہ پائے اور وہ نور پھیل کر رہے جسے یہ بجھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الْاَعْلٰی مَکِّیَّةٌ وَهِیَ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰیَةً

سُوْرَةُ الْاَعْلٰی مَکِّیَّةٌ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰیَةً.

سورۂ اعلیٰ مکی ہے، انّیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ ای نَزِّهْ رَبَّكَ عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِهٖ وَلَفْظُ اِسْمِ زَائِدٌ الْاَعْلَی ① صِفَةٌ لِرَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ② مَخْلُوْقَهٗ جَعَلَهٗ مُتَنَاسِبَ الاَجْزَاءِ غَیْرَ مُتَفَاوِتٍ وَالَّذِیْ قَدَّرَ مَا شَاءَ فَهَدٰی ③ اِلٰی مَا قَدَّرَهٗ مِنْ خَیْرٍ وَشَرٍّ وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ④ اَنْبَتَ العُشْبَ فَجَعَلَهٗ بَعْدَ الخُضْرَةِ غُثَاءً جَافًا هَشِیْمًا اَحْوٰی ⑤ اَسْوَدَ یَابِسًا سَنُقْرِئُكَ القُرْاٰنَ فَلَا تَنْسٰی ⑥ مَا تَقْرَؤُهٗ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَنْسَاهُ بِنَسْخِ تِلَاوَتِهٖ وَحُکْمِهٖ وَکَانَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَجْهَرُ بِالقِرَاءَةِ مَعَ قِرَاءَةِ جِبْرِیْلَ خَوْفَ النِّسْیَانِ فَکَاَنَّهٗ قِیْلَ لَهٗ لَا تَعْجَلْ بِهَا اَنَّكَ لَا تَنْسٰی فَلَا تُتْعِبْ نَفْسَكَ بِالجَهْرِ بِهَا اِنَّهٗ تَعَالٰی یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ القَوْلِ وَالفِعْلِ وَمَا یَخْفٰی ⑦ مِنْهُمَا وَنُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰی ⑧ لِلشَّرِیْعَةِ السَّهْلَةِ وَهِیَ الاِسْلَامُ فَذَکِّرْ عِظْ بِالقُرْاٰنِ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی ⑨ مَنْ تَذَکَّرَهُ المَذْکُوْرَ فِیْ سَیَذَّکَّرُ بِهَا مَنْ یَّخْشٰی ⑩ یَخَافُ اللّٰهَ تَعَالٰی کَاٰیَةِ فَذَکِّرْ بِالقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ وَیَتَجَنَّبُهَا ای الذِّکْرٰی یَتْرُکُهَا جَانِبًا لَا یَلْتَفِتُ اِلَیْهَا الْاَشْقَی ⑪ بِمَعْنَی الشَّقِیِّ ای الکَافِرُ الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی ⑫ هِیَ نَارُ الاٰخِرَةِ وَالصُّغْرٰی نَارُ الدُّنْیَا ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا فَیَسْتَرِیْحُ وَلَا یَحْیٰی ⑬ حَیَاةً هَنِیْئَةً قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ⑭ تَطَهَّرَ بِالاِیْمَانِ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ مُکَبِّرًا فَصَلّٰی ⑮ الصَّلَوٰتِ الخَمْسَ وَذٰلِكَ مِنْ اُمُوْرِ الاٰخِرَةِ وَکُفَّارُ مَکَّةَ مُعْرِضُوْنَ عَنْهَا بَلْ تُؤْثِرُوْنَ بِالتَّحْتَانِیَّةِ وَالفَوْقَانِیَّةِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ⑯ عَلَی الاٰخِرَةِ وَالْاٰخِرَةُ المُشْتَمِلَةُ عَلَی الجَنَّةِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ⑰ اِنَّ هٰذَا ای فَلَاحَ مَنْ تَزَکّٰی وَکَوْنَ الاٰخِرَةِ خَیْرًا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ⑱ المُنَزَّلَةِ قَبْلَ القُرْاٰنِ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی ⑲ وَهِیَ عَشَرُ صُحُفٍ لِاِبْرَاهِیْمَ وَالتَّوْرٰةُ لِمُوْسٰی.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، (اے نبی ﷺ!) اپنے رب برتر کے

نام کی تسبیح کر یعنی اپنے رب کی ان چیزوں سے پاکی بیان کر جو اس کی شایانِ شان نہیں ہیں، اور لفظ اسم زائد ہے (اَلْاَعْلٰی) رب کی صفت ہے جس نے پیدا کیا اور اپنی مخلوق کو درست کیا (یعنی) متناسب الاعضاء بنایا نہ کہ غیر متناسب جس نے جیسی چاہی تقدیر بنائی پھر اس نے اس خیر و شر کی راہ بتائی جو اس نے مقدر فرمائی جس نے نباتات گھاس اگائی پھر اس کو ہریالی کے بعد سوکھا سیاہ کوڑا کرکٹ کر دیا ہم قرآن آپ کو پڑھوا دیں گے پھر آپ ﷺ جو پڑھیں گے اس کو نہ بھولیں گے سوائے اس کے کہ جس کو اللہ بھلانا چاہے گا اس حکم اور اس کی تلاوت کو منسوخ کر کے، اور آپ ﷺ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قراءت کے ساتھ ساتھ بھولنے کے خوف سے زور زور سے قراءت کرتے تھے گویا آپ ﷺ کو یہ فرمایا گیا کہ جلدی نہ کیجئے، آپ ﷺ بھولیں گے نہیں، اس لئے زور سے پڑھ تعب نہ اٹھائیے، اور اللہ تعالیٰ ظاہر قول و فعل کو بھی جانتا ہے اور پوشیدہ قول و فعل کو بھی (جانتا ہے) اور ہم آپ ﷺ کو آسان شریعت کی سہولت دیتے ہیں اور وہ اسلام ہے، سو آپ ﷺ قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہیں اگر نصیحت نافع ہو اس شخص کو جس کو آپ ﷺ نصیحت فرمائیں جو کہ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰی میں مذکور ہے جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے نصیحت حاصل کرے گا جیسا کہ آیت فَذَكِّرْ بالقرآن مَن يخافُ وعيد میں ہے، یعنی آپ ﷺ اس شخص کو نصیحت فرمائیں جو وعید سے ڈرتا ہے اور اس نصیحت کو وہ شخص درکنار کرے گا یعنی اس کی طرف توجہ نہ کرے گا جو انتہائی بدبخت ہوگا جو بڑی آگ میں داخل ہوگا اور اشقٰی بمعنی شقی، یعنی کافر ہے اور وہ (بڑی آگ) آخرت کی آگ ہے اور چھوٹی آگ دنیا کی آگ ہے، پھر وہ اس میں نہ مرے گا کہ راحت پا جائے اور نہ خوشگواری کی زندگی جئے گا، وہ شخص کامیاب ہوگا جس نے ایمان کے ذریعہ پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا تکبیر کہتے ہوئے، پھر پنج وقتہ نماز پڑھی اور یہ امور آخرت میں سے ہیں اور مکہ کے کافر روگردانی کرتے ہیں تم لوگ دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو (تؤثرون) یا اور تاء کے ساتھ ہے حالانکہ آخرت جو کہ جنت پر مشتمل ہے بہتر اور باقی رہنے والی ہے بلاشبہ یہی بات یعنی پاکیزگی حاصل کرنے والے کی فلاح اور آخرت کا بہتر اور دائمی ہونا پہلے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفوں میں بھی جو قرآن سے پہلے نازل ہوئے ہیں اور وہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دس صحیفے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تورات ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: صِفَةٌ لِرَبِّكَ یعنی اَلْاَعْلٰی، ربّ کی صفت ہے اس کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اَلْاَعْلٰی، اِسْمَ کی صفت نہیں ہے اس لئے کہ اَلَّذِی، رَبِّكَ کی صفت ہے ورنہ تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ موصوف رَبِّكَ اور صفت الذی خَلَقَ کے درمیان غیر صفت یعنی الاعلی کا فصل ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: غُثَاء، غُثَاء اس کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں جو سطح آب پر بہہ کر چلا آتا ہے، یہاں مطلقاً سوکھا سیاہ کوڑا کرکٹ مراد ہے یعنی مقید کو معنی میں مطلق کے استعمال کیا ہے۔

قولہ: مَنْ تُذَكِّرُه المذكور ، في سَيَذَّكَّرُ مَنْ موصولہ ہے اور نَفَعَتْ کا مفعول ہے اور تُذَكِّرُ کی ضمیر مرفوع مخاطب یعنی آپ ﷺ کی طرف راجع ہے اور ضمیر منصوب (ہٗ) موصول کی طرف راجع ہے اور المذکور موصول کی صفت ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نصیحت کریں اگر نصیحت اس شخص کو فائدہ دے جس کو آپ ﷺ نصیحت کریں، اور جس کا ذکر سَيَذَّكَّرُ من يخشىٰ میں ہے، مَنْ تُذَكِّرُهٗ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اِنْ نَفَعَتِ الذكرىٰ میں جو نفع کے بارے میں تردد ہے وہ ذکریٰ کے مفعول کی نسبت سے ہے نہ کہ فاعل کی نسبت سے اس لئے کہ فاعل کی نسبت سے ذکر کا فائدہ متحقق ہے۔ (کمالا یخفی)

قولہ: فيستريح یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ لا یموت فِیْهَا ولا یحیٰی سے معلوم ہوتا ہے کہ موت اور حیات کے درمیان کوئی واسطہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایسی موت نہ آئے گی کہ یہ مرنے کے بعد راحت پا جائے اور نہ ایسی حیات ہوگی کہ اس میں خوشگواری ہو۔

تفسیر و تشریح

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی رسول اللہ ﷺ اس سورت اور سورۂ غاشیہ کو عیدین اور جمعہ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے، اسی طرح وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے، حضرت عقبہ بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ سبح اسم ربك الاعلى جب نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو اپنے سجود میں داخل کرو اور جب فسبح باسم ربك العظيم نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے اپنے رکوع میں داخل کرو۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی، تسبیح کے معنی پاک رکھنے اور پاکی بیان کرنے کے ہیں سبح اسم ربك الاعلى کے معنی یہ ہیں کہ اپنے رب کے نام کو پاک رکھئے، مطلب یہ کہ رب کے نام کی تعظیم تکریم کیجئے اور جب اللہ کا نام آئے تو ادب اور خضوع اور خشوع کا لحاظ رکھئے، اور ہر ایسی چیز سے اس کے نام کو پاک رکھئے جو اس کی شایانِ شان نہ ہو، اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان ناموں سے پکاریئے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمائے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بتلائے ہیں ان کے سوا کسی اور نام سے اس کو پکارنا جائز نہیں۔

اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں وہ کسی مخلوق کے لئے استعمال کرنا اس کی تنزیہ و تقدیس کے خلاف ہے اس لئے جائز نہیں (قرطبی) جیسے رحمٰن، رزاق، غفار، قدوس وغیرہ، آج کل اس معاملہ میں غفلت بڑھتی جارہی ہے۔

بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ اسم سے خود مسمّٰی کی ذات مراد لی ہے اور لفظ اسم کو زائد کہا ہے مفسر علام کا بھی یہ خیال ہے، اور عربی زبان کے اعتبار سے اس کی گنجائش بھی ہے اور قرآن کریم میں بھی اس معنی کے لئے استعمال ہوا ہے اور حدیث میں جو رسول اللہ ﷺ نے اس کلمہ کو نماز کے سجدے میں پڑھنے کا حکم دیا اس کی تعمیل میں جو کلمہ اختیار کیا گیا وہ سبحان اسم ربك

الاعلی نہیں بلکہ سبحان ربی الاعلی ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ لفظ اسم اس جگہ مقصود نہیں خود مسمی مقصود ہے۔

فَجَعَلَهٗ غُثَاءً جب گھاس خشک ہو جائے تو اس کو غثاء کہتے ہیں اَحْوٰی بمعنی سیاہ کرنا، یعنی تازہ اور سرسبز لہلہاتی گھاس کو ہم سکھا کر سیاہ کوڑا بھی کر دیتے ہیں۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰی حاکم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کے الفاظ کو اس خوف سے جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ساتھ دہراتے جاتے تھے کہ کہیں بھول نہ جائیں، مجاہد اور کلبی کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام وحی سنا کر فارغ نہ ہوتے تھے کہ آپ ﷺ بھول جانے کے اندیشہ سے دہرانے لگتے تھے اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ اطمینان دلایا کہ وحی کے نزول کے وقت آپ ﷺ خاموشی سے سنتے رہیں ہم اسے آپ ﷺ کو پڑھوا دیں گے، اور وہ ہمیشہ کے لئے آپ ﷺ کو یاد ہو جائے گا۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰی یہ عام ہے مثلاً ہم آپ ﷺ پر وحی آسان کر دیں گے تا کہ اس کو یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے، ہم آپ ﷺ کی اس طریقہ کی طرف رہنمائی کریں گے جو آسان ہوگا، ہم آپ ﷺ کے لئے ایسی شریعت مقرر کریں گے جو سہل، مستقیم اور معتدل ہوگی، جس میں کوئی کمی اور عسر اور تنگی نہیں ہوگی، وغیرہ۔

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی یعنی وعظ و نصیحت وہاں کریں کہ جہاں محسوس ہو کہ نصیحت فائدہ مند ہوگی، یہ وعظ و نصیحت کا ایک اصول اور ادب بیان فرما دیا۔ (ابن کثیر)

تمت

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ست وعشرون اٰيةً.

سورۂ غاشیہ مکی ہے، چھبیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ هَلْ قد اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ① القِيَامَةِ لِاَنَّهَا تَغْشٰى الخَلَائِقَ بِاَهْوَالِهَا وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عُبِّرَ بِهَا عَنِ الذَّوَاتِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ خَاشِعَةٌ ② ذَلِيْلَةٌ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ③ ذَاتُ نَصَبٍ وتَعَبٍ بِالسَّلَاسِلِ وَالاَغْلَالِ تَصْلٰى بِضَمِّ التَّاءِ وفَتْحِهَا نَارًا حَامِيَةً ④ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ⑤ شَدِيْدَةِ الحَرَارَةِ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ⑥ هُوَ نَوْعٌ مِنَ الشَّوْكِ لَا تَرْعَاهُ دَابَّةٌ لِخُبْثِهِ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ⑦ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ⑧ حَسَنَةٌ لِّسَعْيِهَا فِي الدُّنْيَا بِالطَّاعَةِ رَاضِيَةٌ ⑨ فِي الاٰخِرَةِ لَمَّا رَاَتْ ثَوَابَهُ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ⑩ حِسًّا ومَعْنًى لَّا تَسْمَعُ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فِيْهَا لَاغِيَةً ⑪ اي نَفْسٌ ذَاتَ لَغْوٍ اي هَذَيَانٍ مِنَ الْكَلَامِ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ⑫ بِالْمَاءِ بِمَعْنٰى عُيُوْنٍ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ⑬ ذَاتًا وقَدْرًا ومَحَلًّا وَّاَكْوَابٌ اَقْدَاحٌ لَا عُرٰى لَهَا مَّوْضُوْعَةٌ ⑭ عَلٰى حَافَاتِ العُيُوْنِ مُعَدَّةٌ لِشُرْبِهِمْ وَّنَمَارِقُ وَسَائِدُ مَصْفُوْفَةٌ ⑮ بَعْضُهَا بِجَنْبِ بَعْضٍ يُسْتَنَدُ اِلَيْهَا وَّزَرَابِيُّ بُسُطٌ طَنَافِسُ لَهَا خُمُلٌ مَبْثُوْثَةٌ ⑯ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اي كُفَّارُ مَكَّةَ نَظَرَ اعْتِبَارٍ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ⑰ وَاِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ⑱ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ⑲ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ⑳ اي بُسِطَتْ فَيَسْتَدِلُّوْنَ بِهَا عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى ووَحْدَانِيَّتِهِ وصُدِّرَتْ بِالاِبِلِ لِاَنَّهُمْ اَشَدُّ مُلَابَسَةً لَهَا مِنْ غَيْرِهَا وقَوْلُهُ سُطِحَتْ ظَاهِرٌ فِي اَنَّ الاَرْضَ سَطْحٌ وَعَلَيْهِ عُلَمَاءُ الشَّرْعِ لَا كُرَةٌ كَمَا قَالَهُ اَهْلُ الهَيْئَةِ وَاِنْ لَمْ يَنْقُضْ رُكْنًا مِنْ اَرْكَانِ الشَّرْعِ فَذَكِّرْ هُمْ نِعَمَ اللّٰهِ ودَلَائِلَ تَوْحِيْدِهِ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ ㉑ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ㉒ وفِي قِرَاءَةٍ بِالصَّادِ بَدَلَ السِّيْنِ اي بِمُسَلَّطٍ وهٰذَا قَبْلَ الاَمْرِ بِالجِهَادِ اِلَّا لٰكِنْ مَنْ تَوَلّٰى اَعْرَضَ عَنِ الاِيْمَانِ وَكَفَرَ ㉓ بِالقُرْاٰنِ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ㉔ عَذَابَ الاٰخِرَةِ وَالاَصْغَرُ عَذَابُ الدُّنْيَا بِالقَتْلِ وَالاَسْرِ اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ ㉕ رُجُوْعَهُمْ بَعْدَ المَوْتِ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ㉖ جَزَائَهُمْ لَا نَتْرُكُهُ اَبَدًا.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، کیا تجھے چھا جانے والی قیامت کی خبر پہنچی (قیامت کو غاشیہ) اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی ہولناکیوں کے ذریعہ پوری مخلوق پر چھا جائے گی، کچھ چہرے اس روز ذلیل ہوں گے دونوں جگہ شخصیات کو وجوہٌ سے تعبیر کیا گیا ہے، سخت محنت جھیل رہے ہوں گے طوق اور زنجیروں کی وجہ سے سخت محنت و مشقت جھیل رہے ہوں گے، وہ سخت آگ میں جھلس رہے ہوں گے (تُصْلٰی) تاء کے ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے، نہایت گرم کھولتے ہوئے چشمے کا پانی انہیں پینے کے لئے دیا جائے گا ان کے لئے سوائے کانٹے دار درختوں کے اور کوئی غذا نہ ہوگی، (ضریع) ایک قسم کی کانٹے دار گھاس ہے جسے اس کے خبث کی وجہ سے کوئی جانور نہیں چرتا، جو نہ موٹا کرے گی اور نہ بھوک مٹائے گی کچھ چہرے اس روز بارونق ہوں گے دنیا میں طاعت کی کارگزاری پر خوش ہوں گے، جب حسًّا و معنًا عالی مقام جنت میں (اپنی) سعی کا ثواب دیکھیں گے، اے مخاطب! کوئی بے ہودہ بات وہاں نہ سنے گا یسمع یا اور تا کے ساتھ، یعنی بے ہودہ کلام، وہاں پانی کے بہتے چشمے ہوں گے عَیْنٌ بمعنی عیون ہے اس میں ذات اور مرتبہ اور محل کے اعتبار سے اونچے اونچے تخت ہوں گے اور چشموں کے کنارے بغیر دستے (ٹونٹی) کے ساغر رکھے ہوں گے جو جنتیوں کے پینے کے لئے بنائے گئے ہوں گے اور گاؤ تکیوں کی قطاریں لگی ہوں گی جن پر ٹیک لگائی جائے گی، اور مخملی غالیچے بچھے ہوئے ہوں گے، یعنی ایسے فرش جو روئیں دار ہوں گے، کیا یہ کفار مکہ عبرت کی نظر سے اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں؟ (اور کیا) آسمان کو نہیں دیکھتے کہ ان کو کس طرح اونچا کیا گیا ہے؟ اور (کیا) پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کیسے جمائے گئے ہیں؟ اور (کیا) زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی ہے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر استدلال کریں، اِبِلُ کو شروع میں لایا گیا ہے اس لئے کہ عرب بہ نسبت دیگر چیزوں کے ان سے زیادہ گھلے ملے رہتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا قول سُطِحَتْ اس بات پر ظاہر الدلالت ہے کہ زمین مسطح ہے اور اسی نظریہ پر علماء شرع ہیں، نہ کہ گول جیسا کہ اہل ہیئت کا قول ہے اگرچہ زمین کے گول ہونے سے شریعت کا کوئی رکن نہیں ٹوٹتا، پس آپ ﷺ نصیحت کرتے رہئے کیونکہ آپ ﷺ صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ﷺ ان پر داروغہ نہیں ہیں اور ایک قراءت میں سین کے بجائے صاد کے ساتھ ہے یعنی آپ ﷺ مسلط نہیں ہیں اور یہ حکم، جہاد کا حکم آنے سے پہلے کا ہے البتہ جو ایمان سے اعراض کرے گا اور قرآن کا انکار کرے گا تو اللہ اس کو بھاری سزا دے گا (یعنی) آخرت کا عذاب، اور اصغر دنیا کا عذاب ہے قتل اور قید کے ساتھ، بلاشبہ ان لوگوں کو موت کے بعد ہماری ہی طرف پلٹنا ہے پھر ان کا حساب لینا یعنی ان کی جزا و سزا ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس کو ہرگز ترک نہ کریں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: هَلْ اَتٰكَ ایک جماعت نے کہا ہے کہ هَلْ بمعنی قد ہے، ای قد جاءَ ك یا محمد! حدیث الغاشیة، اور کہا گیا ہے کہ هل اپنے معنی پر ہے اور تعجب کے معنی کو متضمن ہے۔

قولہ: وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ یہ جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: ماحدیث الغاشیة؟

جواب: وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَة، وُجُوْهٌ مبتداء ہے اور خاشعة اس کی خبر ہے۔

سوال: وُجُوْهٌ نکرہ ہے اس کا مبتداء بننا کس طرح درست ہے؟

جواب: نکرہ چونکہ مقام تفصیل میں واقع ہے لہٰذا اس کا مبتداء بننا صحیح ہے، یَوْمَئِذٍ میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے ای یومَ غشیان الغاشیة، یہاں وُجُوْهٌ سے اصحاب وجوہ مراد ہیں یہ اطلاق الجزء علی الکل کے قبیل سے ہے، وجہ چونکہ اشرف الاعضاء ہے اس لئے اس کو اختیار کیا گیا ہے۔

قولہ: عاملة محنت کشندہ، مشقت اٹھانے والا۔

قولہ: ناصِبة تھکنے والا، درماندہ عاملةٌ ناصبةٌ رفع کے ساتھ یہ دونوں مبتداء کی دوسری خبر ہیں۔

قولہ: آنیة کھولتا ہوا پانی، اِنّی سے اسم فاعل واحد مؤنث۔

قولہ: ضَرِیْعٌ خاردار جھاڑ، ضریع ایک گھاس ہے جس کو شبرق کہا جاتا ہے اور جب یہ گھاس خشک ہو جاتی ہے تو اہل حجاز اس کو ضریع کہتے ہیں اور یہ زہر ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر)

قولہ: لا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَة ① جمہور کے نزدیک تاءفوقانیہ کے فتحہ اور لاغیة کے نصب کے ساتھ ہے، ای لا تَسْمَعُ اَنْتَ اَیُّهَا المخاطَب فِیْهَا لَاغِیَةً (یا) لا تَسْمَعُ تِلْكَ الوجوہ لاغِیة ② اور ابن کثیر اور ابوعمرو نے یاءتحتانیہ مضمومہ کے ساتھ مَبْنِی للمفعول لاغیة کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے ③ اور نافع نے تاءفوقانیہ مضمومہ کے ساتھ مَبْنِی للمفعول پڑھا ہے ④ اور فضل اور جحدری نے تاءفوقانیہ کے فتحہ کے ساتھ مبنی للفاعل اور لاغیة کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے لاغیة یہ موصوف محذوف کی صفت ہے، ای کلمة لاغیة (یا) نفسًا لاغیة (یا) عافیه کے وزن پر مصدر بمعنی لغوًا ہے، ای لا یسمعُ فیها لَغْوًا.

قولہ: ای نفس ذات لغو اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ نَفْسٌ، لَاتَسْمَعُ کا فاعل ہے، لاغیة مفعول بہ، اور تاء والی قراءت میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لا تَسْمَع کا فاعل انت محذوف ہو اور نَفْسًا لاغیة مفعول اس صورت میں نفسًا محذوف ماننے کے بجائے کلمةً بھی محذوف مان سکتے ہیں، ای کلمةً ذَاتَ لَغْوٍ.

قولہ: اَکْوَاب، اَقْدَاحٌ لا عُرىً لَهَا، اَکْوَاب، کُوْبٌ کی جمع ہے بروزن قُفْلٌ واَقْفَالٌ، کُوْبٌ اس برتن کو کہتے ہیں

جس میں دستہ اور ٹونٹی نہ ہو مثلاً گلاس، پیالہ وغیرہ۔

قَوْلَہٗ: نَمَارِقُ یہ نُمْرُقَةٌ کی جمع ہے، نون اور راء کے ضمہ اور دونوں کے کسرہ کے ساتھ بمعنی تکیے، مسند۔

قَوْلَہٗ: زَرَابِیُّ، زَرْبِيَّة کی جمع ہے۔

قَوْلَہٗ: طَنَافِسُ یہ طِنفسة مثلث کی جمع ہے، روئیں دار فرش، چٹائی، قالین مخملی فرش۔

تفسیر وتشریح

هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ یہاں غاشیہ سے مراد قیامت ہے یعنی وہ آفت کہ جو سارے جہان پر چھا جائے گی، اس آیت میں مجموعی طور پر پورے عالم آخرت کا ذکر ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ یہاں ''چہرے'' کا لفظ اشخاص کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اس لئے کہ انسانی جسم کی نمایاں ترین چیز چہرہ ہے اور انسان پر اچھی بری کیفیات کا اثر اولاً چہرے ہی پر نمایاں ہوتا ہے، اس لئے ''کچھ لوگ'' کہنے کے بجائے ''کچھ چہرے'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ قرآن مجید میں کہیں فرمایا گیا کہ دوزخیوں کو زقوم کھانے کو دیا جائے گا، اور کہیں ارشاد ہوا کہ غسلین ملے گا، اور یہاں فرمایا گیا کہ انہیں (ضریع) خاردار سوکھی گھاس کے سوا کچھ کھانے کو نہ ملے گا، ان میں درحقیقت کوئی تضاد نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ جہنم کے بہت سے درجے ہوں گے جن میں مختلف قسم کے مجرمین اپنے جرائم کے لحاظ سے ڈالے جائیں گے اور ان کو مختلف قسم کے عذاب دیئے جائیں گے، اس سے یہ شبہ دور ہو گیا کہ دوزخیوں کو دوزخ میں مختلف قسم کی غذائیں دی جائیں گی؟ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور اس آیت میں حصر کے ساتھ فرمایا گیا کہ ان کو ضریع کے علاوہ کچھ نہ ملے گا یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے یعنی کھانے کے لائق چیزوں کے مقابلہ میں حصر ہے اور ضریع کو بطور مثال بیان فرمایا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ جہنمیوں کو کوئی کھانے کے لائق خوشگوار جزو بدن بننے والی غذا نہ دی جائے گی بلکہ ضریع جیسی غذا جو کھانے کے لائق نہ ہو، دی جائے گی۔

لِسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ یعنی دنیا میں جو سعی صالح اور عمل نیک کر کے جب آخرت میں پہنچیں گے اور اس کے بہترین اور خوشگوار نتائج دیکھیں گے تو خوش ہوں گے اور انہیں اطمینان ہو جائے گا کہ دنیا میں ایمان اور صلاح وتقویٰ کی زندگی بسر کر کے انہوں نے جو نفس کی خواہشات کی قربانیاں دیں فرائض کو ادا کرنے میں جو تکلیفیں اٹھائیں معصیتوں سے بچنے کی کوشش میں جو نقصانات اٹھائے اور جن فائدوں اور لذتوں سے خود کو محروم رکھا یہ سب کچھ فی الواقع بڑے نفع کا سودا تھا۔

فِي جنّتٍ عالية معنوی اور حسی دونوں طرح سے عالی مقام جنتوں میں ہوں گے۔

لا تَسْمَعُ فيها لاغية یہ اہل جنت کا تذکرہ ہے جو جہنمیوں کے برعکس نہایت آسودہ حال اور ہر قسم کی آسائشوں سے بہرہ

ورہوں گے، یعنی جنت میں کوئی ایسا کلام ان کے کانوں میں نہ پڑے گا جولغواور بے ہودہ اور دلخراش، تکلیف دہ ہو، اس میں کلمات کفریہ اور گالی گلوچ اور افتراء و بہتان سب داخل ہیں۔

بعض آداب معاشرت:

واکوابٌ موضوعة، اکواب، کوبٌ کی جمع ہے، پانی پینے کے برتن کو کہا جاتا ہے جیسے آبخورے، گلاس وغیرہ، اکوابٌ کی صفت موضوعہ بیان فرمائی ہے یعنی پانی کے قریب اپنی مقررہ جگہ پر رکھے ہوئے ہوں گے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پانی پینے کا برتن پانی کے قریب ہی متعین جگہ پر ہونا چاہئے تا کہ وقت ضرورت اِدھر اُدھر تلاش کرنا نہ پڑے جو کہ باعث تکلیف ہوتا ہے؛ اس لئے ہر شخص کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ ایسی استعمالی چیزیں جو تمام گھر والوں کے کام آتی ہیں جیسے لوٹا، گلاس، تولیہ، صابن، کنگھا، سرمہ وغیرہ ان کی ایک جگہ مقرر ہو اور استعمال کرنے کے بعد اسی جگہ رکھ دیا جائے تا کہ کسی کو پریشانی نہ ہو۔ (معارف)

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ عربوں کی غالب سواری اونٹ ہی تھی، نیز اونٹ عربوں کے لئے بیش بہا، نہایت قیمتی سرمایہ تھا اور ہر وقت ان کے استعمال میں رہنے والی چیز تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنی جن قدرت کی نشانیوں میں غور کرنے کا حکم فرمایا ہے ان میں ایک اونٹ بھی ہے، اونٹ عربوں کے لئے جہاں مفید اور نہایت کارآمد چیز ہے وہیں اس میں کچھ ایسی خصوصیات بھی قدرت نے ودیعت رکھ دی ہیں کہ دوسرے جانوروں میں نہیں پائی جاتیں، اول تو عرب میں سب سے بڑا جانور اونٹ ہی ہے اس لئے کہ ہاتھی عرب میں نہیں ہوتا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عظیم الجثہ جانور کو اس طرح بنایا ہے کہ عرب کے غریب اور نادار لوگ اس کو پالنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتے، اس لئے کہ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو یہ بے چارہ اونچے اونچے درختوں کے پتے کھا کھا کر اپنا پیٹ خود ہی بھر لیتا ہے، ہاتھی وغیرہ دیگر جانوروں کی طرح اس کی خوراک مہنگی نہیں پڑتی عرب کے جنگلوں میں پانی بہت ہی کمیاب چیز ہے ہر جگہ اور ہر وقت میسر نہیں ہوتا، قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ٹنکی ایسی لگا دی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اس ٹنکی میں محفوظ کر لیتا ہے، اور بتدریج اس پانی کو کام میں لاتا ہے اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لئے سیڑھی لگانی پڑتی ہے مگر قدرت نے اس کی ٹانگ میں تین قبضے لگا دیئے ہیں جس کی وجہ سے اس کی لمبی ٹانگ تین قسطوں میں مڑ جاتی ہے اس پر چڑھنا آسان ہو جاتا ہے محنت کش اتنا ہے کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھاتا ہے، عرب کے میدانوں میں دھوپ اور گرمی کی وجہ سے دن کا سفر دشوار ہوتا ہے قدرت نے اس کو رات کو چلنے کا عادی بنایا ہے، مسکین اس قدر کہ ایک کم سن بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ کر جہاں چاہے لے جا سکتا ہے۔

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی فرمائی کہ آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہ ہوں، اس لئے کہ آپ ﷺ ان پر مسلط نہیں ہیں، آپ ﷺ کا کام تبلیغ اور نصیحت کرنا ہے، وہ کر کے آپ ﷺ بے فکر ہو جائیں باقی کام ہمارے اوپر چھوڑ دیں، ان کا حساب کتاب اور جزاء وسزا سب ہمارا کام ہے۔

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلاثُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ فجر مکی یا مدنی ہے، تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالْفَجْرِ ① اى فَجرِ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ② اى عَشْرِ ذِى الْحِجَّةِ وَّالشَّفْعِ الزَّوْجِ وَالْوَتْرِ ③ بِفَتْحِ الوَاوِ وكَسْرِهَا لُغَتَانِ الفَرْدِ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ④ اى مُقبلاً ومُدبرًا هَلْ فِىْ ذٰلِكَ القسم قَسَمٌ لِّذِىْ حِجْرٍ ⑤ عَقْلٍ وجَوَابُ القَسَمِ مَحْذُوْفٌ اى لَتُعذَّبُنَّ يا كُفَّارَ مَكَّةَ اَلَمْ تَرَ تَعْلَمُ يَا مُحَمَّدُ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ⑥ اِرَمَ هِىَ عَادٌ الاُوْلٰى فَاِرَمُ عَطْفُ بَيَانٍ او بَدَلٌ ومُنِعَ الصَّرفَ لِلْعَلَمِيَّةِ والتَانِيْثِ ذَاتِ الْعِمَادِ ⑦ اى الطُّوْلِ كَانَ طُوْلُ الطَّوِيْلِ مِنْهُمْ اَرْبَعَ مِائَةِ ذِرَاعٍ الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ ⑧ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ⑨ وَادِى القُرٰى وَفِرْعَوْنَ ذِى الْاَوْتَادِ ⑩ كَانَ يَتِدُ اَرْبَعَةَ اَوْتَادٍ يَشُدُّ اِلَيْهَا يَدَىْ وَرِجْلَىْ مَنْ يُعَذِّبُهُ الَّذِيْنَ طَغَوْا تَجَبَّرُوْا فِى الْبِلَادِ ⑪ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ⑫ القَتْلَ وغَيْرَهُ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ نَوعَ عَذَابٍ ⑬ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ⑭ يَرْصُدُ اَعْمَالَ العِبَادِ فَلاَ يَفُوْتُهُ مِنْهَا شَىْءٌ لِيُجَازِيَهُمْ عَلَيْهَا فَاَمَّا الْاِنْسَانُ الكَافِرُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ اِخْتَبَرَهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ بِالمَالِ وغَيْرِهِ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّىْٓ اَكْرَمَنِ ⑮ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ ضَيَّقَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّىْٓ اَهَانَنِ ⑯ كَلَّا رَدْعٌ اى لَيْسَ الاِكْرَامُ بِالغِنٰى والاِهَانَةُ بِالفَقْرِ وَاِنَّمَا هُمَا بِالطَّاعَةِ والمَعْصِيَةِ وكُفَّارُ مَكَّةَ لَا يَتَنَبَّهُوْنَ لِذٰلِكَ بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ⑰ لَا يُحْسِنُوْنَ اِلَيْهِ مَعَ غِنَاهُمْ اولَا يُعْطُوْنَهُ حَقَّهُ مِنَ المِيْرَاثِ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَلَا غَيْرَهُمْ عَلٰى طَعَامِ اِطْعَامِ الْمِسْكِيْنِ ⑱ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ المِيْرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ⑲ اى شَدِيْدًا لِلَمِّهِمْ نَصِيْبَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ مِنَ المِيْرَاثِ مع نَصِيْبِهِم مِنْهُ اَوْ مَعَ مَالِهِمْ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ⑳ اى كَثِيْرًا فلَا يُنْفِقُوْنَهُ وفِى قِرَاءَةٍ بِالفَوْقَانِيَّةِ فِى الاَفْعَالِ الاَرْبَعَةِ كَلَّآ رَدْعٌ لَهُمْ عَنْ ذٰلِكَ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ㉑ زُلْزِلَتْ حَتّٰى يَنْهَدِمَ كُلُّ بِنَاءٍ عَلَيْهَا وَيَنْعَدِمَ وَّجَآءَ رَبُّكَ اى اَمْرُهٗ

وَالْمَلَكُ اى المَلائِكَةُ صَفًّا صَفًّا حَالٌ اى مُصْطَفِّينَ او ذَوِىْ صُفُوْفٍ كَثِيْرَةٍ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ تُقَادُ بِسَبْعِيْنَ اَلْفِ زِمَامٍ كُلُّ زِمَامٍ بِاَيْدِىْ سَبْعِيْنَ اَلْفَ مَلَكٍ، لَهَا زَفِيْرٌ وتَغَيُّظٌ يَوْمَئِذٍ بَدَلٌ مِنْ اِذَا وجَوَابُهَا يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ اى الكَافِرُ مَا فَرَّطَ فِيْهِ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ اى لاَ يَنْفَعُهُ تَذَكُّرُهُ ذٰلِكَ يَقُوْلُ مَعَ تَذَكُّرِهِ يٰا لِلتَّنْبِيْهِ لَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ الخَيْرَ والاِيْمَانَ لِحَيَاتِىْ الطَّيِّبَةِ فِى الاٰخِرَةِ او وَقْتَ حَيَاتِىْ فِى الدُّنْيَا فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ بِكَسْرِ الذَّالِ عَذَابَهٗ اى اللّٰهِ اَحَدٌ اى لَا يَكِلُهُ اِلَى غَيْرِهِ وَّ كَذَا لَا يُوْثِقُ بِكَسْرِ الثَّاءِ وَثَاقَهٗ اَحَدٌ وفِى قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الذَّالِ والثَّاءِ فَضَمِيْرُ عَذَابَهُ ووَثَاقَهُ لِلْكَافِرِ والمَعْنَى لَا يُعَذَّبُ اَحَدٌ مِثْلَ تَعْذِيْبِهِ ولَا يُوْثَقُ مِثْلَ اِيْثَاقِهِ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ الاٰمِنَةُ وهِىَ المُؤْمِنَةُ ارْجِعِىْۤ اِلٰى رَبِّكِ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ عِنْدَ المَوْتِ اَى ارْجِعِىْ اِلَى اَمْرِهِ واِرَادَتِهِ رَاضِيَةً بِالثَّوَابِ مَّرْضِيَّةً عِنْدَ اللّٰهِ بِعَمَلِكِ اى جَامِعَةً بَيْنَ الوَصْفَيْنِ وهُمَا حَالَانِ ويُقَالُ لَهَا فِى القِيَامَةِ فَادْخُلِىْ فِىْ جُمْلَةِ عِبٰدِىْ الصَّالِحِيْنَ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ مَعَهُمْ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے فجر کی یعنی ہر دن کی فجر کی، اور دس راتوں کی یعنی ذی الحجہ کی دس راتوں کی اور جفت کی یعنی زوج کی، اور طاق کی اور الوتر واؤ کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے یہ دولغت ہیں (وَتْــر) میں بمعنی فرد، اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے یعنی جب وہ آئے اور جائے، کیا اس قسم میں عقلمند کے لئے کافی قسم (نہیں) ہے؟ اور جواب قسم محذوف ہے (اور وہ) لَتُعَذَّبُنَّ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ! ہے، (اے کفار مکہ! تم کو ضرور عذاب دیا جائے گا) کیا اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کو معلوم نہیں کہ تیرے رب نے عادیوں کے یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا کیا؟ اِرَمْ عاد اولیٰ ہے، اِرَمْ عطف بیان یا بدل ہے اور علمیت و تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے جن کے قد و قامت درازی میں ستونوں جیسے تھے ان میں کا دراز ترین چار سو گز کا تھا، زور و قوت میں دنیا بھر میں ان کے جیسا کوئی نہیں پیدا کیا گیا، اور قوم ثمود کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جو وادئ قریٰ میں پتھر تراشا کرتے تھے اور ان سے گھر بنایا کرتے تھے، صَخْرٌ صَخْرَةٌ کی جمع ہے، اور میخوں والے فرعون کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اور وہ چار میخیں گاڑ دیتا تھا اور جس شخص کو سزا دینی ہوتی تھی اس کے چاروں ہاتھوں پیروں کو ان سے باندھ دیا کرتا تھا، جنہوں نے شہروں میں بڑی سرکشی کی تھی، اور ان میں قتل وغیرہ کے ذریعہ بہت فساد برپا کر رکھا تھا سو آپ ﷺ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا، بے شک آپ ﷺ کا رب گھات میں ہے بندوں کے اعمال کی نگرانی کر رہا ہے لہٰذا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں رہ سکتا کہ اس کی جزا نہ دے، سو اس کافر انسان کو جب اس کا رب آزماتا ہے بایں طور کہ مال وغیرہ کے ذریعہ اس کا اکرام کرتا ہے اور اس کو انعام دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے میری قدر بڑھا دی (یعنی عزت بخشی) اور جب اس کو (دوسری طرح) آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے

میری قدر گھٹادی (یعنی ذلیل کردیا) ہرگز ایسا نہیں ہے یعنی غنا کی وجہ سے اکرام ہوا اور فقر کی وجہ سے توہین ہو، ان دونوں باتوں کا تعلق اطاعت اور معصیت سے ہے، لیکن کفار مکہ اس بات سے واقف نہیں ہیں، بلکہ تم یتیم کے ساتھ عزت کا سلوک نہیں کرتے یعنی وہ لوگ فارغ البالی کے باوجود اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ نہیں کرتے یا میراث سے اس کا حق نہیں دیتے، اور آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے، نہ خود کو اور نہ دوسروں کو، **طعام** بمعنی **اطعام** ہے، اور میراث کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو عورتوں اور بچوں کے مال میراث پر ان کے شدید حریص ہونے کی وجہ سے، اپنے حصے کے ساتھ یا اپنے مال کے ساتھ، اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو جس کی وجہ سے اسے خرچ نہیں کرتے ہو، اور ایک قراءت میں چاروں فعلوں میں تاء فوقانیہ کے ساتھ ہے، ہرگز نہیں! (خبردار!) یہ ان کی اس خصلت پر تنبیہ ہے، جب زمین کوٹ کوٹ کر برابر کردی جائے گی (یعنی) زمین کو ہلا دیا جائے گا حتی کہ اس زمین پر کی ہر عمارت معدوم اور منہدم ہو جائے گی، اور تمہارا رب جلوہ افروز ہوگا یعنی اس کا حکم حال یہ کہ فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے (**صفًا صفًا**) حال ہے معنی میں **مصطفین** کے، یا ملائکہ کی بہت سی صفیں ہوں گی، اور جہنم اس روز ستر ہزار لگاموں کے ذریعہ کھینچ کر سامنے لائی جائے گی اور یہ لگامیں ستر ہزار فرشتوں کے ہاتھوں میں ہوں گی اور سخت آواز ہوگی اور جوش ہوگا اس دن انسان یعنی کافر انسان اس چیز کو سمجھ جائے گا، **یومئذٍ**، **اذا** سے بدل ہے اور اس کا جواب **یتذکر الانسان** ہے، جس میں اس نے حد سے تجاوز کیا ہوگا، اور اس وقت اس کے سمجھنے سے کیا حاصل ہوگا، استفہام بمعنی نفی ہے، یعنی اس وقت سمجھ میں آنا اس کے لئے کچھ نافع نہ ہوگا، سمجھ میں آنے کے ساتھ ہی وہ کہے گا ہائے افسوس! میں آخرت میں اپنی عمدہ زندگی کے لئے خیر اور ایمان آگے بھیج دیتا، یا دنیوی زندگی کے زمانہ میں (نیک اعمال کر لیتا) پھر اس دن اللہ (خود) عذاب دے گا کوئی (دوسرا) نہ دے گا، **یعذِّب** کسرہ کے ساتھ ہے یعنی وہ تعذیب غیر کے سپرد نہ کرے گا اور نہ اس کے جکڑنے والے کے مانند کوئی جکڑنے والا ہوگا **یُوثِقُ** میں ثاء کے کسرہ کے ساتھ اور ایک قراءت میں ذال اور ثاء کے فتحہ کے ساتھ ہے لہٰذا **عذابَهٗ** اور **وَثاقَهٗ** کی ضمیریں کافر کی طرف راجع ہوں گی اور معنی یہ ہوں گے کہ نہ اس کے جیسا کوئی عذاب دے گا اور نہ اس کے جیسا کوئی جکڑے گا (دوسری طرف ارشاد ہوگا) اے نفس مطمئن! (یعنی) مامون حال یہ کہ وہ مومنہ ہوگا اپنے رب کی طرف اس حال میں چل کہ تو ثواب سے خوش ہے اور اپنے عمل کی وجہ سے اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے یعنی دونوں وصفوں کو جامع ہوگا اور وہ دونوں حال ہیں، یہ بات اس سے موت کے وقت کہی جائے گی یعنی تو اس کے امر اور ارادہ کی طرف لوٹ اور قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا تو میرے نیک بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں ان کے ساتھ داخل ہو جا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: **وَالفجر**، **الفجر** اسم فعل، مصدر بمعنی پو پھٹنا، صبح کی روشنی نمودار ہونا، پھاڑ کر بہانا، وقت فجر، ان کے علاوہ اور بہت سے معانی کے لئے مستعمل ہے قرآن مجید میں صرف وقتِ فجر اور طلوع سحر کے لئے اس کا استعمال ہوا ہے (لغات القرآن

فجر سے یا تو ہر روز کی طلوع فجر مراد ہے یا خاص طور پر دسویں ذی الحجہ کی یا محرم کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے اس لئے کہ اسی دن سے عربی کا نیا سال شروع ہوتا ہے، اور لیالٍ عشر سے ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں مع ان کے دنوں کے مراد ہیں، اس لئے کہ ان کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔

قَوْلُهُ: والشفع والوتر کے معنی جفت اور طاق کے ہیں، شَفع اور وَتر کے معنی میں مفسرین کا بہت اختلاف ہے حتی کہ جفت وطاق کے معنی کی تعیین میں ۳۶ اقوال ملتے ہیں۔

قَوْلُهُ: اِذَا یَسْرِ، یَسْرِ دراصل یَسْرِیْ تھا تخفیفًا، یاء کو فواصل کی رعایت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔

قَوْلُهُ: هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ یہ استفہام تقریری ہے یعنی ان قسموں میں عقلمند کے لئے کافی قسم ہے، قوم عاد کی جانب حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا، اس قوم کے دو نام ہیں ① عاد ② ارم، اس لئے کہ عاد بیٹا ہے عوص کا اور عوص بیٹا ہے اِرَم کا، اور اِرم بیٹا ہے سام بن نوح کا؛ لہٰذا کبھی تو اس قوم کے باپ عاد کی طرف نسبت کر کے قوم عاد کہتے ہیں اور کبھی ان کے دادا کے نام کی طرف نسبت کر کے قوم اِرم کہتے ہیں؛ پس عاد اور ثمود دونوں اِرم میں جا کر مل جاتے ہیں، عاد بواسطۂ عوص کے اور ثمود بواسطۂ عابر کے اور یہاں اِرم اس لئے بڑھا دیا ہے کہ اس قوم عاد میں دو طبقے ہیں ایک متقدمین کا جس کو عاد اولیٰ کہتے ہیں اور دوسرا متاخرین کا جن کو عاد اخریٰ کہتے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ یہاں عاد اولیٰ مراد ہے، عاد نے بارہ سو سال عمر پائی جس کی صلبی اولاد کی تعداد چار ہزار تھی اس نے ایک ہزار عورتوں سے شادی کی اور اس کا انتقال حالت کفر میں ہوا۔ (جمل)

ماقبل میں چار چیزوں کی قسمیں مذکور ہیں ان کا جوابِ قسم محذوف ہے اور وہ لَتُعَذَّبُنَّ یا کفّار مکةَ! ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جواب قسم مذکور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ''اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَاد'' ہے، مفسر علام نے اول قول کو اختیار کیا ہے۔

قَوْلُهُ: ذات العماد بعض حضرات نے اس کا ترجمہ ''دراز قد'' بیان کیا ہے، اور دراز ترین قد والا پانچ سو ہاتھ کا خود اپنے ہاتھ سے اور قصیر ترین تین سو ہاتھ کا، اور بعض حضرات نے ذات العماد کا ترجمہ ستونوں والی بلند عمارتوں والے، مراد لیا ہے (جمل) مفسر علام نے اول معنی مراد لئے ہیں۔

تفسیر وتشریح

اس سورت میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر اس مضمون کی تاکید کی گئی ہے جو آگے (اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَاد) میں بیان ہوا ہے یعنی اس دنیا میں تم جو کچھ کر رہے ہو اس پر جزاء وسزا ہونا لازمی ہے تمہارے سب اعمال تمہارے رب کی نگرانی میں ہیں۔

وہ پانچ چیزیں جن کی قسم کھائی ہے ان میں سے۔

پہلی چیز فجر یعنی صبح صادق کا وقت ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر روز کی صبح صادق مراد ہو؛ اس لئے کہ ہر صبح صادق عالم میں ایک عظیم انقلاب لاتی ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الفجر میں الف لام کو عہد کا قرار دے کر کسی خاص دن کی فجر مراد ہو، حضرت علی، حضرت ابن عباس، اور حضرت ابن زبیر

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے پہلے معنی یعنی عام وقتِ فجر مراد ہونا منقول ہے اور ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی ایک روایت میں ماہِ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہونا بھی منقول ہے حضرت قتادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بھی یہی تفسیر کی ہے، اور بعض حضرات سے دسویں ذی الحجہ یعنی یوم النحر کی فجر مراد ہونا منقول ہے، یوم نحر کی تخصیص کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن کے لئے ایک رات ساتھ لگائی ہے جو اسلامی اصول کے مطابق دن سے پہلے ہوتی ہے، صرف یوم نحر ایک ایسا دن ہے کہ اس کے ساتھ کوئی رات نہیں ہے، کیونکہ یوم النحر سے پہلے جو رات ہے وہ یوم النحر کی نہیں بلکہ شرعاً عرفہ ہی کی رات قرار دی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی حج کرنے والا عرفہ کے دن میدان عرفات میں نہ پہنچ سکا، اور رات کو صبح صادق سے پہلے کسی وقت بھی عرفات میں پہنچ گیا تو اس کا وقوف معتبر اور حج صحیح ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یوم عرفہ کی دو راتیں ہیں ایک اس سے پہلے اور دوسری اس کے بعد اور یوم النحر کی کوئی رات نہیں اس لحاظ سے یوم النحر کی فجر تمام ایام میں ایک خاص شان رکھتی ہے۔ (قرطبی، معارف)

دوسری چیز جس کی قسم کھائی گئی ہے وہ دس راتیں ہیں کیونکہ حدیث شریف میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

شفع اور وتر کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں مثلاً بعض نے نماز وتر اور غیر وتر مراد لی ہے، بعض ائمہ تفسیر مثلاً ابن سیرین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، مسروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، ابو صالح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، قتادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ شفع سے مراد تمام مخلوق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تمام مخلوقات کو جفت پیدا کیا ہے "وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ" یعنی ہم نے ہر شئ کو جوڑے سے پیدا کیا اور ان کے بالمقابل وتر صرف اللہ ہے، مطلب یہ کہ ہر شئ بلکہ ہر ذرہ با جوڑ ہے، ہر شئ اور ہر ذرہ میں سوائے اللہ کے دو پہلو، مثبت اور منفی ضرور پائے جاتے ہیں۔

بحمد اللہ تعالیٰ

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ عِشْرُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ بلد مکی ہے، بیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ لَآ زائدةٌ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① مكّة وَاَنْتَ يا محمّدُ حِلٌّ حلالٌ بِهٰذَا الْبَلَدِ ② بانْ يَحِلَّ لكَ فتُقاتِلُ فيه وقد أنجز له هذا الوعدَ يومَ الفتحِ فالجملةُ اعتراضٌ بين المقسمِ به وما عُطِفَ عليه وَوَالِدٍ اى ادمَ وَّمَا وَلَدَ ③ اى ذُرِّيَّتِه وما بمعنى مَنْ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ اى الجنسَ فِيْ كَبَدٍ ④ نصبٍ وشدّةٍ يُكابِدُ مصائبَ الدنيا وشدائدَ الاخرةِ اَيَحْسَبُ اى ايظنُّ الانسانُ قويُّ قريشٍ وهو ابو الاشدِّ بنُ كَلَدَةَ بقوّتِه اَنْ مخفّفةٌ من الثقيلةِ واسمُها محذوفٌ اى انّه لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ⑤ واللّٰهُ قادرٌ عليه يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ على عداوةِ محمّدٍ مَالًا لُّبَدًا ⑥ كثيرًا بعضُه على بعضٍ اَيَحْسَبُ اَنْ اى انّه لَّمْ يَرَهٗ اَحَدٌ ⑦ فيما انفقه فيَعلمُ قدرَه واللّٰهُ اعلمُ بقدرِه وانّه ليس ممّا يُتكثَّرُ به ومجازيه على فعلِه السّيّءِ اَلَمْ نَجْعَلْ استفهامُ تقريرٍ اى جعلنا لَّهٗ عَيْنَيْنِ ⑧ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ⑨ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ⑩ بيّنّا له طريقَي الخيرِ والشرِّ فَلَا فهلّا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ⑪ جاوزها وَمَآ اَدْرٰىكَ اعلمك مَا الْعَقَبَةُ ⑫ التي يقتحمها تعظيمٌ لشأنها والجملةُ اعتراضٌ وبيّن سببَ جوازِها بقولِه فَكُّ رَقَبَةٍ ⑬ من الرّقّ بانْ اعتقها اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ⑭ مجاعةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ⑮ قرابةٍ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ⑯ اى لصوقٍ بالترابِ لفقرِه وفي قراءةٍ بدلَ الفعلَين مصدران مرفوعان مضافُ الاوّلِ لرقبةٍ وينوّنُ الثاني فيقدّرُ قبلَ العقبةِ اقتحامٌ والقراءةُ المذكورةُ بيانُه ثُمَّ كَانَ عطفٌ على اقتحم وثمّ للترتيبِ الذكريّ والمعنى كان وقتَ الاقتحامِ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا اوصى بعضُهم بعضًا بِالصَّبْرِ على الطاعةِ وعن المعصيةِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ⑰ الرحمةِ على الخلقِ اُولٰٓئِكَ الموصوفون بهذه الصفاتِ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ⑱ اليمينِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ⑲ الشمالِ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ⑳ بالهمزةِ وبالواوِ بدلَه مطبقةٌ.

وقف لازم

ع ۱۵

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی

(لَا اُقْسِمُ) میں، لا زائدہ ہے، اور اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کے لئے اس شہر میں قتال حلال ہونے والا ہے، بایں طور کہ آپ ﷺ کے لئے قتال حلال کر دیا جائے گا، سو آپ ﷺ اس میں قتال کریں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو فتح مکہ کے دن پورا فرما دیا (اَنْتَ حِلٌّ الخ) مقسم بہ اور اس کے درمیان جس کا مقسم بہ پر عطف کیا گیا ہے، جملہ معترضہ ہے، اور قسم ہے والد آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی اور ان کی اولاد کی یعنی ان کی ذریت کی اور مَا بمعنی مَنْ ہے، یقیناً ہم نے انسان کو یعنی جنس انسان کو مشقت اور شدت میں پیدا کیا ہے کہ وہ دنیا کے مصائب اور آخرت کی مشقت برداشت کرتا ہے کیا انسان یعنی قریش کا طاقتور شخص اور وہ ابو الاشد بن کلدہ ہے اپنی قوت کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پا سکے گا؟ حالانکہ اللہ اس پر قابو پانے والا ہے، أن مخففہ عن الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے، ای أنَّهٗ وہ کہتا ہے کہ محمد ﷺ کی عداوت میں، میں نے ڈھیروں جمع شدہ مال خرچ کر دیا کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں ہے کہ اس نے وہ مال کس میں خرچ کیا ہے؟ (اور کتنا خرچ کیا ہے؟) کہ وہ اس کی مقدار لوگوں کو بتا رہا ہے، اور حال یہ کہ اللہ اس کی مقدار کو خوب جانتا ہے اور وہ مال اس قدر نہیں کہ اس پر فخر کیا جائے، اور وہ اس کی بدکرداری پر سزا دینے والا ہے کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ یہ استفہام تقریری ہے یعنی ہم نے اس کو (یہ چیزیں) دی ہیں اور ہم نے اس کو خیر و شر کے دونوں راستے بتا دیئے تو پھر کس لئے گھاٹی میں داخل نہیں ہوا؟ اور تم کو کیا معلوم کہ کیا ہے وہ (دشوار گزار) گھاٹی؟ جس میں وہ داخل ہوگا، (یہ استفہام) عقبہ کی عظمت شان کو بیان کرنے کے لئے ہے اور جملہ معترضہ ہے، اور گھاٹی میں دخول کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول فَكُّ رقبةٍ سے بیان فرما دیا، یعنی غلامی سے گردن کو چھڑانا بایں طور کہ اس کو آزاد کر دے یا فاقہ کے دن کسی قریبی یتیم یا کسی خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا، یعنی وہ فقیر کہ جو اپنے فقر کی وجہ سے خاک نشین ہو گیا ہو، اول فقیر کہ جو اپنے فقر کی وجہ سے خاک نشین ہو گیا ہو، اور ایک قراءت میں دونوں فعلوں کے بجائے دونوں مرفوع مصدر ہیں، اول مصدر رقبہ کا مضاف ہے اور دوسرا مصدر مُنوّن ہے، لہٰذا العقبہ سے پہلے اقتحام مقدر مانا جائے گا، اور مذکورہ قراءت اقتحام کا بیان ہوگی، اور پھر وہ اقتحام (یعنی گھاٹی میں داخل ہوتے وقت) مومنین میں سے ہو اور جنہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو طاعت پر اور معصیت سے باز رہنے پر صبر کی اور خلق خدا پر رحم کی تلقین کی ہو یہ لوگ جو ان صفات سے متصف ہوں گے داہنے ہاتھ والے ہیں اور جنہوں نے ہماری آیات کے ماننے سے انکار کیا یہ ہیں بائیں ہاتھ والے، ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی (مؤصَدَة) ہمزہ کے ساتھ ہے اور ہمزہ کے بجائے واؤ کے ساتھ بھی ہے بمعنی چھائی ہوئی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: لَا زائدة یہ ایک قول ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ منکرین بعث کے قول کی نفی ہے، مطلب یہ ہے کہ اے مشرکین مکہ! جو تم کہتے ہو بات ایسی نہیں۔

قولہ: وَاَنْتَ حِلٌّ بهٰذا البلد آپ ﷺ کو تسلی ہے اور آئندہ فتح مکہ کی خوشخبری ہے، یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے حال کے صیغہ سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ میں (وَاَنْتَ حِلٌّ) جملہ معترضہ ہے، نہ ماقبل سے اس کا کوئی تعلق ہے اور نہ مابعد سے، بلکہ اس جملہ سے آئندہ ہونے والے واقعہ کی خبر دی گئی ہے، اور بہتر یہ ہے کہ اس جملہ کو حالیہ قرار دیا جائے۔

قولہ: بِاَنْ یحلَّ لك یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مصدر بمعنی مستقبل ہے۔ (صاوی)

قولہ: لَقَدْ خلقنا الإنسان یہ مقسم علیہ (جواب قسم) ہے۔

قولہ: وَمَا وَلَدَ، مَا بمعنی مَن ہے۔

قولہ: فَهلّا اس میں اشارہ ہے کہ "لا" بمعنی ھلّا ہے، اور اپنی اصل پر بھی ہوسکتا ہے۔

سوال: لَا جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو لَا کی تکرار ضروری ہوتی ہے، جیسا کہ فلَا صَدّق ولَا صَلّٰی؟

جواب: معنی تکرار ہے اگرچہ لفظاً تکرار نہیں، اس لئے کہ اصل میں فلَا فَكَّ رَقَبَةً وَلَا اطعَمَ مسكينًا ہے۔

قولہ: اَلْعَقَبَة، عقبه پہاڑوں کے درمیان دشوار گزار راستہ کو کہتے ہیں اِقتحام کے معنی گھاٹی میں داخل ہونے کے ہیں بعد میں مطلقاً ترک محرمات اور فعل الطاعات میں مجاہدہ پر اطلاق ہونے لگا ہے۔

قولہ: جَاوَزَهَا یہ اقتحام العقبة کی تفسیر ہے۔

قولہ: بَيَّنَ سَبَبَ جَوَازِهَا، ای بَيَّنَ طَرِيقَ دخولها، وفی قراءة بَدَلَ الفعلين مَصْدَرَان مرفوعان، یہ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطعَامٌ میں دوسری قراءت کا بیان ہے، مفسر علام فرماتے ہیں کہ بعض قراءتوں میں مذکورہ دونوں فعلوں کے بجائے یعنی فَكَّ کے بجائے فَكُّ اور أَطْعَمَ کے بجائے اطعامٌ ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ مفسر علام کے پیش نظر قرآن کا جو نسخہ ہے اس میں مصدر کے بجائے فعل ہیں، اور ہمارے سامنے جو نسخہ ہے اس میں دونوں جگہ مصدر ہی ہیں، اگر مصدروں کے بجائے افعال مانے جائیں تو پھر دونوں فعل فَلَا اقْتَحَمَ سے بدل ہوں گے یعنی وہ عقبہ میں داخل نہیں ہوئے یعنی گردنوں کو آزاد نہیں کرایا اور فاقہ کے دن کھانا نہیں کھلایا، اور اگر دونوں فعلوں کے بجائے مصدر ہی مانا جائے جیسا کہ ہمارے پیش نظر نسخہ میں ہے تو یہ دونوں مصدر مَا الْعَقَبَة کی تفسیر ہوں گے مگر اس صورت میں ذات کی تفسیر مصدر سے ہونا لازم آئے گی، اس لئے کہ عقبہ ذات ہے اور فَكٌّ اور اِطعَامٌ مصدر ہیں اور یہ جائز نہیں ہے؟ لہٰذا عقبہ سے پہلے اقتحام مصدر ماننا ضروری ہوگا، تقدیر عبارت ہوگی ما اقتحام العقبة؟ هو فكّ رقبة او اطعام یوم ذی مسغبة اس تقدیر کے بعد مصدر کا حمل ذات پر ہونا لازم نہیں آتا۔

قولہ: ثُمَّ لِلترتيبِ الذكری اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: اوپر کی آیت میں طاعات بدنیہ اور مالیہ کے ذریعہ مجاہدہ کا حکم دیا گیا ہے اور ثم كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ ایمان طاعت سے مقدم ہے؟

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ثُمَّ ترتیب ذکری کے لئے ہے ترتیب زمانی کے لئے نہیں اور مطلب یہ ہے کہ مجاہدۂ نفس بالا طاعت کے وقت مومن ہو۔

تفسیر وتشریح

لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ، بَلَد سے مراد مکہ مکرم ہے جس میں اس وقت جب کہ اس سورت کا نزول ہوا نبی کریم ﷺ کا قیام تھا آپ ﷺ کا مولد ومسکن بھی یہی شہر مکہ تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مولد ومسکن کی قسم کھائی ہے اس سے مکۃ المکرّمہ کی دوسرے شہروں کی بہ نسبت شرافت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے وقت شہر مکہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ، خدا تعالیٰ کی قسم: تو تمام روئے زمین پر اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے اگر مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کر دیا گیا ہوتا، تو میں تیری زمین سے نہ نکلتا۔ (ترمذی وابن ماجه)

وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ اس فقرہ کے تین معنی مفسرین نے بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ آپ ﷺ اس شہر میں مقیم ہیں، اس وقت یہ حلول سے مشتق ہوگا جس کے معنی حلول کرنے، اترنے اور فروکش ہونے کے ہیں یوں تو شہر مکہ خود بھی محترم اور مکرم ہے مگر آپ ﷺ کے اس میں مقیم ہونے کی وجہ سے اس کی عظمت میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ لفظ حِلٌّ مصدر ہے جو حِلّتٌ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کے حلال ہونے کے ہیں اس اعتبار سے لفظ حِلٌّ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ کفار مکہ نے آپ ﷺ کو حلال سمجھ رکھا ہے کہ آپ ﷺ کے قتل کے درپے ہیں حالانکہ وہ خود بھی شہر مکہ میں کسی شکار تک کو بھی حلال نہیں سمجھتے مگر ان کا ظلم اور سرکشی اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ جس مقدس مقام پر کسی جانور کا قتل بھی جائز نہیں اور خود ان لوگوں کا بھی یہی عقیدہ ہے وہاں انہوں نے اللہ کے رسول کا قتل اور خون حلال سمجھ لیا ہے۔

تیسرے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے لئے حرم مکہ میں کفار کے ساتھ قتال حلال ہونے والا ہے جیسا کہ فتح مکہ میں ایک روز کے لئے آپ ﷺ سے احکام حرم اٹھا لئے گئے تھے اور کفار کا قتل حلال کر دیا گیا تھا؛ چنانچہ عبداللہ بن خطل کو فتح مکہ کے دن اس وقت قتل کر دیا گیا جب کہ وہ بیت اللہ کے پردوں سے چمٹا ہوا تھا، یہ شخص قریشی تھا لوگ اس کو ذو قلبین کہا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس کو ابو برزہ بن سعید بن حرب اسلمی نے قتل کر دیا، اس نے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کیا تھا اور چند روز وحی کی کتابت بھی کی تھی مگر بعد میں مرتد ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے لگا تھا اور کہتا تھا کہ محمد ﷺ جو وحی لکھاتے ہیں وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتی بلکہ خود ان کی طرف سے ہوتی ہے۔

(روح المعانی)

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ بعض مفسرین نے اس سے حضرت آدم اور ان کی صلبی اولاد مراد لی ہے اور بعض کے نزدیک عام ہے ہر باپ اور اس کی اولاد اس میں شامل ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ یعنی انسان کی زندگی محنت ومشقت اور شدائد سے معمور ہے، یہ جواب قسم ہے۔

اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ، مسغبة بھوک، اور ذی مسغبة بھوک والے دن اور ذا متربة (مٹی والا) یعنی وہ شخص جو فقر وغربت کی وجہ سے زمین پر پڑا رہتا ہو، اس کا گھر بار کچھ نہ ہو، مطلب یہ کہ کسی غلام کو آزاد کرنا کسی بھوکے کو، رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا یہ دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہونا ہے جس کے ذریعہ انسان جہنم سے بچ کر جنت میں جا پہنچے گا یتیم کی کفالت ویسے بھی بڑے اجر کا کام ہے اور اگر وہ رشتہ دار بھی ہو تو اس کی کفالت کا اجر بھی دگنا ہے ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا اسی طرح غلام آزاد کرنے کی بھی حدیث شریف میں بڑی فضیلت آئی ہے آج کل اس کی ایک صورت کسی مقروض کو قرض کے بوجھ سے نجات دلا دینا بھی ہوسکتی ہے، یہ بھی ایک قسم کا فكِّ رقبه ہے۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ خَمس عَشرَةَ اٰيَةً.

سورۂ والشّمس مکی ہے، پندرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا** ① ضَوْءِ هَا **وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا** ② تبعَهَا طَالِعًا عِنْدَ غُرُوْبِهَا **وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا** ③ بارْتِفَاعِهٖ **وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا** ④ يُغَطِّيْهَا بظُلْمَتِهٖ واذَا فِي الثَّلٰثةِ لِمُجَرَّدِ الظَّرْفِيَّةِ والعَامِلُ فِيْهَا فِعْلُ القَسَمِ **وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا** ⑤ **وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا** ⑥ بَسَطَهَا **وَنَفْسٍ** بمَعْنٰى نُفُوْسٍ **وَّمَا سَوّٰهَا** ⑦ فِي الخِلْقَةِ ومَا فِي الثَّلاثَةِ مَصْدَرِيَّةٌ او بِمَعْنٰى مَنْ **فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا** ⑧ بَيَّنَ طَرِيْقَي الخَيْرِ والشَّرِّ واَخَّرَ التَّقْوٰى رِعَايَةً لِرُؤُسِ الاٰى وَجَوَابُ القَسَمِ **قَدْ اَفْلَحَ** حُذِفَتْ مِنْهُ اللاَّمُ لِطُوْلِ الكَلامِ **مَنْ زَكّٰهَا** ⑨ طَهَّرَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ **وَقَدْ خَابَ** خَسِرَ **مَنْ دَسّٰهَا** ⑩ اَخْفَاهَا بِالمَعْصِيَةِ اَصْلُهُ دَسَّسَهَا اُبْدِلَتِ السِّيْنُ الثَّانِيَةُ اَلِفًا تَخْفِيْفًا **كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ** رَسُوْلَهَا صَالِحًا **بِطَغْوٰهَآ** ⑪ بِسَبَبِ طُغْيَانِهَا **اِذِ انْۢبَعَثَ** اَسْرَعَ **اَشْقٰهَا** ⑫ وَاسْمُهُ قُدَارٌ اِلَى عَقْرِ النَّاقَةِ بِرِضَاهُمْ **فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ** صَالِحٌ **نَاقَةَ اللّٰهِ** اي ذَرُوْهَا **وَسُقْيٰهَا** ⑬ وشُرْبَهَا فِي يَوْمِهَا وَكَان لَهَا يَوْمٌ ولَهُمْ يَوْمٌ **فَكَذَّبُوْهُ** فِي قَوْلِهٖ ذٰلِكَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى المُرَتَّبِ عَلَيْهِ نُزُوْلُ العَذَابِ بِهِمْ اِنْ خَالَفُوْهُ **فَعَقَرُوْهَا** قَتَلُوْهَا لِيَسْلَمَ لَهُمْ مَاءُ شُرْبِهَا **فَدَمْدَمَ** اَطْبَقَ **عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ** العَذَابَ **بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا** ⑭ اَيِ الدَّمْدَمَةَ عَلَيْهِمْ اي عَمَّهُمْ بِهَا فَلَمْ يُفْلِتْ مِنْهُمْ اَحَدًا **وَلَا** بِالوَاوِ والفَاءِ **يَخَافُ** تَعَالٰى **عُقْبٰهَا** ⑮ تَبِعَتَهَا.

تَرجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، سورج اور اس کی روشنی کی قسم اور چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے آتا ہے، یعنی اس کے غروب ہونیکے بعد طلوع ہوتا ہے اور دن کی قسم جب وہ اپنے ارتفاع کے ساتھ سورج کو نمایاں کر دیتا ہے اور قسم ہے رات کی جب وہ سورج کو اپنی تاریکی کے ذریعہ چھپا لیتی ہے اور اذا تینوں جگہ محض ظرفیت کے لئے ہے اور عامل (اذا) میں فعل قسم ہے اور آسمان اور اس ذات کی قسم جس نے اسے قائم کیا او

زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بچھایا، اور قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اس کی تخلیق کو درست کیا اور نفس بمعنی نفوس ہے اور ما تینوں جگہ مصدریہ ہے یا بمعنی مَنْ ہے، پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری کا الہام فرمایا یعنی خیر و شر کے دونوں طریقے واضح فرمائے اور تقویٰ کو فواصل کی رعایت کی وجہ سے، مؤخر کیا ہے، اور جواب قسم قَدْ اَفْلَحَ ہے جواب قسم سے لام طولِ کلام کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا اور یقیناً نامراد ہوا وہ جس نے نفس کو معصیت میں دبا دیا ''دَسّٰهَا'' اصل میں دَسَّسَهَا تھا دوسرے سین کو تخفیفاً الف سے بدل دیا، اور قوم ثمود نے اپنے رسول صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی اپنی سرکشی کے سبب تکذیب کی جب کہ اس قوم کے شقی ترین شخص نے جس کا نام قُدار تھا اپنی قوم کی رضامندی سے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کی طرف سبقت کی، تو ان سے اللہ کے رسول صالح علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا کہ اللہ کی اونٹنی سے بچو (یعنی اس کو بدنیتی سے ہاتھ نہ لگانا) اور اس کی باری کے دن میں پانی پینے سے خبردار رہنا اور ایک دن اس کی باری کا تھا اور قوم کے لئے ایک دن تھا سو انہوں نے اس صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی تکذیب کی اس بات میں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے اگر وہ اس کا خلاف کریں گے تو اس پر نزول عذاب مرتب ہوگا تو پھر انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا یعنی اس کو قتل کر دیا تا کہ اس (اونٹنی) کی پانی پینے کی باری خالص اُن کے لئے ہو جائے تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہوں کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی پھر اس ہلاکت کو ان کے اوپر عام کر دیا کہ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور اللہ تعالیٰ کو اس کے (برے) انجام کا خوف نہیں (وَلا) میں واو اور فا دونوں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَضُحٰهَا، الضَحْوَةُ، ارتفاع النہار، اور الضُّحٰی بالضم و القصر ارتفاع النہار سے بڑھ کر اور اَلضَّحَاءُ فتحہ اور مد کے ساتھ وہ وقت جب کہ دن نصف النہار کے قریب پہنچ جائے۔

قَوْلُہٗ: والنهار اِذَا جَلّٰهَا، اِذَا جَلّٰهَا کی ضمیر مرفوع مستتر یا تو نہار کی طرف یا اللہ کی طرف راجع ہے اور ضمیر بارز منصوب یا تو شمس کی طرف راجع ہے یا ظلمت کی طرف۔

قَوْلُہٗ: لمجرد الظرفية یہ اضافت الصفت الی الموصوف کے قبیل سے ہے ای الظرفية المجردة عن الشرط.

قَوْلُہٗ: قَدْ اَفْلَحَ یہ جواب قسم ہے، حذفت منه اللام یعنی قد پر سے طول کلام کی وجہ سے لام حذف کر دیا گیا ہے، ماضی مثبت جب جواب قسم واقع ہو تو اس پر لام اور قد لانا ضروری ہوتا ہے؛ البتہ صرف قد پر بھی اکتفا جائز ہے۔

تفسیر وتشریح

اس سورت کے شروع میں سات چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے جن کا جواب قسم قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ہے، والشَّمْسِ وَضُحٰهَا یہاں اگرچہ ضُحٰہا کو واو عطف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے مگر بعد کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ضحٰی کا ذکر بطور وصفِ شمس کے ہے یعنی قسم ہے آفتاب کی جب کہ وہ وقت ضحٰی میں ہو، ضحٰی اس وقت کو کہا جاتا ہے جب آفتاب طلوع ہو کر کچھ بلند ہو جائے اور اس کی روشنی زمین پر پھیل جائے۔

والقمرِ اِذَا تَلٰهَا یعنی سورج غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو جیسا کہ مہینے کے نصف اول میں ہوتا ہے۔

وَالسَّماءِ وَمَا بَنٰهَا یعنی اس ذات کی قسم جس نے اس کو بنایا، اس معنی کے اعتبار سے مَا بمعنی مَنْ ہے، اور اگر ترجمہ یہ کیا جائے کہ قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے کی، اس صورت میں مَا مصدر یہ ہوگا۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا الہام کا مطلب یا تو یہ ہے کہ انہیں انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے خیر وشر کی پہچان کرادی، یا مطلب یہ ہے کہ ان کی عقل وفطرت میں خیر وشر، نیکی اور بدی کا شعور ودیعت فرمادیا؛ تاکہ وہ نیکی کو اختیار کریں اور بدی سے اجتناب کریں۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام سے ایک معجزہ کی فرمائش کی، حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جس کی برکت سے پہاڑ سے ایک دس مہینہ کی گابھن اونٹنی نکلی اور اس نے بچہ دیا، حضرت صالح علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اس اونٹنی کا خیال رکھنا اس کو نقصان نہ پہنچانا ورنہ عذاب الٰہی نازل ہو جائے گا ایک دن پانی پینے کی اس کی باری ہوگی اور ایک دن تمہارے سب جانوروں کی؛ لیکن ان ظالموں نے اس کی پروانہ کی اور قدار بن سالف نامی ایک شخص کو اس اونٹنی کو ہلاک کرنے کے لئے آمادہ کرلیا اور اس شخص نے یہ کام انجام دے دیا جس کی وجہ سے وہ شخص رئیس الاشقیاء ہو گیا، یہ حرکت اگرچہ قدار بن سالف نے انجام دی مگر پوری قوم بھی چونکہ اس فعل سے راضی تھی اس لئے پوری قوم کو برابر کا مجرم قرار دے دیا گیا، اس سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ اگرچہ برائی کا ارتکاب کرنے والے چند افراد یا ایک فرد ہو مگر پوری قوم کی اس کو پشت پناہی حاصل ہو اور ان کے اس فعل پر پوری قوم راضی ہو اور اس فعل پر نکیر کرنے کے بجائے اسے پسند کرتی ہو تو اللہ کے یہاں پوری قوم اس جرم کی مرتکب قرار پائے گی۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا یعنی اللہ تعالیٰ دنیا کے بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرح نہیں ہے کہ جو کسی قوم کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے وقت یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اس اقدام کے نتائج کیا ہوں گے؟ اس کا اقتدار سب سے بالاتر ہے، اسے اس امر کا کوئی اندیشہ نہیں تھا کہ ثمود کی حامی کوئی ایسی طاقت ہے جو اس سے بدلہ لینے کے لئے آئے گی۔

تمت

سُوْرَۃُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اِحْدٰی وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً

سُوْرَۃُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃٌ اِحْدٰی وعِشْرُوْنَ اٰیَۃً.

سورۃ اللّیل مکی ہے، اکیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ① بِظُلْمَتِہٖ کُلَّ مَا بَیْنَ السَّمَاءِ والاَرْضِ وَالنَّھَارِ اِذَا تَجَلّٰی ② تَکَشَّفَ وظَھَرَ واِذَا فِی الْمَوْضِعَیْنِ لِمُجَرَّدِ الظَّرْفِیَّۃِ والعَامِلُ فیھا فِعْلُ القَسَمِ وَمَا بِمَعْنٰی مَنْ او مَصْدَرِیَّۃٌ خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی ③ اٰدَمَ وحَوَّاءَ، وکُلَّ ذَکَرٍ وکُلَّ اُنْثٰی والخُنْثَی المُشْکِلُ عِنْدَنَا ذَکَرٌ او اُنْثٰی عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی فَیَحْنَثُ بِتَکْلِیْمِہٖ مَنْ حَلَفَ لَا یُکَلِّمُ ذَکَرًا وَلَا اُنْثٰی اِنَّ سَعْیَکُمْ عَمَلَکُمْ لَشَتّٰی ④ مُخْتَلِفٌ فَعَامِلٌ لِلْجَنَّۃِ بالطَّاعَۃِ وعَامِلٌ لِلنَّارِ بالمَعْصِیَۃِ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی حَقَّ اللّٰہِ وَاتَّقٰی ⑤ اللّٰہَ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ⑥ ای بِلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فِی الْمَوْضِعَیْنِ فَسَنُیَسِّرُہٗ نُھَیِّئُہٗ لِلْیُسْرٰی ⑦ لِلْجَنَّۃِ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ⑧ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ⑨ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ⑩ لِلنَّارِ وَمَا نَافِیَۃٌ یُغْنِیْ عَنْہُ مَالُہٗٓ اِذَا تَرَدّٰی ⑪ فِی النَّارِ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْھُدٰی ⑫ لِتَبْیِیْنِ طَرِیْقِ الھُدٰی مِنْ طَرِیْقِ الضَّلَالِ لِیُمْتَثَلَ اَمْرُنَا بِسُلُوْکِ الاَوَّلِ ونَھْیُنَا عَنِ ارْتِکَابِ الثَّانِیْ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَۃَ وَالْاُوْلٰی ⑬ ای الدُّنْیَا فَمَنْ طَلَبَھَا مِنْ غَیْرِنَا فَقَدْ اَخْطَأَ فَاَنْذَرْتُکُمْ خَوَّفْتُکُمْ یَا اَھْلَ مَکَّۃَ نَارًا تَلَظّٰی ⑭ بِحَذْفِ اِحْدَی التَّائَیْنِ مِنَ الاَصْلِ وقُرِئَ بِثُبُوْتِھَا ای تَتَوَقَّدُ لَا یَصْلٰھَآ یَدْخُلُھَا اِلَّا الْاَشْقَی ⑮ بِمَعْنَی الشَّقِیِّ الَّذِیْ کَذَّبَ النَّبِیَّ وَتَوَلّٰی ⑯ عَنِ الاِیْمَانِ وھٰذَا الحَصْرُ مُؤَوَّلٌ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ فَیَکُوْنُ المُرَادُ الصَّلْیَ المُؤَبَّدَ وَسَیُجَنَّبُھَا یُبْعَدُ عَنْھَا الْاَتْقَی ⑰ بِمَعْنَی التَّقِیِّ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ⑱ مُتَزَکِّیًا بِہٖ عِنْدَ اللّٰہِ بِاَنْ یُخْرِجَہٗ لِلّٰہِ تَعَالٰی لَا رِیَاءً وَلَا سُمْعَۃً فَیَکُوْنُ زَکِیًّا عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی وھٰذَا نَزَلَ فِی الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لَمَّا اشْتَرٰی بِلَالًا المُعَذَّبَ عَلٰی اِیْمَانِہٖ واَعْتَقَہٗ فَقَالَ الکُفَّارُ اِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِکَ لِیَدٍ کَانَتْ لَہٗ عِنْدَہٗ فَنَزَلَ وَمَا لِاَحَدٍ بِلَالٍ وغَیْرِہٖ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰٓی ⑲ اِلَّا لٰکِنْ فَعَلَ ذٰلِکَ ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی ⑳ ای طَلَبَ ثَوَابِ اللّٰہِ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ㉑ بِمَا یُعْطَاہُ مِنَ الثَّوَابِ فِی الْجَنَّۃِ والاٰیَۃُ تَشْتَمِلُ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ فِعْلِہٖ فَیُبْعَدُ عَنِ النَّارِ ویُثَابُ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے رات کی جب وہ اپنی تاریکی سے آسمان اور زمین کی ہر شئی پر چھا جائے اور قسم ہے دن کی جب وہ روشن ہو (یعنی) جب کہ وہ واضح اور ظاہر ہو، اور اِذا دونوں جگہ ظرفیت کے لئے ہے اور اس میں عامل فعلِ قسم ہے اور مَـا بمعنی مَنْ یا مصدریہ ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نر و مادہ پیدا کئے، (یعنی) آدم و حواء یا مذکر و مؤنث کو پیدا کیا، اور خنثیٰ مشکل ہمارے نزدیک ہے (مگر) اللہ کے نزدیک وہ مذکر یا مؤنث ہے لہٰذا وہ شخص جس نے قسم کھائی کہ وہ مرد اور عورت سے بات نہ کرے گا تو وہ خنثیٰ مشکل سے کلام کرنے سے حانث ہو جائے گا، یقیناً تمہاری کوشش (یعنی) عمل مختلف قسم کے ہیں کچھ لوگ طاعت کے ذریعہ جنت کے لئے عمل کرنے والے ہیں اور کچھ لوگ معصیت کے ذریعہ جہنم کے لئے عمل کرنے والے ہیں سو جس نے اللہ کا حق ادا کیا اور اللہ سے ڈرا اور سچی بات کی تصدیق کی یعنی لا اِلٰـہ الا اللّٰـہ کی، دونوں جگہ، تو ہم اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیں گے اور جس نے اللہ کے حق میں بخل کیا اور اس کے ثواب سے بے نیازی برتی اور اچھی بات کو جھٹلایا تو اس کو ہم سخت راستہ یعنی آگ کے لئے سہولت مہیا کریں گے اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا جب کہ وہ آگ میں ہلاک ہو جائے گا بے شک راہ دکھانا ہمارے ذمہ ہے یعنی ہدایت کے راستہ کو گمراہی کے راستہ سے ممتاز کرنا، تاکہ اول راستہ پر چل کر ہمارے حکم کی تعمیل کرے اور ہماری نہی پر عمل کرے ثانی راستہ کو اختیار نہ کر کے اور بلاشبہ آخرت اور اولیٰ یعنی دنیا ہماری ہی ملک ہے لہٰذا دنیا کو جس نے ہمارے غیر سے طلب کیا اس نے خطا کی، پس میں نے تم کو اے اہل مکہ! بھڑکتی ہوئی آگ سے خبردار کر دیا ہے، اصل میں ایک تاء کو حذف کر کے، اور تاء کو باقی رکھتے ہوئے بھی، یعنی تَتَوَقَّدُ بھی پڑھا گیا ہے، جس میں صرف وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے نبی کی تکذیب کی اور ایمان سے اعراض کیا اور اشقی بمعنی شقی ہے، اور یہ حصر مؤوّل ہے اللہ تعالیٰ کے قول "ویغفر ما دون ذالك لمن یشاء" کی وجہ سے لہٰذا دائمی دخول مراد ہوگا، اور اس سے وہ متقی دور رکھا جائے گا جو اپنے مال کو عـنـد اللّٰہ پاکیزہ ہونے کی خاطر دیتا ہے اور اتقیٰ بمعنی تقی ہے، بایں طور کہ وہ مال اللہ کے لئے خرچ کرتا ہے نہ کہ دکھانے اور سنانے کے لئے؛ لہٰذا یہ شخص عند اللّٰہ پاکیزہ ہوگا اور یہ آیت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اس وقت جب کہ وہ اپنے ایمان کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا تھے خرید کر آزاد کر دیا تھا تو کفار نے کہا: ابوبکر نے یہ عمل اس لئے کیا کہ بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ان پر ایک احسان تھا، تو یہ آیت نازل ہوئی "وَمَا لِاَحَدٍ الخ" یعنی بلال وغیرہ کا ان پر کوئی احسان نہیں ہے کہ جس کا بدلہ اسے چکانا ہو وہ تو صرف اپنے رب برتر کی رضا جوئی (یعنی) اللہ کی جانب سے صلہ حاصل کرنے کے لئے یہ کام کرتا ہے اور وہ اس ثواب سے ضرور خوش ہوگا، جو اس کو جنت میں دیا جائے گا اور آیت ہر اس شخص پر مشتمل ہے جس نے حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جیسا عمل کیا تو اس کو دوزخ سے دور رکھا جائے گا اور اس کو اجر دیا جائے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: كُلَّ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اس میں اشارہ ہے کہ يَغْشٰى کا مفعول بہ محذوف ہے۔

قولہ: لمجرد الظرفية، اى المجرد عن الشرط.

قولہ: آدم وحوّاء علیہما السلام اس میں اشارہ ہے کہ اَلذَّكر وَالْاُنثٰى میں الف لام عہد کا ہے۔

قولہ: اَوْ كلَّ ذكرٍ و كلَّ انثى اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ الذكر و الانثى کا الف لام استغراق کا بھی ہوسکتا ہے۔

قولہ: و الخنثى المشكل عندنا، الخنثى المشكل مبتداء ہے اور عندنا خبر، اور عند الله ذكرٌ اَوْ انثى کا ظرف ہے، اور یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ خنثیٰ مشکل نہ مذکر کے عموم میں داخل ہے اور نہ انثیٰ کے عموم میں تو وہ اس حکم میں کیسے داخل ہوا؟

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خنثیٰ مشکل ہمارے علم کے اعتبار سے ہے، مگر اللہ کے علم کے اعتبار سے خنثیٰ یا تو مذکر ہے یا مؤنث ہے، لہٰذا یہ ذکر اور انثیٰ کے عموم میں داخل ہے خنثیٰ کوئی تیسری جنس نہیں ہے اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے "يهبُ لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء الذكور".

قولہ: اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى یہ جواب قسم ہے سَعْيَكُمْ مصدر مضاف ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا معنی کے اعتبار سے جمع ہے اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے مفرد ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی خبر جمع لائی گئی ہے اور شتّٰى بمعنی مَسَاعيكم ہے۔

قولہ: حق الله اور اِتَّقٰى کے بعد لفظ الله کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اعطى اور اتقى کے مفعول بہ محذوف ہیں۔

قولہ: نُهَيِّئُهُ اس لفظ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سوال: فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى سے معلوم ہوتا ہے کہ عسر کے لئے بھی یسر ہے، حالانکہ عسر میں یسر کا کوئی مطلب نہیں ہے؟

جواب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں یسر سے مراد اسباب مہیا کرنا ہے جو یسر اور عسر دونوں کے لئے ہوسکتا ہے یعنی ہم اس کے لئے ایسے اعمال آسان کر دیتے ہیں جو اس کو جہنم کی طرف لے جائیں۔

قولہ: وَهٰذا الحصر مؤوّلٌ یعنی یہ حصر اپنے ظاہر سے پھرا ہوا ہے، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد فرقۂ مُرجئه پر رد کرنا ہے، جن کا عقیدہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں ہے اور استدلال مذکورہ آیت "لَا يَصْلٰهَا اِلَّا الْاَشْقٰى" سے کرتے ہیں یعنی جہنم میں شقی ترین شخص ہی داخل ہوگا اور شقی ترین کافر ہوتا ہے، مومن داخل نہ ہوگا اگرچہ مرتکب گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو۔

رد کا خلاصہ یہ ہے کہ دخول سے مراد دخول مؤبد ہے لہٰذا یہ اس کے منافی نہیں کہ گنہگار مومن جہنم میں داخل ہو اور بعد میں نکال لیا جائے۔

قَوْلُہٗ: یَتَزَکّٰی اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یُؤْتِیْ سے بدل ہو اور دوسرے یہ کہ یُؤْتِیْ کے فاعل سے حال ہو مفسر علام نے متزکیًا کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ان کے نزدیک حال ہونا راجح ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی الخ تین چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے اور مقسم علیہ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ہے اس کے بعد نیک و بد سعی کا ذکر ہے، پھر ہر ایک کی تین تین صفت بیان فرمائی ہیں، نیک سعی کی تین صفتیں فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی واتقٰی وصَدَّقَ بیان فرمائی ہیں اور سعی بد کی تین صفتیں وَاَمَّا مَنْ بخل واستغنٰی وکذّبَ بالحسنٰی بیان فرمائی ہیں، مطلب یہ ہے کہ انسان فطری طور پر کسی نہ کسی کام کے لئے سعی اور جدوجہد کا عادی ہے، بعض لوگ اپنی جدوجہد سے دائمی راحت کا سامان کر لیتے ہیں اور بعض اپنی اسی سعی کے ذریعہ دائمی عذاب خرید لیتے ہیں، حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ہر انسان جب صبح کو اٹھتا ہے تو وہ اپنے نفس کو تجارت پر لگا دیتا ہے کوئی تو اپنی سعی میں کامیاب ہوتا ہے اور اپنے آپ کو آخرت کے دائمی عذاب سے آزاد کرالیتا ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انکی سعی اور محنت ہی ان کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہیں۔

سعی اور عمل کے اعتبار سے انسانوں کی قسمیں:

آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے سعی اور عمل کے اعتبار سے انسانوں کے دو گروہ بتلائے ہیں اور دونوں کے تین تین اوصاف ذکر کئے ہیں، پہلا گروہ کامیاب لوگوں کا ہے ان کے تین عمل یہ ہیں، ① راہِ خدا میں خرچ کرنا، ② اللہ سے ڈرنا اور ③ اچھی بات کی تصدیق کرنا، اچھی بات سے مراد کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ کی تصدیق ہے۔

وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ الخ اس میں دوسرے گروہ کے تین اوصاف کا ذکر فرمایا، ① راہِ خدا میں مال خرچ کرنے سے بخل کرنا ② خدا سے بے نیازی اختیار کرنا اور ③ اچھی بات یعنی کلمۂ ایمان کی تکذیب کرنا، مذکورہ دونوں گروہوں میں سے پہلے گروہ کے بارے میں فرمایا فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی، یُسْر کے لفظی معنی ہیں آرام دہ چیز جس میں مشقت نہ ہو اور مراد اس سے جنت ہے، اسی طرح اس کے مقابل دوسرے گروہ کے متعلق فرمایا فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی، عُسر کے معنی ہیں مشکل اور تکلیف دہ چیز مراد اس سے جہنم ہے، اور معنی دونوں جملوں کے یہ ہیں کہ جو لوگ اپنی سعی اور محنت پہلے تین کاموں میں لگاتے ہیں یعنی اللہ کی راہ میں خرچ، اور اللہ سے ڈرنا اور ایمان کی تصدیق ان لوگوں کو یُسْرٰی یعنی اعمال جنت کے لئے آسان کر دیتے ہیں اور جو لوگ یہ سعی اور عمل دوسرے تین کاموں میں خرچ کرتے ہیں ان کو ہم عُسْرٰی یعنی اعمال جہنم کے لئے آسان کر دیتے ہیں، یہاں بظاہر مقتضائے مقام یہ کہنے کا تھا کہ ان کے لئے اعمال جنت یا اعمال دوزخ آسان کر

دیئے جائیں گے، کیوں کہ آسان یا مشکل ہونا اعمال ہی کی صفت ہوسکتی ہے اس لئے کہ نہ خود ذوات اور اشخاص آسان ہوتے ہیں اور نہ مشکل مگر قرآن کریم نے اس کی تعبیر اس طرح فرمائی کہ خود ان لوگوں کی ذات اور وجود ان اعمال کے لئے آسان کر دیئے جائیں گے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی طبیعتوں اور مزاجوں کو ایسا بنایا جائے گا کہ پہلے گروہ کیلئے اعمال جنت ان کی طبیعت بن جائیں گے ان کے خلاف کرنے میں وہ تکلیف محسوس کرنے لگیں گی، اسی طرح دوسرے گروہ کا مزاج ایسا بنا دیا جائے گا کہ اس کو اعمال جہنم ہی پسند آئیں گے اور اعمال جنت سے نفرت ہوگی، ان دونوں گروہوں کے مزاجوں میں یہ کیفیت پیدا کر دینے کو اس سے تعبیر فرمایا کہ یہ خود ان کاموں کے لئے آسان ہوگئے۔

وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهٗ اِذَا تَرَدّٰى یعنی جس مال کی خاطر یہ کمبخت حقوق واجبہ میں بخل کیا کرتا تھا یہ مال ان پر عذاب آنے کے وقت کچھ کام نہ دے گا تَرَدّٰی کے لفظی معنی گڑھے میں گر جانے اور ہلاک ہونے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد قبر میں اور پھر قیامت میں جب وہ جہنم کے گڑھے میں گرتا ہوگا تو یہ مال اس کو کچھ نفع نہیں دے گا۔ (معارف)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جہنم سے محفوظ ہیں:

اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو ان حضرات سے گناہ کا صدور شاذ و نادر ہی ہوا ہے اور بوجہ خوف آخرت کے ان کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے توبہ کر لی ہوگی علاوہ ازیں ان کے ایک گناہ کے مقابلہ میں ان کے اعمال حسنہ اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی وجہ سے بھی یہ گناہ معاف ہوسکتا ہے جیسا کہ خود قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "انّ الحسنات یذھبن السیئات" یعنی نیک اعمال برے اعمال کا کفارہ بن جاتے ہیں اور خود آنحضرت ﷺ کی صحبت میں رہنا ایسا عمل ہے کہ جو تمام اعمال حسنہ پر غالب ہے حدیث میں صلحاء امت کے بارے میں آیا ہے "ھم قوم لا یَشْقٰی جلیسھم وَلَا یَخابُ انیسھم" (صحیحین) یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا شقی اور نامراد نہیں ہوسکتا اور جو ان سے مانوس ہو وہ محروم نہیں ہوسکتا تو جو شخص سید الانبیاء کا جلیس اور انیس ہو وہ کیسے شقی ہوسکتا ہے اسی لئے احادیث صحیحہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب عذاب جہنم سے بری ہیں خود قرآن مجید میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں موجود ہے "وکلاً وعد اللہ الحسنی" یعنی ان میں سے ہر ایک کے لئے اللہ نے حسنٰی یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

شان نزول:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى الخ یہ اہل شقاوت کے مقابل اہل سعادت کا بیان ہے کہ جو آدمی اتقٰی یعنی مکمل اطاعت حق کا خوگر ہو اور وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف اس لئے خرچ کرتا ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جائے ایسا شخص اس جہنم کی آگ سے دور رکھا جائے گا، اگرچہ آیت کے الفاظ عام ہیں جو شخص بھی ایمان کے ساتھ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے اس کے لئے یہ بشارت ہے لیکن شان نزول کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد اتقٰی سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ابن ابی حاتم

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت عروہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ سات اشخاص ایسے تھے جن کو کفار مکہ نے اپنا غلام بنایا ہوا تھا جب وہ مسلمان ہو گئے تو ان کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنا بڑا مال خرچ کر کے ان کو کفار سے خرید کر آزاد کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری)

قَوْلُہٗ: وهٰذا نَزَلَ فی ابی بکر الصدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حضرت بلال بن رباح، رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ امیہ بن خلف جمحی کے غلام تھے اور صادق الاسلام اور طاہر القلب تھے، اور امیہ بن خلف کی یہ عادت تھی کہ جب دن چڑھ جاتا اور دھوپ شدید ہو جاتی اور زمین خوب تپنے لگتی تو حضرت بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جنگل میں لے جاتا اور تپتی ہوئی زمین پر چت لٹا دیتا اور ان کے سینے پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتا اور پھر کہتا کہ تجھ کو اسی حال میں رکھا جائے گا تا آں کہ تو مر جائے یا محمد ﷺ کا منکر ہو جائے، مگر حضرت بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس حالت میں بھی اَحَدٌ اَحَدٌ فرماتے رہتے، اسی حالت میں ایک روز آنحضرت ﷺ کا حضرت بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پر گذر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا اَحَدٌ تجھ کو نجات دے گا، یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو نجات دے گا، پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے فرمایا کہ بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اللہ کے راستہ میں تکلیف دی جا رہی ہے حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ ﷺ کا مقصد سمجھ گئے تو اپنے گھر گئے اور ایک رطل سونا لیا اور امیہ بن خلف کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا کیا تو اس مسکین کے بارے میں خدا سے نہیں ڈرتا؟ امیہ نے جواب دیا تو نے ہی اس کو خراب کیا لہٰذا تو ہی اس کو بچا، ایک روایت میں یہ ہے کہ ایک رطل سونے کے عوض اس کو خرید کر آزاد کر دیا اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا میرے پاس ایک قوی طاقتور غلام ہے اور وہ تیرے دین پر ہے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے وہ غلام دے کر حضرت بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو خرید کر آزاد کر دیا۔

وَلَسَوْفَ یَرْضٰی یعنی جس شخص نے اپنا مال خرچ کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو دیکھا اپنا کوئی دنیوی فائدہ پیش نظر نہ رکھا تو اللہ تعالیٰ بھی آخرت میں اس کو راضی فرما دیں گے، شان نزول کے واقعہ سے ان آیات کا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شان میں نازل ہونا ثابت ہے اس لئے یہ آخری کلمہ صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے لئے عظیم خوشخبری اور اعزاز ہے کہ ان کو دنیا ہی میں اللہ کی طرف سے راضی کر دیئے جانے کی خوشخبری سنا دی گئی۔

تمت

سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سُوْرَةُ وَالضُّحٰى مَكِّيَّةٌ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً.

سورۂ والضحیٰ مکی ہے، گیارہ آیتیں ہیں۔

وَلَمَّا نَزَلَتْ كَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسُنَّ التَّكْبِيْرُ اٰخِرَهَا ورُوِيَ الأمر به خَاتِمَتَهَا وخَاتِمَةَ كُلِّ سُوْرَةٍ بَعْدَهَا وَهُوَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَوْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ.

اور جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے تکبیر کہی؛ لہٰذا اس کے آخر میں تکبیر سنت قرار دے دی گئی، اور اس سورت کے آخر میں اور ہر اس سورت کے آخر میں جو اس کے بعد ہے تکبیر کا حکم بھی مروی ہے، اور وہ اللّٰہ اکبر یا لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالضُّحٰى ① اَوَّلِ النَّهَارِ او كُلِّهِ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ② غَطّٰى بِظَلَامِهِ او سَكَنَ مَا وَدَّعَكَ يَا مُحَمَّدُ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ③ اَبْغَضَكَ نزلَ هٰذَا لَمَّا قَالَ الكُفَّارُ عِنْدَ تَاَخُّرِ الوَحْيِ عَنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا اِنَّ رَبَّهُ وَدَّعَهُ وقَلَاهُ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ لِمَا فِيْهَا مِنَ الكَرَامَاتِ مِنَ الْاُوْلٰى ④ الدُّنْيَا وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فِي الأٰخِرَةِ مِنَ الخَيْرَاتِ عَطَاءً جَزِيْلًا فَتَرْضٰى ⑤ بِهِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اذًا لَا اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِنْ اُمَّتِيْ فِي النَّارِ، اِلٰى هُنَا تَمَّ جَوَابُ القَسَمِ بِمُثْبَتَيْنِ بَعْدَ مَنْفِيَّيْنِ اَلَمْ يَجِدْكَ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ اي وَجَدَكَ يَتِيْمًا بِفَقْدِ اَبِيْكَ قَبْلَ وِلَادَتِكَ او بَعْدَهَا فَاٰوٰى ⑥ بِاَنْ ضَمَّكَ اِلٰى عَمِّكَ اَبِي طَالِبٍ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا عَمَّا اَنْتَ عَلَيْهِ الاٰنَ مِنَ الشَّرِيْعَةِ فَهَدٰى ⑦ اي هَدَاكَ اِلَيْهَا وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَقِيْرًا فَاَغْنٰى ⑧ اَغْنَاكَ بِمَا قَنَعَكَ بِهِ مِنَ الغَنِيْمَةِ وغَيْرِهَا وفِي الحَدِيْثِ لَيْسَ الغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ العَرْضِ وَلٰكِنَّ الغِنٰى غِنَى النَّفْسِ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ⑨ بِاَخْذِ مَالِهِ اَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ⑩ تَزْجُرْهُ لِفَقْرِهِ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِالنُّبُوَّةِ وغَيْرِهَا فَحَدِّثْ ⑪ اَخْبِرْ وحُذِفَ ضَمِيْرُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فِی بَعْضِ الْاَفْعَالِ رِعَایَةً لِلْفَوَاصِلِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے شروع دن کی یا پورے دن کی اور قسم ہے رات کی جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ چھا جائے یا پرسکون ہو جائے (اے محمد ﷺ!) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ سے پندرہ روز تک وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو کفار نے کہا تھا کہ: محمد ﷺ کو تو اس کے رب نے چھوڑ دیا اور اس سے ناراض ہو گیا، اور یقیناً آپ ﷺ کے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے اس لئے کہ آخرت میں (آپ ﷺ کے لئے) عظمتیں ہیں اور عنقریب یقیناً آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو آخرت میں خیر سے اور بے انتہا انعامات سے نوازے گا، کہ آپ ﷺ اس سے خوش ہو جائیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا تب تو میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے گا، یہاں تک جواب قسم دو منفی انعاموں کے بعد دو مثبت انعاموں پر ختم ہو گیا، کیا اس نے آپ ﷺ کو یتیم نہیں پایا آپ ﷺ کے والد کے، آپ ﷺ کی ولادت یا اس کے بعد فوت ہو جانے کی وجہ سے اور پھر ٹھکانہ فراہم کیا؟ استفہام تقریر کے لئے ہے یعنی آپ ﷺ کو یتیم پایا اس طریقہ پر کہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے ساتھ ملا دیا، اور آپ ﷺ کو اس شریعت سے بے خبر پایا جس پر آپ ﷺ اب ہیں تو اس نے آپ ﷺ کی اس کی طرف رہنمائی فرمائی اور آپ ﷺ کو نادار پایا پھر آپ ﷺ کو مستغنی کر دیا اس مال غنیمت وغیرہ کے ذریعہ جس پر آپ ﷺ نے قناعت کی، اور حدیث میں ہے کہ غنا مال و متاع کی کثرت سے نہیں ہے بلکہ غنا تو دل کا غنا ہوتا ہے، لہٰذا تم بھی یتیم پر اس کا مال وغیرہ لے کر سختی نہ کرنا اور نہ سائل کو فقر کی وجہ سے جھڑکنا اور اپنے اوپر اپنے رب کی نبوت وغیرہ نعمتوں کو ظاہر کرتے رہنا بیان کرتے رہنا، اور بعض افعال سے آپ ﷺ کی (طرف لوٹنے والی) ضمیریں فواصل کی رعایت کی وجہ سے حذف کر دی گئی ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ضُحٰی دن چڑھے، چاشت کا وقت، ضحٰی مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: سَجٰی (نَصَرَ) سے ماضی واحد مذکر غائب، اس نے سکون پایا، وہ چھا گیا۔

قَوْلُہٗ: وَمَا قَلٰی یہ اصل میں قَلٰكَ تھا، مفعول بہ کو ماقبل پر قیاس کرتے ہوئے حذف کر دیا۔

قَوْلُہٗ: قَلٰی (ض ن) ماضی واحد مذکر غائب سخت نفرت کرنا۔

قَوْلُہٗ: جَزِیْلٌ بہت زیادہ، کثیر۔

قَوْلُہٗ: تمّ جواب القسم بِمُثْبَتَيْنِ بَعْدَ المَنْفِيَيْن جواب قسم مَا وَدَّعَكَ سے شروع ہوکر فَتَرْضٰی پر ختم ہوا ہے، اس میں چار چیزوں کا بیان ہے اول دو یعنی مَا وَدَّعَكَ اور وَمَا قَلٰی منفی ہیں اور اس کے بعد وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ من الاولی اور لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی اس میں دو چیزوں کا بیان ہے یعنی خیر آخرت اور اعطاء رب اور یہ دونوں مثبت ہیں۔

قَوْلُہٗ: فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ، اَلْيَتِيْمَ، فَلَا تَقْهَرْ کی وجہ سے منصوب (مفعول بہ مقدم) ہے۔

قَوْلُہٗ: وحُذِف ضميره صلى الله عليه وسلم فى بعض الافعال رعايةً للفواصل اور وہ تین افعال ہیں، (۱) یعنی فَاٰوٰی اصل میں فَاٰوٰكَ تھا (۲) فَهَدٰی ای فَهَدَاكَ (۳) فَاَغْنٰی ای فاغنٰكَ تھا، مذکورہ تینوں افعال میں سے ضمیر مفعولی کو فواصل کی رعایت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

اس سورت کے سبب نزول کے متعلق بخاری و مسلم میں حضرت جندب بن عبد اللہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت سے آیا ہے اور ترمذی نے حضرت جندب سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کی ایک انگلی زخمی ہوگئی اس سے خون جاری ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دُمِيْتِ وَفِی سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ

"یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہوگئی اور جو تکلیف تجھے پہنچی وہ اللہ کی راہ میں ہے"، (اس لئے کیا غم ہے؟) حضرت جندب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد (کچھ روز) جبرئیل امین عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وحی لے کر نہیں آئے تو مشرکین مکہ نے یہ طعنہ دینا شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) کو ان کے خدا نے چھوڑ دیا اور ناراض ہوگیا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی، حضرت جندب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت جو بخاری میں ہے اس میں ایک دو رات تہجد کے لئے نہ اٹھنے کا ذکر ہے، وحی کی تاخیر کا ذکر نہیں اور ترمذی میں تہجد میں ایک دو رات نہ اٹھنے کا ذکر نہیں صرف وحی میں تاخیر کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، ہوسکتا ہے کہ دونوں باتیں پیش آئی ہوں، راوی نے کبھی ایک کو بیان کیا اور کبھی دوسرے کو اور جس نے آپ ﷺ کو طعنہ دیا وہ ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی، جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی صراحت موجود ہے، اور تاخیر وحی کے واقعات متعدد مرتبہ پیش آئے ہیں ایک شروع نزول قرآن کے وقت پیش آیا جس کو زمانہ فترت وحی کہا جاتا ہے، یہ سب سے زیادہ طویل تھا ایک واقعہ تاخیر وحی کا اس وقت پیش آیا جب کہ مشرکین اور یہود نے

آنحضرت ﷺ سے روح کی حقیقت کے متعلق سوال کیا تھا اور آپ ﷺ نے بعد میں جواب دینے کا وعدہ فرمایا تھا، مگر انشاء اللہ نہ کہنے کی وجہ سے کچھ روز تک سلسلۂ وحی بند رہا اس پر مشرکین نے یہ طعنہ دینا شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) کا خدا ان سے ناراض ہو گیا اور ان کو چھوڑ دیا اسی طرح کا یہ واقعہ ہے جو سورۂ ضحیٰ کے نزول کا سبب ہوا یہ ضروری نہیں کہ یہ سب واقعات ایک ہی زمانہ میں پیش آئے ہوں؛ بلکہ آگے پیچھے بھی ہو سکتے ہیں۔ (معارف)

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی بعض مفسرین نے آخرت اور اولیٰ سے دنیا و آخرت مراد لی ہے اور بعض دیگر مفسرین نے اولی سے ابتدائی دور اور آخرۃ سے بعد کا دور مراد لیا ہے، یہ خوشخبری اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ایسی حالت میں دی تھی جب کہ چند مٹھی بھر افراد آپ ﷺ کے ساتھ تھے، ساری قوم آپ ﷺ کی مخالف تھی، بظاہر کامیابی کے آثار دور دور تک نظر نہیں آرہے تھے اسلام کی شمع مکہ میں ٹمٹما رہی تھی اور اسی کو بجھانے کے لئے چاروں طرف سے طوفان اٹھ رہے تھے اس وقت اللہ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ ابتدائی دور کی مشکلات سے آپ ﷺ کی عزت و شوکت اور آپ ﷺ کی قدر و منزلت برابر بڑھتی چلی جائے گی اور آپ ﷺ کا نفوذ و اثر پھیلتا چلا جائے گا، پھر یہ وعدہ صرف دنیا ہی تک محدود نہیں ہے اس میں یہ وعدہ بھی شامل ہے کہ آخرت میں جو مرتبہ آپ ﷺ کو ملے گا وہ اس مرتبہ سے بھی بدر جہا بڑھ کر ہوگا جو دنیا میں آپ ﷺ کو حاصل ہوگا، طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے دلائل میں ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے سامنے وہ تمام فتوحات پیش کی گئیں جو میرے بعد میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں اس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا کہ آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہے۔

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی یعنی آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو اتنا دے گا کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں، اس میں حق تعالیٰ نے یہ متعین کر کے نہیں بتلایا کہ کیا دیں گے؟ اس میں اشارہ عموم کی طرف ہے کہ آپ ﷺ کی ہر پسندیدہ چیز اتنی عطا کی جائے گی کہ آپ خوش ہو جائیں گے، آپ ﷺ کی مرغوب چیزوں میں اسلام کی ترقی، دین اسلام کا عام طور پر دنیا میں پھیلنا وغیرہ وغیرہ سب داخل ہیں، یعنی اگر چہ دینے میں کچھ تاخیر ہوگی لیکن وہ وقت دور نہیں کہ جب آپ ﷺ پر آپ ﷺ کے رب کی عطا و بخشش کی وہ بارش ہوگی کہ آپ ﷺ خوش ہو جائیں گے یہ وعدہ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں اس طرح پورا ہوا کہ سارا ملک عرب جنوب کے سواحل سے لے کر شمال میں سلطنت روم کی شامی اور سلطنت فارس کی عراقی سرحدوں تک اور مشرق میں خلیج فارس سے لے کر مغرب میں بحر احمر تک آپ ﷺ کے زیر نگین ہو گیا، عرب کی تاریخ میں یہ سرزمین پہلی مرتبہ ایک قانون اور ضابطہ کی تابع ہو گئی تھی، جو طاقت بھی اس سے ٹکرائی وہ پاش پاش ہو کر رہ گئی، لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت کے لئے نہیں جھک گئے بلکہ ان کے قلوب بھی مسخر ہو گئے پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ ایک جاہلیت کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی قوم صرف ۲۳ رسال کے اندر اتنی بدل گئی ہو، اس کے بعد آپ ﷺ کی برپا کی ہوئی تحریک اس طاقت کے ساتھ اٹھی کہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے ایک بڑے حصے پر چھا گئی

اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے اثرات پھیل گئے یہ کچھ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دنیا میں عطا فرمایا اور آخرت میں جو کچھ عطا کرے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا "اِذًا لَا ارضی وواحد من امتی فی النار" یعنی جب یہ بات ہے تو میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری امت کا ایک فرد بھی جہنم میں رہے گا۔

(قرطبی)

صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے وہ آیت تلاوت فرمائی جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہے "فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی فانّک غفور رّحیم" پھر دوسری آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول "اِن تعذبهم فَاِنّهم عبادك" پھر آپ ﷺ نے دعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے اور گریہ وزاری شروع کی اور بار بار فرماتے تھے "اللّٰهم امتی امتی" حق تعالیٰ نے جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا کہ آپ سے دریافت کریں کہ آپ ﷺ کیوں روتے ہیں؟ (اور یہ بھی فرمایا کہ اگر چہ ہمیں سب معلوم ہے) جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں امت کی مغفرت چاہتا ہوں حق تعالیٰ نے جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ پھر جاؤ اور کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ ﷺ کو رنجیدہ نہ کریں گے۔ (معارف)

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى یعنی آپ ﷺ کو چھوڑ دینے اور آپ ﷺ سے ناراض ہو جانے کا کیا سوال؟ ہم تو آپ ﷺ پر اس وقت سے مہربان ہیں جب آپ ﷺ یتیم پیدا ہوئے تھے آپ ﷺ ابھی بطن مادر میں چھ ماہ ہی کے تھے کہ آپ ﷺ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تھا، اس لئے آپ ﷺ دنیا میں یتیم کی حیثیت سے تشریف لائے مگر اللہ تعالیٰ نے ایک دن بھی آپ ﷺ کو بے سہارا نہیں چھوڑا، چھ سال کی عمر تک والدہ ماجدہ نے آپ ﷺ کی پرورش کی، ان کی شفقت سے محروم ہوئے تو آٹھ سال کی عمر تک آپ ﷺ کے جد امجد نے آپ ﷺ کی نگرانی اور پرورش فرمائی اور نہ صرف یہ کہ پرورش فرمائی بلکہ ان کو آپ ﷺ پر فخر تھا اور وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا ایک دن دنیا میں بڑا نام پیدا کرے گا جب دادا کا بھی انتقال ہو گیا تو آپ ﷺ کے حقیقی چچا ابو طالب نے آپ ﷺ کی کفالت اپنے ذمہ لے لی اور آپ ﷺ کے ساتھ ایسی محبت کا برتاؤ کیا کہ کوئی باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتا، حتی کہ نبوت کے بعد ساری قوم آپ ﷺ کی دشمن ہو گئی تھی اس وقت دس سال تک وہی آپ ﷺ کی حمایت میں سینہ سپر رہے۔

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى لفظ ضال کے معنی گمراہ کے بھی آتے ہیں اور ناواقف و بے خبر کے بھی، یہاں دوسرے معنی مراد ہیں کہ نبوت سے پہلے آپ ﷺ شریعت الٰہیہ کے احکام اور علوم سے بے خبر تھے، اللہ نے آپ ﷺ کو منصب نبوت پر فائز فرما کر آپ ﷺ کی رہنمائی فرمائی۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰی ''غنی کرنے'' کا مطلب ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو اپنے سوا ہر ایک سے بے نیاز کر دیا پس آپ ﷺ فقر میں صابر اور غنٰی میں شاکر رہے خود نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ تونگری ساز و سامان کی کثرت کا نام نہیں اصل تونگری دل کی تونگری ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ)

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ، حَدِّثْ تحدیث سے مشتق ہے اس کے معنی بات کرنے کے ہیں، مطلب یہ کہ آپ ﷺ اللہ کی نعمتوں کا لوگوں کے سامنے ذکر کیا کریں، کہ یہ بھی شکر گذاری کا ایک طریقہ ہے حتی کہ آدمی جو کسی پر احسان کرے اس کا بھی شکرادا کرنے کا حکم ہے۔

مَسْئَلَہ: ہر نعمت کا شکرادا کرنا واجب ہے، مالی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس مال میں سے کچھ اللہ کے لئے اخلاص نیت کے ساتھ خرچ کرے اور نعمت بدنی کا شکر یہ ہے کہ جسمانی طاقت کو اللہ تعالیٰ کے واجبات ادا کرنے میں صرف کرے۔

بحمد اللہ تم

سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِ اٰيٰتٍ

سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ اٰيَاتٍ.

سورۂ الم نشرح مکی ہے، آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلَمْ نَشْرَحْ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ اَيْ شَرَحْنَا لَكَ يَا مُحَمَّدُ صَدْرَكَ ① بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا وَوَضَعْنَا حَطَطْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ② الَّذِيْٓ اَنْقَضَ اَثْقَلَ ظَهْرَكَ ③ وَهٰذَا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ④ بِاَنْ تُذْكَرَ مَعَ ذِكْرِيْ فِي الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ وَالتَّشَهُّدِ وَالْخُطْبَةِ وَغَيْرِهَا فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ الشِّدَّةِ يُسْرًا ⑤ سُهُوْلَةً اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ⑥ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاسٰى مِنَ الْكُفَّارِ شِدَّةً ثُمَّ حَصَلَ لَهُ الْيُسْرُ بِنَصْرِهٖ عَلَيْهِمْ فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الصَّلٰوةِ فَانْصَبْ ⑦ اِتْعَبْ فِي الدُّعَاءِ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ⑧ تَضَرَّعْ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے محمد ﷺ کیا ہم نے تیرا سینہ نبوت وغیرہ کے لئے نہیں کھول دیا استفہام تقریری ہے، یعنی کھول دیا، اور ہم نے تجھ سے تیرا وہ بوجھ اتار دیا جس نے تیری پیٹھ توڑ دی یعنی جس نے تیری کمر کو گراں بار کر دیا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول "لیغفر لك اللّٰه ما تقدم من ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا بایں طور کہ اذان و اقامت میں اور تشہد اور خطبہ وغیرہ میں میرے ذکر کے ساتھ تیرا بھی ذکر کیا جاتا ہے یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے، اور نبی ﷺ نے کفار کی جانب سے (بہت) اذیت برداشت فرمائی، پھر آپ کو آسانی حاصل ہوئی آپ کو ان پر فتح دے کر، اور جب آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعا میں کوشش کیجئے، اور اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھئے یعنی عاجزی انکساری کیجئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ استفہام تقریری ہے، اس لئے کہ لَمْ نشرح منفی ہے اور اس پر استفہام انکاری داخل ہے، لہٰذا منفی کے نفی ہوئی اور منفی کے نفی تقریر کا فائدہ دیتی ہے، مفسر علام نے ای شرحنا کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قِوْلَهُ: وغیرها اس سے شق صدر کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلَهُ: وِزْرٌ کسرہ کے ساتھ۔ بوجھ، گرانی۔

قِوْلَهُ: وهذا كقوله "لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ الخ" مطلب یہ ہے کہ جس طرح لیغفر لك اللهُ ما تقدم اپنے ظاہر سے مؤول ہے اسی طرح الذی انقض ظهرك بھی اپنے ظاہر سے مؤول ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے سہو ونسیان کو معاف کر دیا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ امت کے گناہ مراد ہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ ترک اولیٰ مراد ہے۔

قِوْلَهُ: اِنّ مع العُسر یسرًا اس میں تاکید کا بھی احتمال ہے اور تاسیس کا بھی دوسری صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا۔

تفسیر و تشریح

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ گذشتہ سورت میں آپ پر تین انعاموں کا ذکر تھا اس سورت میں مزید تین احسانات کا ذکر ہے، ان میں سے پہلا سینہ کھول دینا ہے اس کا مطلب ہے سینے کا منور اور فراخ ہو جانا، شرح صدر ہو جانا، تاکہ حق واضح ہو کر دل میں سما جائے اسی مفہوم میں قرآن کریم کی یہ آیت "فَمَنْ یُرِدِ اللهُ اَنْ یَهدِیَهُ یَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَام" (سورۂ انعام) جس کو اللہ ہدایت سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، اس شرح صدر میں وہ شق صدر بھی آجاتا ہے جو معتبر روایات کی رو سے دو مرتبہ نبی ﷺ کا کیا گیا، ایک مرتبہ بچپن میں جب کہ آپ ﷺ عمر کے چوتھے سال میں تھے، حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور آپ ﷺ کا سینہ مبارک چیر کر وہ شیطانی حصہ نکال دیا جو ہر انسان کے اندر موجود ہوتا ہے پھر اسے دھو کر بند کر دیا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاسراء)

دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر اس موقع پر آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے آپ ﷺ کا دل نکالا اسے آب زم زم سے دھو کر اپنی جگہ رکھ دیا، اور اسے ایمان وحکمت سے بھر دیا گیا، (صحیحین ابواب المعراج وکتاب الصلوٰۃ) مگر علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں، "حمل الشرح فی الآیة علی شق الصدر ضعیف عند المحققین" محققین کے نزدیک اس آیت میں شرح صدر کو شق صدر پر محمول کرنا کمزور بات ہے۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ، وِزْرٌ کے معنی بوجھ کے ہیں اور نقض کے معنی کمر توڑ دینے یعنی کمر جھکا دینے کے ہیں، اس آیت میں ارشاد یہ ہے کہ وہ بوجھ جس نے آپ ﷺ کی کمر جھکا دی تھی ہم نے اس کو آپ سے ہٹا دیا وہ بوجھ کیا تھا؟ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ بوجھ جائز اور مباح کام ہیں جن کو بعض اوقات آپ ﷺ نے قرین حکمت ومصلحت سمجھ کر

اختیار فرمایا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مصلحت کے خلاف یا خلاف اولی تھے رسول اللہ ﷺ کو اپنی علوشان اور تقرب الٰہی میں خاص مقام حاصل ہونے کی بنا پر ایسی چیزوں پر بھی سخت رنج وملال اور صدمہ ہوتا تھا حق تعالیٰ نے اس آیت میں بشارت سنا کر وہ بوجھ آپ سے ہٹا دیا کہ ایسی چیزوں پر آپ سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ بوجھ نبوت سے قبل چالیس سالہ دورِ زندگی سے متعلق ہے اس دور میں اگرچہ اللہ نے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا کسی بت کے سامنے آپ ﷺ نے سجدہ نہیں کیا نہ کبھی آپ ﷺ نے شراب پی بلکہ تمام برائیوں سے آپ ہمیشہ دامن کش رہے تاہم معروف معنی میں اللہ کی عبادت اور اطاعت کا نہ آپ ﷺ کو علم تھا نہ آپ ﷺ نے کی، اس لئے آپ ﷺ کے دل و دماغ پر اس چالیس سالہ عدم عبادت اور عدم اطاعت کا بوجھ تھا جو حقیقت میں تو نہیں تھا لیکن آپ ﷺ کے احساس اور شعور نے اسے بوجھ بنا رکھا تھا اللہ نے اسے اتار دینے کا اعلان فرمایا یہ گویا وہی مفہوم ہے جو "لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" (سورۃ الفتح) کا ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ بار نبوت تھا جسے اللہ نے ہلکا کر دیا یعنی اس راہ کی مشکلات برداشت کرنے کا وہ حوصلہ، وہ ہمت، وہ اولوالعزمی اور وہ وسعت قلب عطا فرمادی جو اس منصب عظیم کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے درکار تھی آپ ﷺ اس وسیع علم کے حامل ہوگئے جو آپ ﷺ کے سوا کسی انسان کے ذہن میں سما نہ سکتا تھا۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا مشہور قاعدہ ہے کہ معرفہ کو اگر بعینہٖ مکرر لایا جائے تو اس کا مصداق وہی ہوتا ہے جو پہلے کلمہ کا تھا، اور اگر بغیر الف لام تعریف کے مکرر لایا جائے تو دونوں کے مصداق الگ الگ ہوتے ہیں اس آیت میں العُسر مکرر آیا ہے، تو معلوم ہوا کہ اس سے پہلا ہی عسر مراد ہے اور لفظ یُسر دونوں جگہ بغیر الف لام کے نکرہ لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ دوسرا یُسر پہلے یسر کے علاوہ ہے تو اس آیت میں اِنّ مع العُسر یُسرًا کے تکرار سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایک ہی عُسر کے لئے دو آسانیوں کا وعدہ ہے اور دو سے بھی خاص دو کا عدد مراد نہیں بلکہ متعدد ہونا مراد ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ایک عسر کے ساتھ متعدد آسانیاں دی جائیں گی۔

فائدہ: بعض صالحین نے سورۂ الم نشرح کے کچھ خواص ذکر کئے ہیں ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں اگر کوئی شخص سورۂ الم نشرح کو کسی کانچ یا چینی کے برتن میں لکھ کر اور گلاب کے پانی سے دھو کر پیئے تو اس سے رنج، غم اور دل تنگی زائل ہو جائے گی، اور اگر کسی بھی برتن میں لکھ کر اور دھو کر پیئے تو حفظ و فہم کے لئے مفید ہے اور جو شخص ہر فرض نماز کے بعد مذکورہ سورت دس مرتبہ پڑھنے کا التزام کرے تو اس کو رزق میں سہولت حاصل ہوگی اور عبادت کی توفیق ہوگی، اور کسی اہم مقصد کے لئے با طہارت قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور اس سورت کو اس کی تعداد حروف کی مقدار جو کہ ۱۰۳ ہے پڑھے اور اپنے مقصد کے لئے دعاء کرے تو انشاء اللہ دعاء قبول ہوگی۔ (یہ مجرب اور صحیح ہے، صاوی)

تمت

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِي اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانُ اٰيَاتٍ.

سورۂ والتین مکی یا مدنی ہے، آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ① اى المَاكُوْلَيْنِ او جَبَلَيْنِ بِالشَّامِ يُنْبِتَانِ المَاكُوْلَيْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ② الجَبَلِ الَّذِي كَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَيْهِ ومَعْنٰى سِيْنِيْنَ المُبَارَكُ اَوِالحَسَنُ بِالاَشْجَارِ المُثْمِرَةِ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ③ مَكَّةَ لِاَمْنِ النَّاسِ فِيْهَا جَاهِلِيَّةً وإسْلَامًا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ الجِنْسَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ④ تَعْدِيْلٍ لِصُوْرَتِهٖ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ فِي بَعْضِ اَفْرَادِهٖ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ⑤ كِنَايَةٌ عَنِ الهَرَمِ والضُّعْفِ فَيَنْقُصُ عَمَلُ المُؤْمِنِ عَنْ زَمَنِ الشَّبَابِ وَيَكُوْنُ لَهٗ اَجْرُهٗ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِلَّا اى لٰكِنْ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ⑥ مَقْطُوْعٍ وفِي الحَدِيْثِ اذا بَلَغَ المُؤْمِنُ مِنَ الكِبَرِ مَا يُعْجِزُهٗ عَنِ العَمَلِ كُتِبَ لَه مَا كَانَ يَعْمَلُ فَمَا يُكَذِّبُكَ اَيُّهَا الكَافِرُ بَعْدُ اى بَعْدَ ما ذُكِرَ مِنْ خَلْقِ الاِنْسَانِ فِي اَحْسَنِ صُوْرَةٍ ثم رَدِّهٖ اِلٰى اَرْذَلِ العُمُرِ الدَّالِّ، عَلَى القُدْرَةِ عَلَى البَعْثِ بِالدِّيْنِ ⑦ بِالجَزَاءِ المَسْبُوْقِ بِالبَعْثِ والحِسَابِ اى مَا يَجْعَلُكَ مُكَذِّبًا بِذٰلِكَ وَلَا جَاعِلَ لَه اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ⑧ اى هُوَ اَقْضَى القَاضِيْنَ وحُكْمُهٗ بِالجَزَاءِ مِنْ ذٰلِكَ وفِي الحَدِيْثِ مَنْ قَرَأَ بِالتِّيْنِ اِلٰى اٰخِرِهَا فَلْيَقُلْ بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی یعنی کھائے جانے والے دونوں پھلوں کی، یا قسم ہے دو پہاڑوں کی جن پر (مذکورہ) دونوں پھل پیدا ہوتے ہیں ملکِ شام میں، اور قسم ہے طور سینین کی یعنی اس پہاڑ کی کہ جس پر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوئے تھے اور سینین کے معنی مبارک (یا وہ مقام) جو پھل دار درختوں کی وجہ سے حسین ہو اور قسم ہے اس پُر امن شہر مکہ کی اس میں لوگوں کے زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں مامون ہونے کی وجہ سے، اور ہم نے جنس انسان کو بہترین معتدل صورت پر پیدا کیا پھر ہم نے اس کے بعض افراد کو نیچوں سے نیچ کر دیا

یہ بڑھاپے اور ضعف سے کنایہ ہے، چنانچہ مومن کا عمل (بڑھاپے کے زمانہ میں) شباب کے زمانہ کی بہ نسبت گھٹ جاتا ہے، مگر اس کے اجر کا سلسلہ بدستور جاری رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے قول "اِلَّا الَّذِیْنَ آمنوا" الآیة، کی دلیل سے، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے ختم نہ ہونے والا اجر ہے اور حدیث شریف میں ہے، جب مومن بڑھاپے کی وجہ سے اس حالت کو پہنچ جاتا ہے کہ جو اس کو عمل سے عاجز کر دیتی ہے تو اس کے لئے وہی اجر لکھا جاتا ہے جو وہ (زمانۂ شباب میں) کیا کرتا تھا، پس اے کافر! تجھے اب یعنی مذکورہ صورت حال کے بعد اور وہ صورت حال، انسان کو احسن صورت میں پیدا کرنا پھر اس کو گھٹیا ترین عمر تک پہنچا دینا ہے جو کہ بعث (بعد الموت) پر قدرت رکھنے پر دلالت کرتی ہے روز جزاء کے جھٹلانے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ وہ جزا کہ جو بعث اور حساب کے بعد ہوگی، یعنی کس چیز نے تجھے اس کی تکذیب کرنے والا بنا دیا؟ حالانکہ اس کا کوئی سبب نہیں ہے، کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں کا حاکم نہیں ہے؟ یعنی وہ تمام فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا ہے، اور اس کے جزا کا حکم کرنے کا تعلق بھی اسی فیصلہ سے ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو پوری سورۂ تین پڑھے اس کو "بلیٰ و أنا علٰی ذٰلك منَ الشاھدین" کہنا چاہئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: والتِّینِ والزَّیتونِ، وَطُورِ سِینِینَ، وَھٰذَا البَلَدِ الْاَمِیْنِ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مقسم علیہ کیلئے چار قسمیں کھائی ہیں، اس لئے کہ مقسم علیہ کی عظمت اور اہمیت پر دلالت مقصود ہے اور مقسم علیہ "لَقَدْ خَلَقْنَا الاِنْسَانَ فِی اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" ہے۔

قولہ: وَالتین والزیتون، تین اور زیتون سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں، ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا، اس سے مراد انجیر اور زیتون دونوں پھل ہیں۔

فائدہ: انجیر، غذا، دواء، اور پھل، تینوں اوصاف کا جامع ہے، اطباء کی رائے ہے کہ انجیر لطیف اور زود ہضم غذا ہے، معدہ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرتا، طبیعت کی تسکین کرتا ہے، بلغم کو کم کرتا ہے گردوں کی تطہیر کرتا ہے، نیز ریگ مثانہ کو خارج کرتا ہے، مثانہ کو تقویت دیتا ہے، بدن کو فربہ کرتا ہے اور جگر اور تلی کے سدوں کو کھولتا ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ انجیر کھانا منہ کی بدبو کو زائل کرتا ہے اور بالوں کو دراز کرتا ہے، روح المعانی میں یہ بھی ہے کہ انجیر بہترین غذا ہے اگر نہار منہ کھایا جائے اور اس کے بعد کچھ نہ کھائے، اور مزید لکھا ہے کہ یہ کثیر النفع دوا ہے، سدوں کو کھولتا ہے جگر کو قوی کرتا ہے ورم طحال کو زائل کرتا ہے اور عسر البول میں نافع ہے ہزال الکلی (ذبول گردہ) اور خفقان اور ضیق النفس نیز کھانسی اور وجع الصدر وغیرہ میں مفید ہے۔ (روح المعانی) اگر خواب میں کسی نے انجیر پایا تو اس کو مال حاصل ہوگا اور اگر انجیر کھایا تو اس کو اولاد نصیب ہوگی۔ (جمل، صاوی)

بعض حضرات نے کہا ہے کہ تین اور زیتون ملک شام کے دو پہاڑ ہیں، مفسر علام نے بہت سے اقوال میں سے دو قول نقل کئے ہیں۔

قِوْلُہٗ: وطور سینین یہ اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے۔

قِوْلُہٗ: فی بعض افرادہٖ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آیت میں صنعت استخدام ہے اس طریقہ پر کہ انسان کو اولاً جنس انسان کے معنی میں لیا پھر جب رددناہُ کی ضمیر کو اس کی طرف لوٹایا تو انسان کو دوسرے معنی یعنی بعض افراد انسان کے معنی میں لیا اور پھر ضمیر کو انسان کی طرف لوٹایا۔

تفسیر وتشریح

وَالتین والزیتون اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے، حسن بصری، عکرمہ، عطا بن ابی رباح، جابر بن زید رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کہتے ہیں کہ انجیر سے یہی انجیر مراد ہے جسے لوگ کھاتے ہیں اور زیتون سے مراد وہی پھل ہے جو مشہور ہے جس سے روغن زیتون نکالا جاتا ہے اور عام طور پر دستیاب ہے، ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ اور حاکم نے ایک قول عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اس کی تائید میں نقل کیا ہے۔

بعض مفسرین نے تین اور زیتون سے وہ مقامات مراد لئے ہیں جن مقامات میں یہ پیدا ہوتے ہیں، کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، احبار اور قتادہ اور ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ تین سے مراد دمشق ہے اور زیتون سے مراد بیت المقدس۔

وطور سینین، سِیْنِیْنَ جزیرہ نمائے سینا کا دوسرا نام ہے اس کو سِیْنا اور سَیْنا بھی کہتے ہیں۔

لَقد خلقنا الانسان الخ یہی ہے وہ بات جس پر مذکورہ چاروں قسمیں کھائی گئی ہیں، انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو وہ اعلیٰ درجہ کا جسم عطا کیا ہے کہ جو دوسری کسی جاندار مخلوق کو نہیں دیا گیا اور اسے فکر وفہم اور علم وعقل کی وہ بلند پایہ قابلیتیں بخشی گئی ہیں جو کسی دوسری مخلوق کو نہیں بخشی گئیں۔

حسنِ انسانی کا ایک عجیب واقعہ:

قرطبی نے نقل کیا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی جو خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار کے مخصوص لوگوں میں سے تھے، اور اپنی بیوی سے بہت محبت رکھتے تھے ایک روز چاندنی رات میں بیوی کے ساتھ بیٹھے ہوئے بول اٹھے، اگر تو چاند سے زیادہ خوبصورت نہ ہو تو تجھے تین طلاق، یہ سنتے ہی بیوی پردے میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دے دی، بات اگرچہ ہنسی دل لگی کی تھی؛ مگر طلاق کا حکم یہی ہے کہ ہنسی مذاق میں بھی واقع ہو جاتی ہے، عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑے کرب و بے چینی میں گذاری، صبح کو خلیفۂ وقت ابو جعفر منصور کی مجلس میں حاضر ہوئے اور رات کا اپنا قصہ سنایا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا، خلیفہ نے شہر کے فقہاء اور اہل فتویٰ کو جمع کر کے سوال کیا سب نے ایک ہی جواب دیا کہ طلاق واقع ہوگئی؛ کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونے کا کسی انسان کے لئے

امکان ہی نہیں، مگر ایک عالم جو امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے شاگردوں میں سے تھے خاموش بیٹھے رہے منصور نے پوچھا آپ کیوں خاموش ہیں؟ تب یہ بولے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورۂ والتین کی تلاوت کی اور فرمایا امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا احسن تقویم ہونا بیان فرمادیا ہے، کوئی شئی اس سے حسین نہیں، یہ سن کر سب علماء اور فقہاء حیران رہ گئے اور کسی نے مخالفت نہیں کی اور منصور نے حکم دے دیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔

ثُمَّ رددناہُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ، مفسرین نے بالعموم اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں ایک یہ کہ ہم نے اسے ارذل العمر یعنی بڑھاپے کی ایسی حالت کی طرف پھیر دیا جس میں وہ کچھ سوچنے سمجھنے اور کام کرنے کے قابل نہ رہا، دوسرے یہ کہ ہم نے اسے جہنم کے سب سے نیچے درجے کی طرف پھیر دیا، لیکن یہ دونوں معنی اس مقصود کلام کے لئے دلیل نہیں بن سکتے جسے ثابت کرنے کے لئے یہ سورت نازل ہوئی ہے، سورت کا مقصد جزا اور سزا کے برحق ہونے پر استدلال کرنا ہے اس پر نہ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ انسانوں میں سے بعض لوگ بڑھاپے کی انتہائی کمزور حالت کو پہنچا دیئے جاتے ہیں اور نہ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ انسانوں کا ایک گروہ جہنم میں ڈالا جائے گا، پہلی بات اس لئے جزا سزا کی دلیل نہیں بن سکتی کہ بڑھاپے کی حالت اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگوں پر طاری ہوتی ہے اور کسی کا اس حالت کو پہنچنا کوئی سزا نہیں ہے جو اسے اس کے اعمال پر دی جاتی ہو، رہی دوسری بات تو وہ آخرت میں پیش آنے والا معاملہ ہے اسے ان لوگوں کے سامنے دلیل کے طور پر کیسے پیش کیا جاسکتا ہے؟ جنہیں آخرت ہی کی جزا سزا کا قائل کرنے کے لئے یہ سارا استدلال کیا جارہا ہے؟ اس لئے آیت کا صحیح مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین ساخت پر پیدا کرنے کے بعد انسان اپنے جسم اور ذہن کی طاقتوں کو برائی کے راستے میں استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے برائی ہی کی توفیق دیتا ہے اور گراتے گراتے اسے گراوٹ کی اس انتہاء تک پہنچا دیتا ہے کہ کوئی مخلوق گراوٹ میں اس حد کو پہنچی ہوئی نہیں ہوتی، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو انسانی معاشرے کے اندر بکثرت مشاہدہ میں آتی ہے، حرص، طمع، خودغرضی، شہوت پرستی، نشہ بازی، کمینہ پن، غیظ وغضب اور ایسی ہی دوسری خصلتوں میں جو لوگ غرق ہوجاتے ہیں وہ اخلاقی حیثیت سے فی الواقع سب نیچوں سے نیچ ہو کر رہ جاتے ہیں، مثال کے طور پر صرف اسی بات کو لے لیجئے کہ ایک قوم جب دوسری قوم کی دشمنی میں اندھی ہوجاتی ہے تو کس طرح درندگی میں تمام درندوں کو مات کر دیتی ہے، درندہ تو صرف اپنی غذا کے لئے کسی جانور کا شکار کرتا ہے جانوروں کا قتل عام نہیں کرتا مگر انسان خود اپنے ہی ہم جنس انسانوں کا قتل عام کرتا ہے، درندہ صرف اپنے پنجوں اور دانتوں ہی سے کام لیتا ہے مگر یہ احسن تقویم پر پیدا ہونے والا انسان اپنی عقل سے کام لے کر توپ، بندوق، ٹینک، ہوائی جہاز، راکٹ، میزائل، اور ایٹم بم جیسے خطرناک ہتھیار بناتا ہے، تاکہ آن کی آن میں پوری بستیوں کی بستیوں کو تباہ کر کے رکھ دے، اور انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لئے کمینہ پن کی اس انتہاء کو پہنچتا ہے کہ عورتوں کے ننگے جلوس نکالتا ہے، ایک ایک عورت کو دس دس بیس بیس آدمی اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں اور باپوں اور بھائیوں اور شوہروں کے سامنے ان کے گھر کی عورتوں کی عصمت لوٹتے ہیں، بچوں کو ان کے ماں باپ کے سامنے قتل کرتے ہیں، ماؤں کو اپنے بچوں کا خون پینے پر مجبور کرتے ہیں، انسانوں کو زندہ جلانے میں جھجک محسوس نہیں کرتے، دنیا میں وحشی سے وحشی جانوروں کی بھی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جو انسان کی اس وحشت کا

کسی درجہ میں بھی مقابلہ کرسکتی ہو، شاہ ولی اللہ صاحب انسان کی اسی ارذل صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: اس کو لائق بنایا فرشتوں کے مقام کا پھر جب منکر ہوا تو جانوروں سے بدتر ہے۔ (فوائد عثمانی)

یہی حال دوسری بری صفات کا بھی ہے کہ ان میں سے جس طرف بھی انسان رخ کرتا ہے اپنے آپ کو ارذل المخلوقات ثابت کردیتا ہے حتی کہ مذہب جو انسان کے لئے مقدس ترین شئی ہے اس کو بھی وہ اتنا گرادیتا ہے کہ درختوں اور جانوروں اور پتھروں کو پوجتے پوجتے پستی کی انتہاء کو پہنچ کر مرد اور عورت کی شرمگاہوں کو پوج ڈالتا ہے۔

جن مفسرین نے اَسْفَل سافلین سے مراد بڑھاپے کی وہ حالت لی ہیں جس میں انسان اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے، وہ اس آیت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں، جن لوگوں نے اپنی جوانی اور تندرستی کی حالت میں ایمان لاکر نیک عمل کئے ہوں ان کے لئے بڑھاپے کی اس حالت میں بھی وہی نیکیاں لکھی جائیں گی، ان کے اجر میں اس بنا پر کوئی کمی نہ کی جائے گی کہ عمر کے اس دور میں ان سے وہ نیکیاں صادر نہیں ہوئیں، اور جو مفسرین اسفل سافلین کی طرف پھیرے جانے کا مطلب، جہنم کے اسفل ترین درجہ میں پھینک دیا جانا لیتے ہیں، ان کے نزدیک اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ایمان لاکر عمل صالح کرنے والے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ اس درجہ کی طرف نہیں پھیرے جائیں گے؛ بلکہ ان کو وہ اجر ملے گا جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سُوْرَةُ اِقْرَأْ مَكِّيَّةٌ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً.

سورۂ اقرأ مکی ہے، انیس آیتیں ہیں۔

صَدْرُهَا اِلٰى مَالَمْ يَعْلَمْ اَوَّلُ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَذٰلِكَ بِغَارِ حِرَاءَ. (رواه البخاری)

اس کا مَالَمْ يَعْلَمْ تک کا ابتدائی حصہ، قرآن کا سب سے پہلے نازل ہونے والا حصہ ہے اور یہ نزول غار حراء میں ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ **اِقْرَاْ** اَوْجِدِ الْقِرَاءَةَ مُبْتَدِءًا **بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ** ﴿۱﴾ الخَلَائِقَ **خَلَقَ الْاِنْسَانَ** الجِنْسَ **مِنْ عَلَقٍ** ﴿۲﴾ جَمْعُ عَلَقَةٍ وهِيَ القِطْعَةُ اليَسِيْرَةُ مِنَ الدَّمِ الغَلِيْظِ **اِقْرَاْ** تَاكِيْدٌ لِلاَوَّلِ **وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ** ﴿۳﴾ الَّذِي لَايُوَازِيْهِ كَرِيْمٌ حَالٌ مِن ضَمِيْرِ اِقْرَأْ **الَّذِيْ عَلَّمَ** الخَطَّ **بِالْقَلَمِ** ﴿۴﴾ وَاَوَّلُ مَنْ خَطَّ بِهِ اِدْرِيْسُ عَلَيْهِ السَّلَامُ **عَلَّمَ الْاِنْسَانَ** الجِنْسَ **مَالَمْ يَعْلَمْ** ﴿۵﴾ قَبْلَ تَعْلِيْمِهِ مِنَ الْهُدٰى وَالكِتَابَةِ وَالصِّنَاعَةِ وَغَيْرِهَا **كَلَّآ** حَقًّا **اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى** ﴿۶﴾ **اَنْ رَّاٰهُ** اي نَفْسَهُ **اسْتَغْنٰى** ﴿۷﴾ بِالْمَالِ نَزَلَ فِي اَبِيْ جَهْلٍ وَرَأَىٰ عِلْمِيَّةٌ وَاسْتَغْنٰى مَفْعُوْلٌ ثَانٍ وَاَنْ رَّاٰهُ مَفْعُوْلٌ لَهُ **اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ** يَا اِنْسَانُ **الرُّجْعٰى** ﴿۸﴾ الرُّجُوْعَ تَخْوِيْفٌ له فَيُجَازِيَ الطَّاغِيَ بِمَا يَسْتَحِقُّهُ **اَرَءَيْتَ** فِي مَوَاضِعِهَا الثَّلَاثَةِ لِلتَّعَجُّبِ **الَّذِيْ يَنْهٰى** ﴿۹﴾ هُوَ اَبُوْ جَهْلٍ **عَبْدًا** هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اِذَا صَلّٰى** ﴿۱۰﴾ **اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ** اي المَنْهِيُّ **عَلَى الْهُدٰى** ﴿۱۱﴾ **اَوْ** لِلتَّقْسِيْمِ **اَمَرَ بِالتَّقْوٰى** ﴿۱۲﴾ **اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ** اي النَّاهِيُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَتَوَلّٰى** ﴿۱۳﴾ عَنِ الاِيْمَانِ **اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى** ﴿۱۴﴾ مَا صَدَرَ مِنْهُ اي يَعْلَمُ فَيُجَازِيْهِ عَلَيْهِ اي اِعْجَبْ مِنْهُ يَا مُخَاطَبُ مِنْ حَيْثُ نَهْيِهِ عَنِ الصَّلٰوةِ وَمِنْ حَيْثُ اَنَّ الْمَنْهِيَّ عَلَى الهُدٰى اٰمِرٌ بِالتَّقْوٰى وَمِنْ حَيْثُ اَنَّ النَّاهِيَ مُكَذِّبٌ مُتَوَلٍّ عَنِ الاِيْمَانِ **كَلَّا** رَدْعٌ له **لَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **لَّمْ يَنْتَهِ** عَمَّا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الكُفْرِ **لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ** ﴿۱۵﴾ لَنَجُرَّنَّ بِنَاصِيَتِهِ اِلَى النَّارِ **نَاصِيَةٍ** بَدَلُ نَكِرَةٍ مِنْ مَعْرِفَةٍ **كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ** ﴿۱۶﴾ وَوَصْفُهَا بِذٰلِكَ مَجَازٌ او المُرَادُ صَاحِبُهَا **فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ** ﴿۱۷﴾ اي اَهْلَ نَادِيْهِ وهُوَ المَجْلِسُ يُنْتَدٰى يَتَحَدَّثُ فِيْهِ القَوْمُ كَانَ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا انْتَهَرَهُ حَيْثُ

نَهَاهُ عَنِ الصَّلوةِ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا بِهَا رَجُلٌ اَكْثَرُ نَادِيًا مِنِّي لَاَمْلَاَنَّ عَلَيْكَ هٰذَا الْوَادِيَ اِنْ شِئْتُ خَيْلًا جُرْدًا وَرِجَالًا مُرْدًا **سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ** ﴿١٨﴾ الْمَلَائِكَةَ الْغِلَاظَ الشِّدَادَ لِاِهْلَاكِهٖ فِي الْحَدِيْثِ لَوْ دَعَا نَادِيَهُ لَاَخَذَتْهُ الزَّبَانِيَةُ عَيَانًا **كَلَّا** رَدْعٌ لَهٗ **لَا تُطِعْهُ** يَا مُحَمَّدُ فِي تَرْكِ الصَّلَاةِ **وَاسْجُدْ** صَلِّ لِلّٰهِ **وَاقْتَرِبْ** ﴿١٩﴾ مِنْهُ بِطَاعَتِهٖ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، پڑھو (اے نبی ﷺ!) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے مخلوق کو پیدا کیا جنس انسان کو دم بستہ سے عَـلَـقٌ، عَلَـقَةٌ کی جمع ہے اور وہ دم بستہ کا چھوٹا سا ٹکڑا ہے پڑھو، یہ پہلے اِقرأ کی تاکید ہے، آپ ﷺ کا رب بڑا کریم ہے اس کی برابری کوئی کریم نہیں کرسکتا، (وَرَبُّكَ) اِقرأ کی ضمیر سے حال ہے، جس نے قلم کے ذریعہ لکھنا سکھایا اور سب سے پہلے جس نے قلم سے لکھا وہ ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جنس انسان کو وہ علم سکھایا جسے وہ سکھانے سے پہلے نہیں جانتا تھا، (مثلاً) ہدایت اور کتابت اور صنعت وغیرہ، درحقیقت انسان سرکشی کرتا ہے اس بنا پر کہ وہ خود کو مال کی وجہ سے بے نیاز سمجھتا ہے (یہ آیت) ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی، اور رؤیت سے رؤیت علمیہ مراد ہے اور استغناء مفعول ثانی ہے اور اَنْ رَّاٰهُ مفعول لہ ہے، یقیناً اے انسان! تجھ کو تیرے رب ہی کی طرف پلٹنا ہے یہ انسان کو خوف دلانا ہے لہٰذا سرکش کو سزا دے گا جس کا وہ مستحق ہے، کیا تو نے اس شخص کو دیکھا؟ جو ایک بندے کو اور وہ نبی ﷺ ہیں منع کرتا ہے جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے أَرَأَيْـتَ تینوں جگہ تعجب کے لئے ہے اور وہ (منع کرنے والا) ابوجہل ہے، بھلا بتلاؤ تو اگر وہ جس کو منع کیا گیا ہدایت پر ہو یا پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہو أو تقسیم کے لئے ہے، بھلا دیکھو تو اگر یہ نبی ﷺ کو منع کرنے والا جھٹلاتا ہو اور ایمان سے منہ موڑتا ہو، کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو وہ کر رہا ہے یعنی وہ جانتا ہے لہٰذا اس کو اس کی سزا دے گا، اے مخاطب! تو اس سے تعجب کر اس حیثیت سے کہ اس کا منع کرنا نماز سے ہے اور اس حیثیت سے کہ جس شخص کو منع کیا گیا ہے وہ راہ راست پر ہے اور پرہیزگاری کی تلقین کرنے والا ہے، اور اس حیثیت سے کہ منع کرنے ولا، جھٹلانے والا اور ایمان سے منہ موڑنے والا ہے خبردار! اگر وہ اختیار کردہ کفر سے باز نہ آیا، كلا حرف ردع ہے اور لَـئِنْ میں لام قسمیہ ہے تو ہم یقیناً (اس کی) پیشانی کے بال پکڑ کر جہنم کی طرف کھینچیں گے یہ نکرہ معرفہ سے بدل ہے، ایسی پیشانی کہ جو جھوٹی اور خطاکار ہے، اور نَاصِيَة کی صفت كَاذِبَة لانا یہ مجاز ہے (یعنی مجاز عقلی ہے) اور مراد صاحب ناصیہ ہے، اپنی مجلس والوں کو بلالے اور مجلس سے مراد وہ ہے جو اس لئے بلائی جاتی ہے کہ قوم کے لوگ اس میں باتیں کریں، جب آنحضرت ﷺ نے ابوجہل کو نماز سے منع کرنے پر ڈانٹا تھا تو ابوجہل نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ تم جانتے ہو کہ مکہ میں کوئی شخص مجھ سے بڑی مجلس والا نہیں ہے میں تمہارے خلاف اگر چاہوں تو اس وادی کو عمدہ گھوڑوں (گھوڑسواروں) اور نوجوان مردوں (پیادوں) سے بھر دوں، تو ہم بھی اس کو ہلاک کرنے کے لئے سخت دل قوی فرشتوں کو بلالیں گے، حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ اپنے حمایتیوں کو بلاتا تو دوزخ کے فرشتے اس کو سب کے سامنے پکڑ لیتے، خبردار! یہ آپ ﷺ کو تنبیہ ہے، اے محمد ﷺ! ترک صلوٰۃ میں آپ ﷺ ہرگز اس

کی بات نہ مانیں، اور سجدہ کرو، (یعنی) اللہ کے لئے نماز پڑھو اور اس کی طاعت کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کرو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سورة اقرأ بعض نسخوں میں سورة العلق ہے اور بعض میں سورة القلم، اس سے معلوم ہوا کہ اس سورت کے تین نام ہیں۔

قِوْلُہٗ: اوجد القرأة اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اِقْرأ، اَوْجِدْ کے معنی میں بمنزلہ لازم کے ہے یعنی پڑھنا شروع کرو اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کا مفعول مقدر ہے ای اِقرأ القران بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِسْمَ، اِقْرأ کا مفعول ہے اور باء زائدہ ہے، مگر مفسر علام نے مُبتدِءً ا محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اسم مفعول نہیں اور نہ باء زائدہ ہے بلکہ بِاسْمِ رَبِّكَ، مبتداء کے متعلق ہو کر اِقرأ کی ضمیر فاعل انت سے حال ہے۔

قِوْلُہٗ: خَلَقَ، خَلَقَ کے مفعول کو عموم پر دلالت کرنے کے لئے ذکر نہیں کیا گیا ہے مفسر علام نے، الخلائق مقدر مان کر عموم کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

قِوْلُہٗ: خَلَقَ الانسان انسان کو اس کے شرف کی وجہ سے مفرد لایا گیا ہے اگرچہ معنی میں جمع کے ہے اس لئے کہ الف لام استغراق کے لئے ہے۔

قِوْلُہٗ: عَلَقٌ یہ عَلَقَةٌ کی جمع ہے، دم بستہ کو کہتے ہیں ای نَفْسَهٗ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رَأی کی ضمیر فاعل انسان کی طرف راجع ہے اور ضمیر مفعولی بھی انسان کی طرف راجع ہے اور مراد اس سے نفسِ انسان ہے۔

قِوْلُہٗ: رُجْعٰی (ض) کا مصدر ہے لوٹنا بروزن بشریٰ لازم بھی استعمال ہوتا ہے۔

قِوْلُہٗ: أرأَيْتَ تینوں جگہ تعجب کے لئے ہے نہ کہ استفہام کے لئے، اور ارأیتَ کی تکرار تاکید کے لیے ہے۔

قِوْلُہٗ: لَنَسْفَعًا، سَفْعٌ سے مضارع جمع متکلم کا صیغہ ہے دراصل لنسفعَنْ تھا، نونِ خفیفہ کو تنوین سے بدل دیا گیا ہے، سَفْعًا کسی چیز کو پکڑ کر سختی سے کھینچنا، اور صراح میں ہے موئے پیشانی گرفتن۔

قِوْلُہٗ: بَدَلُ نکرةٍ مِن معرفةٍ، ناصية نکرہ کی صفت لانے کی وجہ سے الناصیہ معرفہ سے بدل واقع ہونا صحیح ہے۔

تفسیر و تشریح

سب سے پہلی وحی:

اِقْرأ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ یہ سب سے پہلی وحی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ غار حراء میں مصروف عبادت تھے، فرشتے نے آکر کہا "پڑھو"! آپ ﷺ نے فرمایا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں،

فرشتے نے آپ ﷺ کو پکڑ کر زور سے دبایا اور کہا پڑھو آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا اس طرح فرشتے نے آپ کو تین مرتبہ دبایا۔

زمانۂ نزول وحی:

اس سورت کے دو حصے ہیں پہلا حصہ اِقْرَأْ سے مَالَمْ یَعْلَمْ تک اور دوسرا حصہ کَلَّا اِنَّ الْاِنسانَ لَیَطْغٰی سے آخر سورت تک ہے، پہلے حصے کے متعلق علماء امت کی عظیم اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یہ سب سے پہلی وحی ہے، اس معاملہ میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی وہ حدیث جسے امام احمد، بخاری، مسلم اور دیگر محدثین نے متعدد سندوں سے نقل کیا ہے صحیح ترین احادیث میں شمار ہوتی ہے اور اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے خود آنحضرت ﷺ سے سن کر آغاز وحی کا پورا قصہ بیان کیا ہے۔

دوسرا حصہ بعد میں اس وقت نازل ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے حرم میں اپنے طریقہ سے نماز پڑھنی شروع کی اور ابوجہل نے دھمکیاں دے کر اس سے روکنے کی کوشش کی۔

آغاز وحی کا واقعہ:

محدثین نے آغاز وحی کا قصہ اپنی اپنی سندوں کے ساتھ امام زہری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے اور انہوں نے حضرت عروہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے اور انہوں نے اپنی خالہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نقل کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتداء سچے اور اچھے خوابوں کی شکل میں ہوئی، آپ ﷺ جو خواب بھی دیکھتے وہ ایسا ہوتا کہ جیسے روز روشن میں آپ ﷺ کوئی چیز دیکھ رہے ہیں، پھر آپ ﷺ تنہائی پسند ہوگئے اور کئی کئی شب و روز غار حراء میں رہ کر عبادت کرنے لگے، اس عبادت کے لئے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے تَحَنُّث کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کی تشریح امام زہری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے تَعَبُّد سے کی ہے، آپ ﷺ غار حراء میں کس قسم کی عبادت کرتے تھے کسی روایت سے اس کا ثبوت نہیں ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپ ﷺ حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے طریقہ پر عبادت کرتے تھے مگر اس کا ثبوت بھی کسی حدیث سے نہیں ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کی عبادت، محض خلق سے انقطاع اور اللہ کی طرف خاص توجہ اور تفکر کی تھی۔

غرضیکہ آپ ﷺ گھر سے خور دونوش کا سامان لے جا کر وہاں چند روز گذارتے، پھر حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے پاس آتے اور مزید چند روز کے لئے حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا آپ ﷺ کے لئے سامان مہیا کر دیتی تھیں۔

غار حراء میں قیام کی مدت:

غار حراء میں خلوت گزینی کی مدت میں علماء کے درمیان اختلاف ہے صحیحین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے پورا ایک ماہ اس میں قیام فرمایا اور وہ ماہِ رمضان تھا، (معارف) اسی دوران ایک روز حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور آپ ﷺ سے فرمایا اِقْـرأ آپ ﷺ نے فرمایا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ ﷺ کو زور سے دبایا، حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ ﷺ کے ساتھ یہی معاملہ تین مرتبہ فرمایا، اس کے بعد سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل فرمائیں۔

قرآن کریم کی یہ پانچ آیتیں لیکر جب آپ ﷺ واپس گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ کا دل کانپ رہا تھا، آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا زَمّلونی زَمّلونی، مجھے اڑھاؤ مجھے اڑھاؤ چنانچہ آپ ﷺ کو اڑھا دیا گیا، جب آپ ﷺ کے خوف کی کیفیت ختم ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پورا قصہ سنایا اور فرمایا مجھے اپنی جان کا خوف ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ہرگز نہیں! خدا کی قسم آپ ﷺ کو خدا کبھی رسوانہ کرے گا، آپ ﷺ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، زیر بار لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں، بے روزگاروں کو ذریعہ معاش مہیا فرماتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں، غرضیکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلی دی۔

پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، انہوں نے نصرانی مذہب اختیار کرلیا تھا، عربی اور عبرانی میں انجیل لکھا کرتے تھے بہت بوڑھے تھے آپ کی بینائی بھی جاتی رہی تھی، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے کہا، میرے چچا زاد بھائی! ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سنو، ورقہ بن نوفل نے آنحضرت ﷺ سے حال دریافت کیا تو آپ ﷺ نے غار حراء میں جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا، ورقہ بن نوفل نے سنتے ہی کہا یہ وہی ناموس یعنی فرشتہ ہے جس کو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتارا تھا کاش! میں آپ ﷺ کی نبوت کے زمانہ میں قوی ہوتا اور کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جب کہ آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو (وطن سے) نکالے گی، رسول اللہ ﷺ نے (تعجب سے پوچھا) کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا بلاشبہ نکالے گی کیونکہ جب بھی کوئی شخص وہ پیغام حق لے کر آیا ہے جو آپ ﷺ لائے ہیں تو اس کی قوم نے اس کو ستایا ہے، اور اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو میں آپ ﷺ کی بھرپور مدد کروں گا، ورقہ اس کے چند روز بعد ہی انتقال کر گئے، ادھر اس واقعہ کے بعد وحی قرآنی کا سلسلہ موقوف ہوگیا، فترت وحی کی مدت کے بارے میں سہیلی کی روایت یہ ہے کہ ڈھائی سال تک رہی اور بعض روایات میں تین سال بیان کی گئی ہے۔ (مظهری، معارف)

دوسرے حصہ کا شان نزول:

کلّا ان الانسان لیطغٰی اس سورت کا یہ حصہ اس وقت نازل ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے حرم میں اسلامی طریقہ پر نماز پڑھنی شروع کی، ابوجہل نے آپ ﷺ کو ڈرادھمکا کر اس سے روکنا چاہا، حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ ابوجہل نے قریش کے لوگوں سے کہا کہ محمد (ﷺ) تمہارے سامنے زمین پر اپنا منہ ٹیکتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں، اس نے کہا لات وعزیٰ کی قسم اگر میں نے حرم میں ان کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اور ان کا منہ زمین میں رگڑ دوں گا، پھر ایک روز ایسا ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو حرم میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر وہ آگے بڑھا، تاکہ آپ ﷺ کی گردن پر پاؤں رکھے، مگر یکا یک لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنا منہ کسی چیز سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے، اس سے پوچھا گیا کہ یہ تجھے کیا ہوگیا ہے؟ اس نے کہا میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق اور ایک ہولناک چیز تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب آتا تو ملائکہ اس کے چیتھڑے اڑا دیتے۔

(احمد، مسلم، نسائی وغیرہ)

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ ايَاتٍ

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ خَمْسٌ او سِتُّ ايَاتٍ.

سورۂ قدر مکی یا مدنی ہے، پانچ یا چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ **اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ** اى القُرْاٰنَ جُملَةً وَاحِدَةً مِنَ اللَّوحِ المَحفُوظِ اِلَى سَمَاءِ الدُّنيا **فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ**① اى الشَّرفِ والعَظمِ **وَمَآ اَدْرٰىكَ** اَعلَمَكَ يا مُحَمَّدُ **مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ**② تَعظِيمٌ لِشَانِهَا وتَعجِيبٌ مِنهُ **لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ**③ لَيسَ فِيهَا لَيلَةُ القَدرِ فالعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا خَيرٌ مِنهُ فِي اَلفِ شَهرٍ لَيسَت فِيهَا **تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ** بِحَذفِ اِحدَى التَّائَينِ مِنَ الاَصلِ **وَالرُّوْحُ** اى جِبرِيلُ **فِيْهَا** فِي اللَّيلَةِ **بِاِذْنِ رَبِّهِمْ** بِاَمرِهِ **مِنْ كُلِّ اَمْرٍ**④ قَضَاهُ اللّٰهُ فِيهَا لِتِلكَ السَّنَةِ اِلَى قَابِلٍ وَمِنْ سَبَبِيَّةٌ بِمَعنَى البَاءِ **سَلٰمٌ هِيَ** خَبَرٌ مُقَدَّمٌ ومُبتَدأٌ **حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ**⑤ بِفَتحِ اللَّامِ وَكَسرِهَا اِلَى وَقتِ طُلُوعِهِ جُعِلَت سَلَامًا لِكَثرَةِ السَّلَامِ فِيهَا مِنَ المَلَائِكَةِ لَا تَمُرُّ بِمُؤمِنٍ وَلَا مُؤمِنَةٍ الا سَلَّمَت عَلَيهِ.

معانقة ١٨ عند المتأخرين. وقف النبي عليه السلام ع ٥

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، یقیناً ہم نے اس کو یعنی قرآن کو شب قدر یعنی شرف اور عظمت والی رات میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف یکبارگی نازل فرمایا اور اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ (یہ استفہام) لیلۃ القدر کی عظمت اور اس سے تعجب کے اظہار کا بیان ہے، شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جن میں شب قدر نہ ہو، یعنی شب قدر میں عمل صالح ہزار مہینوں میں عمل سے بہتر ہے جن میں شب قدر نہ ہو، اس رات میں (عام) فرشتے اور جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اترتے ہیں (تَنَزَّلُ) کی اصل (تتنزل) ہے ایک تاء کے حذف کے ساتھ ہے اپنے رب کے حکم سے ہر کام کو سرانجام دینے کے لئے جس کے کرنے کا اللہ نے اس رات میں فیصلہ کرلیا ہے اس سال سے آئندہ سال تک کے لئے، مِنْ سببیہ بمعنی باء ہے یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے سَلَامٌ هِيَ مبتداء مؤخر کی خبر مقدم ہے اور فجر کے طلوع ہونے تک رہتی ہے (مطلع)

کے لام کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ، یعنی فجر کے طلوع ہونے کے وقت تک اس رات کو (سراپا) سلام بنا دیا گیا ہے، اس رات میں فرشتوں کی جانب سے کثرتِ سلام ہونے کی وجہ سے، ان کا کسی مومن اور مومنہ پر گذر نہیں ہوتا مگر یہ کہ وہ ان کو سلام کرتے ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ. بلاشبہ ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا۔

سُوَال: اَنْزَلْنَاہُ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے حالانکہ قرآن کا ماقبل میں ذکر نہیں ہے یہ اضمار قبل الذکر ہے جو ممنوع ہے؟

جَوَاب: قرآن کے شرف وشہرت پر اعتماد کرتے ہوئے مرجع کا ذکر نہیں کیا گیا ہے گویا کہ قرآن اپنی عظمت وشہرت کی وجہ سے حکم میں مذکور کے ہے اور ہر شخص کے دل ودماغ میں موجود ہے، عرب کی عادت ہے کہ مرجع کے مشہور ومعروف ہونے کی وجہ سے، اس کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔

سُوَال: انزال اجسام کی صفت ہے اور قرآن عرض ہے نہ کہ جسم لہٰذا اس کی صفت انزال لانا کس طرح درست ہوگا؟

جَوَاب: انزال بمعنی ایحاء ہے جو عرض کے لئے ہوتا ہے۔

دُوسرا جَوَاب: قرآن کی طرف نزول کی نسبت اسناد مجاز عقلی ہے اصل یہ ہے کہ اسناد حامل قرآن کی طرف ہو۔

قَوْلُہٗ: مِن کل امرٍ من سببیہ ہے ای لِاَجل کل امرٍ.

قَوْلُہٗ: سَلامٌ هِیَ ، سَلامٌ خبر مقدم اور هِیَ مبتدا موخر ہے، اور یہ تقدیم قصر وحصر کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس رات میں سلامتی ہی سلامتی مقدر فرمائی ہے۔

قَوْلُہٗ: وقت طلوعہٖ یہ حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

ابن ابی حاتم نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر فرمایا جو ایک ہزار مہینہ تک مسلسل مشغولِ جہاد رہا، کبھی اس نے ہتھیار نہیں اتارے، مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا اس پر سورۂ قدر

نازل ہوئی، جس میں اس امت کے لئے صرف ایک رات کی عبادت کو اس مجاہد کی عمر بھر کی عبادت یعنی ایک ہزار مہینے (۸۳ سال چار ماہ) سے بہتر قرار دیا اور ابن جریر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بروایت مجاہد ایک دوسرا واقعہ یہ ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد کا یہ حال تھا کہ پوری رات عبادت میں مشغول رہتا اور صبح ہوتے ہی جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا، دن بھر جہاد میں مشغول رہتا ایک ہزار مہینے اس نے اسی طرح مسلسل عبادت میں گذار دیئے اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر نازل فرما کر اس امت کی فضیلت سب پر ثابت فرمادی، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شبِ قدر امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ (معارف القرآن)

یہاں کہا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں نازل کیا، اور سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ" رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزول کی ابتداء رمضان کے مہینہ میں ہوئی، اس رات کو یہاں شبِ قدر کہا گیا ہے اور سورۂ دخان میں اسی کو مبارک رات کہا گیا ہے "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ" ہم نے اسے ایک برکت والی رات میں نازل کیا۔

لیلۃ القدر کے معنی:

قدر کے ایک معنی عظمت اور شرف کے ہیں، زہری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وغیرہ حضرات نے اس جگہ یہی معنی مراد لئے ہیں، قدر کے دوسرے معنی تقدیر اور حکم کے بھی ہیں، یعنی یہ وہ رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ تقدیر کے فیصلے نافذ کرنے کے لئے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے، اس کی تائید سورۂ دخان کی اس آیت سے ہوتی ہے "فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ" کہ اس رات میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔

لیلۃ القدر کی تعیین:

اب رہا یہ سوال کہ یہ کونسی رات تھی؟ تو اس میں اتنا اختلاف ہے کہ اقوال کی تعداد قریب قریب چالیس تک پہنچتی ہے، لیکن علماء امت کی غالب اکثریت یہ رائے رکھتی ہے کہ رمضان کی آخری دس تاریخوں میں سے کوئی ایک طاق رات شبِ قدر ہے، تفسیر مظہری میں ہے کہ ان سب اقوال میں صحیح یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے، مگر آخری عشرہ کی کوئی رات متعین نہیں اور ان دس میں سے خاص طور سے طاق راتوں کا از روئے احادیث زیادہ احتمال ہے اور ان میں بھی زیادہ تر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ وہ ستائیسویں رات ہے، اس معاملہ میں معتبر روایتیں مندرجہ ذیل ہیں:

① حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا کہ وہ ستائیسویں یا انتیسویں رات ہے (ابوداؤد طیالسی) دوسری روایت حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے یہ ہے کہ وہ رمضان کی آخری رات ہے۔ (مسند احمد) ② حضرت عبادہ بن صامت رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (مسند احمد ملخصًا)

تنزل الملائکة والروح، روح سے مراد حضرت جبرئیل امین عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ہیں، حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب شبِ قدر ہوتی ہے تو جبرئیل امین عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فرشتوں کی بڑی جماعت کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں، اور جتنے اللہ کے بندے مرد ہوں یا عورت نماز یا ذکر میں مشغول ہوتے ہیں، سب کے لئے رحمت کی دعاء کرتے ہیں۔ (مظہری)

مِن کل اَمْرٍ اس میں مِنْ بمعنی با ہے، معنی یہ ہیں کہ فرشتے لیلۃ القدر میں تمام سال کے اندر پیش آنے والے تقدیری واقعات لے کر زمین پر اترتے ہیں۔

بحمد اللہ تمّ

سُوْرَةُ الْبَیِّنَةِ مَدَنِیَّةٌ وَّهِیَ ثَمَانِیْ اٰیَاتٍ

سُوْرَةُ الْبَیِّنَةِ مَکِّیَّةٌ اَوْ مَدَنِیَّةٌ تِسْعُ اٰیَاتٍ.

سورۂ بینہ مکی یا مدنی ہے، نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ لِلْبَیَانِ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ ای عَبَدَةِ الْاَصْنَامِ عَطْفٌ عَلٰی اَہْلِ مُنْفَکِّیْنَ خَبَرُ یَکُنْ ای زَائِلِیْنَ عَمَّا ہُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ ۝۱ ای الحُجَّةُ الوَاضِحَةُ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بَدَلٌ مِنَ البَیِّنَةِ وہُوَ النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲ مِنَ البَاطِلِ فِیْهَا کُتُبٌ اَحکَامٌ مَکْتُوْبَةٌ قَیِّمَةٌ ۝۳ مُسْتَقِیمَةٌ ای یَتْلُوا مَضْمُوْنَ ذٰلِکَ وَہُوَ القُرْاٰنُ فَمِنْہُمْ مَنْ اٰمَنَ بِہٖ وَمِنْہُمْ مَنْ کَفَرَ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ فِی الاِیْمَانِ بِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنَةُ ۝۴ ای ہُوَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوِ القُرْاٰنُ الجَائِیْ بِہٖ مُعْجِزَةً لَہٗ وقَبلَ مَجِیْئِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانُوا مُجْتَمِعِیْنَ عَلَی الاِیْمَانِ بِہٖ اِذَا جَاءَ فَحَسَدَہٗ مَنْ کَفَرَ بِہٖ مِنْہُمْ وَمَآ اُمِرُوْٓا فِی کِتَابَیْہِمُ التَّوْرٰةِ وَالاِنْجِیْلِ اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ ای اَنْ یَعْبُدُوْہُ فَحُذِفَتْ اَنْ وزِیدَتِ اللامُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۥ مِنَ الشِّرْکِ حُنَفَآءَ مُسْتَقِیْمِیْنَ عَلٰی دِیْنِ اِبْرَاہِیْمَ ودِیْنِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ فَکَیْفَ کَفَرُوا بِہٖ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوةَ وَذٰلِکَ دِیْنُ المِلَّةِ الْقَیِّمَةِ ۝۵ المُسْتَقِیْمَةِ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا حَالٌ مُقَدَّرَةٌ ای مُقَدَّرًا خُلُوْدُہُمْ فِیْہَا مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی اُولٰٓئِکَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ۝۶ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ۝۷ الخَلِیْقَةِ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ اِقَامَةٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِطَاعَتِہٖ وَرَضُوْا عَنْهُ بِثَوَابِہٖ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۝۸ خَافَ عِقَابَہٗ فَانْتَہٰی عَنْ مَعْصِیَتِہٖ تَعَالٰی.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ

کافر تھے یعنی بت پرست تھے (والمشرکین) کا عطف اَھْل پر ہے اور مِن اَھْلِ الکتاب میں من بیانیہ ہے، وہ (اپنے کفر سے) باز آنے والے نہیں تھے (مُنفکّین) یکن کی خبر ہے، یعنی جس (کفر) پر وہ تھے اس کو چھوڑنے والے نہیں تھے تا آنکہ ان کے پاس واضح دلیل آجائے، یعنی اللہ کی طرف سے ایک رسول (رسول من اللہ) البیّنۃ سے بدل ہے اور وہ نبی ﷺ ہیں، جو ان کو باطل سے پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، جن میں صحیح احکام مکتوب ہوں یعنی اس کے مضمون کو پڑھ کر سنائے اور وہ قرآن ہے، چنانچہ ان میں سے بعض اس پر ایمان لائے اور ان میں سے بعض نے انکار کر دیا، اور اہل کتاب نے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے میں اختلاف نہیں کیا مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح بیان آچکا اور وہ محمد ﷺ ہیں یا قرآن ہے جس کو آپ ﷺ لانے والے ہیں جو آپ کا معجزہ ہے اور آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لانے پر متفق تھے، مگر جب آپ ﷺ آگئے تو آپ کا اُن لوگوں نے انکار کر دیا جنہوں نے آپ ﷺ پر حسد کیا، اور ان کی کتاب تورات اور انجیل میں ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں، یعنی یہ کہ اس کی بندگی کریں، اَنْ حذف کر دیا گیا اور لام اس کی جگہ زیادہ کر دیا گیا، اپنے دین کو اس کے لئے شرک سے خالص کر کے دین ابراہیم اور دین محمد ﷺ پر استقامت کے ساتھ اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں یہی درست دین ہے اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً جہنم کی آگ میں جائیں گے، اور (خالدین) حال مقدرہ ہے یعنی اللہ کی طرف سے ان کے لئے جہنم میں ہمیشہ کے لئے دخول مقدر ہو چکا ہے یہی لوگ بدترینِ خلائق ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وہ یقیناً بہترینِ خلائق ہیں ان کا صلہ ان کے رب کے یہاں دائمی قیام کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اللہ ان سے ان کی طاعت کی وجہ سے راضی ہوا اور وہ اس سے اس کے ثواب کی وجہ سے راضی ہوئے، یہ (صلہ) اس شخص کے لئے ہے جس نے اپنے رب کا خوف کیا یعنی اس کی سزا کا خوف کیا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے ڈرا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا، اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا، یَکُنْ کا اسم ہے مِنْ بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ، مِنْ اَھْلِ الکتاب والمشرکین جملہ ہو کر کَفَرُوْا کی ضمیر سے حال ہے، اَلَّذِیْنَ اپنے صلہ سے مل کر یَکُنْ کا اسم ہے مُنْفَکِّیْنَ یَکُنْ کی خبر ہے،

قَوْلُہٗ: مُنْفَکِّیْنَ، انفکاك سے اسم فاعل، باز آنے والے، جدا ہونے والے۔

سَوَال: مُنْفَکِّیْنَ کا مفعول کیا ہے؟ اور اس کے حذف پر کیا دلیل ہے؟

جَوَاب: مفسر علام نے عَمَّاھُمْ عَلَیْھِمْ کہہ کر حذف مفعول کی طرف اشارہ کر دیا اور وہ کفر ہے، اور دلیل حذف پر اَلَّذِیْنَ کا صلہ کفروا ہے۔

سَوَال: اہل کتاب کے لئے کَفَرُوْا ماضی اور مشرکین کے لئے المشرکین کو اسم فاعل لانے میں کیا نکتہ ہے؟

جَوَابِ: اہل کتاب ابتداء سے کافر نہیں تھے آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہوئے بخلاف مشرکین عرب کے کہ وہ شروع ہی سے کافر تھے۔

قَوْلُہٗ: الحجة الواضحة یہ حذف موصوف کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: یَتْلُوا مضمونَ ذٰلِکَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: یَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ صحیفہ یعنی قرآن میں مکتوب کو پڑھ کر سناتے تھے، حالانکہ اس وقت مصحف میں کوئی چیز لکھی ہوئی نہیں تھی اور آپ زبانی پڑھ کر سناتے تھے؟

جَوَابِ: آیت حذف مضاف کے ساتھ ہے، ای یَتْلُوْا مضمون الصحف الذی یتضمنه الصحف.

(فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُہٗ: اَنْ یَعْبُدُوہ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: اِلَّا لِیَعْبُدُوْہُ میں لام غرض کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کرانے کے لئے حکم دیا، اور یہ استکمال بالغیر ہے جو کہ علامت نقص ہے جو خدا کی شان رفیع کے خلاف ہے؟

جَوَابِ: اصل میں اَنْ یَعْبُدُوْہُ تھا، اَنْ کو حذف کر کے لام لایا گیا ہے گویا اس طرح لام بمعنی أن ہے۔

قَوْلُہٗ: دین القیمة. یہاں بھی ایک سوال ہے۔

سَوَال: یہ اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے جو کہ اضافت الشئ الی نفسہٖ کے مترادف ہے اور وہ غیر مستحسن ہے تو اس کو کیوں ذکر کیا؟

جَوَابِ: مفسر علام نے الملة محذوف مان کر اسی سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اور ملت میں فرق اعتباری ہے لہٰذا اضافت الشئ الی نفسہٖ کا اعتراض لازم نہیں آتا۔

قَوْلُہٗ: خَالِدِیْنَ فِیْهَا حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اس اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے یہاں دونوں کا زمانہ ایک نہیں ہے اس لئے کہ خَالِدِیْنَ، اِنَّ کی خبر محذوف کی ضمیر سے حال ہے، اور وہ مشرکون ہے مطلب یہ کہ ہم ان کے جہنم میں خلود کا اعتقاد رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ اعتقاد کا زمانہ دنیا ہے اور خلود کا زمانہ آخرت ہے؟

جَوَابِ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کافروں کے خلود مقدر کا اعتقاد رکھتے ہیں، اعتقاد ہمارا کام ہے اور ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈالنا اللہ کا کام ہے، اور اللہ کے جانب سے تقدیر کا زمانہ اور اعتقاد کا زمانہ ایک ہے؛ لہٰذا اس میں کوئی حرج اور اشکال نہیں۔

تفسیر وتشریح

اس سورت کا نام بینة قرار دیا گیا ہے، اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ مکی ہے اور بعض دوسرے حضرات اس کو مدنی قرار دیتے ہیں، اس سورت میں اندرونی کوئی ایسی شہادت نہیں ہے کہ جو مدنی یا مکی ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہو، ابن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور عطا بن یسار رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قول ہے کہ یہ مدنی ہے، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور قتادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دو قول ہیں ایک مکی ہونے کا اور دوسرا مدنی ہونے کا، ابو حیان بھی بحر محیط میں مکی ہونے ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔

سورت کا مضمون اور موضوع:

اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ اس کتاب کے ساتھ رسول بھیجنا کیوں ضروری تھا؟ سب سے پہلے رسول بھیجنے کی ضرورت بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ دنیا کے لوگ خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین جس کفر کی حالت میں مبتلا تھے اس سے ان کا نکلنا بغیر اس کے ممکن نہ تھا کہ ایک ایسا رسول بھیجا جائے کہ جس کا وجود خود اپنی رسالت پر دلیل ہو اور وہ خدا کی کتاب کو لوگوں کے روبرو اس کی اصلی اور صحیح صورت میں پیش کرے، جو باطل کی ان تمام آمیزشوں سے پاک ہو جن سے پچھلی آسمانی کتابوں کو آلودہ کر دیا گیا تھا۔

''اہل کتاب'' سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی آسمانی کتاب کے ماننے والے ہوں، خواہ وہ کتاب ان کے پاس اصلی شکل میں باقی ہو یا محرف ہو چکی ہو، مثلاً یہود ونصاریٰ۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد یہود ونصاریٰ پر لازم تھا کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لاتے مگر انکار کی وجہ سے کافر ہو گئے اور آیت میں مشرکین سے مراد عام ہے خواہ بت پرست ہوں یا آتش پرست، غرضیکہ اللہ کے علاوہ جو بھی کسی شیٔ کی پرستش کرتا ہو وہ کافر کا مصداق ہوگا۔

فیها کتب قیمة یہاں کُتُبٌ سے مراد احکام دینیہ ہیں اور قیمة سیدھے اور معتدل راستہ کو کہتے ہیں۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ الخ یہاں تفرق سے مراد انکار واختلاف ہے، نزول قرآن اور آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے تمام اہل کتاب خواہ یہود ہوں یا نصاریٰ اس بات پر متفق تھے کہ نبی آخر الزمان کا ابھی آنا باقی ہے؛ کیوں کہ ان کی آسمانی کتابوں میں آپ ﷺ کی بعثت کی اطلاع دی گئی تھی اور آپ ﷺ کی مخصوص صفات کو واضح طور پر بیان کیا گیا تھا اور اہل کتاب آپ ﷺ کی آمد کے شدت سے منتظر تھے، اور جب کبھی اہل کتاب اور

مشرکین کے درمیان نزاع ہوتا اور مشرک اپنی عددی طاقت میں زیادہ ہونے کی وجہ سے یہود پر غالب آجاتے تو یہود آنحضرت ﷺ کے واسطے سے مشرکین پر فتح مندی کی دعاء کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! تو آنے والے نبی آخر الزمان کی برکت سے ہمیں فتح نصیب فرمادے، یا یہ کہ مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ تم لوگ ہمارے خلاف زور آزمائی کرتے ہو؛ مگر عنقریب ایک ایسے رسول ﷺ آنے والے ہیں جو تم سب کو زیر کردیں گے اور ہم چونکہ ان کے ساتھ ہوں گے تو ہماری فتح ہوگی، مگر جب وہ نبی ﷺ آگیا اور آسمانی پیشین گوئی کے مطابق اہل کتاب نے ان کو پہچان لیا، تو حسد کی وجہ سے اس کا انکار کر بیٹھے، اور آپس میں اختلاف کرنے لگے، کچھ لوگ آپ پر ایمان لائے مگر اکثر نے انکار کردیا۔

تمت

سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ زُلْزِلَتْ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعُ اٰيَاتٍ

سورۂ زلزلت مکی یا مدنی ہے، نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ** حُرِّكَتْ لِقِيَامِ السَّاعَةِ **زِلْزَالَهَا ①** تَحْرِيْكَهَا الشَّدِيْدَ الْمُنَاسِبَ لِعَظْمِهَا **وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ②** كُنُوْزَهَا وَمَوْتَاهَا فَاَلْقَتْهَا عَلٰى ظَهْرِهَا **وَقَالَ الْاِنْسَانُ** الْكَافِرُ بِالْبَعْثِ **مَا لَهَا ③** اِنْكَارًا لِتِلْكَ الْحَالَةِ **يَوْمَئِذٍ** بَدَلٌ مِنْ اِذَا وَجَوَابُهَا **تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ④** تُخْبِرُ بِمَا عُمِلَ عَلَيْهَا مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ **بِاَنَّ** بِسَبَبِ اَنَّ **رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ⑤** اَيْ اَمَرَهَا بِذٰلِكَ وَفِي الْحَدِيْثِ تَشْهَدُ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ وَاَمَةٍ بِكُلِّ مَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا **يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ** يَنْصَرِفُوْنَ مِنْ مَوْقِفِ الْحِسَابِ **اَشْتَاتًا ۙ** مُتَفَرِّقِيْنَ فَاٰخِذٌ ذَاتَ الْيَمِيْنِ اِلَى الْجَنَّةِ وَاٰخِذٌ ذَاتَ الشِّمَالِ اِلَى النَّارِ **لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ⑥** اَيْ جَزَائَهَا مِنَ الْجَنَّةِ اَوِ النَّارِ **فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ** زِنَةَ نَمْلَةٍ صَغِيْرَةٍ **خَيْرًا يَّرَهٗ ⑦** يَرَ ثَوَابَهٗ **وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ⑧** جَزَاءَهٗ.

ع ۸ ۲۴

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب زمین پوری شدت سے قیامِ قیامت کے وقت ہلا دی جائے گی جو کہ اس کے عظیم ہونے کے مناسب ہوگی اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ مثلاً اس کے خزانے اور اس کے مردے نکال دے گی اور ان کو اپنی ظاہری سطح پر ڈال دے گی، اور بعث کا منکر انسان اس حالت کا انکار کرتے ہوئے کہے گا کہ اس کو کیا ہو رہا ہے؟ اس روز (یَوْمَئِذٍ اِذَا سے بدل ہے اور (اِذَا) کا جواب تُحَدِّثُ اخبارھا ہے، ان تمام حالات کو بیان کرے گی جو نیک و بد اعمال اس کے اوپر کئے گئے ہوں گے یہ اس وجہ سے ہوگا کہ تیرے رب نے اس کے لئے وحی بھیجی ہوگی یعنی اس کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہوگا اور حدیث شریف میں ہے کہ زمین ہر بندے اور بندی کے خلاف ہر اس عمل کی گواہی دے گی جو اس پر کیا گیا ہوگا، اس روز لوگ موقف حساب سے متفرق حالت میں واپس ہوں گے، دائیں ہاتھ میں (اعمال نامہ) لینے والا جنت کی طرف لوٹے گا اور بائیں ہاتھ میں (اعمال نامہ) لینے والا جہنم کی طرف لوٹے گا تا کہ ان کے

اعمال یعنی ان کی جزاء کو، خواہ جنت سے ہو یا دوزخ سے ان کو دکھائے جائیں پھر جس نے ذرہ برابر یعنی چھوٹی چیونٹی کے برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو بھی دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی تو وہ اس کی جزاء بھی دیکھ لے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا، اِذَا ظرفیہ متضمن بمعنی شرط ہے، يَوْمَئِذٍ اس سے بدل ہے اور تُحَدِّثُ جواب شرط ہے اور جمہور کے نزدیک یہی ظرف کا ناصب ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ظرف کا عامل محذوف ہے اور وہ يُحْشَرُوْنَ ہے اور بعض نے اُذْكُرْ محذوف کو عامل مانا ہے؛ مگر اس صورت میں اِذَا ظرفیت اور شرطیت سے خارج ہو جائے گا، تُحَدِّثُ متعدی بدو مفعول ہے مفعول اول محذوف ہے، ای تحدث النَّاسَ اَخْبَارَهَا، اَلنَّاسَ مفعول اول ہے اور اخبارَها مفعول ثانی، زِلْزَالَهَا میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے۔

قولہ: كُنُوْزَهَا وَمَوْتَاهَا مناسب، واؤ کے بجائے اَوْ تھا، اس لئے کہ "اخرجت الارضُ اثقالها" کی تفسیر میں دو قول ہیں، یعنی ثقل سے مراد خزانے یا مردے ہیں اور دونوں بھی ہو سکتے ہیں تو "واو" بھی درست ہوگا۔

قولہ: انکارًا لِتِلْكَ الحالة مفسر علام کے لئے مناسب تھا کہ، تعجبًا لِتِلْكَ الحالة فرماتے، اس لئے کہ یہ وقت انکار کا نہ ہوگا بلکہ حیرت اور تعجب کا ہوگا۔

قولہ: يومئذٍ بدل من اِذَا، يَوْمَئِذٍ، اِذَا سے بدل ہے اور جو عامل مبدل منہ کا ہے وہی بدل کا ہے۔

قولہ: يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا، يَوْمَئِذٍ، اول يومَئِذٍ سے بدل ہے اور بعض حضرات نے يَصْدُرُ کو عامل مانا ہے، اور اَشْتَاتًا، النَّاسُ سے حال ہے۔

قولہ: لِيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ، لِيُرَوْا، يَصْدر النَّاسُ سے متعلق ہے، اور رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے، باب افعال کے ہمزہ کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہے، اول مفعول لِيُرَوْا کا واؤ ہے جو کہ نائب فاعل ہے اور دوسرا مفعول اَعْمَالَهُم ہے۔

قولہ: خَيْرًا یہ مثقال سے تمیز ہے اور اسی طرح شَرًّا ہے۔

تفسیر و تشریح

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا، اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے ابن مسعود رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ، عطاء رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ، جابر رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اور مجاہد رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کہتے ہیں کہ مکی ہے، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا کا بھی ایک قول یہی ہے، قتادہ اور مقاتل کہتے ہیں کہ مدنی ہے، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا کا دوسرا قول اس کی تائید کرتا ہے۔

فضائل سورت:

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا کہ فَمَنْ یَعْمَل الخ یہ آیت قرآن کی سب سے زیادہ مستحکم اور جامع آیت ہے، اور حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ اِذَا زُلْزِلَت کو نصف قرآن اور قل ھو اللہ کو ثلث قرآن اور قل یایھا الکافرون کو ربع قرآن فرمایا ہے۔ (ترمذی، بغوی)

زلزلہ سے کون سا زلزلہ مراد ہے؟

اس امر میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں جس زلزلہ کا ذکر آیا ہے، یہ وہ زلزلہ ہے جو نفخۂ اولیٰ سے پہلے دنیا میں واقع ہوگا جیسا کہ علامات قیامت میں اس زلزلہ کا ذکر آیا ہے؟ یا اس زلزلہ سے مراد نفخۂ ثانیہ کے بعد کا زلزلہ ہے؟ جب مُردے زندہ ہو کر زمین سے نکلیں گے؟ تو واضح رہے کہ اس میں کوئی بُعد نہیں کہ زلزلے متعدد ہوں، مگر یہاں مابعد کے قرینہ سے دوسرا زلزلہ مراد معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ اسی سورت میں آگے احوال قیامت اور حساب و کتاب کا ذکر ہے۔ (معارف، مظہری)

زِلْزَالَهَا، زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ کی تاکید ہے، اس تاکید کا مقصد زلزلہ کی شدت کو بیان کرنا ہے، یعنی کرۂ ارض کے عظیم ہونے کی وجہ سے اس کا زلزلہ اور جھٹکا بھی اس کے شایان شان شدید ہوگا، اور یہ زلزلے پے در پے اور عام ہوں گے یعنی زمین کے کسی ایک حصہ میں نہیں بلکہ پوری زمین ہلا دی جائے گی۔

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا اسی مضمون کو سورۂ انشقاق میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے "وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ" اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی، اس کے متعدد مطلب ہیں: ایک یہ کہ مرے ہوئے انسان زمین کے اندر جہاں اور جس شکل میں بھی پڑے ہوں گے ان سب کو وہ نکال کر باہر پھینک دے گی، اس مفہوم پر بعد کا فقرہ یعنی "وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا" دلالت کر رہا ہے، یعنی انسانی منتشر اجزاء جمع ہو کر از سرِ نو اسی شکل و صورت میں جمع ہو جائیں گے، جس میں وہ دنیوی زندگی کی حالت میں تھے؛ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ یہ کیسے کہیں گے کہ زمین کو یہ کیا ہو رہا ہے؟

دوسرا مطلب یہ ہے کہ صرف مردہ انسانوں ہی کو باہر پھینکنے پر اکتفا نہ کرے گی؛ بلکہ ان کی پہلی زندگی کے افعال و اقوال، حرکات و سکنات کی شہادتوں کا جو انبار اس کی تہوں میں دبا پڑا ہے، ان سب کو بھی وہ نکال کر باہر ڈال دے گی، اس مطلب پر بعد کا فقرہ "یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا" دلالت کرتا ہے، کہ زمین اپنے اوپر گذرے ہوئے حالات بیان کرے گی، اس ترقی یافتہ دور میں اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ زمین اپنے اوپر گذرے ہوئے حالات کس طرح بیان کرے گی؟ آج علوم طبعی کے انکشافات اور ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیپ رکارڈر، اور الکٹرانکس کی ایجادات کے اس دور میں یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ زمین اپنے حالات کیسے بیان کرے گی؟ انسان جو کچھ بولتا ہے اس کے نقوش ریڈیائی لہروں میں، ہوا اور فضا میں، اور در و دیواروں پر نقش ہیں، انسان نے زمین پر جہاں جس حالت میں بھی کوئی کام کیا ہے اس کی ایک ایک

حرکت کا عکس، اس کے گردوپیش کی تمام چیزوں پر پڑا ہے، اس کی تصویریں ان پر نقش ہو چکی ہیں، گھپ اندھیرے میں بھی اگر کوئی عمل کیا ہے تو خدا کی خدائی میں ایسی شعائیں موجود ہیں جن کے لئے اندھیرا اجالا کوئی معنی نہیں رکھتا، آج جب کہ تاریکی میں دیکھنے والے چشمے ایجاد کئے جا چکے ہیں تو خدائی شعاؤں کے موجود ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ یہ ساری تصویریں قیامت کے دن متحرک فلم کی شکل میں دکھائی جائیں گی۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی، ہیرے جواہر غرضیکہ ہر قسم کی دولت کے ڈھیر کے ڈھیر باہر نکال کر جمع کر دے گی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمین اپنے جگر کے ٹکڑے سونے کو بڑی چٹانوں کی شکل میں اگل دے گی، اس وقت ایک شخص جس نے مال کے لئے کسی کو قتل کیا تھا وہ دیکھ کر کہے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کے لئے میں نے اتنا بڑا جرم کیا تھا، جس شخص نے اپنے رشتہ داروں سے مال کی وجہ سے قطع تعلق کیا تھا وہ کہے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کے لئے میں نے یہ حرکت کی تھی، چور جس کا ہاتھ چوری کی سزا میں کاٹا گیا تھا اس کو دیکھ کر کہے گا کہ اس کے لئے میں نے اپنا ہاتھ گنوایا تھا، اور پھر کوئی بھی اس سونے کی طرف التفات نہ کرے گا۔ (معارف، رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

تمت

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْعٰدِيَاتِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اِحْدٰى عَشَرَةَ آيَةً.

سورۂ عادیات مکی یا مدنی ہے، گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالْعٰدِيٰتِ الخَيْلِ تَعْدُوْ فِي الغَزْوِ وتَضْبَحُ ضَبْحًا ① هُوَ صَوْتُ اَجْوَافِهَا اِذَا عَدَتْ فَالْمُوْرِيٰتِ الخَيْلِ تُوْرِى النَّارَ قَدْحًا ② بِحَوَافِرِهَا اِذَا سَارَتْ فِي الْاَرْضِ ذَاتِ الحِجَارَةِ بِاللَّيْلِ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ③ الخَيْلِ تُغِيْرُ عَلَى العَدُوِّ وَقْتَ الصُّبْحِ بِاِغَارَةِ اَصْحَابِهَا فَاَثَرْنَ هَيَّجْنَ بِهٖ بِمَكَانِ عَدْوِهِنَّ او بِذٰلِكَ الوَقْتِ نَقْعًا ④ غُبَارًا بِشِدَّةِ حَرَكَتِهِنَّ فَوَسَطْنَ بِهٖ بِالنَّقْعِ جَمْعًا ⑤ مِنَ العَدُوِّ اى صِرْنَ وَسْطَهٗ وعَطْفُ الفِعْلِ عَلَى الاِسْمِ لِاَنَّهٗ فِي تَاوِيْلِ الفِعْلِ اى واللَّاتِي عَدَوْنَ فَاَوْرَيْنَ فَاَغَرْنَ اِنَّ الْاِنْسَانَ اى الكَافِرَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ⑥ لَكَفُوْرٌ يَجْحَدُ نِعْمَةَ تَعَالٰى وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ اى كُنُوْدِهٖ لَشَهِيْدٌ ⑦ يَشْهَدُ عَلٰى نَفْسِهٖ بِصُنْعِهٖ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ اى المَالِ لَشَدِيْدٌ ⑧ اى لَشَدِيْدُ الحُبِّ لَهٗ فَيَبْخَلُ بِهٖ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ اُثِيْرَ واُخْرِجَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ⑨ مِنَ المَوْتٰى اى بُعِثُوْا وَحُصِّلَ بُيِّنَ واُفْرِزَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ⑩ القُلُوْبِ مِنَ الكُفْرِ والاِيْمَانِ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ⑪ لَعَالِمٌ فَيُجَازِيْهِمْ عَلٰى كُفْرِهِمْ اُعِيْدَ الضَّمِيْرُ جَمْعًا نَظْرًا لِمَعْنَى الاِنْسَانِ وهٰذِهِ الجُمْلَةُ دَلَّتْ عَلٰى مَفْعُوْلِ يَعْلَمُ اى اِنَّا نُجَازِيْهِ وَقْتَ مَا ذُكِرَ وتَعَلُّقُ خَبِيْرٍ، بِيَوْمَئِذٍ وهو تَعَالٰى خَبِيْرٌ دَائِمًا لِاَنَّهٗ يَوْمُ المُجَازَاةِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قسم ہے ان گھوڑوں کی جو جہاد میں پھنکارتے ہوئے (ہانپتے ہوئے) دوڑتے ہیں، ضَبْح جوف (پیٹ) کی اس آواز کو کہتے ہیں جو دوڑتے وقت نکلتی ہے، پھر ان گھوڑوں کی جو ٹاپوں سے چنگاریاں جھاڑتے ہیں پھر ان گھوڑوں کی جو صبح سویرے دشمن پر شب خون مارتے ہیں، اپنے سوار کے شب خون مارنے سے پھر اس موقع پر یعنی اپنے دوڑنے کی جگہ یا اس وقت اپنی شدید حرکت کی وجہ سے غبار

اڑاتے ہیں پھر اسی غبار میں دشمن کے مجمع میں گھس جاتے ہیں یعنی ان کے وسط تک پہنچ جاتے ہیں، اور فعل کا عطف اسم پر اس لئے درست ہے کہ اسم فعل کی تاویل میں ہے، یعنی معنی میں وَاللَّاتی عَدَوْنَ، فَاَوْرَیْنَ فَاَغَرْنَ کے ہے حقیقت یہ ہے کہ کافر انسان اپنے رب کی نعمتوں کا انکار کر کے بڑا ناشکرا ہے اور وہ خود اس اپنی ناشکری پر گواہ ہے کہ وہ اپنے عمل سے اپنے نفس پر گواہ ہے اور وہ مال کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے یعنی وہ مال سے بے حد محبت رکھنے والا ہے جس کی وجہ سے وہ اس (کے خرچ کرنے) میں بخل کرتا ہے تو کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا کہ جب قبروں میں مدفون مردوں کو نکالا جائے گا؟ اور دلوں میں جو کفر و ایمان (مخفی) ہے اس کو برآمد کر لیا جائے گا، یعنی ظاہر اور عیاں کر دیا جائے گا، ان کا رب اس روز ان سے خوب باخبر ہوگا پھر ان کو ان کے کفر کی سزا دے گا، (هُمْ) ضمیر کو انسان کے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے جمع لایا گیا ہے اور یہ جملہ یَعْلَمُ کے مفعول پر دلالت کرتا ہے یعنی ہم انسان کو مذکورہ وقت میں جزاء دیں گے، اور خبیرٌ کا تعلق یومئذٍ سے ہے؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ باخبر ہے اس لئے کہ وہ صلہ دینے کا دن ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: والعٰدِیٰت، عَادِيَةٌ کی جمع ہے تیز دوڑنے والیاں، یہ عَدْوٌ سے مشتق ہے جس کے معنی تجاوز کرنے اور تیز دوڑنے کے ہیں، واو کے ماقبل کسرہ ہونے کی وجہ سے واؤ کو یاء سے بدل دیا ہے؛ چنانچہ عَدْوٌ سے عادیاتٌ ہو گیا، جیسا کہ غَزْوٌ سے غازیات. (لغات القرآن)

قولہ: ضَبْحًا (ف) یہ ضَبَحَ یَضْبَحُ کا مصدر ہے، گھوڑوں کے دوڑنے کے وقت ہانپنا، پھنکار مارنا، مفسر علام کا ضَبْحًا سے پہلے تَضْبَحُ کا اضافہ کرنا یہ بتانے کے لئے ہے کہ ضبحًا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: المُوْرِیَات، مُوْرِيَةٌ سے اسم فاعل جمع مؤنث ہے، یہ اِیْرَاءٌ سے مشتق ہے، آگ روشن کرنے والے، اِیراء (افعال) آگ نکالنا، مراد وہ گھوڑے ہیں جو پتھریلی زمین پر چلتے ہیں، تو ان کی ٹاپوں کی رگڑ سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔

قولہ: قَدْحًا (ف) قَدَحَ کا مصدر ہے، پتھر پر پتھر مار کر آگ نکالنا، قَدَحَ الزَّنْدَ چقماق رگڑ کر آگ نکالی، قَدْحًا بھی ضَبْحًا کی طرح فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، ای یَقْدَحُ قَدْحًا.

قولہ: فَالْمُغِیْرَاتِ صُبْحًا صبح کے وقت شب خون مارنے والے، غارت گری کرنے والے وبالفارسیہ، پس قسم باسپانِ غارت کنندہ بوقت صبح، اَلْمُغِیْرَاتِ اسم فاعل جمع مؤنث، واحد المغیرة، مصدر اِغارة، لوٹنا، چھاپہ مارنا، مراد چھاپہ مار دستے ہیں۔

قولہ: فَاَثَرْنَ (ض ن) ماضی صیغہ جمع مؤنث غائب، یہ اِثَارَةٌ سے ہے، بمعنی برانگیختہ کرنا، اڑانا۔

قولہ: فَوَسَطْنَ بِهٖ، بِهٖ ای ذالك الوقت.

سُؤَال: فَاَثَرْنَ اور فَوَسَطْنَ کا عطف وَالْعٰدِيٰت، فالموريٰت، فَالْمُغِيرات پر ہے، اس میں معطوف علیہ اسماء ہیں اور معطوف افعال ہیں جو درست نہیں ہے؟

جَوَاب: ماقبل میں مذکور تینوں اسماء تاویل میں افعال کے ہیں، اس لئے کہ موصول کا صلہ واقع ہیں، جیسا کہ مفسر علام نے والـلاتـی عَدَون کہہ کر اشارہ کردیا ہے، وَالْعٰدِيٰت معنی میں الـلاتـی عَدَوْنَ کے ہیں، هـكـذا الـمُـوريٰت اور فالمغيرات.

قَوْلُهٗ: وهذه الجملة دَلَّت على مفعول يَعْلَمُ اس جملہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب ہے کہ يَعْلَمُ فعل متعدی ہے جس کے لئے مفعول کا ہونا ضروری ہے، مگر یہاں اس کا مفعول نہیں ہے؟

جَوَاب: يَعْلَمُ کا مفعول محذوف ہے اور حذف پر جملہ اِنَّ رَبَّهُـمْ بهم يومئذٍ لخَبير دلالت کررہا ہے، اور مفعولِ محذوف انا نُجازِيْهِ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: افلا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى القُبُوْرِ وَحُصِّلَ مَا فى الصدور انا نُجازِيْهِ.

قَوْلُهٗ: حُصِّلَ یہ تحصیل سے ہے جس کے معنی چھلکے سے مغز یا خوشے سے غلہ نکالنے کے ہیں۔

قَوْلُهٗ: تَعلق خَبِيْرٍ بِيَوْمَئِذٍ یہ ایک سوال مقدار کا جواب ہے؟

سُؤَال: سوال یہ ہے کہ يَوْمَئِذٍ لخبير کیوں کہا جب کہ اللہ تعالیٰ ہر زمان و مکان سے باخبر ہے؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روز ہر شخص کو اس کے ہر عمل کی جزا دیں گے اور ظاہر ہے کہ جزا علم کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور اس سے اللہ تعالیٰ کے عمومی علم کی نفی نہیں ہوتی۔

تَفسیر وتشریح

اس سورت میں پانچ صفات کی قسم کھا کر ایک بات کہی گئی ہے اور وہ ہے (اِنَّ الاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ) بلاشبہ انسان بڑا ناشکرا ہے، مذکورہ پانچ صفات کا قرآن مجید میں موصوف بیان نہیں کیا گیا؛ اس لئے مقسم بہ میں مفسرین کا اختلاف ہوا ہے کہ دوڑنے والوں اور آگ جھاڑنے والوں، شب خون مارنے والوں، غبار اڑانے والوں اور مجمع میں داخل ہونے والوں سے کیا مراد ہے؟ صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور تابعین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ مذکورہ صفات کے موصوفات گھوڑے ہیں، اور ایک دوسری جماعت اس طرف گئی ہے کہ اونٹ مراد ہیں، مگر دوڑتے ہوئے ایک خاص قسم کی آواز نکالنا جس کو عربی میں ضبحٌ کہتے ہیں وہ گھوڑا ہی نکالتا ہے، اور بعد کی آیات بھی جن میں چنگاریاں جھاڑنے، صبح سویرے چھاپہ مارنے کا ذکر ہے یہ بات بھی گھوڑوں ہی پر صادق آتی ہے؛ اس لئے اکثر محققین نے ان سے مراد گھوڑے ہی لئے ہیں، ابن جریر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں قولوں میں گھوڑوں والا قول قابل ترجیح ہے۔

یہاں جنگی گھوڑوں کی سخت خدمات کا ذکر گویا اس بات کی شہادت میں لایا گیا ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے، تشریح اس کی یہ ہے کہ گھوڑوں کے اور بالخصوص جنگی گھوڑوں کے حالات پر نظر ڈالئے کہ وہ میدان جنگ میں اپنی جان کو خطرہ میں

ڈال کر کیسی کیسی سخت خدمات، انسان کے حکم واشارہ کے تابع انجام دیتے ہیں؛ حالاں کہ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا، ان کو جو گھاس دانہ انسان دیتا ہے وہ بھی اس کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے، اس کا کام صرف اتنا ہے کہ خدا کے پیدا کئے ہوئے رزق کو ان تک پہنچانے کا ایک واسطہ ہے، اب گھوڑوں کو دیکھئے کہ انسان کے اتنے سے احسان کو کیسا پہچانتا ہے کہ اس کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے، اس کے بالمقابل انسان کو دیکھو کہ ایک حقیر قطرہ سے اللہ نے اس کو پیدا کیا اور اس کو مختلف کاموں کی صلاحیت بخشی، عقل وشعور بخشا، نیز اس کی تمام ضروریات کو کس قدر آسان کر کے اس تک پہنچا دیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، مگر انسان ان احسانات کا شکر گذار نہیں ہوتا، اسی مناسبت سے گھوڑوں کی قسم کھا کر فرمایا کہ بلاشبہ انسان ناشکرا ہے۔

مذکورہ آیت میں جہادی گھوڑوں کی قسم کھا کر دو باتیں کہی گئی ہیں: ایک یہ کہ انسان ناشکرا ہے، مصیبتوں اور تکلیفوں کو یاد رکھتا ہے، نعمتوں اور احسانات کو بھول جاتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ مال کی محبت میں شدید ہے، یہ دونوں باتیں شرعاً اور عقلاً مذموم ہیں، ناشکری کا مذموم ہونا تو بالکل ظاہر ہے، مال کی محبت کو بھی مذموم قرار دیا گیا ہے؛ حالانکہ مال پر انسانی بہت سی ضروریات کا مدار ہے، بہت سی عبادات کا تعلق مال ہی سے ہے، مال کے کسب اور اکتساب کو شریعت نے نہ صرف یہ کہ حلال کیا ہے؛ بلکہ بقدر ضرورت فرض قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً مال کی محبت مذموم نہیں ہے؛ بلکہ شدت کے وصف کے ساتھ مذموم ہے کہ انسان مال کی محبت میں ایسا مغلوب ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہو جائے اور حلال وحرام کی پرواہ نہ رہے، حاصل یہ ہوا کہ مال کو بقدر ضرورت حاصل کرنا اور اس سے کام لینا تو امر محمود ہے؛ مگر دل میں اس کی محبت کا جاگزیں ہو جانا مذموم ہے۔

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ثمانُ اٰياتٍ.

سورۂ القارعہ مکی ہے، آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **اَلْقَارِعَةُ** ① اى القِيامَةُ الَّتِى تَقرَعُ القُلُوبَ باَهْوالِها **مَا الْقَارِعَةُ** ② تَهْوِيلٌ لِشانِها وهُما مُبْتَدأٌ وخَبرٌ خَبرِ القارِعَةِ **وَمَآ اَدْرٰىكَ** اَعْلَمكَ **مَا الْقَارِعَةُ** ③ زِيادَةُ تَهْوِيلٍ لَها ومَا الأُولى مُبْتَدأٌ وما بَعدَها خَبرُهُ ومَا الثّانِيَةُ وخَبرُها فِي مَحلِّ المَفعُولِ الثّانِي لِاَدرى **يَوْمَ** ناصِبُهُ دَلَّ عَلَيْهِ القارِعَةُ اى تَقرَعُ **يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ** ④ كَغَوغاءِ الجَرادِ المُنْتَشِرِ يَمُوجُ بَعضُهُم فِي بَعضٍ لِلحَيرَةِ اِلى اَنْ يُدْعَوْا لِلحِسابِ **وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ** ⑤ كالصُّوفِ المَنْدُوفِ فِي خِفَّةِ سَيْرِها حَتّى تَسْتَوِيَ مَعَ الاَرضِ **فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ** ⑥ بِاَنْ رَجَحَتْ حَسَناتُهُ عَلى سَيِّاتِهِ **فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ** ⑦ فِي الجَنَّةِ اى ذاتِ رِضًا بِاَنْ يَرضاها اى مَرْضِيَّةٍ له **وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ** ⑧ بِاَنْ رَجَحَتْ سَيِّاتُهُ عَلى حَسَناتِهِ **فَاُمُّهٗ** فَمَسْكَنُهُ **هَاوِيَةٌ** ⑨ **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ** ⑩ اى ما هاوِيَةٌ هِيَ **نَارٌ حَامِيَةٌ** ⑪ شَدِيدَةُ الحَرارَةِ وهاءُ هِيَهْ لِلسَّكتِ تَثبُتُ وَصلًا و وَقفًا وفِي قِراءَةٍ تُحذَفُ وَصلًا.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، وہ کھڑکھڑانے والی یعنی قیامت جو کہ دلوں کو اپنی ہولناکی سے کھڑکھڑادے گی کیا ہے وہ کھڑکھڑادینے والی؟ (یہ استفہام) قیامت کی ہولناکی کی شان کو بیان کرنے کے لئے ہے، (مَا الْقَارِعَةُ) مبتداء خبر ہیں، اور مبتداء خبر سے مل کر القارِعَةُ کی خبر ہے اور تم کیا جانو کہ وہ کھڑکھڑادینے والی کیا ہے؟ یہ قیامت کی مزید ہولناکی کا بیان ہے، (مَا اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ میں) پہلا مَا مبتداء ہے اور اس کا مابعد یعنی اَدْرٰكَ اپنے دونوں مفعولوں سے مل کر مبتداء کی خبر ہے، ادری کا مفعول اول كَ ہے اور مَا القَارِعَةُ مبتداء خبر سے مل کر مفعول ثانی ہے، جس دن انسان پریشان پروانوں کی طرح ہوجائیں گے یَوْمَ کا ناصب وہ ہے جس پر القارعة دلالت کرتا ہے یعنی تَقْرَعُ،

یعنی ٹڈی کے منتشر بچے جو حیرانی کی وجہ سے ایک دوسرے پر چڑھ جائیں، یہاں تک کہ وہ حساب کے لئے بلائے جائیں، اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کے مانند ہوں گے یعنی تیز رفتاری میں دھنی ہوئی اون کے مانند ہوں گے؛ یہاں تک کہ زمین کے ہم سطح ہو جائیں گے، پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے بایں طور کہ اس کی حسنات زیادہ ہوں گی بہ نسبت سیئات کے تو وہ ہنسی خوشی کی زندگی میں ہوں گے، رضا وخوشنودی کی جنت میں، بایں طور کہ وہ اس سے خوش ہوں گے یعنی اس کی رضا کے مطابق ہوں گی، اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے بایں طور کہ اس کی سیئات زیادہ ہوں گی بہ نسبت اس کی حسنات کے، تو اس کا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا، تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے؟ یعنی ھاویہ کیا ہے؟ وہ نہایت سخت گرم آگ ہے، اور ھِیَهْ کی ھا وقف کے لئے ہے جو کہ وقفاً اور وصلاً باقی رہتی ہے اور ایک قراءت میں وصلاً حذف کردی جاتی ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَهُ: ما القارعة زیادة تَهْوِیل لها، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ استفہام بعد الاستفہام سے قیامت کی زیادتیٔ ہولناکی کو بیان کرنا ہے اور مَا الْاُوْلٰی مبتدا الخ کے اضافہ کا مقصد القَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ کی ترکیب نحوی بیان کرنا ہے، ترکیب کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلا مَا مبتداء ہے، اَدْرٰی فعل ماضی متعدی بدو مفعول ہے، كَ مفعول اول ہے اور مَا الْقَارِعَة مبتدا خبر سے مل کر اَدْرٰی کا مفعول ثانی ہے، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر مَا مبتدا کی خبر ہے۔

قِوْلَهُ: یَوْمَ ناصبه الخ، یومَ کا ناصب تَفْزَعُ فعل محذوف ہے؛ جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کرکے بتادیا ہے، اور لفظ اَلْقَارِعَة اس حذف پر دلالت کر رہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، تَفْزَعُ القلوبَ یومَ یکون الناس کالْفَراش المبثوثِ، یَوْمَ کا ناصب یَفْزَعُ محذوف ماننے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ یَوْمَ میں نہ تو اَلْقَارِعَة اول عامل ہوسکتا ہے اور نہ ثانی اور ثالث، اول تو اس لئے نہیں ہوسکتا کہ عامل ومعمول کے درمیان خبر کا فصل لازم آتا ہے، اور ثانی وثالث اس لئے نہیں ہوسکتا کہ یَوْمَ کا معنی کے اعتبار سے ان سے کوئی جوڑ نہیں ہے۔

قِوْلَهُ: اَلْفَراش، یہ فَراشَةٌ کی جمع ہے پروانے کو کہتے ہیں یہاں اسم جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی صفت المبثوث لائی گئی ہے، صاحب جلالین نے الفَرَاش کا ترجمہ غَوْغَاءُ الْجَراد سے کیا ہے، غَوْغاء ٹڈی کے اس بچہ کو کہتے ہیں، جو اُڑنے کے قابل ہوگیا ہو۔

قِوْلَهُ: المنتشر بمعنی پراگندہ، بے ترتیب، قیامت کے روز حیرانی اور پریشانی کی وجہ سے انسان پراگندہ اور بے ترتیب چلیں گے، اسی حیرانی اور پریشانی کو ظاہر کرنے کے لئے انسانوں کو جرادِ منتشر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

قِوْلَهُ: المنفوش یہ نَفْشٌ (ض س ن) سے اسم مفعول ہے بمعنی دُھنا ہوا۔

قِوْلَهُ: ذات رِضًا کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ راضیة بمعنی مرضیة ہے، علم معانی کی زبان میں اس کو

اسنادمجازی کہتے ہیں، ای عیشة مرضِیَةٍ اس لئے کہ عیش راضی یعنی پسند کرنے والانہیں ہوتا؛ بلکہ مرضیة یعنی پسندیدہ ہوتا ہے۔

قِوْلَہٗ: ای مَا هَاوِيَه اس عبارت کے اضافہ کا مقصد مَاهِيَهْ کا مرجع متعین کرنا ہے۔

قِوْلَہٗ: فَمَسْكَنُهٗ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُمٌّ سے مرادبطور تشبیہ مسکن اور ٹھکانہ ہے اس لئے کہ (ماں) بچے کے لئے ٹھکانہ ہوتی ہے۔

تَفْسِيْر وَتَشْرِيح

اَلْقَارعة یہ قیامت کے متعدد ناموں میں سے ایک نام ہے، قیامت کے متعدد نام ماقبل میں گذر چکے ہیں، مثلاً الحآقة، الطّآمّة، الصّآخة، الغاشية، السّاعة، الواقعة وغیرہ، یہاں اَلْقَارِعة کالفظ استعمال ہوا ہے، اس کے اصلی معنی کھڑ کھڑانے والی، ٹھونکنے والی کے ہیں، اس لغوی معنی کے اعتبار سے قارعة کے معنی کسی ہولناک حادثے یا کسی بڑی بھاری آفت کے بھی لئے جاسکتے ہیں، مثلاً عرب بولتے ہیں: "قَرعت القارعةُ" یعنی فلاں قوم یا قبیلہ پر سخت آفت آگئی، لیکن یہاں القارعة کالفظ قیامت کے لئے استعمال ہوا ہے، یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہاں قیامت کے پہلے مرحلے سے لے کر عذاب وثواب کے آخری مرحلے یعنی پورے عالم آخرت کا ذکر ہے۔

القارعة سے كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْش تک پہلے مرحلے کا ذکر ہے یعنی جب وہ حادثۂ عظیمہ برپا ہوگا جس کے نتیجے میں دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا، اس وقت لوگ گھبراہٹ کی حالت میں اس طرح بھاگے بھاگے پھریں گے جیسے روشنی پر پروانے ہر طرف پراگندہ ومنتشر ہوتے ہیں، اور پہاڑ رنگ برنگ کی دھنی ہوئی اون کے مانند اس لئے ہوں گے کہ خود پہاڑ مختلف رنگ کے ہوتے ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ یہاں سے قیامت کے دوسرے مرحلے کا ذکر ہے کہ جب دوبارہ زندہ ہوکر انسان اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں گے۔

وزن اعمال کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب:

قرآن مجید میں بروز قیامت وزن اعمال کا مسئلہ بہت سی آیات میں مختلف عنوانوں سے آیا ہے اور روایات حدیث میں اس کی تفصیلات بے شمار ہیں، وزن اعمال کے متعلق جو تفصیلی بیان آپ ﷺ کی احادیث میں آیا ہے، اس میں ایک بات تو یہ قابل غور ہے کہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ محشر کی میزان عدل میں سب سے بھاری وزن کلمۂ "لا اِلٰهَ الا اللّٰه محمد رسول الله" کا ہوگا۔

ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ محشر میں میری امت کا ایک آدمی ساری مخلوق کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے ننانوے اعمال نامے لائے جائیں گے اور ان میں سے ہر اعمال نامہ اتنا طویل ہوگا جہاں تک اس کی نظر پہنچے گی، اور یہ اعمال نامے برائیوں سے لبریز ہوں گے، اس شخص سے پوچھا جائے گا کہ ان نامہائے اعمال میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے یا نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں نے تم پر کچھ ظلم کیا ہے؟ اور خلاف واقعہ کوئی بات لکھ دی ہے؟ وہ اقرار کرے گا کہ اے میرے پروردگار! جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے، اور وہ گھبرائے گا کہ میری نجات کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اس وقت حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا، ان تمام گناہوں کے مقابلہ میں تمہاری ایک نیکی کا پرچہ بھی ہمارے پاس موجود ہے جس میں تمہارا کلمۂ ''اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہ'' لکھا ہوا ہے، وہ عرض کرے گا، اے پروردگار! اتنے بڑے سیاہ نامۂ اعمال کے مقابلہ میں یہ چھوٹا سا پرچہ کیا وزن رکھے گا، اس وقت ارشاد ہوگا کہ تم پر ظلم نہیں ہوگا اور ایک پلہ میں وہ تمام سیاہ نامۂ اعمال رکھے جائیں گے اور دوسرے میں یہ کلمۂ ایمان کا پرچہ رکھا جائے گا تو اس کلمہ کا پرچہ بھاری ہو جائے گا، اس واقعہ کو بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔ (معارف، مظھری)

مسند بزار، مسند حاکم میں حضرت ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت نوحؑ کی وفات کا وقت آیا تو اپنے لڑکوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تمہیں کلمہ ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' کی وصیت کرتا ہوں؛ کیونکہ اگر ساتوں آسمان اور زمین ایک پلہ میں اور کلمہ ''لا الہ الا اللّٰہ'' دوسرے پلہ میں رکھ دیا جائے تو کلمہ کا پلہ بھاری ہو جائے گا، اسی مضمون کی روایتیں حضرت ابوسعید خدری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا وغیرہم سے معتبر سندوں کے ساتھ منقول ہیں۔ (مظھری)

ان روایات کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ مؤمن کی نیکیوں کا پلہ ہمیشہ بھاری ہی رہے گا خواہ کتنے ہی گناہ کرلے، لیکن قرآن مجید کی دوسری آیات اور بہت سی روایات حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کی حسنات سیئات کو تولا جائے گا، کسی کی حسنات کا پلہ بھاری ہوگا اور کسی کی سیئات کا، جس کی حسنات کا پلہ بھاری رہے گا وہ نجات پائے گا، اور جس کی سیئات کا پلہ بھاری رہے گا اسے جہنم رسید کیا جائے گا۔

مثلاً قرآن مجید کی ایک آیت میں ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ.

تَرْجَمَہ: یعنی ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو قائم کریں گے اس لئے کسی شخص پر ظلم نہیں ہوگا، جو بھلائی یا برائی ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی نے کی ہوگی وہ سب میزان عمل میں رکھی جائے گی اور ہم حساب کے لئے کافی ہیں۔

دوسری آیت: یہی سورۂ قارعة کی ہے:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَة. وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَة.

ترجمہ: یعنی جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ عمدہ عیش میں رہے گا اور جس کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا مقام دوزخ ہوگا۔

ابوداؤد میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ منقول ہے کہ اگر کسی بندہ کے فرائض میں کوئی کمی پائی جائے گی تو رب العالمین کا ارشاد ہوگا کہ دیکھو اس بندے کے کچھ نوافل بھی ہیں یا نہیں؟ اگر نوافل موجود ہیں تو فرائض کی کمی کو نفلوں سے پورا کر دیا جائے۔ (مظهری)

ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن کا پلہ کبھی بھاری اور کبھی ہلکا ہوگا، اس لئے بعض علماء تفسیر نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں وزن دو مرتبہ ہوگا اول کفر و ایمان کا وزن ہوگا جس کے ذریعہ مؤمن، کافر میں امتیاز ہوگا، پھر دوسرا وزن نیک و بد اعمال کا ہوگا، اس میں کسی مسلمان کی نیکیاں اور کسی کی بدیاں بھاری ہوں گی، اور اسی کے مطابق اس کو جزاء و سزا ملے گی، اس طرح تمام آیات اور روایات کا مضمون اپنی جگہ درست اور مربوط ہو جاتا ہے۔ (بیان القرآن)

جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ انسان کے اعمال کا وزن دو مرتبہ ہوگا اس سورت میں بظاہر وہ پہلا وزن مراد ہے جس میں ہر مؤمن کا ایمان کی وجہ سے پلہ بھاری رہے گا خواہ اس کا عمل کیسا بھی ہو، نیز مذکورہ آیات اور روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال تولے جائیں گے، گنے نہیں جائیں گے اور عمل کا وزن بقدر اخلاص ہوگا۔

اب رہا یہ شبہ کہ اعمال تو اعراض ہوتے ہیں اور کرنے کے بعد فنا ہو جاتے ہیں، پھر ان کے وزن کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ وزن تو جوہر کا ہوتا ہے نہ کہ عرض کا تو اس ترقی یافتہ دور میں اس شبہ کے کوئی معنی نہیں ہیں، سائنسی نئی نئی ایجادات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اعراض فنا نہیں ہوتے؛ بلکہ جوہر کی طرح باقی رہتے ہیں نیز اعراض کو تولنے اور ناپنے کے مختلف آلات ایجاد کر لئے گئے ہیں، جن کا رات دن مشاہدہ ہوتا ہے، گرمی سردی ناپنے کے آلے، گیس اور بجلی ناپنے کے میٹر، تو یہ بات خدا کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ ایسے آلے ایجاد فرما دے جن سے اعمال و اقوال کا وزن کیا جا سکے۔

تمت

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ ثمانُ اياتٍ.

سورهٔ تکاثر مکی ہے، آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **اَلْهٰكُمُ** شَغَلَكُمْ عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ **التَّكَاثُرُ ①** التَفاخُرُ بِالاَمْوَالِ والاَوْلادِ والرِّجَالِ **حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ②** بِاَنْ مُتُّمْ فَدُفِنْتُمْ فيها اَوْ عَدَدْتُمُ المَوْتٰى تَكَاثُرًا **كَلَّا** رَدْعٌ **سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ③ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ④** سُوْءَ عَاقِبَةِ تَفَاخُرِكُمْ عِنْدَ النَّزْعِ ثُمَّ فِي القَبْرِ **كَلَّا** حَقًّا **لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ⑤** اى عِلْمًا يَقِيْنًا عَاقِبَةَ التَّفَاخُرِ مَا اشْتَغَلْتُم بِه **لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ⑥** النَّارَ جَوَابُ قَسَمٍ مَحْذُوْفٍ وَحُذِفَ مِنْهُ لامُ الفِعْلِ وعَيْنُهُ وَاُلْقِيَ حَرْكَتُها على الرَّاءِ **ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا** تَاكِيدٌ **عَيْنَ الْيَقِيْنِ ⑦** مَصْدَرٌ لِاَنَّ رأىٰ وعَايَنَ بِمَعْنًى وَاحِدٍ **ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ** حُذِفَ مِنْهُ نُونُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي النُّونَاتِ وواوُ الضَّمِيرِ الجَمْعِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ **يَوْمَئِذٍ** يَوْمَ رُؤْيَتِها **عَنِ النَّعِيْمِ ⑧** مَا يُلْتَذُّ بِه فِي الدُّنيا مِنَ الصِّحَّةِ والفَرَاغِ والاَمْنِ والمَطْعَمِ والمَشْرَبِ وغيرِ ذٰلك.

ع ١ / ٤٨ / ٢٧

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، مال واولاد اور افرادِ رجال کی کثرت پر فخر مباہات نے تم کو اللہ کی طاعت سے غافل کردیا یہاں تک کہ تم لب گور پہنچ گئے بایں طور کہ تم مرگئے اور قبروں میں تم دفن کر دیئے گئے یا کثرت ثابت کرنے کے لئے مردوں کو بھی تم نے شمار کرلیا، ہرگز نہیں، یہ حرف ردع ہے عنقریب تم کو معلوم ہوجائے گا، پھر ہرگز نہیں تم کو اپنے تفاخر کا انجام بد نزع کے وقت پھر قبر میں عنقریب معلوم ہوجائے گا، یہ امرِ واقعہ ہے اگر تم تفاخر کے انجام کو علم یقینی کے طور پر جان لیتے، تو تم اس میں مشغول نہ ہوتے، تو تم بے شک جہنم کو دیکھ کر رہو گے یہ قسم محذوف کا جواب ہے (لَتَرَوُنَّ) سے لام (جو کہ یاء ہے) اور عین کلمہ (جو کہ ہمزہ ہے) حذف کردیا گیا اور ہمزہ کی حرکت راء کو دے دی گئی، اور پھر تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لوگے (عَيْنَ) لَتَرَوُنَّ کا مصدر (بغیر لفظہٖ) ہے اس لئے کہ رأیٰ اور عَايَنَ ایک ہی معنی میں ہے

(عَینٌ رُؤْیَۃٌ کے معنی میں ہے) پھر اس کو دیکھنے کے دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا وہ نعمتیں کہ جن سے تم دنیا میں لذت اندوز ہوتے ہو جو کہ صحت، فارغ البالی، امن اور ماکولات و مشروبات وغیرہ ہیں، (لَتُسْئَلُنَّ) سے نون رفع (تین) نونوں کے مسلسل آنے کی وجہ سے حذف کردیا گیا اور ضمیر جمع کا واؤ التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کردیا گیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: اَلْھٰکُمْ، اِلْھَاءٌ سے ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، تم کو غافل کردیا۔

قَوْلَہٗ: تکاثُرْ (تفاعل) کا مصدر ہے، مال و اولاد، نیز عزت و جاہ کی کثرت میں ایک دوسرے پر فخر کرنا۔

قَوْلَہٗ: اَوْعَدَدْتُمْ یہ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ کی دوسری تفسیر ہے۔

قَوْلَہٗ: عَاقِبَةَ التَفَاخر اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ تَعْلَمُوْنَ کا مفعول محذوف ہے اور وہ عاقبة التفاخر ہے۔

قَوْلَہٗ: مَا اَشْغَلْتُمْ بِہٖ یہ لَوْ کا جواب ہے۔

قَوْلَہٗ: جواب قسم محذوف یعنی لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ یہ قسم محذوف کا جواب ہے، ای وَاللّٰہ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ.

سُوَال: لَتَرَوُنَّ کو لَوْ کا جواب قرار دینے میں کیا قباحت ہے کہ اس کا جواب محذوف مانا؟

جَوَاب: لَوْ کا جواب غیر یقینی الوقوع ہوتا ہے اور یہ یقینی الوقوع ہے؛ لہٰذا یہ لَوْ کا جواب نہیں ہوسکتا۔

قَوْلَہٗ: حُذِف منه لام الفعل وعَیْنُه وَاُلْقِیَ حَرَکَتُهَا عَلَی الرَّاءِ، لَتَرَوُنَّ اصل میں لَتَرْأَیُوْنَ بروزن لَتَفْعلون تھا، لام کلمہ جو کہ یاء ہے اور عین کلمہ جو کہ ہمزہ ہے حذف کردیئے گئے، یاء التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہوگئی، اس لئے کہ یاء متحرک ماقبل اس کے ہمزہ مفتوح یاء الف سے بدل گئی، واؤ اور یاء کے ساکن ہونے کی وجہ سے یاء حذف ہوگئی، پھر ہمزہ (جو کہ عین کلمہ ہے) کی حرکت راء (جو کہ فاکلمہ ہے) کو دیدی اور ہمزہ حذف ہوگیا، پھر اس پر نونِ تاکید مشدد داخل کردیا اور نون رفع تین نونوں کے جمع ہونے کی وجہ سے حذف ہوگیا اور واؤ کو اس کی مناسبت سے ضمہ دے دیا۔

سُوَال: واؤ کو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کیوں نہیں کیا؟

جَوَاب: اس لئے کہ اگر واؤ ضمیر کو حذف کردیتے تو فعل ہی مختل (نیست) ہوجاتا، اس لئے کہ عین کلمہ اور لام کلمہ تو پہلے ہی حذف کئے جاچکے ہیں، اب اگر واؤ کو بھی حذف کردیا جاتا تو باقی کیا رہ جاتا؟ اس لئے واؤ کو حذف نہیں کیا گیا۔

قَوْلَہٗ: ثم لَتُسْئَلُنَّ نعمتوں کے بارے میں یہ سوال عام ہے، مومن اور کافر دونوں سے سوال ہوگا، کافر سے توبیخ کے طور پر اور مومن سے تشریف اور اظہار فضیلت کے طور پر۔

قِوْلَهُ: حُذِفَ منه الخ تُسْئَلُنَّ کی اصل تُسْئَلُوْنَنَّ تھی، نون اعرابی تین نونوں کے جمع ہونے کی وجہ سے حذف ہوگیا، پھر التقاء ساکنین کی وجہ سے واؤ حذف ہوگیا اور واؤ کی جگہ بطور دلالت ضمہ رہ گیا۔

تفسیر وتشریح

سورۂ تکاثر کی فضیلت:

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص ایک ہزار آیتیں روزانہ نہیں پڑھ سکتا؟ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں کون پڑھ سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کوئی الهاکم التکاثر نہیں پڑھ سکتا؟ مطلب یہ کہ الهاکم التکاثر روزانہ پڑھنا ایک ہزار آیتیں پڑھنے کے برابر ہے۔

(مظہری، معارف)

اَلْهٰكُم التكاثر، اَلْهٰكُمْ، لَهْوٌ سے مشتق ہے، جس کے اصل معنی غفلت کے ہیں؛ لیکن عربی محاورہ میں اس شغل کے لئے بولا جاتا ہے، جس سے آدمی کی دلچسپی اتنی بڑھ جائے کہ وہ اس میں منہمک ہوکر دوسرے اہم ترین کاموں سے غافل ہو جائے، تکاثُرُ یہ کثرۃٌ سے ماخوذ ہے اور اس کے تین معنی ہیں: ایک یہ کہ آدمی زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے اور جمع کرنے کی کوشش کرے، دوسرے یہ کہ لوگ مال حاصل کرنے اور جمع کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں، تیسرے یہ کہ لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں کثرت مال واولاد میں تفاخر کریں، حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی تفسیر ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ کر فرمایا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ مال ناجائز طریقوں سے حاصل کیا جائے اور مال پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان کو ادا نہ کیا جائے۔ (قرطبی)

حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تم زندگی بھر تکاثر وتفاخر کے شغل میں مشغول رہے، جس کی وجہ سے آخرت کی فکر اور اس کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا، حتی کہ تمہاری موت کا وقت آگیا، اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم نے تفاخر کے طور پر اپنی کثرت کو ثابت کرنے کے لئے زندوں کو شمار کرتے کرتے مردوں کو بھی شمار کرنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے قبرستان میں جا کر قبروں کو بھی شمار کر ڈالا جو کہ ایک نہایت احمقانہ حرکت ہے۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ یہ سوال ان نعمتوں کے بارے میں ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں عطا کی ہوں گی جیسے آنکھ، کان، دل، دماغ، امن، صحت، مال دولت، اولاد وغیرہ، بعض حضرات نے کہا کہ یہ سوال کافروں سے ہوگا؛ مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ سوال مومن وکافر ہر ایک سے ہوگا اس لئے کہ محض سوال مستلزم عذاب نہیں ہے۔

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ وَالْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ اٰيَاتٍ.

سورۂ عصر مکی یا مدنی ہے، تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالْعَصْرِ ﴿١﴾ الدَّهْرِ وَمَا بَعْدَ الزَّوَالِ اِلَى الْغُرُوْبِ او صَلاةِ العَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ الجِنْسَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴿٢﴾ فِي تِجَارَتِهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَيْسُوْا فِي خُسْرَانٍ وَتَوَاصَوْا اَوْصٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِالْحَقِّ ۙ اى الاِيمانِ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾ عَلَى الطَّاعَةِ وعَنِ المَعْصِيَةِ.

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، زمانہ کی یا مابعد الزوال سے غروب تک کے زمانہ یا عصر کی نماز کی قسم بلاشبہ انسان اپنی تجارت میں بڑے خسارے میں ہے سوائے ان کے جو ایمان لائے او نیک عمل کئے اور ایک دوسرے کو حق کی یعنی ایمان کی نصیحت اور طاعت پر صبر اور معصیت سے اجتناب کی تلقین کرتے رہے، خسارے میں نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

مفسر علام نے الدّهر، او مابعد الزوال، او صلوة العصر، کہہ کر عصر کی تین تفسیروں کی طرف اشارہ کیا ہے او الانسان کے بعد لفظ جنس کا اضافہ کر کے بتادیا کہ الانسان میں الف لام جنس کا ہے اور اس کی تائید اِلَّا الَّذِيْنَ آمنو کے استثناء سے بھی ہوتی ہے، اور بعض مفسرین نے الف لام کو عہد کا لیا ہے، اور معین افراد مراد لئے ہیں، بعض نے ولید بن مغیر اور عاص بن وائل اور اسود بن المطلب اور بعض نے ابولہب مراد لیا ہے۔

سَوال: تَواصَوْا بالحقِ وتَواصَوْا بالصبرِ میں فعل کی تکرار سے کیا فائدہ ہے، عطف سے بھی کام چل سکتا تھا؟

جَواب: دونوں جگہ چونکہ مفعول مختلف ہیں؛ اس لئے فعل کو مکرر ذکر کیا ہے۔

سُؤال: تَوَاصِیْ بالحق تمام تواصی بالخیر کو شامل ہے تو پھر تواصی بالصبر کو کیوں مستقلاً ذکر فرمایا؟

جواب: تواصی بالصبر کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے مستقلاً ذکر فرمایا اور یہ ذکر خاص بعد العام کے قبیل سے ہے جیسا کہ حافظوا علی الصَّلَوٰتِ والصلوة الوسطی میں ہے۔

تَفسِیر وتَشریح

سورۃ العصر کی فضیلت:

حضرت عبید اللہ بن حصن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ کے صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ میں دو شخص ایسے تھے کہ جب وہ آپس میں ملتے تھے تو اس وقت تک جدا نہیں ہوتے تھے جب تک کہ ایک دوسرے کو سورۂ والعصر نہ سنا لیں۔ (طبرانی) اور امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ اگر لوگ صرف اسی سورت میں تدبر کر لیتے تو یہی ان کے لئے کافی تھی۔ (ابن کثیر، معارف) یہ سورت جامع اور مختصر کلام کا ایک بے نظیر نمونہ ہے اس کے اندر چند جچے تلے الفاظ میں معنی کی ایک دنیا بھر دی گئی ہے۔

اس سورت میں حق تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ نوع انسان بڑے خسارے میں ہے اور اس خسارے سے مستثنیٰ صرف وہ لوگ ہیں جو چار چیزوں پر عامل ہیں: ① ایمان ② عمل صالح ③ دوسروں کو حق کی نصیحت ④ اور صبر کی تلقین، دین و دنیا کے خسارے سے بچنے اور نفع عظیم حاصل کرنے کا یہ قرآنی نسخہ چار اجزاء سے مرکب ہے، جن میں پہلے دو اجزاء اپنی ذات کی اصلاح کے متعلق ہیں، اور دوسرے دو جز دوسروں کی ہدایت و اصلاح سے متعلق ہیں۔

سورت کے مضمون کے ساتھ زمانہ کی مناسبت:

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ اس مضمون کے ساتھ زمانہ کی کیا مناسبت ہے جس کی قسم کھائی گئی ہے کیونکہ قسم اور جواب قسم میں باہم مناسبت ضروری ہوتی ہے، تو یہ بات پہلے بھی بارہا گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سے کسی چیز کی قسم محض اس کی عظمت یا اس کے کمالات و عجائب کی بنا پر نہیں کھائی ہے؛ بلکہ اس بنا پر کھائی ہے کہ وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے جسے ثابت کرنا مقصود ہے، لہٰذا زمانہ کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ انسان بڑے خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جن میں یہ چار صفات پائی جائیں، زمانہ کا لفظ، ماضی، حال، مستقبل

تینوں زمانوں پر بولا جاتا ہے، حال کسی لمبے زمانہ کا نام نہیں ہے؛ بلکہ حال، ہر آن گذر کر ماضی بنتا چلا جاتا ہے اور ہر آن، آ کر مستقبل کو حال اور جا کر، ماضی بنا رہی ہے، یہاں چونکہ مطلق زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے، اس لئے تینوں قسم کے زمانے اس کے مفہوم میں شامل ہیں، گذرے ہوئے زمانہ کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ انسانی تاریخ اس بات پر شہادت دے رہی ہے کہ جو لوگ بھی ان صفات سے عاری تھے وہ بالآخر خسارے میں پڑے رہے اور گذرتے ہوئے زمانہ کی قسم کھانے کا مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جو زمانہ اب گذر رہا ہے یہ دراصل وہ وقت ہے جو ہر فرد و قوم کو کام کرنے کے لئے دیا گیا ہے، اس کی مثال اس وقت کی سی ہے جو طالب علم کو امتحان گاہ میں پرچہ حل کرنے کے لئے دیا جاتا ہے، یہ وقت جس تیز رفتاری سے گذر رہا ہے اس کا اندازہ گھڑی کی سکنڈ کی سوئی کی حرکت سے ہو جائے گا، حالانکہ ایک سکنڈ بھی وقت کی ایک بہت بڑی مقدار ہے، اسی ایک سکنڈ میں روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل یا تقریباً دولاکھ نواسی ہزار کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لیتی ہے، اور خدا کی خدائی میں بہت سی ایسی چیزیں بھی ہو سکتی ہیں جو اس سے بھی زیادہ تیز رفتار ہوں، تاہم اگر وقت گذرنے کی رفتار وہی سمجھ لی جائے جو گھڑی کی سکنڈ کی سوئی کی حرکت سے معلوم ہوتی ہے تو ہمیں محسوس ہوگا کہ ہمارا اصل سرمایہ یہی وقت ہے جو تیزی سے گذر رہا ہے، امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے **سورۃ العصر** کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ پگھلا جا رہا ہے، رحم کرو اس شخص پر کہ جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے، اس کی یہ بات سن کر میں نے کہا: یہ ہے **وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ**. اس کا مطلب ہے، عمر کی جو مدت انسان کو عمل کے لئے دی گئی ہے وہ برف کی طرح گھل رہی ہے اس کو اگر ضائع کیا جائے یا غلط کاموں میں صرف کیا جائے، تو یہی انسان کا خسارہ ہے، پس گذرتے ہوئے زمانہ کی قسم کھا کر جو بات اس سورت میں کہی گئی ہے کہ یہ تیز رفتاری سے گذرتا ہوا زمانہ شہادت دے رہا ہے کہ ان چار صفات سے خالی ہو کر انسان جن کاموں میں بھی اپنی مہلتِ عمر کو صرف کر رہا ہے وہ سراسر خسارے ہی خسارے میں ہے، نفع میں صرف وہ لوگ ہیں جو ان چار صفات سے متصف ہو کر دنیا میں کام کر رہے ہیں، یہ ایسی بات ہے جیسے ہم اس طالب علم سے جو امتحان کے مقررہ وقت کو اپنا پرچہ حل کرنے کے بجائے کسی اور کام میں صرف کر رہا ہو، کمرہ میں لگے ہوئے گھنٹے کی طرف اشارہ کر کے کہیں کہ یہ گذرتا ہوا وقت بتا رہا ہے کہ تم اپنا نقصان کر رہے ہو، نفع میں صرف وہ طالب علم ہے جو اس وقت کا ہر لمحہ اپنا پرچہ حل کرنے میں صرف کر رہا ہے، بعض علماء حقیقت شناس نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

حَیَاتُکَ اَنْفَاسٌ تُعَدُّ فَکُلَّمَا مَضٰی نَفَسٌ مِنْهَا انْتَقَصَتْ بِهٖ جُزْءًا

تَرْجَمَہ: تیری زندگی چند گنے ہوئے سانسوں کا نام ہے، جب ان میں سے ایک سانس گذر جاتا ہے تو تیری عمر کا ایک جز کم ہو جاتا ہے۔

یہ بات یقینی ہے کہ عمر سے زیادہ قیمتی سرمایہ کوئی چیز نہیں ہے اور اس کو ضائع کرنے سے بڑا کوئی نقصان نہیں، اس بات کی تائید ایک حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: کُلّ یَغْدُو فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا یعنی ہر شخص جب صبح کو اٹھتا ہے تو اپنی جان کا سرمایہ تجارت میں لگاتا ہے، پھر کوئی تو اپنے اس سرمایہ کو خسارہ سے آزاد کرالیتا ہے اور کوئی ہلاکت میں ڈالتا ہے۔

نجات کے لئے صرف اپنے عمل کی اصلاح کافی نہیں بلکہ دوسروں کی فکر بھی ضروری ہے:

اپنے عمل کو قرآن وسنت کے تابع کر لینا جتنا اہم اور ضروری ہے اتنا ہی اہم یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ایمان اور عمل صالح کی طرف بلانے کی مقدور بھر کوشش کرے ورنہ صرف اپنا عمل نجات کے لئے کافی نہ ہوگا، خصوصاً اپنے اہل وعیال سے غفلت برتنا اپنی نجات کا راستہ بند کرنا ہے۔

تمّ بحمد اللہ

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعُ اٰيَاتٍ.

سورۂ ہمزہ مکی یا مدنی ہے، نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **وَيْلٌ** كَلِمَةُ عَذَابٍ او وادٍ فِي جَهَنَّمَ **لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ**① اى كَثِيرِ الهَمْزِ واللَّمْزِ اَيِ الغِيْبَةِ نَزَلَتْ فِيمَنْ كَانَ يَغْتَابُ النَّبِيَّ صلَّى اللّٰه عليه وسلم والمُؤمِنِينَ كَاُمَيَّةَ بنِ خَلَفٍ وَالوَلِيدِ بنِ المُغِيرةِ وغيرِهما **الَّذِيْ جَمَعَ** بالتَخفيفِ والتَّشْدِيدِ **مَالًا وَّعَدَّدَهٗ**② اَحْصَاهُ وَجَعَلَهُ عُدَّةً لِحَوَادِثِ الدَّهْرِ **يَحْسَبُ** لِجَهْلِهِ **اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ**③ جَعَلَهُ خَالِدًا لا يَمُوتُ **كَلَّا** رَدْعٌ **لَيُنْۢبَذَنَّ** جَوابُ قَسَمٍ مَحْذُوفٍ اى لَيُطْرَحَنَّ **فِي الْحُطَمَةِ**④ الَّتِي تَحْطِمُ كُلَّ مَا اُلْقِي فيها **وَمَآ اَدْرٰىكَ** اَعْلَمَكَ **مَا الْحُطَمَةُ**⑤ **نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ**⑥ المُسَعَّرَةُ **الَّتِيْ تَطَّلِعُ** تَشْرُفُ **عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ**⑦ القُلُوبِ فتُحْرِقُها وَاَلَمُها اَشَدُّ مِن اَلَمِ غيرِها لِلُطْفِها **اِنَّهَا عَلَيْهِمْ** جُمِعَ الضَّمِيرُ رِعايَةً لِمَعْنٰى كُلٍّ **مُّؤْصَدَةٌ**⑧ بِالهَمْزَةِ وبِالوَاوِ بَدَلَه مُطْبَقَةٌ **فِيْ عَمَدٍ** بِضَمِّ الحَرْفَيْنِ وبِفَتْحِهِمَا **مُّمَدَّدَةٍ**⑨ صِفَةٌ لِمَا قَبْلَهُ فتَكُونُ النَّارُ دَاخِلَةَ العَمَدِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، بڑی خرابی ہے (وَيْل) کلمۂ عذاب ہے یا جہنم میں ایک وادی کا نام ہے، ہر ایسے شخص کے لئے جو عیب ٹٹولنے والا، طعنہ زنی کرنے والا ہو، یعنی بکثرت بدگوئی کرنے والا اور طعنہ زن ہو، یہ سورت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو آنحضرت ﷺ اور مومنین کی غیبت کرتا تھا، جیسا کہ امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ وغیرہما جس نے مال جمع کر کے رکھا ہے جَمَعَ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے اور اس کو گن گن کر رکھا اور اس کو حوادث زمانہ کے لئے تیار کر کے رکھا، (اور) وہ اپنی جہالت کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو دوام بخشے گا کہ کبھی نہ مرے گا، ہرگز نہیں (كَلَّا) حرف تنبیہ ہے، یہ شخص یقیناً آگ میں پھینک دیا جائے گا جو ہر اس چیز کو توڑ پھوڑ دے گی جو اس میں ڈالی جائے گی تم کو کیا معلوم کہ وہ توڑ پھوڑ کرنے والی کیا ہے؟ وہ اللہ کی سلگائی ہوئی

گ ہے یعنی بھڑ کائی ہوئی، جو دلوں تک سرایت کر جائے گی تو ان کو جلا کر رکھ دے گی اور دلوں کی تکلیف دیگر اعضاء کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے ان کے لطیف ہونے کی وجہ سے، وہ آگ ان پر ڈھانک کر بند کر دی جائے گی کُلّ کے معنی کی رعایت کی وجہ سے (عَلَيْهِمْ) کی ضمیر کو جمع لایا گیا ہے، (مؤصدة) ہمزہ کے ساتھ ہے اور ہمزہ کے عوض واؤ کے ساتھ بھی ہے بمعنی بند ہونے والی، بڑے بڑے لمبے ستونوں میں (عَمَدٌ) میں دونوں حرفوں کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ، (مُمَدَّدَةٍ) اپنے ماقبل کی صفت ہے؛ لہٰذا آگ ستونوں کے اندر ہوگی۔

تحقیق و ترکیب و تسهیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: هُمَزَةٍ، بروزن فُعَلَة، بہت طعنہ زن، بڑا عیب گو، فُعَلَةٌ فاعل کے مبالغہ کا وزن ہے، اس میں ة مبالغہ کے لئے ہے، هَمْزٌ (ن ض) کا مصدر ہے، طعنہ زنی کرنا، آنکھ سے اشارہ کرنا۔

قَوْلُهُ: لُمَزَة صیغہ صفت برائے مبالغہ پس پشت برائی کرنے والا، بعض حضرات نے کہا ہے دونوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں۔

قَوْلُهُ: يَحْسَبُ الخ یہ جملہ استینافیہ بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں سوالِ مقدر کا جواب ہوگا، ای مَا بَالُهُ يَجْمَعُ الْمَالَ يهتمُّ بِهِ یعنی وہ اس اہتمام کے ساتھ مال کیوں جمع کرتا ہے؟ اس کا جواب دیا: يَحْسَبُ انَّ مَا لَهُ اَخْلَدَهُ کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے دوام بخشے گا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ يَحْسَبُ، جَمَعَ وَاَخْلَدَ کے فاعل سے حال واقع ہو۔

قَوْلُهُ: جَوَابُ قَسَمٍ محذوفٍ تقدیر عبارت یہ ہے، وَاللّٰهِ لَيُنْبَذَنَّ فِي الحطمة.

قَوْلُهُ: جُمِعَ الضمير رعَايَة لِمعنى كُلٍ، یعنی عَلَيْهِمْ کی ضمیر کُلٌّ کی طرف راجع ہے، سوال ہوتا ہے کہ کل مفرد ہے اور هُمْ جمع ہے؛ لہٰذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے؟

جَوَابٌ: جواب یہ ہے کہ لفظ کل معنی کے اعتبار سے جمع ہے، اسی رعایت سے هم ضمیر کو جمع لایا گیا ہے، عَمَدٌ اور عُمُدٌ یہ دونوں عُمُود کی جمع ہیں بمعنی ستون۔

تفسیر و تشریح

اس سورت میں تین سخت گناہوں پر عذاب شدید کی وعید کا بیان ہے اور پھر اس عذاب کی شدت کا بیان ہے، وہ تین گناہ، ہمز، لمز، جمع مال ہیں، همز اور لمز چند معانی کے لئے استعمال ہوتے ہیں، جو بہت حد تک قریب قریب ہیں، حتی کہ بعض اوقات دونوں ہم معنی استعمال ہوتے ہیں، اور بعض لوگوں نے خفیف فرق کے ساتھ بھی استعمال کیا ہے؛ مگر جو معنی قدر مشترک ہیں وہ یہ ہیں، کسی کی تذلیل و تحقیر کرنا، کسی کی کردار کشی کرنا، کسی کی طرف انگلیاں اٹھانا، اشارہ کنایہ سے کسی کے نسب

وغیرہ پر طعن کرنا، کسی کی شخصیت کو مجروح کرنا، کسی کے منہ درمنہ چوٹیں کرنا یا پس پشت بدگوئی کرنا، یہ سب ہی معنی مذکورہ دونوں لفظوں کے مفہوم میں شامل ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں نہایت مذموم اور شریعت کی نظر میں ممنوع ہیں۔

تیسری خصلت جس پر اس سورت میں وعید آئی ہے، وہ مال کی حرص اور محبت ہے، اور بار بار گننے سے اس کی حرص اور محبت کی طرف اشارہ ہے، مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ بہت سی آیات و روایات اس پر شاہد ہیں کہ مطلقاً مال کا جمع کرنا کوئی حرام اور گناہ نہیں؛ اس لئے یہاں مال جمع کرنے سے وہ مال مراد ہے، جس میں حقوق واجبہ ادا نہ کئے گئے ہوں یا فخر و تفاخر مقصود ہو یا مال کی محبت میں منہمک ہو کر دین کی ضروریات سے غفلت پائی جاتی ہو۔

تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَة یعنی جہنم کی یہ آگ دلوں تک پہنچ جائے گی، یوں تو ہر آگ کا یہ خاصہ ہے کہ جو بھی اس پر پڑے، اس کے سب ہی اجزاء کو جلا دیتی ہے، مگر دنیوی آگ جیتے جی دل تک نہیں پہنچتی؛ بلکہ دل تک پہنچنے سے پہلے ہی انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے بخلاف جہنم کی آگ کے، کہ وہ جلاتی جلاتی دل تک پہنچ جائے گی، اس لئے کہ جہنم میں موت نہیں ہے۔

﴿ تمّت ﴾

سُوْرَةُ الْفِيلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ ايَاتٍ

سُوْرَةُ الفِيْلِ مَكِّيَّةٌ خَمْسُ اٰيَاتٍ.

سورۂ فیل مکی ہے، پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ اَلَمْ تَرَ اِسْتِفْهَامُ تَعجِيْبٍ اى اِعْجَبْ **كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ①** هُوَ مَحْمُودٌ وَاَصْحَابُهُ اَبْرَهَةُ مَلِكُ اليَمَنِ وَجَيْشُهُ بَنَى بِصَنْعَاءَ كَنِيسَةً لِيَصْرِفَ اليها الحَاجَّ مِنْ مَكَّةَ فَاَحْدَثَ رَجُلٌ مِنْ كِنَانَةَ فيها ولَطَخَ قِبْلَتَهَا بالعَذِرَةِ اِحْتِقَارًا بها فَحَلَفَ اَبْرَهَةُ لَيَهْدِمَنَّ الكَعْبَةَ فَجَاءَ مَكَّةَ بِجَيْشِهٖ عَلَى اَفْيَالٍ مُقَدَّمُهَا مَحْمُودٌ فَحِيْنَ تَوَجَّهُوْا لِهَدْمِ الكَعْبَةِ اَرْسَلَ اللهُ عليهم مَا قَصَّهٗ فِى قَوْلِهٖ **اَلَمْ يَجْعَلْ** اى جَعَلَ **كَيْدَهُمْ** فِى هَدْمِ الكَعْبَةِ **فِىْ تَضْلِيْلٍ②** خَسَارٍ وهَلَاكٍ **وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ③** جَمَاعَاتٍ قِيْلَ لَا واحِدَ لَهٗ وقِيْلَ واحِدُهٗ اَبُوْلٌ او اِبَّالٌ او اِبِيْلٌ كَعُجُوْلٍ ومِفْتَاحٍ وسِكِّيْنٍ **تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ④** طِيْنٍ مَطْبُوْخٍ **فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ⑤** كَوَرَقِ زَرْعٍ اَكَلَتْهُ الدَّوَابُّ وَدَاسَتْهُ وَاَفْنَتْهُ اى اَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ تعالى كُلَّ وَاحِدٍ بِحَجَرَةِ المَكْتُوْبِ عليه اسْمُهٗ وهُوَ اَكْبَرُ مِنَ العَدَسَةِ وَاَصْغَرُ مِنَ الحِمَّصَةِ يَخْرِقُ البَيْضَةَ والرَّجُلَ والفِيْلَ ويَصِلُ اِلَى الاَرْضِ وكَانَ هٰذَا عَامَ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، کیا آپ ﷺ کو معلوم نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ (اور) اس ہاتھی کا نام محمود تھا، اور اس کے اصحاب ابرہہ یمن کا بادشاہ اور اس کا لشکر تھا، اس نے صنعاء میں کلیسا بنوایا تھا، تاکہ حجاج کو مکہ کے بجائے اس کی طرف موڑ دے، کنانہ کے ایک شخص نے کلیسا میں رفع حاجت کر کے اس کے قبلہ کو تحقیر کے طور پر نجاست سے آلودہ کر دیا، چنانچہ ابرہہ نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کی قسم کھالی، سو وہ اپنے لشکر کے ساتھ ہاتھیوں پر سوار ہو کر مکہ آیا اور ہاتھیوں میں سب سے آگے محمود نامی ہاتھی تھا، چنانچہ جب یہ لوگ کعبۃ اللہ کو منہدم کرنے کے لئے متوجہ ہوئے (تو اللہ نے) ان پر وہ چیز بھیج دی جس کا قصہ (اللہ نے)

اپنے قول اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ الخ میں بیان فرمایا ہے، کیا اس نے انہدام کعبہ کے بارے میں ان کی تدبیر کو اکارت اور ناکارہ نہیں کردیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے، کہا گیا ہے کہ (اَبَابِیْلَ) کا واحد نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ واحد اِبُّول ہے جیسا کہ عِجُّول، عَجَاجِیل کا واحد ہے یا اِبَّال ہے جیسا کہ مفتاح، مفاتیح کا واحد ہے یا اس کا واحد اِبِّیل ہے، جیسا کہ سکاکین کا واحد سکّین ہے، جو ان پر پکی ہوئی مٹی کی پتھریاں پھینک رہے تھے، پھر ان کا ایسا حال کردیا جیسا کہ جانوروں کا کھایا ہوا بھوسہ جیسا کہ کھیتی کے پتے، کہ ان کو جانوروں نے چر دیا ہو، اور اس کو فنا کردیا ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کو اس کی اس پتھری سے ہلاک کردیا، جس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا، اور وہ مسور سے بڑی اور چنے سے چھوٹی تھی، جو خود کو، ہاتھی کو اور آدمی کو چھیدتی ہوئی زمین تک پہنچ جاتی تھی، اور یہ واقعہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے سال پیش آیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَلَمْ تَرَ رؤیت سے رؤیت علمیہ مراد ہے، اور خطاب آپ ﷺ کو ہے، رؤیت سے رؤیت بصری بھی مراد ہوسکتی ہے، اس لئے کہ اگرچہ آپ ﷺ نے اس واقعہ کو نہیں دیکھا؛ مگر اس کے آثار و علامات کو دیکھا تھا یا آپ ﷺ نے اس واقعہ کو متواتر بیان کرنے والوں سے اس قدر تواتر کے ساتھ سنا کہ بمنزلہ مشاہدہ کے ہوگیا، اس لئے کہ تواتر کے ساتھ سنی ہوئی چیز بمنزلہ مشاہد کے ہوتی ہے۔

قولہ: استفهام تعجیب یہ ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔

سُؤال: سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں ان کو تو مَا کَانَ وَمَا یکونُ کا علم ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے اَلَمْ تَرَ کے ذریعہ کیوں سوال فرمایا؟

جَوَاب: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہ استفہام برائے تعجب ہے نہ کہ برائے سوال، یعنی اے مخاطب! تو اصحاب فیل کی حالت کو دیکھ کر تعجب کر۔

قولہ: ھُوَ مَحْمُوْدٌ تمام ہاتھیوں کا سردار ایک محمود نامی ہاتھی تھا، جو عظیم الجثہ اور بڑے ڈیل ڈول والا تھا، اس کی کنیت ابو العباس تھی۔

قولہ: ابابیل ایک پرندہ جو کہ کبوتر سے قدرے چھوٹا ہوتا ہے۔

قولہ: سِجِّیْلٌ یہ سنگِ گل کا معرب ہے، وہ پتھر جس میں مٹی کی آمیزش ہو، آگ میں پکی ہوئی مٹی کو بھی "سِجِّیل" کہتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

اس سورت میں واقعۂ فیل کا مختصر بیان ہے، شاہِ حبشہ کی طرف سے یمن میں ابرہۃ الاشرم گورنر تھا، اس نے صنعاء میں ایک بہت بڑا گرجا تعمیر کرایا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ لوگ خانہ کعبہ کے بجائے اسی گرجا کا حج کیا کریں، یہ بات اہل مکہ اور دیگر عرب قبائل کو سخت ناگوار تھی؛ چنانچہ بنی کنانہ کے ایک قریشی شخص نے ابرہہ کے بنائے ہوئے عبادت خانہ کو غلاظت سے آلودہ کرکے ناپاک کردیا، جب ابرہہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کا عزم کرلیا اور ایک لشکر جرار لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا، کچھ ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے جب یہ لشکر وادیٔ محسّر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیج کر اپنے گھر کی حفاظت فرمائی، ہر پرندے کی چونچ میں ایک ایک اور پنجوں میں دو دو کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور کے برابر تھیں، جس لشکری کے بھی وہ کنکری لگتی وہ وہیں ڈھیر ہوجاتا، خود ابرہہ کا بھی یہی حشر ہوا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی، مکہ کے قریب پہنچ کر ابرہہ نے نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب (جو کہ مکہ کے سردار تھے) کے دو سو اونٹوں پر قبضہ کرلیا، جس پر آپ کے دادا عبدالمطلب نے ابرہہ سے آکر کہا: میرے اونٹ واپس کردو، باقی رہا خانہ کعبہ کا مسئلہ تو وہ اللہ کا گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ (ایسر التفاسیر ملخصًا)

واقعہ کی تفصیل اور پس منظر:

اصحابِ فیل کا واقعہ آپ ﷺ کی سن ولادت ۵۷۱ء میں پیش آیا تھا، آپ ﷺ کی بعثت ۶۱۱ء میں ہوئی تھی اس وقت بھی اس واقعہ کے چشم دید گواہ بڑی تعداد میں موجود تھے، یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے ارہاصات میں سے ہے ارہاص تاسیس وتمہید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، رھص سنگ بنیاد کو کہتے ہیں۔

تاریخی پس منظر:

نجران میں یمن کے فرمانروا ذونواس نے عیسائیوں پر آتش بھری خندق میں جلا کر ظلم کیا تھا اس کا بدلہ لینے کے لئے حبش کی عیسائی سلطنت نے یمن پر حملہ کرکے حِمیَری حکومت کا خاتمہ کردیا تھا، اور سن ۵۲۵ء میں اس پورے علاقہ پر حبشی حکومت قائم ہوگئی تھی، یہ پوری کارروائی دراصل قسطنطنیہ کی رومی سلطنت اور حبش کے باہمی تعاون سے ہوئی تھی، یہ عسکری کارروائی شاہِ حبش کے کمانڈر ارباط اور ابرہہ کی زیر کمان پایۂ تکمیل کو پہنچی تھی، حمیر کا بادشاہ ذونواس فرار ہوگیا؛ مگر دریا میں غرق ہوکر مرگیا، ادھر یہ ہوا کہ ارباط اور ابرہہ کے درمیان جنگ چھڑ گئی، جس میں ارباط مارا گیا، اس طرح ابرہہ شاہِ حبشہ کی طرف سے یمن کا حاکم مقرر ہوگیا، اور شاہِ حبشہ کے انتقال کے بعد اس کے جانشین نے ابرہہ کو نائب السلطنت تسلیم کرلیا، اس کے بعد ابرہہ رفتہ رفتہ یمن کا خودمختار بادشاہ بن گیا اور برائے نام ہی اس نے شاہِ حبش کی بالادستی قبول کررکھی تھی۔

یمن پر پوری طرح اقتدار مضبوط کر لینے کے بعد ابرہہ نے اس مقصد کے لئے کام شروع کر دیا جو اس مہم کی ابتداء سے رومی سلطنت اور اس کے حلیف حبشی عیسائیوں کے پیش نظر تھا یعنی ایک طرف عرب میں عیسائیت کا پھیلانا اور دوسری طرف اس تجارت پر قبضہ کرنا جو بلادِ مشرق اور رومی مقبوضات کے درمیان عربوں کے ذریعہ ہوتی تھی، یہ ضرورت اس بناء پر بڑھ گئی تھی کہ ایران کی ساسانی سلطنت کے ساتھ رومی سلطنت کی کشمکش اقتدار نے بلادِ مشرق سے رومی تجارت کے دوسرے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔

ابرہہ نے اس مقصد کے لئے یمن کے دار السلطنت صنعاء میں ایک عظیم الشان کلیسا بنایا، محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق کلیسا کی تکمیل کے بعد ابرہہ نے شاہِ حبش کو لکھا کہ میں عربوں کو حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہ رہوں گا، ابن کثیر رَحِمَکَاللّٰهُ تَعَالیٰ نے لکھا ہے کہ اس نے علی الاعلان اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا اور اس کی منادی کرادی کہ اب یمن سے کوئی کعبہ کے حج کے لئے نہ جائے، اس کی اس حرکت کا مقصد ہمارے نزدیک یہ تھا کہ عربوں کو غصہ دلائیں؛ تاکہ وہ کوئی ایسی کارروائی کریں جس سے اس کو مکہ پر حملہ کرنے اور کعبہ کو منہدم کرنے کا بہانہ مل جائے، محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کے اس اعلان سے عرب کے قبائل عدنان، قحطان اور قریش کے قبائل میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی؛ یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے رات کے وقت کلیسا میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا۔

ابرہہ کو جب اس حرکت کا علم ہوا تو اس نے قسم کھالی کہ میں کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا، اس کے بعد ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء میں ۶۰ ہزار فوج اور ۱۲ ہاتھی لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں عربوں کے ایک سردار ذونفر نے اس کی مزاحمت کی؛ مگر وہ شکست کھا کر گرفتار ہو گیا، اس کے بعد خثعم کے علاقہ میں ایک عرب سردار نفیل بن حبیب خثعمی نے مزاحمت کی؛ مگر وہ بھی شکست کھا کر گرفتار ہوا، اور اس نے اپنی جان بچانے کے لئے رہبری کی خدمت انجام دینا قبول کر لیا۔

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ المغمس سے ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا اور وہ اہل تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ کر لے گیا، جن میں رسول اللہ ﷺ کے دادا عبد المطلب کے بھی دوسو اونٹ تھے، اس کے بعد اس نے اپنے ایک ایلچی کو مکہ بھیجا اور اس کے ذریعہ اہل مکہ کو یہ پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں؛ بلکہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے آیا ہوں اگر تم تعرض نہ کرو گے تو میں تمہاری جان ومال سے کوئی تعرض نہ کروں گا، نیز اس نے اپنے ایلچی کو ہدایت کردی کہ اہل مکہ اگر بات کرنا چاہیں تو ان کے سردار کو میرے پاس لے آنا، مکہ کے سب سے بڑے سردار اس وقت عبد المطلب تھے، ایلچی نے ان کو ابرہہ کا پیغام پہنچایا، انہوں نے کہا ہم میں ابرہہ سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے، یہ اللہ کا گھر ہے وہ چاہے گا تو خود اپنے گھر کی حفاظت کرلے گا، ایلچی نے کہا آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں، وہ اس پر راضی ہو گئے، ابرہہ نے جب عبد المطلب کو دیکھا کہ بڑے وجیہ آدمی ہیں تو ان کو دیکھ کر اپنے تخت سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا اور عبد المطلب کو اپنے برابر بٹھایا، پھر پوچھا آپ کیا چاہتے ہیں؟ عبد المطلب نے جواب دیا کہ آپ نے جو میرے اونٹ پکڑ لئے ہیں وہ مجھے واپس دے دیئے جائیں، ابرہہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر تو میں بہت متاثر ہوا تھا؛ مگر آپ کی اس بات

نے آپ کو میری نظر سے گرادیا کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کرر ہے ہیں اور یہ گھر جو آپ کا اور آپ کے دین کا آبائی مرجع ہے، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے، عبدالمطلب نے جواب دیا: میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور انہی کے بارے میں آپ سے درخواست کرر ہا ہوں، اب رہا کعبہ، تو اس کا مالک رب ہے، وہ اس کی حفاظت خود کرے گا، ابرہہ نے جواب دیا: وہ اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا، عبدالمطلب نے کہا آپ جانیں اور وہ جانے، عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ نے واپس کردیئے وہ اپنے اونٹ لے کر واپس آئے تو بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر دعاء میں مشغول ہوئے جس میں قریش کی بڑی جماعت ساتھ تھی سب نے اللہ سے گڑگڑا کر بڑی عاجزی کے ساتھ دعائیں کیں، اس خانۂ کعبہ میں ۳۶۰ بت موجود تھے؛ مگر یہ لوگ اس نازک گھڑی میں ان سب کو بھول گئے اور انہوں نے صرف اللہ کے آگے دستِ سوال پھیلایا ان کی جو دعائیں تاریخوں میں منقول ہیں ان میں اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کسی دوسرے کا نام تک نہیں پایا جاتا، سچ ہے کہ مصیبت کے وقت خدا ہی یاد آتا ہے۔

مقصود کلام:

جو تاریخی تفصیلات اوپر درج کی گئی ہیں ان کو نگاہ میں رکھ کر سورۂ فیل پر غور کیا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس سورت میں اس قدر اختصار کے ساتھ صرف اصحاب فیل پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ذکر کردینے پر کیوں اکتفاء کیا گیا ہے؟ واقعہ کچھ پرانا نہ تھا مکہ کا بچہ بچہ اس کو جانتا تھا عرب کے لوگ عام طور پر اس سے واقف تھے، تمام اہل عرب اس بات کے قائل تھے کہ ابرہہ کے اس حملہ سے کعبہ کی حفاظت کسی دیوی دیوتا نے نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے کی تھی، اللہ ہی سے قریش کے سرداروں نے مدد مانگی تھی اور چند سال تک قریش کے لوگ اس واقعہ سے اس قدر متاثر رہے تھے کہ انہوں نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کی تھی اس لئے سورۂ فیل میں ان تفصیلات کے ذکر کی حاجت نہیں تھی، بلکہ صرف اس واقعہ کو یاد دلانا کافی تھا؛ تاکہ قریش کے لوگ خصوصًا اور عرب عمومًا اپنے دلوں میں اس بات پر غور کریں کہ محمد ﷺ جس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں، وہ آخر اس کے سوا اور کیا ہے کہ تمام دوسرے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کی جائے، نیز وہ یہ بھی سوچ لیں کہ اگر اس دعوتِ حق کو دبانے کے لئے انہوں نے زور زبردستی سے کام لیا تو جس خدا نے اصحابِ فیل کو تہس نہس کیا تھا اسی کے غضب میں وہ گرفتار ہوں گے۔

سُوْرَۃُ قُرَیْشٍ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اَرْبَعُ اٰیَاتٍ

سُوْرَۃُ قُرَیْشٍ مَکِّیَّۃٌ اَوْ مَدَنِیَّۃٌ اَرْبَعُ اٰیَاتٍ.

سورۂ قریش مکی یا مدنی ہے، چار آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ① اٖلٰفِھِمْ تاکِیدٌ وھو مَصدر آلفَ بالمَدِّ رِحْلَۃَ الشِّتَآءِ الی الیَمنِ وَ رِحلَۃَ الصَّیْفِ ② الی الشَّام فِی کُلِّ عامٍ یَستَعِیْنُوْنَ بالرِّحلَتَیْنِ لِلتِّجارَۃِ علی الاِقامَۃِ بمَکَّۃَ لخِدمَۃِ البَیْتِ الَّذی ھُو فَخرُھُمْ وھُم وُلْدُ النَّضرِ بنِ کِنَانَۃَ فَلْیَعْبُدُوْا تَعلَّقَ بہ لِاِیْلافِ والفاءُ زَائِدۃٌ رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتِ ③ الَّذِیْٓ اَطْعَمَھُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ ای مِنْ اَجلِہٖ وَّاٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④ ای مِن اَجلِہٖ و کَانَ یُصِیْبُھُمُ الجُوعُ لِعَدمِ الزَّرعِ بمَکَّۃَ وخَافُوا جَیْشَ الفِیلِ.

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، چونکہ قریش مانوس ہوئے (دوسرا اٖلٰفِھِمْ پہلے اِیْلاف) کی تاکید ہے یہ آلَفَ بالمد کا مصدر ہے یعنی سردیوں میں یمن کے سفر سے اور گرمیوں میں شام کے سفر سے مانوس، ہر سال دونوں تجارتی سفروں سے بیت اللہ کی خدمت کے لئے مکہ میں قیام پر مدد لیتے تھے، جو کہ ان کے لئے موجب فخر تھی اور وہ نضر بن کنانہ کی اولاد میں سے تھے، لہٰذا ان کو چاہئے کہ لِاِیْلٰفِ، فَلْیَعْبُدُوْا کے متعلق ہے اور فا زائدہ ہے، اس گھر کے رب کی عبادت کریں، اس لئے کہ اس نے ان کو بھوک سے بچا کر کھانا کھلایا اور خوف سے بچا کر ان کو امن عطا کیا مکہ میں زراعت نہ ہونے کی وجہ سے ان کو بھوک لاحق ہو جاتی تھی اور ہاتھیوں کے لشکر سے وہ خوف زدہ تھے۔

تَحْقِیْق وَتَرْکِیْب وَتَسْہِیْل وَتَفْسِیْرِی فَوَائِد

قَوْلُہٗ: لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ، اِیْلٰفِ باب افعال کا مصدر ہے، مانوس رکھنا، الفت کرنا۔

قَوْلُہٗ: قُرَیْش قبیلۂ عدنان کے قبیلۂ کنانہ کی ایک شاخ ہے، جو خاندان قریش کے نام سے مشہور ہوئی، قریش کے مورث اعلیٰ نضر کو ہی قریش کہا جاتا ہے، لِاِیْلٰفِ جار مجرور سے مل کر کس کے متعلق ہے؟ اس میں بہت اختلاف ہے

اول راجح قول لکھا جاتا ہے، راجح قول یہ ہے کہ یہ اپنے مابعد فَلْيَعْبُدُوا سے متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی فان لم یعبدوا اللّٰہ لسائر نِعَمِهٖ السابقة فَلْيَعْبُدُوْهُ لِإِيْلٰفِهِمْ رحلة الشتاء والصيف یعنی اگر قریش اللہ کی دیگر کامل نعمتوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتے تو کم از کم اس کی نعمت کے شکریہ میں اس گھر کے مالک کی بندگی کریں کہ جس نے ان کو سردی، گرمی کے ان دو سفروں کا خوگر بنایا جو ان کی خوشحالی کے ضامن ہیں۔

عام طور پر جار مجرور کا تعلق مقدم سے ہوا کرتا ہے لہٰذا لِإِيْلٰفِ کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے ماقبل سے متعلق ہو، اسی لئے متعلق میں متعدد اقوال ہیں، گذشتہ سورۂ فیل سے معنوی تعلق کی بناء پر بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ لِإِيْلٰفِ سے پہلے ایک جملہ محذوف ہے اور وہ اِنَّا اَهْلَكْنَا اصحٰبَ الفِيلِ ہے یعنی ہم نے اصحابِ فیل کو اس لئے ہلاک کیا کہ قریش مکہ سردی اور گرمی کے دو سفروں کے عادی تھے، تاکہ ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے اور سب کے دلوں میں ان کی عظمت پیدا ہو جائے؛ چنانچہ اصحابِ فیل کے ہلاک ہونے کے بعد نہ صرف یہ کہ قریش مکہ کی عظمت باقی رہی؛ بلکہ اس میں اور اضافہ ہو گیا اور عرب کو پورا یقین ہو گیا کہ بیت اللہ واقعۃً اللہ کا گھر ہے، اور اگر خدانخواستہ ابرہہ بیت اللہ کو منہدم کر دیتا تو قریش مکہ کی نہ صرف یہ کہ عظمت کم ہو جاتی؛ بلکہ ختم ہو جاتی اور بیت اللہ کے خادم اور مجاور ہونے کی وجہ سے جو قدر و قیمت ان کو حاصل تھی وہ سب خاک میں مل جاتی، رہزنی اور لوٹ مار کے جو واقعات غیروں کے ساتھ ہو رہے تھے، وہ قریش کے ساتھ بھی ہونے لگتے؛ لیکن اللہ نے بیت اللہ کی حفاظت فرما کر قریش کی عزت و وقار میں اور چار چاند لگا دیئے، اور ان کے لئے راستے پہلے سے بھی زیادہ مامون و محفوظ ہو گئے۔

اور بعض حضرات نے متعلَّق محذوف جملہ اعجبوا مانا ہے یعنی قریش کے معاملہ سے تعجب کرو کہ وہ کس طرح سردی گرمی کے سفر آزادانہ بے خطر ہو کر کرتے ہیں۔

قِوْلَهُ: اِيْلٰفِهِمْ یہ پہلے اِيْلٰف کی تاکید لفظی ہے بعض حضرات نے ثانی کو اول سے بدل قرار دیا ہے، رِحْلَةَ پہلے اِيْلٰف کا مفعول بہ ہے۔

قِوْلَهُ: فَلْيَعْبُدُوا اس میں فاء جزائیہ ہے، شرط محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے کہ اِن لَمْ يَعْبُدُوا لِسَائِرِ نِعَمِهٖ فَلْيَعْبُدُوهُ لِإِيْلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ والصَّيْفِ، فانَّهَا اَظْهَرُ نِعَمِهِمْ عَلَيْهِم اور فَلْيَعْبُدُوا میں لام امر کا ہے۔

تفسیر و تشریح

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ معنی اور مضمون کے اعتبار سے یہ سورت سورۂ فیل ہی سے متعلق ہے اور شاید اسی وجہ سے بعض مصاحف میں ان دونوں سورتوں کو ایک ہی سورت کر کے لکھا گیا تھا، بایں طور کہ ان کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی تھی؛ مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تمام مصاحف کو جمع کر کے ایک نسخہ تیار فرمایا اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس پر اجماع ہوا، جس نسخۂ قرآن کو جمہور کے نزدیک ''مصحف امام'' کہا جاتا ہے تو اس میں ان دونوں سورتوں کو الگ الگ ہی لکھا گیا ہے۔

رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ سردی اور گرمی کے سفروں سے مراد یہ ہے کہ گرمی کے زمانہ میں قریش کے سفر شام اور

فلسطین کی طرف ہوتے تھے، اس لئے کہ وہ ٹھنڈے علاقہ ہیں اور سردی کے زمانہ میں جنوب یعنی یمن کی طرف ہوتے تھے، اس لئے کہ یہ گرم علاقہ ہے۔

رَبَّ هٰذَا البیت، سے مراد بیت اللہ کا رب ہے رَبَّ هٰذا البیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ قریش کو یہ نعمت اسی گھر کی بدولت حاصل ہوئی ہے اور اسی بیت کے رب نے انہیں اصحاب فیل کے حملے سے بچایا اور اسی گھر کی خدمت اور سدانت کی وجہ سے انہیں سارے عرب میں عزت ملی اور وہ پورے عرب میں بے خوف وخطر سفر کرتے تھے، پس ان کو جو کچھ نصیب ہوا وہ اس گھر کے رب کی بدولت نصیب ہوا اس لئے انہیں اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔

اَلَّذِی اَطْعَمَهُمْ مِنْ جوعٍ اس میں اشارہ ہے کہ مکہ میں آنے سے پہلے قریش عرب میں منتشر تھے تو بھوکوں مر رہے تھے، یہاں آنے کے بعد ان کے لئے رزق کے دروازے کھلتے چلے گئے اور ان کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاء حرف بحرف قبول ہوئی۔

وآمنَهُمْ من خوف میں دشمنوں، ڈاکوؤں کے خوف سے مامون ہونا بھی شامل ہے اور آخرت کے عذاب سے مامون ہونا بھی۔ (معارف)

تمت

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ آيَاتٍ

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَوْ نِصْفُهَا وَنِصْفُهَا سِتٌّ اَو سَبْعُ آياتٍ.

سورۂ ماعون مکی ہے یا مدنی ہے یا نصف نصف ہیں، چھ یا سات آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ بالحِسَابِ والجزاءِ ای هَلْ عَرَفْتَهُ او لَمْ تعرفهُ فَذٰلِكَ بتقدِيرِ هُو بَعْدَ الفاءِ الَّذِیْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ ای يَدفعُهُ بِعُنفٍ عَنْ حَقِّهٖ وَلَا يَحُضُّ نَفسَه ولا غيرَهُ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ ای اِطْعَامِهٖ نَزلَتْ فِی العَاصِ بن وائِلٍ اَو الوَلِيدِ بن المُغيرَةِ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ غافِلُونَ يُؤَخِّرُونَها عَنْ وَقْتِها الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ فی الصَّلٰوةِ وَغَيْرِها وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ كالابرةِ والفَاسِ والقِدْرِ والقَصْعَةِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، کیا آپ ﷺ نے اس شخص کو دیکھا جو روزِ جزاء یعنی حساب اور جزاء کے دن کو جھٹلاتا ہے؟ یعنی آپ ﷺ نے اس کو پہچانا یا نہیں پہچانا؟ یہ وہی شخص ہے فاء کے بعد هُوَ مقدر ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے یعنی اس کو سختی کے ساتھ اس کے حق سے محروم رکھتا ہے اور مسکینوں کو کھانا دینے کی نہ خود کو ترغیب دیتا ہے اور نہ دوسروں کو (یہ آیت) عاص بن وائل یا ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو غفلت کرتے ہیں بایں طور کہ اس کو اس کے وقت سے مؤخر کر دیتے ہیں، جو ایسے ہیں کہ نماز وغیرہ میں ریا کاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیز سے منع کر دیتے ہیں مثلاً سوئی، کلہاڑی اور ہانڈی اور پیالہ۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: هَلْ عَرَفْتَهٗ اَوْ لَمْ تَعْرِفْه اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ارأیتَ سے رؤیت علمیہ مراد ہے جو متعدی بیک مفعول ہے۔

قولہ: بتقدیر هو بعد الفاء یہ تقدیر لازم نہیں ہے؛ بلکہ اسم اشارہ کا مبتدا واقع ہونا اور موصوف کا خبر واقع درست ہے، بہر حال! فذٰلك جملہ اسمیہ ہے جو کہ جوابِ شرط واقع ہے، اسی وجہ سے اس پر فاء داخل ہے اور شرط مقدر ہے۔

تفسیر و تشریح

سورۂ ماعون کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے جبکہ بعض نے کہا ہے کہ اس کا نصف مکی اور نصف مدنی ہے، ابن مردویہ نے ابن عباس اور ابن زبیر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا کا قول نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور یہی قول عطاء اور جابر کا ہے؛ لیکن ابوحیان نے البحر المحیط میں ابن عباس اور قتادہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اور ضحاک رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

اَرَأَیتَ میں بظاہر خطاب آپ ﷺ کو ہے؛ مگر قرآن کا انداز بیان یہ ہے کہ وہ ایسے موقع پر عموماً ہر وہ صاحب عقل و خرد کو مراد لیتا ہے جس میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہو اور رویت سے مراد رویت علمیہ ہے، رویت بصریہ بھی مراد ہوسکتی ہے اور استفہام سے مراد اظہارِ تعجب ہے۔

اس سورت میں آیت (۲) اور آیت (۳) میں ان کفار کی حالت بیان کی گئی ہے جو علانیہ آخرت کو جھٹلاتے ہیں اور آخری چار آیتوں میں ان منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے جو بظاہر مسلمان ہیں مگر دل میں آخرت اور اس کی جزا و سزا اور اس کے ثواب و عقاب کا کوئی تصور نہیں رکھتے، مجموعی طور پر دونوں گروہوں کے طرزِ عمل کو بیان کرنے سے مقصود یہ حقیقت لوگوں کے ذہن نشین کرانا ہے کہ انسان کے اندر ایک مضبوط اور مستحکم پاکیزہ کردار، عقیدۂ آخرت کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔

جن اعمالِ قبیحہ کا ذکر اس سورت میں فرمایا گیا ہے وہ یہ ہیں: ① یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی توہین، ② مسکین محتاج کو قدرت کے باوجود کھانا نہ دینا اور دوسروں کو اس کی ترغیب نہ دینا، ③ نماز پڑھنے میں ریاکاری کرنا اور سستی و غفلت سے کام لینا، ④ برتنے کی چیزیں نہ دینا یا زکوٰۃ ادا نہ کرنا، یہ سب اعمال اپنی ذات میں بہت مذموم اور سخت گناہ ہیں اور جب کفر و تکذیب کے نتیجہ میں یہ اعمال سرزد ہوں تو ان کا وبال دائمی جہنم ہے، جس کو اس سورت میں ویل کے الفاظ سے بیان فرمایا گیا ہے۔

یَدُعُّ الْيَتِيْمَ اس فقرہ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ یتیم کا حق مار کھاتا ہے اور اس کو اس کے باپ کی چھوڑی ہوئی میراث سے بے دخل کر کے اسے دھکے مار کر نکال دیتا ہے، دوسرے یہ کہ اگر یتیم اس سے مدد مانگنے آتا ہے تو رحم کھانے کے بجائے اسے دھتکار دیتا ہے، تیسرے یہ کہ وہ یتیم پر ظلم ڈھاتا ہے، مثلاً اس کے گھر میں اگر اس کا اپنا ہی کوئی رشتہ دار یتیم ہو تو اس کے ذمہ پورے گھر کی خدمت گاری کرنے اور بات بات پر جھڑکیاں اور دن بھر ٹھوکریں کھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا، اس فقرہ سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ اس شخص سے کبھی کبھار یہ ظالمانہ حرکت سرزد نہیں ہو جاتی؛ بلکہ اس کی عادت اور اس کا مستقل رویّہ یہی ہے اور اسے یہ احساس ہی نہیں ہے کہ یہ بھی کوئی برا کام ہے جو وہ کر رہا ہے۔

عجیب واقعہ:

اس سلسلہ میں ایک بڑا عجیب واقعہ قاضی ابوالحسن الماوردی نے اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں لکھا ہے، ابوجہل ایک یتیم کا وصی تھا وہ بچہ ایک روز اس حالت میں اس کے پاس آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے، اس نے آکر یہ التجاء کی کہ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اسے کچھ دیدے؛ مگر اس ظالم نے اس کی طرف کچھ توجہ نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر مایوس ہو کر واپس چلا گیا، قریش کے سرداروں نے ازراہِ شرارت اس سے کہا کہ محمد ﷺ کے پاس جا کر شکایت کر، وہ ابوجہل سے سفارش کر کے تجھے تیرا مال دلوا دیں گے، بچہ بیچارہ حالات سے ناواقف تھا کہ ابوجہل کا حضور ﷺ سے کیا تعلق ہے اور یہ بدبخت اسے کس غرض کے لئے یہ مشورہ دے رہے ہیں؟ وہ سیدھا حضور ﷺ کے پاس پہنچا، اور آپ ﷺ سے اپنا حال بیان کیا، آپ ﷺ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے یہاں تشریف لے گئے، آپ ﷺ کو دیکھ کر اس نے آپ ﷺ کا استقبال کیا اور جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بچہ کا حق اسے دیدو، تو وہ فوراً مان گیا اور اس کا مال لا کر اسے دیدیا، قریش کے سردار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھیں ان دونوں کے درمیان کیا معاملہ پیش آتا ہے؟ وہ کسی مزے دار جھڑپ کی امید کر رہے تھے؛ مگر انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران ہو کر ابوجہل کے پاس آئے اور اسے طعنہ دیا کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ گئے، اس نے کہا خدا کی قسم میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا؛ مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمد (ﷺ) کے دائیں اور بائیں ایک ایک نیزہ ہے، جو میرے اندر گھس جائے گا اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف حرکت کی، اس واقعہ سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عرب کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور معزز قبیلہ تک کے بڑے بڑے سرداروں کا یتیموں اور دوسرے بے یار و مددگاروں کے ساتھ کیا سلوک تھا؛ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس بلند اخلاق کے مالک تھے اور آپ ﷺ کے اس اخلاق کا آپ ﷺ کے بدترین دشمنوں تک پر کیا رعب تھا؟

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ (الآية) یہ منافقین کا حال بیان فرمایا ہے جو لوگوں کو دکھلانے اور اپنے دعوائے اسلام کو ثابت کرنے کے لئے نماز تو پڑھتے ہیں؛ مگر چونکہ وہ نماز ہی کی فرضیت کے معتقد نہیں، اس لئے نہ اوقات کی پابندی کرتے ہیں نہ اصل نماز کی۔

ویمنعون الماعونَ، ماعون کے اصل لفظی معنی ''شئ قلیل'' کے ہیں، اس لئے ماعون ایسی استعمالی اشیاء کو کہا جاتا ہے جو عادۃً آپس میں عاریۃً دی جاتی ہیں، جیسے کلہاڑی، پھاوڑا یا کھانے پکانے کے برتن، چاقو، چھری وغیرہ ان اشیاء کا ضرورت کے وقت پڑوسیوں سے مانگ لینا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا اور جو اس میں دینے سے بخل کرے، وہ بڑا کنجوس و کمینہ سمجھا جاتا ہے، آیتِ مذکورہ میں لفظ ماعون سے بعض نے زکوٰۃ مراد لی ہے اور زکوٰۃ کو ماعون اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ مقدار کے اعتبار سے نسبۃً بہت قلیل ہے یعنی صرف چالیسواں حصہ، حضرت علی، ابن عمر، حسن بصری، قتادہ، ضحاک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ وغیرہ جمہور مفسرین نے اس آیت میں ماعون کی تفسیر زکوٰۃ سے کی ہے۔ (مظہری) اور بعض روایات حدیث میں ماعون کی تفسیر استعمالی اشیاء سے کی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص معمولی چیزوں کے دینے میں کنجوسی کرتا ہے وہ زکوٰۃ کیا دے گا؟

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ الكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ او مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ اٰيَاتٍ.

سورۂ کوثر مکی یا مدنی ہے، تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ يَا مُحَمَّدُ الْكَوْثَرَ ۝ هُوَ نَهْرٌ فِي الجَنَّةِ او هُوَ حَوْضُهُ تَرِدُ عَلَيه اُمَّتُه اَوِ الكَوْثَرُ الخَيْرُ الكَثِيْرُ مِنَ النُّبُوَّةِ والقُرْاٰنِ والشَّفَاعَةِ ونَحْوِهَا فَصَلِّ لِرَبِّكَ صَلَاةَ عِيْدِ النَّحْرِ وَانْحَرْ ۝ نُسُكَكَ إِنَّ شَانِئَكَ اى مُبْغِضَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝ المُنْقَطِعُ عَن كُلِّ خَيْرٍ او المُنْقَطِعُ العَقْبِ نَزَلَتْ فِي العَاصِ بنِ وَائِلٍ سَمَّى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم اَبْتَرَ عِنْدَ مَوْتِ ابْنِهِ القَاسِمِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اے محمد ﷺ! ہم نے آپ ﷺ کو نہر کوثر عطا کی، (کوثر) جنت میں ایک نہر یا حوض ہے، جس پر آپ ﷺ کی امت وارد ہوگی، یا کوثر خیر کثیر کو کہتے ہیں، جو کہ نبوت، قرآن اور شفاعت اور ان جیسی چیزیں ہیں، پس آپ ﷺ اپنے رب کے لئے عیدالاضحٰی کی نماز پڑھئے اور اپنی قربانی کیجئے یقیناً آپ ﷺ کا دشمن ہی دم بریدہ (لاوارث) ہے (یعنی ہر خیر سے منقطع ہے یا منقطع النسل ہے)، (یہ آیت) عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی، جس نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے صاحبزادے قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے وقت ابتر (یعنی منقطع النسل) کہا تھا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَلْكَوْثَرَ جنت کی ایک نہر یا حوض کا نام ہے، سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کوثر ہر اس شئ کو کہتے ہیں جس میں خیر زیادہ ہو، کَوْثَرَ كَثِيْرَة سے ماخوذ ہے جیسے نَوْفَل نَفْلٌ سے بنا ہے، جو چیز تعداد میں کثیر اور باعظمت ہو، اس کو عرب کوثر کہتے ہیں۔

قَوْلُهٗ: شَانِئَكَ تیرا دشمن، یہ شَنَاءٌ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی دشمنی کے ہیں۔

قَوْلُهٗ: اَبْتَر لاولد، دم کٹا، یہ بَتْرٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے، (ن س) بَتْرًا کاٹنا، کٹنا، باتِر، شمشیر براں۔

تفسیر وتشریح

شانِ نزول:

ابن ابی حاتم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے سدّی سے اور بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت محمد بن علی بن حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کی اولاد ذکور مرجائے اس کو عرب ابتــر یعنی مقطوع النسل کہتے تھے، جس وقت آپ ﷺ کے صاحبزادے قاسم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یا ابراہیم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا بچپن میں انتقال ہوگیا، تو کفار مکہ آپ ﷺ کو ابتــر کا طعنہ دینے لگے، طعنہ دینے والوں میں عاص بن وائل کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے، اس پر سورۂ کوثر نازل ہوئی۔ (معارف ملخصًا)

بعض روایات میں ہے کہ کعب بن اشرف یہودی ایک مرتبہ مکۃ المکرمہ آیا تو قریش مکہ اس کے پاس گئے اور کہا کہ آپ اس نوجوان کو نہیں دیکھتے جو کہتا ہے کہ وہ ہم سب سے دین کے اعتبار سے بہتر ہے؟ حالانکہ ہم حجاج کی خدمت کرتے ہیں اور بیت اللہ کے نگہبان ہیں، لوگوں کو پانی پلاتے ہیں، کعب نے یہ بات سن کر کہا تم لوگ اس سے بہتر ہو، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔
(ابن کثیر)

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ، امام بخاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے اس کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کوثر وہ خیر کثیر ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی ہے، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے خاص شاگرد سعید بن جبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کسی نے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کــوثــر جنت کی ایک نہر کا نام ہے؟ تو سعید بن جبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا کہ وہ جنت کی نہر جس کا نام کوثر ہے وہ بھی اس خیر کثیر میں داخل ہے۔

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ او مَدَنِيَّةٌ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۂ کافرون مکی یا مدنی ہے، چھ آیتیں ہیں۔

نَزَلَتْ لَمَّا قَالَ رَهطٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْبُدُ اٰلِهَتَنَا سَنَةً ونَعْبُدُ اِلٰهَكَ سَنَةً.

یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے یہ کہا کہ تم ہمارے معبودوں کی ایک سال بندگی کرو اور ایک سال ہم تمہارے معبود کی بندگی کریں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ① لَآ اَعْبُدُ فِي الحَالِ مَا تَعْبُدُوْنَ ② مِنَ الاَصْنَامِ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ فِي الحَالِ مَآ اَعْبُدُ ③ وهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَحْدَهٗ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ فِي الاِسْتِقْبَالِ مَّا عَبَدْتُّمْ ④ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ فِي الاِسْتِقْبَالِ مَآ اَعْبُدُ ⑤ عَلِمَ اللّٰهُ مِنْهُم اَنَّهُمْ لا يُؤمِنُوْنَ واِطْلَاقُ ما عَلَى اللّٰهِ على جِهَةِ المُقَابَلَةِ لَكُمْ دِيْنُكُمْ الشِّرْكُ وَلِيَ دِيْنِ ⑥ الاِسْلَامُ وهٰذا قبلَ ان يُؤمَرَ بِالحَرْبِ وحَذَفَ يَاءَ الاِضَافَةِ السَّبْعَةُ وَقْفًا ووَصْلاً واَثْبَتَها يَعْقُوبُ فى الحَالَيْنِ.

ع ۱ / ۲۴

تَرجَمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آپ ﷺ کہہ دیجئے، اے کافرو! نہ میں فی الحال ان بتوں کی بندگی کرتا ہوں جن کی تم بندگی کرتے ہو اور نہ فی الحال تم بندگی کرتے ہو اس کی جس کی میں بندگی کرتا ہوں اور وہ اللہ وحدہ ہے، اور نہ میں آئندہ بندگی کرنے والا ہوں جن کی تم بندگی کرتے اور نہ تم آئندہ بندگی کرنے والے ہو اس کی جس کی میں بندگی کرتا ہوں اللہ کو ان کے بارے میں علم تھا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور مَــا، کا اللہ پر اطلاق بطور مقابلہ ہے، تمہارے لئے تمہارا دین شرک ہے اور میرے لئے میرا دین اسلام ہے، اور یہ حکم، جہاد کا حکم دیئے جانے سے پہلے کا ہے اور قـرّاء سبعة نے یـاء اضافت کو وقفاً اور وصلاً حذف کر دیا، اور یعقوب نے دونوں حالتوں میں باقی رکھا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ایھا الکافرون اس کے مخاطب مخصوص کافر ہیں جن کے بارے میں اللہ کو علم تھا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: فی الحال لفظ فی الحال حقیقی صورت حال پر دلالت کرنے کے لئے ہے، یعنی واقعہ یہی ہے کہ نہ میں تمہارے معبودوں کی بندگی کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی بندگی کرتے ہو۔

قَوْلُہٗ: فی الاستقبال، فی الاستقبال کا اضافہ ایک سوال مقدر کے جواب کے لئے ہے۔

سَوَالٌ: آیت میں اعبد کی تکرار ہے جو کہ پسندیدہ نہیں ہے؟

جَوَابٌ: تکرار نہیں ہے؛ اس لئے کہ اول میں حال اور دوسرے میں استقبال مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: عَلِمَ اللّٰہُ مِنْھُمْ اَنَّھُمْ لا یُؤْمِنُوْنَ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سَوَالٌ: آپ ﷺ مشرکین مکہ کے ایمان سے کیوں ناامید ہوگئے؛ حالانکہ آپ ﷺ کی بعثت تو ان کی ہدایت ہی کے لئے ہوئی تھی؟ نیز آپ ﷺ تو ان کے ایمان پر بہت زیادہ حریص تھے۔

جَوَابٌ: ایمان نہ لانے کی اطلاع کچھ مخصوص کافروں کے بارے میں ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی بتلا دیا تھا کہ فلاں فلاں ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: واِطلاقُ ما، عَلَی اللّٰہِ علٰی وجہ المُقَابَلَۃِ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: سوال یہ ہے کہ مَا، کا اطلاق غیر ذوی العقول پر ہوتا ہے نہ کہ ذوی العقول پر حالانکہ یہاں مَا، کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے ہوا ہے جو کہ خلاف ضابطہ ہے؟

جَوَابٌ: یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے؛ بلکہ بعض نحویین کے نزدیک ما، کا اطلاق ذوی العقول پر بھی درست ہے؛ لہٰذا اس صورت میں جواب کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اور جن لوگوں کے یہاں مَا، کا اطلاق ذوی العقول پر درست نہیں ہے تو ان کی طرف سے یہ جواب ہوگا کہ یہ مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے؛ چونکہ سابق میں بتوں کیلئے مَا کا استعمال کیا گیا ہے؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ کیلئے بھی مَا کا استعمال کیا گیا، اور مشاکلت کی رعایت رکھنا فصاحت کے مقتضٰی کے عین مطابق ہے۔

تفسیر و تشریح

اس سورت کے فضائل اور خواص:

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طواف کی دو رکعتوں اور فجر اور مغرب کی سنتوں میں "قل یٰٓاَیُّھا الکافرون" اور سورۂ اخلاص پڑھتے تھے، اسی طرح آپ ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ رات کو سوتے وقت یہ

سورت پڑھ کر سوؤ گے تو شرک سے بری قرار پاؤ گے۔ (مسند احمد، ترمذی)

حضرت جبیر بن مطعم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب تم سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوش حال، بامراد ہو اور تمہارا سامان زیادہ ہو جائے؟ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ بے شک میں ایسا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ آخر قرآن کی پانچ سورتیں یعنی **قل یٰاَیُّھا الکافرون** سے آخر تک پڑھا کرو اور ہر سورت بسم اللہ سے شروع کرو اور بسم اللہ ہی پر ختم کرو، حضرت جبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ اس وقت میرا حال یہ تھا کہ سفر میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے بالمقابل قلیل الزاد اور خستہ حال ہوتا تھا، جب رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم پر عمل کیا، میں سب سے بہتر حال میں رہنے لگا۔ (مظہری، معارف)

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو بچھو نے کاٹ لیا تو آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگایا آپ ﷺ پانی اور نمک کاٹنے کی جگہ لگاتے جاتے تھے اور **قل یأیُّھا الکافرون**، اور **قل اعوذ برب الفلق**، اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھتے جاتے تھے۔ (مظہری، معارف)

شانِ نزول:

ابن اسحاق کی روایت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبد المطلب اور اُمیہ بن خلف رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آؤ ہم آپس میں اس پر صلح کریں کہ ایک سال آپ ﷺ ہمارے بتوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ ﷺ کے معبود کی عبادت کریں۔ (قرطبی)

اور طبرانی کی روایت حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے یہ ہے کہ کفار نے اول تو باہمی مصالحت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ صورت پیش کی کہ ہم آپ ﷺ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ ﷺ سارے مکہ میں سب سے زیادہ مال دار ہو جائیں اور جس عورت سے آپ ﷺ چاہیں آپ ﷺ کا نکاح کر دیں، آپ ﷺ صرف اتنا کریں کہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہا کریں، اور اگر آپ ﷺ یہ بھی نہیں مانتے تو ایسا کریں کہ ایک سال ہم آپ ﷺ کے معبود کی عبادت کیا کریں اور ایک سال آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کریں۔ (مظہری)

ابو صالح کی روایت حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے باہمی مصالحت کے لئے یہ صورت پیش کی تھی کہ آپ ﷺ ہمارے بتوں میں سے بعض کو صرف ہاتھ لگا دیں تو ہم آپ ﷺ کی تصدیق کرنے لگیں گے، اس پر جبرئیل امین سورۂ کافرون لے کر نازل ہوئے جس میں کفار کے اعمال سے براءت اور خالص اللہ کی عبادت کا حکم ہے، شان نزول میں جو متعدد واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ سب ہی واقعات پیش آئے ہوں اور ان سب کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی ہو، جس کا حاصل ایسی مصالحت سے روکنا ہے۔

تنبیہ: کافر، کا لفظ کوئی گالی نہیں ہے جو اس آیت کے مخاطبوں کو دی گئی ہی؛ بلکہ عربی زبان میں کافر کے معنی انکار کرنے

والے اور نہ ماننے والے کے ہیں اور اس کے مقابل مومن کا لفظ مان لینے اور تسلیم کر لینے والے کے لئے بولا جاتا ہے۔

کفار سے صلح کے بعض مسائل:

سورۂ کافرون میں کفار کی پیش کی ہوئی مصالحت کی چند صورتوں کو بالکلیہ رد کرنے کے بعد اعلان براءت کیا گیا، مگر خود قرآن کریم میں یہ ارشاد بھی موجود ہے: فَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا یعنی کفار اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جایئے (معاہدۂ صلح کر لیجئے) اور مدینہ طیبہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو یہود مدینہ سے آپ ﷺ کا معاہدۂ صلح مشہور و معروف ہے، اس لئے بعض مفسرین نے سورۂ کافرون کو منسوخ کہہ دیا ہے اور منسوخ کہنے کی بڑی وجہ ''لکم دینکم ولی دین'' کو قرار دیا ہے؛ کیونکہ یہ احکام بظاہر جہاد کے منافی ہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ یہاں ''لکم دینکم ولی دین'' کا مطلب یہ نہیں کہ کفار کو کفر کی اجازت یا کفر پر برقرار رکھنے کی ضمانت دے دی گئی؛ بلکہ اس کا حاصل وہی ہے جو ''لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ'' کا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھگتو گے، اس لئے راجح اور صحیح جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ یہ سورت منسوخ نہیں جس قسم کی مصالحت سورۂ کافرون کے نزول کا سبب بنی وہ جیسے اس وقت حرام تھی آج بھی حرام ہے اور جس صورت کی اجازت آیت مذکورہ میں آئی اور رسول اللہ ﷺ کے معاہدۂ یہود سے عملاً ظاہر ہوئی، وہ جیسے اس وقت جائز تھی آج بھی جائز ہے، بات صرف محل اور موقع کو سمجھنے اور شرائط صلح کو دیکھنے کی ہے جس کا فیصلہ خود رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں فرمایا ہے، جس میں کفار سے معاہدہ کو جائز قرار دینے کے ساتھ ایک استثناء کا ارشاد ہے وہ یہ ہے اِلَّا صُلْحًا اَحَلَّ حَرَامًا اَوْ حَرَّمَ حَلَالًا یعنی ہر صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس کی رو سے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال یا حرام کی ہوئی کس چیز کو حرام قرار دیا گیا ہو، اب غور کیجئے کہ کفار مکہ نے صلح کی جو صورتیں پیش کی تھیں، ان سب میں کم از کم کفر اور اسلام کی حدود میں التباس یقینی ہے اور بعض صورتوں میں تو شرک تک کا ارتکاب لازم آتا ہے، ایسی صلح سے سورۂ کافرون نے اعلانِ براءت کیا ہے اور دوسری جگہ جس صلح کو جائز قرار دیا اور معاہدۂ یہود سے اس کی عملی صورت معلوم ہوئی۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں اصول اسلام کا خلاف کیا گیا ہو یا کفر و اسلام کی حدود آپس میں ملتبس ہوئی ہوں، اسلام سے زیادہ کوئی مذہب رواداری، حسنِ سلوک، صلح و سالمیت کا داعی نہیں؛ مگر صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے، خدا کے قانون اور اصول دین میں کسی صلح و مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں۔

(واللہ اعلم، معارف)

تمت

سُوْرَةُ النَّصرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ اٰيَاتٍ.

سورۂ نصر مدنی ہے، تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ** نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم عَلٰى اَعْدَائِهِ **وَالْفَتْحُ** ① فَتْحُ مَكَّةَ **وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ** اَيِ الاِسْلَامِ **اَفْوَاجًا** ② جَمَاعَاتٍ بَعْدَ مَا كَانَ يَدْخُلُ فيه وَاحِدٌ وَاحِدٌ وذٰلِكَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَ العَرَبُ مِنْ اَقْطَارِ الاَرْضِ طَائِعِيْنَ **فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ** اى مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهِ **وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا** ③ وكَانَ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم بَعْدَ نُزُوْلِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ يُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وبِحَمْدِهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ واَتُوْبُ اِلَيْهِ وعَلِمَ بها اَنَّهُ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُ وكَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فِى رَمَضَانَ سَنَةَ ثَمَانٍ وَتُوُفِّيَ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم فِى رَبِيعِ الاَوَّلِ سَنَةَ عَشَرٍ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب اپنے نبی ﷺ کے لئے اس کے دشمنوں پر اللہ کی مدد آجائے، اور فتح مکہ نصیب ہو جائے اور تو لوگوں کو دیکھ لے کہ اللہ کے دین اسلام میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں بعد اس کے کہ دین میں ایک ایک کر کے داخل ہو رہے تھے، اور یہ صورت حال فتح مکہ کے بعد ہوئی کہ عرب بخوشی اطراف و جوانب سے (دین میں داخل ہونے کے لئے) آئے، تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرنے لگو اور اس سے مغفرت طلب کرو، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے؛ چنانچہ اس سورت کے نزول کے بعد آپ ﷺ سُبْحَانَ اللّٰه وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰه وَاَتُوْبُ اِلَيْه بکثرت پڑھا کرتے تھے، اور اس سے سمجھ گئے تھے کہ آپ ﷺ کا انتقال کا وقت قریب آگیا ہے، اور فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوا اور آپ ﷺ کی وفات ربیع الاول ۱۰ھ میں ہوئی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اِذَا جَاءَ، المجیء دراصل موجود غائب کے حاضر ہونے کو کہتے ہیں، یہاں ایسا نہیں ہے؛ اس لئے کہ فتح پہلے سے موجود نہیں تھی کہ وہ آگئی ہو، اس لئے یہاں جاء بمعنی حَصَلَ و حَقَّقَ ہے، یا یہ کہا جائے کہ جس چیز کا موجود ہونا تقدیر الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے گویا کہ وہ موجود ہے اور جب اس موجود ہونے کا وقت آیا تو گویا پہلے وہ غائب تھی اب حاضر ہوگئی، اس صورت میں جاء اپنے حقیقی معنی میں ہوگا، اِذَا شرطیہ ہے اور فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اس کی جزاء ہے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہو، اور اگر سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہو، تو اِذَا بمعنی اِذْ ہوگا اور محذوف کے متعلق ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی، اَكْمَلَ اللّٰهُ الْاَمْرَ وَاَتَمَّ النِّعْمَةَ عَلَى الْعِبَادِ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ.

قَوْلُهٗ: نصر اللّٰه یہ مصدر مضاف الی الفاعل ہے اور اس کا مفعول نَبِيَّهٗ محذوف ہے، جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے۔

قَوْلُهٗ: الفتح کوفیین کے نزدیک الفتح میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے، ای فتحهٗ.

قَوْلُهٗ: اَفواجًا، یدخلون کے فاعل سے حال ہے، اگر رویت بصریہ مراد ہو، اور اگر رویت علمیہ مراد ہو تو مفعول ثانی ہے۔

تفسیر و تشریح

یہ سورت بالا جماع مدنی ہے اس سورت کا ایک نام سورۃ التودیع بھی ہے، تودیع کے معنی رخصت کرنے کے ہیں، اس سورت میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے قریب ہونے کی طرف اشارہ ہے، اس لئے اس کو سورۃ التودیع بھی کہا گیا ہے۔

قرآن مجید کی آخری سورت اور آخری آیات:

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے منقول ہے کہ سورۂ نصر قرآن مجید کی آخری سورت ہے۔

(قرطبی، معارف)

مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی، بعض آیات کا جو اس کے بعد نازل ہونا بعض روایات سے ثابت ہے وہ اس کے منافی نہیں۔

حضرت ابن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے فرمایا کہ یہ سورت حجۃ الوداع میں نازل ہوئی، اس کے بعد آیت "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" نازل ہوئی، ان دونوں کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں صرف اسّی روز بقید حیات رہے، ان دونوں کے بعد آیت "کلالہ" (الآیة) نازل ہوئی جس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی عمر کے کل پچاس دن رہ گئے تھے، اس کے بعد آیت "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" (الآیة) نازل ہوئی، جس کے بعد آپ ﷺ کی عمر شریف

کے کل ۳۵/ روز باقی تھے، اس کے بعد آیت "اتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ" نازل ہوئی جس کے بعد صرف اکیس روز باقی تھے اور مقاتل کی روایت کے مطابق اس کے صرف سات روز کے بعد آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ (معارف، قرطبی)

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اس سورت میں فتح سے فتح مکہ مراد ہے؛ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی یا بعد میں؟ لفظ اِذَا جَـــاءَ سے بظاہر قبلِ فتح مکہ نازل ہونا معلوم ہوتا ہے، روح المعانی میں بحرمحیط سے ایک روایت بھی اس کے موافق نقل کی ہے، جس میں اس سورت کا نزول غزوۂ خیبر سے لوٹنے کے وقت بیان کیا گیا ہے اور خیبر کی فتح مکہ سے یقیناً مقدم ہے نیز روح المعانی میں بسند عبد بن حمید حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس سورت کے بعد دو سال زندہ رہے، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا؛ کیونکہ فتح مکہ سے وفات تک کی مدت دو سال سے کم ہے، فتح مکہ ۸ھ رمضان المبارک میں ہوئی، اور آپ ﷺ کی وفات ربیع الاول ۱۰ھ میں ہوئی اور جن روایات میں اس کا فتح مکہ یا حجۃ الوداع میں نازل ہونا بیان کیا گیا ہے ان کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ سورت پڑھی ہو جس سے لوگوں کو یہ خیال ہو گیا کہ یہ سورت ابھی نازل ہوئی ہے۔ (معارف)

آپ ﷺ کی وفات کے قریب آجانے کی طرف اشارہ:

متعدد احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہے کہ اس سورت میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت کا قریب آجانے کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ ﷺ کی بعثت اور دنیا میں قیام کا وقت پورا ہوگیا ہے؛ لہٰذا اب تسبیح واستغفار میں لگ جائیے، مقاتل کی روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مجمع میں اس کی تلاوت فرمائی، اس مجمع میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ موجود تھے، سب اس کو سن کر خوش ہوئے کہ اس میں فتح مکہ کی خوشخبری ہے؛ مگر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ رونے کا کیا سبب ہے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اس میں تو آپ ﷺ کی وفات کی خبر مضمر ہے، جس کی آپ ﷺ نے تصدیق فرمائی۔

جب موت قریب ہو تو تسبیح واستغفار کرنی چاہئے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو یہ دعاء کرتے: سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغفرلی. (بخاری)

سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ اَبِي لَهَبٍ مَكِيَّةٌ خَمْسُ اٰيَاتٍ.

سورۂ ابی لہب مکی ہے، پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لَمَّا دَعَا صَلَّى اللّٰه عليه وسلم قَوْمَهٗ وقَالَ اِنِّي نَذِيرٌ لكم بَيْنَ يَدَي عَذَابٍ شَدِيدٍ فقَالَ عَمُّه ابُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ اَلِهٰذا دَعَوْتَنَا نَزَلَ **تَبَّتْ** خَسِرَتْ **يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ** اى جُمْلَتُهٗ وعُبِّرَ عَنْهَا بِالْيَدَيْنِ مَجَازًا لِاَنَّ اَكْثَرَ الاَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِهِمَا وهٰذِهِ الجُمْلَةُ دُعَاءٌ **وَّتَبَّ**ؕ۝۱ خَسِرَ هُوَ وهٰذه خَبرٌ كَقَوْلِهم اَهْلَكَه اللّٰهُ وقَدْ هَلَكَ وَلَمَّا خَوَّفَهُ النبيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم بالعَذَابِ فَقَالَ اِنْ كَانَ ما يَقُولُ ابْنُ اَخِيْ حَقًّا فَاِنِّيْ اَفْتَدِيْ منه بِمَالِي وَوَلَدِي نَزَلَ **مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ**ؕ۝۲ و كَسْبُهٗ اَيْ وَلَدُهٗ واَغْنٰى بمعنٰى يُغْنِي **سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ**ۚۖ۝۳ اى تَلَهُّبٍ وتَوَقُّدٍ فهى مَآلُ تَكْنِيَتِهٖ لِتَلَهُّبِ وجهه اِشْرَاقًا وحُمْرَةً **وَّامْرَاَتُهٗ**ؕ عَطْفٌ عَلٰى ضَمِيرِ يَصْلٰى سَوَّغَهُ الفَصْلُ بِالْمَفْعُولِ وصِفَتِهٖ وهِيَ اُمُّ جَمِيْلٍ **حَمَّالَةَ** بالرفع والنَّصْبِ **الْحَطَبِ**ۚ۝۴ الشَّوْكِ والسَّعْدَانِ تُلْقِيهِ فِي طَرِيقِ النَّبِيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم **فِيْ جِيْدِهَا** عُنُقِهَا **حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ**ۧ۝۵ اى لِيْفٍ وهٰذِه الجُمْلَةُ حَالٌ مِن حَمَّالَةَ الحَطَبِ الَّذِي هُوَ نَعْتٌ لِامْرَأَتِهٖ او خَبرُ مُبْتَدَأٍ مُقَدَّرٍ.

ع ۱ ۳۶

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو پکارا اور کہا میں تم کو شدید عذاب آنے سے پہلے ڈراتا ہوں، تو آپ ﷺ کے چچا ابولہب نے کہا تیرا ناس ہو، کیا تو نے ہمیں اسی کے لئے بلایا؟ تو تبت یدا نازل ہوئی، ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے، یعنی وہ خود ہلاک ہوگیا، اور ذات کو دونوں ہاتھوں سے مجازاً تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ اکثر افعال ہاتھوں ہی کی شرکت سے ہوتے ہیں، یہ جملہ بددعاء ہے اور ہلاک ہوگیا اور یہ (جملہ) بددعاء کی قبولیت کی خبر ہے، جیسا کہ عرب کہتے ہیں "اَهْلَكَهُ اللّٰهُ وَقَدْ هَلَكَ" اور جب اس کو

نبی ﷺ نے عذاب سے ڈرایا تو اس نے کہا جو کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے اگر وہ حق ہے تو میں اس کا اپنے مال اور اولاد سے فدیہ دے دوں گا، تو "مَا اَغْنٰی عنه مالهٗ وَمَا کَسَبَ" نازل ہوئی، اس کے نہ اس کا مال کام آیا اور نہ اولاد، اور اَغْنٰی بمعنی یُغْنِی ہے، اور وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں جائے گا، یعنی شعلہ زن، سلگنے والی آگ میں، یہ انجام ہے اس کی کنیت کا، اس کے چہرے کے دمکنے کی وجہ سے، چمک اور سرخی کے اعتبار سے، اور اس کی بیوی بھی جائے گی اس کا عطف یَصْلٰی کی ضمیر پر ہے مفعول اور اس کی صفت کے فصل نے اس عطف کو جائز کر دیا ہے اور اس کی بیوی ام جمیل ہے جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے، حَمَّالَةٌ رفع اور نصب کے ساتھ ہے یعنی کانٹوں کو اور سعدان (کانٹے دار گھاس) کو ڈھونے والی ہے، جن کو وہ نبی ﷺ کے راستہ میں ڈالتی تھی، اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی یعنی چھال کی اور یہ جملہ حَمَّالَةَ الحطب سے حال ہے جو کہ امرأة کی صفت ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ اس سورت کو سورۂ مَسَدْ اور سورۂ ابی لَہَبْ بھی کہتے ہیں، ابولہب کا اصل نام عبد العزیٰ ہے، اپنے حسن و جمال اور چہرے کی سرخی کی وجہ سے اسے ابولہب (شعلہ فروزاں) کہا جاتا تھا، تَبَّتْ يدا ابی لَهَب بددعاء ہے اور وَتَبَّ قبولیت دعاء کی اطلاع ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ دونوں ہی بددعاء ہیں، ایک ہاتھوں کے لئے اور دوسری کل مجسم کے لئے، ہاتھوں سے بھی کل ہی مراد ہے؛ لہٰذا وتبّ، تَبَّتْ یدا کی تاکید ہوگی۔

قولہ: مَآلُ تَكْنِيَتِهٖ یعنی نار جہنم میں داخلہ اس کی کنیت کی تاثیر اور نتیجہ تھا۔

قولہ: لِتَلَهُّبِ وَجْهِهٖ یہ اس کی کنیت کی علت ہے، مطلب یہ کہ اس کی کنیت ابولہب اس لئے پڑی کہ وہ خوبصورتی اور سرخی میں شعلہ فروزاں کے مانند تھا؛ مگر یہی کنیت تلازم النار کی طرف پلٹ گئی۔

قولہ: وَامْرَاَتُهٗ اس کا عطف سیصلی کی ضمیر مرفوع مستتر پر ہے، یعنی نار جہنم میں ابولہب داخل ہوگا اور اس کی بیوی (ام جمیل جس کا نام اروی تھا) بھی اس آگ میں داخل ہوگی۔

قولہ: سَوَّغَهٗ الفصل الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: قاعدہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنے کے لئے ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ تاکید لانا ضروری ہوتی ہے؛ حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے؟

جواب: ضمیر مرفوع متصل مستتر پر عطف کرنے کے لئے دو شرطوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے، ایک یہ کہ ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید لائی جائے اور دوسرے یہ کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل واقع ہو، اور یہاں دوسری شرط موجود ہے؛ اس لئے کہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان مفعول یعنی نارًا اور اس کی صفت یعنی ذات لَهَبٍ کا فصل موجود ہے؛ لہٰذا اب

کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: ام جمیل، ام جمیل ابوسفیان بن حرب کی بہن تھی اور عوراء یعنی کانی تھی۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: بالرفع والنصب، حمّالَۃٌ میں رفع اور نصب دونوں جائز ہیں، رفع یا تو امْرَأتہ کی صفت ہونے کی وجہ سے (اور یہ جائز ہے اس لئے کہ حمالة الحطب میں اضافت حقیقیہ ہے) یا امْرأتُہ سے عطف بیان ہونے کی وجہ سے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو، ای ھِیَ حَمَّالَۃُ الحَطَب، ایک قراءت نصب کی بھی ہے اور اس کا ناصب فعل محذوف ہے، ای اعنی حمّا لة الحطب (یا) اَذُمُّ حَمّالة الحطب، حَطَبْ ایک خاردار گھاس ہے جس کو ہندی میں ''اونٹ کٹارا'' کہتے ہیں، اس گھاس کو اونٹ کے علاوہ کوئی جانور نہیں کھاتا اور خشک ہونے کے بعد وہ بھی نہیں کھاتا۔

قَوْلُہٗ: لِیْفٍ، لیف کی جمع اَلیاف ہے، کھجور کے درخت کی چھال کو کہتے ہیں، مطلقاً چھال کو بھی کہتے ہیں، مونجھ جس کی عام طور پر رسّی بنائی جاتی ہے وہ بھی ایک قسم کی چھال ہی ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: ھذہ الجملة، یعنی مبتداء وخبر سے مرکب جملہ اور وہ فی جیدھا حبل من مَسَدٍ ہے، حَبْلٌ موصوف، من مَسَدٍ، کائن کے متعلق ہو کر صفت، موصوف صفت سے مل کر مبتدا مؤخر، فی جیدھا خبر مقدم، مبتداء خبر سے مل کر جملہ ہو کر حمالة الحطب سے حال ہے۔

تفسیر وتشریح

ابولہب کا اصلی نام عبدالعزی تھا، یہ آنحضرت ﷺ کا حقیقی چچا تھا، اس کو ابولہب اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کا رنگ بہت چمکتا ہوا، سرخ وسفید تھا، لہب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں اور ابولہب کے معنی ہیں: شعلہ رو، یہاں اس کا اصل نام ذکر کرنے کے بجائے اس کی کنیت کو ذکر کرنے کی کئی وجوہ ہوسکتی ہیں، اوّل یہ کہ وہ اپنے اصلی نام کے بجائے اپنی کنیت سے معروف تھا، دوّم یہ کہ اس کا اصل نام عبدالعزیٰ مشرکانہ نام تھا جس کو قرآن میں پسند نہیں کیا گیا، سوّم یہ کہ اس کا انجام جو اس سورت میں بیان کیا گیا ہے اس کے ساتھ اس کی یہ کنیت زیادہ مناسبت رکھتی ہے، یہ شخص آپ ﷺ کا بے حد دشمن اور اسلام کا شدید مخالف تھا۔

شان نزول:

صحیحین میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر آیت ''وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ'' نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے قبیلہ قریش کے لوگوں کو یَاصَبَاحَاہ، یا بنی عبد مناف اور یابنی عبد المطلب وغیرہ کہہ کر آواز دی، سب قریش جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن تم پر صبح شام میں حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم لوگ میری تصدیق کرو گے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا ہاں! ضرور تصدیق کریں گے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں عذابِ شدید سے ڈراتا ہوں، یہ سن کر ابولہب نے کہا ''تبًّا لَکَ اَلِھذا جَمَعْتَنَا'' اور آپ ﷺ کو مارنے کے لئے ایک پتھر

اٹھالیا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ اس کے معنی بعض مفسرین نے "ٹوٹ جائیں ابولہب کے ہاتھ" بیان کئے ہیں، اور تبت کا مطلب بیان کیا ہے کہ وہ خود ہلاک ہوجائے یا وہ ہلاک ہوگیا، لیکن درحقیقت یہ کوئی کوسنا نہیں ہے جو اس کو دیا گیا ہو؛ بلکہ ایک پیشین گوئی ہے جس میں آئندہ پیش آنے والی بات کو ماضی کے صیغوں میں بیان کیا گیا ہے، گویا کہ اس کا ہونا ایسا یقینی ہے جیسے وہ ہوچکی، اور فی الواقع آخر کار وہی کچھ ہوا جو اس سورت میں چند سال پہلے بیان کیا جاچکا تھا، ہاتھ ٹوٹنے سے ظاہر ہے کہ جسمانی ہاتھ ٹوٹنا مراد نہیں ہے؛ بلکہ کسی شخص کا اپنے اس مقصد میں قطعی ناکام ہوجانا مراد ہے جس کے لئے اس نے اپنا پورا زور لگا دیا ہو اور ابولہب نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو زک دینے کے لئے واقعی اپنا پورا زور لگا دیا تھا؛ لیکن اس سورت کے نزول پر سات آٹھ سال ہی گذرے تھے کہ جنگ بدر میں قریش کے اکثر و بیشتر وہ بڑے سردار مارے گئے جو اسلام کی دشمنی میں ابولہب کے ساتھی تھے، مکہ میں جب اس شکست کی خبر پہنچی تو اس کو اتنا رنج ہوا کہ وہ سات دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا، پھر اس کی موت بھی نہایت عبرتناک ہوئی، اسے عدسہ یعنی طاعون کی گلٹی یا (جدری) چیچک جو کہ ایک متعدی مرض ہے، لاحق ہوگیا، اس کی چھوت لگ جانے کے خوف سے گھر والوں نے بھی اسے الگ ڈال دیا یہاں تک کہ اسی بے کسی کی حالت میں وہ مرگیا، تین روز تک اس کی لاش یونہی پڑی رہی، جب سڑنے لگا تو مزدوروں سے اٹھوا کر دبوا دیا گیا، اس کی مزید اور مکمل شکست اس طرح ہوئی کہ جس دین کی راہ روکنے کے لئے اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا اسی دین کو اس کی اولاد نے قبول کرلیا، سب سے پہلے اس کی بیٹی دُرّہ ہجرت کرکے مکہ سے مدینہ پہنچیں اور اسلام لائیں پھر فتح مکہ کے موقع پر اس کے دونوں بیٹے عُتبہ اور مُعتب، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وساطت سے حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوئے اور ایمان لاکر آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ابولہب بہت سخت بخیل اور زر پرست آدمی تھا، ابن اثیر کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک مرتبہ اس پر یہ الزام بھی لگایا گیا تھا کہ اس نے کعبہ کے خزانے میں سے سونے کے دو ہرن چرالئے ہیں، اگرچہ بعد میں وہ ہرن دوسرے شخص کے پاس سے برآمد ہوئے؛ لیکن بجائے خود یہ بات کہ اس پر یہ الزام لگایا گیا، یہ ظاہر کرتی ہے کہ مکہ کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے، اس کی مالداری کے متعلق قاضی رشید بن زبیر اپنی کتاب "الذخائر والتحف" میں لکھتے ہیں کہ وہ قریش کے ان چار آدمیوں میں سے تھا جو ایک قنطار سونے کے مالک تھے، اس کی زر پرستی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جب کہ اس کے مذہب کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا قریش کے تمام سردار لڑنے کے لئے گئے؛ مگر اس نے عاص بن ہشام کو اپنی طرف سے لڑنے کے لئے بھیج دیا اور کہا کہ یہ ان چار ہزار درہموں کا بدل ہے جو میرے تیرے ذمہ قرض ہیں، اس طرح اس نے اپنا قرض وصول کرنے کی ایک ترکیب نکال لی؛ کیونکہ عاص دیوالیہ ہوچکا تھا اور اس سے رقم ملنے کی کوئی امید نہ تھی۔

مَا كَسَبَ بعض مفسرین نے مَا كَسَبَ کے معنی کمائی کے لئے ہیں یعنی وہ نفع جو اس نے تجارت وغیرہ میں کمایا، اور بعض مفسرین نے اس سے اولاد مراد لی ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا "اِنَّ اطیب ما اکل من کسبه وَاِنَّ الولدَ مِنْ

كَسْبِهِ'' یعنی جو کھانا آدمی کھاتا ہے اس میں سب سے زیادہ حلال وطیب وہ چیز ہے جو آدمی اپنی کمائی سے حاصل کرے اور آدمی کی اولاد بھی اس کے کسب میں داخل ہے یعنی اولاد کی کمائی کھانا بھی اپنی ہی کمائی سے کھانا ہے۔ (قرطبی)

اس لئے حضرت عائشہ، مجاہد، عطاء، ابن سیرین رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وغیرہ نے اس جگہ مَا كَسَبَ کی تفسیر اولاد سے کی ہے، ابولہب کو اللہ نے مال بھی بہت دیا تھا اور اولاد بھی، یہی دونوں چیزیں ناشکری کی وجہ سے اس کے فخر وغرور اور وبال کا سبب بنیں۔

وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الحطب جس طرح ابولہب کو آپ ﷺ سے سخت غیظ وغضب اور دشمنی تھی اس کی بیوی بھی اس دشمنی میں اس کی مدد کرتی تھی، اس کا نام اَرْوٰی تھا اور ام جمیل اس کی کنیت تھی، یہ ابوسفیان بن حرب کی بہن تھی، حضرت ابوبکر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کی صاحبزادی حضرت اسماء رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا کا بیان ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور ام جمیل نے اس کو سنا تو غصہ میں بھری ہوئی رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلی؛ اس کے ہاتھ میں پتھر تھے اور وہ حضور ﷺ کی ہجو میں اپنے ہی کچھ اشعار پڑھتی جارہی تھی، جب حرم میں پہنچی تو وہاں حضرت ابوبکر صدیق رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے ساتھ حضور تشریف فرما تھے حضرت ابوبکر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ آرہی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ آپ ﷺ کو دیکھ کر کوئی بے ہودہ حرکت کرے گی، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے دیکھ نہ سکے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ﷺ کے موجود ہونے کے باوجود آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکی، اور اس نے حضرت ابوبکر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سے کہا میں نے سنا ہے کہ تمہارے صاحب نے میری ہجو کی ہے؟ حضرت ابوبکر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے کہا اس گھر کے رب کی قسم انہوں نے تیری کوئی ہجو نہیں کی، اس پر وہ واپس چلی گئی۔ (ابن ابی حاتم، ابن ہشام نے بھی اسی سے ملتا جلتا واقعہ نقل کیا ہے)۔

حَمَّالَةَ الحَطَبِ اس کا لفظی ترجمہ ہے، ''لکڑیاں ڈھونے والی''، مفسرین نے اس کے متعدد معنی بیان کئے ہیں، ابن کثیر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى نے کہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورت جہنم میں اپنے شوہر کی آگ پر لکڑیاں لالا کر ڈالے گی؛ تاکہ آگ مزید بھڑکے یعنی جس طرح دنیا میں یہ کفر وشرک میں اپنے شوہر کی مددگار تھی آخرت میں بھی عذاب میں اس کی مددگار ہوگی، حضرت عبداللہ بن عباس، ابن زید، ضحاک اور ربیع بن انس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ کہتے ہیں کہ وہ رات میں خاردار ٹہنیاں لاکر رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر ڈال دیتی تھی، اس لئے اس کو لکڑیاں ڈھونے والی کہا گیا ہے، قتادہ، عکرمہ، حسن بصری، مجاہد، سفیان ثوری رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ، کہتے ہیں کہ وہ لوگوں میں فساد ڈلوانے کے لئے چغلیاں کھاتی پھرتی تھی، اس لئے اسے عربی محاورہ کے مطابق لکڑیاں ڈھونے والی کہا گیا ہے، فارسی محاورہ میں ایسے شخص کو، ''ہیزم کش'' کہتے ہیں، شیخ سعدی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى نے اسی مفہوم کو اس شعر میں ادا کیا ہے:

میان دوکس جنگ چوں آتش است سخن چین بدبخت ''ہیزم کش'' است

اردو محاورہ میں اسی کو ''جلتی پر تیل چھڑکنا'' کہتے ہیں، بہرحال اس سورت میں اس کی ہلاکت کو بیان کیا گیا ہے۔

سُوْرَۃُ الْاِخْلَاصِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اَرْبَعُ اٰیَاتٍ

سُوْرَۃُ الاِخْلَاصِ مَکِّیَّۃٌ او مَدَنِیَّۃٌ اربَعُ او خَمْسُ اٰیاتٍ.

سورۂ اخلاص مکی یا مدنی ہے، چار یا پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ سُئِلَ النبیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عَن رَبِّہٖ فنزَلَ **قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ** ۝ فَاللّٰہُ خبرُ ہُو وَاَحَدٌ بَدَلٌ مِنہ او خَبرٌ ثَانٍ **اَللّٰہُ الصَّمَدُ** ۝ مُبْتَدأٌ وَخبرٌ ای المَقْصُودُ فِی الحَوَائِجِ علی الدَّوامِ **لَمْ یَلِدْ** لانتِفاءِ مُجانَسَۃٍ **وَلَمْ یُوْلَدْ** ۝ لانتِفَاءِ الحُدوثِ عنہ **وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ** ۝ ای مُکَافِیًا ومُمَاثِلاً فلَہٗ مُتَعلِّقٌ بکُفُوًا وقُدِّمَ عَلَیہ لِاَنَّہٗ مَحطُّ القَصْدِ بالنَّفیِ واُخِّرَ اَحَدٌ وہُو اِسْمُ یکُنْ عَن خَبرِہا رِعَایَۃً لِلْفَاصِلَۃِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، نبی ﷺ سے ان کے رب کے بارے میں سوال کیا گیا تو قل ھو اللّٰہ احد نازل ہوئی، کہو وہ اللہ یکتا ہے، اللّٰہ، ھُوَ کی خبر ہے اور اَحَدٌ اس سے بدل ہے یا (مبتداء) کی خبر ثانی ہے، اللہ بے نیاز ہے یہ مبتدا خبر ہیں یعنی وہ حاجتوں میں ہمیشہ مقصود ہے، نہ اس کی کوئی اولاد مجانست کے منتفی ہونے کی وجہ سے نہ وہ کسی کی اولاد اس سے حدوث کے منتفی ہونے کی وجہ سے، اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے یعنی ہمسر اور مماثل نہیں، لَہٗ کُفُوًا سے متعلق ہے، لَہٗ کو کفوًا پر مقدم کر دیا گیا ہے؛ اسلئے کہ وہی (مماثل سے) مقصود بالنفی ہے اور اَحَدٌ کو جو کہ یکن کا اسم ہے اس کی خبر سے مؤخر کر دیا گیا ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سورۂ اخلاص، اس سورت کے متعدد نام ہیں اور کثرت اسماء شرف مسمی پر دلالت کرتے ہیں، صاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس کے بیس نام شمار کرائے ہیں؛ ان میں سے چند یہ ہیں: سورۃ التفرید، سورۃ التجرید، سورۃ التوحید، سورۃ الاخلاص، سورۃ التحیات، سورۃ الولایۃ، سورۃ النسبۃ، سورۃ المعرفۃ، سورۃ الجمال، سورۃ

المقشقشة، (تلك عشرة كاملة).

قِوْلَهُ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اس کی ترکیب میں چند صورتیں ہیں، ① هُوَ ضمیر شان مفسَّر مبتداء اور اللّٰہ الصمد مفسرِ جملہ ہو کر خبر ② هُوَ مبتداء اول، اللّٰہ مبتدا ثانی اور اَحَدٌ مبتدا ثانی کی خبر، مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر مبتداء اول کی خبر، اس صورت میں هُوَ کا مرجع وہ ہے جو سابق میں مذکور ہوا، اس لئے کہ قل هو اللّٰه احد، مشرکین کے سوال یا محمد! انسب لنا ربك، اے محمد ﷺ تو ہم سے اپنے رب کا نسب بیان کر، کے جواب میں ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ اللّٰه، هُوَ سے بدل ہو۔

قِوْلَهُ: اللّٰہ الصمد، اللّٰه مبتداء الصمد اس کی خبر، الصَّمَدُ مَا يُصْمد اليه فی الحاجات، کو کہا جاتا ہے، یعنی حاجتوں میں جس کی جانب قصد کیا جائے، فعل (يَصْمد) آتا ہے، مصدر بمعنی مفعول (مَصمودٌ) ہے۔

تَفسِیر وتشریح

سورۂ اخلاص کی فضیلت:

یہ سورت اگرچہ بہت مختصر ہے، مگر بڑے فضائل کی حامل ہے آپ ﷺ نے اس کو ثلث قرآن قرار دیا ہے۔

شان نزول:

مشرکین نے آپ ﷺ سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بیان کرو تب یہ سورت نازل ہوئی۔ (مسند احمد)

قُلْ هو اللّٰه احد اس حکم کے مخاطبِ اولین تو خود رسول اللہ ﷺ ہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ ہی سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ آپ ﷺ کا رب کون ہے اور کیسا ہے؟ اور آپ ﷺ ہی کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ ﷺ ان کے سوال کے جواب میں اللّٰہ اَحَدْ کہیں، لیکن حضور ﷺ کے بعد ہر مومن اس کا مخاطب ہے، اسے بھی وہی بات کہنا چاہئے جس کے کہنے کا حکم حضور ﷺ کو دیا گیا تھا۔

لفظ قل، اس میں نبی ﷺ کی نبوت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا حکم ہو رہا ہے اور اللہ اس ذات کا نام ہے جو واجب الوجود اور تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے، اَحَدْ اور وَاحد کا ترجمہ تو ایک ہی کیا جاتا ہے، مگر مفہوم کے اعتبار سے احد کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ترکیب وتحلیل، تعدد اور تجزیہ اور کسی شیٔ کی مشابہت ومشاکلت سے پاک ہے یعنی وہ ایک یا متعدد مادوں سے نہیں بنا ہے اور نہ اس میں تعدد کا کوئی امکان ہے، اس کے سو دنیا کی ہر شیٔ جفت اور طاق ہے، یہ جواب ہو گیا ان لوگوں کا جو اللہ تعالیٰ کے متعلق پوچھتے تھے کہ وہ سونے چاندی کا ہے یا کسی جوہر کا؟ اس ایک مختصر جملہ میں ذات وصفات کے سب مباحث آگئے۔

اللّٰه الصَّمَدُ لفظ صمد کے معنی میں بڑی وسعت ہے، اس کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں اور وہ سب صحیح ہیں، لیکن اصل معنی صمد کے ہیں وہ ذات کہ لوگ اپنی حاجات اور ضروریات میں جس کی طرف رجوع کریں اور جو بڑائی اور سرداری میں ایسا ہو کہ اس سے کوئی بڑا نہیں، خلاصہ یہ کہ سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔

لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ یہ ان لوگوں کا جواب ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نسب نامہ کا سوال کیا تھا کہ اس کو مخلوق پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جو توالد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہے، نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد۔

وَلَمْ یَکُنْ لَهٗ کُفُوًا اَحَد، کفو کے لفظی معنی مثل اور مماثل کے ہیں، معنی یہ ہے کہ نہ کوئی اس کا مثل ہے اور نہ ہی کوئی اس سے مشاکلت و مشابہت رکھتا ہے۔ (معارف)

سورۂ اخلاص میں مکمل توحید اور ہر طرح کے شرک کی نفی ہے:

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک سمجھنے والے، منکرین توحید کی دنیا میں مختلف اقسام ہوئی ہیں، سورۂ اخلاص نے ہر قسم کے مشرکانہ خیالات کی نفی کر کے مکمل توحید کا سبق دیا ہے؛ چنانچہ منکرین توحید میں ایک گروہ تو خود اللہ کے وجود ہی کا منکر ہے، جبکہ بعض وجود کے تو قائل ہیں مگر وجوب وجود کے منکر ہیں، بعض دونوں کے قائل ہیں مگر صفاتِ کمالات کے منکر ہیں، بعض یہ سب کچھ مانتے ہیں، مگر پھر بھی غیر اللہ کو عبادت میں شریک ٹھہراتے ہیں، ان سب خیالات باطلہ کا ردّ اللّٰه الصمد میں ہو گیا، بعض لوگ عبادت میں بھی کسی کو شریک نہیں کرتے؛ مگر حاجت روا کارساز اللہ کے سوا دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں، ان کے خیالات کا ابطال لفظ صمد میں ہو گیا، بعض لوگ اللہ کے لئے اولاد کے قائل ہیں ان کا رد لَمْ یَلِدْ میں ہو گیا۔ (معارف)

لہٰذا اس مختصر مگر جامع سورت سے ہر طرح کے شرک کی نفی ہو گئی جس کی طرف راہ نکالنے کی کسی قسم کی اب قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تمت

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ او مَدنية خمْسُ اٰياتٍ.

سورۂ فلق مکی یا مدنی ہے، پانچ آیتیں ہیں۔

نَزَلَتْ هٰذه والتى بَعْدَها لمّا سَحَرَ لَبِيْدٌ اليَهُوْدِيُّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم فِى وترٍ به اِحْدى عَشَرَةَ عُقْدَةً فَاَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِذٰلكَ وبمحلهٖ فأُحضِرَ بَيْنَ يَدَيْهِ صلى الله عليه وسلم واُمِرَ بالتَّعَوُّذِ بالسُّورَتَيْنِ فَكَانَ كُلَّمَا قَرَأ اٰيَةً مِنهُما انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ وَوَجَدَ خِفَّةً حَتّٰى انْحَلَّتِ العُقَدُ كُلُّها وقَامَ كَاَنَّمَا نُشِطَ مِن عِقَالٍ.

یہ سورت اور اس کے بعد والی سورت اس وقت نازل ہوئی جب کہ لبید یہودی نے نبی ﷺ پر ایک تانت کی گیارہ گرہوں میں جادو کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سحر کی اور اس کی جگہ کی اطلاع فرمادی، آپ ﷺ کے سامنے اس کو لایا گیا اور دونوں سورتوں کے ذریعہ تعوذ (پناہ) کا حکم دیا گیا، جب آپ ﷺ ان دونوں سورتوں میں سے ایک آیت پڑھتے تھے، تو ایک گرہ کھل جاتی تھی اور آپ ﷺ ہلکا پن محسوس فرماتے، یہاں تک کہ تمام گرہیں کھل گئیں اور آپ ﷺ اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے جیسا کہ آپ ﷺ کو بندشوں سے کھولا گیا۔

قَوْلُہٗ: فَاُحْضِرَ بَيْنَ يَدَيْهِ ﷺ، یعنی لبید بن الاعصم کو آپ ﷺ کے سامنے حاضر کیا گیا، (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو بلا کر لائے تھے)۔

قَوْلُہٗ: فى وَتَرٍ! وَتَرْ تانت جو کہ جانوروں کی آنت سے بنائی جاتی ہے، یہ ایک قسم کی رگ ہے جو مضبوط دھاگے جیسی ہوتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ**① الصُّبحِ **مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ**② مِن حَيَوانٍ مُكَلَّفٍ وغَيرِ مُكلَّفٍ وجَمَادٍ كَالسَّمِّ وغَيرِ ذٰلك **وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ**③ اَى اللَّيلِ اِذَا اَظْلَمَ او القَمرِ اِذَا غَابَ **وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ** السَّوَاحِرِ تَنْفُثُ **فِى الْعُقَدِ**④ الَّتِى تَعْقُدُهَا فِى الخَيْطِ تَنْفخُ فيها بشَىءٍ تَقُولُه مِنْ غَيرِ رِيْقٍ وقَالَ الزَّمَخْشَرِىُّ مَعَهُ كَبنَاتِ لَبِيْدِ المَذْكُورِ **وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ**⑤ اَظْهَرَ حَسَدَهُ وعَمِلَ بِمُقْتَضَاهُ

كَـلَبِيدِ الـمَذْكُورِ مِنَ اليَهُودِ الحَاسِدِينَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم وذِكْرُ الثَّلَاثَةِ الشَّامِلِ لَهَا مَا خَلَقَ بَعْدَهُ لِشِدَّةِ شَرِّهَا.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم ولا ہے، کہو کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی (یعنی) حیوان مکلّف اور غیر مکلّف کے شر سے اور جماد کے شر سے مثلاً زہرہ وغیرہ، اور رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے، یعنی رات کے شر سے جب وہ تاریک ہو جائے، یا چاند کے شر سے جب وہ غروب ہو جائے، اور پھونکنے والی جادوگرنیوں کے شر سے جو گرہوں میں تھوک کے بغیر پھونکیں وہ گرہیں کہ جن کو وہ دھاگے میں لگاتی ہیں اور زمخشری نے کہا ہے: تھوک کے ساتھ، جیسا کہ لبید مذکور کی بیٹیاں اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے یعنی اپنے حسد کو ظاہر کرے اور اس کے مقتضی پر عمل کرے جیسا کہ نبی ﷺ پر حسد کرنے والے یہود میں سے لبید مذکور ہے اور تینوں کو جن کو مَا خَلَقَ شامل ہے مَا خَلَقَ کے بعد ذکر کرنا ان کے شر کے شدید ہونے کی وجہ سے ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: الفَلَق، اسم فعل: تڑکا، اولِ صبح، فَلَق، بمعنی مَفْلُوْق.

قِوْلَهُ: وَقَبَ، ماضی، واحد مذکر غائب (ض) وَقْبًا وُقُوْبًا، چھا جانا۔

قِوْلَهُ: غاسِق اسم فاعل، رات کی تاریکی غَسَقَ (ن) غُسُوقًا رات کا تاریک ہونا۔

قِوْلَهُ: او القمر یہ غاسق کی دوسری تفسیر ہے۔

قِوْلَهُ: السَّوَاحر یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفّٰثٰت کا موصوف محذوف ہے، مفسر علام نے موصوف، السواحر محذوف نکالا ہے یعنی سحر کرنے والی عورتیں، مراد لبید بن اعصم یہودی کی لڑکیاں ہیں، اس کا موصوف نفوس بھی ہو سکتا ہے، نفّٰثٰت، نفاثَة کی جمع اور مبالغہ کا صیغہ ہے نَفَثَ (ض ن) نَفْثًا: ہے تھتکارنا، نفث اور تفل میں فرق یہ ہے کہ نفث میں تھوک کم ہوتا ہے اور تَفْل میں تھوک زیادہ ہوتا ہے۔

تفسیر و تشریح

سورۂ فلق اور سورۂ ناس کے فضائل:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ یہ (سورۂ فلق) اور اس کے بعد جو سورۂ ناس ہے، ان دونوں سورتوں کی مشترکہ فضیلت بعض احادیث میں بیان کی گئی ہے، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا آج کی رات مجھ پر کچھ ایسی آیات نازل ہوئیں ہیں جن

کی مثل میں نے کبھی نہیں دیکھی یہ فرما کر آپ ﷺ نے یہ دونوں سورتیں تلاوت فرمائیں۔

(صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا)

ابو حابس جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کیا میں تجھے سب سے بہترین تعویذ نہ بتاؤں، جس کے ذریعہ پناہ طلب کرنے والے پناہ مانگتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا، ہاں! ضرور بتائیے یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ یہ دونوں ''معوذتان'' ہیں۔

جب آپ ﷺ پر جادو کیا گیا تو جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام یہی دو سورتیں لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا ہے اور یہ جادو فلاں کنوئیں میں ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج کر منگوایا (یہ ایک کنگھی کے دندانوں اور بالوں کے ساتھ ایک تانت میں گیارہ گرہ لگا کر کیا گیا تھا اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں)۔

آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ رات کو سوتے وقت سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر ہتھیلیوں پر دم کرتے اور پھر انہیں پورے جسم پر ملتے پھر سر اور چہرے پر اور جسم کے اگلے حصہ پر پھیرتے، اس کے بعد جہاں تک آپ ﷺ کے ہاتھ پہنچتے یہ عمل آپ تین مرتبہ فرماتے۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن)

سحر، نظر بد اور تمام آفات کا علاج:

سورۂ فلق اور سورۂ ناس ایک ہی ساتھ ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں، ان دونوں سورتوں کو سحر، نظر بد اور تمام آفات روحانی وجسمانی کے دور کرنے میں عظیم تاثیر ہے۔

زمانۂ نزول:

ان دونوں سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ، عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہما کا قول ہے کہ یہ سورتیں مکی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بھی ایک روایت یہی ہے، مگر ان سے ہی ایک روایت مدنی ہونے کی بھی ہے، اور یہی قول حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ہے، جن روایتوں سے اس قول کی تقویت ہوئی ہے ان میں سے یہ روایات بھی ہیں کہ جب مدینہ میں یہود نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا تھا تو اس کے اثر سے آپ ﷺ بیمار ہو گئے تھے، اس وقت یہ سورتیں نازل ہوئی تھیں، ابن سعد نے واقدی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے، نیز ابن سعد، محی السنہ بغوی، امام نسفی، امام بیہقی، حافظ ابن حجر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم نے روایت کیا ہے کہ مدینہ میں یہود نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا جس کے اثر سے آپ ﷺ بیمار ہو گئے تھے، اس وقت یہ سورتیں نازل ہوئی تھیں، ان روایات سے اس کی تقویت ہوتی ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔

آپ ﷺ پر جادو کا اثر ہونا:

یہاں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ روایات کی رو سے آپ ﷺ پر جادو کیا گیا تھا، اور اس کے اثر سے آپ ﷺ بیمار ہو گئے تھے، اور اس اثر کو زائل کرنے کے لئے جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام نے آ کر آپ ﷺ کو یہ سورتیں پڑھنے کی ہدایت کی تھی، اس پر قدیم اور جدید زمانے کے بہت سے عقلیت پسندوں نے اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ روایات مان لی جائیں تو شریعت ساری کی ساری مشتبہ ہو جاتی ہے؛ کیونکہ اگر نبی ﷺ پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے جیسا کہ روایات کی رو سے اثر ہو بھی گیا تھا، تو نہیں کہا جا سکتا کہ مخالفین نے جادو کے زور سے نبی سے کیا کیا کہلوا لیا اور کروا لیا ہو؟ اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ کیا درحقیقت مستند تاریخی روایات کی رو سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر ہوا تھا؟ اگر ہوا تھا تو وہ اثر کس حد تک تھا؟ اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ جو کچھ تاریخ سے ثابت ہے اس پر وہ اعتراضات وارد ہوتے ہیں یا نہیں جو کئے گئے ہیں؟

جہاں تک تاریخی حیثیت کا تعلق ہے نبی ﷺ پر جادو کا اثر ہونے کا تو یہ واقعہ قطعی طور پر ثابت ہے، اسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بخاری و مسلم، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، عبد الرزاق، حمیدی، بیہقی، طبرانی، ابن سعد وغیرہم محدثین نے اتنی مختلف اور کثیر التعداد سندوں سے نقل کیا ہے، جس کا نفس مضمون تواتر کی حد کو پہنچا ہوا ہے، اس سلسلہ کی جو روایات آئی ہیں، انہیں اگر مجموعی طور پر مرتب کیا جائے تو اس سے ایک مربوط واقعہ کی شکل اس طرح بنتی ہے۔

واقعہ کی تفصیل:

صلح حدیبیہ کے بعد جب نبی کریم ﷺ واپس تشریف لائے تو محرم ۷ھ میں خیبر سے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور ایک مشہور جادوگر لبید بن الاعصم سے ملا جو انصار کے قبیلہ بنی زُرَیق سے تعلق رکھتا تھا (بعض روایتوں میں یہودی اور بعض میں منافق بھی مذکور ہے) ان لوگوں نے اس سے کہا کہ محمد ﷺ نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ تمہیں معلوم ہے، ہم نے ان پر بہت جادو کرنے کی کوشش کی؛ مگر کوئی کامیابی نہیں ملی، اب ہم تمہارے پاس آئے ہیں؛ کیونکہ تم ہم سے بڑے جادوگر ہو، لو یہ تین اشرفیاں حاضر ہیں، انہیں قبول کرو اور محمد ﷺ پر ایک زوردار جادو کر دو، اس زمانہ میں حضور ﷺ کے یہاں ایک یہودی لڑکا خدمت گار تھا، اس سے ساز باز کر کے ان لوگوں نے حضور ﷺ کی کنگھی کا ایک ٹکڑا حاصل کر لیا، جس میں آپ ﷺ کے موئے مبارک بھی تھے، ان ہی بالوں اور کنگھی کے دندانوں پر جادو کیا گیا، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی شکل کا موم کا ایک پتلا بھی بنایا اور اس میں گیارہ سوئیاں چبھو دی گئی تھیں، ایک روایت میں یہ ہے کہ تانت میں گیارہ گرہ لگا کر ان گرہوں میں سوئیاں چبھوئی گئی تھیں، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لبید نے خود جادو کیا تھا اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی لڑکیوں نے جادو کیا تھا اور بعض میں بہنوں کا ذکر ہے، ان میں کوئی تضاد نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ سب نے مل کر یہ

کام کیا ہو، ان تمام چیزوں کو ایک نر کھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر لبید نے بنی زُرَیق کے کنویں ذروان کی تہہ میں پتھر کے نیچے دبا دیا، ابتداء میں اس جادو کا اثر بہت ہلکا تھا؛ مگر بتدریج آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہونی شروع ہوگئی، آخری چالیس روز سخت خراب ہوئی ان میں بھی آخری تین روز زیادہ سخت گزرے؛ مگر اس کا زیادہ سے زیادہ جو اثر آپ ﷺ پر ہوا وہ بس یہ تھا کہ آپ گھلتے چلے جا رہے تھے کسی کام کے متعلق خیال ہوتا کہ وہ کر لیا ہے؛ حالانکہ نہیں کیا ہوتا تھا اپنی ازواج کے متعلق خیال فرماتے کہ ان کے پاس گئے ہیں؛ حالانکہ نہیں گئے ہوتے تھے وغیرہ وغیرہ، یہ تمام اثرات آپ کی ذات تک محدود رہے؛ حتی کہ دوسرے لوگوں کو یہ معلوم تک نہ ہو سکا کہ آپ پر کیا گذر رہی ہے، رہی آپ کے نبی ہونے کی حیثیت تو اس میں آپ کے فرائض کے اندر کوئی خلل واقع نہیں ہونے پایا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهَا کے یہاں تھے کہ آپ نے بار بار اللہ سے دعاء مانگی، اسی حالت میں آپ کو نیند آگئی اور پھر بیدار ہو کر آپ نے حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهَا سے فرمایا کہ میں نے جو بات اپنے رب سے پوچھی تھی وہ اس نے مجھے بتا دی، حضرت عائشہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهَا نے عرض کیا، وہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا دو آدمی (یعنی دو فرشتے آدمی کی صورت میں) میرے پاس آئے ایک سرہانے کی طرف تھا اور دوسرا پائنتی کی طرف، ایک نے دوسرے سے پوچھا انہیں کیا ہوا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو ہوا ہے، اس نے پوچھا کس نے کیا ہے؟ جواب دیا لبید بن الاعصم نے پوچھا: کس چیز میں کیا ہے؟ جواب دیا کنگھی اور بالوں میں ایک نر کھجور کے خوشے کے غلاف کے اندر، پوچھا وہ کہاں ہے؟ جواب دیا بنی زریق کے کنوئیں ذروان کی تہہ میں پتھر کے نیچے ہے۔ پوچھا اب اس کے لئے کیا کیا جائے؟ جواب دیا کنویں کا پانی نکال دیا جائے اور پتھر کے نیچے سے اس کو نکال لیا جائے، اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت زبیر کو بھیجا ان کے ساتھ جبیر ایاس اور قیس بن محصن رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهُمْ بھی شامل ہو گئے، بعد میں خود حضور ﷺ بھی چند اصحاب کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے پانی نکالا گیا، اور وہ غلاف برآمد کر لیا گیا اس کنگھی اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں، جبرئیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے آ کر بتایا کہ آپ ﷺ معوذتین پڑھیں؛ چنانچہ آپ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تھے اور اس کے ساتھ ایک ایک گرہ کھولی جاتی اور پتلے میں سے ایک سوئی نکالی جاتی غرضیکہ سورتوں کے خاتمہ تک پہنچتے پہنچتے ساری گرہیں کھل گئیں اور تمام سوئیاں نکل گئیں اور آپ ﷺ جادو کے اثر سے نکل کر ایسے ہو گئے جیسے کوئی شخص بندھا ہوا تھا پھر کھل گیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے لبید کو بلا کر باز پرس کی، اس نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا مگر آپ ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا؛ کیونکہ اپنی ذات کے لئے آپ ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

یہ ہے سارا قصہ جادو کا اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جو آپ ﷺ کے منصب نبوت میں قادح ہو، ذاتی طور پر اگر آپ ﷺ کو زخمی کیا جا سکتا تھا جیسا کہ جنگ احد میں ہوا، اگر آپ ﷺ گھوڑے سے گر کر چوٹ کھا سکتے تھے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے، اگر آپ ﷺ کو بچھو کاٹ سکتا ہے جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے، اور ان میں سے کوئی چیز بھی اس تحفظ کے منافی

نہیں ہے جس کا نبی ہونیکی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا تھا، تو آپ ﷺ اپنی ذاتی حیثیت میں جادو کے اثر سے بیمار بھی ہو سکتے تھے، نبی ﷺ پر جادو کا اثر ہوسکتا ہے، یہ بات تو قرآن کریم سے بھی ثابت ہے، سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ جو لاٹھیاں اور رسیاں انہوں نے پھینکی تھیں، ان کے متعلق عام لوگوں ہی نے نہیں؛ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی یہی سمجھا کہ وہ ان کی طرف سانپوں کی شکل میں دوڑی چلی آرہی ہیں اور اس سے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام خوف زدہ بھی ہو گئے تھے۔

معوذتین کی قرآنیت:

معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے اور عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بتواتر ثابت ہے، اس میں قطعی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، مگر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عظیم المرتبہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد روایتوں میں یہ بات منقول ہوئی ہے کہ وہ ان دونوں سورتوں کو قرآن کی سورتیں نہیں مانتے تھے اور اپنے مصحف سے ان کو ساقط کر دیا تھا، امام احمد، بزار، طبرانی، ابن مردویہ، ابویعلی، عبد اللہ بن احمد بن حنبل، حمیدی، ابونعیم، ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ محدثین نے مختلف سندوں سے جن میں اکثر و بیشتر صحیح ہیں، یہ بات حضرت عبد اللہ بن مسعود سے نقل کی ہے۔

قرآن میں مخالفین کا طعن:

ان روایات کی بنا پر مخالفین اسلام کو قرآن کے بارے میں شبہات ابھارنے اور طعن کرنے کا موقع مل گیا کہ معاذ اللہ یہ کتاب تحریف سے محفوظ نہیں ہے؛ بلکہ اس میں جب یہ دو سورتیں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے مطابق الحاقی ہیں تو نہ معلوم اور کیا کیا حذف و اضافے اس میں ہوئے ہوں گے؟

طعن کے جوابات:

قاضی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باقلانی اور قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے ان کے طعن کا یہ جواب دیا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین کی قرآنیت کے منکر نہ تھے؛ بلکہ صرف ان کو مصحف میں درج کرنے سے انکار کرتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک مصحف میں صرف وہی چیز درج کی جانی چاہئے تھی جس کے ثبت کرنے کی رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہو اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ان کے درج کرنے کی اجازت کی اطلاع نہیں پہنچی تھی۔

(فتح الباری صفحہ: ۵۷۱، ج: ۸)

یہ واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا، وہ مانتے تھے کہ بلا ریب یہ اللہ کا کلام ہے اور بلا شبہ آسمان سے نازل ہوا ہے، مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ اور علاج تھا، معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے نازل کی گئی ہے یا نہیں؟ اس لئے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کو مصحف میں درج کرنا اور اس کو قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب

ہے، خلافِ احتیاط ہے، روح البیان میں ہے "اِنَّـهٗ كَـانَ لَا يَـعُـدُّ الـمُـعَـوَّ ذَتَيْـنِ مِـنَ الْقُرْآنِ وَكَانَ لَا يَكْتُبُهُمَا فِى مُصْحَفِهٖ. يَقُوْلُ اِنَّهُمَا مُنَزَّلَتَانِ مِنَ السَّمَاءِ وهما مِنْ كَلامِ رَبِّ الْعالمين ولكن النبى صلى الله عليه وسلم كَانَ يَرْقِى وَ يَعُوْذُبِهِمَا، فَاشْتَبَهَ عَلَيْهِ اَنَّهُمَا مِنَ الْقُرْآنِ فَلَمْ يكتبهما فى مصحفهٖ.

(روح البيان، صفحه ۷۲۳، ج: ٤، فوائدعثمانى)

بہر حال ان کی یہ رائے بھی شخصی اور انفرادی تھی، اور جیسا کہ بزار نے نقل کیا ہے کہ کسی ایک صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بھی ان سے اتفاق نہیں کیا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں "واجيب باحتمال انَّهٗ كانَ متواترًا فى عصر ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ لكن لَمْ يَتَواتر عند ابن مسعود فانحلت العقدة بعون اللّٰه تعالىٰ" اور صاحب معانی فرماتے ہیں "وَلَعَلَّ ابنُ مسعودٍ رَجَعَ عَن ذلك". (فوائد عثمانی ملخصًا)

﴿تمت﴾

سُوْرَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ او مَدَنِيَّةٌ سِتُّ اٰيَاتٍ.

سورۃ الناس مکی یا مدنی ہے، چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① خَالِقِهِمْ و مَالِكِهِم خُصُّوا بالذِّكْرِ تَشْرِيفًا لَهُمْ و مُنَاسَبَةً لِلِاسْتِعَاذَةِ مِنْ شَرِّ المُوَسْوِسِ فِي صُدُورِهِم مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③ بَدَلَانِ او صِفَتَانِ او عَطْفَا بَيَانٍ و اَظْهَرَ المُضَافَ اِلَيه فيهما زِيَادَةً لِلْبَيَانِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الشَّيْطَانِ سُمِّيَ بِالحَدَثِ لِكَثْرَةِ مُلَابَسَتِهِ لَه الْخَنَّاسِ ④ لِاَنَّهُ يَخْنُسُ وَيَتَأَخَّرُ عَنِ القَلْبِ كُلَّمَا ذَكَرَ اللّٰهَ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ⑤ قُلُوبِهِم اِذَا غَفَلُوا عَن ذِكْرِ اللّٰهِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥ بَيَانٌ لِلشَّيْطَانِ المُوَسْوِسِ اَنَّهُ جِنِّيٌّ وَاِنْسِيٌّ كَقَوْلِهِ تَعَالٰى شَيَاطِيْنَ الاِنْسِ وَالجِنِّ او مِنَ الجِنَّةِ بَيَانٌ لَه وَالنَّاسِ عَطْفٌ عَلَى الوَسْوَاسِ وعلٰى كُلٍّ يَشْمُلُ شَرَّ لَبِيْدٍ و بَنَاتِهِ المَذْكُورِيْنَ واعْتُرِضَ الاَوَّلُ بِاَنَّ النَّاسَ لَايُوَسْوِسُ فِي صُدُورِهِم النَّاسُ اِنَّمَا يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِهِم الجِنُّ وَاُجِيبَ بِاَنَّ النَّاسَ يُوَسْوِسُوْنَ اَيْضًا بِمَعْنًى يَلِيقُ بِهِمْ فِي الظَّاهِرِ ثُمَّ تَصِلُ وَسْوَسَتُهُمْ اِلَى القَلْبِ و تَثْبُتُ فِيهِ بِالطَّرِيْقِ المُؤَدِّيْ اِلٰى ذٰلِكَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

ع ۲۹

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، آپ کہیے کہ میں لوگوں کے رب، ان کے مالک کی پناہ میں آتا ہوں (یعنی) ان کے خالق کی اور ان کے مالک کی (پناہ میں آتا ہوں) انسانوں کا ذکر خاص طور پر ان کی شرافت اور ان کے سینوں میں وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے پناہ چاہنے کی مناسبت کی وجہ سے کیا گیا ہے، لوگوں کے بادشاہ کی، لوگوں کے معبود کی، دونوں بدل ہیں یا صفت ہیں یا عطفِ بیان ہیں، اور دونوں جگہ مضاف الیہ کو زیادتی بیان کے لئے ظاہر کیا ہے، وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے شیطان کے شر سے (پناہ چاہتا ہوں) شیطان کا نام وسواس (یعنی معنی مصدری) رکھا گیا ہے، اس کے کثرت سے وسوسہ ڈالنے کی وجہ سے، اس لئے کہ وہ چھپ جاتا ہے اور قلب سے پیچھے ہٹ جاتا ہے جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں جب اللہ کے ذکر سے غافل ہوتے ہیں وسوسہ ڈالتا ہے (خواہ وہ)

ازقبیل جن ہو یا ازقبیل انسان، یہ وسوسہ ڈالنے والے شیطان کا بیان ہے کہ وہ جنی ہے اور انسی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول شیاطین الإنسِ والجنِّ، یا مِن الجنة (شیطان) کا بیان ہے اور الناس کا الوسواس پر عطف ہے، اور ہر صورت میں، سورت ماقبل میں مذکور لبید اور اس کی لڑکیوں کے شر کو مشتمل ہے، پہلی صورت میں اعتراض کیا جاتا ہے کہ انسان، انسانوں کے قلوب میں وسوسہ نہیں ڈالتے، انسانوں کے دلوں میں تو جنات وسوسہ ڈالتے ہیں؟ (تو اس اعتراض کا) جواب دیا گیا ہے کہ انسان بھی ایسے طریقوں سے وسوسہ ڈالتے ہیں جو بظاہر ان کے مناسب ہو، (مثلاً نمیمہ وغیرہ کے ذریعہ) پھر ان کا وسوسہ قلب تک ایسے طریقہ سے پہنچ جاتا ہے جو ثبوت تک مفضی ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

سورۂ فلق اور سورۂ الناس کی آیتوں کی مجموعی تعداد گیارہ ہے، یہ گرہوں اور سوئیوں کی تعداد کے مساوی ہے، جو آپ ﷺ پر سحر میں استعمال کی گئی تھیں۔

قِوْلُہٗ: قل اعوذ میں خطاب اگرچہ آپ ﷺ کو ہے؛ مگر امت کا ہر فرد اس کا مخاطب ہے۔

قِوْلُہٗ: الناس اس کی اصل اِناس ہے، اس سے ہمزہ حذف کر دیا گیا ہے۔

قِوْلُہٗ: ومناسبة للاستعاذة من شر الموسوس، كَانَّهُ قِيْلَ، اَعُوْذُ مِنْ شَرِّ الْمُوَسْوِسِ اِلَى النَّاسِ بربهم الَّذِى يَمْلِكُ اَمْرَهُمْ.

قِوْلُہٗ: ملك الناس یہاں تمام قراء کا حذفِ الف پر اتفاق ہے، بخلاف سورۂ فاتحہ کے کہ وہاں اختلاف ہے بعض الف کو حذف کرتے ہیں اور بعض باقی رکھتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: زيادة للبيان مزید وضاحت کے لئے ہے، اس لئے کہ ربّ کا اطلاق بعض اوقات غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰه" اس لئے رب کی تین صفات لائی گئی ہیں؛ تاکہ غیر اللہ سے ممتاز ہو جائے، مذکورہ صفات میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے، اس لئے کہ مربی کے لئے ملک ہونا ضروری نہیں؛ مگر جو ملك ہوتا ہے وہ مربی بھی ہوتا ہے، اور الٰه سب سے اعلیٰ ہے، اس لئے کہ ربّ اور مَلِك کے لئے اِلٰه ہونا ضروری نہیں؛ مگر الٰه کے لئے رب اور ملك ہونا ضروری ہے۔

قِوْلُہٗ: من شر الوسواس یہ اعوذ سے متعلق ہے۔

قِوْلُہٗ: سمى بالحدث یعنی موسوس کو وسواس کہا گیا ہے یہ زید عدل کے قبیل سے ہے، گویا کہ زید سراپا عدل ہے، اسی طرح شیطان اس قدر وسوسہ ڈالتا ہے گویا کہ وہ خود وسوسہ ہو گیا ہے۔

قِوْلُہٗ: الخناس یہ مبالغہ کا صیغہ ہے بہت زیادہ پیچھے پلٹنے والا، اور خَنَّاس شیطان کو بھی کہتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: وَيَتَاَخر یہ الخناس کی تفسیر ہے۔

قولہ: بیان للشیطان الموسوس یعنی مِن الجنَّة والنَّاس، یُوَسْوِسُ کی ضمیر فاعل کا بیان ہے، مطلب یہ ہے کہ وسوسہ ڈالنے والا جن بھی ہوسکتا ہے اور انس بھی، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مِنَ الجنة والناس، اس النَّاس کا بیان ہے جو فی صدور الناس میں ہے، مطلب یہ ہوگا کا ابلیس جس طرح انسانوں کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، اسی طرح جنوں کے دلوں میں بھی وسوسہ ڈالتا ہے، اس صورت میں موسوس خاص اور مُوَسْوَس لَهٗ عام ہوگا، کَاَنَّهٗ قَالَ، اَعُوْذُ مِنْ شَرِّ الشیطان الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِی صدور الجن والناس یہ معنی اس کے برعکس ہیں، جو شارح نے بیان کئے ہیں۔

قولہ: لا یُوَسْوِسُ فِی صدورهم الناس یعنی انسان انسان کے قلوب میں وسوسہ نہیں ڈالتے، مفسر علام اس کے بجائے اگر "لا یوسْوِسُونَ فی صدور الناس" کہتے تو زیادہ آسان ہوتا۔

قولہ: الموصل اِلیٰ ذٰلك، ای الی ثبوتها فی القب یعنی شیطان اس طرح وسوسہ ڈالتا ہے کہ وہ قلب میں جاگزیں ہوجاتا ہے۔

تفسیر وتشریح

اس سورت کی فضیلت سابقہ سورت کے ساتھ بیان ہوچکی ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کو نماز میں ایک بچھو نے کاٹ لیا، نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگوا کر اس کے اوپر ملا اور ساتھ ساتھ (قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْن، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اعوذ بربِّ الناس) پڑھتے رہے۔ (مجمع الزوائد)

قُلْ اَعُوْذُ بِربِّ الناسِ، ربّ "پروردگار" کا مطلب ہے جو ابتداء سے ہی، جبکہ انسان رحم مادر ہی میں ہوتا ہے اس کی تدبیر و اصلاح کرتا ہے، اور یہ اصلاح و تدبیر کا سلسلہ زندگی بھر جاری رہتا ہے، پھر یہ اصلاح و تدبیر چند مخصوص افراد کے لئے نہیں؛ بلکہ تمام انسانوں؛ بلکہ اپنی تمام مخلوق کے لئے کرتا ہے؛ یہاں صرف انسانوں کا ذکر اس شرف و فضل کے اظہار کے لئے ہے جو تمام مخلوق پر اس کو حاصل ہے۔

مَلِكِ النَّاس، جو ذات تمام انسانوں؛ بلکہ تمام مخلوقات کی پرورش اور نگہداشت کرنے والی ہے، وہی اس لائق ہے کہ کائنات کی حکمرانی اور بادشاہی بھی اسی کے پاس ہو۔

اِلٰهِ النَّاس، اور جو تمام کائنات کا پروردگار ہو، پوری کائنات پر اسی کی بادشاہی ہو، وہی ذات اس کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہی تمام لوگوں کا معبود ہو، چنانچہ میں اسی عظیم برتر ہستی کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔

مِن شر الوسواس، الوسواس بعض کے نزدیک اسم فاعل الموسوِس کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ ذی الوسواس ہے، وَسْوَسہ مخفی آواز کو کہتے ہیں، شیطان بھی نہایت غیر محسوس طریقہ سے انسان کے دل میں بری باتیں ڈال دیتا ہے، اسی کو وسوسہ کہا جاتا ہے، الخناس کھسک جانے والا یہ شیطان کی صفت ہے جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ کھسک جاتا ہے اور ذکر

سے غفلت کی حالت میں واپس آکر دل پر چھا جاتا ہے۔

مِنَ الجنة و الناس، یہ وسوسہ ڈالنے والوں کی دو قسموں کا بیان ہے شیاطین الجن اور شیاطین الانس.

شیاطین الجن، کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی قدرت دی ہے، اس کے علاوہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کو گمراہ کرتا رہتا ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہ آپ ﷺ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں! میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ نے میری مدد فرمائی ہے، وہ میرا مطیع ہو گیا ہے، وہ مجھے خیر کے علاوہ کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم)

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ اعتکاف میں تھے کہ آپ ﷺ کی زوجۂ مطہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ سے ملنے کے لئے آئیں، رات کا وقت تھا، آپ ﷺ انہیں چھوڑنے کے لئے ان کے ساتھ گئے، راستہ میں دو انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہاں سے گذرے، تو آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا یہ میری اہلیہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی بابت ہمیں کیا بدگمانی ہو سکتی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے، لیکن شیطان انسان کی دلوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کچھ شبہ نہ ڈال دے۔ (صحیح بخاری)

دوسرے شیطان انسی ہوتے ہیں، جو ناصح اور مشفق کے روپ میں انسانوں کو گمراہی کی ترغیب دیتے ہیں، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شیطان، جنات کو بھی گمراہ کرتا ہے صرف انسان کا ذکر تغلیباً ہے۔

اے بسا ابلیس، آدم روئے ہست پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

دُعاءِ ختمِ القرآن

اَللّٰهُمَّ آنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًی وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَکِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَاۗءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاۗءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اٰمِیْنَ

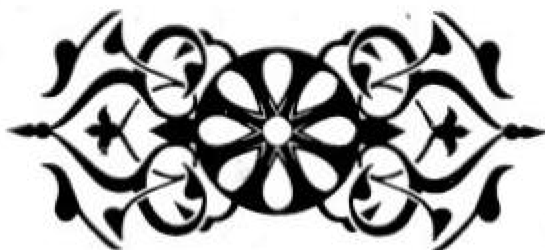

دُعاء

الحمد اللہ، کہ تفسیر جلالین کے نصف ثانی کی تشریح وتوضیح آج بتاریخ ۱۹ صفر المظفر بروز چہار شنبہ بعد نماز عشاء ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۲/اپریل ۲۰۰۳ء اختتام پذیر ہوئی۔

خدا کی دی ہوئی مہلت کو غفلتوں اور گناہوں میں ضائع کرنے پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے، مگر قدم قدم پر انعامات اور رحمتوں کی بارش اور اپنی کتاب کی خدمت کی توفیق کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہی ہے، آخر میں دست بدعاء ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر سی کاوش کو قبولیت سے نواز کر قبول عام عطا فرمائے، اور اسے اس سیاہ کار کی بخشش اور والدین کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے اور نصف اول کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بندۂ ناچیز

محمد جمال سیفی بن حکیم شیخ سعدی سیفی

استاذ دار العلوم دیو بند، سہارنپور

یوپی، انڈیا